فَلَولَا نَفَرَ مِنۡ كُلِّ فِرۡقَةٍ مِنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيۡنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ٦)

المجلد السادس

بقية الصلوٰة، السترة الجماعة

المساجد، الامامه

۱۹۳۶ ——— ۳۴۵۷

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

۹/ بقية كتاب الصلوٰة

٦/ باب السترة

❒ ۷/ باب صلوٰۃ المساجد

۸/ باب الجماعة

۹ / باب الإمامة

(۱) فصل: فی أوصاف الإمام

۲/فصل: في النيابة عن الإمام

۳/ فصل : في إمامة الصبي

۴/فصل : فی إمامة تارک الصلاة

۵/ فصل: في إمامة الفاسق

❑ ٦/الفصل: فی اقتداء الحنفی بغیره

۷/ فصل: غلط خواں کی امامت

۸/ فصل: في إمامة المعذور

۹ / فصل: في عزل الإمام وتحقيره

۹/ بقیۃ کتاب الصلوٰۃ

(٦) باب السترہ

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

سترہ کی شرعی حیثیت اور شرائط

سوال [۱۹۳٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سترہ کی شرعی حیثیت اوراس کے شرائط کو مفصل بیان فرمادیں؟

المستفتي: ڈاکٹرسلیم شاہی، علیگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سترہ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عام گذرگاہ پرنماز پڑھ رہا ہے تو سترہ گاڑنا واجب ہے، اور سترہ نہ گاڑنے کی صورت میں گنہگار ہوگا، اوراگر عام گذرگاہ نہ ہوتو سترہ مستحب ہے، اوراس کے شرائط یہ ہیں کہ اس کی لمبائی ایک ذراع اور موٹائی انگلی کے برابر ہو اور نمازی سترہ سے قریب ہو اور سترہ بالکل سامنے نہ ہو بلکہ دائیں آنکھ یا بائیں آنکھ کے سامنے رکھے اور امام کا سترہ مقتدیوں کیلئے بھی کافی ہے۔

عن موسى بن طلحة، عن أبيه، قال: قال رسول الله ﷺ: إذا وضع أحدكم بين يديه مثل مؤخرة الرحل فليصل، ولا يبال من مروراء ذلك.

(صحيح مسلم ، الصلاة ، باب سترة المصلى النسخة الهنديه ١/١٩٥، بيت الأفكار رقم: ٤٩٩)

عـن سهـل بـن أبـي حصمة ، يبلغ به النبى صلى الله عليه وسلم ، قـال: إذا صـلـى أحدكم إلى سترة فليدن منها ، لا يقطع الشيطان عليه صلاته . (سنن أبي داؤد ، الصلاة ، باب الدنومن السترة ، النسخة الهنديه ١/١٠١، دارالسلام رقم: ٦٩٥)

عـن ضبـاعة بـنـت الـمقداد بن الأسود، عن أبيها، قال: مارأيت رسـول الله صـلـى الله عـليــه وسـلـم ، يصلى إلى عود ، ولاعمود ، ولا شـجـرة إلا جعـلــه عـلـى حــاجبــه الأيمن، أو الأيسر، ولا يصمد لـه صمداً. (سـنـن أبـي داؤد ، الصلاة ، باب إذا صلى إلى سارية أو نحوها أين يجعلها منه النسخة الهنديه ١/١٠٠، دارالسلام رقم: ٦٩٣، المعجم الكبير للطبرانى، دار احياء التراث العربي ٢٠/٢٥٩، رقم: ٦١٠)

عـن عـون بن أبي جحيفة ، قال: سمعت أبي ، أن النبى صلى الله عليه وسـلـم ، صـلــى بهـم بـالـبـطـحـاء وبيـن يـديــه عـنـزة ، الظهـر ركعتين، والـعصرركعتين ، تمر بين يديه المرأة والحمار. (صحيح البخاري الصلاة، باب سترة الإمـام سـترة من خلفه ، النسخة الهنديه ١/٧١، رقم: ٤٨٩، ف: ٤٩٥، صحيح مسلم الصلاة ، باب سترة المصلي النسخة الهنديه ١/١٩٦، بيت الأفكار رقم: ٥٠٣)

عـلـى أن الـحـنـفية ، والـمـالـكية الـذيـن يقولون : إن اتخاذ السترة مـنـدوب أهـل مـن الـسـنة فـإنهم يقولون : إذا صلى شخص في طريق الناس بدون سترة ، ومرأحد بين يديه يأثم لعدم احتياطه بصلا ته في طريق الناس .

(الفقه على المذاهب الأربعة دارالفكر١/٢٧٠)

أدنـاه طول ذراع كى لا يحتاج إلى الدار (بدائع) ينبغي أن يكون في غـلظ الإ صبع ويقرب من السترة ويجعل السترة على حاجبه الأيمن أوعلى

الأیسر، وسترة الإمام سترة للقوم. (هدایه باب مایفسد الصلوٰة، ومایکره فیها اشرفي دیوبند ۱/ ۱۳۸، شرح النقایه، کتاب الصلاۃ، فصل فیما یفسد الصلاۃ، وما یکره فیها، اعزازیه دیوبند ۱/ ۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۱/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۴٦۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱/ ۱۴۲۳ھ

سترہ کی مقدار

سوال [۱۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نمازی اپنے آگے سے کسی کے گذرنے کی وجہ سے لکڑی یا تپائی جو رکھتے ہیں اسکی کیا مقدار ہے، کتنی لمبی رکھنی چاہئے؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: امام صاحب
محمدی مسجد، رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لمبائی ایک ہاتھ یا اس سے زیادہ اور موٹائی ایک انگلی کی مقدار ہو۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا، أنها قالت: سئل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن سترة المصلي؟ فقال: مثل مؤخرة الرحل. (صحیح مسلم، الصلاة، باب سترة المصلي، النسخة الهندیه ۱/ ۱۹۵، بیت الأفکار رقم: ۵۰۰، سنن النسائی الصلاة، سترة المصلي، النسخة الهندیه ۱/ ۸٦، دارالسلام رقم: ۷٤٦)

ویغرز الإمام وکذا المنفرد فی الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع طولاً وغلظ إصبع لتبدو للناظر الخ. (درمختار کتاب الصلوٰة، باب ما یفسد الصلوٰة

وما يكره فيها زكريا ۲/۱/٤۰۱، كراچی ۱/٦٣٧، ١/٤٧١، كبيرى /٣٥٤، صغيرى/١٩٤،
مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ۱/۱۸۳، قديم ۱/۱۲۲، هدايه اشرفي ۱/۱۳۸،
مراقى الفلاح ، قديم ۱/۲۰۱، دارالكتاب ديوبند جديد ۱/٣٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۵۴)

نمازی کے آگے سے گذرنے کا گناہ

سوال [۱۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کا کیا گناہ ہے؟ یا پھر کتنی صفوں کے بعد نمازی کے سامنے سے گذرا جا سکتا ہے؟ مسجد چھوٹی یا بڑی کی تو کوئی مقدار نہیں ہے؟

المستفتي: قاری محمد حنیف، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نمازی کے آگے سے گذرنے کے گناہ کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جا سکتا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو نمازی کے آگے سے گذرنے کے گناہ کا علم ہو جاتا تو ایک روایت کے مطابق چالیس سال تک دوسری روایت کے مطابق چالیس ماہ تک اور تیسری روایت کے مطابق چالیس دن تک اپنی جگہ کھڑا رہتا یعنی گذرنے کی ہمت نہ کرتا، حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

عن بسر بن سعيد أن زيد بن خالد، أرسله إلي أبي جهيم ليسأله: ماذا سمع من رسول الله ﷺ فى المار بين يدى المصلي ؟ فقال: أبو جهيم : قال رسول الله ﷺ : لو يعلم المار بين يدى المصلي ما ذا

عليه؟ لكان أن يقف أربعين خيراً له من أن يمر بين يديه قال أبو النضر: (أحد رواته) لا أدري قال أربعين يوماً، أو شهراً، أو سنة .

(بخاری شریف، الصلاة، باب إثم المار بين يدی المصلي النسخة الهنديه ١/٧٣، رقم: ٥٠٤، ف: ٥١٠، صحيح مسلم الصلاة، باب منع المار بين يدی المصلي، النسخة الهندية ١/١٩٧، بيت الأفكار رقم: ٥٠٧)

اگر مسجد کا کل رقبہ چالیس ذراع سے بھی کم ہو تو اسے چھوٹی مسجد سمجھا جائے گا اور اگر چالیس یا چالیس ذراع سے زائد ہو تو اسے بڑی مسجد سمجھا جائے گا، چھوٹی مسجد میں نمازی کے آگے سے گذرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے، اور بڑی مسجد میں نمازی کے کھڑے ہونے کی جگہ سے تین صف کی مقدار کو آگے سے چھوڑ کر گذرنا جائز ہے۔

ومرور مار في الصحراء أوفي مسجد كبير بموضع سجوده في الأصح أو مروره بين يديه إلي حائط القبلة في بيت ومسجد صغير فإنه كبقعة واحدة قوله ومسجد صغير، هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل من أربعين وهو المختار. (شامی باب مايفسد الصلوٰة، مطلب إذا قرأ تعالىٰ جد بدون الف لا تفسد زكريا ٢/٣٩٨، کراچی ١/٦٣٤)

فاعلم أن الصلوٰة، إن كانت في المسجد الصغير، فالمرور أمام المصلي حيث كان يوجب الإثم لأن المسجد الصغير مكان واحد فأمام المصلي حيث كان في حكم موضع سجوده، وإن كانت في المسجد الكبير أو في الصحراء .... وعند البعض الموضع الذي يقع عليه النظر إذا كان المصلي ناظراً في موضع سجوده له حكم موضع السجود، فيأثم بالمرور في ذلك. (شرح الوقايه كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، أشرفي ١/١٦٦، شرح النقايه كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، اعزازيه

دیوبند ۱/ ۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۷۴۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۷ھ

نمازی کے آگے سے گذر کر خالی صف کو پر کرنا

سوال [۱۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اقامت ہونے کے بعد جب صف سیدھی کی جاتی ہے، اگر کوئی دوسری صف میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے آگے سے صف میں کھڑا ہونا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: شفیع احمد الاعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی شخص سنت یا نفل پڑھ رہا ہو اسی اثناء میں اقامت شروع ہو جائے اور نماز پڑھنے والے کے سامنے اگلی صف میں جگہ خالی ہو تو اس کے آگے سے ہو کر صف کی خالی جگہ پر جا کر کھڑا ہو جانا جائز اور درست ہے۔

عن ابن عباس ، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم : من نظر إلى فرجة في صف فليسدها بنفسه ، فإن لم يفعل فمر مار فليتخط على رقبته ، فإنه لا حرمة لهٔ. (المعجم الكبير ، داراحياء التراث العربي ۱۱/ ۸٥، حديث: ۱۱۱۸٤، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۹٥، رقم: ۲٥۳۰، جامع الاحاديث للسيوطى ۷/ ۳۹۷)

عن ابن عباس ، عن رسول الله ﷺ قال: من نظر إلى فرجة صف، فليسترها بنفسه، فإن لم يفعل فمر مار عليه ، فليطأ على رقبته فإن لا حرمة له. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء الثراث العربي ۱۱/ ۹۳، رقم:

١١٢١٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رصفر۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳٦/ ۷۵۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۲ھ

نمازی کے سامنے سے گذرنے اوراس کو پریشان کرنے کا حکم

سوال [۱۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مثلاً زید قضاء عمری کی نمازوں میں سے عشاء کی نماز مسجد میں پڑھ رہا تھا، وہاں آ کر کچھ لوگوں نے شور وغل کیا کسی طرح زید نے اپنی نماز مکمل کی بعدہٗ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ بھائی تم لوگ اب یہاں سے جاؤ نماز کا وقت بھی قریب ہے، اور میری نماز میں بھی شور کرنے سے خلل پڑ رہا ہے، زید بعد میں وتر کی نیت باندھ لیتا ہے، وہ لوگ زید کے کان کے قریب سیٹی اور سامنے آ کر تالیاں بجاتے ہیں، نیز زید کے آگے سے بھی گذرتے ہیں، از روئے شرع ان لوگوں کا یہ فعل اپنے اندر کتنی قباحت رکھتا ہے، اور شریعت نے ان لوگوں کیلئے کیا سزا مقرر کی ہے، مفصل ومدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: اچھن خان صاحب،
گلشہید، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بالقصد نمازی کے سامنے سے گذرنا بہت بڑا گناہ ہے، حدیث میں گذرنے والے کو شیطان کے مشابہ قرار دیا ہے۔

عن أبي سعيد الخدري، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا كان أحدكم يصلي فلا يدع أحداً يمر بين يديه، وليدرأه ما استطاع، فإن أبي فليقاتله، فإنما هو شيطان. (مسلم شريف، الصلاة، باب منع المار بين يدى

المصلي ، النسخة الهنديه ١٩٦/١ ، بيت الأفكار رقم: ٥٠٥، ٥٠٦، مسند الدارمي، دارالمغني ٨٨٥/٢، رقم: ١٤٥١)

اور نمازی کے کان کے قریب جا کر سیٹی بجانا تالیاں بجانا نماز کی توہین ہے، اور نماز کی اہانت کو فقہاء نے موجب کفر لکھا ہے، اسلئے ایسے لوگوں پر توبہ کرنا اور اپنی حرکت سے باز آجانا لازم ہے۔

إن تهاون الصلوٰة والترک مستخفا کفر الخ. (فتاویٰ بزازیه ، کتاب الـفـاظ تكون إسلاما أو كفراً ، النوع التاسع فيما ، يقال فى القرآن، زكريا جديد ١٩٠/٣، وعلى هامش الهنديه ٣٤١/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۹۹/۲۸)	۱۴۱۳/۳/۲۰ھ

نمازی کے آگے سے گذرنے کی حد

سوال [۱۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مصلی کے سامنے سے کتنی دور سے گزرنا درست ہے، بڑی مسجد کا کیا معیار ہے۔

المستفتي: محمد یاسین، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سجدہ کی جگہ پر نظر جمانے سے آگے جہاں تک بالطبع نظر پہونچتی ہو، وہاں تک گزرنا جائز نہیں ہے، اس سے ہٹ کر جائز ہے، اس کی حد اندازے سے دو صف آگے تک ثابت ہوتی ہے۔

أنه قدر ما يقع بصره على المار لو صلى بخشوع أي راميا ببصره إلىٰ موضع سجوده الخ. (شامی باب ما يفسد الصلوٰة ، مطلب إذا قرأ تعالىٰ جدك

بدون الف لا تفسد زکریا ۲/۳۹۸، مصری ۱/۵۵۳، کراچی ۱/٦٣٤)

چالیس گز یا اس سے زیادہ جس مسجد کا رقبہ ہو وہ بڑی مسجد کہلاتی ہے یہی مختار اور پسندیدہ قول ہے۔

ومسجد صغير هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل أربعين وهو المختار الخ. (شامی، زکریا ۲/۳۹۸، کراچی ۱/٦٣٤)

قوله : في المسجد الكبير هو أن يكون أربعين فأكثر ، وقيل: ستين فأكثر ، والصغير بعكسه أفاده القهستاني ، وأفاد أن المختار الأول . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الصلاة ، فصل فيما لا يفسد الصلاة ، دار الکتاب دیوبند ۱/۳٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۲/۲۵)

مسجد کبیر میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی حد

سوال [۱۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بڑی مسجد میں نمازی کے آگے سے گذرنے کی شرعی حد کیا ہے؟ احسن الفتاویٰ ۳/ ۴۱۱ میں ہے، کہ نمازی کے مقام سے دوصفوں کی جگہ چھوڑ کر گذرنا جائز ہے اس حد کے اندر گذرنا جائز نہیں ہے، دوسرے سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں نمازی کے موضع قیام سے دوصف کی مقدار تقریباً آٹھ فٹ: ۴۴ء۲ میٹر چھوڑ کر گذرنا جائز ہے۔ (۳/ ۴۰۱) جبکہ منتخبات نظام الفتاویٰ میں ۳؍صف تقریباً ۱۲؍فٹ کے بعد آگے سے گذر جانے کی اجازت ہے اور فتاویٰ عثمانی میں سجدہ کی جگہ سے دوگز کے فاصلہ کے بعد گزرنا جائز ہے (۱/ ٤٦٦) اور ایضاح المسائل/ ۵۸، پر نمازی کے آگے سے تین صف چھوڑ کر گذرنا جائز ہے، صحیح کیا ہے؟ فقہاء کرام ومفتیان

عظام کی توضیحات کی روشنی میں واضح فرمائیں؟

المستفتي: انور حسین، چیتاکیمپ، ممبئی ۸۸

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اصل مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کے اپنے سجدہ کی جگہ پر نگاہ جمائے رکھنے کی حالت میں سامنے سے گذرنے والا اگر اتنی دور سے گذرے کہ نگاہ جمائے رکھنے کی حالت میں گذرنے والا نمایاں طور پر مکمل نظر نہ آئے تو اتنی دور سے گذرنا جائز ہے، اور غیر نمایاں طور پر نظر آنے کا اعتبار نہیں پھر اس کی تجدید کے سلسلہ میں حضرات علماء نے مختلف انداز سے تجزیہ کیا ہے جن میں ہر ایک کا قول دوسرے سے اقرب ہے (احسن الفتاویٰ زکریا ۴۱۱/۳) میں نمازی کے مقام سے دوصف کی جگہ چھوڑ کر گذرنا جائز لکھا ہے، اسی طرح موضع قیام سے دوصف کی مقدار تقریباً آٹھ فٹ چھوڑ کر گذرنا جائز لکھا ہے، دونوں قول تقریباً ملتے جلتے ہیں یعنی جس صف پر کھڑا ہے اس صف کو چھوڑ کر آگے دوصف کی جگہ چھوڑ کر گذرنا جائز ہے، اسی طرح نظام الفتاویٰ میں تقریباً تین صف چھوڑ کر گذرنے کی جو اجازت لکھی گئی ہے، اس میں وہ صف بھی شامل ہے جس میں نمازی کھڑا ہے اسی طرح فتاویٰ عثمانی میں سجدہ کی جگہ سے دوگز کے فاصلے سے گذرنے کی بات کہی گئی ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے، کہ جس صف پر کھڑا ہے اس صف کے بعد دوگز کے فاصلہ سے گذرنا جائز ہے اور ایضاح المسائل میں تین صف چھوڑ کر گذرنا جو جائز کہا گیا ہے، اس میں نمازی جس صف میں کھڑا ہے وہ صف بھی شامل ہے؛ لہٰذا سارے اقوال تقریباً ایک ہی مفہوم کے ہیں کہ نمازی جس صف میں کھڑا ہے اس صف کے بعد دوصف مزید چھوڑ کر چوتھی صف سے گذرنے کی گنجائش ہے یہی شامی وغیرہ کی عبارت کا حاصل ہے۔

ورجحه في النهاية والفتح أنه قدر ما يقع بصره على المار لو صلى بخشوع أي راميا ببصره إلى موضع سجوده. (شامی باب ما یفسد الصلوٰۃ،

مطلب إذا قرأ تعالیٰ جد بدون الف لا تفسد کراچی ۱/ ٦٣٤، زکریا ۲/ ۳۹۸)

ومنهم من قدره بقدر صفين أو ثلاثة والأصح إن كان بحال لو صلى صلاة خاشع لا يقع بصره على المار فلايكره وكذا اختيار فخر الإسلام .... في غيره سواء كان مسجدا كبيراً أو صحراء ففيما أي فيأثم بأن يمر فيما ينتهى إليه بصره، أي بصر المصلي حال كونه ناظرا في مسجد أي موضع سجوده وبه قال فخر الإسلام تبعاً لبعض المشائخ .

(شرح النقايه، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، وما يكره فيها اعزازيه ۱/ ۹٦، شرح الوقايه، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، اشرفي ۱/ ۱٦٦، تاتار خانية، كتاب الصلوٰة مسائل السترة، زكريا ۲/ ۲۸۵، رقم: ۲٤۳۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱۶ھ

نمازی کے سامنے سے گذرنا

سوال [۱۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کتنے فاصلہ کے بعد کوئی جانے والا نمازی کے آگے سے گذر سکتا ہے؟

المستفتي: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد چھوٹی ہے تو نمازی کے آگے سے بغیر سترہ کے گذرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مسجد بڑی ہے یا کھلی جگہ میں نماز پڑھ رہا ہے تو اتنے آگے سے گذرنا جائز ہے کہ اگر نماز پڑھنے والا سجدہ کی جگہ نظر رکھے تو اسے گذرنے والا نظر نہ آتا ہو،

یعنی تقریباً نمازی کے آگے سے تین صف چھوڑ کر گذرنا جائز ہے۔

ومقابله ما صححه التمرتاشي وصاحب البدائع واختاره فخر الإسلام ورجحه في النهاية والفتح أنه قدر مايقع بصره على المار لو صلّٰى بخشوع ، أي رامياً ببصره إلىٰ موضع سجوده. (شامی باب ما يفسد الصلوٰة ، مطلب إذا قرأ تعالى جد بدون الف لا تفسد زكريا ٢ /٣٩٨، كراچی ١ /٦٣٤)

والأصح : أنه إن كان بحال لو صلى صلاة خاشع لا يقع بصره على المار ، فلا يكره ، وكذا اختيار فخر الإسلام. (الفتاویٰ التاتار خانيه كتاب الصلاة ، الفصل : ٩، مسائل السترة زكريا ٢ /٢٨٥، رقم: ٢٤٣٢، شرح النقايه ، كتاب الصلاة ، فصل فيما يفسد الصلاة ، ومايكره فيها اعزازيه ديوبند ١ /٩٦، شرح الوقايه ، كتاب الصلاة ، باب مايفسد الصلاة ، وما يكره فيها اشرفي ١ /١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵ / جمادی الآخرۃ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹ / ۱۰۷۰۶)	۱۴۳۳/۶/۵ھ

نمازی کے آگے کتنے فاصلہ سے گذرنے کی گنجائش ہے؟

سوال [۱۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مصلی کے سامنے سے انسان کتنی دوری سے گذر سکتا ہے؟ جواب ایسا تحریر کریں کہ اسکا کوئی گوشہ نہ چھوڑیں نہ جمعاً نہ منعاً۔

المستفتي: محمد زکریا گورکھپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :اگر اتنی چھوٹی مسجد یا صحن یا ہال ہے جس میں نمازی کے سامنے ایک دو صف کے بعد دیوار وغیرہ ہوتو نمازی کے سامنے سے گذرنا مطلقاً ناجائز ہے، اور اگر کھلی فضاء یا بڑی مسجد یا بڑے ہال یا بڑے صحن میں نماز پڑھ رہا

ہےتو سجدہ کی جگہ پر نگاہ جمانے سے آگے جہاں تک بالطبع نظر پہونچتی ہو وہاں تک گذرنا جائز نہیں ہے، اس سے ہٹکر گذرنا جائز ہوگا، جس کی مقدار تجربہ سے دو یا زیادہ سے زیادہ تین صف موضع قیام سے آگے تک ہوتی ہے، لہٰذا تین صف چھوڑ کر آگے سے گذرنا جائز ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۴۰۹)

ومرور مار في الصحراء أو في مسجد كبير بموضع سجوده في الأصح، أو مروره بين يديه إلىٰ حائط القبلة في بيت ومسجد صغير فإنه كبقعة واحدة مطلقاً وفي الشامية : وهو ما أختاره شمس الأئمة وقاضيخان وصاحب الهداية واستحسنه في المحيط وصححه الزيلعي ومقابله صححه التمر تاشي وصاحب البدائع وأختاره فخر الإسلام ورجحه في النهاية والفتح أنه قدر ما يقع بصره على المار لو صلى بخشوع أي رامياً ببصره إلىٰ موضع سجوده الخ. (الدر المختار مع الشامي ، باب ما يفسد الصلوٰة ، وما يكره فيها مطلب: إذا قرأ تعالىٰ جد بدون الف لا تفسد زكريا ٢/ ٣٩٨، كراچی ١/ ٦٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۳/۲۴)

نمازی کے سامنے والے چبوترہ کے اوپر سے گذرنے کا حکم

سوال [۱۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں ایک چبوترہ بنا ہوا ہے، جس میں پانچ صفیں آجاتی ہیں، اس کے پیچھے کے لوگوں کیلئے وہ سترہ کا کام نہیں دے سکتا کیونکہ وہ ایک ہاتھ سے کم ہے، یعنی تین چوتھائی کے لگ بھگ ہے، چبوترے کے نیچے لوگ نماز پڑھتے ہیں، تو لوگ اس پر سے گذر جاتے ہیں یعنی نمازی کے سامنے سے ہوکر گذر جاتے ہیں، کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟ اسکے علاوہ کسی بھی جگہ چاہے وہ مسجد

چھوٹی ہو یا بڑی کتنی صفوں کے بعد آدمی نماز پڑھنے والے کے آگے سے گذر سکتا ہے؟

المستفتي: محمد عارف، کانٹھ دروازہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لوگوں کا گذرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ سترہ کیلئے ایک ہاتھ کی لمبائی ضروری ہے، نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کے بارے میں احادیث میں بہت سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اگر اتنی چھوٹی مسجد یا کمرہ میں نماز پڑھ رہا ہے کہ اسکا کل رقبہ چالیس ہاتھ: ۳۶ = ۸ مربع میٹر سے کم ہے تو نمازی کے سامنے سے گذرنا مطلقاً ناجائز ہے خواہ قریب سے گذرے یا دور سے البتہ اگر کھلی فضا میں یا ۳۶ = ۸ مربع یا اس سے بڑی مسجد یا بڑے کمرہ میں نماز پڑھ رہا ہے تو سجدہ کی جگہ پر نظر جمانے سے آگے جہاں تک بالطبع نظر پہونچتی ہو وہاں تک گذرنا جائز نہیں ہے، اس سے ہٹ کر گذرنا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۴۰۹)

عن بسر بن سعيد، أن زيد بن خالد الجهني، أرسل إلى أبي جهيم يسأله ماذا سمع من رسول الله ﷺ في المار بين يدي المصلي؟ فقال: أبو جهيم: قال رسول الله ﷺ: لو يعلم المار بين يدي المصلي ماذا عليه؟ لكان أن يقف أربعين خير له من أن يمر بين يديه، قال أبو النضر: لا أدري قال أربعين يوماً، أو أربعين شهراً، أو أربعين سنة. (سنن الترمذی، الصلاة، باب ماجاء في كراهية المرور بين يدي المصلي النسخة الهندية ۱/ ۷۹، دارالسلام رقم: ۳۳٦، مسند الدارمی، دارالمغني ۲/ ۸۸۸، رقم: ۱٤٥۷)

عن موسى بن طلحة: عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وضع أحدكم بين يديه مثل مؤخرة الرحل فليصل، ولا يبالي من مرور اء ذلك. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في سترة المصلي النسخة الهنديه ۱/ ۷۸، دارالسلام رقم: ۳۳٥، صحيح ابن خزيمه، المكتب الاسلامي ۱/ ٤۲۷،

رقم: ۸٤۲، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ۳/ ١٥٤، رقم: ۹۳۹، سنن أبي داؤد ، الصلاة ، باب مايستر المصلي النسخة الهندية ۱/ ۹۹، دار السلام رقم: ٦٨٥)

ويغرز ندبا الإمام و كذا المنفرد فى الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع طولا. (شامی كتاب الصلوٰة ، باب ما يفسد الصلوٰة ، زكريا ۲/ ٤٠١، كراچی ۱/ ٦٣٦)

اعلم أن الصلاة في مسجد صغير فالمرور أمام المصلي حيث كان يوجب الإثم لأن المسجد الصغير مكان واحد.... وأما في غيره سواء كان مسجد كبير أو صحراء ففيما أي فيأثم بأن يمر فيما ينتهى إليه بصره أي بصر المصلي حال كونه ناظراً في مسجده أي موضع سجوده وبه قال: فخر الإسلام تبعاً لبعض المشايخ. (شرح النقايه كتاب الصلوٰة ، فصل فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها اعزازيه ديوبند ۱/ ۹٦، شرح الوقايه ، كتاب الصلاة ، باب ما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها اشرفي ۱/ ١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر شعبان ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۸/۱۰ھ

نمازی کے سامنے بیٹھے شخص کا ہٹ کر جانا

سوال [۱۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی فرض نماز باجماعت ادا کر چکا اب سنن ونوافل سے فارغ ہو کر مکان واپس جانا چاہتا ہے زید کو بتقاضۂ بشریت بیت الخلاء کی یا کوئی دوسری حاجت درپیش ہے عمر ابھی وضو کر کے آیا ہے اور آ کر زید کے پیچھے نماز کی نیت باندھ لی زید عمر کے سلام پھیرنے کا منتظر بیٹھا ہے کہ عمر سلام پھیر دے تو وہ اس کے سامنے سے واپس مکان چلا جائے، مگر عمر نے سلام پھیر کر جلدی سے دوبارہ نیت باندھ لی اور زید کو اپنے سامنے سے ہٹ کر جانے نہیں دیا نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کے حق میں جو وعید ہے، وہ مسلم ہے مگر نماز سے فارغ شدہ شخص کو عمداً مقید کرنا کیسا ہے

؟اس پرکوئی قباحت عائدہوتی ہے یانہیں؟

المستفتي: مختار احمد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید عمر کے بالکل سامنے ہےتو زید وہاں سے ہٹ کر جا سکتا ہے، وہ نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کے حکم میں نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پرگذرنے والے کی وعید منطبق ہوگی۔(مستفاد احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۴۰۸، ایضاح المسائل/ ۵۸)

ولو كان المار اثنين يقوم أحدهما أمامه فيمر الآخر ، ويفعل الآخر هكذا. (الفتاویٰ التاتارخانیه ، کتاب الصلوٰۃ ، الفصل التاسع ، مسائل السترة ۲/ ۲۸٦، رقم: ۲٤۳۸، هنديه كتاب الصلوٰة ، الباب السابع في ما يفسد الصلوٰ ة ، الفصل الأول زكريا قديم ۱/ ۱۰٤، جديد ۱/ ۱٦۳، شامي باب الصلوٰة ، مطلب إذا قرأ تعالىٰ جد بدون الف ، کراچی ۱/ ٦۳٦، زكريا ۲/ ٤۰۱)

البتہ عمر کا جان بوجھ کر جاتے ہوئے شخص کے پیچھے آ کر نیت باندھ لینا گناہ کا باعث ہو سکتا ہے۔

الثانية مقابلتها وهي أن يكون المصلي تعرض للمرور والمار ليس له مندوحة عن المرور فيختص المصلي بالإثم دون المار الخ. (شامی باب مايفسد الصلاة ، مطلب إذا قرأ تعالىٰ جدك بدون الف زكريا ۲/ ۳۹۹، كراچی ۱/ ٦۳۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦ / جمادی الأولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۲۸)

چٹائی سترہ کے قائم مقام ہے یا نہیں ہے

سوال [۱۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صفوں کی چٹائی

سترہ کے قائم مقام ہوگی یا نہیں؟ جبکہ احادیث میں سترہ نہ ملنے کی صورت میں خط کھینچنے کی بات آتی ہے، اور یہ تو خط سے بھی زیادہ نمایاں ہے۔

المستفتي: محبوب عالم، کیرالا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صفوں کی چٹائی سترہ کے قائم مقام نہیں ہوسکتی بلکہ بقدر ذراع سترے کا ہونا ضروری ہے۔

ويغرز الإمام في الصحراء سترة بقدر ذراع (إلى قوله) ولا يكفي الوضع ولا الخط الخ. (تنوير مع الدر شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما یفسد الصلوٰۃ، وما یکره فیها زکریا ۲/۱ ۴۰، کراچی ۱/ ٦٣٧)

اورحدیث شریف میں جو خط کھینچنے کی بات آئی ہے وہ محض جمع خاطر کیلئے ہے اور وہ بھی میدانوں اور جنگلوں میں، آبادی میں نہیں جہاں لوگوں کا گذر رہوتا رہتا ہے۔

إذ المقصود جمع الخاطر بربط الخيال به كي لا ينتشر كذا في البحر وشرح المنية الخ .(شامی کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ، وما یکره فیها زکریا۲/ ۴۰۲، کراچی ۱/ ٦٣٧)

اوراگرکوئی میدان یا بڑی مسجد میں بغیر سترہ کے نماز پڑھ رہا ہے، اور کسی کو گذرنے کی ضرورت پیش آئے تو جب مصلی سجدہ کی جگہ پر نظر کرے تو جہاں تک اس کی نگاہ جائے اس سے ماوراء سے گذرنے کی اجازت ہے، فقہاء نے اس کا تخمینہ سامنے کی دو تین صفوں سے لگایا ہے، اسلئے چوتھی صف سے گذرنا جائز ہوگا۔

وفي النهاية الأصح أنه إن كان بحال لو صلىٰ صلوٰة الخاشعين بأن يكون بصره حال قيامه إلى موضع سجوده لا يقع بصره على المار لا يكره الخ.(حلبی کبیر کراهیة الصلوٰۃ، فروع فی الخلاصة لاهور/۳٦۷، البنایه باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکره فیها اشرفیه ۲/ ۴۲۷، حاشیه چلبی، کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ،

وما يكره فيها امداديه ملتان ١/١٦٠، زكريا ١/٤٠١)

ومنهم من قدر بقدر صفين أو ثلاثة الخ. (تاتارخانيه كتاب الصلوٰة، الفصل التاسع فى المار بين يدى المصلى الخ، مسائل السترة كراچى ١/٦٣٠، زكريا ٢/٢٨٥، رقم: ٢٤٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍جمادی الآخرۃ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۱ھ

نمازی کے سامنے سے گزرنا

سوال [۱۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسجد کے صحن میں نماز ادا کررہا ہے، اس کے سامنے سے گزرنے کیلئے کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

المستفتي: قاری محمد فیض خاں، مفتاحی، دہلوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر بہت بڑی مسجد ہے یا کھلا میدان ہے تو اتنی دوری سے گذرنا جائز ہے، جہاں تک نمازی کی نظر سجدہ کی جگہ پر جمتے وقت نمازی کو نظر نہ آئے، فقہاء نے اس کا اندازہ اور تجربہ کرکے دیکھا ہے، کہ دوصف کے بعد تیسری صف بھی پوری طرح نظر نہیں آتی ہے، اسلئے جس صف میں نمازی کھڑا ہے، اس کے علاوہ دوصف آگے سے گذرنا جائز ہوگا اور اگر بالکل چھوٹی مسجد ہے کہ آخری صف میں کھڑے ہونے سے مغربی دیوار نظر آتی ہو تو ایسی مسجد میں سامنے سے گذرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۳/۴۰۹)

أنه قدر ما يقع بصره على المار لو صلى بخشوع أى راميا ببصره إلى موضع سجوده وأرجع فى العناية الأول إلى الثانى بحمل موضع السجود

على القريب منه الخ. (شامی ، کتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها زكريا٢/٣٩٨، كراچی ١/٦٣٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ١٨٥، الفتاویٰ التاتار خانية ، كتاب الصلاة، الفصل التاسع مسائل السترة زكريا ٢/٢٨٤، ٢٨٥، رقم: ٢٤٢٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۲ھ

(۷) باب: صلوٰۃ المساجد

مسجد صغیر، مسجد کبیر

سوال [۱۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کبیر اور صغیر کی تعریف کر کے دونوں کے درمیان فرق واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کبیر وہ مسجد ہے جس کا کل رقبہ ۴۰ گز ہو یعنی ہر طرف سے ١/٤ :٦ ساڑھے چھ گز ہو اور ۱۹x۱۹ یعنی تقریباً لمبائی چوڑائی ٦٠/ فٹ ہو جس کو وہ دردہ بھی کہا جاتا ہے، اور مسجد صغیر وہ مسجد ہے جو اس سے کم ہو۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۸۴، میرٹھ ۱۲/ ۲۳۴، فتاویٰ دار العلوم ۱۳/ ۲۸۰، کتاب المسائل ۱/ ۴۳۸)

قوله : في المسجد الكبير : هو أن يكون أربعين ، فأكثر وقيل: ستين فأكثر ، والصغير بعكسه ، أفاده القهستاني وأفاد أن المختار الأول . (حاشية الطحطاوی باب ما يفسد الصلوٰة ، فصل فيما لا يفسد الصلوٰة ، دارالكتاب ديو بند /٢ ٣٤٢)

واعلم : أن الصلاة إن كانت في المسجد الصغير هو أقل من ستين ذراعاً، وقيل : أربعين (مجمع الأنهر ، باب مايفسد الصلوٰة ، وما يكره فيها دارالكتب العلمية بيروت ١ /١٨٣ مصری قديم ١ /١٢١)

مسجد صغير هو أقل من ستين ذراعاً وقيل: من أربعين وهو المختار. (شامی كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها زكريا ٢ /٣٩٨، كراچی ١ /٦٣٤)

أو مسجد صغير وهو ما كان أقل من أربعين ذراعاً على المختار . (الفقه الإسلامی وأدلته كتاب الصلوٰة ، الفصل السادس ، سنن الصلوٰة وصفتها ...موضع حرمةالمرور مطبوعه ديوبند ١ /٧٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰ / ۲۱۴۵۶)

مسجد کبیر

ســــــوال [۱۹۵۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کبیر کے بارے میں طول وعرض دونوں میں ساٹھ ذراع ہیں یا طول ساٹھ ذراع اورعرض کتنا ہی کم ہو یا اس کے برعکس ہے، مسجد کبیر کی فقہاء کے نزدیک متفق علیہ تعریف کیا ہے واضح فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید،سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کبیراس مسجد کوکہا جاتا ہے جس میں کم ازکم چار صف ہوں، جس کے آخری صف میں نماز کی نیت باندھ کرسجدہ کی جگہ نگاہ جمانے کی صورت میں پہلی صف سے گذرنیوالا نظرنہ آتا ہو،اور بعض لوگوں نے دہ دردہ مسجد کو یعنی چالیس ذراع مربع کوبھی مسجد کبیر میں شامل کیا ہے۔

ومقدار موضع يكره المرور فيه وهو موضع السجود على ما قيل: …… وقال فخر الإسلام إذا صلى رامياً ببصره إلىٰ موضع سجوده فلم يقع عليه بصره لايكره ومنهم من قدره بمقدار صفين أوثلاثة. (عناية علىٰ هامش فتح القدير، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها كوئٹه ۱/۳۵۳، زكريا۱/۴۱۵، دارلفكر ۱/۴۰۵)

وفى النهاية الأصح إن كان بحال لو صلى صلوٰة الخاشعين نحو أن يكون بصره فى قيامه في موضع سجوده……لايقع بصره علىٰ المار لا يكره. (فتح القدير، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها كوئٹه ۱/۳۵۴، زكريا۱/۴۱۶، دارالفكر ۱/۵۰۶)

مسجد صغير وهوما كان أقل من أربعين ذراعا على المختار. (الفقه الإسلامي، وأدلته، كتاب الصلاة، الفصل السادس فى سنن الصلاة و صفتها موضع حرمة

المرور مطبوعه ديوبند ١/٧٨٨)

مسجد صغير وهو أقل من ستين ذراعاً وقيل: من أربعين وهو المختار . (شامی، کتاب الصلاة ، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها،زكريا ٢/٣٨٨، كراچی ١/٦٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۲ھ

احاطہ مسجد کی حد

سوال [۱۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا اصل حصہ کہاں تک ہے اس کی حد کیا ہے؟ مثلاً محراب سے لیکر صحن تک یا کم ہے؟

المستفتي: محمد یوسف مفتاحی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کا اصل حصہ وہ ہے جس کو نماز کے لئے متعین کر دیا گیا ہو اور وہاں بلا غسل جانا منع ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۲۱/۱۵، جدید ڈابھیل ۳۸۵/۱۴)

المكان المهيأ للصلوات الخمس . (الموسوعة الفقهية ٣٧/ ١٩٤)

عرفاً الموضع المبنى للصلاة. (القاموس الفقهی/١٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۲/۱۴۲۴ھ

تحیۃ المسجد

سوال [۱۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کاشف جب نماز کیلئے گھر سے نکلتا ہے تو مسجد میں آ کر سب سے پہلے تھوڑی دیر بیٹھ جاتا ہے، حالانکہ گھر بہت

قریب ہے کیا کسی حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

المستفتي: قاری محمد یامین، قنوج فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد میں داخل ہوتے ہی اگر وقت مکروہ نہیں ہے، تو بیٹھ جانے کا ثبوت نہیں ہے، البتہ داخل ہوتے ہی تحیۃ المسجد کی دو رکعت نماز پڑھنے کا ثبوت ہے۔

عن أبي قتادة السلمي: أن رسول الله ﷺ، قال: إذا جاء أحدكم المسجد، فليركع ركعتين قبل أن يجلس. (صحيح البخاری، الصلاة، باب إذادخل المسجد فليركع ركعيتن، النسخة الهنديه ۱/۶۳، رقم: ۴۳۹، ف: ۴۴۴، صحيح مسلم الصلاة، باب استحباب تحية المسجد بركعتين النسخة الهندية ۱/۲۴۸، بيت الأفكار رقم: ۷۱۴، ترمذی شريف الصلاة باب ماجاء إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين، النسخة الهندية ۱/۷۱، دارالسلام رقم: ۳۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر ۳۲/ ۴۲۶۸)

منبر کی سیڑھیوں کی مسنون تعداد

سوال [۱۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا جمعہ کے خطبہ کیلئے تین سیڑھیوں کا ہونا مشروع نہیں ہے؟ ایک یا دو یا تین کتنی ہونی چاہئیں؟

المستفتی: عبدالحق، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: منبر کی سیڑھیوں کی تعداد تین رکھنا مسنون ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جو منبر بنایا گیا تھا وہ تین سیڑھیوں کا تھا، حضور تیسری پیڑی پر تشریف فرما ہوتے تھے، جب ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے، تو تیسری پیڑی پر تشریف نہیں رکھتے

تھے، بلکہ دوسری پیڑی پر تشریف رکھتے تھے لہذا تمام ائمہ کے لئے دوسری پیڑی پر بیٹھنا مستحب ہے،مگر منبر کا تین پیڑیوں کا ہونا مسنون ہے۔(مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۳۲)

عن ابن عباس رضی الله عنه ...... وكان منبر النبي صلى الله عليه وسلم قصيرا، إنما هو ثلاث درجات، الحديث: (مسند أحمد بن حنبل ١/٢٦٩، رقم: ٢٤١٩)

عن كعب بن عجرة، قال: قال رسول الله ﷺ أحضروا المنبر، فحضرنا، فلما ارتقى درجة قال: آمين، فلما ارتقى الدرجة الثانية، قال: آمين، فلما ارتقى الدرجة الثالثة، قال: آمين. (المستدرك، كتاب البر والصلة قديم ٤/١٧٠، مؤسسه علوم القرآن، جديد ٧/٢٥٩١، رقم: ٧٢٥٦، الأدب المفرد ١/١٩٣، ١٩٤، رقم: ٦٤٤، شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلميه بيروت ٢/٢١٥، رقم: ١٥٧٢)

ومنبره صلى الله عليه وسلم كان ثلاث درج غير المسماة بالمستراح. (شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، زکریا ٣/٣٩، کراچی ٢/١٦١)

وفي الصحيح أنه عمل من أثل الغابة، فكان يرتقي عليه قال: وكان ثلاث درج وكان النبي صلى الله عليه وسلم يجلس على الدرجة الثالثة، التي تلي مكان الاستراحة، ثم وقف أبوبكرؓ على الثانية. (الموسوعة الفقهية كويتية ٣٩/٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲رشوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۴۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

منبر مسنون

سوال [۱۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک نئی جامع مسجد بنی ہے،جس کا منبر اوپر سے گھیرا ہوا ماربل پتھر کا بنا ہوا ہے،اوراونچائی میں

دوفٹ آٹھ انچ ہے جو معروف ورائج منبروں سے مختلف ہے یعنی منبر کی سیڑھیاں سامنے کے بجائے پیچھے بنائی گئی ہیں، اس طرح کہ خطیب بجائے مغربی دیوار کی طرف سے چڑھکر منبر کے اوپری حصہ میں جو محراب سے باہر ہے کھڑے ہوکر خطبہ دیں گے، اس نئے طرز کے منبر سے بعض علماء کو اعتراض ہے کہ یہ سنت کے خلاف ہے، لھذا اس کو توڑ دینا چاہئے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) مذکورہ بالا منبر سنت کے مطابق ہے یا خلاف، نیز اس کو توڑنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی سیڑھیاں کیسی کتنی اونچی اور کدھر تھیں اور ہماری مساجد کی سیڑھیاں سنت کے مطابق کیسی ہونی چاہئیں؟

(۳) منبر کی اونچائی کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۴) منبر پتھر کا بنانا سنت ہے یا پھر لکڑی کا بنانا چاہئے؟

المستفتي: محمد محسن بردوان، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: منبر کی اونچائی کی مقدار متعین کر کے اس کو لازم کرنا ثابت نہیں ہے، بقدر ضرورت اس کی اونچائی ہونی چاہئے، جس پر آرام سے خطیب کرسی نما انداز سے بیٹھ سکے اور منبر میں تین پیڑیاں (سیڑھیاں) ہونا مسنون ہے، اور ممبر کی پیڑیوں کا مقتدیوں کی طرف ہونا مسنون ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے تواتر اور توارث سے یہ بات چلی آرہی ہے، کہ خطیب صاحب پہلی پیڑی پر پیر رکھیں گے اور دوسری پیڑی پر بیٹھیں گے، تیسری پیڑی کو حضور ﷺ کے ادب واحترام میں چھوڑ دیا جاتا ہے، اور سوال میں ذکر کردہ منبر طریقہٴ سنت کے خلاف ہے اسلئے کہ منبر کی پیڑیاں مقتدیوں کی طرف ہونا مسنون ہے، حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منبر مقتدیوں کی طرف تھا نیز پیچھے کی طرف سے چڑھ کر بالکل اوپر والی پیڑی پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا خلفائے راشدین اور سلف وخلف کے طریقہ کے خلاف ہے۔

ويستحب أن يكون المنبر على يسار القبلة تلقاء يمين المصلي إذا استقبل كذا قاله السميرى و الدارمى و الرافعى و غيرهم. (اعلام المساجد بأحكام المساجد /۳۷۳)

(۲) حضور ﷺ کے منبر کی تین سیڑھیاں تھیں جو مقتدیوں کی جانب تھیں اور مقتدیوں کے قبلہ کی طرف ہو کر محراب کے بائیں بیٹھنے کی صورت میں منبر داہنی جانب پڑے گا جیسا کہ ہماری مساجد میں منبر ہوتے ہیں، وہ عام طور پر سنت کے مطابق ہوتے ہیں۔

عن جابر بن عبد الله ، أن النبى صلى الله عليه وسلم ، زفى المنبر ، فلما زفى الدرجة الأولىٰ، قال: آمين ، ثم زفى الثانية، فقال: آمين ، ثم زفى الثالثة ، فقال: آمين. (الأدب المفرد ۱/۱۹۳، ۱۹٤، رقم: ٦٤٤، المستدرك ، كتاب البرو الصلة قديم ١٧٠/٤ ، مكتبه نزار مصطفى جديد ٢٥٩١/٧، رقم: ٧٢٥٦، شعب الإيمان ٢١٥/٢، رقم: ١٥٧٢)

قال في البذل : وقال العينى ثم اعلم أن المنبر لم يزل على حاله ثلاث درجات حتى زاده مروان فى خلافة معاويةؓ ست درجات من أسفله. (بذل المجهود ،كتاب الجمعة ، باب اتخاذ المنبر مكتبه يحي سهارنپور ١٧٨/٢، دارالبشائر العلميه ٩٩/٥، فتح البارى ، كتاب الجمعة ، باب الخطبة على المنبر دارالفكر بيروت ٤٦٣/٢، اشرفيه ديو بند ٥٠٧/٢)

ويستحب أن يكون المنبر على يسار القبلة تلقاء يمين المصلي إذا استقبل كذا قاله الدارمى والرافعى وغيرهم . (اعلام المساجد بأحكام المساجد /٣٧٣)

وكان ثلاث درج وكان النبى ﷺ يجلس على الدرجة الثالثة التى تلي مكان الإستراحة ثم وقف أبوبكرؓ على الثانية ثم عمرؓ على الأول تادباً. (الموسوعة الفقهية ٨٥/٣٩)

(۳)منبر کی اونچائی کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملی ہے، بقدرِ ضرورت اونچائی ہونی چاہیئے۔

(۴)اینٹ پتھر کا منبر بنانا بھی جائز ہے، لکڑیوں کا بنانا لازم نہیں۔

قال الحنفية : ولهذا اتخذوا في المصلى منبراً على حدة من اللبن والطين واتباع ما اشتهر به العمل في الناس واجب. (الموسوعة الفقهية ۳۹/ ۸۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/۱۴۲۹ھ

کیا ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجد حرام ہی کے ساتھ مخصوص ہے؟

سوال [۱۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کا درجہ مسجد حرام کیلئے ہی مخصوص ہے، یا مکہ مکرمہ کی ہر مسجد میں ایک لاکھ کا ثواب مل جاتا ہے، لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے، کہ مکۃ المکرّمہ میں کہیں بھی نماز پڑھ لی جاوے تو اتنا ہی ثواب ملتا ہے، جتنا بیت اللہ میں حرم محترم میں اس بارے میں کیا تحقیق ہے؟

المستفتی: محمد یونس، جامع مسجد احمد، گڑھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک لاکھ کے ثواب کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں، بعض علماء کا یہ قول ہے کہ یہ صرف مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے، اور بعض علماء کا یہ قول ہے کہ پورے حدود حرم کے ساتھ عام ہے، کہ پورے حدود حرم میں جہاں بھی نماز پڑھے گا ایک لاکھ نماز کا ثواب ملیگا، مگر پہلا قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے، اسلئے پانچوں نمازیں پابندی کیساتھ مسجد حرام ہی میں ادا کی جائیں۔

عن ابن عباسؓ ، قال: قال رسول الله ﷺ: من حج ماشياً كتب له

بكل خطوة سبع مئة حسنة من حسنات الحرم ، قال بعضهم وما حسنات الحرم ؟ قال : كل حسنة بمئة ألف حسنة . (مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٥٢/١١، رقم: ٤٧٤٥، وهكذا مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٣١٣/١١، رقم: ٥١١٩، المعجم الأوسط دارالفكر ١٠٦/٢، ٢٦٧٥، المعجم الكبير للطبرانی ، دارالكتب العلمية بيروت ١٠٥/١٢، رقم: ١٢٦٠٦)

قال عطاء : فكأنه مئة ألفٍ قال: قلت يا أبا محمد ! هنا الفضل الذى تذكر في المسجد الحرام وحده أو في الحرام ؟ قال بل فی الحرم : فإن الحرم كله مسجد . (مسند أبي داود الطيالسی، دارالكتب العلمية بيروت ٧٠٧/٢، رقم: ١٤٦٤، شعب الإيمان للبيهقی ، دارالكتب العلمية بيروت ٤٨٥/٣، رقم: ٤١٤٣)

عن أنس بن مالك ؓ قال: قال رسول الله ﷺ ....وصلوٰة في المسجد الحرام بمأة ألف صلوٰة . (ابن ماجه ،الصلوٰة ، باب ماجاء فی الصلاة فی المسجد الجامع النسخة الهنديه ١٠٢/١، دارالسلام رقم : ١٩٨)

بل يعم كل حرم يحرم صيده على الصحيح. (قوت المغتذی علی الترمذی ٧٤/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۷۸/۳۷)

مسجد حرام میں ایک لاکھ کا ثواب کہاں تک ملے گا

سوال [۱۹۵٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ہے تو یہ ثواب مسجد حرام میں (جہاں تک جماعت ہوتی ہے) پڑھنے کے ساتھ خاص ہے یا پورے

حدود حرم میں کہیں بھی پڑھنے پر یہ ثواب حاصل ہو جائیگا؟

المستفتي: عبدالحمید، موضع الہن مئو، ضلع: بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملنے سے متعلق جو حدیث شریف وارد ہے، اس حدیث شریف کی رو سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب مسجد حرام کے ساتھ خاص معلوم ہوتا ہے، لیکن دوسری روایت مکہ مکرمہ کیساتھ بھی وارد ہوئی ہے، یعنی حدود حرم میں کوئی بھی عبادت کی جائے ایک لاکھ عبادتوں کے برابر ثواب ملیگا، جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی صراحت آئی ہے، حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباسؓ، قال: قال رسول الله ﷺ: من حج ماشيا كتب له بكل خطوة سبع مئة حسنة من حسنات الحرم، قال بعضهم: وما حسنات الحرم؟ قال كل حسنة بمئة ألف حسنة. (مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١١/٥٢، رقم: ٤٧٤٥)

مرض ابن عباس مرضا شديداً فدعا ولده فجمعهم فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من حج من مكة ماشيا حتى يرجع إلى مكة كتب الله له بكل خطوة سبع مائة حسنة مثل حسنات الحرم، قيل: وما حسنات الحرم؟ قال: بكل حسنة مائة ألف حسنة، هذا حديث صحيح الإسناد. (مستدرك حاكم كتاب المناسك قديم ١/٦٣١، مكتبه نزار مصطفى ٢/٦٤٨، رقم: ١٦٩٢، شعب الإيمان للإمام البيهقي ٣/٤٣١، حديث: ٣٩٨١، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١١/٣١٣، رقم: ٥١١٩، المعجم الأوسط دارالفكر ٢/١٠٦، رقم: ٢٦٧٥، المعجم الكبير للطبراني، ، داراحياء التراث العربي ١٢/١٠٥، رقم: ١٢٦٠٦)

حاصل یہ نکلا کہ دو قسم کی روایات ہمارے سامنے ہیں ایک قسم کی روایات وہ ہیں جو مسجد حرام کے ساتھ خاص معلوم ہوتی ہیں، دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جو پورے مکۃ

المکرّمہ اور حدود حرم کے ساتھ عام معلوم ہوتی ہیں ، اسلئے بعض فقہاء اور محدثین نے پورے مکۃ المکرّمہ اور حدود حرم میں ایک لاکھ کے برابر ثواب ملنے کو کہا ہے، اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کوئی بھی عبادت حدود حرم میں کی جائے ایک لاکھ کے برابر ثواب ملیگا ، اعتکاف کیا جائے یا صدقہ خیرات کیا جائے یا دیگر کوئی نیک کام کیا جائے ایک لاکھ کے برابر ثواب ملے گا، اسلئے ہم یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ قیام مکہ مکرمہ کے دوران عورتیں اپنے قیام گاہ میں نماز پڑھا کریں ، اور صرف طواف کرنے کیلئے نمازوں کی علاوہ اوقات میں مسجد حرام میں داخل ہوا کریں تا کہ عورتوں کی وجہ سے مردوں کی نماز فاسد ہونے کا مسئلہ کھڑا نہ ہوا کرے اور مردوں کو مسجد حرام ہی میں آکر نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور آجکل لاکھوں حاجیوں کا قیام مسجد حرام سے دس بارہ کلو میٹر دور عزیزیہ اور بطحاء قریش وغیرہ میں ہوتا ہے، وہ لوگ آسانی کیساتھ گاڑی سے حرم شریف نہ آسکیں اور ان ہی مقامات میں اپنی نمازیں پڑھ لیں تو انشاء اللہ ایک لاکھ کا ثواب ملنے کی امید ہے۔

قال عطاء : فكأنه مئة ألفٍ، قال: قلت: يا أبا محمد ! هنا الفضل الذي تذكر، في المسجد وحده أو في الحرم ؟ قال: بل في الحرم ؛ فإن الحرم كله مسجد . (مسند أبي داؤد الطيالسی، دارالکتب العلمية بيروت ٢/٧٠٧، رقم: ١٤٦٤، شعب الإيمان للبيهقی ، دارالکتاب العلميه ٣/٤٨٥، رقم: ٤١٤٣، فتح الباری ، كتاب فضل الصلوٰة ، باب في فضل الصلوٰة فی مسجد مكة والمدينة دارالفكر بيروت ٣/٧٨، اشرفيه ديوبند ٣/٨٣، ٣/٤٤٦، تحت حديث: ١١٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٨/رجب ١٤٣٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/٩٧٧٣)

کیا بیت اللہ میں نماز پڑھنے کا ثواب صرف مردوں کیلئے ہے

سوال [۱۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مستند اور معتبر عالم خطیب کے مطبوعہ خطبات میں ایک بات پڑھی ہے کہ حدیث شریف میں جو بیت اللہ میں نماز پڑھنے کا ایک لاکھ کا ثواب ملتا ہے یہ صرف مردوں کیلئے ہے عورتیں اس سے مستثنی ہیں، عورت کو فقط ایک ہی نماز کا ثواب ملے گا، تو کیا یہ صحیح ہے جبکہ حدیث عمومیت پر دلالت کرتی ہے پھر عورت مستثنی کیوں؟ مسئلہ کی اس طرح وضاحت فرمائیں کہ بات واضح طور سامنے آجائے؟ ممنون ہوں گا۔

المستفتي: فخر الاسلام، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح عورتوں کو مستثنی کرنے کی بات علامہ منذریؒ نے الترغیب والترہیب اور دیگر محدثین نے نقل فرمائی ہے۔

أن قول النبی ﷺ صلوٰة في مسجد النبی ﷺ تعدل ألف صلوٰة في غيره من المساجد إنما أراد به صلوٰة الرجال دون صلوٰة النساء الخ. (الترغيب والترهيب ۱/ ۷۵)

قول النبی ﷺ صلوٰة في مسجدي هذا، أفضل من ألف صلوٰة فيما سواه من المساجد أرادبه صلاة الرجال دون صلاة النساء. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۲/ ۸۱۵)

علماء نے اس کی وجہ یہی بیان کی ہے کہ عورتوں کا مجمع اور جماعت میں شرکت باعث فتنہ ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۷/ ۱۴۱۴ھ

حرم شریف کی قضاء نماز کے ثواب کا بیان

سوال [١٩٥٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حرم شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، تو قضاء نماز جو وہاں ادا کی جائے اس کا ثواب بھی اتنا ہی ملے گا یا صرف اس کے ذمہ سے قضا ہی کا فریضہ ادا ہوگا۔

المستفتي: حبیب اللہ سرتاج، سعودی عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حرم شریف میں جو نماز کی فضیلت ہے یہ صرف ادا نماز یا نوافل کے ساتھ خاص ہے، اور ادا نماز خواہ جماعت کے ساتھ ہو یا بغیر جماعت کے البتہ جماعت کے ساتھ ادا کرنے میں جماعت کا ثواب الگ سے ہوگا اور منفرد پڑھنے کی صورت میں صرف جماعت کے ثواب سے محرومی ہوگی، قضا نماز میں حرم شریف کی مذکورہ فضیلت حاصل نہ ہوگی کتب احادیث میں ایسا ہی مذکور ہے۔

صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلاالمسجد الحرام. (بخاری شریف کتاب فضل الصلاة ، فی مسجد مکةوالمدینة ، باب فضل الصلوٰة في مسجد مكة والمدينة ، النسخة الهنديه ١/١٥٩، رقم: ١١٧٧، ف: ١١٩٠، مسلم شريف باب فضل الصلاة بمسجدي مكة و المدينة النسخة الهنديه ١/٤٤٦، بيت الأفكار رقم: ١٣٩٤)

قال النووی تحت هذا الحديث ، وهذا فيما يرجع الثواب فثواب صلوٰة فيه يزيد على ثواب ألف فيما سواه ولا يتعدى ذلک إلى الأجزاء عن الفوائت حتى لو كان عليه صلاتان فصلى في مسجد المدينة وفی فتح الباری فصلى في أحد المسجدين صلاة لم تجزئه عنهما -إلا واحدة- وهذا لا خلاف فيه. (نووی علی مسلم ١/٤٤٦، فتح الباری کتاب فضل الصلوٰة ، قبيل

باب مسجد قباء دارالفكر بيروت ٣/٨٢، حديث: ١١٩٠، اشرفيه ديو بند ٣/٨٧، فتح الملهم ، كتاب الحجه، باب فضل مكة والمدينة اشرفيه ديو بند٣/٤٢٢)

وهذا مع قطع النظر عن التضعيف بالجماعة فإنها تزيد سبعاً وعشرين درجة كما تقدم فى أبواب الجماعة. (فتح البارى ، كتاب فضل الصلوٰة، قبيل باب مسجد قباء دارالفكر بيروت ٣/٨٢ ، اشرفيه ديو بند٣/٨٧، حديث: ١١٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۵ھ

تعمیر مسجد کے دوران دوسری مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرنا

سوال [۱۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد ڈیروالی اصالت پورہ مرادآباد کی ازسرنو تعمیر ہونی ہے، برسات میں اس کے اندر پانی آجاتا ہے، اور اس کی اوپر کی چھت بھی بوسیدہ ہوچکی ہے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ تعمیر مسجد کے دوران اس مسجد میں نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں رہے گی، تو نماز باجماعت کو موقوف کیا جاسکتا ہے، یا تعمیر کے دوران بھی جماعت ہونا ضروری ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: عزیز الرحمٰن ومصلیان، مسجد ڈیروالی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مسجد منہدم کرکے نئے سرے سے تعمیر کی جارہی ہے اور منہدم شدہ حالت میں وہاں نماز پڑھنا دشوار ہورہا ہے تو اہل محلہ کے لئے جائز ہے کہ جب تک یہ مسجد تعمیر ہوکر نماز پڑھنے کے قابل نہ ہوجائے اس وقت تک کے لئے پڑوس کی دوسری مسجد میں نماز ادا کرلیا کریں اور اس منہدم شدہ زیر تعمیر مسجد میں نماز نہ پڑھنے

کی وجہ سے محلے والوں پر شرعاً کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے کہ شریعت نے ضرورت کے تحت مسجد منہدم کرکے نئے سرے سے تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ انہدام اور تعمیر کے درمیان نماز کی جماعت کرنا مشکل ترین کام ہے۔

و تأويل هذه المسألة إذا لم يكن هذا الرجل من أهل هذه المحلة فقد ذكر في الواقعات عن أبي حنيفةؒ لأهل المسجد أن يهدموا و ظاهر الآية العموم فى كل مانع وفى كل مسجد وخصوص السبب لا يمنعه . (روح المعاني ، زكريا ١/٥٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۴۰/۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

دوران تعمیر مسجد میں نماز پنجگانہ ادا کرنا ضروری نہیں

سوال [١٩٦٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں رام نگر ضلع نینی تال میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے از سر نو تعمیر کا ارادہ ہے تعمیری کام کے وقت جگہ کی قلت رہے گی، پنجوقتہ نماز پڑھی جائے یا نہیں؟

المستفتي: عبد الرحیم، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوران تعمیر اگر جماعت خانہ میں جماعت کرنا دشوار ہو تو مسجد کے احاطہ میں جہاں بھی جماعت کرنا ممکن ہو تو وقت پر اذان بھی دی جائے اور جماعت بھی کی جائے، اذان و جماعت کو موقوف کرنا مناسب نہیں، البتہ اگر احاطہ مسجد میں کوئی ایسی جگہ نہ ہو جس میں با جماعت نماز ادا کرسکیں تو تعمیر مسجد کی تکمیل تک محلّہ میں جہاں کہیں مناسب جگہ ہو وہاں پر جماعت سے نماز ادا کریں، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو قریب کی

مسجد میں نماز ادا کرتے رہیں۔

وتأویل هذه المسألة إذا لم یکن هذا الرجل من أهل هذه المحلة وقد ذکر في الواقعات عن عن أبي حنیفة لأهل المسجد أن یهدموا المسجد ویجددوا بناؤه. (تاتارخانیه ، زکریا ۸/ ۱۶۲، رقم: ۱۱۵۱۴، هندیه زکریا قدیم ۲/ ۴۵۷ جدید۲/ ۴۱۰)

وظاهر الآیة العموم في کل مانع وفي کل مسجد وخصوص السبب لا یمنعه .(روح المعانی ، زکریا ۱/ ۵۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۵/ ۱۴۲۱ھ

منقش مصلیٰ

سوال [۱۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل سعودیہ سے جو جانمازیں آرہی ہیں، اس پر خانہ کعبہ اور گنبد خضریٰ کی تصویریں بنی ہوتی ہیں امام صاحبان اس پر نمازیں بھی پڑھاتے ہیں اور بیٹھتے بھی ہیں ان تصاویر کا کہاں تک ادب ہے کس حد تک ان کی تکریم ہے، اس پر بیٹھنے سے کیا بیت اللہ کی کچھ توہین ہوتی ہے، وضاحت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتي: یٰسین احمد، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن مصلوں اور جانمازوں پر گنبد خضریٰ اور خانہ کعبہ کا نقشہ بنا ہوا ہوتا ہے ان پر نماز پڑھنا اوران پر بیٹھنا بے ادبی نہیں ہے، تو ان کی تصویر پر نماز ادا کرنے سے بطریق اولیٰ خلاف ادب نہیں ہوسکتا، یہی حکم گنبد خضریٰ کا بھی ہے، اس لئے اس کو لیکر لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا نہ کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم، زکریا

٤/ ١٢٧، فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۷/ ١١١، جدید ڈابھیل ٦/ ٦٧٠)

عن سعيد بن الحسن قال: جاء رجل إلى ابن عباس رضـ فقال: إنى رجل أصور هذه الصور فأفتني فيها، فقال له: ادن مني، فدنا منه، ثم قال: أدن مني، فدنا حتى وضع يده على رأسه، وقال: أنبئک بما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كل مصور فى النار يجعل له بكل صورة صورها نفسا، فتعذبه في جهنم، وقال: إن كنت لا بد فاعلا فاصنع الشجر وما لا نفس له، فأقر به نصر بن علي. (صحيح مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ...... النسخة الهندية ٢/ ٢٠٢، بيت الأفكار رقم: ٢١١٠)

وأما صورة غير ذي روح، فلا خلاف في عدم كراهة الصلاة عليها أو إليها. (حلبى كبير، فصل في كراهية الصلوٰة اشرفيه ديوبند/ ٣٥٩)

ولو صلى في جوف الكعبة أو على سطحها جاز إلى أي جهة توجه. (هنديه كتاب الصلوٰة، الباب الثالث في شروط الصلوٰة، الفصل الثالث في استقبال القبلة زكرياقديم ١/ ٦٣، جديد ١/ ١٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠؍ محرم الحرام ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ٢٠٨٥)

مساجد سے روکنے کا حکم

سوال [١٩٦٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کو سب گاؤں والوں نے ملکر تعمیر کیا اور عرصہ دراز تک سبھی لوگ اسمیں نمازیں پڑھتے رہے، پھر ضرورتاً دو محلوں نے اپنی سہولت کیلئے مسجدیں تعمیر کیں اور اب جس محلّہ کا پہلی مسجد سے تعلق ہے، ان کا ذہن یہ ہے کہ اب یہ مسجد ہماری ہے، تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں، اسی

طرح ایک مسجد کو دو کنبوں، خاندانوں نے ملکر تعمیر کیا تھا، ان میں سے ایک کنبہ کے لوگ اڈے پر بنی مسجد (جو کسی باہر کے آدمی نے بنیت ثواب بنوادی تھی) میں نماز پڑھنے لگے، تو جن لوگوں کا تعلق پہلی مسجد سے ہے، ان کا ذہن بھی تقریباً اسی طرح کا بن گیا ہے کہ اب اس مسجد میں دوسرے لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس طرح کے خیالات سے ذہنوں میں تکدر اور نفرت پیدا ہوتی ہے، کیا از روئے شریعت مسجدوں کے بارے میں اس طرح کے خیالات درست ہیں۔

المستفتي: عبدالرحیم عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق : مذکورہ پہلے سوال میں پہلی مسجد والوں کا دوسری مسجد والوں سے یہ کہنا کہ اب یہ مسجد ہماری ہے، تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، (۱) اگر اس کہنے سے نماز سے روکنا مقصود ہے، تو قطعاً جائز نہیں ہے ، قرآن کریم میں اس پر سخت وعید آئی ہے، ارشاد ربانی ہے " **ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمهٗ** " بقرہ آیت: ۱۱۴، اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا، جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر اور عبادت کئے جانے سے بندش کرے۔ (معارف القرآن سورۃ البقرۃ: ۱۱۴ اشرفی دیوبند ۱/ ۲۹۶)

اسی طرح تمام مساجد اللہ کے گھر ہیں اسلئے کسی کو یہ حق نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کو مسجد میں آنے سے روکے، (۲) اور اگر اس قول سے کہ اب تمہارا اس مسجد سے کوئی تعلق نہیں ہے، مسجد کے انتظامی امور سے روکنا ہے تو اس کی گنجائش ہے اگر مسجد کے ذمہ دار پورا انتظام صحیح طرح سے کرتے ہیں تو اس میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے، اور اگر انتظام میں دوسری مسجد والے آکر دخل دیتے ہیں، اور اس پر یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے، تو یہ مسجد سے روکنا نہیں ہے، بلکہ نظام میں دخل دینے سے روکنا ہے، اور اسکی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۳۰۵)

لوبنی مسجداً لأهل محلة ، وقال: جعلت هذا المسجد لهذه المحلة خاصة ، كان لغير أهل تلك المحلة أن يصلي فيه. (عالمگیری، کتاب الوقف ، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق فیه زکریا قدیم ۲/ ۴۵۸، جدید ۲/ ۴۱۰، المحیط البرهانی ، کتاب الوقف ، الفصل : ۲۱، فی المساجد جدید المجلس العلمی ۹/ ۱۲۸، رقم: ۱۱۳۴۸، الفتاویٰ التاتارخانیه ، کتاب الصلوٰة ، الفصل : ۲۱، مسائل وقف المساجد زکریا ۸/ ۱۶۳، رقم: ۱۱۵۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۳/ ۱۴۲۱ھ

شہید کردہ مسجد میں نماز کا شرعی حکم

سوال [۱۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جس کو ایک حادثہ میں غیر مسلموں نے شہید کر دیا تھا تو کیا اب اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: سعید احمد،
سواتی مادھو پور، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب دشمنان اسلام کسی مسجد کو شہید کر دیں اور اس جگہ پر کوئی دوسری تعمیر کر لیں یا خالص ویران کر کے چھوڑ دیں تو وہ زمین قیامت تک مسجد کے حکم میں رہیگی کسی غاصب کے غاصبانہ قبضے اور کسی جابر کے جابرانہ خرد برد سے اس کی مسجدیت باطل نہیں ہوتی ہے، اس کی حفاظت کرنا مسلمانوں پر ضروری ہے اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني

أبداً إلى قيام الساعة وبه يفتي. (درمختار مع الشامی٤/٣٥٨، کراچی زکریا ٦/٥٤٨، هندیه کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به، زکریا قدیم ٢/٤٥٨، جدید ٢/٤١٠)

إن المسجد إذا خرب يبقى مسجداً أبداً. (شامی کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أوغیره زکریا دیوبند ٦/٥٤٩، کراچی ٤/٣٥٩، بنایه، کتاب الوقف، فصل من بنی مسجداً لم یزل ملکة عنه، اشرفیه دیوبند ٧/٤٥٦، تبیین الحقائق، کتاب الوقف، فصل ومن بنی مسجداً لم یزل ملکة عنه، امدادیه، ملتان ٣/٣٣١، زکریا ٤/٢٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۴ھ

عیدگاہ کے دروازہ پر تعمیر شدہ مسجد میں نماز

سوال [۱۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں قصبہ چوسانہ میں ایک بہت بڑی عیدگاہ ہے تقریباً دوسال قبل عیدگاہ کے قرب وجوار میں کوئی مسجد نہ ہونے کی وجہ سے عیدگاہ کے صدر دروازہ کے گیٹ کے اوپر لینٹر ڈال کر ایک چھوٹی مسجد تعمیر کی گئی ہے اور نیچے عیدگاہ کے اندر آنے جانے کی گذرگاہ ہے مسجد کی تعمیر کی تکمیل کے بعد کچھ لوگوں نے کہا کہ اس میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ گذرگاہ کے اوپر ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح دروازہ کے اوپر بنائی گئی مسجد کے اندر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟

المستفتي: محمد ندیم گنگوہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قصبہ چوسانہ کی جس مسجد کا ذکر سوالنامہ میں کیا

گیا ہے کہ عیدگاہ کے گیٹ کے اوپر لینٹر ڈال کر مسجد بنائی گئی ہے، اور نیچے سے صرف عید کے دن عیدگاہ میں داخل ہونے کے لئے عید کی نماز پڑھنے والوں کو گذر کر آگے بڑھنا ہوتا ہے، اور عیدگاہ بھر جانے کے بعد اس گیٹ میں بھی صفیں بن جاتی ہیں، اور مسجد میں بھی صفیں بن جاتی ہیں، اور باہر بھی جیسا کہ مستفتی سے زبانی معلوم ہوا ہے، پھر اس کے بعد پورے سال عام لوگوں کا گذر نہیں ہوتا ہے، صرف عید کے دن نمازیوں کو وہاں سے داخل ہوکر آگے بڑھنا ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں نیچے کے حصہ کو محض گذرگاہ قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ نیچے کا حصہ بھی موقوفہ عیدگاہ کا ایک حصہ ہے اور مسجد بھی وقف ہوتی ہے، لہٰذا عیدگاہ کمیٹی کے مشورہ سے اگر وہ مسجد بنائی گئی ہے اور عیدگاہ کمیٹی کے ہی زیر انتظام وہ مسجد ہے تو ایسی صورت میں وہ مسجد شرعی کہلائی جائے گی، اس لئے کہ نیچے کا حصہ بھی مسجد کی طرح ہمیشہ کیلئے وقف ہی ہے، اس سے حق عبد متعلق نہیں ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر السملمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أربذلک بأساً وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاري ، كتاب الصلوٰة ، قبيل باب الصلاة في مرابض الغنم ، زكريا ٤٣٥/٣ ، دار احياء التراث العربي بيروت ١٧٩/٤)

فإن قيل أليس مسجد بيت القدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل: إذا كان تحته شيئی ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالىٰ أيضاً. (تقريرات رافعی ، كتاب الوقف كراچی ٨٠/٤ ، زكريا ٨٠/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/٦ھ

امام صاحب کے حجرہ کا دروازہ مسجد میں کھولنے کا حکم

سوال [۱۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب کا گھر مسجد کے برابر میں ہے اور امام صاحب مسجد کی دیوار میں اپنا دروازہ کھولے ہوئے ہیں اور اس دروازہ سے آنا جانا، سونا، پنکھا چلانا کیا ان کیلئے جائز ہے۔

المستفتي: عبداللہ، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب کا حجرہ اگر مسجد کی ملکیت ہے اور اس میں امام صاحب رہتے ہیں اور مسجد اور کمرہ دونوں ایک ہی نظام کے تحت ہیں تو حجرہ کا دروازہ مسجد کی طرف یا مسجد کا دروازہ حجرہ کی طرف کھولنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور امام صاحب کیلئے اس دروازہ سے مسجد میں آنا جانا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اور حجرہ اور مسجد دونوں کا خرچہ مسجد ہی کے مصرف سے ہوتا ہے تو امام صاحب کیلئے حجرہ میں سخت گرمی اور گھٹن کی وجہ سے مسجد کا پنکھا چلا کر مسجد میں سونا جائز اور درست ہے۔

ولو كان إلى المسجد مدخل من دار موقوفة لابأس للإمام أن يدخل للصلوٰة من هذا الباب. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد زكرياه/٤١٩، كوئٹه ٥/٢٥٠)

إذا جعلت المسجد ممبرا فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار في الجوامع. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد زكرياه/٤٢٨، كوئٹه ٥/٢٥٥)

لا بأس للغريب ولصاحب الدار أن ينام في المسجد وهو الصحيح من المذهب والأحسن أن يتورع فلا ينام. (عالمگيرى، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم٥/٣٢١، جديد ٥/٣٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۷/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۶ھ

احاطۂ مسجد میں بنے ہوئے حجرہ میں مؤذن کی رہائش

سوال [١٩٦٦]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں مسجد کے اندر ایک حجرہ بنا ہے، جس کا راستہ مسجد میں ہوکر ہے حجرہ سے نکلنے اور جانے کیلئے مسجد میں ہوکر گذرنا پڑتا ہے، اور کوئی راستہ نہیں ہے تو کیا مؤذن حجرہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: مصلیان مسجد خلیل

والی، حیات نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر حجرہ میں مؤذن کا رہنا درست ہے، اسی طرح قضاء حاجت کے واسطے جب نکلنے کیلئے کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں ہے تو مسجد کے اندر سے نکلنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٦/٩٢، جدید زکریا ٩/١٠٣)

وكره تحريماً الوطء فوقه .....واتخاذه طريقاً بلا عذر وفى الشامية فلو بعذر جاز. (شامی کتاب الصلوٰة ، باب ما يفسد الصلوٰة و ما يكره فيها، مطلب فی أحكام المسجد زکریا ٢/٤٢٨ ، کراچی ١/٦٥٦)

رجل يمر في المسجد ويتخذه طريقاً إن كان بغير عذر لا يجوز وبعذر يجوز. (البحرالرائق ، کتاب الصلوٰة ، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها ، کوئٹه ٢/٣٥ ، زکریا ٢/٦٢)

الحنفية : قالوا: يكره تحريماً اتخاذ المسجد طريقاً بغير عذر ، فلو كان لعذر جاز. (کتاب الفقه على المذاهب الأربعه ، کتاب الصلوٰة ، مايكره فعله فى المساجد ، و ما لا يكره ، مكتبه دارالفكر دارالكتب العلميه بيروت ١/٢٨٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/جمادی الاولیٰ ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/٤٠٠١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٥/٥/١٢ھ

وضو کی جگہ پر امام کا کپڑے دھونا

سوال [۱۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب مسجد کے صحن میں جہاں نماز ادا کی جاتی ہے وہاں پر کپڑے دھوتے ہوں اور پاس ہی وضو کے لوٹے موجود ہوں جن پر کپڑوں کے دھوون کی چھنیٹیں جارہی ہوں، کسی شخص کے ٹوکنے پر امام صاحب جواب دیتے ہوں کہ کپڑے پاک ہیں گندے نہیں ہیں، اور میں عالم وفاضل ہوں، لہذا مجھے تم سے زیادہ معلوم ہے، حالانکہ یہ عمل کرتے ہوئے پانچ لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے امام صاحب کو دیکھا ہے۔

تو کیا اس صورت حال میں ان امام صاحب کا نماز مسجد میں پڑھانا درست ہے، آپ مسجد کے احترام اور تقدس کے بارے میں ہمیں آگاہ فرمائیں، شکریہ۔

المستفتي: سید وارث علی،
محلّہ قاضیان، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وضو کی جگہ پر کپڑے دھونا بلا کراہت جائز ہے اور اگر کپڑے میں کوئی ظاہری نجاست نہیں ہے تو کپڑوں کی چھینٹ لوٹے پر پڑنے سے لوٹے ناپاک نہیں ہوتے، اور امام یا مؤذن کیلیے یا مسجد میں جو رہتے ہیں ان کے لیے مسجد کے وضو کی جگہ پر کپڑے دھونا بلاتردد جائز ہے، اوران پر اعتراض کرنا غلط ہے۔

ولا یمکنه الاغتسال في المسجد فلو أمکنه من غیر أن یتلوّث المسجد فلا بأس به أي بأن کان فیه برکة ماء، موضع معدٌّ للطهارة، أو اغتسل في إناء بحیث لا یصیب المسجد الماء المستعمل. (فتاویٰ شامی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف زکریا ۳/ ۴۳۵، کراچی ۲/ ۴۴۵)

وإن غسل رأسه في المسجد في إناء لا بأس به إذا لم يلوث المسجد بالماء المستعمل فإن كان بحيث يتلوث المسجد يمنع منه لأن تنظيف المسجد واجب . (بدائع كتاب الصوم، باب الاعتكاف زكريا ۲/ ۲۸٤، كراچی ۲/ ۱۱۵)

وإن غسله في المسجد في إناء بحيث لا يلوث لا بأس به . (حاشيه چلبي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، امداديه ملتان ۱/ ۳۵۲، زكريا ۲/ ۲۲۹، فتح القدير، كتاب الصوم، باب الاعتكاف زكريا ۲/ ٤۰۲، كوئٹه ۲/ ۳۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۲۷)	۱۴۲۷/۶/۲ھ

مسجد کی چھت سے اونچی عمارت بنانا

سوال [۱۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد سے اونچی تعمیر بنانا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں ہے تو اونچی تعمیر نہ بنانے کا کیا مطلب ہے یعنی مسجد کی چھت سے اونچی تعمیر نہ بنائے یا مینار سے اونچی تعمیر نہ بنائے؟

المستفتي: زبیر عالم، شاہدرہ، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی عمارت کی تعمیر مسجد کی چھت سے اونچی کرنے میں کسی قسم کی بے ادبی اور قباحت نہیں ہے، اور جو لوگ مسجد سے اونچی تعمیر کو ناجائز کہتے ہیں وہ اس کی دلیل پیش کریں۔

ولو بنى فوقه بيتاً للإمام لايضر الخ . (شامی کراچی ٤/ ۳۵۸، زكريا ۶/ ۵٤۸، كتاب الوقف مطلب فى الأحكام المسجد، البحر الرائق، كتاب الوقف،

فصل فی أحکام المسجد کوئٹه ٥/ ٢٥١، زکریا٥/ ٤٢١، مجمع الانهر ،کتاب الوقف ، جدید دارالکتب العلمیه ٢/ ٥٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/۵۲۰۶)

جمعہ کے علاوہ مسجد کی دوسری تیسری منزل بند رکھنا

سوال [۱۹۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شہر میں ایک تین منزلہ جامع مسجد ہے اور اس مسجد کی کوئی ذاتی آمدنی یعنی دکان یا جائیداد نہیں ہے، جس سے کہ مسجد کے اخراجات پورے کئے جاسکیں، بلکہ تمام مصلیان مسجد کے چندہ سے اور علاقائی مسلمانوں کے تعاون ہی سے مسجد کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، اس مسجد کی پہلی منزل میں پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں، اور جمعہ کی نماز میں پوری تینوں منزلیں بھر جاتی ہیں، جمعہ کے علاوہ اور دنوں میں مسجد میں جماعت ہوجانے کے بعد یا دیگر اوقات میں لوگ مسجد کی دوسری اور تیسری یا اوپر کی کسی ایک منزل میں تنہا نمازیں پڑھتے ہیں تلاوت کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، کبھی کبھی کوئی مقتدی ضرورۃً وقتی طور پر تھوڑی دیر کیلئے آرام بھی کر لیتا ہے، صرف اسی وجہ سے مسجد کی کمیٹی اوپر کی دونوں منزلیں جمعہ کے علاوہ پورے ہفتہ بند رکھتی ہے، الا یہ کہ کوئی تبلیغی جماعت آجائے تو پھر اوپر کی منزلیں کھول دی جاتی ہیں، اب جن حضرات کی روزانہ شہر میں آمدورفت ہے، یا وہ علاقائی لوگ جن کی جماعت چھوٹ جاتی ہے، وہ لوگ تنہا تنہا نماز پڑھنے کیلئے دوسری منزل میں جاتے ہیں، یا نوافل یا تلاوت کلام پاک کیلئے دوسری یا تیسری منزل میں جاکر نماز ذکر اور تلاوت کرتے ہیں، تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ پہونچے ان لوگوں نے کمیٹی سے بار بار درخواست کی کہ مسجد کے اوپر کی دونوں منزلیں یا دونوں میں سے ایک منزل کھول دی جائے، تاکہ لوگوں کی پریشانی رفع ہو لیکن پھر بھی مسجد کی کمیٹی کسی کی بات پر کوئی توجہ نہیں دیتی خواہ کسی

کو کتنی ہی پریشانی کیوں نہ ہو تو کیا ایسی صورت حال میں مسجد کی دوسری اور تیسری منزل بند رکھی جا سکتی ہے، براہ کرم تفصیلی جواب سے ہمیں سرفراز فرمائیں؟

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مندرجہ بالا پریشانیاں اگر واقعی ہیں اور نیچے کی منزل سے یہ پریشانیاں دور نہیں ہوتیں تو ایسی صورت میں بالائی منزلوں کو بند رکھنا مکروہ ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ. (البقرہ الآیۃ: ١١٤)

عن جبیر بن مطعم، أن النبی ﷺ قال: یا بنی عبد مناف، لا تمنعوا أحداً طاف بھذا البیت، وصلی أیة ساعة شاء من لیل أو نھار. (سنن النسائی، الصلاة، باب إباحة الصلاة، فی الساعات کلھا بمکة النسخة الھندیة ١/٦٨، دارالسلام رقم: ٥٨٥، سنن الترمذی، کتاب الحج، باب ماجاء فی الصلاة بعد العصر، وبعد الصبح لمن یطوف النسخة الھندیة ١/١٧٥، دارالسلام رقم: ٨٦٨)

وکرہ غلق باب المسجد وقال في البحر وإنما کرہ لانہ یشبہ المنع من الصلوٰة. (شامی، باب مایفسد الصلوٰة، مطلب فی أحکام المساجد، زکریا ٢/٤٢٨، کراچی ١/٦٥٦)

تاہم ذکر واذکار تلاوت ونوافل کیلئے اوپر کی منزلوں میں جانا ضروری نہیں ہے اگر خاموشی اور سکون کیساتھ یہ تمام چیزیں نیچے کی منزل میں کی جاویں تو دوسرے نمازیوں کو پریشانی سے بچایا جا سکتا ہے، علاوہ ازیں سونے اور آرام کرنے کی پریشانی کا ذکر کرنا یہ کوئی پریشانی نہیں ہے، مسجد عبادت کیلئے ہے نہ کہ سونے اور آرام کرنے کیلئے لہٰذا سونے اور آرام کیلئے اصرار کرنے کی ضرورت نہیں اصرار کرنا بیجا ہے، اور اگر اسی وجہ سے اوپر کی منزلوں کو بند رکھا جاتا ہے، تو بہتر ہے۔

کرہ غلق باب المسجد، وقیل: لا بأس بغلق المسجد في غیر أوان

الصلاة صيانة لمتاع المسجد وهذا هو الصحيح. (هنديه كتاب الصلوٰة ، الباب السابع ، فصل كره غلق باب المسجد ، زكريا قديم ١/ ١٠٩ ، جديد ١/ ١٦٨)

وقيل: لا بأس في زماننا صيانة لما في المسجد من الأمتعة . (شرح النقايه ، كتاب الصلاة ، فصل فيما يفسد الصلاة ، وما يكره فيها اعزازيه ديوبند ١/ ٩٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۲۱)

مسجد کی دوکانوں پر امام صاحب کا کھڑے ہوکر نماز پڑھانا

سوال [۱۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک دومنزلہ مسجد ہے مسجد کے آگے یعنی مغرب کی جانب مسجد کی دوکانیں ہیں، جن کی چھت خالی ہیں کیا یہ درست ہے کہ نماز جمعہ میں جبکہ نمازیوں کی کثرت ہوتی ہے، امام دوکانوں کی چھت پر کھڑا ہو جائے اور بعض نمازی چھت پر اور بعض مسجد کی دونوں منزلوں پر ہوں؟

(۲) مذکورہ مسجد میں اگر ایسا ہوجائے کہ ایک بار جماعت ہوتو امام نیچے کی منزل میں اور مقتدی دونوں منزلوں میں ہوں اس کے بعد دوسری جماعت کر لی جائے ، جبکہ امام اوپر کی منزل میں ہو اور مقتدی دونوں منزلوں میں یا یہ صورت اختیار کر لی جائے کہ جماعت ثانیہ میں امام دوکانوں کی چھت پر ہو اور مقتدی بعض چھت پر ہوں اور بعض مسجد میں تو کیا حنفیہ کے نزدیک بوقت ضرورت ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتي: عبدالحق، فرخ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :(۱) مغرب کی جانب میں مسجد کے آگے جو دوکانیں ہیں وہ چونکہ مسجد میں داخل نہیں ہیں اسلئے امام کے وہاں کھڑے ہو کر نماز

پڑھانے سے گوکہ نماز ہوجائے گی، لیکن مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل نہ ہوگا، ہاں البتہ اہل محلّہ یا ذمہ داران مسجد کواس بات کا حق ہے کہ ان دوکانوں کی چھت یا مکمل دوکانوں کومسجد میں شامل کرلیں، پھر امام وہاں پر کھڑے ہوکر نماز پڑھائے، تو اب مسنون طریقہ پرنماز ہوگی اور مسجد کا ثواب بھی ملے گا۔

عن عبد الله بن عمرؓ، أن رسول الله ﷺ قال: صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة . (صحيح البخاري، الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة ...... النسخة الهديه ١/٨٩، رقم: ٦٣٦، ف: ٦٤٥، صحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة، النسخة الهنديه ١/ ٢٣١، بيت الأفكار رقم: ٦٥٠)

ولو صلى جماعة فى البيت على هيئة الجماعة فى المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهى المضاعفة بسبع وعشرين درجة لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة فى المسجد . (كبيرى /٣٨٤، صغيرى /٢١٨ حلبى كبيرى كتاب الصلوٰة، صلوٰة التراويح، مكتبه اشرفيه ديوبند /٤٠٢، شامى، كتاب الصلوٰة، باب الأذان، مطلب فى كراهة تكرار الجماعة فى المسجد كراچى ١/٣٩٦، زكريا ٢/٦٥، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد كراچى ١/٥٥٤، زكريا٢/ ٢٩٠)

(۲) جس مسجد میں امام ومؤذن اور اہل محلّہ نے وقت متعین پر نماز ادا کرلی ایسی مسجد میں حنفیہ کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہے، گرچہ ہیئت جماعت بدل کر ہو، لہٰذا مسئولہ صورت میں امام خواہ پہلی منزل میں کھڑا ہو یا دوسری منزل میں کھڑا ہو یا دوکانوں کی چھت پر بہرحال جماعت ثانیہ مکروہ ہے، جماعت ثانیہ کے عدم جواز پر آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان وضاحت سے دلالت کرتا ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے، کہ میں کسی کو کہوں کہ وہ نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں شریک نہیں ہیں، اوران کے متعلق کسی کو حکم دوں کہ وہ لکڑیوں کا ڈھیر جمع کرکے ان کے گھروں کوجلادیں، اس روایت

سے معلوم ہوتا ہے، کہ پہلی جماعت میں شرکت ضروری ہے، اسلئے کہ اگر دوسری یا تیسری جماعت کی اجازت ہوتی تو آنحضرت ﷺ پہلی جماعت میں شریک نہ ہونے والوں پر اتنی سخت ترین تنبیہ نہ فرماتے، لہذا معلوم ہوا کہ پہلی جماعت میں شرکت ضروری ہے، دوسری یا تیسری جماعت کی گنجائش نہیں، مسجد میں تنگی کی صورت میں یا تو توسیع کی فکر کی جائے، یا دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا کریں۔

ویکره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أوفي مسجد لاإمام له ولا مؤذن . (شامی كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد كراچی ١/٥٥٢، زكريا ٢/٢٨٨)

عن أبی هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: والذي نفسي بيده، لقد هممت أن آمر بحطب فيحطب، ثم آمر بالصلوٰة فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال فأحرق عليهم بيوتهم الخ. (بخاری شريف، الصلوٰة، باب وجوب صلاة الجماعة، النسخة الهنديه ١/٨٩، حديث: ٦٣٥، ف: ٦٤٤، مسلم شريف كتاب المساجد، باب فصل صلاة الجماعة، وبيان التشديد فی التخلف عنها النسخة الهندية ١/٢٣٢، بيت الأفكار رقم: ٦٥١، ترمذی شريف، الصلاة، باب ماجاء في من سمع النداء فلا يجيب النسخة الهندية ١/٢٥، دارالسلام رقم: ٢١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۷/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵۱/۷/۱۴۲۲ھ

مسجد چھوڑ کر مدرسہ میں نماز پڑھنا

سوال [۱۹۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سکر ہٹہ خورد میں گاؤں سے باہر عیدگاہ ہے اس عیدگاہ ہی میں مدرسہ ہے، طلبہ و مدرسین اسی میں رہتے ہیں اور

پانچوں وقت کی نماز اذان اور جماعت کیساتھ پڑھتے ہیں جبکہ گاؤں کے اندر مستقل مسجد موجود ہے تو کیاان کومسجد کی نماز کے برابر ثواب ملے گا یانہیں؟

المستفتی: بشیر احمد بھوجپوری، سکر ہٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر عذر شرعی کے مسجد ترک کرکے مدرسہ میں باجماعت نماز پڑھنے سے ثواب مسجد سے محرومی ہے اور مسجد کا حق ادانہ کرنے کی وجہ سے قابل ملامت ہوں گے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ٦/ ١٨٧، جدید ڈابھیل ١٥/ ٣٠٨، امداد الفتاویٰ ٢/٢٦٢)

عن عبد الله بن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة . (صحيح البخارى ، الصلاة ، باب فضل صلاة الجماعة ...... النسخة الهنديه ١/ ٨٩، رقم: ٦٣٦، ف: ٦٤٥)

عن أبى هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: والذي نفسي بيده ، لقد هممت أن آمر بحطب فيحطب ، ثم آمر بالصلوٰة فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس، ثم أخالف إلى رجال فأحرق عليهم بيوتهم الخ . (بخارى شريف ، الصلوٰة ، باب وجوب صلاة الجماعة ، النسخة الهنديه ١/ ٨٩ ، رقم: ٦٣٥، ف: ٦٤٤)

عن عبد الله رضى الله عنه ، قال: من سره أن يلقى الله غداً مسلماً فليحافظ على هؤلاء الصلوات حيث ينادى بهن ، فإن الله شرع لنبيكم صلى الله عليه وسلم سنن الهدى ، وإنهن من سنن الهدى ، ولو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيكم ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم . (صحيح مسلم ، المساجد ، باب صلوٰة الجماعة ، من سنن الهدى النسخة الهندية ١/ ٢٣٢، بيت الأفكار رقم: ٦٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥/ رمضان المبارک ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٧/ ٢٣٨٦)

کارخانوں میں نماز عشاء وتراویح ادا کرنے سے مسجد کا ثواب حاصل نہ ہوگا

سوال [۱۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ رمضان المبارک میں نماز عشاء اور نماز تراویح کی باجماعت ادائیگی کا اہتمام رہائشی وکاروباری مکانات اوراسکولوں میں کرتے ہیں چونکہ نمازیوں کی کثرت تعداد کے سبب قریب کی مساجد میں جگہ نہیں رہتی ہے جبکہ مذکورہ مقامات میں کہیں دیگراوقات میں کوئی نماز نہیں ہوتی ہے، اور بعض مقامات پرظہر عصر وغیرہ کی نماز باجماعت ہوتی بھی ہے، کیاان مقامات پرنماز عشاء اورنماز تراویح باجماعت ادا کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: محمد قاسم، کٹ گھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مساجد میں جگہ نہ ہونے کی صورت میں گھر میں اور مکاتب وغیرہ میں نماز تراویح باجماعت ادا کرنے سے ادا ہو جاتی ہے، لیکن مسجد میں جو ثواب ملتا ہے وہ مکاتب اور گھروں میں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگا ۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۴/ ۲۵۱)

وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد وهكذا في المكتوبات. (شامی باب الوتر والنوافل، مبحث صلوٰۃ التراويح زكريا ٢/ ٤٩٥، كراچی ٢/ ٤٥)

قال الحنفية: صلاة التراويح بالجماعة سنة على الكفاية فى الأصح ..... وإن صلى في البيت بالجماعة لم ينل فضل جماعة المسجد. (الموسوعة الفقهية ٢٧/ ١٤٦)

ومن صلاها في بيته وحده أو بجماعة لايكون له ثواب سنة

التراويح لترك ثواب سنة الجماعة والمسجد. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل في مقدار التراويح وسننها كراچی ۲۸۸/۱، زكريا ۶۴۵/۱)

ومن صلى في البيت فهو تارك فضيلة المسجد (البنايه كتاب الصلوٰة، باب النوافل، فصل في قيام شهر رمضان اشرفيه ديوبند ۵۵۰/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۴۰/۳۱)

ہندو کی شادی ہونے والے مکان میں نماز تراویح پڑھنا

سوال [۱۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکان میں پچھلے کئی سالوں سے رمضان المبارک کے ماہ میں نماز تراویح کا اہتمام ہو رہا ہے، لیکن پچھلے دنوں یہ مکان ایک ہندو کی لڑکی کی شادی کیلئے کرایہ پر دیدیا گیا، اس مکان میں اس ہندو کی لڑکی کی ساری رسمیں ہوئیں پوجا اور اوم بھی ہوا شادی کے پھیرے ہوئے اور منتر بھی پڑھے گئے، تو کیا اس مکان میں نماز تراویح کا اہتمام جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرب، جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس زمین یا مکان میں نماز تراویح کا اہتمام ہو رہا ہے وہ اگرچہ شرعی مسجد نہیں ہے لیکن احترام کے معاملے میں وہ زمین اس زمین کی طرح ہو جاتی ہے جس پر نماز جنازہ یا نماز عید پڑھی جاتی ہے اور جس جگہ نماز جنازہ یا نماز عید پڑھی جاتی ہے، اس کے بھی احترام کا حکم ہے، لہٰذا اس زمین کو سوال میں ذکر کردہ خرافات اور اغیار کا شعار قائم کرنے کیلئے دینا مناسب نہیں، لیکن پھر بھی نماز تراویح بہر حال وہاں پر بلا تردد کے جائز اور درست ہو جائیگی۔

والـمـختـار لـلفتویٰ : أنه مسجد في حق جواز الاقتداء؛ لكن قال في البحـر: ظاهره أنه يجوز الوطء والبول والتخلي فيه ، ولا يخفىٰ ما فيه ، فإن البـانـی لم يعده لذلک ، فينبغی أن لا يجوز وإن حكمنا بكونه غير مسجد.
(شامی باب مـايفسد الصلوٰة ، و مايكره فيها، مطلب فی أحكام المسجد زكريا٢/ ٤٢٠، كراچی ١/ ٦٥٧،البحـرالـرائـق : كتـاب الصلوٰة ، قبيل باب الوتر والنوافل كوئٹه ٢/ ٣٦، زكـريـا٢/ ٦٤، مـجـمـع الأنهر ، كتاب الصلاة ، قبيل باب الوتر والنوافل ، جديد دارالكتب العلميه ١/ ١٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۶/ ۱۴۲۰ھ

قبرستان میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال [۱۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں نماز پڑھنا کیسا ہے دائیں بائیں سامنے پیچھے چاروں طرف اگر قبر ہوں تو وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، اور اگر صرف بائیں طرف قبر ہو تو دائیں طرف نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں یا اس کے برعکس؟ مفصل بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتي: محمد اسرائیل، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بالکل سامنے یا دائیں یا بائیں طرف اسطرح قبریں ہیں کہ ان پر نگاہ نہ پڑے تو مکروہ ہے اور پیچھے یا اوپر کی طرف یا نیچے کی طرف اس طرح قبریں ہوں کہ نگاہ نہ پڑ سکے تو بلا کراہت نماز جائز اور درست ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نهی أن يصلی فی سبعة مواطن : فی المزبلة والمجزرة ، والمقبرة. (سنن ابن ماجه ، الصلاة ، باب المواضع اللتی تكره

فيها الصلوٰة ،النسخة الهنديه١ / ٥٤، درالسلام رقم: ٧٤٦، سنن الترمذى ، الصلوٰة ، باب ماجاء في كراهية مايصلي إليه وفيه النسخة الهندية ١ / ٨١، دارالسلام رقم: ٣٤٦)

تكره الصلوٰة فى المقبرة إذا كان القبر بين يدى المصلى بحيث لو صلى صلوٰة الخاشعين وقع بصره عليه وأما إذا كان خلفه أو فوقه أو تحت ماهو واقف عليه فلا كراهة على التحقيق الخ. (الفقه على مذاهب الأربعة، كتاب الصلوٰة ، الصلوٰة فى المقبرة ، مكتبه دارالفكر و دارالكتب العلميه بيروت ١ / ٢٧٩، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، باب ما يفسد الصلوٰة ، فصل فى المكروهات ، دارالكتاب ديوبند ١ / ٣٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۶۰)

قبروں کو برابر کرکے اس پر نماز پڑھنا

سوال [۱۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی قبروں کو اکسار (برابر) کردیا گیا ہے، ان پر نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہد حسین، بیگم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کی جائیداد میں قبریں بنی ہیں اور قبریں اتنی پرانی ہوگئی ہیں کہ میت کے اجزاء کا مٹی ہوجانے کا ظن غالب ہو تو قبروں کو برابر کرکے مسجد کا فرش بنا کر اس پر نماز پڑھنا بلاکراہت درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم: ۷/ ۱۸ جدید زکریا ۷/ ۱۱۷)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قدم النبى صلى الله عليه وسلم المدينة –إلى– فقال أنس : فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين ، وفيه خرب ، وفيه نخل ،

فأمر النبی صلی اللہ علیه وسلم بقبور المشرکین فنبشت ، ثم بالخرب فسویت ، وبالنخل فقطع ، فصفوا النخل قبلة المسجد. (صحیح البخاری ، الصلاة ، باب هل تنبش قبور مشرکي الجاهلیة ویتخذ مکانها ، مساجد ۱/۶۱، رقم: ٤٢٤، ف: ٤٢٨)

جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار ترابا الخ. (الدرالمختار ، کتاب الصلوٰۃ ، باب الجنائز ، مطلب فی دفن المیت ،کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۱٤٥)

هل یجوز أن تبنی المساجد علیٰ قبور المسلمین (إلیٰ قوله) فإذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المساجد الخ. (عمدة القاری، الصلاة ، قبیل ، باب الصلاة فی مرابض الغنم زکریا ۳/٤۳٥، بیروت ٤/١٧٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍صفر ۱۴۱۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۲۴)	۱۴۱۱/۲/۱۹ھ

بوسیدہ قبرستان میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۱۹۷٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد بٹن والی کے نام سے موسوم ہے مسجد کٹرہ پورن جاٹ میں واقع ہے جس کے پرانی ہونے اور نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے نماز کی جگہ تنگ پڑتی ہے اور مسجد کی دیوار سے ملا ہوا قبرستان ہے، ازروئے شرع کیا اس قبرستان میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، اس امر میں ہمیں صحیح جواب مرحمت فرمائیں؟ تاکہ ہم لوگ صحیح رہنمائی حاصل کرسکیں آپکی عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: نوشہ میاں، محلّہ باڑہ شاہ صفا، نیر لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان اتنا پرانا ہو کہ قبروں میں میت باقی

نہ ہو بلکہ مٹی بن چکی ہو تو ان قبروں کو ہموار کر کے ان پر نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ میت کے مٹی بن جانے کے بعد قبروں کے احکام بدل جاتے ہیں، اور اگر نمازیوں کے سامنے کوئی قبر ہو تو اس کو دیوار سے حائل کر دیں۔

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: قدم رسول صلى الله عليه وسلم المدينة –إلى– فقال أنس: وكان فيه ما أقول لكم: كانت فيه قبور المشركين، وكانت فيه خرب، وكانت فيه نخل، فأمر رسول صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنبشت، وبالخرب فسويت، وبالنخل فقطع، فصفوا النخل قبلة المسجد وجعلوا عضادتيه حجارة. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب في بناء المسجد النسخة الهنديه ١/٦٥، دارالسلام رقم: ٤٥٣، سنن النسائي، المساجد، باب نبش القبور واتخاذ أرضها مسجدا، النسخة الهندية ١/٨١، دارالسلام رقم: ٧٠٣، صحيح ابن خزيمة، المكتب الاسلامى ١/٤٠٦، رقم: ٧٨٨)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم فيها مسجداً لم أر بذلك بأساً. (عينى شرح بخارى، الصلاة، قبيل باب الصلاة في مرابض الغنم زكريا ٣/٤٣٥، دار احياء التراث العربي بيروت ٤/١٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۰۴)

قبروں پر بنی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا

سوال [۱۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ ہے، اس کے نیچے والی منزل میں کچھ قبریں بھی موجود ہیں، تیسری منزل پر ہم لوگ باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: نظر حسین، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہو جائیگی۔

عن أنس بن مالك رضي قال: قدم رسول صلى الله عليه وسلم المدينة -إلى- فقال أنس: وكان فيه ما أقول لكم: كانت فيه قبور المشركين، وكانت فيه خرب، وكانت فيه نخل، فأمر رسول صلى الله عليه وسلم بقبور المشركين فنبشت، وبالخرب فسويت، وبالنخل فقطع، فصفوا النخل قبلة المسجد، وجعلوا عضادتيه حجارة. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب في بناء المسجد النسخة الهنديه ١/٦٥، دارالسلام رقم: ٤٥٣، سنن النسائي، المساجد، باب نبش القبور واتخاذ أرضها مسجداً، النسخة الهندية ١/٨١، دارالسلام رقم: ٧٠٣، صحيح ابن خزيمة، المكتب الاسلامى ١/٤٠٦، رقم: ٧٨٨)

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت تبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً الخ. (عمدة القارى، الصلاة، قبيل باب الصلاة فى مرابض الغنم زكريا ٣/٤٣٥، دار احياء التراث العربي بيروت ٤/١٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۱ھ

مزار پر قبر سے متصل مصلیٰ پر نماز پڑھنا

سوال [۱۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد شیر نے والی محلّہ کٹرہ غلام علی امروہہ ضلع مرادآباد میں دو افراد مدفون ہیں جن میں سے ایک شہید ہیں اور دوسرے ولی شاہ وارثی بزرگ ہیں، تقریباً ستر برس سے انکے اعراس کے انتظام میرے والد رفیع اللہ وارثی کرتے تھے، ان کے وصال کے بعد یہ کارسعید

میرے ذمہ ہے، بلاتفریق عقائد تمام شہر واطراف کے عقیدت منداعراس میں شریک ہوتے ہیں مزارات مسجد کے صحن سے باہر جانب شمال میں واقع ہیں، مزارات کے سرہانے دو درخت انار کے اور ایک درخت برنے کا ہے مزارات کے جنوب کی طرف جو جگہ ہے اس پر ختم خواجگان ومیلاد شریف اور قوالی ہوتی ہے، اب مسجد کے متولی نے بغیر اجازت خاکسار انتظام اعراس مزارات اس جگہ پر فرش پختہ بنا کر مصلے بنادیئے ہیں، جہاں کبھی کبھار نمازی بھی کھڑے ہوکر نماز ادا کر لیتے ہیں کیا اس پر نماز پڑھنا درست ہے؟ میں اس جگہ پر بغرض تحفظ مزارات ایک سائبان بنانا چاہتا ہوں تاکہ مزار ومسجد کی نشان دہی ہوجائے اب تک جن لوگوں نے اس جگہ نماز پڑھی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ کا ممنون ہوں گا؟

المستفتي: شریف احمد وارثی، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ بالا میں جو جگہ عرس وغیرہ کیلئے خاص ہے اور وہاں مزارات نہیں ہیں، تو اس جگہ پر نماز پڑھنا درست ہے اور جن لوگوں نے نماز پڑھی ہے انکی نماز ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ولا بأس بالصلوٰة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلوٰة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما فى الخانية، ولا قبلته إلىٰ قبر: حلية. (شامی، کتاب الصلوٰة، قبیل مطلب تكره الصلوٰة فى الكنيسة، کراچی ۱/ ۳۸۰، زکریا ۲/ ٤۲)

وصلىٰ فيه لا بأس به وكذا فى المقبرة إذا كان فيها موضع آخر أعد للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة. (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها كوئٹه ۲/ ۳۳، زکریا ۲/ ۵۸، حاشیه چلبي، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوٰة، وما يكره فيها مكتبه امداديه ملتان ۱/ ۱٦۵، زکریا ۱/ ٤۱۲، حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوٰة، فصل فى المكروهات، دارالكتاب ديوبند

۱/۵۷ ۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۱ھ

زکوٰۃ کی رقم سے بنائی گئی مسجد میں نماز کا حکم

سوال [۱۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جو ۲۰/۱۸ رسال پرانی ہے، آج سے ۲۰/۱۸ رسال قبل یہاں اسقدر بے دینی کا ماحول تھا کہ توحید کا نام لینا جرم عظیم سمجھا جاتا تھا، قبر پرستی اور شرک کا بازارا اسقدر گرم تھا کہ اہل توحید کیلئے بازاروں میں نکلنا مشکل تھا، درحقیقت آج بھی یہ ماحول ہے کہ بریلوی لوگوں نے اس قدر نفرت کا بازار گرم کر رکھا ہے، کہ عام اور سادہ لوگ اہل دیوبند کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے ایسے ماحول میں مقامی سطح پر بہت کم لوگ دیندار اور مالدار تھے ،چونکہ مسجد کی اہل حق کو شدید ضرورت تھی، اس لئے بوقت مجبوری ایسا کیا گیا کہ اس مسجد میں زکوٰۃ کا پیسہ لگادیا گیا تو کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے، اس سلسلہ میں شرعی نقطہ نگاہ سے آگاہ فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتي: خلیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کے مال سے مسجد کی تعمیر کرنا درست نہیں ہے،سوال میں مذکورہ حالات کے پیش نظر فقہاء کرام نے ایک حیلہ بیان کیا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم متولی مسجد کسی فقیر کو دیدے پھر وہ دوبارہ اپنی مرضی سے متولی کو واپس کردے تو اب اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا جائز اور درست ہوگا،اور جو مسجد زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر ہوگئی ہے اس میں نماز پڑھنا جائز اور درست ہے۔

من علیه الزکاة لو أراد صرف الزکاة إلی بناء المسجد ، أو القنطرة لا

یـجوز، وإن أراد الحيلة، فالحيلة : أن يتصدق المتولي على الفقير، ثم الفقير يدفعه إلي المتولي، ثم المتولي يصرف ذلک . (المحيط البرهاني، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون جديد المجلس العلمي ٩/١٤٦، رقم: ١١٤٢٠، الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الحيل الفصل الثاني فى الزكاة ١٠/٣١٨، رقم: ١٤٨٦٠، ١٤٨٦١)

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطير والسقايات وإصلاح الطرقات .(عالمگیری، کتاب الزکوٰۃ، الباب السابع فی المصارف، زکریا قدیم ١/١٨٨،جدید ١/٢٥٠)

لايصرف إلى بناء نحو المسجد ...... **وقد منا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء.** (در مختار مع الشامی، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف زکریا٣/٢٩٣، کراچی ٢/٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
١٩/رجب١٤٢٤ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٧/٨١٣٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٩/٧/١٤٢٤ھ

حرام کمائی سے بنائی گئی مسجد میں نماز

سوال [١٩٨٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کی تعمیر کی گئی جس کی چھت اور دیوار اور دوسری اشیاء حرام کمائی سے بنائی گئیں صرف مسجد کا فرش اور صحن حلال مال سے بنایا گیا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جواب دیں؟

المستفتي: شبیراحمد،دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی مسجد جس کی زمین حلال مال سے خریدی گئی ہو،اوراس کی عمارت حرام مال سے بنائی گئی ہو،اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔(مستفاد: فتاویٰ

رشیدیہ قدیم/۵۴۲، جدید زکریا/۵۲۳)

عن أبي هريرة ، قال: قال رسول الله ﷺ أيها الناس ، إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً . (صحيح مسلم ، الزكاة ، باب الحث على الصدقة الخ ، النسخة الهنديه ٣٢٦/١، بيت الأفكار رقم : ١٠١٥ ، مسند الدارمي ، دار المغني ٧٨٦/٣، رقم: ٢٧٥٩، مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمي ١٩/٥، رقم: ٨٨٣٩، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٤٤/١٧، رقم: ٩٧٤٢)

لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله الخ.
(شامی ، باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها، مطلب فی أحكام المسجد كراچی ٦٥٨/١، زكريا ٤٣١/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۵/۱۴۱۵ھ

چوری کے ریت سے بھرائی کی گئی مسجد میں نماز پڑھنے کا شرعی حکم

سوال [۱۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی میں پرانی مسجد تھی گہری ہونے کی وجہ سے دوبارہ تعمیر کی جارہی ہے اس کی بھرائی کیلئے مٹی کی ضرورت ہے ہماری بستی کے قریب ایک نہر ہے جس کی مٹی اور ریت سے بغیر اجازت کے چوری سے اتوار کے دن مسجد کی بھرائی کرلی گئی جبکہ کسانوں کی بستی ہے اپنے اپنے کھیتوں سے بھی مٹی اٹھائی جاسکتی ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعمیر مسجد کی بھرائی میں چوری کی مٹی لگانے کی وجہ سے اس پر نماز مکروہ تحریمی ہے، اب جواز کی شکل یہ ہے کہ اس نہر کے مالکوں سے یا اگر سرکاری

نہر ہوتو اس کے ذمہ داروں سے اجازت حاصل کر لیجائے یا اندازہ لگا کر اتنی ہی مٹی نہر میں ڈلوادی جائے۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۳ ۴۵ ،فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/ ۲۴۶ ،جدید زکریا ۹/ ۱۵۷)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ أيها الناس ، إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا . (صحيح مسلم، الزكاة ، باب الحث على الصدقة الخ ، النسخة الهندية ١/ ٣٢٦، بيت الأفكار رقم: ٩ ٨٣ ٨، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٧/ ٤٤ ١ ،رقم: ٢ ٤ ٧ ٩)

أما لو انفق في ذلك ما لا خبيثاً و مالا سببه الخبيث و الطيب فيكره لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب ، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله الخ شرنبلالية . (شامی، باب مايفسد الصلوٰة ، ومايكره فيها مطلب فی أحكام المسجد، زكريا ٢ / ٣١ ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۷۴)

مساجد میں قالین وغیرہ بچھانا

سوال [۱۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بمبئی وغیرہ کی بعض مساجد میں فرش پر بچھی دری قالین چاندنی اور پلاسٹک کی چٹائی وغیرہ کو ہٹا کر کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی کا لوگ استعمال کرتے ہیں، اور قالین وغیرہ کے استعمال کو ناجائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد نبوی کے اندر کھجور کے پتوں سے بنی چٹائی ہی استعمال ہوتی تھی تو کیا اس زمانہ میں بھی ایسی ہی چٹائی کا استعمال ضروری ہے، اس کے علاوہ قالین وغیرہ کا بچھانا ناجائز ہے؟ شریعت میں ان باتوں کی کیا حیثیت ہے، مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد نعیم الدین صدیقی،
ضلع: غازی پور۔(یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دری قالین اور پلاسٹک کی چٹائی وغیرہ پر نماز پڑھنا بلاشک وشبہ جائز اور درست ہے، اس لئے کہ آن حضرت ﷺ سے چٹائی کے علاوہ کپڑے پر بھی سجدہ کرنا ثابت ہے، اور دری قالین وغیرہ کپڑے ہی کی قسم سے ہیں، اسی طرح صحابہ سے بھی کپڑے پر سجدہ کرنا ثابت ہے، لہٰذا کسی کا یہ سمجھنا کہ دری قالین چاندنی وغیرہ پر سجدہ کرنا درست نہیں ہے یہ محض شریعت سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

عن عبد الله بن عبد الرحمن ، قال: جاء نا النبي صلى الله عليه وسلم ، فصلي بنا في مسجد بنى عبد الأشهل ، فرأيته واضعاً يديه على ثوبه إذا سجد. (سنن ابن ماجه ، الصلاة ، باب السجود على الثياب فى الحرو البرد النسخة الهنديه ١/ ٧٢، دارالسلام رقم: ١٠٣٠)

عن عبد الله بن أبى أوفیؓ قال: رأيت رسول الله ﷺ سجد على كور العمامة. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٥/ ٢٣٦، رقم: ٧١٨٥)

عن أنس بن مالكؓ قال: كنا نصلي مع النبي ﷺ، فيضع أحدنا طرف الثوب من شدة الحر فى مكان السجود. (بخارى شريف ، الصلاة ، باب السجود على الثوب فى شدة الحر، النسخة الهنديه ١/ ٥٦، رقم: ٣٨٣، ف: ٣٨٥)

عن الحسن البصرى رحمة الله عليه ان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجدون و أيد يهم فى ثيابهم ويسجد الرجل منهم على كور عمامته . (سنن الكبرىٰ للبيهقى ، كتاب الصلوٰة ، باب من بسط ثوباً فسجد عليه قديم ٢/ ١٠٦، جديد ، دارالفكر ٢/ ٤٤١، رقم: ٢٧٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۵۹)

قالین کے گدّے پر نماز

سوال [۱۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے اندر غالیچہ اور قالین پھر موسم سرما میں اسی کے اوپر گدے بچھائے جاتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟ اس سے نماز میں کوئی قباحت تو نہیں ہوگی، حالانکہ یہ سب چیزیں رئیس اور امراء لوگ پسند کرتے ہیں۔

المستفتي: محمد یوسف مفتاحی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قالین کے گدے ایسے ہوں کہ ان پر سر ٹک جاتا ہوتو ان پر نماز پڑھنا صحیح ہے، اور اگر گدا اس طرح موٹا اور نرم ہو کہ دبتا چلا جاتا ہوا ور اس پر سر نہ ٹک سکتا ہوتو اس پر نماز صحیح نہیں ہوگی۔

ولو سجد على الحشيش ، أو التبن ، أو على القطن ، أو الطنفسة، أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز ، وإن لم تستقر لا . (عالمگيرى ، الباب الرابع فى صفة الصلوٰة ، الفصل الأول فى فرائض الصلوٰة زكريا قديم ١/ ٧٠، جديد ١/ ١٢٧)

فإن سجد على كور عمامته أو فاضل ثوبه أو شئى يجد حجمه وتستقر جبهته جاز، وإن لم تستقر لا . (شرح الوقايه ، كتاب الصلوٰة ، باب صفة الصلوٰة ، اشرفى ١/ ١٤٧، شرح النقايه ، كتاب الصلوٰة ، باب صفة الصلاة اعزازيه ١/ ٧٨)

وإذا صلى على التبن ، أو القطن المحلوج فسجد عليه ، إن استقرت جبهتة وأنفه على ذلک ، ووجد الحجم يجوز ، وإن لم يستقر جبهته ، لايجوز . (المحيط البرهاني ، كتاب الصلاة ، الفصل الثالث فيما يفعله بعد الشروع فى الصلاة ، جديد المجلس العلمي ٢/ ١٢٣، رقم: ١٣٧٥، الفتاوىٰ التاتارخانيه ، كتاب الصلاة ، الفصل الثالث فى كيفية الصلاة زكريا ٢/ ١٧٨، رقم:

٢٠٧١، البنایه، اشرفیه دیو بند ٢/٢٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶ ۳/ ۷۹۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۵ھ

اندرون مسجد خراب ہونے کی وجہ سے باہر نماز پڑھنا

سوال [۱۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موسم برسات میں مسجد کی چھت سیلنے کی وجہ سے اندرون مسجد خراب ہو گیا ہے اور صحن بھی کچھ گیلا اور کچھ سوکھا ہے تو ایسی صورت میں خارج از مسجد نماز پڑھ سکتے ہیں کوئی خرابی تو نہیں ہے، مثلاً مدرسہ کے کمرے میں نماز ادا کرلی جائے۔

المستفتي: مجیب الرحمٰن قاسمی، کھگھو سرائے، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی بلکہ جماعت اور مسجد میں آنے پر دونوں کا ثواب ملنے کی امید بھی ہے، کیونکہ سب نمازی مسجد ہی میں باجماعت نماز ادا کرنا چاہتے ہیں، لیکن عذر شدید نے رکاوٹ ڈالدی ہے، البتہ حدود مسجد میں جو ثواب ملتا ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔

وإذا انقطع عن الجماعة ؛ لعذر من أعذار المبيحة للتخلف يحصل له ثوابها. (نور الإيضاح ، كتاب الصلاة، باب الجماعة /٧٨)

وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها المبيحة للتخلف وكانت نيته حضورها، لولا العذر الحاصل يحصل له ثوابها. (حاشيه الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة ، باب الجماعة ، دار الكتاب ديوبند ١/٢٩٩، شامی، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد ، زكريا ٢/٢٩١، كراچی ١/٥٥٤، ٥٥٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/٦٣)

یسقط حضور الجماعة. (حموی علی الأشباه،مطبوعه کراچی/ ۲۱۰)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/ ۱۱۳۱)

مسجد کا پانی گھر لیجا کر وضو کرنا

سوال [۱۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے گھر سے لوٹا لاکر مسجد سے گرم پانی گھر لیجا کر وضو کرتا ہے کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں، کرم ہوگا؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں گرم پانی کا انتظام صرف اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے استعمال کے لئے ہوتا ہے، اس لئے گھروں میں لے جا کر وضو کرنا مناسب نہیں ہے، اسلئے کہ اس سے یہ سلسلہ بھی جاری ہونے کا خطرہ ہے کہ محلّہ کے لوگ مسجد کا گرم پانی اپنی گھریلو ضروریات اور گھر کے لوگوں کے استعمال کیلئے لے جانے لگیں۔

متولی المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلیٰ بیته وله أن یحمله من البیت إلی المسجد. (هندیه کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، زکریا قدیم ۲/ ٤٦٢، جدید۲/ ٤١٣، البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی احکام المسجد کوئٹه ٥/ ۲٥٠، زکریا ٥/ ٤۲٠)

ولا یحمل الرجل سراج المسجد إلی بیته. (هندیه کتاب الصلوٰة، الباب السابع فی مایفسد الصلوٰة، ومایکره فیها، الفصل الثانی فی مایکره فی الصلاة

ومالا یکره ، زکریا ۱قدیم / ۱۱۰، جدید ۱/ ۱٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۳/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۷۰)

ایک مسجد کے گرم پانی سے وضو کر کے دیگر مسجد میں جا کر نماز پڑھنا

سوال [۱۹۸٦]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے گرم پانی سے وضو کر کے دوسری مسجد میں نماز پڑھنے جانا، جبکہ دوسری مسجد میں میں گرم پانی نہیں ہوتا ہے، اور نماز عشاء بھی جلدی ہوتی ہے، اس لئے بعض آدمی ایسا کر لیتے ہیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

المستفتي: عبد الرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک مسجد کے گرم پانی سے وضو کرنے کے بعد اس مسجد میں نماز پڑھنا لازم نہیں ہے، کسی بھی مسجد میں جا کر وہ نماز پڑھ سکتا ہے، اس لئے کہ گرم پانی وہیں پر وضو کرنے کیلئے تیار کیا جاتا ہے، لے جانے کیلئے نہیں، اور اس نے وہیں پر وضو کیا ہے، اس کے بعد کسی خاص وجہ سے دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھتا ہے، تو اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں، کیونکہ گرم پانی نمازی ہی کیلئے تیار کیا جاتا ہے، چاہے وہ کہیں بھی نماز پڑھتا ہو، اور یہ پانی ہر قسم کے نمازی کیلئے مباح ہوا کرتا ہے، اور عملاً ذمہ داروں کی طرف سے اس کی اجازت ہوتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم جدید ۱۳/۴۸٦)

اور ذیل کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔

كل من كانت له عين أو بئر أو قناة فليس له أن يمنع ابن السبيل من أن يشرب منها ويسقي دابته وبعيره وغنمه منها وليس له أن يبيع من

ذلک شيئاً للشفة والشفة عندنا الشرب لبني آدم والبهائم والنعم والدواب وله أن يمنع السقي للأرض والزوع والنخل والشجر وليس لأحدٍ أن يسقى شيئاً من ذلک إلا بإذنه فإن اذن له فلا بأس بذلک الخ.

(تکمله فتح الملهم ۱/ ۵۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۷۰)

صفوں کو پیروں کی ٹھوکروں سے بچھانا اور سمیٹنا

سوال [۱۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب پنجوقتہ نمازی ہیں جن کا معمول یہ ہے کہ صف کو مسجد کے اندر پیروں کی ٹھوکروں سے بچھاتے ہیں اور اکٹھا کرتے ہیں تو بھی پیروں سے اکٹھا کرتے ہیں کیا اسمیں کسی قسم کی کوئی قباحت یا خلاف اولیٰ یا مکروہ کی بات تو نہیں ہے جو بھی ہو اس کا خلاصہ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: عابد حسین محلہ:
نیوبستی، انصار کلاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پیروں کی ٹھوکروں سے مسجد کی صفوں کو بچھانا اور اکٹھا کرنا خلاف ادب اور احترام مسجد کے خلاف ہے۔

ولاترمي براية المستعمل لا حترامه كحشيش المسجد وكناسته لا يلقى في موضع يخل بالتعظيم الخ. (عالمگیری كتاب الكراهية ، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة...... زكريا قديم ٥/ ٣٢٤، جديد ٥/ ٣٧٥، البحر الرائق ، كتاب الطهارة ، باب الحيض كوئٹه ١/ ٢٠٢، زكريا ١/ ٣٥١، شامی كتاب الطهارة ، قبيل باب

المیاہ زکریا ١/ ٣٢٢، کراچی ١/ ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١؍صفر ١٤١٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٨/ ٣٠١٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١١/٢/١٤١٣ھ

کارپوریشن کی زمین میں نماز کا شرعی حکم

سوال [١٩٨٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں پونہ شہر میں ایک مسجد ہے ''مصباح العلوم'' کے نام سے اس مسجد کا تعمیری کام تقریباً ١٢؍سال پہلے شروع ہوا تھا، تو ذمہ داروں نے سرکاری کالونی میں کارپوریشن کی اجازت کے بغیر انجمن کے نام سے عارضی طور پر ایک عبادت گاہ بنائی تھی، کچھ دنوں کے بعد جب کارپوریشن والے توڑ نے آئے تو ذمہ داروں نے کہا کہ مسجد کی مکمل تعمیر تک ہم کو مہلت دی جائے اب مسجد تعمیر ہو کر آٹھ سے دس سال پورے ہوگئے ابھی ایک یا دو سال پہلے کارپوریشن والے پھر آئے تھے لیکن لوگوں نے انہیں توڑنے سے منع کیا اب وہ جگہ نہ کارپوریشن سے کرایہ پر لی گئی ہے اور نہ ہی اس کو خریدا گیا ہے جبکہ اس جگہ فی الحال پانچوں نمازیں جمعہ وعیدین سب ہوتی ہیں، تو ایسی جگہ نماز پڑھنا کہاں تک صحیح ہے کیا ایسی جگہ مسجد کا ثواب ملیگا؟

المستفتي: ناصر عبدالقدیر شیخ، پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کارپوریشن کی جگہ پر ان کی اجازت کے بغیر اگر یوں نماز پڑھی گئی ہے کہ یہاں نماز پڑھنے کی وجہ سے کارپوریشن کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں رہے گی تو ایسی صورت میں وہاں نماز بلا کراہت درست ہوگی، اور جب بعد میں کارپوریشن والے توڑنے آئے اور مسجد کی تکمیل تک کیلئے اجازت لی اور انھوں نے تکمیل تک کیلئے توڑنا موقوف کردیا ہے یہ ان کی طرف سے اجازت کا ثبوت ہے، لہذا اب بھی نماز درست ہوتی رہی لیکن جب مسجد کی تکمیل ہوگئی اس کے بعد کارپوریشن والے اپنی جگہ پر قبضہ

کرنے کیلئے آئے تو وہ جگہ ان کے قبضہ میں دیدینا لازم رہا ہے اس کے بعد سے اس جگہ پر زبردستی قبضہ کر کے جو نماز پڑھی جارہی ہے وہ نماز مکروہ ہوگی، اسلئے کہ غصب کی زمین میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور نہ ہی وہ جگہ مسجد شرعی کہلائے گی۔

الصلاة في أرض مغصوبة جائزة ؛ ولكن يعاقب بظلمه فما كان بينه وبين الله يثاب وما كان بينه وبين العباد يعاقب مع الكراهة، قوله: مع الكراهة أى التحريمية. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب شروط الصلاة، وأركانها، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۲۱۱)

فى المنتقى: قال أبو يوسف إذا غصب رجل أرضاً وبناها حوانيت وحماماً، ومسجداً فلا بأس بالصلاة فى ذلك المسجد... قال هشام: وأنا أكره الصلاة فيه، حتى يطيب ذلك أربابه. (المحيط البرهانى، كتاب الغصب، الفصل: ۹ جديد المجلس العلمي ۸/ ۲۵۰، رقم: ۱۰۱۳۱)

تكره فى أرض الغير لو مزروعة، أو مكروبة ؛ إلا إذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها، لا يكرهه، فلابأس. (شامى كتاب، الصلوٰة، مطلب فى الصلوٰة فى الأرض الغصوبة زكريا ۲/ ٤٤، كراچى ۱/ ۳۸۱)

الحنفية عدوا المكروهات.... الصلاة في أرض الغير بلارضاه.

(الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلوٰة، عد مكروهات الصلوٰة مجتمعة دارالفكر ودارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸۰، ۲۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۱۰۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۴/ ۱۴۳۰ھ

مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا

سوال [۱۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے غیر

مسلم پڑوسی کی زمین غصب کر لی ہے، پھر اس مغصوبہ زمین میں اپنا مکان بنالیا تو اس مکان میں نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں، کیا زید پر یہ ضروری ہے کہ اس زمین کو واپس کردے جو زمین اپنے غیر مسلم پڑوسی کی ظلماً لے لی ہے، اگر واپس نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد الیاس، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا مکروہ ہے خواہ مسلم کی ہو یا غیر مسلم کی البتہ اگر مالک کو اس زمین کی قیمت ادا کر دی جائے تو اس کے بعد مکروہ نہ ہوگی ۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/ ۳۷۵، جدید زکریا ۵/ ۱۲۵)

وکذا تکره فی أماکن کفوق کعبة وطریق (إلی قوله) وزاد فی الکافی أرض مغصوبة أو للغیر. (شامی کتاب الصلوٰۃ، زکریا ۲/ ٤٢، کرچی ۱/ ۳۸۱، مراقی الفلاح، باب مایفسد الصلوٰۃ، فصل فی المکروهات جدید دارالکتاب دیوبند /۳۵۸، قدیم /۱۹۷، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲۱۱)

اور غاصب پر یہ بات ضروری ہے کہ یا تو زمین مالک کو واپس کرے یا مالک کو راضی کرکے اس کی قیمت ہی ادا کرے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۷/ ۳۵۰)

ویبرأ بردها أی رد العین المغصوبة إلی المغصوب منه وقال الشامی أیضا بأنه ما فوت بعض العین وبعض نفعه و أنه حینئذٍ یتسلم الغاصب العین ویدفع قیمتها أو یدفعها ویتضمن نقصانها والخیار فی ذلک للمالک .

(شامی کتاب الغصب، مطلب فی رد المغصوب وفیما لو أبی المالك وقبوله زکریا۹/ ۲٦٦، کراچی ٦/ ۱۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ ؍رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۲۳۷)

گرمی کی بناء پر صحن مسجد میں نماز ادا کرنا

سوال [۱۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرمی کے ایام چل رہے ہیں مسجد سے باہر صحن میں چار صفیں ہیں ایک صف میں امام صاحب کا مصلی ہوتا ہے باقی صفیں کبھی آدھی اور کبھی ایک ڈیڑھ ہوتی ہیں، جب کبھی تبلیغی جماعت آتی ہے تو دو ڈھائی صفیں ہو جاتی ہیں، گرمی کی وجہ سے نماز صحن میں ہوا کرتی ہے، اسلئے امام صاحب پانچوں وقت کی نماز صحن میں جماعت سے پڑھاتے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح نماز باہر صحن میں جماعت سے ہوجائیگی یا نہیں؟ ایک شخص کا قول ہے کہ فجر کی نماز اندرون مسجد ہونا ضروری ہے ورنہ نماز نہ ہوگی، اس کے بارے میں مکمل تشفی بخش جواب سے نوازیں؟

المستفتي: مصلیان جامع مسجد، نگرمہالی پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گرمی کی وجہ سے اگر اندورن حصہ میں گھٹن ہو اور مسجد کا صحن بھی حدود مسجد کے دائرہ میں داخل ہو تو صحن مسجد میں گرمی کی وجہ سے جماعت کرنا بلاکراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/ ۳۱۹، جدید ڈابھیل ٦/ ۳۹۹، عزیز الفتاویٰ کراچی/۲۱۳، رحیمیہ قدیم ٦/ ۴۴۹، جدید زکریا ۴/۱۴۳)

ولو كا ن المسجد الصيفي بجنب الشتوى وامتلأ المسجد يقوم الإمام في جانب الحائط ليستوى القوم من جانبيه. (شامی كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب هل الإساء ة دون الكراهة أو أفحش منهاز كريا ٢/ ٣١٠، كراچی ١/ ٥٦٨، البنايه كتاب الصلوٰة، باب في الإمامة، مكتبه اشرفيه ديوبند ٢/ ٣٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱۵ھ

موسم گرما میں صحن مسجد میں جماعت

سوال [۱۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرمی کا موسم ہے مسجد کے اندر گرمی ہے تو جماعت مسجد کے صحن میں کرائی جائے تو درست ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ محراب کو خالی رکھنا اور مسجد کے صحن میں نماز پڑھنا ٹھیک نہیں ہے؟

المستفتي: غلام حسین، رام نگر، ضلع ادھم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: گرمی کے موسم میں اندرون مسجد شدید گرمی کے باعث صحن مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا جائز اور درست ہے، بشرطیکہ صحن مسجد احاطۂ مسجد میں ہو، اس لئے کہ صحن مسجد بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے۔

وفناء المسجد له حكم المسجد . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، دارالكتاب ديوبند ۱/۲۹۳، هنديه، الباب السابع فى مايفسد الصلاة، فصل كره غلق باب المسجد زكريا قديم ۱/۱۰۹، جديد۱/۱٦۸، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا۱/٦۳۵، كوئٹه ۱/۳٦۳)

ولوكان المسجد الصيفي بجنب الشتوي وامتلأ المسجد، يقوم الإمام فى جانب الحائط ليستوى القوم من جانبيه . (شامى، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مصرى ۱/۵۳۱، كراچى ۱/۳۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۳۲)

صحن مسجد یا دالان مسجد میں نماز پڑھنا

سوال [۱۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں نماز

کیلئے تین جگہیں ہوتی ہیں، ایک بالکل اندر دوسری دالان مسجد، تیسری صحن مسجد ان تینوں جگہوں میں جماعت ہوتی ہے، کسی وقت کہیں اور کسی وقت کہیں صبح کی نماز کی جماعت مسجد کے اندرونی حصہ میں ہی ہوسکتی ہے، یا دالان اور صحن میں بھی ہوسکتی ہے، اگر دالان اور صحن مسجد میں جماعت کر لی جائے، تو نماز ہو جائے گی، یا باطل ہوگی، یا کسی قسم کی کراہت آویگی، دوسری بات یہ ہے کہ سخت گرمی ہے، اور بجلی بھی بھاگی ہوئی ہے، پنکھے وغیرہ چل نہیں رہے ہیں، گرمی کی وجہ سے نمازیوں کا دل اچاٹ ہورہا ہے، تو ایسی صورت میں باہر صحن مسجد میں جماعت کر لی جائے جبکہ وہاں ہوا کی وجہ سے طبیعت میں بشاشت ہے یا اندرون مسجد میں ہی جماعت کی جائے، اسمیں افضل اور بہتر کس جگہ نماز پڑھنا ہے، وضاحت کیساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتي: احقر رفاء الحسن، نیلی کھیڑی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہندوستانی مسجدوں میں صحن کا حصہ بھی داخل مسجد اور جماعت خانہ میں شامل ہوا کرتا ہے، اسلئے اندر کے حصہ میں اور دالان میں اور صحن مسجد میں ہرسہ حصوں میں سے کسی بھی حصہ میں باجماعت نماز ادا کی جائے، تو بلا کراہت نماز جائز اور درست ہے، اور مسجد کا ثواب بھی مکمل حاصل ہوگا البتہ امام کو محراب کے سیدھ میں کھڑا ہونا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۴/۱۲۴)

وفناء المسجد له حكم المسجد، يجوز الإقتداء فيه وإن لم تكن الصفوف متصلة. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/٦٣٥، كوئٹه ١/٣٦٣، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة دارالكتاب ديوبند ١/٢٩٣، الفتاوى الهنديه، كتاب الصلوٰة، الباب السابع فى ما يفسد الصلوٰة، فصل كره غلق باب المسجد زكريا قديم ١/١٠٩، جديد ١/١٦٨)

لو كان المسجد الصيفى بجنب الشتوى وامتلأ المسجد يقوم الإمام

فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیه الخ. (شامی کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة، مطلب هل الإساءة دون الکراهة أو أفحش منها زکریا ۲/ ۳۱۰، کراچی ۱/ ٥٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۵ھ

موسم گرما میں مسجد کی چھت پر جماعت قائم کرنا

سوال [۱۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں ہوا آنے کا امکان نہیں ہے، گرمی کی بنا پر عشاء کی نماز مسجد کی چھت پر پڑھی جاتی ہے، تو کیا چھت پر پڑھی جانے والی نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: حافظ رئیس، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاضرورت مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے البتہ اگر مسجد میں سخت گرمی ہو کہ کہیں سے ہوا نہ آتی ہو یا تنگی وغیرہ ہو اور کوئی عذر شرعی (بے پردگی) بھی لازم نہ آئے تو مسجد کے اصل جماعت خانہ کو چھوڑ کر چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۱۶، جدید زکریا ۳/ ۱۵۹، جدید زکریا مطول ۴/ ۳۰۳، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۰۱، جدید میرٹھ ۱۱/ ۱۳۱)

قال الزیلعی: ولهذا یصح الإقتداء من علی سطح المسجد بمن فیه. (شامی باب ما یفسد الصلوٰۃ، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا ۲/ ۴۲۸، کراچی ۱/ ٦٥٦)

وإذا صلی فوق المسجد مقتدیا بالإمام أجزأه. (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلوٰۃ، باب الحدث فی الصلوٰۃ، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۱۰)

الصعود علی سطح کل مسجد مکروه ولهذا إذا شتد الحر یکره

أن یصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحینئذ لایکره الصعود علی سطحه للضرورة. (هندیه ، کتاب الکراهة ، آداب المسجد زکریا قدیم ٥/ ٣٢٢ ، جدید ٥/ ٣٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/٦/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/٦/۱۴۱۷ھ

گرمی کی وجہ سے دوسری منزل میں جماعت کرنا

سوال [۱۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں جمعہ کی نماز اور پنجوقتہ نماز با جماعت ہوتی ہے، اور مسجد دومنزلہ ہے تو سخت گرمی کی وجہ سے نیچے کی مسجد یعنی پہلی منزل کو چھوڑ کر کے دوسری منزل پر یعنی مسجد کی چھت پر جماعت کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ نیچے کی مسجد کو چھوڑ کر مسجد کی چھت پر نماز نہیں پڑھ سکتے اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ شدید مجبوری میں کر سکتے ہیں لیکن گرمی کا ہونا کوئی مجبوری نہیں ہے، صرف گرمی کی وجہ سے جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب جلد ہی تحریر فرمائیں۔

المستفتي: محمد صلاح الدین قاسمی، رام نگر بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پہلی منزل کی طرح دوسری منزل میں بھی جماعت خانہ ہے تو گرمی کی وجہ سے دوسری منزل میں جماعت کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/ ۵۴)

قال الزیلعی ولهذا یصح الإقتداء من علیٰ سطح المسجد بمن فیه. (شامی، باب ما یفسد الصلوٰة ، مطلب فی أحکام المسجد زکریا ۲/ ۴۲۸، کراچی ۱/ ٦٥٦)

وإذا صلی فوق المسجد مقتدیا بالإمام أجزأه. (المبسوط للسرخسی ،

کتاب الصلوٰۃ ، باب الحدث فی الصلوٰۃ ، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۱۰)

الصعود على سطح كل مسجد مكروه ولهذا إذا شتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لايكره الصعود على سطحه للضرورة. (هندیه ، کتاب الکراهة ، آداب المسجد زکریا قدیم ۵/ ۳۲۲ ، جدید۵/ ۳۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۴/ ۱۴۲۱ھ

شدید گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جماعت کرنا

سوال [۱۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد بھی خانۂ کعبہ کی طرح خدا کا گھر ہے جو تحت الثریٰ سے لیکر عرش تک مسجد ہی مسجد ہے تو کیا شدید گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر عشاء وغیرہ کی نمازیں پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر حبس اور تپش کی وجہ سے نمازی شدید اضطراری حالت میں مبتلا ہیں تو ایسی شدید گرمی کی وجہ سے نیچے کے جماعت خانہ کو چھوڑ کر مسجد کی چھت پر جماعت کرنیکی شرعاً گنجائش ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۰۱ ، جدید میرٹھ ۱۱/ ۱۳۱ ، کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۱۶ ، جدید زکریا ۳/ ۱۵۹ ، زکریا مطول ۴/ ۳۰۳)

قال الزيلعي ولهذا يصح الإقتداء من علىٰ سطح المسجد بمن فيه. (شامی ، باب ما یفسد الصلوٰۃ ، مطلب فی أحکام المسجد زکریا۲/ ۴۲۸ ، کراچی ۱/ ۶۵۶)

وإذا صلى فوق المسجد مقتد يا بالإمام أجزأه. (المبسوط للسرخسی ، کتاب الصلوٰۃ ، باب الحدث فی الصلوٰۃ ، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۱۰)

الصعود على سطح كل مسجد مكروه ولهذا إذا شتد الحر يكره

أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لايكره الصعود على سطحه للضرورة. (هنديه ، كتاب الكراهة ، آداب المسجد زكريا قديم ٥/ ٣٢٢ ، جديد ٥/ ٣٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/ ۴۷۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍۳؍۱۴۱۷ھ

شدید گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جماعت

سوال [۱۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ کوری روانہ کے محلّہ پورب میں چھوٹی مسجد واقع ہے، مسجد کے اطراف میں محلّہ والوں کے پختہ مکانات بنے ہوئے ہیں، مسجد میں چھت بھی نیچی ہے اور کسی طرف سے ہوا کے آنے کا راستہ بھی نہیں ہے، موسم گرما میں کمال درجہ کی گرمی پڑتی ہے، جس کی بنا پر نمازیوں کا یہ عالم ہوتا ہے کہ فرض ادا کئے اور چلے گئے مسجد میں رکنا بہت مشکل ہوتا ہے، خشوع اور خضوع کا تو شائبہ بھی نہیں پایا جاتا مسجد بھی صرف ایک منزلہ ہے لینٹر کی تپش سے برا حال ہو جاتا ہے، نماز عصر مغرب عشاء خصوصاً ادا کرنی بڑی کٹھن ہو جاتی ہے، اس صورت مذکورہ میں نماز عصر مغرب عشاء موسم گرما میں مسجد کی چھت پر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ مسجد کی چھت پر پردہ کا معقول انتظام ہے آدمی کے سر کے برابر چہار دیواری ہے، محلّہ والوں کی بے پردگی سے مکمل حفاظت ہے، موسم سرما میں نماز ظہر مثلاً مسجد کی چھت پر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کے تحت اگر اجازت ہو تو مسجد کی چھت پر ادا کر سکتے ہیں ورنہ نہیں؟

المستفتي: اشرف علی قاسمی، کوری روانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حبس اور تپش کی وجہ سے نمازی شدید اضطرابی حالت میں

مبتلا ہیں، تو ایسی شدید گرمی کی وجہ سے نیچے کے جماعت خانہ کو چھوڑ کر مسجد کی چھت پر جماعت کرنے کی شرعاً گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۲۰۱، حاشیہ امدادالفتاویٰ ۱/۴۴۵)

وإذا صلى فوق المسجد مقتد يا بالإمام أجزأه. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوٰة، باب الحدث في الصلوٰة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢١٠)

الصعود على سطح كل مسجد مكروه ولهذا إذا شتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لايكره الصعود على سطحه للضرورة. (هنديه، كتاب الكراهة، آداب المسجد زكريا قديم ٥/ ٣٢٢، جديد ٥/ ٣٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/ ۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۵ھ

مساجد میں ناک کان اور بغیر سر والی تصاویر لٹکانا

سوال [۱۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نقشہ مساجد میں اور ایسی جگہ لٹکایا جا رہا ہے جہاں عام لوگ آسانی سے دیکھ سکیں، اور اس نقشہ میں نمازی کی مختلف ہیئت دکھائی گئی ہے، قیام کی حالت، رکوع کی حالت، التحیات کی حالت، قعدے کی حالت، اور اسمیں انسانی جسم کی پوری تصویر موجود ہے، اور مکمل سر بھی موجود ہے مگر سر کے ساتھ ناک، کان، آنکھ ظاہر نہیں ہیں تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہیکہ اگر ناک کان آنکھ وغیرہ نہ ہوں البتہ سر مکمل ہو تو کیا صرف سر ہونے کی وجہ سے تصویر کے دائرے میں ہو کر ممنوع ہوگا یا نہیں؟ بہت سے لوگوں میں یہ تبصرہ ہیکہ اگر ناک کان وغیرہ نہ ہوں تو تصویر کے دائرے میں نہ ہو کر اسے جائز کہنا چاہئے، اسی خیال سے یہ نقشہ تیار کیا گیا ہے جبکہ کچھ لوگ اس نقشے کو مسجدوں میں ٹانگنا ناجائز کہتے ہیں، لہٰذا فقہ اور حدیث کی رو سے جو حکم شرعی ہو حوالے کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

نیز ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر سر کی ممانعت ہے تو ہاتھ پیر کی بھی ممانعت ہونی چاہئے اسلئے کہ اہل شرک ہاتھ پیر کی بھی پوجا کرتے ہیں، لہذا جب ہاتھ پیر کی ممانعت نہیں تو سر کی بھی ممانعت نہ ہونی چاہئے جسمیں آنکھ کان وغیرہ نہ ہوں۔

المستفتي: محمد سالم القاسمی، مدرس مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :ایسی تصویر کو حضرات فقہاء نے ممنوع اور مکروہ قرار دیا ہے، جس میں صرف سر موجود ہو اگر چہ اس سر میں ناک کان آنکھ ظاہر نہ ہوتے ہوں، لہذا جس نقشہ کا سوالنامہ میں ذکر ہے اس کو مساجد اور عبادت کی جگہ میں ٹانگنا ممنوع ہوگا، اس لئے کہ ممنوع اور مکروہ ہونے کیلئے سر کیساتھ ناک کان وغیرہ ظاہر ہونا لازم نہیں ہے بلکہ ممنوع ہونے کیلئے صرف سر کا ظاہر ہونا کافی ہے، اس سلسلہ میں واضح حدیث شریف موجود ہے جو آگے آنے والی ہے اور حدیث پاک میں تصویر کی جو ممانعت آئی ہے اس ممانعت کی علت صرف مشرکین کی طرف سے پوجا نہیں ہے بلکہ ممانعت کی علت حدیث میں صاف واضح ہے تخلیق کخلق اللہ ہے، اللہ کی جاندار مخلوق کی طرح تصویر بنانا ہی اصل علت ہے، اس لئے اللہ کی طرف سے قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو اس بات کا مکلّف بنایا جائیگا کہ اس میں روح ڈالیں جس پر وہ قادر نہ ہوسکیں گے، اور زندگی وبقاء روح کیلئے ناک کان کا ظاہر ہونا لازم نہیں ہے، بلکہ صرف سر کا موجود ہونا کافی ہے جیسا کہ بہت سے انسان ایسے بھی زندہ ہوتے ہیں جن کے آنکھ اور کان ظاہر نہیں، اور بہت سے انسان ایسے بھی ہیں کہ جن کے پیدائشی ہاتھ نہیں ہیں اور پیدائشی پیر نہیں مگر سر موجود ہونے کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں اس لئے کہ زندگی اور ذی روح ہونے کا مدار سر پر ہے، آنکھ ناک کان کے ظاہر ہونے پر نہیں ہے جہاں تک پوجا کرنے کی بات ہے تو پوجا تو مشرکین درختوں کی بھی کرتے ہیں، اس سلسلہ میں واضح حدیث شریف حدیث کی کتابوں میں موجود ہے کہ جبرائیل امین علیہ السلام خدمت نبوی میں تشریف لانے والے تھے مگر

تشریف نہیں لائے بعد میں ملاقات پر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ جس مکان میں آپ موجود تھے اس میں تصویر ہے اس میں ہم کیسے داخل ہوتے یا تو آپ اس تصویر کے سر کو کاٹ کر ختم کر دیجئے یا اسے آپ ایسے بستر بنا دیجئے جس کو لوگ روند سکیں ہم ملائکہ کی جماعت ایسے گھروں میں داخل نہیں ہوتی ہے جن میں تصویر ہوتی ہے تو حدیث میں بھی اصل ممانعت کی علت سر کو قرار دیا ہے، اگر سر موجود ہو تو ناجائز ہے اور ملائکہ رحمت داخل نہیں ہوتے اور اگر سر کٹا ہوا ہو تو رحمت کے فرشتے داخل ہوتے ہیں، اس موضوع سے متعلق کتب فقہ میں بیشمار جزئیات ہیں اور کتب حدیث میں متعدد احادیث شریفہ وارد ہیں ہم وضاحت کیلئے فقہ کی چھ کتابوں کی عبارات اور دو حدیثیں نقل کر دیتے ہیں ممکن ہیکہ اس سے آپس کا اختلاف دور ہو جائے، اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ حنفی فقہ کی جو جزئیات ہیں ان کے موافق کوئی نہ کوئی حدیث شریف تلاش کرنے سے مل جاتی ہے۔

(۱) قوله أو مقطوع الرأس قيد بالرأس لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونها وكذا لا اعتبار بقطع اليدين أو الرجلين. (البحر الرائق، باب مايفسد الصلوٰۃ، وما يكره فيها زكريا ٥٠/٢، كوئٹه ٢٨/٢)

(٢) قوله أو مقطوعة الرأس أي ممحوة فإنها إذا كان كذلك لاتعبد فلا تكره، ولو قطع يداها أو رجلاها لا ترفع الكراهة وكذا لو أزيل الحاجبان والعينان. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰۃ، باب مايفسد الصلوٰۃ، وما يكره فيها، دارالكتب العلمية بيروت ١٨٩/١ قديم ١٢٦/١)

(٣) قوله أو مقطوعة الرأس أي سواء كان من الأصل أو كان لها رأس ومحي إلىٰ ما قال وقيد بالرأس لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونها وكذا لا اعتبار بقطع اليدين أو الرجلين. (شامی باب مايفسد الصلوٰۃ، وما يكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة ــ زكريا ٤١٨/٢، كراچی ٦٤٨/١)

(۴) ولا اعتبار بالخيط بين الرأس والجسد لأن من الطيور ماهو مطوق ولا بإزالة الحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونهما. (تبیین الحقائق ، باب مایفسد الصلوٰة ، ومایکره فیها امدادیه ملتان ١/١٦٦، زکریا١/٤١٥)

(۵) قوله ومقطوعة الرأس وقيد بالرأس وما بعده لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونها ولابقطع اليدين والرجلين كما فى البحر. (طحطاوی علی الدر ، باب مایفسد الصلوٰة کوئٹه١/٢٧٤)

(٦) فى الخلاصة لو محاوجه الصورة فهو كقطع الرأس بخلاف قطع يديها ورجليهاولوخيط على عنقها بخيط لا ترفع الكراهة. (حلبی کبیر، کراهية اللصلاة ، فروع فی الخلاصة اشرفیه دیو بند/٣٥٩، صغیری١٩٠)

(۱) عن أبى هريرة ؓ قال : استأذن جبرائيل عليه السلام على النبى صلى اللهعليه وسلم فقال: ادخل ، فقال: كيف أدخل وفي بيتک ستر فيه تصاوير ، فإما أن تقطع رؤوسها ، أو تجعل بساطا يؤطأ ، فإنا معشر الملائكة لا ندخل بيتاً فيه تصاوير . (نسائی شریف ، الزینة ، باب ذکر أشد الناس عذابا، النسخة الهندية ٢/٣٠١، دارالسلام رقم:٥٣٦٧)

(٢) عن أبي هريرة رضى الله عنه ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أتاني جبرائيل عليه السلام ، فقال لي: أتيتک البارحة فلم يمنعني أن أكون دخلت إلا أنه كان على الباب تماثيل ، وكان فى البيت قرام ستر فيه تماثيل ، وكان فى البيت كلب ، فمر برأس التمثال الذي على باب البيت يقطع فيصير كهيئة الشجرة ، ومر بالستر ، فليقطع ، فليجعل منه وسادتين منبوذتين توطئان. (ابو داؤد شریف ، اللباس ، باب فی الصور ، النخسة الهندیه ٢/٥٧٣ ، دارالسلام رقم: ٤١٥٨ ،

صحيح ابن حبان دار الفكر ٥/ ٣٩٩، رقم: ٥٨٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۵/ ۱۴۲۵ھ

چھوٹے بچوں کو مسجد میں نماز کی عملی مشق کرانا

سوال [۱۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکتب کے چھوٹے بچوں کو مسجد کے اندر نماز سکھلانا اور نماز کی عملی مشق کرانا اور ٹینک کے پانی سے وضو کرانا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتي: امام مسجد دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بچے سمجھدار ہیں تو جائز ہے اور اگر ناسمجھ ہیں کہ مسجد میں پیشاب کرنے کا اندیشہ ہے تو ایسے بچوں کو لے جانا مکروہ ہے۔

عن مكحول، عن واثلة بن الأسقع، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم. (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب مايكره في المساجد النسخة الهندية / ٥٤، دارالسلام رقم: ٧٥٠، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٨/ ١٣٢، رقم: ٧٦٠١، ٢٠/ ١٧٣، رقم: ٣٦٩، ٢٢/ ٥٧، رقم: ١٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ / صفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۲/ ۱۴۱۳ھ

مسجد میں نماز کے بعد حلقہ بنا کر دنیاوی باتیں کرنا

سوال [۱۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہر نماز کے بعد مسجد

کے اندر غیر امام کا حلقہ بنا کر بیٹھنا کیسا ہے؟ نیز اس میں تعلیم وتعلم اور مسئلہ مسائل بھی نہ ہوں تو اس طرح حلقہ بنا کر بیٹھنا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر نماز کے بعد مستقل حلقہ بنا کر مسجد کے اندر بیٹھنا دنیاوی باتیں کرنا اوقات صلوٰۃ کے علاوہ حلقہ بنا کر باتیں کرنا جس میں کوئی تعلیم وتعلم مسئلہ مسائل اور رشد وہدایت کی باتیں نہ ہوں ناجائز ہے، اس سے احتراز لازم ہے، ہاں البتہ کبھی اتفاقی کوئی مباح گفتگو ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۲/ ۶۳۵)

عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : سيكون في آخر الزمان قوم يجلسون فی المساجد حلقا حلقا، إمامهم الدنيا ، فلا تجالسوهم ؛ فإنه ليس لله فيهم حاجة. (المعجم الكبير للطبرانی، داراحياء التراث العربي ١٠ /١٩٨، رقم: ١٠٤٥٢، صحيح ابن حبان دارالفكر ٦/ ٢٠٨، رقم: ٦٧٧٠)

عن أنس بن مالک ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ : يأتي على الناس زمان يتحلقون في مساجدهم ، وليس همهم إلا الدنيا ، ليس لله فيهم حاجة فلا تجالسوهم . (المستدرك ، كتاب الرقاق قديم ٤/ ٣٥٩، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٨/ ٢٨٢٠، رقم: ٧٩١٦)

(**بأن يجلس لأجله**) **فإنه حينئذٍ لايباح بالاتفاق لأن المسجد ما بنی لأمور الدنيا الخ.** (شامی باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، مطلب فی الغرص فی المسجد زكريا ٢/ ٤٣٦، کراچی ٢/ ٦٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۱۰ھ

مسجد میں دینی باتیں سنانے کے لئے روک کر سوال کرنا

سوال [۲۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نابینا شخص نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کو جمع کیا کہ دین کی بات ہوگی دین کی بات کرنے کے بعد اپنی ضرورت لوگوں کے سامنے پیش کردی تو کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں، مہربانی فرما کر مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: عبدالودود، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی حاجت کی خاطر دین کی بات کے نام پر لوگوں کو روک کر مسجد میں مانگنا شرعاً درست نہیں ہے، البتہ شدید ضرورت کے وقت حدود مسجد سے باہر لوگوں سے اپنی ضرورت کے اظہار کی گنجائش ہے، تاکہ نمازیوں کی نماز میں کوئی خلل نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۴۸۲، جدید ڈابھیل ۱۵/۲۷۴، احسن الفتاویٰ زکریا ۶/۴۶۰)

ویحرم فیه السوال ، ویکره الإعطاء مطلقاً. (شامی ،باب مایفسد الصلوٰۃ ، مطلب فی أفضل المساجد ، زکریا ۲/۴۳۳، کراچی ۱/۶۵۹)

لا یحل أن یسأل شیئا من له قوت یوم بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب. (شامی باب الجمعة، مطلب فی الصدقة علی سوال المسجد کراچی ۲/۱۶۴، زکریا۳/۴۲، کتاب الزکوٰۃ ، باب المصرف ، کراچی ۲/۳۵٤، زکریا۳/۳۰٦)

الحنفية قالوا: یحرم السؤال فی المسجد ، ویکره إعطا ء السائل فیه. (الفقه علی المذاهب الأربعة ، مایکره فعله فی المساجد ومالا یکره ، السؤال فی المسجد ، دارالفکر ودارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۹۰، الموسوعة الفقهیة ۲٤/۹۹، الفقه الإسلامی وادلته ، مطبوعه دیوبند ۱/٤۷۲ تحت ملحقات بالغسل الملحق الأول فی

أحکام المساجد) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۰۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۶ھ

نماز کے بعد مسجد میں سوال اور سائل کی مدد

سوال [۲۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر لوگ مسجد میں نماز کے بعد سوال کرتے ہیں اور لوگ انکی مدد بھی کرتے ہیں، کیا مسجد میں سوال کرنا اور انکی مدد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمود حسین، محلّہ عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بعض کے نزدیک علی الاطلاق مسجد میں سوال کرنا اور اسکی مدد کرنا جائز ہے، اور بعض کے نزدیک سوال کرنا ناجائز اور مدد کرنا جائز ہے! لہٰذا بہتر یہی ہے کہ مسجد سے باہر دروازہ پر ہی یہ کام ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۲۵/۳، جدید زکریا ۱۶۹/۳، امداد الفتاویٰ زکریا ۱۷۰/۲، زکریا مطول ۳۹۵/۱۰)

ويحرم فيه السؤال، ويكره الإعطاء مطلقا. (شامی باب مایفسد الصلوٰۃ، مطلب فی أفضل المساجد، زکریا ۴۳۳/۲، کراچی ۶۵۹/۱)

الحنفية قالوا: يحرم السؤال فی المسجد، ويكره إعطاء السائل فيه. (الفقه علی المذاهب الأربعة، مايكره فعله فی المساجد ومالا يكره، السؤال فی المسجد، دارالفكر ۲۹۰/۱، الفقه الإسلامی وأدلته تحت ملحقات بالغسل، الملحق الأول فی أحكام المساجد مطبوعه ديوبند ۴۷۲/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۴۲/۲۵)

مسجد میں کسی شخص کے فساد مچانے سے متعلق چند سوالات

سوال [۲۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تمام نمازی ۳/اپریل ۷۸ھ بروز جمعہ باادب باوضو سنتوں سے فارغ ہوکر جماعت کے انتظار میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تسبیح وتہلیل میں مشغول تھے، مؤذن صاحب نے خطبہ کی اذان دی اسکے بعد امام صاحب نے ممبر پر خطبہ پڑھنا شروع کیا کہ اچانک باہر سے مسجد میں زید ،عبدالمجید پہلوان کچھ شرپسند ساتھیوں کو لیکر شور مچاتے ہوئے گندے فحش کلمات خطبہ کے دوران ادا کرنے لگے، اس مسجد میں امام صاحب تقریباً دوسال سے امامت کی خدمت انجام دے رہے تھے، خطبہ کے بعد امام صاحب مصلے پر آ چلے تھے کہ زید اور اسکے ساتھی امام صاحب کی شان کے خلاف غلط غلط الفاظ ادا کرنے لگے اور کہنے لگے کہ آج ہم کسی قیمت میں نماز نہیں پڑھانے دیں گے، اور جس امام کو ہم ساتھ لیکر آئے ہیں اسی سے نماز پڑھوائیں گے، چاہے کچھ ہوجائے، موجودہ امام صاحب نے مسجد کا احترام کرنے کی طرف توجہ دی، اور رسول پاک علیہ وسلم کا واسطہ دیا مگر انھوں نے کسی کی نہیں سنی، بلکہ اور زیادہ شور و ہنگامہ کرنے لگے، حد یہ ہے کہ نمازیوں کے ساتھ مسجد میں مار دھاڑ شروع کردی، نمازیوں نے کہا کہ یہ شریعت کی نگاہ میں مسجد کی بے حرمتی ہورہی ہے، تو جواب میں عبد المجید نے کہا کہ کچھ نہیں حدیث وقرآن شریعت وروایت کیا ہوتی ہے، ہم سب جانتے ہیں ،شریعت پاک اور مصلے کی حفاظت کرنے والے تمام نمازی بالخصوص محمد حنفیہ کے دو دانت ٹوٹ گئے، دوسرے محبوب حسین صاحب کی آنکھ کے قریب چوٹ آئی، تیسرے عزیز الرحمٰن کے کپڑے تارتار کردیئے گے وغیرہ وغیرہ اسی وقت یونس نے آکر قابو کیا اور امام صاحب سے سارا واقعہ معلوم کرنے کے بعد موجودہ امام صاحب سے نماز پڑھانے کو کہا امام صاحب نے یونس کی موجودگی میں سکون سے نماز پڑھائی اور ان لوگوں کے علاوہ تمام ہی نمازیوں نے نماز پڑھی پھر بعد میں ان لوگوں نے اپنوں میں سے ایک شخص کو آگے

بڑھایا ان لوگوں نے بغیر خطبہ وسنت کے نماز پڑھی اس طرح سے انہوں نے جمعہ کی نماز پڑھی ترتیب وار جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) بھرپور شریعت کی مخالفت اور کھلی توہین کرنا کیسا ہے؟

(۲) امام کی شان کے خلاف غلط غلط الفاظ ادا کرنا، جبکہ اکثر مقتدی امام سے راضی ہیں، ایسی حالت میں امام کو ہٹانا کیسا ہے؟

(۳) نمازیوں کیساتھ مسجد میں لڑنا جھگڑنا اور انکی شان میں گستاخی کرنا کیسا ہے؟

(۴) مسجد کی بے حرمتی کرنا مسجد میں بری طرح شور مچانا اور گندے فحش کلمات ادا کرنا کیسا ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں ایسے لوگوں کے ساتھ میں میل جول سلام وکلام کرنا کیسا ہے؟ اور جو لوگ ان کا ساتھ دیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے مفصل اور مدلل جواب دیں۔

(۵) زید، عبدالمجید اپنے شرپسند ساتھیوں کی سرپرستی میں زبردستی اس سنبھلی گیٹ کی بڑی مسجد کا متولی بننا چاہتا ہے موجودہ متولی سے اکثر مقتدی خوش ہیں اور ان سے کوئی خیانت بھی ثابت نہیں ہوئی تو اب متولی بننے کا حقدار کون ہے؟

المستفتي: مصلیان مسجد وجمیع مسلمانان، چندوسی، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) حدیث وقرآن، شریعت وروایت کیا ہوتی ہے ہم سب جانتے ہیں یہ الفاظ حدیث شریف وقرآن کریم اور شریعت عظمی کی شان میں کھلی توہین ہے، اور حدیث وقرآن اور شریعت کی توہین موجب کفر ہے ایسی حرکتیں کرنے والے کو توبہ استغفار کرکے احتیاطاً اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرنی چاہئے۔

وكذا الاستهزاء بالشريعة الغراء كفرٌ. (شرح وقايه/۱٤۸)

واعلم أن يبنى الشرائع على التعظيم الشرائع الله تعالىٰ والتقرب بها الله تعالىٰ الخ. (حجة الله البالغه /٦۹)

ومـا فيـه خـلاف يؤمر بالاستغفار، والتوبة وتجديد النكاح وظاهر ه

أنه امر احتياط الخ. (شامی كتاب الجهاد، باب المرتد مطلب الإسلام يكون بالفعل كالصلاة كراچی ٤/ ٢٣٠، زكريا٦/ ٣٦٧)

(۲) اگر غلط الفاظ سے مراد مغلظات اور گالیاں ہیں اور دین کے معاملہ میں کہا ہے، تو وہ سخت ترین گناہ کا مرتکب ہے، اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرنا ضروری ہے، عالمگیری میں ہے۔

ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالماً أو فقيها بغير سبب الخ. (عالمگیری، کتاب السير، الباب التاسع، مطلب موجبات الكفر انواع، زكريا قديم ٢/ ٢٧٠، جديد ٢/ ٢٨٢)

عن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر. (صحيح البخاری، الأدب، باب ماينهى من السباب واللعن، النسخة الهنديه ١/ ٨٩٣، رقم: ٥٨٠٩، ف: ٦٠٤٤)

(۳) بلا کسی وجہ شرعی نمازی سے لڑنا جھگڑنا اور انکو ایذا پہو نچانا کبیرہ گناہ ہے ان سے معافی مانگنی چاہئے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه إن من الكبائر استطالة المرء، في عرض رجل مسلم بغير حق، ومن الكبائر السبتان بالسبة. (سنن أبي داؤد الأدب، باب فی الغيب النسخة الهندية ٢/ ٦٦٩، دارالسلام رقم: ٤٨٧٧، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٥/ ٨٥، رقم: ٨٣٣٦)

(۴) اس طرح فحش کلمات مسجد میں زبان پر جاری کرنا مسجد کی سخت بے حرمتی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے۔

آداب المسجد ترجع إلى معان فيها تعظيم المسجد (إلى قوله) وفيها الاحترام عن تشويش العباد وهيئات الأسواق الخ. (حجة الله البالغه/ ١٩٧، امدادالفتاویٰ ٢/ ٦٣٤)

عن ابن عمر، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خصال: لا تنبغی فی المسجد ....ولا يتخذ سوقا. (سنن ابن ماجه الصلاة، باب مايكره فی المساجد

النسخة الهندية ١/٤٦، دار السلام رقم: ٧٤٨)

عـن واثلة بن الأسقع ، أن رسول الله ﷺ قـال... وخصوماتكم ، ورفـع أصواتكم . (سـنن ابن ماجه ، الصلاة ، بـاب مـايكـره فی المساجد النسخة الهندية ١/٤٦ ، دارالسلام رقم: ٧٥٠)

(۵) جوشخص خود متولی بننا چاہے اور پہلے متولی سے کچھ خیانت نہیں ہوئی ہے اور اکثر اہل مسجد بھی پہلے متولی سے راضی ہیں تو اب خود چاہنے والے کو متولی بننا اور اول کو معزول کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، **کما فی المجمع شرح ملتقی الخ۔**

وطـالـب التـولية لا يـو لـى إلا الـمشـروط لـه النظر لأنه مولىٰ فيريد التنفيد، ولو فوض المتولی الأمر لغيره لا يصح . (شرح ملتقیٰ، دارالکتب العلمية بيورت٢/٦٠٣، مصری قديم ١/٧٦١)

قاضی خان کی عبارت سے بھی مستفاد ہے۔

لو نازعه أهل السكة نصب الإمام والمؤذن الخ قوله إذا عين هو لذلک رجلاً وعين أهل السكة رجلاً آخر أصلح ممن عن عينه البانی فحينئذٍ لايكون البانی أولیٰ الخ. (قاضی خان، زکريا جديد ٣/٢٠٧، وعلی هامش الهنديه٣/٢٩٧)

نوٹ: اگر موجودہ امام میں کوئی قباحت نہیں ہے اور اکثر اس سے راضی ہیں تو اسکو ہٹا کر دوسرا امام مقرر کرنا درست نہیں ہے،" **سكب الأنهر فی شرح الملتقیٰ الابحر**"میں ہے۔

لـو أم قـومـاً وهـم له كارهون إن لفساد فيه أو لأنهم أولیٰ بالإمامة منه كره وإن هو أولیٰ الكراهة على القوم وأفاد المصنف أنها تحريمية . (سكب الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٦٢، قديم ١/١٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ ر رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۶)

الجواب صحیح:
احقر حفظ الرحمٰن غفرلہ
۸/۹/۱۴۰۷ھ

کئی منزلہ مسجد کی کسی بھی منزل کو جماعت خانہ بنالینا اور چھت پر نماز پڑھنا

سوال [۳۰۰۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مساجد میں جو تہ خانے بنے ہوتے ہیں وہ مسجد شرعی کے حکم میں ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہوتے ہیں تو فقہاء کا قول ''شرعی مسجد تحت الثری سے لے کر عنانِ سماء تک ہوتی ہے'' کا کیا مطلب ہے؟ اسی طرح ان میں اعتکاف کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ جبکہ دارالعلوم دیوبند کی مسجد رشید کے تہ خانہ میں قرب وجوار کے بہت سے حضرات رمضان المبارک میں اعتکاف کرتے ہیں؟

(۲) اوراگر تہ خانہ مسجد شرعی کے حکم میں ہے تو اس کو چھوڑ کر اوپر کی منزل میں جماعت کرنا کیسا ہے؟ اس لئے کہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ ''پہلی منزل کو چھوڑ کر مسجد کی دوسری منزل میں چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے'' حضرت مفتی صاحب سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ ان دونوں مسئلوں کا باوضاحت مدلل جواب عنایت فرمائیں، اوراس تضاد کو رفع فرمائیں؟

المستفتي: عبدالغفار قاسمی، مدرس مدرسہ
معہد الشریعۃ الإسلامیہ، موانہ کلاں، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے تہ خانے بھی شرعی مسجد کے حکم میں ہوتے ہیں، لہٰذا مسجد رشید کے تہ خانہ میں جو حضرات اعتکاف کرتے ہیں، ان کا اعتکاف بلا شبہ صحیح اور درست ہے، اور یہ بات کہنا درست نہیں ہے کہ نیچے کی منزل کو چھوڑ کر اوپر کی منزل میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ بات فقہاء میں سے کسی بھی فقیہ نے نہیں کہی ہے، البتہ بعض فقہی عبارات سے اصل مسجد کو چھوڑ کر چھت کے اوپر جماعت کرنا مکروہ معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ امداد الفتاویٰ وغیرہ میں، ہندیہ زکریا ۵/۳۲۲ کے حوالہ سے

غرائب کا جزئیہ پیش کیا گیا ہے، جس میں سطح مسجد پر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، یہاں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ سطح مسجد چھت کو کہا جاتا ہے، اور چھت اس حصے کو کہتے ہیں، جس کے اوپر مزید چھت نہ ہو؛ بلکہ کھلا ہوا حصہ ہو، امداد الفتاویٰ زکریا ۱/۴۴۴ میں یہ مسئلہ موجود ہے اور اس کے حاشیہ میں محشی نے شامی وغیرہ کے جزئیات سے استدلال کر کے شدت گرمی کے عذر کی وجہ سے چھت کے اوپر بھی باجماعت نماز پڑھنے کو بلا کراہت جائز لکھا ہے ، نیز فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۰۱ جدید ڈابھیل ۱۴/۵۳۱، میرٹھ ۲۲/ ۳۲۱، فتاویٰ دارالعلوم ۴/ ۱۵۰، اور کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۱۲، جدید ۳/ ۱۴۶، زکریا مطول ۴/۳۰۳ وغیرہ میں صراحۃً یا اشارۃً چھت کے اوپر بلا کراہت نماز پڑھنے کی بات موجود ہے، اور یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہئے، کہ کئی منزلہ مسجد کے نیچے کی منزل میں جس طرح نماز باجماعت بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح نیچے کی منزل کو چھوڑ کر اوپر کی منزل میں بھی باجماعت نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے ، لہٰذا مسجد رشید کے تہ خانہ کو چھوڑ کر جب اس کے اوپر کی منزل کو مستقل جماعت خانہ بنایا گیا ہے ، تو اس میں بلاکراہت نماز باجماعت جائز ہے ، اسی طرح کئی منزلہ مسجد میں کسی بھی ایک منزلہ کو جماعت خانہ بنالینا اسی طرح جائز ہے ، جس طرح مجمع کثیر ہونے کی صورت میں ہر منزل میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے، اور مسجد کی کھلی چھت کے اوپر نماز پڑھنے کو یا اس کے اوپر چڑھنے کو جن فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اس کی علت یہ معلوم ہوتی ہے، کہ کھلی چھت پر نماز پڑھنے کی صورت میں آس پاس کے مکانات کی بے پردگی کا خطرہ ہوتا ہے ، اور اس کے علاوہ کراہت کی کوئی دوسری علت واضح نہیں ہے ، جبکہ فقہی جزئیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے ، کہ مسجد شرعی کے حدود میں ہر منزل مسجد شرعی ہوتی ہے، لہٰذا کسی بھی منزل میں نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے، اسی طرح کسی بھی منزل میں اعتکاف کرنا بھی بلا کراہت درست ہے ، ہاں البتہ اتنی بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ امام جس منزل میں کھڑا ہو اس منزل کے اور اس کے علاوہ دوسری منزلوں

کے مقتدی امام سے آگے کھڑے نہ ہوں، اور معتکف کے لئے مسجد کی چھت پر جانا بھی بلا کراہت جائز ہے، اس لئے کہ وہ بھی مسجد ہے، جبکہ جنبی حائضہ اور نفساء کیلئے جائز نہیں ہے، اس تصریح سے سوالنامہ کے دونوں پہلوؤں کا جواب واضح ہو چکا ہے، یہ حکم فقہاء کے حسب ذیل جزئیات سے مستفاد ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

قال محمد رحمه الله تعالىٰ : يكره المجامعة والبول فوق المسجد، وهذا لماعرف أن حكم المسجد ثابت فى الهواء والعرصة جميعاً ، ولهذا أن من قام على سطح المسجد مقتديا بإمام فى المسجد وهو خلف الإمام يجوز، والمعتكف إذا صعد سطح المسجد لا ينقض اعتكافه ، ولا يحل للجنب والحائض والنفساء صعود سطحه . (الفتاویٰ التاتار خانية ، كتاب الكراهية الفصل الخامس فى المسجد والقبلة وغيرها زكريا١٨/٦٤، رقم:٢٨٠٣٦)

ولهذا يصح اقتداء من على سطح المسجد بمن فيه ، إذا لم يتقدم على الإمام ، ولا يبطل الاعتكاف بالصعود إليه ، ولا يحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف عليه. (شامی ، كتاب الصلاة، باب مكروهات الصلاة، مطلب في أحكام المسجد زكريا ٢/٤٢٨ ، كراچی ١/٦٥٦)

سطح المسجد له حكم المسجد حتى يصح الإقتداء بمن تحته. (مجمع الأنهر ، الصلاة ، باب الكراهية ، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٩٠ ، البحرالرائق ، الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره ، زكريا٢/٦٠ ، كراچی ٢/٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۹۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۲۰ھ

سودی قرض کی رقم سے بنائے گئے اسکول میں نماز

سوال [۲۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں

ایک پرائیویٹ ادارہ ہے جس میں سودی کاروبار ہوتا ہے، اس ادارہ سے قرض لیکر اسکول بنایا گیا آیا اس اسکول کی عمارت میں نماز درست ہے، اگر رمضان میں تراویح وغیرہ کی جماعت کرلیں تو کیسا ہے؟ اس ادارہ کا قرض اسکول کی آمدنی سے چکایا جائے گا؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: شمس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس میں فرض نماز یا تراویح کی نماز مکروہ ہے اس میں نماز پڑھنے سے احتراز کرنا چاہئے ۔(مستفاد کفایت المفتی قدیم ۷/۱۱۱، جدید زکریا ۷/۱۱۱، ۱۱۲، زکریا مطول ۱۰/۲۶۶)

أفاد أن الواقف لابد أن یکون مالکه وقت الوقف ملکا باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لایکون محجوراً عن التصرف ، حتی لو وقف الغاصب المغصوب لم یصح، وإن ملکه بعد بشراء أو صلح . (شامی ، کتاب الوقف ، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة کراچی ٤/٣٤٠، ٣٤١، زکریا ٦/٥٢٣)

وکذا تکره فی أماکن : کفوق کعبة وفی طریق ومزبلة ومجزرة ...... وأرض مغصوبة أو للغیر وتحته فی الشامیة وفی الواقعات: بنی مسجداً علی سور المدینة ، لا ینبغی أن یصلی فیه لأنه حق العامة ، فلم یخلص لله تعالیٰ کالمبني في أرض مغصوبة ...... فالصلوٰة فیها مکروهة تحریماً في قول ، وغیر صحیحة له في قول آخر . (شامی ، کتاب الصلاة، مطلب فی الصلاة، فی الأرض المغصوبة کراچی ١/٣٧٩تا ٣٨١، زکریا ٢/٤٢ تا ٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۱ھ

سودی میلوں میں مجمع کیساتھ نماز باجماعت

سوال [۲۰۰۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا سودی کاروبار کرنے والے میلوں میں مجمع کے ساتھ فرض نماز ادا کیجا سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میلوں کی زمین اگر حلال مال سے خریدی ہے، یا اس کی اکثر رقم حلال ہے، تو بلا کراہت نماز صحیح ہے، ورنہ مع الکراہت صحیح ہو جائیگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۱٦٦)

أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالكه وقت الوقف ملكا باتاً ولو بسبب فاسد، وأن لايكون محجوراً عن التصرف، حتى لو وقف الغاصب المغصوب لم يصح، وإن ملكه بعد بشراء أو صلح. (شامی، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة کراچی ٤/ ٣٤٠، ٣٤١، زکریا ٦/ ٥٢٣)

وكذا تكره في أماكن: كفوق كعبة وفي طريق ومزبلة ومجزرة ...... وأرض مغصوبة أو للغير وتحته في الشامية وفي الواقعات: بنى مسجداً على سور المدينة، لا ينبغي أن يصلي فيه لأنه حق العامة، فلم يخلص لله تعالىٰ كالمبني في أرض مغصوبة ...... فالصلوٰة فيها مكروهة تحريماً في قول، وغير صحيحة له في قول آخر. (شامی، کتاب الصلاة، مطلب فی الصلاة فی الأرض المغصوبة کراچی ١/ ٣٧٩ تا ٣٨١، زکریا ٢/ ٤٢ تا ٤٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ٦٢٣)

ہوائی جہاز میں نماز کا جواز

سوال [٢٠٠٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہوائی جہاز اگر فضاء میں اڑ رہا ہو تو اس میں نماز پڑھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، اس میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہوائی جہاز اگر فضاء میں اڑ رہا ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز اور درست ہے، اس لیے کہ فقہاء کرامؒ نے جو سجدے کی تعریف کی ''وضع الجبهة على الأرض '' سے کی ہے تو یہ تعریف عوام کی سہولت کے لیے ہے ورنہ سجدہ کی حقیقت یہ ہے کہ طرف اعلیٰ یعنی سر، طرف اسفل یعنی پاؤں کے لیول پر آ جائے اور یہ بات ہوائی جہاز میں بھی متحقق ہے، لہذا جہاز میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ (مستفاد: تحفۃ القاری ٣/ ١٣٩، مکتبہ الحجاز دیوبند)

نیز جب فقہاء کرامؒ نے سجدہ کی تعریف ''وضع الجبهة على الأرض'' سے کی تھی تو اس وقت ان کے ذہن ودماغ میں ہوائی جہاز کا تصور بھی نہ ہوگا، اور انھوں نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے اس تعریف سے ایسی جگہ مراد لی تھی، جس پر بآسانی چلا جا سکے، اور جو دبانے سے نہ دبے، اور اس زمانہ میں یہ اوصاف زمین اور زمین پر ٹکی ہوئی چیزوں میں ہی پائے جاتے تھے، لیکن جہاز کے ایجاد کے بعد پتہ چلا کہ یہ اوصاف تو ہوا میں معلق چیز میں بھی پائے جا سکتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ انسان خود جس چیز پر کھڑا ہو سکتا ہے، اس پر سجدہ کرنا درست ہو جاتا ہے، لہذا سجدہ کے تحقق کی وجہ سے ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ عثمانی ١/ ٥٦٠، امداد الفتاویٰ ٣/ ٣٥٠، احسن الفتاویٰ ٤/ ٩٠، جواہر الفقہ ٤/ ١٦٤، آپ کے مسائل ٣/ ٣٥٠، فتویٰ نویسی کے رہنما اصول/ ١٢٧)

ومحل ذلك إذا خاف خروج الوقت قبل أن تصل السفينة

إلى المكان الذى يصلى فيه صلاة كاملة ولا تجب عليه الإعادة ، ومثل السفينة القطر البخارية البرية والطائرات الجوية ونحوها. (الفقه على المذاهب الأربعه ، مباحث استقبال القبلة ، مبحث صلاة الفرض فى السفينة دارالفكر بيروت ١/٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۴۷)

کیا مساجد میں نماز کی ترکیب والی تصاویر ٹانگنا جائز ہے

دار العلوم دیوبند کا فتویٰ:

سوال [۲۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ دنوں سے مسجدوں میں ایک نقشہ ٹانگا ہوا نظر آرہا ہے، اسمیں انسان کا سر سے لیکر پیر تک پورا نقشہ تصویر کی شکل میں متعدد ہیئت میں موجود ہے کرتا پاجامہ پہنا ہوا مرد کا نقشہ رکوع کی حالت میں قیام کی حالت میں قعدہ کی حالت میں سجدہ کی حالت میں، مختلف کیفیت میں نقشہ بنا ہوا ہے اور ان نقشوں کی شکل کی تصویروں میں مکمل سر بھی موجود ہے ہاں البتہ آنکھ کان وغیرہ واضح نہیں ہیں، بعضے مفتیان کرام اس میں سر موجود ہونے کی وجہ سے مسجد میں ٹانگنے سے منع کرتے ہیں آنجناب بھی اپنی رائے عالی سے سرفراز فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: نجیب الدین، متعلم دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: یہ سوال ہمارے پاس اس سے پہلے بھی آیا تھا، اس کے ساتھ تصویروں کا نقشہ بھی تھا، تصویروں میں ناک، کان، آنکھ، بھویں وغیرہ نہ پاکر ہم نے اس نقشہ کو لٹکانے کی اجازت کا فتویٰ لکھا تھا، لیکن بعد میں مفتیان کرام کا بورڈ بیٹھا اس میں یہ طے پایا، کہ یہ تصاویر ہی کے حکم میں ہیں، اسلئے ہم اپنے پہلے فتوے سے رجوع کرتے ہیں

، ہمارا فتویٰ ٢٨؍ربیع الآخر ١٤٢٥ھ کا شائع نہ کریں، صحیح فتویٰ یہ ہے کہ وہ سب تصاویر ہی ہیں، اور جاندار کی تصاویر کو مسجدوں میں یا اپنے گھروں میں لٹکانا شرعاً جائز نہیں، جیسا کہ البحرالرائق ، ، کتاب الصلاۃ، باب مایفسد الصلاۃ، وما یکرہ فیہا، زکریا ٢/٥٠، ٢/٢٨، مطبوعہ کراچی میں ہے۔

قـولـه أو مـقـطـوع الرأس قيد بالرأس لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو الـعيـنين لأنها تعبد بدونها وكذا لااعتبار بقطع اليدين أو الرجلين. (البحرالرائق، كتاب الصلاة ، باب مايفسد الصلاة ، ومايكره فيها، زكريا٢/ ٥٠، كوئٹه ٢/٢٨،)

امدادالفتاویٰ ٦/ ٣٣١، لمبی بحث کے بعد عدم جواز ہی ثابت فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں بھی صراحۃً اس کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ صحاح ستہ کی کتاب نسائی شریف میں حدیث موجود ہے:

عـن أبـي هريرة رضى الله عنه قال: استأذن جبرئيل عليه السلام عـلـى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: ادخل فقال : كيف أدخل وفي بيتک سـتـر فيه تصاوير ، فإما أن تقطع رؤوسها، أو تجعل بساطاً يوطأ فـإنـا مـعشـر الملا ئكة لا تدخل بيتاً فيه تصاوير . (نسـائی شريف، ابواب الـزينة ، بـاب ذكـر أشـد الـنـاس عـذابـاً ، الـنـسـخة الهندية ٢ / ٣٠١ ، دارالسلام رقم: ٥٣٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: مفتی محمود حسن غفرلہ، بلندشہری

الجواب صحیح
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند
(ب فتویٰ نمبر: ٨٤٥)
حضرت مولانا ابرارالحق غفرلہ
ناظم: مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

مظاهر العلوم کا فتویٰ:

سـوال [۲۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ دنوں سے مسجدوں میں ایک نقشہ ٹانگا ہوا نظر آرہا ہے، اس میں انسان کا سر سے لیکر پیر تک پورا نقشہ تصویر کی شکل میں متعدد ہیئت میں موجود ہے، کرتا پاجامہ پہنا ہوا مرد کا نقشہ رکوع کی حالت میں، قیام کی حالت میں، قعدہ کی حالت میں، سجدہ کی حالت میں، مختلف کیفیت میں نقشہ بنا ہوا ہے اور ان نقشوں کی شکل کی تصویروں میں مکمل سر بھی موجود ہے، ہاں البتہ آنکھ، کان وغیرہ واضح نہیں ہیں، بعضے مفتیان کرام اس میں سر موجود ہونے کی وجہ سے مسجد میں ٹانگنے سے منع کرتے ہیں، آنجناب بھی اپنی رائے عالی سے سرفراز فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: سید ضیاء الاسلام، چلکانہ، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے، حدیث پاک میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

عن عبد الله قال: سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول: إن أشد الناس عذابا یوم القیٰمة المصورون. (بخاری شریف، اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيمة، النسخة الهنديه ۲/ ۸۸۰، رقم: ۵۷۱۷، ف: ۵۹۵۰)

تصویر کا مدار سر پر ہوتا ہے، آنکھ، ناک، کان وغیرہ پر مدار نہیں۔

(قوله أو مقطوعة الرأس) أي ممحوة فإنها إذا كان كذلك لا تعبد فلا تكره، ولو قطع يداها أو رجلاها لاترفع الكراهة، وكذا لو أزيل الحاجبان، والعينان الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۸۹، قديم مصری ۱/ ۱۲٦)

جس نقشہ کا سوال میں تذکرہ ہے وہ بلا شبہ تصویر ہے، اس کو کسی بھی جگہ ٹانگنا جائز نہیں، چہ

جائے کہ مسجد میں ٹانگا جائے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد: محمد طاہر عفا اللہ عنہ
مظاہر العلوم سہارنپور
۱۴۲۵/۶/۷ھ
کتبہ: شفقت اللہ غفرلہ
خادم مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

الجواب صحیح:
مقصود احمد غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۷ھ
حضرت مولانا ابرار الحق غفرلہٗ
ناظم: مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

استفتاء: (۱)

سوال [۲۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ان تمثیلی تصاویر کے بارے میں: کہ جو آنکھ کان ناک اور چہرہ کے بغیر چند لکیریں بنا کر انسانی ہیئت کو دکھلا کر نماز کے قیام، رکوع، سجود وغیرہ ارکان وافعال کو سنت کے موافق دکھلانے اور سمجھانے کیلئے بنائی گئی ہیں، کیا یہ تمثیلی اشکال تصاویر ممنوعہ کے حکم میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور ان اشکال وتصاویر کے ذریعہ ارکان وافعال صلوٰۃ کو سمجھانیکا از روئے شرع کیا حکم ہے؟ اور ایسے اشتہار کو مسجد وغیرہ میں آویزاں کرنے کا کیا حکم ہے؟

بعض حضرات کا خیال ہے کہ ارکان صلوٰۃ کو سمجھانے کیلئے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا جانا چاہئے، اس سے لوگوں میں تصویر کے سلسلہ میں غلط اثر ہوسکتا ہے، اور تصویر سازی کا باب کھل سکتا ہے، اور کوئی خاص ضرورت اور نفع بھی اسمیں نظر نہیں آتا اسلئے کہ محض ان اشکال وتصاویر کو دیکھکر عموماً لوگ ارکان وافعال صلوٰۃ کی صحیح ہیئت کو آسانی سے سمجھ بھی نہیں سکتے ہیں، اسی طرح سنت کے موافق ادائیگی کے بعض طبی اور سائنسی منافع اور فوائد بھی ذکر کئے گئے ہیں، ان کے سلسلہ میں بھی دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان کا ذکر واظہار از روئے شرع صحیح ودرست ہے؟

حضرت والا زید مجدہم (مولانا ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ) کے یہاں ماہ رمضان المبارک میں مجلس علمیہ ہوتی ہے، اسمیں اہل افتاء اور حدیث پڑھانے والے حضرات

شریک ہوتے ہیں، اہم مسائل شرعیہ اس میں پیش ہوتے ہیں، منجملہ ان کے مسئلہ مذکورہ بالا بھی پیش ہوا اس مسئلہ میں اہل علم نے دونوں طرح کی رائے دی، بعض کا خیال تھا کہ اسکی اشاعت نہ کی جائے، اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اسمیں کچھ حرج نہیں، اصل حکم شرعی کو دلائل سے واضح فرمائیں؟

المستفتي: مفتی شفقت اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اب سے تقریباً سات ماہ قبل ہمارے پاس کسی جگہ سے یہ سوال آیا تھا، سوال کے ساتھ تصویروں کا نقشہ بھی تھا، اسپر خوب غور فکر کر کے ممانعت تحریر کی گئی تھی، حاصل جواب یہ ہے کہ عکسی تصویر میں مجسمہ نہیں ہوتا، اسلئے عکسی تصویر کا تحقق بسا اوقات محض لکیروں سے بھی ہو جاتا ہے، منسلکہ نقشہ میں بہت سی تصویروں میں سر کی ہیئت اور چہرہ کا ڈھال صاف نظر آ رہا ہے، اگرچہ آنکھ، ناک، کان وغیرہ اعضاء نہیں مگر ان پر حیات کا مدار نہیں، اس نقشہ کو دیکھ کر عوام کو تصاویر کے جواز کا تصور ہوگا، لہٰذا اس قسم کے نقشہ کو بنانا اور اس کو شائع کرنا خلاف شرع اور خلاف سنت ہے، دعوت وتبلیغ کیلئے سلف صالحین نے ایسے طریقوں کو اختیار نہیں کیا ہے، اس نقشہ کو مسجد میں لٹکانا بھی درست نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد: محمد طاہر عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ	مقصود غفرلہ
(فتویٰ نمبر: ۸۵۱)	۱/ ۱۱/ ۱۴۲۴ھ

ماہنامہ مظاہر العلوم میں شائع ہونے والا فتویٰ

سوال [۲۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء دین ان تمثیلی تصاویر کے سلسلہ میں جو آنکھ، کان، ناک اور چہرہ کے بغیر لکیریں بنا کر انسانی ہیئت کو دکھلا کر نماز کے قیام، رکوع، سجود، اور قعدہ وغیرہ کو صحیح یعنی سنت کے موافق دکھلانے اور سمجھانے کے لئے بنالی گئیں ہیں، کیا یہ تمثیلی

لکیریں تصاویر ممنوعہ کے حکم میں آتی ہیں یا نہیں؟ تمثیلی تصاویر کا نقشہ ارسال ہے؟

المستفتي: نور عالم علوی، ادارہ احیاء السنہ واصلاح المنکرات، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عکسی تصویر میں مجسمہ نہیں ہوتا ہے، اس لئے عکسی تصویر کا تحقق بسا اوقات محض لکیروں سے بھی ہو جاتا ہے، منسلکہ نقشہ میں بہت سی تصویروں میں سر کی ہیئت اور چہرے کا ڈھال صاف نظر آ رہا ہے، اگرچہ آنکھ، کان، ناک وغیرہ اعضاء نہیں مگر ان پر حیات کا مدار نہیں اس نقشہ کو دیکھ کر عوام کو تصاویر کے جواز کا تصور ہوگا، لہٰذا اس قسم کے نقشہ کو شائع کرنا خلاف شرع اور خلاف سنت ہے، دعوت وتبلیغ کے لیے سلف صالحین نے ایسے طریقوں کو اختیار نہیں کیا ہے۔

مظاہر العلوم وقف کا فتویٰ

سوال [۲۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین ان تمثیلی تصاویر کے سلسلہ میں کہ جو آنکھ، کان، ناک اور چہرہ وغیرہ کے بغیر چند لکیریں بنا کر انسانی ہیئت کو دکھلا کر نماز کے قیام، رکوع، سجود، اور قعدہ کو صحیح یعنی سنت کے طریقہ پر بتایا جا رہا ہے، کیا یہ تمثیلی لکیریں تصاویر کے حکم میں آتی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

نوٹ: اس استفتاء کے ہمراہ ایک نقشہ جسمیں تمثیلی تصاویر ہیں منسلک ہے۔

المستفتي: نور عالم علوی، ادارہ احیاء السنہ واصلاح المنکرات، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں یہ تمثیلی لکریں جو باقاعدہ انسانی ہیئت اور شکل وحرکت کو ظاہر کرتی ہیں، شرعاً تصویر (صورت) کے حکم میں داخل ہیں۔

کل شئی له رأس فهو صورة. (کذا فی احکام التصویر فی جواهر الفقه ۳/ ۲۳۰)

لہٰذا تمثیلی تصویروں پر مشتمل اس نقشہ کو چھاپنا اور اسکی اشاعت کرنا جائز اور درست نہیں ہے، مذکورہ نقشہ کو مساجد میں آویزاں کرنا مزید قبیح وشنیع اور مفاسد کا پیش خیمہ ہے، اس سے اجتناب لازم وضروری ہے!

نماز کی عملی مشق دیندار متبع سنت وشریعت ائمہ کرام سے کی جائے یہی مراد ہے، ہمارے محی السنہ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کے اس ارشاد کی کہ ''نماز جیسی عظیم الشان عبادت بغیر سیکھے کیسے ادا کی جاسکتی ہے؟'' خود حضرت مولانا ہردوئی مدظلہ نے اپنی تعلیم کے زمانہ میں اسی مظاہر العلوم میں اپنے حضرات اساتذہ کرام مولانا مفتی سعید احمد صاحب اجراڑوی اور مفتی محمود حسن سے خاص طور پر نماز مسنون کی عملی مشق کی تھی، طریقۂ متوارثہ امت میں یہی معمول بہا چلا آرہا ہے، کہ بیٹا باپ سے شاگرد استاد سے، اسلام کے ارکان کی عملی تربیت حاصل کرتا رہا ہے، اب اور آئندہ یہی قدیم طریقہ مفید ومؤثر ہوگا۔

لن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها. وباللہ التوفیق۔

جواب درست ہے	الجواب صحیح	عبدالقدوس غفرلہ
محمد امین غفرلہٗ	مظفر حسین المظاہری	مفتی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور
خادم افتاء مظاہر علوم (وقف) سہارنپور	صدر مفتی مظاہر علوم (وقف) سہارنپور	۱۰/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
۱۰/۳/۱۴۲۴ھ	۱۰/۳/۱۴۲۴ھ	

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا فتویٰ

سوال [۲۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نقشہ مساجد میں اور ایسی جگہ ٹانگا جارہا ہے جہاں عام لوگ آسانی سے دیکھ سکیں اور اس نقشہ میں نمازی کی مختلف ہیئت دکھائی گئی ہے، قیام کی حالت، رکوع کی حالت، التحیات کی حالت، قعدے کی حالت، اور اسمیں انسانی جسم کی پوری تصویر موجود ہے، اور مکمل سر بھی موجود ہے، مگر سر کے ساتھ ناک کان آنکھ ظاہر نہیں ہیں، تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہیکہ اگر ناک کان آنکھ وغیرہ نہ ہوں، البتہ سر مکمل ہو تو کیا صرف سر ہونے کی وجہ سے تصویر کے دائرے میں ہوکر ممنوع ہوگا،

یانہیں؟ بہت سے لوگوں میں یہ تبصرہ ہیکہ اگر ناک کان وغیرہ نہ ہوں تو تصویر کے دائرے میں نہ ہوکر اسے جائز کہنا چاہے اسی خیال سے یہ نقشہ تیار کیا گیا ہے جب کہ کچھ لوگ اس نقشے کو مسجدوں میں ٹانگنے کو ناجائز کہتے ہیں، لہٰذا فقہ اور حدیث کی رو سے جو حکم شرعی ہو، حوالے کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ نیز ایک شبہ یہ بھی ہوتا ہیکہ اگر سر کی ممانعت ہے تو ہاتھ پیر کی بھی ممانعت ہونی چاہئے، اسلئے کہ اہل شرک ہاتھ پیر کی بھی پوجا کرتے ہیں، لہذا جب ہاتھ پیر کی ممانعت نہیں تو ایسے سر کی بھی ممانعت نہ ہونی چاہئے، جسمیں آنکھ کان وغیرہ نہ ہوں۔

المستفتي: محمد سالم القاسمی، (مدرس مدرسہ شاہی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی تصویر کو حضرات فقہاء نے ممنوع اور مکروہ قرار دیا ہے، جس میں صرف سر موجود ہو اگر چہ اس سر میں ناک کان آنکھ ظاہر نہ ہوتے ہوں، لہٰذا جس نقشہ کا سوالنامہ میں ذکر ہے اس کو مساجد اور عبادت کی جگہ میں ٹانگنا ممنوع ہوگا، اس لئے کہ ممنوع اور مکروہ ہونے کیلئے سر کے ساتھ ناک کان وغیرہ ظاہر ہونا لازم نہیں ہے، بلکہ ممنوع ہونے کیلئے صرف سر کا ظاہر ہونا کافی ہے، اس کی واضح حدیث شریف موجود ہے، جو آگے آنے والی ہے، اور حدیث پاک میں تصویر کی جو ممانعت آئی ہے، اس ممانعت کی علت صرف مشرکین کی طرف سے پوجا نہیں ہے، بلکہ ممانعت کی علت حدیث میں صاف واضح ہے، تخلیق کخلق اللہ ہے، اللہ کی جاندار مخلوق کی طرح تصویر بنانا ہی اصل علت ہے، اس لئے اللہ کی طرف سے قیامت کے دن تصویر بنانے والوں کو اس بات کا مکلّف بنایا جائے گا، کہ اس تصویر میں روح ڈالیں، جس پر وہ قادر نہ ہوسکیں گے، اور زندگی وبقاء روح کیلئے ناک، کان آنکھ کا ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ صرف سر کا موجود ہونا کافی ہے، جیسا کہ بہت سے انسان بھی زندہ ہوتے ہیں، جن کے آنکھ اور کان ظاہر نہیں اور بہت سے انسان ایسے بھی ہیں کہ جن کے پیدائشی ہاتھ نہیں ہیں، اور پیدائشی پیر نہیں ہیں، مگر سر موجود ہونے کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں، اس

لئے کہ زندگی اور ذی روح ہونے کا مدار سر پر ہے، آنکھ کان کے ظاہر ہونے پر نہیں ہے، جہاں تک پوجا کرنے کی بات ہے، تو پوجا تو مشرکین درختوں کی بھی کرتے ہیں، اس سلسلہ میں واضح حدیث شریف، حدیث کی کتابوں میں موجود ہے، کہ جبرائیل علیہ السلام خدمتِ نبوی میں تشریف لانے والے تھے، مگر تشریف نہیں لائے بعد میں ملاقات پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ جس مکان میں آپ موجود تھے، اس میں تصویر ہے، اس میں ہم کیسے داخل ہوتے یا تو آپ اس تصویر کے سر کو کاٹ کر ختم کردیجئے یا اس کو آپ ایسے بستر بنادیجئے جس کو لوگ روند سکیں ہم ملائکہ کی جماعت ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتی جس میں تصویر ہوتی ہے، تو حدیث میں بھی اصل ممانعت کی علت سر کو قرار دیا ہے، اگر سر موجود ہو تو ناجائز ہے اور ملائکہ رحمت داخل نہیں ہوتے اور اگر سر کٹا ہوا ہو تو رحمت کے فرشتے داخل ہوتے ہیں اس موضوع سے متعلق کتب فقہ میں بیشمار جزئیات ہیں، اور کتب حدیث میں متعدد احادیث شریفہ وارد ہیں ہم وضاحت کیلئے فقہ کی چھ کتابوں کی عبارات اور دو حدیثیں نقل کردیتے ہیں، ممکن ہے کہ اس سے آپس کا اختلاف دور ہوجائے، اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے، کہ حنفی فقہ کی جو جزئیات ہیں، ان کے موافق کوئی نہ کوئی حدیث شریف تلاش کرنے سے مل جاتی ہے، حضرت حکیم الأمت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے امداد الفتاویٰ ٦/ ۳۳۱ میں لمبی تفصیل کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے شیخ واستاذ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا فیصلہ بھی اس قسم کی تصویروں کے بارے میں عدم جواز کا نقل فرمایا ہے۔

(۱)قوله أو مقطوع الرأس قيد بالرأس لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونها و كذا لا اعتبار لقطع اليدين أو الرجلين. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، زكريا ۲/ ۵۰، كوئٹه ۲/ ۲۸)

(۲)قوله أو مقطوعة الرأس أي ممحوة فإنها إذا كان كذلك لا تعبد

فـلا تـكـره، ولـو قـطـع يـداهـا أو رجـلاهـا لا ترفع الكراهة ، وكذا لو أزيل الـحاجبان والعينان . (مـجـمـع الأنهر ، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها دارالكتب العلميه بيروت ١/١٨٩، قديم مصرى ١/١٢٦)

(٣)قـولـه أو مـقـطـوعة الـرأس أي سواء كان من الأصل أو كان لها رأس، ومـحـي إلىٰ مـاقـال وقيـد بـالـرأس لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو الـعيـنين لأنها تعبد بدونها وكذا لا اعتبار بقطع اليدين أو الرجلين . (شامى ، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها زكريا٢/١٨، ٤، كراچى١/٦٤٨)

(٤)ولا اعتبـار بـالخيط بين الرأس والجسد لأن من الطيور ماهو مطوق ولا بـإزالة الـحاجبين أو العينين لأنها تعبد بدونهما. (تبييـن الحقائق ، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها زكريا ١/٤١٥، امدايه ملتان ١/١٦٦، كوئٹه١/٢٧٤)

(٥) قوله ومقطوعة الرأس وقيد بالرأس وما بعده لأنه لا اعتبار بإزالة الـحـاجبيـن أو الـعينين لأنها تعبد بدونها ولا بقطع اليدين والرجلين كما فى البحر . (طحطاوى على الدر، كوئٹه١/٢٧٤)

(٦)فـي الخلاصة لومحاوجه الصورة فهو كقطع الرأس بخلاف قطع يـديهـا ورجـليهاولو خيط على عنقها، بخيط لا ترفع الكراهة . (حلبى كبير ، كتـاب الـصـلاة، كراهية الصلاة، فروع فى الخلاصة ، اشرفيه ديوبند/ ٣٦٠، صغيرى مكتبه مجتبائى دهلى قديم /١٩٠)

(١)عـن أبي هـريـرةؓ قــال استــأذن جبـــرائيـل عليـه السلام علـى النبى ﷺ فـقـال: أدخـل فـقال كيف ادخل وفى بيتک ستر فيه تصاوير فـإمـا أن تقطع رؤوسها أو تجعل بساطا يوطأ فإنا معشر الملائكة لا تدخل بيتاً فيه تصاوير . (نسـائى شريف ، ابواب الزينة ، باب ذكر أشد الناس عذابا، النسخة الهندية ٢/١/٣٠١، دارالسلام رقم:٥٣٦٧)

(۲) عن أبی هریرة قال: قال رسول الله ﷺ: أتاني جبرائیل فقال: لي أتیتک البارحة فلم یمنعني أن أکون دخلت إلا أنه کان علی الباب تماثیل، وکان فی البیت قرام ستر فیه تماثیل، وکان فی البیت کلب، فمر برأس التمثال الذي علی باب البیت یقطع فیصیر کهیئة الشجرة، ومر بالستر فلیقطع، فلیجعل منه وسادتین منبوذتین توطئان. الحدیث: (أبو داؤد شریف، الأدب، باب فی الصور، النسخة الهندیة ۵۷۳/۲، دارالسلام رقم: ٤١٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲٦؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰٦/۲۳)	۱۴۲۵/۵/۲٦ھ

محاکمہ متعلقہ مسئلۂ تصویر از مولانا خلیل احمد صاحب

سوال [۲۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید وعمرو میں حسب ذیل مکاتبت ہوئی اس میں حق کس کی تقریر ہے، اور اگر زید کی تقریر حق ہے، تو عمرو کی آخری تقریر کا کیا جواب ہے، وجہ اس مکاتبت کی یہ ہوئی کہ عمرو نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ پشت کی طرف سے فوٹو لینے میں جس میں چہرہ نہ آوے گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور درمختار کی روایت محو ۃ الوجہ سے اس کا استدلال تھا، اس پر زید کی تقریر ہوئی پھر اس پر آگے سلسلہ چلا۔

تقریر زید: تصویر کشی کی فقہاء نے ہر طرح ممانعت فرمائی ہے، خواہ چھوٹی تصویر ہو خواہ بڑی تصویر ہو، مستبین الأعضاء ہو یا غیر مستبین الاعضاء فرق صرف کراہت صلوٰۃ میں، اور استعمال میں یا گھر میں رکھنے میں ہے:

أن التصاویر یحرم، ولو کانت الصورة صغیرة کالتي علی الدرهم أو کانت فی الید أو مستترة أو مهاتة مع أن الصلوٰة بذلک لا تحرم، بل

ولا تكـره لأن عـلة حرمة التصوير المضاهاة لخلق الله تعالىٰ وهي موجودة فـي كـل ما ذكر وعلة كراهة الصلوٰة بها التشبه وهى مفقودة فيما ذكر كما يأتي. (شـامى كتاب الصلاة ، بـاب مـا يـكـره فى الصلاة، ومالا يكره كراچى ١/٦٤٧، ٦٤٨، زكريا ٢/٤١٧، ٤١٨)

هذا كله فى اقتناء الصورة وأما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقا لأنه مـضـاهاة لخلق الله تعالىٰ كما مر. (شـامـى ، كتـاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ، ومايكره فيها، كراچى ١/٦٥٠، زكريا٢/٤٢٠)

باقی یہ امر کہ پشت کی طرف سے کھینچی گئی تصویر کو محوۃ الوجہ پر قیاس کرلیا جاوے، اس کی نسبت احقر کو یہ وہم ہے کہ منہ کو مٹادینے سے ذی روح کی تصویر نہیں رہتی ہے، اور اسی وجہ سے ایسے عضو کاٹ دینے سے جس سے زندگی باقی نہ رہے شامی میں اجازت دی ہے، اور

ممحوة عـضـو لا تعيش بدونه ، درمختار وقيد بالراس لأنه لا اعتبار بـإزالة الـحـاجبيـن والـعينين لأنها تعبد بدونها . (شـامـي ، كتـا ب الصلاة ، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها كراچى ٢/٦٤٨، زكريا ٢/٤١٨)

اور اسی وجہ سے عالمگیری میں لکھا ہے کہ محو کیلئے شرط ہے کہ رأس کا نشان بھی نہ رہے۔

وقـطـع الـرأس أن يـمـحـي رأسهـا بخيط يخاط عليها حتى لم يبق للرأس أثر أصلاً. (هـنـديـه ، كتـاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره فى الصلاة، وما يكره زكريا ، قديم ١/١٠٧، جديد ١/١٦٦)

ان عبارتوں سے اور نیز علت مضاہات سے یہ شبہ پڑتا ہے، کہ پشت پر سے پوری تصویر لینا جائز ہے، اور محوۃ الرأس پر اس کا قیاس بعید ہے، اسلئے اس تصویر کے کھینچنے میں گنجائش سمجھ میں آتی ہے، غایت مافی الباب یہ ہے کہ اگر کسی چھوٹے نقشے میں مستبین الاعضاء نہ ہوں تو اس کے اوپر یا دائیں بائیں نماز میں کراہت نہ ہوگی۔

شبہات عمرو بر تقریر زید:

(۱) مسلم ہے مگر مجھ کو شبہ یہ ہے کہ وجہ یا رأس نہ ہونے کے وقت وہ تصویر ہی نہیں رہتی بلکہ پھول یا شجر کے حکم میں ہے، اسی لئے التصویر یحرم کے بعد جو تعمیم کی ہے، اس میں صغر واستتشار واہانت وغیرہ کو ذکر کیا ہے یا نہیں کیا ہے۔

أو مفقود الوجه أو الرأس أو عضو لا تعيش بدونه .

(۲) اگر اس کلمہ کو عام لیا جاوے تو اس کے قبل درمختار میں اولغیر ذی روح بھی مذکور ہے اس کو بھی عام ہونا چاہئے، حالانکہ یقیناً اس کا استثناء جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ تعمیم ذی روح میں ہے، اور نمبر ا میں لکھا جا چکا ہے کہ فقدان وجہ یا رأس کی وجہ سے وہ ذی روح میں داخل نہیں اور اس میں مضاہاۃ مخصوصہ تصویر میں ہے یا نہیں۔

(۳) پھر منع کی کیا وجہ ہے۔

(۴) عالمگیری سے مطلقاً یہ ثابت نہیں ہوتا اس نے صرف قطع رأس کی تفسیر کی ہے چنانچہ عبارت اس کی اس میں صریح ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ محو وجہ بھی بدون محو رأس معتبر نہیں اور درمختار میں مقطوعۃ الرأس کے بعد او الوجہ حرف تردید سے کہنا اس کے معتبر ہونے میں صریح ہے اور نمبر ۲ میں عدم مضاہاۃ مذکورہ ہو چکا ہے۔

اعتراضات بر شبہات عمرو: جو کچھ احقر کو شبہہ ہوا اس کا منشا صرف اس قدر ہے، کہ جو تصویر مع وجہ کے ہو اس کے وجہ کو مٹا دینے سے وہ تصویر ذی روح ہونے سے خارج ہو جاتی ہے، اور جو تصویر پشت کی جانب سے کھینچی گئی ہے، اسمیں گو وجہ نہیں آیا، لیکن پورے آدمی کی تصویر ہونے کی وجہ سے داخل حرمت ہونا چاہئے، اور اس کو محوۃ الوجہ پر قیاس نہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ جب صرف سامنے کے رخ سے تصویر کھینچی جاوے تو البتہ وجہ کے مٹا دینے سے اب وہ ذی روح باقی نہیں رہی، کیونکہ سر بالکل جاتا ہی رہا، اور قفا ہے نہیں اور جب کہ قفا کی جانب سے تصویر لی گئی ہے، تو پورے آدمی کی تصویر ہوئی، اور وجہ کا نہ ہونا مضر نہیں، جیسے کہ وجہ والے میں قفا کا نہ ہونا مضر نہیں ویسے ہی قفا والی تصویر میں وجہ کا نہ ہونا

مضر نہیں، غرض کہ قفا والی تصویر پورے انسان کی تصویر ہے، اگر یہ خیال کیا جاوے کہ وجہ کے بغیر انسان زندہ یا باقی نہیں رہتا، تو اسی طرح صرف وجہ سے بھی انسان زندہ نہیں رہ سکتا ،تاوقتیکہ قفا نہ ہواس سے تو لازم آتا ہے، کہ صرف تصویر کا مجسمہ حرام ہو، اور کاغذ وغیرہ پر تصویر حرام نہ ہواس لئے کہ انسان بغیر پشت وقفا کے زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔

جواب عمرو از اعتراضات زید: قولہ لیکن پورے آدمی کی تصویر الخ اقول اسی میں تو کلام ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں جیسا نمبر ا میں لکھ چکا ہوں کہ وجہ یا رأس نہ ہونے کے وقت وہ تصویر ہی نہیں رہتی الخ ،قولہ وجہ کا نہ ہونا الیٰ قولہ جیسے وجہ والی الخ ، اقول یہ خیال اس لئے مخدوش ہے کہ تصویر میں معظم مقصود وجہ مع الرأس ہی ہے ، کہ معرفت اسی سے ہے، اور مجمع محاسن وہی ہے، چنانچہ اسی بنا پر شایقان تصویر صرف وجہ ہی کی تصویر لینے اور رکھنے کو بھی کافی سمجھتے ہیں، برخلاف قفا کے اس میں یہ بات نہیں خصوصاً جبکہ پشت سے تصویر لینا اتفاقاً نہ ہو بلکہ اسی قصد سے ہو کہ وجہ کی ہیئت نہ آوے اس صورت میں تو ظاہر ہے کہ ایسا ہی ہے جیسا بالقصد محو کر دیا ہو، جو حاصل ہے محوۃ الوجہ او رأس کا اور قفا نہ آنا اکثر بلا قصد ہوتا ہے، اس لئے محوۃ کے حکم میں نہیں ہوسکتا پس قفا و وجہ میں دو فرق ہوئے اس لئے یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے،قولہ اسی طرح صرف وجہ سے بھی الخ ،اقول فقہاء کا عضو لا تعیش بدونہ پر جو کہ ایسا قاعدہ کلیہ ہے کہ وجہ و رأس بھی اس میں داخل ہوسکتا تھا، کفایت نہ کرنا اور محوۃ الوجہ او الرأس کا مستقلاً لانا مشعر اس امر کا معلوم ہوتا ہے، کہ وجہ و رأس کا وجود یا عدم محض اسی حیثیت سے معتبر نہیں کہ وہ عضو لا تعیش بدونہ کا وجود یا عدم ہے ورنہ اس کو جداگانہ ذکر کرنے کی حاجت نہ تھی ، بلکہ وجہ و رأس میں قطع نظر حیثیت مذکورہ سے نیز ایک خاص شان خصوصیت ہے کہ صرف اس کے مجموعہ کا وجود حکماً پوری تصویر کا وجود ہے، گو وہ اعضاء لا یعیش بدونہا سے خالی ہوں اسی طرح اس مجموعہ کا عدم پوری تصویر کا عدم ہے گو بقیہ اعضاء پر مشتمل ہو پس جب مجموعہ وجہ و رأس ہوگا گو قفا وغیرہ نہ ہو ، اس کو تصویر کہا جاوے گا، اور جب مجموعہ وجہ و رأس نہ ہوگا قفاء

وغیرہ ہو اس کو تصویر نہ کہا جاوے گا۔

آخر جمادی الاولیٰ ١٣٢٨ھ:انتهیٰ **ماقال زيد وعمرو وبينوا ماالحكم فيما قالا.**

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بندہ ناچیز باعتبار اپنے علم وفہم کے اس قابل نہیں ہے کہ علماء اعلام کے اختلاف کا فیصلہ کرسکے، مگر ہاں امتثالاً للأمر الشریف اس مسئلہ میں جو کچھ خیال میں آیا ہے عرض کرتا ہے، روایات فقہیہ کے دیکھنے سے یہ امر واضح ہے کہ عمل تصویر اور اقتناء تصویر میں فقہاء کے نزدیک فرق ہے، تصویر سازی کو مطلقاً حرام اور ناجائز تحریر فرماتے ہیں، اور اقتناء تصویر مطلقاً ناجائز نہیں لکھتے ہیں، بلکہ بعد تغیرات جائز تحریر فرماتے ہیں، لہذا ان وجوہ سے زید کا قول حق معلوم ہوتا ہے، کہ فوٹو لینے میں کسی جاندار کے خواہ وجہ کی طرف سے لیا جاوے یا پشت کی طرف سے عدم جواز ہو اگرچہ زید کی تعمیم مستبین الاعضاء یا غیر مستبین الاعضاء ان دونوں کی مساواۃ روایات سے مفہوم نہیں ہوتی، اور (رواية ترمذی ، ابواب الآداب والإستئذان ، النسخة الهندية ١٠٨/٢ ، دارالسلام رقم:٢٨٠٦ ، ابو داؤد، باب فی الصور ، النسخة الهندية ٥٧٣/٢، دارالسلام رقم: ٤١٥٨)جس کے الفاظ یہ ہیں۔

فمر برأس التمثال الذي على باب البيت يقطع فيصير كهيئة الشجرة.

اس امر کے اوپر دلالت کرتی ہے، کہ بعد قطع رأس تصویر ذی روح کی باقی نہیں رہتی، بلکہ وہ کالشجرۃ ہو جاتی ہے، حالانکہ وہ تصویر ظاہراً حیوان ہی کی تصویر معلوم ہوتی ہے، اور مضاہاۃ بخلق اللہ جو علۃ حرمت ہے متحقق معلوم ہوتی ہے، اور نیز مخصوص رأس کا مختلف فیہ ہونا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب بعض اجزاء اصلیہ مفقود ہوگئے تو وہ تصویر ذی روح کی تصویر نہ رہی، ردالمختار میں ہے۔

وفيه إشعار بأنه لا تكره صورة الرأس وفيه خلاف كما في اتخاذها كذا في المحيط.

معلوم ہوتا ہے کہ بعض فقہاء نے ایسے جزء کا حکم کل قرار دیا ہے، اور ذی روح قرار دے کر اس

کومنع کیا ہے، اور بعض نے اس کو غیر ذی روح قرار دیا ہے، اور جائز فرمایا ہے: بندہ کے نزدیک ایسے اختلاف کی صورت میں اس خلاف کونزاع لفظی پر محمول کیا جاوے اور حرمت کا محمل عام اس کوقرار دیا جائے کہ جب قصداً کسی ذی روح کی تصویر پشت کی جانب سے لی جاوے تو بروئے اطلاق روایات ناجائز ہو اور جبکہ تصویر کا لینا مقصود نہ ہو مثلاً کسی مکان جنگل یا پہاڑ کی تصویر لینی مقصود ہے، اور پشت کی جانب سے کسی انسان کی تصویر آ گئی یا اس قدر صغیر ہے کہ جو قریب سے بھی بدشواری فہم میں آتی ہے، گویا مقدار طیر سے بھی کم ہے، تو ایسی صورت میں جائز کہہ دیا جاوے، بظاہر کچھ مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ: خلیل احمد عفی عنہ (تتمہ اولیٰ/۳۲۲)

(۸) باب الجماعة

باجماعت نماز واجب ہے یا سنت؟

سوال [۲۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باجماعت نماز پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باجماعت نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے جو واجب کے قریب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۴۰۷، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۳۹۲/۹)

قال (عبد الله بن مسعودؓ) إن رسول الله ﷺ، علمنا سنن الهدى وإن من سنن الهدى، الصلاة في المسجد الذي يؤذن فيه. (صحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۲، بيت الأفكار رقم: ٦٥٤، صحيح ابن حبان دارالفكر ۳/ ۲۱۰، رقم: ۲۰۹۹، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۹/ ۱۲۰، رقم: ۸٦۰۸)

عن ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: من سمع النداء فلم يأته، فلا صلاة له، إلا من عذر. (سنن ابن ماجه الصلاة، باب فضل فضل الصلاة الجماعة في جماعة النسخة الهندية /٥٧، دارالسلام رقم: ۷۹۳، المستدرك، كتاب الصلاة قديم ۱/ ۳۷۳، مكتبه نزار مصطفى البازجديد۱/ ۳٦٤، رقم:۸۹٤، ۸۹٥)

الجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدى: أرادوا بالتأكيد الوجوب. (شامى كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كراچى ۱/ ٥٥۲، زكريا۲/ ۲۸۷)

الجماعة سنة مؤكدة أي قوية تشبه الواجب فى القوة. (تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة امداديه، ملتان ۱/ ۱۳۲، زكريا۱/ ۳٤۰، البحرالرائق،

کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا١/٣/٦٠٣، کوئٹه ١/٣٤٤)

تجب على العقلاء البالغين الأحرار القادرين على الجماعة من غير حرج. (حلبی کبیر ،کتاب الصلوٰة ، باب الإمامة اشرفی /٥٠٨)

الصلوٰة بالجماعة فی الأصح مؤكدة شبيهة بالواجب فی القوة. (مراقی الفلاح دیو بند /١٠٧، باب الإمامة ، دارالكتاب دیوبند/ ٢٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/۱۱۳۵۴)

تارک جماعت مردودالشہادہ ہے

سوال [۲۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جماعت کا شرعی حکم کیا ہے، قصداً نماز باجماعت ترک کرنا کیسا ہے؟ ایسا امام جس میں کوئی خامی ہو، اسکے پیچھے نماز نہ پڑھیں جماعت ترک کردیں۔

المستفتي: محی الدین، قصبہ سہسپور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جماعت کا شرعی حکم یہ ہے کہ بلا عذر شرعی یا طبعی ترک کرنے والا فاسق ومردود الشہادۃ ہے۔(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۳۵۹۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۷۰، جدید ڈابھیل ٦/ ۱۴۹، فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۳۰۵، زکریا)

وتدل على الوجوب من أن تاركها من غير عذر ترد شهادته ويأثم الجيران بالسكوت عنه. (کبیری /٤٥٥، ٣٥٩، جدید زکریا/ ٣٤١)

عن عبد الله ، قال: من سره أن يلقى الله غداً مسلماً فليحافظ على هؤلاء الصلوات حيث ينادى بهن فإن الله شرع لنبيكم صلى الله عليه وسلم سنن الهدى، وإنهن من سنن الهدىٰ ولوأنكم صليتم فی بيوتكم

کـمـا یـصـلـی هـذا الـمتخلف فی بیته لترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیـکـم لضللتم الحدیث .(مسـلـم ، الـمسـاجد باب فضل صلاة الجماعة ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۳۲ ، بیت الأفکار رقم: ٦٥٤)

امام کی خامی کیا ہے تعیین کیجئے، اس کے بعد جواب دیا جاسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/ ۵۲۰)

تارک جماعت کا حکم

سـوال [۲۰۱٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بغیر عذر کے جماعت ترک کرنے والا شریعت کے نزدیک کس حکم کے دائرے میں داخل ہے، جو آدمی دینی نمائندہ ہو اور نماز با جماعت کا پابند نہ ہو اس کا حکم شریعت میں کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو شخص بلا عذر شرعی جماعت سے نماز نہیں پڑھتا وہ گنہگار اور فاسق اور مردود الشہادۃ ہے، اور جو شخص دینی نمائندہ ہو اور ترک جماعت کا عادی ہو وہ بھی فاسق اور مردود الشہادۃ ہے، وہ اس لائق نہیں کہ اسکو دین وشریعت کا نمائندہ بنایا جائے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ٦/ ۴۰۹، فتاویٰ حقانی ۳/ ۱۲۷، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۹/ ۳۹۵)

عـن أبـي الأحـوص ، عـن عبـد اللہ رضـی اللہ عنه قال لقد رأیتنا وما یتـخلف عن الصلوٰة ، إلا منافق قدعلم نفاقه ، أو مریض ، إن کان المریض لیـمشی بین رجلین حتی یأتي الصلاة ، وقال: إن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسـلـم عـلـمـنـا سنن الهدی ، وإن من سنن الهدی ، الصلاة فی المسجد الـذي یؤذن فیه . (صـحـیـح مسـلـم ، الـمسـاجـد بـا ب فضل صلاة الجماعة النسخة الهـنـدیـه ۱/ ۲۳۲ ، بیـت الأفکار قدیم: ٦٥٤ ، صحیح ابن حبان دارالفکر ۳/ ۲۱۰ ، رقم:

٢٠٩٩، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٩/ ١٢٠، رقم: ٨٦٠٨)

إن تارك الجماعة يستوجب إساء ة ولا تقبل شهادته إذا تركها استخفافا بذلك.(في منحة الخالق) **إذا تركها استخفافا أي تهاونا وتكاسلا وليس المراد حقيقة الإستخفاف الذى هو الإحتقار فإنه كفر.** (البحر الرائق ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة ، زكريا١/ ٦٠٣، كوئٹه ١/ ٣٤٤، منحة الحالق على البحرالرائق ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة كوئٹه ١/ ٣٤٤، زكريا١/٣ ٦٠)

الجماعة سنة مؤكدة للرجال : قال الزاهدى أرادوا بالتأكيد الوجوب (تحته) والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلاعذر يعزر ويرد شهادته . (شامى كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زكريا٢/ ٢٨٧، كراچى ١/ ٥٥٢، حلبي كبير ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة اشرفيه/ ٥٠٩، شرح النقايه ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة، اعزازيه ديو بند١/ ٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/ ۱۱۳۵۸)

کسی کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کرنا

سوال [۲۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے جماعت کھڑی ہونے والی ہے اور اسی مسجد میں ایک نابینا بھی نماز پابندی سے پڑھتا ہے ،جماعت ہونے والی ہے نابینا وضو کر رہا ہے امام صاحب تو انتظار کرنا چاہتے ہیں لیکن مقتدیوں پر گراں گذر رہا ہے، تو ایسی صورت میں امام کو کیا کرنا چاہئے امام صاحب انتظار کریں، یا پھر نماز کیلئے کھڑے ہو جائیں۔

المستفتي: محمد فرقان، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب جماعت کا وقت ہوگیا ہے، اور نمازی آچکے ہیں، تو بینا اور نابینا کے انتظار میں امام صاحب جماعت میں تاخیر نہیں کریں گے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۳۰۵)

لو انتظر الإقامة ليدرك الناس الجماعة يجوز لواحد بعد الإجتماع لا الخ. (شامی باب صفة الصلوٰة، مطلب فی اطالة الركوع للجائی، زكريا ٢/ ١٩٨، كراچی ١/ ٤٩٥)

ينتظر الإقامة ليدرك الناس الجماعة يجوز ولو أخر بعد الاجتماع لا. (بزازيه، كتاب الصلوٰة، الفصل الأول فی الآذان، زكريا جديد ١/ ١٩، وعلى هامش الهنديه، زكريا قديم ٤/ ٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٧٦٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/٦/۱٦ھ

راستہ خراب ہونے کی وجہ سے ترک جماعت

سوال [۲۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری رہائش گاہ اہل ہنود کے درمیان ہے اور وہاں سے مسجد بھی کافی دور ہے راستہ مخدوش ہے جماعت کی نماز کس طرح ادا کروں کیا بیوی کو شریک جماعت بنا سکتا ہوں، اگر اجازت ہے تو تکبیر کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: فضل الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی راستہ مخدوش ہے تو آپ پر جماعت کے لئے مسجد حاضر ہونا لازم نہیں ہے، بلکہ گھر میں والدہ یا بیوی بہن وغیرہ کے ساتھ باجماعت

نماز ادا کرنا جائز ہے، البتہ ایک عورت ہے تو اسکو بھی پیچھے ہی کھڑا کرنا لازم ہے، مرد کے برابر کھڑی کرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه عذر قالوا: وما العذر ؟ قال خوف أو مرض الحديث. (أبوداؤد الصلاة، باب التشديدفى ترك الجماعة النسخة الهندية ١/٨١، دارالفكر برقم: ٥٥١)

عن عبد الرحمن بن غنم، قال: قال أبومالك الأشعرى لقومه: ألا أصلى لكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فصف الرجال، ثم صف الولدان خلف الرجال ثم صف النساء خلف الولدان. (مسند احمد ٥/٣٤١، رقم: ٢٣٢٨٤)

عن أنس رضى الله عنه قال: صلى النبى صلى الله عليه وسلم في بيت أم سليم، فقمت ويتيم خلفه، وأم سليم خلفنا. (بخارى شريف، الأذان، باب صلوٰة النساء خلف الرجال، النخسة الهنديه ١/ ١٢٠، رقم: ٨٦٣، ف: ٨٧١)

يسقط حضور الجماعة (إلى قوله) وخوف ظالم الخ. (مراقى الفلاح مع حاشية للطحطاوى كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، فصل يسقط حضور الجماعة بواجبه قديم/١٦٢، جديد دارالكتاب ديوبند /٢٩٧، الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كراچى ١/٥٥٦، زكريا٢/٢٩٣، مصرى١/٤١١)

حتى لو صلى في بيته بزوجته أو جاريته أو ولده، فقد أتى بفضيلة الجماعة الخ. (طحطاوى على المراقى، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة قديم/١٥٦، جديد، دارالكتاب ديو بند/٢٨٧)

المرأة إذا صلت مع زوجها فى البيت، إن كان قدمها بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتها بالجماعة. (شامى كتاب الصلوٰة، باب الإمامة مطبوعة كراچى ١/٥٧٢، زكريا٢/٣١٥، كوئٹه ١/٤٢٣) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٣/٦٤٦)

کیانابینا پر باجماعت نماز ادا کرنا ضروری ہے

سوال [۲۰۱۹]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک نابینا شخص ہوں مجھے احتلام قطرہ اور ریاح کی شکایت ہے، تو کیا مجھ پر باجماعت نماز ادا کرنا ضروری ہے، اگر جماعت سے نماز پڑھنا ضروری ہے تو اس کا اہتمام کس طرح کروں کیوں کہ میں نابینا ہوں۔ جواب دیں؟

المستفتي: نور محمد، محلّہ بارہ دری،
قصبہ: لہرپور، ضلع: سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ نابینا ہیں اور بیماری بھی لاحق ہے تو اس بناء پر جماعت سے نماز پڑھنا آپکے اوپر سے معاف ہے گھر میں یا جہاں آپ کا قیام ہو وہیں تنہا نماز پڑھ لیا کریں، ہاں بشرط سہولت اگر مسجد میں جائیں تو نماز کے وقت میں جب چاہیں وضو کریں جائز ہے۔

والاعمیٰ عند أبي حنيفة قال ابن الهمام والظاهر أنه اتفاق. (حلبی کبیر، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی الإمامة اشرفیه دیوبند/ ۵۱۰، کبیری / ٤٧٥، طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوٰۃ، فصل یسقط حضور الجماعة جدید دارالکتاب دیوبند /۲۹۸، قدیم /١٦٢، درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة زکریا ۲/۲۹۲، کراچی ۱/۵۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٧٣٤)

مدرسہ میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھ کر مسجد میں دوبارہ جماعت سے نماز پڑھنا

سوال [۲۰۲۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اجمیر

یا کوئی دوسری جگہ جانے کا ارادہ کیا مگر نماز ظہر ایک بجکر ۳۰ ؍منٹ پر ہے اور ریل ایک بجے ہے، اور اذان بھی نہیں ہوئی ہے پانچ یا چھ آدمی مسجد میں تھے، ان لوگوں سے کہا تم لوگ میرے ساتھ نماز پڑھ لو تو جماعت کا ثواب مجھے مل جائیگا ، اور تم لوگ جب مسجد میں جماعت ہوگی تو پھر پڑھ لینا تو اس طرح میں نے نماز پڑھ لی اور جب اذان ہوئی تو دوسرے لوگوں نے جماعت سے نماز دوبارہ پڑھ لی ،تو اس طرح جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا ؟

المستفتي: مزمل الحق، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں جن لوگوں نے مدرسہ میں فرض نماز ادا کرنے کے بعد مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی ہے وہ صحیح ہے اور ان کی مسجد میں باجماعت پڑھی ہوئی نماز نفل بن جائیگی۔

فقال (رسول الله صلى الله عليه وسلم) إذا جئت إلى الصلوة، فوجدت الناس فصل معهم ، وإن كنت قد صليت تكن لك نافلة ، وهذه مكتوبة .(سنن أبوداؤد، الصلاة ، باب فيمن صلىٰ فى منزله ثم أدرك الجماعة يصلى معهم ، النسخة الهنديه ١/٨٥، دارالسلام رقم: ٥٧٧، سنن الدارقطني ، كتاب الصلوٰة ، باب إعادة الصلاة ، في جماعة دارالكتب العلميه بيروت ١/٢٨٣، رقم: ١٠٦٧، السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصلاة ، باب من قال الثانيه فرض وفيه نظر دارالفكر ٣/٢٢٨، رقم: ٣٧٤٣)

ثم اقتدى بالإمام متنفلاً ويدرك بذلك فضيلة الجماعة . (درمختار كتاب الصلوٰة ، باب ادرك الفريضة زكريا ٢/٥٠٦، كراچی ٢/٥٣) فقط **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۴۰)

کیالوگوں کے طعنہ کے سبب تنہا گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے

سوال [۲۰۲۱]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز باجماعت کے بارے میں حدیث شریف میں تاکید وتلقین آئی ہے لیکن ایک شخص عالم دین ہے نماز باجماعت پڑھتاہے کبھی کبھار دونمازیں یالگاتارتین نمازیں گھرمیں منفرداً پڑھ لیتاہے، اس امر منکر سے ہم نے روکا تووہ شخص کہتاہے کہ میری کوئی خاص مشغولی نہیں ہے نماز پڑھنے مسجد جاؤں گا تو لوگ یہ کہیں گے کہ دیکھو ملا نے کا کام صرف مسجد جاکر نماز پڑھنے کا رہ گیا ہے، پھر منفرداً نماز پڑھنے پر دو دلیلیں قائم کرتاہے۔

(۱) السلامة فی الوحدة.

(۲) ترک جماعت کے بھی اعذار ہیں، ان میں سے ایک عذر میرے ساتھ لگا ہوا ہے، حضرت مفتی صاحب کیااس کی یہ عذر بیانی درست ہے، اگر نماز باجماعت پڑھے گا تواس کی بیکاری اس کی عزت کھودے گی؟ موجودہ زمانہ میں کن حالات میں ترک جماعت درست ہے؟ مدلل اور مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد رضوان قاسمی، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ترک جماعت بلا عذر شرعی کرنے سے آدمی فاسق ہوجاتاہے، گرچہ وہ اس کوتنہا اپنے گھر میں پڑھتا ہو اور مذکورہ عالم صاحب کی دونوں باتیں شریعت اسلامیہ سے دوری پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ دونوں اعذار عذر شرعی نہیں ہیں، بلکہ جہالت اور دین حق سے ناواقفیت پر مبنی ہیں، بلکہ ایک عالم ہونے کی حیثیت سے بڑی پابندی کے ساتھ مسجد جاکر کے نماز پڑھے تاکہ اعتراض کرنے والوں کی عالم کے عمل سے اصلاح ہوجائے، اوراس سلسلہ میں مسلمانوں کو مسجد آکر باجماعت نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے رہنا ایک عالم دین کی ذمہ داری ہے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ قال: حافظوا على الصلوات الخمس حيث ينادي بهن،فإنهن من سنن الهدىٰ ، وإن الله عزوجل شرع لنبيه سنن الهدىٰ، ولقد رأيتنا وما يتخلف عنها إلا منافق ...... ولو صليتم في بيوتكم ، وتركتم مساجدكم، تركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لكفرتم. (ابو داؤد ، الصلوٰة، باب التشديد فی ترك الجماعة، النسخة الهنديه ١/ ١٨١، دارالسلام رقم: ٥٥٠)

قال عبد الله ......ولعمری ما اخال أحدكم إلا وقد اتخذ مسجداً في بيته ولو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلی هذا المتخلف فی بيته لتركتم سنة نبيكم صلى الله عليه وسلم ولوتركتم سنة نبيكم صلى الله عليه وسلم لضللتم. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ١/ ٥١٦، رقم: ١٩٧٩، مسند أبي داؤد الطيالسی ، دارالكتب العلميه بيروت ١/ ٣٤٧، رقم: ٣١١، المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربي ٩/ ١١٦، رقم: ٨٥٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۲۱ھ

ملا کہنے کی وجہ سے نماز باجماعت ترک کردینا

سوال [۲۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص عالم دین ہے باجماعت نماز پڑھتا، لیکن کبھی کبھی لگاتار دو یا تین نماز لگاتار گھر پر منفرداً پڑھ لیتا ہے ، اور عذر یہ بیان کرتا ہے کہ مسجد جا کر نماز پڑھوں گا تو لوگ کہیں گے ملا کا کام صرف مسجد جا کر نماز پڑھنا رہ گیا ہے، تو کیا اس کا یہ کہنا عذر میں شامل ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بلا عذر شرعی جماعت سے نماز نہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اور لوگوں کا یہ کہنا کہ ملا کو صرف مسجد آ کر نماز پڑھنے کا کام رہ گیا ہے یہ کوئی عذر

نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے ترک جماعت کے لئے جن چیزوں کو عذر قرار دیا ہے یہ ان میں سے نہیں ہے، اور ایسا کہنے والا بے دین ہے، اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہدایت نصیب فرمائے ، اور کسی عالم دین کا اس طرح بازاری لوگوں کی بازاری باتوں سے متأثر ہوکر اقامت صلوٰۃ جیسی اہم عبادت کو ترک کردینا انتہائی بزدلی ہے، اور اسکی عادت بنالینا نہایت مذموم عمل ہے، ایسا شخص فاسق اور مردود الشہادت ہے، توبہ کرلے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۳۹۴/۹، ڈابھیل ۴۰۷/٦ /۴۰۸، امداد الفتاویٰ زکریا ۷۸٦/۱)

الجماعة سنة مؤكدة للرجال ، قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب ، تجب على الرجال العقلاء البالغين القادرين على الصلاة بالجماعة من غير حرج ، والظاهر أن المراد به العذر المانع : كالمرض، والشيخوخة ، والفلج ، بخلاف نحو المطر ، والطين ، والبرد، والعمىٰ . (شامی کتاب الصلوٰۃ ، باب الإمامة زکریا ۲۸۷/۲ تا ۲۹۰ ، کراچی ۵۵۲/۱ تا ۵۵٤، فتح القدير ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة اشرفي ۳۵۳/۱، زكريا ۳۵۳/۱، كوئٹه ۲۹۹/۱، هنديه ، كتاب الصلوٰة، الباب الخامس فى الإمامة، زكريا قديم ۸۲/۱، جديد ۱٤۰/۱، تاتارخانيه ۲۸۰/۲، رقم: ۲٤۲۲)

عن عبد الله بن مسعودؓ قال: حافظوا على هؤلاء الصلوات الخمس حيث ينادي بهن ، فإنهن من سنن الهدي، وإن الله عزوجل شرع لنبيه صلى الله عليه وسلم سنن الهدي ، ولقد رأيتنا، وما يتخلف عنها إلا منافق...... ولو صليتم في بيوتكم ، وتركتم مساجد كم ، تركتم سنة نبيكم ولو تركتم سنة نبيكم لكفر تم . (ابو داؤد الصلوٰة ، باب التشديد فى ترك الجماعة ، النسخة الهنديه ۸۱/۱، دارالسلام رقم: ۱٤۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۳۲/۴۰)

مسجد میں دوران نماز الگ نماز پڑھنا

سوال [۲۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فجر کی نماز جماعت سے ہورہی ہے امام قرأت کررہا ہے ایک شخص آیا اور جماعت کی دوصفوں کے فاصلہ پراس نے تنہا فرضوں کی نیت باندھ لی اوروہ بھی اتنی آواز سے قرأت کرکے پڑھنے لگا کہ امام کے پیچھے کے مقتدی کو اس شخص کی آواز سنائی دینے لگی اس کا یہ عمل کیسا ہے؟ کیا اس کی نماز ہو گی۔ جواب سے نوازیں آپ کی مہربانی ہوگی؟

المستفتي: عبدالحسیب سیفی،
شاہ آباد، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کو جماعت کیساتھ پڑھنا سنت مؤکدہ بلکہ واجب ہے، لھذا دوران جماعت کسی شخص کا اکیلے نماز پڑھنا بہت برا عمل ہے، خصوصاً جبکہ وہ بلند آواز سے قرأت بھی کررہا ہو تو اس کی برائی اور بھی بڑھ جاتی ہے، اگرچہ اس شخص کا فریضہ ادا ہوجائے گا، حدیث شریف میں ایک واقعہ آتا ہے، کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی نماز کے بعد دو شخصوں کو جماعت سے الگ بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان کو سرزنش فرمائی۔

عن جابر بن یزید بن الأسود، عن أبیه، قال: شهدت مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حجته، فصلیت معه صلوٰة الصبح فی مسجد الخیف، فلما قضی صلوٰته انحرف، فإذا هو برجلین فی أخریٰ القوم لم یصلیا معه، فقال: علي بهما، فجیئ بهما ترعد فرائصهما، فقال: ما منعکما أن تصلیا معنا، فقالا: یارسول اللّٰہ! إنا کنا قد صلینا فی رحالنا، قال: فلا تفعلا، إذا صلیتما فی رحالکما، ثم أتیتما مسجد جماعة فصلیا معهم، فإنها لکما نافلة. (ترمذی، الصلاة، باب ماجاء فی الرجل یصلی وحده ثم

یدرك الجماعة النسخة الهنديه ۱/۵۳، دارالسلام رقم: ۲۱۹، سنن أبی داؤد ، الصلاة باب فيمن صلى في منزله ثم أدرك الجماعة يصلى بهم النسخة الهندية ۱/۸۵، دار السلام رقم: ۵۷۵، سنن النسائی ، الصلاة ، إعادة الفجر مع الجماعة لمن صلیٰ وحده النسخة الهنديه ۱/۹۸، دارالسلام رقم: ۸۵۹، صحيح ابن خزيمه ، المكتب الاسلامی ۲/۷۸۹، رقم: ۱٦۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمحرم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۰ھ

مسجد میں جماعت کے بعد تنہا نماز پڑھنا

سوال [۲۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عصر کی نماز جماعت سے ہورہی ہے، ایک شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہے، وہ جماعت میں شامل نہیں ہوا، اورقرآن پڑھتا رہا اور وہ بھی اتنی آواز سے کہ امام اور مقتدیوں کو اسکی آواز آرہی ہے اور جماعت کے بعد قرآن رکھ کر تنہا نماز پڑھی، اس کے اس عمل کے بارے میں تفصیل سے بتائیں اس کا کیا حکم ہے؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالحسیب سیفی، شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد میں عین جماعت کے وقت فرض با جماعت سے ہٹ کر کسی دوسرے کام میں مشغول ہونا جائز نہیں اور بآواز بلند قرآن مجید پڑھنے کی بھی شرعاً اجازت نہیں ہے، بلکہ جماعت میں شامل ہوجانا لازم ہے۔

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله عليه وسلم : إذا أقيمت الصلاة ، فلا صلاة إلا المكتوبة . (سنن الترمذی ، الصلاة ، باب ماجاء إذا أقيمت الصلاة ، فلا صلاة إلا المكتوبة ، النسخة الهنديه ۱/۹٦، دارالسلام رقم:

۴۲۱، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی ۲/۴۳٦، رقم: ۳۹۸۹)

وفی القنیه: تارک الجماعة من غیر عذر یجب تعزیره. (شرح النقایه، کتاب الصلاۃ، باب الجماعة، اعزازیه دیوبند ۱/۸۵)

إن تارک الجماعة یستوجب إساءۃ الخ. (البحرالرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة زکریا ۱/۳/٦۰۳، کوئٹه ۱/۳۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍محرم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۰ھ

مال کی حفاظت کی وجہ سے مسجد نہ جاکر تنہا نماز پڑھنا

سوال [۲۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے گاؤں کے قریب میں کریشر چلاتا ہوں اور گنا خرید کر گڑ بنا کر فروخت کرتا ہوں میرے کریشر کی چہار دیواری نہیں ہے اور میں اس کا اکیلا نگراں ہوں اور جب مسجد میں نماز پڑھنے جاتا ہوں تو گنا اور گڑ چوری ہوجاتا ہے، کچھ لوگ اس گھات میں رہتے ہیں کہ یہ کس وقت یہاں سے جائے اور ہم اپنا کام بنائیں میں اس نقصان سے بچنے کیلئے کریشر پر بے جماعت کے نماز پڑھ لیا کروں تو میرے لئے یہ عذر شرعی ہے یا نہیں اور کریشر پر جماعت کا کوئی انتظام نہیں ہوسکتا؟

المستفتي: عبد الرحمٰن رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک آدمی کا انتظام نہ ہو اس وقت تک گنا اور گڑ کی حفاظت کیلئے مسجد کی جماعت چھوڑ کر کریشر پر تنہا نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ، من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر، قالوا: وما العذر؟ قال: خوف، أو مرض، لم تقبل

منه الصلاة التي صلي. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب التشديد فی ترك الجماعة النسخة الهندية ١/٨١، دارالسلام رقم: ٥٥١، المستدرك، كتاب الصلاة قديم ١/٣٧٣، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد١/٣٦٤، رقم: ٨٩٦)

وخوف على ماله أي من لص ونحوه إذا لم يمكنه غلق الدكان أو البيت الخ. (شامی، باب الإمامة، مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد، زكريا ٢/٢٩٣، كراچی ١/٥٥٦، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح كتاب الصلاة، فصل يسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانية عشر شيئاً دارالكتاب ديوبند١/٢٩٧، الموسوعة الفقهيه ٢٧/١٨٩) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۰۵)	۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

اجرت لے کر نماز تراویح پڑھانے والے کی اقتداء کرے یا تنہا نماز پڑھے

سوال [۲۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تراویح کی نماز میں حافظ کو اجرت دینے اور لینے کا عام رواج بن چکا ہے اور زید ایک عالم ہے تو کیا زید اس مذکورہ حافظ کے پیچھے نماز تراویح پڑھے یا تنہا گھر میں الم ترکیف سے پڑھے جو بھی بہتر صورت ہو اس کو بیان فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: اسرار الحق، کشن گنج، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت سے نماز پڑھنا، بہر صورت افضل اور بہتر ہے، اسلئے مذکورہ عالم کو جماعت میں شریک ہونا چاہئے اور حافظ کے اجرت لینے کی وجہ

سے عالم کے نماز کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی، بشرطیکہ مذکورہ عالم حافظ صاحب کو اجرت دینے والوں میں شامل نہ ہوں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۱/۴۹۶)

عن أبي هريرة ؓ، أن رسول الله ﷺ قال: صلوا خلف كل بر وفاجر. (سنن الدار قطني، كتاب العيدين، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٤، رقم: ١٧٥٠)

عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً. (سنن أبي داؤد الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور النسخة الهنديه ١/ ٣٤٣، دارالسلام رقم: ٢٥٣٣)

صلىٰ خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة (تحته فى الشامية) أفاد أن الصلوٰة خلفهما أو لىٰ من الإنفراد. (شامی كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة اقسام زكريا٢/ ٣٠١، كراچى ١/ ٥٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۵/۱۴۲۸ھ

معذور شخص کا گھر پر نماز پڑھنا

سوال [۲۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک عالم صاحب بیمار ہیں، نماز کیلئے مسجد نہیں جاسکتے معذور ہیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ محلّہ کے دو چار آدمی ان بزرگ کے ساتھ مل کر گھر پر ہی جماعت کرلیا کریں تو اس طرح ان بزرگ کی نماز جماعت سے ہوتی رہے گی، معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ بزرگ تو معذور ہیں شرعاً مسجد نہیں جاسکتے ہیں یہ دوسرے حضرات جو مسجد چھوڑ کر بزرگ کیساتھ گھر پر جماعت کرتے ہیں کیا یہ لوگ مسجد کی جماعت چھوڑنے کے مجرم تو نہیں ہونگے، اور ان

عالم بزرگ کا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ عالم صاحب واقعی اتنے بیمار ہیں کہ نماز کے لئے مسجد نہیں جا سکتے ہیں تو ایسی صورت میں وہ اگر گھر میں تنہا نماز پڑھیں تو بھی ان کو جماعت کا ثواب ملے گا، البتہ اگر کبھی کبھار، ہفتہ عشرہ میں کوئی تندرست آدمی بخوشی مسجد کی جماعت سے رک کر ضعیف کیساتھ باجماعت نماز پڑھتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس کی عادت نہ بنائی جائے اور نہ تندرست آدمی پر دباؤ ڈالا جائے کہ ضعیف کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھے، اس لئے کہ ضعیف کو گھر پر تنہا نماز پڑھنے کی صورت میں بھی جماعت کا ثواب مل رہا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، جدید ڈابھیل ٧/ ٥٦٦)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من سمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه عذر، قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض، فلم يقبل الله منه الصلاة التي صلي. (سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، باب الحث لجار المسجد على الصلاة فيه، إلا عن عذر، دارالكتب العلمية ١/ ٤٠٠، رقم: ١٥٤٢، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ترك الجماعة بعذر المرض والخوف دارالفكر ٤/ ٢٠٨، رقم: ٥١٥٠، ٥١٥١)

وإذا انقطع عن الجماعة لعذر من أعذارها وكانت نيته حضورها لولا العذر يحصل له ثوابها، والظاهر أن المراد به العذر المانع كالمرض والشيخوخة. (شامي باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد كراچی ١/ ٥٥٤، زكريا ٢/ ٢٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ جمادی الاولیٰ ١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٩٦١٣/٣٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٩/٥/١٨ھ

برص کی بیماری میں گھر پر نماز پڑھنا

سوال [۲۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جس کو برص کی بیماری ہے لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں، اور وہ نماز پڑھنے جاتا ہے، اگلی صف میں کھڑا ہوتا ہے اور کوئی شخص اس کے بغل میں کھڑا ہونا نہیں چاہتا ہے اس وجہ سے صف میں دو تین آدمی کی جگہ باقی رہ جاتی ہے، لوگ دوسری صف بنالیتے ہیں کیا اگلی صف میں جگہ باقی رہنے سے بلا کراہت دوسری صف والوں کی نماز ہوجائے گی، اور برص والے شخص کے بارے میں کیا کرنا چاہئے کیا اس کراہیت کی وجہ سے ایسے شخص کو گھر میں نماز پڑھنے کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟

المستفتي: محمد سفیان، بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: برص والا شخص اگر اس نیت سے گھر میں نماز پڑھے تاکہ لوگوں کو ایذاء وتکلیف سے محفوظ رکھے، تو اس کو گھر میں ان شاء اللہ جماعت کا ثواب مل جائے گا، اسلئے اس کو اگلی صف میں کھڑے ہوکر نمازیوں میں انتشار پیدا کرنے سے گریز کرنا چاہئے، اور اگر اس کو مسجد ہی میں نماز کا شوق ہے تو پیچھے کی صفوں میں ایک کنارے کھڑے ہوکر نماز پڑھے۔

عن أبي هريرةؓ قال: وجد النبی ﷺ ريح ثوم فی المسجد فقال: من أكل من هذه الشجرة، فلا يقربن مسجدنا. (مسند أحمد بن حنبل ٢/٤٢٩، رقم: ٩٥٤٠، ٢/٢٦٤، رقم: ٧٥٧٣، ٢/٢٦٦، رقم: ٧٥٩٩)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ من سمع المنادى فلم يمنعه من اتباعه عذر، قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التى صلي. (سنن أبی داؤد، الصلاة، باب التشديد فی ترك الجماعة النسخة

الهندية ١/ ٨١، دارالسلام رقم: ٥٥١، المستدرك كتاب الصلاة قديم١/ ٣٧٣، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ١/ ٣٦٤، رقم:٨٩٦)

وفي الدرالمختار: وأكل نحو ثوم ويمنع منه (تحته فى الشامية) وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أوبه جرح له رائحة وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص أولىٰ بالإلحاق.

(شامی، باب مايفسد الصلوٰة، مطلب فى الغرس فى المسجد، زكريا ٢/ ٤٣٥، کراچی ١/ ٦٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۴/ ۱۴۲۹ھ

کوڑھی کیلئے جماعت کا سقوط

سوال [۲۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو کوڑھ کی بیماری ہے اسی حالت میں وہ مسجد میں نماز پڑھنے آتا ہے کچھ لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں، لہذا زید کا مسجد میں آنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث سے جواب دیں، ایسے شخص کیلئے کیا حکم ہے؟

المستفتي: سمیع الدین، شرف الدین، حسن خاں، قاضی پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعتراض کرنے والے حق پر ہیں، مذکورہ بیماری کی حالت میں زید کے حق میں مسجد میں حاضر ہوکر باجماعت نماز ادا کرنا شرعاً معاف ہے، بلکہ گھر میں تنہا نماز ادا کرنا اس پر لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۶۵)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من أكل من هذه الشجرة

، یعنی الثوم، فلا یؤذینا في مسجدنا، (وقال فی موضع آخر: فلا یقربن مسجدنا) ولایؤذینا بریح الثوم. (مسند ابن حنبل ۲/۲٦٦، رقم:۷٥۹۹، ۲/۲٦٤، رقم: ۷٥۷۳، ۲/٤۲۹، رقم: ۹٥٤۰)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر، لم تقبل منه الصلاة التی صلی، قالوا: وما العذر ؟ قال: خوف أو مرض. (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلوٰة، باب ترك الجماعة بعذر المرض والخوف دارالفکر بیروت ٤/۲۰۸، رقم: ٥۱٥۰، ٥۱٥۱)

وأکل نحو ثوم ویمنع منه وکذا کل مؤذ ولو بلسانه (تحته فی الشامیة) وکذلک ألحق بعضهم بذلک من بفیه بخر أو به جرح له رائحة، وکذلک القصاب والسماک والمجذوم والأبرص أولیٰ بالإلحاق.

(الدر المختار مع الشامی، باب مایفسد الصلوٰة، مطلب فی الغرس فی المسجد زکریا ۲/٤۳٥، کراچی ۱/٦٦۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر شوال ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۴۹)

کوڑھ کے مریض کا جماعت میں شریک ہونا

سوال [۲۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا اسلام کوڑھ کے بیماروں کو مسجد میں غسل اور نماز کی اجازت دیتا ہے؟

المستفتي: ایم شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایسے لوگوں کو جمعہ اور جماعت میں حاضر ہونا لازم نہیں ہے، بلکہ اپنے گھر تنہا نماز ادا کرنے کا حکم ہے اور مسجد میں آنا بھی ممنوع ہے، اسلئے کہ

ان سے ملائکہ اور دیگر مسلمانوں اور نمازیوں کو ایذا پہنچتی ہے۔

عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ : من أكل من هذه الشجرة، يعنی الثوم، فلا يؤذينا في مسجد نا، (وقال فی موضع آخر: فلا يقربن مسجدنا) ولايؤذينا بريح الثوم. (مسند ابن حنبل ۲/۲٦٦، رقم:۷۵۹۹، ۲/۲٦٤، رقم: ۷۵۷۳، ۲/٤۲۹، رقم: ۹۵٤۰)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من سمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه عذر، قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض. (سنن الدار قطنی، كتاب الصلاة، باب الحث لجار المسجد على الصلاة فيه، إلا من عذر دارالكتب العلمية ۱/٤۰۰، رقم: ۱۵٤۲)

قلت علة النهی أذی الملائكة وأذی المسلمين (إلیٰ قوله) وكذلک ألحق بعضهم بذلک من بفيه بخر أو به جرح له رائحة وكذلک القصاب والسماک والمجذوم والأبرص أولیٰ بالإلحاق وقال سحنون: لا أری الجمعة عليهما الخ. (شامی، باب مايفسد الصلوٰة، مطلب فی الغرس فی المسجد، زكريا۲/٤۳۵، كراچی۱/٦٦۱، مصری۱/٦۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲٦/۲۱۳۷)

کھانسی کے مریض کا مسجد میں نماز کے لئے جانا

سوال [۲۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو کھانسی کا مرض لاحق ہے، وہ مسجد میں نماز پڑھتا ہے، جس سے مقتدیوں کو تکلیف ہوتی ہے؟ ایسے شخص کیلئے بہتر طریقہ کیا ہے؟ کیا وہ مسجد کے بجائے گھر میں نماز پڑھ سکتا ہے؟

کیا اسے جماعت ومسجد کا ثواب ملے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جی ہاں ایسے شخص کیلئے بہتر طریقہ یہی ہے کہ بجائے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے گھر میں تنہا نماز پڑھ لیا کرے۔

عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من أكل من هذه الشجرة، يعنی الثوم، فلا يؤذينا في مسجدنا (وقال فی موضع آخر: فلا يقربن مسجدنا) ولا يؤذينا بريح الثوم. (مسند ابن حنبل ۲/۲٦٦، رقم:۷۵۹۹، ۲/۲٦٤، رقم: ۷۵۷۳، ۲/٤۲۹، رقم: ۹۵٤۰)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من سمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه عذر، فلا صلاة له، قالوا: وما العذر؟ قال: خوف أو مرض. (المستدرك، كتاب الصلاة قديم ۱/۳۷۳، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۱/۲٦٤، رقم: ۸۹٦)

أذى المسلمين وأذى الملائكة فبالنظر إلى الأولى يعذر فی ترك الجماعة وحضور المسجد وبالنظر إلى الثانية يعذر فی ترك حضور المسجد ولو كان وحده الخ. (شامی، باب مايفسد الصلوٰة، مطلب فی الغرس فی المسجد زكريا ۲/٤۳۵، كراچی ۱/٦٦۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب ۱٤۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/۱۸۵۳)

جماعت کے وقت سنت ونفل پڑھنے کا حکم

سوال [۲۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو ایک عالم

صاحب نے یہ بتایا کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو داخل مسجد کوئی سنت یا نفل پڑھنے کا حکم نہیں ہے، بلکہ اگر نیت باندھلی ہے تو نیت توڑ دینی چاہیے، زید اس پر عمل کرنے لگا کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ وہ عالم صاحب شافعی مسلک کے تھے۔

المستفتي: مقتدیان، جامع
مسجد، منڈی دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام سنتوں اور نوافل کے بارے میں شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جماعت شروع ہونے کے بعد سنت یا نفل کی نیت باندھنا مشروع نہیں ہے البتہ اگر پہلے سے نیت باندھ رکھی ہے تو ایک رکعت پڑھنے کی صورت میں دوسری رکعت اور تین رکعت پڑھنے کی صورت میں چوتھی رکعت تخفیف کے ساتھ پڑھ کر جلدی سے سلام پھیر دے اور جماعت میں شریک ہو جائے نیت توڑنا لازم نہیں؟۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ١٣/٧٠، جدید ڈابھیل ٧/١٩٣)

قال اللّٰہ تعالیٰ : وَلاَ تُبۡطِلُوۡا أَعۡمَالَكُمۡ . (سورة محمد:٣٣)

عن أبي هريرةؓ عن النبی ﷺ أنه قال: إذا أقيمت الصلاة ، فلا صلاة إلا المكتوبة. (صحيح مسلم، الصلاة ، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن النسخة الهندية ١/٢٦٧، بيت الأفكار رقم: ٧١٠، مسند الدارمي، دار المغني ٢/٩٠٧، رقم: ١٤٨٨، مسند البزار ، مكتبه العلوم والحكم ١٥/٢٦٣، رقم: ٨٧٣٦)

قوله تركها أى لا يشرع فيها ، وليس المراد بقطعها لما مر أن الشارع فى النفل لا يقطعه قطعاً. (شامى ،كتاب الصلوٰة ، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش زكريا٢/٥١٠، ٢/٥٠٢، كراچى ٢/٥٦، ٢/٥٠، تقريرات رافعى على الشامى ، باب ادراك الفريضة كراچى و زكريا ٢/٩٦، هكذا فى البحر ، كتاب الصلوٰة ، باب إدراك الفريضة زكريا٢/١٢٥، كوئٹه ٢/٧١، و مثله فى الكنز /٣٦)

لہٰذا مسئولہ صورت میں زید کو جنھوں نے نیت توڑنے کا مسئلہ بتایا ہے وہ درست نہیں

ہے؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۲ھ

جماعت شروع ہونے کے بعد نوافل کی نیت باندھنا

سوال [۲۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز فجر میں امام کے فرض نماز شروع کردینے کے بعد کسی شخص کا اسی مسجد میں سنتوں کیلئے نیت باندھ لینا کیا قرآن وحدیث سے ثابت ہے، جبکہ اسے امام کے قرآن پڑھنے کی آواز بھی سنائی دے رہی ہے، کیا اسے اس کا پورا ثواب ملے گا یا گناہ کا کام ہے، پورے ثبوت کے ساتھ خلاصہ کرکے سمجھائیں، اللہ آپ کو ثواب عطاء فرمائے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فرض نماز کی جماعت شروع ہوجانے کے بعد فجر کے علاوہ باقی نماز میں سنتوں کی نیت باندھنا جائز نہیں مکروہ ہے۔

عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ أنه قال: إذا أقيمت الصلاة فلاصلاة إلا المكتوبة. (صحيح مسلم الصلاة، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن النسخة الهندية ۱/ ۲٤۷، بيت الأفكار رقم: ۷۱۰)

البتہ فجر میں جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد بھی سنت کی نیت باندھ کر اسی مسجد میں جماعت کی صفوں سے بالکل الگ ایک کنارے یا باہر کے حصہ میں سنت فجر پڑھنا جائز ہے ان شاء اللہ ثواب بھی ملے گا اس سلسلہ میں حدیث میں صحابہ کا عمل موجود ہے۔

عن أبي هريرة رضی الله عنه أن النبي ﷺ، قال: إذا أقيمت الصلاة، فلا صلاة إلا المكتوبة، إلا ركعتي الصبح. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصلاة، دارالفكر ٤/ ۳۵، رقم: ٤٦۵۱)

عن عبد اللّٰہ ؓ أنه دخل المسجد، و الإمام في الصلوٰة فصلی رکعتي الفجر. (طحاوی شریف قدیم۱/۲۱۹، جدید دارالکتب العلمیه بیروت ۱/٤۸۵، رقم: ۲۱۵۸)

عن أبي الدرداء أنه كان يدخل المسجد والناس صفوف في صلوٰة الفجر فيصلى الركعتين في ناحية المسجد ثم يدخل مع القوم في الصلوٰة. (طحاوی شریف قدیم ۱/۲۲۰، جدید دارالکتب العلمية بیروت ۱/٤۸۷، رقم: ۲۱٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۵/۱٤۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۵/۱٤۱۸ھ

جماعت کھڑی ہونے کے بعد اگلی صف میں سنن ونوافل پڑھنا

سوال [۲۰۳٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی سب سے اگلی صف میں سنت پڑھنا کیسا ہے؟ اور اگر مکروہ ہے تو کونسا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی تشریح فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتي: اسرار احمد، محلّہ ضابطہ گنج، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت شروع ہونے سے قبل اگلی صف میں سنت ونوافل پڑھنا جائز ہے اور جماعت شروع ہونے کے بعد سنت ونوافل اگلی صف میں مکروہ تحریمی ہے۔

عن أبي هريرة ؓ أن النبي ﷺ أنه قال: إذا أقيمت الصلاة، فلا صلاة إلا المكتوبة. (صحیح مسلم، المساجد، باب کراهة الشروع فی نافلة بعد شروع المؤذن النسخة الهندية ۱/۲٤۷، بیت الأفکار رقم: ۷۱۰، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم

١٥/٢٦٣، رقم: ٨٧٣٦)

عن ابن عباس رضؓ قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأخذ المؤذن في الإقامة، فجذبني النبي ﷺ، وقال أتصلي الصبح أربعاً. (مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ٤٥٦/٤، رقم: ٢٨٥٩، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ٥٥٨/١، رقم: ١١٢٥)

وأشدها كراهة أن يصليها مخالطا للصف مخالفا للجماعة الخ. (شامی كتاب الصلوٰة، باب ادراك الفريضة مطلب هل الإساءة دون الكراهة زكريا ٥١١/٢، كراچی ٥٦/٢)

ويكره للمفرد أن يقوم في الصف الخ. (كبيری/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۵۳)

جماعت کے وقت تنہا صف میں نماز پڑھنا

سوال [۲۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جس وقت جماعت ہوتی ہے، اس وقت جماعت والی صف میں کھڑا ہوکر اپنی نماز بغیر امام کی اقتداء کے ادا کرتا ہے، اور چند اشخاص اس کے ایماء پر ویسا ہی کرتے ہیں ایسے مفسدین کے لئے شرعی حکم کیا ہے، اور ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟

المستفتي: محمد اسلام، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی بڑی فضیلتیں اور ترک جماعت پر بڑی وعیدیں آئی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری طبیعت چاہتی ہے کہ لکڑی جمع کرواؤں پھر نماز کھڑی کرنے کا حکم دوں اور جو لوگ جماعت میں

شریک نہ ہوں ان کے گھروں میں آگ لگادوں۔

عن أبي هريرةؓ عن النبی ﷺ ، قال: لقد هممت أن آمر فتيتی أن يجمعوا حزم الحطب ، ثم آمر بالصلوٰة فتقام ، ثم أحرق على أقوام لا يشهدون الصلوٰة. (ترمذی شريف ، الصلاة ، باب ماجاء فيمن سمع النداء فلا يجيب ، النسخة الهنديه ١/٥٢، دارالسلام رقم:٢١٧)

پھر جماعت کا امام متبع شریعت بھی ہو اس کے باوجود تنہا نماز پڑھنا اور صف میں پڑھنا بالکل درست نہیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ فاسق اور گنہگار رہیں۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أقيمت الصلاة ، فلا صلاة إلا المكتوبة. (مسند الدارمی، دارالمغني ٢/٩٠٧، رقم: ١٤٨٨، مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمي ٢/٤٣٦، رقم: ٣٩٨٩)

عن وابصةؓ ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، رأي رجلا يصلى خلف الصف وحده، فأمره أن يعيد. (سنن أبي داؤد ، الصلاة ، باب الرجل يصلى وحده خلف الصف، النسخة الهندية ١/٩٩، دارالسلام رقم: ٦٨٢، صحيح ابن خزيمه ، المكتب الإسلامي ١/٧٥٤، رقم: ١٥٧٠، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٢٢/١٤١، رقم: ٣٧٤، مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمی٢/٥٩ ، رقم: ٢٤٨٢)

وأشدها كراهة أن يصليها مخالطاً للصف مخالفا للجماعة. (شامی باب إدراك الفريضة ، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش ، زكريا ٢/٥١١، كراچی ٢/٥٦، البنايه، كتاب الصلوٰة ، باب إدراك الفريضة ، اشرفيه ديوبند ٢/٥٦٩)

والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر وترد شهادته. (شامی كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زكريا٢/٢٨٧، كراچی ١/٥٥٢، تبيين الحقائق ، كتاب الصلوٰة ، باب ادراك الفريضة امداديه ملتان ١/١٨٢، زكريا ١/٤٥٢،

شرح النقایه ، کتاب الصلاۃ ، باب الجماعة ۱/ ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ۳/ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۶۰۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ٦/ ۱۴۲۰ھ

جماعت کے قعدہ اخیرہ میں شمولیت افضل ہے یا الگ سے دوسری جماعت کرنا

سوال [۲۰۳٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مرتبہ چند حضرات جن میں اہل علم بھی شامل ہوتے ہیں مسجد میں پہونچے تو امام صاحب جماعت کی آخری رکعت پڑھا رہے تھے، ایک دو ساتھی وضو بنا کر قعدہ اخیرہ میں شریک ہوگئے، اور جماعت میں شرکت کرلی باقی سب حضرات اطمینان سے وضو کرتے رہے یہ سوچ کر کہ ہمارے ساتھ مولانا ہیں دوسری جماعت کرلیں گے تو معلوم یہ کرنا ہے کہ مسجد کی جماعت کی شمولیت زیادہ افضل ہے اگر چہ قعدۂ اخیرہ ہی ملے یا دوسری جماعت کرکے مکمل نماز امام صاحب کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے فقہاء کے نزدیک یہ طرز عمل کیسا ہے؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب آخری رکعت یا قعدۂ اخیرہ میں ہوں اس وقت اگر کچھ لوگ مسجد میں آئیں اور جلدی جلدی وضو کرکے قعدۂ اخیرہ یا آخری رکعت میں شریک ہوسکتے ہوں تو ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ اپنی جماعت الگ کرنے کے بجائے مسجد کی جماعت میں شامل ہوجائیں کیونکہ اس صورت میں بھی جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائیگی اب اگر دوسری جماعت اسی مسجد میں کریں گے تو فعل مکروہ کا ارتکاب لازم آئیگا، اور اگر مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ کریں گے تو مسجد کا ثواب ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوگا، اسلئے بہتر یہی ہے کہ جلدی

جلدی وضو کر کے آخری رکعت یا قعدہ اخیرہ میں شریک ہو جائیں، ہاں البتہ اگر کسی دوسری مسجد میں تاخیر سے جماعت ہوتی ہے اور وہاں مکمل نماز تکبیر اولیٰ کیساتھ پڑھنے کا ارادہ ہے تو پھر توازن اور تقابل کے اعتبار سے بہتر یہی ہے کہ دوسری مسجد میں پوری نماز باجماعت پڑھ لی جائے۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من أدرك الإمام جالساً قبل أن يسلم فقد أدرك الصلاة. (سنن الدارقطني ،كتاب الجمعة ، باب فيمن يدرك من الجمعة ركعة أو لم يدركها ، دارالكتب العلميه بيروت ٢/ ١٠، رقم:١٥٨٩)

وكذا لو فاتت أحدهم تكبيرة الافتتاح أو ركعة أو ركعتان ويمكنه إدراكها فى غيره لا يذهب إليه لأنه صار محرزا فضيلة الجماعة فى مسجده فلا يترك حقه. (كبيرى/٦١٣)

ولو فاتته ندب طلبهافى مسجد آخر. (شامى كتاب الصلوٰة، باب الإمامة مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد زكريا ٢/ ٢٩١، كراچى ١/ ٥٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۰)

دس تا پندرہ سال تک کے بچوں کو لیکر جماعت کرنا

سوال [۲۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ بات مدرسہ کے انتظامی امور میں داخل ہے کہ (بطور اصلاح ونگرانی) مدرسہ کا ہر مدرس مدرسہ میں مقیم بچوں کو ایک وقت کی نماز پڑھائیگا، ان بچوں کی عمر ۱۰ تا ۱۵ رسال ہے زید کہتا ہے کہ ان کمسن بچوں کی امامت درست نہیں اور وہ نماز نہیں پڑھاتا اور اس کا نماز نہ پڑھانے پر اصرار ہے او رو ہ بچوں کو نماز نہ پڑھا کر خود اپنی نماز الگ پڑھتا ہے، اگر بچے ان کے پیچھے نماز پڑھ لیں تو کیا ثواب اس تنہا نماز سے بھی گھٹ جائیگا۔

المستفتي: عبد المعید قاسمی، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بالغ مقتدی کوئی نہ ہوتو صرف بچوں کو مقتدی بنا کرامامت کرانے سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے، تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں بچوں کولیکر جماعت کرنے میں زیادہ ثواب ہے، ہاں البتہ اگرزید بالغوں کی جماعت میں شرکت کیلئے کسی مسجد میں نماز پڑھتا ہےتو اس سے زید کوروکنا درست نہیں ہے بچوں کی امامت کرانے کیلئے زورزبردستی نہ کی جائے بلکہ اختیار دیا جائے ۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند زکریا۳/۴۲)

وتحصل فضيلة الجماعة بصلوٰته مع واحد .(أی من الصبیان) (الاشباه والنظائر /١٦٩)

وكذا إن كانت معه امرأة أو صبي يعقل كانت جماعة لأنهما من أهل الصلاة. (شرح النقايه ، كتاب الصلاة ، باب الجماعة اعزازيه ديوبند ١/ ٨٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/محرم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

عیدگاہ میں پنجوقتہ نماز ادا کرنا

سوال [۲۰۳۸]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر احمد گڈھی کی آبادی بڑھتی بڑھتی عیدگاہ تک پہونچ گئی ہے فی الحال مسجد بنانے کی ہمت نہیں ارادہ ہےتو کیا عیدگاہ میں مسجد کا انتظام ہونے تک نماز پنجگانہ باجماعت ادا کیجا سکتی ہے،عیدگاہ کا حکم منسوخ تونہیں ہوجائے گا عیدگاہ کمیٹی کومزاحمت کرنیکا اختیار رہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد ابراہیم، احمد گڈھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدگاہ میں نماز پنجوقتہ ادا کرنا جائز ہے اس میں نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرنے سے عیدگاہ کا حکم منسوخ نہ ہوگا، اور عیدگاہ کی کمیٹی کے لوگوں کو عیدگاہ میں نماز پڑھنے سے نہیں روکنا چاہئے ۔ (مستفاد کفایت المفتی قدیم ۷/۱۱۳، جدید زکریا ۷/۱۱۴، زکریا مطول ۱۰/ ۴۶۷)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، كتاب الصلوٰة ، قبيل باب الصلاة فى مرابض الغنم ، داراحياء التراث العربي بيروت ٤/ ١٧٩، جديد زكريا٣/ ٤٣٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۸۵)

ایک ہی باؤنڈری میں مسجد چھوڑ کر مدرسہ میں نماز پڑھنے کا حکم؟

سوال [۲۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

الف: مسجد رہٹہ معافی کی جسمیں اختلاف ہے اور ہم نماز مدرسہ میں مسجد کی اذان سے پہلے اذان بھی اور نماز بھی پڑھتے ہیں کیا ہماری اس طرح نماز ہو رہی ہے یا نہیں آپ فتویٰ کے تحت آگاہ فرمائیں۔

ب: مسجد اور مدرسہ کی باؤنڈری ایک ہے اذان مسجد کے وقت پر پڑھی جاتی ہے، کیا یہ درست ہے اگر یہ درست نہیں ہے تو اسے فتویٰ کے ذریعہ سمجھائیں؟

المستفتي: سروت حسین، رہٹہ معافی، خاص، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جولوگ مسجد کی باونڈری میں مسجد سے الگ اذان وجماعت کرتے ہیں وہ لوگ مسجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے محروم ہیں اوران کی نماز ادا تو ہوجاتی ہے واجب الاعادہ نہیں ہے لیکن برملا اعلانیہ طور پر جماعت مسجد کی مخالفت کی وجہ سے سخت گنہگار ہوں گے، ان کو اپنی اس حرکت سے فوراً باز آجانا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ٦/ ١٧٨، جدید ڈابھیل ٦/ ٤١٧، میرٹھ ٩/ ٤٠٠)

عن عبد الله ،قال: من سره أن يلقى الله غداً مسلما فليحافظ على هؤلآء الصلوات حيث ينادى بهن ، فإن الله شرع لنبيكم ﷺ سنن الهدى وإنهن من سنن الهدى ولو أنكم صليتم فى بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف فى بيته لتركتم سنة نبيكم ، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم .

(مسلم ، المساجد ، باب فضل الصلوٰة الجماعة النسخة الهندية ١/ ٢٣٢، بيت الأفكار رقم: ٦٥٤، مسند أبي يعلى الموصلي، دارالكتبالعلمية بيروت ١/ ٢٤٧، رقم: ٣١١، مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمي ١/ ٥١٦، رقم: ١٩٧٩ مسند أحمد بن حنبل ١/ ٣٨٢، رقم: ٣٦٢٣، ١/ ٤١٥، رقم: ٣٩٣٦، ١/ ٤٥٥، رقم: ٤٣٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٢/ رمضان المبارک ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٧/ ٢٤٠٤)

دوسری منزل پر جماعت کرنا

سوال [٢٠٤٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد دومنزلہ ہے اس کے نیچے کے حصہ میں جماعت کرنا چاہئے یا اوپر کے حصہ میں، اگر اوپر کے حصہ میں جماعت کریں تو نیچے کا حصہ جو اصل مسجد ہے وہ خالی رہے گا، نیز ایسا کرنا یعنی نیچے کے حصہ کو

چھوڑکراوپر جماعت کرنا کیسا ہے؟ کیاشریعت میں اس کی کوئی نظیر ہےاوراگر نیچےاوپر دونوں میں پانچوں وقت کچھ لوگ نیچےاور کچھ لوگ اوپر جماعت کریں یعنی ایک ہی وقت میں الگ الگ اذان واقامت کے ساتھ اوپر نیچے جماعت کرنا کیسا ہے،اوردونوں میں سے کس کی نماز صحیح ہے کیا فقہ کی کتابوں میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے کہ اگر نیچے کے حصہ میں گرمی زیادہ لگتی ہو یا گھٹن رہتی ہو یا جگہ تنگ رہتی ہوان اعذار کی وجہ سے کبھی کبھی نیچے کے حصہ کو چھوڑ کراوپر کی منزل میں جماعت کر سکتے ہیں؟

المستفتي:عبدالرشید،سیڈھا،بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:اگر دومنزلہ مسجد کےاوپرکا حصہ بھی باقاعدہ نماز کیلئے مسقّف بنایا گیا ہےتو گرمی کے عذر کی وجہ سے نیچے کا حصہ چھوڑ کر اوپر کے حصہ میں جماعت کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے ۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند قدیم۴/ ۱۵۰،کفایت المفتی قدیم۳/ ۱۱۶،زکریا مطول۴/۳۰۳)

البتہ بلاکسی عذر کے نیچے کا حصہ چھوڑ کراوپر جماعت کرنے کوعلماء نےمکروہ لکھاہے۔ (مستفاد:احسن الفتاویٰ زکریا۳/ ۲۸۷)

نیز ایک وقت میں اوپر نیچے الگ الگ جماعت کرنا ممنوع اورمکروہ ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا۳/۵۲۶)

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة الخ. (شامی، کتاب الصلوٰۃ ، باب الإمامة زکریا ۲/ ۲۸۸، کراچی ۱/ ۵۵۲)

الصعود على سطح كل مسجد مكروه ولهذا إذا اشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة. (هندیه کتاب الكراهية آداب المساجد زکریا قدیم ۵/ ۳۲۲، جدید ۵/ ۳۷۲)

إذا صلى فوق المسجد مقتديا بالإمام أجزأه. (المبسوط للسرخسی ، کتاب

الصلوٰة، باب الحدث فی الصلوٰة، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۴/ ۱۴۱۴ھ

مسجد کی چھت پر نماز باجماعت ادا کرنا

سوال [۲۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے مسجد میں فرض نماز باجماعت پڑھنے کے بجائے مسجد کی چھت پر نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلے کا جواب تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی

المستفتي: قاری سلمان صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کی چھت جماعت خانہ کی شکل کی نہیں ہے اور نہ ہی اس کو باجماعت نماز کیلئے مقرر کیا ہے بلکہ خالی چھت پڑی ہوئی ہے، تو اس پر جماعت کرنا اور اصل مسجد اور جماعت خانہ کو باجماعت نماز پڑھنے سے چھوڑ دینا مکروہ ہے اگر چہ شدت گرمی کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔

نقل عن المفید کراهة الصعود علی سطح المسجد ویلزمه کراهة الصلوٰة أیضاً فوقه الخ. (شامی، باب مایفسد الصلوٰة، مطلب فی أحکام المسجد زکریا ۲/ ٤۲۸، کراچی ۱/ ٦٥٦)

وإذا صلیٰ فوق المسجد مقتدیا بالإمام أجزأه. (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلوٰة، باب الحدث فی الصلوٰة، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۱۰)

الصعود علی سطح کل مسجد مکروه، ولهذا إذا اشتد الحر یکره أن یصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد، فحینئذ لا یکره الصعود علی سطحه للضرورة. (هندیه کتاب الکراهیة، آداب المساجد

زکریا قدیم ٥/٣٢٢، جدید ٥/٣٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۱۵ھ

شدید گرمی کی وجہ سے مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا

سوال [۲۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر فرض نماز جماعت کیساتھ ادا کرنا کیسا ہے؟ جیسا کہ بہت سی مساجد میں ایسا ہوتا ہے جواب سے نوازکر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتي: منصار الدین، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد دومنزلہ ہے، یا جماعت خانہ اوپر کی منزل میں ہے تو دوسری منزل میں بلا کراہت جماعت کرنا جائز ہے اور اگر صرف مسجد کی چھت ہے اس میں نیچے کی منزل کی طرح جماعت خانہ نہیں ہے، تو ایسی چھت پر جماعت خانہ کو چھوڑ کر جماعت کرنا مکروہ ہے، اگر چہ شدت گرمی کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۸، جدید میرٹھ ۱۱/ ۱۳۱)

کراهة الصعود علی سطح المسجد ویلزمه کراهة الصلوة فوقها الخ. (شامی باب مایفسد الصلوٰة، مطلب فی أحکام المسجد زکریا ٤٢٨/٢، کراچی ٦٥٦/١)

وإذا صلیٰ فوق المسجد مقتدیا بالإمام أجزأه. (المبسوط للسرخسی، کتاب الصلوٰة، باب الحدث فی الصلوٰة، دارالکتب العلمیه بیروت ٢١٠/١)

الصعود علی سطح کل مسجد مکروه ولهذا إذا اشتد الحر یکره أن یصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحینئذ لایکره الصعود علی سطحه للضرورة. (هندیه کتاب الکراهیة، آداب المساجد، زکریا قدیم ٣٢٢/٥، جدید ٣٧٢/٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۲۰ھ

رمضان میں نماز عشاء کی جماعت محلّہ میں ادا کرنا

سوال [۲۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کی تراویح کے سلسلہ میں فتاویٰ کی روشنی میں اتنی تو گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ محلّہ کی مسجد چھوڑ کر ایک دوسری جماعت الگ سے بنالی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ حفاظ کرام کو قرآن سنانے کا موقع مل سکے، لیکن اس کے ساتھ مفتیان کرام یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ عشاء کی فرض نماز باجماعت مسجد ہی میں سب ادا کریں اس کے بعد تراویح کی دوسری جماعت کرنے والے چاہیں تو مسجد سے الگ دوسری جگہ اپنی جماعت کرلیں، اس سلسلہ میں جناب کی رائے معلوم ہوجاوے کہ واقعی عشاء کی نماز سب کو مسجد ہی میں پڑھنی ہوگی یا اس میں کوئی گنجائش بھی ہے کہ جہاں تراویح سنانا ہو وہاں عشاء پڑھی جاسکے؟

المستفتي: از اسلامک دعوۃ اکادمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک کے علاوہ عام دنوں میں بھی مسجد میں فرض باجماعت پڑھنے کی احادیث شریفہ میں بہت تاکید آئی ہے، حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسجد میں آکر فرض نماز باجماعت نہ پڑھنے والوں پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، ان کے گھروں کو جلادینے تک فرمایا ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: والذی نفسی بیده لقد هممت أن آمر بحطب، فيحطب ثم آمر بالصلوٰة، فيؤذن لها، ثم آمر رجلا فيؤم الناس ثم أخالف إلى رجالٍ، فأحرق عليهم بيوتهم. (صحيح البخاری،

الصلاة ، باب وجوب صلاة الجماعة، النسخة الهنديه ١/٨٩، رقم: ٦٣٥، ف:٦٤٤)

اور رمضان المبارک میں ایک فرض کا اجر ستر گنا ہوجاتا ہے، اور غیر رمضان میں ستائیس گنا ہے، تو ستائیس کو ستر سے ضرب دینے سے ۱۸۹۰ر گنا ثواب ایک فرض نماز مسجد میں آ کر پڑھنے سے ملتا ہے۔

عن سلمانؓ قال خطبنا رسول الله ﷺ -إلى-ومن أدى فيه فريضة كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه. (صحيح ابن خزيمه ، المكتب الإسلامى ٢/١٩١١، رقم: ١١٨٨، شعب الإيمان للبيهقى ، دارالكتب العلميه٣/٣٠٥، رقم: ٣٦٠٨)

عن عبد الله بن عمرؓ أن رسول الله ﷺ قال: صلاة الجماعة ، تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة. (صحيح البخارى ، الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وكان الأسود ، النسخة الهنديه ١/٨٩، رقم: ٦٣٦، ف:٦٤٥، صحيح مسلم ، المساجد ، باب فضل صلاة الجماعة النسخة الهنديه ١/٢٣١، بيت الأفكار رقم: ٦٥٠)

نیز صحیح حدیث شریف میں ہے کہ گھر سے وضو کرکے فرض نماز باجماعت پڑھنے کیلئے مسجد کو چلے تو ایک ایک قدم پر ایک ایک درجہ بلند ہوتا ہے ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے، ایک ایک ثواب لکھا جاتا ہے۔

عن أبى هريرةؓ يقول: قال رسول الله ﷺ -إلى- إذا توضأ فأحسن الوضوء ثم خرج إلى المسجد لايخرجه إلا الصلاة لم يخط خطوة إلا رفعت له بها درجة ، وحط عنه بها خطيئة . (صحيح البخارى ، الصلاة ، باب فضل الجماعة ، النسخة الهنديه ١/٨٩، رقم: ٦٣٨، ف: ٦٤٧)

اسلئے رمضان میں عشاء کی فرض نماز ضرور مسجد میں جا کر کے ادا کرنی چاہئے اس کے بعد تراویح کی نماز مسجد سے الگ کسی ہال، یا کسی فیکٹری یا کسی گھر میں باجماعت ادا کی جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے،اور جہاں تراویح کی نماز ادا کی جائے وہاں فرض نماز ادا نہ کیجائے بلکہ فرض نماز کیلئے مسجد کو لازم پکڑیں۔

عن زيد بن ثابت (إلىٰ قوله) فصلوا أيها الناس فى بيوتكم فإن أفضل صلاة المرء فى بيته إلا الصلاة المكتوبة . (صحيح بخارى كتاب الاعتصام ، باب ما يكره من كثرة السوال ، النسخة الهنديه ۲/۱۰۸۳ ، رقم :۲۹۹۷، ف: ۷۲۹۰)

صلوٰة المرء فى بيته أفضل من صلوٰته فى مسجدي هذا إلا المكتوبة. (سنن أبي داؤد ، باب صلاة الرجل التطوع فى فى بيته، النسخة الهنديه ۱/۲۰۴ ، دارالسلام رقم: ۱۰۴٤ ، المعجم الأوسط ، دارالفكر۳/۱۵۹ ، حديث:٤۱۷۸، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي٥/۱٤٤ ، رقم: ٤۸۹۳)

عن عبد الله قال: إن رسول الله ﷺ علمنا سنن الهدى وإن من سنن الهدىٰ الصلوٰة فى المسجد الذى يؤذن فيه. (مسلم،كتاب المساجد، باب فضل صلوة الجماعة الخ، النسخة الهندية ۱/۲۳۲ ، بيت الأفكار رقم: ٦٥٤)

عن عبد الله قال: من سره أن يلقى الله غداً مسلماً ، فليحافظ على هذه الصلوات حيث ينادي بهن ، فإن الله شرع لنبيكم سنن الهدى ، وإنهن من سنن الهدىٰ، ولو أنكم صليتم فى بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف فى بيته ، لتركتم سنة نبيكم ، ولوتركتم سنة نبيكم لضللتم ، وما من رجل يتطهر ، فيحسن الطهور ، ثم يعمد إلى مسجد من هذه المساجد ، إلا كتب الله له بكل خطوة يخطوها حسنة ، ويرفعه بها درجة ، ويحط عنه بها سيئة ، ولقد رأيتنا ، وما يتخلف عنها إلا منافق معلوم النفاق ، ولقد كان الرجل يؤتى به يهادى بين الرجلين حتى يقام فى الصف . (مسلم شريف ، المساجد، باب صلاة الجماعة من سنن الهدىٰ النسخة الهندية ۱/۲۳۲ ، بيت الأفكار رقم: ٦٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۰۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۱۴ھ

خارج از مسجد جماعت ادا کرنا

سوال [۲۰۴۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد بوسیدہ ہونے کے باعث دوبارہ تعمیر کرائی جارہی ہے ابھی اندر کا کھن توڑا گیا ہے برآمدہ صحیح وسالم ہے اب مصلیان مسجد برآمدہ چھوڑ کر مسجد سے ملحق مسجد سے خارج بچوں کے پڑھنے کی جگہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، تو کیا مسجد کا صحن یا برآمدہ بالکل چھوڑ کر خارج مسجد جماعت کرنا بلا کراہت صحیح ہے یا کچھ کراہت ہے اگر مسجد کے صحن اور برآمدہ میں نماز ادا کی اور کسی عذر کیوجہ سے اندر کی محراب کے بالکل سیدھے سیدھ امام کا مصلّیٰ نہ بچھائیں تو نماز میں کچھ کراہت ہوگی یا نہیں یا جماعت کالعدم ہوگی۔

المستفتي: سیداشرف علی، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بچوں کے پڑھنے کی جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے، اسلئے نماز تو وہاں بلاکراہت صحیح ہوجائیگی لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملیگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۵۷)

عن أبي الأحوص، قال: قال عبد الله ...وقال: إن رسول الله ﷺ علمنا سنن الهدى، وإن من سنن الهدى الصلاة فى المسجد الذي يؤذن فيه. (صحيح مسلم المساجد، باب صلاة الجماعة النسخة الهنديه ١/ ٢٣١، بيت الأفكار رقم: ٦٥٤، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٩/ ١٢٠، رقم: ٨٦٠٨، صحيح ابن حبان دارالفكر ٣/ ٢١٠، رقم: ٢١٠٠)

امام کو وسط صف میں ہونا چاہئے بالکل محراب کے مقابل میں کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے، لہٰذا اگر امام وسط صف میں ہے تو نماز بلاکراہت جائز اوردرست ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۱/ ۴۱۹)

عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسطوا

الإمام وسدوا الخلل. (ابوداؤد، الصلاة، باب مقام الإمام من الصف النسخة الهنديه١/٩٩، دارالسلام رقم: ٦٨١، السنن الكبرىٰ للبيهقى، الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، دارالفكر جديد ٤/٢٦٤، رقم:٥٣٠٥)

السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف ألا ترىٰ أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهى قد عينت لمقام الإمام لئلا يلزم عدم قيامه فى الوسط فلولم يلزم ذلک لايکره. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب فى كراهية قيام الإمام فى غير المحراب زكريا٢/٣١٠، كراچى ١/٥٦٨، الموسوعة الفقهية ٣٦/١٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۷۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍۴؍۱۴۱۷ھ

مسجد کے علاوہ جگہ میں جماعت سے نماز پڑھنا

سوال [۲۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں تبلیغی اجتماع ہورہا ہے، محل اجتماع سے چند قدم غالباً پانچ سو میٹر کے فاصلہ پر مسجد ہے، ذمہ دار حضرات کام کررہے ہیں اوراس مصلحت سے مغرب کی نماز اسی جگہ میں پڑھ لیتے ہیں کہ اجتماع کی تاریخ تک ایک ماحول بنے نیز سب طرح کے لوگوں کو جمع کرکے دینی بات کی جائے جبکہ مسجد کے پر ہونے میں دوتین صفیں باقی رہتی ہیں کیا ایسی صورت میں مسجد میں نماز پڑھنا ضروری ہے اور کیا محل اجتماع میں نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے کیا وہاں پرنماز پڑھنے سے منع کرنا ضروری ہے۔

المستفتي: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں جماعت کیساتھ نماز پڑھنے کی جوفضیلت

ہے وہ اجتماع کی جگہ پر نماز پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی، لیکن اجتماع کی ضروریات کی وجہ سے اگر اجتماع کی جگہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو بلا کسی کراہت کے جائز اور درست ہے، اور مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے عنداللہ گنہ گار نہ ہوگا۔

قال عبد الله بن مسعودؓ : علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم سنن الهدى وإن من سنن الهدىٰ الصلوٰة فى المسجد الذى يؤذن فيه.

(صحيح مسلم ، المساجد، باب صلاة الجماعة ، النسخة الهندية ١/٢٣٢، بيت الأفكار رقم: ٦٥٤، صحيح ابن حبان دارالفكر ٣/٢١٠، رقم: ٢٠٩٩، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٩/١٢٠، رقم: ٨٦٠٨)

عن عبد الرحمن بن أبى بكرة عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من بعض نواحى المدينة يريد الصلوٰة فوجد الناس قد صلوا فذهب إلىٰ منزله فجمع أهله ثم صلى بهم. (المعجم الأوسط ، دارالفكر ١٣٢/٥، رقم: ٦٨٢٠، ٢٨٤/٣، رقم: ٤٦٠١، مجمع الزوايد ٤٥/٢، رقم:٢٠١٧٧، وفيه رواه الطبرانى فى الكبير والأوسط ورجاله ثقاة)

وإن صلى أحد في بيته بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد. (شامى ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة ،مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد زكريا ٢/٤٩٥، كراچى ٢/٤٥)

وإن صلى بجماعة فى البيت اختلف المشائخ فيه والصحيح أن للجماعة فى البيت فضيلة وللجماعة فى المسجد فضيلة أخرىٰ فإذا صلىٰ فى البيت بجماعة فقد حاز فضيلة أدائها بالجماعة وترك الفضيلة الأخرىٰ والصحيح أن أدائها بالجماعة فى المسجد أفضل وكذلك فى المكتوبات. (هنديه ، كتاب الصلوٰة ، باب التاسع فى النوافل فصل فى التراويح زكريا

قدیم ۱/ ۱٦٦، جدید ۱/ ۱۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۳؍۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

دوران نماز کسی مقتدی کا الگ سے زور سے تلاوت کرنا

سوال [۲۰۴٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے حافظ وقاری مستند ہے اور طہارت ونماز وغیرہ کے مسائل سے بھی بخوبی واقف ہے، عمر مقتدی ہے مگر ائمہ حضرات پر بیجا حکمرانی اور ظلم وزیادتی کرنیکا عادی ہے اس وجہ سے ہر امام سے اسکی ٹھوں ٹھاں رہتی ہے اب موجودہ امام کے پیچھے تقریباً سات ماہ سے نماز نہیں پڑھتا کوئی شرعی ومعقول وجہ بھی نہیں بیان کرتا، جماعت ہوتی ہے تو اپنی نماز پڑھتا رہتا ہے کبھی قرآن پاک پڑھتا ہے، لہذا دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ عمر کی نماز ہوتی ہے یا نہیں تلاوت کا ثواب ملتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: حاجی محمد غیور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: باجماعت نماز کے وقت جماعت میں شرکت نہ کر کے آواز سے تلاوت کرنا اور جماعت میں شرکت نہ کر کے اسی وقت اپنی نماز الگ پڑھنا بہت بڑا گناہ ہے نماز تو ہو جائے گی مگر ثواب نہیں ملے گا اور الگ سے گناہ بھی ہوگا حدیث میں آیا ہے، کہ اگر کوئی شخص فرض نماز پہلے پڑھ چکا ہے پھر مسجد میں جماعت کے وقت پہونچتا ہے تو اس کو بھی جماعت میں شرکت کرنے کا حکم ہے اور جس نے اپنا فرض نہیں پڑھا اس کا مسئلہ تو بہت اہم ہے، بعض دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے الگ نماز پڑھنے والے کو اپنی نماز لوٹانے کا حکم فرمایا ہے، حدیث شریف ملاحظہ کریں۔

عن وابصة بن معبدؓ أن رجلاً صلى خلف الصف وحده ، فأمره النبي

ﷺ **أن يعيد الصلاة** . (سنن الترمذى ، الصلاة ، باب ماجاء فى الصلاة خلف الصف وحده، النسخة الهندية ١/ ٣١، دارالسلام رقم: ٢٣١ ، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٢/ ٥٩، رقم: ٢٤٨٢ ، صحيح ابن خزيمه المكتب الإسلامى ١/ ٧٥٤، رقم: ١٥٧٠، المعجم الكبير للطبرانى، داراحياء التراث العربي ٢٢/ ١٤١، رقم: ٣٧٤)

عن يزيد بن الأسودؓ قال: شهدت مع النبى صلى الله عليه وسلم حجته ، فصليت معه صلاة الصبح في مسجد الخيف، فلما قضى صلاته انحرف ، فإذا هو برجلين في أخرى القوم لم يصليا معه ،فقال : علي بهما ، فجيء بهما ، ترعد فرائصهما ، فقال: مامنعكما أن تصليا معنا ، فقالا: يا رسول الله ! إنا كنا قد صلينا في رحالنا ، قال: فلا تفعلا ، إذا صليتما في رحالكما ،ثم أتيتما مسجد جماعة فصليا معهم ، فإنها لكما نافلة. (سنن الترمذى ، الصلاة ، باب ماجاء فى الرجل يصلى وحده ثم يدرك الجماعة النسخة الهنديه ١/ ٣٠، دارالسلام رقم: ٢١٩، صحيح ابن خزيمه ، المكتب الإسلامى ٢/ ٧٨٩، مسند أبي داؤد الطيالسى ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٧١، رقم: ١٣٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۳۸)

قیام اللیل کی جماعت

سوال [۲۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر رمضان میں قیام اللیل کے نام سے کچھ رکعات باجماعت ادا کرتے ہیں، کیا اس طرح کرنا جائز ہے اور قیام اللیل کی حقیقت وتعداد کیا ہے؟

المستفتي: محمد عبدالسبحان، کیلی فورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان کی تراویح، صلاۃ الکسوف اور صلاۃ الاستسقاء کے علاوہ کسی بھی طرح کی نفل نماز کا جماعت کے ساتھ پڑھنا حدیث وفقہ سے ثابت نہیں ہے، اس لئے حضرات حنفیہ کے نزدیک رمضان المبارک اور غیر رمضان میں مذکورہ تینوں نمازوں کے علاوہ کوئی بھی نفل نماز جماعت کیساتھ پڑھنا جس میں مقتدی کی تعداد تین سے زائد ہو چاہے تہجد ہو یا صلاۃ التسبیح ہو یا کوئی اور نماز ہو جماعت کے ساتھ پڑھنا راجح قول کے مطابق مکروہ تحریمی ہے، حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہ نے مکروہ تحریمی کے قول کو ترجیح دی ہے، نیز قیام اللیل کے عنوان سے غیر رمضان میں جب قیام اللیل کا ثبوت ہی نہیں ہے تو اس کی حقیقت اور تعداد کا سوال بھی نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۳۵۴، جدید زکریا/ ۳۳۶، باقیات فتاویٰ رشیدیہ/۱۸۳، فتاویٰ عثمانی زکریا۱/ ۴۳۸، تا ۴۴۴، مکتوبات/ ۳۱، ۲۳۷، دفتر اول بحوالہ احسن الفتاویٰ زکریا۳/ ۴۷۶، فتاویٰ دارالعلوم زکریا۴/۲۲۳، ۴۲۳، فتاویٰ رحیمیہ جدید زکریا۴/ ۱۳۶، آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید۴/ ۲۰۸، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۹، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۲۳۸ تا ۲۴۹، میرٹھ۱۱/ ۳۰۶ تا ۳۰۸، کتاب المسائل۱/ ۴۱۶، احسن الفتاویٰ زکریا۳/ ۴۶۹ تا ۴۷٦)

التطوع بجماعة ...... أي يكره ذلك على سبيل التداعي . (درمختار، الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ٢/ ٤٨، ٤٩، زكريا ٢/ ٥٠٠)

قال الطحطاوي والتداعي أن يجتمع أربعة فأكثر على إمام ودون ذلك لا يكره إذا صلوا في ناحية من المسجد كذا في القهستاني ونقله في البحر عن الصدر الشهيد وظاهر إطلاقه الكراهة أنها تحريمية . (طحطاوی على الدر كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كوئٹه١/ ٢٤٠)

التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره. (هنديه، كتاب الصلوٰة، الباب الخامس في الإمامة الفصل الأول في الجماعة، زكريا قديم ١/٨٣، جديد١/ ١٤١)

اعلم أن النفل بالجماعة على سبيل التداعى مكروه على ما تقدم ماعدا التراويح وصلاة الكسوف والاستسقاء . (حلبى كبير، كتاب الصلوة، قيام الليل اشرفى ديوبند١/ ٤٣٢، شامى كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل، مطلب فى كراهة الإقتداء فى النفل كراچى٢/ ٤٨، زكريا٢/ ٢٨٨، حاشية الطحطاوى،كتاب الصلوٰة، قبيل فصل فى بيان النوافل، دارالكتاب/٣٨٦، بزازية على هامش هنديه، كتاب الصلوٰة، الفصل الثالث فى التراويح زكريا ٤/ ٢٩، زكريا جديد١/ ٢٢، خلاصة الفتاوى ١/ ٦٣،حلبى كبير، كتاب الصلوٰة، باب التراويح اشرفيه ديوبند/ ٤٠٨، الفتاویٰ التاتارخانيه،كتاب الصلوٰة، الفصل العاشر فى التطوع زكريا٢/ ٢٩٢، رقم: ٢٤٥٩، فتح القدير، كتاب الصلوٰة، باب الإستسقاء زكريا ٢/ ٩١، كوئٹه ٢/ ٥٩، البحرالرائق، كتاب الصلوٰة، قبيل باب ادراك الفريضة كوئٹه ٢/ ٧٠، زكريا ٢/ ١٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۰)

تہجد کی جماعت

سوال [۲۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی مسجد میں صرف ہمارے ہی یہاں ایک ہی جگہ بڑی راتیں جو سال میں تین راتیں ہوتی ہیں ان راتوں میں ہمارے امام صاحب تہجد کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، تو یہ کہاں تک درست اور جائز ہے، اس پر بھی فتنہ برپا ہے، اس کا بھی جواب دیں۔

المستفتي: قطب الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ راتوں یا دیگر راتوں میں تہجد کی نماز باجماعت جسمیں تین سے زائد افراد ہوں مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۴/ ۳۱۲)

التطوع بجماعة خارج رمضان أی یکره ذلک علی سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحدة کما فی الدر (إلی قوله) یکره الإقتداء فی صلوٰة رغائب وبراء ة وقدر الخ. (الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل زکریا٢/ ٥٠٠، کراچی ٢/ ٤٩)

التطوع بالجماعة إذا کان علی سبیل التداعی یکره. (هندیه، کتاب الصلوٰة، باب فی الإمامة الفصل الاول فی الجماعة، زکریا قدیم ١/ ٨٣، جدید ١/ ١٤١) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥/ رجب ١٤١٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ١٨٧٠)

نوافل کی جماعت

سوال [٢٠٤٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا نوافل کے لئے جماعت کی جا سکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مقتدی ایک یا دو ہیں تو بلا کراہت جائز ہے، تین ہیں اختلاف ہے، چار ہیں یا زائد ہیں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

ویکره إذا کان الإمام والمقتدی معا متنفلین به (إلی قوله) لو اقتدی به واحد أو اثنان لا یکره وفی الثلٰثة إختلاف المشائخ وفی الأربعة یکره اتفاقاً الخ. (غنیة المستملی، کتاب الصلوٰة، تراویح اشرفیه دیوبند/ ٤٠٨)

عن شمس الأئمة أن هذا فیما کان علی سبیل التداعی أما لو اقتدیٰ واحد بواحد أو اثنان بواحد لایکره وإذا اقتدیٰ ثلاثة بواحد اختلف فیه، وإن اقتدیٰ أربعة بواحد کره اتفاقاً. (مراقی الفلاح مع حاشیه الطحطاوی، کتاب

الصلوٰة، قبیل فصل فی بیان النوافل دارالکتاب دیوبند /٣٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۰۷)

رمضان المبارک میں باجماعت تہجد پڑھنا

سوال [۲۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی مسجد میں صرف ماہ رمضان المبارک میں با جماعت نماز تہجد پڑھی جاتی ہے اور وقت بھی متعین کیا ہوا ہے، اس طرح نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد وقاص علی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صلوٰۃ کسوف، صلوٰۃ استسقاء، اور صلوٰۃ تراویح کے علاوہ دیگر کسی بھی نفل نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے اور مقتدی تین سے زائد ہو جائیں، تو بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے، اور اگر مقتدی تین ہوں تو اختلاف ہے، اور دو یا ایک ہوں تو گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۳۵۴، جدید زکریا/۳۳۶، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۱۶۰، جدید ڈابھیل ۷/ ۲۳۳، فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۴/ ۲۲۱، احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۴۶۹، امداد الفتاویٰ زکریا ۱/ ۲۴۸، ایضاح المسائل/ ۵۹)

أن التطوع بالجماعة إنما يكره إذا كان على سبيل التداعى، أما لو اقتدىٰ واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدىٰ ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدىٰ أربعة بواحد كره اتفاقاً . (تاتار خانيه قديم ١/ ٦٣٦، جديد زكريا ٢/ ٢٩٢، رقم: ٢٤٥٩، كتاب الصلوٰة، الفصل العاشر فى التطوع، در مختار مع الشامى كتاب الصلوٰة، باب الوتر والنوافل، مطلب فى كراهة الإقتداء فى النفل كراچى ٢/ ٤٩، زكريا ٢/ ٥٠٠، عالمگيرى، كتاب الصلوٰة، باب فى الإمامة الفصل الأول

فی الجماعة زکریا قدیم/٨٣، جدید ١/١٤١، البحرالرائق، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة زکریا ١/٦٠٤، ١/٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٥/ جمادی الثانیہ ١٤٢٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٠٢٨)

مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا

سوال [٢٠٥١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں دو مرتبہ وقتیہ نماز جماعت سے ادا کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

المستفتی: محمد نسیم، دکلوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہے اسلئے کہ پہلی جماعت میں لوگ کم شریک ہونگے اور وہ یہ اعتماد کرلیں گے کہ جماعت ثانیہ مل جائیگی۔

عن الحسن قال: کان أصحاب رسول الله ﷺ، إذا دخلوا المسجد، وقد صلي فیه، صلوا فرادي. (المصنف لإبن أبي شيبه، کتاب الصلاة، باب من قال یصلون فرادی، ولا یجمعون مؤسسة علوم القرآن جدید ٥/٥٥، رقم: ٧١٨٨)

لأن التکرار یؤدی إلی تقلیل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فیستعجلون فتکثر الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم یتأخرون فتقل الجماعة وتقلیل الجماعة مکروه. (بدائع، کتاب الصلاة، فصل فی بیان محل وجوب الأذان ١/١٥٣، زکریا ١/٣٧٩، بیروت ١/٦٥٥، المبسوط للسرخسی، کتاب الصلوٰة، باب الأذان، دارالکتب العلیمه بیروت ١/١٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ ذی الحجہ ١٤١٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٥٧٧)

متعدد اعذار کی بنا پر نماز کے تکرار کا حکم

سوال [٢٠٥٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اصل مسئلہ پوچھنے سے قبل کچھ ضروری باتیں بطور تمہید کے لکھ رہا ہوں تاکہ مسئلہ کی نوعیت کھل کر سامنے آ جائے، جو اس طرح ہے کہ ہمارے شہر مالیگاؤں میں ڈاکٹروں اور مریضوں کا معاملہ ایک الگ نوعیت کا ہے، رمضان المبارک میں دن کے اوقات میں مریض بہت کم آتے ہیں عموماً وہی لوگ آتے ہیں جو روزہ نہیں رکھتے جن کی تعداد بہت کم ہوتی ہے، اس کی بہ نسبت تقریباً ٨٠/اسی فیصد مریض افطار کے بعد ہی آتے ہیں اور مریضوں کا یہ سلسلہ افطار کے بعد سے تین چار گھنٹہ چلتا ہے، مغرب اور عشاء کے درمیان اتنا کم وقت ہوتا ہے، کہ اتنے سارے مریضوں کی تشخیص ناممکن ہوتی ہے، اور عجلت میں جانچ کر بغیر تشخیص کے دوائیں تجویز کرنے سے مریضوں کا بھی نقصان ہوتا ہے، اور ہمارا ضمیر بھی مطمئن نہیں ہوتا، دوسری طرف ذہن بھی نماز کی طرف لگا رہتا ہے اور یکسوئی اور بے فکری نہیں ہوتی جو ڈاکٹر حضرات نمازی ہیں غیر رمضان میں تو وہ مریضوں کو منتظر چھوڑ کر اٹھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور کبھی صرف فرض پر اکتفاء کر کے چلے آتے ہیں، اور سنن و وتر گھر آ کر پڑھ لیتے ہیں، عام دنوں میں تو مریض بیس، پچیس منٹ انتظار کر لیتے ہیں، مگر رمضان میں اگر ڈاکٹر حضرات تراویح پڑھ کر آئیں گے تو اتنا طویل انتظار مریضوں کے بس کی بات نہیں ہے، دوسرے یہ کہ عورتوں اور بچوں کیلئے بھی بعد تراویح آنا نہایت مشکل ہوتا ہے، زیادہ رات ہونے سے بچے سونے لگتے ہیں، اور عورتوں کیلئے آنا بھی مناسب نہیں ہوتا، خصوصاً دور سے آنے والے مریضوں کو شدید پریشانی ہوتی ہے، کیونکہ ہر ڈاکٹر کے کچھ مریض ایسے ہوتے ہیں جو خواہ کتنی بھی دور رہتے ہوں اسی ڈاکٹر سے دوا لینا پسند کرتے ہیں، ایسی صورت میں مریضوں کو منتظر چھوڑ کر تراویح کیلئے جائیں تو نماز میں بھی خشوع وخضوع نہیں رہتا۔

لہذا مذکورہ مسائل کی بنا پر ہم ڈاکٹر حضرات نے گذشتہ بیس سالوں سے شہر کے بعض محلوں کی مساجد میں تراویح ثانی کا مع فرض و وتر اہتمام کر رکھا ہے، جس کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ عشاء کے فرض بغیر اقامت کے باجماعت پڑھتے ہیں، جماعت ثانی کا امام پہلے امام کے مصلیٰ سے ہٹ کر امامت کرتا ہے، پھر تراویح اور وتر ہوتے ہیں، مساجد کا انتخاب اسلئے کرتے ہیں کہ وضو اور استنجاء کی سہولت ہوتی ہے، اور مسجد کے نام پر محترم جگہ ہونے کی وجہ سے کثیر تعداد شریک ہوتی ہے، یہ واضح رہے کہ یہ جماعت ثانی اور تراویح پہلی جماعت اور تراویح پر اثر انداز نہیں ہوتی اور نہ ہی اس عمل سے اسکی تخفیف ہوتی ہے، بلکہ یہ عمل شدید ضرورت کے تحت دفع ضرورت کیلئے کیا جاتا ہے، جبکہ تراویح اول و نماز و جماعت کا مقام معمول کے مطابق برقرار رہتا ہے، جماعت ثانی میں وہی لوگ شریک ہوتے ہیں، جو جماعت اول اور تراویح نہیں پڑھ سکتے، ڈاکٹروں کی اس جماعت ثانی اور تراویح سے مندرجہ ذیل فوائد سامنے آئے ہیں۔

(۱) اس میں ڈاکٹر حضرات کی مندرجہ بالا پریشانیوں کا بہتر حل ہے، کہ یکسوئی سے مریضوں کا معائنہ کر کے اطمینان بخش تشخیص کر سکتے ہیں اگر جماعت ثانی کا انتظام نہ ہوتو بہت سوں کی تراویح تو کیا فرض بھی ضائع ہونے کا قوی امکان ہے، جیسا کہ ہم نے ماضی میں اس کا مشاہدہ کیا ہے؟

(۲) اس جماعت ثانی و تراویح سے تاجر حضرات بھی فائدہ اٹھاتے ہیں کیوں کہ ایک دوکان کو گھر کے دو افراد باری باری سے سنبھال لیتے ہیں، ایک جماعت اول میں شریک ہو جاتا ہے، دوسرا جماعت ثانی میں اس طرح دونوں یکسوئی و بے فکری سے نماز تراویح کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں، ویسے تو بہت سے لوگ دنیاوی مفادات کے تحت تروایح نہیں پڑھتے لیکن اس ماہ مبارک کی برکتوں سے ایسے حضرات بھی کچھ نہ کچھ متاثر ضرور ہوتے ہیں، اور جب دیکھتے ہیں کہ جماعت و تراویح ثانی کا نظم و نسق ہے تو یہ بارونق ماحول انہیں بھی متاثر کر کے صفوں میں لا کھڑا کرتا ہے، اور یہ ان کیلئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوتی ہے، ادھر مالیگاؤں میں دہائیوں

قبل جیسے حالات بھی نہ رہے، کہ عشاء بعد لوگ کاروبار بند کرکے سوجاتے تھے، اب تو یہاں صنعتی شہر ہونے کی وجہ سے شب وروز کاروبار جاری رہتا ہے، لوگوں کی مصروفیات کئی گنا بڑھ گئی ہیں، ڈاکٹر حضرات بھی عام دنوں میں ساڑھے دس گیارہ بجے تک مصروف رہتے ہیں اسی کے ساتھ دینی ماحول ہونے کی وجہ سے تراویح کا بالکل ترک کردینا بھی مشکل ہوتا ہے، اگر جماعت ثانی وتراویح کا انتظام نہ کیا جائے تو ڈاکٹروں اور تاجروں کا ایک بڑا طبقہ اس سعادت سے محروم ہوجائے گا، ہمارے اس عمل کی تائید حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے شہر کے کچھ بااثر علماء ربانی بھی زبانی طور سے کرتے ہیں۔

تو کیا ہم ڈاکٹر حضرات مذکورہ مسائل کے پیش نظر ایسی مسجد میں جہاں اذان واقامت وجماعت عشاء وتراویح اور وتر ہوچکی ہو وہاں پر بغیر اقامت کے عمومی جماعت کے امام کے مصلی سے ہٹ کر فرض وتراویح اور وتر باجماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: ڈاکٹر سعید الرحمٰن انصاری،
خیرآباد، مالیگاؤں، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے ہر گوشہ پر غور کیا گیا جو اعذار پیش کئے گئے ہیں ان اعذار کے پیش نظر فرض نماز کیلئے مسجد اور محلّہ سے متعلق لوگوں کیلئے تکرار جماعت کی اجازت نہ ہوگی چاہے ہیئت اولیٰ کو بدل دیا گیا ہو اس کیلئے متبادل شکل یہ ہوسکتی ہے، کہ ہر ایک ڈاکٹر اپنی اپنی قریبی مسجد میں عشاء کی فرض نماز جماعت کیساتھ پڑھ لے اس کے بعد مطب میں آکر کے اپنا کام شروع کردے اور رمضان المبارک میں عشاء کی فرض نماز میں دس بارہ منٹ سے زیادہ نہیں لگتے اور مریض مطب میں آکر دس بارہ منٹ انتظار کرے تو کوئی دیر نہیں سمجھی جاتی ہے، پھر ڈاکٹروں کے مشورہ سے تراویح کے واسطے جو وقت مقرر کیا جاتا ہے اسی وقت میں سب لوگ متعینہ مسجد میں امام کے مصلیٰ سے ہٹ کر تراویح اور وتر کی جماعت کرلیں یہ بہترین شکل ہے، اس میں مسئلہ شرعی پر اثر بھی نہیں پڑے گا اور

ڈاکٹروں کی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی ، اور مریضوں کے اعذار کا لحاظ بھی ہے ۔
(مستفاد: امداد الأحکام ٢/ ٢٤٨)

قال عبد الله بن مسعودؓ إن رسول الله ﷺ علمنا سنن الهدیٰ ، وإن من سنن الهدیٰ الصلاة فی المسجد الذی یؤذن فیه. (صحیح مسلم ، المساجد ، باب فضل صلوٰة الجماعة ، النسخة الهندیه ١/ ٢٣٢ ، بیت الأفکار رقم: ٦٥٤، صحیح ابن حبان ، دارالفکر ٣/ ٢١٠ ، رقم:٢٠٩٩ ، المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربي ٩/ ١٢٠ ، رقم: ٨٦٠٨)

ولأن التکرار یؤدی إلی تقلیل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فیستعجلون ، فتکثر الجماعة وإذا علموا أنها لا تفوتهم الجماعة یتأخرون فتقل الجماعة وتقلیل الجماعة مکروه بخلاف المساجد التی علی قوارع الطرق لأنها لیست لها أهل معروفون فإذا الجماعة فیها مرة بعد أخریٰ لا یؤدی إلی تقلیل الجماعة لأن أهل المسجد ینتظرون أذان المؤذن المعروف فیحضرون حینئذ. (بدائع الصنائع ، کتاب الصلاة ، فصل فی بیان محل وجوب الأذان زکریا ١/ ٣٨٠، کراچی ١/ ١٥٣، بیروت ١/ ٦٥٥، المبسوط للسرخسی ، کتاب الصلاة ، با الأذان، دارالکتب العلمیه بیروت ١/ ١٣٥، ١٣٦، منحه الخالق ، کتاب الصلاة ، باب الآذان کوئٹه ١/ ٢٥٩، زکریا ١/ ٤٥١، الموسوعة الفقهیه ٢٧/ ١٧٥ ، ٢٣٠/١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
١٢/ جمادی الاولیٰ ١٤٢٤ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٠٣٧)	١٢/٥/١٤٢٤ھ

دارالحدیث میں جماعت ثانیہ

سوال [٢٠٥٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ میں

مسجد نہ ہونے کے سبب دارالحدیث میں ایک عرصہ سے نماز ہورہی ہے، امام اور مؤذن بھی مقرر ہیں، پانچوں وقت اذان اور جماعت پابندی کے ساتھ ہوتی ہے، اس میں طلبہ کئی کئی جماعت کر لیتے ہیں اور پہلی جماعت میں شرکت کا اہتمام نہیں کرتے عین جماعت کے وقت اطمینان کے ساتھ ہوٹلوں میں چائے وغیرہ پیتے رہتے ہیں، اگر ان سے کہا جائے چلئے جماعت کا وقت ہوگیا تو کہہ دیتے ہیں کہ آپ چلئے ہم اپنی جماعت بعد میں الگ کرلیں گے، بعض جماعت ہوتے ہوئے پہونچ جاتے ہیں اور ابھی ایک رکعت باقی ہوتی ہے، یا قعدہ اخیرہ میں ہوتے ہیں تو اس جماعت میں شرکت نہیں کرتے بلکہ ان کے سلام پھیرنے کا انتظار کرتے رہتے ہیں سلام پھیرنے کے بعد نمازی اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہیں پاتے کہ ان کے کچھ پیچھے اپنی الگ جماعت کرلیتے ہیں، اس طرح کئی کئی جماعتیں کر لیتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کئی جماعت کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اور طلبہ کے اس عمل پر نکیر کی کوئی ضرورت ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عابد بجنوری، متعلم دارالعلوم، دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چہ دارالحدیث شرعی مسجد کے حکم میں نہیں ہے، مگر پنجوقتہ نمازوں کیلئے عبادت خانہ کے حکم میں ہے، نیز اس کیلئے امام ومؤذن بھی متعین ہیں، اس لئے پہلی جماعت اصل جماعت شمار ہوگی، اور بلا عذر محض بے توجہی کی وجہ سے پہلی جماعت ترک کر کے جماعت ثانیہ یا ثالثہ کرنا مقتضائے جماعت کے خلاف ہے، اسلئے دوسری اور تیسری جماعت قائم کرنا اگر چہ اس کو کراہت تحریمی نہیں کہا جاسکتا ہے، لیکن کراہت تنزیہی اور خلاف سنت ہے اس لئے بلا عذر پہلی جماعت ترک کر کے دوسری اور تیسری جماعت کرنا ممنوع ہوگا، نیز جن مسجدوں میں جماعت ثانیہ مکروہ اور ممنوع ہے وہ وہ مسجدیں ہیں جن کیلئے امام ومؤذن متعین ہیں، اور جن مسجدوں میں امام ومؤذن متعین نہیں ہیں، ان میں جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے۔

لہٰذا ممانعت کی جو علت مسجد شرعی میں موجود ہے وہی علت یہاں بھی موجود ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۵۲/۱۵، جدید ڈابھیل ۴۳۴/۶)

عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ ، إذا دخلوا المسجد، وقد صلي فيه ، صلوا فرادي .(المصنف لإبن أبي شيبه ، كتاب الصلاة ، باب من قال يصلون فرادى ، ولا يجمعون مؤسسة علوم القرآن جديد ٥/٥٥، رقم:٧١٨٨)

إن أمرهم بالصلوة شهراً أو سنة ثم مات يورث الخ . (فتح القدير، كتاب الوقف ، فصل وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه زكريا٦/٢١٨، كوئٹه ٥/٤٤٥، دارالفكر بيروت ٦/٢٣٥، تاتارخانية، كتاب الوقف ، الفصل الحادى والعشرون فى المساجد ٥/٨٤١، جديد زكريا٨/١٥٧، رقم:١١٤٩٩)

لأن فى الإطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى فإنهم لا يجتمعون إذا علموا أنها لا تفوتهم .(شامى ،كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة ، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد زكريا٢/٢٨٩، كراچى ١/٥٥٢)

وفى تكرار الجماعة في مسجد واحد تقليلها ؛ لأن الناس إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة يعجلون للحضور ، فتكثر الجماعة ، وإذا علموا أنه لا تفوتهم ، يؤخرون فيؤدي إلى تقليل الجماعات.(المبسوط للسرخسى ، كتاب الصلاة ، باب الأذان ١/١٣٥، ١٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۰۸)	۱۴۲۳/۶/۱۳ھ

جماعت ثانیہ کرنے والوں کی نماز مع الکراہت ادا ہوتی ہے

سوال [۲۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب مسجد بنی ہے

اس وقت سے لے کراب تک دیوبندی عقائد کے لوگ نماز پڑھتے رہے اوراب بھی پڑھتے ہیں، لیکن اب بریلوی کے لوگ اچانک بوقت مغرب جاکر باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، پہلے دیوبندی حضرات جماعت کے ساتھ پنجوقتہ نماز پڑھتے ہیں بعدہٗ بریلوی الگ سے اسی مسجد میں دوبارہ اذان کہہ کر دوبارہ جماعت کیساتھ نماز پڑھتے ہیں، اب آیا بیک وقت دو جماعت ہوسکتی ہیں، یا ایک مسجد میں دوبارہ جماعت کیساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اب اگر ان کو روکا جاتا ہے، تو تنازع بڑھ جانے کا اندیشہ ہے، اگر ان کو روکا نہ جائے تو آگے چل کر کے مکمل قابض ہوجائیں گے، چونکہ مسجد کے اطراف میں بریلوی کی اکثر تعداد ہے حضرت والا کچھ ایسا حل بتلائیں کہ تنازع کو رفع کیا جاسکے۔

المستفتي: شاکر علی، سیوتہ،
پوسٹ، خاص، بسواں، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسجد میں دوبارہ جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جو لوگ پہلے پڑھ لیتے ہیں ان کی نماز بلا کراہت درست ہوجاتی ہے اور بعد والوں کی کراہت کیساتھ، مسئلہ تو یہی ہے اور حل کیا ہوسکتا ہے، آپ زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ واقف ہیں ہم واقف نہیں۔

ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة. (درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة زکریا ٢/٢٨٨، کراچی ١/٥٥٢، حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کوئٹه ١/٢٤٠، البنایه، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة اشرفیه دیوبند ٢/٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
١٨/محرم الحرام ١٤٢٠ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/٥٩٨١)	١٨/١/١٤٢٠ھ

جس ہال میں پنجگانہ نماز ہوتی ہو اس میں جماعت ثانیہ کرنا

سوال [۲۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں مدرسہ میں پانچوں نمازیں ایک بڑے ہال میں ہوتی ہیں، باضابطہ مسجد کا نظم نہیں ہے لیکن جگہ کی تنگی کی وجہ سے اس ہال کو درسگاہ اور طلبہ کے آرام کیلئے بھی استعمال کر لیتے ہیں، تو کیا یہ ہال مسجد کے حکم میں کہلائے گا نیز اس میں جماعت ثانیہ درست ہوگی یا نہیں اور پھر باضابطہ مسجد کا نظم ہو جانے کے بعد کیا اس ہال کا احترام اور مسجدوں کی طرح لازم ہے؟

المستفتي: مفتی ابرار الحق، لاتور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس ہال میں عیدگاہ کا حکم ثابت ہوگا کہ جنبی وحائضہ کا داخل ہونا جائز ہے اسلئے کہ وہ شرعی مسجد نہیں ہے اور جماعت ثانیہ ممنوع اور ناجائز ہے، اسلئے کہ جماعت ثانیہ کی کراہت کی علت مسجد شرعی ہونے پر نہیں ورنہ اسٹیشن اور مسافرخانہ کی مسجد میں بھی مکروہ ہونی چاہئے تھی، کیونکہ وہ بھی مسجد شرعی ہے بلکہ جماعت ثانیہ کی ممانعت وکراہت کی علت تکثیر جماعت کا متاثر ہونا ہے، اور کراہت کی یہ علت مذکورہ ہال میں بھی موجود ہے اسلئے وہاں کے رہنے والوں کیلئے اس ہال میں جماعت ثانیہ مکروہ ہوگی۔

لأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه. (بدائع كتاب الصلاة، فصل فى بيان محل وجوب الأذان كراچى ١/١٥٣، زكريا ١/٣٨٠، بيروت ١/٦٥٥، المبسوط للسرخسى، كتاب الصلاة، باب الأذان دارالكتب العلميه بيروت ١/١٣٥، شامى كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد زكريا ٢/٢٨٩، كراچى ١/٥٥٢، منحة الخالق على البحر، كتاب الصلوٰة، باب الأذان كوئٹه ١/٢٩٥،

زکریا ۱/ ٤٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ / ربیع الاول ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۸٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱٦/۳/۱۹ھ

محلّہ کے لوگوں کیلئے جماعت ثانیہ

سوال [۲۰۵٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں جماعت ثانیہ کے مکروہ ہونے کی کیا علت ہے، بعض جگہوں پر مسجد بالکل فل ہو جاتی ہے اور سڑکوں پر بھی جگہ نہیں رہتی اور دوبارہ نماز ادا کی جاتی ہے۔

المستفتي: محمد شاہد، محلّہ قاضی
فیل، قصبہ: سیانہ، ضلع: بلند شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محلّہ کے لوگوں کیلئے جماعت ثانیہ مکروہ ہے اور باہر سے آنیوالے لوگوں کیلئے مکروہ نہیں ہے، اور محلّہ کے لوگوں کیلئے اسلئے مکروہ ہے کہ اگر دوسری جماعت بھی معتبر مان لی جائے تو پہلی جماعت جو اصل جماعت ہے وہ متاثر ہو جائیگی لوگ اس جماعت کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے، سستی اور غفلت کر کے دوسری جماعت کا انتظار کرنے لگیں گے، اسلئے روزانہ کے نمازی اور محلّہ کے لوگوں کیلئے اپنی مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہے، اگر کسی جگہ ایسا ہی ہے جیسا سوال میں درج ہے کہ ایک ہی مسجد ہے، اور نمازیوں کی تعداد اتنی ہے کہ سڑک بھی فل ہو جاتی ہے، اس کے باوجود کافی نمازی جگہ نہ ملنے کی وجہ سے باقی رہ جاتے ہیں تو ایسی مجبوری کی شکل میں دوسری جماعت بلا کراہت جائز ہوگی اسلئے کہ ایسی صورت میں کراہت کی کوئی علت موجود نہیں ہے۔

التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة –إلى– بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق، لأنه ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها

مرة بعد أخرى ، لا يؤدى إلى تقليل الجماعات . (بدائع الصنائع ، كتاب الصلاة ، فصل في بيان محل وجوب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ١/٦٥٥، زكريا ١/٣٨٠، كراچی ١/١٥٣، المبسوط للسرخسي،كتاب الصلاة ، باب الأذان دار الكتب العلميه بيروت ١/١٣٥، شامی كتاب الصلاة ، باب الإمامة ، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد زكريا٢/٢٨٨، كراچی١/٥٥٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٣٠، ٢٧/١٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

ایک مسجد میں تکرار جماعت کا حکم

سوال [۲۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں ایک مرتبہ نماز جماعت اولیٰ کے ساتھ ہوگئی اب تھوڑی دیر بعد نمازی اور جمع ہوگئے تو اب دوسری جماعت کی جاوے، تکبیر پڑھی جاوے اور اسی مصلیٰ پر کھڑے ہوں جہاں پر پہلا امام کھڑا ہوا تھا یا دوسری جگہ فاصلہ دے کر، اگر کچھ لوگ قبل وقت معین اور امام معین کے بغیر جماعت کرلیں بعدۂ کچھ نمازی جماعت بعد کو مع امام معین کے کریں تو جماعت اولیٰ کون سی ہوگی؟

المستفتي: اسرار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقامی لوگوں کو مسجد میں دوسری جماعت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، اور جب ان کے لئے جماعت ثانیہ جائز نہیں تو اذان واقامت کا سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔

عن عبد الرحمن بن أبي بكرة ، عن أبيه ، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحي المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا، فذهب إلى

منزله، فجمع أهله ، ثم صلى بهم .(المعجم الأوسط دارالفكر ٥/١٣٢، رقم: ٦٨٢٠)

يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة. (شامی ، کتاب الصلاة ، باب الإمامة زکریا ٢/٢٨٨، کراچی ١/٣٩٥)

وإن صلى فيه أهله بأذان وإقامة ، أو بعض أهله ، يكره لغير أهله وللباقين من أهله أن يعيدوا الأذان والإقامة . (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل وجوب الأذان زکریا ١/٣٧٩، کراچی ١/١٥٣، دارالكتب العلميه بيروت ١/٦٥٤)

وإذا دخل القوم مسجداً قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة ، بأذان وإقامة ولكنهم يصلون وحداناً بغير أذان وإقامة. (المبسوط للسرخسی ، كتاب الصلاة ، باب الأذان ، دارالكتب العلميه بيروت ١/١٣٥)

وقت مقررہ اور متعین امام سے قبل جو لوگ نماز جماعت سے ادا کریں گے ان کی یہ جماعت جماعت ثانیہ کے درجہ میں ہے، جو ممنوع ہے اصل جماعت وہی شمار ہوگی جو وقت معین میں معین امام کی معیت میں ادا کی جائے۔(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/٣٥٦، جدید زکریا/ ٣٣٨)

لو صلى بعض أهل المسجد بإقامة وجماعة ، ثم دخل المؤذن والإمام وبقية الجماعة ، فالجماعة المستحبة لهم ، والكراهة للأولىٰ .
(عالمگیری ، كتاب الصلاة ، الباب الثاني في الأذان ، الفصل الأول ، زکریا قدیم ١/٥٤، جدید ١/١١١، تاتارخانية ، كتاب الصلاة ، الفصل الثاني في المتفرقات، کوئٹہ ١/٥٢٨، زکریا ٢/١٥٦، رقم: ٢٠١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤ / جمادی الاخریٰ ١٤٢٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٤٢٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٤/٦/١٤٢٥ھ

مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے جماعت ثانیہ قائم کرنا

سوال [٢٠٥٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بازار کی مسجد

ہے اسمیں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے ایک ساتھ سب نمازی مسجد میں نہیں سما سکتے ، لہذا جماعت ثانیہ کی ضرورت پڑتی ہے، اور کبھی کبھی جماعت ثالثہ بھی ہوتی ہے، اور لوگوں کا یہ خیال بن گیا کہ ہم بعد کی جماعت میں شریک ہونگے اور کچھ لوگوں کا ایسا بھی خیال ہے کہ اگر ہم بعد میں جائیں تو امامت کا موقع بھی مل جائیگا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ وثالثہ کی کیا حیثیت ہے نیز جو لوگ اس خیال سے جماعت اولیٰ میں شریک نہیں ہوتے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور جولوگ امامت کی غرض سے پہلی جماعت چھوڑتے ہیں ان کی امامت کیسی ہے؟

المستفتی: محمد نذرالاسلام، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مسجد میں امام ومؤذن اور محلّہ کے لوگوں نے وقت پر نماز ادا کرلی ہے، اسمیں دوبارہ سہ بارہ جماعت کی گنجائش نہیں ہے، اگر مسجد تنگ ہے تو وسعت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے یا قریب کی دوسری مسجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کریں، نیز اس خیال سے جماعت ترک کرنا کہ دوسری یا تیسری جماعت میں شریک ہوجائیں گے یا امامت کا موقع مل جائیگا، یہ قطعاً جائز نہیں ہے ایسا کرنے والے سخت ترین گنہگار ہیں ، حدیث شریف میں اس پر سخت ترین وعید آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی کو کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں خود ان لوگوں کے پاس جاؤں جو جماعت میں شریک نہیں ہیں اور ان کے متعلق کسی کو حکم دوں کہ لکڑیوں کا ایک ڈھیر جمع کرکے ان کے گھروں کو جلا دیں۔ (الحدیث) اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر پہلی جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے، اسلئے کہ اگر دوسری یا تیسری جماعت کی اجازت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے پر اتنی سختی نہ فرماتے، کیونکہ دوسری تیسری جماعت کی اجازت کی صورت میں ان کیلئے عذر ہوتا اور یہ وعید نہ ہوتی لہٰذا معلوم ہوا کہ پہلی جماعت ہی میں شرکت ضروری ہے، دوسری یا

تیسری جماعت کی اجازت نہیں ہے۔

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: والذي نفسي بيده لقد هممت أن آمر بحطب ، فيحطب ، ثم آمر بالصلاة ، فيؤذن لها، ثم أمر رجلاً فيؤم الناس ثم أخالف إلى رجالٍ ، فأحرق عليهم بيوتهم. (بخاری الصلاة، باب وجوب صلاة الجماعة ، النسخة الهنديه ١/٨٩، حديث:٦٣٥، ف: ٦٤٤، مسلم شريف، المساجد ، باب فضل صلاة الجماعة ، وبيان التشديد فی التخلف عنها، النسخة الهندية ١/٢٣٢، بيت الأفكار رقم: ٦٥١)

عن عبد الرحمن بن أبي بكرة عن أبيه ، أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أقبل من نواحی المدينة يريد الصلوٰة ، فوجد الناس قد صلوا ، فمال إلىٰ منزله ، فجمع أهله فصلى بهم . (المعجم الأوسط ،دارالفكر ٣/٢٨٤، رقم:٤٦٠١)

عن الحسن ، قال: كان أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا دخلوا المسجد، وقد صلى فيه صلوا فرادىٰ. (المصنف لإبن أبی شيبه ، كتاب الصلاة، باب من قال يصلون فرادی ولا يجمعون مؤسسة علوم القرآن جديده/٥٥، رقم:٧١٨٨)

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طريق أو فی مسجد لا إمام له ولا مؤذن له . (شامی زكريا، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/٢٨٨، كراچی ١/٥٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۲۰/۳۵)

ایک ہی مسجد میں متعدد بار نماز جمعہ قائم کرنا

سوال [۲۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امریکہ میں کئی مساجد میں نماز جمعہ مع خطبہ ایک سے زائد مرتبہ پڑھی جاتی ہے، کیا اس طرح پڑھنا صحیح ہے،

دلائل کی روشنی میں ائمہ اربعہ کے مسالک کو واضح فرمائیں؟

المستفتي: عبدالسبحان، کیلی فورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک ہی مسجد میں جگہ کی تنگی اور دوسری جگہ میسر نہ ہونے کی صورت میں متعدد بار جمعہ کی نماز خطبہ کے ساتھ ادا کرنے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ تکرار جماعت کی ممانعت کی اصل علت تقلیل جماعت ہے جو یہاں پر مفقود ہے اور چوں کہ یہاں پر جگہ کی قلت اور انسانوں کی تکثیر کی وجہ سے تکرار جماعت کی ضرورت پڑی ہے جو اصل جماعت کی تقلیل کا سبب نہیں ہے، جیسا کہ مسافروں کی جماعت ثانیہ تقلیل کا سبب نہیں ہے، اور ان کے لئے جماعت ثانیہ کے وقت اقامت کی گنجائش ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی دوسری تیسری جماعت کے لئے اقامت کی گنجائش ہوگی۔

إنا أمرنا بتكثير الجماعة وفي تكرار الجماعة في مسجد واحد تقليلها لأن الناس إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة يعجلون للحضور فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنه لا تفوتهم يؤخرون فيؤدى إلى تقليل الجماعة -إلى- فكل من حضر يصلى فيه، فإعادة الجماعة فيه مرة بعد مرةٍ لا تؤدى إلى تقليل الجماعات. (المبسوط، كتاب الصلاة، باب الأذان، دارالكتب العلميه بيروت ١/٣٧٩، ١٣٦)

وإذا علموا أنها لا تفوتهم الجماعة فيتأخرون فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروهة، بخلاف المساجد التى على قوارع الطرق لأنها ليست لها أهل معروفون فأداء الجماعة منها مرة بعد أخرى لا يؤدى إلى تقليل الجماعة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان محل وجوب الاذان كراچى ١/١٥٣، بيروت ١/٦٥٥، زكريا ١/٣٧٩، ومثله فى الشامية كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد كراچى ١/٥٥٢، ٥٥٣، زكريا٢/٢٨٨، وهكذافى

إعلاء السنن ،کتاب الصلوٰة ، باب کراهة تکرار الجماعة فی مسجد المحلة بیروت ٢٦١/٤)

والضابطة عندنا أن کل فرض أداء کان أو قضاء یؤذن له ویقام سواء أداه منفرداً أو بجماعة . (هندیه ، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان، زکریا قدیم ٥٥/١، جدید ١١١/١ ، تبیین الحقائق ، کتاب الصلوٰة ، باب الأذان ، امدادیه، ملتان ١٩٢/١، زکریا ٢٤٦/١)

فإن صلوا بجماعة وأقاموا وترکوا الأذان أجزأهم ولا یکره ویکره لهم ترک الإقامة . (بدائع الصنائع زکریا، کتاب الصلاة، فصل في بیان محل وجوب الأذان ٣٧٨/١، کراچی ١٥٣/١ ، بیروت ٦٥٤/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۱۱ھ

مسجد کی سہ دری یا حجرہ میں جماعت ثانیہ کرنے کا حکم

سوال [۲۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز با جماعت ہو چکنے کے بعد مسجدوں کی سہ دری یا ادھر اُدھر حجرہ میں دوسری جماعت کی کیا حیثیت ہے کر لینی چاہئے یا نہیں؟

المستفتي: محمد یونس، جامع مسجد، احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محلّہ کی مسجد میں باضابطہ جماعت ہوجانے کے بعد اس سے متصل دائیں بائیں حجرہ میں محلّہ کے لوگوں کے لئے اور روزانہ کے نمازیوں کیلئے الگ سے جماعت کرنے کی ایسے ہی ممانعت ہے، جیسے حدود مسجد میں ممانعت ہوتی ہے، اسلئے کہ اصل جماعت جس طرح حدود مسجد میں جماعت ثانیہ کی وجہ سے متاثر ہوتی ہے اسی طرح حدود مسجد سے متصل کمرہ میں جماعت ثانیہ کرنے کی وجہ سے بھی متاثر ہوتی ہے۔

عن عبد الرحمن بن أبي بكره ، عن أبيه ، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحي المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا، فذهب إلى منزله، فجمع أهله ، ثم صلى بهم . (المعجم الأوسط دارالفكر ١٣٢/٥، رقم:٦٨٢٠، ٢٨٤/٣، رقم: ٢٦٠١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤٥/٢، رقم: ٢١٧٧، وفيه رواه الطبراني فى الكبير والأوسط ورجاله ثقات)

ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة، فيستعجلون فتكثر الجماعة ، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروهة ، بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدى إلى تقليل الجماعات، وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله، لأنه لايؤدى إلى تقليل الجماعة. (بدائع ، كتاب الصلوٰة ، فصل فى بيان محل وجوب الاذان زكريا١/ ٣٨٠، كراچى ١٥٣/١، بيروت ٦٥٥/١، المبسوط للسرخسى ، كتاب الصلاة ، باب الأذان ، دارالكتب العليمه بيروت ١٣٥/١، ١٣٦، شامى ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة ، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد زكريا٢/٢٨٨، كراچى ٥٥٢/١، ٥٥٣، منحة الخالق ، كتاب الصلاة ، باب الأذان كوئٹه ٢٥٩/١، زكريا١/ ٤٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۹۳۹۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

مسجد یا اس سے متصل دوسری جگہ میں دوسری جماعت کرنا

سوال [۲۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں جمعہ اور پنجوقتہ نمازوں کی جماعت ہوتی ہے ایک بار ہونے کے بعد دوبارہ جماعت ہوگی یا نہیں؟

مسجد کے دائیں جانب ایک ہال کمرہ ہے جس میں پہلے پڑھائی ہوتی تھی، اس میں اب صحن کی جانب دروازے کھول دیئے ہیں دیوار ختم کر کے صحن سے اسمیں صفیں نکالدی ہیں، جس طرح مسجد کے اندر والے حصہ میں تین گیٹ ہیں اسی طرح کے اس کمرہ میں بھی گیٹ ہیں دو کواڑ لگے ہوئے نہیں ہیں، صحن مسجد کی اور حجرہ کی صف ایک ہی ہے آخر تک صف کا نشان لگا ہوا ہے ، جمعہ کی نماز میں اس حجرے میں صف بھی بچھاتے ہیں اندرون صف کے مقابل تین صفیں ہوجاتی ہیں یا بالکل مسجد کی صف کے مقابل ہوجاتی ہیں جب تبلیغی جماعت والے آتے ہیں، تو وہاں کھانا بھی پکاتے ہیں اور ایک کونے میں مسجد کا سامان بھی رکھا ہوا ہے، اب مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ ان تمام حالتوں میں اس میں دوبارہ نماز ادا کرسکتے ہیں یا نہیں، اگر کر سکتے ہیں تو کس کیلئے جائز ہے ایک تو تبلیغی جماعت والے سفر کر کے آتے ہیں، تو افراد زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ دوبارہ جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں، اسی طرح مقامی لوگوں کیلئے دوبارہ جماعت کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: مصلیان، جامع مسجد، شاہی مزرعہ
پی ٹی ایل ایس نگر مہال، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو مسجدیں محلّہ اور آبادی سے متعلق ہوتی ہیں اور ان کے نمازی وہیں سے متعلق ہوتے ہیں ایسی مسجدوں میں مقامی لوگوں کیلئے دوبارہ جماعت کرنا جائز نہیں ہے، مکروہ ہے چاہے امام کے مصلیٰ سے ہٹ کر کے ہیئت بدل کر ہی کیوں نہ ہو پھر بھی مکروہ اور ممنوع ہے نیز مسجد سے متصل اگر کوئی کمرہ ہے مقامی لوگوں کیلئے وہاں بھی الگ سے جماعت کرنا مکروہ اور ممنوع ہے۔

مسجد سے متصل جس حجرہ کا سوالنامہ میں تذکرہ کیا گیا شاید وہ جماعت خانہ سے خارج ہے، ضرورت کی وجہ سے وہاں تک صف بن جاتی ہے تو اس جگہ پر اور اس کے علاوہ مسجد کے حدود میں کسی اور کنارے پر باہر سے آنیوالے لوگ جو آبادی کے رہنے والے

نہیں ہیں، ان کیلئے دوسری جماعت کرنا بلاکراہت جائز ہے؟ اسی طرح تبلیغی جماعت والے کہیں باہر سے آرہے ہوں اور یہاں پہونچتے پہونچتے جماعت نکل جائے تو ان لوگوں کیلئے بھی حدودِ مسجد کے اندر الگ سے جماعت کرنا جائز ہے اسلئے کہ یہ لوگ اس مسجد کے مستقل مقتدی نہیں ہیں، ان کے اس وقت الگ سے دوسری جماعت کرنے کی صورت میں مسجد کی اصل جماعت متأثر نہیں ہوتی ہے۔

عن عبد الرحمن بن أبي بكره، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحي المدينة يريد الصلاة، فوجد الناس، قد صلوا، فذهب إلى منزله، فجمع أهله، ثم صلى بهم. (المعجم الأوسط دارالفكر ١٣٢/٥، رقم: ٦٨٢٠، ٢٨٤/٣، رقم: ٢٦٠١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤٥/٢، رقم: ٢١٧٧، وفيه رواه الطبراني في الكبير والأوسط ورجاله ثقات)

عن الحسن، قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صلى فيه صلوا فرادىٰ. (المصنف لإبن أبی شيبه، كتاب الصلاة، باب من قال يصلون فرادى ولا يجمعون مؤسسة علوم القرآن جديده/٥٥، رقم: ٧١٨٨)

التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة، فيستعجلون فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التى على قوارع الطرق لانها ليست لها أهل معروفون فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدى إلى تقليل الجماعات، وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لايؤدى إلى تقليل الجماعة لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذٍ الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان محل وجوب الاذان زكريا ٣٨٠/١، كراچى ١٥٣/١، بيروت ٦٥٥/١، شامى، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد، زكريا ٢٨٨/٢، ٢٨٩،

کراچی ۱/ ۵۵۲، ۵۵۳، المبسوط، کتاب الصلاۃ، باب الأذان، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۳۵، ۱۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱۴ھ

کیا دوسری صف میں جماعت ثانیہ کی جاسکتی ہے؟

سوال [۲۰۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں لوگ جب نماز با جماعت سے فارغ ہوجاتے ہیں تو کچھ بعد میں آنیوالے حضرات کہتے ہیں کہ ہم دوسری جماعت کرلیں گے ہم امام کی جگہ پر کھڑے نہیں ہوں گے ایک صف پیچھے کھڑے ہوکر دوسری جماعت کرلیں گے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ نیز جماعت ثانیہ کون سی مسجد میں بلا کراہت جائز اور درست ہے؟ واضح فرمائیں؟

المستفتي: محمد ذوالفقار، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی مسجد جس میں امام ومؤذن متعین ہوں، اس میں محلّہ کے بعد میں آنے والے لوگوں کیلئے جماعت ثانیہ کرنا جائز نہیں ہے، نیز امام کی جگہ سے ہٹ کر ایک صف پیچھے کھڑے ہوکر اور حدود مسجد سے باہر دالان یا کمرے میں بھی جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہے اور ایسی مسجد جس میں جماعت ثانیہ جائز ہے، وہ ہے جو شاہراہ عام پر قائم ہو اور باہر کے لوگ جوق درجوق آتے رہتے ہوں، اور اپنی جماعت کرکے نماز پڑھ کر چلے جاتے ہوں، نیز محلّہ کی مسجد میں دور دراز سے آنے والے لوگوں کیلئے بھی جماعت ثانیہ کرنا جائز ہے، اسلئے کہ دور دراز سے آنیوالے لوگوں کی جماعت ثانیہ کرنے کی وجہ سے اصل جماعت متأثر نہیں ہوتی اور جماعت ثانیہ کی ممانعت کی علت اصل جماعت کا متأثر ہوجانا ہے، اسلئے محلّہ کے لوگوں کیلئے جماعت ثانیہ ممنوع ہے اور باہر سے آنیوالے لوگوں کے

لئے بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

عن عبد الرحمن بن أبي بكره ، عن أبيه ، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحی المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا ، فمال إلى منزله، فجمع أهله ، فصلى بهم .(المعجم الأوسط دارالفكر ٣/٢٨٤، رقم :٤٦٠١)

عن الحسن ، قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صلى فيه صلوا فرادىٰ. (المصنف لإبن أبی شيبه ، كتاب الصلاة، باب من قال يصلون فرادى و لا يجمعون مؤسسة علوم القرآن جديده/٥٥، رقم:٧١٨٨)

لأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة، فيستعجلون فتكثر الجماعة ، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة ، وتقليل الجماعة مكروه ، بخلاف المساجد التى على قوارع الطرق، لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدى إلى تقليل الجماعات وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لايؤدى إلى تقليل الجماعة لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذٍ . (بدائع الصنائع ، كتاب الصلوٰة ، فصل فی بيان محل وجوب الاذان زكريا ١/٣٨٠، كوئٹه ١/١٥٣، بيروت ١/٦٥٥، كراچی ١/١٥٣، المبسوط للسرخسی ، كتاب الصلاة ، باب الأذان ، دارالكتب العلميه بيروت ١/١٣٥، ١٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۸۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۱۹ھ

مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا

سوال [۲۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جماعت ثانیہ

مسجد میں درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد اسرار دھامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آبادی اور محلّہ کی مسجد میں مقامی لوگوں کیلئے دوبارہ جماعت کرنا جائز نہیں خواہ مصلّٰی سے ہٹ کر تبدیل ہیئت کے ساتھ کیوں نہ ہو اسلئے کہ جماعت ثانیہ کی وجہ سے اصل جماعت متأثر ہوجاتی ہے، البتہ غیر مقامی لوگوں کیلئے تبدیل ہیئت کیساتھ درست ہے۔ (کفایت المفتی، قدیم ۳/۹۲، جدید ۳/۱۳۴، زکریا جدید مطول ۴/۳۱۶)

عن عبد الرحمن بن أبي بكره، عن أبيه، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحى المدينة يريد الصلاة، فوجد الناس، قد صلوا، فذهب إلى منزله، فجمع أهله، ثم صلى بهم. (المعجم الأوسط دارالفكر ٥/١٣٢، رقم: ٦٨٢٠، ٣/٢٨٤، رقم: ٤٦٠١، مجمع الزوائد، دارالكتب اللعمية بيروت ٢/٤٥، رقم: ٢١٧٧، وفيه رواه الطبرانى فى الكبير والأوسط ورجاله ثقات)

عن الحسن، قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد وقد صلى فيه، صلوا فرادىٰ. (المصنف لإبن أبى شيبه، كتاب الصلاة، باب من قال يصلون فرادى ولا يجمعون مؤسسة علوم القرآن جديده/ ٥٥، رقم: ٧١٨٨)

التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة، فيستعجلون فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التى على قوارع الطرق، لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدى إلى تقليل الجماعات وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لايؤدى إلى تقليل الجماعة لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذٍ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان محل وجوب الاذان

زکریا۱/۳۷۹، کراچی ۱/۱۵۳، بیروت ۱/٦٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجمادی الأخری ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/٦/۲۴ھ

محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ

سوال [۲۰٦۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں ایک مرتبہ جماعت ہوچکی ہے پھر اسی مسجد میں دوسری جماعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی جماعت ثانیہ کرنا کیسا ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: محمد جیلانی بگھیلا گھاٹ، دربھنگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مسجد کے امام ومؤذن متعین ہوں اور محلّہ اور آبادی کی مسجد ہو، تو اس میں وہاں کے باشندوں کیلئے باقاعدہ جماعت ہوچکنے کے بعد دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے۔

عن عبد الرحمن بن أبي بكره ، عن أبيه ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من بعض نواحى المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا ، فذهب إلى منزله، فجمع أهله ، ثم صلى بهم . (المعجم الأوسط دارالفكر ٥/١٣٢، رقم: ٦٨٢٠)

عن الحسن ، قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخلوا المسجد، وقد صلى فيه صلوا فرادىٰ (المصنف لإبن أبى شيبه ، كتاب الصلاة، باب من قال يصلون فرادى ولا يجمعون مؤسسة علوم القرآن جديد ٥/٥٥ ، رقم: ٧١٨٨)

يكره تكرار الجماعة فى مسجد محله بأذان وإقامة الخ . (شامى

كتاب الصلاة ، باب الإمامة كراچی ۱/ ۵۵۲، زکریا۲/ ۲۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۵/۲۹ھ

ایک مسجد میں جمعہ کی جماعت ثانیہ کرنا

سوال [۲۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد جو تین منزلہ ہے شہر میں واقع ہے اس میں نماز جمعہ ہوتی ہے، لوگ اتنی کثیر تعداد میں شرکت کرتے ہیں کہ مسجد اپنے وسیع ہونے کے باوجود تنگ پڑ جاتی ہے، جس کی بنا پر نماز جمعہ اس کے اندر دومرتبہ ہوتی ہے، دومرتبہ نماز جمعہ جو ہوتی ہے، اسکے امام الگ الگ ہیں اور دونوں ہم مسلک ہیں دونوں کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں اگر نہیں ہوتی تو پہلے والے کی نہیں ہوتی یا دوسرے کی نہیں ہوتی اور کیوں نہیں ہوتی شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد اسعد، خان گنج، فیض آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شہر میں اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد دور دور تک نہیں ہے جہاں جا کر یہ لوگ اپنا فریضہ ادا کرسکیں اور دوسری جماعت کرنے کیلئے کوئی دوسری جگہ بھی نہیں ہے، اور دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کی ایک بھاری تعداد جمعہ سے محروم ہوجاتی ہے اور اس تعداد کو وقت پر حاضر ہونے میں کوئی تاخیر بھی نہیں ہوتی ہے، تو ایسی شدید ضرورت کے تحت اس مسجد میں دومرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی جانے کی گنجائش ہے، اگر یہ اعذار نہیں ہیں تو جائز نہیں ہے، مگر جماعت ثانیہ کیلئے باقاعدہ اذان نہ دی جائے اس کی گنجائش اس وقت تک ہے، جب تک دوسری مسجد کا نظم نہ ہو سب لوگوں پر ضروری ہے، کہ دوسری مسجد قائم کرنے کا انتظام کریں تکرار جماعت کی ممانعت اسلئے ہے کہ اس کی وجہ سے اصل جماعت متأثر ہو جاتی ہے، یہاں سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل جماعت متأثر نہیں

ہے نیز یہاں تکرار نہ کیا جائے تو شہر کی بھاری تعداد کو جمعہ سے محروم ہونا پڑیگا۔

ولأن في الإطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى فإنهم لا يجتمعون إذا علموا أنهم لا تفوتهم. (شامی كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة ،مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد زكريا٢/ ٢٨٩،كراچی ١/ ٥٥٣)

أمرنا بتكثير الجماعة وفي تكرار الجماعة في مسجد واحد تقليلها لأن الناس إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة يعجلون للحضور فتكثر الجماعة ، وإذا علموا أنه لا تفوتهم يؤخرون ، فيؤدى إلى تقليل الجماعات. (مبسوط سرخسی ،كتاب الصلاة، باب الأذان دارالكتب العلميه بيروت ١/ ١٣٥، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة ، تكرار الجماعة فی المسجد زكريا١/ ٣٧٩، كراچی ١/ ١٥٤، بيروت١/ ٦٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰؍محرام الحرام ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/ ۵۱۴۸)	۱۴۱۸/۱/۲۰ھ

دومنزلہ مسجد میں بیک وقت دو جماعت قائم کرنا

سوال [٢٠٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی گاؤں میں دو پارٹی ہیں ،اور اس گاؤں کی مسجد دومنزلہ ہے ایک پارٹی نیچے نماز پڑھتی ہے، دوسری پارٹی اوپر کی منزل میں نماز پڑھتی ہے، جبکہ دونوں ٹھیک ایک ہی وقت میں نماز باجماعت ادا کرتی ہیں ،اور دونوں پارٹی کے امام بھی الگ الگ ہیں تو کیا اس طرح سے دونوں پارٹی کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

المستفتي:اسرار الحق مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس جگہ مسجد بن گئی نیچے سے لیکر اوپر آسمان

تک سب ایک ہی مسجد ہے اور ایک مسجد میں دو جماعت کرنا مکروہ ہے، لہٰذا دونوں پارٹیوں کا ایک ہی وقت میں الگ الگ جماعت کرنا جائز نہ ہوگا البتہ دونوں پارٹیوں کی نماز ہوجائیگی لیکن یہ فعل ناجائز ہوگا، اور دونوں پارٹی کے لوگ اس ناجائز کام میں شریک مانے جائیں گے، لہٰذا ان کو چاہئے کہ آپس میں مصالحت کرکے ایک جماعت کریں۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ زکریا ۱/ ۳٦۸، محمودیہ قدیم ۷/۹۱، جدید ڈابھیل ٦/۴۳۴، رحیمیہ قدیم ۱۵۳۷، جدید زکریا ۱۵۰۸۴، عزیز الفتاویٰ ۱/ ۱۹۱)

ویکره تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة (درمختار) وفی الشامیة ویکره أي تحریما لقول الکافی لا یجوز، والمجمع لا یباح وشرح الجامع الصغیر إنه بدعة. (شامی زکریا کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد ۲/۲۸۸، شامی کراچی ۱/۵۵۲، ۵۵۳، المحیط البرهانی، کتاب الصلاة، الفصل الثانی فی النوافل والواجبات المجلس العلمی جدید ۲/۱۰۲، ۱۰۳، رقم:۱۳۱٤، الفتاویٰ التاتارخانیه، کتاب الصلاة، الفصل الثانی المتفرقات زکریا ۲/۱۵۵، رقم: ۲۰۱۲، منحةالخالق، کتاب الصلوٰة، باب الأذان کوئٹه ۱/۲٥۹، زکریا ۱/٤٥۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۷۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/٦/۵ھ

اختلاف کی وجہ سے دو جماعتیں کرنا

سوال [۲٦۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں بریلوی اور دیوبندی کا جھگڑا ہوگیا ہے ایک امام پہلے سے مقرر تھے وہ دیوبندی تھے، جھگڑا ہونے کے بعد بریلوی لوگ بریلوی امام لائے اور ایک مسجد میں دو جماعتیں ہونے لگیں، ایک اذان سے دو جماعتیں ہوتی ہیں بریلوی پہلے نماز پڑھتے ہیں اور دیوبندی جگہ بدل کر ان

سے پیچھے پڑھتے ہیں، مثلاً ایک بجے ظہر کی نماز بریلوی لوگ پڑھتے ہیں اندر کے حصے میں اور دیوبندی ڈیڑھ بجے باہر یا چھت پر نماز پڑھتے ہیں اور امام مقرر دیوبندیوں کی طرف سے ہے اور ہم دیوبندی امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں کس کی نماز صحیح ہے تفصیلی طور پر ارشاد فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتي: سفیر الدین، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام سابق کے اندر امامت کی اہلیت ہے تو ان کی جماعت بلا کراہت درست ہے وہ جماعت ثانیہ نہیں ہے بلکہ تفریق المسلمین کا گناہ بریلوی مبتدعین اور ان کے امام پر ہوگا، اور ان کی جماعت معتبر نہیں ہے، امام سابق کی جماعت میں کوئی کراہت نہیں ہے!

ولو صلی بعض أهل المسجد بإقامة وجماعة ثم دخل المؤذن والإمام وبقية الجماعة، فالجماعة المستحبة لهم والكراهة للأولیٰ الخ. (عالمگیری، کتاب الصلاۃ، باب الأذان زکریا قدیم ١/ ٥٤، جدید ١/ ١١١، الفتاویٰ التاتار خانیہ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثاني في المتفرقات، زکریا ٢/ ١٥٦، رقم: ٢٠١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/ ذیقعدہ ١٤٠٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٣/ ٣٤١)

محراب سے ہٹ کر جماعت ثانیہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے

سوال [٢٠٦٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کی مسجد (جسمیں پنجوقتہ نماز ہوتی ہے) میں ایک مرتبہ جماعت ہوچکی ہے جماعت ثانیہ کرنا چاہتے ہیں، اگر محراب سے ہٹ کر دائیں یا بائیں جانب کرلیں تو جائز ہے یا نہیں۔

المستفتي: محمد محبوب، ستونگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اہل محلّہ ہی محراب سے ہٹ کر دائیں یا بائیں جانب جماعت ثانیہ کریں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز مکروہ تنزیہی ہوگی اور یہی صحیح اور مفتیٰ بہ قول ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/۳۲۲)

عن عبد الرحمن بن أبي بكره ، عن أبيه ، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحي المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا ، فذهب إلى منزله ، فجمع أهله ، ثم صلى بهم . (المعجم الأوسط دارالفكر ۵/۱۳۲، رقم: ۶۸۲۰، ۳/۲۸۴، رقم: ۴۶۰۱، مجمع الزوائد ، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۴۵، رقم: ۲۱۷۷، وفيه رواه الطبراني في الكبير والأوسط ورجاله ثقات)

عن الحسن ، قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخلوا المسجد وقد صلى، فيه صلوا فرادىٰ. (المصنف لإبن أبي شيبه ، كتاب الصلاة، باب من قال يصلون فرادى ولا يجمعون مؤسسة علوم القرآن ، جديد ۵/۵۵، رقم: ۷۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۸۴)

مسجد میں جماعت ثانیہ کا حکم

سوال [۲۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) جماعت ثانیہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسری جماعت کے ہوتے ہوئے اکیلے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) مسجد میں نماز الگ پڑھکر بعد کو ایک شخص کے ہمراہ نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسرار احمد، دھامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :(۱) جس مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہو اس میں دوسری جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، نیز ایسے مقامات پر دوسری جماعت کے ہوتے ہوئے بھی تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے ۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۳۵۴، جدید زکریا۳/۳۳۶، کفایت المفتی قدیم۳/ ۹۷، جدید زکریا۳/ ۱۴۰، زکریا مطول:۴/ ۳۲۱)

عن عبد الرحمن بن أبي بكره ، عن أبيه ، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحی المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا، فذهب إلى منزله، فجمع أهله ، ثم صلى بهم . (المعجم الأوسط دارالفكر ٥/١٣٢، رقم : ٦٨٢٠، ٣/ ٢٨٤، رقم: ٤٦٠١، مجمع الزوائد ، دارالكتب العلمية بيروت٢/ ٤٥، رقم: ٢١٧٧، وفيه رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط ورجاله ثقات)

عن الحسن ، قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صلى فيه صلوا فرادىٰ. (المصنف لإبن أبی شيبه ، كتاب الصلاة، باب من قال يصلون فرادى ولا يجمعون مؤسسة علوم القرآن جديده/ ٥٥، رقم:٧١٨٨)

التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة، فيستعجلون فتكثر الجماعة ، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة ، وتقليل الجماعة مكروه. (بدائع الصنائع ، كتاب الصلوٰة ، فصل فی بيان محل وجوب الاذان زكريا ١/ ٣٨٠ كراچی ١/ ١٥٣، بيروت ١/ ٦٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۲۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۲۰ھ

اہل محلّہ کا مسجد سے متصل حجرہ میں جماعت ثانیہ کرنا

سوال [۲۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ کی مسجد جس

میں اوقات متعینہ کے ساتھ پنجوقتہ باجماعت نماز ادا کی جاتی ہے، جماعت کی نماز ہوجانے کے بعد، بعد میں آنیوالے حضرات مسجد کی خارجی جگہ میں دودوتین تین مرتبہ جماعت بنا کر عام طور پر نماز ادا کرتے ہیں، اس کے بعد والی جماعتوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر لوگوں کو روکا جاتا ہے، تو وہ جھگڑا کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتي: انعام اللہ، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات فقہاء نے ایک مسجد میں تکرار جماعت کو اسلئے مکروہ لکھا ہے، کہ مکرر جماعت ہونے سے جو مسجد کی اصل جماعت ہے، اس میں نمازیوں کی کمی آجاتی ہے، لہٰذا جس صورت میں بھی تکرار جماعت کی وجہ سے مسجد کی اصل جماعت متأثر ہوکر اس میں نمازیوں کی کثرت کے بجائے کمی آجاتی ہو وہ مکروہ اور ممنوع ہوگی، لہٰذا سوالنامہ میں مسجد سے متصل حدود مسجد سے خارج جگہ میں ایک ایک دودو تین تین مرتبہ جماعت بنا کر نماز پڑھنا ممنوع اور مکروہ ہوگا، اسلئے کہ اہل محلّہ کا مسجد سے متصل حجرہ میں دوسری یا تیسری جماعت کرنا مکروہ ہے اس سے باز رہنا لازم ہے، اور منع کرنے پر جھگڑے پر آمادہ ہونے والے غلطی پر ہیں، ان کو شرعی مسئلہ بتلادیا جائے، حضرات صحابہ میں سے جن لوگوں کو اتفاق سے جماعت نہیں ملتی تھی وہ الگ سے جماعت نہیں کیا کرتے تھے، بلکہ تنہا نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

عن عبد الرحمن بن أبي بكره ، عن أبيه ، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحی المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا، فذهب إلى منزله، فجمع أهله ، ثم صلى بهم .(المعجم الأوسط دارالفكر ١٣٢/٥، رقم: ٦٨٢٠، ٢٨٤/٣، رقم: ٤٦٠١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤٥/٢، رقم: ٢١٧٧، وفيه رواه الطبراني فی الكبير والأوسط ورجاله ثقات)

عن الحسن ، قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا

المسجد، وقد صلی فیه صلوا فرادیٰ. (المصنف لإبن أبی شیبه ، کتاب الصلاة، باب من قال یصلون فرادی و لا یجمعون مؤسسة علوم القرآن جدیده/٥ ٥، رقم: ٧١٨٨)

روی عن أنس بن مالک رضی الله عنه أن أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کانوا إذا فاتتهم الجماعة صلوا فی المسجد فرادیٰ ، ولأن التکرار یؤدی إلی تقلیل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فیستعجلون فتکثر الجماعة وإذا علموا أنها لاتفوتهم ، یتأخرون ، فتقل الجماعة، وتقلیل الجماعة مکروه (بدائع الصنائع ، کتاب الصلاة، فصل فی بیان محل و جوب الآذان زکریا١/ ٣٨٠، کراچی ١/١٥٣، بیروت ١/٦٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۸۸)

جہاں امام اور مؤذن متعین نہ ہوں وہاں جماعت ثانیہ کرنا

سوال [۲۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) محلّہ کی مسجد میں جس میں باقاعدہ جماعت ہوتی ہو اس میں دوبارہ محراب سے ہٹ کر کے جماعت کرنا کیسا ہے؟

(۲) محلّہ کی مسجد جس میں باقاعدہ جماعت تو نہیں ہوتی بلکہ کبھی کبھی ہو جاتی ہے اسمیں دوبارہ محراب سے ہٹ کر جماعت سے نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد ایوب منی پوری، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) محلّہ کے لوگوں کیلئے محراب سے ہٹ کر بھی جماعت ثانیہ کرنا مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ/۴ ۳۵، امداد الفتاویٰ ۱/۴/ ۳۶۴)

عن عبد الرحمن بن أبي بکره ، عن أبیه ، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم أقبل من بعض نواحی المدینة یرید الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا، فذهب إلی

منزله، فجمع أهله، ثم صلى بهم. (المعجم الأوسط دارالفکر ٥/١٣٢، رقم: ٦٨٢٠، ٣/٢٨٤، رقم: ٤٦٠١، مجمع الزوائد، دارالکتب العلمية بيروت ٢/٤٥، رقم: ٢١٧٧، وفيه رواه الطبراني في الكبير والأوسط ورجاله ثقات)

(۲) اگر امام ومؤذن مقرر نہیں ہیں تو ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ کی گنجائش ہے۔

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام لهٗ ولا يؤذن الخ. (درمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ١/٥٥٢، زکریا٢/٢٨٨)

كما في مسجد ليس لهٗ إمام ولا مؤذن، ويصلي الناس فيه فوجاً فوجاً. (شامی کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد زکریا٢/٢٨٨، کراچی ١/٥٥٢)

أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن (الدر) أي ويصلي الناس فيه فوجاً فوجاً. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار کوئٹه١/٢٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۳/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۹۹/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۳/۱۴۱۵ھ

محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ تحریمی ہے

سوال [۲۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس مسجد میں امام او رمؤذن دونوں مقرر ہیں تو اس مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کراہت ہے تو کون سی؟

المستفتي: شرف الحق، پیر بھوم، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی مسجد میں محلّہ والوں کا جماعت ثانیہ کرنا یعنی

جماعت دومرتبہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا۳/۴۶)

عن عبد الرحمن بن أبي بكره ، عن أبيه ، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحي المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا، فذهب إلى منزله، فجمع أهله ، ثم صلى بهم .(المعجم الأوسط دارالفكر ١٣٢/٥، رقم: ٦٨٢٠، ٢٨٤/٣، رقم: ٤٦٠١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤٥/٢، رقم: ٢١٧٧، وفيه رواه الطبراني فى الكبير والأوسط ورجاله ثقات)

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة وفي الشامية ويكره أي تحريماً الخ. (الدرالمختار مع الشامي ، كتاب الصلاة، باب الإمامة ، مطلب في تكرار الجماعة فى المسجد مصرى ٥١٦/١، كراچى ٥٥٢/١، زكريا٢٨٨/٢)

وإذا دخل القوم مسجداً قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان وإقامة . (المبسوط للسرخسي ، كتاب الصلاة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ١٣٥/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ذیقعدہ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۷/ ۲۴۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۱/۱۴۱۱ھ

جماعت خانہ میں جماعت ثانیہ

سوال [۲۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مسجد میں امام ہوں، آج نماز جمعہ میں عین نماز کے وقت بارش ہوگئی، نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد سے ملحق روڈ پر بھی نماز ہوتی ہے لیکن بارش ہونے کی وجہ سے روڈ پر پانی بہنے لگا جو ناپاک تھا، اس وجہ سے نماز کیلئے موجود افراد کی تعداد اتنی ہوگئی جو مسجد میں کسی حال میں نہیں سما سکتی تھی، چنانچہ میں نے اعلان کردیا کہ لوگ ناپاک جگہ پر نماز نہ پڑھیں بلکہ نماز کے بعد ایک اور جماعت ہوجائے گی، اور اس کیلئے ایک امام مقرر کردیا پہلے نماز

میں نے پڑھائی اور دوسری نماز مؤذن صاحب نے اگر دوسری نماز نہ ہوتی تو قریب میں کوئی ایسی مسجد بھی نہ تھی جہاں پر جمعہ کی نماز مل سکتی تھی، اور اگر روکا نہ جاتا تو عوام بھیگے ہوئے ناپاک روڈ پر ہی نماز پڑھ لیتے ان تمام وجہوں کو دیکھ کر دوسری نماز کا اعلان کیا چونکہ یہ مسئلہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا بلکہ ایک جگہ کی جامع مسجد میں دیکھا تھا کہ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے دوسری تیسری اور چوتھی تک نماز ہوئی تھی، تو پھر خیال پیدا ہوا کہ کسی کا عمل تو حجت نہیں ہے، اسلئے ذہن میں خلجان پیدا ہوگیا کہ نماز ہوئی یا نہیں ؟اگر نماز نہیں ہوئی تو اس غلطی کے ازالہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے، مقتدی مسائل میں کافی اعتماد کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اعتماد کا فائدہ اٹھا کر میں کسی بڑی غلطی کا مرتکب ہورہا ہوں، اسلئے جو بھی صورت ہو آگاہ فرمائیں، اور اگر نماز ہوگئی تو فبہا ونعمت جو بھی صورت ہو تحریر فرمادیں؟

المستفتي: عطاء الرحمٰن قاسمی،
۲۰۷۱: مین روڈ، کیلاش نگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکرار جماعت کی کراہت کا مدار اصل جماعت کی کثرت کا متأثر ہونا ہے، اور پہلی جماعت میں کثرت کے بجائے قلت پیدا ہونا ہے، جہاں کراہت کی یہ علت پائی جائے گی وہاں تکرار جماعت مکروہ ہے، لہٰذا اگر کسی مسجد سے متصل مدرسہ کا کوئی ہال یا کمرہ ہے اس میں محلّہ کے مصلی اور روزانہ نماز پڑھنے والے لوگ جماعت کرنے لگیں تو یہ بھی مکروہ ہوگا، اسلئے کہ اگرچہ یہ خارج مسجد ہے لیکن یہ جماعت مسجد کی اصل جماعت کی قلت کا باعث بنی ہوئی ہے، اور جہاں اصل جماعت کی کثرت متأثر نہ ہو بلکہ کثرت بدستور باقی رہے، یا اصل جماعت متعین نہیں ہے تو وہاں پر تکرار جماعت مکروہ نہیں ہے، اسلئے کہ یہاں تکرار جماعت اصل جماعت کی قلت کا باعث نہیں ہے، لہٰذا فقہاء کی جزئیات کی گہرائی میں پہونچنے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی

کہ سوالنامہ میں بارش اور کیچڑ کے اعذار کی وجہ سے ایک ہی مسجد میں جمعہ کی نماز دوبارہ ادا کرنا مکروہ نہیں ہے،، کیونکہ یہاں دوسری جماعت پہلی جماعت کی کثرت کو متأثر کرنے والی نہیں ہے، لہٰذا آپ نے پیش آمدہ اعذار کی بنا پر جو عمل کیا ہے، وہ شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے۔ فقہی جزئیات ملاحظہ فرمایئے!

ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة، فيستعجلون فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون، فتقل الجماعة، وتقليل الجماعة مكروه، بخلاف المساجد التى على قوارع الطرق، لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدى إلى تقليل الجماعات وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله، لأنه لايؤدى إلى تقليل الجماعة، لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذٍ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان محل وجوب الاذان زكريا ١/ ٣٨٠، كراچى ١/١٥٣، بيروت ١/٦٥٥،٦٥٦، المبسوط للسرخسى، كتاب الصلوٰة، باب الأذان، دارالكتب العلميه بيروت ١/١٣٥، ١٣٦، منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب الأذان كوئٹه ١/٢٥٩، زكريا ١/٤٥١، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ٢٣٠، ٢٧/١٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۶/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۱۵/۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲۳ھ

جماعت ثانیہ سے متعلق ایک جامع فتویٰ

سوال [۲۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) بس اڈہ اور اسٹیشن کی مسجدوں میں جب امام ومؤذن متعین ہوں جماعت ثانیہ جائز ہے، یا نہیں؟ امداد الأحکام کی بعض عبارات سے عدم جواز کی بات سمجھ میں آتی ہے۔

(۲) محلّہ کی مسجد میں روزمرہ کے نمازیوں کیلئے جماعت ثانیہ مکروہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے، تو کیا محلّہ کی مسجد میں دوسرے علاقہ سے آئے ہوئے لوگوں کیلئے یا دور دراز سے آنے والے مسافروں کیلئے جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟ اور محلّہ کے لوگوں کیلئے حدود مسجد سے خارج دالان اور کمروں میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد ثابت، منصور پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اسٹیشن اور بس اڈہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ، ثالثہ، رابعہ کرنا بلا کراہت جائز ہے، اگرچہ ان مسجدوں میں آجکل باقاعدہ امام ومؤذن متعین ہو چکے ہوں جیسا کہ سہارنپور، دیوبند، مظفر نگر، میرٹھ اور مرادآباد کے اسٹیشن پر مسجدیں بنی ہوئی ہیں اور یہ مسجدیں آنے جانے والے مسافروں ہی کیلئے تعمیر کی گئی ہیں، اور یہ مسجدیں مسلمانوں کے محلّہ میں نہیں ہیں، بلکہ ہر آنے اور جانے والے مسافروں کی نماز کے لئے یہ مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں، لہذا ہر آنے اور جانے والے لوگوں کیلئے ان مسجدوں میں اپنی اپنی الگ جماعت کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہوگا، ہاں البتہ امام ومؤذن کے ساتھ جو جماعت ہوتی ہے، اس کے لئے اذان دی جائے اس کے علاوہ بقیہ جماعتوں کیلئے اذان نہ دی جائے گی، یہ ایسا ہے جیسا کہ محلّہ کی مسجد میں باہر سے آنیوالے مسافر جن کو محلّہ کی متعین جماعت کیساتھ نماز پڑھ کر جانا ہے ان کا اصل جماعت سے پہلے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر جانا سب کے نزدیک جائز ہے، اور اس کے بعد محلّہ کے لوگوں کی باضابطہ جماعت ہوتی ہے، اور امداد الفتاویٰ ۱/۳۶۴، اور ۳۷۴، میں اسی طرح لکھا ہوا موجود ہے، نیز امداد الأحکام میں جو مسئلہ لکھا گیا ہے، اسمیں مسجد طریق کی وضاحت نہیں ہے اور یہاں زیر بحث مسئلہ بس اڈوں، ریلوے اسٹیشنوں اور راستوں کی مساجد سے متعلق ہے، ایسی مساجد میں اگرچہ امام ومؤذن متعین ہوں تکرار جماعت بلا کراہت جائز ہے، اور امداد الاحکام کے مرتب مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے یہ مسئلہ اعلاء السنن میں وضاحت کیساتھ لکھا ہے، جسمیں

جواز کی بات واضح طور پر موجود ہے، اور تکرار جماعت، جماعت ثانیہ وثالثہ وغیرہ کی کراہت کی اصل علت متعین جماعت میں قلت کا ہونا ہے، اور یہ علت محلوں کی مسجدوں میں پائی جاتی ہے، ان مساجد میں نہیں، ملاحظہ فرمائیں اعلاء السنن، مبسوط سرخسی، فتاویٰ شامی اور بدائع الصنائع کی عبارات:

رجل دخل مسجداً قد صلى أهله فيه يصلى بغير أذان وإقامة؛ لأن في تكرار الجماعة تقليلها بأن كل واحد لا يخاف فوت الجماعة، فيكون مكروها كذا في القطوف الدانية لشيخنا المحدث الجنجوهيؒ، وإنما اختصّت الكراهة بمسجد المحلة لانعدام علتها في مسجد الشارع والسوق ونحوهما، فإن الناس فيه سواء لا اختصاص له بفريق دون فريق وهذا هو مذهب أبي حنيفةؒ. (اعلاء السنن، كتاب الصلوٰة، باب كراهة تكرار الجماعة في المسجد المحلة، بيروت ٤/٢٦١)

إنا أمرنا بتكثير الجماعة وفي تكرار الجماعة في مسجد واحد تقليلها؛ لأن الناس إذا عرفوا أنه لا تفوتهم يؤخرون فيؤدّي إلى تقليل الجماعات، وبهذا فارق المسجد الذي علىٰ قارعة الطريق، لأنه ليس له قوم معلومون، فكل من حضر يصلّي فيه فاعادة الجماعة فيه مرةً بعد مرة، لاتؤدّي إلى تقليل الجماعات. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلوٰة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٣٥، ١٣٦)

يكرهُ تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلّي بهما فيه أولاً غير أهله أوأهله لكن بمخافتة الأذان ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجدطريق جاز إجماعاً. (شامی، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد كراچی ١/٣٩٥، زكريا ٢/٢٨٨)

وأما مسجد الشارع فالناس فيه سواء لا اختصاص لهٗ بفريق دون

فريق. (شامی ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة مطلب فی تكرار الجماعة فی المسجد كراچی ۱/۵۵۳، زكريا۲/۲۸۹)

وتقليل الجماعة مكروه بخلاف المساجد التی علی قوارع الطرق. (بدائع الصنائع ، كتاب الصلوٰة ، فصل فی بيان محل وجوب الأذان كراچی ۱/۱۵۳، بيروت ۱/۶۵۵، زكريا ۱/۳۸۰)

(۲) محلّہ کی مسجد میں اسی محلّہ کے لوگوں کے لئے ، یا اس مسجد میں اکثر وبیشتر آ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لئے جماعت ثانیہ مطلقاً مکروہ تحریمی ہے ، اسی طرح روزمرہ کے نمازیوں کے لئے حدود مسجد سے خارج دالان اور کمروں وغیرہ میں بھی جماعت ثانیہ کرنا اسی طرح مکروہ ہے ، جس طرح حدود مسجد میں جماعت ثانیہ کرنے میں ہوتا ہے؛ اس لئے کہ روز مرہ کے نمازیوں کا جماعت ثانیہ کرنا چاہے احاطۂ مسجد کے کمروں میں کیوں نہ ہو ، اصل جماعت میں قلت اور کمی کا باعث ہے ، اسی وجہ سے حضرت الاستاذ مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم ہند چھتہ مسجد کے دائیں بائیں کے دالانوں اور کمروں میں بھی طلبہ کے لئے جماعت ثانیہ کرنے کو منع فرماتے تھے۔

عن عبد الرحمن بن أبي بكره ، عن أبيه ، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحی المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا ، فذهب إلی منزله ، فجمع أهله ، ثم صلی بهم . (المعجم الأوسط دارالفكر ۵/۱۳۲، رقم: ۶۸۲۰، ۳/۲۸۴، رقم: ۴۶۰۱، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۴۵، رقم: ۲۱۷۷، وفيه رواه الطبرانی فی الكبير والأوسط ورجاله ثقات)

عن الحسن ، قال: كان أصحاب رسول الله ﷺ إذا دخلوا المسجد، وقد صلی فيه صلوا فرادیٰ. (المصنف لإبن أبی شيبه ، كتاب الصلاة، باب من قال يصلون فرادی و لا يجمعون مؤسسة علوم القرآن جديد۵/۵۵، رقم: ۷۱۸۸)

التكرار يؤدی إلی تقليل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم

تفوتهم الجماعة، فيستعجلون فتكثر الجماعة ، وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون ، فتقل الجماعة ، وتقليل الجماعة مكروه ، بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق، لأنها ليست لها أهل معروفون، فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدي إلى تقليل الجماعات وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله، لأنه لايؤدي إلى تقليل الجماعة، لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذٍ.

(بدائع الصنائع ، كتاب الصلوٰة ، فصل في بيان محل وجوب الاذان، كراچی ١/١٥٣، بيروت ١/٦٥٥، زكريا ١/٣٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۱۴ھ

ایسی مسجد جس میں تکرار جماعت جائز ہے

سوال [۲۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تکرار جماعت کے متعلق فقہ کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ ایسی مسجد میں دوبارہ جماعت قائم کی جاسکتی ہے جن کا کوئی امام ومؤذن متعین نہ ہو، عام طور پر تو مسجد کا امام ومؤذن متعین ہی ہوتا ہے، لہٰذا اس مسجد سے کونسی مسجد مراد ہے جسمیں تکرار جماعت کر سکتے ہیں۔

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: ایسی مسجد میں جماعت کا تکرار جائز ہے، جو شاہ راہ عام پر قائم ہو اور جوق در جوق لوگ آتے رہتے ہوں اور جماعت ہوتی رہتی ہو اور ایسی مسجد دو قسموں پر ہے۔ (۱) وہ مسجد جسمیں کوئی امام مقرر نہیں ہوتا ہے آنیوالے اپنی اپنی نماز پڑھکر چلے جایا کرتے ہیں۔ (۲) وہ مسجد جس میں امام تو مقرر رہتا ہے، لیکن آنیوالے لوگ اس امام

کے پیچھے نماز کا اہتمام نہیں کرسکتے تو ان کے لئے امام کی نماز سے پہلے ہی نماز پڑھکر جانے کی اجازت ہے، اور امام کی نماز کے بعد بھی الگ سے جماعت کرنیکی اجازت ہے لیکن امام کے مصلی سے ہٹ کر آنیوالوں کے امام کا کھڑا ہونا بہتر ہے، نیز محلّہ کی مسجد جس میں امام ومؤذن متعین ہیں، اس میں محلّہ کے لوگوں کے لئے جماعت ثانیہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، نیز مسجد کے احاطہ میں حدود مسجد سے باہر دالان یا کمرے میں بھی جماعت ثانیہ قائم کرنا مکروہ ہے، ہاں البتہ اس محلّہ کے علاوہ دوسری جگہوں سے آنے والے لوگوں کیلئے امام کے مصلے سے ہٹ کر جماعت ثانیہ کرنا بلا کراہت جائز ہے، اسلئے کہ آنے والے لوگوں کی جماعت ثانیہ کی وجہ سے اصل جماعت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

وإن كان مسجداً ليس له أهل معلوم بأن كان على شوارع الطريق لا يكره تكرار الأذان والإقامة فيه . (بدائع ، كتاب الصلوٰة ، فصل فى بيان محل الأذان كراچى ١/١٥٣، بيروت ١/٦٥٤، زكريا ١/٣٧٩)

ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة ، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة وإذا علموا أنها لاتفوتهم يتأخرون ، فتقل الجماعة ، وتقليل الجماعة مكروه ، بخلاف المساجد التى على قوارع الطرق لأنها ليست لها أهل معرفون فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى ، لا يؤدى إلى تقليل الجماعات ، وبخلاف ماإذا صلىٰ فيه غير أهله لأنه لا يؤدي إلى تقليل الجماعة لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذٍ . (بدائع الصنائع كتاب الصلاة ، فصل فى بيان محل وجوب الأذان بيروت ١/٦٥٥، بدائع الصنائع زكريا١/٣٨٠، كوئٹه ١/١٥٣،كراچى ١/١٥٣، المبسوط للسرخسى ، كتاب الصلوٰة ، باب الأذان ، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٣٥، ١٣٦، اعلاء السنن ،كتاب الصلوٰة ، باب كراهة تكرار الجماعة فى مسجد المحلة بيروت٤/٢٦١)

وإن كان المسجد على قارعة الطريق ، وليس فيه قوم معينون فلا بأس بتكرار الجماعة . (الفتاویٰ التاتار خانيه ، كتاب الصلاة ، الفصل الثانی في المتفرقات، زكريا۲/۱٥٦ ، رقم: ۲۰۱۳)

وإن كان المسجد على قارعة الطريق ، وليس فيه قوم معينون ، فلا بأس بتكرار الجماعة فيه؛لأن تكرار الجماعة في هذا الفصل لا يؤدي إلى تقليل الجماعة . (المحيط البرهاني ، كتاب الصلاة ، الفصل الثاني فی الفرائض المجلس العلمی جديد ۲/۱۰۳ ، رقم: ۱۳۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۸؍محرم الحرام ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸٦۸۴)

مسافر کا محلّہ کی مسجد میں متعینہ جماعت سے قبل اپنی جماعت کرنا

سوال [۲۰۷٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی محلّہ کی مسجد میں متعینہ جماعت سے پہلے مسافر حضرات اپنے سفر کے تقاضہ کی وجہ سے جماعت کرنا چاہیں اور مسجد کے دائیں بائیں کوئی خارج مسجد جگہ نہ ہو تو کیا مسجد ہی میں اقامت کے ساتھ اندر یا باہر کے حصہ میں جماعت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبد الرشید، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ صورت میں مسافرین جماعت کے وقت مقررہ سے پہلے محراب سے ہٹ کر اندر یا باہر کے حصہ میں اقامت کے ساتھ جماعت کر سکتے ہیں، اس سے مسجد کی اصل جماعت پر فرق نہیں پڑتا ہے ۔

قال في المنبع ...... وبالأذان الثاني احتراز عما إذا صلى في مسجد المحلة جماعة بغير أذان حيث يباح إجماعاً . . . . . .يكره تكرار الجماعة

فـي مسـجـد مـحـلة بأذان وإقامة إلا إذا صلى بهمافيه أو لاً غير أهله أو أهله لكن بمخافتة الأذان. (شامی کتاب الصلوٰۃ ، باب الإمامة ، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد زکریا۲/۲۸۸، کراچی ۱/۵۵۲)

هـذا وقـدمنا فی باب الأذان عن آخر شرح المنية عن أبي يوسفؒ أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولیٰ لا تكره ، وهو الصحيح ، وبالعدول عـن المحراب تختلف الهيئة كذا فی البزازية ، انتهیٰ، وفی التاتارخانية عن الولوالجية: وبه نأخذ. (شامی کتاب الصلوٰۃ ، باب الإمامة مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد زکریا۲/۲۸۹، کراچی ۱/۵۵۲)

وروى عـن مـحـمد رحمه الله أنه لم ير بالتكرار بأساً إذا صلوا في زاوية الـمسـجـد عـلـى سبيـل الخفية .... .وفی الولوالجية ولم يقم مقام الأول وبه نـأخـذ..... .وإن كـان المسجد على قارعة الطريق وليس فيه قوم معينون فلا بأس بتكرار الجماعة . (الفتاویٰ التاتارخانیه، کتاب الصلوٰۃ ، الفصل الثانی المتفرقات ۲/۱۵۵، ۱۵٦، رقم: ۲۰۱۲، ۲۰۱۳، المحيط البرهاني ، کتاب الصلوٰۃ ، الفصل الثاني فی الفرائض ، المجلس العلمي جديد۲/۱۰۲، ۱۰۳، رقم: ۱۳۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۷۸)	۱۴۳۴/۲/۲۴ھ

بازار کی مسجد میں متعدد جماعت کرنا

سـوال [۲۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بازار میں ایک مسجد ہے جس میں بازار کے دن نمازیوں کی بہت تعداد ہو جاتی ہے، ایک جماعت میں سب حضرات کی شرکت ممکن نہیں ہوتی بلکہ متعدد جماعتوں کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا ایسی صورت میں متعدد جماعت کرنے کی گنجائش ہے نیز واضح رہے کہ اس مسجد کے امام اور

مؤذن وغیرہ سب متعین ہیں اس مسجد میں نماز کا مدار بازار والوں پر ہے اور آس پاس وہاں کوئی مکان نہیں ہے، اگر بازار بند ہو جائے تو مسجد سنسان ہو جاتی ہے، وہاں پر ہفتہ میں صرف دو دن بازار لگتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت ثانیہ یا متعدد بار ایک مسجد میں جماعت کرنے کے ممانعت کی علت تقلیل جماعت ہے، یعنی جب سب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ متعدد بار جماعت کی جاسکتی ہے تو وقت مقررہ پر پہونچنے کی کوشش نہیں کریں گے جس کی بناء پر مقتدیوں کی تعداد کم ہوگی، جبکہ شریعت نے ہمیں تکثیر جماعت کا حکم دیا ہے، لہٰذا تقلیل جماعت کے سبب جماعت ثانیہ سے روکا گیا ہے، لیکن بازار کی مسجد میں چوں کہ مصلیان دیگر محلوں کے ہوتے ہیں اور ایک وقت میں سب کا مسجد میں سمانا بھی مشکل ہے تو تقلیل جماعت کا سبب نہ ہونے کی وجہ سے بازار کے دونوں دنوں میں حسب ضرورت دوبارسہ بار جماعت کرنے کی گنجائش ہے عبارت ملاحظہ فرمایئے:

إنا أمرنا بتكثير الجماعة وفي تكرار الجماعة في مسجد واحد تقليلها؛ لأن الناس إذا عرفوا أنهم تفوتهم الجماعة يعجلون للحضور، فتكثر الجماعة، وإذا علموا أنه لا تفوتهم يؤخرون فيؤدي إلى تقليل الجماعات. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٣٥، وهكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل وجوب الأذان كراچی ١/١٥٣، زكريا ١/٣٧٩، ٣٨٠، بيروت ١/٦٥٥، ٦٥٦، منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب الأذان كوئٹه ١/٢٥٩، زكريا ١/٤٥١، الموسوعة الفقهيه ١٢/٢٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۲۳ھ

کن صورتوں میں جماعت ثانیہ جائز اور کن صورتوں میں ممنوع

سوال [۲۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ مسجد میں جماعت ثانیہ مکروہ ہے یا نا جائز ؟ اگر نا جائز ہے تو کیا نماز ثانی جماعت ثانیہ کرنے سے ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتي: محمد یامین، خداوندپور، بیگوسرائے، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : مسجد کے اندر تکرار جماعت کا حکم مختلف ہے ہر صورت کا حکم الگ الگ درج ہے۔

(۱) مسجد طریق ہو جس کے نمازی معین نہ ہوں۔

(۲) امام ومؤذن معین نہ ہوں۔

(۳) مسجد محلّہ میں اہل محلّہ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کی ہو۔

(۴) مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان جماعت کی ہو ان تمام صورتوں میں جماعت ثانیہ بالاِ جماع جائز ہے۔

(۵) مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے اعلان اذان سے جماعت کی ہو اور تکرار جماعت بھی بالا تفاق اذان سے ہو، تکرار جماعت بلا اذان ہو اور جماعت ثانیہ ہیئت اولیٰ ہی پر ہو یہ دونوں صورتیں مکروہ ہیں، اہل محلّہ نے محراب سے عدول کر کے جماعت ثانیہ کی ہو تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے، اور یہی مفتی بہ قول ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/۳۲۲، ۳/۳۲۶)

عن عبد الرحمن بن أبي بكره ، عن أبيه ، أن رسول الله ﷺ أقبل من بعض نواحي المدينة يريد الصلاة ، فوجد الناس ، قد صلوا، فذهب إلى منزله، فجمع أهله ، ثم صلى بهم .(المعجم الأوسط دارالفكر ۱۳۲/۵، رقم: ۶۸۲۰، ۲۸۴/۳، رقم: ۴۶۰۱، مجمع الزوائد ، دارالكتب العلمية بيروت ۴۵/۲،

رقم: ۲۱۷۷، وفيه رواه الطبرانی فی الکبير والأوسط ورجاله ثقات)

ويكره تكرار الجماعة، بأذان وإقامة فی مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن (تحته في الشاميه) ويكره أي تحريماً..... يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة، إلا إذا صلى بهما فيه أولا غير أهله أو أهله لكن بمخافتة الأذان، ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعاً، كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن ويصلي الناس فيه فوجاً فوجاً –إلى– إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولىٰ لا تكره، وإلا تكره، وهوالصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا فی البزازية انتهى وفي التاتارخانية عن الولوالجية وبه نأخذ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب في تكرار الجماعة فی المسجد، زكريا۲/۲۸۸، ۲۸۹، کراچی ۱/۵۵۲، ۵۵۳، التفاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثانی فی المتفرقات۲/۱۵۵، ۱۵٦، رقم: ۲۰۱۲، ۲۰۱۳، ۲۰۱٤، المحيط البرهاني كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض المجلس العلمی جديد۲/۱۰۲، ۱۰۳، رقم: ۱۳۱٤، ۱۳۱٥، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فی بيان محل وجوب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ۱/٦٥٥، ٦٥٦، زكريا ۱/۳۷۹، ۳۸۰، کراچی ۱/۱۵۳، المبسوط، كتاب الصلاة، باب الأذان، دارالكتب العلميه بيروت ۱/۱۳٥، ۱۳٦، منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب الأذان، کوئٹه ۱/۲۵۹، زكريا۱/٤٥۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۸۱)

جماعت ثانیہ کہاں جائز اور کہاں مکروہ ہے

سوال [۲۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک مسجد میں

دوبارہ جماعت کرنا کیسا ہے، اس مسئلہ کو واضح کر کے مفصل جواب دیں، اگر جماعت کرنا درست ہے تو اسمیں ائمہ کا کیا اختلاف ہے؟

(۲) اگر مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہیں تو کیا مسئلہ ہے اورامام ومؤذن مقرر نہ ہوں تو کیا مسئلہ ہے اختلافی مسئلہ ہو تو پوری وضاحت سے جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل عنایت فرمائیں۔

المستفتي: محمد جیلانی، بگھیلا گھاٹ، دربھنگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہیئت اولیٰ کے ساتھ مقامی لوگوں کا محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور ہیئت اولیٰ کی تبدیلی کیساتھ مثلاً محراب سے ہٹ کر کسی کنارے پر جماعت ثانیہ کی جائے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، اور طرفین کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۷/ ۱۱۹، جدید ڈابھیل ٦/ ۴۳۵،فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۲٦،جدید زکریا ۴/ ۱۳۴)

یکرہ تکرار الجماعة فی مسجد محلة بأذان وإقامة الخ . (شامی کتاب الصلاۃ ، باب الإمامة ، مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد کراچی ۱/ ۵۵۲، زکریا۲/ ۲۸۸)

(۲) اگر امام ومؤذن مقرر ہیں یا محلّہ کا مخصوص شخص نماز پڑھایا کرتا ہے، تو مکروہ ہے اور اگر امام ومؤذن مقرر نہیں ہیں یا محلّہ کی مسجد نہیں ہے، راستہ اور اسٹیشن کی مسجد ہے یا محلّہ ہی کی مسجد ہے لیکن جماعت ثانیہ کرنے والے مسافر ہیں تو ان تمام صورتوں میں بلا کراہت جائز ہے۔

ولو کرر أهله بدونهما أو کان مسجد طریق جاز إجماعاً ، کما فی مسجد لیس لہٗ إمام ولا مؤذن ویصلی الناس فیه فوجاً فوجاً الخ. (شامی ، کتاب الصلاۃ ، باب الإمامة ، مطلب في تکرار الجماعة في المسجد کراچی ۱/ ۵۵۳، زکریا۲/ ۲۲۸، وهکذا فی التاتارخانیه ،کتاب الصلاۃ ، الفصل الثانی فی المتفرقات

زکریا۲/۱۵٦، رقم: ۲۰۱۳، ۲۰۱٤، المحیط البرهاني کتاب الصلاة، الفصل الثانی في الفرائض المجلس العلمی جدید۲/۱۰۳، رقم: ۱۳۱٤، حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة کوئٹه۱/۲٤۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۴/۱۴۱۳ھ

چار صورتوں میں جماعت ثانیہ جائز ہے

سوال [۲۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر مسجد میں جماعت اولیٰ ہو چکی ہو تو جماعت ثانیہ کس صورت میں ادا کی جائے گی جو احاطۂ مسجد میں ہی ادا کر سکیں اور ایک امام مسجد اندورن احاطہ مسجد جہاں امام کے نماز پڑھانے کی جگہ مقرر ہے جماعت ثانیہ کو اسی مقام پر پڑھتا ہے، جس سے جماعت اولیٰ اور جماعت ثانیہ میں کوئی فرق نہیں رہتا تو کیا امام مسجد کا یہ عمل شرعاً جائز ہے؟

المستفتي: ابرار حسین، کاتب قانون گویان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چار صورتوں میں تکرار جماعت بالاجماع جائز ہے۔

(۱) مسجد طریق ہو جسکے نمازی معین نہ ہوں۔

(۲) اس مسجد میں امام ومؤذن معین نہ ہوں۔

(۳) مسجد محلّہ میں غیر اہل محلّہ نے جماعت کی ہو۔

(۴) مسجد محلّہ میں بلا اعلان اذان یا بلا اذان جماعت کی ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا۳/۳۲۲)

(۲) اس میں دو صورتیں بالاجماع فقہائے احناف مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔

(۱) مسجد محلّہ نے اہل محلّہ کے اعلان اذان سے جماعت کی ہو اور تکرار جماعت بھی

اذان سے ہو۔

(۲) جماعت ثانیہ بلا اذان ہو اور جماعت ہیئت اولیٰ پر محراب ہی میں ہو۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا۳/۳۲۲)

اور ایک صورت مکروہ تنزیہی ہے کہ بلا اذان محراب سے ہٹ کر ہیئت اولیٰ کے خلاف جماعت ثانیہ کی جاوے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/۳۲۲ تا ۳۲۶ ،فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۳۵۴، جدید زکریا/۳۳۶)

ويكره تكرار الجماعة ، بأذان وإقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولا مؤذن (تحته في الشامية) يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة ، إلا إذا صلى بهما فيه أولا غير أهله أو أهله لكن بمخافتة الأذان ، ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جاز إجماعاً ، كما في مسجد ليس له إمام ولا مؤذن، ويصلى الناس فيه فوجاً فوجاً –إلى– إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولىٰ لا تكره ، وإلا تكره ، وهو الصحيح ، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة ، كذا فى البزازية. (شامي ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة مطلب في تكرار الجماعة فى المسجد زكريا ٢/٢٨٨، ٢٨٩، كراچى ١/٥٥٢، ٥٥٣، هكذا فى بدائع الصنائع ، كتاب الصلاة ، فصل فى بيان محل وجوب الأذان ، دارالكتب العلمية بيروت ١/٦٥٥، ٦٥٦، زكريا ١/٣٧٩، ٣٨٠، كراچى ١/١٥٣، المبسوط للسرخسى، كتاب الصلاة ، باب الأذان دارالكتب العلميه بيروت ١/١٣٥، ١٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۸۲)

بارش کی وجہ سے ایک ہی مسجد میں متعدد بار نماز جمعہ یا نماز عید ادا کرنا

سوال [۲۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین یا جمعہ کے

وقت بارش ہونے پر لوگوں کی بھیڑ ہوتو مسجد میں ایک بار جماعت سے نماز ہونے پر دوبارہ اسی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتي: مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم، کرن کھیرا کولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عیدین یا جمعہ کے وقت بارش ہونے پر اگر لوگوں کی بھیڑ ہو اور مسجد تنگ پڑ جائے تو اگر کوئی دوسری ایسی مسجد ہو جس میں جمعہ نہیں ہوتا ہے، تو اس میں بھی جمعہ کرلیا جائے یا کسی کا بڑا گھر بڑا ہال ہو تو اس میں بھی جمعہ یا عیدین پڑھ سکتے ہیں، لیکن اگر کوئی دوسری ایسی جگہ نہیں ہے جہاں پر بقیہ لوگوں کا جمعہ یا عیدین ادا کرنا آسان ہو تو ایسی مجبوری اور عذر کی وجہ سے جمعہ اور عیدین کیلئے جماعت ثانیہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ جماعت ثانیہ کی ممانعت کی علت تقلیل جماعت ہے اور یہاں یہ علت موجود نہیں ہے۔

لأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة، فيستعجلون فتكثر الجماعة وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل وجوب الأذان زكريا ١/ ٣٨٠، كراچی ١/١٥٣، بيروت ١/٦٥٥، المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الأذان، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٣٥، ١٣٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ٢٣٠، ٢٧/ ١٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۱ھ

(۸) باب الإمامة

(۱) فصل: فی أوصاف الإمام

شریعت اسلامی میں امام کا مرتبہ

سوال [۲۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر مسجد میں پیش امام ہے، اور مسجد کے اندر ہی بنے مدرسہ میں مدرس ہے اور اسی مدرسہ میں رہتا ہے، نماز پڑھانے عین وقت پر اور کئی دفعہ وقت مقررہ سے ایک یا دو منٹ بعد مصلے پر آتا ہے، کبھی کبھی نماز فجر میں اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ غلطی ہو جانے پر نماز دہرانے تک کا وقت کم رہ جاتا ہے۔

جمعہ کے دن ہمارے یہاں پینٹھ (بازار) لگتی ہے اور شام کو کئی وجہ سے نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے گذرے جمعہ کو مغرب میں نمازی کافی تھے، مگر مسجد کے صحن میں آگے کافی جگہ چھوڑ کر برآمدے سے کئی صف پیچھے صفیں بچھائی گئیں جو جوتے اتارنے کی جگہ تک پہونچ گئیں، (مسجد کے برآمدے میں کافی پنکھے لگے ہیں، اور بجلی بھی آرہی تھی) نتیجۃً جماعت ہونے پر لوگوں کو جماعت میں شریک ہونے میں دقت ہوگئی، نماز ختم ہونے پر نمازیوں نے اعتراض کیا کہ اتنی جگہ ہوتے ہوئے نمازیوں کو جوتیوں میں دھکیل دیا گیا ہے اور ایسا کئی بار ہوا ہے جسکے لئے امام صاحب کو کئی بار کہا گیا ہے، اور کئی بار ہنگامہ ہوا ہے، مگر امام صاحب نے کبھی دھیان نہیں دیا زید بھی امام سے دو صف پیچھے بیٹھا ہوا تھا جو مسجد کے ذمہ دار آدمیوں میں سے ہے، زید نے کہا امام صاحب اکثر عین وقت پر یا ایک دو منٹ بعد مصلے پر آتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ آج کون سا دن ہے اور کتنے نمازی بڑھیں گے، اور نماز پڑھانے کو کھڑے ہو جاتے ہیں، امام صاحب کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نماز سے پانچ منٹ پہلے آئیں اور صفوں وغیرہ کا دھیان کریں اور صفیں قاعدے سے بچھوائیں اور

اسی بات پر کئی بار ہنگامہ ہو چکا ہے، اس پر امام صاحب نے طیش میں اٹھ کر اپنے نیچے کا مصلی اٹھا کر زید کے منھ پر ماردیا اور کہا کہ اب تم نماز پڑھانا زید نے کہا اگر آپ نماز نہیں پڑھائیں گے تو کوئی اور نماز پڑھائے گا، اس مسئلہ میں علماء کرام کیا فرماتے ہیں کہ جس امام نے مصلی پھینک کر زید کے منھ پر ماردیا ہو اور کہا ہو کہ اب تم نماز پڑھانا، زید امام صاحب سے دوصف پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔

(۱) کیا ایسا کرنے پر مصلیٰ کی توہین نہیں ہوئی اور آداب مسجد کی توہین نہیں ہوئی، اور اگر مصلیٰ اور مسجد کی توہین نہیں ہوئی تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، اور اگر جائز ہے تو کن حالات میں جواب باصواب عنایت فرمائیں۔

(۲) کیا زید کیلئے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، اگر جائز ہے تو کن حالات میں جائز ہے، جواب باصواب عنایت فرمائیں۔

المستفتي: صغیر احمد، بازار گنج، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کبھی کبھار وقت سے ایک دو منٹ تاخیر کر کے آئے تو یہ شرعاً قابل اعتراض اور ناجائز عمل نہیں ہے، جسکی وجہ سے آپس میں فتنہ وفساد برپا کیا جائے اور ایسی تاخیر کو درگذر کرنا چاہئے نیز اگر اس طرح معمولی تاخیر سے لوگوں میں انتشار کا خطرہ ہے تو امام کا ادب واحترام اور اعلیٰ مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بطور درخواست اور یاددہانی کے امام کو آگاہ کرنا چاہئے، اور اتنی بات کرنے کیلئے امام کے سامنے آمرانہ اور حاکمانہ انداز اختیار کرنا اور اسی انداز سے گفتگو کرنا شرعاً درست نہیں ہے، شریعت اسلامی میں امام کا بہت بڑا درجہ ہے، اسلئے اس کا لحاظ رکھنا ہر مسلمان پر لازم ہے، اور جمعہ کے روز جب مجمع کثیر ہوتا ہے تو امام صاحب کو از خود اس کا خیال رکھنا چاہئے، اور اگر امام کو خیال نہ رہے تو بہت ادب اور مہذب انداز سے یاددہانی کرانی چاہئے کوئی تشدد اور سخت جملہ زبان سے نہ نکالنا چاہئے، اور سوالنامہ کی عبارت

میں نمازیوں کو جوتیوں میں دھکیل دیا گیا یہ نہیں دیکھتے کہ آج کون سا دن ہے اور کتنے نمازی بڑھیں گے اور نماز پڑھانے کو کھڑے ہو جاتے ہیں یہ الفاظ سخت غیر مہذب اور بے ادبی اور حاکمانہ اور گستاخانہ ہیں اور ایسے الفاظ سے نااہل جاہل کو بھی تکلیف اور غصہ آ سکتا ہے، اور امام کا درجہ تو شریعت میں بہت اونچا ہے تو ایسے الفاظ سے امام کو بھی ضرور تکلیف اور ایذاء پہونچ سکتی ہے، اور امام کو شرعاً ۵؍منٹ قبل آنا لازم نہیں ہے، اور نہ ہی یہ امام کی ذمہ داری ہے بلکہ وقت پر آنا لازم ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر شروع ہوتے وقت مصلیٰ پر تشریف لایا کرتے تھے اور کبھی تکبیر شروع ہونے کے بعد تشریف لایا کرتے تھے، اس لئے امام پر بے جا سختی نہیں کرنی چاہئے۔

أقيمت الصلوٰة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم ، الحديث. (مسلم شريف ، كتاب الصلوٰة ، باب متى يقوم الناس للصلوٰة، النخسة الهنديه ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار رقم: ۶۰۵)

اور زید کی گفتگو پر امام صاحب کا زید کے منھ پر مصلیٰ پھینک کر مارنا مذکورہ طرز گفتگو کی بناء پر ہے اسلئے طرز عمل زید اور امام صاحب دونوں کا غیر مہذب ہے اس لئے اس واقعہ میں دونوں غلطی پر ہیں ، اور کسی ایک کو خاص کر کے مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا ہے اور ایسی صورت میں امام صاحب کو تنہا ظالم یا فاسق نہیں قرار دیا جا سکتا اور ایسے امام کے پیچھے نماز میں کوئی خرابی نہ ہوگی اور اس واقعہ کا حل صرف یہ ہے کہ آپس میں معافی تلافی کر لیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۱۴ھ

امام کیسا ہونا چاہئے؟

سوال [۲۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی پنجوقتہ نماز

پڑھانے والا امام اس طرح نماز پڑھاتا ہو۔
(۱) تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی سمت نہ کرے۔
(۲) جب نیت باندھے تو ہاتھوں کو ناف سے خوب اوپر رکھے دائیں ہاتھ کی تینوں انگلیوں کو کلائی پر نہ رکھے بلکہ لٹکا کر رکھے۔
(۳) تلاوت کرتا ہو تو لحن جلی کے ساتھ کرتا ہو، تبدیلی حرف باحرف کرتا ہو، حرکات وسکنات میں غلطی کرتا ہو، نون مشدد ومیم مشدد پر غنہ نہ کرتا ہو، ادغام شفوی، اخفاء شفوی اور اقلاب واخفاء کا غنہ نہ کرتا ہو۔ (قرأت نماز میں)
(۴) اللہ اکبر کی آواز رکوع اور سجدے میں مکمل پہونچنے کے بعد ختم کرتا ہو۔
(۵) سجدے میں جاتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین پر ٹیکتا ہو۔
(٦) قرأت مسنونہ سے ہٹ کر پڑھتا ہو۔ (اکثر و بیشتر)
(۷) منع کرنے کے باوجود بھی جو اپنی غلطیوں کو دور نہ کرتا ہو، تو ایسے شخص کا امام بننا کیسا ہے؟ جن مقتدیوں کو غلطیوں کا علم ہے انکے لئے بھی کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی قرآن شریف وحدیث پاک کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتي: محمد شاہد، باڑہ ہندوراؤ، دہلی ۱۱۰۰۰٦

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امام کا متبع شریعت اور نماز کے ضروری مسائل سے واقف کار ہونا لازم ہے، اور سوالنامہ میں جن امور کا ذکر ہے ان میں نماز کے آداب اور مستحبات کے خلاف عمل کا ذکر ہے، ایسی صورت میں نماز درست ہوجاتی ہے واجب الاعادہ نہیں ہے؛ لیکن مستحب طریقہ سے نماز نہیں ہو پاتی ہے، اس لئے امام صاحب کو مذکورہ امور کے متعلق توجہ دلانا چاہئے، اور امام صاحب کو مان لینا چاہئے، اب رہی امام صاحب کو امامت پر باقی رکھنے یا معزول کرنے کی بات تو اس سلسلہ میں انتظامیہ کو اختیار ہے کہ مسجد کی کمیٹی امام کو توجہ دلادے ضد کرنے کی صورت میں مسجد کی کمیٹی ان کو معزول کرسکتی ہے۔

عن أبي مسعود الأنصاري رضؓ **قال: قال رسول الله** ﷺ **: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله ، فإن كانوا في القراء ة سواء ، فأعلمهم بالسنة.** (صحيح مسلم ، المساجد ، باب من أحق بالإمامة ، النسخة الهندية ١/٢٣٦ ، بيت الأفكار رقم: ٦٧٣ ، سنن الترمذی ، الصلاة ، باب من أحق بالإمامة النسخة الهندية ١/٥٥ ، دارالسلام رقم: ٢٣٥)

والأحق بالإمامة .... الأعلم بأحكام الصلاة فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة ، ثم الأحسن تلاوة وتجويدا للقراء ة ثم الأورع ، ومعنى الحسن فى التلاوة أن يكون عالما بكيفية الحروف والوقوف وما يتعلق بها. (درمختار مع الشامی ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة، زكريا ٢/٢٩٤ ، كراچی ١/٥٥٧ ، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة ، فصل في بيان الأحق بالإمامة ، دارالكتاب ديوبند ١/٣٠٠ ، البنايه ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة اشرفيه ديوبند ٢/٣٢٩ ، شرح النقايه ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة اعزازيه ديوبند ١/٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۸۰/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

امامت کا زیادہ حق دار کون ہے؟

سوال [۲۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں نمازیوں میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ دو امام ہیں اور دونوں اچھی تعلیم یافتہ ہیں، اور دونوں قابلِ اعتبار ہیں، مگر ان میں سے ایک اعلیٰ برادری کے ہیں، اور ایک ادنیٰ برادری کے ہیں، اب ان میں سے کچھ لوگ اعلیٰ برادری والے کو امام بنانا چاہتے ہیں، اور کچھ لوگ ادنیٰ برادری والے کو امام بنانا چاہتے ہیں، تو ایسی صورت میں کس کو امام بنانا افضل ہے؟

المستفتي: مبارک علی، مہر کی پٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت میں اعلیٰ برادری اور ادنیٰ برادری کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ تقویٰ، پرہیز گاری اور علم دین کی حیثیت ہے، لہٰذا دینداری، تقویٰ، پرہیز گاری اور علم کے اعتبار سے جو اعلیٰ ہوگا وہ دوسروں کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ حقدار اور افضل ثابت ہوگا، لہٰذا دونوں میں سے جو علم اور تقویٰ میں فائق ہو اس کو امام بنالیا جائے، اگر دونوں اچھی تعلیم یافتہ ہیں قابل اعتبار ہیں تو دونوں میں سے جو تقویٰ اور عبادت میں آگے بڑھا ہوا ہو، اور قراءت بھی اس کی دوسرے سے اچھی ہو اس کو امام بنالیا جائے۔

إِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاكُمْ. (حجرات: ٢٦)

والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلوٰة ثم الأحسن تلاوة وتجويداً للقراءة ثم الأورع. (تنوير الابصار مع الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچي ١/٥٥٧، زكريا٢/٢٩٤)

عن أبي مسعود الأنصاريؓ قال: قال رسول الله ﷺ: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا فى القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة فإن كانوا فى السنة سواء فأقدمهم هجرة. (صحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/٢٣٦، بيت الأفكار رقم: ٦٧٣)

عن مرثد بن أبي مرثد الغندى، وكان بدريا، قال: قال رسول الله ﷺ: إن سركم أن تقبل صلاتكم، فليؤمكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٢٠/٣٢٨، رقم: ٧٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۲۹ھ

کیا اسلام میں امام کا اعلیٰ نسب والا ہونا مطلوب ہے؟

سوال [۲۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چندروز قبل حضرت مولانا محمد رفعت صاحب قاسمی مدرس مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی مکمل ومدلل مسائل نماز نظرنواز ہوئی یقیناً مولانا موصوف نے اس کتاب میں نماز کے متعلق سیکڑوں مسائل درج کئے ہیں جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے اشد لازمی سمجھتا ہوں، کتاب کے صفحہ نمبر ۷۰ پر مولانا فرماتے ہیں کہ امام اعلیٰ نسب والا ہو، میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) کیا اسلام میں ادنیٰ نسب اوراعلیٰ نسب کا تصور ہے؟

(۲) کون سانسب اعلیٰ ہےاورکون سا ادنیٰ؟

(۳) کیا رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے تعلق سے ایسی مثالیں شریعت مطہرہ میں موجود ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ امام کے لئے اعلیٰ نسب کوترجیح دی گئی ہو؟

(۴) کیا ادنیٰ نسب والوں کوامامت کا اختیار نہیں ہے؟

(۵) کیا ادنیٰ نسب والوں کو ذلت اور حقارت کی نظر سے دیکھنا، نیز ایسے لوگ جوادنیٰ نسب کو حقیر سمجھیں ان کیلئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: ناصر پرویز، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مولانا رفعت قاسمی نے اپنی کتاب میں فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۲۸ کی عبارت نقل کی ہے اور فتاویٰ رحیمیہ میں فقہ کی مشہور کتاب شرح النقایہ ۸۶/۱ کے حوالہ سے فتویٰ لکھا گیا ہے، اور شرح النقایہ میں مستدرک حاکم قدیم ۲/ ۲۴۶، جدید ۸۶۴/۵، رقم: ۴۹۸۱ کی ایک حدیث شریف ہے جس کے الفاظ "فلیؤمکم خیارکم" ہے، اور بیہقی قدیم ۳/ ۹۰، جدید ۴/ ۲۳۸، رقم: ۵۲۳۵ کی حدیث: "اجعلوا أئمتکم خیارکم" کا حوالہ ہے، فتاویٰ رحیمیہ میں شرح نقایہ سے حدیث کے الفاظ کو نقل

فرمایا ہے،اور'' أئمتکم خیارکم '' سے انھوں نے اپنی طرف سے اعلیٰ حسب والا اور نسبی شرافت کی قید لگائی ہے، اور مولانا رفعت قاسمی نے اپنی کتاب میں فتاویٰ رحیمیہ کی عبارت اعلیٰ حسب کے بجائے اعلی نسب نقل فرمایا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہو، بہرحال شرح النقایہ کی کسی عبارت میں نہ اعلیٰ نسب کی قید ہے، اور نہ ہی اعلی حسب کی اور نہ ہی نسبی شرافت کی قید ہے، بلکہ یہ قیودات ان حضرات کی طرف سے ہی ہیں اور شرح النقایہ فقہ کی مشہور کتاب میں صرف ''اجعلوا أئمتکم خیارکم '' اور'' فلیؤمکم خیارکم'' کے الفاظ ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم اپنے میں سے بہتر آدمی کو امام بناؤ، اور چاہئے کہ تم میں سے بہتر آدمی تمہارا امام بنے یہ حدیث کے الفاظ کا ترجمہ ہے، اور بہتر آدمی کون ہے، تو اس کے بارے میں قرآن کریم نے اعلان فرمایا ہے،'' إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم '' (سورہ حجرات، آیت:۱۳) بیشک تم میں سے سب سے بہتر اور مکرم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، لہذا امامت کی افضلیت میں اعلی نسب، اور نسبی شرافت کی قید سے ہم کو اتفاق نہیں ہے، اسلئے کہ حدیث وفقہ میں اس کی قید نہیں ہے شرح النقایہ کی مکمل عبارت اور حدیث شریف مع حوالہ کے ملاحظہ فرمائیں:

وأما في زماننا فقد یکون الرجل ماهرا بالقراءة ولا حظ له في معرفة الأحکام ، فالأعلم بالسنة أولیٰ إلا أن یطعن علیه في دینه لأن الناس یرغبون في الاقتداء به وقد ورد عن ابن عمر مرفوعاً اجعلو أئمتکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم ، رواه البیهقی ، بسندضعیف وفي روایة إن سرکم أن تقبل صلاتکم فلیؤمکم علماؤکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم ، رواه الطبرانی ، وفي روایة الحاکم فلیؤمکم خیارکم وسکت عنه .

(شرح النقایه ، کتاب الصلاة، باب القراءة في الصلاة ، اعزازیه دیو بند ١ / ٨٦)

حدیث کے لئے ملاحظہ فرمائیں: المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربی ٢٠ /٣٢٨، رقم: ٧٧٧، سنن الدارقطنی ، دارالکتب العلمیة بیروت ٢ /٧٤، رقم: ١٨٦٣،

١٨٦٥، المستدرك كتاب معرفة الصحابة قديم ٢٤٦/٢، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد٥/١٨٦٥، رقم:٤٩٨١، السنن الكبرىٰ للبيهقي ، باب اجعلوا أئمتكم خياركم ماجاء في إمامة ولد الزنا، دارالفكر جديد٤/٢٣٨، رقم:٥٢٣٥)

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۵ھ

حافظ اور عالم حافظ میں امامت کا حقدار کون ہے؟

سوال [۲۰۸٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب مقررہ نماز پڑھانے تشریف نہ لائیں، مصلیوں میں ایک حافظ صاحب اور ایک حافظ عالم مفتی بھی ہیں، تو نماز پڑھانے کا حق عالم حافظ مجود کو ہے یا حافظ صاحب کو ہے، اگر یہ حق عالم صاحب کا ہے تو ایسی نماز جو حافظ کے پیچھے پڑھی گئی ہے، جبکہ عالم موجود ہے اور وہ پڑھانا بھی چاہ رہا ہے تو مؤذن کا عالم کو چھوڑ کر حافظ کو آگے بڑھانا کیسا ہے اور یہ نماز جو حافظ کے پیچھے پڑھی گئی ہے کیا درجہ رکھتی ہے۔

المستفتي: عقیل احمد، فیروز آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حافظ عالم کی موجودگی میں نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار وہی ہے، لیکن عالم حافظ کے باوجود صرف حافظ کا نماز پڑھا دینا اور عالم صاحب کا ان کے پیچھے نماز پڑھ لینا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ولوقدموا غير الأولىٰ أساؤوا بلا أثم (تحته في الشامية) قال في التاتارخانية : ولو أن رجلين في الفقه والصلاح سواء إلا أن أحدهما أقرأ فقدم القوم الآخر فقد أساؤوا وتركوا السنة ، ولكن لا يأثمون لأنهم قدموا رجلاً صالحاً. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة ، كراچی ٥٥٩/١،

زکریا۲/ ۲۹۷، مستفاد فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۰۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۲ھ

افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو مستقل امام متعین کرنا

سوال [۲۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قراءۃ مفروضہ ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں ہیں اگر کوئی شخص اتنی مقدار قرأت کرنے پر قادر ہے اور بقیہ قرأت کرنے پر قادر نہیں ہے، تو کیا ایسے شخص کا امام بننا درست ہے، جبکہ قاری صاحب موجود ہوں، اور اگر بن گیا تو نماز صحیح ہوجائیگی یا نہیں، اگر نماز صحیح ہوجائے گی تو تحریر فرمائیں ۔جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: جمیل احمد قاسمی، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اتفاقی طور پر اگر ایسا شخص امام بن جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ مستقل طور پر ایسے شخص کو امام بنانا اور مستحق کو حق نہ دینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۴۱، جدید زکریا)

الأحق بالإمامة تقديماً بل نصبا الأعلم بأحكام الصلاة، (إلى قوله) فإن اختلفوا اعتبر أكثر هم ولو قدموا غير الأولىٰ أساء وا.

(شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ۱/ ۵۵۹، زکریا۲/ ۲۹٤،۲۹۷، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، الصلاة، فصل في بيان الأحق، باب الإمامة دارالکتاب دیوبند۱/ ۳۰۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۹۴/۲۶)

اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کی امامت

سوال [۲۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ شخص کیلئے شریعت کی رو سے امامت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کسی مستقل امام کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کا نماز پڑھانا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد مرشد الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امامت کا زیادہ حقدار قرأت اور علم کے اعتبار سے اعلیٰ شخص ہی ہے، لیکن اعلیٰ کے ہوتے ہوئے قرأت اور علم کے اعتبار سے ادنیٰ شخص کی امامت بھی بلا کراہت جائز اور درست ہے، اور اعلیٰ کو امام بنانا صرف افضلیت اور اولیت کے اعتبار سے ہے، جائز اور ناجائز ہونے کے اعتبار سے نہیں ہے۔

عن أبي مسعود الأنصاري رضی قال: قال رسول الله ﷺ: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة. (صحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ۱/۲۳٦، بيت الأفكار رقم: ٦٧٣، سنن الترمذی، الصلاة، باب من أحق بالإمامة النسخة الهندية ۱/۵۵، دارالسلام رقم: ۲۳۵)

والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تلاوة وتجويداً للقراءة ثم الأورع. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ۱/۵۵۷، زكريا ۲/۲۹٤)

مستقل امام کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے شخص کا امام بن کر نماز پڑھانا مکروہ ہے چاہے وہ دوسرا شخص علم وفضل کے اعتبار سے مستقل امام کے مقابلے میں زیادہ اعلیٰ اور افضل کیوں نہ ہو، ہاں البتہ مستقل امام بخوشی اجازت دیدے تو بلا کراہت نماز درست ہو جاتی ہے۔

عن أبي مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ.....ولا تؤم الرجل فی سلطانه ، ولا تقعد علی تکرمته إلا أن یأذن لک .(سنن النسائي ، کتاب الإمامة ، باب من أحق بالإمامة ، النسخة الهندیة ۱۷/۸۹، دارالسلام رقم:۷۸۱)

صاحب البیت والمسجد وإمام المسجد أحق بالإمامة من غیره وإن کان الغیر أفقه وأقرأ وأورع وأفضل منه إن شاء تقدم وإن شاء .... قدم من یریده .

(طحطاوی علی المراقي ، کتاب الصلوۃ ،فصل فی بیان الأحق بالإمامة ، دارالکتاب:۲۹۹)

وقال بعض أهل العلم إذا أذن له فلا بأس أن یصلی به. (بذل المجهود، الصلاة ، باب إمامة الزائر دارالبشائر الإسلامیه ٥/ ٤٨٠، مطبع میرٹھ قدیم۱/۲۳۲، سنن الترمذی ، الصلاة ، باب ماجاء فیمن زار قوماً فلا یصلی بهم، النسخة الهندیه۱/ ۸۱ تحته دارالسلام رقم: ٣٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۲۸)

امام ومؤذن کے فرائض وذمہ داریاں

سوال [۲۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کی کیا ذمہ داری ہے نیز مؤذن کے کیا فرائض ہیں، امام کیسا ہونا چاہئے، روشنی ڈالتے ہوئے امام کا مقتدیوں پر کیا حق ہے، جبکہ صورت حال بڑی خطرناک ہے، امام کیساتھ نوکر سا معاملہ رکھا جاتا ہے، امامت کو ایک ڈیوٹی کی حیثیت دی جاتی ہے۔

المستفتي: محمد ہارون، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام ومؤذن دونوں متبع شریعت ہونے چاہئیں اور امام کی ذمہ داری صرف نماز پڑھانے کی ہوتی ہے، اور مؤذن کی ذمہ داری

صرف اذان دینے کی ہوتی ہے، اور امام پر ایسی ذمہ داری کی شرط لگانا ممنوع ہے، جو اس منصب کے خلاف ہو، ہاں البتہ مؤذن پر شرط لگائی جائے اور مؤذن اس شرط پر راضی ہوتو اس سے وہ کام لینا درست ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۴۶، جدید زکریا ۳/ ۸۶، زکریا مطول ۴/ ۲۹۶)

كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالاً، أو أحل حراماً، والمسلمون علىٰ شروطهم، إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً. (سنن الترمذی، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله في الصلح بين الناس، النسخة الهندیه ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۲۰)

امام صاحب ومؤذن نماز سے کتنی دیر قبل مسجد میں آئیں

سوال [۲۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب کو اور مؤذن صاحب کو نماز سے کتنی دیر پہلے مسجد میں آکر بیٹھنا چاہئے؟

المستفتي: محمد محبوب، مغل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: موجودہ زمانے میں لوگوں کے حالات کے پیش نظر نماز کیلئے وقت کی تعیین کردی جاتی ہے، اور امام ومؤذن دونوں باتنخواہ ہوتے ہیں، اسلئے ان پر مقررہ وقت کی پابندی لازم ہے، ہاں اگر ان سے آنے میں کبھی تاخیر ہوجائے تو ان پر لعن طعن کرنے سے احتراز کیا جائے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۳۰۱، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۹۱، جدید ڈابھیل ۵/ ۳۲۴)

إذا كان في الوقت متسع فينبغي أن يزيل العارض أولاً ثم يشرع في الصلاة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/٦ھ

امام کا تکبیر سے قبل یا تکبیر ہوتے ہوئے مصلے پر بیٹھنا

سوال [۲۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب کا تکبیر ہوتے ہوئے یا تکبیر سے پہلے آ کر مصلے پر بیٹھنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد یونس، ملک ماپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امام صاحب کا اقامت کے وقت یا اقامت سے پہلے مصلے پر جا کر بیٹھ جانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ائمہ مجتہدین اور فقہاء میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ عمل حدیث وفقہ کے حکم کے خلاف ہے، حدیث میں آیا ہے، کہ جب تکبیر شروع ہوجائے تو امام صاحب کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ کھڑے ہوکر مقتدیوں کی صفیں درست کرائیں اسلئے امام صاحب کا یہ عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فقہاء اور امام ابوحنیفہؒ کے عمل کے خلاف ہے، اسلئے ایسا عمل امام صاحب کو ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔

عن سماك سمعت النعمان بن بشير قال: كان رسول الله ﷺ يسوى صفوفنا إذا قمنا للصلاة، فإذا استوينا كبر. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب تسوية الصفوف النسخة الهندية ۱/ ۹۷، دارالسلام رقم: ٦٦٥، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۱/ ۱۰۷، رقم: ۱۱۸)

عن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان يؤكل رجلا بإقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت . (ترمذی، الصلاة، باب ماجاء في اقامة الصفوف، النسخة الهندیه ١/ ٣١، دارالسلام رقم:٢٢٧)

روی عن علی وعثمان رضی الله عنهما أنهما كانا يتعاهد أن ذلك ويقولان استووا. (ترمذی شریف، الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندیه ١/ ٣١، دارالسلام رقم:٢٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

بوقت اقامت امام صاحب کا سیدھے مصلے پر جانا

سوال [۲۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جماعت سے پہلے امام صاحب کا صف میں آ کر تھوڑی دیر بیٹھنا ضروری ہے یا حجرہ سے آ کر سیدھے مصلے پر نماز پڑھانے چلے جانا چاہئے، اگر امام صاحب بغیر بیٹھے ہوئے نماز پڑھادیں تو کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمود علی، محمدی مسجد، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب نماز کا وقت ہوجائے تو امام صاحب کا صف میں آ کر بیٹھ جانا کہیں سے ثابت نہیں، جبکہ حضور اکرم ﷺ بھی نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ سیدھے مصلے پر تشریف لیجاتے تھے، اسلئے سیدھے مصلے پر پہونچ جانا ہی سنت کے مطابق ہوگا۔

أقيمت الصلوٰة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله ﷺ، فأتى رسول الله ﷺ حتى إذا قام في مصلاه قبل أن

يكبر الحديث . (مسلم شريف ، المساجد ، باب متى يقوم الناس للصلاة ، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠٥، سنن النسائي الصلاة ، إقامة الصفوف قبل خروج الإمام النسخة الهندية ١/ ٩٢، دارالسلام رقم: ٨٠٩، صحيح ابن خزيمه ، المكتب الإسلامی ٢/ ٧٨٤، رقم: ١٢٢٨)

عن أبي هريرة ؓ قال: أقيمت الصلاة، وعدلت الصفوف قياماً فخرج إلينا رسول الله ﷺ ، فلما قام في مصلاه ...... فكبر فصلينا معه . (صحيح البخاري الغسل ، باب إذا ذكر في المسجد أنه جنب ...... النسخة الهنديه ١/ ٤١، رقم: ٢٧٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦ رشعبان ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٤٢٥)

امام رکوع وسجود کی تسبیحات کے درجات میں سے کس پر عمل کرے

سوال [٢٠٩٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کے لئے رکوع وسجود میں کتنی بار تسبیح کہنا احسن ہے، کتب فقہ میں تسبیحات کے تین درجے بتلائیں گئے ہیں، (١) ادنیٰ (٢) اوسط (٣) اکمل، تو امام کون سے درجے پر عمل کرے اور یہ بھی مذکور ہے، کہ اگر قوم زیادتی پر راضی ہے تو امام زیادتی بھی کرسکتا ہے، اب اگر زیادتی کرے تو کتنی تسبیحات کے بقدر زیادتی کرسکتا ہے، وضاحت کے طور پر تحریر فرمائیں۔

المستفتي: علی احمد، محلّہ زنبہ عنایت خاں، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (١) أن ادنیٰ تسبيحات الركوع والسجود الثلث وإن الأوسط خمس مرات والأكمل سبع مرات **الخ**. (كبيری ، كتاب الصلوٰة ، الفرع الرابع الركوع ، جديد اشرفيه ديوبند/ ٢٨٢، قديم

رحیمیه دیوبند/۲۷۷، صغیری، مطبع مجتبائی دهلی /۱۵۳)

(۲) **والزیادة مستحبة بعد أن یختم علی وتر خمس أو سبع أو تسع مالم یکن إماماً فلا یطول، الخ**.(شامی ،کتاب الصلاة، باب صفة الصلوٰة، قبیل مطلب فی إطاعة الرکوع للجائی زکریا۲/۱۹۸، کراچی ۱/۴۹۴، مطبوعه کوئٹه ۱/۳۶۵)

ونقل فی الحلیة عن عبد الله بن المبارک واسحاق وإبراهیم والثوری أنه یستحب للإمام أن یسبح خمس تسبیحات لیدرک من خلفه الثلث، الخ. (شامی کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، مطلب فی إطاعة الرکوع للجائی زکریا۲/۱۹۹،کراچی ۱/۴۹۵، کوئٹه ۱/۳۶۶)

واعلم أن التطویل المکروه وهو الزیادة علیٰ قدر أدنیٰ السنة عند ملل القوم حتی أن رضوا بالزیادة لا یکره وکذا إذا ملوا من قدر أدنیٰ السنة، لا یکره الخ. (کبیری،کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، جدید اشرفیه دیوبند/۳۱۶، قدیم رحیمیه دیوبند/۳۰۸)

أما الإمام فلا یزید علی الثلاث إلا أن یرضی الجماعة الخ. (صغیری مطبع مجتبائی دهلی /۱۵۳)

عبارت ۱/اور۲/کا ماحصل یہ ہے کہ سنیت کا ادنیٰ درجہ تین ۳/مرتبہ ہے، اوسط ۵/ پانچ مرتبہ ہے اور اکمل ۷/سات مرتبہ ہے یا اس سے زائد ہے جبکہ طاق طریقے سے ہو، اور عبارت ۴/۵/کا ماحصل یہ ہے کہ امام سنیت کے ادنیٰ درجہ پر عمل کرے، اور اگر لوگ راضی ہوں تو اوسط درجہ اختیار کرسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/۳۷/۷)

امام کا دو تین منٹ تاخیر کر کے نماز پڑھانا

سوال [۲۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام کو وقت

مقررہ سے کسی مجبوری کی وجہ سے دوتین منٹ تاخیر ہوجائے نماز پڑھانے میں تو اس میں مقتدیوں کی جانب سے کچھ اعتراض ہوسکتا ہے یانہیں، یعنی مقتدی انتظار کریں گے یانہیں؟ اورمقتدی امام پر تقاضہ کرسکتے یانہیں؟

المستفتي: محمدعرفان، دانشمندان، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگروقت میں وسعت ہواور پہلے سے بیٹھے ہوئے مقتدی پر کسی قسم کی گرانی محسوس نہ ہوتو وقت مقررہ پر امام کے نہ پہونچنے کی وجہ سے دوتین منٹ مقتدی حضرات انتظار کریں گے، نیز امام صاحب کسی مجبوری کے تحت وقت متعینہ پر نہ آسکیں تو مقتدی حضرات کو تقاضہ نہیں کرنا چاہئے البتہ درخواست کرسکتے ہیں۔

وينتظر المؤذن الناس ويقيم للضعيف المستعجل ولا ينتظر رئيس المحلة الخ. (هنديه ، كتاب الصلوٰة، الفصل الثانی في كلمات الأذان والإقامة وكيفيتهما زكريا قديم ١/ ٥٧، جديد ١/ ١١٤)

وفي الوقت سعة فيعذر . (البحر الرائق ،كتاب الصلاة، باب الأذان ، زكريا ١/ ٤٤٧، كوئٹه ١/ ٢٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۷ھ

متعینہ شخص کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کرنا

سوال [۲۰۹۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کے موجود ہونے کے باوجود امام کا کسی متعینہ شخص کے انتظار میں اکثر جماعت کو وقت مقررہ سے لیٹ کرنا جبکہ مقتدیوں کو یہ بات ناپسند ہو شرعاً کیسا ہے؟

المستفتي: عقیل احمد، نثاراحمد، حاجی جاوید، رشیداحمد، محمد عالم، حاجی پورہ فیروزہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کے کسی متعین شخص کے انتظار میں متعینہ وقت سے تاخیر کرنے پر جب مقتدیوں پر گراں گذرے تو انتظار نہیں کرنا چاہئے، وقت پر نماز شروع کردینی چاہئے، اس طرح کسی ایک شخص کے انتظار میں بار بار لیٹ اور تاخیر کرنے کی صورت میں مسجد کا نظام خراب ہوتا ہے، اور نمازیوں کو ایذاء پہنچتی ہے اور نظام کا خراب کرنا اور نمازیوں کو ایذاء پہونچانا شرعاً جائز نہیں ہے، ہاں البتہ کبھی کبھار کسی بڑی شخصیت کی آمد میں معمولی سی تاخیر ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح کسی شری آدمی کا انتظار نہ کرنے پر شر پھیلانے اور فتنہ برپا کرنے کا خطرہ ہو تو بھی کبھی کبھار اس کے فتنہ سے بچنے کیلئے تاخیر کرنے میں بھی امام پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن اگر بار بار وہ لیٹ آتا ہے اور امام کو انتظار کراتا ہے، تو نمازیوں کی ذمہ داری ہے کہ سب اکٹھا ہوکر اس شری آدمی کو ملامت کریں۔

رئیس المحلة لا ینتظر مالم یکن شریراً والوقت متسع. (درمختار مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب الأذان کوئٹہ ۱/۱۸۹)

وأما الانتظار قبل الشروع فی غیر مایکره تأخیره کمغرب، وعند ضیق وقت فالظاهر عدم الكراهة ولو لمعين إلا إذا ثَقُل علىٰ القوم. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلاۃ، فصل وإذا أراد الشروع ۱/۲۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۱۵)	۱۴۳۴/۱/۲ھ

کیا امام پر مقتدیوں کی رعایت کرنا لازم ہے؟

سوال [۲۰۹٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں، سلام پھیرتے ہیں اس پر کچھ مقتدی یوں کہتے ہیں کہ ہماری درود شریف پوری

نہیں ہوتی اور آپ سلام پھیر دیتے ہیں، تو کیا امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے، یا نہیں کرنی چاہئے؟

المستفتي: محمد آصف، سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں جبکہ امام صاحب التحیات درود شریف وغیرہ پڑھ کر جلدی فارغ ہوجاتے ہیں، اور مقتدی حضرات کی درود شریف مکمل باقی رہ جاتی ہے، تو ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ مقتدی امام کی متابعت کرتے ہوئے اسی کے ساتھ سلام پھیر دیں، درود شریف وغیرہ پوری کرنا ضروری نہیں۔

عن أبي هريرةؓ عن النبی ﷺ أنه قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه، فإذا ركع فاركعوا. (صحيح البخاری، الصلاة، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، النخسة الهنديه ١٠٠/١، رقم:٧١٣، ف: ٧٢٢، مسند الدارمی، دارالمغني ٧٩٨/٢، رقم:١٢٩١، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٤٦١/٢، رقم:٤٠٨٢)

ولوسلم الإمام قبل أن يفرغ المقتدى من الدعاء الذی يكون بعد التشهد وقبل أن يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم فإنه يسلم مع الإمام. (عالمگيری، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، الفصل السادس فيما يتابع الإمام وفيما لا يتابعه، زكريا قديم ٩٠/١، جديد ١٤٨/١)

لوسلم الإمام قبل أن يفرغ المقتدى من التشهد فإنه يتم التشهد ولو سلم الإمام قبل أن يفرغ المقتدى من الدعاء الذی يكون بعد التشهد أو قبل أن يصلی على النبی ﷺ فإنه يسلم مع الإمام بخلاف التشهد لأن قراءة التشهد واجبة، ولهذا يلزم السهو بتركه ساهياً بخلاف الدعاء والصلوٰة على النبی ﷺ. (خانيه، كتاب الصلوٰة، باب افتتاح الصلوٰة، فصل فی من يصح الإقتداء به وفی

من لا یصح ، زکریا جدید ۱/ ٦٢ ، وعلی هامش الهندیه ۱/ ٩٦، تاتارخانیة ، کتاب الصلوٰة ، الفصل الثالث فی کیفیة الصلاة ۲/ ۱۹۱، رقم: ۲۱۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ر ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۱ھ

امام کو مقتدیوں کی کس قدر رعایت کرنی چاہئے

سوال [۲۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) امام کو مقتدی کی رعایت کرنی چاہئے یا نہیں؟

(۲) امام صاحب کو اگر رعایت کرنی چاہئے تو کس قدر اور کن کن رکن میں کرنی چاہئے ہر رکن میں یا بعض رکن میں؟

(۳) امام رکوع سے اٹھ کر سجدہ میں کتنی دیر کے بعد جائے ، اٹھتے ہی فوراً چلا جائے یا تھوڑا رک کر اگر رک کر جائے تو اس کی مقدار بیان فرمایئے؟

(۴) امام کو ایک رکن سے دوسرے رکن میں منتقل ہونے کیلئے کتنی دیر تک ٹھہرنا چاہئے ، نیز یہ بھی تحریر فرمایئے کہ نماز سکون کے ساتھ امام کو کب کب پڑھنی چاہئے؟ اور کب کب نہ پڑھنی چاہئے؟

المستفتي: احقر محمد نزیر، متعلم مدرسہ شاہی ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) امام کو مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال إذا صلى أحدكم للناس فليخفّف فإن فيهم الضعيف والسقيم والكبير ، وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطوّل ماشاء. (بخاری شریف ، کتاب الأذان ، باب تخفیف الإمام فی القیام واتمام الرکوع والسجود ۱/ ۹۷، رقم: ٦٩٤، ف:۷۰۳)

أن الإمام ينبغي له أن يراعي حال قومه. (مبسوط سرخسی ١٦٢/١)

(۲) امام کوصرف قرأت میں مقتدیوں کی رعایت کرنی چاہئے، اس طور پر کہ مقدار مسنونہ یعنی فجر اور ظہر میں طوال مفصل عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل سے زیادہ قرأت کرنے کو مقتدیوں کی رعایت کی بنیاد پر ترک کردے، ہاں البتہ ارکان و واجبات وسنن مکمل طور پرادا کرے، اس رعایت کی بنیاد پر کوتاہی نہ کرے۔

ويسن في الحضر لإمام ومنفرد طوال المفصل في الفجر والظهر، وأوساطه في العصر والعشاء، وقصاره في المغرب. (درمختار مع الشامی زکریا٢/ ٢٦١، کراچی ٤٩٢/١)

ويكره تحريماً تطويل الصلوٰة على القوم زائداً على قدر السنة، في قراء ة وأذكار رضى القوم أولا لإطلاق الأمر بالتخفيف. (شامی زکریا٢/ ٣٠٤، کراچی ٥٦٤/١)

ولا يزيد على القراء ة المستحبة ولا يثقل على القوم، ولكن يخفف بعد أن يكون على التمام والإستحباب. (عالمگیری، زکریا قدیم ٧٨/١، جدید ١٣٥/١)

(۳) امام کو رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اطمینان کیساتھ قومہ کرنا چاہئے کہ تمام اعضاء اپنی حالت پر صحیح سالم آجائیں، جس کی مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے، اور قومہ میں جو دعاء پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، وہ دعا پڑھنا بھی افضل اور مستحب ہے۔

عن أبي سعيد الخدري قال: كان رسول الله ﷺ إذا رفع رأسه من الركوع قال ربنا لك الحمد ملءُ السموات والأرض، وملءُ ما شئت من شيىء بعد، أهل الثناء و االمجد أحق ما قال العبد وكلنا لك عبد، اللّٰهمّ: لا مانع لما أعطيت، ولا معطى لما منعت، ولا ينفع ذاالجد منك الجد.

(مسلم شريف، الصلاة، باب ما يقول إذا رفع رأسهمن الركوع النسخة الهندية ١٩٠/١، بيت الأفكار رقم:٤٧٧)

وتعديل الأركان أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة فى الركوع والسجود وكذا فى الرفع منهما علىٰ ما اختاره الكمال . (درمختارمع الشامی ، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ ، کراچی ١/٤٦٤، زکریا٢/١٥٧)

(۴) امام کو ایک رکن سے دوسرے رکن میں منتقل ہونے میں تعدیل ارکان کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اور تعدیل ارکان میں جتنا وقت لگ جائے اتنی دیر ٹھہرے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ ، دخل المسجد فدخل رجل فصلى، فسلم على النبى ﷺ فرد وقال: ارجع فصل فإنک لم تصل فرجع فصلى كما صلى ثم جاء فسلم على النبى ﷺ فقال: ارجع فصلّ فإنک لم تصل ثلثاً فقال والذى بعثک بالحق ما أحسن غيره فعلمنى، فقال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر، ثم اقرأ ما تيسر معک من القرآن، ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ، ثم ارفع حتى تعتدل قائماً ، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ، ثم ارفع حتى تطمئن جالساً وافعل ذلک فى صلاتک كلها . (صحيح البخارى، كتاب الأذان ، باب وجوب القرأة للإمام والماموم فى الصلوات كلها الخ النسخة الهندية ١/١٠٤، رقم:٧٤٨، ف:٧٥٧)

ومقتضى الدليل وجوب الطمانينة في الأربعة أي فى الركوع والسجود وفي القومة والجلسة. (شامی، کتاب الصلاۃ ، صفة الصلاۃ کراچی ١/٤٦٤، زکریا٢/١٥٧)

(۵) امام چونکہ مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہوتا ہے، اس لئے اسے ہر حال میں نماز خشوع وسکون کے ساتھ پڑھنی چاہئے ، ہاں البتہ اگر کوئی خوف کی حالت ہو یا کوئی اورضرورت وغیرہ ہوتو نماز میں زیادہ سے زیادہ اختصار کرنا بہتر ہے، مثلاً نماز شروع ہوگئی، اوراسی اثناء میں بارش ہونے لگے اور کچھ لوگ مسقّف حصہ سے باہر بھیگ رہے ہوں یا سخت گرمی کا زمانہ ہے اور کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے ہوں ، یا اسٹیشن میں نماز پڑھی جارہی ہے، اور گاڑی نکل

جانے کا خطرہ ہے تو اس قسم کے حالات میں زیادہ سے زیادہ اختصار کر کے ما تجوز بہ الصلوٰۃ کے ساتھ جلد نماز ختم کر دینی چاہئے، اور عام حالات میں مفصلات سے مسنون قرأت کرنا مسنون اور افضل ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: إذا صلى أحدكم للناس فليخفّف، فإن فيهم الضعيف، والسقيم، والكبير، وإذا صلّى أحدكم لنفسه، فليطوّل ماشاء. (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشاء النسخة الهندية ١/٩٧، رقم:٦٩٤، ف:٧٠٣)

الإمام ضامن أي متكفل لصلوٰة المؤتمين بالإتمام – إلى قوله – فالضامن هنا ليس لمعنى الغرامة بل يرجع إلى الحفظ والرعاية. (مرقاة المفاتيح، شرح مشكوٰة المصابيح امداديه ملتان ٢/١٦٥)

فقد ظهر من كلامه أنه لا ينقص عن المسنون، إلا لضرورة كقراء ته بالمعوذتين لبكاء الصبى. (شامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچى ١/٥٦٥، زكريا ٢/٣٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۳/۱۴۲۶ھ

کسی کی آہٹ پر امام کا رکوع کو لمبا کرنا

سوال [۲۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا قول ہے کہ اگر امام نے بحالت رکوع کسی ان جان آدمی کے آنے کی آہٹ محسوس کی اور اعانت علی الصلوٰۃ کی وجہ سے نہ کہ اس کو اپنی طرف مائل کرنیکی وجہ سے رکوع کو ایک دو تسبیح کے بقدر طول دیدیا تو درست ہے، کیونکہ کبیری میں موجود ہے۔

"إن كان لا يعرف الجائى فلا بأس به لأنه إعانة على الطاعة، لكن

يطيل مقدار تسبيحةٍ أو تسبيحتين ، وهكذا في كتب الأردوية بحواله فتاویٰ عالمگیری وذكر فی الصغیری إن كان لايعرف الجائی فلا بأس أن يطيل قدر مالا يثقل على القوم، وكذاإن أطال القراء ة الخ“.

اورامام کی نیت صرف اعانت نماز ہے، نہ کہ میلان قوم لیکن عمرو کہتا ہے یہ غلط ہے، اب آپ بیان فرمائیں کہ کس کا قول صحیح اور معتبر ہے، اوران جان کیلئے صرف اعانت نماز کی خاطر اگر بقدر ایک دو تسبیح کے طول دیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: اچھن خان صاحب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں زید نے اپنے قول کے اثبات میں کبیری کی عبارت صحیح نقل نہیں کی ہے، کبیری کی عبارت یوں ہے۔

وأكثر العلماء حملوه على الكراهة وكذا المروى على ما إذا كان الإمام يعرف الجائی بعينه أما إذا كان لا يعرفه فقد قالوا لا بأس به لأنه إعانة على الطاعة لكن يطول مقدار مالا يثقل على القوم بأن يزيد تسبيحة أو تسبيحتين على المعتاد لأن الزيادة علىٰ ذلک سبب للتنفير كما تقدم وعلى هذا لوطول القراء ة فی الركعة الأولىٰ ليدرک الناس تلک الركعة لا بأس به إذا كان مقدار مالا يثقل ، واعلم أن لفظ لا بأس يفيد فی الغالب أن تركه أفضل وينبغی أن يكون هنا كذلک فإن فعل العباد لأمرٍ فيه شبهة عدم إخلاصها لله تعالىٰ لا شک أن تركه أفضل لقولهﷺ دع ما يريبک إلى مالا يريبک ولأنه ، وإن كان إعانة على إدراک الركعة ففيه إعانة على التكاسل وترک المبادرة والنهی للصلوٰة قبل حضور وقتها فالأولىٰ تركه **الخ**. (كبيری ، كتاب الصلوٰة ، باب صفة الصلوٰة اشرفيه ديو بند/۳۱۷، قديم/۳۰۹)

خط کشیدہ عبارت سے یہی ثابت ہے کہ ہرحال میں آنے والے کی رعایت میں طول نہ

دینا ہی افضل اور اولیٰ ہے، نیز صغیری کی پوری عبارت سے بھی عدم طول افضل اور احوط ثابت ہوتا ہے۔

وقیل إن کان لا یعرف الجائی فلا بأس أن یطیل قدر مالا یثقل علیٰ القوم، وکذا إن أطال القراءۃ لأجل إدراک الناس الرکعۃ الأصح أن ترکہ أولیٰ وأما لو أطال الرکوع عند مجي الجائی تقرباً للّٰہ تعالیٰ من غیر أن یتخالج قلبہ شئی سوی تقرب فلا بأس بہ، أي بفعلہ الإطالۃ ولا شک أن مثل ھذہ الحال فی غایۃ الندرۃ وھذہ المسئلۃ تلقب بمسئلۃ الریاء التی ینبغی التحرز والإحتیاط فیھا، الخ. (صغیری مطبع مجتبائی دھلی /۱۷۱)

لہٰذا ہر حال میں عدم طول ہی اولیٰ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۲۳۷)

نماز میں بٹن کھلا رکھنے والے امام کی امامت

سوال [۲۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب کے کرتے کے بٹن نماز پڑھاتے وقت کھلے رہ گئے، تو امام صاحب کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس طرح (یعنی بٹن کھلے رہنے کی حالت میں نماز) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے حقیقت کا اظہار فرمائیں۔

المستفتي: سید شمشاد علی، محلّہ مانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں خارج نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بٹن کھلے رکھنے کا ثبوت ہے۔

عن معاوية بن قرة عن أبيه قال أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى رهط من مزينة لنبايعه ، وإن قميصه لمطلق أو قال زرقميصه مطلق الحديث: (شمائل ترمذى ، باب ماجاء فى لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم /٥، ابوداؤد شريف، كتاب اللباس ، باب فى حل الإزار، النسخة الهندية ٥٦٤/٢، دار السلام رقم: ٤٠٨٢، صحيح ابن حبان ، كتاب اللباس ، ذكر الإباحة للمرء أن يكون مطلق الإزار فى الأحوال ، دارالفكر ٢٥٧/٥، رقم: ٥٤٦١، المعجم الكبير للطبرانى، داراحياء التراث العربى ٢١/١٩، رقم:٤١)

لہٰذا کبھی کبھار کھلے رہنے سے اعتراض نہیں کرنا چاہئے تاہم بہتر یہی ہے کہ بند رکھا جائے، کیونکہ فقہاء نے کھلے رکھنے کو غیر اولیٰ قرار دیا ہے۔

وإن كان اختياراً لما هو خلاف الأولى خصوصاً فى الصلوات (وقوله) ولم يكن هذا من عامة أحواله صلى الله عليه وسلم الخ . (بذل المجهود ، كتاب اللباس ، باب فى حل الإزار قديم مطبوعه ميرٹھ ٥٢/٥، دارالبشاء الاسلاميه بيروت ١٠٩/١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۰/۲۳)

گریبان کھلے ہونے کی حالت میں نماز پڑھانا

سوال [۲۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امامت کر رہا ہے، یعنی نماز پڑھا رہا ہے، یا مقتدی ہے حال یہ ہے کہ امام یا مقتدی میں سے کسی کے گریبان کا بٹن کھلا ہوا ہے تو کیا زید کی امامت حالت نماز میں گریبان کے بٹن ایک یا دو یا تینوں کھلے ہوں درست ہے یا نہیں؟ جواب تحریر کرکے عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتي: محمد مختار، نگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گریبان کھلے ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، چاہے ایک بٹن ہو یا دو بٹن یا تین ہر حال میں نماز بلا کراہت جائز ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار گریبان کھولکر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۷/۵۰، امداد الفتاویٰ زکریا ۱/۶۳۶، بذل المجہود، کتاب اللباس، باب فی حل الإزار قدیم مطبع میرٹھ ۵/۵۲)

عن عروة بن عبد الله بن قشير، قال: حدثني معاوية بن قرة عن أبيه، قال: أتيت رسول الله ﷺ فبايعته، وإنّ زرّقميصه لمطلق، قال عروة: فما رأيت معاوية ولا ابنه في شتاء لا صيفٍ، إلا مطلقة أزرارُهما. (سنن ابن ماجه، كتاب اللباس، باب حل الإزار، النسخة الهندية ٢/٢٥٦، دارالسلام رقم: ٣٥٧٨)

حدثنا معاوية بن قرة، حدثنا أبي، قال: أتيت رسول الله ﷺ في رهط من مزينة، فبايعناه، وإن قميصه لمطلق الأزرار، قال: فبايعناه، ثم أدخلت يدي في جيب قميصه فمسست الخاتم، قال عروة: فما رأيت معاوية ولا ابنه قط إلا مطلقي أزرارهما في شتاء ولا حر ولا يزرران أزرارهما أبداً. (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس؛ باب في حل الإزار، النسخة الهندية ٢/٥٦٤، دارالسلام رقم: ٤٠٨٢، صحيح ابن حبان، كتاب اللباس ذكر الإباحة للمرء أن يكون مطلق الأزرار في الأحوال دارالفكر ٥/٢٩٧، رقم: ٥٤٦١، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٩/٢١، رقم: ٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۴/۱۴۱۳ھ

صاحب عمامہ کی بلا عمامہ والے امام کے پیچھے نماز

سوال [۲۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں نماز روزانہ

جماعت سے ہوتی ہے لیکن ایک شخص روزانہ اپنی نماز تنہا ادا کرتا ہے، معلوم کرنے پر وہ شخص کہتا ہے کہ میرے سر پر عمامہ ہے، اورامام صاحب کے سر پر عمامہ نہیں ہے، اسلئے میری نماز ان کے پیچھے نہیں ہوگی، جبکہ امام صاحب ایک عالم ہیں اور عمامہ والے صاحب جاہل ہیں، اس صورت میں عمامہ والے کی نماز امام صاحب کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: احمد نبی، بیرتھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا اور امامت کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے اس میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۳۹/۸)

اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اگر کوئی شخص بلا عذر شرعی جماعت میں شریک نہ ہوتو وہ مستحق تعزیر اور گنہگار رہے، چنانچہ صاحب عمامہ مقتدی کا پیش امام کے پاس عمامہ نہ ہونے کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہونا گناہ کا سبب ہے، جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے۔

عن عبد الله ، قال: من سره أن يلقى الله غدا مسلماً فليحافظ على هؤلاء الصلوات حيث ينادى بهن، فإن الله شرع لنبيكم صلى الله عليه وسلم سنن الهدىٰ، وإنهن من سنن الهديٰ، ولو أنكم صليتم في بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف في بيته لتركتم سنة نبيكم ، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم. (صحيح مسلم ، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة ،النسخة الهندية ١/٢٣٢، بيت الأفكار رقم:٦٥٤)

يجب التعزير على تاركها أي الجماعة بغير عذر الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زكريا ١/٦٠٣، كوئٹه ١/٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ر جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ

چین والی گھڑی پہن کرنماز پڑھنا

سوال [۲۱۰۲]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص امامت کرتاہے، یا مقتدی ہے، حالت نماز میں چین والی گھڑی پہن کرامام نماز پڑھارہا ہے، یا مقتدی نماز پڑھ رہاہے،تو کیا چین والی گھڑی پہن کرنماز پڑھنے یاپڑھانے سےنماز میں کراہت آجاتی ہے یا نماز ہی فاسد ہوجاتی ہے جوبھی مسئلہ ہواس کی تشفی بخش تشریح فرما کر ممنون فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد مختار،سکھو نگلہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگرچین والی گھڑی پہن کرنماز پڑھی جائےتو نماز نہ فاسد ہوتی ہے، اور نہ ہی مکروہ ہوتی ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ بجائے چین کے چمڑے کی استعمال کی جائے،تومحض احتیاط کی بات ہوسکتی ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم۱۲/۴۰۹، جدید ڈابھیل۶/ ۶۶۹ ،فتاویٰ رحیمیہ قدیم۶/ ۲۷۹، جدیدزکریا۱۰/ ۱۵۷)

ولا يكره في المنطقة حلقة حديد أونحاس وعظم ....والحاصل أن كل مافعل تجبرا كره ، وما فعل لحاجة لا. (الدر المختار ، كتاب الحضر والإباحة، فصل في اللبس كراچی ٦/٣٥٩، زكريا٩/٥١٧)

ولابأس باستعمال منطقة ملتقاها فضة . (هنديه ،كتاب الكراهية ، الباب التاسع في اللبس مايكره من ذلك وما لا يكره، زكريا قديم ٥/ ٣٣٢، جديد ٥/ ٣٨٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۵/ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/۳۱۲۰)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۵ھ

تہبند اور بنیائن پہن کر امامت کرنا

سوال [۲۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب تہبند اور بنیائن پہن کر اور بنیائن پر ایک لنگی ڈال کر نماز پڑھا دیتے ہیں، باوجودیکہ انکے پاس کرتہ وغیرہ موجود رہتا ہے اور عذر میں گرمی پیش کرتے ہیں، مفصل ومدلل جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

المستفتي: عبد القیوم، پوسٹ: امان اللہ پٹی، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: بنیائن تہبند اوڑھ کر صلحاء ومعزز لوگوں کی مجلس میں حاضر ہونا معیوب سمجھا جاتا ہے، لہٰذا ایسا لباس پہن کر نماز پڑھانا شرعاً مکروہ ہوگا اور امام کی نماز مکروہ ہونے کیوجہ سے مقتدیوں کی نماز بھی مکروہ ہوجائیگی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۴۰۸، فتاویٰ دار العلوم زکریا ۴/۱۲۳)

يٰبَنِيٓ آدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (سورۂ اعراف آیت: ۳۱)

وكذلک يكره أن يصلي في ثياب البذلة (إلى قوله) أو ثياب المهنة الخ. (كبيری كتاب الصلوٰة، فصل في بيان الذي يكره فعله في الصلوٰة وما لا يكره /۳۳۷، جديد اشرفيه ديوبند/٣٤٩، الدر المختار، باب مايفسد الصلوٰة، مطلب في مكروهات الصلوٰة زكريا٢/٤٠٧، كراچی١/٦٤٠، فتاویٰ عالمگیری، كتاب الصلوٰة، الباب السابع في مايفسد الصلوٰة، الفصل الثاني في ما يكره في الصلوٰة، زكريا قديم١/١٠٧، جديد ١/١٦٥، فتاویٰ دارالعلوم زكريا٤/١٠٠)

وقيد الكراهة في الخلاصة والمنية بأن يكون رافعاً كميه إلى المرفقين الخ. (شامی، باب مايفسد الصلوٰة، مطلب في كراهة التحريمة والتنزيهية

کراچی ١/٦٤٠، زکریا٢/٤٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۵/۱۵۶۷)

پٹھانی سوٹ پہنکر نماز پڑھنا

سوال [۲۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صالح ایک مسجد کے امام ہیں، حافظ وقاری ہیں بظاہر شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں، ایک مدرسہ کے درجۂ حفظ کے مدرس ہیں، چونکہ جوان شخص ہیں، لباس میں غالبًا پاکستانی لباس یعنی پٹھانی سوٹ (کرتا شلوار) پہننے کے عادی ہیں، نماز میں کبھی ان کی شلوار ٹخنوں سے نیچے نہیں رہتی نماز سے باہر ہم نے نہیں دیکھا کہ ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں یا نہیں؟ ان سے معلوم کیا تو وہ منع کرتے ہیں، کہ ٹخنوں سے نیچے میں نماز کے علاوہ بھی نہیں پہنتا ہوں، غفلت اور لاپرواہی میں کبھی ایسا ہوجائے وہ الگ بات ہے، ایک شخص نے مذکورہ امام کے پیچھے نماز اسلئے پڑھنا چھوڑ دیا ہے کہ یہ لباس پہنکر نماز نہیں ہوتی ہے، صالحین کا لباس کلیوں کا کرتا مغلی پائجامہ ہی پہنا جائے، تو کیا مذکورہ امام کا لباسِ مذکورہ پہن کر نماز پڑھانا مکروہ تحریمی ہے؟ مذکورہ مقتدی فرماتے ہیں، کہ یہ لباس پہن کر نماز پڑھانا جائز نہیں اور اس امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، صحیح قول ارشاد فرمائیں؟

المستفتي: حافظ شرافت اللہ، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پٹھانی سوٹ پہن کر نماز پڑھانے سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی، نماز بلا کراہت درست ہوجاتی ہے، لیکن چونکہ یہ علماء وصلحاء کا لباس نہیں ہے، اسلئے ائمہ کو اس طرح کے لباس سے احتراز کرنا چاہئے، خصوصاً جبکہ مقتدی اس کو ناپسند کرتے ہوں تو احتیاط اور بھی لازم ہوجاتی ہے، حسنات الابرار سیئات المقربین کی جہ

سے لیکن بہرحال نماز فی نفسہ درست ہوجاتی ہے، ہاں البتہ اگر پائجامہ ٹخنوں سے نیچے بلااختیار چلا جاتا ہو، تو نماز مکروہ نہیں ہوتی لیکن اگر خود ٹخنوں سے نیچے کر لیتے ہوں تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اور امام صاحب شرعاً فاسق شمار ہوں گے، صلحاء کا لباس کلی والا کرتا اور پائجامہ ہے، اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۷۷، جدید ڈابھیل ٦/۵۳)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ. (سورة الأعراف: ٣١)

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار. (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبين ففي النار، النخسة الهنديه ٢/ ٨٦١، رقم: ٥٥٥٩، ف: ٥٧٨٧)

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: لا ينظر الله يوم القيمة إلى من جر إزاره بطراً. (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلا، النسخة الهنديه ٢/ ٨٦١، رقم: ٥٥٦٠، ف: ٥٧٨٨)

ويكره للرجال السراويل التي تقع على ظهر القدمين. (شامي كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس كراچی ٦/ ٣٥١، زكريا ٩/ ٥٠٦)

ولو ستر قدميه في المسجد يكره. (هنديه قديم، كتاب الصلوٰة، باب ما يفسد الصلوٰة، ومايكره فيها، الفصل الثاني في مايكره في الصلوٰة و مالا يكره، زكريا قديم ١/ ١٠٨، جديد ١/ ١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ر صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۲۰۱۹)

لقطہ کی قمیص پہن کر نماز پڑھانے کا حکم

سوال [۲۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امام مسجد ہے، ایک صاف شفاف قمیص کرتا مسجد کے صحن میں پاتا ہے، بطور نشان دہی

(اعلان) تا کہ جس کا ہو حاصل کرلے مسجد میں ٹانگ دیتا ہے، عشرہ دوعشرہ تک کوئی نمازی اور دیگر شخص مالک نہ بنا، پھر مسجد کے محلّہ کے ملحقہ گھر والوں سے معلوم کیا ممکن ہے بندروں کے ذریعہ آیا ہو، مگر مالک کا پتہ نہیں چلا دریں اثناء امام صاحب کو اچانک ایک تقریب میں باہر ضرورۃً بر بنا مجبوری جانا پڑ گیا، کرتا صاف دھلا ہوا اس وقت مہیا نہیں تھا، اس کو پہن کر تقریب میں شرکت کر لی کئی دن لگ گئے، اپنے آپ بھی نمازیں پڑھیں اور پڑھائی بھی واپسی میں اتار کر دھوبی کو دیدیا تا کہ صاف کر کے رکھدیا جائے اور مالک کو سونپ دیا جائے دھوبی نے پہچان کر ذکر کیا یہ کرتا گاؤں والے ڈاکٹر جو کہ غیر مسلم ہیں ان کا ہے، جو راستہ میں گر گیا تھا وہ راستہ ملحقہ مسجد سے جاتا ہے، دھلا کر پیسے ادا کر کے ان کو واپس کر دیا گیا اب امام صاحب کو وہ نمازیں لوٹانی ضروری ہیں جو کہ اس کرتے کو پہن کر پڑھی گئی ہیں از روئے شرع کیا کفارہ واجب ہے امام صاحب کو پریشان کیا جارہا ہے، جبکہ ایک مولانا صاحب نماز لوٹانے سے منع فرماتے ہیں؟

المستفتي: حافظ محمد صدیق، ناظم:
مدرسہ تعلیم القرآن شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں امام صاحب کے سوال میں ذکر کردہ کپڑا پہنکر نماز پڑھانے کیوجہ سے نماز میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، نماز کا لوٹانا لازم نہیں تھے، سب کی نمازیں صحیح ہوگئیں ہیں، ہاں البتہ امام صاحب ہندو مالک کو واقعہ بتادیں تو زیادہ بہتر ہے، اور اگر امام صاحب غریب آدمی ہیں تو مالک سے معذرت خواہ ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔

عن عياض بن حمار قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من وجد لقطة فليشهد ذا عدل، أو ذوى عدل، ولا يكتم ولا يغيب، فإن وجد صاحبها فليردها عليه، وإلا فهو مال الله عزوجل يؤتيه من يشاء.

(سنن أبي داؤد، اللقطة، باب التعريف فى أخذ اللقطة النسخة الهندية ١/ ٢٤٠،

دارالسلام رقم: ۱۷۰۹، سنن ابن ماجه اللقطة، باب اللقطة، النسخة الهندية ۱۸۰/۱، دارالسلام رقم: ۲۵۰۵)

فينتفع الرافع بها لو فقيراً الخ. (درمختار كتاب اللقطة كراچی ٤/٢٧٩، زكريا٦/٤٣٧، ٤٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشعبان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۷۲)

شخص واحد کا دو جگہ نماز جمعہ کی امامت کرنا

سوال [۲۱۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض خطیب حضرات متعدد جگہ نماز جمعہ کی امامت کرتے ہیں، تو خطیب کی امامت ثانیہ میں شریک مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب تحریر کریں۔

المستفتي: محمد عبدالسبحان، کیلی فورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایک جگہ نماز جمعہ پڑھانے کے بعد امام صاحب متنفل ہوگئے اور متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز درست نہیں ہے، اس لئے خطیب کی جماعت ثانیہ میں شریک مقتدیوں کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۲/ ۵۰۹)

وشروط صحة الإقتداء أربعة عشر شيئاً –إلى قوله– وأن لا يكون الإمام أدنىٰ حالاً من المأموم كافتراضه وتنفل الإمام. (مراقي الفلاح مع الطحطاوی، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة دارالكتاب ديوبند/ ۲۹۰، شامی كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كراچی ۱/ ۵۷۹، زكريا۲/ ۳۲٤)

ومن شروط الإمام أن لا يكون الإمام أدنىٰ حالاً من المأموم؛ فلا يصح إقتداء مفترض بمتنفل. (الفقه على المذهب الأربعة مكمل/ ۲۳۵)

ولا مفترض بمتنفل وبمفترض فرضاً آخر لأن اتحاد الصلاتين شرط عندنا. (شامی کتاب الصلاة ، باب الإمامة زكريا ٢/ ٣٢٤، كراچی ١/ ٥٧٩)

ولا اقتداء المفترض بالمتنفل . (هنديه ، كتاب الصلوٰة، الباب الخامس فی الإمامة ، الفصل الثالث فی بيان من يصلح إماما لغيره زكريا قديم ١/ ٨٦، جديد ١/ ١٤٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۱۲۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

غیر شادی شدہ کی امامت

سوال [۲۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر شادی شدہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی کراہت ہے یا نہیں، نہیں تو کیوں (حدیث میں ہے) "**النكاح نصف الإيمان**" جبکہ ابھی ایمان ہی تکمیل کو نہیں پہونچا تو نماز بغیر کراہت کے کیسے صحیح ہوگی ، نیز حدیث شریف مذکور کا کیا مطلب ہے کیا حقیقتاً غیر شادی شدہ کا ایمان ناقص ہوتا ہے، حالانکہ بہت سے بزرگان دین غیر شادی شدہ رہے، کیا ان کا ایمان ناقص تھا، مفصل اور تسلی بخش جواب تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد خالد قاسمی، نماز کمیٹی جماعت المسلمین،
مدرسہ تعلیم القرآن پائلی پاڑہ، آزاد نگر ٹرامبے، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث شریف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بغیر نکاح کے نفس ایمان ناقص رہتا ہے، بلکہ لفظ ایمان یہاں پر بمعنی دین کے ہے، اور فساد دین کا مدار دو شہوتوں پر ہے، (۱) شہوت بطن، (۲) شہوت فرج جب انسان نکاح کر لیتا ہے، تو فرج کے راستہ سے فساد دین کا خطرہ باقی نہیں رہتا ہے تو گویا نصف دین فساد سے محفوظ ہو کر کامل ہو چکا

ہے، اور باقی نصف میں خطرہ باقی رہتا ہے، (شہوت بطن سے فساد دین کا خطرہ باقی رہتا ہے، اس لئے اگلہ جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ’’ فليتق الله فى النصف الباقي‘‘ فرمایا ہے ،لہٰذا حقیقت میں یہ مراد نہیں ہے کہ بغیر نکاح کے آدمی ناقص فی الإیمان اور فاسق ہوتا ہے، جسکی وجہ سے نماز میں کراہت آتی ہو، بلکہ فساد کے ایک پہلو سے حفاظت مراد ہے،اس لئے غیر شادی شدہ کی امامت بلاکراہت درست ہوگی۔

عن أنس بن مالکؓ قال: قال رسول الله ﷺ : من تزوج فقد استكمل نصف الإيمان ، فليتق الله فى النصف الباقي . (المعجم الأوسط دارالفكر جديد ٥/٣٧٢، رقم: ٧٦٤٧، ٦/٢٨٦، رقم: ٨٧٩)

الغالب فى إفساد الدين الفرج والبطن وقد كفىٰ بالتزوج أحدهما ولأن فى التزوج التحصن عن الشيطان وكسر التوقان ودفع غوائل الشهوة وغض البصر وحفظ الفرج الخ . (مرقات ،كتاب النكاح ،الفصل الثالث مكتبه امداديه ملتان ٦/١٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۶۱)

قاری و عالم صاحب اگر انگریزی ڈاکٹر ہوں تو ان کی امامت کا کیا حکم ہے؟

سوال [۲۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب مولانا وقاری ہیں اور انگریزی ڈاکٹری کرتے ہیں اب ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ سے گزارش ہے کہ تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

المستفتي: عبدالرقیب، پوسٹ،

سری کونہ، ضلع: کچھاڑ، صوبہ: آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ امام صاحب انگریزی ڈاکٹری کیساتھ شریعت کے پابند ہیں تو انکے پیچھے نماز اور انکی امامت بلاکراہت جائز ہے، نیز برائے علاج اگر ڈاکٹر غیرمحرم کی نبض پکڑے یا کسی دوسری ضرورت سے اس کے اعضاء دیکھے تو گناہ نہیں ہے۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان إمرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كارهون ، قال: هناد: قال جرير : قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا : إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم علىٰ من كرهه . (سنن الترمذی ، الصلاة، باب ماجاء فی أم مؤماوهم له كارهون ، النسخة الهندية ١/٨٣، دارالسلام رقم:٣٥٩)

وإن كان هو أحق بها منهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لا يكره له التقدم الخ. (طحطاوی علی المراقی ، كتاب الصلاة ، فصل في بيان الأحق بالإمامة ، دارالكتاب ديوبندجديد/١ ٣٠، قديم/ ١٦٤)

إن كان هو أحق بالإمامة ومع هذا يكرهون إمامته لايكره له أن يؤمهم ، قال محمد: إذا عرف فرائض الصلاة ، وأدا بها فلا معتبر لكراهة القوم. (الفتاویٰ تاتارخانية ،كتاب الكراهية الفصل الرابع رفع الصوت عند قراءة القرآن ١٨/٥٩، رقم:٢٨٠٢٥)

ويجوز للطبيب أن ينظر إلىٰ موضع المرض منها للضرورة الخ.
(هدايه ، كتاب الكراهية ، فصل فی الوطی و النظر واللمس اشرفی ديوبند ٤/٤٥٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۵۰)

امامت کے ساتھ تجارت کا حکم

سوال [۲۱۰۹]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب یا عالم صاحب اگر امامت کے ساتھ تجارت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں، جبکہ اس دور میں مشاہرہ اتنا نہیں مل پاتا جس سے اخراجات پورے ہوسکیں؟

المستفتي: محمد ہارون، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب یا عالم صاحب کیلئے امامت وتدریس کے ساتھ تجارت کرنا بلا کراہت جائز ہے اس میں کسی شبہ وتردد کا سوال نہیں۔

عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة. (السنن الکبریٰ للبیهقي، کتاب الإجارة، باب کسب الرجل وعمله بیدیه، دارالفکر جدید ۹/٥٦، رقم: ۱۱۹۰۷، شعب الإیمان للبیهقي، باب في حقوق الأولاد، دارالکتب العلمیة بیروت ٦/٤۲۰، رقم: ۸۷٤۱)

ہاں البتہ تجارت کی وجہ سے فریضۂ امامت میں کوتاہی نہ ہونی چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۸۱۸، جدید زکریا ۳/ ۱۲۲، زکریا مطول ۴/ ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵٦۲۱)

ثوب جاذب سے استنجاء کرنے والے شخص کی امامت

سوال [۲۱۱۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسائل ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایسے کپڑے سے استنجاء کرنا جس کے اندر جذب کرنیکی صلاحیت ہو اور وہ پاک ہوجائز ہے یا نہیں؟ (۲) مذکورہ صفات والے کپڑے سے استنجاء کرنیوالے کے امام بننے میں کسی قسم کی کراہت تو

نہیں ہے؟ (۳) اور اگر کسی شخص نے پیشاب وغیرہ کے مرض کی بناپر ایسے کپڑے سے استنجاء کیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور ایسے شخص کے امام بننے کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں؟

المستفتي: فضل الرحمٰن، نواب پورہ، راجووالا کنواں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عذر کی صورت میں جذب کرنے والے کپڑے اور کاغذ سے استنجاء کرلینا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱/ ۳۷۹)

ویسن أ ن یستنجی بحجر منق الخ ونحوہ من کل طاھر مزیل بلا ضرر. (مراقی الفلاح) کما لمدر وھو الطین الیابس، والتراب، والخلقة البالیة، والجلد الممتھن. (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطھارۃ، دارالکتاب دیوبند/ ٤٥)

(۲) بلاکراہت امامت جائز ہے۔

(۳) استنجاء جائز ہے اور امامت درست ہے، بشرطیکہ وضو کے بعد قطرہ نہ نکلے۔

ولا یصلی الطاھر خلف من بہ سلسل البول. (ھندیہ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث في بیان من یصلح إماماً لغیرہ، زکریا قدیم ۱/ ۸٤، جدید ۱/ ۱٤۲، البنایہ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة ۱/ ۷، اشرفیہ ۲/ ۳٥٦، شامی، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کراچی ۱/ ٥۷۸، زکریا۲/ ۳۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ شعبان ۱٤۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/ ۱۹۳۱)

سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت

سوال [۲۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو امام یا مولانا

صاحب سیاہ خضاب لگاتے ہوں ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے یا ناجائز، کیونکہ حدیث میں ہے، جوسیاہ خضاب لگائے وہ جنت کی بوبھی نہیں پائیگا،

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیاہ خضاب لگانا بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے، اور بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے، اسلئے اگر کوئی شخص بیوی کوخوش کرنے کیلئے سیاہ خضاب لگاتا ہے، تو اس کومکروہ تحریمی نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی ایسے شخص کو فاسق کہا جاسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہا جاسکتا ہے، اور خلاف اولیٰ کا ارتکاب کرنے والا شرعاً فاسق نہیں ہوتا، اوراس کی امامت بلاکراہت درست ہے، اسلئے اس امام صاحب سے پوچھا جائے کہ سیاہ خضاب کس بناء پر لگاتے ہیں۔

يستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولوفى غير حرب فى الأصح، والأصح أنه عليه السلام لم يفعله ويكره بالسواد، وقيل : لا وفى الشامية تحت قوله ويكره بالسواد أي بغير الحرب.... الخ ، وإن ليزين نفسه للنساء فمكروه وعليه عامة المشائخ ، وبعضهم جوزهٔ بلا كراهة روى عن أبى يوسف أنه قال كما يعجبنى أن تتزين لى يعجبها أن أتزين لها. (ردالمختار على الدر المختار، شامى كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره كراچى ٦/ ٤٢٢، زكريا ٩/ ٦٠٥، كذا فى عالمگيرى، كتاب الكراهية ، الباب العشرون فى الزينة زكريا قديم ٥/ ٣٥٩ ، جديد ٥/ ٤١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱/ ۱۴۲۱ھ

بیوی کوخوش کرنے کیلئے سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت

سوال [۲۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ابھی جوان ہے نزلہ ہوجانے کی وجہ سے کچھ بال سفید ہو گئے ہیں، بیوی کو خوش کرنے کیلئے سیاہ خضاب لگاتا ہے ایک جگہ امامت کرتا ہے، بعض مقتدیوں کو کالا خضاب لگانے پر اعتراض ہوا تو مدرسہ شاہی سے فتویٰ منگایا گیا، جس میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص بیوی کو خوش کرنے کیلئے سیاہ خضاب لگاتا ہے تو اس کو مکروہ تحریمی نہیں کہا جاسکتا، اور نہ ہی ایسے شخص کو فاسق کہا جاسکتا ہے، اور اس کی امامت بلاکراہت درست ہے، فتویٰ نمبر ۶۶۵۷، لیکن اب اس پر بعض مقتدیوں کا کہنا ہے کہ امام صاحب نے سیاہ خضاب لگا کر بیوی کو تو خوش کرلیا لیکن مقتدی اس سیاہ خضاب لگانے کی بناپر ناراض ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ بعض مقتدیوں کا اس طرح ناراض ہونا کیسا ہے، اور بیوی کو خوش کرنے کیلئے سیاہ خضاب لگانے کی بناء پر بعض مقتدیوں کی ناراضگی کے باوجود امامت کرنا کیسا ہے تمام اجزاء کا تفصیل سے جواب دیں؟

المستفتي: محمد صابر عالم، امام مسجد رحمانی، رحمت نگر، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوان بیوی کوخوش کرنے کیلئے داڑھی میں سیاہ خضاب لگانا شریعت میں جائز ہے جو مدرسہ شاہی کے پہلے فتویٰ میں لکھا جاچکا ہے، اور امام صاحب فتویٰ پر عمل کر رہے ہیں تو امام صاحب کے اس فتویٰ پر عمل کرنے کی وجہ سے مقتدیوں کا ناراض ہونا شرعاً جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں مقتدی گنہگار رہوں گے، امام صاحب پر کوئی گناہ نہیں ہے، فتویٰ آچکنے کے بعد پھر اعتراض کرنا بلاوجہ ہے جس سے اعتراض کرنے والے اور ناراض ہونے والے خود گنہگار رہوں گے، اور امام صاحب کی

امامت میں کسی قسم کی کراہت نہیں آئے گی۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان إمرأة عصت زوجها، وإمام قوم وهم له كارهون، قال: هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة، فأما من أقام السنة، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذی، الصلاة، باب ماجاء من أم قوماً وهم له كارهون، النسخة الهندية ۱/ ۸۲، دار السلام رقم: ۳۵۹)

وإن كان هو أحق بها منهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لايكره له التقدم. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، فصل فی بيان الأحق بالإمامة / ۱۶۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۷/۱۴۲۱ھ

سیاہ خضاب لگانے والے کی امامت

سوال [۲۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو نزلہ ہونے کی وجہ سے اس کے کچھ بال سفید ہوگئے ہیں، زید ابھی جوان ہے اور امامت بھی کررہا ہے، اس حال میں زید خضاب لگا کر امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد صابر عالم، امام مسجد رحمانی، رحمت نگر، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیاہ خضاب لگانا بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے، اسلئے اگر کوئی شخص بیوی کو خوش کرنے کیلئے سیاہ خضاب

لگاتا ہے، تو اس کو مکروہ نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی ایسے شخص کو فاسق کہا جاسکتا ہے، زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہا جاسکتا ہے، اور خلاف اولیٰ کا ارتکاب کرنے والا شرعاً فاسق نہیں ہوتا، اوراس کی امامت بلاکراہت درست ہوتی ہے، اسلئے اس امام صاحب سے پوچھا جائے کہ سیاہ خضاب کس بناء پر لگاتے ہیں۔

يستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولوفي غير حرب في الأصح، والأصح أنه عليه السلام لم يفعله ويكره بالسواد، وقيل: لا. (درمختار) وقال ابن عابدين تحت قوله يكره بالسواد أي بغير الحرب...... الخ، وإن تزين نفسه للنساء فمكروه، وعليه عامة المشائخ، وبعضهم جوزهٗ، بلا كراهة، روى عن أبى يوسف أنه قال: كما يعجبنى أن تتزين لى يعجبها أن أتزين لها. (ردالمختار على الدر المختار، شامى، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، كراچى ٦/٤٢٢، زكريا ٩/٦٠٥، كذا فى الهنديه، كتاب الكراهية، الباب العشرون فى الزينة، زكريا قديم ٥/٣٥٩، جديد ٥/٤١٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ١١/٣٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ؍جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۵/ ۱۴۲۱ھ

امامت کی اجرت مقرر کرنا

سوال [۲۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امامت کیلئے اجرت مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ توضیح فرمائیں۔

المستفتي: اسرار احمد، اہل ضابطہ گنج، نجیب آبادر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امامت کیلئے اجرت مقرر کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۲۶۱، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۶۸)

ویفتی الیوم بصحتها لتعليم القرآن و الفقه والإمامة والأذان الخ. (الدر المختار ، كتاب الإجارة ، مطلب فی الاستئجار علی الطاعات، کوئٹہ ۵/ ۳۸، زکریا ۹/ ۷٦، کراچی ٦/ ۵۵، هکذا عالمگیری، كتاب الإجارة ، الباب السادس عشر ...... ولاستئجار على الطاعات ، زكريا قديم ٤/ ٤٤٨، جديد ٤/، فتاویٰ بزازيه، كتاب الإجارة ، نوع فی تعليم القرآن زكريا جديد ۲/ ۲۲، وعلى هامش الهنديه ۵/ ۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۷۰۹)

باتنخواہ امام کی امامت

سوال [۲۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو امام تنخواہ طے کرکے نماز پڑھاتا ہے، اس کے بارے میں بتائیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: ذاکر حسین، کٹ گھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کیلئے تنخواہ طے کرکے نماز پڑھانا بلا کراہت جائز ہے، مگر تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

ولا تصح الإجارة لأجل الطاعات ويفتی اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (درمختار مع الشامی ، كتاب الإجارة ، باب إجارة الفاسدة، مطلب فی الإستئجار على الطاعات كراچی٦/ ۵۵، زکریا ۹/ ۷٦، امداد الفتاویٰ

زکریا٣/ ٣٤٠، الموسوعة الفقهية ٦/ ٢١٥، ٢٢/ ٢٠٢)

ويفتى اليوم بالجواز أي بجواز أخذ الأجرة على الإمامة وتعليم القرآن والفقه والأذان، كما فى عامة المعتبرات. (مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٣٣، مصرى قديم ٢/ ٣٨٤)

وفى الروضة: وفى زماننا يجوز للإمام والمؤذن والمعلم أخذ الأجرة، ومثله في الذخيرة. (البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة كوئٹه٨/ ٢٠، زكريا٨/ ٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ /جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۲۰۸ھ

مسجد کی دوکان کے کرایہ سے تنخواہ پانے والے کی امامت

سوال [۲۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے کرایہ کی آمدنی سے تنخواہ پانے والے امام کے پیچھے جبکہ اسکو علم ہے کہ تنخواہ مسجد کی آمدنی سے دی جاتی ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور ہمیشہ اسی کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حبیب اللہ خان، بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلا کراہت اس امام کے پیچھے نماز درست اور صحیح ہوجائے گی، کیونکہ مسجد کے مکانات کا کرایہ مسجد کے لئے حلال اور جائز ہے، لہٰذا اس سے تنخواہ حاصل کرنا بھی بلا کراہت جائز ہوگا۔

المتولى إذا أمر المؤذن أن يخدم المسجد وسمى له أجرا معلوماً لكل سنة .... فإذا نقد الأجر من مال المسجد حل للمؤذن أخذه. (البحر

الرائق، کتاب الوقف زکریا٥/٤٠٥، کوئٹه ٥/٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۲۵)

جمعہ کی نماز پڑھا کر سرکار سے پورے ماہ کی تنخواہ لینے والے کی امامت

سوال [۲۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد سائیں توکل شاہ انبالہ شہر کے امام قاری اسحاق صاحب سہارنپوری جو تقریباً چالیس، پینتالیس سال سے امام ہیں، پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے نماز پڑھانے کی تنخواہ بورڈ دیتا ہے، بورڈ نے پنجگانہ نماز اور جمعہ وعیدین کی نمازوں کے لئے امام صاحب کا تقرر کیا لیکن امام صرف جمعہ کی نماز سے پہلے آتے ہیں اور سنیچر کے روز صبح فجر پڑھا کر چلے جاتے ہیں، باقی اور دنوں میں جو یہاں مؤذن ہیں وہ نماز پڑھاتے ہیں، کیا یہ اجرت ان کیلئے جائز ہے یا نہیں؟ ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: وکیل عثمانی، مقتدی مسجد، انبالہ شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر قاری اسحاق صاحب سہارنپوری مؤذن یا کسی دوسرے کو جو صحیح طریقہ سے نماز پڑھانے پر قادر ہے اپنا نائب امام بنا کر چلے جاتے ہیں اور قاری صاحب کی اس نیابت میں وقف بورڈ کے ذمہ داروں کو کوئی اعتراض نہیں ہے، اور ادھر ان کے نائبین بخوشی نیابت کا فریضہ انجام دیتے ہیں تو ایسی صورت میں قاری صاحب موصوف کیلئے وقف بورڈ کی طرف سے ملنے والی تنخواہ بلاتردد جائز اور حلال ہے، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کسی قسم کی کراہت بھی نہیں ہے، شریعت میں اس قسم کی نیابت جائز اور

درست ہے، اور آپس کی تراضی سے اس قسم کے عمل کی اجازت ہے۔

عبد الله بن عمرو بن عوف المزني ، عن أبيه ، عن جده ، أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين ، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالا، أو أحل حراما. (ترمذی شريف ، الأحكام ، باب ماذكر عن رسول الله ﷺ فی الصلح بين الناس ،النسخة الهندية ١ / ٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢)

كما استفيد من عبارة الهداية المأمور بإقامة الجمعة حيث يستخلف؛ لأنه على شرف الفوات لتوقته فكان الأمر به إذنا في الإستخلاف دلالة. (هدايه، كتاب أدب القاضی إلى القاضی ، باب كتاب القاضی إلى القاضی اشرفی ديوبند٣/١٤١، هنديه ، كتاب أدب القاضی ، الباب الخامس فی التقليد والعزل زكريا قديم ٣/٣١٦، جديد ٣/٢٨٤، شامی، كتاب القضاء، مطلب فی استخلاف القاضی نائبا عنه ، زكريا ٨/٧٦، كراچی ٥/٣٥٢)

الأمور بمقاصدها. (الاشباه والنظائر/٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۷۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۳ھ

کیا امام کو ملنے والا کھانا امام کے اہل خانہ کھا سکتے ہیں؟

سوال [۲۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی امام کسی مسجد میں امامت کرتا ہے، اور اس کے بیوی بچے اس کے ساتھ رہتے ہیں، وہ امامت کے علاوہ کچھ کام بھی کرتا ہے، اس کام کے پیسے بھی حاصل کرتا ہے، اور امام ہونے کے تحت کچھ گھروں سے اس کا کھانا بھی آتا ہے، اگر وہ امام اس کھانے کو اپنے بیوی اور بچوں کو کھلا دے

تو وہ کھانا اس کے گھر والوں کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: سعد انوار ابن عبدالحفیظ، لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امام صاحب کو امامت کے بدلہ میں جو کھانا ملتا ہے، وہ ان کی ملکیت ہے اس میں ان کو جس طرح چاہیں تصرف کا اختیار ہے، چاہے خود کھائیں یا بال بچوں کو کھلائیں، یا مہمان کو کھلائیں کسی کو کوئی اعتراض کا حق نہیں ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ مال ودولت یا اس کے قبیل کی کوئی چیز عطا کرے تو اس کیلئے بہتر یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی ذات پر پھر بیوی بچوں وغیرہ پر خرچ کرے۔

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص قال: -إلى- وسمعته يقول: إذا أعطى الله أحدكم خيراً، فليبدأ بنفسه، وأهل بيته. (صحيح مسلم الإمارة، باب الناس تبع لقريش والخلافة في قريش النسخة الهندية ٢/ ١٢٠، بيت الأفكار رقم:١٨٢٢)

عن عامر بن سعد، قال: سألت جابر بن سمرة، عن حديث رسول الله ﷺ، فقال: قال رسول الله ﷺ: إذا أعطى الله أحدكم خيراً فليبدأ بنفسه وأهله. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٢/١٩٨، رقم: ١٨٠٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/٦/۲۳ھ

طلبہ کے نام پر سرکاری وظیفہ لے کر اس کو نہ دینے والے کی امامت

سوال [۲۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنے اسکول کے طلبہ کے نام پر سرکاری وظیفہ لیا اور وہ طلبہ کو نہ دے کر اپنی ضروریات میں خرچ کرلیا

ایسے شخص کا امام بننا یا اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے؟

المستفتي: منظور احمد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلبہ کے نام پر وظیفہ لے کر خود خرچ کرنے والا شخص فاسق ہے، اسکی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

عن أنس بن مالک رضؓ، أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفسه. (سنن الدار قطنی، کتاب البیوع، دار الکتب العلمیه بیروت ۳/۲۲، رقم: ۲۸۶۲)

أما الفاسق، فتجوز الصلاة خلفه ..... ولکن مع هذا یکره تقدیمه. (المحیط البرهانی، کتاب الصلاۃ، الفصل السادس، أحکام الإمامة والإقتداء جدید المجلس العلمي ۲/۱۷۸، رقم: ۱۵۱۲)

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحدٍ بغیر سبب شرعيٍ الخ. (شامی، باب التعزیر بأخذ المال، کراچی ٤/٦١، زکریا ٦/١٠٦)

لیس لأحد أن یأخذ مال غیره بلا سبب شرعی. (الشرح المجله رستم اتحاد بکڈپو ۱/٦٢، رقم المادة: ٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۳۲)

چندہ کی رقم سے ۲۵/فیصد رقم لینے والے معلم کی امامت

سوال [۲۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ادارہ میں مدرس تعلیمی کام انجام دیتا ہے، اس سے ماہ رمضان کے چندے کی رقم میں سے ۲۰/۲۵/فیصد مع تنخواہ کے رقم وصول کرتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں اسکے لئے یہ رقم لینا جائز

ہے، اور چندے کی رقم میں سے ۲۰/ ۲۵/ فیصد رقم وصول کرنے والا معلم اگر کسی مسجد میں امامت کرتا ہوتو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے۔

آپ ان سب مسئلوں کا جواب قرآن کی روشنی میں مع تفصیل و دلیل اور تصدیق کے ساتھ دینے کی زحمت گوارہ کریں۔

المستفتي: محمد سیف اللہ صدیقی، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۲۰/ ۲۵/ فیصد کا انعام قابل اعتراض انعام ہے، اتنا زیادہ انعام نام کا انعام ہے، حقیقت میں یہ اصل تنخواہ سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس لئے اتنا زیادہ انعام نہیں ہونا چاہئے، بلکہ دس فیصد، زیادہ سے زیادہ پندرہ فیصد ہو اس سے آگے نہیں بڑھانا چاہئے، اگر چہ جائز ہے، لیکن یہ احتیاط کے خلاف ہے، نیز چندہ وصول کرنے والے مدرس پر لازم ہے، کہ زکوٰۃ کی رقوم میں سے ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرے، اس لئے کہ زکوٰۃ کی رقم اس کے پاس امانت ہے، اور امانت میں خیانت باعث فسق ہے، اور سفر خرچ وغیرہ امداد کی رقم سے یا اپنی جیب خاص سے یا مدرسہ سے پیشگی لے لیا کرے اور بعد میں زکوٰۃ کی رقم جمع کرنے کے بعد مدرسہ کے دفتر سے اپنا حساب صاف کرلے، اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی کوئی مدرس یا سفیر زکوٰۃ کی رقم میں سے اپنا فیصدی انعام اور تنخواہ لیتا ہے، تو ایسا شخص خائن اور فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوجائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ٦/ ۲۹۲)

عن أنس بن مالکؓ قال: ماخطبنا النبی ﷺ إلا قال: لا إیمان لمن لا أمانة لـه، ولادین لمن لا عهد لـه. (مسند امام احمد ۳/ ۱۳۵، رقم: ۱۲٤۱۰، ۳/ ۱٥٤، رقم: ۱۲٥۹٥، ۳/ ۲۱۰، رقم: ۱۳۲۳۱، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۱۳/ ٤۳۹، رقم: ۷۱۹٦، صحیح ابن حبان دارالفکر ۱/ ۱٥۰، رقم: ۱۹٤، المعجم الکبیر للطبرانی، دار احیاء التراث العربی ۱۰/ ۲۲۷، رقم: ۱۰٥٥۳، ۱۱/ ۲۱۳، رقم: ۱۱٥۳۲)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة. (الدر المختار علی هامش رد المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ٢/٣٤٤، زکریا٣/٢٩١)

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمی ومبتدع. (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا ٢/٢٩٨، کراچی ١/٥٥٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩؍محرم الحرام ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦/٣٤/٧٤٨٤)

زکوٰۃ وصدقات کھا کر تعلیم حاصل کرنے والے کی امامت

سوال [٢١٢١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مدرسہ میں ملازم ہے اور مسجد میں امام بھی ہے زید نے ایسے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی ہے، جہاں زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کی رقم کے ذریعہ مدرسہ کے اخراجات پورے ہوتے ہیں، زید کے اوپر بھی زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کا پیسہ خرچ ہوا ہے، اب بکر کا یہ کہنا ہے، کہ زید کو مسجد میں امام نہ رکھا جائے، زید کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، اسلئے کہ زید نے مدرسہ میں رہ کر زکوٰۃ فطرہ صدقہ وغیرہ کے پیسہ کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کی ہے، موجودہ وقت میں بھی مدرسہ سے زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کے پیسے سے تنخواہ ملتی ہے جس کے ذریعہ زید اپنے اخراجات پورے کرتا ہے، کیا بکر کا یہ کہنا درست ہے، جبکہ ہندوستان کے اندر ٩٩؍فیصد ائمہ نے ایسے مدارس میں ہی تعلیم حاصل کی ہے، جنکے اخراجات مذکورہ بالا مدات کی رقوم سے پورے ہوتے ہیں، ایسی شکل میں مسلمانان ہند کیا کریں، برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں تاکہ یہ دماغی خلجان دور ہو اور مسلمانان ہند سکون واطمینان کیساتھ اللہ کا فریضہ ادا کرسکیں؟

المستفتي: عبدالعزیز شوالہ، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طالبان علم دین کیلئے زکوٰۃ کی رقم پاک اورحلال ہے، اگرچہ طالب علم کے ماں باپ مالدار کیوں نہ ہوں، نیز طالبان علم دین کوزکوٰۃ کی رقم دینے اوران پرخرچ کرنے میں زکوٰۃ دہندگان کوڈبل ثواب ملتا ہے، ایک زکوٰۃ ادا کرنے کا ثواب دوسرا علم دین کی اعانت کا ثواب اس لئے طالب علم کوزکوٰۃ کا پیسہ دینا زیادہ افضل ہے ،لہٰذا مذکورہ امام پرجوالزام ہے وہ غلط ہے،اورالزام لگانے والاسخت ترین گنہگار ہوگا۔

التصدق على العالم الفقير أفضل الخ. (البحرالرائق ، کتاب الزکوٰۃ ، قبیل باب صدقة الفطر زکریا ۲/ ٤٣٦، کوئٹہ ۲/ ۲٥۰، ھندیه ، کتاب الزکوٰۃ ، الباب السابع من المصارف، زکریا قدیم ۱/ ۱۸۷،جدید ۱/ ۲٤۹)

وأنفع للمسلمين بتعليم الخ. (مراقی الفلاح ، کتاب الزکوٰۃ ، قبیل باب صدقة الفطر/ ۳۹٤، جدید دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲)

اورمدارس کے ملازمین کوزکوٰۃ کے پیسہ سے تنخواہ نہیں دی جاتی ہے، بلکہ امداد کی رقم سے دی جاتی ہے،اس لئے یہ بھی محض الزام ہے،اس کا وبال بکر پر ہوگا۔

عن أبي بكر ن الصديق رضؓ **قال: قال رسول الله ﷺ: ملعون من ضار مؤمنا ، أو مكر به.** (سنن الترمذی ، البروالصله ، باب ماجاء فی الخیانة ، والغش النسخة الهندیة ۲/ ۱۰، دارالسلام رقم: ۱۹٤۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۹ ررجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۵۷)

الجواب صحیح:
احقرمحمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۱۲ھ

حلال وحرام پیشہ والے کے یہاں کھانا کھانے والے کی امامت

سوال [۲۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک شخص سودی لین دین کا کاروبار کرتا ہے،اس کے ساتھ جائز کاروبار بھی کرتا ہے،

اس شخص کےلڑکے باپ کے مال سے جائز کاروبار کرتے ہیں،لڑکےاور باپ شرکت میں ہیں،جبکہ یہ شخص مسجد سے متعلق خرچ کی ضروریات ودین کے دوسرے کاموں میں بھی حصہ لیتاہے،اس طرح شخص مذکور کے یہاں مسجد سے متعلق لوگوں کی طرح مسجد کےامام صاحب بھی اس کے یہاں ازروئے دفع شر اگر کھانا تناول فرمائیں تو ان کی امامت ازروئےشرع کیسی ہے؟

(۲)شخص مذکورکے یہاں ایک تو کبھی کبھی مسجد کے امام صاحب کے کھانے کا اتفاق ازروئے دفع شرہوتاہے،اورایک صورت یہ کہ بلاجھجک بلاسوچےسمجھےکھاتے رہتے ہیں،توان دونوں صورتوں میں کچھ فرق ہے یاکہ دونوں صورتوں میں کھانے کا ایک حکم ہے؟یعنی کس صورت میں اجازت اورکس صورت میں ممانعت ہے؟

المستفتي:سراج انور،قصبہ منڈاور،بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:(۱)سوالنامہ سے واضح ہوتاہے،کہ اس شخص کا اصل کاروبار جائز آمدنی کاہے،اورسودی لین دین ضمنی ہےاورفقہاء نےلکھاہے کہ جس کے یہاں حلال آمدنی غالب ہواورحرام مغلوب ہوتواس کے یہاں کھانا کھاناجائزہے،اوراس کا پیسہ مسجد میں لگانا بھی جائزہے،اسلئے کہ یہی سمجھاجائے گا کہ حلال مال سے کھلارہاہے،اور حلال ہی مال مسجد میں دےرہاہے،باقی اندرونی حال کیاہے،اس کا ذمہ دار وہ خود ہے دوسرے مسلمان اورمسجد نہیں۔

إن كان غالب ماله حلالاً ، لا بأس بقبول هديته والأكل منها كذا في الملتقط الخ. (عالمگيری، كتاب الكراهية ، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات زكريا قديم٥/٣٤٣ ، جديد ٥/٣٩٧)

إلا إذا اعلم أن أكثر ماله حلال بأن كان صاحب تجارة أو زرع فلا بأس به لأن أموال الناس ، لا تخلوا عن قليل حرام فالمعتبر الغالب وكذا

أكل طعامهم كذا فى الإختيار. (عالمگیری، كتاب الكراهية ، الباب الثاني عشر فى الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/٣٤٢، جديد ٥/٣٩٦، الدر المنتقىٰ، كتاب الكراهية ، فصل فى الكسب جديد بيروت ٤/١٨٦، ١٨٧، مصرى قديم ٢/٥٢٩)

(۲) پہلے سوال کے جواب سے واضح ہو چکا ہے کہ جب اس کے یہاں اکثر کاروبار اور غالب آمدنی حلال اور جائز ہے، تو اس کے یہاں بلا تردد کھانا کھانا بھی جائز ہے چاہے سوچ کر کھائے یا بلا سوچے سمجھے کھائے۔

وأما الإهداء والضيافة فينظر إن كان غالبا المهدي والضيف لا يقبله مالم يجز أن ذلك المال حلال، وإن كان غالب ماله حلالاً، فلا بأس بأن يقبل حتى يتبين عنده أنه حرام. (البنايه ، كتاب الكراهية ، فصل فى البيع اشرفيه ١٢/٢٠٩، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٨/٣٧، رقم: ٩٦١٧)

إلا إذا اعلم أن أكثر ماله من حل ، بأن كان صاحب تجارة أو رزع فلا بأس به وفى البزازية غالب مال المهدي ، إن كان حلالاً ، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام لأن أموال الناس لا يخلو عن حرام فيعتبر الغالب . (مجمع الأنهر ، كتاب الكراهية ، فصل فى الكسب جديد بيروت ٤/١٨٦، ١٨٧، مصرى قديم ٢/٥٢٩)

فإن كان غالب ماله حلالاً فإنه لا بأس بالإجابة والأكل. (كتاب الفقة على مذهب الأربعة ، كتاب الحظر والإباحة دارالفكر ٢/٣٧، عالمگیری ،كتاب الكراهية ، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات زكريا قديم ٥/٣٤٢، جديد ٥/٣٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر ۳۶/۷۹۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۹ھ

حضرت حسینؓ مع رفقاء شہید نہ ہوتے تو دین ٹھوکریں کھاتا کہنے والے کی امامت

سوال [۲۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسا عقیدہ یا جملہ بولنے والے شخص کے بارے میں جو یہ کہے کہ حضرت امام حسینؓ اپنا اور اپنے احباب ورفقاء کا کربلا میں سر نہ کٹاتے تو اللہ کا یہ دین دین اسلام ٹھوکریں کھاتا پھرتا، آپ سے ادباً عرض ہے کہ کیا ان جملوں میں اسلام کی تذلیل وتوہین نہیں ہے، پھر بولنے والا یہ بھی دعوی کرے، کہ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے، آپ حضرات عدل وتحقیق سے کام لیتے ہوئے قرآن پاک، احادیث طیبہ، ائمہ مجتہدین وفقہاء کرام کے فرمان کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، کیا ایسے شخص پر توبہ لازم ہے، یا تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی، اور اگر ایسا شخص امامت کرے تو اس کی اقتداء کی جائے یا نہیں، حنفی مسلک کے مطابق حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: حافظ عبدالغفار، ملک پور، سیملی کانٹھ روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت امام حسینؓ اوران کے رفقاء کا کربلا میں ظالم یزیدی لشکر کے ہاتھوں سے شہید ہوجانا اوران کا اہل بیت کو بے دردی سے شہید کردینا ان ظالموں کی انتہائی بدنصیبی اور بدبختی ہے، اور اہل بیت کی شہادت قیامت تک کے لئے پوری امت مسلمہ کے واسطے دردناک صدمہ کا باعث ہے، امت محمدیہ اس بھیانک حادثہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی، تمام امت پر اس کا صدمہ باقی ہے، اور باقی رہے گا، لیکن متکلم کا یہ جملہ کہ دین اسلام ٹھوکریں کھاتا پھرتا دین اسلام کے بارے میں ایک بھونڈی اور جاہلانہ تعبیر ہے، اور

آیت قرآنی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً. (المائدہ:۳۱) کے مصداق کے سراسر خلاف ہے، اس لئے ایسا جملہ استعمال کرنے سے گریز کرنا لازم وضروری ہے، اور ایسے شخص کوتوجہ دلانے کی ضرورت ہے، کہ اسلام کے بارے میں ایسا جملہ استعمال کرنے سے باز رہے، اورتوبہ کرے اور احساس پیدا ہوجانے کے بعد امامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۸۶/ ۸۷، ڈابھیل)

وَإِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً. (طٰه: ۲۰)

عن أبی عبیدة بن عبد الله، عن أبیه، قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب کمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، النسخة الهندیه ۱/ ۳۱۳، دارالسلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربي ۱۰/ ۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۲۶)

الیکشن میں کھڑے ہونے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

سوال [۲۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع گاندھی بڑی کی مسجد میں ایک امام ہیں جو مقامی ہیں، مسلمانان گاندھی بڑی نے مشورہ سے انہیں الیکشن میں کھڑا کردیا اور بفضلہ تعالیٰ وہ الیکشن جیت بھی گئے ہیں مگر مسلمانوں کے ایک سو آٹھ گھروں میں سے سولہ گھر امام صاحب کیخلاف ہوگئے ہیں جن میں دو نمازی بھی ہیں، دونوں نمازیوں کا کہنا ہے کہ امام کا الیکشن ناجائز ہے سو ہم اس امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، اور کوئی امام لاؤ تب ہی جماعت کی نماز پڑھیں گے ورنہ علیحدہ نماز پڑھیں گے، باقی تمام نمازی انہیں امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں دونوں مخالف نمازیوں کا کہنا ہے کہ ان امام صاحب کی

امامت جائز ہےتو فتویٰ منگادو ہمیں کوئی اعتراض نہیں رہے گا، سواب جلد از جلد جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا۔

المستفتي: ایس مسعود علوی، گاندھی بڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرامور سیاسیہ میں امام صاحب مناسبت رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے اہل ہیں اور شریعت کے بھی، نماز وروزہ وغیرہ کے بھی پابند ہیں تو امام صاحب فاسق نہیں ہیں، ان کے پیچھے نماز مکروہ نہیں ہے، بلاکراہت درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۴۷/۴، جدید زکریا ۹/۳۵۲، زکریا مطول ۳/۳ ۲۵)

نیز الیکشن لڑنا ناجائز نہیں ھے جبکہ پابند شریعت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۸)

کیا طبیب امامت کرسکتا ہے

سوال [۲۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) کوئی طبیب امامت کرسکتا ہے یا نہیں جبکہ وہ علم دین سے وابستہ ہے وضع قطع بھی درست ہے، تفسیر وفقہ وقراءت سے درس پاکر واقف ہوا ہے۔

(۲) طبیب ایک روپیہ کی دوا دیکر دس روپیہ چارج کرتا ہے۔

(۳) یا بغیر دوا دئے تشخیص مرض کی فیس لیتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ یا کوئی دوا مثلا پچاس پیسہ کی آتی ہے، اور اسی دوا کو مارکیٹ میں تمام لوگ چار روپیہ میں فروخت کرتے ہیں ایسا کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: سجاد حسین قاسمی،
دار الشفاء، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق :(۱) طبیب وحکیم کیلئے بلاکراہت امامت کرنا جائز ہے، محض ڈاکٹری کرنے کی وجہ سے مستحق امامت ہونے سے خارج نہ ہوں گے خصوصاً جبکہ عالم دین ہوں اور ظاہراً کسی شرعی فسق کے مرتکب نہ ہوں۔

(۲) ایک روپیہ کی دوا دیکر دس روپیہ لینا یہ دوا فروشی ہے، اور فروخت کرنے میں مالک کو اختیار ہے کہ جتنا چاہے، نفع لے لیا کرے اور خریدار کو پسند ہو تو لے ورنہ کسی اور کے یہاں جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۵۵۷، جدید زکریا/ ۵۴۰)

(۳) اور تشخیص امراض کی فیس ایک قسم کی اجرت ہے اسلئے اس کا لینا بھی جائز ہے۔

الأجرة وهو ما يستحق على عمل الخير الخ. (درمختار، كتاب الإجارة زكريا٩/ ٤، كراچی٦/ ٤)

والأجر ما يستحق على عمل الخير . (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، مكتبه امداديه، ملتان ٥/ ١٠٥، زكريا٦/ ٧٧، البحرالرائق، كتاب الإجارة، زكريا ٨/ ٤، كوئٹه ٨/ ٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۲۴ھ

ڈاکٹر عالم کی امامت

سوال [۲۱۲٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب مولوی ہیں، لیکن وہ انگریزی ڈاکٹری کرتے ہیں، اب ان کے لئے امامت کرنا جائز ہے یا نہیں، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ مع دلائل کے بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد اسلام الدین
فاروقی، سری کوفہ، پچھاڑ، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض انگریزی دواؤں سے ڈاکٹری کرنیکی وجہ سے مستحق امام ہونے سے خارج نہ ہوگا، جبکہ کوئی شرعی فسق کا مرتکب نہ ہواور حکیم وڈاکٹر کیلئے مرض کا پتہ لگانے کیلئے اجنبیہ عورت کے اعضاءمرض کا دیکھنااورنبض پکڑنا بھی جائز ہے، جبکہ بدنیتی نہ ہو۔

ویجوز للطبیب أن ینظر إلی موضع المرض منها للضرورة الخ. (هدایه، کتاب الکراهیة، فصل في الوطئی والنظر واللمس، اشرفی دیوبند ٤/ ٤٥٩، شامی، کتاب الإباحة، فصل فی النظر واللمس، کراچی ٦/ ٣٧١، زکریا ٩/ ٥٣٣، مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل فی النظر ونحوه دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر:۲۷/ ٢٦٧٠)

پیشاب کی نالی بنے ہوئے غسل خانہ میں غسل کرنے والے کی امامت

سوال [۲۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے غسل خانہ میں جوکہ غسل کرنے کیلئے ہے لیکن اسمیں پیشاب کی نالی بنی ہوئی ہے، گاہے بگاہے کوئی اسمیں پیشاب بھی کرتاہےاورامامِ مسجداسمیں غسل بھی کرتے ہیں تو کیااس غسل خانہ میں غسل کرنے کے بعدامام کی امامت جائز ہے؟ اوران کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب غسل خانہ میں نالی بنی ہوئی ہے، اور پیشاب جمع ہونے کا خطرہ نہیں تواسمیں بلاکراہت پیشاب کرنا جائز ہےاورغسل میں بھی نجاست کا شک نہ ہوناچاہئے ،امام کے پیچھے نماز بلاکراہت درست ہے، نیز امام صاحب پران حالات میں اعتراض اورالزام واردکرنے والوں پررجوع کرناضروری ہے۔

من ثم لوکان أرضه بحیث لایعود منه رشاش أو کان له منفذ لایثبت

فيه شيئى من البول لم يكره البول فيه إد لا يجر إلى وسواس لأمنه . (بذل المجهود ، كتاب الطهارة ، باب في البول فى المستحم قديم ١/١٩، دارالبشائر الإسلاميه ١/٢٥٩)

مکروہ اس وقت ہے جب پیشاب بہہ جانے کاراستہ نہ ہو بلکہ غسل خانہ میں جمع ہوجاتا ہو۔

وإنما نهى عن ذلک إذا لم يكن له مسلك يذهب فيه البول الخ.

(شامی ، كتاب الطهارة ، قبيل مطلب فى الفرق بين الإستبراء ، كراچی ١/٣٤٤، زكريا ديو بند ١/٥٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۷۰)

مسائل نماز سے ناواقف شخص کی امامت

سوال [۲۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسائل نماز سے واقف نہیں ہے، سب نمازیوں نے ملکر اس کو امام بنالیا ہے، ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محی الدین، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: افضل یہی ہے امام مسائل نماز سے واقف ہو، اگر ایسا نہ ہو، تو مسائل سے ناواقف شخص کی امامت بھی بلا کراہت درست ہے ۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۲۳۵)

الأولىٰ بالتقديم الأعلم بالسنة . (الفتاویٰ التاتارخانه ، كتاب الصلاة، الفصل السادس ، من هو أحق بالامامة ، زكريا ۲/۲٤٧، رقم:٨ ٢٣١)

عن أبي مسعود الأنصاري قال: قال رسول الله ﷺ يؤم القوم

أقرأهم لكتاب الله ، فإن كانوا في القراءة سواء فأعلمهم بالسنة .(صحيح مسلم ، المساجد ، باب من أحق بالإمامة ،النسخةالهندية ١/ ٢٣٦، بيت الأفكار رقم: ٦٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۲۱)

فجر کی نماز اول وقت میں پڑھ کر دوسری جگہ امامت کرنا

سوال [۲۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی امام صاحب نماز فجر اول وقت میں پڑھ لیں، (یعنی اذان فجر کے فوراً بعد) پھر کہیں دوسری مسجد میں امامت کا اتفاق ہو جائے اور پھر وہ دوسری مرتبہ نماز پڑھا دیں، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے آیا نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عیاض اللہ، نئی بستی کوٹلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شخص نے فجر کی فرض نماز پڑھ لی ہے اس کیلئے اسی فجر کی نماز میں دوسرے لوگوں کی امامت جائز نہیں ہے، اور جو لوگ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھیں گے، ان کی نماز صحیح نہ ہوگی اعادہ کرنا واجب ہوگا، اسلئے کہ امام کے حق میں یہ نماز نفل ہے۔

عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ أنه قال: إنما جعل الإمام ، ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه .(صحيح البخاري، الصلاة ، باب إقامة الصف من تمام الصلاة١/ ١٠٠، رقم: ٧١٣، ف:٧٢٢، مسند دارمي،دار المغني ٢/ ٧٩٨، صحيح مسلم ، الصلاة، باب ائتمام المأموم بالإمام ، النسخة الهندية ١/ ١٧٧، بيت الأفكار رقم:٤١٤)

ولا يصلي المفترض خلف المتنفل الخ. (هدايه ، كتاب الصلاة، باب

الإمامة اشرفی دیو بند ۱/ ۱۲۷، قدوری ، کتاب الصلاة ، باب صفة الصلاة ، امدادیه دیو بند ۱/ ۹ ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۷/ ۱۴۱۳ھ

امام کو حدث لاحق ہونے پر دوسرے شخص کو خلیفہ بنانے کی ایک شکل

سوال [۲۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران نماز قعدہ اخیرہ میں امام کا وضو ٹوٹ جائے اور امام کسی کو خلیفہ بنا کر آگے کرنے کی کوشش کرے، مگر وہ شخص آگے نہ آئے بلکہ پہلی صف کے مقتدیوں کیساتھ بیٹھا رہے، اور سلام پھیر دے اور دوسرے مقتدی اس کے سلام کیساتھ سلام پھیر دیں، تو یہ عمل درست ہے یا نہیں، اور امام اپنی نماز کس طرح پوری کریگا؟

المستفتي: شعیب احمد، میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب امام کے خلیفہ بنانے پر وہ شخص آگے نہیں بڑھا بلکہ اس نے پہلی صف میں بیٹھے بیٹھے امامت کی نیت کرلی اور لوگوں نے اس کی اقتداء میں اپنی نماز پوری کرلی تو یہ عمل درست ہے، اور سب کی نماز درست ہوجائیگی، اور امام بغیر قرأت کے اپنی نماز پوری کریگا، کیونکہ یہ لاحق کے حکم میں ہے، اور اگر نماز پوری نہیں ہوئی تو جس کو خلیفہ بنایا ہے اس کے پیچھے بقیہ نماز پوری کریگا۔

إمام أحدث فقدّم رجلاً من آخر الصفوف ثم خرج من المسجد فإن نوى الثاني أن يكون إماما من ساعته و نوىٰ أن يؤمهم في ذلك المكان جازت صلاة الخليفة وصلاة الإمام الأول ومن كان علىٰ يمين الخليفة وعلىٰ يساره في صفّه ومن كان خلفهٗ. (خانيه ، كتاب الصلاة ، فصل

فی الإستخلاف، زکریا جدید ۱/۷۳، وعلی هامش الهندیه ۱/۱۱۵، هندیه، کتاب الصلوٰة، فصل فی الإستخلاف زکریا ۱/۹٦، تاتارخانیه، کتاب الصلاة، الفصل: ١٦، الإستخلاف ۲/۳۷۵، رقم: ۲۷۱۷)

لو استخلف رجلاً فإنهٗ یصلی صلاته ثم إذا رجع الأول وقد بقی من صلاته شیءٌ یتم خلف الخلیفة، وإن فرغ الخلیفة أتم صلاته بغیر قراءةٍ لأنه لاحق. (تاتارخانیه، کتاب الصلاة، الفصل: ١٦، الإستخلاف، زکریا ۲/۳۷۰، رقم: ۲٦۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۵۲/۴۰)

دوران نماز ڈراؤنی آواز سے برابر ڈکار لینے والے امام کی امامت

سوال [۲۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب کو نماز کے دوران یعنی امامت کے فرائض انجام دیتے وقت ڈکار اتنی زور سے آتی ہے کہ مسجد گونج جاتی ہے، اور ڈکار اتنی زور سے ہوتی ہے کہ لوگ چونک جاتے ہیں، ڈکار کی آواز اتنی زور سے ہوتی ہے کہ جس سے ڈراؤنی شکل ہوجاتی ہے، یہ ڈکار وہ جان کر نہیں لیتے ہیں، ایسی حالت میں کیا امام صاحب کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: قاسم، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسی ڈراؤنی آواز کیساتھ ڈکار لیتا ہے کہ اس سے لوگ چونک جاتے ہیں، اور ہر نماز میں کثرت سے ایسا ہوتا ہے، اور اسکی وجہ سے اسکے پیچھے نماز پڑھنے سے لوگ گریز کرتے ہیں اور عام لوگوں میں نفرت پیدا ہوگئی ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہوگا، بشرط سہولت دوسرا امام مقرر کرلینا بہتر ہے، نیز مذکورہ امام کے

پیچھے نماز فاسد بھی نہیں ہوگی۔

إن كان الإمام يتنحنح عند القراء ة ، إن لم يكن كثيراً لابأس به ، وإن كثر فغيره أولىٰ منه ، إلا من يكون يتبرك بالصلاة خلفه. (فتح القدير ، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/٣٥٩، كوئٹه ١/٣٠٣)

ولو أم قوما وهم له كارهون إن لفسادٍ فيه أو لأنهم أولىٰ بالإمامة منه كره الخ. (الدر المنتقىٰ ،كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة دارالكتب العلمية بيروت ١/١٦٢، مصرى قديم ١/١٠٧، الدرالمختار ، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا٢/٢٩٨، كراچی ١/٥٥٩، مصری ١/٥٣)

والظاهر أن العلة النفرة ولذا قيد الأبرص بالشيوع ليكون ظاهراً . (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب فی إمامة الأمرد كراچی ١/٥٦٢، زكريا ٢/٣٠٢، مصرى ١/٥٢٥، البحرالرائق ، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/٦٠٩، كوئٹه١/٣٤٨)

ولو عطس أو تجشأ فحصل منه الكلام لا تفسد . (فتاویٰ عالمگيری ، كتاب الصلوٰة ، باب مايفسد الصلوٰة ، الفصل الأول فيما يفسد الصلوٰة ، زكريا قديم ١/١٠١، جديد١/١٦٠ ، فتاویٰ قاضی خان ، كتاب الصلوٰة ، فصل فيما يفسد الصلوٰة ، زكريا جديد١/٨٥، وعلى هامش الهنديه ١/١٣٦ ، الدرالمختار، باب مايفسد الصلوٰة ، ومايكره فيها ، مطلب فی مواضع التی لا يجب فيها رد السلام كراچی ١/٦١٩، زكريا٢/٣٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۵۵)

بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کی اقتداء

سوال [۲۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بیٹھ کر

رکوع سجدہ سے نماز پڑھتا ہے، تو اس کی اقتداء میں قیام کے ساتھ رکوع سجدہ کرنے والے کی نماز درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص بیٹھ کر رکوع سجدہ کرتا ہے اس کی اقتداء میں کھڑے ہو کر رکوع سجدہ کرنے والے کی نماز درست ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۲٦۵، کتاب المسائل ۱/ ۴۱۱)

عن عائشةؓ قالت: لما ثقل رسول الله صلى الله عليه وسلم –إلىٰ– فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جلس عن يسار أبي بكر ، فكان أبوبكر يصلى قائماً، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى قاعداً، يقتدى أبوبكر بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم ، والناس مقتدون بصلاة أبي بكر. (صحيح البخاري، الصلاة ، باب الرجل يأتم الإمام ، ويأتم الناس بالماموم ۱/ ۹۹، رقم: ۷۰٤، ف: ۷۱۳، صحيح مسلم ، الصلاة ، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر.... النسخة الهندية ۱/ ۱۷۸، رقم: ٤۱۸)

وصح اقتداء قائم بقاعد لأن النبى ﷺ صلى الظهر يوم السبت أو الأحد في مرض موته جالسا والناس خلفه قياماً؛ (مراقى الفلاح ،كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة مكتبه فيصل / ۱۱۰، دارالكتاب ديو بند/ ۲۹۵)

يجوز اقتداء القائم بالقاعد لأنه عليه السلام صلى آخر صلاته قاعدا والقوم خلفه قيام. (مجمع الأنهر ،كتاب الصلوٰة ، فصل الجماعة سنة مؤكدة ، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱٤۹، فتح القدير ،كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة ، زكريا ۱/ ۳۷۹، كوئٹه ۱/ ۳۲۰)

يجوز اقتداء القائم الذى يركع ويسجد بالقاعد الذى يركع

ویسجد استحساناً. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰۃ، بیان شرائط الإقتداء زکریا۱/ ۳۵۵، کراچی ۱/ ۱٤۲)

إذا کان الإمام یصلی قاعداً برکوع وسجود وخلفه قوم یصلون قیاما برکوع وسجود تجوز صلاۃ القوم. (التاتارخانیة، کتاب الصلوٰۃ، الفصل السادس من یصلح إماما لغیره و من لا یصلح زکریا۲/ ۲٥٤، برقم: ۲۳٤٤)

یجوز اقتداء القائم بالقاعد. (خانیه، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی من یصح الإقتداء به وفی من لا یصح زکریا، جدید ۱/ ۵۸، وعلی هامش الهندیه قدیم ۱/ ۹۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۱)

ایک نماز فوت ہونے والے صاحب ترتیب کی امامت کا حکم

سوال [۲۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر صاحب ترتیب ہے، وہ ایک مسجد میں امام ہے، ہفتہ میں ایک دو نمازیں قضاء ہوجاتی ہیں، مثلاً فجر کی نماز قضا ہوگئی، اس نے دوسری نماز ظہر پڑھادی اور مزید چار نمازیں اس نے قضا نہیں کیں اس صورت میں ان کی اور مقتدیوں کی نماز میں تو کوئی فساد آئے گا یا نہیں؟ اگر نماز فاسد ہوگئی تو ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا؟

المستفتي: محمد کوثر علی، محلّہ کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے اور بھول کر فجر کی نماز قضاء کرنے سے پہلے ظہر کی نماز پڑھادی اور بقیہ نمازیں بھی بھول کر پڑھادی ہیں، تو ایسی صورت میں سب کی نمازیں درست ہوگئیں ہیں، اور اگر زید نے فجر کی نماز

ترک کردی ہے، اور اس کو یاد رہا ہے کہ فجر کی نماز چھوٹی ہوئی ہے، پھر بھی اس نے ظہر کی نماز پڑھادی ہے تو یہ نماز فساد موقوف کے طور پر فاسد ہوگئی اور اسی حالت میں عصر مغرب عشاء کی نماز پڑھادی ہے اور دوسرے دن کا سورج طلوع ہوجانے تک سابقہ فجر کی قضا نہیں پڑھی ہے تو ساری نمازیں صحیح ہوجائیں گی، اور مقتدیوں کی نمازیں بھی صحیح ہوجائیں گی، اور اگر دوسرے دن کا سورج طلوع ہونے سے پہلے سابقہ فجر کی نماز پڑھ لی ہے تو اب تک پڑھی ہوئی ساری نمازیں لوٹانی ضروری ہوں گی، اور مقتدیوں پر بھی لوٹانی ضروری ہوں گی۔

الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداءً وقضاءً لازم .... فلم يجز فجر من تذكر أنه لم يؤتر إلا إذا ضاق الوقت المستحب أو نسيت الفائتة لأنه عذر أو فاتت ست اعتقادية الخ. (شامی ، كتاب الصلوٰة ، باب قضاء الفوائت مطلب فی تعريف الإعادة زكريا ٢/٥٢٣، ٥٢٧، كراچی ٢/٦٥)

قال رحمه الله فلو صلى فرضاً ذاكراً فائتة ولو وتراً فسد فرضه موقوفاً حتى لو صلىٰ ست صلوات مالم يقض الفائتة انقلب الكل جائزاً، ولو قضى الفائتة قبل أن يمضى ستة أوقات بطل وصف الفرضية ، وانقلبت نفلاً. (تبيين الحقائق ، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت زكريا ١/٤٦٨، مكتبه امداديه ملتان ١/١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۸۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۲۷ھ

کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والوں کا بیٹھ کر نماز پڑھانے والے کی اقتداء کرنا

سوال [۲۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامع مسجد کے امام صاحب چالیس سال سے زیادہ کے ہونے والے ہیں امامت کررہے ہیں، اللہ کے

فضل وکرم سے حافظ قرآن اور عالم دین ہیں، پانچ یا چھ سال کا عرصہ ہونے والا ہے، امام صاحب کے مسانے کا آپریشن ہوا تھا، انڈے کے برابر پتھری نکلی تھی، جسم کا سب خون بہہ گیا تھا، جمعہ کے دن دو آدمی پکڑ کر جمعہ کی نماز پڑھانے کیلئے لاتے ہیں، ممبر پر بیٹھ جاتے ہیں آدھا گھنٹہ بیان کرتے ہیں خطبہ پڑھتے ہیں، اور مصلیٰ پر آ کر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں بغیر سہارے کے تکبیر تحریمہ اور قرأت وغیرہ رکوع قیام وسجود سب قاعدے کے مطابق پورے کراتے ہیں، دوسری رکعت بیٹھ کر پڑھاتے ہیں کیونکہ کھڑے ہونے میں پریشانی ہوتی ہے یعنی بذات خود بغیر سہارے کے اکیلے تنہا کھڑے نہیں ہو سکتے اکیلئے کھڑا ہونا نہ ممکن اور محال ہے کیا امام صاحب کو دوسری رکعت بیٹھ کر پڑھانا جائز ہے یا ناجائز کسی قسم کا کوئی شور ہنگامہ نہیں ہوتا، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز، مقتدیوں کی نماز درست اور ٹھیک ہوگی یا مکروہ ہوگی، اگر جائز اور نماز ٹھیک ہوتی ہے تو ان امام صاحب سے یہ کہنا کہ تم مستعفی ہو جاؤ، یہ اچھی بات ہے یا بری بات ہے، صاف صاف بیان فرمائیے؟

المستفتي: محمد فضل الرحمٰن، محلہ
پیرزادگان، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ امام صاحب اگر دوسری رکعت بیٹھ کر پڑھاتے ہیں اور صحیح طور پر رکوع سجدے کرتے ہیں تو اس صورت میں حضرات شیخینؒ کے قول کے مطابق امامت درست ہو جاتی ہے، اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق درست نہیں ہوتی اسلئے احتیاط اسی میں ہے کہ جب تک مذکورہ امام صاحب باقاعدہ دونوں رکعتیں کھڑے ہو کر پڑھانے کے لائق نہ ہوں، اس وقت تک دوسرے اچھے امام کے ذریعہ سے نماز پڑھوائی جائے، اور اب تک جو نمازیں بیٹھ کر پڑھائی ہیں، وہ حضرات شیخینؒ کے قول کے مطابق صحیح ہیں ان کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

عن عائشةؓ قالت: اشتكى رسول الله ﷺ، فدخل عليه ناس من

أصحابه يعودونه فصلى النبي ﷺ جالساً، فصلو بصلاته قياماً، فأشار إليهم أن اجلسوا، فلما انصرف قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به ، فإذا ركع، فاركعوا، وإذا رفع فارفعوا، وإذا صلى جالساً، فصلوا جلوساً. (سنن ابن ماجه الصلاة ، باب ماجاء في أن الإمام ليؤتم به النسخة الهندية /٨٧، دارالسلام رقم:١٢٣٧، سنن الترمذی ، الصلاة، باب ماجاء إذا صلى الإمام قاعداً فصلوا فعوداً ، النسخة الهندية ١/٨٣، دارالسلام رقم:٣٦١، صحيح ابن خزيمه المكتب الإسلامی ١/ ٧٢٠، رقم:١٤٨٧)

عن عائشةؓ قالت: لما ثقل رسول الله صلى الله عليه وسلم -إلىٰ- فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جلس عن يسار أبي بكر، قالت : فكان رسول الله ﷺ يصلي بالناس جالساً، وأبو بكر قائماً، يقتدى أبو بكر بصلاة النبي ﷺ ويقتدى الناس بصلاة أبي بكر . (صحيح مسلم ، الصلاة ، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض و سفر ، النسخة الهندية ١/١٧٨، بيت الأفكار رقم: ٤١٨، سنن النسائی الإمامة ، باب الإئتمام بالإمام يصلى قاعداً ، النسخة الهندية ١/٩٥، دارالسلام رقم: ٨٢٩)

وصح اقتداء قائم بقاعد أي يركع ويسجد وهذا عندهما خلافاً لمحمد وقوله أحوط. (حاشية الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوٰة ، باب الإمامة دارالکتاب ديوبند/٢٩٥، ٢٩٦، الدرمع الشامی ،کتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زکريا٢/٣٣٦، کراچی ١/٥٨٨، امداد الأحکام ٢/١١٨، شرح النقايه ، کتاب الصلاة، باب الإمامة اعزازيه ديوبند ١/٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۵۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۷/۶ھ

ایک وضو سے کئی وقتوں کی نماز پڑھانا

ســــوال [٢١٣٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا امام ایک وضو سے کئی وقتوں کی امامت کرسکتا ہے؟

المستفتي: محمد غفران، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں ایک وضو سے کئی وقتوں کی نماز خود پڑھنا یا امام بن کر کسی دوسرے کو پڑھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

عن عمرو بن عامر البجلي قال محمد: هو أبو أسد بن عمر، قال: سألت أنس بن مالك عن الوضوء، فقال: كان النبي ﷺ يتوضأ لكل صلاة، وكنا نصلي الصلوات بوضوء واحد. (أبو داؤد شريف، الطهارة، باب الرجل يصلي الصلوات بوضوء واحد النسخة الهندية ١/٢٣، دارالسلام رقم: ١٧١، سنن ابن ماجه، باب الوضوء لكل صلاة، والصلوات كلها بوضوء واحد النسخة الهندية/٣٨، دارالسلام رقم: ٥١٠)

عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال كان النبي ﷺ يتوضأ لكل صلاة فلما كان عام الفتح صلى الصلوات كلها بوضوء واحد. (ترمذی شريف، الطهارة، باب ماجاء أنه يصلي الصلوات بوضوء واحد النسخة الهندية ١/١٩، دارالسلام رقم: ٦١)

عن سليمان بن بريدة عن أبيه أن النبي ﷺ صلى الصلوات يوم الفتح بوضوء واحد ومسح على خفيه. (صحيح مسلم، الطهارة، باب جواز الصلوات كلها بوضوء واحد، النسخة الهندية ١/١٣٥، بيت الأفكار رقم: ٢٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٥/صفر ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٧٥٢٦/٣٦)

تیمّم کرنے والے کے پیچھے باوضو پڑھنے والوں کی اقتداء

سوال [۲۱۳٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص وضو پر قدرت نہیں رکھتا ہے تیمّم کے ذریعے نماز پڑھتا ہے تو اس تیمّم کرنے والے کی اقتداء میں وضو کرنے والوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: اکبر، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیمّم کرنے والے کی اقتدا میں وضو کرنے والے کی نماز درست ہے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۳/ ۲٦۵)

عن عمرو بن عاص، قال احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل فأشفقت، أن أغتسل، فأهلک، فتيممت، ثم صليت بأصحابي الصبح. (سنن أبي داؤد، الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد، أيتيمم؟ االنسخة الهندية ١/ ٤٨، دارالسلام رقم: ٣٣٤، المستدرك، كتاب الطهارة، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ١/ ٢٦٢، رقم: ٦٢٩، سنن الدار قطني، كتاب الطهارة، باب التيمم، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٨٧، رقم: ٦٧٠، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٢٠٣، ٢٠٤، رقم: ١٧٩٦٥)

يجوز اقتداء المتوضئ بالمتيمم عند أبی حنيفةؒ وأبي يوسفؒ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان شرائط الإقتداء، زكريا ١/ ٢٩٥، كراچي ١/ ١٤٢)

صح اقتداء متوضىء بمتيمم عندهما. (مراقی الفلاح، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة/ ١١٠)

يجوز اقتداء المتوضی بالمتيمم. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، فصل الجماعة سنة مؤكدة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٦٩، مصرى قديم ١/ ١١٢)

يجوز أن يؤم المتيمم المتوضئين. (فتح القدير ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ١/٣٧٧، كوئٹه ١/٣١٩، دارالفكر١/٣٦٧، قاضي خان ، كتاب الصلوٰة ، فصل في من يصح الإقتداء به وفي من لا يصح زكرياجديد ١/٥٨، وعلى هامش الهنديه قديم ١/٩٠)

لا يفسد اقتداء متوضىء بمتيمم . (تبيين الحقائق ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ١/٣٦٣، امداديه ملتان ١/١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۵۲/۴۰)

نصف عضو پر وضو اور نصف پر مسح کرنے والے کی امامت

سوال [۲۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے چہرے پر زخم ہو گیا اس پر پھایا لگا ہوا ہے، وضو میں پورا چہرہ دھل نہیں سکتا آدھے چہرے پر مسح کرتا ہے، تو اس کی اقتداء میں کامل وضو کرنے والوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: اچھن خان صاحب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: جو شخص آدھے چہرے پر مسح کر سکتا ہے اور آدھے پر غسل تو ایسے شخص کی اقتداء میں کامل وضو کرنے والوں کی نماز درست ہے ۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۲٦۵، کتاب المسائل ۱/۴۱۲)

يجوز اقتداء غاسل بماسح؛ (مجمع الأنهر ، كتاب الصلوٰة ،فصل الجماعة سنة مؤكدة ، مصرى قديم ١/١١٢،دارالكتب العلمية بيروت ١/١٦٨)

صح اقتداء غاسل بماسح على خرقة . (مراقي الفلاح ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة ،مكتبه فيصل / ١١٠، دارالكتاب ديو بند/٢٩٥)

لا يفسد اقتداء غاسل بماسح لا ستواء حالهما ....والماسح على

الجبيرة كالماسح على الخفين . (تبيين الحقائق ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ١/ ٣٦٤، امداديه ملتان ١/ ١٤٣)

يجوز اقتداء الغاسل بالماسح وصاحب الجرح بمثله. (خانيه ، على هامش الهنديه ، كتاب الصلوٰة ، فصل فى من يصح الإقتداء به وفى من لا يصح زكريا ١/ ٩٠، زكرياجديد ١/ ٥٨، بدائع الصنائع ، كتاب الصلوٰة ، بيان شرائط الإقتداء زكريا ١/ ٣٥٥، كراچى ١/ ١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۹۹)

بیٹھ کر اشارہ سے پڑھنے والے کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والوں کی نماز

سوال [۲۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص عذر کی وجہ سے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھ رہا ہے، تو اس کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: قاسم ،بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اشارہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں رکوع سجدہ کرنے والے کی اقتداء درست نہیں ہے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۶۵)

لايجوز اقتداء من يركع ويسجد بالمؤمىء . (بدائع الصنائع ، كتاب الصلوٰة، بيان شرائط جواز الإقتداء زكريا ١/ ٣٥٠، كراچى ١/ ١٣٩)

ولا يصلى الذى يركع ويسجد خلف المؤمئ ، لأن حال

المقتدى أقوىٰ. (فتح القدير ،كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زكريا ١ / ٣٨١ ، كوئٹه ١/٣٢٣، دارالفكر ١ / ٣٧١)

ولايصح اقتداء الراكع والساجد بالمؤمئ. (خانيه ،كتاب الصلوٰة، فصل في من يصح الإقتداء وفي من لايصح الإقتداء ، زكريا جديد ١/٥٨، وعلى هامش الهنديه قديم١ /٨٩)

إن كان الإمام يصلي قاعدا بالإيماء لا يقدر على السجود وخلفه قوم يصلون قعوداً بالإيماء أيضاً يجوز ، وإن كان خلفه قوم قيام يركعون ويسجدون لا تجوز ،صلاة القوم عندنا. (تاتار خانيه ،كتاب الصلاة، الفصل السادس من يصلح إماماً لغيره ومن لايصلح زكريا٢/ ٢٥٤، برقم:٦ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۱)

امام مسجد سے مسئلہ دریافت کرنا

سوال [۲۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام سے اگر بابت نماز کوئی مسئلہ معلوم کیا جائے تو امام کو بتادینے کا حکم ہے یا نہیں، اور اگر بابت نماز نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد یاسین، محلّہ: اہل ضابطہ گنج، نجیب آباد، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سائل کو واقعی مسئلہ معلوم کرنے کی شدید ضرورت ہے، اور امام صاحب کو بھی باوثوق طریقہ سے معلوم ہے تو نہ بتلانے میں امام صاحب سخت گناہ گار ہونگے، اور اگر سائل کو سخت ضرورت نہیں ہے یا امام صاحب کو باوثوق

طریقہ سے یاد نہیں ہے، تو گناہ گار نہیں ہونگے۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من سئل عن علم، فكتمه، ألجمه الله بلجام من نار يوم القيامة. (سنن أبي داؤد، باب كراهية منع العلم النسخة الهندية ۲/۱۵۹، دارالسلام رقم: ۳٦٥۸، سنن ابن ماجه، العلم، باب من سئل عن علم فكتمه، النسخة الهندية ۱/۲۳، دارالسلام رقم: ۲٦٦، سنن ترمذی باب ماجاء في كتمان العلم، النسخة الهنديه۲/۹۳، دارالسلام رقم: ۲٦٤۹، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ۱٦/۱۸۳، رقم: ۹۳۰۰، المعجم الكبير للطبرانی، داراحياء التراث العربي۸/۳۳٤، رقم: ۸۲٥۱)

وليس كذلک الأمر في نوافل العلم الذی لاضرورة للناس إلى معرفتها الخ. (بذل المجهود كتاب العلم، باب فی كراهية منع العلم، سهارن پور، قديم ٤/۳۲٦، دارالبشائر الاسلاميه۱۱/۳۹۰، مفهومه مرقاة، كتاب العلم، الفصل الثانی، منع الكتاب عن الطالب عند الضرورة ....امداديه ملتان ۱/۲۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۰۹)

تعویذات کی اجرت لینے والے کی امامت

سوال [۲۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حافظ قرآن ہوں میرا پیشہ مسجد کی امامت اور تعویذات کرنا ہے، دیگر کوئی کاروبار نہیں ہے، مسجد سے ماہانہ کوئی وظیفہ بھی نہیں ہے، اگر سال پورا ہوجائے تو منجانب مسجد کئی ہزار روپئے مل جاتے ہیں، تعویذات کرنے کے بارے میں مریض سے میں روپیہ طے کرلیتا ہوں اس مشغلہ میں جھوٹ فریب سے کام نہیں لیتا دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ تعویذات کے بدلہ میں اس طرح روپیہ لینا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور بعوض تعویذات روپیہ لینے کی صورت میں میری

امامت درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: حافظ محمد مقدس، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذات سے مناسب اجرت لینے کی گنجائش ہے مگراس کو پیشہ بنالینا بھی بہتر نہیں ہے، اور تعویذات کی اجرت لینے کی وجہ سے امامت پر کسی قسم کی خرابی لازم نہیں آتی ہے، جبکہ تعویذات میں کوئی غیر شرعی عمل شامل نہ کیا جاتا ہو۔

عن عوف بن مالک الأشجعي ؓ، قال کنا نرقی فی الجاهلية، فقلنا یارسول اللہ ! کیف تری فی ذلک؟ فقال: اعرضوا علي رقاکم لابأس بالرقی مالم یکن فیه شرک. (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب الرقیه.... النسخة الهندية ۲/۲۲٤، بیت الأفکار رقم: ۲۲۰۰)

إن أحق ماأخذتم علیه أجرا کتاب اللہ یعنی إذا رقیتم به . (عمدة القاري، کتاب الإجارة، باب ما یعطی فی الرقیة علی احیاء العرب داراحیاء التراث العربي بیروت ۱۲/٦۹، جدید زکریا ۸/٦۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵٦۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/۲/۱۴۱۹ھ

تعویذ پر اجرت لینے والے کے پیچھے نماز

سوال [۲۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کے امام صاحب دعا تعویذ کا کام کرتے ہیں اور اس کی اجرت مانگتے ہیں یا لیتے ہیں تو کیا ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد منظور الحق، سمستی پور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ پر اجرت لینا درست ہے، بشرطیکہ دھوکہ بازی نہ کرے اور خلاف شرع تعویذ نہ کرے، لہذا ایسے شخص کے پیچھے نماز بھی درست ہے۔

(مستفاد فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۲۹، جدید ڈابھیل)

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ أن نفرا من أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم -إلی- فقرأ بفاتحة الکتاب علی شاء ، فبرأ ، فجاء بالشاء إلی أصحابہ ، فکر ھوا ذلک وقالوا: أخذت علی کتاب اللّٰہ أجراً ، حتی قدموا المدینة ، فقالوا: یارسول اللّٰہ ! أخذ علی کتاب اللّٰہ أجراً، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : إن أحق ما أخذتم علیہ أجراً کتاب اللّٰہ . (صحیح البخاری ، باب الشرط فی الرقیة بقطیع من الغنم ، النسخة الهندیه ٢/ ٨٥٤، رقم: ٥٥١٣، ف: ٥٧٣٧)

إن أحق ما أخذتم علیہ أجراً کتاب اللّٰہ یعنی إذا رقیتم بہ. (عمدة القاري، کتاب الإجارة ، باب ما یعطی فی الرقیة علیٰ أحیاء العرب ،دار احیاء التراث العربي بیروت ١٢ /٩٦، زکریا ٨/ ٦٢٨) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

تعویذ گنڈا کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال [۲۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو امام تعویذ گنڈا کرتا ہے اور پیسہ وصول کرتا ہے، تو اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں ہوگی؟

المستفتی: عبدالقیوم، مقبرہ روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعویذ پر پیسہ لینے کی گنجائش تو ہے مگر نہ لینا بہتر ہے، اور ایسے امام کے پیچھے نماز بہر حال صحیح ہوجائیگی۔ (مستفاد امداد الفتاویٰ ۳/۴۰۳)

إن أحق ما أخذتم عليه أجراً كتاب الله يعني إذا رقيتم به. (عمدة القاري، كتاب الإجارة، باب ما يعطى فى الرقية علىٰ أحياء العرب، داراحياء التراث العربي بيروت ۹۶/۱۲، زكريا ۶۲۸/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۳/۱۴۱۳ھ

گھر کی عورتوں کی امامت کرنا

سوال [۲۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی، بہن اور ماں کی امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عزیز الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں زید کیلئے اپنی ماں، بہن اور بیوی وغیرہ گھر کی عورتوں کی امامت کرنا بلاکراہت جائز ہے۔

ولو أمهن رجل فلاكراهة (إلى قوله) فإن كان واحد ممن ذكر معهن فلاكراهة الخ. (طحطاوى، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان أحق بالإمامة قديم /۱۶۶، دارالكتاب ديوبند ۳۰۴/۱)

تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه، كأخته أو زوجته، أو أمته أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في

المسجد لایکره . (در مختار مع الشامی ، کتاب الصلاة ، باب الإمامة کراچی ۵٦٦/۱ ، زکریا۳۰۷/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳٦۱/۳۲)

محرم اور غیر محرم میں عورتوں کو نماز پڑھانا

سوال [۲۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد امام ہو اور اس کے پیچھے نماز میں سب عورتیں ہی ہیں، ان میں بعض عورتیں محرم بھی ہیں اور بعض غیر محرم بھی ہیں، تو ایسی صورت میں ان عورتوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ جو بھی مسئلہ ہو مکمل طریقہ سے وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد قاسم، گانوڑی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مقتدیوں میں اس مرد کی محرم عورت بھی ہے تو ایسی صورت میں امامت بلا کراہت درست ہے، اور نماز ہو جائیگی، لیکن چونکہ غیر محرم عورتیں بھی ہیں اسلئے پردہ کا اہتمام بھی رکھیں۔ (مستفاد محمودیہ قدیم ۱۴۲/۲، جدید ڈابھیل ۴۷٦/٦)

وكذلك يكره أن يؤم النساء في بيت وليس معهن رجل ولا محرم منه مثل زوجته وأمته وأخته ، فإن كانت واحدة منهن فلا يكره . (البحر الرائق ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة زكريا ٦١٦/١ ، کوئٹه ٣٥٢/١)

تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره ، ولا محرم منه كأخته ، وزوجته ، وأمته أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن في المسجد لايكره . (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب الإمامة ، كراچی ٥٦٦/١،

زکریا۲/۳۰۷، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة دارالکتاب دیوبند/ ۳۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٠١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۲ھ

طلاق دینے والے کی امامت

سوال [۲۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، تو کیا وہ کسی وقت امام کے نہ ہونیکی وجہ سے امام بن کر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں کیا مسئلہ ہے۔

المستفتي: محمد افضل حسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اپنی بیوی کوطلاق دینے کی وجہ سے شوہر شرعاً فاسق نہیں ہوتا ہے اسلئے اسکے پیچھے نماز اور اسکی امامت بلاکراہت درست ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ .(سورة البقرة:۲۳٦)

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ. (سورة الطلاق: ۱)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ . (سورة البقرة: ۲۲۹)

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (سورة البقرة: آية :۲۲۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴رشوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/ ۱۹۸۷)

مجبوراً پردہ کا انتظام نہ کر پانے والے کی امامت

سوال [۲۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام کی بیوی اور بچے کی بے پردگی ہوتی ہے، اور امام پردہ نہ کرنے پر مجبور ہے مقتدی حضرات اور منتظمین کی سستی ولاپرواہی کی وجہ سے امام کے گھر کے آگے پردہ نہیں ہے نہ منتظمین پردہ کا انتظام کرتے ہیں اور نہ ہی امام کو اجازت ہے کہ اپنے گھر کے آگے پردہ کرلے جس کے نتیجہ میں ہر آنے جانے والے نمازی کی نگاہ امام صاحب کی بیوی پر قصداً وسہواً پڑتی ہے ایسی حالت میں اس امام کے پیچھے مقتدیوں و منتظمین کا نماز پڑھنا کیسا ہے۔

المستفتي: محمد فیروز عالم، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی صورت میں مسجد کی کمیٹی کے افراد پر ضروری ہے کہ اپنے امام کیلئے باعزت طریقہ سے انتظام کردیں جبکہ امام کا گھر منجانب مسجد ہے تو اس کا انتظام بھی منجانب مسجد پوری طرح کردینا چاہئے، ورنہ امام صاحب پر ضروری ہے کہ گھر کے سامنے کم از کم کپڑے وغیرہ ڈالکر پردہ کا انتظام کرلیں، اور انتظامیہ کی طرف سے اس انتظام پر روک لگانا قطعاً جائز نہیں، اس سے انتظامیہ کے لوگ گنہ گار رہوں گے، اور اگر اس معاملہ میں امام صاحب مجبور ہیں تو ان پر فسق کا حکم نہ لگے گا اور نہ ہی ان کے پیچھے نماز میں کوئی خرابی آئیگی۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۷/ ۴۶، جدید ڈابھیل ۶/ ۲۴۰)

عبد الله بن عمر يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كلكم راعٍ، وكلكم مسؤل عن رعيته، فالإمام راعٍ ومسؤل عن رعيته، والرجل راعٍ في أهله، وهو مسؤل عن رعيته. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۲، رقم: ۸۸۳، ف: ۸۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۳؍۱۴۱۷ھ

کمیشن پر چندہ کرنے والے کی امامت

سوال [۲۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کمیشن پر چندہ کرنے والا اگر امامت کرے تو کیا حکم ہے؟

المستفتي: مولوی ظہیر احمد، مدرسہ انوار العلوم، زویا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امام تنخواہ دار ملازم کو بطور انعام پچاس فیصد سے کم تنخواہ کے علاوہ مدرسہ کے امدادی فنڈ سے کمیشن دیا جائے تو جائز ہے، اس کے نتیجے میں نماز پڑھانے اور امامت کرنے سے نماز میں کسی قسم کی کراہت نہ آئے گی۔ (مستفاد ایضاح المسائل /۱۲۲، ایضاح النوادر ۲/ ۵۵، امداد المفتیین کراچی/ ۷۵۷، ۴۶۱)

لكن لا يزاد على نصف ما قبضه . (شامي، كتاب الزكوٰة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٠، زکریا۳/ ۲۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/ ۴۹۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰؍۶؍۱۴۱۷ھ

فصل في النيابة عن الإمام

شاہی امام کی تاخیر کی بناء پر نائب امام کے نماز پڑھانے پر تنازع

سوال [۲۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا نائب امام ہے مغرب کی اذان ہو چکی ہے، مؤذن اپنی صف میں تکبیر کہنے آ چکا ہے، تقریباً دو یا تین منٹ تک شاہی امام مسجد میں نہیں ہے، نائب امام سے لوگوں نے کہا کہ آپ نماز پڑھا دو نائب امام نے معلوم کیا شاہی امام صاحب نہیں ہیں، تب نائب امام نماز پڑھانے کیلئے مصلے پر کھڑے ہو گئے مکبر آدھی تکبیر کہہ چکا ہے، اس کے بعد شاہی امام صاحب اپنے کمرہ سے غصہ میں بڑبڑاتے ہوئے آئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور نائب امام کو مصلے سے ہٹا کر خود کھڑے ہو گئے، نماز پوری کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ امام کی بغیر اجازت نماز بالکل نہیں ہوگی، جبکہ جن کو مصلے سے ہٹایا ہے وہ بھی نائب امام ہیں، نائب امام نے کہا نماز ہو جائے گی شاہی امام نے کہا کہ قطعاً نہیں ہوگی، اس پر دونوں میں کافی دیر بحث رہی مسئلہ زیر بحث ہے، آپ فرمائیں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اور پھر شاہی امام کا یہ فعل نائب امام کے ساتھ کیسا ہے؟

المستفتي: محمد عبداللہ، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شاہی امام کے وقت پر موجود نہ ہونے پر نائب امام کا مصلے پر پہونچ جانا درست اور صحیح ہے، اسلئے کہ نائب امام کو اسلئے مقرر کیا جاتا ہے، کہ اصل امام کے نہ ہونے پر نائب امام وقت پر نماز پڑھا دیا کرے، اور نائب امام کے مصلے پر پہونچنے کے بعد شاہی امام کا سخت سست انداز اختیار کرنا غیر مناسب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے، ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عوالی میں تشریف لے جا رہے تھے، تاخیر کی صورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

اپنا نائب بنا کر تشریف لے گئے، اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز شروع فرمادی تو اسی اثناء میں حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ابوبکرؓ پیچھے کو ہٹنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں تم ہی نماز پڑھادو، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی۔

عن سهل بن سعد الساعدی، أن رسول الله ﷺ ذهب إلى بنی عمرو بن عوف ليصلح بينهم، فحانت الصلوٰة، فجاء المؤذن إلىٰ أبی بكر، فقال: أتصلی الناس فأقيم؟ قال: نعم، فصلی أبو بكرؓ. (بخاری شريف، الأذان، باب من دخل ليؤم الناس فجاء الإمام الأول، النسخة الهنديه ۱/ ۹٤، رقم: ٦٧٥، ف: ٦٨٤، صحيح مسلم، الصلاة الجماعة، من يصلی بهم إذا تأخر الإمام النسخة الهنديه ۱/ ۱۷۹، بيت الأفكار رقم: ٤٢١)

قلت لأنه لا يجوز التقدم بين يدی النبی صلی الله عليه وسلم وليس لسائر الناس اليوم من الفضل من يجب أن يتأخر له وكان جائزاً لأبي بكر أن لا يتأخر لإشارة النبی صلی الله عليه وسلم أن امكث مكانک. (عمدة القاری، كتاب الأذان، باب من دخل ليؤم الناس فجاء الإمام الأول زكريا ٤/ ۲۹۳، داراحياء التراث العربي بيروت ٥/ ۲۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۱ھ

امام کے ہوتے ہوئے بضرورت اسکے نائب امام کو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال [۲۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد جسکی

آمدنی تقریباً ۱۲۵۰/ روپے ماہوار ہے، امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں جن کو ڈیڑھ سو روپے منجانب مسجد دیئے جاتے ہیں امام کی عدم موجودگی میں نماز پڑھانے میں کافی پریشانی ہوتی ہے ،(سختی سے بھی کام نہیں چلتا ہے)امام کے انکار کا خوف ہے تو کیا ہم نائب امام مقرر کر سکتے ہیں یا نہیں اور اسکو جس وقت کا روپیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اصل امام اور نائب کو تنخواہ دے سکتے ہیں تو کتنی تنخواہ دینا جائز ہے، نیز دیگر خادم مسجد اور مؤذن کو بھی تنخواہ دینا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ اصل امام کو بھی سو ڈیڑھ سو سے زیادہ تنخواہ دینا نہیں چاہئے، جبکہ امام اور نائب سبھی مسجد کی بھی خدمت کرتے ہیں، تو کیا زید کا قول از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: خبیب احمد عفی عنہ، بنارسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ضرورت ہو تو نائب امام مقرر کرنا بھی درست ہے؛ اور اصل امام اور نائب دونوں کو تنخواہ میں اتنی رقم دی جائے جتنی پر دونوں راضی ہو جائیں مسجد میں پیسہ کم ہو جائے تو اہل مسجد کو توجہ کے ساتھ اس کا معقول انتظام کرنا ضروری ہوگا! زید کا قول صحیح نہیں ہے بلکہ امام کو اتنا لینا جائز ہے جتنے میں امام اپنی بیوی بچوں کی تمام ضروریات بآسانی پوری کر سکے !(مستفاد: امدادالفتاویٰ زکریا ۳/ ۳۴۰)

ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (الدر المختار ،كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الإستئجار على الطاعات كراچی ٦/ ٥٥ ، زكريا ٩/ ٧٦)

ويفتى اليوم بالجواز أي بجواز أخذ الأجرة على الإمامة وتعليم القرآن والفقه والأذان كما في عامة المعتبرات. (مجمع الأنهر ، كتاب الإجارة الفاسدة ، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٣٣، مصرى قديم ٢/ ٣٨٤)

وفى الروضة : وفي زماننا يجوز للإمام والمؤذن والمعلم أخذ الأجرة ومثله في الذخيرة . (البحرالرائق ، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة كوئٹه ٨/ ٢٠،

زکریا ۸/۳۵، هنديه، كتاب الإجارة، الباب السادس عشر ...... الاستئجار على الطاعات، زكريا قديم ٤/٤٤٨، جديد ٤/٤٨٤، فتاوىٰ بزازيه، كتاب الإجارة، نوع في تعليم القرآن زكريا، جديد ٢/٢٢، وعلى هامش الهنديه ٥/٣٧، الموسوعة الفقيهة الكويتية ٦/٢١٥، ٢٢/٢٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۹۴)

مقررہ امام کی موجودگی میں بغیر اسکی اجازت کے دوسرے کا امامت کرنا

سوال [۲۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کسی مسجد میں امامت کررہا ہے، زید کی موجودگی کے باوجود زید کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا شخص نماز پڑھانے کیلئے آگے بڑھ گیا، تو کیا نماز درست ہوئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتي: محمد اعلم، پٹن والی
مسجد، گلشہید، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کا مقررہ امام امامت کا زیادہ حقدار ہے، اس کی موجودگی میں اسکی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کا امام بن کر نماز پڑھانا مکروہ ہے، لیکن نماز فاسد اور واجب الاعادہ بھی نہیں ہوگی، اسلئے ایسا کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

عن ابن مسعودؓ، يقول: قال لنا رسول الله ﷺ ولا تؤمن الرجل في أهله، ولا في سلطانه، ولا تجلس على تكرمته في بيته إلا أن يأذن

لک، أو بـإذنه . (صـحيـح مسـلـم، الـمسـاجـد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/٢٣٦، بيت الأفكار رقم:٦٧٣)

عـن أبي مسعودؓ أن رسول الله ﷺ قـال: لايـؤم الـرجل في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته في بيته إلا بإذنه . (سنن الترمذی، الأدب، باب بلاترجمة الـنسخة الهندية ٢/١٠٦، دارالسلام رقم: ٢٧٧٢، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/٥٥، دارالسلام رقم: ٢٣٥)

وإمـام الـمسجد أحق بالإمامة من غيره الخ. (طـحطاوی على المراقی، كتـاب الـصلاة، فصل فی بيان الأحق بالإمامة، قديم /١٦٣، دارالكتاب ديوبند/٢٩٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۶۳)

امام کی موجودگی میں دوسرے شخص کا نماز پڑھانے کا حق نہیں

سوال [۲۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسجد میں ایک حافظ صاحب مستقل امام ہیں تو کیا ان مستقل امام صاحب کی موجودگی میں دوسرے کوئی عالم یا حافظ یا قاری یا مولانا و مفتی نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں، اگر پڑھا سکتے ہیں تو تو کس صورت میں؟

المستفتي: حاجی محمد عمر صدیقی، خٹک پورہ، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب حافظ صاحب مستقل امام ہیں تو ان کی موجودگی میں کسی اور کو نماز نہ پڑھانا چاہئے، ہاں اگر امام صاحب خود ہی آگے بڑھا دیں تو ایسا کرنا درست ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۶/ ۲۳۷، جدید ڈابھیل ۶/ ۳۴۵)

عن أبى مسعودؓ البدرى قال: قال رسول الله ﷺ يؤم القوم أقرؤهم –إلى– ولا يؤم الرجل في بيته ، ولا في سلطانه ،ولا يجلس على تكرمته ، إلا بإذنه . (سنن أبى داؤد ، الصلاة ، باب من أحق بالإمامة ، النسخة الهندية ١/٨٦، دارالسلام رقم: ٥٨٢، سنن ابن ماجه ، الصلاة ، باب من أحق بالإمامة ، النسخة الهندية /٦٩، دارالسلام رقم: ٩٨٠، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٧/٢٢٢، رقم: ٦١٣، ٦١٤، ٦١٧، ٦٢٠)

واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولىٰ بالإمامة من غيره مطلقاً أى ، وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه . (شامى ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة زكريا ٢/٢٩٧، كراچى ١/٥٥٩)

تقديم الأعلم بغير الإمام الراتب وأما الراتب فهو أحق من غيره ، وإن كان غيره أفقه منه . (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل فى الجماعة قديم ١/١٠٧، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٦١، ١٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ـ ـ/ ۸۶۵۱)

متعینہ امام کا بغیر کسی عذر کے وقتیہ اور نماز جمعہ دوسروں سے پڑھوانا

سوال [۲۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بھی مسجد کا متعینہ امام اپنی موجودگی میں بغیر کسی عذر کے دوسرے سے نمازیں اور نماز جمعہ پڑھوائے ، اور اکثر مصلیان مسجد امام کے اس عمل سے راضی نہ ہوں تو ازروئے شرع اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد شرافت ٹانڈہ بادلی، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کو چاہئے کہ اپنی ذمہ داری خود انجام دے اسلئے کہ متولی مسجد نے اسی کو اس اہم کام کیلئے منتخب کیا ہے، لہٰذا بلاضرورت اور بغیر عذر دوسرے سے نماز پڑھوانا جبکہ اکثر مصلیان مسجد اس عمل سے راضی نہ ہوں درست نہیں ہے ، لیکن اگر کوئی معزز مہمان آیا ہے، اور اسے اجازت دیتا ہے، تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح کسی خاص عذر کی بناء پر متعلقین میں سے کسی کو نماز پڑھانے کا مکلّف بنادے تو اسمیں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبي عطية ، رجل منهم قال: كان مالك بن الحويرث يأتينافي مصلانا يتحدث، فحضرت الصلاة يوماً ، فقلنا له : تقدم ،فقال: ليقدم بعضكم حتى أحدثكم لم لا أتقدم ؛ سمعت رسول الله ﷺ يقول: من زار قوماً فلا يؤمهم ، وليؤمهم رجل منهم . (سنن الترمذی ، الصلاة، باب ماجاء فيمن زار قوماً فلا يصل بهم ، النسخة الهندية ١/ ٨٢، دارالسلام رقم: ٣٥٦، المعجم الكبير للطبراني ، دار احياء التراث العربي١٩/ ٢٨٦، رقم: ٦٣٢)

قال بعض أهل العلم إذا أذن له فلا بأس أن يصلي به. (ترمذی ، الصلاة ، باب ماجاء فيمن زار قوماً فلا يؤمهم، النسخة الهنديه ١/ ٨٢، دارالسلام رقم: ٣٥٦، بذل المجهود ، كتاب الصلاة، باب إمامة الزائر ،دارالبشائر الاسلاميه بيروت٣/ ٤٨٠، ميرٹھ قديم ١/ ٣٣٢)

لیکن دوسرے کے ذریعہ سے نماز پڑھانے کا معمول بنانا جس سے مقتدی ناراض ہوجائیں یہ عمل جائز نہیں ہے، اگر یہ فریضہ بحسن وخوبی انجام نہیں ہوپارہا ہے تو امامت کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجانا چاہئے۔

أنس بن مالك ، قال: لعن رسول الله ﷺ ثلاثة : رجل أم قوماً وهم له كارهون. (ترمذی ، الصلاة ، باب ماجاء فيمن ام قوماً وهم له كارهون ، النسخة

الهندية ۱/۸۳، دارالسلام رقم: ۳۵۸)

عن عبد الله بن عمر ، أن رسول الله ﷺ كان يقول: ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة، من تقدم قوماً وهم له كارهون. (سنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون ، النسخة الهندية ۱/۸۸، دارالسلام رقم: ۵۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۱۴ھ

کیا اجازت شدہ شاگرد امامت کرسکتا ہے؟

سوال [۲۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی مسجد میں امام اپنے شاگرد کو نماز پڑھانے کی اجازت دے تو کیا وہ نماز پڑھا سکتا ہے، یا نہیں جبکہ وہ عاقل بالغ ہونے کے ساتھ باشرع ہے، اور حافظ قرآن بھی ہے، لیکن مسائل سے واقفیت کم ہے، کیونکہ وہ ابھی زیر تعلیم ہے؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: امام مسجد شوکت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: استاد کیلئے ایسے شاگرد کو نماز کیلئے مصلے پر آگے بڑھانا جائز ہے جو شاگرد عاقل بالغ ہو اور قراءت صحیح پڑھتا ہو مسئلہ مسائل سے زیادہ واقفیت ضروری نہیں ہے، ہاں البتہ یہ ضروری ہے کہ نماز مسنون طریقہ سے پڑھانے پر قادر ہو نیز استاد کا شاگرد کو نماز کیلئے آگے بڑھانا صرف عارضی طور پر نماز پڑھانے کیلئے ہوتا ہے، مستقل امام نہیں بنایا جاتا، اور جس کو مستقل امام بنایا جاتا ہے، اس پر نماز کے فرائض وارکان اور شرائط پر واقفیت لازم ہے۔ (مستفاد کفایت المفتی قدیم ۳/ ۴۱، جدید زکریا ۳/ ۸۲، زکریا مطول ۴/ ۱۴۷)

وقال بعض أهل العلم : إذا أذن له فلا بأس أن يصلي به . (سنن الترمذی،

كتاب الصلاة ، باب ماجاء فيمن زار قوماً فلا يؤمهم ١ /٨٣، دارالسلام رقم: ٣٥٦، بذل المجهود ، كتاب الصلاة، باب إمامة الزائر ، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ٣ /٤٨٠، مطبوعه ميرٹھ قديم ١ /٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۵ھ

امام صاحب کی عدم موجودگی میں دوسرے شخص کا نماز پڑھانا

سوال [۲۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مسجد میں نماز باجماعت کیلئے ایک وقت متعین ہے اور مقررہ امام صاحب وقت پر وہاں موجود نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں کوئی دوسرا شخص امام بن کر نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا امام صاحب کا انتظار کرنا ضروری ہے، اور اگر ضروری ہے تو کتنے وقت تک انتظار کر کے دوسرے شخص سے نماز پڑھوائی جائے؟

(۳) اگر انتظار کیلئے مقررہ وقت سے پہلے امام کی اجازت کے بغیر کسی شخص نے نماز پڑھادی تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) مسجد میں امام موجود ہے نماز کا وقت ہو رہا ہے امام کو اس کا علم ہے لیکن مقتدی حضرات امام کو ٹوکنا شروع کرتے ہیں کہ چلئے صاحب وقت ہوگیا کوئی کہتا ہے کہ نہیں ابھی میری گھڑی کے حساب سے آدھا منٹ یا کچھ کم باقی ہے، تو کیا یہ سب کچھ درست ہے اور اگر نہیں ہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: عبداللہ، بھٹی محلّہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) جماعت کا وقت متعین ومقرر ہوا اور اس مقررہ وقت پر امام صاحب کسی وجہ سے مسجد میں نہ آئے ہوں یا آنے میں دیر ہوگئی ہو تو ایسی صورت

میں کوئی دوسرا قابل شخص ذمہ داران مسجد کی اجازت وبا یماء پرنماز پڑھا سکتا ہے، اسمیں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۸۱، جدید ڈابھیل ٦/۳۴۴، احسن الفتاویٰ ۳/۳۰۱)

(۳/۲) جماعت کے مقررہ وقت تک امام کا انتظار کرنا ضروری ہے اس کے بعد مقتدیوں پر امام کا انتظار کرنا لازم نہیں ہے، لیکن چار پانچ منٹ کے اندر اندر امام کے آنے کی امید ہو تو اس کا انتظار کرلینا چاہئے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۳۰۱، فتاویٰ رشیدیہ/ ۳۵٦)

(۴) مسجد کی گھڑی کو صحیح رکھنے کی کوشش کی جائے اوراسی گھڑی کے ٹائم سے نماز پڑھی جائے کسی اور کی گھڑی کے ٹائم کا اعتبار نہ کریں، آپس میں بحث ومباحثہ کی کوئی ضرورت نہیں، مسجد کی گھڑی کا اعتبار ہے اس سے سارا جھگڑا دور ہوجائیگا۔

قال ابن الهمام في شرح الهداية ، الكلام المباح في المسجد مكروه يأكل الحسنات .(مرقاة ، الفصل الثالث ، قبيل باب الستر ، ملتان۲/ ۲۲۲، شرح مشكوٰة مصرى ۱/ ۴۷۲، شامى ، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و مايكره فيها ، مطلب فى الغرس فى المسجد زكريا ۲/ ۴۳٦، كراچى ۱/ ٦٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۵/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/۱۴۱۷ھ

❑❍❖❍❒

فصل في إمامة الصبي

بارہ سال کے طالب علم کی امامت

سوال [۲۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مغرب کا وقت ہے پیش امام صاحب ضرورت سے کہیں گئے ہوئے ہیں، مقتدیوں میں بھی کوئی نماز نہیں پڑھا رہا سب اپنی اپنی نماز پڑھنے پر آمادہ ہیں تو اس مجبوری کی حالت میں قریب بارہ سال کا لڑکا جو طالب علم ہے، اور آٹھ پاروں کا حافظ ہے، اسے امام بنا کر جماعت سے نماز ادا کرلیں تو کیا نماز درست ہو جائیگی؟

المستفتي: عبدالحسیب سیفی، شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ لڑکا بالغ تھا تو نماز درست ہوگئی ورنہ نہیں، اب تحقیق کرلی جائے کہ وہ بالغ ہے یا نہیں۔

وأدنیٰ مدته له اثنتا عشرة سنة ...... فبعد ثنتی عشرة سنة یشترط شرط آخر لصحة إقراره بالبلوغ ، وهو أن یکون بحال یحتلم مثله وإلا لا یقبل قوله. (درمختار مع الشامی ، کتاب الحجر ، فصل بلوغ الغلام بالإحتلام ، کراچی ٦/ ١٥٤، زکریا ٩/ ٢٢٧ ، البنایه ، کتاب الحجر ، فصل فی حد البلوغ ، اشرفیه ١١/ ١١١، هدایه ، کتاب الحجر ، فصل فی حد البلوغ ، اشرفی ٣/ ٣٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦/٣٦/٦٠٠٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۰ھ

عالم قاری کے ہوتے ہوئے تیرہ سالہ لڑکے کی امامت

سوال [۲۱۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جس کی عمر تقریباً ۶۰ ؍سال ہے، ایک ایسی مسجد جو شارع عام پر واقع ہے، موصوف اسی مسجد کے امام ہیں اور عالم فاضل بھی ہیں، ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً ۱۳ ؍سال ہے چہرے پر داڑھی مونچھ کا نشان بھی نہیں ہے، اور بارہ پارے کا حافظ ہے، امام موصوف کی غیر موجودگی میں انکا شاگرد یہ لڑکا نماز پڑھاتا ہے، نمازی حضرات میں عالم فاضل وحافظ وقاری ہوتے ہیں، کچھ حضرات کا خیال ہے کہ اس لڑکے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے، کیونکہ نہ یہ لڑکا فاضل ہے نہ ہی حافظ وقاری اور نہ ہی جملہ مسائل نماز سے واقف ہے، کیا اس صورت میں اس لڑکے کی امامت درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مستفیض فرمائیں۔

المستفتي: جملہ نمازی شہر بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نمازیوں میں باریش صحیح جوان موجود ہے، تو اسی کو امامت کے لئے آگے بڑھانا چاہئے، اور مذکورہ لڑکا اگر بالغ ہو چکا ہے، تو مذکورہ صورت میں اسکے پیچھے نماز تو ہوجائے گی لیکن مکروہ تنزیہی ہوگی۔

وكذا تكره خلف أمرد وفي الشامية الظاهر أنها تنزيهية الخ .

(الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة مصری ۱/۵۲۵، کوئٹه ۱/۴۱۵، زکریا ۲/۳۰۲، کراچي ۱/۵۶۲، الموسوعة الفقهية ۱/۳۱۹، ۶/۲۵۳)

اور اگر لڑکا بالغ نہیں ہوا ہے، تو اسکے پیچھے نماز ہی درست نہیں ہوگی۔

ولا يصح اقتداء البالغ بغير البالغ في الفرض وغيره وهو الصحيح.

(حلبی کبیر، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة اشرفيه/۵۱۶)

فلا يصح اقتداء بالغ بصبي مطلقا، سواء كان في فرضٍ لأن صلاة الصبي ولو نوى الفرض نفل. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة،

باب الإمامة ، دارالکتاب دیوبند جدید/۲۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۷۰)

کتنی عمر میں لڑکا امامت کے قابل بن سکتا ہے؟

سوال [۲۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا لڑکا جس کا نام اعظم علی ہے، رحیم اللہ والی مسجد سے قاری عبد القدیر ٹانڈہ والے کا شاگرد ہے جس کی عمر پندرہ سال ہے، یہ لڑکا امامت کے قابل ہے یا نہیں؟

المستفتي: لیاقت علی، اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امامت کیلئے بالغ ہونا شرط ہے، اورلڑکا مفتی بہ قول کے مطابق پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہوجاتا ہے، لہٰذا آپکا لڑکا شرعی طور پر امامت کے قابل ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۹۰، جدید ڈابھیل ٦/ ۳۱۱، ۳۱۲، فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۱۱٦)

فإن لم یوجد فیها شيء فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی.

(شامی، کتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالإحتلام کراچی ٦/ ۱۵۳ زکریا ۹/ ۲۲٦)

ویشرط کونه مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً. (درمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ۱/ ۵٤۸، زکریا ۲/ ۲۸۰، وهکذا فی فتاویٰ الهندیة ، کتاب الحجر الفصل الثاني في معرفة البلوغ، زکریا قدیم ۵/ ٦۱، جدید ۵/ ۷۳، البحر الرائق، کتاب الإکراه، باب الحجر، فصل فی حد البلوغ، زکریا ۸/ ۱۵۳، کوئٹه ۸/ ۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۴۲)

باشعور نابالغ کی امامت

سوال [۲۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مکتب میں رہتا ہے، جہاں تقریباً کل طلبہ نابالغ ہیں اور انہیں نابالغ طلبہ کی امامت کرتا ہے، گاہے بگاہے، کچھ بالغ مرد بھی شریک ہوجایا کرتے ہیں، آیا ایسی صورت میں زید جو امام ہے اس کی نماز ہوگی یا نہیں، اور اگر امام کے پیچھے صرف ایک بالغ شخص ہے اور بقیہ نابالغ بچے ہیں تو اس بالغ کو جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد ابوالحسن، مدرسہ امدادیہ
اشرفیہ، راجوپٹی، سیتامڑھی، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نابالغ باشعور بچوں کی امامت کرنے میں نماز بھی درست اور امامت کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۸)

ولو كان الواحد المقتدى صبيا مميزاً قال في السراج لو حلف لا يصلى جماعة وأم صبياً يعقل حنث ولا عبرة بغير العاقل ويؤخذ منه أنه يحصل ثواب الجماعة باقتداء المتنفل بالمفترض لأن الصبى متنفل الخ.

(شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ۱/ ۵۵۲، زكريا ۲/ ۲۸۷، مصرى ۱/ ۵۱۷، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ۱/ ٦۱۷، كوئٹه ۱/ ۳۵۳)

أقل الجماعة اثنان، وكذا إذا كان معه امرأة أو صبي يعقل كانت جماعة لأنهما من أهل الصلاة. (شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب الجماعة اعزازيه ديوبند ۱/ ۸۵)

ایک بالغ بقیہ نابالغ ہونے کی صورت میں بھی بلاشبہ شرعاً نماز باجماعت کا ثواب ملے گا۔

وظاهر حديث أنس رضى الله تعالىٰ عنه، أنه يستوى بين الرجل والصبي ويكونان خلفه فإنه قال: فصففت أنا واليتيم وراءه الخ. (البحرالرائق،

كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ٦١٦/١، كوئٹه ٣٥٣/١)

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: صليت أنا ويتيم، في بيتنا خلف النبي صلى الله عليه وسلم، وأمي خلفنا أم سليم. (صحيح البخاري، كتاب الصلوٰة، باب المرأة وحدها تكون صفا، النسخة الهندية ١١٠/١، رقم: ٧١٨، ف: ٧٢٧، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٨٩/١٣، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ٧٤٣/١، رقم: ١٥٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۷۲/۲۵)

بالغ کا نابالغوں کی امامت کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال [۲۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں کل نابالغ بچے مقتدی ہیں اور امام بالغ ہے تو کیا یہ امامت صحیح ہے یا نہیں؟ چونکہ بالغ بچے کبھی رہتے ہیں اور کبھی نہیں اور قریب البلوغ بچے بھی رہتے ہیں

المستفتي: مولانا لطیف اللہ قاسمی، سیون، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر امام بالغ ہو اور مقتدی سب نابالغ ہوں تب بھی جماعت صحیح ہو جاتی ہے، بشرطیکہ بچے باشعور ہوں نماز پڑھنا جانتے ہوں اور نماز کو جانتے ہوں۔

يحصل ثواب الجماعة باقتداء المتنفل بالمفترض لأن الصبي متنفل الخ. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ٢٨٧/٢، كراچی ٥٥٣/١)

أقل الجماعة إثنان، وكذا إذا كان معه امرأة أو صبي يعقل كانت جماعة لأنهما من أهل الصلاة. (شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب الجماعة اعزازيه

دیو بند ۱/ ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۲/۱۴۱۷ھ

اٹھارہ سالہ لڑکے کی امامت

سوال [۲۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جسکی عمر تقریباً ۱۸؍سال ہے لیکن چہرے پر داڑھی کے بال ابھی بالکل سرے سے نہیں نکلے ہیں ہاں اتنی بات ضرور ہے، کہ زید ہدایہ وغیرہ کتابیں پڑھ چکا ہے بایں وجہ زید کے گاؤں والوں نے بخوشی اسے نماز پڑھانے کیلئے امام بنادیا ہے، اس وقت یعنی زید اور مقتدیوں کی موجودگی میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا، جس کو امام بنایا جائے، اب اس صورت میں زید کے پیچھے مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں، اگر ہوگی تو کراہت کیساتھ ہوگی یا بلا کراہت؟

(۲) ایسا ہی امام مصلے پر کھڑا کر دیا گیا اور مکبر نے تکبیر بھی مکمل کر دی اس مکبر کے تکبیر کہنے کے بعد اس امام کو مصلے سے ہٹانا کیسا ہے؟

المستفتي: عبداللہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) مفتی بہ قول کے اعتبار سے پندرہ برس کی عمر کا لڑکا بالغ ہے، لہذا صورت مسئولہ میں ۱۸؍برس کا لڑکا اگرچہ اسکے داڑھی مونچھ نہ نکلی ہو امامت کرسکتا ہے، اور اس کے پیچھے اقتداء کرنے والوں کی نماز بلا کراہت صحیح ہو جائیگی اور اس لڑکے کو تکبیر ہو جانے کے بعد مصلے سے ہٹانا جائز نہیں ہے۔

وقالا إذا تم للغلام والجارية خمس عشرة سنة فقد بلغا والفتویٰ علی قولهما. (هدايه، كتاب الحجر، فصل في حد الغلام، اشرفی ۳/ ۳۴۲، البحرالرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر، فصل في حد البلوغ، زكريا ۸/ ۱۵۳، كوئٹه

٨٤/٨، هـنديه ، كتاب الحجر ، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ ، زكريا قديم ٥/٦١،
جديد ٥/٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۶۱)

نابالغ بچوں کی امامت

سوال [۲۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں جہاں پڑھاتا ہوں وہاں دیہات میں دینیات کا ایک مکتب ہے، لہٰذا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، کہ عاقل بالغ ایک مرد بھی نہیں ہوتا ہے، سب نابالغ بچے ہوتے ہیں، تو کیا میں انکی امامت آگے بڑھ کر کرسکتا ہوں یا نہیں؟ اور بعض اوقات ایک بالغ مرد ہوتا ہے، اور بقیہ مقتدی مکتب کے بچے ہوتے ہیں، تو کیا میں انکی امامت کرسکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتي: محمد انوار الحق، دربھنگہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مکتب کے نابالغ بچوں کی امامت آگے بڑھ کر کرسکتے ہیں اس سے جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی، بشرطیکہ وہ بچے سمجھدار اور ممیّز ہوں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۲۹۸)

والجماعة سنة مؤكدة للرجال وأقلهما إثنان، وواحد مع الإمام ولو مميزاً (وفي الشامية) قوله: ولو مميزاً أي ولو كان الواحد المقتدى صبياً مميزاً. (شامی، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ٢/٢٨٧ تا ٢٨٩، كراچی ١/٥٥٢)

أقل الجماعة إثنان – وكذا إذا كان معه امرأة أو صبي يعقل كانت جماعة لأنهما من أهل الصلاة. (شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب الجماعة، اعزازيه

دیو بند ۱/ ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۱/ ۱۴۱۸ھ

ناظرہ خواں کی امامت

سوال [۲۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناظرہ خواں نے امامت کی حفظ قرآن کا ایک طالب علم جماعت میں شامل ہے، امام نے قرأت کی الحمد کے بعد جیسے ہی امام نے سورۃ پڑھی طالب علم نے جماعت چھوڑ دی اور جماعت سے الگ ہوکر بیٹھ گیا، جماعت میں اس کے ہٹنے سے جوخلا ہوا وہ اخیر تک رہا اس کا یہ عمل کیسا ہے، اس کا یہ کرنا کیا ٹھیک تھا یا اسکی نماز نہیں ہوئی؟

المستفتي: عبدالحسیب سیفی، شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناظرہ خواں آدمی جبکہ قرأت ماتجوز بہ الصلوٰۃ پر قادر ہوتو اس کی امامت جائز ہے، اور اسکی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز بھی درست ہوجائیگی، لہذا کسی حافظ کا محض ناظرہ خواں ہونے کی وجہ سے اقتداء سے الگ ہوجانا جائز نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ جب ’’**الحمد**‘‘ کے بعد وہ نماز سے الگ ہوگیا تو اسکی وہ نماز فاسد ہوگئی، دوبارہ اس پر نماز پڑھنا لازم ہے، لیکن اگر وہ ناظرہ خواں غلط قرآن پڑھتا ہے تو صحیح پڑھنے والے کی نماز غلط پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں ہوگی، اگر حافظ صاحب اس وجہ سے الگ ہوئے ہیں، تو حافظ صاحب پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

أما إذا كان في القوم من يقدر على التكلم بذلك فقد فسدت صلوته وصلوٰة القوم الخ. (تاتار خانيه، كتاب الصلوٰة، الفصل الثاني مسائل زلة القارى قديم ١/ ٤٧٨، زكريا ٢/ ٩٣، رقم: ١٩٣٤)

لا يجوز إمامة الألثغ الذي لا يقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله إذا لم يكن في القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف الخ. (الفتاوى الهندية كتاب الصلوٰة، الباب الخامس في الإمامة الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا وكوئٹہ قديم ١/٨٦، جديد ١/١٤٤، كذا في در المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب في الالثغ کراچی ١/٥٨١، ٥٨٣، زكريا٢/٣٢٧، ٣٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۲۰۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۰ھ

امرد کی امامت

سوال [۲۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ بالغ لڑکا جس کے داڑھی نہ نکلی ہو اور وہ علم دین حاصل کررہا ہو مسائل نماز سے واقف ہو، اگر وہ امامت کرے تو کیا اس کی امامت میں کراہت ہے اور اگر مستقل طور پر امام ہو تو کیا حکم ہے؟ اور عارضی طور پر ہو تو کیا حکم ہے؟ بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد یاسین، اہل
ضابطہ گنج، نجیب آباد، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے بے ریش لڑکے کے پیچھے باریش لوگوں کی نماز مکروہ تنزیہی ہے۔

وكذا تكره خلف أمرد الظاهر أنها تنزيهية الخ. (شامی، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمرد کراچی ١/٥٦٢، زكريا٢/٣٠١، کوئٹہ١/٤١٥، مصری ١/٥٢٥)

مستقل طور پر بے ریش کو امام نہ رکھنا چاہئے، عارضی طور پر اگر نمازیوں میں باریش صحیح

خواں ہوں تو بھی مکروہ تنزیہی ہوگی، اور اگر صحیح خواں نہ ہوں تو بلاکراہت اس کے پیچھے نماز درست ہوجائیگی۔

وهل يقال هنا أيضاً إذا كان أعلم القوم تنتفي الكراهة ؟ فإن كانت علة الكراهة خشية الشهوة ، وهو الأظهر الخ . (شامی کتاب الصلوٰة، باب الإمامة ، مطلب فی إمامة الأمرد کراچی ۱/۵٦۲، زکریا ۲/۳۰۱، کوئٹه ۱/٤۱۵،مصری ۱/۵۲۵)

وتكره الصلوٰة خلف أمرد . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، باب الإمامة ،فصل فى بيان الأحق بالإمامة دارالكتاب ديوبند/۳۰۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۰۹)

بے ریش امرد کی امامت

سوال [۲۱٦۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی عمر سترہ سال نو ماہ کی ہے، اور ماشاء اللہ حافظ قرآن بھی ہے، لیکن ابھی داڑھی نہیں نکلی ہے، تو کیا فرض نماز پڑھا سکتا ہے، یا نہیں؟

المستفتي: عبد الولی، ضلع بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید کے زیادہ خوبصورت ہونے کی وجہ سے دوسروں کی نگاہ زید کی طرف شہوت کیساتھ پڑسکتی ہے، اور زید کے پیچھے مقتدیوں میں صحیح خواں موجود ہوں تو زید کی امامت مکروہ تنزیہی ہوگی، اور اگر نگاہ شہوت نہیں پڑسکتی ہے، اور زید صحیح خواں بھی ہے تو بلاکراہت زید کی امامت درست ہوجائیگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ

۱/ ۳۵۸، فتاویٰ رحیمیہ قدیم۴/ ۳٦۸، جدید زکریا۴/ ۱۸۵)

وكـذا تكره خلف أمرد الظاهر أنها تنزيهية (قوله) هل يقال هنا أيضا إذا كان أعلم القوم تنتفي الكراهة فإن كانت علة الكراهة خشية الشهوة وهو الأظهر الخ. (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمرد، كوئٹه ۱/٤١٥، مصرى ١/٥٢٥، زكريا٢/٣٠١، كراچى ١/٥٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/٢١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۱۲)

بے ریش امام کے پیچھے نماز کا حکم

سوال [۲۱٦۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا قد پورا ہوچکا ہے، اور عاقل بالغ ہے لیکن ابھی داڑھی نہیں نکلی ہے، تو کیا بے ریش ہونے کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: شبّن، محلّہ پیرغیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: اگر وہ بے ریش شخص خوبصورت ہے، کہ دوسرے لوگوں کا اس کی طرف نگاہِ شہوت سے دیکھنے کا احتمال ہے، اور مقتدیوں میں باریش صحیح خواں موجود ہیں، تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہوگی، اور اگر نگاہِ شہوت کی بات نہیں ہے، اور دوسرے مقتدیوں کے مقابلہ میں اچھا قرآن پڑھتا ہے تو بلا کراہت اس کے پیچھے نماز درست اور جائز ہوجائیگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۱/ ۳۵۸، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/ ۳٦۸، جدید زکریا ۴/ ۱۸۵)

وكـذا تكره خلف أمرد الظاهر أنها تنزيهية (قوله) هل يقال هنا

أيضا إذا كان أعلم القوم تنتفى الكراهة، فإن كانت علة الكراهة خشية الشهوة، وهو الأظهر الخ. (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمرد كراچى ١/٥٦٢، زكريا ٢/٣٠١، كوئٹه ١/٤١٥، مصرى ١/٥٢٥، حاشية الطحطاوى على المراقى، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة، جديد دار الكتاب ديوبند/٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ ربیع الاول ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/ ١١٤٨)

فصل في إمامة تارک الصلاة، والجماعة ، والنوافل

امام صاحب کو فجر کی نماز پڑھانا یاد نہیں رہا

سوال [۲۱٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتا ہے، اتفاق کی بات ہے کہ زید نے ایک روز فجر کی نماز پڑھائی لیکن نہ ہی دوران نماز اس کو علم رہا کہ میں نماز پڑھا رہا ہوں اور نہ ہی بعد میں یہ معلوم رہا کہ میں نے نماز پڑھائی ہے، جب وہ دوسروں سے معلوم کرتا ہیکہ آج کی نماز کس نے پڑھائی تو لوگ کہتے ہیں کہ تم ہی نے تو پڑھائی ہے، تو کیا ایسی صورت میں نماز ہو جائیگی، یا اعادہ کی ضرورت پیش آئے گی۔

المستفتي: ہارون رشید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وقت کے اندر اندر اس طرح احساس پیدا ہو جائے تو احتیاطاً وقت کے اندر نماز لوٹا لینا چاہئے، اور اگر وقت نکل جائے تو نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے بلکہ ادا ہو چکی ہے۔

عن الحسن ، قال: إذا كان شكه بعدالإنصراف فلا بأس عليه ، وإذا شک أصلى أم لا ؟ فإن كان في وقت أعاد، وإن ذهب لم يعد. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/ ۳۱۸، رقم: ۳۵۱۹)

رجل شک فی صلوۃ أنه صلاها أم لا ، فإن في الوقت فعليه أن يعيد وإن خرج الوقت ثم شک فلا شيئى عليه الخ. (هنديه ، الصلاة، الباب الثاني عشر فی سجود السهو، زکریا قدیم ۱/ ۱۳۰، جدید ۱/ ۱۹۰)

شک فی صلاة صلاها أم لا؟ أعاد فی الوقت . (الأشباه والنظائر الفن

الأول القاعدة الثالثة مطبع ،کراچی ۱/ ۹۰)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۱۵)

آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے فجر کی نماز قضا کرنیوالے کی امامت

سوال [۲۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کسی مجبوری کی وجہ سے فجر کی نماز فجر کے ٹائم میں نہیں پڑھتا ہے آنکھ کھلنے کے بعد فوراً ادا کر لیتا ہے، یا ظہر کی نماز سے پہلے یا بعد میں ادا کر لیتا ہے، کیا وہ شخص نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نماز پڑھائی تو اس میں کوئی کمی ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: عبدالستار، بچھرایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آنکھ نہ کھلنے کی وجہ سے جماعت نکل جاتی ہے، یا وقت نکل جاتا ہے، اور بیدار ہوتے ہی فوراً نماز پڑھ لیتا ہے، تو شرعاً کوئی گناہ نہیں ہے ایسے آدمی کی امامت بلا کراہت درست ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا ہے، اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ یاد آنے اور بیدار ہونے پر ادا کر لی جائے۔

عن عائشةؓ ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثٍ : عن النائم حتى يستيقظ . (سنن النسائی ،کتاب الطلاق، باب من لا يقع طلاقه من الأزواج ، النسخة الهندية ۲/ ۸٦، دارالسلام رقم:۳٤۳۲، صحیح ابن خزیمه ، المكتب الإسلامی ۱/ ٤۹۷، رقم:۱۰۰٤ ، مسند أبی داؤد الطيالسي ، دار الكتب العلمية بیروت ۲/ ۱۵۹، رقم:۱٤۸۵)

عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ حين قفل من غزوة خيبر –إلى– فصلى بهم الصبح ، فلما قضى الصلاة ، قال: من نسى الصلاة ، فليصلها إذا

ذكرها. (صحيح مسلم، الصلاة، باب قضاء الصلاة، الفائتة، النسخة الهندية ١/٢٣٨، بيت الأفكار رقم: ٦٨٠، مسند الدارمى، دارالمغني ٢/٧٨٣، رقم: ١١٢٦٥)

عن أنس بن مالك، قال: سئل النبى ﷺ عن الرجل يغفل عن الصلاة، أو يرقد عنها، قال: يصليها إذا ذكرها. (سنن ابن ماجه الصلاة، باب من نام عن الصلاة أو نسيها، النسخة الهندية/٥٠، دارالسلام رقم: ٦٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۱۰)

فجر کی نماز باجماعت نہ پڑھنے والے مؤذن کی امامت

سوال [۲۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صبح کی نماز جماعت سے مؤذن صاحب ادا نہیں کرتے، جب امام صاحب باہر ہوتے ہیں، تو مؤذن صاحب نماز پڑھاتے ہیں، کیا ان کے پیچھے نماز ادا ہو جاتی ہے؟

المستفتي: محمد سلمان غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بلاعذر جماعت چھوڑنے والا شخص فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، تاہم اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے، اور اگر مؤذن صاحب اپنی اس حرکت سے باز آجائیں تو ان کے پیچھے نماز بلاکراہت درست ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/۳۴)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ. (الماعون: ٤،٥)

قال عبد الله، من سره أن يلقى غداً مسلماً فليحافظ على هذه الصلوات المكتوبات حيث ينادى بهن فإنهن من سنن الهدىٰ، وإن الله قد شرع لنبيكم صلى الله عليه وسلم سنن الهدىٰ، ولعمري ما أخال أحدكم إلا

وقـد اتـخـذ مسـجـداً فـي بيته، ولوأنكم صليتم في بيوتكم كما يصلى هذا الـمـخـلف فـي بيتـه لتـركتـم سـنة نبيـكم ، ولوتركتم سنة نبيكم لضللتم ، الحديث . (مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمي ١/٥١٦، رقم:١٩٧٩)

لا تقبل شهادته إذا تركها استخفافا بذلک ومجانة أما إذا تركها سهـوا أو تـركهـا بتـأويـل بـأن يـكـون الإمـام من أهل الأهواء أو مخالفا لـمـذهـب الـمـقـتـدى لايـراعى مذهب المقتدى فلا يستوجب الإساء ة وتقبل شهادته الخ. (البـحـرالرائق ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة ، كوئٹه١/٣٤٥، زكـريـا ١/٦٠٣ و مثـلـه شـرح النقايه ، كتاب الصلاة، باب القراء ة فى الصلاة، اعزازيه ديو بند ١/٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۷/۳ھ

جماعت سے نماز نہ پڑھنے والے کی امامت

سوال [۲۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص تارک جماعت ہے یعنی جماعت سے نماز نہیں پڑھتا ہے، یا پابندی سے نہیں پڑھتا ہے، گاہِ بگاہے مسجد میں آجاتا ہے، ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محی الدین، قصبہ: سہس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی عذر کی بناء پر جماعت میں حاضر نہیں ہو پاتا ہے تو بلا کراہت درست ہے، اور اگر بلا عذر جماعت ترک کیا کرتا ہے، تو ایسا شخص شرعاً فاسق مردود الشہادت ہے اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۳۴۷، جدید زکریا/۳۲۹، فتاویٰ دار العلوم۳/۳۰۴)

عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: والذي نفسی بيده لقد هممت أن آمر بحطب ليحطب ثم آمر بالصلوٰة، فيؤذن لها ثم آمر رجلا فيؤم الناس ثم أخالف إلیٰ رجال فأحرق عليهم بيوتهم . الحديث (صحيح البخاری ، كتاب الأذان ، باب وجوب صلوٰةالجماعة ، النسخة الهنديه ١/ ٨٩ ، رقم: ٦٣٥ ، ف: ٦٤٤)

إن تارك الجماعة يستوجب إساءة ولاتقبل شهادته إذا تركها استخفافا بذلك ومجانة أما إذاتركها سهواً أو تركها بتأويل بأن يكون الإمام من أهل الأهواء أو مخالفاً لمذهب المقتدی لا يراعی مذهبه فلا يستوجب الإساءة وتقبل شهادته الخ . (البحرالرائق ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زكريا١/ ٦٠٣ كوئٹه ١/ ٣٤٥)

وكذا الأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها من غير عذر يعزر وتردُّ شهادته ويأثم الجيران بالسكوت عنه . (كبيری كتاب الصلوٰة، باب الإمامة قديم /٤٧٥ ، جديد اشرفيه ديوبند/ ٥٠٩)

كون الكراهة فی الفاسق تحريمية. (طحطاوی علی المراقی، كتاب الصلوٰة، فصل فی بيان الأحق بالإمامة قديم/ ١٦٥ ، دارالكتاب ديوبند / ٣٠٣، فتاویٰ محمودیه قديم٢/ ٧٠، جديد ڈابھيل ٦/ ١٤٩)

آپ کے اس سوال کا جواب ۱۵؍صفر ۱۴۰۸ھ، کورجسٹر نمبر ۲۳/ ۵۲۰، میں دے دیا گیا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۹۳)

تارک جماعت کی امامت

سوال [۲۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص تارک

جماعت ہےیعنی جماعت سے نماز نہیں پڑھتا ہے، نماز کی جماعت چھوڑ دیتا ہے، ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محی الدین، قصبہ سہس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلا عذر شدید تارک جماعت فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے ہاں البتہ اگر عذر شدید ہے یا دوسرے مذہب کا امام ہے تو ترک جماعت سے فاسق نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۷۰، جدید ڈابھیل ٦/ ۴۰۹، فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۲۵۹، جدید زکریا/ ۳۴۱، فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۳۵۸)

عن عبد الله ، قال من سره أن يلقى الله عزوجل غدا مسلماً ، فليحافظ على هؤلاء الصلوات الخمس ، حيث ينادى بهن فإن الله قد شرع لنبيكم صلى الله عليه وسلم سنن الهدىٰ ، وإنهن من سنن الهدىٰ، وإني لا أحسب منكم أحداً إلا له مسجد يصلى فيه في بيته ، ولو صليتم في بيوتكم ، وتركتم مساجدكم ، لتركتم سنة نبيكم ، صلى الله عليه وسلم ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم. (مسند أبي داؤد الطيالسي ، دارالكتب العلمية بيورت ١/ ٢٤٧، رقم: ٣١١، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ١/ ٥١٦، رقم: ١٩٧٩، المعجم الكبير للطبراني ، دارا حياء التراث العربي ٩/ ١١٦، رقم: ٨٥٩٦، ٨٥٩٧)

إن تارك الجماعة يستوجب إساء ة ولا تقبل شهادته إذا تركها استخفافاً بذلك ومجانةً ، أما إذا تركها سهواً أو تركها بتأويل بأن يكون الإمام من أهل الا هواء أو مخالفا لمذهب المقتدى لايراعى مذهبه فلا يستوجب الإساء ة وتقبل شهادته الخ. (البحرالرائق ، كتاب الصلاة، باب الإمامة ، زكريا ١/ ٣/ ٦٠٣، كوئٹه ١/ ٣٤٥، كبيرى ، كتاب الصلوٰة ، فصل فى الإمامة قديم/ ٤٧٥،

جدید اشرفیه /۹ ۰ ۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۲۱)

تارک صلوٰۃ کی امامت

سوال [۱۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو پنج وقتہ نماز کا پابند نہیں ہے، یعنی شب وروز میں ایک دو ہی نمازیں پڑھتا ہو اور کبھی کبھار ہفتہ میں ایک دو نمازیں پڑھ لیتا ہو اسکو نماز عیدین کا امام بنانا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کے پیچھے عوام وخواص کی نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: علیم الدین، سرجن نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص ایسا غافل ہو کہ نماز پنجگانہ میں بعض پڑھتا ہو اور بعض ترک کر دیتا ہو تو ایسا شخص شرعا فاسق ہے اسکو نماز عیدین ونماز پنجگانہ کا امام بنانا درست نہیں، کیونکہ وہ شرعاً امامت کا اہل نہیں ہے، اسکے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، وہاں والوں پر لازم ہے کہ کوئی متبع شریعت پابند صوم وصلوٰۃ امام مقرر کریں۔

إن تارك الجماعة يستوجب إساء ة ولا تقبل شهادته إذا تركها استخفافا بذلك ومجانة الخ .(البحر الرائق، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زكريا ١/ ٦٠٣، كوئٹه ١/ ٣٤٥)

كون الكراهة في الفاسق تحريمية الخ. (طحطاوى على المراقى، كتاب الصلوٰة ، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم /١٦٥، جديد دارالكتاب ديوبند /٣٠٣)

وإن كراهة تقديمه كراهة تحريم. (شامى كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة قبيل

مطلب البدعة خمسة أقسام کراچی ١/٥٦٠، زکریا٢/٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۴۱/۲۵)

ایک دو نماز ترک کرنے والے کا جمعہ وعیدین کی امامت کرنا

سوال [۲۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نمازوں کی پابندی نہیں کرتا اور پنجوقتہ نمازوں میں اکثر ایک دو وقت کی نماز ترک کر دیتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے بلا کسی عذر شرعی کے نماز جمعہ وعیدین درست ہے یا نہیں؟ جواب صحیح سے نوازیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالرحمٰن، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا شخص شرعاً فاسق ہے وہ امامت کا اہل نہیں، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو درست ہوجائیگی، واجب الاعادہ نہیں ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۱۴۶، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۹۳، جدید ڈابھیل ۶/ ۱۵۵)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلاتِهِمْ سَاهُوْنَ . (الماعون : ٤، ٥)

عن بن عباسؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ترك صلاة لقى الله وهو عليه غضبان. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١١/٢٩٤، رقم: ١١٧٨٢)

وتاركها عمداً مجانة أي تكاسلاً فاسق الخ. (درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰة ١/٢٥٩، کراچی ١/٣٥٢)

وتارك الصلوٰة غير مبال بها فاسق الخ. (طحطاوی، کتاب الصلوٰة،

قدیم/۹۳،جدید دارالکتاب دیو بند/١٧٤)

ویکره إمامة عبد وفاسق الخ. (البحر الرائق کتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زکریا١/٦١٠، کوئٹه ١/٣٤٨، شامی کتاب الصلوٰة، باب الإمامة کراچی ١/٥٦٠، زکریا٢/٢٩٩، مصری١/٤١٣)

ویکره تقدیم فاسق کراهة تحریم الخ.(صغیری ، مطبع مجتبائی دهلی/٢٦)

من صلی خلف فاسق ومبتدعٍ ینال فضل الجماعة لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع الخ. (البحرالرائق ، کتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زکریا١/٦١٠، کوئٹه١/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۱۱)

عمداً نماز پنجگانہ چھوڑنے والا امامت کا اہل نہیں

سوال [۲۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص تارک نماز ہے یعنی کبھی جمعہ وعیدین کی نماز پڑھ لیتا ہے، پانچ وقت کی نماز نہیں پڑھتا ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محی الدین، شمس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا شخص فاسق ہے امامت کا اہل نہیں ہے، اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اگر پڑھ لی جائے تو درست ہو جائیگی واجب الاعادہ نہیں۔

(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۱۴۶، امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۳۴، احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۶۳)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ. (الماعون : ٤،٥)

عن جابر أن النبی ﷺ قال: بین الکفر والإیمان ترک الصلاة. (سنن

الترمذی، الإیمان، باب ماجاء في ترك الصلاة، النسخة الهندیه ۲/ ۹۰، دارالسلام رقم:۲٦۱۸)

وتارکها عمداً مجانة أي تکاسلاً فاسق الخ. (درمختار، کتاب الصلاة، کراچی ۱/ ۳۵۲، زکریا۲/ ۲۵۹)

وتارک الصلوٰة غیر مبال بها فاسق یحبس حتی یصلی الخ. (طحطاوی علی الدر، کتاب الصلاة، باب الإمامة کوئٹه/۹۳)

وکره إمامة العبد والفاسق الخ. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة دارالکتاب دیوبند/ ۳۰۲، قدیم/ ۱٦۵)

ویکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم الخ. (صغیری قدیم /۲٦٤)

فإن أمکن الصلوٰة خلف غیرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولیٰ من الانفراد (قوله) وینال فضل الجماعة ولکن لاینال کما ینال خلف تقی ورعٍ الخ. (البحرالرائق، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة زکریا۱/ ٦۱۰، کوئٹه ۱/ ۳٤۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۲۱)

مہینہ میں صرف ۷ یا ۸/ دن نماز پڑھنے والے کی امامت

سوال [۲۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو امام مہینہ میں سات یا آٹھ دن فجر کی نماز پڑھتا ہے اور باقی دنوں میں بغیر عذر کے قضا کرتا رہتا ہے، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے؟ یا نہیں؟

المستفتي: قاسم، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا شخص شرعاً فاسق ہے امامت کا حقدار

نہیں ،اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تو مع الکراہت درست ہوجائیگی ، واجب الاعادہ نہیں ،تنہا پڑھنے سے بہتر ہے ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۹۳، جدید ڈابھیل ٦/ ١٥٥، فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۱۴٦، امداد الفتاویٰ/ ۸٦ ۷، احسن الفتاویٰ زکریا ۳/۲٦۳)

عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال: والذي نفسى بيده لقد هممت أن آمر بحطب ليحطب ثم آمر بالصلوٰة، فيؤذن لها ثم آمر رجلا فيؤم الناس ثم أخالف إلى رجال فأحرق عليهم بيوتهم. الحديث. (صحيح البخارى، كتاب الصلوٰة، باب وجوب صلوٰة الجماعة، النسخة الهنديه ١/ ٨٩، رقم:٦٣٥، ف:٦٤٤)

وتاركها عمداً أي تكاسلا فاسق الخ. (درمختار ، كتاب الصلوٰة، كراچى ١/ ٣٥٢، زكريا ٢/ ٥، مصرى ١/ ٢٥٩، طحطاوى ، كتاب الصلوٰة ، جديد دارالكتاب ديوبند/ ١٧٤، قديم/ ٣٩)

ويكره تقديم الفاسق كراهة تحريم الخ. (صغيرى مطبع مجتبائى دهلى/ ٢٦٤، طحطاوى ، كتاب الصلوٰة، فصل فى الأحق بالإمامة جديد دارالكتاب ديو بند/ ٣٠٣، قديم/ ١٦٥)

فإن أمكن الصلوٰة خلف غيرهم فهو أفضل والا فالاقتداء اولىٰ من الانفراد(إلىٰ قوله) وينال فضل الجماعة لكن لاينال كما ينال خلف تقى ورعٍ الخ. (البحرالرائق، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زكريا ١/ ٦١٠، كوئٹه ١/ ٣٤٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ٦٥١)

دو وقت کی نماز پڑھنے والے کی امامت

سوال [۲۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص باصلاحیت عالم اور حافظ ہے مگر شب و روز میں صرف دو وقت کی نماز ادا کرتا ہے، باقی فرائض کو جان بوجھ کر ترک کر دیتا ہے، تو کیا ہم اس امام کی اقتدا کریں گے اور ایک دوسرا شخص ہے نماز کے ارکان سے خوب واقف ہے مگر اسکی زبان میں کچھ لکنت ہے، بڑی شین کی جگہ چھوٹی سین کہتا ہے ص اور ث میں کوئی فرق نہیں کرتا ہے ادا کرنے میں یہ شخص بہت کوشش کرتا ہے مشق بھی کرتا ہے مگر ادا نہیں ہوتا ہے پیدائش ہی سے اس کی زبان میں لکنت ہے تو ہم کس امام کی اقتداء کریں اوپر والے کی یا اس امام کی؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، نیپالی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص دو وقت کی نماز پڑھتا ہے اور بقیہ نمازیں ترک کر دیتا ہے، وہ شرعاً فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم إهتمامه بالدين وكون الكراهة فى الفاسق تحريمية الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، جدید دارالکتاب/۲ ۳۰، قدیم/۱٦۵)

اور جس شخص کی زبان میں لکنت ہے قرآن صحیح نہیں پڑھتا ہے، اس کے پیچھے صحیح پڑھنے والوں کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے۔

فلا يصح (إلى قوله) والفأفأة والتمتمة واللثغ (إلى قوله) لايكون إماما لغيره وإذا لم يجدفى القرآن شيئاً خالياً عن لثغة وعجز عن إصلاح لسانه آناء الليل وأطراف النهار فصلاته جائزة لنفسه الخ. (مراقی مع الطحطاوی، کتاب

الصلوٰۃ، باب الإمامة دارالکتاب /۲۸۹ /۱۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۱۸ھ

جمعہ کے دن تارکِ فجر کا نماز جمعہ کی امامت کرنا

سوال [۲۱۷٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو امام جمعہ کے دن فجر کی نماز بغیر عذر کے نہیں پڑھتے ہیں کیا انکے پیچھے جمعہ کی نماز اور خطبہ درست ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: سخاوت حسین، مرشد آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا شخص فاسق ہے اس کے پیچھے نماز جمعہ وخطبہ مکروہ تحریمی کے ساتھ صحیح ہو جائے گا۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلاتِهِمْ سَاهُوْنَ .(الماعون: ٤،٥)

قال فی شرح المنية: والأحكام تدل على الوجوب من أن تاركها بلا عذر يعزر وترد شهادته. (شامی کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ۱/ ۵۵۲، زکریا ۲/ ۲۸۷)

وكره إمامة الفاسق لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاً، فلا يعظم بتقديمه للإمامة (تحته) كون الكراهة فى الفاسق تحريمية. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الإمامة قدیم/ ۱۶۵، دارالکتاب دیوبند جدید/ ۱ ۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ٦۵۱)

سنتوں کا اہتمام نہ کرنے والے کی امامت

سوال [۲۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام سے گاہ بگاہِ سنت مؤکدہ نکل جاتی ہے، اور امام نے بغیر سنت مؤکدہ ادا کئے فرض نماز پڑھادی تو ایسی صورت میں فرض نماز ہوگی یا نہیں؟

امام صاحب سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کا اہتمام نہیں کرتے ہیں تو اس حالت میں فرض نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: محمد طارق انور رشیدی،، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سنت مؤکدہ کا اہتمام ضروری ہے خاص طور پر امام کیلئے سنت مؤکدہ میں لاپرواہی نہایت نقصان دہ ہے اتفاق سے کبھی کسی عذر سے چھوٹ جائے تو اس کو بعد میں پڑھ لینا چاہئے، لیکن اگر لاپرواہی کا سلسلہ شروع ہو جائے اور یہ سلسلہ بار بار پیش آنے لگے اور بعد میں پڑھنے کا بھی اہتمام نہ ہو تو فقہاء نے ایسے شخص کو فاسق کہا ہے، اور امامت بھی اسکی مکروہ ہے، اس کے بجائے کسی متبع سنت امام کا انتظام ہونا چاہئے۔

قال الفقيه: أبو الليث السنة ما يكون تاركها فاسقا وجاحدها مبتدعا والنفل مالايكون تاركه فاسقاً ولا جاحده متبدعا. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء دارالکتاب دیوبند /٦٤، قدیم ٣٥، الجوهره، کتاب الطهارة، سنن الطهارة ٤/١)

سنة أخذها هدى وتركها ضلالة. (شرح النقايه، کتاب الصلوٰة، باب القراءة فی الصلاة، اعزازیه دیوبند ١ / ٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۰۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۲ھ

نوافل کی پابندی نہ کرنے والے کی امامت

سوال [۲۱۷۸]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مغرب اورعشاء کی نماز میں امام صاحب کانفل چھوڑ دینااور فجر میں التحیات کی حالت میں دائیں پیرکوکھڑا نہ کرنا کیسا ہے؟ اکثرامام صاحب کودیکھا گیا ہے؟

المستفتي: محمداسماعیل، ہلدور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرمغرب کی نماز کے بعددورکعت سنت مؤکدہ پڑھ لیتے ہیں، اوراس کے بعدپھردورکعت نفل یاچھ رکعات اوابین کی نمازامام صاحب نہیں پڑھتے ہیں، اسی طرح عشاء کی نماز میں وترکے بعدنفل نہیں پڑھتے ہیں،تو امام صاحب پرنہ کوئی الزام ہےاورنہ شرعی طورپرکوئی داروگیرہے، یہ اختیاری نماز ہے، جوپڑھے گااس کیلئے بلنددرجات ہیں اورجونہیں پڑھے گااس کووہ ثواب نہیں ملیگا، اوران نوافل کے نہ پڑھنے کی وجہ سےامام صاحب کی امامت اوران کی دیانتداری میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم/ ۱۱۸، جدیدڈابھیل ۷/۲۰۴)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ : من صلیٰ بعد المغرب ست ركعات ، لم يتكلم فيما بينهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتي عشرة سنة . (ترمذی شريف ، الصلاة ، باب ماجاء في فضل التطوع وست ركعات بعد المغرب ، النسخة الهندية ۱/ ۹۸، دارالسلام رقم:٤٣٥، سنن ابن ماجه ، الصلاة، باب ماجاء فی الست ركعات بعد المغرب ، النسخة الهندية /۸۱، دارالسلام رقم:۱۱٦۷، الصلاة ، باب ماجاء فی الصلاة ، بين المغرب والعشاء ، النسخةالهندية ۹۸، دارالسلام رقم: ۱۳۷٤، صحيح ابن خزيمه المكتب الإسلامی ۱/۵۸۸، رقم:۱۱۹۳، المعجم الأوسط دارالفكر ۱/۲۳۹، رقم:۸۱۹)

اورمردکیلئے قعدہ کی حالت میں بیٹھنے کامسنون طریقہ یہ ہے کہ دایاں پیرکھڑاکرکے اور

بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھے بلا عذر مسنون طریقہ کے خلاف بیٹھنا مکروہ ہے، لہٰذا اگر امام صاحب کسی عذر کی وجہ سے دایاں پیر کھڑا نہیں کرتے ہیں تو کسی طرح قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

عن عائشةؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ، يستفتح الصلاة، بالتكبير ، -إلى- وكان يفرش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ ، وكان ينهى عن عقبة الشيطان، وينهى أن يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع. (صحيح مسلم، الصلاة ، باب الاعتدال في السجود ، النسخة الهندية ١/١٩٤، بيت الأفكار رقم:٤٩٨)

عن عبد الله أنه أخبره : أنه كان يرى عبد الله بن عمرؓ يتربع في الصلاة، إذا جلس ، ففعلته وأنا يومئذ حديث السن، فنهاني عبد الله بن عمرؓ وقال: إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنىٰ، وتثني اليسرى ، فقلت : إنك تفعل ذلك ؟ فقال: إن رجلي لا تحملاني . (صحيح البخارى ، الأذان ، باب سنة الجلوس في التشهد، النسخة الهنديه ١/١١٤، رقم:٨١٩، ف:٨٢٧)

وسننها افتراش رجله اليسرىٰ(في الشامية) مع نصب اليمنىٰ سواء كان في القعدة الأولىٰ أو الأخرىٰ . (شامى ، الصلاة ، باب صفة الصلاة ، زكريا٢/١٧٤، كراچی١/٤٧٧)

وكره التربع بلا عذر أما بالعذر فلا كراهة لأن العذر يبيح ترك الواجب فأولىٰ السنة . (طحطاوى على المراقى ، الصلاة، فصل فى المكروهات /١١٢، دارالكتاب ديو بند/٣٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۵۷۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۲۳ھ

سنت کی پابندی کرنے والے امام پر زبانِ طعن دراز کرنا

سوال [۲۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں، فرائض نماز اور واجبات نماز وسنن نماز کی رعایت رکھتے ہیں جس میں تقریباً ۸ یا ۹ رمنٹ لگ جاتے ہیں، ”سمع الله لمن حمده“ کہنے کے بعد ”ربنالک الحمد“ بھی کہتے ہیں، تو امام صاحب کے سجدہ میں جانے سے پہلے بعض مقتدی سجدہ میں چلے جاتے ہیں اسی طرح جلسہ میں ”اَللّٰهُمَّ اغفر لی وارحمنی وعافنی وأهدنی“ پڑھتے ہیں تو بعض مقتدی امام صاحب سے پہلے سجدہ میں چلے جاتے ہیں بعدۂ سلام پھیرنے کے امام صاحب کو کہتے ہیں، کہ تم غلط نماز پڑھاتے ہو جس میں ہمارے ماسٹر محمد فاروق حافظ شکیل احمد عرف رمضان کہتے ہیں، کہ تم ضدی ہو اپنی ضد سے باز آجاؤ، تم نماز میں کافی وقت خرچ کرتے ہو اور دلیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو فرمایا کہ نماز ہلکی پھلکی پڑھایا کرو، ارشاد فرمایئے، کہ امام صاحب گنہگار رہیں گے یا مقتدی جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟

المستفتي: حافظ امین الدین،
نارائن پور، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کیلئے نماز میں فرائض واجبات اور سنتوں کی رعایت کرنا ضروری ہے، اس میں کسی قسم کی کوتاہی مناسب نہیں ہے، اور حدیث میں جو ہلکی پھلکی نماز پڑھنے کے متعلق وارد ہوا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ لمبی لمبی سورتیں نہ پڑھی جائیں، لہٰذا مقتدیوں کو امام صاحب پر یہ اعتراض کرنا کہ تم غلط نماز پڑھاتے ہو صحیح نہیں ہے، یہ مقتدیوں ہی کی غلطی ہے، امام صاحب اپنی جگہ درست پر ہیں۔

وفی المضمرات شرح القدوری أي لا یزید علی القراء ة المستحبة

ولا يثقل على القوم ولكن يخفف بعد أن يكون على التمام والإستحباب .

(البحرالرائق ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة زکریا ١/٦١٤، کوئٹہ ١/٣٥١)

اورامام صاحب کا''**سمع الله لمن حمده**'' کہنے کے بعد''**ربنا لک الحمد**'' کہنے کے بارے میں حنفی مسلک کے فقہاء کے درمیان دوطرح کے قول ہیں،

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق امام صرف'' **سمع الله لمن حمده**'' کہے،ربنا لک الحمد نہ کہے۔

(۲)اورامام ابوحنیفہؒ کے دوسرے قول نیز حضرت امام ابویوسفؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک امام ربنا لک الحمد بھی کہے گا،اوربعد کے فقہاء نے دونوں طرح کے قول کیلئے وجہ ترجیح بھی بیان کی ہے،اسلئے امام صاحب کواختیار ہے چاہے ربنا لک الحمد کہے یا نہ کہے،اس پرکسی بھی مقتدی کواعتراض کا حق نہیں ہے۔

ويكفي به الإمام وقالا يضم التحميد سراً وفي الشامية: وهو رواية عن الإمام أيضاً وإليه مال الفضلي والطحطاوي وجماعة المتأخرين ، واختاره في الحاوي القدسي ، ولكن المتون على قول الإمام . (شامی ،کتاب الصلاۃ باب صفة الصلاۃ، کراچی ١/٤٩٧، زکریا ٢/٢٠١)

اور دونوں سجدوں کے درمیان امام صاحب جو دعا پڑھتے ہیں وہ حدیث سے ثابت ہے حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ كان يقول بين السجدتين ، اَللّٰهُمَّ اغفرلي وارحمني واجبرني وأهدني وارزقني . (ترمذی شریف ، الصلاۃ، باب ما يقول بين السجدتين ١/٦٣، دارالسلام رقم: ٢٨٤)

لیکن اس قسم کی دعائیں نفلوں میں پڑھنا بالاتفاق مستحب ہے،اورفقہاء نے لکھا ہے کہ فرائض میں ان مقامات میں اس قسم کی دعائیں مسنون یا مستحب نہیں ہیں اور حدیث نوافل پرمحمول ہے درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ویجلس بین السجدتین مطمئناً ولیس بینهما ذکر مسنون وکذا لیس بعد رفعه من الرکوع دعاءٌ وکذا لا یأتی في رکوعه وسجوده بغیر التسبیح علی المذهب وما ورد محمول علی النفل . (شامی ،کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا۲/ ۲۱۳، کراچی ۱/ ۵۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۴/ ۱۴۲۳ھ

فصل: في إمامة الفاسق

فاسق کی تعریف اوراس کے پیچھے نماز کا حکم

سوال [۲۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فاسق کی تعریف کیا ہے کیا فاسق شخص کے پیچھے نماز ہو جائیگی؟

المستفتي: سید شاکر حسین، اورنگ آباد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا شخص شرعاً فاسق ہے اور جب کہیں دوسری جگہ باجماعت نماز مل سکتی ہے، ایسی حالت میں فاسق کی اقتداء میں نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جب فاسق امام کے علاوہ دوسرا امام دستیاب نہ ہو تو تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں ایسے شخص کی اقتداء میں باجماعت نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے، اس صورت میں باجماعت نماز ادا کرنے کا ثواب ملیگا، البتہ بہر دوصورت فاسق کی اقتداء میں ادا کی گئی نماز درست ہے، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ويكره إمامة الفاسق ولعل المراد به من يرتكب الكبائر. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ۲/ ۲۹۸، کراچی ۱/ ۵۵۹)

بل مشى في شرح المنية على أن الكراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (شامی، باب الإمامة، زكريا۲/ ۲۹۹، کراچی۱/ ٥٦٠)

وفي الفتاوى لو صلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة - (البحرالرائق، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة، زكريا۱/ ٦١٠، کوئٹہ ۱/ ۳٤۹)

فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولىٰ من

الانفراد الخ. (البحرالرائق ،کتاب الصلاۃ ، باب الإمامۃ ، زکریا ۱/ ٦١٠، کوئٹہ ۱/ ۳٤۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۲/۸/۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۳ھ

فاسق کی امامت کا حکم

سوال [۲۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) زید مسجد میں امامت کرتا ہے، اور فاسقوں جیسے فعل کرتا ہے، مثلاً داڑھی دوانگلی سے کم رکھتا ہے، زائد کو کترواد یتا ہے، کیا اس امام کے پیچھے نماز ہوجائیگی؟ نیز وہ امام اپنے کو حنفی کہتا ہے۔

(۲) اگر ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے تو کیا جو نمازیں اس سے پہلے اس کے پیچھے پڑھی ہیں تو ان کا دہرانا ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) بکر اور اہل محلّہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرتے ہیں، کیا بکر اور اہل محلّہ کا یہ فعل جائز ہے؟ زید مذکورہ زبردستی امامت کررہا ہے، محلّہ والے اس کو ہٹانا چاہتے لیکن زید ہائی کورٹ سے آرڈر لاکر نماز پڑھا رہا ہے، زید کے چند دوست نمازیں پڑھتے ہیں اور کمیٹی والے بھی اس (زید) کا ساتھ دیتے ہیں۔

(۴) محلّہ والے کیا کمیٹی والوں سے اختلاف کر کے دوسری کمیٹی بنا سکتے ہیں، جو اہل محلّہ کی پسند کا باشرع امام رکھیں، بینوا وتوجروا۔

(۵) ایک اور امام ہے جو دوسری مسجد میں امامت کررہا ہے، لیکن اس امام کی کھل کر حمایت کرتا ہے، کیا اس دوسرے امام کے پیچھے نمازیں اہل محلّہ پڑھیں؟ اس دوسرے امام کی اقتداء کرنا کیسا ہے؟ نمازیں ہونگی یا نہیں؟

(٦) اور اقتدا میں اس دوسرے امام کی نمازوں کا کیا حال ہوگا، دہرانا پڑے گا، اگر اہل محلّہ قدرت رکھتے ہوئے ایسے امام اور اراکین مسجد کو نہ ہٹائیں تو کیا اہل محلّہ گناہ گار ہونگے۔

(۷) ایسے امام اور اراکین مسجد کو ہٹانا ضروری ہے یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کیا کہتی ہے، تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: نور احمد شریف، میسور، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) داڑھی ایک مشت سے کم کرانے والا شرعاً فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، ایسا شخص امامت کا اہل نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، البتہ نماز لوٹانا واجب نہیں ہے۔

والسنة فيها القبضة (إلىٰ قوله) ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته الخ. (الدر المختار، کتاب الخطر والإباحة، باب الاستبراء زکریا۹/۵۸۳، کراچی ۶/۴۰۷، کتاب الصوم تحت الأخذ من اللحية، کراچی ۲/۴۱۸، زکریا۳/۳۹۷)

(۲) نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ہو جاتی ہے، واجب الاعادہ نہیں ہے۔

ولو صلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع الخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا۱/۶۱۰، کوئٹہ ۱/۳۴۹)

(۳) اگر بکر اور محلّہ والے ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھکر کسی باشرع آدمی کے پیچھے اپنی نماز ادا کرتے ہیں تو یہ ان کے لئے افضل وبہتر ہے، لیکن اگر مذکورہ فاسق امام کے پیچھے باجماعت نماز نہ پڑھ کر تنہا نماز ادا کرتے ہیں تو ان کیلئے یہ افضل وبہتر نہیں ہے بلکہ تنہا پڑھنے سے فاسق کے پیچھے باجماعت نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

ويكره الاقتداء بهم (إلىٰ قوله) فإن أمكن الصلوٰة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولىٰ عن الانفراد. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا۱/۶۱۰، کوئٹہ ۱/۳۴۹)

(۴) اگر فتنہ وفساد کا خطرہ نہ ہو تو بنا سکتے ہیں۔

والبانی للمسجد أولیٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن فی المختار إلا إذا عین القوم أصلح مماعینه. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف دارالکتب العلمیة بیروت ٢/٦٠٣، مصری قدیم ١/٧٥٤، البنایه، اشرفیه دیو بند ٣١/١٤٢)

(۵) اگر دوسرا امام باشرع ہے تو اس کے پیچھے نماز باکراہت درست ہوگی، اور اس کا فاسق امام کی حمایت کرنا کسی حکمت یا مصلحت کی بناپر ہے، معلوم ہونے کے بعد ہی غور کیا جاسکتا ہے۔

(۷) بلا کسی فتنہ وفساد کے اہل محلّہ کمیٹی امام کو بدلنے پر قادر ہیں تو ان پر لازم ہے کہ تبدیل کردیں، اور امام ومتولی اور ارکین مسجد کا باشرع ومتبع سنت ہونا لازم ہے، ایسے باشرع لوگ ہوتے ہوئے نااہل کو ذمہ دار بنانا ہرگز درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۱٦٦، جدید زکریا ۹/ ۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۲۲۰)

فاسق کی امامت کا حکم

سوال [۲۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید حافظ ہے اور امامت کرتا ہے اس کی بیوی پردہ وغیرہ کا بالکل خیال نہیں کرتی ہے، دروازہ چوپٹ کھلا ہوا رہتا ہے اس پر کسی کپڑے کے پردہ وغیرہ کا بھی انتظام نہیں آنگن میں بلا جھجھک بغیر کسی حجاب دوپٹہ کے ننگے سر گھومتی پھرتی رہتی ہے، حتیٰ کہ آنگن میں چارپائی پر لیٹی بھی رہتی ہے، نمازی حضرات پردہ کے بارے میں کہہ کر تھک چکے ہیں، اب ان سے نمازی ناراض بھی رہنے لگے ہیں، امام صاحب کا حال یہ ہے کہ ان کو ٹیلی ویژن کا شوق ہے ناٹک وغیرہ اور کیا کیا واللہ اعلم دیکھتے رہتے ہیں، اس کی وجہ سے تبلیغی کام کیلئے بھی انکے پاس وقت نہیں ہے، سو پوچھنا یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، نماز میں کوئی کراہت تو نہیں آتی وہ منصب امامت پر رہنے کے حقدار ہیں یا نہیں؟ امامت

چھوڑ کر اپنا پیشہ کام کھیتی باڑی دیکھنا چاہئے ؟

المستفتي: مصلیان مسجد محلّہ نوادہ سرائے، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کے یہاں شرعی پردہ کا اہتمام نہ ہو اور خود امام کو ٹیلی ویژن کا شوق ہو تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے بجائے اسکے کسی متبع شریعت امام کا انتظام کرنا چاہئے ۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۸۸، امداد الاحکام ۲/ ۱۳۰)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْتَرِیْ لَهْوَا لْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ .(سورة لقمان: ٦)

عن مرثد بن ابي مرثد العتوى وكان بدرياً قال قال رسول الله ﷺ ، إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم عزوجل. (المستدرك ، كتاب معرفة الصحابة ، مكتبه نزار مصطفى البازجديد ٥/ ١٨٦٤، رقم: ٤٩٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الأ ولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦۴۳)

فاسق کی امامت کا حکم

سوال: [۲۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان جو داڑھی شرعی حد سے کم رکھتا ہے، نہ وہ دینی تعلیم کی کوئی ڈگری رکھتا ہے نہ حافظ ہے نہ مولوی ہے نہ مقامی تبلیغی جماعت کا فرد ہے، نہ اس کے پاس دنیوی درجوں کی تعلیم کی کوئی ڈگری ہے ایسا شخص اگر دینی تقریر کرتا ہے اور جو چاہتا ہے بیان کرتا ہے، وہ شخص شریعت کی روشنی میں کس گناہ کا مرتکب ہے آیا اسے گھروں پر جا کر یا مسجدوں میں نمازیوں کو روک کر

بیان کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز ؟ اور یہ عمل اس کا صرف اپنی شہرت ظاہر کرنے کے لئے گاہ بگاہ ہے۔

امامت کے فرائض بھی انجام دیدیتا ہے، نیز تعویذ گنڈے کرتا ہے نامحرم عورتوں کو بے حجاب اپنے پاس بٹھاتا ہے، ایسا شخص کیسا ہے؟

المستفتي: عبد الصمد، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (١) ڈاڑھی ایک مشت سے کم کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

السنة فيها القبضة (إلىٰ قوله) ولذايحرم على الرجل قطع لحيته الخ. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره زكريا ٩/٥٨٣، كراچی ٦/ ٤٠٧)

(٢) غیر مستند غیر عالم کا وعظ وتقریر کرنا شرعاً ناجائز ہے، حدیث شریف میں ایسے شخص کو متکبر وریاکار کہا گیا ہے، ہاں البتہ چھ نمبر کے دائرہ میں رہکر دعوتی گفتگو کرنا ہر مسلمان کیلئے جائز ہے۔

عن عوف بن مالك الأشجعي رضـ**، قال: قال رسول الله** ﷺ **لا يقصّ إلا أميرٌ أو مأمورٌ أو مختال وفي رواية أو مراءٌ.** (مسند الدارمی، دار المغني ٣/١٨٢٨، رقم: ٢٨٢١، مسند أحمد بن حنبل ٢/١٧٨، رقم: ٦٦٦١، مشكوٰة شريف ١/٣٥)

(٣) ایک قبضہ سے کم ڈاڑھی رکھنے والا شرعاً فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (فتاویٰ احیاء العلوم ١/٣٠١)

(٤) بے حجابانہ طور پر اجنبیہ عورتوں کو بٹھانا اور بلاضرورت شدیدہ انکی طرف دیکھنا اور بالمشافہ باتیں کرنا حرام ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو ہرگز اپنا مقتدیٰ نہ بنائیں۔

قال رسول الله ﷺ **لعلي يا علي لا تتبع النظرة النظرة فإن لك الأول وليست لك الآخرة.** (سنن أبي داؤد، النكاح، باب مايؤمر به عن غض

البصر النسخة الهندية ١/ ٢٩٢، دارالسلام رقم:٢١٤٨، مسند الدارمی، دارالمغني ٣/ ١٧٧٩، رقم:٢٧٥١، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٢/ ٢٨٠، رقم:٧٠١)

فزنا العين النظر پس زناء چشم نظر حرام است الخ. (اشعة اللمعات ١/ ٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۵۷)

مرتکب کبائر کی امامت

سوال: [۲۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عالم ہے، اپنے والد کو مارتا پیٹتا رہتا ہے، اور اپنی بیوی کو خلاف شرع لباس پہناتا ہے اور مسجد میں قرآن پاک کی جھوٹی قسم کھاتا ہے اور رشوت دیکر غریبوں کو پٹواتا ہے ایسے آدمی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کا امامت کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: مرشد عالم سمستی پور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بشرط صحت واقعہ سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت کے مطابق زید کا اپنے والد کو ستانا مارنا پیٹنا اور بیوی کو غیر شرعی لباس پہنا کر بے پردہ رکھنا اور رشوت دیکر لوگوں پر ظلم کرنا یہ سب گناہ کبیرہ ہیں، ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، پھر بھی نماز ادا ہو جائیگی متبع سنت اور صالح امام میسر ہونے کی صورت میں ایسے شخص کو ہرگز امام نہ بنایا جائے۔

عن عطاء بن دينار الهذلي: أن رسول الله ﷺ قال: ثلاثة لا تقبل منهم صلاة، ولا تصعد إلى السماء، ولا تجاوز رؤوسهم: رجل أم قوماً وهم له كارهون. (صحيح ابن خزيمه باب الزجر عن إمامة المرء من يكره إمامته،

المکتب الإسلامی ١ /٧٣٥، رقم: ١٥١٧)

عن جابر بن عبد الله قال: خطبنا رسول الله ﷺ فقال..... ولا يؤم فاجر مؤمناً. الحديث: (سنن ابن ماجه ، الصلاة ، باب فرض الجمعة ، النسخة الهندية ١/ ٧٥، دارالسلام رقم: ١٠٨١)

عن واقد بن أبي مرثد الفنوى وكان بدرياً ، قال: رسول الله ﷺ : إن سركم أن تقبل صلاتكم ، فليؤمكم خياركم ، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم .(المعجم الكبير للطبرانی ، داراحیاء التراث العربي ٢٠ /٣٢٨، رقم:٧٧٧)

لو قدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم.

(کبیری شرح منية المصلی، کتاب الصلاة ، فصل فی الإمامة اشرفیه /٥١٣)

قال الرملى ذكر الحلبى فى شرح منية المصلى إن كراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم . (منحة الخالق على البحر،کتاب الصلاة ، باب الإمامة زكريا ١/ ٦١٠، کوئٹه ١/ ٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨/ جمادی الاولیٰ ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٦٦١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٨/٥/١٤٢١ھ

خلاف شرع امور کے مرتکب کی امامت

سوال:[٢١٨٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم تین چار آدمی ایسی جگہ رہتے ہیں اس مقام سے لگ بھگ چاروں طرف کی مسجدوں پر بدعتی صاحبان کا قبضہ ہے،ان حضرات نے کچھ اس طرح کے کام شروع کر رکھے ہیں جو اصلی عبادت سے زائد ہیں ، مثلاً ہر نماز سے پہلے یہ دورد شریف صلی اللہ علیٰ.... یارسول اللہ، ساتھ ہی الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ.... یا نبی اللہ ..... یا حبیب اللہ۔، اس کے بعد پھر اذان کہتے ہیں

مغرب کی نماز چھوڑ کر باقی نمازوں میں اذان کے بعد اور جب جماعت میں پانچ منٹ باقی رہتے ہیں، پھر مائک سے تین بار الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، پھر پورے جملے یا نبی اللہ یا حبیب اللہ پڑھتے ہیں، اس کے بعد جماعت کھڑی ہوتی ہے، تو تکبیر کے وقت کوئی اگر کھڑا ہوگیا تو سختی سے اس کو بٹھا دیتے ہیں۔

(۲) دعاؤں میں اکثر اس طرح شعر پڑھتے ہیں، یا الٰہی رحم کر مصطفیٰ کے واسطے اور یا رسول اللہ رحم کر خدا کے واسطے۔

(۳) فجر کی نماز میں دعا کے بعد ہر روز کھڑے ہوکر سلام پڑھتے ہیں، ہر ایک کا کھڑا ہونا ضروری ہے۔

(۴) ہر نماز کے بعد دو صفیں بنا کر امام صاحب کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں پھر ان سے سلام ومصافحہ کرتے ہیں، اس کے بعد آپس میں مصافحہ کرتے ہیں۔

(۵) مصافحہ کے بعد امام صاحب محراب میں کھڑے ہوکر شمالی ومغربی گوشہ کی سمت منھ کر کے کھڑے ہوتے ہیں ہاتھ باندھ کر نہایت ادب سے کچھ پڑھتے ہیں، مصافحہ کے بعد کچھ لوگ مسجد میں رک جاتے ہیں، اور وہ بھی امام صاحب کی طرح شمالی مغربی گوشہ کی سمت منھ کر کے اسی طرح کھڑے ہوتے ہیں، جس طرح امام صاحب کھڑے ہوکر کچھ پڑھتے ہیں۔

(٦) خاص خاص راتوں میں یہ صاحبان حلقہ وار بھی کرتے رہتے ہیں، اللہ کے علاوہ بڑے پیر صاحب سے بھی مدد کی پکار کرتے ہیں۔

ایک دوسری مسجد کے امام صاحب مصافحہ تو اوپر لکھے ہوئے طریقہ کے مطابق کرتے ہیں جبکہ اذان میں کوئی بات نہیں یہاں جمعہ کی نماز کے بعد سلام پڑھتے ہیں، اس کے علاوہ یہ امام صاحب ہر جمعرات کو عصر کی نماز کے بعد مسجد کے احاطہ میں ایک مزار ہے وہاں لگ بھگ سبھی نمازیوں کے ہمراہ مٹھائی جلیبی جو کہ کوئی ایک ہی لے آتا ہے، اور بعد میں لانے والا شخص سب کو تقسیم کر دیتا ہے جبکہ امام صاحب کو زیادہ ہی حصہ ملتا ہے یہ لوگ وہی کھانے کی ایک طرح رسم ادا کرتے ہیں۔

اب آپ کی خدمت عالی میں عرض ہے کہ ایسے بدعتی اماموں کے پیچھے نماز ادا کرنی چاہیئے یا نہیں؟

ہمارے یہاں سے اہل حق کی مسجد جو سب سے قریب ہے وہ لگ بھگ تین کلومیٹر ہے، پھر بھی دن میں ایک دو نماز ان مسجدوں میں ادا ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ تین چار آدمی و بچے ملکر کبھی کبھی گھر پر بھی جماعت کر لیتے ہیں مگر دن میں گھر سے باہر رہنے کی وجہ سے گھر پر ناغہ ہوتا ہے ، جبکہ وہ مسجد جس پر بدعتی صاحبان کا قبضہ ہے گھر سے قریب ہی ہے۔
لہذا جناب عالی محترم مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہٗ یا جو بھی منصب عالی ہوں رہنمائی فرمائیں ۔عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالعزیز

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :سوالنامہ میں جو امور لکھے ہوئے ہیں وہ سب کے سب خلاف شرع اور ناجائز ہیں ایسے امور کا ارتکاب کرنے والا فاسق ہوتا ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہوتی ہے، لہذا فاسق امام کے پیچھے آپ کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی، مگر پڑھنے کے بعد اس کا اعادہ لازم نہ ہوگا۔

عن أبي هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال: صلوا خلف كل بر وفاجر الحديث: (سنن الدار قطنى ، الصلاة، باب تجوز الصلاة معه الخ دارالكتب العلمية ٢/ ٤٢، رقم: ١٧٥٠)

اگر فتنے کا خطرہ نہ ہوتو بہتر یہی ہے کہ اہل حق کے لوگ آپس میں کسی مناسب جگہ یا کسی ہال میں الگ سے جماعت بندی کے ساتھ نماز پڑھ لیا کریں۔

إمامة صاحب الهوىٰ والبدعة مكروهة . (بدائع، كتاب الصلوٰة ، فصل في بيان من يصلح للإمامة كراچی ١/ ١٥٧، زكريا ١/ ٣٨٧)

وتجوز إمامة الأعرابي (إلىٰ قوله) والفاسق إلا أنها تكره هكذا في

المتون. (هنديه، كتاب الصلوٰة، الباب الخامس فى الإمامة زكريا قديم ١/ ٨٥، جديد ١/ ١٤٣)

كون الكراهة في الفاسق تحريمية. (حاشية الطحطاوى على المراقى، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ديوبند/ ٣٠١، قديم/ ١٦٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۷ھ

مختلف محرمات کے مرتکب امام کا حکم

سوال: [۲۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص عالم دین امام ہے، سودی بس چلاتا ہے، بیاج پر قرض لیتا ہے بیوقوف بنا کر مسجد و مدرسہ کے نام پر بھی قرض لیتا ہے، وعدہ کے مطابق دیتا نہیں ہے، مسجد و مدرسہ کے نام پر مسجد و مدرسہ کی رقم کھا جاتا ہے، مسجد و مدرسہ کا کوئی حساب نہیں رکھتا، ہر بات میں جھوٹ بولتا ہے، زنا کرواتا ہے، تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے، اور ایسے شخص کی امامت پر شریعت کا کیا حکم ہے، اور ایسے شخص کو مسجد و مدرسہ کا ذمہ دار بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جن امور قبیحہ کا ذکر ہے، اگر واقعۃً مذکورہ شخص ان امور کا ارتکاب کرتا ہے، سودی قرض لینا، اور مسجد و مدرسہ کے نام سے اپنی ذات کیلئے قرض لینا اور مسجد و مدرسہ کی رقم کو خود اپنی ذات کیلئے استعمال کرنا، اور جھوٹ بولنا، زنا کا ارتکاب کرنا یہ تمام امور ناجائز اور حرام ہیں جن کا ارتکاب کرنے والا شریعت کے نزدیک کھلا ہوا فاسق ہوتا ہے، اور ایسے فاسق شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے،

اس کو ہٹا کر متبع شریعت آدمی کوامام بنانا ضروری ہے اور ایسے شخص کو مسجد ومدرسہ کا ذمہ دار بنانا بھی شرعاً درست نہیں ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن آكل الربو وموكله، النسخة الهنديه ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸)

ويكره إمامة عبد وأعرابى وفاسق وفى الشامية ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانى وآكل الربو ونحوه ذلك- بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم.

(شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ۱/ ۵۵۹، ۵٦۰، زكريا ۲/ ۲۹۸، ۲۹۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦ ۳/ ۷۸۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۸/ ۱۴۲۳ھ

مختلف منہیات کے مرتکب کی امامت

سوال: [۲۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر کو دینی مسائل اچھی طرح معلوم ہیں مگر مندرجہ ذیل باتیں عمر کے اندر پائی جاتی ہیں۔

(۱) عمر پابندی سے کرکٹ کا میچ ہار جیت کا کھیلتا ہے۔

(۲) عمر غیر محرم بالغ لڑکیوں کو بے پردہ ٹیوشن پڑھاتا ہے۔

(۳) عمر غیر محرم بالغ لڑکیوں کو نمائش میں بے پردگی کیساتھ گھماتا ہے۔

(۴) عمر فجر کی فرض نماز سے پہلے کی سنت ظہر کی پہلے کی سنت اور بعد کی سنت اور عشاء کے فرض کے بعد کی سنت اور وتر اکثر وبیشتر نہیں پڑھتا ہے۔

(۵) عمر ٹی وی کے پروگرام بڑے شوق سے دیکھتا ہے۔
(۶) عمر کے چہرے پر شرعی داڑھی نہیں ہے، یعنی شرعی داڑھی ہونے نہیں دیتا کاٹ چھانٹ کرتا رہتا ہے۔
(۷) ان وجوہات سے کچھ مقتدی عمر کی امامت سے ناراض ہیں تو کیا ان سب وجوہ کی بنا پر عمر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز اور درست ہے؟ مفصل بیان فرمائیں۔
المستفتي: عبدالغنی، دولت باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمر کا ہار جیت کیساتھ کرکٹ میچ کھیلنا غیر محرم لڑکیوں کو بے پردہ ٹیوشن پڑھانا اور ران کو نمائش وغیرہ میں گھمانا، سنن مؤکدہ اور واجبات کو چھوڑنا، ٹی وی کے پروگرام دیکھنا اور داڑھی کا ٹنا یہ سب فسق وفجور اور ناجائز وحرام افعال ہیں، اور ان چیزوں کا مرتکب فاسق معلن ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا ایسے امام کو منصب امامت سے ہٹا کر کسی متبع شریعت شخص کو امام بنانا چاہئے۔

وكره إمامة الفاسق العالم لعدم إهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاً فلا يعظم بتقديمه للإمامة. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، دار الکتاب دیوبند/ ۳۰۱، قدیم ۱/ ۱۶۵)

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق (تحته في الشامية) فاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد من به يرتكب الكبائر، كشارب الخمر، والزاني، وآكل الربوا ونحوه ذلك. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، زکریا ۲/ ۲۹۸)

وفيه إشارة إلى أنهم لو قدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينية وتساهله في الإتيان بلوازمه.

(کتاب الصلاۃ فصل فی الإمامة ، غنیة المستملی اشرفیه ۱/ ۵۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۲۳ھ

خلاف سنت افعال کے مرتکب کی امامت

سوال: [۲۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صرف امامت کی غرض سے آتا ہے، اور جماعت سے نماز نہیں پڑھتا ہے، کبھی کبھی جماعت میں شریک ہوتا ہے، پابند جماعت نہیں ہے، اور خلاف سنت اس کے افعال ہیں یعنی کہ داڑھی کٹوا تا ہے ایک مشت سے کم داڑھی رکھتا ہے، اور خلاف سنت اس کا لباس ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: توفیق، ہریدواری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا عذر تارک جماعت فاسق لائق امامت نہیں اس پر ملامت کرنی چاہیئے۔

عن أبی هریرة أن رسول اللہ ﷺ قال: والذی نفسی بیده لقد هممت أن آمر بحطب فیحطب ثم آمر بالصلوٰۃ فیؤذن لها ثم آمر رجلا فیؤم الناس ثم أخالف إلی رجال فأحرق علیهم بیوتهم. الحدیث(صحیح البخاری ، کتاب الاذان ، باب وجوب صلوٰۃ الجماعة، النسخة الهندیه ۱/ ۸۹، رقم: ٦٣٥، ف:٦٤٤)

یجب التعزیر به علی تارکها بغیر عذر ویأثم الجیران بالسکوت الخ. (البحرالرائق ، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة زکریا ۱/ ۱۰۳، کوئٹہ ۱/ ٣٤٥)

داڑھی منڈ وانے والا شرعاً فاسق ہے اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے داڑھی ایک مشت رکھنا سنت ہے، اس سے کم کرانا حرام ہے۔

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه أمر باحفاء الشوارب و إعفاء اللحية الحديث، (صحيح مسلم، باب خصال الفطرة، النسخة الهنديه ١/١٢٩، بيت الأفكار رقم:٢٥٩)

والسنة فيهما القبضة (إلى قوله) ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته الخ. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، زكريا ٩/٥٨٣، كراچی ٦/٤٠٧، مطبوعه كوئٹه ٥/٢٨٨)

ويكره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمى وتحته فاسق من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزانی، وآكل الربوا ونحو ذلک. (شامی، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ٢/٢٩٨، كراچی ١/٥٥٩، ٥٦٠، هدايه كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، اشرفی ديوبند ١/١٢٢)

اگر انگشت نما لباس ہوتو مکروہ ہے ورنہ نہیں ۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ر ربیع الأول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۳/۲۳)

کیا امور شنیعہ کا مرتکب امامت نہیں کرسکتا؟

سوال: [۲۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد جو شہر کے بازار میں واقع ہے، اور بازار کے دوکاندار ہی اس کے مستقل نمازی ہیں، اور یہی لوگ اس کی انتظامیہ کمیٹی میں ہیں، ایک شخص جو اس مسجد کا موروثی امام ہونے کا دعویدار ہے، او زبردستی امامت کے منصب پر قابض ہے جبکہ نمازیوں کی اکثریت اس کے غیر صالح ہونے کی وجہ سے اسکی اقتداء میں نماز ادا کرنا نہیں چاہتی کیونکہ ان کو اس امام کے خلاف حسب ذیل شکایتیں ہیں۔

(۱) یہ امام ایسے پیر کا خلیفہ ہے جو نماز کی فرضیت کا اعلانیہ منکر تھا، خود بھی نماز نہیں پڑھتا تھا اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی تلقین کرتا تھا، چنانچہ یہ امام بھی نماز کو بطور آبائی پیشہ پڑھاتا ہے۔

(۲) امام کی داڑھی غیر شرعی بلکہ فرنچ کٹ ہے۔

(۳) امام کو کسی نے کبھی وضو کرتے یا سنتیں پڑھتے نہیں دیکھا یہاں تک کہ رمضان المبارک میں سنت وتر یا تراویح میں بھی شرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(۴) یہ امام مسجد کی آمدنی کو ذاتی کمائی کے طور پر خرد برد کرتا ہے اور کبھی کمیٹی کو کوئی حساب نہیں دیتا ہے۔

(۵) یہ امام جھوٹ بکثرت بولتا ہے، مسجد کے اراکین کمیٹی کے خلاف جھوٹا مقدمہ کرر کھا ہے اور وقف بورڈ میں جھوٹا حلف نامہ داخل کیا ہے۔

(٦) مسجد بہت شکستہ تھی اس کو کمیٹی نے از سرِ نو تعمیر کرایا اس کام میں بھی امام نے طرح طرح سے رخنہ اندازی کی اور پولیس کو مداخلت کیلئے رشوتیں دیں، ان ناپسندیدہ حرکات سے متنفر ہو کر کمیٹی اور بازار کے دوکانداروں نے ایک دوسرے امام کا تقرر کیا اور اس کے پیچھے سارے مستقل نمازی پنجوقتہ اور جمعہ کی نماز ادا کرنے لگے، لیکن اس ناپسندیدہ امام نے چند لوگوں کو دور سے بلا کر جمع کر کے اپنی دوسری جماعت شروع کر دی جسمیں چند لوگ ہوتے ہیں، اس طرح اب اس مسجد میں بیک وقت دو جماعتیں ہورہی ہیں، جس سے فساد بین المسلمین کا ماحول پیدا ہو گیا ہے جس کا سبب وہ متنازعہ امام ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کو جس کی صفات بیان ہوئیں امام بنانا جائز ہے؟ نمازیوں کی اکثریت اس کے پیچھے نماز ادا کرنا نہیں چاہتی تو اس کو زبردستی امامت پر قابض رہنا جائز ہے، کیا امامت کے منصب میں بھی وراثت چلتی ہے؟ کیا ایک مسجد میں بیک وقت دو دو جماعتیں ہونا جائز ہے؟ ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو بیان فرمائیں

اور ایسے ناپسندیدہ امام کی امامت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: اراکین مسجد کمیٹی
ودکانداران، متعلقہ مسجد، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو امام سوالنامہ کے درج شدہ امور شنیعہ کا مرتکب ہے وہ شرعی طور پر امامت کا مستحق نہیں ہے اور شرعی طور پر امامت کے فریضہ پر وراثت نہیں چلتی، لہٰذا شخص مذکور جو موروثی طور پر امامت پر قابض ہونے کی کوشش کررہا ہے، اسلامی شریعت میں اس کیلئے یہ عمل جائز نہیں ہے اور نہ یہ شخص امامت کا مستحق ہے، ذمہ داران مسجد کو اپنی مرضی سے باشرع امام مقرر کرنے کا حق ہے۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق قال: کان یقال أشد الناس عذاباً یوم القیامة إثنان: إمرأة عصت زوجها، وإمام قوم وهم له کارهون، قال جریر: قال منصور: فسألنا عن الإمام فقیل لنا: إنما عنی بهذا الأئمة الظلمة، فأما من أقام السنة، فإنما الإثم علی من کرهه. (سنن الترمذی، الصلاة، باب ماجاء فی من أم قوماً وهم له کارهون، النسخة الهندیة ۱/۸۳، دارالسلام رقم:۳۵۹)

لو أم قوما وهم له کارهون، فهو علی ثلثة أوجه إن کانت الکراهة لفساد فیه أو کانوا أحق بالإمامة منه یکره وتحته فی الطحطاوی وینبغی أن تکون الکراهة تحریمیة الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوٰة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة قدیم/۱٦٤، جدید دارالکتاب دیوبند/۳۰۱)

ولو أم قوماً له کارهون، إن الکراهة لفساد فیه أو لأنهم أحق بالإمامة منه کره له ذلک تحریماً– إلی– وإن هو أحق لا والکراهة علیهم. (شامی، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة زکریادیوبند۲/۲۹۸، کراچی

۵۵۹/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۹۳/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۹ھ

مختلف منکرات سے متصف شخص کی امامت

سوال: [۲۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے یہاں غیر محرم کا آنا جانا ہوتا ہے، اور زید کی بیوی ان سے پردہ بھی نہیں کرتی ہے اور نہ زید پردہ کیلئے تنبیہ کرتا ہے، اور غیر محرم سے بات بھی کرتی ہے، اور بازار وغیرہ کو جب جاتی ہے تو چہرہ کھول کر جاتی ہے اور بغیر اجازت جاتی ہے، اس پر زید بیوی کو تنبیہ نہیں کرتا، اور زید ذرا ذرا سی باتوں پر جھوٹی قسم کھاتا ہے، اور قرآن مقدس بھی اٹھا لیتا ہے، یہ زید کی عادت بن چکی ہے، اگر کسی شخص سے بات کرتا ہے تو اس کے منھ پر اس کی تعریف کرتا ہے، اور اس کے پیچھے اسکی برائی کرتا ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ یا ایسا شخص امامت کے قابل ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد یونس، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کے یہاں شرعی پردہ نہ ہو اور اسی طرح وہ بات بات میں جھوٹی قسمیں کھاتا ہے اور لوگوں کی غیبت کرتا پھرتا ہے تو ایسا شخص شریعت کی نظر میں فاسق ہے اسے توبہ کرنی چاہئے، صالح اور دیندار امام کی موجودگی میں ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، وہاں والوں پر ضروری ہے کہ کسی متبع شریعت شخص کو امام بنائیں، لیکن اگر یہ اپنے افعال سے توبہ کرلے تو اس کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۸۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۸۷، جدید ڈابھیل ۶/ ۹۷، فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۲۳۴)

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول: ثلاثة لا یقبل اللّٰہ

منهم صلاة: من تقدم قوماً وهم له كارهون. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب الرجل يقوم القوم وهم له كارهون، النسخة الهندية ١/٨٨، دارالسلام رقم: ٥٩٤، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٣/٧١، رقم:١٧٦، ١٤/١٣٦، رقم:١٤٧٥٩)

لو قدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه وتساهله في الإتيان. (كبيری شرح منية المصلی، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مكتبه اشرفيه/٥١٣، مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة /١٦٥، دارالكتاب ديوبند ١/٣٠١، منحة الخالق على البحر، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ١/٣٤٩، زكريا ١/٦٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۷۹)

بداخلاق وبدکردار امام کی امامت

سوال: [۲۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسا امام جو غیر اخلاقی عادت اور بدفعلی کا مرتکب ہو، جھوٹ غیبت وغیرہ گناہوں سے اجتناب نہ کرتا ہو، کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے، اور ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: ساجد علی، ناظر پورہ، بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ذاتیات سے متعلق مسائل ہیں جب تک کسی امام کی ذاتیات سے متعلق کوئی بات شرعی طور پر پائے ثبوت تک نہ پہونچے اس کے بارے میں شرعی حکم لکھنا مناسب نہیں اور منتظمین کی ذمہ داری ہے کہ متبع شریعت امام رکھیں۔

عن مرثد بن أبي مرثد الغنوي وكان بدريا قال: قال رسول الله ﷺ: إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم فإنهم وفدكم فيما بينكم

وبين ربكم عزوجل. (المستدرك ،كتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٥/٤٦ ١٨ ١، رقم: ٤٩٨١، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٣٢٨/٢٠، رقم:٧٧٧، سنن الدار قطني ، كتاب الجنائز، باب نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقوم الإمام فوق شئى والناس خلفه ، دارالكتب العلمية بيروت٢/٧٤، رقم:١٧٦٥)

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ : اجعلوا أئمتكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين الله عزوجل. (سنن الدارقطني، كتاب الجنائز ، باب تخفيف القراءة لحاجة ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٧٤، رقم:١٨٦٣)

من أم قوماً وهم له كارهون، إن كانت الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة كره له ذلك وإن كان هو أحق بالإمامة لم يكره. (تاتارخانية ، كتاب الصلاة، الفصل السادس من هو أحق بالإمامة ٢/٢٥٢، رقم المسئلة ٢٣٣٦، هندية، كتاب الصلاة ، الباب الخامس فى الإمامة ، قديم ١/٨٧، جديد١/ ١٤٤، البحرالرائق ، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ١/٣٤٨، زكريا ١/٦٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۳/ذیقعدہ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۱۳۱۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۲۳ھ

والدین کو برا بھلا کہنے والے کی امامت

سوال: [۲۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص عالم دین ہے، اپنے والدین کو گالیاں دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ والدین کے پاس جب کھلانے کی طاقت نہیں تھی، تو مجھکو کیوں نکالا تھا، اور ٹخنوں سے نیچے لنگی اور پائجامہ پہنتا ہے، کہنے پر بھی نہیں مانتا تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے، اور ایسے شخص کی امامت کا شرعاً کیا حکم ہے، اور جو لوگ نماز کیلئے جان بوجھ کر ایسے شخص کو کھڑا کرتے ہیں ان کے اس فعل کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین کوگالیاں دینابدترین عمل ہے، اوروالدین کوگالیاں دینے والاسخت ترین عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

فَلاَ تَـقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْمًا. (سورۃ: بنی اسرائیل ،آیت:۲۳)

حدیث پاک میں والدین کوگالیاں دینے برا بھلا کہنےکوا کبرالکبائر کہا گیا ہے، (سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے)

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ : إن من أكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه. (بخاری شریف، باب لايسب الرجل والديه، النسخة الهنديه۲/۸۸۳، رقم : ۵۷۳۹، ف:۵۹۷۳، مسند احمد بن حنبل ۲/۲۱۶، رقم:۷۰۲۹)

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: إن من أكبر الكبائر أن يسب الرجل والديه .(صحيح ابن حبان دارالفكر ۱/۲۲۸، رقم:۴۱۴)

عن عبد اللہ بن أنيس الجهنی، قال: قال رسول اللہ ﷺ :إن من أكبر الكبائر الشرك باللہ ، وعقوق الوالدين. (سنن الترمذی، باب ومن سورة النساء ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، دارالسلام رقم: ۳۰۲۰)

اورٹخنوں سے نیچےلنگی یاپائجامہ پہننا حرام اور گناہ کبیرہ ہےاورحدیث میں ایسے شخص کیلئے سخت ترین وعیدآئی ہے،ایسا شخص فاسق ہےاس کونماز کیلئے آگے کھڑا کرنا جائزنہیں ہے۔

عن ابن عمرؓ أن رسول اللہصلی اللہ علیه وسلم قال: لاینظر اللہ إلى من جر ثوبه خيلاء . (صحيح البخاری ، كتاب اللباس ، باب قول اللّٰه قل من حرم زينة اللّٰه التی أخرج لعباده ، النسخة الهنديه ۲/ ۸۶۰، رقم:۵۵۵۰، ف:۵۷۸۳، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة ، باب تحريم جر الثوب خيلاء النسخة الهندية ۲/ ۱۹۴، بيت الأفكار رقم:۲۰۸۵)

عن أبی هريرةؓ عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار ففی النار. (بخاری، باب ماأسفل من الكعبين فهو فی النار٢/٨٦١، رقم: ٥٥٥١، ف:٥٧٨٧)

عن عبد الله بن عمر و أن رسول الله ﷺ كان يقول: ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة: من تقدم قوماً وهم له كارهون. (سنن أبي داؤد الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، النسخة الهندية ١/٨٨، دارالسلام رقم:٥٩٣، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٣/٧١،رقم:١٧٦، ١٤/١٣٦، رقم: ١٤٧٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۷/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۸ھ

اسباب کے منکر کی امامت

سوال: [۲۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید ایک مسجد کا امام ہے، اوراسی مسجد کا عمر بھی امام ہے، زید کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کو اسباب کے ذریعہ چلاتا ہے، یعنی کسی کو امیر کسی کو غریب بنایا ہے، امیر کو غریب کی ضرورت ہے اور غریب کو امیر کی ضرورت ہے، جیسے کہ فرم والے کو غریب مزدور کی احتیاج ہے اور مزدور کو امیر کی احتیاج ہے، اس طرح سے ایک دوسرے کو ایک دوسرے کی حاجت ہے، اور تمام انسانوں کو اللہ کی حاجت ہے۔

(۲) عمر امام کا کہنا ہے کہ کسی کو کسی کی حاجت نہیں ہے، کوئی کسی کا محتاج نہیں اور کسی کو اسباب کی ضرورت نہیں تو زید امام کہتا ہے عمر سے کہ آپکو کچھ معلوم نہیں تو عمر زید سے کہتا ہے کہ تمہاری نماز میرے پیچھے نہیں ہوگی، یعنی زید کی کچھ دنوں کے بعد عمر نے غلط فہمی میں زید کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، پھر پڑھنی شروع کردی تو شریعت مطہرہ عمر کی امامت کیلئے کیا حکم دیتی

ہے، ان دونوں میں سے مستحق امامت کون ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: وسیم احمد، گولی بارشانتا کروز، ایسٹ، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دنیادارالأسباب ہے اوراس کائنات کے تمام نظام کا مدار اللہ نے اسباب پر رکھا ہے، گرچہ وہ بلا اسباب بھی نظام کو چلانے پر قادر ہے چنانچہ اس بنا پر انسان فطری طور پر اپنی زندگی میں باہمی تعاون اور معاملات میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں ہر انسان کی ضرورت کو اللہ نے ایک دوسرے انسان سے وابستہ فرمادیا ہے، مثلاً غریب مالدار کا اور مالدار غریب کا اپنی ضرورت کو پورا کرنے میں محتاج ہے، اسی لئے قرآن وحدیث میں جابجا معاملات ومعاشرت سے متعلق بے شمار مسائل کا بیان اور حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے، نیز اسباب کو اختیار کرنا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں ہے، بلکہ توکل کے عین مطابق ہے، کیونکہ توکل کا مطلب ہے، اسباب وذرائع کو اختیار کرکے اللہ پر بھروسہ واعتماد کرنا اور ہر چیز میں اسی کو فاعل حقیقی تصور کرنا اسی سے امید وخوف کرنا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خاص طور پر ہمارے آقا جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وتابعین نیز ہر دور کے علماء وصلحاء وعارفین کا توکل یہی تھا، کہ وہ پہلے ظاہری اسباب کو اختیار کرتے اور پھر اللہ پر بھروسہ واعتماد کرتے اسی کا حکم آقائے نامدار علیہ السلام نے امت کو فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا کہ پہلے اپنے اونٹ کو باندھ پھر اللہ پر بھروسہ کر، الحدیث۔

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ يقول: قال رجل: يارسول الله! أعقلها وأتوكل، أو أطلقها وأتوكل؟ قال: أعقلها وتوكل. (ترمذی شریف، صفة القيامة، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ٢/ ٧٨، دارالسلام رقم: ٢٥١٧)

عن جعفر بن عمرو بن أمية، عن أبيه قال: قال رجل للنبي صلی اللہ علیہ وسلم –

أرسل ناقتی وأتوکل ؟ قال : أعقلها و توکل . (صحیح ابن حبان دارالفکر ۲/ ٤٣، رقم: ۷۲۹، شعب الإیمان للبیهقی، باب التوکل والتسلیم ، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۸۰، رقم: ۱۲۱۱، ۱۲۱۲)

اسی طرح بیمار ہونے پر علاج کا حکم فرمایا نیز فرمایا کہ فرائض کے بعد سب سے پہلا فریضہ کسب حلال کی تلاش ہے۔

عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ : طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة . (السنن الکبریٰ للبیقهی، کتاب الإجارة ، باب کسب الرجل وعمله بیدیه،دارالفکر جدید ۹/٥٦، رقم:۱۱۹۰۷، شعب الإیمان للبیهقی ، باب في حقوق الأولاد و الأهلین ، دارالکتب العلمیة بیروت ٦/ ٤٢۰، رقم:۸۷٤۱، مشکوٰة شریف/۲٤۲)

اورفرمایا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھ۔

عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ المؤمن القوی خیر و أحب إلی الله من المؤمن الضعیف، وفی کل خیر احرص علی ما ینفعک ، واستعن بالله ولا تعجز. (صحیح مسلم، کتاب القدر ، باب الإیمان بالقدر والإذعان له بالله ، النسخة الهندیة ۲/۳۳۸ ، دارالسلام رقم: ٢٦٦٤، مشکوٰة شریف/۲٥۲)

خلاصہ یہ ہے کہ اسباب کا اختیار کرنا نہ توکل کے خلاف ہے اور نہ توکل کیلئے اسباب کا ترک لازم ہے۔ (معارف الحدیث، مکتبہ الفرقان لکھنؤ ۲/ ۳۰۸)

لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں عمر کی بات درست نہیں ہے، عمر کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے، نیز عمر کا یہ کہنا کہ زید کی میرے پیچھے نماز نہ ہوگی یہ غلطی پر مبنی ہے، اس کے پیچھے پڑھی گئی زید کی نماز ادا ہوگئی۔

مستفاد من هذه العبارة : ولو حلف أن لایؤم أحداً فاقتدی به انسان صح الاقتداء – لکن لا ثواب له علی الإمامة. (الاشباه القاعدة الأولیٰ قدیم /۳٥)

رہا امامت کا مسئلہ تو اگر ذمہ داران مسجد نے دونوں کو اہل سمجھ کر اپنی سہولت کے پیش نظر رکھا ہے

تو دونوں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ذمہ دار ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۸۷)

موبائل کی دوکان اور مینڈھے لڑوانے والے کی امامت

سوال: [۲۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک امیر زادہ نوجوان جو کہ حافظ قرآن ہے رمضان المبارک میں دوسری جگہ قرآن سنانے جایا کرتا ہے، شرعی قوانین کو بالائے طاق رکھ کر موبائل کا کاروبار بھی کرتا ہے، عید الاضحیٰ کے چند روز پہلے لڑاکو قسم کے مینڈھے خرید کر لاتا ہے، اور علاقہ کے دوسرے مینڈھوں سے لڑواتا ہے اور بار بار ایسی لڑائی ہوتی رہتی ہے، باہر کے کچھ لڑکے اپنا اپنا جانور لے کر ہمارے کمپاونڈ میں آکر لڑواتے ہیں، یہ حافظ صاحب جانور لڑوانے میں کافی مشہور ہیں، جانور جب آپس میں ٹکر مارتے ہیں تو کلیجہ دہل جاتا ہے، اور جانور زخمی ہوجاتا ہے، اور اس کے سر سے کافی خون بھی نکلتا ہے، یہ سلسلہ تقریباً رات کو دو بجے تک چلتا ہے، مزید اس پر طرہ یہ کہ یہ حافظ صاحب اپنے موبائل میں لڑائی کی تصویر بھی قید کر لیتے ہیں، اور تصویر اپنے دوستوں کے موبائل میں منتقل بھی کرتے ہیں، کبھی کبھی ہماری مسجد میں ایک وقت کی نماز بھی پڑھاتے ہیں، جماعت کا کام بھی کرتے ہیں، لوگوں پر ان کے اس عمل کے برے اثرات پڑتے ہیں۔

نوٹ: کوئی اختلافی بات نہیں مجھے اپنی نماز کی فکر ہے کیا شرعی اعتبار سے اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

المستفتي: عبد القادر، کوسر والا، جوگیشوری، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل کا کاروبار اور تجارت بلاتردد جائز اور

درست ہے، اسلئے کہ موبائل اس زمانہ میں ایک ضرورت کی چیز ہے اس کو کوئی شخص غلط استعمال کرتا ہے تو استعمال کرنے والا گناہ گار ہوگا تجارت کرنے والا گناہ گار نہیں ہوگا۔

وَلَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى. (سورۃ النجم: آیت/۳۸)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار الخ. (شامی كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ٩/٥٦٢، كراچی ٦/٣٩٢)

اورشوقیہ تصویر اور فوٹو لینا چاہے موبائل سے ہو یا کسی دوسرے آلات سے جائز نہیں۔

إن أشد الناس عذاباً عند الله يوم القيامة المصورون الحديث.

(بخاری شریف، باب عذاب المصورين يوم القامة، النسخة الهنديه ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠)

اور جانوروں کو لڑوانا جائز نہیں ہے حدیث شریف میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے، اور جانوروں کو لڑوانا ایسا ہے جیسا کہ دو معصوم بچوں کے ہاتھوں تیز چھری دیدی جائے اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کو چھری سے مارتے رہیں اور دونوں کے ماں باپ تماشہ دیکھتے رہیں۔

نهى رسول الله عن التحريش بين البهائم الحديث. (ابوداؤد، باب فی التحريس بين البهائم ١/ ٣٤٦، دارالسلام رقم: ٢٥٦٢)

وتحته في البذل: التحريش هو الإغرا وتهبيج بعضها على بعض كما يفعل بين الجمال والكباش والديوك وغيرها، وإنما نهىٰ عن ذلك لأنه من الملاهي وفيه إيلام الدواب وإهلاكهم. (بذل المجهود، كتاب الجهاد، باب في التحريش بين البهائم، قديم ٣/ ٤٣٠، جديد دارالبشائر الإسلاميه بيروت ٩/ ١٣٧، رقم:/ ٢٥٦٢)

نیز اس فتویٰ کو مذکورہ حافظ کو دکھا دیا جائے اگر وہ فوٹو کھینچنا اور جانور لڑانا چھوڑ دے تو اس کے پیچھے نماز میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. (النساء:١٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۹ھ

مندر تعمیر کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک راج مستری جو ہر طرح سے آزاد ہے، اور اس کے سامنے کوئی مصلحت نہیں ہے، صرف غیر مسلم کی بات کو رکھنے کیلئے مندر کی عمارت بناتا ہے، اور کبھی نماز بھی پڑھا دیتا ہے، کیا اس کا مندر کی عمارت بنانا اور اجرت لینا درست ہے، اور اس کی امامت جائز ہے؟

المستفتي: محمد اشتیاق، بھاگلپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مندر وغیرہ کی تعمیر میں مسلمان کو مزدوری کرنا تعاون علی المعصیت ہونے کی وجہ سے ممنوع ومکروہ ہے اور اسکی اجرت بھی مکروہ ہے، لیکن اگر یہ شخص اپنے اس عمل سے باز آجائے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے۔

وعندهما يكره لأنه إعانة على المعصية. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية فصل في الكسب، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٧، مصرى قديم ٢/ ٥٢٩، شامى، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء ٩/ ٥٦٣، كراچى ٦/ ٣٩٢)

عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوابون. (مسند الدارمى، باب فى التوبة، دار المغني ٣/ ١٧٩٣، رقم: ٢٧٦٩، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٣/ ٤٥٩، رقم: ٧٢٣٦)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في معالجة كل ذنب بالتوبة ، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٤٣٦، رقم: ٧١٧٨، السنن الكبرىٰ للبيهقي ، كتا ب الشهادات ، باب شهادة القاذف جديد دارالفكر ١٥/١٧٥، ١٧٦، رقم: ٢١١٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۵۴ے)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

نسبندی کرائے ہوئے شخص کا جماعت میں شریک ہونا اور امامت کرنا

سوال: [۲۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے بلا کسی ضرورت کے نسبندی کرائی تو ایسے شخص کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے، وہ شخص لوگوں کیساتھ جماعت میں شریک ہوتا ہے، اور لوگوں کو اس کیساتھ نماز پڑھنے میں کراہت ہوتی ہے، تو کیا وہ جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

المستفتي: اختر حسین، گوئی والا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نسبندی کرانے والا شخص شرعاً فاسق ہے لیکن فاسق ہونے کی وجہ سے اس کو نماز سے روکنا جائز نہ ہوگا اور اگر اس نے توبہ کرلی ہے، تو اس کا فسق بھی ختم ہوجائے گا۔

عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كمن لا ذنب له.

(سنن ابن ماجه ، كتاب الزهد ، باب ذكر التوبة ، النسخة الهنديه ٢/٣١٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠)

لیکن نسبندی کی وجہ سے اس کے اندر ایک ایسا عیب لاحق ہوگیا ہے جس کی وجہ سے لوگوں میں اس کی حیثیت گھٹ گئی ہے، اسلئے اس کو امام بنانا مکروہ ہوگا، جیسا کہ ولد الزنا کی

امامت مکروہ ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۳/۱۴۱۵ھ

نسبندی کرانے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: [۲۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امام ہے اور اس نے نس بندی کرائی ہے، لیکن اسکے بعد بھی اسکے بچے پیدا ہوئے کیا اس امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ اگر یہ توبہ کرلیں تو نماز ان کی اقتدا میں درست ہے کیا بکر کا قول درست ہے؟

المستفتي: نصیر الدین، ملک جھنڈے والی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ضبط تولید کیلئے نس بندی کرانا قتل اولاد کے مشابہ ہونے کی وجہ سے گناہ کبیرہ ہے، کرانے والا فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال: كنا نغز ومع رسول الله ﷺ ليس لنا نساء، فقلنا يارسول الله! ألا نستخصي؟ فنهانا عن ذلك. (صحيح البخاری، كتاب النكاح، باب تزويج المعسر الذى معه القرآن والإسلام، النسخة الهنديه ٧٥٩/٢٠، رقم: ٤٨٨٠، ف: ٥٠٧١)

وأما خصاء الآدمى فحرام الخ. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع زكريا٩ /٥٥٧، الموسوعة الفقهية ١٢٠/١٩، كراچى ٦ /٣٨٨، نبراس شرح عقائد/٢٢٨)

تكره إمامة عبد واعرابيٍ وفاسق الخ. (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، الإمامة كراچى ٥٦٠/١، زكريا٢ /٢٩٨، هدايه، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرفى

دیوبند ۱/۱۲۲، مجمع الأنهر، کتاب الصلوٰة، فصل الجماعة سنة مؤكدة، دارالكتب العلميه بيروت ۱/۱۰۸)

البتہ اگر زید نے خالص توبہ کرلی ہے تو نماز مکروہ تحریمی نہیں ہوگی، اور بکر کا کہنا صحیح اور درست ہے۔

التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (الحديث: ابن ماجه شريف، ابواب الزهد، ذكر الذنوب، النسخة الهندية ۲/۳۱۳، دارالسلام رقم: ۴۲۵۰، مشكوٰة شريف ۱/۲۰٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹٦۳/۲۴)

نسبندی کرانیوالے کی امامت اور ناجائز وحرام میں فرق

سوال: [۲۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) نسبندی کروانے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی بعد توبہ کے کراہت مرتفع ہوگی یا نہیں، نسبندی کے بعد آدمی مرد ہی باقی رہتا ہے، یا اس پر عورت اور مخنث کا حکم لگے گا؟

(۲) اگر امام کی نسبندی زبردستی کردی گئی ہو تو کیا حکم ہے یعنی اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۳) ناجائز اور حرام میں حکماً کیا فرق ہے، کیا ہر فعل ناجائز پر حرام کا اطلاق کرسکتے ہیں، اگر نہیں تو کیوں؟

المستفتي: رحمت علی، مظاہری، امام
مسجد صدیقیان، تاجپور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) نسبندی کے بعد آدمی مرد ہی رہتا ہے، اس پر

عورت یا فطری مخنث کا حکم نہیں لگتا ہے البتہ اس فعل شنیع کی وجہ سے فاسق ہوجاتا ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

وأما خصاء الآدمی فحرام. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیره زکریا ۹/۵۵۷، کراچی ۶/۳۸۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۹/۱۲۰)

ویکره إمامة عبد وفاسق. (شامی کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا ۲/۲۹۸، کراچی ۱/۵۵۹، ۵۶۰)

لیکن اگر وہ نادم ہوکر توبہ کرلیتا ہے، تو اسکی فسقیت ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا توبہ کے بعد نماز بلاکراہت صحیح ہوجائیگی۔

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب کمن لا ذنب له. (شعب الإیمان للبیهقی، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة، دارالکتب العلمیة بیروت ۵/۴۳۶، رقم:۷۱۷۸)

(۲) ایسی صورت میں وہ فاسق بھی نہیں ہوگا۔

(۳) لفظ ناجائز عام ہے، اس کے تحت میں حرام مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی ممنوع سب داخل ہیں۔

لفظ ناجائز اور حرام میں فرق یہ ہے کہ لفظ ناجائز عام ہے اور لفظ حرام خاص ہے، کہ ناجائز کے دائرے میں حرام مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی سب داخل ہیں، جیسا کہ جائز کا لفظ عام ہے، اور اس کے ماتحت فرض، واجب، سنت، مباح مندوب سب داخل ہیں۔

الجواز هو الجواز یشمل الواجب، والمندوب، والمباح الخ.

(حاشیه نورالانوار /۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۶۷)	۱۴۱۴/۱۲/۲۳ھ

نسبندی شدہ شخص کی امامت کا حکم

سوال:[۲۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص نسبندی شدہ ہو وہ نماز پڑھانا چاہے، اگر چہ وہ صاحب اولاد بھی ہے، تو وہ نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد جنید، لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نسبندی کرانا حرام ہے، لہٰذا اگر مذکورہ شخص نے بالقصد بخوشی نسبندی کرائی ہے، تو وہ شرعاً فعل حرام کا مرتکب ہوکر فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔

عن ابن مسعودؓ قال کنا نغز ومع رسول اللّٰہ ﷺ لیس لنا نساء، فقلنا یارسول اللّٰہ؟ ألا نستخصی؟ فنھانا عن ذلک. (صحیح البخاری، النکاح، باب تزویج المعسر الذی معه القرآن والإسلام، النسخة الهندیه ۷۵۹/۲، رقم: ٤٨٨٠، ف: ٥٠٧١)

وأما خصاء الآدمی حرام الخ. (درمختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیره کراچی ۳۸۸/٦، مکتبه زکریا ۵۵۷/۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۲۰/۱۹)

ویکره إمامة عبد وفاسق. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ٥٦٠/١، زکریا دیوبند ۲۹۸/۲، مثله في الهدایة، کتاب الصلاة، باب الإمامة اشرفی ۱۲۲/۱، مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤکدة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۰۸/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۱/۲۳ھ

نسبندی کرانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی نسبندی کرالی ہے اب زید کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ زید کو مستقل طور پر امام بنانا کیسا ہے؟ نیز اگر کسی وقت کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جو امامت کر سکے لیکن زید کے اندر صلاحیت ہے اب زید کو نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: العارض: محمد جسیم الدین بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نسبندی کرانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس کا مرتکب شرعاً فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، اگر کوئی بھی باشرع آدمی نماز پڑھانے کے لئے نہ ملے تو بدرجۂ مجبوری فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لینے سے نماز ہو جائے گی، مگر بکراہت تنہا پڑھنے کے مقابلہ میں فاسق کے پیچھے جماعت کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے، لیکن محلّہ والوں پر لازم ہے کہ کوئی متبع شرع امام مقرر کریں۔

عن ابن مسعودؓ قال کنا نغز و مع رسول الله ﷺ لیس لنا نساء، فقلنا یارسول الله؟ ألا نستخصی؟ فنهانا عن ذلک. (صحیح البخاری، النکاح، باب تزویج المعسر، النسخة الهندیه۲/ ۷۵۹، رقم: ۴۸۸۰، ف:۵۰۷۱)

وأما خصاء الأدمی فحرام الخ. (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع زکریا۹/۵۵۷، کراچی ۶/۳۸۸)

کون کراهة فی الفاسق تحریمیة الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة قدیم/۱۶۵، جدید دارالکتاب دیوبند/۳۰۳)

ولو صلی خلف فاسق أو مبتدع ینال فضل الجماعة لکن لاینال کما ینال خلف تقی ورع الخ. (البحرالرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة کوئٹه ۱/۳۴۹،

زکریا۱/ ۶۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۴۰)

نسبندی کرانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر نے نسبندی کرائی ہے، نسبندی کرانے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: شوکت حسین، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بخوشی نسبندی کرانے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/ ۳۵۱، جدید زکریا ۴/ ۱۷۸)

عن ابن مسعودؓ قال كنا نغزو مع رسول الله ﷺ ليس لنا نساء، فقلنا يارسول الله؟ ألا نستخصي؟ فنهانا عن ذلك. (صحيح البخاري، النكاح، باب تزويج المعسر الذى معه القرآن والإسلام، النسخة الهنديه ۲/ ۷۵۹، رقم: ٤٨٨٠، ف: ٥٠٧١)

وأما خصاء الآدمى حرام الخ. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع زكريا٩/ ٥٥٧، كراچى٦/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية١٩/ ١٢٠)

تكره إمامة عبد وأعرابيٍ وفاسق الخ. (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كراچى ١/ ٥٦٠، زكريا٢/ ٢٩٨، هدايه، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرفى ديوبند ١/ ١٢٢، مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، فصل الجماعة سنة مؤكدة، دارالكتب

العلمية بيروت ١/ ١٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۳۵)

اپنی نسبندی کرانے والے کے پیچھے نماز

سوال: [۲۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے کسی مجبوری کے تحت اپنی نسبندی کرالی ہے آیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: امتیاز احمد، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سائل نے مجبوری کی تعیین نہیں کی ہے لہٰذا اگر کوئی ایسی شرعی مجبوری ہے جس میں جان و مال کا سخت خطرہ تھا، تو زید شرعاً فاسق نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے، اور ایسی شرعی مجبوری نہیں ہے، تو وہ شرعاً فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

عن ابن مسعودؓ قال كنا نغزو مع رسول الله ﷺ ليس لنا نساء، فقلنا يارسول الله؟ ألا نستخصي؟ فنهانا عن ذلك. (صحيح البخاري، النكاح، باب تزويج المعسر الذى معه القرآن والإسلام، النسخة الهنديه ٢/ ٧٥٩، رقم: ٤٨٨٠، ف: ٥٠٧١)

وأما خصاء الآدمى فحرام الخ. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع زكريا ديوبند ٩/ ٥٥٧، كراچى ٦/ ٣٨٨)

كون الكراهة فى الفاسق تحريمية الخ. (طحطاوى على المراقى، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة قديم/ ١٦٥، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٣٠٣، شامى

كتاب الصلوٰة، باب الإمامة قبيل مطلب البدعة خمسة أقسام كراچی ۱/۵۶۰، زکریا دیو بند ۲/۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۱/۱۳ھ

نسبندی کرانے اور ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے والے کی امامت

سوال: [۲۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حافظ صاحب جو ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہنتے ہیں مزید یہ کہ انھوں نے اپنی بیوی کی نسبندی کرائی ہے، جس کی وجہ سے یہ مہلک بیماری ساری بستی میں پھیل چکی ہے، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور نسبندی کرانا جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: لوگ نسبندی کراتے ہوئے کچھ عار محسوس نہیں کرتے، جسکی وجہ سے عوام بجائے علماء کے ایک عام آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں۔

اس مسئلہ کا تسلی وتشفی بخش قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالماجد ترکی، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نسبندی کروانا حرام اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے نیز مذکورہ حافظ صاحب کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اس گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں، تو کرانے والے کے گناہ گار ہونے کے ساتھ ساتھ مذکورہ حافظ کو بھی گناہ ملے گا۔

نیز ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہننے والا فاسق ہے اور مرتکب گناہ کبیرہ ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آجائے، اسکو امام نہ بنایا جائے

عن ابن مسعودؓ قال كنا نغز ومع رسول الله ﷺ ليس لنا نساء، فقلنا

یارسول اللہ؟ ألا نستخصی؟ فنهانا عن ذلک. (صحیح البخاری، النکاح، باب تزویج المعسر، النسخة الهندیه۲/ ۷۵۹، رقم: ٤٨٨٠، ف: ٥٠٧١)

وأما خصاء الآدمی فحرام الخ. (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع زکریا۹/ ٥٥٧، کراچی٦/ ۳۸۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۹/ ۱۲۰)

من سن فی الإسلام سنة سیئة کان علیه وزرها ووزرمن عمل بها، من بعده من غیر أن ینقص من أوزارهم شیئاً الحدیث. (مشکوٰة شریف/ ۳۳، صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة، النسخة الهندیة ۲/ ۳٤۱، بیت الأفکار رقم: ۱٦۷۷)

إن اللہ جل ذکره لا یقبل صلوٰة رجل مسبل إزاره. (ابوداؤد شریف، کتاب الصلوٰة، باب الإسبال فی الصلوٰة، النسخة الهندیه ۱/ ۹۳، دارالسلام رقم: ٦۳۸)

کون الکراهة فی الفاسق تحریمیة الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوٰة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، قدیم/ ۱٦٥، جدید دارالکتب دیوبند/ ۳۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۲۶)

چوری کرنے والے اور سود لینے والے کی امامت

سوال: [۲۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امام شہر ہونیکے ساتھ ساتھ قاضی شہر بھی ہے اس پر مندرجہ ذیل الزامات بھی ثابت ہو چکے ہیں، جیسا کہ (۱) چوریاں کرنا۔ (۲) سود کا لین دین کرنا۔ (۳) کسی کا مال لیکر نہ دینا۔ (۴) کثرت سے جھوٹ بولنا اور شر پھیلانا۔ (۵) چھوٹے چھوٹے بچوں سے منھ زوری کرنا، گالیاں سننا جگہ جگہ پٹنا، اور گالیاں بکنا وغیرہ وغیرہ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز

ہے،یانہیں؟ازروئے شرع قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے سرفراز فرمائیں۔

المستفتي: احقر محمد الیاس احمد، چندوسی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوری کرنے والا سودی لین دین کرنے والا اور دوسرے امور مذکورہ کا مرتکب شرعاً فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز تو ہوجاتی ہے، لیکن مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانة شرعاً (وتحته) كون الكراهة فى الفاسق تحريمية الخ. (حاشية الطحطاوی على المراقی كتاب الصلاة ، باب الإمامة ، دارالكتاب ديوبندجديد / ۳۰۱، قديم/ ۱٦۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۵۷)

الجواب صحیح:
افتخار احمد غفرلہ
۲۹؍رمضان ۱۴۰۷ھ

سودی کاروبار سے وابستگی رکھنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حافظ قرآن جج اور منشی کی ڈگری لئے ہوئے ہیں، اور عیدگاہ کی نماز کے لئے تجویز کئے گئے ہیں وہ اپنا کام تجارت اور عمارات بنوانے کا کرتے ہیں لیکن ادارہ مسلم فنڈ نجیب آباد کے ڈائرکٹر صرف اعزازی ووٹ کو بڑھوانے کیلئے بنائے گئے ہیں، ایسے امام صاحب کو عیدگاہ کا امام بنایا جاسکتا ہے، یانہیں؟

المستفتي: اظہار الحق قاضی، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم فنڈ نجیب آباد کا پورا کاروبار سود پر مبنی ہے اس

لئے مذکورہ امام صاحب کو چاہئے کہ ایسے ادارہ سے ذمہ دارانہ وابستگی نہ رکھیں، تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ہو۔

عن جابرؓ قال لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه. (مسلم شريف، كتاب المساقاة، باب الربا، النسخة الهنديه ٢/٢٧، بيت الأفكار رقم: ١٥٩٧)

عن عبد الله، قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، ومؤكله. (مسند الدارمي، دارالمغني ٣/١٦٥٠، رقم: ٢٥٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۱۱/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱۱/۱۴۳۴ھ

رشوت دے کر زمین حاصل کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے حکومت کی طرف سے اعلان ہوا کہ جو نسبندی کرائے اسے کچھ زمین دی جائیگی، تو زید نے نسبندی نہیں کرائی اور رشوت دیکر زمین حاصل کرلی، اور اپنے نام پٹہ کروالیا اس صورت میں زید کو امام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: افتخار عالم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں امام صاحب نے رشوت دیکر زمین حاصل کی ہے اور بلاضرورت رشوت دینا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

عن عبد الله بن عمرو قال: قال النبي ﷺ: الراشي والمرتشي في النار. (المعجم الأوسط، دارالفكر ١/٥٥٠، رقم: ٢٠٢٦، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٣/٢٤٧، رقم: ١٠٣٧)

عن عبد الله بن عمرو ، قال: لعن رسول اللهﷺ الراشی والمرتشی. (سنن أبي داؤد، القضاء، باب فی الکراهية الرشوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٠٤، دارالسلام رقم: ٣٥٨٠، مسند أحمد بن حنبل٢/ ١٦٤، رقم: ٦٥٣٢)

اورمرتکب کبیرہ فاسق ہے۔

ومرتکب الکبيرة فاسق. (شرح عقائد تسفی/ ١٠٩)

اورشرعاً فاسق کوامام بنانا مکروہ تحریمی ہےاوراس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

أن کراهة تقديمه کراهة تحريم. (شامی ، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا٢/ ٢٩٨، کراچی ١/ ٥٦٠)

لہٰذاامام صاحب اگراس فعل سےتوبہ کرلیتے ہیں،توپھران کی امامت صحیح اوران کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی نماز صحیح ہوگی۔

يآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا إِلٰى اللهِ تَوْبَةً نَصُوْحاً. (التحريم:٨)

عن أنس بن مالکؓ قال: قال رسول الله ﷺ : کل ابن آدم خطاء وخير الخطائين التوابون. (سنن الترمذی ، کتاب الزهد ، باب بلا ترجمة ، النسخة الهندية ٢/ ٧٦، دارالسلام رقم:٢٤٩٩، المصنف لإبن أبي شيبة ، کتاب ذکر رحمة الله ، مؤسسه علوم القرآن جديد ١٨/ ٥٣٨، ٥٣٩، رقم:٣٥٣٥٧)

عن عبد الله بن مسعودؓ قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب کمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه ، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة ، النسخة الهندية ٢/ ٣١٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الکبير للطبرانی ، داراحياء التراث العربي ١٠/ ١٥٠، رقم: ١٠٢٨١، السنن الکبری للبيهقی، کتاب الشهادات، باب شهادة القاذف جديد دارالفکر ١/ ١٧٥، رقم: ٢١١٥٠، مشکوٰة ١/ ٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۶/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۴۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۶/۱۴۱۴ھ

لاٹری کی خرید وفرخت کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو آدمی لاٹری ٹکٹ خرید وفرخت کرتا ہے، ہمیشہ یعنی روزانہ تو اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس آدمی کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس آدمی کو امام بناتے ہیں وہ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

المستفتي: محمد مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لاٹری کی خرید وفروخت شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہے۔ (ایضاح النوادر ۱/۱۲۳، محمودیہ ۱۲/ ۳۵۸)

جو امام صاحب اس میں ہمیشہ مبتلا ہیں وہ شرعاً فاسق ہیں، اور فاسق شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لہذا جو لوگ اس کو امام بناتے ہیں، وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔ (محمودیہ، قدیم ۲/ ۱۰۸، جدید ڈابھیل ۶/ ۹۵)

عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ كان يقول: ثلاثة لا يقبل الله منهم صلوٰة من تقدم قوماً وهم له كارهون. الحديث (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، النسخة الهندية ١/ ٨٨، دار السلام رقم: ٥٩٣)

إنهم قدموا فاسقاً يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه الخ. (كبيرى، كتاب الصلوٰة، فصل فى الإمامة اشرفيه/٣ ٥١)

كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين وفى الطحطاوى: كون الكراهة فى الفاسق تحريمية. (طحطاوى على المراقى، كتاب الصلاة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة، دار الكتاب ديوبند جديد/ ٣٠١، قديم/ ١٦٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۶ھ

مسلم فنڈ میں ملازم شخص کی امامت

سوال: [۲۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسجد میں امامت کرتا ہے اور مسلم فنڈ میں ملازم ہے جس کی تنخواہ مسلم فنڈ کے ادارے سے ملتی ہے مسلم فنڈ کے کاروبار سے حاصل شدہ پیسے کو بینک میں جمع کرکے بیاج وسود حاصل کرتے ہیں پھر اسی بیاج سے ملازموں کو تنخواہ دیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسا شخص امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: ماسٹر مطلوب الرحمٰن، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسلم فنڈ سود سے بچنے کیلئے قائم کئے جاتے ہیں اور سوالنامہ میں اس کے برعکس حالات بیان کئے گئے ہیں، اگر واقعی طور پر اس میں سود ہی کا کاروبار ہوتا ہے اور اسی سودی حساب وکتاب کو مذکورہ امام کرتا ہے، تو اسکی امامت مکروہ ہوگی۔

عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن آكل الربوا، وموكله، النسخة الهندية ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸)

ويكره الاقتداء بمن عرف بأكل الربا الخ. (بزازيه، كتاب الصلاة، زكريا، جديد ۱/۳۸، وعلى هامش الهنديه، الفصل الخامس عشر في الإمامة والاقتداء

٤/٥٥، قاضي خان، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء به الخ، زكريا جديد ٥٩/١، وعلى هامش الهنديه ٩١/١)

يكره إمامة عبد وأعرابى وفاسق وأعمى وفي الشامية (قوله فاسق) من الفسق هو الخروج عن الاستقامة لعل المراد من به يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانى وآكل الربوا ونحو ذلك. (شامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچي ٥٥٩/١، ٥٦٠، زكريا ٢٩٨/٢، كذا فى الهداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مكتبة اشرفى ديوبند ١٢٢/١، وكذا فى مجمع الأنهر شرح ملتقىٰ الا بحر كتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة دارالكتب العلمية بيروت ١٠٨/١)

اور اگر سودی حساب وکتاب مذکورہ امام سے متعلق نہیں ہے، تو اسکی امامت بلاکراہت جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۴۴/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۰ھ

سودخور کی امامت

سوال: [۲۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حافظ قرآن ہوں امامت کرتا ہوں اور امامت سے دو سال پہلے میں نے پچیس ہزار روپئے کسی شخص کو بطور قرض دیئے، ایک سال کیلئے اس شرط پر کہ اس سے سود لینا ہے، مقتدیوں پر میرا راز فاش ہوگیا، ایک سال میں ٦ ر ہزار روپیہ بشکل سود میں نے لئے اور اصلی رقم جمع کی ہوئی رقم سے دس ہزار روپیہ مقروض نے مجھے واپس کردی ہے، اور میری ۱۵ ر ہزار کی رقم باقی ہے، تو مقتدیوں نے اعتراض کیا تو میں نے توبہ کا اقرار کیا کہ توبہ کرلی اور آئندہ کا وعدہ کیا کبھی اس طرح کا میں لین دین نہیں کرونگا، مقتدیوں نے کہا ٹھیک ہے لیکن پھر وہ اعتراض کر رہے ہیں کہ وہ حاصل شدہ سودی رقم چھ ہزار روپئے مقروض کو واپس کرو میں وہ رقم واپس نہیں کرتا

اب مقتدی حضرات میرے بارے میں آپس میں چہ میگوئیاں کررہے ہیں، اور چند آدمی خاموش ہیں،مگر میرے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی کہتے ہیں وہ سودی رقم واپس کرواور میں نے امسال حج کاارادہ کرلیاہے،اور درخواست بھی دیدی ہے، براہ کرم مندرجہ ذیل عبارت کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دیں۔

(۱)میراایک سال پہلے کی حاصل شدہ سودی رقم کوواپس نہ کرنا جائز ہے یانہیں ؟

(۲)اس رقم کوواپس نہ کرنے کی حالت میں میری امامت جائز ہے یانہیں؟

(۳)اوراسم رقم سے حج کرنادرست ہے یانہیں؟۔

نوٹ:ان تینوں باتوں پرغوروفکرفرما کرصراحۃً مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتي: حافظ شمیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:مسلمان کیلئے سودی لین دین قطعاً ناجائز اور حرام ہے ،حدیث شریف میں اس پرسخت ترین وعید آئی ہے ،اگرآپ نے سودی پیسہ حاصل کرلیاہے،توآپ کیلئے ضروری ہے کہ یاتو وہ پیسہ مالک کوواپس کریں یااس کواپنے قرضخواہ پر باقی رقم میں محسوب کرلیں اوراس سےصرف ۹؍ہزارکی اصل رقم واپس لیں ، اگران میں سےکسی بات پرآپ تیارنہ ہوں توایسی صورت میں مقتدیوں کا آپ کے پیچھے نمازنہ پڑھنے پراڑے رہنا صحیح ہے،اورآپ کیلئے سودی رقم سے حج کرنا بھی جائز نہیں ہے،اوراگراوپرلکھے گئےطریقہ پرآپ عمل کرلیں تو پھرآپکی امامت اوراس پیسہ سے حج کرناشرعاً جائز ہے۔

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوا. (سورة آل عمران:۲۷۵)

عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا ، ومؤكله ، وكاتبه ، وشاهديه ، وقال: هم سواء . (مسلم شريف، المساقاة ، باب لعن أكل الربوا، ومؤكله ، النسخة الهندية ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم:۱۵۹۸، ابو داؤد ، البيوع ، باب فى أكل الربوا ومؤكله ، النسخة الهندية ۲/۴۷۳، دارالسلام رقم:۳۳۳۳، مشكوٰة ۲۴۴)

یجب علیه أن یردهٗ علی مالکه إن وجد المالک وإلا ففی جمیع الصور یجب علیه أن یتصدق بمثل تلک الأموال علی الفقراء. (بذل المجهود، کتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء، قدیم مطبوعه میرٹھ ۱/۳۷، دار البشائر الاسلامیه ۱/۳۵۹)

ویکره إمامة فاسق. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا ۲/۲۹۸، کراچی ۱/۵۵۹، ۵٦۰)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب کمن لا ذنب له. (شعب الإیمان للبیهقي، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة ، دارالکتب العلمیة بیروت ٥/٤۳٦، رقم:۷۱۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۲۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/٦/۱ھ

مسلم فنڈ میں ملازمت کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حافظ قرآن مسلم فنڈ میں ملازمت کرتے ہیں اور بازار میں روپئے کی دوکانداروں سے وصولیابی کرتے ہیں، اور تنخواہ ہر ماہ مسلم فنڈ سے پاتے ہیں کیا ایسا حافظ قرآن امامت کرسکتا ہے، کسی قسم کی کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

المستفتي: حافظ ظریف احمد، مسلم چودھریان، قصبہ: سیوہارہ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم فنڈ کے قیام کا مقصد مسلمانوں کو سودی معاملات سے بچانا ہے، اگر مسلم فنڈ اپنے مقصد قیام کے مطابق کام کرتا ہے، تو اس کے تمام

ملازموں کی تنخواہ حلال ہے، اور مذکورہ حافظ قرآن کی ملازمت بھی جائز ہے، اس کے پیچھے نماز بھی بلا کراہت جائز ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ا/ ۱۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۶ھ

لون پر سود لینے والے کی امامت

سوال: [۲۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان ہے جس کا کاروبار گذارہ کے قابل ٹھیک ہی چل رہا ہے، لیکن اس کو مزید وسیع کرنے کے لئے حکومت وقت سے لون لینا چاہتا ہے، جو ظاہر ہے کہ قرض سودی ہوگا، آیا اس حالت میں وہ قرض سودی لے سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر ایسے شخص کے پیچھے جو کہ سودی قرض لے چکا ہے، اور وہ حکومت کا مقروض ہے، نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر ایسا شخص نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے پڑھ لیں یا علیحدہ پڑھیں، اس کے علاوہ اگر سودی قرض کے جواز کی کوئی صورت ہو تو تحریر فرمادیں۔

المستفتي: نسیم احمد اکبر پوری، کانٹھ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کاروبار کو وسیع کرنے اور فروغ دینے کیلئے سودو لون پر قرض لینا حرام اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا۔

عن جابر ؓ قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، باب لعن أكل الربوا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸)

عن علي قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا، ومؤكله، وشاهديه، وكاتبه. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ۶/ ۲۶۹،

رقم: ١٠٧٩١، ٨/١٤/٣١٤، رقم:١٥٣٤٣، مسند أحمد بن حنبل ٨٣/١، رقم:٦٣٥، ٨٧/١، رقم: ٦٦٠، ١٠٧/١، رقم: ٨٤٤، ١٢١/١، رقم: ٩٨١، ٥٠/١، رقم: ١٢٨٩، مسند الدارمي، دارالمغني ١٦٥٠/٣، رقم: ٢٥٧٧)

ایسی حالت میں مسئلہ معلوم ہونے کے باوجود جوشخص سود پر قرض لیتا ہے، وہ فاسق ہے، جب تک توبہ کرکے باز نہ آجائے اس وقت تک اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

لو صلیٰ خلف فاسق أو مبتدعٍ ینال فضل الجماعة ؛ لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورعٍ (إلیٰ قوله) ویکره الاقتداء بهم کراهة تنزیهیة فإن أمکن الصلوٰة خلف غیرهم فهو أفضل ، وإلا فالاقتداء أولیٰ من الانفراد .

(البحرالرائق ، کتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زکریا ٦١٠/١، کوئٹه ٣٤٩/١)

البتہ علیحدہ پڑھنے سے اس کے پیچھے پڑھنا زیادہ اولیٰ ہوگا اور اگر لون پر قرض لے چکا ہے اور فی الحال حکومت کا مقروض ہے! اور آئندہ کے لئے توبہ واستغفار کرلیا ہے، اب فاسق نہیں رہے گا۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : التائب من الذنب کمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة ، النسخة الهندیة ٣١٣/١، دارالسلام رقم: ٤٢٥، شعب الإیمان للبیهقی ، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة ، دارالکتب العلمیه بیروت ٤٣٦/٥، رقم:٧١٧٨، مشکوة شریف ٢٠٦/١)

اگر فی الحال مقروض ہے، کیونکہ توبہ کے بعد بھی لون نہ دینے کے لئے کوئی صورت باقی نہیں ہے اسلئے جوزائد دیگا وہ جبراً دینا سمجھا جائے گا؟

ونفس الأمر من السلطان عند غیر تهدید یکون إکراهاالخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الإکراه، الباب الأول زکریا، قدیم ٣٥/٥، جدید ٤٣/٥، فتاویٰ قاضی خان، کتاب الإکراه زکریا ، جدید ٣٥٦/٣، وعلی هامش الهندیه ٤٨٣/٣)

اورسود پر قرض لینے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی شخص کو بالکل فاقہ ہے اور بال بچے

بھوکے ہیں نہ اپنے پاس کوئی پیسہ ہے اور نہ ہی کوئی بلا سود کے قرض دیتا ہے، تو اپنی اور اپنے بال بچوں کی بھوک ختم کرنے کے لئے بقدر ضرورت سود پر قرض لیکر جان بچانے کی اجازت ہے، موجودہ زمانے میں اس طرح کی ضرورت دس پندرہ روپئے سے پوری ہوجاتی ہے، اس سے زیادہ لینے میں لعنت کا مستحق ہوگا۔

الضرورات تبيح المحظورات ومن ثم جاز أكل الميتة عند المخمصة وإساغة اللقمة بالخمر والتلفظ بكلمة الكفر (وقوله) ما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها الخ. (الأشباه قديم القاعدة الخامسة / ١٤٠)

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح الخ. (الأشباه والنظائر قديم القاعدة الخامسة / ١٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر جمادی الاُولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۴۶)

زانی کی امامت

سوال: [۲۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام جو زنا کر چکا ہے، جس کا کچھ اشخاص کو علم ہے، اور وہ اشخاص اس امام کی اس بدفعلی کی وجہ سے اس کے پیچھے کراہیت کے ساتھ یا بلا کراہیت سے نماز پڑھتے ہیں تو ان کی امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اس امام کی اس زنا کاری کی بدفعلی کو جن کو اس کی اس بدفعلی کا علم ہے دیگر مصلیوں کو بتلانا چاہئے یا نہیں؟

المستفتي: محبوب احمد بمعرفت مشتاق
احمد، دولت باغ، جھبو کا نالہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: نفس نماز صحیح ہوگی واجب الاعادہ نہیں ہے، لیکن امام

اپنی بدکرداری کی وجہ سے شرعاً فاسق ہے نیز جولوگ بدکرداری پر واقف ہونیکی وجہ سے امام کی امامت سے ناراض ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں اور ایسے امام کی کی امامت شرعاً مکروہ تحریمی ہے۔

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ : ثلاثة لايقبل الله لهم صلاة : إمام قومٍ وهم له كارهون. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۱/۴۴۹، رقم:۱۲۲۷۵)

لو أم قوماً هم له كارهون ، فهو على ثلثة أوجه إن كانت الكراهة لفساد فيه.......يكره الخ. (مراقي الفلاح ، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم/۱٦٤، دار الكتاب ديوبند جديد ۱/۳۰۱)

عند الحنفية الكراهة تحريمية قال فى الدر المختار ولو أم قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه ، أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك تحريماً .(بذل المجهود ، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالبشائر الإسلاميه بيروت،جديد ۵/۴۷۵، مطبع ميرٹھ قديم ۱/۳۳۱، شامی، كتاب الصلاة ، باب الإمامة كراچی ۱/۵۹۹، زكريا۲/۲۹۷تا ۲۹۸، حاشية الطحطاوی على الدر المختار ، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ۱/۲۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲٦/۲۱۷۹)

زانی امام کے پیچھے نماز

سوال: [۲۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی امام نے زنا کرلیا اور اس سے حمل ٹھہر گیا یا نہیں دونوں صورتوں میں امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور امام سے علیحدہ تنہا پڑھنا بہتر ہے، یا امام کے پیچھے مع دلائل وحوالہ جات قرآن وحدیث کی

روشنی میں تحریر فرمائیں اور ثواب دارین کے مستحق ہوں۔

المستفتي: العارض: محمد محبوب عالم، بھاگلپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا شخص شرعاً فاسق ہے، اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے لیکن تنہا پڑھنے کے مقابلہ میں فاسق کے پیچھے باجماعت نماز پڑھنا اولیٰ ہے، اسلئے کہ جماعت کی اہمیت شریعت کی نظر میں زیادہ ہے لیکن اگر کسی متقی شخص کے پیچھے پڑھنا ممکن ہو تو متقی ہی کے پیچھے پڑھنا ضروری ہے۔

وَلاَ تَقْرَبُوا الزِّنیٰ، إِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِیْلاً. (بنی اسرائیل:۳۲)

عن أبی هریرة عن النبی ﷺ قال: إذا زنی العبد خرج منه الإیمان فکان فوق رأسه کالظلة ، فإذا خرج من ذلک العمل عاد إلیه الإیمان .

(سنن الترمذی ، کتاب الإیمان ، باب ماجاء لایزنی الزانی وهو مومن ، النسخة الهندیة ۲/ ۹۰، دارالسلام رقم: ۲٦۲۵)

کون الکراهة فی الفاسق تحریمیة الخ . (طحطاوی علی المراقي، کتاب الصلاة ، فصل فی بیان الأحق بالإمامة جدید دارالکتاب دیوبند/ ۳۰۳، قدیم/ ۱۲۵)

ولو صلی خلف فاسق أو مبتدعٍ ینال فضل الجماعة لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع الخ. (البحرالرائق ، کتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زکریا ۱/ ٦۱۰، کوئٹه ۱/ ۳٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۶۰)

لوطی کی امامت کا حکم

سوال: [۲۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع

بلو چک دسنگھ سرائے کے امام جناب عبداللہ مسجد کے اندر محمد سراج سے لواطت کراتے ہیں ،اس نے بستی کے معزز حضرات سے کہا کہ میں ان کا شاگرد ہوں اس فعل کو نہ کرنے پر دھمکاتے ہیں، اور مجھکو لالچ دیکر بہلاتے ہیں اس ناجائز فعل سے مجھے نجات دلائیں جو مسجد میں کرنا پڑتا ہے، امام عبداللہ کو اشارۃً منع کیا گیا کہ محمد سراج کو ہمراہ نہ رکھیں تو امام عبداللہ اس پراضی نہ ہوئے ، امام عبداللہ کے مکان کے ہمراہ مسجد ہے اور سراج کا گھر بھی قریب ہے، بستی کے معزز حضرات اور نمازیوں نے اس بات کی چھان بین شروع کی تو کئی رات اپنی آنکھوں سے مسجد میں کرتے ہوئے فعل لواطت دیکھا بعدہٗ اس فعل کو کرتے ہوئے تصویر کھینچی گئی اور امام عبداللہ کے دو خط اپنے معشوق محمد سراج کے نام وہ بطور شہادت موجود ہیں ،امام اس فعل شنیع سے توبہ کرتے ہیں اور نہ باز آرہے ہیں ، کیا ایسے امام کے پیچھے اس مسجد میں نماز پڑھی جائے ؟ اور ایسے امام کی شریعت میں کیا سزا ہے ،جبکہ امام عبداللہ اور محمد سراج دونوں شادی شدہ ہیں ، جواب سے جلد نوازیئے ، میں آپ کا ممنون ومشکور رہوں گا۔

المستفتي: محمد سہیل، ومحمد پرویز اختر، سمستی پور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سوالنامہ میں بیان کردہ واقعہ صحیح ہے،تو مذکورہ شخص شرعاً فاسق ہے وہ قابل امامت نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ . (العنكبوت: ٢٩)

ولذا كره إمامة الفاسق وتحته في الطحطاوي كون الكراهة في الفاسق تحريميه الخ. (طحطاوي على المراقي ، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة ، دارالكتاب ديوبند/ ٣٠١، قديم ١٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ

بدفعلی کے مرتکب کی امامت

سوال:[۲۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب عالم دین ہیں، لواطت کرتے ہیں، اور کرتے ہوئے پکڑے بھی گئے، دیگر گواہوں سے تحقیق ہوئی اور ثابت بھی ہوگیا پھر بھی وہ شخص کلما کی قسم کھاتا ہے، جبکہ معاملہ سچ ہے، تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو مدرسہ کا ذمہ دار بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالصمد، گونڈوی، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال مذکورہ میں اگر معاملہ واقعی سچ اور درست ہے تو پھر وہ عالم فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا اور اسکو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، اسلئے اہل مسجد کو چاہئے، کہ اسکی جگہ کسی نیک صالح متبع شریعت امام کو مقرر کریں، اور ایسے شخص کو مدرسہ کا ذمہ دار بنانا بھی درست نہیں ہے بلکہ نیک صالح اور صاحب امانت کو مدرسہ کا ذمہ دار بنانا چاہئے، اور یہ جواب محض سوال کے پیش نظر ہے اگر اصل واقعہ اس کے خلاف ہو جیسا کہ مذکورہ امام اس کے انکار کیلئے کلما کی قسم کھانے کو بھی تیار ہے تو ایسی صورت میں امام مذکورہ نہ فاسق ہے اور نہ ہی اس کی امامت میں کراہت ہے، اور نہ ہی بلاوجہ اسکو امامت سے برطرف کرنا درست ہوگا۔

لو أم قوم وهم له كارهون، فهو على ثلاثة أوجه: إن كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره، وإن كان هو أحق بها منهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لايكره له التقدم لأن الجاهل والفاسق يكره العالم والصالح. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، دارالکتاب دیوبند، جدید ۱/ ۳۰۱، قدیم/ ۱٦٤)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن سركم أن تقبل صلوٰتكم

فليؤمكم خياركم فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم . (المعجم الكبير، للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۰/۳۲۸، حديث:۷۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۸۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۴/۳۰ھ

لواطت کرنے والے شخص کی امامت

سوال: [۲۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو شخص اغلام بازی میں مبتلا ہوا اور اب تک بہت لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کر چکا ہو اور فخریہ طور پر اس کو بیان کرتا ہو تو ایسے شخص کو امام بنانا اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، محلّہ پنب ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا شخص جو لوطی ہو وہ فاسق اور عاصی ہے، فخریہ طور پر اس کو بیان کرنا اور زیادہ گناہ ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔ (فتاوی دارالعلوم ۳/۱۲۲، احسن الفتاویٰ ۲/۲۶۰)

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ . (العنكبوت: ۲۹)

كون الكراهة في الفاسق تحريمية . (طحطاوی، كتاب الصلاة، فصل فی بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ديوبند جديد/ ۳۰۱، قديم/ ۱۶۵، هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، زكريا قديم ۱/۸۵، جديد ۱/۱۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۲۱ھ

بدفعلی کرنیوالے کی امامت

سوال: [۷۲۲۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنے پیچھے کے راستہ سے بدفعلی کراتا ہے، اورکئی بار دیکھا گیا ہے، اور وہ اپنے اس فعل سے باز نہیں آتا، اور نہ ہی اس برائی کو برائی سمجھتا ہے، اور غیر آدمی کا عضو تناسل منھ میں لیکر چوستا ہے، تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کو امام بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور جو نمازیں ایسے شخص کے پیچھے پڑھی گئی ہیں، ان کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسے شخص کا ایمان برقرار ہے؟

المستفتي: نظیر احمد، قاری اکرام احمد رامنگر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر یہ محض الزام ہے تو سائل گناہ عظیم کا مرتکب ہوگا اور اگر واقعہ ایسا ہی ہے جو سوالنامہ میں مذکور ہے تو اس طرح بہیمانہ حرکت کرنے والا فاسق وفاجر ہے وہ امامت کا اہل نہیں ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جو نمازیں پڑھی گئیں ہیں، ان کو لوٹانیکی ضرورت نہیں۔

عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ: كان يقول: ثلاثة لا يقبل الله منهم صلوٰة: من تقدم قوماً وهم له كارهون. الحديث (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يوم القوم وهم له كارهون، النسخة الهندية ۸۸/۱، دارالسلام رقم: ۵۹۳، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۷۱/۱۳، رقم: ۱۷۶، ۱۳٦/۱٤، رقم: ۱٤۷۵۹)

كون الكراهة في الفاسق تحريمية الخ. (طحطاوی علی المراقي، كتاب الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة قديم/۱٦۵، دارالكتاب ديوبند جديد/۳۰۱، شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ۵۵۹/۱، زكريا۲/۲۹۷، ۲۹۸، حاشية الطحطاوی،

علی الدر المختار کوئٹہ ۱/۲۴۳)

ولو صلی خلف فاسق أو مبتدعٍ ینال فضل الجماعة لکن لا ینال کما ینال خلف تقی ورع. (البحرالرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامۃ کوئٹہ ۱/۳۴۹، زکریا ۱/۶۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۲۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۱ھ

متہم باللواطت کی امامت کا حکم

سوال: [۲۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے اپنے موافق لوگوں سے کہا کہ زید نے ایک لڑکے کے ساتھ لواطت کی ہے ان میں سے ایک نے کہا کہ آپ نے زید کو دیکھا ہے، اگر واقعی دیکھا ہو تو مسجد میں جا کر قسم کھالو، بکر مسجد میں جانے سے گھبرایا، اور کہا کہ میں نے دیکھا تو نہیں ہے، لیکن سنا ہے، بکر کے موافق لوگ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ زید کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، زید قاری ہے اور زید کا کہنا ہے کہ میں نے کبھی بھی لڑکے کے ساتھ لواطت نہیں کی ہے، اب یہ فرمایئے کہ زید کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ اور یہ الزام ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد الوحید، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ بکر نے زید پر جھوٹا الزام لگایا ہے، لہٰذا بکر کو توبہ کرکے زید سے معافی مانگنی چاہئے، جب زید سے اس فعل شنیع کا ارتکاب ثابت نہیں ہوا تو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۱۸۸)

نیز الزام میں جو شریک ہیں سب کو توبہ کرلینی چاہئے۔

یٰا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ.

(الحجرات: ١٢)

عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: كفى بالمرء كذبا أن يحدث بكل ماسمع .(صحيح مسلم ، مقدمه ١/٨، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٥/٢٠، رقم: ٨٢٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۲۸)

مسجد کا موقوفہ مکان اپنے نام کرانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کے پاس وقف بورڈ (مسجد) کا مکان ہے اور وہ معلوم ہوتے ہوئے بھی رجسٹری کرالیتا ہے، مطلب خرید لیتا ہے، اور بعد میں وقف والے اسکو خالی کرانے کیلئے مقدمہ کرتے ہیں اور وہ شخص مقدمہ لڑرہا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: امیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وقف معلوم ہونے کے باوجود مسجد کا مکان اپنے نام رجسٹری کرالینا شرعاً غصب کے درجہ میں ہے، جو ناجائز اور حرام ہے، جس کے بارے میں حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے غیر کی زمین کو ناجائز طریقہ سے حاصل کیا یا دبایا تو روز قیامت ساتوں زمین اس کی گردن میں طوق بنا کر ڈالدی جائیں گی۔

عن سعيد بن زيد بن عمر و بن نفيل ، أن أروى خاصمته في بعض داره فقال: دعوها وإياها، فإني سمعت رسول الله ﷺ ، يقول: من أخذ شبراً من الأرض بغير حقه، طوقه في سبع أرضين يوم القيامة . (صحيح مسلم ، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها ، النسخة الهندية ٢/٣٣، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠)

اس کو چاہئے کہ رجسٹری ختم کر کے مسجد کے موقوفہ مکان سے اپنا قبضہ ہٹا کر اپنی بدکرداری سے باز آئے، اور توبہ واستغفار کرکے اپنے کو غضب خداوندی سے بچائے، اور یہ شخص جب توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو اس کے پیچھے بھی نماز بلا کراہت درست ہے۔

عن أبی عبیدۃ بن عبد اللہ، عن أبیہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ: التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ. (سنن إبن ماجہ، کتاب الزھد، باب ذکر التوبۃ، النسخۃ الھندیۃ ۱/۳۱۳، دارالسلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربي ۱۰/۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱، السنن الکبری للبیھقی، کتاب الشھادات، باب شھادۃ القاذف جدید، دارالفکر ۱۵/۱۷۵، رقم: ۲۱۱۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

غیر مسلم کی دوکان پر قبضہ کرنے والے شخص کی امامت

سوال: [۲۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کے پاس غیر مسلم کی دوکان ہے اور وہ اپنی ضرورت کے تحت دوکان خالی کرانا چاہتا ہے، یہاں تک کہ مقدمہ بازی بھی شروع ہوچکی ہے جبکہ اسی شخص کے پاس ایک دوکان اور بھی ہے، کیا ایسے شخص کو امام بنایا جاسکتا ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے، اور خود اسکی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل بیان فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

المستفتي: امیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر مسلم سے دوکان کرایہ پر لینا شرعاً جائز ہے، اب دوکان کرایہ پر لیتے وقت اگر دونوں کے درمیان یہ طے ہوچکا تھا، کہ مالک جب چاہے

دوکان خالی کرا سکتا ہے، تو اس معاہدہ کے پیش نظر اس شخص کو دوکان خالی کردینی چاہئے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ. (سورة المائدة: ۱)

اس کے برخلاف کرایہ دار کا دوکان خالی نہ کر کے اس کے خلاف مقدمہ بازی کرنا شرعاً جائز نہیں، حضور اکرم ﷺ نے کسی کی جائیداد پر ناجائز طریقہ پر تسلط جمانے پر سخت وعید فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص ناحق کسی کی ایک بالشت زمین بھی دبائے گا تو کل قیامت میں اس کے گلے میں زمین کے سات طوق ڈالے جائیں گے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن سعيد بن زيد عمرو بن نفيل، أن رسول الله ﷺ قال من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (صحيح مسلم، باب تحريم الظلم، وغصب الأرض، النسخة الهندية ۲/۲۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰)

اس شخص کو چاہئے کہ اپنا قبضہ ہٹا کر دوکان خالی کرے، اور بدعملی سے توبہ کرے جب یہ شخص اپنی بدعملی سے تائب ہو جائے تو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے۔

عن ابن عباس رضي قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (شعب الإيمان، باب في معالجة كل ذنب بالتوبة، دارالكتب العلميه بيروت ۵/۴۳۶، رقم: ۷۱۷۸، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الشهادات، باب شهادة القاذف جديد دارالفكر ۱۵/۱۷۵، رقم: ۲۱۱۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

پڑوس کی دیوار پر ناجائز قبضہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پلاٹ دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا، تقسیم کے بعد ایک آدمی نے اپنے حصہ میں مکان بنایا جو

تقریباً ایک سوسال پرانا اور چھوٹی اینٹ کا بنا ہوا ہے، اسکے بعد دوسرے ساتھی نے کچھ سال کے بعد اپنا مکان بنایا جو بڑی اینٹ کا بنا ہوا ہے، مگر اسکے پڑوسی کی طرف جو دیوار تھی اس طرف اپنی دیوار نہ بناکر پڑوسی کی دیوار سے ملاکر اپنی چھت کی کڑی رکھ لی، پھر اس کے چند سال بعد اپنے پڑوسی کی رضا مندی سے پڑوسی کی دیوار میں اپنی الماری بنالی اب ایک زمانہ گذرنے کے بعد اسی دیوار پر بعد میں مکان بنانیوالا پڑوسی اپنا دومنزلہ مکان بنانا چاہتا ہے، اوراس دیوارکو مشترک بتاتا ہے، جبکہ یہ دیوار مشترک نہیں ہے، اب سوال یہ ہیکہ وہ پڑوسی کی دیوارکو جبراً پولیس وغیرہ کے ذریعہ ناجائز قبضہ کرنا چاہتا ہے اگر قبضہ ہوگا تو اس قابض شخص کی امامت درست ہوگی یا نہیں؟ تشفی بخش جواب دیکر مطمئن فرمائیں۔

المستفتي: شریف احمد محلّہ شیشگران، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ شخص بالقصد اپنے پڑوسی کی دیوارکو پولیس وغیرہ کے ذریعہ سے قبضہ کرتا ہے، تو از روئے حدیث یہ ناجائز قبضہ ہوگا، اور مرتکب کبیرہ ہوگا، اوراس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔

عن سعيد بن زيد ابن عمرو بن نفيل ، أن أروى خاصمته في بعض داره، فقال: دعوها وإياها، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: من أخذ شبراً من الأرض بغير حقه ، طوقه في سبع أرضين يوم القيامة . (صحيح مسلم ، المساقاة ، باب تحريم، الظلم وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهندية ٢ /٣٣، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠)

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن ، وكانت بينه وبين أناس خصومة في أرض ، فدخل على عائشة رضي الله عنها فذكر لها ذلک ، فقالت : ياأبا سلمة ، اجتنب الأرض ، فإن رسول الله ﷺ قال: من ظلم قيد شبراً من الأرض طوقه من سبع أرضين . (صحيح البخارى ، كتاب بدء الخلق ، باب

ماجاء في سبع أرضين، النسخة الهنديه ١/٤٥٣، رقم:٣٠١٩، ف:٣١٩٥، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئاً من الأرض، النسخة الهنديه ١/٣٣٣، رقم:٢٣٨٩، ف:٢٤٥٣، صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم الظلم، وغصب الأرض وغيرها، النسخة الهنديه ٢/٣٣، بيت الأفكار رقم:١٦١٢)

وكره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاً فلا يعظم لتقديمه للإمامة . (مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة، باب الإمامة قديم ١٦٥، دارالكتاب ديوبند ١/٣٠٢)

أما كراهة الفاسق والمبتدع في إمامتها تعظيمهما، وقد أمرنا بإهانتهما . (شرح النقايه ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة اعزازيه ديوبند ١/٨٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/صفر ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٤/٦٤٩٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢١/٢/١٦ھ

غاصب وظالم کی امامت

سوال: [٢٢٢٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم تین بھائی ہیں، عقیل احمد، خلیل احمد، ندیم احمد ہمارے والد محترم کا سال گذشتہ انتقال ہوگیا ہمارے والد کا ایک مکان ہے، جو ہمارے والد صاحب نے مسجد کے امام صاحب کو کرایہ پر رہنے کیلئے دیا تھا اور وصال سے ایک سال قبل ہمارے والد نے ان کو (یعنی امام صاحب کو) گھر خالی کرنے کے لئے کہا تھا اور اسی سال وہ مکان ہمارے والد صاحب نے ہمارے بڑے بھائی عقیل احمد کے نام کردیا تھا، اپنی حیات ہی میں اور ہمارے والد کا ٢٠١٠ء میں وصال ہوگیا لیکن ابھی تک امام صاحب نے نہ مکان خالی کیا اور نہ ہی کئی سال سے کرایہ دیا، ہماری ضرورت کے تحت ہم نے امام صاحب سے تقاضہ کیا کہ آپ ہمیں مکان خالی کرکے دیدیں

تو امام صاحب نے کہا تھا کہ حج سے واپسی پر خالی کر دوں گا، آج ڈیڑھ سال ہو رہا ہے، وہ مکان خالی کر کے نہیں دے رہے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے امام صاحب کے پیچھے مقتدیوں کی نماز درست ہے یا نہیں؟ امام صاحب کے ان حالات سے تمام مصلیان واقف ہیں۔

المستفتي: خلیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مکان خالی نہ کرنا اور نہ کرایہ ادا کرنا یہ ظلم وغصب ہے ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ایسے امام کے پیچھے جب تک وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح نہ کرے اور مکان خالی کر کے جو کرایہ رہ گیا ہے وہ ادا نہ کرے نماز مکروہ ہوگی۔

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل ،أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً ، طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (صحيح مسلم، المساقاة ، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها ، النسخة الهندية ٢/٣٣، بيت الأفكار رقم: ١٦١٠)

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: مطل الغنى ظلم ، وإذا اتبع أحدكم على مليئى فليتبع. (صحيح مسلم ، المساقاة، باب تحريمه مطل الغني ، النسخة الهندية ٢/١٨، بيت الأفكار رقم:١٥٦٤)

الظلم وضع الشيئى فى غير محله وفى الشرع عبارة عن التعدى عن الحق إلى الباطل وهو الجور قيل هو التصرف فى ملك الغير ومجاوزة الحد قاله السيد. (قواعد الفقه اشرفى ديوبند/٣٦٨)

ويكره تقديم الفاسق كراهة تحريم. (صغيرى مطبوعه مجتبائى دهلى/٢٦٤)

ويكره إمامة عبد......وأعرابى ......وفاسق قوله وفاسق : من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر

والزاني وآكل الربا ونحو ذلك ... وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته شرعاً ... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا٢/٢٩٩، كراچی١/٥٩٩، شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة مكتبه اعزازيه ديوبند ١/٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۳/۶ھ

شراب پینے والے کی امامت

سوال: [۲۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حافظ قرآن لڑکا امسال ایک مسجد میں تراویح میں قرآن پاک سنارہا ہے، اور اس کا والد بھی حافظ قرآن ہے اور بحیثیت سامع کے لڑکے کا قرآن پاک سن رہا ہے، اور لڑکے کا والد شراب پیتا ہے، اچانک لڑکے کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے تو کیا لڑکے کا والد اس کی جگہ تراویح میں قرآن پاک سنا سکتا ہے، یا نہیں؟ جبکہ وہ شرابی ہے اور مسجد کے امام صاحب کو تمام حالات کا علم ہے، اور اسکے باوجود بھی امام صاحب نے اجازت تراویح پڑھانے کی دی ہے، اور اس لڑکے کے والد کے پیچھے مسجد کے امام صاحب نماز تراویح کے اندر قرآن سن رہے ہیں نیز شرعی داڑھی بھی نہیں ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتي: محمد نسیم، محلہ بازار مقبرہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شراب پینے والے اور داڑھی کٹانے اور کتروانے والے شرعاً فاسق معلن ہیں، اور داڑھی ایک مشت سے کم کرنا بالاتفاق حرام اور فسق ہے، لہٰذا ایسے شخص کو تراویح کا امام بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحدالخ. (درمختار ،کتاب الصوم ، باب مایفسد الصوم ، ومالا یفسد ، مطلب فی الأخذ من اللحیة زکریا۳/۳۹۸، کراچی ۲ /۴۱۸ ، مصری ۲/ ۱۵۵)

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق و أعمى وتحته فاسق من الفسق وهوالخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر ، والزاني وآكل الربواونحو ذلك. (شامی ، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ۱/ ۵۵۹، ۵٦۰، زکریا۲ /۲۹۸ ، هدایه ، کتاب الصلاة، باب الإمامة اشرفی دیوبند ۱ /۱۲۲)

لہٰذا اگر مسجد کی مجلسِ منتظمہ ایسے شخص کو تراویح پڑھانے کیلئے امام بنائے، تو ایسی مجلس منتظمہ کو معزول کر کے دوسری باشرع مجلس منتظمہ مقرر کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۵۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۸۵)

سالن میں خنزیر کا گوشت ملانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید حافظ قرآن اور پابند صوم وصلاۃ ہے، زید کا کاروبار ہوٹل ہے جس میں عوام کا کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے، زید ہوٹل کے کھانوں میں مثلاً سالن گوشت کباب وغیرہ میں ملاوٹ کرتا ہے، جو شرعاً وقانوناً جرم ہے، ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد یا قبل اکثر گراہک کھلم کھلا شراب نوشی کرتے ہیں اور شراب نوشی کیلئے گلاس وغیرہ ہوٹل مالک ہی فراہم کرتا ہے، ہوٹل مالک مسجد کے متولی ہیں، او رگاہ بگاہ نماز کی امامت بھی کرتے ہیں کیا مندرجہ بالا صورت میں زید کی اقتداء میں نماز ہوسکتی ہے، کیا زید کی امامت شرعاً جائز ہے؟

المستفتي: محمد عارف قاسمی، بخارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر گوشت کباب وغیرہ میں ملاوٹ سے مراد خنزیر کا گوشت ہے تو زید کا یہ فعل ناجائز اور حرام ہے، اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔

ویکرہ إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمی وتحته قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ "فاسق" من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر، والزانی، وآکل الربا ونحو ذلک. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کراچی ۱/ ٥٦٠، زکریا ۲/ ۲۹۸، هدایه، باب الإمامة اشرفی دیوبند ۱/ ۱۲۲، مجمع الأنهر، کتاب الصلاۃ، فصل الجماعة سنة مؤکدة، دارالکتب العلمية بیروت ۱/ ۱٦۳)

مسلمانوں کو اس کے ہوٹل سے کھانا وغیرہ کھانا جائز نہ ہوگا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ. (سورة المائدة: ۳)

أما الخنزیر فشعره وعظمه وجمیع أجزائه نجسة الخ. (البحر الرائق، کتاب الطهارة زکریا ۱/ ۱۹۱، کوئٹه ۱/ ۱۰۷، شامی، کتاب الطهارة، باب المیاه، مطلب فی حکم الدباغة زکریا ۱/ ۳۵۷، کراچی ۱/ ۲۰٤)

نیز شراب نوشی کے لئے گلاس وغیرہ کا فراہم کرنا جائز نہیں ہے، ہوٹل مالک کو اس فعل سے توبہ کر کے باز آ جانا لازم ہے کیونکہ یہ اعانت علی المعصیت ہے، لہٰذا اگر ہوٹل مالک توبہ کر کے اس فعل سے باز نہ آئے تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورة المائد: ۲)

ابن عمر یقول: قال رسول الله ﷺ: لعن الله الخمر وشاربها، وساقیها، وبائعها ومبتاعها، وعاصرها، ومعتصرها، وحاملها، والمحمولة إلیه. (سنن أبي داؤد، باب العنب یعصر للخمر، النسخة الهندية ۲/ ۱٦۱، دارالسلام

رقم: ٣٦٧٤، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٥/ ٣٩، رقم: ١٦٠١، المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربي ١٢/ ٢٣٣، رقم: ١٢٩٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۱۱)

جاندار کی تصویر بنانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دینی امور کا پیشوا یا امام اپنی تجارت کو فروغ دینے کیلئے کپڑے یا کسی بھی چیز میں جاندار کی تصویر بناتا ہے، یا بنواتا ہے، تو شریعت مطہرہ کے اعتبار سے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور مذکورہ حالت میں اب تک جو نمازیں اس امام کے پیچھے پڑھی گئی ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ اور کسی بھی چیز میں جاندار کی تصویر بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: مرغوب احمد مظاہری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جاندار کی تصویر بنانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: أشد الناس عذاباً عند الله يوم القيامة المصورون. (صحيح البخاری، كتاب اللباس، باب عذاب المصورين يوم القيامة، النسخة الهنديه ٢/ ٨٨٠، رقم: ٥٧١٧، ف: ٥٩٥٠، صحيح مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، النسخة الهندية ٢/ ٢٠١، بيت الأفكار رقم: ٢١٠٩، مشكوٰة شريف ٢/ ٣٨٥)

اس سے کہا جائے کہ تصویر کشی کا کام نہ کرے، اگر باز آجائے تو نماز مکروہ نہ ہوگی اور اگر باز نہ آئے تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی اور اب تک جو نمازیں پڑھی گئی ہیں وہ سب کراہت کے ساتھ ادا ہوگئی ہیں لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

لو صلى خلف فاسق أو مبتدع ، ينال فضل الجماعة لكن لاينال كما ينال خلف تقى ، ورع. (البحرالرائق ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة، کوئٹه ۱/ ۳٤۹، زکریا ۱/ ٦١٠)

كون الكراهة فى الفاسق تحريمية الخ. (حاشية الطحطاوى ، كتاب الصلوٰة ، فصل فى بيان الأحق بالإمامة قديم/ ١٦٥ ، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٣٠١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۲۰)

ہاتھ پر ٹیٹو (تصویر) بنوانے والے کی امامت، اذان واقامت

سوال: [۲۲۲٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماقولكم رحمكم الله تعالىٰ فى هذه المسئلة : لو كان على كتف الرجل أو ظهر الكف أوالمعاصم الوشم بمثل تماثيل الحيوانات فهل يصح ،أذانه وإقامته وإمامته أو لا؟ كما تفعل نساء هنود الهند خاصة على معاصم أيديهن؟

المستفتي: سهيل احمد المظاهرى ، ص ب.: ۳۱۰۸،
الدوحة دولة قطر ، الخليج العربي

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: الوشم وهو غرز إبرة أو مسلة ونحوهما فى ظهر الكف والمعاصم وغيرذلک من البدن حتى يسيل الدم ثم يحشى ذلک الموضع بكحل أو نورة أو نيلة هو حرام على الفاعل والمفعول بها باختيارها وإمامة ذى الوشم واقتدائه وأذانه تصح مع كراهة التحريم عند الحنفية وعند البعض من الأئمة الهداة لايصح اقتدائه لحديث البخارى عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله

صلی اللہ علیہ وسلم العین حق ونهیٰ عن الوشم. (البخاری۲/ ۸۷۹)

وعن ابن عمرؓ قال: لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة الخ. (الجامع الصحیح للبخاری ۲/ ۸۸۰، کتاب اللباس، باب المستوشمة رقم: ۵۷۱٤، ف:۵۹٤۷، وشرحه عمدة القاری، دار احیاء التراث العربي ۱۹/ ۲۲۵، زکریاه ۱۵/ ۱۲۱، وهامشه ۲/ ۷۲۵، ۲/ ۸۸۹، وسنن أبی داؤد، کتاب الرجل، باب صلة الشعرقدیم۲/ ۲۰۵، جدید/ ۵۷٤، وشرحه بذل المجهود، سهارن پور، قدیم۵/ ٤۵، دارالبشائر الإسلامیه، مشکوٰة المصابیح ۲/ ۳۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۹۱)

بیڑی سگریٹ پینے والے کی امامت

سوال: [۲۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیڑی سگریٹ تمباکو کھانے والے شخص کی امامت کیسی ہے؟ جبکہ امام صاحب بیڑی پی کر متصل ہی نماز کے وقت کلی کر کے مسجد میں نماز پڑھاتے ہیں منہ میں بدبو موجود رہتی ہے، امامت درست ہے یا نہیں؟ یا مکروہ ہے کون سا مکروہ ہے؟

المستفتي: محمد راغب نیپالی،
مقیم حال امروہہ، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیڑی سگریٹ اور حقہ وغیرہ کی بدبو منہ میں رہتے ہوئے مسجد میں داخل ہونا ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے، اور اس حالت میں نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی اور ممنوع ہے، اسلئے ایسی حالت میں نہ مسجد میں داخل ہونا جائز ہے اور نہ امامت کیلئے

مصلیٰ پر کھڑا ہونا جائز ہے ۔ (مستفاد کفایت المفتی قدیم ۹/۱۳۵، جدید زکریا ۹/۱۴۷، زکریا مطول۳/۲۴۹ محمودیہ قدیم ۱۲/۱۴۷، جدید ڈابھیل ٦/۸۳)

عطاء قال: سمعت جابر بن عبد الله ، قال: قال النبی ﷺ : من أكل من هذه الشجرة ، يريد الثوم ، فلا يغشانا فی مساجدنا قلت : مايعنى به ؟ قال : ما أراه يعني إلا نيئه، وقال مخلد بن يزيد : عن ابن جريج إلا نتنه.
(صحيح البخاری ، الأذان ، باب ماجاء فی الثوم النيء والبصل والكراث ، النسخة الهنديه ۱/۱۱۸ ، رقم:٦ ٨٤، ف: ٨٥٤)

عن جابر بن عبد الله، عن النبی صلی الله عليه وسلم ، قال: من آكل من هذه البقلة ، الثوم ، وقال مرة: من أكل البصل والثوم والكراث فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم . (صحيح مسلم المساجد، باب نهی من آكل ثوماً أو بصلاً أو كراثا أو نحوها ، النسخة الهندية ۱/۲۰۹ ، بيت الأفكار رقم: ٥٦٤)

عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل من هذه قال أول مرة الثوم ثم قال الثوم والبصل والكراث فلا يقربنا فی مساجدنا. (ترمذی ، الأطعمة، باب ماجاء فی كراهة أكل الثوم والبصل ، النسخة الهنديه ۲/۳، دارالسلام رقم: ۱۸۰٦ ، مشكوٰة المصابيح / ٣٦٥)

ويكره لمن أراد حضور الجماعة ويلحق به كل ماله رائحة كريهة .
(مرقاة ، قديم ٤/٣٧٢، بيروت ملتان ۸/۱۹۵)

قال العلماء : ويلحق بالثوم كل ماله رائحة كريهة من المأكولات وغيرها . (شرح الطيبی ،كتاب الصلوٰة ، باب المساجد ...... كراچی ۲/۲۳۳، تحت رقم الحديث /۷۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦٣ /۷۷۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/٦/۱۸ھ

تمباکونوشی اور کفریہ کلمات کہنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تمباکونوشی کرنے والے امام کے پیچھے جو کفریہ کلام کرے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: ایچ نعمان، نیو
ڈیلکس واچ سروس، لونی روڈ کٹنگل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تمباکو پینے والا امام اگر اپنا منھ صاف کر لے اور بدبوختم ہوجائے تو اسکے پیچھے نماز جائز ہے، بلا کراہت درست ہے، لیکن کفریہ کلمہ زبان پر جاری کرنے والے کے پیچھے توبہ کر کے باز آ جانے سے پہلے نماز جائز نہیں۔

ثم صاحب الهوى، إن كان هواه يكفر لا يجوز الصلاة خلفه وإن كان لا يكفره يجوز ويكره. (شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة اعزازايه ديوبند ۱/۸٦)

حاصل الجواب فيه أن كل من كان من أهل قبلتنا، ولم يغل في هواه، حتى لايحكم بكونه كافراً ولابكونه ماجناً بتأويل فاسد، تجوز الصلاة خلفه، وإن كان أهواء يكفر ...... لاتجوز. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السادس أحكام الإمامة والاقتداء المجلس العلمي ۲/۱۷۸، رقم: ۱۵۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳۱۰)

الجواب صحیح:
سید ج امجد علی غفرلہ
۲ر رجب ۱۴۰۹ھ

گٹکا کھانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ۲۲ر سال

سے امام ہوں، اس دوران آٹھ ماہ گٹکا کھایا ہے، اب میں نے گٹکا کھانا چھوڑ دیا ہے، اور آئندہ بھی نہ کھانے کا عزم کرچکا ہوں، تو کیا میرے گٹکا کھانے کی وجہ سے ان آٹھ ماہ کی نمازیں متاثر ہوئی ہیں، نمازیں ادا ہوئیں یا نہیں اور اب گٹکا نہ کھانے کا عہد کرلیا ہے، تو نماز کے بارے میں اور امامت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتي: محمد اسعد، امام مسجد،
ہری چگ، اصالت پورہ، شہر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر گٹکے سے بیڑی سگریٹ اور کچا پیاز لہسن کی طرح بدبو ظاہر نہیں ہوتی ہے، اور اڑوس پڑوس کے لوگوں کو اس میں بدبو نہ ہونے کی وجہ سے اذیت نہیں ہوتی ہے، تو ایسا گٹکا کھانا جائز اور مباح ہے، اگر امام صاحب نے آٹھ مہینہ تک ایسا گٹکا کھایا ہے تو ان کی امامت میں کسی قسم کی خرابی اور کراہت نہیں آئی ہے، نیز اگر بدبودار گٹکا کھایا ہے، اور مسجد میں منھ صاف کر کے داخل ہوتے رہے ہیں تب بھی کسی قسم کی کراہت اور خرابی لازم نہیں آئے گی، اور امام صاحب کی امامت بہرصورت جائز اور درست رہی ہے، اور جن آٹھ مہینہ میں گٹکا استعمال کیا گیا ہے، ان مہینوں کی نماز بھی بلا کراہت جائز اور درست ہوچکی ہے، اور چونکہ گٹکا کھانا معاشرہ میں ایک گھٹیا اور خسیس عمل شمار کیا جاتا ہے، اسلئے ائمہ حضرات کو اس عمل سے گریز کرنا چاہئے، اور سوالنامہ میں صاف لکھا ہوا ہے، کہ امام صاحب نے اب گٹکا کھانا چھوڑ دیا ہے، اور آئندہ نہ کھانے کا عزم کرچکے ہیں ایسی صورت میں ان کی امامت میں کسی قسم کی کراہت نہیں آئیگی، بلا تردد جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ٦/ ٨٥، قدیم ١٠/ ٤٠)

فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمى بالتتن، وتحته في الشاميه: وهو الإباحة على المختار أو التوقف. (شامی، کتاب الأشربه زکریا ١٠/ ٤٤، کراچی ٦/ ٤٦٠)

فـی الأشباه : فی قاعدة الأصل الإباحة، أو التوقف ، ویظهر أثره فیما أشـكـل حـالـه كـالـحیـوان الـمشكل أمره والنبات المجهول بسیمته قلت فیـفهـم مـنه حكم النبات الذي شاع فی زماننا المسمی بالتتن فتنبه . (حاشیه الـطـحـطـاوی عـلـی مـراقـي الـفـلاح ، كتـاب الصوم ، باب مایفسد الصوم ومالا یفسد ، دارالكتاب دیوبند ۱/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/ ۱۴۳۱ھ

متکبر کی امامت

سوال: [۲۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس امام کے پیچھے جو تکبر اور گھمنڈ کرتا ہے، اور سلام نہیں کرتا ہے، نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز یہ بھی واضح فرمائیں سلام نہ کرنے سے ضروری ہے کہ وہ تکبر کرتا ہے؟

المستفتي: العارض: محمد نذیر، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تکبر اور گھمنڈ کا تعلق دل سے ہے یعنی دوسروں کو حقیر سمجھنا اور اپنے کو برتر سمجھنا اور کبھی کبھی عمل اور قول وفعل سے بھی تکبر ظاہر ہوتا ہے، اگر اس کے قول وعمل سے تکبر ظاہر ہوتا ہے، یعنی دوسروں کو حقیر اور اپنے کو دوسروں سے برتر سمجھنا اس کے قول وعمل سے صاف ظاہر ہوتا ہو تب متکبر کہا جا سکتا ہے، ورنہ بلا کسی دلیل کے کسی کو متکبر اور گھمنڈی سمجھنا جائز نہیں اور سلام نہ کرنا تکبر کی دلیل نہیں ہے، بسا اوقات آدمی غفلت اور بے توجہی کی وجہ سے سلام کا اہتمام نہیں کر پاتا اس کو تکبر کی دلیل بنانا غلط ہے، ہاں البتہ اگر سلام کرنے والے کو بالقصد سلام کا جواب نہیں دیتا ہے تو یہ کبر کی علامت سمجھی جا سکتی ہے۔

عـن عبـد اللہ بـن مسعودؓ عن النبی ﷺ قـال: لا یـدخل الجنة من

کان فی قلبه ،مثقال ذرة من کبر ، قال رجل : إن الرجل یحب أن یکون ثوبه حسناً ونعله حسنةً ، قال: إن الله جمیل یحب الجمال ، الکبر بطر الحق ، وغمط الناس . (صحیح مسلم ، کتاب الإیمان ، باب تحریم الکبر و بیانه ، النسخة الهندیه ١/ ٦٥، بیت الأفکار رقم: ٩١)

عن عبد الله ، عن النبی ﷺ قال: لا یدخل الجنة من کان في قلبه مثقال ذرة من کبر، ولا یدخل النار من کان في قلبه مثقال ذرة من إیمان ، قال: فقال له رجل : إنه یعجبنی أن یکون ثوبي حسناً ونعلي حسنة ، قال: إن الله یحب الجمال، ولکن الکبر من بطر الحق وغمص الناس. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکبر، النسخة الهندیة ٢/ ٢٠، دارالسلام رقم:١٩٩٩، صحیح ابن حبان ، دارالفکر ٥/جزء ٧/ ٣٠٠، رقم:٥٤٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۸۸۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۲۶ھ

قتل کے ملزم کی امامت

سوال: [۲۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص پر قتل کا الزام ہو تو ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: قاسم، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قتل کا الزام محض بہتان ہے، تو بلاشبہ امامت درست ہے، اور اگر قتل کا الزام فی الحقیقت صحیح ہے تو تاوقتیکہ اولیاء مقتول معاف نہ کریں امامت جائز نہیں ہے۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ.

(سورة البقرہ: ١٧٨)

قال في تبيين المحارم : وأعلم أن توبة القاتل لاتكون بالاستغفار والندامة فقط بل يتوقف على إرضاء أوليا ء المقتول. (شامی ،کتاب الجنایات ، فصل فیما یوجب القود ومالا یوجبه مصری ٥/ ٢٨٤، کراچی ٦/ ٥٤٩، زکریا ١٠/ ١٩٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمحرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۸۶)

قاتل کے پیچھے نماز کا حکم

سوال: [۲۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو فریق آپس میں زمین کے اوپر لڑائی کرتے ہیں، جن کی وجہ سے ایک فریق کی طرف سے دو آدمی مر چکے اور دوسرے فریق کے آدمی کو سزا ہو گئی ہے، لہٰذا اس کے سزا پانے کے بعد ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: قاسم، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتولین کے ورثاء کی مرضی سے قاتلوں کو سزا ملی ہے، اور سزا پانے کے بعد قاتلوں نے توبہ بھی کر لی ہے، تو ان کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہو جائیگی، اور اگر مذکورہ سزا کو مقتولین کے اولیاء کافی نہیں سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس سزا پر رضا مند ہیں تو ایسی صورت میں اس وقت تک قاتلوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جب تک کہ مقتولین کے ورثاء کو معافی وغیرہ کے ذریعہ سے راضی نہ کر لیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلیٰ ، اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ ، وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ، وَالأُنْثیٰ بِالأُنْثیٰ ، فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ. (البقرہ : ۱۷۸)

لا تصح توبة القاتل حتى يسلم نفسه للقود قال في تبيين المحارم وأعلم أن توبة القاتل لاتكون بالاستغفار ، والندامة فقط بل يتوقف على إرضاء أولياء المقتول فإن كان القتل عمداً لا بد أن يمكنهم من القصاص منه ، فإن شاء وا قتلوه وإن شاء وا عفوا عنه مجانا ، فإن عفوا عنه كفته التوبة . (شامی، کتاب الجنایات ، قبیل القود فیما دون النفس زکریا ۱۰/۱۹۵، کراچی ٦/٥٤٩)

ويكره إمامة عبد وفاسق (وفی الشامية) أن كراهة تقديمه كراهة تحريم. (شامی کتاب الصلاۃ، باب الإمامة زکریا ۲/۲۹۸، کراچی ۱/٥٦٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۴ھ

قاتل کی امامت

سوال [۲۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس آدمی نے قتل کیا ہو کیا وہ امامت کرسکتا ہے؟

المستفتي: نبی احمد، نعمت پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قتل وخوں ریزی کرنا بہت بڑا جرم اور گناہ کبیرہ ہے، اس کا مرتکب فاسق ہے صالح اور دیندار امام میسر ہونے کی صورت میں ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، لہذا وہاں والوں پر ضروری ہے کہ کسی صالح اور دیندار شخص کو امام بنائیں۔

الكبيرة فروى ابن عمر أنها تسعة : الشرك بالله وقتل النفس، (إلى قوله) إن مرتكب الكبيرة فاسق . (شرح عقائد نسفى/١٠٦ تا ١٠٩)

إن كراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم . (منحة الخالق على البحر ،كتاب الصلاة، باب الإمامة ، زكريا١/ ٦١٠، كوئٹه١/ ٣٤٩، كبيرى شرح منية المصلى، كتاب الصلاة، فصل فى الإمامة اشرفيه/٥١٣، مراقى الفلاح ، كتاب الصلاة، باب الإمامة ، دارالكتاب ديو بند/٣٠١، قديم ١٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۱ھ

قاتل کی امامت

سوال: [۲۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک طالب علم جس نے پانچ سال قبل قرآن کریم حفظ کرلیا تھا دو بار قرآن کریم رمضان المبارک میں سنایا اس نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، جس کی نوعیت یہ تھی کہ طالب علم کے بڑے بھائی کی بیوی شادی سے قبل مقتول سے تعلق رکھتی تھی یہ سلسلہ شادی کے بعد بھی رہا مقتول کا پلان لڑکی کے بھائی کو مارنے کا تھا، مقتول کو مارنے کا پلان دوسری جانب بھی ہوا ایک روز چار پانچ آدمیوں نے انہیں کے برادری کے ایک مسجد میں بیٹھ کر مقتول کو بلایا، لیکن اس کے والد آئے ان لوگوں نے ان کو زدوکوب کیا اور پھر مقتول کو بلایا وہ جب مسجد میں داخل ہوا تو اس کو بھی پکڑ کر مارنا چاہا لیکن وہ چھوٹ کر بھاگا بھاگتے وقت اس کی انٹی سے ایک چھری نیچے گری یہ چھری طالب علم نے اٹھائی اور اس کا تعاقب کیا کچھ دور چلنے کے بعد اسے پکڑ لیا، اور اس کے پیٹ میں چھری مار کر آر پار نکالدی اس کے باوجود یہ لڑکا اب بھی کلام پاک سنانا چاہتا ہے، اس کے علاوہ بھی

دوسرے حافظ موجود ہیں کیا اس سے قرآن سن سکتے ہیں۔

المستفتي: محمد اصغر، دوکاندار، محلّہ کھوراڑا شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قتل کرنا بہت بڑا جرم اور گناہ کبیرہ ہے، جس پر قرآن وحدیث میں سخت ترین وعید آئی ہے اس کا مرتکب فاسق ہے اور دیندار باشرع نیک صالح شخص میسر ہونے کی صورت میں ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا اگر اس کے مقابلہ میں نیک صالح باشرع شخص موجود ہے تو اسکو امام نہ بنایا جائے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّداً فَجَزَاءُ هٗ جَهَنَّمَ خَالِداً فِيْهَا وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَأَعَدَّ لَهٗ عَذَاباً مُهِيْناً. (النساء: ٩٣)

عن الأحنف بن قيس ، قال: ذهبت لأنصر هذا الرجل ، فلقيني أبو بكرة، فقال أين تريد قلت أنصر هذا الرجل ، قال: إرجع فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: إذا التقى المسلمان بسيفهما ، فالقاتل والمقتول فى النار ، فقلت: يارسول الله صلى الله عليه وسلم ! هذا القاتل فما بال المقتول ؟قال: إنه كان حريصاً على قتل صاحبه . (بخاری الإيمان ، باب المعاصی من أمر الجاهليه، النسخة الهنديه ١/٩، رقم: ٣١)

روى ابن عمر أنها (أى الكبيرة) تسعة: الشرك بالله وقتل النفس إلى قوله ان يرتكب الكبيرة فاسق . (شرح عقائد /١٠٦ تا ١٠٩/١)

أن الكراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم. (كبيرى كتاب الصلاة ، باب الامامة اشرفيه ٥١٣/ ٣٥١، منحة الخالق على البحر ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة زكريا ١/ ٦١٠، كوئٹه ١/ ٣٤٩، مراقى الفلاح ، كتاب الصلاة ، فصل فى بيان الأحق بالإمامة دارالكتاب ديوبند/٣٠١، قديم / ١٦٥، شامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچى

۵۵۹/۱، ۵۶۰، زکریا ۲/۲۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۲۰/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۱۵ھ

چغل خوراور غیبت کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۳۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب کے دل میں مقتدیوں کی طرف سے حسد وبغض وکینہ بھر پور بھرا ہوا ہواور چغلی کی عادت امام صاحب کے اندر بھر پور ہو مقتدیوں کو اس بات کا علم ہے کہ امام صاحب کے ایسے عمل ہیں تو کیا ان مقتدیوں کی نماز ایسے حالات میں ان کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتي: خلیل احمد، رتو پورہ، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغض وعناد امام کے دل میں ہے یا نہیں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے بندہ دلوں کی باتوں کا مکلّف نہیں ہوتا اسلئے ایسی صورت میں امام صاحب پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے البتہ زبان سے دوسروں کی غیبت وچغل خوری کرتا ہے تو دوسرا آدمی اگر امامت کے لائق موجود ہوتو چغلی کرنے الے کو ہرگز امام نہ بنایا جائے ، بلکہ دوسرے باصلاحیت نیک شخص کو امام بنادیا جائے ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۷/۷۰، ۷/۸۳، جدید ڈابھیل ۶/۱۷۲، ۱۰۳)

ویکرہ إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمی وتحته ’’قوله فاسق‘‘ من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر، والزاني، وآکل الربوا، ونحو ذلک. (شامی کتاب الصلاۃ، باب الإمامة، کراچی ۱/۵۵۹، ۵۶۰، زکریا ۲/۲۹۸)

و تجوز إمامة الأعرابي، والأعمى، والعبد وولد الزنا، والفاسق، كذا في الخلاصة إلا أنها تكره كذا فى المتون . (هنديه ، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماما لغيره، زكريا قديم ١/ ٨٥، جديد١ /١٤٣)

ويكره أن يكون الإمام فاسقا ويكره للرجال أن يصلو خلفه.

(تاتارخانية ، كتاب الصلوٰة ، الفصل السادس فى بيان من هو أحق بالإمامة زكريا٢/ ٢٥٠، رقم: ٢٣٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۴۶)

اغلام باز و چغل خور کی امامت

سوال: [۲۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا اغلام باز وچغل خور کا امامت کرنا صحیح ہے، مذکورہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں مقتدی حضرات کی نماز میں کوئی نقص آئے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد عالم قاسمی،
ناظم مجلس دعوۃ الحق ، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين الخ. (مراقى الفلاح ، كتاب الصلاة ، فصل فى بيان الأحق بالإمامة قديم/ ١٦٥، دارالكتاب ديوبند/ ٣٠١، ومثله شرح النقايه ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة اعزازيه ديوبند ١/ ٨٦، شرح وقايه ، كتاب الصلاة ، فصل فى الجماعة اشرفى ١/ ١٥٢، قدورى ، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة

امدادیه/ ۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۷۲/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۰ھ

غیبت کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر کے اندر غیبت کرنے کی عادت ہے، اور غیبت بھی ایسی کہ لوگوں میں جھگڑا ہو جاتا ہے، تو عمر کی امامت درست ہے یا نہیں؟ اور عمر کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ حضرت مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ دونوں سوالات کا مفصل جواب دیں مہربانی ہوگی۔

المستفتي: عبد الواحد عفی عنہ، محلّہ کھوراڑھ، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو غیبت کا عادی ہے اور لوگوں میں غیبت کر کے تفریق کراتا ہے، توبہ کر کے باز آنے تک فاسق ہے اور اس وقت تک اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

وَلاَ يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ. (الحجرات: ۱۲)

إعلم أن الغيبة حرام بنص الكتاب العزيز وشبه المغتاب بآكل لحم أخيها ميتاً إذ هو أقبح من الأجنبى ومن الحى ،فكما يحرم لحمه يحرم عرضه الخ. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، کراچی ٦/ ٤٠٨، زکریا ٩/ ٥٨٥، ٥٨٦، مطبوعه کوئٹه ٥/ ٢٨٩)

ويكره تقديم فاسق كراهة تحريم الخ. (صغیری/ ١٦٢، وهكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة دارالكتاب

دیوبند/ ۳۰۱، قدیم/ ۱٦٥)

اگر توبہ کرکے باز آجائے تو پھر مکروہ نہیں ہوگی۔

عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية / ۳۱۳، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۲۸)

قاطع تعلق کی امامت

سوال: [۲۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے گھر والے اس سے ناراض ہوں بھائی بہنوں کے حق دبا تا ہو لوگوں کی عزت سے کھیلتا ہو اور اولاد کو گھر سے نکالدیا ہو اپنے خاندان والوں سے بھی بول چال نہ ہو اور اس کے گھر خلافِ شرع امور یعنی ٹیپ ریکارڈ بجائے جاتے ہوں پڑوسیوں پر جھوٹا الزام لگا تا ہو ایسے شخص کو عید کا امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ بیان فرمائیں۔

المستفتي: منجانب آزاد کمیٹی، قصبہ ڈھکیہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شخص مذکورہ میں جو قبائح بیان کئے ہیں ان سے یا تو حقوق العباد یا حقوق اللہ ضائع کرنا لازم آتا ہے، ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

ويكره تقديم العبد والأعرابي والفاسق الخ. (هدايه أول اشرفي، باب الإمامة / ۱۰۱، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة،

دارالکتاب دیوبند / ۳۰۱ ، شرح نقایه ،کتاب الصلاۃ ، فصل فی القراء ۃ ، اعزازیه دیو بند/٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۴۹)

کاذب کی امامت

سوال: [۲۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص حاجی ہے اور دین کے معاملہ میں جانکاری بھی رکھتا ہے اور محلّہ کا امام بھی ہے، لیکن یہ شخص کذب بیانی میں بہت ماہر ہے، جس کو پورے قصبہ کے لوگ جانتے ہیں، کہ یہ چیز فلاں کی ہے اس پر پنچایت بھی ہوئی اس نے اقرار بھی کرلیا پھر یہ شخص انکار کردیتا ہے، تو عوام الناس کا اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور یہ شخص امامت کرسکتا ہے اور محلّہ کے اکثر لوگ اس سے ناراض بھی ہیں۔

المستفتي: ریاض احمد، سلطان نپور، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر واقعی امام صاحب صفت جھوٹ سے متصف ہیں تو خدا تعالیٰ سے توبہ کرنی ضروری ہے، اگر وہ توبہ نہ کریں اور جھوٹ پر مصر رہیں تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے ایسے شخص کو امام نہ بنانا چاہئے، بلکہ سچے امام کو تلاش کرنا ضروری ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِيْنَ . (المطففين: ١٠)

لأن عين الكذب حرام . (درمختار مع الشامی ، کتاب الحظر والإباحة ، باب الإستبراء وغیرہ زکریا ۹/ ۶۱۲، کراچی ٦/ ٤٢٧)

فالحاصل أنه يكره لهؤلاء التقديم ويكره الاقتداء بهم . (البحرالرائق،

کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا ۱/ ٦١٠، کوئٹه ١/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رجمادی الأولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۳ھ

جھوٹی قسم کھانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امامت کرتا ہے، کسی رقم کے ملنے پر زید نے قسم کھالی کہ یہ رقم میری ہے، پھر دوبارہ رقم واپس کردی جنکی وہ تھی معلوم ہوا ہے کہ وہ حلف جھوٹا کیا تھا، امام صاحب نے اگر ایسا کیا ہے تو ان کی امامت درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد منتظر، سبد مزرعہ، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا جائز نہیں ہے، اسکی وجہ سے امام مذکورہ گناہ گار رہوگا، اس کو توبہ کرنی چاہئے، اسکے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

لَايُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَاعَقَّدْتُّمُ الأَيْمَانَ.

(المائدہ : ٨٩)

عن عبد الله بن عمرو، عن النبی ﷺ قال: الكبائر، الإشراک بالله وعقوق الوالدين، وقتل النفس، واليمين الغموس. (صحيح البخاری، الأيمان والنذور، باب اليمين الغموس، النسخة الهنديه ٢/٩٨٧، رقم: ٦٤١٩، ف: ٦٦٧٥)

عن عطاء بن رباح قال كنت أنا وعبيد بن عمر الليثى عند عائشة رضـ زوج النبی ﷺ، فسألها عبيد عن قول الله عزوجل: لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم، قالت: حلف الرجل على علمه، ثم لا يجده على ذلک، فليس فيه كفارة. (السنن الكبرى للبيهقى، الإيمان، باب من حلف على شيء و هو

یری أنه صادق ثم وجده کاذباً ، دارالفکر ١٤/ ٤٩٤، رقم:٢٠٥٠٩)

وَإِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً.(طه : ٢٠)

عن ابن عباس رضـ ، قال : قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب كمن لاذنب له . (شعب الإیمان للبیهقی، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة، دار الکتب العلمیه بیروت٥/٤٣٦، رقم:٧١٧٨)

وهی غموس إن حلف علی کاذب عمداً . (تنویر الأبصارمع الرد، کتاب الأیمان ، مطلب فی حکم الحلف بغیره تعالیٰ کراچی٣/٧٠٥، زکریا دیوبند٥/٤٧٤)

عن أبی عبیدة بن عبد الله ، عن أبیه ، قال: قال رسول الله ﷺ : التائب من الذنب کمن لاذنب له. (سنن ابن ماجه ، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة النسخة الهندیة ١/٣١٣، دار السلام رقم /٤٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۸۴)

قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو ایک شخص نے روپئے دیئے دوسرے دن عمر نے زید سے پوچھا کہ ایک شخص نے آپکو روپئے دیئے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ زید نے اس پر انکار کیا اور قرآن مقدس کو اٹھا کر قسم کھائی اور قرآن مقدس عمر کے اوپر پھینک دیا اور پانی کی بوتل اٹھا کر قسم کھائی اور اولاد کی قسم کھائی لیکن بتا کر نہ دیا اور جن کے سامنے روپئے دیئے وہ ابھی کہہ رہا ہے کہ دیئے ہیں اور جن کے سامنے قرآن کریم کو اور پانی کی بوتل کو پھینکا ہے، معتبر اور باشرع شخص ہیں، ان کی موجودگی میں یہ سب ہوا ، لہذا زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور زید کو امام بنانا کیسا ہے، کیونکہ زید قرآن

مقدس کا گستاخ اور بے ادب ہے۔

المستفتي: محمد یونس، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال واقعہ کے مطابق ہے تو اس صورت میں زید جھوٹی قسم کھانے اور قرآن کریم کی بے ادبی کی وجہ سے فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس پر توبہ لازم ہے، جب تک نادم ہوکر توبہ نہ کرے اس وقت تک اس کو امام نہ بنایا جائے، اور جب اپنی اس حرکت سے توبہ کر لے تو اس وقت اس کو امام بنانا درست ہے۔

عن أبي عبيدة بن عبد الله عن أبيه، قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كمن لاذنب له. (سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ١/٣١٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٠/١٥٠، رقم: ١٠٢٨١، مشكوٰة ١/٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦ رجمادی الأولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٧٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

جھوٹ بول کر قرض اور سود لینے والے کی امامت

سوال: [۲۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص عالم دین امام ہے سود کا کام کرتا ہے، بیوقوف بنا کر کار خیر کے نام پر بھی قرض لیتا ہے، وعدہ کے مطابق دیتا نہیں ہے، ہر بات میں جھوٹ بولتا ہے، زنا کرواتا ہے تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے، اور ایسے شخص کی امامت پر شریعت کا کیا حکم ہے نیز ایسے شخص کو مسجد و مدرسہ کا ذمہ دار بنانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جن امور قبیحہ کا ذکر ہے اگر واقعی

مذکورہ شخص ان امور کا ارتکاب کرتا ہے، سودی قرض لیتا ہے، دھوکہ دیکر اپنی ذات کیلئے قرض لیتا ہے، اور مسجد ومدرسہ کی رقم خود اپنی ذات کیلئے استعمال کرتا ہے، اور جھوٹ بولتا ہے، زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ تمام امور ایسے ناجائز اور حرام ہیں جن کا ارتکاب کرنے والا شریعت کے نزدیک کھلا ہوا فاسق ہوتا ہے، اور ایسے فاسق شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اس کو ہٹا کر متبع شریعت شخص کو امام بنانا ضروری ہے، اور ایسے شخص کو مسجد ومدرسہ کا ذمہ دار بنانا بھی شرعاً درست نہیں ہے۔

ویکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وفی الشامیة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر، کشارب الخمر، والزانی، وآکل الربوا ونحو ذلک، بل مشیٰ فی شرح المنیة علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم. (شامی کتاب الصلاة باب الإمامة زکریا ۲/۲۹۸، کراچی ۱/۵۵۹تا۵۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۱۰/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۸ھ

جھوٹ سے توبہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ کی مسجد میں مسجد کے دروازہ کے اوپر ایک کمرہ ہے جس میں امام صاحب مع اہل وعیال کے ایک عرصہ سے رہائش پزیر ہیں، امام صاحب ایک دینی مدرسہ میں بھی ملازم ہیں، وہاں لڑکوں کو کلام پاک پڑھاتے ہیں، وہاں ان کے علاوہ اور بھی مدرس ہیں، ان میں ایک ہیڈ ماسٹر ہیں، امام صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن ہیڈ ماسٹر نے یہ کہا کہ میرے کچھ مہمان آنے والے ہیں، آپ اپنے بیوی بچوں کو کہیں بھیجدیں اور کمرہ کی چابی جس میں آپ رہتے ہیں مجھے دیدیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا رات کو جب ہیڈ مدرس صاحب تشریف لائے تو قریب ۹/ بجے انہیں چابی دیدی گئی، امام صاحب اپنے بیوی بچوں کو کسی

عزیز داری میں پہنچانے چلے گئے ، ان کی عدم موجودگی میں ہیڈ مدرس صاحب ایک عورت کو اپنے ہمراہ لائے اور اوپر کمرہ پر چلے گئے ، اور زینہ کی کنڈی اندر سے لگا دی یہ بات محلّہ کے کچھ لڑکے جو مسجد کے باہر بیٹھے تھے ، ان کے علم میں بھی آ گئی اس کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد امام صاحب تشریف لائے اور نہ معلوم ان کے دل میں کیا بات پیدا ہوئی ، ہیڈ مدرس صاحب اور ان کے مہمان کو دیکھنے کا اشتیاق ہوا زینہ کی کنڈی اندر سے بند تھی ، وہ کسی صورت سے اوپر چڑھے اور کسی طرح ہیڈ مدرس صاحب اور عورت کو دیکھا کہ وہ دونوں بیٹھے ہوئے ہیں ، اور باتیں کررہے ہیں ، یہ دیکھکر نیچے اتر آئے اور کوئی شکل ایسی ہوئی کہ وہ اوپر سے نیچے کودے تو لڑکے جو باہر بیٹھے تھے ، انھوں نے امام صاحب سے معلوم کیا کہ مولانا کیا بات ہے ، امام صاحب نے دروغ گوئی سے کام لیا ارو یہ کہا کہ میں اپنے بچہ کو اوپر سلا کر آرہا ہوں حالانکہ ایسا نہیں تھا ، یہ بات عوام میں امام صاحب کو شریک جانتے ہوئے پھیل گئی ، اور کچھ لوگوں نے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی کیا یہ صحیح ہے؟ کیا ان کے پیچھے نماز پڑھنے لگیں ، وہ خود جھوٹ کے اقراری ہیں ، اور اللہ تعالیٰ سے لوگوں کے سامنے اس جھوٹ کی معافی مانگی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کردے مجھ سے غلطی ہوئی ہے؟

المستفتي: سعید حسن ، میاں سرائے ، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب نے جب اپنے جرم کا اعتراف کرکے سچے دل سے توبہ کرلی اور نمازیوں کو بھی ان کی توبہ کا یقین ہوگیا تو اب ان کی امامت میں کراہت باقی نہیں رہی ، بلا کراہت ان کی امامت درست ہے ، مگر ہیڈ مدرس کو وہاں سے سبکدوش کردینا محلّہ والوں کی ذمہ داری ہے۔

عن أبي عبيدة بن عبد الله عن أبيه ، قال: قال رسول الله ﷺ : التائب من الذنب كمن لا ذنب له . (سنن ابن ماجه ، كتاب الزهد ، باب ذكر التوبة ، النسخة

الهندية ۳۱۳/۱، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠، السنن الكبرىٰ للبيهقى ، كتاب الشهادات ، باب شهادة القاذف ،جديد دالفكر ١٥/١٧٥، رقم: ٢١١٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ر ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۸۴/۳۶)

چوری کا مال خریدنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عہدۂ امامت پر فائز ہے، گورنمنٹ کا مال نمبر دو پر خریدتا ہے یعنی چوری سے اور لوگوں کو منافع پر فروخت کرتا ہے، اور لوگوں سے توہینی الفاظ استعمال کرتا ہے، اور نماز میں بہت جلدی کرتا ہے، سنن وغیرہ کا بھی خیال نہیں رکھتا ہے، لہٰذا ان تمام صورتوں میں اور لوگ اس کی امامت سے کراہت کرتے ہیں تو موجودہ صورتوں میں زید کو امامت سے علیٰحدگی اختیار کرنی چاہئے یا نہیں؟

المستفتي: سائل امجد علی، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے ذمہ دار حضرات مسجد کے حق میں جو مصلحت اور مناسب سمجھتے ہوں وہ راستہ اختیار کریں، اور زید کے بارے میں جو باتیں سوالنامہ میں درج ہیں ان کے بارے میں جب تک زید سے براہ راست معلوم نہ کیا جائے اس وقت تک کوئی حکم لگانا مشکل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر صفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۱۴/۲۸)

دھوکہ میں رکھنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے

رشتہ کیا اور بات مکمل ہوگئی ایک شخص کے واسطے سے تقریباً چار سال کے بعد اس نے جواب دیا اس شخص کو جو درمیان میں تھا اس شخص نے اس بات کو مکمل ایک سال پوشیدہ رکھا اور دونوں گروہ کا یہ شخص بنا رہا یعنی دونوں طرفہ اب ایک سال کے بعد اس نے ظاہر کیا کہ میں نے اس بات کو پوشیدہ رکھا مگر جہاں یہ بات کرکے آیا تھا درمیانی دلال وہاں جاکر اس نے پھر بھی نہیں بتایا، دیگر جگہ بتلایا اور شخص اول نے کئی جگہ اس طرح کیا ہے، آیا اس پر تاوان وغیرہ لازم کرسکتے ہیں؟ اور اس کی امامت شہادت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: سید شاکر حین، اورنگ آباد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس پر کوئی تاوان لازم نہیں ہے، دھوکہ میں رکھنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور امامت وشہادت میں کوئی خرابی نہ آئیگی۔

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً. (سورة طه: ۲۰)

عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كمن لاذنب له. (سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ۱/۳۱۳، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

دھوکہ دے کر پیسہ لینے والے شخص کی امامت

سوال: [۲۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند اہل خیر حضرات نے ایک اسکیم بنائی کہ غریب لڑکیوں کی شادی کی امداد کیلئے کچھ پیسہ جمع کیا جائے، تاکہ بوقت شادی انکی کچھ مدد کردی جائے مشورہ کے مطابق پیسہ جمع ہوتا ہے اس طرح کہ جب ان لوگوں کو تنخواہ ملتی اس میں سے تھوڑا تھوڑا سب جمع کرلیتے اور جہاں ایسا موقع محل

دیکھتے یا کارکنوں کو بتایا جاتا ہے کہ فلاں کی مدد کی جائے، وہ اس کام کو انجام دیتے ایک شخص شادی و بیماری وغیرہ میں الجھ کر کافی مقروض ہوگیا اور کئی سال گذر گئے قرض ادا نہ کرسکا لہٰذا اس شخص نے اس اسکیم کے ایک کارکن سے اپنے حالات صحیح صحیح بتائے کہ میں ایسے ایسے مقروض ہوگیا ہوں کچھ میرے لئے امداد کی جائے، تو اس نے کہا کہ ایک درخواست دو کہ مجھے اپنی لڑکی کی شادی کرنی ہے، میری مدد کی جائے، اس کارکن کے کہنے پر شخص مذکور نے ایک درخواست دیدی درخواست منظور ہوگئی اور پیسہ مل گیا... یہ شخص جس نے پیسہ لیا ہے، امامت کرتا ہے، اور امامت میں جو ملتا ہے وہ سب جانتے ہیں، ہزار پندرہ سو روپیہ ملتے ہیں جب مسجد سے متعلق لوگوں کو معلوم ہوا کہ امام صاحب نے ایسا ایسا کیا ہے، تو انھوں نے کہا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، انھوں نے دھوکہ سے یہ پیسہ لیا ہے لہٰذا انھوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی اور امام صاحب کے خلاف طوفان کھڑا کردیا، لہٰذا اب از روئے شرع ان امام صاحب کو امامت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر امامت کرنا درست نہیں؟ تو اب کس صورت میں امامت کرنا درست ہوگا، مفصل و مدلل تحریر فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: حافظ محمد انور، منڈاور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ امام اگر توبہ کرلے تو ان کی امامت بلاکراہت درست ہے، اور اس ذمہ دار کو بھی توبہ کرنا چاہئے، جس نے ایسا مشورہ دیا ہے۔

عن أنس ؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ كل ابن آدم خطاء، وخير الخطائين التوابون. (سنن الترمذي، أبواب الزهد، باب بلاترجمة النسخة الهندية ٢/٧٦، دارالسلام رقم: ٢٤٩٩)

عن عبد اللّٰہ بن مسعود ؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: التائب من الذنب كمن لاذنب له. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٠/١٥٠، رقم:

١٠٢٨١، مشکوٰة /١٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۹ھ

دھوکہ دینے والے اور والدہ کو پیٹنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب ہیں وہ دوکانداری کرتے ہیں نقلی مال کو اصلی مال کہہ کر فروخت کرتے ہیں، ایک شخص کے دو ہزار دو سو روپیہ جو امام صاحب پر واجب الادا ہیں دینے سے صاف انکار کر دیا ہے، اور اپنے ماں باپ کے ساتھ گستاخی کرتے ہیں، اور اپنی والدہ کو مارتے بھی ہیں، ان حرکتوں کی بنا پر لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے وکراہت محسوس کرتے ہیں تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مالدار ہونے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہیں کرتا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: نقلی مال کو اصلی کہہکر فروخت کرنا دھوکہ ہے حدیث شریف میں اس کی سخت وعید آئی ہے۔

عن أبی هریرةؓ .... فقال رسول الله ﷺ لیس منامن غش. (ابو داؤد، کتاب البیوع، باب فی النهی عن الغش النسخة الهندیة ٢/٤٨٩، دارالسلام رقم: ٣٤٥٢)

اور زکوٰۃ ادا نہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

قال رسول الله ﷺ من أتاه الله مالا فلم یؤد زکوٰته مثل له ماله یوم القیمة شجاعاً أقرع له زبیبتان یطوقه یوم القیٰمة ثم یأخذ بلهزمتیه. (صحیح البخاری، کتاب الزکوٰة، باب إثم مانع الزکوٰة، النسخة الهندیه ١/١٨٨، رقم: ١٣٨٦، ف: ١٤٠٣، مشکوٰة /١٥٥)

اور کسی کا روپیہ یا حق دبانا اور دینے سے انکار کرنا ظلم ہے اور ماں باپ کا احترام لازم اور

واجب ہے، ان کی گستاخی کرنا اور انہیں تکلیف دینا حرام ہے۔

فَلاَ تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْماً. (سورة، بنی اسرائیل:۲۳)

عن عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ قال: الکبائر ، الإشراک بالله وعقوق الوالدين . (صحيح البخاری ، الإيمان والنذور، باب اليمين الغموس ، النسخة الهنديه۲/ ۹۸۷، رقم:۶۴۱۹، ف:۶۶۷۵)

ان مذکورہ حرکتوں کی بنا پر لوگ اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے کراہت محسوس کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں بہر صورت ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

کون الکراهة فی الفاسق تحريمية . (طحطاوی ، کتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة ، دارالکتاب ديوبند/ ۳۰۱، قديم ۱۶۵)

(ولو ام قوماً وهم له کارهون، ان) الکراهة (لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه کره) له ذلک تحريماً لحديث أبی داؤد لايقبل الله صلوٰة من تقدم قوماً وهم له کارهون . (درمختار ، کتاب الصلاة، باب الإمامة زکريا ۲/ ۲۹۷، ۲/ ۲۹۸، کراچی ۱/ ۵۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ٦/ ۱۴۱۸ھ

ٹی وی کی آواز آنے والے مکان میں امام کے قیام کا حکم

سوال: [۲۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے یہاں ٹی وی ہے اور زید کے سارے گھر والے ٹی وی دیکھتے ہیں، اور نماز پڑھنے والا صرف زید ہی ہے اور زید ٹی وی کے بارے میں کچھ نہیں بولتا ہے اور زید ایک مولوی صاحب کو رکھتا ہے اور مولوی صاحب کو ایسے گھر میں رکھنا جہاں ٹی وی کی آواز اور ناچ گانا سنائی دیتا ہے، تو کیا مولوی صاحب زید کے گھر رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: شبیر احسن، دیناجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص ٹی وی گھر میں لاکر گھر والوں کو اس کی فلمی چیزوں میں مبتلا کرتا ہے، وہ شخص فاسق ہے اور ان خرافات کی جوابدہی اسی پر لازم ہوگی، اور امام مسجد اگر خود ٹی وی نہیں دیکھتا ہے بلکہ صرف اس کے یہاں قیام کرتا ہے، تو امام کی امامت میں کوئی فرق نہیں آئے گا اگرچہ ٹی وی کی آواز امام کے کمرہ تک پہونچتی ہو، جبکہ امام صاحب اس سے کوئی دل چسپی نہ لیتے ہوں، اس معاملہ میں زید اور اس کے گھر والے ہی گناہ گار ہوں گے، امام صاحب اس گناہ میں شریک نہ ہوں گے، البتہ اگر امام صاحب کو قیام کیلئے کوئی ایسا گھر مل جائے جسمیں یہ خرافات نہ ہوں تو زید کا گھر چھوڑ دینا چاہئے، کیونکہ مقام تہمت ہے۔

وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرىٰ. (سورة النجم:۳۸)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار الخ. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع کراچی ٦/ ۳۹۲، زکریا ۹/ ٥٦٢، تبیین الحقائق، کتاب الکراهية، فصل فی البیع، امدادیه ملتان٦/ ۲۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۳ھ

چرس کا کاروبار جائز بتانے والے نیز ٹی وی دیکھنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چرس کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟ اور جو امام چرس کے کاروبار کو جائز بتائے اور گھنٹوں گھنٹوں دکانوں پر بیٹھ کر ٹی وی دیکھے اس کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتي: عقیل احمد، فیروز آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرس، افیون، اورگانجہ وغیرہ کا کاروبار کراہت کے ساتھ جائز ہے، اس کا پیسہ حرام نہیں ہے، امام صاحب کی مراد بھی یہ ہوسکتی ہے، کہ کراہت کیساتھ جائز ہے، اورٹی وی میں فحش اورناجائز پروگرام آتا ہے اس لئے اس کا دیکھنا جائز نہیں ہے، اوردوکانوں میں بیٹھ کر گھنٹوں گھنٹوں ٹیلی ویژن دیکھنا کسی امام کے شایان شان نہیں ہے، اس امام کواس حرکت سے باز آنے پر سمجھایا جائے، اگر وہ باز نہیں آتا ہے، اورنمازیوں کو ایسے امام پراعتراض ہے تو مسجد کی کمیٹی کودوسرے متبع شریعت امام کا انتظام کرنا چاہئے، تاکہ نمازیوں کواس کے پیچھے نماز پڑھنے میں تردد نہ رہے۔

عن أنس بن مالکؓ قال: لعن رسول اللّٰہ ﷺ ثلاثة: رجل أم قوماً وهم له کارهون. (سنن الترمذی ، الصلاة، باب ماجاءفیمن أم قوماً وهم له کارهون ، النسخة الهندیة ۱/۸۳، دارالسلام رقم:۳۵۸، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۱۳/۲۲۳، رقم:٦٧٠٧)

عن أبی أمامةؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : ثلاثة : لا تجاوز صلاتهم رؤوسهم : العبد الآبق ، والمرأة تبیت وزوجها علیها ساخط، وإمام أم قوماً وهم له کارهون. (المعجم الکبیر للطبرانی، دار احیاء التراث العربي ۸/ ۲۸٤، رقم:۸۰۹)

وصح بیع غیر الخمر مما مر ومفاده صحة بیع الحشیشة والأفیون (تحته فی الشامیة) ثم إن البیع وإن صح لکنه یکره کما فی الغایة (شامی ، کتاب الأشربة ، زکریا ۱۰/ ۳۵، کراچی٦/ ٤٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۲ھ

امام ومقتدیوں کا گھر میں ٹیلی ویژن رکھنا

سوال: [۲۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ زمانہ

میں ٹیلی ویژن ذرائع ابلاغ کا اہم ترین ذریعہ بن گیا ہے اور دنیا بھر کے تمام ممالک میں پیش آنے والے اہم واقعات سے عوام کو ٹی وی کے ذریعہ خبر ملتی ہے حتی کہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا میں نمازیوں کا اجتماع نماز تراویح، منی، مزدلفہ، قیام عرفات، طواف کعبہ اور مناسک حج کا تمام پروگرام ٹیلی کاسٹ کیا جاتا ہے، او رتمام دنیا میں دیکھا جاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہیکہ مسمّٰی ابوبکر ایک جامع مسجد کے امام ہیں انھوں نے اپنے گھر میں مذکورہ واقعات کو دلیل بنا کر ٹی وی رکھ لیا ہے، جس پر. Q.T.V قرآنی تعلیمات کا پروگرام خبریں کرکٹ میچ وغیرہ دیکھے جاتے ہیں، ان پر بحیثیت امام ان کے مقتدی صاحبان معترض ہیں، دراں حالیکہ تمام مقتدی حضرات کے گھر میں ٹی وی چل رہا ہے، لہذا شریعت مطہرہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ

(۱) مذکورہ امام کو حرمین شریفین زادہما اللہ الخ کے واقعات کو دلیل بنا کر ٹی وی رکھنا خبریں سننا ، مناسک حج اور قرآنی تعلیمات کا پروگرام .Q.T.V دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مقتدی حضرات جنکے سبھی گھروں میں ٹی وی چل رہا ہے، اور ہمہ وقت شرعی وغیر شرعی پروگرام دیکھے جا رہے ہیں، ان کا اعتراض کرنا کس حد تک درست ہے؟ کیا وہ بحیثیت مسلم فقط اعتراض کرنے کے مجاز ہیں، احکام شریعت پر عمل کرنے کے پابند نہیں ہیں؟

(۳) جن ائمہ حضرات کے گھر میں ٹی وی چل رہا ہے ان کی اقتدا میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ مذکورہ بالا تمام واقعات وحقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں؟

المستفتي: محمد یونس، امام وخطیب جامع مسجد، سولن، ایچ پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ٹی وی اور ٹیلی ویژن میں زیادہ تر فحاشی اور عریانیت اور مخرب اخلاق پروگراموں کا غلبہ ہوتا ہے، اگر حرمین شریفین کے مناسک اور نمازوں کا منظر اور قرآن کریم کی تلاوت وغیرہ آتے ہیں تو وہ اقل قلیل کے درجہ میں ہوتے ہیں،

اکثر ناجائز پروگرام ٹیلی ویژن پر آتے ہیں، اسلئے ٹی وی و ٹیلی ویژن کا گھروں میں رکھنا اور اس کے پروگراموں کو دیکھنا شرعاً جائز نہیں ہے، نہ امام کیلئے جائز ہے اور نہ امام پر اعتراض کرنے والے مقتدیوں کیلئے اور اعتراض کرنے والے مقتدی جس طرح امام کیلئے ناجائز سمجھتے ہیں خود ان کیلئے بھی رکھنا ناجائز اور ممنوع ہے، بلکہ ان کے گھروں میں امام صاحب کے گھر کے مقابلہ میں ناجائز پروگرام زیادہ آتے ہوں گے، اسلئے دونوں کیلئے ناجائز ہے۔ (تجاویز آٹھواں فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند، منعقدہ بینگلور، اپریل ۲۰۰۵ء)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ. (لقمان: ٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رشعبان ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم رشعبان ۱۴۲٦ھ

باجے والی بارات کا نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی امام یا عالم دین اگر جان بوجھ کر باجے کی بارات کا نکاح پڑھائے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: حافظ محمد خلیل پھول باغ، سرائے سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شادی میں خلاف شرع امور گانا بجانا ہو ایسی شادی میں اگر امام نے نکاح پڑھا دیا اور شرکت کرلی تو اس کو توبہ اور استغفار کرنا چاہئے، اور آئندہ اس سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اگر امام باز نہ آئے تو اس کی امامت مکروہ ہوگی۔

ویکرہ إمامة عبد وفاسق. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة

زكريا ٢/٢٩٨، كراچی ١/٥٦٠، هدايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة اشرفی ١/١٢٢، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۵٦/۳٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۵ھ

سنیما دیکھنے اور بیوی کو بے پردہ گھمانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص زید مسلمانوں کی امامت کرتا ہے، نماز ونکاح وغیرہ پڑھاتا ہے، حج بھی کرتا ہے، اسی کے ساتھ وہ سنیما بھی دیکھتا ہے، جسکی شہادتیں موجود ہیں، نیز اس کی دو بیویاں بھی ہیں ان میں سے ایک اسکی مرضی کے بغیر کئی دفعہ فرار ہوچکی ہے، اور بے پردہ جہاں چاہتی ہے جاتی ہے، اس پر اس نے پچھلے دنوں یہ بھی کہدیا کہ تو کچھ بھی کر کہیں بھی رہ مگر مجھ سے جدا مت ہو یعنی میری بیوی رہ اسکے علاوہ بھی وہ مسلمانوں کو آپس میں لڑاتا بھی ہے اس صورت میں زید کی امامت درست ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کو اسکے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اگر پڑھ لی تو ان کی نماز کیسی ہوگی اور اسکا کیا حکم ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتي: علیم الدین، گوجر ساکن جھولوجنگی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سنیما دیکھنے والا شخص شرعاً فاسق ہے، اس کو امامت سے ہٹا دینا ضروری ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۷۷، جدید ڈابھیل ٦/۹۵)

نیز اگر بیوی کو بے پردہ چھوڑتا ہے، اور اس پر اسکو کوئی شرم نہیں آتی، تو ایسے امام کو

علیحدہ کر کے دوسرے امام کا انتظام کر لیناضروری ہے اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ زکریا۳/ ۲۸۸،فتاویٰ رحیمیہ قدیم۴/ ۳۴۸،جدید زکریا۴/ ۱۷۶)

یکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمیٰ وفی الشامیة (قوله فاسق) من الفسق هو الخروج عن الاستقامة ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر ، والزانی ، وآکل الربا ونحو ذلک . (شامی ،کراچی کتاب الصلاة ، باب الإمامة ، ۱/۵۵۹، ۵٦۰، زکریا۲/۲۹۸، کذا فی مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر ،کتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤکدة ، دارالکتب العلمیة بیروت۱/۱۰۸)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲٦ رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/۴۷۳)

ٹی وی دیکھنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ کوئی امام صاحب ٹی وی دیکھتا ہو، اور کرکٹ میچ کا عاشق ہو، اور اس کی نیت غلط ہو اور وہ ہیرو کی طرح بال بھی رکھتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد اسجد حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: ٹی وی دیکھنا خاص طور سے آجکل سراپا عریانیت یا نیم عریاں اور شہوت انگیز پروگراموں پر مشتمل ہے جو گناہ کبیرہ ہے اسی طرح کرکٹ کھیلنا اس میں یاد خداوندی سے غفلت کلی طور پر ہوتی ہے، لہٰذا ایسا کھیل بھی ناجائز ہے پھر کسی کے متعلق برا گمان کرنا اس کی وعید بھی قرآن وحدیث میں ہے ،اور انگریزی بال رکھنا یہ تشبہ کی وجہ سے ناجائز ہے ان تمام باتوں کا مرتکب بلاشبہ فاسق ہے، اور فاسق کی اقتدا مکروہ تحریمی ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۸۹)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ . (لقمان: ٦)

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ. (الحجرات: ١٢)

عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ قال: إياكم والظن ،فإن الظن أكذب الحديث . (صحيح مسلم ، كتاب البر والصلة والآداب ، باب تحريم الظن والتجسس ، النسخة الهندية ٢/ ٣١٦، بيت الأفكار ٢٥٦٣)

عن ابن عمر قال: نهى رسول الله ﷺ عن القزع، والقزع أن يحلق الصبي، فيترك بعض شعره . (مسند احمد بن حنبل ٢/ ٤، رقم: ٤٤٧٣)

كون الكراهة في الفاسق تحريمية . (طحطاوي ، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة ، دارالكتاب ديوبند/ ٣٠١، ١٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۵ھ

والی بال کا کھیل دیکھنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، اوراس کو والی بال کھیل دیکھنے کا شوق ہے جبکہ یہ کھیل کھیلنے والوں کا ستر کھلا ہوتا ہے، ایسی حالت میں ایسا کھیل دیکھنا اور دیکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتي: افتخار عالم، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عموماً والی بال کھیلنے والوں کا ستر کھلا ہوا ہوتا ہے، اسلئے شرعاً ایسے کھیل کا دیکھنا جائز نہیں ہے، اورصورت مسئولہ میں چونکہ امام صاحب امامت کے عظیم

ترین منصب پر فائز ہیں، لہذا ایسے کھیلوں کا دیکھنا اور اس سے دلچسپی رکھنا ان کی شایان شان نہیں ہے، ان کو اس قسم کے کھیلوں سے توبہ کرکے احتراز کرنا چاہئے، اگر امام صاحب اپنے اس فعل سے باز نہیں آتے ہیں تو ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔

ویجوز أن ینظر الرجل إلی الرجل لا إلی عورته کذا فی المحیط وعلیه الإجماع کذا فی الاختیار شرح المختار وعورته مابین سرته حتی تجاوز رکبته. (عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیه زکریا قدیم٥/٣٢٧، جدید ٥/٣٧٨، درمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر واللمس کراچی ٦/٣٦٤تا ٣٦٦، زکریادیوبند٩/٥٢٤تا ٥٢٦)

وفیه إشارة إلی أنهم لو قدموا فاسقاً یأثمون بناءً علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم الخ. (کبیری، کتاب الصلاة، الأولیٰ بالإمامة قدیم /٤٧٩، اشرفیه دیو بند/٥١٣)

کره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدین فتجب إهانته شرعاً فلا یعظم بتقدیمه للإمامة. (طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة قدیم /١٦٥، جدیددارالکتاب دیوبند/٣٠٢، ٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ۶/ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۴۹۷)

ناچ گانا ڈھولک بجانے والے کی امامت

سوال: [۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امامِ مسجد جو ناچ گانے کی مجلس میں شریک ہوکر اس میں انعام کے طور پر روپئے بھی دیتے ہیں تو کیا ایسے امام کی امامت درست ہے؟ اور اسی پر بس نہیں بلکہ مسجد کے حجرے میں ٹیپ رکارڈ ریڈیو جیسی چیزوں پر ٹائس کرتے ہیں، اور ڈھولک کیساتھ قوالی وغیرہ کراتے

ہیں اور خود بیٹھ کر سنتے ہیں اور منع کرنے پر کہتے ہیں کہ یہ چیزیں گناہ صغیرہ ہیں ایسے گناہ تو آدمی سے ہوتے ہی رہتے ہیں، اور جواب میں یہ کہتے ہیں کہ لوگ بھی پرہیزگاری نہیں کرتے تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی ۔

المستفتي: سعید احمد، ڈینگر پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ناچ گانا ڈھولک وغیرہ خود کرنا اور کرنے والوں کے ساتھ شریک ہونا اس سے تلذذ حاصل کرنا یہ سب ناجائز اور حرام ہیں نیز ناچ گانا ٹیپ وریڈیو وغیرہ سے سننا بھی ناجائز ہے اور جو شخص ان خرافات میں شرکت کر کے تلذذ حاصل کرتا ہے، وہ شرعاً فاسق ہے وہ امامت کا اہل نہیں ہے، اس کی امامت شرعاً مکروہ تحریمی ہے۔

عن أبي أمامة عن النبي ﷺ قال: إن الله عزوجل بعثني رحمة للعالمين ، وأمرني أن أمحق المزامير والكنارات يعني البرابط والمعازف. (مسند أحمد٥/٢٥٧، رقم:٢٢٥٧١)

سماع صوت الملاهي كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلوة والسلام استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر أي بالنعمة الخ. (الدر المختار ، كتاب الحظر الإباحة ، قبيل في اللبس زكريا٩/٥٠٤، كراچی ٦/٣٤٩)

كره إمامة الفاسق كون الكراهة في الفاسق تحريمية الخ . (طحطاوی على المراقي ، كتاب االصلوٰة ، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم/١٦٥، جديد دارالكتاب ديوبند/٣٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۱/۵/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۲۳ھ

ٹی وی دیکھنے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم

سوال:[٦ ٢٢٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو شخص ٹی وی دیکھتا ہے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: حارث احمد، ڈالی گنج، پلامو، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ شرعا فاسق ہے، البتہ نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی ۔(فتاویٰ رحیمیہ قدیم/ ۳۴۸ ، جدید زکریا ۴/ ۱۷۱،احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۲۸۸)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْتَرِیْ لَهوَ الْحَدِيْثِ .(لقمان:٦)

سمعت عبد الله يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن الغناء ينبت النفاق في القلب . (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب كراهية الغناء والزمر، دارالسلام /٤ ٦٩ ، دارالسلام رقم:٤٩٢٧)

أن الكراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم الخ. (منحة الخالق على البحر، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ١/ ٦١١، كوئٹه ١/ ٣٤٩، شامی، كتاب الصلوٰة ،باب الإمامة قبيل البدعة خمسة أقسام زكريا ٢/ ٢٩٩، كراچی ١/ ٥٦٠)

وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرزاً ثواب الجماعة لكن لاينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، قديم/ ١٦٥، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٣٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۰۲)

ٹی وی دیکھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم

سوال: [۲۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید برابر فلم اور ٹیلی ویژن بھی دیکھتا ہے، اور کبھی کبھی نماز پڑھا دیتا ہے، کیا زید کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں اور بعض لوگوں کو معلوم بھی ہے کہ زید فلم اور ٹیلی ویژن دیکھتا ہے، بعض کو نہیں معلوم ہے، کیا اس صورت میں نماز ہوگی یا نہیں؟ شریعت میں کیا جواب ہے، مفصل تحریر کریں۔

المستفتي: قمر الدین سہرساوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فلم اور ٹیلی ویژن دیکھنے والا شرعاً فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، البتہ واجب الاعادہ نہیں ہے، سب کے اوپر سے فرض ساقط ہو چکا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْتَرِیْ لَهوَ الْحَدِيْثِ . (لقمان: ٦)

سمعت عبد الله يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إن الغناء ينبت النفاق في القلب . (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب كراهية الغناء والزمر، دار السلام/ ٦٩٤، رقم: ٤٩٢٧) "یہ حدیث ہندی نسخہ میں دستیاب نہ ہو سکی"۔

وإذا صلى خلف فاسق .... يكون محرزاً ثواب الجماعة لكن لاينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي. (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كوئٹه ٣٤٩/١، جديد زكريا ٦١٠/١)

ولذا كره إمامة الفاسق وفي الطحطاوي ومفاده كون الكراهة في الفاسق تحريمية الخ. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلوٰة، فصل بى بيان الأحق بالإمامة قديم/ ١٦٥، جديد دار الكتاب ديوبند/ ٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۳۳۶)

سنیما ہال اور محفل قوالی میں شرکت کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موڈرن دور میں سنیما ہال رائج ہیں لوگ ان میں شرکت کرتے ہیں، اور کچھ لوگ قوالی میں شرکت کرتے ہیں، محفل سنیما میں عیاشی فحش گوئی اور عریانیت پائی جاتی ہے، محفل قوالی میں عیاشی تو نہیں لیکن نعت خوانی شعر گوئی اور حضرت حسن وحسین کی تعریف خدا کی حمد وثناءوغیرہ ساتھ ہی ان میں قوالہ صاحبہ ڈھول بینجو وغیرہ ہوتا ہے، اب آیا محفل قوالی یا سنیما ہال میں شریک ہونے میں گناہ دونوں میں برابر ہوگا، یا کم وبیش ہوگا، ایسے شخص کی امامت کیسی ہے، جو اسمیں شرکت کرے؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد اکرام، بھاگلپوری، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنیما بینی اپنی جگہ ناجائز ہے اور شرکت قوالی بھی اپنی جگہ ناجائز اور ممنوع ہے، سائل نے یہ جو کہا ہے کہ قوالی میں فحش گوئی نہیں ہوتی ہے، مگر ہم پوچھتے ہیں کہ قوالہ صاحبہ کی زبان سے شعر گوئی اور اسکی ادا سے کتنا تلذذ ہوتا ہوگا اور اس کی ادا اور اس کی آواز اور اس کی صورت دیکھ کر شرکت کرنے والوں کا کیا حال ہوتا ہوگا، کیا شریعت میں یہ امور جائز ہوسکتے ہیں، اور دونوں کے گناہ کبھی برابر ہوسکتے ہیں۔

صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب، كما ينبت الماء النبات ولقوله عليه السلام استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر، أي بالنعمة الخ. (در مختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللبس زكريا ۹/۵۰٤، كراچی ٦/٣٤٩)

عن أبي أمامة، عن النبي ﷺ قال: إن الله عزوجل بعثني هدى، ورحمة للعالمين، وأمرني أن أمحق المزامير، والكنارات يعني البرابط والمعازف،

الحديث. (مسند امام أحمد ٥/٢٥٧، رقم: ٢٢٥٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۴۴)

کبڈی اور والی بال کا کھیل دیکھنے والے کی امامت

سوال: [۹ ۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد میں امام ہے، کبڈی اور والی بال دیکھنے کا بہت شوقین ہے، کھلاڑی اکثر وبیشتر چڈی بنیان یا صرف چڈی پہن کر ہی کھیلتے ہیں، امام صاحب کو کھیل میں شریک ہونے سے منع کیا گیا آپ امام ہیں کھلاڑی ستر کھول کر کھیلتے ہیں آپ کے لئے وہاں جانا اچھا نہیں ہے، امام صاحب پھر بھی باز نہیں آتے ہیں۔

المستفتي: رئیس الدین، گڑھی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی امام صاحب صرف چڈی گنجی پہنے ہوئے کھلاڑیوں کا کھیل دیکھتے ہیں تو اس سے توبہ کرنا ضروری ہے، کیونکہ ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنہ تک مردوں کا ستر ہے جس کا دیکھنا غیروں کیلئے جائز نہیں ہے، اور اگر ایسا کھیل دیکھنے پر مصرر ہے تو اس کو امام بنانا مکروہ ہے۔

وزاد! وإذازوج أحدكم خادمه عبده أو أجيره، فلا ينظر إلى مادون السرة وفوق الركبة. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، النسخة الهندية ١/ ٧١، دارالسلام رقم: ٤٩٦)

عن عمروبن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله ﷺ .... فلا ينظرن إلى شيء من عورته، فإن ما أسفل من سرته إلى ركبتيه من عورته.

(مسند أحمد بن حنبل ٢/ ١٨٧، رقم: ٦٧٥٦)

عورته مابين سرته حتى تجاوز ركبتيه (إلى قوله) حتى أن من رأى غيره مكشوف الركبة ينكر عليه الخ. (هنديه ، كتاب الكراهية ،الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه زكريا قديم٥/ ٣٢٧، جديد٥/ ٣٧٩)

والحاصل أنه يكره لهؤلاء التقديم ، ويكره التقديم بهم . (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا١/ ٦١١، كوئته ١/ ٣٤٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
٢٧ رجمادی الاولیٰ ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣١/ ٤٠٣٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٧/٥/ ١٤١٥ھ

ٹی وی دیکھنے والے کی امامت اوراس سے بیعت ہونے کاحکم

سوال: [٢٢٦٠]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(١) یہاں کی مسجد کے امام صاحب ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں،امام صاحب حافظ قرآن بھی ہیں ان کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں ؟ ٹیلی ویژن دیکھنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(٢) یہاں پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہوا اس میں جلسہ کی ویڈیو کیسٹ بھی بنی اوراس کو عالم صاحب نے جائز کہا کیا ویڈیو دیکھنا اور بنوانا جائز ہے، اوران سے کچھ لوگ بیعت بھی ہوئے جبکہ پہلے سے بیعت تھے، انھوں نے کہا کہ ہم نے بیعت اسلئے توڑی کہ ویڈیو دیکھنا جائز ہے، اورجس سے بیعت کی وہ ناجائز بتاتے ہیں، دونوں میں کس کی بات صحیح ہے ایسے شخص سے بیعت ہونا کیا جائز ہے، جو کہ ویڈیو کو جائز بتاتا ہو، ویڈیو دیکھنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي:سید معزالدین قادری،
الیف،آر،انٹرکالج،چندوسی، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ٹیلی ویژن میں فلم اورعورتوں کی تصویر

یں آتی ہیں ان کو دیکھتا ہے، تو مذکورہ امام شرعاً فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہو گی، اور بیعت متبع شریعت صاحب نسبت کے ہاتھ پر ہونا چاہئے، فاسق کے ہاتھ پر بیعت ہونا ہرگز جائز نہیں ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ .(لقمان:٦)

كون الكراهية فى الفاسق تحريمية الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة، فصل فی بیان من هو أحق بالإمامة ،دارالكتاب دیو بند/١ ٣٠١، قدیم/١٦٥)

نیز ویڈیو کھینچوانا بھی ناجائز ہے، حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے۔

عبد الله ، قال :سمعت النبی صلى الله عليه وسلم يقول : إن أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة المصورون . (صحيح البخاری ، کتاب اللباس ، باب التصاوير، النسخة الهنديه ١ / ٨٨٠، رقم:٥٧١٧، ف:٥٩٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۱۶ھ

ٹیلی ویژن دیکھنے اور ریڈیو سننے والے کی امامت

سوال: [۲۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن حضرات کے مکانوں میں ٹیلی ویژن لگے ہیں، اور معہ اہل وعیال کے دیکھتے ہیں، اور ویڈیو بھی دیکھتے ہیں یا ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر سے رکاڈنگ سنتے ہیں ایسے لوگوں کو امام بنانا درست ہے یا نہیں اور نماز ان کے پیچھے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے شخص کو علماء نے فاسق لکھا ہے، اور اسکی امامت بھی مکروہ تحریمی ہے دوسرے متبع شریعت شخص کو امام بنائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۸۸)

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ .(لقمان:٦)

عن مرثد بن أبي مرثد الغنوي وكان بدريا قال: قال رسول الله ﷺ: إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم ، فإنهم ، وفدكم فيما بينكم وبين ربكم عزوجل . (المستدرك، كتاب المعرفة الصحابة ،جديد مكتبه نزار مصطفى ١٨٦٤/٥، رقم:٤٩٨١)

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق (تحته فى الشامية) من الفسق وهوالخروج عن الاستقامة ولعل المراد من به يرتكب الكبائر كشارب الخمر ، والزانى ، وآكل الربواونحوه ذلك. (شامى كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچى ٥٥٩/١، ٥٦٠،زكريا ٢٩٨/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱۹۶/۲۸)

سودی کاروباری اور سنیما ہال بنانے والے کے بھائی کی امامت

سوال: [۲۲۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی بڑی مسجد کے امام صاحب کے حقیقی بھائیوں نے سود پر روپئے بینک سے لیکر ایک بیکری میں بسکٹ بریڈ وغیرہ بناتے ہوں اور امام صاحب روز بینک میں روپئے دینے بھی جاتے ہوں اور وہی بھائی دوسری جگہ پر سنیما ہال بنوا رہے ہوں اور امام کے تمام بھائیوں کے کھاتے بھی ایک ہی ساتھ ہوں، تو کیا ایسے امام کے پیچھے نمازیں پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: قاری تصدق حسین، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر واقعہ صحیح ہے اور امام صاحب اپنے بھائی کے

ساتھ باقاعدہ شریک ہیں اور سنیما ہال بھی مشترک پیسہ سے بنا رہے ہیں تو ایسی صورت میں یہ فسق اور گناہ کبیرہ ہے، اسلئے کہ سنیما ہال میں گناہ کبیرہ اور افعال محرمہ ہی کا ارتکاب ہوتا ہے، اسلئے ایسے امام کو الگ کر کے دوسرے متبع شریعت امام کا تقرر کر لینا چاہئے، اسلئے کہ امام سے جو لوگوں کو نفرت ہے وہ امام کے اندر شرعی قباحت کی وجہ سے ہے اور اگر واقعہ صحیح نہیں ہے، اور امام متبع شریعت ہے اور سنیما ہال وغیرہ بنانے میں شریک نہیں ہے تو اس کے پیچھے نماز بلاکراہت درست ہو جائیگی۔

عن الحسن قال : سمعت أنس بن مالک قال لعن رسول الله ﷺ ثلاثة : رجل أم قوماً وهم له كارهون ، أو امرأة باتت وزوجها عليها ساخط ورجل سمع حي على الفلاح ثم لم يجب . (سنن الترمذی، الصلاة، ماجاء فی أم قوماً وهم له كارهون ، النسخة الهندية ١/٨٣، دارالسلام رقم:٣٥٨)

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق قال: كان يقال: أشد الناس عذابا إثنان ، امرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كارهون، قال جرير : قال هناد : قا ل منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذی ، الصلاة ، باب ماجاء فی من أم قوماً وهم له كارهون ، النسخة الهندية ١/٨٣، دارالسلام رقم:٣٥٩)

لو أم قوماً وهم له كارهون فهو على ثلثة أوجه: إن كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره، وإن كان هو أحق بها منهم ، ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لايكره له التقدم الخ . (مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة، فصل فی بيان الأحق بالإمامة ،دارالكتاب ديوبند١/٣٠١، قديم/١٦٤)

حاصل المسألة كما قال الفقهاء : إن باعث الكراهة الشرعية إن كان من جانب الإمام فالإثم عليه ، وإن كان من جانب القوم فالإثم عليهم لا على الإمام. (العرف الشذی ، على هامش الترمذی ، كتاب الصلاة، باب ماجاء فيمن أم

قوماً وهم له كارهون ۸٦/۱، بذل المجهود كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون ، دارالبشائر الإسلاميه بيروت جديده/٤٧٥، مطبع ميرٹھ ۳۳۱/۱، هنديه ، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة زكريا قديم ۸۷/۱، جديد ۱٤٤/۱، حاشية الطحطاوى على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ۲٤۳/۱، شرح النقايه ، كتاب الصلاة، باب الإمامة اعزازيه ديو بند۸٥/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۱۶/۳۷ ۳)

شرعی تقسیم نہ ماننے والے کی امامت

سوال: [۲۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) حاجی عبد الرحیم صاحب کا انتقال ہوا انھوں نے موت کے وقت چار لڑکیاں سکینہ حسینہ مبینہ متینہ اور ایک حقیقی بھتیجہ محمد نعیم کو چھوڑا شرعی اعتبار سے حاجی عبد الرحیم کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا ،اور کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

(۲) جو شخص شریعت کی تقسیم نہ مانے اور بھتیجہ محمد نعیم کا حصہ نہ دیکر خود ہی آپس میں حاجی عبد الرحیم کا مال تقسیم کرلے اور کہے کہ یہ تو ہمارے خسر کا مال ہے، محمد نعیم کے باپ کا نہیں ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے، ایسے شخص کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبد الخالق، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بشرط صحت سوال و بعد ادائے حقوق وعدم موانع ارث عبد الرحیم مرحوم کا ترکہ ان کے وارثین کے درمیان میں حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

مسئلہ ٦/۳

بھتیجہ	متینہ	مبینہ	حسنہ	سکینہ
۱/۲	۱	۱	۱	۱

مرحوم حاجی عبد الرحیم کا ترکہ کل چھ سہام میں تقسیم ہوکر لڑکیوں کو ایک ایک حصہ اور بھتیجہ کو ایک بٹا دو حصہ ملے گا۔

(۲) جو شخص شرعی فیصلہ کو نہ مانے تو ایسا شخص فاسق ہے اس کے پیچھے نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۱۲۰، احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۶۰، ۲۶۱)

کون الکراهة فی الفاسق تحريمية . (طحطاوی ، کتاب الصلاة، باب الإمامة ، دارالکتاب دیو بند جدید/ ۳۰۱، قدیم ۱۶۵ ، هندیه ، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی بیان من یصلح إماما لغیره زکریا قدیم ۱/ ۸۵، جدید ۱/ ۱۴۳)

عن أنس بن مالک ، قال: قال رسول الله ﷺ من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (سنن ابن ماجه، ابواب الوصایا ، باب الحیف فی الوصیة ، النسخة الهندیة ۱/ ۱۹۴ ، دارالسلام رقم: ۲۷۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۵/ ۱۴۱۸ھ

مسلمانوں کو مسجد سے باہر نکالنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب کچھ شرابی اور اوباش قسم کے لوگوں کو مسجد میں بٹھاتے ہیں، اور مسلمانوں کے اعتراض کرنے پر مسلمانوں کو مسجد سے دھکے دیکر باہر نکال دیتے ہیں، کیا زید کو امام کی حیثیت سے مسجد میں رکھنا شرعاً جائز ہے؟

المستفتي: عبد الصمد، رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو شرعاً امام مذکور فاسق ہے اس لئے زید کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی ، اور زید کو بحیثیت امام مسجد میں رکھنا نہیں چاہئے ، بلکہ کسی عادل باشرع شخص کو امام مقرر کرنا لازم ہے۔

کره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاً وتحته فی الطحطاوی کون الکراهة فی الفاسق تحریمیه الخ. (طحطاوی علی المراقی ، کتاب الصلاة، باب الإمامة ، دارالکتاب دیوبند/١ ٣٠، قدیم/١٦٥)

ویکره أن یکون الإمام فاسقاً، ویکره للرجال أن یصلوا خلفه. (الفتاوی التاتارخانیه ، کتاب الصلاة، الفصل السادس ، من هو أحق بالإمامة ، زکریا٢ /٢٥٠، رقم: ٢٣٢٩، شرح وقایه ، کتاب الصلاة، فصل فی الجماعة اشرفي ١/١٦٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ٢٠٢٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

مدرسہ کی رسید چوری کر کے چندہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو کہ امام بھی ہے اور مدرسہ میں مدرس بھی ہے ان امام صاحب نے مدرسہ کی رسید گم کر کے چندہ کیا جس کا ثبوت یقینی طور پر فراہم ہوگیا ہے جو رسیدیں فرضی کاٹی گئیں ہیں وہ تقریباً پانچ سال یا کچھ کم زیادہ عرصہ سے چھپی ہوئی رسیدیں تھیں جو ۱۹۸۸ء میں یقینی ثبوت کے ساتھ پکڑی گئیں ہیں ، اس بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آج تک تقریباً بارہ چودہ سال سے سالانہ کے حساب وکتاب میں کبھی بھی امام صاحب کی صفائی ظاہر نہیں ہوئی اس کی یہی وجہ تھی اور لوگ کچھ نظر انداز بھی کرتے رہے ہیں ، اپنی کمزوری کی وجہ سے یا کسی فتنہ کو روکنے کیلئے خاموش رہے ، کیونکہ کچھ آدمی ان کے اس فعل کو دیکھتے ہوئے بھی ہر ممکن ساتھ دیتے رہے ، خاندانی

سمجھو یا رشتہ دار جو بھی سمجھا جائے تو ایسا شخص امامت کے لائق ہے یا نہیں؟ اور شریعت کی رو سے اسکی کیا سزا ہوگی، حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتي: خلیل احمد، رتو پورہ،
تحصیل: ٹھاکردوارہ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تک مذکورہ افعال شنیعہ سے توبہ نہ کرکے باز نہ آئے امامت کے لائق نہیں ہوگا، ایسے آدمی کو ذمہ داری سے معزول کردینا لازم ہے، چاہے مہتمم ہو چاہے مدرس یا متولی۔

ولا يولى الا أمين قادر بنفسه أو بنائبه الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی شروط الولي کراچی ٤/ ٣٨٠، زکریا٦/٥٧٨، کوئٹه ٣/٤٢١)

ويكره إمامة عبد أعرابى وفاسق، وأعمى وتحته، ''قوله'' فاسق من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانى وآكل الربوا ونحو ذلك. (شامی کتاب الصلوٰة، باب الإمامة کراچی ١/٥٥٩، ٥٦٠، زکریا٢/٢٩٨)

ويكره أن يكون الإمام فاسقاً، ويكره للرجال أن يصلو خلفه. (تاتارخانیه، کتاب الصلوٰة، الفصل السادس فی بیان من هوأحق بالإمامة زکریا ٢/ ٢٥٠، رقم: ٢٣٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر ۲۴/ ۹۴۶)

ادھار لے کر ادا نہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۶٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے امام

صاحب نے ایک آدمی سے کپڑا ادھار لیا تھا آج سے قریب ۱۵؍سال قبل اور آج تک روپیہ نہیں دیا اور کپڑا پہن کر بہت دن تک نماز پڑھائی، ایک صاحب سے کچھ کتابیں لی تھیں، اس کو بھی روپیہ نہیں دیا، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور جتنے دن وہ کپڑا پہن کر نماز پڑھائی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتي: محمد اسرافیل، ۲۴؍ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر استطاعت کے باوجود صاحب حق کے مطالبہ کرنے پر دینے سے انکار کردے اور صاحب حق کا حق ادا نہ کرے تو ایسا شخص فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاً فلا يعظم بتقديمه للإمامة. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الصلاة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة قديم /١٦٥، جديد دارالكتاب ديوبند/٣٠٢)

ويكره تقديم العبد لأنه لا يتفرغ للتعليم والأعرابى لأن الغالب فيهم الجهل والفاسق لأنه لا يهتم لأمر دينه. (هدايه، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة، اشرفی ديوبند١/١٢٢)

اور اگر دینے سے انکار نہ کرے بلکہ عدم استطاعت کی بناء پر نہ دے پارہا ہو تو نماز مکروہ نہ ہوگی، اور نماز مکروہ ہونیکی صورت میں گذشتہ ادا کی ہوئی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لوصلى حلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة لكن لاينال خلف تقي ورع. (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كوئٹه١/٣٤٩، زكريا ١/٦١٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۳/۲۳)

الجواب صحیح:
حفظ الرحمٰن غفرلہ
۱۴۰۷/۸/۱۰ھ

حرام کاروباری شخص کے بیٹے کی امامت

سوال: [۲۲٦۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بچہ جس کی عمر پندرہ سولہ سال کی ہے، اسی سال حافظ قرآن ہوا ہے، اس کے والد خنزیر کے بالوں کی ایجنسی کرتے ہیں اور نیولے کے بالوں کے برشوں کی بھی خرید وفروخت کرتے ہیں، بچہ باپ کی کفالت میں ہے آیا اس بچہ کی امامت تراویح وفرض نماز میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس بچہ کا قرآن رمضان میں بھی تراویح میں نہ سنا گیا تو ہوسکتا ہے کہ یہ بچہ قرآن پاک چھوڑ بیٹھے اس صورت میں قرآن بھول جانے کا خطرہ ہے؟

المستفتي: مولانا سلامت اللہ، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بچہ چونکہ حرام کاروبار کرنے والے باپ کی کفالت میں ہے اسلئے یہ بچہ بالغ ہونے کے بعد جب تک باپ کے کاروبار سے بے زار ہوکر الگ نہ ہو جائے گا اس وقت تک اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی، ہاں البتہ اگر بیٹا باپ کے کاروبار سے بیزار ہوکر باپ کی آمدنی سے حاصل شدہ کھانے پینے میں شریک نہیں ہوتا ہے، بلکہ اپنی امامت کی کمائی سے گذارہ کرتا ہے، تو ایسی صورت میں اس کی امامت بلاکراہت جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۸۳، جدید زکریا ۳/۱۲۴، زکریا مطول ۴/ ۱۸٦)

وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى. (سورة النجم: ۳۸)

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع، مكتبه امداديه ملتان٦/ ٢٩، زكريا ٧/ ٦٤، شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا٩/ ٥٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲٦/٦/۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۲۷)

انگریزی بال رکھنے والے کی امامت

سوال:[۲۲٦۸]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام انگریزی بال، یا ہپی کٹ بال رکھتا ہو، اور ٹخنے ڈھکے ہوئے پاجامہ سے یا تہبند سے ہوں تو ایسے امام کی امامت درست ہے یانہیں؟ مدلل تحریرفرمائیں۔

المستفتي: محی الدین احمد،قصبہ سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انگریزی بال یا ہپی کٹ بال رکھنا مکروہ تحریمی ہے حدیث میں آیا ہے: (امدادالفتاویٰ زکریا۴/۲۲۳)

عن ابن عمر ، أن رسول الله ﷺ نهى عن القزع ، قال: قلت لنافع وماالقزع؟ قال يحلق بعض رأس الصبي ويترك . (صحيح مسلم ، باب كراهة القزع، النسخةالهندية ۲/۲۰۳، بيت الأفكار رقم:۲۱۲۰)

عن نافع مولى عبد الله أنه سمع ابن عمرؓ يقول: سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن القزع، قال عبد الله : قلت وماالقزع؟ فأشار لنا عبيد الله قال: إذا حلق الصبى، وترك هاهنا شعره وهاهنا، وهاهنا ،فأشار لنا عبيد الله إلى ناصيته ، وجانبى رأسه. (صحيح البخارى ، كتاب اللباس ، باب القزع ، النسخة الهنديه۲/۸۷۷، رقم: ۵٦۸۷، ف: ۵۹۲۰)

نیز مذکورہ تمام امور کا ارتکاب کرنے والا شخص شرعاً فاسق ہے، اسکو امامت سے علیحدہ کردیا جائے،اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

عن عطاء بن دينار الهزلي؛ أن رسول الله ﷺ قال: ثلاثة لا تقبل منهم صلاة ، ولا تصعد إلى السماء ، ولا تجاوز رؤوسهم : رجل أم قوماً وهم له كارهون . (صحيح ابن خزيمه ، باب الزجر، عن إمامة المرء من يكره إمامته،

المکتب الإسلامی ۱/ ۷۳۵، رقم:۱۵۱۷)

أن كراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم الخ. (منحة الخالق على هامش البحر، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كوئٹه ۱/ ۳٤۹، زكريا ۱/ ٦۱۱)

لیکن اگر اس امام کو ہٹانیکی صورت نہ ہوتو تنہا نماز پڑھنے سے اس کے پیچھے نماز باجماعت پڑھنا بہتر ہوگا۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ الجهاد واجب عليكم مع كل أمير، براً كان أو فاجرا، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً أو فاجراً وإن عمل الكبائر. (سنن أبی داؤد، الجهاد، باب فی الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية ۱/ ۳٤۳، دارالسلام رقم:۲۵۳۳)

وفى الفتاوى لو صلى خلف فاسق أو مبتدع، ينال فضل الجماعة لكن لاينال كماينال خلف تقى ورع الخ. (البحرالرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ۱/ ٦۱۰، كوئٹه ۱/ ۳٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۷۳)

ٹخنہ سے نیچے پاجامہ پہننے والے کی امامت

سوال: [۲۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام خلاف سنت کپڑا زیب تن کرتا ہے، یعنی دیگر اقوام کی پوشاک پہن کر یعنی قمیص کٹ کالر اور ٹخنے سے نیچے پاجامہ پہنتا ہوتو ایسے امام کی امامت درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محی الدین احمد، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ٹخنوں سے نیچا پاجامہ یا قمیص پہننا حرام اور گناہ کبیرہ ہے

۔(فتاوی دار العلوم ۳/ ۱۱۷)

عن أبی ذر ، عن النبی ﷺ قال: ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیامة ، ولا ینظر إلیهم ، ولا یزکیهم ولهم عذاب ألیم ،قال: فقرأها رسول الله ﷺ ثلاث مراراً ، قال أبو ذر: خابوا وخسروا، من هم یا رسول الله ؟قال: المسبل والمنان ، والمنفق سلعته بالحلف الکاذب. (صحیح مسلم ، الإیمان ، باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار ، النسخة الهندیة ١/ ٧١، بیت الأفکار رقم: ١٠٦ ، مسند الدارمی، دار المغني ٣/ ١٦٩٨، رقم:٢٦٤٧ ، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ٩/ ٤١٧، رقم:٤٠٢٤)

نیز جوڑا یا پائجامہ بھی تشبہ بالفساق کی وجہ سے مکروہ ہے۔(امداد الفتاویٰ ۴/ ۱۲۲)

اسی طرح امام کیلئے سرین سے اونچا کرتہ یا قمیص بھی کراہت سے خالی نہیں ہے کیونکہ۔

حسنات الأبرار سیئات المقربین. (عمدة القاری، ابواب تقصیر الصلوٰة، باب قیام النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حتی ترم قدماه ، دار احیاء التراث العربي ٧/ ١٨٠، زکریا ٥/ ٤٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۷۳)

داڑھی کی شرعی حیثیت اور محلوق اللحیہ کی امامت

سوال: [۲۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ
(۱) اگر داڑھی نہیں ہے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟
(۲) شرعی داڑھی سنت ہے، یا مستحب یہ بھی بتادیں مہربانی ہوگی؟

المستفتي: حافظ متین احمد، لہرپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) داڑھی کاٹنے والا شخص شرعاً فاسق ہے، اسکی امامت

مکروہ تحریمی ہے۔

ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته . (شامی ، كتاب الحظر والإباحة ، فصل فی البیع کراچی ۱/۴۰۷، زکریا۹/۵۸۳)

وكره إمامة الفاسق . (طحطاوی علی مراقی الفلاح، جديد دارالكتاب ديوبند/۳۰۳، قديم/۱٦٥)

(۲) داڑھی رکھنا واجب ہے، اوراس کوسنت محض اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کا ثبوت حدیث شریف سے ہے اور حدیث شریف کوسنت کہتے ہیں ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۹۳/۵، جدید ڈابھیل ۱۲۳/٦)

وعن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال: أحفوا الشارب وأعفوا اللحىٰ .

(نسائی شریف، كتاب الطهارة ،باب إحفاء الشارب واعفوا اللحىٰ ، النسخة الهندية ١/٤، دارالسلام رقم:١٥)

ويحرم على الرجل قطع لحيته . (شامی ، كتاب الحظر والإباحة ، فصل فی البيع كراچی ٦/٤٠٧، زكريا٩/٥٨٣)

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق ، وأعمىٰ وتحته فاسق من الفسق : وهو الخروج عن الاستقامة ، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر ، والزانى ، وآكل الربوا، ونحو ذلک.

(شامی كتاب الصلوٰة، باب الإمامة کراچی ١/٥٥٩، زكرياديوبند٢/٢٩٨، هدايه ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرفی ديوبند١/١٢٢، تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة ملتان ١/١٣٤، جديد زكريا ١/٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۳ھ

داڑھی کٹانے والے کی امامت اور داڑھی کی شرعی حد

سوال: [۲۲۷۱]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) آج کل ہمارے امام صاحب داڑھی کیوں کٹاتے ہیں، اگر ایسا امام ہوتو اس کے پیچھے نماز درست ہوگی یانہیں؟

(۲) امام صاحب کی داڑھی کتنی ہونی چاہئے؟ جواب سے فوراً مطلع فرمائیں۔

المستفتي: ماسٹر عبدالمجید ادریسی،
منڈی دھنورہ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) داڑھی ایک مشت رکھنا مسنون ہے۔

تطويل اللحية إذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة (إلى قوله) أما الأخذ منها وهي دون ذلك الخ. (الدر المختار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، مطلب في الأخذ من اللحية زكريا۳/۳۹۷، كراچی ۲/٤١٧، مصری۲/١٥٥، كوئٹه۲/١٢٣)

اور ایک مشت سے کم کرکے کٹوانا حرام ہے، جوموجب فسق ہے۔

ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره زكريا ۹/٥٨٣، كراچی ٦/٤٠٧، كوئٹه ٥/٢٨٨)

لہٰذا جوایسا کرے گا وہ شرعاً فاسق ہے اور مردود الشہادت ہے، اوراس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

كما في المراقي – ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاً وفي الطحطاوي كون الكراهة في الفاسق تحريمية الخ. (طحطاوی علی المراقي، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم/١٦٥، جديد دارالكتاب ديوبند/٣٠٣)

(۲)ایک مشت ضروری ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۰/ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/۳۴۲)

داڑھی منڈے امام کی امامت

سوال: [۲۲۷۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بے داڑھی والے کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے یانہیں؟اور بے داڑھی والے کی تنہا نماز کے بارے میں کیاحکم ہے؟

المستفتی: حافظ محمد خالد، رائپوری، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی منڈانا یا خشخشی رکھنا علانیہ فسق ہے، اسلئے امام پر لازم ہے، کہ اس حرکت سے توبہ کرے اور مقدار مسنونہ یعنی ایک مشت داڑھی ہونے کے بعد امام بنانا صحیح ہوگا۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۷/۲۷۳، جدید زکریا ۱۰/ ۱۰۷،احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۵۱۸)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (درمختار ،كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم ، مطلب في الأخذ من اللحية زكريا٣/٣٩٨، كراچی ٢/ ٤١٨)

ويكره تقليد الفاسق. (درمختار ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة كراچی ١/ ٥٤٨، زكريا٢/ ٢٨٢)

تنہا نماز پڑھنے سے فرض بہرحال ادا ہوجائیگا،لیکن اللہ کے دربار میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حلیہ بنا کر کھڑا ہوتا ہے، اسلئے یہ بھی کراہت سے خالی نہیں۔

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: صلوا خلف كل بر وفاجر

الحديث :. (سنن الدارقطني الصلاة، باب صفة من تجوز الصلاة، معه والصلاةعليه ، دارالكتاب العلمية بيروت٢/٤٢ ، رقم: ١٧٥٠)

فالحاصل أنه يكره لهؤ لاء التقدم ويكره الاقتداء بهم كراهة تنزيهة، فإن أمكن الصلاة، خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولىٰ من الانفراد . (البحرالرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا١/ ٦١١، كوئٹه ١/٣٤٩)

وإذا صلىٰ خلف فاسق، أو مبتدع يكون محرزاً ثواب الجماعة لكن لا ينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي . (حاشية الطحطاوى ، كتاب الصلوٰة، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم /١٦٥ ، جديد دارالكتاب /٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۶/۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۹ھ

داڑھی تراشنے والے کی امامت

سوال: [۲۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داڑھی کتروانا یا تراشنا یعنی ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے، کیونکہ اس میں اسلام کی کھلی ہوئی توہین اور اللہ ورسول سے بغاوت کا اظہار اور شریعت کی مخالفت ہے، نیز یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بدتر ہے، کیونکہ داڑھی کٹانے کا گناہ سوتے جاگتے ہر وقت لگا ہوا ہے، نیز یہ قوم لوط کی خصلت ہے، تو کیا ایسے امام کے لئے امامت کرنا جائز ہے، اور مقتدیوں کو اقتدا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی کٹانے وکترانے والا شخص شرعاً فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ ہے کسی متبع شریعت نیک صالح متقی پرہیز گار شخص کو امام بنایا جائے۔

عن ابن عمر رضـ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال أحفوا الشارب واعفوا اللحى . (نسائي شريف، كتاب الطهارة ، باب احفاء الشارب واعفوا

للحیٰ ، النسخة الهندية ١ /٤، دار السلام رقم:١٥)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (شامی، کتاب الصوم، مطلب فی الأخذ من اللحية، زکریا۳/۳۹۸، کراچی ٢/٤١٨)

كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاً فلا يعظم بتقديمه للإمامة. (طحطاوی، کتاب الصلوٰة، فصل فی بيان الأحق بالإمامة قدیم /١٦٥، جدید دارالکتاب دیوبند/٣٠٢، ٣٠٣)

لو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه وتساهله في الإتيان بلوازمه فلا يبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلوٰة، وفعل ماينا فيها بل هو الغالب بالنظر إلىٰ فسقه.

(حلبی کبیر، کتاب الصلوٰة، الأولیٰ بالإمامة اشرفیه دیوبند/٣ ٥١، ٥١٤)

ويكره تقديم العبد لأنه لا يتفرغ للتعلم، والأعرابی لأن الغالب فيهم الجهل، والفاسق لأنه لا يهتم لأمر دينه. (هدایہ، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرفی دیوبند/۲ ۱۲۲، شامی زکریا۳/۲۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/۷۱۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

یکمشت سے کم داڑھی والے کی امامت

سوال: [۲۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو حافظ وقاری ہے، داڑھی یکمشت یعنی شرعی نہیں ہے، اور آئندہ نہ کٹانے کا وعدہ کرلیا ہے، تو اس وقت اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کے علاوہ بھی بہت سے امام

باشرع مل سکتے ہیں تو اسی کو امام بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: عاشق علی، چھپار، مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرآئندہ نہ کٹوانے کا وعدہ کرلیا ہے، لیکن ابھی تک یکمشت مکمل نہیں ہوئی ہے تو یکمشت مکمل ہونے تک نماز مکروہ ہوا کریگی، اس لئے یکمشت ہونے تک مذکورہ حافظ وقاری امامت نہ کرے، دیگر مشرع شخص سے امامت کی خدمت لی جائے۔

(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۲۴۰، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٦/ ۲۴۴، جدید زکریا ۱۰/ ۱۰۹)

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال أحفوا الشارب واعفوا للحیٰ. (سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب إحفاء الشارب واعفواللحیٰ، النسخة الهندية ۱/ ٤، دارالسلام رقم: ١٥)

والسنه فيها القبضة (إلیٰ قوله) ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته الخ. (الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره زكريا ۹/ ۵۸۳، كراچی ٦/ ٤٠٧)

ويكره تقديم العبد لأنه لا يتفرغ للتعلم، والأعرابي لأن الغالب فيهم الجهل، والفاسق لأنه لا يهتم لأمر دينه. (هدايه، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرفی دیو بند ۱/ ۱۲۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

خش خشی داڑھی والے کی امامت

سوال: [۲۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنی داڑھی پر برابر قینچی لگا کر کم کرتا ہے، اور وہ استرہ نہیں لگاتا صرف قینچی ہی سے برابر کرواتا ہو تو کیا وہ مؤذن یا مکبر یا امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: گلفام بکر قصاب، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قینچی سے داڑھی کو زیادہ کم کرتا ہے، اور بالکل خش خشی بنالیتا ہے تو اس کا بھی مؤذن یا مکبر یا امام بننا مکروہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ، زکریا ۲/ ۲۸٦)

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال أحفوا الشارب واعفوا اللحیٰ. (سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب إحفاء الشارب واعفوا اللحیٰ، النسخة الهندية ١/ ٤، دارالسلام رقم: ١٥)

والسنه فيها القبضة (إلیٰ) ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته الخ. (الدرالمختار مع الشامی کراچی، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع کراچی ٦/ ٤٠٧، زکریا ٩/ ٥٨٣)

ويكره إقامة محدث............ وأذان امرأة وخنثی وفاسق. (شامی، باب الاذان، مطلب فی المؤذن إذا کان غیر محتسب، کراچی ١/ ٣٩٢، زکریا ٢/ ٦٠)

ويستحب أن يكون المؤذن صالحا أي متقيا لأنه أمين فی الدين عالماً بالسنة. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی قدیم /١٠٦، جدید دارالکتاب دیوبند/ ١٩٧)

ويكره تقديم العبد لأنه لا يتفرغ للتعلم، والأعرابي لأن الغالب فيهم الجهل، والفاسق لأنه لا يهتم لأمر دينه. (هدایہ، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرفی دیوبند ١/ ١٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۱۴ھ

خش خشی داڑھی رکھنے والے کی امامت

سوال: [۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک مسجد میں امامت کرنے کی غرض سے مقتدیوں سے بات کی اور زید کی داڑھی خشخسی (تقریباً

ایک سینٹی میٹر) کی کٹی ہوئی تھی، ایک مقتدی نے زید سے کہا کہ تم امامت کے لئے آئے ہو اور تمہاری داڑھی ابھی حال ہی کی کٹی ہوئی ہے، کچھ تو خدا کا خوف کھایا ہوتا اور تم داڑھی کٹا کرامامت طے کرنے کیلئے چلے آئے ہو یہ بات زید کو بری معلوم ہوئی اور پھر اس نے جمعہ کی نماز سے قبل تقریر میں یہ الفاظ کہے کہ لوگ لمبی لمبی داڑھی رکھ لیتے ہیں، تاکہ لوگ ان کی عزت کریں اور ان کے رکوع وسجود ٹھیک نہیں ہوتے، ایسی لمبی لمبی داڑھیوں سے کیا فائدہ جبکہ رکوع وسجود ٹھیک نہ ہوں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان جملوں سے داڑھی کی توہین ہوئی یا نہیں؟ اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جبکہ اس نے ابھی تک اس کو اپنی غلطی تسلیم نہیں کی ہے؟ نہ اس کا کوئی ردعمل ظاہر کیا ہے؟ اس مسئلہ کو قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں حل فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: ماسٹر خلیل احمد، ساکن دراہ پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: داڑھی کو ایک مشت سے کم کر کے خشخشی بنانا گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا فاسق ہے، نیز ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے اور ترک واجب کرکے مزید یہ کہنا کہ ایسی لمبی لمبی داڑھیوں سے کیا فائدہ شعارِ اسلام اور حکم وجوبی کیساتھ استہزا ہے جو اور زیادہ سخت گناہ ہے، اس لئے ایسا شخص شرعاً فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، مسجد کے ذمہ داران پر لازم ہے، کہ کسی متبع شریعت، پرہیز گار اور باشرع امام کا انتظام کریں۔

وكذا يحرم على الرجل قطع لحيته ، فعلم من ذلك أن مايفعله بعض من لا خلاق له في الدين من المسلمين في الهند والأتراك حرام الخ. (بذل المجهود ، كتاب الطهارة ، باب السواك من الفطرة ، مطبع ميرٹھ قديم ١/٣٣، دارالبشائر الإسلاميه ١/٣٣٦)

وفيه إشارة إلىٰ أنهم لو قدموا فاسقاً يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه

کراهة تحریم لعدم اعتنائه بأمور دینه وتساهله فی الإتیان بلوازمه الخ. (غنیة المستملی شرح کبیری، کتاب الصلاة، فصل فی الإمامة /۵۱۳)

عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ أنه أمر بإحفاء الشوارب وإعفاء اللحیة ، الحدیث :(مسلم شریف ، باب خصائل الفطرة، النسخة الهندیه ۱/۱۲۹، بیت الأفکار رقم: ۲۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۱۲/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۹ھ

داڑھی کٹانے والے نیز مسائل سے ناواقف کی امامت

سوال: [۲۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص داڑھی کٹا کر ایک مشت سے کم رکھتا ہے، اور نماز کے مسائل سے ناواقف ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: عبدالصمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک مشت سے داڑھی کو کم کرانے والا شرعاً فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۲/۲۸۷ و ۳/۲۶۰)

عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال أحفوا الشارب وأعفوا اللحیٰ .(سنن نسائی، کتاب الطهارة، باب إحفاء الشارب وأعفوا اللحیٰ ، النسخة الهندیة ۱/۴، دارالسلام رقم: ۱۵)

ویحرم علی الرجل قطع لحیته. (شامی ، کتاب الحظر والإباحة ، فصل فی البیع کراچی ۶/۴۰۷، زکریا ۹/۵۸۳)

کره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدین فتجب إهانته شرعاً فلا یعظم بتقدیمه للإمامة.(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی ، کتاب الصلوٰة، فصل فی

بیان الأحق بالإمامة قدیم /١٦٥، جدید دارالکتاب دیو بند/٢ ٣٠، ٣٠٣)

ویکره تقدیم العبد لأنه لا یتفرغ للتعلم ، والأعرابي لأن الغالب فیهم الجهل ، والفاسق لأنه لا یهتم لأمر دینه . (هدایه ، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرفی دیو بند ١ /١٢٢)

کون الکراهة فی الفاسق تحریمیة . (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوٰة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة ١٦٥، جدید دارالکتاب دیوبند/٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۲/۱۴۱۵ھ

داڑھی کٹانے والے کی امامت

سوال: [۲۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کے دور میں کچھ حافظ اور کچھ عالم داڑھی کترواتے ہیں کیا ان لوگوں کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور داڑھی کتروانے والے مدرسہ میں یا گھر میں تعلیم دیتے ہیں یا ٹیوشن پڑھاتے ہیں، ایسے عالم سے پڑھوانا چاہئے یا نہیں؟ جو حافظ تراویح پڑھاتے ہیں اور داڑھی کترواتے ہیں ایسے حافظ کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: قاری وحافظ افروز عالم،
امام کھجور والی مسجد، وزیر باغ، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی کترواکر ایک مشت سے کم کرنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، خواہ تراویح کی نماز ہو یا پنج وقتہ نماز، داڑھی کتروانے والا حافظ یا عالم دونوں فاسق ہیں، اس لئے ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : إنهکوا الشوارب ، وأعفوا اللحیٰ. (صحیح البخاری ، کتاب اللباس ، باب إعفاء اللحیٰ، النسخة الهندیه

٢/٥٧٥، رقم: ٥٦٦٤، ف:٥٨٩٣)

وأخذ أطراف اللحية والسنة فيهاالقبضة....ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته . (شامی ، کتاب الحظر والإباحة ، فصل فی البیع ٦/٤٠٧، زکریا٩/٥٨٣)

ویکره إمامة عبد وفاسق. (شامی ، کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا٢/٢٩٨، کراچی ١/٥٥٩، شرح النقایه ، کتاب الصلاة، باب القراء ة فی الصلاة، اعزازیه دیوبند ١/٨٦)

ٹیوشن پڑھانے والے خودسوچ لیں کہ ایسے فاسق آدمی سے ٹیوشن پڑھانے سے کیاتربیت ہوسکتی ہے؟

عن محمد بن سیرین قال : إن هذا العلم دین فانظروا عمن تأخذون دینکم . (مسلم شریف، مقدمه ١/١١، مسند الدارمي، دارالمغني ١/٣٩٨، رقم:٤٣٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
٢رشعبان المعظم ١٤٢٥ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٧/٨٥٢٠)

الجواب صحیح:
احقر محمدسلمان منصورپوری غفرلہ
١٤٢٥/٨/٢ھ

داڑھی کٹانے والے کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا حکم

سوال: [٩٢٢٧]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جولوگ داڑھی کٹاتے ہیں ان کی نماز اورتکبیروغیرہ کاکیاحکم ہے؟مفتی شبیراحمدصاحب نے لکھاہے کہ جو لوگ ایسےلوگوں کے پیچھےنمازپڑھ چکے ہیں وہ اپنی اپنی نمازوں کودہرالیں۔

المستفتي: محمدشاہد،تجویدالقرآن،
محلّہ قاضی خیل،سیانہ،بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: جولوگ داڑھی کٹاتے ہیں ان کی اذان وتکبیر مکروہ ہے۔

ویکره أذان جنب وإقامته إلیٰ قوله وامرأة وفاسق ولو عالماً الخ.

(شامی کتاب الصلاة باب الأذان، زکریا ۲/ ٦٠، کراچی ۱/ ۳۹۲، البنایه ، کتاب الصلوٰة، باب الأذان اشرفیه ۲/ ۱۱۰)

اوراحقر نے کہیں یہ نہیں لکھا ہے کہ جولوگ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ چکے ہیں وہ اپنی نمازیں دہرالیں، لہٰذا اگر کسی کو میری کسی عبارت سے شبہ ہورہا ہے، تو اس کو دوبارہ دیکھ کرغور کرلیا جائے، ہاں البتہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور جولوگ ایسے حفاظ کے پیچھے نماز تراویح پڑھتے ہیں وہ تراویح کے ثواب سے محروم ہوجاتے ہیں، اس لئے احقر نے بعض جگہ یہ لکھا ہے کہ جولوگ ایسے لوگوں کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں وہ اپنی تراویح کی خیر منائیں بلکہ ان کے پیچھے قرآن سننے کے بجائے الم ترکیف سے نماز تراویح پڑھنا بہتر ہے۔

ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق، وأعمیٰ وفی الشامیة قوله فاسق من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر، والزانی، وآکل الربوا، ونحو ذلک.

(شامی کتاب الصلوٰة، باب الإمامة کراچی ۱/ ۵۵۹- ۵٦٠، زکریا ۲/ ۲۹۸، کذا فی الهدایه، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة، مکتبه اشرفی ۱/ ۱۲۲، کذا فی مجمع الأنهرشرح ملتقیٰ الأبحر، کتاب الصلاة، فصل فی الجماعة سنة مؤکدة، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۴۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۱ھ

ایک انچ داڑھی رکھنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۸۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امامت کرتا ہے، اور داڑھی ایک انچ کی رکھتا ہے، اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد یعقوب، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :ایک انچ داڑھی رکھکر اس سے زائد کو کٹوا دینا ناجائز اور حرام ہے، ایسا شخص شرعاً امامت کا اہل نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اس کے علاوہ باشرع متبع شریعت امام کو رکھنا ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/۲٦۰)

عن ابن عمر رضؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال أحفوا الشارب وأعفوا اللحیٰ .(سنن الترمذی کتاب الأدب ، باب ماجاء فی اعفاء اللحیة ، النسخة الهندیة ۲/ ۱۰۵، دارالسلام رقم:۲۷٦۳)

والسنه فیها القبضة (إلیٰ) ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته الخ.

(شامی، کتاب الخطر والإباحة ، باب الإستبراء وغیره کراچی ٦/ ٤۰۷، زکریا ۹/ ٥۸۳)

ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق، (تحته فی الشامیة) الفاسق من الفسق : هو الخروج عن الاستقامة ، ولعل المراد به من یرتکب الکبائر .

(شامی، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة ، کراچی ۱/ ٥٥۹، ٥٦۰، زکریا۲/ ۲۹۸)

عن أبي مسعودؓ انصاري قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ یؤم القوم أقرأهم لکتاب اللّٰہ ، فإن کانوا فی القراء ة سواء فأعلمهم بالسنة . (صحیح مسلم ، المساجد ، باب من أحق بالإمامة ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۳٦، بیت الأفکار رقم: ٦۷۳)

عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ اجعلوا ائمتکم خیارکم فإنهم

وفدكم فيما بينكم وبين الله عزوجل . (سنن الدار قطني ، باب تخفيف القراءة لحاجة ، دارالكتب العلميه بيروت ٢/ ٧٤، رقم: ١٨٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رصفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۵ھ

مجود داڑھی کٹے کی امامت

سوال: [۲۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسا حافظ قرآن جو داڑھی کاٹتا ہو مگر اس کو قرآن اچھا یاد ہے، اور تجوید کے ساتھ پڑھتا بھی ہے، بدرجۂ مجبوری کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: ابوالخیر، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :جو حافظ داڑھی کٹوا تا ہے اور داڑھی کو ایک مشت بڑھنے نہیں دیتا ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، لہٰذا مسجد کے ذمہ داروں پر لازم ہے، کہ اس کے علاوہ کسی باشرع امام کا انتظام کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ٦/ ١٢٢)

ويحرم على الرجل قطع لحيته. (شامی ، كتاب الخطر والإباحة ، فصل فی البيع ، باب الاستبراء وغيره، كراچی ٦/ ٤٠٧، زكريا٩/ ٥٨٣)

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق الخ وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمام تعظيمه ، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً . (شامی، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كراچی ١/ ٥٥٩، ٥٦٠، زكريا ٢/ ٢٩٩)

لو قدموا فاسقاياً ثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه وتساهله في الإتيان بلوازمه ...... جوزنا ها مع الكراهة .

(حلبی كبير ، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة / ٥١٣، ٥١٤)

صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة . (شامی کتاب الصلاۃ، باب الإمامة زکریا۲/ ۳۰۱، کراچی ۱/ ۵۶۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۲۰ھ

محلوق اللحیہ کی امامت

سوال: [۲۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا بھائی محمد فہیم حافظ قرآن ہے اور شرعی وضع قطع کا پابند ہے وہ مسجد تالاب والی میں قرآن پاک نماز تراویح میں سنانا چاہتا ہے، اور وہیں نماز پڑھاتا ہے سال گذشتہ کسی وجہ سے اس کو موقع نہیں مل سکا البتہ متولی صاحب نے وعدہ کرلیا تھا کہ اگلے سال ان ہی کو قرآن سنانے کا موقع دیا جائے گا ،لیکن اب دوسرے حافظ کو سنانے کا موقع دیا جارہا ہے جبکہ وہ حافظ شرعی وضع قطع کا پابند نہیں ہے، داڑھی کٹانا پینٹ پہننا لمبے بال رکھنا اور ننگے سر رہنا اس کی عادت ہے، ان دونوں میں سے کون تراویح میں قرآن سنانے کا مستحق ہے اور متولی مسجد کو کس کو موقع دینا چاہئے؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں۔

المستفتي: رئیس احمد، پیرزادہ تالاب والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی کٹانا گناہ کبیرہ اور فسق ہے اور ایسے شخص کے پیچھے تراویح کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اسلئے ایسا شخص تراویح میں لائق امامت نہیں ہوسکتا ہے، اور جس کی داڑھی اور لباس شریعت کے مطابق ہوں وہی تراویح میں امامت کے لائق ہوتا ہے، لہٰذا سوالنامہ میں جن دونوں حافظوں کا ذکر ہے ان میں سے وہی حافظ تراویح میں امامت کا مستحق ہے، جو داڑھی اور لباس وغیرہ میں شریعت کے مطابق ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں محمد فہیم کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، لہٰذا محمد فہیم ہی دوسرے حافظ کے مقابلہ میں شریعت کی نگاہ میں

تراویح میں امامت کرنے کا مستحق ہوگا۔

عن عبد الله بن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ أحفوا الشوارب وأعفوا اللحىٰ. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۱٦، رقم: ٤٦٥٤، ۲/۱٥٦، رقم:٦٤٥٦)

عن مرثد بن أبي مرثد الغنوى، وكان بدرياً قال: قال رسول الله ﷺ إن سركم أن تقبل صلاتكم، فليؤمكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۲۰/۳۲۸، رقم: ۷۷۷)

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق. (تنوير الأبصار مع الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچى ۱/ ٥٦۰، زكريا قديم ۲/۲۹۸، جديد ۱/۱٤۱)

ولو صلى خلف مبتدع أو فاسق فهو محرز ثواب الجماعة.

(هنديه، كتاب الصلاة، الباب الرابع فى الإمامة زكريا قديم ۱/ ۸٤،جديد ۱/ ۱٤۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاً ولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۸۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۱ھ

داڑھی کٹانے والے کی امامت اور نمازِ جمعہ کے بعد لمبی دعائیں کرنے کا حکم

سوال: [۲۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ہمارے یہاں مرکز مسجد میں ایک امام میواتی آیا ہوا ہے، وہ جمعہ کی نماز کے بعد لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے، اور دعا کرتے کرتے سجدے میں گر کر روتا رہتا ہے، اور دعا کرتا رہتا ہے، جبکہ فتاویٰ عالمگیری میں صراحتاً موجود ہے کہ ہر وہ فرض نماز جس کے بعد سنت مؤکدہ ہے لمبی دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے، یہ میواتی جو کہتا ہے کہ میں بھی فاضل دیوبند ہوں

چہرے پر داڑھی بھی سنت کے موافق معلوم نہیں ہوتی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی اپنی کٹاتا ہے، جبکہ داڑھی ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے، لمبی دعا مانگنے کی وجہ سے سنت بھی اکثر لوگ پڑھنے کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ جمعہ کے بعد کی سنت مؤکدہ ہیں، جب امام کو کہتے ہیں تو چند دن کیلئے پابند ہو جاتا ہے، مگر پھر اپنی پرانی روش پر آ جاتا ہے، اس طرح امام صاحب کے فعل سے عام لوگوں میں ایک انتشار کی لہر دوڑ چکی ہے، وضاحت کیساتھ امام صاحب کے بارے میں تحریر فرمائیں! کیا امام صاحب کو جمعہ کی فرض نماز کے بعد لمبی دعا مانگنا جائز ہے، اگر دعا لمبی کرنی ہے تو وقت کی تعیین پانچ منٹ، دس منٹ، دو منٹ کتنی ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(۲) امام صاحب کی داڑھی یک مشت سے کم ہونے کے باوجود ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کراہت تو نہیں ہوگی۔

(۳) امام صاحب کے فعل سے عوام میں انتشار کی ایک لہر چل پڑی ہے، جس کے بارے میں امام صاحب کو معلوم ہے، کیا امام صاحب کو عوام کی روش کو نظر انداز کر کے اپنی ضد پر رہنا جائز ہے؟ جواب وضاحت سے تحریر فرمائیں۔

المستفتي: عزیر احمد نعمانی، فاضل دار العلوم، دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر واقعی امام داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم کراتا ہے، تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اور جمعہ کی نماز کے بعد کبھی کبھی حالات کے اعتبار سے لمبی دعائیں کر لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن ہر جمعہ میں پابندی کے ساتھ لمبی دعائیں کرنا، اور دعائیں کرتے کرتے سجدہ میں چلے جانا، جو مقتدیوں کو گراں گذرتا ہے، اور ان میں انتشار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، تو یہ صورت درجۂ کراہت سے کم نہیں ہے، امام صاحب کو خود اس سلسلہ میں محتاط ہو جانا چاہئے، اگر اس طرح سے دعا مانگنی ہے، تو اپنے طور پر تنہا دعاؤں میں مشغول ہو جائے، جس کی مرضی ہو امام صاحب کے ساتھ شامل ہو جائے، جس کی مرضی نہ

ہوشامل نہ ہو۔

ویکرہ إمامة فاسق (شامی زکریا۲/۲۹۸، کراچی ۱/۵۵۹)

وفی الحجة : إذا فرغ من الظهر والمغرب والعشاء يشرع في السنة ولا يشتغل بأدعية طويلة . (هنديه ، كتاب الصلاة، قبيل الفصل الرابع فى القراءة ۱/۷۷، هنديه، جديد زكريا ۱/۱۳۵)

عن الحسن ، قال سمعنا عن أنس بن مالكؓ قال: لعن رسول الله ﷺ ثلثة رجل أم قوما وهم له كارهون الخ. (ترمذى ، الصلاة ، باب من أم قوماً وهم له كارهون، النسخةالهنديه ۱/۸۳، دارالسلام رقم: ۳۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۸۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۸/۱۴۳۲ھ

داڑھی منڈے حافظ کی امامت

سوال: [۲۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید حافظ قرآن ہے لیکن داڑھی منڈاتا ہے، تو زید کے پیچھے نماز اور تراویح پڑھنا کیسا ہے؟ مکمل و مدلل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: حاجی سراج الحق، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں زید فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز باجماعت مکروہ تحریمی ہے اور تراویح میں مزید کراہت ہے، اور علما نے تراویح داڑھی منڈانے اور کترانے والے کے پیچھے شدت سے ممنوع لکھا ہے، اور جو لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار ہوں وہ بھی سخت گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

عن عبد الله بن عمروؓ أن رسول الله ﷺ كان يقول: ثلاثة لا يقبل الله

مـنهم صلاة من تقدم قوماً وهم له كارهون . (سنن أبی داؤد ، کتاب الصلاة ، باب الـرجـل يـؤم الـقوم وهم له كارهون ، النسخة الهندیه ١ /٨٨، دارالسلام رقم:٥٩٣، احسن الفتاویٰ ٣/٥١٨، فتاویٰ دارالعلوم ٣ /٢٤٠)

وتـطـويل اللحية إذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة (وقوله) وأما الأخـذ مـنها وهی دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبـحه أحد الخ . (الـدرالـمـختـار ، كتـاب الصوم ، باب مایفسد ،مطلب فی أخذ اللحية زکریا٣/٣٩٨، کراچی ٢ /٤١٧، کوئٹه٢ /١٢٣، مصری ٢ /١٥٥)

والسـنة فيها القبضة الخ (وقوله) ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته الخ. (الـدر الـمختار مع الشامی ، كتاب الخطر والإباحة ، باب الإستبراء زکریا٩ /٥٨٣، کراچی ٦/٤٠٧، کوئٹه ٥/٢٨٨)

ويـكـره تـقـدم الـفـاسـق كراهة تحريم الخ . (صـغيـری مـطبـع مجتبـائی دهلی/ ٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۵۳)

محلوق اللحیہ کی فرائض اور تراویح کی امامت کا حکم

سوال: [۲۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید داڑھی کترواتا ہے، وہ حافظ قرآن بھی ہے اور رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن پاک سناتا بھی ہے، اور نماز بھی پڑھا دیتا ہے، ایسی حالت میں اس کیلئے تراویح پڑھانا یا نماز پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالشکور قریشی، جارٹی گیٹ چندوسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں داڑھی مونڈنے والے کوامام بنانا جائز نہیں ،اسکی نماز مکروہ تحریمی ہے،اس لئے ایسے شخص کوامام بنانے سے مسلمانوں کو احتراز کرنالازم ہے۔(احسن الفتاویٰ زکریا۳/۲۶۰و۳/ ۵۱۸)

عن ابن عمر ؓ عن النبی ﷺ أنه أمر بإحفاء الشوارب وإعفاء اللحية، الحديث:(صحيح مسلم ، باب خصال الفطرة ١٢٩/١، بيت الأفكار رقم:٢٥٩)

وكذا يحرم على الرجل قطع لحتيه فعلم من ذلک أن مايفعله بعض من لاخلاق له فى الدين من المسلمين فى الهند والأتراک حرام . (بذل المجهود، كتاب الطهارة ، باب السواك من الفطرة،مطبع ميرٹھ، قديم ١/ ٣٣، دار البشائر الإسلاميه بيروت ، ٣٣٦/١)

ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاًفلا يعظم بتقديمه للإمامة الخ. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة قديم / ١٦٥، جديد دارالكتاب ديوبند /٣٠٣)

وفيه إشارة إلىٰ أنهم لو قدموا فاسقاً يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه وتساهله فى الإتيان بلوازمه . (حلبى كبير ، كتاب الصلوٰة، فصل فى الإمامة وفيها مباحث اشرفيه ديوبند/٥١٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/ ۲۲۱۲)

امام اور مقتدی دونوں کا محلوق اللحیہ ہونا

سوال: [۲۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ ہم لوگ ایک فرم میں ملازم ہیں، ہم لوگوں نے آپس میں ہی ایک اپنے ہی جیسے آدمی کو امام منتخب

کرلیا ہے، جن کے داڑھی نہیں اور لباس بھی شرعی نہیں ہے، لیکن ناظرہ خواں ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ہم لوگوں کی نماز ہوجاتی ہے یانہیں؟ یا کوئی عالم حافظ قاری ہی امام تلاش کریں اور جب تک انتظام نہ ہوتو جماعت سے نمازیں پڑھیں یا تنہا تنہا پڑھیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتي: محمد سالم، محلّہ پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وہاں پر سب لوگ بے ڈاڑھی کے ہیں اور سبھی نے داڑھی منڈا رکھی ہے اور کوئی داڑھی والا باشرع نہیں ہے تو ایسی صورت میں انہیں میں سے کوئی ایک آدمی امامت کرلے اور سب لوگ با جماعت نماز پڑھیں، توبلا کراہت ان کی نماز درست ہوجائے گی، یہ اس وقت تک کیلئے ہے، جب تک کوئی باشرع آدمی داڑھی والا میسر نہ ہوسکے۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برا كان أو فاجراً، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر، الحديث: (سنن أبی داؤد، كتاب الجهاد باب الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهنديه ١/٣٤٣، دارالسلام رقم: ٢٥٣٣)

عن أبی هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: صلوا خلف كل بروفاجر الحديث: (سنن الدارقطنی، الصلاة، باب صفة من تجوز الصلاة، معه والصلاة، عليه، دارالكتب العلميه ٢/٤٢، قم: ١٧٥٠)

ويكره إمامة الفاسق هذا....والكراهة إنما تكون فيما إذا وجد فی القوم غير هؤ لاء وإلا فلا كراهة اتفاقاً. (الموسوعة الفقهيه٦/٢١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۱۴ھ

داڑھی کٹانے سےتوبہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ زید حافظ قرآن ہےاور رمضان میں قرآن سنانے کیلئے ایک مسجد میں بات بھی ہوگئی ہے اور زید دومہینہ پہلے اپنی داڑھی کوقینچی سے کاٹتا تھا، اب جب سےقرآن سنانے کی بات مسجد میں ہوئی ہے، اس نے اپنا یہ فعل چھوڑ دیا ہے، اورآئندہ یہ پختہ ارادہ کیا ہے کہ کبھی بھی ایک مشت سے کم داڑھی نہیں رکھوں گا، مذکورہ بالا مسئلہ کی قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمدوریث، اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :جوحافظ قرآن داڑھی کٹواتا ہواور ایک مشت سے کم کروالی ہےتواس کے پیچھے تراویح کی نماز مکروہ ہےاوراگراس نےتوبہ کرلی ہے، کہ آئندہ نہیں کٹوائے گا،تو اللہ تبارک وتعالیٰ سچی توبہ قبول فرمالیتا ہے، مگر جب تک داڑھی ایک مشت پوری نہ ہوجائےاس وقت تک اس کی امامت تراویح یاپانچوں وقت کی نمازیں مکروہ ہوں گی۔

ويكره إمامة عبد وفاسق (در مختار) وفي الشامية و أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم . (شامی،كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ١/٥٥٩، ٥٦٠زكريا٢/٢٩٩)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد .(شامی، كتاب الصوم ، مطلب فی ا لأخذ من اللحية زكريا٣/٣٩٨)

والسنة فيها القبضة ولذا يحرم على الرجل قطع لحتيه. (در مختار مع الشامی ، كتاب الحظر والإباحة ، باب الإستبراء وغيره كراچی ٦/٤٠٧، زكريا٩/٥٨٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۹۱/۳۸)

داڑھی کٹانے سے توبہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص داڑھی کٹوائے اور پھر توبہ کرلے کہ میں داڑھی نہیں کٹواؤں گا، اور اس کا مجھے یقین نہیں ہوا کہ یہ اب داڑھی نہیں کٹوائے گا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد ظفر اکبر، مدرسہ حمایت الإسلام، بہرام پور، موانہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی شخص داڑھی کٹوائے پھر توبہ کرلے تو جبتک داڑھی شرعاً پوری نہ ہو اس وقت تک اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ أنه أمر بإحفاء الشوارب وإعفاء اللحية، الحديث. (مسلم باب خصال الفطرة، النسخة الهندية ۱/۱۲۹، بيت الأفكار رقم: ۲۵۹)

وكذا يحرم على الرجل قطع لحيته فعلم من ذلك أن ما يفعله بعض من لاخلاق له في الدين من المسلمين في الهند والأتراك حرام الخ. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، مطبع ميرٹھ قديم ۱/۳۳، دار البشائر الإسلاميه بيروت ۱/۳۳٦)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في معالجة كل ذنب بالتوبة، دارالكتب العلمية بيروت ۵/۴۳٦، رقم: ۷۱۷۸)

اور جب داڑھی پوری ہوجائے تو پھر اس کے پیچھے نماز پڑھنی بلا کراہت درست ہوجائیگی۔
(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۲۶۲)

ویکره إمامة عبد الخ وفاسق الخ (درمختار) وکراهة تقدیمه کراهة تحریم . (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ۱/۵۵۹، ۵۶۰، زکریا ۲/۲۹۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ / رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۲۰ھ

مدرسۃ البنات میں پڑھانے والے شخص کی امامت

سوال: [۲۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک عالم دین ہے اور وہ مدرسۃ البنات میں پڑھاتے ہیں، لیکن جہاں وہ پڑھاتے ہیں، وہاں نہ طالبات پردہ کرتی ہیں، اور نہ ہی استاد اور طالبات کے درمیان پردہ کا انتظام ہے، نیز خالد بھی ایک مدرسۃ البنات کے مدرس ہیں اور وہاں پردہ کا انتظام ہے یعنی استاد اور طالبات کے درمیان بھی پردہ ہے اور لڑکیاں بھی پردہ کرتی ہیں، نیز جاوید بھی ایک مدرسۃ البنات میں پڑھاتا ہے، اور وہاں استاد اور لڑکیوں کے درمیان پردہ کا انتظام تو ہے لیکن طالبات پردہ نہیں کرتی ہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان تینوں حضرات کا امامت کرنا کیسا ہے؟ آیا ان کو امامت کرنا مکروہ ہے یا نہیں؟

نوٹ: زید مدرسۃ البنات کے جس دفتر میں کام کیلئے بیٹھتے ہیں، وہاں اس مدرسہ کی معلّمہ صاحبہ بھی بیٹھتی ہیں، تو اس صورت میں زید کا امام بنکر نماز پڑھانا بلا کراہت جائز ہے یا مع الکراہت، براہ کرم جلد از جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع مرحمت فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: عبد اللہ، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مردوں اورعورتوں کے اختلاط کے ساتھ بغیر پردہ کے جس مدرسہ میں تعلیم کا انتظام ہے وہ غیر شرعی ادارہ ہے، اس میں معامین اور معلمات کا بے پردہ آمنے سامنے بیٹھ کر پڑھانا فسق کی بات ہے، ایسے آدمی کوشرعاً فاسق کہا جاتا ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، نیز ایک ہی دفتر میں بغیر پردہ کے معلمات کے ساتھ روزانہ بیٹھنا اور زیادہ فسق وگناہ کی بات ہے، اورجن مدرسوں میں پردہ کا اہتمام اوراس کی پابندی ہوتی ہے، اور پردہ کے ساتھ پڑھانے کا اہتمام ہے اور کسی قسم کے فتنہ کا بھی خطرہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں پڑھانے والے پر کسی قسم کا الزام نہیں ہے، اس کی امامت بلاکراہت درست ہے، اورجن مدرسوں میں پردہ کا انتظام ہے مگر بالغ لڑکیاں مرداستاذ سے پردہ نہیں کرتی ہیں، اوراستاذ بھی بغیر پردہ کے بالغ لڑکیوں کوسامنے بٹھا کر پڑھاتے ہیں، اوراس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے تو یہ بھی خلاف شریعت ہے اس طرح پڑھانے پر بھی فسق کا حکم لاگو ہوگا اوراس کی امامت بھی مکروہ ہوگی۔

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة ؛ بل لخوف الفتنة كمسه وإن أمن الشهوة ؛ لأنه أغلظ. (شامی، زکریا ۲/۷۹)

ولا تسكنوهن الغرف ولاتعلموهن الكتابة وعلموهن الغزل وسورة النور من حديث عائشة ومن حديث ابن عباس بلفظ لاتعلموانسائكم الكتابة ولاتسكنوهن العلالي. (تنزيه الشريفة ۲/۲۰۸، بحواله دينى مسائل /۳٤۰)

واعلم أن النهي من تعليم النساء لكتابة لاينافي طلب تعلمهن القرآن .... فإنه وإن كان فيها مصالح إلا أن فيها خشيه مفسد، ودرء المفاسد مقدم على جلب المصالح. (الفتاویٰ الحديثه /۱۱۹، بحواله دينى مسائل اوران كا حل/۳٤۰)

عن سعيد الخدريؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الدنيا حلوة خضرة وإن الله مستخلفكم فيها فينظر كيف تعملون ألا فاتقوا الدنيا

واتقوا النساء . (ترمذی ۲/ ٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۱۴۵)

تعویذ کی وجہ سے نامحرم عورتوں سے بے پردہ بات کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ میں پڑھاتا ہے، اور ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، لیکن وہ تعویذات کا عمل کرتا ہے، اس غرض سے آنے والوں میں نوجوان عورتیں بھی ہوتی ہیں، زید ان سے کبھی سب کے سامنے کبھی تنہائی میں جھاڑ پھونک کے بہانے سے ملتا ہے، اور ان عورتوں کو چچی بہن وغیرہ کہکر ان کے گھروں پر بھی جاتا ہے، تو دریافت کرنا یہ ہے کہ۔

الف: زید کا جھاڑ پھونک کے بہانے یا ضرورت کی وجہ سے ان نوجوان عورتوں سے بے پردہ تنہائی اور سب کے سامنے ملنا شرعاً کیسا ہے؟ کیا اس طرح بہن چچی خالہ کہنے سے وہ عورتیں بہن چچی یا خالہ ہو جاتی ہیں، اور ان سے بلا پردہ ملنے کی اجازت ہے۔

ب: کیا اس کے اس عمل سے اس کی امامت پر کوئی اثر پڑے گا، منع کرنے کے باوجود باز نہ آئے تو اس کو منصب امامت سے معزول کرنا حق بجانب ہوگا۔

ج: ہاتھ دیکھ کر اور کبھی دوسرے طریقوں سے چور وغیرہ کا پتہ بتلاتا ہے، اس کی بتلائی ہوئی بات پر کس حد تک عمل کرنا درست ہے۔

المستفتي: محمد حماد، شریف نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : **الف**: زید کے لئے بلا ضرورت محض جھاڑ پھونک کے بہانے سے بے پردہ تنہائی میں یا سب کے سامنے عورتوں سے ملنا، ان سے بات چیت کرنا، ان کو دیکھنا ناجائز، حرام اور گناہ کبیرہ ہے، لہٰذا زید کیلئے ان تمام چیزوں سے اجتناب کرنا

ضروری ہے، نیز وہ عورتیں خالہ، بہن اور چچی کہنے سے ایسی خالہ، بہن اور چچی نہیں بن جاتی ہیں کہ جن کے ساتھ شرعی طور پر پردہ لازم نہ ہو بلکہ وہ عورتیں زید کے حق میں قطعی طور پر غیر محرم ہیں، اور زید کے لئے ان سے ملنا بات چیت کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۸/۴۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/۳۹۰، ۱۵/۳۸۴)

عن أبي امامة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إياكم والخلوة بالنساء؛ والذى نفسي بيده ماخلا رجل وإمرأة إلا دخل الشيطان بينهما وليزحم رجل خنزيراً متلطخاً بطين أو حمأة خير له من أن يزحم منكبه منكب امرأة لا تحل له. (المعجم الكبير للطبراني مطبع دار إحياء التراث العربي بيروت ۸/ ۲۰۵، رقم: ۷۸۳۰)

عن جابر بن عبدالله ؓ قال: قال رسول الله ﷺ من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يخلون بامرأة ليس معها ذومحرم منها فإن ثالثهما الشيطان. (مسند احمد ۳/ ۳۳۹، رقم: ۱٤۷۰٦)

ولا يكلم الأجنبية إلا عجوزاً عطست أو سلمت فيشمتها ويرد السلام عليها وإلا لا أي وإن لاتكن عجوزاً بل شابة لا يشمتها ولا يرد السلام بلسانه. (شامی، کتاب الحظر الإباحة، فصل فی النظر والمس، کراچی ٦/ ۳٦۹، زکریا ۹/ ۵۳۰)

ب: اگر وہ شخص نامحرم عورتوں سے بے پردہ بات چیت کرنے سے باز نہیں آتا ہے، اور ان باتوں میں اسکی دلچسپی باقی ہے، تو شرعی طور پر وہ شخص فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اسلئے وہ قابل امامت نہیں ہے، مسجد کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ اس کو امامت سے ہٹا کر کسی متبع شریعت شخص کو امام مقرر کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/ ۳۷۱، جدید زکریا ۴/ ۱۸٦، احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۳۲۰)

وكره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعاً،

فلا يعظم بتقديمه للإمامة. (طحطاوی علی المراقی ،کتاب الصلوٰۃ، فصل فی بیان الأحق بالإمامة قدیم١ /١٦٥، جدید دارالکتاب دیو بند/٣ ٠ ٣، شامی ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ زکریا٢/٢٩٨، کراچی ١/٥٦٠)

ج: قرآن وحدیث،فقہ وتفسیر سے کوئی ایسی بات ثابت نہیں ہے،جس سے اس بات کا ثبوت ہو کہ انسان کا ہاتھ دیکھ کر چور کا پتہ بتایا جاسکے،اسلئے شرعی طور پر اس طرح کا کوئی عمل شریعت کے مطابق ہونا ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے، اب رہا عاملوں کا تجربہ تو اس سے ہم کو کوئی مناسبت اور ممارست نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١/ جمادی الاولیٰ ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦ ٣/ ٧٦٣٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٣/٥/١٢ھ

بے پردہ نامحرم عورتوں کو تعویذ دینے والے کی امامت

سوال: [٢٢٩١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام ہے اور وہ تعویذ گنڈوں کا کام کرتا ہے، اور اس کے پاس غیر محرم عورتیں آ کر بے پردہ ہو کر گفتگو کرتی ہیں تنہائی میں اور ان تعویذوں کا عوض کسی سے ٥٠٠/ سو روپئے اور کسی سے ٢٠٠/ سو روپئے، اور کسی سے ١٠٠/ روپئے کسی سے ٥٠/ پچاس روپئے لیتے ہیں، نیز پہلے سے بھی امام صاحب کے حالات اطمینان بخش نہیں تھے لیکن کچھ لوگوں نے اسی کو امام بنا رکھا ہے، کچھ لوگ امام صاحب کے پیچھے کراہت کیساتھ نماز پرھتے ہیں اور کچھ مقتدی نہیں پڑھتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتي: نثار احمد، اریپور سادات، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تعویذ گنڈا کرنے میں غیر محرم عورتوں کو بے پردہ اپنے سامنے بٹھانا ہرگز جائز نہیں ہے، اور غیر محرم عورتوں سے بالمشافہ بے پردگی میں گفتگو کرنا

باعث فسق ہے، اور ایسا شخص فاسق ہے، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اور جو لوگ اس کے اس فعل سے نفرت کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ہیں، وہ لوگ گنہگار نہیں ہوں گے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ، ذٰلِكَ أَزْكىٰ لَهُمْ ، إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ، وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ، الآية. (سورۃ النور: ۳۰، ۳۱)

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یخلون رجل بأمرأة إلا کان ثالثهما الشیطان .

(سنن الترمذی ، ابواب الرضاع ، باب ماجاء فی کراهیة الدخول علی المغیبات ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۱، دارالسلام رقم: ۱۱۷۱، مستدرك مکتبه نزار مصطفی ریاض ۱/ ۱٦٥، بیروت ۱/ ۱۱٤، رقم: ۳۸۷)

عن الحسن قال سمعت أنس بن مالک قال: لعن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ثلثة رجل أم قوماً وهم له کارهون ، وامرأة باتت وزوجها علیها ساخط ، ورجل سمع حی علی الفلاح ثم لم یجب . (سنن الترمذی ، کتاب الصلوٰة، با ب ماجاء فی من أم قوما وهم له کارهون ، النسخة الهندیة ۱/ ۸۳، رقم: ۳٥۸)

لو أم قوما وهم له کارهون ، فهو علی ثلثة أوجه إن کانت الکراهة لفساد فیه أو کانوا أحق بالإمامة منه یکره الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوٰة، فصل فی بیان الأحق بالإمامة قدیم/ ۱٦٤، جدید دارالکتاب دیو بند/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۲ھ

تعویذ کے بہانے غیر محرم عورتوں کو دیکھنے اور چھونے والے کی امامت

سوال: [۲۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

عن الحسن مرسلاً قال بلغنی أن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم قال لعن اللّٰه عز وجل

الناظر والمنظور إليه. (شعب الإيمان للبيهقی ، دارالكتب العلميه بيروت ٦/١٦٢، رقم: ٧٧٨٨، مشكوٰة شريف/ ٢٧٠)

حضرت حسنؓ سے بطریق ارسال مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھنے والے اوراس پر جس کو دیکھا جائے اللہ تبارک وتعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، اس حدیث شریف کی روشنی میں بتائیں کہ تعویذ کے بہانے غیر محرم عورتوں کو مسجد کے حجرہ میں بٹھانا اوران کو دیکھنا، ان کو چھونا، ان سے باتیں کرنا جائز ہے یا ناجائز اورایسا کرنے والے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: ثاراحمد، عقیل احمد، حاجی جاوید،
رشید احمد محمد عالم، حاجی پورہ، فیروزآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص تعویذ کے بہانے سے غیر محرم عورتوں کو حجرہ میں بٹھاتا ہے اوران کو دیکھتا ہے، اوراپنے ہاتھوں سے چھوتا ہے ان سے باتیں کرتا ہے وہ ناجائز اورحرام حرکتوں کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہوجاتا ہے، اس کے اوپر لازم ہے کہ سچی توبہ کرکے اپنے آپ کو ان حرکتوں سے دور رکھے ایسا شخص اگر کہیں امام ہے تو اس کی امامت بھی مکروہ تحریمی ہوگی، اورحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت بھیجی ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں حدیث شریف مذکورہ ہے۔

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق ، وأعمىٰ وتحته فاسق من الفسق : وهو الخروج عن الاستقامة ، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر ، والزاني ، وآكل الربوا، ونحو ذلك.

(درمختار مع الشامی، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كراچی ١/ ٥٥٩، زكريا ٢/ ٢٩٨، هدايه ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة ، مكتبه اشرفی ١/ ١٢٢)

وفي الأشباه : الخلوة بالأجنبية حرام . (شامی كتاب الحظر والإباحة ،

فصل فی النظر والمس کراچی ٦/٣٦٨، زکریا٩/٥٢٩)

وفی الشرنبلالیه الحظر معزیا للجوهرة ولا یکلم الأجنبیة . (شامی کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس کراچی٦/٣٦٩، زکریا٩/٥٣٠)

المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشیطان ، العینان زناهما النظر والأذنان زناهما الاستماع واللسان زناه النطق الخ. (مستفاد فتاویٰ رحیمیه جدید زکریا٣/١٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢؍محرم الحرام ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١٠٩١٤/٤٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٣/١/٢ھ

بے حجابانہ باتیں اور تعویذ گنڈے کرنے والے کی امامت

سوال: [٢٢٩٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص ایک طویل عرصہ سے جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کرتا ہو اور اس کے ذریعہ سے اجنبی اور نامحرم عورتوں سے بے تکلف ملتا ہو اور بے حجابانہ باتیں کر کے ان سے روپیہ کماتا ہو جبکہ حدیث شریف میں نامحرم عورتوں سے گفتگو کرنے کو نفاق کا جز فرمایا ہے جب اس سے یہ کہا جاتا ہے، کہ یہ فعل نامناسب ہے تو جواب ملتا ہے، ہم انکو بلاتے نہیں ہیں یہ خود ہی تو آتی ہیں کیونکہ ان کو فائدہ ہوتا ہے، لہذا اس صورت میں ایسے شخص کو امام بنانا یا اس کے پیچھے نماز پڑھنا از روئے شرع کیسا ہے؟ جواب مدلل مفصل عنایت فرمائیں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نامحرم عورتوں سے بے تکلف اختلاط رکھنے والا شخص اور بے حجاب باتیں کرنے والا شخص فاسق اور فاجر ہے، ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے، لہذا ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہئے ۔ (مستفاد فتاویٰ دارالعلوم زکریا٣/٢٨٤، احسن الفتاویٰ زکریا٣/٣٢٠)

لايخلون رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان . (ترمذی ، ابواب الرضاع ، باب ماجاء فی کراهية الدخول على المغيبات ، النسخة الهندية ١/٢٢١ ، دارالسلام رقم: ١١٧١ ، مستدرك مكتبه نزار مصطفى رياض جديد ١/١١٤ ، رقم:٣٨٧ ، مشکوٰة/٢٦٩)

لا يخلون رجل بامرأة إلا مع ذى رحم محرم . (صحيح بخارى ، كتاب النكاح ، باب لايخلون رجل بإمرأة إلا ذو رحم محرم ، النسخة الهنديه ٢/٧٨٧ ، رقم: ٥٠٣٧ ، ف: ٥٢٣٣)

قال أبو هريرة قال: إن الله كتب على ابن آدم حظه من الزنى فزنى العين النظر وزنى اللسان النطق . (صحيح بخارى ، كتاب الإستيذان ، باب زنى الجوارح دون الفرج ، النسخة الهنديه ٢/٩٢٢ ، رقم: ٦٠٠٢ ، ف: ٦٢٤٣)

كون الكراهة فى الفاسق تحريمة . (طحطاوى على المراقى ، كتاب الصلوٰة ، فصل فى بيان الأحق بالإمامة قديم /١٦٥ ، جديد دارالكتاب ديو بند/٣٠٣)

وإن كراهة تقديمه كراهة تحريم . (شامى ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة قبيل ، مطلب البدعة خمسة أقسام ، كراچى ١/٥٦٠ ، زكريا٢/٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۹/۱۴۱۹ھ

نامحرم عورتوں سے بے پردہ بات کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، مگر اس کا ایک عمل ہے کہ وہ بغیر اجازت مردوں کی غیر موجودگی میں گھروں میں داخل ہوکر عورتوں سے بے پردہ ان کے ساتھ دیر تک بیٹھتا ہے، اوران سے باتیں کرتا ہے، راستہ میں بھی بے پردہ عورتوں سے باتیں کرتا ہے، خود اپنی عورت سے دور رہتا ہے، بلاتحقیق حرام کام کرنے والے جیسے جوا کھیلنے والے سٹا لگانے والے کے یہاں کھانا

کھاتا ہے، کیا شریعت میں اس بات کی اجازت ہے، اور یہ عمل اگر امام کرے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ایسے بے عمل کیلئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ عرض خدمت ہے کہ جواب سے آگاہی فرما کر یہاں اختلافات و جھگڑے سے مسجد کے حالات کو بچانے میں مدد فرمائیں۔

المستفتي: محمد شیجان خان، قادری سنی
۵٦/کوئلہ باکھل، اندور (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) غیر محرم عورتوں کے ساتھ بے پردہ بغیر ضرورت کے دیر تک بیٹھ کر باتیں کرنا جائز نہیں اور یہ بھی ناجائز ہے کہ کسی غیر رشتہ دار کے گھر میں مردوں کی عدم موجودگی اکیلے عورتوں کیساتھ دیر تک بیٹھ کر باتیں کرے۔ اس سے خدا نخواستہ بڑا فتنہ پیدا ہوسکتا ہے۔

(۲) خود اپنی عورت سے دور رہنا، ان کا اپنا ذاتی مسئلہ ہے، اس کی کیا وجہ ہے وہ خود بتائیں گے، ہم کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔

(۳) کسی مسلمان کے یہاں کھانے کی دعوت ہو اور اس کے حالات پہلے سے معلوم نہ ہوں، تو کھانا کھانا جائز ہے، اور وہ اس بات کا مکلّف نہیں ہے کہ یہ پوچھا جائے کہ یہ کھانا کیسے پیسے سے بنا ہے، تمہاری کمائی کیا ہے، کیسی ہے، اس کا مکلّف نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یہ بات واضح ہو جائے کہ دعوت دینے والا سٹہ باز بھی ہے، اور اس کے پاس حلال کمائی بھی ہے، تو اگر حلال کمائی زیادہ ہے تو دعوت کھانے کی اجازت ہے، اگر مذکورہ شخص امامت بھی کرتا ہے تو اس کو باخبر کر دیا جائے، کہ غیر محرم عورتوں سے بغیر ضرورت، بلا تکلف دیر تک باتیں کرنا اور مردوں کی عدم موجودگی میں غیر محرم عورتوں کیساتھ بیٹھنا، فسق و فجور کو دعوت دینا ہے، اب اگر اس اطلاع کے باوجود بھی وہ ایسے ناجائز کام کرتا ہے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ولو أم قوما وهم له كارهون، فهو على ثلاثة أوجه، إن كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره. (حاشية الطحطاوى، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة دارالكتاب ديوبند/١ ٣٠، وهكذافى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا و كوئٹه١/٨٧، جديد ١/ ١٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۵ھ

مسجد میں تعویذ گنڈے اور نامحرم عورتوں سے بے پردہ گفتگو کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اجرت لیکر کوئی شخص مسجد کے صحن میں بیٹھ کر یا برآمدہ میں بیٹھ کر تعویذ گنڈے اور پلیٹیں وغیرہ لکھ کر دے اور نامحرم عورتوں سے بے پردہ گفتگو کرے تو ایسا شخص امامت کرے تو اس کی امامت کرنا کیسا ہے؟ اور اس شخص کا یہ فعل از روئے شرع کیسا ہے؟ جبکہ امام کے اس فعل سے پچھتر فیصد نمازی ناراض ہیں، تفصیلی جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں؟

المستفتي: محمد شرافت، محلہ رانڈ، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نامحرم عورتوں کو بے پردہ ہو کر نہیں آنے دیتے تو تعویذ، گنڈہ کی گنجائش ہے، اگر چہ اجرت بھی لیتا ہو اور ایسی صورت میں امامت بھی بلا کراہت جائز ہے، لیکن یہ دھندا حدود مسجد کے اندر کرنا ممنوع وناجائز ہے، اس لئے کہ مسجد عبادت کی جگہ ہے اور اجرت لے کر تعویذ کرنا ایک دنیاوی دھندا ہے جو مسجد کے

اندر ممنوع ونا جائز ہے، لہٰذا وہ منع کرنے کے باوجود مسجد کے اندر یہ دھندا جاری رکھتا ہے، تو ایسی صورت میں ایسے امام کو بدل دیا جائے نیز اگر نامحرم عورتوں کو بھی سامنے آنے پر کوئی پابندی نہ رکھے تو ایسی صورت میں وہ شخص فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده ، أن رسول الله ﷺ نهی عن الشراء والبیع فی المسجد. (سنن أبي داؤد ، الصلاة، باب التحلق یوم الجمعة قبل الصلاة ، النسخة الهندیه ١/ ١٥٤، دارالسلام رقم: ١٠٧٩، سنن الترمذی الصلاة، باب ماجاء فی کراهیة البیع والشراء ....فی المسجد ، النسخة الهندیة ١/ ٧٣، دارالسلام رقم: ٣٢٢، مسند احمد بن حنبل ٢/ ١٧٩، رقم: ٦٦٧٦، ٢/ ٢١٣، رقم: ٦٩٩١)

وکره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدین فتجب إهانته شرعاً فلا یعظم لتقدیمه للإمامة . (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاة ، فصل فی بیان الأحق بالإمامة ، دارالکتاب دیوبند ١/ ٣٠١، الفتاویٰ تاتار خانیه ، کتاب الصلاة، الفصل السادس من هو أحق بالإمامة زکریا ٢/ ٢٥٠، رقم: ٢٣٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۵۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۱۴ھ

مرد کا اجنبی عورتوں کی امامت کرنا

سوال: [۲۲۹٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فی زمانہ عورتوں کیلئے غیر مسجد میں حافظ یا غیر حافظ کا امام بننا تراویح وغیرہ میں کیسا ہے، جہاں کہ عورتیں نماز و روزے سے کوسوں دور ہوں، اور نماز کا طریقہ نہ معلوم ہو تو کیا ایسے مقامات پر عورتوں کیلئے مرد حافظ یا غیر حافظ کا امام بننا جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز عورتوں کی جماعت میں عورت کا امام بننا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کہیں عورتوں کی جماعت یا تراویح عورت کی امامت میں ادا کی جا رہی

ہے، تو اس سے ان کو روکنا چاہئے یا نہیں؟

المستفتي: محمد ہاشم، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اجنبی مرد کا خواہ وہ حافظ ہو یا غیر حافظ اجنبی عورتوں کا امام بننا مکروہ تحریمی ہے، اگر اس جماعت میں مرد بھی موجود ہو یا امامت کرنے والے کی کوئی محرم عورت موجود ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن پھر بھی فساد زمانہ کیوجہ سے احتیاط ضروری ہے۔

ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان ، واستثنىٰ الكمال بحثا العجائز المتفانية كما تكره إمامة الرجل لهن فى بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كأخته أو زوجته أو أمته ، أما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن فى المسجد لا يكره بحر . (درمختار مع الشامی ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة ،کراچی ١/ ٥٦٦، زکریا ٢/ ٣٠٧)

ولو أمهن رجل ، فلا كراهة إلا أن يكون في بيت ليس معهن فيه رجل، أو محرم من الإمام أو زوجته ، فإن كان واحد ممن ذكر معهن فلا كراهة كما لو كان فى المسجد مطلقاً . (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان الأحق بالإمامة دارالکتاب / ٣٠٤)

نیز عورتوں کی جماعت میں عورت کا امام بننا بھی مکروہ تحریمی ہے، لهذا اگر ایسی جماعت ہورہی ہو تو روکنا ضروری ہے۔

عن عائشةؓ أن رسول الله ﷺ قال: لا خير فى جماعة النساء إلا في مسجد جماعة . (المعجم الأوسط دارالفکر ٦/ ٤٤٨، رقم: ٩٣٥٩، ٥/ ٢٢٠، رقم: ٧١٣٠)

قال فى الدر المختار ويكره تحريما جماعة النساء ولو فى التراويح الخ.(درمختار مع الشامی ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کراچی ١/ ٥٦٥، زکریا ٢/ ٣٠٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۲۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱۰/۱۴۲۰ھ

اپنی بیوی کو بدکار کہنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص یہ کہتا ہے، کہ میری عورت بدکار ہے تو اسکے پیچھے یعنی جو شخص یہ کہتا ہے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالواحد، ہدایت پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس شخص پر لازم ہے کہ شرعی گواہوں سے ثابت کرے ورنہ پاکدامن بیوی پر تہمت لگانیکی وجہ سے وہ شرعاً فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، شرعاً لعان کرنا لازم ہوگا۔ (کفایت المفتی قدیم ٦/ ۲۴۵، جدید زکریا ٦/ ۲۷۱، زکریا مطول: ۸/ ۴۱۰، ۴۱۱)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدَاتٍ بِاللهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (سورة النور: ٦تا٩)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إن من الكبائر استطالة المرء في عرض رجل مسلم بغير حق. (سنن أبی داؤد، كتاب الأدب، باب فی الغيبة، النسخة النهدية ٢/ ٦٦٩، دارالسلام رقم: ٤٨٧٧، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٥/ ٨٥، رقم: ٨٣٣٦)

ویکره إمامة عبد وأعرابي وفاسق، وأعمیٰ وتحته فاسق من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من یرتکب الکبائر کشارب الخمر، والزانی، وآکل الربوا، ونحو ذلک.

(درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة کراچی ۱/ ۵۵۹، زکریا ۲/ ۲۹۸، هدایه، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة، اشرفی دیوبند ۱/ ۱۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۸٦)

بیوی سے جھگڑا کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امامت کرتا ہے، مگر اس کی بیوی نے زید پر نان نفقہ اور مہر کے مطالبہ کا عدالت میں دعوی کر رکھا ہے، وجہ کیا ہے، اس کا کچھ پتہ نہیں تاہم پہلے بیوی کے میکے والے بھیجنا چاہتے تھے، زید نہیں لایا، انھوں نے دعوی کر دیا تو اب لانا چاہتا ہے، تحریر فرمائیں ان حالات میں زید کی امامت درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد یاسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ایسا نہیں ہوتا ہے کہ جس سے شوہر پر فسق کا حکم لاگو کر دیا جائے، لہٰذا اگر زید کے اندر ایسی کوئی شرعی اور دینی خرابی نہیں ہے جس سے فسق کا حکم لگایا جا سکتا ہے، تو زید کی امامت بلا کراہت درست ہے، جب لوگوں کو جھگڑا اور اختلاف کی وجہ معلوم نہیں ہے، تو اس کے پیچھے پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یٰأَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِنَ الظَّنِّ، إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ. (سورة الحجرات: ۱۲)

عـن الأعـرج قـال : قـال أبـوهريرهؓ : يأثر عن النبی ﷺ قـال: إياكم والظن ، فإن الظن أكذب الحديث . (صحيح البخاری ، النكاح، باب لايخطب على خطبة أخيه، النسخة الهنديه ٢/٧٧٢، رقم: ٤٩٥٠، ف:٥١٤٣)

عـن أبی هريرة ،عن النبی ﷺ قـال: إياكم والظن ، فإن الظن أكذب الحديث . (صحيح مسلم ، كتاب البر والصلة والأداب ، باب تحريم الظن والتجسس، النسخة الهندية ٢/٣١٦، بيت الأفكار رقم: ٢٥٦٣)

وقـد قيـد ذلک جـمـاعة مـن أهـل الـعـلـم بـالكراهة الدينية بسبب شـرعـي، فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها. (بـذل المجهود ، كتاب الصلاة، بـاب الـرجـل يـؤم الـقـوم وهـم لـه كارهون، دارالبشائر الإسلاميه بيروت جديد ٥/٤٧٥، مطبوعه ميرٹھ قديم ١/٣٣١)

وإن كـان هـو أحق بـالإمـامة منهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لا يـكـره له التقدم الخ. (مـراقـی الـفـلاح ، كتـاب الـصلاة، فصل في بيان أحق بالإمامة قديم/١٦٤، دارالكتاب ديوبندجديد ١/٣٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ذیقعدہ ١٤١٢ھ
(الف فتویٰ نمبر:٢٨/٢٨٨١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٦/١١/١٤١٢ھ

نوجوان لڑکیوں کو باپردہ فن ادب پڑھانے والے کی امامت

ســوال: [٢٢٩٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی نوجوان امام صاحب کسی نوجوان لڑکی کو پردہ کے ساتھ فن ادب پڑھائے ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد اقبال مرادآبادی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگرفن ادب میں ایسے مضامین ہیں جس سے ہیجان پیدا ہوسکتا ہے، تو پردہ وعدم خلوت کے باوجود ناجائز اور حرام ہوگا، نیز قرآن کریم کی تعلیم کوبھی مکروہ لکھا ہے۔

لو تعلمت النساء قرآنا من الأعمى هل فيه ضرر نعم يكره ذلك (قوله) لأن تعليم النساء من الرجل وإن كان أعلى واجتماعهن معه مقام الفتنة الخ. (نفع المفتی والمسائل /۲۳)

اوراگرایسے مضامین نہ ہوں توعدم حاجت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہوگااوراگرپردہ کے باوجود خلوت کااحتمال ہوتوحرام ہوگا۔حدیث میں آیاہے:

لا يخلون الرجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان. الحديث : (مستدرك ، كتاب العلم ، جديد مصطفى باز١/١٦٦، رقم: ٣٨٧/ ٣٩٠، ترمذى ، باب كراهية الدخول على المغيبات / ٢٢١، مشكوٰة، كتاب النكاح ، باب النظر إلى المخطوبة/٢٦٩، رقم: ٢٩٧٧)

المعنى يكون الشيطان معهما يهيج كل منهما حتى يلقيهما فى الزنا (وقوله)لا يخلون الرجل بامرأة كائنين على حال من الأحوال إلا على هذه الحالة وفيه تحذير عظيم الخ. (مرقات، باب النظر إلى المخطوبة: الفصل الثانى ، امداديه ملتان ٦/١ ٢٠)

لہٰذاامام صاحب کومسئلہ بتلادیا جائے اورسمجھا یاجائے ،اگراسکے باوجود بازنہ آئیں توفاسق ہونگے ،اوران کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی۔

ولهذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين وفى الطحطاوى كون الكراهة فى الفاسق تحريمية . (مراقى مع الطحطاوى ، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة قديم ١٦٥، جديد دارالكتاب ديو بند/٣٠٢)

ویکـره تـقـدیـم العبد لأنه لا یتفرغ للتعلیم ، والأعرابی لأن الغالب فیهم الجهل والفاسق لأنه لا یهتم لأمر دینه . (هدایه ، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة، اشرفی دیو بند ١/ ١٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳٦۸)

جس کی بیوی بے پردہ سفر کرتی ہو اس کی امامت کا حکم

سوال: [۲۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر کی بیوی شبانہ جو پردہ وغیرہ کو نہیں مانتی ہے بلکہ زیب وزینت کر کے بغیر محرم کے سفر بھی کرتی ہے، بغیر پردہ بازار یا محلّہ میں کسی کے یہاں بھی گھومنا شبانہ کی عادت بن چکی ہے، مگر بیچارہ بکر ایک مسجد کا امام ہے، اب عوام کا اعتراض یہ ہے کہ بکر کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی ہے، جس کی دلیل بکر کی بیوی شبانہ کے بے پردہ گھومنے کی ہے! امید کہ جواب سے مستفیض فرمائیں گے؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: عارف قاسمی، بخارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بکر اپنی بیوی شبانہ کو بغیر محرم کے سفر کرنے اور بے پردہ بازار وغیرہ میں گھومنے پھرنے پر روک تھام نہیں کرتا ہے، تو اسکے پیچھے نماز مکروہ ہوگی اور امامت کا اہل نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۹۹، جدید ڈابھیل ٦/ ۲۴۳، رحیمیہ قدیم ۴/ ۳۵۸، ۳٦۰، جدید زکریا ۴/ ۱۸۰، ۱۸۱)

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً. (التحريم: ٦)

عبـد الله بـن عمر يقول: سمعت رسول الله ﷺ يـقول: كلكم راع ،

وكلكم مسئول عن رعيته، الإمام راع ومسئول عن رعيته، والرجل راع في أهله، وهو مسئول عن رعيته. (صحيح البخاري، كتاب الجمعه، باب الجمعة فی القری والمدن، النسخة الهندیه ١/ ١٢٢، رقم: ٨٨٣، ف: ٨٩٣، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٢/ ١٣، رقم: ٥٣٧٧، المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربي ١٣/ ١٦٧، رقم: ١٣٨٦٣)

اوراگر روک تھام کرنے کے باوجود بے پردہ بازاروں میں پھرتی ہے اور بکر اسکی حرکتوں پر بالکل راضی نہیں ہے، تو بکر کی امامت بلاکراہت درست ہے۔(محمودیہ قدیم ۲/ ۹۹، جدید ڈابھیل ٦/ ۲۴۳، امدادالفتاویٰ زکریا ۱/ ۳۵۴)

وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرىٰ. (سورة النجم: ٣٨)

إنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل فی البیع، امدادیه ملتان ٦/ ٢٩، زکریا٧/ ٦٤، شامی، كتاب الخطر والإباحة، فصل فی البیع کراچی ٦/ ٣٩٢، زکریا٩/ ٥٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۱۰)

نامحرم عورت کو بہن یا بھابھی بنا کر رکھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب جوکہ پہلے زنا کر چکے ہیں اور اس وقت کسی نامحرم خاتون کو بہن یا بھابھی بنا کر رکھا ہے، اور ان سے ہنسی دل لگی اور مذاق کی باتیں تنہائی میں اور لوگوں کے سامنے کرتے ہیں یہ ان امام صاحب کا فعل شریعت کی رو سے جائز ہے یا ناجائز وضاحت فرمائیں، اور اگر اس امام کے اس فعل کی وجہ سے مصلیوں کے دلوں میں ان امام صاحب کی اس بنائی ہوئی بہن یا بھابھی

سے کسی بدفعلی کے شکوک وشبہات ہوں اور وہ کراہت سے ان کے پیچھے نماز پڑھیں تو ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: مشتاق احمد انصاری، دولت باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نامحرم عورت سے بلا ضرورت باتیں کرنا اور تنہائی اختیار کرنا ناجائز ہے، ایسا شخص فاسق ہے اور فاسق امام کی نماز مکروہ تحریمی ہے، لهذا ایسے امام کے پیچھے نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ ألا لا يخلونَّ رجل بامرأة إلا كان ثالثهما الشيطان. (ترمذی شریف، کتاب الرضاع، باب كراهية الدخول على المغيبات، النسخة الهندية ١/٢٢١، دارالسلام رقم: ١١٧١، ، كتاب الفتن، باب في لزوم الجماعة، النسخة الهنديه ٢/٣٩، دارالسلام رقم: ٢١٦٥)

عن ابي امامةؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إياكم والخلوة بالنساء والذی نفسی بيده ما خلا رجل وامراة إلاّ دخل الشيطان بينهما وليزحم رجل خنزيراً متلطخاً بطين أو حمأةٍ خير له من أن يزحم منكبه منكب امراءة لا تحل له. الحديث: (المعجم الكبير، مطبع دار إحياء التراث العربي ٨/٢٠٥، رقم: ٧٨٣٠)

الخلوة بالأجنبية حرام لا يكلم الأجنبية وتحته فی الشامية قال فی القنية مكروهة كراهة تحريم. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، كراچی ٦/٣٦٨، زكريا ديوبند٩/٥٢٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۷۹)

مطلقہ ثلاثہ کوساتھ رکھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیں پھراس کے بعد وہی بیوی اس کے گھر میں ہے، اور اس سے دو بچے پیدا ہوئے اور حلالہ نہیں ہوا ہے، اور نہ نکاح ہوا کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یانہیں؟ مدلل بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد اقبال سیتاپوری، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ اور بغیر نکاح کے تین طلاق والی عورت کو بیوی کی طرح رکھنا زنا کاری ہے، وہ شخص فاسق مجاہر ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

ولذا كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته، وكون الكراهة في الفاسق تحريمة الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان الأحق بالإمامة، دارالکتاب دیوبند/۱ ۳۰۱، قدیم /۱۶۵، شرح النقایہ، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الصلاۃ، اعزازیہ دیوبند ۱/۸٦، شرح وقایہ، کتاب الصلاۃ، فصل فی الجماعۃ، اشرفی ۱/۱۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۱۱)

منکوحۃ الغیر کا نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خلاصہ واقعہ: موضع جونکا سے لگ بھگ ۴ رکلومیٹر دوری پر ایک گاؤں کلیان چک واقع ہے اس

گاؤں (کلیان چک) کی ایک لڑکی شہناز خاتون کی شادی پھل بھنگا گاؤں کے لڑکے بادشاہ انصاری کے ساتھ ہوئی تقریباً ۳؍سال تک اپنے شوہر بادشاہ انصاری کے ساتھ رہی، اسکے بعدلڑکے کا دادا اسیر الدین (جو سردار اور پیش امام کلیان چک میں) اپنی پوتی کوکلیان چک لے آیا، مگر دادا اسیر الدین صاحب نے نہیں بھیجا، اتفاق سے وہ لڑکی کلیان چک کے ایک لڑکے امیر علی سے پھنس گئی، اس حرکت سے لڑکی کے دادا اسیر الدین نے لڑکا امیر علی اور لڑکی شہناز خاتون کولیکرار ایم کورٹ راج محل میں کورٹ شادی (لومیرج) کرادی، بعدا سکے اسیرالدین صاحب اپنی پوتی شہناز خاتون اورامیر علی کولیکر کلیان چک آیا، اسیرالدین صاحب نے کورٹ کی شادی کی پوری حقیقت کلیان چک والوں کو سنا کر شریعت مطہرہ کے مطابق شادی پڑھوانے کا ارادہ ظاہر کیا، اسیرالدین اور کلیان چک والوں کو اس بات کی پوری جانکاری تھی کہ شہناز خاتون کواس کے پہلے شوہر بادشاہ انصاری نے طلاق نہیں دی ہے، کلیان چک والوں نے اس بات کا فیصلہ اسیرالدین صاحب کے سر رکھا، یہ کہتے ہوئے کہ یہ لڑکی طلاق شدہ ہے یا نہیں؟ اگرلڑکی طلاق شدہ ہےتو آپ ہی کلیان چک میں نکاح خواں ہے، ان کی شادی امیر علی سے پڑھا دیجئے اسیر الدین صاحب سے کوئی جواب نہیں بن پڑا، خاموشی اختیار کرلی، دوسرے روز اسیرالدین مع شہناز خاتون امیر علی اور ایک آدمی قسمت اللہ کولیکر جونکا گاؤں کی جامع مسجد کے امام حسن منشی صاحب کے گھر آئے اور امیر علی کے ساتھ شہناز خاتون کا نکاح پڑھانے کوحسن منشی سے کہا، حسن منشی نے پیش امام اسیرالدین سے پوچھا یہ لڑکی پہلے شوہر کی طلاق شدہ ہے یا نہیں؟ لڑکی کے دادا اسیر الدین نے کہا لڑکی طلاق شدہ ہے، بلکہ کورٹ میرج بھی کرچکی ہے، ثبوت کیلئے آر، ایم کورٹ کا بھی کاغذ ساتھ ہے، یہ لیجئے اورشادی کرادی، حسن منشی صاحب نے اسیر الدین کی زبانی بات سن کر اور کورٹ کے کاغذ کے مطابق نکاح پڑھانے کا حکم اپنے لڑکے شمیم احمد پوری کو دیا، دو گواہوں کی موجودگی میں شمیم احمد نے نکاح پڑھادیا اور حسن منشی نے خطبہ پڑھا، اس

نکاح کی خبرآنا فاناً پورے جونکا گاؤں میں ہوگئی، تحقیق کرنے پر پتہ چلا، کہ حسن منشی صاحب نے ناجائز شادی پڑھائی ہے،لڑکی طلاق شدہ نہیں ہے، پرحسن منشی صاحب اپنی بات پر ڈٹے رہےاورگاؤں والوں سے کہا جی نہیں میں نے جائز نکاح پڑھایا ہے،اس بناءپر کہ حسن منشی صاحب نے ناجائز نکاح پڑھایا ہےگاؤں والوں نے امامت سےان کو علیحدہ کردیا ہے، مذکورہ بالا معاملات سے چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں، براہ کرم قانون شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمانے کی زحمت گوارہ کی جائےعین نوازش ہوگی۔

(۱)حسن منشی کا یہ نکاح پڑھانا یاپڑھوانے کاحکم دینا جائز ہے یاناجائزاگر ناجائز ہےتواس غلط حرکت کا کفارہ کیا ہے؟

(۲)حسن منشی صاحب کودوبارہ پیش امام بنایا جاسکتا ہے یانہیں؟

(۳)حسن منشی صاحب جن کوامامت سےعلیحدہ کردیا ہےفی الحال نکاح پڑھاسکے ہیں یانہیں؟

المستفتي: باشندگانِ جونکا،
پوسٹ: جونکا،صاحب گنج، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں شہناز خاتون بادشاہ انصاری کی بیوی ہے،اگرامیرعلی کواس بات کاعلم تھا کہ بادشاہ نےطلاق نہیں دی ہےتو شرعاً امیرعلی کا نکاح شنہاز خاتون کے ساتھ باطل ہے، اوراسیرالدین وامیرعلی فاسق اورگناہ کبیرہ کےمرتکب ہیں، جب تک خالص توبہ نہ کرکے باز نہ آئیں ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی ،اور برادری کےلوگوں کوچاہئے کہ توبہ کرنے تک ان سےقطع تعلق کردیں۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامی ،کتاب النکاح ،باب المھر مطلب فی النکاح الفاسد زکریا٤/ ٢٧٤، کراچی ٣/ ١٢٢، فتاویٰ

عالمگیری ، کتاب النکاح ، الباب الثالث فی بیان المحرمات القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر، زکریا قدیم ۱/ ۲۸۰، جدید ۱/ ۳٤٦)

وَلاَ تَرْكَنُوْا إِلىٰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. (سورة هود: ۱۱۳)

(۱) نیز اگر حسن منشی صاحب نے اصل واقعہ کے علم ہونے کے باوجود نکاح پڑھانے کا حکم دیا ہے، تو وہ فاسق ہے اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اس کا کفارہ خالص توبہ ہے۔

قال الله تعالىٰ: إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلىٰ اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ. (النساء: ۱۷)

(۲) اگر خالص توبہ کر کے باز آ جائے تو جائز ہے۔

عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه ، كتاب الزهد، باب ذكر التوبة ، النسخة الهندية ۲/ ۳۱۳، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠)

(۳) فاسق کے نکاح پڑھانے سے بھی موانع نکاح نہ ہونے کی صورت میں نکاح صحیح ہوجاتا ہے، البتہ نیک صالح شخص سے نکاح پڑھانا افضل ہے، اور اگر حسن منشی کو واقعہ کا علم نہ تھا تو فاسق نہیں ہے، اسکے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے، نیز غیر مسلم جج یا مسلم جج کے غیر شرعی فیصلہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (کفایت المفتی قدیم ۶/ ۲۲۶، جدید زکریا ۶/ ۲۵۲، زکریا مطول ۴/ ۲۵۶، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۱۴۳، ۳/ ۱۴۴، جدید زکریا ۸/ ۳۷۷، ۳۷۸)

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم الخ. (شامی ، کتاب القضاء ، باب التحكيم كراچی ٥/ ٤٢٨، زكريا ٨/ ١٢٦، كوئٹه ٤/ ٣٨٦)

وقد اتفق الأئمة الحنفية والشافعية على أنه يشترط لصحة الحكم واعتبرا فى حقوق العباد الدعوى الصحيحة وأنه لابد فى ذلك من الخصومة الشرعية الخ. (شامی ، كتاب القضاء ، مطلب الحكم الفعلى كراچی ٥/ ٣٥٤، زكريا ٨/ ٢٣، كوئٹه ٢/ ٣٣٢، تبيين الحقائق ، كتاب القضاء ، باب التحكيم

ملتان ٤/١٩٣ زکریا) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧؍ ذیقعدہ ١٤٠٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ٩٧٠)

دوران عدت نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جامع مسجد کا امام ہے جس کے ذمہ شہری مکتب قضائت (نکاح خوانی) امامت کی ذمہ داری ہے، جو نہایت ہی ذمہ داری کیساتھ اپنی سپرد کردہ خدمات انجام دیتا ہے، لیکن کچھ غلطیوں کی وجہ سے بعض لوگ ناراض ہیں، ہوا یہ کہ ہمارے گاؤں میں ہندہ نامی ایک لڑکی ہے یہ لڑکی اس سال رمضان میں یعنی ستمبر کے ماہ میں اپنے شوہر کے گھر کو چھوڑ کر میکے میں رہنے لگی، دسمبر میں یا جنوری میں اسکی سسرال کے لوگ اسکو لینے کے لئے بھی آئے تھے (بقول اہل محلّہ) لیکن ہندہ نے جانے سے انکار کر دیا۔

١٥؍ جنوری کو ہندہ کا باپ امام صاحب زید کے پاس آیا اور اپنی لڑکی کے نکاح پڑھانے کی بابت کچھ بات چیت کی، امام صاحب تیار ہو گئے، ١٥؍ جنوری کو عصر کے بعد نکاح ہونا تھا، اسلئے اہل محلّہ کو جمع کیا گیا گواہوں اور وکیل کے ناموں کا اندراج ہوا، وکیل ایک مولوی صاحب (خالد) کو بنایا گیا، مولوی صاحب نے کہا آپ اسکا دوسرا نکاح پڑھوا رہے ہیں، پہلے نکاح کا طلاق نامہ دکھائیے، کورٹ سے آیا ہوا طلاق نامہ دکھایا گیا تو اس پر طلاق دینے کی تاریخ ۵؍ جنوری ڈلی ہوئی تھی، تب مولوی خالد صاحب نے وکالت کرنے سے انکار کر دیا اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تو لڑکی کے والد نے کہا کہ زبانی طلاق دینے کو چار ماہ ہو چکے ہیں، تب امام صاحب زید نے نکاح پڑھا دیا، خیر نکاح ہو گیا، رخصتی ہو گئی اور ہندہ اپنے دوسرے شوہر کیساتھ اپنی زندگی گذار رہی ہے۔

مسئلہ اس وقت الجھا جب لوگوں نے ہندہ کے سابق شوہر سے معلوم کیا کہ آپ نے ہندہ کو کب طلاق دی تو ہندہ کے سابق شوہر نے حلفیہ بیان دیا کہ میں نے ہندہ کو ۵؍جنوری کو ہی طلاق دی ہے، اس سے پہلے میں نے طلاق نہیں دی، اب زید امام صاحب یہ کہتے ہیں، کہ اگر میں اس دن یہ نکاح نہیں پڑھاتا تو کوئی اور پڑھادیتا، امام صاحب مزید یہ کہتے ہیں کہ اگر ہندہ کا آج نکاح نہیں کرایا جاتا تو وہ بھاگ جاتی، مزید کہتے ہیں اگر اس کا نکاح نہ کرایا جاتا تو وہ زنا میں مبتلا ہو جاتی، مزید کہتے ہیں کہ نکاح پڑھوانے کیلئے ان پر دباؤ تھا، اسلئے انھوں نے یہ نکاح پڑھادیا۔

اب چند سوالات قابل دریافت ہیں!

(۱) ان امام صاحب کے پیچھے نماز پنجوقتہ اور نماز جنازہ ادا کریں یا نہ کریں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ابھی تک جو نمازیں پڑھی ہیں کیا وہ قابل اعادہ ہیں اور ان کا اعادہ ضروری ہے؟

(۲) ان امام صاحب سے نکاح پڑھوا سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ وہ پورے گاؤں والوں کے نکاح پڑھاتے ہیں؟

(۳) ہندہ کا نئے شوہر کے ساتھ زندگی گذارنا شریعت اس کے متعلق کیا کہتی ہے؟ ابھی ان میں جو میل جول مباشرت ہورہی ہے کیا وہ زنا میں شمار ہوگی؟ یعنی نئے شوہر اور ہندہ میں تفریق ضروری ہے یا ایسے ہی رہنے دیا جائے، جبکہ ہندہ کے والد اور نیا شوہر کم عقل اور ضدی قسم کے لوگ ہیں، شریعت کے حکم کو نعوذ باللہ کسی اہمیت کا حامل نہیں سمجھتے؟ تفریق ہوگی تو اسکے لئے کیا صورت اختیار کی جائے؟

(۴) ہندہ اور موجودہ شوہر میں تفریق کردی گئی تو اس کی عدت طلاق کی کہاں سے شمار ہوگی ۵؍جنوری سے یا نئے شوہر سے تفریق کے وقت سے؟

(۵) خدانہ خواستہ اگر ہندہ اس دوران موجودہ شوہر سے حاملہ ہوگئی تو اسکے لئے مسئلہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

(٦) مذکورہ بالا امام زید اپنی امامت شروع کرنے سے پہلے توبہ کرے گا، تو یہ توبہ علی الاعلان ہو

یا پھر چپکے چپکے توبہ کرلے، امام کی توبہ تفریق کے بعد قابل قبول ہوگی یا عدت کے بعد اس کی بھی وضاحت کریں؟ یا اس کی کوئی ضرورت نہیں؟ مزید جو شقیں بھی اس مسئلہ میں آپکے تجربہ کی روشنی میں نکل سکتی ہوں اور ہمارے علم میں نہ ہوں تو براہ کرم ان سے بھی آگاہ فرمائیں، تاکہ مزید مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے- بیّنوا و توجروا۔

المستفتي: عبداللہ، حکیم الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ میں بھی ۵/جنوری درج ہے اور شوہر نے بھی ۵/جنوری کو ہی طلاق دینے کا حلفیہ بیان دیا ہے، اور اس سے پہلے اس نے کبھی طلاق نہیں دی ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں اس کی وضاحت ہے، اس لئے ۵/جنوری ہی سے ہندہ کی عدت شمار ہوگی، اور پھر ۱۵/جنوری میں جو نکاح کیا گیا ہے وہ نکاح فاسد ہوا ہے، اگر لڑکے والے کو بھی ۵/جنوری میں طلاق کی بات معلوم تھی تو یہ نکاح بالکل باطل ہوا ہے، اور اس نکاح کے بعد جو ہمبستری ہوئی ہے وہ حرام کاری اور بدکاری ہے، اور امام صاحب نے جو نکاح پڑھایا ہے اگر محض باپ کے جھوٹے بیان پر اعتماد کرکے نکاح پڑھایا ہے کہ طلاق دیئے ہوئے چار ماہ ہو چکے ہیں، تو امام صاحب قصوروار نہیں ہیں، سارا گناہ باپ کے سر ہوگا، اور لڑکی اور لڑکے دونوں پر بھی گناہ عظیم کا وبال ہوگا، لیکن اگر امام نے باپ کے چار مہینے والی بات پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اس کو معلوم ہے کہ ۵/جنوری کو طلاق ہوئی ہے اس کے باوجود ۱۵/جنوری کو نکاح پڑھا دیا، اور امام صاحب صرف وہ اعذار پیش کرتے ہیں جو سوالنامہ میں ہیں، تو ایسی صورت میں مذکورہ امام بھی گنہگار ہوگا اور ان پر توبہ لازم ہوگی، اب رہا امام صاحب کا دوسروں کا نکاح پڑھانا تو وہ بہرحال صحیح ہوگا، اس لیے کہ نکاح، فاسق قاضی کے ذریعہ بھی ہوجاتا ہے، لیکن جب تک توبہ نہیں کرے گا اس وقت تک امامت مکروہ تحریمی رہے گی، اور جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ ضروری نہیں ہے۔

وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع ومنع غيره فيها لاشتباه النسب. (درمختار مع الشامي ، كتاب الطلاق ، باب الرجعة مطلب في العقد على المبانة كراچی ٣/٤٠٩، زكريا ٥/٤٠)

اوراگر ہندہ دوسرے نکاح سے حاملہ ہوگئی ہے تو اس کی عدت بچہ کی ولادت کے بعد پوری ہوگی، اوراس بچہ کا نسب پہلے شوہر سے ثابت ہوگا جب کہ بچہ طلاق کے بعد دوسال کے اندر اندر پیدا ہوا ہو۔

والمبتوتة يثبت نسب ولدها إذا جاءت لأقل من سنتين ؛ لأنه يحتمل أن يكون الولد قائماً وقت الطلاق فلا يتيقن بزوال الفراش قبل العلوق فيثبت النسب احتياطاً . (هدايه اشرفی، كتاب الطلاق ، باب ثبوت النسب ٢/ ٤٣٠، درمختار مع الشامی ، كتاب الطلاق ، باب العدة ، فصل فی ثبوت النسب كراچی٣/ ٥٤٠، زكريا٥/ ٢٣١، عالمگيری ، كتاب الطلاق ، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب زكريا قديم ١/٥٣٧، جديد١/ ٥٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲۹/۳۸)

مہتمم صاحب کی اجازت کے بغیر نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شادی شدہ عورت اس کا اصل خاوند تھا اس نے اپنے گھر پر اپنی علالت کی بنا پر بیوی سے یہ کہد یا تو میر پاس سے چلی جاوہ عورت اپنے خاوند کے رشتہ دار کے یہاں خود چلی گئی، جب اس کا خاوند صحت یاب ہوگیا تب بھی اپنی بیوی کو لانے کی پرواہ نہیں کی وہ عورت اپنے خاوند کے رشتہ دار بہنوئی کے یہاں رہتی تھی، وہ عورت ان کے یہاں سے چلی گئی یہ کہہ کر کہ میں کہیں جارہی ہوں وہ آ کرایک آدمی کے یہاں پر دوتین روز رہی اورانہوں نے اس کو بہلا پھسلا کر

اس کا نکاح دوسرے شخص کیساتھ پڑھوادیا اور یہ کہا کہ تجھے تیرے پہلے خاوند نے طلاق دیدی ہے، جبکہ اس کے خاوند نے بالکل طلاق نہیں دی تھی۔

اور اب ہم نے اچھی طرح اس کی تحقیق وتصدیق کر لی ہے کہ واقعی اس کو طلاق نہیں ہوئی تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسمیں جو گواہ وکیل اور نکاح پڑھانے والے مولوی جو جامع مسجد افضل گڈھ میں پیش امام تھے، جبکہ ان سے مہتمم صاحب نے اس بات کی تاکید کردی تھی کہ اگر کسی مطلقہ یعنی نکاح شدہ کے نکاح پڑھانے کا معاملہ آپ کے پاس آئے تو مجھ سے معلوم کر لینا اور میری اجازت کے بغیر نکاح مت پڑھانا کیونکہ تم بستی کے حالات سے واقف نہیں ہو۔

انھوں نے کسی لالچ کے ماتحت کچھ لوگوں کے کہنے سے مہتمم صاحب کی اجازت کے بغیر نکاح پڑھادیا، جبکہ وہ عورت نکاح شدہ تھی اس کو طلاق بھی نہیں ہوئی تھی۔

تو امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور یہ لوگ جو گواہ، وکیل اور امام صاحب ہیں کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہیں؟ ازراہ کرم جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتي: حاجی حسین صاحب، مہتمم
جامع مسجد، افضل گڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر عورت نے اپنے آپ کو مطلقہ ظاہر کیا ہے، اور حقیقت میں مطلقہ نہیں تھی، اور امام مذکور کو اس حقیقت کا علم نہیں تھا، تو امام مذکور فاسق نہیں ہے، اس کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہو جائے گی، لیکن اب علم ہو چکنے کے بعد توبہ بھی کر لینا لازم ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۱۰/۳۳۴)

إِنَّما التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ. (النساء: ۱۷)

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لايوجب العدة إن

علم أنها للغير ، لأنه لم يقل أحد بجوازه ، فلم ينعقد أصلاً . (شامی، کتاب النکاح ، مطلب فی النکاح الفاسدة کراچی ۳/ ۱۳۲، زکریا ٤/ ۲۷٤)

اور مہتمم صاحب کی بلا اجازت نکاح پڑھانا علت فسق نہیں ہے۔

وقد قيد ذلک جماعة من أهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعي فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها. (بذل المجهود ،کتاب الصلاة ، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون ، دارالبشائر الإسلاميه جدید ٥/٤٧٥، قدیم مطبوعه میرٹھ ۱/ ۳۳۱)

جس لالچ کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کے متعلق امام مذکور سے براہ راست تفصیل معلوم کرنے کے بعد غور کیا جا سکتا ہے! فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ رشوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۳۵)

مطلقہ سمجھ کر نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام نے کسی کا نکاح پڑھایا صرف اس بنا پر کہ انھوں نے لڑکی سے دریافت کیا کہ تمہیں طلاق پہلے والے شوہر سے ہو چکی ہے لڑکی اور لڑکا دونوں نے ہی طلاق ہونے کی تصدیق کی بعد میں پتہ چلا کہ لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی ہے، اور تین چار سال سے اس لڑکی کا پہلے شوہر سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو کیا اس صورت میں امام صاحب کے پیچھے نماز درست ہے یا یہ کہ امام صاحب کا خود کا نکاح باطل ہو گیا یا پھر امام صاحب نے یہ عقد پڑھا کر کون سے جرم کا ارتکاب کیا ہے، اور ان کو اس جرم سے چھٹکارہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

امام صاحب نے نکاح پڑھایا صرف اس بناء پر کہ لڑکی نے پوری مجلس میں یہ کہا کہ مجھے پہلے شوہر سے طلاق ہو چکی ہے، لیکن باوجود ہر ممکن کوشش کے اس بات کی تحقیق نہیں ہو سکی آیا اسکی طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ تو ان امام صاحب کے لئے کیا حکم ہے، آیا ان کے پیچھے نماز درست

ہے یانہیں؟ اوران کا خود کا نکاح فاسد ہو گیا یا اور کوئی جرم عائد ہوتا ہے؟

المستفتي: انتظامیہ کمیٹی، جالندھرشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب لڑکا اورلڑکی دونوں نے امام صاحب سے پہلے شوہر سے طلاق ہوجانے کو بیان کیا ہے اوران کے بیان کے مطابق عقد ثانی پڑھادیا ہے، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر امام صاحب پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، اور نہ ہی امام صاحب پر کسی قسم کے جرم کا الزام لگ سکتا ہے، البتہ اس کا گناہ دونوں ،لڑکا اورلڑکی پر ہوگا ، اور شرعی طور پر وہی دونوں مجرم ہیں،اورامام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے میں کسی قسم کی خرابی لازم نہیں ہوگی،اور نہ امام صاحب کے نکاح میں کوئی فرق آئیگا۔

قال الله تعالیٰ : وَلَا تَزِرُوْا وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْريٰ. (سورة النجم : ۳۸)

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار. (تبيين الحقائق ، كتاب الكراهية ، فصل في البيع ، امداديه ملتان ٢٩/٦ ، زكريا ٦٤/٧، شامی ، كتاب الحظر الإباحة ، فصل في البيع زكريا٥٦٢/٩، كراچی ٣٩٢/٦)

اورجب شوہر اول سے درحقیقت طلاق نہیں ہوئی تھی ،تو اب لڑکی کیلئے دوسرے شوہر کیساتھ رہنا جائز نہیں،دونوں کوالگ کردینا ضروری ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة، إن علم أنها للغير ، لأنه لم يقل أحد بجوازه ، فلم ينعقد أصلاً . (شامی، كتاب النكاح ، باب المهر ، مطلب في النكاح الفاسد، زكريا٢٧٤/٤، كراچی ١٣٢/٣)

امام صاحب پر شرعاً کوئی جرم عائد نہیں ہوتا، اور نہ امام صاحب کے خود کے نکاح میں کوئی خرابی آئیگی۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۵؍۱۴۱۶ھ

منکوحہ یا معتدہ کا نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی آدمی حلال کو حرام جانے یا حرام کو حلال جانے تو وہ آدمی مسئلہ کے اعتبار سے کافر ہو جائیگا، جیسے مالا بدمنہ میں ہے، تو اگر کسی امام صاحب نے بغیر طلاق کے دوسرے آدمی سے نکاح پڑھادیا یا عدت کے اندر نکاح پڑھادیا تو اس امام صاحب کی بیوی پر طلاق پڑے گی یا نہیں؟ اور امام صاحب کا ایمان ہے یا نہیں؟ اور ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ یہ امام صاحب نے جان بوجھ کر کیا ہے، ثبوت موجود ہے۔

المستفتي: مزمل حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے غیر مطلقہ کا نکاح جان بوجھ کر پڑھایا ہے یا عدت کے اندر جان بوجھ کر پڑھایا ہے، اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے، کہ ثبوت موجود ہیں، کیا امام صاحب نے یہ اقرار کیا ہے، کہ میں نے جان بوجھ کر پڑھایا ہے ، اگر اقرار کیا ہے تو کیا اس کے دو شرعی گواہ ہیں؟ نیز اگر امام صاحب نے جان بوجھ کر پڑھایا تو کیا امام صاحب کو یہ مسئلہ بھی معلوم ہے، کہ غیر مطلقہ کا نکاح یا عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے، بالفرض اگر امام صاحب نے جان بوجھ کر نکاح پڑھایا ہے، تو کیا امام صاحب نے اس کا بھی اقرار کیا ہے، کہ میں نے حرام کام کو حلال جان کر کیا تھا، یا حلال کو حرام جان کر کیا تھا، اگر امام صاحب نے حرام کو حرام جان کر کیا ہے، تو گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، اور اس گناہ سے توبہ کرنا کافی ہوگا، امام صاحب کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا اور نہ امام صاحب کی بیوی نکاح سے خارج ہوئی اور اگر امام صاحب نے اقرار کیا ہے، کہ میں نے حرام کو حلال جان کر کیا ہے، تو اس کا حکم ہم اس وقت تک نہ لکھیں گے جب تک ہمارے سامنے امام صاحب کی طرف سے اقرار نامہ نہ آجائے۔

قال الله تعالیٰ: يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تَصِيْبُوْا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتَصْبَحُوْا عَلىٰ مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ. (الحجرات : ٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۷۱)

شخص واحد سے دو بہنوں کا نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے امام صاحب نے ایک شخص کا اس کی بیوی کی موجودگی میں بیوی کی سگی بہن سے نکاح پڑھایا پہلی بیوی سے ایک لڑکا بھی ہے تو کیا یہ نکاح درست ہے اگر نہیں تو اس نکاح پڑھانے والے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

نوٹ: بوقت نکاح لڑکی کے والدین یا وارثین میں سے کوئی موجود نہیں تھے۔

المستفتي: منگل خاں، گاؤں: دیوپورہ ننگلہ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کی موجودگی میں اس کی سگی بہن سے نکاح شرعاً باطل اور حرام ہے، اور ہمیشہ زنا کاری ہوتی رہے گی، اور جان بوجھ کر جس نے نکاح پڑھایا ہے اور جن لوگوں نے اس نکاح میں شرکت کی ہے وہ سب گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں، سب پر توبہ لازم ہے، اور جب تک امام صاحب اس کا اعلان نہ کریں کہ جو نکاح ہوا ہے وہ غلط اور باطل ہوا ہے، اور جب تک عورت کو مرد سے علیٰحدہ کرنے کا اعلان نہ کریں امام صاحب شرعاً فاسق رہیں گے، اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اور ایسے امام کو الگ کرکے دوسرا باشرع امام مقرر کرنا چاہئے۔

وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الأُخْتَيْنِ .(سورة النساء : ٢٣)

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ .(سورة المائده: ٢)

وحرم الجمع بين المحارم نكاحاً أي عقدا صحيحاً الخ. (شامی ، کتاب النکاح ، فصل فی المحرمات، کراچی ٣/٣٨، زکریادیوبند٤ /١١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفااللہ عنہ
۵/صفر۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۷/ ۲۵۳۶)

نرودھ استعمال کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شادی شدہ ہے وہ اپنی بیوی سے صحبت کرتے وقت نیرودھ کا استعمال کرتا ہے، کیا نیرودھ کا استعمال کرنا جائز ہے؟ نیز ہمارے محلّہ کے امام صاحب اپنی بیوی کے ساتھ رہتے ہیں، وہ بھی نیرودھ استعمال کرتے ہیں، ان کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کوئی کراہت تو نہیں، اگر ہے تو مفصل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: امیر حسین، مدرسہ حبیبیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلاعذر شرعی نرودھ کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر عذر شرعی مثلاً حمل کی وجہ سے بچہ کی پرورش اور غذا میں خلل آنے کا اندیشہ یا عورت کی جان یا سخت مرض کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بیوی کی اجازت سے نرودھ کے استعمال کی گنجائش ہے، نیز یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہوئی کہ امام نرودھ کا استعمال کرتے ہیں، صرف لوگوں کی باتوں میں نہیں آنا چاہئے۔

عن عمر بن الخطاب قال: نهى رسول الله ﷺ أن يعزل عن الحرة

إلا بإذنها. (سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب العزل، النسخة الهندية /١٣٨،
دارالسلام رقم:١٩٢٨، المعجم الأوسط دار الفكر ٢/١١٤، رقم:٣٦٧٩)

عن عمر بن الخطاب ؓ : أن النبي ﷺ نهى عن العزل عن الحرة إلا بإذنها. (مسند أحمد بن حنبل ١/٤٠، رقم: ٢١٢)

ويعزل عن الحرة بإذنها. (در مختار) وفي الشامية: فإباحة الإسقاط محمولة على حالة العذر. (شامي كتاب النكاح، باب نكاح الرقيق، مطلب في حكم إسقاط الحمل زكريا٤/٣٣٦، كراچی ٣/١٧٥، ١٧٦)

عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ كفى بالمرء كذباً أن يحدث بكل ماسمع. (صحيح مسلم، مقدمه ١/٨، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٥/٢٠، رقم: ٨٢٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۶۵۷)

بلا عذر شرعی حمل ساقط کرانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو کہ عالم دین ہے اور قاضی شہر بھی ہے، اس نے ہندہ سے شادی کی تھی جو کہ اس کی تیسری شادی تھی، معلوم ہوا کہ پہلی دو بیویوں کو طلاق ہوئی نہ معلوم ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا بہر کیف تیسری بیوی کیساتھ یہ عمل رہا کہ ایک بار دواؤں کے ذریعہ سے دو ماہ کا حمل ساقط کرایا دوسری مرتبہ پانچ ماہ کا حمل ساقط کرایا، دونوں مرتبہ جان کے لالے پڑ گئے ہو سپٹل میں صفائی کرانی پڑی زید کا کہنا ہے کہ مجھے رنگ رنگ کے بچے اچھے نہیں لگتے بچوں کی مجھے ضرورت نہیں پہلی سے تین بچے ہیں اب تیسری بیوی زید کے اس عمل سے گھبرا کر طلاق مانگ رہی ہے، جواب طلب امر یہ ہے کہ ایک عالم دین اور پیشوا کا یہ عمل

کہاں تک درست ہے، اگر یہ عمل خلاف شرع ہے تو اس کی سزا کیا ہے؟ اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: عبداللہ ہلدوانی، پیرجی دوکاندار،
لائن نمبر۱۲، آزادنگر، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی عذر شرعی کے بغیر حمل ساقط کرانا سخت گناہ ہے، ایسا کرنیوالا شخص شرعاً فاسق ہے، اسے توبہ کرنا لازم ہے، اگر توبہ نہ کرے تو پھر اس کو امام نہ بنایا جائے، اور اگر صدق دل سے توبہ کرے اور توبہ پر قائم رہے تو پھر امام بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمود یہ ۷/۹۲)

فلما كان يؤاخذ بالجزاء فلا أقل من أن يلحقها إثم هنا إذا أسقطت بغير عذر . (شامی ، كتاب النكاح ، مطلب فی حكم إسقاط الحمل، زكريا ٤/٣٣٦، كراچی ٣/١٧٦، البحر الرائق ، كتاب النكاح ، باب نكاح الرقيق ، زكريا ٣/٣٤٩، كوئٹه ٣/٢٠٠، الموسوعة الفقهيه ٢/٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲رشوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱۰/۱۴۲۵ھ

مفتی اور فتویٰ کی تحقیر کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) امام صاحب ایک مسجد میں امامت کرتے ہیں اور اکثر غیر حاضر رہتے ہیں، اور ان کے نہ ہونے کی وجہ سے مؤذن صاحب نماز پڑھاتے ہیں، اور امامت کی تنخواہ مکمل لیتے ہیں، اب مکمل لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا جتنے دن مؤذن نماز پڑھاتا ہے اس کا حق بنتا ہے، یا نہیں؟ یا امام ہی کا حق بنتا ہے؟

(۲) اورکوئی مسئلہ بتلایا جاتا ہے،تو امام صاحب کہتے ہیں کہ ایسے مسئلے ۳۶۰ ہیں، ایسے مفتی ہمارے پیچھے کتنے پھرتے ہیں تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یانہیں ؟ قرآن وحدیث کی روشنی سے جواب دینے کی زحمت عطاء فرمائیں۔

المستفتي: محمد یعقوب،محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :(۱) جب امام تنخواہ لیکر امامت کرتا ہے تو اسپر پابندی لازم ہے، اتفاقیہ کبھی کوئی سخت ضرورت پیش آجائے اور اسکی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تو قابل مسامحت ہے ،اسپر زیادہ داروگیر نہ کی جائے لیکن اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کرتے ہوئے طبیعت چاہنے پر حاضر ہونا شرعاً درست نہیں ہے، اس سے ان کی تنخواہ خالص حلال نہ رہے گی، اور متولی کو بھی پوری تنخواہ دینا درست نہیں ہے، اور مؤذن کیلئے اسپر کوئی اجرت متعین نہیں کی گئی ہے، اسلئے اسکا کوئی حق نہیں بنتا۔

(۲) ایسا شخص فاسق ہے توبہ واستغفار کے ذریعہ سے ایسی حرکتوں سے بازآجانا لازم ہے، اور توبہ کے بعد اسکے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہے،(مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۸۶ و ۱/ ۱۱۷)

إذا جاء أحد الخصمين إلى صاحبه بفتوى الأئمة فقال صاحبه ليس كما أفتوا أو قال لانعمل بهذا كان عليه التعزير. (عالمگیری، الباب التاسع في أحكام المرتدين ، ومنها مايتعلق بالعلم والعلماء ، زكريا قديم ۲/ ۲۷۲، جديد ۲/ ۲۸٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۰۷)

ہجڑے کی امامت اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال: [۲۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص (حامد)

فطرتاً صحیح وسالم تھا، لیکن وہ بعد میں مخنثوں (ہجڑوں) میں رہنے لگا مخنثوں نے اس کو مخنث ہجڑا بنادیا یعنی خصیتین وغیرہ کاٹ دیئے اب لوگ اس کو نماز میں مردوں کی صف میں نہیں کھڑا کرتے اور نہ اس کو امام بناتے اور یہ کہتے ہیں کہ اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائیگی، جواب اس بات کا طلب ہے کہ آیا وہ مردوں کی صف میں نماز پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ اسکی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اسکی نماز جنازہ پڑھی جائیگی یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں واضح جواب عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد صادق، رامپوری، متعلم
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر ہجڑا بن گیا ہے اور خصیتین کاٹ دئے گئے ہیں، اور وہ اب عورتوں کے جنسی حقوق ادا کرنے پر بھی قادر نہیں تو ایسی صورت میں اس کا حکم ہجڑوں کی طرح ہوگا اور ہجڑوں کو بچوں سے بھی پیچھے کھڑے ہونے کا حکم ہے اسکی امامت ہرگز درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/۱۸۰، جدید زکریا ۴/۱۷۴)

ویصف الرجال علیٰ قدر مراتبهم ثم الصبيان ثم الخنثیٰ. (شرح النقايه، كتاب الصلاة، ، باب الإمامة اعزازيه ديوبند ۱/۸۹)

لا يصح اقتداء رجل بامرأة وخنثیٰ . (تنوير الأبصار مع الدر، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كراچى ۱/۵۷۶، زكريا۲/ ۳۲۱، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا۱/۶۲۸، كوئٹه ۱/ ۳۵۹، مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، فصل الجماعة سنة مؤكدة دارالكتب العلميه بيروت ۱/۱۶۷)

والخنثیٰ البالغ تصح إمامته للأنثى مطلقاً فقط لا لرجل ولا لمثله . (شامى، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كراچى ۱/۵۷۷، زكريا۲/۱/ ۳۲۱، مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، فصل الجماعة سنة مؤكدة، دارالكتب العلميه بيروت ۱/ ۱۶۷)

اوراس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور جولوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی وہ صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۵۹)

عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... والصلاة واجبة على كل مسلم برا كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داؤد ، كتاب الجهاد، باب في الغز و مع ائمة الجور ، النسخة الهندية ١/٣٤٣، دارالسلام رقم: ٢٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر ۲۸/ ۳۰۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۳ھ

سرکاری امداد لینے والے کی امامت

سوال: [۲۳۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حافظ محمد اختر کو سرکار مکان بنانے کیلئے امداد دے رہی ہے سرکار کی اس امداد سے مکان بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اوران کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں واضح جواب دینے کی زحمت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد اشرف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار مکان بنانے کے لئے جوامداد دے رہی ہے، اس امداد کالینا اس سے مکان بنانا جائز اور درست ہے اوراس کے پیچھے بلاشبہ نماز درست ہے۔ (مستفاد فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٦/ ۳۱۷، جدید زکریا ۱۰/ ۲۲۵ محمودیہ قدیم ٦/ ۲۴۷، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۲۰۴)

أخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز مالم يعلم أنه يعطيه من حرام قال محمد وبه نأخذ مالم نعرف شيئاً حراماً وهو قول أبي حنيفة

وأصحابه . (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات زكريا ديوبند قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

غیر مسلم میت پر قرآن خوانی کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید، عمر، بکر عالموں کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں، مدارس میں معلم اور مساجد میں امام بھی ہیں، یہ کافر کی میت پر قرآن خوانی کرتے ہیں، میت اونچی جگہ پر رکھی ہوئی ہوتی ہے اور قرآن خوانی کرنے والے نیچے بیٹھ کر قرآن خوانی کرتے ہیں، جب غیر مسلم اپنی میت کی زیارت کرتے ہیں، تو وہ اپنی رسم کے مطابق میت کا طواف کرتے ہیں، اس وقت ان طواف کرنے والوں کی پیٹھ قرآن پاک کی طرف ہوتی ہے، اس میت کی برسی کی جاتی ہے، ان عالموں کو مدعو کیا جاتا ہے، یہ بہت ہی خوشی سے شرکت کرتے ہیں، اور قرآن خوانی کرتے ہیں، یہ عالم دوسروں کی تشکیل کر کے اپنے ساتھ منسلک کرتے ہیں، ان سے سوال کیا جاتا ہے، کہ کافروں پر تو دعاء مغفرت جائز نہیں، آپ قرآن خوانی کیوں کرتے ہیں؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم قرآن خوانی کا ثواب اپنے مسلمان مردوں کو پہنچاتے ہیں، اور ایک جواب یہ بھی دیتے ہیں کہ آجکل کافروں کی حکومت ہے مصلحتاً اس طرح کرنا جائز ہے، تاکہ غیر مسلموں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم سب ایک ہیں کیا یہ ان کی توجیہ ٹھیک ہے؟ جس سے عوام کے اندر بگاڑ پیدا ہوتا ہو اور گمراہ ہونے کا اندیشہ ہو، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟ کیا ان اشخاص کے اقوال وافعال کا اعتبار کرنا جائز ہے؟ ایسے لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ برائے کرم مدلل

ومفصل جواب دینے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتي: احقر محمد راشد غفرلہٗ،
بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (قوله تعالیٰ) مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْكَانُوْا أُوْلِيْ قُرْبىٰ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ. (سورة توبه: ۱۱۳)

مذکورہ آیت کریمہ میں کافر ومشرک کی موت پر قرآن خوانی ودیگر دعاء واستغفار کی سخت ممانعت واضح طور پر آچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی نص قرآنی قطعی کے خلاف غلط تاویلات کرکے خودکو اور دوسروں کو کافر کی موت پر قرآن خوانی وغیرہ میں شرکت پر مامور کرتا ہے تو وہ فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، جب تک توبہ کرکے باز نہ آوے، امامت سے معزول کردیا جائے۔

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى (الدر المختار) قوله وفاسق من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ۱/۵۹۹، ٦۰۰، زکریا ۲/۲۹۸، وهکذا فی شرح النقایه، کتاب الصلاة، باب الإمامة، اعزازیه دیوبند ۱/۸٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رشوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۲۵)

امام صاحب کا غیر مسلموں کے ساتھ میل ملاپ رکھنا

سوال: [۲۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام

صاحب غیر مسلموں کے محلّہ میں رہتے ہیں کبھی ضرورت پڑنے پر وہ لوگ ان کا تعاون بھی کرتے ہیں، مثلاً امام صاحب بیمار پڑجاتے ہیں یا ان کے بچے بیمار پڑجاتے ہیں تو وہ لوگ ہاسپٹل وغیرہ بھی لیجاتے ہیں اسی طرح کبھی ان کو ضرورت پڑجائے تو امام صاحب کو بلا کر لے جاتے ہیں، چونکہ کچھ عقیدت بھی ہے، اسلئے پھونک وغیرہ لگواتے ہیں، غرضیکہ جانبین سے سماجی میل ملاپ ہے، اسی وجہ سے وہ لوگ بیاہ شادی کے موقع پر ان کو بھی مدعو کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کی تقریبات میں باجے گاجے بھی ہوتے ہیں اور عدم شرکت کی صورت میں ان کی دل شکنی ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں اگر امام صاحب ان کی تقریبات میں شرکت کریں تو کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ مسلمانوں کی بھی بعض شادیاں باجے گاجے کے ساتھ ہوتی ہیں، جن میں کمیٹی کی جانب سے نکاح پڑھانے کیلئے امام صاحب کا جانا طے ہے، اور شرکت بھی کرتے ہیں شرکت کے اعتبار سے کون سی شرکت اہون ہے، یہ بھی واضح رہے کہ امام صاحب ایسی جگہ پر امامت کرتے ہیں جہاں بے پردگی عام ہے، اور ایسی تقریبات میں سوائے چند لوگوں کے تقریباً ہندو مسلم تمام ہی لوگ شرکت کرتے ہیں، اس کے باوجود غیر مسلموں کی شادی میں شرکت پر کچھ مقتدیوں کے اعتراض پر آئندہ شرکت نہ کرنے کا وعدہ بھی امام صاحب نے کرلیا ہے، تو اب ان امام صاحب کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد عباس صدیقی، سہاگ پور، شہڈول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کافروں کیساتھ مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کرنا درست ہے، بقیہ ان سے دلی محبت کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اپنی یا غیروں کی شادی جس میں گانا بجانا ہوتا ہے، اگر پہلے سے معلوم ہے تو عام مسلمانوں کا شرکت کرنا جائز نہیں ہے، خاص کر امام صاحب جو مقتدا ہیں، ان کو بطریق اولیٰ پرہیز کرنا چاہئے، لیکن اب جب کہ امام صاحب نے اس قسم کی تقریبات میں شرکت نہ کرنے کا وعدہ کرلیا ہے تو مقتدی

حضرات کو امام صاحب سے مطمئن ہوجانا چاہئے، اوران کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہوجائے گی۔

ولو دعی إلی دعوة فالواجب أن یجیبه إلی ذلک وإنما یجب علیه أن یجیبه إذا لم یکن هناک معصیة، ولا بدعة. (عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا و الضیافات زکریا قدیم ٥/٣٤٣، جدید٥/٣٩٧)

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. (النساء: ١٧)

عن عائشةؓ عن النبی ﷺ قال: ما علم الله من عبد ندامة علی ذنب إلا غفر له قبل أن یستغفره منه. (المستدرک قدیم ٤/٢٨٢، مکتبه نزار مصطفی الباز، جدید٧/٢٧٣٦، رقم: ٧٦٤٦)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب کمن لا ذنب له. (شعب الإیمان للبیهقی، باب في معالجة کل ذنب بالتوبة، دارالکتب العلمیه بیروت ٥/٤٣٦، رقم: ٧١٧٨، السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الشهادات، باب شهادة القاذف جدید دارالفکر ١٥/١٧٥، رقم:٢١١٥٢، دارالحدیث ١٠/٢٩٠، رقم:٢٠٥٦١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۰ھ

بی جے پی پارٹی کی حمایت کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابھی بہار کے حالیہ اسمبلی انتخابات کے موقع پر ضلع بھاگلپور کے کہلگاؤں اسمبلی حلقہ سے کانگریس کے امید

وار سدانند سنگھ تھے، جبکہ بی جے پی کی حلیف جماعت کے امیدوار راجکمار سنگھ تھے، جو خود بھی بی جے پی کے ممبر ہیں، اب ووٹنگ کے سلسلہ میں مسلمان دو گروپ میں بٹ گئے ایک گروہ بی جے پی کا حمایتی بن گیا جن کی قیادت چند ایسے حضرات کررہے تھے جو خود بھی عالم دین مسجد کے امام اور حاجی ہیں نہ صرف حمایتی بلکہ یہ قائدین حضرات بی جے پی کی پرچار گاڑی میں بیٹھ کر گاؤں گاؤں گھوم کر عام لوگوں کو بی جے پی امیدوار کو ووٹ دینے کی ترغیب دیتے رہے، ان کی بے غیرتی کی حد تو یہ ہے کہ ایک دن اسی پرچار گاڑی سے بی جے پی کی چند خواتین مل کر مسلم محلّہ میں مائک پر یہ اعلان کرتی ہیں کہ رام راج لانا ہے اڈوانی جی کو کامیاب بنانا ہے وغیرہ جبکہ مسلمانوں کی دوسری جماعت کانگریس پارٹی کی ان کے سیکولر پارٹی کی بنیاد پر حمایت کرتی ہے۔

الف: اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا انتخابات میں مسلمان خصوصاً علماء دین کو اسلام اور مسلم دشمن پارٹی کی مثلاً بی جے پی اور ان کی حلیف جماعتوں کی حمایت کرنی چاہئے؟

ب: اگر کسی عالم دین یا امام مسجد نے ایسی جماعت کی حمایت کی اور اس بنیاد پر مقتدیوں کی اکثریت بلکہ سارے مقتدی امام کی اس حرکت سے ناراض ہوکر ان کی امامت میں نماز پڑھنے سے قطعاً احتراز کررہے ہیں، تو کیا مقتدی حضرات کا یہ عمل درست ہے؟ اور ایسی صورت میں اس امام کا امامت کرنا صحیح ہے، جبکہ سارے مقتدی ان سے ناراض ہیں؟

المستفتي: حاجی شرف الدین،
چکدریا والیہ لوری پور، بھاگلپور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: احقر سیاسی ہتھ کنڈی سے واقف نہیں سیاسی لیڈروں کی متضاد باتوں سے وحشت رکھتا ہے، اور ہمارے ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں میں بی جے پی کی مسلم دشمنی کافی واضح ہے لیکن دوسری طرف نرسمہاراؤ کی اس مسلم دشمنی کے باوجود کانگریس لیڈران نے متفق ہوکر نرسمہاراؤ کے خلاف آواز نہیں اٹھائی، اسلئے نرسمہاراؤ کے دور میں

کانگریس کی سیاست مسلم دشمنی میں نمایاں رہی ہے، ممکن ہے سوالنامہ میں جن امام صاحب کا ذکر ہے ان امام صاحب کے نزدیک نرسمہا راؤ کے دور کی کانگریسی سیاست کے دکھ کا غلبہ ابھرا ہوا رہا ہو، جس کی بناء پر امام صاحب نے کانگریس کی مخالفت کی ہو اس لئے سیاسی پارٹیوں کو سامنے رکھ کر امام صاحب کے بارے میں آمنے سامنے گفتگو ہونے سے پہلے کوئی حتمی بات کرنا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رصفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸٦۹٦)

بی جے پی کو ووٹ دینے والے کی امامت

سوال: [۲۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مقام رواری ٹولہ تیج پور کا رہنے والا ہوں، یہ مقام کشی نگر میں واقع ہے، ہمارے گاؤں میں دو مدرسے ہیں، جس میں درجہ پنجم تک کی تعلیم ہوتی ہے، اور گاؤں میں تقریباً پانچ، چھ لوگ عالم ہیں جسمیں سے ایک عالم (مولانا) ایسے ہیں، جن کا دایاں ہاتھ نہیں ہے، عمر تقریباً ۳۵ رسال سے زیادہ ہے، ابھی انھوں نے اپنا نکاح کیا ہے، ان کے پاس اپنے والد کی بنائی ٦ رکٹھہ زمین ہے، اپاہج ہونے کی وجہ سے یہ آدمی گھوم گھوم کر بڑے بڑے شہروں میں اور گاؤں میں جا کر مدرسہ کے نام پر چندہ کرتا ہے، اور اپنی پارٹی مضبوط کرنے کیلئے اس نے چندہ کے پیسے اپنے خاص لوگوں میں بانٹ (تقسیم) کر کے اپنے آپ کو مضبوط کر لیا ہے، گاؤں کے با اثر لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے، اور امامت (نماز پڑھانے) کیلئے لڑائی کرا دینا چاہتا ہے، پھر جس کو اس کی امامت پسند نہیں تو مجبوراً وہ الگ کہیں جا کر نماز پڑھ لیتا ہے، کہ ہم لوگ امامت کی لڑائی لڑیں گے تو جھگڑا بڑھ سکتا ہے؟

ساتھ ہی ساتھ یہ مولوی صاحب بھارتی جنتا پارٹی کے نیتاؤں کے ساتھ گھوم گھوم کر ووٹ بھی مانگتا ہے، اور اس چناؤ (الیکشن) میں اپنے قریبی مسلمانوں سے ووٹ بھی دلوایا ہے

، کہ (MLA) ودھا یک صاحب جیت جائیں تو ہمارے مدرسہ کو کچھ صدقہ خیرات وغیرہ کردیں گے ،اس طرح کے مولوی صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، اس کا جواب مکمل حوالے کے ساتھ دیا جائے۔

المستفتي: ڈاکٹر جمال الدین
انصاری، رواری، کشی نگر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق :اگر واقعی اس عالم کے اندر سوال میں مذکور باتیں پائی جاتی ہیں،یعنی یہ شخص مدرسہ کے نام پر چندہ کرکے جس میں زکوٰۃ وامداد بھی ہوتی ہے، مدرسہ کے اخراجات میں خرچ کرنے کے بجائے اپنے متعلقین پر محض اپنے مفاد کی خاطر صرف کرتا ہے، تو یہ ناجائز اور حرام ہے ایسا شخص مرتکب کبیرہ ہے،اور بھارتی جنتا پارٹی جو اس وقت مسلمانوں کی شدید دشمن ہے اس کے ساتھ گھوم کر ووٹ مانگنا اور اپنے متعلقین مسلمانوں کے ووٹ اس کے MLA کو دلوانا اعانت علی المعصیت ہے ، جو گناہ کبیرہ ہے قرآن کریم میں اس سے ممانعت آئی ہے۔

وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلىٰ الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ . (المائده : ۲)

لہٰذا یہ شخص مرتکب کبیرہ ہونے کی وجہ سے فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔(عزیز الفتاویٰ/۱۹۴)

أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينيه وفي تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته ، بل مشىٰ في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم . (شامي ، كتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا۲/ ۲۹۹، کراچی۱/ ۵۶۰)

لا يؤم فاجر مؤمنا.(ابن ماجه ،الصلاة، باب فرض الجمعة ۱ /۷۷، دارالسلام رقم: ۱۰۸۱)

لہٰذا ایسے امام کو بلا تاخیر معزول کردینا لازم ہے، اگر کسی وجہ سے اس کو معزول نہ کرسکتے ہوں تو

آپ حضرات کسی دوسرے جگہ نماز پڑھ لیا کریں، لیکن تنہا نماز پڑھنے سے بہتر فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا ہے ہمارا یہ جواب اس وقت ہے جبکہ سوالنامہ میں لکھی ہوئی ساری باتیں صحیح ہوں اور اگر سوال میں کذب بیانی سے کام لیا گیا ہے تو ہمارا جواب یہ نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۵۱، دار العلوم ۳/ ۳۴۲)

عن أبي هريرة ؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلوا خلف كل بر وفاجر . (السنن الكبرى للبيهقي ، دارالفكر جديد ٥/٣٢٣، رقم: ٦٩٣٣، دارالحديث قاهره ٤/١٦٦، رقم: ٦٨٣٢)

فإن أمكن الصلوٰة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولىٰ من الانفراد .(البحرالرائق ، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا١/ ٦١١، كوئٹه ١/ ٣٤٩، شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ١/ ٥٦٢، زكريا٢/ ٣٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۵۰)

داڑھی منڈے کے بجائے متبع شریعت امام ہو

سوال: [۲۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید داڑھی کٹواتا ہے، اور خفیہ طور پر نامحرم عورتوں سے ملتا ہے اس حالت میں زید کو فرض نماز یا تراویح کی نماز کا امام بنانا کیسا ہے؟ جبکہ محلّہ میں اس سے بہتر اور ان ناشائستہ ناپاک حرکات سے دور ابوبکر موجود ہے آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

المستفتي: عبداللہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: داڑھی یک مشت سے کم کرکے کٹوانے والے شرعاً فاسق ہیں، ان کے پیچھے فرض اور تراویح کی نماز مکروہ تحریمی ہے، لھذا ایسے آدمی کو ہرگز امام نہ بنایا

جائے، بلکہ باشرع متبع سنت شخص کو امام بنایا جائے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۳/ ۹۱۸)

والسنة فيها القبضة (إلى) ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته .
(شامی، کتا باب الحظر والإباحة ، باب الإستبراء وغيره كراچی ٦/ ٤٠٧، زكريا٩/ ٥٨٣)

وكذا يحرم على الرجل قطع لحيته فعلم من ذلك أن ما يفعله بعض من لا خلاق له في الدين من المسلمين في الهند والأتراك حرام .
(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، ميرٹھ قديم ١/ ٣٣، دارالبشائر الإسلاميه١/ ٣٣٦)

عن جابر بن عبد الله، قال خطبنا رسول الله ﷺ فقال: ....ولا يؤم فاجر مومنا .... (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب في فرض الجمعة، النسخة الهندية ١/ ٧٥، دارالسلام رقم: ١٠٨١)

عن مرثد بن أبي مرثد الغنوي وكان بدرياً قال: قال رسول الله ﷺ إن سركم أن تقبل صلاتكم، فليؤمكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٢٠/ ٣٢٨، رقم: ٧٧٧)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۵۴)

فاسق امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کے اعادہ کا حکم

سوال: [۲۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو امام پابندی سے نماز نہ پڑھائے اور ترک جماعت کا بھی عادی ہو لوگوں کے سمجھانے پر ان کے خلاف تھانے میں رپورٹ درج کرادے اور بستی میں پارٹی بندی کرادے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ شریعت کی دلیلوں کے حساب سے جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، کوکرپور، مرادآباد

دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امام مسئول کا پابندی سے نماز نہ پڑھنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس طرح ترک جماعت کا عادی ہونا موجب فسق ہے، اور مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار پیدا کرنا یہ بھی حرام اشد حرام گناہ کبیرہ ہے، پس امام مسئول اپنی حرکات قبیحہ کی وجہ سے سخت گناہ عظیم کا مرتکب وفاجر مستحق قہر قہار وغضب جبار لائق عذاب نار ہے، اس کو ہرگز امام نہ بنایا جائے، اسکی امامت مکروہ تحریمی وناجائز اور گناہ کبیرہ ہے، اس حالت میں جتنی نمازیں اس کے پیچھے ادا کی گئی ہیں، تمام کا لوٹانا ضروری ہے، اور اہل بستی پر اس امام کا معزول کرنا لازم وضروری ہے، ارشاد ربانی ہے۔

واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا الأية : غنية المستملی میں ہے ”إمامة الفاسق مكروهة تحريماً“ طحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے،”والفسق خروج عن طاعة الله تعالیٰ بارتكاب كبيرة الخ درمختار میں ہے ”كل صلوٰة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها الخ“ مراقی الفلاح میں ہے، ”وفيه لو أم قوماًوهم له كارهون فهو علیٰ ثلثة أوجه إن كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره الخ“ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صواب
مختار احمد نعیمی غفرلہ

کتبہ: محمد سلیمان النعیمی البرکاتی عفی عنہ
دارالافتاء جامعہ نعیمیہ، مرادآباد
۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ء

دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا فتویٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو نمازیں فاسق کے پیچھے پڑھی گئی ہیں ان کا لوٹانا لازم

نہیں ہے کراہت کے ساتھ اسی حد تک صحیح ہوگئی ہیں لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں اس کے علاوہ باقی جواب کے ہر جز سے اتفاق ہے۔

لو صلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورعٍ الخ. (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا ۱/ ٦١٠، کوئٹہ ۱/۳٤۹)

ومن صلى خلف فاسق أو مبتدع، يكون محرزا ثواب الجماعة، أما لا ينال ثواب من يصلي خلف تقي. (الفتاویٰ التاتار خانیہ، کتاب الصلاة، الفصل السادس من هو أحق بالإمامة زکریا ۲/۲٥٥، رقم: ۲۳۳٥، شرح النقایہ، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة فی الصلاة، اعزازیہ دیوبند ۱/ ۸٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱٤۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۸۹)

فاسق کی امامت بعد التوبہ درست ہے

سوال: [۲۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا شرابی اوباش لڑکوں کو مسجد میں بٹھانا اور مسلمانوں کو مسجد سے بھگانا جائز ہے، آپ مہربانی کر کے ذیل کے پتوں پر جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں۔

المستفتي: محمد عمران صدیقی، نذیر احمد پتھوراگڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: توبہ کر کے باز آ جانا واجب ہے، اور صدق دل سے توبہ کے بعد اس کی امامت درست ہو جائیگی۔

عن عبد الله ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب ذکر التوبہ، النسخۃ الهندیۃ ۲/۳۱۳،

دارالسلام رقم: ٤٥٢٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۵ھ

گناہوں سے توبہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے پہلے بہت برائیاں کیں تمام عیوب اسمیں پائے جاتے تھے، لیکن بعد میں اللہ کا خوف غالب ہوا اور مشروع داڑھی اور مشرع لباس اور نمازوں کا پابند ہوگیا غرض یہ ہے کہ ہر نیک کام کرتا ہے، تمام برائیوں سے سچی توبہ کرلی قرآن کریم بھی صحیح پڑھتا ہے، لیکن اس کے باوجود پہلی حرکتوں کی وجہ سے لوگ مخالف ہیں اور ایک دوسرا شخص ہے جو عابد پرہیزگار حاجی ہے، لیکن جاہل ہے کچھ پڑھا لکھا نہ ہونے کی وجہ سے قرآن پاک صحیح پڑھنے پر قادر نہیں تو امام کی عدم موجودگی میں کون امامت کے لائق ہے، پہلا شخص یا دوسرا شخص جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عاشق، ساکن چھپار پوسٹ: خاص مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پہلا باصلاحیت ہے اور اپنی تمام سابقہ حرکتوں سے توبہ کرلی ہے، اور داڑھی مشرع ہوچکی ہے تو امام نہ ہونے کی حالت میں امام بننے کا حقدار یہی پہلا شخص ہوگا لیکن مقتدیوں کو اسکی توبہ کا علم ہوجانا چاہئے، تاکہ ان کے دلوں سے نفرت نکل جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳۷۰/۴، جدید زکریا ۱۸۶/۴)

قال اللہ تعالیٰ: إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (سورة التحريم :١٧)

والأحق بالإمامة تقديما الأعلم بأحكام الصلوة ثم الأحسن تلاوة

وتجويداً للقرأة ثم الأورع الخ . (درمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ١/٥٥٧، زكريا٢/٢٩٤)

الأعلم أفضل حتى قالوا: إن الأعلم إذا كان ممن يجتنب الفواحش الظاهرة، والأقرء أورع منه، فالأعلم أولىٰ . (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فی بيان من هو أحق بالإمامة دارالكتب العلميه بيروت ١/٦٧٠، كراچی ١/١٥٧، زكريا ١/٣٨٩، البنايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة اشرفيه ٢/٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍۳؍۱۴۱۳ھ

گناہ کبیرہ سے توبہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں جس مسجد میں نماز پڑھتا ہوں اس مسجد کے مصلیان میں صرف ایک ہی عالم ہیں جو قاری بھی ہیں، ان کے علاوہ نہ کوئی عالم ہے، نہ قاری لیکن امامت ایک حاجی صاحب کرتے ہیں جو نہ عالم ہیں نہ قاری ہیں عالم صاحب کو جب امام بنانے کی بات ہوتی ہے، تو کچھ مصلیان مسجد اعتراض کرتے ہیں کہ ہم لوگ عالم صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، اسلئے کہ عالم صاحب نے زمانہ طالب علمی میں لواطت کی تھی، مندرجہ بالا سطور کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) شریعت کی رو سے امامت کا مستحق کون ہے؟
(۲) عالم کی موجودگی میں غیر عالم کو امام بنانے والوں کا کیا حکم ہے؟
(۳) اگر کسی شخص سے گناہ کبیرہ سرزد ہوجائے اور اس سے توبہ کرلی جائے تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ (۴) ایک عالم کی عزت نفس سے کھیل کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد انظر اعظمی، اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے عالم کی موجودگی میں جوقرآن صحیح پڑھنے پرقادرہو غیرعالم کوامام نہیں بنانا چاہئے، عالم کی موجودگی میں غیرعالم کومستقل امام بنانا مکروہ ہے، البتہ اگراتفاقاً غیرعالم کوامام بنادیا ہےتو پھرکوئی کراہت نہیں ہے۔(کفایت المفتی قدیم۳/۴۱، جدید زکریا۳/۸۱، زکریا مطول۴/۱۴۷)

وأشار المصنف بالأحقية إلیٰ أن القوم لو قدموا غیر الأقرأ مع وجوده فإنهم قد أساء وا ولکن لایأثمون. (البحرالرائق ،کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة زکریا۱/۶۰۹، کراچی ۱/۳٤٨)

والأحق بالإمامة تقدیماً بل نصباً الأعلم بأحکام الصلاة (إلیٰ قوله) فإن اختلفوا اعتبر أکثرهم ، ولو قدموا غیر الأولیٰ أساء وا بلا إثم . (شامی ، کتاب الصلاة ، باب الإمامة کراچی ١/٥٥٩، زکریا٢/٢٩٤)

(۲) مرتکب کبیرہ نے اگرسچے دل سے توبہ کرلی ہے، تو اسکی امامت بلاکراہت جائز ہے، البتہ اگروہ شخص بدنام ہوچکا ہواورتقلیل جماعت کاباعث ہوتو ایسے شخص کوامام نہ بنانا چاہئے ۔(امدادالاحکام زکریا۲/ ۱۴۶)

قال اللّٰہ تعالیٰ : وَإِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً. (طٰہٰ : ٢٠)

عن أبی عبیدة ، عن عبد اللّٰہ ؓ عن النبی ﷺ قال: التائب من الذنب کمن لا ذنب له . (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الشهادات ، باب شهادات القاذف ، جدید دارالفکر ١٥/ ١٧٥، رقم: ٢١١٥٠)

عن مرثد بن أبی مرثد الغنوی ، وکان بدریاً ، قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : إن سرکم أن تقبل صلاتکم ، فلیؤ مکم خیارکم ، فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم . (المعجم الکبیر للطبرانی، دار احیاء التراث العربي ٢٠/ ٣٢٨، رقم: ٧٧٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۹ھ

گناہ سے توبہ کے بعد امامت کا حکم

سوال: [۲۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں محلّہ میں رواج ہے کہ اگر کسی کے یہاں کوئی تقریب ہو تو یا کسی اور وجہ سے امام صاحب کی دعوت کر دیتے ہیں، اگر کسی کے یہاں امام صاحب تشریف لے گئے اور وہاں پر ٹی وی چلتا ہوا ہو تو امام صاحب نے بھی دیکھ لیا علاوہ ازیں دو یا چار مرتبہ گذشتہ ٹی وی پر رامائن کا پروگرام آیا، تو قصداً امام صاحب نے اس کو دیکھ لیا اس غرض سے کہ ہندوؤں کے مذہب کی بنیاد کیا ہے؟ قبل ازیں امام صاحب کو اس کے بارے میں معلوم تھا کہ یہ درست ہے یا نہیں، بعد ازیں اس کو معلوم کرنے کے سلسلہ میں شہر کے معتبر عالم سے ملاقات کی تو پتہ چلا کہ درست نہیں ہے، تو امام صاحب نے توبہ کرلی ہے اور اس کے بعد جبکہ کافی روز تک رامائن کا پروگرام آتا رہا لیکن امام صاحب نے نہیں دیکھا دوسرا الزام ایک اور یہ ہے، کہ امام صاحب کو ہماری مسجد میں امامت کرتے ہوئے تقریباً ساڑھے تین سال ہو گئے ہیں، مسلسل تعویذ وغیرہ کا کام فی سبیل اللہ کرتے ہیں اس کے سلسلہ میں مختلف قسم کی عورتیں اور مختلف قسم کے مرد آتے ہیں ان کو تعویذ دینے کے لئے ایک عام جگہ پر بیٹھتے ہیں کوئی پوشیدہ جگہ نہیں ہے، یہ عورتیں جو تعویذ کیلئے آتی ہیں ان سے اور جن بچوں اور بچیوں کو پڑھانے کے لئے جاتے ہیں ان سے نازیبا حرکتیں کرتے ہیں جبکہ ان لوگوں کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، ان عام حالات میں موصوف امام صاحب کے پیچھے نماز کا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ ویسے امام صاحب نے استعفیٰ بھی دیدیا تھا، لیکن ہم ان لوگوں کی (جو کہ امام صاحب پر الزامات لگانے میں دریغ نہیں کرتے) خصلت اصلی سے بہت اچھی

طرح واقف ہیں اسوجہ سے امام صاحب کا استعفیٰ منظور نہیں کیا گیا، اور محترم امام صاحب سے درخواست کی کہ آپ یہاں سے نہ جائیں، بہرحال بہت کوشش کے بعد امام صاحب کو راضی کرلیا ہے، اگر خدانخواستہ ہم نے ان کا استعفیٰ منظور بھی کرلیا تو مستقبل میں جو بھی امام صاحب تشریف لائیں گے، یقیناً ان کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا، کیونکہ ماضی میں جو بھی امام صاحب آئے ان سب کے ساتھ ان حضرات نے حاکمانہ انداز اختیار کیا، اگر امام صاحب نے ان کے اس انداز کو قبول نہ کیا تو طرح طرح کے الزامات لگانے شروع کردئے، یعنی ان کو جانا ہی پڑا، آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ جواب اس انداز سے عنایت فرمائیں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ میں اتفاق واتحاد کی فضا بھی برقرار رہے، اور یہ لوگ بھی اپنی حرکتِ نازیبا سے باز آجائیں۔

المستفتي: مصلیان مسجد شیخ پوری، روڑکی، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب امام صاحب نے ٹی وی وغیرہ دیکھنے سے اب ندامت کے ساتھ توبہ کرلی ہے تو آئندہ ان پر شرعاً کوئی الزام باقی نہیں رہے گا، ان کے پیچھے بلاکراہت نماز درست ہوگی۔

وَإِنِّی لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً. (طٰہٰ : ۸۲)

عن أبي أیوب الأنصاریؓ، عن رسول اللّٰہ ﷺ أنہ قال: لو أنکم لم تکن لکم ذنوب یغفرہا اللّٰہ لکم، لجاء اللّٰہ بقوم لہم ذنوب یغفرہا لہم.

(صحیح مسلم، باب سقوط الذنوب بالأستغفار والتوبة، النسخة الهندية ۲/ ۳۵۵، بیت الأفکار رقم: ۲۷۴۸)

عن عبد اللّٰہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ. (سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۳، دارالسلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الکبیر للطبرانی، دار احیاء التراث العربي ۱۰/ ۱۵۰، رقم: ۱۲۵۸۱)

نیز بلاثبوت امام صاحب پر جو الزامات عائد کئے گئے ہیں، ان کی وجہ سے ان کی امامت پر کوئی کراہت نہیں آئے گی، بلکہ بے جا الزام لگانے والے عاصی اور گنہ گار ہونگے، امام صاحب سے معافی مانگ کر توبہ کر لینا ضروری ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۱۱۵)

حاصل المسئلة كما قال الفقهاء إن باعث الكراهية الشرعية ... وإن كان من جانب القوم فالإثم عليهم لا على الإمام. (العرف الشذی علی هامش الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فيمن أم قوماً وهم له كارهون ١/ ٨٦)

قوله تعالىٰ : يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً ، الآية : (سورة حجرات : ١١)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ إياكم والظن ، فإن الظن أكذب الحديث. (مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٤/ ٣٨٣، رقم: ٨١٠٤، ١٦/ ٢٠٣، رقم: ٩٣٣٧، ١٦/ ٢٩٩، رقم: ٩٥٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۷)

گناہوں سے توبہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی امام برائیوں اور بدفعلیوں کا مرتکب ہو اور ان بدفعلیوں سے توبہ کرلے، اور تمام مصلیان اس کی توبہ سے مطمئن ہو جائیں، اور اسکے پیچھے نماز پڑھنے میں کراہت کرنا چھوڑ دیں تو اس حالت میں ان مصلیوں کا اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں شرعی فتویٰ کیا ہے؟ وضاحتاً تحریر فرمائیں

المستفتي: محبوب احمد، دولت باغ، جھبو کا نالہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس حالت میں بلا کراہت مقتدی اور امام کی نماز صحیح

ہوجائیگی۔

وَإِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً . (طٰہٰ: ۲)

عن محمد بن زياد الألهاني قال: سمعت أبا عتبة الخولاني يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: التائب من الذنب كمن لاذنب له . (السنن الكبریٰ للبیہقی، کتاب الشہادات، باب شہادة القاذف جدید دارالفکر ۱۷۵/۱۵، رقم: ۲۱۱۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۷۹/۲۶)	۱۴۱۱/۳/۲۹ھ

تائب کی امامت بلا کراہت درست ہے

سوال: [۲۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید تقریباً ۱۰/۱۱/سال پہلے دہلی کی ایک کمپنی جو ہمارے یہاں چل رہی تھی، اس کا ایجنٹ بن گیا تھا، زید نے اپنی ذمہ داری پر ممبر بنائے جو مقامی بھی تھے، اور بیرونی بھی تین چار مہینے کے بعد کمپنی اپنا دفتر جو دہلی میں آزاد پور میں تھا بند کرکے بھاگ گئی زید کا تعلق ان سے دفتر تک ہی تھا، زید ان کے بارے میں اور جانکاری نہیں رکھتا تھا، کافی تلاش کے بعد بھی ان لوگوں کا کچھ پتہ نہیں چلا جو ممبر زید نے بنوائے تھے انھوں نے زید کے اوپر اپنے پیسوں کا دباؤ بنایا لیکن زید کے پاس نہ کوئی پیسہ تھا، نہ کوئی پروپرٹی زید کے پاس تین چار بیگھہ زمین تھی، اس نے وہ زمین بیچ کر کچھ لوگوں کا پیسہ ادا کیا لیکن پھر بھی کافی لوگوں کا پیسہ باقی رہ گیا، ان لوگوں نے زید کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کردیا، زید سوا دو سال جیل میں رہ کر ضمانت پر گھر آ گیا، اس واقعہ کے بعد زید نے اللہ سے رو رو کر گڑ گڑا کر سچے دل سے توبہ کی اس وقت سے اب تک زید اللہ کے فضل سے ہر برے کام سے دور ہے، اور نمازوں کی پابندی، ذکر واذکار و تلاوت میں مشغول رہتا ہے، اس واقعہ کے بعد ہی زید نے قرآن پاک حفظ کرلیا، اور اب بحمد اللہ زید کا مشغلہ

بچوں کوقرآن کریم کی تعلیم دیناہے اورخود تلاوت قرآن اور دین محمدی کی پابندی کرتا ہے،،
زید کی عمراس وقت ۵۸/سال ہےتو کیا زید کوتوبہ ومعافی مانگنے اوراپنی اصلاح کے بعدامامت کرنیکاحق حاصل ہے یانہیں؟یعنی کیا زید کی امامت درست ہے؟

نوٹ: ہم نے جومضمون لکھاہے،خداکوحاضروناظر جان کر بالکل صحیح لکھاہے،اب آپ سے درخواست ہے کہ آپ برائے مہربانی ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتي: حافظ محمد مرتضیٰ،بن محمد مصطفیٰ،سلیم پور،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شخص سے بڑا گناہ صادر ہو چکا ہواوراس نے سچے دل سے اپنے گناہ سے توبہ کرلی ہو،اورآئندہ ایسانہ کرنے کا عہد کرلیا ہوتو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کردیتے ہیں،اورتوبہ کے بعداس کےاوپرفاسق وفاجر ہونے کاحکم نہیں لگایاجاسکتا ہے ،اس لئے توبہ کرلینے کے بعداس کی امامت بلاشبہ درست ہے۔

وَإِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدیٰ. (طٰه: ۸۲)

عن عبد الله بن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ۲/۳۱۳، دار السلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۰/۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱، مشكاة شريف ۱/۲۰۶)

عن عائشةؓ زوج النبي ﷺ -إلى- فإن العبد إذا اعترف بذنبه ثم تاب تاب الله عليه ... (صحيح البخاري، النسخة الهنديه ۱/۳۶۵، رقم: ۲۵۸۷، ف: ۲۶۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۴/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶۰/۴۰)

الفصل السادس فی اقتداء الحنفی بغیره

کس مسلک وفرقہ کے امام کے پیچھے نماز جائز ہے اور کس کے پیچھے ناجائز؟

سوال: [۲۳۲٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے ہمیں تو نماز پڑھنے سے مطلب ہے کسی کے بھی پیچھے پڑھ لو چاہے امام بریلوی بدعتی ہو یا شیعہ رافضی، قادیانی، اہل حدیث اہل قرآن یا شافعی کیا ہر مسلک اور فرقہ کے امام کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے، اور کیا کسی مسلک اور فرقہ کے مولوی کو اپنا امام بنایا جاسکتا ہے۔

المستفتي: عبدالجلیل، ظریف احمد، کنواں کھیڑا، ٹھاکردوارہ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وہ فرقہ جو اساس دین کا انکار کرنے والا ہے اور علماء امت نے ان کو کافر کہا ہے، اور ان کے اوپر کفر کا فتویٰ ہے جیسے شیعہ، قادیانی، اہل قرآن، ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

وإن أنكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها- فلا يصح الاقتداء به أصلاً . (درمختار مع الشامی زکریا ۲/ ۳۰۱، کراچی ۱/ ٥٦١، ٥٦٢)

اور بریلوی فاسق ہیں ان کے پیچھے کراہت کیساتھ نماز جائز ہے، اور غیر مقلدین جو ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتے ہیں اور خرافات بکتے ہیں ان کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے، اور جو برا بھلا نہیں کہتے ان کے پیچھے بلا کراہت جائز ہے۔

إن كراهة تقديم الفاسق والمبتدع كراهة التحريم . (منحة الخالق على البحر، کوئٹہ ۱/ ۳٤۹، زکریا ۱/ ٦١١، کبیری/ ٤٧٩)

شافعی اور حنبلی مسلک کے علماء کے پیچھے بلاکراہت نماز صحیح ہوجاتی ہے، جبکہ وہ اپنے مسلک کے اتباع کیساتھ متقی ہوں۔

وأما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز مالم یعلم منه ، ما یفسد الصلوٰة علی اقتداء المقتدی علیه الإجماع .(شامی زکریا ۲/ ۳۰۲)

وأما إذا أدی أي بلغ حد الکفر کما هي الشیعة القائلین بألوهیة علی رضی الله عنه والمنکر لخلافة الشیخین علی الصحیح ، فلا کلام في عدم جواز الصلاة . (نبراس مکتبه امداد یه ملتان/ ۳۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٨١٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/ ٧/ ۱۴۲۱ھ

حنفی شخص کا شافعی مسلک کے مطابق امامت کرنا

سوال: [۲۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شافعی مسجد میں معمولی تنخواہ کے ذریعہ صحیح قرآن والا شافعی عالم نہیں مل رہا ہے، لہذا انھوں نے ایک صحیح حنفی امام کا اسی تنخواہ میں اس شرط پر تقرر کیا کہ فجر کی قنوت نازلہ اور جہراً بسم اللہ اکثر و بیشتر پڑھتا رہے ، اور کبھی کبھی چھوڑتا رہے ، تو وہ حنفی امام بشرط مذکور امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟ جواب دیں کرم ہوگا؟

المستفتی: ہارون رشید، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفی مقلد کا مذکورہ شرط پر امامت کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اپنے امام کے مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف بلاضرورت شدیدہ عدول کرنا جائز نہیں ہے، اور سوال میں ذکر کردہ عذر کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس میں اتباع ہویٰ کا خطرہ ہے

اورمسائل شرعیہ میں اتباع ہویٰ کا اندیشہ بھی جائز نہیں ہے۔

لایجوز للمفتی والعامل أن یفتی أو یعمل بماشاء من القولین أو الوجهین من غیر نظر وهذالاخلاف فیه ، وسبقه إلیٰ حکایة الإجماع فیهما ابن الصلاح والباجی من المالکیة : (شرح عقود رسم المفتی /٣)

والثالث أن یکون علی وجه التتبع علی الرخص فإنه لا یجوز للعامی إجماعاً کماصرح أبن عبد البر من أنه لایجوز للعامی تتبع الرخص إجماعاً. (جواهر الفقه ١/١٦٦، بحواله شرح التحریر ٣/٣٥١، احسن الفتاویٰ ١/٤٢١، ایضاح المسالك /١٦٠)

اگرلوگ چاہتے ہیں کہ امام انھیں فقہ شافعی کے موافق نماز پڑھائے تو شافعی امام تلاش کریں خواہ کتنی ہی گراں قدر تنخواہ پر میسر ہوا ورا تنی تنخواہ کا انتظام نہیں کر سکتے تو حنفی امام فقہ حنفی کے مطابق نماز پڑھائے اور شافعی مقتدی فقہ شافعی کے مطابق امام کے پیچھے نماز پڑھیں۔

فهذا وأمثاله لایمکن فیه الخروج عن عهدة الخلاف : فکلهم یتبع مذهبه ولا یمنعه مشربه الخ. (شامی ، کتاب الصلاة ، باب الإمامة ، کراچی ١/٥٦٤، زکریا ٢/٣٠٣)

والذی یمیل إلیه القلب عدم کراهة الاقتداء بالمخالف مالم یکن غیر مراع في الفرائض لأن کثیراً من الصحابة والتابعین کانوا أئمة مجتهدین وهم یصلون خلف إمام واحد مع تباین مذاهبهم. (شامی ، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ١/٥٦٤، زکریا ٢/٣٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤٢٠/٦/١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/٦٢١٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٠/٦/١٧ھ

اہل حق امام کو چھوڑ کر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا

ســـــوال: [۲۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ میں دو مسجدیں ہیں ایک میں اہل بدعت امام ہے اور دوسری میں اہل سنت تو اہل سنت کو چھوڑ کر کے اہل بدعت کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اعادۂ صلوٰۃ لازم ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد ایوب، منی پوری، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بدعتی فاسق ہوتا ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے ۔

ويكره ....فاسق وأعمىٰ... ومبتدع أي صاحب بدعة . (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة زکریا۲/۲۹۸، کراچی ۱/۵۶۰)

لہٰذا اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے، مگر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہوتا۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال صلوا خلف كل برٍ وفاجرٍ الحديث: (سنن دارقطنی، کتاب الصلاۃ، باب صفة من تجوز الصلاۃ معه الخ دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۴۴، رقم: ۱۷۵۰)

ولو صلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة ...... فإن أمكن الصلاة، خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولىٰ من الانفراد .

(البحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة زکریا۱/۶۱۰، کوئٹہ۱/۳۴۹، ھکذا فی الشامی، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة زکریا ۲/۲۹۹، کراچی ۱/۵۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۰ھ

جس امام کا عقیدہ معلوم نہ ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال: [۲۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی امام کا عقیدہ معلوم نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز بزادشاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مع الکراہت درست ہے۔

إن علم أنه راعى في الفروض والواجبات والسنن فلا كراهة، وإن علم تركها في الثلاثة لم يصح، وإن لم يدر شيئا كره الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه۱/٤١٦، كراچی ۱/٥٦٣، زكريا۲/۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۰۲)

غلط عقیدہ والے کی امامت

سوال: [۲۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید حافظ قرآن ہے اور ایک مسجد میں امامت بھی کرتا ہے، لیکن اسکے عقائد کفریہ شرکیہ ہیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کل سمجھنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کلی علم غیب ثابت کرنا صرف ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھنا اور اس طرح کے عقائد تاویلاً نہیں بلکہ ایماناً اور یقیناً رکھنا اور اسی کیساتھ ساتھ نماز کی حالت میں بھی ٹخنوں سے نیچے پائجامہ لٹکانا اور قرآن شریف کو لحن جلی سے پڑھنا یہ سب باتیں زید میں موجود ہیں تو زید کے پیچھے ایسے شخص کا نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں جو ان سب باتوں سے مبرّا ہے، یعنی عقائد بھی صحیح ہیں اور ٹخنوں سے نیچے پائجامہ بھی نہیں لٹکاتا ہے، اور قرآن بھی لحن جلی سے نہیں پڑھتا بلکہ لحن

خفی اس سے بھی ہو جاتی ہے؟

المستفتي: محمد ادریس، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا امامت کرنا درست نہیں ہے، تمام نمازیوں کو چاہئے کہ اسے امامت سے ہٹا کر اس کی جگہ ایسے شخص کو امام مقرر کریں جو صحیح العقیدہ متبع سنت ہو اور قرآن کو اچھے سے اچھا پڑھنے والا ہو۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ ؓ قال: خطبنا رسول اللّٰہ ﷺ فقال: ولا يؤم فاجر مؤمنا الحديث: (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب فرض الجمعة ونسخة الهندية ١/٧٥، دارالسلام رقم: ١٠٨١)

عن مرثد بن ابي مرثد الغنوی، وكان بدرياً قال: قال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم، فإنهم وفدكم فيما بينكم، وبين ربكم. (المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربي ٢٠/٣٢٨، رقم:٧٧٧)

ومبتدع أي صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة. (درمختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ١/٥٦٠، زكريا٢/٢٩٩)

ولو أم قوماً وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلک تحريماً. (درمختار مع الشامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ١/٥٦٠، زكريا٢/٢٩٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۶۵ ۸۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۳ھ

حضرت تھانوی کو کافر کہنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عالم دین ہے، زید چار سال شیعہ لوگوں کی مسجد میں امامت پر فائز رہا، اس کے بعد دو سال مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور ان کے چاہنے والوں کے مدرسہ مسجد میں مدرس وامام رہا، اس کے بعد اب مولانا احمد رضا خاں صاحب کے چاہنے والوں کی مسجد و مدرسہ میں موجود ہے، جو شیعہ لوگوں میں رہتا ہے وہ مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خانصاحب کو بے حد برا کہتا ہے، اب مولانا احمد رضا خانصاحب کو اچھا کہتا ہے، سب کو بہت برا کہتا ہے؟ یہاں تک حد ہوگئی کہ کافر کہتا ہے، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: شوکت حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں آیا ہے، کہ کسی مسلمان کو برا کہنا اور گالی دینا فسق ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سچے مؤمن تھے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں مستغرق تھے، کچھ غلط باتیں ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر کے ان پر الزامات لگائے ہیں، قیامت کے دن اس کا فیصلہ ہوگا، جو امام ایسے عالم ربانی کو کافر کہہ رہا ہے وہ امامت کے لائق نہیں، دوسرا اچھا آدمی امامت کیلئے منتخب کرنا چاہئے، نیز مولانا احمد رضا خانصاحب کو جو کافر کہا ہے وہ بھی غلط کہا ہے، ایسا شخص امام بنائے جانے کے لائق نہیں ہے؟

عن المرجئة، فقال حدثنی عبد اللّٰہ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: قال سباب المسلم فسوق وقتاله کفر. (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب خوف

المؤمن أن يحبط علمه الخ، النسخة الهندية ١/ ١٢، رقم: ٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رصفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۶ھ

حرم مکی کے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے امام صاحب حج کیلئے تشریف لے گئے تھے، واپس آ کر انھوں نے خود ہی بتایا کہ میں نے حرم مکی اور حرم مدنی دونوں جگہ باجماعت نماز نہیں پڑھی ان کے اس بیان کے بعد گاؤں کے بیس پچیس آدمی ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور جامع مسجد کے بھی وہی امام ہیں، تو کیا ایسے محروم شخص کے پیچھے ہم لوگ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے، ہم لوگوں نے امام صاحب سے معلوم کیا کہ آپ نے وہاں نماز کیوں نہیں پڑھی تو انھوں نے بتایا کہ وہ امام نجدی ہیں، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتي: حاجی جان عالم، کھیڑا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ائمہ حرمین سے شریعت کیخلاف کوئی عمل دیکھنے میں نہیں آیا مسنون طریقہ سے نماز پڑھاتے ہیں، قرآن کریم بہت اچھا پڑھتے ہیں صرف نجدی اور نجد کے باشندہ ہونے کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز کو جائز نہ سمجھنا خود گمراہی ہے، اور پھر پورے سفر حج میں مسجد نبوی، مسجد حرام کی حاضری اور وہاں کی جماعت کی نماز سے سے اپنے آپ کو محروم رکھنا دوسری گمراہی ہے، اسلئے ایسا شخص جو سفر حج میں مسلسل باجماعت نماز نہیں پڑھتا ہے وہ درجۂ فسق کو پہونچ جاتا ہے، جب تک وہ اپنی اس حرکت پر نادم ہوکر باز نہ آجائے اور اپنی اس حرکت کو برا نہ سمجھے اس وقت تک اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، اسلئے کہ مسلسل تارک جماعت

بھی فاسق ہوجاتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلاَتِهِمْ سَاهُوْنَ. (الماعون : ٤، ٥)

عن عبد الله قال: من سره أن يلقى الله عزوجل، غدا مسلماً، فليحافظ على هؤلاء الصلوات المكتوبات، حيث ينادى بهن، فإنهن من سنن الهدىٰ، وإن الله عزوجل شرع لنبيكم سنن الهدىٰ، وما منكم إلا وله مسجد فى بيته، ولو صليتم فى بيوتكم، كما يصلى هذا المتخلف فى بيته، لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم، **الحديث**: (مسند أحمد بن حنبل ١/ ٣٨٢، رقم: ٣٦٢٣)

قال فى الدرالمختار ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمىٰ.

(درمختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ٢/ ٢٩٨، كراچی ١/ ٥٦٠)

وفى الكنز: وكره إمامة العبد والاعرابي والفاسق والمبتدع والأعمىٰ وولد الزنا. (كنز الدقائق مع البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/ ٦٠٩، كوئٹہ ١/ ٣٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۶۰)

مذہب بدل کر نماز پڑھانا

سوال: [۲۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوکن علاقہ میں اکثر مسجدیں شافعی المسلک ہیں، اکثر مسجدوں میں امامت کی ذمہ داری حنفی المسلک کے علماء وحفاظ حضرات انجام دیتے ہیں مگر جب یہ حضرات رخصت پر اپنے اپنے وطن جاتے ہیں تو شوافع مسلک کو بالائے طاق رکھ کر حنفی مسلک پر عمل کرتے ہیں، اور رخصت ختم ہونے پر

واپس آتے ہیں تو حنفی مسلک کو بالائے طاق رکھ کر شافعی المسلک بن کر شافعی طریقہ پر امامت کی ذمہ داری انجام دیتے ہیں، اس طرح عمل کرنے سے ایک مسلک کی تذلیل اور دوسرے مسلک کی توقیر ہوتی ہے، حالانکہ شریعت مطہرہ میں چاروں مسلک برابر (برحق) ہیں ،لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح عمل کرنا شریعت مطہرہ میں کیسا ہے؟ جائز ہے یا حرام! اور اس طرح سے آج تک جونمازیں پڑھی گئی ہیں ان نمازوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آیا یہ نمازیں صحیح ہوئیں یا نمازوں کو پھر سے دوہرانا پڑے گا؟

المستفتي: محمد جاوید قاسمی، چاندپور، ضلع بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مقلد کو دوسرے کے مذہب پر عمل کرنے کے لئے بہت سی شرائط ہیں ان میں سے اہم ترین شرط مذہب بدلنے والے کا درجہ اجتہاد کو پہونچنا ہے، یا کم از کم طبقات فقہاء میں سے اہل ترجیح کا درجۂ حاصل ہونا لازم ہے، اس کے بغیر دوسرے کے مذہب پر عمل کرنا ناجائز اور حرام ہے، سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ جو علماء وحفاظ وقتی طور پر غیر کے مذہب پر عمل کرتے ہیں صرف ملازمت کی حفاظت اور حصول زر کی ہی غرض سے ایسا کرتے ہیں لہٰذا ان کے لیے مذکورہ عمل ناجائز اور حرام ہوگا، اور جونمازیں ان لوگوں نے حنفی وقت سے قبل یا خروج دم وغیرہ نواقض وضو عند الحنفیہ کے بعد بلا اعادۂ وضو کے روا کی ہیں، وہ سب لوٹانی واجب ہوں گی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/ ۴۲۱، فتاویٰ سعدیہ ۱/۳)

وبهذا تبين سر ما ذهب إليه الفقهاء من عدم جواز ترك مذهب إلىٰ مذهب لأن هذا إن كان على وجه التخطية للمذهب المتروك فهو ليس بأهل لها و إن كان علىٰ أوجه الترجيح فهو ليس أيضا من أهله فلا وجه للانتقال إلا الهوىٰ، أو شيئى لا يعتد به، فلا يجوز لا سيما إذا كان هذا الضيع يفتح عليه باب اتباع الهوىٰ والشهوات الخ. (اعلاء السنن الردّ علی ابن

القیم فی مسألة التقلید ، کراچی ٢/ ٦٤، دارالکتب العلمیة ٢٠/ ٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۴۴)

دیوبندی عالم کو بریلوی کہنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب نے دیوبندی عالم کو بولا کہ آپ بریلوی خیالات کے ہیں، کیا دیوبندی عالم کو بریلوی خیالات کے کہنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، جبکہ دونوں دیوبندی ہیں۔

المستفتي: العارض: محمد فیروز عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کسی دیوبندی عالم کو جبکہ اس کے خیالات اچھے ہوں بریلوی خیالات کا کہنا ان کی شان میں گستاخی ہے، امام صاحب کو ان سے معافی مانگنی چاہئے ، البتہ ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، کوئی حرج نہیں۔ (مستفاد محمودیہ قدیم ۲/ ۱۱۱، ۵/ ۱٦٨، جدید ڈابھیل ٦/ ۴۲۵، ۲/ ۵۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۵۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۳/ ۱۴۲۱ھ

غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال: [۲۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ حنفی المسلک لوگوں کا ہے اس مدرسہ میں تقریباً چالیس اساتذہ ہیں، اس مدرسہ کی مسجد میں پانچ وقت کی نماز کیلئے پانچ امام مقرر ہیں، ان میں سے عشاء کی نماز کیلئے جو امام مقرر کیا گیا وہ غیر

مقلد ہے، تو مذہب حنفیہ کے لائق امام رہنے کے باوجود غیر مقلد امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: العارض: محمد عباس ، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مقلد امام اگر ائمہ اربعہ کو برا بھلا نہ کہتا ہو اور مسائل طہارت میں اختلافی اقوال کی رعایت رکھتا ہو مثلاً: خروج دم کی صورت میں بھی وضو کر لیتا ہو، تو ایسی صورت میں ایسے غیر مقلد کی امامت بلا کراہت جائز ہے، اور اگر ائمہ اربعہ کو برا بھلا کہتا ہے، اور ان کے ساتھ گستاخانہ طریقہ اختیار کرتا ہے تو وہ شخص فاسق ہے، اس کی امامت مکروہ ہوگی، ایسی صورت میں وہاں پر حنفی امام ہونا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/ ۳٦۵، امداد الأحکام ۲/ ۱۱٦)

عن عبد الله رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: سباب المسلم فسوق ، الحدیث : (صحیح البخاری ،الإیمان ، باب خوف المؤمن أن یحبط علمهٗ، النسخة الهندیه ١/ ١٢، رقم: ٤٨)

أن تیقن المراعاة لم یکره أو عدمها لم یصح. (درمختار مع الشامی ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کراچی ١/٥٦٣، زکریا ٢/ ٣٠٢)

وأما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لا یهتم لأمر دینه ، وبأن في تقدیمه للإمامة تعظیمه وقد وجب علیهم إهانته شرعاً . (شامی ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کراچی ١/ ٥٦٠، وهکذا في شرح النقایه ، کتاب الصلاۃ، فصل فی القراء ة فی الصلاۃ، اعزازیه دیو بند١/ ٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۱٦۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲٦/ ۴/ ۱۴۲۱ھ

غیر مقلد کی اقتدا

سوال:[۲۳۳٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بلا عذر کسی غیر مقلد کی اقتدا کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: مجیب الرحمٰن قاسمی، سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا عذر غیر مقلد کی اقتدا کرنا مکروہ تحریمی ہے، بلکہ امداد الفتاویٰ میں احتیاطاً اعادہ کرنے کولکھا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۱/۵٦۳)

أنه لا تجب المتابعة في السنن فعلاً وكذا تركاً فلا تتابعه في ترك رفع اليدين في التحريمة، والثناء وتكبير الركوع والسجود. (شامی، کتاب الصلاة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام، كراچی ۱/ ٤٧٠، زكريا ٢/ ١٦٦)

أما الاقتداء بالمخالف في الفروع (إلى قوله) سنة عنده مكروه عندنا كرفع اليدين في الانتقالات وجهر البسملة وإخفائها الخ. (شامی، کتاب الصلاة، مطلب في الإقتداء بشافعي و نحوه هل يكره أم لا ؟ كراچی ١/ ٥٦٣، زكريا ٢/ ٣٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۳۱)

حنفی شخص کا غیر مقلد کی اقتداء کرنا

سوال:[۲۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حنفی مسلک کا مقلد کسی غیر مقلد کی اقتدا کرتا ہے تو کیا رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ کرنا ضروری ہے؟ امام کی مخالفت (رفع یدین نہ کرنے سے یا آمین بالجہر نہ کرنے سے) نماز میں فساد یا نقص تو نہ

ہوگا؟ وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں۔

المستفتي: مجیب الرحمٰن قاسمی، سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مقلد کے پیچھے رفع یدین اور آمین بالجہر نہ کہنے سے حنفی المسلک شخص کی نماز میں نقص نہیں آئے گا، البتہ بلاعذر غیر مقلد کے پیچھے نماز حنفی کیلئے مکروہ تحریمی ہے۔ (امداد الفتاویٰ، پاکستان ۱/۳۵۲)

إنه لا تجب المتابعة في السنن فعلاً وكذا تركاً فلا تتابعه في ترك رفع اليدين في التحريمة، والثناء وتكبير الركوع والسجود. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام زكريا ٢/١٦٦، كراچی ١/٤٧٠)

وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع (إلى قوله) سنة عنده مكروه عندنا كرفع اليدين في الانتقالات وجهر البسملة وإخفائها الخ. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في الإقتداء بشافعي ونحوه هل يكره أم لا؟ زكريا٢/٣٠٢، كراچی ١/٥٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۳۱)

منکر تقلید کی امامت

سوال: [۲۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں پر ایک نیا فرقہ زور پکڑ رہا ہے، اور نوجوان اس میں دلچسپی لے رہے ہیں، یہ خود کو اہل حدیث کہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ تقلید کا رد کرنے والا یہ فرقہ مسلمان کہلانے کا حقدار ہے یا نہیں؟ اور کیا ان کی مساجد اور ان کی امامت میں نماز درست ہے؟ یا مکروہ ہے یا حرام ہے؟ اور اگر

پڑھ لی ہوتو کیا اس کا لوٹانا واجب ہے؟

المستفتي: احباب اہل سنت، کاشی پور، ادھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقلید کے منکرین جو خود کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کرتے ہیں، یہ اگر چہ مسلمان ہیں لیکن اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، لہٰذا وہ غیر مقلد جو سخت متعصب اور بزرگان دین کے بارے میں زبان درازیاں کرتا ہو وہ گمراہ اور فاسق ہے اس کی امامت مکروہ ہے، لیکن اگر وہ متعصب اور بزرگوں کی شان میں بے ادبی کرنے والا نہ ہو، نیز وہ دوران نماز کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق نماز مکروہ یا فاسد ہو جاتی ہو تو ایسے غیر مقلد کے پیچھے نماز شرعاً درست ہے، البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر فتنہ اور اختلاف کا اندیشہ نہ ہو تو ان کی مسجدوں میں جانے سے احتراز کیا جائے، تا کہ ان سے میل جول سے بچا جا سکے، اور نو جوانوں کا ذہن صاف رہے اور گمراہی سے بچے رہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۴۹۳، فتاویٰ رشیدیہ/ ۳۴۸، فتاویٰ دار العلوم ۳/۱۴۳، کتاب المسائل ۱/۴۰۸)

أهل الحق منهم أهل السنة والجماعة المنحصرون بإجماع من يعتد بهم في الحنفية والشافعية والمالكية والحنابلة، وأهل الهواء منهم، غير المقلدين الذين يدعون اتباع الحديث وأنى لهم ذلک؟ وجهلة الصوفية وأشياعهم من المبتدعين، وإن كان بعضهم في زى العلم والروافض والنيچرية الذين يضاهئون المعتزلة خاپاک وإياهم فتدنس بهواهم. (مأة دروس لحكيم الأمة حضرت مولانا اشرف على تهانوىؒ بحواله غير مقلدين كے ٥٦/ اعتراضات كے جوابات /٦)

ويكره تقديم الفاسق كراهة تحريم. (حلبى كبير/٥١٣، هنديه، كتاب الصلاة، الباب الرابع في الإمامة، زكريا قديم ١/١٢٢، جديد ١/١٤٣، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/٦١٠، كوئٹه ١/٣٤٩)

وذهب عامة مشائخنا إلى الجواز إذاكان يحتاط في موضع الخلاف وإلا فلا والمعنى أنه يجوز في المراعي بلا كراهة . (شامی ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة كراچی ١/ ٥٦٤، زكرياديو بند٢/ ٣٠٢)

وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع...... فيجوز مالم يعلم منه مايفسد الصلوة على اعتقاد المقتدى عليه الإجماع . (شامی ، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ١/ ٥٦٣، زكريا٢/ ٣٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱/ ۱۴۳۵ھ

جوامام سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت نہ ملاتا ہواس کی اقتداء کرنا

سوال: [۲۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حنفی مسلک مقتدی کی اقتداء کرنا ایسے امام کی جو کہ بعض نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت یا تین آیات نہ ملاتا ہو جبکہ حنفی مسلک میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی سورت یا تین آیات کا ملانا واجب ہے، تو ایسی شکل میں اس حنفی مسلک مقتدی کی نماز اس امام کے پیچھے صحیح و درست ہوگی یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: عبدالکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مخالف مذہب امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اسلئے بجائے جماعت سے تنہا نماز پڑھنا افضل ہے۔

وبحث المحشي أنه إن علم أنه راعى في الفروض والواجبات و السنن فلا كراهة، وإن علم تركها في الثلاثة لم يصح (إلى قوله) وإن علم تركها في الأخيرين فقط ينبغي أن يكره لأنه إذا كره عند احتمال ترك

الواجب فعند تحققه بالأولیٰ الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا ۲/۳۰۳، کراچی ۱/۵۶۳، الفتاویٰ التاتارخانیه، کتاب الصلاة، الفصل السادس من هو أحق بالإمامة زکریا۲/۲۴۹، رقم: ۲۳۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۴۲/۲۴)

شیعوں کے بچوں کو تعلیم دینے اور تعویذ گنڈے کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) جو امام شیعوں کے بچوں کو دینی تعلیم دیتا ہو۔

(۲) صدقہ خیرات کے کپڑے لیتا ہو۔

(۳) پوری بستی میں گھروں میں تعویذ گنڈے کرتا ہو۔

جس امام میں مندرجہ بالا باتیں پائی جاتی ہوں اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتي: ارقان علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) ہدایت کی نیت سے شیعوں کے بچوں کو دینی تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کافر من أهل الذمة أو من أهل الحرب طلب من مسلم أن يعلمه القرآن والفقه قالوا، لا بأس، بأن يعلمه القرآن والفقه فى الدين لأنه عسى أن يهتدى إلى الإسلام فيسلم إلا أن الكافر لا يمس المصحف. (خانيه، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى التسبيح والتعليم والصلاة، على النبى ﷺ، زكريا جديد۳/۳۰۹، وعلى هامش الهنديه۳/۴۲۶)

(۲) امام اگر غریب مستحق زکوٰۃ ہے تو اسکے لئے صدقہ وخیرات کے کپڑے لینا جائز ہے۔

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل . (هنديه ، كتاب الزكوٰة ، الباب السابع فی المصارف، زكريا قديم١ /١٨٧ ، جديد ١ /٢٤٩)

ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحا.

(هنديه ، كتاب الزكوٰة ، الباب السابع فی المصارف زكريا قديم١ /١٩٨ ، جديد١ / ٢٥١)

(۳) اگرگھروں میں جا کرتعویذ گنڈے کرتا ہواورعورتوں کا سامنانہیں ہوتا ہوتو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ،اب رہی یہ بات کہ تعویذ گنڈہ کیلئے گھروں میں جانے کی وجہ سے مقتدی ایسے امام کو پسند نہیں کرتے ہیں ،تو مسجد کے ذمہ دار کو اختیار ہے کہ اس امام کو بدل کر دوسرا ایسا متبع شریعت امام مقرر کرے جس پر مقتدیوں کو کوئی اشکال نہ ہو۔

رجل أم قوماً وهم له كارهون ،إن كانت الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة يكره له ذلك ، وإن كان هو أحق بالإمامة لا يكره . (شامی ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة ، قبل مطلب البدعة خمسة أقسام كراچی ١/٥٥٩، زكريا٢/٢٩٧، هنديه ، كتاب الصلاة، الباب الخامس ، الإمامة ،الفصل الثالث فی بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم ١/٨٧، جديد ١/١٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ :شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۱/ ۱۱۶۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۳۵ھ

فرقۂ مودودی کے لوگوں کی امامت

سوال: [۲۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ جماعت اسلامی کے لوگوں کو نماز پڑھانا کیسا ہے؟ کیوں کہ جماعت اسلامی کے لوگوں کا کہنا ہے، کہ خطبہ عربی میں پڑھکر اس کا مطلب اردو میں بیان کرو تو کیا ایک عالم جو کہ مدرسہ امدادیہ سے فارغ ہے کہیں جگہ نہیں ملتی تو کیا وہ جماعت اسلامی کے لوگوں کی امامت کرسکتا ہے؟

المستفتي: محمد حنیف، ککرالہ باڑی، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فرقۂ مودودی کے لوگوں کی امامت کرنے میں آپ کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، آپ چونکہ خود پابندِ سنت ہیں، اسلئے آپ کے پیچھے کسی کی بھی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئیگی، اور ملازمت بہرصورت جائز ہے، اردو زبان میں جمعہ وعیدین کے خطبے مکروہ ہیں۔ (مستفاد ایضاح المسایل/۳۳، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل، کتاب الجمعۃ، فصل فی خطبۃ الجمعۃ ۸/ ۲۳۹، میرٹھ ۱۲/ ۳۶۰، فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۵/ ۵۲، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۵۰)

لا شک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة ؓ فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية ١/ ٢٤٢، مكتبه رحيميه ديو بند)

آپ خطبہ عربی میں دیدیا کریں اعتراض کرنے والوں سے کہدیا کریں کہ میں خطبہ کی اذان سے قبل خطبہ کا مطلب یا کچھ دین کی باتیں بیان کردیا کروں گا، اور اذان خطبہ سے قبل ہی آپ اردو میں بیان کردیا کریں، پھر بھی اعتراض کریں تو ان سے نرمی سے کہدیجئے کہ کسی بڑے ادارے کے مستند مفتی سے اردو میں خطبہ کا جواز لکھوا کے لاؤ تو اردو میں کہنے میں ہم کو کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۲۸ھ

مودودی جماعت کے کارکن کی امامت

سوال: [۲۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جماعت اسلامی کا سرگرم کارکن ہے، اور امامت کے لئے مصلے پر کھڑا ہوجاتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محی الدین احمد، سیمس پور، حکیم پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مودودی جماعت کے کارکنوں پر فاسق ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، کیونکہ صحابہ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرنا درجۂ فسق سے کم نہیں ہوسکتا، اسلئے اسکے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، فاسق کی عبارت:

ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق الخ، وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا۲/۲۹۹، كراچی ۱/۵۵۹)

لو قدم فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائهٖ بأمور دينهٖ وتساهلهٖ في الإتيان بلوازمهٖ... جوزنا ها مع الكراهة.

(حلبی كبير، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة /۵۱۳، ۵۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۹۳)

مودودی جماعت سے تعلق رکھنے والے کے پیچھے نماز کا حکم

سوال: [۲۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تھانہ پوڑیاہاٹ ضلع گڈا کے علاقہ تالجھاڑی جو دس بارہ بستی پر مشتمل ہے تقریباً دس ہزار کی آبادی ہے، یہاں عیدین کی نماز عرصۂ دراز سے ایک امام صاحب پڑھاتے آرہے ہیں، الحمد للہ یہاں اس علاقہ میں علماء کرام کی کمی نہیں ہے، گذشتہ سال عید الاضحیٰ کے موقع پر امام صاحب نے عیدگاہ میں اعلان کردیا کہ میں جماعت اسلامی میں ہوں، اور اسی پر قیامت تک رہونگا، واضح ہو کہ اس سے قبل کبھی کوئی تذکرہ نہیں ہوا تھا کہ موصوف امام کا تعلق کس جماعت سے

ہے، جب امام نے برسر عام اعلان کردیا تو عیدگاہ میں کافی ہنگامہ اوراختلاف کی نوبت آ گئی یہاں تک کہ اس کی وجہ سے دوجگہ نماز عیدالاضحیٰ ادا کی گئی؟

(۱)سوال یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں یا اہل سنت والجماعت میں سے کسی امام کا انتخاب کرلیا جائے ، جبکہ صرف ان کے علاوہ باقی تمام مقتدی وعوام اہل سنت والجماعت کے مسلک کے ہیں۔

(۲) جماعت اسلامی کے پیچھے نماز جائز ہے یانہیں؟ جماعت اسلامی کے ماننے والے کواپنی مجالس میں بلانا جائز ہے یانہیں؟ جماعت اسلامی کے جلسہ جلوس میں شامل ہونا چاہئے یا اس سے احتراز کرنالازم ہے۔

المستفتي:ارا کین کمیٹی،تالجھاڑی،جھارکھنڈ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:(۱)اگر مذکورہ امام حنفی مسلک کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھاتے ہیں اور علماء اہل سنت پر سب وشتم نہ کرتے ہوں تو ان کے پیچھے نماز بلاکراہت درست ہے،اورامام بدلنے کی ضرورت نہیں البتہ اگر وہ مسائل حنفیہ کی رعایت نہ کریں اور علماءاہل سنت وبزرگان دین پر سب وشتم کرتے ہوں تو پھران کے بجائے نیک صالح دیندار شخص کوامام مقررکرلیا جائے۔

إن تيقن المراعاة لم يكره أو عدمها لم يصح . (درمختار ، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ١/٥٦٣، زكريا ٢/٣٠٢)

ويكره إمامة فاسق . (درمختار ، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ١/٥٦٠، زكريا٢/٢٩٨، كبيرى ، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة /٤٧٩)

(۲)جماعت اسلامی امام کے پیچھے مذکورہ شرائط کے ساتھ نماز بلاکراہت درست ہے۔

(ب)ان کواپنے جلسہ جلوس میں شرکت سے منع نہ کیا جائے۔البتہ ان کووعظ وتقریر کا موقع نہ دیا جائے۔(ج) عام لوگوں کوان کے جلسہ وجلوس میں شرکت سے اجتناب واحتراز کرنا

چاہئے ۔(مستفاد محمود یہ ا/۲٦۴)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۶۲)

مودودی امام کے پیچھے نماز کا حکم

سوال: [۲۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد کے امام جماعت اسلامی ضلع بھاگلپور کے امیر ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتي: شبیر احمد، شاہ کنڈ، بھاگلپور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جماعت اسلامی جوفرقہ مودودیت سے ہے، وہ صحابہ کرام کی شان میں زبان کھولنے میں دریغ نہیں کرتے ہیں، اسلئے وہ لوگ فاسق ہیں، ان کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، اور اگر اہل السنّت والجماعت اور خوش عقیدہ امام نہ ملے تو تنہا پڑھنے کے مقابلہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنا اولیٰ ہے، اور ساتھ ساتھ نماز مکروہ بھی ہوگی۔

عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً ، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً ، وإن عمل الكبائر الحديث: (سنن ابي داؤد ، كتاب الجهاد ، باب الغزو مع ائمة الجور ، النسخة الهندية ١/٣٤٣، دارالسلام رقم: ٢٥٣٣)

عن مرثد بن أبي مرثد الغنوی ، وكان بدرياً قال: قال رسول الله ﷺ: إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم ، فإنهم وفد فيما بينكم وبين ربكم عزوجل . (مستدرك للحاكم ، كتاب معرفة الصحابة ، مكتبه نزار مصطفى البازه/١٨٦٤، رقم: ٤٩٨١)

ویکره لهؤلاء التقدم (إلیٰ قوله) فإن أمکن الصلوٰة خلف غیرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولیٰ من الانفراد الخ. (البحرالرائق ، کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا ١/ ٦١٠، کوئٹه ١/ ٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ار محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۰)

بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال: [۲۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بدعتیوں کی مسجد میں انہی کے امام کے پیچھے مجبوری میں نماز پڑھی جائے یا غیر مجبوری میں پڑھی جائے، دونوں صوتوروں میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اقبال احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بریلوی اور بدعتی شرعاً فاسق ہے، اگر مجبوری ہے کہ اسکے علاوہ قریب میں اپنے ہم خیال لوگوں کی مسجد نہیں ہے، تو پھر تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں بہتر یہی ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے، اور اگر ایسی مجبوری نہ ہو تو پھر بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے، بہر دوصورت نماز کا فریضہ ذمہ سے ساقط ہوجائیگا، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ ، قال: صلوا خلف كل بر وفاجر .

الحديث: (سنن الدار قطنی ، باب صفة من تجوز الصلوٰة ، معه والصلاة، علیه ، دارالکتب العلمیه بیروت ٢/ ٤٤، رقم: ١٧٥٠)

ولو صلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة –فإن أمكن الصلوٰة ، خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولیٰ من الإنفراد .

(بحرالرائق ، کتاب الصلاۃ ، باب الإمامة زکریا۱/ ٤١٠ ، کوئٹه ۱/ ٣٤٩)

وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه. (شامی ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کراچی ۱/ ٥٦٠، زکریا۲/ ۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الأول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے یا تنہا پڑھنا

سوال: [۲۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کسی کے گھر پر عصر کے بعد کسی کام سے جاتا ہے، مغرب کے بعد وہاں سے واپسی ہوتی ہے، اس جگہ پر دو مسجدیں ہیں، اور دونوں بدعتیوں کی ہیں، تو کیا یہ شخص اس مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتا ہے تو جس طرح وہ لوگ کرتے ہیں، تو یہ بھی اس طرح کرے یا نہیں؟ مثلاً أشهد أن محمد رسول الله پر انگوٹھے چومنا اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہونا سلام کے بعد ان کی دعا پر آمین کہنا یا یہ شخص جس کے گھر پر جاتا ہے، اسی میں تنہا نماز پڑھے یا کچھ آدمیوں کے ساتھ جماعت کر لے۔

المستفتي: محمد اختر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر امام فاسق یا بدعتی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا اگرچہ مکروہ ہے لیکن تنہا پڑھنے سے ان کی جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۷۹)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ الجهاد واجب عليكم مع كل أمير، براً كان أو فاجراً، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر، الحديث: (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد،

باب الغز ومع ائمة الجور ، النسخة الهندية ١/٣٤٣، دارالسلام رقم: ٢٥٣٣)

وخلفه مع الكراهة. (الهندية ، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث زكريا قديم١/٨٤، جديد١/١٤١)

صلى خلف فاسق ومبتدع نال فضل الجماعة وفى الشامى أفاد أن الصلوٰة خلفها أولىٰ من الانفراد. (شامى ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة ،كراچى ١/٥٦١، زكريا٢/٣٠١، الهنديه زكريا قديم١/٨٤، جديد ١/١٤١)

علامہ شامیؒ نے اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کوعلامہ قہستانی وغیرہ سے مستحب نقل کرنے کے بعدعلامہ جراحی سے نقل کیاہے،کہ کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ہے،اس طرح کی تمام روایتیں ضعیف تر ہیں ، اسلئے اذان کے وقت انگوٹھے نہ چومے ۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ١/٣٧٩)

وذكر ذلک جراحی وأطال ثم قال ولم يصح فى المرفوع من هذا شيئى . (شامى ، كتاب الصلاة ، باب الآذان كراچى ١/٣٩٨، زكريا ٢/٦٨)

اوراقامت کےشروع میں کھڑے ہونے کا مقصد صفوں کودرست کرنا ہے،آپ تنہا کھڑے ہوکر بیٹھنے والوں کی صفوں کوکیا درست کریں گے،اسلئے حی علی الفلاح تک بیٹھنے کی گنجائش ہے ۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ٢/ ٣٠٧)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
١٠رصفر المظفر ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر :٣٦/٧٤٩٦)

فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال: [٢٣٤٧]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(ا) زید دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتا ہے،اور زید کے مکان کے اطراف میں جتنی مساجد ہیں ،وہ سب بدعتی لوگوں کی ہیں اورامام مسجد بھی بدعتی ہے، اور پائجامہ تہبند

ٹخنوں سے نیچا رکھتے ہیں، اور زید کے مسلک کی مسجد زید کے گھر سے ایک ڈیڑھ کلو میٹر کی دوری پر ہے، اور زید کا اتنی دوری پر پنج وقتہ نماز میں پہنچنا دشوار ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ زید کا بدعتی امام کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ٹھیک ہے یا اپنی فرداً نماز پڑھنا درست ہے؟ جواب دیں؟

(۲) جماعت اسلامی کے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ٹھیک ہے یا نہیں؟

المستفتي: سید محمد سہیل، محلّہ
بروالان نل والی مسجد، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی مجبوری میں فاسق اور بدعتی کے پیچھے باجماعت نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں افضل اور بہتر ہے۔

عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: الصلاة واجبة خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر. (سنن ابي داؤد، كتاب الصلاة، باب إمامة البر والفاجر، دارالسلام ۹۷، رقم: ٥٩٤)

یہ روایت ہندی نسخہ میں دستیاب نہیں ہوئی۔

قلت: في أمره بالصلاة خلف الفاجر مع أن الصلاة خلف الفاسق، والفاجر مكروهة عندنا دليل على وجوب الجنازة. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب إمامة البر والفاجر، دارالبشائر الإسلاميه بيروت جديد٥/٤٧٧، مطبع ميرٹھ قديم ١/٣٣٢)

لو صلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة لكن لاينال كما ينال خلف تقي ورع الخ. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ١/٣٤٩، زكريا ١/٦١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۳/۱۴۱۲ھ

میلاد النبی میں قیام نہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میلا د النبی میں قیام نہ کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے تو کونسی کراہت ہے یا بلاکراہت نماز درست ہے؟ اس مسئلہ کو واضح طور پر مدلل فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالقادر، ساکن مقبول پور، بردوان، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ذکر ولادت شریفہ بہت مبارک اور باعث خیر وبرکت ہے بشرطیکہ اس میں نام ونمود وشہرت وتفاخر اور بوقت ذکر ولادت شریفہ قیام نہ ہو۔

والإحتفال بذكر الولادة الشريفة إن كان خاليا من البدعات المروجة فهو جائز بل مندوب كسائر أذكاره صلى الله عليه وسلم والقيام عند ذكر الولادة الشريفة حاشا لله أن يكون كفراً الخ. (امدادالفتاویٰ زکریا٦/۳۲۷)

لہٰذا قیام نہ کرنے والا امام قابل ملامت نہیں، اس کے پیچھے نماز بلاکراہت صحیح اور درست ہوگی!

وقد قيد ذلک جماعة من أهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعي فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، مطبع دارالبشائر الإسلاميه ۳/۴۷۵، سهارن پور، قديم ۱/۳۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۸۰)

میلاد پڑھنے والے اور تعزیہ بنانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی

مسجد کے جومقرر ہ امام ہیں، اگر کسی بنا پر تشریف نہیں لاتے ہیں، تو مسجد کے مصلیوں میں تین احباب ایسے ہیں جو لباس سے چہرے سے بالکل متبع سنت ہیں، اور کسی درجہ میں قرآن بھی صحیح پڑھتے ہیں ان میں جو موجود ہو وہ نماز پڑھا دیتا ہے، مسئلہ جواب طلب یہ ہے کہ ایک صاحب نمازیوں میں حافظ قرآن ہیں مگر ڈاڑھی ان کی آدھی مشت بھی نہیں ہے، ایک مشت تو در کنار دوسرے وہ میلا د پڑھتے ہیں تیسرے محرم کے ایام میں تعزیہ پر بیٹھ کر اس کا چڑھاوا جمع کرتے ہیں، یہ صاحب امام صاحب کی عدم موجودگی میں نماز پڑھانا چاہتے ہیں، کچھ نمازیوں کو اس پر اعتراض ہے تو کچھ نمازی جو زیادہ دین سے واقف نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کسی مفتی صاحب سے مسئلہ دریافت کرلیں، چنانچہ اس سے قبل بھی آپ سے مسجد کی حدود میں پلنگ سے متعلق مسئلہ دریافت کیا تھا، جس پر سب بالاتفاق عمل پیرا ہیں، تو اب ان صاحب سے متعلق جواب تحریر فرمادیں کہ یہ نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد اسحاق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی کٹانے والا، میلا د پڑھنے والا، اسی طرح تعزیہ پر بیٹھ کر چڑھاوا جمع کرنے والا شخص فاسق اور بدعتی ہے ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، ایسے شخص کے پیچھے سب کی نماز مکروہ ہوتی ہے، تاہم اس کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے، اور ایسے فاسق شخص کو ہٹا کر متبع سنت امام کا انتظام کرنا ذمہ داران مسجد کا فرض ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ ؓ قال خطبنا رسول اللّٰہ ﷺ فقال: ...ولا یؤم فاجر مؤمناً، الحدیث: (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب فرض الجمعة، النسخة الهندية ١/٧٥، دارالسلام رقم: ١٠٨١)

عن مرثد بن أبي مرثد الغنوی وکان بدریاً قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: إن سرکم أن تقبل صلاتکم، فلیؤمکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم. (المعجم الكبير للطبرانی، دار احیاء التراث العربي ٢٠/٣٢٨، رقم: ٧٧٧)

ویکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم وعند مالک لایجوز تقدیمه وهو روایة عن أحمد وکذا المبتدع . (صغیری، مکتبه مجتبائی دهلی /٤ ٢٦، البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا١ /٠ ٦١ ، کوئٹه١ /٩ ٣٤ ، فتاویٰ دارالعلوم ٣/ ١٤٥) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍ ۷؍ ۱۴۱۹ھ

تیجہ، دسواں، بارہ وفات کا چندہ کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں ملپورہ ہے، اس مسجد میں امام صاحب اپنے آپ کو مسلک دیوبندی سے ملحق بتلاتے ہیں، لیکن کام بدعتیوں والے کرتے ہیں، مثلاً دسویں تیجے وغیرہ کا کھانا بارہ وفات کا چندہ وغیرہ اکٹھا کر کے دیگیں اتروا کر کھانا کھلانا محرم وچہلم وغیرہ میں شرکت کرنا مذکورہ کام کرنے والے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ مکروہ تنزیہی یا تحریمی کے مطلب کی وضاحت فرمادیں۔

المستفتي: بنے میاں، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیجہ دسواں، چہلم اور بارہ وفات کے نام سے چندہ کرنا اور پھر دیگیں پکوانے کی رسم سب امور بدعت اور مکروہ ہیں، جو امام ایسے امور میں مبتلا ہو اس کو مسجد کی کمیٹی اور منتظمین وہاں کسی مصلحت کے پیش نظر مسجد سے علیحدہ کر کے متبع شریعت امام رکھ لیں، تو بہتر ہے اب رہی اس کے پیچھے نماز صحیح ہو جاتی ہے یا نہیں تو بدعتی کے پیچھے بھی نماز صحیح ہو جاتی ہے، واجب الاعادہ نہیں، البتہ ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔

عـن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قـال صـلوا خلف كل بر وفاجر ، الحديث : (سنن الدار قطنی ، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ٤٤، رقم: ١٧٥٠)

ولـو صـلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فضل الجماعة .... فإن أمكن الصلاة ، خـلف غيـرهـم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولٰى من الانفراد . (البحر الـرائـق ، کتـاب الصلاة، باب الإمامة کوئٹه ١/ ٣٤٩، زكريا١/ ٦١٠، هكذا شامی، کتاب الصلاة ، باب الإمامة زکریا ٢/ ٢٩٩، کراچی ١/ ٥٦٠)

لـو أم قـومـا وهـم له كارهون ، فهو على ثلٰثة أوجه إن كانت الكراهة لـفسـاد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره الخ. (مـراقی الفلاح ، کتاب الصلاة، باب الإمامة دارالكتاب ديو بند/١ ٣٠١، قدیم /٤ ١٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سـوال: [۲۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بریلوی حضرات کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جبکہ مسجد دوسری بھی موجود ہو؟

المستفتي: اخلاق حسین، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: بریلوی حضرات کے فاسق ہونے میں شبہ نہیں، اس لئے ان کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

عن جابر بن عبد الله قال: خطبنا رسول الله ﷺ فقال: ولا يؤم فاجر مـؤمـناً، الحديث : (سـنـن ابـن مـاجـه ، الـصـلاة ، باب فرض الجمعة ، النسخة الهنديه ١/ ٧٥، دارالسلام رقم: ١٠٨١)

ولـذا كره إمامة الفاسق الخ. (طـحـطاوی علی المراقی ، کتاب الصلاة، فصل فی

بیان الأحق بالإمامة ، دارالکتاب دیوبند جدید /۱ ۳۰ ، قدیم /٥ ٦ ١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۴۲۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۱۵ھ

گیارہویں منانے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا

سوال: [۲۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امام نے گیارہویں تاریخ کو اپنی مسجد میں گیارہویں کا پروگرام کیا اور اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان نماز کے مطابق بیان ہوا اور بکر نے زید امام کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی کہ تم نے گیارہویں کیوں کی ہے، اور تم کو کس نے کہا تھا، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔

المستفتي: گلزار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گیارہویں شریف کے نام سے کسی قسم کا پروگرام شریعت غراء سے ثابت نہیں اور جو چیز شریعت سے ثابت نہیں ہے، اسے دین کا کام سمجھ کر اور عبادت کا کام سمجھ کر کرنا نہایت خطرناک عمل ہے، اس لئے گیارہویں شریف کے نام سے کسی قسم کا کوئی سالانہ پروگرام چلانا جائز نہیں ہے، حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی وفات کے سانحہ سے امت کیلئے سید الکونین خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا سانحہ زیادہ دردناک اور صبر آزما ہے، جب سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے دن حضرت صدیق اکبر حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمان غنیؓ حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دور صحابہ کے بعد تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے بھی آپ کی وفات کا پروگرام ثابت نہیں ہے، اگر یہ دین کا کام ہوتا اور کار ثواب ہوتا تو اس کام کے زیادہ مستحق حضرات خلفائے راشدین اور امت کے سلف وخلف ائمہ مجتہدین اور خود حضرت شیخ عبد

القادر جیلانیؒ تھے، جب ان سے اس قسم کا پروگرام ثابت نہیں ہے، تو گیارہویں شریف کا پروگرام کس طرح جائز ہوگا، بلکہ سیدالکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد: ''**من أحدث فی أمرنا هذا مالیس فیه فهو رد**'' کے دائرے میں داخل ہوکر بدعت شنیعہ اور قابل ترک عمل ہوگا، اسلئے اس سے گریز کرنا لازم اور ضروری ہے، لہذا اگر امام گیارہویں شریف کے پروگرام کرنے پر مصر ہو پھر اس کو کار ثواب اور دین کا کام سمجھتا ہو تو اسکی وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے والے کا عمل صحیح ہے۔

عن عائشةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من أحدث في أمرنا هذامالیس فيه فهو رد. (ابن ماجه شريف ، كتاب السنة ، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم والتغليظ على ماعارضه ، النسخة الهنديه /٣، دارالسلام رقم: ١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۰۴/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۱۸ھ

بریلوی امام کے پیچھے نماز

سوال: [۳۲۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بریلوی امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، شاہی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بریلوی سے مراد ایسی رسوم کا مرتکب ہے جو شرک نہیں فقط گناہ ہے تو وہ شرعاً فاسق ہے، اور فاسق کی اقتدا مکروہ تحریمی ہے۔

كره إمامة الفاسق وفي الطحطاوي كون الكراهة في الفاسق تحريميه الخ . (طحطاوي على مراقي الفلاح، قديم/ ١٦٥، دارالكتاب ديو بند جديد/١ ٣٠)

اوراگرایسی رسوم کامرتکب ہے جوشرک تک پہونچ جاتی ہیں،تواس کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوگی ،جب تک تجدید ایمان نہ کرلے۔(فتاویٰ محمودیہ۲/ ۹٦)

وتجوز الصلاة ، خلف كل بر وفاجر – وما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلوٰة خلف المبتدع فمحمول على الكراهة إذ لا كلام فى كراهة الصلوٰة خلف الفاسق والمبتدع هذا إذا لم يؤد الفسق أو البدعة إلى حد الكفر، أما إذا أدى إليه فلا كلام فى عدم جواز الصلوٰة، خلفه. (شرح العقائد النسفية ، مكتبه نعيميه / ١٦١، النبراس ، مكتبه امداديه / ٣٢٦)

كتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۸/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/۶۰۲)

بریلوی امام کی اقتدا کرنا

سوال: [۲۳۵۴]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ زید اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتا ہے اس نے بریلوی امام کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھی تو زید کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے، تو زید کو جماعت کی فضیلت حاصل ہوگی یانہیں؟

المستفتي: محمد عمر،ادھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بریلوی امام اگرچہ فاسق ہے لیکن تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں فاسق کے پیچھے جماعت کیساتھ نماز پڑھنا افضل ہے اس لئے بریلوی امام کے پیچھے جونماز پڑھی گئی ہے وہ صحیح ہوچکی ہے۔

لو صلى خلف فاسق مبتدع ينال فضل الجماعة (إلى قوله) أولىٰ من

الانفراد ينبغي أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم وإلا فلا كراهة الخ. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/ ٦١٠، كوئٹه ١/ ٣٤٩، هكذا فى الشامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچى ١/ ٥٦١، زكريا٢/ ٣٠١، هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث زكريا قديم١/ ٨٤، جديد ١/ ١٤١)

وتجوز الصلاة خلف كل بر وفاجر لقوله عليه السلام "صلوا خلف كل بر وفاجر". (شرح عقائد/ ١٥٩)

عن ابي هريرة ؓ أن رسول الله ﷺ: قال صلوا خلف كل بر وفاجر وصلوا على كل برٍ وفاجر وجاهدوا مع كل برٍ وفاجرٍ. (سنن دار قطنى، كتاب الصلاة، باب صفة من تجوز الصلاة معه، و الصلاة عليه، دارالكتب العلمية٢/ ٤٤، رقم: ١٧٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۶/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۶/۱۴۲۱ھ

بریلوی شخص کی امامت

سوال: [۲۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکردا جماعت جناب احمد رضا خان صاحب کی جماعت کا عمل علم غیب کا ثابت کرنا قبروں پر سجدہ کرنا، قبروں پر اذان دینا، اجتماعی طریقہ سے مائک پر سلام پڑھنا اور سلام میں شرکیہ جملوں کا استعمال کرنا بزگوں سے مدد طلب کرنا کیا ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے یا غلط ہے اور اگر نماز پڑھ لے تو کیا نماز دوبارہ لوٹانی ہوگی یا نہیں؟ یا مکروہ ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں لکھے ہوئے عقائد اوران کے اس طرح کے اعمال سارے ناجائز ہیں اوران میں سے بعض عقیدے ایسے ہیں، جو ایمان کیلئے خطرہ بن

سکتے ہیں، تاہم ہمارے مسلک دیوبند کے اساطین علماء اورا کابر اہل فتویٰ ان کے پیچھے پڑھی گئی نماز کے اعادہ کے قائل نہیں ہیں، کراہت تحریمی کے ساتھ نماز درست ہوجاتی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں اسی لئے ہم بھی یہی سمجھتے اور یہی لکھتے ہیں کہ فرقۂ بریلوی کے پیچھے پڑھی گئی نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

عن ابي هريرة – رضى الله تعالیٰ عنه –أن رسول الله ﷺ قال صلوا خلف كل بر وفاجر، وصلوا على كل برٍ وفاجر، وجاهدوا مع كل برٍ وفاجرٍ. (سنن دار قطني ، كتاب الصلاة، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٤٤، رقم: ١٧٥٠)

وأطلق المصنف فى المبتدع فشمل كل مبتدع وهو من أهل قبلتنا وقيده فى المحيط والخلاصة والمجتبیٰ وغيرها بأن لاتكون بدعة تكفره فإن كانت تكفره فالصلوٰة خلفه لاتجوز . (البحرالرائق ، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/٠ ٦١، كوئٹه ١/٩ ٤ ٣)

ويكره أن يكون الإمام فاسقاً ويكره للرجال أن يصلوا خلفه. (تاتار خانيه ، كتاب الصلاة ، الفصل السادس من هو أحق بالإمامة زكريا ٢/٠ ٢٥، رقم: ٢٣٢٩، كوئٹه ١/٣ ٠ ٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۴۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۵ھ

بریلوی خیالات والے شخص کے پیچھے نماز کا حکم

سوال: [٦ ٢٣٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے اور نماز پڑھاتا ہے، باشرع وضع قطع ہے مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عقیدۂ علم غیب مانتا ہے، اور کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب

میں صرف ذاتی اور عطائی کا فرق ہے، اور کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے، اور دوسرا عقیدہ وہ آپکے لئے مختارکل کا رکھتاہے ،اور کہتاہے، کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوتمام اختیارات دیئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیامیں جس طرح چاہیں اپنی مرضی کے مطابق تصرف فرمائیں مگر بکر کہتاہے کہ اس طرح کے عقائد رکھنا شرک فی الصفات ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز کسی بھی حال میں درست نہیں جبکہ امام تمام بدعتوں کو عین دین تصور کرتا ہے، اور ہرطرح کی بدعت وہ کرتا ہے، جسکی وجہ سے بکرزید کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے، اور اپنی نماز الگ بغیر جماعت کے پڑھ لیتاہے، صحیح کس کا قول ہے زید کا یا بکر کا کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتي: محمد ادریس، جہانگیر
پور، اجین، مدھیہ پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور ﷺ کے بارے میں زید کی نسبت جن عقائد کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ظاہراً اگر چہ کفر تک پہونچانیوالے ہیں، لیکن بدعتی لوگ یہ عقائد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تاویلاً رکھتے ہیں، اسلئے کافر تو نہیں قرار دیا جائے گا، البتہ فاسق اور بدعتی قرار دیا جائے گا، اور فاسق وبدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا زید کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، بکر کا یہ کہنا کہ ان عقائد کی وجہ سے زید کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، ان کے ظاہری عقیدہ کے اعتبار سے صحیح ہے، لیکن یہ لوگ تاویل کر کے اس قسم کے عقائد رکھتے ہیں، اس لئے ان کو کافر نہیں کہا جائے گا، فاسق کہا جاسکتا ہے، لہٰذا وہاں کے لوگوں کو چاہئے کہ صحیح العقیدہ امام مقرر کرلیں، اور جب تک دوسرا صحیح العقیدہ امام نہ ملے مجبوری کے تحت اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے گی، اور وہ نماز واجب الإعادہ نہ ہوگی، اور تنہا پڑھنے کے مقابلہ میں فاسق کے پیچھے جماعت میں شریک ہوجانا زیادہ افضل ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۹۰)

عن ابي هريرة – رضى الله تعالىٰ عنه –أن رسول الله ﷺ قال: صلوا خلف كل بر وفاجر، وصلوا على كل برٍ وفاجر، وجاهدوا مع كل برٍ وفاجرٍ. (سنن دار قطنى ، كتاب الصلاة، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٤٤، رقم: ١٧٥٠)

صلى خلف فاسق أومبتدع نال فضل الجماعة وفى الشامية أفاد أن الصلوٰة خلفها أولىٰ من الانفراد، لكن لا ينال كماينال خلف تقى ورع.
(شامى ، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچى ١/٥٦٢، زكريا ٢/٣٠١)

وقال العلامة الحلبى ، بعد ماحرر كراهة تقديم الفاسق كراهة تحريم، ويكره تقديم المبتدع أيضاً لأنه فاسق من حيث الاعتقاد وهو أشد من الفسق من حيث العمل لأن الفاسق من حيث العمل يعترف بأنه فاسق ويخاف ويستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئاً على خلاف مايعتقده أهل السنة والجماعة وإنما يجوز الاقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن مايعتقده يؤدى إلى الكفر عند أهل السنة ، أما لو كان مؤدياً إلى الكفر ، فلا يجوز أصلاً . (غنية المستملى ، كتاب الصلاة ، الأولىٰ بالإمامة /٥١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۳ھ

رافضیوں کی رسموں میں شرکت کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی عالم رافضیوں کے محرم کی رسموں میں شرکت کرتا ہے، اوران کے امام باڑہ میں مجلس پڑھتا ہو، اور سینہ زنی کرتا ہو، اورنوحہ خوانی کرتا ہو، ساتھ ہی سنیوں کی امامت کرتا ہواورشیعوں کے یہاں

کھاتا پیتا ہو، اور تعزیہ داری بھی کرتا ہو یعنی خود تعزیہ رکھتا ہو، بلکہ شیعوں کی مجلسوں میں شیعوں جیسا فعل کرتا ہو، ان کے سارے رسم ورواج کو ان کے ہی طرز پر ادا کرتا ہو تو ایسے مولوی کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد وسیم شیخو پورہ، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو عالم سنی مسلک کا ہو اور وہ رافضیوں کی رسموں میں شرکت کرتا ہو اور امام باڑہ میں جا کر ماتم کرتا ہو، سینہ زنی کرتا ہو، نوحہ خوانی میں شرکت کرتا ہو، ایسا شخص فاسق ہے، اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اسلئے ایسا شخص عہدۂ امامت کا اہل نہیں ہے۔

عن جابر بن عبدالله ؓ قال: خطبنا رسول الله ﷺ فقال: ...ولا يؤم فاجر مؤمنا. الحديث: (سنن ابن ماجه ، الصلاة، باب فرض الجمعة ونسخة الهندية ۱/۷۵، دارالسلام رقم: ۱۰۸۱)

ويكره أن يكون الإمام فاسقا ، ويكره للرجال أن يصلوا خلفه.

(الفتاویٰ تاتار خانیه، الفصل السادس منهو أحق بالإمامة زكريا ۱/۶۰۳، رقم: ۲۳۲۹)

ويكره إمامة فاسق. (الدر مختار على الشامي ، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ۱/۵۵۹، ۵۶۰، زكريا ۲/۲۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۶ھ

محرم کا تعزیہ بنانے والے امام کی امامت

سوال: [۲۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید پورے شہر کا امام ہے، وہ محرم کا تعزیہ بنانے کا صدر مقرر کیا گیا ہے، جب تعزیہ بنانا حرام ہے، بدعت

ہے، اس کے باوجود وہ امام ہوکر صدر مقرر کیا گیا ہے، کیا اس کے پیچھے نماز ہو جائیگی، یا نہیں؟ اگر ہو جائیگی تو دلیل دیں، اور اگر نہ ہوگی اسکے بارے میں میں بھی دلیل دیں؟

المستفتي: محمد مشکور احمد، محلّہ کوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا شخص شرعی طور پر فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، البتہ اگر توبہ کر کے اس فعل سے توبہ کر کے باز آجائے گا تو مکروہ نہ ہوگی۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۳/ ۲۱۷)

وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه الخ. (الدر المنتقىٰ ، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٠٨)

عن أبي عبيدة بن عبد الله عن أبيه قال : قال رسول الله ﷺ : التائب من الذنب كمن لاذنب له . (سنن ابن ماجه ، كتاب الزهد ، باب ذكر التوبة ،النسخة الهندية ٢/ ٣١٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٠/ ١٥٠، رقم: ١٠٢٨١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۷ رصفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۷ھ

الفصل السابع: غلط خواں کی امامت

غلط خواں کی امامت

ســـــوال: [۲۳۵۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب قرآن کریم کی قرأت میں حروف کومخارج سے نہیں ادا کرتے، عین اور الف اور ج، ز،ض، ظ میں فرق نہیں کر پاتے تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح ہو جائیگی یانہیں؟ اگر ان کوٹو کا جائے تو مانتے نہیں اور لکنت کے بہانے کرتے ہیں لیکن آپسی باتوں میں یا اردو پڑھنے میں لکنت نہیں ہوتی، ایک نومسلم لڑکے نے اسی بنا پر ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی، اپنی الگ نماز پڑھتا تھا، لوگوں نے پوچھا کہ کیوں الگ پڑھتے ہو، تو اس نے کہا کہ یہ قرآن صحیح نہیں پڑھتے، تو امام صاحب نے کہا کہ تجھ چمار کی میرے پیچھے نماز نہ ہوگی تجھے کیا معلوم اس جملہ سے نومسلم نوجوان کو تکلیف ہوئی، پھر انھوں نے مارنے کیلئے گریبان پکڑلیا تو نومسلم نوجوان نے بھی کہا کہ تم تو جولاہے ہو، جاہلوں جیسی باتیں کرتے ہو، بہرحال ہم ان کے پیچھے نماز پڑھیں تو نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

المستفتي: عبدالکریم، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صحیح پڑھنے والوں کی نماز غلط پڑھنے والوں کے پیچھے صحیح نہیں ہوتی، اسلئے ایسے غلط پڑھنے والے کوامام نہ بنایا جائے، اور کسی صحیح پڑھنے والے کو امامت کیلئے منتخب کیا جائے۔

ولا تصح صلوته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهدهٗ أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه هذا هو الصحيح المختار في حكم الألثغ

الخ. (درمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب في الالثغ كراچی ۱/ ۵۸۲، زکریا ۲/ ۳۲۸، وهكذا في الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم ۱/ ۸۶، جديد ۱/ ۱٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۴/ ۱۴۱۹ھ

غلط خواں کے پیچھے صحیح خواں کی نماز

سوال: [۲۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امام ہے، مولوی بھی ہے، البتہ نہ تو حافظ ہے اور نہ ہی قراءت کے بنیادی قواعد (صحت حروف ہجا) پر قدرت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ لحن جلی کا استعمال عام ہے، تو لحن خفی تو ظاہر الوقوع ہے، س اور ص، ذ، ظ، ض، میں تمیز نہیں ہو پاتی، مزید یہ کہ طبیعت پر نسیان غالب ہے جس کی وجہ سے تعداد رکعات میں اکثر مغالطہ لگتا رہتا ہے، اور چند مخصوص سورتوں میں بھی متشابہ کی عادت سی بن گئی ہے۔

بعض خواندہ حضرات نے انتظامیہ مسجد کے سامنے مختلف تجویز پیش کی کہ مولانا کو وعظ ونصیحت بیان وتفسیر وغیرہ کی ذمہ داری دیدیں، اور ان کی تنخواہ کو علی حالہ باقی رکھیں اور نماز کیلئے کسی اچھا قرآن پڑھنے والے کا تقرر کرلیں، انتظامیہ نے قراء وفضلا حضرات کی اس درخواست کو قبول بھی کرلیا مگر امام صاحب مصلے سے مستعفی نہ ہوئے، بلکہ مزید یہ کہ باہمی خلفشار انتشار کا سبب بنیں، الامان والحفیظ، نیز بقیہ مساجد بھی دور ہیں۔

لہذا اس صورت میں نماز وامامت کا شرعی حکم اور ساتھ ساتھ امام وانتظامیہ اور مقتدی حضرات کو اپنی زریں ہدایات اور ان حضرات کو اپنی اپنی ذمہ داریوں سے بھی آگاہ فرمائیں کہ چند فلوس کی خاطر لوگوں کی نمازوں کا ضیاع نہ کوئی اچھا عمل ہے اور عالمانہ

شان کے بھی خلاف ہے۔
قرآن وسنت کی روشنی میں جس کے فہم وافر سے خداوندقدوس نے حضرت والاکونوازا ہے، جواب مرحمت فرماکرممنون فرمائیں۔

المستفتي: محمد حنیف، عبدالغفار،
عبیدالرحمٰن، کانٹھ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جوشخص قرآن کریم صحیح ادائے گی کے ساتھ پڑھنے پر قدرت نہیں رکھتا ہے، سین اور صاد میں امتیاز نہیں ہے ایسے شخص کوامام بنانا درست نہیں، گرچہ عام لوگوں کی نماز ایسے شخص کے پیچھے درست ہوجاتی ہے، لیکن صحیح خواں کی نماز ایسے غلط خواں کے پیچھے درست نہیں ہوتی، اس لئے منتظمین پرلازم ہے، کہ صحت ادائے گی کیساتھ قراءت کرنے پرقدرت رکھنےوالے امام کاانتخاب کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۳۵۱)

الأصل فی هذه المسائل أن حال الإمام إن كان مثل حال المقتدی أوفوقه جازت صلاة الكل. (هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث فی بيان من يصلح إماما لغيره زكرياقديم ۱/ ۸۶، جديد۱/ ۱٤٤)

ولو قرأ الظاء مكان الضاد أوعلى العكس تفسد صلاته عند أبی حنيفة ومحمدؒ وعند عامة المشايخ كأبي مطيع البلخی ومحمد بن سلمة لاتفسد صلاته، وفی الخانية: ولو قرأ الظالين بالظاء مكان الضاد أو بالذال لاتفسد صلاته، ولوقرأ الدالين تفسد أو بالضاد مكان الظاء فالقياس أن تفسد صلاته وهو قول عامة المشايخ واستحسن بعض مشايخنا، وقالوا بعدم الفساد للضرورة فی حق العامة خصوصا للعجم وهذا فی الحروف المتقاربة فی المخرج، فأما فی الحروف المتباعدة فی المخرج بعد تغير المعنی نحو أن يقرأ ينشرك مكان نيسرك تفسد صلاته. (تاتارخانيه،

کتاب الصلاۃ، الفصل الثانی، زکریا ۲/ ۸۲، رقم: ۱۸۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۶/ ۱۴۳۴ھ

غلط خواں کے پیچھے صحیح خواں کی نماز

سوال: [۲۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بستی میں کافی عرصہ سے ایک ناظرہ خواں امام نماز عیدین کیلئے متعین تھے، اور اسوقت بستی میں ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا، اب بعد میں اس بستی میں کافی علماء وقراء پیدا ہوگئے ہیں، توان علماء وقراء کوان امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنی اسوجہ سے گراں گذرتی ہے کہ وہ قرآن پاک کا تلفظ ٹھیک ادا نہیں کر پاتے ہیں، ایسی صورت میں واضح فرمائیں کہ ان علماء وقراء حضرات کی نماز ان کے پیچھے درست ہوگی یا نہیں؟ اور اب امام بدلنا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر نماز ہوجاتی ہے تو کیا درجہ ہے۔

المستفتي: علیم الدین، مدرس مدرسہ باب العلوم، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تلفظ میں ایسی غلطی واقع ہوجاتی ہے، کہ جس سے معنی بگڑ جاتے ہیں، تو اسکے پیچھے ان لوگوں کی نماز نہیں ہوتی جولوگ تین آیات یا اس سے زیادہ صحیح خواں ہیں، اور اگر معنی میں تغیر نہیں آتا ہے، تو نماز تو سب کی ہوجاتی ہے لیکن ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہئے، صحیح پڑھنے والے کو امام بنانا لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۳۵۱، ۲/ ۳۹، ۲/ ۶۳، ۲/ ۴۴، فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۲۴۷)

ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه (إلىٰ قوله) هذا هو الصحيح المختار. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة

زکریا۲/۳۲۸، کراچی ۱/۵۸۲، وهکذا فی العالمکیریه، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث فی بیان من یصلح إماماً لغیره زکریا قدیم ۱/۸۶، جدید ۱/۱۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۵۴۱)

باشرع جاہل کی امامت کیسی؟

سوال: [۲۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے ان پڑھ کے پیچھے نماز پڑھنا جو باشرع ہے، ڈاڑھی نہیں کاٹتا مگر اس کو سورہ فاتحہ بھی صحیح پڑھنا نہیں آتا ،مجہول اور لحن جلی وخفی سب کرتا ہے، اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: ابوالخیر، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو آدمی لباس اور ڈاڑھی کے اعتبار سے باشرع ہے مگر وہ قرآن غلط پڑھتا ہے، تو اس کے پیچھے صحیح پڑھنے والوں کی نماز نہیں ہوتی ، اسلئے مسجد کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ کسی باشرع صحیح قرآن پڑھنے والے امام کا انتظام کریں۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۶/۳۵۱، میرٹھ ۱۰/۳۲۷)

ولا تجوز إمامة الألثغ الذی لا یقدر علی التکلم ببعض الحروف إلا لمثله إذا لم یکن فی القوم من یقدر علی التکلم بتلک الحروف فأما إذا کان من القوم من یقدر علی التکلم بها فسدت صلوته وصلوة الإمام . (هندیه ، کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة ، الفصل الثالث فی بیان من یصلح إماماً لغیره زکریا قدیم ۱/۸۶، جدید۱/۱۴۴)

لا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه . (درمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب فی الالثغ زکریا۲/ ۳۲۸، کراچی ۱/ ۵۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ر ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

نماز میں السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم کہنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ مقتدی حضرات یوں فرماتے ہیں کہ امام صاحب السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم کہتے ہیں، یہ طریقہ شیعوں کا ہے، اور امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ میں تو السلام علیکم ہی پڑھتا ہوں تو یہ قول صحیح ہے کہ شیعوں کا طریقہ ہے، اس طرح نماز میں کوئی خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: سید شمشاد علی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیعوں کے طریقہ ہونے کی تو تحقیق نہیں البتہ ایسا کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

عن عبد الله ،أن رسول الله ﷺ كان يسلم عن يمينه وعن شماله حتى يرى بياض خده ، السلام عليكم ورحمته الله . (سنن ابن ماجه ، الصلاة، باب التسليم ، النخسة الهنديه۱/ ٦٥، دارالسلام رقم: ٩١٤)

وإن قال السلام ولم يقل عليكم لم يصر آتيا بالسنة ،وإن قال سلام عليكم (إلىٰ قوله) لم يكن آتيا بها ، ويكره ذلک . (الجوهرة النيرة ، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، دارالكتاب ديوبند۱/ ٦٦/ ٦٧، امداديه ملتان قديم ۱/ ٦٦)

أن يكون السلام بالألف واللام الخ. (عالمگیری ، كتاب الصلوٰة ، باب صفة الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلوٰة، زكريا قديم۱/ ٧٦، جديد زكريا ديوبند۱/ ١٣٤)

فإن قال السلام عليكم أو السلام أو سلام عليكم أو عليكم السلام أجزأه ، وكان تاركاً للسنة . (البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل إذا اراد الدخول فی الصلاة كبر زكريا ١/ ٥٤٠، كوئٹه/ ٣٣٢، شامی ، كتاب الصلاة، مطلب فی وقت ادراك فضلية الافتتاح كراچی ١/ ٥٢٦، زكرياديوبند ٢/ ٢٤١، مصری ١/ ٣٨٩)

بلکہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا مسنون ہے، لیکن جب امام صاحب خود کہہ رہے ہیں کہ میں السلام علیکم کہتا ہوں تو بعض مقتدی کے نہ سننے سے امام صاحب پر کوئی الزام نہیں ہے ۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۷۰)

اللہ اکبر کی جگہ اللہ اکدر کہنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام جو نماز کے مسائل سے بخوبی واقف ہیں، نیز مجود القرآن بھی ہے، مقتدی حضرات خود اس بات کے قائل ہیں، کہ امام صاحب تو قرآن مجید بہت ہی عمدہ اور اچھا پڑھتے ہیں مگر نماز کے اندر جب اللہ اکبر کہتے ہیں تو مقتدی حضرات کہتے ہیں، کہ امام صاحب اللہ اکبر نہیں کہتے بلکہ اللہ اکدر کہتے ہیں، اس بات پر بہت بحث چل رہی ہے، جب امام صاحب سے پوچھتے ہیں تو امام صاحب کہتے ہیں کہ مجھے تو تمام مخارج یاد ہیں با اور دال میں تو بہت فرق ہے میں ایسا کیسے کرلوں گا بلکہ آپ لوگوں کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہوگا، ایسی حالت میں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ شرع کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد مظفر، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جن امام صاحب سے متعلق مسئلہ معلوم کیا گیا ہے ان امام

صاحب سے احقر نے اور احقر کیساتھ اور بھی کئی عالموں نے لفظ اللہ اکبر کا تلفظ سنا ہے، ہم نے تلفظ صحیح سنا ہے، اسلئے اکبر کی جگہ اکدر کا سوال ہی نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۳/۱۴۱۷ھ

ولا الضالین کی جگہ ولا الدالین پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی امام صاحب والا الضالین کے بجائے ولا الدالین یعنی ضاد کے بجائے دال پڑھتا ہے، تو کیا اس سے نماز میں کچھ فرق پڑیگا یا نہیں؟ نیز امام صاحب کا اس طرح پڑھنا کیسا ہے؟ ہمارے یہاں اس سلسلہ میں شدید اختلاف ہے، اسلئے آپ اس بارے میں فیصلہ کن جواب دیں؟ میں آپ کا ممنون ہوں گا؟

المستفتی: سعید ہردوئی، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص قدرت علی الضاد کے باوجود عمداً دال نکالے اس کی نماز درست نہیں ہے، اور نہ ایسے شخص کے پیچھے اقتدا درست ہے، اسلئے کہ یہ جان بوجھ کر غلط پڑھنے والا ہے، البتہ اگر ابتلاء عام کی بنا پر پڑھتا ہے تو اس کی نماز درست ہے لیکن اس کے پیچھے صحیح پڑھنے والوں کی نماز درست نہ ہوگی۔ (مستفاد امداد الأحکام ۲/ ۱۸۶، امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۰۱)

لوقرأ الظالمين بالطاء أو بالذال لا تفسد صلوٰته ولو قرأ الدالين بالدال تفسد صلاته. (خانيه زكريا جديد ١/ ٩٠، وعلى هامش الهنديه ١/ ١٤٣، كتاب الصلاة، فصل فى قراء ة القرآن خطاء الخ الهنديه ١/ ١٤٣)

لا يجوز إمامة الألثغ الذي لا يقدر على التكلم ببعض الحروف الا

لمثله إذا لم يكن في القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف فأما إذا كان في القوم من يقدر على التكلم بها، فسدت صلاته وصلاة القوم. (الفتاویٰ العالمگيريه، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم١/٨٦، جديد زكريا١/١٤٤، كذا في در المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ١/٥٨١، و٥٨٢، زكريا٢/٣٢٧، و ٣٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩ ربیع الثانی ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/٦٦٣٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٩/٤/١٤٢١ھ

ولا الضالین کی ادائے گی پر قدرت نہ رکھنے والے کی امامت

سوال: [٦٥٢٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مولوی محمد قمر صاحب ہماری مسجد میں امام ہیں، قرآن پاک کی قراءت بآسانی کرلیتے ہیں، لیکن ولا الضالین جہری نماز میں تقریباً چھ سات ماہ سے ادانہیں کرپاتے ہیں، اور بہت مشکل ہوتا ہے اس کا علاج یونانی وڈاکٹری اور تعویذات سے بھی کیا کچھ دن کیلئے افاقہ ہوگیا تھا، پھر وہی شکایت پیدا ہوگئی، جب ولا الضالین کہتے ہیں تو ضاد کا مد کھنچتا ہی چلا جاتا ہے، اور آگے کو ادائیگی نہیں ہوتی جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے، اور زبان ایک طرح سے بندھ جاتی ہے، سری نماز میں آسانی سے ادا ہوجاتا ہے، مسئلہ طلب یہ ہے کہ جہری نماز میں اگر آہستہ ولا الضالین ادا کرلیا جائے تو نماز درست ہوجائیگی یا کوئی خلل واقع ہوگا؟

المستفتی: مصلیان مسجد چودھریان،
سلیم پور گڑھی، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر جہری نماز میں ولا الضالین کو جہراً ادا نہ کرسکے تو نماز میں خلل اور ترک واجب لازم آئیگا، اسلئے ایسا شخص جہری نماز میں امامت نہ کیا کرے۔

لأن الجهر فی موضعه والمخافتة فی موضعها من الواجبات الخ .

(هدايه ، كتاب الصلاة، باب الصلاة اشرفی ١/ ١٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۷۱)

آلمین اور دُوالین پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، جسکی قرأت اس طرح ہے کہ عین اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا سورۂ فاتحہ میں صاف آلمین پڑھتا ہے، او دیگر عین کا بھی یہی حال ہے، کہ الف کھڑا زبر ادا ہوتا ہے، اور ضالین میں دوالین پڑھتا ہے، جبکہ اس کے پیچھے بعض مقتدی حروف کی ادائیگی اپنے مخرج سے بالکل صحیح کرتے ہیں تو دریں صورت زید کی امامت کا کیا حکم ہے؟ اوراس سے بعض مقتدی کی نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالجلیل پورنوی، متعلم
مدرسہ حیات العلوم پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس طرح غلط پڑھنے والے کے پیچھے صحیح خواں کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، اسلئے صحیح پڑھنے والوں کی اس کے پیچھے اقتدا صحیح نہ ہوگی ، لہذا مذکورہ شخص کو امام نہ بنایا جائے۔

لا يجوز إمامة الألثغ الذي لا يقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله إذا لم يكن فی القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف الخ .

(هنديه، كتاب الصلاة ، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث فی بيان من يصلح اماماً

لغیره زکریا قدیم ۱/۸۶، جدید زکریا ۱/۱۴۴، کذا فی در المختار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کراچی ۱/۵۸۱، و۵۸۳، زکریا ۲/۳۲۷، و ۳۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۴۲)

الف اور عین میں فرق نہ کر پانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو کلام پاک کی سورۃ القارعۃ میں اَلْقَارِعَۃُ کی جگہ اَلْقَارَعۃُ را پر کھڑا زبر یا الف کیساتھ پڑھتا ہے، اور سورۃ التکاثر میں عَنِ النَّعِیْم کی جگہ عٰنَ النَّعِیْم کھڑا زبر یا الف یا سورۃ الکافرون میں وَلِیَ دِیْنِ کی جگہ وَلَیَّ دین پڑھتا ہے اور سورۃ الماعون میں ویمنعون الماعون میں الف اور عین میں کوئی فرق نہیں کرتا، مثلاً یوں پڑھتا ہے، ویمناون الماء ون، نیز کلام پاک مجہول اور لحن جلی کے ساتھ تلاوت کرتا ہے، آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: وثیق احمد، کھیڑا ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے غلط خواں کے پیچھے صحیح خواں کی نماز نہیں ہوتی ہے، اسلئے ایسے شخص کو ہرگز امام نہ بنایا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۷/ ۵۷، ڈابھیل ۶/ ۳۵۱، میرٹھ ۱۰/ ۳۲۷)

لا يجوز إمامة الألثغ الذي لا يقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله إذا لم يكن فى القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف فأما إذا كان فى القوم من يقدر على التكلم بها، فسدت صلوٰته وصلوٰة الإمامة.

(هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماماً

لغیره زکریا قدیم۱ /۸۶، جدید زکریا ۱ /۱۴٤، کذا فی در المختار، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة زکریا۲/۳۲۷، و ۳۲۹، کراچی ۱ /۵۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رحرر جب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۱۶ھ

ذال کی جگہ جیم پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں بازار میں ایک مسجد ہے، اس مسجد میں جو امام صاحب ہیں، وہ نابینا ہیں، جس کی وجہ سے ہلکا سا چہرہ آسمان کی طرف اٹھا رہتا ہے، اور ہاتھ بھی تکبیر تحریمہ کے وقت بمشکل اٹھ پاتے ہیں، اور قرآن مجید بھی اکثر مجہول پڑھتے ہیں، ذال کی جگہ جیم ہمزہ اور عین میں بھی فرق نہیں ہوتا، ان ساری وجوہات کی بنا پر محلّہ اور بازار کے ۸۰/اسی فیصد حضرات وہاں نماز نہیں پڑھتے ہیں، اور جو امام صاحب ہیں ان کی کسی سے کوئی مخالفت بھی نہیں ہے، ان سب صورتوں میں ان کے پیچھے نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

المستفتي: عتیق الرحمٰن، دیپا سرائے، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو آدمی لباس اور ڈاڑھی کے اعتبار سے باشرع ہو مگر وہ قرآن غلط پڑھتا ہے تو اس کے پیچھے صحیح پڑھنے والوں کی نماز نہیں ہوتی اس لئے مسجد کے ذمہ داران پر لازم ہے کہ کسی باشرع صحیح قرآن پڑھنے والے امام کا انتظام کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۰/ ۲۳۷، ڈابھیل ۶/ ۳۵۱)

لا تجوز إمامة الألثغ الذي لا يقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله، إذا لم يكن في القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف، فأما إذا كان في القوم من يقدر على التكلم بها، فسدت صلوٰته وصلوٰة القوم.

(هـنـديـه، كتـاب الـصـلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماماً لغيره ، زكريا قديم ١/٨٦، جديد ١/١٤٤)

ولايصح اقتداء غير الألثغ به أى بالألثغ على الأصح ..... ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه ، وفى الشامى : من المشايخ من أنه ينبغي لهٗ أن لا يؤم غيره .... الراجح المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره ممن ليس به لثغة الخ. (درمختار مع الشامى ، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب فى الالثغ زكريا ٢/٣٢٨، كراچی ١/٥٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

ق کوک، س کوص، اورح کوہ پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کو باتجوید نازل فرمایا ہے، قرآن مجید جس میں ح اور ہ کا، س اور ص کا، ق اور ک، ت اور ط کا، د اور ض کا، ج اور ذ کا، فرق نہ ہو وہ لحن جلی ہے، اور لحن جلی کا پڑھنا اور سننا دونوں حرام ہے، اور اگر کوئی کہے کہ اگر معنیٰ فاسد ہوں تو حرام ہے، اور معنیٰ فاسد نہ ہوں تو حرام نہیں ہے، یہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ الحمد (ہ) سے پڑھے گا اور قل کو کل پڑھے گا تو معنی میں ایسا فساد آ جائے گا کہ اس کے پڑھنے اور لکھنے سے قلم کانپتا ہے، زید کے جواب میں بکر کہتا ہے کہ حافظوں کے آپس کے جھگڑے ہیں، اور کچھ نہیں زید نے قرآن کریم کے ایسے حق مسئلہ کو حافظوں کا جھگڑا بتایا اس پر توبہ اور تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟ ایسا شخص اگر توبہ اور تجدید نکاح نہ کرے تو اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

المستفتي: محمد وسیم، نیا گاؤں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ق کوک، س کوص اور ح کوہ پڑھنے کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بغیر قصد کے زبان سے اسی طرح نکل جاتا ہے یا کوشش کے باوجود صحیح ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو اس طرح پڑھنے والے کی نماز خود پڑھنے والے کے حق میں درست ہوجاتی ہے، البتہ صحیح پڑھنے والوں کی نماز اس کے پیچھے درست نہیں ہوگی، لہٰذا ایسے آدمی کو امام بنانا درست نہیں ہوگا، اب رہی یہ بات کہ زید وبکر کے درمیان تکرار و بحث کے دوران بکر کا یہ جملہ کہنا کہ حافظوں کے آپس کے جھگڑے ہیں اس سے بکر کا مطلب اگر یہی ہے کہ بغیر قصد کے ایسے پڑھنے سے نماز صحیح ہوجاتی ہے، یا کوشش کے باوجود صحیح ادائیگی پر قدرت نہیں ہوتی ہے، تب نماز صحیح ہوجاتی ہے، اور اس کے اوپر زید کی طرف سے صحت نماز کے انکار اور فساد نماز کے اثبات پر شدت کے ساتھ پیش کش کی گئی ہے، اور اس کے جواب میں بکر نے یہ جملہ کہا ہے تو ایسی صورت میں بکر پر کوئی گناہ نہیں ہے، نہ تجدید نکاح اس پر ضروری ہے نہ اس کے ساتھ تعلق رکھنے میں کوئی گناہ ہے، اور زید کی طرف سے خواہ مخواہ بکر کے ایمان کے اوپر حملہ ہے۔

الاصل فيما إذا ذكر حرفاً مكان حرف وغير المعنى إن أمكن الفصل بينهمابلا مشقة تفسد وإلا يمكن إلا بمشقة كا الظاء مع الضاد المعجمتين والصاد مع السين المهملتين والطاء مع التاء قال أكثرهم لا تفسد اه وفي خزانة الأكمل قال القاضي أبو عاصم إن تعمد ذلک تفسد ، وإن جرىٰ على لسانه أو لا يعرف التمييز لا تفسد وهو المختار، وفى البزازية وهو أعدل الاقاويل وهو المختار . (شامی ، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب إذا قرأ قوله تعالىٰ جدك بدون الف لا تفسد كراچی ١/٦٣٣، زكريا ٢/٣٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۳۵)

ق کوک، اور سین کوص پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۷۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب غلط قراءت کرتے ہیں، ق کوک اور ظ کوذ، ض کوز، پڑھتے ہیں، ایسے امام کے پیچھے صحیح خواں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: مولوی عظمت علی، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو امام ق کوک، ص کوس، پڑھتے ہیں تو ان کے پیچھے صحیح خواں کی نماز درست نہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۳۵۱، امداد الفتاویٰ ۱/۲۴۴، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۰/ ۳۲۷)

الراجح المفتىٰ به عدم صحة الألثغ لغيرهٖ ممن ليس لهٗ لثغة وقد أجاب عنه بأبياتٍ:

إمامة الألثغ للصحيح : فاسدةٌ فى الراجح الصحيح

شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فى الألثغ زكريا ۳۲۸/۲، كراچى ۵۸۲/۱)

لا تجوز إمامة الألثغ الذي لا يقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله، إذا لم يكن فى القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف، فأما إذا كان فى القوم من يقدر على التكلم بها، فسدت صلوته وصلوة القوم.

(هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماماً لغيره زكريا قديم ۸٦/۱، جديد ۱/ ۱٤٤، كذا في تاتار خانية زكريا، كتاب الصلاة، الفصل الثانى مسائل زلّة القارى، زكريا ۹۳/۲، رقم: ۷۸۳٤)

باب إمامة الألثغ لغير الألثغ: ذكر الشيخ الإمام أبوبكر – إنها تصح لأن ما يقول صارت لغةً لهٗ، وقال غيره لا تصح. (خانيه، كتاب الصلاة، فصل

فيمن يصح الإقتداء به وفيمن لا يصح به زكريا جديد١ /٥٨، وعلى هامش الهنديه ١/ ٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۱۳۵۴/۴۰)

لفظ عین ادا نہ کر پانے والے کی امامت

سوال: [۲۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) ہماری مسجد کے امام صاحب نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں تو رب العالمین میں یا تو سرے سے ہی ہمزہ پڑھتے ہیں یا پھر اگر عین ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو بوجہ زبان میں لکنت ہونے کے عین کا غین میں ضم کر دیتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ عین دو مرتبہ پڑھا گیا، امام صاحب کی اس خامی کو اہل بستی کے علاوہ علماء کرام جو بغرض حصول چندہ آتے رہتے ہیں، انہوں نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا اور لوگوں کو بتایا تو کیا اس طرح پڑھنے پر معنیٰ میں تبدیلی آجاتی ہے یا نہیں؟ بہر صورت قرآن وحدیث کی روشنی میں نماز کا حکم واضح فرمایا جائے۔

(۲) علاوہ ازیں بعض اہل بستی چاہتے ہیں، کہ امامت مسجد کے لئے کسی عالم دین کو لایا جائے، اس لئے کہ مذکورہ امام صرف حافظ ہیں جبکہ اہل بستی مذکورہ قدیم امام کو بھی بدستور خدمت مسجد کیلئے رکھنا چاہتے ہیں، مگر ان امام صاحب کو یہ تجویز بھی بڑی ناگوار لگتی ہے، کہ ان کی موجودگی میں عالم بھی رہے، نیز جب بھی اہل بستی نے کسی عالم کو لانے کی کوشش کی ہے، تو مذکورہ امام نے ان کے خلاف خفیہ تدبیریں اور سازشیں رچی ہیں، حتی کہ مسجد میں جھگڑا وفساد تک کی نوبت آئی ہے، تو کیا ان امام صاحب کا یہ رویہ اور کسی عالم دین سے بغض رکھنا اور ان سب خامیوں کے باوجود امامت پر بضد اور مصر رہنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: مصلیان، مدنی مسجد، گوبند پورہ، چنڈی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام پر لازم ہے کہ قرآن کریم صحیح پڑھا کرے، اگر کوئی حرف صحیح نہیں نکلتا ہے تو اس کی صحت کی مشق کرنا لازم ہے، ورنہ غلط خواں کے پیچھے صحیح خواں کی نماز خطرے میں پڑ جاتی ہے، نیز اگر محلّہ والے دوامام کو رکھنا چاہتے ہیں، اور ان دنوں اماموں کو مشاہرہ بھی دینے کیلئے تیار ہیں، تو ان کو اس بات کا حق ہے، نیز مسجد کے ذمہ داران کو اس بات کا بھی حق ہے کہ موجودہ امام کو ہٹا کر کے اچھا قرآن پڑھنے والا کسی دوسرے امام کا انتظام کریں۔

لا تجوز إمامة الألثغ الذي لا يقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله، إذا لم يكن فى القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف، فأما إذا كان فى القوم من يقدر على التكلم بها، فسدت صلوته وصلوة القوم. (هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح الخ، زكريا قديم ١/ ٨٦، جديد ١/ ١٤٤)

والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تلاوة وتجويدا للقراءة – ومعنى الحسن فى التلاوة أن يكون عالما بكيفية الحروف. (شامى ،كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد كراچى ١/ ٥٥٧، زكريا٢/ ٢٩٤)

رجل أم قوما وهم له كارهون، إن كانت الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة يكره له ذلك . (هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح الخ ، زكريا قديم١/ ٨٦، جديد ١/ ١٤٤)

إن للأمّة خلع الإمام وعزله بسبب يوجبه مثل أن يوجد منه ما يوجب اختلال أحوال المسلمين ،وانتكاس أمور الدين كما كان لهم نصبه وإقامته

لانتظامها وإعلائها. (شامی، کتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب فیما یستحق به الخلیفة العزل کراچی ٤/٢٦٤، زکریا٦/٤١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۶۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۱۴ھ

حروف کاٹ کر پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تراویح کی نماز ایسے طالب علم سے پڑھوانا جو بکثرت حروف کاٹ کر پڑھتا ہو، اور لحن جلی تک کی غلطیاں کرتا ہو کیسا ہے؟ جبکہ بحمد للہ صحیح پڑھنے والے موجود ہیں، اور محض طالب علم کو مشق اور قرآن یاد کرانے کی وجہ سے پڑھوایا جارہا ہے، اگر یہ فعل عالم کرائے تو کیسا ہے، اور عام آدمی کرائے تو کیسا ہے؟

المستفتي: حفظ الرحمٰن، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح خواں کی موجودگی میں غلط پڑھنے والے کی امامت ممنوع اور ناجائز ہے، اسلئے صحیح خواں کو امام بنایا جائے، اور یہی حکم تراویح کا بھی ہے، عالم کرائے یا عام آدمی کرائے دونوں کا حکم یکساں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ ٦/ ٣٥١، میرٹھ ١٠/ ٣٢٧)

لا يجوز إمامة الألثغ الذي لا يقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله إذا لم يكن في القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف فأما إذا كان في القوم من يقدر على التكلم بها، فسدت صلاته وصلاة القوم.

(الفتاویٰ العالمگیریه، کتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم ١/٨٦، جديد زكريا ١/١٤٤، كذا في در

المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی الالثغی کراچی ۱/ ۵۸۱، و ۵۸۲، زکریا ۲/ ۳۲۷، و ۳۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

بہت تیز قرآن پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تراویح میں حافظ صاحب جو قرآن پاک سنا رہے ہیں، وہ اتنا تیز پڑھتے ہیں کہ تمام الفاظ کٹ جاتے ہیں، اور انکی پورے طور پر ادائیگی نہیں ہوتی، اگر پیچھے سامع صاحب انکو کہیں بتاتے ہیں تو وہ بہت کم انکا بتلایا ہوا پڑھتے ہیں؟ ایسی جگہ تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالرشید، شیرکوٹی، مقیم حال مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس قدر تیز پڑھتے ہیں کہ جس سے حروف ادا نہ ہونیکی وجہ سے معنیٰ بدل جائے تو اس سے نماز فاسد ہونے کا خطرہ ہے، اور اگر معنیٰ بدلنے کا خطرہ نہیں ہے، لیکن مقتدیوں کو سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے تو مکروہ ہے، ایسے امام کو ہدایت کردی جائے، اگر باز نہ آئے تو دوسرے صحیح خواں کا انتظام کرنا چاہئے، اور اگر امام الگ نہ ہو تو مقتدیوں کو جہاں قرآن صحیح پڑھا جاتا ہے، وہاں جا کر پڑھنا بہتر ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ قدیم ۷/ ۳۹، جدید ڈابھیل ۶/ ۳۶۵)

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً. (المزمل: ٤)

ويترك الدعوات ويجتنب المنكرات هذرمة القراءة الخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبيل مطلب في كراهة الإقتداء في النفل على

سبیل التداعی زکریا ۲/۴۹۹، کراچی ۲/۴۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۳۰)

مجہول پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہماری مسجد کے امام صاحب قرأت مجہول پڑھتے ہیں، مثال کے طور پر ''بـه'' کو ''بے ہ'' اور ''مـالک یوم الدین'' کو'' مالیکے یوم الدین'' پڑھتے ہیں، تو اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں، جبکہ اس کے پیچھے عمدہ عمدہ قاری موجود ہوتے ہیں، دلائل کیساتھ تحریر فرمادیں۔

(۲) مسجد کی کمیٹی اگر اس امام کو قرأت مجہول پڑھنے کی وجہ سے اور صحیح کر کے پڑھنے کی کوشش نہ کرنے کی وجہ سے معزول کرنا چاہے تو ان کے لئے معزول کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد رفیق الاسلام، متعلم دورۂ حدیث، مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو امام قرآن کو مجہول پڑھتا ہے اور اس کو درست کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہے، تو اس طرح مجہول قرأت کرنا قرآن کے حسن وزینت کے خلاف اور مکروہ ہے، البتہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لہٰذا اگر صحیح قرآن پڑھنے والا امام دستیاب ہو تو متولی مسجد یا مسجد کی کمیٹی حسن تدبیر کے ساتھ اس امام کو بدل کر خوش الحان صحیح قرآن پڑھنے والا امام مقرر کر سکتے ہیں۔

والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تلاوة وتجويدا للقراءة وتحته في الشامية: ومعنى الحسن في التلاوة أن يكون عالماً بكيفية الحروف والوقف وما يتعلق به. (شامی، کتاب الصلاة، مطلب فی تکرار

الجماعة فی المسجد زکریا ۲/ ۲۹٤، کراچی ۱/ ۵۵۷)

فاتفقوا على أن الخطأ في الأعراب لا يفسد مطلقاً (إلى قوله) لأن أكثر الناس لا يميزون بين وجوه الأعراب . (شامی کتاب الصلاة، باب الإمامة ، مطلب : مسائل زلة القاری زکریا۲/ ۳۹٤، کراچی ۱/ ۶۳۱)

إن للأمة خلع الإمام وعزله بسبب يوجبه. (شامی ، کتاب الجهاد، باب البغاة ، مطلب فیما یستحق به الخلیفة العزل کراچی ٤/ ۲٦٤، زکریا٦/ ٤١٥) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۸ھ

لحن جلی کرنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی پنجوقتہ نماز پڑھانے والا امام نماز پڑھاتے وقت قرأت میں لحن جلی کرتا ہو، اور وہ مقتدی جو قرآن پاک تجوید وقواعد کے مطابق پڑھنا جانتا ہو اسکا امام کو لقمہ دینا کیسا ہے؟

امام صاحب یہ الفاظ ہمیشہ ایسے ہی پڑھتے ہیں!

فک رکبة ۞ ونمارک مصفوفة ۞ إجَ السماء انشقت ۞ ترحقها قطرة ۞ فی لیلة القدر ۞ من ألف شهر ۞ کیا لقمہ دینے والے کا مفتی، مولوی، حافظ یا قاری ہونا شرط ہے، برائے مہربانی قرآن وحدیث کے حوالے سے جواب سے نوازیں؟

نیز کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد شاہد (الراعی) باڑھ ہندو، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا سوال اپنی جگہ صحیح اور درست ہے، اور

واقعہ کے مطابق ہے تو لحن جلی کرنے والے اور غلط خواں کے پیچھے صحیح خواں کی نماز درست نہیں ہوتی، اور لحن جلی پر لقمہ دینا جائز اور درست ہے اور واقف کار لوگوں ہی کو لقمہ دینے کا حق ہے، ہر شخص کو نہیں، عالم حافظ، یا قرأت کے قواعد واصول سے واقف آدمی ہی لقمہ دینے کا زیادہ حقدار ہے، ہاں البتہ اگر کوئی آیت غلط پڑھی جارہی ہے تو غیر عالم، حافظ بھی صحیح لقمہ دیتا ہے، تو درست ہے۔

لا يجوز إمامة الألثغ الذى لا يقدر على التكلم ببعض الحروف إلا لمثله إذا لم يكن فى القوم من يقدر على التكلم بتلك الحروف، فأما إذا كان فى القوم من يقدر على التكلم بها، فسدت صلاته وصلاة القوم . (عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح إماماً لغيره، زكريا قديم ۱/۸۶، جديد ۱/۱٤٤)

الراجح المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره، ممن ليس به لثغة . (شامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب فى الألثغ كراچى ۱/۵۸۲، زكريا۲/۳۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

لحن جلی کرنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال: [۲۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام تلاوت قرآن میں لحن جلی کرتا ہے، تو کیا ایسے امام کی اقتدا میں نماز درست ہے یا کچھ تفصیل ہے، جواب تحریر فرمادیں؟

المستفتي: محمد ارشاد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غلط خواں کے پیچھے صحیح خواں کی نماز نہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الأحکام ۲/ ۱۲۸، فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۲۴۷، احسن الفتاویٰ ۳/ ۳۰۲، امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۸۸)

ولا غير الألثغ به أي بالألثغ على الأصح كما في البحر عن المجتبىٰ – إلى قوله – وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف. (الدر المختار على هامش ردّ المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الالثغ زكرياو كراچی ١/ ٥٨٢، هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم ١/ ٨٦، جديد ١/ ١٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۶۴)

لحن جلی وخفی کے مرتکب کی امامت

سوال: [۲۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد کے امام صاحب قاری عالم نہیں ہیں، انھوں نے چند سورتیں اور چند رکوع یاد کر رکھے ہیں، اور انکے پڑھنے میں بھی بعض جگہ لحن جلی ولحن خفی کی غلطیاں ہو جاتی ہیں، اور مقتدی حضرات کچھ تو پڑھنا نہیں جانتے اور کچھ صرف ناظرہ پڑھنا جانتے ہیں، جبکہ اہل بستی اگر چاہیں تو اچھے امام کی تنخواہ کا نظم کر سکتے ہیں، لیکن اس طرف دھیان نہیں دیتے ہیں، معلوم کرنا یہ ہے کہ ایسے امام صاحب کا جو قرآن کریم صحیح نہیں پڑھتے ہوں، امامت کرنا کیسا ہے؟ اور اہل بستی جو صحیح امام کا انتظام نہیں کرتے ہیں تو وہ گناہ گار رہوں گے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتي: احقر غیاث الدین، سرجن نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرامام اور مقتدی سب ہی کا حال ایسا ہے، کہ قرآن صحیح پڑھنے پر قادر نہیں ہیں اور جس امام کا ذکر کیا جارہا ہے، وہ ان سب میں کسی حد تک بہتر ہیں، تو ایسے شخص کا ان لوگوں کا امام بننا درست ہے، اور اس امام کے پیچھے ان مقتدیوں کی بھی نماز بلا کراہت درست ہوجائے گی، ہاں البتہ مسجد کے ذمہ داران کیلئے یہ بات بہتر ہے کہ اچھا اور صحیح قرآن کریم پڑھنے والے امام کا انتخاب کریں جس کے ذریعہ مقتدیوں میں بھی صحیح قرآن پڑھنے کا جذبہ پیدا ہو لیکن سوال میں جس امام کا ذکر ہے اس کے پیچھے صحیح قرآن پڑھنے والے کا مقتدی بننا مکروہ تحریمی ہے، اور بعض دفعہ غلط خواں کے پیچھے صحیح خواں کی نماز فاسد ہوجاتی ہے، اسلئے امام کا متبع شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح قرآن پڑھنے والا ہونا ضروری ہے۔

ولا يؤم إلا مثله ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه الخ. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الالثغ كراچی ۱/۵۸۲، زكريا۲/۳۲۸)

اور مسجد کے ذمہ داران پر متبع شریعت صحیح قرآن پڑھنے والے امام کا منتخب کرنا بھی ضروری ہے، ورنہ سب کے سب گنہگار ہونگے۔

فإن كان من اختاره أهل المحلة أولىٰ من الذي اختاره البانى فاختيار أهل المحلة أولىٰ لأن ضررهٗ ونفعه عائد إليهم. (كبيرى، فصل فى أحكام المساجد جديد /٦١٥، قديم /٥٧١، وكذا البزازيه، كتاب الوقف، الرابع فى المسجد وما يتصل به زكريا جديد ١٤٣/٣ وعلى هامش الهندية قديم ٢٦٩/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۶۳۸۴)

غیر مجود کی امامت کا حکم

سوال: [۸۷ ۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں ایک امام صاحب اکثر وبیشتر نماز پڑھاتے ہیں، اور انکا قرآن بالکل بھی تجوید کے مطابق نہیں ہے، نہ حروف کی ادائیگی ہے، نہ اخفاء وغنہ واظہار وغیرہ کی رعایت اور کہیں کھڑا زبر اور الف وغیرہ حذف کردیتے ہیں، مثلاً: " فَأَمَّا مَنْ أَعْطىٰ وَاتَّقىٰ" دونوں میں کھڑا زبر بالکل حذف کرتے ہیں، " وَمَا لِأَحَدٍ " کو بسکون الحا پڑھتے ہیں، اور " فَالْمُوْرِيَاتِ " کو بہمزة الواو پڑھتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، جبکہ ان سے اچھا قرآن پڑھنے والے عالم وحافظ ان کی اقتدا کرتے ہیں، اور ایسے شخص کے پیچھے لوگوں کی اور خاص طور سے عالم وحافظ کی نماز درست ہے؟ اگر نہیں تو کیا واجب الاعادہ ہے؟ نیز ایسی صورت میں عالم حافظ کو کیا راہ عمل اختیار کرنا چاہئے، برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی مکمل ومدلل وضاحت فرمائیں۔

المستفتي: افضال الرحمٰن، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: امام صاحب کے غیر مجود ہونے اور تجوید کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور سوالنامہ میں ذکر کردہ غلطیاں ایسی نہیں ہیں جن کی وجہ سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، البتہ امام صاحب کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے، اور تجوید کیساتھ قرآن پڑھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، اور عالم وحافظ وتجوید کی رعایت کے ساتھ قرآن پڑھنے والوں کا مذکورہ امام صاحب کی اقتدا کرنا مکروہ ہے، لیکن نماز درست ہوجائے گی، اور نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۳۶۶)

الخطأ في الإعراب لا يفسد مطلقا ولو اعتقاده كفر لأن أكثر الناس لا يميزون بين وجوه الإعراب. (شامی، مطلب مسائل زلة القاری زكريا ۲/ ۳۹٤، كراچی ۱/ ٦۳۱)

فـی تـرک الـمـد والتشـديـد فـی مـوضـعهما والإتيان بهما في غير مـوضعهما ، إن كان لا يغير المعنىٰ ولا يقبح الكلام لايوجب فساد الصّلوٰة، الخ. (تاتار خانيه ، كتاب الصلاة، الفصل الثانی مسائل زلة القاری۲/ ۱۰۷، رقم: ۱۸۷٤)

ومـن لا يحسن بعض الحروف ينبغي أن يجهد ولا يعذر فی ذلک فإن كـان لا يـنـطـق لسـانـه فـي بـعض الحروف ، إن لم يجد آية ليس فيها تلک الـحـروف تجوز صلاته– إلى– ومنها ترک الإتيان به – إلىٰ– ومنها الإ مالة فـی غيـر مـوضعها كل ذلک لا تفسد صلاته كذا فی المحيط. (هنديه، كتاب الـصـلاـة، البـاب الخامس فی الإمامة الفصل الخامس في زلة القاری زكريا قديم۱/ ۷۹، ۸۰، ۸۱، جديد ۱/ ۱۳۷تا ۱۳۹)

ثـم الأحسن تلاوة وتجويدا أفاد بذلک أن معنى قولهم ، أقرأ أی أجـود لا أكثر هم حفظا ، وإن جعله فی البحر متبادراً ومعنىٰ الحسن فی التلاوة ، أن يكون عالماً بكيفية الحروف والوقف وما يتعلق بها. (شامی، كتـاب الـصـلاة، مـطـلـب فـی تـكـرار الـجـمـاعة فی المسجد ، كـراچـی۱ /۵۵۷، زكريا۲/ ٤ ۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر ۴۰/ ۱۱۱۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۲۲ھ

لکنت سے نماز پڑھنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مولوی ہے، ایک گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہے، اس کی زبان میں لکنت ہے، ہمزہ اس سے بالکل ادانہیں ہوتا ہے، اگر ادا کرتا ہے، تو کافی دیر تک اء اء اء کرتا رہتا ہے، پھر بھی صاف ادانہیں ہوتا ہے، بلکہ سامع کی سمجھ میں ہمزہ نہیں آتا ہے اور بھی کچھ لفظ ایسے ہیں جو

وہ صاف نہیں ادا کر پاتا ہے، اور اسکے پیچھے عمرو پنجوقتہ نماز پڑھتا ہے، مولوی مع حافظ ہے، بہترین قرآن پڑھتا ہے، کچھ لوگ زید کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہیں اور اس سے کچھ کم لوگ عمرو کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ زید مدرسہ میں تعلیم دیتے ہیں ، اور نماز فری پڑھاتے ہیں، لهذا حضور والا سے درخواست ہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ کا کتب صیحہ سے تسلی بخش جواب دیں؟

المستفتي: معصوم نوید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح نماز میں قرآن سے فساد کا اندیشہ ہے اس لئے ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے، نیز صحیح خواں کی نماز لکنت والے کے پیچھے فاسد ہو جاتی ہے۔

ولا غير الألثغ به أي بالألثغ على الأصح (قوله) ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه وفى الشامية : وإمامة الألثغ للصحيح فاسدة فى الراجح الصحيح الخ. (الدر المختار مع الشامى ، كتاب الصلاة، باب فى الإمامة ، مطلب فى الألثغ مطبوعه زكريا ٣٢٨/٢، كراچى ٥٨٢/١، هكذا فى الهندية : الباب الخامس فى الإمامة ، الفصل الثالث فى بيان من يصلح إماما لغيره ، زكريا قديم ٨٦/١، جديد زكريا ١٤٤/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۶/۲۴)

غلط قرآن پڑھنے والے کے پیچھے صحیح خواں کی نماز

سوال: [۲۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صرف ناظرہ خواں ہے، نہ وہ حافظ ہے اور نہ عالم ہے اور نہ اس کا قرآن صحیح ہے، نہ قرآن کے اعراب صحیح ہیں، اور نہ اس کے مخارج صحیح ہیں، اور وہ ایک اہم مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے

،جبکہ اس سے اچھے لوگ موجود ہیں تو ایسے شخص کا نماز پڑھانا کیسا ہے؟ یا ایسے شخص کو امامت کیلئے رکھنا کیسا ہے؟

المستفتي: سراج الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: غلط خواں جس کے نہ مخارج صحیح ہوں اور نہ ہی اعراب صحیح ہوں، اس کے پیچھے صحیح خواں کی نماز ہوتی ہی نہیں ہے، لھذا صحیح خواں کی موجودگی میں ایسے غلط خواں کو امام بنانا جائز نہیں ھے؟ اور نہ ہی اس کیلئے امام بننا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۳۵، جدید زکریا ۳/ ۵۷، زکریا مطول ۴/ ۲۸۰ فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۲۶۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۷۳، جدید ڈابھیل ۶/ ۳۵۸، احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۳۰۲)

وكذا (لا تصح الصلوٰة) من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف على التكلم بها، فسدت صلوٰته وصلوٰة القوم. (عالمگیری، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماماً لغيره زكريا قديم ۱/ ۸۶، جديد ۱/ ۱٤٤، شامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فى الالثغ زكريا ۲/ ۳۲۸، كراچى ۱/ ۵۸۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۴۷۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۴؍۱۴۱۷ھ

حروف کی صحیح ادائیگی نہ کرنے والے کی نماز

سوال: [۲۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو شخص نماز غلط پڑھتا ہے، حروف کی صحیح ادائے گی نہیں کر پاتا ہے، کیا اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: ملاجی اللہ دیئے، شہباز پور کلاں، پاکبڑہ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسکی نماز اسی کے حق میں صحیح ہوجاتی ہے،البتہ اگر وہ امامت کرے تو صحیح خواں کی نماز اس کے پیچھے درست نہ ہوگی ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۷/ ۳۹،جدید ڈابھیل ۶/ ۳۵۱)

الأصل هذه المسائل أن حال الإمام إن كان مثل حال المقتدى أو فوقه جازت صلاة الكل ، وإن كان دون حال المقتدى صحت صلاة الإمام ولاتصح صلاة المقتدى . (هنديه ،كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة ، الفصل الثالث فى بيان من يصلح إماما لغيره زكريا قديم١ /٨٦، جديد١ / ١٤٤)

لا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه. (در مختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة مطلب فى الألثغ كراچى١ / ٥٨٢، زكريا٢ /٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۸۱)

جو امام ح ہ ص س ط ت میں فرق نہ کرتا ہو اس کی امامت

سوال: [۲۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب قراءت میں ح کی جگہ ہ ،ص کی جگہ س ،ط کی جگہ ت ،ض کی جگہ ظ وغیرہ پڑھتے ہیں، تو اس بارے میں نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد افتخار، ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام صاحب صحیح ادائیگی پر قدرت رکھنے کے باوجود اس طرح پڑھتے ہیں ،تو اس سے نماز فاسد ہوجائیگی ، اور اگر قصداً نہیں پڑھتے ہیں بلکہ کوشش

کے باوجود ادائیگی ایسی ہی ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی، ہاں البتہ اگر اس امام سے اچھے پڑھنے والے موجود ہیں تو ان کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی، اور اگر اس سے اچھا پڑھنے والا کوئی نہیں ہے، تو اس کی امامت بلا کراہت درست ہوجائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۳۵۹)

الأصل فيما إذا ذكر حرفا مكان حرف وغير المعنىٰ إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقتة تفسد، وإلا يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد المعجمتين، والصاد مع السين المهملتين، والطاء مع التاء، قال أكثرهم، لاتفسد الخ. (وفي التاتارخانية...... الخطأ إذا دخل في الحروف لاتفسد، لأن فيه بلوى عامة الناس لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة ا ه، قلت: فينبغي على هذا عدم الفساد في ابدال الثاء سيناً والقاف همزة... إلىٰ قوله، فأعمل بما تختاروا الاحتياط أولىٰ. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإستخلاف مطلب إذا قرأ تعالىٰ جدك بدون الف لاتفسد كراچی ۱/ ۶۳۳، زكريا ۲/ ۳۹۶، ۳۹۷)

هذا إن وجد غيرهم وإلا فلا كراهة. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب: البدعة خمسة أقسام زكريا ۲/ ۳۰۱، كراچی ۱/ ۵۶۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۷۸)

غیر المغضوب کی جگہ غیر المغضوبی کہنے والے کی امامت

سوال: [۲۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کی جگہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِیْ پڑھتے ہیں، اور اللہ اکبر کی جگہ اَللّٰہُ اَکِبَرُ کاف کا کسرہ پڑھتے ہیں، ایسے امام صاحب کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ نماز ہوگی یا

نہیں؟ اور جونمازیں امام صاحب کے پیچھے پڑھ چکے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد رضوان، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ کی جگہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِیْ پڑھنا قرآن کریم پڑھنے میں بڑی غلطی اور خامی ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے، اور خاص طور پر امام کی قرأت میں اس قسم کی غلطیاں نہیں ہونی چاہئیں، اور ایسی غلطیوں کی اصلاح بہت ضروری ہے، لیکن پھر بھی یہ ایسی غلطی نہیں ہے، جس کی وجہ سے معنیٰ بگڑ کر نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور اللہ اکبر کے چھوٹے کاف میں قلقلہ درست نہیں ہے، اور یہ قلقلہ ایسا ہے کہ جس سے کسرہ کا اعراب ظاہر ہو جاتا ہے، اس کی اصلاح بھی نہایت ضروری ہے، لیکن یہ بھی اتنی بڑی غلطی نہیں ہے، جس سے معنیٰ بگڑ کر نماز فاسد ہو جاتی ہے، بلکہ نماز درست ہو جائیگی۔
(مستفاد: امداد الأحکام ۲/ ۲۰۰)

أما الخطأ فى الإعراب إذا لم يغير المعنى لا تفسد الصلاة، عند الكل. (خانيه على الهنديه، كتاب الصلاة ، فصل فى قرأة القرآن خطاء زكريا ١/١٣٩، جديد زكريا ١/٨٧)

الخطأ في الإعراب ويدخل فيه تخفيف المشدد وعكسه وقصر المد وعكسه ، وفك المدغم وعكسه ، فإن لم يتغير به المعنى لا تفسد به صلٰوته بالإجماع ...... وبه يفتى وأجمع المتأخرون كمحمد بن مقاتل ومحمد بن سلام واسماعيل الزاهد، وأبى بكر سعيد البلخى، والهندوانى ، وابن الفضل والحلوانى ، على أن الخطأ في الإعراب لا يفسد مطلقاً. (نورا لإيضاح ، باب زلة القارى، امداديه ديوبند/٨٦، ٨٧) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۳ھ

گناہوں سے تائب شخص کی امامت

سوال: [۲۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، اس نے اپنی لڑکی کے نام بیمہ کرا رکھا ہے، زید امام سے کہا گیا کہ جو شخص بیمہ کرائے تو اس کو امامت کرنا درست نہیں ہے، تو زید امام نے جواب دیا کہ میں آئندہ کیلئے پختگی کے ساتھ بیمہ کرانے سے توبہ کر چکا ہوں، آئندہ یہ غلطی انشاء اللہ تعالیٰ نہیں ہوگی، اور موجودہ بیمہ پر جو اصل رقم سے زائد رقم بطور سود ملیگی تو اس کو غریب لوگوں پر خرچ کردوں گا، چونکہ اس سے پہلے جو بھی بچت کھاتہ پر بینک سے سودی رقم ملی تھی تو اس کو غیر صاحب نصاب کو بغیر ثواب کی نیت کئے ہوئے دیدیا تھا تو مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے ، کہ توبہ کرنے والے زید کو امام بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: تجمل حسین انصاری، مدرس
جامعہ عربیہ سٹی اسٹیشن، ضلع: سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید جب آئندہ کیلئے توبہ کر چکا ہے تو اس کے اوپر کوئی الزام باقی نہیں رکھنا چاہئے، حدیث شریف میں آیا ہے۔

التائب من الذنب کمن لا ذنب له . (مشکوٰۃ شریف /۲۰۶، ابن ماجه اشرفیه ، باب ذکر التوبة ، النسخة الهندیة ۳۱۳/۲، دار السلام رقم: ٤٢٥٠)

لہٰذا توبہ کے بعد اس کی امامت میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، اور اصل رقم پر جو زائد ملے گی اس کو اپنے اوپر خرچ نہ کرنے کا وعدہ کر رہا ہے، یہی شرعی حکم ہے۔

صرح الفقهاء بأن من اکتسب مالا بغیر حق (إلیٰ قوله)أو بغیر عقد کالسرقة والغصب والخیانة والغلول ففی جمیع الأحوال المال الحاصل لهٗ حرام علیه ولکن أن أخذه بغیر عقد لم یملکه ، ویجب علیه

أن يرده على مالكه، إن وجد المالك ، وإلا ففى جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء . (بذل المجهود ، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء مطبوعه سهارنپور قديم ۱/۳۷، جديد دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۱/۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۴ھ

الفصل الثامن في إمامة المعذور

معذور شخص کا امام بننا

سوال: [۲۳۸۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ایک مسئلہ ہے کہ زید ایک مسجد میں امام ہے، اور زید کو کافی دنوں سے پیشاب کے بعد قطرہ کا مرض ہے، تو زید نماز سے قبل پیشاب کرنے میں احتیاط کرتا ہے، مگر اب زید کی شادی ہوگئی ہے، اور اب ذکر زیادہ منتشر ہوتا ہے، یعنی کھڑا ہوتا ہے، خاص طور سے فجر میں تو جب کھڑا ہوتا ہے، تب بھی قطرہ آتا ہے، اب زید اگر ذکر کے اندر روئی داخل کرلے جس سے کہ قطرہ آنے کا بالکل اندیشہ نہ ہو یعنی ذکر کے اندر ہی رہے، تو کیا یہ درست ہے، جواب سے نوازیں کیا یہ نماز پڑھا سکتا ہے، زید نے کافی علاج بھی کرلیا ہے مگر فائدہ نہیں ہوا۔

المستفتي: محمد جاوید قاسمی، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس حالت میں زید امام اپنی نماز تنہا پڑھ لیا کریں، امامت نہ کریں۔

فإن المعذور صلوٰة ضرورية فلا يصح اقتداء غيره به الخ. (مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالکتاب دیوبند جدید /۲۸۹، قدیم /۱۵۷)

ولا يصلى الطاهر خلف من به سلس البول . (هنديه، کتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، زكريا قديم ۱/۸۴، جديد ۱/۱۴۲ وهكذافي حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل فى الإمامة /۵۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۵۶)

معذور ومشکوک شخص کے لئے امامت کرنا

سوال: [۲۳۸٦]: کیافر ماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو پیشاب کے قطرے کا مرض ہے، اور نماز پڑھانے کے دوران اس کی صورت یہ ہوتی ہے ، کہ جب نماز پڑھانے کھڑا ہوتا ہے، تو اسکا دل گھبراہٹ کی وجہ سے دھڑ کنے لگتا ہے، اس دوران ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ پیشاب کا قطرہ آیا اور سجدہ وغیرہ میں جانے کے دوران نکل گیا اور کبھی کبھی کھڑے ہونے کی حالت میں جہری قرأت اور غیر جہری قرأت رکوع وغیرہ میں جاتے ہوئے بھی ایسا محسوس ہوتا ہے اور زید کو برابر شک رہتا ہے جبکہ واقعتاً قطرہ نہیں آتا ہے، بلکہ صرف شک ہوتا ہے، نماز پڑھاتا رہتا ہے، اور کبھی نماز پڑھانے کے دوران یہ یقین بھی ہوگیا کہ قطرہ نکل گیا ہے اور وضو ساقط ہوگیا ہے، مگر زبردستی دل کو اس بات کی طرف مائل کر کے کہ یہ صرف شک ہے نماز برابر پڑھاتا رہتا ہے، اور یہ اس وجہ سے بھی کیا کہ جب اس نے بعض حضرات یعنی حکیم اور عالم سے اس حالت کا ذکر کیا ہے تو انھوں نے یہی کہا کہ یہ فقط شک ہے، اور کبھی ریح کا خروج ہوتا ہے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے، اور وہ مفسد صلوٰۃ نہیں ہے، مگر جب ایک ترکیب سے اسکا پتہ لگایا کہ واقعہ کیا ہے، تب ظاہر ہوا کہ واقعتاً قطرہ اس میں نکلا ہے، لیکن جب اس ترکیب کو کئی مرتبہ آزمایا تو کبھی تو قطرہ ظاہر ہوا اور کبھی نہیں اور وہ ترکیب یہ تھی کہ عضو کو ایک کپڑے کی کترن سے مضبوطی سے باندھ دیا تاکہ جب قطرہ آئے تو نکلنے نہ پائے، بلکہ رک جائے جب بعد میں کترن کو کھولا تو قطرہ بالکل معمولی سا نکلا لیکن جیسا کہ اوپر محسوس ہوا کہ قطرہ نکل گیا ہے اور بعض مرتبہ ایسا تو محسوس نہیں ہوا کہ قطرہ نکلا اور یہ روکا ہی رہا لیکن جب بعد میں کترن کو کھولا تو قطرہ نکلا بھی نہیں، ویسے تو یہی محسوس ہوتا رہا کہ قطرہ آ کر رک گیا ہے، اب حال یہ ہیکہ وہ کئی مرتبہ قرآن شریف بھی سنا چکا ہے، اور بہت سی نمازیں بھی پڑھا چکا ہے، لیکن اسکو یہ معلوم نہیں کہ ہر وہ نماز جس میں یہ حالت پیش آئی اس میں

واقعی ایسا ہوایا شک تھا، بعض نمازیں ایسی ہیں جنکے بارے میں یہ یقین ہیکہ ضرور فاسد ہوئیں جیسے وتر اس میں کئی مرتبہ ایسا محسوس ہوتا تھا، پوری تراویح پڑھانیکے دوران یا فجر یامغرب وعشاء کی بعض نمازوں کے درمیان لیکن متیقن نہیں کہ کیا تعداد ہوسکتی ہے، اور اطمینان دوسری نمازوں کے بارے میں بھی نہیں ہے، کیونکہ کبھی یہ خیال آتا ہیکہ صرف وتر اور فجر کی بعض نمازیں ایسی ہیں، باقی سب ٹھیک ہیں، اور کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ سب نمازیں صحیح ہوئیں ہیں، مگر بعض اور کبھی یہ کہ ساری نمازیں گڑ بڑ ہیں، مگر بعض اب جواب طلب امر یہ ہے کہ ان تمام شبہات کے درمیان سے کس کو ترجیح دی جائے اور ساری نمازیں مع تراویح کے دوہرانا ہونگیں یانہیں؟ اور اعلان کی کیا صورت ہوگی، کیونکہ ہر وقت سارے مقتدی آتے نہیں ہیں اور بعض کبھی کبھی آتے ہیں، یا اس ذمہ داری سے دست بردار ہونے کی کوئی صورت ہے یانہیں؟ اور اگر ہے تو کیا ہے؟ اور کس طرح سے اسکو انجام دیا جاسکتا ہے، اور جو لوگ مقتدیوں میں سے فوت ہو گئے ان کی نمازوں کا کیا ہوگا؟ تمام باتوں کی وضاحت فرما کر احسان فرمائیں؟ **جزاکم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔**

المستفتي: ناکارہ محمد انیس محمدی، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : سوالنامہ میں سائل نے جس عذر کی تفصیل بیان کی ہے، اس تفصیل کے مطابق شخص مذکور کیلئے امامت کرنا جائز نہیں ہے، ایسے عذر و مشکوک شخص کیلئے شریعت نے اتنی گنجائش دی ہے کہ وہ اسی حالت میں شک وتردد کو صرف نظر کر کے اپنی نماز پڑھ لیا کرے لیکن دوسروں کی امامت نہیں کر سکتا ہے، اس کے لئے خود اپنی نماز کی ذمہ داری پوری کرنے میں مشکلات سامنے ہیں، پھر وہ دوسروں کی نماز کی ذمہ داری لیکر امامت کیسے کر رہا ہے، لہذا جن جن نمازوں میں پیشاب کا نکل جانا بعد میں یقین سے ثابت ہو چکا ان نمازوں کا اعادہ لازم ہے، اور جہاں جہاں امامت کی ہے، ان جگہوں پر اعلان کر دے کہ

فلاں دن فلاں وقت کی جونماز ہوئی ہے وہ بعض اعذار کی وجہ سے فاسد ہوگئی ہے اس کوسب لوگ لوٹالیں پھرآ ئندہ یہ شخص کبھی امامت نہ کرے۔

ویشترط أیضا لصحة الإمامة أن یکون الإمام سلیمامن الأعذار کسلسل البول والإسهال المستمر وانفلات الریح والرعاف ونحو ذلک فمن کان مریضا بمرض من هذه فإن إمامتَهٗ لاتصح بالسلیم منها وتصح بمریض مثله إن اتحد مرضهماالخ. (الفقه عی المذاهب الأربعة، دارالفکر ۱/ ۴۱۰)

ولا یصلي الطاهر خلف من به سلس البول. (الجوهرة النیرة، کتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالکتاب دیو بند ۱/ ۷۳، امدادیه ملتان ۱/ ۷۲، العنایه، کتاب الصلاة، باب الإمامة ۱/ ۳۶۶)

اور جولوگ مقتدیوں میں سے فوت ہو چکے ہیں اللہ کے یہاں ان سے کوئی داروگیرنہیں ہوگی، اسلئے کہ نماز کے فاسد ہونے کی نہ ان کو اطلاع تھی اور نہ فسادصلوٰۃ میں ان کا کوئی دخل تھا، اور امامت کرنے والا شخص خود اپنے لئے اوران کیلئے مغفرت کی دعا کرے، اب رہا اسکی اپنی نماز کا مسئلہ جب دونوں طرح کی باتیں ثابت ہوچکی ہیں کہ کبھی قطرہ نکلا اور کبھی نہیں دونوں صورتوں میں نکلنے میں شک ہوجاتا ہے یا ظن غالب ہوجاتا ہے، تو اس طرح کے شکوک وشبہات سے بچنے کیلئے شریعت نے یہ گنجائش دی ہے، کہ وضو سے پہلے پیشاب کرلے اوراچھی طرح پانی سے استنجا کرے اور آخر میں کپڑے کے اس حصہ پر پانی کی چھینٹیں ماردیں جہاں پر پیشاب لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے، پھر اس کے بعد وضوکر کے اپنی نماز پڑھ لیا کرے جیسا کہ سوالنامہ میں حکیم یا عالم نے اس کو بتا رکھا ہے، اور پھر نماز فاسد ہونے کا اندیشہ نہ رکھے اور یقین وبھروسہ رکھے کہ نماز صحیح ہوگئی ہے، یہ محض شیطانی وسوسہ ہے، اس طرح اپنی نمازیں پڑھ لیا کرے۔

عن الحکم عن أبیه أن النبی صلی الله علیه وسلم بال ثم توضاء ونضح فرجه. (ابوداؤد، الطهارة، باب فی الإنتضاح، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲، دارالسلام

رقم: ١٦٨ ١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢ر جمادی الثانی ١٤٢٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٠٨٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٢/٦/١٤٢٤ھ

سجدہ کی حالت میں پیشاب کا قطرہ آجانے والے کی امامت

سوال: [٢٣٨٧]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر پیشاب کرنے کے بعد وضو کرتا ہے، فوراً یا کچھ دیر میں پھر نماز پڑھنے لگتا ہے جب سجدہ میں جاتا ہے، تو پیشاب کے چند قطرے نکل آتے ہیں، تو ایسی صورت میں ہم کیا کریں، باوجودیکہ احقر کبھی مقتدی ہوتا ہے اور کبھی امام؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، نیپالی متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس طرح پیشاب کا عارضہ ہے تو اس حالت میں امام بن کر نماز نہ پڑھائیں، نیز خود بھی تنہا یا مقتدی بنکر نماز پڑھنے سے اتنی دیر قبل پیشاب سے فراغت حاصل کرلیں جتنی دیر کے بعد قطرات نہیں نکلتے ہوں، نیز کوئی چیز پہن لیا کریں اور نماز کے وقت اس کو اتار دیا کریں، اگر پھر بھی دیر تک قطرات کا سلسلہ جاری رہتا ہے، تو اسی حالت میں نماز پڑھ لیں، مگر امامت نہ کریں۔

السادس السلامة من الأعذار فإن المعذور صلوته ضرورية فلا يصح اقتداء غيره به الخ. (مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالکتاب دیوبند/٢٨٩، قدیم/١٥٧)

ولا يصلى الطاهر خلف من به سلس البول. (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم١/٨٤، جديد ١/١٤٢، ومثله فى شامى،

كتاب الصلاة ، باب الإمامة كراچی ١/ ٥٧٨، زکریا٢/ ٣٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١ ذیقعدہ ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٣٣٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/٦/١١ھ

جس کو پیشاب کا قطرہ ٹپکتا ہو اسکی امامت

سوال: [٢٣٨٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک باشرع شخص ہے اسے پیشاب کے قطرہ کی بیماری کافی وقت سے ہے، کسی بھی وقت پیشاب کا قطرہ نکل جاتا ہے، نماز کی حالت میں بھی نکل جاتا ہے، بہت علاج کرانے کے بعد بھی مرض صحیح نہیں ہوا کیا اس حالت میں اس شخص کا نماز پڑھانا یا پڑھنا جائز ہے، یا ناجائز، اگر جائز ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے، اس مرض کو دور کرنے کیلئے کوئی دعا بھی بتائیں۔

المستفتي: شبلی حبیب، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں جس شخص کو بار بار پیشاب کے قطرے آنے کا مرض ہے، ایسا شخص شرعاً معذور ہے اس مرض کو شریعت میں سلسل بول کا مرض کہتے ہیں، ایسے شخص کیلئے نماز نئے وضو سے پڑھنا لازم ہے، اور اس وضو سے اس وقت کی سنت اور نفل بھی پڑھ سکتا ہے، چاہے نماز ہی کی حالت میں قطرہ نکلنے کا احساس ہوتا ہو، اس حالت میں بھی اسکی نماز درست ہو جائے گی، البتہ اس کیلئے تندرست لوگوں کی امامت جائز نہیں، لہٰذا جو لوگ ایسے مرض میں مبتلا نہیں ہیں، ان کیلئے اس شخص کی اقتداء جائز نہیں، لہٰذا یہ شخص نماز نہ پڑھائے۔

ومن به سلس البول أو استطلاق البطن ..... يتوضؤون لوقت كل صلاة ويصلون بذلك الوضوء في الوقت ماشاء وا من الفرائض والنوافل.

(هنديه، كتاب الطهارة الفصل الرابع في أحكام الحيض، زكريا قديم١/ ٤١، جديد١/ ٩٥)

وصاحب عذر من به سلسل بول.... وحكمه الوضوء لا غسل ثوبه لكل فرض اللام للوقت ....ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً فدخل الواجب بالأولىٰ فإذا خرج الوقت بطل . (شامی ، کتاب الصلوٰة، مطلب فی احکام المعذور کراچی ١/٣٠٥، زکریا ١/٥٠٤)

لايصح اقتداء الطاهر لصاحب العذر ...ولا يجوز اقتداء صاحب عذر بصاحب عذر آخر ... فإن اتحدا فى العذر جاز اقتداء أحد هما بالآخر .(حلبی کبیر ، کتاب الصلاة، باب من لا يصح الإقتداء به ، اشرفیه /٥١٦)

ويجوز اقتداء المعذور إن اتحد عذر هما ، وإن اختلف فلا يجوز...... ولا يصلى الطاهر خلف من به سلس البو ل . (هنديه ، كتاب الصلاة،الفصل الثالث فى بيان من يصلح اماماً لغيره زكريا قديم ١/٨٤، جديد ١/١٤٢)

ولو طاهر بمعذور...... ومعذور بمثله إن اتحد عذر هما ، وإن اختلف لم يجز .(شامی ، كتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ١/٥٨٧، زکریا٢/٣٢٣)

وتتوضأ المستحاضة ومن به سلس بول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو رعاف دائم أو جرح لا يرقأ لوقت كل فرض ، ويصلون به فرضاً ونفلاً . (البحرالرائق ، کتاب الطهارة، باب الحيض زکریا ١/٣٧٣، کوئٹه ١/٢١٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/ ۹۷۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۳/۵ھ

سلس البول کے مریض کی امامت

سوال: [۲۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھے پیشاب کرنے کے بعد پیشاب کا قطرہ ٹپکتا ہے، تو میں پیشاب کرنے کے بعد کپڑے کا ٹکڑا باندھ

لیتا ہوں اور مجھے نماز بھی پڑھانی پڑتی ہے، اور میں نے اس کا کافی علاج کیا مگر ٹھیک نہیں ہوا مایوس ہوکر علاج ترک کردیا ہے، آپ میری نمازوں کے بارے میں بتلائیں کہ نماز پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتي: ماسٹر بنشی چندر شرما، دڑھیال رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب آپ کپڑا باندھ لیتے ہیں، اور نماز کے وقت اس کو الگ کرکے پاک کپڑے میں نماز پڑھاتے ہیں تو آپکا نماز پڑھانا درست ہے، وضو کرنے کے بعد اگر قطرہ آئے تو دوبارہ پاکی حاصل کرکے وضو کرنا ضروری ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/۱۰۵)

البتہ اگر وضو کے بعد بھی مستقل ٹپکتا رہے تو نماز کی ذمہ داری چھوڑ دیجئے۔

وأما إذا صلى خلف من به السلس وانفلات ريح لايجوز. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ۱/۵۷۸، زكريا۲/۳۲۳)

ولا يصلى الطاهر خلف من به سلس البول. (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فى بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم۱/۸٤، جديد ۱/۱٤۲، البنايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة اشرفيه ۲/۳٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۸۶)

سلس بول میں مبتلا امام کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا حکم

سوال: [۲۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کو پیشاب کے بعد قطرہ آنے کا مرض ہے، اتفاق سے قطرہ آنا بند نہیں ہوا اور جماعت کا وقت

ہوگیا، اوراسی حالت میں نماز پڑھادی، اس نماز کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: قاری عبدالخالق، اڑپورہ کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص مستقل قطرہ کا مریض ہے اس کیلئے باصحت تندرست لوگوں کی امامت جائز نہیں ہے، اور اگر ایسی حالت میں نماز پڑھادی ہے اور اثناء صلوٰۃ قطرہ نکلا ہے تو تمام مقتدیوں کی نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔

وأما إذا صلیٰ خلف من به السلس وانفلات ریح لایجوز الخ. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة زکریا ۲/۳۲۳، کراچی ۱/۵۷۸، هکذا عینی هدایه، کتاب الصلاة، باب الإمامة ۱/۷٤۰)

ولا یصلی الطاهر خلف من به سلس البول. (هندیه، کتاب الصلاة، الفصل الثالث في بیان من یصلح إماماً لغیره زکریا قدیم ۱/۸٤، جدید ۱/۱٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۱۳ھ

تقاطر کی بیماری میں نماز پڑھانے کا حکم

سوال: [۲۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید کو تقریبا چارسال سے تقاطر کی بیماری ہے، اور زید نے اس بیماری کا علاج بھی اپنی وسعت کے بقدر کرایا ہے، اوراس وقت بھی علاج چل رہا ہے، تو ایسی صورت میں زید کیلئے نماز پڑھانے کی کیا صورت رہے گی؟

(۲) زید جب کبھی اپنے گاؤں جاتا ہے، تو گاؤں کے لوگ اس سے نماز پڑھانے کیلئے کہتے ہیں، اس وقت ایک حافظ صاحب بھی موجود ہوتے ہیں، جن کی ڈاڑھی ایک مشت نہیں

ہے، اور بہت سے ایسے حضرات موجود ہوتے ہیں، جو باشرع ہیں، لیکن حافظ نہیں ہیں، دونوں حضرات یعنی وہ حافظ صاحب جنکی ڈاڑھی ایک مشت نہیں ہے، اسی طرح وہ حضرات جن کی ڈاڑھی ایک مشت ہے ان لوگوں کی موجودگی میں زید نماز پڑھاسکتا ہے، جبکہ یہ دونوں حضرات زید ہی کونماز پڑھانے کے لئے ترجیح دیتے ہیں، اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے، کہ حافظ صاحب موجود ہوتے ہیں، اور باشرع بھی ہیں لیکن زید کی موجودگی میں نماز نہیں پڑھاتے ہیں، بلکہ زید ہی کونماز پڑھانے کوترجیح دیتے ہیں، ان تمام صورتوں میں زید نماز پڑھاسکتا ہے یانہیں؟ کیا صورت رہے گی؟

(۳) اگر زید نماز نہیں پڑھا سکتا ہے تو تراویح میں کیا صورت رہے گی؟ تراویح کی نماز پڑھاسکتا ہے یانہیں؟ اگر تراویح کی نماز نہیں پڑھا سکتا تو حفظ قرآن کی بقا بہت دشوار ہوجائے گی لہٰذا اس کی کیا صورت رہے گی؟

المستفتي: محمد آصف، مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت میں اگر تقاطر کا سلسلہ اس قدر تسلسل کیساتھ ہے کہ وضو کرکے ایک نماز ادا کرنے تک وقفہ نہیں ملتا ہے تو ایسی صورت میں زید شرعی معذور ہے اور تقاطر کی حالت میں وہ اپنی نماز ادا کرسکتا ہے، لیکن ہر نماز کیلئے الگ سے وضو کرنا پڑے گا اور نماز سے فراغت کے فوراً بعد اس کا وضو ختم سمجھا جائے گا، ہاں البتہ اگر اتنا وقفہ مل جاتا ہے، کہ آسانی کے ساتھ وضو کرکے پوری نماز ادا کرنے تک تقاطر نہیں ہوتا ہے تو زید معذور نہیں، لہٰذا اگر وضو کے بعد تقاطر ہوجائیگا، تو وضو ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ وضو کرنا پڑے گا، اس کا فیصلہ زید خود کرے کہ وہ کس درجہ کا معذور ہے۔

وصاحب عذر من به سلس بول لا يمكنه أمساكه إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة، ولو حكماً بطل. (شامی، كتاب الطهارة، مطلب فی أحكام المعذور كراچی ۱/۳۰۵، زكريا ۱/۵۰٤، ۵۰۵)

وحكمه الوضوء لكل فرض ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً فدخل الواجب بالأولىٰ فإذ اخرج الوقت بطل . (شامی، زکریا، طهارت ، مطلب فی أحكام المعذور، کراچی ۱/ ۳۰۵، زکریا ۱/ ۵۰۴، ۵۰۵)

(۲) ان تمام صورتوں میں اگر زید سے تقاطر اس تسلسل سے ہوتا ہے، کہ وضو کر کے باضابطہ اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ کر یا پڑھا کر فارغ ہونے تک قطرہ کا وقفہ رہتا ہے، اور زید اس وقفہ پر اطمینان کیساتھ نماز پڑھانے پر مطمئن نہیں ہے، درمیان میں تقاطر کا خطرہ ہے، تو زید کی امامت درست نہیں چاہے دوسرے لوگ فاسق ہوں، ڈاڑھی کے اعتبار سے باشرع ہوں یا نہ ہوں، حافظ ہوں یا نہ ہوں، ہر صورت میں زید کی امامت درست نہیں ہے۔

ولا يصلي الطاهر خلف من به سلس البول . (عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم ۱/ ۸۴، جديد ۱/ ۱۴۲)

وفسد اقتداء طاهر لصاحب العذر الفوت للطهارة لأن الصحيح أقوىٰ حالاً من المعذور ، والشئ لا يتضمن ما هو فوقه ، والإمام ضامن بمعنى تضمن صلاته صلاة المقتدى . (البحرالرائق ، کتاب الصلاۃ ، باب الإمامة کوئٹه ۱/ ۳۶۰، زکریا ۱/ ۶۳۰)

(۳) اگر زید کا تقاطر بند نہیں ہے تو تراویح میں امامت درست نہیں ہے، اور حفظ قرآن کی بقا کا مدار تراویح کی نماز پر نہیں ہے، بلکہ بغیر نماز کے وہ کسی کو قرآن سنا دیا کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۷ھ

سلسل البول کے مریض کی امامت

سوال: [۲۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام

صاحب معذور ہیں، عمر رسیدہ ہیں، پیشاب کا مرض لاحق ہے، امامت سے بیوی بچوں کا گزارہ ہوتا ہے، اگر امامت چھوڑ دیں تو گھر میں تنگی اور پریشانی آتی ہے، کیا ایسی صورت میں وہ امامت کر سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد فاروق اسماعیل، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے معذور امام کیلئے امامت جائز نہیں ہے، جس سے حالت نماز میں پیشاب نکلتا ہو چاہے وہ اپنی معاشی حیثیت سے مجبور کیوں نہ ہو۔

ولا طاهر بمعذور الخ. (الدر المختار ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة ، زكريا ۲/۳۲۳، کراچی ۱/۵۷۸)

ولا يصلى الطاهر خلف من به سلس البول. (هنديه ، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم۱/۸٤، جديد ۱/۱٤۲، حلبی کبیر، كتاب الصلاة، من لا يصح الإقتداء به اشرفيه /۵۱٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۵۳)

امام کی عدم موجودگی میں نابینا محتاط حافظ کو امام بنانا

سوال: [۲۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کا وقت ہو گیا اور متعین امام کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں موجود نہیں ہے، اور ایک نابینا حافظ وقاری مسجد میں موجود ہے، اور پاکی کا بھی لحاظ رکھتا ہے، اور دوسرا شخص حافظ نہیں بلکہ بینا ہے اور نابینا کے مقابلہ میں قرآن پاک پڑھنے میں بینا شخص مہارت نہیں رکھتا ہے، تو اولاً امامت کرنے کا حق کس کو حاصل ہوگا، نابینا حافظ کو یا بینا جاہل کو جس کو صرف چند سورتیں حفظ یاد ہیں؟ جواب

وضاحت کے ساتھ عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد فرقان، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل امام کی عدم موجودگی میں نابینا شخص جو کہ حافظ وقاری ہے، قرآن صحیح پڑھتا ہے، اور پاکی کا بہت خیال رکھتا ہے، اس بینا کے مقابلہ میں جو نماز کے مسائل سے اچھی طرح واقف نہیں ہے، قرآن پاک صحیح نہیں پڑھتا ہے، امامت کا زیادہ مستحق ہے، لہٰذا اسی نابینا حافظ کو امام بنانا اولیٰ افضل ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۷/٦٠، ۷/۹۰، جدید ڈابھیل ٦/۲۹۸، ۲۹۱، رحیمیہ قدیم ۴/۳٦۳، جدید زکریا ۴/۱۸۲، احسن الفتاویٰ زکریا ۳/ ۲٦٠، کفایت المفتی قدیم ۳/ ۴٠، جدید زکریا ۳/۸٠، جدید مطول ۴/۷/۲۵۷)

عن محمد بن ربيع الأنصاري أن عتبان ابن مالك كان يؤم قومه وهو أعمىٰ. (صحيح بخارى، الصلوٰة، باب الرخصة في المطر والعلة، أن يصلى في رحله ١/٩٢، رقم:٦٥٨، ف:٦٦٧، سنن نسائى، الصلوٰة، باب إمامة الأعمىٰ النسخة الهنديه١/٩٠، دارالسلام رقم: ٧٨٤، المعجم الكبير للطبراني١٨/٢٩، رقم: ٤٩، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٣/٥٣، رقم: ١٦٠٩)

قيد كراهة إمامة الأعمى فى المحيط وغيره، بأن لا يكون أفضل القوم فإن كان أفضلهم فهو أولىٰ الخ . (شامى زكريا، كتاب الصلاة، باب الإمامة ٢/٢٩٨، كراچى ١/ ٥٦٠، طحطاوى على المراقى ،جديد دارالكتاب ديوبند/ ٣٠٢، قديم /١٦٥، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/ ٦١٠، كوئٹه١/ ٣٤٨، بدائع، كتاب الصلاة، فصل بيان من يصلح للإمامة كراچى ١/ ١٥٧، دارالكتب العلميه بيروت ١/ ٦٦٨، زكريا ١/ ٣٨٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦١۷٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/٦/۱۴ھ

باسند عالم کی موجودگی میں نابینا حافظ کو امام بنانا

سوال: [۲۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) کسی مسجد میں باسند عالم اور سبعہ عشرہ کے قاری امامت کرتے ہیں، اور ان کی موجودگی میں ایک نابینا حافظ کو امام بنانا چاہتے ہیں، جو دوسروں کے سہارے چل کر آتا ہے، تو کیا ان عالم باسند کی موجودگی میں نابینا حافظ کو امام بنانا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو اس کیلئے کیا شرائط ہیں، پھر اس صورت میں امامت کیلئے زیادہ مستحق کون ہے؟

(۲) اب ایسی صورت میں اس عالم باسند کی نماز مادرزاد نابینا کے پیچھے درست ہیکہ نہیں؟ جو کہ ما یجوز بہ الصلوٰۃ کے مسائل سے بھی واقف نہیں ہے؟

المستفتي: سیرت حسین، مانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) سوالنامہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ مسجد میں پہلے سے مستند عالم قاری بینا امام ہیں ان کی موجودگی میں نابینا حافظ کو امام بنانے کا کیا مطلب ؟ اگر یہ مطلب ہے کہ پہلے امام کو ہٹا کر ان کی جگہ نابینا حافظ کو مستقل امام بنایا جا رہا ہے، تو ایسی صورت میں نابینا حافظ کی مستقل امامت مکروہ ہے اور اس کے پیچھے بینا عالم قاری کی نماز مکروہ ہوگی، اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ مستقل امام تو بینا مستند عالم ہے، وقتی طور پر نابینا کو امام بنایا جا رہا ہے، تو اصل امام کی اجازت کے ساتھ اس کی امامت بلا کراہت درست ہے، اور اگر اصل امام نے اجازت نہیں دی ہے، تو اس کی امامت مکروہ ہے اور اس کے پیچھے عالم باسند کی نماز مکروہ ہوگی، لیکن واجب الاعادہ نہ ہوگی۔

وتجوز إمامة الأعرابی والأعمیٰ والعبد وولدالزنا والفاسق كذا فی الخلاصة إلا أنها تكره هكذا فی المتون. (هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس فى الإمامة، الفصل الثالث زكريا قديم ١/٨٥، جديد ١/١٤٢)

ویکرہ إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمیٰ . (شامی ، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کراچی ۱/ ۵۵۹، ۵۶۰، زکریا ۲/ ۲۹۸، هدایه ، کتاب الصلوٰۃ ، باب الإمامة اشرفی دیوبند ۱/ ۱۲۲، مجمع الانهر ، کتاب الصلوٰۃ ، فصل الجماعة سنة مؤکدة، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۲۵ھ

نابینا کا امام کی عدم موجودگی میں نماز پڑھانا

سوال: [۲۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نابینا شخص ہے حافظ ہے ابتدائی درجہ کی تعلیم حاصل کئے ہوئے ہے، مسائل سے بھی تھوڑا بہت واقف ہے، کیا ایسا شخص امام کی عدم موجودگی میں امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے، جب زید امامت کرتا ہے، تو لوگ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوگی بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ زید نماز پڑھانے کیلئے آگے بڑھا تو کچھ لوگوں نے زید کو مصلے سے کھینچ لیا اور اس کے بعد ایسے شخص کو کھڑا کیا جو نہ قرآن درست پڑھتا ہے، اور نہ ہی مسائل سے واقف ہے مذکورہ صورت میں کون نماز پڑھانے کے لائق ہے؟ زید یا وہ شخص جس کا قرآن درست نہیں؟

المستفتي: محمد ارقم، ساری پور، ہیرالال، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر نابینا شخص تقویٰ وطہارت میں دوسروں سے اچھا ہے اور قرآن بھی دوسروں سے اچھا پڑھتا ہے، تو دوسروں کے مقابلہ میں نابینا شخص کی امامت زیادہ بہتر ہے، اور نابینا شخص کو امامت سے ہٹا کر ایسے شخص کو امام بنانا درست نہیں ہے جو مسائل سے واقف نہ ہو اور قرآن درست نہ پڑھتا ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۹۱،

فتاویٰ رحیمیہ جدید زکریا ۴/۱۸۳)

عن أنس رضی الله عنه أن النبی ﷺ استخلف ابن أم مكتوم يؤم الناس، وهو أعمىٰ . (سنن أبي داؤد ، الصلاة ، باب إمامة الأعمىٰ ، النسخة الهندية ۱/۸۸، دارالسلام رقم: ۵۹۵ ، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ۲/۳۹۴، رقم: ۳۸۲۸)

تبع فی ذلک صاحب البحر حيث قيد كراهة إمامة الأعمىٰ فی المحيط وغيره بأن لا يكون أفضل القوم ، فإن أفضلهم فهو أولىٰ . (شامی ، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ۲/۲۹۸ ، ۵۲۳/۱ ، کراچی ۱/ ۵۶۰ ، شرح النقايه ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة اعزازيه ديوبند ۱/۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۶ھ

نابینا شخص کا جمعہ کی امامت کرنا

سوال: [۲۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا نابینا کے پیچھے جمعہ اور وقت کی نماز درست ہے؟ جبکہ پیچھے اور بھی علماء رہتے ہوں، جواب سے مستفیض فرمائیں؟

المستفتي: غلام احمد مرشد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابینا امام سے افضل لوگ علماء کرام میں سے موجود ہوتے ہوئے نابینا کو امام بنانا مکروہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۱۳۷)

ويكره إمامة عبد وأعرابی وفاسق وأعمىٰ إلا أن يكون أعلم القوم .
(تنوير الأبصار ۲۵۹/۱ ، شامی زكريا ۲/ ۲۹۸ ، کراچی ۱/ ۵۵۹)

قيد كراهة إمامة الأعمىٰ فی المحيط وغيره بأن يكون أفضل

الـقـوم فـإن كان أفضلهم فهو أولىٰ . (شـامـی ، کتـاب الـصلوٰۃ ، باب الإمامة زکریا۲/۲۹۸، کراچی ۱/۵٦۰)

وتـكـره إمـامة الـعـبـد والأعـرابـی والأعـمـیٰ والفاسق وتـحته ، وفی البـرهـان لـولـم يوجد بصير أفضل منه يكون هو أولىٰ . (مـجمع الأنهر ، کتاب الصلوٰۃ ، فـصـل الـجـماعة سنة مؤکدة ، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/۱٦۳، هدایه ، کتاب الصلوٰۃ ، باب الإمامة اشرفی دیوبند۱/۱۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴٦۲۳)

نابینا کی امامت

سوال: [۲۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نابینا کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس حالت میں ہے؟

المستفتي: محمد ساجد، بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر نابینا کے علاوہ دوسرے لوگ دیندار قرآن کریم کو اچھی طرح سے پڑھنے والے موجود ہوں، تو نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر لوگوں میں سے نابینا سب سے اچھا پڑھنے والا ہے تو نابینا کی امامت بلا کراہت جائز اور درست ہے ۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۳/ ۲٦۰)

عـن مـحـمـود بـن الربيع الأنصاری ، أن عتبان بن مالك ، كان يؤم قومه ، وهو أعمىٰ . (صحیح البخاری ، الصلاة، باب الرخصة فی المطر والعلة أن یصلی فی رحله، النسخة الهندیه ۱/۹۲، رقم: ٦۵۸،ف: ٦٦۷)

وتـكـره إمـامة الـعـبد والأعـرابـی والأعـمـیٰ وتحتـه لولـم يوجد

بصير أفضل منه يكون هو أولىٰ. (مجمع الأنهر ،كتاب الصلوٰة ، فصل الجماعة سنة ، دارالكتب العلميه بيروت ١٦٣/١)

ويكره إمامة عبد وأعرابى وفاسق وأعمىٰ إلا أن يكون أعلم القوم .

(تنوير الأبصار ، شامى، زكريا٢٩٨/٢، كراچى ٥٥٩/١)

قيد كراهة إمامة الأعمىٰ فى المحيط وغيره بأن لايكون أفضل القوم فإن كان أفضلهم فهو أولىٰ . (شامى ،كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زكريا٢٩٨/٢، كراچى ٥٦٠/١، هدايه ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة اشرفى ديوبند١٢٢/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۱؍رمضان المبارک۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۶۰۲/۳۱)

نابینا کی امامت کا حکم

سوال: [۲۳۹۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک نابینا شخص ہوں اورشہر رامپور کے اندر محلّہ کی ایک مسجد میں امامت کرتا ہوں، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ نابینا شخص کی امامت درست ہے یانہیں؟ اگر درست ہے تو کن شرائط کے ساتھ اور غلط ہے تو کن وجوہ سے تفصیل کیساتھ جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: قاری محمد میاں جان، محلّہ سرائے گیٹ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر نجاست سے اچھی طرح حفاظت ہواورلوگوں کوتنفر بھی نہ ہوتا ہوتو نابینا کی امامت بلاکراہت درست ہے، اوراگر نجاست سے حفاظت نہ ہو یا نابینا سے بہتر عالم بینا موجود ہواوراس عالم کی موجودگی میں نابینا کی امامت سے لوگوں کوتنفر پیدا ہوتو نابینا کی امامت مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا۱۰۱/۳،۱۳۷/۳)

عن أنس رضى الله عنه أن النبى ﷺ استخلف ابن أم مكتوم يؤم الناس

وهو أعمىٰ . (سنن أبي داؤد ، الصلاة، باب إمامة الأعمىٰ ، النسخة الهندية ١/٨٨، دارالسلام رقم: ٥٩٥، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٢/٣٩٤، رقم: ٣٨٢٨)

ويكره تقديم العبد (وقوله)والأعمىٰ لأنه لا يتوفىٰ النجاسة (إلىٰ قوله) لأن فى تقديم هؤ لاء تنفير الجماعة فيكره الخ. (هدايه ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة اشرفى ديوبند ١/١٢٢، هكذا شامى ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة ، زكريا٢/٢٩٨، كراچى ١/٥٦٠، الجوهره ، كتاب الصلوٰة ، باب صفة الصلوٰة ،امدايه ملتان ١/٧٠، جديد دارالكتاب ديوبند١/٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۳ رصفرالمظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۲۸)

اعمیٰ کی امامت کی کراہت کی علت

سوال: [۲۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نابینا کے پیچھے مطلقاً نماز مکروہ ہے ناچیز کی نگاہوں میں نابینا کی دوقسمیں ہیں۔(۱) وہ نابنیا جو بلا کسی ہمراہی کے گلی کوچوں اور عام راستوں کا سفر طے کرتا ہے،اس کا کیا حکم ہے؟(۲)ایک نابینا وہ ہے جو تقریباًہر جگہ ہمراہی اختیار کرتا ہے،اورصوم وصلوٰۃ کا پابند حیثیت کے مطابق قرآن کریم کی اچھی تلاوت اورحرام حلال کی شناخت تقریباً مکمل طریقہ پر کرتا ہے؟ ان دونوں صورتوں میں نماز کے بارے میں کیا حکم ہے،نماز تراویح ہو یا فرض نماز ہرایک کا تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں،نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے نابینا کی امامت کو جومکروہ لکھاہے، وہ علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ اس نابینا کے بارے میں ہے کہ جو غیرمحتاط ہونجاست سے بچنے کا اہتمام نہ کرتا ہو،اس کے بالمقابل جو نابنیامحتاط ہونجاست وغیرہ سے بچنے کا پورا اہتمام

کرتا ہو، تو اسکی امامت بلا کراہت درست ہے، لہٰذا سوال میں مذکور پہلے نابینا کی امامت مکروہ تنزیہی اور دوسرے نابینا کی بلا کراہت درست ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین /۳۲۰، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/۳۶۴، جدید زکریا ۴/۱۸۲، احسن الفتاویٰ زکریا ۳/۲۶۰)

عن أنس رضی الله عنه أن النبی ﷺ استخلف ابن أم مکتوم یؤم الناس وهو أعمیٰ. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب إمامة الأعمیٰ، النسخة الهندية ۱/۸۸، دارالسلام رقم: ۵۹۵، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ۲/۳۹٤، رقم: ۳۸۲۸)

عن محمود بن الربيع الأنصاری، أن عتبان بن مالک، کان یؤم قومه، وهو أعمیٰ. (صحيح البخاری، الصلاة، باب الرخصة فی المطر والعلة أن يصلی فی رحله، النسخة الهنديه ۱/۹۲، رقم: ٦٥٨، ف: ٦٦٧)

ويكره تنزيهاً إمامة عبد وأعمیٰ – قيد كراهة إمامة الأعمیٰ فی المحيط وغيره، بأن لايكون أفضل القوم فإن كان أفضلهم فهو أولیٰ. (شامی، زکریا، کتاب الصلاة، باب الإمامة ۲/۲۹۸، کراچی ۱/٥٦٠، شرح النقايه، کتاب الصلاة، باب الإمامة، اعزازيه ديوبند ۱/۸٦، البنايه، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرفيه ۲/۳۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۳۷)

نابینا عالم حافظ قاری کی امامت

سوال: [۲۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نابینا ہیں اور مدرسہ دینیہ میں درس دیتے ہیں، نیز عالم بھی ہیں اور قاری بھی تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا دیگر عالموں کی موجودگی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اشرف علی، قصبہ کوری روانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نابینا کے پیچھے بلاکراہت نماز درست ہو جاتی ہے، جبکہ وہ نجاست سے احتیاط کرتا ہو، اور مقتدیوں کو اس سے تنفر بھی نہ ہو البتہ افضل یہی ہے کہ اگر نابینا سے بہتر عالم موجود ہو تو اسکو امام بنادیا جائے ، ورنہ نابینا افضل رہے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۱۳۷)

عن محمود بن الربيع الأنصارى ، أن عتبان بن مالك ، كان يؤم قومه ، وهو أعمىٰ . (صحيح البخارى ، الصلاة، باب الرخصة فى المطر والعلة أن يصلى فى رحله، النسخة الهنديه ١/ ٩٢، رقم: ٦٥٨، ف: ٦٦٧)

إلا أن يكون أي غير الفاسق أعلم القوم فهو أولىٰ الخ ، (وفى الشامية قيد كراهة إمامة الأعمىٰ فى المحيط وغيره بأن لايكون أفضل القوم ، فإن كان أفضلهم فهو أولىٰ ، الخ. (الدر المختار مع الشامى ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة زكريا٢/ ٢٩٨، كراچى ١/ ٥٦٠، كوئٹه ١/ ٤١٤، البحرالرائق ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة كوئٹه ١/ ٣٤٩، زكريا ١/ ٦١٠)

ويكره تقديم العبد– إلىٰ – والأعمى لأنه لا يتوفى النجاسة . (هدايه، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة اشرفى ديوبند١/ ١٢٢، الجوهرة النيرة ، كتاب الصلوٰة ، باب صفة الصلوٰة ، امداديه ملتان١/ ٧٠، جديد دارالكتاب ديوبند ١/ ٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۰۸)

محتاط نابینا کی امامت

سوال: [۲۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نابینا شخص

ہے، اور بول وبراز وغیرہ سے ہر طرح احتیاط کرتا ہے، اور نمازی بھی اس سے مطمئن ہیں، اس کی امامت عندالشرع جائز ہے یا ناجائز؟ مکروہ یا غیر مکروہ۔

المستفتي: مختار احمد، مدرس مدرسہ رحمانیہ، قصبہ: شیر کوٹ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر نجاست سے احتیاط کرتا ہے، اور مقتدیوں کو اس سے تنفر بھی نہیں ہوتا ہے، تو بلا کراہت درست ہے۔

عن أنس رضى الله عنه أن النبى ﷺ استخلف ابن أم مكتوم يؤم الناس وهو أعمىٰ. (سنن أبي داؤد ، الصلاة ، باب إمامة الأعمىٰ ، النسخة الهندية ١/٨٨، دارالسلام رقم: ٥٩٥، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٢/٣٩٤، رقم: ٣٨٢٨)

وهذا ذكره فى النهر بحثا أخذا من تعليل الأعمىٰ بأنه لا يتوقى النجاسة الخ. (شامی ، کتاب الصلوٰۃ ، باب الإمامة زکریا ٢/٢٩٨، کراچی ١/٥٦٠، مصری ١/٤١٤، هدایه ، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة اشرفی دیوبند ١/١٢٢، البحرالرائق ، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة زکریا ١/٦١٠، کوئٹه ١/٣٤٨)

ولعل جهه أن تنفير الجماعة بتقديمه يزول إذا كان أفضل من غيره بل التنفير يكون فى تقديم غيره الخ. (شامی ، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة زکریا ٢/٢٩٩، کراچی ١/٥٦٠)

افضل یہی ہے کہ اگر نابینا سے بہتر عالم موجود ہو تو اس کو امام بنادیا جائے، ورنہ نابینا افضل رہے گا۔

قيد كراهة إمامة الأعمىٰ فى المحيط وغيره بأن يكون أفضل القوم، فإن كان أفضلهم فهو أولىٰ. (شامی ، کتاب الصلوٰۃ ، باب الإمامة زکریا ٢/٢٩٨،

کراچی ۱/ ۵۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۳۳/۲۳)

غیر محتاط نابینا کی امامت

سوال: [۲۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نابینا شخص ایسا ہے جو بخوبی محتاط نہیں ہے، اور نمازی بھی اسکی احتیاط طہارت سے مکمل مطمئن نہیں ہیں، عندالشرع ایسے نابینا شخص کی امامت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ برائے کرم جواب سے مطلع فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: مختار احمد، مدرسہ رحمانیہ، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم زکریا ۳/۱۳۷)

فالحاصل أنه يكره لهٰؤلاء التقديم ويكره الإقتداء بهم كراهة تنزيهية الخ. (البحر، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ١/ ٦١١، كوئٹه ١/ ٣٤٩)

ويكره تنزيها إمامة عبد...... وأعمىٰ وتحته في الشامية، وهذا ذكره في النهر بحثاً أخذاً من تعليل الأعمى بأنه لا يتوقى النجاسة. (شامی، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ٢/ ٢٩٨، كراچی ١/ ٥٦٠، البحرالرائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ١/ ٦١٠، كوئٹه ١/ ٣٤٨)

ويكره تقديم العبد– إلىٰ– والأعمىٰ لأنه لا يتوقى النجاسة –إلىٰ– لأن في تقديم هؤلاء تنفير الجماعة فيكره. (هدايه، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرف ديوبند ١/ ١٢٢، الجوهرة النيرة، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، امداديه ملتان ١/ ٧٠،

جدید دارالکتاب دیوبند ۱ / ۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۳۳۳)

کیا نابینا کی امامت مکروہ ہے؟

سوال: [۲۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا ایسا نابینا شخص جو اپنے کپڑوں کی پاکی کی احتیاط بھی نہ رکھ سکتا ہو اسکے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالواحد، ہدایت پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر احتیاط نہیں کرتا، تو اسکے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی زکریا ۳/۲۶۰، فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/ ۱۳۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۱۰۳، جدید ڈابھیل ۶/ ۲۹۱)

ويكره تنزيهاً إمامة عبد (إلىٰ قوله) وأعمىٰ الخ. (در المختار، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ۲/ ۲۹۸، كراچى ۱/ ۵٦٠، مصرى ۱/ ۵۲۳)

ويكره تقديم العبد– إلىٰ– والأعمىٰ لأنه لا يتوفى النجاسة –إلىٰ– لأن فى تقديم هؤ لاء تنفير الجماعة فيكره. (هدايه، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة اشرفى ديوبند ۱/ ۱۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۸٦)

لنگڑے کی امامت

سوال: [۲۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید داہنی ٹانگ

سے لنگڑا ہے دوران نماز زید کا پیر زمین سے اٹھ جاتا ہے، لہٰذا زید کو امامت کرنا جائز ہے یانہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد طاہر، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں زید کی امامت اوراس کے پیچھے اقتدا درست ہے، البتہ اگراس کے پیچھے کوئی دوسرا صحیح وسالم شخص موجود ہوتو اسے امام بنانا اولیٰ اور بہتر ہے۔

عن الحسن بن محمد ، قال: دخلت على أبي زيد الأنصاري ، فأذن وأقام وهو جالس ، قال: وتقدم رجل فصلىٰ بنا ، وكان أعرج أصيب رجله في سبيل الله تعالىٰ . (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، الصلاة، باب الآذان راكبا وجالساً ، دارالفكر جديد ٢/ ١٤١، رقم: ١٨٨٣)

ولو كان لقدم الإمام عوج وقام على بعضها يجوز وغيره اولىٰ. (هنديه، كتاب الصلوٰة ، الباب الخامس في الإمامة ، الفصل الثالث زكريا قديم١/٨٥، جديد ١/١٤٢)

وتكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج وأبرص شاع برصه وفي الشامي وكذلك أعرج يقوم ببعض قدمه فالإقتداء بغيره أولىٰ. (شامى ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا٢/ ٣٠٢، كراچی ١/ ٥٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱؍۷؍۱۴۳۱ھ

لنگڑے شخص کی امامت

سوال: [۲۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام ہے جو

پاؤں سے کمزور ہے یعنی لنگڑا ہے وہ امامت کرتا ہے، اس سے سب راضی ہیں اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: معراج الدین رحمانی،
جامعہ رادھنہ، قصبہ کٹھور، ضلع: میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شخص کے پیر سے لنگ واضح ہو، بہتر یہ ہے کہ اس کو امام نہ بنایا جائے۔ (محمودیہ قدیم ۷/ ۷۷، جدید ڈابھیل ۶/ ۳۰۴، امداد الأحکام ۲/ ۱۲۹)

عن الحسن بن محمد ، قال: دخلت على أبى زيد الأنصارى ، فأذن وأقام وهو جالس ، قال: وتقدم رجل فصلىٰ بنا ، وكان أعرج أصيب رجله فى سبيل الله تعالىٰ . (السنن الكبرىٰ للبيهقى ، الصلاة، باب الآذان راكبا وجالساً ، دارالفكر جديد ٢/ ١٤١ ، رقم: ١٨٨٣)

وتكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج وأبرص شاع برصه وفى الشامى وكذلك أعرج يقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغيره أولىٰ. (شامى ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا٢/ ٣٠٢، كراچى ١/ ٥٦٢)

ولو كان بقدم الإمام عوج فقام على بعضها يجوز وغيره اولىٰ. (تبيين الحقائق ، كتاب الصلوٰة ، باب الإمامة امداديه ملتان ١/ ١٤٣، زكريا ١/ ٣٦٥، هنديه، كتاب الصلوٰة ، الباب الخامس فى الإمامة ،الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره زكريا قديم ١/ ٨٥، جديد١/ ١٤٢ ، الفقه الإسلامى وأدلته ، كتاب الصلاة، مكروهات الإمامة فى المذاهب هدى انٹر نيشنل ديو بند ٢/ ١٧٧، ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ر ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۵۹)

پیروں سے معذور کی امامت

سوال: [۲۴۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاؤں میں لنگ ہے جس سے وہ لنگڑا کر چلتا ہے، کیا ایسی حالت میں زید کیلئے امامت کرنا جائز ہے یانہیں؟ اوراگر جائز ہے تو کیا سب لوگوں کیلئے اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہوگا یا کچھ کراہت ہوگی، پھر اگر کراہت ہوگی تو کس درجہ کی؟

المستفتي: اہل محلّہ ومصلیان، مسجد نورانی،
نزد آرٹی او آفس، چکرکی ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس شخص کے پاؤں میں لنگ ہو اسکی اقتدا میں پڑھی گئی نمازیں سب کیلئے درست ہیں، لیکن افضل اور صحیح یہی ہے کہ کسی تندرست شخص کو امامت کیلئے منتخب کیا جائے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۷/۷۷، جدید ڈابھیل ٦/۳۰۴)

عن الحسن بن محمد، قال: دخلت على أبي زيد الأنصاري، فأذن وأقام وهو جالس، قال: وتقدم رجل فصلىٰ بنا، وكان أعرج أصيب رجله في سبيل الله تعالىٰ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الصلاة، باب الآذان راكبا وجالساً، دارالفكر جديد ۲/ ۱٤۱، رقم: ۱۸۸۳)

ولو كان لقدم الإمام عوج وقام علىٰ بعضها يجوز وغيره أولىٰ. (عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، زكريا قديم ۱/ ۸۵، جديد ۱/ ۱٤۲، تبيين الحقائق، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة امداديه ملتان ۱/ ۱٤۳، زكريا ۱/ ۳٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۳۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۱۱/ ۱۴۲۲ھ

صرع کے مریض کی امامت

سوال:[۲۴۰۷]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسجد میں زید نماز پڑھاتا ہے، اوراس کو صرع کا مرض ہے، اتفاقاً حالت نماز میں ہی یہ مرض لاحق ہوجاتا ہے، اس کے بعد مکمل طریقہ سے صحت یاب ہوگیا تو پھراس کو نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد حنیف، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زید کے پیچھے اقتداء کرنا شرعاً جائز ہے، اورزید کیلئے امامت کرنا شرعاً درست ہے۔

أما إذا كان يجن ويفيق يصح الاقتداء به في حالة الإفاقة الخ . (البحر الرائق ، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة زكريا ١/ ٦٣٠، كوئٹه١/ ٣٦٠، هنديه ، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره ، زكريا قديم ١/ ٨٥، جديد ١/ ١٤٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ٢٠٣)

ولا يصح الإقتداء بالمجنون المطبق ، فإن كان يجن ويفيق يصح الإقتداء به في زمان الإفاقة . (الفتاویٰ التاتار خانيه ، كتاب الصلاة، الفصل السادس في من هو أحق بالإمامة ، زكريا ٢/ ٢٥٠، رقم: ٢٣٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۸/۱۴۳۲ھ

برص کے مریض کی امامت

سوال:[۲۴۰۸]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو برص کی بیماری ہے کبھی کبھی امامت کرتے ہیں، اوربعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ اس کے پیچھے نماز نہیں

ہوتی؟

المستفتي: محمود الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برص والے کی امامت بہر حال درست ہے، البتہ اگر مقتدیوں کو نفرت ہو تو کراہت تنزیہی کے ساتھ درست ہو جاتی ہے، واجب الاعادہ نہیں ہے، اور اگر مقتدیوں کو نفرت بھی نہیں ہے تو بلا کراہت نماز صحیح اور درست ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۱۶۷)

وكذا تكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج وأبرص شاع برصه وفي الشاميه الظاهر أنها تنزيهية (وقوله) والظاهر أن العلة النفرة ولذا قيد الأبرص بالشيوع الخ. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، با ب الإمامة كراچی ۱/ ۵۶۲، زكريا ۲/ ۳۰۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۸/ ۷۸، ۶/ ۲۱۱، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة دار الكتاب ديو بند جديد/ ۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۷۹)

مقطوع الید کی امامت

سوال: [۲۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید حافظ قرآن ہے اس کا ایک ہاتھ مشینری سے کٹ گیا ہے، لیکن غسل وغیرہ کے فرائض ادا کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی، ہاتھ کا صرف پنجہ کٹا ہے، تو فرائض اور تراویح وغیرہ کی امامت کر سکتا ہے؟

المستفتي: محمد حنیف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید کوکامل طریقہ سے پاکی حاصل ہوجاتی ہے، تواسکی امامت بلاکراہت جائز ہے اور اگر حصول طہارت میں شبہ ہوتو پھر زید کی امامت مکروہ ہوگی، بہتر بھی یہی ہے کہ زید امامت نہ کرے۔

وتكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج لعدم إمكان إكمال الطهارة أيضا في المفلوج والأقطع وفي تقريرات الرافعي: فربما كانت طهارة ناقصة ووجهه في المفلوج والأقطع ظاهر. (شامی، كتاب الصلوٰة، باب الإمامة مطلب فی إمامة الأمرد زکریا ۲/۳۰۲، کراچی ۱/۵۶۲، تقریرات رافعی /۷۱)

وتكره الصلوٰة خلف أمرد وسفيه ومفلوج وأبرص شاع برصه. (حاشية الطحطاوى مع المراقى، كتاب الصلوٰة، فصل فى بيان الأحق، بالإمامة جديد، دارالكتاب ديوبند/۳۰۳)

وتكره إمامة السفيه وهو الذى لا يحسن التصرف على مقتضى الشرع أو العقل والمفلوج. (الفقه الإسلامى وادلته، الفصل العاشر، انواع الصلوٰة، المطلب الثانى الإمامة، مكروهات الإمامة فى المذاهب مطبع هدى انٹر نيشنل ديوبند ۲/۱۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۱ھ

مجبوب اور خنثیٰ مشکل کی امامت

سوال: [۲۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید عاقل بالغ ہے، اور حافظ قرآن بھی ہے، اور اس کا عضو تناسل جڑ سے نہیں ہے، اب اگر وہ امامت کرتا ہے یا تراویح پڑھاتا ہے تو کیا اس کا امامت کرنا یا تراویح پڑھانا درست ہے؟

(۲) ڈائی کیش، کالا مکرامیٹ ان سب چیزوں کولگا کر اگر آدمی نماز پڑھاتا ہے، تو کیا اسکی نماز ہو جائے گی؟

المستفتي: امیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عضو تناسل جڑ سے نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ خنثیٰ مشکل ہے یا مجبوب؟ بہر حال اگر کوئی بھی شکل ہے، اگر لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کراہت محسوس کرتے ہیں تو ایسی صورت میں مسجد کے منتظمین اور ذمہ داران پر ضروری ہے کہ ایسے امام کا انتظام کریں جس کے پیچھے نماز پڑھنے میں لوگوں کو گھن اور کراہت محسوس نہ ہو۔

إن للأمة خلع الإمام وعزله بسبب يوجبه مثل أن يوجد منه مايوجب اختلال أحوال المسلمين وانتكاس أمور الدين كما كان لهم نصبه وإقامته لانتظامها وإعلائها. (شامی، کتاب الجهاد، باب البغاة، مطلب فيما يستحق به الخليفة العزل زكريا ٦/٤١٥، شامی، کراچی ٤/٢٦٤)

وشروط الإمامة للرجال الأصحاء ستة أشياء: الإسلام - والسلامة من الأعذار كالرعاف. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبل مطلب فی تکرار الجماعة فی المسجد زكريا ٢/٢٨٤، شامی کراچی ١/٥٥٠)

بلاعذر کالا خضاب لگانا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں البتہ بیوی کو خوش کرنے کے لئے کالا خضاب لگانا درست ہے، اور کالا خضاب لگا کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ کراہت اس کی ذات کے ساتھ متعلق ہے یہ کراہت اس کی نماز کی طرف منتقل نہ ہوگی۔

ويكره بالسواد بغير الحرب قوله أما الخضاب بالسواد ليزين نفسه للنساء فمكروه - روى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أنه قال كما يعجبنى أن تتزين لی يعجبها أن أتزين لها. (شامی، کتاب الحظر والإباحة فصل فی البیع

شامی زکریا ۹/ ٦٠٥، کراچی ٦/ ٤٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۱۱۶۸۰)

جو شخص تشہد میں مسنونہ حالت پر نہ بیٹھ سکتا ہو اسکی امامت

سوال: [۲۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حافظ قاری مولانا مفتی او رقاضی امام ہیں، لیکن ان کو تشہد میں بیٹھنے میں پریشانی ہے، وہ پریشانی یہ ہیکہ زانوں کا نچلہ حصہ پنڈلی سے پوری طرح نہیں ملتاہے، ان کی امامت درست ہے یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: مصلیان مسجد الحبیب
واہل محلّہ، شاہین باغ، اوکھلا، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عذر وتکلیف کی وجہ سے مسنون ہیئت اور مسنون طریقہ سے تشہد میں بیٹھنے پر قادر نہیں ہے تو ہیئت مسنونہ چھوڑ کر جس ہیئت پر بیٹھ سکتا ہے بیٹھنا بلاکراہت جائز اور درست ہے، امام بن کر نماز پڑھانا بھی بلاکراہت درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۱/ ۴۰۰)

ولو کان لقدم الإمام عوج وقام علی بعضها یجوز (قوله) ویؤم الأحدب القائم الخ. (هندیه، کتاب الصلوٰة، الباب الخامس فی الإمامة، الفصل الثالث زکریا قدیم ۱/ ۸۵، جدید ۱/ ۱٤۲)

ویقعد کیف شاء أی کیف تیسر له بغیر ضرر من تربع أو غیره فی الأصح من غیر کراهة الخ. (مراقی الفلاح، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة المریض قدیم ٢٣٤/، جدید دارالکتاب دیو بند ٤٣١/، وهکذا فی الشامی، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة،

المریض زکریا ۲/٦٦٥، کراچی ۲/۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ شوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍۱۰؍۱۴۳۱ھ

جو شخص رکوع وسجدے پر قادر نہ ہو اسکی امامت

سوال: [۲۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے، کھڑے ہوکر امامت کے ارکان پورے نہیں کر سکتے ہیں، سجدہ میں پیشانی زمین تک نہیں پہونچتی ہے، محض بیٹھ کر آگے ٹانگیں لمبی کر کے اپنی نماز ادا کرتے ہیں، کیا بیٹھ کر جماعت کی نماز اور رمضان المبارک میں قرآن پاک تراویح میں پڑھا سکتے ہیں، ازروئے شریعت فتویٰ سے نوازیں؟

المستفتي: حافظ محمد شمس العارفین،
یونانی دواخانہ، جلیسر، ضلع: ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص رکوع سجدہ ادا کرنے پر قادر نہیں ہے، ایسے شخص کی امامت فرض نماز اور تراویح میں درست نہیں ہے۔

ولا طاهر بمعذور – ولا قادر على ركوع وسجود بعاجز عنهما .

(درمختار، کتاب الصلوٰۃ، باب الإمامة زکریا ۲/ ۳۲٤، کراچی ۱/ ٥۷۹)

وإن كان الإمام يصلي قاعداً بالإيماء لا يقدر على السجود وخلفه قوم قيام يركعون ويسجدون، وقوم قعود يركعون ويسجدون، لا تجوز صلاة القوم عندنا. (الفتاوی التاتارخانیه، کتاب الصلوٰۃ، الفصل السادس زکریا ۲/ ۲٥٤، رقم: ٦ ۲۳٤)

ولا يصلي الذي يركع ويسجد خلف المؤمي. (الجوهرة النيرہ،

كتاب الصلوة، باب الإمامة جديد دارالكتاب ديوبند ١/ ٧٤، امداديه ملتان ١/ ٧٣)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۵۲)

فالج زدہ شخص کی امامت

سوال: [۲۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید طویل عرصہ سے ایک مسجد کا امام چلا آرہا ہے، ابھی چند ماہ قبل امام صاحب فالج کا شکار ہوگئے اب وہ اس قابل نہیں رہے، کہ نماز پڑھا سکیں، حروف کی ادائیگی ان سے صحیح طور پر نہیں ہو پاتی، جس کا ان کو خود احساس ہے، چند روز قبل انھوں نے ازخود اس بات کا اعلان کر دیا کہ میں اب اس قابل نہیں رہا کہ نماز پڑھا سکوں آپ اپنے امام کا انتظام کرلیں، ایک روز نماز نہ پڑھا کر دوسرے روز نائب امام جوان کا قائم مقام امام ہے، عصر میں اس کو ہٹا کر خود کھڑے ہوگئے، اب امام صاحب کی اس حرکت سے بڑا انتشار ہے، نمازی دو گروپ میں تقسیم ہوگئے اور امام صاحب مصلیٰ چھوڑنے کو تیار نہیں؟

(۱) جواب طلب امر یہ ہے کہ جو امام فالج زدہ ہو اور حروف کی ادائیگی صحیح طور پر نہ کر پاتا ہو اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟

(۲) جو امام اپنی مجبوری کی وجہ سے ازخود مصلیٰ چھوڑنے کا اعلان کردے، اور پھر مصلے پر آ کر نمازیوں میں انتشار پیدا کردے، اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: عبداللہ ومصلیان، مسجد آزاد نگر، لائن نمبر ۱۷، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام صاحب کے فالج کے مرض میں مبتلا ہوجانے کے بعد

قرأت کرنے میں جب حروف کی ادائیگی صحیح نہیں ہو پاتی ہے، تو صحیح پڑھنے والے کیلئے ان کی اقتداء نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لئے ایسے شخص کو امامت پر باقی رکھنا جائز نہیں ہے، اور ان کا امامت پر باقی رہنے کیلئے اصرار کرنا بھی درست نہیں ہے، اور ان کی جگہ کسی صحیح تندرست اور صحیح قرآن پڑھنے والے کو امام بنانا ضروری ہے۔

ولا (يصح الاقتداء) غير الألثغ به أى بالالثغ على الأصح كما فى البحر عن المجتبىٰ وفى الشامى: وهومن اللثغ بالتحريک قال فى المغرب: هوالذى يتحول لسانه من السين إلىٰ الثاء وقيل من الراء إلىٰ الغين أو اللام أو الياء زاد فى القاموس أومن حرف إلىٰ حرف وكذا من لايقدر على التلفظ بحرف من الحروف أو لا يقدر على إخراج الفاء إلا بتكرار . (شامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة ،مطلب فى الألثغ كراچى ١/٥٥٧، زكرياديوبند٢/٣٢٧)

الراجع المفتى به عدم صحة إمامة الألثغ لغيره ممن ليس به لثغة.

(شامى، كتاب الصلاة، باب الإمامة ، مطلب فى الالثغ كراچى ١/٥٨٢،زكريا٢/٣٢٨)

والفاء فأة بتكرار الفاء والتمتمة بتكرار التاء واللثغ لايكون إماماً لغيره.

(طحطاوى ، كتاب الصلاة باب الإمامة دارالكتاب / ٢٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۷/۲۲ھ

الفصل التاسع في عزل الإمام وتحقيره

مقتدیوں سے بغض وکینہ رکھنے والے کی امامت

سوال [۲۴۱۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام اس حالت میں امامت کرتا ہے کہ اپنے مقتدیوں کی طرف سے اپنے دل میں بغض وکینہ رکھتا ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی یانہیں؟

المستفتي: حافظ عبداللہ، مقام جونکا، ضلع: صاحب گنج، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاکسی عذر شرعی کے اپنے مسلمان بھائی سے کینہ رکھنا حرام ہے، اس سے توبہ کرکے بازآ جانالازم ہے، ورنہ شرعاً ایسا شخص فاسق ہے امامت اسکی مکروہ تحریمی ہے۔

عن الزهری، قال: حدثنی أنس بن مالک رضی الله عنه، أن رسول الله ﷺ قال: لا تباغضوا ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، وکونوا عباد الله إخوانا، ولا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليالٍ. (صحيح البخاری، كتاب الأدب، باب الهجرة، النسخة الهنديه ۲/۸۹۷، رقم: ۵۸۳۹، ف: ۶۰۷۶، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والأداب باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها ،النسخة الهندية ۲/۳۱۶، بيت الأفكار رقم: ۲۵۵۹، سنن أبی داؤد، باب فی هجرة الرجل أخاه، النسخة الهندية ۲/۶۷۳، دارالسلام رقم: ۴۹۱۰)

البتہ اگر ترک تعلق اور کینہ امر شرعی اور دین کے معاملہ میں شر سے بچنے کیلئے ہوتو موجب فسق نہیں ہے۔

وأما ماكان من جهة الدين والمذهب فهجران أهل البدع والأهواء

واجب الخ. (بذل المجهود ، كتاب الأدب ، باب هجرة الرجل آخاه ، قديم ٥/٢٦١، دار البشائر الإسلاميه ٣١٩/١٣، هكذا في مرقات ، كتاب الأدب ، باب ماينهى من التهاجر والتقاطع - الفصل الأول، الهجران على انواع ، امداديه ملتان ٢٦٢/٩، عمدة القارى ، كتاب الأدب ، باب ماينهى من التحاسد والتدابر .... دار احياء التراث العربي ١٣٧/٢٢، زكريا حاشية ابو داؤد، كتاب الأدب ، باب في هجرة الرجل أخاه ٦٧٣/٢، حاشيه مشكوٰة، كتاب الأدب ، باب ماينهى عنه من التهاجر، اشرفى ديوبند ٤٢٧/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۰۷)

مقتدی کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرنے والے کی امامت

سوال [۲۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام ہے اگر کسی کے یہاں کوئی مرجائے، اوران سے کہا جاتا ہے، کہ آپ نماز جنازہ میں شریک ہوں تو بنا کسی عذر شرعی کے نماز جنازہ میں شریک ہونے سے انکار کرتا ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ عبد اللہ، مقام
جونکا، صاحب گنج نکر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نماز جنازہ میں شریک نہ ہونا بڑی محرومی کی بات ہے۔

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من شهد الجنازة حتى يصلى ، فله قيراط ، ومن شهد حتى تدفن كان له قيراطان ، قيل: وما القيراطان؟ قال مثل الجبلين العظيمين.

(صحیح البخاری، الجنائز، باب من انتظر حتی تدفن، النسخة الهندیه ۱/۱۷۷، رقم: ۱۳۱۰، ف: ۱۳۲۵، صحیح مسلم، باب فی حصول ثواب القیراط بالصلوٰۃ، النسخة الهندية ۱/۳۰۷، بیت الأفکار رقم: ۹۴۵)

البتہ اگر وہاں نماز جنازہ کے لئے اور لوگ تھے اور انھوں نے نماز جنازہ پڑھی ہے تو فرض کفایہ ہونے کی بنا پر فاسق نہیں ہوا، اسکے پیچھے نماز مکروہ نہیں، فسقیت کی دوسری علت کی وجہ سے مکروہ ہوسکتی ہے؟

الصلاة على الجنازة فرض كفاية إذا قام به البعض واحدا كان أو جماعة ذكرا أو أنثى سقط من الباقين، وإذا ترك الكل أثموا. (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الخامس فى الصلاة، على الميت قديم ۱/۱٦۲، جديد زكريا ۱/۲۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۰۷)

فتنہ کو دبانے کے لئے جھوٹ بولنے والے کی امامت

سوال [۲۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی امام کم از کم دس سال سے امامت کرر ہا ہے اس عرصہ میں کوئی خراب باتیں یا امام کے متعلق کسی عوام کو کوئی شکایت نہیں ہوئی کہ ہمارا امام خراب ہے جھوٹا ہے مگر فی الحال امام سے کسی جھوٹ بات کا صدور ہوگیا اور وہ جھوٹ بات اگر عوام کے سامنے رکھی جائے تو فتنہ پھیل جانے کا اندیشہ تھا، اسی لئے امام نے جھوٹ بولکر فتنہ کو دبانا چاہا مگر راز کھل گیا کہ امام نے جھوٹ بات بولی ہے، اسی بنا پر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس امام کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، جو امام جھوٹا ہے وہ لوگ نماز کے ناجائز ہونے کا بھی فتویٰ لگاتے ہیں، اب سوال یہ ہے اس امام کو جھوٹا کہا جائے گا یا نہیں؟

اوراس امام کے پیچھے نماز جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: محمد محسن، بیربھوم، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرجھوٹ بولنے کی وجہ سے کسی کا حق مارا جائے یا کسی پرظلم ہوجائے تو اگر چہ فتنہ کا خوف ہوجھوٹ بولنا جائزنہیں ہے، لیکن اگرجھوٹ بولنے سے صرف فتنہ کا سد باب ہوسکتا ہے، کسی کی حق تلفی نہیں ہے، اورنہ ہی کسی پرظلم لازم آتا ہے، تو ایسی حالت میں محض فتنہ کو دور کرنے کیلئے اور لوگوں میں اتفاق پیدا کرنے کیلئے جھوٹ بولنے کی گنجائش ہے، ورنہ نہیں، اب سائل خود دیکھ لے کہ امام صاحب کا جھوٹ کس میں داخل ہے اس کے بعد باقی باتوں پرغور کیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ، دارالعلوم زکریا۳/ ۲۲۹)

عن ابن شهاب أن حميد بن عبد الرحمن، أخبره أن أمه أم كلثوم بنت عقبة، أخبرته، أنها سمعت رسول الله ﷺ يقول: ليس الكذاب الذي يصلح بين الناس فينمي خيراً، أو يقول خيراً. (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب ليس الكاذب الذى يصلح بين الناس ١/ ٣٧١، رقم: ٢٦١٥، ف: ٢٦٩٢، صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، والأدب، باب تحريم الكذب، وبيان المباح منه، النسخة الهندية ٢/ ٣٢٥، بيت الأفكار رقم: ٢٦٠٥)

والكذب محظور إلا فى المصلح بين إثنين وفى دفع الظالم عن الظلم. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فى الغناء، واللهو وسائر المعاصى، زكريا قديم ٥/ ٣٥٢، جديد ٥/ ٤٠٧، شامى، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع كراچى ٦/ ٤٢٧، زكريا٩/ ٦١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۰/۵/ ۱۴۱۷ھ

امامت کو حاضری کیلئے مانع بتانے والے کی امامت

سوال [۲۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عالم دین امام نے بارہا یہ الفاظ کہے کہ امامت کی پابندی کی علت میرے ساتھ ہے اسلئے میں آپکے یہاں حاضری سے قاصر ہوں، ایسے الفاظ کہنے والے عالم دین امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اختر الاسلام قاسمی، مہتمم
دارالعلوم نیازیہ، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امامت کی پابندی کو عدم حاضری کی علت قرار دینے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر چہ علت کو بوجھ کے معنیٰ میں لیا گیا ہو اسلئے کہ حدیث شریف میں امام کو ضامن اور بڑا ذمہ دار قرار دیا ہے، اور ذمہ داری کو بوجھ کے لفظ سے تعبیر کرنے میں کوئی قباحت نہیں، اسلئے مذکورہ امام کی امامت میں کوئی کراہت نہیں ہوگی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

عن أبي هريرة – رضی الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، اللّٰهم أرشد الأئمة، واغفر للمؤذنين. (سنن الترمذی، الصلاة، باب ماجاء أن الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، النسخة الهندية ۱/۵۱، دارالسلام رقم: ۲۰۷، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب مايجب على المؤذن من تعاهد الوقت، النسخة الهندية ۱/۷۷، دارالسلام رقم: ۵۱۷، مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۳۲، رقم: ۷۱۶۹، صحیح ابن خزيمه، المكتب الإسلامی ۱/۷۳۹، رقم: ۱۵۲۸، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۵/۳۵۲، رقم: ۸۹۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۳۴۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

اعزاء کی بیماری کی وجہ سے دیر سے آنے والے کی امامت

سوال [۲۴۱۸]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مسجد ہری چگ اصالت پورہ میں ۲۳/سال سے امام ہوں، ابھی عید کے بعد اپنے وطن لکھیم پور ایک دن کیلئے جانا ہوا تھا، وہاں پر بعض وجوہات کی بناپر تین دن لگ گئے، ایک عذر یہ پیش آیا تھا، کہ ہمارے ایک قریبی رشتہ دار بیمار تھے، ان کی عیادت کیلئے جانا ضروری ہوگیا تھا، دوسرا عذر یہ پیش آیا کہ ہماری بیوی کی بھتیجی بیمار تھی، اس کو دیکھنے کیلئے جانا پڑا، اس میں دودن مزید لگ گئے، اس لئے مرادآباد آنے میں تاخیر ہوگئی، میری مسجد کے متولی یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب نے جھوٹ بولا ہے ایک دن کیلئے کہا تھا، تین دن میں آئے ہیں، تو کیا ان اعذار کی وجہ سے رکنے کو بھی جھوٹ کہا جائے گا اور اس تاخیر کی وجہ سے امام صاحب کو جھوٹا کہا جاسکتا ہے، اور میری امامت درست ہے یانہیں؟

المستفتي: محمد اسعد، امام مسجد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں صاف وضاحت سے لکھا گیا ہے کہ امام صاحب ایک دن کیلئے اپنے وطن گئے تھے، مگر اعزاء کی بیماری کے عذر اوران کی تیمارداری کی وجہ سے ایک دن میں واپس نہیں آسکے اور تین دن گذار دیئے، تو شریعت میں اس طرح کے اعذار کی بناپر وعدہ پورا نہ ہوسکنے کی وجہ سے جھوٹا قرارنہیں دیا جاسکتا، اور نہ ہی اسکی وجہ سے امام صاحب کی امامت میں کوئی خرابی آسکتی ہے، لہٰذا امام صاحب کے پیچھے بلاکراہت اور بلاتردد حسب سابق مقتدیوں کا نماز پڑھنا جائز اور درست ہے، اور متولی صاحب کا اس بات پر امام صاحب کو جھوٹا کہنا امام صاحب پر ظلم اور زیادتی ہے، اور متولی کو چاہئے کہ امام صاحب سے اس سلسلہ میں معافی تلافی کرکے بات صاف کرلے، حدیث پاک کے اندر اس طرح کے واقعات کثرت سے ہیں کہ کسی صحابی نے کسی معاملہ میں وعدہ کیا لیکن عذر کی وجہ سے وہ

وعدہ پورا نہ کرسکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی صورت میں اس پر کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے: (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ٦/ ١٧٧)

عن زيد ابن أرقم ، عن النبى ﷺ قال: إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفى له ،فلم يف (لعذر) ولم يجئيى للميعاد فلا إثم عليه . (ابو داؤد شريف ، باب فى العدة ، النسخةالهندية ٢/ ٦٨٢، دار السلام رقم: ٤٩٩٥ ، المعجم الكبير للطبرانى، دار احياء التراث العربي٥/ ١٩٩ ، رقم: ٥٠٨٠، السنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الشهادات ، باب من وعد غير شيئا و من نيته أن يفي ...... دارالفكر جديد ١٥/ ٢٦٩، رقم: ٢١٤٣٦، بذل المجهود ، كتاب الادب ، باب فى العدة قديم ٥/ ٢٧٧، دارالبشائر الإسلاميه ١٣/ ٣٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨؍ شوال ١٤٣١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠١٧٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٨/ ١٠/ ١٤٣١ھ

گروپ بندی کر کے مقتدیوں کو بھڑ کانے والے کی امامت

سوال [٢٤١٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (١) ایسا عالم جو محض اپنے مفاد کے خاطر گروپ بندی کر کے مقتدیوں کو بھڑ کائے اور گروپ بندی کرے اور انتظامیہ کمیٹی کے معاملات میں پوری دخل اندازی کرتا ہو، ان وجوہات کی بنا پر نمازی ان سے ناراض ہیں، اور ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہتے ہیں، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(٢) کچھ نمازی موجودہ امام کے پیچھے مجبوراً نماز پڑھتے ہیں تا کہ شر نہ ہو، لیکن ان کو کراہت ہوتی ہے، کچھ لوگوں نے بتایا اس صورت میں تمہاری نماز فاسد ہوگئی، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد ریحان اسرائیلی، کواٹر نمبر ٤٠٤ ؍ نئی کالونی، کالا گڈھ، افضل گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :(۱) سوالنامہ میں مذکورہ عالم کے بارے میں جوالزامات قائم کئے گئے ہیں، جب تک ان کا کوئی شرعی ثبوت نہ ہوجائے یا وہ عالم صاحب آ کر کےان کا اقرار نہ کرلیں اس وقت تک معاملہ میں شرعی حکم لگانا مناسب نہیں اور نہ ہم اس وقت تک اس معاملہ میں کوئی شرعی حکم لکھیں گے۔

(۲) اگر امام کے اندر خلاف شرع حرکات کی بنا پر مصلیوں کو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کراہت ہے تو مصلیوں کی نماز کراہت کیساتھ اس کے پیچھے صحیح ہوجائے گی اور اس امام کی امامت مکروہ ہوگی ، اور اس کراہت کا گناہ امام کے سر ہوگا، اور اگر امام کے اندر شرعی قباحت نہیں ہے ، بلکہ ذاتی رنجش اور اختلافات کی بنا پر امام صاحب سے ناگواری ہے تو ایسی صورت میں مقتدی گناہ گار ہوں گے، اور ان کی نماز بھی مکروہ ہوگی، اور امام کی امام بلا کراہت درست ہوگی اور نماز کسی صورت میں بھی فاسد نہ ہوگی۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق ، قال : كان يقال : أشد الناس عذاباً إثنان: امرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كارهون ، قال جرير : قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام ؟ فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم على من كرهه . (سنن الترمذی ، الصلاة، باب ماجاء فيمن أم قوماً وهم له كارهون ، النسخة الهندية ۸۳/۱، دارالسلام رقم: ۳۵۹)

أم قوماً وهم له كارهون ، إن كانت الكراهة لفساد فيه ، أو لأنهم أحق بالإمامة فيكره له ذلک ، وإن كان هو أحق بالإمامة لايكره لهٗ ذلک ، وفی بعض الكتب : الكراهة على القوم . (بحرالرائق ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة كوئٹه ۳٤۸/۱ ، زكريا ۶۰۹/۱ ، طحطاوی علی المراقی ، كتاب الصلاة ، فصل فی بيان الأحق بالإمامة قديم /۱٦٤ ، دارالكتاب ديوبند/۳۰۱ ، رد المحتار زكريا كتاب الصلاة ، باب الإمامة ۲۹۷/۲ ، كراچی

١/٥٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۵۰)

بدکار آدمی کی حمایت کرنے والے کی امامت

سوال [۲۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، فتویٰ نویسی اور قضاۃ کے منصب پر بھی فائز ہے، اس نے اپنے ایک سالے عمرو کو ایک دوسری مسجد میں مؤذن رکھا جو کہ پہلے ہی سے شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے، کچھ دن کے بعد اس مؤذن کا ناجائز تعلق ایک باکرہ لڑکی صغریٰ سے ہوگیا، جس کے نتیجہ میں صغریٰ کو حمل قرار پا گیا جب اس معاملہ کی تفتیش ہوئی تو مؤذن عمرو نے اپنے جرم زنا کا اعتراف مسجد کے صدر و کمیٹی کے سامنے کیا اور صغریٰ سے نکاح کرنے پر رضامندی وآمادگی بھی ظاہر کردی، لیکن اس کے بہنوئی زید نے اس کو یہ کہکر شادی سے روک دیا کہ پہلے ہی سے ایک بیوی اور دو بچوں کا بوجھ ہی کیا کم ہے، اور پھر امام موصوف نے صغریٰ کے پیٹ میں جو یقیناً سات مہینے کا حمل تھا جس کی تخلیق مکمل ہوچکی تھی اور جس کے سر پر بہت حد تک بال بھی آگئے تھے، ساقط کروادیا بچہ بڑا ہونے کی وجہ سے بڑی مشکل سے ساقط ہوا اسقاط وغیرہ کے مصارف خود زید نے برداشت کئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ تمام باتیں اسقاط قتل وشادی میں رکاوٹ ڈالنا جو زید نے کیا تو کیا اس پر اتنے بڑے جرائم کے ارتکاب کے بعد بھی زید کو منصب امامت افتاء وقضاۃ پر فائز رہنے کا کوئی حق ہے، شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟ عنایت ہوگی؟

المستفتي: عبداللہ معرفت عارف بیگ،
کھجرانہ، اندور، مدھیہ پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اگر وہ اپنی جگہ صحیح ودرست ہے تو بدکار آدمی کی حمایت نہیں کرنی چاہئے، عمرو مؤذن نے جو بدکاری کا ارتکاب کیا ہے، شرعی طور پر سخت سزا اور سزاء رجم کا مستحق ہے، لیکن اسلامی حکومت نہ ہونیکی وجہ سے اس کے اوپر رجم کی حد نہیں لگائی جاسکے گی، مگر اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے وہ فاسق ہے لائق امامت اور لائق اذان نہیں، اب رہی بات زید امام صاحب کی جو منصب قضاۃ اور منصب افتاء پر فائز ہیں ان کے بارے میں سوالنامہ میں جو باتیں لکھی گئی ہیں، پہلے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ باتیں انکے حق میں کہاں تک درست ہیں ہم یہاں اتنی دوررہ کر کے اس سلسلہ میں نہ تحقیق کرسکتے ہیں نہ حقیقت حال سے واقف ہو سکتے ہیں، اسلئے وہاں کے آس پاس کے دارالافتاء سے رابطہ قائم کریں یا خود وہ مفتی صاحب سے براہ راست بات کرلیں۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَىٰ الْبِرِّ وَالتَّقْوٰىٰ، وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَىٰ الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.(مائدہ: ۲)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹رصفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۳۰ھ

منصب امامت کے خلاف عمل کرنے والے کی امامت

سوال [۲۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو عالم دین ہے، اور ایک مسجد میں منصب امامت پر فائز ہے، اور ایک ادارہ کا اہتمام بھی زید کے پاس ہے، زید نے ایک دوسری مسجد کی وقف جائیداد کا کرایہ وصول کیا جس مسجد سے زید کا کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے، زید نے کرایہ کی رقم وصول کرکے مسجد میں کہیں خرچ بھی نہیں کی ہے، دریافت طلب امر یہ ہیکہ ایسی حالت میں زید لائق امامت ہے یا نہیں؟ اور زید کیلئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی مسجد کا کرایہ زید نے کیسے وصول کیا جس سے زید کا کسی قسم کا تعلق نہیں، نیز کرایہ دینے والے نے زید کے ہاتھ میں یہ کرایا کیسے دیا، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، نیز اگر زید نے دھوکہ دیکر کرایہ وصول کیا ہے، اور اسے مسجد میں خرچ بھی نہیں کیا ہے، تو ایسی صورت میں زید کے اوپر لازم ہے کہ وہ کرایہ جس مسجد کا حق ہے، اسی مسجد کے منتظمین کے حوالہ کردے، اس کے بعد اپنے اس فعل سے توبہ کرلے، اگر زید اس حکم شرعی پر عمل کرلیتا ہے، تو پھر زید کے اوپر فسق وفجور کا الزام باقی نہیں رہے گا، اس کی امامت بھی درست ہوجائیگی اور اگر وہ اس حکم شرعی پر عمل نہیں کرتا ہے تو اسکی امامت مکروہ ہوگی۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما – قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: التائب من الذنب کمن لا ذنب له . (شعب الإیمان ، باب فی معالجة کل ذنب بالتوبة ، دارالکتب العلمیة بیروت ٤٣٦/٥ ، رقم: ٧١٧٨، السنن الکبریٰ للبیهقی ، کتاب الشهادات ، باب شهادة القاذف ، جدید دارالفکر ١٧٥/١٥، ١٧٦، رقم: ٢١١٥٢، مشکاة ٢٠٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧/ جمادی الاولیٰ ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦٦٨٠/٣٥)

شرعی قباحت کی وجہ سے متنفر شخص کی امامت

سوال [٢٤٢٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، لیکن اب اس کے امام بنے رہنے سے محلہ میں انتشار ہے جس کی وجہ سے اس مسجد میں دوسری جماعت ہورہی ہے، کسی بھی وقت فساد پھوٹنے کا اندیشہ ہے، کیونکہ زید پر یہ اعتراض ہے کہ اسکے ناجائز تعلقات کسی لڑکی سے تھے، جبکہ زید نے ایسے کسی ناجائز تعلقات نہ ہونے کی قسم کھائی ہے، لیکن کمیٹی و دیگر لوگوں نے جب اس کی تحقیق کی تو

تعلقات ہونا ثابت ہوگیا، اورقسم جھوٹی بتلائی گئی، محلّہ میں اسی وجہ سے دو پارٹی ہوگئیں ہیں ،آیا ایسی صورت میں مسئلہ کیا کہتا ہے، کہ امام صاحب کا امامت پر قائم رہنا مسئلہ کی رو سے کہاں تک درست ہے؟

المستفتي:عبدالعلیم،واراکین مسجد، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا امام جس میں شرعی قباحت کی وجہ سے قوم اس کی امامت سے متنفر ہے، اور مسلمانوں کا اتحاد اختلاف اور انتشار کا شکار ہوجائے ، اس کو ازخود امامت سے برطرف ہوجانا چاہئے ، اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے ، اور حدیث شریف میں ایسے امام پر لعنت آئی ہے، اوراس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

لو أم قوما وهم له كارهون ...... إن كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره ...... ينبغي أن تكون الكراهة تحريمية الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان الأحق بالإمامة قدیم /١٦٤، دارالکتاب دیوبند/٣٠١)

عن أنس بن مالك ؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة : رجل أم قوماً وهم له كارهون ، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط ورجل سمع حي على الفلاح ثم لم يجب . (ترمذی ، الصلاة، باب ماجاء فیمن أم قوما وهم له كارهون ١ /٨٢، دارالسلام رقم: ٣٥٨، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ٢٢٣/١٣، رقم: ٦٧٠٧)

عن أبي أمامة يقول: قال رسول الله ﷺ: ثلاثة لاتجاوز صلوٰتهم آذانهم: العبد الأبق حتى يرجع ، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط ، وإمام قوم وهم له كارهون . (ترمذی، الصلاة ، باب ماجاء فیمن أم قوما وهم له كارهون ٨٣/١، دارالسلام رقم: ٣٦٠، المعجم الكبير للطبرانی ، دار احياء التراث العربي ٢٨٦/٨،

رقم: ۸۰۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷رمحرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۸۸۹۷)

افعال شنیعہ کے مرتکب کا ناراض مقتدیوں کی امامت کا حکم

سوال [۲۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید راجہ بازار جامع مسجد کا امام ہے، جسے صرف پنج وقتہ نمازوں کی امامت کیلئے مقرر کیا گیا تھا، لیکن نہ وہ حافظ ہے نہ قاری نہ علمی صلاحیت وقابلیت کا مالک، فارسی وعربی کا کیا کہنا نہ ہی علماء کی صحبت میں اٹھنا بیٹھنا بلکہ عام لڑکوں کے درمیان اٹھنا بیٹھنا اور دعوت کھانا ہے، زید نے عرصۂ دراز سے اپنے حجرہ میں جھاڑ پھونک کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے، یہ حجرہ ٹھیک مدرسہ کے اوپر جنوب کی طرف ہے، اور جامع مسجد سے ملا ہوا ہے، مسجد کا مین گیٹ شمال کی طرف راستہ کی جانب ہے اجنبی وغیر محرم لڑکیاں اور عورتیں اسی گیٹ سے داخل ہوتی ہیں، اور عموماً مسجد کے خاص حصہ کو گذرگاہ بنا رکھا ہے، کبھی عین نماز کا وقت بھی ہوتا ہے، زید تنہا اپنے حجرہ میں جھاڑ پھونک کا عمل کرتا ہے، مدرسہ کے طلبا کو اس فتنہ میں پڑ جانیکا یقینی ڈر لگا رہتا ہے، اہل محلّہ اہل مسجد ومدرسہ کو فکر لگی رہتی ہے، کہ مسجد ومدرسہ کہیں بدنام نہ ہو جائے، زید ان اجنبی لڑکیوں وعورتوں کو اپنی بیٹیاں و مائیں سمجھنے کی دلیل دیتا ہے۔

افسوس ہے کہ پرانی مسجد کمیٹی کی زبردست کوتاہی کی وجہ سے آج تک اس جامع مسجد کیلئے کوئی قابل عالم مفتی وخطیب کی تقرری نہ ہوسکی، جس سے فائدہ اٹھا کر زید جمعہ وعیدین میں ایسی بے ربط اور معمولی تقریر کرتا ہے، جس میں اردو کی بہت ساری غلطیاں ہوتی ہیں، اور اسکی غیر علمی صلاحیت وقابلیت ظاہر ہو جاتی ہے، مزاج میں سختی ہے، اپنی رائے سے اختلاف کرنے والوں کے خلاف جمعہ میں علی الاعلان وہ بددعا کرتا ہے، طنز وتنقید کا نشانہ

بنا تا ہے، تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام سے کئی روز پہلے سے اعلان کرتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ برکت حاصل کریں، اسکے علاوہ زید نئی مسجد کمیٹی کے ممبران کو نام لئے بغیر طعنہ دیتا ہے، کہ یہ سب جاہل منصب کے بھوکے ہیں، اور مسجد کے منتظم بن بیٹھے ہیں،، زید کہتا ہے کہ میں امام ہوں میری ہر بات ماننا آپ پر ضروری ہے، ۹۰/ پرسینٹ سے زیادہ لوگ زید کی امامت سے بدظن اور ناراض ہیں، واضح ہو کہ نئی مسجد کمیٹی کو قدرت کیساتھ متولی وعوام کا تعاون حاصل ہے۔

الف: لہٰذا زید جو امام جامع مسجد ہے اسکے مندرجہ بالا اعمال وافعال کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں حکم ارشاد فرما کر رہنمائی فرمائیں؟

ب: یہ بھی رہنمائی فرمائیں کہ قدرت اور وسائل کے رہتے ہوئے اگر نئی مسجد کمیٹی لاکھوں علاقائی مسلمانوں کی دینی ضرورت کو نظر انداز کر کے ایک مناسب عالم مفتی وخطیب کی مستقل تقرری سے اب بھی کوتاہی کرے تو کیا حکم شرعی ہے؟

المستفتي: انعام الحق، پٹوار بگان لین، کولکاتہ ۹۰

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں زید کے مذکورہ افعال یقیناً شریعت کے خلاف ہیں، ایک متقی پرہیزگار آدمی کبھی بھی ان افعال کو نہیں کرسکتا ہے، اور زید تو امام ہے؛ لہٰذا زید پر لازم ہے کہ یا تو فوری طور پر ان افعال سے توبہ کرے یا خود امامت جیسے عظیم عہدہ سے رضا کارانہ طور پر علاحدگی اختیار کرلے؛ کیوں کہ ان افعال کی وجہ سے زید کا امامت کرنا مکروہ تحریمی ہے، امام مسجد کو متبع سنت، پابند شریعت ہونا ضروری ہے، نیز ان افعال سے خود زید اور مسجد کے مصلیوں اور مدرسہ میں مقیم طلبہ کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے، لہٰذا زید کیلئے فوری طور پر ان افعال کو چھوڑنا ضروری ہے، اور ان ہی وجوہات کی بناء پر مسجد کے اکثر مصلی اور منتظمہ کمیٹی زید سے ناراض ہیں؛ لہٰذا مسجد کی نئی کمیٹی کے لئے ضروری ہے کہ وہ فوری طور پر زید امام کو امامت کے عہدہ سے برخاست کر کے کسی قابل متبع سنت امام

کا انتظام کرے، تا کہ تمام لوگوں کی نماز سنت کے مطابق صحیح طور پر ادا ہو سکے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۳۲۰، محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۱۱۵)

عن أبی مسعود الأنصاري رضؓ قال: قال رسول الله ﷺ: يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله، فإن كانوا فی القراء ة سواء، فأعلمهم بالسنة. (صحیح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/٢٣٦، بيت الأفكار رقم: ٦٧٣)

والأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة صحة و فسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ٢/٢٩٤، كراچی ١/٥٥٧)

اتقوا مواضع التهم. (كشف الخفاء ١/٤٥، بيروت)

والخلوة بالأجنبية حرام. (شامی زكريا ٩/٥٢٩، كراچی ٦/٣٦٨)

عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ثلاثة لا ترفع لهم صلاتهم فوق رؤسهم شبرا رجل أم قوما وهم له كارهون. (ابن ماجه، الصلاة، باب من أم قوما وهم له كارهون، النسخة الهندية ١/٦٨، دارالسلام رقم: ٩٧١)

عن عطاء بن دينار الهذلی أن رسول الله ﷺ قال: ثلاثة لاتقبل منهم صلاة، ولا تصعد إلی السماء، ولا تجاوز رؤوسهم: رجل أم قوماً وهم له كارهون. (صحيح ابن خزيمه، باب الزجر عن إمامة المرء من يكره إمامة المكتب الإسلامي ١/٧٣٥، رقم: ١٥١٧)

إن كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره، وينبغی أن تكون الكراهة تحريمة لخبر أبي داؤد ثلاثة لا يقبل الله منهم صلاة، وعدمنهم من تقدم قوماً وهم له كارهون. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی بيان الأحق بالإمامة، قديم/١٦٤، دارالكتاب ديوبند جديد ١/٣٠١، هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة زكريا قديم ١/٨٧، جديد ١/١٤٤، المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والإستحسان، الفصل الرابع، جديد

المجلس العلمي ٧/٤ ٥١، ٥١٥، رقم: ٩٤٥٥، الصلاة، الفصل السادس، أحكام الإمامة والإقتداء ٢/١٨٠، رقم: ١٥٢٢، شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة اعزازيه ديو بند ١/٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۳۰ھ

کچھ مقتدیوں کی ناراضگی کی صورت میں امامت

سوال [۲۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام جس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں میں اختلاف ہے اور بستی میں امام کے رہنے سے بستی میں نا اتفاقی اور خونریزی ہونے کا خطرہ ہے، اور امام ایسی حالت میں مسجد نہ چھوڑے جس سے کچھ لوگ راضی ہوں، اور کچھ ناراض ہوں، تو ایسی حالت میں علماء کیا فرماتے ہیں؟

المستفتي: متولی بنے ٹھیکدار، ہرتھلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام کے اندر شریعت کے خلاف کوئی عمل نہیں ہے، اور محض ذاتی خلش کی وجہ سے امام سے دشمنی ہے تو جو لوگ امام سے ایسی حالت میں بغض رکھتے ہیں، وہ خود گنہگار رہوں گے، اور قوم میں انتشار واختلاف کی پوری ذمہ داری ان پر آئیگی، اور امام کے اوپر شرعاً کوئی الزام نہیں، اگر خونریزی کی نوبت آتی ہے، تو اس کے ذمہ دار بھی اختلاف کرنے والے ہوں گے، اور اگر اس کے برخلاف امام کے اندر شرعی خامی ہے، تو پہلے اس کی وضاحت تحریر فرمایئے، اس کے بعد جواب لکھا جاسکتا ہے۔

وقد قيد ذلك جماعة من أهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعي، فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها، وقيدوه أيضا بأن يكن الكارهون أكثر المأمومين ولا عبرة بكراهة الواحد والإثنين، والثلاثة إذا

كان المؤتمون جمعاً كثيراً . (بذل المجهود ، كتاب الصلاة ، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالبشائر الإسلاميه جديد ٥/٤٧٥، قديم مطبوعه ميرٹھ ١/٣٣١)

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذی ، الصلاة ، باب ما جاء فی من أم قوماً وهم له كارهون ، النسخة الهندية ١/٨٣، دار السلام رقم: ٣٥٩)

لو أم قوماً وهم له كارهون ، فهو علىٰ ثلثة أوجه : إن كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره ، وإن كان هو أحق بها منهم ، ولا فساد فيه ، ومع هذا يكرهونه ، لايكره له التقدم . (طحطاوی علی المراقی الفلاح ، كتاب الصلاة ، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم /١٦٤، دارالكتاب ديوبند جديد /٣٠١، در مختار مع الشامی مصری، كتاب الصلاة ، باب الإمامة ١/٥٢٢، كراچی ١/٥٥٩، زكريا ٢/٢٩٧، حاشية الطحطاوی على الدر المختار ، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ١/٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۵۱۳)	۱۴۲۱/۳/۲ھ

بلا اجازت مسجد کا بلب، پانی، انویٹر اور پنکھا وغیرہ استعمال کرنے والے کی امامت

سوال [۲۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب جو

مستقل مسجد میں رہ رہے ہیں، کیا ان کیلئے مسجد کے بلب پانی وغیرہ کا استعمال بلا اجازت درست ہے یا نہیں؟ اور جو بلا اجازت ان تمام اشیاء کا استعمال کرے، تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: سیرت حسین انصاری، مہتمم: مدرسہ ترتیل القرآن، مانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب امام صاحب مسجد کے ذمہ داروں کی اجازت سے مسجد میں رہتے ہیں، تو یہ اجازت مسجد کے بلب پانی حجرہ سب چیزوں کے استعمال کیلئے ہے، یہی مسجد کے امام اور مؤذن کیلئے متعارف ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/۲۲۴، جدید میرٹھ ۲۲/۲۰۶، ڈابھیل ۱۴/۶۳۳)

وإذا أراد أن یصرف شیئاً من ذلک إلیٰ إمام المسجد أو إلیٰ مؤذن المسجد، فلیس له ذلک، إلا إن کان الواقف شرط ذلک فی الوقف، کذا فی الزخیرة. (هندیه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الواقف علی المسجد... زکریا قدیم ۲/۴٦۳، جدید ۲/۴۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ ؍صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۰ھ

محلّہ کے گھرانوں میں آنے جانے والے کی امامت

سوال [۲۴۲٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص مسجد میں پانچ وقت کی امامت کے فرائض انجام دیتا ہے، اس شخص کا محلّہ کے کچھ گھرانوں میں بے تکلفی کیساتھ آنا جانا ہے، چاہے گھر پر محرم موجود ہے یا نہیں؟ اور کھانا بھی کھاتا ہے ان گھر

وں میں بیٹھ کر؟

المستفتي: سیدوارث علی، محلّہ قاضیان، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب جن گھروں میں بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں، اگران کا کھانا ان ہی گھروں میں ہو، جس کی وجہ سے وہ وہاں جا کر کھاتے ہوں، تو امام صاحب کے لیے ان کے یہاں کھانا کھانے کے لیے جانا آنا بلاتردد جائز اور درست ہے، اور امام صاحب پر اس بات کی وجہ سے اعتراض قائم کرنا جائز نہیں ہے؟ اور اعتراض کرنے والے گنہگار ہوں گے، اور جن کے یہاں کھانا کھایا جاتا ہے، کبھی کبھار کھانے کے بغیر بھی آنا جانا برا نہیں ہے، اور ان سے تعلق قائم ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں کھانے کیلئے یا کھانے کے بغیر بھی ملاقات کیلئے آنے جانے میں شرعاً نہ کوئی قباحت ہے، اور نہ کسی کو اشکال کا حق ہے، اور اگر کبھی کبھار ایسا اتفاق بھی ہو جائے کہ امام صاحب پہونچ جائیں اور گھر کے بالغ مرد نہ ہوں اور عورتیں پردہ کی رعایت کرتے ہوئے بچوں کے ذریعہ سے امام صاحب کو کھانا کھلادیں، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ امام صاحب کیساتھ معصیت اور فتنہ کا خطرہ نہ ہو، اگر حالات ایسے ہیں، تو محرم کی عدم موجودگی میں امام صاحب کے ان کے گھر پہونچنے کو الزام کے انداز سے پیش کرنا درست نہیں ہے، اور ایسے واقعات حدیث شریف میں بکثرت موجود ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا بھی اس طرح کسی کے یہاں آنا جانا ثابت ہے، ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ،حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوالہیثمؓ کے یہاں تشریف لئے گئے، ان کی بیوی موجود تھی، وہ خود موجود نہیں تھے، ان کے آنے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہیں ان کا انتظار فرماتے رہے، اور ان کے آنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کیساتھ والوں کی مہمانداری کی گئی، حدیث شریف لمبی ہونے کی وجہ سے حدیث شریف کا جز ملاحظہ فرمایئے:

عن أبی هریرة –رضی الله عنه – قال: خرج النبی صلی الله علیه وسلم في ساعة لا یخرج فیها، ولا یلقاه فیها أحد، فأتاه أبوبکر، فقال: ماجاء بک یا أبابکر ؟ فقال: خرجت ألقی رسول الله صلی الله علیه وسلم وأنظر في وجهه والتسلیم علیه، فلم یلبث أن جاء عمر، فقال: ماجاء بک یاعمر ؟ قال: الجوع یارسول الله ! قال: فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: وأنا قد وجدت بعض ذلک، فانطلقوا إلیٰ منزل أبي الهیثم التیهان الأنصاری، وکان رجلاً کثیرا النخل والشاء، ولم یکن له خدم فلم یجدوه، فقالوا لامراته: أین صاحبک؟ فقالت: انطلق یستعذب لنا الماء ولم یلبثوا أن جاء أبوالهیثم بقربة یزعبها، فوضعها، ثم جاء یلتزم النبی صلی الله علیه وسلم ویفدیه بأبیه وأمه ...... ثم انطلق إلی نخلة فجاء بقنوٍ فوضعه الخ. (سنن الترمذی، الزهد، باب ماجاء في معیشة أصحاب النبي، النسخة الهندیة ٢/ ٦٢، دارالسلام رقم: ٢٣٦٩، مشکل الآثار للطحاوی، دارالکتب العلمیة بیروت ١٣٧/١، رقم: ٤٥٧، ٤٥٨، المستدرك، کتاب الأطعمة قدیم ٤/ ١٤٥، مکتبه نزار مصطفیٰ الباز جدید ٢٥٦٢/٧، رقم: ٧١٧٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۶/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۷۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۶/۱۴۲۷ھ

دیر رات تک ٹہلنے اور دوستوں سے ملاقات کرنے والے کی امامت

سوال [۲۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو امامت کرتا ہے، اس نے ایک مرتبہ سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی میں یہ وعدہ کیا کہ اگر ایک دو آدمی بھی میرے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے تو میں امامت سے علیحدہ ہوجاؤں گا، اس

وقت صورت حال یہ ہے کہ تقریباً بیسوں نمازی ایسے ہیں جو ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھ رہے ہیں، بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں، جو امام صاحب کی وجہ سے مسجد میں نہیں جاتے اور سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے گھر یا دوسری جگہ بھی نماز نہیں پڑھ رہے ہیں، اس طرح وہ صرف امام صاحب کی وجہ سے نماز کو چھوڑ کر گناہ کا ارتکاب کرر ہے ہیں، ان لوگوں کی ناراضگی کا سبب یہ ہے کہ امام صاحب ایک تو جھوٹ بولنے کے عادی ہیں، اور دوسرے رات کو ایک ایک بجے تک ادھر ادھر گھومتے رہتے ہیں یہ لوگ اس بات سے کراہت محسوس کرتے ہیں، اور امام کے وقار کے خلاف تصور کرتے ہیں۔

الحاصل: امر مسئولہ یہ ہے کہ ایسے حالات میں کیا کیا جائے، کیا ان حالات میں مسجد کی دوسری منزل پر دوسری جماعت کی جاسکتی ہے؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں مسئلہ ہذا کو واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتي: حاجی جمیل احمد، چکی والے،
بڑی مسجد، ریشن پارک، لکشمی نگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: امام صاحب کیسے جھوٹ بولتے ہیں، اس کی تفصیل اور ثبوت کے بغیر کوئی حکم لکھنا مناسب نہیں اور رات میں دیر میں آنے اور ادھر ادھر گھومنے میں اگر کوئی حرام اور ناجائز حرکت نہیں کرتے ہیں بلکہ صرف دوست واحباب سے ملاقات یا کوئی دین کی بات کرتے ہیں، تو کوئی گناہ اور خلاف شرع نہیں ہے۔

وقد قيد ذلک جماعة من أهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعي، فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها وقيده أيضا بأن يكن الكارهون أكثر المأمومين ولاعبرة بكراهة الواحد والإثنين، والثلاثة إذا كان المؤتمون جمعاً كثيراً. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالبشائر الإسلاميه جديد ٥/٤٧٥، قديم مطبوعه

میرٹھ ۱/ ۱ ۳ ۳ ۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۳۳۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۱۱ھ

امام کے اندر شرعی قباحت نہ ہونے کی صورت میں نماز کا حکم

سوال [۲۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس رمضان المبارک سے محلّہ قاضی باغ کی مسجد میں ایک نئے امام صاحب کا تقرر عمل میں آیا ہے، امام صاحب محلّہ ہی کے باشندے ہیں، صورت حال یہ ہے کہ آٹھ دس آدمی جو کہ پنجوقتہ نمازی تھے، انھوں نے ان امام صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھی اور وہ یہ کہتے ہیں، کہ ہم ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، اور کچھ آدمی ایسے بھی ہیں، جو نماز پڑھ لیتے ہیں، مگر کراہت کے ساتھ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جب سے یہ امام صاحب آئے ہیں انھوں نے مسجد میں ہی آنا بالکل بند کر دیا آیا ایسے شخص کی امامت از روئے شرع محمدی کیسی ہے؟ امامت کرے یا امامت سے دست بردار ہو جائے؟

ان سب باتوں کے باوجود کمیٹی ایسے ہی امام کو رکھے اور ضد یہ کرے کہ ہم تو اسی امام کو رکھیں گے تو کمیٹی کے متعلق بھی واضح طور پر حکم شرع بیان فرما دیجئے۔

المستفتي: مولانا عتیق الرحمٰن، مسجد قاضی باغ، محلّہ قاضی باغ، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ امام کے اندر کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، جس کی وجہ سے نماز میں خرابی آ سکتی ہے، تو اس امام کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے، اور امام کے لئے امامت کرنا جائز ہے اور جو لوگ صرف ضد یا محض ذاتی دشمنی کی بناء پر جماعت میں شرکت نہیں کر رہے ہیں، وہ خود گنہگار رہوں گے، اور کمیٹی کے لوگوں پر بھی کوئی

گناہ نہیں ہے، اور امام مذکور کے اندر شرعی قباحت مثلاً شراب جوایا ڈاڑھی منڈانے وغیرہ برے افعال موجود ہیں تو ترک جماعت کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں خود امام اور کمیٹی کے لوگ گنہگار ہوں گے۔

عن ابن عباسؓ عن رسول الله ﷺ قال: ثلاثة لاترفع صلاتهم فوق رؤسهم شبراً : رجل أم قوماً وهم له كارهون. (سنن ابن ماجه ، الصلاة، باب من أم قوماً وهم له كارهون ، النسخة الهنديه ٦٩/١ ، دارالسلام رقم: ٩٧١)

حاصل المسألة : كما قال الفقهاء: إن باعث الكراهة الشرعية إن كان من جانب الإمام فالإثم عليه ، وإن كان من جانب القوم فالإثم عليهم لا على الإمام . (العرف الشذي على هامش الترمذى، كتاب الصلاة، باب ماجاء فيمن أم قوماً وهم له كارهون ٨٦/١)

لوأم قوماً وهم له كارهون ، فهو على ثلٰثة أوجه ان كانت الكراهة لفساد فيه أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره ، وإن كان هو أحق بها منهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لايكره له التقدم الخ. (حاشية الطحطاوى على المراقى ، كتاب الصلاة ، فصل فى بيان الأحق بالإمامة قديم /١٦٤ ، دارالكتاب ديوبند/ ٣٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣ رذی الحجہ ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٧/٢٤٦٦)

اکثر مقتدی خوش ہوں تو امامت بلا کراہت جائز ہے

سوال [٢٤٢٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ کے لوگ باہر کے امام کے اخراجات نہیں برداشت کرنا چاہتے ہیں، لہذا زید اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہے، تاکہ مسجد آباد رہے، سبھی مقتدی حضرات اس سے خوش ہیں، علاوہ دو افراد کے وہ

بھی کسی تعصب کی بنا پر ہے بلاکسی عذر شرعی کے اس صورت میں زید نماز پڑھاتا رہے، یا علیحدگی اختیار کرلے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتي: محمد حنیف، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اکثر مقتدی زید کی امامت سے خوش ہیں، تو زید کی امامت بلاکراہت درست ہے، ایک دو افراد جو مخالفت کرتے ہیں، وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

وقد قيد ذلک جماعة من أهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعى، فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها، وقيدوه أيضا بأن يكن الكارهون أكثر المامومين ولا اعتبار بكراهة الواحد والإثنين، والثلاثة إذا كان المؤتمون جمعاً كثيراً . (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالبشائر الإسلاميه جديد بيروت٥/٤٧٥، مطبوعه ميرٹھ ١/٣٣١، عون المعبود، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالكتب العلمية بيروت١/٢٣١)

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة، فأما من أقام السنة، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذى، الصلاة، باب ما جاء فى من أم قوماً وهم له كارهون، النسخة الهندية ١/٨٣، دارالسلام رقم: ٣٥٩)

وإن كان هو أحق بهامنهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لايكره له التقدم، لأن الجاهل والفاسق، يكره العالم والصالح الخ. (مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم/١٦٤، دارالكتاب

دیو بند ۱/ ۱ ۰ ۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۷۲۱)

نائب امام کے ساتھ گھناؤنی سازش کرنے والے امام کی امامت

سوال [۲۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے بڑے امام نے اپنے نائب امام (جو ایک عالم دین ہیں) کے خلاف ایک سوچی سمجھی گھناؤنی سازش میں بھرپور حصہ لیا تا کہ اس عالم دین کو ایک گھناؤنے الزام میں پھنسا کر مسجد سے نکال دیا جائے، مسجد کی کمیٹی نے ملزم امام صاحب سے وضاحت طلب کی تو نائب امام نے ایسے ثبوت مہیا کئے جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ ایک سازش ہے، پھر مسجد کی کمیٹی نے شریعت کے قانوں کے پیش نظر نائب امام سے چار گواہ کی موجودگی میں قسم کھلوائی، نائب امام نے ایسے پکے ثبوت کمیٹی کے سامنے پیش کئے جس سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ بڑے امام صاحب نے اس گھناؤنی سازش میں نہایت اہم رول ادا کیا ہے؟ اب مقتدیان مسجد کا یہ عام اعتراض ہے کہ بڑے امام نے ایک عالم دین پر اس قسم کا گھناؤ نا الزام لگا کر انہیں مسجد سے نکالنے کیلئے اس سازش کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کی ہے، جب یہ ثابت ہو گیا تو ایسے سازشی امام کے پیچھے ہماری نماز کیا حکم رکھتی ہے؟ بڑے امام صاحب کی اس سازش کے ثابت ہونے پر اکثریت اراکین ومصلی بڑے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے کراہت محسوس کرتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتي: مقتدیان مسجد مدراس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال اپنی جگہ صحیح اور درست ہے کہ سوچ سمجھ کر نائب امام کو جھوٹا الزام لگا کر مسجد سے نکال دیا ہے، اور اس الزام کا جھوٹا ہونا ثابت بھی ہو چکا ہے، تو

بڑے امام جو اس ناجائز حرکت کے مرتکب ہیں وہ شرعاً فاسق ہو گئے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اب مسجد کے منتظمین اور ذمہ داران کو خود ہی اس بارے میں سوچنا چاہئے کہ بڑے امام کے بارے میں کیا فیصلہ کریں، حدیث پاک میں ایسے امام کو امامت سے دستبردار ہو جانے کا حکم آیا ہے، جس سے مقتدی متنفر ہوں، اور اس کے اندر خرابی کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے کراہت محسوس کرتے ہیں۔

عن عطاء بن دينا الهذلي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا تقبل منهم صلاة، ولا تصعد إلى السماء، ولا تجاوز رؤوسهم، رجل أم قوماً وهم له كارهون. (صحيح ابن خزيمه، باب الزجر عن إمامة المرء من يكره إمامة المكتب الإسلامی ١/٣٧٥، رقم: ١٥١٧)

بل مشیٰ فی شرح المنية على أن الكراهة تقديمه كراهة تحريم. (شامی، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب البدعة خمسة أقسام كراچی ١/٥٦٠، زكريا ٢/٢٩٩)

عن أنس بن مالک رضی الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثة: رجل أم قوماً وهم له كارهون. (ترمذی شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء فيمن أم قوماً وهم له كارهون، النسخة الهندية ١/٨٣، دارالسلام رقم: ٣٥٨، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٣/٢٢٣، رقم: ٦٧٠٧)

عن ابن عباس – رضی الله عنه – عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رؤوسهم شبراً: رجل أم قوماً وهم له كارهون. (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب من أم قوماً وهم له كارهون، النسخة الهندية ١/٦٩، دارالسلام رقم: ٩٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۴ ۹۲۵)

امامت کے حصول کی خاطر موجودہ امام کے خلاف لوگوں کو اکسانے والے کی امامت

سوال [۲۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ
(۱) جو شخص فسادی ہو مسجد میں روز نئے فتنہ وفساد کرتا رہتا ہو جس سے مسجد کے نظم ونسق میں خلل پڑتا ہو اور نقض امن کا بھی خطرہ ہو، ایسے شخص کے لئے شریعت کا کیا مسئلہ ہے؟
(۲) جو شخص خود امامت حاصل کرنے کیلئے امام موجود کے خلاف لوگوں کو اکساتا ہو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے؟

المستفتي: محمد عارف حسین، گڑ ریاں، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) فتنہ وفساد ہر حال میں ناجائز اور ممنوع ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے "الفتنۃ اشد من القتل": (الآیۃ) فتنہ قتل سے بھی بڑی چیز ہے، مگر جس کے بارے میں آپ فتنہ کی نسبت فرمارہے ہیں، اور جس کو فتنہ سمجھ رہے ہیں، اس پر غور کرنیکی ضرورت ہے کہ وہ واقع میں فتنہ بھی ہے یا نہیں؟
(۲) اگر موجودہ امام متبع شریعت ہے اور قرآن کریم صحیح پڑھتا ہے، پھر اس کے خلاف اکسایا جارہا ہے، تو اکسانا جائز نہیں ہے، اور اگر موجودہ امام متبع شریعت نہیں ہے، یا قرأت صحیح نہیں کرتا ہے، جس کی وجہ سے لوگ ناراض ہیں، اور صحیح پڑھنے والے کو لانا چاہتے ہیں، اور آپس میں اس سلسلہ میں تبادلۂ خیال کرتے ہیں، تو یہ اکسانا نہیں ہے، اس کی گنجائش ہے، بلکہ خود امام کو امامت چھوڑ دینی چاہئے۔

عن ابن مالک رضـ **قال: لعن رسول اللّٰہ** ﷺ **رجلاً أم قوماً وهم له كارهون**. (مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۲۲۳/۱۳، رقم: ۶۷۰۷)

عن عمر و بن الحارث بن المصطلق قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذی ، الصلاة ، باب ما جاء فی من أم قوماً وهم له كارهون ، النسخة الهندية ١/٨٣، دار السلام رقم: ٣٥٩)

حاصل المسألة : كما قال الفقهاء: إن باعث الكراهة الشرعية إن كان من جانب الإمام فالإثم عليه ، وإن كان من جانب القوم فالإثم عليهم لا على الإمام . (العرف الشذي على هامش الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فيمن أم قوماً وهم له كارهون ١/٨٦)

لو أم قوماً وهم له كارهون ، فهو ثلٰثة أوجه إن كانت الكراهة لفساد فيه، أو كانوا أحق بالإمامة منه يكره. (طحطاوی على المراقی ، كتاب الصلاة ، فصل فی بيان الأحق بالإمامة دارالكتاب ديوبند جديد /٣٠١،قديم /١٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦ رصفر ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٥١٩٣/٣٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/٢/٢٦ھ

جس سے لوگ ناراض ہوں اس کی امامت

سوال [٢٤٣٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنی زبردستی یا تونگری کی وجہ سے امامت کرے، اور مقتدی حضرات ایسے امام سے ٩٠/نوے فیصد ناراض ہیں، مگر بے بس ہیں چاہے اپنی جہالت محسوس کرتے ہوں، یا کسی فساد کی بناء صبر کر کے کراہیت کی نظر سے مجبوراً نماز پڑھتے ہوں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہوگی

یانہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: خلیل احمد، رتو پورہ، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرلوگوں کا ناراض ہونا امام کے اندر کسی شرعی قباحت کی وجہ سے ہے، تو اس امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی اور امام کو خود علیحدہ ہوجانا چاہئے، اور اگر امام کے اندر شرعی قباحت نہیں ہے، مقتدی لوگ محض بغض وعناد میں ناراض ہیں تو اسکے پیچھے نماز بلاکراہت درست ہوگی، اور مقتدی لوگ گنہگار رہوں گے۔

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاثة لايقبل الله لهم صلاة، إمام قوم وهم له كارهون. (صحيح ابن حبان، ذكر نفى قبول الصلاة، عن أقوام بأعيانهم من أجل أوصاف ارتكبوها، دارالفكر ۹۷/۳، رقم: ۱۷۵۳)

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة، فأما من أقام السنة، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذى، الصلاة، باب ما جاء فى من أم قوماً وهم له كارهون، النسخة الهندية ۸۳/۱، دارالسلام رقم: ۳۵۹)

ولو أم قوماً وهم له كارهون، أن الكراهية لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره (قوله) وإن هو أحق لا– والكراهية عليهم الخ. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ۴۱۳/۱، كراچى ۵۵۹/۱، زكريا ۲۹۷/۲، ۲۹۸)

ومن أم قوماً وهم له كارهون، إن كانت الكراهة لفساد فيه، أو لأنهم أحق بالإمامة، كره لهم ذلك، وإن كان هوأحق بالإمامة لم يكره، لأن الفاسق والجاهل يكرهان العالم والصالح. (المحيط البرهانى، كتاب

الصلاۃ، الفصل السادس ، أحکام الإمامة والاقتداء المجلس العلمی جدید ۲/ ۱۸۰، رقم: ۱۵۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۴۶)

گشت نہ کرانے کی وجہ سے کسی مقتدی کا امام صاحب سے ناراض ہو جانا

سوال [۲۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ ہماری محلّہ کی مسجد کے امام صاحب ہیں، مسجد ہذا میں تبلیغی گشت کا سلسلہ تقریباً ۲ رسال کے عرصہ سے جاری ہے، اس عرصہ میں امام صاحب ہی مستقل گشت کراتے ہیں، ایک روز امام صاحب کے رشتہ دار شدت کی بیماری میں گرفتار تھے، موصوف امام صاحب کو ان کی بیماری کی وجہ سے کافی آمدورفت کرنی پڑی، یہاں تک کہ گشت میں شرکت نہ کر سکے، اور عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد بیمار کی مزاج پرسی اور دوائی کیلئے پیسوں کی ضرورت تھی، اس سلسلہ میں گھر جانا پڑا اور عشاء کے بعد جا کر فجر کی نماز پھر پڑھائی، بعد ازیں مقتدیوں میں سے ایک نے کہا کہ امام صاحب سے مجھے شکایت ہے، اور یہ کہا کہ امام صاحب سے حق کہوں گا ،لوگوں نے جب پوچھا تو بتلایا کہ، امام صاحب نے گشت میں شرکت کیوں نہیں کی گھر پر بیوی کے پاس جانے کے لئے وقت ہے اور گشت کرانے کیلئے وقت نہیں ہے، اور امام صاحب جھوٹ بولتے ہیں، دوسرے دن جب امام صاحب سے گفتگو ہوئی تو ان صاحب نے فرمایا کہ آپنے گشت میں شرکت کیوں نہیں کی ، امام صاحب نے اپنی ضرورت کا اظہار کیا لیکن موصوف نے کوئی بھی وجہ نہیں سنی ، اور یہ کہا کہ میں کچھ نہیں سن سکتا، امام صاحب نے کہا مسئلہ یہ ہے کہ گشت کوئی فرض عین نہیں ہے، اگر کسی ضرورت کی بنا پر ترک ہو بھی گیا تو کوئی گناہ نہیں ہوا، مزید امام صاحب نے یہ بھی کہا کہ حقیقی بات یہ ہے کہ گشت کی ذمہ داری امام صاحب پر ہرگز نہیں ہے، تو موصوف امام صاحب کا یہ جواب سن کر ناراض ہو کر

واپس چلے گئے ، اور نماز امام صاحب کے پیچھے پڑھنا چھوڑ دی ۔شریعت کے رو سے جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: مصلیان مسجد، شیخ پوری، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو مذکورہ حالات میں امام صاحب کے کسی عذر کی بنا پر گشت میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے کسی متقدی نے ناراض ہوکر امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی، تو شرعاً امام صاحب پر کوئی الزام نہیں ہے، امام صاحب کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہے، مخالف مقتدی گنہگار رہوگا۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذی ، الصلاة ، باب ما جاء فی من أم قوماً وهم له كارهون ، النسخة الهندية ۱/ ۸۳، دارالسلام رقم: ۳۵۹)

لو أم قوماً وهم له كارهون ، فهو ثلٰثة أوجه (إلى قوله) ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه ، لا يكره له التقدم لأن الجاهل والفاسق يكره العالم والصالح الخ . (مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة ، فصل فی بيان الأحق بالإمامة دارالكتاب ديوبند جديد/ ۱ ۳۰، قديم / ۱٦٤)

وإن كان هو أحق بالإمامة ومع هذا يكرهون إمامته ، لايكره له أن يؤمهم : قال محمد رحمه الله تعالىٰ ! إذا عرف فرائض الصلاة ، ، وأدابها ، فلا معتبر لكراهة القوم . (الفتاوىٰ التاتارخانيه ، كتاب الكراهية والإستحسان ، الفصل الرابع ۱۸/ ۵۹، رقم: ۲۸۰۲۵، وهكذا في حاشية الطحطاى على الدر المختار ،

کتاب الصلاۃ، باب الإمامة کوئٹه ۱/ ۲٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۷)

اکثر نمازیوں کی رضا مندی کے باوجود متولی کا امام کو معزول کرنا

سوال [۲۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ایک مسجد میں چند سال سے جماعت کا متعین امام ہے، اب سے کچھ دنوں قبل متولیان حضرات نے متعینہ امام کو امامت کے مقام سے علیحدہ کر دیا ہے، اور کہا یہ حق ہم کو حاصل ہے، تو امام نے جمعہ کے بعد نمازیوں کے سامنے صورت حال کو پیش کیا، جس پر حاضرین میں سے اکثر نے یہ کہا کہ یہ عوام کا حق ہے، تم صرف متولیان کے کہنے پر مسجد چھوڑ کے نہ جانا اور یہ سب گفتگو بعض متولیان کی موجودگی میں بھی ہوئی نیز ایسی صورت حال کے تحت امام کا نماز پڑھانا درست ہے یا نہیں؟ اور امام کو رکھنا یا نہ رکھنا یہ حق صرف متولیوں کا ہوگا یا غلبہ ورائے عامہ کا حق ہوگا؟

المستفتي: شمس الدین، بگرامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر موجودہ امام کے اندر کوئی قباحت وفتنہ انگیز بات نہیں ہے اسکے باوجود متولیان مسجد اسکو معزول کررہے ہیں، تو ان کا معزول کرنا درست نہیں ہے، جبکہ اکثر اہل مسجد اس امام سے خوش ہیں، جیسا کہ قاضی خان ودرمختار کی عبارت سے مستفاد ہے۔

البانی للمسجد أولیٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن فی المختار، إلا إذا عین القوم أصلح ممن عینه البانی. (درمختار علی هامش رد المختار، کتاب الوقف،

مطلب باع عقاراً ثم أدعیٰ أنه وقف مصري٣/٤٥٤، کراچی٤/٤٣٠، زکریا٦/٦٤٥)

وکذلک لو نازعه أهل السکة فی نصب الإمام والمؤذن کان ذلک إلیه إلا إذا عین هو لذلک رجلا وعین أهل السکة رجلاً آخر أصلح ممن عینه البانی فحینئذ لایکون البانی أولیٰ. (قاضی خان علی هامش الهندیه، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً ٣/٢٩٧، جدید زکریا٣/٢٠٧)

وقیده أیضاً بأن یکون الکارهون أکثر المأمومین ولا اعتبار بکراهة الواحد والإثنین، والثلاثة، إذا کان المؤتمون جمعاً کثیراً. (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب الرجل یؤم القوم وهم له کارهون، دارالبشائر الإسلامیه بیروت ٥/٤٧٥، مطبوعه میرٹھ قدیم ١/٣٣١، عون المعبود، باب الرجل یؤم القوم وهم له کارهون، دارالکتب العلمیه بیروت ١/٢٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۸/۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۱۰)

نہی عن المنکر کی وجہ سے مقتدی کا امام سے ناراض ہونا

سوال [۲۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام خلاف شریعت مسجد میں کوئی بات یا کام دیکھے تو اس کو امام روکے اور اگر مقتدی ناراض ہوں تو کیا کرنا چاہئے، امامت کرنی چاہئے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عرفان، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جبکہ امام کے خلاف شرع کام سے روکنے کی وجہ سے مقتدی ناراض ہوتے ہوں، تو ایسی صورت میں مقتدیوں کی ناراضگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور امام کے وہاں امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مقتدیوں کی بلاوجہ

ناراضگی کی وجہ سے خود مقتدی گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/۱۰۴)

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير : قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا : إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذی ، الصلاة ، باب ماجاء فی من أم قوماً و هم له كارهون ، النسخة الهندية ۱/۸۳، دارالسلام رقم: ۳۵۹)

وقد قيد ذلک جماعة من أهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعی، فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها. (بذل المجهود ، كتاب الصلاة ، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالبشائر الإسلاميه جديد بيروت ۳/۴۷۵، مطبوعه ميرٹھ قديم ۱/۳۳۱)

وإن كان هو أحق بالإمامة لم يكره ، لأن الفاسق والجاهل يكرهان العالم. (المحيط البرهانی ، كتاب الصلاة ، الفصل السادس أحكام الإمامة والإقتداء المجلس العلمي ، جديد ۲/۱۸۰، رقم: ۱۵۲۲)

وفی بعض الكتب: والكراهة على القوم وهو ظاهر ، لأنها ناشئة عن الأخلاق الذميمة . (البحر الرائق ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة ، كوئٹه ۱/۳۴۸، زكريا ۱/۶۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۷ھ

مقتدی کو نکیر کرنے پر کیا امام پر تاوان لازم ہے؟

سوال [۲۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک روز

قبرستان کے کچھ درختوں کی شاخوں کو کاٹا جارہا تھا کہ ایک صاحب شراب کے نشہ میں مست مسجد میں آئے اور امام صاحب سے کہا کہ آپ فی الفور مسجد کے لاؤڈ اسپیکر میں یہ اعلان کردیجئے کہ میں نے قبرستان کے تمام درختوں کی قیمت تین ہزارروپیہ لگادی ہے، اگر کوئی اس سے زائد دینا چاہے تو اس کو دیدیں، ورنہ میرے ہوگئے، امام صاحب نے حالات کی نزاکت سمجھتے ہوئے اعلان کردیا بعدازیں وہ شخص پھر دوبارہ آیا اور نشہ کی حالت ہی میں ازخود اعلان کرنا شروع کردیا، اعلان کے بعد امام صاحب نے اس کو سمجھا یا کہ بھائی صاحب مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں شراب پی کر نہ آنا چاہئے، اتنا سنکر وہ شخص برہم ہوگیا اور گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہم مقتدیوں کو یہ بات ناگوار گذری اور ہم سب نے متفق ہوکر ان کو پولس کے حوالہ کردیا، یہ شخص نماز تو پڑھتے نہیں، ان کے ایک بھائی نے امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑدی ہے؟

المستفتي: مصلیان مسجد، شیخ پوری روڑکی، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس میں امام صاحب پر کوئی الزام نہیں، بلکہ مخالف مقتدی گناہ گار ہوگا۔

وقد قيد ذلک جماعة من أهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعي، فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالبشائر الإسلاميه جديد بيروت ۳/۴۷۵، مطبوعه ميرٹھ قديم ۱/۳۳۱)

حاصل المسألة: كما قال الفقهاء: إن باعث الكراهة الشرعية إن كان من جانب الإمام فالإثم عليه، وإن كان من جانب القوم فالإثم عليهم لا على الإمام. (العرف الشذي على هامش الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء فيمن أم

قوماً وهم له كارهون ١/ ٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۷)

امام کو جھاڑو دینے پر مجبور کرنے والے کی نماز

سوال [۲۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں امام صاحب کو صف نہ بچھانے یا جھاڑو نہ دینے کی بناپر امام یا مقتدیوں میں لڑائی جھگڑا ہوجاتا ہے، مقتدیوں میں سب سے گھٹیا کام مسجد میں جھاڑو دینا، صف بچھانا سمجھتے ہیں، تو ایسی صورت میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے اور امام کو نماز پڑھانا کیسا ہے؟

المستفتي: تسلیم احمد قاسمی، عسکری پور، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے امام صاحب کو جھاڑو دینے اور صف بچھانے پر مجبور کرنے کا حق مقتدیوں کو نہیں ہے، جبکہ تقرر کے وقت ان امور کی انجام دہی امام صاحب کے ذمہ شامل نہ رہی ہو، بلکہ امام صاحب صرف اپنی امامت کے ذمہ دار ہیں، امام کے ساتھ تو عظمت کا معاملہ کرنا مقتدیوں پر لازم ہے۔

كثير بن عبد الله ابن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالاً، أو أحل حلالاً، المسلمون على شروطهم، إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً. (سنن الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

امام مسجد کا مسجد کے اندر جھاڑو دینا

سوال [۲۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا مستقل امام جو اہل علم ہے، اس سے یہ کہنا کہ تم مسجد میں جھاڑو دو، درختوں میں پانی ڈالو اور ہر طرح صفائی کا اہتمام رکھو؟ جائز ہے یا نہیں؟ مسجد کا امام از روئے شرع شریف امیر جماعت کی حیثیت رکھتا ہے، نماز میں پوری اقتدا اسی کی کی جاتی ہے، علاوہ ازیں ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ اگر مقتدی کا یہ نظریہ ہو کہ امام جھاڑو لگائے، صفائی کرے، درختوں میں پانی ڈالے، تو ایسی حالت میں مقتدی مذکور کی نمازیں جو امام کے پیچھے پڑھ رہا ہے، اس کی افادیت میں تو کوئی نمایاں فرق نہیں ہوتا؟ ان مختصر سطور کو ملاحظہ فرما کر از روئے شریعت اسلام سے آگاہی بخشیں، کہ امام سے حکماً کسی بھی خدمت کو کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب از جلد مرحمت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

المستفتي: محمد یونس، معرفت ایس، ایم زردہ کمپنی، مصطفیٰ آباد، نیر پریم ونڈر لینڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وقت تقرری امام کا متولی سے جھاڑو صفائی درختوں میں پانی ڈالنے کا معاہدہ رہا ہے، تو معاہدہ کے مطابق امام صاحب سے مذکورہ خدمت لینا جائز ہے، اور اگر کوئی معاہدہ نہیں تھا، اور اب اس قسم کے کاموں کا پابند کیا جا رہا ہے، تو ذمہ داران مسجد کی جانب سے امام صاحب پر سخت ظلم وزیادتی ہے، نیز حدیث شریف میں علماء کی عزت واحترام کی ترغیب وتاکید آئی ہے، اور انکی تذلیل وتوہین بالکل جائز نہیں ہے، البتہ اس طرح نظریہ رکھنے والے مقتدی کی نماز میں خرابی نہیں آئیگی، اور عدم احترام کا گناہ الگ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید زکریا ۳/۱۸۴، قدیم ۳/۹۲، زکریا مطول ۴/۲۷۰)

كثير بن عبد الله ابن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن

رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالاً، أو أحل حلالاً، المسلمون على شروطهم، إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً. (سنن الترمذی، ابواب الأحکام، باب ماذکر عن النبی ﷺ فی الصلح بین الناس، النسخة الهندیة ١/ ٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢)

أكرموا حملة القرآن فمن أكرمهم، فقد أكرمني الحديث: (السراج المنیر للسیوطی ١/ ٢٨٤، ٢٨٥)

أكرموا العلماء العاملين فإن تعاملوهم بالإجلال الأعظام والتوقير والاحترام والإحسان إليهم بالقول والعمل الخ. (السراج المنیر ١/ ٢٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۲۵)

فتنہ وفساد کی بنا پر امام کو مسجد سے ہٹا دینا

سوال [۲۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسوں میں زکوٰۃ فطرہ خیرات چرم قربانی وغیرہ الخ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ان مدرسوں میں امداد کافی نہ ہو، ہمارے یہاں ایک مسجد کے امام نے جو خود کو فاضل دارالعلوم وقف دیوبند بتاتے ہیں، مسجد میں جمعۃ الوداع کے خطبہ سے پہلے مدرسوں میں زکوٰۃ فطرہ خیرات چرم قربانی دینے کیخلاف بیان کرتے ہوئے پر جوش انداز میں کہا کہ مدرسوں میں مولوی ملاؤں نے کھانے پینے کا ڈھونگ بنا رکھا ہے، مدرسوں میں زکوٰۃ خیرات فطرہ چرم قربانی دینا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ سخت حرام ہے، جبکہ دو تین ماہ قبل وہ خود مدرسوں میں پڑھاتے اور زکوٰۃ فطرہ وغیرہ وصول کرتے تھے، اب ایک اسکول میں ٹیچر ہیں، ان امام صاحب کا بیان صحیح ہے یا غلط ہے، اگر غلط

ہےتو ان امام صاحب پر مسجد میں علی الاعلان توبہ لازم ہے یانہیں؟ اگر امام صاحب اپنے بیان پر مصر وبضد رہیں اور توبہ نہ کریں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا جبکہ مسجد میں صحیح العقیدہ قاری وعالم موجود ہوں کیسا ہے؟ امام صاحب سے زیادہ تر نمازی ان کے اس بیان سے ناراض ہیں، امام صاحب کومسجد سے نہ ہٹائے جانے پرفساد کا خطرہ ہے، ایسے حالات میں صحیح العقیدہ لوگوں کوکیا کرنا چاہئے؟

المستفتي:منجانب مصلیان مسجدانصاریان،شاہ آبادرامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:جس امام کابیان سوالنامہ میں درج کیا گیا ہے،اگروہ واقع میں ایسا ہی ہے جیسا سوالنامہ میں ہےتو اس کا بیان غلط اورنا قابل اعتبار ہے، اگر دارالعلوم وقف سے فارغ ہےتو وہاں بھی طلبہ کوزکوٰۃ فطرہ خیرات چرم قربانی وغیرہ کے پیسے سے کھانا دیا جاتا ہے،اور مدارس کے طلبہ عام طورپران چیزوں کے مستحق ہوتے ہیں، اگر وہ اپنامذکورہ بیان واپس نہیں لیتا ہےاور فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے،تو مسجد کے منتظمین کوکسی نیک صالح امامت کے لائق صحیح العقیدہ امام کاانتظام کرلینا چاہئے،تاکہ عوام اور مسجد فتنہ کا اکھاڑا بننے سے محفوظ ہوجائے۔

عن ابن عباسؓ قال:قال رسول اللّٰہ ﷺ : ثلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رؤوسهم شبراً: رجل أم قوماً وهم له كارهون. (سنن ابن ماجه ، كتاب الصلاة باب من أم قوماً وهم له كارهون ، النسخة الهندية / ٦٩، دارالسلام رقم: ٩٧١)

عن عبداللّٰہ بن عمرو أن رسول اللّٰہ ﷺ كان يقول ثلاثة لايقبل اللّٰہ منهم صلاة: من تقدم قوماً وهم له كارهون . (سنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، النسخة الهندية ١ /٨٨، دارالسلام رقم: ٥٩٣)

ومن أم قوماً وهم له كارهون ، أن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك تحريماً الخ. (شامی ، زکریا کتاب الصلوٰۃ ، باب

الإمامة ۲/ ۲۹۷، کراچی ۱/ ۵۵۹ المحیط البرهانی ، کتاب الکراهیة و الإستحسان الفصل الرابع ، المجلس العلمي جدید ۷/ ٤٥١، ٥١٥، رقم: ٩٤٥٥، هندیه ،کتاب الصلاة، الباب الخامس فی الإمامة زکریا قدیم ۱/ ۸۷، جدید ۱/ ١٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۴)

کسی ایک شخص کے کہنے پر بلا عذرِ شرعی امام کو ہٹانا

سوال [۲۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قاری صاحب آٹھ سال سے امامت کر رہے ہیں ، گاؤں کے سارے لوگ ان سے متفق ہیں، صرف ایک شخص یہ چاہتا ہے ، کہ امام صاحب کو ہٹایا جائے ، اور ان کی جگہ دوسرے امام کا انتخاب کیا جائے ،بستی کے سارے لوگ ان سے خوش ہیں ،ان کے ہٹنے سے بستی کا نظام خراب ہو رہا ہے، ان صاحب کے کہنے پر بستی والوں نے ان سے دریافت کیا کہ امام کو ہٹانے کا کوئی عذر پیش کیا جائے ، جبکہ شرعی رو سے امام صاحب میں کوئی خامی نہیں ہے، ساری بستی ان سے متفق ہے ،اس صورت میں ایک شخص کے کہنے پر بلا شرعی عذر کے امام صاحب کو ہٹانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حافظ لیاقت علی، داسی پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب امام صاحب میں کوئی قباحت وبرائی نہیں ہے تو صرف ایک شخص کی ناراضگی کی وجہ سے بلا وجہ آٹھ سالہ قدیم امام کو ہٹانا انتہائی ظلم وزیادتی کی بات ہے، لہٰذا شرعاً ایسے امام کی امامت بلا کراہت جائز اور درست ہے ،اور جس شخص کو امام سے رنج ہے وہ خود اپنی اصلاح کرے۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: کان یقال

أشـد الـنـاس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كـارهون، قال هناد: قال جرير : قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا : إنـمـا عـنـى بهـذا الأئـمة الـظـلـمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنـن الترمـذی ، الصلاة ، باب ماجاء فی من أم قوماً و هم له كارهون ، النسخة الهندية ۱/۸۳، دارالسلام رقم: ۳۵۹)

وإن كـان هـو أحق بها منهم ولافساد فيه ، ومع هذا يكرهونه لايكره له التقدم لأن الجاهل و الفاسق ،يكره العالم و الصالح الخ. (طحطاوی علی المراقی، كتاب الصلاة، فصل فی بيان الأحق بالإمامة قديم /١٦٤، جديد دارالكتاب ديو بند١/٣٠١)

وإن كـان هو أحق بالإمامة منه و لا فساد فيه مع هذا يكرهون إمامته ، لايـكره له أن يؤمهم . (الـمـحيـط البـرهـانی ، كتب الكراهية والإستحسان ، المجلس الـعـلـمـی جديد ٥١٤/٧، ٥١٥، رقم: ٩٤٥٥، هنديه ، كتاب الصلاة ، الباب الخامس فی الإمامة زكرياقديم ۱/۸۷، جديد۱/ ١٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/۱۰۱۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۱۸ھ

امام صاحب پر جھوٹا الزام لگانے والوں کی نماز

سوال [۲۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں ایک امام صاحب ہیں، ان کے پیچھے پہلے سے سب لوگ نماز پڑھتے چلے آئے ہیں، اب کچھ لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے، ان لوگوں سے معلوم کیا گیا ہے، آپ لوگ ان امام صاحب کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے ،اس مسجد میں مدرسہ ہے یہ امام صاحب اس مدرسہ میں بچوں کو پڑھاتے ہیں، رمضان میں مدرسہ کا چندہ کرنے کیلئے گئے، جب وہ واپس آئے تب امام صاحب پر ان لوگوں نے الزام لگایا کہ تم نے ہمارے

مدرسہ کیساتھ فلاں مدرسہ کا بھی چندہ کیا ہے، اس پر امام صاحب نے جواب دیا وہ مدرسہ بھی مقامی ہے، آپ لوگ اس مدرسہ کے صدر مدرس صاحب ومہتمم صاحب کے پاس جاکر تحقیق کرلو کہ میں نے ان کے مدرسہ کا چندہ کیا ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہدیں کہ ہمارے مدرسہ کا بھی چندہ کیا ہے، تو جو چور کا حال ہوتا ہے، وہی میرا حال کرنا، لیکن وہ لوگ بھی تحقیق کرنے کیلئے تیار نہیں ہوئے، اس کے بعد امام صاحب نے یہ جملے فرمائے، اگر میں نے اپنے مدرسہ کیساتھ کسی بھی مدرسہ کا چندہ کیا ہو تو قیامت میں میرا حشر کافروں کیساتھ ہو لیکن وہ لوگ نہیں مانے، اس کے بعد امام صاحب کہیں مہمانی کے لئے باہر گئے اگلے دن جب وہاں سے واپس آئے تو وہ سیدھے مدرسہ ہی میں تشریف لائے، کیونکہ نماز کا وقت ہوگیا تھا، ان کے پاس ایک تھیلہ تھا جو مسجد کے برآمدے میں رکھدیا اور انھوں نے اندر مسجد میں نماز پڑھائی، نماز کے بعد امام صاحب اندر ہی سنتیں پڑھنے لگے اور کچھ لوگ مسجد کے برآمدے میں آگئے، وہاں پر ایک صاحب نے دوسرے سے کہا امام صاحب کے تھیلے میں مدرسہ درویشاں کی رسید ہے، جس کے بارے میں امام صاحب نے چندہ نہ کرنیکی قسم کھائی تھی، اس پر کچھ لوگوں نے ان کے تھیلے کی تلاشی لی انکی عدم موجودگی میں جب امام صاحب اندر سے باہر آئے تو ان کے سامنے یہ سارا معاملہ آیا، اور انھوں نے کہا کہ تم لوگوں کو میری عدم موجودگی میں میرے تھیلے کی تلاشی لینا کب جائز تھا، اس پر ایک صاحب نے کہا کہ اگر تلاشی لے بھی لی تو کیا ہوا، تمہارے تھیلے میں ایسا کیا سامان تھا، امام صاحب نے کہا کہ میرے تھیلے میں رسید بھی نکلی یا نہیں؟ اس پر لوگوں نے جواب دیا کہ اس مدرسہ کی رسید نہیں نکلی اس پر امام صاحب نے کہا کہ تم یہ کہتے ہو کہ تلاشی لینے میں کیا ہوا تو میں یہ کہتا ہوں کہ میرے تھیلے میں ضروری سامان تھا، جس میں ایک تین سو پندرہ کا کارتوس تھا، لاؤ دیدو تم نے نکالا ہے، ان معترض لوگوں نے کہا کہ تم کارتوس رکھتے کیوں ہو، تو انھوں نے کہا اپنی حفاظت کیلئے اس پر ان لوگوں نے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، اس پر امام صاحب نے کہا کہ تم لوگ اتنا بڑا الزام لگا رہے

ہوا اور تم کو میری قسم کا بھی یقین نہیں اور میرے تھیلے کی تلاشی بھی لی اور رسید بھی نہیں نکلی میں تم لوگوں کو اتنا بھی نہ کہوں اس کے بعد ان لوگوں نے جھوٹ کا الزام لگا کر نماز پڑھنی چھوڑ دی تو دریافت طلب امر حسب ذیل ہیں؟

(۱) چندہ دوسرے مدرسہ کا کرنا جس کا کوئی ثبوت نہیں، اس پر امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تین سو پندرہ کا کارتوس تھیلے میں بتا دینا یہ جھوٹ میں شامل ہے کہ نہیں؟ اور اس پر امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور امام صاحب کو امامت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) امام صاحب کے اوپر جھوٹا بہتان لگانے والے لوگوں پر شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) لوگ کہتے ہیں، امام صاحب اس جھوٹ کہنے کی وجہ سے فاسق ہو گئے، کیا امام صاحب پر فسق لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور فاسق بتانے والوں پر شرعاً کیا حکم لاگو ہوگا؟

المستفتي: مولانا عبدالقدوس، سلیم پور گڑھی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکور تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ جن لوگوں نے امام صاحب پر مدرسہ درویشاں کے چندہ کرنے کا الزام لگایا ہے، اور امام صاحب کا چندہ نہ کرنا ثابت ہو چکا ہے، تو اس سے خود ان لوگوں کا امام صاحب پر جھوٹ اور بہتان باندھنا ثابت ہو چکا ہے، اسلئے وہ لوگ خود ہی جھوٹے ہیں، اور امام صاحب پر جھوٹا الزام لگانے کی وجہ سے سخت ترین گناہ کے مرتکب ہیں، اس طرح الزام لگانا قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اور امام صاحب پر جھوٹا الزام لگانے والوں اور امام صاحب کی اتنی قسموں کے باوجود یقین نہ کرنے والوں پر توبہ کرنا اور تمام نمازیوں کے سامنے امام صاحب سے معافی مانگنا ضروری ولازم ہے۔

عن ابی ہریرۃ ؓ **قال: قال رسول اللّٰہ** ﷺ**: إن من الكبائر استطالة المرء، في عرض رجل مسلم بغير حقٍ.** (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في

الغيبة ، النسخة الهندية ٢/ ٦٦٩، دارالسلام رقم: ٤٨٧٧ ، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٥/ ٨٥، رقم: ٨٣٣٦)

(۲) امام صاحب کا تھیلہ میں کارتوس بتانا خلاف واقعہ تو ہے لیکن اتنا بڑا جھوٹ نہیں ہے، جتنا بڑا جھوٹ تلاشی لینے والوں کا ہے، پھر بھی امام صاحب کو توبہ کر لینی چاہئے، اس کے بعد مذکورہ حالات میں امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت درست اور جائز ہے اس کے باوجود جو لوگ نماز نہیں پڑھیں گے وہ خود ہی گنہگار رہوں گے۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذی ، كتاب الصلاة ، باب ماجاء فی من أم قوماً وهم له كارهون ، النسخة الهندية ١/ ٨٣، دار السلام رقم: ٣٥٩)

وإن كان هو أحق بها منهم ولا فساد فيه ومع هذا يكرهونه لايكره له التقدم لأن الجاهل والفاسق يكره العالم والصالح . (مراقی الفلاح على هامش الطحطاوی قديم، كتاب الصلاة، فصل في بيان أحق الإمامة، قديم /١٦٤، جديد دارالكتاب ديوبند ١/ ٣٠١)

وإن كان هو أحق بالإمامة لايكره له ذلك ، وفى بعض الكتب : والكراهة على القوم وهو ظاهر ، لأنها ناشئة عن الأخلاق الذميمة . (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/ ٦٠٩، كوئٹه ١/ ٣٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۲۷ ۴۰)

دنیوی غرض کی وجہ سے امام صاحب سے ناراض ہونا

سوال [۲۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا دنیوی کسی وجہ سے بعض حضرات امام سے ناراض ہوں اور شرعاً امام کی کوئی کمزوری وکمی بتانے سے قاصر ہوں، ایسے میں ان کو فتنہ پروری سے روکا جائے یا امام کو امامت سے سبک دوش کیا جائے، مگر گذشتہ ائمہ حضرات کے ساتھ بھی ان حضرات کا غلط رویہ رہا ہے، اور اکثریت ائمہ حضرات کیساتھ رہی ہے؟

المستفتي: محمد اسلام، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب امام میں شرعی اعتبار سے کوئی نقص اور کمی نہیں، پھر بعض مقتدی محض دنیوی غرض سے ان سے ناراض ہوں، تو ایسے وقت میں امام کو معزول کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ان مقتدیوں کو روکا جائے، جو ان سے ناراض ہونے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہیں، اسلئے کہ بلاوجہ امام سے ناراض ہونا گناہ ہے۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: کان یقال أشد الناس عذابا یوم القیامة إثنان امرأة عصت زوجها، وإمام قوم وهم له کارهون، قال هناد: قال جریر: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقیل لنا: إنما عنی بهذا الأئمة الظلمة، فأما من أقام السنة، فإنما الإثم علیٰ من کرهه. (سنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فی من أم قوماً وهم له کارهون، النسخة الهندیة ۱/۸۳، دارالسلام رقم: ۳۵۹)

ولو أم قوماً وهم له کارهون، أن الکراهة لفساد فیه، أو لأنهم أحق بالإمامة منه کره له ذلک تحریماً (إلیٰ قوله) وإن هو أحق لا، والکراهة علیهم الخ. (درمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا ۲/۲۹۸، کراچی ۱/۵۵۹،

حاشية الطحطاوي على الدر المختار ، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ۱/ ۲۴۳، هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، زكريا قديم۱ /۸۷، جديد ۱ /۱۴۴)

و خرج بقولنا أو لأمر يذم مالو كرهوه لغير ذلك فلا كراهة في حقه بل اللوم عليهم . (فيض القدير ۳/ ۱۳۹، تحت رقم الحديث/ ۲۹۴۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۶/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۳ھ

امام کی مخالفت کرنے والے کی نماز کا حکم

سوال [۲۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے امام رکھا اور اس کے پس پشت کہتا ہے کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ،تو کیا اسکی امامت درست ہے،اور اس شخص کی نماز اس کے پیچھے ہوجائیگی یا نہیں؟ ایسا آدمی امامت کا مستحق ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: طاہر حسین، فاضل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر امام کے اندر کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، بلکہ محض مزاج اور طبیعت کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے امام کی مخالفت کرتا ہے،تو امام کی امامت میں کوئی فرق نہیں آئیگا،وہی شخص گنہ گار رہے گا۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها ، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة ، فأما من أقام السنة ، فإنما الإثم علىٰ من

کرهه. (سنن الترمذی ، الصلاة ، باب ماجاء فی من أم قوماً و هم له کارهون ، النسخة الهندية ١/٨٣، دارالسلام رقم: ٣٥٩)

وإن كان هو أحق بها منهم ولافساد فيه ومع هذا يكرهونه لا يكره له التقدم الخ. (مراقی ، کتاب الصلاة ، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم /١٦٤، دارالکتاب دیوبند / ٣٠١)

إن باعث الكراهية الشرعية .... وإن كان من جانب القوم فالإثم عليهم لا عليهم . (العرف الشذی علی هامش الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء فیمن أم قوماً وهم له کارهون ١/٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱۱/۱۴۱۵ھ

ناپسندیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال [۲۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام ہے وہ غیر مسلم سے زیادہ دوستی رکھتا ہے، اور تعویذ وغیرہ کا کام بھی بہت کرتا ہے، نماز کی پابندی نہیں کرپاتا، اور اس کو امام رکھا ہے گاؤں کے لوگ اس سے ناراض ہیں، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ جبکہ گاؤں کے آدھے آدمی راضی ہوں اور آدھے ناراض ہوں، گاؤں میں پارٹی بندی ہوگئی ہے؟

المستفتي: معراج الدین، رحمانی جامعہ رادھنہ، کٹھور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے ناپسندیدہ امام کے پیچھے اگر چہ نماز درست ہو جاتی ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ امام متقی پرہیز گار اور دینی اعتبار سے لوگوں کا پسندیدہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۸۴، جدید ڈابھیل ۶/ ۲۱۱)

عن أنس بن مالک رضـ **قال لعن رسول الله** ﷺ **: رجلاً أم قوماً وهم له كارهون .** (مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ١٣/ ٢٢٣، رقم: ٦٧٠٧)

عن ابن عمر قال: قال رسول اللهﷺ**: اجعلوا أئمتكم خياركم ، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين الله عزوجل.** (سنن الدار قطنى ، باب تخفيف القراء ة لحاجة ، دارالكتب العلميه بيروت ٢/ ٧٤، رقم: ١٨٦٣)

والأحق بالإمامة تقديماً بل نصباً الأعلم بأحكام الصلوٰة فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة الخ. (الدر المختار على هامش رد المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا٢/ ٢٩٤، كراچى ١/ ٥٥٧، حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح ، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة دارالكتاب ديوبند١/ ٢٩٩)

كان الأعلم أفضل ، حتى قالوا: إن الأعلم إن كان ممن يجتنب الفواحش الظاهرة . (بدائع الصنائع ، كتاب الصلاة ، فصل فى بيان من هواحق بالإمامة بيروت ١/ ٦٧٠، كراچى ١/ ١٥٧، زكريا ١/ ٣٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۵۹)

امام کو منافق کہنے والے کی نماز کا حکم

سوال [۲۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنے امام کے بارے میں جس کے پیچھے وہ روزانہ نماز پڑھتا ہے، یہ الفاظ کہے، کہ یہ منافق ہے اور یہ کہے کہ عبد اللہ بن ابی سے بھی بڑھکر ہے قیامت کے دن جو جھوٹ بولنے والے ہوں گے، وہ یہی ہوں گے کیا ایسے مقتدی کی نماز اس امام کے پیچھے ہو جائیگی؟

المستفتي: عبد الرشید، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ شخص محض عناد اور بغض کی بنا پر کہتا پھرتا ہے تو سخت گنہگار ہوگا امام کی نماز میں کراہت نہ ہوگی، بلکہ اس کی نماز میں کراہت آجائیگی، اور نماز بہر حال صحیح ہوجائیگی، لوٹانیکی ضرورت نہیں۔

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عنى بهذا الأئمة الظلمة، فأما من أقام السنة، فإنما الإثم علىٰ من كرهه. (سنن الترمذى، كتاب الصلاة، باب ماجاء فى من أم قوماً وهم له كارهون، النسخة الهندية ١/٨٣، دار السلام رقم: ٣٥٩)

وإن كان هو أحق بها منهم ولافساد فيه ومع هذا يكرهونه لا يكره له التقدم لأن الجاهل والفاسق يكره العالم الصالح الخ. (طحطاوى على المراقى، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم /١٦٤، دارالكتاب ديوبند١ /٣٠١)

وإن كان هو أحق بها منهم ولافساد فيه ومع هذا يكرهون إمامته لايكره له أن يؤمهم به. (المحيط البرهانى، كتاب الكراهية الإستحسان، الفصل الرابع، المجلس العلمى جديد٧/٥١٥، رقم: ٩٤٥٥)

وقد قيد ذلک جماعة من أهل العلم بالكراهية الدينيَّةِ بسبب شرعى، فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها، وقيدوه أيضا بأن يكون الكارهون أكثر المأمومين ولا اعتبار بكراهة الواحد والإثنين والثلاثة، إذاكان المؤتمون جمعا كثيراً. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالبشائر الإسلاميه ٥/٤٧٥، قديم مطبوعه

میرٹھ ۱/ ۱ ۳ ۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧ر جمادی الثانیہ ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٣٤٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/٦/١٧ھ

امام صاحب کی بے عزتی کرنے والوں کی نماز کا حکم

سوال [٦٤٤٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے محلّہ میں جو مسجد ہے، اس میں ایک امام صاحب امامت کرتے تھے، اور کئی سال تک امام رہے اسی درمیان چند لوگوں نے امام صاحب کو برا بھلا کہا اور گالی گلوچ کی مارنے پیٹنے کی نوبت بھی آئی تو امام صاحب چلے گئے، چند سال کے بعد پھر امام صاحب نے زید ہی کے محلّہ کی مسجد میں آکر امامت شروع کردی اور پھر زید کی معلومات کے مطابق جن لوگوں نے پہلی بار امام صاحب کو برا بھلا کہا تھا، انھوں نے کوئی معافی نہیں مانگی، اور وہ لوگ ان کے پیچھے نماز بھی پڑھ رہے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا ان امام صاحب کو ایسی جگہ امامت کرنی چاہئے، جہاں سے ان کو بے عزتی کے ساتھ نکالا گیا اور جن لوگوں نے بے عزت کیا تھا، تو کیا ان کی نماز ان کے پیچھے درست ہے، امام صاحب کی بے عزتی پڑھنے والے بچوں کو مارنے پر ہوئی تھی؟

المستفتي: رحیم احمد، افضل گڑھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب امام صاحب کی بے عزتی کی گئی تھی اس وقت اگر امام صاحب میں کوئی شرعی قباحت نہیں تھی، تو امام صاحب کی امامت میں کسی قسم کی خرابی نہیں آئیگی، بچوں کو تعلیمی سلسلہ میں مارنا شرعی قباحت نہیں ہے، اور جن مقتدیوں نے امام صاحب کی تذلیل کی تھی ان پر لازم ہے کہ امام صاحب سے معافی مانگ لیں اور نماز بہرحال ان کی صحیح ہوجائیگی۔

عن أبي بكر صديق رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ملعون من ضار مؤمناً أو مكر به .(سنن الترمذی، باب ماجاء فی الخيانة والغش، النسخة الهندية ۲/۱۵، دارالسلام رقم: ۱۹۴۱، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱/۱۰۵، رقم: ۴۳)

عن عمرو بن الحارث بن المصطلق رضی الله تعالیٰ عنه قال: كان يقال أشد الناس عذابا يوم القيامة إثنان امرأة عصت زوجها، وإمام قوم وهم له كارهون، قال هناد: قال جرير: قال منصور: فسألنا عن أمر الإمام فقيل لنا: إنما عني بهذا الأئمة الظلمة، فأما من أقام السنة، فإنما الإثم علیٰ من كرهه. (سنن الترمذی، كتاب الصلاة، باب ماجاء فی من أم قوماً وهم له كارهون، النسخة الهندية ۱/۸۳، دارالسلام رقم: ۳۵۹)

وإن كان هو أحق بها منهم ولافساد فيه ومع هذا يكرهونه لا يكره له التقدم لأن الجاهل والفاسق يكره العالم والصالح الخ. (طحطاوی علی المراقی، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم /۱٦٤، دارالكتاب ديوبند ۱/۳۰۱)

فأما إن كان مستحقا للإمامة فاللوم على من كرهه دونه، وشكى رجل إلى علي بن أبي طالب رضی الله عنه كان يصلی بقوم وهم له كارهون، فقال له: إنک لخروط يريد إنک متعسف فی فعلک، ولم يرده علی ذلک . (عون المعبود، الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالكتب العلمية بيروت قديم ۱/۲۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۶ھ

امام سے ناراض ہوکر الگ نماز پڑھنا

سوال [۲۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی میں کچھ

لوگ جنکی تعداد تقریباً ۹/۱۰ ہے، امام صاحب سے ناراض ہوکر الگ نماز پڑھنے لگے، معلوم کرنے پر ناراضگی کی وجوہات یہ آئیں کچھ نے کہا کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں، اور کچھ نے ایک صاحب کے یہاں جو امام صاحب کے قریبی عزیز ہیں رات کے بیٹھنے پر ناراضگی کا اظہار کیا، کچھ نے کہا کہ ایک جماعت آئی ہوئی تھی، جماعت کے کسی فرد نے امام صاحب سے اپنے یا اپنے میں سے کسی نفر کے متعلق نماز پڑھانے کو کہا مگر امام صاحب نے انکار کرتے ہوئے خود ہی نماز پڑھائی اور کچھ نے امام صاحب کے درشتگی اخلاق کی شکایت کی نوبت شدید تنازع کی صورت اختیار کر گئی بایں وجہ آپ شریعت کی روشنی میں ان تمام وجوہات کو سامنے رکھکر صحیح جواب سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔

المستفتي: محمد سمر، فتن پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئلہ مذکورہ میں یہ وجوہات ایسی نہیں ہیں کہ ان کی بنا پر چند افراد امام صاحب سے ناراض ہوکر الگ نماز پڑھ رہے ہیں، اور نہ ہی امام صاحب کا کوئی عمل ایسا ہے کہ جو قابل مؤاخذہ اور قابل گرفت ہو، لہذا چند افراد کا امام صاحب سے ناراض ہوکر الگ نماز پڑھنے کا یہ عمل درست نہیں ہے، رہی جھوٹ بولنے کی بات اگر واقعہ صحیح ہے کہ امام صاحب جھوٹ بولتے ہیں، تو ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، اور جھوٹ بولنے کا جو الزام لگایا گیا ہے، اس کا شرعی ثبوت ہونا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۳٦، جدید زکریا ۳/ ۶۷، زکریا مطول ۴/ ۱۸۲)

وقد قيد ذلك جماعة من أهل العلم بالكراهة الدينية بسبب شرعي، فأما الكراهة لغير الدين فلا عبرة بها، وقيدوه أيضا بأن يكون الكارهون أكثر المأمومين ولاعبرة بكراهة الواحد والإثنين والثلاثة، إذا كان المؤتمون جمعاً كثيراً. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۳/ ۵۹۱، مطبوعه ميرٹھ

قدیم ۱/ ۳۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۸۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/٦/۷ھ

ذاتی اختلاف کی وجہ سے جماعت ثانیہ اور غلط قرآن پڑھنا

سوال [۲۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو یا چند لوگوں کو اپنے متعینہ امام سے کچھ ذاتی رنجش یا قومی رنجش کے تحت اختلاف پیدا ہوگیا ہے، اور قومی رنجش ہے کہ قوم کے ٹرسٹیاں حضرات سے ٹرسٹ کا حساب وکتاب طلب کرنا ہے، اور ذاتی رنجش یہ ہے کہ حساب وکتاب طلب کرنے والے حضرات کا حمایتی اور مددگار سمجھ کر متعینہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے، اور اپنی نماز ادا کرنے کے لئے علیحدہ جماعت بناتے ہیں، اور ساتھ ہی لوگوں کو مسجد میں رہتے ہوئے جماعت کھڑی ہوجانے کے بعد جماعت میں متعینہ امام کے پیچھے شامل ہونے سے جماعتیوں کو روکتے ہیں، جس کی کچھ لوگوں نے گواہی بھی دی ہے، اور متعینہ امام کو اکثر جماعتیوں کی حمایت اور تعاون حاصل ہے، اور وہ فی الوقت پنجوقتہ نمازوں کے ساتھ جمعہ بھی پڑھاتے ہیں، جسمیں کثیر تعداد مقتدیوں کی حاضر ہوتی ہے۔

کیا متعینہ امام اور جماعت ہونے کے ساتھ بیک وقت ایک ہی مسجد میں فرض ادا کرنے کیلئے دوسری جماعت کا ہونا از روئے شرع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسلف صالحین وائمہ کرام کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ اور چونکہ دوسری جماعت کے لئے کوئی امام متعین نہیں ہے، لہٰذا وقت پر حاضرین میں جسکو مناسب سمجھتے ہیں اسکو امام بناتے ہیں، اور اکثر ان میں سے اصول وشرائط امامت سے بے خبر ہیں، اور بعض وقت تو واضح طور پر قرآن غلط پڑھتے ہیں، جیسے ''ذلک الکتاب لا ریب فیه'' مذکورہ آیت کے ہر دو کاف کو ق پڑھتے ہیں، اور أولـئک کا کاف بھی ق پڑھتے ہیں، اور سورہ لہب میں مالہ کی جگہ مأ لہ پڑھتے ہیں، اور

''سورۂ فیل والم نشرح'' میں وقف وأرسل علیهم پر زیر زبر کی غلطی کرتے ہیں، کیامندرجہ بالا صورتوں کے ہوتے ہوئے نمازوں میں خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر خرابی پیدا ہوتی ہے تو ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟ اور ایسے امام کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: شمس الدین، بلگرامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: امام کوٹرسٹ حضرات سے حساب وکتاب لینے کا حق نہیں ھے، جبکہ امام ذمہ داران مسجد میں سے نہیں ہے، حساب وکتاب کا ذمہ دار وہی ہوگا جسکو قوم نے مکلّف بنایا ہے، ہاں اگر مسجد کے اموال کو غیر مصرف میں خرچ کیا جارہا ہے، تو ان کو حکمت اور نرمی سے سمجھایا جاسکتا ہے۔

كما قال تعالیٰ: أُدْعُ إِلیٰ سَبِيْلِ رَبِّکَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ.

(النحل: الآية: ۱۲)

مسجد میں جماعت ہونے کی حالت میں اسی مسجد میں دوسری جماعت محض امام سے بغض اور ذاتی عداوت کی بنا پر کرنا اختلاف فی الدین کا باعث ہے جو کہ سخت گناہ ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا. (آل عمران: الآية: ۱۰۳)

ومقتضی هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة ولو بدون أذان ويؤيده مافي الظهيرية، لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلیٰ فيه أهله يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب الجماعةفی المسجد، کراچی ۱/۵۵۳، زکریا ۲/۲۸۹، مصری ۱/۴۰۹)

جبکہ صحیح خواں کے پیچھے نماز پڑھنا ممکن نہیں ہے، تو جماعت علیحدہ قائم کرکے اسمیں قرآن کریم کواس طرح غلط پڑھنا یہ قائم مقام اس کے ہے کہ قدرت کے ہوتے ہوئے کلام پاک کوغلط

پڑھنا اور بالقصد قرآن پاک کو غلط پڑھنا اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

كما في الشامي : إن أمكن الفصل بينهما بلا مشقة تفسد الخ .

(شامي، كتاب الصلاة ، باب مايفسد الصلاة،ومايكره فيها، زكريا٢/٣٩٦، كراچی ١/٦٣٣، مصرى ١/٤٦٨، كبيرى ، كتاب الصلاة /١٤٧، قاضي خان على هامش الهنديه،كتاب الصلاة ، فصل في قرأة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقرأة زكريا١/١٤١، جديد زكريا١/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۸۱)

الجواب صحیح:
حفظ الرحمٰن غفرلہ
۱۴۰۷/۸/۲۶ھ

ناراض امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کرنا

سوال [۲۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا امام سے کوئی غیر مشروع کلام ہوجاتا ہے، تو زید امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیتا ہے، اور اگر بالفرض زید امام صاحب کے پیچھے پڑھ لیتا ہے، تو زید اپنی نماز لوٹاتا ہے؟

المستفتي: رستم علی، مدرس مدرسہ
انصار العلوم، مٹھان، پاوٹی، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زید کا جس امام صاحب سے غیر مشروع کلام ہوگیا ہے، اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے نماز صحیح ہوگئی، لہٰذا نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ امام کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا لازم ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا ۳/۲۵۴)

وإن كان هو أحق بها منهم ولافساد فيه ، ومع هذا يكرهونه لايكره له التقدم لأن الجاهل والفاسق، يكره العالم والصالح الخ. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة ، فصل في بيان الأحق بالإمامة دارالكتاب ديوبند ١/٣٠١، الفتاوىٰ

التاتار خانيه ،كتاب الكراهية الفصل الرابع ۱۸/ ۵۹، رقم: ۲۸۰۲۵، المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والإستحسان ، الفصل الرابع المجلس العلمي جديد ۷/ ۵۱۴، رقم: ۹۴۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۲۶ھ

قطع تعلق کرنے والے امام کی اقتدا کرنا

سوال [۲۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو مسجد کا امام ہے، اس نے اپنی سائیکل جس کے پہیئے نہ صرف ناپاک ہیں بلکہ موسم برسات کی وجہ سے ربڑ کے پہیوں پر سیلن اور کیچڑ لگی ہوتی ہے، وضو کی جگہ لاکر کھڑی کردی، اس حرکت ناشائستہ کو دیکھکر بکر نے زید سے نہایت اخلاق کے ساتھ کہا کہ آپ وضو کرنے کی جگہ سائیکل نہ رکھیں، چونکہ سائیکل رکھنے کے بعد پہیوں کی نجاست غلیظہ وخفیفہ اس فرش پر لگے گی، جس پر مقتدی پاؤں رکھ کر وضو کرتے ہیں، اور وہ نجاست بذریعہ فرش پیروں پر لگتی ہے، پاؤں بھی ناپاک اور فرش بھی ناپاک، دوسرے دن زید نے پھر روز اول والا عمل کیا اور سائیکل جائے وضو پر رکھ دی، بکر نے اس بار فوراً جائے وضو سے سائیکل اٹھوا کر مسجد سے باہر رکھوادی، اب زید سائیکل رکھنے سے تو باز آ گیا لیکن اس نے بکر سے سلام ودعا ترک کردیا، لہذا اعرض ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ زید نے بکر سے دعا وسلام وکلام بند کردیا ہے، بکر زید کے پیچھے نماز جماعت میں اقتدا نہ کرے تو بکر گنہگار تو نہ ہوگا، بکر زید کے پیچھے نماز با جماعت بحیثیت مقتدی ادا کرسکتا ہے؟ جبکہ زید نے بداخلاقی کا ثبوت دیا، اچھی اور صحیح بات کو منع کرنے پر قلب کے اندر ہلکا سا بغض وعناد آ گیا؟ شریعت کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں؟ کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد یونس، مصطفیٰ آباد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زید کی طرف سے سائیکل رکھنے میں کوتاہی ہے، مگر اہل مسجد پر لازم ہے کہ امام صاحب کی سائیکل رکھنے کیلئے کسی جگہ کا انتظام کریں نیز امام صاحب کی سائیکل کولیکر بجائے باہر کر دینے کے کسی محفوظ جگہ میں رکھنا چاہئے تھا، آخر وہ اسی مسجد کا امام ہے، اور امام کا احترام بہت ضروری ہے، حدیث شریف میں اسکی تاکید آئی ہے، نہ وضو کی جگہ پر سائیکل رکھنا مناسب ہے اور نہ ہی امام صاحب کی سائیکل کو باہر نکلوا دینا مناسب ہے، لہذا دونوں کی خامی ہے، اب دونوں کو آپس میں مل جانا چاہئے، اور امام کی سائیکل رکھنے کیلئے معقول جگہ کا انتظام کریں، نیک کام کیلئے نرمی کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

اُدْعُ إِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. (النحل. الآیة: ۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۲۳/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۴/۱۴۱۶ھ

بلاعذر شرعی امام سے ناراض ہوکر اقتدا ترک کرنا

سوال [۲۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک معاملہ میں اختلاف کی وجہ سے دو پارٹیاں ہوگئی ہیں اب ان میں سے ایک پارٹی کا کہنا ہے کہ امام صاحب نے ہماری طرف سے گواہی نہیں دی ہم اس امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، جبکہ امام صاحب اس معاملہ میں کسی کی طرف نہ تھے، بالکل ان کا اس جھگڑے سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا ہے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض قومی جھگڑے میں نہ پڑنے کی وجہ سے کسی فریق کا

امام سے ناراض ہوکراس کے پیچھے نماز با جماعت نہ پڑھنا بہت بڑا گناہ ہے، امام صاحب کی امامت میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہے، بلکہ جوفریق نماز نہیں پڑھ رہا ہے، وہ عنداللہ سخت گنہگار ہوگا۔

کما فی الهندية: رجل أم قوماً وهم له كارهون، إن كان الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة يكره له. (الهنديه: كتاب الصلاة، الباب الخامس، فی الإمامة زكريا قديم ١/٨٦، ٨٧، جديد ١/١٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۴/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۴/۱۴۱۷ھ

مقتدیوں کو منافق کہنے والے کے پیچھے نماز کا حکم

سوال [۲۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، اس مسجد میں بعض مقتدیوں کی تکبیر اولی فوت ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے امام صاحب ان مقتدیوں کو منافق کہتے ہیں، تو ایسی صورت میں مقتدیوں کو منافق کہنا کیسا ہے؟ اوراس امام کا نماز پڑھانا کیا حکم رکھتا ہے؟ آیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالمجید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے، تو امام صاحب کا مقتدیوں کو منافق کہنا غلط ہے، ان مقتدیوں سے اپنی اس بات سے متعلق معافی مانگنا لازم ہے، کسی بھی مسلمان کو منافق کہنا درست نہیں ہے، جب تک کہ امام صاحب اپنی اس سخت مزاجی سے باز نہ آجائے اس وقت تک امام صاحب کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۳/۱۹۲)

عن الحسن قال سمعت انس بن مالک رضؓ قال لعن رسو ل الله صلی الله علیه وسلم : ثلثة رجل أمّ قوماً وهم لهٗ کارهون، الحدیث: (ترمذی شریف، الصلاة، باب ماجاء من أمّ قوماً وهم له کارهون، النسخة الهندیه ۱/ ۸۲، دارالسلام رقم: ۳۵۸)

إذا قذف مسلماً بغیر الزنا فقال: یا فاسق ...... أو یا خبیث ...... لأنه اٰذاه و ألحق الشین به ...... فوجب التعزیر. (هدایه، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل فی التعزیر، اشرفیه دیوبند ۲/ ۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۰۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۳ھ

غیر مقلدین اور بریلوی امام کی اقتداء

سوال [۲۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مقلدین اور بریلوی کی نماز میں اقتدا کرنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: مظہر الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو غیر مقلد ائمہ مجتہدین اور اکابر سلف وصالحین کو سب وشتم اور برا بھلا نہیں کہتے اور حنفی مذہب کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھاتے ہیں تو ان کے پیچھے نماز درست ہے، لیکن سب وشتم کرنے والے اور تقلید کو شرک کہنے والے غیر مقلد کے پیچھے نماز مکروہ ہے، کیونکہ یہ فاسق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۹/ ۶۲، جدید ڈابھیل ۶/ ۳۸۰، امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۸۵، ۳۸۶)

إن تیقن المراعاة لم یکره أو عدمها لم یصح . (درمختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچی ۱/ ۵۶۳، زکریا ۲/ ۳۰۲)

أما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لا یهتم لأمر دینه . (شامی،

كتاب الصلاة، باب الإمامة ، كراچی ١/٥٦٠، زكريا٢/٢٩٩)

اور بریلوی بدعتی یہ شرعاً فاسق ہیں ان کے پیچھے نماز مکروہ ہے ، لیکن اگر کہیں ایسا ہو کہ اگر بریلوی کے پیچھے نماز نہ پڑھے تو جماعت کی نماز سے محرومی ہوسکتی ہے، تو ایسے موقع پر تنہا پڑھنے کے مقابلہ میں بریلوی فاسق کے پیچھے جماعت کیساتھ نماز پڑھ لینا بہتر ہے اس لئے کہ ترک جماعت کے مقابلہ میں فاسق کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لینا فقہاء نے اولیٰ اور بہتر بتلایا ہے۔

ولو صلى خلف فاسق أو مبتدع ينال فصل الجماعة لكن لاينال كما ينال خلف تقي ورع – (إلىٰ قوله) فإن أمكن الصلوٰة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولىٰ من الانفراد. (البحرالرائق ، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا١/٦١٠، كوئٹہ ١/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٣٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۹ھ

حنفی کا وتر میں ائمہ حرم کی اقتدا کا حکم

سوال [۲۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سعودیہ عرب میں حکومت کا مسلک سلفیت کا ہے، جس کے تحت ہر امام کو دو سلام کے ساتھ تین وتر پڑھانا ضروری ہے، اور تیسری رکعت میں رکوع کے بعد لمبی قنوت پڑھتے ہیں، اور اسی طرح آٹھ رکعت تراویح پڑھانی ضروری ہیں، تو کیا زید کیلئے اس طرح آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھانی درست ہیں یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہیں تو کیا زید امامت چھوڑ دے اور حنفی المسلک مقتدی حضرات وتر امام کے پیچھے پڑھیں یا گھر آکر پڑھیں تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں دیں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد عارف قاسمی، مقیم حال ریاض سعودیہ عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، کہ حجاز مقدس میں وتر کی نماز تین رکعت دوسلاموں کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، اور حنفی مسلک کے لوگ وہاں کے لوگوں کے ساتھ مل کر اسی طرح وتر کی نماز نہ پڑھیں گے، تو اختلاف و بحث بندی کا خطرہ ہے، نیز وہاں کے حاکم کا حکم بھی جماعت کی نماز میں ایک ہی طرح پڑھنے کا ہے، اگر چہ ہم حنفیہ کا راجح اور مفتیٰ بہ مسئلہ یہی ہے کہ تین رکعت وتر دوسلام کے ساتھ جائز نہیں ھے، ایک ہی سلام کے ساتھ واجب ہے، مگر ابوبکر جصاص اور علامہ ابن وہبان نے حنفی شخص کی نماز ایسے شخص کے پیچھے پڑھنا جائز لکھا ہے، جو دوسلاموں کے ساتھ پڑھتا ہو، (اس کی تفصیل معارف السنن ۴/ ۱۷۰، البحر الرائق ۲/ ۱۳۹ میں ملاحظہ فرمائیں) نیز ایک اصول اور ضابطہ یہ بھی ہے کہ حکم حاکم رافع اختلاف ہوا کرتا ہے، یعنی جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو اور حاکم ان اختلاف اقوال میں سے کسی ایک قول پر عمل کرنے کا حکم کرے، تو حاکم کے اس قول پر عمل کرنا لازم ہوجاتا ہے، اور وہاں پر بھی حکم حاکم یہی ہے کہ تین رکعت وتر کی نماز دوسلاموں کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے، اسلئے حنفی مسلک کے لوگوں کیلئے وہاں کے ائمہ کے پیچھے وتر کی نماز انھیں کی طرح پڑھنا جائز اور درست ہوگا، اور حنفی امام کو وہاں کے لوگوں کے مسلک کے مطابق نماز پڑھانا بھی درست ہوگا۔ (تفصیل انوار رحمت/ ٦٨ میں ملاحظہ فرمائیں)

فكما أن النزاع يرتفع بالتعامل السابق فإنه يرتفع أيضا، بتقنين من قبل الحكومة إلىٰ قوله : ان حكم الحاكم رافعٌ للخلاق في الأمور المجتهد فيها الخ. (تکمله فتح الملهم، کتاب البيوع، باب بيع البعير واشتباء رکوبه اشرفيه ديوبند ۱/ ٦٣٦)

ولا عبرة بحال المقتدى وإليه ذهب الجصاص وهو الذى اختاره لتوارث السلف، واقتداء أحدهم بالآخر بلا نكير مع كونهم مختلفين فى الفروع، وكان شيخنا شيخ الهند محمود الحسن أيضا يذهب إلىٰ

مذهب الجصاص. (فيض الباری، کتاب الغسل بامسح اليد کراچی ۱ /۲ ۵ ٤، ٣/ ٥ ٤ ٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر شعبان ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۴۰)

حنفی کا قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے والے کی اقتدا کا حکم

سوال [۲۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سعودیہ عرب کی تمام مساجد میں خصوصاً ریاض میں سعودی حضرات ہی امام ہیں، اورسب تراویح میں قرآن کریم دیکھ کر ہی پڑھتے ہیں اور لقمہ دینے والے بھی دیکھ کر ہی لقمہ دیتے ہیں، اور مقتدی ہندی، پاکستانی بنگلہ دیشی ۲۵ رفیصد یا اس سے زائد ہر مسجد میں ہوتے ہیں، جو اکثر حنفی المسلک ہیں تو ان حضرات کی نماز ان دیکھ کر پڑھنے اور سننے والے اماموں کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟ بصورت عدم جواز یہ حضرات تراویح کس طرح پڑھیں فرض نماز پڑھ کر مسجد سے نکلنے کی صورت میں اختلاف کا اندیشہ ہے، مدلل جواب تحریر کریں؟

المستفتي: محمد عارف قاسمی، مقیم ریاض سعودیہ عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک نماز میں قرآن کریم دیکھ کر قرأت کرنا مفسد صلاۃ ہے، اور امام محمدؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے مگر نماز فاسد نہیں ہوتی، یہ حضرات امامت ذکوان کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں، کہ وہ حضرت عائشہؓ کی تراویح میں امامت فرماتے تھے، اور پیچھے لقمہ دینے والا کوئی نہیں ہوتا تھا، تو جلسۂ ترویحہ میں قرآن کریم دیکھ کر شبہات زائل فرمالیا کرتے تھے، جس کو لوگوں نے قرآن دیکھکر پڑھنے سے تعبیر کیا ہے، اور حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق بلا کراہت جائز ہے، یہ حضرات اور سلفی حضرات امامت ذکوان سے استدلال کرتے ہیں، اور غیر

مقلدین کی بات بھی عجیب وغریب ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح کا باضابطہ سلسلہ عمل میں آچکا تھا جس کو وہ نہیں مانتے ہیں، اور حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان کی امامت جوان کا ذاتی عمل تھا، اور کسی بڑے صحابی سے اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے، اسکو اپنے لئے حجت بنالیا ہے، خیر ہمیں غیر مقلدین کے مسلک پر نہیں جانا ہے، اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ حنفی حضرات کو حتی الامکان ایسے اماموں کے پیچھے تراویح پڑھنی چاہئے، جو بغیر دیکھے قرآن پڑھتے ہوں، اور اگر مجبوری میں قرآن دیکھ کر پڑھنے والوں کے پیچھے اپنی نماز پڑھ لی ہے، تو صاحبین کے مسلک کے مطابق ان کی نماز درست ہو جائے گی، فاسد نہیں ہوگی کراہت کے ساتھ درست سمجھی جائیگی۔

القرأة من المصحف في الصلاة، مفسدة عند أبي حنيفة لأنه عمل كثير (أو لأنه تلقن منه) وعند أبي يوسفؒ ومحمدؒ يجوز لأن النظر في المصحف عبادة ولكنه يكره لمافيه من التشبه بأهل الكتاب في هذه الحالة وبه قال الشافعي وأحمد وعند مالك وأحمد في رواية لا تفسد في النفل فقط. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب فساد القرآن من المصحف، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٦٢، كراچی ٥/ ٥١، ٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۸/۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۴۰/۳۸)

امام صاحب کی عدم موجوگی میں دوسرے شخص کا نماز پڑھانا

سوال [۲۴۵٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسجد میں نماز باجماعت کیلئے ایک وقت متعین ہے اور مقررہ امام صاحب وقت پر وہاں موجود نہیں ہیں، تو ایسی حالت میں کوئی دوسرا شخص امام بنکر نماز ادا کرا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا امام صاحب کا انتظار کرنا ضروری ہے اور اگر ضروری ہے تو کتنے وقت تک انتظار کریں؟

(۳) اگر انتظار کیلئے مقررہ وقت سے پہلے امام کی اجازت کے بغیر کسی شخص نے نماز پڑھادی تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) مسجد میں امام موجود ہے نماز کا وقت ہورہا ہے، امام کو اس کا علم ہے، لیکن مقتدی حضرات امام کو ٹوکنا شروع کرتے ہیں کہ چلئے صاحب وقت ہوگیا کوئی کہتا ہے کہ نہیں ابھی میری گھڑی کے حساب سے آدھا منٹ یا کچھ کم باقی ہے، تو کیا یہ سب کچھ درست ہے اور اگر نہیں ہے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: عبداللہ، بھٹی محلّہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جماعت کا وقت متعین ومقرر ہو اور اس مقررہ وقت پر امام صاحب کسی وجہ سے مسجد کو نہ آئے ہوں یا آنے میں دیر ہوجائے، تو ایسی صورت میں کوئی دوسرا قابل شخص ذمہ داران مسجد کی اجازت وایماء پر نماز پڑھا سکتا ہے۔ اسمیں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۸۱، جدید ڈابھیل ٦/ ۳۴۴، احسن الفتاویٰ ۳/ ۳۰۱)

(۲و۳) جماعت کے مقررہ وقت تک امام کا انتظار کرنا ضروری ہے اس کے بعد مقتدیوں پر امام کا انتظار کرنا لازم نہیں، لیکن چار پانچ منٹ کے اندر اندر امام کے آنیکی امید ہو تو اس کا انتظار کر لینا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۳۰۱، فتاویٰ رشیدیہ/ ۳۵٦)

(۴) مسجد کی گھڑی کو صحیح رکھنے کی کوشش کی جائے اور اسی گھڑی کے ٹائم سے نماز پڑھی جائے کسی اور کی گھڑی کے ٹائم کا اعتبار نہ کریں آپس میں بحث ومباحثہ کی کوئی ضرورت نہیں، مسجد کی گھڑی کا اعتبار رہے، اس سے سارا جھگڑا دور ہوجائے گا۔

قال ابن الهمام في شرح الهداية : الكلام المباح في المسجد مكروه يأكل الحسنات. (مرقاة الفصل الثالث، قبيل باب الستر، ملتان ۲/ ۲۲۲، مصری

١/٤٧٢، شامی ، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره منها ، مطلب فی الفرس فی المسجد ، زكريا٢/٤٣٦، كراچی ١/٦٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۵/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۸۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/۱۴۱۷ھ

حنفی مقتدی کی شافعی امام کے پیچھے نماز وتر کا حکم

سوال [۲۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کوکن سے تعلق رکھنے والا ایک شافعی المسلک شخص ہوں، ایک مدت سے ہمارا قیام بمبئی میں ہی ہے، ہم جس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، وہاں کے امام بھی شافعی ہیں جبکہ اطراف کی دیگر مساجد احناف ائمہ کی ہیں لیکن باعتبار مسلک کے ہمارے یہاں کسی قسم کا نزاع نہیں ہے، الحمد للہ شوافع احناف کی مساجد میں اور احناف شوافع کی مساجد میں نماز پڑھتے ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کو بڑی قدر کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں، اس وقت ہمارے یہاں دو مسئلے درپیش ہیں، جس کا تسلی بخش جواب مطلوب ہے۔

(۱) کیا حنفیہ کی شافعی امام کے پیچھے اول وقت میں نماز عصر پڑھنے سے نماز ادا ہو جائیگی؟

(۲) رمضان المبارک میں نماز وتر کی جماعت میں حنفی مقتدی کی شافعی امام کے پیچھے اور شافعی مقتدی کی حنفی امام کے پیچھے نماز وتر ادا ہو جائیگی؟

ہماری شافعی مسجد میں اور بعض دیگر شافعی مساجد میں بھی عرصہ سے ایک معمول ہے کہ نماز وتر کا جب وقت آتا ہے، تو شافعی امام مسجد کے صحن میں آجاتے ہیں، اس لئے کہ حضرات احناف کی کثرت ہے اور صحن مسجد عموماً حرم مسجد سے چھوٹا ہوتا ہے، لیکن بعض چند سالوں میں نمازیوں کی کثرت کی بنا پر مسئلہ ایک عجیب رخ اختیار کر گیا ہے، وہ اس طرح سے کہ بعض مساجد میں دونوں مقتدیوں کی کثرت ہو چکی ہے، مثلاً ہماری مسجد میں، اور مسجد میں چوں کہ

بیک وقت دو جماعتیں ہوتی ہیں، ایک احناف کی اندرونی حصہ میں۔
اوردوسری باہری حصہ میں شافعی حضرات نماز ادا کرتے ہیں۔
تو اس میں ہوتا یہ ہے کہ حنفی احباب مسجد کے اندرونی حصہ میں نماز پڑھتے ہیں، اور مسجد کے دروازے بند کئے جاتے ہیں، لیکن احباب کی کثرت ہوتی ہے تو بعض احباب مسجد کے اوپری حصہ میں چلے جاتے ہیں، اسی طرح شوافع احباب بھی کثرت سے ہیں اور صحن مسجد میں دو ہی صفیں ہیں تو ان کے بھی بعض احباب اوپری حصے میں جاتے ہیں، اب مسجد کے اوپری حصے میں کچھ لوگ حنفی امام کی اقتدا کرتے ہیں جبکہ دوسرے حصہ میں کچھ ساتھی شافعی امام کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں، یہ مسئلہ شافعی مساجد کا ہے، کیونکہ حنفی مساجد میں عموماً ایک ہی جماعت ہوتی ہے، لہٰذا اس صورت میں ہم شافعی حضرات کو کیا کرنا چاہئے؟
(۱) آیا اسی طرح دو جماعتوں کا سلسلہ جاری رکھا جائے؟
(۲) یا شافعی امام کے پیچھے سارے احباب نماز وتر ادا کرسکتے ہیں؟
(۳) یا وتر کی نماز میں سارے شوافع امام ومقتدی سب مل کر حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے پابند ہوں گے؟ جبکہ دیگر فرض نمازوں میں دونوں ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں۔
برائے مہربانی اس سلسلے میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں، ہمارے یہاں چند احباب یہ کہتے ہیں، کہ حنفی مقتدی کی شافعی امام کے پیچھے نماز وتر نہیں ہوگی، جب کہ یہی احباب عمرہ وغیرہ کی مناسبت سے حرم میں وہاں کے امام کی اقتدا میں نماز وتر بھی ادا کرتے ہیں۔
لہٰذا یہ کیا بہتر نہیں ہوگا کہ جس مسلک کی مسجد ہے، اسی مسجد کے امام کی اقتدا میں سارے مصلی نماز ادا کریں، چاہے امام شافعی ہو یا حنفی؟ برائے مہربانی جلد از جلد تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتي: عبد المعید خلفے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عصر کی نماز کے بارے میں حضرات امام مالکؒ،

امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، یہی حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے، اور اس بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دوقول ہیں، پہلا قول جمہور کی طرح ہے یہی ہے کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ دو مثل سے پہلے عصر کا وقت شروع نہیں ہوتا ہے، بلکہ دو مثل کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اور حنفی مسلک کے فقہاء میں سے بعض نے قول اول کو زیادہ صحیح اور راجح کہا ہے، اور بعض نے قول ثانی کو زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے، اور یہی قول ظاہر الروایہ ہے، اور حنفی مسلک کے متأخرین نے اس قول کو اس لئے معمول بہ اور زیادہ صحیح قرار دیا ہے کہ اسمیں احتیاط زیادہ ہے، تو حاصل یہ ہے کہ عصر کے وقت کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے شدت نہیں ہے، اس لئے شافعی امام کے پیچھے دو مثل سے پہلے پہلے پڑھنا بلاشبہ جائز ہے، لیکن جن علاقوں میں کثرت سے حنفی لوگ ہوتے ہیں وہاں قول ثانی پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، نیز حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ نے یہی لکھا ہے کہ مثل اول یا مثل ثانی دونوں میں پڑھنے کا اختیار ہے، لہذا آپ کی مسجد میں حنفی مقتدیوں کے لئے شافعی امام کے پیچھے شافعی وقت کے مطابق عصر کی نماز پڑھنا بلا شبہ جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۲۹۹، جدید زکریا ۲۷۸، ۲۸۱، امدادالفتاویٰ ۱/۱۵۳)

ووقت الظهر من زواله أى ميل ذكاء عن كبد السماء إلى بلوغ الظل مثليه، وعنه مثله وهو قولهما وزفر والأئمة الثلاثة، قال الإمام الطحاوى: وبه نأخذ، وفى غرر الأذكار: وهو المأخوذ به؛ وفى البرهان: وهو الأظهر لبيان جبرئيل، وهو نص فى الباب، وفى الفيض: وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتى. (در مختار مع الشامى، كتاب الصلاة، مطلب فى تعبده عليه السلام كراچى ۱/۳۵۹، زكريا ۲/۱٤، ۱۵، الدر المنتقىٰ على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت جديد ۱/۱۰۵، قديم ۱/٦۹)

والأحسن ما في السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لايؤخر الظهر إلى المثل، وأن لايصلي العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديا للصلاتين في وقتهما بالإجماع. (شامی، کتاب الصلاة، مطلب فی تعبده علیه السلام کراچی ۱/۳۵۹، زکریا۲/۱٤،۱۵)

(۲) باتفاق حنفیہ وتر کی نماز تین رکعت ایک سلام کے ساتھ لازم ہے، اور دو رکعت پر قعدہ کرنا واجب ہے، اور اگر دو رکعت پر بالقصد سلام پھیر دیں گے تو جمہور احناف کے نزدیک وتر کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، لہٰذا حنفیہ کے نزدیک وتر کی نماز تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنا لازم اور واجب ہے اور حضرت امام شافعی کے نزدیک وتر کی نماز واجب بھی نہیں ہے، اور ایک سلام کے ساتھ پڑھنا لازم بھی نہیں ہے، بلکہ سنت ہونے کے ساتھ ساتھ دو سلاموں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

وصح اقتداء من يرىٰ الوتر واجباً بمن يراه سنة بشرط أن يصليه بسلام واحد؛ لأن الصحيح اعتبار رأي المقتدى. (شامی زکریا ۲/۳۳۹، کراچی ۱/۵۹۰، ۵۹۱)

وصحح الشارح الزيلعی أنه لايجوز اقتداء الحنفی بمن يسلم من الركعتين في الوتر. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل زکریا۲/٦۸، کوئٹه ۲/۳۹)

لہٰذا آپ کی مسجد کے لئے مناسب یہی ہے کہ عصر کی نماز میں حنفی مقتدی بلا تکلف شافعی امام کی اقتدا کرلیں اور وتر کی نماز میں حنفی شخص کو امام بنادیا جائے اور شافعی حضرات وتر میں حنفی کی اقتدا کرلیں، تاکہ حنفی کی واجب نماز صحیح طور پر ادا ہوجائے، اور شافعی کی سنت نماز بہر حال ادا ہوجائے گی - اب رہی حرمین شریفین کی بات وہاں پر حنفی لوگوں کے لئے الگ سے وتر کی نماز باجماعت پڑھنے کی کوئی شکل نہیں ہے، نہ حکومت کی طرف سے اس کی اجازت ہے اور نہ ہی حنفی لوگوں کو مسجد حرام اور مسجد نبوی میں

وتر کی جماعت الگ سے پڑھنے کی ہمت ہے، اس لئے ضرورت کی بنا پر امام جصاص اور ابن وہبان کے قول کے مطابق وہاں پر حنفی لوگوں کے لئے حنبلی امام کے پیچھے وتر کی نماز کی گنجائش دی گئی ہے، لیکن یہ ضرورت ہندوستان میں نہیں ہے، اس لئے ہندوستان میں حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے وتر کی نماز نہیں پڑھیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۳ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مراد آباد، الہند

(جلد ۷)

المجلد السابع

بقية الصلوٰة من تسوية الصفوف

الى سجود التلاوة

۲۴۵۸ ——— ۲۹۶۴

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الھند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

٩/ بقية كتاب الصلاة

١٠/ باب تسوية الصفوف

۱۱/ باب مدرک، مسبوق، لاحق

۱۲/ باب القراءة

۱۳/ باب الجمع بین الصلوٰتین

۱۴/ باب صلوۃ النساء

١٥/ باب ما يكره في الصلاة ومالايكره

۱۶/ باب ما یفسد الصلاۃ وما لایفسد

۱۷/ باب قضاء الفوائت

۱۸/ باب الحدث في الصلاۃ

۱۹/ باب سجود السهو

۲۰/ باب سجود التلاوة

۹/ بقية كتاب الصلاة

(۱۰) باب تسوية الصفوف

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

نماز میں صف سیدھی کرنا واجب ہے

سوال [۲۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں صف سیدھی کرنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں صف سیدھی کرنا واجب ہے؛ کیونکہ صحیح احادیث میں صف سیدھی کرنے کا حکم آیا ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: سووا صفوفكم فإن تسوية الصف، من تمام الصلاة. (مسلم شريف، الصلاة باب تسوية الصفوف، النسخة الهنديهة ۱/ ۱۸۲، بيت الأفكار رقم: ۴۳۳، مسند الدارمي ۲/ ۸۰۳، رقم: ۱۲۹۸، صحيح ابن خزيمة، المكتب الاسلامي ۱/ ۷۴۵، رقم:۱۵۴۳)

ذهب بعض العلماء منهم ابن حجر، وبعض المحدثين إلى وجوب تسوية الصفوف؛ لقوله صلى الله عليه وسلم: ”لتسون صفوفكم أو ليخالفن الله

بین وجوهکم" فإن ورود هذا الوعید دلیل علی وجوب التسویة.
(الموسوعة الفقهیة کویتیة ۲۷/۳۶)

النعمان بن بشیر، یقول: قال النبي صلی الله علیه وسلم: لتسوُّنَّ صوفکم، أو لیخالفن الله بین وجوهکم. (بخاري شریف، کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف عند الإقامة وبعدها ۱/۱۰۰، رقم: ۷۰۸، ف:۷۱۷)

لیخالفن الله بین وجوهکم: وفیه من اللطائف وقوع الوعید من جنس الجنایة وهي المخالفة، وعلی هذا فهو واجب. (فتح الباري، کتاب الأذان، باب تسویة الصفوف عند الإقامة وبعدها، دارالریان للتراث العربي بیروت ۲/۲۴۲، اشرفیه دیوبند ۲/۲۶۴، دارالفکر ۲/۲۰۷، تحت رقم الحدیث:۷۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۴۱۸)

حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کا صف سیدھی کرنے کا اہتمام

سوال [۲۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کس وقت صف سیدھی فرماتے تھے؟

المستفتی: محمد عبد الرقیب، حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ سے اقامت کے ختم ہونے کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے صف سیدھی کرنے کا عمل ثابت ہے اور نماز میں صفیں سیدھی کرنا لازم وواجب ہے۔

وروي عن علي، وعثمانؓ أنهما کانا یتعاهدان ذلک ویقولان استووا وکان علي یقول: تقدم یافلان، تأخر یافلان. (جامع الترمذي، کتاب الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، مکتبة البدر دیوبند ۱/۵۳، دارالسلام رقم:۲۲۷)

وروي عن عمرؓ، أنه كان يوكل رجالا بإقامة الصفوف ولايكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذي شريف،كتاب الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/۵۳، دارالسلام رقم: ۲۲۷، مكتبة البدر ديوبند)

مالک عن نافع أن عمر بن الخطابؓ، كان يأمر بتسوية الصفوف، فإذا جاء وه فأخبروه أن قد استوت كبر. (موطا امام مالك، الصلاة، باب ماجاء في تسوية الصفوف۵۵، مكتبة بلال ديوبند)

المراد من قوله بعدها أي بعد الإقامة قبل التحريمة—وكان في زمن عمرؓ رجل موكل على التسوية كان يمشي بين الصفوف ويسويهم، وهو واجب عندنا. (فيض الباري، الصلاة، باب تسوية الصف عند الإقامة وبعدها۲/۲۳٤، مكتبة رشيدية كوئٹه) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۴۲۹)

تکبیر ختم ہونے پر تسویۂ صفوف کا اعلان کرنا

سوال [۲۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ حضرات احناف کے نزدیک صف سیدھی کرنے کا اعلان کس وقت بہتر ہے، تکبیر شروع ہونے سے پہلے یا تکبیر ختم ہونے کے بعد؟ یا نماز شروع ہونے سے پہلے؟ واضح فرمائیے۔

المستفتی: محمد سلیمان غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام تسویۂ صفوف کا اعلان تکبیر کے اختتام پر کرے، تو بہتر اور افضل ہے؛ اس لئے کہ تکبیر کے دوران اعلان کرنے میں کسی کو سنائی دے گا اور کسی کو نہیں دیگا اور مؤذن کی تکبیر پر دھیان باقی نہیں رہے گا۔

قال أبو يوسفؒ: يشرع في التكبير إذا فرغ المؤذن من الإقامة محافظة على فضيلة متابعة المؤذن وإعانة للمؤذن على الشروع معه. (اعلاء السنن، کراچی ٤/٢١٢)

ولا يكبر حتى يفرغ المؤذن؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم يكبر بعد فراغه. (المغني ١/٢٧٥، دارالفكر بيروت لبنان)

أن النبي صلى الله عليه وسلم، كان يأمرهم بالتسوية متكأً على خشبة منصوبة في المحراب، فإذا راهم سوؤا صفوفهم كبر. (فيض الباري، الصلاة، باب اقبال الإمام عند تسوية الصفوف ٢/٢٣٥، مكتبة رشدية كوئٹه)

عن سماکؓ سمعت نعمان بن بشيرؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يسوي صفوفنا إذا قمنا للصلوة، فإذا استوينا كبر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهنديه ١/٩٦، دارالسلام رقم: ٦٦٥، بذل المجهود ٣/٦١٢، رقم: ٦٦٣، بيروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر الف: ۱۱۴۲۲/۴۰)

امام اقامت سے قبل صفیں سیدھی کرائے یا اقامت کے بعد

سوال[۲۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں بعض ائمہ کرام جس وقت اقامت ہوتی ہے، تو مقتدیوں کی طرف منھ کر کے کھڑے ہو کر صف بندی کراتے ہیں اور اقامت ختم ہوتے ہی نماز شروع کر دیتے ہیں، حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کے علمی خطبات میں لکھا ہے کہ میں نے حدیث میں کہیں بھی آج تک یہ طریقہ نہیں دیکھا؛ بلکہ صف بندی اقامت کے بعد کی جائے،

ہمارے یہاں جمعہ یا اجتماع یا جلسہ یا کسی بھی تبلیغی جوڑ کے موقع پر پہلے کئی منٹ تک صف بندی ہوتی ہے پھر اقامت ہوتی ہے، کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت مفتی سعید صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی علمی خطبات ہمارے پاس یہاں نہیں ہے؛ اس لئے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، مگر احادیث شریفہ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ پیش خدمت ہے، احادیث مبارکہ سے دوران اقامت اور اقامت سے پہلے صفیں سیدھی کرانے کا ثبوت ملتا ہے؛ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اقامت شروع ہوجاتی تھی اور حضور ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوکر فرماتے تھے ’’صفوں کو سیدھا کرو‘‘ اسی طرح کی روایت مسلم شریف میں حضرت ابوہریرۃ ﷺ سے مروی ہے کہ تکبیر شروع ہونے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کھڑے ہو کر صفیں درست فرمالیا کرتے تھے۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاهُ قبل أن يكبر، ذكر فانصرف وقال لنا: مكانكم فلم نزل قياما ننتظره حتى خرج إلينا. (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/٢٢٠، بيت الأفكار رقم:٦٠٥)

عن أنس رضي الله عنه، قال: أقيمت الصلاة، فأقبل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم بوجهه، فقال: أقيموا صفوفكم وتراصوا فإني أراكم من وراء ظهري. (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب اقبال الإمام على الناس عند تسوية الصفوف ١/١٠٠، رقم: ٧١٠، ف:٧١٩)

عن أنس رضی اللہ عنہ، قال: أقبل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم بوجهه حين قام إلى الصلاة قبل أن يكبر فقال: أقيموا صفوفكم وتراصوا فإني أراكم وراء ظهري. (نسائي شريف، كتاب الصلاة، باب حث الإمام على رص الصفوف، والمقابلة بينها، النسخة الهندية ۹۳/۱، دارالسلام رقم:۸۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۱۰۶۳۲/۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۲۴ھ

امام کا نماز سے قبل صفیں درست کروانا

سوال [۲۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد کے امام ہر نماز سے پہلے جماعت کھڑی ہونے کے وقت آواز سے ''صفیں درست کرلیں، نماز درست ہوگی ان شاءاللہ.....مل مل کر کھڑے ہوں'' پکارتے ہیں زید کو اس پر اعتراض ہے اس کا کہنا ہے کہ یہ مناسب نہیں ہے یہ بدعت ہے؛ جبکہ بکر کا کہنا ہے کہ یہ درست اور مناسب ہے صفوں کو درست کرانا امام کا کام ہے، اللہ کے پیارے نبی ﷺ بھی صفیں درست فرماتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی؛ لہٰذا شریعت مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ امام کو اس طرح صفیں درست کرنا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: حکیم محمد ایوب جامعی، حکیمی دواخانہ، کچھ بھج (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام صاحب کا نماز سے پہلے جماعت کھڑی ہونے کے وقت نمازیوں کو بلند آواز سے یہ کہنا کہ ''صفیں درست کرلو'' اس پر زید کا یہ اعتراض کرنا کہ یہ بدعت ہے درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ آقائے نامدار ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت ہے، یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ یہ سب حضرات کھڑے ہوکر بلند آواز سے صف سیدھی کرنے کا اعلان بھی کیا کرتے تھے اور اگر کوئی شخص

صف کے اندر آگے پیچھے نظر آتا اسے آواز دے کر سیدھے کھڑے ہونے کا حکم کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ اس کام کے لئے چند آدمیوں کو مقرر کر رکھا تھا، آج کے ائمہ میں یہ کمی ہے کہ وہ صف سیدھی کرنے کا اعلان نہیں کرتے ہیں جو کہ ان کی ذمہ داری ہے۔

عن أنس بن مالک، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: سووا صفوفکم، فإن تسویة الصف من تمام الصلاة. (صحیح مسلم الصلاة، باب تسویة الصفوف وإقامتها، النسخة الهندیه ۱/۱۸۲، بیت الأفکار رقم:۴۳۳)

عن النعمان بن بشیر، یقول: کان رسول اللہ علیه وسلم یسوي صفوفنا حتی کأنما یسوي بها القداح. (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب تسویة الصوف وإقامتها، النسخة الهندیة ۱/۱۸۲، بیت الأفکار رقم:۴۳۶، المعجم الکبیر للطبراني ۲۱/۱۰۶، رقم: ۱۱۵-۱۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۵۳/۳۵)	۱۴۲۱/۳/۱۸ھ

کیا صفوں کو سیدھا کرانا امام کی ذمہ داری ہے؟

سوال [۲۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! صفوں کو برابر کیا کرو؛ کیونکہ صفوں کو سیدھی اور برابر کرنا نماز اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو زبانی یا ہاتھ سے برابر فرماتے، جب صفیں برابر ہو جاتیں تو آپ تکبیر تحریمہ کہتے۔ (ابوداؤد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو پہلے اپنے دائیں طرف متوجہ ہوکر فرماتے تھے ''سیدھے کھڑے ہوجاؤ اور اپنی صفیں برابر کرلو'' پھر بائیں طرف متوجہ ہوکر فرمایا کرتے تھے سیدھے کھڑے ہوجاؤ اور اپنی صفیں برابر کرلو۔ (ابوداؤد)

(۱) محترم ان احادیث کی روشنی میں تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے کیا یہ امام صاحب کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ صفوں کو درست کرنے کی غرض سے ہدایت دیں اور پہلی صف کی دائیں بائیں جانب دیکھ کر کم از کم پہلی صف کو درست یا برابر کرادیا کریں؟

(۲) نماز جماعت سے متعلق امام صاحب کی کیا ذمہ داری یا فرائض ہیں؟

المستفتی: عبدالحق، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صفوں کو درست کرنے کے لئے اعلان کرنا اور اپنی جگہ کھڑے ہوکر کے پہلی صف کی دائیں اور بائیں طرف دیکھ کر نگرانی کرنا امام کی ذمہ داری ہے اور امام کے اعلان کے بعد ہر ہر صف کے مقتدیوں کو اپنی اپنی صف کو درست کرنا خود مقتدیوں کی ذمہ داری ہے اور امام کے اعلان کے بعد جو مقتدی آگے پیچھے ہوکر کے کھڑے ہوں گے وہ خود گنہ گار ہوں گے اور امام کے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عباد الله! لتستون صفوفكم أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/١٨٢، بيت الأفكار رقم: ٤٣٦)

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب......ولاتذروا فرجات للشيطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله. (ابوداؤد شريف، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/٩٧، دارالسلام رقم: ٦٦٦)

ثم إن استوى بعض الصف ولم يستو البعض فظني أن رجال ذلك

الصف والذين خلفه آثمون فإنه كان عليهم التسوية لاالذين قدامهم.

(معارف السنن، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، اشرفية ديوبند ۲/ ۳۰۰)

(۲) نماز جماعت سے متعلق امام صاحب کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں آنجناب نے وہ سب چیزیں پوچھی ہیں اور وہ سب باتیں کتب فقہ میں باب الامامت کے ذیل میں موجود ہیں اور جتنی جزئیات ہیں ان سب کو دیکھنا ہوگا؛ لہٰذا آپ کے سوال کے جواب میں کتاب الجماعت اور کتاب الامامت ہم نقل نہیں کر سکتے ان میں سے جو مسئلہ آپ کو معلوم کرنا ہو وہ واضح طور پر لکھئے پھر اس کا جواب لکھا جا سکتا ہے اور اگر آپ کو سب باتوں کی ضرورت ہے تو کتاب الامامت خود پڑھ کر دیکھئے پوری کتاب نقل کر کے مستفتی کو بتانا مفتی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۱/۱۴۳۳ھ

کیا صفوں کو سیدھا کرانا امام پر لازم ہے؟

سوال [۲۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب اپنے حجرے سے سیدھے مصلے پر آکر جماعت شروع کر دیتے ہیں، وہ صف کے بھی دائیں بائیں صفوں کی درستگی کی غرض سے نہیں دیکھتے، کیا صفوں کو درست کرانا امام صاحب کے فرائض میں سے نہیں ہے؟

المستفتی: عبدالحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صفوں کو درست کرنا خود مقتدیوں کی ذمہ داری اور انہیں کے فرائض میں شامل ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حضور ﷺ مصلے پر

تشریف لے جاتے تھے، تو مؤذن تکبیر شروع کردیتے تھے، اور صحابہ کرامؓ اپنی اپنی صفوں کو خود درست فرمالیا کرتے تھے، ہاں البتہ امام صاحب کا مصلیٰ پر جاکر مقتدیوں کی طرف منہ کرکے اگلی صف کی طرف دائیں بائیں نظر ڈال لینا مستحب اور مسنون ہے، حضرات خلفاء راشدین کا عمل یہی تھا کہ وہ اگلی صفوں کی نگرانی فرماتے تھے۔

أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف سمع أبا هريرةؓ، يقول أقيمت الصلوة فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر ذكر فأنصرف وقال لنا مكانكم الحديث. (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهنديه ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠٥)

عن أبي هريرةؓ أن الصلاة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم، قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه. (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهنديه ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠٥)

أن عمر بن الخطابؓ كان يأمر رجالا بتسوية الصفوف، فإذا جاء وه، فأخبروه بتسويتها كبر. (موطا محمد، كتاب الصلاة، باب تسوية الصف ٨٨، رقم: ٩٧)

وينبغي للقوم إذا قاموا أن يتراصوا يسدّوا الخلل ويسووا بين مناكبهم في الصفوف ولا بأس أن يأمرهم الإمام بذلك. (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والماموم، قديم زكريا ١/٨٩، جديد ١/ ١٤٦، الدر المنتقي مع مجمع الانهر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالكتاب العلمية بيروت ١/ ١٦٥، شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/ ٣١٠، كراچي ١/ ٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۲۸ھ

صفوں کی درستگی کا ذمہ دار کون ہے، امام صاحب یا مقتدی حضرات؟

سوال [۲۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا صفوں کا درست کرانا امام صاحب کے فرائض میں نہیں ہے، ہمارے امام صاحب کبھی بھی دائیں بائیں یا پیچھے مڑ کر صفوں کو درست کرانے کی غرض سے نہیں دیکھتے؛ بلکہ تکبیر مکمل ہونے پر اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کردیتے ہیں، بھلے ہی پہلی صف تک درست نہ ہوئی ہو؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صفوں کو درست کرنے کے اصل ذمہ دار مقتدی حضرات ہی ہوتے ہیں، ہر ایک اپنے دائیں بائیں دیکھ کر صفیں درست کرلے اور اس طرح صفیں درست کرنا مقتدیوں پر واجب ہے؛ البتہ امام کے لئے پہلی صف کی نگرانی کرنا اور نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کو درست کرنے کا اعلان کرنا مستحب اور مسنون ہے؛ لہٰذا اگر امام نے دائیں بائیں دیکھے بغیر نماز شروع کردی ہے اور اعلان بھی نہیں کیا تو ایک مستحب عمل ترک ہوا، جس پر ملامت بھی نہیں؛ البتہ جو مقتدی صحیح قطار بنا کر کھڑے نہیں ہوئے، وہ خود صف سیدھی نہ کرنے کے گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

عن مالک بن أبي عامر الأنصاري أن عثمان بن عفانؓ، كان يقول في خطبته: إذا قامت الصلاة، فاعدلوا الصفوف، وحاذوا بالمناكب، فإن اعتدال الصفوف من تمام الصلوة. (مؤطا محمد، كتاب الصلاة، باب تسوية الصف ۸۸، رقم: ۹۸، مصنف عبد الرزاق ۲۱۲/۳، رقم: ۵۳۷۳، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجمعة، باب الإنصات للخطبة وإن لم يسمعها دارالفكر ٤٧٣/٤، رقم: ٥٩٢٨)

عن أبي هريرةؓ، قال: إن الصلاة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم،

فيأخذ الناس مصافهم، قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه.
(مسلم شريف، باب متى يقوم الناس للصلاة، النسخة الهندية ١/٢٢٠، بيت الأفكار رقم:٦٠٥)

وعلى هذا فيكون تسوية الصف واجبا والتفريط فيه حرامًا.
(اعلاء السنن ٤/٣٣٥ بيروت)

وينبغي للقوم إذا قاموا أن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا بين مناكبهم في الصفوف، ولابأس أن يأمرهم الإمام بذلك. (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام والماموم، قديم زكريا ١/٨٩، جديد ١/١٤٦ كتاب الصلاة، باب الإمامة بيروت ١/١٦٥، الدر المنتقي، كتاب الصلاة، باب الامامة ١/١٦٥، شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ٢/٣١٠، كراچي ١/٥٦٨، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، امداديه ملتان ١/١٣٦)

وقال ابن مالك في شرحه: يدل على أن السنة للإمام أن يسوي الصفوف ثم يكبر. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سنية تسوية الصف ورصها ٤/٣٣٧ بيروت) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲؍شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۴۸۹)	۱۴۳۲/۱۰/۲۲ھ

امام کے علاوہ دوسرے شخص کا صفوں کو سیدھا کرانا

سوال [۲۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ ایک رواج ایسا ہوگیا ہے کہ جب مؤذن اقامت سے فارغ ہوتا ہے، تو ایک عام آدمی بآواز بلند اعلان کرتا ہے کہ صفیں سیدھی کرلو، جس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوجاتا ہے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھ لیتے ہیں، تو کیا اس طرح سے ایک عام شخص کے لئے امام کی

اجازت کے بغیر تسویۂ صفوف کا اعلان کرنا درست ہے؟ جبکہ دور رسالت میں حضور ﷺ نے صفوں کو سیدھا رکھنے پر نہایت زور دیا اور قولاً بھی فرمایا اور عملاً بھی صفیں سیدھی کرائیں؛ لیکن حضور ﷺ کی موجودگی میں کسی صحابی نے صفیں سیدھی نہیں کرائیں، تو کیا اس دور میں امام کی اجازت کے بغیر کسی عام آدمی کو صفیں سیدھی کرانے کا حق ہے، اگر امام صفیں سیدھی کرنے کا اعلان نہ کرے تو کیا امام پر زور اور دباؤ اس کے لئے ڈالا جائے گا یا امام کے حق کو کوئی شخص خود ہی انجام دے گا؟ مفصلاً جواب مطلوب ہے۔

(۲) ایک مولانا صاحب نے مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ یہ امام کا حق ہے کوئی شخص امام کی اجازت کے بغیر یہ اعلان نہیں کر سکتا ہے، تو مولانا صاحب کا یہ مسئلہ بیان کرنا صحیح ہے یا غلط اور لوگوں کا مولانا کے خلاف پرو پیگنڈہ کرنا صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: عبد المتین قاسمی، مدرس مدرسہ امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت کی نماز کے لئے صف سیدھی کرنا تمام علماء کے نزدیک لازم اور ضروری ہے، حتی کہ حدیث شریف میں صفیں سیدھی کرنے کو تکمیل صلوۃ کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے۔

عن أنس بن مالک، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: سووا صفوفکم، فإن تسویة الصف من تمام الصلاة. (صحیح مسلم، باب تسویة الصف وإقامتها، النسخة الهندیة ۱/۱۸۲، بیت الأفکار رقم: ۴۳۳، صحیح البخاري، کتاب الصلاة، باب إقامة الصف من تمام الصلاة ۱/۶۰، رقم: ۷۱۹، ف:۷۲۳)

اور اکثر علماء نے تسویۂ صفوف کو واجب کہا ہے، مگر حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کے عمل سے واضح ہوتا ہے کہ تسویۂ صفوف کی ذمہ داری امام کی ہوتی ہے یا امام نے جس کو اس کام کے لئے ذمہ دار بنایا ہے، وہی یہ کام کر سکتا ہے؛ کیونکہ اگر امام کی اجازت کے

بغیر دوسرے لوگ یہ کام انجام دیں گے تو نظام صلوۃ میں خلل آنے کا خطرہ ہے، حضور ﷺ ازخود صف سیدھی فرماتے تھے۔

عن النعمان بن بشير رضي الله عنه، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يسوي صفوفنا إذا قمنا للصلوة، فإذا استوينا كبر. (ابو داؤد شريف، الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/٩٨، دارالسلام، رقم: ٦٦٥، المعجم الكبير للطبراني ٢١/١٠٧، رقم:١١٨)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے لئے باقاعدہ چند آدمیوں کو متعین فرما رکھا تھا۔

عن عمر رضي الله عنه أنه كان يوكل رجالا بإقامة الصفوف ولايكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. الحديث. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، السنخة الهنديه ١/٣١، دارالسلام رقم:٢٢٧)

اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ازخود یہ کام انجام دیتے تھے، کسی دوسرے کو ذمہ دار نہیں بنایا تھا۔

روي عن عليؓ، وعثمانؓ أنهما كانا يتعاهدان ذلك ويقولان استووا. الحديث (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهنديه ١/٣١، دارالسلام رقم:٢٢٧)

ان تمام روایات سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ تسویۂ صفوف امام کا حق ہے، اگر کوئی دوسرا شخص یہ کام کرنا چاہے تو امام سے اجازت لینی ضروری ہے ورنہ نظام صلوۃ میں خلل آسکتا ہے؛ ہاں البتہ ہر شخص اپنے بغل والے کو صف سیدھی کر کے کھڑے ہونے کے لئے توجہ دلائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۲۷ھ

امام کا صفیں درست کرائے بغیر نماز شروع کرنا

سوال [۲۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر مساجد میں گھڑی دیکھ کر امام صاحب حجرہ سے سیدھے مصلے پر آ کر نماز شروع کر دیتے ہیں؛ جبکہ ہدایات یہ ہیں کہ مسجد کا جائزہ لے کر مقتدیوں کی رعایت کے ساتھ صفوں کو درست کرا کر ہی تکبیر تحریمہ کہی جائے ،صفوں کا درست کرانا امام صاحب کے فرائض میں سے ہے یا سنت مؤکدہ میں سے (دارالعلوم) مگر ہمارے یہاں اگر پہلی صف میں بھی کوئی نماز میں ہے تب بھی توقف نہیں کیا جاتا افضل ومسنون کیا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھڑی دیکھ کر سیدھے مصلے پر آ کر نماز شروع کرنے کا کیا مطلب ہے، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کی تکبیر ہو چکی ہے، اس کے بعد امام مصلے پر آ کر نماز شروع کر دیتا ہے، تو قابل توجہ بات ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ گھڑی دیکھ کر جماعت کھڑی ہونے کا جو ٹائم مقرر ہے، اسی ٹائم امام مصلے پر آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور مؤذن تکبیر شروع کرتا ہے تو کوئی اشکال اور اعتراض کی بات نہیں ہے کہ مؤذن کی تکبیر کے دوران مقتدی حضرات صفیں درست کریں اور امام صاحب مقتدیوں کی طرف منھ کر کے صفوں کی نگرانی کریں اور اعلان کرتے رہیں کہ صفیں درست کر لی جائیں، اس کے بعد امام صاحب نماز کی تکبیر تحریمہ باندھیں یہی مسنون طریقہ ہے اور نماز کھڑی ہونے کا ٹائم ہو چکا ہو یا قریب ہو تو پہلی صف میں سنتیں پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے، ایسے لوگوں کو مسئلہ بتا دیا جائے کہ اپنی سنتیں پیچھے برآمدہ یا مسجد کے آخری گوشہ میں پڑھیں، صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ مؤذن کی تکبیر کے دوران حضرات صحابۂ کرام کھڑے

ہوکر اپنی صفیں درست فرمایا کرتے تھے اور امام صاحب نگرانی فرماتے تھے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الرحمن بن عوف سمع أباهريرة ، يقول: أقيمت الصلوة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر ذكر فانصرف وقال لنا: مكانكم فلم نزل قياماً ننتظره حتى خرج إلينا وقد اغتسل ينطف رأسه ماء فكبر فصلىّ بنا. (صحيح مسلم ، الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠٥)

وعن أبي هريرةؓ، قال: أقميت الصلاة وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. فأومأ إليهم بيده أن مكانكم، فخرج وقد اغتسل ورأسه ينطف الماء فصلى بهم. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية، ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠٥)

وعن أبي هريرةؓ أيضا إن الصلاة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم، قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه الخ.

(مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخةالهدية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۴۱/۳۸)	۱۴۳۱/۱/۲ھ

تکبیر اولی میں امام صاحب کا مصلے پر بیٹھنا

سوال [۲۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ تکبیر اولی میں امام کا مصلےٰ پر بیٹھنا کیسا ہے اور کھڑا ہونا کیسا ہے، صحابہ کے عمل سے اس کا جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: حافظ زاہد حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مؤذن کے تکبیر کہتے وقت امام کا مصلےٰ پر بیٹھ جانا حدیث سے ثابت نہیں؛ بلکہ حدیث سے یوں ثابت ہے کہ مؤذن کے تکبیر کہتے وقت سب لوگ کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلیا کرتے تھے۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاهُ قبل أن يكبر. الحديث

(مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم:٦٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱/۱۴۱۵ھ

صحابۂ کرام مؤذن کے تکبیر کہنے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوتے تھے

سوال [۲۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کے لئے حضور ﷺ اور صحابۂ کرام کس وقت کھڑے ہوتے تھے، تکبیر کے شروع میں یا حیی علی الصلوٰۃ پر، جو بھی ثابت ہو حدیث نقل فرمائیں؟

المستفتی: محمد اقبال آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور ﷺ اور جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا

معمول یہ تھا کہ جب مؤذن تکبیر کہنا شروع کر دیتا، تو سب لوگ اول اقامت میں کھڑے ہوکر صف درست کرنے لگتے تھے اور مؤذن کے حي علی الصلوۃ کہنے کا انتظار نہیں کرتے تھے، اور اقامت میں کھڑے ہوکر صف درست کرنے لگتے تھے۔

أبـو سـلـمة بـن عبـد الـرحمن بن عوف أنه سمع أبا هريرة رضي الله تـعـالـی عـنه، يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إليـنـا رسـول الله صـلـی الله عليه وسلم، فأتی رسول الله صلی الله عليه وسلم حتـی إذا قام في مصلاهٗ قبل أن يكبر .الحديث (مسلم شريف كتاب الصلوة، باب متی يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠٥)

عـن ابن شهاب أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله اكبر الله اكبر يقيم الصلاة يـقـوم الـنـاس إلـی الـصلاة، فلايأتي النبي صلی الله عليه وسلم مقامه حتی يعدل الصفوف. (مصنف عبد الرزاق ١/ ٥٠٧، رقم: ١٩٤٢)

عن البراء بن عازب، قال: كنا نقوم في الصفوف علی عهد رسول الله صـلـی الله عليه وسلم طويلا قبل أن يكبر. (سـنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في الـصلاة تقام، ولم يأت الإمام ينتظرونه قعوداً، النسخة الهندية ١/ ٧٩، دارالسلام رقم:٥٤٣، بذل المجهود بيروت ٣/ ٣٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۲/۴۰)

فقہاء نے ”حي علی الصلاۃ“ پر کھڑے ہونے کو کیوں کہا؟

سـوال [۲۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤذن تکبیر میں جب ” حي علی الفلاح“ پر پہونچے تب کھڑا ہونا چاہئے

یا تکبیر کی ابتداء میں ہی کھڑا ہو جانا چاہئے، شرعی حکم کیا ہے؟ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ ''حی علی الفلاح'' پر کھڑا ہونا چاہئے اس کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی: محمد وحید اللہ، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث میں صف درست کرنے کی بہت تاکید آئی ہے؛ اس لئے افضل یہ ہے کہ تکبیر کی ابتداء میں ہی کھڑا ہو جائے؛ تاکہ نماز شروع ہونے سے پہلے بآسانی صف درست ہو جائے اور'' حی علی الفلاح'' پر بھی کھڑے ہونا جائز ہے اور کتب فقہ میں جو لکھا ہے کہ " حي علی الفلاح'' پر کھڑا ہونا چاہئے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت ضرور کھڑا ہو جانا چاہئے اور اس سے تاخیر نہیں کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵/۵۷۴، میرٹھ ۹/۴/۱۷)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، حتى إذا قام في مصلاه قبل أن يكبر. وقد اختلف السلف متى يقوم الناس إلى الصلاة وذهب مالك وجمهور العلماء إلى أنه ليس لقيامهم حدّ وكذا قيس بن أبي حازم وحماد بن سعيد بن مسيب وعمر بن عبد العزيز إذا قال المؤذن الله اكبر وجب القيام، وإذا قال حي على الصلاة اعتدلت الصفوف. (عمدة القاري، كتاب الأذان، باب متى يقوم الناس إذا رأوا الإمام، زكريا ٤/ ٢١٥، بيروت ٥/ ١٥٣)

والظاهر أنه احتراز عن التأخير لا التقديم حتى لو قام أوّل الإقامة لابأس.

(طحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة قبيل باب الإقامة، كوئٹه ١/ ٢١٥)

أن بلالا كان يراقب خروج النبي صلى الله عليه وسلم، فأول مايراه يشرع في الإقامة قبل أن يراه غالب الناس، ثم إذا رأوه قاموا فلايقوم في مكانه، حتى تعتدل صفوفهم، قلت: ويشهد مارواه عبد الرزاق،

أن الناس كانوا ساعة يقول المؤذن: الله اكبر يقومون إلى الصلاة، فلايأتي النبي صلى الله عليه وسلم مقامه حتى تعتدل الصفوف .

(بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب في الصلاة تقام ولم يأتى الإمام، بيروت ٣/٣٦٤ ، مكتبه ميرٹھ قديم١ /٣٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۸/۴۰)

صف کب سیدھی کریں؟

سوال [۲۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کا تکبیر شروع ہونے سے پہلے مصلے پر پہونچنا اور مقتدیوں کا تکبیر سے پہلے کھڑا ہونا کیسا ہے، اگر امام مصلے پر بیٹھتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے ان میں سے سنت طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مجمع بہت بڑا ہے صفوں کی درستگی میں کافی وقت لگ سکتا ہے، تو ایسی صورت میں امام صاحب تکبیر شروع کرنے سے پہلے صفیں سیدھی کرنے کا اعلان کردیں اور جب صفیں سیدھی ہوجائیں اس کے بعد تکبیر شروع کی جائے، تو یہ طریقہ بہتر اور افضل ہے اور اگر مجمع بہت بڑا نہیں ہے؛ بلکہ صرف چند صفوں کا مجمع ہے، تو مسنون طریقہ یہ ہے کہ تکبیر شروع ہونے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوجائیں، مؤذن صاحب تکبیر کہتے رہیں اور مقتدی صفیں درست کرتے رہیں، تکبیر کہتے کہتے صفیں درست ہوجائیں اور تکبیر ختم ہونے کے بعد امام نماز شروع کردے، حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے یہی ثابت ہے۔

وروي عن عمرؓ أنه كان يوكل رجالا بإقامة الصفوف ولايكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهنديه ۱/ ۳۱، دارالسلام رقم:۲۲۷)

روي عن عليؓ، وعثمانؓ أنهما كانا يتعاهدان ذلك ويقولان استووا.

(ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ۱/ ۵۳، دارالسلام رقم: ۲۲۷)

وعن أبي هريرةؓ، قال: أقميت الصلاة وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقام، فأومأ إليهم بيده أن مكانكم فخرج وقداغتسل ورأسه ينطف الماء فصلى بهم.

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية، ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار رقم:۶۰۵)

وعن أبي هريرةؓ إن الصلاة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم، قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه.

(مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخةالهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار رقم:۶۰۵)

تکبیر شروع ہونے سے پہلے امام کا مصلےٰ پر جاکر بیٹھنا قرآن وحدیث، نبی کریم ﷺ، حضرات خلفاء راشدین، تمام صحابہ کرامؓ اور چاروں ائمہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اورامام احمد بن حنبلؒ میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہے، یہ صرف اس زمانہ کے بدعتیوں کا اپنا گڑھا ہوا عمل ہے، جو حدیث وفقہ کے مخالف ہے؛ بلکہ حدیث میں یہ بات ہے کہ امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ مصلےٰ پر کھڑے ہوکر صفوں کو درست کرے۔

وروي عن عمرؓ أنه كان يؤكل رجالا بإقامة الصفوف ولايكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. روي عن عليؓ، وعثمانؓ أنهما كانا يتعاهدان

ذلک ویقولان استووا. (ترمذي شریف، کتاب الصلاة، باب ماجاء إقامة الصفوف، النسخة الهندیه ۱/ ۵۳، دارالسلام رقم:۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۷۵۲۸/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۸ھ

مقتدی نماز کے لئے کب کھڑے ہوں؟

سوال [۲۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بریلوی حضرات کا ''**حي علی الصلاة**'' پر کھڑے ہونے کا معمول ہے اور حوالہ پیش کرتے ہیں کہ اس مسئلہ پر بھی زیادہ سے زیادہ شہر ضلع میں تکبیر شروع ہوتے ہی لوگ کھڑے ہوتے ہیں، کیا اس مسئلہ میں ہمارے بزرگان دین توبہ توبہ لاعلم تھے؟

المستفتیان: نیاز احمد شمسی، ریاض خان علوی، حکمت علی قادری لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صفوں کی درستگی ہوچکی ہے اس کے بعد تکبیر میں ''**حي علی الصلاة**'' پر کھڑے ہوتے ہیں، تو کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ ہاں البتہ ''**حي علی الصلاة**'' پر کھڑے ہونے کی صورت میں تکبیر اولیٰ امام کے ساتھ کہنے سے پہلے پہلے صفوف کی درستگی نہیں ہو پاتی ہے، تو شروع تکبیر میں کھڑے ہوجانا چاہئے؛ تاکہ تکبیر اولیٰ سے پہلے پہلے صفیں سیدھی ہوجائیں؛ کیونکہ تکبیر اولیٰ سے پہلے پہلے صفیں سیدھی نہ ہوں، تو صفوں کو درست کرنا دشوار ہوجاتا ہے۔

عن أنس بن مالک أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم، قال: سووا صفوفکم، فإن تسویة الصفوف من إقامة الصلاة. (صحیح البخاري، کتاب الصلاة، باب إقامة الصف من تمام الصلاة ۱/ ۱۰۰، رقم: ۷۱٤، ف:۷۲۳)

عن أنس بن مالک، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: سووا

صفوفكم، فإن تسوية الصف، من تمام الصلاة. (صحيح مسلم الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، النسخة الهنديه ١/١٨٢، بيت الأفكار رقم:٤٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۹۱/۲۵)

صفوں کی ترتیب کا مسنون طریقہ

سوال [۲۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی دیواریں جو پتھر کی بنی ہوئی ہیں، جن کی موٹائی قریب ساڑھے چار فٹ ہے، دوصفوں کے بعد برآمدے کے لئے تین در ہیں، ہر در میں برسوں سے دو دو نمازی کھڑے ہوا کرتے تھے؛ کیونکہ نہ کھڑا ہونے پر ایک صف سے دوسری صف کا فاصلہ چھ فٹ کے قریب ہوجاتا تھا، اس پر آج تک کسی عالم کو کبھی کوئی اعتراض نہیں ہوا؛ جبکہ اکثر کسی نہ کسی نماز میں کوئی نہ کوئی عالم ہر روز ہی رہا ہے، اب سوال یہ ہے کہ صفوں کی ترتیب کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ یعنی ایک صف سے دوسری صف کا زیادہ سے زیادہ کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

دروں کو خالی چھوڑنا افضل ہے یا دروں میں کھڑا ہونا افضل ہے؛ جبکہ دوصفوں کے بیچ کا فاصلہ چھ فٹ ہوجاتا ہو؟

اگر دروں میں نماز نہیں ہوتی تو کیا دروں میں کھڑے ہونے والوں کو اپنی پچھلی نمازیں دہرانی ہونگی؟

ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ دوصفوں کے بیچ کا فاصلہ اتنا نہیں ہونا چاہئے جتنی چوڑائی میں ایک سواری گذر جائے، مولانا محترم مفتی کفایت اللہ صاحب نے کتاب الصلاۃ کے ص:۱۲۲/ پر فرمایا ”دروں میں کھڑے ہونے والوں کی نماز ہوجاتی ہے“ فتاوی محمودیہ کی جلد ۶/۲۴۶/ میں فرمایا گیا، دوچار آدمیوں کا دروں میں کھڑا ہونا درست ہے ایک آدمی کا درست نہیں۔

دوسرے مولوی صاحب کا فرمانا ہے کہ دروں میں کھڑے ہونے والوں کی نماز نہیں ہوتی؛ جبکہ مسجد میں اور بھی جگہ ہو، انہوں نے سختی سے دروں سے مصلے اٹھا دیئے، دوسری مسجد جس کے دروں میں محرابیں نہیں؛ بلکہ ڈیڑھ فٹ چوکور پلر ہیں اور ان دروں میں چھ سات آدمی کھڑے ہوتے تھے (اور اس مسجد میں ہمیشہ مستند عالم رہے) ان میں بھی نماز ہونی بند ہوگئی: کیونکہ ہوتی نہیں؛ جبکہ چٹائی بچھی رہتی ہے، جس کی وجہ سے دو صفوں کا فاصلہ ساڑھے چار فٹ ہو جاتا ہے، نمازی کے آگے سے گذرنے میں کتنی صفوں کے بعد کوئی قباحت نہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک صف اور دوسری صف کے درمیان مکمل ایک صف کو بلا وجہ خالی چھوڑنا مکروہ ہے؛ لیکن دروں کو خالی چھوڑنا مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ دروں کو خالی چھوڑ کر صفوں میں کھڑا ہونا زیادہ افضل ہے اور اگر دروں میں بھی لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں کہ ایک ایک در میں دو دو، تین تین آدمی ہوں تو یہ بھی جائز ہے، مگر افضل نہیں ہے اور صرف ایک آدمی کا کھڑا ہونا مکروہ ہے، اب سوال نامہ میں جو مسئلہ متنازع فیہ ہے، اس کا مدار صرف افضلیت اور غیر افضلیت پر ہے اور جن علماء نے دروں میں کھڑے ہونے کا سلسلہ باقی رکھا ہے وہ صرف نفس جواز کی وجہ سے اور جن علماء نے دروں سے صفوں کو اٹھادیا ہے وہ صرف افضل نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ افضل شکل یہ ہے کہ دروں میں کھڑا نہ ہوا جائے؛ بلکہ صفوں میں کھڑا ہوا جائے؛ لہٰذا دونوں قسم کے علماء کے عمل میں تضاد نہیں ہے، اب اس تمہید کے بعد ہر سوال کا جواب پیش خدمت ہے۔

الف: ایک صف اور دوسری صف کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ دوسری صف والے آسانی کے ساتھ رکوع وسجدہ کرسکیں؛ لہٰذا اس طرح سے صف بچھائی جائے کہ پہلی اور دوسری صف سب ملی ہوئی ہوں جیسا کہ عام مسجدوں میں صفیں بچھی ہوئی ہوتی ہیں۔

ولابد من وجود فرجة بين الصفين أكثر من قدر مقام الرجل.

(شامی، کتاب الصلاة، باب الإقامة مطلب في الكلام على الصف الأول، کراچی ۵۷۳/۱، زکریا ۳۱۷/۲)

ب: جماعت کے وقت دروں کو خالی چھوڑنا افضل ہے؛ کیونکہ دروں کی وجہ سے صفوں کے درمیان مانع اتصال نہیں ہے۔

ويعلم منه بالأولى أن مثل مقصورة دمشق التي هي في وسط المسجد خارج الحائط القبلي يكون الصف مايلي الإمام في داخلها، وما اتصل به من طرفيها خارجا عنها من أول الجدار إلى آخره، فلاينقطع الصف ببنائها كما لاينقطع بالمنبر الذي هو داخلها فيما يظهر. (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة مطلب في الكلام على الصف الأول کراچی ۵۶۹/۱، زکریا ۳۱۱/۲)

عن عبد الحميد بن محمود قال: صلينا خلف أمير من الأمراء، فاضطرنا الناس فصلينا بين الساريتين، فلما صلينا، قال أنس بن مالک كنا نتقي هذا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في كراهية بين السواري، النسخة الهندية ۵۳/۱، دارالسلام رقم:۲۲۹)

(ج) دروں میں کھڑے ہونے والوں کی نماز بلاشبہ ہو جاتی ہے صرف افضلیت کے خلاف ہے؛ اس لئے دروں میں پڑھی گئیں پچھلی نمازوں کا اعادہ نہیں کیا جائے گا اور مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ کہ ''دروں میں نماز ہو جاتی ہے'' صحیح ہے، دروں میں دو چار آدمی کھڑے ہو جائیں تو بلا کراہت درست ہے اور تنہا ایک آدمی کھڑا ہو تو یہ مکروہ ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک صف میں تنہا ایک آدمی کھڑا ہو جائے، مفتی محمود صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ تنہا جو کھڑا ہو اس کی نماز درست نہیں ہے؛ بلکہ یہ کہا ہے کہ مکروہ ہے، جو اپنی جگہ درست ہے اور ایک صف اور دوسری صف کے درمیان سواری گذرنے کی جو بات آئی اس میں مسئلہ کے سمجھنے میں کچھ مسامحت ہوئی ہے، جہاں فقہاء نے یہ مسئلہ لکھا ہے اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد پوری ہو گئی ہے اور مسجد کے بعد عام راستہ جو لوگوں کی عام گذرگاہ ہے اور سواریاں بھی

چلتی ہیں، اس راستہ کو چھوڑ کر پیچھے کی زمین یا مکان پر اقتداء کی جائے تو اقتداء درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ عام گذرگاہ اتصال اور اقتداء کو مانع ہے اور اگر حدود مسجد کے اندر ایک صف یا اس سے زیادہ مکمل چھوڑ کر کے پیچھے کی صفوں میں کھڑا ہوتا ہے یا اسی طرح کھلے میدان میں نماز ہورہی ہے، اس میں تسلسل صفوف کو چھوڑ کر ایک دو صف خالی چھوڑ کر پیچھے اقتداء کی جاتی ہے تو یہ دونوں صورتیں مکروہ ہیں اور ستونوں کے درمیان کے دروں کو اس فاصلہ پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، اس طرح کے فاصلہ کا حکم بالکل الگ ہے اور دروں کا حکم اس سے ہٹ کر بالکل دوسرا ہے؛ اس لئے یہ قیاس درست نہیں ہے۔

والاصطفاف بين الاسطوانتين غير مكروه لأنه صف في حق كل فريق، وإن لم يكن طويلا وتخلل الاسطوانة بين الصف، كتخلل متاع موضوع، أو كفرجة بين رجلين، وذلك لايمنع صحة الاقتداء، ولايوجب الكراهة. (مبسوط سرخسي، باب صلوة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۳۵)

لوقام الإمام في الطريق واصطف الناس خلفه في الطريق على طول الطريق، إن لم يكن بين الإمام وبين من خلفه في الطريق مقدار مايمر فيه العجلة جازت صلاتهم، وكذا فيما بين الصف الأول والثاني إلى آخر الصفوف-المانع من الاقتداء ثلاثة أشياء منها طريق عام يمر فيه العجلة والأوقار-ومنها نهر عظيم-ومنها صف تام من النساء، هكذا في شرح الطحاوى. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الاقتداء ومالايمنع، قديم زكريا ۱/۸۷، جديد ۱/۱۴۵)

(۲) چھوٹی مسجد جس کا مربع چالیس ذراع یا اس سے کم ہو تو ایسی چھوٹی جگہ میں نمازی کے سامنے سے گذرنا مطلقاً ناجائز ہے، خواہ قریب سے گذرے یا دور سے، اگر بڑی مسجد یا میدان میں کوئی شخص خشوع خضوع کے ساتھ سجدہ کی جگہ پر نگاہ جما کر نماز پڑھ رہا ہو اور کسی کو اس کے سامنے سے گذرنے کی ضرورت پیش آئے تو نمازی کی نظر جہاں تک جاتی ہے

اس کے آگے سے گذرنا جائز ہے، جس کا اندازہ تین صف کی مقدار کا لگایا گیا ہے۔
(مستفاد: ایضاح المسائل: ۵۸، احسن الفتاوی ۳/۴۰۹، امداد الاحکام ۲/۵۸)

وأصح ماقيل فيه أن المصلي لو صلى بخشوع، فإلى الموضع الذي يقع بصره على المار يكره المرور بين يديه وفيما وراء ذلك لايكره.
(مسبوط سرخسي، باب الحدث في الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۱۹۲)

فاعلم أن الصلاة إن كانت في المسجد الصغير، فالمرور أمام المصلي حيث كان يوجب الإثم؛ لأن المسجد الصغير مكان واحد فأمام المصلي حيث كان في حكم موضع سجوده. (شرح وقاية، كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها، اشرفي ۱/۱٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۴۲۲۷)

صفوں کو سیدھا کرنے سے متعلق چند سوالات

سوال [۴۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ نماز میں قطار وصف سیدھی کرنا کس درجہ کا واجب ہے۔

(۲) بہت بڑی جماعت میں صف کی درستگی کرنے کی کیا صورت ہے؟

(۳) اگر جم غفیر والی جماعت میں صف درست کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی جائے کہ ہر صف کے اوپر بطور علامت کوئی رسی یا اس کے ساتھ رنگین کاغذ وغیرہ معلق کردیا جائے، مصلی جس کو دیکھ کر صف سیدھی کر سکے گا، کیا یہ کام از روئے شرع درست ہوگا یا اس میں کوئی شرعی قباحت ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر امان اللہ کسائی خانہ، برہمپور، گورابازار، مرشدآباد (مغربی بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نماز میں صفوں کو سیدھا کرنا ایسا واجب ہے جس میں فقہاء ومحدثین کے درمیان اختلاف ہے، بعض فقہاء اور محدثین کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایسی سنت مؤکدہ ہے، جو واجب کے قریب ہے اور حنفیہ میں سے بعض محدثین واجب کہتے ہیں اور بعض سنت کہتے ہیں اور شوافع میں بھی ایسا ہی ہے کہ ابن حجر عسقلانیؒ اس کو واجب کہتے ہیں اور دوسرے شوافع اس کو سنت کہتے ہیں اور واجب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں صف سیدھی کرنے کے بارے میں وعید کے انداز سے تاکیدی حکم وارد ہوا ہے؛ لیکن صف سیدھی کرنا کسی کے نزدیک بھی ایسا واجب یا ایسی شرط نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے نماز فاسد یا واجب الاعادہ ہوتی ہو؛ بلکہ نماز سب کے نزدیک کراہت کے ساتھ درست ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: درس ترمذی زکریا ۱/۴۸۵)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عباد الله لتسون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، النسخة الهنديه ١/ ١٨٢، بيت الأفكار رقم:٤٣٦)

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولِينوا بأيدي إخوانكم......ولاتذروا فرجات للشيطان ومن وصل صفا وصله الله، ومن قطع صفا قطعه الله. (ابو داؤد، كتاب الصلوة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٩٧، دارالسلام رقم:٦٦٦)

وهو واجب عندنا تكره الصلوة بتركه تحريما. (فيض الباري، كتاب الصلاة، باب تسوية الصف عند الإقامة وبعدها ٢/ ٢٣٤، كوئٹه)

والجمهور أنها سنة وليس الإنكار للزوم الشرع بل للتغليظ والتحريض على الإتمام. (قسطلاني، كتاب الصلاة، باب إثم من لم يتم الصفوف، دارالفكر بيروت ٢/ ٤١٥، رقم: ٧٢٤)

قلت والظاهر من كلام أصحابنا أنها سنة مؤكدة لإطلاقهم الكراهة على ضدها. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سنية تسوية الصف ورصها بيروت ٣٣٢/٤، كراچی ٣١٥/٤، عمدةالقاري، كتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة بيروت ٢٥٤/٥، زكريا ٣٥٤/٤، اوجز المسالك، العمل في غسل يوم الجمعة، تسوية الصفوف قديم ٣٤١/١، دمشق ٢٩٥/٣)

وعلى هذا وهو واجب والتفريط فيه حرام. (فتح الباري، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها قديم بيروت ٢٢٤/٢، اشرفيه ٢٧٤/٢، تحت رقم الحديث ٧١٧، الموسوعة الفقهية ٣٦/٣٧ بيروت)

الأمر بتسوية الصفوف وهى سنة الصلوة عند أبي حنيفةؒ والشافعيؒ ومالكؒ. (عمدة القاري زكريا ٣٥٤/٤، بيروت٢٥٤/٥)

إن تعديل الصفوف من سنة الصلوة وليس بشرط في صحتها عند الأئمة الثلاثة الخ. (اوجز المسالك، العمل في غسل الجمعة، تسوية الصفوف قديم ٣٤١/١ جديد دمشق ٢٩٥/٣)

الصواب أن يقول: فلتكن التسوية واجبة بمقتضى الأمر؛ لكنها ليست من واجبات الصلوة بحيث أنه إذا تركها فسدت صلاته، أو نقصتها، غاية ما في الباب إذا تركها يأثم. (اوجز المسالك ٢٩٥/٣، دمشق الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/٢٧)

اگر نمازیوں کا مجمع بہت بڑا ہے تو صفیں سیدھی کرنے کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ امام صفیں سیدھی کرنے کا اعلان کردے اور نماز شروع کرنے میں تھوڑی دیر توقف کرلے؛ تاکہ سب لوگ اپنی اپنی صفیں درست کرلیں اوراعلان میں اس طرح کے الفاظ کہے کہ ''صفیں درست کرلیں، صفیں سیدھی کرلیں اور کندھے سے کندھا ملالیں، سب لوگ اپنی ایڑیوں اورقدموں کودیکھیں'' اس طرح کے اعلان کے ذریعہ سے صفیں سیدھی کرالیں، اس کے بعد نماز شروع کی جائے، حضرت عمرؓ نے چند آدمیوں کو متعین کر رکھا تھا کہ صفوں کی

درستگی کی نگرانی کرلیں حضرت علیؓ اور عثمانؓ ازخود صفیں درست کروایا کرتے تھے، اس لئے امام کومقتدیوں کی طرف منہ کرکے صفوں کے درست کرنے کا اعلان کرنا چاہئے اوردائیں بائیں دیکھ لینا چاہئے۔

سووا صفوفكم فإن تسوية الصف من تمام الصلاة. (مسلم شريف، باب تسوية الصفوف وإقامتها، النسخة الهندية ١/١٨٢، بيت الأفكار رقم:٤٣٣)

عن نعمان بن بشيرؓ، يقول: أقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على الناس بوجهه، فقال: أقيموا صفوفكم ثلاثا، والله لتقيمن صفوفكم أوليخالفن الله بين وجوهكم، فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعبه. (ابوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/٩٧، دارالسلام رقم: ٦٦٢)

(وحاذوا بالمناكب) أي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازيا لمنكب الآخر، ومسامتا له، فتكون المناكب، والأعناق، والأقدام، على سمتٍ واحد. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب سنية تسوية الصف ورصها بيروت ٤/٣٣٦، كراچي ٤/٣١٩)

عن عمرؓ أنه كان يوكل رجالا بإقامة الصفوف ولايكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت. وروي عن عليؓ، وعثمانؓ أنهما كانا يتعاهدان ذلك ويقولان استووا وكان علي يقول: تقدم يافلان، تأخر يا فلان. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف، النسخة الهندية ١/٥٣، دارالسلام رقم: ٢٢٧)

(۳) یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صفوں کوسیدھا کرنے کے لئے رسی یا رنگین کاغذ لگانے کی بات کیوں کہی جارہی ہے؛ جبکہ ہرصف میں اس کا نشان موجود ہوتا ہے کہ مساجد میں جوصفیں بچھی رہتی ہیں ان میں سے ہرایک صف کا آخری کنارہ ازخودایک نشان ہوتا ہے، اسی طرح اگرقالین بچھتی ہے تواس کا آخری کنارہ ازخودعلامت ہے، پھراس میں رسی یا رنگین

کاغذ لگانا بے ضرورت ہے؛ بلکہ لوگوں کو توجہ دلانا چاہئے کہ صفیں سیدھی کرلیں اور صفوں کے آخری کنارے پر ایڑی رکھیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سووا صفوفكم فإن تسوية الصف من تمام الصلاة. (مسلم شريف، باب تسوية الصفوف و إقامته، النسخة الهندية ١/ ١٨٢، بيت الأفكار رقم:٤٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵٦۸/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۲/۲۹ھ

امام کے پیچھے کون کھڑا ہو؟

سوال [۵۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کے پیچھے کس شخص کو بیٹھنا چاہئے؟

المستفتی: گلفام، بکر قصاب والی مسجد، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امام کے پیچھے اگر آسانی سے ہوسکے تو پڑھا لکھا عالم ہو یہ بھی اس وقت ہے کہ پڑھا لکھا آدمی پہلے سے آکر جگہ گھیر لے؛ لیکن اگر دوسرے آدمی نے صف اول میں امام کے پیچھے جگہ لے لی ہے، تو اس کو ہٹانا بھی نہیں چاہئے بہتر یہی ہے کہ پڑھا لکھا دینی مسائل سے واقف کار باشرع شخص پہلے آکر امام کے پیچھے جگہ لے لیا کرے۔

عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لِيلني منكم أو لو الأحلام والنهى. ثم الذين يلونهم ثلاثا الحديث. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/ ١٨١، بيت الأفكار رقم:٤٣٢، سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء ليليني منكم أولو الأحلام والنهى،

النسخة الهندية ١/ ٥٣، دارالسلام رقم:٢٢٨، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٧٥٦، رقم:١٥٧٢، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٣/ ٢٣٨ رقم:٢١٧٧، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٠/ ٨٨، رقم: ١٠٠٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲؍۴۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۳؍۱۴۱۷ھ

جماعت کے لئے کس وقت کھڑے ہوں؟

سوال [۲۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں چند احباب اس بات کے قائل ہیں کہ اقامت میں جب ''**حي علی الفلاح**'' کہے تب کھڑا ہونا چاہئے اور چند احباب اس بات کے قائل ہیں کہ ابتداء ہی میں کھڑے ہونا چاہئے ازراہ کرم بتلائیں کہ کون صحیح پر ہے کون غلط پر ہے؟ یا افضل وغیر افضل کا اختلاف ہے؟ امید ہے کہ جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے؟

المستفتی: محمد گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقامت کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوجانا افضل ہے؛ اس لئے کہ صفوں کو درست کرنا واجب ہے اور تکبیر اولی حاصل کرنا بھی افضل ہے، تو اگر اقامت کے ساتھ ساتھ کھڑا ہوتا ہے، تو صفوں کو درست کر کے تکبیر اولی حاصل کرنا آسان ہوتا ہے اور اگر علی الفلاح پر کھڑا ہو جائے تو صف سیدھی کر کے تکبیر اولیٰ حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں حضرات صحابہ کرامؓ اقامت کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوجایا کرتے تھے۔

عن أبي هريرة رضـ يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل

أن يخرج إلينا رسول الله عليه وسلم. (مسلم شريف، كتاب الصلوة، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠٥، المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/ ٣٩٧، رقم: ٩١٩٢)

عن أبي هريرة رضي إن الصلاة كانت تقام لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فيأخذ الناس مصافهم، قبل أن يقوم النبي صلى الله عليه وسلم مقامه الخ. (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخةالهدية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم: ٦٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ شوال المکرّم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۰/۳۰ھ

نماز کے لئے کس وقت کھڑا ہونا چاہئے؟

سوال [۲۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کہا کہ ”**حی علی الصلاۃ**“ پر کھڑا ہونا چاہئے اور وہ اپنی دلیل پیش کرتا ہے کہ **يقوم الإمام والقوم عند حی علی الصلاة ويشرع عند قدقامت الصلاة.** (شرح وقایہ ۱۳۶)

اس کے بارے میں مفصل جواب دیں اور بکر کہتا ہے کہ تکبیر سے پہلے کھڑا ہونا چاہئے اور وہ بھی اپنی دلیل بیان کرتا ہے، جب دونوں حدیثیں ہیں، تو دونوں حدیثوں کی تشریح فرمائیے اور واضح فرمائیے کہ دونوں حدیثوں پر عمل ممکن ہے؟ اور ایک کو ماننا، دوسرے کو نہ ماننا اس کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن، گڈا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرح وقایہ کی عبارت جو سوال نامہ میں نقل کی گئی ہے،

وہ اپنی جگہ درست ہے اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) **حی علی الصلاۃ** پر کھڑا ہونا۔

(۲) تکبیر تحریمہ کے ذریعہ سے نماز شروع کردینا یہ دونوں مسئلے کتب فقہ میں ایک جگہ ایک ساتھ ایک ہی درجہ میں بیان کئے جاتے ہیں اور اس قسم کی عبارتوں کو دیکھ کر کے بعض لوگ **حی علی الصلاۃ** تک بیٹھے رہنے پر اصرار کرتے ہیں، اس سے پہلے کھڑے ہونے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور کھڑے ہونے والوں پر نکیر کرتے ہیں؛ لیکن یہ لوگ عبارت کے پہلے جز یعنی ''**حی علی الصلاۃ**'' پر کھڑے ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور زور دیتے ہیں مگر عبارت کے دوسرے جز ''**قد قامت الصلوۃ**'' پر نماز شروع کرنے کا جو حکم ان کتابوں میں لکھا ہے اس پر نہ کبھی عمل کرتے ہیں اور نہ ہی مسئلہ بتاتے ہیں اور نہ ہی اس مسئلہ پر کوئی توجہ ہے، آخر ایسا کیوں ہے؛ جبکہ دونوں مسئلے ایک ہی درجہ کے ہیں اور بعض لوگ ''**قد قامت الصلوۃ**'' پر کھڑے ہونے کا التزام نہیں کرتے؛ بلکہ تکبیر ہونے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہو کر صف سیدھی کرتے ہیں؛ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ صفیں سیدھی کرنا نہایت لازم ہے، خلفاء راشدین تکبیر کے وقت کھڑے ہو کر اہتمام کے ساتھ صفیں سیدھی کرتے تھے؛ اس لئے کہ صفیں سیدھی کرنا واجب ہے، اب اگر ''**حی علی الصلوۃ**'' تک انتظار کرتے رہیں گے اور ''**قد قامت الصلوۃ**'' پر امام تکبیر تحریمہ کہہ دے گا، تو فقہ کے مذکورہ جزئیہ پر تو عمل ہو جائے گا، مگر اس سے دو خرابی لازم آئیں گی۔

(۱) صفیں سیدھی کرنے کا موقع نہیں ملتا جو واجب ہے۔

(۲) قد قامت الصلاۃ پر تکبیر تحریمہ شروع کرنے سے خود تکبیر کہنے والا مؤذن اسے امام کیساتھ تکبیر تحریمہ میں شرکت کا موقع نہ ملے گا؛ اس لئے فقہ کی عبارت کے دونوں جزوں کو ترک کر دیا گیا ہے اور فقہ کی مذکورہ عبارت کے دونوں جزوں پر عمل کرنے میں ترک واجب وغیرہ کی خرابی لازم آئے گی؛ اس لئے ہم کو حضور ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھنے

کی ضرورت پیش آئی تو ذخیرۂ حدیث کے اندر ''حی علی الصلاۃ'' پر کھڑے ہونے اور امام کے تکبیر کے درمیان مصلیٰ پر جا کر بیٹھ جانے کے متعلق کوئی بھی حدیث نہیں ہے؛ بلکہ تکبیر شروع ہونے کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرنے کے متعلق صحیح حدیثیں ملتی ہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

وعن أبي هريرةؓ، قال: أقميت الصلاة وصف الناس صفوفهم، وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام مقامه. (صحيح مسلم،المساجد، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية، ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم:٦٠٥)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه يقول: أقيمت الصلاة، فقمنا، فعدلنا الصفوف، قبل أن يخرج إلينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا قام في مصلاهٗ. (مسلم شريف كتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢٢٠، بيت الأفكار رقم:٦٠٥)

ان روایت کے اندر تکبیر کے ساتھ ساتھ کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرنے کا حکم مذکور ہے، مگر ''حی علی الصلوۃ'' تک انتظار کرنے کے بارے میں کوئی حدث ہم کو نہیں ملی ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں یہ جو لکھا گیا ہے، کہ دونوں حدیثوں پر عمل ممکن ہے یا نہیں یہ سوال ہی صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ صحیح حدیث شریف صرف اقامت کے ساتھ کھڑے ہونے کے متعلق ہے، ''حی علی الصلوۃ'' تک انتظار کرنے کے بارے میں نہیں ہے؛ لہٰذا فقہ کے جزئیہ پر عمل کرنا مشکل ہونے کی وجہ سے حدیث ہی پر عمل کرنا مناسب سمجھا گیا ہے؛ اس لئے تکبیر کے ساتھ تمام مقتدیوں کو کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کر لینی چاہئے اور امام کو مصلیٰ پر جا کر نہ بیٹھنا چاہئے جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۲ھ

نماز میں قیام کا صحیح طریقہ

سوال [۲۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ نماز میں لوگ اتنا پیر پھیلا کر کھڑے ہوتے ہیں کہ ہر دونفر کے بیچ میں جگہ خالی ہو جاتی ہے، اس طرح نماز ہوتی ہے یا نہیں، میں پیر نہیں پھیلاتا ہوں ایک رکعت بعد مجھ کو پیر پھیلانا پڑتا ہے، اگر نہ پھیلاؤں تو درمیان میں جگہ خالی ہو جائے گی؟

المستفتی: شفیع احمد، اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس میں ایک دوسرے کے بازو ملنے چاہئے پیروں کا ملنا ضروری نہیں ہے؛ اس لئے پیروں کو بلاعذر چار پانچ انگل سے زیادہ نہیں پھیلانا چاہئے۔

عن أنسؓ، عن النبي صلی الله عليه وسلم، قال: أقيموا صفوفكم، فإني أراكم من وراء ظهري، وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه، وقدمه بقدمه. (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب الزاق المنكب بالمنكب ١/ ١٠٠، رقم:٧١٦، ف:٧٢٥)

عن علقمة، قال: كنا نصلي مع عمرؓ، فيقول سدوا صفوفكم، لتلتقي مناكبكم لايتخللكم الشيطان كأنها بنات حذف. (مصنف عبد الرزاق ٢/ ٤٦، رقم:٢٤٣٣)

عن أبي شجرة...... أن رسول الله صلی الله عليه وسلم، قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيدي إخوانكم...... ولاتذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفاقطعه الله. (ابو داؤد شريف، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٩٧، دارالسلام رقم:٦٦٦)

وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع. (شامي، باب صفة الصلوة، مبحث القيام زكريا ۲/ ۱۳۱، كراچي ۱/ ٤٤٤)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۶)

نماز میں ٹانگیں چیر کر کھڑا ہونا

سوال [الف: ۲۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں ٹانگیں چیر کر کھڑا ہونا کیسا ہے؟

المستفتی: مطلوب احمد، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز میں ٹانگیں چیر کر کھڑا ہونا خلاف سنت ہے، کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں، احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کندھے کو کندھے سے ملا کر اس طرح کھڑے ہونا چاہئے کہ بیچ میں کوئی خلا نہ رہے، یہی ان احادیث کا مطلب ہے جن میں قدم کو قدم سے ملا کر کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور ٹانگیں چیر کر کھڑے ہونے کی صورت میں کندھے سے کندھے مل نہیں سکتے جو خلاف سنت ہے اور کندھے سے کندھے اسی وقت مل سکتے ہیں؛ جبکہ آدمی اپنی ہیئت پر کھڑا ہو۔

عن أنسؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: أقيموا صفوفكم، فإني أراكم من وراء ظهري، وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه. (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب الزاق المنكب بالمنكب ۱/ ۱۰۰، رقم: ۷۱٦، ف: ۷۲۵)

وعن أبي عثمانؓ، قال: رأيت عمرؓ إذا تقدم إلى الصلاة نظر إلى المناكب والأقدام. (مصنف عبد الرزاق ۲/ ٤۷، رقم: ۲٤۳٦)

عن علقمة رضـ، قال: كنا نصلي مع عمر رضـ، فيقول سدوا صفوفكم، لتلتقي مناكبكم لايتخللكم الشيطان كأنها بنات حذف. (مصنف عبد الرزاق ٢/٤٦، رقم: ٢٤٣٣)

عن أبي شجرة...... أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل ولينوا بأيدي إخوانكم......ولاتذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفاقطعه الله. (ابو داؤد شريف، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/٩٧، دارالسلام رقم: ٦٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۶ھ

دونوں پیروں کے درمیان چار انگل کے فاصلہ کی شرعی حیثیت

سوال [ب:۲۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کے لئے جب مصلی کھڑا ہوتا ہے تو دونوں پیروں کے درمیان جو چار انگلیوں کا فاصلہ بتایا جاتا ہے، وہ کس حدیث سے ثابت ہے، اگر کسی صحابی یا تابعی کا فعل ہو تو رہنمائی فرمائیے؟

المستفتی: انوار حسین، وارثی نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے اندر کھڑے ہونے میں دونوں پیروں کے درمیان چار انگلیوں کا فاصلہ رکھنے کی جو بات ہے، اس سلسلے میں کوئی حدیث شریف صراحت کے ساتھ نظر سے نہیں گزری؛ ہاں البتہ نماز کے اندر خشوع وخضوع اور طمانیت کا حکم ہے اور یہ خشوع وخضوع اور یکسوئی اس وقت حاصل ہوگی جب کہ آدمی اپنی ہیئت پر کھڑا ہو

اوردرمیانی بدن کا آدمی جب اپنی ہیئت پر کھڑا ہوتا ہے تو دونوں پیروں کے درمیان تقریبا چار انگلیوں کا فاصلہ ہوتا ہے؛ اس لئے فقہاء ومحدثین نے چار انگل کے فاصلہ کو افضل بتایا ہے اور اگر موٹا آدمی ہے تو وہ چار انگل سے زیادہ فاصلہ پر کھڑا ہوگا؛ اس لئے کہ وہی افضل ہے اور دونوں پیروں کو ملا کر کھڑے ہونے سے بعض روایت میں ممانعت آئی ہے؛ اس لئے دونوں پیروں کو ملا کر کھڑے ہونے کی صورت میں آدمی اپنی ہیئت پر نہیں رہ سکتا اس سلسلے میں اثر صحابہ وتابعین ملاحظہ فرمایئے:

سألت عطاء عن ضم المرء قدميه في الصلاة، فقال أما هكذا حتى تماس بينهما فلا ولكن وسطاً من ذلك، فقال ابن جريج، ولقد أخبرني نافع، أن ابن عمر كان لايفرسخ بينهما، ولايمس إحداهما الأخرى، قال: بين ذلك. (مصنف عبد الرزاق ٢/٢٦٤، رقم: ٣٣٠٠)

اس سے متعلق فقہی جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

ينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع، هكذا روى عن أبي نصر الدبوسي أنه كان يفعله. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثانى، قبيل، فصل في القراء ة ٢/٥٥، رقم: ١٧٢٠، مثله في الشاميه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مبحث القيام كراچى ١/٢١٣، زكريا و معارف السنن، كتاب الصلاة، بيان تسوية الصف، وصف القدمين، اشرفيه ٢/٢٩٩، رقم: ٣٠٠)

ويسن تفريج القدمين في القيام قدر أربع أصابع؛ لأنه أقرب إلي الخشوع (وتحته في الطحطاوي) نص عليه في كتاب الأثر عن الإمام ولم يحك فيه خلافًا. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها جديد ٢٦٢، قديم ١٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۰۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۳ھ

صحت اقتداء کے لئے اتصال صفوف شرط ہے؟

سوال [۲۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس کے متصل قریب ہی میں ایک دینی مدرسہ ہے، جمعہ کے دن اس مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے لوگ کثیر تعداد میں آتے ہیں، جس کی وجہ سے مدرسہ کے طلباء کو مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جگہ نہیں ملتی ہے، اس بنیاد پر طلباء مدرسہ کے کمرہ میں جمعہ کی نماز اداء کرتے ہیں، طلباء میں بالغ نابالغ دونوں طرح کے ہوتے ہیں، آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ ان طلباء کی جمعہ کی جماعت الگ سے کی جائے یا کمرہ میں نماز پڑھتے ہوئے مسجد کے امام صاحب کی اقتداء کی جائے؟

نوٹ: مسجد اور کمرہ کے درمیان تقریباً ۳۰/فٹ کا فاصلہ ہے یہ جگہ صف بندی سے خالی رہتی ہے، حضرت والا سے درخواست ہے کہ جواب مدلل عنایت فرمائیں؟

المستفتی: روشن اکولوی متعلم دار الافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمرہ میں رہ کر اقتداء صحیح ہونے کے لئے اتصال صفوف شرط ہے اور مذکورہ صورت میں اتصال صفوف نہیں ہے؛ اس لئے کمرہ میں رہ کر اقتداء کرنے والوں کی اقتداء صحیح نہیں ہوگی۔

لو اقتدیٰ خارج المسجد بإمام في المسجد، إن كانت الصفوف متصلة جاز وإلا فلا لأن ذلك الموضع بحكم اتصال الصفوف يلتحق بالمسجد. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب تقدم الإمام على المأموم زكريا ۱/ ۳٦۲، قديم كراچي ۱/ ۱٤٦)

ويجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد وهو في بيته إذا لم يكن بينه وبين المسجد طريق عام. (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الإقتداء وما لايمنع، قديم زكريا ۱/ ۸۸، جديد ۱/ ۱٤٦)

نیز ان طلبہ کے لئے الگ سے اسی مسجد کے احاطہ میں دوسرا جمعہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا؛ اس لئے کہ جمعہ کی معنویت ختم ہوجاتی ہے، ان کو پہلے سے ہی تیاری کرکے مسجد کے اندر جگہ لے لینا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۷ ۲۵۰۲)

صحت اقتداء کے لئے اتصال صفوف شرط ہے؟

سوال [۲۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے لوگ صفیں بنا کر کھڑے ہوتے ہیں، آخری صف کے بعد وضو کرنے کی چھوٹی سی ایک نالی ہے اس کے بعد تقریباً چھ صفوں کی کھلی جگہ ہے، جن میں شدید دھوپ پڑتی ہے، اس کے بعد سائے دار درخت ہیں، مسجد سے باقی بچے لوگ انہیں درختوں کے نیچے اپنی صفیں بنا کر نماز جمعہ ادا کرتے ہیں؛ جبکہ ان لوگوں کے اور مسجد کے درمیان میں تقریبا چھ صفوں کا فاصلہ ہے تو کیا ان لوگوں کی نماز ادا ہوجائے گی؟ (عذر دھوپ کا پیش کرتے ہیں) امید کہ جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں گے؟

المستفتی: محمد اقبال خان، مدرسہ جامعہ اسلامیہ ککرالہ بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وضو کی نالی کے ماوراء اور بعد کا حصہ حدود مسجد سے خارج ہے، تو اس میں کھڑے ہوکر اقتداء صحیح ہونے کے لئے اتصال صفوف شرط ہے اور جب چھ صفوں کی مقدار جگہ چھوڑ کر اقتداء کی جائیگی تو اقتداء صحیح نہ ہوگی؛ لہٰذا درختوں کے نیچے جا کر اقتداء کرنے والوں کی اقتداء درست نہ ہوگی، اگرچہ گرمی کی شدت کیوں نہ ہو۔

ولـواقتـدیٰ خـارج الـمسـجد بإمام في المسجد إن كانت الصفوف متـصـلة جـاز وإلافـلا لأن ذلک الـمـوضـع بحكم اتصال الصفوف يلتحق بـالمسجد الخ (بـدائع الـصـنـائع، كتاب الصلاة، باب تقدم الإمام على المأموم زكريا ١/٣٦٢، كراچي ١/١٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷؍۲۵۰۴)

نماز باجماعت میں ٹخنوں سے ٹخنے ملانا

سـوال [۲۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض نماز میں نمازیوں کا ٹخنوں سے ٹخنوں کا ملانا صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: مبین احمد چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـالـلّٰـه التوفيق: حدیث شریف میں کندھے سے کندھا ملانے کی روایت آئی ہے۔

عـن عبـد الله بـن عـمـر رضي الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أقيموا الصفوف، فإنما تصفون بصفوف الملائكة، وحاذوا بين الـمـنـاكـب وسـدوا الـخـلـل، ولينوا في أيدي إخوانكم، ولاتذروا فرجات للشيطان. (مسـنـد أحمد بن حنبل ٢/٩٨، رقم: ٥٧٢٤، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، بـاب تسـوية الـصـفـوف، الـنسـخة الهـنـدية ١/٩٧، دارالسلام رقم: ٦٦٦، المعجم الكبير للطبراني ١٣/٣١٩، رقم: ١٤١١٣)

اور کعب سے کعب ملانے کی روایت بھی آئی ہے۔

عـن أبـي الـقـاسـم الجدلي، قال: سمعت النعمان بن بشير يقول:

أقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم على الناس بوجهه، فقال: أقيموا صفوفكم ثلاثا، والله لتقيمن صفوفكم، أو ليخالفن الله بين قلوبكم، قال: فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه، وركبته بركبة صاحبه، وكعبه بكعبه. (ابوداؤد شریف، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/٩٧، دارالسلام رقم: ٦٦٢)

اور کندھے سے کندھا ملانے والی روایت اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور کعب سے کعب ملانے والی روایت حقیقت پر محمول نہیں ہے؛ بلکہ اس سے مراد صف سیدھی کر کے کھڑا ہونا ہے؛ لہٰذا ٹخنوں سے ٹخنا کا ملانا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اپنی ہیئت پر آسانی سے کھڑا ہونا چاہئے، جس میں دیر تک کھڑے رہنے میں کوئی پریشانی نہ ہو اور مونڈھے سے مونڈھا ملا دینا چاہئے، یہی حدیث شریف کا مفہوم ہے۔

يلزق أي يلصق منكبه بمنكب صاحبه الخ ولعل المراد بالإلزاق المحاذاة، فإن إلزاق الركبة بالركبة والكعب بالكعب في الصلاة مشكل وأما إلزاق المنكب بالمنكب فحمول على الحقيقة. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف ٤/٣٣٠، قديم مطبوعه ميرٹھ ١/٣٦٠، جديد دارالبشائر بيروت ٣/٦٠٩، العرف الشذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إقامة الصفوف ١/٥٧)

المراد بذلك المبالغة في تعديل الصف وسد خلله. (فتح الباري، كتاب الصلاة، باب الزاق المنكب بالمنكب قديم بيروت ٢/٢٤٧، جديد اشرفيه ديوبند ٢/٢٦٨، تحت رقم الحديث: ٧٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨/ ربیع الثانی ١٤١٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٥٧٢٥/٣٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٨/٤/١٤١٩ھ

کیا دروں کے موٹے پردے صحت اقتداء کے لئے مانع ہیں؟

سوال [۲۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں گرمیوں میں (اے سی) کی ٹھنڈ کو روکنے کے موٹے پردے ڈالدیئے جاتے ہیں، جو باہر کے حصہ کے بیچ میں دیوار کی طرح ہوجاتے ہیں، ایک صاحب کا کہنا ہے کہ باہر سے سلسلہ جوڑنے کے لئے کم ازکم بیچ سے ایک پردہ جماعت کے وقت ضرور ہٹادینا چاہئے، ورنہ باہر والوں کی جماعت کی نماز مکروہ ہوجاتی ہے۔

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دروں اور دروازوں پر پلاسٹک کی پنی وغیرہ حائل ہونے کی وجہ سے باہر کے لوگوں پر امام صاحب کی امامت اور آگے والوں کی نقل وحرکت مشتبہ نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے بلا کراہت سب کی نماز درست ہوجاتی ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ باہر والوں کی نماز مکروہ ہوتی ہے، وہ بے ثبوت اور بلا دلیل ہے۔

والحائل لا یمنع الإقتداء إن لم یشتبه حال إمامه بسماع، أو رؤیة ولومن باب مشبک یمنع الوصول في الأصح. (در مختار، کراچي ۱/۵۸۶، زکریا ۲/۳۳۳)

وفي الشامیة: وإن صلی علی سطح بیته المتصل بالمسجد لایکون أشد حالاً من منزل بیته وبین المسجد حائط، ولو صلی رجل في مثل هذا المنزل وهو یسمع التکبیر من الإمام، أو المکبر یجوز، فکذا القیام علی السطح. (شامي، زکریا ۲/۳۳۵، کراچي ۵۸۷، طحطاوي علی الدر کراچي ۱/۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۲۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۲۱ھ

مقتدی کا وسط صف میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۲۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ اگر کوئی شخص کسی پریشانی کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، تو جماعت کی حالت میں جماعت کے دوران صف کے بیچ میں بیٹھے یا کنارے اگر بیچ میں بیٹھتا ہے تو نماز میں خلل ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر خلل ہوتا ہے تو اس کو کنارے بیٹھانے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے امام پر یا مقتدیوں پر؟

(۳) اگر امام پر ہوتی ہے اور امام کسی خاص وجہ سے یا احتراماً کہنے سے مجبور ہے یا بیچ میں بیٹھنے والا ضدی ہے تو دونوں کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد مزمل حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱) صورت مسئولہ میں ایسے شخص کے لئے بہتر یہ ہے کہ صف کے ایک کنارہ پر بیٹھے تاکہ صفوں کے بیچ میں ترتیب کا توازن صحیح رہے؛ اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

أبوهريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسطوا الإمام، وسدوا الخلل. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، النسخة الهندية ١/٩٩، دارالسلام رقم:٦٨١)

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أقيموا الصفوف، فإنما تصفون بصفوف الملائكة، وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل، ولينوا في أيدي إخوانكم، ولاتذروا فرجات للشيطان. (مسند أحمد بن حنبل ٢/٩٨، رقم: ٥٧٢٤، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة،

باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ۹۷/۱، دارالسلام رقم:٦٦٦، المعجم الكبير للطبراني ۳۱۹/۱۳، رقم:۱٤۱۱۳)

توسطوا الإمام وسدوا الخلل. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة قبيل مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب، زكريا ۲۱۰/۲، كراچي ٥٦٨/۱)

(۲) ایسے شخص کوخود ہی اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ میرے بیچ میں بیٹھنے کی وجہ سے خلل نہ ہو، اگر اس کو مسئلہ معلوم نہیں ہے تو نہایت نرم انداز اور غایت درجہ کی شفقت اور محبت کے ساتھ اس کو مسئلہ بتا دیا جائے؛ چونکہ صفیں سیدھی کرنے کی ذمہ داری امام پر ہوتی ہے؛ اس لئے اس کو کنارہ بیٹھنے کے لئے کہنے کا حق بھی امام ہی کو ہے۔

عن سمّاک بن حربؓ، قال: سمعت النعمان بن بشيرؓ، يقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، يسوى صفوفنا، حتى كأنما يسوي بها القداح، حتى رأي أنا قد عقلنا عنه، ثم خرج يوما فقام، حتى كاد يكبر، فرأي رجلا باديا صدره من الصف، فقال: عباد الله! لتسون صفوفكم، أو ليخالفن الله بين وجوهكم. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف وإقامتها، النسخة الهندية ۱۸۲/۱، بيت الأفكار رقم:٤٣٦)

عن أنسؓ، قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم: كان إذا قام إلى الصلاة أخذه بيمينه ثم التفت فقال اعتدلوا، سوؤا صفوفكم، ثم أخذه بيساره فقال: اعتدلوا، سووا صفوفكم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف ۹۸/۱، دارالسلام رقم:٦٧٠)

وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلل، ويسووا مناكبهم. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۳۱۰/۲، كراچي ٥٦٨/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۴۸/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۵ھ

معذور شخص کا پہلی صف میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال[٢٤٨٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص معذوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے پر مجبور ہے، تو اسے کون سی صف میں بیٹھنا چاہئے کیا معذور کو پہلی صف چھوڑ کر بیٹھنے میں زیادہ ثواب ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایسا معذور شخص جو کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا ہے بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ کسی بھی صف میں کنارہ پر بیٹھ کر نماز پڑھے، چاہے پہلی صف میں ہو، یا دوسری صف میں ہو یا تیسری صف میں ہو، کسی بھی صف کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور کنارہ پر اس لئے بیٹھنا بہتر ہے کہ درمیان میں بیٹھنے میں بظاہر انقطاع ہوتا ہے، اس سے بچنے کے لئے کنارہ پر بیٹھنا بہتر ہے۔

عن ابن عباسؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ترك الصف الأول مخافة أن يؤذي أحدا، أضعف الله له أجر الصف الأول.

(المعجم الأوسط، دارالفكر بيروت ١/١٦٥ رقم:٥٣٧)

إذا قام خلف صف فيه فرجة، فإن ذلك مكروه. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب كراهية التأخر عن الصف المقدم، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٣٤٠)

الأفضل أن يقف في الصف الآخر إذا خاف إيذاء أحد. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في كراهية قيام الإمام في غير المحراب كراچي ١/٥٦٩، زكريا ٢/٣١٠، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ١/٣٠٩، زكريا ١/٣٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۴۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۵ھ

پہلی صف مکمل ہونے سے قبل دوسری صف بنانا

سوال [۲۴۸۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جماعت کی پہلی صف میں کئی آدمیوں کی جگہ خالی ہوتے ہوئے بھی لوگ پیچھے صف بنا کر کھڑے ہوجاتے ہیں، تو پیچھے صف بنانے والوں کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ صف میں کتنی عمر کے بچے شامل ہوسکتے ہیں؟

المستفتی: انصار احمد، قاضی ٹولہ مسجد رحیم اللہ والی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صف اول میں جگہ خالی ہونے کے باوجود پیچھے صف بنانے والوں کی نماز تو بہر حال ہوجاتی ہے؛ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے، اس سے اجتناب واحتراز لازم ہے، جب تک صف اول میں جگہ خالی ہو، دوسری صف نہ بنائی جائے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۳/۳۴۵، فتاوی رحیمیہ ۲/۴۱۳)

عن علي بن شيبان و كان من الوفد قال: خرجنا حتى قدمنا على النبي صلى الله عليه وسلم -إلى- فرأي رجلا فردا يصلي خلف الصف، قال: فوقف عليه نبي الله صلى الله عليه وسلم: حين انصرف، قال: استقبل صلاتک، لاصلاة للذي خلف الصف. (سنن إبن ماجه، كتاب الصلاة، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، النسخة الهندية ۱/۷۰، دارالسلام رقم:۱۰۰۳، صحيح ابن خزيمه، المكتب الاسلامي ۱/۷۵٤، رقم:۱۵٦۹، مسند أحمد بن حنبل ٤/۲۳، رقم:۱٦٤۰٦)

ولو صلى على رفوف المسجد ان وجد في صحنه مكانا كره، كقيامه في صف خلف صف فيه فرجة. (درمختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول كراچي ۱/٦٤۷، زكريا ۲/۳۱۲، هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة و مالا يكره، جديد زكريا ديوبند

۱/۱۰٦، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالكتاب ديوبند ۱/۳٦۱)

(۲) بچوں کے سلسلہ میں مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ بچے اگر ایک سے زائد ہیں تو ان کی باضابطہ مردوں کے پیچھے صف بنادی جائے اور اگر ایک ہی بچہ ہے اور جماعت شروع ہوتے وقت صف اول میں جگہ خالی ہے، تو اس بچہ کو مرد اپنی صف میں کھڑا کر سکتے ہیں؛ جبکہ بچہ سمجھ دار ہو، اس سے پیچھے کی صف میں کھڑے لوگوں کی نماز میں کسی قسم کی کراہت نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۳/۳۴۱)

ويصف الرجال، ثم الصبيان ظاهره تعددهم، فلو واحدا دخل الصف. (درمختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچي ۱/۵۷۱، زكريا ۲/۳۱٤، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ۱/٦۱۸، كوئٹه ۱/۳۵۳، حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالكتاب ديوبند۳۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷/۳۵/۱٦۲)	۱۴۲۲/۴/۱۱ھ

کیا ستون کے آگے کھڑے ہو سکتے ہیں؟

سوال [۲۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، مسجد کے بیچ میں دو ستون ہیں اور وہ دونوں ستون تین صفوں کے پیچھے ہیں، تیسری صف میں ستون سے آگے اگر نمازی کھڑا ہوتا ہے تو رکوع کی حالت میں صف سے آگے بڑھ جاتا ہے اور اس کی وجہ سے صف ٹیڑھی ہو جاتی ہے، تو اس سے نماز میں کوئی خرابی ہوگی یا نہیں، کوئی کہتا ہے کہ اس جگہ یعنی ستون کے آگے کی جگہ کو

نہ چھوڑا جائے،اس جگہ آدمی کھڑا ہوجائے اور وہ کہتا ہے کہ صف کے بیچ کوئی جگہ نہ چھوڑی جائے؛ کیونکہ شیطان گھس جاتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں ستون کے آگے کی جگہ کو چھوڑ دیا جائے؛ کیونکہ صف کو سیدھا رکھنا واجب ہے، تو ایسی صورت میں آیا جگہ کو چھوڑ کر رکھا جائے یا کوئی آدمی کھڑا ہوجائے کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ظہیر الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ستون کے آگے آدمی نہ کھڑا ہو؛ بلکہ ستون کی جگہ چھوڑ دی جائے؛ تاکہ صف ٹیڑھی نہ ہو،اب رہا شیطان کا صف میں گھس جانا تو ستون کی وجہ سے جگہ باقی نہیں رہی؛ لہٰذا شیطان نہیں گھس سکتا۔

وتخلل الأسطوانة بين الصف، كتخلل متاع موضوع أو كفرجة بين رجلين، وذلك لايمنع صحة الإقتداء ولايوجب الكراهة الخ (مبسوط سرخسي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلميه بيروت ۲/ ۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۷/ ۱۴۲۰ھ

ایک صف چھوڑ کر دوسری میں نماز پڑھنا

سوال [۲۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ جماعت میں شریک ہوئے؛ لیکن ایک صف چھوڑ کر کھڑے ہوئے، تو کیا اس شکل میں ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاضرورت ایک صف چھوڑ کر صف بندی کرنا،

اگلی صف اور پچھلی صف کے درمیان پوری ایک صف بلاضرورت چھوڑ دینا مکروہ ہے اور کراہت کے ساتھ پچھلی صف والوں کی نماز ہوجائے گی۔

ولو صلی علی رفوف المسجد إن وجد في صحنه مکانا کره کقیامه في صف خلف صف فيه فرجة. (درمختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الکلام علی الصف الأول کراچی ۱/۶٤۷، زکریا ۲/۳۱۲)

ویکره القیام خلف صفّ فیه فرجة للأمر بسد. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالکتاب دیوبند جدید ۳٦۱)

ویکره القیام خلف صف فیه فرجة أي في ذلک الصف فرجة. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، فصل في المکروهات، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۶۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

دائیں بائیں جانب جگہ چھوڑ کر صرف بیچ میں صف بچھانا

سوال [۲۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے جس کی توسیع کی گئی ہے، تو کیا اس مسجد کے اندر دائیں بائیں جانب صفوں میں کچھ جگہ چھوڑ دی جائے اور بیچ بیچ میں صفوں کو بچھایا جائے، کیا ایسا کرنے میں کوئی کراہت وغیرہ تو نہیں؟

المستفتی: افتخار، ہری دواری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دائیں بائیں سے حدود مسجد کے اندر صفوں کی جگہ چھوڑ کر کے بیچ وبیچ صفوں کو بچھا دینا اور دائیں بائیں جگہ کو خالی رکھنا مکروہ ہے یہ ایسا ہے جیسا کہ اگلی صف میں جگہ چھوڑ کر پچھلی صف میں کھڑے ہو کر نیت باندھنا؛ ہاں البتہ مسجد بہت

بڑی ہے جیسے کہ دلی کی جامع مسجد کا صحن، بھوپال کی تاج المساجد کا صحن، ایسی مسجدوں میں جمعہ کے علاوہ نمازوں میں دائیں بائیں کی صفوں کا پر کرنا بہت مشکل ہے؛ اس لئے ایسی مسجدوں میں اس بات کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ بیچ و بیچ صفیں بچھادی جائیں اور نمازیوں کو اس نمازی کے درجے میں قرار دیا جاسکتا ہے، جو نمازی امام کے رکوع کے وقت صفوں میں پہونچ رہا ہے اور اگر وہ صفوں کے دائیں اور بائیں جانب پہنچ کر نیت باندھے گا تو اس کی رکعت چھوٹ جائے گی، تو اس کے لئے پیچھے کی صف میں کھڑے ہو کر نیت باندھنا بلا کراہت جائز ہے۔

نیز اتنی بڑی مسجد کی صفوں کو پانچوں وقت کے لئے بچھانا اور پھر صفوں کو اٹھانا خدام مسجد کے لئے بہت ہی دشوار کن ہے؛ اس لئے بیچ کے حصہ میں مشقت سے بچنے کے لئے گنجائش ہوسکتی ہے۔

عن زيد بن وهبؓ، قال: خرجت مع عبد الله يعني ابن مسعودؓ من داره إلى المسجد، فلما توسطنا المسجد ركع الإمام، فكبر عبد الله وركع وركعت معه، ثم مشينا راكعين، حتى انتهينا إلى الصف حين رفع القوم رؤوسهم. (السنن الكبرى ٢/ ٤١١، رقم: ٢٦٤١)

روي عنه عليه السلام أنه قال يكتب للذي خلف الإمام بحذائه مأة صلاة وللذي في الجانب الأيمن خمسة وسبعون صلاة وللذي في المحارب الايسر خمسون صلاة وللذي في سائر الصفوف خمسة وعشرون صلاة.

(البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الإقامة زكريا ١/ ٦١٩، كراچي ١/ ٣٥٤)

لاتذرو فرجات للشيطان من وصل صفا وصله الله. الحديث (ابو داؤد، كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، النسخة الهندية ١/ ٩٧، دارالسلام رقم:٦٦٦، بحر، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ١/ ٦١٨، كوئٹة ١/ ٣٥٣)

وعن جابر بن سمرةؓ، قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم، في حديث طويل، فقال ألا تصفون كما تصف الملائكة –إلى قوله– يتمون

الصفوف الأولیٰ ویتراصون في الصف. (مسلم شریف، کتاب الصلاۃ، باب الأمر بالسکون في الصلاۃ، النسخة الهندیة ۱/۱۸۱، بیت الأفکار رقم: ۴۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذي الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۷۸)

بارش کی بناء پر دو تین صفوں کا خلا کرنا

سوال [۲۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ بارش کی زیادتی کی وجہ سے نماز عید مدرسہ میں ادا کی گئی ہے، مگر شکل یہ ہوئی کہ امام صاحب اور ان کے پیچھے دو صف متصل تھیں، پھر دو تین صف کا فاصلہ بیچ میں چھوڑ کر پیچھے کی صفیں متصل تھیں، کیا پیچھے والوں کی اقتداء درست ہوگئی؛ جبکہ درمیان میں اتنا فاصلہ خالی تھا۔

(۲) ایک دوسرے مدرسہ میں نماز عید ہوئی مگر اس کی شکل یہ تھی کہ امام کے پیچھے کی صفیں تو متصل تھیں، مگر امام کے دائیں طرف اور بائیں طرف چند چند مقتدی تھے، پھر ۲ یا ۳ صف کا فاصلہ چھوڑ کر مقتدی کھڑے تھے، عمارت کی ترتیب ہی کچھ اس طرح تھی اور متصل اس لئے نہ ہو سکے کہ بارش ہو رہی تھی اور وہاں پر صحن کھلا تھا؛ اس لئے بارش کی وجہ سے وہاں نہ کھڑے ہوئے، معلوم یہ کرنا ہے کہ جس طرح امام کے پیچھے کی صفوں کا اتصال ضروری ہے، کیا ایسے ہی امام کے دائیں بائیں جانب بھی اتصال ضروری ہے؟ کیا ان دائیں بائیں جانب کے مقتدیوں کی نماز اور اقتداء درست ہوگئی جو درمیان میں دو یا تین صف کا فاصلہ چھوڑ کر کھڑے تھے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) حنفیہ کے یہاں نماز باجماعت میں اتصال

صفوف لازم ہے؛ اس لئے جب بلا کسی عذر کے درمیان میں صفیں چھوڑ کر پھر صفیں بنالی جائیں ،تو بعد میں جو صفیں بنائی گئی ہیں ان سے اگلی صف والوں کی نماز مکروہ ہوتی ہے؛ لیکن سخت بارش بھی ایک اہم عذر ہے؛ اس لئے اس عذر کی وجہ سے دو تین صف کے بقدر جو جگہ چھوڑ دی گئی ہے، جس میں بارش کی بوندیں پڑ رہی ہوں اس کی وجہ سے اتصال صفوف کی کراہت لازم نہیں آئے گی؛ جبکہ اس سے اگلی صف والوں کے رکوع، سجود سب نظر آرہے ہوں یا مائک کی آواز پہنچ رہی ہو۔

ولو صلى على رفوف المسجد إن وجد في صحنه مكانا كره، كقيامه في صف خلف صف فيه فرجة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في الكلام على الصف الأول كراچي ١/٦٤٧، زكريا ٢/٣١٢)

لايمنع من الإقتداء الفضاء الواسع في المسجد وقيل: يمنع فإنه وإن أفاد أن المعتمد عدم المنع لكنه محمول على غير المسجد الكبير جدا كجامع خوارزم والقدس بدليل ماذكرنا. وفي......القهستاني: البيت كالصحراء والأصح أنه كالمسجد ولهذا يجوز الإقتداء فيه بلا اتصال الصفوف كما في المنية، وذكر في البحر عن المجتبي أن فناء المسجد له حكم المسجد، ثم قال: وبه علم أن الاقتداء من صحن الخانقاه الشيخونية بالإمام في المحراب صحيح، وإن لم تتصل الصفوف؛ لأن الصحن فناء المسجد، وكذا اقتداء من بحلاوي السفلية صحيح؛ لأن أبوابها في فناء المسجد. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الكافي للحاكم جمع كلام محمد كراچي ١/٥٨٥، زكريا ٢/٣٣٢)

والفضاء الواسع في المسجد لايمنع وإن وسع صفوفا؛ لأن له حكم بقعة واحدة......فلو اقتدى بالإمام في أقصى المسجد والإمام في المحراب جاز......والظاهر أن ذلک لاشتباه حال الإمام على المأموم لالاختلاف

المكان ومصلى العيد كالمسجد. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة،دارالكتاب ديو بندجديد ۲۹۳)

والحائل لايمنع الإقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية، ولو من باب مشبک يمنع الوصول في الأصح ولم يختلف المكان حقيقة كمسجد وبيت في الأصح. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الكافي للحاكم جمع كلام محمد...... كراچي ۱/۵۸٦، زكريا ۲/۳۳۳)

(۲) دوسرے سوال کا جواب بھی پہلے سوال کے جواب میں آ چکا ہے کہ بارش کی وجہ سے اتصال صفوف لازم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ ر شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۵۶/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۰/۳۴۱۹ھ

تین صفوں کے بقدر راستے مانع اتصال ہیں

سوال [۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں نماز جمعہ میں کثیر تعداد کے سبب مسجد پر ہوجاتی ہے؛ اور کافی حضرات شرکت سے رہ جاتے ہیں مسجد سے متصل دوسری کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جس میں نماز ادا کرسکیں، ہاں مسجد کے شمال اور مشرق کی جانب دو راستے ہیں، پھر مکانات ہیں راستوں کے درمیان گندے پانی کی نالی ہے جو صف بچھنے میں مانع ہے ایک جانب مسجد کا دروازہ ہے، ایک جانب دیوار ہے دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ راستوں کے فاصلے جو تقریباً تین صف کے ہیں اقتداء درست ہوگی یا نہیں؟ اور کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال مذکور میں اگر راستہ کی نالی کے کچھ حصہ کو

درست کر کے راستوں پر بھی صفیں بنالیں، تو ان کے اتصال کی وجہ سے مکانات میں اقتداء کرنے سے اقتداء درست ہو جائے گی؛ البتہ ہر صف میں تین آدمیوں کا ہونا لازم ہے اور اگر راستوں پر صف بندی نہ کی جائے اور پورا راستہ چھوڑ کر کے اقتداء کی جائے تو اقتداء درست نہ ہوگی۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۳۰۸)

عن مالکؒ عن الثقةؓ عنده، أن الناس كانوا يدخلون حجر أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم، فيصلون فيها الجمعة، قال وكان المسجد يضيق على أهله، فيتوسعون بها، وحجر أزواج النبي صلى الله عليه وسلم ليست من المسجد؛ ولكن أبوابها شارعة في المسجد. (السنن الكبرى للبيهقي، جماع أبواب موقف الإمام والماموم، دارالفكر جديد ٤/٢٧٨، رقم: ٥٣٥١، دارالمعرفة بيروت ٣/١١١)

ويجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد، وهو في بيته إذا لم يكن بينه وبين المسجد طريق عام وإن كان طريق عام؛ ولكن سدَّتُه الصفوف جاز الاقتداء لمن في بيته بإمام المسجد كذا في التتارخانية ناقلا عن الحجة الخ (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الإقتداء ومالايمنع زكريا ١/٨٨، جديد زكريا ديوبند ١/١٤٦، الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل السادس ٢/٢٦٧، رقم: ٢٣٨٧)

وللثلاثة حكم الصف بالاجماع الخ (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الإقتداء ومالايمنع، قديم زكريا ١/٨٧، جديد زكريا ديوبند ١/١٤٦)

لو اقتدى خارج المسجد، بإمام في المسجد إن كانت الصفوف متصلة جاز، وإلافلا؛ لأن ذلك الموضع بحكم اتصال الصفوف يلتحق بالمسجد. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب تقدم الإمام على المأموم زكريا

۱/۳٦۲، كراچي ۱/۱٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۷/۴ھ

صفوں کے درمیان میں وضو کی نالی کا فاصلہ

سوال [۲۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر درمیان میں وضو کی نالی اور نالی کے ساتھ اور بھی ایک دوصفوں کی جگہ خالی ہو اور پھر اس کے پیچھے صفیں بنا کر لوگ نماز پڑھیں تو اتنا گیپ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہد حسین، بیگم پوری، امام مسجد کھجور والی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سلسلۂ صفوں کے درمیان وضو کی نالی اور ایک دوصف کی مقدار کا فاصلہ ہو جائے، تو صحت اقتداء کو مانع نہیں ہے، اقتداء درست ہو جاتی ہے۔

وإن كان بين الإمام والمقتدي نهر صغير لايجري فيه السفن والزوارق لايمنع الاقتداء وهو المختار الخ (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس مايمنع صحة الإقتداء و مالا يمنع زكريا۲/۲٦۳، رقم: ۲۳۷٥، كراچي ۱/٦۱۳، عالمگيري، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الإقتداء و مالايمنع، قديم زكريا ۱/۸۷، جديد زكريا ديوبند۱/۱٤٦)

ولوكان في المسجد الجامع نهر يجري، إن كان صغيرا لايمنع. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس مايمنع صحة الإقتداء وما لا يمنع زكريا ۲/۲٦٤، رقم:۲۳۷٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۲/۱۹ھ

حرم شریف میں جماعت سے نماز پڑھنے کے متعلق چند سوالات

سوال [۲۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) حرم مکی میں باب عبدالعزیز کے سامنے مسفلہ کی طرف جو صحن ہے، اس کے آخری کنارے پر جو مسجد ابوبکر ہے دوسری منزل پر، کیا اس مسجد میں ایام حج میں باقاعدہ اذان واقامت کے ساتھ نماز ہوتی ہے یا حرم شریف کی اذان واقامت اور جماعت کے ساتھ لوگ اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں؟

(۲) اگر اس مسجد میں حرم شریف کی جماعت سے ہی لوگ نماز پڑھتے ہیں، تو بعض مرتبہ مجمع کم ہونے کی وجہ سے باہر صحن کی صفیں وہاں تک نہیں پہنچ پاتیں، کیا ایسی صورت میں اس مسجد میں اقتداء کرنے والوں کی نماز درست ہو جائے گی؟

(۳) باب عبدالعزیز، باب فہد، باب فتح، باب عمرہ، باب صفا کے سامنے جو صحن ہے یہ مسجد سے خارج ہے یا داخل ہے، اگر اس صحن میں صفوں کا اتصال نہ پایا گیا درمیان میں کافی فاصلہ کے بعد جس میں دو گاڑیاں بیک وقت گذر سکتی ہیں اتنے فاصلہ کے بعد پیچھے صف بنا لیتے ہیں، کیا ان صحنوں میں اس طرح اقتداء درست ہو جائے گی؟

المستفتی: اہل بستی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آپ نے جس مسجد کا سوال میں ذکر فرمایا یہ شریکہ مکہ جو ہیل ٹاؤن سے بھی موسوم ہے، اس کی تیسری یا چوتھی منزل میں یہ مسجد ہے، حج کے موسم میں حرم شریف کی اذان واقامت کے ساتھ یہاں نماز ہوتی ہے اور مذکورہ عمارت کی دیوار تک اور آگے سڑکوں تک حج کے موسم میں صفیں بن جاتی ہیں اور اتصال صفوف کی بنا پر حرم شریف کے امام کی اقتداء صحیح اور درست ہو جاتی ہے۔

وإن قام على الجدار الذى بين داره وبين المسجد ولايشتبه

حال الإمام صح الاقتداء، ولو قام على دكان خارج المسجد متصل بالمسجد يجوز الاقتداء؛ لكن بشرط اتصال الصفوف ويجوز اقتداء جار المسجد، بإمام المسجد وهو في بيته إذا لم يكن بينه و بين المسجد طريق عام، وإن كان طريق عام؛ ولكن سدته الصفوف جاز الإقتداء، لمن في بيته بإمام المسجد. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة الفصل الرابع في بيان مايمنع صحة الإقتداء وما لايمنع زكريا ۱/۸۸، جديد زكريا ديوبند ۱/۱٤٦)

(۲) جب مجمع کم ہوجاتا ہے اور پورا صحن خالی پڑا رہتا ہے، تو اس وقت بھی مسجد میں امام حرم کی اقتداء میں نماز پڑھی جاتی ہے؛ لیکن ایسی صورت میں شریکہ مکہ سے الگ مکان آخر ہونے کی وجہ سے حضرات حنفیہ کے نزدیک صحت اقتداء کے لئے اتصال صفوف لازم ہے اور مجمع کم ہونے کی صورت میں اتصال صفوف نہیں ہوتا؛ اس لئے سامنے کے صحن کے خالی رہنے کی صورت میں حنفیہ کے نزدیک وہاں سے اقتداء درست نہیں؛ لیکن امام احمد بن حنبل وغیرہ کے نزدیک اتصال صفوف لازم نہیں ہے صرف امام ومکبّر کی آواز سنائی دینا کافی ہے؛ اس لئے ان کے نزدیک ہر صورت میں اقتداء درست ہے۔

ولو اقتدى من سطح داره المتصلة بالمسجد لم يجز لاختلاف المكان. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچي ۱/۵۸٦، زكريا ۲/۳۳٤)

(۳) وہاں کے اہم لوگوں سے معلوم ہوا کہ صحن مسجد میں سے سفید حصہ مسجد حرام میں داخل ہے، اگر سفید حصہ مسجد حرام میں داخل ہے تو حائضہ اور نفساء کے لئے وہاں سے گذرنا جائز نہیں، مگر سفید حصہ میں اتصال صفوف نہ ہونے کی صورت میں اقتداء حنفیہ کے نزدیک کراہت کے ساتھ درست ہوجائے گی اور حنابلہ کے نزدیک بلا کراہت درست ہوجائے گی۔ نیز کئی معتبر واسطوں سے امام سبیل کی بات موصول ہوئی ہے کہ سفید حصہ تو مسجد میں ہے، مگر صفا مروہ کے درمیان مسعیٰ پہلی حالت میں خارج مسجد میں ہی رکھا گیا ہے۔

فقال: وجهوا هذه البيوت عن المسجد، فإني لاأحل المسجد لحائض، ولاجنب. (ابوداؤد شريف، كتاب الطهارة، باب في الجنب يدخل المسجد، النسخة الهندية ١/ ٣٠، دارالسلام رقم:٢٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۳ھ

جو پہلے آکر بیٹھ جائے وہی اس جگہ کا حقدار ہے

سوال [۲۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ان پڑھ ہے اور ہمیشہ مصلیٰ کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے اور اگر کسی طرح بکر وہاں آجاتا ہے تو زید ان کے ساتھ دھکا مکا کرتا ہے اور زید خود کھڑا ہوجاتا ہے، ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رستم علی مدرس مدرسہ انصار العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ ہو بہر صورت امام کے پیچھے کھڑے ہونے والوں کو دھکا مکا کر کے ہٹانے کا زید کو ہرگز حق حاصل نہیں ہے، جو اس جگہ پہلے آئے گا اسی کا حق ہوگا پس اگر زید پہلے آئے گا تو اس کا حق ہوگا کسی کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے کو کسی جگہ سے ہٹائے۔ نیز مسجد کے اندر دھکا مکا کرنا مسجد کے احترام کے سخت خلاف ہے۔

ويكره تخصيص مكان فيه لصلاته، ولايتعين بالملازمة، فلايزعج غيره لوسبقه إليه. (الأشباه و النظائر، باب القول في أحكام المسجد١/ ٣٢١)

وتخصيص مكان لنفسه، وليس له إزعاج غيره منه. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد زكريا ٢/ ٤٣٦، كراچی ١/ ٦٦٢)

عن عبد الرحمن بن شبل، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم:عن نقرة الغراب، وافتراش السبع، وأن يوطن الرجل المكان في المسجد كما يوطن البعير. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود، النسخة الهندية ١/١٢٥، دارالسلام رقم: ٨٦٢، سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في توطين المكان في المسجد يصلى فيه، النسخة الهندية ١/١٠٣، دارالسلام رقم: ١٤٢٩، مسند دارمي ٢/٨٣٥، رقم: ١٣٦٢، صحيح ابن خزيمه، ١/٣٥٤، رقم: ٦٦٢، ١/٦٤٦، رقم: ١٣١٧، صحيح ابن حبان دارالفكر ٣/٢٧٣، رقم: ٢٢٧٦، المستدرك، كتاب الصلاة ١/٣٤١، رقم:٨٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۹۷/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۲۵ھ

صف میں رومال رکھ کر وضو کے لئے جانا

سوال [۲۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نماز کا بہت پابند ہے صف اول میں کھڑا ہوتا ہے، اگر وہ رومال سے صف اول میں جگہ گھیر کر وضو کرنے چلا ادھر جماعت کھڑی ہوجائے تو کیا دوسرا شخص اس کی جگہ کھڑا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ شخص جماعت کھڑی ہونے سے پہلے وضو کر کے واپس آجائے تو دوسرا اس کی جگہ کھڑا نہ ہو؛ البتہ اگر جماعت کھڑی ہونے تک واپس نہیں آیا تو اس کی جگہ دوسرا کھڑا ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۴، فتاوی دارالعلوم ۳۳۹/۳)

کـمالو قام للوضوء مثلاً و لاسيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده.

(شامي، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد، كراچي ١/٦٢٢، شامي زكريا ٢/٦٣٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/١٣٦)

ولو فرش له نحو سجادة ...... لا يجوز تنحيتها، لأنه ربما يفضي إلى الخصومة؛ ولأنه سبق إليه بالحجر فصار كحجر الأموات.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ديوبند جديد ٥٢٣، ٥٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۵/ ۱۴۲۱ھ

صف اول میں رومال رکھ کر جگہ گھیرنا

سوال [۲۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ نمازی مسجد میں ایسا کرتے ہیں کہ اگلی یا کسی بھی صف میں جگہ گھیرنے کے لئے رومال رکھ کر وضو کرنے یا پیشاب کرنے چلے جاتے ہیں، ایسے حضرات کا اس طرح کا فعل درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالوحید، مؤذن مسجد بنجاران، ساہن پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حضرات رومال وغیرہ رکھ کر وضو یا پیشاب کرنے چلے جاتے ہیں؛ چونکہ ان کا مقصد ضرورت صلاۃ کے لئے جانا ہوتا ہے اور تھوڑی ہی دیر میں واپس آنا ہوتا ہے؛ لہٰذا ان کا یہ فعل شرعاً درست ہے۔

وينبغي تقييده بما إذا لم يقم عنه على نية العود بلا مهلة، كما لو

قام للوضوء مثلا، ولاسيما إذا وضع فيه توبه لتحقق سبق يده. (شامي، كتاب الصلوة، مطلب في الفرس في المسجد، كراچي ۱/۶۶۲، زكريا ۲/۴۳۶، الموسوعة الفقهية، الكويتية ۳۶/۱۳٦)

ولو فرش له نحو سجادة...... لايجوز تنحيتها؛ لأنه ربما يفضي إلى الخصومة؛ ولأنه سبق إليه بالحجر فصار كحجر الأموات. (حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ديوبند جديد ۵۲۳-۵۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۴۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۲۸ھ

پہلی صف میں جگہ متعین کرنا

سوال [۲۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ **عبد الرحمن بن شبل قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن نقرة الغراب وافتراش السبع، وأن يوطن الرجل المكان في المسجد كما يوطن البعير.** (ابوداؤد، مشکوۃ ۸۲)

کسی شخص کا مسجد میں پہلی صف میں اپنے لئے کسی جگہ کو نماز کے لئے خاص کر لینا کہ دوسری جگہ نماز ہی نہ پڑھے اور رومال یا مصلے بچھا کر اس کو گھیرے رکھے اور حال یہ ہو کہ عین جماعت کے وقت اس جگہ پر آکر کھڑا ہوتا ہو، شرعاً مذکورہ حدیث شریف کی روشنی میں کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عالم عقیل احمد، حاجی پورہ، فیروز آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد میں پہلے سے آکر صف اول میں نماز کے لئے

جگہ لے لینا شرعاً مستحب اور مستحسن ہے؛ کیونکہ صف اول میں نماز پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے؛ لہٰذا جوبھی صف اول میں پہلے آکر بیٹھ جائے گا اس جگہ کا وہی آدمی زیادہ حقدار ہوگا؛ لیکن کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ صف اول میں کوئی متعین جگہ اپنے لئے خاص کرلے اوراس جگہ پرکسی دوسرے کو بیٹھنے اورنماز پڑھنے نہ دے اورجگہ گھیر کر اپنے کاموں میں لگ جائے اورنماز میں آکر کے کھڑا ہو جائے ،ایسی صورت میں وہ شخص اس حدیث کا مصداق بن جائے گا، جوسوال نامہ میں درج ہے؛ ہاں البتہ اگرصف اول میں پہلے آکر جگہ گھیر لیا ہے اورمصلیٰ یا کپڑا رکھ کر وضوکرنے کے لئے نکل آیا تو وہ اسی کی جگہ ہے؛ لیکن اپنے کاموں میں لگ جانے کی وجہ سے اس کا حق ختم ہو جاتا ہے۔

وتخصيص مكان لنفسه وليس له ازعاج غيره منه (تحته في الشامية) لأنه يخل بالخشوع...... قال في القنية: له في المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره، قال الأوزاعي له أن يزعجه، وليس له ذلک عندنا، أي لأن المسجد ليس ملكا لأحد بحر عن النهاية: قلت: وينبغي تقييده بما إذا لم يقم عنه على نية العود بلا مهلة كما لو قام للوضوء مثلا ولا سيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده تأمل. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد، كراچي ۱/٦٦۲، زكريا۲/٤۳٦، الموسوعة الفقهيه ۳٦/۱۳٦)

وعندي في النهى عن توطين الرجل مكانا معينا في المسجد وجه آخر، وهو أنه إذا وطن المكان المعين في المسجد يلازمه، فإذا سبق إليه غيره يزاحمه ويدفعه عنه وهو لايجوز؛ لقوله عليه السلام: لا، مني مناخ من سبق، فكما هو حكم منى، فهو حكم المسجد، فمن سبق إلى موضع منه، فهو أحق به، فعلى هذا لو لازم أحد أن يقوم خلف الإمام قريبا منه؛ لأجل حصول الفضل، وسبق إليه من القوم أحد، لايزاحمه ولايدافعه،

فلا يدخل في هذا النهي. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود، دارالبشائر الاسلاميه ۱۵۰/۴، تحت رقم الحديث: ۸۶۱، مكتبه ميرٹھ قديم ۷۶/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۱۱/۴۰)	۱۴۳۴/۱/۳ھ

مصلی کا اپنے لئے جگہ مخصوص کرنا

سوال [۲۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند مسائل میں شرعی رہنمائی درکار ہے، امید ہے کہ مستند رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

سوالات سے پہلے بعض واقعات وپس منظر پیش کر دیئے جاتے ہیں؛ تاکہ سوالات کی اہمیت اور بات کی اچھی طرح وضاحت ہو سکے۔

یہاں کی ایک مشہور ومعروف علم دین اور دعوت وتبلیغ کے مرکز سے متصل مسجد کے دو نمازیوں میں اس قدر جھگڑا ہوا کہ ایک نے دوسرے کے سر پر رحل سے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا، یہ سب کچھ مسجد میں اپنی مخصوص جگہ محفوظ کرنے اور دوسرے کو اپنی جگہ برداشت نہ کرنے پر مسجد کے اندر جماعت کھڑی ہونے کے وقت بھری مسجد میں ہوا۔

سوال: کیا مسجد میں کسی کے لئے اپنی جگہ مخصوص کرنا درست ہے؟ متولیان مسجد، امراء، رہبران قوم، مؤذنین، اونچے درجہ کے تجار وغیرہ سب کا حکم یکساں ہے یا ان میں فرق ہے؟ اور فتاوی ہندیہ کی عبارت **يكره للإنسان أن يخص لنفسه مكانا في المسجد أن يصلي فيه.** عام ہے یا اس سے کچھ لوگ مستثنیٰ ہیں؟ کراہت تحریمی مراد ہے یا تنزیہی ہے بالخصوص اس جزئیہ سے امام تو مستثنیٰ ہے، کیا مؤذن بھی مستثنیٰ ہے؟ استثناء کی دلیل کیا ہے؟

یہ وضاحت اس لئے مطلوب ہے کہ جب کوئی اپنی جگہ مخصوص نہیں کرسکتا تو مؤذنین کے لئے امام کے محاذاۃ میں اس سے متصل پیچھے ہی مصلی کیوں بچھا کران کی جگہ کی تخصیص کی جاتی ہے؟ کیا یہ عمل ثابت وجائز ہے یا بدعت ونادرست ہے؟ اس کی وضاحت اس لئے بھی مطلوب ہے کہ اس پر عمل میں بہت شدت ہے، سخت اہتمام والتزام ہے اور کچھ مساجد میں باعث نزاع وخلفشار بنا دیا جاتا ہے، فقہاء کی تصریحات اس سلسلے میں ہمارے سامنے حسب ذیل ہیں:

فتاوی محمودیہ میں سوال ۲۲۶۵/ اقامت کہنے والا دوسری یا تیسری صف میں ہو تو کیا حکم ہے؟ تب بھی درست ہے، احسن الفتاوی میں ہے، اقامت کے لئے صف اول یا امام سے قریب ہونے کی کوئی قید نہیں (۱/۱۹۵) خیر الفتاوی میں ہے، امام سے پیچھے کھڑے ہونا ضروری نہیں جہاں جگہ ہو کھڑے ہوسکتے ہیں، ایسے ہی پہلی صف میں ہونا بھی ضروری نہیں (۱/۲۱۴) حسب ضرورت اور حسب موقعہ جس طرح اور جس موقعہ پر مکبّر کھڑے ہو کر تکبیر کہے درست ہے، کسی جانب کی تخصیص نہیں ہے جس طرح بھی کھڑا ہو شرعاً یکساں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، آپ کے مسائل اوران کا حل ۲/۲۱۹)

مختصراً پانچ کتابوں کے حوالے آپ حضرات کی سہولت کے لئے پیش کردیئے گئے ہیں، بڑے شہروں کی مساجد میں خصوصاً ممبئی میں یہ عمل ایسا بن گیا ہے کہ بعض پڑھے لکھے لوگ بھی مؤذن کا حق اور جائز سمجھ کران کی جگہ چھوڑ دیتے ہیں یا بچھے ہوئے مصلے کی وجہ سے ان کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس جگہ بیٹھ سکیں، کیا مؤذن صاحب اگر اپنی جگہ موجود نہ ہوں تو کوئی اوران کی جگہ کھڑا ہوسکتا ہے؟ اگر انہوں نے امام کی طرح مستقل مصلے بچھا رکھا ہے، تو اس پر کوئی اور کھڑا ہوسکتا ہے؟ مسجد میں وقف جانمازوں کو مؤذن کے لئے بھی بچھانے کی شرعا اجازت ہے؟ برائے کرم مدلل ومفصل جوابات سے مستفید فرمائیں تاکہ معروف ومنکر کا امتیاز ہوسکے؟ وجزاکم اللہ.

المستفتی: سعید الرحمٰن، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے اندر کسی جگہ کو اپنے لئے مخصوص کر لینا اور اس جگہ پر کسی کو بیٹھنے نہ دینا مکروہ تحریمی ہے اور یہ حکم تمام لوگوں کے لئے یکساں ہے، خواہ وہ امراء اور رہبرانِ قوم ہوں یا تاجر حضرات اور مؤذن صاحبان ہوں، کسی کو بھی مسجد میں اپنے لئے کوئی جگہ مخصوص کرنے کا حق نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کوئی شخص تکبیر شروع ہونے سے پہلے مسجد میں جا کر کے بیٹھ جائے، پھر مسجد سے باہر تھوکنے کے لئے یا حدث لاحق ہونے کی وجہ سے وضو کرنے کیلئے اپنی جگہ کپڑا وغیرہ رکھ کر چلا جاتا ہے اور تکبیر شروع ہونے سے پہلے پہلے واپس آجاتا ہے، تو اس جگہ پر اس کو حق تقدم حاصل ہے، اس کا کپڑا ہٹا کر دوسرے کو بیٹھنے کا حق نہیں، اسی طرح اگر مؤذن صاحب نماز سے پہلے امام کے پیچھے مصلیٰ یا کپڑا رکھ کر مسجد کے کسی کام میں مشغول ہوجائیں، تو اس جگہ کسی شخص کے لئے کپڑا یا مصلیٰ ہٹا کر بیٹھنے کا حق نہیں ہے؛ ہاں البتہ مؤذن صاحب کا ہر وقت مصلیٰ بچھا رہنے دینا اسی طرح کراہت کے دائرہ میں داخل ہے جس کا بیان اوپر ہوا؛ لہٰذا مؤذن صاحب جس جگہ مصلیٰ بچھاتے ہیں وہاں کوئی شخص بیٹھ جائے تو مؤذن صاحب کے لئے اس شخص کو وہاں سے ہٹانا مکروہ تحریمی ہوگا۔

عن عبد الرحمن بن شبليؓ، قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن نقرة الغراب، وافتراش السبع، وأن يوطن الرجل المكان في المسجد كما يوطن البعير. (ابوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب صلاة من لايقيم صلبه في الركوع، والسجود، النسخة الهندية ١/١٢٥، دارالسلام رقم:٨٦٢، مسند الدارمي ٢/٨٣٥، رقم: ١٣٦٢، صحيح ابن خزيمه ١/٣٥٤، رقم: ٦٦٦، ١/٦٤٦، رقم: ١٣١٧)

وكره تخصيص مكان لنفسه وليس له إزعاج غيره، ولو مدرسا. وفي الشامي: قال في القنية: له في المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره. قال الأوزاعي: له أن يزعجه، وليس له ذلک عندنا، أي لأن المسجد ليس ملكا لأحد قلت: وينبغي تقييده بما إذا لم يقم عنه علي نية العود بلامهلة

كما لو قام للوضوء مثلا و لاسيما إذا وضع فيه ثوبه لتحقق سبق يده. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد، كراچي ١/٢٦٢، زكريا ٢/٤٣٦)

ويكره أشد كراهة أن يقيم الرجل أخاه فيجلس في موضعه في الجمعة وغيرها، قال الكرماني وظاهر النهى الوارد فيه التحريم، لأن من سبق إلى مباح فهو أحق به......ولو فرش له نحو سجادة ففيه وجهان فقيل يجوز لغيره تنحيتها والجلوس في موضعها، لأن السبق بالأجسام لابما يفرش ولايجوز الجلوس عليها بغير رضاه الخ (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ديوبند جديد ٥٢٣)

وعندي في النهى عن توطين الرجل مكانا معينا في المسجد وجه آخر، وهو أنه إذا وطن المكان المعين في المسجد يلازمه، فإذا سبق إليه غيرهٗ، يزاحمه، ويدافعه عنه، وهولايجوز؛ لقوله عليه السلام: لا، منى مناخ من سبق، فكما هو حكم منى، فهو حكم المسجد، فمن سبق إلىٰ موضع منه، فهو أحق به، فعلى هذا لولازم أحد أن يقوم خلف الإمام قريبا منه؛ لأجل حصول الفضل، وسبق إليه من القوم أحد لايزاحمه ولايدافعه، فلايدخل في هذا النهى. (بذل المجهود، الصلاة، باب صلاة من لايقيم في الركوع والسجود، دارالبشائر الاسلاميه ٤/١٥٠، رقم: ٨٦١، ميرٹھ قديم ٢/٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۲۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۱ھ

امام کے دونوں جانب قرآن سیکھنے والے طلبہ کا کھڑا ہونا

سوال [۲۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے جہاں صرف تین صف کی جگہ ہے، اگر امام صاحب والی صف کو چھوڑ دیا جائے ،تو صرف دوصف کی جگہ ہے ،اوراس صورت میں امام صاحب کے پیچھے والی صف صف اول کہلائے گی اور اس مسجد میں گاؤں کے بچے بچیوں کی تعلیم وتربیت یعنی درس قرآن بھی ہوتا ہے،تو مسئلہ زیرطلب یہ ہے کہ جس صف میں امام صاحب ٹھہرتے ہیں، امام صاحب کے دونوں بازو (دونوں جانب) میں قرآن سیکھنے والے طلباء ٹھہرتے ہیں اورصف اول یعنی امام سے الگ پیچھے صف میں بڑے لوگ ٹھہرتے ہیں اور پھر آخری صف میں بچے، بچیاں ٹھہرتی ہیں؛ کیونکہ نمازی کی تعداد بہت ہی کم رہتی ہے، چند ہی آیا کرتے ہیں، تواس صورت میں نماز ہوتی ہے یانہیں؟ اور کیا ایسا ٹھہرانا مکروہ ہے؟ اگر مکروہ ہے،تو کیا تحریمی ہے یا تنزیہی؟ جبکہ تربیت کا معاملہ بھی ہے، اور جگہ کی تنگی کا سوال بھی ہے اور پھر بڑوں کی صف کے اندرکوئی بچہ بھی نہیں ٹھہرتا اور یہ صرف ایک ہی وقت مغرب کی بات ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں دوحکم الگ الگ ہوتے ہیں:

(۱) وہ حکم جو باب احکام سے متعلق ہوتا ہے، اس کے اندر احکام شرعیہ کا پورا پورا لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔

(۲) وہ حکم جو بات تربیت سے متعلق ہوتا ہے، اس میں احکام شرعیہ کے ہر گوشہ کا من وعن لحاظ رکھنا لازم نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ باب تربیت میں بہت سی ایسی چیزیں جائز ہوتی ہیں، جو باب احکام میں جائز نہیں ہوتیں اور بعض دفعہ بہت سی ایسی چیزیں جو باب احکام میں جائز اور مشروع ہیں؛ لیکن باب تربیت میں ان کی اجازت نہیں ہوتی مثلاً بخاری شریف کا سبق سننا اور بخاری شریف کی حدیث پڑھنا باب احکام کے لحاظ سے جائز اور کار ثواب ہے؛ لیکن باب تربیت میں درجہ فارسی کے طالب علم کے لئے فارسی کا سبق چھوڑ کر بخاری شریف کے سبق میں شرکت کرنا اوراس کی حدیثیں سننا جائز نہیں،تو زیر بحث مسئلہ بھی باب تربیت سے متعلق ہے؛

اس لئے سوال نامہ میں بچوں کی تربیت اور نماز کا عادی بنانے کے لئے مذکورہ شکل کو اگر بہتر اور مفید سمجھا گیا ہے، تو اس کی شرعاً اجازت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۴۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۵ھ

۱۳؍۱۴؍ سالہ لڑکے کا صف اول میں کھڑا ہونا

سوال [۲۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً ۱۴؍سال ہے اور وہ پہلی صف میں کھڑا ہوتا ہے؛ جبکہ بظاہر بلوغ کے کوئی آثار نہیں ہیں اور کچھ لوگ اس کو نابالغ سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں؛ جبکہ عمر دراز لوگ اتنے ہوتے ہیں کہ جس سے پہلی صف پوری ہو جاتی ہے، کیا ایسی صورت میں اس لڑکے کے پہلی صف میں کھڑے ہونے پر کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

دوسرا لڑکا جس کی عمر تقریبا ۱۳؍سال ہے، مگر دیکھنے میں ۱۵؍سال سے زائد لگتا ہے، کیا یہ لڑکا پہلی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد صلاح الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۴؍سال کے بچہ کے لئے پہلی صف میں لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے، اس کی وجہ سے پیچھے کے بالغین کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

ویصف الرجال، ثم الصبیان ظاهره تعددهم، فلو واحدا دخل الصف. (درمختار علی الشامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة کراچي ۱/۵۷۱، زکریا ۲/۳۱٤، البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة زکریا ۱/٦۱۸، کوئٹه ۱/۳٥۳، حاشیه الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب الإمامة، دار الکتاب دیوبند۳۰۸)

ہاں البتہ اگر نابالغوں کی تعداد زیادہ ہے اور جماعت کھڑی ہوتے وقت نابالغ بچے زیادہ تعداد میں موجود ہوں تو ان کا پیچھے کھڑے ہونا بہتر ہے ورنہ اگر ایک نابالغ بچہ ہو اور نماز کو پہچانتا ہو، تو اس کے پہلی صف میں کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

قال أبو مالک الأشعري: ألا أحدثكم بصلاة النبي صلى الله عليه وسلم، قال: فأقام الصلاة، فصف الرجال، وصف الغلمان خلفهم. الحديث (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الصبيان من الصف، النسخة الهندية ۱/۹۸، دارالسلام رقم: ٦٧٧، مسند أحمد بن حنبل ٥/٣٤٣، رقم: ٢٣٣٩٤، المعجم الكبير للطبراني ٣/٢٨١، رقم: ٣٤١٦)

ويقتضي أيضا أن الصبي الواحد لايكون منفردا عن صف الرجال؛ بل يدخل في صفهم، وأن محل هذا الترتيب إنما هو عند حضور جمع من الرجال وجمع من الصبيان فحينئذ تؤخر الصبيان الخ. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ١/٦١٨، كوئٹه ١/٣٥٣)

ثم يصف الصبيان؛ لقول أبي مالک الأشعري: أن النبي صلى الله عليه وسلم صلّى، وأقام الرجال يلونه، وأقام الصبيان خلف ذلک، وأقام النساء خلف ذلک، وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال. (حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالكتاب ديوبند ٣٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳ر ربیع الاول ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۳۲/۴۷۳۲)	۱۳/۳/۱۴۱۷ھ

بڑوں کی صف میں بچہ کا کھڑا ہونا

سوال [۲۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر بڑوں کی صف میں نابالغ بچہ کھڑا ہو جائے تو بے ترتیبی تو ہو ہی جائے گی؛ لیکن دریافت طلب بات یہ ہے کہ بڑوں کی جماعت اور نماز میں کچھ فرق پڑے گا یا نہیں؟ اور کیا شرعاً بڑوں کی نماز ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد ایوب افضل گڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڑوں کی صف میں اگر کوئی نابالغ بچہ کھڑا ہو جائے تو اس سے بڑوں کی نماز میں کچھ فرق نہیں آئے گا، نماز اور جماعت دونوں بلا کراہت درست ہو جائیں گی۔

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– أن جدته مليكة، دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، لطعام صنعته، فأكل منه، ثم قال: قوموا فأصلي لكم، قال أنس بن مالك......فقام عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وصففت أنا واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا، فصلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين، ثم انصرف. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب جواز الجماعة في النافلة، النسخة الهندية ١/٢٣٤، بيت الأفكار رقم:٦٥٨، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة على الحصير ١/٥٥، رقم:٣٧٨، ف:٣٨٠)

وظاهر حديث أنس أنه يسوي بين الرجل، والصبي ويكونان خلفه فإنه قال: فصففت أنا واليتيم وراءه الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ١/٦١٨، كوئٹه، ١/٣٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۷ھ

۸/۹ رسالہ بچہ کا مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہونا

سوال [۲۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جماعت کی نماز میں صف اول میں یا صف ثانی میں مردوں کے ساتھ نابالغ ۸/۹ رسال کے لڑکے کا کھڑا ہونا کیسا ہے کیا دیگر لوگوں کی نماز بلا کراہت درست ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: نواب اختر، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ۸/۹ رسال کا بچہ اگر نماز کو پہچانتا ہے اور تنہا ہے تو بالغوں کی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے، دوسرے مردوں کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی اور اگر ایک سے زائد بچے ہوں تو ان کی مردوں سے علیحدہ صف بنائی جائے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/۱۹۰، جدید زکریا ۵/۱۹)

عن أنس رضي الله عنه، قال: صلى النبي صلى الله عليه وسلم في بيت أم سليم، فقمت ويتيم خلفه، وأم سليم خلفنا. (صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب صلاة النساء خلف الرجال ۱/ ۱۲۰، رقم: ۸٦۳، ف: ۸۷۱)

قال أبو مالك الأشعري: ألا أحدثكم بصلاة النبي صلى الله عليه وسلم، قال: فأقام الصلاة، فصف الرجال، وصف خلفهم الغلمان. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الصبيان من الصف، النسخة الهندية ۱/ ۹۸، دارالسلام رقم: ٦۷۷، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۳٤۳، رقم: ۲۳۲۹٤، المعجم الكبير للطبراني ۳/ ۲۸۱، رقم: ۳٤۱٦)

إن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالكتاب ديوبند ۳۰۸)

إن الصبي الواحد لايقوم منفردا عن صف الرجال؛ بل يدخل في صفهم الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۱/ ٦۱۸، كوئٹه ۱/ ۳۵۳)

فلو واحدًا دخل في الصف الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا۲/ ۳۱۳، كراچي ۱/ ۵۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

کتنی عمر کا بچہ صف اول میں کھڑا ہوسکتا ہے؟

سوال [۲۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کتنی عمر کا بچہ نماز کے اندر اگلی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے اور کس طرف کھڑا ہوسکتا ہے، دائیں جانب یا بائیں جانب اور کتنی عمر کا بچہ صف میں کھڑا نہیں ہوسکتا جواب سے نوازیں؟

المستفتی: نسیم اختر جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اتنا بڑا نابالغ لڑکا ہو جو نماز کے ارکان اور وضو سے واقف ہو اور تنہا ہو، تو اس کا صف اول میں کھڑا ہونا جائز اور درست ہے؛ لیکن مستحب یہ ہے کہ بڑوں کی آخری صف میں کھڑا کردیا جائے اور اگر لڑکے زیادہ ہیں تو ان کو پیچھے کی صف میں کھڑا کرنا مستحب ہے اور صف میں کھڑے ہونے کے لئے عمر کی قید نہیں ہے؛ بلکہ تمیز کی قید ہے اور جو بچہ ارکان صلوۃ اور وضو اور احترام صلوۃ سے واقف نہیں ہے، اس کو مسجد میں لانا اور صف میں کھڑا کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۲۸۰)

عن واثلة بن الأسقع، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم. الحديث (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، أبواب المساجد، باب مايكره في المساجد، النسخة الهندية ۱/ ٤٦، دارالسلام رقم: ۷۵۰، المعجم الكبير للطبراني ۸/ ۱۳۲، رقم: ۷٦۰۱، ۲۰/ ۱۷۳، رقم: ۳٦۹، ۲۲/ ۵۷، رقم: ۱۳٦)

عن أنس بن مالکؓ، قال: صلیت أنا ویتیم في بیتنا، خلف النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم وأمي أم سلیم خلفنا. (صحیح البخاري، کتاب الآذان، باب المرأۃ وحدھا تکون صفا ۱/۱۰۱، رقم:۷۱۸، ف:۷۲۷)

قال أبو مالک الأشعري: ألا أحدثکم بصلاۃ النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم، قال: فأقام الصلاۃ، فصف الرجال، وصف خلفھم الغلمان. الحدیث (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مقام الصبیان من الصف، النسخۃ الھندیۃ دار السلام رقم:۶۷۷، مسند أحمد بن حنبل ۵/۳۴۳، رقم: ۲۳۲۹۴، المعجم الکبیر للطبراني ۳/۲۸۱، رقم: ۳۴۱۶)

ویصف: أي یصفھم الإمام بأن یأمرھم بذلک......الرجال ثم الصبیان، ظاھرہ، تعددھم فلو واحدًا دخل الصف. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، کراچي ۱/۵۶۸-۵۷۱، زکریا ۲/۴۰۹-۴۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۱/۱۴۱۲ھ

مسجد سے متصل گھر میں عورت امام کی اقتداء کرسکتی ہے؟

سوال [۲۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے پاس کوئی گھر ہو اور معمولی سا فصل ہو، تو کیا عورت امام کی اطلاع کے بغیر اقتداء کرسکتی ہے؟

المستفتی: محمد حبیب، سمدھن فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو معمولی سا فصل ہے وہ اگر اتصال صفوف کو مانع ہو تو اقتداء صحیح نہیں اور اگر مانع نہیں تو صحیح ہے۔

لو اقتدى خارج المسجد بإمام في المسجد، إن كانت الصفوف متصلة جاز، وإلافلا. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب تقدم الإمام على المأموم زكريا ١/٣٦٢، كراچي ١/١٤٦)

ويجوز اقتداء جار المسجد بإمام المسجد وهو في بيته إذا لم يكن بينه وبين المسجد طريق عام. (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الإقتداء ومالايمنع قدم زكريا ١/٨٨، جديد زكريا ديوبند١/١٤٦)

عن مالک عن الثقة عنده أن الناس كانوا يدخلون حجر أزواج النبي صلى الله عليه وسلم بعدوفاة النبي صلى الله عليه وسلم، فيصلون فيها الجمعة. (السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكرجديد ٤/٢٧٨، رقم:٥٣٥١) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۸۴)

عورت کا شوہر کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

سوال [۲۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عورت اپنے شوہر کے ساتھ کھڑی ہو کر نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فرحان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برابر میں کھڑی ہو کر نماز جائز نہیں ہے؛ جبکہ جماعت کی جارہی ہو، اور اگر بیوی پیچھے کھڑی ہو جائے تو دونوں کی جماعت جائز ہے۔

قال ابن عباسؓ: صليت إلى جنب النبي صلى الله عليه وسلم وعائشة خلفنا تصلي معنا، وأنا إلى جنب النبي صلى الله عليه وسلم أصلي معه. (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الإمامة الجماعة إذا كانوا ثلاثة، رجل وصبي وإمرأة،

السنسخة الهندية ۱/ ۹٦، دارالسلام ۸٤۲، صحيح ابن حبان دارالفكر ۳/ ۲٤٥، رقم: ۲۲۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۰۳/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

ایک مرد وعورت جماعت کریں تو عورت پیچھے کھڑی ہوگی؟

سوال [۲۵۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تہجد یا کسی بھی نفل وفرض میں اگر بیوی یا ماں یا بہن کے ساتھ جماعت کرنی ہو تو عورت کو مرد کی طرح امام کی دائیں جانب ایک بالشت پیچھے کھڑی ہونا چاہئے یا کہ ایک صف کی مقدار پیچھے کھڑی ہو۔ نیز اگر بیوی تہجد میں نہیں اٹھتی ہے تو اس کو پانی کی چھینٹ مار کر جگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مسرور احمد ریاض، سعودیہ عربیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک صف کی مقدار پیچھے کھڑی ہوا کرے گی۔

قال ابن عباسؓ: صليت إلى جنب النبي صلى الله عليه وسلم، وعائشة خلفنا تصلي معنا، وأنا إلى جنب النبي صلى الله عليه وسلم أصلي معه.

(صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۱/ ۷٤۳، رقم: ۱٥۳۷، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۰۲، رقم: ۲۷٥۱، مصنف عبد الرزاق المجلس العلمي ۲/ ٤۰۷، رقم: ۳۸۷٥)

أما الواحدة فتتأخر (وفي الشاميه) وتأخرالواحدة محله إذا اقتدت برجل لابامرأة مثلها الخ (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ۲/ ۳۰۷، كراچي ۱/ ٥٦٦، كوئٹه ۱/ ٤۱۹، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالكتاب ديوبند جديد ۳۰٥)

نیز تہجد کے لئے شوہر کا بیوی کو اور بیوی کا شوہر کو جگانے کے لئے پانی کی چھینٹ مارنا حدیث سے ثابت ہے۔

عن أبي هريرة رضـ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رحم الله رجلا قام من الليل، فصلي وأيقظ امرأته فصلت، فإن أبت نضح في وجهها الماء، رحم الله امرأة قامت من الليل فصلت وأيقضت زوجها، فإن أبي نضحت في وجهه الماء. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة باب الحث على قيام الليل، النسخة الهندية ١/٢٠٥، دارالسلام رقم: ١٤٥٠، سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، ماجاء في قيام شهر رمضان، باب ماجاء فيمن أيقظ أهله من الليل، النسخة الهندية ١/٩٤، مسند أحمد بن حنبل ٢/٢٥٠، رقم:٧٤٠٤، ٢/٤٣٦، رقم:٩٦٢٥، مسند البزار ١٥/٣٥٥، رقم:٨٩٢٨، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ١/٥٦٨، رقم:١١٤٦، مشكوة شريف ١٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍۹۴۳)

امام کا محراب سے باہر کھڑا ہونا

سوال [۲۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اصل محراب کو چھوڑ کر جو کہ مسجد کے اندر ہی ہے باہر نماز پڑھنا کیسا ہے؛ یعنی کہ محراب کے بعد امام اوراس کے بعد مقتدی حضرات پہلی صف پر امام صاحب پیچھے والی صف پر مقتدی یہ کیسا ہے؟

المستفتی: محمد بدرالدین، میدان والی مسجد، رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر محراب کے برابر وسط صف میں کھڑا ہوتا ہے تو جائز ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم،

وسطوا الإمام، وسدوا الخلل. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، النسخة الهندية ١/ ٩٩، دارالسلام رقم: ٦٨١)

السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف ألا ترىٰ أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قدعينت لمقام الإمام. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب، كوئٹه ١/ ٤٢٠، كراچی ١/ ٥٦٨، زكريا ٢/ ٣١٠، امداد المفتيين ١/ ١٦٣، فتاوى دارالعلوم زكريا ٣/ ٣٦١، امداد الفتاوى مطبوعة تاليفات اولياء ١/ ٤١٩، الموسوعة الفقهيه الكويتيه ٣٦/ ١٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳؍ ۶۴۵)

امام کا مقتدیوں کی صف سے کچھ آگے کھڑا ہونا

سوال [۲۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر مسجد میں محراب کی جگہ بہت کم ہے اتنی کم ہے کہ امام رکوع وسجدہ نہیں کرسکتا تو امام اگر صف اول میں مقتدیوں سے کچھ آگے ہو کر کھڑا ہو جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بالتفصیل تحریر فرمایئے۔

المستفتی: خاکسار محمد اختر امام مسجد نور پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں محراب کی سیدھ میں صف اول میں امام کھڑا ہوتا ہے اور مقتدی امام کے پیچھے، دوسری صف میں کھڑے ہوتے ہیں، تو بلا کراہت نماز صحیح اور درست ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاوی امدادیہ (غیر مبوب قدیم) ۱؍۳۵، امداد الفتاوی کراچی ۱؍۲۸۳، زکریا ۱؍۴۳۰، فتاوی دار العلوم زکریا ۳؍۶۰ ۳)

عن أنس رضي الله عنه قال: صلّى النبي صلى الله عليه وسلم في بيت أم سليم، فقمت ويتيم خلفه، وأم سليم خلفنا. (صحيح البخاري، كتاب اللآذان، باب صلوة النساء خلف الرجال ۱/ ۱۲۰، رقم:۸٦۳، ف: ۸۷۱)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسطوا الإمام وسدوا الخلل. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، النسخة الهندية ۱/ ۹۹، دارالسلام رقم: ٦۸۱)

السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف ألاترى أن المحاريب مانصبت إلا وسط المساجد، وهي قد عينت لمقام الإمام الخ (شامي، كتاب الصلاة ، باب الإمامة، مطلب في كراهية قيام الإمام في غير المحراب، زكريا۲/ ۳۱۰، كراچي ۱/ ٥٦۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ /جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/ ۱۲۵۱)

امام کا مقتدیوں کی صف میں کچھ آگے کھڑا ہونا

سوال [۲۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد صف دو صف کی ہے اوراس کے بعد ایک صف کا صحن ہے، سردی کی وجہ سے سب لوگ اندرونی حصہ میں نماز پڑھتے ہیں، اس طریقہ سے کہ امام صاحب محراب سے نیچے صف اول میں مقتدیوں کے ساتھ مل کر مقتدیوں سے کچھ ہی آگے ہو کر نماز پڑھاتے ہیں؛ چونکہ محراب بہت ہی چھوٹی ہے کہ رکوع وسجدہ اس میں نہیں کر سکتے؛ لہٰذا اس طریقہ سے نماز پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: خاکسار محمد اختر امام مسجد نور پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مقتدیوں کی تعداد دو سے زائد ہو تو امام کا ایک صف کی بقدر مقتدیوں سے آگے کھڑا ہونا واجب ہے، مقتدیوں کی صف میں کچھ آگے ہو کر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے؛ لیکن نماز واجب الاعادہ نہیں ہوگی اور سردی وگرمی مقتدیوں کی صف میں قیام کے جواز کی علت نہیں بن سکتی۔

عن أنسؓ، قال: صلى النبي صلى الله عليه وسلم في بيت أم سليم، فقمت ويتيم خلفه، وأم سليم خلفنا. (صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب صلاة النساء خلف الرجال ۱/ ۱۲۰، رقم:۸٦۳، ف: ۸۷۱)

فلو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما لو أكثر. وفي الشامية: أفاد أن تقدم الإمام أمام الصف واجب الخ (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة قبيل مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش، زكريا ۲/ ۳۰۹، كراچي ۱/ ٥٦۷)

ولو كانوا جماعة فينبغي للإمام أن يتقدم، ولو لم يتقدم إلا أنه قام على ميمنة الصف أو على ميسرته أو قام في وسط الصف، فإنه يجوز ويكره الخ (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة زكريا ۱/ ٦۱۷، كوئٹه ۱/ ۳٥۲، منحة الخالق ۱/ ۲٥۲)

وأما بيان مقام الإمام والمأموم فنقول إذا كان سوى الإمام ثلاثة يتقدمهم الإمام لفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعمل الأمة بذلك وروي عن أنس بن مالكؓ، أنه قال: إن جدتي مليكة دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى طعام، فقال صلى الله عليه وسلم: قوموا لأصلي بكم فأقامني واليتيم من ورائه وأمي أم سليم من ورائنا؛ ولأن الإمام ينبغي أن يكون بحال يمتازبها عن غيره ولايشتبه على الداخل؛ ليمكنه الإقتداء به ولايتحقق ذلك إلا بالتقدم. (بدائع الصنائع،

كتاب الصلاة، فصل في بيان مقام الإمام و المأموم زكريا قديم ١/١٥٨، زكريا جديد ديو بند ١/٣٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۵۳/۲۴)

امام کا ایک بالشت اونچائی پر کھڑے ہونے کا حکم

سوال [۲۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام مقتدیوں سے ایک بالشت اونچائی پر کھڑا ہوتا ہے، تو کیا اس حالت میں امام مقتدی سے الگ ہو جائے گا، نماز ہوگی یا نہیں؟ تشفی بخش جواب عنایت کریں۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن امام مسجد بنجاروں والی گلی، نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام اگر ایک بالشت اونچائی پر کھڑا ہوتا ہے، تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم زکریا ۳/۳۴۳)

وانفراد الإمام على الدكان للنهي وقدر الارتفاع بذراع ولابأس بمادونه الخ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومالا يفسد مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة زكريا ٢/٤١٥ كراچي ١/٦٤٦، مصري ١/٦٠٤)

ويكره قيام الإمام في المحراب أو على مكان بقدر ذراع على المعتمد وتحته بقدر ذراع اعتبارا بالسنة، وقيل: مايقع به الإمتياز. (حاشيه الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات قديم ١٩٨، جديد دار الكتاب ديو بند / ٣٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۲۲/۲۷)

مقتدی امام کے مقابلے ایک بالشت اوپر کھڑے ہوں تو کیا حکم ہے؟

سوال[۲۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام مقتدیوں کے مقابلے میں تھوڑا نیچے کھڑا ہوا ہے، جس کی مقدار ایک بالشت سے کم ہے اور مقتدی حضرات اتنے اوپر کھڑے ہوتے ہیں، تو ایسی صورت میں اس امام کی اقتدا کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم، رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تنہا امام کا ایک ذراع اونچائی پر کھڑے ہونے کی ممانعت میں حدیث وارد ہوئی ہے، اسی سے حضرات فقہاء نے تنہا امام کا ایک ذراع اونچائی پر کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے، اسی طرح حضرات فقہاء نے تنہا امام کے نیچے کھڑے ہونے کو بھی مکروہ لکھا ہے اور یہ حکم بھی اسی حدیث شریف سے مستنبط ہے اور ایک ذراع سے کم اونچائی پر مکروہ نہیں ہے، تو ایک ذراع نیچائی پر کھڑا ہونا بھی مکروہ نہیں ہوگا اور مسئولہ صورت میں صرف ایک بالشت نیچائی پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے؛ لہٰذا جس طرح ایک بالشت اونچائی پر کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے، اسی طرح ایک ایک بالشت نیچائی پر کھڑا ہونا بھی مکروہ نہ ہوگا اور یہ مسئلہ ذیل کے جزئیات سے مستفاد ہوتا ہے۔

وانفراد الإمام علی الدکان للنهی، وقدر الارتفاع بذراع ولابأس بما دونه......وکره عکسه في الأصح. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، زکریا ۲/ ۴۱۵، کراچي ۱/ ٦٤٦)

فإن انفرد الإمام عن القوم بالمكان الأسفل اختلف المشائخ فیه أي في کراهة انفراده به، قال الطحاوي: لایکره لعدم التشبه بأهل الکتاب؛ لأنهم لا یفعلونه وظاهر الروایة الکراهة؛ لأن فیه ازدراء

بالإمام حيث ارتفع كل الجماعة فوفة. (كبيري شرح غنية المستمل، سهيل اكيڈمي ٣٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۲۱/۱۳۰۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۳۶ھ

امام صاحب کا مصلیٰ دو انچ اونچا بنانا

سوال [۲۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام کا مصلیٰ دو انچ اونچا ہو، مقتدی حضرات دو انچ نیچے نماز پڑھ رہے ہوں امام کے ساتھ، اور وہ جگہ برآمدے کی ہو کبھی کبھی نماز وہاں بھی ہو جاتی ہو تو کوئی حرج تو نہیں؟

المستفتی: مصلیان مسجد حمزہ لاجپت نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں نماز بلا کراہت صحیح ہو جائے گی ایک زراع یا اس سے زیادہ اونچا ہونے کی صورت میں کراہت آتی ہے، دو تین انچ اونچا ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

عن عدي بن ثابت الانصاري: حدثني رجل، أنه كان مع عمار بن ياسرؓ بالمدائن، فأقيمت الصلاة فتقدم عمار وقام على دكان يصلي والناس أسفل منه، فتقدم حذيفة فأخذ على يديه فاتبعه عمار حتى أنزله حذيفة، فلما فرغ عمار من صلاته قال له حذيفة: ألم تسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: إذا أم الرجل القوم، فلا يقوم في مكان أرفع من مقامهم، أو نحو ذلك؟ قال عمار: لذلك اتبعتك حين أخذت على يدي.
(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الإمام يقوم مكانا أرفع من مكان القوم، النسخة الهندية ١/٨٨، بيت الأفكار رقم: ٥٩٨)

وقدر الارتفاع بذراع ولابأس بما دونه الخ (در مختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما لا يفسد مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة زكريا ٢/٤١٥، كراچي ١/٦٤٦، طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات قديم ١٩٨، جديد دارلكتاب ديوبند ٣٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۶ھ

امام کتنی اونچائی پر کھڑا ہوسکتا ہے؟

سوال [۲۵۱۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام اونچائی پر کھڑا ہے، تو کتنی اونچائی درست ہے، مع حوالہ تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد اختر امام مسجد نور، پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ہاتھ سے کم اونچائی پر کھڑا ہونا امام کے لئے بلا کراہت درست ہے، اس سے زیادہ مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۳/۳۴۳)

عن عدي بن ثابت الانصاري: حدثني رجل، أنه كان مع عمار بن ياسرؓ بالمدائن، فأقيمت الصلاة فتقدم عمار وقام على دكان يصلي والناس أسفل منه، فتقدم حذيفة فأخذ على يديه فاتبعه عمار حتى أنزله حذيفة، فلما فرغ عمار من صلاته قال له حذيفة: ألم تسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: إذا أم الرجل القوم، فلا يقوم في مكان أرفع من مقامهم، أو نحو ذلک؟ قال عمار: لذلک اتبعتک حين أخذت على يدي.

(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الإمام يقوم مكانا أرفع من مكان القوم، النسخة الهندية ١/٨٨، بيت الأفكار رقم: ٥٩٦)

وقدر الارتفاع بذراع ولابأس بما دونه، وقيل ما يقع به الإمتياز وهو الأوجه. (در مختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يفسد الصلاة زكريا ٢/٤١٥، كراچي ١/٦٤٦)

وقيل بمقدار الذراع اعتبارا بالسترة وعليه الاعتماد. (عالمگيري، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لايكره، قديم زكريا ١/١٠٨، جديد زكريا ديوبند ١/١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۵۱)

دو انچ اونچے فرش پر امام کے کھڑے ہونے کا جواز

سوال [۲۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ قانون گویان مرادآباد مسجد کھلوان والی کے اندر کی جگہ کا فرش برآمدہ اور صحن کے فرش سے دو انچ اونچا ہے، اندر کی جگہ میں تین دروازے ہیں، بیچ کے دروازہ میں امام صاحب کھڑے ہوکر نماز پڑھاتے ہیں، امام صاحب کے کھڑے ہونے کی جگہ تھوڑا باہر نکال دی گئیہے، جس کی وجہ سے امام صاحب کی ایڑیاں محراب کے باہر رہتی ہیں، اس طریقہ کار سے یعنی دو انچ اونچے فرش پر نماز پڑھانا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی از روئے شرع بحوالہ احادیث مدلل جواب سے مستفیض فرمائیں؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن خاں، محلّہ قانون گویاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دو انچ اونچے فرش پر امام کا تنہا کھڑا ہونا بلاکراہت جائز ہے، اس سے امام اور مقتدی میں سے کسی کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم، زکریا ۴/ ۱۲۲)

وقدر الارتفاع بذراع ولابأس بمادونه، وقيل مايقع به الإمتياز وهو الأوجه الخ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومالا يفسد مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، زكريا ٢/٤١٥ كراچي ١/٦٤٦، مصري ١/٦٠٥، شرح النقايه، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة ومالا يفسد اعزازيه ديوبند ١/٩٤)

فقيل: قدر ارتفاع قامة الرجل الذي هو متوسط القامة، فلابأس بمادونها، ذكره في المحيط، وكذا ذكره الطحاوي، وهكذا روي عن أبي يوسفؒ وقيل: إنه مقدر بقدر مايقع الإمتياز، وقيل مقدر بقدر ذراع اعتبارا بالسترة، قال: قاضي خان وعليه الاعتماد. (البنايه، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها فصل في العوارض اشرفيه ٢/٤٥٢، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب مايفسد الصلاة، فصل في المكروهات، دارالكتاب ديوبند ١/٣٦١)

وقيل بمقدار الذراع اعتبارا بالسترة وعليه الاعتماد. كذا في التبيين وفي غاية البيان هو الصحيح كذا في البحر الرائق (هندية، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة و ما لايكر، قديم زكريا ١/١٠٨، جديد زكريا ديوبند ١/١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۶۰/۲۵)

در یا محراب میں امام کا قدم باہر ہونا

سوال [۲۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے یہاں زید امام صاحب مسجد میں فرض نماز جس در میں چاہتے ہیں یعنی مسجد کے مختلف دروں میں کھڑے ہوکر نماز پڑھاتے ہیں، بکر کے دل میں ایک دن کچھ خلجان سا پیدا ہوا کہ امام صاحب کا در سے ایک قدم یا کچھ حصہ باہر کھڑا ہونا چاہئے، تو خالد نے کہا کہ نہیں پوری مسجد میں محراب صرف ایک ہوتی ہے، اس کا یہ مسئلہ ہے، دوسرے دروں میں

کھڑے ہوکر نماز پڑھانے کا یہ مسئلہ نہیں ہے تو اس بارے میں اب بکر جاننا یہ چاہتا ہے کہ در چاہے بڑا ہو یا چھوٹا ہو اس میں امام نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں، اگر پڑھا سکتا ہے تو امام صاحب کا در سے باہر نکلا ہوا ہونا چاہئے یا در کے برابر ہو، برائے مہربانی مفصل ومدلل جواب بحوالہ جلد دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں عین کرم ہوگا؟

المستفتی: خلیل احمد شوق، گودھنا سدھولی، سیتاپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر امام محراب سے ہٹ کر در میں کھڑا ہوتا ہے تو محراب کے سامنے کے در میں کھڑا ہونا ضروری ہے ورنہ مکروہ ہوگا۔ نیز در یا محراب میں جب کھڑا ہوتو قدم باہر ہونا چاہئے چاہے در یا محراب کشادہ ہو یا نہ ہو، ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم، زکریا ۳/۳۵۲، احسن الفتاوی، زکریا ۳/۳۱۰، مکروہات صلوۃ)

قيام الإمام في المحراب لاسجوده فيه الخ (الدر المختار، باب مايفسد الصلاة وما لايفسد، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، زكريا ٢/٤١٤، كراچي ١/٦٤٥، مصري ١/٦٠٤)

ولوقام في أحد جانبي الصف يكره (إلى قوله) والأصح ماروي عن أبي حنيفة أنه قال اكره أن يقوم بين الساريتين. أو في زاوية أو في ناحية الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش منها، زكريا ٢/٣١٠، كراچي ١/٥٦٨)

وقيام الإمام لاسجوده في الطاق أي يكره قيام الإمام في الطاق وهو المحراب ولايكره سجوده فيه إذا كان قائما خارج المحراب. (تبين الحقائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد، مكتبة امدادية ملتان ١/١٦٥، البنايه، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، فصل في العوارض، اشرفيه ٢/٤٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۲/۱۴۱۱ھ

جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام کا مقتدیوں کے بیچ میں ایڑی کے برابر آگے کھڑا ہونا

سوال[۲۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام مقتدیوں کی صفوں کے بیچ میں کھڑا ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں امام مقتدیوں سے کتنا آگے کھڑا ہوگا؟

المستفتی: محمد اختر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جگہ کی تنگی کی وجہ سے جب امام صاحب کو مقتدیوں کی صف کے درمیان کھڑا ہونا پڑ جائے، تو ایسی صورت میں امام کی ایڑی کا مقتدیوں کی ایڑی سے آگے ہونا کافی ہے اور امام کا صرف ۴/انگل آگے ہونا ہی اقتداء کے درست ہونے کے لئے کافی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۶/۴۹۴، میرٹھ ۹/۴۷)

عن الأسودؓ وعلقمةؓ، قالا: أتينا عبد الله بن مسعود في داره، فقال: أصلى هؤلاء خلفكم؟ فقلنا لا؟ قال: فقوموا فصلوا، فلم يأمرنا بأذان ولاإقامة، قال: وذهبنا لنقوم خلفه، فأخذ بأيدينا فجعل أحدنا عن يمينه والأخر عن شماله. (صحيح مسلم،كتاب المساجد، باب الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع، النسخة الهندية ١/٢٠٢، بيت الأفكار رقم:٥٣٤)

ولو كانوا جماعة فينبغي للإمام أن يتقدم ولو لم يتقدم إلا أنه قام على ميمنة الصف أو على ميسرته أو قام في وسط الصف، فإنه يجوز ويكره...... وأشار المصنف إلى أن العبرة إنما هو لا للقدم للرأس، فلو كان الإمام أقصر من المقتدي تقع رأس المقتدي قدام الإمام يجوز بعد أن يكون محاذيا بقدمه أو متأخرا قليلا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ١/٦١٧، كوئٹه ١/٣٥٢، خلاصة الفتاوى ١/١٥٧، شامي زكريا،

كتاب الصلاة، باب الإمامة قبيل مطلب هل الإساءة دون الكراهة أو أفحش منها ۲/ ۳۰۸، كراچي ۱ /۵٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۷۷)

گرمی کی وجہ سے امام کا مقتدیوں کی صف میں کھڑا ہونا

سوال [۷۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز مغرب تیار ہے صفیں استادہ ہیں جگہ کی کوئی معقول تنگی نہیں ہے صرف گرمی محسوس کی جارہی ہے امام صف اول کے درمیان میں کھڑا ہے؛ البتہ امام نصف فٹ صف سے آگے ہے، اسی طرح نماز پڑھادی تو نماز امام ومقتدی حضرات کی درست ہوگئی یا نہیں؟ امام کا اس طرح بین الصّف کھڑے ہوکر نماز پڑھانا کیسا ہے، امام کا مقتدیوں کے آگے ہونے کا کم ازکم کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

المستفتی: محمد اکبر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کا محض گرمی کی وجہ سے مقتدیوں کی صف میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، امام کا اصل مقام مقتدیوں سے کم ازکم ایک صف آگے کھڑے ہونے کا ہے۔

عن أنس بن مالك –رضي اللّٰه عنه– أن جدته مليكة، دعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، لطعام صنعته، فأكل منه، ثم قال: قوموا فأصلي لكم، قال أنس بن مالك: فقمت إلى حصير لنا قد اسود من طول مالبس، فنضحته بماءٍ، فقام عليه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وصففت أنا

واليتيم وراءه، والعجوز من ورائنا، فصلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين، ثم انصرف. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب جواز الجماعة في النافلة، النسخة الهندية ۱/۲۳٤، بيت الأفكار رقم:٦٥٨، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة على العصير ۱/٥٥، رقم:٣٢٧٨، ف:٣٨٠)

فلو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما لو أكثر. (الدر المختار، باب الإمامة،مطلب الإساءة دون الكراهة أو أفحش منها، زكريا ۲/۳۰۸، كراچي ۱/٥٦٧)

والأصل في الإمام أن يكون متقدما على المأمومين إلا إن ضاق المكان أو لم يكن إلا مأموم واحد. (فتح الباري، كتاب الآذان، باب من قام إلى جنب الإمام لعلة، اشرفيه ديو بند ۲/۲۱۲، قديم بيروت ۲/۱۹٦، شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب القرأة في الصلاة اعزازيه ديوبند ۱/۸۹، تحت رقم الحديث:٦٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۲۸)

جگہ کی تنگی کی وجہ سے امام ومقتدی کا ایک صف میں کھڑے ہونا

سوال [۲۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے اندر جمعہ کے روز بجائے دو کے تین صفیں کر لیتے ہیں، تو ممبر کی جگہ کوئی آدمی کھڑا نہیں ہو پاتا اور امام کی ایڑی اور مقتدیوں کے پیر کا انگوٹھا تقریبا مل جاتے ہیں، نماز میں تو کوئی خلل نہیں ہے؟

المستفتی: شاہد حسین، بیگم پوری امام مسجد کھجور والی اغوان پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں امام کی ایڑی مقتدیوں کی ایڑیوں سے آگے اور مقدم ہونا لازم ہے اور اگر مقتدی کا پیر لمبا ہونے کی وجہ سے امام کی ایڑی

مقدم ہونے کے باوجود مقتدی کی انگلی امام کی انگلی کے برابر ہوجائے، تو نماز میں خرابی نہیں آتی ہے؛ کیونکہ شرط امام کی ایڑی کا مقتدی کی ایڑی پر مقدم ہونا ہے۔

عن الأسودؓ وعلقمةؓ، قالا: أتينا عبد الله بن مسعود في داره، فقال: أصلى هؤلاء خلفكم؟ فقلنا لا؟ قال: فقوموا فصلوا، فلم يأمرنا بأذان ولاإقامة، قال: وذهبنا لنقوم خلفه، فأخذ بأيدينا فجعل أحدنا عن يمينه والأخر عن شماله. (صحيح مسلم،المساجد، باب الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع، النسخة الهندية ١/ ٢٠٢، بيت الأفكار رقم:٥٣٤)

وتقدم الإمام بعقبه عن عقب المأموم حتى لو تقدم أصابعه لطول قدمه لايضر الخ (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة قديم ١/ ١٥٨، جديد دارالكتاب ديوبند ٢٩٠)

ومعنى المحاذاة بالقدم المحاذاة بعقبه، فلايضر تقدم أصابع المقتدي على الإمام حيث حاذاه بالعقب مالم يفحش التفاوت بين القدمين. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة قبيل مطلب هل الأساءة دون الكراهة أو أفحش منها، كراچي ١/ ٥٦٧، زكريا ٢/ ٣٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۲/۱۹ھ

جگہ کی تنگی کے باعث امام ومقتدی کا ایک صف میں کھڑا ہونا

سوال [۲۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے ایک صف میں نماز پڑھتے ہیں، جس طرح امام اور مقتدی نماز پڑھتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اصغر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ میں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے امام ومقتدی کا ایک ہی صف میں کھڑا ہونا جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی؛ لیکن مدرسہ میں اس کے علاوہ دوسری جگہ بھی تو ہوگی، جہاں جماعت کی جاسکے اور امام مقتدیوں سے ممتاز جگہ پر کھڑا ہو سکے؛ لہٰذا ایسی ہی جگہ تجویز کرنی چاہئے۔

عن إبراهيم عن الأسودؓ وعلقمةؓ، قالا: أتينا عبد الله بن مسعود في داره، فقال: أصلى هؤلاء خلفكم؟ فقلنا لا؟ قال: فقوموا فصلوا، فلم يأمرنا بأذان ولا إقامة، قال: وذهبنا لنقوم خلفه، فأخذ بأيدينا فجعل أحدنا عن يمينه والأخر عن شماله. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع، النسخة الهندية ١/٢٠٢، بيت الأفكار رقم:٥٣٤)

والأصل في الإمام أن يكون متقدما على المأمومين إلا إن ضاق المكان أو لم يكن إلا مأموم واحد. (فتح الباري، كتاب الآذان، باب من قام إلى جنب الإمام لعلة، اشرفيه ديوبند ٢/٢١٢، قديم بيروت ٢/١٩٦، شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب القرأة في الصلاة اعزازيه ديوبند ١/٨٩، تحت رقم الحديث:٦٨٣)

ويقوم المؤتم الزائد على الواحد خلفه أي خلف الإمام......عن أبي يوسفؒ يقوم الإمام بين الإثنين لماروى مسلم عن ابن مسعودؓ أنه صلى بعلقمةؓ والأسودؓ، فقام بينهما......ماروي عن ابن مسعودؓ وأبي يوسفؒ، فمحمول على بيان الجواز وعلى عذر كضيق المكان. (شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب القرأة في الصلاة، اعزازيه ديوبند ١/٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

(۱۱) باب مدرک، مسبوق، لاحق

امام کی تکبیر سے قبل تکبیر کہنے والے مقتدی کی نماز درست نہیں

سوال[۲۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب اقامت ختم ہونے پر دعاء میں مشغول ہوجاتے ہیں اور تکبیر تحریمہ بھی کہتے ہیں، لوگ یہ سمجھ کر کہ امام نے تکبیر کہہ لی ہے نیت باندھ لیتے ہیں اور امام صاحب کچھ دعاء کے بعد نیت باندھ تے ہیں، تو کیا جن مقتدیوں نے امام سے پہلے نیت باندھی ان کی نماز ہوگی یا نہیں اور فقہ حنفی میں اقامت کے بعد تکبیر تحریمہ کا شرعی وقت کیا ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شعیب، شاہ آباد، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقامت کے بعد تکبیر تحریمہ سے قبل دعاء میں مصروف ہوجانا نصوص شرعیہ سے ثابت نہیں ہے، جولوگ **لا بأس بأن یشتغل بالدعاء عند الإقامة** جیسی عبارتوں سے استدلال کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے مراد یہی ہوسکتا ہے کہ تکبیرا قامت کے وقت کہی جائے؛ اس لئے کہ اقامت ختم ہوتے ہی متصلاً تکبیر تحریمہ کا حکم ہے۔

و شروع الإمام منذ قیل قد قامت الصلاة الخ (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل فصل إذا اراد الدخول في الصلاة کبر، زکریا ۱/۵۳۱، کوئٹه ۱/۳۰۴)

نیز جن مقتدیوں نے دھوکہ میں امام سے قبل تکبیر تحریمہ کہہ لیا ہے ان کی نماز نہیں ہوگی، لوٹا نا واجب ہوگا۔

فلو كبر قبله لم يصر شارعا وتحته في مجمع الأنهر، ولو قال المؤتم قبل الإمام الله أكبر الأصح، إنه لايكون شارعا فيها وأجموا على أنه لو فرغ من قوله أكبر قبل فراغ الإمام لايكون شارعا إلى آخره. (الدر المنتقى مع مجمع الانهر، كتاب الصلاة، فصل إذا اراد الدخول في الصلاة كبر قديم ۱/۹۲، جديد بيروت ۱/۱۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۷۳۲)

مسبوق کا تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جانا

سوال [۲۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب سجدہ کی حالت میں ہیں فرض نماز ہے، ایک صاحب وضو کرکے آئے اور تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے سجدہ ہی میں چلے گئے، جس طرح سجدۂ تلاوت کرتے ہوئے سجدہ میں تکبیر کہتے ہوئے چلے جاتے ہیں، کیا اس طرح جبکہ تکبیر تحریمہ مقتدی کی سجدہ میں جا کر پوری ہوتی ہے، اقتداء صحیح ہوگئی یا تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہنا فرض تھا، تب سجدہ میں جاتے؟

المستفتی: عبد الرشید، قاسمی سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورۃ مسئولہ میں مسبوق مقتدی کی نماز شروع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ اس نے حالت قیام میں تکبیر تحریمہ نہیں کہی؛ حالانکہ تکبیر تحریمہ بحالت قیام کہنا فرض ہے، اس فرض کے ترک کی وجہ سے مقتدی کی نماز درست نہ ہوگی اسے چاہئے تھا کہ اطمینان کے ساتھ بحالت قیام تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہوتا۔

لو أدرك الإمام راكعا، فقال الله في حال القيام، ولم يفرغ من

قولـه أكبـر إلا وهـو فـي الـركـوع لايـصح شروعه؛ لأن الشرط وقوع التـحريمة في محض القيام. (حلبي كبير، كتاب الصلاة فرائض الصلاة الأول تكبيرة الإفتتاح ٢٦٠)

وكـذا لو أدرك الإمام في الركوع وقال: ''الله أكبر''إلا أن قوله: ''الله'' كـان فـي قيـامـه، وقوله أكبر وقع في الركوع، لايكون شارعًا في الصلاة عندهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني تكبيرة الإفتتاح، زكريا ٢/٥٣، رقم:١٧١٢)

أدرك الإمام راكعا فقال: ''الله'' قائما وأكبر راكعا لم يصح في الأصح، (تـحتـه فـي الشـامية) أي بـنـاء عـلى ظاهر الرواية، وأفاد أنه كما لايصح اقتـداءً، لايـصيـر شارعا في صلاة نفسه أيضا، وهو الأصح كما في النهر عن السراج. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/١٧٨، كراچي ١/٤٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۷۰۲/۴۱)

مقتدی کا امام کے ساتھ ساتھ تکبیر کہنا اور انتقال رکن کرنا

سوال [۲۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انتقال رکن امام صاحب کی تکبیر کے بعد کرنا افضل ہے یا امام کے ساتھ ساتھ یا امام کے اَلُ یا اللہ کہتے ہی شروع کر دینا چاہیے ہمسری یا اقتداء میں افضل کیا ہے؟ جبکہ مسلم شریف میں امام کے بعد انتقال رکن کا حکم ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبد الحق، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: افضل اوراولیٰ امام ابوحنیفہؒ سے یہی ثابت ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ مقتدی تکبیر کہے اورامام کے ساتھ ساتھ رکوع وسجدہ کرتا جائے۔

عن أبي هريررة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه فإذا ركع فاركعوا، وإذا قال سمع الله لمن حمده، فقولوا ربنالک الحمد، وإذاسجد فاسجدوا.
(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ١/١٠٠، رقم:٧١٣، ف:٧٢٢)

قال في البدائع: منها أن يكبر المقتدي مقارنا لتكبير الإمام، فهو أفضل باتفاق الروايات عن أبي حنيفة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان سنن الصلاة، زكريا ديوبند ١/٤٦٦، قديم كراچي ١/٢٠٠)

ومنها أي من سنن الجماعة أن يكبر المقتدي مقارنا لتكبير الإمام، فهو أفضل باتفاق الروايات ن أبي حنيفة؛ لأن الاقتداء مشاركة، وحقيقة المشاركة المقارنة، إذبها تتحقق المشاركة في جميع أجزاء العبادة.
(الموسوعة الفقهيه الكويتيه ٦/٣٠، ٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۲۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۸ھ

درمیان صلوۃ مکبر کا زور سے تکبیر کہنا

سوال [۲۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی مسجد چار صفوں کی چھوٹی مسجد ہے، مگر دو منزلہ ہے کبھی کبھی نمازی

زیادہ ہونے کی صورت میں نمازی اوپر والے منزل میں چلے جاتے ہیں اوراس پر ایک اسپیکر لگا ہے، جونماز کے وقت کھول دیا جاتا ہے، مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بجلی درمیان نماز میں چلی جاتی ہے، تو ایک شخص تکبیر بلند آواز سے کہنے لگتا ہے تو تکبیر کہنے والے کی نماز اور دیگر نمازیوں کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عطاء الرحمٰن مدرس درجہ ناظرہ مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکبر اور دیگر نمازیوں میں سے سب کی نماز بلاکراہت درست ہوجائے گی اور اگر بلاضرورت تکبیر کہتا ہے تو مکروہ ہے۔

اعلم أن التبليغ عند عدم الحاجة إليه بأن بلغهم صوت الإمام مكروه (إلى قوله) وأما عند الاحتياج إليه فمستحب الخ (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، زكريا ۱۷۲/۲، كراچي ۴۷۵/۱)

أن التكبير عند عدم الحاجة إليه بأن يبلغهم صوت الإمام مكروه-إلى-وأما عند الاحتياج إليه، بأن كانت الجماعة لايصل إليهم صوت الإمام إما لضعفه، أو لكثرتهم فمستحب. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دارالكتاب ديوبند جديد ۲۶۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵۲۱/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۹ھ

امام کے قرأت شروع کردینے کے بعد مقتدی کا ثناء پڑھنا

سوال [۲۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ امام صاحب کے تکبیر کہنے کے بعد ایک شخص نماز میں شریک ہوا جیسے ہی اس نے ثناء پڑھنا شروع کیا فوراً امام نے قرأت شروع کردی، تو کیا شریک ہونے والا شخص اپنی ثناء پوری کرے یا امام کی قرأت سنتے ہی خاموش ہوجائے؟

المستفتی: فیروز احمد، کرلا ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جہری نماز ہے تو امام کے قرأت شروع کردینے پر مقتدی کو ثناء وغیرہ کا سلسلہ ختم کردینا چاہئے اور امام کی قرأت کی طرف متوجہ ہوجانا چاہئے اور سری نماز میں مقتدی بہر حال ثناء پڑھ سکتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۲۸۲)

إذا أدرک الإمام في القراء ة في الرکعة التي يجهر فيها لايأتي بالثناء. (هندية، کتاب الصلاة، الفصل السابع في المسبوق، واللاحق زکريا ۱/ ۹۰، جديد ۱/ ۱٤۸)

وينبغي أن يأتي به في السرية، ويترک في الجهرية. (شرح النقايه، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، اعزازيه ديوبند ۱/ ۷۳)

إلا إذا کان مسبوقا وإمامه يجهر بالقراء ة، فإنه لايأتي به وصححه في الذخيرة وعليه الفتوی، کما في المضمرات. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دارالکتب العلمية بيروت ۱/ ۱٤۲، قديم مصري ۱/ ۹٤، الموسوعة الفقهيه ۱٦۱/۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

نماز کے فرائض وسنن ونوافل میں امام کی متابعت

سوال [۲۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امامت کرتے ہیں اور مسجد کے متعین امام ہیں زید بحالت امامت قرأت

میں بھی جلدی کرتے ہیں اور تسبیحات میں بھی اور تشہد درود، دعاء میں بھی جلدی کرتے ہیں اور مقتدی ایسی حالت میں درود، تشہد و دعاء اخیر رکعت میں پوری نہیں کر پاتے دو رکعت کے قعدہ میں بھی اکثر ایسی حالت میں مقتدی التحیات پوری کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں یا سلام پھیر دیتے ہیں، تو ایسی صورت میں مقتدی کے لئے کیا حکم ہے اور امام کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالکریم، کاشی پور نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام ومقتدی کے مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ ہر وہ امر جس کا کرنا واجب یا فرض ہے، اس میں اس امر کو مکمل کر لینے کے بعد امام کی اتباع کی جائے اور جو امر از قبیل سنن یا نوافل ہے، اس میں اس امر کی تکمیل کئے بغیر امام کی اتباع لازم ہے اور تشہد پڑھنا امر واجب ہے؛ لہٰذا اگر مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے قبل امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے یا سلام پھیر دے تو یہ مقتدی اولاً تشہد مکمل کر کے پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے یا اخیر میں سلام پھیر دے اور ایسی صورت میں مقتدی کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئیگی۔

لو رفع الإمام رأسه من الركوع، أو السجود قبل أن يتم المأموم التسبيحات الثلاث وجب متابعته، وكذا عكسه، فيعود ولايصير ذلك ركوعين بخلاف سلامه أو قيامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد، فأنه لايتابعه؛ بل يتمه الخ. (در مختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، كراچي ١/٤٩٦، زكريا ٢/١٩٩، هنديه، كتاب الصلاة، باب الإمامة الفصل السابع في المسبوق واللاحق، زكريا ١/٩٠، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في كيفية الصلوة، زكريا ٢/١٩١، رقم: ٢١٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۵۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۵ھ

کیا امام کی اتباع سنن ومستحبات میں ضروری ہے؟

سوال [۲۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقتدی کے لئے سنت اور مستحبات میں امام کی اتباع کرنا ضروری ہے یا نہیں، اگر ضروری ہے تو مقتدی اگر امام کے بائیں طرف سلام پھیرنے سے پہلے بائیں طرف کے سلام سے فارغ ہوجائے تو مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: سیف الحق، آسامی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنن ومستحبات میں امام کی اتباع کرنا فرض یا واجب نہیں ہے؛ بلکہ بدرجہ سنت اور مستحب ہے۔

وأنه لاتجب المتابعة في السنن فعلا (إلى قوله) وتكون سنة في السنن الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام، زكريا ۲/۱٦٦، كراچی ۱/٤٧٠، ٤٧١)

اور اگر امام کے بائیں طرف سلام پھیرنے سے قبل مقتدی سلام سے فارغ ہوجائے تو مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، ہاں البتہ بلاعذر متابعت ترک کرنے کی وجہ سے مقتدی کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہوگا۔

عن عبدالله بن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إذا جلس الإمام في آخر ركعة، ثم أحدث رجل من خلفه قبل أن يسلم الإمام، فقد تمت صلاته. (سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، باب من أحدث قبل التسليم، دارالكتب العلميه بيروت ١/٣٦٨، رقم:١٤٠٧)

لوأتم المؤتم التشهد، بأن أشرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه، فأتي بما يخرجه من الصلاة كسلام، أو كلام، أو قيام، جاز أي صحت صلوته،

لحصوله بعد تمام الأركان؛ لأن الإمام وإن لم يكن أتم التشهد؛ لكنه قعد قدرهٔ (إلى قوله) وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلاعذر.

(شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب في وقت ادراك فضلية الافتتاح، زكريا ۲/ ۲٤۰، كراچي ۱/ ۵۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۶۴/۲۶)

ارکان فعلی وقولی میں امام کی اتباع کا حکم

سوال [۲۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کے ارکان فعلی وقولی کی اتباع واجب ہے یا نہیں؟ یا ان دونوں میں سے کس کی اتباع واجب ہے اور کس کی نہیں؟

المستفتی: منشی صفدر حسین، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ارکان فعلی میں اتباع واجب ہے اور رکن قولی یعنی قرأت میں اتباع جائز نہیں ہے۔

لاخلاف في لزوم المتابعة في الأركان الفعلية، وإن الركن القولي، وهو القراءة، فلايتابعه فيه عندنا الخ (صغيري، مطبع مجتبائی، دهلی ۲٦۸)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه فإذا ركع فاركعوا، وإذا قال سمع الله لمن حمده، فقولوا ربنالك الحمد، وإذاسجد فاسجدوا. الحديث (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إقامة الصف من تمام الصلاة، ۱/ ۱۰۰، رقم:۷۱۳، ف: ۷۲۲)

ومتابعة الإمام، قال في شرح المنية: لاخلاف في لزوم المتابعة في الأركان الفعلية، إذ هي موضوع الإقتداء، واختلف في المتابعة في الركن القولي وهو القراء ة، فعندنا لايتابع فيها. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام، زكريا ۲/۱٦٥، كراچي ۱/٤٧٠، حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان سننها، دارالكتاب ديوبند ۲٥٥،۲٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۶۲۰)

تکبیرات انتقالیہ میں مقتدی کا امام سے سبقت کر جانا

سوال [۲۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب بڑے تکلف کے ساتھ تکبیرات کہتے ہیں، جس کی وجہ سے اکثر مقتدی اپنے امام صاحب سے سبقت کر جاتے ہیں، خاص کر سمع اللہ......اور پہلے سلام میں اس مسئلہ میں امام اوران کے مقتدیوں کے لئے کیا ہدایات ہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب کے لئے تکبیرات انتقالیہ وغیرہ میں اتنا مد کرنا کہ جس کی وجہ سے مقتدی امام سے سبقت کر جائیں درست نہیں ہے؛ بلکہ ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے ساتھ ساتھ تکبیر وتسبیح شروع کریں اور جونہی دوسرے رکن میں پہونچیں آواز بند کردیں، اسی طرح سلام پھیرتے ہوئے مد کرنے اور نہ کرنے میں درمیانی راہ اختیار کرنی چاہئے، مد زیادہ لمبا بھی نہ ہو اور اتنا مختصر بھی نہ ہو کہ پتہ ہی نہ چلے؛ ہاں البتہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ پہلے سلام کے مقابلہ میں

دوسرے سلام کو ذرا مختصر اور پست کیا جائے اور مقتدیوں پر ہر رکن میں امام کی پیروی کرنی لازم ہے اور امام سے تکبیر وغیرہ میں سبقت کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه فإذا ركع فاركعوا، وإذا قال سمع الله لمن حمده، فقولوا ربنالك الحمد، وإذاسجد فاسجدوا. الحديث (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ١/ ١٠٠، رقم:٧١٣،ف:٧٢٢)

ثم كما فرغ يكبر مع الإنحطاط للركوع وفي الشامية: أفاد أن السنة كون ابتداء التكبير عن الخرور وانتهاءه عند استواء الظهر. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن، كراچي ١/ ٤٩٣، زكريا ٢/ ١٩٦)

ثم يرفع رأسه من ركوعه مسمعا وفي الشامية: قائلا سمع الله لمن حمده، وأفاد أنه لايكبر حالة الرفع. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، كراچي ١/ ٤٩٦، زكريا ٢/ ٢٠٠)

والسنة للإمام في السلام، أن تكون التسليمة الثانية أخفض أي أسفل من التسليمة الأولى من حيث الصوت، لأن ظاهره أنه يجهر بها جهرًا دون الجهر بالأولى......ومن المشائخ من قال يخفض الأولى من الثانية أي يخفض الأولى أزيد من الثانية وهذا غير صحيح......والصحيح القول الأول، أنه يجهر بالثانية دون الجهر بالاولى. (كبيري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، اشرفيه ديوبند و لاهور ٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۵ھ

امام کی تکبیر کے مکمل ہونے سے قبل مقتدیوں کا انتقال رکن کرنا

سوال [۲۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر مقتدی امام کی پوری تکبیر ختم ہونے سے پہلے ''اَلُ یا اللہ'' ہی پر انتقال رکن کرجاتے ہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، لائن نمبر ۱/آزادنگر نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقتدیوں کو انتقال رکن میں اس قدر جلدی نہیں کرنی چاہئے کہ امام کے منہ سے تکبیر نکلتے ہی منتقل ہوجائیں؛ بلکہ امام کی تکبیر کے ساتھ منتقل ہونا چاہئے اور تکبیرات انتقالیہ میں مسنون یہی ہے کہ انتقال کی ابتدائی حرکت سے تکبیر شروع کرے اور انتقال مکمل ہوتے ہی تکبیر ختم کردے، مثلاً قیام سے رکوع کرتے وقت جھکتے ہی تکبیر شروع کرے اور رکوع میں پہونچتے ہی تکبیر ختم کردے اور ایسا کرنا خلاف سنت ہے کہ امام پہلے منتقل ہو پھر تکبیر کہے۔

وینبغي أن یکون ابتداء تکبیرہ عند أول الخرور، والفراغ منه عند الاستواء. (کبیری، صفة الصلاة، اشرفیه دیوبند، ۳۱۴، شامي، کتاب الصلاة، باب صفة الصلوة، مطلب قراء ة البسملة بین الفاتحة والسورة، کراچي ۱/۴۹۷، زکریا ۲/۱۹٦)

یسن التکبیر عند الخرور وابتداءہ عند أول الخرور وفراغه عند الاستواء. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاة، زکریا ۱/۵۵۰، کوئٹه ۱/۳۱۵)

عن أبي هریرة رضي اللہ عنه، عن النبي صلی اللہ علیه وسلم، أنه قال: إنما جعل الإمام لیؤتم به، فلا تختلفوا علیه فإذا رکع فارکعوا، وإذا

قال سمع الله لمن حمده، فقولوا ربنالک الحمد، وإذاسجد فاسجدوا.

الحديث (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ۱/۱۰۰، رقم:۷۱۳، ف:۷۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۸۷۸۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۲۷ھ

رکوع میں آنے والے مسبوق کا بغیر ہاتھ اٹھائے وباندھے امام کے ساتھ شریک ہوجانا

سوال [۲۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نماز میں اس وقت شریک ہوا جب امام حالت رکوع میں تھا، آنے والے شخص نے رکوع پانے کے لئے بلاہاتھ کانوں تک اٹھائے اور بغیر ہاتھ باندھے رکوع کرلیا، تو کیا ایسی صورت میں شریک ہونے والے کی نماز درست ہوجائے گی؟

المستفتی: افروزاحمد کرلا ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آنے والے شخص نے قیام کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہی ہے، تو ایسی صورت میں بغیر ہاتھوں کو اٹھائے اور بغیر باندھے رکوع میں جانے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی؛ بلکہ صحیح ہوگئی ہے واجب الاعادہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا مسنون ہے فرض یا واجب نہیں اور سنت کو چھوڑنے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

وأما سنن الصلاة فمن جملتها رفع اليدين مقارنا؛ لتكبيرة الافتتاح.

(الفتاوى التاتار خانية ۲/۱۳۳، رقم:۱۹۵۵)

ورفع اليدين عند تكبيرة الافتتاح، الصحيح أنه سنة، فإن ترك

رفع اليدين يأثم، وقال: بعضهم لايأثم، وقدروي عن أبي حنيفةؒ مايدل على هذا القول، فإنه، قال: إن ترك رفع اليدين جاز، وإن رفع فهو أفضل.
(الفتاوی التاتارخانیه، کتاب الصلاة، الفصل الثانی تکبیرة الافتتاح، زکریا دیوبند ۲/ ٤٨، رقم: ١٦٩١)

ترك السنة لايوجب فسادا، ولاسهوا؛ بل إساءة لو عامدا غير مستخف. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ١٧٠، كراچي ١/ ٤٧٤، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دارالكتاب ديو بند جديد ٢٥٦)

فلو كبر قائما فركع ولم يقف صح الخ (در مختار، باب صفة الصلاة، مبحث القيام، كراچي ١/٤٤٥، زكريا ٢/٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۲۲)	۱۳/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

مقتدی کے رکوع میں جاتے ہی امام نے سر اٹھالیا

سوال [۲۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام رکوع میں ہے مقتدی نے آکر حالت رکوع میں امام کو پالیا؛ لیکن مقتدی تکبیر تحریمہ کہہ کر جیسے ہی رکوع میں گیا ویسے ہی امام تکبیر کہہ کر کھڑا ہو گیا تو اس صورت میں مقتدی نے رکعت پالی یا نہیں، رکعت پالینے کی کیا مقدار ہے، کیا تین مرتبہ **سبحان ربي العظيم** کہنے پر رکعت ملتی ہے یا اس سے کم زیادہ پر واضح کر کے بیان کریں؟

المستفتی: محمد مطلوب، باندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں مقتدی نے

رکعت پالی رکعت پانے کے لئے تسبیح کی کوئی مقدار متعین نہیں، بس صرف اتنا کافی ہے کہ رکوع کی حالت میں امام کو ایک سکنڈ کے لئے بھی پالیا ہو، تو شرعی طور پر یہ کہا جائے گا کہ اس نے رکوع پالیا اور جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت بھی پالی۔

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: من أدرك ركعة من الصلاة، فقد أدركها قبل أن يقيم الإمام صلبه. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۲/۷٦۸، رقم:۱۵۹۵، دارقطني ۱/۳۳۹، رقم:۱۲۹۸، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر ۲/۴۰۸، رقم:۲٦۲۹)

أدرك الإمام في الركوع فكبر قائما ثم ركع أو شرع في الانحطاط وشرع الإمام في الرفع اعتدبها. (تقريرات رافعي على الشامي زكريا ۲/۹٦)

وقيل إذا شرع في الإنحطاط وشرع الإمام في الرفع، فقد أدركه في الركوع أيضا ويعتد بتلك الركعة. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أدارك الفريضة، دارالكتاب ديوبند ۴۵۵)

وعن الشعبي قال قلت الرجل ينتهي إلى القوم وهم ركوع، وقد رفع الإمام رأسه قال بعضكم أئمة بعض. (مصنف ابن أبي شيبه ۱/۲۴۴، احسن الفتاوی، زكريا ۳/۲۸۸، كتاب الفتاوی ۲/۲۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۸۹/۳۸)

مقتدی کا امام سے قبل سجدہ کرنا

سوال [۲۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقتدی امام سے پہلے سجدہ کرے تو اس کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلیم مظفر نگری، امام مکی مسجد، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتدی امام سے پہلے سجدہ میں چلا جائے، تو اگر مقتدی کے سر اٹھانے سے پہلے امام بھی سجدہ میں چلا جائے، تو ایسی صورت میں مقتدی کی نماز درست ہوجائے گی اور اگر امام کے سجدہ میں جانے سے پہلے مقتدی سر اٹھالے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی؛ ہاں البتہ اگر یہ مقتدی امام کے ساتھ دوبارہ سجدہ کا اعادہ کرلیتا ہے تو پھر درست ہوجائے گی۔

ويفسدها مسابقة المقتدي بركن لم يشاركه فيه إمامه كما لو ركع ورفع رأسه قبل الإمام، ولم يعده معه أو بعدهٗ. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، دارالكتاب ديوبند ٣٣٧، قديم ١٨٥) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۸۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۲۶ھ

امام کے سلام مکمل کرنے سے پہلے مقتدی کا سلام پورا کرلینا

سوال [۲۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جماعت کی نماز میں امام صاحب سلام پھیرتے ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ امام صاحب کے ساتھ مقتدی بھی سلام پھیرتے ہیں؛ لیکن امام کی آواز پوری ہونے سے پہلے کچھ مقتدیوں کی سانس ٹوٹ جاتی ہے؛ کیونکہ کچھ مقتدیوں میں ضعیف اور کم سانس والے بھی ہیں، کیا مقتدیوں کو امام کی آواز تک سلام کھینچنا چاہئے اور اگر امام کی آواز پوری ہونے سے پہلے مقتدی کا سلام پورا ہوجائے تو مقتدیوں کی نماز میں کوئی خرابی تو واقع نہ ہوگی ایک صاحب فرماتے ہیں کہ امام کے سلام کے برابر ہی سلام کھینچنا چاہئے، اگر پہلے ٹوٹ گیا تو نماز نہ ہوگی،

براہ کرم شریعت کی روشنی میں اس کو تھوڑا خلاصہ فرمادیں تاکہ مقتدیوں کی سمجھ میں آسکے؟

المستفتی: قاری زبیر عالم، پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں امام کی متابعت صرف لفظ السلام میں واجب ہے اور علیکم ورحمۃ اللہ میں نہیں؛ اس لئے اگر بعض مقتدیوں کی سانس امام کے السلام کہنے کے بعد ٹوٹ جاتی ہے تو ان کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲/۱۶۳، احسن الفتاوی ۳/۳۱۲)

ويجب لفظ السلام. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، قديم زكريا ١/٧٢، جديد زكريا ١/١٢٩)

وقال في الدر المختار في بحث الواجبات ولفظ السلام مرتين......دون عليكم. (درمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/١٦٢، كراچي ١/٤٦٨، الموسوعة الفقهيه الكويتيه ١١/٣١٦، ٢٧/٨٠)

ويجب لفظ السلام مرتين في اليمين، واليسار للمواظبة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلاة، دارالكتاب ديوبند جديد ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۲۴ھ

امام کے سلام پورا ہونے سے قبل مقتدی کا سلام پورا ہونا

سوال [۲۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب اتنا لمبا سلام پھیرتے ہیں کہ مقتدیوں کا سلام ختم ہوجاتا ہے اور امام صاحب کا سلام جاری رہتا ہے یعنی کہ مقتدیوں کے سلام سے نصف ہو پاتا ہے،

تو عرض یہ ہے کہ فقہاء نے نماز کے سلام پھیرنے میں کتنی مقدار متعین کی ہے؟ کتنے الف کھینچا جائے مقدار کی صحیح تعیین ہو جائے؟ ایک صاحب جو حافظ و قاری ہیں وہ بتاتے ہیں کہ میں نے معتبر علماء سے سنا ہے کہ اگر امام اتنا لمبا سلام پھیرے کہ مقتدیوں کا سلام پہلے ختم ہو جائے، تو نماز میں خرابی آجاتی ہے۔

المستفتی: محی الدین، امام بڑی مسجد رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رحمۃ اللہ میں اللہ کے الف میں مدعارض ہونے کی وجہ سے ایک الف سے پانچ الف کی مقدار تک کھینچا جا سکتا ہے۔ (فوائد مکیہ ۲۲)

اور لفظ السلام کہنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے؛ اس لئے سلام اول کی میم امام سے پہلے کہنا مکروہ ہے، اس کے بعد دیگر کلمات کو امام سے پہلے ختم کرنے سے نماز بلا کراہت درست ہو جاتی ہے اور اکثر امام؛ چونکہ رحمۃ اللہ کو لمبا کرتے ہیں؛ لہٰذا اس شخص کا مطلقاً نماز کو خراب کہنا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۳۱۲)

وتنقضي قدوة بالأول قبل عليكم على المشهور عندنا. (در مختار مع الشامية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلوة، مطلب لاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية، زكريا ٢/ ١٦٢، كراچي ١/ ٤٦٨، وكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، فصل في بيان واجبات الصلوة قديم ١٣٦، جديد دار الكتاب ديوبند ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰۳۸/۳۰)

مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیر دینا

سوال [۲۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے کچھ لوگ بعد میں آکر نماز میں شریک ہوئے اتفاق سے امام صاحب کو آخری رکعت میں سہو ہوگیا اور وہ بجائے بیٹھنے کے کھڑے ہوگئے، لوگوں کے اللہ اکبر کہنے پر واپس ہوئے؛ اب جبکہ امام صاحب نے تشہد پڑھ کر سلام پھیرا تو جو لوگ بعد میں آکر شریک ہوئے تھے انہوں نے بھی لاعلمی میں سلام پھیر دیا تو اس پر نماز کے بعد لوگوں میں تکرار ہوگئی، ایک صاحب کہتے ہیں کہ بعد میں جو آئے اس کو سلام نہیں پھیرنا چاہئے، اگر ایسا کیا تو نماز نہ ہوگی اور ایک صاحب کہتے ہیں کہ ایسا مسئلہ تو کہیں نہیں ہے، تمہاری زبان سے سن رہے ہیں، آپ اس مسئلہ کا حل فرمادیں۔ نیز سلام نہ پھیرنے کا مسئلہ کن لوگوں سے متعلق ہے آیا جو لوگ سہو میں شریک رہے وہ بھی سلام نہ پھیریں؟

المستفتی: سراج الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ بعد میں آکر نماز میں شریک ہوں، خواہ امام کے سہو پیش آنے سے پہلے شریک ہوں یا بعد میں بہر دوصورت ایسے لوگوں کو امام کے ساتھ سلام نہیں پھیرنا چاہئے؛ لیکن امام کے ساتھ سجدہ سہو کریں گے، اگر کسی نے بھول یا لاعلمی سے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا ہے تو اس کی نماز بھی درست ہو جائے گی؛ البتہ قصداً ایسا کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقا سواء كان السهو قبل الاقتداء أوبعده (درمختار) قيد بالسجود، لأنه لايتابعه في السلام؛ بل يسجد معه–فإن سلم كان عامدا فسدت وإلا لا. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كراچي ۲/ ۸۲، زكريا ۲/ ۵٤٦)

ثم المسبوق إنما يتابع الإمام في السهو دون السلام؛ بل ينتظر الإمام حتى يسلم فيسجد، فيتابعه في سجود السهو، لافي سلامه، وإن سلم فإن كان عامدا تفسد صلاته، وإن كان ساهيا لاتفسد ولاسهو عليه، لأنه مقتد،

وسهو المقتدي باطل، فإذا سجد الإمام للسهو يتابعه في السجود ويتابعه في التشهد، ولايسلم إذا سلم الإمام، لأن السلام للخروج عن الصلاة وقد بقي عليه أركان الصلاة، فإذا سلم مع الإمام، فإن كان ذاكرا لما عليه من القضاء، فسدت صلوته، لأنه سلام عمد، وإن لم يكن ذاكرله لاتفسد، لأنه سلام سهو، فلم يخرجه عن الصلاة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يجب عليه سجود السهو ومن لايجب عليه قديم كراچي ١/١٧٦، جديد زكريا ١/٤٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۱۱۷)

خوف حدث وغیرہ کی بناء پر امام سے پہلے سلام پھیرنا

سوال [۲۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رسالہ مسائل امامت مصنفہ مولانا قاری محمد رفعت صاحب ص: ۲۲۷ پر لکھا ہے کہ ریح نکلنے کے خوف وغیرہ کی بنا پر پہل کرنے میں کراہت نہیں، یعنی امام سے پہلے ریح کے خوف سے سلام پھیرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ (بحوالہ احسن الفتاوی ۱؍۲۹۴، بحوالہ درالمختار ۱؍۴۹۰)

دریافت طلب بات یہ ہے کیا اس میں اختلاف ہے، یا یہ مسئلہ درست ہے؟

المستفتی: اعجاز احمد دارالعلوم چلہ امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحب احسن الفتاوی مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ اور مولانا قاری محمد رفعت صاحب مدظلہ کا حوالہ اپنی اپنی جگہ درست اور صحیح ہے کہ خوف حدث وغیرہ کی وجہ سے تشہد پورا ہونے کے بعد امام سے پہلے سلام پھیر دینا مکروہ نہیں ہے اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف بھی نظر سے نہیں گذرا۔

عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إذا جلس الإمام في آخر ركعة، ثم أحدث رجل من خلفه قبل أن يسلم الإمام، فقدتمت صلاته. (سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب من أحدث قبل التسليم، دارالكتب العلميه بيروت ۱/۳٦۸، رقم:۱٤۰۷)

إنما كره للمؤتم ذالك لتركه متابعة الإمام بلاعذر، فلوبه كخوف حدث أو خروج وقت جمعة أو مرور ماربين يديه فلاكراهة الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب في وقت إدراك فضيلة الإفتتاح، زكريا۲/ ۲٤۰، كراچي ۱/ ۵۲۵، در مختار كراچي ۱/ ۵۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۴۵)

مسبوق کا قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد خاموش رہنا

سوال [۲۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر چار رکعت والی نماز امام کے پیچھے پڑھ رہا ہے، ایک رکعت بکر کی چھوٹ گئی ہے تو کیا آخری قعدہ میں بکر تشہد پڑھ کر خاموش بیٹھا رہے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرے یا بکر التحیات درود شریف اور دعاء ماثورہ بھی امام کے ساتھ پڑھے، پھر جب امام سلام پھیرے تب اپنی چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرے۔ نیز ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد جابر خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا مقتدی جس کی امام کے پیچھے رکعت چھوٹ گئی ہو اور قعدۂ اخیرہ میں بھی امام کے ساتھ شریک رہا ہو، تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ تشہد

پڑھ کر امام کے سلام کا انتظار کرے درود شریف اور دعاء وغیرہ نہ پڑھے؛ بلکہ تشہد کو امام کے سلام پھیرنے تک آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا رہے۔ نیز ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھنا مستحب ہے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ۳/۵۲۵، فتاوی محمودیہ میرٹھ ۹/۳۲۲ھ، فتاوی رحیمیہ ۵/۵۳)

ومنها أن المسبوق ببعض الركعات يتابع الإمام في التشهد الأخير، وإذا أتم التشهد لايشتغل بما بعده من الدعوات ثم ماذا يفعل تكلموا فيه وعن ابن شجاع أنه يكرر التشهد أي قوله أشهد أن لاإله إلا الله وهو المختار والصحيح أن المسبوق يترسل في التشهد؛ حتى يفرغ عند سلام الإمام. (هنديه، قبل الفاتحة، كتاب الصلاة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق ١/٩١، جديد زكريا ديوبند ١/١٤٩)

وتسن التسمية أول كل ركعة. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة فصل في سننها، دارالكتاب ديوبند جديد ٢٦٠، شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة زكريا ٢/١٩٢، كراچي ١/٤٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۴ھ

مسبوق کے التحیات میں بیٹھتے ہی امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو مسبوق کیا کرے؟

سوال [۲۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسبوق ہے امام کے ساتھ قعدہ کی حالت میں شریک ہوا اور وہ تکبیر تحریمہ کہہ کر التحیات میں بیٹھا ہی تھا کہ امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا، تو یہ تشہد پڑھے گا یا امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے گا؟

المستفتی: محمد قاسم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ شخص مسبوق ہے، اس کے لئے بغیر التحیات پڑھے امام کے ساتھ کھڑا ہوجانا مکروہ ہے؛ بلکہ التحیات پڑھ کر کھڑا ہونا لازم ہے، بغیر التحیات پڑھے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۵۱۰، ایضاح المسائل ۱۳۲، احسن الفتاوی ۳/۳۷۶)

إذا أدرک الإمام في التشهد وقام الإمام قبل أن یتم المقتدي، أوسلم الإمام في آخر الصلاة قبل أن یتم المقتدي التشهد فالمختار أن یتم التشهد. (هندیه، کتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل السادس: فیما یتابع الإمام وفیما لایتابعه، قدیم زکریا ۱/ ۹۰، جدید زکریا دیوبند۱/ ۱٤۷)

ولوقام الإمام إلی الثالثة ولم یتم المقتدي التشهد أتم، وإن لم یتمه جاز، و في التجنیس یتمه–أي وجوبا. (حاشیه الطحطاوي، کتاب الصلاة، فصل فیما یفعله المقتدي بعد فراغ امامه، دارالکتاب دیوبند۰ ۳۱)

کمن أدرک الإمام في القعدة الأولی فقعد معه، فقام الإمام قبل شروع المسبوق في التشهد فإنه یتشهد تبعا لتشهد إمامه. (حلبي کبیر، کتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، اشرفیه دیوبند٤٥٩، التاتار خانیه، کتاب الصلاة، الفصل الثالث في کیفیة الصلوة زکریا ۲/ ۱۹۱، رقم:۲۱۰۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۱/۴۰)

قعدۂ اولیٰ میں بیٹھتے ہی امام کھڑا ہوجائے

سوال [۲۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے قعدۂ اولیٰ میں شرکت کی ابھی تشہد شروع بھی نہیں کیا تھا کہ امام صاحب

تیسری رکعت کے لئے تکبیر کہہ کر کھڑے ہوگئے، اب زید کیا کرے تشہد پڑھے گا یا امام کی اقتداء میں کھڑا ہوگا؟

المستفتی: محمد اصغر پرانا بازار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قعدۂ اولیٰ میں شرکت کرتے ہی امام کھڑا ہوجائے تو زید تشہد پڑھ کر ہی کھڑا ہو تشہد پڑھے بغیر امام کی اقتداء میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۲)

لو اقتدى به في أثناء التشهد الأول، أو الأخير فحين قعد قام إمامه أو سلَّم ومقتضاه أنه يتم التشهد ثم يقوم، وقوله: ولو لم يتم جاز أي صح مع كراهة التحريم. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، كراچي ١/٤٩٦، زكريا ٢/٢٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۱۵/ ۶۷۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

قعدۂ اولیٰ یا اخیرہ میں مسبوق کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے امام کا کھڑا ہوجانا

سوال [۲۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بخدمت اقدس حضرت مفتی صاحب دامت برکاتکم العالیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہ احقر بفضل اللہ تعالیٰ بخیر وعافیت ہے، کئی خط قبل ازیں ارسال کر چکا ہوں، مگر جواب نہ پانے کی وجہ سے دلی اضطراب ضرور ہے، مگر خیال کر لیتا ہوں کہ عدیم الفرصتی کی بناء پر جواب سے نہ نوازا ہو، استاذ ومربی کا جواب خط تسکین قلب کا باعث ہوتا ہے؛ اس لئے

حضرت والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ وقت نکال کر تین چار سطور لکھ کر قلب کو مطمئن فرمادیا کریں، گستاخی معاف ہو، ایک ضروری تحریر اصلاح کے لئے بھیج رہا ہوں، یہ تحریر میں نے اس شخص کے پاس رقم کر کے بھیجی ہے جس سے میری زبانی گفتگو ہوئی تھی، مسئلہ مبحثہ درمیان فریقین یہ تھا کہ قعدۂ اولیٰ یا قعدۂ اخیرہ میں مسبوق نے تشہد کا کچھ حصہ پڑھا ہوا اور امام نے سلام پھیر دیا یا امام کھڑا ہو گیا، تو اب مسبوق کیا کرے، میں نے کہا کہ مسبوق تشہد پورا کر کے اٹھے گا، یہی قول مختار ہے؛ اگرچہ عدم اتمام کی صورت میں بھی نماز ہو جائیگی، وہ فرمانے لگے کہ نہیں ؛ بلکہ مسبوق امام کی اتباع میں قعدۂ اولیٰ میں بغیر تشہد پورا کئے کھڑا ہو جائے گا، کافی طویل گفت وشنید کے بعد انہوں نے فرمایا کہ آپ کچھ کتابوں کے حوالہ جات اس مسئلہ پر تحریر فرمائیں، تو میں نے مجبور ہو کر مندرجۂ ذیل تحریر ان کے پاس بھیجی ہے؛ چونکہ یہاں کتابیں کم ہیں؛ اس لئے جو مجھے مل سکا اور مطالعہ کر کے جس نتیجہ پر پہنچا وہ ان کو تحریر کر دیا تھا، آپ بالطاف کریمانہ اور بنظر غور پڑھ کر میرے اس رقوم کی اصلاح فرمائیں کہ صحیح ہے یا نہیں؟

احقر نے مسئلہ مبحثہ درشوال کے متعلق فتاویٰ اور کتب فقہ کا مطالعہ کیا، جو کچھ میں نے سمجھا ہے تو اس کو بالفاظ مختصر مع عبارات عربیہ حوالہ کے ساتھ تحریر کرتا ہوں، عالم گیری اور شامی میں قول مختار یہی لکھا ہے، کہ مسبوق تشہد پورا کر کے اٹھے گا اگرچہ عدم اتمام کی صورت میں بھی نماز درست ہو جائیگی، مگر یہ بھی یاد رہے کہ علامہ شامی کی بعض تحریرات سے جواز صلوٰۃ مع الکراہت التحریمیہ کا ثبوت ملتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۳۸۰، فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۲۵۷)

شامی کی عبارت ملاحظہ ہو:

وشمل بإطلاقه ما لو اقتدیٰ به فی أثناء التشهد الأول أو الأخير، فحين قعد قام إمامه أو سلم ومقتضاه، أنه يتم التشهد، ثم يقوم، ولم أر صريحا، ثم رأيته فی الذخيرة ناقلا عن أبی الليث المختار عندی، أنه يتم التشهد، وإن لم يفعل أجزاه الخ. (شامي كراچي ١/ ٤٩٦، زكريا ديوبند ٢/ ٢٠٠)

والـدليل الثانی لثبوت الدعویٰ الثانی عبارة الشامي حيث قال تحت قـول الدر المختار ولو لم يتم جاز أي صح مع كراهة التحريم كما أفاده الخ.

(شامي كراچي ۱/۴۹۶، زكريا ديوبند۲/۲۰۰)

فـقـولهـم: ولـو لـم يتم جاز معناه صح مع الكراهة التحريمية ويدل عـليـه أيـضـاً تـعـليلهم بوجوب التشهد الخ (شـامـي كـراچي ۱/۴۹۶، زكريا ديوبند۲/۲۰۰، ۱/۳۳۴)

میں بھی تشہد پورا کر کے اٹھنے کا فتویٰ موجود ہے، انہی حوالہ جات پر اکتفاء کرتا ہوں کہ عاقل وذی فہم کے لئے یہی بہت ہیں۔

اور جناب آیئے! یہ شبہ جو ظاہر فرمایا تھا کہ اتباع امام اور تشہد دونوں واجب ہیں؛ لہٰذا امام ہی کی اتباع کرنی اولیٰ ومختار ہوگی، تو محترم میں یہ عرض کرنے کی جرأت و ہمت کروں گا کہ نماز میں اتباع امام رکن واجب وفرض میں بلا تاخیر کے جبکہ دوسرا فرض یا واجب معارض نہ ہو واجب ہے، اور تعارض کی صورت میں **اتـمـام الـواجـب الذی هو فيـه اولـــیٰ** اور افضل ہے؛ اسی وجہ سے اتمام تشہد ہی کو مختار کہا ہے؛ البتہ اگر معارض سنت ہے تو امام کی اتباع ضروری اور واجب ہے۔

شامی میں ہے: **لأن متـابـعةالإمـام فـی السـلام، وإن كانت واجبة فليست بأولی من إتمام الواجب الذی هو فيه الخ.** (شامی نعمانيه ۱/۳۵۲، كراچی ۱/۵۲۵)

وقـال فـی مـوضـع آخـرالـحـاصـل إن متـابعة الإمـام فی الفرائض والـواجـبـات مـن غير تأخير واجبة فإن عارضها واجب لا ينبغي أن يفوته ؛ بل يأتي به ثم يتابعه الخ. (شامي ۱/ ۳۳۳، كراچی ۱/ ۴۹۶، زكريا ديوبند ۲/ ۲۰۰)

اور علامہ شامی نے اس کے بعد اس کی علت بھی بیان فرمادی ہے، خود دیکھ لیجئے گا، المختصر مذکورہ بالا عبارات سے مسبوق کے لئے اتمام تشہد کا مختار و اولیٰ ہونا معلوم ہو گیا، **كما لا يخفی علی صاحب البصيرة والبصارة.**

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئلہ نمبر اول میں آپ کی رائے زیادہ صحیح ہے، کہ امام کی متابعت سنن میں علی الاطلاق واجب ہے، اور فرائض اور واجبات میں اس وقت واجب ہے؛ جبکہ کوئی فرض یا واجب معارض نہ ہو، بوقت تعارض متابعت کو مؤخر کر کے فرض یا واجب کو بجالا نا ضروری ہے، عدم ادائیگی کی صورت میں نماز مع الکراہت درست ہوجائے گی۔

فكان تأخير أحد الواجبين مع الإتيان بهما أولىٰ من ترك أحدهما بالكلية. (حلبی کبیر، کتاب الصلوٰۃ، فصل الامامة، شروط المحاذات قديم ٤٩١، جديد اشرفيه ديوبند ٥٢٧)

و الحاصل إن متابعة الإمام في الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة، فإن عارضها واجب لا ينبغي أن يفوته بل يأتي به ثم يتابعه، لأن الإتيان به لا يفوت المتابعة بالكلية وإنما يؤخرها الخ (شامی، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، مطلب فى إطالة الركوع للجائى، زكريا ٢/ ٢٠٠، كراچى ١/ ٤٩٦)

(وقوله) ولو يتم جاز معناه صح مع الكراهة التحريمية الخ. (شامي کراچی ١/٤٩٦، زکریا دیوبند ٢/ ٢٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۰۷)

تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد بیٹھنے سے قبل امام سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے جماعت کی نماز میں شرکت کرنے کے لئے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھے تھے کہ امام صاحب نے سلام پھیر دیا، اب سوال یہ ہے کہ شخص مذکور قعدہ کر

کے التحیات پڑھ کر چھوٹی ہوئی رکعتوں کو پورا کرے یا بغیر قعدہ کئے رکعتوں کو پورا کرے۔ نیز اس شخص کی شرکت جماعت کے ساتھ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: قمرالحق دھام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تکبیر تحریمہ کہہ چکنے کے بعد امام نے سلام پھیر دیا ہے، تو مقتدی کی اقتدا صحیح ہوگئی، اسی تحریمہ پر نماز پوری کرے گا؛ ہاں البتہ مقتدی مسبوق کے بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا ہے؛ اس لئے بیٹھ کر التحیات نہیں پڑھے گا؛ بلکہ اسی قیام کے ساتھ نماز پوری کرے گا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۲/۲، جدید زکریا ۴۳۸/۳، جدید زکریا مطول ۴۳۴/۴)

نية المؤتم الإقتداء (تحته في الشامية) أي الإقتداء بالإمام، أو الإقتداء به في صلاته، أو الشروع فيها، أو الدخول فيها، بخلاف نية صلاة الإمام. وشرط النية، أن تكون مقارنة للتحريمة (شامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا ۲/۲۸۵، کراچی ۱/۵۵۰)

فإذا كبر قائما ينوي الشروع في صلاة الإمام تنقطع الأولى في ضمن شروعه في صلاة الإمام (شامی، کتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة، مطلب قطع الصلاة يكون حراماً، و مباحاً، و مستحباً و واجباً، زكريا ۲/۵۰۵، کراچی ۲/۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۱۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۵ھ

مسبوق نے حالت تشہد میں نماز میں شرکت کی اور امام تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا

سوال [۲۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں : کہ گرامی قدر حضرت مفتی صاحب: اس وقت میرے مطالعہ میں آپکی کتاب ایضاح المسائل ہے کافی حدتک اپنے حق میں مفید پایا؛ لیکن کتاب کے ص:۱۳۲پر مسبوق کے متعلق مسائل سے ایک قسم کی تشنگی پیدا ہوگئی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص جماعت میں اس وقت شریک ہوا؛ جبکہ امام تشہد میں ہے اوراس کے بیٹھتے ہی امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا یا کوئی شخص قعدۂ اخیرہ میں جماعت میں شامل ہوا، اور اس کے بیٹھتے ہی امام نے سلام پھیر دیا، ان صورتوں میں مسبوق کیا کرے؟ قعدۂ اولیٰ میں مسبوق التحیات مکمل کر کے امام کی اتباع کرے، اور قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بعد اپنی بقیہ نماز پوری کرے،تو آپ نے ہر دونوں صورتوں میں التحیات پڑھنے کو واجب اور بغیر التحیات پڑھی جانے والی نماز کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے؛ جبکہ بدائع الصنائع اور بعض دوسری کتابوں میں امام کی اتباع کو واجب بتایا گیا ہے، اوران مواقع پر التحیات پڑھنے والے کو مفسد نماز قرار دیا ہے، مہربانی فرما کر پوری وضاحت کے ساتھ حوالہ اور عبارت کی نشاندہی کے ساتھ مطمئن فرمائیں؟

المستفتی: ابو حارث عثمانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسبوق کے تشہد پڑھنے سے قبل امام کے تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوجانے یا چوتھی رکعت پر سلام پھیر دینے کے بعد مسبوق پر تشہد پڑھنا راجح قول کے مطابق واجب ہے، اگر بغیر پڑھے ہوئے کھڑا ہوگیا تو راجح قول کے مطابق اس کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی اوران مواقع میں التحیات پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ اور مکروہ کسی نے نہیں لکھا ہے، آنجناب نے ان مواقع میں التحیات پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ بتایا ہے، بدائع الصنائع اور دیگر کتابوں کے حوالہ سے مفسد صلوٰۃ کہا ہے، ہم کو بدائع اور دیگر کسی کتاب میں ان مواقع میں التحیات پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ قرار دینے کے جزئیات نہیں ملے؛ جیسے آنجناب نے

بدائع الصنائع وغیرہ کا ذکر کیا ہے، براہ کرم بدائع یا دیگر کتب فقہیہ کا جزئیہ نقل کرکے کتاب جلد صفحہ اور مطبع نقل فرمادیں؛ تاکہ ان جزئیات کو دیکھ کر غور کیا جاسکے، سوالنامہ میں جس انداز سے حوالہ پیش کیا گیا ہے، وہ غیر ذمہ دارانہ حوالہ ہے، ایسے حوالے کا اعتبار نہیں ہوتا۔

لو اقتدىٰ به فى أثناء التشهد الأول أو الأخير، فحين قعد قام إمامه، أوسلم، ومقتضاه أنه يتم التشهد، ثم يقوم قوله ولو لم يتم جاز. أي صح مع كراهة التحريم، والحاصل أن متابعة الإمام فى الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة، فإن عارضها واجب لا ينبغي أن يفوته؛ بل يأتى به ثم يتابعه، لأن الإتيان به لا يفوت المتابعة بالكلية وإنَّما يؤخرها وقوله، فكان تأخير أحد الواجبين مع الإتيان بهما أولى من ترك أحدهما بالكلية...... إن المتابعة الواجبة هنا معناها عدم التأخير، فيلزم من إتمام التشهد تركها بالكلية، فينبغى التعليل بأن المتابعة المذكورة إنما تجب إذا لم يعارضها واجب. (شامى، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، مطلب فى إطالة الركوع للجائي كراچى ١/٤٩٦، زكريا ٢/٢٠٠)

وإذا قام الإمام إلى الثالثة قبل أن يفرغ المقتدى من التشهد، فإن المقتدى يتم التشهد ثم يقوم وكذا لو سلم الإمام قبل أن يفرغ المقتدى من التشهد فإنه يتم التشهد. (خانيه على الهندية، كتاب الصلوٰة، فصل فيمن يصح الاقتداء به ومفيمن لا يصح زكريا ١/٩٦، جديد زكريا ديوبند ١/٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۷۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۴ھ

مسبوق امام کے سلام پھیرنے کی صورت میں تشہد مکمل کرے گا یا نہیں؟

سوال [۲۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ امام قعدۂ اخیرہ میں تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور امام کے ساتھ شریک ہو گیا، اس شخص کے بیٹھتے ہی امام نے سلام پھیر دیا، تو اب یہ شخص تشہد پورا کر کے اپنی باقی نماز ادا کرے گا یا امام کے سلام پھیرنے کے بعد فوراً کھڑا ہو جائے گا، شریعت مطہرہ میں جو حکم ہو مدلل مع حوالہ تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد عمر ساکن فتح پور پوسٹ: کملاپور سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ امام کے سلام کے بعد اپنا پورا تشہد پورا کرے، اور تکمیل تشہد کے بعد کھڑے ہو کر اپنی نماز پوری کرے، اور اگر تشہد چھوڑ کر امام کے سلام کے بعد فوراً کھڑا ہو جائے؛ تو نماز تو ہو جائے گی؛ لیکن مکروہ تحریمی ہوگی، آجکل دیکھنے میں آتا ہے کہ عام لوگ اس مسئلے سے غافل ہیں۔

لو اقتدیٰ به فی أثناء التشهد الأول أو الأخیر فحین قعد قام إمامه أوسلم، ومقتضاه أنه یتم التشهد ثم یقوم الخ. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب صفة الصلوٰۃ، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی، کراچی ١/٤٩٦، زکریا ٢/٢٠٠)

(وقوله) ولو لم یتم جاز معناه صح مع کراهة التحریم الخ. (شامی، کراچی ١/٤٩٦، زکریا دیوبند ٢/٢٠٠)

ومن أدرک الإمام فی التشهد فقام الإمام أو سلم فی أخر الصلوٰۃ قبل أن یتم المقتدی تشهده قال الفقیه أبو اللیث المختار عندی أنه یتم تشهده؛ لأن التشهد من الواجبات الخ. (فتاویٰ تاتارخانیه، کتاب الصلوٰۃ، الفصل الثالث فی کیفیة الصلوٰۃ، قدیم ١/٥٥٥، جدید زکریا ٢/١٩٢، رقم: ٢١١٢، هٰکذا في قاضی خان علی الهندیة، کتاب الصلوٰۃ، فصل فیما یصح الاقتداء وما لا یصح زکریا ١/٩٦، جدید زکریا دیوبند ١/٦٢، عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامة، الفصل السادس فیما یتابع الامام وفیما لا یتابعه زکریا

۱/ ۹۰، زکریا جدید دیوبند ۱/ ۱٤٧غنية المستملی، کتاب الصلوٰة، باب الامامة شروط المحاذات قديم ٤٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۶۵)

قعدۂ اولیٰ میں شریک ہونے والا التحیات پوری کرے یا تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو؟

سوال [۲۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امام ہے بکر مقتدی ہے، مقتدی اس حالت میں جماعت میں شریک ہوا کہ امام التحیات پڑھ رہا تھا، اس میں مقتدی کا التحیات کا پڑھنا اور اس کا پورا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کہتا ہے کہ مقتدی پر لازم ہے کہ التحیات پوری کرے؛ اگر چہ امام کھڑا ہو جائے، یہاں تک کہ وہ رکوع بھی کر لے۔

المستفتی: منشی صفدر حسین کرتپور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) التحیات پڑھنا اور امام کی تابعداری کرنا دونوں واجب ہیں، اب مذکورہ صورت میں اگر التحیات پوری کئے بغیر امام کی اتباع کی جائے؛ تو ترک واجب لازم آتا ہے، اور اگر التحیات پوری کر کے اتباع کی جائے؛ تو تاخیر واجب لازم آتی ہے، تاخیر واجب اتنا مضر نہیں ہے؛ جتنا نقصان ترک واجب میں ہوتا ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاوی زکریا ۳/ ۳۷۶)

فكان تأخير أحد الواجبين مع الإتيان بهما أولىٰ من ترك أحدهما بالكلية. (غنية المستملی، كتاب الصلوٰة، فصل فی الامامة شروط المحاذات قديم ٤٩١، جديد اشرفية ديوبند ٥٢٧، شامی، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، مطلب فی إطالة الركوع للجائی كراچی ١/ ٤٩٦، زكريا ٢/ ٢٠٠)

اس لئے بعض فقہاء نے التحیات کا پڑھنا اور پوری کرنا واجب کہا ہے:

ولو قام إلى الثالثة قبل أن يتم المقتدى التشهد، فإنه يتم ثم يقوم لأن التشهد واجب الخ. (غنية المستملى ٤٩١، بل يتمه لوجوبه الخ. الدرالمختار ١/٣٦٦)

لیکن اگر تشہد پورا کئے بغیر امام کا اتباع کرے تو بالاتفاق نماز صحیح ہو جائیگی؛ البتہ بعض فقہاء نے کراہت تحریمی کے ساتھ صحیح کہا ہے۔

ولو لم يتم جاز أي صح مع كراهة التحريم كما أفاده الخ. (شامي، كراچي ١/٤٩٦، كوئٹه ١/٣٦٦، زكريا ٢/٢٠٠)

اور بعض فقہاء بلا کراہت صحیح کہتے ہیں:

وإن لم يتم جاز لتعارض واجبين فيتخير بينهما هذا هو المشهور في المذهب. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلوٰة فصل فيما يفعله المقتدى بعد فراغ امامه قديم ١٦٠، جديد، دار الكتاب ديوبند ٣١٠)

عن أبي الليث المختار عندى أنه يتم التشهد وإن لم يفعل أجزأه الخ (شامي كوئٹه ١/٣٦٦، كراچي ١/٤٩٦، زكريا ٢/٢٠٠، عالمگيري، باب الامامة، الفصل السادس فيما يتابع الامام وفيما لا يتابعه زكريا ١/٩٠، جديد زكريا ١/١٤٧)

اس لئے افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ تشہد ہر حال میں پورا کر کے امام کی پیروی کرے.

فإن المقتدى يتم التشهد ثم يقوم الخ. (قاضى خان على الهندية، كتاب الصلوٰة، فصل فيما يصح الاقتداء وما لا يصح زكريا ١/٩٦، جديد زكريا ١/٦٢، شامي ١/ ٣٦٦، زكريا٢/٢٠٠، كبيرى ٤٩١، صغيرى مطيع مجتبائي دهلى ٢٦٨، امداد الفتاوىٰ زكريا ١/٤٠٢،٥١١، فتاوىٰ دار العلوم ٣/٣٨٩)

(۲) شامی میں ایسا ہی لکھا ہے۔

فإنه لا يتابعه أي ولو خاف أن تفوته الركعة الثالثة مع الإمام كما

صرح به في الظهيرية الخ. (شامی، مطبوعه کوئٹه ۱/۳٦٦، کراچی ۱/٤۹٦، زکریا۲/ ۲۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۶۲۰)

مسبوق تشہد مکمل کرے یا امام کی متابعت میں کھڑا ہو جائے؟

سوال [۲۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام قعدۂ اولیٰ میں بیٹھ کر تشہد پڑھ رہا تھا؛ اتنے میں ایک شخص آیا اور امام کے ساتھ شریک ہوگیا، اس شخص کے بیٹھتے ہی امام تشہد پورا کر کے کھڑا ہو گیا؛ تو اب یہ شخص تشہد پڑھ کر کھڑا ہوگا یا بغیر تشہد پڑھے امام کی اتباع کرتے ہوئے کھڑا ہو جائے گا؛ اس لئے کہ یہاں اس شخص پر اتباع امام بھی واجب ہے اور قعدہ وتشہد پڑھنا بھی واجب ہے تو وہ کیا کرے؟

المستفتی: محمد عمر مدرس مکتب اسلامیہ نور العلوم، جیوتی شاہ عالم پور کملا پور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسے حالات میں اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اولاً قعدہ اور تشہد پورا کرے پھر اس کے بعد امام کی اتباع کرے، اور اصول وقاعدہ یہ ہے کہ جب نمازی پر دو واجب ایک ساتھ جمع ہو جائیں؛ تو دونوں میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ ایک میں تاخیر کرنا اور دوسرے کو پورا کرنا لازم ہے، اور یہاں اتباع امام بھی واجب ہے اور قعدۂ اولیٰ اور تشہد بھی واجب ہے؛ تو اگر امام کی اتباع کرتا ہے تو ترک تشہد اور ترک قعدہ لازم آتا ہے، اور اگر قعدہ اور تشہد پورا کرتا ہے؛ تو ترک اتباع امام لازم نہیں آتا ہے؛ بلکہ اتباع میں تاخیر لازم آتی ہے، اور ایسے حالات میں تاخیر واجب جائز ہے، ترک واجب جائز نہیں اور اگر اتباع امام کر کے قعدہ وتشہد ترک کر دیتا ہے؛ تو نماز فاسد

وواجب الاعادہ تو نہ ہوگی؛ لیکن مکروہ تحریمی ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ١/٢٦٣، زکریا ١/٢٠٤-٥١١، احسن الفتاویٰ زکریا ٣/٢٧٦، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٤/٣٠١، جدید زکریا ٥/٢٨، فتاویٰ محمودیہ قدیم ٢/٢٥٧، جدید ڈابھیل ٦/٥٦٠)

لو اقتدیٰ به فی أثناء التشهد الأول أو الأخیر فحین قعد قام إمامه أو سلم ومقتضاه أنه یتم التشهد ثم یقوم الخ.

الحاصل أن متابعة الإمام في الفرائض و الواجبات من غیر تأخیر واجبة فإن عارضها واجب لا ینبغی أن یفوته بل یأتي به ثم یتابعه لأن الإتیان به لا یفوت المتابعة بالکلیة وإنما یؤخرها والمتابعة مع قطعه تفوته بالکلیة فکان تأخیر أحد الواجبین مع الإتیان بهما أولیٰ من ترک أحدهما بالکلیةالخ. (قوله) ولو لم یتم جاز معناه صح إطالة مع کراهة التحریم ویدل علیه أیضاً تعلیلهم بوجوب التشهد الخ. (شامی، کتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی زکریا ٢/٢٠٠، کراچی ١/٤٩٦ فتاویٰ تاتار خانیه، کتاب الصلوٰة، الفصل الثالث فی کیفیة الصلوٰة قدیم ١/٥٥٥، جدید زکریا ٢/١٩٢، رقم: ٢١١٢، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصلوٰة، باب الامامة الفصل السادس، فیما یتابع الامام وفیما لا یتابعه زکریا١/٩٠،جدید زکریا١/١٤٧ فتاویٰ قاضی خاں علی الهندیة، کتاب الصلوٰة، فصل فیما یصح الأقتداء و ما لا یصح زکریا ١/٩٦، جدید زکریا ١/٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٥/ جمادی الثانیہ ١٤١١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٦/٢٢٥٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٥/٦/١٤١١ھ

مسبوق قعدۂ اخیرہ میں امام کے ساتھ کیا پڑھے

سوال [٢٥٤٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مقتدی کی امام کے ساتھ ایک رکعت چھوٹ گئی تو وہ امام کے ساتھ آخری قعدہ میں کیا پڑھے گا۔

المستفتی: محمد شعیب شاہ آبادرا مپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ امام کے ساتھ صرف التحیات پڑھے گا، اور یہ تشہد کا پڑھنا مقتدی مسبوق پر امام کی متابعت میں واجب ہے، اس کے بعد خاموش رہے، درود شریف اور دعا نہ پڑھے۔(مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۲۰۲-۱/۱۱۵، فتاوی دار العلوم ۳/۳۸۹، احسن الفتاوی ۳/۳۸۱)

ما لو اقتدیٰ به فی أثناء التشهد الأوّل أو الأخير فحين قعد قام إمامه، أو سلم، ومقتضاه أنه يتم التشهد ثم يقوم الخ. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب صفة الصلوٰۃ، مطلب فی إطالة الركوع للجائی زكريا ۲/ ۲۰۰، کراچی ۱/٤٩٦، مطبوعه کوئٹه ۱/٣٦٦ه)

فإن المقتدی يتم التشهد، ثم يقوم. (قاضی خان، كتاب الصلوة، باب صفة الصلوة ۱/٩٦، جديد زكريا ديوبند ۱/١٦٢، صغيری مطبع مجتبائی دهلی ٢٦٨، كبيری، كتاب الصلوٰۃ، باب الامامة شروط المحاذات قديم ٤٩١، جديد، اشرفيه ديوبند ٥٢٧، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصلوٰۃ، الفصل السابع فی المسبوق و اللاحق زكريا ۱/ ۹۰)

وأما المسبوق فيترسل ليفرغ عند سلام إمامه الخ. (الدر المختار، كتاب الصلوٰۃ، باب صفة الصلوٰۃ، زكريا ۲/ ۲۲۰، کراچی ۱/ ٥١١، مطبوعه كوئٹه ۱/ ٣٧٧، مصری ۱/ ٤٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ٦٨٨)

مسبوق اپنی بقیہ رکعت میں سے کس رکعت میں سورۃ ملائے

سوال [۲۵۴۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے امام کے ساتھ چار رکعت والی فرض نماز میں ایک رکعت پائی پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنے کے لئے کھڑا ہوا؛ تو سورۃ ملائے گا یا نہیں؟ اگر ملائے گا تو کس کس رکعت میں ملائے گا؛ نیز ثنا پڑھے گا یا نہیں؟ مدلل جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد افتخار دیوریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ صورت میں وہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر ثنا پڑھے پھر اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھے اور رکوع اور سجدہ کر کے قعدہ کرے، دوسری رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ اور سورۃ پڑھے؛ مگر اس رکعت کے بعد قعدہ نہ کرے، اور تیسری رکعت میں فقط سورہ فاتحہ پڑھے اور پھر دستور کے موافق قعدۂ اخیرہ کر کے نماز پوری کرے۔ (مستفاد فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/۳۴۴، جدید زکریا ۵/۱۵۴)

والمسبوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها وهو منفرد حتىٰ يثني و يتعوذ و يقرأ. (در مختار مع شامی، کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ، مطلب فيما لو أتى بالركوع والسجود أو بهما كراچی ۱/۵۹٦، زكريا ۲/۳٤٦، ۲/۳٤۷)

فمدرک ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة و سورة و تشهد بينهما، وبرابعة الرباعي بفاتحة فقط ولا يقعد قبلها. (در مختار مع الشامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ، مطلب فيما لو أتى بالركوع و السجود أو بهما زكريا ۲/۳٤۷، كراچی ۱/۵۹٦)

ولو أدرک ركعة من الرباعية فعليه أن يقضي ركعة يقرأ فيها الفاتحة

و السورة و يتشهد و يقضي ركعة أخرىٰ كذلك ولا يتشهد وفي الثالثة بالخيار والقراء ة أفضل. (هنديه، كتاب الصلوٰة، باب الامامة، الفصل السابع فى المسبوق واللاحق زكريا ۱/ ۹۱، جديد ۱/ ۱۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۲۹/۳۵)	۱۴۲۱/۴/۲۴ھ

مسبوق چھوٹی ہوئی رکعت میں کونسی سورت پڑھے؟

سوال [۲۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص کی جہری نماز میں پہلی رکعت چھوٹ گئی؛ تو کیا امام کی پڑھی ہوئی سورت سے اوپر والی سورت پڑھ سکتا ہے یا نہیں، مثلاً امام نے سورۃ التکاثر پڑھی تھی؛ تو اب اس سے اوپر والی سورۂ قارعہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اظہار سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسبوق چھوٹی ہوئی نماز میں جوسورۃ چاہے پڑھ سکتا ہے، امام کی پڑھی ہوئی سورۃ سے نیچے کی سورت پڑھنا ضروری نہیں، اوپر کی بھی پڑھ سکتا ہے۔ (مستفاد فتاویٰ دار العلوم زکریا ۳/ ۷۷)

عن ابن مسعود في الرجل يفوته بعض الصلاة مع الإمام، قال: يجعل ما يدرك مع الإمام آخر صلوٰته. (المعجم الكبير للطبراني دار احياء ترات للعربى ۹/ ۲۷۴، رقم: ۹۳۶۹)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صل ما أدركت واقض ما سبقك. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب استحباب اتيان الصلوٰة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۰، بيت الأفكار رقم: ۶۰۲)

والمسبوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها، وهو منفرد فيما يقضيه، ويقضي أول صلاته في حق قراءة وآخرها في حق تشهد. (تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب الصلوٰة، باب الامامة، مطلب لو أتى بالركوع، أو السجود، أو بهما کراچی ۱/۵۹٦، زکریا۲/۳٤٦، ۳٤۷)

ومنها أنه يقضي أول صلاته في حق قراءة وآخرها في حق تشهد. (هندیه، کتاب الصلوٰة، باب الامامة، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق زکریا ۱/۹۱، جدید ۱/۱٤۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/ ۱۴۱۷ھ

مقتدی کا بھول سے امام کے ساتھ سجدۂ تلاوت میں شریک نہ ہونا

سوال [۴۹ ۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امام کے ساتھ نماز میں شریک تھا، امام نے سجدۂ تلاوت کیا، زید یہ سمجھ کر کہ امام نے رکوع کیا ہے، رکوع میں چلا گیا، جب امام سجدہ سے اٹھا تو تنبہ ہوا اور بقیہ نماز امام کے ساتھ مکمل کی، کیا زید کی اقتداء اور نماز درست ہوئی یا نہیں؛ جبکہ اس نے سجدۂ تلاوت نہیں کیا، صورت حال کے معلوم ہونے پر اس کو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد عمر لکھنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بے خبری میں رکوع میں چلا گیا ہے اور پورے رکوع میں اس کو پتہ نہیں چلا؛ یہاں تک کہ امام سجدہ سے اٹھ گیا؛ جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے؛ تو ایسی صورت میں اب زید کو کچھ نہیں کرنا ہے، زید کی نماز صحیح ہوگئی، اور امام

کے ساتھ اقتداء میں بھی کوئی خرابی نہیں آئی، اور اگر امام کے سجدہ کی حالت میں اس کو پتہ چل گیا ہوتا تو اسے رکوع کی حالت میں رکوع توڑ کر سجدہ میں چلا جانا ضروری تھا۔

تلا سجدة وسجد فظن المؤتمون، أنه ركع فركعوا و سجدوا لم تفسد صلوتهم، وإن سجدوا أخرىٰ فسدت لزيادة ركعة تامة هنا. (حلبي كبير، أحكام المساجد، مسائل شتى، اشرفيه ديوبند ٦١٨)

ولو سجد لها أي للتلاوة، فظن القوم أنه ركع، فمن ركع رفضه، وسجد لها ومن ركع و سجد سجدة أجزأته عنها، ومن ركع و سجد سجدتين فسدت صلاته؛ لأنه انفرد بركعة تامة. (در مختار مع الشامی، باب سجود التلاوة، زكريا ديوبند ٥٨٨/٢، كراچی ١١٢/٢، تقريرات رافعی زكريا وكراچی ١٠٦/٢، عالمگيری، كتاب الصلوٰة، الباب الثالث، عشر فی سجود التلاوة زكريا ١٣٤/١، جديد ١٩٤/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۵۷/۳۶)	۱۵/۵/۱۴۲۳ھ

دوران صلوٰۃ مقتدی کا سوجانا

سوال [۲۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک مقتدی امام کی اقتداء میں شریک جماعت ہے، اتفاقیہ مقتدی کو نماز میں قیام میں نیند کا غلبہ ہو گیا اور اس کی آنکھ لگ گئی، جب آنکھ کھلی تو امام کو سجدے میں پایا مقتدی نے اپنا رکوع ادا کرنے کے بعد امام صاحب کے ساتھ سجدے میں شرکت کر لی، ایسی حالت میں مقتدی کی نماز ہو گئی یا نہیں؟

(۲) مقتدی اس چیز کا عادی ہو گیا ہے کہ اکثر وہ نماز میں سو جاتا ہے اور کبھی رکوع

کبھی سجدہ اس کا نکل جاتا ہے؛ تو ایسی حالت میں اس کی نماز ہو جائیگی یا نہیں؟

المستفتی: محی الدین احمد سہسپور محلّہ حکیم پورہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز ہوگئی۔

واللاحق الغير المسبوق هو الذي أدرك الركعة الأولىٰ وفاتته ركعة، أو أكثر منها بعذر كنوم، أو حدث (إلى قوله) وحكمه أنه إذا زال عذره، فإنه يبد أمابقضاء فاته بالعذر، ثم يتابع الإمام إن لم يفرغ الخ.

(البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامة، زکریا ۱/۶۲۳، کوئٹه ۱/۳۵٦، شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامة، مطلب فیما لو أتی بالرکوع، و السجود، أو بهما مع الامام أو قبله أو بعده، زکریا ۲/۳٤۵، کراچی ۱/۵۹۵، کوئٹه ۱/٤٤۰)

وحكمه أن يقضي مافاته أولاً ثم يتابع الإمام إن لم يكن قد فرغ.

(شامی ۱/٤٤۰، کبیری، کتاب الصلوٰۃ، فصل فی سجود السهو، قدیم ٤٤۱، جدید، اشرفیه دیوبند ٤٦۹، هکذا فی الهندیه، کتاب الصلوٰۃ، الفصل السابع فی المسبوق واللاحق ۱/۹۲، جدید ۱/۱۵۰-۱۵۱)

(۲) نماز میں نیند کا آجانا عادت کی بنا پر نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ بلا اختیار ہوتا ہے؛ اس لئے فقہاء نے معذور قرار دیا ہے؛ جیسا کہ اوپر دلائل گزر چکے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۷۳)

جلوس کے شور کی وجہ سے مقتدی سجدہ ہی میں رہ گئے اور امام نے سلام پھیر دیا تو کیا کریں؟

سوال [۲۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شاہی مسجد میں نماز ہو رہی تھی، دوران نماز سڑک پر سے جلوس نکلا اور جلوس کے

شور کی وجہ سے مقتدیوں کو امام صاحب کی تکبیر اور نقل وحرکت کا پتہ نہیں چلا، امام صاحب سجدے میں تھے آواز نہ سننے کی وجہ سے بعض لوگ سجدے میں ہی رہ گئے، اور امام صاحب نے دوسری رکعت پوری کرلی اور جب دوسری رکعت کے سجدے میں جانے لگے؛ تو مقتدیوں کو پتہ چلا، اب مقتدی تین قسم کے ہوگئے، ایک وہ ہیں جنہوں نے رکوع قومہ وغیرہ کر کے امام کو سجدہ میں پالیا، اور دوسرے وہ ہیں جو ڈائریکٹ سجدے میں چلے گئے؛ لیکن قیام اور رکوع نہ کیا، تیسرے وہ ہیں جنہوں نے قیام تو کیا؛ لیکن رکوع نہ کیا اور سجدے میں چلے گئے، ان میں سے کس کی نماز ہوئی اور کس کی نماز نہیں ہوئی، مدلل تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں تینوں قسم کے لوگ لاحق ہیں، ان میں سے پہلی قسم کے لوگوں کی نماز درست ہوگئی؛ چوں کہ انہوں نے اپنے فوت شدہ ارکان پورے کرنے کے بعد امام کی اتباع کرلی، دوسری اور تیسری قسم کے لوگ اگر امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنے فوت شدہ ارکان ترتیب سے پورے کرلیں، تو ان کی نماز درست ہوجائے گی ورنہ درست نہ ہوگی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۳/۳۷۵)

فلو نام في الثالثة واستيقظ في الرابعة فإنه يأتي بالثالثة بلا قراءة فإذا فرغ منها صلى مع الإمام الرابعة وإن فرغ منها الإمام صلاها وحده بلا قراء أيضاً فلو تابع الإمام ثم قضى الثالثة بعد سلام الإمام صحّ. (شامی زكريا، كتاب الصلوٰة، باب الامامة، مطلب فيما لو أتى بالركوع، و السجود، أو بهما مع الامام أو قبله أو بعده، ۲/۳۴۵،شامی، کراچی ۱/۵۹۵، البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الامامة، زكريا ۱/۶۲۳، کوئٹه ۱/۳۵۶)

إذا كبر مع الإمام ثم نام حتى صلى الإمام ركعةً ثم انتبه، فإنه يصلي الركعة الأولىٰ، وإن كان الإمام يصلي الركعة الثانية. ولو لم يشتغل بقضاء ما سبقه الإمام؛ و لكن يتابع الإمام أولاً ثم قضىٰ ما سبقه الإمام بعد

تسليم الإمام جازت صلوته عندنا. (هندية، كتاب الصلوٰة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق زكريا ۱/۹۲، جديد ۱/۱۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۵/۴۰)

مدرک امام کے سلام پر اپنے کو مسبوق سمجھتے ہوئے کھڑا ہو جائے پھر لوٹ آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۲۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مدرک ہے، امام صاحب کے ساتھ شروع سے داخل ہے، جب امام صاحب نے سلام پھیر دیا؛ تو یہ شخص اپنے آپ کو مسبوق سمجھ کر کھڑا ہو گیا اور امام کے ساتھ سلام نہیں پھیرا، جب پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوا تو اس کو یاد آیا اور اس نے لوٹ کر سجدہ سہو کر لیا؛ تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عمیم ہاپوڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص مدرک تھا؛ لیکن امام صاحب کے ساتھ سلام نہیں پھیرا اور اپنے آپ کو مسبوق گمان کر کے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا؛ لیکن یاد آنے پر سجدہ کرنے سے پہلے پہلے لوٹ کر سجدہ سہو کر لیا تو اس کی نماز درست ہے۔

ولو قعد في الرابعة ثم قام ولم يسلم عاد إلى القعدة مالم يسجد للخامسة و سلم. ويسجد للسهو استحساناً. هداية، كتاب الصلوٰة، باب سجود السهو ۱/۱۵۹، مكتبه اشرفيه ديو بند۔

وإن قعد الأخيرة قدر التشهد ثم قام عاد وسلم من غير إعادة التشهد و سجد للسهو. (مراقی الفلاح، كتاب الصلوٰة، باب سجود السهو ۱۸۰،

مع حاشیه الطحطاوی، دار الکتاب دیوبند ۴۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۶)

مسبوق نے صرف ایک رکعت پائی تو باقی نماز کس طرح پڑھے گا؟

سوال [۲۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسبوق ہے، اس کو صرف ایک رکعت ملی ہے، اور اس کو باقی تین رکعت مسبوق بن کر پوری کرنی ہے؛ تو ان تین رکعتوں میں کتنی رکعت میں قرأت کرے گا، اور کون کون سی رکعت میں قرأت کرے گا؟

المستفتی: محمد سعد اللہ، بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شخص کو امام کے ساتھ صرف ایک رکعت ملی ہو وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد پہلی اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے گا اور ضم سورۃ کرے گا، اور تیسری رکعت میں جو کہ آخری رکعت ہے؛ صرف سورۂ فاتحہ پڑھے گا، اور پہلی رکعت پڑھ کر قعدہ بھی کرنا ہوگا؛ اس لئے کہ پہلی رکعت عملاً دوسری رکعت ہے؛ البتہ قرأت کے حق میں پہلی رکعت ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۶۵ ۵، محمودیہ میرٹھ ۱۰/ ۴۲۳)

فمدرك ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة و سورة و تشهد بينهما و برابعة الرباعي بفاتحة فقط. (شامی، کتاب الصلوة، باب الامامة، مطلب فيما لو أتى بالركوع، والسجود، أو بهما، زكريا ۲/ ۳۴۷، شامی، کراچی ۱/ ۵۹۶)

لو أدرك مع الإمام ركعة في ذوات الأربع، فقام إلى القضاء قضىٰ ركعة يقرأ فيها بفاتحة الكتاب و سورة. ويتشهد، ثم يقوم فيقضي ركعة

أخرى ويقرأ فيها بفاتحة الكتاب و سورة ولو ترك القراء ة في إحداهما تفسد صلاته لما قلنا وفي الثالثة هو بالخيار والقراءة أفضل على ما عرف.

(بدائع الصنائع، كتاب الصلوٰة، حكم المسبوق قديم ١/٢٤٩، جديد زكريا ١/٥٦٧، كراچی ١/٢٤٩، هنديه، كتاب الصلوٰة، باب الامامة، الفصل السابع فى المسبوق واللاحق زكريا ١/٩١، جديد ١/١٤٩، حلبي كبير، كتاب الصلوٰة، قبيل فروع سبق بركعة اشرفيه ديوبند ٤٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۴/۴۰)

مغرب کی ایک رکعت پانے والا دوسری رکعت میں قعدہ کرے گا؟

سوال [۲۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مغرب کی نماز کی تیسری رکعت میں شامل ہوا، ایک رکعت اس کو امام کے ساتھ مل گئی، اب دوسری رکعت میں اس کو قعدہ کرنا واجب ہے یا اولیٰ اور افضل ہے، جواب سے نوازیں؛ نیز دونوں مذکورہ بالا سوالوں کے جوابات مدلل اور حوالوں کے ساتھ مطلوب ہیں۔

المستفتی: شمس الحق قاسمی مدرسہ ضیاء العلوم موتی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس میں قعدہ کرنا واجب نہیں ہے؛ بلکہ اولیٰ اور افضل ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۳۸۳)

ويقضي أول صلوٰته في حق قراء ة وآخرها في حق تشهد فمدرك ركعة من غير فجر يأتي بركعتين بفاتحة و سورة و تشهد بينهما و تحته في الشامي ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياساً ولم يلزمه سجود السهو لكون

الركعة أولىٰ من وجه الخ. (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب الامامة، مطلب فيما لو أتى بالركوع والسجود، أو بهما، زكريا ٢/٣٤٧، كراچى ١/٥٩٧)

حتى لو أدرك مع الإمام ركعة من المغرب، فإنه يقرأ فى الركعتين الفاتحة، والسورة، ويقعد فى أولهما؛ لأنها ثانية، ولو لم يقعد جاز استحساناً، لا قياساً. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب الحدث فى الصلوٰة، زكريا ١/٦٦٤، كوئٹه ١/٣٧٩)۔

وإذا أدرك الرجل ركعة مع الإمام من المغرب، فلما سلم الإمام قام يقضي، قال: يصلى ركعة و يقعد، وهذا استحسان، والقياس يصلى ركعتين ثم يقعد (المبسوط للسرضى، كتاب الصلوٰة، باب الحدث فى الصلوٰة، دار الكتب العلميه بيروت ١/١٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۲ھ

رباعی نماز میں مسبوق اپنی بقیہ تین رکعت کس طرح پوری کرے؟

سوال [۲۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام کیساتھ اور مقتدی نماز رباعی میں اخیر رکعت میں شریک ہو، تو مقتدی امام کے سلام کے بعد تینوں رکعتوں میں کیا پڑھے، تینوں رکعتوں میں خاموش رہے یا قرأت کرے؟

المستفتی: نور محمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کو ایک رکعت امام کے ساتھ ملی ہے، وہ مسبوق ہے، وہ اپنی رباعی نماز اس طرح پوری کرے کہ دو رکعت میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے اور ایک رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھے۔

لو أدركه في ركعة الرباعي يقضي ركعتين بفاتحة وسورة، ثم يتشهد، ثم بالثالثة بفاتحة خاصة عند أبي حنيفة وقالا ركعة بفاتحة و سورة و تشهد، ثم يأتي ركعتين أولا هما بفاتحة و سورة و ثانيتهما بفاتحة خاصة. (شامی، کتاب الصلوة، باب الامامة، مطلب فیما لو أتی بالرکوع، والسجود، أو بهما، کراچی ۱/۵۹۷، زکریا ۲/۳٤۷)

ولو أدرك ركعة من الرباعية فعليها أن يقضي ركعة يقرأ فيها الفاتحة والسورة ويتشهد ويقضي ركعة أخرى كذلك ولايتشهد، وفي الثلاثة بالخيار والقراءة أفضل. (هندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة الفصل السابع في المسبوق واللاحق زكريا ۱/۹۱، جديد ۱/۱٤۹)

لو أدرك مع الإمام ركعة في ذوات الأربع فقام إلى القضاء قضى ركعة يقرأ فيها بفاتحة الكتاب و سورة. ويتشهد، ثم يقوم، فيقضي ركعة أخرى يقرأ فيها بفاتحة الكتاب و سورة وفي الثالثة هو بالخيار والقراءة أفضل على ما عرف. (بدائع الصنائع، کتاب الصلوٰة، حکم المسبوق قدیم ۱/۲٤۹، جدید زکریا ۱/۵٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۹۱/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

مسبوق پر دعاء قنوت کون سی رکعت میں واجب ہے؟

سوال [۲۵۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقتدی کے لئے تشہد کا کیا حکم ہے اور وتر کی جماعت میں مسبوق پر دعاء قنوت کونسی رکعت میں واجب ہے، امام کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ پڑھی ہوئی کافی ہے یا بعد میں پڑھنی واجب ہے؟

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد احمد گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقتدی پر بھی تشہد پڑھنا واجب ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند ۴/۱۵۸)

ویجب قراءة التشهد فيه الخ (طحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، دارالكتاب ديوبند جديد ۲۵۱، قديم ۱۳۷)

اگر تیسری رکعت میں امام کے ساتھ پوری قنوت پڑھ لیا تھا تو بعد میں پڑھنے کی ضرورت نہیں اور اگر امام کے ساتھ پوری نہیں پڑھ سکا ہے، تو بعد میں قنوت پڑھنا لازم ہوگا۔

واما المسبوق فيقنت مع إمامه فقط الخ. (درمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ۲/۴۴۸، كراچي ۲/۱۰)

حتى لو أدرك ثالثة الوتر فقنت مع الإمام لايقنت فيما يقضي بالإجماع.

(منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، زكريا ۱/۶۶۴، كوئٹه ۱/۳۷۹)

كما لو قنت المسبوق معه في الثالثة أجمعوا أنه لايقنت مرة أخرى، فيما يقضيه لأنه غير مشروع. (حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، دارالكتاب ديوبند جديد ۳۸۵، ۳۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۷/۲۴ھ

امام کا نقص مقتدی مسبوق کا نقص ہے

سوال [۲۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ امام صاحب نے جہری نماز میں سورۂ فاتحہ نصف آہستہ پڑھی اور سجدہ سہو کرنا بھول گئے، خیر بتانے پر انفرادی طور پر یعنی اس نماز کا اعادہ کرلیا گیا، مگر ان

امام صاحب کے ساتھ ایک صاحب اخیر رکعت میں شریک ہوئے اور امام صاحب اور جو نمازی شروع ہی سے نماز میں شریک تھے، انہوں نے نماز کا اعادہ کرلیا،تو کیا اس مسبوق پر نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) امام صاحب کی نماز میں جو نقص پیدا ہوگیا ہو وہ نقص مقتدی مسبوق کے حق میں بھی شمار کیا جائے گا یا نہیں اگر امام کا نقص مقتدی کا نقص نہیں ہے، تو وہ مسبوق جو امام صاحب کی اقتداء کررہا ہے، یہ امام صاحب کی اقتداء میں ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو کیوں؟

المستفتی: مسعود الحسن رشیدی سہسپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس مسبوق پر بھی مذکورہ صورت میں نماز کا اعادہ لازم تھا۔

فأما المسبوق فقد التزم بالاقتداء أي الإمام متابعته بقدر ما هو صلاة الإمام، و قد أدرك هذا القدر، فيتابعه فيه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا٢/١٧٦، كوئٹه ٢/٩٩، بدائع الصنائع ١/٤٢١)

وسهو الإمام يوجب السجود عليه وعلى المقتدي لأن متابعة الإمام واجبة، قال: النبي صلى الله عليه وسلم، تابعوإمامك على أي حال وجدته، ولأن المقتدي تابع للإمام. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يجب عليه سجود السهو ومن لايجب، زكريا ١/٤٢٠، قديم كراچي ١/١٧٥)

امام صاحب کی نماز میں پیدا شدہ نقص کو مقتدی مسبوق کا نقص شمار کیا جائے گا؛ لہٰذا جب امام صاحب کے ذمہ سجدہ سہو لازم آئے گا،تو مقتدی مسبوق پر بھی لازم آئے گا۔

وسهو الإمام يوجب على المؤتم السجود، قوله ''على المؤتم'' وإن كان مسبوقًا. (الهداية مع الدراية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفي ١/١٥٨، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه امداديه

ملتان ۱/ ۱۹۵، زکریا ۱/ ۴۷۷، ۴۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۱۴)

مسبوق مقتدی سجدۂ سہو میں شریک ہوگا یا نہیں؟

سوال [۲۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام کو سجدۂ سہو کی ضرورت پیش آجائے، تو مسبوق مقتدی سجدۂ سہو میں شریک ہوگا یا نہیں، اگر نہیں ہوگا تو ہونے کی صورت میں کیا حرج لازم آئے گا؟

المستفتی: محمد جاوید بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام کو سجدۂ سہو کی ضرورت پیش آجائے تو مسبوق پر لازم ہے کہ وہ بھی امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہو؛ البتہ امام کے ساتھ سلام نہیں پھیرے گا صرف سجدۂ سہو میں شریک ہوگا، پھر امام کے ساتھ دوبارہ تشہد پڑھے گا اور جب امام آخری سلام پھیرے گا تو مسبوق اپنی مابقیہ رکعت پڑھنے کے لئے کھڑا ہوجائے گا۔

والمسبوق يسجد مع إمامه مطلقا سواء كان السهو قبل الإقتداء أوبعده (قال في الشامية) قيد بالسجود، لأنه لايتابعه في السلام؛ بل يسجد معه ويتشهد، فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كراچي ۲/ ۸۲، زكريا ۲/ ۵٤٦)

المسبوق يتابع إمامه في سجود السهو، وإن كان وقوع السهو منه قبل اقتدائه. (غنية المستملی، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، سهيل اكيڈمي لاهور ٤٦٥، ٤٦٦)

المسبوق أو المقيم خلف المسافر حيث يتابع الإمام في سجود السهو،

ثم يشتغل بالإتمام. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يجب عليه سجود السهو و من لايجب زكريا ۱/ ۳۲۱، قديم كراچي ۱/ ۱۷۵، مجمع الانهر، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۲۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۹ھ

امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کے متنبہ کرنے پر دوسری منزل والوں کا سلام پھیرنا

سوال [۲۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسجد میں مائک سے نماز ہورہی ہے اور کچھ افراد مسجد کے اوپری حصہ میں بھی نماز پڑھ رہے ہیں اور آخری رکعت میں بجلی کے چلے جانے یاکسی اور بناپر اوپر والوں کو سلام کی اطلاع نہ پہونچ سکی تو پھر کچھ دیر بعد کسی کی اطلاع کے بعد معلوم ہوا کہ امام صاحب نے سلام پھیر دیا تو اس اطلاع سے ان لوگوں نے بھی سلام پھیر دیا اور جن لوگوں کی رکعت چھوٹ گئی تھی وہ اپنی نماز پوری کرنے کھڑے ہوگئے تو ایسی صورت میں ان لوگوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد گلفام، متولی مسجد بکر قصاب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے اوپری حصہ میں جو لوگ تھے، انہوں نے اگر اس درمیان میں منافی صلوۃ کوئی عمل نہیں کیا ہے؛ بلکہ متنبہ ہوتے ہی سلام پھیر دیا ہے اور مسبوق لوگ بقیہ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے ہیں، تو ایسی صورت میں سب کی نماز صحیح اور درست ہوچکی ہے۔

ركعة أو أكثر منها بعذر كنوم، أو حدث، أوغفلة، أو زحمة،

أو لأنـه من الطائفة الأولیٰ في صلوة الخوف، وحکمه أنه إذا زال عذره، فـإنـه يبدأ بقضاء مافاته بالعذر، ثم يتابع الإمام (إلى قوله) وإن بعد فراغ الإمـام صلى الرابعة وحدها بلا قراء ة أيضا، لأنه لاحق، فلو تابع الإمام، ثم قـضـى الثالثة بعد فراغ الإمام صح الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمام، زکریا ۱/۶۲۳، کوئٹه ۱/۳۵۶، شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فيما لو أتي بالركوع والسجود، أو بهما مع الإمام، أو قبله، أو بعده، زکریا ۲/۳۴۵، کراچی ۱/۵۹۵، هندیه، كتاب الصلاة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، زکریا ۱/۹۱، جدید ۱/۱۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۵۰۴۱)

دوران نماز ریح خارج ہوجائے تو وضو کے بعد ما بقیہ نماز کس طرح ادا کریں؟

سوال [۲۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص امام کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھ رہا تھا، ایک رکعت پوری ہوئی تھی کہ ریح خارج ہوگئی جلدی سے وضو کرکے پھر نماز میں شریک ہوگیا اس درمیان دو رکعت یا ایک رکعت مزید ہوگئی امام کے ساتھ بقیہ نماز میں شریک ہوگیا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا چھوٹی ہوئی نماز جس وقت وہ وضو کرنے گیا تھا نہیں پھر سے پڑھے گا یا نہیں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

المستفتی: عبد اللہ لالباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایسے شخص کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ امام کے ساتھ بقیہ نماز پڑھنے کے بعد وضو کے درمیان جتنی رکعتیں چھوٹ گئی تھیں ان کو مکمل کرے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ وضو کے بعد نئے سرے سے نماز پڑھے یعنی وضو کر کے امام کے ساتھ شامل

ہوجائے پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد بقیہ نماز مکمل کرے؛ اس لئے کہ غیر عالم مسائل حدث اور مسائل بناء پر پوری طرح واقف نہیں ہوتے ہیں، اس میں غلطیاں ہوسکتی ہیں۔

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، من أصابه قيئي، أورعاف، أوقلس، أومذي، فلينصرف، فليتؤضأ، ثم ليبن على صلاته، وهو في ذلک لايتكلم. (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في النباء على الصلاة، النسخة الهنديه ٨٥، دارالسلام: ١٢٢١)

عن علي بن طلق قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذا فسا أحدكم في الصلاة، فلينصرف فليتوضأ وليعد الصلاة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في من يحدث في الصلاة، النسخة الهندية ١/ ٢٧، رقم: ٢٠٥)

من سبقه حدث توضأ وبني ولايعتد بالتي أحدث فيها ولابد من الإعادة، والاستئناف أفضل كذا في المتون وهذا في حق الكل عند بعض المشائخ. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السادس في الحدث في الصلاة جديد ١/ ١٥٢، زكريا ١/ ٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۲۴ھ

○❖○

(۱۲) باب القراءة

مغرب، عشاء، فجر میں جہر اور ظہر وعصر میں سر کی عقلی ونقلی دلیل

سوال [۲۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تین نمازوں مغرب، عشاء اور فجر میں جہر کا حکم ہے اس کی کیا وجہ ہے، ظہر وعصر میں سراً قرأت کا حکم کیوں ہے، عقلی ونقلی وجوہ بیان فرما کر تشفی بخش جواب سے نوازیں؟

المستفتی: عبدالمعید، بجنور، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام پر مغرب وعشاء اور فجر میں جہراً اور ظہر وعصر میں سراً قرأت کرنا واجب ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آقاء نامدار علیہ السلام نے ہمیشہ اسی پر مواظبت کی ہے، اس کے خلاف آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ نیز یہی طریقہ توارث کے ساتھ منقول ہے۔

عن ابن شهابؓ، قال: سن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن يجهر بالقراءة في صلاة الفجر في الركعتين كلتيهما، ويقرأ في الركعتين الأوليين في صلاة الظهر بأم القرآن وسورة في كل ركعة سرا في نفسه، ويقرأ في الركعتين الأخريين من صلاة الظهر بأم القرآن في كل ركعة سرا في نفسه، ويفعل في العصر مثل مايفعل في الظهر، ويجهر الإمام بالقراءة في الأوليين من المغرب، ويقرأ في كل واحد منهما بأم القرآن وسورة، ويقرأ في الركعة الآخرة من صلاة المغرب القرآن فى نفسه، ثم يجهر بالقراءة في الركعتين من صلاة العشاء، بأم القرآن في كل ركعة وسورة سورة، ويقرأ في الركعتين

الآخرتين في نفسه بأم القرآن وينصت من وراء الإمام. الحديث (المراسيل لأبي داؤد ٦، رقم الحديث: ٤٠)

ومن الواجباب الجهر بالقراءة فيما يجهر فيه بها كالفجر، والجمعة، والعيدين، وأولي المغرب، والعشاء،وكالتراويح، والوتر، فإن الجهر في جميع ذٰلک واجب على الإمام ومنها المخافة بالقراءة فيما يخافة فيه بها كغير ما ذكر فإن الجهر والمخافة في محله واجب للمواظبة منه عليه الصلاة والسلام على ذلک. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب واجبات الصلاة، لاهور ٢٩٦، شرح نقايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، اعزازيه ديوبند ١/ ٧١، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة ، باب واجبات الصلاة، قديم كراچي ١/ ١٦٠، زكريا١/ ٣٩٥، هدايه مع فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، كوئٹه ١/ ٢٨١، ٢٨٣، زكريا ١/ ٣٣١- ٣٣٢، ١/ ٣٢٤، كبيري، كتاب الصلاة ، قبيل فصل في صفة الصلاة، مكتبه رحيميه ديوبند/ ٢٩٠)

دوسری وجہ یہ ہے کہ دن کے ظہر وعصر میں کفار گلی کوچوں میں منتشر رہتے تھے، مسلمانوں کی نماز کے اندر قرأت سن کر بھڑ کتے تھے اور مسلمانوں کو ایذاء پہونچاتے تھے، مگر رات میں سب اپنے اپنے گھروں میں ہوتے تھے؛ اس لئے مسلمانوں کی قرأت سننے کا انہیں موقع نہیں ملتا تھا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہوا کہ دن میں سراً قرأت کی جائے اور رات میں جہر کا سلسلہ بدستور باقی رکھا جائے؛ چنانچہ حضور ﷺ نے یہ حکم جاری فرمادیا اور یہی حکم قیامت تک جاری رہیگا اور جمعہ وعیدین میں جہری قرأت اس لئے ہوتی ہے کہ ان نمازوں کا حکم مدینہ منورہ میں نازل ہوا تھا اور وہاں قرآن کریم پڑھنے اور کسی قسم کی عبادت کرنے میں کفار کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں تھی؛ اس لئے جمعہ وعیدین میں جہری قرأت کا حکم فرمایا۔

(ويجهر الإمام وجوبا) للمواظبة من النبي الله صلى الله عليه وسلم، وكان صلى الله عليه وسلم يجهر بالقرآن في الصلاة كلها ابتداء،

وكان المشركون يؤذونه، ويسبون من أنزله، ومن أنزل عليه، فأنزل الله تعالى ولاتجهر بصلوتک ولاتخافت بها، أي لاتجهر بها كلها، ولاتخافت بها كلها، وابتغ بين ذلک سبيلا، بأن تجهر بصلوة الليل،وتخافت بصلوة النهار، فكان يخافت بعد ذلک في صلوة الظهر و العصر؛ لاستعدادهم للإيذاء في هذين الوقتين، ويجهر بالمغرب؛ لأنهم كانوا مشغولين بالأكل، وفي العشاء والفجر لكونهم رقودا وفي الجمعة والعيدين؛ لأنه أقامهما بالمدينةوماكان للكفار قوة. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، فصل يجهر الإمام وجوبا، كوئٹه ۱/ ۲۳۳، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ۵۸۵، ۵۸۶، كوئٹه ۱/ ۳۳۵، عيني شرح هداية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، اشرفيه ۲/ ۲۹۲، ۲۹۳، ۱/ ۶۹۲، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة قديم كراچي ۱/ ۶۰، زكريا ۱/ ۳۹۵، عنايه شرح هدايه ۱/ ۳۲۵، جامع الرموز قديم ۱/ ۱۱۰)

تیسری وجہ یہ تھی کہ حضرت جبرئیل آمین نے جب دو دن تک امامت فرما کر کے نماز کے اوقات بتلائے تھے،تو ان میں ظہر اور عصر میں سراً قرأت فرمائی تھی اور بقیہ نمازوں میں جہری قرأت کی تھی؛اس لئے ظہر اور عصر میں سراً قرأت کی جاتی ہے اور مغرب عشاء وفجر میں جہراً قرأت کی جاتی ہے۔

عن أنس، أن جبرئيل عليه السلام أتي النبي صلى الله عليه وسلم، بمكة حين زالت الشمس، وأمره أن يؤذن للناس بالصلاة حين فرضت عليهم، فقام جبرئيل أمام النبي صلى الله عليه وسلم، وقام الناس خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فصلى أربع ركعات لايجهر فيها بقراءة ثم أمهل حتى إذا وجبت الشمس، صلى لهم ثلاث ركعات يجهر في ركعتين بالقراءة ولايجهر في الثالثة، ثم أمهل حتى إذا ذهب ثلث الليل، صلى بهم أربع ركعات، يجهر في الأوليين بالقراءة، ولايجهر في الأخريين

بـالقراء ة، ثـم أمهـل حتـى إذا طـلـع الـفجر صلى بهم ركعتين يجهر فيهما بــالـقـراء ة. (دارقـطـني، كـتـاب الـصـلاة، بـاب إمـامة جبـرئيـل، دارالـكـتـب العلمية، بيروت ١/٢٦٨، رقم:١٠١١، ١/٩٧، مطبع انصاري دهلي)

اور چوتھی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ دن میں شور وشغف اور ہنگامہ رہتا ہے، جہری قرأت کی صورت میں قرآن کریم کی آیتوں میں غور وفکر کرنا مشکل ہوجاتا ہے اور لوگوں کے قلوب اپنے کاروبار اور دکانوں میں لگے رہتے ہیں اور رات میں شور وشغف ختم ہوجاتا ہے اور قرآن کریم کی آیتوں میں یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ غور وفکر کرسکتے ہیں۔

والسـر فـي مـخافتة الظهر والعصر، أن النهار مظنة الصخب واللغط فـي الأسـواق والـدور وأمـا غيرهما، فوقت هدوء الأصوات والجهر أقرب إلـى تـذكر القوم واتعاظهم. (حـجة الله البـالـغة ٢/٩، بـدائع الصنائع، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، كراچي ١/١٦٠، زكريا١/٣٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۷۶۴)

رات کی نمازیں جہری اور دن کی سری کیوں ہیں؟

سوال [۲۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پنجوقتہ فرض نمازوں میں مغرب عشاء فجر میں قرأت بآواز بلند کی جاتی ہے؛ لیکن ظہر وعصر میں کیوں نہیں کی جاتی اور جمعہ کے دن تو ایک ہی نماز جہری ہونے سے رہ جاتی ہے ایسا کیوں ہے؟

المستفتی: فصاحت حسین، مدرسہ بدر العلوم حسن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دن میں شور وغل ہوتا ہے سکون نہیں ہوتا، لوگ توجہ سے قرأت نہیں سن سکتے اور رات میں شور نہیں ہوتا ہے، سکون واطمینان کا وقت ہے لوگ اطمینان سے قرأت سن سکتے ہیں؛ اس لئے رات کی نمازوں میں جہری قرأت کا حکم ہے اوردن کی نمازوں میں سری قرأت کا حکم ہے۔

والسر في مخافتة الظهر والعصر، أن النهار مظنة الصخب واللغط في الأسواق والدور وأما غيرهما، فوقت هدوء الأصوات والجهر أقرب إلى تذكر القوم واتعاظهم. (حجة الله البالغة ۲/۹، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، كراچي ۱/۱٦۰، زكريا ۱/۳۹۵)

القراءة ركن يتحمله الإمام عن القوم فعلا فيجهر ليتأمل القوم، ويتفكروا في ذلک، فتحصل ثمرة القراءة، ...... وثمرة الجهر تفوت في صلاة النهار؛ لأن الناس في الأغلب يحضرون الجماعات في خلال الكسب، والتصرف، والانتشار في الأرض فكانت قلوبهم متعلقة بذلک......بخلاف صلاة الليل؛ لأن الحضور إليها لايكون في خلال الشغل، وبخلاف الجمعة والعيدين؛ لأن يؤدي في الأحايين مرةً على هيئة مخصوصة من الجمع العظيم وحضور السلطان وغير ذلک، فيكون ذلک مبعثة على إحضار القلب والتأمل......ولهذا كان يجهر في الجمعة والعيدين؛ لأنه أقامهما بالمدينة، وماكان للكفار بالمدينة قوة الأذى. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، كراچي ۱/۱٦۰، زكريا۱/۳۹۵)

اور جمعہ کی فرضیت؛ چونکہ مدینہ منورۃ ہجرت کر جانے کے بعد ہوئی ہے۔ نیز جمعہ میں تمام ہی مسلمان ایک جگہ شریک ہوجاتے ہیں اور باہر کا شور وشغف باقی نہیں رہتا ہے۔ نیز چونکہ نماز جمعہ وعظ وتقریر، تعلیم وترغیب وترہیب پر مشتمل ہے؛ اس لئے اس میں نماز جہراً

پڑھنے کا حکم ہوا ہے۔ (مستفاد: احکام اسلام عقل کی نظر میں :۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۱٦۷/۳۷٦۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۱ھ

نماز عشاء، فجر ومغرب میں قرأت بالجہر ہے تو ظہر عصر میں کیوں نہیں؟

سوال [۲۵٦۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز عشاء، فجر ومغرب میں قرأت جہر کے ساتھ کی جاتی ہے تو نماز عصر وظہر میں قرأت جہر کے ساتھ کیوں نہیں کی جاتی ہے، ان دونوں نمازوں میں جہر کیوں نہیں ہے؟ اس کی وجہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: صغیر احمد سہرساوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کے اندر یہ بیان کی ہے کہ دن کا وقت بازاروں اور عام مقامات میں لوگوں کے شور وشغب کا ہوتا ہے اور شور وآواز میں سکون سے قرآن کریم کی قرأت کرنا اور سننا دشوار ہے؛ اس لئے سراً وآہستہ قرأت کا حکم فرمایا ہے اور رات کا وقت کاروبار ومشاغل سے فارغ ہوکر جائے مستقر میں آنے اور شور وآواز کے پست ہونے کا ہے، اس میں قرآن کریم کی قرأت کرنا اور سننا دشوار نہیں ہے اور سکون کے ساتھ جہر ہوسکتا ہے؛ اس لئے عشاء، مغرب وفجر میں جہر کا حکم فرمایا ہے اور ظہر وعصر میں سر کا حکم فرمایا ہے۔

والسر في مخافتة الظهر والعصر، أن النهار مظنة الصخب واللغط في الأسواق، والدور، وأما غيرهما، فوقت هدوء الأصوات والجهر أقرب إلى تذكر القوم واتعاظهم. (حجة الله البالغة ۹/۲، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، واجباب الصلاة، كراچي ۱/۱٦۰، زكريا ۱/۳۹۵)

القراءة ركن يتحمله الإمام عن القوم فعلا فيجهر ليتأمل القوم، ويتفكروا في ذلك، ...... وثمرة الجهر تفوت في صلاة النهار؛ لأن الناس في الأغلب يحضرون الجماعات في خلال الكسب، والتصرف، والانتشار في الأرض، فكانت قلوبهم متعلقة بذلك...... بخلاف صلاة الليل؛ لأن الحضور إليها لايكون في خلال الشغل. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، كراچي ١/ ١٦٠، زكريا ١/ ٣٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۱۲ھ

ظہر اور عصر میں سری قرأت کی حکمت

سوال [۲۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ظہر اور عصر میں سری قرأت کرنے میں کیا حکمت ہے، اقوال اکابر کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتی: شبیر احمد جامع مسجد، جلگاؤں مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت تھانویؒ ظہر اور عصر میں سراً قرأت کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ دن میں گھروں اور بازاروں کے شور وشغب کی وجہ سے فراغت قلب کم ہوتی ہے اور آیت قرآنیہ پر توجہ خوب نہیں جمتی؛ اس لئے ان دووقتوں میں جہراً قرأت مقرر نہیں ہوئی؛ البتہ جمعہ وعیدین کے موقعہ پر عوام الناس کا بھی ایک بہت بڑا مجمع ہوتا ہے، جن میں جہری قرأت تبلیغ احکام اور وعظ ونصیحت کی باعث ہوتی ہے؛ کیونکہ ایسے اجتماع کا موقع بہت کم میسر ہوتا ہے؛ لہٰذا ایسے موقع پر جہراً قرأت مقرر ہوئی۔

(مستفاد: احکام الاسلام ۹۵/ ۹۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی ظہر اور عصر میں سراً قرأت کی یہی حکمت بیان فرمائی ہے کہ: شور وشغب کے زیادہ ہونے کے سبب سے آیات قرآنیہ پر توجہ نہیں جمتی اوران دونوں نمازوں کے علاوہ میں آواز ہلکی اور پست ہوتی ہے، جس میں جہری قرأت وعظ ونصیحت کے لئے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

والسر في مخافتة الظهر والعصر، أن النهار مظنة الصخب واللغط في الأسواق والدور وأما غيرهما، فوقت هدوء الأصوات والجهر أقرب إلى تذكر القوم واتعاظهم. (حجة الله البالغة ۲/ ۹، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، واجباب الصلاة، كراچي ۱/ ۱٦۰، زكريا ۱/ ۳۹٥)

ولأنه أخلف عذرًا آخر وهو كثرة اشتغال الناس في هاتين الصلاتين دون غيرهما. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ٥۸٦، كوئٹه ۱/ ۳۳٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰۹۵/۳۱)

جمعہ میں جہراً اور ظہر میں سراً قرأت کرنے کی وجہ؟

سوال [۲۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی نماز میں بآواز بلند قرآن پڑھا جاتا ہے، نماز ظہر میں نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؛ جبکہ دونوں وقت نماز میں کچھ ساعت کا فرق ہے؟

المستفتی: حافظ رئیس احمد، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت نے دن کی نمازوں (مثلاً ظہر وعصر)

میں آہستہ ہی قرأت کرنے کا حکم دیا ہے؛ لیکن اگر کوئی نماز دن میں ایسی آجائے جس کا مقصد نماز کے علاوہ مذہب اسلام کا رعب ودبدبہ اور دین کی تبلیغ وترہیب بھی ہوتو ایسی نماز میں بھی شریعت نے جہراً اور بآواز بلند قرآن شریف پڑھنے کا حکم دیا ہے، جیسے جمعہ وعیدین وغیرہ کی نمازیں ہیں کہ ان میں بھی یہی مقاصد پیش نظر ہوتے ہیں۔(المصالح العقلية للأحكام النقليه ۱/۹٤)

القراء ة ركن يتحمله الإمام عن القوم فعلا فيجهر ليتأمل القوم، ويتفكروا في ذلك...... وثمرة الجهر تفوت في صلاة النهار؛ لأن الناس في الأغلب يحضرون الجماعات في خلال الكسب والتصرف، والانتشار في الأرض فكانت قلوبهم متعلقة بذلك......بخلاف الجمعة والعيدين؛ لأنه يؤدي في الأحايين مرةً على هيئة مخصوصة من الجمع العظيم وحضور السلطان وغير ذلك. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة، كراچي قديم ۱/۱٦۰، زكرياجديد ۱/۳۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۲۸)

ایک رکعت میں مختلف روایتوں میں قرأت کرنا

سوال [۲۵٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے قرأت سبعہ میں سے ایک امام کی روایت سے نماز پڑھانی شروع کی؛ لیکن درمیان نماز میں روایتوں میں خلط ملط کر دیا، آیا روایتوں کے خلط ملط ہونے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں، اگر فاسد نہ ہوگی تو کراہت ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: علی احمد مظاہری، خادم التدریس دارالعلوم، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک رکعت کے اندر ایک سورۃ کو اگر کئی روایتوں کے ساتھ پڑھ دیا جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ صرف روایت حفص میں ہی قرآن مقدس پڑھا جائے تاکہ عوام تشویش میں نہ پڑجائیں۔

عن عبد الرحمن بن عبد القاري......إن هذا القرآن أنزل على سبعة أحرف، فاقرؤا ماتيسر منه، وفي رواية عن أبي بن كعب......إن الله يأمرك أن تقرأ أمتك القرآن على سبعة أحرف، فأيما حرف قرؤوا ما عليه فقد أصابوا.

(صحيح مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب بيان أن القرآن أنزل على سبعة أحرف......النسخة الهنديه ١/٢٧٢، ٢٧٣، بيت الأفكار رقم:٨١٨، ٨٢١)

أيضا وفيها قراءة القرآن بالقراءة السبع والروايات كلها جائزة؛ لكن أرى الصواب أن لايقرأ بالقراءة العجيبة والروايات الغريبة؛ لأن بعض السفهاء يقعون في الإثم ويقولون مالايعلمون، ولاينبغي للإمام أن يحمل العوام على مافيه نقصان دينهم، ودنياهم، وحرمان ثوابهم في عقابهم.

(كبيري، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مكتبة رحيمية ديوبند قديم٤٦٣، سهيل اكيڈمي لاهو ٤٩٥، الفتاوى التاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني القراءة، زكريا٢/٧٢، رقم:١٧٨٣، كراچي ١/٤٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۴۵)

فرض نماز میں قرأت سبعہ کرنا

سوال [۲۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد محلّہ یا مسجد مدرسہ میں امام صاحب قرأت سبعہ نماز میں کرسکتے ہیں یا نہیں؟

اگر جواب اثبات میں ہے، تو سورۂ فاتحہ اور سورۂ مضمومہ دونوں میں ایک ہی قراءت ضروری ہے یا قرأت مختلفہ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے؟

المستفتی: محمد شجاع الدین قاسمی، خادم مدرسہ جامعہ اسلامیہ، ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک نماز کے اندر لوٹا لوٹا کر ساتوں قرأتوں کے ساتھ پڑھنا مشروع نہیں ہے اور سلف وخلف سے نماز کے اندر اس طرح پڑھنا ثابت نہیں ہے؛ اس لئے ایک نماز میں ایک ہی قرأت کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ نیز امام کسائی وغیرہ کی قرأت امالہ کے ساتھ نماز میں نہیں پڑھنی چاہئے؛ اس لئے کہ جو لوگ فن قرأت سے واقف نہیں ہیں، وہ اس طرح کی قرأت سے تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس کی فقہاء نے ممانعت فرمائی ہے اور سب سے بہتر اور افضل یہی ہے کہ نماز کے اندر اطمینان کے ساتھ حفص قرأت کی جائے جیسا کہ ائمہ حرمین کرتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۲۹۷، احسن الفتاوی ۳/۸۱)

ويجوز بالروايات السبع؛ لكن الأولى أن لايقرأ بالغريبة عند العوام صيانة لدينهم، وتحته في الشامية: أي بالروايات الغريبة والإمالات؛ لأن بعض السفهاء يقولون مالايعلمون، فيقعون في الإثم والشقاء، ولاينبغي للأئمة أن يحملوا العوام على مافيه نقصان دينهم، ولايقرأ عندهم مثل قراءة أبي جعفر وابن عامر وعلي بن حمزة والكسائي صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون أويضحكون، وإن كان كل القراء ات صحيحة فصيحة، ومشائخنا اختاروا قراءة أبي عمرو وحفص عن عاصم. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/٢٦٢، كراچي ١/٥٤١، هندية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، زكريا ١/٧٩، جديد ١/١٣٦ تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، زكريا ٢/٧٢، رقم: ١٧٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۵ھ

فرض کی دو بھری اور خالی رکعتوں کا مطلب

سوال [۲۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عوام میں کہا جاتا ہے کہ فرض کی دو رکعت بھری اور دو رکعت خالی پڑھی جاتی ہیں، اس کا کیا مطلب ہے بیان کریں؟

المستفتی: محمد محبوب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: چونکہ حدیث شریف میں ایسا ہی آیا ہے کہ آنحضور ﷺ دو رکعت بھری اور دو رکعت خالی پڑھا کرتے تھے؛ اس لئے صرف دو ہی رکعت بھری پڑھنی لازم ہے۔

عن عبد الله بن أبي قتادةؓ، عن أبيه: أن النبي صلى الله عليه وسلم: كان يقرأ في الظهر في الأوليين بأم الكتاب، وسورتين، وفي الركعتين الأخريين بأم الكتاب ويسمعنا الآية، ويطول في الركعة الأولى ما لايطول في الركعة الثانية، وهكذا في العصر، وهكذا في الصبح. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب يقرأ في الآخريين بفاتحة الكتاب ١/١٠٧، رقم:٧٦٨، ف:٧٧٦)

عن أبي قتادةؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم، كان يقرأ في الركعتين الأوليين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة، ويسمعنا الآية أحيانا ويقرأ في الركعتين الأخريين بفاتحة الكتاب. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر والعصر، النسخة الهندية ١/١٨٥، بيت الأفكار رقم: ٤٥١)

وضم سورة في الأوليين من الفرض، وفي جميع ركعات النفل، والوتر الخ. (تنوير الأبصار مع الدرالمختارعلى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب كل شفع من النفل صلاة، زكريا ٢/١٥٠، كراچي ١/٤٥٩،

مطبوعه کوئٹه، ۱/ ۳۳۸، فتاوی دارالعلوم ۲/ ۱۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۸۴)

فرض کی دوسری رکعت میں سورۃ ملانے کے بجائے تیسری میں ملانا

سوال [۲۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض کریں کہ اگر فرض نماز میں پہلی یا دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت ملا کر نہ پڑھے یاد آنے پر تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ ملا کر سجدہ سہو کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احمد اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں نماز اداء اور صحیح ہو جائے گی۔

(مستفاد: بہشتی زیور اختری ۲/ ۳۷، فتاوی دارالعلوم ۴/ ۳۹۹، امداد الفتاوی ۱/ ۱۷۰)

فإن قرأ في الأوليين بفاتحة الكتاب ولم يقرأ بالسورة قرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب والسورة الخ (فتاوی تاتار خانیه، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراء ة، زکریا ۲/ ۷۲، رقم: ۱۷۹٤، ۱/ ٤٥۹، هدایه، کتاب الصلاة، فصل في القراء ة، اشرفي ۱/ ۱۱٦)

ولو قرأ الفاتحة وحدها وترک السورة یجب علیه سجود السهو الخ

(فتاوی عالمگیري، کتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زکریا ۱/ ۱۲٦، جدید ۱/ ۱۸٦، تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبه امدادیه ملتان ۱/ ۱۹۳، زکریا ۱/ ٤۷۳، ٤۷٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۸۰)

فرض کی پہلی ۲؍رکعت اور نفل کی چاروں میں سورۃ ملانا

سوال [۲۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) فرض نماز کی چار رکعتوں میں سے دو رکعت بھری ہوئی اور دو رکعت خالی کیوں؟

(۲) سنتوں کی چاروں رکعت بھری ہوئی کیوں؟

(۳) یہ سلسلہ کب سے ہے؟

المستفتی: حافظ نعمت حسین، خازن مدرسہ فیض رسال (عرف فیض العلوم) سلیم پور گڈھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) درحقیقت ہجرت سے قبل مکۃ المکرّمہ میں مشقت وتنگی کے زمانہ میں جب نماز فرض ہوئی تھی، تو فجر، ظہر، عصر، عشاء سب میں دو دو رکعتیں مقرر ہوئی تھیں اور ہر رکعت میں قرأت بھی فرض کر دی گئی تھی۔

اب رہ جاتی ہے مغرب کی نماز تو اگر اس میں بھی دو رکعت مقرر کیجاتی تو جفت لازم آجاتا اور اللہ تعالیٰ کو طاق اور وتر ہی پسندیدہ ہے۔

عن عاصم عن عليؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أهل القرآن أوتروا فإن الله وتر يجب الوتر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب استحباب الوتر، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۰، دار السلام رقم:)

اس لئے طاق کو باقی رکھتے ہوئے مغرب میں تین رکعات مقرر کی گئیں دو رکعت میں قرأت کو فرض کر دیا گیا اور آخری رکعت کو خالی رکھا گیا۔ اب پانچوں نمازوں میں کل گیارہ رکعتیں ہوئیں۔

قالت عائشةؓ: فرض الله الصلوة حين فرضها ركعتين ركعتين في الحضر والسفر، فأقرت صلوة السفر وزيد ف صلوة الحضر. وفي رواية

إلا المغرب، فإنها كانت ثلاثًا. (حجة الله البالغة، كتاب الصلاة، باب الأمور التي لابد منها في الصلاة ۲/۳۸-۷۲)

اور جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینۃ المنورہ تشریف لے گئے اور کفار کی طرف سے ہونے والی مشقتیں اور تنگیاں دور ہوگئیں، اسلام اپنی جگہ مظبوط ہوگیا، حضور ﷺ کے اصحاب زیادہ ہوگئے لوگوں کی رغبتیں طاعت واسلام کی طرف بڑھ گئیں تو ظہر، عصر، عشاء میں دو دو رکعتیں مزید اضافہ کردی گئیں؛ لیکن ان میں قرأت فرض نہیں کی گئی تھی؛ بلکہ خالی رکھی گئی تھیں اور چونکہ سفر میں مشقت وتنگی غالب ہی رہتی ہے؛ اس لئے اس میں نماز کی رکعتوں کو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھا گیا اضافہ نہیں کیا گیا اور حضر میں بلا قرأت صرف عدد رکعت کا اضافہ کیا گیا ہے اور چونکہ فجر کا وقت نوم وغفلت کا وقت ہے؛ اس لئے اس میں طول قرأت کو تو مسنون کردیا گیا؛ لیکن عدد رکعات کا اضافہ نہیں کیا گیا، ان وجوہات کی بنا پر دو رکعت بھری اور دو رکعت خالی رکھی گئیں ہیں۔

وقد علمت فيما سبق أن الأحد عشر بين الأعداد شبها بالوتر الحقيقي، ثم هاجر النبي صلى الله عليه وسلم واستقرت الإسلام وكثر أهله وتوفرت الرغبات في الطاعة زيدت ست ركعات وأبقيت صلوة السفر على النمط الأول. (حجة الله البالغة ۲/۷)

عن عائشة قالت: اول فرضت الصلوة ركعتين، ركعتين فلما قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة وصل إلى كل صلوة مثلها غير المغرب، فإنها وتر النهار وصلوة الصبح بطول قرأتها، وكان إذا سافر عاد إلى صلوة الأول. (طحاوي شريف، كتاب الصلاة، باب صلوة المسافر، النسخة الهندية ۱/۲۷۷، بيروت رقم:۲۳۴۸)

(۲) سنتوں میں ہر دو رکعت الگ الگ مستقل نماز ہوتی ہے؛ اس لئے ہر رکعت میں قرأت کرنا لازم ہے۔

كل سنة نافلة الخ. (الدر المختار، كراچي ١/٤٥٩، زكريا ٢/)

(۳) یہ سلسلہ ہجرت کے بعد سے جاری ہوا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ۲/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۴۳/۲۵)

بوقت جماعت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کی آواز کتنی تیز رکھیں؟

سوال [۲۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز اتنی تیز کر دینا کہ قرأت کی آواز مسجد سے باہر تک جائے ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عقیل ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لاؤڈ اسپیکر کی آواز اتنی تیز کرنے کی گنجائش ہے کہ جس سے تمام نمازیوں تک آواز پہونچ جائے، مگر بے ضرورت نمازیوں کے حدود سے دور دور تک پہونچانا ناجائز اور ممنوع ہے؛ اس لئے کہ اس میں سب سننے والے توجہ نہیں دے پاتے۔

أنه يجب على القارئ احترامه، بأن لايقرأه في الأسواق ومواضع الاشتغال الخ (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، قبيل سجدة التلاوة، مطبع لاهور پاكستان٤٩٧، شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، زكريا٢/٢٦٨، كراچي١/٥٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۸۳/۳۳)

امام کا بلند آواز سے تکبیر کہنا اور قرأت کرنا

سوال [٢٥٧٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے یہاں امام صاحب کی تکبیر اور قرأت بہت زیادہ بلند آواز سے ہوتی ہے، جس کی آواز دور دور تک جاتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمود الحق، بہار شریف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قرأت کرنا جائز ہے؛ البتہ اتنا جہر کرنا جو نماز میں تشویش کا باعث بنے یا باعث ایذاء ہو مکروہ ہے۔

والأولى أن لا يجهد نفسه بالجهر بل بقدر الطاقة؛ لأن إسماع بعض القوم يكفي،...... كلما زاد الإمام أو المنفرد في الجهر في صلاة الجهر فهو أفضل، بعد أن لايجهد نفسه، ولايؤذي غيره، وإن زاد على حاجة المقتدي. (حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، دارالكتاب ديوبند جديد ٢٥٣، قديم١٣٧)

ويجهر الإمام وجوبا بحسب الجماعة. وفي الشامية: لو زاد على الحاجة فهو أفضل إلا إذا أجهد نفسه أو آذى غيره الخ (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، زكريا٢/٢٤٩، كراچي ١/٥٣٢، عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، ١/٧٢، جديد ١/١٢٩، احسن الفتاوى٣/٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا ربیع الثانی ١٤٠٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٤/ ١١٧٨)

ایک آیت کوٹکڑے کر کے پڑھنے اور ترنم سے قرأت کرنے کا حکم

سوال [۳۷۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام صاحب جہری نماز میں قرآن کریم کی آیت مقدسہ کوٹکڑے کر کے پڑھیں جیسے: **ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل – تتنزل علیهم الملائکة الاتخافوا– الا تخافوا ولاتحزنوا – ولاتحزنوا وأبشروا بالجنة – وأبشروا بالجنة التي کنتم توعدون** اس طرح فرض نماز میں کرنا درست ہے یا نہیں اور اس طرح کرنے سے نماز میں کوئی کراہت تو نہیں ہوگی؟

دوران نماز لب ولہجہ اور آواز کو مترنم وخوبصورت بنانے کے لئے قرآن کریم کے کسی کلمہ کو اس قدر گلے بازی کے ساتھ پڑھنا کہ ایک مد کی جگہ تین مد کی مقدار آواز نکلے مثلاً ملائکة کی جگہ ملآئکة یا اسر آئیل کی جگہ اسر آئیل پڑھا جائے تو کیا اس طرح پڑھنے کی اجازت ہے؟

المستفتی: محمد اعظم لال مسجد سرائے ترین سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: درمیان آیت یا لفظ کے درمیان میں سانس توڑنے کی عادت امر مکروہ ہے اور بعض دفعہ فساد صلوۃ کا بھی اندیشہ ہوجاتا ہے، مثلاً جہاں پر جملہ فعلیہ منفیہ ہو اس کے ماَ یا لاَ پر جا کر سانس توڑ دیتا ہے، فعل کا استعمال نہیں کرتا ہے، پھر پیچھے سے لوٹاتا ہے یہ نہایت قبیح ترین قرأت ہے، اس سے گریز کرنا لازم ہے اور سوال نامہ میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں، اس میں جو ٹھہرنے کی شکل دکھائی گئی ہے اور پھر پیچھے سے لوٹانے کی شکل دکھائی گئی ہے یہ بھی امر قبیح ہے، ایسا پڑھنے والا کہیں نہ کہیں جا کر ایسی جگہ سانس توڑے گا جہاں فساد صلوۃ کا اندیشہ ہوجائے اور اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو؛ اس لئے اس

طرح قرأن پڑھنے والے کوصحیح طریقہ سے پڑھنے کی عادت ڈالنی ضروری ہے، مذکورہ طریقہ سے پڑھنا غلط طریقہ ہے، اس غلط طریقہ کوختم کر کے قرآن صحیح پڑھنے کی مشق کرنی چاہئے اور پیچھے سے لوٹا کے پڑھنے کا جواصول ہے وہ نہایت مجبوری کے تحت کبھی اتفاقی طور پر درمیان سانس ٹوٹ جانے کی صورت میں پیچھے سے لوٹانے کا حکم ہے؛ لیکن قرآن کی ہرآیت میں یا اکثر آیتوں میں اس طرح کا عمل درست نہیں ہے۔ (مستفاد: التحفة المرضية في شرح المقدمه الجزريه/ ۱۲۷)

ومثله في القبح الوقف على قوله فبهت الذي كفر والله وللذين لايؤمنون بالآخرة مثل السوء ولله وإن الله لايستحي وإن الله لايهدي، وإن الله لايحب ولايبعث الله وشبهه؛ لأن المعنى يفسد بفصل ذلک مما بعدهٗ من قوله لايهدي القوم الظالمين والمثل الأعلى وأن يضرب مثلا. (المكتفي في الوقف والإبتداء ۱/ ۱۵۰)

دوران نماز لب ولہجہ کوخوبصورت بنانے کے لئے مدمتصل ومنفصل کو پانچ الف سے زیادہ کھینچنا امرمکروہ ہے اس سے باز آنا چاہئے اوراگر پانچ الف تک کھینچتا ہے تواس کی گنجائش ہے۔

والحاصل أنه لايجوز الزيادة على مقدار خمس ألفات إجماعا فما يفعله بعض الأئمة وأكثر المؤذنين فمن أقبح البدعة وأشد الكراهة (المنح الفكريه شرح المقدمة الجزريه ۵٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۹ھ

قراءت سر کی تعریف

سوال [۲۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مفتی بہ قول کے مطابق سر کی کیا تعریف ہے؛ جبکہ صاحب شرح وقایہ نے یہ لکھا ہے کہ جس کو خود قاری سنے اگر مفتی بہ قول یہی ہے تو تعامل ناس تو اس پر ہے نہیں، میری مراد قراء ة في صلوة الظهر والعصر ہے کہ پوری نماز میں دو چار لفظوں کے سوا کچھ بھی قاری کو سنائی نہیں دیتا ہے، تو کیا تعامل ناس کے پیش نظر کچھ تخفیف ہو سکتی ہے، اگر نہیں تو جو حضرات حسب عادت سالہا سال سے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں ان کی نماز کا کیا ہوگا اور اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؛ جبکہ شریعت میں جہالت کوئی عذر نہیں؟

المستفتی: محمد شاکر، متعلم مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد، پٹکا پور کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سر کی تعریف میں حضرات فقہاء کے درمیان قدرے اختلاف ہے کہ حضرت امام ابوجعفر ہندوانیؒ کے نزدیک سر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پڑھنے والا اپنی آواز خود سنے اور جہر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے کو سنائی دے اور حضرت امام ابوالحسن کرخیؒ کے نزدیک سر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حروف صحیح ہو جائیں چاہے آواز سنائی نہ دے اور یہ سر کا ادنیٰ اور اقصیٰ درجہ ہے۔

ثم المخافتة أن يسمع نفسه والجهر أن يسمع غيره، وهذا عند الفقيه أبي جعفر الهندواني؛ لأن مجرد حركة اللسان لايسمى قراءة بدون الصوت. وقال الكرخي: أدنىٰ الجهر أن يسمع نفسه، وأدنىٰ المخافتة تصحيح الحروف؛ لأن القراءة فعل اللسان دون الصماخ الخ (هدايه، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، اشرفي ۱/۱۱۷)

اور حضرت علامہ شامی نے حضرت امام فقیہ ابوجعفر ہندوانیؒ کے قول کو مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔

وإن ماقاله الهندواني أصح وأرجح لاعتماد أكثر علمائنا عليه الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في الكلام على الجهر والمخافتة، زكريا ۲/۲۵۳، كراچي ۱/۵۳٤)

اور علامہ بدرالدین عینیؒ نے حضرت امام ابوالحسن کرخیؒ کے قول کو زیادہ صحیح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔

قالوا و قول الكرخي: أقيس وأصح الخ (بناية شرح هداية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، اشرفيه ٢/ ٣٠١، ١/ ٦٩٨)

اور شرح وقایہ میں جو لکھا گیا ہے وہ حضرت امام ابوجعفر ہندوانیؒ کا قول ہے اور جو لوگ سری نماز میں اس طرح پڑھتے ہیں کہ صرف حروف کی ادائیگی صحیح ہوتی ہے اور سنائی نہیں دیتی ہے ان کی نماز امام کرخیؒ اور ابوبکر بلخیؒ وغیرہ کے قول کے مطابق صحیح ہو جاتی ہے اور تعامل ناس کی وجہ سے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے اس لئے کوئی اشکال کی ضرورت نہیں اور ان کی نماز شرعاً صحیح اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۸۹/۲۷)

کیا فرض نماز میں لقمہ نہیں دے سکتے؟

سوال [۲۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض نماز میں اگر امام صاحب کہیں سے بھول جائیں اور پیچھے سے اگر کوئی لقمہ دے تو وہ کیسا ہے؛ اس لئے کہ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ فرض نماز میں لقمہ نہیں دیا جاتا؟

اگر امام صاحب بھول گئے اور کسی نے لقمہ دیا اور امام صاحب نے لقمہ لے لیا اور پھر سجدہ سہو بھی کرلیا، کیا نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقیوم، جامعہ نعیمیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنے امام کو بھول جانے پر لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی چاہے فرض نماز ہو یا تراویح وغیرہ۔

عن المسور بن یزیدؓ، قال: شهدت رسول الله صلی الله علیه وسلم: قرأ في الصلاة فتعابي في آية، فقال رجل: يا رسول الله! إنک ترکت آية، قال: فهلا أذکرتنيها؟ قال: ظننت أنها قد نسخت، قال: فإنها لم تنسخ.
(صحیح ابن حبان، دارالفکر ٦/٤، رقم:٢٢٣٨، المعجم الکبیر للطبراني، دارإحیاء التراث العربي ٢٠/٢٧، رقم:٣٤)

أن الفتح علی إمامه لایوجب فساد صلوة أحد لاالفاتح ولاالآخذ مطلقا في کل حال الخ (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، زکریا ٢/١٠، کوئٹه ٢/٦، الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلاة، الفصل الخامس مایفسد الصلاة ومالایفسد ٢/٣٢٥، رقم: ٢٢٣٦، المحیط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الخامس، مایفسد الصلاة، ومالایفسد، المجلس العلمي جدید ٢/١٥٤، رقم:١٤٥٧، ١٤٥٨)

ہاں البتہ بھولتے ہی فوراً لقمہ دینا مکروہ ہے۔

ویکره أن یفتح من ساعته الخ (شامي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها، زکریا ٢/٣٨٢، کراچي ١/٦٢٣)

ولاینبغي للمقتدي أن یفتح علی الإمام من ساعته؛ لأنه ربما یتذکر الإمام من ساعته. (المحیط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الخامس، باب ما یفسد الصلوٰة ومالایفسد، المجلس العلمي جدید ٢/١٥٥، رقم:١٤٥٨)

اگر امام کو بھول بھی گئی اور مقتدی کے لقمہ دینے پر لقمہ لے لیا تو نماز میں کوئی خرابی نہیں آئی اور سجدہ سہو کی ضرورت بھی نہیں؛ لیکن اگر پھر سجدہ سہو کرلیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

عن سالم بن عبد الله بن عمر عن أبیهؓ، أن النبي صلی الله علیه وسلم صلی صلاة، فالتبس علیه، فلما فرغ قال لأبي: أشهدت معنا؟ قال: نعم قال: فما منعک أن تفتحها علي. (صحیح ابن حبان، دارالفکر ٤/٦، رقم: ٢٢٣٩، المعجم الکبیر للطبراني ١٢/٣١٣، رقم:١٣٢١٦)

قیل لاتفسد وبه یفتی الخ (شامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، قبیل باب الاستخلاف، زکریا۲/ ۳۵۰، کراچي ۱/ ۵۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۵۷۵)

امام کو لقمہ دینے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی

سوال [۲۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام فرض نمازوں میں قرأت کررہا تھا اور تین آیتیں پڑھنے کے بعد بھول گیا مقتدی نے اس کو بتادیا تو کیا نماز میں کسی طرح کی خرابی آئی ہے یا نہیں۔ نیز بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام کو لقمہ نہیں دینا چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ دینا چاہئے، مہربانی فرماکر اس کی بالتفصیل تشریح فرمادیں عین نوازش ہوگی؟

المستفتی: عبدالرشید، محلّہ چودھریان، گڑھی سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کی غلطی یا بھول پر مقتدی کے لئے فرض یا تراویح ہر نماز میں لقمہ دینا جائز ہے اور مقتدی یا امام کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی اور یہ لقمہ چاہے تین آیتیں پڑھنے سے پہلے ہو یا بعد میں ہر صورت میں جائز ہے۔

عن المسور بن یزید المالکي، أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم -قال یحی- وربما قال: شهدت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: یقرأ في الصلاة، فترک شیئا لم یقرأہ، فقال له رجل: یا رسول اللہ! ترکت آیة کذا وکذا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هلا أَذْکَرْتَنِیْهَا، قال سلیمان في حدیثه قال: کنت أراها نسخت. (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب الفتح علی

الإمام في الصلاة، النسخة الهنديه ۱/ ۱۳۱، دارالسلام رقم:۹۰۷، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۲/ ۷۹۵، رقم:۱٦٤۷، صحيح ابن حبان، دارالفكر ۳/ ۲٦۱، رقم: ۲۲٤۰، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۲۰/ ۲۷، رقم:۳٤)

عن عبد الله بن عمرؓ، أن البني صلى الله عليه وسلم صلى صلاة، فقرأ فيها فلبس عليه، فلما انصرف قال لأبي: أصليت معنا؟ قال: نعم، قال: فما منعک؟(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الفتح على الإمام، النسخة الهنديه ۱/ ۱۳۱، دارالسلام رقم:۹۰۷،صحيح ابن حبان، دارالفكر ۳/ ۲٦۱، رقم: ۲۲٤۱، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱۲/ ۳۱۳، رقم:۱۳۲۱٦)

عن أبي عبد الرحمنؒ، عن علي رضي الله عنه، قال: إذا استطعمک الإمام فأطعمه. (المصنف لإبن أبي شيبه، كتاب الصلاة،باب من رخص في الفتح على الإمام مؤسسه علوم القرآن ۳/ ۵۳۰، رقم:٤۸۲۹)

فتحه على إمامه، فإنه لايفسد مطلقا لفاتح و آخذ بكل حال الخ (وتحته في الشامي: أي سواء قرأ الإمام قدر ماتجوز به الصلاة أم لاانتقل إلى آية أخرى أم لا، تكرر الفتح أم لا هو الأصح الخ (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، زكريا۲/ ۳۸۱، ۳۸۲، مصري ۱/ ۵۸۲، كراچي ۱/ ٦۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳۵۴/۲۷)

امام کو سبحان اللہ اور اللہ اکبر سے لقمہ دینا

سوال [۲۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جماعت میں امام کو لقمے کی ضرورت پڑے تو سبحان اللہ سے لقمہ دینا کیسا ہے؟

اوراللہ اکبر سے لقمہ دینا کیسا ہے؟ مسنون کیا ہے؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سبحان اللہ کے ذریعہ لقمہ دینا حدیث وفقہ کی کتابوں میں صراحت سے موجود ہے اور فقہ کی بعض عبارات سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ اللہ اکبر کے ذریعہ سے بھی لقمہ دینا جائز ہے۔

عن سهل بن سعد الساعديؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم......من نابه شيئ في صلاته، فليسبح فإنه إذا سبح التفت إليه، وإنما التصفيق للنساء. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تقديم الجماعة من يصلى بهم......النسخة الهنديه ١/ ١٧٩، بيت الأفكار رقم: ٤٢١)

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: التسبيح للرجال والتصفيق للنساء. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التصفيق للنساء ١/ ١٦٠، رقم: ١١٨٩، ف:١٢٠٣، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسبيح الرجل وتصفيق المرأة إذانابهما شئ في الصلاة، النسخة الهنديه١/ ١٨٠، بيت الأفكار رقم: ٤٢٢)

وإذا أخبر بما يعجبه، فقال سبحان الله أو لاإله إلا الله أو الله أكبر إن لم يرد به الجواب لاتفسد صلوته عند الكل. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، ويكره فيها وفيه فصلان، زكريا ١/ ٩٩، جديد ١/ ١٥٨)

ولو استأذن رجل المصلى......فجهر بالقراءة أو قال الحمد لله ......أو الله أكبر لاتفسد صلاته وكذا لو سبح......لقوله: من نابه شئي في الصلاة فليسبح متفق عليه. (غنية المستملي، كتاب الصلاة، فصل القراءة خارج الصلاة، مكتبه لاهور ٤٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۳۰)

امام کوغلط لقمہ دینا

سوال [۲۵۷۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض نماز میں اگر کوئی شخص امام صاحب کولقمہ دیدے تو نماز ہو جائے گی، یادوبارہ پڑھی جائے گی اور امام صاحب ٹھیک پڑھ رہے تھے، اس شخص نے ہی لقمہ غلط دیا امام نے لقمہ نہیں لیا، مگر اس شخص کے تین چار مرتبہ لقمہ دینے پر امام نے لقمہ لے لیا تو کیا نماز درست ہو جائے گی؟

المستفتی: ارشاد احمد کالا پیادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نماز میں امام کولقمہ دینا مطلقاً درست ہے اس سے کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی خواہ امام مقدار فرض پڑھ چکا ہو یا نہ پڑھا ہو؛ لہٰذا نماز کا اعادہ واجب نہ ہوگا اور اگر امام کو ایسا غلط لقمہ دیا جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، تو ایسا لقمہ دینے سے نماز فاسد ہو جائے گی اور مشابہت کی وجہ سے دوسرا ایسا لقمہ دیا جو مفسد صلوۃ نہ ہو، تو ایسا لقمہ لینے سے نماز وفاسد نہ ہوگی۔

إن الفتح على إمامه لايوجب فساد صلوة أحد لاالفاتح ولاالآخذ مطلقا في كل حال الخ (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، زكريا ٢/ ١٠، كوئٹه ٢/ ٦)

والصحيح أنه لاتفسد صلاة الفاتح بكل حالٍ ولاصلاة الإمام لو أخذ منه على الصحيح. (هنديه، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها، زكريا ١/ ٩٩، جديد ١/ ١٥٧)

وإن فتح على إمامه فقد قيل إن فتح بعد ماقرأ الإمام مقدار ماتجوزبه الصلاة تفسد......والصحيح أنه لاتفسد صلاة الفاتح ولاصلاة الإمام إن أخذ بقوله. (حلبي كبيري، كتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، لاهور ٤٤٠)

اور مقتدی کو چاہئے کہ امام کو لقمہ دینے میں عجلت نہ کرے؛ بلکہ انتظار کرے کہ خود امام ہی اس غلطی کو نکال لے ایسے ہی امام کو بھی کسی آیت کا بار بار اعادہ کر کے یا خاموش کھڑا رہ کر مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے، اگر مقدار فرض قرأت کر چکا ہو تو رکوع کر لے یا کوئی دوسری آیت، سورت پڑھنا شروع کر دے۔

قالوا يكره للمقتدي أن يفتح على إمامه من ساعته وكذا يكره للإمام أن يلجئهم إليه، بأن يقف ساكنا بعد الحصر أو يكرر الأية؛ بل يركع إذا جاء الخ (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، زكريا ۲/ ۱۰، كوئٹه ۲/ ٦، الفتاوى التاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل الخامس مايفسد الصلاة، ومالا يفسد ۲/ ۲۲٦، رقم: ۲۲۳۷، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس مايفسد الصلاة، ومالايفسد، المجلس العلمي ۲/ ۱۵۵، رقم: ۱٤۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲۱ھ

اگر امام کو یقین ہو تو مقتدیوں کے قول کا اعتبار نہیں

سوال [۲۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تیسری آیت مالک یوم الدین امام سے سہواً چھوٹ گئی؛ لیکن دوران نماز کسی نے بھی لقمہ نہیں دیا مجھے یہ محسوس ہوا کہ وہ آیت ضرور چھوٹی ہے؛ لیکن مجھے بھی لقمہ دینے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوئی، نماز ختم ہونے کے بعد اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا؛ چنانچہ میں بھی خاموش رہ گیا کہ شاید میرا شک رہا ہو، جب نماز پڑھ کر مسجد سے باہر آیا تو چند لوگوں نے مجھ پر طنز کیا کہ آپ بزرگ لوگ اگلی صف میں امام کے قریب رہتے ہیں؛ لیکن امام کی غلطی پر دھیان نہیں دیتے، میں نے جب پوچھا کیا غلطی ہوئی

تو انہوں نے جواب دیا کہ امام نے پہلی رکعت کی سورۂ فاتحہ میں مالک یوم الدین چھوڑ دیا ہے نماز تو فاسد ہوگئی، تب میرا شک یقین میں بدل گیا کہ واقعی امام سے غلطی ہوئی ہے؛ کیوں کہ میں نے بھی ٹھیک وہی غلطی محسوس کی تھی؛ چنانچہ میں ان لوگوں کو لے کر امام کے پاس مسجد میں آیا اور صورت حال سے آگاہ کیا امام نے جواب دیا کہ میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے اور بالکل صحیح پڑھا ہے تو میں نے پھر کہا کہ چھ چھ نمازیوں کو ایک ہی غلطی کا احساس ہوا، تو کیا وہ غلط اور جھوٹ ہے، اس پر امام نے زور دے کر کہا کہ جب میں نے غلطی کی اور آپ لوگوں نے محسوس کیا تو نماز میں کیوں نہیں لقمہ دیا یا نماز کے فوراً بعد کیوں نہیں تذکرہ کیا، یہ آپ لوگوں کا شک ہے، جن کو شک ہے وہ اپنی نماز دہرالیں۔

مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں واضح جواب ارشاد فرمائیں کہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں۔ نیز امام کا چھ چھ نمازیوں کے ایک ہی بیان کے مقابلہ میں اپنی بات پر اڑے رہنا کیا یہ درست تھا، اصولی بات تو یہی ہے کہ جب چھ نمازیوں کو ایک ہی مخصوص آیت کے چھوٹ جانے کا شبہ ہوا تو یقیناً یہ حقیقت تھی، یہ الگ بات ہے کہ دوران نماز نہ کسی نے لقمہ دیا اور نہ ہی نماز کے بعد فوراً کسی نے تذکرہ کیا؟

المستفتی: شفیع الرحمٰن بیگوسرائے (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ امام یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ نماز میں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے؛ لہٰذا نماز درست ہو جائے گی اور مقتدیوں کے قول کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ نیز امام کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی یقینی رائے پر جما رہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۵۱/۴، امداد الفتاوی ۵۴۴/۱)

ولو اختلف الإمام والمؤتمون، إن كان على يقين لايأخذ بقولهم، وإلاأخذبه، وإن كان معه بعضهم أخذ بقوله. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، قبيل باب سجود التلاوة، دارالكتاب ديو بند جديد ٤٧٦، قديم ٢٥٩)

ولو اختلف الإمام والقوم أي وقع الإختلاف بينهم وبينه كأن قالوا صليت ثلاثا وقال بل أربعًا......أخذ بقول الإمام. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، قبيل باب صلاة المريض، زكريا۲/۵٦۳، كراچي۲/۹٤)

ولو وقع الإختلاف بين الإمام والقوم، فقال القوم صليت ثلاثا، وقال الإمام صليت أربعاً إن كا الإمام على اليقين لايعيد الصلاة بقولهم، وإن لم يكن على يقين يعيد الصلاة بقولهم. (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، قبيل الباب السادس في الحدث في الصلاة، زكريا۱/۹۳،جديد ۱/۱۵۱)

لو وقع الإختلاف بين الإمام والقوم إن كان الإمام على يقين لايعيد وإلا أعاد بقولهم. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود سهو، زكريا ۲/۱۹۳، كوئٹه ۲/۱۰۹، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل۱۸ مسائل الإختلاف الواقع بين الإمام والقوم زكريا۲/٤۳٦، رقم:۲۹۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۷۷۸/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۱۷ھ

مقتدی کا غلط لقمہ دینا

سوال [۲۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام سے ایسا سہو ہوا جس سے سجدۂ سہولازم نہیں آتا تھا، مگر مقتدی نے لقمہ دے دیا تو ایسی صورت میں آیا مقتدی کی نماز فاسد ہوگی یا امام کی بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: محمد معروف سیتا پوری، متعلم دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں امام ومقتدی دونوں کی نماز درست ہوگئی کسی کی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۲۲۹)

ولـوظـن الإمـام السهـو فسـجـدله. (تحته في الشاميه) **وفي الفيض: وقيـل: لاتـفسد وبه يفتى وفي البحر عن الظهيرية قال الفقيه أبو الليث: في زماننا لاتفسد؛ لأن الجهل في القراء غالب.** (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل باب الإستخلاف، زكريا۲/ ۳۵۰، كراچي ۱/ ۵۹۹)

والـصـحـيـح أنهـا لاتـفسد صلاة الفاتح بكل حالٍ ولاصلاة الإمام لو أخـذ مـنه على الصحيح. (هـنـديـه، كتـاب الـصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها،زكريا ۱/ ۹۹، جديد ۱/ ۱۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۷۱)

غلط لقمہ قبول کرنے سے نماز کا حکم

سوال [۲۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض نماز میں اگر کوئی شخص امام صاحب کولقمہ دیدے تو نماز ہوجائے گی یادوبارہ پڑھی جائے گی؛ جبکہ امام صاحب ٹھیک پڑھ رہے تھے، اس شخص نے ہی غلط لقمہ دیا اورامام نے لقمہ نہیں لیا، مگراس شخص کے تین چار مرتبہ لقمہ دینے پرامام نے لقمہ لے لیا تو کیا نماز درست ہوجائے گی؟

المستفتی: ارشاد احمد کالا پیادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض مقتدیوں میں سے کسی کے لقمہ دینے سے نہ امام کی نماز فاسد ہوگی اور نہ لقمہ دینے والے کی، اگر چہ لقمہ دینے والے نے غلط لقمہ ہی کیوں نہ دیا ہو۔

عن سالم عن أبيه، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، صلى صلاة فالتبس عليه فيها، فلما انصرف، قال لأبي بن كعب: أصليت معنا؟ قال: نعم، قال: فما منعك أن تفتح علي. (المعجم الكبير للطبراني دار احياء التراث العربي ۱۲/۳۱۳، رقم: ۱۳۲۱۶، صحيح ابن حبان، دارالفكر۳/ ۲۶۱، رقم: ۲۲٤۱)

والصحيح أنها لاتفسد صلاة الفاتح بكل حالٍ ولاصلاة الإمام لو أخذ منه على الصحيح. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها، زكريا ۱/۹۹، جديد ۱/۱۵۷، شامي كراچي، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها ۱/۶۲۲،زكريا۲/ ۳۸۱، فتاوى دارالعلوم ديو بند ۲/ ۲۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۸۴)

نماز کے دوران بچے کے کہنے پر کسی مقتدی کا زور سے تکبیر کہنا

سوال [۲۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسجد میں مائک میں نماز پڑھا رہا تھا، مسجد دومنزلہ ہے اتفاق سے نماز کی نیت باندھتے ہی مائک خراب ہوگیا اوپر آواز نہیں پہونچ پارہی تھی، ایک بچہ نے اوپر سے آواز دی کہ ایک آدمی زور سے تکبیر کہدے اس بچہ کی آواز آنے کے بعد جب امام صاحب نے سورۂ فاتحہ اور ضم سورۃ کے بعد رکوع کے لئے تکبیر کہا تو پیچھے سے ایک مقتدی نے زور سے تکبیر کہنا شروع کردیا اور مکبر نے جو تکبیر کہی ہے وہ بچہ کے آواز دینے سے تقریباً چار پانچ منٹ بعد کہی ہے، تو کیا ایسی صورت میں غیر نمازی کے لقمہ کے حکم میں ہوکر مکبر اور اس کی تکبیر پر عمل کرنے والوں کی نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں اور سب کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: قاری محمد زکریا، مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچہ کے آواز دینے کے بعد اگر مکبر نے بچہ کی آواز کی پیروی نہیں کی؛ بلکہ آواز سن کر خود اس کے اندر زور سے تکبیر کہنے کا احساس اور داعیہ پیدا ہوا ہے اور خود ضرورت محسوس کرتے ہوئے تکبیر کہنا شروع کر دیا ہے، تو کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی سب کی نماز صحیح اور درست ہو چکی ہے اور حضرات فقہاء نے اس کے لئے حد فاصل اور فرق یہ بیان کیا ہے کہ اگر آواز دینے والے کے آواز دیتے ہی فوراً تکبیر کہدیا ہے، تو یہ پیروی کی علامت ہے اور اگر فوراً تکبیر نہیں کہا؛ بلکہ کچھ توقف کر کے تکبیر کہا ہے تو پیروی میں داخل نہ ہوگا؛ بلکہ خود اپنی طرف سے ضرورت کا احساس شمار ہوگا؛ اس لئے مذکورہ صورت میں کسی کی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۳۳، فتاوی رحیمیہ ۶/ ۳۵۲)

حتى لو امتثل أمر غيره، فقيل له تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فوسع له فسدت؛ بل يمكث ساعة، ثم يتقدم برأيه (درمختار) وفي الشامي: وإن حصل تذكره من نفسه لابسبب الفتح لاتفسد مطلقا و كون الظاهر أنه حصل بالفتح لايؤثر بعد تحقق أنه من نفسه الخ. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، زكريا٢/ ٣٨١- ٣٨٢، كراچي ٦٢٢/١، الموسوعة الفقهيه الكويتيه ٣٢/ ١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۴/ ۱۴۱۳ھ

لقمہ دینے پر تکبیر کہنے والے کی نماز کا حکم

سوال [۲۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز عصر کی پہلی رکعت میں امام ومقتدی حالت رکوع میں تھے کہ دوسری منزل

سے آواز آئی کہ کوئی صاحب تکبیر زور سے کہد واوپر آواز نہیں آرہی ہے، اس پر زید نے جو مستقل مقتدی ہے، یہ سوچ کر کہ لوگوں کی نماز خراب نہ ہو **ربنا لک الحمد** سے تکبیر شروع کی نماز مکمل ہوگئی، اس پر بکر نے بلند آواز سے کہا کہ جن صاحب نے تکبیر کہی ہے ان کی نماز فاسد ہوگئی اور ساتھ میں جن لوگوں نے اوپر نماز پڑھی ان کی نماز بھی فاسد ہوگئی، اس پر کافی بحث ومباحثہ ہوا، آپ سے استدعاء ہے کہ جواب دیں کہ نماز فاسد ہوئی یا درست ہوئی؟

المستفتی: مختار احمد گلی نمبر ۲/ کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے یہ سمجھ کر درمیان نماز میں تکبیرات کہنی شروع کیں؛ تاکہ لوگوں کی نمازیں خراب نہ ہوں اور آواز دینے والے کے حکم کی محض تعمیل نہیں کی؛ بلکہ خود سوچ سمجھ کر یہ عمل کیا، جیسا کہ سوال سے یہ واضح ہوتا ہے، تو اس صورت میں زید اور زید کی تکبیر کی پیروی کرنے والے نمازیوں میں سے کسی کی بھی نماز فاسد نہیں ہوئی۔

لو امتثل أمر غيره، فقيل له تقدم فتقدم أو دخل فرجة الصف أحد فوسع له فسدت؛ بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه. وفي الشامي: مسجد كبير يجهر المؤذن فيه بالتكبيرات...... فجهر المؤذن إن قصد جوابه، فسدت صلوته. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، زكريا ٢/٣٨١، كراچي ١/٦٢٢، الموسوعة الفقهيه الكويتيه ١٥/٣٢)

وينبغي للمصلي أن يمكث ساعة، ثم يتقدم برأيه. (البنايه، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايفسد، اشرفيه ديوبند، حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، كوئٹه ١/٢٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۱ھ

بغل میں نماز پڑھنے والا کوئی رکن چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے حامد کے بغل میں نماز پڑھی زید سے نماز میں کوئی رکن فوت ہو گیا جو اس کو یاد نہیں رہا؛ لیکن حامد جو اس کے بغل میں ہے اس کو معلوم ہے تو کیا حامد کے ذمہ زید کے اس چھوٹے ہوئے رکن کی یاد دہانی کرا کے نماز کا اعادہ کروانا واجب ہے یا اس کو یونہی چھوڑ دے، ظاہری بات ہے کہ زید کو اپنے فوت شدہ رکن کے متعلق مطلقا خبر نہیں ہے، تو نماز حقیقت میں ہوئی نہیں، اللہ تعالیٰ اس کو بعذر نسیان معاف کر دے تو یہ اور بات ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حامد پر زید کو مطلع کرنا ضروری ہے یا مستحب یا کچھ اور؟

المستفتی: عبدالباسط اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید سے نماز کا کوئی رکن فوت ہو گیا اور زید کو یاد بھی نہیں ہے، حامد جو اس کے بغل میں ہے اس کو معلوم ہے کہ زید نے فلاں رکن چھوڑ دیا ہے تو حامد کو اسے توجہ دلا دینی چاہئے؛ تا کہ وہ دوبارہ اپنی نماز کا اعادہ کر لے۔

ويجب الأداء بلا طلب لو الشهادة في حقوق الله تعالى. (در مختار مع الشامي، كتاب الشهادات، زكريا ۸/۱۷۵، كراچي ۵/٤٦٣)

عن زيد بن خالد الجهني رضـ، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ألا أخبركم بخير الشهداء؟ الذي يأتي بشهادته قبل أن يسألها. (صحيح مسلم، الأقضيه، باب بيان خير الشهود، النسخة الهنديه ۲/۷۷، بيت الأفكار رقم: ۱۷۱۹)

عن زيد بن الخالد الجهني رضـ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ألا أخبركم بخير الشهداء؟ الذي يأتي بشهادته قبل أن يسألها أو يخبر بشهادته قبل أن يسألها. (المعجم الكبير للطبراني،

دار إحياء التراث العربي ٥ /٢٣٢، رقم: ٥١٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۹۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۷/۱۴۲۷ھ

تین رکعت پر سلام پھیرنے والے کو برابر والے کا لقمہ دینا

سوال [۲۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص رباعی نماز پڑھ رہا تھا بھولے سے تین رکعت پر سلام پھیر دیا چار رکعت سمجھ کر، برابر میں ایک شخص بیٹھا تھا اس کو معلوم تھا کہ یقیناً اس نے تین رکعت پر سلام پھیرا ہے، اب اس برابر والے شخص پر اس مصلی کو بتلانا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد القدیر ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رباعی نماز میں اگر کوئی شخص بھول کر تین رکعت پر سلام پھیر دے اور برابر والے کو اس کا صحیح علم بھی ہو تو اس صورت میں اس برابر والے کے بتانے کی وجہ سے اگر اپنی نماز پوری کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، ہاں البتہ اگر برابر والے نے بتا دیا ہے اور یہ بیٹھ کر تھوڑی دیر سوچتا رہے اور بیٹھ کر اسے خود یاد آجائے اور خود یاد آنے کی وجہ سے کھڑا ہو جائے تو یہ شخص بتانے کی وجہ سے نہیں کھڑا ہوا؛ بلکہ یاد آنے کی وجہ سے کھڑا ہوا ہے؛ لہٰذا اس کی نماز درست ہو جائے گی۔

أخذ المصلي غير الإمام بفتح من فتح عليه مفسد أيضا. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، كراچي ١/٦٢٢، زكريا ٢/٣٨١، نعماني ١/٤١٨)

لو امتثل أمر غيره، فقيل له تقدم فتقدم (إلى) فسدت؛ بل يمكث ساعة، ثم يتقدم برأيه. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، زكريا ٢/٣٨١، كراچي ١/٦٢٢)

إن حصل التذكر بسبب الفتح تفسد مطلقا: أي سواء شرع في التلاوة قبل تمام الفتح، أو بعده لوجود التعلم، وإن حصل تذكره من نفسه لا بسبب الفتح لاتفسد مطلقا. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، زكريا ۳۸۱/۲، كراچي ۶۲۲/۱،الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۵/۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۰۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۹ھ

تین آیات کے بقدر پڑھنے کے بعد مقتدی کا لقمہ دینا

سوال [۲۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام نے واجب مقدار سے زائد قرأت کرلی، پھر بھول گیا پیچھے سے متقدی نے لقمہ دیا اور امام نے لقمہ قبول کرلیا تو نماز صحیح ہوئی یا اعادۂ صلوۃ ضروری ہے؟ قرآن حدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں؟

المستفتی: محمد نذیرالدین، مونگیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نماز صحیح ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۲۹۹/۱)

والصحيح أنها لاتفسد صلاة الفاتح بكل حالٍ ولاصلاة الإمام لو أخذ منه على الصحيح. (فتاوى عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، زكريا ۹۹/۱، جديد ۱۵۷/۱، ومايكره فيها،شرح كبيرى، كتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، سهيل اكيڈمي، لاهو ۴۴۰، مكتبه رحيميه قديم ۴۱۷)

إن الفتح على إمامه لايوجب فساد صلوة أحد لاالفاتح ولاالآخذ مطلقًا في كل حالٍ الخ (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، زكريا ۱۰/۲،

کوئٹہ۲/۶، الفتاوی التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس مايفسد الصلاة ومالايفسد۲/۳۲۵، رقم: ۲۲۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۴/۲۴)

عصر میں جہراً سورۂ فاتحہ پڑھنے پر مقتدی کا اردو میں لقمہ دینا

سوال [۲۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر کی نماز میں امام سے سہواً الحمد بالجہر شروع ہوگئی اور ایک ڈیڑھ سطر بلند آواز سے پڑھ کر امام رک گیا، پیچھے سے ایک مقتدی نے لقمہ اس طرح دیا کہ ''عصر کی نماز ہے جی'' دوبار کہہ دیا مگر یہ کہہ کر مقتدی نے نیت توڑ کر دوبارہ نیت باندھلی یہی سوچ کر نیت توڑی کہ لقمہ غلط طریقے پر دیا گیا ہے، تو امام، مقتدی کی نماز کیسے ہوئی، امام کو مقتدی کے بولنے پر خلجان سا ہوا اور تلاوت سے رک کر آہستہ الحمد شریف شروع کردی؟

المستفتی: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب امام نے عصر کی نماز میں جہری قرأت شروع کردی اور پیچھے سے کسی نے اردو زبان میں لقمہ دیا عصر کی نماز ہے جی، تو ایسی صورت میں صرف لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگی، امام اور دوسرے مقتدیوں کی نماز درست ہوگئی۔ نیز امام کا تھوڑی دیر رک کر آہستہ قرأت اس بات کی دلیل بھی ہے کہ امام نے اس مقتدی کا لقمہ نہیں لیا خود سوچ کر کے آہستہ قرأت کی ہے؛ البتہ امام پر سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے۔

إذا نسي الإمام شيئا من الصلاة، فقال له أحد المأمومين أنت نسيت كذا، فإن صلاته تبطل باتفاق ثلاثة من الأئمة. (الفقه على المذاهب الأربعة،

کتاب الصلاۃ، التکلم عمدا لاصلاح الصلاۃ، دارالفکر ۱/ ۲۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۰۲/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱۴ھ

قرآن میں دیکھ کر لقمہ دینے سے کیا نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

سوال [۱۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ریاض سعودی عرب کی ایک مسجد میں نائب امام ہے اور حنفی المسلک ہے، تراویح بھی پڑھاتا ہے اور زید تراویح میں بغیر دیکھے پڑھتا ہے؛ لیکن یہاں کے عام معمول کے مطابق مقتدی حضرات قرآن کریم لے کر کھڑے ہوتے ہیں اور غلطی آنے پر مقتدی دیکھ کر ہی لقمہ دیتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ تراتح درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عارف قاسمی، مقیم ریاض سعودیہ عربیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نماز تراویح میں امام حنفی المسلک ہے اور مقلدی حنبلی یا مالکی یا غیر مقلد ہیں جن کے یہاں تراویح اور نوافل میں قرآن دیکھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے، تو ایسے مقتدی اگر حنفی امام کو قرآن دیکھ کر لقمہ دیں اور امام لقمہ لے لے، تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مقتدی کا لقمہ لینا تو جائز نہیں ہے لیکن مقتدی کا لقمہ لینا جائز ہے اور مسئلہ مذکورہ میں سلفی لوگ باضابطہ مقتدی ہیں اور ان کی اقتداء بھی صحیح ہے اور وہ نماز ہی کے اندر ہوتے ہیں اور ان کی نماز بھی فاسد نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا ایسے مقتدی اگر اپنے مسلک کے مطابق قرآن دیکھ کر لقمہ دیں تو جانبین کی نماز صحیح اور درست ہو جائے گی؛ اس لئے کہ وہ اپنے مسلک میں داخل نماز ہیں اور امام اپنے مسلک میں داخل نماز ہے؛ لہٰذا دونوں فریق نماز میں ایک ساتھ شامل ہیں۔

وبــه قـال الشـافـعي: وأحـمـد، وعـند مالک، وأحمد. في روایة لاتفسد في النفل. (اعلاء السنن، کتاب الصلاۃ، باب فساد الصلاۃ بالقراءۃ من المصحف بیروت ٥/٦٢، مطبوعة کراچي ٥/٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۴۰/۳۸)

نماز میں سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا اولی ہے یا وصل کرنا

سوال [۲۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا اولی ہے یا وصل کرنا، اگر اول صورت ہے تو پھر وقف فرائض کے ساتھ خاص ہے یا سنن ونوافل سب کو عام ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گانوڑی، بڑھاپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: احادیث شریفہ سے واضح ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا وصل کے مقابلہ میں افضل اور اولی ہے، ترمذی شریف اور مسند امام احمد کی روایت اس سلسلہ میں صاف اور واضح ہے۔

عـن أم سـلـمةؓ أنهـا سـئـلـت عن قراءۃ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فقالت كان يقطع قرأته اٰية اٰية بسم اللہ الرحمن الرحيم○ الحمد للہ رب العلمين○ الرحمن الرحيم○ مالک يوم الدين○ الحديث (مسند امام أحمد ٦/٣٠٢، رقم: ٢٧١١٨)

عن أم سلمةؓ، قالت: كان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، يقطع قرأته يـقـرأ الـحـمد للہ رب العلمين، ثم يقف، الرحمن الرحيم، ثم يقف الحديث

(ترمذی شریف، ابواب القراءۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، النسخة الهندية ٢/١٢٠، دارالسلام رقم: ٢٩٢٧)

اورسوال میں یہ بات بھی پوچھی گئی ہے کہ فرائض اورنوافل میں کچھ فرق ہے یانہیں؟ تو اس سلسلہ میں فقہاء کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ فرائض اورنوافل میں کچھ فرق ہے کہ فرائض میں ہرآیت پروقف کرتے ہوئے ترسل اورتدبر کیساتھ قرأت کرنا افضل معلوم ہوتا ہےاورتراویح میں تدویر کی قرأت اختیار کرنا افضل معلوم ہوتا ہےاورعام نوافل میں ہرطرح کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کا لحاظ بہرحال ضروری ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے، اس کے معنی اورمطالب بخوبی سمجھ میں آتے رہیں۔

القراء ة على ثلاثة أوجه في الفرائض على التؤدة، والترسل، والتدبر حرفا حرفا، وفي التراويح يقرأ بقراء ة الأئمة بين التؤدة والسرعة وفي النوافل بالليل له أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم وذلک مباح. (غنية المستملي في شرح منيةالمصلي تتمات فيما يكره من القرآن،اشرفيه ديوبند ٤٩٤)

وفي الحجة: يقرأ في الفرض بالترسل حرفًا حرفًا،وفي التراويح بين بين، وفي النفل ليلاله أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين و سنة كفاية زكريا ٢/ ٢٦٢، كراچي ١/ ٥٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ۶۳۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۲ھ

نماز کی مسنون سورتیں

سوال [۲۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امامت کرتا ہے کوئی صاحب ان کو جلدی جلدی نماز پڑھانے پر مجبور کرتے ہیں، جس کی وجہ سے نمازیوں کو شکایت ہے کہ اتنی جلدی نماز کیوں اداء کی جاتی ہے

اور امام صاحب سے پوچھنے پر وہ فرماتے ہیں کہ بھائی ہمیں مجبور کیا جاتا ہے میں مجبور ہوں کیا کروں اور ان صاحب کے کہنے کے وجہ سے امام صاحب بھی جلد سے جلد نماز پڑھاتے رہتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں امام صاحب کے لئے ایسا کرنا صحیح ہے؛ چنانچہ ان صاحب کے کہنے کی بنا پر نماز فجر میں سورۂ انشراح، سورۂ والضحیٰ، سورۂ قدر، سورۂ تکاثر، سورۂ ہمزہ اور اس جیسی سورتوں کی تلاوت کرتے ہیں، ان سورتوں کا پڑھنا امام صاحب کے لئے فجر میں اگرچہ جائز ہے؛ لیکن مستحب اور اولیٰ کیا ہے؟

مغرب اور عشاء میں بھی ان سورتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور فجر میں بھی اکثر و بیشتر ان سورتوں کی تلاوت کرتے ہیں، مستحب اور اولیٰ کیا ہے؟ اس کو تحریر فرمائیں۔ اور کون سی نماز کتنے وقت میں کم از کم ادا کرنی چاہئے؟ ان سوالوں کا جواب اچھے انداز میں تحریر فرمائیں؛ تاکہ امام صاحب بھی اپنے آپ کو متنبہ کرسکیں اور مقتدیوں کے اعتراض کا خاتمہ بھی ہوجائے۔

المستفتی: متولی حکیم شاکر علی خاں، کوثر علی خاں، بھٹی محلّہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں بحالت اقامت امام ومنفرد کے لئے فجر وظہر میں طوال مفصل پڑھنا مسنون ہے: یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں یا ان سورتوں کی مقدار کسی دوسری جگہ سے پڑھنا مسنون ہے اور عصر وعشاء میں اوساط مفصل: یعنی سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک کی سورتیں یا ان سورتوں کے مقدار کسی اور جگہ سے پڑھنا مسنون ہے اور قرآن کریم کو ترتیل سے پڑھنا بھی ضروری ہے۔

ویسن في الحضر لإمام، ومنفرد، ذكره الحلبي والناس عنه غافلون طوال المفصل من الحجرات إلى آخر البروج في الفجر، والظهر ومنها إلى اٰخر لم يكن أوساطه في العصر والعشاء وباقيه قصاره في المغرب الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، زكريا ۲/ ۲٦۰، كراچي ۱/ ٥٤۰)

واستحسنوا في الحضر طوال المفصل في الفجر، والظهر، وأوساطه في العصر، والعشاء، وقصاره في المغرب، كذا في الوقاية، وطوال المفصل من الحجرات إلى البروج والأوساط من سورة البروج إلى لم يكن والقصار من سورة لم يكن إلى الآخر، هكذا في المحيط والوقاية ومنية المصلي.

(هنديه، كتاب الصلاة، باب في صفة الصلاة،الفصل الرابع في القراءة ۱/۷۷، جديد زكريا ۱/۱۳۵)

عن سليمان بن يسارؒ، عن أبي هريرةؓ، أنه قال: ماصليت وراء أحد بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، أشبه صلاة برسول الله صلى الله من فلان، قال سليمان: كان يطيل الركعتين الأوليين من الظهر، ويخفف الأخريين، ويخفف العصر، ويقرأ في المغرب بقصار المفصل، ويقرأ في العشاء بوسط المفصل، ويقرأ في الصبح بطوال المفصل. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۳۰۰، رقم:۷۹۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۶۸/۲۶)

ظہر میں اوساط مفصل اور عشاء میں طوال مفصل پڑھنا

سوال [۲۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی آدمی ظہر میں اوساط مفصل اور عشاء میں طوال مفصل پڑھے تو اس طرح پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل کی سورتیں

پڑھنا سنت ہے، اگر کوئی اوساط مفصل سے پڑھتا ہے، تو ترک سنت کی بناء پر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور عشاء کی نماز میں طوال مفصل سے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کسی قسم کی کراہت نہیں، ہاں اگر امام ہو اور مقتدیوں پر گرانی ہو تو طوال مفصل سے نہ پڑھے اوساط مفصل ہی سے پڑھے۔

عن أبي هريرةؓ، أنه قال: ماصليت وراء أحد بعد رسول الله أشبه صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم من فلان، قال سليمان: كان يطيل الركعتين الأوليين من الظهر، ويخفف الأخريين، ويخفف العصر، ويقرأ في المغرب بقصار المفصل، ويقرأ في العشاء بوسط المفصل، ويقرأ في الصبح بطوال المفصل. (مسند أحمد ۲/ ۳۰۰، رقم:۷۹۷۸)

ويسن في الحضر لإمام، و منفرد طوال المفصل من الحجرات إلى آخر البروج في الفجر والظهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين و سنة كفاية، زكريا۲/ ۲٦۰، كراچي۱/ ٥٤۰)

وفي الحضر: استحسنوا طوال المفصل في الفجر والظهر، وأوساطه في العصر والعشاء، وقصاره في المغرب، ومن الحجرات طواله إلى البروج ومنها أوساطه إلى لم يكن،ومنها قصاره إلى الآخر. (شرح وقايه، كتاب الصلاة، فصل في القراء ة، اشرفي ديو بند۱/ ۱٥۰)

والجملة فيه،أنه ينبغي للإمام أن يقرأ مقدار مايخف على القوم ولايثقل عليهم بعد أن يكون على التمام. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، زكريا ۱/٥۹٦، كوئٹه۱/ ۳٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۶۹/۳۴)

نماز میں ترتیب وار قرآن پڑھنا

سوال [۲۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ترتیب وار قرآن کو پڑھنا چاہتا ہے فرض نمازوں کے اندر؛ جبکہ خود وہ امام ہے فرض نمازوں میں سے بھی صرف جہری کے اندر برائے کرم جواب باصواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: شمیم احمد قصبہ کوری روانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہری نماز میں ترتیب وار مقدار مسنونہ کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن کریم پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ لیکن مقتدیوں کی رعایت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ نیز زیادہ اولیٰ اور مستحسن مفصلات میں سے پڑھنا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۴۱۴، جدید زکریا ۳/۴۶۰)

وقوله تعالىٰ: ﴿فَاقْرَئُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ [سورة مزمل: ۲۰]

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إذا صلى أحدكم للناس فليخفف، فإن فيهم الضعيف، والسقيم، والكبير، وإذا صلى أحدكم لنفسه فليطول ماشاء. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشاء ۱/۹۷، رقم: ۶۹٤، ف۷۰۳)

لابأس أن يقرأ في الأولىٰ من محل وفي الثانية من آخر ولو من سورة. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في القراءة خارج الصلاة، كراچي ۱/۵٤۶، زكريا ۲/۲۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۶/۹ھ

خلاف ترتیب قراءت کرنا

سوال [۲۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے فجر کی نماز پڑھائی، پہلی رکعت میں سورۂ قیامہ کا ایک رکوع پڑھا اور دوسری رکعت میں سورۂ مؤمنون کی آخری آیات **أفحسبتم أنما خلقناكم عبثا وأنكم إلينا لاترجعو ن الخ** پڑھا تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اس طرح نماز درست ہوجاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم، محمد پور گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں نماز درست ہوگئی؛ البتہ نماز میں اس طرح خلاف ترتیب قرأت کرنا مکروہ ہے۔

وإذا قرأ في ركعة سورة وفي الركعة الأخرىٰ، أو في تلك الركعة سورة فوق تلك السورةيكره. (هنديه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراء ة، زكريا ١/٧٨، جديد زكريا ١/١٣٦، شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، كراچي ١/٥٤٧، زكريا ٢/٢٦٩)

وإذا قرأ في ركعة سورة وفي الأخرى سورة فوق تلك السورة، أوقرأ في ركعة سورة، ثم قرأ في تلك الركعة سورة أخرىٰ فوق تلك السورة يكره. (الفتاوى التاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراء ة، زكريا ٢/٦٨، رقم:١٧٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۲۵/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

کیا قرأت میں تواتر آیات شرط ہے؟

سوال [۲۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ کیا نماز میں تواتر آیت شرط ہے یا نہیں: یعنی اگر کسی شخص کی نماز میں دوسری یا تیسری آیت چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی یا اعادۂ صلوۃ ضروری ہے؟

(۲) اگر آیت کے چھوٹ جانے کی حالت میں نماز ہو جاتی ہے، پھر کسی کے کہنے سے اعادۂ صلوۃ کرتا ہے تو مسبوقین کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: فضل اللہ، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نماز میں تواتر قرأت سنت ہے؛ لہٰذا قرأت شروع کرنے کے بعد پہلی یا دوسری آیت کے بعد کوئی آیت چھوٹ جائے تو اس کی دو شکلیں ہیں۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ بالقصد چھوڑ دے اس کے بعد آگے سے پڑھنا شروع کردے یا کوئی دوسری سورت پڑھنا شروع کردے، تو اس طرح بالقصد کرنے سے نماز میں کراہت لازم آتی ہے، مگر نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے اور اگر عذر اور بھول ونسیان کی وجہ سے ہوتا ہے تو کراہت بھی نہیں ہے اور دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے۔

وإذا انتقل من آیة إلی آیة أخری من سورة أخری، أو من هذه السورة وبینهما آیات یکره. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، فصل في القراءة ۲/۶۷، رقم: ۱۷۶٤)

وكذا لو انتقل إلی اٰیة أخری من تلک السورة وترک بینهما شیئا...... وأما إذا کان عذر کان حضر بعد تلک الآیة قبل أن یتم سنة القراءة،

فلايكره الإنتقال إلى آية أخرى من تلك السورة، أو من سورة أخرى للعذر، هذا إن انتقل قصداً، فإن انتقل من غير قصد، ثم تذكر ينبغي أن يعود ذكر في القنية، وإن لم يعد فلا كراهة أيضا لعدم القصد. (صغيرى، مطبع مجتبائي دهلي، ۱۹۲، كبيري، كتاب كراهية الصلاة، فروع في الخلاصة جديد، اشرفيه ديو بند ۳٦۳، قديم ۳۵۰)

(۲) آیت کے چھوٹ جانے کی وجہ سے نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے؛ لیکن اگر پھر بھی اعادہ کیا جائے تو اس نماز میں بعد میں آنے والوں کو شریک نہیں ہونا چاہئے، اگر شریک ہو جائیں، تو ان کا فرض ادا نہیں ہوگا، ان کو اپنی نماز دہرانی لازم ہے۔

فإن كانت تلك الكراهة كراهة تحريم تجب الإعادة، أو تنزيه تستحب. (هنديه، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و ما يكره فيها، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، زكريا ۱/ ۱۰۹، جديد زكريا ۱/ ۱٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۹۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۳ھ

درمیانی سورت میں ایک آیت پر چھوڑ کر پڑھنے کا حکم

سوال [۲۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اما صاحب نماز مغرب پڑھا رہے تھے، سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۂ قارعہ پڑھے، نتیجہ یہ ہوا کہ یوم یکون الناس پڑھ دیا تو اس طرح نماز درست ہو جائے یا اعادۂ صلوۃ لازم ہے؟ کیا تین آیت کا تواتراً پڑھنا ضروری ہے یا مختلف سورۃ سے تین آیت پڑھ دیں تب بھی نماز ہو جائے گی؟

المستفتی: دلشاد احمد سپولوی، معرفت: معراج احمد، دورۂ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں تواتر قرأت سنت ہے؛ لہٰذا قرأت شروع کرنے کے بعد پہلی دوسری آیت کے بعد کوئی آیت چھوڑ جائے، تو اس کی دو شکلیں ہیں:

ایک شکل تو یہ ہے کہ بالقصد چھوڑ دے، اس کے بعد آگے سے پڑھنا شروع کردے یا کوئی دوسری سورۃ پڑھنا شروع کردے، تو اس طرح بالقصد کرنے سے نماز میں کراہت لازم آجاتی ہے، مگر نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے اور اگر عذر اور بھول ونسیان کی وجہ سے ہوتا ہے، تو کراہت بھی نہیں ہے اور دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے۔

وکذا لو انتقل إلی آیة أخریٰ من تلک السورۃ وترک بینهما شیئًا، وأما إن حصر بعد ذلک الآیة قبل أن یتم سنة القراء ة، فلا یکره الانتقال إلی اٰیة أخریٰ من تلک السورۃ أو من سورۃ أخریٰ للعذر، هذا إن انتقل قصدًا فإن انتقل من غیر قصد، ثم تذکر ینبغي أن یعود ذکر في القنیة: وإن لم یعد فلا کراهة أیضاً لعدم القصد. (صغیري، مطبع مجتبائی دهلی ۱۹۲، کبیري، فصل في بیان الذي یکره فعله في الصلوۃ وما لا یکره قدیم ۳۵۰، جدید اشرفیة دیوبند ۳۶۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲ھ

کیا نماز پنجگانہ، تراویح اور سنن ونوافل میں ترتیل لازم ہے؟

سوال [۲۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عالم دین کا کہنا ہے کہ جس طرح تراویح کی نماز میں قرأت ترتیل کے ساتھ تیزی سے کی جاتی ہے، اسی طرح قرأت فرض نمازوں میں ہونی چاہئے، یعنی تراویح

فرض، واجب، سنت، نفل، جہری، سری سب نمازوں میں قرأت یکساں ترتیل کے ساتھ ہونی چاہئے، کیا زید عالم دین کا یہ کہنا درست ہے یا فرض اور سنت، نفل، جہری یا سری نمازوں میں قرأت میں کچھ فرق ہے؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم کی تلاوت کی رفتار کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) **ترتیل و ترسیل:** جو انتہائی ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔

(۲) **تدویر:** اس میں ترتیل کے مقابلہ میں رفتار کچھ تیز ہوتی ہے۔

(۳) **حدر:** اس میں تدویر سے بھی رفتار کچھ تیز ہوتی ہے، مگر مخارج وادائیگی ولہجہ سب کی رعات کی جاتی ہے اور قرآن کریم کو خارج صلاۃ اور داخل صلاۃ مذکورہ تینوں طریقوں کے مطابق پڑھنا بلا تکلف و بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ ہاں البتہ فقہاء نے فرض نمازوں کے لئے ترتیل وترسیل کو زیادہ بہتر کہا ہے اور تراویح کے لئے تدویر یا حدر کو بہتر کہا ہے، اس کا مطلب یہ کہ اگر تراویح میں ایک پارہ پڑھا جائے تو تدویر کے ساتھ پڑھنا چاہئے اور اگر دو یا تین تین پارے پڑھے جائیں تو حدر کے ساتھ پڑھنا زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے کہ تین پارہ پڑھنے کی شکل میں اگر ترتیل وترسیل کے ساتھ پڑھا جائے، تو سامعین مشقت محسوس کریں گے اور باجماعت نمازوں میں مقتدیوں کی رعایت بھی امر مطلوب ہے۔

وفي فتاوی الحجة: ثم القراءة علی ثلاثة أوجه في الفرائض علی التؤدة والترسل، والتدبر حرفا حرفا، وفي التراويح يقرأ بقراءة الأئمة بين التؤدة والسرعة، وفي النوافل بالليل له أن يسرع بعد أن يقرأ كمايفهم وذلک مباح. (الفتاوی التاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، فصل في القراءة جديد، زكريا ٢/٦٧، رقم:٢١٧٦، قديم كراچي ١/٤٥٢)

وفي الحجة: يقرأ في الفرض بالترسل حرفا حرفا، وفي التراويح بين بين، وفي النفل ليلا له أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنةعين وسنة كفاية، زكريا۲/۲٦۲، كراچي ۱/٥٤۱)

عن أبي هريرة رضـ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إذا أم أحدكم الناس فليخفف، فإن فيهم الصغير، والضعيف، والمريض الخ. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء إذا أم أحدكم الناس فليخفف، النسخة الهندية ٥٥۱، دارالسلام رقم: ۲۳٦)

عن أنس بن مالك رضـ، قال: ألا أصلي بكم صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فصلى بهم صلوة حسنة لم يطول فيها. (مسند أحمد ۳/۱۹۷، رقم: ۱۳۰٦۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۶ھ

فجر کی پہلی رکعت دوسری سے کتنی لمبی ہونی چاہئے؟

سوال [۲۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عام کتب فقہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت کی بہ نسبت طویل کرنا سنت ہے؛ لیکن اس کی مقدار کیا ہوگی؟

نیز دوسری رکعت پہلی رکعت سے پونی ہو یا آدھی فقہی اعتبار سے یہ تعبیر درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو اس کا حوالہ کیا ہے؟ نیز حوالہ کے ساتھ عبارت بھی تحریر فرمادیں بڑی مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد اسماعیل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی پہلی رکعت دوسری رکعت کی بہ نسبت طویل ہونی چاہئے اور اس طوالت کی مقدار حتمی طور پر متعین نہیں ہے؛ بلکہ دوسری رکعت پہلی رکعت کے مقابلہ میں پونی بھی ہوسکتی ہے، یعنی ایک چوتھائی چھوٹی ہو اور دوثلث کے برابر بھی ہوسکتی ہے اور نصف بھی ہوسکتی ہے، یعنی آدھی اور ایک ثلث بھی ہوسکتی ہے، یعنی تین حصہ کر کے ایک حصہ کے برابر اور حسب ضرورت اس سے بھی چھوٹی ہوسکتی ہے؛ اس لئے اس میں کافی گنجائش ہے؛ لہٰذا دوسری رکعت پہلی رکعت کے مقابلہ میں پونی اور آدھی ہونا بھی جائز ہے اور فقہی اعتبار سے اس تعبیر میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عن أبي قتادة قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يقرا في الركعتين الأولين من صلاة الظهر بفاتحة الكتاب وسورتين، يطول في الأولىٰ ويقصر في الثانية، ويسمع الأية أحيانا، وكان يقرأ في العصر بفاحة الكتاب وسورتين،وكان يطول في الركعة الأولىٰ من صلوة الصبح، ويقصر في الثانية. (صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب القراءة في الظهر١/١٠٥ رقم: ٧٥٠، ف٧٥٩، مسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة في الظهر، والعصر، النسخة الهندية ١/١٨٥، بيت الأفكار رقم:٤٥١)

وتطال أولىٰ الفجر على ثانيتها بقدر الثلث، وقيل: النصف ندبًا فلوفحش لا بأس به فقط بأن تكون زيادة (درمختار) "بقدر الثلث" بأن تكون زيادة ما في الأولىٰ على ما في الثانية بقدر ثلث مجموع ما في الركعتين، كما في الكافي حيث قال: الثلثان في الأولىٰ والثلث في الثانية. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، كراچي ١/٥٤١، زكريا ٢/٢٦٢، ٢٦٣)

قال أبوحنيفةؒ في الجامع الصغير: ويطول الركعة الأولىٰ من الفجر

علی الثانية، ويجب أن يعلم أن إطالة القراء ة في الركعة الأولیٰ علی الثانية من الفجر مسنونة بالإجماع......بعد هذا قد اختلف المشائخ بعضهم قالوا: ينبغي أن يكون التفاوت بينهما بقدر الثلث، والثلثين، والثلثان في الأولی، والثلث في الثانية. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، فصل في القراء ة، زكريا ۲/۷۳، رقم:۱۷۸۵)

وفي شرح الطحاوي: وينبغي أن يقرأ في الأولی بثلاثين آية، وفي الثانية بقدر عشر آيات وعشرين......وإن كان فاحشا بأن يقرأ في الأولیٰ سورة طويلة، وفي الثانية ثلاث آيات لا بأس به. (هندية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراء ة، زكريا ۱/۷۸، جديد زكريا ۱/۱۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۵۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۴/۱۴۳۲ھ

ایک رکعت میں مکمل سورۃ پڑھنا اولیٰ ہے

سوال [۲۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چودہویں پارہ کی چند آیتیں **ان إبراهيم** سے **وإنه في الآخرة لمن الصالحين** تک پہلی رکعت میں پڑھی، دوسری رکعت میں سورۂ قریش پارہ ۳۰؍ سے پڑھی مغرب کی نماز میں، اب صحیح مسئلہ بیان فرمائیے کہ یہ خلاف اولیٰ ہوا یا نہیں؟

المستفتی: حافظ طفیل احمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اولیٰ اور افضل ہر رکعت میں پوری سورت کا پڑھنا ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت غیر اولیٰ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۳/۷۲، فتاوی دار العلوم ۲/۲۴۶)

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: ما من سورة في المفصل صغيرة ولا كبيرة، إلا قدسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقرؤها في الصلاة كلها. (المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي ۱۲/ ۲۸۰، رقم: ۱۳۳۵۹)

عن عائشةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ في صلوة المغرب بسورة الأعراف، فرقها في ركعتين. (سنن نسائي، كتاب الصلاة، باب القراء ة في المغرب، النخسة الهندية ۱/ ۱۱٤، دار الفكر رقم:۹۹۲)

الأفضل أن يقرأ في كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة في المكتوبة ......ولو قرأ بعض السورة في ركعة والبعض في ركعة قيل يكره، وقيل لايكره،وهو الصحيح؛ ولكن لاينبغي أن يفعل، ولوفعل لابأس به. (عالمگيري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراء ة، زكريا ۱/ ۷۸، جديد زكريا ۱/ ۱۳۵)

الأفضل أن يقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورة تامة، ولوقرأ بعض السورة في ركعة، والبعض في ركعة، بعض مشايخنارحهم الله قالوا: يكره؛لأنه خلاف ماجاء به الأثر، وفي الغياثية: وكأنهم أرادوا بذلك سورة قصيرة، وروي عن أصحابنا، أنه لايكره، وفي الظهيرية: هو الصحيح، وفي الخلاصة: لايكره؛ ولكن لاينبغي أن يفعل، ولو فعل لابأس به. (الفتاوى التاتارخانية،كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، فصل في القراءة جديد، زكريا۲/ ٦٦، رقم: ۱۷۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

پہلی رکعت میں سورۂ زلزال دوسری میں عادیات کے درمیان افلایعلم سے پڑھنا

سوال [٢٥٩٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے مغرب کی نماز پڑھائی پہلی رکعت میں سورۂ زلزال پڑھا اوردوسری رکعت میں سورۂ عادیات کے درمیان سے یعنی **افلایعلم** سے پڑھا تو کیا نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد صابر حسین مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی؛ البتہ درمیان میں چھوٹی سورۃ یا چند آیات جو پہلی رکعت میں پڑھی گئی سورۃ یا آیت سے کم ہو قصداً چھوڑ دینا مکروہ ہے اوراگر شروع سے ہی درمیان سورۃ سے پڑھا اور بالقصد دوتین آیتیں چھوڑ دیا تو بھی مکروہ ہے، مگر نماز دونوں صورتوں میں ہو جائے گی اوراگر بھولے سے ایسا کیا تو نماز مکروہ بھی نہیں ہے۔

ویکره الفصل بسورة قصيرة، وأن يقرأ منكوسا. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية، كراچي ١/٥٤٦، زكريا ٢/٢٦٩)

والفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد، فلو سهواً فلا كما في شرح المنية. (مستفاد: امداد الفتاوى، زكريا ١/٢٢٦، أيضا١/ ٢٦٠)

إذا جمع بين السورتين بينهما سورة واحدة في ركعة واحدة فإنه يكره، وفي الذخيرة: بالإتفاق، وإن كان في الركعتين، فإن كان بينهما سور لايكره، وإن كانت سورة واحدة، قال بعضهم يكره، وقال بعضهم: إن كانت السورة طويلة، لايكره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض

الصلاۃ، فصل في القراء ۃ جدید زکریا ۲/ ٦٨، رقم: ١٧٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۷/ ۱۴۱۹ھ

پہلی رکعت میں سورۂ زلزال اور دوسری میں والعٰدیات پڑھنا

سوال [۲٦۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ امام عشاء کی نماز میں پہلی رکعت کے اندر سورۂ **زلزال** اور دوسری رکعت میں سورۂ **والعدیات** پڑھتا ہے۔

(۲) نماز عشاء میں ہی پہلی رکعت میں سورۂ **اعلیٰ** اور دوسری میں سورۂ **غاشیة** پڑھتا ہے۔

(۳) نماز فجر میں پہلی رکعت کے اندر سورۂ **نبا** دوسری رکعت میں سورۂ **نازعات** پڑھتا ہے، تو کیا ان تینوں صورتوں میں پہلی رکعت میں چھوٹی سورۃ، دوسری رکعت میں بڑی سورۃ ہونے کی وجہ سے جو کہ سنت کے خلاف ہے نماز میں کراہت آئے گی یا نہیں، یا ان تین صورتوں میں سے کسی خاص صورت میں کراہت ہے یا تینوں میں نہیں؟

المستفتی: عبد اللہ خان، متعلم مدرسہ تعلیم القرآن چاند پور بجنور (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کے لئے دو ضابطہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) بڑی سورتوں میں رکعت ثانیہ میں سات آیتوں تک کی زیادتی مکروہ نہیں ہے اور چھوٹی سورتوں میں تین آیتوں تک کی زیادتی مکروہ نہیں ہے اور اس سے زائد کی زیادتی مکروہ ہوتی ہے۔

عن النعمان بن بشیرؓ، قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: یقرأ في العیدین، وفي الجمعة، بسبح اسم ربک الاعلی، وهل اتاک حدیث

الغاشية الحديث. (مسلم، كتاب الجمعة، باب في قراءة سورة الجمعة والمنافقين، النسخة الهندية ١/٢٨٨، بيت الأفكار رقم: ٨٧٨)

وتكره الزيادة الكثيرة، وأما ما روي أنه عليه الصلاة والسلام قرأ في الأولىٰ من الجمعة بسبح اسم ربک الأعلى، وفي الثانية هل أتاک حديث الغاشية، فزاد على الأولىٰ بسبع؛ لكن السبع في السور الطوال يسير دون القصار الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، زكريا ٢/٢٦٤، كراچي ١/٥٤٣، حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة قديم ٣٠٥، جديد اشرفيه ديوبند ٣١٣، الفتاوى التاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، فصل في القراءة، زكريا ٢/٦٩، رقم: ١٧٧١)

والذي تحصل من مجموع كلامه وكلام القنية، أن إطلاق كراهة إطالة الثانية بثلاث آيات مقيد بالسور القصيرة المتقاربة الآيات لظهور الإطالة حينئذ فيها. (شامي، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين، زكريا ٢/٢٦٤، كراچي ١/٥٤٣، حاشية الطحطاوي جديد، دارالكتاب ديوبند فصل في مكروهات الصلاة ٣٥١)

(۲) اگر دونوں سورتوں کی آیتیں طول وقصر میں برابر برابر ہوں تو چھوٹی اور لمبی کا اعتبار آیتوں کی تعداد سے ہوگا اور اگر دونوں سورتوں کی آیتیں برابر برابر نہیں ہیں؛ بلکہ ایک کی آیتیں لمبی لمبی اور دوسری کی آیتیں چھوٹی چھوٹی ہیں تو طول وقصر کا اعتبار آیتوں کی تعداد سے نہ ہوگا؛ بلکہ حروف اور کلمات سے ہوگا۔

إن التقدير بالآيات إنما يعتبر عند تقاربها، وأما عند تفاوتها، فالمعتبر التقدير بالكلمات أو الحروف الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، زكريا ٢/٢٦٤، كراچي ١/٥٤٣، منحة الخالق على البحر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر،زكريا ١/٥٩٨، كوئٹه ١/٣٤٢)

اورسورۂ **زلزال** کی آیتیں سورۂ **عادیات** کی آیتوں سے لمبی لمبی ہیں؛اس لئے آیتوں کی تعداد کا اعتبار نہ ہوگا؛ بلکہ حروف وکلمات کا ہوگا اور حروف وکلمات کے اعتبار سے سورۂ **والعادیات** سورۂ **زلزال** سے تین آیت کے بقدر بڑی نہیں ہے؛اس لئے مذکورہ شکل میں نماز مکروہ نہ ہوگی ،سورۂ **غاشیہ** کی آیتیں سورۂ **اعلی** کی آیتوں سے چھوٹی ہیں ؛ اس لئے کلمات کا اعتبار ہوگا۔ نیز بڑی سورتوں میں سات آیت کی زیادتی جائز ہے مکروہ نہیں ہے؛اس لئے عشاء کی نماز بھی مکروہ نہ ہوگی۔اور سورۂ **نباء** سے سورۂ **نازعات** ۶/آیتوں سے بڑی ہے اور بڑی سورتوں میں سات آیتوں تک زیادتی مکروہ نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے فجر کی نماز بھی مکروہ نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۷/۲۶۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۱۲ھ

پہلی رکعت میں سورۂ بروج کی آخری تین آیتیں اور دوسری میں سورۂ قریش پڑھنا

سوال[۲۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیش امام نے مغرب کی پہلی رکعت میں سورۂ بروج کی آخری تیں آیات پڑھیں اور دوسری رکعت میں **لإیلاف قریش** پوری سورۃ پڑھیں، ایسی صورت میں نماز میں تو کوئی کمی نہیں آئی نماز ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اطہر افضل گڈھ بجنور(یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں نماز کے اندر کوئی کراہت اور خرابی نہیں آئی۔

لوقرأ في الركعة الأولى آخر سورة، وفي الركعة الثانية سورة قصيرة كما لو قرأ آمن الرسول في ركعة، وقل هو الله احد في ركعة لايكره الخ.
(عالمگيري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، قديم زكريا ۱/۷۸، جديد ۱/۱۳۶)

لو قرأ في الركعة الأولىٰ من آخر سورة، وفي الركعة الثانية من وسط سورة أوسورة قصيرة كما لو قرأ "آمن الرسول" في ركعة و"قل هو الله احد" في ركعة، لايكره. (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، فصل في القراءة ۲/۶۶، رقم: ۱۷۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۲)

نماز جمعہ میں سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ کی قرأت پر ایک اعتراض کا جواب

سوال [۲۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ امام کے اوپر تنقید کرتے ہیں اور تنقید کرنے میں ایک عالم صاحب بھی ہیں کہ قرأت مختصر کریں؛ جبکہ امام صاحب نماز فجر میں اکثر سورۂ حجرات کی برابر آیتیں پڑھتے ہیں، مغرب میں سورۂ زلزال، فیل وغیرہ، عشاء میں سورۂ فجر وغیرہ نماز جمعہ میں سورۂ اعلی دوسری رکعت میں غاشیہ اور کبھی کبھی والتین وغیرہ بھی تلاوت کرتے ہیں امام کے اوپر تنقید کرنے والوں میں عالم صاحب خاص طور پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کونسی فقہ میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھ دی، غور طلب یہ ہے کہ سورۂ اعلی اور سورۂ غاشیہ نماز جمعہ میں پڑھنا مسنون ہے یا نہیں۔ نیز نمازوں میں قرأت کی جو کیفیت اوپر بیان کی ہے وہ سنت کے خلاف ہے؟

المستفتی: محمد ایوب طویلہ اسٹریٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر اور ظہر میں طوال مفصل (سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ بروج تک) اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل (سورۂ بروج سے سورۂ لم یکن تک) اور مغرب میں قصار مفصل (سورۂ زلزال سے سورۂ ناس تک) کی قرأت یا ان کی مقدار قرأت قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے مسنون ہے؛ لہٰذا امام صاحب کی قراءت کی جو کیفیت سوال نامہ میں بیان کی گئی ہے، وہ خلاف سنت نہیں حضور ﷺ اسی طرح کی قرأت کی ترغیب دیا کرتے تھے اور نماز جمعہ میں سورۂ اعلی اور سورۂ غاشیہ کی قرأت مسنون ہے اور صحیح احادیث شریفہ سے آپ ﷺ کے نماز جمعہ میں سورۂ اعلی اور سورۂ غاشیہ پڑھنے کا معمول ثابت ہے۔

لہٰذا نماز جمعہ میں سورۂ اعلی اور سورۂ غاشیہ کی قرأت کرنے پر عالم صاحب کا اعتراض کرنا درست نہیں؛ ہاں البتہ کبھی کبھار دوسری سورتیں یا دوسرے مقامات سے بھی قرأت کرلینی چاہیے۔

عن سليمان بن يسارؒ، عن أبي هريرةؓ، أنه قال: ماصليت وراء أحد بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، أشبه صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم، من فلان لإمام كان بالمدينة، قال سليمان بن يسار: فصليت خلفه، فكان يطيل الأوليين من الظهر ويخفف الأخريين، ويخفف العصر، ويقرأ في الأوليين من المغرب بقصار المفصل، ويقرأ في الأوليين من العشاء من وسط المفصل، ويقرأ في الغداة بطوال المفصل، قال الضحاك: وحدثني من سمع أنس بن مالك يقول: مارأيت أحدا أشبه صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم من هذا الفتى يعني عمر بن عبد العزيز قال الضحاك: فصليت خلف عمر بن عبد العزيز، فكان يصنع مثل ما قال سليمان بن يسارؒ. (مسند أحمد بن حنبل ۳۲۹/۲، ۳۳۰، رقم:۸۳۴۸)

ویسن في الحضر لإمام، و منفرد،طوال المفصل من الحجرات إلى آخر البروج في الفجر، والظهر،وأوساطه أي من البروج إلى آخر لم يكن في العصر، والعشاء، وباقيه أي قصاره في المغرب. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين و سنة كفاية، ، كراچي ۱/۵٤۰، زكريا۲/۲٦۰ – ۲٦۲، هنديه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلوة، الفصل الرابع في القراءة، زكريا ۱/۷۷، جديد زكريا ۱/۱۳۵)

أما لو قرأ للتيسر عليه أو تبركا بقراء ته عليه الصلاة والسلام، فلاكراهة؛ لكن بشرط أن يقرأ غيرها أحيانا لئلا يظن الجاهل أن غيرها لايجوز. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين و سنة كفاية، كراچي ۱/۵٤٤، زكريا۲/۲٦٦)

عن سمرة بن جندبؓ، قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في صلوة الجمعة بسبح اسم ربک الأعلى وهل أتک حديث الغاشية وعن النعمان بن بشير قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقرأ في الجمعة بسبح اسم ربک الأعلى وهل أتک حديث الغاشية. (نسائي شريف، كتاب الصلاة، القراءة في صلوة الجمعة بسبح اسم ربك الاعلى، النسخة الهندية ۱/۱٦۰، دارالسلام رقم:۱٤۲۳،۱٤۲٤، مسلم شريف، كتاب الجمعة، فصل في قراءة سورة الجمعة والمنافقين أو سبح اسم ربك الأعلى، النسخة الهندية ۱/۲۸۸، بيت الأفكار رقم:۸۷۸، ابو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب مايقرأ في الجمعة، النسخة الهندية ۱/۱٦۰، دارالسلام رقم:۱۱۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۴/۱۴۲۹ھ

وتر میں کسی سورۃ کو متعین کرنا

سوال [۲۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر ائمہ کرام (حفاظ عموماً) تراویح کے بعد وتر میں آخری رکعت میں **قل ہو اللہ احد** پڑھا کرتے ہیں، کیا یہاں بھی مندرجہ بالا سورۃ مقرر کر کے پڑھنے کی ممانعت لاگو ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقتدار انیس صدیقی، اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء عظام نے نماز میں کسی سورۃ کے متعین کرنے کو جو منع کیا ہے، اس کی علت یہ ہے کہ کہیں آدمی یہ گمان نہ کرلے کہ اس سورۃ کے علاوہ کوئی اور دوسری سورۃ نہیں پڑھ سکتے؛ البتہ وتر کی تیسری رکعت میں حضور ﷺ سے سورۂ اخلاص پڑھنا ثابت ہے؛ لہٰذا اس نیت سے کوئی پڑھے تو حصول ثواب کی امید ہے؛ لیکن کبھی کبھار اس کے خلاف بھی کرے تو بہتر ہے۔

عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يقرأ في الوتر بسبح اسم ربك الأعلى وقل يا أيها الكافرون وقل هو الله احد في ركعة ركعة. (سنن الترمذي، ابواب صلاة الوتر، باب ماجاء ما يقرأ في الوتر، النسخة الهندية ١/١٠٦، دارالسلام رقم: ٤٦٢)

ويقرأ وجوبا في كل ركعة منه الفاتحة وسورة لما روى، أنه عليه السلام قرأ في الأولى منه أي بعد الفاتحة بسبح اسم ربك الأعلى وفي الثانية ب ''قل يا أيها الكافرون'' وفي الثالثة ب ''قل هو الله احد''. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه جديد، دارالكتاب ديوبند ٣٧٥)

والسنة السور الثلاث: أي الأعلى، والكافرون، والإخلاص؛ لكن في النهاية: أن التعيين على الدوام يفضي إلى اعتقاد بعض الناس أنه واجب وهو لايجوز. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر،والنوافل،مطلب في منكر الوتر والسنن، أو الإجماع، كراچي ٦/٢، زكريا ٤٤١/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۷/۲۴)

وتر کی پہلی رکعت میں والضحیٰ دوسری میں الم نشرح تیسری میں والتین پڑھنا

سوال [۲۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید رمضان کے مہینے میں وتر کی نماز میں امامت کرتا ہے اور پہلی رکعت میں سورۂ ضحیٰ اور دوسری رکعت میں **الم نشرح** اور تیسری رکعت میں **والتین** پڑھتا ہے، ایک شخص کا کہنا ہے کہ اس ترتیب سے سورتیں پڑھنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ **الم نشرح** کے بعد سورۂ **والتین** پڑھنا یہ چھوٹی سورۃ کے بعد بڑی سورۃ کا پڑھنا ہے، امام کہتا ہے کہ یہ ترتیب بالکل صحیح ہے؛ کیونکہ یہ قرآن کی ترتیب ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کس کا قول صحیح ہے اور کس کا قول غلط ہے؟

المستفتی: محمد ہارون، لکھیم پوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سورۂ الم نشرح کے بعد سورۂ والتین کا پڑھنا دو وجہوں سے کراہت میں داخل نہیں۔

(۱) ترتیب قرآن کے مطابق ہے۔

ولابأس بقراءة القرآن في الصلاة على التأليف، عرف ذلك بفعل

الصحابة رضي الله عنهم الخ (فتاوی قاضيخان، على الهندية، فصل في قراء ة القرآن، مسائل كيفية القراء ة، زكريا ١/ ١٦١، قاضيخان جديد زكريا ١/ ١٠١)

(۲) دونوں سورتیں آیتوں کے اعتبار سے برابر ہیں، دونوں میں آٹھ آٹھ آیتیں ہیں اور اتنی چھوٹی سورتوں میں طول وقصر میں تین آیتوں کے طول میں کراہت تنزیہی ہوتی ہے اور یہاں یہ بات نہیں ہے؛ لہٰذا زید امام کا قول صحیح ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۱۶۴، جدید ڈابھیل ۸۶/۷)

فالعبرة كثرة الآئی لا كثرة الكلمات والحروف (إلى قوله) أن يكون التفاوت بينهما بقدر الثلث والثلثين، الثلثان في الأولى والثلث في الثانية الخ.

(فتاوی تاتارخانية قديم ١/٤٥٦، جديد كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة فصل في القراء ة ٢/٧٣، رقم:١٧٨٦، طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات قديم١٩٣، جديد دارالكتاب ديوبند ٣٥١)

وإطالة الثانية على الأولى يكره إجماعا، إن بثلاث آيات وإن بأقل لايكره، لأنه عليه الصلاة والسلام صلىّٰ بالمعوذتين يعني في صلاة الفجر والسورة الثانية أطول من الأولى بآية الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية زكريا ٢/٢٦٣، كراچي ١/٥٤٢، مصري ١/٥٧٦)

عن عقبة بن عامرؓ قال: بينا أنا أسير مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، بين الجحفة والأبواء، إذ غشيتنا ريح وظلمة شديدة، فجعل رسول الله صلى الله عليه وسلم، يتعوذ ب ''أعوذ برب الفلق''، وأعوذ برب الناس، وهو يقول: ياعقبة! تعوذ بهما، فما تعوذ متعوذ بمثلهما، قال: وسمعته يؤمنا بهما في الصلاة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في المعوذتين، النخسة الهندية

١/٢٠٦، دارالسلام رقم:١٤٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۳۱/۲۵)

پہلی رکعت میں سورۃ کا ابتدائی حصہ اور دوسری میں آخری حصہ پڑھنا یا اس کے برعکس کرنا

سوال [۲۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض نماز کی اول رکعت میں جزء سورت پڑھی یعنی کسی طویل سورت کا ایک رکوع یا چند آیات پڑھیں ابتداء سورت سے یا وسط سورت سے یا آخر سورت سے اور رکعت ثانیہ میں مکمل سورت پڑھی یا اس کے برعکس پڑھی مثلاً اول رکعت میں مکمل سورت پڑھی، ثانی رکعت میں کسی طویل سورت کا جزء پڑھا، دونوں صورتوں کا جواب مع دلائل عنایت فرمائیں؟

المستفتی: اخلاق احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں صورتیں جائز ہیں؛ البتہ اس کی عادت ڈالنا خلاف اولیٰ ہے اور ہر رکعت میں مفصلات میں سے پوری پوری سورت پڑھنا زیادہ اولیٰ اور افضل ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۲۶۶، زکریا ۱/۲۴۹، احسن الفتاوی زکریا ۳/۸۵، فتاوی دارالعلوم ۲/۲۳۵، ۲/۲۶۶)

لو قرأ في الأولیٰ من وسط سورة، أو من سورة أولها، ثم قرأ في الثانية من وسط سورة آخري، أو من أولها أو سورة قصيرة الأصح أنه لايكره؛ لكن الأولى أن لايفعل من غير ضروة الخ. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب الإمامة مطلب الإستماع للقرآن فرض كفاية، زكريا ٢/٢٦٨، ٢٦٩، كراچي ١/٥٤٦، كوئٹه ١/٤٠٤)

والأفضل أن يقرأ في كل ركعة سورة تامة، ولو قرأ بعض السورة في ركعة وباقيها في ركعة قيل يكره والصحيح أنه لايكره الخ. (كبيري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، باب زلة القاري، تتمات فيما يكره من القرآن جديد اشرفيه ديوبند ٤٩٣، قديم٤٦٢، هكذا عالمگيري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة، قديم زكريا ١/٧٨، جديد ١/١٣٦، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، فصل في القراءة جديد زكريا ٢/٦٦، رقم: ١٧٦٠، قديم ١/٤٥١، فتاوى قاضيخان على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في القراءة مسائل كيفية القراءة زكريا١/١٦١، قاضيخان جديد زكريا ١/١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۷۸۴)

تہجد میں قل هو الله احد کتنی مرتبہ پڑھی جائے؟

سوال [۲۶۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تہجد میں **قل هو الله احد** ایک مرتبہ پڑھی جائے گی یا تین مرتبہ؟

المستفتی: منصور احمد، تمباکو محلّہ جنت بخش کمپنی مراد آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تہجد کی ہر رکعت میں قل ہو اللہ شریف پڑھنا نہ ایک ایک مرتبہ کر کے لازم ہے اور نہ ہی تین تین مرتبہ؛ بلکہ اپنے اختیار سے جو سورۃ بھی چاہیں پڑھ سکتے ہیں اور جتنی لمبی سورۃ پڑھی جائے گی اتنا زیادہ ثواب ملے گا؛ البتہ ہر رکعت میں قل ہو اللہ شریف پڑھنا بھی جائز ہے چاہے ایک ایک مرتبہ یا تین تین مرتبہ، مگر اس کو لازم کر لینا مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم زکریا ۴/۲۹۰)

ولایکره تکرار السورة في رکعة، أو في رکعتین في التطوع؛ لأن باب النفل واسع الخ (کبیري، کراهیة الصلاة، جدید اشرفیه دیوبند ۳۵۵، قدیم ۳٤۳)

وقراء ة قل هو الله أحد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنها بعض المشائخ الخ . (کبیري، زلة القاري، القراء ة خارج الصلاة جدید اشرفیه دیوبند ٤۹٦، قدیم ٤٦٤)

واختار بعضهم سورة الإخلاص في کل رکعة الخ. (شامي، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح،زکریا ۲/٤۹۸، مصري۱/٦٦۲، کراچي ۲/٤۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۳۹۸/۲۵)

نماز میں سورۂ فاتحہ میں رب العلمینه ولاالضالینه پڑھنا

سوال[۲۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں **الحمد شریف** اورقرآن شریف میں امام صاحب کی اس طرح عادت ہوگئی ہے **رب العلمینه** ھ کے ساتھ پڑھتے ہیں، **ولاالضالیته ہ**، کے ساتھ پڑھتے ہیں،تو اس طرح پڑھنے سے نماز ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد،محلّہ علی خان کاشی پور نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فن قرأت کے امام یعقوب کے نزدیک اس طرح قرأت جائز ہے؛ البتہ اسماء میں جواز اورافعال میں عدم جواز کافرق بتلاتے ہیں،نماز ہرحال میں کراہت تحریمی کے ساتھ صحیح ہوجائے گی؛ کیونکہ معمول بہانہیں ہے اس سے عوام الناس

کودھوکہ ہوجاتا ہے، اماموں کونماز میں ایسی قرأت نہ کرنی چاہئے۔ (مستفاد: توضیح العسر ۱٦٧، طیبة النشر ١٩٦)

قراءة القرآن بالقراءة السبع والروايات كلها جائزة؛ ولكني أرى الصواب، أن لايقرأ بالقراءة العجيبة بالإمالات وبالروايات الغريبة؛ لأن بعض الناس يتعجبون، وبعضهم يتفكرون، وبعضهم يخطئون، وبعض السفهاء يقولون مالايعلمون، ولعلهم لايرغبون فيقعون في الإثم، والشقاء، ولاينبغي للأئمة أن يحملوا العوام إلى مافيه نقصان دينهم، ودنياهم. (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، زكريا٢/ ٧٢، رقم:١٧٨٣، غنية المستملي، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، رحيميه ديوبند قديم ٤٦٣، سهيل اكيڈمي لاهور ٤٩٥، هندية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في القراءة زكريا ١/ ٧٩، جديد زكريا ١/ ١٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۱/۲۴)

سورۂ فاتحہ کی آیتوں کے آخر میں ہ پڑھنا

سوال [٢٦٠٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں الحمد شریف اور ہر آیت پر ''ھ'' ظاہر ہوتی ہے، نماز ہوگی یا نہیں جیسے: **توعدونه، العلمينه، يوم الدينه** ہر آیت پر امام صاحب ھ ظاہر کرتے ہیں نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد صادق حسین، محلّہ علیخان، نئی مسجد کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فن قرأت کی مشہور کتاب توضیح العسر، شرح

طیبة النشر میں فن قرأت کے امام یعقوب کے نزدیک العلمینہ، اور یوم الدینہ وغیرہ جائز ہیں اور توعدونہ نا جائز ہے، معمول بہا نہ ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی ہوجائے گی؛ البتہ واجب الاعادۃ نہ ہوگی ۔(مستفاد: توضیح العسر ۱۶۷، طیبۃ النشر ۱۹۶، امداد الفتاوی ۱/ ۲۹۱)

ویجوز بالروایات السبع؛ لکن الأولی أن لا یقرأ بالغریبة عند العوام صیانة لدینهم (تحته في الشامیه) أي بالروایات الغریبة والإمالات، لأن بعض السفهاء یقولون مالا یعلمون فیقعون في الإثم والشقاء، ولاینبغي للأئمة أن یحملوا العوام علی مافیه نقصان دینهم، ولایقرأ عندهم مثل قراءة أبي جعفر، وابن عامر، وعلي بن حمزة، والکسائی صیانة لدینهم فلعلهم یستخفون أو یضحکون، وإن کان کل القراءات والروایات صحیحة فصیحة، ومشایخنا اختاروا قراءة أبي عمرو وحفص عن عاصم. (شامي، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زکریا ۲/ ۲۶۲، کراچي ۱/ ۵٤۱، الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، زکریا ۲/ ۷۲، رقم: ۱۷۸۳، حلبي کبیر، کتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، رحیمیه دیوبند ٤٦۳، سهیل اکیڈمي لاهور ٤۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۲/۲۴)

سورۂ نازعات کے بعد والی سورۃ چھوڑ کر اگلی سورۃ پڑھنا

سوال [۲۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سورتوں کے درمیان سورت چھوڑنا مکروہ ہے، اگر کسی نے پہلی رکعت میں سورۂ نازعات پڑھی اور دوسری میں سورۂ عبس چھوڑ کر اگلی والی سورت پڑھی تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عابد متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسورتوں کے درمیان ایک سورۃ کا چھوڑ نا یہ قصار مفصل میں مکروہ ہے؛ لیکن طوال مفصل اور اوساط مفصل یعنی بڑی سورتوں میں دوسورتوں کے درمیان ایک سورۃ کا فصل مکروہ نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کسی نے سورۂ نازعات پڑھ کر دوسری رکعت میں سورۂ عبس چھوڑ کر سورۂ تکویر پڑھی تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

ویکره الفصل بسورة قصيرة أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية فلايكره. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، كراچي ١/٥٤٦، زكريا ٢/٢٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۶۶)

تین آیات کی مقدار پڑھنے کے بعد ایک آیت چھوٹ جانے کا حکم

سوال [۲۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام نے لمبی سورت پڑھی اور تین آیات کی مقدار پڑھنے کے بعد ایک دو آیت چھوٹ گئی تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد بشیر احمد محلّہ کچا باغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں سب کی نماز درست ہوگئی بشرطیکہ معنی میں تغیر فاحش نہ ہو۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند ۴/۷۹)

وهو إن ترك آية من سورة قد قرأ مقدار ماتجوز به الصلاة جازت صلوته الخ (فتاوى خانيه، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي

الأحكام المتعلقة بالقراء ة، زكريا ١/ ١٥٤، جديد قاضيخان زكريا ١/ ٩٨، الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة و مالا يفسد، مطلب مسائل زلة القاري، زكريا ٢/ ٣٩٥- ٣٩٦، كراچي ١/ ٦٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۸۸)

سورۂ فاتحہ کی ایک آیت چھوڑنے کا حکم

سوال [۲۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب سے جہری نماز میں پہلی یا دوسری رکعت کے اندر سورۂ فاتحہ کی ایک آیت چھوٹ گئی اور سجدۂ سہو نہیں کیا، تو کیا نماز ہو جائے گی یا قابل اعادہ ہے؟ مسئلہ کو مدلل ومفصل بیان فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد ابوموسیٰ سراج الحق، امروہہ گیٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں نماز واجب الاعادہ ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۳۲)

وقراء ة فاتحة الكتاب (إلى قوله) لكن في المجتبى يسجد بترك آية منها وهو أولى قلت: وعليه فكل آية واجبة الخ، وفي الشامية إذ بترك شيء منها آية، أو أقل ولو حرفا، لايكون آتيا بكلها الذي هو والواجب الخ

(الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها زكريا ٢/ ١٤٩، كراچي ١/ ٤٥٨، كوئٹه ١/ ٣٣٨، مصري ١/ ٤٢٦، وهكذا في منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،

زكريا ١/٥١٥، ٥١٦، كوئٹه ١/٢٩٦، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في واجبات الصلاة، دارالكتاب ديوبند جديد٢٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۷۸)

سورت کے درمیان سے آیت کا چھوٹ جانا

سوال [۲۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ رحمٰن کی آیات **خلق الإنسان من صلصال** سے **کل یوم هو في شأن فبأي آلاء ربکما تکذبن** تک پڑھا دوسری رکعت میں جہاں سے چھوڑا تھا وہیں سے شروع کرنے کا ارادہ تھا، مگر سلسلہ کی آیت یاد نہیں آئی اور سوچنے میں تاخیر کا اندیشہ تھا اور زبان پر دو آیت چھوڑ کر آیت آ گئی۔ یعنی **یمعشر الجن والإنس** سے شروع کر کے حسب دستور نماز پوری کی ایک ناظرہ خواں صاحب نے جنہیں سورۂ رحمٰن یاد ہوگی سلام کے فوراً بعد جمعہ اور مجمع کا احترام کئے بغیر شور مچا دیا کہ ایک آیت چھوٹ گئی؛ جبکہ میرے ذہن میں بھی تھا، کیا اس صورت میں نماز درست ہوگی؟ اور اس طرح ان صاحب کا اعتراض کیا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نماز بلاشبہ صحیح اور درست ہے اور جن صاحب نے اعتراض اور شور مچایا ان کا یہ عمل درست نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/۱۲۵، میرٹھ ۱۱/۲۱۳، ۱۳/۶۳)

وكذا لو انتقل إلى آية أخرى من تلك السورة وترك بينهما شيئًا وأما إن حصر بعد تلك الآية قبل أن يتم سنة القراءة، فلا يكره

الانتقال إلی آیة أخری من تلک السورة، أو من سورة أخری للعذر هذا إن انتقل قصداً، فإن انتقل من غیر قصد ثم تذکر ینبغي أن یعود، ذکر في القنیة، وإن لم یعد فلاکراهة أیضا لعدم القصد. (صغیري مطبع مجتبائی دهلی ۱۹۲، کبیری، کراهیة فروع في الخلاصة قدیم ۳۵۰، جدید اشرفیة دیوبند ۳۶۳، الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلوة، الفصل الثاني في القراءة جدید، زکریا ۲/۶۷، رقم: ۱۷٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۴۰)

بھولنے کی وجہ سے چند آیتیں چھوڑ کر آگے سے پڑھنا

سوال [۲۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے پہلی رکعت میں ایک آیت پڑھنے کے بعد بھول گئے، پھر بیچ میں ایک دو آیت چھوڑ کر چوتھی آیت سے پڑھنا شروع کیا تو کیا اس صورت میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: شمیم احمد کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یاد نہ آنے کی وجہ سے چند آیتیں چھوڑ کر پڑھ دیا تو ایسی صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۴۵)

لو انتقل في الرکعة الواحدة من آیة إلی آیة یکره، وإن کان بینهما آیات بلاضرورة. (شامي، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الإستماع للقرآن فرض کفایة، کراچي ۱/ ۵٤٦، زکریا ۲/ ۲٦۹، المحیط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض

والواجبات المجلس العلمي جديد ٢/ ٤٧، رقم:١١٩٩، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، زكريا ٢/ ٦٧، رقم:١٧٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۲۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۵ھ

نستعین کی جگہ نستاعین پڑھنے کا حکم

سوال [۲۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی نے نستعین کے بجائے نستاعین پڑھ دیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد راغب محلہ شیخان نہٹور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز فاسد نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ بعض جگہ حرف یا حرکت کی زیادتی سے معنی میں فساد نہیں آتا ہے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے؛ البتہ کراہت ضرور آئی ہے۔

أو بزيادة حرف، قال في البزازية: ولوزاد حرفا لايغير المعنى لاتفسد عندهما. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها مطلب مسائل زلة القاري، زكريا ٢/ ٣٩٤، كراچی ١/ ٦٣١)

إذا زاد حرفا لايوجبه الكلمة في الأصل إلا أنه تغير النظم والحكم، ولايقبح المعنى...... لاتفسد صلاته. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني مسائل زلة القاري ٢/ ٩٢، رقم: ١٨٣٠، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات المجلسي العلمي جديد ٢/ ٦٣، رقم:١٢٤٦، هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري،

زکریا ۱/ ۸۰، جدید زکریا ۱/ ۱۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۱۳ھ

ولا الضالین کے مد کو چھ سات الف کی مقدار کھینچنا

سوال [۲۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جہری نماز میں ''**ولا الضالین**'' کے مد کو قریب چھ سات الف کی مقدار کھینچنے سے نماز میں کوئی خرابی واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مسعود الحسن رشیدی سہسپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ولا الضالین کے مد کو اس مقدار سے زیادہ کھینچنے کی وجہ سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

ولو قرأ القرآن في الصلاة (إلى قوله) وإن كان ذلك في حرف المد واللين لاتفسد إلا إذا فحش. (الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، زكريا ١/ ٨٢، جديد زكريا ١/ ١٤٠، قاضي خان، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقة بالقراءة، زكريا ١/ ١٥٦، قاضيخان، جديد زكريا ١/ ٩٨)

ترك المد والتشديد في موضعهما والإتيان بهما في غير موضعهما، إن كان لايغير المعنى، ولايقبح الكلام، لايوجب فساد الصلاة. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات المجلس العلمي جديد ٢/ ٧٥، رقم: ١٢٦٨، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني

مسائل زلة القاري، زكريا ٢/ ١٠٧، رقم: ١٨٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۳۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۲۴ھ

اِخفاء کی جگہ اِدغام اور ذال کی جگہ ظا پڑھنا

سوال [۲۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نماز کی قرأت میں اخفاء کی جگہ اظہار پڑھ دیا جائے تو کیا نماز میں کوئی خلل واقع ہوگا؟

''ذال'' کو''زا'' اور''ظا'' کو''ذال'' پڑھ دیا جائے ،تا کو طا اور طا کو تا پڑھ دیا جائے تو کیا اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ جواب مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: کمال اختر، کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اخفاء کی جگہ اظہار اور اظہار کی جگہ اخفاء کرنا مکروہ ہے؛ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، ایسے شخص کو اپنا قرآن صحیح کرنا بہت ضروری ہے۔ (مستفاد: جمال القرآن ۹۸)

(۲) ذال کی جگہ زا اور ظا کی جگہ ذال پڑھنا بلا اختیار ہوتا ہے، تو اس سے نماز صحیح ہوجائے گی فاسد نہ ہوگی اور ایسے شخص کو امام نہ بنانا چاہئے۔

وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين، والطاء مع التاء، فقد اختلفوا فأكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوى الخ

(كبيري، كتاب الصلاة، فصل في زلة القاري سهيل اكيڈمي لاهو ٤٧٦، مكتبه رحيمية ديو بند قديم ٤٤٧)

وإن لم يمكن إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين، فأكثرهم على عدم الفساد لعموم البلوى. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب مسائل زلة القاري، زكريا ۲/۳۹٤، كراچي ۱/۶۳۱)

وإن كان لايمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين، والطاء مع التاء، اختلف المشايخ: قال أكثر هم لاتفسد صلاته. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، زكريا ۱/۷۹، جديد زكريا ۱/۱۳۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۵/۲۱٦، فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل في القراءة، زكريا ۱/۳۳۲، كوئٹه ۱/۲۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۱۵/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۶/۲۲ھ

لفظی یا اعرابی غلطی کا حکم

سوال [۲۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نماز میں قرأت کے دوران لفظی غلطی ہوجائے یا اعرابی غلطی ہوجائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟ مثلاً:

(۱) وَلاتَقُوْلُوْا لِمَنْ يَقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتٌ، يُقْتَلُ کی جگہ يَقْتَلُ پڑھا۔

(۲) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْئٍ مِنَ الخَوْفِ وَالْجُوْعِ، وَالْجُوْعِ کی جگہ وَالْجُوْءِ پڑھا۔

(۳) نَقْصٍ مِنَ الأَمْوَالِ وَالأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ، والثَمَرَاتِ کی جگہ وَالثَّمَراُتِ پڑھا۔

(۴) أَرَأَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ، اَرَاَيْتَ کی جگہ اَرَيْتَ پڑھا۔

(۵) فَذَالِکَ الَّذِيْ يُدُعُّ الْيَتِيْم، يَدُعُ کی جگہ يَدُعُ پڑھا۔
(۶) فَمَايُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ، يُکَذِّبُکَ کی جگہ يُکَذِبُوْکَ پڑھا۔
اوراسی طرح سے إن ربک علیم حکیم کی جگہ إن اللہ علیم حکیم پڑھا۔

المستفتی: عبدالمعبود، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) يُقْتَلُ کی جگہ يُقْتَلْ لام کے جزم کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے نماز فاسد یا واجب الاعادہ نہیں ہوگی؛ بلکہ نماز صحیح اور درست ہو جائے گی۔

(۲) والجوع کی جگہ والجوءِ کے اندر عین کے بجائے ہمزہ پڑھ دیا تو قریب المخرج ہونے کی وجہ سے تغیر فاحش نہیں ہوگا، اسی وجہ سے نماز فاسد یا واجب الاعادہ نہیں ہوگی۔

(۳) وَالثَّمَرَاتِ کی جگہ وَالثَّمْرَاتِ میم کے جزم کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے نماز فاسد یا واجب الاعادہ نہ ہوگی؛ بلکہ نماز صحیح اور درست ہو جائے گی اور اس کو اعرابی غلطی پر محمول کیا جائے گا۔

(۴) اَرَاَيْتَ کی جگہ اَرَيْتَ پڑھنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی؛ کیونکہ قرأت مشہورہ میں سے ایک قرأت یہ بھی ہے۔

(۵) يَدُعُّ کی جگہ يَدُعُ غیر مشدد پڑھنے کی وجہ سے تغیر فاحش نہ ہونے کی بنا پر نماز فاسد یا واجب الاعادہ نہ ہوگی۔

(۶) يُکَذِّبُکَ کی جگہ يُکَذِّبُوْکَ پڑھنے کی وجہ سے معنی میں تغیر فاحش واقع نہیں ہوا؛ اس لئے نماز فاسد یا واجب الاعادہ نہ ہوگی۔

حاصل یہ نکلا کہ سوال نامہ میں ذکر کردہ چھ غلطیوں میں سے کسی بھی غلطی کی وجہ سے نماز فاسد یا واجب الاعادۃ نہ ہوگی؛ بلکہ نماز صحیح اور درست ہوجائے گی؛ اس لئے کہ وہ غلطیاں یا تو قریب المخرج ہونے کی وجہ سے واقع ہوتی ہیں یا تو اعرابی غلطیاں ہیں اور ایسی غلطیوں کی وجہ سے نماز فاسد یا واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔

(۷) إن رَبَّکَ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ کی جگہ إن الله حکیم علیم پڑھنے کی وجہ نماز فاسد نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ اس تغیر کی وجہ سے اصل معنی میں کوئی تغیر نہیں آیا اور اسی لفظ کے ساتھ یہ آیت قرآن کریم میں دوسری جگہ موجود ہے۔

الأولی الخطأ في الإعراب و یدخل فیه تخفیف المشدد وعکسه قصر الممدود وعکسه وفک المدغم وعکسه، فإن لم یتغیر به المعنی لاتفسد به صلوة بالاجماع. (طحطاوي علی المراقي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، دارالکتاب دیوبند/۳۳۹)

وإن کان بوضع حرف مکان حرف ولم یتغیر المعنی لاتفسد . (طحطاوي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، دارالکتاب دیوبند ۳٤۰، قدیم ۱۸۷)

ومنها ذکر کلمة مکان کلمة علی وجه البدل إن کانت الکلمة التي قرأها مکان کلمة یقرب معناها، وهي في القرآن لاتفسد صلاته، نحو إن قرأ مکان العلیم الحکیم. (هندیة، کتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، زکریا ۱/۸۰، جدید زکریا ۱/۱۳۷)

وضع حرف موضع حرف آخر، فإن کانت الکلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم یتغیر المعنی المراد لاتفسد. (طحطاوي، کتاب الصلاة، باب ماتفسد الصلاة، دارالکتاب دیوبند ۳٤۰، قدیم ۱۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۲۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۲ھ

صَدَقَنَا کے بجائے صَدَقْنَا پڑھنا

سوال [۲۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ امام مسجد نے عشاء کی فرض نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ زمر کی آخری آیت میں **وقالوا الحمد لله الذي صَدَقَنَا وعده** کے بجائے **وقالوا الحمد لله الذي صَدَقُنَا** جمع متکلم کا صیغہ استعمال کیا، تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟ شریعت کی روشنی میں مکمل ومدلل جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد مختار عالم مونگیری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں نماز درست اور صحیح ہوگئی، واجب الاعادۃ نہیں۔

أما المتأخرون كمحمد من مقاتل ومحمد بن سلام وإسماعيل الزاهد وأبي بكر بن سعيد البلخي والهندواني وابن الفضل والحلواني فاتفقوا على أن الخطأ إن كان في الإعراب لاتفسد مطلقًا. (كبيري، كتاب الصلاة، فصل في زلة القاري، سهيل اكيڈمي لاهور ٤٧٦، مكتبه رحيميه ديوبند ٤٤٧، شامي، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومالا يفسد، مطلب مسائل زلة القاري،زكريا ٢/ ٣٩٤، كراچي ١/ ٦٣١، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض والواجبات المجلس العلمي جديد، زكريا ٢/ ٧٦، رقم: ١٢٧٠، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني مسائل زلة القاري٢/ ١٠٨، رقم: ١٨٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۰۰)

وقف تام کی صورت میں معنی بدلنے سے نماز کا حکم

سوال [۲۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ امام نے نماز میں سورۃ پڑھتے ہوئے غلطی کی بایں طور إن الـذيـن كفروا مـن اهـل الـكـتـاب والمشر كين في نار جهنم خالدين فيها، اولئک هم شر البرية امام صاحب نے خالدين فيہا کے بعد اولئک هم خير البرية پڑھایا ان الذين اٰمنـو وعملو الصالحات اولئک هم خير البرية ، اولئک هم خير البرية کی جگہ اولـئک هـم شـر البرية پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں، اس میں کتنی صورتیں ہیں، فتاوی ہندیہ میں اس جگہ ایک بات یہ لکھی ہے کہ اگر خـالدين فيها پر وقف کر دیا ہے اور اس کے بعد أولئک هم شر البرية کے بجائے أولئک هم خير البرية پڑھا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، مگر اس پر اعتراض واقع ہوتا ہے کہ وقف کے بعد بھی کلام معناً مربوط ہے، اس طرح کہ هُمْ جو ضمیر فصل لائی گئی ہے اس کا مرجع وہی الـذين كفروا من اهل الكتاب والـمشـر كين ہے اور جیسا کہ حکم متعین ہے، تو وقف کے بعد بھی کلام معناً مربوط ہوگا؛ لہٰذا نماز فاسد ہونی چاہئے، مگر فتاوی عالمگیریہ میں عدم فساد لکھا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جہاں تک ضمیر کے مرجع کی بات ہے، تو ضمیر کیلئے مرجع لازم ہے چاہے معناً ہو یا حکماً ہو، مگر مرجع ہر صورت میں ہوتا ہے، بہرحال آپ ان تمام صورتوں کو بغور دیکھیں اور پھر از خود اپنے دست مبارک سے جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وقف تمام کی صورت میں تاویل کی گنجائش ہوتی ہے اور عدم وقف اور وقف ناقص کی صورت میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی؛ بلکہ ایک معنی متعین ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے وقف تام کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی اور عدم وقف اور وقف ناقص کی صورت میں نماز فاسد ہوجاتی ہے، آپ نے جو لکھا ہے کہ وقف تام میں بھی معنی مربوط رہتا ہے، یہ تاویل کے دونوں پہلوؤں میں سے ایک ہے اور دوسرا پہلو وقف تام میں الـذين كفروا مرجع قرار نہ دے کر جملہ مستانفہ قرار دے کر معنی کو صحیح بنالیا جاسکتا ہے،

جیسا کہ **إن الفجار لفي جنت** میں **الفجار** پر وقف تام کرنے کے بعد **لفي جنٰت** پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

قيد الفساد في الفتح وغيره بما إذا لم يقف وقفا تاما، وأما لو وقف، ثم قال: لفي جنات فلاتفسه الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب ماتفسد الصلاة، ومايكره فيها، كراچي ۱/۶۳٤، زكريا ديوبند ۲/۳۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵٦٦۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۹ھ

لایتکلمون إلاعذابا پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال [۲٦۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام نے نماز میں **لایتکلمون إلا من أذن له الرحمن وقال صوابا** کی جگہ **لایتکلمون إلاعذابا** پڑھ دیا تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امام نے نماز میں **لایتکلمون إلامن أذن له الرحمن وقال صوابا** کے بجائے **لایتکلمون إلاعذابا** پڑھا، تو ایسی صورت میں معنی فاسد ہو جانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی اعادہ واجب ہے۔

لو بدل كلمة بكمة وغير المعنى قال الشامي هذا على أربعة أوجه؛ لأن الكلمة التي أتىٰ بها إما إن تغير المعني أولا وعلى كل فإما أن تكون في القرآن أولا فإن غيرت أفسدت. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله تعالى جدك بدون ألف لاتفسد، كراچی ۱/٦۳٤، زكريا ۲/۳۹۷)

وإن كـان اختـلافـا متبـاعـدا نـحو أن يختم آية الرحمة بأية العذاب، أو آية الـعـذاب بآية الرحمة......فعلى قول أبي حنيفة ومحمد تفسد صلاته.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني مسائل زلة القاري ۲/۹٦، رقم: ۱۸٤۳، الـمحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الـفـصـل الثـاني في الفرائض والنوافل، المجلس العلمي جديد ۲/٦۷، رقم: ۱۲۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/٦/۱۳ھ

سینین کی جگہ سینا پڑھنا

سوال [۲٦۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام نے نماز جہری میں سورۂ تین اول رکعت میں شروع کی ابھی تین آیتیں نہیں ہوئیں کہ **والتین والزیتون وطور سینین** کے بجائے **وطور سینا بغیر النون والیاء وبزیادۃ الألف** پڑھا یا اور نماز پوری کردی، تو نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حاجی عبد الحفیظ، شیر کورٹ بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسرہ میں ی کی بو پائی جاتی ہے؛ اس لئے اس کو لحن خفی شمار کرنے سے نماز درست ہوجائے گی۔ نیز اگر قاری **سیـنـیـن** پڑھ رہا تھا اور زبان سے **سینا** ادا ہوگیا ہے تو نماز درست ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے، مگر ایسا شخص جو ادائیگی پر قادر نہیں ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔

ولـو زاد كـلمة أو نقص حرفا......لم تفسد مالم يتغير المعنى. (الدر المختار مع الشامي، زكريا ۲/۳۹۵، كراچی ۱/٦۳۲، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلوة ومايكره فيها)

الـخطأ إذا دخل في الحرف لاتفسد، لأن في هذا بلوی عامة الناس لايـقيمون الحرف. (التـاتـار خـانية نـوع آخر في زلة القاري، الفصل الأول ۲/ ۹٤، رقم:١٨٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳؍۵۴۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۱۰/۱۴۱۸ھ

الجحیم کی جگہ الجنة پڑھنا

سوال [۲۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام نماز میں **فأما من طغى و آثار الحيوة الدنيا فإن الجنة هى المأوى** پڑھ دے، تو کیا نماز ہو جائے گی، درانحالیکہ وہ اس کا عالم بھی ہے؟

المستفتی: حفظ الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں **فإن الجحيم** کے بجائے **فإن الجنة** پڑھنے سے نماز فاسد ہوگئی ہے جیسا کہ قاضی خان کی عبارت سے واضح ہے۔

فإن أخطأ بذكر كلمة مكان كلمة (إلى قوله) وإن كانت مخالفة (إلى قوله) أوختم آية الرحمة بأية العذاب أو على العكس، قال عامة المشائخ رحمهم الله تعالى تفسد صلوته الخ (قاضيخان، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلقه بالقراءة، زكريا ١/ ١٥٣، قاضيخان جديد زكريا ١/ ٩٦)

وإن كان اختلافا متباعدا نحو أن يختم آية الرحمة بآية العذاب، أو آية العذاب بأية الرحمة......فعلى قول أبي حنيفة ومحمد تفسد صلاته.
(الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثانى مسائل زلة القاري ٢/ ٩٦، رقم:١٨٤٣،

المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثانى في الفرائض والواجبات، المجلس العلمي جديد ٢/٦٧، رقم: ١٢٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۶/۲۳)

ونمارق مصفوفة بالضم اور ولا أنتم کی جگہ ولنتم پڑھنا

سوال [۲۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے عید کی نماز پڑھائی اور اس نے پہلی رکعت میں سورۂ غاشیہ پڑھا اور اس میں **ونمارق مصفوفة** کے بجائے **ونمارق مصفوفةٌ** پڑھا اور دوسری رکعت میں **قل يا أيها الكافرون** میں **ولا أنتم** کے بجائے **ولنتم** پڑھا کیا نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ مدلل جواب دیں۔

المستفتی: محمد شفاء الدین دملوی، متعلم دورۂ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: **ونمارق مصفوفة** کے بجائے اگر **ونمارق مصوفةٌ** بالضم پڑھا تو نماز درست ہوگئی؛ اس لئے کہ اعرابی غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند ۴/۸۹)

فاتفقوا على أن الخطأ في الإعراب لايفسد مطلقا، ولو اعتقاده كفرًا لأن أكثر الناس لايميزون بين وجوه الإعراب الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب مسائل زلة القاري زكريا ٢/٣٩٣، كرچي ١/٦٣١)

اگر **ولا أنتم** کو **ولنتم** پڑھ دیا ہے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی؛ کیونکہ حرف اصلی کے حذف سے اگر معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہاں پر ایسا ہی ہوا ہے۔

وإن حذف حرفا أصليا من كلمة فتغير المعنى تفسد صلوته في قول أبي حنيفة و محمد كما لو قرأ ورزقناهم بحذف الزاء، أو الراء. (فتاوی قاضی خان، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأ و في الأحكام المتعلقة بالقراءة ١/١٥١، قاضیخاں جدید زکریا ١/٩٦)

ومنها حذف حرف (إلى قوله) وإن لم يكن على وجه الإيجاز والترخيم......و إن غير المعنى تفسد صلاته عند عامة المشائخ الخ (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري زكريا ١/٧٩، کوئٹه ١/٧٩، جدید زکریا ١/١٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۸۵/۲۵)

نماز میں يذرون کے بجائے تذرون پڑھ دینا

سوال [۲۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام نے **إن هولاء يحبون العاجلة ويذرون وراء هم** کے بجائے **تذرون وراء هم** پڑھ دیا تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد سعید دیوریاوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: اس میں الفاظ کے مادہ کا معنیٔ مرادی باقی ہے؛ اس لئے نماز درست اور صحیح ہوگئی واجب الاعادہ نہیں۔

الثالثة وضع حر ف موضع حرف آخر، فإن كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم يتغير به المعنى المراد لاتفسد. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، دارالكتاب ديوبند ٣٤٠)

فالمعتبر في عدم الفساد عند عدم تغير المعنى كثير لوجود المثل في القرآن الخ (كبيري، كتاب الصلاة،فصل في زلة القاري، مكتبه رحيمية ديو بند قديم ٤٤٧، سهيل اكيڈمي لاهور ٤٧٦، شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب مسائل زلة القاري، زكريا ٣٩٣/٢، كراچي ٦٣١/١، الموسوعة الفقهية الكويتيه ٢١٦/٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۰)

مِمَّا يَعْلَمُوْنَ کی جگہ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ پڑھنا

سوال [۲۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نماز پڑھا رہا تھا سورۃ المعارج کی تلاوت کر رہا تھا، دوران قرأت جب آیت **كلا إنا خلقنهم مما يعلمون** پر پہونچا، تو بھول گیا اور اس آیت سے آگے نہ پڑھ سکا، پھر تصحیح کے لئے پیچھے سے لوٹایا تو دوبارہ اس آیت میں **مما يعلمون** کی جگہ **مما لا يعلمون** پڑھ دیا، سوال یہ ہے کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ نیز پہلی مرتبہ پڑھنے کا اعتبار ہوگا یا دوسری مرتبہ پڑھنے کا دلائل سے جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: عبدالقادر دہلوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس صورت میں جب امام نے پیچھے سے لوٹانے کے وقت **مما يعلمون** کی جگہ **مما لا يعلمون** پڑھا تو اس سے معنی میں تغیر فاحش ہو گیا، جس کی وجہ سے سب کی نماز فاسد ہوگئی؛ اس لئے از سر نو نماز کا اعادہ لازم ہے اور دوسری مرتبہ میں جو پڑھا ہے اسی کا اعتبار ہوگا۔

اعلم أن الكلمة الزائدة إما أن تكون في القرآن أو لا (إلى قوله) فإن غيرت أفسدت مطلقا نحو وعمل صالحا وكفر، فلهم أجرهم الخ (شامي،كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب مسائل زلة القاري كراچي ١/٦٣٢، زكريا٢/٣٩٥)

إن غيرت المعنى ووجدت في القرآن نحو أن يقرأ والذين اٰمنوا وكفروا بالله ورسله أولئک هم الصديقون (إلى قوله) تفسد صلاته بلا خلاف. (عالمگيري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، زكريا ١/ ٨٠، جديد زكريا ١/١٣٨)

أن تكون الكلمة الزائدة موجودة في القرآن، وأنه على قسمين إن كان لايغير المعنى لاتفسد صلاته......فإن كان يغير المعنى تفسد صلاته بلا خلاف نحو أن يقرأ والذين اٰمنوا وكفروا بالله ورسله أولئک هم الصديقون الخ (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة الفصل الخامس من زلة القاري جديد زكريا ٢/١٠٣، رقم: ١٨٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/۱۴۳۴ھ

ولاأنتم عابدون ما أعبد چھوٹ جانے سے نماز درست ہے

سوال[۲٦٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام نے پہلی رکعت میں سورۂ ''کافرون'' پڑھی اور پہلا ''ولاأنتم عابدون ما أعبد'' چھوڑ دیا، ایسی صورت میں اگر سجدۂ سہو کے بغیر نماز ختم کردی تو نماز لوٹائی جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ولا أنتم عابدون ما أعبد. چھوڑنے سے معنی میں کوئی تغیر وتبدیلی نہیں ہوتی ہے؛اس لئے نماز درست ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/۱۲۳، امداد الفتاوی ۱/۴۴۸، فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۱/۲۱۴، آپ کے مسائل اوران کا حل ۳/۴۲۷)

ومنهم من فصله تفصيلا، فقال: إن وقف على الآية وقفًا تامًّا، ثم ابتدأ بـآية أخرىٰ لا تفسد صلاته وإن تغيّر المعنىٰ، نحو أن يقرأ: والتين والزيتون وطور سينين......ووقف وقفًا تامًا، ثم قرأ لقد خلقنا الإنسان في كبد، فأما إذا لـم يـقف ووصل الآية بالآية إن كان لا يتغير به المعنىٰ......فلا تفسد صلاته، وأما إذا تغير به المعنىٰ تفسد صلاته. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني مسائل زلة القاري ۲/ ۱۰۰، رقم:۱۸۵٦)

لـو ذكـر آية مكـان آية إن وقف وقفـًا تـامًـا، ثم ابتدأ بـآية أخرىٰ، أوببعض آية لاتفسد كما لو قرأ والعصر إن الإنسان، ثم قال: إن الأبرار لفي نعيم...... لاتفسد. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري زكريا ۱/ ۸۰، زكريا جديد ۱/ ۱۳۸، شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها، زكريا ۲/ ۳۹٦، كراچي ۱/ ٦۳۳)

ومـنهـا حـذف حرف......فإن كان لايتغير المعنىٰ لا تفسد. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، اتحاد ۱/ ۱۳۷، زكريا ۱/ ۷۹، تاتارخانية، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري ۲/ ۱۰۱، رقم:۱۸۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۰۵)

لایعلمون کی جگہ لایشعرون پڑھنا

سوال [۲۶۲۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی نے نماز میں **لایعلمون** کی جگہ **لایشعرون** دھوکہ سے پڑھ دیا، پھر رکوع میں جاتے وقت احساس بھی ہوگیا، تو اس کی نماز درست ہے یا فاسد ہوگئی؟ نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی یا سجدۂ سہو کرنا ہوگا؟

المستفتی: شبینہ ثمرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لایعلمون کی جگہ **لایشعرون** پڑھ دیا ہے، تو معنیٔ مرادی میں تغیر نہ ہونے کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی؛ اس لئے کہ دونوں کا معنی قریب قریب ایک ہی ہے۔

وضع حرف موضع حرف اٰخر فإن كانت الكلمة لا تخرج عن لفظ القرآن ولم يتغير به المعنى المراد لا تفسد. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، قبيل فصل فيما لا يفسد الصلوة، دار الكتاب ديو بند قديم ١٨٧، جديد دار الكتاب ديو بند ٣٤٠، حاشية نور الإيضاح، باب زلة القاري، امدادية ديو بند ٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹۵۲/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۳/۱۴۱۵ھ

جزاءً وفاقا کے بجائے جزاء من ربک پڑھنا

سوال [۲۶۲۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے فجر کی نماز میں **عم یتسائلون** پڑھنا شروع کیا **جزاء وفاقا** کے

بجائے **جزاء من ربک** الخ پڑھ کر اٹک گئے تو لقمہ دیدیا گیا، حافظ صاحب نے اس غلطی کو یہ سمجھا کہ اس پر سجدۂ سہو کیا جائے سجدۂ سہو کرلیا، بعد نماز عالم صاحب نے یہ کہا کہ نماز کا لوٹانا بہتر ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے نماز کا لوٹانا وقت میں واجب ہے یا مستحب ہے یا نہیں لوٹانا چاہیے؟

المستفتی: عبدالرشید خان، عادل آباد آندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں نماز کا لوٹانا ہی بہتر ہے اور عالم صاحب نے جو نماز کے اعادہ کا حکم دیا ہے وہی صحیح اور درست ہے؛ اس لئے کہ جہنمیوں کی سزا اور عذاب کی جگہ پر جنتیوں کے آرام وراحت اور انعامات کے ذکر کی آیت پڑھی گئی ہے، ایسی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوجاتی ہے، ہاں البتہ اگر **إلا حميما و غساقا** پر پوری آیت کی طرح وقف کردیا ہے اور وقف میں ٹھہرنے کے بعد **جزاء من ربک** الخ پڑھا ہے، تو ایسی صورت میں دونوں آیتیں الگ شمار ہوں گی اور نماز درست ہوجائے گی۔

كما لو بدل كلمة بكلمة وغير المعنى نحو إن الفجار لفي جنات قال الشامي: وقيد الفساد في الفتح وغيره بما إذالم يقف وقفا تاما أما لو وقف، ثم قال لفي جنات فلاتفسد. (درمختار مع الشامي، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب إذا قرأ قوله تعلىٰ جدك بدون الف، كراچي ۱/۶۳۳، زكريا ۲/۳۹۷)

وقال في التاتار خانية وفي الخانية ولو قرأ إن الابرار لفي جحيم وإن الفجار لفى نعيم، أو قرأ إن الذين اٰمنوا وعملوا الصالحات أولٰئک هم شر البرية تفسد صلاته ومنهم من فصله تفصيلا، فقال إن وقف على الآية وقفا تاما، ثم ابتدأ بآية أخرى لاتفسد صلاته، وإن تغير المعنى نحو أن يقرأ والتين والزيتون وطور سينين وهذا البلد الأمين ووقف وقفا تاما، ثم قرأ لقد

خلقنا الإنسان فی کبد. (فتاوی تاتار خانیه، کتاب الصلاۃ، الفصل الثانی، مسائل زلة القاري جديد زكريا۲/ ۱۰۰، ۱۰۱، رقم: ۱۸۵٦)

لوذكر آية مكان آية إن وقف وقفا تاما، ثم ابتدأ بآية أخرى، أوببعض آية لاتفسد كما لو قرأ والعصر إن الإنسان، ثم قال إن الابرار لفي نعيم، أوقرأ والتين إلى قوله وهذا البلد الأمين ووقف، ثم قرأ لقد خلقنا الإنسان في كبد، أو قرأ إن الذين آمنوا وعملوا الصلحت ووقف، ثم قال أولٓئک هم شرالبرية لاتفسد، أما إذا لم يقف ووصل......أما إذا غير المعنى فإن قرأ إن الذين آمنوا وعملوا الصٰلِحٰت أولٓئک هم شر البرية إن الذين كفروا من أهل الكتاب إلى قوله خالدين فيها أولٓئک هم خيرالبرية تفسد عند عامة علمائنا، وهو الصحيح كذا في الخلاصة.

(هنديه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، زكريا ۱/ ۸۰، ۸۱، جديد زكريا ۱/ ۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲٦/ ۱۲/ ۱۴۳۳ھ

بالصبر کی جگہ بالحق پڑھنا

سوال [۲٦۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز مغرب میں امام صاحب نے سورۂ والعصر میں **وتواصوا بالحق** اور **وتواصوا بالصبر** میں **بالحق** کی جگہ **بالصبر** اور **بالصبر** کی جگہ **بالحق** پڑھا دی، تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد انور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے اندر وتواصوا بالحق،وتواصوا بالصبر میں بالحق کی جگہ بالصبر اور بالصبر کی جگہ بالحق پڑھ لینے سے بھی نماز درست ہو جائے گی۔

أو یقرأ کتبنا علیهم فیها أن العین بالعین، والنفس بالنفس، أو یقرأ العبد بالعبد، والحر بالحر، ونحو ذلک لاتفسد صلاته. (تاتار خانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض......الفصل السابع من زلة القاري جدید زکریا ۲/۱۰۳، رقم: ۱۸٦٤، قدیم ۱/٤۸۸)

إن قلم کلمة علی کلمة أو أخر إن لم یتغیر المعنی لاتفسد نحو أن قرأ ”لهم فیها زفیر وشهیق“ وقدم الشهیق هکذا في الخلاصة. (هندیه، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، زکریا ۱/۸۰، جدید زکریا ۱/۱۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۸۲/۳٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۸ھ

رب السموات والأرض ومابینهما میں والأرض چھوٹ گیا

سوال [۲٦۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے صلوۃ جہریہ میں سورۂ عم یتساءلون کی آیت رب السموات والأرض ومابینهما الرحمن الآیة کے بجائے رب السموات ومابینهما الرحمن الآیة پڑھی یعنی والأرض کو چھوڑ دیا تو کیا اس سے نماز کے اندر کوئی خرابی پیدا ہوئی یا نہیں؟ نیز مطلقاً معنی کی تبدیلی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا تبدیلی معنی کے

ساتھ وہ معنی غلط بھی ہورہا ہوتب نماز فاسد ہوتی ہے، اگر اس سلسلہ میں کوئی قاعدہ ہوتو ضرور تحریر فرمائیں؟ بینوا وتوجروا.

المستفتی: امتیاز عالم، محلّہ سرائے شیخ محمود، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فساد صلوۃ کے لئے تبدیلیٔ معنی کے ساتھ ساتھ معنی کا غلط ہو جانا بھی شرط ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں نماز فاسد اور واجب الاعادہ نہ ہوگی؛ اس لئے کہ تغیر فاحش اور فساد معنی لازم نہیں آرہا ہے۔

وإن ترك كلمة من آية، فإن لم يتغير المعنى كما قرأوما تدري نفس ماذا تكسب غدا وترك ذا (إلى قوله) أو قرأ جزاء سيّئة سيّئة مثلها بترك سيئة الثانية لاتفسد الخ (كبيري، كتاب الصلاة، فصل في زلة القاري رحيميه ديوبند قديم ٤٦١، سهيل اكيڈمی لاهور٤٩٢)

قال في شرح المنية: وإن ترك كلمة من آية، فإن لم تغير المعني مثل وجزاء سيئة مثلها بترك سيئة الثانية لاتفسد، وإن غيرت مثل فمالهم يؤمنون بترك لا، فإنه يفسد عند العامة، وقيل لا والصحيح الأول. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها، مطلب مسائل زلة القاري، زكريا ٣٩٦/٢، كراچي ٦٣٢/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۸۸)

وأما اليتيم کی جگہ وأما الإنسان پڑھنا

سوال [۲۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ رئیس احمد نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ کیا اور سورۃ الضحیٰ تلاوت کی، تقریباً سورۃ کے اختتام پر وَاَمَا الْیَتِیمَ فَلا تَقْهَرُ کی جگہ وأما الإنسان فلا تقهر پڑھ دیا، اب کیا اس صورت میں نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ دلیل کے ساتھ مسئلہ کا جواب مطلوب ہے؟

المستفتی: رئیس احمد، امام مرکز والی مسجد، محمود آباد سیتاپور (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جمعہ کی نماز صحیح ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل، إن كانت الكلمة قرأها مكان كلمة يقرب معنا ها، وهي في القرآن لاتفسد صلوته.

(عالمگري، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، زكريا ١/ ٨٠، جديد زكريا ١/ ١٣٧)

وضع حرف موضع حرف آخر، فإن كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن، ولم يتغيربه المعنى المراد لا تفسد كما لو قرأ إن الظلمون بواو الرفع، أو قال والأرض وما دحها مكان طحها. (نور الايضاح، كتاب الصلاة، باب زلة القاري، امداديه ديوبند ٨٧)

ذكر حرف مكان حرف: وإنه على وجهين. الأول: أن لاتخرج الكلمة بحرف البدل من ألفاظ القرآن، ومعناه أن هذه الكلمة مع حرف البدل توجد في القرآن، نحو أن يقرأ يألمون مكان ''يعلمون'' أو ما أشبه ذلك ففي هذا الوجه لاتفسد صلاته، ويجعل كأنه ابتدأ من هذه الكلمة.

(الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، الفصل الأول من

مسائل زلة القاري جديد، زكريا ٢/٨١، رقم:١٨٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۶۹۶)

وَمَا يَخْفٰى کی جگہ وَمَا يَغْفٰى پڑھنا

سوال [۱۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے فجر کی نماز پڑھائی درمیان قرأت سورۂ اعلیٰ کی آیت **اِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى** کے بجائے **يَغْفٰى** پڑھ دیا تو کیا اس صورت میں نماز درست ہوجائے گی یا نہیں؟ اپنے یہاں ایک عالم صاحب سے پوچھا ہے تو وہ بتلا رہے ہیں کہ نماز درست ہوجائے گی وجہ یہ بتلائی کہ اس سے معنی فاحش کی تبدیلی نہیں ہوئی؛ لیکن بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی؟

المستفتی: محمد کامل حسین، جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں قرأت کی غلطی سے نماز کے فاسد ہونے اور نہ ہونے کا مدار ایسی غلطی پر ہے جس سے معنی میں فساد آجائے، سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں جبکہ یخفی کے بجائے یغفی پڑھ دیا ہے، تو اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی؛ کیونکہ یغفی کے معنی اونگھنے اور ہلکی نیند سونے کے ہیں، اس صورت میں ایسی کوئی غلطی نہیں پائی گئی جس سے نماز کے فساد کا حکم لگایا جائے؛ لہٰذا مذکورہ عالم صاحب کی بات صحیح ہے۔

الوجه الثاني أن لاتوجد الكلمة مع حرف البدل في القرآن (إلى قوله) يكون مع موافقة في المعنى (إلىٰ قوله) لاتفسد صلاته عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة، الفصل الأول من مسائل زلة القاري، زكريا ٢/٨٢، رقم: ١٨١٠، قديم ١/٤٦٥)

ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل–إلى– إن لم تكن الكلمة في القرآن؛ لكن يقرب معناها، عن أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى لاتفسد ......نحو إن قرأ التيابين مكان التوابين. (هندية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، زكريا ۱/ ۸۰، جديد زكريا ۱/ ۱۳۷)

وضع حرف موضع حرف آخر، فإن كانت الكلمة...... خرجت به عن لفظ القرآن، ولم يتغيربه المعنى لاتفسد عند هما، خلافا لأبي يوسفؒ كمال قرأ قيامين بالقسط مكان قوامين أو دوارا "مكان ديارا".

(نور الایضاح، کتاب الصلاة، باب زلة القاري، امدادیه دیو بند۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷؍۸۷۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۱۱ھ

ناعمة کی جگہ ناصبہ پڑھنے سے نماز فاسد

سوال[۲۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی نماز میں امام نے "وجوه يومئذ ناعمة" کی جگہ "وجوه يومئذ ناصبة"، پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟ دلائل کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز میں "ناعمة" کی جگہ "ناصبة" پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوگئی؛ کیونکہ ایک کو دوسرے کی جگہ رکھنے سے معنی کچھ کے کچھ ہوگئے۔

ناعمة صفت کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں "تروتازہ" اور ناصبة بھی صفت کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں "تھکے ہوئے" وجوه يومئذ ناعمة کے معنی ہیں "کتنے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، ناعمة کی جگہ ناصبة پڑھنے سے معنی یہ ہوگئے کہ "کتنے چہرے

اس دن تھکے ہوئے ہوں گے، معنی بالکل ہی بدل گئے؛ اس لئے نماز فاسد ہوگئی۔

(مستفاد: معارف القرآن ۷۲۸/۸، سورۂ غاشیہ تحت آیۃ :۸)

''**ناصبة'' أي تعبة يقال نصِب (بالكسر) ينصب نصبا: إذا تعب.** (جامع الأحكام للقرطبي ۲۷/۱۰، سورۂ غاشية تحت آية:۸)

قوله تعالى "وجوه يومئذ ناعمة" أي ذات نعمة، وهى وجوه المؤمنين، نعمت بما عاينت من عاقبة أمرها وعملها الصالح. (جامع الأحكام للقرطبي ۳۲/۱۰، سورۃ الغاشية تحت آية:۸)

وجوه يومئذ ناعمة-والناعمة إما من النعومة وكنى بها عن البهجة وحسن المنظر أي وجوه يومئذ ذات بهجة وحسن-أو من النعيم، أي وجوه يومئذ متنعمة. (روح المعاني ۲۰۵/۱٦، سورۃ غاشية، تحت آية:۸)

''**عاملة ناصبة'' خبران آخران لوجوه-أي عاملة في ذلک اليوم تعبة فيه، عن زيد بن أسلم أنه قال: أي عاملة في الدنيا، ناصبة فيها لأنها على غير هدى، فلا ثمرة لها إلا النصب، وخاتمته النار.** (روح المعانى، سورۃ غاشية تحت آية:۸، ۲۰۱/۱٦)

إن كانت الكلمة الثانية في القرآن فهو على وجهين، إما إن كانت موافقة للأولى في المعنى، أو مخالفة، فإن كانت موافقة لاتفسد صلاته-وإن كانت مخالفة- قال عامة المشائخ تفسد صلاته وهو قول أبي حنيفةؒ، و محمدؒ، وعن أبي يوسف فيه روايتان والصحيح هو الفساد، لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالى. (خانية، كتاب الصلاة، فصل في قراءة القرآن خطأفي الأحكام المتعلقة بالقراءة على هامش الهندية ۱۵۲/۱-۱۵۳، قاضيخان، جديد زكريا ۹٦/۱)

وإن اختلفا متباعدا نحو أن يختم آية الرحمة بآية العذاب، أو آية العذاب بآية الرحمة......فعلى قول أبي حنيفة ومحمد: تفسد صلاته، وقيل

في المسألة على قول أبي يوسف روايتان: وفي الظهيرية: قال: والصحيح عندي أنه إذا وقف، ثم انتقل لاتفسد صلاته، وإن وصل تفسد وفي الخانية: والصحيح هو الفساد. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، مسائل زلة القاري، زكريا ٢/٩٦، رقم:١٨٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶۳/۴۰)

حبل من مسد کی جگہ حبل مسد پڑھنے کا حکم

سوال [۲۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے نماز پڑھاتے ہوئے لحن جلی ''**حبل من مسد**'' کی جگہ ''**حبل مسد**''، پڑھا اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، کیا سجدۂ سہو کرنا چاہئے تھا؟ معلوم کرنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام صاحب اور تمام مقتدیوں کی نماز درست ہوگئی یا ان کو دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے تھی، اگر دوبارہ نہ پڑھ سکے تو کیا اب نماز دوبارہ لوٹانا ضروری ہے؟

المستفتی: محمد غفران اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ''**حبل من مسد**'' کی جگہ ''**حبل مسد**'' پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی؛ اس لئے کہ بغیر من کے پڑھنے کی صورت میں معنیٰ میں تغیر نہیں آیا ہے؛ بلکہ معنی اپنی جگہ درست ہیں وضاحت میں کمی آنے کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہوگی اور نہ ہی سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

نقصان حرف إن كان لايغير المعنى لاتفسد صلاته بلاخلاف.

(خلاصة الفتاوى، كوئٹه ١/١١٢)

ولو زاد كلمة أو نقص حرفا-لم تفسد صلاته. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة مسائل زلة القاري، زكريا ۲/ ۳۹۵، كراچي ۱/ ۶۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۲۱/۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۱/۱۴۳۵ھ

فحش غلطی ہونے کے بعد دوبارہ صحیح کرکے پڑھنے کا حکم

سوال [۲۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے فرض نماز میں قراءت میں **أولٓئک هم الفائزون** کی جگہ **أولٓئک هم الفاسقون** پڑھا، پھر لقمہ دینے سے صحیح کرکے **أولئک هم الفائزون** پڑھا، تو کیا یہ نماز فاسد ہوجائے گی یا سجدۂ سہو واجب ہوگا یا بغیر سجدۂ سہو کے نماز ہوجائے گی؟

المستفتی: محمد روح الامین، مدنا پوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایسی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوجاتی ہے، اگر لقمہ پر صحیح کرلیا ہے تو تراویح وغیرہ غیر فرض میں اعادۂ صلوۃ کی ضرورت نہیں اور فرائض میں اعادۂ صلاۃ ہی زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے؛ اس لئے کہ صحیح کرلینے کی صورت میں بعض علماء کے نزدیک فاسد شدہ صحیح ہوکر نہیں لوٹتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۱۸۱، ڈابھیل ۷/۱۲۰، ۱۲۱) اور بعض کے نزدیک صحیح ہوجاتی ہے۔

ذكر في الفوائد: لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش، ثم رجع وقرأ صحيحا قال عندي صلاته جائزة. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، زكريا ۱/ ۸۲، جديد زكريا ۱/ ۱۴۰)

اور تطبیق کی صورت یہی ہے کہ فرائض میں اعادہ کا حکم اور غیر فرائض میں عدم اعادہ کا حکم نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۹ھ

قرأت میں فحش غلطی کا معیار

سوال [۲۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے نماز میں سورۂ آل عمران ’’ **وأطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول لعلکم تُرْحَمُوْنَ** ‘‘ کی جگہ **تُرْحِمُوْنَ** پڑھ دیا مجرد سے مزید متعدی، مجہول سے معروف کی تبدیلی ہوگئی؛ جبکہ باب افعال کا ایک خاصہ سلب مأخذ بھی ہے، کیا ایسی صورت میں نماز ہوگئی یا نہیں؟ ایک عالم صاحب نے احتیاطاً نماز دہرادی ایسا کرنا کیسا ہے، ایک مفتی صاحب کا خیال ہے کہ نماز فاسد ہوگئی، دوسرے مفتی صاحب کا خیال ہے کہ اعرابی غلطی کو نظر انداز کیا جاتا ہے؛ لہٰذا نماز ہوگئی یا نہیں؟ کس کی بات صحیح ہے۔ نیز خطأ فاحش، تغیر فاحش کا معیار کیا ہے، جس سے فساد نماز لازم آتا ہے؟

المستفتی: محمد ارشد، بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس قسم کی اعرابی غلطیاں جن کی وجہ سے معنی میں تغیر فاحش لازم آتا ہو جیسے کہ ’’ **لعلکم تُرْحَمُوْنَ** ‘‘ کی جگہ پر ’’ **لعلکم تُرْحِمُوْنَ** ‘‘ اسی طرح **فعصی فرعونُ الرسول** کی جگہ **فعصی فرعونَ الرسول** پڑھنا حضرات متقدمین کے نزدیک مفسد صلاۃ ہے اور متاخرین کے نزدیک ایک عوام کی سہولت کے پیش نظر

مفسد صلاۃ نہیں ہے، بعد کے علماء نے متاخرین کے قول پر فتوی دیا ہے؛ لیکن احتیاط متقدمین کے قول پر ہے؛ اس لئے نماز جو لوٹائی گئی ہے وہ بہتر ہوا۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/۲۰۰)

وإذا تغير المعنى نحو أن يقرأ وإذابتلى إبراهيم ربه برفع إبراهيم ونصب ربه، فالصحيح عنهما الفساد وعلى قياس قول أبي يوسف لاتفسد؛ لأنه لايعتبر الإعراب وبه يفتي. (طحطاوي على المراقي قديم، كتاب الصلاة، قبيل فصل فيما لا يفسد الصلاة، دارالكتاب ديوبند۳۳۹، قديم ۱۸٦)

تغیر فاحش کا معیار یہی ہے کہ ایمان وکفر جنت وجہنم معصیت وثواب وغیرہ کے معنی میں بالکل الٹ پلٹ ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۲۳ھ

قرآن بھول جانے والا نماز کس طرح ادا کرے؟

سوال [۲۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شرعاً دیوانگی کی کیا علامت ہے واضح فرمایئے؟ زید اتنا کند ذہن ہے کہ اس کو قرآن کریم یاد کرنے کے باوجود بالکل یاد نہیں رہتا؛ لہٰذا اس صورت میں وہ نماز کس طرح پڑھے؟ مدلل باحوالہ جواب سے نوازیں؟

المستفتی: ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر دیوانگی سے سائل کی مراد ''پاگل'' ہے تو آدمی کے مجنون اور پاگل ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کی عقل بالکل فوت ہو جائے، کیا کہہ رہا ہے، کیا بول رہا ہے، اس کی کوئی خبر نہ ہو اور اگر عقل تو موجود ہو؛ لیکن اس میں فتور ہو

جس کے نتیجے میں بہکی بہکی باتیں کرتا ہو، تو اس کو شریعت میں معتوہ کہا جاتا ہے، اس کو ہمارے محاورہ میں دیوانہ کہا جاتا ہے۔

المجنون الذي هو عديم العقل والمعتوه الذي هو ناقص العقل......إذا ليس لهما عقل كامل يردعهما وتمييز وافر يددهما. (فتح القدير پاکستان ۱۸٦/۸، زکریا ۲۵۹/۹، المبسوط للسرخي، كتاب الحجر، دارالكتب العلمية ۱٥٦/۲٤)

(۲) زید کو چاہئے کہ جو بھی سورت یا آیت یاد ہو ہر رکعت میں وہی پڑھا کرے اور مزید کوشش کرتا رہے۔

إن كان يجهد الليل والنهار في تصحيحه ولايقدر فصلاته جائزة، ولو ترك جهده ففاسدة، ولايسعه أن يترك في باقي عمره.

(فتح القدير، كتاب الصلاة، فصل القراء ة، زكريا ۳۳۲/۱، کوئٹه ۲۸۲/۱، بيروت ۳۲۳/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸٦۷۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۴ھ

متشابہ کی وجہ سے دوسری جگہ سے پڑھنا پھر لوٹ آنا

سوال [۲٦۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے فجر کی نماز میں ایک لمبی آیت پڑھی، اور درمیان آیت میں جا کر ان کو متشابہ لگ گیا، پھر ان کو یاد آ گیا کہ میں دوسری جگہ پڑھ رہا ہوں تو پھر جہاں سے آیت چھوڑی تھی وہیں سے پڑھنا شروع کیا، اور آیت پوری کی پھر رکوع وغیرہ کر کے نماز مکمل کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلطان عالم دربھنگوی امام مسجد بڑوالی کٹار شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں نماز ہوگئی۔(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۴۴)

إمام قرأ فانتقل إلى موضع آخر فذكر كلمة أو كلمتين مكان غيره نحو إن قرأ لعلكم تشكرون قليلا ما تشكرون ينبغي أن يعود إلى الترتيب الأول. (حلبي كبيري، فصل في مسائل شتىٰ لاهور ٦١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۸۳)

(۱۳) باب الجمع بین الصلوٰتین

ہلکی بارش پر جمع بین الصلوۃ کا حکم

سوال [۲۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امریکہ میں بعض اوقات مختصر سی بارش پر بھی ائمہ حضرات جمع بین الصلاتین کرتے ہیں، کیا اس طرح کر سکتے ہیں؟ نماز اداء ہو جائے گی یا نہیں؟ مع دلائل تحریر کریں۔

المستفتی: محمد عبد السبحان، کیلی فورنیا امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمع بین الصلاتین حقیقی عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ کسی بھی صورت اور کسی بھی مقام میں جائز نہیں ہے؛ البتہ حالت سفر میں اسی طرح کسی خاص عذر کی وجہ سے جمع صوری کی گنجائش ہے اور حدیث پاک میں عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ دیگر کسی بھی صورت میں جمع بین الصلاتین کی جو روایات وارد ہوئی ہیں وہ سب کے سب جمع صوری پر محمول ہیں جمع حقیقی پر نہیں۔

اِنَّ الصَّلَاةَ کَانَتْ عَلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَوْقُوْتًا. [النساء:۱۰۳]

عن ابن عباسؓ، عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم، قال: من جمع بین الصلوٰتین من غیر عذر، فقد أتی بابا من الکبائر. (ترمذي شریف، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء في الجمع بین الصلاتین ۱/۴۸، دارالسلام رقم:۱۸۸، مستدرک حاکم ۱/۲۷۵، مکتبه نزار مصطفی، کتاب الصلاۃ جدید ۱/۴۰۲، رقم:۱۰۲۰)

عن أنسؓ عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا عجل علیه السفر یؤخر الظهر إلی أول وقت العصر فیجمع بینهما ویؤخر المغرب حتی یجمع بینها

وبين العشاء حين يغيب الشفق. (مسلم شريف، كتاب المساجد، باب جواز الجمع بين الصلاتين في السفر، النسخة الهندية، ١/٢٤٥، بيت الأفكار رقم: ٧٠٤، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/٤٧٩، رقم: ٩٦٩)

قال أصحابنا إنه لايجوز الجمع بين فرضين في وقت أحدهما إلا بعرفة والمزدلفة –إلى– ولأن هذه الصلوٰت عرفت مؤقتة بأوقاتها بالدلائل المقطوع بها من الكتاب والسنة المتواترة والإجماع، فلايجوز تغييرها عن أوقاتها بضرب من الاستدلال، أو بخبر الواحد مع أن الاستدلال فاسد لأن السفر والمطر لاأثرلهما في إباحة تفويت الصلاة عن وقتها ألاترى أنه لايجوز الجمع بين الفجر والظهر مع ما ذكرتم من العذر –إلى– ثم هو مؤل وتأويله أنه جمع بينهما فعلا لاوقتا بأن أخر الأولى منهما إلى آخر الوقت ثم أدى الأخرى في أول الوقت، ولاواسطة بين الوقتين فوقعتا مجتمعتين فعلا كذا فعل ابن عمرؓ فى سفر وقال: هكذا كان يفعل بنارسول الله صلى الله عليه وسلم، دل عليه ماروي عن ابن عباس رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم جمع من غير مطر ولاسفر وذلک لايجوز إلا فعلا.

وعن علي رضي الله عنه أنه جمع بينهما فعلا، ثم قال: هكذا فعل بنارسول الله صلى الله عليه وسلم وهكذا روي عن أنس بن مالک الخ (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجمع بين الصلاتين، زكريا ١/٣٢٨-٣٢٩ بيروت ١/٥٨٠ تا ٥٨٣، مثله في البحر الرائق، كتاب الصلاة، الجمع بين الصلاتين في وقت لعذر قبيل باب الأذان، زكريا ١/٤٤١، كوئٹه ١/٢٥٤، شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب الأذان، زكريا ٢/٤٦، كراچي ١/٣٨٢، هندية، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت الخ الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لاتجوز فيها الصلاة، زكريا كوئٹه

۱/۵۳، جدید زکریا ۱/۱۰۹، حاشیة الطحطاوي علی المراقي، دارالکتاب دیوبند جدید ۱۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۰/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۱۱ھ

معمولی بارش کی وجہ سے جمع بین الصلوتین کرنا

سوال [۲۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں معمولی بارش ہوتی ہے تو بیک وقت دو نمازیں ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد فوراً عشاء کی جماعت کھڑی ہو جاتی ہے، اس طرح احناف کی نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: ایس، اے، الاعظمی، پوسٹ بوکس نمبر ۲۸۲۰۲ Riffa بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں حنفیہ کی نماز صحیح نہ ہوگی؛ لہٰذا احناف پر عشاء کی نماز وقت ہونے پر دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔

اِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا. [النساء:۱۰۲]

ولا یجمع بین فرضین في وقت إذ لا تصح التي قدمت عن وقتها الخ

(مراقي الفلاح، کتاب الصلاۃ، دارالکتاب دیوبند ۱۷۹، نور الایضاح، کتاب الصلاۃ امدادیہ دیوبند ۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۸۵/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۷/۳۰ھ

ایک ہی وقت میں متعدد وقتیہ نمازیں پڑھنا

سوال [۲۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حج کے دوران واپسی کے وقت مدینہ یا جدے کے ایرپورٹ پر دن کے بارہ بجے جب ظہر کا وقت ہوتا ہے، تو حاجی لوگوں کو ایک امام صاحب ایک ساتھ ظہر عصر مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھاتے ہیں، تو کیا یہ نمازیں وقت نہ ہونے کے باوجود بھی ہوگئیں یا نہیں؟ امام ومقتدیوں کے لئے ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالحفیظ، مکرانہ ناگور راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس امام نے ظہر کے وقت میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی تمام نمازیں ایک ساتھ پڑھادی ہیں، اس امام اور مقتدی کی صرف ظہر کی نماز صحیح ہوئی اور باقی عصر، مغرب اور عشاء کی نماز درست نہیں ہوئیں اس امام اور مقتدی پر ان نمازوں کا اعادہ لازم ہے۔

اِنَّ الصَّلَاةَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَوْقُوْتًا. [النساء:۱۰۳]

وقد منع عن الجمع بينهما في وقت واحد بسبب العذر للنصوص القطعية بتعيين الأوقات فلايجوز تركه إلابدليل مثله. (بحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين كوئٹه ١/٢٥٤، زكريا ١/٤٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۸۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۷ھ

(۱۴) باب صلوۃ النساء

کیا مرد وعورت کی نماز میں فرق ہے؟

سوال [۲۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں ومردوں کی نماز کے درمیان کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر فرق ہے تو اس کا ثبوت کس حدیث سے ہے۔ نیز حدیث پاک ''صلوا کما رأیتموني أصلي'' کے مصداق میں کیا عورتیں داخل نہیں ہیں؟

المستفتی: ابوالکلام، سدھارتھ نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوال میں جو حدیث پاک پیش فرمائی ہے وہ حدیث پاک حضور ﷺ نے حضرت مالک بن الحویرثؓ کے اپنے قبیلہ میں واپس ہوتے وقت ارشاد فرمائی تھی۔ (بخاری شریف ۱/۸۸، حدیث:۶۲۲، نسخۂ ہندی فتح الباری بیروت ۲/۱۱۱، حدیث ۶۳۱، عمدۃ القاری بیروت ۵/۱۴۵)

اس حدیث کے اصل مخاطب حضرت مالک بن الحویرثؓ ہیں، اس حدیث میں نماز کے اصول، ارکان، فرائض وواجبات میں عورتیں ومرد سب داخل ہیں؛ لیکن آداب ومستحبات میں مردوں اور عورتوں میں فرق ہے، اس حدیث میں آداب ومستحبات نہیں بیان کئے گئے ہیں؛ بلکہ نماز کے واجبات اور فرائض کی کیفیات اور کمیات بیان کی گئی ہیں اور آداب ومستحبات دوسری حدیث میں ہیں جن میں عورتوں کے الگ اور مردوں کے الگ ہیں، جو ذیل کی حدیثوں سے واضح ہوتا ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم

قال: والتصفيق للنساء، والتسبيح للرجال. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التصفيق للنساء ١/ ١٦٠، رقم: ١١٨٩، ف: ١٢٠٣، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تسبيح الرجل وتصفيق المرأة، النسخة الهندية ١/ ١٨٠، بيت الأفكار رقم: ٤٢٢)

فقال: لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: ياوائل بن حجر! إذا صليت فاجعل يديک حذاء أذنيک، والمرأة تجعل يديها حذاء ثدييها. (المعجم الكبير للطبراني ٢٢/ ٢٠، رقم: ٢٨، جامع الأحاديث للسيوطي ٩/ ٢٢٣، رقم: ٢٨١٤٧، مجمع الزوائد ٢/ ١٠٣و ٩/ ٣٧٤)

عن يزيد بن أبي حبيبؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان، فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض، فإن المرأة ليست في ذلک كالرجل. (جامع الأحاديث للسيوطي ١/ ٢٢٠، رقم: ١٤٥٢، مراسيل أبي داؤد ٨، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر جديد ٣/ ٧٥، رقم: ٣٢٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

عورتوں و مردوں کی نماز میں فرق سے متعلق احادیث

سوال [۲۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں اور مردوں کی نماز میں جو فرق ہے مثلاً عورتیں جب سجدہ کرتی ہیں، تو اپنے تمام بدن کو ایک دوسرے اعضا سے چپکا کر کرتی ہیں، جلسہ میں دونوں پیر ایک طرف نکال کر بیٹھتی ہیں، تو اس فرق سے متعلق احادیث میں کوئی تذکرہ ہو تو احادیث تحریر فرمادیں اور اس حدیث کی حیثیت بھی تحریر فرمادیں؟

المستفتی: نسیم انور ندوی، ڈائریکٹر فاطمہ گرلس اکیڈمی رانچی (جھارکھنڈ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا سجدہ کی حالت میں بدن کے اعضاء کو ایک دوسرے سے چپکا کر رکھنا، اسی طرح دونوں پیروں کو ایک طرف نکال کر چمٹ کر بیٹھنا حدیث سے ثابت ہے۔

دونوں طرح کی حدیثیں ملاحظہ فرمائیے:

عن يزيد بن أبي حبيب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان، فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض، فإن المرأة ليست في ذلک كالرجل. (مراسيل أبي داؤد ٨، رقم:٨٧، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر جديد ٣/٧٥، رقم:٣٢٨٥، وفي نسخة القديم ٢/٢٢٣)

عن عبد الله بن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا جلست المرأة في الصلاة وضعت فخذها على فخذها الأخرى، وإذا سجدت ألصقت بطنها في فخذيها كأستر مايكون لها، وإن الله تعالى ينظر إليها ويقول يا ملائكتي أشهدكم أنى قد غفرت لها. (السنن الكبرى، دارالفكر ٣/٧٤، رقم: ٣٢٨٣، وفي نسخة القديم ٢/٢٢٣)

عبد الرزاق عن معمر عن قتادةؓ، قال: جلوس المرأة بين السجدتين متوركة على شقها الأيسر الحديث (مصنف عبد الرزاق ٣/١٣٩، رقم:٥٠٧٥)

عن علي –رضي الله عنه– قال: إذا سجدت المرأة فلتحتفز، ولتلصق فخذها ببطنها. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٣/١٣٨، رقم:٥٠٧٢، المصنف لإبن أبي شيبه، كتاب الصلاة، باب المرأة كيف تكون في سجودها، موسسه علوم القرآن جديد ٢/٥٠٤، رقم:٢٧٩٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۳ھ

مستورات حرم مکی میں نماز پڑھیں یا گھر میں؟

سوال [۲۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکہ میں عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے یا حرم شریف میں؟ ہم نے یہ سنا ہے کہ حرم شریف میں خواتین نماز پڑھیں گی تو ایک نماز کا ثواب ملے گا اور خواتین گھر میں نماز پڑھیں گی تو ایک لاکھ نماز کا ثواب ملے گا، اس میں کتنی سچائی ہے؟

المستفتی: اہلیہ حاجی اکرام شمسی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے؛ لیکن عورتوں کے لئے اپنے گھر یا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا افضل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حرم شریف میں مردوں کے اختلاط کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں ایک عورت کی وجہ سے تین مردوں کی نماز فاسد ہوجاتی ہے؛ ہاں البتہ عورتوں کے لئے جو جگہیں مخصوص کی گئی ہیں ان جگہوں میں جاکر نماز پڑھنے میں کوئی خرابی اور مفاسد نہیں ہیں۔

عن أبي الدرداء رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فضل الصلوة في المسجد الحرام على غيره مأة ألف صلوة. (شعب الإيمان، باب في المناسك، فضل الحج و العمرة، دارالکتب العلمية بيروت ٣/٤٨٥، رقم: ٤١٤٠، مسند البزار ١٠/٧٧، رقم: ٤١٤٢)

عن عبد الله بن سويد الأنصاري، عن عمته أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي، أنها جاءت النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله! إني أحب الصلاة معک، قال: قد علمت أنک تحبين الصلاة معي، وصلاتک في بيتک خيرلک من صلاتک في حجرتک، وصلاتک في حجرتک

خيــر مــن صــلاتک في دارک، وصــلاتک فـي دارک خيـر لک مـن صـلاتک في مسجد قومک، وصلاتک في مسجد قومک خيرلک من صـلاتک فـي مسـجـدي، قـال: فأمرت فبني لها مسجد في أقصى شيئ من بيتها وأظلمه، فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزو جل. (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٣٧١ رقم: ٢٧٦٣٠، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٨١٥، رقم: ١٦٨٩، صحيح ابن حبان دارالفكر ٣/٩ ٢٤، رقم:٢٢١٦)

ثم المرأة الـواحـدة تفسد صلوة ثلاثة: واحد عن يمينها، وآخر عن يسـارهـا، وآخـرخـلـفها وتحته في حاشية الچلپي:وعليه الفتوى وكثيرا ما تفسد الصلاة بهـذا السبب في المسجد الحرام، وفي المسجد الأقصى.
(تبيين الحقائق مع حاشية چلپي، كتاب الصلاة، باب الإقامة و الحدث في الصلاة،زكريا ١/ ٣٥٦، ٣٥٧، مكتبه امداديه ملتان ١/ ١٣٩)

قـال رسـول الله صـلـى الله عـليه وسلم: لاتمنعوا نسائكم المساجد، وبيوتهن خيرلهن. (ابوداؤدشريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في خروج النساء إلى المساجد،النسخةالهندية ١/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٥٦٧، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٧٦، رقم:٥٤٦٨، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٨١٣، رقم:١٦٨٣، المستدرك، كتاب الصلاة جديد ١/ ٣١٣، رقم:٧٥٥)

وذكـر البيـري فـي شـرح الأشبـاه في أحكام المسجد: أن المشهور عـند أصحابنا أن التضعيف يعم جميع مكة؛ بل جميع حرم مكة الذي يحرم صيـده، كـما صححه النووي. (شامي، كتاب الحج، مطلب في مضاعفة الصلاة بمكة، كراچي ٢/ ٥٢٥، زكريا ٣/ ٥٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۹۵/۳۹)

عورت قیام میں پاؤں کو ملائے یا درمیان میں فاصلہ رکھے؟

سوال[۲۶۴۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں بحالت قیام عورت کے لئے دونوں پاؤں ملانا سنت ہے یا مرد کی طرح چار انگل کا فاصلہ رکھنا سنت ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کے لئے قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنے، یادونوں کو ملانے سے متعلق حدیث اور فقہ کی کتابوں میں کوئی صراحت نظر سے نہیں گذری، ہاں البتہ حدیث میں اور فقہ کی کتابوں میں اتنی بات ضرور ملتی ہے کہ عورتوں کے لئے ہر رکن کی ادائیگی میں اپنے اعضاء کو حتی الامکان سمیٹنا چاہئے؛ لہٰذا قیام کی حالت میں جہاں تک ممکن ہو پیروں کو ملانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہ مسئلہ قیاسی ہے اس کو لازم سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر کسی کو اس کے خلاف صریح جزئیہ مل جائے، تو اس پر عمل کرے، ہم کو کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا۔

عن ابن عباسؓ، أنه سئل عن صلاة المرأة؟ فقال: تجتمع وتحتفز.

(مصنف بن أبي شيبة، موسسه علوم القرآن جديد ۲/ ۵۰۵،رقم: ۲۷۹٤)

والمرأة تنخفض، فلاتبدي عضديها وتلصق بطنها بفخذيها؛لأنه أستر.

(شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۲۱۱، كراچي ۱/ ۵۰٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۷۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

کیا عورتوں کے لئے قیام میں ٹخنے ملانا مسنون ہے؟

سوال [۲۶۴۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ عورت کو نماز میں اپنے دونوں ٹخنے ملانا مسنون ہے یا مرد کی طرح چار انگل کا فاصلہ مستحب ہے، ایک صاحب کہہ رہے ہیں، کہ قیام کی حالت میں مرد کی طرح عورت کے لئے بھی چار انگل کا فاصلہ مستحب ہے اور رکوع کی حالت میں عورت کا اپنے دونوں ٹخنے ملانا مسنون ہے، صحیح کیا ہے؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن، مدرسہ تجوید القرآن سمدھن قنوج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عورتوں کے لئے قیام کی حالت میں ٹخنوں کو چار انگل کے فاصلہ پر رکھنے یا ملا کر رکھنے سے متعلق کوئی صراحت نہیں ملی؛ لیکن حدیث پاک میں حضور ﷺ نے عورتوں کو رکوع، سجدہ اور جلسہ وغیرہ میں اعضاء کو ایک دوسرے سے ملا کر ارکان کی ادائیگی کا حکم فرمایا ہے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قیام کی حالت میں ٹخنوں کو ٹخنوں سے ملا کر کھڑے ہو جانا چار انگل فاصلہ رکھنے کے مقابلہ میں بہتر ہے۔

روایات ملاحظہ فرمایئے:

عن يزيد بن أبي حبيبؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان، فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض، فإن المرأة ليست في ذلک كالرجل. (جامع الأحاديث للسيوطي ١/ ٢٢٠، رقم: ١٤٥٢، مراسيل أبي داؤد ٨، رقم: ٨٧، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر جديد ٣/ ٧٥، رقم: ٣٢٨٥)

عن ابن عمر مرفوعا إذا جلست المرأة في الصلاة وضعت فخذها على فخذها الأخرىٰ، فإذا سجدت ألصقت بطنها في فخذيها كأستر مايكون لها. (كنز العمال ٧/ ٢٢٣، رقم: ٢٠١٩٩)

إذا جلست المرأة في الصلاة، وضعت فخذها على فخذها الأخرى، وإذا سجدت ألصقت بطنها في فخذيها كأستر مايكون لها، وإن الله تعالى ينظر إليها ويقول يا ملائكتي! أشهدكم أني قد غفرت لها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي جديد، دارالفكر ٣/ ٧٥، رقم: ٣٢٨٤، وفي نسخة القديم ٢/ ٢٢٣)

اور رکوع کی حالت میں عورتوں کے لئے دونوں ٹخنے ملانا مسنون ہے، یہ بات درست ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور۲/۱۷)

وفي المجتبى: هذا كله في حق الرجل أما المرأة فتنحني في الركوع يسيرًا ولاتفرج؛ ولكن تضم وتضع يديها على ركبتيها وضعا، وتحني ركبتيها ولاتجا في عضديها، لأن ذلك أستر لها. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة، كراچي ١/ ٤٩٤، زكريا ديوبند ٢/ ١٩٧، مستفاد: بهشتي زيور ٢/ ١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۳۷)

عورت سینہ بند نہ پہنے تو کیا نماز ہوجائے گی؟

سوال [۲۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت اگر گرمی کی وجہ سے چھوٹا کپڑا (جو اندر پہنا جاتا ہے اسے) نہ پہنے تو نماز ہوجاتی ہے یانہیں؟

المستفتی: شبنم کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کپڑا اس طرح پہنتی ہو کہ جسم بالکل نظر نہ آئے تو اس کی نماز اس کپڑے میں اداء ہوجائے گی خواہ اس کپڑے کے اندر چھوٹے کپڑے (بنیان سینہ بند وغیرہ) ہو یا نہ ہو؛ اس لئے کہ عورت کے لئے نماز میں دونوں ہاتھ دونوں قدم اور چہرہ کے علاوہ تمام بدن کا چھپانا فرض ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۵/ ۶۲۰)

عن عائشة-رضي الله عنها-قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتقبل صلاة الحائض إلا بخمار. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب

ماجاء لاتقبل صلاة الحائض إلا بخمار، النسخة الهندية ١ /٨٦، درالسلام رقم:٣٧٧، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب المرأة تصلي بغير خمار، النسخة الهندية١ /٩٤، دار السلام رقم: ٦٤١، سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب إذا حاضت المرأة لم تصل إلا بخمار، النسخة الهندية ١ /٤٨١، دارالسلام رقم: ٦٥٥، مسند أحمد بن حنبل ٦/١٥٠، رقم: ٥٦٨٢، صحيح ابن خزيمة المكتب الإسلامي ١ /٤٢١، رقم:١ ٨٣١)

والرابع: ستر عورته –إلى قوله– للحرة جميع بدنها خلا الوجه، والكفين، والقدمين. (تنوير الأبصار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، كراچي ١ /٤٠٥، زكريا ٢ /٧٨، كذا في الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، زكريا ١ /٥٨، شرح النقاية، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، اعزازية ديو بند ١ /٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۶۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

عورتوں کے ہتھیلیوں کو نماز میں کھلے رکھنے کا حکم

سوال [۲۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کو نماز میں سجدے میں ہاتھ اچھی طرح ڈھکنے ضروری ہیں؟

تکبیر تحریمہ کے وقت تو عورتیں دو پٹہ کے اندر ہی ہاتھ کندھوں تک اٹھاتی ہیں اور رکوع میں بھی ہاتھ دوپٹہ کے اندر ہی رہتے ہیں؛ لیکن سجدے میں تھوڑے ہاتھ دوپٹہ سے باہر ہوجاتے ہیں، اس کا جواب آپ تحریری دے دیں، تو بہتر ہے تاکہ میں عورتوں کو دکھادوں۔

المستفتی: معرفت مولانا نظر رشید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح قول کے مطابق دونوں ہتھیلیوں کو نماز کی

حالت میں عورتوں کے لئے کپڑے سے باہر کھلا رکھنا جائز اور درست ہے؛ لہٰذا رکوع اور سجدہ کی حالت میں ہتھیلیاں کھل جائیں، تب بھی نماز میں کوئی فرق نہیں آتا، مگر کلائیاں کھولنا جائز نہیں۔

وللحرة جميع بدنها خلا الوجه، والكفين، والقدمين. وتحته في الشامية: وفي مختلفات قاضي خان وغيرها، أنه ليس بعورة وأيده في شرح المنية بثلاثة أوجه، وقال: فكان هو الأصح، وإن كان غير ظاهر الرواية.

(تنوير الأبصار مع الشامي: زكريا ديوبند ٢/ ٧٨، كراچي ١/ ٤٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۲۶۴۷)

عورت ومرد کے رکوع میں فرق

سوال [۲۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک اردو کتاب میں دیکھا کہ عورت کے رکوع میں فرق ہے، رکوع میں عورت صرف اتنا جھکے کہ ہاتھ گھٹنوں کو چھولیں زیادہ نہ جھکے، اور مرد انگلیوں کو کھلا رکھے اور گھٹنوں کے اوپر رکھے، عورت انگلیاں بند کر کے رکھے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: مولانا معاذ الاسلام، استاذ مدرسہ امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اردو کی جس کتاب میں آپ نے مرد اور عورت کے رکوع میں جو فرق دیکھا ہے وہ صحیح ہے، یعنی عورت رکوع میں قلیل جھکے گی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں گھٹنوں پر ملا کر رکھے گی اور اپنے دونوں بازؤں کو پہلو سے ملائے ہوئے رکھے گی؛ البتہ مرد اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھے گا اور دونوں بازؤں کو پہلو سے جدا رکھے گا۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۲/ ۱۷)

وأما المرأة فتنحني في الركوع يسيرًا ولاتفرج؛ ولكن تضم وتضع يديها على ركبتيها وضعا، وتحني ركبتيها ولاتجا في عضديها، لأن ذلك أستر لها. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب في إطالة الركوع للجائي،کراچی ۱/ ٤٩٤، زکریا دیوبند ۲/ ۱۹۷)

ويعتمد بيديه على ركبتيه ويفرج بين أصابعه لقوله عليه السلام لأنس: إذا ركعت فضع يديك على ركبتيك وفرج بين أصابعك.

(هداية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ١/ ١٠٦، تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني سنن الصلاة، زكريا ٢/ ١٣٤، رقم: ١٩٥٥، ١/ ٥٠٥، درمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچي ١/ ٤٩٣، زكريا ١/ ١٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۴/ ۱۴۱۸ھ

عورت کا سجدہ میں جانے اور اٹھنے کا طریقہ

سوال [۲۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کے لئے سجدہ میں جانے سے پہلے بیٹھنا پھر سجدہ میں جانا، سجدے میں عورت کا سرین کو زمین پر چپکانا اور دونوں پیر داہنی جانب نکالنا، عورت کے لئے سجدے میں جاتے ہوئے زمین پر پہلے سرین پھر گھٹنے رکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے بارے میں حضرت تھانویؒ نے زمین پر پہلے گھٹنے رکھ کر سجدہ میں جانے کی بات لکھی ہے؛ حالانکہ سرین کو پہلے زمین پر ٹیکنے

کے بعد سجدہ کرنا زیادہ استر معلوم ہوتا ہے؛ لیکن اس کے بارے میں بھی کوئی صراحت نہیں ملی اور حضرت تھانویؒ نے ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ دونوں پیروں کو داہنی طرف نکال کر کے سجدہ کرلے؛ لیکن پہلے سرین زمین پر ٹیکے بغیر دونوں پیروں کو داہنی طرف نکالنا دشوار کن اور مشکل بات ہے؛ اس لئے سرین زمین پر ٹیکنے کے بعد ہی سجدہ کرنا آسان ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور حصہ دوم ۱۷)

أنها لاتنصب أصابع القدمين. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچي ١/ ٥٠٤، زكريا ٢/ ٢١١)

ويزاد على العشر أنها لاتنصب أصابع القدمين. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ١/ ٥٦١، كوئٹه ١/ ٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۷۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

پیشانی کو اوڑھنی سے ڈھانک کر اس پر سجدہ کرنا

سوال [۲۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کا اپنی پیشانی کو اوڑھنی سے ڈھانک کر اس پر سجدہ کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: ہمارے یہاں مستورات نماز اسی طرح پڑھتی ہیں؛ جبکہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ نماز کا یہ طریقہ کتب احناف میں نہیں ہے؛ لہٰذا عربی ومستند فتاوی کی عبارت سے معقول جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عورت سر کو اچھی طرح ڈھانک لیتی ہے

اوراس کے دوپٹے کا کنارہ پیشانی تک آجاتا ہے اورسجدہ میں پیشانی کا کچھ حصہ دوپٹہ پر آجائے اوراسی حالت میں سجدہ کرلے،تو بلاشبہ سجدہ درست ہوجائے گا،یہ اسی طرح ہے جیسا کہ حضرات صحابۂ کرام گرمی یا سردی کی وجہ سے اپنے پہنے ہوئے کپڑے کے کنارہ پرسجدہ کرلیتے تھے؛ لیکن افضل یہی ہے کہ سجدہ کی حالت میں پوری پیشانی دوپٹے سے حائل ہوئے بغیرسجدہ میں جائے۔

عن أنس بن مالکؓ قال: کنا نصلي مع النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: فیضع أحدنا طرف الثوب من شدة الحر في مکان السجود. (بخاري شریف، النسخة الهندية ١/٥٦، رقم: ٣٨٣ ف: ٣٨٥)

قال عمرؓ إذا وجد أحدکم حر الأرض، فلیضع ثوبه بینه وبین الأرض، ثم لیسجد علیه. (مصنف ابن أبي شیبة جدید ٢/٤ ٥٠، رقم: ٢٧٨٧)

عن عليؓ قال: قال: إذا صلی أحدکم فلیحسر العمامة عن جبهته. (مصنف ابن أبي شیبة جدید ٢/ ٥٠٠، رقم: ٢٧٧١) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رشعبان المعظم۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۰۴۷۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۴ھ

عورتوں کا حرم میں چہرہ ڈھانک کرنماز پڑھنا

سوال [۲۶۵۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیاحرم شریف میں چہرہ ڈھانک کر نماز ہوجائے گی؟

المستفتی: اہلیہ حاجی اکرم شمسی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرعورتیں حرم شریف میں عورتوں کے لئے متعین کردہ جگہوں پرنماز پڑھتی ہیں،تو وہاں پر چہرہ کھول کرنماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں

اور جن جگہوں میں اجنبی مرد کی نگاہ پڑنے کا خطرہ ہو وہاں چہرہ ڈھانک کر نماز پڑھنا چاہئے اور اگر عورت حالت احرام میں ہے تو نقاب کا کپڑا چہرہ پر لگنا ممنوع ہے؛ اس لئے کہ حالت احرام میں یا تو چہرہ کھلا رکھے یا اپنی پیشانی سے اوپر ہیٹ یا اس جیسی کسی چیز کے ذریعہ نقاب کے کپڑے کو چہرہ سے دور رکھے وہ کپڑا چہرے سے لگنا نہیں چاہئے۔

يجوز للمرأة كشف وجهها في الصلاة. (اوجز المسالك جديد ٣/ ١١٦)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة، كراچي ١/ ٤٠٦، زكريا ٢/ ٧٩)

وليس للمرأة أن تغطي وجهها وأنها لو أسدلت على وجهها شيئا وجافته عنه لابأس بذلك. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل واما بيان مايحظره الاحرام ٣/ ٢١٠، جديد زكريا ٢/ ٤٠٩، قديم ٢/ ١٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۹۵)

سجدہ میں پیر کی انگلیوں کا رخ

سوال [۲۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت سجدہ کی حالت میں دونوں قدم کھڑا کر کے انگلیاں قبلہ کی طرف کر لے یا کوئی دوسری کیفیت ہوگی؟

المستفتی: سلامت اللہ کھنڈوا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سجدہ کی حالت میں مردوں کی طرح قدمین کو کھڑا کئے بغیر تورک کی حالت میں قبلہ کی طرف کرے گی، مردوں کی طرح قدمین کو کھڑا نہیں کرے گی؛ البتہ انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرے گی۔

وذكر في البحر أنها لاتنصب أصابع القدمين. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچي ١/٥٠٤، زكريا ٢/٢١١)

ويزاد على العشر أنها لاتنصب أصابع القدمين. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ١/٥٦١، کوئٹه ١/٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۶۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۶ھ

سجدے میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا واجب ہے یا سنت؟

سوال [۲۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا اس حدیث کی روشنی میں جس میں سجدے کے اندر سات ہڈیوں کو زمین پر لگانے کا حکم دیا گیا ہے، دونوں گھٹنوں کا زمین پر لگانا واجب ہے یا سنت؟ اگر سنت ہے تو پھر اس حدیث کا جواب ہمارے نزدیک کیا ہے، نیز گھٹنوں کی تشریح فرمادیں کہ گھٹنہ کس حصہ کو کہیں گے اور سجدہ کی حالت میں گھٹنہ کا کون سا حصہ زمین پر لگانا مقصود ہے؟

المستفتی: سلامت اللہ، خادم جامعہ خیر العلوم بورے گاؤں کھنڈوا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق سجدہ میں گھٹنوں کا زمین پر رکھنا واجب ہے اور آپ نے جس حدیث شریف کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مسلک احناف کی تائید ہوتی ہے؛ لہٰذا جواب دینے کی ضرورت نہیں اور گھٹنوں سے مراد پیر کے درمیان کی ابھری ہوئی ہڈی ہے، اسی ہڈی کا سجدہ میں زمین پر رکھنا واجب ہے؛ البتہ عورت گھٹنوں کو مردوں کی طرح کھڑا کر کے زمین پر نہیں رکھے گی؛ بلکہ پنڈلیوں سمیت گھٹنوں کا جتنا حصہ زمین پر لگ سکے اتنے ہی کی وہ مکلّف ہے؛ اس لئے کہ چمٹ کر سجدہ کرنے کی صورت میں مکمل گھٹنوں کا زمین پر ٹیکنا مشکل ہے۔

عن علي رضي الله عنه إذا سجدت المرأة فلتحتفز و لتضم فخذيها.
(مصنف ابن أبي شيبه، كتاب الصلاة، باب المرأة كيف تكون في سجودها، مؤسسه علوم القرآن جديد ٢/٤ ٥٠، رقم:٢٧٩٣، قديم ١/ ٢٧٠)

وذكر في البحر أنها لا تنصب أصابع القدمين. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في اطالة الركوع للجائي، كراچي ١/٤ ٥٠، زكريا ٢/ ٢١١)

ويسجد واضعا ركبتيه، ثم يديه وفي الشامي: قدمنا الخلاف في أنه سنة، أو فرض، أو واجب، وأن الأخير أعدل الأقوال وهواختيار الكمال.
(شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، كراچي ١/٤٩٧، زكريا ٢/ ٢٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۶ھ

عورت کا دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر کھڑا ہونا

سوال [۲۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسرے سجدے کے بعد عورت کے لئے بیٹھنا پھر کھڑا ہونا کیسا ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ملی؛ لیکن سرین پر ٹیک لگائے بغیر دونوں پیر جو داہنی طرف نکلے ہوئے ہیں انہیں اپنی جگہ واپس لا کر کھڑے ہونے میں سخت دشواری پیش آسکتی ہے، اگر چہ اس سلسلہ میں صراحت نہیں ملی، مگر موجودہ صورت سے خود بخود یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سرین کو زمین پر ٹیک کر اٹھنے میں عورت کے لئے زیادہ آسانی ہے۔ (مستفاد: از بہشتی زیور حصہ دوم ۱۷)

أنهالاتنصب أصابع القدمين. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچي ١/٥٠٤، زكريا ٢/٢١١)

ويزاد على العشر أنها لاتنصب أصابع القدمين. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ١/٥٦١، كوئٹه ١/٣٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۷۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

بازؤں کو پہلو سے ملائیں یا کہنیوں کو زمین پر بچھائیں؟

سوال [٢٦٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عام طور پر کتابوں میں لکھا ہے کہ سجدے کی حالت میں بازؤں کو پہلو سے ملالے اور کہنیوں کو زمین پر بچھالے عملاً دیکھا گیا ہے کہ یہ دونوں باتیں بیک وقت نہیں ہوسکتی ہیں تو پھر کس کو ترجیح دی جائے؟

المستفتی: سلامت اللہ کھنڈوا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے عورتوں کے لئے سجدہ کی جو مسنون کیفیت بیان کی ہے کہ پیٹ کو رانوں سے ملاکر کہنیوں کو زمین پر بچھا کر اور بازؤں کو پہلوؤں سے ملاکر سجدہ کرے، اس کا مقصد یہ ہے کہ خوب پردہ کے ساتھ سجدہ کیا جائے اور اعضاء ظاہر نہ ہوں اور بازؤں کو پہلوؤں سے ملاکر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کی طرح بازؤں کو پہلوؤں سے بالکل الگ نہ رکھے؛ بلکہ جہاں تک ہوسکے ملاکر رکھے تاکہ اعضاء ظاہر نہ ہوں اور اس طرح سے کہنیوں کو زمین پر بچھانا اور بازؤں کو پہلوؤں سے ملانا کچھ مشکل نہیں؛ لہٰذا ترجیح کی بھی ضرورت نہیں۔

عن يزيد بن أبي حبيبؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان، فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض. (مراسيل أبي داؤد ۸/، رقم: ۸۷)

عن علي –رضي الله عنه– قال: إذا سجدت المرأة فلتحتفز، ولتلصق فخذيها ببطنها. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ۱۳۸/۳، رقم: ۵۰۷۲)

والمرأة تنخفض فلاتبدي عضديها، وتلصق بطنها بفخذيها، لأنه أستر وفي الشامي: وتفترش ذراعيها. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، زكريا ۲۱۱/۲، شامي كراچي ۵۰٤/۱)

ذلک لأن مبنى أمرها على الستر، فكان السنة في حقها ما كان أستر من الهيئات. (كبيرى، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة جديد اشرفية ديو بند ۳۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸/ رجب ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۴۱/۲۵)	۱۸/۷/۱۴۲۱ھ

سجدہ میں عورتوں کا تورک کرنا

سوال [۲۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت سجدہ میں جاتے وقت پہلے زمین پر بیٹھے گی پھر تورک کے ساتھ سجدہ کرے گی یا بیٹھنے کے بجائے پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک وپیشانی رکھ کر سجدہ کرے گی، حالت سجدہ میں کیا عورت کے لئے تورک مسنون ہے جیسا کہ عام طور پر عورتیں سجدہ کرتی ہیں یا تورک نہ کرے گی؟

المستفتی: سلامت اللہ، کھنڈوا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورتوں کے سجدے کی مسنون کیفیت یہ ہے کہ زمین سے چمٹ کر پیٹ کورانوں سے ملاکر بازؤں کو پہلوؤں سے ملاکر کہنیوں کو بچھا کر سجدہ کرے اس کیفیت پر سجدہ کرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ عورت زمین کا سہارا لے کر سجدے میں جائے، سہارا لیئے بغیر سجدہ میں جائے گی تو دشواری پیش آئے گی، اب اگر سہارا لینے میں بیٹھنے کی شکل بن جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ اس لئے کہ یہاں بیٹھنا مقصود نہیں ہے؛ بلکہ سجدہ کی مسنون کیفیت کو حاصل کرنا مقصود ہے، اسی طرح مسنون کیفیت کے مطابق سجدہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ عورت اپنے پیروں کو داہنی طرف نکال لے ورنہ اسے دشواری پیش آئے گی۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۲۲۵/۷، فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۶۲۰/۵)

عن يزيد بن أبي حبيبؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان، فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض. (مراسيل أبي داؤد ٨، رقم:٨٧)

عن علي –رضي الله عنه– قال: إذا سجدت المرأة فلتحتفز، ولتلصق فخذيها ببطنها. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ١٣٨/٣، رقم: ٥٠٧٢)

عن معمر عن قتادة قال جلوس المرأة بين السجدتين متوركة على شقها الأيسر الحديث (مصنف عبد الرزاق ١٣٩/٣، رقم:٥٠٧٥)

والمرأة تنخفض فلا تبدي عضديها، وتلصق بطنها بفخذيها، لأنه أستر وفي الشامي: وتفترش ذراعيها. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، زكريا ٢١١/٢، شامي كراچي ٥٠٤/١)

ويكبر للنهوض بلا اعتماد وقعود استراحة، ولو فعل لابأس. وفي الشامي: أي على الأرض قال في الكفاية: أشار به إلى خلاف الشافعي في موضعين أحدهما يعتمد بيديه على ركبتيه عندنا وعنده على الأرض، والثاني الجلسة الخفيفة، وقال شمس الأئمة الحلواني: الخلاف في

الأفضل حتى لو فعل كما هومذهبنا لابأس به عند الشافعي، ولو فعل كما هو مذهبه لابأس به عندنا، كذا في المحيط. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، كراچي ۱/۵۰۹، زكريا۲/۲۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸ ؍۹۶۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۶ھ

عورتوں کا نماز ودیگر عبادت کے لئے مسجد جانا

سوال [۲۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ہمارے علاقہ میں اس وقت بعض لوگوں کی طرف سے یہ بات اٹھی ہے کہ عورتوں کو مسجد میں جماعت کی نماز کے لئے آنے میں شریعت کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے؛ بلکہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح مسجد میں حاضر ہوکر نماز ادا کرنا چاہئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن وحدیث وآثار اور حنفی وشافعی فقہ میں ہمیں اس مسئلہ میں کیا رہنمائی ملتی ہے، کیا ہم اس وقت اپنی عورتوں کو جماعت کی نماز کے لئے مسجد بھیج سکتے ہیں، اگر شریعت کی طرف سے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں تو پھر عامۃً اس پر عمل کیوں نہیں، اگر ممانعت ہے تو وہ کن دلائل سے ہے؟

(۲) نیز کیا شب برأت، شب قدر وغیرہ مخصوص راتوں میں عورتیں عبادت کے لئے مسجد میں آسکتی ہیں؟

المستفتی: ابوالحسن قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عورتوں کے لئے مردوں کی طرح مسجدوں میں جاکر جماعت میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے، دور صحابہ سے عورتوں پر پابندی لگائی جاچکی ہے؛

اس لئے کہ عورتوں کا جماعت میں شرکت کے نام سے نکلنے میں فتنہ اور برائیوں کا سخت خطرہ ہے؛ اس لئے جماعت میں شرکت ان سے معاف ہے؛ لہٰذا جماعت کی نماز کے لئے عورتوں کو مسجد بھیجنا جائز نہ ہوگا۔

عن عمرؓ، أنه نهى الشواب عن الخروج، ولأن خروجهن إلى الجماعة سبب الفتنة والفتنة حرام، وما أدى إلى الحرام فهو حرام الخ (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل وحر أما بيان من يصلح للإمامة،زكريا ١/٣٨٨، كراچي ١/١٥٧)

(۲) شب برأت اور شب قدر وغیرہ میں بھی عورتوں کو عبادت کے لئے مسجد میں جانا جائز نہیں؛ بلکہ عورتیں اپنے گھر میں رہ کر عبادت کریں۔

عن عائشة–رضي الله عنها– قالت: لورأي رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أحدث النساء، لمنعهن المسجد، كما منعت نساء بني إسرائيل. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب في خروج النساء في العيدين،النسخة الهندية ١/١٢٠، دارالسلام رقم: ٥٤٠، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك، النسخة الهندية ١/٨٤، دارالسلام رقم: ٥٦٩، صحيح ابن خزيمة ٢/٨١٨، رقم: ١٦٩٧، مصنف عبد الرزاق ٣/١٤٩، رقم: ٥١١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۱۲۳/۳۳)

عورتوں کی جماعت کا حکم

سوال [۲۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں، نیز نماز تراویح کی جماعت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن، م سدھارتھ نگری، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چاہے نماز فرض ہو یا تراویح تنہا عورتوں کی جماعت جس میں امام بھی عورت ہی ہو مکروہ ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: لاخير في جماعة النساء إلا في مسجد جماعة. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/٤٤٩، رقم:٩٣٥٩، مسند أحمد بن حنبل ٦/٦٧، رقم:٢٤٨٨٠، ٦/١٥٤، رقم:٢٥٧٢٨)

ويكره تحريمًا جماعة النساء ولو في التراويح الخ (در مختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/٣٠٥، كراچي ١/٥٦٥، طحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة قديم ١٦٦، جديد دارالكتاب ديوبند ٣٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۶۱/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۹ھ

تنہا عورتوں کی جماعت کا حکم

سوال [۲۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عورتیں آپس میں جماعت کرنا چاہیں تو کرسکتی ہیں یا نہیں؟ اگر کرسکتی ہیں تو کس طرح کریں گی؟

المستفتی: محمد قاسم گانوڑی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؛ بلکہ اپنے اپنے گھروں میں تنہا نماز پڑھنا افضل ہے۔

عن عبدالله–رضي الله عنه–عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك النسخة الهندية ١/٨٤، دارالسلام رقم:٥٧٠، المستدرك، كتاب الصلاة قديم ١/٣٢٨، جديد ١/٣١٤، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/٨١٥، مسند البزار ٥/٤٢٦، رقم:٢٠٦٠)

عن عائشة–رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: لاخير في جماعة النساء إلا في مسجد. (مسند أحمد بن حنبل ٦/٦٧، رقم: ٢٤٨٨٠، ٦/١٥٤، رقم:٢٥٧٢٨)

ويكره تحريمًا جماعة النساء ولو في التراويح، وفي الشامية: وأنها إذا توسطت لاتزول الكراهة الخ (در مختارمع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/٣٠٥،٣٠٦، كراچي ١/٥٦٥، هدايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة اشرفي ديوبند ١/١٢٣، تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الحث على الجماعة ١/٦٠٨، زكريا ٢/٢٨١، رقم:٢٤٢٦)

صلاتهن فرادىٰ أفضل. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره ١/٨٥، جديد ١/١٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۲۶۰۱)	۱۴۲۱/۴/۲۳ھ

تنہا عورتوں کا جماعت کرنا

سوال [۲۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کی تنہا جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ لیکن اگر کوئی لڑکی حافظ قرآن ہو اور رمضان میں تراویح کی جماعت اس غرض سے کرے کہ اس کی وجہ سے قرآن پاک یاد رہے گا،

تو اس کا یہ فعل کیسا ہے، آیا جواز کی صورت میں داخل کر کے اس کو تراویح پڑھانے کی اجازت دی جائے گی یا اس کو تراویح پڑھانے سے منع کر دیا جائے گا، عدم جواز کی صورت میں قرآن پاک یاد رکھنے کی آسان صورت کیا ہوسکتی ہے۔

واضح رہے کہ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی نے حاشیہ علم الفقہ ۲/۹۵ میں عورتوں کی جماعت کو غیر مستحب لکھا ہے اور مکروہ تحریمی ہونے کی تردید کی ہے، اس کی بھی وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: عبدالقدیر مہولی بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تنہا عورتوں کی جماعت خواہ فرائض نماز کے لئے ہو یا نوافل کے لئے بہر صورت کراہت کے ساتھ جائز ہے، قرآن پاک کی یادداشت کے لئے جماعت کرنے سے کراہت ختم نہیں ہوتی؛ بلکہ علی حالہ کراہت باقی رہتی ہے؛ البتہ عورت جماعت کرلے اور امامت کرنے والی درمیان صف میں کھڑی ہو، تو نماز کراہت کیساتھ درست ہوجائے گی اور علم الفقہ میں غیر مستحب کہنا درست ہے؛ لیکن یہ اس وقت ہے جب عورت امام بن کر درمیان صف میں کھڑی ہو؛ اس لئے کہ اس طریقۂ ابتداء اسلام میں عورتوں کی جماعت مستحب تھی، پھر استحباب منسوخ ہوگیا تو جماعت غیر مستحب ہو کر باقی رہ گئی؛ لہٰذا غیر مستحب سے کراہت تنزیہی کا ثبوت ہوا، جیسا کہ اس کی وضاحت علامہ ابن الہمام اور صاحب تبیین الحقائق نے کی ہے، نیز صاحب علم الفقہ کی کراہت تحریمی کی تردید بھی درست ہے؛ اس لئے کہ کراہت تحریمی اس وقت لازم آتی ہے؛ جبکہ عورت امام بن کر صفوں کے آگے مرد کی طرح کھڑی ہو؛ لیکن جب عورت وسط صف میں کھڑی ہو تو کراہت میں کمی آجاتی ہے، یعنی تحریمی باقی نہیں رہتی؛ لہٰذا فقہاء کا عورتوں کی جماعت کو مکروہ قرار دینے اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کا کراہت تحریمی کی تردید کر کے کراہت تنزیہی کہنے میں کوئی تعارض باقی نہ رہا۔

عن عائشة–رضي الله عنها– قالت: لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أحدث النساء لمنعهن المسجد، كما منعت نساء بني إسرائيل. فقلت لعمرة: أو منعن؟ قالت: نعم. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب خروج النساء إلى المساجد بالليل والغلس، ۱/ ۱۲۰، رقم: ۸٦۱، ف:۸٦۹، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة، النسخة الهندية ۱/۱۸۳، بيت الأفكار رقم: ٤٤٥)

عن عائشة–رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: لاخير في جماعة النساء إلا في مسجد جماعة. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/٤٤٨، رقم:۹۳٥۹، مسند أحمد بن حنبل ٦/٦۷، رقم: ۲٤۸۸۰، ٦/١٥٤، رقم:۲٥۷۲۸)

عن ريطة الحنيفة، أن عائشة–رضي الله عنها– أمتهن، وقامت بينهن في صلاة مكتوبة. (مصنف عبد الرزاق ۳/ ١٤٠، رقم:٥٠٨٦)

عن حجيرة بنت حصين رضـ قالت: أمتنا أم سلمة رضـ في صلاة العصر قامت بيننا. (مصنف عبد الرزاق ۳/ ١٤٠، رقم: ٥٠٨۲)

فإنهن لو صلين جماعة جازت بالإجماع......لاستجماع شرائط الجواز (إلى قوله) مع ما يوجب كراهته من ارتكابه المحرم. (عناية على شرح الهداية، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۱/۳٦۳-۳٦٤ كوئٹه ۱/۳۰٦)

فإن فعلن يقف الإمام وسطهن لأن عائشة رضـ فعلت كذلك حين كان جماعتهن مستحبة، ثم نسخ الاستحباب. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، امدادية ملتان۱۳٦-۱۳٦)

وقال ابن الهمام فإنما يفيد نسخ السنية وهو لايستلزم ثبوت كراهة التحريم في الفعل؛ بل التنزيه ومرجعها إلى خلاف الأولى. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۱/۳٦٥، كوئٹه۱/۳۰۷)

وقال الشافعي: تحت قول الحصكفي ''ويكره تحريما جماعة النساء، فإن فعلن تقف الإمام وسطهن'' إنها إذا توسطت لاتزول الكراهة، وإنما أرشدوا إلى التوسط، لأنه أقل كراهية من التقدم. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا۲/ ۳۰۶، كراچي ۱/ ۵۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۶/ ۱۴۱۵ھ

عورتوں کا مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنا

سوال [۲۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں عورتوں کے لئے پردے کے ساتھ پنج وقتہ نماز، نیز نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کا اہتمام حنفی مسلک کے اعتبار سے درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کے لئے پنجوقتہ نماز کی جماعت میں شرکت کرنا کسی فضیلت کا باعث نہیں ہے، ان کے لئے گھروں کی کوٹھری میں تنہا نماز پڑھنا جماعت کی نماز سے زیادہ افضل ہے اور خاص طور پر اس زمانہ میں عورتوں کا پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھنے کے لئے مساجد میں جانا مکروہ اور سخت فتنہ کا باعث ہے، اگر چہ جماعت پردہ کے اہتمام کے ساتھ ہی کی جاتی ہو تب بھی ممنوع ہے اور حنفی مسلک میں عورتوں کو باجماعت نماز کے لئے مسجد میں آنے جانے کی کسی طرح کی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۴۷۲-۴۷۹)

عن عبداللہ -رضي اللہ عنه- عن النبي صلی اللہ علیه وسلم، قال:

صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. (سنن أبي داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك، النسخة الهندية ۱/۸٤، دارالسلام رقم: ۵۷۰، مسند البزار ۵/٤۲٦، رقم: ۲۰٦۰، المعجم الكبير للطبراني ۹/۲۹۵، رقم: ۹٤۸۲، مصنف عبد الرزاق ۳/۱٤۹، رقم: ۵۱۱٦)

ويكره حضورهن الجماعة، ولو لجمعة، وعيد، ووعظ مطلقا، ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان. (الدر المختار مع شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۲/۳۰۷، كراچي ۱/۵٦٦، البنايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة، اشرفية ۲/۳۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۱)

حافظہ عورت کا تراویح کی نماز باجماعت پڑھانا

سوال [۲٦٦۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت حافظ قرآن ہے تو وہ قرآن یاد رکھنے کی غرض سے رمضان المبارک میں تراویح کی جماعت کرسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ مقتدی صرف عورتیں ہوں اور وہاں کوئی مرد موجود نہ ہو۔

(۲) اگر جماعت کرلی تو قرأت بلند آواز سے کرسکتی ہے یا نہیں؟ بلند آواز سے قرأت کرنے کی صورت میں نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

(۳) اگر نماز فاسد ہوجاتی ہے تو پڑھی گئی تراویح کی قضا لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی: مشرف خاں، بہرائچ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسی صورت میں نماز تراویح مکروہ ہوجائے گی بعد میں لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

ویکره للنساء أن یصلین وحدهن الجماعة الخ (هدایه، کتاب الصلاة، باب الإمامة، اشرفی دیوبند ۱/ ۱۲۳)

عن عائشة –رضي الله عنها– أن رسول الله صلی الله علیه وسلم، قال: لاخیر في جماعة النساء إلا في مسجد جماعة. (المعجم الأوسط، دارالفکر ٦/ ٤٤٨، رقم: ٩٣٥٩، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٦٧، رقم: ٢٤٨٨٠، ٦/ ١٥٤، رقم: ٢٥٧٢٨)

(۲) راجح قول کے مطابق نماز اگرچہ فاسد نہیں ہوتی ہے؛ لیکن پھر بھی آواز اتنی بلند نہ کرے جس سے باہر مردوں کو سنائی دے اور ایسی صورت میں نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہوجائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۲۵)

ولا نجیز لهن رفع أصواتهن، ولا تمطیطها، ولا تلینها، وتقطیعها لما في ذلک من استمالة الرجال إلیهن وتحریک الشهوات منهم. (منحة الخالق، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، زکریا ۱/ ٤٧١، کوئٹه ۱/ ۲۷۰، حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۲٤۲، شامي، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في العورة، کراچي ۱/ ٤٠٦، زکریا ۲/ ۷۹)

(۳) نماز فاسد نہیں ہوئی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۳ھ

عورتوں کا رمضان میں نماز تراویح پڑھنے کے لئے مساجد میں جانا

سوال [۲۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن مساجد میں باقاعدہ عورتوں کے لئے پردہ کا انتظام مستقل ہے یا عارضی طور پر رمضان المبارک میں کیا گیا ہے، وہاں عورتوں کا جانا اور نماز فرض اور سنت تراویح ادا

کرنا کیسا ہے،اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر مہتاب علی کرالہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ مساجد میں پردہ کا انتظام ہے،مگر عورتوں کے لئے نماز کے بہانہ سے باہر آنے کا موقع ملے گا؛ اس لئے شریعت نے عورتوں کو جماعت میں شرکت کے لئے مسجد جانے سے منع کردیا ہے؛ اس لئے ایسی مسجدوں میں بھی جانے کی اجازت نہیں ہے،جن میں پردہ کا انتظام کیا گیا ہو۔

ویکره حضورهن الجماعة، ولو لجمعة، وعيد الخ. (درمختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/٣٠٧، كراچي ١/٥٦٦)

عن عمرة بنت عبد الرحمنؓ، أنها سمعت عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم، تقول: لوأن رسول الله صلى الله عليه وسلم: رأي ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل قال: فقلت لعمرة: أنساء بني إسرائيل منعن المسجد؟ قالت: نعم. (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب خروج النساء إلى المساجد، النسخة الهندية ١/١٨٣، بيت الأفكار رقم: ٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

عورت کا نماز پنج گانہ اور تراویح کی امامت کرنا

سوال [۲۶۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کا فرض نماز پنج گانہ یا تراویح کی امامت کرنا کیسا ہے؛ جبکہ عورت ہی

امام ہو اور عورتیں ہی مقتدی ہوں مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: حافظ مقصود احمد انصاری، مقام سکھڑا، ڈاکخانہ ڈھکولی، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہر صورت میں عورت کی امامت ممنوع ہے، اگر مرد مقتدی ہو تو مرد کی نماز ہی نہیں ہوگی اور عورتیں مقتدی ہوں تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

عن عائشة -رضي الله عنها- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: لاخير في جماعة النساء إلا في مسجد جماعة. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/٤٤٨، رقم: ٩٣٥٩، مسند أحمد بن حنبل ٦/٦٧، رقم: ٢٤٨٨٠، ٦/١٥٤، رقم: ٢٥٧٢٨)

عن جابر بن عبد الله ﷺ، قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه، فقال: ...... ألا لاتؤمن امرأة رجلا. الحديث (سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب في فرض الجمعة، النسخة الهندية ١/٧٥،دارالسلام رقم: ١٠٨١)

ويكره تحريمًا جماعة النساء ولو في التراويح الخ (در مختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/٣٠٥، كراچي ١/٥٦٥، كوئٹه ١/٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍ ۶۹۳)

مستورات کا مسجد میں نماز پڑھنا

سوال [۲٦٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ مستورات کے لئے مسجدوں میں پردہ کے معقول نظم کے ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام ہو جائے، یہ نہ ہو سکے تو کم از کم نماز جمعہ پردہ کے خاص اہتمام کے ساتھ کسی مسجد یا کسی بڑے ہال میں شہر کی مستورات جمع ہو کر ایک ساتھ ادا

کرلیں، خطیب صاحب بیان فرمادیں تاکہ مستورات کی بھی اصلاح ہوجائے تو یہ کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عسکری طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس فتنہ اور فساد کے زمانہ میں عورتوں کا مسجدوں میں جاکر فرض نمازیں اسی طرح جمعہ کی نماز باجماعت پڑھنے کی تلقین کرنا اور اس کا انتظام کرنا ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے، اسی طرح خطیب کا بیان سننے کے لئے جمعہ کے دن مسجد یا مسجد کے پڑوس میں جمع ہونا بھی فتنہ سے خالی نہیں ہے؛ اس لئے کہ مسجدوں میں جو خالی جگہ عورتوں کے لئے مقرر کی جائے گی یا جو کمرے یا ہال وغیرہ عورتوں کے لئے مقرر کئے جائیں گے اس کا ہر وقت تحفظ موجودہ حالات میں بہت مشکل ہے؛ اس لئے عورتوں کے مسجدوں میں باجماعت نماز پڑھنے کا انتظام کرنا ہرگز درست نہیں۔

ویکره حضورهن الجماعة، ولو لجمعة، وعيد، ووعظ مطلقا، ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان. (در مختار مع شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/٣٠٧، كراچي ١/٥٦٦، البنايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة، اشرفية ديوبند ٢/٣٥٤)

عن طارق بن شهابؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك، أوامرأة، أوصبي، أو مريض. (سنن أبي داؤد، باب الجمعة للمموك والمرأة النسخة الهندية ١/١٥٣، دارالسلام رقم: ١٠٦٧، المستدرك، كتاب الصلاة، قديم ١/٤٢٥، جديد رقم: ١٠٦٢)

ولايحضرن الجماعات "لقوله تعالى وقرن في بيوتكن الخ" قال المصنف في الكافي، والفتوى اليوم على الكراهة في الصلاة كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة، فلأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء أولى، ذكره فخر الإسلام. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ١/٣٥٨، زكريا ١/٦٢٧)

اگر عورتوں کو خطیب کا بیان سنانا مقصود ہے تو مہینہ میں ایک دو مرتبہ کسی مخصوص ہال میں اس کا انتظام کیا جائے اور اس میں سخت پردہ کے اہتمام کے ساتھ علماء اور بزرگوں کا بیان کروایا جائے اور جمعہ کے دن مردوں کی آمد ورفت کی بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے؛ اس لئے جمعہ کے دن اس کی اجازت نہیں ہے۔

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– قال: قالت النساء للنبي صلى الله عليه وسلم: غلبنا عليک الرجال، فاجعل لنا يوما من نفسک، فوعدهن يوما لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن. (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم ١/ ٢٠، رقم: ١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱۴ھ

عورتوں کا بلاعذر فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا

سوال [۲٦٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کی عورتیں بلاعذر فرض نماز بیٹھ کر پڑھتی ہیں، ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟ تفصیل سے سمجھائیں؟

المستفتی: محمد طاہر علی خان بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فرضیت قیام سے عورتیں مستثنیٰ نہیں؛ بلکہ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی کھڑے ہوکر نماز پڑھنا فرض ہے اور بلاعذر ترک قیام سے نماز نہیں ہوتی ہے۔
(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۵۲، جدید میرٹھ ۹/ ۲۵۵)

ومنها القيام لقادر عليه. (تنوير الأبصار مع الشامي، كتاب الصلاة،

باب صفة الصلاة، بحث القيام، زكريا ٢/ ١٣١، كراچي ١/ ٤٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

عورت کا جنس پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲٦٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کے لئے ایسی جنس پہننا جس میں اس کے پورے بدن کی بناوٹ نظر آتی ہو کیسا ہے؟ اور اسے پہن کر اگر عورت نے نماز پڑھی تو نماز کا کیا حکم ہوگا؟ **مدلل** جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: محمد یعقوب، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کے لئے جنس کا پہننا نا جائز ہے؛ اس لئے کہ جینس اتنی چست اور تنگ ہوتی ہے کہ اس سے اعضاء کی بناوٹ اور حجم نظر آتا ہے، تاہم جنس کے دبیز ہونے کی وجہ سے جسم کا اندرونی حصہ نظر نہیں آتا ہے؛ اس لئے اس میں نماز کراہت کے ساتھ درست ہو جاتی ہے اور یہ کفار ومشرکین کا لباس ہے، اس کو پہن کر ان کی مشابہت اختیار کرنا ہے جو شرعاً جائز نہیں۔

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (ابوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب في لبس الشهره ٢/ ٥٥٩، دارالسلام رقم: ٤٠٣١)

من تشبه نفسه بالكفار مثلا في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف، والصلحاء الأبرار فهو منهم: أي في الإثم والخير. (مرقاة المفاتيح، مكتبه اشرفي ٨/ ٢٥٥)

عن ابن عباسؓ، قال لعن النبي صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال. (كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال، صحيح البخاري ٢/٨٧٤، رقم: ٥٦٥٦، ف: ٥٨٨٥)

كذلك اللباس الرقيق أو اللاصق بالجسم الذي يحكي للناظر شكل حصة من الجسم الذي يجب ستره، فهو في حكم ما سبق في الحرمة وعدم الجواز. (تكمله فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، مكتبه اشرفي ديوبند ٤/٨٨)

أما لو كان غليظا لايرى منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئيا، فينبغي أن لا يمنع جواز الصلاة لحصول الستر. (حلبي كبير اشرفي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة ٢١٤، شامي، كتاب الصلاة، باب شرط الصلاة، زكريا ٢/٨٤، كراچي ١/٤١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۱/۴۰)

عورت کا ساڑی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ساڑی پہن کر عورتوں کی نماز کیسی ہے؟ مکروہ ہے یا نہیں اگر مکروہ ہے، تو بالتفصیل باحوالہ تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا؟

المستفتی: محمد طیب حسین، سفیر مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ساڑی سے پورا ستر چھپ جائے تو نماز درست ہے؛ البتہ جہاں غیر مسلم عورتوں کا مخصوص لباس سمجھا جاتا ہے عام مسلم عورتوں کا لباس

نہیں سمجھا جاتا ہے تو وہاں تشبہ بالکفار کی وجہ سے ساڑی پہننا مطلقاً مکروہ تحریمی ہے چاہے نماز میں ہو یا خارج نماز میں جیسا کہ مغربی شمالی یوپی میں ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، قال رأي رسول الله صلى الله عليه وسلم عليَّ ثوبين معصفرين، فقال: إن هذه من ثياب الكفار فلاتلبسها. (مسلم شريف، باب النهى عن لبس الرجل ثوب المعصفر، النسخة الهندية ۲/۱۹۳، بيت الأفكار رقم:۲۰۷۷)

حضور ﷺ نے ثوبین معصفرین کی ممانعت کی علت یہ بیان فرمائی کہ یہ کفار کے لباس ہیں، ان کے ساتھ تشبہ جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۲۵۲، فتاوی رحیمیہ ۶/۲۵۴)

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم. (ابوداؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهره ۲/۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، مشكوة شريف ۳۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۷۷۱)

عورت کا چست لباس پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کے لئے تنگ چوڑی دار پائجامہ پہننا جس میں گھٹنوں تک کا حصہ بالکل ٹائٹ رہتا ہے جائز ہے یا نہیں اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد صلاح الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورتوں کے لئے ایسا لباس پہننا جس میں اعضاء مستورہ کی ہیئت نظر آئے مکروہ تحریمی ہے۔ اور چوڑی دار پائجامہ میں گھٹنے سے نیچے

تک کی ہیئت ظاہر ہوتی ہے جو ستر میں داخل ہے؛ لہٰذا اس کا پہننا بھی مکروہ ہوگا تاہم ایسے چست لباس میں نماز پڑھنا کراہت کے ساتھ جائز ہے؛ جبکہ اندرونی حصہ کی کھال نظر نہ آتی ہو۔
(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۹/۱۱/۳۱۱، میرٹھ ۲۷/۲/۴۳۲، کتاب المسائل ۱/۳/۲۷)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صنفان من أهل النار لم أرهما: قوم معهم سياط كأذناب البقريضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات، رؤسهن كأسنمة البخت المائلة لايدخلن الجنة ولايجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا و كذا.
(مسلم شريف، كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكأسيات العاريات المائلات المميلات، النسخة الهندية ٢/ ٢٠٥، بيرت الأفكار رقم:٢١٢٨)

أما لوكان غليظا لايرى منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله فصار شكل العضو مرئيا، فينبغي أن لا يمنع جواز الصلاة لحصول الستر. (شامي، مطلب في النظر إلى وجه الامرد، زكريا ٢/ ٨٤، كراچي ١/ ٤١٠، حلبي كبير، كتاب الصلاة، الشرط الثالث اشرفى ٢١٤)

كذلك اللباس الرقيق، أو اللاصق بالجسم الذي يحكي للناظر شكل حصة من الجسم الذي يجب ستره، فهو حكم ما سبق في الحرمة وعدم الجواز. (تكملـه فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب، مكتبه اشرفي ديوبند ٤/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۰/۴۰)

نماز کی حالت میں عورت کی کلائی کھل جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۶۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ عام طور پر بعض عورتوں کی کلائی بحالت نماز کھل جاتی ہے، ایسی صورت میں ان کی نماز باقی رہے گی یا فاسد ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد مسلم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر عورت کی کلائی کا چوتھائی حصہ یا اس سے زیادہ نماز کی حالت میں تین مرتبہ تسبیح پڑھنے کی مدت کے بقدر کھلا رہا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی؛ اس لئے کہ کلائی عورت کے ستر میں داخل ہے اور ستر کا چوتھائی حصہ کھلا رہنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ويمنع حتى انعقادها كشف ربع عضوٍ قدر أداء ركن بلاصنعه-وذلك قدر ثلث تسبيحات. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ۲/۸۲، كراچي ۱/٤۰۸)

امرأة صلت وربع ساقها أو ثلث ساقها مكشوف لم تجز صلوتها ......وقيل الانكشاف عفو بالإجماع. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلوة وواجبات وسننها وأدابها، زكريا۲/۲۳، رقم: ۱۰٤۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۲۵/۴۰)

کھلے ہوئے یا جوڑا بنائے ہوئے بالوں پر دوپٹہ ڈال کر نماز پڑھنا

سوال [۲٦۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت غسل کرنے کے بعد اپنے کھلے ہوئے بالوں پر دوپٹہ ڈال کر نماز پڑھے گی تو اس کی نماز درست ہوگی یا نہیں، اور بالوں کا جوڑا باندھ کر اس پر دوپٹہ ڈال کر نماز پڑھے گی تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دوپٹہ کے ذریعہ سارے بال چھپ جائیں تو نماز درست ہے چاہے بال گندھے ہوئے ہوں یا یوں ہی چھوڑ دیا ہو۔

و إن انکشف ربع المسترسل: أي النازل عن رأسها فسدت صلوتها، لأنه عورة. (کبیري، کتاب الصلاۃ، اما الشرط الثالث، کراچي سهیل اکیڈمی ۲۱۰، اشرفیه ۲۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۳/۲۳)

ہاف آستین والے کپڑوں میں عورتوں کی نماز

سوال [۲۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض جگہوں پر عورتوں کے کرتے کی آستین کہنیوں تک ہوتی ہے اور حرہ عورتوں کے لئے گٹوں تک ہاتھ چھپانا فرض ہے، تو ایسی عورتوں کی نماز ہوگی یا نہیں جو کہنیوں تک کی آستین والے کپڑے میں نماز پڑھتی ہیں اور اگر یہ عورتیں فل آستین کرتا پہن کر کام کرتی ہیں تو وہ مخل ہوتا ہے، ان عورتوں کے لئے کوئی نوکرانی نہیں ہے، کام خود سے کرنا ہوتا ہے، ان سب وجوہات کے پیش نظر ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالشکور، گڈاوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کی آستین کلائی تک ہونا فرض ہے ورنہ ان کی نماز نہیں ہوگی؛ لہٰذا جن عورتوں کی آستین کہنیوں سے اوپر ہے ان کی نماز اس حالت میں درست نہ ہوگی۔

بـدن الحرة عورة إلاوجهها، وكفيها، وقدميها. (هندية ١/٥٨، جديد ١/١١٥، شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في ستر العورة،زكريا ٢/٧٦، كراچي ١/٤٠٥)

عن عائشةؓ أن أسماء بنت أبي بكر دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليها ثياب رقاق، فأعرض عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم و قال: يأ اسماء إن المرأة إذا بلغت المحيض لم يصلح لها، أن يري منها إلا هذا وهذا وأشار إلى وجهه، و كفيه. (ابو داؤد، كتاب اللباس، باب فيما تبدي المرأة من زينتها، النسخة الهندية ٢/٥٦٧، دارالفكر ٤١٠٤)

اور گھر کے کام کے لئے اگر آستین اوپرکو اٹھانے کی ضرورت پڑھ جائے تو بقدر ضرورت اٹھالیں اور ضرورت پوری ہوتے ہی آستین اتار دیں جیسا کہ وضو کے لئے کیا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱/ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۷۵)	۱۴۱۵/۴/۲۱ھ

لپ اسٹک لگا کر نماز وروزہ کا حکم

سوال[۲۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت اگر پورا میک اپ (مع لپ اسٹک کے) کرکے نماز پڑھے تو کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے تو کون سا مکروہ ہے اور بغیر لپ اسٹک کے کیسا ہے؟

شوہر کے حکم کے بغیر خالی اوقات میں لپ اسٹک لگا کر کے اندر رہنا یا باہر جانا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالعلیم ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورتوں کا لبوں میں سرخی یعنی لپ اسٹک لگانا

جائز اور درست ہے، اس کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا بھی درست ہے؛ ہاں البتہ روزہ کی حالت میں اگر منھ کے اندر جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں مکروہ ہے۔

نیز عورتیں گھر کے اندر رہتے ہوئے شوہر کی اجازت کے بغیر زینت کی چیزیں استعمال کرسکتی ہیں؛ البتہ شوہر کی مرضی کے بغیر گھر سے باہر جانے کی کسی حال میں بھی اجازت نہیں علاوہ ازیں لپ اسٹک کے بارے میں یہ کہنا کہ ناپاک چربی سے بنائی جاتی ہے، اس پر کوئی شرعی دلیل نہیں محض کہنے کی وجہ سے وہ ناپاک نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۸۷، احسن الفتاوی ۴/ ۴۲۴، فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/ ۳۹، جدید زکریا ۳/ ۱۲۹)

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ . [سورة النور: ٣١] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۴/ ۱۴۲۲ھ

عورتیں قضاء نماز کس طرح پڑھیں؟

سوال [٢٦٧٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتیں اپنی قضاء عمری نمازیں ادا کرنا شروع کریں تو کس وقت وعمر سے شروع کریں آیا ۷/ سال، ۱۰/ سال، ۱۲/ سال یا پھر حیض ونفاس کا اعتبار کیا جائیگا؟

المستفتی: اقتدار انیس، محلّہ سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس دن لڑکی بالغ ہو جاتی ہے اس دن سے اگر نماز نہیں پڑھی تو اسی دن سے شروع کرنا لازم ہے؛ البتہ ایام حیض کو مستثنیٰ کیا جائے گا؛ اس لئے کہ ایام حیض کی نمازیں منجانب اللہ معاف ہیں، اس طرح ہر ماہواری کا حساب لگا کر ان ایام کو چھوڑ کر بقیہ ایام کی نمازیں قضاء عمری کے طور پر ادا کی جائیں اور اس میں نیت اس طرح کرے

کہ بالغ ہونے کے بعد سے جوسب سے پہلی فلاں نماز جو قضاء ہوئی ہے وہ پڑھ رہی ہوں۔

ولو نوى أول ظهر عليه أو آخر ظهر عليه جاز وهذا هو المخلص لمن لم يعرف الأوقات الفائتة، أو اشتبهت عليه أو أراد التسهيل على نفسه الخ (الأشباه والنظائر زكريا ١١٥)

وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلاة، فإن أراد تسهيل الأمر عليه، نوى أول ظهر عليه، أو آخره. (نورالإيضاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، امداديه ديوبند ١٠٧، الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل العشرون قضاء الفوائت، زكريا ٢/٤٥٤، رقم:٢٩٦٨، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا ٢/١٥٩، كوئٹه ٢/٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۳۳/۳)

O❖O

(۱۵) باب ما يكره في الصلاة ومالايكره

مسجد کے دروں میں نماز پڑھنا

سوال [۲٦٧٦]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے اندر کا حصہ جب بھر جائے تو نمازی مسجد کے دروں میں کھڑے ہوسکتے ہیں یانہیں؛ جبکہ ہر در میں ۳/۳ آدمی کھڑے ہوسکتے ہیں، توان دروں میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ امام کا در میں کھڑے ہوکر نماز پڑھانا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، رام نگر نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دروں کے اندر اگر صرف ایک آدمی کھڑا ہوجائے تو مکروہ ہے، دو دو، تین تین آدمی صف بنا کر کھڑے ہوں، تو بلا کراہت جائز ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۳۷، جدید ڈابھیل ٦/ ۵۳۵)

والاصطفاف بين الأسطوا نتين غير مكروه، لأنه صف في حق كل فريق، وإن لم يكن طويلا وتخلل الأسطو انة بين الصف كتخلل متا ع موضوع، أو كفرجة بين رجلين وذلك لايمنع صحة الاقتداء ولايوجب الكراهة.

(مبسوط سرخسی، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۵)

امام صاحب جب در میں نماز پڑھائیں تو تھوڑا سا باہر کھڑے ہوں بالکل اندر کھڑے ہونا جس طرح محراب میں مکروہ ہے، ایسے ہی در میں بھی اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے؛ اس لئے اگر در میں نماز پڑھائیں تو تھوڑا سا باہر ہوکر نماز پڑھائیں کہ جس سے دونوں قدم باہر کو نکلے ہوئے ہوں۔

عن اسماعيل بن عبد الملك قال: رأيت أبا خالد الوالبي لايقوم في الطاق، يقوم قبل الطاق. (مصنف لابن أبي شيبه، باب الصلاة في الطاق ۳/ ۵۰۹، رقم: ۴۷۳۷، قديم رقم: ۴۷۰۲)

الأصح ما روي عن أبي حنيفة أنه قال أكره للإمام أن يقوم بين الساريتين، أو زاوية، أو ناحية المسجد، أو إلى سارية لأنه بخلاف عمل الأمة. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كراچي ۱/ ۶۴۶۰، زكريا ۲/ ۴۱۴)

وإنما لم يكره سجوده في المحراب إذا كان قدماه خارجه، لأن العبرة للقدم في مكان الصلاة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، كوئٹه ۲/ ۲۶، زكريا ۲/ ۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۱۰)

مسجد کے دروازہ پر امام صاحب کا کھڑا ہونا

سوال [۲۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے دروازہ میں اگر نماز پڑھائی جائے تو امام کے پاؤں کا کونسا حصہ باہر رہنا چاہئے اور کونسا اندر مثلاً اگر زید امامت کرتا ہے تو گرمی کے موسم میں مسجد کے برآمدے کے دروازہ میں زید امامت کررہا ہے، تو زید کے پاؤں کا کونسا حصہ باہر رہنا چاہئے اور کونسا اندر؟

المستفتی: ساجد حسین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مسجد کے دروازے میں نماز پڑھائی جائے تو امام کو ایڑی کا حصہ باہر رکھنے میں وہی حکم ہے جو محراب میں کھڑے ہونے کا ہے۔

قال في الشامي: وقيام الإمام في المحراب لاسجوده فيه وقد ماه خارجه، لأن العبرة للقدم مطلقا. (در مختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، زكريا ٢/٤١٤، كراچي ١/٦٤٥)

وإنما لم يكره سجوده في المحراب إذا كان قدماه خارجه، لأن العبرة للقدم في مكان الصلاة. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، كوئٹه ٢/٢٦، زكريا ٢/٤٦)

عن إسماعيل بن إبراهيم بن المهاجر عن أبيه عن علي: أنه كره الصلاة في الطاق. (المصنف لإبن أبي شيبه، باب الصلاة في الطاق ٣/٥٠٧، رقم: ٤٧٢٧، قديم رقم: ٤٦٩٤)

حاشیہ امداد الفتاوی کے اندر ہے پس اگر باہر کے درجہ میں جماعت ہوتو صحن کے وسط کالحاظ رکھنا چاہئے اور امام ابوحنیفہؒ کی روایت **اكره للإمام أن يقوم بين السا ريتين الخ** کا مطلب یہ ہے کہ مابین **الساريتين** کھڑا نہ ہو؛ بلکہ در سے باہر کھڑا ہو جیسا کہ محراب میں بھی یہی حکم ہے کہ بالکل محراب کے اندر کھڑا نہ ہو؛ بلکہ قدم باہر ہونے چاہئیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۴۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۶۲)

امام صاحب کی ایڑی کا محراب سے باہر نہ ہونا

سوال [۲۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام محراب کے اندر کھڑا ہے اور محراب ایک بالشت اونچی ہے اور اس کی ایڑیاں محراب سے نکلی ہوئی نہیں ہیں، تو کیا اس صورت میں نماز ہو جائے گی یا نہیں اگر ہوگی تو

مکروہ ہوگی یا غیر مکروہ، اگر مکروہ ہے تو کون سا مکروہ ہے؟

المستفتی: محمد جاوید، دورۂ حدیث، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: محراب کا حصہ ایک بالشت اونچا ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا ہے؛ ہاں البتہ وہ حصہ اگر دونوں طرف کی دیوار وستون سے باہر کو نکلا ہوا نہیں ہے جس سے امام کی ایڑی باہر کو ہو جائے تو ایسی محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مکروہ تنزیہی ہے اور نماز بہر صورت صحیح ہو جاتی ہے؛ البتہ ثواب میں کمی آتی ہے۔

وكره قيام الإمام في المحراب لاسجوده فيه وقدماه خارجه؛ لأن العبرة للقدم مطلقا، قال الشامي: وفي حاشية البحر للرملي الذي يظهر من كلامهم أنها كراهة تنزيه تأمل. (شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كراچي ٦٤٦/١، زكريا٤١٤/٢)

عن إسماعيل بن عبد الملك قال: رأيت أبا خالد الوالبي لايقوم في الطاق، يقوم قبل الطاق. (مصنف لابن أبي شيبه، باب الصلاة في الطاق ٥٠٩/٣، رقم:٤٧٣٧، قديم رقم: ٤٧٠٢)

قال: محمد رحمه الله: لابأس بأن يكون مقام الإمام في المسجد ورأسه في السجود في الطاق، ويكره أن يقوم في الطاق. (الفتاوى التاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فيما يكره للمصلي، ومالا يكره، جديد زكريا ٢١٠/٢، رقم: ٢١٩٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍ ۱۰۸۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷؍۱۱؍۱۴۳۳ھ

محراب کے مقابل صف کے درمیان کھڑے ہوکر نماز پڑھانا

سوال [۲۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے اندر جماعت کی نماز بیچ میں پڑھتے ہیں یعنی محراب میں امام کا مصلیٰ نہیں ہوتا؛ بلکہ محراب سے ایک صف باہر اور مصلی حسب معمول پیچھے ہوں تو کیا یہ درست ہے، مسجد کی حدود کافی طول وعرض میں ہے ایک صف نمازی ہیں بہر حال نماز محراب میں ہو یا بیچ میں؟

المستفتی: محمد یوسف مفتاحی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: محراب صف کے بیچ میں ہو تو چاہے امام محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھائے یا وسط صف میں محراب کے بالمقابل کھڑا ہوکر نماز پڑھائے بہر صورت بلاکراہت نماز درست ہوتی ہے، مقصود اگلی صف کے درمیان رخ پر کھڑا ہونا ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۳/۳۶۱، امداد الفتاوی ۱/۴۳۰)

والسنة أن يقوم في المحراب، وكذا قوله في موضع آخر السنة، أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف ألاترى أن المحاريب ما نصبت إلاوسط المساجد، وهي قد عنيت لمقام الإمام، والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط، فلو لم يلزم ذلک لايكره الخ

(شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة، كراچي ۱/۶٤٦، زكريا ۲/ ۳۱۰)

وينبغي للإمام أن يقف بإزاء الوسط، فإن وقف في ميمنة الوسط، أوفي ميسرته، فقد أساء لمخالفة السنة هكذا في التبيين. (هنديه، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الإمام، زكريا ۱/ ۸۹)

حدثنی ابو هریرةؓ، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: وسطوا الإمام وسدوا الخلل. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب مقام الإمام من الصف، النسخة الهندية ۱/ ۹۹، دارالسلام رقم: ۶۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۱۰/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۲/ ۱۴۲۴ھ

امام صاحب کا محراب کے اندر کھڑے ہوکر امامت کرنا

سوال [۲۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علماء لکھتے ہیں کہ مسجد کی محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اس کی علت یہ لکھتے ہیں کہ اس میں تشبہ بالیہود ہے اور امام کی حالت کا مقتدیوں کو علم نہیں ہوتا ہے؛ جبکہ یہودیوں کی محراب الگ ہوا کرتی ہے اور مروجہ محراب مسجد میں ہی ہوتی ہے اور امام اگر اندر کھڑا ہوجائے تب بھی امام کی حرکات کا علم ہوتا ہے اور امام بہت سارے مقتدیوں کو نظر آتا ہے؛ جبکہ موجودہ محرابیں بہت چوڑی بنائی جاتی ہیں، تو کیا اس صورت میں مکروہ ہوگا؟

المستفتی: محمد فضل اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے اور علماء کراہت کی وجہ ان دونوں علتوں کو بھی ذکر کرتے ہیں جن کا تذکرہ سوال نامہ میں ہے، مگر کراہت کی اصل علت ایک تیسری چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ومقتدی کا مقام واحد میں بھی ہونا لازم ہے اور محراب اگرچہ جزء مسجد سے اور مسجد سے الگ دوسرا مقام نہیں ہے؛ لیکن پھر بھی اختلاف مکانین اور تباین مکانین کا اشتباہ موجود ہے اور حقیقت اختلاف جواز صلوۃ کو مانع ہوتا ہے اور شبہۃ الاختلاف کراہت کو مستلزم ہوتا ہے اور امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا شبہۃ الاختلاف کو مستلزم ہے؛ اس لئے مکروہ ہے۔

وحقيقة اختلاف المكان تمنع الجواز فشبهة الاختلاف توجب الكراهة، والمحراب وإن كان من المسجد فصورته وهيئته اقتضت شبهة الاختلاف الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كراچي ١/٦٤٦، زكريا ٢/٤١٤، موسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/١٩٦، البحر الرائق كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، كوئٹه ٢/٢٦، زكريا ٢/٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۱۵ھ

امام صاحب کا محراب کے اندر نماز پڑھانا کیوں مکروہ ہے؟

سوال [۲۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کا محراب کے اندر نماز پڑھانا کیوں مکروہ ہے اور کتنا باہر نکل کر نماز پڑھنا صحیح ہے؟

المستفتی: امام جامع مسجد دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کراہت کی بہت سی علتیں بیان کی جاتی ہیں ان میں زیادہ راجح یہی ہے کہ اگر امام محراب کے اندر کھڑا ہوتا ہے تو کنارے کے لوگوں پر امام کا حال مشتبہ رہتا ہے اور اگر قدم محراب سے باہر ہو تو اشتباہ ختم ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۳۱۰)

عن اسماعيل بن إبراهيم بن المهاجر عن أبيه عن علي: أنه كره الصلاة في الطاق. (المصنف لإبن أبي شيبه، باب الصلاة في الطاق ٣/٥٠٧، رقم: ٤٧٢٧، قديم رقم: ٤٦٩٤)

وقيل اشتباه حاله على من في يمينه ويساره، فعلى الأول يكره مطلقا،

وعلى الثاني لايكره عند عدم الاشتباه، وأيد الثاني في الفتح، بأن امتياز الإمام في المكان مطلوب، وتقدمه واجب وغايته اتفاق الملتين في ذالك، و ارتضاه في الحلية وأيده. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة، كراچی ١/٦٤٦، زكريا ٢/٤١٤، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، زكريا ١/٤٢٥، كوئٹه ١/٣٥٩، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل في بيان مايكره في الصلاة، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١/١٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۲/۱۴۱۳ھ

در میں نماز پڑھنے یا پڑھانے کا حکم

سوال [۲۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا امام کے یا مقتدی کے در میں کھڑے ہونے سے نماز پایۂ تکمیل کو پہونچے گی یا نہیں، در سے مراد وہ جگہ ہے جو مسجد کے اندرونی اور باہری حصہ کے بیچ دیوار ہوتی ہے اس کے بیچ کھڑا ہونا مراد ہے۔ نیز امام اگر محراب کے اندر ہو تو کیا نماز درست ہے؟

المستفتی: حاجی محمد صدیق عمری کلاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ در کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا بھی ایسا ہی ہے جیسے محراب کے اندر نماز پڑھانا اور فقہاء نے پورے طریقہ سے محراب کے اندر کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے؛ لہٰذا امام کو محراب میں اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ امام کی ایڑی محراب کی دونوں طرف کی دیوار سے باہر ہو یعنی کم از کم چار انگل کے بقدر باہر کھڑے ہونا چاہئے یہی شکل باہر کے در میں کھڑے ہونے کی ہے۔

عن عليؓ أنه كره الصلوة في الطاق. (المصنف لإبن أبي شيبة٣/٥٠٧، رقم:٤٧٢٧، قديم:٤٦٩٤)

ويكره قيام الإمام وحده في الطاق وهو المحراب، ولايكره سجوده فيه إذا كان قائما خارج المحراب. (عالمگيري، باب مايفسد الصلاة، الفصل الثاني، فيما يكره في الصلاة قديم ١/١٠٨، زكريا جديد ١/١٦٧)

وذهب أبو جعفر إلى أن فيه اشتباه الحال على من على يمينه، ويساره، والتقدم شرع للتيسير على القوم ليظهر حاله لهم، فإذا أفضى إلى خلاف موضوعه كره، فعلى هذا لايكره عند عدم الاشتباه؛ لكن مقتضى ظاهر الرواية كراهة قيامه مطلقا سواء اشتبه حاله أم لا، فاللائق لنا، أن نجتنب عنها. (مجمع الأنهر، باب ما يفسد الصلاة، فصل في بيان مايكره فيهاجديد بيروت ١/١٨٧، ١٨٨)

ہاں البتہ اگر امام محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھا رہا ہو اور مقتدیوں سے مسجد بھر گئی ہو تو ایسی صورت میں بعض مقتدیوں کے لئے پیچھے کے دروں میں کھڑے ہونے میں وہ شرط نہیں ہے جو امام کے لئے ہے؛ بلکہ مقتدیوں کا مکمل در کے اندر کھڑا ہوجانا جائز اور درست ہے۔

والإصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه، لأنه صف في حق كل فريق، وإن لم يكن طويلا وتخلل الأسطوانة بين الصف، كتخلل متاع موضوع، أو كفرجة بين رجلين وذلک لايمنع صحة الاقتداء ولايوجب الكراهة. (المبسوط للسرخسي ١/٣٢، باب الجمعة، درالفكر بيروت، ٢/٣٥، دارالكتب العلمية بيروت) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال المکرم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹؍۱۰۸۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۴ھ

امام صاحب کا محراب میں کھڑا ہونا

سوال [۲۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کو نماز پڑھاتے وقت مسجد کی اگلی دیوار میں بنی محراب میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟ اگر وہ محراب کے اندر کھڑے ہوکر نماز پڑھائے تو نماز میں کوئی کمی تو نہیں آئے گی؟ اسی طرح اگر مسجد کے برآمدہ کی چھت کے اوپر کھڑا ہوا اور برآمدہ کا چھجہ باہر نکلا ہوا ہے تو نماز میں کوئی خرابی ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد مشتاق مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کا محراب میں اس طریقہ پر کھڑا ہونا کہ پیر بھی محراب کے اندر ہوں یہ مکروہ ہے؛ ہاں البتہ تنگی اور ضرورت کی حالت میں محراب میں کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲۱۵/۱۴، امداد الفتاوی ۴۲۶/۱، امداد الاحکام ۱۲۵/۲)

عن اسماعیل بن عبد الملک قال: رأیت أبا خالد الوالبي لایقوم في الطاق، یقوم قبل الطاق. (مصنف لابن أبي شیبه، باب الصلاۃ في الطاق ۵۰۹/۳، رقم: ۴۷۳۷)

ویکره قیام الإمام بجملته في المحراب لاقیامه خارجه وسجوده ...... والکراهة......لاشتباه الحال علی القوم، وإذا ضاق المکان فلا کراهة. (مراقي الفلاح، حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلاۃ، فصل في المکروهات قدیم ۱۹۸، جدید دارالکتاب دیوبند ۳۶۰-۳۶۱)

ذهب أبو جعفر إلی أن فیه اشتباه الحال علی من علی یمینه، ویساره، والتقدم شرع للتیسیر علی القوم لیظهر حاله لهم. (مجمع الأنهر،

كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، فصل في بيان مايكره في الصلاة، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١ /١٨٨)

اگر چھجہ میں امام کھڑا ہوتا ہے اور چھجہ برآمدہ کی دیوار سے باہر نکلا ہوا ہے، نیز امام کی ایڑی برآمدہ کی طرف نمایاں رہتی ہے تو مکروہ نہیں ہے اور اگر نمایاں نہیں رہتی؛ بلکہ دیوار سے مسجد کی طرف اندر کو جاتی ہے تو محراب کے اندر کھڑے ہونے کی طرح کراہت کا حکم یہاں بھی ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۰۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

مقتدی کی رعایت میں امام صاحب کا رکوع کو لمبا کرنا

سوال [۲۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام کا عمل اور قول ہے کہ جب جماعت سے نماز ہو رہی ہو اور جب امام رکوع میں ہو تو اس کو اگر اپنے جان پہچان نمازی کی آہٹ معلوم ہو تو اس کے شامل ہونے کے انتظار میں رکوع کو اتنا طویل کردے کہ وہ نمازی رکوع میں شامل ہوجائے تب رکوع سے سر اٹھائے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، نمازی کی اعانت ہے، بحوالہ بہار شریعت ۱۲۳، جلد ۳ ان کے اس فعل سے نمازی ناراض ہیں۔

دوسرے امام کا یہ قول ہے کہ امام صاحب کا یہ قول اور عمل قرآن پاک کی اس آیت کے بالکل خلاف ہے۔

ترجمہ: کامیاب اور بامراد ہیں وہ ایمان والے جو اپنی نمازیں خشوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس آیت شریفہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرامؓ

جب نماز کو کھڑے ہوتے تھے، تو کسی طرف توجہ نہیں کرتے تھے (ہمہ تن نماز کی طرف متوجہ رہتے تھے) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ خشوع کیا چیز ہے؟ فرمایا: کہ خشوع دل میں ہوتا ہے، یعنی دل سے نماز میں متوجہ رہنا اور یہ بھی اس میں داخل ہے کہ کسی طرف توجہ نہ کرے۔ درمنثور، اوراسی قسم کا مضمون حدیث مبارکہ میں بھی وارد ہوا ہے۔ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں ہے قرأت اوراذکار مسنونہ کوزائد طول دینا، خواہ قوم راضی ہو یا نہ ہو مکروہ تحریمی ہے، بحوالہ تنویر درمختار ومثلہ، امام کونماز میں زیادہ دیر تک رہنا مکروہ تحریمی ہے؛ بلکہ امام کو چاہئے کہ اپنے مقتدیوں کی حاجت اور ضرورت وغیرہ کا خیال رکھے، جوسب میں زیادہ صاحب ضرورت ہواس کی رعایت کر کے قرأت کرنا بہتر ہے؛ تاکہ لوگوں کا حرج نہ ہو جوقلت جماعت کا سبب ہوجائے۔ (درمختار ۱/۳۹۷، ۲/۸۳)

امام صاحب کا یہ قول وفعل جان بوجھ کر قصداً نماز سے دھیان ہٹا کر اس آنے والے نمازی کی خاطر سب نمازیوں کو تکلیف دے کر یہ فعل کرنا نماز کو فاسد کرتا ہے، یہ نماز تو غیر اللہ کی ہوگئی اللہ کے واسطے کیا ہوئی، یہ قرآن وحدیث اور فقہ کے مسائل کے خلاف ہے پس ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا نماز کو برباد کرنا ہے؟

المستفتی: سرور علی خان، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں آنے والا شخص امام کی جان پہچان کا ہے تو نماز مکروہ تحریمی ہے، ان جان ہے تو نماز مکروہ تنزیہی ہے، اگر زیادہ تاخیر کرتا ہے، جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتو بھی مکروہ تحریمی ہوگی؛ اس لئے امام کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، بہرحال نماز فاسد نہ ہوگی۔

وكره تحريما إطالة ركوع، أو قرأة لإدراك الجائي، اي أن عرفه وإلا فلابأس به، ولو أراد التقرب إلى الله تعالى لم يكره اتفاقا؛ لكنه نادر وتسمى مسئلة الرياء، فينبغي التحرز عنها. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،

مطلب في إطالة الركوع للجائی،زكريا ۱۹۸/۲، كوئٹه ۳٤۰/۱، مصري ٤٦۲، هكذا في فتاوی دارالعلوم ۱۱۵/٤، امدادالفتاوی ٤۰٥/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰/۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۰۸/۵/۲۸ھ

مقتدی کا امام صاحب کے رکوع وسجدہ کے بعد رکوع وسجدہ کرنا

سوال [۲۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں امام کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا دو رکعت مکمل ہو چکی تھی، امام صاحب قعدۂ اولی سے تشہد پڑھ کر اٹھ گئے میں تشہد پڑھتا رہا، اتنے میں امام صاحب نے تیسری رکعت کا رکوع کرلیا میں کھڑا ہوا کہ اتنے میں وہ رکوع سے کھڑے ہو گئے، حتی کہ اس تاخیر کی وجہ سے نہ تو امام کے ساتھ رکوع کر سکا اور نہ ہی دونوں سجدے؛ بلکہ چوتھی رکعت میں امام کو پا لیا تو ایسی صورت میں میری نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: نہال احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں جبکہ آپ نے امام کے بعد رکوع کرلیا تو آپ کی نماز درست ہوگئی؛ البتہ ایسا قصداً اور جان بوجھ کر کرنا مکروہ ہے۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۱۴۱)

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه، فإذا ركع فاركعوا–وإذا سجد فاسجدوا. الحديث (صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب إقامة الصفوف من تمام الصلاة ۱/ ۱۰۰، رقم:۷۱۳، ف:۷۲۲)

نعم تكون المتابعة فرضا بمعنى أن يأتي بالفرض مع إمامه، أوبعده كما لو ركع إمامهُ، فركع معه مقارنا أو معاقبا وشاركه فيه، أو بعد ما رفع منه، فلو لم يركع أصلاً أو ركع ورفع قبل أن يركع إمامه ولم يعده معه، أوبعده بطلت صلاتهُ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام، كراچی ۱/۴۷۱، زکریا۲/۱۶٦)

الاقتداء عبارة عن المشاركة والمتابعة......إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما يستحب ومايكره في الصلاة، کراچی ۱/۲۱۸، زکریا ۱/۵۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵ / ۷۱۸۳)

مقتدی کا امام کی تکبیر مکمل ہونے سے قبل انتقال رکن کرنا

سوال [۲٦۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر مقتدی امام کی تکبیر مکمل ہونے سے پہلے انتقال رکن کر جاتے ہیں، ایسا عمل پہلے ''سلام'' میں بھی ہوتا ہے جب امام صاحب لمبی قرأت کے ساتھ دو سانسوں میں الگ الگ سلام پھیرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبد الحق، ہلدوانی، نینی تال، اتراکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اقتداء کا مطلب امام کی اتباع کرنا ہوتا ہے بریں بنا امام کی تکبیر مکمل ہونے سے پہلے مقتدیوں کا انتقال رکن کر جانا مکروہ ہے اور سلام کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ ہر ایک سلام الگ الگ سانس کے ساتھ پھیرے۔

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه، فإذا ركع فركعوا–وإذا سجد فاسجدوا.
الحديث (صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب إقامة الصفوف من تمام الصلاة ١/ ١٠٠، رقم:٧١٣، ف:٧٢٢)

ويكره رفع الرأس ووضعه قبل الإمام. (شامي، كتاب الصلاة، باب ماتفسد الصلاة، مطلب في بيان السنة، کراچی ١/٤٦٥، زکریا ٢/٤٢٥)

الاقتداء عبارة عن المشاركة والمتابعة......إنما جعل الإمام ليؤتم به، فلا تختلفوا عليه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما يستحب ومايكره في الصلاة، کراچی ١/٢١٨، زکریا ١/٥١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۴۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۵ھ

امام صاحب کا اوپر کی منزل پر نماز پڑھانا

سوال [۲۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں ہمیشہ امام صاحب نیچے نماز پڑھاتے تھے؛ لیکن اب جگہ کی کمی کی وجہ سے اوپر دوسری منزل پر نماز پڑھانے چلے گئے ہیں؛ لہٰذ باقی آدمی جو اس وقت ہوتے ہیں یا جو دیر سے آتے ہیں وہ نیچے ہی نماز پڑھتے ہیں اوپر جگہ نہ ہونیکی صورت میں؛ لہٰذا نیچے والوں کی نماز جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید حسین پھاٹک بازار مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام سے آگے نہ ہوں تو سب کی نماز صحیح

ہو جائیگی؛ لیکن امام کے اوپر دوسری منزل پر ہونے کی وجہ سے سب کی نماز مکروہ ہوگی۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۸۸)

ثم رأيت القهستاني نقل عن المفيد كراهة الصعود على سطح المسجد، ويلزمه كراهة الصلوة أيضا فوقه. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها مطلب في أحكام المسجد، زكريا ٢/ ٤٢٨، كراچی ١/ ٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۵۸/۲۶)

مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو کے لئے سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام پر قعدہ اولیٰ چھوڑنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب تھا، امام نے قعدۂ اخیرہ میں سجدہ سہو کے لئے سلام پھیرا، اب بتلایئے کہ اگر کوئی شخص مسبوق ہو تو کیا وہ بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنے کے لئے سلام پھیرے گا یا صرف سجدہ سہو میں شریک ہوگا، اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنے کے لئے سلام پھیر دیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: معین الدین، گڈاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسبوق صرف سجدہ سہو میں امام کی اتباع کرے گا سلام میں نہیں؛ لہٰذا اگر مسبوق نے جان بوجھ کر امام کے ساتھ سلام پھیرا ہے تو اس کی نماز فاسد ہوگئی، اعادہ لازم ہوگا اور اگر بھولے سے سلام پھیرا ہے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۱۲۲، ۷/ ۱۸۶، جدید ڈابھیل ۶/ ۵۵۶)

ثم المسبوق إنما يتابع الإمام في السهو دون السلام...... لأن هذا

السلام للخروج عن الصلاة، وقد بقي عليه أركان الصلاة، فإذا سلم مع الإمام فإن كان ذاكرا لما عليه من القضاء فسدت صلاته، لأنه سلام عمد وإن لم يكن ذاكرا له لاتفسد، لأنه سلام سهو فلم يخرجه عن الصلاة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يجب عليه سجود السهو، زكريا ۱/۴۲۲، قديم كراچی ۱/۱۷۶)

والمسبوق يسجد مع إمامه قيد بالسجود، لأنه لايتابعه في السلام؛ بل يسجد معه ويتشهد فإذا سلم الإمام قام إلى القضاء، فإن سلم فإن كان عامدا فسدت وإلا لا. (فتاوى شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو كراچی ۲/۸۲، زكريا۲/۵۴۶، البحرالرائق، زكريا، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ديو بند ۲/۱۷۶، كوئٹه) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۷۸/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۷/۲۷ھ

امام کے سلام ثانی سے قبل مقتدی کا نماز مکمل کرلینا

سوال [۲۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر مقتدی قصداً امام کے سلام ثانی میں اقتداء نہ کرے؛ بلکہ پہلے فارغ ہوجائے یا امام کی لمبی سانس ہونے کیوجہ سے مقتدی پہلے فارغ ہوجائے تو مقتدی کی نماز نہیں ہوتی بعد میں پھر اس عبارت کے دیکھنے کی ضرورت پڑی، تو وہ کتاب نہیں ملی جس میں یہ مسئلہ دیکھا تھا اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبد الصمد، مدرسہ فیض العلوم بلرام گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی؛

بلکہ مکروہ تحریمی ہوگی ہے؛ لیکن اگر مقتدی نے امام سے قبل سلام کی ابتداء نہیں کی ہے تو مقتدی کی نماز مکروہ بھی نہ ہوگی؛ بلکہ بلا کراہت درست ہو جائے گی۔

عن عبد الله بن عمرو: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إذا جلس الإمام في آخر ركعة، ثم أحدث رجل من خلفه قبل أن يسلم الإمام فقدتمت صلاته. (سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب من أحدث قبل التسليم، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٦٨، رقم:١٤٠٧)

وكره سلام المقتدي بعد تشهد الإمام قبل سلامه الخ (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، دارالكتاب ديوبند جديد ٣١١، قديم ١٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۸۸/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲ھ

مقتدی امام سے قبل سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مدرک ہے اور اپنے امام سے پہلے سلام پھیر دیتا ہے، تشہد پڑھنے کے بعد تو اس کی نماز فاسد ہوگی یا مکروہ اور مکروہ ہونے کی صورت میں واجب الاعادۃ ہے یا نہیں؟

المستفتی: فرید الدین، امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بغیر عذر کے مذکورہ مقتدی نے امام سے پہلے سلام پھیر دیا ہے تو اس کی نماز کراہت تحریمی کے ساتھ مکمل ہوگئی کراہت کی وجہ سے نماز میں کمی آئی ہے، مگر اعادہ ضروری نہیں۔

عن عبد الله بن عمرو: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إذا جلس الإمام في آخر ركعة، ثم أحدث رجل من خلفه قبل أن يسلم الإمام فقد تمت صلاته. (سنن الدارقطني، كتاب الصلاة، باب من أحدث قبل التسليم، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٦٨، رقم:١٤٠٧)

لو أتم المؤتم التشهد، بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه، فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام وكلام، أو قيام جاز: أي صحت صلاته بحصوله بعد تمام الأركان، وإنما كره للمؤتم ذالک لتركه متابعة الإمام بلا عذر. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/٢٤٠، كراچي ١/٥٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۸ھ

بحالت مجبوری قعدۂ اخیرہ میں صرف تشہد اور رکوع وسجود میں ایک مرتبہ تسبیح پڑھنا

سوال[۲۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اضطراری حالت میں مثلاً بارش ہو رہی ہو، گاڑی چھوٹنے کا اندیشہ ہو یا جماعت کھڑی ہو اختصار کے طور پر رکوع اور سجود کی صرف ایک تسبیح قعدۂ اخیرہ میں صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیر دینے سے نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رکوع وسجود میں تسبیح سنت ہے اور اسی طرح تشہد کے بعد درود شریف بھی سنت ہے اور ترک سنت مفسد صلوٰۃ نہیں ہے؛ اس لئے نماز صحیح ہو جائے گی؛ البتہ یہ ترک صرف مکروہ ہوا کرتا ہے۔

وسننها: ترک السنة لایوجب فسادا ولاسهوا؛ بل إساء ة لو عامدا غیر مستخف (تحته في الشامیة) **فلو غیر عامدا فلاإساء ة أیضا.** (شامي، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل مطلب: في قولهم الإساء ة دون الکراهة، زکریا ۲/ ۱۷۰، کراچی ۱/ ٤٧٤، حاشية الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، فصل في بیان سننها، دارالکتاب دیوبند جدید ۲٥٦، الموسوعة الفقهية الکویئته ۲۷/ ٦۲)

ثم تسبیحات الرکوع، والسجود سنة الخ (هدایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، اشرفی ۱/ ۱۱۰)

وصلی علی النبي صلی الله علیه وسلم وهو لیس بفریضة عندنا الخ (هدایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، اشرفی ۱/ ۱۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱٦)

پچھلی صف میں تنہا نماز پڑھنا

سوال [۲٦۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہمارے تبلیغی جماعت کے ساتھی ہیں ان کا کہنا ہے کہ جماعت کی نماز میں اگر ایک شخص اکیلا نماز پڑھے اور اگلی صف سے کسی کو کھینچ کر نہ لائے تو تنہا نماز نہیں ہوگی، اعادہ واجب ہے یہاں کسی سے ایسا ہوگیا تھا تو انہوں نے اعادہ کروایا تھا؟

المستفتی: ماسٹر سکندر علی رحمت گنج پٹنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگلی صف میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی شخص پچھلی صف میں تنہا نماز پڑھے تو اس کی نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی؛

البتہ اگر اگلی صف میں کوئی ایسا آدمی جو اس مسئلہ کے متعلق معلومات رکھتا ہو اور اس کو کھینچنے سے اس کی نماز فاسد ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کو کھینچ کر اپنے ساتھ کھڑا کر کے نماز پڑھنا بہتر اور اولیٰ ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو واقعہ پیش کیا گیا ہے سب کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے کی نماز لوٹائی گئی ہے یہ غلط ہوا ہے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں تھی۔

عن عطاء: في الرجل يدخل المسجد وقدم تم الصف، قال: إن استطاع أن يدخل في الصف دخل، وإلا أخذ بيد رجل فأقامه ولم يقم وحده.

(المصنف لإبن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن ٣٢٦/٤، رقم:٢٦٠٢، قديم رقم:٦١٤٦)

أتى جماعة ولم يجد في الصف فرجة قيل يقوم وحده ويعذر وقيل: يجذب واحدا من الصف إلى نفسه فيقف بجنبه والأصح ماروى هشام عن محمد أنه ينتظر إلى الركوع، فإن جاء رجل وإلا جذب إليه رجلا أودخل في الصف، ثم قال في القنية: والقيام وحده أولىٰ في زماننا لغلبة الجهل على العوام، فإذا جره تفسد صلاته. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما تفسد الصلاة، مطلب إذا أتردد الحكم بين سنة وبدعة، كراچی ٦٤٧/٢، زكريا٤١٦/٢، عالمگیری، کتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، الفصل الثانی فيما يكره ١٠٧/١، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في مايكره في الصلاة، ومالا يكره ٥٦٩/١، جديد زكريا ٢١٢/٢، رقم:٢١٩٦، عزيز الفتاوى ١٨٧/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۵۰/۳۶)	۱۴۲۴/۲/۲۴ھ

ایک سانس میں دونوں طرف سلام پھیرنا

سوال [۲۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سانس میں دونوں سلام پھیرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے، سنت

یا استحباب کے خلاف تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو دائیں طرف سلام پھیر کر کتنے وقفہ کے بعد بائیں جانب سلام پھیرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد احمد قاسمی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک سانس میں دونوں سلام پھیرنا مسنون یا مستحب نہیں ہے؛ بلکہ مسنون و مستحب یہی ہے کہ ہر ایک سلام الگ الگ دو سانسوں میں پھر جائے۔

قال في مجمع البحار هو تخفيفه و ترک الإطالة فيه لحديث التكبير جزم و السلام جزم، فإنه إذا جزم السلام و قطعه فقد خففه و حذفه، انتهى (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب حذف السلام، مطبع ميرٹھ قديم ۲/ ۱۳٤، جديد، دارالبشائر الإسلامية ٤/ ٥٨١)

وروي عن إبراهيم النخعي قال: التكبير جزم والسلام جزم. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء أن حذف السلام سنة ١/ ٦٦)

وقال البنوري: الجزم في اللغة انقطع. (معارف السنن، اشرفي بکڈپو ديوبند ٣/ ١١٦)

اور دونوں سلاموں کے درمیان وقفہ صرف اتنا کافی ہے کہ دائیں جانب سلام مکمل ہو جانے کے بعد چہرہ بائیں جانب سلام پھیرنے کے لئے دائیں جانب سے قبلہ کی طرف رخ کرنے میں جتنی دیر لگے، اتنا ہی وقفہ کافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

نماز یا غیر نماز میں کتے کی طرح بیٹھنا

سوال [۲۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) کہ نماز کی حالت میں کتے کی طرح نہ بیٹھنا چاہئے کیا غیر نماز میں اس کی اجازت ہے؟

(۲) کیا سرین کو زمین پر ٹیکنا اور ساقین کو کھڑا کر لینا اور دونوں ہاتھوں سے ساقین کو گھیر لینا یہ بیٹھک بھی کتے کی بیٹھک میں شمار ہوگی؟ اگر کتے کی بیٹھک میں شمار نہ ہوگی تو بھی اس کے حکم سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتی: شمس الحق، موسی پور سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) غیر نماز میں اگر اس طرح بیٹھنا عرف میں برا نہیں سمجھا جاتا ہے تو مباح ہے اور اگر عرف میں اس کو برا سمجھا جاتا ہے تو ممنوع ہوگا۔

الثابت بالعرف کالثابت بالنص. (رسم المفتي ۹۵)

(۲) اس طرح بیٹھنے سے بھی نماز میں ممانعت کی گئی ہے۔

عن أبي هريرة رضـ **يقول: أوصاني خليلي بثلاث، ونهاني عن ثلاث...... نهاني عن الالتفات، وإقعاء كإقعاء القرد، ونقر كنقر الديک.** (مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲٦٥، رقم: ۷٥۸٥)

والإقعاء أن يضع اليتيه على الأرض وينصب ركبتيه نصبا الخ (هندية، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره، قديم زكريا ۱/ ۱۰٦، جديد ۱/ ۱٦٥)

ويكره......أن يقعي إقعاء الكلب، وتفسيره أن يضع يديه على الأرض وينصب فخذيه، وفي الهداية: والإقعاء أن يضع اليتيه على الأرض وينصب ركبتيه نصبا وهو الصحيح. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايكره ومالايكره جديد زكريا ۲/ ۲۰۰ - ۲۰۱، رقم: ۲۱٤۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

مائک پر نماز پڑھانا کیسا ہے؟

سوال[۲۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مائک پر نماز پڑھانا کیسا ہے، اگر بغیر مائک کے سارے نمازیوں کو آواز پہونچ جائے پھر بھی مائک استعمال کیا جاتا ہے؛ تاکہ مکمل سورہ پڑھنے کی آواز سب کو پہونچ جائےتو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فضل اللہ، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مائک میں نماز پڑھنا جائز ہےاوراس نیت سے مائک استعمال کرنا کہ سب نمازیوں کوآواز صاف صاف پہنچ جائےاور مقتدی قرأت سننے کی وجہ سے نشاط میں رہیں تو یہ بھی جائز ہے۔ (مستفاد: جوہرالفقہ ۵/۹۹، فتاوی عثمانی ۱/۵۵۴، امدادالفتاوی ۱/۸۴۰)

والجهر أفضل حيث خلا مماذكر، لأنه أكثر عملا ولتعدي فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر، فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم ويزيد النشاط. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۷۰، كراچی ۶/۳۹۸)

بأنه صرّح في السراج بين الإمام إذا جهر فوق الحاجة، فقد أساء والإساءة دون الكراهة ولاتوجب الفساد. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ۱/۵۸۹، زكريا ۲/۳۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۵)

لاؤڈاسپیکر پر فرائض پنج گانہ کی ادائے گی کا حکم

سوال [۲۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن مساجد میں تین چار صفوں کی جماعت ہوتی ہے اور ہر صف میں پندرہ بیس سے زیادہ مقتدی نہ ہوتے ہوں، ان میں سری نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھانا ضروری ہے؟؛ جبکہ امام صاحب کی آواز تیز ہے پست نہیں ہے، صرف تکبیرات کے لئے لاؤڈ اسپیکر ضروری نہیں ہے۔

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لاؤڈ اسپیکر پر فرض نماز جائز ہے؛ البتہ ضرورت کے بغیر لاؤڈ اسپیکر استعمال نہ کرے تو بہتر ہے، مگر پھر بھی نماز بلا کراہت درست ہو جاتی ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/۶۰۴، جواہر الفقہ ۵/۱۰۹)

والجهر أفضل حيث خلا مماذكر، لأنه أكثر عملا ولتعدي فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر، فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم ويزيد النشاط. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۷۰، كراچی ۶/ ۳۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۵ھ

لاؤڈاسپیکر پر نماز

سوال [۲۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ رمضان شریف کی پہلی تاریخ سے لے کر ۲۶ر تاریخ تک تراویح کی نماز بغیر لاؤڈ اسپیکر کے پڑھنے میں ذرہ برابر کسی قسم کی دقت نہیں ہوئی؛ لیکن ۲۷ر تاریخ کو لاؤڈ اسپیکر لگا کر فرض وتراویح اور وتر کی نماز پڑھی گئی، مقتدیوں کے علاوہ بستی کے آس پاس رہنے والی عورتیں جو نماز پڑھتی ہیں ان لوگوں کو پوری طرح دقت اور خلل پیدا ہوا اور جو مسلمان مسجد کے باہر تھے تراویح میں شامل نہیں تھے، انہوں نے لاؤڈ اسپیکر میں کلام پاک پڑھتے وقت دھیان نہیں دیا تو کیا یہ گنہگار نہیں ہوں گے، یہ فعل شریعت کی رو سے جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: امان اللہ، ۲۴ر پرگنوی، متعلم مدرسہ حیات العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ۲۷ر ستائیسویں شب میں عام راتوں سے زیادہ نمازی جمع ہوجائیں اور بغیر لاؤڈ اسپیکر کے آواز سنائی نہیں دیتی ہے تو یہ ایک ضرورت کے تحت داخل ہوگا اور جائز ہوگا اور اگر خاص کر کے اس رات میں نمائش کی جاتی ہے اور نمازیوں میں کوئی اضافہ بھی نہیں ہے تو مکروہ تحریمی ہوگا۔

والجهر أفضل في غير ذلک، لأن العمل فيه أكثر، ولأن فائدته تتعدىٰ إلى السامعين، ولأنه يوقظ قلب القارئ، ويجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم ويزيد في النشاط. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣/ ٢٥٧، شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ٩/ ٥٧٠، كراچی ٦/ ٣٩٨)

وإذا جهر الإمام فوق حاجة الناس فقد أساء؛ لأن الإمام إنما يجهر لإسماع القوم ليدبروا في قرأته ليحصل إحضار القلب. (فتاوى هندية، كتاب الصلاة باب الإمامة، زكريا قديم ١/ ٧٢، زكريا جديد١/ ١٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹ ر ۳۳۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۲/۱۴۱۴ھ

کثیر مجمع میں مائک سے نماز پڑھانا

سوال [۲۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کثیر مجمع میں مائک میں نماز پڑھانے کے متعلق تفصیلی احکامات بیان فرمائیں؟

المستفتی: محمد ظہیر الحق، افضل گڑھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کثیر مجمع میں مائک میں نماز پڑھانا بلا کراہت جائز ہے اور درست ہے۔ (مستفاد: جوہر الفقہ ۱۱۹/۵)

والجهر أفضل حيث خلا مما ذكر، لأنه أكثر عملا ولتعدي فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر، فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم ويزيد النشاط. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۳۷۰، كراچی ۳۹۸/۶، الموسوعة الفقهية الكويتية) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۷۰/۳۳)

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا

سوال[۲۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عالم ہے مسجد میں خطیب وامام ہے نماز فرائض پنج گانہ وعیدین میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرتا ہے، اگر لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نہ کرے اور مکبر حضرات تکبیر کہیں تو ہجوم کثیر ہونے کی وجہ سے اور دو منزلہ یا سہ منزلہ مسجد ہونے کی وجہ سے دور والے نمازیوں کو اور بالائی منزل والے نمازیوں کو امام کی آواز نہیں پہونچتی اور بہت سے نمازیوں کی نماز صحیح ادا نہیں ہو پاتی کیوں کہ کچھ قیام میں بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں ہوتے ہیں؛

لہٰذا ضرورۃ واحتیاجاً لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے، زید کا دلیل کے طور پر کہنا ہے کہ مکبر اس کی اصل ہے جو شریعت کے اصول کے مطابق ہے اور عدم جواز استعمال لاؤڈ اسپیکر شرع سے ثابت نہیں ہے، زید دوسری دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ مائک کے ذریعہ جو آواز ہارن تک پہونچ کر مصلیان کو مسموع ہوتی ہے اس میں سر مو انفصال نہیں ہے اور وہ آواز بعینہ بغیر انفصال امام کی آواز ہے؛ لہٰذا مانع نماز کوئی چیز اس میں نہیں ہے، عمرو بھی عالم ہے اس کا کہنا ہے کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نمازیوں تک آواز پہونچانے کے لئے شرعاً ممنوع ہے اور ہارن سے سنی ہوئی آواز پر نمازیوں کا عمل مفسد نماز ہے، یعنی ان کی نماز نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ لاؤڈ اسپیکر کا واسطہ خارج نماز ہے، جو فساد نماز کا موجب ہے، دسرے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال آواز کو دور تک پہونچانے کے لئے جبکہ وہ شئ خارج نماز ہے اور معاون رفع صوت امام ہے اور بغیر امام کی آواز نہیں کہہ سکتے کہ قدرے امام کی آواز اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز فصل وانفصال کی حامل ہے جو فساد نماز کے لئے کافی ہے، دور والے نمازیوں کو بعینہ بغیر انفصال امام کی آواز مسموع نہیں ہوئی۔

تیسرے لاؤڈ اسپیکر کی آواز آواز بازگشت کی طرح ہے کہ بولنے والا خاموش ہو، مگر آواز کی گنجان باقی رہتی ہے، آواز بازگشت الگ ایک آواز ہوتی ہے۔

چوتھے لاؤڈ اسپیکر کے ایمپلی فائر کے اندر ایک پرزہ ہوتا ہے جب اس کا استعمال ہوتا ہے، تو آواز میں تکرار سنائی دیتی ہے، جس سے متکلم یا امام کی آواز میں سامع کو صاف طور پر انفصال معلوم ہوتا ہے اور شریعت کے حکم کے مطابق غیر نمازی کا نمازی کی اصلاح کے لئے فعل جبکہ نماز میں عمل کرے اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، لاؤڈ اسپیکر کا حال بھی ایسا ہی ہے؛ لہٰذا اس کا استعمال نماز کے لئے ممنوع اور موجب فساد نماز ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ زید و عمرو میں کس کا قول شریعت کے مطابق ہے، مزید اگر زید کی بات صحیح ہے تو کیا چھوٹی مساجد میں جہاں امام کی آواز کافی ہوتی ہے، وہاں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: ضمیر حسین اشرفی، عرف مولانا نوشے، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ زید وعمرو کے درمیان بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زید لاؤڈ اسپیکر کی آواز عین آواز متکلم اور عمرو اس کو غیر آواز متکلم ثابت کرنا چاہتا ہے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں علماء کرام اور سائنسدانوں کی کافی تحقیق وجستجو کے بعد اب یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز ہے جو لاؤڈ اسپیکر کی وجہ سے پہلے سے زیادہ قوی ہو جاتی ہے یہ آواز آواز بازگشت نہیں؛ لہٰذا اس کو نماز میں استعمال کرنے سے کسی کی نماز فاسد نہ ہوگی نہ امام کی اور نہ ہی مقتدیوں کی جب نماز میں اس کا استعمال مضر نہیں تو جمعہ وعیدین میں بھی اس کا استعمال مضر نہ ہوگا؛ البتہ بلاضرورت اس کو استعمال کرنا بہتر نہیں ہے اور عمرو کا عدم جواز پر اصرار اور اپنے اصرار پر جو دلیل پیش کی ہے وہ عدم تحقیق کی بناء پر ہے۔
(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۶۴۶ ۸)

والجهر أفضل حيث خلا مماذكر، لأنه أكثر عملا ولتعدي فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر، فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم ويزيد النشاط. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۷۰، كراچی ۶/۳۹۸)

والجهر أفضل في غير ذلک؛ لأن العمل فيه أكبر، ولأنه يتعدي نفعه إلى غيره، ولأنه يوقظ قلب القارئ، ويجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم ويزيد النشاط. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/ ۱۹۲)

وإذا جهر الإمام فوق حاجة الناس فقد أساء؛ لأن الإمام إنما يجهر لإسماع القوم ليدبروا في قرأته، ليحصل إحضار القلب. (هندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكرياقديم ۱/ ۷۲، زكريا جديد ۱/ ۱۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۰۵)

نماز میں سر پرٹوپی رکھنا مسنون ہے یا مستحب

سوال [۲۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا اعتراض ٹوپی پر ہے اس کا کہنا ہے کہ نماز میں ٹوپی سر پر رکھنا سنت نہیں ہے؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کو آپ مستحب کہہ سکتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کی کسی حدیث یا قرآن یا کسی آیت سے اس کا ثبوت نہیں، پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ ٹوپی نماز میں سر پر رکھنا سنت ہے یا کسی بھی طرح سے سر کا ڈھانپنا سنت ہے وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: وفاء الرحمٰن، دڑھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹوپی پہننا اسلامی شعار اور مسلمانوں کا مہذب لباس ہے، صحیح حدیث پاک میں حضور ﷺ سے عام حالات میں سر پر ٹوپی رکھنے کا ثبوت ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سروں پر ایسی ٹوپی ہوا کرتی تھی جو سر سے چپکی رہتی تھی، تو جب عام حالات میں ٹوپی پہننا مسلمانوں کا لباس اور شعار رہا ہے، تو نماز کی حالت میں ٹوپی اتار دینا کہاں سے ثابت ہوگا۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، قال: کان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يلبس قلنسوة بيضاء. (المعجم الكبير للطبراني ۱۳/۲۰۴، رقم: ۱۳۹۲)

أخرج البيهقي عن إبراهيم التيمي عن ابن عمر: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان يلبس قلنسوة بيضاء. (شعب الإيمان للبيهقي ۵/۱۷۵، رقم: ۶۲۵۸، كذا في ممجع الزوائد، باب في القلنسوة ۵/۱۲۱ بيروت، المعجم الأوسط ۴/۳۴۲، رقم: ۶۱۸۳، ابوداؤد، كتاب اللباس، باب في العمائم ۲/۵۶۴، دار السلام رقم: ۹۴۸، مسند أحمد ۱/۲۳، رقم: ۱۵۰، ترمذي، ابواب اللباس، باب بلا ترجمة ۱/۳۰۸، دار السلام رقم: ۱۶۴۴، كنز العمال ۷/۴۶، رقم: ۱۸۲۸۲)

أخرج الترمذي عن أبي سعيد وهو عبد الله بن بسر قال: سمعت أبا كبشة الأنماري يقول: كانت كمام أأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، بطحا قال المحشى: أي مبسوطة لازقة برؤسهم غير مرتفعة عنها الخ (ترمذي مع هامشه، ابواب اللباس بلاترجمه ۱/۳۰۸، دارالسلام رقم: ۱۷۸۲)

كانت كمام أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بطحا: أي لازقة بالرأس غير ذاهبة في الهواء، الكمام جمع كمة وهى القلنسوة. (النهاية في غريب الحديث والأثر دار الكتب العلمية ۱/۱۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۸۱/۳۸)

ننگے سر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر زید نماز پڑھنے آیا اور وہ ٹوپی لانا بھول گیا یا جان بوجھ کر نہیں لایا تو اس کی نماز کیسی ہوگی؟

المستفتی: محمد عمیم لکھیم پوری، مدرسہ اسلامیہ، ککرالہ بدایوں (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلا ٹوپی نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، نماز بہر حال صحیح ہوجائے گی۔

ويكره الصلاة حاسرا رأسه تكاسلا أو تهاونا. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره للمصلي وما لايكره، زكريا ۲/۲۰۲، رقم: ۲۱٤۷، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره في الصلاة، ومالايكره، المجلس العلمي جديد ۲/۱۳۹، رقم: ۱٤۱۹)

وکـره لـلـمـصلي حسر رأسه: أي كشفه لما في ذلك من ترك الوقار. (شرح النقايه، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، و مايكره فيها، اعزازيه ديوبند ۱/۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۷۰/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۶ھ

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا

سوال [۲۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں سر پر ٹوپی پہننے کا کیا حکم ہے، کیا بغیر کے ٹوپی نماز ہوسکتی ہے؟

المستفتی: مہربان علی بڑوتوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بغیر ٹوپی کے نماز ادا ہو جاتی ہے؛ لیکن بلا عذر بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

وكره صلوته حاسرًا أي كاشف الرأس للتكاسل الخ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و مايكره فيها، زكريا ۲/٤۰۷، كراچى ۱/٦٤۱، كوئٹه ۱/٤٧٤)

وحاسرا الرأس: أي كاشفا إياه، وهذا إذا كان للتكاسل، وقلة رعايتها. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، دارالكتب العلميه بيروت ۱/۱۸۷)

وصلاته حاسرا رأسه للتكاسل، أو للتهاون بها، ليس المراد بالتهاون الإهانة بالصلاة، فإنها كفر؛ بل المراد قلة رعايتها ومحافظة حدودها. (شرح وقايه، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و مايكره فيها،

اشرفی ۱/۱٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍۱۲۸۹)

مستقل بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا

سوال [۲۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بغیر ٹوپی کے مستقل نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: مطلوب احمد متولی تھانہ والی مسجد سیوہارہ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمیشہ مستقل طور پر بغیر ٹوپی کے ننگے سر نماز پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں؛ بلکہ کثیر روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سروں پر ٹوپی رہا کرتی تھی، تو نماز کے وقت ٹوپی اتار کر نماز پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں؛ بلکہ حضرات فقہاء کی عبارات سے اور احادیث شریفہ کی تائیدات سے ٹوپی پہن کی نماز پڑھنا مسنون ومستحب ثابت ہوتا ہے، بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کے اصحاب کی ٹوپیاں سر سے چپکی ہوئی ہوتی تھیں اور بعض روایت میں آیا ہے کہ صحابہ کے سروں پر ٹوپیوں کے اوپر عمامہ ہوا کرتا تھا، بعض روایات میں مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان عمامہ کا فرق اتنا ہے کہ مشرکین بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں، مسلمان ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھتے ہیں، ہاں البتہ حالت احرام میں ٹوپی کی ممانعت ہے، ننگے سر رہنے کا حکم ہے اسی طرح صلاۃ استسقاء میں ننگے سر ہو کر تذلل کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم ہے، جس میں بارش کی دعاء مانگی جاتی ہے۔

وکره صلوته حاسرًا: أي كأشفا رأسه للتكاسل، ولا بأس به للتذلل،

واما للإهانة فكفر. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، زكريا ٤٠٧/٢، كراچی ٦٤١/١، کوئٹه ٤٧٤/١)

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: يا رسول الله! ما يلبس المحرم من الثياب، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، لايلبس القميص ولا العمائم، ولاالسراويلات، ولاالبرانس. (صحيح البخاري، باب لبس الخفين للمحرم إذا لم يجد النعلين ٢٠٩/١، رقم:١٥١٩، ف:١٨٤٢)

وتكره الصلاة، حاسرًا رأسه إذا كان يجد العمامة وقد فعل ذلك تكاسلاً، أوتهاوناً بالصلاة، ولابأس به إذا فعله تذللا وخشوعاً؛ بل هو حسن.

(هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، و مالا يكره، زكريا قديم ١٠٦/١، زكريا جديد ١٦٥/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۸۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۵ھ

ٹوپی میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال [۲۷۰۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ **ما يقول العلماء العظام "دامت فيوضهم" اعرض الأدلة المفصلة في ضوء الكتاب والسنة، لنسلك طريق السنة النبوية، ونرجوا أن تجيبونا بجواب واضح وتمسكوا بأيدينا إلى معالم الطريق.**

المستفتی: محمد عمیر قاسمی، ہاپوڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: إن رسولنا الكريم صلى الله عليه وسلم

يلبس القلنسوة عادة، بالإضافة إلى ذلک قدورد في بعض الأحاديث أن النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يصلون مع القلنسوة فاتضح أن أداء الصلاة مع القلنسوة سنة، والأحاديث فيما يلي: عن عاصم بن كليب عن أبيه عن خالهؓ قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم في الشتاء فوجدتهم يصلون في البر انس والأكيسة وأيديهم فيها. (المعجم الكبير ۱۸/۳۲۶، رقم: ۸٦۱، مجمع الزوائد ۲/۵۱)

قال الحسن: كان القوم يسجدون على العمامة والقلنسوة ويداه في كمه. (صحيح البخاري ۱/٥٦، تحت الترجمة كتاب الصلاة باب ۲۳)

عن ابن عمرؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس كمة بيضاء. (المعجم الأوسط ٤/۳٤۲، رقم:٦۱۸۳، مجمع الزوائد ٥/۱۲۱)

عن أبي هريرةؓ قال: رأيت على رأس النبي صلى الله عليه وسلم قلنسوة بيضاء شامية. (شمس الأفاق لابن العلان المكي ۱۱۸، انظر جامع الأحاديث ٦/٥٥۸، رقم:۱٦۸۱۳)

عن ابن عباسؓ كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث قلانس الحديث . (شمس الأفاق ۱۸۸، انظر جامع الأحاديث ٦/٥٥۸، رقم: ۱٦۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)	۱۴۳۵/۶/۳ھ

مسجد میں رکھی ہوئی ٹوپیوں کا استعمال کرنا

سوال [۲۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سی مساجد میں مصلیوں کے لئے ٹوپیاں رکھی جاتی ہیں، ایک شخص کہتا ہے ان ٹوپیوں کو رکھنا حرام ہے استعمال میں لانا بھی حرام؛ جبکہ مذکورہ شخص لیڈیز ٹیلر ہے، شب وروز

واہیات میں مصروف رہتا ہے، گھر میں ٹی وی، وی سی آر، دوکان میں ٹیپ ریکارڈ بجاتا ہے، ٹوپی کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر وضاحت فرمادیں کہ آیا ایسے شخص کو امام بنانا درست ہے یا جمعہ کے دن خطبہ سے قبل وعظ ونصیحت کرسکتا ہے؛ جبکہ نصف مصلیان اس سے ناراض ہیں؟

المستفتی: انوارالحق، صدیقی، جامع مسجد، سیکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجدوں میں جو چٹائی کی ٹوپیاں رکھی رہتی ہیں، ان کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ نماز اللہ تعالی کے دربار کی حاضری ہوتی ہے اور اس میں ایسا لباس پہن کر حاضر ہونا ممنوع ہے جس کو پہن کر معزز اور باعظمت مجلس اور تقریب میں شرکت کو ناگوار سمجھا جاتا ہو۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: يَا بَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ . [الأعراف: ۳۱]

وتكره الصلاة، في ثياب البذلة الظاهر أن الكراهة للتنزيه.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، دارالكتاب ديوبند جديد ۳۵۹)

وكذلک يكره الصلاة في ثياب البذلة، وروى: أن عمر رضي الله عنه، رأى رجلا فعل ذلک، فقال: أرأيت لو كنت أرسلتک إلى بعض الناس أكنت ثمه في ثيابک هذه؟ فقال: لا، فقال عمر رضي الله عنه الله أحق أن يتزين له.

(المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره في الصلاة، ومالا يكره، المجلس العلمي جديد ۲/ ۱۳۹، رقم: ۱۴۲۰)

اور ٹی وی، وی سی آر فلمی امور کا جو شوقین ہے وہ فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

چٹائی، پلاسٹک اور ریٹنت کی ٹوپی میں نماز

سوال [۲۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جو رواج ہے کہ مسجدوں میں پلاسٹک کی ٹوپی یا کھجور والی ٹوپی رکھوادیتے ہیں، اسی طرح ایک ٹوپی ریٹنت کی آرہی ہے جالی دار کیا ان ٹوپیوں کو اوڑھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں، کوئی خرابی تو نماز میں نہیں آئیگی؟

المستفتی: قاری زبیر عالم، پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمازی بحالت نماز اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں ایسے لباس میں حاضر ہونا ممنوع ہے، جس لباس کو پہن کر معزز مجمع یا مجلس میں حاضر ہونے میں ناگواری ہوتی ہو اور چٹائی کی ٹوپی پہن کر معزز مجمع اور تقریب میں جانے کو معیوب سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے ایسی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۴۲۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۱۷۶، جدید ڈابھیل ۱۵/۱۹۱، ایضاح المسائل ۱۳۴، احسن الفتاوی ۳/۴۳۷)

يَا بَنِيْ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ . [الأعراف:۳۱]

وفي ثياب البذلة وهي ما يلبس في البيت ولايذهب به إلى الكبراء. (شرح الوقايه، كتاب الصلاة، باب ماتفسد ومايكره فيها، قبيل باب الوتر، والنوافل، اشرفي ۱/۱۶۹)

وكرهت الصلاة في ثياب البذلة......مايلبس في البيت ولايذهب به إلى الكبراء. (شرح النقاية، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، اعزازية ديوبند ۱/۹۵)

وتكره الصلاة في ثياب البذلة......ثوب لايصان عن الدنس ممتهن وقيل مالايذهب إلى الكبراء. (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، دارالكتاب ديوبند ۳۵۹، قديم ۱۹۷)

نیز پلاسٹک کی ٹوپی سے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے، ہاں البتہ بینت کی ٹوپی پہن کر معزز مجمع میں جانے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے اس میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۲۸ھ

رومال سر پر باندھ کر نماز پڑھنا

سوال[۲۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں رومال ہے، جس کو بوقت ضرورت سر سے باندھ کر نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور مصلیٰ کی جگہ بچھا بھی لیتے ہیں اور ہم اس رومال سے وضو کر کے اپنے اعضاء پوچھ لیتے ہیں، تو اس کپڑے کو سر سے باندھ کر نماز پڑھ لیں، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: سلامت اللہ، سلطان پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس رومال سے وضو کے اعضاء پونچھتے ہیں اس کو سر پر باندھ کر نماز پڑھنا اور اس کو بچھا کر اس پر نماز پڑھنا سب جائز ہے؛ اس لئے کہ شرعاً وہ رومال پاک ہے۔

أن الخرقة التي يتمسح بها، تجوز الصلاة معها، وإن كان ما أصابها من البلل كثيراً فاحشًا الخ (البحر الرائق ۹۳/۱، كتاب الطهارة، زكريا ۱۶۸/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۸۲)

بغیرٹوپی کے یاچٹائی وغیرہ کی ٹوپی پہن کرنماز پڑھنا

سوال [۲۷۰۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بغیرٹوپی کے نماز پڑھنا کیسا ہے؟؛ جبکہ مسجد کے اندر پہلے سے ہی پلاسٹک یا کپڑے کی ٹوپی رکھی ہوں، اگروہ ٹوپیاں گندی ہوں تو اس صورت میں بغیرٹوپی کےنماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد آصف لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہرمسلمان کے پاس نماز کے لئے اپنی ٹوپی ہونی چاہئے، نماز میں ایسے لباس سے شریک ہونا چاہئے کہ جس لباس سے معزز مجلس میں حاضر ہونا باعث عزت سمجھا جاتا ہے، اور ایسے لباس کے ساتھ نماز میں شریک ہونا مکروہ ہے، جس کے ساتھ معزز مجلس میں شرکت کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے؛ لہٰذا چٹائی وغیرہ کی ٹوپی پہن کرنماز پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ ایسی ٹوپی پہن کرکسی معزز مجلس میں شرکت کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ کپڑے کی صاف ستھری ٹوپی پہن کرنماز پڑھنی چاہئے۔

وقال الشامية: في شرح الوقاية بما يلبسه في بيته ولايذهب به إلى الأكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، قبيل مطلب في الخشوع، كراچی ۱/ ٦٤١، زكريا ٢/ ٤٠٧)

وتكره الصلاة، حاسرا رأسه تذللا، وكذا في ثياب البذلة.

(هندية، كتاب الصلاة، فصل في العوارض، اشرفية ٢/ ٤٤٧)

ومنها أن يصلي في ثياب البذلة والمهنة، واحتج له في الذخيرة، بأنه روي عن عمر رضي الله عنه، أنه رأي رجلا فعل ذلك، فقال: أرأيتك لو كنت أرسلتك إلى بعض الناس أكنت تمر في ثيابك هذه، فقال لا: فقال

عمر الله أحق أن يتزين له......والظاهر أنها تنزيهية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، کوئٹه ۲/ ۳۳، زکریا ۲/ ۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

چٹائی کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں جو چٹائی کی ٹوپیاں رکھی جاتی ہیں، ان کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: سعید الرحمٰن، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں انسان اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے؛ اس لئے نماز میں ایسے صاف ستھرے کپڑے پہننے چاہئے جن کو پہن کر باوقار معزز مجلس میں جانے میں عار محسوس نہ ہو، چٹائی کی ٹوپی پہن کر باوقار معزز مجلس میں جانے میں عار محسوس ہوتی ہے؛ اس لئے چٹائی کی ٹوپی پہن کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۳، احسن الفتاوی ۳/ ۴۳۷)

ويكره الصلاة في ثياب البذلة. (فتاوى تاتارخانية ۲/ ۲۰۲، رقم: ۲۱۴۸، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره للمصلي ولايكره)

وكره صلاته في ثياب بذلة ومهنة (تحته) وفسرها بمايلبسه في بيته ولايذهب به إلى الأكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، قبيل مطلب في الخشوع، زكريا ۲/ ۴۰۷، كراچى ۱/ ۶۴۰، حلبى كبير، كتاب الصلاة، باب كراهة الصلاة ۳۴۹، مكتبه سهيل اكيڈمي لاهور)

والسنة أن يأخذ الرجل أحسن هيئته للصلاة لأن الصلاة مناجاة للرب، فيستحب لها تزيين. (تفسير خازن، سورة الأعراف ۲/ ۸۳، أحكام القرآن للجصاص ۳/ ۳۳، احكام القرآن، دارالفكر العلمية سورة الأعراف ٤/ ۱۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۱ھ

داڑھی ورخسار چھپا کر نماز پڑھانا

سوال [۲۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ زید مسجد کا امام ہے حالت نماز میں اپنے چہرہ پر رومال اس طرح ڈالتا ہے کہ اس کی داڑھی اور اس کے دونوں رخسار رومال سے چھپ جاتے ہیں؛ البتہ اس کی ناک اور منھ کھلے رہتے ہیں، نیز قرأت کرنے میں کوئی دشواری بھی نہیں ہوتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح نماز کی حالت میں رومال ڈالنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟؛ کیونکہ خالد کا کہنا ہے کہ اس صورت میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔

(۲) چہرہ پر رومال ڈالنے کی صورت میں اگر داڑھی چھپ جائے جبکہ داڑھی چھپانے کا ارادہ نہ ہو کیسا ہے؟

المستفتی: محمد صابر قاسمی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر ناک اور منھ بند نہیں ہوتے ہیں مکروہ نہیں ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں نماز مکروہ نہ ہوگی۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۷/ ۱۵۶، جدید ڈابھیل ۶/ ۶۶۴)

(۲) صرف ڈاڑھی چھپ جانے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

فیکره التلثم وتغطیة الأنف والفم في الصلاة؛ لأنه یشبه فعل المجوس. (مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي جدید ۳۵۰، مکتبة دارالکتاب قدیم ۱۹۳، هندیة، زکریا جدید ۱/ ۱۶۰، ما یفسد الصلاة، الفصل الثاني فیما یکره في الصلاة ومالایکره ۱/ ۱۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۵ھ

پیشانی ڈھک کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الف: نمازی کا سر پر کپڑا ڈال کر اس طرح نماز پڑھنا کہ پیشانی ڈھک جاتی ہے کیسا ہے؟

ب: نمازی نے دوران نماز اس طرح سر پر کپڑا لپیٹ کر رکھا ہے کہ اس کا ایک سرا منھ کے آگے سینے تک لٹکا رہتا ہے کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: الف: پیشانی ڈھک کر نماز پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ نماز میں پورا چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے، ہاں البتہ سجدے کے وقت میں رومال پر سجدہ کرنا مکروہ نہیں ہے، بس پیشانی ڈھکنے کی وجہ سے کراہت آتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۳۰،۷)

عن أنس بن مالکؓ قال: کنا نصلي مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم في شدة الحر، فإذا لم یستطع أحدنا أن یمکن جبهته من الأرض، بسط ثوبه، فسجد علیه. (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب تقدیم في أول الوقت في شدة الحر، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۵، بیت الأفکار رقم: ۶۲۰)

عن صالح بن خيوان السبائي رضـ، حدثه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رجلا يصلي يسجد بجبينه، وقد اعتم على جبهته، فحسر النبي صلى الله عليه وسلم عن جبهته. (المراسيل لأبي داؤد ص:۸، رقم: ۷٦، السنن الكبرى للبيهقي، باب الكشف عن الجبهة في السجود، دارالفكر بيروت جديد ۴۳۹/۲، رقم: ۲۷۱۵)

وإمساك فمه عند التثاؤب......فإن لم يقدر غطاه بيده...... أو كمّه لأن التغطية بلا ضرورة مكروهة. (شامي، زكريا ۱۷٦/۲، كراچى ۴۷۸/۱، الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، آداب الصلاة عند الحنفية، هدىٰ انٹر نيشنل ديوبند ۱/ ۷٦٠)

ب: دوران نماز رومال کا ایک سرا منہ اور سینہ تک لٹکا ہوا ہے، اس سے اگر رکوع اور سجدہ کے وقت میں توجہ ہٹ جاتی ہے، تو سدل کے حکم میں ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا اور اگر توجہ نہیں ہٹتی ہے، تو مکروہ نہیں ہے۔

قال في شرح المنية: السدل هو الإرسال من غير ليس ضرورة أن إرسال ذيل القميص ونحوه لا يسمى سدلاً. ودخل في قوله: "ونحوه عذبة العماة" (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و مايكره فيها كراچي ۱/ ٦۳۹، زكريا ۲/ ۴٠۵)

العذبة بفتح العين والذال عذب الطرف المرخي من العمامة بعد تكويرها. (معجم لغة الفقهاء ۳٠۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴٠/ ۲۲٠۳٠)

ٹوپی، چادر، یا دوپٹہ سے ڈھکی ہوئی پیشانی پر سجدہ کرنا

سوال [۲۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: نمازی کی پیشانی پر بال ہوں یا ٹوپی چادر دوپٹہ پڑا ہوا اور سجدہ اس کے اوپر ہوتا ہو، تو نماز مکروہ تو نہیں ہوتی؟

المستفتی: عبدالصمد رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بال چونکہ بدن کا جز ہیں؛ اس لئے اس پر سجدہ کرنے سے کراہت نہیں آئیگی؛ البتہ اگر بلاضرورت عمامہ، چادر اور ٹوپی کے ذریعہ سے پیشانی ڈھاک لی جائے اور اس پر سجدہ کیا جائے، تو نماز میں کراہت آجائے گی اور اگر کسی خاص عذر کی وجہ سے پیشانی چھپ جائے تو بلاکراہت نماز درست ہوجائے گی۔

عن صالح بن خيوان السبائي رضـ، حدثه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، رأي رجلا يصلي يسجد بجبينه، وقد اعتم على جبهته، فحسر النبي صلى الله عليه وسلم عن جبهته. (المراسيل لأبي داؤد ص:۸، رقم: ۷٦، السنن الكبرى للبيهقي، باب الكشف عن الجبهة في السجود، دارالفكر بيروت جديد ۲/۴۳۹، رقم:۲۷۱۵)

عن علي -رضي الله عنه- إذا صلى أحدكم، فليحسر العمامة عن جبهته. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، موسسه علوم القرآن ۲/۵۰۰، رقم: ۲۷۷۱، السنن الكبرى للبيهقي، باب الكشف عن الجبهة في السجود، دارالفكر جديد۲/۴۳۹، رقم:۲٦٦۰)

ويكره السجود على كور عمامته من غير ضرورة حرٍ، أوبردٍ، أوخشونة أرضٍ الخ (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات ۱۹۵، دارالكتاب ديوبند، جديد ۳۵۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۰/۳۰۴، هندية، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، ومالايكره ۱/۱۰۸، زكريا جديد ۱/۱٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۹/۱۴۱۴ھ

دورانِ نماز کپڑوں کو ہاتھوں سے جھاڑنا

سوال [۳۱۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نماز پڑھتے ہوئے اپنے کپڑوں کو کبھی ایک ہاتھ سے کبھی دونوں ہاتھوں سے جھاڑتا ہے، اس عمل سے نماز میں کوئی کراہت آتی ہے یا نہیں؟ نیز یہ عمل اتفاقیہ ہو یا اس پر مداومت کی عادت بن گئی ہو تو دونوں میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ضرورت کی وجہ سے صرف ایک ہاتھ سے ایک رکن میں ایک دفعہ ایسا کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر دونوں ہاتھوں سے کرتا ہے یا ایک رکن میں ایک ہاتھ سے بار بار کرتا ہے تو مکروہ تحریمی ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۴۳۶)

عن ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: أمرنا أن نسجد على سبعة أعظم، ولانكف ثوبًا، ولاشعرًا. (صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب السجود على سبعة أعظم ١/ ١١٢، رقم: ٨٠٢، ف: ٨١٠)

وكذلك يكره له أن يكف ثوبه، أو يرفعه لئلايتترب. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي ومالايكره، زكريا ٢/ ٢٠٢، رقم: ٢١٤٥، شرح الوقايه، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، اشرفي ١/ ١٦٧، ١٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

رکوع سے اٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے دامن صحیح کرنا

سوال [۲۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں رکوع سے کھڑے ہوجانے کے بعد بکر اپنے دونوں ہاتھوں سے کرتے کا پچھلا دامن صحیح کرتا ہے کہ کہیں کرتا سکڑا نہ رہ جائے، زید نے بکر کو اس حرکت سے باز رہنے کو کہا اور اس بات کا حوالہ ''مسائل نماز'' مؤلف حضرت مولانا رفعت صاحب قاسمی کی کتاب دکھائی اور اس کتاب میں حوالہ ہے فتاوی رحیمیہ کا بکر نے یہ بات کہہ کر منع کر دیا کہ فتاوی رحیمیہ غیر معتبر ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے تو دریافت یہ کرنا ہے کہ فتاوی رحیمیہ معتبر ہے یا غیر معتبر اور بکر کا یہ عمل مفسد نماز ہے یا نہیں؟ اس حرکت سے باز رہا جائے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ، ٹھاکردوارہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد کرتے کے پچھلے دامن کو سکڑنے سے بچانے کے لئے دونوں ہاتھوں سے صحیح کرنے کی عادت بنالینا مکروہ تحریمی ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں کمی آجاتی ہے، نماز فاسد نہیں ہوتی اور فتاوی رحیمیہ میں جو لکھا ہے اس کا مقصد بھی یہی ہے، فتاوی رحیمیہ معتبر کتاب ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۴/ ۳۷۹، ۴/ ۳۷۴)

عن ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: أمرنا أن نسجد على سبعة أعظم، ولانكف ثوبا، ولاشعرا. (صحيح البخاري، كتاب الآذان، باب السجود على سبعة أعظم ۱/ ۱۱۲، رقم:۸۰۲، ف: ۸۱۰)

يكره للمصلي أن يعبث بثوبه، أو لحيته، وإن جسده، وأن يكف ثوبه بأن يرفع ثوبه من بين يديه، أومن خلفه إذا أراد السجود، كذا في معراج الدراية. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالايكره، زكريا ۱/ ۱۰۵، زكريا جديد ۱/ ۱٦٤)

وكذلك يكره له أن يكف ثيابه، أو يرفعه لئلا يتترب. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره في الصلاة ومالا يكره المجلس العلمي جديد ۲/ ۱۳۹، رقم: ۱٤۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۸۴)

رکوع سے اٹھتے یا سجدہ میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے دامن سمیٹنا

سوال [۲۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ نے عمل کثیر کی پانچ تعریفیں کی ہیں، صاحب درمختار نے پہلی تعریف کو اصح کہا ہے ۱/ ۴۲۰، قول ثانی یہ بیان کیا:

أن مايعمل عادة باليدين كثير، وإن عمل بواحدة كالتعمم وشد السراويل وما عمل بواحدة قليل وإن عمل بهما. (شامي نعمانية ۱/ ٤۳۰، زكريا ۲/ ۳۸٥)

ایک آدمی رکوع سے اٹھتے وقت یا سجدہ میں جاتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں سے پیچھے کے دامن کو سیدھا کرے تو بظاہر تو یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ اس کا یہ عمل موجب کراہت تو ہوگا؛ لیکن نہ تو وہ قول اول میں داخل ہے اور نہ ثانی میں کہ اس کو عمل کثیر کہہ کر مفسد صلوۃ کہہ دیا جائے اور اگر ہر وہ کام جس میں دونوں ہاتھ لگ جائیں وہ مفسد صلوٰۃ ہو، جیسے یہی دو ہاتھوں سے دامن سمیٹنا، تو پھر کبیری کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا۔

وذكر في الملتقط أنه لايعتبر في فساد الصلاة عمل اليدين؛ ولكن يعتبر القلة، والكثرة. ص: ۴۱۸.

دونوں عبارتوں کی وضاحت فرما کر خلجان کو دور فرما دیں اور واضح طور پر لکھیں کہ

رکوع سے اٹھنے کے وقت دونوں ہاتھوں سے دامن کوسمیٹنا عمل کثیر ہے، جوکہ مفسد صلوۃ ہے یا صرف مکروہ ہے؟

المستفتی: سید عتیق الرحمٰن، کامٹی ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: رکوع سے اٹھتے وقت یا کسی بھی رکن انتقالی میں دونوں ہاتھوں سے دامن کا ایک مرتبہ سمیٹنا اور درست کرنا عمل کثیر میں شامل نہیں ہے اور نہ ہی مفسد صلوۃ ہے؛ بلکہ مکروہ ہے، اسی پر مشائخ اور اکابر اہل فتاوی کا فتوی ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۳/۳۸۳، جدید زکریا مطول ۴/۴۵۴، امداد المفتیین کراچی ۳۴۱، فتاوی دار العلوم ۴/۶۳)

اور درمختار شامی غنیۃ المستملی شرح کبیری وغیرہ کی عبارتوں میں جہاں دونوں ہاتھوں کے استعمال کو عمل کثیر کہا گیا ہے وہاں ساتھ ساتھ اس قید کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے اور رکوع وغیرہ ارکان انتقالیہ کے وقت مذکورہ عمل کو دیکھ کر کوئی بھی ایسا نہیں سمجھتا کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے؛ بلکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ نماز میں تو ہے؛ لیکن دونوں ہاتھوں سے یہ حرکت کررہا ہے، جو اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے اور امر قبیح ہونے کی وجہ سے مکروہ قرار دیا گیا ہے، اسی وجہ سے کبیری میں نیچے اس عبارت کا اضافہ ہے۔

بل نظر هل هو كثير في نفس الأمر أم لا وذلك يمكن أن يكون بأحد الطريقين المتقدمين أما باعتبار غلبة ظن الناظر، أنه ليس في الصلاة وشكه (إلى قوله) وقيل يفوض إلى رأي المصلي إن استكثره فكثير وإلا فلا، وعامة المشائخ على الأول الخ (كبيري، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، سهيل اكيڈمي، لاهور ٤٤٢، رحيمية ديوبند قديم ٤١٩)

اور شامی میں آخیر میں اسی قسم کی عبارت لائی گئی ہے۔

والظاهر أن ثانيهما ليس خارجا من الأول؛ لأن مايقام باليدين عادة يغلب ظن الناظر، أنه ليس في الصلاة، وكذا من اعتبر التكرار ثلاثا متوالية،

فإنه يغلب الظن بذلك فلذا يختاره جمهور المشائخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره، زكريا فيها ۲/ ۳۸۵، کراچی ۱/ ٦٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۶۰/۲۸)

رکوع سے اٹھتے اور سجدے میں جاتے وقت دامن سیدھا کرنا

سوال [۲۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر امام ہے تنہا نماز پڑھ رہا ہے رکوع سے اٹھتے وقت پیچھے کے دامن کو دونوں ہاتھوں سے درست کرتا ہے، سجدہ میں جاتے وقت تہبند یا پائجامہ اوپر اٹھاتا ہے اور قعدہ میں دامن سیدھا کرتا ہے تو کیا اس عمل سے نماز درست ہے یا یہ عمل کثیر ہے؟

المستفتی: محمد امیر دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رکوع سے اٹھتے وقت پیچھے کے دامن کو درست کرنا اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت پائجامہ یا تہبند کو بلا وجہ اوپر اٹھانا اور قعدہ میں دامن کو سیدھا کرنا سب مکروہ ہے، اس سے احتراز لازم ہے، نماز بہرحال کراہت کے ساتھ صحیح ہو جائے گی۔ (فتاوی دارالعلوم ۴/ ۹۳، ۴/ ۱۰۸، فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۳۷، جدید ۷/ ۲۹۰)

عن ابن عباس رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: أمرنا أن نسجد على سبعة أعظم، ولا نكف ثوبًا، ولا شعرًا. (بخاري، كتاب الاذان، باب السجود على سبعة أعظم ۱/ ۱۱۲، رقم: ۸۰۲، ف: ۸۱۰)

وكره كفه: أي رفعه ولو لتراب كمشمر كم، أو ذيل، وعبثه به،: أي بثوبه، وبجسده إلا لحاجة. (در مختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، کراچی ۱/ ٦٤٠، زكريا ۲/ ٤٠٦)

ومن كف الثوب رفعه كيلا يتترب كما في منية المصلي.
(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، زكريا ۲/ ۴۲، كوئٹه ۲/ ۲٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۲۸/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

دوران صلوۃ دونوں ہاتھوں سے کپڑے درست کرنا

سوال [۲۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ مصلی کو رکوع سجود سے اٹھ کر کرتا و پائجامہ دونوں ہاتھوں سے درست کرنا چاہئے؛ کیونکہ احکم الحاکمین کی بارگاہ میں حاضر ہے اور کرتا سرین کے اندر گھسا رہے یہ اچھا نہیں ہے اور دلیل اکابر علماء کے اقوال سے پیش کرتا ہے کہ فلاں صاحب نے فرمایا کہ دونوں ہاتھوں کو استعمال کرنا عمل کثیر نہیں؛ اس لئے مفسدات صلوۃ نہیں ہے؛ جبکہ عالمگیری ۱/ ۱۰۳، مراقی ۱۷۷، فتاوی دار العلوم ۴/ ۴۲، میں ہے کہ کوئی ایسا کام کرنا جس میں دونوں ہاتھوں کو استعمال کرنا پڑے عمل کثیر ہے جو کہ مفسد صلوۃ ہے، اگر زید کا یہ بیان کردہ قول درست ہے تو مذکورہ بالا کتب کی عبارات کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی: وکیل احمد قاسمی، مدرس مدرسہ اسلامیہ رڑکی ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مصلی کا نماز میں ارکان انتقالیہ کے وقت دونوں ہاتھوں سے کرتا یا پائجامہ کا درست کرنا ضرورت کے وقت بلا کراہت جائز ہے اور بلا کسی ضرورت کے مکروہ تحریمی ہے اور نماز فاسد نہ ہوگی؛ جبکہ عمل کثیر نہ ہو۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال:

أمرنا أن نسجد على سبعة أعظم، ولانكف ثوبًا، ولاشعرًا. (صحيح البخاري، كتاب الاذان، باب السجود على سبعة أعظم ۱/۱۱۲، رقم:۸۰۲، ف:۸۱۰)

وكره كفه: أي رفعه ولولتراب كمشمر كم أو ذيل وعبثه به للنهى إلا لحاجة. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، كراچی ۱/۶٤۰، زكريا ۲/٤۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۸۲/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۱۸ھ

جیب میں روپئے رکھ کر نماز پڑھنا

سوال [۲۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نمازی کے سامنے اوپر دائیں بائیں تصویر ہونے سے نماز مکروہ ہوتی ہے؛ لیکن جب جیب میں روپیہ ہو اور اس پر تصویر ہو تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو وجہ کیا ہے اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

المستفتی: عبدالصمد بلاسپور گیٹ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیب میں چونکہ تصویر چھپی ہوئی ہوتی ہے؛ اس لئے جیب میں رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں کوئی خرابی نہ آئیگی۔

بأن معه صرة، أو كيس فيه دنانير، أو دراهم فيها صور صغار فلاتكره لاستتارها ويفيد أنه لو كان فوق الثوب الذي فيه صورة ثوب ساتر له، فإنه لايكره أن يصلي فيه لاستتارها بالثوب الآخر الخ (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، زكريا ۲/٤۸ كوئٹه ۲/۲۷)

هـذا إذا كـانت التصاوير مكشوفة أما إذا كانت مستورة فلابأس به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي و مالا يكره، زكريا ٢٠٣/٢، رقم: ٢١٤٩)

ولايكره المستتر بكيس، أو صورة، أوثوب آخر. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، المطلب الأول مايكره في الصلاة، هدى انٹرنیشنل ٨٠٨/١)

ولوصلى ومعه دراهم عليها تماثيل ملك لابأس به؛ لأن هذا يصغر عن البصر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، دار الكتاب ديوبند جديد ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣ ربیع الثانی ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤٠٠/٢٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٣/٤/١٤١٤ھ

روپیہ اور کرنسی جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا

سوال [٢٧١٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انسان اور دیگر جاندار کی تصویر جیب میں لے کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ ہندوستان کے نوٹوں میں گاندھی جی کی تصویر ہوتی ہے، اسی طرح دیگر ممالک کے نوٹوں میں وہاں کے حکمرانوں کی تصویریں ہوتی ہیں، ان کو جیب میں لے کر نماز پڑھنے میں کراہت آئے گی یا نہیں؟

المستفتی: یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: تصویروں کو نمایاں طور پر دیوار میں یا سامنے رکھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہوتا ہے اور جو تصویر لپیٹ کر جیب میں رکھ دی گئی ہے، وہ نظر نہیں آرہی ہے،

تواس کی وجہ سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی، نماز بلا تردد جائز ہوجاتی ہے؛ لہٰذا ہندوستانی نوٹوں پر مہاتما گاندھی کی جو تصویر ہوتی ہے، ان تصویر والے نوٹوں کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنا بلا شبہ جائز اور درست ہے، اسی طرح سعودی ریال میں جو وہاں کے بادشاہوں کی تصویریں ہوتی ہیں اور مختلف ممالک کے نوٹوں میں وہاں کے حکمرانوں کی تصویریں ہوتی ہیں، ان نوٹوں کو جیب میں لے کر نماز پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں؛ اس لئے کہ ان نوٹوں کو جیب میں رکھنے میں احترام تصویر مقصد نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ مال کی حفاظت مقصد ہوتا ہے، اسی طرح نوٹ جیسی چیزوں میں دیگر جاندار کی تصویر ہوتو اس کا بھی حکم یہی ہے۔ (مستفاد: محمود ڈابھیل ۶/۶۷۵)

لا المستقر بكيس أو صرة بان صلى ومعه صرة، أو كيس فيه دنانير، أو دراهيم فيها صور صغار، فلاتكره لاستتارها. (شامي، باب ما يفسد الصلاة ومايكره كراچي ۱/۶٤۸، ومثله في البحر الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره كراچي ۲/۲۷، زكريا ۲/٤۱۸)

وكذا يكره في ثوب فيه تصاوير...... وفي الظهيرية هذا إذا كانت التصاوير مكشوفة وأما إذا كانت مستورة فلا بأس به. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره للمصلي و مالا يكره زكريا ۲/۳۰۳، رقم: ۲۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۳۱/۴۱)

جیب میں تصویر والا آئی کارڈ رکھ کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مصلی کی جیب میں آئی کارڈ تھا دوران نماز وہ کارڈ گر گیا، اس میں اپنی تصویر سامنے آگئی تو نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عمران، انکلیشور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیب میں آئی کارڈ رکھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طریقہ سے وہ نوٹ جس میں گاندھی جی کی تصویر ہوتی ہے اس کو بھی جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں؛ اس لئے کہ آئی کارڈ اور نوٹ میں موجودہ تصویر سامنے آگئی تو اس کی وجہ سے نماز مکروہ نہیں ہے؛ البتہ تصویر کی طرف اس طرح توجہ کرنے کی صورت میں جس سے نماز کا خشوع وخضوع ختم ہوجائے مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۶/۶۷۴ ڈابھیل)

ومفاده كراهة المستبين لاالمستتر بكيس، أو صرة، أوثوب آخر، أوكانت صغيرة لاتتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائمًا، وهي على الأرض وتحته في الشامية: بأن صلى ومعه صرة، أو كيس فيه دنانير، أو دراهم فيها صور صغار فلاتكره لاستتارها. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، كراچی ۱/٦٤٨، زكريا ۲/٤١٨)

وفي المحيط: رجل في يده تصاوير وهو يؤم الناس لاتكره إمامتة، لأنها مستورة بالثياب، فصار كصورة في نقش خاتم وهو غير مستبين. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، زكريا ٤٨/٩، كوئٹه ۲۰/۲۸)

بقي من المكروهات أشياء آخر: منها الصلاة بحفرة ما يشغل البال ويخل بالخشوع كزينة ولهو ولعب. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، كراچی ١/٦٥٤، زكريا ٢/٤٢٥)

’’لأنہ یلهي المصلي‘‘ وفي الشامي: أن الخشوع في الصلاة **مستحب**. (شامي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، ومایکرہ ۱/ ٦٥٨، زکریا ۲/ ٤٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۶۲/۳۹)

جیب میں تصویر رکھ کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی جیب میں بغیر ضرورت کے تصویر رکھی ہے اور وہ پرس کے اندر چھپی ہوئی ہے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ ایسی حالت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد صابر علی، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تصویر جیب کے اندر رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز میں خرابی نہیں آتی؛ البتہ مصلی پر یا سامنے یا بغل میں رکھنے سے مکروہ ہو جاتی ہے۔

ولو کانت الصورة صغیرة کالتي علی الدراهم، أو کانت في الید، أو مستترة، أو مهانة مع أن الصلاة بذالک لاتحرم؛ بل ولاتکره الخ (شامي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، ومایکره فیها، زکریا ۲/ ٤١٧، کوئٹہ ۱/ ٦٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۵۳/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۸ھ

چاند، ستارے، اور درخت کی تصویر والے جانماز کا حکم

سوال [۲۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ عرصہ سے چند مسجدوں میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، اکثر مسجد کی چٹائیوں پر چاند اور تارا بنا ہوا ہے اور اسی پر ہم لوگ ایک عرصہ سے سجدہ بھی کرتے آرہے ہیں اور ان پر ہم پیر بھی رکھ کر چلتے ہیں اور نماز کی حالت میں چاند اور تارے کی تصویر سامنے رہتی ہے، کیا اس چیز سے ہماری نماز میں خلل واقع ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور ان تصویر والی چٹائیوں پر نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور مصلے پر بھی مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ یا پھر گنبد خواجہ اجمیری کا روضہ وغیرہ کی تصویر ہوتی ہے؛ جبکہ اسلام نے تصویر یا شبیہ پر نماز کے لئے منع فرمایا ہے۔

المستفتی: آپ کے چند احباب نمازی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چاند، ستارے، درخت وغیرہ کی تصویر رکھنا اور ان تصویروں کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ جاندار کی تصویر والے مصلے پر نماز پڑھنا مکروہ ہوتا ہے، چاند، ستارے جانداروں میں شامل نہیں ہیں؛ اس لئے مذکورہ چٹائیوں پر نماز بلا کراہت جائز اور درست ہوگی۔

عن سعید بن أبي الحسن، قال: جاء رجل إلی ابن عباسؓ ......وقال: إن کنت لابد فاعلاً، فاصنع الشجر ومالا نفس له. (صحیح مسلم، کتاب اللباس، والزینة، باب تحریم تصویر صورة الحیوان، النسخة الهندیة ۲/۲۰۲، بیت الأفکار رقم: ۲۱۱۰، مسند أحمد بن حنبل ۱/۳۰۸، رقم: ۲۸۱۱، ۱/۳۶۰، رقم: ۳۳۹٤)

ویکره أن یکون فوق رأسه في السقف، أو بین یدیه، أو بحذائه تصاویر، أوصورة معلقة وتحته في البنایة یرید صورة التماثیل التي فیها

الأرواح الخ (بنايه، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، اشرفية جديد ٢/٤٥٧، قديم ١/٨٠٨)

فأما صورة مالا حياة له كالشجر و نحو ذلك فلايوجب الكراهة، لأن عبدة الصورة لايعبدون تمثال ماليس بذي روحٍ، فلايحصل التشبه بهم. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الأركان قديم كراچي ١/١١٦، زكريا ١/٣٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۸۲)

خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی کے منقش مصلے پر نماز

سوال [۲۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جو مصلوں پر خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی کی تصویر یا کسی دوسرے مذہبی مقام کی تصویر آ رہی ہے، جن کے متعلق ایک مسلمان کے دل میں غیر معمولی ادب واحترام پایا جاتا ہے، انہی مصلوں کو امام کے خطبہ دینے کے لئے بچھا دیا جاتا ہے یا کسی اور طریقہ سے ان کی بے ادبی ہو جاتی ہے، مثلاً پیر کے نیچے تصویر کا آجانا ایسے مصلوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا بچھا کر خطبہ دینا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: عمران اللہ، بھوجپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا مصلیٰ جس میں خانۂ کعبہ یا مسجد نبوی یا مذہبی مقدس مقامات کی تصویر ہوتی ہے اس پر پیر رکھ کر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی قباحت اور حرج نہیں ہے؛ اس لئے کہ عین کعبۃ اللہ میں کھڑے ہوکر آدمی نماز پڑھتے ہیں تو جب اصل شئ پر کھڑے ہوکر

نماز پڑھنا خلاف ادب نہیں ہے اور اس میں چلنا پھرنا بھی خلاف احترام نہیں ہے، تو اس کی تصویر پر پیر پڑ جائے تو خلاف ادب کیسے ہے، یہ محض اپنے خیال کی بات ہے؛ لہٰذا خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی کے منقش مصلیٰ پر پیر رکھ کر نماز پڑھنا نہ تو خلاف ادب ہے اور نہ ہی احترام کے خلاف ہے، جیسا کہ خود کعبۃ اللہ کے فرش پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا خلاف احترام نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۷/۱۱۱، جدید ۶/ ۶۷، رحیمیہ جدید ۶/ ۳۳، قدیم ۶/ ۲۷، ایضاح المسائل ۱۳۳)

فإذا صلوا في جوف الكعبة فالصلاة في جوف الكعبة جائزة عند عامة العلماء نافلة كانت أو مكتوبة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الأركان قديم كراچی ۱/ ۱۲۱، زكريا ۱/ ۳۱٤)

ولو صلى في جوف الكعبة، أو على سطحها جاز. (هندية، كتاب الصلاة، فصل في شروط الصلاة، زكرياقديم ۱/ ٦۳، جديد ۱/ ۱۲۱)

الصلاة في الكعبة جائزة فرضها ونفلها. (هداية، كتاب الصلاة، باب الصلاة في الكعبة، اشرفي ۱/ ۱۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۸۹)

خانۂ کعبہ کے تصویر دار مصلیٰ پر نماز

سوال [۲۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسجد میں پلاسٹک کی چٹائی ہیں، جن میں کعبہ کا نقشہ بنا ہوا ہے، چند افراد کا اعتراض ہے کہ ان کو بچھانا درست نہیں؛ کیونکہ پیر پڑتا ہے اور لوگ بیٹھ بھی جاتے ہے، اس سے کعبہ کی بے حرمتی ہوتی ہے؛ لہٰذا ایسے مصلوں اور چٹائیوں کو بچھا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) کیا اس پر پیر پڑنے یا بیٹھنے سے واقعی کعبہ کی بے حرمتی کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟

(۳) اسی طرح بعض مصلوں اور چٹائیوں پر بیت المقدس یا مسجد نبوی کی تصویر بنی ہوتی ہے ان کا کیا حکم ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: جامع مسجد تکیہ پور، بلڑیاں لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: منقش مصلیٰ جس پر کعبۃ اللہ اور حرمین کا نقشہ ہوتا ہے بہر حال وہ تصویر ہے، کعبۃ اللہ میں داخل ہو کر نماز پڑھنا باعث خوش قسمتی اور امر مستحسن ہے تو سوال یہ ہے کہ پیروں کو کہاں رکھ کر نماز پڑھے گا، ظاہر بات ہے کہ پیروں کو عین کعبہ کی زمین پر رکھ کر نماز پڑھی جائیگی، اسی طرح مسجد حرام میں بیٹھنا اور پیروں سے چلنا خلاف ادب نہیں ہے، تو جب عین کعبہ اور عین مسجد حرام میں پیروں سے چلنا اور پیر رکھنا خلاف ادب نہیں تو اس کے فوٹو اور تصویر پر پیر پڑ جائے تو کیسے خلاف ادب ہے، یہ محض اپنے خیال کی بات ہے ایسی باتوں کے ذریعہ سے لوگوں کو شکوک وشبہات اور تشویش میں مبتلا نہ کیا جائے، جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کے منقش مصلے پر بیٹھنا اور پیر رکھ کر نماز پڑھنا بلا تردد اور بلا کراہت جائز اور درست ہے، اس میں تمام سوالات کے جوابات آچکے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ۶/ ۶۷۰، قدیم ۷/ ۱۱، ایضاح المسائل ۱/ ۱۳۳، فتاوی رحیمیہ جدید ۶/ ۳۳، قدیم ۶/ ۲۷۴)

أو لغير ذي روح لايكره، لأنها لاتعبد وخبر جبريل عليه السلام مخصوص بغير المهانة كما بسطه ابن الكمال. (الدر المختار مع الشامي كراچي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها ۱/ ۶۴۹، زكريا ۲/ ۴۱۸، البحر الرائق، كراچي، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها ۲/ ۲۷، زكريا ۲/ ۴۸)

عن سعيد بن أبي الحسنؓ قال: جاء رجل إلى إبن عباسؓ،......وقال إن كنت لابد فاعلا فاصنع الشجر ومالانفس له. (مسلم شريف، باب تحريم تصوير

صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۲، بيت الأفكار رقم: ۲۱۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۹۸/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۱۳ھ

منقش مصلے پر نماز

سوال [۲۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جو ہمارے لئے عظمت والی ہیں مثلاً کعبۃ اللہ شریف، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ یا دیگر مساجد وغیرہ یا روضۂ اطہر کہیں اگر ان کی تصویر زمین پر پڑی ہوئی مل جاتی ہے تو ہم احتراماً اسے اٹھا کر کسی ایسی جگہ رکھ دیتے ہیں جہاں اس کی بے حرمتی نہ ہو، مثلاً اخبار پر ان چیزوں کا فوٹو یا کلینڈر پر فوٹو یا کسی اسلامی کتاب کے سرورق پر۔

اگر ان مذکورہ متبرک مقامات کی تصویر کپڑے کی شکل میں زمین میں پڑی ہوئی ہو جیسے جانماز (مصلیٰ) اس شکل میں اس طرح کی جانمازوں کے اوپر چلا جاسکتا ہے؟ دوڑا جاسکتا ہے؟ کیا اس کے اوپر امام کی حیثیت سے بیٹھ کر تسبیح پڑھی جاسکتی ہے؟ کیا خطبہ کے مقام ممبر پر بچھا کر اس پر خطبہ پڑھا جاسکتا ہے؟ (چونکہ خطبہ کی حالت میں بیٹھا بھی جاتا ہے اور کھڑا بھی ہونا پڑتا ہے)

المستفتی: سید سرفراز علی مقبرہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہر مسلمان اس کی آرزو رکھتا ہے کہ کعبۃ اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا موقع ملے، ظاہر بات ہے کہ کعبۃ اللہ کے اندر نماز پڑھنے میں عین کعبہ پر نماز پڑھنا اس کے فرش پر چلنا، اس کے اوپر کھڑا ہونا سب کچھ پایا جائے گا وہ سب عبادت کی غرض سے ہے خلاف ادب نہیں ہے، جب عین کعبہ پر چلنا کھڑا ہونا خلاف ادب نہیں ہے،

تو اس کی تصویر والے مصلے پر کھڑا ہونا اس پر چلنا اس پر خطبہ دینا بطریق اولیٰ ادب کے خلاف نہ ہوگا؛ اس لئے کہ یہ تمام اعمال عبادات ہی کی قبیل سے ہیں، اسی طرح مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں نماز کے لئے چلنا پھرنا، پھر اس میں نماز پڑھنا، اعتکاف کی حالت میں سونا کوئی خلاف ادب نہیں ہے، جب عین مسجد میں یہ چیزیں خلاف ادب نہیں ہیں، تو اس کے فوٹو اور تصویر پر بطریق اولیٰ خلاف ادب نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ۶/ ۶۷۰، قدیم ۷/ ۱۱۱، رحیمیہ جدید ۶/ ۳۳، قدیم ۶/ ۲۷۴)

إذا صلوا في جوف الكعبة فالصلاة في جوف الكعبة جائزة عند عامة العلماء نافلة كانت أو مكتوبة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الأركان قديم كراچي ١/ ١٢١، زكريا ١/ ٣١٤)

ولو صلى في الكعبه أو على سطحها جاز. (هندية، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الصلاة، زكريا ١/ ٦٣، زكريا جديد ١/ ١٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۹ھ

منقش مصلے پر نماز کا شرعی حکم

سوال [۲۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مولانا نظام الدین صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، نظام الفتاوی میں ۱۴۱/ پر یوں رقم طراز ہیں کہ منقش مصلے جو خانہ کعبہ اور گنبد خضریٰ کی تصویر سے مزین ہے، اس پر نماز پڑھنا ناجائز اور حرام ہے، دلیل قرآن شریف کی آیت: **ومن یعظم شعائر اللہ** کے تحت۔

اور مفتی شبیر احمد قاسمی مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد ایضاح المسائل ۱۳۳/ پر لکھتے ہیں کہ اس طرح کے مصلے پر نماز پڑھنا جائز ہے؛ لیکن جائے نماز کا سادہ ہونا زیادہ بہتر

ہےاور جائز دونوں طرح ہے، بحوالہ فتاوی رحیمیہ، فتاوی محمودیہ؟

المستفتی: مولانا عبدالقدوس، دارالعلوم محمودیہ، پربھنی (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا منقش مصلےٰ جس میں خانہ کعبہ مسجد نبوی یا بیت المقدس کی تصویر ہوتی ہے، ایسے مصلےٰ پر پیر رکھنے اور کھڑے ہوکر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی قباحت اور کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لئے کہ تصویر اصل شئ کے حکم میں نہیں ہوتی؛ بلکہ اصلی شئ سے کم درجہ کی ہوتی ہےاور جب خود خانۂ کعبہ میں نماز پڑھتے وقت زمین پیروں کے نیچے ہوتی ہےاور یہ فعل تعظیم کعبہ کے خلاف نہیں ہے، تو اس کی تصویر کا پیروں کے نیچے ہونا بطریق اولیٰ تعظیم کے خلاف نہ ہوگا؛ لہٰذا ایسے منقش مصلےٰ پر نماز پڑھنا بلاکراہت جائز ہوگا؛ ہاں البتہ جائے نماز کا سادہ ہونا زیادہ بہتر ہے؛ لیکن جائز دونوں طرح ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۳، فتاوی رحیمیہ جدید ۶/ ۳۳، قدیم ۲/ ۱۷۲/ فتاوی محمودیہ جدید ۶/ ۶۷۰، قدیم ۷/ ۱۱۱، فتاوی دارالعلوم ۴/ ۱۲۷، امداد المفتیین ۳۱۶)

ولو صلی في جوف الكعبة، أو على سطحها جاز. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، زكريا ۲/ ۳۷، رقم: ۱٦۲۳، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي جديد ۲/ ۲۲، رقم: ۱۱۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۵۹)

اشتمال صماء کی کون سی ہیئت ممنوع ہے؟

سوال [۲۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ حدیث میں اشتمال صماء سے منع کیا گیا ہے، وہ چادر اوڑھنے کی کون سی ہیئت ہے؟ براہ کرم جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: خورشید احمد تعلیم القرآن حسن پور مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اشتمال صماء کی چند صورتیں ہیں، محدثین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ایک کپڑا پورے بدن پر اس طرح لپیٹ لیا جائے کہ ہاتھ پیر باہر نکالنے کے لئے کوئی سوارخ باقی نہ رہے، پورے بدن پر شامل ہونے کی وجہ سے اشتمال کہتے ہیں اور ہاتھ پیر نکالنے کے لئے سوراخ نہ ہونے کی وجہ سے صماء کہتے ہے، فقہاء کے یہاں ایک کپڑے کو سر سے پیر تک لپیٹ لیا جائے اور نیچے دوسرا کپڑا نہ ہو پھر ایک جانب سے اٹھا کر مونڈھے پر ڈال دیا جائے، جس سے ستر عورت کھل جائے اول صورت مکروہ ہے اور ثانی صورت حرام اور مفسد صلوۃ ہے۔

اشتمال الصماء بالمد وهو أن يتجلل الرجل بثوبه ولا يرفع منه جانبا، وإنما قيل لها صماء، لأنه يسدعلى يديه ورجليه المنافذ كلها كالصخرة الصماء التي ليس فيها خرق ولا صدع، والفقهاء يقولون هو أن يتغطى بثوب واحد ليس عليه غيره، ثم يرفعه من أحد جانبيه فيضعه على منكبه فتكشف عورته الخ (عمدة القاري، شرح بخاري، كتاب اللباس، باب النهي عن اشتمال الصماء ٣/٢٢، هكذا في المرقات، كتاب اللباس، الفصل الأول، ملتان٨/٢٣٩، بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الصماء، ميرٹھ٥/٥٢، اشعة اللمعات ٣/٥٣٨، عويصات٢/١٣٣، نووي، كتاب اللباس، باب النهي عن اشتمال الصماء والإحتباء٢/١٩٨، حاشية ترمذي، كتاب اللباس، باب ماجاء في النهي عن اشتمال الصماء١/٣٠٦، ١/٢٠٨، حاشيه أبوداؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الصماء ٢/٥٦٤، ٢/٢٠٨، حاشية مشكوة شريف،

کتاب اللباس، الفصل الأول، أشرفي ۲/۳۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۳۶)

انگریزی فیشن والے کپڑے میں نماز

سوال [۲۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انگریزی فیشن کے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ادریس، شاہ جہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر انگریزی فیشن کے کپڑے سے انگریزوں کی مشابہت ظاہر ہوتی ہے یا ان کی مشابہت مقصود ہے یا ٹخنہ سے نیچے لباس پہنتا ہے، ان تمام صورتوں میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔

عن ابن عمر قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم الحديث (ابوداؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت۶/۱۵۱، رقم:۸۳۲۷)

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب ما أسفل من الكعبين ففي النار۲/۸۶۱، رقم:۵۵۵۹، ف:۵۷۸۷)

وعادم ساتر لا يصف ما تحته ولايضر التصاقه وتشكله وتحته، أي بالألية مثلا وعبارة شرح المنية: أما لو كان غليظا لايرى منه لون

البشـرة إلا أنه التصق بالعضو وتشكل بشكله، فصار شكل العضو مرئيا، فيـنبـغي أن لايمنع جواز الصلاة لحصول الستر. (الـدر الـمختار مع الشامي، كتـاب الـصلاة، باب شروط الصلوة، مطلب في النظر إلى وجه الأمرد، كراچی ۱/ ۴۱۰، زكريا ۲/ ۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/ ۱۴۱۵ھ

باریک کپڑے میں نماز

سوال [۲۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی مرد موٹا کپڑا پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے؛ لیکن پھر بھی باریک کپڑا پہن کر نماز پڑھتا ہے، جس سے بدن نظر آتا ہے، کیا اس سے نماز ہو جائے گی؟ اس کے متعلق جواب مدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد اسعد، مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا باریک کپڑا جس سے بدن کا رنگ نظر آجائے تو تحت السرہ إلی الرکبۃ نظر آنے سے نماز فاسد ہو جائے گی اور مابقیہ نظر آنے سے نماز مکروہ ہوگی۔

قوله: لايصف ما تحته، بأن لايرى منه لون البشرة احترازا عن الرقيق ونحو الزجاج. (شـامي، كتـاب الـصـلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ۲/ ۸۴، كراچی ۱/ ۴۱۰، كوئٹه ۱/ ۳۸۰)

ويشترط في الساتر أن لايكون رقيقًا يصف ماتحته؛ بل يكون كثيفا لايرى منه لون البشرة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴/ ۱۷۴)

یـجـب أن یـکـون صـفیـقًا کثیفًا، فالواجب الستر بما یستر لون البشرة، ولایـصـفـهـا مـن ثـوب صفیق،أو جلد، أو ورق، فإن کان الثوب خفیفا، أو رقیقا یـصف مـا تـحته، أو یتبین لون الجلد من ورائیه، فیعلم بیاضه، أو حمرته لم تجز الصلاة به، لأن الستر لایحصل بذلک. (الفقه الإسلامي وأدلته، کتاب الصلاة، الشرط الرابع ستر العورة، شروط الساتر، هدی انٹر نیشنل دیوبند ۱/ ٦٣٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۹۵)

چست لباس میں نماز پڑھنا

سـوال [۲۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل بہت سارے لوگ ایسے چست لباس (جیسے فل پینٹ ہاف شرٹ وغیرہ) پہن کر مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہے، جس سے ان کے مستور اعضا سرین وغیرہ نمایا طور پر نظر آتے ہیں، ایسی صورت میں ان کی نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ اور ان کے لئے اعادۂ صلوۃ ضروری ہے یا نہیں؟ وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمایں۔

المستفتی: محمد مصدق حسین (مغربی بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـاللّٰہ التوفیق: ایسے لباس میں نماز پڑھنا، جس میں مستور اعضاء ظاہر ہوں مکروہ ہے؛ لیکن اس نماز کا اعادہ ضروری نہیں ہے اور ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس طرح کا لباس استعمال کریں، جس سے مستور اعضاء نمایاں ہوکر نظر نہ آئیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۰۳)

أمـا لـو کـا ن غـلیـظـا لایری منه لون البشرة إلا أنه التصق بالعضو

وتشكل بشكله، فصار شكل العضو مرئيا، فينبغي أن لا يمنع جواز الصلاة لحصول الستر. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، كراچی ۱/ ۴۱۰، زکریا ۲/ ۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۴۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

پینٹ شرٹ پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ڈھیلا ڈھالا شرٹ پینٹ پہنتا ہے اور ڈھیلا بھی اس طرح ہے کہ نماز پڑھنے میں نہ ہی کوئی پریشانی ہوتی ہے اور نہ ہی جسم کے نشیب وفراز نظر آتے ہیں، تو کیا اس صورت میں بھی **من تشبہ بقوم فھو منھم** کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا جائے گا؟

المستفتی: شاہد جمال مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں لباس کے لئے ایک حد متعین ہے، یعنی وہ ساتر ہو، کفار وفساق کا شعار نہ ہو، عورتوں کی مشابہت کا لباس نہ ہو، اسی طرح لباس سے کسی قسم کی بدتہذیبی اور ناشائستگی کا مظاہرہ نہ ہوتا ہو، ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، ان حدود کی رعایت کرتے ہوئے اگر کوئی لباس پہنا جائے تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں؛ لہٰذا آپ کا پینٹ شرٹ اسی حدود کے دائرہ میں ہے اور یہ لباس غیروں کے لئے خاص بھی نہیں ہے؛ اس لئے **من تشبہ بقوم فھو منھم** کے حکم میں داخل نہیں ہوگا؛ لیکن پھر بھی پینٹ شرٹ ہمارے دیار واطراف میں اتقیاء وصلحاء اور علماء کا لباس نہیں ہے چاہے ڈھیلا ڈھالا ہی کیوں نہ ہو؛ اس لئے ایسے لباس کا ترک اولی اور بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۹/ ۲۶۷)

لم يقصره على نوع دون نوع فإن الإسلام لم يقرر للإنسان نوعا خاصا، أو هيئة خاصة للباس......إنما وضع مجموعة من المبادي والقواعد الأساسية يجب على المسلم أن يتحفظ بها في أمر لباسه، فمن مقدمة هذه المبادي أن اللباس يجب أن يكون ساترا لعورة الإنسان......والمبدأ الثاني: إنما يقصدبه الستر والتجمل......والمبدأ الثالث: أن اللباس الذي يتشبه به الإنسان بأقوام كفرة لايجوز لبسه للمسلم. (تكمله فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة ٤/٨٧/٨٨، اشرفية ديوبند)

فأما هيئة اللباس، فتختلف باختلاف عادة كل بلد. (فتح الباري، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال، اشرفية ديوبند ١٠/٤٠٨، دارالريان بيروت ١٠/٣٤٥، تحت رقم الحديث ٥٨٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱۳ھ

چست لباس پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے سنا ہے کہ چست کپڑے میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ **كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها** تو کیا اس اصول کے پیش نظر ان عورتوں کے لئے اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان قاسمی، حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضرات فقہاء نے جس فعل مکروہ کی بنا پر نماز کے اعادے کی بات کہی تو اس سے مراد ایسی کراہت ہے، جو صلب صلوۃ اور داخل صلوۃ

میں پائی جائے، خارج صلوۃ کسی فعل مکروہ کے ارتکاب کے وجہ سے نماز کا اعادہ واجب نہیں؛ لہٰذا عورتوں کا چست لباس پہننا ایک خارج صلوۃ فعل مکروہ ہے، اس کی وجہ سے نماز میں کراہت آ گئی؛ لیکن اعادہ لازم نہیں۔

كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها—بقي هنا شئ—أنه لو صلى ثلاث ركعات من الظهر، ثم أقيمت الجماعة يتم ويقتدي متطوعا، فإنه كالصريح في أنه ليس له إعادة الظهر بالجماعة مع أن صلاته منفردا مكروهة......بأن مرادهم بالواجب والسنة التي تعاد بتركه، ما كان من ما هية الصلوة وأجزائها، فلايشمل الجماعة لأنها وصف لها خارج عن ما هيتها.

(شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم، زكريا۲/۱٤۸، كراچی ۱/٤۵۷)

الرابع سببه ترک واجب من واجبات الصلاة الأصلية سهوا وهو المراد بقوله بترک واجب لاكل واجب بدليل ماسنذكره من أنه لوترک ترتيب السّور لايلزمه شئ مع كونه واجبا وهو أجمع ماقيل فيه. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۲/۱٦۵، كراچی۲/۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۶۲)

امام صاحب کا کڑھائی والا کرتا پہن کر نماز پڑھانا

سوال [۲۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے کرتے سے نماز پڑھانا، جس میں چمکدار تار سے کڑھائی ہو یا میٹل کے تارے وغیرہ لگے ہوں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: راشد علی، پیپل سانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کپڑے کا سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے، اگر وہ کپڑا زنانہ نہیں ہے؛ بلکہ مردانہ کپڑا ہے اور مردانہ کپڑے پر سنہری دھاری بنائی گئی ہے اور سنہری دھاری بننے کے بعد بھی وہ کپڑا مردانہ ہے زنانہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس کپڑے کا پہننا ہر مرد کے لئے جائز ہے اور جس کپڑے کا مرد کے لئے پہننا جائز ہے، اس کپڑے میں نماز پڑھنا اور پڑھانا بھی جائز ہے اور حدیث شریف میں مردوں کے لئے ریشم کا کپڑا پہننا منع آیا ہے؛ لیکن اگر ریشم کی دھاری ہو اور دھاری کی چوڑائی تین چار انگل سے زیادہ نہ ہو تو مردوں کے لئے پہننا جائز ہے اور سوال نامہ میں جس دھاری کا ذکر ہے وہ بہت باریک دھاری ہے؛ اس لئے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لئے شودار اور فیشن والے کپڑے پہننا غیر مناسب اور ان کے تقوی کے خلاف ہے، جیسا کہ وارد ہے۔ ''حسنات الأبرار سیأت المقربین'' کہ بعض دفعہ اچھے لوگوں کے نیک کام بہت قریبی اور اونچے مقام لوگوں کے لئے مناسب نہیں ہوتے ہیں۔

ومقتضاهُ حل الثوب المنقوش بالحرير تطريزا ونسجا إذا لم تبلغ كل واحدة من نقوشه أربع أصابع، وإن زادت بالجمع مالم يركله حريرا. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، کراچی٦/ ٣٥٢، زكريا ٩/ ٥٠٧)

يحرم لبس الحرير على الرجل لا المرأة إلا قدر أربع أصابع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس ٦/ ٣٥١، زكريا ٢/ ٥٠٦)

عن أبي عثمانؓ، قال: كتب إلينا عمر، ونحن بآزربيجان، أن النبي صلى الله عليه وسلم، نهى عن لبس الحرير إلا هكذا وصف لنا النبي صلى الله عليه وسلم إصبعيه ورفع زهير الوسطى والسبابة. (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب لبس الحرير وافتراشه للرجال وقدر ما يجوز

منه ۲/ ۸٦۷، رقم: ۵٦۰۰، ف: ۵۸۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۲۷ھ

چوری کے کپڑوں میں نماز پڑھنا

سوال [۲۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی نے چوری کے کپڑے پہن کر نماز ادا کی تو کیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوری کے کپڑے میں نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔

ولو صلى في ثوب حرير، أو ثوب مغصوب (إلى قوله) وعندنا يصح ويكره الخ (نفع المفتی والسائل ۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱٦/۳/۸ھ

سینٹ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۲۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سنا ہے کہ سینٹ لگا کر نماز نہیں ہوتی؛ کیونکہ اس میں الکحل ملا ہوتا ہے اور الکحل بہت مہنگا ہوتا ہے، سستے سینٹ میں نہیں ہوتا تو اگر ہم پچاس روپئے سے کچھ

اوپر تک کا سینٹ لگا کر نماز پڑھیں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد احمد شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل کے تمام عطریات وسینٹ میں اور دواؤں میں الکحل کی آمیزش ہوتی ہے اور ہندوستان جیسے ممالک میں الکحل انگور کی شراب کے علاوہ دیگر اشیاء مثلاً سبزی، غلہ، گنا وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے، جس میں ابتلاء عام کی وجہ سے حضرات شیخین امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق نجاست غلیظہ اور قطعی حرمت کا حکم نہیں ہے؛ بلکہ ایسی چیزوں سے تیار کردہ الکحل کے حکم میں تخفیف ہے؛ اس لئے عطریات وسینٹ اور دواؤں میں الکحل کے استعمال کی گنجائش ہے اور ہندوستان کے تیار کردہ سینٹ کو لگا کر نماز بھی درست ہو جائے گی۔ (ایضاح النوادر ۱/۱۲۵، ایضاح المسائل ۱۴۷، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/۲۷۷، جدید زکریا ۱۰/۱۵۷)

وأما ما سواها فيتخذ النبيذ من كل شيئ من الحبوب، والثمار، والألبان، وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة، وحكمها ماذكروا أن القليل: أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوى على العبادة وحرام بقصد التلهي، والكثير: أي القدر المسكر منها حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف. (العرف الشذي على هامش الترمذي، كتاب الأشربه، باب ماجاء في شارب الخمر ٢/٧)

وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية، والعطور، والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب، أو التمر، فلاسبيل إلى حلتها، أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهما، فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ولايحرم استعماله للتداوي، أو لأغراض مباحة أخرى مالم تبلغ حد

الإسكار، لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولايحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة. (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربه حكم الكحل المسكرة، اشرفية ديو بند۳/ ۶۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

سینٹ لگا کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۲۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سینٹ لگانا اور لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: مظہر الحق قاسمی، تمِلنا ڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سینٹ میں اگر کوئی نجس چیز نہ ہو تو یہ بھی عام عطر کے حکم میں ہے؛ لہٰذا اس کو لگانا اور لگا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۹۹، جدید ڈابھیل ۱۹۲/۸، ایضاح المسائل ۱۴۷، ایضاح النوادر ۱/ ۱۲۵)

وأما ما سواها فيتخذ النبيذ من كل شيئ من الحبوب، والثمار، والألبان، وتسمى هذه الأقسام بالأنبذة، وحكمها ماذكروا أن القليل: أي القدر غير المسكر منها حلال إذا كان بقصد التقوي على العبادة وحرام بقصد التلهي، والكثير: أي القدر المسكر منها حرام، وهذا مذهب الشيخين للأحناف. (العرف الشذي على هامش الترمذي، كتاب الأشربه، باب ما جاء في شارب الخمر ۲/ ۷)

وفي الجامع الصغير: وما سوى ذلک من الأشربة فلابأس به......وهو نص على مايتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال،

عند أبي حنيفة ولايحد شاربه عنده وإن سكرمنه......وعن محمد أنه حرام ويحد شاربه إذ سكرمنه......وكان أبو يوسف يقول: ما كان من الأشربة يبقي بعد مايبلغ عشرة أيام ولايفسد فإني أكرهه ثم رجع إلى قول أبي حنيفة. (هداية، كتاب الأشربة، اشرفي ديوبند ٤/٤٩٦)

وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة التى عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية، والعطور، والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب، أو التمر، فلاسبيل إلى حلتها، أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهما، فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالى، ولايحرم استعماله للتداوي، أو الأغراض مباحة أخرى مالم تبلغ حد الإسكار، لإنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولايحكم بنجاستها أخذا بقول أبي حنيفة. (تكمله فتح الملهم، كتاب الأشربة، حكم الكحول المسكرة، اشرفيه ديوبند ٣/٦٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۳۵/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۴ھ

کیا داڑھی منڈانے کا گناہ نماز کے اندر بھی ہوتا ہے؟

سوال [۲۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ بات صحیح ہے کہ داڑھی منڈوانے والے کو ہر وقت گناہ ہوتا ہے؛ جبکہ وہ نماز بھی پڑھتا ہے؟ کیا نماز میں بھی اس کو گناہ ہوگا داڑھی صاف کرانے کی وجہ سے؟ قرآن واحادیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد یوسف رام نگر نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: داڑھی منڈانے والے کی نماز صحیح ہوجاتی ہے، اس کے اوپر سے نماز کی ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے، دوبارہ لوٹانا لازم نہیں ہے، مگر داڑھی منڈانے کی وجہ سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور کراہت کا گناہ نماز سے باہر اور نماز کے اندر ہر حال میں ہوتا رہتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۲۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۶/۱۴۱۶ھ

سونے کی انگوٹھی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے کی انگوٹھی پہن کر مردوں کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب، غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سونے کی انگوٹھی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/۱۱۰)

عن البراء بن عازب رضي الله عنهما، قال أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم......ونهانا عن تختم الذهب الحديث (صحيح البخاري كتاب الاستبراء، باب إفشاء السلام ۲/ ۹۲۱، رقم: ۵۹۹٤، ف: ٦۲۳٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۴۴)

تصویروں کی آمدنی سے گزارہ کرنے والے کی نماز کا حکم

سوال[۲۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تصویر سازی کی آمدنی سے گزارہ کرنے والے کی نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقدیر شاکر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح کے آدمی سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے؛ لیکن اگر کوئی اس آمدنی سے اپنا گزارار کرتا ہے، تو نماز وروزہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، فریضہ ادا ہوجائے گا؛ البتہ قبولیت کا علم اللہ کو ہے۔

عن سعيد بن أبي الحسن قال: جاء رجل إلى ابن عباسؓ، فقال: إني رجل أصور هذه الصور، فأفتني فيها، فقال له: أدن مني، فدنا منه ......حتى وضع يده على رأسه: قال: انبئک بما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كل مصور في النار يجعل له بكل صورة صورها نفساً فتعذبه في جهنم، وقال: إن كنت لابد فلانا فاصنع الشجر وما لا نفس له. (صحيح مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، النسخة الهندية ۲/ ۲۰۲، بيت الأفكار رقم: ۲۱۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۱؍۱۴۳۵ھ

سودی رقم کے ذریعہ لگائے ہوئے نل سے وضو کر کے نماز پڑھنا

سوال [۲۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ سرکاری زمین میں مسجد کے سامنے مقتدیوں نے سود کی رقم سے نل لگوایا عوام الناس کے لئے، اب مسجد کے سامنے ہونے کی وجہ سے لوگ اسی نل سے وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں، کیا نماز صحیح ہو جائے گی یا کچھ اثر پڑے گا؟

المستفتی: محمد احمد مدرسہ اسلامیہ بشیریہ سکر ہٹہ، بھوجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود کے پیسہ سے نل لگانا جائز نہیں ہے اور جس نے یہ عمل کیا ہے اس کا گناہ اس کی گردن پر ہوگا اور جب اس نل میں سے لوگ پانی بھرتے رہیں گے، اس شخص کو بجائے ثواب کے گناہ ملتا رہے گا؛ اس لئے کہ اس نے مال حرام سے ثواب کا ارادہ کیا ہے اور یہ خطرناک قسم کا گناہ ہے۔

رجل دفع إلى الفقير من المال الحرام شيئا يرجوبه الثواب يكفر، قال الشامي: مثله فيما يظهر لو بنى من المال الحرام بعينه مسجدا ونحوه.

(شامي، كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم، مطلب في التصدق في المال الحرام، كراچی ۲/ ۲۹۲، زكريا ۳/ ۲۱۹)

اب اس سے نجات کی یہ شکل ہے کہ جتنا پیسہ اس میں خرچ کیا گیا ہے، اتنا پیسہ اسی کی نیت سے کسی بھی عنوان سے حکومت کو واپس کر دے اور اگر پرائیویٹ کمپنی سے سود لیا ہے یا کسی فرد سے سود لیا ہے، تو اس شخص کو یہ پیسہ واپس کر دے، اس کے بعد نل میں سے پانی بھرنا جائز ہو جائے گا۔ (مستفاد: بذل المجہود لکھنوی ۱/ ۱۴۸، ایضاح المسائل ۱۴۲)

اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو نمازی اس نل کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھیں گے ان کی نماز ہر حال میں بلا کراہت درست ہو جائے گی، نمازیوں پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۸/ ۱۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۰۴)	۱۴۲۰/۶/۱۶ھ

چوری کے کپڑوں میں پڑھی گئی نمازوں کا حکم

سوال [۱۴۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک آدمی سے کپڑا خرید کر کرتا پائجامہ سلوایا اور اس میں نماز بھی پڑھ لی، اب پتہ چلا ہے کہ وہ چوری کا تھا، تو آپ بتائیں کہ ان کپڑوں میں نماز ہوئی یا نہیں؟ اب ان کپڑوں کا کیا کریں؟

المستفتی: عبدالخالق، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر چوری کا محض شبہ ہے، تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں؛ بلکہ بلاشک وشبہ اس کپڑے کا استعمال درست ہے، اگر بعد میں چوری کا یقین ہوگیا تو ایسی صورت میں پڑھی گئی نمازیں تو درست ہوگئیں؛ لیکن اب علم ہونے کے بعد پہلے اس کپڑے کو اصل مالک تک پہونچانے کی کوشش کی جائے اور مالک نہ ملنے کی صورت اپنے استعمال میں لانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۳۵)

عن أبي هريرة رضـ عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: من اشترى سرقة وهو يعلم أنها سرقة، فقد اشترک في عارها وإثمها. (شعب الإيمان، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية ٤/ ٣٨٩، رقم: ٥٥٠٠)

وما نقل عن بعض الحنيفية من أن الحرام لايتعدي ذمتين سألت عنه الشهاب بن شلبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذالک. (شامي، كتاب البيوع، الباب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تعدد، كراچی ٥/٩٨، زكريا ٧/ ٣٠١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۸۴/۳۵)

نماز میں کھانسنے کا حکم

سوال [۲۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض نمازیوں کا مزاج بن گیا ہے نماز میں کھانسنے کا، یعنی ان کو عذر کوئی نہیں ہے، بس بار بار کھانسنے کی عادت بنالی، کیا اس طرح نماز میں کھانسنے سے نماز فاسد ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد اصغر سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانسی کی دو قسمیں ہیں: (۱) غیر اختیاری کھانسی (۲) اختیاری کھانسی، عام طور پر لوگوں کو غیر اختیاری طور پر ہی کھانسی آتی ہے اور اختیاری کھانسی یہ ہے کہ بتکلف کھانسا جائے؛ جبکہ نماز کے اندر خشوع وخضوع مقصود ہوتا ہے۔

نیز یہ بات بھی سب مسلمانوں کو معلوم ہے کہ ایک مسلمان کے بارے میں حسن ظن ہی بہتر ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص نماز میں کھانس رہا ہے تو اس کے متعلق یہ گمان کرنا چاہئے کہ یہ شخص غیر اختیاری ہی کھانس رہا ہوگا اور غیر اختیاری طور پر کھانسنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا۔

سوال نامہ میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ نماز میں کھانسنے کی عادت بنالی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے باہر نہیں کھانستا ہے، صاحب کھانسی سے اس سلسلہ میں تحقیق کر لی جائے کہ وہ کیسا کھانستا ہے، ہاں البتہ جہاں تک ہو سکے کھانسی کو روکنے کی کوشش کرنا ہر نمازی کی ذمہ داری ہے، فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ بالقصد وبتکلف کھانسنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور فاسد بھی ہوسکتی ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن حسن الظن من حسن العبادة. (مسند أحمد ۲/۲۹۷، ۷۹۴۳، سنن أبي داؤد، الأدب، باب في حسن الظن، النسخة الهندية، دارالسلام رقم:۴۹۹۳، صحيح ابن حبان دارالفكر ۲/۱۰۱، رقم: ۶۳۰)

ویکره السعال والتنحنح قصدا، وإن کان مدفوعا إلیه لایکره. (هندیة، کتاب الصلاة، الفصل الثاني فیما یکره في الصلاة، ومالایکره ۱/۱۰۷، جدید زکریا ۱/۱۶۵)

ومن الأدب دفع السعال ما استطاع تحرزا عن المفسد، فإنه إذا کان بغیر عذر یفسد. (حاشیة الطحطاوي علی المراقي، کتاب الصلاة، فصل عن آدابها، دارللکتاب دیو بند جدید۲۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۹۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶؍۳؍۱۴۳۱ھ

دوران نماز بلغم آجائے تو کیا کریں؟

سوال [۳۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کے درمیان منھ میں بلغم آگیا اس بلغم کو کہاں پھینکا جائے او ربعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بلغم کے آنے سے وضو جاتا رہتا ہے؛ کیونکہ بلغم خون سے بنا ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ضیاء الدین امام مسجد گلاب باڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے درمیان منھ میں بلغم آجائے تو اس کو اپنے کپڑے سے صاف کرلے۔

ولا یبزق علی حیطان المسجد ولا بین یدیه علی الحصٰی ولافوق البواري ولاتحتها، وکذا المخاط؛ ولکن یأخذ بثوبه. (عالمگیري، کتاب الصلاة، الفصل الثاني فیا یکره في الصلاة، وما لایکره، زکریا ۱/۱۱۰، زکریا جدید ۱/۱۶۹)

اور بلغم میں اگر معمولی سا جما ہوا خون آجائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

أنه أما أن يكون من الرأس، أو من الجوف علقا، أو سائلا، فالنازل من الرأس إن علقا لم ينقض اتفاقا. (شامي، كتاب الطهارة، كراچی ۱/۱۳۷، زكريا ۱/۲٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍۶۲۵۰)

اندھیرے میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۲۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں اندھیرا ہے، اندھیرے میں بھی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ عشاء کی نماز میں فرض باہر صحن میں پڑھ کر چند نمازی اندر مسجد میں چلے گئے بجلی سے پنکھے چل رہے تھے، ایک آدمی نے بلب بند کردئے کہ پنکھے اور بھی زیادہ رفتار سے چلیں گے، اب اس میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اندھیرے میں نماز نہیں ہوگی، دوسرے نے کہا کہ اندھیرے میں صرف فرض نماز نہیں ہوگی اور نفل سنت وغیرہ ہوجائیں گی، شرعی کیا حکم ہے؟

المستفتی: ظریف احمد، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبلہ رخ صحیح ہو تو فرض، نفل سب نمازیں بلا کراہت اندھیرے میں جائز اور درست ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/۲۵۷، جدید ڈابھیل ۶/۶۸۴)

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم أنها قالت كنت أنام بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم، ورجلاي في قبلة، فإذا سجد غمزني، فقبضت رجلي، فإذا قام بسطتها، قالت:

والبيوت يومئذٍ ليس فيها مصابيح. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التطوع خلف المرأة، ١/ ٢٣، رقم: ٥٠٧، ف:٥١٣)

رجل صلى فى المسجد في ليلة مظلمة بالتحرى فتبين، أنه صلى إلى غير القبلة، جازت صلوته، لأنه ليس عليه أن يقرع أبواب الناس للسؤال عن القبلة. (هندية، الباب الثالث في استقبال القبلة، زكرياقديم ١/ ٦٤، زكريا جديد ١/ ١٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

جنازہ سامنے ہوتے ہوئے فرض نماز پڑھنا

سوال [۲۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ سامنے رکھ کر فرض نماز پڑھنا اور جنازہ کے سامنے سجدہ کرنا کیسا ہے؟ ان امور کا شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: صفدر حسین، محلّہ باغ بہادر گنج مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جنازہ رکھنے کے لئے اگر کوئی جگہ موجود ہے، تو نمازیوں کے سامنے جنازہ رکھنا مکروہ ہے اور اگر کوئی جگہ ہی نہیں ہے اور رکھنے کی سخت ضرورت ہے، تو امام کے سامنے جنازہ نہ رکھے؛ بلکہ اس سے ہٹا کر رکھے اور بہتر یہ ہے کہ جہاں جنازہ رکھا گیا ہو وہاں پر پردہ ڈالدے یا نمازیوں سے پیچھے رکھ دے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۳۱۱، احسن الفتاوی ۴/ ۲۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۶۳۹ ۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۱۵ھ

چشمہ لگا کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چشمہ لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مکروہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یحیٰ، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن لوگوں کو چشمہ لگانے کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے لئے چشمہ لگا کر نماز پڑھنے میں کسی قسم کی کراہت نہیں بلا کراہت ان کی نماز ہو جاتی ہے اور جن لوگوں کو چشمہ لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے محض شوقیہ چشمہ لگاتے ہیں، ان لوگوں کے لئے نماز کی حالت میں بے ضرورت چشمہ لگانا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ یہ نماز کی حالت میں فعل عبث ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی مع حاشیہ ۱/ ۴۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

جلتے چراغ کے سامنے نماز پڑھنا

سوال [۲۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں بجلی چلی جائے اور اندھیرا ہو جائے، تو ایسی صورت میں مصلیان کے آگے چراغ جلا کر نماز ادا کرنا چراغ جلنے کی صورت یہ ہے کہ نمازیوں کے سامنے ہے اور ڈیڑھ یا دو فٹ اونچائی پر ہے، تو صورت مذکورہ میں؛ جبکہ روشن آگ مصلیان کے روبرو ہے نماز کی ادائیگی درست ہے یا نہیں؟ بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: غیور عالم محلّہ بغیہ مراد آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں بجلی چلی جانے کی صورت میں چراغ جلا کر نماز ادا کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ لہٰذا چراغ سامنے ہونے کی وجہ سے کوئی کراہت نہیں لازم آئے گی؛ البتہ بغل میں جلانا زیادہ بہتر ہے۔

قوله شمع، أوسراج لأنهما لايعبدان والكراهة باعتبارها إنما يعبدها المجوس إذا كانت في الكانون وفيها الجمر، أو في التنور فلايكره التوجة إليها على غير هذا الوجه وذكر في غاية البيان اختلاف المشايخ في التوجه إلى الشمع، أو السراج والمختار أنه لايكره وينبغي أن يكون عدم الكراهة متفقا عليه فيما إذا كان الشمع على جانبيه.

(بحر الرائق، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، كوئٹه ٢/٣٢، زكريا قديم ٢/٥٦)

ولوتوجه إلى قنديل، أو إلى سراج لم يكره، كذا في محيط السرخسي، وهو الأصح، كذا في خزانة الفتاوى. (الفتاوى العالمگيري، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، ومالايكره، زكريا ١/١٠٨)

وفي الحجة: إذا صلى وبين يديه سراج يضئ، فلابأس به، والأولىٰ أن لايواجهه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في بيان مايكره للمصلي ومالايكره جديد زكريا ٢/٢١٠، رقم: ٢١٩٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍۵۹۶۷)

امام صاحب کا سجدہ سے مقتدیوں کے بعد کھڑا ہونا

سوال [۲۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ امام صاحب کو پیروں کی تکلیف کی وجہ سے سجدہ سے کھڑے ہونے میں اتنی دیر لگتی ہے کہ تمام مقتدی کھڑے ہو جاتے ہیں، امام صاحب بعد میں کھڑے ہوتے ہیں، مقتدیوں میں سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو امامت کے اہل ہیں، ایسی حالت میں ان امام صاحب کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اور ان امام صاحب کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد فضل اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی حالت میں امام ومقتدی دونوں کی نمازیں بلاکراہت درست ہیں؛ البتہ امام صاحب کو اختیار ہے کہ کسی اچھے آدمی کو نماز کے لئے آگے کردیں۔

عن عبيد الله بن عبدالله، قال: دخلت على عائشة فقلت لها ألا تحدثيني عن مرض رسول الله صلى الله عليه وسلم، قالت: بلى -إلى- فأومأ إليه النبي صلى الله عليه وسلم أن لايتأخر وقال لهما أجلساني إلى جنبه فأجلساه إلى جنب إبي بكر وكان أبوبكر يصلي وهو قائم بصلوة النبي صلى الله عليه وسلم والناس يصلّون بصلوة أبي بكر، والنبي صلى الله عليه وسلم قاعد، الحديث (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر و مرض و سفر، النسخة الهندية ١/١٧٧-١٧٨، بيت الأفكار رقم:٤١٨)

ويصلى القائم خلف القاعد الخ (هداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، اشرفي ١/١٢٧)

وإذا كان الإمام يصلى قاعدا بركوع وسجود، وخلفه قوم يصلون قياما بركوع وسجود، القياس أن لاتجوز صلاة القوم، وبه أخذ محمد رحمه الله وفي الظهيرية: الفرض، والنفل سواء، وفي الاستحسان، تجوز صلوة القوم، وهو قولهما. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة،

الفصل السادس في بيان من يصلح اما ما لغيره ومن لايصلح، جديد زكريا٢/٢٥٤، رقم: ٢٣٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۲۴/۳۴)

دوران نماز پائجامہ کا ٹخنے سے نیچے رہنا

سوال [۲۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی سے سہواً یا عمداً نماز میں تہبند یا پائجامہ ٹخنے سے نیچے رہے تو کیا نماز نہیں ہوگی؟

المستفتی: ماسٹر سکندر علی رحمت گنج پٹنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمداً پاجامہ یا لنگی ٹخنے سے نیچے ہونا نماز کے باہر بھی گناہ کبیرہ ہے اور نماز کے اندر بھی گناہ کبیرہ ہے اور نماز بھی مکروہ تحریمی ہوتی ہے، مگر اعادہ کی ضرورت نہیں، سہواً اور بھول سے نیچے ہونے کی صورت میں کوئی گناہ اور کراہت نہیں ہے؛ لیکن یاد آتے ہی فوراً اوپر کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم، زکریا ۴/۱۲۷، رحیمیہ قدیم ۷/۲۸۱، جدید زکریا ۵/۱۴۴، محمودیہ قدیم ۷/۱۴۱، جدید ڈابھیل ۶/۶۵۴)

عن أبی هريرة رضی، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار. (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب ماأسفل من الكعبين ففي النار٢/ ٨٦١، رقم: ٥٥٥٩، ف:٥٧٨٧)

أن النهي يختص بما كان للخيلاء فلا ذم إلا ممن قصد الخيلاء.
(ارشاد الساري حديث:٥٧٨٥، ١٢/ ٥٩١)

وفإن كان أجنبيا من الصلوة وليس فيه تتميم لها ولادفع ضرر فهو

مكروه أيضا كالعبث بالثوب، أو البدن وكل ما يشغل القلب، وكذا ما هو من عادة أهل التكبر. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات جديد دارالكتاب ديوبند ٣٤٤، قديم ١٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۵۰/۳۶)	۱۴۲۴/۲/۲۴ھ

نماز میں ٹخنہ سے اوپر تک پتلون کو موڑ لینا

سوال [۷۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پتلون پہن کر اور شرائط نماز پوری کر کے پتلون کو ٹخنہ تک موڑ کر اگر کوئی نماز پڑھتا ہے، تو کیا اس کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں ہوتی ہے، اگر نماز ہو جاتی ہے تو کوئی کمی تو نہیں آتی ؟

المستفتی: سراج خاں، محلہ مانپور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹخنہ سے نیچے پتلون پہننا حرام اور گناہ کبیرہ ہے چاہے خارج صلوۃ ہو یا داخل صلوۃ ہر حال میں حرام ہے؛ لیکن جب اس کو ٹخنہ سے اوپر تک موڑ دیا جائے گا تو لٹکانے کے حکم میں باقی نہیں رہے گا اور جتنی دیر کے لئے لٹکایا جائے گا اتنی دیر گناہ کبیرہ میں مبتلا رہے گا؛ لہٰذا جب نماز میں داخل ہونے سے قبل موڑ کر ٹخنہ سے اوپر کر لیتا ہے اور اسی حالت میں نماز مکمل کر لیتا ہے، تو نماز مکروہ نہ ہوگی؛ اس لئے کہ موڑ دینے سے لٹکانے کا حکم باقی نہیں رہتا ہے۔

عن أبي ذرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لايكلمهم الله يوم القيامة، المنان الذي لايعطي شيئا إلامنه، والمنفق سلعته بالحلف والفاجر، والمسبل إزارهٗ. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم

اسبال الإزار، النسخة الهندية ۱/ ۷۱، بيت الأفكار رقم:۱۰٦)

ثلاثة لايكلمهم الله يوم القيامة ولاينظر إليهم ولايزكيهم ولهم عذاب أليم، المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. الحديث وتحته في النووي المسبل إزاره فمعناه المرخي له الخ(نووي ۱/۷۱)

وينبغي أن يكون الإزار فوق الكعبين الخ. (هندية، كتاب الكراهة، الباب التاسع في اللبس، زكريا ۵/۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸۵۲/۳۱)

ٹخنہ سے نیچے لٹکنے والی پینٹ کو موڑ کر نماز ادا کرنا

سوال [۲۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ ٹخنوں سے نیچے تک پینٹ پہنتے ہیں اور نماز کے وقت پینٹ کو موڑ کر ٹخنہ کھول لیتے ہے، تو اس طرح پینٹ کو موڑ کر نماز پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: شجاع الحسین، محلہ سارے گلزاری مل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ٹخنہ سے نیچے لٹکنے والے پاجامہ اور پینٹ کے پائنچہ کو موڑ کر اوپر کرنے کے بعد نماز پڑھی جائے تو نماز بلا کراہت درست ہوجائے گی، چاہے اندر کی طرف سے موڑ لیا جائے یا باہر کی طرف سے بہر صورت کراہت ختم ہوجائے گی؛ لیکن نماز کے بعد دوبارہ لٹکا دیا جاتا ہے؛ اس لئے ایسا لباس پہننا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

عن أبي ذرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لايكلمهم الله يوم القيامة ولاينظر إليهم ولايزكيهم ولهم عذاب أليم،...... قال: المسبل،

والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. وفي رواية والمسبل إزاره الحديث. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الإزار، النسخة الهندية ١/ ٧١، بيت الأفكار رقم:١٠٧)

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب ما أسفل من الكعبين ففي النار٢/ ٨٦١، رقم:٥٥٥٩، ف:٥٧٨٧)

وينبغي أن يكون الإزار فوق الكعبين. (هندية، كتاب الكراهة، الباب التاسع في اللبس، زكريا ٥/٣٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲؍۴۳۵۹)

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا پتلون ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا

سوال [۲۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کے لئے پاجامہ اور پتلون وغیرہ کا ٹخنے کھولنے کے لئے موڑنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالمعید قاسمی ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹخنوں سے نیچے پاجامہ وغیرہ پہننا نماز اورخارج نماز دونوں میں ناجائز حرام اور گناہ کبیرہ ہے،اس حالت میں نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے؛ لہٰذا پاجامہ پتلون وغیرہ کا ٹخنہ کھولنے کے لئے موڑنا لازم اورضروری ہے اور موڑنے سے بدہیئت معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے پہلے ہی سے اتنا لمبا نہ بنائے کہ موڑنے کی ضرورت پیش آجائے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۷؍۲۸۶، جدید زکریا ۵؍۱۴۴)

عن أبي ذرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: ثلاثة لايكلمهم الله ولاينظر إليهم يوم القيامة، ولايزكيهم ولهم عذاب أليم، قلت من هم يا رسول الله فقد خابوا وخسروا فأعادها ثلثا، قلت من هم يا رسول الله فقد خابوا وخسروا قال: المسبل، والمنان، والمنفق. (ابوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب ماجاء في الاسبال الإزار، النسخة الهندية ٢/٥٦٥، دارالسلام رقم:٤٠٨٧)

عن أبي ذرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ثلاثة لايكلمهم الله يوم القيامة ولاينظر إليهم ولايزكيهم ولهم عذاب أليم،...... قال: المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. وفي رواية والمسبل إزاره الحديث. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الإزار، النسخة الهندية ١/٧١، بيت الأفكار رقم:١٠٧)

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما أسفل من الكعبين من الإزارفي النار. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب ما أسفل من الكعبين ففي النار٢/٨٦١، رقم:٥٥٥٩، ف:٥٧٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۶۲/۳۴)	۱۴۲۱/۱/۲۵ھ

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ یا پتلون ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا

سوال [۲۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں ٹخنوں تک پائجامہ ہے، یعنی ٹخنے چھپے ہوئے ہوتے ہیں، تو اس سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: اشرف علی اسلامیہ جونیر ہائی اسکول، شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لنگی وغیرہ پہننا نماز

اورخارج نماز دونوں میں ناجائزوحرام اورگناہ کبیرہ ہےاوراس حالت میں نمازمکروہ تحریمی ہوگی۔

(مستفاد :امدادالاحکام ۲/۹۷ا،احسن الفتاوی ۳/۴۰۴)

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

إن الله لايقبل صلوة رجل مسبل. (ابوداؤد شریف، کتاب اللباس، باب ماجاء في اسبال الإزار، النسخة الهندية ۲/ ۵٦٥، بيت الأفكار رقم:٤٠٨٦)

عن أبي ذرؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: ثلاثة لايكلمهم الله ولا ينظر إليهم يوم القيامة، ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم، قلت من هم يا رسول الله فقد خابوا وخسروا فأعادها ثلثا، قلت من هم يا رسول الله فقد خابوا وخسروا، قال : المسبل، والمنان، والمنفق سلعة بالحلف الكاذب، أو الفاجر. (ابو داؤد شريف، كتاب اللباس،باب ماجاء في الاسبال الإزار، النسخة الهندية ۲/ ٥٦٥، دارالسلام رقم:٤٠٨٧، مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان غلظ تحريم اسبال الإزار، النسخة الهندية ۱/ ۷۱، بيت الأفكار رقم:۱۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۸/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۶۴۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۲۱ھ

ٹخنے سے نیچے والے پائجامہ کو اوپر چڑھا کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۵۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پینٹ کی مہری ٹخنوں سے نیچے ہونے کی بناء پر اس کو ٹخنے سے اوپر رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز میں کوئی خرابی آتی ہے یانہیں؟

المستفتی: غفران الرحمٰن، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹخنہ سے نیچے تک مہری والی پینٹ پہننا حرام ہے، اس کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، اس کو کاٹ دینا واجب ہے؛ اگر چھوٹی کرنے سے قبل اس کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، تو اوپر کو الٹ لینا لازم ہے، ورنہ نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

إن الله تعالى لايقبل صلوة رجل مسبل. (ابوداؤد شریف، کتاب اللباس، باب ماجاء في اسبال الإزار، النسخة الهندية٢/ ٥٦٥، بيت الأفكار رقم:٤٠٨٦)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب ما أسفل من الكعبين ففي النار٢/ ٨٦١، رقم:٥٥٥٩، ف:٥٧٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۴۲/۲۵)

بٹن کھول کر آستین موڑ کر، چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بٹن کھول کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کیوں؟ اگر درست نہیں ہے تو کس وجہ سے؟

(۲) آستین موڑ کر نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے مع حوالہ تفصیلات کے جواب دیں، اگر نہیں ہوتی ہے تو کس بنیاد پر؟

(۳) چین والی گھڑی ہاتھ میں باندھے ہوئے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ کیا یہ حالت نماز میں جائز ہے؟

المستفتی: انعام اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر کبھی اتفاقی یا شدت گرمی کی وجہ سے بٹن اور گریبان کھول کر نماز پڑھی جائے تو بلا کراہت نماز درست ہے؛ اس لئے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے؛ البتہ مستقل نہ کیا جائے۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۴۰۹/۵، جدید ڈابھیل ۶۵۴/۶)

معاویة بن قرةؓ...... وإن قميصه لمطلق الأزرار. الحديث (ابو داؤد شريف، كتاب اللباس، باب في حل الأزرار، النسخة الهندية ٢/ ٥٦٤، دارالسلام رقم: ٤٠٨٢، بذل المجهود، مطبع سهارنپور ٥٢/٥)

(۲) آستین موڑ کر نماز صحیح ہوجاتی ہے؛ البتہ اس طرح نماز مکروہ ہوتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴۰۶/۳، فتاوی محمودیہ قدیم ۲۵۲/۲، جدید ڈابھیل ۶۵۲/۶)

الاستفسار صلى رافعًا كمى قميصه إلى المرفقين هل تجوز الصلوة الاستبشار، نعم؛ لكن يكره كذا في قاضيخان الخ (نفع المفتي والسائل ٨٥)

وكره كفه: أي رفعه ولو لتراب كمشمر كم، أو ذيل الخ (الدر المختار، باب ما يفسد الصلاة، مطلب في كراهة التحريمة والتنزيهة، زكريا ٢/ ٤٠٦، كراچی ١/ ٦٤٠)

(۳) چین والی گھڑی باندھ کر نماز درست ہوجاتی ہے۔ (فتاوی احیاء العلوم ۲۵۸/۱)

بقي الكلام في بند الساعة الذي تربط به ويعلقه الرجل بزرثوبه والظاهر أنه كبند السبحة الذي تربط به الخ (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللباس، زكريا٩/ ٥١٠، كراچي٦/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۲۵ھ

آستین اور گریبان کا بٹن کھلا رکھ کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ نماز کے اندر جو حضرات آستین اور گریبان کا بٹن کھلا رکھتے ہیں یا پائجامہ کی مہری موڑ لیتے ہیں اور پینٹ کے اندر شرٹ کو ڈال لیتے ہیں اور بیلٹ لگا لیتے ہیں، اور سیدھے پاؤں کا انگوٹھہ ایک جگہ پر نہیں رکھتے اس کا کیا حکم ہے؟ اور کتنی مقدار میں دونوں پاؤں کے درمیان گنجائش رکھنی چاہئے کچھ لوگ ایک بالشت سے زائد پاؤں کھول دیتے ہیں، ایسے لوگوں کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حبیب اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: نماز میں کہنی تک آستین چڑھانا مکروہ ہے۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/۲۶۳، جدید ڈابھیل ۶/۶۵۱، کفایت المفتی قدیم ۳/۳۸۲، جدید زکریا مطول ۴/۴۵۰)

ولو صلی رافعًا کمیه إلی المرفقین کره. (هندیة، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، الفصل الثاني فیما یکره وفیما لا یکره، زکریا ۱/۱۰٦، جدید زکریا دیوبند ۱/۱٦٥ شامي، زکریا۲/٤٠٦، کراچی ۱/٦٤٠، باب مایفسد الصلاة، مطلب في کراهة التحریمة و التنزیهیة)

نماز میں گریبان کھلا رکھنا مکروہ نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/۲۷۸، جدید ڈابھیل ۶/۶۵۵، کفایت المفتی قدیم ۳/۳۸۲، جدید زکریا ۳/۴۲۸)

ٹخنوں سے نیچے پائجامہ ازار لٹکا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا پائنچے موڑ لینا ضروری ہے، خارج نماز بھی یہی حکم ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۷/۲۸۲، جدید زکریا ۵/۱۴۴، فتاوی دارالعلوم ۴/۱۲۷)

عن أبي هریرةؓ أن رسول الله صلی الله علیه وسلم، نهی عن السدل في الصلاة، وأن یغطي الرجل فاه. (ابوداؤد شریف، کتاب الصلاة، باب السدل في الصلاة، النسخة الهندیة ٩٤، دارالسلام رقم:٦٤٣)

پینٹ میں بیلٹ ڈال لینے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی؛ لیکن نماز کے وقت شرٹ،

پینٹ سے باہر نکال لے تو بہتر ہے، نماز میں دائیں پیر کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ جانے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴۹/۴)

مشئ مستقبل القبلة هل تفسد إن قدر صف، ثم وقف قدر ركن، ثم مشى ووقف كذلك، هكذا لاتفسد و إن كثر مالم يختلف المكان. (در مختار على الشامي، باب مايفسد الصلاة، مطلب في المشئ في الصلاة، كراچی ٦٢٧/١، زكريا ٣٨٨/٢)

نماز میں بحالت قیام دونوں پیروں کے درمیان ۴/ انگل فاصلہ رکھنا مستحب ہے؛ لیکن کسی نے ایک بالشت یا اس سے زائد فاصلہ رکھا تب بھی نماز صحیح ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۱۰/۱۶، جدید ڈابھیل ۵۷۶/۵)

وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد، لأنه أقرب إلى الخشوع. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث القيام، كراچی ٤٤٤/١، زكريا ١٣١/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۶۹/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۷/۲۶ھ

آستین چڑھا کر گریبان کھول کر اور پائجامہ موڑ کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص آستین چڑھا کر اور گریبان کھول کر اور نیچے سے پاجامہ موڑ کر نماز پڑھتا ہے، کیا اس کی نماز ہو جائے گی یا کچھ کمی ہوگی؟

المستفتی: عبدالودود، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آستین چڑھا کر نماز پڑھنے سے گو کہ نماز ہو جاتی ہے؛ لیکن بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ولـو صـلـى رافعا كميه إلى المرفقين كره. (هنـدية، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومالايفسد، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالايكره، زكريا ١٠٦/١، جديد زكريا ديوبند ١/٣٦٥، شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، مطلب في كراهة التحريمة والتنزيهة، كراچی ١/٦٤٠،زكريا ٤٠٦/٢)

(۲) گریبان کھول کرنماز پڑھنا چونکہ سنت سے ثابت ہے، حتی کہ حضرات صحابہؓ میں سے حضرت معاویہ اوران کے بیٹے نے آپ ﷺ کے اس عمل کوازراہ محبت لازم پکڑلیا؛ اس لئے کہ اگرکوئی گریبان کھول کرنماز پڑھ لیتا ہے، تو اس کی نماز درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، تاہم پھربھی بٹن لگا کرنماز پڑھنا اولیٰ وافضل ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴۰۹/۵، ۲۷۸/۱۰، ۳۲۲/۱۶، ۲۳۴/۲، جدید ڈابھیل ۶۵۴/۶، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷)

أخبـرنـا معاوية بن قرة نـا أبـي قـال أتيـت رسول الله صلى الله عليه وسـلـم في رهط من مزينة فبايعناه وإن قميصه لمطلق الأزرار قال فبايعته، ثـم أدخـلت يدي في جيب قميصه فمسست الخاتم قال: عروة فما رأيت مـعـاوية ولا ابـنــه قـط إلا مـطـلـقي أزرارهـمـا في شتـا ولاحر ولايزرران أزرارهما أبدا. (ابوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في حل الازرار، النسخة الهندية، ٥٦٤/٢، دارالسلام رقم: ٤٠٨٢)

وهـذا إن كـان اختيـارا لما هو خلاف الأولى خصوصًا في الصلاة؛ لـكـنهما احب أن يكون على ما رأيا النبي صلى الله عليه وسلم، وإن كان اطـلاقـه أزراره إذا ذلک لعارض ولـم يكن من عامة أحواله صلى الله عليه ولـم وذلـک لـمـا فيـه مـن قـلـة المبالاة بأمر الصلاة، إلا أن الكراهة لعلها لاتبـقـي في حق معاوية وابنه، لكون الباعث لهما حب النبي صلى الله عليه وسـلـم، وإتباعه فيما رأياه من الكيفية. (بـذل المجهود، كتاب اللباس، باب في حل الأزرار، ٥٢/٥، مطبع سهارنپور)

(۳) ٹخنہ سے نیچا پائے جامہ پہننا مردوں کے لئے ہر حالت میں ممنوع ہے؛ حدیث شریف میں اس پر سخت ترین وعید آئی ہے، اس سے ہر حال میں اجتناب لازم ہے، اگر پائے جامہ کی مہری بڑی ہونے کی وجہ سے نماز کے وقت اوپر چڑھا لیتا ہے تو اس نماز بھی درست ہو جائے گی۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب ما أسفل من الكعبين ففي النار ۲/ ۸٦۱، رقم: ۵۵۵۹، ف: ۵۷۸۷، مشكوة شريف ۳۷۳)

وكره سدل ثوبه: أي إرساله بلا لبس معتاد. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، كراچی ۱/ ٦۳۸، زكريا ۲/ ٤۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۳۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۴ھ

کیا آستین کے کف پلٹنے سے نماز نہیں ہوتی؟

سوال [۲۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب کا کہنا ہے کہ آستین کے کف پلٹنے سے نماز نہیں ہوتی اور چین کی گھڑی باندھنے سے نماز نہیں ہوتی یہ بات درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقادر قریشی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آستین اتنی اوپر تک چڑھائی ہیں کہ کہنیاں نظر آنے لگی ہیں، تو ایسی حالت میں نماز شروع کرنا مکروہ ہے اور کہنیوں کے نظر نہ آنے کی

صورت میں نماز بلا کراہت جائز ہے، امام صاحب کا یہ کہنا کہ صرف کف پلٹنے سے نماز نہیں ہوتی ہے، تو یہ بات صحیح نہیں ہے اور نہ کسی فقہی کتب میں موجود ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴۰۶/۳، فتاوی رحیمیہ قدیم ۳۷۲/۴، جدید زکریا ۱۰۸/۵)

ولو صلى رافعا كميه إلى المرفقين كره الخ (عالمگيري، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، وما لايكره، زكريا ١٠٦/١، جديد زكريا ديوبند ١٦٥/١، مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات قديم ١٩٢، جديد دارالكتاب ديوبند٣٤٩)

وقيد الكراهة في الخلاصة والمنية، بأن يكون رافعًا كميه إلى المرفقين، وظاهره أنه لايكره إلى مادونها. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالايكره، زكريا ٤٠٦/٢، كراچی ٦٤٠/١)

چین دار گھڑی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، اس سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۴۱۴/۲، جدید زکریا ۱۵۵/۱۰)

بقي الكلام في بند الساعة الذي تربط به ويعلقه الرجل بزرثوبه، والظاهر أنه كبند السبحة الذي تربط به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ٥١٠/٩، كراچی ٣٥٤/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۴۱/۳۱)

نیکر پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد یا عورت کو تہبند یا شلوار کے نیچے نیکر پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ مقصود احمد انصاری، سکڑا، ڈھکوتی، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نیکر پاک ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، کوئی علت عدم جواز کی نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۲/۱۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۹۳)

چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چین والی گھڑی کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد حنیف شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسٹیل وغیرہ کی چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا بلاکراہت درست ہے؛ البتہ اسٹیل کے بجائے چمڑے کی چین استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۶/ ۲۷۹، فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۲۵۸)

ومنه يعلم حكم ما كثر السؤال منه من بند السبحة فليحفظ-إلى-بقي الكلام في بند الساعة الذي تربط به ويعلقه الرجل بزر ثوبه، والظاهر أنه كبند السبحة الذي تربط به تأمل. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، كراچی ٦/ ٣٥٤، زكريا ٩/ ٥١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۵۸)

مرد عورت کا چین کی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چین کی گھڑی باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا مرد اور عورت کے لئے ایک ہی حکم ہے پچھلی نمازیں جو چین کی گھڑی پہن کر پڑھی ہیں وہ واجب الاعادہ ہیں یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مرد اور عورت ہر ایک کے لئے چین والی گھڑی باندھ کر نماز پڑھنا درست ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں اور نہ چین والی گھڑی باندھ کر پڑھی گئی نمازوں کے اعادہ کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۷/۳۰۰)

بقي الكلام في بند الساعة الذي تربط به (إلى قوله) والظاهر كبند السبحة الذي تربط به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ۹/ ۵۱۰، كراچی ۶/ ۳۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۶/ ۱۴۱۷ھ

گھڑی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد اللہ، مہیلا تھانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چین جبکہ سونے، چاندی کی نہ ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا اور پڑھانا دونوں جائز ہیں۔ (مستفاد: احیاء العلوم ۱/ ۲۵۸)

قلت ومنه يعلم حكم ما كثر السؤال عنه من بند السبحة، فليحفظ فقوله هو اللبس: أي ولو حكما كما في القنية استعمال اللحاف من الإبريسم لايجوز لأنه نوع لبس بقي الكلام في بند الساعة الذي تربط به ويعلقه الرجل بزر ثوبه، والظاهر أنه كبند السبحة الذي تربط به تأمل مثله بند المفاتيح وبنود الميزان الخ (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، کراچی ٦/٣٥٤، زکریا ٩/٥١٠، کوئٹه ٥/٢٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍ ۷۷۵)

تصویر والے کپڑے میں نماز پڑھنا

سوال [۲۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی جاندار کی تصویر اگر کپڑے میں بنی ہوئی ہو تو اس کپڑے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تصویر دار کپڑے میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔
(مستفاد: بہشتی زیور ۲؍۲۵)

عن أنسؓ قال: كان قرام لعائشة ستر ت به جانب بيتها، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أميطي عنا قرامک هذا؛ فإنه لاتزال تصاوير تعرض في صلاتي. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إن صلى في ثوبه مصلب، أو تصاوير هل تفسد صلاته ١/٥٤، رقم: ٣٧٢، ف: ٣٧٤)

وكذلک يكره الصلاة في ثوب فيه تصاوير. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فيما يكره في الصلاة ومالايكره المجلس العلمي جديد ٢/١٣٩، رقم: ١٤٢١،

الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، وما لا يكره، قديم زكريا ۱/۱۰۷، جديد زكريا ۲/۳۰۳، رقم:۲۱۷۹، هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره زكريا ۱/۱۰۷، جديد ۱/۱۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲؍۴۳۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۳؍۱۴۱۶ھ

عورت کا جاندار کی تصویر والا ہار پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی عورت نے گلٹ کے سکوں کے ہار بنالئے؛ حالانکہ اس گلٹ کے اندر شیر یا کسی جاندار کی تصویر بنی ہوئی ہوتی ہے، تو اس ہار کو گلے میں پہن کر نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس ہار کے ساتھ نماز مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۲؍۲۵)

وكذلك يكره الصلاة في ثوب فيه تصاوير. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، المجلس العلمي جديد ۲/۱۳۹، رقم: ۱۴۲۱)

وصورة حيوان في ثوبه. (شرح النقاية، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، اعزازيه ديوبند ۱/۹۵، شرح وقايه، كتاب الصلاة، باب ما تفسد الصلاة، وما يكره فيها، اشرفي ۱/۱۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۷۱۳۲؍ر)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۳؍۱۴۱۶ھ

زنجیر والے بٹن لگا کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زنجیر والے بٹن کو لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تشریح فرمائیں بہت کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد حنیف جلال نگر شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: زنجیر والے بٹن کے سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ اصول ونظائر سے اس کی حرمت کی نفی ثابت ہوتی ہے؛ اس لئے اس کے ساتھ نماز بلا کراہت جائز ودرست ہوگی؛ کیونکہ مرد کے لئے سونا چاندی اور دوسری دھاتوں کا پہننا ممنوع ہے اور بٹن، گھنڈی، زنجیر اور ہمیانی حلقے وغیرہ کو پہننے میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔

ولابأس بأزرار الديباج والذهب الخ (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ۹/ ۵۱۱، كراچی ٦/ ٣٥٥)

استعمال اللحاف من الإبريسم لايجوز، لأنه نوع لبس الخ (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، زكريا ۹/ ۵۱۰، كراچی٦/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۵۸/۲۴)

دوران نماز سلوگن پڑھنے سے نماز مکروہ ہوجاتی ہے

سوال [۲۷۶٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ آج کل ریڈی میڈ قمیصوں پر کچھ نہ کچھ سلوگن انگریزی میں چھپا ہوتا ہے، اگراس سے پچھلی صف والا مقتدی اس عبارت کو پڑھ کر سمجھ لیتا ہے، تو کیا یہ عمل فعل کثیر میں نہ آئے گا اور نماز ناقص نہ ہو جائے گی؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پچھلی صف والے لوگ اگراس لکھی ہوئی چیز کو پڑھ کر سمجھ لیتے ہیں، تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہو جاتی ہے؛ بشرطیکہ زبان سے اس کا تلفظ نہ کیا ہو۔

لو نظر المصلي إلى مكتوب وفهمه سواء كان قرآنًا، أو غيره قصد الاستفهام، أو لا أساء الأدب ولم تفسد صلاته لعدم النطق بالكلام. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، نص فيما لا يفسد الصلاة، دارالكتاب ديوبند جديد ۳٤١)

ولايفسدها نظره إلى مكتوب وفهمه ولو مستفهما. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، زكريا ٣٩٧/٢، كراچی ٦٣٤/١، هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة ١٠١/١، جديد زكريا ديوبند ١٦٠/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۰۶/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۵ھ

دوران نماز مسجد میں لٹکی ہوئی تسبیح پر نگاہ کا پڑنا

سوال [۲۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل اکثر مساجد میں کعبہ کے رخ پر جو دیوار ہے، اس پر پلاسٹک

یا اسٹیل کی چھوٹی کھونٹی پر تسبیح لٹکا دیتے ہیں نمازیوں میں جو صاحب چاہیں تسبیح اتار لیں اور ذکر کریں اور واپس ٹانگ دیں، زید کو اس پر کچھ ذہنی اشکال یہ ہے کہ کعبہ کے رخ پر اس طرح تسبیحوں کا لٹکانا یہ تسبیح کی بے ادبی تو نہیں، نماز میں پڑھتے وقت تسبیح کی طرف نگاہ جانے کا احتمال رہتا ہے، بہت سے لوگ تسبیح کو اس جگہ پٹخ کر چلے جاتے ہیں، بہرحال اس بارے میں علماء ومفتیان کا کیا خیال ہے؟

المستفتی: محمد اسحٰق جے پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کھونٹیوں پر تسبیح کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ ذکرواذکار کے بعد ان کو عظمت واحترام سے اپنی جگہ رکھ دیا جائے، ان کو پٹخنا درست نہیں اور نماز کے درمیان اگر ان تسبیحوں پر نگاہ پڑ جائے تو نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲۲/۸)

ولايفسدها نظره إلى مكتوب ......أو بين يديه إلى حائط القبلة في مسجد صغير الخ (در مختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ما يكره فيها، كراچي ١/٦٣٤، زكريا ٢/٣٩٧-٣٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ / ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۴۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۴ھ

پان کا ٹکڑا منھ میں لے کر نماز پڑھنا

سوال [۲۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر پان کھاتا ہے پان کا ایک ٹکڑا ڈاڑھ کے نیچے رکھ کر نماز پڑھ لی

اور حلق میں کوئی چیز بھی نہیں گئی تو اس پان کی وجہ سے نماز میں کوئی کراہیت آئے گی یا نہیں؟ جبکہ پان میں کسی بھی طرح کی خوشبو اور بدبو بھی نہیں ہے۔

المستفتی: محمد فرحان، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمر کی نماز بلا کراہت درست ہے، بشرطیکہ ڈاڑھ کے نیچے رکھے ہوئے پان کے ٹکڑے کا اثر حلق میں نہ گیا ہو اور اس کی وجہ سے قرأت وغیرہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی ہو۔

ولو صلى وفي فيه شيئ يمسكه إن كان لايمنعه من القرأة؛ ولكن يخل بها كدرهم، ودينار، أو لؤلؤة لاتفسد صلاته، لأنه لايفوت شيئ من الركن؛ ولكن يكره، لأنه يوجب الإخلال بالركن حتى لو كان لايخلُّ به لايكره. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، قبيل فصل في صلاة الخوف قديم، كراچی ۱/۲٤۲، زكريا ۱/۵۵۳)

ولايصلي وفي فيه دراهم، أو دنانير لايمنعه عن القرأة، وإن منعه عن القراءة لم تجز صلاته، وهكذا ذكر في بعض المواضع، وذكر في موضع آخر، إن منعه عن أداء الحروف تفسد الصلاة، وإن لم يمنعه عن عين القرأة، وإنما منعه عن سنة القرأة، لاتفسد صلاته؛ ولكن يكره له ذلک، وإن لم يمنعه شيئًا فلابأس به. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع، مايكره في الصلاة ومالا يكرهٗ، المجلس العلمي جديد ۲/۱٤۱، ۱٤۲، رقم:۱٤۲۸، كوئٹه ۱/٤۳٤، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي وما لا يكره، زكريا ۲/۲۰٦، رقم:۲۱٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴۹/۴۰)

منھ میں گولی رکھ کرنماز پڑھنا

سوال[۲۷۶۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے منہ میں ایک طرف زبان کے نیچے دواء کی گولی رکھ کرنماز پڑھی اوراس دواء کا کوئی اثر حلق میں نہیں گیااور نہ ہی زید نے اس کو چبایا،نماز پڑھتے ہوئے کوئی دقت بھی نہیں ہوئی تو کیا زید کی نماز مکروہ ہوئی یابلا کراہت جائز ہوئی ؟

المستفتی: عبدالغفور،ٹانڈہ،رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید نے زبان کے نیچے دبی ہوئی گولی کو چبا یانہیں اوراس کا اثر بھی حلق میں نہیں گیا تو زید کی نماز بلا کراہت درست ہوگئی ، بشرطیکہ اس گولی کی وجہ سے قرأت وغیرہ کرنے میں کوئی پریشانی نہ ہوئی ہو۔

ولو صلى وفي فيه شيئ يمسكه، إن كان لايمنعه من القرأة؛ ولكن يُخِلُّ بها كدرهم، ودينار، أو لؤلؤة لاتفسد صلاته، لأنه لا يفوت شيئ من الركن؛ ولكن يُكره،لأنه يوجب الإخلال بالركن حتى لو كان لايخل به لايكره.

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، قبيل فصل في صلاة الخوف، قديم كراچی ۱/۲٤۲، زكريا ۱/۵۵۳، حاشية چلپي على تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، مكتبه امداديه ملتان قديم ۱/۱٦۵، زكريا ۱/٤۱۲)

وإن صلى وفي فمه شئ يمسكه جازت صلاته، وهذا إذا كان في فمه درهم، أو دينار، أو لؤلؤة، على وجه لايمنعه من القرأة، فإن كان يمنعه من القرأة لاتجوز صلاته، لأنه أكل. (المبسوط للسرخي، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، قبيل باب صلاة المريض، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۵رصفرالمظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/۱۱۴۴۹)

نئے جوتے پہن کر نماز پڑھنا

سوال[۲۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نیا جوتا پہن کر مطلق نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ حدیث وقرآن کے ذریعہ فیصلہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد واجد مرشدآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جوتا یا چپل طاہر ہیں تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے؛ لیکن بہتر اور اولی یہ ہے کہ خالی پیر نماز ادا کی جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۲۹۶)

سعيد بن زيد الأزديؓ، قال: سألت أنس بن مالك: أكان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في نعليه؟ قال نعم. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة، في النعال ۱/۵۶، رقم: ۳۸٤، ف: ۳۸٦)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي حافيًا ومتنعلاً. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة، في النعل، النسخة الهندية ۱/۹٦، دارالسلام رقم: ٦۵۳، مسند البزار ۹/۱۱۱، رقم: ۳۵۱۲)

أما في زماننا ينبغي أن تكون الصلاة مأمورة بهما حافيًا لمخالفة النصارى، فإنهم يصلون متنعلين لايخلعونها عن أرجلهم الخ (بذل المجهود، دارالبشائر الإسلامية ۳/۵۹۹، مصري ٤/۳۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۴۴)

کیا پلاسٹک کی چٹائی پر نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال [۲۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایضاح المسائل میں تحریر ہے کہ چٹائی کی ٹوپیاں جوکہ مسجد میں رکھی جاتی ہیں اوڑھ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، تو کیا پلاسٹک کی چٹائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایضاح المسائل میں چٹائی کی ٹوپی میں نماز کو اس لئے مکروہ کہا گیا ہے، کہ اس ٹوپی کو پہن کر کسی معزز تقریب اور مجمع میں شرکت کرنے کو عیب محسوس کیا جاتا ہے، تو خدا کے دربار میں حاضری میں اس سے زیادہ عیب ہے اور پلاسٹک کی چٹائی کوئی انسان پہنتا نہیں؛ بلکہ اس پر بیٹھتا ہے کھڑا ہوتا ہے لیٹتا ہے اوراس پر بیٹھنا لیٹنا عیب نہیں ہے؛ اس لئے اس پر نماز پڑھنا بھی معیوب نہیں ہے؛ لہٰذا بلاکراہت اس پر نماز جائز ہے۔

أنس بن سيرينؒ، قال: سمعت أنس بن مالكؓ، يقول: قال رجل من الأنصار: إني لاأستطيع الصلاة معک، وكان رجلا ضخما، فصنع للنبي صلى الله عليه وسلم طعامًا، فدعاه إلى منزله، فبسط له حصيرًا، ونضح طرف الحصير، فصلى عليه ركعتين. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الصلا على الحصير ١/ ٩٢، رقم: ٦٦١، ف: ٦٧٠)

عن أبي سعيدؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على الحصير.

(سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الصلاة على الحصير، النسخة الهندية ١/ ٧٥، دارالسلام رقم: ٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۱ھ

گھڑی دیکھ کر رکعت کا تعین کرنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

سوال [۲۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نمازی کے ہاتھ میں گھڑی بندھی ہوئی ہے، تیسری رکعت میں سہو ہوگیا کہ تین رکعت ہوئی یا چار، مگر گھڑی دیکھ کر اس نے فیصلہ کرلیا کہ تین رکعت ہوگئی؛ چونکہ وہ پانچ منٹ میں ۴؍رکعت پڑھتا ہے، اسی اندازے پر اس نے تین رکعت ہونے کا فیصلہ کرلیا، تو اس صورت میں نماز باقی رہی یا فاسد ہوگئی؟

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد، احمد گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح دیکھنا مکروہ تحریمی ہے نماز فاسد نہ ہوگی۔

ويفسدها نظره إلى مكتوب و فهمه و لو مستفهما وإن كره الخ.

(در مختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، و مايكره فيها، زكريا۲/۳۹۷، كراچی ۱/۶۳٤)

ولو نظر إلى مكتوب وفهمه، فالصحيح أنه لاتفسد صلاته بالإجماع. (هداية، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، و مايكره فيها، اشرفي بكڈپو ديوبند ۱/۱۳۸، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، دارالكتاب ديوبند جديد ۳٤۱، هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، زكريا ۱/۱۰۱، جديد زكريا ديوبند ۱/۱۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۵۸)	۲۴/۷/۱۴۱۳ھ

کپڑے پر ایک درہم سے کم نجاست لگی ہو تو نماز کا حکم

سوال [۲۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو کہ اس کے کپڑے پر نجاست بقدر معاف لگی ہوئی ہے، تو کیا اس میں بلا کراہت نماز درست ہے؟

المستفتی: محمد جاوید، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایک درہم سے کم نجاست لگی ہوئی ہے، تو اس سے نماز واجب الاعادہ تو نہیں ہوگی، مگر مکروہ ہو جائے گی۔

وعفا الشارع عن قدر درهم، وإن كره تحريمًا، فيجب غسله (قال في الشامي) أشار أن العفو عنه بالنسبة إلى صحة الصلاة به (إلى قوله) ففي المحيط يكره أن يصلي ومعه قدر درهم، أو دونه من النجاسة عالمًا به لاختلاف الناس فيه. (شامي، كتاب الصلاة، باب الأنجاس، کراچی ۱/۳۱۷، زکریا ۱/۵۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۹ھ

ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالنا

سوال [۳۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالنا جائز ہے یا نہیں یا مکروہ ہے اور اگر مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی اور مسجد گھر اور تنہائی کا حکم یکساں ہے یا مختلف؟

المستفتی: وسیم اکرم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈالنا نماز میں اور جو حالت نماز کے توابع میں سے ہے، مثلاً نماز کے انتظار میں ہو یا مسجد کی طرف نماز کے لئے

چلتے ہوئے تو مکروہ تحریمی ہے اور خارج صلوۃ ضرورت کی وجہ سے ہوتو مکروہ نہیں ہے اور اگر بلاضرورت ہوتو مکروہ تنزیہی ہے۔

عن أبي هريرة رضـ، عن النبي صلى الله عليه وسلم......وإذا دخل المسجد كـان فـي صلوة ماكانت تحبسه. (بـخـاري شريف، كتاب الصلاة، باب الصلاة في المسجد السوق ١/٦٩، رقم:٤٧٢، ف:٤٧٧)

وتشبيـكـهـا ولـو مـنتظراً لصلوة، أو ماشيا إليها للنهى ولايكره خارجها لـحـاجة، قـال الشـامـي ونـقـل فـي الـمـعـراج الإجـمـاع على كراهة الفرقعة والتشبيك في الصلاة، وينبغي أن تكون تحريمية للنهى المذكور ثم قال فلو لدون حاجة؛ بل على سبيل العبث كره تنزيهًا. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، كراچی ١/٦٤٢، زكريا ٢/٤٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۹ھ

کیا وضو کے بعد بیڑی پینے سے نماز میں کراہت آتی ہے؟

سوال [۲۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی آدمی وضو کی حالت میں بیڑی پی کر صرف کلی کر کے نماز پڑھ لے تو کیا اس شخص کا وضو باقی رہتا ہے اس کے ساتھ نماز پڑھنے میں کوئی کراہت ہوتی ہے یا نہیں؛ اس لئے کہ بدبو صرف کلی کرنے سے زائل نہیں ہوتی۔ نیز وضو مکروہ ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قریشی، اصالت پورہ، بڑی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیڑی پی کر کلی کر لی جائے تو نماز

بلاکراہت جائز ہے؛ جبکہ کلی سے بد بوختم ہوجاتی ہو اور اگر بد بوختم نہ ہوتو نماز مکروہ ہوتی ہے، بیڑی پینے کی وجہ سے وضو میں کوئی فرق نہیں آتا، وضو بدستور باقی رہتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱/۱۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ذی الحجہ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۴۸)

شیعہ کی اذان سے پڑھی گئی نماز کا حکم

سوال [۲۷۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا فرقۂ شیعہ کے لوگوں کی مسجد میں ان کی دی ہوئی اذان سے ہماری نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوگی، تو اب تک جو نمازیں پڑھی گئی ہیں، کیا ان کی قضا واجب ہے؟ اور قضا کی کیا صورت ہوگی اور اگر ہوجائے گی تو کیا دونوں فرقوں کا اس ایک ہی مسجد میں ایک ہی وقت میں اپنی اپنی جماعت الگ الگ کرنا جائز ہے یا نہیں؛ جبکہ علماء سے سنا گیا ہے کہ ایک مسجد میں دو جماعتیں کرنا جائز نہیں ہے؟

المستفتی: محمد یٰسین، شکر پوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ کہنا کہ شیعوں کی اذان کے ساتھ سنیوں کی نماز نہیں ہوتی ہے، یہ ایک مغالطہ ہے؛ اس لئے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے اذان شرط نہیں ہے؛ ہاں البتہ سنت کے خلاف ہوتا ہے؛ لہٰذا شیعوں کی اذان کے ساتھ جو نمازیں پڑھی گئیں ہے وہ صحیح ہوگئیں۔

لأنها (أي الصلاة) جائزة بدون الأذان والإقامة. (هداية، كتاب الصلاة، باب الأذان اشرفي ۱/۹۱)

دونوں فرقوں کے لوگوں کا ایک ساتھ الگ الگ جماعت کرنا یہ مکروہ تحریمی ہے۔ نیز ایک زبردست اختلاف وفتنہ کا باعث ہے، اس سے گریز کرنا چاہئے؛ لیکن پھر بھی جو نمازیں پڑھی گئی ہیں، ان کولوٹا لازم نہیں۔

ومقتضیٰ هذا الاستدلال کراهة التکرار في مسجد المحلة ولو بدون أذان. (شامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تکرار الجماعة في المسجد، کراچي ۱/۵۵۳، زکریا ۲/۲۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۷۸۳؍)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۲ھ

(۱۶) باب ما یفسد الصلاة وما لایفسد

عمل کثیر کی مقدار وتعریف

سوال [۶۷۷۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کی حالت میں ''عمل کثیر'' کی نوعیت ومقدار کیا ہے؟

المستفتی: ذکاء اللہ جامع مسجد چھاؤنی اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمل کثیر کی تین تعریفیں کی گئی ہیں۔

(۱) نمازی کو دور سے دیکھنے والا دیکھ کر یہ سمجھے کہ نماز میں نہیں ہے تو یہ عمل کثیر ہے، اگر شک کرے تو عمل قلیل ہے۔

(۲) عمل کثیر اسے بھی کہا جاتا ہے کہ جس میں دونوں ہاتھوں کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔

(۳) نماز پڑھنے والا جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے، جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے، پہلا قول زیادہ راجح ہے اور یہ مفسدات صلوۃ بن سکتا ہے۔

لو نظر إلیه ناظر من بعید إن کان لایشک أنه في غیر الصلاة فهو کثیر مفسد وإن شک فلیس بمفسد، وهذا هو الأصح ......أن ما یقام بالیدین عادة کثیر وإن فعله بید واحدة ......قلیل...... أن یفوض إلی رأی المبتلی به وهو المصلي فإن استکثره کان کثیرًا، وإن استقله کان قلیلا.

(عالمگیري، کتاب الصلاة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة، زکریا ۱/ ۱۰۲، جدید زکریا ۱/ ۱۶۰)

أصحها مالایشک بسببه الناظر من بعید في فاعله أنه لیس فیها (تحته في الشامیة) صححه في البدائع، وتابعه الزیلعي، والوالجي، وفي المحیط:

أنه الأحسن، وقال الصدر الشهيد: إنه الصواب، وفي الخانية والخلاصة: إنه اختيار العامة، وقال في المحيط وغيره: رواه الثلجي عن أصحابنا.

(شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب في الشسبه بأهل الكتاب، زكريا۲/ ۳۸۵، کراچی ۱/ ۶۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۱۱ھ

عمل کثیر کی تعریف

سوال [۲۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمل کثیر کیا چیز ہے، نیز کتنا عمل کثیر کرنے پر نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ مفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: اکرام باری سنس، تحصیل اسکول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمل کثیر کی مقدار کی تعیین میں علماء وفقہاء نے متعدد اقوال نقل فرمائے ہیں، ان میں سے راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ نمازی بحالت نماز اس طرح عمل کرے کہ دیکھنے والا یہ سمجھ لے کہ یہ شاید نماز میں نہیں ہے نماز سے باہر ہے۔

واختلف في الحد الفاصل بين القليل والكثير، قال بعضهم: مايحتاج فيه إلى استعمال اليدين والقليل مالايحتاج فيه ذلك حتى قالوا: إذا زر قميصه في الصلاة فسدت صلاته وإذا حل أزراره لاتفسد، وقال بعضهم: كل عمل لو نظر الناظر إليه من بعيد لايشك أنه في غير الصلاة فهو كثير وكل عمل لو نظر إليه ناظر ربما يشتبه عليه أنه في الصلاة فهو

قليل وهو الأصح. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، زكريا قديم ۱/ ۲٤۱، حاشية شرح وقايه، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها ۱/ ۱٦٥، فتاوى قاضي خان، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة ۱/ ۱۳۰، جديد زكريا ديو بند ۱/ ۸۰، سيٹ:۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۴۹/۲۴)

نماز میں دونوں ہاتھوں کے یا ایک ہاتھ کے ۳/ مرتبہ سے زائد استعمال کا حکم

سوال [۲۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کی حالت میں دونوں ہاتھوں کا استعمال کرنا مثلاً دونوں ہاتھوں سے کپڑوں کو درست کرنا اور بار بار کرنا یا دامن کو دونوں ہاتھوں سے ٹھیک کرنا یا دونوں ہاتھوں سے کھجانا کیسا ہے؟ ایک ہاتھ سے کچھ کرتا ہے تو کتنی بار کرسکتا ہے؟ اس کی کچھ حد مقرر ہے یا نہیں؟ چاہے کتنی بار ہاتھ کا استعمال نماز میں کرے نماز میں کچھ نقصان نہیں ہوگا؟

میں نے ایک صاحب سے کہا کہ نماز میں دونوں ہاتھوں کا استعمال کرنا یا ایک ہاتھ کا بھی تین دفعہ سے زیادہ کرنا منع ہے اور نماز باطل ہوجاتی ہے، تو وہ صاحب فرمانے لگے کہ دونوں باتیں غلط ہیں، اگر ہے تو لکھا ہوا دکھاؤ، برائے مہربانی مع ثبوت کے جواب مرحمت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: حاجی محمد ابراہیم ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی حالت میں عمل کثیر مفسد صلوۃ ہے اور عمل قلیل مفسد صلوۃ نہیں ہے، دونوں ہاتھوں کے استعمال کو عمل کثیر میں شمار کیا گیا ہے،

ایک ہاتھ کا استعمال بھی بے ضرورت ایک ہی رکن میں مسلسل تین دفعہ یا اس سے زائد ہوجائے، تو اس کو بھی عمل کثیر میں شمار کیا گیا ہے، ضرورت کی وجہ سے وقفے وقفے سے ایک ہاتھ کا استعمال تین مرتبہ سے زائد بھی ہوجائے تو عمل کثیر میں شامل نہیں، اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے ایسی حرکت کرنا کہ جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز کی حالت میں نہیں ہے یہ بھی مفسدات صلوۃ میں شامل ہے۔

ویفسدها كل عمل كثير......وفيه أقوال خمسة أصحها مالايشك بسببه الناظر في فاعله أنه ليس فيها......والقول الثاني: أن ما يعمل عادة باليدين كثير......الثالث: الحركات الثلاث المتوالية كثير. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة،مطلب في التشبه بأهل الكتاب، زكريا ۲/ ۳۸۵)

العمل الكثير يفسد الصلوة والقليل لا واختلفوا بينهما على ثلاثة أقوال، الأول: أن ما يقام باليدين عادة كثير......وما يقام بيد واحد قليل......وكل ما يقام بيد واحدة فهو بسير ما لم يتكرر......والثاني:أن يفوض إلى رأي المبتلى به......وهذا أقرب الأقوال إلى رأي أبي حنيفة......والثالث: أنه لو نظر إليه ناظر من بعيد أن لايشك أنه فيغير الصلاة فهو كثير مفسد. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، زكريا ۱/۲ ۱ ۰ ۱، جديد زكريا ديو بند۱/ ۱٦۰)

واختلفوا في القلة والكثرة قال بعضهم: كل ما يقام باليدين فهو كثير، ومايقام بيد واحدة فهو يسير مالم يتكرر–وقال: بعضهم إن كان بحال لو رآه إنسان ليستيقن أنه ليس في صلاة فهو كثير......وهذا اختيار العامة. (قاضي خان، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، ۱/۱۲۸ - ۱۳۰ جديد زكريا ديوبند ۱/ ۸۰، سيٹ:۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۶۶ ۱۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۲۳ھ

آللہ، اکبر، اور اکبار کے معنی

سوال [۲۷۷۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آللہ کے معنی کیا ہیں؟ اکبر اور اکبار کے معنی کیا ہیں؟ لغوی ترجمہ عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ابرار احمد، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آللہ کے معنی ہے، کیا اللہ ہیں؟ اور أکْبَار کَبَرَ کی جمع ہے اس کے معنی ڈھول اور طبل کے ہیں، اس لفظ سے تحریمہ باندھنے سے نماز شروع ہی نہ ہوگی اور درمیان صلوۃ کہنے سے نماز فاسد ہوجائیگی۔

وإن قال الله أكبار لا يصير شارعا، وإن قال ذلك في خلال الصلاة تفسد الصلاة. (كبيري، كتاب الصلاة، باب فرائض الصلاة، اشرفي ۲۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۶ھ

تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالیہ کو سراً کہنا

سوال [۲۷۸۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے تکبیر تحریمہ یا رکوع وغیرہ کی تکبیر سہواً چھوڑ دی یا جہراً کہنے کے بجائے سراً کہہ دی تو کیا ان دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو کی ضرورت ہے یا بغیر سجدۂ سہو کے نماز ہوجائے گی؟ امام صاحب سے ایسا بار بار ہوتا رہتا ہے۔

المستفتی: محمد اشتیاق، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرامام صاحب نے تکبیرِ تحریمہ چھوڑ دی تو ایسی صورت میں نماز ہی نہ ہوگی، اگر تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ رکوع وغیرہ کی تکبیر سہواً چھوٹ گئی یا تکبیرِ تحریمہ اور دیگر تکبیرات کو جہر کے بجائے امام صاحب نے آہستہ کہا، تو ایسی صورت میں نماز بلاکراہت درست ہو جائے گی، سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

من فرائضها التي لاتصح بدونها التحريمة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، کراچی ۱/۴۴۲، زكريا ۲/۱۲۷، هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة ۱/۶۸، جديد زكريا ديوبند ۱/۱۲۵)

وسننها ترك السنة لايوجب فساداً ولاسهواً؛ بل إساءةً لوعامداً...... جهر الإمام بالتكبير ...... و تكبير الركوع، وكذا الرفع منه، وتكبير السجود وكذا نفس الرفع منه، وكذا تكبيره (در مختار) لحديث أنه عليه السلام كان يكبر عند كل رفع و خفض. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، کراچی ۱/۴۷۳تا۴۷۶، زكريا ۲/۱۷۰ تا ۲/۱۷۳، هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها ۱/۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍۱۵۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲؍۴؍۴ھ

کھڑے ہوکر تکبیرِ تحریمہ کہنے کے بعد بلا تکبیرِ رکوع میں چلے جانا

سوال [۲۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ جماعت میں ایسے وقت شریک ہوتے ہیں جب امام رکوع میں ہوتا ہے، تو جو لوگ دوڑ کر آتے ہیں اور صرف ایک مرتبہ تکبیر کہہ کر رکوع میں

چلے جاتے ہیں، توان کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اسی طرح جولوگ دوڑ کرآتے ہیں جھکے جھکے تکبیر کہہ کر رکوع میں امام کیساتھ شریک ہوجاتے ہیں تو قیام نہ ہونے کی وجہ سے کیا نماز میں کوئی کمی آئے گی یا نہیں؟

المستفتی: شکیل احمد بسواں، راما بھاری سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہنے کے بعد رکوع کی تکبیر کہے بغیر رکوع میں چلا جائے تو کراہت کیساتھ نماز صحیح ہوجائے گی اور اگر تکبیر تحریمہ بھی جھکے جھکے کہہ کر امام کیساتھ شریک ہوجائے، تو نماز صحیح نہ ہوگی اعادہ کرنا لازم ہوگا۔

لو أدرك الإمام راكعًا فحنى ظهره كبر إن كان إلى القيام أقرب صح الشروع...... (إلى قوله) وإن كان إلى الركوع أقرب لايصح الشروع. (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها، قديم ۱۱۹، اشرفي ۲۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۷ ۴۳۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۲۸ھ

امام کے دعائیہ آیت میں سکتہ کرنے پر مقتدیوں کا آمین کہنا

سوال [۲۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام نے جہری نماز میں سورۂ بقرہ کا آخری رکوع ”**لله ما في السموات**“ سے آخر تک تلاوت کیا سورۃ کے آخر میں ہے **واعف عنا** سکتہ **واغفرلنا** سکتہ **وارحمنا** سکتہ یہ تینوں سکتہ کی آیات ہیں قرأت نماز میں امام نے یہ تینوں سکتہ پڑھے، مثلاً **واعف عنا** سکتہ تو مقتدیوں نے کہا آمین پھر پڑھا **واغفرلنا** تو پھر مقتدیوں نے کہا آمین تو درمیان نماز

مقتدیوں کا آمین کہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اصغر ولد محمد شفیع، پرانا بازار، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کا اس دعائیہ آیت میں سکتہ کرنے پر مقتدیوں کے آمین کہنے سے ان کی نماز فاسد نہ ہوگی، جیسے کہ امام کی قرأت پسند آجائے اور مقتدی رونے لگے یا نعم وبلی جیسے الفاظ کہے یا صراحۃً دعاء کرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

لا لذکر جنة، أو نار (در مختار) قال الشامي تحته لأن الآنين ونحوه إذا کان یذکرهما صار کأنه قال اللهم إني أسئلک الجنة وأعوذ بک من النار ولو صرح به لاتفسد صلوته. (شامي، کتاب الصلاة، باب ما یفسد وما یکره فیها، کراچی ۱/۶۱۹، زکریا ۲/۳۷۸، حلبي کبیر، کتاب الصلاة، فصل فیما یفسد الصلاة، ۴۳۲)

فلو أعجبته قراء ة الإمام فجعل یبکي و یقول: بلیٰ و نعم، أو آری لاتفسد (سراجیة) لدلالته علی الخشوع. (در مختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، کراچی ۱/۶۱۹، زکریا ۲/۳۷۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۷/۱۲۱)

ولاتفسد بالدعاء لذکر جنة، أو نار عند قراء ة الإمام، فجعل یبکي ویقول: بلیٰ أو نعم، لدلالته علی الخشوع. (الفقه الإسلامي و أدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ۲/۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الأولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۵/۱۴۲۱ھ

کسی کے کہنے پر مقتدی کا زور سے تکبیر کہنے کا حکم

سوال [۲۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جمعہ کی نماز کی جماعت شروع ہوچکی تھی، تب اوپر کی منزل سے ایک شخص نے آواز دی کہ تکبیر کہہ دیں اوپر آواز نہیں آرہی ہے، ایک شخص نے جونماز کی نیت کر چکے تھے اور ہاتھ باندھ چکے تھے، تکبیر اولیٰ تو بآواز بلند نہ کہی تھی، مگر رکوع سے لے کر آخر سلام تک بآواز تکبیرات کہیں انہوں نے نماز سے باہر والے شخص کا لقمہ لیا اس صورت میں تمام مصلیان کی نماز ہوئی یا نہ ہوئی یا نیچے منزل میں جو امام صاحب کے عین پیچھے والے نمازی تھے، ان کی نماز ہوگئی یا نہیں اور اوپر والی منزل کے نمازیوں کی نماز نہیں ہوئی یا نیچے کی منزل اوپر کی منزل کے تمام نمازی ایک ہی حکم میں ہیں؟

المستفتی: جنید عالم، امام مسجد بلال، امتل و ہار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں یہ بات واضح ہے کہ اوپر والے کے آواز دینے کے کچھ وقفہ بعد رکوع کی تکبیر کہی ہے، تو نیچے کے جس شخص نے مکبر بن کر تکبیر کہی ہے، اگر اس نے محض اوپر والے کی آواز دینے سے تکبیر نہیں کہی ہے؛ بلکہ اس کے اندر خود احساس پیدا ہوا ہے کہ زور سے تکبیر کہنی چاہئے، تو اگر اپنے احساس کی بنا پر تکبیرات کہی ہیں تو اس کی نماز میں خلل نہیں آئے گا؛ بلکہ سب کی نماز بلا کراہت درست ہوگئی، ہاں البتہ اگر تکبیر کہنے والے نے کچھ سوچا ہی نہیں تھا نہ اس کے اندر احساس پیدا ہوا تھا؛ بلکہ محض اوپر والے کی آواز کی تعمیل کرنے کے لئے تکبیرات شروع کر دی ہیں تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ سوال نامہ میں صاف طور پر ذکر ہے کہ اوپر والے کی آواز سنائی دینے کے کچھ وقفہ کے بعد اس نے تکبیر کہنی شروع کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے تکبیر کہنے والے کے دل میں احساس پیدا ہوا ہے، تو ایسی صورت میں کسی کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔

إن حصل التذكر بسبب الفتح تفسد مطلقاً (وقوله) و إن حصل تذكره من نفسه لابسبب الفتح لاتفسد مطلقاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، كراچی ۱/۶۲۲، زکریا ۲/۳۸۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۵/۳۲)

وينبغي للمصلي أن يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه. (البناية، كتاب الصلاة، اشرفيه ٢/٤٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۷/۱۴۲۶ھ

خارج صلوۃ شخص کے کہنے پر مقتدی کا تکبیر کہنا

سوال [۲۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسجد میں اندر نماز ہورہی تھی نمازیوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے مسجد کے اوپر بھی کافی لوگ نماز پڑھ رہے تھے خارج صلوۃ ایک شخص نے زور سے کہا کہ بھائی کوئی تکبیر کہہ دو اوپر آواز نہیں آرہی ہے، ایک شخص نے فوراً بغیر سوچے سمجھے تکبیر کہدی کیا اس تکبیر کہنے والے مقتدی کی نماز فاسد ہوگی اور اس مقتدی کے تکبیر کہنے پر جتنے نمازی نقل وحرکت کریں گے کیا ان سب کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی یا کسی کی بھی فاسد نہیں ہوگی؟

(۲) خارج صلوۃ شخص کے کہنے پر تکبیر کہنے میں تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالیہ کا ایک ہی حکم ہے یا الگ الگ، مثلاً تکبیر تحریمہ خارج صلوۃ شخص کے کہنے سے کہی یا تکبیر انتقالیہ خارج صلوۃ شخص کے کہنے سے کہی دونوں کا حکم ایک ہے یا الگ؟

المستفتی: فراست حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) خارج صلوۃ شخص کے کہنے پر بلا سوچے فوراً تکبیر کہنے والے کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اس کی تکبیر کی اقتداء کرنے والوں کی نماز بھی فاسد ہوجائے گی؛ لیکن اگر خارج صلوۃ شخص کے کہنے کے بعد تکبیر کہنے والے نے یہ سوچا کہ واقعی ضرورت ہے پھر تکبیر شروع کردی ہے تو ایسی صورت میں کسی کی نماز میں کوئی خرابی نہیں آئے گی اور تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالیہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مسجد كبير يجهر المؤذن فيه بالتكبيرات فدخل فيه رجل أمر المؤذن أن يجهر بالتكبير وركع الإمام للحال فجهر المؤذن إن قصد جوابه فسدت صلوته. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، كراچی ۱/ ۶۲۲، زكريا ۲/ ۳۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۵۸/۳۶)

نماز میں خارجی شخص کا لقمہ قبول کرنا

سوال [۲۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب کوسہولاحق ہوگیا اور چار رکعت والی نماز میں تین رکعت پر قعدہ کرلیا اور مقتدیوں میں سے کسی نے امام کو لقمہ نہ دیا ایک غیر آدمی نے جو امام کی نماز میں شریک نہیں تھا کہا کہ امام صاحب ابھی تو تین رکعت ہوئی ہیں تو امام صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ دریافت یہ ہے کہ اس سے نماز میں کوئی خلل واقع ہوا کہ نہیں؟ اس کا مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد سعید دیوریاوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام غیر آدمی کے لقمہ ختم ہونے سے قبل ہی کھڑا ہوگیا ہے یا اس کے لقمہ کے بعد اپنی یاد کی بنا پر کھڑا ہوگیا محض اس کے لقمہ کی اقتدا میں کھڑا نہیں ہوا ہے، تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر محض غیر آدمی کا لقمہ سن کر صرف اسی کی اقتداء میں کھڑا ہوا ہے، تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۳۳)

وإن حصل تذكره من نفسه لا بسبب الفتح لا تفسد مطلقاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قبل مطلب في التشبه بأهل الكتاب

زکریا۲/ ۳۸۲، کراچی ۱/ ۶۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۱۹ھ

اشارہ سے لقمہ دینے والے کی نماز کا حکم

سوال [۲۷۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو شخص ایک جگہ نماز پڑھ رہے تھے ان میں سے ایک قاعدہ اولیٰ چھوڑ کر کھڑا ہونے لگا تو دوسرے نے ہاتھ مار کر بیٹھنے کی طرف اشارہ کیا جس کی وجہ سے وہ قعدہ کی طرف لوٹ آیا، تو اس صورت میں ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: فریدالدین امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص کھڑا ہونے جارہا تھا دوسرے آدمی کے ہاتھ مار کر اشارہ کرنے کی وجہ سے وہ بیٹھنے کی طرف لوٹ آیا اور لوٹنے کا سبب اشارہ کرنے والے کا اشارہ ہی بنا، تو ایسی صورت میں لوٹنے والے کی نماز فاسد ہوگئی اور اشارہ کرنے والے کی نماز اس لئے فاسد ہوگئی کہ اس نے غیر امام کو لقمہ دیا ہے۔ نیز ہاتھ کا مارنا عمل کثیر بھی ہے؛ اس لئے بھی اس کی نماز فاسد ہوگئی۔

وفتحه على غير إمامه لأنه تعلم وتعليم من غير حاجة، بحر وهو شامل لفتح المقتدي على مثله وعلى المنفرد وعلى غير المصلي وعلى إمام آخر لفتح الإمام والمنفرد علي أي شخص كان إن أراد به التعليم لا التلاوة، نهر قوله وكذا الأخذ أي أخذ المصلي غير الإمام بفتح من فتح عليه مفسد أيضا. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و مايكره فيها، كراچی ۱/ ۶۲۲، زکریا ۲/ ۳۸۱)

وإن كـان الـفتـح عـلى رجل هو في صلاة غير صلوة الإمام فهو على وجهيـن أيـضـا، وإن أرادبه التعليم تفسد صلاته إلا على قول أبي يوسف الخ

(الـفتـاوى التـاتـار خـانية، كتـاب الصلاة، الفصل الخامس، باب يفسد الصلاة ومالا يفسد ۲/ ۲۲٦، رقم: ۲۲۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۲۷/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۸ھ

مائک کی خرابی سے اوپری منزل والوں کو امام کی نقل وحرکت کا پتہ نہ چلنا

سوال [۲۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک تین منزلہ مسجد ہے، اس میں جمعہ کی نماز بذریعہ مائک ہورہی تھی، درمیان نماز میں مائک خراب ہوگیا جس کی وجہ سے اوپر والی منزل میں آواز نہیں پہونچی، اب بعض حضرات نے اندازے سے نماز پور کرلی اور بعض نیت توڑ کر دوسری مسجد میں نماز جمعہ کے لئے چلے گئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں شرعا لوگوں کو کیا کرنا چاہئے اوپر آواز پہونچنے کی کوئی صورت نہیں تھی واضح فرمائیں؟

المستفتی: عبدالاحد، پکاباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن لوگوں نے محض اندازے سے نماز پوری کرلی ہے اور امام کی نقل وحرکت کا انہیں کوئی پتہ نہیں ہے، ان میں سے کسی کی بھی نماز درست نہیں ہوئی اور ان میں سے جن لوگوں نے اپنی نماز دہرائی ہے یا دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھ لی ہے انہوں نے صحیح کیا ہے اور ان میں سے جن لوگوں نے نماز نہیں دہرائی ہے ان پر لازم ہے کہ اس دن کی ظہر کی نماز قضا کریں۔

ويشترط أن لا يفصل بينهما حائط كبير يشتبه معه العلم بانتقالات الإمام، فإن لم يشتبه العلم بانتقالات الإمام لسماع، أو رؤية لم يكن الوصول إليه صح الاقتداء به في الصحيح. (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالكتاب ديوبند ۲۹۳، قديم ۱٦۰، الموسوعة الفقهية ٦/۲۳)

إن كان لايشتبه عليهم حال إمامهم يصح وإلا فلا. (البنايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة، اشرفية ۲/۳٥٤)

الحائل بينهما لو بحيث يشتبه به حال إمامهم يمنع وإلا فلا،......لو كان بينهما حائط كبير لايمكن الوصول إلى الإمام؛ ولكن لايشتبه حاله عليه بسماع، أو رؤية لإنتقالاته لايمنع صحة الاقتداء في الصحيح وهو اختيار شمس الأئمة الحلواني، وحاصل كلام الشرنبلالي أن المعتبر الاشتباه وعدمه فقط دون اختلاف المكان، فإن حصل الاشتباه منع سواء اتحد المكان أو لا وإلا فلا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچی ۱/٥۸۷، زكريا ۲/۳۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶؍۷۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۷/۴ھ

امام کے سلام سے قبل مقتدی کا سلام پھیرنا

سوال [۲۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تذکرۃ الرشید ۲۵۸؍ مطبع دارالکتاب دیوبند میں ایک مسئلہ درج ہے، اس عنوان کو اس مسئلہ پر ختم کرتا ہوں جس کو امام ربانی قدس سرہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ ارشاد فرمایا اور کہا کہ سننے والے دوسروں کو پہنچاویں، عام لوگ اس کی طرف سے غافل ہیں

اور یہ غفلت ان کو بہت نقصان پہونچا رہی ہے، وہ یہ کہ امام کے پہلے سلام کے ختم ہونے سے پہلے اگر مقتدی سلام ختم کردیگا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

حاشیہ: مطلب یہ ہے کہ امام اکثر ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کو ترتیل کے ساتھ پڑھتا ہے اور سلام پھیرتا ہے اور مقتدی اس کلمہ کو جلد ختم کرلیتے ہیں، پس اگر امام کی زبان سے لفظ رحمۃ اللہ ختم ہونے سے پہلے مقتدی نے یہ الفاظ تمام کرلئے تو چونکہ امام سے قبل مقتدی نے نماز ختم کی؛ اس لئے مقتدی کی نماز جاتی رہی، آیا یہ مسئلہ درست ہے یا سہو ہوا ہے؛ جبکہ نماز سلام کی پہلی میم پر ختم ہوجاتی ہے، جیسا کہ مسائل سجدۂ سہو نامی کتاب میں لکھا ہے۔

المستفتی: نسیم احمد غازی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلام اول میں لفظ السلام کہتے ہی نماز ختم ہوجاتی ہے؛ اس لئے سلام اولیٰ کی میم امام سے پہلے کہنا مکروہ ہے، اس کے بعد کے الفاظ مقتدی نے امام سے پہلے ختم کرلئے تو اس سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۳۱۲)

عن عبد الله بن عمرو: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا جلس الإمام في آخر ركعة، ثم أحدث رجل من خلفه قبل أن يسلم الإمام فقد تمت صلاته. (سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، باب من أحدث قبل التسليم، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٦٨، رقم: ١٤٠٧)

ولفظ السلام مرتين فالثاني واجب على الأصح، دون عليكم، وتنقضي قدوة بالأول قبل عليكم على المشهور عندنا. (فتاوى شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچی ١/ ٤٦٨، زكريا ٢/ ١٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۱۹)

عصر کی نماز کی ایک رکعت میں صرف ایک سجدہ کیا

سوال[۲۷۸۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے عصر کی نماز ادا کی اور کسی ایک رکعت میں صرف ایک ہی سجدہ کیا، دوسرا سجدہ کرنا بھول گیا تو اس کی نماز ادا ہوئی یا واجب الاعادۃ ہے اور بطور خاص یہ وضاحت فرمائیں کہ ان چار رکعتوں کا کیا حکم ہوگا؟ آیا وہ نفل ہو جائیں گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہے؛ لہٰذا اگر ایک سجدہ بھول کر ترک ہو جائے تو سلام سے قبل اس کو کر لینا لازم تھا، اس کو کئے بغیر سجدہ سہو سے بھی کام نہیں چل سکتا، اگر اسی حالت میں سلام پھیر کر نماز سے فراغت حاصل کر لی ہے تو پوری نماز فاسد ہوگئی اور یہ نماز نفل بھی نہ ہوگی؛ اس لئے کہ ترک فرض سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة الخ (عالمگیري، کتاب الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، زکریا ۱/ ۷۰، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۱۲۷، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، وأرکانها، دارالکتاب دیوبند جدید ۲۳۴)

أو خروج من المسجد قبل قضاء ما نسيه فسدت صلوته، إن كان ما عليه سجدة صلبية الخ (طحطاوي على المراقي، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالکتاب دیوبند جدید ۴٦۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

نماز میں اردو زبان میں دعا مانگنا

سوال [۲۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آں محترم نے ۵/جمادی الاولیٰ ۲۸ھ کو ۶/۶۳۵/ کے حوالہ سے لکھا ہے اردو میں دعا مانگنے کی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوگئی، ادھر خیر الفتاوی ۲/۴۵۹/ پر لکھا ہے، نماز میں دعا اردو میں مانگی تو نماز ہوگئی۔

وظاهر التعليل أن الدعا بغير العربية خلاف الأولىٰ، وأن الكراهة فيه تنزيهية. (شامي ۱/٤٨٦)

اس تضاد کی وضاحت مطلوب ہے، تاکہ صحیح مسئلہ نمازیوں کو بتلا دیا جائے؟

المستفتی: عبدالرشید، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز کے اندر اردو میں دعا مانگنا اصلاً مکروہ تحریمی ہے، جس کی بنا پر نماز واجب الاعادۃ ہوتی ہے اور ہمارے فتوی میں اس صورت میں جو نماز کے فساد کی بات کہی گئی ہے، وہ تعبیر کی غلطی ہے اور خیر الفتاوی میں درج فتوی مجمل ہے یا اس قول پر مبنی ہے، جس میں غیر عربی کی دعا کو مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے؛ حالانکہ یہ قول راجح کے خلاف ہے۔

ولايبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروها تحريما في الصلاة وتنزيها خارجها. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في الدعاء بغير العربية، زكريا ٢/٢٣٤، كراچی ١/٥٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۰۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

بھول سے جیب میں رکھی نجاست کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم

سوال [۲۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے کسی مجبوری کے تحت بیوی سے ہمبستری کے وقت نرودھ استعمال کیا، پھر اس نرودھ کو پیکٹ میں پیک کر کے ایک پلاسٹک کی تھیلی میں لپیٹ کر کے جیب میں رکھ لیا یہ سوچ کر کے کہ باہر پھینک دیں گے، پھر بھول گیا اور اسے جیب میں رکھے ہوئے نماز ادا کر لی تو ایک ناپاک اور نجس چیز جیب میں رکھ کر نماز پڑھ لینے سے نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ یا پھر سے نماز پڑھنی پڑیگی؟ شرعی حکم تحریر فرما دیں۔

المستفتی: عبداللہ نواب پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نرودھ کے اندر جو نجاست بھر گئی تھی اس کی مقدار اگر مقدار درہم کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو اس پیکٹ کو جیب میں لے کر جو نماز پڑھی گئی وہ فاسد اور واجب الاعادہ ہے اور غالباً مقدار درہم سے زیادہ ہی ہوگی؛ اس لئے نماز کا اعادہ ضرور کر لیا جائے؛ اس لئے کہ ایک درہم کا وزن تقریباً ۳ رگرام ہوتا ہے جو نہایت معمولی وزن ہے۔ (مستفاد: ایضاح الطحاوی ۳/۱۹۱)

وفرعوا على ذلک مالو علم قليل نجاسة عليه وهو في الصلاة ففي الدرهم يجب قطع الصلاة، وغسلها، ولو خاف فوت الجماعة، لأنها سنة وغسل النجاسة واجب وهو مقدم. (حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس والطهارة عنها، دارالكتاب ديوبند جديد ١٥٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/ ٢٢٠)

وفي الدر: وطهارة بدنه وثوبه وكذا ما يتحرك بحركته، أويعد حاملاله كصبي عليه نجس، إن لم يستمسک بنفسه منع وتحته في الشامية: أي شيئ متصل به يتحرک بحركته كمنديل طرفه على عنقه

وفي الآخر نجاسة مانعة إن تحرك موضع النجاسة بحركات الصلاة منع وإلا لا. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، شروط الصلاة، زكريا ۲/۷۳، ۷۴، كراچی ۱/۴۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۶ھ

قنوت نازلہ میں وعدہ اور وعید کے الفاظ کی تبدیلی کا حکم

سوال [۲۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے نماز پڑھائی اور نماز میں قنوت نازلہ پڑھی اور قنوت نازلہ میں وعدہ اور وعید کے الفاظ کو بدل دیا، وعدہ کی جگہ وعید والے الفاظ استعمال کر دیئے تو ایسی صورت میں امام صاحب کی نماز فاسد ہوگئی یا نہیں؛ جبکہ قرأت میں اس طرح کی غلطی سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: محمد شعیب میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب امام صاحب سے قنوت نازلہ پڑھنے میں ایسی فحش غلطی ہوگئی کہ وعدہ والے الفاظ کی جگہ وعید والے الفاظ یا اس کے برعکس استعمال کر دیئے تو ایسی صورت میں نماز فاسد ہوگئی؛ کیونکہ قنوت نازلہ اور دعاء قنوت میں وعدہ کے الفاظ کو وعید کے الفاظ سے بدل دینے سے اسی طرح نماز فاسد ہوجاتی ہے، جس طرح قرأت میں نماز فاسد ہوجاتی ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں امام صاحب کی نماز فاسد ہوگئی ہے، اس کا اعادہ واجب ہے، جیسا کہ فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ولو قرأ في دعاء القنوت...... ونسطغفرك بالطاء قال: تفسد ولو قرأ

إنا نستعنک بغير ياء، فقال: لاتفسد قيل ولو قرأ ونتوكن عليک بالنون فقال: تفسد قيل ولو قرأ ونخنع قال: تفسد إذا تبين منه ذلک قيل لو قرأ ونشجد بالشين قال: تفسد إذا تبين منه ذلک ولو قرأ وإليک نسحیٰ ونحفد قال: تفسد. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الأول من مسائل زلة القاري في ذكر حرف مكان حرف ۲/۸۵، رقم:۱۸۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۴۱/۴۱)

دوران نماز بیوی کا بوسہ لینا

سوال [۲۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نماز پڑھ رہا ہو بیوی نے بوسہ لیا، تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی؛ لیکن بیوی اگر نماز پڑھے شوہر نے بوسہ لیا تو اس کی نماز کیوں فاسد ہوجاتی ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گانوڑی، بڑھاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کی نماز فاسد نہ ہونے اور بیوی کی نماز فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیوی جماع پر قادر اور بااختیار نہیں ہوتی ہے، اس لئے بیوی کے بوسہ کی وجہ سے اس حالت میں مفضی الی الجماع لازم نہیں آتا؛ لیکن اس کے برخلاف شوہر جماع پر پوری طرح قادر اور بااختیار ہوتا ہے؛ اس لئے بیوی کو بوسہ دینے کی صورت میں مفضی الی الجماع کا اندیشہ ہے، اس وجہ سے بیوی کی نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

وأشار في الخلاصة إلى الفرق بأن تقبيله في معنى الجماع يعني أن الزوج هو الفاعل للجماع، فإتيانه بدواعيه في معناه. (شامي، كتاب الصلاة، باب ماتفسد الصلاة، ومايكره فيها، زكريا ۲/۳۹۰، كراچی ۱/۶۲۸، ۶۲۹)

قوله والفرق -أي بين جعل تقبيله المصلية مفسدا صلاتها، وإن كان بغير شهوة وبين جعل تقبيلها المصلي غير مفسد صلوته إذا لم يشته وهو جواب من صاحب النهر عما أورده في الفتح حيث قال والله أعلم بوجه الفرق، وذلک لأنه لاصنع للمصلي في الوجهين، فمقتضاه عدم الفساد فيهما، وإن جعلنا التمكين من الفعل بمنزلة الفعل اقتضى الفساد فيهما وهو الظاهر. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، كوئٹه ١/٢٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۰۱/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۲ھ

دوران نماز ٹارچ جلانا

سوال [۲۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عشاء کی نماز ہو رہی تھی دوران نماز اچانک لائٹ چلی گئی، ایک صاحب جو پہلی صف میں تھے ان کے سامنے ٹارچ رکھی ہوئی تھی، انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ٹارچ کا بٹن دبا دیا جس سے روشنی ہوگئی نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام صاحب نے کہا کہ جس نے دوران نماز ٹارچ جلائی ہے، اس کی نماز نہیں ہوئی وہ اپنی نماز دہرالے، اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس طرح دوران نماز ٹارچ جلانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور کیا امام صاحب کی بات صحیح ہے؟

المستفتی: وصی الحق، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس نے دوران نماز بجلی بھاگ جانے پر ٹارچ جلائی ہے اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی؛ کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اور نماز میں عمل قلیل

سے نماز فاسد نہیں ہوتی ؛ البتہ نماز میں ایسا عمل مکروہ ہے اور مفسد صلوۃ کے بارے میں امام صاحب کی بات صحیح نہیں ہے۔

ولو وضع الفتيلة في السراج وهو يصلي لا تفسد صلاته، لأنه قليل.

(هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، زكريا ١/ ١٠٢، جديد زكريا ديو بند ١/ ١٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۹۳/۳۵)	۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

نماز میں موبائل کی گھنٹی بجنے لگے تو کیا کریں؟

سوال [۲۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موبائل اگر چالو حالت میں رہ گیا تو کیا نمازی اس کا بٹن بند کرسکتا ہے؟ اگر جماعت سے نماز پڑھنے کی حالت میں ہو اور موبائل ایسی جگہ جیب میں ہو کہ بند نہیں کرسکتا تو وہ نماز توڑ کر بند کرے یا اس کی گھنٹی بجنے دے، اس صورت میں پوری مسجد کے نمازیوں کی توجہ وخشوع میں فرق آئے گا، اگر سنت وغیرہ پڑھ رہا ہو تو نیت توڑ کر موبائل بند کر کے پھر سے نیت باندھ سکتا ہے؟

المستفتی: محمد ذکاء اللہ جامع مسجد چھاؤنی ، اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل بند کرنا یاد نہیں رہا تو نماز چاہے باجماعت پڑھی جارہی ہو یا تنہا دونوں صورتوں میں اگر موبائل میں گھنٹی شروع ہوجائے اور ایک ہاتھ سے موبائل بند کردے تو نماز فاسد نہیں ہوگی ، موبائل چاہے آگے کی جیب میں رکھا ہو یا سائیڈ کی جیب میں بہرصورت موبائل اگر ایک ہاتھ سے بند کر دیا جائے تو نماز

فاسد نہیں ہوگی، یہ ایسا ہے جیسا کہ ٹوپی گر جانے کی صورت میں ایک ہاتھ سے ٹوپی اٹھا کر سر پر رکھنا جائز ہے، ایسے ہی موبائل ایک ہاتھ سے بند کرنا جائز ہے، موبائل والے کو اول گھنٹی پر موبائل بند کردینا چاہئے، تاکہ نمازیوں کے خشوع اوریکسوئی میں فرق نہ پڑے۔

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه سلم: يصلي، والباب عليه مغلق، فجئت فاستفتحت، فمشي ففتح لي، ثم رجع إلى مصلاه، وذكرت أن الباب كان في القبلة. (سنن الدار قطني، كتاب الجنائز، باب جواز العمل القليل في الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۶۷، رقم:۱۸۳۷)

ولو أغلق الباب لاتفسد صلوته. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، وما لايفسد، زكريا ۱/۱۰۴، جديد زكريا ديوبند۱/۱۶۲)

ولو سقطت قلنسوته فاعادتها أفضل. (در مختار، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، كراچی ۱/ ۶۴۱، زكريا ۲/ ۴۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۲۹)

دوران نماز موبائل کی گھنٹی بند کرنا

سوال [۲۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کی جیب میں موبائل ہو اور نماز کی حالت میں رنگ ہونے لگے، تو آف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر آف کرلیں تو کیا نماز ٹوٹ جائے گی ایک مرتبہ کرنے سے نماز میں کوئی خلل واقع تو نہیں ہوگا؟

المستفتی: شمیم اختر، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی حالت میں موبائل کی رنگ ہونے کی

صورت میں ایک ہاتھ کا استعمال کر کے موبائل بند کرنے کی گنجائش ہے اور دونوں ہاتھوں کے استعمال کرنے کی وجہ سے نماز کے فاسد ہوجانے کا خطرہ ہے؛ اس لئے دونوں ہاتھوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۲۳)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يصلي في البيت، والباب عليه مغلق، فجئت، فمشى حتى فتح لي، ثم رجع إلى مقامه ووصفت أن الباب في القبلة. (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٣١، رقم:٢٤٥٢٨)

عن عائشةؓ، قالت: كان بابنا في قبلة المسجد، فاستفحت ورسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي، فمشى حتى فتح لي، ثم رجع إلى مكانه الذي كان فيه. (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ١٧٢، رقم:١٨ ٢٦٠، رقم:٢٦٤٩٩)

لو رفع العمامة ووضعها على الأرض، أو رفعها من الأرض ووضعها على الرأس لاتفسد، لأنه يتم بيد واحدةٍ من غير تكرار. (فتاوی قاضي خان على الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، زكريا ١/ ١٢٩، جديد زكريا ديوبند ١/ ٨١، سيٹ:٧)

ولو لبس قلنسوةً، أو بيضة، أو نزعها لاتفسد. (قاضی خان على الهندية ١/ ١٢٩، امدادية ملتان، جديد زكريا ديوبند ١/ ٨١، سيٹ:٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۴ ۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۲۴ھ

جیب سے موبائل نکال کر آنکھوں سے دیکھ کر بند کرنا

سوال [۲۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کی حالت میں ایک شخص کا موبائل کھلا رہا پینٹ کی جیب میں تھا کہیں سے فون آ گیا اور موبائل میں رنگ بجنے لگی اس شخص نے ایک ہاتھ سے موبائل سامنے لا کر

اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بند کردیا تو ایسی صورت میں نماز میں فرق آئے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیب سے باقاعدہ موبائل نکال کر اور دیکھ کر بند کرنے کا عمل مفسد صلوۃ ہے، اس کو دوسرے لوگ دیکھ کر یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے ایسے عمل کو فقہی اصطلاح میں عمل کثیر کہتے ہیں، جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۳۸۶)

ويفسدها كل عمل كثير ليس من أعمال لها ولا لإصلاحها وفيه أقوال خمسة اصحها لا يشك بسببه الناظر من بعيدٍ في فاعله، أنه ليس فيها وفي الشامية، الثالث: الحركات الثلاث المتوالية كثير وإلا قليل.

(شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها،زكريا٢/ ٣٨٥، كراچي ٢/٦٢٥)

ويفسدها العمل الكثير لا القليل والفاصل بينهما أن الكثير هو الذي لايشك الناظر بفاعله أنه ليس في الصلاة وإن اشتبه فهو قليل على الأصح.

(مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مكتبه فقيه الأمت ١/١٨٢، طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، دارالكتاب ٣٢٢، حلبي كبير، كتاب الصلاة، مفسدات الصلاة، اشرفي ٤٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۴/۴۰)

ایک ہاتھ سے بجلی کا بٹن دبانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال [۲۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے گرمی کا زمانہ ہے محراب کے اوپر پنکھا لگا ہے،

مگراس کا بٹن نہیں دبایا گیا تھا، امام صاحب نے ایک ہاتھ سے بٹن دبادیا تو ایسی صورت میں نماز میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد ذکراللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کا محراب میں نماز پڑھاتے ہوئے ایک ہاتھ سے بٹن دبانے سے نماز میں کوئی فساد نہیں آئے گا؛ کیونکہ یہ عمل قلیل ہے اور عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

وکذا لا تفسد الصلوة ولو روح المصلی بمروحة، أو بثوبه مرة، أومرتين. (حلبي كبير، مكتبه اشرفي ديو بند ٤٤٨، التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس ما يفسد الصلاة، ٢/٢٣٣، رقم: ٢٢٥٩)

وكل عمل لايشک بسببه الناظر إلى المصلي، أنه في الصلاة؛ بل يظن ظنا غالبا أنه ليس في الصلاة، فهو عمل كثير وما كان دون ذلک بأن يشتبه على الناظر ويتردد فى كونه فى الصلاة، أم لا فهو قليل. (حلبي، كتاب الصلاة، باب مفسدات الصلاة، اشرفي ٤٤١)

كل عمل لايمكن إقامته إلا باليدين فهو كثير–وكل عمل يكمن إقامته بيد واحدة فهو يسير مالم يتكرر. (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس ما يفسد الصلاة، ومالا يفسد ٢/٢٣٣، ٢٢٦٠)

عن عائشةؓ، قالت: استفتحت الباب ورسول الله صلى الله عليه وسلم: يصلي تطوعا والباب على القبلة فمشى عن يمينه، أو عن يساره ففتح الباب، ثم رجع إلى مصلاه. (نسائي شريف، كتاب السهو، باب المشى عمام القبلة خطي يسيرة، النسخة الهندية ١/١٣٥، دارالسلام رقم: ١٢٠٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۴)

دوران نماز موبائل بند کرنا

سوال [۲۷۹۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کے جدید ٹکنالوجی دور میں موبائل جہاں سودمند ہے وہیں اکثر و بیشتر بڑی زحمت کا باعث ہوتا ہے، خصوصاً نماز میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نمازی اپنا موبائل فون بند کرنا بھول جاتے ہیں اور دوران نماز فون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے، جس سے جن کا فون ہے، ان کی نماز میں بھی خلل پڑتا ہے اور باقی نمازیوں کی بھی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا نمازی دوران نماز اپنا موبائل فون بند کرسکتا ہے۔ نیز یہ کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر نمازی کی ٹوپی سجدہ میں گرجائے تو اگر عمل کثیر نہ ہوتو وہ ٹوپی پہن لے؟ بتائیں کہ عمل کثیر کی مقدار کیا ہے؟ نیز یہ کہ موبائل فون جیب میں ہے یا صف پر رکھا ہوا ہے تو بند کرنے میں عمل کثیر ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جولوگ موبائل اپنے ساتھ رکھتے ہیں ان کے اوپر ضروری ہے کہ جیسے مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ بات یاد رہتی ہے اور خیال رہتا ہے کہ پیر سے چپل اتارنا ہے اور چپل کو حفاظت سے رکھنا ہے، یہ کام نہیں بھولا جاتا ہے، اسی طریقہ سے موبائل کے بارے میں کبھی نہیں بھولنا چاہئے، اہتمام کرنا چاہئے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت جوتا اتارنے کے ساتھ موبائل بھی بند کرلیں اور چند دن توجہ اور پابندی کرنے کے بعد پھر نہیں بھولیں گے، اتفاقیہ اگر موبائل بند نہیں کیا اور دوران نماز موبائل کی گھنٹی بجنے لگے تو موبائل چاہے جیب میں ہو یا صف میں بہر حال نمازی کو موبائل کی گھنٹی بند کردینی چاہئے؛ کیونکہ گھنٹی بند نہ کرنے کی وجہ سے تمام نمازیوں کو خلل اور ذہن منتشر ہوتا ہے اور ایک ہاتھ

سے بند کرنے کا یہ عمل بھی مکروہ ہے؛ لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، جو مسئلہ آپ نے سوال میں لکھا ہے وہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه سلم: قال أحمد: يصلي، والباب عليه مغلق، فجئت فاستفتحت، قال أحمد: فمشى ففتح لي، ثم رجع إلى مصلاه، وذكر أن الباب كان في القبلة. (سنن أبي داؤد كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، النسخة الهندية ١/١٣٣، دار السلام رقم: ٩٢٢)

ويكره أن يروح على نفسه بمروحة، أو بكمه لاتفسد به الصلاة ما لم يكثر. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، وما لا يكره، زكريا ١/١٠٧، جديد زكريا ديوبند ١/١٦٥)

ولو أغلق الباب لا تفسد صلوته. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السابع مع فيما يفسد الصلاة، زكريا ١/١٠٤، جديد زكريا ديوبند ١/١٦٢)

عمل کثیر کی تین تعریفیں کی گئی ہیں، جن میں دو ذکر کی جاتی ہیں:

اول: نمازی کو دور سے دیکھنے والا دیکھ کر یہ سمجھے کہ وہ نماز میں نہیں ہے تو یہ عمل کثیر ہے اور اگر شک کرے تو عمل قلیل ہے۔

دوم: عمل کثیر اسے بھی کہا جاتا ہے، جس میں دونوں ہاتھوں کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔

أن ما يقام باليدين عادة كثير وإن فعله بيد واحدة كالتعمم ولبس القميص. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، زكريا ١/١٠٢، زكريا جديد ١/١٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۴۵/۳۷)

امام صاحب نے سجدہ سے اٹھتے ہوئے بجلی کا بٹن دبادیا

سوال [۲۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام سجدے سے اٹھتے ہوئے تیزی کے ساتھ بجلی کا بٹن دبادے جس سے بلب جل جائے، تو ایسی حالت میں نماز قائم رہے گی یا ختم ہوجائے گی یا مکروہ ہوگی؟

المستفتی: خورشید احمد حسن پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ولو أغلق الباب لا تفسد صلوته. (عالمگیري، کتاب الصلاة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة، زکریا ۱/ ۱۰٤، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۱٦۲، قاضیخان مع الهندیة، کتاب الصلاة، فصل فیما یفسد الصلاة، زکریا ۱/ ۱۳۹، جدید زکریا دیو بند ۱/ ۸۱، سیٹ:۷)

وإذا ضرب دابتة مرة أو مرتین لاتفسد صلاته، لأن الضرب یتم بید وواحدة الخ. (قاضیخان مع الهندیة، کتاب الصلاة، فصل فیما یفسد الصلاة،زکریا ۱/ ۱۳۸، جدید زکریا دیو بند ۱/ ۸۰، سیٹ:۷)

لأن المفسد إنما هو العمل الکثیر وهو ما یظن أن فاعله لیس في الصلاة الخ (شامي، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، وما یکره فیها، کراچی ۱/ ٦۲٥، زکریا ۲/ ۳۸٥، مطبوعة کوئٹه ۱/ ٤٦۲)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر بٹن اس طرح سے امام سے قریب ہو کہ دبا دینے کی وجہ سے دیکھنے والوں کو یہ محسوس نہ ہو کہ امام نماز میں نہیں ہے، تو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ صحیح ہوجائے گی۔

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: جئت رسول الله صلی الله علیه سلم: یصلي في البیت، والباب علیه مغلق، فمشی حتی فتح لی، ثم رجع إلی مکانه،

ووصفت الباب في القبلة. (سنن الترمذي كتاب الصلاة، باب ما يجوز من المشي والعمل في صلاة التطوع، النسخة الهندية ١/ ١٣١، دارالسلام رقم:٦٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۶/۲۳)

رومال اور انگوچھا سامنے رکھ کر نماز پڑھنا

سوال [۲۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نمازی آدمی اعضاء وضو بعد الوضو پوچھنے کے لئے رومال رکھتے ہیں یا انگوچھا اور اعضاء وضو پوچھنے کے بعد رومال کو اپنے سامنے رکھ کر نماز پڑھتے ہیں، تو کیا نماز کے اندر کوئی کراہت ہوتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو مبرہن کر کے عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد مختار، سکٹھو نگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں نماز کے اندر کوئی خرابی اور کراہت لازم نہ آئے گی۔

عن ميمونة رضـ، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يصلي وأنا حذاءه، وأنا حائض وربما أصابني ثوبه إذا سجد قالت: وكان يصلي على الخمرة. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد ١/ ٥٥، رقم:٣٧٧، ف: ٣٧٩)

بأن ما يصيب منديل المتوضي وثيابه عفو اتفاقًا الخ. (درمختار، كتاب الطهارة، باب المياه، زكريا ٢/ ٣٥٢، كراچی ١/ ٢٠٠)

ولا بأس بالصلاة على الطنافس، واللبود، وسائر الفرش. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره في الصلاة، ومالا يكره،

المجلس العلمي جدید ۲/۱۴۳، رقم:۱۴۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸؍۳۱۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۱۷ھ

رومال سے اعضاء وضو پوچھ کر سجدہ کی جگہ رکھنا

سوال [۲۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص وضو کر کے رومال سے اعضاء پوچھنے کے بعد دستی کو سجدہ کی جگہ رکھ کر نماز پڑھتا ہے، تو اس کی وجہ سے نماز میں کراہت آئے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد لالباغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر شدت گرمی یا کسی عذر کی وجہ سے دستی اور رومال کو سجدہ کی جگہ پر رکھا ہے تو نماز مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے۔

عن أنس بن مالک رضي الله عنه، قال: كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم: في شدة الحر، فإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه من الأرض بسط ثوبه فسجد عليه. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب بسط الثوب في الصلاة، للسجود ۱/۱۶۱، رقم:۱۱۹۴، ف:۱۲۰۸)

رجل يصلي على الأرض ويسجد على خرقة وضعوها بين يديه ليقى بها الحر لابأس به. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، فيما يكره في الصلاة، ومالايكره، زكريا ۱/۱۰۸، جديد زكريا ديوبند ۱/۱۶۶، المحيط البرهاني، كتاب الكراهية و الاستحسان، الفصل الرابع، كتاب الصلاة، والتسبيح، المجلس العلمي جديد ۷/۵۱٤، رقم:۹٤۵۵)

ولابوضع خرقة يسجد عليها...... والظاهر أن محل عدم الكراهة إذا

لم ينشف بها الأعضاء من الماء المستعمل وإلا كره نظرا إلى الرواية بنجاسته، وإن كان كانت غير معتمدة، قوله إتقاء الحر الخ ظاهره أنه يكره وضعها لغير ذلك. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فيما لايكره للمصلي، دارالكتاب ديوبند ۳۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/ ۱۴۲۲ھ

مسجد کی چٹائی پر اپنا تولیہ وغیرہ بچھا کر نماز پڑھنا

سوال [۲۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات مسجد میں چٹائی ہونے کے باوجود اپنے گھروں سے تولیہ وغیرہ لے کر چٹائی پر اس کو بچھا کر پھر اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، تو ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ اور اس کی وجہ سے نماز میں کراہت آئے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد حماد لالباغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تولیہ کو فرش یا چٹائی وغیرہ پر بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: يصلي على الخمرة. (سنن الترمذي، النسخة الهندية ۷۵/۱، دارالسلام رقم: ۳۳۱)

ولا بأس بالصلاة على الطنافس، واللبود، وسائر الفرش. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع ما يكره للمصلي و مالا يكره، زكريا ۲۰۹/۲، رقم: ۲۱۸۳، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الرابع مايكره في الصلاة،

و مالا یکره، المجلس العلمي جدید ۲/ ۱٤۳، رقم:۱٤۳٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۷۳۳۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

سجدہ میں زمین پر بالکل قدم نہ رکھنا یا رکھنے کے بعد اٹھالینا

سوال [۲۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حالت سجدہ میں وضع قدمین کے بعد رفع قدمین سے نماز فاسد ہوتی ہے کہ نہیں؟ وجہ شبہ یہ ہے کہ کتب فقہ وفتاوی میں مطلقاً وضع قدمین ''ولو کان إصبعاً واحدة'' کا تذکرہ ہے، مگر صریح جزئیہ یہ نہیں ملا کہ اگر وضع قدمین کے بعد دونوں قدم کو بالکل زمین سے اٹھالے تو نماز ہوگی یا نہیں اور کتب فقہ میں فرضیت وضع قدمین کا قول بھی نقل کیا گیا ہے، بر بناء ایں قول تو نماز فاسد ہونی چاہئے اور سنیت کا قول بھی منقول ہے۔ نیز خلجان کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ ہمارے اکابر کے فتاوی میں بھی اختلاف نظر آتا ہے؛ چنانچہ فتاوی دارالعلوم ۴/ ۳۵/ میں ہے، اگر بالکل تمام سجدہ میں دونوں قدم اٹھے رہیں تو سجدہ نہ ہوگا (الی قولہ) کم از کم ایک انگشت کسی وقت سجدہ میں زمین پر ٹھہر جائے یہ نہیں کہ اگر قدمین زمین سے اٹھ گئے اور پھر رکھ لئے تو نماز نہ ہوگی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ وضع قدمین کے بعد اگر دونوں قدمین بھی اٹھالئے تو نماز ہو جائے گی، اور یہی فتاوی دارالعلوم ۴/ ۱۰۸ سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب یوں فرماتے ہیں: کہ سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھا دینے سے نماز نہیں ہوتی۔ (کفایت المفتی ۳/ ۳۷۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز نہ ہوگی، حضرت مفتی محمود الحسن دامت برکاتہم کا فتوی بھی ملاحظہ فرمالیجئے: اس میں کوئی حکم نہیں لگایا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲/ ۱۹۶)

حضرت والا ان تحریرات کو پڑھ کر اول کی تصحیح اور ثانی کے متعلق اپنی تحقیق سے ایک

فیصلہ فرمادیں اور میرے اضطراب کو دور فرما کر شفقت ولطافت کا معاملہ فرمائیں، حضرت میرے لئے دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ علم وعمل اور فلاح دارین نصیب فرمائے۔

المستفتی: فاروق عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہی قول راجح ہے کہ بالکل قدم نہ رکھنے کی صورت میں نماز فاسد ہوتی ہے، پورے سجدے میں کسی بھی وقت رکھ لئے ہوں اور پھر اٹھا لئے ہیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی، جیسا کہ فتاوی دارالعلوم میں ہے اور کفایت المفتی کی عبارت اس کے معارض نہیں ہے۔

وقال بعضهم إن حرك رجليه قليلا لاتفسد صلوته، كذا في المحيط هو الأوجه الخ (فتاوى عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السابع، فيما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، زكريا كوئٹه ۱/۱۰۳، جديد زكريا ديوبند ۱/۱۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۰۰۷)

عورت کے صف میں کھڑے ہونے سے کس کس کی نماز فاسد ہوگی؟

سوال [۲۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عورت اگلی صف میں مرد پچھلی صف میں کھڑے ہوکر ایک ہی امام کے پیچھے جماعت سے نماز ادا کریں تو جس مرد کے سامنے اگلی صف میں عورت کھڑی ہے اس مرد کی نماز کس حکم میں ہے نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد، شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عورتیں باقاعدہ جماعت میں شریک ہوجاتی ہیں

اورامام نے ان کی امامت کی نیت بھی کررکھی ہوتو عورتوں کی نماز صحیح ہے، مگراس کی وجہ سے اس کے دائیں بائیں اور پیچھے کھڑے ہونے والے مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائے گی، اوراگرامام نے ان کی امامت کی نیت نہیں کررکھی ہےتو صرف عورت کی نماز فاسدہوگی۔

وقد صرحوا بأن المرأة الواحدة تفسد صلوة ثلاثة إذا وقفت في الصف من عن يمينها و من عن يسارها ومن خلفها. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، كراچی ۱/۶۳۵، زكريا ۲/۳۱۶، هداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة ۱/۱۲۴)

فإن حاذتة في صلوة مشتركة تحريمة وأداء فسدت صلوته إن نوى إمامتها وإلاصلاتها. (شرح وقايه، كتاب الصلاة، فصل في الجماعة، اشرفی ۱/۱۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۳۶)

مسجدحرام میں مردوں وعورتوں کامخلوط نماز پڑھنا

سوال [۲۸۰۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہنامہ ندائے شاہی فروری ۱۹۹۰کوملاحق تو یہ ہے کہ یہ دورحاضراوراس کے مسائل پر دین کی روشنی یں بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے، براہ کرم درج ذیل سوال کا جواب ماہنامہ ندائے شاہی کی اگلی اشاعت میں شائع فرمادیں۔

سوال: میں ادائے گی فریضہ حج بیت اللہ کے لئے سعودیہ عرب گیاتھا میں نے وہاں دیکھا کہ مسجدحرام میں خواتین بھی مردوں کےساتھ ہی صفوں میں باجماعت نماز پڑھتی ہیں۔

المستفتی: محمدصدیق مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر عورتیں مردوں کی صفوں سے الگ پیچھے کھڑی ہو کر شریک جماعت ہوجائیں تو ان کی نماز صحیح ہوجاتی ہے، جیسا کہ مدینہ منورۃ میں معمول ہے۔

ويصف الرجال، ثم الصبيان ، ثم الخناثیٰ، ثم النساء الخ (الدرالمنتقي مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة بيروت ١/ ١٠٩، قديم ١/ ١٦٥)

لیکن اب زمانہ فتنہ کا ہے اس لئے عورتوں کا با جماعت نماز پڑھنے کی غرض سے مسجدوں میں حاضر ہونا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہندوستانی مساجد میں اس کا معمول نہیں ہے۔

ولايحضرن: أي لايحل لهن: أي يحضرن الجماعات لخوف الفتنة الخ (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر ، كتاب الصلاة، فصل الجماعة سنة مؤكدة بيروت ١/ ١٠٩، قديم ١/ ١٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۷۴)

کیا مسجد حرام میں محاذات میں سہولت کی کوئی شکل ہے؟

سوال [۲۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حج کے بارے میں ایک پریشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ مجمع مرد وعورت کا مخلوط ہوتا ہے، طواف بھی ایک ساتھ کرتے ہیں اور فرض نمازوں میں بھی مرد وعورت سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں، تو مسئلہ محاذات کی رو سے لاکھوں افراد کی نماز فاسد ہوتی ہے، تو اس خاص موقع پر ان لاکھوں افراد کی نماز صحیح قرار دینے کی کوئی شکل ہے؟ کیا مسئلہ محاذات میں کچھ سہولت کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: نعمت اللہ عباسی جنرل اسٹور، چوک گونڈہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک نماز میں ایک امام کی اقتداء میں مسجد حرام میں جن مردوں کے بغل میں عورتیں کھڑی ہوکر شریک جماعت ہوجاتی ہیں، ان مردوں کی نمازیں فاسد ہوجاتی ہیں؛ اس لئے کہ مسجد حرام میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے اور مسجد حرام یا کسی اور جگہ مسئلہ محاذات میں سہولت سے متعلق احقر کی نظر سے کوئی صراحت نہیں گذری۔

إن حاذته مشتهاة في ركن من صلاة مطلقه مشتركة تحريمة، وأداءً في مكان متحد بلاحائل ولافرجة أفسدت صلوته، إن نوى إمامتها وكانت جهتهما متحدة وتحته في چلپي وعليه الفتوى، وكثيرا ما تفسد الصلاة، بهذا السبب في المسجد الحرام، والمسجد الأقصى الخ (تبيين الحقائق مع حاشية چلپي، كتاب الصلاة، باب الإمام والحدث في الصلاة، زكريا ١/٣٥٦، امدادية ملتان ١/١٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۳۸/۲۶)

مسجد نبوی میں عورت کی محاذات کا حکم

سوال [۲۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی اور دیگر مساجد میں خواتین کی صفیں ایک بنی ہیں اور وہ بھی اندر ہی امام کے پیچھے نماز پڑھتی ہیں، کیا یہ درست ہے؟ اگر ہاں تو ہندوستانی مساجد میں ایسا رواج کیوں نہیں ہے؟

المستفتی: نیازمند محمد صدیق، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک نماز میں ایک ہی امام کی اقتداء میں مسجد حرام

کے اندر جن مردوں کے بغل میں عورتیں کھڑی ہوکر شریک جماعت ہوجاتی ہیں، ان کی نمازیں فاسد ہوجاتی ہیں؛ اس لئے نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔

إن حاذته مشتهاة في ركن من صلوة مطلقة مشتركة تحريمة وأداء في مكان متحد بلاحائل ولافرجة أفسدت صلوته إن نوىٰ إمامتها، وكانت جهتهما متحدة وتحته في چلپي وعليه الفتوى. وكثيرا ما تفسد الصلوة بهذا السبب في المسجد الحرام والمسجد الأقصىٰ الخ. (تبيين الحقائق ماحاشية چلپي امدادية ملتان ١/١٣٩، زكريا ١/٣٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ر)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴ھ

سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہہ دیا تو کیا حکم؟

سوال [۲۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، اسی اثنا میں دوسرے شخص نے مسجد میں داخل ہوکر ''السلام علیکم'' کہا، جو آدمی نماز میں تھا اس نے بے خیالی میں جواب میں ''وعلیکم السلام'' کہہ دیا اور نماز جاری رکھی تو نماز درست ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: ولی اللہ، سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز پڑھتے ہوئے زبانی سلام کا جواب دینے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۳۸۵)

ورد السلام ولو سهواً بلسانه. (شامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها، قبيل مطلب المواضع التى يكره فيها السلام كراچى ١/٦١٥، زكريا ٢/٣٧٣)

ولاينبغي للمصلي أن يرد سلامه بإشارة ولاغير ذلك وأما رد السلام بالقول والإشارة، فلأن رد السلام من جملة كلام الناس. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب مفسدات الصلاة، ۱/ ٥٤٤، زكريا قديم ۱/ ۲۳۷)

يفسد الصلاة التكلم والسلام ورده، لأنه من كلام الناس. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد صلاته، وما يكره، كراچی ۲/ ۸، زكريا ۲/ ۱۳)

ردالسلام على غيره فسدت صلاته. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس، باب ما يفسد الصلاة، وما لا يفسد، زكريا۲/ ۲۲۹/ ۲۲۵۰)

يفسدها رد السلام سواء كان ساهيا، أو عامدًا، لأنه ليس من الأذكار؛ بل هو كلام. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها ۱/ ۱۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۳۷۱)

اگلی صف میں فرجہ دیکھ کر آگے چل کر فرجہ میں داخل ہونا

سوال [۲۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں نیت باندھنے کے بعد آگے فرجہ دیکھ کر نمازی کتنی صفوں تک آگے جاسکتا ہے؟

المستفتی: عبدالاحد، سدھولی، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں نیت باندھنے کے بعد آگے صف میں فرجہ کشادگی دیکھ کر ایک صف کی مقدار چلا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اور دو صف کی مقدار ایک ہی دفعہ چلا تو نماز فاسد ہوجائے گی؛ لیکن ایک صف کی مقدار چلا پھر ٹھہر گیا پھر چلا پھر ٹھہر گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۱؍۴۴۱)

عن خيثمة رضؓ **قال: صليت إلى جنب ابن عمر فرأى في الصف فرجةً، فأومأ إليّ فلم اتقدم، قال: فتقدم هو فسدّها.** (المنصف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في سد الفرج في الصف قديم ۳/ ۲۹۰، رقم:۳۸۲۲، جديد ۳۸٤۲)

قالوا في رجل كان في الصف الثاني فرأى فرجة في الصف الأول، فمشى إليها لم تفسد صلاته ولو كان في الصف الثالث، فرأى فرجة في الصف الأول وسد الفرجة تفسد صلاته، وإن لم يستدبر القبلة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس، باب ما يفسد الصلاة، وما لايفسد۲/ ۲۳۰، رقم:۲۲۵۳)

ولو مشى في صلاة مقدار صف واحد لم تفسد صلاته، ولو كان مقدار صفين إن مشى دفعة واحدة فسدت صلاته، وإن مشى إلى صف ووقف، ثم مشى إلى صف لاتفسد صلاته. (خانية، كتاب الصلاة، فصل فيما تفسد الصلاة ۱/ ۱۳٤، جديد ۱/ ۸٤، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، كراچی ۱/ ۳۵۲، زكريا ۱/ ٤۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۳/۴۰)

نابیناو بہرے شخص کو ہر رکن میں قریب والے نمازی کا اشارہ کرنا

سوال [۲۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نابینا ہے مزید بہرا بھی ہے امام کی اقتداء صحیح نہیں کر پا تا حتی کہ اگر امام سجدہ میں ہے تو وہ رکوع میں ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ، تو اگر نابینا کو کوئی شخص اشارہ ہر رکن پر کرتا رہے تو نابینا یا اشارہ کرنیوالے کی نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آئے گی؟

المستفتی: مسعود الحسن رشیدی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے شخص پر جماعت واجب نہیں بہتر یہ ہے کہ تنہا نماز پڑھے۔

فلاتجب على أعمى وإن وجدقائدا. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة كراچي ١/٥٥٥، زكريا ٢/٢٩٢)

أن القادر بقدرة غيره ليس بقادر. (البحر الرائق، باب الإمامة كوئٹه ١/٣٦٧، زكريا ١/٦٤٢)

لأن الاقتداء متابعة ومع الاشتباه لا يمكنه المتابعة. (خانية، كتاب الصلاة، فصل فيمن يصح الاقتداء قديم ١/٩٤، جديد زكريا ديوبند ١/٦١)

اگر ایسے شخص کو دوسرا شخص ہر رکن میں اشارہ کرے گا تو اشارہ کرنے والے کی نماز فاسد ہونے کا خطرہ ہے۔

والمراد بالعبث هنا ما ليس من أفعال الصلاة، لأنه ينافيها .

(مراقي الفلاح مع الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، اشرفى ٣٤٥، قديم ١٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۸/۲۲ھ

نابینا رکوع نہ کرسکا تو نماز فاسد ہوگئی

سوال [۲۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نابینا شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا اور مغالطہ میں رہ کر رکوع نہ کرسکا، تو اس پر نماز کا اعادہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: راغب حسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مغالطہ میں جس نابینا شخص کا رکوع رہ گیا ہے، اس کی نماز فاسد ہوگئی؛ اس لئے کہ رکوع فرض ہے اور اس کا ترک مفسد صلوۃ ہے۔

وفي الوالجية الأصل في هذا أن المتروك ثلاثة أنواع فرض وسنة وواجب ففي الوجه الأول إن أمنكه التدارك بالقضاء يقضي وإلا فسد صلوته. (الفتاوى التاتارخانية ١/ ١١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/ ۱۴۲۳ھ

بچہ کے پستان چوسنے سے دودھ نکل جائے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے

سوال [۲۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت نماز پڑھ رہی ہے اور نماز ہی کی حالت میں بچہ نے آکر دودھ پینا شروع کیا تو اس صورت میں نماز باقی رہے گی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالصمد متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بچے کے چوسنے سے دودھ نکلتا ہے تو نماز فاسد ہوگی اور لوٹانا واجب ہوگا۔

صبي مص ثدى إمرأة مصلية إن خرج اللبن فسدت وإلا فلا، لأنه متى خرج اللبن يكون إرضاعا الخ (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، و ما يكره فيها، زكريا كوئٹه ١/ ١٠٤، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٦٢، هكذا في البحر، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و ما يكره، فيها، البحرالرائق، زكريا ٢/ ٢١، كوئٹه ٢/ ١٢، وهكذا أيضاً في الفتح، كتاب الصلاة،

باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، فتح القدير، زكريا ١/٤١٣، كوئٹه ١/٣٥١)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۴۳/۲۵)

نماز کی حالت میں ماں سے بچہ نے دودھ پی لیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

سوال [۲۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اغلاط العوام میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ عورت نماز پڑھ رہی تھی اسی اثناء میں اس کے دودھ پیتے بچہ نے آکر اس کا دودھ پی لیا، تو اس کی نماز فاسد ہوگئی، تو سوال یہ ہے کہ فاسد ہونے کی علت کیا ہے؟

المستفتی: عبداللہ، لالباغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مسئلہ میں نماز کے فاسد ہونے کی علت عمل کثیر کا پایا جانا ہے، جب بچہ نے خود آکر ماں کے پستان میں منھ لگا کر دودھ پی لیا ہے اور ماں نماز کی حالت میں بچہ کو روک نہیں سکی تو اس کو فقہاء نے عمل کثیر کے حکم میں قرار دیا ہے؛ اس لئے اس کی نماز فاسد ہوگئی ہے۔

المرأة أرضعت ولدها في الصلاة تفسد صلاتها، ولو جاء الصبي وارتضع من ثديها، وهي كارهة، فنزل لبنها فسدت صلاتها. (خانية، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، ١/١٣٢-١٣٣، جديد زكريا ١/٨٣، تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس، باب ما يفسد الصلاة، وما لا يفسد، زكريا ٢/٢١)

المرأة إذا أرضعت ولدها تفسد صلاتها، لأنها صارت مرضعة.

(البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و ما يكره فيها، كوئٹه ٢/١٢، زكريا٢/٢١)

ومن الفروع المؤسسة: لو أرضعت ابنها، أو رضعها فنزل لبنها فسدت. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، زكريا ۱/۴۱۳، كراچي ۱/۳۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۸۲/۴۰)

نماز کی حالت میں لکھنے کا حکم

سوال [۲۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے نماز کی حالت میں قلم ہاتھ میں لے کر کچھ لکھ دیا تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اس شخص نے تین یا اس سے زیادہ کلمات لکھ دیئے تو اس کی نماز فاسد ہوگئی؛ کیونکہ یہ عمل کثیر کی حد میں داخل ہوگیا اور اگر تین کلمات سے کم لکھے تو نماز صحیح تو ہوگئی مگر مکروہ ہوگی۔

ولو كتب قدر ثلاث كلمات في صلاته تفسد صلاته، وإن كان أقل لا. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، و ما يكره فيها، قديم زكريا ۱/۱۰۳، جديد ۱/۱۶۲)

لو كتب في صلاته خطا مستبيناً لاتفسد صلاته إلا أن يطول فيصير عملا كثيرا فحينئذ تفسد صلاتهٔ وحد الطول: أن يزيد على ثلاث كلماتٍ. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس، باب ما يفسد الصلاة،

زكريا ٢/٢٣٨، رقم: ٢٢٨١، كذا في الحلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل فيما يفسد الصلاة، ٤٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۳۱/۴۰)

نماز میں پینٹ شرٹ کے پیچھے کا حصہ کھل جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ پینٹ شرٹ پہن کر نماز پڑھتے ہیں، رکوع وسجدہ کی حالت میں اوپر کا کپڑا اوپر اور نیچے کا کپڑا نیچے کو چلا جاتا ہے، پیچھے کی جانب سے ناف کی سیدھ کا حصہ کھل جاتا ہے اور بعض کے کولہے تک کھل جاتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد سلیمان غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناف کی سیدھ کا حصہ کھلنے سے نماز فاسد نہ ہوگی؛ کیونکہ ناف ستر میں داخل نہیں؛ البتہ کولہے کا چوتھائی حصہ تین بار تسبیح پڑھنے کی بقدر کھلا رہا تو نماز فاسد ہو جائے گی؛ کیونکہ کولہا مرد کے ستر میں داخل ہے۔

ويمنع حتى انعقادها كشف ربع عضو قدر أداء ركن …… وذلك قدر ثلث تسبيحات. (شامي، كتاب الصلاة، شروط الصلاة، زكريا ٢/٨١-٨٢، كراچي ١/٤٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۱۷/۴۰)

سجدہ میں دونوں پیروں کا ایک رکن کے بقدر اٹھے رہنا

سوال [۲۸۱۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نماز مغرب با جماعت ادا کر رہا تھا، ہمارے پیچھے دوسری جماعت کھڑی ہوئی تھی ،جس میں سے ایک آدمی نے نماز سے فارغ ہوکر مجھ کو انگلی کے اشارے سے روکا اورکہا میں دیکھ رہا تھا کہ تمہارا داہنا پاؤں ہلتا ہے، پھر چند نمازی اور بھی یہی بات کہنے لگے پاس میں باہر امام مسجد کھڑے ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ داہنا پاؤں ہلنے سے نماز نہیں ہوتی ؛اس لئے تمہاری نماز نہیں ہوئی ؛ لہٰذا قانون شریعت کی روشنی میں یہ مسئلہ درست ہے یا غلط؟ اس پر روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالرحیم، سرائے کھجور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستفتی سے زبانی کیفیت معلوم کی گئی عام طور سے سجدہ اور جلسہ میں پیر جس کیفیت پر ہوتا ہے، اس کو ہلنے سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا نماز درست ہوگئی ہے، نیز مستفتی نے رکوع وسجدہ کر کے دکھلایا ہے، اس اعتبار سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی ؛البتہ اگر سجدہ وغیرہ میں دونوں پیر ایک رکن کی مقدار اٹھائے رکھے تو نماز فاسد ہوجائے گی ورنہ نہیں۔

وإن حرک رجلیه تفسد (وقوله) قال بعضهم إن حرک رجلیه قلیلا لاتفسد صلوته......وهو الأ وجه. (عالمگیري، کتاب الصلاة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة،......الفصل الأول فیما یفسدها، زکریا ۱/ ۱۰۳، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۱۶۱)

وإن حرک رجلا واحدا لاعلی الدوام، لاتفسد صلاته، وإن حرک رجلیه تفسد صلاته، واعتبر هذا القائل العمل بالرجلین بالعمل بالیدین

والعمل برجل واحد بالعمل بيد واحدة، وقال بعضهم: إن حرک رجليه قليلا، لاتفسد صلاته، وإن فعل ذلک کثيرا، تفسد صلاته. (المحيط البرهاني، کتاب الصلاة، الفصل الخامس، مايفسد الصلاة، وما لا يفسد، المجلس العلمي جديد ۲/۱۶٤، رقم: ۱٤۷٦، الفتاوى التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل الخامس، مايفسدالصلاة، وما لا يفسد،زکريا۲/ ۲۳۵، رقم: ۲۲۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۱۰)

نماز میں داہنا پاؤں ایک جگہ جمائے رکھنا

سوال [۲۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا نماز میں داہنے پاؤں کا ازابتداء تاانتہا ایک ہی جگہ پر جمائے رکھنا ضروری ہے ورنہ نماز فاسد ہونے کا خطرہ ہے؟ اس مسئلہ کی تصریح فرمائیں۔

المستفتی: وحید اللہ خان، فرخ آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز فاسد نہیں ہوتی۔

وإن حرک رجلا واحدة لاعلى الدوام لا تفسد الصلاة. (فتاوى عالمگيري، کتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، الفصل الأول فيما يفسدها، زکريا۱/۱۰۳، جديد زکريا ديوبند ۱/ ۱٦۱، البناية، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يکره فيها، اشرفية ۲/٤٤۹، البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب ما يفسد ومايکره فيها، کوئٹه۲/۱۳، زکريا ۲/ ۲۲)

ہاں بلاعذر کے صرف ایک پیر پروزن دے کر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

ويکره القيام على أحد القدمين في الصلاة الخ (شامي، کتاب الصلاة،

بـاب صـفة الـصلاة، بحث القيام، زكريا ۲/ ۱۳۱، كراچي ۱/ ٤٤٤، مصري ۱/ ٤١٤، الـجوهرة النيرة، كتـاب الـصلاة، باب صفة الصلاة، دارالكتاب ديوبند ۱/ ٥٩، الفتاوى التـاتـارخانية، كتاب الـصلاة، الـفـصـل الـرابـع، ومـايـكره للمصلي و ما لا يكره، زكريا ۲/ ۲۰۸، رقـم:۲۱۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۹۹)

رکوع وسجدہ میں انگوٹھے کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا

سوال [۲۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بحالت نماز رکوع وسجود کی ادائے گی کے وقت داہنے پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹنے پر نماز کی صحت میں تو کوئی فرق نہیں آتا، ایسا تو نہیں کہ نماز مکروہ ہوجائے؟ برائے کرم مذکورہ سوال کا جواب دے کراز روئے شریعت مشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد یونس ایس ایم زادہ کمپنی مصطفیٰ باد، کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا مسنون ہے، اگر داہنے پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹانے کی وجہ سے قبلہ رخ نہ رہے تو خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا ورنہ نہیں۔

قـال: أبو حميد الساعدي: ......واستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة الحديث. (صـحـيـح الـبـخـاري، كتاب الصلاة، باب سنة الجلوس في التشهد ۱/ ۱۱٤، رقم: ۸۲۰، ف:۸۲۸، صحيح ابن خزيمة المكتب الإسلامي ۱/ ۳٥۰، رقم:٦٥۱)

بـل الـمصرح به أن توجيهها نحو القبلة سنة يكره تركها الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچی ۱/ ٥۰۰، زكريا ۲/ ۲۰٥، كوئٹه ۱/ ۳۷۰)

وفي الدر المختار ويستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة ويكره إن لم يفعل ذلک كما يكره، لو وضع قدماً ورفع أخرىٰ بلا عذر الخ.

(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، کراچی ۱/ ۵۰٤،زکریا ۲/ ۲۱۰، کوئٹہ ۱/ ۳۷۲)

ويكره أن يحرف أصابع يديه أو رجليه عن القبلة في السجود وغيره.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع، مايكره للمصلي وما لا يكره زکریا ۲/ ۲۰۹، رقم: ۲۱۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۴۶)

داہنے پیر کا انگوٹھا ہلنے سے نماز کا حکم

سوال [۲۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرام جواہر نگر تاج مسجد میں جو بھی امام رکھتے ہیں مہینے میں دس دن نماز پڑھاتے ہیں، بیس دن اپنے گھر رہتے ہیں اور باہر کے امام صاحب نہ ہی اذان پڑھتے ہیں اور نہ ہی بچے پڑھاتے ہیں؛ بلکہ نماز پڑھا کر محلّہ میں جابجا گھر بیٹھنا اٹھنا شروع کر دیتے ہیں، امام صاحب کی اس بات سے لوگ خلاف ہوجاتے ہیں، اگر امام صاحب اپنے گھر چلے گئے تو ۸؍ دن میں آتے ہیں، ہم لوگ مزدور طبقہ ہیں مزدوری کرنے چلے جاتے ہیں کئی کئی دن ہوجاتے ہیں کہ اذان نماز نہیں ہوتی؛ لہٰذا ایک دن ایک میت ہوگئی امام صاحب گھر چلے گئے تھے، اچانک ایک مولانا ہماری بستی کے آئے وہ باہر امامت کرتے ہیں، ہم سب بستی والوں نے جمع ہوکر سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنی بستی کے مولانا کو رکھ لیں؛ کیونکہ باہر کا امام باہر کا ہوتا ہے نہ ہی کوئی شکایت ہم کو مولانا سے ہے نہ ہی مولانا کو ہم سے ہے، دوسری بات یہ ہے ہماری بستی کے مولانا کے داہنے پیر کا انگوٹھا جنبش کرتا ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ سیکڑوں آدمیوں کا انگوٹھا ہل جاتا ہے سبھی کی نماز میں فرق آجاتا ہے، ہم سبھی بستی والوں نے بستی والے مولانا کو

رکھ لیا: لہٰذا آپ تحریر کریں کہ کیا انگوٹھا ہل جانے سے نماز جائز ہو جاتی ہے؟ آپ تحریر کریں کہ امام صاحب کا داہنے پیر کا انگوٹھا ہلا یعنی جنبش کر گیا تو نماز فوت ہو جائے گی؟

المستفتی: انتظامیہ کمیٹی تاج مسجد جواہر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی۔

وإن حرك رجلا واحدة لاعلى الدوام لا تفسد الصلاة.

(فتاوى عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، الفصل الأول فيما يفسدها، زكريا ١/١٠٣، جديد زكريا ديوبند ١/١٦١، البناية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، اشرفية ٢/٤٤٩، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، كوئٹه ٢/١٣، زكريا ٢/٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵؍۱۶۲۷)

دوران نماز امام کا انگوٹھا اور قرأت کے وقت گردن کا ہلنا

سوال [۲۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد کے امام صاحب کا نماز پڑھاتے وقت داہنے پیر کا انگوٹھا آگے پیچھے ہوتا ہے اور قرأت کرتے وقت گردن بھی ہلتی ہے، تو اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلیم مسجد ہلال، پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں بوقت قرأت گردن ہلنے اسی طرح داہنے پیر کا انگوٹھا آگے پیچھے ہو جانے سے نماز میں کوئی خلل نہیں آتا؛ اس لئے اگر اس طرح

کا فعل امام صاحب سے ہوجائے تو تمام لوگوں کی نماز درست ہوجائے گی، کسی کی نماز میں کوئی فرق نہیں آئے؛ البتہ انگوٹھے وغیرہ کا نہ ہلنا بہتر ہے، تاہم ایسے شخص کی امامت بلاکراہت درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲/۱۵۱، محمودیہ قدیم ۱۵/۵۰، جدید ۳/۶۱۵)

وحررناه في شرح الملتقي وفيه يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلا لم تجز ......والناس عنه غافلون. (در مختار) والحاصل أن المشهور في كتب المذاهب اعتماد الفرضية والأرجح من حيث الدليل والقواعد عدم الفرضية، ثم الأوجه حمل عدم الفرضية على الوجوب. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچی ۱/۵۰۰، زكريا ۲/۲۰۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/۷٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۷ھ

نماز میں پیر کا انگوٹھا ہلنا

سوال [۲۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں مصلیان کے درمیان یہ بحث ہوگئی کہ نماز میں پیر کا انگوٹھا نہیں ہلنا چاہئے، اس سے نماز نہیں ہوتی؛ اس لئے ہم لوگ آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ صحیح مسئلہ بتا کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: محمد جابر مانپور امروہہ گیٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں مصلیوں کی یہ بات کہ نماز میں داہنے پیر کا انگوٹھا ایک ہی جگہ رہے اور ہلنا درست نہیں ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اگر نماز میں پیر کا انگوٹھا ہل گیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲/۱۵۲)

ویفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلا لم تجز.
(درمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، کراچی ۱/۱۱ ۵، زکریا ۲/ ۲۰۴)

وإن وضع إصبعا واحدة ، فلو وضع ظهر القدم دون الأصابع...... تجوز صلاته. (فتاوی عالمگیري، کتاب الصلاة باب صفة الصلاة، زکریا ۱/ ۷۰، جدید زکریا دیوبند ۱/۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۷۹/۳۵)

نماز میں پاؤں کو آگے پیچھے کرنا

سوال [۲۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں دونوں پاؤں کا سلام تک متصل رہنا فرض ہے؛ البتہ بائیں پاؤں میں گنجائش ہے کہ سجدہ وغیرہ میں تھوڑا بہت اٹھ جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، ہاں اگر دایاں پاؤں ایک سکنڈ کے لئے بھی زمیں سے علیحدہ ہو جائے، تو کیا اس سے نماز فاسد ہوجائے گی؟ اور کیا نماز کا عادہ لازم اور واجب ہے؟

المستفتی: ماسٹر سکندر علی رحمت گنج مسوڑھی پٹنہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں داہنے یا بائیں پیر کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا نہ مفسد صلوۃ ہے نہ مکروہ ہے؛ البتہ قصداً بلا ضرورت پیر کو آگے پیچھے کرنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے اور یہ کہنا کہ نماز میں دونوں پاؤں کا متصل رہنا فرض ہے اور اگر دایاں پاؤں ایک سکنڈ کے لئے زمین سے الگ ہوجائے تو نماز فاسد ہوجائے گی، حکم شرعی ایسا نہیں ہے، ایسی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی؛ البتہ بلا ضرورت بلا وجہ پاؤں کو ہلاتے رہنا یا اٹھانا مکروہ ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/۱۱۹)

ومن لوازمه (الخشوع) ظهور الذل وغض الطرف وخفض الصوت وسكون الأطراف. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، ومايكره فيها، كراچی ١/٦٤١، زكريا٢/٤٠٧)

عن جابر بن سمرةؓ، قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم: فقال مالي أرأكم رافعي أيدكم كانها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة. (مسلم شريف، كتاب الصلاة، باب الأمر بالسكون في الصلاة، ١/١٨١، بيت الأفكار رقم: ٤٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۵۰/۳۶)

بلا عذر ایک رکن میں دو بار کھجلانا

سوال [۲۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے نماز ظہر پڑھائی بعد سلام خالد نے فرمایا کہ جو بائیں طرف کھڑا تھا اس کی نماز نہیں ہوئی؛ کیونکہ امام نے رکوع میں اپنی آنکھ کو دو بار کھجلایا ہے (پوری رکعت) میں نے دیکھا ہے، امام نے فرمایا کہ میری آنکھ میں تکلیف ہے؛ کیونکہ مجھے چار چھ روز جاڑا بخار رہا ہے، بایں وجہ ممکن ہے میرا ہاتھ آنکھ پر پہونچ گیا ہوگا، اس پر خالد نے تیور بدل کر فرمایا نماز نہیں ہوئی، امام نے کہا میری نماز تو ہوگئی، مگر آپ کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھ لو؛ چنانچہ خالد کا دوسری نماز پڑھنا اور نماز میں تجسس کرنا اور امام کو رسوا کرنا اور نماز میں دیکھنا کیسا ہے؟ آیا نماز ہوئی یا نہیں مفصل تحریر فرمائیں، محلہ میں نزاع ہو رہا ہے، یہ سب اس کے تحت ہوا کہ امام کو ہٹانا اور اپنا اقتدار قائم کرنا ہے؛ چنانچہ شب میں میٹنگ ہوئی اور دن میں اعتراض پیش آ گیا۔

المستفتی: حاجی عبد السلام انصاری، منگلو شاہ، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز دونوں کی ہوگئی اورامام صاحب کی نماز بلاکراہت صحیح ہوگئی؛ کیونکہ عذر کی وجہ سے ایک دو بار کھجلانے سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۴۱۶، فتاوی دار العلوم ۴/۱۴۵)

ولو حک المصلي جسده مرة، أو مرتين متواليتين لاتفسد صلاته للقلة.

(حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب مفسدات الصلاة، اشرفيه ١/٤٤٨، البنايه، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، اشرفيه ديوبند ٢/٤٤٩)

عن إبن جريج رضـ، قال: قلت لعطاء: الرجل يتمطى في الصلاة -إلى- قلت: فا لا حتكاک في الصلاة، والارتداء والاتزار في الصلاة، قال: كل ذلک لا تفعله في الصلاة. (مصنف عبد الرزاق، باب التحريك في الصلاة ٢/٢٦٣، رقم:٣٢٩٦)

اورمقتدی کی نماز مکروہ ہوگئی؛ کیوں کہ بلاضرورت ادھراُدھر نماز میں متوجہ ہونے سے خشوع وخضوع میں فرق آجاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/۱۱۹)

قال أبو ذر: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لايزال الله عزوجل مقبلا على العبد وهو في صلاته مالم يلتفت، فإذا التفت انصرف عنه.

(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الالتفات في الصلاة، النسخة الهندية ١/١٣١، دارالسلام رقم:٩٠٩)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن الالتفات في الصلاة؟ فقال: هو اختلاس يختلسه الشيطان من صلاة العبد. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب الإلتفات في الصلاة ١/١٠٤، رقم:٧٤٢، ف:٧٥١)

نیز اگر امام کے اندر کوئی شرعی برائی، فسق وفجور نہیں تو محض بعض مقتدیوں کی مخالفت اورعناد کی وجہ سے امام کو علاحدہ کردینا جائز نہیں۔

فأما الكراهة لغير الدين فلاعبرة بها، وقيدوه أيضا، بأن يكون الكارهون أكثر مأمومين، ولااعتبار بكراهة الواحد والإثنين، والثلاثة، إذا كان المؤتمون جمعا كثيراً. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، دارالبشائر الإسلامية ۳/ ۴۷۵، سهارنپور قديم ۱/ ۳۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۰)

ایک رکن میں عذر یا بلا عذر متعدد بار کھجلانا

سوال [۲۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کے امام صاحب ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے، نماز کے دوران تیسری رکعت کے رکوع میں جاتے ہی ہاتھ اٹھا کر آنکھ کھجلانا شروع کر دیا، کبھی ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے، پھر دوبارہ ہاتھ اٹھا کر آنکھ کھجلانے لگتے، اس طرح کئی بار مسلسل کیا یہ ہاتھ اٹھانا اور آنکھ کھجلانا اور پھر گھٹنوں پر رکھنا ایک ہی رکن میں تین بار سے زائد کیا، اس طرح چوتھی رکعت کے رکوع میں بھی تو کیا اس صورت میں نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم قاسمی، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا عذر ایک بار بھی کھجلانا مکروہ تحریمی ہے اور بوقت عذر ایک بار دوبار کھجلانے سے بلا کراہت نماز ادا ہوجاتی ہے اور تین بار اس طرح کھجلانا کہ درمیان میں بقدر رکن توقف نہ ہو تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اگر چہ بوقت ضرورت ہی ہو جیسا کہ سوال نامہ سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے۔

عن إبن جريجؒ، قال: قلت لعطاء-إلى-قلت: فالاحتكاك في الصلاة،

والارتداء والاتزار في الصلاة، قال: كل ذلک لاتفعله في الصلاة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب التحريك في الصلاة ٢/٢٦٣، رقم:٣٢٩٦)

وإن حک ثلاثًا في ركن واحد تفسد صلاته، إذا رفع يده في كل مرة وإلافلا تفسد، لأنه حک واحد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب مفسدات الصلاة، دارالكتاب ديوبند جديد ٣٢٣)

الحک بيد واحدة في ركن ثلث مرات يفسد الصلاة، إن رفع يده في كل مرة الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، كراچی ١/٦٤٠، زكريا ٢/٤٠٧، مطبوعة كوئٹه ٤٧٣، احسن الفتاوی ٣/٤١٦)

معلوم ہوا کہ مذکورہ صورت میں نماز فاسد ہوگئی لوٹانا واجب ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵؍۴۹۰)

ایک رکن میں تین مرتبہ کھجلانا

سوال [۲۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احسن الفتاوی باب مفسد صلوۃ میں تحریر ہے کہ بلاضرورت ایک بار بھی کھجلانا مکروہ تحریمی ہے اور نماز واجب الاعادہ ہے، اگر ضرورت ہی پیش آجائے تو ایک بار کھجلانا بلاکراہت جائز ہے اور تین بار کھجلانے میں اگر بقدر رکن توقف نہ ہوتو مفسد صلوٰۃ ہے، چاہے ضرورت سے ہی ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳؍۴۱۶)

اگر مزید یہ عمل کثیر کررہا ہے اور باز نہیں آتا ہے تو وضاحت فرمادیں کہ نمازیں لوٹانا ضروری ہے یا نہیں اور جو مصر ہو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد کلیم، عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے اندر خشوع وخضوع مطلوب ہے بلاضرورت کھجانا خشوع وخضوع کے خلاف ہے؛ لہٰذا بلاضرورت ایک مرتبہ بھی کھجانا مکروہ ہے اور ضرورت کی وجہ سے ایک رکن میں ایک دودفعہ کھجانا بلاکراہت جائز ہے اور تین مرتبہ یا اس سے زائد کھجانے کی صورت میں نماز فاسد ہوتی ہے یانہیں تو اس مسئلہ کا مدار عمل کثیر پر ہے اور عمل کثیر کے بارے میں پانچ اقوال ہیں، ایک قول وہی ہے جو احسن الفتاوی میں مذکور ہے، مگر راجح اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ عمل کثیر اسی کو قرار دیا جائے کہ جس عمل کی وجہ سے دیکھنے والے لوگ اس نمازی کو یوں سمجھیں کہ یہ شخص نماز کے اندر نہیں ہے؛ بلکہ نماز سے باہر ہے تو اگر تین مرتبہ یا اس سے زیادہ کھجانے کی صورت میں اس شخص کو دیکھنے والے نماز ہی میں سمجھیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور جولوگ خارش کے مرض کے شکار ہیں شدید کھجلی کی وجہ سے بعض دفعہ ایک رکن میں تین مرتبہ سے زائد بھی کھجانا پڑ جاتا ہے اس کے بغیر نماز میں بے چینی پیدا ہو جاتی ہے اور دیکھنے والے اس کو خارج نماز نہیں سمجھتے؛ اس لئے ایسے حالات میں نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (مستفاد: حاشیہ امداد الفتاوی ۱/۴۲۳)

وفيه أقوال خمسة: أصحها ما لايشک بسببه الناظر من بغيد في فاعله، أنه ليس فيها (درمختار) وفي الشامية: صححه في البدائع وتابعه الزيلعي، والوالجي وفي المحيط، أنه الأحسن وقال صدر الشهيد، إنه الصواب و في الخانية والخلاصة: أنه اختيار العامه. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و ما يكره فيها، كراچی ۱/ ۶۲۴، زكريا ۲/ ۳۸۵)

ولوحک جسده بأصبع واحدة مرات متواليات تفسد صلاته، وفي الفتاوى الخلاصة: إذا حک ثلاثا في ركن واحد تفسد صلاته، هذا إذا رفع يده في كل مرة، أما إذا لم يرفع في كل مرة فلا تفسد؛ لأنه حک واحد.

(الفتاوی التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس ما يفسد الصلاة، وما يكره يفسد،

زکریا ۲/ ۲۳۵، رقم:۲۲۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۰۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۸؍۱۴۲۷ھ

ایک رکن میں چار مرتبہ کھجلانا

سوال [۲۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک رکن میں دو تین چار مرتبہ سر کھجلانے یا ڈاڑھی پر ہاتھ لیجانے یا کپڑوں کو درست یا بدن کو کھجلانے یا سجدہ میں جانے پر ٹوپی گر جائے تو اٹھا کر پہن لینے سے نماز باقی رہے گی یا فاسد ہو جائے گی؟

المستفتی: ذکاء اللہ جامع مسجد، چھاؤنی اندور (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک رکن میں بلا ضرورت ایک مرتبہ یا دو مرتبہ سر یا داڑھی کھجانے سے یا کپڑا درست کرنے سے یا بدن کھجانے سے نماز مکروہ ہوتی ہے اور اگر تین مرتبہ یا اس سے زائد کرلیا ہے تو بلا ضرورت کرنے کی صورت میں نماز فاسد ہو جاتی ہے، اگر ضرورت کی وجہ سے کیا گیا ہے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی؛ البتہ کراہت ضرور آئے گی اور ٹوپی گر جانے کی صورت میں ایک ہاتھ سے ٹوپی اٹھا کر سر پر رکھنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۲۲۴، احسن الفتاوی ۳/ ۴۱۶)

کره كفه و عبثه به، أي بثوبه وبجسده للنهي إلا لحاجة، وفي الشامية: الحك بيد واحدة في ركن ثلاث مرات يفسد الصلاة، إن رفع يده في كل مرة. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، وما يكره فيها، كراچی ١/ ٦٤٠، زكريا ٢/ ٤٠٦، ٤٠٧)

إذا حك موضعا من جسده ثلاث مرات بدفعة واحدة تفسد صلاته،

وفي الذخيرة لو عبث بلحيته أو حک بعض جسده لا تفسد، قيل: هذا إذا فعله مرة، أو مرتين وكذا لو فعله إذا فصل بين كل مرتين، فإن كان ذلک متواليا تفسد. (البنايه، باب ما يفسد الصلاة، و ما يكره فيها، اشرفيه ۲/۴٤۹)

ولو سقطت قلنسوته فإعادتها أفضل. (در مختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و ما يكره فيها، كراچی ۱/ ٦٤٠، زكريا ۲/۴۰۸)

وإن عبث بلحيته، أو حک بعض جسده، لاتفسد صلاته قيل: هذا إذا فعل ذلک مرة أو مرتين، وكذلک إذا فعل مرارًا؛ ولكن بين كل مرتين فرجة، فأما إذا فعل ذلک مرارا متواليات، تفسد الصلاة. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس ما يفسد الصلاة، و مالا يفسد، المجلس العلمي جديد ۲/ ۱٦٥، رقم: ۱٤٨۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۲۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۸/۱۴۳۵ھ

ایک رکن میں پانچ دفعہ کھجلانا مفسد صلاۃ ہے

سوال [۲۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نماز پڑھانے کے دوران ایک رکن میں تقریبا پانچ دفعہ کھجاتا ہے اور جب عمرو اس سے کہتا ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو، تو وہ جواب دیتا ہے کہ یہ میری عادت بنی ہوئی ہے تو آیا اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر نماز فاسد ہوگئی ہے تو ایسی حالت میں پڑھائی ہوئی نمازوں کا اعادہ کیا جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اخلد، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک رکن میں تسلسل کے ساتھ تین مرتبہ سے

زائد کھجانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس میں یہ شرط ہے کہ ہر مرتبہ ہاتھ کو کھجانے کے لئے اوپر کو اٹھاتا ہو اور اگر اوپر کو اٹھائے بغیر کھجاتا ہے تو تسلسل کے باوجود نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اور اسی طرح اگر وقفے وقفے سے ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ سے زائد کھجاتا ہے تو بھی نماز فاسد نہیں ہوتی، امام صاحب نے جو یہ کہا کہ میری عادت بنی ہوئی ہے اس سے یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ تسلسل کے ساتھ کھجاتے ہیں یا وقفہ وقفہ سے اور ہاتھ اٹھا کر کھجاتے ہیں یا یوں ہی اس کی صراحت نہیں ہے پھر بھی امام صاحب پر لازم ہے کہ اس طرح کی عادت چھوڑ دیں ورنہ کبھی نماز فاسد ہو سکتی ہے اور عام طور پر جو لوگ کھجاتے ہیں وہ تسلسل کے ساتھ نہیں کھجاتے ہیں؛ بلکہ وقفے وقفے سے کھجاتے ہیں؛ اس لئے نماز فاسد ہونے کی بات ثابت نہیں ہوتی؛ لیکن امام صاحب کو اس سلسلہ میں احتیاط کرنا لازم ہے۔

ولو حک المصلي جسده مرة، أو مرتين متواليتين لا تفسد صلاته للقلة، وكذا لا تفسد إذا فعل ذلک الحک مرارًا غير متواليات......ولو فعل ذلک مرارًا متواليات أي في ركن واحد تفسد صلاته؛ لأنه كثير هذا إذا رفع يده في كل مرة، أما إذا لم يرفع يده في كل مرة فلا تفسد صلاته؛ لأنه حک واحد. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب يفسد الصلاة، اشرفية۸ ٤ ٤)

الحركات الثلاث المتوالية كثير وإلا فقليل. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، و ما يكره فيها زكريا ۲/ ۳۸۵، كراچی ۱/ ٦۲۵)

إذا حک ثلاثا في ركن واحد تفسد صلاته هذا إذا رفع يده في كل مرة، أما إذا لم يرفع في كل مرة فلا تفسد، ولو كان الحک مرة واحدة يكره. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد و مالا يفسد، زكريا ۱/ ١٠٤، جديد زكريا ديو بند ۱/ ١٦٢-١٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍ ۱۰۹۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍ ۱؍ ۱۴۳۴ھ

(۱۷) باب قضاء الفوائت

صاحب ترتیب کون ہے؟

سوال [۲۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صاحب ترتیب کس کو کہتے ہیں، جس کی پانچ نمازیں اکٹھی کبھی قضاء نہ ہوئی ہوں یا بالغ ہونے کے بعد سے اب تک یا بالغ ہونے کے بعد بہت سی نمازیں قضاء ہوئیں، مگر قضاء نمازوں کو ادا کرلیا تو یہ آدمی صاحب ترتیب ہوگا؟

میری عمر تیس سال ہوئی کبھی کبھی پانچ پانچ وقت اور کبھی دس وقت کی نمازیں قضاء ہوتی ہیں مگر اب میرے ذمہ کوئی نماز قضاء نہیں ہے تو اب صاحب ترتیب ہوں یا نہیں؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کے ذمہ چھ نمازیں قضاء نہیں ہیں وہ صاحب ترتیب کہلاتا ہے، خواہ بالغ ہونے کے بعد اکٹھی چھ نمازیں اس کی قضاء نہ ہوئی ہوں یا قضاء تو ہوئیں؛ لیکن اس نے تمام کی قضاء کرلی دونوں صورتوں میں وہ صاحب ترتیب ہے؛ لہٰذا جب آپ نے تمام چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضاء کرلی ہے تو اب آپ صاحب ترتیب ہوگئے۔

(وصيرورتها ستا) أي ويسقط الترتيب بصيرورة الفوائت ست صلوات. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، كوئٹه ٢/ ٨٤، زكريا ٢/ ١٤٩)

وقيد بقضاء البعض؛ لأنه لو قضى الكل عاد الترتيب عند الكل.

(شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، كراچی ٢/ ٧٠، زكريا ٢/ ٥٢٩)

ويسقط الترتيب بضيق الوقت، والنسيان، وصيرورتها ستا: أي بصيرورة الفوائت ستا، وبكل واحد من هذه الثلاثة يسقط الترتيب.

(تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، امدادیه ملتان ۱/۱۸۶، زکریا ۱/۴۶۰، الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلاۃ، الفصل العشرون قضاء الفائته ۲/۴۴۵، رقم:۲۹۲۹، ۲۹۳۰، هندیة، کتاب الصلاۃ، الباب الحادي العشر في قضاء الفوائت ۱/۱۲۳، جدید زکریا دیوبند ۱/۱۸۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/۱۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱/۱۴۲۰ھ

محض توبہ اور ندامت سے آدمی صاحب ترتیب نہیں بنتا

سوال [۲۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسلمان اور جان کار آدمی ہے؛ لیکن اب نماز کا پابند ہوتے ہوئے بھی اتفاقاً کوئی کوئی نماز چھوٹنے پر ادائیگی میں تاخیر اور زیادہ تاخیر ہونے پر قضاء کی ادائے گی سے محروم رہتا ہے، اب وہ اپنی سابقہ لاپرواہی پر ندامت کا احساس کرتے ہوئے اپنے آپ کو مجرم سمجھ کر یہ عہد کرتا ہے کہ انشاء اللہ آئندہ کبھی ایسی زندگی ہرگز نہیں گذرنے دونگا کہ کوئی نماز میرے اوپر ادائے گی سے باقی رہے اور جو نمازیں کبھی وقت پر ادا نہ ہوں گی فوراً قضا کروں گا؛ تو ایسی صورت میں اب زید صاحب ترتیب کہلائے گا یا نہیں اور صاحب ترتیب کی کیا فضیلت ہے؟

المستفتی: محمد راشد اختر پارس منی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محض توبہ کرنے اور نادم ہونے سے صاحب ترتیب نہیں بنے گا؛ بلکہ بالغ ہونے کے بعد سے جو نمازیں اس کے ذمہ باقی ہیں ان سب کی قضاء پوری کرنے سے صاحب ترتیب کہلایا جاسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں۔

قلت بعد الكثرة أو لا فإنه لما قضى صلوات الشهر إلا فرضا أو فرضين قلت الفوائت بعد الكثرة فلا يعود الترتيب إلا أن يقضي الكل.

(شرح وقايه، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، اشرفی ۱/۱۸۳، هداية، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، اشرفي ۱/۱۵۵، الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل العشرون قضاء الفوائت، زكريا ۲/۴۴۶، رقم:۲۹۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۲۵ھ

فوت شدہ نمازوں کی قضاء کر کے صاحب ترتیب بنا جاسکتا ہے

سوال [۲۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی بہت سی نمازیں فوت ہیں اور وہ اب صاحب ترتیب بننا چاہتا ہے، تو کس طرح فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرے کہ وہ صاحب ترتیب ہو جائے اور کس نماز سے شروع کرے؟

المستفتی: معراج الدین لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مکمل فوت شدہ نمازوں کی قضا کرے گا تو صاحب ترتیب ہو جائے گا۔

وقيد بقضاء البعض؛ لأنه لو قضى الكل عاد الترتيب عند الكل.

(شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، كراچی ۲/۷۰، زكريا۲/۵۲۹)

فوت شدہ نمازوں کی قضاء کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ظہر کی قضاء ہے تو یہ نیت کرے کہ بالغ ہونے کے بعد سب سے پہلی ظہر کی جو نماز فوت ہوگئی تھی اس کی قضا کر رہا ہوں یا فوت شدہ میں سب سے آخری ظہر کی قضاء کر رہا ہوں اور اگر صرف یہ ہے کہ فائتہ ظہر کی قضاء کر رہا ہوں تو بھی درست ہے۔

ومن قضی الفوائت ینوي أول ظهر لله علیه، أو آخر ظهر لله علیه احتیاطاً، ولو لم یقل الأول والآخر وقال نویت الظهر الفائتة جاز. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، زکریا ۲/۱۵۹، کوئٹه ۲/۹۰)

وإذا کثرت الفوائت یحتاج لتعیین کل صلاۃ، فإن أراد لتسهیل الأمر علیه نوی أول ظهر علیه، أو آخره. (نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، امدادیه دیوبند ۱۰۷، الفتاوی التاتار خانیة، کتاب الصلاۃ، الفصل العشرون قضاء الفوائت، زکریا ۲/۴۵۴، رقم:۲۹۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵۹۹/۳۲)

چھ سے زائد نماز چھوٹ جائیں تو پھر صاحب ترتیب کب بنے گا؟

سوال [۲۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب ترتیب ہے کسی موقع پر اس نے چھ نماز سے زائد ترک کردیں، جس کی وجہ سے اس کی ترتیب ٹوٹ گئی ہے تو اب وہ شخص صاحب ترتیب کیسے بنے گا؟

المستفتی: عبد اللہ، لالباغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی صاحب ترتیب سے چھ سے زائد نمازیں فوت ہوجائیں تو وہ ساری فوت شدہ نمازیں دوبارہ قضا کرلے تو اس کی ترتیب لوٹ آئیگی اور وہ شخص دوبارہ صاحب ترتیب شمار کیا جائے گا۔

لو قضی الکل...... عاد الترتیب عند الکل. (قهستانی ۱۵۴)

لأنه لو قضی الکل عاد الترتیب عند الکل کما نقله القهستاني.

(شامي، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، کراچی ۲/ ۷۰، شامي، زکریا ۲/۵۲۹)

لو قضى الكل عاد الترتيب عند الكل. (شرح وقايه، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت ٢٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۰/۴۰)

کیا قضاء نماز ادا کرنے سے ترتیب لوٹ آئے گی؟

سوال [۲۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص صاحب ترتیب ہے اور اس کی کوئی نماز فوت ہو جائے تو فائتہ کے یاد ہوتے ہوئے اگر فائتہ کی قضاء نہیں کی اور وقتیہ پڑھ لی تو فساد موقوف کے طریقہ پر وقتیہ فاسد ہوتی ہے، اس طرح اس نے پانچ نمازیں پڑھ لیں اور فائتہ کی قضا نہیں کی چھٹی کا وقت آ گیا تو ساری کی ساری نمازیں صحیح ہو جاتی ہیں، اب اس کے ذمہ بس وہی ایک نماز رہ گئی جو حقیقت میں چھوٹی تھی اور اگر چھٹی کا وقت آنے سے پہلے اس نے فائتہ کی قضا کر لی تو ساری کی ساری نمازیں فرضیت کے اعتبار سے باطل ہو جاتی ہیں اور نفل ہو جاتی ہیں تو دریافت یہ کرنا ہے کہ جو اس کے ذمہ ایک رہ گئی ہے اگر اس کی قضاء کر لے تو کیا پھر صاحب ترتیب ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد سعید اللہ، سٹھلہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں جو نماز اس کے ذمہ رہ گئی ہے اس کی قضا کر لینے سے دوبارہ ترتیب لوٹ آئیگی؛ لیکن اس کی زندگی کا وہ حصہ جو قضاء نماز سے پہلے کا ہے اس میں اس کو صاحب ترتیب نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ جس دن اس نے فوت شدہ نماز کی قضاء کی ہے اسی دن سے صاحب ترتیب کہا جائے گا، گویا کہ اس کی زندگی کا ایک حصہ بے ترتیبی کا گذر گیا اور وہ اب صاحب ترتیب بن رہا ہے اور صاحب ترتیب اس دن سے بن جاتا ہے کہ جس دن سے اس کے ذمہ کوئی پچھلی نماز باقی نہ رہے۔

لأنه لو قضى الكل عاد الترتيب عند الكل. (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، كراچی ۲/۷۰، زكريا ۲/۵۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الأول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۲ھ

صاحب ترتیب کو فوت شدہ نماز یاد آنے کا حکم

سوال [۲۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب ترتیب کی ظہر کی نماز قوت ہوگئی، پھر جبکہ وہ عصر کی دورکعت نماز جماعت کے ساتھ پڑھ چکا تھا، اس کو یاد آیا کہ میری ظہر کی نماز فوت ہوگئی تو اب ایسا شخص کیا کرے گا؟

المستفتی: محمد محمود الحسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر صاحب ترتیب کی کوئی نماز فوت ہوجائے، اور فوت شدہ نماز بھول جائے، اس کے بعد آگے کسی نماز کے درمیان یاد آجائے، تو اس نماز کو پوری کرنے کے بعد فوت شدہ نماز پڑھے گا اور پھر اس نماز کا بھی اعادہ کرے گا یا دوران نماز یاد آنے کی صورت میں نماز توڑ کر فوت شدہ نماز پڑھے گا؟ اس میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے، حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ جس نماز میں یاد آئی ہے، اس کو توڑ دے گا اور توڑ کر فوت شدہ نماز پڑھے گا اور حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: کہ جس نماز میں فوت شدہ نماز یاد آئی ہے پہلے اس نماز کو پوری کرے گا اس کے بعد فوت شدہ نماز پڑھے گا، پھر جس نماز میں یاد آئی ہے، اس کا بھی اعادہ کرے گا اور ان دونوں قولوں میں امام ابو یوسفؒ کا قول کو زیادہ راجح اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے؛ لہٰذا جس نماز میں

فوت شدہ نماز یاد آئی ہے پہلے اس کو مکمل کرے گا، پھر اس کے بعد فوت شدہ نماز پڑھے گا، پھر اس نماز کا اعادہ کرے گا جس میں یاد آئی ہے۔

اس مسئلہ سے متعلق روایات اور جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

عن نافع أن عبد الله بن عمر قال: من نسي صلاة من صلاته فلم يذكرها إلا وهو وراء الأمام فإذا سلم الإمام فليصل الصلاة التي نسيها، ثم ليصل بعد الصلاة الأخرىٰ.

عن ابن عمر رضي الله عنه ما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من نسي صلاةً فلم يذكرها إلا وهو مع الإمام فليصل مع الإمام، فإذا فرغ من صلاته فليعد الصلاة التي نسي، ثم ليعد الصلاة التي صلى مع الإمام. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصلاة، باب من ذكر صلاة وهو في أخرىٰ جديد دار الحديث القاهره ٢/ ٤٥٠، رقم: ٣١٩٣-٣١٩٥)

عن جابرؓ قال: جعل عمر يوم الخندق يسب كفارهم، فقال: ما كدت أصلي العصر حتى غربت الشمس، قال: فنزلنا بطحان فصلى بعد ما غربت الشمس، ثم صلى المغرب. (صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب قضاء الصلاة الأولىٰ فالأولىٰ ١/٨٤، رقم: ٥٩٠، ص: ٥٩٨)

من نام عن صلاة ان نسيها فلم يذكرها إلا وهو يصلي مع الإمام فليصل التي هو فيها، ثم ليقض التي تذكر، ثم ليعد التي صلى مع الإمام وهو خبر مشهور تلقته العلماء بالقبول، فيثبت به الفرض العملي ورتب النبي صلى الله عليه وسلم قضاء الفوائت يوم الخندق. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت، اشرفي ٤٤١، مثله في مجمع الأنهر ١/ ٢١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۲۰۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۱۰ھ

تراویح کی نماز فوت ہونے سے ترتیب باقی رہتی ہے یا ختم ہوجاتی ہے؟

سوال[۲۸۳۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس بار رمضان کے چاند کی اطلاع دیر سے ہوئی تو اس صورت میں اس رات کی تراویح بھی کیا واجب الاداء ہیں، اس دن کی تراویح نہ پڑھنے پر صاحب ترتیب پر کیا فرق پڑتا ہے؟ جواب سے نوازکر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: احقر انیس صدیقی، میونسپل کالونی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سے صاحب ترتیب پرکوئی اثر نہیں پڑتا۔

ولاتقضی إذا فاتت أصلا ولاوحده في الأصح. (الدر المختار، کتاب الصلاة، مبحث صلاة التراويح، کراچي ۲/ ٤٤، زکریا ۲/ ٤٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ر)

فوت شدہ نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہوتو قضاء کا طریقہ

سوال [۲۸۳۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی عمر ۲۲ رسال ہے اس کے ذمہ کچھ نمازیں باقی ہیں؛ لیکن ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے، اب وہ اپنی تمام نمازیں قضاء کرکے صاحب ترتیب بننا چاہتا ہے تو اس کی کیا شکل ہوگی واضح فرمائیں؟

المستفتی: محمد شمشاد لکڑی والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کو اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کی صحیح تعداد

معلوم نہیں ہے تو اس کے لئے نمازیں قضاء کرنے کی شکل یہ ہوگی کہ وہ اپنے وقت کی فرض نمازوں کے ساتھ ایک ایک یا جتنی چاہے نمازوں کی قضا کرتا رہے اور قضاء عمری کی نیت کرے، مثلاً بالغ ہونے کے بعد ظہر کی وہ پہلی یا آخری نماز ہے جو میرے ذمہ باقی ہے، اسی طرح عصر، مغرب، عشاء وتر اور فجر کی قضا کرتا رہے، جب اسے یقین ہوجائے کہ میری نمازیں ادا ہوگئیں تو پھر وہ صاحب ترتیب ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۶ ۳۳)

ولو نوى أول ظهر عليه أو آخر ظهر عليه جاز وهذا هو المخلص لمن لم يعرف الأوقات الفائتة، أو اشتبهت عليه، أو أراد التسهيل عليه. (الأشباه قديم ٦٠)

إذا أراد أن يقضي الفوائت، ذكر في فتاوى أهل سمرقند أنه ينوي أول ظهر لله عليه، وكذلك كل صلاة يقضيها. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل العشرون قضاء الفوائت، المجلس العلمي جديد ٢/ ٣٥٨، رقم:١٩٦٧، حاشية چلپي على تبيين الحقائق، امداديه ملتان ١/ ١٨٨، زكريا ١/ ٤٦٣، هندية كتاب الخنثى، مسائل شتى زكريا ٦/ ٤٤٣، جديد زكريا ديوبند ٦/ ٤٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۳۶)

عیسوی سن کے حساب سے قضاء نمازوں کی ادائے گی کا حکم

سوال [۲۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی عمر عیسوی سن کے حساب سے پچاس سال ہے، اب اس کو اپنی گذشتہ نمازوں کی فکر لاحق ہوئی، اب وہ قمری سال کا حساب کس طرح لگائے، ہجری سن چھوٹا اور عیسوی بڑا ہوتا ہے اور زکوۃ بھی گذشتہ سالوں کی ادا کرنی ہے، اگر عیسوی سال کے

حساب سے زکوۃ دیگا تو کئی سال کی زکوۃ اور نمازیں ضائع ہونے کا امکان ہے، اس کی آسان صورت تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد احمد گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز کی ادائے گی میں ایام کی تعداد کا اعتبار ہے؛ اور عیسوی سال کے حساب کے سے بھی نماز کی ادائے گی ہوسکتی ہے اور اس کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ اس طرح نیت کرے کہ بالغ ہونے کے بعد زندگی میں سب سے پہلے فجر کی جو نماز چھوٹ گئی ہے اسی طرح ظہر میں، عصر میں، مغرب میں، عشاء میں نیت کر کے قضاء عمری ادا کرتا جائے۔

ولـو نـوى أول ظهر عليه، أو آخر ظهر عليه جاز، لأن الصلاة تعينت بتعيينـه، وكـذا الـوقت تعين بكونه أولا أو آخرا، فإن نوى أول صلاة عليه وصلى فما يليه يصير أوَّلا أيضا فيدخل في نيته أول ظهر عليه ثالثا، وكذا ثالثا إلى مالايتناهى وكذا الآخر، وهذا مخلص من لم يعرف الأوقات التي فاتته أو اشتبهت عليه أو أراد التسهيل على نفسه. (تبيين الحقائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى امداديه ملتان ٦/ ٢٢٠، زكريا ٧/ ٤٥٢)

ولـو نـوى أول ظهـر عـليه أو آخر ظهر عليه جاز وهذا هو المخلص لـمـن لـم يـعـرف الأوقـات الـفائتة، أو اشتبهت عليه، أو أراد التسهيل على نفسه. (الأشباه قديم، زكريا ٦٠، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، دارالكتاب ديوبند جديد ٤٤٦، شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، كراچي ٢/ ٧٦، زكريا ٢/ ٥٣٨)

اور زکوۃ کی ادائیگی ہجری سال کے اعتبار سے لازم ہے، عیسوی ۳۶ سال میں ہجری ۳۷ر سال ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا اس حساب سے ہر سال کی زکوۃ ہجری سال کے اعتبار

سے نکال دیا کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۸/۲۴ھ

سنتوں کی قضا

سوال [۲۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سفر کے دوران غیر ملقدین حضرات کی مسجد میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا، انہوں نے عصر کی اذان ونماز ایسے وقت میں ادا کی جو کہ وقت عصر حنفی کے بہت پہلے تھا، میں نے سنتیں سنتوں ہی کی نیت سے پڑھی اور جماعت میں شریک ہوا، بعد میں وقت عصر حنفی ہوجانے پر فرض کا اعادہ کرلیا، کیا سنتوں کا بھی اعادہ کرنا چاہئے تھا؟ سنتوں کے اعادہ نہ کرنے پر میرے صاحب ترتیب ہونے پر کوئی فرق تو نہیں آیا؟

المستفتی: اقتدار انیس صدیقی، اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سنتوں کا اعادہ لازم نہیں ہوتا، نیز سنتوں کا اعادہ نہ کرنے کی وجہ سے آپ کے صاحب ترتیب ہونے میں کوئی اثر نہیں پڑسکتا ہے۔

ولا تقضی إذا فاتت أصلاً (إلی قوله) كسنة مغرب، وعشاء الخ

(الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زکریا ۲/۴۹۵، کراچی ۲/٤٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۴۷)

فوت شدہ نمازوں کی قضاء برسر عام نہ کی جائے

سوال [۲۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص پابند نماز ہے اتفاق سے آج اس کی نماز قضاء ہوگئی تو کیا اس قضاء نماز کو مسجد میں آکر ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے؟

المستفتی: مولوی سلامت اللہ، مدرس مدرسہ تعلیم القرآن، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قضاء نماز اگر اس طرح پڑھے کہ حتی الوسع کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ نفلیں پڑھ رہا ہے یا قضاء تو مسجد میں بھی بلا کراہت درست ہے اور اگر قضاء کا اظہار کر کے پڑھ رہا ہے تو مسجد وغیر مسجد ہر جگہ مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۸/۴، فتاوی دارالعلوم ۳۲۹/۴)

عن سالم بن عبداللہؓ، قال سمعت أبا هريرة رضي الله عنه، يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل أمتي معافى إلاالمجاهرين الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ستر المؤمن على نفسه ٨٩٦/٢، رقم: ٥٨٣٤، ف: ٦٠٦٩، صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقاق، باب النهى عن هتك الإنسان ستر نفسه، النسخة الهندية ٤١٢/٢، بيت الأفكار رقم: ٢٩٩٠)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم: كل أمتي معافى إلاالمجاهرين، وإن من الجهار أن يعمل الرجل سرا ثم يخبربه. (مسند البزار ٣٧٩/١٤، رقم:٦ ٨٠٩)

وينبغي أن لا يطلع غيره على قضائه، لأن التأخير معصية فلايظهرها.

(در مختار) تقدم في باب الأذان، أنه يكره قضاء الفائتة في المسجد وعلله الشارح بما هنا من أن التأخير معصية فلايظهرها و ظاهره أن الممنوع هو القضاء مع الاطلاع

علیه سواء کان في المسجد أو غیره الخ. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت قبیل باب سجود السهو، زکریا ۲/ ۵۳۹، کراچي ۲/ ۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۴۵)

جمعہ کی صحت اسی دن کی نماز فجر پر موقوف نہیں

سوال [۲۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس نے فجر کی نماز جماعت سے نہیں پڑھی قضاء بھی نہیں کی اور جمعہ کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد اس نے فجر کی نماز قضاء پڑھی تو جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: امیر، دولت باغ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص نے فجر کی نماز با جماعت یا بلا جماعت ادا نہیں کی تو اس کی وجہ سے یہ شخص عند اللہ سخت ترین گنہگار رہے؛ لیکن جمعہ کے وقت میں آ کر اگر یہ جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے تو نماز جمعہ ادا ہو جائے گی جمعہ یا کسی اور نماز کی صحت پہلی نماز پر موقوف نہیں ہے، یہ مسئلہ صاحب ترتیب سے متعلق ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵/ ۷۵)

وإن فاتته أکثر من صلوات یوم و لیلة أجزأته التي بدأ فیها. (هدایه، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، اشرفی ۱/ ۱۵۵)

لأنه لو ترک فجر یومه و أدی باقي صلواته انقلبت صحیحة بعد طلوع الشمس. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، زکریا ۲/ ۵۳۲، کراچی ۲/ ۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۲۲ھ

قضائے عمری کا آسان طریقہ

سوال[۲۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری سمجھ سے نفل نماز اور تحیۃ المسجد پڑھنے سے یہ بہتر ہے کہ قضائے عمری نماز ادا کرے معلوم نہیں کتنی نمازیں قضاء ہوئی ہیں نیت کیسے کرنی چاہئے؟

المستفتی: ایس اے الاعظمی، پوسٹ بکس ۲۸۰۲، الرفاع (بحرین)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں نوافل سے قضاء عمری اہم ہے اس کی نیت یوں کی جائے کہ زندگی میں مثلاً سب سے پہلے جو فجر کی نماز فوت ہوئی یا ظہر کی نماز فوت ہوئی اس کی نیت کرتا ہوں یا اخیر سے پڑھتے جائے اور یوں نیت کرے کہ زندگی میں سب سے آخیر میں جو فجر کی نماز فوت ہوئی اس کی نیت باندھتا ہوں۔

عن أنس بن مالک –رضي اللّٰه عنه– عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: من نسي صلاة فلیصل إذا ذکرها لا کفارة لها إلا ذلک. (صحیح البخاري، کتاب المواقیت الصلاة، باب من نسی صلاة فلیصل إذا ذکرها ۱/۸٤، رقم: ۵۸۹، ف:۵۹۷)

والاشتغال بقضاء الفوائت أولی و أهم من النوافل إلا السنة المعروفة. (حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، دارالکتاب دیوبند جدید ٤٤۷)

کثرت الفوائت نویٰ أول ظهر علیه، أو آخره الخ (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت زکریا ۲/۵۳۸، کراچی ۲/۷٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸؍۲۷۸۵)

قضائے عمری کا طریقہ اور عصر وفجر کے بعد اس کی ادائے گی کا حکم

سوال [۲۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی قضائے عمری پڑھنا چاہے تو اس کا کیا طریقہ ہے اور عصر کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز کے بعد اگر وقت باقی ہے تو قضاء نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ حضرت والا سے مؤدبانہ عرض ہے کہ واضح طور پر جواب دیں؟

المستفتی: محمد عرفان بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قضاءعمری پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً قضاء شدہ نمازوں کا تخمینہ کرلیا جائے اسی کے موافق پڑھی جائے اس کے بعد اس طرح سے نیت کرے کہ میرے ذمہ فجر یا ظہر کی جو سب سے پہلے والی نماز باقی ہے وہ پڑھتا ہوں یا اس طرح نیت کرے کہ میرے ذمہ فجر یا ظہر کی جو سب سے آخری نماز باقی ہے وہ پڑھتا ہوں، اسی طرح دوسری نمازوں کی نیت کرے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۳۹/۳، جدید زکریا ۳۸۳/۳)

کثرت الفوائت نویٰ أول ظهر علیه، أو آخره الخ (در مختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت زکریا ۵۳۸/۲، کراچی ۷۲/۲، بحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت زکریا ۱۵۹/۲، کوئٹہ ۹۰/۲، هکذافي طحطاوي علی المراقي جدید ٤٤٦، قدیم: ۲٤۲، تاتار خانیة، کتاب الصلاۃ، الفصل العشرون قضاء الفوائت، زکریا ٤٥٤/۲، رقم: ۲۹٤۸، کوئٹہ ۷٦٦/۱، خانیة عن الهندیة، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الفوائت، زکریا ۱۱۱/۱، جدید زکریا دیوبند ۷۰/۱)

نیز نماز عصر سے قبل اور بعد میں اصفرار شمس سے پہلے اسی طرح نماز فجر سے قبل اور بعد میں طلوع آفتاب اور اوقات منہیہ (طلوع، زوال، غروب) کے علاوہ تمام اوقات

میں قضاء عمری پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ اس کا قضاء ہونا معلوم ہو اور جو محض وہم یا احتیاط کی وجہ سے قضاء کی جاوے وہ ان اوقات میں نہیں پڑھنی چاہئے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۳۶۶/۲)

عن عقبة بن عامر الجهني يقول: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن، أو أن نقبر فيهن موتانا، حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، النسخة الهندية ٢٧٦/١، بيت الأفكار رقم: ٨٣١)

وجميع أوقات العمر وقت القضاء إلا الثلثة المنهية. (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، كراچی ٦٦/٢، زكريا ٥٢٤/٢، حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، دارالكتاب ديوبند جديد ٤٤١، قديم ٣٠٤/١)

تسعة أوقات يكره فيها النوافل منها ما بعد طلوع الفجر قبل صلوة الفجرويجوز فيها الفائتة. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فيبيان الأوقات التي لاتجوز فيها ٥٣/١، جديد زكريا ديوبند ١٠٩/١)

ولا بأس بأن يصلي فيهذين الوقتين الفوائت–وفي بين السطور يعنى بعد العصر و الفجر (عنايه) (هدايه، كتاب الصلاة، باب المواقيت قبيل باب الأذان، اشرفي ٨٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۷۱/۳۵)

بعد نماز عصر وفجر قضائے عمری پڑھنا

سوال [۲۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز فجر کے بعد طلوع سے پہلے اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب سے

پہلے نماز قضائے عمری پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: انعام اللہ، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب سے پہلے پہلے قضائے عمری کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

ویکره أن یتنفل بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب لما روی أنه علیه السلام نهی عن ذلک، ولابأس بأن یصلي في هذین الوقتین الفوائت. (هدایة، کتاب الصلاة، باب المواقیت، اشرفی ۱/۸۵، ۸۶)

ولابأس بأن یصلي في هذین الوقتین أراد بالوقتین ما بعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس، وما بعد صلاة العصر قبل غروب الشمس الفوائت.
(هدایة، کتاب الصلاة، باب المواقیت، اشرفیة ۱/۸۵-۸۶)

(ولایکره فیهما الفرض) أي اللازم عملا فیشمل الواجب أیضا ولذا قال یعني الفوائت. (حلبي کبیري، کتاب الصلاة، الشرط الخامس، مکتبه رحیمیة قدیم دیوبند ۲۳۶، سهیل اکیڈمي لاهور جدید أیضاً مکتبة اشرفیة دیوبند ۲۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶؍۷۹۸۷)

نوافل کے وقت قضائے عمری پڑھنے سے نوافل کا ثواب

سوال [۲۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص مرد یا عورت اشراق یا چاشت اوابین وتہجد کے اوقات میں قضاءِ عمری پڑھے تو کیا اسے مندرجہ بالا نوافل پڑھنے کا ثواب ملے گا؟ جواب سے مستفیض فرمائیں مشکور رہوں گا۔

المستفتی: محمد اقتدار انیس، محلّہ سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قضائے عمری سے مذکورہ بالا نمازوں کے پڑھنے کا ثواب ملنا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے ہاں البتہ قضاء عمری سے تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو کا ثواب مل سکتا ہے۔

وسنة الوضوء وتحية المسجد، وينوب عنها كل صلاة أداها عند الدخول، وقيل بعد القعود وركعتا الاحرام وكذلك ينوب عنها كل صلوة صلاة فرضا كانت أو نفلا الخ (الأشباه قديم ٦٥)

قال في النهر وينوب عنها كل صلاة صلاها عند الدخول فرضاً كانت أو سنة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في تحية المسجد، كراچی ۱۸/۲، زکریا ۴۵۹/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۹۸/۳۱)

سنن مؤکدہ کی جگہ قضائے عمری ادا کرنا

سوال [۲۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قضائے عمری نمازیں ادا کرنے کے لئے سنتیں مؤکدہ یا غیر مؤکدہ کے بدلے اگر قضاء عمری کی نماز ادا کریں تو اس نماز کے ساتھ ساتھ سنتیں بھی از خود ادا ہو جائیں گی یا نہیں؟ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کی تحریری وضاحت کر دیجئے۔

المستفتی: سید یونس حسین، مدرس مدرسہ ہٰذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنت مؤکدہ کے بجائے قضاء عمری ادا کرنے سے سنتوں کا ثواب حاصل نہ ہوگا؛ بلکہ صرف قضاء عمری ذمہ سے سبکدوش ہو سکتی ہے اور اس

سے سنتیں ازخود ادا نہیں ہوں گی سنتیں جب ہی ادا ہوسکتی ہیں کہ جب ان کو عمل میں لایا جائے، ہاں البتہ تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد ازخود ادا ہو جائے گی۔

الاشتغال بقضاء الفوائت اولیٰ أوأهم من النوافل الا سنن المفروضة.

(شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا ٢/٥٣٦، كراچی ٢/٧٤)

الحنفية قالوا: الاشتغال بصلاة النوافل لاينافي القضاء فورا، وإنما الأولى أن يشتغل بقضاء الفوائت ويترك النوافل إلا السنن الرواتب.

(الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلاة، مباحث قضاء الصلاة الفائتة حكمه، دارالفكر ١/٤٩١، ٤٩٢)

الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل إلا السنة المعروفة.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، دار الكتاب ديو بند جديد ٤٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۹/ ۱۴۱۲ھ

نماز عصر کے بعد قضائے عمری اور نماز فجر کی اذان کے بعد تہجد کا حکم

سوال [۲۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز عصر کے بعد قضائے عمری نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں اور فجر کی اذان کے بعد نماز تہجد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور نماز قضاء عمری فجر کی سنتوں سے کچھ دیر پہلے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتی: محمد صلاح الدین قاسمی، مدرسہ مظہر العلوم، رام نگر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز عصر کے بعد اور پہلے اسی طرح فجر کی سنتوں

کے بعد اور پہلے قضاء عمری پڑھنا جائز ہے؛ لیکن فجر کی اذان کے بعد تہجد جائز نہیں۔

عن حفصة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلع الفجر، لايصلي إلا ركعتين خفيفتين. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب استحباب ركعتي سنة الفجر، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، بيت الأفكار رقم: ٧٢٣، سنن النسائى الصلاة، باب الصلاة بعد طلوع الفجر، النسخة الهندية ١/٦٧، دارالسلام رقم: ٥٨٤، المعجم الكبير للطبراني ٢١٣/٢٣، رقم: ٣٨٥)

تسعة أوقات يكره فيها النوافل...... منها ما بعد طلوع الفجر قبل صلوة الفجر ويجوز فيها الفائتة. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لاتجوز فيها الصلاة وتكره فيها، زكريا ١/ ٥٢، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٠٩)

وجميع أوقات العمر وقت للقضاء إلا الثلثة المنهية. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، دارالكتاب ديوبند جديد ٤٤١، قديم ٣٠٤، شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا ٢/ ٥٢٤، کراچی ٢/ ٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍ ۶۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۹ھ

بعد نماز فجر یا عصر قضاء نمازوں کی ادائیگی کا حکم

سوال [۲۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید فائتہ نمازوں کی قضاء کرنا چاہتا ہے، اس ترتیب سے کہ ہر نماز کے بعد اس وقت کی قضا شدہ نماز بھی پڑھ لے دریافت یہ کرنا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد قضاء نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح عصر کی نماز کے بعد عصر کی قضاء شدہ نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد صدیق، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں فجر اور عصر کی نماز کے بعد قضاء نماز پڑھنا جائز ہے۔

ولابأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت الخ. (هداية، كتاب الصلاة، باب المواقيت، اشرفية ۱/۸٦)

تسعة أوقات يجوز فيها قضاء الفوائت......بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر ......وبعد صلاة العصر قبل التغير. (قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الصلاة، باب الأذان، زكريا ۱/۷٤، جديد زكريا ديوبند ۱/٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ر محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۸٦)

نماز عصر کے بعد فرائض کی قضاء

سوال [۲۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز عصر کے بعد فرائض کی قضاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: غلام محمد (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز عصر کے بعد آفتاب غروب ہونے کے وقت اور آفتاب میں زردی آنے سے پہلے پہلے فرائض کی قضاء کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند ۴/۳۳۹، امداد الفتاوی ۱/۹۵)

بعد صلوة فجر و صلوة عصر لا يكره......قضاء فائتة. (الد رالمختار، كتاب الصلوة، قبيل مطلب في تكرار الجماعة والاقتداء بالمخالف زكريا ۳/۳۷، كراچي ۱/۳۷۵)

تسعة أوقات يجوز فيها قضاء الفائتة...... بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر...... وبعد صلاة العصر قبل التغير. (الفتاوى التارتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الأول المواقيت، زكريا ٢/١٧، رقم:١٥٢٦)

ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب، ولا بأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، زكريا ١/٤٣٩، كوئٹه ١/٢٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۸۲۶)

طلوع شمس سے قبل سنت فجر کی قضاء

سوال [۲۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فجر کی فرض نماز کے بعد سورج نکلنے سے پہلے سنتیں پڑھنی چاہئیں یا سورج نکلنے کے بعد؟

المستفتی: ملا جی اللہ دیئے، موضع: شہباز پور کلاں، تھانہ: پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی جماعت کے بعد طلوع آفتاب سے قبل سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴/۲۰۴)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاتين: بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب الشمس. (صحيح البخاري، كتاب المواقيت الصلاة، باب لا تتحرى الصلاة، قبل غروب الشمس ١/٨٣، رقم: ٥٨٠، ف: ٥٨٨)

عن ابن عباس -رضي الله عنهما- قال: سمعت غير واحد من أصحاب

رسول الله صلى الله عليه وسلم، منهم عمر بن الخطاب و كان أحبهم إلي، أن رسول الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب الشمس. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب أوقات التي نهى عن الصلاة فيها، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۵، بيت الأفكار رقم:۸۲٦، سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في كراهة الصلاة، بعد العصر وبعد الفجر، النسخة الهندية ۱/ ٤٥، رقم:۱۸۳)

عن ابن عباس قال: شهد عندي رجال مرضيون، وأرضاهم عندي عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الصبح حتى تشرق الشمس، وبعد العصر حتى تغرب. (صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة ۱/ ۸۲ رقم: ۵۷۳، ف: ۵۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۸۱)

طلوع شمس کے کتنی دیر بعد نماز فجر کی قضاء کریں

سوال [۲۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز فجر قضاء ہوجائے تو کیا اس کی ادائے گی کے لئے بھی طلوع شمس کے بعد ۲۰؍منٹ ضروری ہیں یا جب طلوع شمس ہوجائے جو تقریباً ۱۰؍منٹ میں ہوجاتا ہے پڑھ سکتے ہیں؟

المستفتی: نور العابدین، نولگڑھ (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیس منٹ کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ جب سورج طلوع ہوکر ایک نیزہ کے بقدر اونچائی پر آجائے اس وقت نماز پڑھنا درست ہے، اس سے پہلے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۱۵۷)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلع حاجب الشمس فأخروا الصلاة حتى ترتفع الحديث

(صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، ۱/۸۲، رقم: ۵۷۵، ف:۵۸۳)

عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا بدأ حاجب الشمس، فأخروا الصلاة حتى تبرز. الحديث.

(صحيح مسلم، كتاب الصلاة باب الأوقات التي نهى عن الصلاة، النسخة الهندية ۱/۲۷۵، بيت الأفكار رقم:۸۲۹)

وكره تحريما وكل ما لا يجوز مكروه صلوة مطلقًا ولو قضاء أو واجبة، أو نفلا، أو على جنازة وسجدة تلاوة وسهو لا شكر. قنية مع شروق وتحته في الشامية: قوله مع شروق ومادامت العين لاتحار فيها فهى في حكم الشروق الخ (شامي، كتاب الصلاة، كراچي ۱/۳۷۱، زكريا ۲/۳۰)

إذا طلعت حتى ارتفعت قدر رمحين، أو قدر رمح يباح الصلاة.

(المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الأول في المواقيت، المجلس العلمي جديد ۲/۱۰، رقم: ۱۰۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۸ھ

کیا ناپاک پانی سے وضو کر کے پڑھی گئی نوافل کا اعادہ لازم ہے؟

سوال [۲۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نجس پانی سے کئے گئے وضو سے جو نماز دہرائی گئی، تو اس کے ساتھ سنت مؤکدہ اور نوافل بھی دہرانی ہوں گی یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ان نمازوں کے بعد پڑھی گئی سنت مؤکدہ اورنوافل کا دہرانا لازم نہیں، اس لئے کہ وہ سنن ونوافل بلاطہارت پڑھی جانے کی وجہ سے ایسا ہوگیا ہے گویا کہ وہ پڑھی ہی نہیں گئی اور وقت نکلنے کے بعد سنن ونوافل کی قضاء نہیں ہوتی ؛اس لئے سنن ونوافل کا اعادہ لازم نہیں۔

وسائر النوافل إذا فاتت عن وقتها لا تقضیٰ بالإجماع سواء فاتت مع الفرض، أو بدون الفرض هذا هو المذكور في ظاهر الرواية. (شرح وقاية، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت اشرفی دیو بند۱/۱۸۲)

لاخلاف بين أصحابنا في سائر السنن سوى ركعتي الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لا تقضیٰ سواء فاتت وحدها أو مع الفريضة.

(بدائع الصنائع، كتاب الصلوة، فصل في بيان أن السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا، زكريا ۱/۶٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۱۱۸۹۱/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۰ھ

ناپاک پانی سے وضو کرنے والے کے پیچھے پاک پانی سے وضو کرنے والوں کی نماز اور سنن بعدیہ و وتر کا حکم

سوال[۲۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب نے ٹنکی کے ناپاک پانی سے وضو کر کے نماز پڑھادی، تو جو نمازی گھر سے وضو کر کے آتے ہیں ان کو سنت ونوافل اور وتر بھی دہرانی ہوں گی یا صرف فرض؟

المستفتی: ماسٹر عبد الحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرامام صاحب نے اس ٹنکی کے پانی سے وضوکیا ہے،تو گھر سے وضوکر کے آنے والوں کی امام کے پیچھے پڑھی گئی نماز نہیں ہوئی؛ البتہ وتر،سنن ونوافل مستقلاہوکر درست ہوگئیں؛ لہٰذاان کے لئے صرف فرض کا اعادہ کافی ہوجائے گااور وتر چونکہ عشاء کےفرض کےتابع نہیں ہے؛اس لئے باوضوادا کی گئی وتر کااعادہ لازم نہیں۔

من صلى العشاء على غير وضوء وهو لايعلم، ثم توضأ فأوتر، ثم تذكر أعاد صلاة العشاء بالاتفاق ولا يعيد الوتر في قول أبي حنيفةؒ لما كان واجبًا، عند أبي حنيفةؒ كان أصلا بنفسه في حق الوقت لا تبعًا للعشاء. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان وقت الوتر، زكريا ١/٠ ٦١، شرح وقاية، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، اشرفي ديوبند ١/٢ ٨ ١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۰؍صفرالمظفر ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر:الف ۴۱/ ۱۱۸۹۲)	۱۰/۲/ ۱۴۳۶ھ

چھوٹی ہوئی نمازوں کا فدیہ

سوال [۲۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۷؍قضاءنمازوں کافدیہ کس طرح اداکیاجائے؟تحریرفرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد ظریف قریشی اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک نماز کافدیہ ایک صدقۂ فطر ہےاوران میں وتر کی نماز بھی شامل ہوگی؛ لہٰذا جن دنوں میں کوئی نماز نہ پڑھی جاسکی ان دنوں کی طرف سے روزانہ چھ صدقۂ فطراورجن دنوں میں بعض نمازیں نہ پڑھی جاسکیں ان کا حساب لگا کر ہرنماز

کی طرف سے ایک صدقۂ فطر کے حساب سے فدیہ ادا کردیں اور ایک صدقہ کی مقدار ڈیڑھ کلو ۷۵رگرام ۶۴۰رملی گرام گیہوں ہے۔

ولو مات وعليه صلوات فائتة، وأوصى بالكفارة يعطي لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، كراچي ۲/۷۲، زكريا ۲/۵۳۲، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا ديوبند ۲/۱۶۰، كوئٹه ۲/۹۰، هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، زكريا ۱/۱۲۵، جديد زكريا ۱/۱۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۶۱)

فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کا شرعی حکم

سوال [۲۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے استاذ محترم محمد اکرم کی گذشتہ دو ڈھائی ماہ سے طبیعت خراب تھی جس کی بنا پر ان ایام کی نمازیں قضاء ہوگئیں، اب گذشتہ رات ان کا انتقال ہوگیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ گذشتہ ایام کی جو نمازیں قضاء ہوئی ہیں، ان کا فدیہ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے، ایک نماز کا فدیہ کتنا ہوگا اور یہ فدیہ کس کو ادا کرنا لازم ہوگا؟

المستفتی: محمد اعظم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایام علالت کے دوران جتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں ان کو شمار کرکے ہر نماز کے بدلے ایک صدقۂ فطر بطور فدیہ ادا کرنا ہوگا، اس سال ہمارے شہر مرادآباد میں صدقہ فطر ۲۵ر روپیہ مقرر کیا گیا ہے اور روزانہ کی ۶ر نمازیں شمار کی جائیں گی؛

اس لئے کہ وتر کا بھی فدیہ ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

ولو مات وعليه صلوات فائتة، وأوصى بالكفارة يعطي لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر. (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت مطلب في اسقاط الصلاة عن الميت، كراچی ۷۲/۲، زكريا ۵۳۲/۲-۵۳۳)

إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة، فأوصى بأن تعطي كفارة صلواته يعطي لكل صلوة نصف صاع من بر، وللوتر نصف صاع. (هندية،الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، زكريا ۱/ ۱۲۵، جديد زكريا ديو بند ۱/ ۱۸٤، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا ديو بند ۲/ ۱٦۰، كوئٹه ۲/ ۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۱۹ھ

کیا نماز اور روزے کا فدیہ ہوتا ہے؟

سوال [۲۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا نماز اور روزے کا بھی فدیہ ہوتا ہے؟

المستفتی: محمد قاسم، گوجر بھوانی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہاں اگر کسی شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ کچھ روزے اور نمازیں باقی ہوں تو ہر نماز کا فدیہ ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام ۶۴۰ رملی گیہوں اور ہر روزہ کے بدلے بھی مذکورہ وزن گیہوں ہے، اگر میت نے وصیت کی ہو تو اس کے ثلث مال میں سے فدیہ دینا واجب ہے اور اگر وصیت نہ کی ہو تو وارثین کو اختیار ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۹۹)

ولو مات وعليه صلوات فائتة، وأوصى بالكفارة يعطي لكل صلوة

نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر . (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت مطلب في اسقاط الصلاة عن الميت، كراچی ۲/۷۲، زك يا ۲/۵۳۲-۵۳۳، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا۲/ ۱۰، كوئٹہ۲/ ۹۰، هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت ۱/ ۱۲۵، جديد زكريا ديو بند ۱/ ۲۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٩٦)

زندگی میں نمازوں کا فدیہ ادا کرنا

سوال [٦ ۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بہت زیادہ ضعیف ہو چکا ہے، اس کو اتنی طاقت نہیں ہے کہ نماز پنج گانہ ادا کر سکے، وہ اس نماز کے بدلہ اگر فدیہ ادا کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اگر ایک ہی شخص کو فدیہ دیا جائے اور وہ نہایت غریب ہے اس کو دینا صحیح ہے یا نہیں؟ مفصل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں، ضعیف اتنا ہے کہ سر بھی نہیں ہلا سکتا اور نہ ہی ہاتھ پاؤں ہلا سکتا ہے؛ لیکن بے ہوشی بھی نہیں ہے۔

المستفتی: محمد اختر عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی ضعف کی وجہ سے ہاتھ پیر سر ہلانے پر قادر نہیں ہے تو شرعاً اس کی نمازیں موقوف رہیں گی۔

(۱) زندگی میں نماز کا فدیہ دینا جائز نہیں ہے۔

(۲) لہٰذا اگر اس حالت میں مر جائے تو فدیہ وغیرہ واجب نہ ہوگا اور اگر اس حالت میں ایک دن ایک رات گذر جائے اس کے بعد افاقہ ہو جائے تو ایک دن ایک رات کی نماز معاف ہو جائے گی اور اگر ایک دن ایک رات سے پہلے افاقہ ہو جائے تو قضاء کرنا لازم ہوگا

اوراگر قضا کئے بغیر مرجائے تو مرنے کے بعد فائتہ نمازوں کا فدیہ دینا درست ہوگا ورنہ نہیں اور متعدد نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا بھی جائز ہے۔

وإذا عجز المريض عن الإيماء بالرأس في ظاهر الرواية يسقط عنه فرض الصلوة ولايعتبر الإيماء بالعينين والحاجبين، ثم إذا خف مرضه هل يلزمه القضاء؟ اختلفوا فيه قال بعضهم: إن زاد عجزه على يوم وليلة لايلزمه القضاء، وإن كان دون ذالک يلزمه، كذا في الإغماء وهوالأصح هكذا في فتاوى قاضي خان، والفتوى عليه كذا في الظهيرية، وإن مات من ذالک المرض لاشيئ عليه ولايلزمه فدية. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض، زكريا ۱/۱۳۷، جديد زكريا ديوبند ۱/۱۹۷، قاضي خان، كتاب الصلاة، باب صلوة المريض، زكريا۱/۱۷۲، جديد زكريا ديوبند ۱/۱۰۸)

في الدر المختار وعليه الفتوى. (كتاب الصلاة، باب صلوة المريض، زكريا۲/ ۵۷۰، كراچی۲/۹۹)

ولوفدى عن صلوته في مرضه لايصح بخلاف الصوم الخ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، زكريا۲/۵۳۵، كراچي ۲/۷٤)

ويجوز إعطاء فدية صلوات وصيام أيام ونحوها لواحد من الفقراء الخ (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، قبيل باب قضاء الفوائت قديم دار الكتاب ديوبند ۴۳۹، الدر المختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، زكريا ۲/۵۳۵، كراچي ۲/۷٤، جوهره، كتاب الصوم، مكتبه امداديه ملتان قديم ۱/۱۷۲، جديد دارالكتاب ديوبند ۱۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍۱۲۳۳)

پوری زندگی کبھی نماز نہ پڑھنے والے کا فدیہ

سوال [۲۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی پوری زندگی میں ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھی، اسی حال میں اس کا انتقال ہوگیا اور زید نے کسی کو وصیت بھی نہیں کی فائتہ نمازوں کے فدیہ کے بارے میں اور زید کے ورثاء اس کی تمام نمازوں کا فدیہ دینا چاہتے ہیں، تو اب یہ فدیہ کس مقدار سے اور کن کن لوگوں کو دیا جائے گا، اس کا بہترین مصرف کون ہوگا اگر وہ طالب علم کو دینا چاہیں تو دے سکتے ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتے ہیں تو کس اعتبار سے دیں گے؟ اس مسئلہ کی صاف وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: عطاء الرحمٰن ندیاوی، متعلم مدرسہ امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر میت مذکور نے وصیت نہیں کی ہے تو ورثاء اپنے طور پر تبرعاً فدیہ ادا کر سکتے ہیں۔

إذا مات الرجل وعليه صلوات فائته (إلى قوله) و إن لم يوص لورثته وتبرع بعض الورثة يجوز الخ (فتاوى عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، زكريا ۱/ ۱۲۵، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۴، هكذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في اسقاط الصوم والصلاة، جديد دار الكتاب ديوبند ۴۳۸، قديم ۲۳۸)

ہر نماز کے فدیہ کی مقدار ایک صدقۂ فطر یا اس کی قیمت ہے اور قیمت دینا زیادہ افضل ہے اور نماز پانچ فرض اور ایک وتر ہے، کل ملا کر روزانہ چھ نمازیں ہوتی ہیں۔

وكذا يخرج لصلوة كل وقت من فرض من اليوم والليلة حتى الوتر؛ لأنه فرض عملي عند الإمام -إلى قوله- والصحيح أنه كل صلوة فدته هي

نصف صاع من بر (إلی قوله) أو قيمته وهي أفضل لتنوع حاجات الفقير الخ (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في اسقاط الصلوة والصوم، جديد دارالكتاب ديوبند ٤٣٨، قديم٢٣٨، هكذا في عالمگيري، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا١/١٢٥، جديد زكريا ديوبند ١/١٨٤)

فقراء ومساکین اس کے مستحق ومصرف ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۱۷۴، جدید زکریا دیو بند ۴/۱۸۳، جدید زکریا مطوف ۶/۸۱)

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. [سورة التوبه: ٦٠]

مصرف الزكوة والعشر هو فقير، ومسكين، وتحته في الشامي وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة، والنذر وغير ذالک من الصدقات الواجبة. (در مختار مع الشامي، كتاب الوكاة، باب المصرف، كراچي ٢/٣٣٩، زكريا ٣/٢٨٣)

طلبہ کو دینا بھی جائز اور افضل ہے؛ البتہ ذیل کے طلبہ کو دینا ممنوع ہے۔

(۱) سید ہوں (۲) مستطیع صاحب نصاب ہوں (۳) وہ نابالغ طلبہ جن کے والدین مالک نصاب ہوں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۲/۱۰، جدید زکریا ۷/۱۷۲)

لاتدفع إلی غني (قوله) ولاإلی ولد غني إذاكان صغيرا (وقوله) ولايدفع إلی بني هاشم الخ (جوهرة، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه جديد، دارالكتاب ديو بند ١/١٥٧ قديم ١/١٥٩)

اگر تمام نمازوں کی تعداد معلوم نہ ہو تو تخمینہ لگا کر ادا کیا جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۱۶۸، جدید زکریا ۴/۱۷۸، جدید زکریا مطول ۶/۳۸۳-۳۸۴)

من لايدري كمية الفوائت يعمل بأكبر رأيه، فإن لم يكن رأی يقض

حتی یتیقن أنه لم یبق علیه شيء. (حاشیة الطحطاوي علی المراقي، قبیل باب إدراك الفریضة، دارالکتاب دیوبند ٤٤٧، حاشیة چلپي علی التبیین، باب قضاء الفوائت قدیم ١/ ١٩٠، جدید زکریا ١/ ٤٦٨)

اگراتنی گنجائش نہ ہوتو اس کی ادائے گی کی ایک صورت یہ ہے کہ جتنی گنجائش ہے کسی فقیر کو اس کا مالک بنادیا جائے، پھر فقیر وارث کو ہبہ کردے، پھر وارث فقیر کو مالک بنادے پھر فقیر مالک کو ہبہ کردے اور روارث اس کو قبضہ کرکے پھر فقیر کو مالک بنادے، اس طرح کرتے جائیں، یہاں تک کہ تعداد پوری ہوجائے، امید ہے کہ میت کی نمازیں اس سے معاف ہوجائیں گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۴۳، جدید زکریا ۴/ ۱۵۶، جدید مطول ۶/ ۱۱۶)

وإن لم یترک مالاً یستقرض ورثته نصف صاع ویدفع إلی مسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض ورثته، ثم یتصدق ثم وثم حتی یتم لکل صلوة الخ (فتاوی عالمگیري، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زکریا ١/ ١٢٥، جدید زکریا دیوبند ١/ ١٨٤، نور الإیضاح، کتاب الصلاة، باب صلوة المریض، فصل في اسقاط الصلوة والصوم، امدادیة دیوبند ١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۲۳)

کیا شوہر اپنی کمائی سے بیوی کی نماز کا فدیہ دے سکتا ہے؟

سوال [۲۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عورت کا انتقال ہوجائے اور اس کی کچھ نمازیں اور روزے چھوٹ گئے تو کیا شوہر اپنی کمائی سے ان نمازوں وغیرہ کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا شوہر اپنی کمائی

سے اپنی بیوی کو کفن دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راغب سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر اپنی متوفی بیوی کی قضاء نمازوں اور روزوں کا اپنی کمائی سے فدیہ دے سکتا ہے۔ نیز اپنی بیوی کو اپنی کمائی سے کفن بھی دے سکتا ہے۔

ویجوز فدیة کل صلاة، ولو وترًا کصوم یوم علی المذهب.

(درمختار مع الشامي، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم، مطلب في العوارض المبیحة لعدم الصوم، زکریا ۳/ ۴۰۹، کراچي ۲/ ۴۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۴۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱٦/۱/۱۴۲۱ھ

بیماری کی حالت میں چھوٹی ہوئی نمازوں کا فدیہ

سوال [۲۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا انتقال سے چندسال پہلے شدید علالت کی بنا پر نماز وروزہ کی ادائیگی نہیں کرسکیں کچھ ماہ ایسے بھی گذرے ہیں جس میں مرحومہ پر بے ہوشی طاری رہی، اب اگر ان کے ورثاء نماز روزہ کا فدیہ دینا چاہیں تو کتنی نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: ضیاء الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جن ماہ میں مرحومہ پر غشی طاری تھی ان ماہ کی نمازوں کا فدیہ لازم نہیں ہے؛ البتہ جن ایام میں غشی نہیں تھی اور اشارہ وغیرہ سے نماز پڑھنے پر قادر تھیں ان ایام کی نمازوں کا فدیہ لازم ہے، ایک دن کی نمازوں کا

کفارہ چھ صدقۂ فطر یا اس کی قیمت ہے؛ اس لئے کہ وتر کی نماز کا فدیہ بھی اس میں شامل ہے، اسی طرح ہر روزہ کا کفارہ ایک صدقۂ فطر یا اس کی قیمت ہے۔

ومن جن أو أغمی علیه یوما ولیلة قضی الخمس، وإن زاد وقت صلوة سادسة ل،ا للحرج، ولومات وعلیه صلوات فائتة، وأوصی بالکفارة یعطي لکل صلوة نصف صاع من بر کالفطرة، وکذا حکم الوتر والصوم الخ (درمختار، کتاب الصلاة، باب صلوة المریض، مطلب في الصلاة في الصفینة، کراچی ۲/۱۰۲، زکریا ۲/۵۷۳)

ومن جن، أو أغمی علیه خمس صلوات قضی ولو أکثر لا. (نور الإیضاح، باب صلوة المریض، امدادیة دیوبند ۱۰۵، هندیة، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، زکریا ۱/۱۳۷، جدید زکریا دیوبند ۱/۱۹۷)

وکذا یخرج الصلاة کل وقت من فرض الیوم واللیلة حتی الوتر لأنه فرض عملي عند الإمام. (مراقي الفلاح مع حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلاة، باب صلوة المریض، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، دارالکتاب دیوبند ۴۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۲۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۹ھ

مریض کے نماز وروزہ کا فدیہ دینا

سوال [۲۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ نکہت جہاں جن کی بیماری کی حالت میں دو ماہ کے روزے اور ایک ماہ کی نماز قضا ہوگئی اور ان کی نیت تھی کہ میں روزہ اور نماز ادا کروں گی؛ لیکن بقضاء الٰہی ۳ر جون ۱۹۸۸ء کو فوت ہوگئیں، اس صورت میں ان کا فدیہ دیا جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: طاہر الدین، مغلپورہ، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر ہے اور ایک نماز کا فدیہ بھی ایک صدقۂ فطر وتر کو شمار کر کے ایک روز کل چھ نمازوں کا چھ صدقۂ فطر واجب ہے تو دو ماہ کے روزے کے ساٹھ صدقۂ فطر اور ایک ماہ کی نمازوں کے ۱۸۰ صدقۂ فطر تو کل ۲۴۰ / صدقۂ فطر کی قیمت فقراء کو یا مساکین کو دیدیں اور ایک صدقۂ فطر کی مقدار ڈیڑھ کلو ۴۷ / گرام ۶۴۰ / ملی گرام گیہوں ہے۔

وفدی لزوما عنه: أي عن الميت وليه الذي يتصرف في ماله كالفطرة قدرا إلى قوله وتبرع وليه به جاز إن شاء الله ويكون الثواب للولى الخ
(الدرالمختار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة، زكريا ۳/۴۰۶، كراچي ۲/۴۲۴)

ومن مات وعليه صوم شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين، وكذا يخرج الصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر، لأنه فرض عملي عند الإمام-إلى-هى نصف صاع من بر أو دقيقة، أو سويقة، أو صاع تمر، أو زبيب، أو شعير، أوقيمته، وهي أفضل لتنوع حاجات الفقير، وإن لم يوص وتبرع عنه وليه جاز إن شاء الله تعالى. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلوة المريض، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، دارالكتاب ديوبند ۴۳۸، مجمع الأنهر، كتاب الصوم، فصل في بيان وجوه الاعذار المبيحة للافطار جديد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۶۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۱۸/۲۵)

بیماری کے کن ایام کا فدیہ دینا ضروری ہے

سوال [۲۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہندہ کو ۱۴؍مئی ۱۹۹۹ء کو فالج کا عارضہ پیش آیا اور وہ مسلسل کئی یوم غشی میں تھی، جب اس کو ہوش آیا تو وہ قوت گویائی سے محروم ہو چکی تھی اور دماغی حالت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں تھی، یہاں تک کہ اس کو پاکی اور ناپاکی کا بھی خیال نہیں رہتا تھا اور آدھا جسم مفلوج ہو چکا تھا، یہ کیفیت اگست ۲۰۰۴ء تک رہی، اسی درمیان متعدد بار اس پر کئی گھنٹوں غشی بھی رہی ستمبر ۲۰۰۴ء سے ۴؍فروری ۲۰۰۵ء تک غشی کی سی کیفیت رہی جس میں وہ کسی کو پہچان بھی نہیں سکتی تھی اس نے کوئی وصیت بھی نہیں کی ان ایام کی اس کی چھوٹی ہوئی نمازوں اور روزوں کا کیا مسئلہ ہے؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: قمرالدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندہ پر جن ایام میں مسلسل غشی طاری تھی ان ایام کی نمازوں کا کوئی فدیہ نہیں ہے اور وقفہ وقفہ سے جو غشی طاری ہو جایا کرتی تھی اگر وہ ایک شب وروز سے کم تھا اور ہندہ کا ہوش وحواس درست رہے تھے اور وہ اشارہ وغیرہ سے نماز پڑھ سکتی تھی تو ان ایام کی نمازوں کی قضاء ہندہ کے ذمہ باقی ہے اور اگر درمیان میں افاقہ ہو جاتا تھا، مگر ہوش وحواس درست نہیں تھے تو پھر ہندہ کے ذمہ اس کی قضاء بھی نہیں ہے۔

وإن تعذر الإيماء برأسه وكثرت الفوائت،بأن زادت على يوم وليلة. وفي الشامية: أما لو كانت يوما وليلة، أو أقل وهو يعقل فلا تسقط؛ بل تقضي اتفاقا وهذا إذا صح فلومات ولم يقدر على الصلاة لم يلزمه القضاء حتى لا يلزمه الإيصاء بها كالمسافر...... وقال في البحر: وينبغي أن يقال محمله ما إذا لم يقدر في مرضه على الإيماء بالرأس أما إن قدر عليه بعد عجزه، فإنه يلزمه القضاء، وإن كان موسعا لتظهر فائدته في الإيصاء بالإطعام عنه.

(شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة المريض، كراچي ۲/ ۹۹، زكريا ۲/ ۵۷۰، حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلوة المريض، دارالكتاب ديوبند ۴۳۳، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلوة المريض، دارالكتاب بيروت ۱/ ۲۲۹)

إن زاد المرض عن يوم وليلة وهو لا يعقل فلا قضاء إجماعا وإلا وهو يعقل قضیٰ إذا صح إجماعًا. (شامي زكريا ۲/ ۵۷۰، كراچي ۲/ ۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱/۱۴۲۶ھ

بیماری میں بالغ ہونے اور انتقال کر جانے والی لڑکی کی نمازوں کے فدیہ کا حکم

سوال [۲۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی دو سال پہلے بیمار ہوئی تھی اور بیماری میں ہی بالغ ہوئی تھی، اس کی نمازوں کا فدیہ کس طرح دیا جائے گا، اس نے اس میں کچھ نمازیں بھی پڑھی ہیں، اس کا ۲۷ فروری میں انتقال ہو گیا اور نماز روزہ کتنی عمر میں فرض ہو جاتا ہے؟

المستفتی: محمد کامران، بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکیوں میں جس وقت بلوغ کی علامات مثلاً حیض وغیرہ پائی جائیں، اسی وقت سے ان پر نماز اور روزے فرض ہو جائیں گے اور ایک نماز یا ایک روزہ کے فدیہ کی مقدار ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے جس کا وزن ڈیڑھ کلو ۴۷ گرام ۶۴۰ ملی گرام ہوتا ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کر لی جائے اور اسی کے مطابق تمام چھوٹی ہوئی نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔

والجارية بالاحتلام والحيض والحبل الخ (شامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام كرأچي ۶/ ۱۵۳، زكريا ۹/ ۲۲۶، الموسوعة الفقهية ۸/ ۱۹۲-۱۹۰، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل يسن الاغتسال لأربعة اشياء، دارالكتب ديوبند ۱۰۸، مبسوط سرخسي، باب العدة، وخروج المرأة من بيتها، دارالكتب العلمية بيروت ۶/ ۵۳)

ومن مات وعليه صوم شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين، وكذا يخرج الصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر، لأنه فرض عملي عند الإمام–إلى–هي نصف صاع من بر أو دقيقة، أو سويقة، أو صاع تمر، أو زبيب، أو شعير، أوقيمته، وهي أفضل لتنوع حاجات الفقير. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلوة المريض، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، دارالكتاب ديوبند ٤٣٨)

وفدیٰ عنه وليه كالفطرة قدرا: أي التشبيه بالفطرة من حيث القدر. (شامي، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة، كراچي ٢/ ٤٢٤، زكريا٣/ ٤٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۸/۳۸)

کس قسم کے نمازی پر نمازوں کا فدیہ لازم

سوال [۲۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نمازی تو وہ ہے جو صاحب ترتیب کہلاتا ہے، دوسرے وہ نمازی جو صاحب ترتیب تو نہیں ہوتا؛ لیکن نماز وجماعت کا خاص اہتمام کرتا ہے، تیسرے وہ نمازی جو نماز تو پڑھتا ہے؛ لیکن کسی بھی کام کی مشغولیت کی بنا پر نماز وجماعت بھی چھوڑ دیتا ہے اور بعد میں قضاء نماز کا کوئی اہتمام نہیں کرتا، آیا تینوں قسم کے نمازیوں کے لئے نماز کا فدیہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یاسین، مدرس مدرسہ فخر العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تینوں میں سے ہر ایک قسم کے نمازی پر نمازوں کا فدیہ دینا لازم اور ضروری ہے، اس میں کسی خاص قسم کے نمازی کی خصوصیت نہیں ہے۔

ومن مات وعليه صوم شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين، وكذا يخرج الصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر، لأنه فرض عملي عند الإمام، وقد ورد النص في الصوم والصلاة كالصيام باستحسان المشايخ، لكونها أهم واعتبار كل صلوة بصوم يوم هو الصحيح الخ. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلوة المريض، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، دارالكتاب ديوبند ٤٣٨)

ولو مات وعليه صلوات فائتة، وأوصى بالكفارة يعطي لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في اسقاط الصلاة عن الميت، كراچي ٢/ ٧٢، زكريا٢/ ٥٣٢، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا ديوبند ٢/ ١٦٠، كوئٹه ٢/ ٩٠، هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، زكريا ١/ ١٢٥، جديد زكريا ديوبند ١/ ١٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۳۰ھ

بغیر وصیت کے نمازوں کا فدیہ دینا

سوال [۲۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرنے والا شخص اگر اپنی زندگی میں اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں کی طرف سے اپنے ورثاء کو فدیہ کی وصیت نہ کرے تو کیا ورثاء کو بغیر وصیت کے بھی فدیہ دینا ضروری ہے؟

المستفتی: محمد یاسین، مدرس مدرسہ فخر العلوم، گانوڑی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر وصیت کے فدیہ دینا ورثاء پر لازم نہیں ہے؛ بلکہ اگر ورثاء بغیر وصیت کے اپنی طرف سے ادا کردیں تو ان کی طرف سے تبرع اور احسان ہوگا۔

وإن لم یوص وتبّرع عنه ولیه أو أجنبي جاز إن شاء الله تعالی. (مراقي الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب صلوۃ المریض، فصل في اسقاط الصلاۃ والصوم قدیم ۲۳۸، جدید دارالکتاب دیوبند ۴۳۸، مجمع الأنهر، کتاب الصوم، فصل في بیان وجوه الأعذار المبیحة للإفطار جدید، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۶۸ هندیة، کتاب الصلاۃ، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، زکریا ۱/۱۲۵، جدید زکریا دیوبند ۱/۱۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۳۰ھ

ورثاء میں بالغ اور نابالغ اولاد ہوں تو مرحوم کی نمازوں کے فدیہ کا حکم

سوال [۲۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا انتقال ہوگیا، اس نے انتقال کے وقت بالغ اور نابالغ دونوں طرح کی اولاد چھوڑی متوفی کے ذمہ قضاء نمازیں ہیں فائتہ نمازوں کا فدیہ اس کی نابالغ اولاد کے ہوتے ہوئے اس کے ذمہ واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر اس کے مال میں سے فائتہ نمازوں کا فدیہ نکال دیا جائے تو اس کی مقدار کیا ہے؟

المستفتی: ذبیح اللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرحوم نے وصیت کی ہے تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں سے فدیہ ادا کیا جائے اور اگر وصیت نہیں کی ہے تو بالغ ورثاء اپنے اپنے حصوں سے اپنی خوشی سے فدیہ ادا کر سکتے ہیں، مگر نابالغ کے حصے سے ادا نہ کیا جائے اس کے مال میں اضافہ اور زیادتی کی مصلحت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا ہے۔

وقد نُصب الحاکم ناظرا له فیتحری المصلحة کما فیه في الصبي الذي یعقل البیع ویقصده الخ (هدایة، کتاب الحجر، باب الحجر للفساد، اشرفي دیوبند ۳/۳۵۵)

يعطي عنه وليه: أي من له ولاية التصرف في ماله بوصاية، أو وراثة فيلزمه ذالک من الثلث إن أوصى–إلى–وأما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث.

فقد قال محمد في الزيادات: إنه يجزيه إن شاء الله تعالىٰ. (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في اسقاط الصلاة عن الميت، زكريا ۲/۵۳۲، كراچي ۲/۷۲، حاشية الطحطاوي على المراقي، باب صلوة المريض، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، دارالكتاب ٤٣٨، هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، زكريا ۱/۱۲٥، جديد زكريا ديوبند ۱۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۴۳۶/۲۳)

ایک فقیر کو متعدد نمازوں کا فدیہ دینا

سوال [۲۸۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب کا انتقال ہوگیا، طویل بیماری کے زمانہ میں کافی نمازیں فوت ہوگئیں اور ان نمازوں کا فدیہ ہزاروں کو پہونچ گیا، تو کیا ایک فقیر کو کئی نمازوں کا فدیہ ایک ساتھ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد شاہد، شاہد آباد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسا فقیر ہے جو مستحق زکوۃ ہے تو اس کو متعدد نمازوں کے فدیہ کا پیسہ ایک ساتھ دینا جائز ہے۔

ويجوز إعطاء فدية صلوات وصيام أيام ونحوها، لو احد من الفقراء جملة الخ. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض فصل في اسقاط الصلاة والصوم قديم ۲۳۹، جديد دارالكتاب ديوبند ٤٣٩)

ویدفع عن كل صلوة نصف صاع حنطة منوين، ولو دفع جملة إلى فقير واحد جاز. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، زكريا ١/١٢٥، جديد زكريا ديوبند ١/١٨٤)

ويجوز إعطاء فدية صلوات لواحد جملة. (نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب صلوات المريض فصل في اسقاط الصلوة والصوم، امداديه ديو بند ١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۲۶ھ

دوماہ کی نمازوں کا فدیہ

سوال [۲۸۶۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت کا انتقال اور اس کی دومہینہ کی نمازیں رہ گئیں تو دومہینے کی نمازوں کا فدیہ کیا ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تشفی بخش جواب سے نوازیں؟

المستفتی: حاجی فرمان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دومہینے یعنی ۶۰ ر یوم کی نمازوں کا فدیہ پانچ کوئنٹل ۲۶ رکیلو ۷۰۸ رگرام ۴۰۰ رملی گرام گیہوں ہے بازار سے قیمت معلوم کرکے ادافرمائیں۔

ولو مات وعليه صلوات فائتة، وأوصى بالكفارة يعطي لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، كراچي ٢/٧٢، زكريا ٢/٥٣٢، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا ديوبند ٢/١٦٠، كوئٹه ٢/٩٠، هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء

الفوائت، زکریا ۱/ ۱۲۵، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۱۸٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۳)

تین ماہ کی نمازوں اور ایک ماہ کے روزے کے فدیہ کی مقدار

سوال [۲۸٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تین ماہ کی نمازیں اور ایک ماہ کے روزے ہماری والدہ کے قضا ہوگئے تھے اوران کا انتقال ہوگیا، اس کا فدیہ کتنا ہوتا ہے؟

المستفتی: حسان، دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وتر کی نماز کو شامل کرکے ایک یوم میں چھ نمازیں ہوجاتی ہیں اور ہر نماز کے عوض میں ایک صدقۂ فطر فدیہ میں ادا کیا جائے اور ہر ایک روزہ کے عوض میں بھی ایک صدقۂ فطر ادا کیا جائے؛ لہٰذا تین ماہ کے ۹۰ یوم ہوتے ہیں اور ایک ماہ کے روزے کا فدیہ ۳۰؍ صدقۂ فطر ہوں گے تو کل ۵۷۰؍ صدقہ فطر بنیں گے اور ایک صدقۂ فطر کی مقدار ڈیڑھ کلو ۴۷؍ گرام ٦۴۰؍ ملی گرام گیہوں ہے بازار سے قیمت معلوم کرکے ادا کرسکتے ہیں۔

ومن مات وعليه صوم شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين، وكذا يخرج الصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر، لأنه فرض عملي عند الإمام......هى نصف صاع من بر......أو قيمته، وهي أفضل لتنوع حاجات الفقير. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب صلوة المريض، فصل في اسقاط الصلاة والصوم، دارالكتاب ديوبند ٤٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳٦٦۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱۰/ ۱۴۱۴ھ

ایک سال کی نمازوں کا کفارہ اوراس کا مصرف

سوال [۲۸۶۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد قبلہ جناب غوث محمد صاحب کا طویل علالت کے بعد ۱۱ر جولائی ۲۰۰۷ء بروز بدھ کوانتقال ہوگیا ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ دعا فرمائیں کہ حق تعالی شانہ اپنے خاص فضل وکرم سے مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، مرحوم کی تقریباً ایک سال کی نمازیں علالت کے باعث ادا نہ ہوسکیں، ایک سال کی نمازوں کا کفارہ کیا ہوگا اوراس کوکس مد میں دیا جائے، دینی مدارس، مساجد، مساکین اورضرورت منداعزاء واقارب کو دیا جاسکتا ہے؟ ازراہ کرم مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد طارق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز کا کفارہ روزے کے کفارہ کی طرح ایک فطرہ یعنی نصف صاع گیہوں ہوتا ہے یہ ہرنماز کے لئے کفارہ کی مقدار ہےاور وتر کو مستقل نماز شمار کیا جائے گا؛ لہٰذا ایک دن میں چھ نماز شمار ہوں گی اس طرح روزانہ چھ صدقۂ فطر لازم ہوں گےاورانگریزی سالوں کے حساب سے ایک سال میں تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں اور ۳۶۵ رکو چھ میں ضرب دینے سے دو ہزار ایک سونوے (۱۹۰) صدقۂ فطر بنے اوردو ہزار ۱۹۰ رصدقۂ فطر کی قیمت اگر بیس روپیہ صدقۂ فطر کے حساب سے لگائی جائے تو تینتالیس ہزار آٹھ سو (۴۳۸۰۰) روپیہ بیٹھتے ہیں، یہ پیسہ غریب نہتے فقیر لوگوں کو صدقہ کردیا جائے، دینی مدارس کے طلبہ، مساکین، ضرورت مند، فقراء، اعزاء اوراقرباء کو دے سکتے ہیں؛ لیکن مساجد میں نہیں دے سکتے۔

ولـومـات وعلـيـه صلـوات فائتة، وأوصى بالكفارة يعطي لكل صلوة نـصف صـاع مـن بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر –إلى– ولو أدىٰ للفقير أقل

من نصف صاع لم یجز ولو أعطاه الکل جاز. (شامي، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصیة للختمات والتهالیل، کراچي ۲/ ۷۲، زکریا ۲/ ۵۳۳)

وفي فتاوی الحجة وإن لم یوص لورثته وتبرع بعض الورثة یجوز. (عالمگیري، کتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، زکریا ۱/ ۱۲۵، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۱۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸ / ۹۳۸۷)

ایک فقیر کو ایک دن میں کتنی نمازوں کا فدیہ دیا جائے؟

سوال [۲۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے والدین وفات پاگئے، کچھ مال واسباب بھی چھوڑ گئے ہیں۔ اب ان کے ورثاء اولاد ذکور واناث چاہتے ہیں کہ ان کی جانب سے چھ چھ ماہ کا فدیۂ صلوۃ ادا کر دیا جائے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کس حساب سے کتنی نمازیں دن رات میں شمار ہوں گی اور چھ ماہ ۳۰/ ۳۰/ دن کے حساب سے شمار ہوں گے؟

والدین نے نمازوں کے فدیہ کی کوئی وصیت نہیں کی، مگر متروکہ مال میں سے سب ورثاء بالغ کی اجازت سے نماز کا فدیہ نکالا جارہا ہے، تو کیا یہ واجب میں شمار ہوگا یا نفل میں؟ کیا اس فدیہ کی رقم سے نمازیوں کے لئے مسجد میں کوئی چیز منگائی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک نماز کا فدیہ ایک صدقۂ فطر ہوتا ہے، جس کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷/ گرام ۶۴۰/ ملی گرام ہوتی ہے، وتر کی نماز کا بھی فدیہ نکالنا ضروری ہوتا ہے؛ لہٰذا روزانہ چھ نمازوں کا فدیہ نکلے گا، اگر چھ مہینوں کا فدیہ نکالنا ہے،

تو چھ مہینہ میں جتنے دن ہوتے ہیں انہیں گن لیا جائے قمری شمسی مہینہ شمار کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ان ایام کو گن کر جوڑ لیا جائے، جتنے دن ہوں اتنے دن کا فدیہ شمار کرلیا جائے۔

ولومات وعليه صلوات فائتة، وأوصىٰ بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر، والصوم وإنما يعطى من ثلث ماله. (شامي، زكريا ٢/٥٣٢، كراچي ٢/٧٢)

نمازوں کا فدیہ نکالنے کے لئے اگر میت نے وصیت کی ہے، تو اس کے تہائی مال سے نکالنا واجب ہے اور اگر وارثین اپنی طرف سے نکالنا چاہیں، تو واجب نہیں ہے، مگر دونوں طرح کے فدیہ کے مستحق فقراء ومساکین ہوتے ہیں؛ لہٰذا فدیہ کے پیسوں سے نمازیوں کے لئے اور مسجد کے لئے کوئی چیز لاکر دینا جائز نہ ہوگا، اس سے فدیہ ادا نہ ہوگا؛ بلکہ فقراء و مساکین پر تقسیم کردینا واجب ہے۔

واما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث......إنه يجزيه. (شامي، زكريا ٢/٥٣٢، كراچي ٢/٧٢)

وإشار بالتبرع إلى أن ذلك ليس بواجب على الولي. (شامي زكريا ٢/٥٣٣، كراچي ٢/٧٢)

وهو محرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغيره ذلك من الصدقات الواجبة. (شامي ٣/٢٨٣)

لايصرف إلى بناء نحو مسجد......وكل ما لا تمليك فيه. (شامي زكريا ٣/٢٩١، كراچي ٢/٣٤٤)

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ ایک فقیر کو ایک دن میں چار نمازوں سے زیادہ کا فدیہ نہ دیا جائے، حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں بالکل ناجائز لکھا ہے۔ (بیان القرآن ۱/۱۰۳، معارف القرآن ۱/۳۹۰)

اور فقہ کی بعض جزئیات اس کے موافق بھی ہے۔

وفي الولواجية: ولو دفع عن خمس صلوة تسع أمنان لفقير واحد ومنًا لواحد اختار الفقيه أنه يجوز عن أربع صلوات ولا يجوز عن الصلوة الخامسة. (عالمگيري ١/١٢٥، جديد ١/١٨٤، البحرالرائق، كراچي ٢/٩١، زكريا ٢/١٦٠، الفتاوى التاتارخانية ١/٧٧١)

اور احسن الفتاوی، فتاوی محمودیہ اور فتاوی رحیمیہ وغیرہ میں گنجائش لکھا ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۴۲۱، محمودیہ ۹/۸۴، رحیمیہ ۶/۴۷۷)

اور بعض فقہاء کی عبارتیں ان کی تائید میں بھی ملتی ہیں۔

وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدى وجوبًا، ولو في أول الشهر وبلا تعدد فقير كالفطرة –إلى قوله– فلو أعطىٰ هنا مسكينا صاعًا عن يومين جاز.

(شامي، زكريا ٣/٤١٠، كراچي ٢/٤٢٧، الجوهرة النيرة ١/٢٠٨، طحطاوي ٣٧٦)

نیز ایک فقیر کو نصاب سے زیادہ دینا کسی کے نزدیک بھی بغیر کراہت کے جائز نہیں ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۶۴ ۸۳)	۱۴۲۵/۵/۳ھ

کم پیسے سے نماز وروزہ کا فدیہ کیسے ادا کریں؟

سوال [۲۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کے اوپر نمازوں کی قضاء ہے، اب ان کا فدیہ دینا ہے؛ لیکن نمازیں زیادہ ہیں اور فدیہ کا پیسہ کم ہے، ایسی کیا شکل ہو کہ نماز کا فدیہ بھی اداء ہوجائے اور پیسہ بھی زیادہ خرچ نہ ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اس کی شکل یہ ہوگی کہ میت کے ذمہ تمام نمازوں کا حساب لگایا جائے، پھر اس کے تناسب سے جتنا فدیہ ہو کسی فقیر کو دیدیا جائے، وہ فدیہ پر قبضہ کر کے میت کے وارث کو واپس ہدیہ کر دے، اسی طرح یہ دونوں لیتے دیتے رہیں، جب حساب لگا کر دیکھ لیں کہ تمام نمازوں کا فدیہ اداء ہوگیا، تو وہ فدیہ کی مقدار فقیر کو دیدی جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ٧/٣٩٧، میرٹھ ١١/٤٧٠)

وإن لم يف ما أوصىٰ به الميت عما وجب عليه من الفدية، أو لم يكف ثلث ماله—فحيلته لإبراء ذمة الميت عن جميع ما عليه أن يدقع ذلک المقدار اليسير بعد تقديره لشيئ من صيام، أو صلوة، أو نحوه ما ويعطيه للفقير بقصد إسقاط ما يرد عن الميت فيسقط عن الميت بقدره، ثم بعد قبضه يهبه الفقير للولي، أو للأجنبي ويقبضه لتتم الهبة، ثم يدفعه الموهوب له للفقير بجهة الإسقاط متبرعاً به عن الميت. (الإصباع على هامش، نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت٤/١٠٤، كذا في مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب قضاء الفوائت، دار الكتاب ديوبند٤٣٩، حلبي كبير، كتاب الصلاة، قبيل فصل المسافر، اشرفية ٥٣٥، بحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا ٢/١٦٠، كوئٹه ٢/٩١، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العشرون، قضاء الفائته زكريا ٢/٤٥٨، رقم:٢٩٩١، شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت زكريا ٢/٥٣٤، كراچي ٢/٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/ربیع الثانی ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٢/٤/١٤٣٥ھ

صلوة المعادة

سوال [٢٨٧٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) کہ اعادہ والی نماز میں اگر کوئی ایسا شخص شریک ہو جائے جو اس سے پہلی جماعت میں شریک نہیں تھا تو کیا اس شریک ہونے والے کی نماز صحیح ہو جائیگی؟ اور فرض ادا ہو جائے گا؟ نیز نماز کا اعادہ ترک فرض کی وجہ سے کیا جا رہا ہو یا ترک واجب کی وجہ سے یا ترک سنت کی وجہ سے تینوں صورتوں میں مذکورہ شخص کی شرکت کا ایک ہی حکم ہے یا الگ الگ؟

(۲) مذکورہ مسئلہ میں اگر شرکت صحیح نہیں ہے تو شخص مذکور کیا کرے، آیا اعادہ والی جماعت کی فراغت کا انتظار کرتے ہوئے خاموش بیٹھا رہے یا اسی وقت وہ بھی ایک طرف ہو کر اپنی فرض نماز انفراداً شروع کر دے یا اس مسجد سے نکل کر جماعت پانے کی غرض سے کسی اور مسجد کو چلا جائے؟ کیا اس صورت میں اعراض عن الصلوۃ والی بات تو لازم نہیں آئیگی؟ شرعاً تینوں صورتوں میں کونسی صورت اختیار کرنی چاہئے؟

المستفتی: محمد فرقان الدین، نرسراؤ پیٹ (آندھرا)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعادہ والی نماز میں شریک ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں قدرے تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ شریک ہونے والے کو پہلے سے اس بات کا علم ہے کہ یہ نماز اعادہ والی ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے شریک ہونا درست نہیں ہے، اگر شریک ہوگا تو فرض ادا نہیں ہوگا؛ لیکن اگر پہلے اس بات کا علم نہ ہوا اور وہ شریک ہو جائے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ یہ تفصیل تو اس وقت ہے جبکہ اعادہ ترک واجب کی بنا پر ہو، اگر اعادہ ترک فرض کی وجہ سے ہے تو ایسی صورت میں وہ شامل ہوسکتا ہے۔

هكذا ذكر في الطحطاوي والمختار أن المعادة لترك واجب نفل جابر والفرض سقط بالأولى. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان الصلاة، دارالكتاب ديوبند ۲۴۸)

فالحاصل أن من ترك واجبا من واجباتها، أو ارتكب مكروها تحريميا لزمه وجوبا أن يعيد في الوقت. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، كراچي ۸۰/۲، زكريا ۱۴۲/۲)

(۲) اگر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں اعادہ والی نماز ہو رہی ہے اور کسی دوسری مسجد میں جماعت پانے کی امید ہے تو بہتر یہی ہے کہ اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھے جس میں جماعت کے ملنے کی امید ہو، اس طرح دوسری مسجد میں جماعت کی نیت سے پہلے چلے جانے میں اعراض عن الصلوۃ کا الزام لازم نہیں آئے گا اور اگر کسی دوسری مسجد میں جماعت پانے کی امید نہیں ہے تو اسی مسجد میں ایک طرف ہو کر اپنی نماز الگ پڑھنا جائز ہے، بیٹھے بیٹھے انتظار کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳۲۲/۴، جدید زکریا ۱۳۶/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۲۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۷ھ

ترک واجب کی بنا پر صلوۃ معادہ کا تفصیلی جواب

سوال [۲۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر جماعت کی نماز میں کوئی واجب چھوٹ جائے اور سجدہ سہو نہ کیا جائے، پھر نماز کا اعادہ کیا جائے تو اس میں نئے مقتدیوں کے شریک ہونے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد رضوان بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صلوۃ المعادۃ مستقل فرض ہے یا پہلی نماز کے لئے جابر ہے، اس سلسلے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں اولاً وہ اقوال بیان کئے جائیں گے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ المعادہ مستقل فرض ہے، علامہ شامیؒ نے فقیہ ابوالیسر کا قول نقل فرمایا ہے کہ:

ومقابله مانقلوه عن أبي اليسر أن الفرض هو الثاني. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، كراچي ١/٤٥٧، زكريا ١٤٨/٢)

علامہ شامیؒ نے ردالمحتار میں تین جگہ صلوۃ المعادۃ کا تذکرہ کیا اور طویل بحث کے بعد اس کی فرضیت کو ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

فإذا أعادها (الولي) وقعت فرضاً مكملا.

للفرض الأول نظير إعادة الصلوة المعادة بكراهة، فإن كلامنهما فرض .

(شامي، كتاب الجنائز، مطلب في بيان من هو أحق بالصلاة على الميت، زكريا ۱۲٤/۳، كراچي ۲۲۳/۲)

(۳) علامہ حسن ابن عمار الشرمبلالیؒ نے مراقی الفلاح میں صلوۃ المعادۃ کے مستقل فرض ہونے کو قیل کہہ کر ذکر فرمایا ہے:

وقيل تكون الثانية فرضًا فهى مسقطة. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند ٤٦٢، قديم ۲٥١)

(۴) علامہ ابراہیم بن محمد حلبیؒ نے فرمایا کہ بعض مشائخ نے صلوۃ المعادۃ کو فرض فرمایا ہے:

ومن المشايخ من قال يلزمه أن يعيد ويكون الفرض هو الثاني. (حلبي كبير، پاكستان، فرائض الصلاة، الفرض الثامن من تعديل الأركان ٢٩٤، أيضًا اشرفية ديوبند)

اب وہ اقوال ملاحظہ ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوۃ المعادہ پہلی نماز کے لئے جابر اور نفل ہے۔

(۱) علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ علامہ ابن الہمامؒ نے صلوۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے۔

اختار ابن الهمام الأول لأن الفرض لايتكرر. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، كراچي ٤٥٧/١، زكريا ۱٤٨/۲)

(۲) علامہ علاء الدین الحصکفیؒ نے صلوۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔

كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها والمختار أنه

جابر للأول. (در مختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب کل ضلاۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب إعادتھا، زکریا ۲/ ۱۴۸، کراچي ۱/ ۴۵۷)

(۳) علامہ ابراہیم بن محمد حلبیؒ نے حلبی کبیر میں صلوۃ المعادۃ کے جابر ہونے کو مختار قرار دیا ہے۔

ومن المشایخ من قال یلزمه أن یعید ویکون الفرض هو الثاني والمختار أن الفرض هو الأول. (حلبي کبیر، فرائض الصلاۃ، الفرض الثامن تعدیل الأرکان ۲۹۴)

(۴) علامہ ابراہیم حلبیؒ نے صغیری میں بھی صلوۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔

والمختار أن الفرض هو الأول والثاني جبر للخلل الواقع فیه بترک الواجب. (صغیري، مطبع مجتبائي، دهلي ۱۶۰)

(۵) علامہ زین الدین ابن نجیم مصریؒ نے الاشباہ والنظائر کے اندر صلوۃ المعادۃ کے جابر ہونے کو نقل فرمایا ہے:

أما الصلاۃ المعادۃ لارتکاب مکروہ أوترک واجب فلاشک أنها جابرۃ لافرض، لقولهم بسقوط الفرض بالأول. (الأشباہ قدیم، تحت القاعدۃ الثانیۃ الأمور بمقاصدها قدیم۷۲)

(۶) علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں صلوۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے۔

فتکون مکملۃ وسقط الفرض بالأولیٰ. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، کتاب الصلاۃ، باب سجود السهو، دارالکتاب دیوبند ۴۶۲، قدیم ۲۵۱)

(۷) علامہ طحطاویؒ نے طحطاوی علی المراقی میں صلوۃ المعادۃ کے نفل اور جابر ہونے کو مختار قرار دیا ہے۔

والمختار أن المعادة لترک واجب نفل جابر، والفرض سقط بالأولیٰ؛ لأن الفرض لایتکرر. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، دارالكتاب ديوبند ٢٤٨، قديم ١٣٤)

(۸) الموسوعۃ الفقھیہ میں صلوۃ المعادۃ کونفل قرار دیا ہے۔

والصلاة المعادة تکون نافلة: هذا قول الحنفية، والحنابلة، وقول الشافعية: بالجديد. (الموسوعة الفقهية ٢٧/١٧٤)

لہٰذا فقہاء کے جزئیات ہمارے سامنے دونوں قسم کے ہیں:

نمبر۱: وہ جزئیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری نماز فرض ہے۔

نمبر۲: وہ جزئیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی نماز فرض ہے، دوسری نماز نقصان کی تلافی کے لئے ہے، اب دونوں قسم کے جزئیات کے درمیان تطبیق کی شکل یہ ہے کہ جب دوسری نماز شروع ہوجائے تو نئے شریک ہونے والے دو قسم کے ہوں گے۔

نمبر۱: وہ لوگ جن کو معلوم ہے کہ یہ دوسری نماز ہے جو لوٹائی جارہی ہے تو ایسے لوگوں کے لئے اس نماز میں شریک ہونا جائز نہیں، اگر شریک ہوجائیں گے تو ان کا فرض ادا نہیں ہوگا دوبارہ پڑھنا ہوگا۔

نمبر۲: نئے آنے والے وہ لوگ جن کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جو نماز پڑھی جارہی ہے یہ لوٹائی جانیوالی نماز ہے اور وہ آکر شریک ہوجائیں تو ایسے لوگوں کے لئے یہ فرض نماز صحیح ہوجائے گی اور اسی سے ان کا فرض ساقط ہوجائے گا اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۲۲/۳۶)	۱۴۲۳/۶/۲۷ھ

ترک واجب کی بنا پر صلوۃ معادہ کی شرعی حیثیت

سوال [۲۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ امام قعدہ اولیٰ بھول گیا اور سجدہ سہو کئے بغیر سلام پھیر دیا بعدہ نماز کا اعادہ کیا، اعادہ شدہ نماز ظاہر روایت کے مطابق نفل ہوئی؟ اگر علماء کا اختلاف ہے تو درج فرمائیں۔

المستفتی: محمد ابوالکلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اعادہ شدہ نماز کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ مستقل فرض ہے یا پہلی کے لئے جابر ہے، علامہ شامیؒ نے فقیہ ابو الیسر کا قول نقل فرمایا ہے کہ صلاۃ المعادۃ مستقل فرض ہے۔

ومقابله مانقلوه عن أبي اليسر أن الفرض هو الثاني. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، كراچي ۱/ ۴۵۷، زكريا ۲/ ۱۴۸)

علامہ ابراہیم حلبیؒ نے فرمایا کہ بعض مشائخ نے صلاۃ المعادۃ کو فرض فرمایا ہے۔

ومن المشايخ من قال يلزمه أن يعيد ويكون الفرض هو الثاني.

(حلبي كبير، فرائض الصلاة، الفرض الثامن من تعديل الأركان، اشرفية ديوبند ۲۹۴)

علامہ ابن نجیمؒ نے بھی فرمایا کہ بعض بعض مشائخ نے صلاۃ المعادۃ کو مستقل فرض فرمایا ہے۔

ومن المشائخ من قال تلزمه ويكون الفرض هو الثاني. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ۵۲۳، كراچي ۱/ ۳۰۰)

دوسرا قول یہ ہے کہ صلاۃ المعادۃ مستقل فرض نہیں ہے؛ بلکہ پہلے کے لئے جابر ہے؛ چنانچہ علامہ شامیؒ نے فرمایا شیخ علامہ ابن الہمام نے صلاۃ المعادۃ کے جابر ہونے کے قول کو اختیار کیا ہے۔

اختار ابن الهمام الأول لأن الفرض لايتكرر. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، كراچي ۱/ ۴۵۷، زكريا ۲/ ۱۴۸)

علامہ طحطاویؒ نے طحطاوی علی المراقی میں صلوۃ المعادۃ کے نفل اور جابر ہونے کے قول کو نقل فرمایا ہے۔

والمختار أن المعادة لترک واجب نفل جابر والفرض سقط بالأولیٰ، لأن الفرض لایتکرر. (طحطاوي علی المراقي الفلاح، کتاب الصلاة، فصل في بیان واجب الصلاة، دارالکتاب دیوبند ۲٤۸، قدیم ۱۳٤)

غرض یہ دو قول صلاۃ المعادۃ کے بارے میں فقہ کی کتابوں میں مصرح ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک کے بارے میں صحیح اور راجح ہونے کا نشان بھی موجود ہے؛ لہٰذا تطبیق کی شکل یہ ہوگی کہ نماز کے لوٹانے کی حالت میں نو وارد شخص کو اگر معلوم ہے کہ یہ اعادہ کی جانے والی نماز ہے تو اس کی شرکت درست نہیں ہے اور اس پر اپنی فرض نماز کا اعادہ لازم ہے اور اگر نو وارد شخص کو معلوم نہیں ہے کہ نماز لوٹائی جارہی ہے اور آکر یہ سمجھ کر شریک ہوگیا کہ یہ اصل نماز ہے اعادہ نہیں تو ایسے شخص کی فرض نماز اس امام کے پیچھے درست ہوجائے گی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۳/۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۳۰ھ

صلوۃ المعادہ میں نئے نمازیوں کی شرکت

سوال [۲۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عصر کی نماز میں پہلی والی دو رکعتوں کے بجائے امام صاحب نے تین رکعتیں پڑھائیں اس کے بعد قعدہ میں بیٹھے پھر دو رکعت پڑھا کر قعدہ اخیرہ میں بیٹھ کر سلام پھیر دیا کچھ نمازیوں کے بتانے پر نماز دوبارہ پڑھی گئی، اب سوال یہ ہے کہ جو نماز دوبارہ پڑھی گئی ہے، اس میں وہی نمازی شریک ہوں گے جو کہ پہلی والی جماعت میں شامل تھے یا وہ نمازی بھی

شامل ہو سکتے ہیں جو کہ پہلی والی جماعت میں شامل نہیں تھے؟

المستفتی: حمایت اللہ، چکر کی ملک عزیز نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں امام صاحب کی فرض نماز باطل ہوگئی جس کی وجہ سے تمام مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہوگئی، اب دوبارہ نماز ادا کرنے میں پہلے والے مقتدی اور ایسے لوگ بھی شامل ہو سکتے ہیں جو پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے اور ہر ایک کی نماز درست ہو جائے گی۔

لوسها عن القعود الأخير......إن قيدها بسجدة......تحول فرضه نفلا الخ (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ٢/ ٥٥٠، كراچي ٢/ ٨٥)

لأن عدم سقوطه بالأول إنمايكون بترك فرض الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلاة أديت كراهة التحريم تجب إعادتها، زكريا٢/ ١٤٨، كراچي ١/ ٤٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰۰۹/۳۱)

صلوۃ المعادۃ میں شرکت کرنے والے کا حکم

سوال [۲۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک شخص نے عصر کی نماز فرض پانچ رکعت پڑھائی اور چوتھی رکعت پر قعدہ اخیرہ تو کیا؛ لیکن پانچویں رکعت پر سجدہ سہو نہیں کیا، تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(۲) اگر نہیں ہوئی تو کیا دوبارہ جو جماعت ہو رہی ہے اس میں نووارد شخص شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) مسبوق جو دو رکعت میں شامل نہیں تھا اپنی اپنی نماز ادا کرتا رہے یا نماز توڑ کر دوبارہ جو جماعت ہورہی ہے اس میں شامل ہوجائے اور امام کے پانچ رکعت پڑھانے کی صورت میں اس مقتدی کی جس کی ایک رکعت چھوٹ گئی تھی، اس کی تو چار رکعت ہوئی اور امام کی پانچ رکعت ہوئی تو کیا اس مسبوق مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟ دوسری جماعت کی نماز فرض ہوگی یا نفل؟ دوسری جماعت ہورہی ہے یہ ترک فرض کی وجہ سے ہورہی ہے یا نقصان کو پورا کرنے کے لئے ہورہی ہے؟

المستفتی: محمد شہزاد کشن پور، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نماز واجب الاعادہ ہے **لاتفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقا آثما الخ** (درمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة، كراچي ١/٤٥٦، زكريا٢/١٤٦)

(۲) صلوۃ معادۃ میں نو وارد کی شرکت کے بارے میں دو قول ہیں: جواز، وعدم جواز احوط اور پسندیدہ قول جواز کا ہے، تطبیق کی شکل یہ ہے کہ اگر نو وارد کو معلوم ہے کہ یہ صلوۃ معادۃ ہے تو اس کے لئے شرکت جائز نہیں اور اگر معلوم نہیں ہے تو اس کی شرکت صحیح ہے۔

المختار أنه جابر للأول لأن الفرض لايتكرر وتحته في الشامية: أن القول بكون الفرض هوالثاني يلزم عليه تكرار الفرض، لأن كون الفرض هو الثاني دون الأول يلزمه منه عدم سقوطه بالأول وليس كذلك، لأن عدم سقوطه بالأول إنما يكون بترك فرض لابترك واجب الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، كراچي ١/٤٥٧، زكريا ٢/١٤٨)

(۳) مسبوق نے اگر پانچویں رکعت میں امام کی متابعت کرلی ہے اور امام نے

چوتھی رکعت پر قعدہ بھی کرلیا تھا تو ایسی صورت میں مسبوق کی نماز فاسد ہوگئی ہے اس پر لازم ہے کہ اپنا فرض لوٹالے؛ اس لئے کہ چوتھی رکعت کے قعدہ کے بعد امام کی نماز مسبوق کے حق میں پوری ہوگئی، اب امام کی متابعت جائز نہیں ہے۔

إذا قام الإمام إلى الخامسة وتابعه المسبوق إن كان الإمام قعد على الرابعة فسدت صلوة المسبوق......لأن الإمام إذا قعد على الرابعة تمت صلوته في حق المسبوق الخ (قاضي خان، على الهندية، كتاب الصلاة، فصل في المسبوق، زكريا ١/١٠٢، زكريا جديد ١/٦٥، هكذا البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، باب الحدث في الصلاة، زكريا ١/٦٢، كوئٹه ١/٣٧٨، هندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق، زكريا ١/٩٢، زكريا جديد ١/١٥٠، شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب الاستخلاف، كراچي ١/٥٩٩، زكريا ٢/٣٥٠)

مسبوق کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہو یا دو رکعت یا تین رکعت سب صورتوں میں مذکورہ شکل میں مسبوقوں کی نمازیں فاسد ہوگئیں ہیں؛ لہٰذا ان پر اپنے فرض کا اعادہ لازم ہے اور امام کی صلوۃ معادہ فرض ہے یا جبر للنقصان؟ اس میں فقہاء کے اقوال دونوں طرح ہیں، بعض اول کو فرض کہتے ہیں ثانی کو تلافی نقصان اور بعض اول کو نفل اور ثانی کو فرض کہتے ہیں، مگر قول اول کی دلیل زیادہ مضبوط ہے اور اس میں احتیاط بھی ہے؛ اس لئے فرض پڑھنے والوں کے لئے جان بوجھ کر صلوۃ معادۃ میں شرکت نہیں کرنی چاہئے اس لئے مذکورہ مسبوق کے لئے اس میں شرکت مشروع نہ ہوگی۔

ومن المشايخ من قال يلزمه أن يعيد ويكون الفرض هو الثاني. والمختار أن الفرض هو الأول والثاني جبر للخلل الواقع فيه بترك الواجب الخ (غنية المستملي شرح كبيرى، فرائض الصلاة، الفرض الثامن من تعديل الأركان، اشرفية ديوبند ٢٩٤)

(٦/٥) اول فرض ہے ثانی تلافی نقصان ہے۔

المختار أنه جابر للأول لأن الفرض لايتكرر الخ (در مختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، كراچي ١/٤٥٧، زكريا ١/١٢٨، كبيري، ٢٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۳۳/۵۶۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۴ھ

صلوۃ المعادہ میں نو وارد کی شرکت کا حکم

سوال [۲۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی بنا پر امام کی نماز فاسد ہوگئی دوبارہ نماز کا اعادہ کرنا پڑا ایک آدمی بعد میں آکر شریک ہوگیا، بعد میں شرکت کرنے والے کی نماز درست ہوگئی؟ بیان کیجئے مہربانی ہوگی۔

المستفتی: عبداللہ معصوم پوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نماز فاسد ہوجانے کی وجہ سے لوٹائی جارہی ہے، تو ایسی صورت میں آکر شریک ہونے والوں کی نماز درست ہوجائیگی؛ اس لئے کہ لوٹائی جانے والی نماز بالاتفاق فرض ہے نقصان کی تلافی نہیں اور اگر نماز فاسد ہونے کی وجہ سے لوٹائی نہیں جارہی ہے؛ بلکہ ترک واجب کی وجہ سے لوٹائی جارہی ہے، تو ایسی صورت میں بعد میں آکر شریک ہونے والوں کی دو قسمیں ہے:

نمبر۱: وہ لوگ جن کو یہ بات معلوم ہے کہ یہ نماز نقصان کی تلافی کے لئے لوٹائی جارہی ہے ان کی شرکت درست نہیں ان کو نماز لوٹانا لازم ہے۔

نمبر۲: بعد میں آکر شرکت کرنے والوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ نقصان کی تلافی میں لوٹائی جانے والی نماز ہے؛ بلکہ یہ سمجھ کر شرکت کرلی ہے کہ یہ اصل نماز ہے، تو ایسے لوگوں

کی نماز درست ہوجاتی ہے، ان پر اپنی نماز کا اعادہ لازم نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۳/۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦ ۳/ ۱۰۴۸۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۱۱/ ۱۴۳۲ھ

تاخیر واجب کی بنا پر صلوۃ معادہ میں مسبوق اور نو وارد کی شرکت

سوال [۲۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے بھولے سے تیسری رکعت میں تین سجدے کر لئے آخر میں سجدہ سہو بھی کرنا بھول گئے سلام کے بعد دوبارہ نماز باجماعت ادا کی گئی؛ کیونکہ واجب الاعادہ تھی جماعت اول میں کچھ لوگ مسبوق تھے، جماعت ثانی ہوتے دیکھ کر مسبوق لوگوں نے اپنی نماز پوری کئے بغیر نیت توڑ دی اور جماعت میں شریک ہوگئے، اسی طرح بعض نئے لوگ اس جماعت ثانیہ میں آکر شریک ہوئے تو ان مسبوق لوگوں کی نماز اور بعد میں شریک ہونے والوں کی نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: نفیس احمد قاسمی، مہتمم مدرسہ تائید الاسلام، موانہ کلاں، میرٹھ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جن مسبوق حضرات نے اپنی نماز پوری کئے بغیر نیت توڑ دی ان کے لئے صلوۃ معادۃ میں شرکت جائز نہیں؛ اس لئے کہ صلوۃ معادۃ جبر نقصان کے طور پر ہے، جس میں مستقل فرض پڑھنے والوں کی اقتداء درست نہیں؛ بلکہ اعادہ لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۳۸۹، جدید زکریا ۳/۴۳۵، فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/۱۷۹، جدید زکریا ۴/۱۲۹)

اور اسی طرح نو وارد لوگوں میں سے جن کو صلوۃ معادۃ کا علم ہے ان کی نماز بھی

مسبوق کی طرح نہ ہوگی اور جن نو وارد لوگوں کو صلوۃ معادۃ کا علم نہیں اور اصل نماز سمجھ کر شرکت کی ہے تو ان لوگوں کی نماز درست ہو جائے گی، یہ متضاد روایات کے درمیان تطبیق کی صورت ہے، جن کو اہل فتاوی نے اختیار کیا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۳/۳۵۲، امداد الفتاوی، زکریا ۱/۵۴۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۴۰/۳۵)

ترک واجب کی بنا پر صلوۃ معادۃ کی اقتداء

سوال [۲۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے اور نماز کے درمیان کوئی ایسی خرابی آ گئی مثلاً قعدۂ اولیٰ کو چھوڑ دیا اور سجدۂ سہو نہیں کیا جس کی بنا پر نماز لوٹانی پڑ رہی ہے، اب آئی یہ بات کہ نماز جو پڑھائی جا رہی ہے بعد میں آنے الا شخص نماز میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ہوسکتا ہے تو کیوں اور اگر شریک نہیں ہوسکتا ہے تو کیوں؟

المستفتی: انیس الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں ترک واجب کی وجہ سے جو نماز لوٹائی جا رہی ہے وہ چونکہ مستقل فریضہ نہیں ہے؛ بلکہ پہلی نماز کی تکمیل کے لئے ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں آنے والے آدمی کو اگر یہ معلوم تھا کہ یہ لوٹائی جانے والی نماز ہے، پھر وہ اس میں شریک ہوگیا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی اعادہ لازم ہوگا اور اگر آنے والے آدمی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہ لوٹائی جانے والی نماز ہے اور وہ آکر اس میں شریک ہوگیا ہے تو اس کی نماز درست ہو جائے گی اعادہ لازم نہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۰۸/۸، جدید زکریا ۱۲۹/۴)

ویؤخذ من لفظ الإعادة ومن تعریفها بمامر أنه ینوي بالثانیة الفرض، لأن ما فعل أولاً هو الفرض فإعادته فعله ثانیاً أما علی القول بأن الفرض یسقط بالثانیة فظاهر وأما علی القول الآخر فلأن المقصود من تکریرها ثانیا جبر نقصان الأولیٰ، فالأولیٰ فرض ناقص، والثانیة فرض کامل مثل الأولیٰ ذاتا مع زیادة وصف الکمال، ولو کانت الثانیة نفلاً لزم أن تجب القرأة في رکعاتها الأربع، وأن لاتشرع الجماعة فیها ولم یذکروه ولایلزم من کونها فرضا عدم سقوط الفرض بالأولیٰ، لأن المراد أنها تکون فرضا بعد الوقوع. (شامي، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت مطلب في تعریف الإعادة، کراچي ۶۵/۱ ،زکریا ۵۲۲/۲، تقریرات رافعي ۵۷/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۷۶۹۵/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۵ھ

صلوۃ المعادۃ میں نئے شریک ہونے والے مقتدیوں کی نماز کا حکم

سوال [۲۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سجدہ سہو نہ کرنے کی وجہ سے جماعت کے ساتھ نماز کا اعادہ کیا جارہا ہے کہ اسی دوران پیچھے سے آکر کوئی شخص جماعت میں شریک ہوجائے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقادر، دیوبندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سجدۂ سہو نہ کرنے کی وجہ سے جب نماز کا باجماعت اعادہ کیا جارہا ہو تو اس درمیان نو واردلوگوں کی دو قسمیں ہیں:

نمبر۱: وہ لوگ جنہیں اس بات کا علم ہے کہ یہ وہ نماز ہے جس کا سجدۂ سہو کے ترک

کی وجہ سے اعادہ کیا جارہا ہے، ایسے لوگوں کے لئے اصل فرض نماز کی نیت کے ساتھ اس جماعت میں شریک ہونا درست نہیں، اس سے ان کا فرض ادا نہ ہوگا۔

والمختار أن المعادة لترک واجب نفل جابر، والفرض سقط بالأولیٰ؛ لأن الفرض لایتکرر. (حاشیة الطحطاوي علی المراقي الفلاح، کتاب الصلاة، فصل في بیان واجب الصلاة، دارالکتاب دیوبند ٢٤٨، قدیم ١٣٤)

فلو أتم المقیمون صلاتهم معهم فسدت، لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل. (شامي، کتاب الصلاة، باب صلوة المسافر، زکریا ٦١٢/٢، کراچي١٣٠/٢)

نمبر۲: وہ لوگ جن کو اس بات کا علم نہ ہو کہ یہ ایسی نماز ہے جس کا اعادہ کیا جارہا ہے؛ بلکہ وہ لوگ اصل فرض نماز سمجھ کر جماعت میں شریک ہوں تو ایسے لوگوں کی نماز درست ہوگئی اور فرض بھی ادا ہوجائے گا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۴۴۱/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۳/ ۱۴۳۱ھ

(۱۸) باب الحدث في الصلاة

دورانِ نماز حدث کا لاحق ہونا

سوال [۲۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس نماز میں فساد پیش آجائے تو اس کو مکمل ادا کرنے کے بعد دوبارہ اعادہ کریں گے یا درمیان ہی میں نیت توڑ کر نماز کا اعادہ کریں گے؟

المستفتی: اسلام الدین، مدناپور، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں جب فساد واقع ہو جائے مثلاً درمیان میں ریح کا خروج ہو جائے تو اس کے بعد نماز کو آگے جاری رکھنا جائز نہیں؛ اس لئے کہ بغیر وضو وطہارت کے نماز کا کوئی رکن ادا کرنا جائز نہیں؛ لہٰذا فوری طور پر وضو کا حکم ہے، اسی طرح اگر درمیان میں دنیاوی گفتگو کر کے نماز توڑ دی ہے تو وضو تو باقی ہے، مگر نماز کو از سر نو شروع کرنا لازم ہے۔

من سبقه حدث سماوي من بدنه موجب للوضوء في الصلاة انصرف من فوره وتوضأ من غير أن يشتغل بشيئ غير ضروري في وضوئه وبنى على صلاته عندنا، إن لم يعرض له ما ينافيها. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، تذييل في الحدث في الصلاة، اشرفية ٤٥٢)

ولو أدى شيأ من الصلاة مع الحدث الذي سبقه فسدت صلاته.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر في الحدث في الصلاة، زكريا ٢/ ٣٦٣، رقم: ٢٦٧١)

عن علي بن طلق قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا فسا أحدكم في الصلاة، فلينصرف، فليتوضأ وليعد الصلاة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من يحدث في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷، دارالسلام، رقم: ۲۰۵، سنن الدار قطني، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من الخارج من البدن، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۱۶۰، رقم: ۵۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۳۳ھ

جمعہ کی نماز کے دوران حدث کا لاحق ہونا

سوال [۲۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جمعہ کی نماز میں شامل ہے جماعت کی نماز ادا کر رہا ہے کہ دوسری رکعت میں اس کی ریح خارج ہو جاتی ہے رکوع کی حالت میں زید اگلی صف میں ہے اس کے پیچھے ۱۱/ یا ۱۲/ صفیں اور بھی ہیں نکلنے کا راستہ نہیں ہے اس صورت میں کیا زید امام کی اتباع کرے یا بیٹھ جائے نماز ہو گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد یحییٰ ۹-۳-۴ محلّہ بغیا بازار دیوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص کے لئے من جانب شریعت صفوں کو چیرتے ہوئے وضو کے لئے باہر جانے کی اجازت ہے بحالت حدث امام کی اتباع یا وہیں بیٹھ جانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم زکریا ۳/ ۴۰۳)

ومن شرط جواز البناء أن ينصرف من ساعته حتى لو أدى ركنا مع الحدث، أومكث مكانه قدر ما يؤدي ركنا فسدت صلوته (تبيين الحقائق قديم، كتاب الصلاة، باب الإمام والحدث في الصلاة، زكريا ۱/ ۳۷۰، قديم ۱/ ۱٤۵)

من سبقه حدث سماوي من بدنه موجب للوضوء في الصلاة انصرف من فوره وتوضأ من غير أن يشتغل بشيئ غير ضروري في وضوئه وبنى على صلاته عندنا، إن لم يعرض له ما ينافيها. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، اشرفية٢ ٤٥)

عن علي بن طلق قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا فسا أحدكم في الصلاة، فلينصرف، فليتوضأ وليعد الصلاة. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من يحدث في الصلاة، النسخة الهندية ١/ ٢٧، دارالسلام، رقم: ٢٠٥، سنن الدار قطني، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من الخارج من البدن، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٦٠، رقم: ٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان المعظم ۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۱۳)

پہلی صف میں موجود مقتدی کو حدث لاحق ہوجائے تو کیا کرے؟

سوال [۲۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کو بحالت نماز جمعہ حدث لاحق ہوجاتا ہے اور محدث پہلی صف میں موجود ہے باہر آنا بہت مشکل ہے تو وہ بغیر تسبیح وتحلیل کے نماز میں شریک رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر صف کے اوپر چٹائی موجود نہیں فرش پر گرد پڑی ہوتی ہے، تو کیا وہ تیمّم کرکے اسی پر بناء کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر منفرد کو حدث لاحق ہوجائے تو وہ کسی سے بات چیت کئے بغیر مسجد کی حدود میں رہ کر وضو کرکے بناء کرسکتا ہے یا نہیں؟ محدث کے پاؤں مسجد کی حدود میں ہوں اور وہ ہاتھ بڑھا کر پانی لیتا ہے تو وہ مسجد سے خارج ہے یا نہیں؟ جناب والا سے التجاء ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا مسعودالحسن رشیدی، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پہلی صف میں نماز پڑھ رہا ہے، تو بھی اصلاح صلوۃ کے لئے نمازیوں کے آگے سے گذر کر وضو کے لئے جانا درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۱۲، ۳/ ۲۹۷)

منفرد محدث کو نماز از سر نو پڑھنی چاہئے، یہی اس کے حق میں بہتر ہے۔

ومن سبقه الحدث في الصلاة انصرف وتوضأ وبنیٰ والاستئناف أفضل والمنفرد إن شاء أتم صلوته في منزله وإن شاء عاد إلى مكانه. (هداية، كتاب الصلاة، باب الإمام والحدث في الصلاة، اشرفي ١/ ١٢٨)

عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أصابه قيئ، أورعاف، أو قلس أو مذي، فلينصرف فليتوضأ، ثم ليبن على صلاته وهو ذلک لايتكلم. (ابن ماجه، إقامة الصلاة، والسنة، باب ماجاء في البناء على الصلاة، النسخة الهندية ٨٥، دارالفكر رقم: ١٢٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

حدث لاحق ہونے کی وجہ سے نمازیوں کے سامنے سے گذرنا

سوال [۲۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نماز میں حدث لاحق ہوجائے اور مجمع کافی ہو تو مقتدی نمازیوں کے سامنے سے گذرتا ہوا نکلے یا صفوں کو چیرتا ہوا نکلے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نمازی کے سامنے سے غیر نمازی کا گذرنا منع

ہے، نمازی کا گذرنا منع نہیں ہے اور جس کو حدث لاحق ہوتا ہے وہ داخل صلوۃ ہوتا ہے، اس کا نمازیوں کے سامنے سے گذرنا منع نہیں ہے؛ اس لئے صفوں کو چیرتے ہوئے نکلنے سے سامنے سے گذرتے ہوئے نکلنا بہتر ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۲۹۷)

عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أصابه قيئ، أورعاف، أو قلس أو مذي، فلينصرف فليتوضأ، ثم ليبن على صلاته وهو ذلک لايتكلم. (ابن ماجه، إقامة الصلاة، والسنة، باب ماجاء في البناء على الصلاة، النسخة الهندية ۸۵، دارالفكر رقم: ۱۲۲۱)

عن يزيد بن عبد الله قسيط الليثي: أنه رأى سعيد بن المسيب رعف وهو يصلي فأتى حجرة أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم فأتى بوضوء فتوضأ، ثم رجع فبنىٰ على ماقد صلى. (الموطأ للإمام مالك، كتاب الطهارة، ۱۰/باب ماجاء في الرعاف ۶۰، رقم: ۴۶-۴۷-۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۵ھ

حدث لاحق ہونے پر مقتدی کو امام بنانا اور اس کا اپنی جگہ پر نماز پوری کرنا

سوال [۲۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران نماز قعدۂ میں امام صاحب کا وضو ٹوٹ گیا، نماز پوری کرنے کے لئے جس شخص کو پیچھے سے امام نے آگے کرنے کی کوشش کی تھی، وہ آگے نہیں آیا؛ بلکہ پہلی صف کے مقتدیوں کے ساتھ بیٹھا رہا اور سلام پھیر دیا، دوسرے مقتدیوں نے بھی اسے امام مان کر سلام پھیر دیا، تو یہ عمل درست تھا، امام نماز کس طرح پوری کرے گا؟

المستفتی: محمد رضوان قاسمی، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوران نماز امام صاحب نے حدث لاحق ہونے کی بناء پر جب دوسرے شخص کو امام بنایا اور اس نے اپنی جگہ پر بیٹھے ہی امام بن کر سلام پھیر دیا اور دیگر مقتدیوں نے بھی اسے امام مان کر سلام پھیر دیا، تو ایسی صورت میں سب کی نماز درست ہوگئی اور امام اول وضو سے اگر امام ثانی کے سلام پھیرنے سے پہلے فارغ ہوجاتا ہے، تو وہ اس امام کی اقتداء کرے گا ورنہ مابقیہ نماز منفرد کی طرح پوری کرے گا۔

إمام أحدث فقدم رجلاً من آخر الصفوف، ثم خرج من المسجد فإن نوى الثاني أن يكون إماما من ساعته ونوىٰ أن يؤمهم في ذلک المكان جازت صلاة الخلفية وصلاة الإمام الأول ومن كان على يمين الخليفة، وعلى يساره في صفه ومن كان خلفه......والأول يتوضأ ويبنىٰ على صلاته. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في الاستخلاف، زكريا ديوبند ۲/۳۷۵، رقم:۲۷۱۷، قاضيخان على هامش الهندية، باب افتتاح الصلاة، فصل في الاستخلاف زكريا ۱/۱۱۵)

لو تقدم يبتدئ من حيث انتهىٰ إليه الإمام وإذا انتهىٰ إلى السلام يقدم مدركًا يسلم بهم ......والإمام كالمنفرد إن فرغ إمامه والاعاده ويتم خلف خليفته. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس في الحدث في الصلاة، فصل في الاستخلاف زكريا ۱/۹۵، زكريا جديد ۱/۱٥٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف؍۱۱۴۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۴؍۱۴۳۵ھ

(۱۹) باب سجود السهو

کتنی تاخیر سے سجدسہوواجب ہے

سوال [۲۸۸۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تراویح کی نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد قاری بھی سوچتارہا کہاں سے پڑھوں اورسامع بھی سوچتارہا کہ کہاں سے بتاؤں دونوں ہی بھول گئے، اس کوسوچنے میں ایک رکن کے بقدرتاخیر ہوگئی تو کیا سجدہ سہوواجب ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرقاری اورسامع کے سوچنے میں ایک رکن یعنی تین مرتبہ **سبحان ربی الأعلی** یا تین مرتبہ **سبحان ربی العظیم** کہنے کے بقدرتاخیر ہوگئی تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوچکا ہے۔ (مستفاد: امدادالاحکام۲/۲۸۹، بہشتی زیور۲/۳۷)

إن طال تفكره......قدر أداء ركن وجب عليه سجود السهو لتأخيره واجب القيام، وفي حاشية الطحطاوي: ولم يبينوا قدر الركن وعلى قياس ما تقدم أن يعتبر الركن مع سنته وهو مقدر بثلاث تسبيحات. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، قبيل فصل في الشك، دارالكتاب ديوبند ٤٧٤)

فعند الإمام طويله ما يمكن فيه أداء ركن ولو بلا سنة وهو مقدار ”سبحان الله“ مرةً......، وعند الثاني أي أبي يوسفؒ مايسع أداء ركن بسنته وهو قدر الثلاثة تسبيحات وهو المختار. (اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب حكم الشك في

عدد رکعات الصلاۃ، بیروت ۱۸۳/۷، کراچي ۱٦۳/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۰۲/۱۱)

تیسری رکعت پر تین تسبیح پڑھنے سے کم مقدار بیٹھنا

سوال [۲۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام نے ظہر پڑھائی اور قعدہ کرنے کا ارادہ کیا اس حال میں کہ امام کو بھی شک تھا کہ شاید تین رکعت ہوئی ہیں؛ چنانچہ وہ ابھی انگلیوں کے بل بیٹھا ہی تھا کہ ایک مقتدی نے لقمہ دیا امام نے کھڑے ہوکر نماز پوری کی اور سجدۂ سہو نہیں کیا، اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

(۲) اگر امام تین رکعت پر بیٹھ گیا اور ابھی ایک مرتبہ سبحان ربي الاعلی کہنے کے بقدر بھی نہیں بیٹھا تھا کہ مقتدی نے لقمہ دیا امام نے کھڑے ہوکر نماز پوری کی اور سجدۂ سہو نہیں کیا اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد، نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں صورتوں میں نماز صحیح ہوگئی اور سجدۂ سہو دونوں صورتوں میں واجب نہیں ہے؛ اس لئے کہ سجدۂ سہو واجب ہونے کے لئے تین تسبیح کے بقدر یا اس سے زیادہ تاخیر ہونا ضروری ہے اور اس سے کم تاخیر کی صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا۔

وكذا القعده في آخر الركعة الأولى، أو الثالثة فيجب تركها ويلزم من فعلها أيضا تأخير القيام إلى الثانية، أو الرابعة عن محله وهذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشا فعي فتركها غير

واجب عندنا الخ . (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب لا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية، زكريا ٢/١٦٤، كراچي ١/٤٦٩، مصري ١/٤٣٨)

إذا شغله التفكر عن أداء واجب بقدر ركن-يجب السهو وإلا فلا، كذا في الشرح......وعلى قياس ما تقدم أن يعتبر الركن مع سنة وهو مقدر بثلاث تسبيحات. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، جديد دارالكتاب ديوبند ٤٧٤، قديم ٢٥٨)

أو قدر ركن قصير كالركوع، أو السجود بسنته: أي قدر ثلاث تسبيحات وبالثاني جزم البرهان إبراهيم الحلبي في شرح المنية حيث قال: وذلک مقدار ثلاث تسبيحات. (منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ديوبند ١/٤٧٤، كوئٹه ١/٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۸۰/۲۷)

عصر کی تیسری رکعت میں دو تسبیح کے بقدر بیٹھ گیا

سوال [۲۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عصر کی نماز پڑھ رہا تھا، چار رکعت سمجھ کر وہ بھولے سے تیسری رکعت پر بیٹھ گیا، فوراً لقمہ ملا اور کھڑا ہوگیا، اب اس نے سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، تو ایسی صورت میں نماز کو دہرانا صحیح ہے یا نہیں؟ قیام میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا، خواہ دو تسبیح کے بقدر ہی کیوں نہ بیٹھا ہو اس مسئلہ میں مستند قول بیان کریں۔

المستفتی: حافظ طاہر حسین اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر تیسری رکعت میں ایک رکن یعنی تین تسبیح

سے کم مقدار بیٹھا ہے تو سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا، بغیر سجدۂ سہو کے نماز صحیح ہوجائے گی اور اگر تین تسبیح یا اس سے زائد مقدار بیٹھا ہے تو پھر سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/۲۹۰، فتاوی دار العلوم ۴/۴۱۴)

إذا شغله التفكر عن أداء واجب بقدر ركن......يجب السهو والإفلا، كذا في الشرح......وعلى قياس ما تقدم أن يعتبر الركن مع سنة وهو مقدار بثلاث تسبيحات. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، جديد دارالكتاب ديوبند ٤٧٤، قديم ٢٥٨)

أو قدر ركن قصير كالركوع، أو السجود بسنة: أي قدر تسبيحات وبالثاني جزم البرهان إبراهيم الحلبي في شرح المنية حيث قال: وذلک مقدار ثلاث تسبيحات. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ديوبند ١/٤٧٤، كوئٹه ١/٢٧٢)

تأخير القيام إلى الثالثة، أو الرابعة عن محله، وهذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشا فعي فتركها غير واجب عندنا. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب لا ينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية، زكريا ٢/١٦٤، كراچي ١/٤٦٩، مصري ١/٤٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۱۷/۳۶)

محض گمان پر سجدۂ سہو کرنا

سوال [۲۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی پر سجدۂ سہو واجب نہیں تھا اور مصلی نے نماز کی حالت میں اپنے اوپر

سجدۂ سہو کو واجب سمجھا اور اس نے سجدۂ سہو کرلیا خارج نماز شرح صدر کے ساتھ اس کو یہ معلوم ہوگیا کہ مجھ پر سجدۂ سہو نہیں تھا تو کیا اس صورت میں نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟

اسی طرح اگر کسی نے نماز میں درود شریف یا دعاء ماثورہ کو دوبارہ پڑھ دیا تو کیا اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا ؟

المستفتی: سید احسان احمد قاسمی، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مصلی پر جب سجدۂ سہو واجب نہ تھا محض گمان کی بنا پر سجدۂ سہو کرلیا پھر بعد میں عدم وجوب کا یقین ہوگیا تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے نماز ہوگئی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۶/۴۱۲)

ولو ظن الإمام السهو فسجد له فتابعه، فبان أن لا سهو فالأشبه الفساد (درمختار) وفي الشامية قال وفي الفيض وقيل لا تفسد وبه يفتى. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة قبيل، باب الاستخلاف، زكريا ۲/ ۳۵۰، كراچي ۱/ ۵۹۹)

ولو ظن الإمام أن عليه سهواً، فسجد للسهو فتابعه المسبوق فيه، ثم علم أنه لم يكن عليه سهو فأشهر الروايتين أن صلاة المسبوق تفسد -إلى- قال الفقيه أبو الليث: في زماننا لا تفسد هكذا في الظهيرية.

(هندية، كتاب الصلاة، الفصل السابع في المسبوق واللاحق ۱/ ۹۲، جديد ۱/ ۱۵۰)

اسی طرح اگر نماز میں درود شریف یا دعاء ماثورہ کو دوبارہ پڑھ دیا تو اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ درود شریف اور دعا کا پڑھنا سنت ہے اور سجدۂ سہو کا وجوب ترک واجب، تکرار واجب اور تأخیر رکن وغیرہ سے ہوتا ہے سنت کے تکرار سے نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۲۹)

كرر التشهد في القعدة الأخيرة فلاسهو عليه. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۲/ ۱۷۲، ۱۷۳، كوئٹه، ۲/ ۹۷ هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱/ ۱۲۷، جديد زكريا ۱/ ۱۸۶)

یجب بترک واجب الخ (در مختار) وفي الشامية واحترز بالواجب عن السنة کالثناء والتعوذ ونحوهما. (شامي، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مصري ١/٦٩٣، شامي زکریا٢/٥٤٣، کراچي ٢/٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍۶۷۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۵ھ

سورہ فاتحہ کی دو تین آیت پڑھ کر دوبارہ مکمل پڑھنا

سوال [۲۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا سورۂ فاتحہ کی دو تین آیات پڑھنے کے بعد اگر پھر سے سورہ فاتحہ شروع سے پڑھی جائے تو سجدۂ سہو کی ضرورت ہے یا نہیں؟ از راہ کرم مع حوالہ جواب سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبد الوحید، مکان نمبر ۱۴، نیاریان، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سورۂ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں ان میں سے اگر تین یا اس سے کم آیتیں پڑھ کر پھر شروع سے پڑھی جائے تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہے اور اگر چار آیتیں یا اس سے زائد پڑھی جائے اور پھر شروع سے پڑھی جائے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔

ولو قرأ الفاتحة إلا حرفا، أو قرأ أكثرها، ثم أعادها ساهيا فهو بمنزلة ما لو قرأها مرتين. (عالمگيري، کتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زکریا ١/١٢٦، جديد زکریا ١/١٨٦، الفتاوی التاتارخانية، کتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، زکریا ٢/٣٩٢، رقم: ٢٧٦٣)

ولو كرر الفاتحة أو بعضها في إحدى الأوليين قبل السورة سجد للسهو . (حاشتية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب سجود السهو، داارلكتاب ديو بند جديد ٤٦٠)

وقراء ة أكثر الفاتحة ثم إعادتها كقراء تها مرتين. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كوئٹه ٢/ ٩٤، زكريا ٢/ ١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر ۲۶/ ۲۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۶ھ

کیا تشہد کے کسی جزو کے تکرار سے سجدۂ سہو واجب ہے؟

سوال [۲۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس طرح نماز میں سورۃ فاتحہ کے کسی جز کے تکرار سے سجدۂ سہو واجب ہے؟ کیا اسی طرح تشہد کے کسی جز کے تکرار سے سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح قول کے مطابق نماز میں سورہ فاتحہ کے محض کسی جزو کے تکرار سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا؛ بلکہ اکثر حصے کے تکرار سے سجدۂ سہو کا وجوب ہوتا ہے یہی بات تشہد کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے کہ اگر اس کا اکثر حصہ دوبارہ پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا اور اگر اکثر حصے کا تکرار نہیں ہوا؛ بلکہ صرف کسی جزو کا تکرار ہوا ہے تو سجد سہو واجب نہیں ہوگا۔

ولوقرأها في ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب الخ، وكذا لو قرأ أكثرها ثم أعادها. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ١٥٢، كراچي ١/ ٤٦٠)

و قراءة أكثر الفاتحة ثم إعادتها كقراء تهامرتين. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، کوئٹہ ۲/ ۹٤)

ولـو كرر التشهد في القعدة الأولىٰ فعليه السهو. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو ۱/ ۱۲۷، جديد زكريا ۱/ ۱۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍ ۱۱۵۵۰)

سورہ فاتحہ کو" اھدنا الصراط" تک پڑھنے کے بعد دوبارہ ازسرِنو پڑھنا

سوال [۲۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سورۃ فاتحہ کو "اھدنا الصراط" تک پڑھنے کے بعد بھول گیا اس کے بعد پھر دوبارہ شروع سے لوٹالیا تو اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلیمان غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سجدۂ سہو واجب ہوگا؛ چونکہ" اھدنا الصراط" تک سورۂ فاتحہ کا اکثر حصہ ہے اور سورۂ فاتحہ کے اکثر حصہ کے تکرار سے سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوجائے گا۔

فلوقرأها في ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السهو كما في الذخيره وغيرها، وكذا لو قرأ أكثرها، ثم أعادها.

(شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۲/ ۱۵۲، كراچي ۱/ ٤٦٠)

وقراءة أكثر الفاتحة، ثم إعادتها كقراء تها مرتين. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، کوئٹہ ۲/ ۹٤، زكريا ۲/ ۱٦۷)

ولـو قـرأ الـفـاتـحة إلا حـرفـا، أو قـرأ أكثرها، ثم أعادها ساهيا، فهو بمنزلة ما لو قرأها مرتين. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ۱/۱۲٦، جديد ۱/۱۸٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ۷٦/۲۷، خانية على هامش الهندية، كتاب الصلاة، بـاب سـجـود السهـو، قـديـم ۱/۱۲۲، جـديد زكريا ۱/۷۷، كذا في التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، زكريا ۲/۳۹۲، رقم:۲۷٦۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۱۳۰۴/۴۰)

ثناء کے بعد سورۂ فاتحہ کے بجائے التحیات پڑھنا

سوال [۲۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ثناء کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بجائے التحیات پڑھ لی پھر یاد آنے پر سورۂ فاتحہ پڑھ لی اور ضم سورۃ کرلیا تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ثناء کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بجائے التحیات پڑھ لی پھر یاد آنے پر سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔
(مستفاد:محمودیہ ڈابھیل ۷/۴۱۰،محمودیہ میرٹھ ۱۱/۴۸۵)

ولـو تشهـد فـي قيامهٖ قبل قراء ة الفاتحة فلا سهو عليه. (هندية، كتاب الصلاة، زكريا ۱/۱۲۷)

وإن افتتح الـصلاة فـقـرأ التشهـد فـي قيـامه قبل أن يشرع في قراء ة الـفاتحة عامداً، أو ساهياً لا سهو عليه. (خـانية على هامش الهندية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۱/۱۲۲، جديد ۱/۷۷)

لو تشهد في قيامه بعد الفاتحة لزمه السجود وقبلها لا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۱۷۲/۲، البحر الرائق كوئٹہ ۹۷/۲)

ولو تشهد في قيامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهو عليه، وبعدها يلزمه- لأن بعد الفاتحة محل قراءة السورة- وقبلها محل الثناء- هذا يقتضى تخصيصه بالركعة الأولىٰ. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۴۷٤/۱، مكتبه امداديه ملتان ۱۹۳/۱)

لو بدأ بالتشهد، ثم بالقراءة، فلا سهو عليه. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، المجلس العلمي جديد ۳۱۳/۲، رقم: ۱۸۶۳، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل:۱۷، سجود السهو، زكريا ۳۹۷/۲، رقم: ۲۷۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۳/۴۰)

پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ سے قبل تشہد پڑھنا

سوال [۲۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض، سنت، وتر اور نفل میں سے کسی بھی نماز کی پہلی رکعت میں کھڑے ہوتے ہی بھول سے التحیات پڑھ دی پھر ثنا تعوذ تسمیہ پڑھ کر سورۂ فاتحہ پڑھی تو کیا شروع میں تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

المستفتی: نسیم احمد سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی نماز میں نیت باندھنے کے بعد ثنا وتعوذ

سے پہلے بھول سے التحیات پڑھ لی ہے،تو اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہے؛ اس لئے کہ التحیات بھی ثناء کی طرح دعا ہے۔

في شرح النقاية: وذكر الناطفي في أجناسه عن محمدؒ أنه لو تشهد في قيامه قبل قراء ة الفاتحة لايسجد؛ لأنه بمنزلة الثناء وبعدها يسجد وهو الأصح. (شرح نقايه، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اعزازيه ديوبند، ۱/۱۱۲)

وعن محمد: لو تشهد في قيامه قبل قراء ة الفاتحة، فلا سهو عليه، وبعدها يلزمه سجود السهو وهو الأصح. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه امداديه ملتان ۱/۱۹۳، زكريا ۱/۴۷۴، البنايه، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفية۲/۶۱۱، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مصري قديم ۱/۱۴۹، دارالكتب العلمية بيروت جديد ۱/۲۲۱، هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ۱/۱۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۴۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۸ھ

ثناء سے قبل تشہد پڑھنے کے سلسلے میں احسن الفتاوی میں تسامح

سوال [۲۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز میں بحالت قیام پہلی رکعت میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لینے سے ندائے شاہی میں لکھا ہے کہ سجدۂ سہو واجب نہیں؛ جبکہ احسن الفتاوی میں سجدہ سہو کے وجوب کو لکھا ہے،اس تضاد کی وضاحت مطلوب ہے؟

المستفتی: محمد عرفان، حیدرآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ندائے شاہی میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ حالت قیام

میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا یہی مسئلہ صحیح ہے، صاحب احسن الفتاوی نے اپنی عادت کے خلاف قیاس کر کے ایسی صورت میں وجوب سجدۂ سہو کو لکھا ہے، اس کے ذیل میں کوئی جزئیہ بھی نقل نہیں فرمایا ہے؛ لہٰذا صاحب احسن الفتاوی کا لکھا ہوا جواب ان کا اپنا قیاس ہے جو فقہاء کی صراحت کے خلاف ہے۔

ولو تشهد في قيامه قبل قراء ة الفاتحة، فلا سهو عليه. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في سجو السهو، زكريا ١/١٢٧، جديد زكريا ١/١٨٦)

ولو قرأه في القيام إن كان قبل الفاتحة لاسهو، أو بعدها فعليه؛ لأن ما قبلها محل الثناء، وهذا يقتضي تخصيصه بالركعة الأولىٰ. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو كوئٹه ١/٤٣٩، زكريا ١/٥٢١، مصري قديم ١/٥٠٤)

وعن محمد: لو تشهد في قيامه قبل قراء ة الفاتحة، فلا سهو عليه، وبعدها يلزمه سجود السهو وهو الأصح. (البنايه، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفية٢/١ ٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲رشوال المکرّم ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۹۴)	۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ

نفل نماز میں سورۂ فاتحہ کا تکرار موجب سجدہ سہو نہیں

سوال [۲۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نفل نماز میں تکرار فاتحہ سے کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

المستفتی: عبدالرشید، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سنن ونوافل اور تراویح میں سورۂ فاتحہ یا اس کے کسی جزو کے تکرار سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔

جسرة بنت دجاجة قالتؓ: سمعت أبا ذر يقول: قام النبي صلى الله عليه وسلم: حتى إذا أصبح بآية، والآية إن تعذبهم، فإنهم عبادك وإن تغفرلهم فإنك أنت العزيز الحكيم. (سنن النسائی، کتاب الصلاة، باب ترديد الآية، النسخة الهندية ١/ ٦١، دارالسلام رقم:١٠١١)

وينبغي أن يقيد ذٰلك بالفرائض؛ لأن تكرار الفاتحة في النوافل لم يكره كما في القهستاني. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٢٠)

وإذا كرر آية واحدة مرارًا، فإن كان في التطوع الذي يصلي وحده فذلك غير مكروه. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، ومالايكره، زكريا ١/ ١٠٧، جديد ١/ ١٦٦)

وإذا كرر آية واحدة مراراً، فإن كان في التطوع الذي يصلي وحده، فذلك غير مكروه، فقد ثبت عندنا عن جماعة من السلف رضي الله عنهم أنهم كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب، أو آية الرحمة، أو آية الرجاء، أو آية الخوف. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي جديد ٢/ ٤٩، رقم:١٢٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۹ھ

سورۂ فاتحہ کے بعد التحیات پڑھنے کا حکم

سوال [۲۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ کے بجائے التحیات پڑھ لی اور یاد

آنے پر ضم سورۃ کرلیا اب سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شخص مذکور نے جب سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ کے بجائے التحیات پڑھ لی اور یاد آنے پر ضم سورۃ کرلیا، تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگیا؛ اس لئے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد بلا تاخیر ضم سورۃ کرنا واجب ہے اور تاخیر واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز کا اعادہ لازم ہے، اگر سجدۂ سہو کرلیا ہے تو نماز درست ہوگئی۔

وذكر الناطفي في الأجناس عن محمد لو تشهد في قيامه قبل قراءة الفاتحة فلا سهو عليه، وبعدها يلزم. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، اشرفية ٤٦٠)

قبل قراءة الفاتحة فلا سهو عليه، وبعدها يلزمه سجود السهو وهو الأصح؛ لأن بعد الفاتحة محل قراءة السورة، فإذا تشهد فيه فقد أخر الواجب. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ١/١٢٧، جديد زكريا ١/١٨٦، مجمع الأنهر بيروت، كتاب الصلاة، باب سجود السهو ١/٢٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۴۰/۴۱)

سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ کے بجائے التحیات پڑھ لی

سوال [۲۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ سورۃ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ کرنا تھا تو بجائے ضم سورۃ کے التحیات پڑھ لی تو سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلیمان، غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورۃ کے بجائے التحیات پڑھ لی، تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/۵۹، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/۴۱۰، میرٹھ ۱۱/۴۸۵)

لو تشهد في قيامهٖ بعدالفاتحة لزمه السجود. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۲/۱۷۲، البحرالرائق كوئٹه ۲/۹۷)

ولـوتشهد في قيامه......وبعدها يلزمه سجود السهو وهو الأصح، لأن بعد الفاتحة محل قراءة السورة، فإذا تشهد فيه فقد أخَّر الواجب. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ۱/۱۲۷، جديد زكريا ديوبند ۱/۱۸٦)

ولـو تشهد في قيامهٖ قبل قراءة الفاتحة فلا سهو عليه، وبعدها يلزمه، سجود السهو وهو الأصح، لأن بعد الفاتحة محل قراءة السورة، فإذا تشهد فيه فقد أخَّر الواجبَ. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۱/٤٧٤، مكتبه امداديه ملتان ۱/۱۹۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۲)

سجدۂ سہو کی وجہ سے التحیات تین مرتبہ پڑھنا

سوال [۲۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مغرب کی نماز میں امام صاحب آخری رکعت میں سلام پھیرنے کے بجائے کھڑے ہوگئے، مقتدیوں نے اللہ اکبر کہا امام صاحب بیٹھ گئے التحیات پڑھی سجدۂ سہو کیا نماز پوری کی اس طرح آخری رکعت میں تین مرتبہ التحیات پڑھی، ایسی حالت میں نماز درست ہوگئی؟ یا دوبارہ پڑھی جائے شرعی حکم سے آگاہ کیا جائے۔

المستفتی: عبدالقدیر، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح آخری رکعت میں تین مرتبہ التحیات ہونے کی وجہ نماز فاسد نہیں ہوئی سجدۂ سہو سے کمی کی تلافی ہوکر نماز بلاکراہت صحیح اور درست ہوچکی ہے۔

عن علقمة عن عبد الله رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر خمسًا فقيل له أزيد في الصلاة؟ فقال: وما ذاك قال: صليت خمسًا، فسجد سجدتين بعد ما سلم. (صحيح البخاري، كتاب السهو، باب إذا صلى خمسًا ١/١٦٣، رقم:١٢١٢، ف:١٢٢٦)

ولو قعد في الرابعة، ثم قام ولم يسلم عاد إلى القعدة مالم يسجد للخامسة وسلم وفي هامشه، لأن النبي صلى الله عليه وسلم، قام إلى الخامسة فسبح من خلفه فعاد وسلم وسجد سجدة السهو الخ (هداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفي ٢/١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶؍شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۳۲)	۱۴۱۴/۱۰/۱۶ھ

وتر کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کا حکم

سوال [۲۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ وتر کی دوسری رکعت میں التحیات کے بعد درود شریف اور دعاء پڑھ لی، پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شکیل، مانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وتر کی دوسری رکعت میں التحیات کے ساتھ درود شریف بھی پڑھ لی تو قیام میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو کرنا لازم ہے۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۳۹۳/۴، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۴۲۴/۷، میرٹھ ۵۱۱/۱۱)

عن الشعبي، قال: من زاد في الركعتين الأوليين على التشهد فعليه سجدتا السهو. (المصنف لإبن أبي شيبه، كتاب الصلاة، باب قدر كم يقعد في الركعتين الأوليين، مؤسسه علوم القرآن جديد ٤٧/٣، رقم:٣٠٣٩)

والعمل على هذا عند أهل العلم يختارون أن لا يطيل الرجل القعود في الركعتين الأوليين، ولا يزيد على التشهد شيئًا في الركعتين الأوليين، وقالوا: إن زاد على التشهد فعليه سجدتاالسهو. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في مقدار القعود في الركعتين الأولين، النسخة الهندية ٨٥/١، تحت دار السلام رقم:٣٦٦)

ولا يزيد في الفرض على التشهد في القعدة الأولىٰ إجماعًا، فإن زاد عامداً كره فتجب الإعادة، أو ساهيًا وجب عليه سجود السهو، إذا قال: اللّٰهم صلى على محمد فقط على المذهب المفتى به تحته في الشامية، قوله: في الفرض: أي وما ألحق به كالوتر والسنن الرواتب. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،زكريا ٢٢٠/٢، كراچي ٥١١/١)

ولو كرّر التشهد في القعدة الأولى فعليه السهو، وكذا لو زاد على التشهد الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم.وعليه الفتوىٰ. (هندية،

کتاب الصلاة، باب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ١/١٢٧، جديد زكريا ١/١٨٦، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، زكريا ٢/٤٠٠، رقم:٢٧٩٣، غنية المستملى، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مكتبه الاشرفية ديو بند ٤٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۲/۴۰)

سجدۂ سہو کے بعد التحیات کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ دی

سوال [۲۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے نماز ادا کرلی اور سجدۂ سہو کیا، سجدۂ سہو کے بعد بجائے التحیات کے درود شریف یا سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھ لیا التحیات نہیں پڑھی، تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: الحاج ڈاکٹر شمس القمر ولد عبد الواجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سجدۂ سہو کے بعد التحیات پڑھنا واجب ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں نماز کا فریضہ ادا ہو چکا ہے، مگر ترک واجب کی وجہ سے اعادہ لازم ہے، ورنہ نماز ناقص ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی مظاہر العلوم ۱/۴۰)

عن عمران بن حصينؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى بهم، فسها، فسجد سجدتين، ثم تشهد، ثم سلم. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب سجدتي السهو فيهما تشهد و تسلم، النخسة الهندية ١م١٤٩، دارالسلام رقم:١٠٣٩، سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في التشهد في سجدتى السهو، النسخة الهندية ٩٠/١٧، دارالسلام رقم:٣٩٥، صحيح ابن خزيمه المكتب الإسلامي ١/١٢٧، رقم:١٠٦٣، ومثله في المعجم الكبير للطبراني ١٠/٢٨، رقم:٩٨٣٧)

ویجب بعد سلام واحد عن یمینه...... سجدتان ویجب أیضاً تشهد وسلام وتحته في الشامیة حتی لو سلم بمجرد رفعه من سجدتی السهو صحت صلاته ویکون تارکا للواجب الخ. (شامي مع الدر، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، کراچي ۲/۸۷، زکریا دیوبند ۲/۵٤۱)

وعلی هذا لو سلم بمجرد رفعه من سجدتی السهو یکون تارکا للواجب ولایفسد. (حاشیة چلپي علی تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، مکتبه امدادیة ملتان ۱/۱۹۱، زکریا ۱/٤۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۴۱)

نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا

سوال [۲۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب نے نماز میں سورۃ ''**الٓمّٓ سجدة**'' تلاوت کی اور آیت سجدہ پر نماز ہی کی حالت میں سجدہ کرلیا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تو اس کو آیت سجدہ سے آگے پڑھنا چاہئے تھا اوراس نے سورۃ فاتحہ کو یہ سمجھ کر پڑھ لیا کہ یہ رکعت ثانیہ ہے اور پھر قرأت کی اور آخر نماز میں سجدۂ سہو نہیں کیا، تو یہ نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں ہے **مدلل** ومفصل جواب قلمبند کیجئے۔ بندہ نے ایک عالم سے پوچھا تو انہوں نے نماز لوٹانے کو کہا، دوسرے عالم سے دریافت کیا، تو انہوں نے کہا کہ نماز ہوگئی، فریقین کے دلائل یہ ہیں:

فریق اول: جو قائل ہے کہ نماز واجب الاعادہ ہے مذکورہ صورت میں یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کو مکرر پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے اور سجدۂ سہو نہ کرنے پر نماز واجب الاعادہ ہے۔ (تعلیم الاسلام ۴/۴۱)

فریق ثانی: جو قائل ہے کہ نماز ہوگئی، مذکورہ صورت میں دلیل یہ پیش کرتا ہے:

”**ولو کررها في الأوليين يجب عليه سجود السهو بخلاف ما لو أعادها بعد السورة، أو كررها في الأخريين الخ كذا في التبيين**“. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٦٥، جديد زكريا ١/١٨٥، مسائل سجده سهو ٤١)

مہربانی فرما کر شریعت کی روشنی میں فیصلہ فرمادیں کرم ہوگا۔

المستفتی: حبیب احمد، موضع گنگوار، جسن پور جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تکرار فاتحہ کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہونے کی شرط، سورۃ میں تاخیر ہونا ہے اور اگر فاتحہ پڑھ کر سورۃ کے بعد فاتحہ کا اعادہ کیا جائے تو یہ تکرار نہیں ہے؛ بلکہ اعادہ ہے اس سے اتنی بات لازم آتی ہے کہ ایک سورت پڑھ کر فوراً رکوع نہیں کیا جو کہ واجب نہیں ہے؛ اس لئے کہ ایک سورت کے بعد اعادہ فاتحہ سے بھی سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا یہی صحیح بھی ہے۔ عالمگیری میں تبیین کی عبارت میں ہے **بخلاف مالو أعادها الخ** سے پہلے بیچ کی عبارت نقل نہیں کی گئی ہے، پوری عبارت یوں ہے:

ولو كررها في الأوليين يجب عليه سجود السهو؛ لأنه أخَّر واجبًا وهو السورة بخلاف مالو أعادها بعد السورة الخ (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ١/٤٧٣، مكتبه امدادية ملتان ١/١٩٣)

نیز صاحب بحر اور شامی نے علامہ زاہدی کے حوالہ سے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔

ولو قرأ الفاتحة مرتين يجب عليه السجود سهو لتأخير السورة، كذا في الذخيرة وغيرها وذكر قاضي خان وجماعة أنها إن قرأها مرتين على الولاء وجب السجود، وإن فصل بينهما بالسورة لا يجب الخ (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ٢/١٦٦، كراچي ٢/٩٤)

ولو قرأ الفاتحة، ثم السورة، ثم الفاتحة لاسهو عليه الخ (فتاوى قاضي خان

مع الهندية، كتاب الصلاة، فصل فيما يوجب السهو ومالايوجب السهو، زكريا ١/١٢١، زكريا جديد ١/٧٦، غنية المستملي، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، اشرفية ٤٦٠، صغيري قديم مطبع مجتبائى دهلى ٢٣٥)

ولو قرأ فاتحة الكتاب وسورة، ثم قرأ فاتحة الكتاب، فلا سهو عليه.

(المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، المجلس العلمي جديد ٢/٣١٠، رقم: ١٨٥١، الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، زكريا ٢/٣٩١، رقم: ٢٧٦٠)

أما لو قرأها قبل السورة مرة وبعدها مرة، فلايجب كما في الخانيه واختاره في المحيط والظهيرية والخلاصة وصححه الزاهدي لعدم لزوم التأخير. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/١٥٢، كراچي ١/٤٦٠)

ولو قرأ الفاتحة مرتين يجب عليه السجود لتأخير السورة، كذا في الذخيرة وغيرها وذكر قاضيخان وجماعة أنها إن قرأ ها مرتين على الولاء وجب السجود، وإن فصل بينهما بالسورة لا يجب وصححه الزاهدي. للزوم تأخير السورة في الأول لا في الثاني إذ ليس الركوع واجبًا بأثر السورة، فإنه لو جمع بين سورتين بعد الفاتحة لم يمتنع الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب سجود السهو، زكريا ٢/١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۵۳۰)

قعدۂ اخیرہ میں تکرارِ تشہد اور سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو نہیں

سوال [۲۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد دوبار پڑھ لینے سے یا قعدہ اخیرہ میں التحیات کے بعد سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھ لینے سے سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، سلیم مسجد چوہان بانگر، دہلی-۵۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تکرار تشہد اور سورۂ فاتحہ قاعدۂ اخیرہ میں التحیات کے بعد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/۲۹۷، امداد الفتاوی ۱/۵۴۱)

إن قرأ بعد التشهد فإن كان في الأول فعليه السهو لتأخير الواجب، وهو وصل القيام بالفراغ من التشهد، وإن كان في الأخير فلاسهو عليه لعدم ترك واجب؛ لأنه موسع له في الدعاء، والثناء بعده فيه، والقراءة تشتمل عليهما، ولو قرأ التشهد مرتين في القعدة الأخيرة، أو تشهد قائما لاسهو عليه. (طحطاوي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند جديد ٤٦١، قديم ٢٥١)

وكذلك تكرار التشهد على هذا التفصيل......وإن كررها في القعدة الثانية لاسهو عليه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، زكريا ٢/٣٩٢، رقم: ٢٧٦١، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة،الفصل السابع عشر سجود السهو، المجلس العلمي جديد ٢/٣١٥، رقم: ١٨٧٠، هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو ١/١٢٧، جديد زكريا ١/١٨٦)

وإن بدأ بالتشهد، ثم بالقراءة، فلا سهو عليه. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ١/١٢٦، جديد زكريا ١/١٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۴۳/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۱ھ

سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ نہیں ملائی تو کیا حکم ہے؟

سوال[۲۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید فجر کی نماز فرض پڑھ رہا تھا اور **الحمد** کے بعد اسے کوئی سورت یاد نہیں آرہی تھی؛ چنانچہ رکعتوں میں اس نے صرف پوری ''**الحمد**'' شریف پڑھ ڈالی اور کوئی سورت نہ پڑھی پھر نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرلیا تو کیا نماز ادا ہوگئی؟

المستفتی: محمد فیاض الدین، محلّہ گوڑ اگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے سجدۂ سہو کرلیا، تو اس کی نماز صحیح ہوگئی۔

وفي الفتاوی الهندية، ولو قرأ الفاتحه وحدها وترك السورة يجب عليه سجود السهو. (عالمگیري، کوئٹه ۱/۱۳۶، جدید زکریا ۱/۱۸٦، تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، امدادیه ملتان ۱/۱۹۳، زکریا ۱/٤٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳٦۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۱۳ھ

فرض کی تیسری رکعت میں ضم سورۃ سے عدم سجدۂ سہو کی علت

سوال [۲۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعت میں اگر سورۂ فاتحہ کے ساتھ ضم سورت بھی کرلیا جائے تو سجدۂ سہو کیوں واجب نہیں ہوتا؟ علت تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد صدیق جگتیال، مکان نمبر ۵/٦/۲۲۰، جگتیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نماز کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملانے سے سجدۂ سہو واجب نہ ہونے کے علت یہ ہے کہ اس موقع پر کسی خاص مقدار کی تعیین کئے بغیر مطلقاً قرأت کرنا ثابت ہے اور سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے کی وجہ سے راجح قول کے مطابق تاخیر ارکان لازم نہیں آتا کہ جس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو؛ لیکن پھر بھی دوسری سورت کا ملانا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے۔

هل يكره في الأخريين؟ المختار لا وتحته في الشامية: أي لايكره تحريماً ؛ بل تنزيهًا؛ لأنه خلاف السنة......وفي أظهر الروايات لايجب، لأن القراء ة فيهما مشروعة من غير تقدير والاقتصار على الفاتحة مسنون لاواجب. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچي ۱/ ٤۵۹، زكريا ۲/ ۱۵۰)

وإذا قرأ في الأخريين من الظهر، أو العصر الفاتحة والسورة ساهيا، وفي الحجة: أو قرأ السورة دون الفاتحة، فلا سهو عليه وهو المختار ، وفي النصاب وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، زكريا ۲/ ۳۹۲، رقم: ۲۷٦٤، وهكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، المجلس العلمي جديد ۲/ ۳۱۰، رقم:۱۸۵۳، هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجو السهو، قديم زكريا ۱/ ۱۲٦ ، جديد زكريا ۱/ ۱۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۱٦۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱ھ

فرض کی آخری رکعت میں سورت ملانے سے سجدۂ سہو

سوال [۲۹۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) کہ ایک امام صاحب نے عصر کی نماز پڑھائی اورآخری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک سورۃ ملادی اور پھر سجدۂ سہو نہیں کیا، تو کیا سجدۂ سہولازم تھا؟

(۲) مقتدیوں نے کہا سجدۂ سہو کرنا چاہئے اب جبکہ سجدۂ سہو نہیں کیا ہے تو نماز لوٹائی جائے؛ لہٰذا نماز دوبارہ پڑھی گئی تو جو دوبارہ نماز پڑھی گئی وہ کیسی نماز ہوئی نفل یا واجب الاعادہ؟

(۳) اس دوسری والی جماعت میں ایک شخص آکر شریک ہوگیا تو اس کی نماز فرض ادا ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: مولانا شکیل احمد، بسواں، سیتاپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آخری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورت ملانے کی ضرورت نہیں ہوتی؛ لیکن سورت ملانا صرف خلاف سنت ہے خلاف سنت امر کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم نہیں ہوتا؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں تھی؛ اس لئے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں تھی؛ برآں بنا دوسری نماز میں شرکت کرنے والے کی نماز بھی صحیح نہ ہوگی، اس کو اپنی نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے؛ اس لئے کہ پہلی نماز سے فرض ادا ہوگیا تھا اور دوسری والی نماز واجب بھی نہیں؛ بلکہ صرف نفل ہے۔

ولو قرأ في الأخريين الفاتحة والسورة لايلزمه السهو وهو الأصح الخ (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، قديم زكريا ١/١٢٦، جديد زكريا ١/١٨٦)

وإذا قرأ في الأخريين من الظهر، أو العصر الفاتحة والسورة ساهيا، وفي الحجة: أو قرأ السورة دون الفاتحة، فلا سهو عليه وهو المختار، وفي النصاب وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، زكريا ٢/٣٩٢، رقم:٢٧٦٤، وهكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، المجلس العلمي جديد ٢/٣١٠، رقم:١٨٥٣،

هندية ، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجو السهو، قديم زكريا ١/ ١٢٦، جديد زكريا ١/ ١٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۹۸/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۲۸ھ

سورت ملائے بغیر رکوع میں چلا گیا تو کیا کرے؟

سوال [۲۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نمازی نماز میں الحمد شریف کے بعد سورت یا قرأت واجبہ پڑھے بغیر سہواً رکوع میں چلا گیا رکوع میں پہونچ کر یاد بھی آ گیا کہ سورت نہیں پڑھی یاد آنے پر اس کے لئے قیام میں واپس آنا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس، امام جامع مسجد احمد گڑھ، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں قیام کی طرف لوٹ کر سورت پڑھ کر پھر رکوع میں جائے اس کے بعد بدستور اعمال صلوۃ ادا کرکے آخیر میں سجدۂ سہو بھی کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۳۶۲)

ولو ترك السورة فذكرها قبل السجود اعاد وقرأها، وكذا لو ترك الفاتحة، فذكر ها قبل السجود قرأها ويعيد السورة (إلى قوله) ومتى عاد في الكل فإنه يعيد ركوعه لارتفاضه، وفي الخلاصة ويسجد للسهو في ما إذا عاد أولم يعد إلى القراءة الخ (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ٢/ ١٦٦)

عن الثوري قال: إذا لم يقرأ في ركعة حتى يركع، فإنه يرفع رأسه إذا ذكر ويقرأ، ثم يسجد سجدتي السهو، فإن سجد مضى. (مصنف عبد الرواق ٢/ ١٢٧، رقم: ٢٧٦٤)

وهذا كله إذا تذكر بعد ماقيد الركعة بالسجدة، فإن تذكر قراءة الفاتحة، أو السورة في الركوع، أو بعد ما رفع رأسه منه يعود إلى القراءة وينتقض ركوعه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل سجود السهو، كراچي ۱/۱۷۲، زكريا ۱/۴۱۵)

ولو ترك السورة فتذكرها في الركوع، أو بعد الرفع منه قبل السجود، فإنه يعود ويقرأ السورة يعيد الركوع وعليه السهو. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند جديد ۴۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۹۱/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/۱۴۱۴ھ

ظہر کی چار سنتوں کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پڑھ لیا تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ظہر سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ میں دورکعت پر قعدہ کرنا فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو التحیات کے بعد درود پڑھنے سے سجدۂ سہو کیوں واجب ہے؟ جبکہ نوافل کی ہر دورکعت پر قعدہ فرض ہے اور فرض قعدہ میں درود ممنوع نہیں ہوتا، تو یہاں سجدۂ سہو واجب کیوں کیا جارہا ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ظہر کی چار سنتوں میں قعدۂ اولیٰ فرض لغیرہ ہے؛ کیونکہ اس کے فرض ہونے کی علت خروج عن الصلاۃ ہے اور جب دورکعت پر نماز ختم نہیں کی؛

بلکہ چار رکعت پڑھنے کا ارادہ کرلیا تو قعدۂ اولیٰ فرض نہ رہا؛ بلکہ واجب ہوگیا لہٰذا اب اس میں رباعی فرض کی طرح درود شریف پڑھنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا۔

وقالا أي أبو حنيفة وأبي يوسف لاتفسد صلاته في الصورة المذكورة ولايلزمه قضاء شيئ؛ لأن القعدة على رأس الركعتين من النفل، لم تفرض لعينها؛ بل لغيرها وهو الخروج على تقدير القطع على رأس الركعتين فلما لم يقطع وجعلها أربعا لم يأت أوان الخروج فلم تفرض القعدة وهذا بخلاف القراء ة. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فروع لوترك ٣٩٤، مكتبه اشرفية)

والقعود الأول ولو في نفل في الأصح (وتحته في الشامية) لأنه وإن كان كل شفع منه صلاة على حدة حتى افترضت القراء ة في جميعه؛ لكن القعدة إنما فرضت بالخروج من الصلوة فإذا قام إلى الثالثة تبين أن ما قبلها لم يكن أو ان الخروج من الصلاة فلم تبق القعدة فريضة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/١٥٨، كراچي ١/٤٦٥)

عن الشعبي قال: من زاد في الركعتين الأوليين على التشهد فعليه سجدتا السهو. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب قدر كم يقعد في الركعتين الأولبين، مؤسسه علوم القرآن جديد ٣/٤٧، رقم: ٣٠٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاُخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۶۱/۴۰)

ظہر کی سنن قبلیہ کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کا حکم

سوال [۲۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ظہر کی سنن قبلیہ میں دو رکعت پر تشہد کے بعد درود شریف پڑھ لیا تو سجدۂ سہو

واجب ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو کتنی درود پڑھنے سے ہوگا؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، میسور کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ظہر کی سنن قبلیہ کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد اصح قول کے مطابق ''**وعلى آل محمد**'' تک درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہولازم ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/۴۲۴، میرٹھ ۱۱/۵۱۱، فتاوی دارالعلوم ۴/۳۹۳)

ولا يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم في القعدة الأولىٰ في الأربع قبل الظهر، والجمعة وبعدها ولو صلى ناسيا فعليه السهو. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ٢/٢٥٦، كراچي ٢/٦١)

ولايزيد في الفرض على التشهد في القعدة الأولىٰ إجماعاً، فإن زاد ساهياً وجب عليه سجود السهو، تحته في الشامية: لا يزيد في الفرض أي وما ألحق به كالوتر والسنن الرواتب. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ٢/٢٢٠، كراچي ٢/٦١)

لايجب مالم يقل ''وعلى آل محمد'' ذكره القاضي الإمام—وذكر في شرحه الصغير أن ما ذكره القاضي الإمام هو الذي عليه الأكثر وهو الأصح، قال الخير الرّملي: فقد اختلف التصحيح كماترى وينبغي ترجيح ما ذكره القاضي الإمام. (شامي، كتاب الصلاة باب صفة الصلاة، زكريا ٢/٢٢٠، كراچي ١/٥١١، غنية المستملي، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، مكتبة اشرفية ديوبند ٤٦٠، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، زكريا ٢/٤٠٠، رقم: ٢٧٩٣)

عن الشعبي قال: من زاد في الركعتين الأوليين على التشهد فعليه سجدتا السهو. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب قدركم يقعد في الركعتين

الأولبين، مؤسسه علوم القرآن جديد ٣/٤٧، رقم: ٣٠٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۲/۴۰)

قعدہ میں تشہد کے بجائے سورۂ فاتحہ پڑھ لی

سوال [۲۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چار رکعت والی نماز میں قعدۂ اولیٰ میں التحیات پڑھنے کے بجائے سورۂ فاتحہ پڑھ لی اس کے بعد یاد آنے پر التحیات پڑھ لی، تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہے یا نہیں؟ اوراگر قعدۂ اخیرہ میں التحیات کے بجائے سورۃ فاتحہ پڑھ لی پھر یاد آنے پر التحیات پڑھنے لگا تو ایسی صورت میں سجد سہو لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان قاسمی، حیدرآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے بجائے سورۂ فاتحہ پڑھ لی، اس کے بعد یاد آنے پر التحیات پڑھ لی تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۳۶)

عن عقبة بن نافع قال: سمعت ابن عمرؓ يقول: ليس من صلاة إلا وفيها قراء ة وجلوس في الركعتين، وتشهد وتسليم، فإن لم تفعل ذلك سجدت سجدتين بعد ما تسلم وأنت جالس. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في الرجل ينسىٰ التشهد، مؤسسه علوم القرآن ٦/٤٧، رقم: ٨٨٠٦)

إذا قرأ الفاتحة مكان التشهد فعليه السهو، وكذلك إذا قرأ الفاتحة، ثم تشهد كان عليه السهو. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ١/١٢٧، جديد زكريا ١/١٨٦)

وكـذلک إذا قرأ الفاتحة، ثم تشهد كان عليه السهو. (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الـفـصـل السـابـع عشر سجود السهو، زكريا ۲/ ۳۹۷، رقم: ۲۷۸۱، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، المجلس العلمي جديد ۲/ ۳۱۳)

ولـو قـرأ الفاتحة أو اٰيةً من القرآن في القعدة، أو في الركوع، أو فـي السجود أو قرأ التشهد في الركوع، أو في السجود كان عليه السهو. (خـانية، عـلى هامش الهندية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۱/ ۱۲۱، زكريا جديد ۱/ ۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۳۲۵)

ظہر کی سنن قبلیہ میں دو رکعت پر قعدہ بھول گیا تو سجدۂ سہو کا حکم

سـوال [۲۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے ظہر سے پہلے والی چار سنتوں میں دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا تو اس کی یہ سنتیں اخیر میں سجدۂ سہو کرنے سے ادا ہو جائیں گی یا نہیں؟ اگر ہو جائیں گی تو کیوں جبکہ نوافل وسنن میں دو رکعت پر قعدہ فرض ہے اور فرض کے ترک میں سجدۂ سہو کارگر نہیں ہے؟

المستفتی: محمد ایوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چار رکعت سنت میں دو رکعت پر قعدۂ اولیٰ بھولے سے چھوٹ گیا تو سجدۂ سہو کرنے سے نماز درست ہو جائے گی، وجہ یہ ہے کہ سنن و نوافل میں ہر دو رکعت پر قعدہ فرض لعینہ نہیں ہے؛ بلکہ فرض لغیرہ ہے؛ لہٰذا جب وہ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو قعدہ کی فرضیت ساقط ہو گئی، اور وہ واجب ہو گیا اور واجب کی تلافی سجدۂ سہو سے ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۴۲۴، میرٹھ ۱۱/ ۴۸۷)

وكون كل شفع صلاة على حدة ليس مطرداً في كل الأحكام، ولذا لو ترک القعدة الأولىٰ لاتفسد،– نعم اعتبروا كون كل شفع صلاةً على حدة في حق القراءة احتياطاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل،زكريا ۲/۴۵۶، كراچي ۲/۱٦)

ولو ترک القعود الأول في النفل سهواً سجد ولم تفسد استحسانا، لأنه كما شرع ركعتين شرع أربعا أيضاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۲/۵۵۵، كراچي ۲/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۶۱)

اقرب الی القیام اور اقرب الی القعود کی تشریح

سوال [۲۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب نماز عشاء میں قعدہ اولی بھول کر کھڑے ہور ہے تھے کہ مقتدی کے لقمہ دینے پر امام صاحب بیٹھ گئے، دوسرا مقتدی جو نماز میں شامل ہونے کے لئے کھڑا تھا دیکھا کہ امام صاحب کا آدھے حصہ سے زیادہ اٹھ گیا ہے اور اقرب الی القیام کو پہونچ گئے ہیں؛ لیکن امام صاحب نے سجدۂ سہو نہیں کیا مقتدی کے پوچھنے پر امام صاحب نے جواب دیا کہ ہم اقرب الی القعود تھے، آیا ایسی صورت میں سجدۂ سہو کے بغیر نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ بالدلیل جواب مرحمت فرمائیں۔

نوٹ: اقرب الی القعود اور اقرب الی القیام کی اردو میں تشریح فرمائیں کہ قعود کہاں تک ہے اور قیام کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

المستفتی: شائق احمد، مدرسہ زینت العلوم ۲۴/ پرگنہ (مغربی بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اقرب الی القیام ہوا ہے تو سجدۂ سہولازم ہوچکا ہے اور اگر اقرب الی القعود ہوا ہے تو سجدۂ سہولازم نہیں ہے، اور **اقرب إلی القیام والقعود** کی تشریح یہ ہے کہ اگر پنڈلی ران سے بالکل واضح طور پر الگ ہوجائے تو اقرب الی القیام ہوا کرتا ہے اور اگر پنڈلی ران سے صاف الگ نہ ہوتو اقرب الی القعود ہوا کرتا ہے۔

إذا انتصب النصف الأسفل یکون إلی القیام أقرب وإن لم ینتصب النصف الأسفل یکون إلی القعود أقرب، وھذا ھو الذي اختارہ في الکافي، وھو الأصح، فإنہ إذا رفع رکبتیہ ولم ینتصب النصف الأسفل یصیر کالجالس لقضاء الحاجة الخ (غنیة المستملي، کتاب الصلاة، فصل في سجود السھو، سھیل اکیڈمي لاھور جدید ۴۵۸، مکتبہ رحیمیة دیوبند قدیم ۴۳۳)

وصحح اعتبار ذلک في الفتح بما في الکافي: إن استوی النصف الأسفل وظھرہ بعد منحن فھو أقرب إلی القیام، وإن لم یستو فھو أقرب إلی القعود. (شامي، کتاب الصلاة، باب سجود السھو، زکریا ۲/ ۵۴۸، کراچي ۲/ ۸۴)

عن المغیرة بن شعبة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا قام الإمام في الرکعتین فإن ذکر قبل أن یستوي قائما، فلیجلس، فإن استوی قائماً فلایجلس، ویسجد سجدتی السھو. (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب من نسي أن یتشھد وھو جالس، النسخة الھندیة ۱/ ۱۴۸، دارالسلام رقم: ۱۰۳٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶۵٦؍)

قیام سے تشہد کی طرف لوٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی

سوال [۲۹۱۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مغرب کی نماز میں قعدۂ اولیٰ میں امام صاحب پوری طرح سیدھے کھڑے ہوگئے؛ لیکن تنبیہ کے بعد بیٹھ گئے، اس صورت میں تمام متون میں فساد صلاۃ کا حکم ہے اور علامہ زیلعی سے اس قول کی تصحیح بھی منقول ہے، مگر درمختار میں قیل سے دوسرے قول کو نقل فرما کر علامہ حصکفیؒ **وهو الأشبه كما حققه الكمال** فرمارہے ہیں اور بحرالرائق میں دونوں قول کی تصحیح منقول ہے، علامہ شامی نے مسئلہ ہذا میں لمبی بحث نقل کی ہے، مگر کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے بحث کے آخر میں شرح قدوری کے حوالہ سے ایک فقیہ کا قول نقل کرتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ سیدھے کھڑے نہ ہوئے ہوں؛ بلکہ اقرب الی القیام ہوں اور پھر بیٹھ گئے ہوں، اگر امام سیدھا کھڑا ہوجائے اور پھر بیٹھ جائے تو اس صورت میں فساد صلوۃ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا اختلاف اس صورت میں ہے؛ جبکہ امام صاحب اقرب الی القیام کی صورت میں بیٹھے ہوں اور متون میں بھی ''**إن استقام قائماً**'' کی صورت میں فساد صلوۃ کا حکم منقول ہے تو آخری قول متون کے موافق ہے، صورت مسئولہ کی پوری عبارت کی روشنی میں مفتی بہ قول سے آگاہ کردیں؟

المستفتی: مسلم انور، قاسمی، آجرہ (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیدھا کھڑے ہونے کی صورت میں لوٹ کر بیٹھنے میں فساد صلوۃ میں کسی کا اختلاف نہ ہونے کی بات سمجھ میں نہیں آتی؛ اس لئے کہ یہ اختلاف اہل متون وشراح نے سیدھا کھڑا ہونے کی صورت میں بھی نقل فرمایا ہے۔ (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، زکریا ۲/۵۴۹، کراچی ۲/۸۴)

وإن استقام قائمًا کہہ کر” **اختلف التصحيح**“نقل فرمایاہے:شرح کبیری، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو ۴۵۹ میں بھی **وإن استوی قائما** کے تحت اختلاف نقل فرمایا ہے؛ لہٰذا رافعی کا قول معتبر نہ ہوگا، اب اصل سوال کا جواب یہ ہے۔ہندیہ، کتاب الصلاۃ، الباب الثانی عشر فی سجود السہو، مکتبہ زکریا ۱/۱۲۷، تاتارخانیہ قدیم ۱/۷۳۸، جدید ۲/۴۱۹، رقم:۲۸۴۴، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، میں صرف فساد کے قول کو نقل فرمایا ہے: صاحب درمختار نے مطبع زکریا ۲/۵۴۹، کراچی ۲/۸۴،”**وهو الأشبه**“اور” **الحق عدم الفساد**“ کہہ کرعدم فساد کوترجیح دی ہے۔صاحب بحر نے بحث کے اخیر میں **الحق عدم الفساد** کہاہے۔(البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو ۲/۱۰۱)

اورصاحب مراقی نے حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلاۃ، باب سجود السہو، دارلکتاب ۴۶۷، قدیم بیروت ۲۵۴/میں ” **وأرجحهما عدم الفساد**“کہاہے۔علامہ ابراہیم حلبیؒ نے شرح کبیری میں لمبی بحث کرکے اخیر میں مختلف انداز سے عدم فساد کوترجیح دی ہے۔ **زيادة مادون ركعة لاتفسد**اور **وهذا أيضا يفيد عدم الفساد بالعود** وغیرہ کے الفاظ سےعدم فساد کی تصحیح کوترجیح دی ہے۔

نیز بہشتی زیور ۲/۳۸، اورعزیز الفتاوی کراچی ۲۵۵، صفحہ پربھی اکابر اہل فتاوی نے عدم فساد صلوۃ کوترجیح دی ہے یہ سب دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ قیام سے عود کرنے میں ترک فرض لازم نہیں آتا؛ بلکہ تاخیر فرض لازم آتاہےاور **مادون الركعة** ایک قیام کااضافہ لازم آتاہے اور یہ مفسد صلاۃ نہیں ہے؛اس لئے مفتی بہ عدم فساد صلوۃ ہی کوقرار دیا گیاہے،رافعی کا قول: ”**وانه في الاستواء قائمًا لاخلاف في الفساد**“،معتبر نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر:۵۶۶۳/۳۳)	۱۴۱۹/۳/۵ھ

تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے بعد قعدہ اولیٰ طرف لوٹ آنا

سوال [۲۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی امام عشاء کی نماز میں قعدہ اولیٰ میں بیٹھنے کے بجائے بھولے سے تیسری رکعت کے لئے مکمل طور پر کھڑا ہوگیا اور مقتدی قعدہ ہی میں بیٹھے رہے، مقتدی نے لقمہ بھی دیا لیکن امام کھڑا ہو چکا تھا، پھر امام نے قعدہ اولیٰ کی طرف رجوع کرلیا اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کی تو اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام یا منفرد قعدۂ اولیٰ میں بیٹھنے کے بجائے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوجائے پھر قعدۂ اولیٰ کی طرف لوٹ آئے تو ایسی صورت میں فقہاء نے دونوں باتیں لکھی ہیں، ایک قول کے مطابق نماز فاسد ہوجائے گی اعادہ لازم ہے۔

دوسرے قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی اعادہ لازم نہیں، یہی قول زیادہ راجح اور قوی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲/۱۶۴، ۲/۲۵۲، فتاوی رحیمیہ ۱/۱۵۹)

وإن عاد الساهي عن القعود الأول إليه بعد ما استتم قائماً اختلف التصحيح في فساد صلوته وأرجحهما عدم الفساد...... قد بالغ في المنتقى في رد القول بالفساد وجعله غلطاً؛ لأنه تأخير لارفض.

(طحطاوي مع مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دار الكتاب ديوبند جديد ٤٦٧، قديم ٢٥٤، وكذا في الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو،

كراچي ٢/ ٨٤، زكريا ٢/ ٥٤٩، والبحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ٢/ ١٧٩ كوئٹه ٢/ ١٠١، حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، سهيل اكيڈمي لاهور ٤٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادالاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۱۷ھ

قعدۂ اخیرہ میں دو رکعت سمجھ کر تیسری کے لئے کھڑا ہونا

سوال [۱۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مسجد کا امام ہے فرض نماز چار رکعت والی پڑھا رہا ہے اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد درود شریف وغیرہ پڑھنے کے بعد نیند کا کچھ غلبہ ہوا جس کی بنا پر امام صاحب نے سوچ لیا کہ دو رکعت نماز ہوئی یا چار رکعت نماز ہوئی اس شک وشبہ میں امام صاحب کھڑے ہو گئے، تو جبکسی شخص نے لقمہ دیا تو امام صاحب واپس لوٹ گئے، پھر التحیات پڑھ کر دائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کرلیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: تاج الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں امام کے سہو اور بھولنے کی جو صورت لکھی گئی ہے، اس پر سجدۂ سہو لازم ہو جاتا ہے؛ اور یہاں امام نے سجدۂ سہو کرلیا ہے، تو ایسی صورت میں نماز بلاشبہ درست ہوگئی۔

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لاسهو في وثبة الصلاة، إلاقيام عن جلوس وجلوس عن قيام. (المستدرك، كتاب السهو قديم ١/ ٣٢٤، مكتبه نزار ٢/ ٤٦٨، رقم: ١٢١٢، سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، باب ليس على المقتدي سهو وعليه سهو الإمام، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٦٥،

رقم: ۱۳۹۹، السنن الکبری، کتاب الصلاة، باب من سهاف فجلس من الأولیٰ دارالفکر جدید ۳/ ۳۰۰، رقم: ۳۹۶۰)

لو قعد في الرابعة، ثم قام ولم يسلم عاد إلى القعدة مالم يسجد للخامسة وسجد للسهو؛ لأنه أخر واجباً. (هداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفی ۱۵۹/۱، وهكذا في العناية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو ۵۰۹/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۲۲/۳۷)

مغرب میں دو رکعت پر سلام پھیرنے پر سجدۂ سہو کا وجوب

سوال [۲۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام نے مغرب کی نماز پڑھائی اور سہواً دو رکعت پر سلام پھیر دیا، جب دونوں طرف سلام پھیر کر امام دعاء مانگنے لگا تو ایک مقتدی بولا کہ ابھی دو رکعت ہوئی ہے، یعنی دو پر سلام پھیر دیا گیا ہے تو اس کی ایک آسان سی شکل یہ ہے کہ امام دوبارہ نماز پڑھادے؛ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا امام بغیر کلام دنیا کئے ہوئے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوسکتا ہے؟ اور بنا کرتے ہوئے نماز کی تکمیل کرا سکتا ہے؟ اور آخر میں سجدۂ سہو کرنے کے بعد نماز درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جیسا کہ اگر کسی نمازی پر سجدۂ سہو واجب ہوجائے اور وہ دونوں طرف سہواً سلام پھیر دے اور پھر اس کو یاد آئے کہ مجھے تو سجدۂ سہو کرنا تھا تو بغیر کلام دنیا کئے ہوئے فقہاء ایسے شخص کے بارے میں فرماتے ہے کہ ایسا شخص دونوں طرف سلام پھیرنے کے باوجود بھی سجدۂ سہو کرنے کے بعد اپنی نماز درست کرسکتا ہے؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالوحید، مکان ۱۴؍ محلّہ نیاریان، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں اگر دو رکعت کے بعد سلام پھیرنے کے بعد کسی کے یاددلانے یا خود یاد آنے پر فوراً کھڑے ہوکر بقیہ رکعت پوری کر کے قعدہ آخیرہ میں سجدۂ سہو کرلے تو امام اور ان مقتدیوں کی نماز صحیح ہوجائے گی، جنہوں نے منافی صلوۃ اقوال وافعال کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۴۲)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إحدى صلاتي العشي، قال: ابن سيرين: سماها أبوهريرة؛ ولكن نسيت أنا، قال: فصلى بنا ركعتين، ثم سلم-إلى قول-فتقدم فصلى ماترك، ثم سلم، ثم كبر وسجد مثل سجوده، أو أطول، ثم رفع رأسه وكبر، ثم كبر وسجد مثل سجود أوأطول، ثم رفع رأسه وكبر، فربما سألوهُ،ثم سلم؟ فيقول: نبئتُ أن عمر ان بن حصين قال ثم سلم. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره ۱/۶۹، رقم: ۴۷۶ ف:۴۸۲)

ولو سلم مصلي الظهر على رأس الركعتين على ظن أنه أتمها، ثم علم أنه صلى ركعتين، وهو على مكانه يتمها ويسجد للسهو. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل بيان سبب وجوب سجود السهو، كراچي ۱/۱۶۳، زكريا۱/۴۰۲)

سلم مصلي الظهر مثلا على رأس الركعتين توهما إتمامها أتمها أربعاً وسجد للسهو لأن السلام ساهيا لايبطل؛ لأنه دعاء من وجه الخ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۲/۵۵۹، كراچی ۲/۹۱، مصري ۱/۷۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادالاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۲۲ھ

رباعی نماز میں دورکعت پرسلام پھیرنے پر مقتدیوں کے ٹوکنے سے نماز کا حکم

سوال [۲۹۱۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب نماز پڑھا رہے تھے، چار رکعت والی نماز تھی، دو رکعت پر دونوں طرف سلام پھیر دیا پیچھے سے کسی نے کہا کہ نماز دو رکعت ہوئی، اسی طرح کئی آدمیوں نے کہا اور امام ابھی اپنی ہیئت پر تھا اور چپ چاپ کھڑے ہوکر دو رکعت مزید پڑھا دی آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو ایسی صورت میں امام کی اور اقتداء کرنے والوں کی نماز کا کیا حکم ہے جن لوگوں نے بول کر کہا ہے کہ دو رکعت ہوئی ان کی نماز کا کیا حال ہوگا؟

المستفتی: محمد گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اماما گر اپنی ہیئت پر ہے اور قبلہ سے نہیں پھرا ہے اور چپ چاپ کھڑے ہوکر دو رکعتیں مزید پڑھا دیں اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو امام صاحب کی اور جن مقتدیوں نے کلام نہیں کیا ان کی نماز ہوگئی اور جن لوگوں نے کلام کیا ان کی نماز باطل ہوگئی۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: صلى بنا النبي صلى الله عليه وسلم، الظهر، أو العصر، فسلم، فقال له ذو اليدين: الصلاة يا رسول الله! أنقصت؟ فقال النبي صلى الله عليه وسلم لأصحابه: أحق ما يقول، قالوا: نعم، فصلى ركعتين أخريين ثم سجد سجدتين. (صحيح البخاري، كتاب السهو باب إذا سلم في ركعتين ۱/۱٦۳، رقم:۱۲۱۳، ف:۱۲۲۷)

عن زيد بن أرقمؓ، قال: كنا نتكلم في الصلاة، يكلم الرجل صاحبه وهو إلى جنبه في الصلاة، حتى نزلت وقوموا لله قانتين، فأمرنا بالسكوت، ونهينا عن الكلام. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة، ونسخ ما كان من إباحته، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، ۲۰٤، بيت الأفكار رقم:۵۳۹)

إذا سلم في الظهر على رأس الركعتين ساهيا مضى على صلاته؛ لأن هذا سلام السهو وسلام السهو لايخرجه عن حرمة الصلاة ويسجد للسهو؛ لأنه أخر ركنا من أركان الصلاة عن وقته. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو ٧١/٢، مكتبة الرشديروت، مجلس العلمي ٣٢٥/٢، ١٨٩٢)

يجب أن يعلم بأن ما يفسد الصلاة نوعان: قول وفعل فنبدأ بالقول، فنقول: إذا تكلم في صلاته ناسيا، أو ساهيا، أوعامداً، أو خاطئاً، أو قاصداً قليلا أو كثيراً تكلم لإصلاح صلاته، بأن قام الإمام في موضع القعود فقال له المقتدي: اقعد أو قعد في موضع القيام، فقال له المقتدي: قم أو لا للإصلاح في صلاته ويكون الكلام من كلام الناس. (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس ما يفسد الصلاة، ومالا يفسد، زكريا ٢١٦/٢، رقم: ٢٢٠٨)

ويسجد للسهو ولو مع سلامه للقطع مالم يتحول عن القبلة، أويتكلم لبطلان التحريمة. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا٥٥٨/٢، كراچي ٩١/٢)

إذا سلم في الظهر على رأس الركعتين، مضى على صلاته ويسجد للسهو؛ لأنه أخر ركنًا. (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، زكريا ٤١٣/٢، رقم: ٢٨٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳/۴۰)

رباعی نماز میں ۲؍رکعت پر سلام پھیرنا

سوال [۲۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ امام صاحب نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر السلام علیکم بھولے سے کہہ دیا تو کیا وہ نماز فاسد ہوگئی، اگر فاسد نہیں ہوئی تو امام صاحب کے اوپر اخیر میں سجدۂ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟ اور دھوکہ سے السلام علیکم کہہ دینے کے بعد اس امام کی اقتداء کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: عنایت اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بھولے سے سلام پھیر دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی جب تک مفسد صلاۃ کوئی عمل نہ ہو جائے، مثلاً لوگوں سے کوئی گفتگو کرے یا دوسرے عمل میں لگ جائے یا قبلہ سے منھ پھیر لے، تب تو نماز فاسد ہو جائے گی ورنہ نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے جوں ہی یاد آئے فوراً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور آخر میں سجدۂ سہو کرلے تو نماز درست ہو جائے گی اور دھوکہ سے السلام علیکم کہنے کے بعد پھر امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس کے بعد کچھ لوگ آکر امام کی اقتداء کریں تو ان کی نماز بھی درست ہو جاتی ہے۔

أن أبا هريرةؓ يقول: صلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة العصر فسلم في الركعتين، فقام ذواليدين، فقال: أقصرت الصلاة يا رسول الله! أم نسيت؟ -إلى قوله- فأتم رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بقي من الصلاة، ثم سجد سجدتين وهو جالس بعد التسليم. (صحيح مسلم، المساجد باب السهو في الصلاة، النسخة الهندية ۱/۲۱۳، بيت الأفكار رقم:۵۷۳، صحيح البخاري، كتاب السهو، باب إذا سلم في ركعتين ۱/۱۶۳، رقم:۱۲۱۳، ف:۱۲۲۷)

وإذا تَوَهَّمَ مصلى الظهر أنه أتمها فسلم، ثم علم أنه صلى ركعتين وهو على مكانه، فإنه يتمها، ثم يسجد للسهو. (المبسوط، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۳۲)

سلم مصلى الظهر مثلا على رأس الركعتين توهما إتمامها أتمها أربعاً

وسجد للسهو لأن السلام ساهيا لايبطل. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كراچي ۲/ ۹۱، زكريا ۲/ ۵۵۹)

وإن تـوهـم مـصـلـي الظهر أنه أتمها فسلم، ثم علم أنه صلى ركعتين أتـمها وسجد للسهو. (البحـر الـرائـق، كتـاب الصلاة، باب سجو د السهو، قبيل باب صلوة المريض، زكريا۲/ ۱۹۶، كوئٹه ۲/ ۱۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۱۳ھ

چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہونا بھول جائے پھر لقمہ دینے پر کھڑا ہوا تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چار رکعت والی نماز ہے امام تیسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد کھڑے ہونے کے بجائے بیٹھ گیا اور بیٹھتے ہی مقتدی حضرات نے اللہ اکبر کہا تو امام صاحب فوراً چوتھی رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے اور امام صاحب کے بیٹھنے کی مقدار یہ تھی کہ امام صاحب سکون سے بیٹھ تو گئے تھے؛ لیکن ابھی التحیات شروع نہیں کی تھی، تو کیا اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

المستفتی: سیہ کار حسان احمد قاسمی، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام چوتھی رکعت کے لئے اٹھنے کے بجائے بیٹھ گیا، مگر فوراً یاد دہانی پر کھڑا ہوگیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا؛ لیکن اگر تاخیر کردی ہے تو اس تاخیر کی مقدار میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے اس کی مقدار ایک تسبیح بیان کی ہے اور بعض کے نزدیک تین تسبیح ہے؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ایک تسبیح کی مقدار بھی اگر بھول کر بیٹھ گیا ہے تب بھی سجدۂ سہو کرلے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۴۱۴-۳۸۷، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۱۴۴، جدید ڈابھیل ۷/ ۴۱۱، کفایت المفتی قدیم ۳/ ۳۷۵، جدید زکریا دیوبند ۳/ ۴۲۰)

تأخير القيام إلى الثانية أو الرابعة عن محله وهذا إذا كانت القعدة طويلة أما الجلسة الخفيفة التي استحبها الشافعي فتركها غير واجب عندنا. (شامي، مصري ٤٣٨/١، شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: لاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتها رواية، كراچي ٤٦٩/١، زكريا٢/١٦٤)

إن كان زمن التفكر زائداً عن التشهد قدر أداء ركن وجب عليه سجود السهو لتأخيره (طحطاوي) وفي المراقي ولم يبينوا قدر الركن وعلى قياس ما تقدم ان يعتبر الركن مع سنتة وهو مقدر بثلاث تسبيحات. (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند جديد ٤٧٤، قديم ٢٥٨)

أو قدر ركن قصير كالركوع، أو السجود بسنته: أي قدر ثلاث تسبيحات وبالثاني جزم البرهان ابراهيم الحلبي في شرح المنية حيث قال وذلک مقدار ثلاث تسبيحات (منحة الخالق على البحر، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ٤٧٤/١، كوئٹه ٢٧٢/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍ ۶۷۸۷)	۱۴۲۱/۶/۲۵ھ

امام قعدۂ اولیٰ کئے بغیر کھڑا ہو گیا

سوال [۲۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید امام تھا اور چار رکعت والی نماز میں قعدۂ اولیٰ پر بیٹھنے کے بجائے کھڑا ہو گیا پھر کھڑے ہونے کے بعد لقمہ ملنے پر واپس آ گیا اور آخیر میں سجدۂ سہو بھی کرلیا، تو زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد محی الدین، گڈاوی امام مسجد طیبہ محلّہ پیر غیب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح یہی ہے کہ صورت مذکورہ میں نماز درست ہوگئی، واجب الاعادہ نہیں۔

عن المغيرة بن شعبةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا قام الإمام في الركعتين، فإن ذكر قبل أن يستتم قائماً فليجلس، وإن استتم قائماً فلايجلس ويسجد سجدتى السهو. (السنن الكبري للبيهقي، كتاب الصلاة، باب من سها فقام من اثنتين دارالفكر ۲۹۸/۳، دار الحديث القاهرة رقم: ۳۹۵۱، ۶۸۶/۲، رقم: ۳۸۴۴، سنن الدار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ۳۶۷/۱، رقم:۱۴۰۳)

وإن استقام قائماً لايعود لاشتغاله بفرض القيام وسجد للسهو لترك الواجب فلوعاد إلى القعود بعد ذلك تفسد صلوته لرفض الفرض لِما ليس بفرض وصححهٗ الزيلعي وقيل لا تفسد لكنه يكون مسيئاً ويسجد لتأخير الواجب وهو الأشبه كما حققه الكمال وهو الحق، وفي الشامية ما في المبتغي من ان القول بالفساد غلط؛ لأنه ليس بترك؛ بل هو تأخير كما لو سها عن السورة فركع، فإنه يرفض الركوع ويعود إلى القيام ويقرأ. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مطبوعه، كراچي ۸۴/۲، زكريا ۵۴۹/۲، كوئٹه ۵۵۰/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳؍۶۵۸)

رباعی نماز میں قعدۂ اخیرہ کے بعد پانچویں رکعت پوری کرلینا

سوال [۲۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام نے چار رکعت والی نماز میں درمیانی اور آخری قعدہ کرلیا پھر غلطی سے

پانچویں بھی پڑھ ڈالی اور قعدہ کر کے سلام پھیر لیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ جبکہ آخر میں سجدۂ سہو بھی کرلیا تھا۔ آپ اس کا جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: عبدالرحیم بڈیڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چار رکعت والی نماز میں جب چوتھی رکعت میں قعدہ اخیرہ مکمل کرلیا ہے، اس کے بعد پانچویں رکعت بھی پڑھ لی ہے اور سجدۂ سہو بھی کر لیا ہے تو ایسی صورت میں نماز صحیح اور درست ہوگئی ہے اور پانچویں رکعت باطل ہوگئی ہے، بہتر یہ تھا کہ چھٹی رکعت بھی پڑھ لیتے تا کہ دو رکعت نفل ہو جاتی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۲۰۷، جدید ڈابھیل ۷/۴۳۰)

وإن قعد في الرابعة، ثم قام عاد وسلم وإن سجد للخامسة، تم فرضه وضم إليها سادسة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا۲/۱۸٤، كوئٹه ۲/۱۰٤)

ولو قعد في الرابعة، ثم قام ولم يسلم عاد إلى القعدة ما لم يسجد للخامسة وسلم......وإن قيد الخامسة بالسجدة ثم تذكر ضم إليها ركعة أخرى وتم فرضه. (هداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفی۱/۱۵۹، قدوري، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

عن قتادة في رجل صلى الظهر خمسا قال: يزيد إليها ركعة فتكون صلاة الظهر، وركعتين بعدها......تطوعا. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب الرجل يصلي الظهر، أوالعصر خمسة ۲/۳۰۳، رقم:۳٤٦۰)

عن عبد الله رضي الله عنه، قال: صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم خمساً فقلنا يارسول الله! أزيد في الصلاة؟ قال: وماذاک قالوا: صليت خمسا، قال: إنما أنا بشر مثلكم، أذكر كما تذكرون، وأنسى كما

تنسون، ثم سجد سجدتي السهو. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب السهو في الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۳، بيت الأفكار رقم: ۵۷۲، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب ماجاء في القبله ۱/ ۵۸، رقم: ۴۰۲، ف: ۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۳)

قعدۂ اخیرہ فرض ہے

سوال [۲۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے یا واجب راجح قول کیا ہے؟ مدلل مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شکیل احمد، بسواں، سیتاپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بقدر تشہد قعدۂ اخیرہ فرض اور رکن صلوۃ میں سے ہے؛ لہٰذا اگر قعدۂ اخیرہ چھوڑ کر قیام کے لئے کھڑا ہوجائے اور جب نماز فجر میں تیسری رکعت اور مغرب میں چوتھی رکعت اور ظہر، عصر اور عشاء میں پانچویں رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آجائے تو قعدہ کی طرف لوٹ آنا لازم ہے اور اگر سجدہ کرلیا ہے تو نماز فرض باطل ہوجائے گی اور سجدۂ سہو سے بھی تلافی نہیں ہوگی؛ کیونکہ سجدۂ سہو سے رکن صلوۃ کی تلافی نہیں ہوتی ہے۔

والقعود الأخير قدر التشهد وهى فرض بإجماع العلماء. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۱/ ۵۱۲، كوئٹه ۱/ ۲۹۴)

والمفروض عندنا الجلوس قدر قراءة التشهد في الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، واركانها قديم ۱۲۸، دارالكتاب ديوبند جديد ۲۳۵)

والقعده الأخيرة فرض في الفرض والتطوع. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة، زكريا ۱/ ۱۷، جديد ۱/ ۱۲۸، شرح النقايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، اعزازيه ديوبند ۱/ ۶۹، شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۱۳۵، كراچي ۱/ ۴۴۸)

ولو سها عن القعود الأخير كله أو بعضه عادو يكفى كون كلا الجلستين قدر التشهد مالم يقيدها بسجدة (إلى قوله) وإن قيدها بسجدة عامداً، أو ناسياً، أو ساهياً، أو مخطأً تحول فرضه نفلا الخ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۲/ ۵۵۰، ۵۵۱، كراچي ۲/ ۸۵، جوهرة، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، امداديه ملتان ۱/ ۹۳، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتب العلميه بيروت جديد ۲۲۳، مصري قديم ۱/ ۱۵۱، هداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفي ۱/ ۱۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۹۴)

ایک سجدہ یا رکوع چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی نے نماز میں ایک ہی سجدہ کیا اور کھڑا ہوگیا لوگوں نے لقمہ دیا مگر وہ پورے قیام کی حالت میں کھڑا ہوگیا، اس کو بھی یاد آیا تو کیا نماز توڑ دے، اسی طرح پہلی رکعت کا رکوع چھوڑ کر چلا گیا پھر یاد آیا تو اب کیا کرے کیا نماز کو چھوڑ دے اگر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا تو کونسی نفل اور کونسی فرض ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل، جعفر بلڈنگ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز میں فوت شدہ سجدہ یاد آنے پر اس کو ادا کرکے آخر میں سجدۂ سہو کرلینے سے نماز صحیح ہوجائے گی اور اعادہ لازم نہ ہوگا۔

قال في شرح المنية حتى لو ترک سجدة من ركعة، ثم تذكرها فيما بعدها من قيام، أو ركوع، أو سجود، فإنه يقضيها ولايقضي ما فعله قبل قضائها مما هو بعد ركعتها (إلى قوله)يلزم سجود السهو الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل شفع من النفل صلاة، كراچي ٤٦٢/١، زكريا ١٥٤/٢)

اگر رکوع کئے بغیر سجدہ میں چلا گیا ہے تو یاد آنے پر دوبارہ رکوع اور سجدہ دونوں کا اعادہ لازم ہوگا۔

وكذا لوتذكر ركوعاً قضاه وقضى مابعده من السجود الخ (كبيري، كتاب الصلاة، قبيل فصل في صفة الصلاة، جديد اشرفي ديوبند ٢٩٧، قديم١ ٢٩، شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل شفع من النفل صلاة، زكريا١٥٣/٢، كراچي ٤٦١/١، طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة وأركانها جديد دارالكتاب ديوبند ٢٣٣، قديم ١٢٧)

نیز اگر پانچویں رکعت کے لئے قعدۂ اخیرہ کئے بغیر کھڑا ہوگیا ہے، تو اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آوے تو آخر میں سجدۂ سہو کرنے سے نماز صحیح ہوجائے گی اور اگر سجدہ کریگا تو اس کا فرض باطل ہوجائے گا اور ایک چھٹی رکعت بھی ملائے تا کہ یہ نماز نفل ہوجائے اور اگر چوتھی رکعت پر قعدہ کرنے کے بعد پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا، اگر پانچویں کے ساتھ چھٹی بھی ملائے گا تو چار رکعت فرض اور بعد کی دونوں رکعتیں نفل ہوجائیں گی اور آخر میں سجدۂ سہو لازم ہوگا اور اگر چھٹی رکعت نہ ملائے تو پانچویں رکعت بیکار ہوجائے گی چار رکعت فرض ہوجائے گی اخیر میں سجدۂ سہو لازم ہوگا۔

وإن سهى عن القعدة الأخيرة فقام إلى الخامسة رجع إلى القعدة مالم يسجد وألغى الخامسة ويسجد للسهو، وإن قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه وتحولت صلوته نفلاً، وكان عليه أن يضم إليها ركعة سادسة، وإن قعد في الرابعة قدر التشهد، ثم قام إلى الخامسة ولم يسلم يظنها القعدة الأولى عاد إلى القعود مالم يسجد في الخامسة ويسلم ويسجد للسهو، فإن قيد الخامسة بسجدة ضم إليها ركعة أخرى وقد تمت صلوته الخ

(الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، جديد دارالكتاب ديوبند ۹۳، قديم امداديه ملتان ۱/ ۹٤، تنوير الأبصار مع الدرر، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كراچي ۲/ ۸۵ تا ۸۷، زكريا ۲/ ۱/ ۵۵۱، تا ۵۵٤، هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ۱/ ۱۲۹، جديد زكريا ۱/ ۱۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۱۸)

تراویح کی دوسری رکعت میں قعدہ کو مؤخر کردینا

سوال [۲۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نماز تراویح پڑھ رہا تھا، دوسری رکعت پر وہ بیٹھا نہیں؛ بلکہ سیدھا کھڑا ہوگیا مقتدی کے لقمہ پر وہ بیٹھا اور سجدۂ سہو نہیں کیا تو کیا اس کی وہ دو رکعت ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: صغیر احمد، امام مسجد جرنیل والی، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پورا کھڑا ہو چکا ہے اور سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے اور ان دونوں رکعتوں کا قرآن بھی لوٹانا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۸۲، امداد الفتاوی ۱/ ۳۶۷)

عن ابن عمرؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لاسهو في وثبة الصلاة إلاقيام عن جلوس وجلوس عن قيام. (المستدرك للحاكم، كتاب الصلاة، باب السهو ٢/٤٧١، رقم:١٢١٢ قديم ١/٣٢٤، سنن دار قطنی، کتاب الصلاة، باب ليس على المقتدي سهو وعليه سهو الإمام ١/٣٦٥، رقم: ١٣٩٩، السنن الكبري، كتاب الصلاة، باب من سها فجلس من الأولىٰ ٣/٣٠٠، رقم: ٣٩٦٠، دار الحديث القاهرة ٢/٦٨٩، رقم:٣٨٥٣)

وكذا كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلوة مطلب كل صلوة أديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها، زكريا٢/١٤٧، كراچي ١/٤٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۴۹/۲۶)

ایک سجدہ بھول جائے تو کب ادا کرے؟

سوال [۲۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام بحالت نماز ایک سجدہ کر کے سیدھا کھڑا ہو جائے تو کیا وہ سجدۂ ثانیہ کرنے کے لئے لوٹے گا یا نہیں؟ یا دوسری رکعت میں تین سجدے کر کے سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے، اگر اگلی رکعت میں تین سجدہ کر لئے اور سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مسعود الحسن رشیدی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فوت شدہ سجدہ اگر کھڑے ہونے کے بعد یاد آئے تو بہتر یہی ہے کہ اسی وقت لوٹ آئے اور سجدہ ادا کر لے، ورنہ جس رکن میں بھی یاد آئے

اسی رکن سے سجدہ کے لئے لوٹ آنا بہتر ہے اور جس رکن سے سجدہ ادا کرنے کے لئے لوٹا ہے اس رکن کا اعادہ مستحب ہے، اگر یاد آنے کے فوراً بعد سجدہ نہ کیا؛ بلکہ دوسری رکعت میں تین سجدہ کر لئے تو بھی درست ہے؛ البتہ تمام صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۴/۴۴)

عن الثوري في رجل قام فقرأ، ثم ركع، ثم سجد سجدة واحدة ثم قام فقرأ فركع، ثم ذكر وهو ساجد أنه لم يسجد في الركعة الأولى إلا سجدة واحدة قال: لايعتد بهذا الركعة التي ذكر وهو ساجد؛ ولكن يرفع رأسه فليسجد التى فاتته، وليسجد سجدتي الركعة التي هو فيها، ثم يسجد سجدتي السهو إذا فرغ من صلوته. (المصنف لعبد الرزاق ٢/٣٢٠، رقم: ٣٥٢٥)

ولو تذكر في ركوعه، أو سجوده فسجدها أعادهما ندبا لسقوطه بالنسيان وسجد للسهو، وفي الشامية: أفاد أن سجودها عقب التذكر غير واجب وله أن يؤخرها إلى آخر الصلوة فيقضيها هناك. (شامي، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف مطلب كل شفع من النفل صلوة، زكريا ٢/٣٦٨-٣٦٩، كراچي ١/٤٦٢، ١/٦١٢، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في الواجبات الاصلية في الصلاة، قديم ١/١٦٣، جديد زكريا ١/٤٠٠)

وإن كان إما ما فصلي ركعة وترك منها سجدة فصلى ركعة أخرى وسجدلها، فتذكر المتروكة في السجود، فإنه يرفع رأسه من السجود و يسجد المتروكة، ثم يعيد ما كان فيها. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو ٢/٣٩٤، رقم: ٢٧٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۳۴)

وتر میں دعاء قنوت بھول کر رکوع میں چلا گیا

سوال [٢٩٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز وتر میں دعاء قنوت پڑھے بغیر رکوع میں پہونچ جائے اور یاد آجائے تو قنوت کے لئے واپس قیام میں لوٹنا ضروری ہے یا نہیں اگر ان دونوں صورتوں میں نمازی قیام میں واپس نہیں آیا تو سجدۂ سہو سے اس کی نماز درست ہوگئی یا واجب الاعادہ ہے؟

المستفتی: محمد یونس امام جامع مسجد احمد گڑھ، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر دعاء قنوت بھول جائے تو اس کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صرف اخیر میں سجدۂ سہو کر لینا کافی ہے۔

لو تذكر القنوت في الركوع، فإنه لايعيد (إلى قوله) يسجد للسهو الخ

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا٢/١٦٦، كوئٹه ٢/٩٤)

لوتذكر القنوت في الركوع، فإنه لايعود ولايقنت فيه لفوات محله......ويسجد للسهو. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند جديد ٤٦١)

ولو نسيه: أي القنوت ثم تذكر في الركوع لايقنت فيه لفوات محله، ولايعود إلى القيام في الأصح......وسجد للسهو. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/٤٤٦، ٤٤٧، كراچي ٢/٩، ١٠)

ثم رجح في البدائع والفتاوى رواية عدم العود إلى القنوت وجعلها ظاهر الرواية. (حاشية چلپي على تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، امداديه ملتان ١/١٩٤، زكريا١/٤٧٥)

وأما حكم القنوت إذا فات عن محله فنقول إذا نسي القنوت حتى ركع،

ثم تذكر بعد ما رفع رأسه من الركوع لايعود ويسقط عنه القنوت وإن كان في الركوع، فكذلك وهو ظاهر الرواية. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في القنوت، كراچي ۱/ ۲۷۴، زكريا ۱/ ۶۱۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/ ۶۳)

عن الحسن قال: من نسي القنوت في الوتر، سجد سجدتي السهو. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب من نسي القنوت سجد للسهو، دارالفكر ۳/ ۳۰۹، رقم: ۳۹۸۳، دار الحديث القاهره ۲/ ۶۹۹، رقم: ۳۸۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا؍ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۱ھ

دعاء قنوت پڑھنا بھول جائے تو کیا کرے؟

سوال [۲۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے وتر کی تیسری رکعت میں بھول کر قنوت کو چھوڑ دیا اور رکوع میں چلا گیا، اب رکوع کے بعد دعاء قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع کیا اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دعاء قنوت بھول جائے تو رکوع سے لوٹ کر دعاء قنوت نہیں پڑھنی چاہئے، نیز رکوع کے بعد اگر قومہ کی حالت میں دعاء قنوت پڑھ لی ہے تو دوبارہ رکوع نہیں کرنا چاہئے تھا، تاہم دونوں صورتوں میں جب سجدۂ سہو کرلیا ہے تو نماز صحیح ہوگئی ہے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

لو تذكر القنوت في الركوع، فإنه لايعود ولايقنت فيه لفوات محله

(إلى قوله) ويسجد للسهو. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند ٤٦١، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ١٦٦/٢، كوئٹه ٩٤/٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦٣/٣٤)

عن الحسن قال: من نسي القنوت في الوتر، سجد سجدتي السهو. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب من نسي القنوت في الوتر سجد سجدتي السهو، دارالفكر ٣٠٩/٣، رقم:٣٩٨٣، دار الحديث القاهره ٦٩٩/٢، رقم:٣٨٧٦)

ولو نسيه القنوت، ثم تذكره في الركوع لايقنت فيه ولايعود إلى القيام في الأصح (إلى قوله) وسجد للسهو الخ (در مختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچي ٩/٢-١٠، زكريا ٤٤٦/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۵۵/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۰ھ

وتر کی تیسری رکعت میں دو رکوع کرنے سے سجدۂ سہو کا وجوب

سوال [۲۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان شریف میں امام صاحب وتر پڑھاتے ہوئے تیسری رکعت میں قنوت پڑھے بغیر رکوع میں چلے گئے یاد آنے پر یا کسی کے بتانے پر پھر کھڑے ہو کر قنوت پڑھی، پھر رکوع کیا تب سجدہ میں گئے، معلوم یہ کرنا ہے ایسی صورت میں امام اور مقتدیوں کی نماز سجدۂ سہو کرنے سے ہو جائے گی اور جو مقتدی دوسرے رکوع میں شریک ہوئے پہلے رکوع میں شریک نہ تھے ان کو رکعت ملی یا نہیں یا سرے سے نماز ہی نہ ہوئی فقہاء کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: جلیل احمد، سابق استاذ دار العلوم جامع الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں وتر کی نماز میں رکوع کا

تکرار ہوا ہے یعنی تین رکوع کے بجائے چار رکوع ہو گئے، تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو کے ذریعہ سے نماز درست ہوگئی اور بہتر یہ تھا کہ جب دعاء قنوت پڑھے بغیر رکوع میں چلے گئے، تو رکوع سے واپس نہ آتے اور اخیر میں سجدۂ سہو کر لیتے تو نماز درست ہو جاتی، جو صورت پیش آئی ہے اس میں بھی سجدۂ سہو کر لینے سے نماز درست ہوگئی، اب رہی یہ بات کہ جو لوگ دوسرے رکوع میں شریک ہوئے ہیں ان کو رکعت ملی یا نہیں؟ ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو رکعت نہیں ملی؛ اس لئے کہ دوسرا رکوع زائد اور لغو ہے؛ لہٰذا ان حضرات کو چاہئے کہ وتر کی تینوں رکعتیں مسبوق کی طرح پوری کریں۔

ولایجب السجود إلا بتأخیر رکن، أو تقدیمه، أو تکراره الخ (هندیة، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، قدیم زکریا ۱/۱۲۶، جدید زکریا ۱/۱۸۶)

ولو نسیه: أي القنوت ثم تذکر في الرکوع لایقنت فیه ولا یعود إلی القیام (إلی قوله) وسجد للسهو، وتحته في الشامیة: لوعاد وقنت، ثم رکع فاقتدیٰ به رجل لم یدرک الرکعة، لأن هذا الرکوع لغو. (شامي، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب اقتداء بالشافعي کراچي ۲/۹-۱۰، زکریا ۲/۴۴۶، ۴۴۷)

ولو أنه عاد إلی القیام وقنت ینبغي أن لا ینتقض رکوعه علی قیاس ظاهر الروایة. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، صلاة الوتر، فصل في القنوت جدید زکریا ۱/۶۱۵، قدیم کراچي ۱/۲۷۴، بیروت ۲/۲۳۵، حاشیة چلبي علی التبیین، کتاب الصلاة، باب سجود السهو، جدید زکریا ۲/۱۶۶، قدیم امدادیه ملتان ۱/۱۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ

دعاءقنوت کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال [۲۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے وتر میں دعاءقنوت کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی اور بعد میں یاد آنے پر دعاءقنوت بھی پڑھ لی تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبیداللہ، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شخص مذکور نے جب وتر میں دعاءقنوت کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی ہے اور یاد آنے پر دعاءقنوت بھی پڑھ لی تو ایسی صورت میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا کیونکہ قنوت سے مراد مطلقاً دعاء ہے اور سورۂ فاتحہ میں بھی دعائیہ الفاظ موجود ہیں۔

سئل عمر الحافظ عمن شرع في القنوت في الوتر فبعد ما قرأ بعضها قرأ الفاتحة، أو بعضاً منها سهواً، ثم عاد إلى قراءة القنوت هل يلزمه سجود السهو؟ قال: لا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو ۲/۳۹۸، رقم:۲۷۸٦)

قراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء أي القنوت الواجب يحصل بأي دعاء كان. (شامي زكريا، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۲/۱٦۳، كراچي ۱/٤٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۳۹)

دعاءقنوت بھول کر رکوع میں چلے جانا

سوال [۲۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اورسورت پڑھی دعاءقنوت پڑھنے سے پہلے رکوع میں گیا فوراً اسے دھیان آیا کہ دعاءقنوت نہیں پڑھی فوراً کھڑا ہوگیا، پھراس نے تکبیر کہہ کر دعاءقنوت پڑھ کرنماز پوری کی تواس میں کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: محمدآصف، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ یہ ہے کہ اگر وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اورقرأت کے بعد دعاءقنوت پڑھنا بھول گیا اوررکوع میں چلا گیا تو اگر رکوع میں یاد آجائے تو کھڑا ہوکر دعاءقنوت نہ پڑھے؛ بلکہ آخر میں سجدۂ سہو کرلے،اگر کھڑا ہوکر دعاءقنوت پڑھ بھی لےتو بھی نماز فاسد نہ ہوگی اخیر میں سجدۂ سہو کر لینے سے نماز درست ہوجائے گی۔

عن الحسن قال: من نسي القنوت في الوتر، سجد سجدتي السهو.

(السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب من نسي القنوت سجد للسهو، دارالفكر جديد٣/٩ ٣٠، رقم:٣٩٨٣، دار الحديث القاهره ٢/ ٦٩٩، رقم:٣٨٧٦)

ولو نسيه؛ أي القنوت، ثم تذكره في الركوع لايقنت فيه لفوات محله ولايعود إلى القيام في الأصح، لأن فيه رفض الفرض للواجب، فإن عاد إليه وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلوته وسجد للسهو. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچي ٢/٩ -١٠، زكريا ٢/ ٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۱۵ھ

عیدین وجمعہ میں سجدۂ سہو معاف ہونے کی علت

سوال[۲۹۳۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر نماز عید کی تکبیرات زوائد سہواً چھوٹ گئیں اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا تو نماز بلاکراہت درست ہوگئی، نماز لوٹانے کی قطعاً ضرورت نہیں، نماز عیدین یا نماز جمعہ سب میں ترک واجب سے سجدۂ سہو کرنا لازم نہیں ہوتا؟

المستفتی: محمد فخر الدین قاسمی، مدرس جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ اور عیدین میں سجدۂ سہو کی معافی کی علت کثرت ازدہام کی وجہ سے نمازیوں کا تشویش میں پڑجانا ہے؛ لہٰذا جن چھوٹی مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے وہاں سجدۂ سہو ساقط نہیں ہوگا؛ کیونکہ وہاں تشویش اور فتنہ کا خطرہ نہیں ہے اور جامع مسجد اور بڑی عیدگاہ میں اگر سہو واقع ہوجائے، تو قطع فتنہ کے لئے سجدۂ سہو معاف ہے اور جمعہ وعیدین کے علاوہ دوسری نمازوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر مجمع بہت بڑا ہے تو سجدۂ سہو معاف ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۳۹)

والسهو في صلوة العيد، والجمعة، والمكتوبة، والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة، وتحته في الشامية: الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك الخ (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ٢/٥٦٠، كراچي ٢/٩٢، عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ١/١٢٨، جديد ١/١٨٧)

عدم السجود مقيدبما إذا حضر جمع كثير أما إذا لم يحضروا فالظاهر السجود لعدم الداعي إلى الترك وهو التشويش. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند جديد ٤٦٦، قديم ٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧/محرم الحرام ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/٢٠٧٨)

جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو کا حکم

سوال[۲۹۳۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نماز جمعہ میں کوئی ایسی خرابی لازم آگئی، مثلاً پہلی رکعت میں یا دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا بھول گیا، خرابی لازم آنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً سورۂ فاتحہ پڑھنا بھول گیا اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، ان تمام خرابیوں کی بناء پر جب نماز لوٹائی جائے گی تو آیا نماز جمعہ ہی پڑھی جائے گی یا نماز ظہر یا از سرنو نماز لوٹائی ہی نہیں جائے گی؟

المستفتی: ثناءاللہ، پرتا بگڈھی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جمعہ اور نماز عیدین میں سجدۂ سہو معاف ہونے کا جو ذکر کتابوں میں موجود ہے وہ مطلق نہیں ہے؛ بلکہ مجمع کثیر کے ساتھ مقید ہے؛ لہٰذا اگر مجمع بہت زیادہ ہے جیسا کہ مرادآباد کی جامع مسجد جیسی مسجدیں ہیں ان میں لوگ بھر جائیں تو سجدۂ سہو معاف ہے اور اعادۂ صلوۃ لازم نہیں اور اگر بہت بڑی مسجد نہیں ہے، اور اس میں اعادۂ صلوۃ میں ایسا نہیں ہوسکتا کہ سجدۂ سہو یا اعادۂ صلوۃ کی وجہ سے لوگوں میں انتشار پیدا ہوجائے، جیسا کہ وہ مساجد کہ جن میں سو دوسو افراد ہوتے ہیں، تو ایسی مساجد میں نماز جمعہ میں سہو ہوجائے تو سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے اور عدم سجدہ کی صورت میں اعادہ بھی لازم ہوجاتا ہے۔

ولايأتي الإمام بسجود السهو في الجمعة والعيدين دفعاً للفتنة بكثرة الجماعة وبطلان صلوة من يرىٰ لزوم المتابعة......ومن هذه السببية أن عدم السجود مقيد بما إذا حضر جمع كثير أما إذا لم يحضروا فالظاهر السجود لعدم الداعي إلى الترك وهو التشويش الخ (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند جديد ٤٦٥ -٤٦٦، قديم ٢٥٣)

و السهو في صلاة العيد، والجمعة، والمكتوبه، والتطوع سواء والمختار عند المتأخرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة. (تحته في الشامية) لكنه قيده محشيها الواني بما إذا حضر جمع كثير وإلا فلا داعي إلى الترك. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا٢/ ٥٦٠، كراچي ٢/ ٩٢)

اوراعادہ کی صورت میں وقت کے اندر جمعہ کا اعادہ لازم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۴۹)

کیا مسبوق پر امام کے ساتھ سلام پھیرنے سے سجدۂ سہو واجب ہے؟

سوال [۲۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نماز میں مسبوق تھا امام صاحب نے سلام پھیرا، اور ابھی ''السلام علیکم'' بھی پورا نہیں کہا تھا کہ مسبوق نے بھی بھول سے ایک طرف سلام پھیر دیا امام کے ساتھ دوسرا سلام پھیرنے سے پہلے ہی اسے اپنا مسبوق ہونا یاد آ گیا پھر اپنی بقیہ نماز مکمل کی معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا مسبوق کے ایک طرف سلام پھیر دینے سے سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا؟ فقہاء کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر ناظم علی، ایم بی بی ایس، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مسبوق نے امام کے ساتھ بھول کر صرف ایک طرف سلام پھیرا ہے اور دوسری طرف نہیں پھیرا ہے اور یاد آنے کی وجہ سے کھڑا ہو گیا تو ایسی صورت میں مسبوق پر آخر میں سجدۂ سہو کرنا لازم نہیں ہے، ہاں البتہ اگر دونوں طرف سلام پھیر دیا اور اس کے بعد بقیہ نماز کے لئے کھڑا ہوا ہے تو اب سجدۂ سہو کرنا لازم ہوتا ہے۔

وإن سلم المسبوق ساهياً مع إمامه: أي علی أثر تسليمته الأولیٰ كسائر المقتدين، فإنه لاسهو عليه؛ لأنه مقتدٍ بعد وسهو المقتدي لايوجب السهو. (حلبي، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، اشرفية ٤٦٥)

ولو سلم ساهيا إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا. (تحته في الشامية) أي وإن سلم معه أو قبله لايلزمه؛ لأنه مقتد في هاتين الحالتين. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل باب الاستخلاف، زكريا ٢/ ٣٥٠، كراچي ١/ ٥٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲/ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۸۰/۳۸)	۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنا

سوال [۲۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فتاوی محمودیہ ۲/ ۱۲۱ پر ایک سوال اگر مسبوق بھول کر ایک طرف سلام پھیر دے کے جواب میں لکھا ہے کہ امام نے جب داہنی طرف سلام پھیرا اور امام السلام کے میم پر پہونچا، اگر اسی وقت مسبوق کو یاد آ گیا اور وہ رک گیا تب تو اس کے ذمہ سجدۂ سہو نہیں، اگر اس کے بعد سلام پھیرا تو اس کے ذمہ سجدۂ سہو ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسبوق نے ایک طرف بھی سلام پھیر دیا اس کے بعد یاد آتے ہی کھڑا ہو گیا تب بھی سجدۂ سہو واجب ہے؛ چونکہ عام طور پر مقتدی یا مسبوق امام کے السلام کہنے کے بعد ہی سلام پھیرتے ہیں؛ جبکہ آپ کا ۲۹/ صفر ۱۴۲۹ھ کا لکھا ہوا فتوی اس میں ہے کہ اگر مسبوق نے امام کے ساتھ بھول کر صرف ایک طرف سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو نہیں، ہاں اگر دونوں طرف سلام پھیر دیا تو سجدۂ سہو کرنا لازم ہے، اس سلسلہ میں راجح اور مفتی بہ قول کیا ہے؟ ہم کسی پر عمل کریں؟

المستفتی: عبدالرشید، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فتاوی محمودیہ کی عبارت دیکھی گئی اور اس کا نیا نسخہ جو پاکستان سے تخریج ہوکر آیا ہے وہ بھی دیکھ لیا گیا اور مفتی صاحبؒ کے مذکورہ فتوی کے ذیل میں جو جزئیات نقل کئے گئے ہیں ان کو بھی دیکھ لیا گیا ہے، نیز اس موضوع سے متعلق فقہاء کی عبارات اور جزئیات بھی دیکھ لئے گئے ،مگر ہم کو کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں مل پایا کہ السلام کے میم پر پہونچنے پر سجدۂ سہولازم نہیں ہے اور میم سے تجاوز کر جانے کی صورت میں سجدۂ سہولازم ہے، ہاں البتہ کتب فقہ میں اس طرح کے مختلف فیہ جزئیات موجود ہیں بعض میں اس بات کی صراحت ہے کہ ایک طرف امام کے ساتھ سلام پھیرنے پر یاد آیا اور مسبوق کھڑا ہوگیا تو سجدۂ سہولازم نہیں اور اگر دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو سجدۂ سہو لازم ہے ور بعض جزئیات میں اس کی صراحت ہے کہ ایک طرف سلام پھیرنے سے بھی سجدۂ سہولازم ہوجاتا ہے،مگر تمام جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہی بات سامنے آتی ہے کہ راجح یہی ہے کہ امام کے ساتھ ایک طرف سلام پھیرنے پر سجدۂ سہولازم نہیں ہوتا۔
(مستفاد: شامی زکریا ۲/ ۳۵۰، شرح کبیری ۶۵)

بلکہ دونوں طرف سلام پھیرنے پر سجدۂ سہولازم ہوتا ہے اور السلام کے میم سے تجاوز کرنے یا نہ کرنے کا معمہ ہم کو کہیں نہیں ملا، اس لئے ۲۲/ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ کا لکھا ہوا فتویٰ ہی زیادہ صحیح اور راجح ہے،اس کے لئے مزید حوالہ کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۷ھ

مدرک نے امام کے سلام کے بعد بھول کر پانچویں رکعت پڑھ لی

سوال [۲۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص مدرک ہے قعدۂ اخیرہ میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ شخص خودکو مسبوق گمان کر کے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا اور مکمل ایک رکعت پڑھ لی، اس کے بعد سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دیا تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شعیب میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب اس شخص نے خودکو مسبوق گمان کر کے قعدۂ اخیرہ کے بعد ایک رکعت مکمل زائد پڑھ لی تو سجدۂ سہو کر لینے کی بناء پر اس کی نماز درست ہوگئی؛ البتہ اس کے لئے بہتر یہ تھا کہ اس رکعت کے ساتھ ایک رکعت اور ملالیتا تا کہ آخر کی دو رکعت نفل ہو جاتیں۔ (مستفاد: محمود یہ ڈابھیل ۴۳۰/۷، فتاوی دار العلوم ۳۹۳/۴)

عن عبد الله رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر خمساً فقيل له أزيد في الصلاة؟ فقال: وما ذاک؟ قال: صليت خمساً، فسجد سجدتين بعد ما سلم. (صحيح البخاري، كتاب السهو، باب إذا صلى خمساً ١٦٣/١، رقم:١٢١٢، ف:١٢٢٦)

رجُلٌ صلى الظهر خمساً وقعد في الرابعة قدر التشهد يُضيفُ إليها ركعةً أخرىٰ ويتشهدُ ويُسلِّمُ ويسجد سجدتي السهوِ ويتشهدُ ويسلم ثانيا. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، زكريا٢/٤٠٥، رقم:٢٨٠٦)

عبد الرزاق عن معمرٍ عن قتادةؓ في رجل صلى الظهر خمساً قال: يزيد إليها ركعةً، فتكونُ صلوة الظهر وركعتين بعدها. (مصنف عبد الرزاق ٣٠٣/٢، رقم:٣٤٦٠)

ولو قعد في الرابعة، ثم قام ولم يسلم–إن قيد الخامسةَ بالسجدة، ثم تذكَّر ضم إليها ركعةً اخرى، وتم فرضه ويسجد للسهو استحساناً. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كراچي

۴۴۷/۱-۴۴۶، زکریا ۵۲۷/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۱/۴۰)

مدرک نے امام کے سلام پر کھڑے ہوکر دو رکعت اور پڑھ لی

سوال [۲۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے سلام نہیں پھیرا؛ بلکہ پانچویں رکعت پوری کرلی پھر یاد آیا کہ میں تو شروع سے ہی امام کے ساتھ تھا اس نے مزید ایک رکعت اور پوری کرلی اور سجدۂ سہو کر لیا تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے اور اخیر کی دو رکعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شعیب، میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھول کر مدرک شخص امام کے ساتھ سلام پھیرے بغیر پانچویں رکعت پوری کرلیتا ہے اور بعد میں یاد آنے پر مزید ایک رکعت ملا لیتا ہے اور بعد میں سجدۂ سہو بھی کرلیتا ہے تو اس کی فرض نماز درست ہوجائے گی اور اخیر کی دو رکعت نفل شمار کی جائیں گی۔

عن معمرٍ عن قتادۃ رضـ **في رجل صلی الظهر خمساً قال: یزید إلیها رکعةً، فتکونُ صلوة الظهر ورکعتین بعدها.** (مصنف عبد الرزاق ۳۰۳/۲، رقم: ۳۴۶۰)

وإن سجد للخامسة سلموا وضم إلیها سادسة لتصیر الرکعتان له نفلاً.

(شامي، کتاب الصلاۃ، باب سجود السهو، زکریا ۵۵۳/۲، کراچي ۸۷/۲)

وإن سجد للخامسة تم فرضه وضم إلیها سادسة لتصیر الرکعتان له نفلا؛ لأن الرکعة الواحدة لا تجزیه ویسجد للسهو. (تبیین الحقائق ۴۸۱/۱،

زكريا امداديه ملتان ١/١٩٧، هداية اشرفيه، كتاب الصلاة، باب سجود السهو ١/١٥٩، بنايه مكتبه نعيمية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو ٢/٦٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۸/۴۰)

امام کے سلام کے بعد مدرک نے پانچویں رکعت پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۲۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقتدی پر امام کی اتباع لازم ہے خصوصاً فرائض اور واجبات میں، نماز سے خارج ہونے کے لئے سلام کس حیثیت کا درجہ رکھتا ہے، اگر واجب ہے تو جس مدرک نے مسبوق سمجھ کر مزید دو رکعت پڑھی اور سجدۂ سہو کرلیا، امام کے ساتھ سلام میں اتباع نہیں کی ہے تو ایسی صورت میں اس مقتدی کے بارے میں کیا حکم ہونا چاہئے، امام صاحبؒ کے نزدیک خروج بصنعہ فرض ہے ہم نے اس کے متعلق نہیں پوچھا ہے؛ بلکہ سلام کے بارے میں پوچھا ہے؛ لہٰذا تحقیق کر کے جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مقتدی نے سلام پھیرنے میں امام کی اتباع نہیں کی بعد میں سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کرلی تو اس کی نماز درست ہوگئی؛ اس لئے کہ امام کی اتباع تراخی کے ساتھ بھی درست ہے، نیز لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا واجب ہے، اور وہ خود لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلا ہے۔

إن المتابعة ليست فرضاً؛ بل تكون واجبة في الفرائض والواجبات لفعلية– والحاصل أن المتابعة في ذاته ثلاثة أنواع مقارنة لفعل الإمام......

ومعاقبة لابتداء فعل إمامه مع المشاركة في باقيه ومتراخِية عنه فمطلق المتابعة الشامل؛ لهذه الأنواع الثلاثة– ولايشكل مسألة المسبوق المذكورة، لأن القعدة وإن كانت فرضا؛ لكنه يأتي بها في آخر صلاته التي يقضيها بعد سلام إمامه فقد وجدت المتابعة المتراخية، فلذا صحت صلاته. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام، زكريا۲/۱٦٦، كراچي ۱/٤٧۱)

وأما الخروج عن الصلاة بلفظ السلام فواجب عندنا. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء قديم ۱/۳۹، جديد ۱/۳٧۰)

أما صفته فإصابة لفظة السلام ليست بفرض عندنا؛ ولكنها واجبة (إلى قوله) ولو تركها ساهيا يلزمه سجود السهو عندنا. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة،قبيل فصل لفظ الخروج من الصلاة، زكريا ۱/٤٥٤، كراچي ۱/۱۹٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۳۸۷)

لاحق پر سجدۂ سہو واجب نہیں

سوال [۲۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام مسافر کے پیچھے دو مقیم مقتدی تھے، امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب یہ مقیم مقتدی جو لاحق کے حکم میں ہیں اپنی نماز ادا کرنے کھڑے ہوئے تو ایک مقتدی نے دونوں رکعتوں میں الحمد بھی پڑھی اور سورت بھی پڑھ لی اور ایک مقتدی نے کھڑے ہوکر قرأت کی، مگر تشہد پڑھنا چھوڑ دی کیا ان دونوں پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافرامام کے سلام پھیرنے کے بعد مقیم مقتدی حضرات میں سے جس نے سورۂ فاتحہ اورضم سورت کی ہے اسی طرح جس نے تشہد نہیں پڑھی ہے دونوں میں سے کسی پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے؛ اس لئے کہ لاحق سے اگر کوئی موجب سہو عمل صادر ہوجائے تو اس سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا ہے۔

وصح إقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعدهٗ، فإذا قام المقيم إلى الإتمام لا يقرأ ولايسجد للسهو في الأصح؛ لأنه كان كاللاحق. (الدرمع الرد، كتاب الصلاة، باب المسافر، كراچي ۲/۱۲۹، زكريا ۲/۶۱۰، ۶۱۱)

ويقصر هو يتم المقيم بلا قراءة في الأصح (ملتقى الابحر) وفي مجمع الأنهر؛ لأنه فيهما كأنه مؤتم فلا قراءة للمؤتم، وفي الخانية: لاقراءة عليهم فيما يقضون ولاسهو عليهم إذا سهوا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب المسافر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۴۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۱۰ھ

سجدۂ سہو کے بعد امام کی اقتداء کرنا

سوال [۲۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ظہر کی نماز میں امام صاحب نے سجدۂ سہو کیا ایک صاحب اس کے بعد نماز میں شریک ہوگئے کیا ان صاحب کی فرض نماز درست ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر حوالہ دیدیں تو بہت مناسب ہوگا۔

المستفتی: محمد شفیع، جامعۃ الصالحات، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سجدۂ سہو کے بعد امام کی اقتداء کرنا جائز اور درست ہے اس سے نماز میں کوئی خرابی لازم نہیں آئے گی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲/۲۶۴)

فإن سهى الإمام في صلوته فسجد للسهو، ثم اقتدىٰ به رجل في القعدة التى بعدها صح اقتداؤه لأن الإمام في حرمة الصلاة بعد. (مبسوط سرخسي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۱۲)

ولو سلم من عليه سجود سهو فاقتدىٰ به غيره صح. (طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند جديد ٤٧١، قديم ٢٥٦)

عن أبي حنيفة في رجل سلم وعليه سجدتا السهو، فدخل رجل في صلاته بعد التسليم، فإن سجد الإمام كان داخلاً. (فتاوى تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، زكريا۲/۴۱۰، رقم:۲۸۱۷، كوئٹه ۱/۷۳۱، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، المجلس العلمي جديد ۲/۳۲۳، رقم:۱۸۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۰۶/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱۵ھ

مقتدی محل سہو کے بعد نماز میں شامل ہوا تو اس پر سجدۂ سہو کا حکم

سوال [۲۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے سورۂ فاتحہ نماز مغرب کی دوسری رکعت میں آہستہ پڑھ دی اور جہر کے ساتھ اس کا اعادہ بھی کرلیا گیا؛ لیکن نماز کی تکمیل کے لئے امام صاحب نے سجدۂ

سہواادانہ کیااورسلام پھیر دیا،اسی حالت میں قعدۂ اخیرہ کے شروع میں ایک صاحب جماعت کے ساتھ شامل ہوگئے اور امام کے سلام پھیر دینے کے بعد اپنی نماز پوری کرلی اور سجدۂ سہو نہیں کیا تو کیا اس مقتدی مسبوق پر اپنی نماز کو پورا کرکے سجدۂ سہو کرنا تھا یا نہیں؟ مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی نے مسائل سجدۂ سہو میں تحریر فرمایا ہے کہ مقتدی مسبوق کی سجدۂ سہو کئے بغیر مذکورہ صورت میں نماز ادا ہوجائے گی۔

المستفتی: آفتاب عالم، سہسپور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح امام کے ذمہ سجدۂ سہو نہ کرنے کی بناپر نماز کا اعادہ کرنا لازم ہوگیا تھا، اسی طرح مسبوق پر بھی نماز کا لوٹانا واجب ہوگیا تھا، اب چونکہ وقت نکل جانے کی وجہ سے امام صاحب سے اس نماز کا اعادہ کرنا ساقط ہوگیا ہے؛ لہٰذا مسبوق کے ذمہ بھی نماز کا اعادہ ضروری نہیں رہا دونوں کی نمازیں کراہت کے ساتھ ادا ہوگئی ہیں۔

عن الحسن في رجل نسي سجدتي السهو قال: إذا لم يذكرهما حتى انصرف ولم يسجدهما، فقد مضت صلاته. الحديث (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب نسيان سجدتي السهو ٢/ ٣٢٤، رقم: ٣٥٤٢)

عن الحسن قال: إذا سها في المسجد، فلم يسجد حتى يخرج من المسجد فليس عليه شئ. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب من سها عن سجدتي السهو حتى انصرف، دار الفكر ٣/ ٣١١، رقم: ٣٩٨٩، دار الحديث القاهرة ٢/ ٧٠١، رقم: ٣٨٨٢)

وسهو الإمام يوجب على المؤتم السجود قال العلامة عبد الحي رحمه الله تعالىٰ وإن كان مسبوقاً لم يدرك محل السهو معه الخ (الهداية مع الدراية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفي ١/ ١٥٨، مكتبة بلال ديوبند ١/ ١٦٥)

والوجوب مقيد بما إذا كان الوقت صالحاً الخ (الهندية، كتاب الصلاة،

الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ١/١٢٥، جديد زكريا ١/١٨٥، قاضي خان على هامش الهنديه، كتاب الصلاة، فصل في بيان من يجب عليه السهو ومن لايجب عليه، زكريا ١/١٢٣)

وجب عليه إعادة الصلاة، قال الإمام الطحطاويؒ فإن لم يعدها حتى خرج الوقت سقطت عنه مع كراهة التحريم الخ (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب جديد ٤٦٢، قديم ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۳۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۲۶ھ

کیا سجدۂ سہو بھولنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے؟

سوال [۲۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وتر یا کسی نماز میں کسی واجب کے ترک ہونے کی بنا پر سجدۂ سہو واجب ہو گیا زید نے قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو نہیں کیا اور سلام پھیر دیا پھر کچھ دیر بعد یاد آ گیا تو کیا ایسی صورت میں پڑھی گئی نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ یا سلام پھیرنے کے بعد فوراً یاد آ گیا تو اس نے سجدۂ سہو کرلیا، پھر درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر کر نماز پوری کر لی تو زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد جمال، سنیچر بازار، مراد آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی نماز میں ترک واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو کرنا بھول گیا اور سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر بعد یاد آیا ہے اور منافیٔ صلوۃ کوئی عمل نہیں ہوا ہے، مثلاً کسی سے بات نہیں کی ہے اور قبلہ سے سینہ نہیں موڑا ہے تو فوری طور پر سجدۂ سہو کر کے التحیات پڑھ کر نماز کی تکمیل کرنا جائز ہے

اور پوری نماز کا اعادہ لازم نہیں؛ لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ دونوں صورتوں میں یاد آنے پر سجدۂ سہوکر کے التحیات کے بعد سلام پھیر دیا ہے تو نماز درست ہوگئی۔

في البدائع: ثم لايفترق الحال في سجود السهو سيما إذا سلم وهو ذاكر له أوساه عنه ومن نيته أن يسجد له أو لا يسجد حتى لايسقط عنه في الأحوال كلها، لأن محله بعد السلام إلا إذا فعل فعلاً يمنعه من البناء، بأن تكلم أو قهقه، أو أحدث متعمداً، أو خرج عن المسجد أو صرف وجهه عن القبلة وهو ذاكر له، لأنه فات محله. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، من يجب عليه سجود السهو ومن لايجب عليه، كراچي ۱/۱۷۵، زكريا ديوبند ۱/۴۲۰، شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كراچي ۲/۹۱، زكريا ۲/۵۵۹، الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة أنواع خاصة من السجود وقضاء الفوائت، هدىٰ انٹر نيشنل ديو بند ۲/۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۴۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

دونوں طرف سلام کے بعد مفسد صلوۃ عمل سے قبل سجدۂ سہو کرنا

سوال [۲۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی نے آخری رکعت میں ایک ہی سجدہ کیا، سلام پھیرنے کے بعد فوراً یاد آیا، اب کیا کیا جائے؟ نماز دہرائی جائے؟

المستفتی: محمد فاروق اسمٰعیل ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تک سلام کے بعد کوئی مفسد صلوۃ عمل نہ کیا ہو تو ایک سجدہ کر کے دوبارہ التحیات پڑھ کر سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے۔

ولو نسي السهو، أوسجدة صلبية، أو تلاوية يلزمه ذلک مادام في المسجد. وفي الشامية: مادام في المسجد وفيما قبله مالم يتحول عن القبلة.

(شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ٢/٥٥٨، كراچي ١/٩١، مصري ١/٧٠٤)

لو نسي السهو، أو سجدة صلبية، أو تلاوية يلزمه ذلک مادام في المسجد، أي ولم يوجد منه مناف، فإن وجد منه مناف، أو خرج من المسجد قبل قضاء مانسيه فسدت صلاته، إن كان عليه سجدة صلبية.

(حاشية الطحطاوي مع المراقي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتاب ديوبند ٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۵۱)

سہو کے بعد امام کو حدث لاحق ہوا اور خلیفہ نے سجدۂ سہو نہیں کیا

سوال [۲۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص امام ہے عصر کی نماز میں قعدۂ اولیٰ میں ایسا فعل واقع ہوا جس سے سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، اب جب تیسری رکعت کے لئے اٹھا تو حدث لاحق ہو گیا وہ کسی مقتدی کو خلیفہ بنا کر چلا گیا؛ لیکن اس مقتدی خلیفہ کو معلوم نہیں تھا کہ امام کو سجدۂ سہو لازم ہوا ہے یا نہیں؟ تو کیا نماز باطل ہو جائے گی یا نہیں؟ مع دلائل اختلاف مذہب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عادل، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خلیفہ نے سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

وإذا أحدث الإمام في خلال صلاته وقد سها، فاستخلف رجلاً يسجد خليفته للسهو بعد السلام؛ لأنه قائم مقام الأول فعليه أن يأتي بما كان يأتي به الأول الخ (مبسوط للإمام شمس الأئمة السرخسي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۲۵)

إذا أحدث الإمام وقد سها فاستخلف رجلاً يسجد خليفته للسهو بعد السلام. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ۱/ ۱۳۰، جديد زكريا ۱/ ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۳۱)

دوران نماز کھانسی کی بناء پر ایک آیت پیچھے سے لوٹانا

سوال [۲۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ حنفی کے مطابق اگر زید کو نماز پڑھاتے ہوئے سورۂ فاتحہ کے درمیان کھانسی آجائے اور وہ سورۂ فاتحہ کو ایک آیت پیچھے سے لوٹا کر پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟ جیسا کہ قاعدہ ہے کہ اگر جہری نماز میں سورۂ فاتحہ کی قرأت آہستہ شروع کر دے اور بعد میں خیال آیا تو اب دونوں صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے چاہے تو وہیں سے شروع کر دے چاہے تو شروع سے بالجہر شروع کرے یہ سجدۂ سہو تاخیر کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو مندرجہ بالا مسئلہ میں بھی یہی صورت ہونی چاہئے؟

المستفتی: عبید اللہ، بھینسیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانسی میں رکنے کی بنا پر ایک آیت پیچھے سے

لوٹانے کی وجہ سے سجدہ شرعاً واجب نہیں ہے اور سورۂ فاتحہ کو جہری نماز میں سراً شروع کردینے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہونے کی علت تاخیر واجب نہیں؛ بلکہ تغیر واجب ہے، یعنی جہری نماز کو سری کرنا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۲۰/۵)

وإذا كرر آية واحدة مراراً، فإن كان في التطوع الذي يصلي وحده، فذلك غير مكروه، وإن كان في الصلاة المفروضة، فهو مكروه في حالة الاختيار وأما في حالة العذر، والنسيان فلابأس. (فتاوى عالمگيري، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة و مالا يكره، زكريا كوئٹه ١/١٠٧، جديد زكريا ١/١٦٦)

ذكر في النوادر: أنه إن جهر فيما يخافت فعليه السهو قل ذلك أوأكثر وإن خافت فيما يجهر، إن كان ذلك في فاتحة الكتاب، أو في أكثرها فعليه السهو وإلافلا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، ٢/٣٩٥، رقم:٢٧٧٥)

عن ابراهيم: قال: إذا جهر فيما يخافت فيه، أوخافت فيما يجهر فعليه سجدتا السهو. (مصنف لإبن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من قال إذا جهر فيما يخافت فيه سجد سجدتي السهو ٣/٢٤٥، رقم قديم: ٣٦٤٩، جديد: ٣٦٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۴۰/۲۵)

مغرب کی رکعت کی تعداد بھولنے پر سجدۂ سہو کرنے سے کیا نماز ہوجائے گی؟

سوال [۲۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے نماز مغرب میں دو رکعت پڑھ کر قعدہ کیا اس کے بعد اس کو

خیال نہیں کہ کونسی رکعت ہے، یعنی دوسری یا تیسری اس نے سلام پھیر دیا، اس وقت خیال ہوا دوسری رکعت پر سلام پھیر دیا، اس نے سجدۂ سہو کرلیا تو کیا نماز ہوگئی یا اعادہ کرے؟

المستفتی: حافظ محمد عثمان جامع مسجد، موہ گاؤں حویلی، جھنڈ واڑہ (ایم، پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تیسری رکعت پڑھنے کے بعد آخری قعدہ میں سجدۂ سہو کرلیا تھا تو اس کی نماز صحیح ہوچکی ہے، اگر تیسری رکعت ہی نہیں پڑھی تھی صرف سجدۂ سہو کرلیا تھا تو نماز نہ ہوگی اعادہ کرنا واجب ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/۶۱)

سجدة السهو واجبة......أنه لايجب إلا بترك الواجب من واجبات الصلاة، فلايجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ......ولابترك الفرائض، لأن تركها لاينجبر بسجود السهو؛ بل هو مفسد إن لم يتدارك فيعاد. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفية ديوبند ١/٤٥٥)

وفي الولوالجية: الأصل في هذا أن المتروك ثلاثة أنواع فرض وسنة وواجب ففي الأول إن أمكنه التدارك بالقضاء يقضي وإلا فسدت صلوته.

(هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ١/١٢٦، جديد زكريا ١/١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۹۷)

مغرب کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا موجب سہو ہے

سوال [۲۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے تین رکعت والی فرض نماز میں دوسری رکعت میں قعدہ کیا اس کے بعد کھڑا نہیں ہوا بھول گیا، تیسری رکعت کے گمان میں تھا پھر ایک طرف پھیر کر

سجدۂ سہو کرلیا، پھر درود وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دیا تو کیا اس شخص کی نماز ہوگئی یا پھر سے لوٹائے اس صورت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: حافظ محمد عثمان جامع مسجد موہ گاؤں حویلی، جھنڈ واڑہ (ایم، پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس صورت میں بھی اگر تیسری رکعت بعد میں پڑھ لی تھی اس کے بعد سجدۂ سہو کر کے نماز مکمل کی ہے تو نماز صحیح ہوگئی اور اگر تیسری رکعت نہیں پڑھی ہے؛ بلکہ صرف سجدۂ سہو کرلیا ہے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

وأما الفرض فيفوت بفواته الأصل لا الوصف فلا ينجبر بغيره سهواً .

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو قديم ٢٥٠، جديد دارالكتاب ديوبند ٤٦٠)

سجدة السهو واجبة......أنه لايجب إلا بترك الواجب من واجبات الصلاة، فلايجب بترك السنن والمستحبات كالتعوذ......ولابترك الفرائض، لأن تركها لاينجبر بسجود السهو؛ بل هو مفسد إن لم يتدارك فيعاد. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، اشرفية ديوبند ٤٥٥/١، هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجو السهو زكريا ١٢٦/١، جديد زكريا ١٨٥/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۹۷)

صلوۃ الاستخارہ میں کسی آیت کا بار بار تکرار موجب سہو نہیں

سوال [۲۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ استخارہ کی دو نفل میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہوئے ’’ **اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ** ‘‘ بار بار پڑھنے سے کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

المستفتی: عبدالرشید، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح نماز استخارہ میں ’’ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ‘‘ بار بار پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۹۷/۷، ۹۸، کتاب المسائل ۳۳۰/۱)

جسرة بنت دجاجة قالتؓ: سمعت أبا ذر يقول: قام النبي صلى الله عليه وسلم: حتى إذا إصبح بآية، والآية إن تعذبهم، فإنهم عبادک، وإن تغفرلهم فإنک أنت العزيز الحكيم. (سنن النسائی، کتاب الصلاة، باب ترديد الآية، النسخة الهندية ١/ ٦١، دارالسلام رقم:١٠١١)

وينبغي أن يقيد ذلک بالفرائض؛ لأن تكرار الفاتحة في النوافل لم يكره كما في القهستاني. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتب العلمية بيروت جديد ١/ ٢٢٠، قديم مصري ١/ ١٤٨)

وإذا كرر آية واحدة مرارًا، فإن كان في التطوع الذي يصلي وحده فذلک غير مكروه. (هندية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة، و ما لا يكره، زكريا ١/ ١٠٧، جديد زكريا ١/ ١٦٦)

وإذا كرر آية واحدة مراراً، فإن كان في التطوع الذي يصلى وحده، فذالک غير مكروه، فقد ثبت عندنا عن جماعة من السلف رضي الله عنهم أنهم كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب، أو آية الرحمة، أو آية الرجاء أو آية الخوف. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي جديد ٢/ ٤٩، رقم: ١٢٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۲۱/۴۰)

دعاء ماثورہ پڑھ کر سجدۂ سہو کرنا

سوال [۲۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید وتر کی نماز پڑھ رہا ہے دو رکعت پوری کر کے تشہد پڑھ کر درورد شریف بھی پڑھ چکا تو یاد آیا کہ ابھی ایک رکعت باقی ہے، اس نے کھڑے ہو کر اپنی تینوں رکعتیں پوری کیں، پھر تشہد پڑھ کر زید کو سجدۂ سہو کرنا تھا؛ لیکن وہ سجدۂ سہو نہ کر کے درود شریف پڑھ کر دعاء ماثورہ پڑھنے لگا، تب یاد آیا کہ سجدۂ سہو کرنا تھا تو اب کیا کرے؟

المستفتی: محمد جابر خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعاء ماثورہ پڑھ رہا تھا، تو اس کے لئے دعاء ماثورہ پڑھ کر بھی سجدۂ سہو کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (کتاب المسائل ۱/۳۳۵، فتاوی دار العلوم ۴/۴۱۲)

ویسجد للسهو ولو مع سلامه ناويا للقطع، لأن نية تغيير المشروع لغو مالم يتحول عن القبلة، أويتكلم لبطلان التحريمة. (در مختار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، زكريا ۲/۵۵۸، كراچي ۲/۹۱، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في سجود السهو، زكريا ۲/۵۵۸، رقم:۲۸۲۲، هداية جديد، كتاب الصلاة، باب سجود السهو ۱/۱٦۷، ۱٦۸)

ويأتي بالصلاة عن النبي صلى الله عليه وسلم والدعاء في قعدة السهو هو الصحيح؛ لأن الدعاء موضعه آخر الصلاة (و في هامشه) إن في المسألة إختلافاً بين أبي حنيفة، وأبي يوسف، ومحمد رحمهم الله، فعند الشيخين يصلي في القعدة الأولىٰ وعن محمد في القعدة الأخيرة بناء على أصل وهو أن سلام من عليه السهو يخرجه من الصلاة عندهما، فإذا كان كذلك

کانت القعدة الأولیٰ هي قعدة الختم وعن محمد خلافه. (هداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مطبوعة بلال ١/١٦٣، اشرفي ١/١٥٧)

عن الحسن في رجل نسي سجدتي السهو قال: إذا لم يذكرهما حتى انصرف ولم يسجدهما، فقد مضت صلاته، فإن ذكرهما وهو قاعد لم يقم يسجدهما. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب نسيان سجدتي السهو ٢/٣٢٤، رقم: ٣٥٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۴۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۴ھ

ایک سجدۂ تلاوت کی جگہ دو سجدہ کرنا موجب سہو ہے

سوال [۲۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سجدۂ تلاوت نماز میں کرنا تھا، بھول سے دو سجدہ کرلئے تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

المستفتی: عبدالرشید، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز میں ایک سجدہ تلاوت کرنے کے بجائے دو سجدۂ تلاوت کرلئے تو تکرار سجدہ کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

عن عطاء قال: إن شك في السجود فلاتعد، واسجد سجدتي السهو، وإن استيقنت أنك قد سجدت في ركعة ثلاث سجدات فلا تعد واسجد سجدتي السهو. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب الرجل يسهو في الركوع والسجود ٢/٣١٩، رقم: ٣٥٢٤)

إذا سجد في موضع الركوع، أوركع في موضع السجود، أو كرر

ركنا، أو قدم الركن، أو أخره ففي هذه الفصول كلها يجب سجود السهو. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني عشر في سجود السهو، زكريا ١/١٢٧، جديد زكريا ١/١٨٧)

ويجب بتكرار الركن نحو أن يركع مرتين، أو يسجد ثلث مرات.
(حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في سجود السهو، سهيل اكيڈمي لاهور ٤٥٦، ٤٥٧)

سجود السهو يجب......بتكرار ركن نحو أن يركع ركوعين، أويسجد ثلاث سجدات. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، زكريا٢/٣٨، رقم:٢٧٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۲۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۹ھ

(۲۰) باب سجود التلاوة

حنابلہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت کتنے ہیں؟

سوال [۲۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کتنے سجدۂ تلاوت ہیں؟

المستفتی: حافظ مقصود احمد، میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک پندرہ مقامات میں سجدۂ تلاوت ہیں، ۱۴ر مقامات وہ ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہیں اور ایک مقام سورۃ حج میں دوسرا سجدہ ہے۔

قال أبو حنيفة رضي الله عنه هن أربع عشرة اثبت سجدات المفصل وسجده من ص و اسقط السجده الثانية من الحج وقال أحمد و ابن شريح من أصحابنا وطائفة هن خمسة عشرة اثبتوا الجميع ومواضع السجدات معروفة الخ (نووي شرح مسلم شريف، كتاب المساجد، باب سجود التلاوة ١/٢١٥)

تطلب في أربعة عشر موضعاً: وهي آخر آية في الأعراف، وآية الرعد، وآية النحل، وآية الاسراء التي آخرها، وآية مريم التى آخرها وآيتان في سورة الحج عند الشافعية والحنابلة. (الفقه على المذاهب الاربعة، كتاب الصلاة، مباحث سجدة التلاوة، المواضع التي تطلب فيها سجدة التلاوة، دارالفكر بيروت ١/٤٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴ر ۶۹۳)

کیا تمام سجدۂ تلاوت واجب ہیں؟

سوال[۲۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن شریف میں سجدۂ تلاوت چودہ ہیں، سبھی واجب ہیں یا کچھ فرض اور سنت بھی ہیں، جو ہرۃ کی عبارت سے مختلف معلوم ہوتے ہیں؟

إعلم أن بالقرآن أربعة عشر سجدة سبعة منها فريضة وثلاث منها واجب وأربع منها سنة. (الجوهرة النيرة ١/٧٧)

مفصل مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: مظہر الحق قاسمی، تملنا ڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن مجید میں ۱۴/ چودہ سجدے ہیں سبھی واجب ہیں بعض فرض یا سنت نہیں۔

تجب سجدة التلاوة بسبب تلاوة آية من أربع عشرة آية. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب سجد التلاوة، زكريا ٢/ ٢١٠، كوئٹه ٢/ ١١٨، شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، كراچي ٢/ ١٠٣، زكريا ٢/ ٥٧٥٠ هداية، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة اشرفي ديوبند ١/ ١٦٣، مكتبة بلال ١/ ١٧٠ فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، كوئٹه ١/ ٤٦٥، زكريا ٢/ ١٣، طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دارالكتاب ديوبند ٤٧٩، قديم ٢٦٠)

اور جوہرہ کی عبارت کا جواب یہ ہے کہ یہ کتاب فقہاء متاخرین کی غیر محررہ تصنیفات میں سے ہے؛ لہٰذا دیگر معتبر کتابوں کی تصدیق وتائید کے بغیر اس پر اعتماد نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ علامہ شامی نے فرمایا ہے:

شرح عقود رسم المفتی ۳۶، دار الکتاب دیو بند ۵۶۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۴ھ

سجدۂ تلاوت کس پر واجب ہے؟

سوال [۲۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرس حضرات مدرسہ میں قرآن پاک پڑھاتے ہیں ان کے اوپر سجدۂ تلاوت واجب ہے؟ تو کیا سجدہ کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: محمد حنیف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سجدۂ تلاوت پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر واجب ہے؛ لہٰذا حضرات مدرسین جو آیت سجدہ سنتے ہیں تو ان پر بھی پڑھنے والے کی طرح سجدہ کرنا ضروری ہے۔

عن ابن عمر قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يقرأ علينا السورة فيها السجدة، فيسجد و نسجد حتى ما يجد أحدنا موضع جبهته. (صحيح البخاري، سجود القرآن ۱/ ۱٤٦، رقم:۱۰٦٤، ف:۱۰۷٥)

والسجدة واجبة في هذه المواضع على التالي والسامع سواء قصد سماع القرآن أولم يقصد لقوله عليه السلام السجدة على من سمعها وعلى من تلاها. (هداية، كتاب الصلاة، باب في سجود التلاوة، اشرفي ديوبند ۱/ ۱٦۳، مكتبة بلال ۱/ ۱۷۱)

لاخلاف أن التلاوة سبب لوجوبها – وأما السماع هل هو سبب؟ قال: بعضهم: بأنه سبب، فإن الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين قالوا:

السجدة على من سمعها، كما قالوا على من تلاها. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل ۲۱، في سجدة التلاوة، زكريا ۲/ ٤٦۱، رقم: ۲۹۹۹، الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة قديم ۱/ ۹۷، جديد دارالكتاب ديوبند ۱/ ۹۷)

فيجب على التالي الأصم، والسامع الذي لم يتل، أما التلاوة فلا يشكل، وكذا السماع لما بينا أن الله تعالى ألحق الأئمة بالكفار لتركهم السجود، إذا قرئ عليهم القرآن بقوله تعالى فمالهم لا يؤمنون وإذا قرئ عليهم القرآن لايسجدون. [سورة الانشقاق: ۲۱]

وقال الله تعالىٰ: اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ. [سورة السجدة: ۱۵]

من غير فصل في الآيتين بين التالي والسامع، وروينا عن كبار الصحابة رضي الله عنهم السجدة على من سمعها، ولأن حجة الله تعالىٰ تلزمه بالسماع كما تلزمه بالتلاوة، فيجب أن يخضع لحاجة الله تعالىٰ بالسماع كما يخضع بالقرأة. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سبب وجوب الصلاة، زكريا ديوبند ۱/ ٤۳۰، قديم كراچي ۱/ ۱۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۳۵)

فرض نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کرنا

سوال [۲۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے مغرب کی نماز فرض میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ بھی کرلیا، کیا اس میں کوئی کراہت ہوگی؟

المستفتی: اختر عالم، متعلم مدرسہ جامعہ عربیہ حیات العلوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر فرض نماز میں آیت سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کر لینا جائز اور درست ہے، اس سے نماز میں کسی قسم کی کراہت لازم نہیں آتی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/ ۴۲۴)

ولو تلاها في الصلاة سجدها فيها لا خارجها الخ (الدرا لمختار، مصري، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، كراچي ٢/ ١١٠، زكريا ٢/ ٥٨٥، مصري ١/ ٧٢٢)

عن أبي مجلز: أن النبي صلى الله عليه وسلم: قرأ في صلاة الظهر سجدة فسجد، فرأوا أنه قرأ آلم تنزيل السجدة. (مصنف لان أبي شيبه، كتاب الصلاة، باب السجدة تقرأ في الظهر والعصر قديم ٢/ ٢٢، رقم: ٤٣٨٥، جديد ٣/ ٤٢٤، رقم: ٤٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۵۱)

ایک ہی مجلس میں آیت سجدہ کا تکرار

سوال [۲۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکتب میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب استاذ بچے کو قرآن پڑھاتا ہے اور سجدۂ تلاوت آتا ہے تو اس کو پہلے استاذ بچے کو پڑھاتے ہیں پھر بچے پڑھتے ہیں تو اس صورت میں استاذ اور بچے پر یا پھر کسی سننے والے پر ایک سجدہ واجب ہوگا یا دو سجدے؟

المستفتی: اسرار الحق مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایک آیت ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھی

اور سنی جائے تو ایسی صورت میں صرف ایک سجدہ واجب ہوگا؛ لہٰذا استاذ پر صرف ایک سجدہ اور نابالغ بچوں پر سجدہ نہ پڑھنے سے واجب ہوتا ہے اور نہ سننے سے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۴۴ ٦)

عن عبد الرحمن: أنه كان يقرأ السجدة فيسجد، ثم يعيدها في مجلسه ذالک مراراً لايسجد. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الصلاة، الرجل يقرأ السجدة، ثم يعيد قرأتها كيف يصنع جديد ٣/٣٨٥، رقم: ٤٢٢٥، قديم رقم: ٤٢٠١)

ولو كررها في مجلس واحد لاتتكرر –وإن اجتمع التلاوة والسماع، ولو من جماعة– لايتكرر؛ كفت سجدة واحدة في الأصح لاتحاد الآية والمكان الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، كراچي ٢/١١٤، زكريا ٢/٥٩٠-٥٩١، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب سبب وجوب التلاوة قديم كراچي ١/١٨٠، زكريا ١/٤٣٠، حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دارالكتاب ديوبند ٤٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۵ھ

آیت سجدہ لکھنے سے سجدہ لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۲۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آیت سجدہ لکھنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سجدۂ تلاوت کے وجوب کے لئے آیت سجدہ کی تلاوت یا اس کا سننا شرط ہے، محض لکھنے سے یا ٹائپ کرنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۴۴، کتاب المسائل ۱/۵۳۳، اہم مسائل ۱/۸۰)

لاتجب بالكتابة، أو النظر من غير تلفظ، لأنه لم يقرأ ولم يسمع. (حلبي كبير، القرأة خارج الصلاة، سجدة التلاوة، اشرفية ٥٠٠)

ويجب بكتابة القرآن. (خلاصة الفتاوى فقيه الأمت ١/١٨٤)

ولاتجب بكتابة. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، زكريا ٢/١٤، كوئٹه ٢/٤٦٦)

وكذلك لو كتب القرآن لاتجب عليه السجدة. (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والعشرون في سجدة التلاوة، زكريا ديوبند ٢/٤٦٢، رقم: ٣٠٠٥)

يجب بسبب تلاوة، وتحته في الشامية احترز عما لو كتبها، أو تهجاها فلا سجود عليه. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، زكريا٢/٥٧٥، شامي كراچي ٢/١٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رجمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۶۱/۴۰)

ٹیپ ریکارڈ میں آیت سجدہ سننا

سوال [۲۹۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس کیسٹیں ہیں اور اس میں آیت سجدہ ہے ہم نے اس کو سنا تو ہم کو سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نسیم الدین، مقبرہ، مرادآباد (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٹیپ ریکارڈ وغیرہ میں آیت سجدہ سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا ہے، یہ صدائے بازگشت کے حکم میں ہے؛ لہٰذا صورت مذکورہ میں آپ پر سجدہ واجب نہیں ہوا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۴۱، جواہر الفقہ قدیم ۴/۴۷، جدید زکریا دیوبند ۷/۴۲۰)

ذکر شیخ الإسلام أنه لایجب بالسماع من مجنون، أو نائم، أو طیر، لأن السبب سماع تلاوة صحیحة وصحتها بالتمییز ولم یوجد. (شامي، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، کراچي ۲/۱۰۷-۱۰۸، زکریا ۲/۵۸۱، حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دارالکتاب دیوبند ٤٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۲۳ھ

ٹیپ ریکارڈ سے آیت سجدہ سننے کا حکم

سوال [۲۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ پر آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ نیز سننے والے کو تلاوت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: مظہر الحق قاسمی، تملنا ڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیپ ریکارڈ پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ واجب نہ ہوگا، اسی طرح اگر ریڈیو پر سنا جارہا ہے تو بھی سجدہ واجب نہ ہوگا اور اگر ریڈیو پر قاری پڑھ رہا ہوں تو سجدہ واجب ہو جائے گا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۲۰۳، جدید زکریا ۹/۲۰۸، مطول ۳/۵، احسن الفتاویٰ زکریا ۴/۶۵، امداد الفتاویٰ ۴/۲۴۵، آلات جدیدہ کے شرعی احکام ۱۳۵/۲۰۷/۱۶۶)

ذکر شیخ الإسلام أنه لایجب بالسماع من مجنون، أو نائم، أو طیر، لأن السبب سماع تلاوة صحیحة وصحتها بالتمیز لم یوجد. (شامي، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، کراچي ۲/۱۰۸، زکریا ۲/۵۸۱، وهکذا حاشیة الطحطاوي، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، دارالکتاب دیوبند ٤٨٤)

اگر ریڈیو پر پڑھنے والا قاری مفت میں ثواب سمجھ کر پڑھے تو پڑھنے والے اور سننے والے دونوں کو ثواب ملے گا اور اگر اجرت لے کر پڑھتا ہے تو گنہگار ہوگا۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۲۶۶،۹/۲۶۷، زکریا جدید ۹/۲۶۴،۲۱۸، جدید زکریا مطول ۲/۵۰۱ آلات جدیدہ کے شرعی احکام ۱۷/۱۶۲/۱۶۴)

اجرت پر قرآن پڑھنا جائز نہیں۔(عزیز الفتاوی ۱/۶۶۲)

سننے والے چونکہ اجرت دینے میں شامل نہیں ہوتے ہیں؛ اس لئے ان کو ثواب مل جائے گا۔(مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۱/۴۹۶)

قال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان.

(شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة كراچي ٦/٥٦، زكريا ٩/٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۴ھ

امام رکوع میں سجدہ کی نیت کرے اور مقتدی نہ کریں

سوال [۲۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں امام صاحب کبھی کبھی نماز میں سورۂ علق اور سورۂ نجم پڑھتے ہیں جن کے آخر میں سجدہ کی آیت ہے اور سجدہ کی آیت پڑھ کر رکوع کر لیتے ہیں، امام صاحب رکوع میں سجدہ کی نیت کر لیتے ہیں اور مقتدی نہیں کرتے؛ کیونکہ مقتدیوں کو علم نہیں ہے، کیا ایسی صورت میں مقتدیوں کا سجدۂ تلاوت ادا ہو جائے گا؟ جبکہ صاحب خیر الفتاوی ۲/۶۵۶ پر لکھتے ہیں کہ مقتدیوں کے سجدہ میں چلے جانے سے بھی سجدۂ تلاوت ادا نہیں ہوگا؟ ایسی حالت میں گنہگار کون ہوگا؟

المستفتی: محمد اصغر بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتب فقہ اور حضرات فقہاء اور اکابر اہل فتاوی کی تحریرات دیکھنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اگر امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی ہے اور مقتدیوں نے نیت نہیں کی ہے تو اس میں اختلاف ہے، اکثر فقہاء اور اہل فتاوی کی رائے یہ ہے کہ امام کے سلام کے بعد مقتدی آیت سجدہ کا سجدہ کر کے قعدہ کر کے سلام پھیرے، ورنہ مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی، اکثر فقہاء اور اکثر اہل فتاوی نے یہی لکھا ہے، جیسا کہ امداد الفتاوی زکریا ۱/۵۵۴، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/۴۶۶ وغیرہ میں، شامی، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوت، کراچی ۲/۱۱۱، عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الثالث عشر فی سجود التلاوۃ زکریا ۱/۱۳۳، البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، زکریا ۲/۲۱۸، کوئٹہ ۲/۱۲۳، تاتار خانیہ، کتاب الصلاۃ، الفصل الحادی والعشرون فی سجدۃ التلاوۃ زکریا ۲/۴۷۸، رقم: ۳۰۵۵ اور طحطاوی، کتاب الصلاۃ، باب سجدۃ التلاوۃ دار الکتاب دیوبند ۴۸۷ وغیرہ کی عبارات سے واضح ہوتا ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ امام کی نیت مقتدی کی نیت کے لئے بھی کافی ہوجائے گی، اسی کو صاحب احسن الفتاوی نے راجح کہا ہے؛ لیکن علامہ شامیؒ نے اس قول کو صحیح کے خلاف کہا ہے، امت کے لئے اسی قول کو اختیار کرنے میں آسانی ہے، مگر اس کی تائید زیادہ نہیں ملتی ہے؛ اس لئے امام کو رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت نہیں کرنی چاہئے؛ بلکہ رکوع میں نیت نہ کر کے سجدہ ہی میں نیت کرنی چاہئے؛ اس لئے کہ سجدہ میں نیت کرنے کی صورت میں مقتدی نیت کرے یا نہ کرے ہر صورت میں مقتدی کا سجدہ بھی ادا ہوجاتا ہے اور کسی کی نماز میں خرابی نہیں آتی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۱/۵۵۵، فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۷/۴۶۶، احسن الفتاوی ۴/۵۹، فتاوی دار العلوم ۴/۴۱۴)

وفي الشامية: واختلفوا في أن نية الإمام كافية كما في الكافي، فلو لم ينو المقتدي لاينوب على رأي فيسجد بعد سلام الإمام ويعيد القعدة الأخيرة كما في المنية (إلى قوله) والأولىٰ أن يحمل على القول بأن نيّة

الإمام لاتنوب عن نية المؤتم، والمتبادر من كلام القهستاني السابق، أنه خلاف الأصح حيث قال على رأي فتأمل. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، كراچي ۱۱۲/۲، زكريا ۵۸۷/۲-۵۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۸ھ

رکوع میں سجدۂ تلاوت کی ادائیگی میں دوسورتوں کی تخصیص

سوال [۲۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سورۂ بنی اسرائیل اور انشقاق کے ختم پر نماز میں رکوع کرلے اور اسی میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلے تو سجدۂ تلاوت ادا ہوجاتا ہے؟ تو سوال یہ ہے ان دونوں کی تخصیص کس وجہ سے ہے؟

المستفتی: محبوب عالم، مدرسہ نجم الہدی، منجیری کیرالا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ان دونوں سورتوں کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ ان سورتوں کے ختم سے چند ہی آیت پہلے آیت سجدہ ہے اور دوسری سورتوں میں ختم سورت سے بہت پہلے آیت سجدہ ہے۔

والثاني أن لا يتخلل بين التلاوة والركوع ثلاث آيات إلا إذا كانت الآيات الثلاث من آخر السورة كبني اسرائيل وإذا السماء انشقت الخ

(البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة، زكريا۲/ ۲۱۷، كوئٹہ ۲/ ۱۲۳)

فإن محمداً نص على أنه إذا بقي بعد السجدة آيات من آخر السورة: أي كسورة الانشقاق وسورة بني اسرائيل إن شاء ختم السورة وركع لها، وإن شاء سجدلها، ثم قام فأكمل السورة، ثم ركع. (شامي، كتاب الصلاة،

باب سجود التلاوة، زكريا ۲/۵۸۷، كراچي ۲/۱۱۱، حلبي كبير، كتاب الصلاة القراءة خارج الصلاة، سجدة التلاوة، اشرفيه ديو بند ۵۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۱ھ

صبح صادق کے بعد نماز فجر سے قبل سجدۂ تلاوت کا حکم

سوال [۲۹۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صبح صادق ہونے کے بعد نماز فجر تک سجدۂ تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: مسماۃ رقیہ خاتون، زوجہ مقبول، اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صبح صادق ہونے کے بعد فجر کی نماز سے پہلے پہلے سجدۂ تلاوت کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

فيجوز فيها قضاء الفائتة، وصلاة الجنازة، وسجدة التلاوة......منها ما بعد طلوع الفجر قبل صلاة الفجر. (هندية، كتاب الصلاة، باب المواقيت، الفصل الثالث في بيان الأوقات التى لاتجوز فيها الصلاة وتكره فيها، زكريا ۱/۵۲، جديد زكريا ۱/۱۰۹، خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب الأذان، زكريا ۱/۷٤، خانية جديد زكريا ۱/٤۹)

بعد صلاة فجر وصلاة عصر لايكره قضاء فائتة، ولو وتراً، أو سجدة تلاوة، وصلاة جنازة، وكذا الحكم بعد طلوع فجر سوى سنته. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچي ۱/۳۷۵، زكريا ۲/۳۷)

تسعة أوقات: يجوز فيها قضاء الفائتة، وصلاة الجنازة، وسجدة التلاوة– إلى– بعد طلوع الفجر قبل صلوة الفجر. (الفتاوى التاتار خانية،

كتاب الصلاة، الفصل الأول في المواقيت ۲/ ۱۷، رقم: ۱۵۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۳۰ھ

اوقات مکروہہ میں سجدۂ تلاوت کرنا

سوال [۲۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص تلاوت کررہا ہے سورج طلوع ہو گیا تو یہ مکروہ وقت ہے سجدۂ تلاوت آ گیا تو یہ سجدہ جو ابھی مکروہ وقت میں ذمہ میں لازم ہوا ہے مکروہ وقت میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟ قدوری میں بین السطور **و لا يسجد** کے اوپر تحریر ہے **هذا إذا وجبتا في وقت مباح** کا مطلب کیا ہے؟

المستفتي: مولوی سلامت اللہ مدرس مدرسہ تعلیم القرآن، شیرکوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ سجدۂ تلاوت جو مکروہ وقت میں سورج طلوع ہوتے وقت ذمہ میں واجب ہوا ہے اسی مکروہ وقت کے اندر ادا کرنا مکروہ تنزیہی ہے؛ اس لئے افضل یہی ہے کہ مؤخر کر کے مباح وقت میں ادا کرے؛ کیونکہ اس میں تعجیل مستحب نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۱۳۶)

وبخلاف سجدة التلاوة، لأن التعجيل لايستحب فيها مطلقاً، أي بل يستحب في وقت مباح فقط فثبتت كراهة التنزيه في سجدة التلاوة دون صلاة الجنازة. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت، زكريا ۲/ ۳۵، كراچي ۱/ ۳۷٤)

ثلاث ساعات لاتجوز فيها المكتوبة ولا صلاة الجنازة، ولاسجدة التلاوة، إذا طلعت الشمس حتى ترتفع – هذا إذا وجبت صلوة الجنازة،

وسجدة التلاوة في وقت مباح، وأخرتا إلى هذا الوقت، فإنه لايجوز قطعاً، أما لو وجبتا في هذا الوقت وأديتا فيه جاز؛ لأنها أديت ناقصة كما وجبت- لكن الأفضل في سجدة التلاوة تأخيرها. (هندية، كتاب الصلاة، باب المواقيت، الفصل الثالث في بيان الأوقات لاتجوز فيها الصلوة وتكره فيها، زكريا ١/ ٥٢، جديد زكريا ١/ ١٠٨)

اورقدوری کے بین السطور کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جوسجدہ تلاوت مباح وقت میں ذمہ واجب ہوا ہے، اسے مکروہ وقت میں ادا نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ وہ مکروہ تحریمی ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاوی ۲/ ۱۳۶)

ولاينعقد الفرض وسجدة تلاوة، وصلاة جنازة تليت في كامل وحضرت قبل لوجوبه كاملاً، فلا يتأدى ناقصاً. (شامي، كراچي ١/ ٣٧٤، زكريا ٢/ ٣٥)

ومنع عن الصلاة وسجدة التلاوة وصلوة الجنازة عند الطلوع، والاستواء، والغروب، وتحته في الدر المنتقي، وسجدة التلاة المتلوة في غير هذه الأوقات وصلاة جنازة حضرت قبلها، لأن ماوجب كاملاً لا يتأدي بالناقص، وأما المتلوة، أو الحاضرة فيها فلا يكره أي تحريماً. (الدر المنتقي في شرح الملتقى جديد بيروت، كتاب الصلاة ١/ ١١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۴۵)	۱۴۱۵/۵/۲۹ھ

عصر کی نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا

سوال [۲۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عصر کی نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد صالح، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز عصر کے بعد سجدۂ تلاوت کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اسی طرح نماز فجر کے بعد بھی جائز اور درست ہے۔

لابأس بأن يصلي في هذين الوقتين الفوائت ويسجد للتلاوة، ويصلي على الجنائز الخ (هداية، كتاب الصلاة،باب المواقيت، اشرفی دیوبند ١/ ٨٦)

بعد صلاة فجر وصلاة عصر...... لايكره قضاء فائتة، ولو وتراً، أوسجدة تلاوة، وصلاة جنازة. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچي ١/ ٣٧٥، زكريا ٢/ ٣٧)

قال رحمه الله: وعن التنفل بعد صلوة الفجر والعصر لاعن قضاء فائتة وسجدة تلاوة وصلاة جنازة، أي نهي عن التنفل في هذين الوقتين. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، زكريا ديوبند ١/ ٢٣٢، امداديه ملتان ١/ ٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩ ربیع الاول ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٢١٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٩/ ٣/ ١٤١٨ھ

اوقات ممنوعہ میں سجدۂ تلاوت کرنا

سوال [٢٩٦٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سجدۂ تلاوت اوقات ممنوعہ میں کرسکتا ہے یا نہیں؟ جیسے صبح فجر کے بعد یا عصر کے بعد؟

المستفتی: محی الدین، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کرسکتا ہے۔

ولايكره فيهما الفرض (إلى قوله) يعني الفوائت صلوة الجنازة، وسجدة التلاوة الخ (غنية المستملي المعروف بكبيري، أما الأوقات التى تكره فيها الصلاة فخمسة قديم٦ ٣٣، جديد اشرفية ديوبند ٢٣٨)

عن التنفل بعد صلوة الفجر، والعصر لا عن قضاء فائتة وسجدة تلاوة، وصلاة جنازة، أي منع عن التنفل في هذين الوقتين. (البحرالرائق، کتاب الصلاة، زکریا ۱/۴۳۷، کوئٹه ۱/۲۵۱)

ومنع عن التنفل، وركعتي الطواف بعد صلوة الفجر،والعصر لما ثبت أن النبي عليه الصلاة والسلام نهى عن الصلوة في هذين الوقتين لا عن قضاء فائتة و سجدة تلاوة وصلوة جنازة. (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، دارالکتب العلمية بيروت ۱/۱۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۰/۲۳)

ایضاح المسائل کے ایک مسئلہ کی وضاحت

سوال [۲۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کی کتاب ایضاح المسائل ایک ساتھی لائے تھے، مطالعہ کر کے بہت اچھی لگی؛ لیکن ایک مسئلہ میں اشکال ہو رہا ہے شاید کاتب سے چوک ہوگئی ہے، ورنہ مراقی الفلاح حاشیہ نورالایضاح صغیری؛ بلکہ خود بہشتی زیور میں مسئلہ دوسری طرح بیان کیا گیا ہے، حقیقت سے مہربانی کر کے واقف فرمائیں، وہ مسئلہ یہ ہے، اگر سجدہ کرنے کے بعد اسی آیت کو دوبارہ پڑھے گا تو دوسرا سجدہ کرنا لازم ہے، نیز ۳۱؍ پر جہر بالتسمیہ کے متعلق جو تحریر فرمائی ہے حضرت گنگوہیؒ نے بھی یہی تحریر فرمائی؛ لیکن علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق جہراً ہو یا سراً دونوں حسن ہیں، شامی کے اس قول کا کیا مطلب ہے ذرا وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: علیم الدین، ۲۳؍ دارجدید دارالعلوم دیوبند، سہارنپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ ہے کہ آپ نے

کتاب کی غلطی کی نشاندہی فرمائی اللہ تعالیٰ آپ کو علم میں فضل میں عمر میں ہر طرح کی ترقیات سے نوازیں ایضاح المسائل کی اصل عبارت یوں ہے کہ اگر سجدہ کرنے کے بعد اسی آیت کو وہاں سے ہٹ کر دوبارہ پڑھے گا تو دوسرا سجدہ کرنا لازم ہے، اس کو صحیح کر لیجئے، آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ کتاب میں صحیح کر دی جائے گی۔

بسم اللہ جہراً و سراً دونوں طرح ہر سورت کے شروع میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حسن ہونے کے بارے میں شامی کی عبارت خاکسار کی نظر سے نہیں گذری، اگر آپ نے دیکھی ہے تو عبارت مع صفحہ وطبع تحریر فرمائیں غور کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۳۸/۲۸)

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۸)

المجلد الثامن

بقية الصلوٰة، من الذكر و الدعاء بعد الصلوٰة،

الوتر، ادراک الفريضة السنن والنوافل،

التراويح، صلواة المسافر

۲۹۶۵ ——— ۳۴۲۳

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

بحق صاحبِ فتاویٰ شبیر احمد القاسمی 09412552294

بحق مالک مکتبہ اشرفیہ دیوبند 09358001571

01336-223082 08810383186

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الھند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

المجلد التاسع	٣٤٢٤	٣٨٩٣	بقية الصلوة، صلوة المريض، الجمعة، العيدين، الجنائز إلي حمل الجنازة.
المجلد العاشر	٣٨٩٤	٤٤٠٤	بـقية الـجـنائز من صلوة الجنائز إلي باب الشهيد، كتاب الزكوة.
المجلد الحادي عشر	٤٤٠٥	٤٨٧٣	بقية الزكوة، كتاب الصدقات، الصوم، بتمام أبوابها إلي صدقة الفطر .
المجلد الثاني عشر	٤٨٧٤	٥٣٤٨	كتـاب الـحج بتمام أبوابها، النكاح إلى باب نكاح المكره.
المجلد الثالث عشر	٥٣٤٩	٥٩٤٣	بقية النكاح إلي باب المهر.
المجلد الرابع عشر	٥٩٤٤	٦٤٦٢	الرضاع، الطلاق إلي باب الكناية.
المجلد الخامس عشر	٦٤٦٣	٦٩٠٢	بـقية الـطـلاق، الـرجـعة، البـائـن، الـطـلاق بـالكتابة، الطلاق الثلاث، الشهادة في الطلاق، الحلالة.
المجلد السادس عشر	٦٩٠٣	٧٤٠٢	بـقية الطلاق، تعليق الطلاق، التفويض، الـفسـخ والتـفـريـق، الظِهـار، الإيلاء، الـخـلـع، الـطـلاق عـلى المال، العدة، النفقة، ثبوت النسب، الحضانة.
المجلد السابع عشر	٧٤٠٣	٧٨٦٧	الأيمان والنذور، الحدود، الجهاد، الـلقطة، الامارة والسياسة، القضاء، الوقف إلي باب المساجد.
المجلد الثامن عشر	٧٨٦٨	٨٤٠٨	بـقية الـوقف مـن الـفـصل الثـالـث، الـمسـجد القديم إلي مصلى العيد، والمقبرة. (قبرستان)

فہرست مضامین

۹/ بقیة کتاب الصلاۃ

❐	۲۱/ باب الدعاء والذکر بعد الصلوۃ	۲۹

الفصل الأول: في الوتر

❐	۲٤/ باب السنن والنوافل	۱۸۵

الفصل الأول في صلاة التراويح

۲۶/ باب صلاۃ المسافر ۵۷۸

۹/ بقية كتاب الصلاة

۲۱/ باب الدعاء والذکر بعد الصلوۃ

نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کرکے تسبیح پڑھنا

سوال [۲۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب فجر اور عصر کے فرضوں کے بعد لگاتار قریب ایک سال سے شمال سمت کو مخصوص کرکے اور ایک دوسرے صاحب مقتدیوں کی طرف منہ کرکے تسبیح پڑھتے ہیں، جب کہ دوصفوں کے بعد اکثر مسبوق اپنی نماز مکمل کرتے ہوئے ہوتے ہیں، تکبیرات اور تسبیح سے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معمولات یا ہدایات ہیں؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق لائن ۱آزادنگر ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فجر اور عصر کی نماز میں سلام پھیرنے کے بعد امام کا دائیں طرف مڑکر مقتدیوں کی طرف منہ کرکے بیٹھنا افضل ہے؛ البتہ کبھی کبھار بائیں طرف بھی بیٹھنا چاہئے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طرف بیٹھنا ثابت ہے، مگر اکثر معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائیں طرف مڑکر بیٹھنے کا تھا؛ اس لئے دائیں طرف مڑکر مقتدیوں کی طرف منہ کرکے بیٹھنا اولی وافضل ہے؛ لہٰذا مذکورہ سوال میں دونوں اماموں میں سے کسی کے عمل پر نکیر کی ضرورت نہیں۔

عن أنس –رضي الله عنه– قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم أحيانا ينصرف عن يمينه، وفي شرح السنة: روى عن علي أنه قال: إذا كانت

حاجته عن يمينه أخذ عن يمنيه، وإن كانت عن يساره أخذ عن يساره، فإن استوى الجانبان، فينصرف إلى أي جانب شاء، واليمين أولى؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يحب التيامن في كل شيء، وكان يقبل على الناس إذا لم يرد الخروج من المسجد بوجهه من جانب يمينه. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الكلام على أن السلام ليس بركن للصلاة، إمداديه ملتان ۲/ ۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۸۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۲۷ھ

فجر وعصر کے بعد امام کس طرف رخ کر کے بیٹھے؟

سوال [۲۹۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر وعصر کی تسبیح وغیرہ پڑھنے کے لئے امام کس طرف منہ کر کے بیٹھے؟ اس سلسلے میں صریح عبارت بھی تحریر فرمائیں۔ اور کیا دائیں بائیں جب بیٹھیں تو تھوڑا ترچھا بیٹھنا چاہئے؟ یہ کہیں سے ثابت ہے؟

المستفتی: سید محمد حذیفہ علی گڑھ اے ایم یو، علیگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف میں بائیں طرف مڑ کر بیٹھنا اور دائیں طرف مڑ کر بیٹھنا دونوں طرح سے ثابت ہے۔ اور مڑنے کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا زیادہ افضل شکل ہے، نیز بغیر ترچھا ہوئے سیدھا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا ہی سید الکونین ﷺ سے کثرت کے ساتھ ثابت ہے۔

عن سمرة بن جندب قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى صلوة أقبل علينا بوجهه. (بخاري شريف، الصلاة، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم،

النسخة الهندية ١/ ١١٧، رقم: ٨٤٥، باب ما قيل في أولاد المشركين، النسخة الهندية ١/ ١٨٥، رقم: ١٣٧٠، ف: ١٣٨٦)

و كان أنس بن مالك، ينفتل عن يمينه، وعن يساره ويعيب على من يتوخى، أو من تعمد الانفتال عن يمينه. (بخاري شريف، الصلاة، باب الانتقال والإنصراف عن اليمين والشمال، تحت ترجمة الباب ١/ ١١٨)

قال عبدالله بن مسعود: لقد رأيت النبي صلى الله عليه وسلم كثيرا ينصرف عن يساره. (بخاري شريف، الصلاة، باب انتقال والإنصراف عن اليمين والشمال، النسخة الهندية ١/ ١١٨، رقم: ٨٤٤، ف: ٨٥٢، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٨٥١، رقم: ١٣٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۱۲ھ

عصر وفجر کے بعد دائیں یا بائیں رخ کر کے بیٹھنے کی حکمت

سوال [۲۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر اور فجر کے بعد دائیں اور بائیں بیٹھنے کی حکمت اور اس کا ثبوت۔

المستفتی: شہاب الدین بستوی، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عصر اور فجر کے بعد دائیں یا بائیں رخ بدل کر بیٹھنا حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ اور اس مضمون کی روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔

عن البراء، قال: كنا إذا صلينا خلف النبى عليه السلام أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه. (مسلم، الصلاة، باب استحباب يمين الإمام، النسخة الهندية ١/ ٢٤٧، بيت الأفكار، رقم: ٧٠٩)

فإذا تمت صلوة الإمام، فهو مخير إن شاء انحرف عن يساره، وإن شاء انحرف عن يمينه ...... هذا الذي ذكرناه من التخيير بين الانحراف والانصراف والجلوس مستقبلا إذا لم يكن بعد الصلاة المكتوبة تطوع، كالفجر والعصر. (كبيري، صفة الصلاة، أشرفيه ديوبند ٣٤٠، ٣٤١، قديم، ص: ٣٣٠، ٣٣١، صغيري، ص: ١٧٩، ١٨٠، مطبع مجتبائي دهلی، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ١/ ٥٨٥، كوئٹه ١/ ٣٣٥، درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، قبيل فصل في القراءة، كراچی ١/ ٥٣١، زكريا ٢/ ٢٤٨، حاشية الطحطاوی على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، دارالكتاب ديوبند، جديد ص: ٣١٤)

اوراس تحول الی الیمین اوالشمال کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسا نہ کرنا مکروہ اور بدعت ہے۔

يكره المكث قاعدا في مكانه مستقبل القبلة، ووجه الكراهة مخالفة فعله الذي كان عليه الصلاة والسلام يداوم عليه. (كبيري، صفة الصلاة، قديم، ص: ٣٣١، حلبي كبير، أشرفيه، ص: ٣٤١، صغيري مع حاشية مجتبائي دهلی، ص: ١٨٠)

وروى جلوس الإمام فى مصلاه بعد الفراغ مستقبل القبلة بدعة.

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مايستحب للإمام، زكريا ١/ ٣٩٣، بيروت ١/ ٦٨٠، كراچی ١/ ١٥٩)

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رخ کر کے معلوم کرتے تھے کہ آج کس نے خواب دیکھا ہے؟ پھر آپ اس کی تعبیر بیان کرتے تھے۔

عن سمرة بن جندب، قال: كان النبي ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه، فقال: من رأى منكم الليلة رؤيا؟ قال: فإن رأى أحد قصها. الحديث

(صحيح البخاري، كتاب الجنائز، النسخة الهندية ١/ ١٨٥، رقم: ١٣٧٠، ف: ١٣٨٦)

لما روى أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا فرغ من صلاة الفجر

استقبل بوجهه أصحابه، وقال: هل رأى أحد منكم رؤيا كأنه كان يطلب رؤيا فيها بشرى بفتح مكة. (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما يستحب للإمام، قديم كراچی ۱/ ۱۵۹، زکریا ۱/ ۳۹۳، بیروت ۱/ ٦٨٠)

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر امام قبلہ رخ کرکے بیٹھا رہے گا تو بعد میں آنے والے دھوکہ میں پڑ سکتے ہیں کہ ابھی جماعت ختم نہیں ہوئی اور نیت باندھ کر جماعت میں شریک ہوسکتے ہیں، تو اس اشتباہ کو ختم کرنے کے لئے تحول الی الیمین اوالشمال کا حکم دیا گیا ہے۔

ولأن مكثه يوهم الداخل أنه في الصلاة، فيقتدى به، فيفسد اقتداءه، فكان المكث تعريضا لفساد اقتداء غيره به فلا يمكث. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في بيان ما يستحب للإمام، قدیم کراچی ۱/ ۱۵۹، زکریا ۱/ ۳۹۳، بیروت ۱/ ٦٧٩، ٦٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۴ھ

امام صاحب کا بعد نماز عصر ہمیشہ قبلہ رو بیٹھنا

سوال [۲۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، عصر کی نماز کے بعد قبلہ رو ہمیشہ بیٹھا رہتا ہے، اگر کبھی کبھی قبلہ رو بیٹھے اور کبھی دائیں بائیں گھوم جائے تو اس کا یہ فعل درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد غازی پوری

باسمہ سبحانہ تعالی

الجواب وبالله التوفيق: عصر اور فجر کی نماز کے بعد امام کا مستقل قبلہ رو ہوکر بیٹھنا حضور سے ثابت نہیں، ہاں البتہ دائیں یا بائیں طرف مڑ کر یا مقتدیوں کی طرف مکمل سیدھے ہوکر بیٹھنا حدیث سے ثابت ہے۔

عن سمرة بن جندب، قال: كان النبي ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، النسخة الهندية ١/ ١٨٥، رقم: ١٣٧٠، ف: ١٣٨٦)

عن الأسود قال: قال عبدالله: لا يجعل أحدكم للشيطان شيئا من صلاته يرى أن حقا عليه أن لاينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت النبي صلى الله عليه وسلم كثيرا ينصرف عن يساره. (صحيح البخاري، الصلاة، باب الانفتال والإنصراف عن اليمين والشمال، النسخة الهندية ١/ ١١٨، رقم: ٨٤٤، ف: ٨٥٢، مسند الدارمي، دار المغني ٢/ ٨٥١، رقم: ١٣٩٠)

إن كان في صلاة لا تطوع بعدها، فإن شاء انحرف عن يمينه، أو يساره، أو ذهب إلى حوائجه، أو استقبل الناس بوجهه. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل فصل في القراءة، كراچی ١/ ٥٣١، زكريا ٢/ ٢٤٨، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، دارالكتاب ديوبند، جديد، ص: ٣١٤، الموسوعة الفقهية ٤١/ ١١٣)

يكره المكث على هيئته مستقبل القبلة. (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان ما يستحب للإمام، قديم، كراچی ١/ ١٥٩، زكريا ١/ ٣٩٣) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰/۳/۱۴۲۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲۰/۳۸)

امام صاحب کا مکمل طور پر مقتدیوں کی طرف گھوم جانا

سوال [۲۹۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک امام صاحب عصر اور فجر کے بعد مقتدیوں کی جانب پورا گھوم جاتے ہیں، کیا اس طرح سے گھومنا سرکار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب کا مقتدیوں کی طرف پورے طور پر گھوم جانا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

عن سمرة بن جندب –رضي الله عنه– قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى صلاة، أقبل علينا بوجهه. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما قيل في أولاد المشركين؟ النسخة الهندية ١/ ١٨٥، رقم: ١٣٧٠، ف: ١٣٨٦)

يستقبل القوم بوجهه إن شاء ...... لما روى أن النبي ﷺ كان إذا فرغ من صلوة الفجر استقبل بوجهه أصحابه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فيما يستحب للإمام أن يفعله، كراچی ١/ ١٥٩، بيروت ١/ ٦٨٠، زكريا ١/ ٣٩٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۱۴/۴۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۵/۱۴۱۵ھ

امام کا بعد نماز فجر وعصر کس طرح بیٹھنا افضل ہے؟

سوال [۲۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد امام کا دائیں بائیں نیز مقتدیوں کی طرف مڑ کر بیٹھنا تو ثابت ہے، مگر ان میں کونسی صورت زیادہ صحیح ہے؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: شعیب احمد میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ تینوں صورتوں میں سے ہر ایک صورت مسنون ہے، مگر تیسری صورت یعنی فجر اور عصر کی نماز کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کرکے بیٹھنا زیادہ افضل اور بہتر ہے، جب کہ اس کے سامنے قریب میں کوئی مسبوق نماز نہ پڑھ رہا ہو۔

عن سمرة بن جندب –رضي الله عنه– قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى صلاة، أقبل علينا بوجهه. (صحيح البخاري، الأذان، باب يستقبل الإمام الناس، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۷، رقم: ۸۳۷، ف: ۸٤٥)

عن أنس بن مالك قال: أخر رسول الله ﷺ الصلاة ذات ليلة إلى شطر الليل، ثم خرج علينا، فلما صلى أقبل علينا بوجهه، فقال: إن الناس قد صلوا ورقدوا، وإنكم لن تزالوا في صلاة ما انتظرتم الصلاة. (بخاري شريف، الأذان، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۷، رقم: ۸۳۹، ف: ۸٤۷)

عن قبيصة بن هلب عن أبيه، قال: كان رسول الله ﷺ يؤمنا، فينصرف على جانبيه جميعا على يمينه، وعلى شماله. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الإنصراف عن يمينه وعن شماله، النسخة الهندية ۱/ ٦٦، دارالسلام، رقم: ۳۰۱)

الحكمة في استقبال الماموين أن يعلمهم ما كانوا يحتاجون إليه. (عمدة القاري، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم، زكريا ٤/ ٦١٨، رقم: ۸٤٥، دار احياء التراث العربي ٦/ ۱۳٦)

إن كان صلاة لا تطوع بعدها يتخير إن شاء انحرف عن يمينه، أو عن يساره، وإن شاء ذهب في حوائجه، وإن شاء استقبل الناس بوجهه إذا لم يكن بحذائه رجل يصلي. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث كيفية الصلاة، مكتبه زكريا ۲/ ۱۹۲، رقم: ۲۱۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۵۶)

نماز کے بعد اذکار کی فضیلت

سوال [۲۹۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: پانچوں وقت نماز پڑھنے کے بعد ''سبحان الله، الحمدلله اورالله اکبر'' ذکرکریں، سوسو بار، تواس کی کیا فضیلت ہے؟ اور پانچوں نمازوں میں سوسو بار درود شریف پڑھنے پر کیا فضیلت ہے؟ اوراگر عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سو دفعہ درود شریف اورسوسو بار''اللہ اکبر'' اور سور بار''الحمدللہ''اور''سبحان اللہ'' پڑھ کر سوجائیں، تواس کی کیا فضیلت ہے؟ اوراگر اس سے کسی کام کا ارادہ کرتا ہوں تو کیااس کے کرنے سے وہ مجھے حاصل ہوگا یانہیں؟

المستفتی: گلاب بابو بھوڑے کا چوراہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال میں ذکرکردہ اذکار کی کتب احادیث میں بڑی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد دس بار ''سبحان الله'' دس بار ''الحمدلله'' اوردس بار ''الله اکبر'' پڑھے، توپانچوں نماز میں ایک سو پچاس بار ہوں گے؛ لیکن میزان عمل میں پندرہ سو شمار ہوں گے، اس تناسب سے اگر کوئی ہر نماز کے بعد سوسو بار مذکورہ اذکار کو پڑھے تو تعداد میں تو پندرہ سو ہوں گے؛ لیکن میزان عمل میں پندرہ ہزار شمار ہوں گے، اسی طرح سونے سے پہلے ۳۳/ بار ''سبحان الله''، ۳۳/ بار ''الحمدلله'' اور ۳۴/ بار ''الله اکبر'' پڑھنے کی صراحت ہے، جو تعداد میں سو ہیں، مگر میزان عمل میں ایک ہزار شمار ہوتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی سو بار ''سبحان الله'' سو بار ''الحمدلله'' اور سو بار ''الله أكبر'' پڑھے، تو یہ تعداد میں تین سو ہوں گے، مگر میزان عمل میں تین ہزار شمار ہوں گے۔ حدیث شریف ملاحظ فرمایئے:

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: خلتان لا يحصيهما رجل مسلم إلا دخل الجنة، ألا وهما يسير، ومن يعمل بهما قليل يسبح الله في دبر كل صلاة عشرا، ويحمده عشرا، ويكبره عشرا، قال: فأنا رأيت رسول الله ﷺ يعقدها بيده، قال: فتلك خمسون ومائة باللسان وألف وخمس مائة في الميزان، وإذا أخذت مضجعك

تسبحه وتكبره وتحمده مائة، فتلك مائة باللسان، والألف في الميزان.

(ترمذي شريف، أبواب الدعوات، النسخة الهندية ۲/ ۱۷۸، دارالسلام، رقم: ۳٤۱۰)

اسی طرح درود شریف کی بھی بے شمار فضیلتیں وارد ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجے گا، تو اس پر اللہ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوں گی۔ اور جو دس بار بھیجے گا، اس پر سو رحمتیں نازل ہوں گی۔ اور جو سو بار بھیجے گا تو اسے اللہ تعالیٰ نفاق اور جہنم سے برأت کا پروانہ عطا فرما دے گا اور جنت میں اس کا ٹھکانہ شہداء کے ساتھ ہوگا۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن أنس بن مالك -رضي الله عنهما- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى علي واحدة، صلى الله عليه عشرا، ومن صلى علي عشرا، صلى الله عليه مائة، ومن صلى علي مائة، كتب الله بين عينيه براءة من النفاق، وبراءة من النار، وأسكنه الله يوم القيامة مع الشهداء. (المعجم الأوسط، دارالفكر ۸/ ۱۱۵، رقم: ۷۲۳۱)

ان تسبیحات کو دنیوی اغراض کے لئے پڑھنے سے متعلق اور اس سے دنیوی فائدہ ہونے سے متعلق ہم کو علم نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹؍رجب ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۶۶)	۱۴۲۵/۷/۹ھ

نماز کے بعد دعا

سوال [۲۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ جیسا کہ غیر مقلدین کا عمل ہے، وہ کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: مطلوب احمد سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت بہت سی احادیث میں ہے، حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کا نماز کے بعد دعا مانگنا اور نماز کے بعد دعا کی قبولیت سے متعلق ارشاد فرمانا، حدیث کی کتابوں میں وارد ہے؛ البتہ نماز کے بعد دعا مانگنے کو لازم سمجھنا درست نہیں، کوئی اگر نماز کے بعد اپنی ضرورت سے چلا جائے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اور ہمیں غیر مقلدین سے تعارض کی ضرورت نہیں، وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہیں۔ اور نماز کے بعد دعا کے ثبوت سے متعلق چار حدیثیں درج کر دیتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) **عن أبي أمامة –رضي الله عنه– قال: قيل: يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات.** (ترمذي، أبواب الدعوات، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۷، دارالسلام، رقم: ۳٤۹۹، السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دارالكتب العلمية، بيروت ٦/ ۳۲، رقم: ۹۹۳٦)

(۲) **عن فضالة بن عبيد قال: بينا رسول الله ﷺ قاعد ...... عجلت أيها المصلي إذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو أهله، وصل علي، ثم ادعه، قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك، فحمد الله وصلى على النبي ﷺ، فقال له النبي ﷺ: أيها المصلي أدع تجب.** (ترمذي، ابواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۵، ۱۸٦، دارالسلام، رقم: ۳٤۷٦، سنن النسائي، الصلاة، باب التحميد والصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم في الصلاة النسخة الهندية ۱/ ۱٤۳، دارالسلام، رقم: ۱۲۸۵، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ۳۷۳، رقم: ۷۰۹، المعجم الكبير للطبراني دار إحياء التراث العربي ۱۸/ ۳۰۹، رقم: ۷۹۵)

(۳) **أن عمرو بن مالك الجنبي، أخبره أنه سمع فضالة بن عبيد يقول: سمع النبي ﷺ رجلا يدعو في صلاته، فلم يصل على النبي ﷺ**

فقال النبي ﷺ: عجل هذا، ثم دعاه، فقال له أو لغيره: إذا صلى أحدكم فليبدأ بتحميد الله والثناء عليه، ثم ليصل على النبي صلى الله عليه وسلم، ثم ليدع بعد ماشاء. (ترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۶، دارالسلام، رقم: ۳٤۷۷، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۹/ ۲۰۳، رقم: ۳۷٤۸، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي، بيروت ۱/ ۳۷۳، رقم: ۷۱۰، سنن أبي داؤد، باب الدعاء، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۸، دارالسلام، رقم: ۱٤۸۱، صحيح ابن حبان، دارالفكر ۳/ ۱٦۳، رقم: ۱٥٦)

(٤) **عن معاذ بن جبل أن رسول الله ﷺ أخذ بيده وقال: يا معاذ! والله إني لأحبک، فقال: أوصيک يا معاذ لاتدعن في دبر كل صلاة تقول: أللهم أعني على ذكرک وشكرک وحسن عبادتک.** (سنن أبي داؤد، باب في الاستغفار، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۳، دارالسلام، رقم: ۱٥۲۲، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۷/ ۱۰٤، رقم: ۲٦٦۱، السنن الكبرى للنسائي، كتاب عمل اليوم والليلة، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ۳۲، رقم: ۹۹۳۷، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ۳۹۱، رقم: ۷٥۱، صحيح ابن حبان، دارالفكر ۳/ ۱۸۳، رقم: ۲۰۱۷، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۰/ ٦۰، رقم: ۱۱۰، ۲۰/ ۱۲٥، رقم: ۲٥۰، المستدرك مكتبه نزار مصطفى الباز ۱/ ۳۹۹، رقم: ۱۰۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۶ھ

فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنا

سوال [۲۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کہتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت حدیث میں نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: حبیب اللہ کردم پوری، مسجد محمدی، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فرض نمازوں کے بعد دعائیں کرنا حدیث پاک سے ثابت ہے۔

عن أبي أمامة قال: قيل: يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر، و دبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۷، دارالسلام، رقم: ۳٤۹۹، السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دارالكتب العلمية، بيروت ٦/ ۳۲، رقم: ۹۹۳٦)

إن رسول الله ﷺ كان يقول: في دبر كل صلاة مكتوبة إذا سلم: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت ولا معطى لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (بخاري ۱/ ۱۱۷، رقم: ۸۳٦، ف: ۸٤٤، مسند الدارمي، دارالمغني الرياض ۲/ ۸۵۰، رقم: ۱۳۸۹ صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ۳۸۷، رقم: ۷٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رشعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۸٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۴ھ

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت

سوال (**الف**) [۲۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ

ذیل کے بارے میں: فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شارع علیہ السلام سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو آیا التزام بھی ثابت ہے؟ اگر التزام ثابت نہیں ہے، تو التزام اور اجتماعی ہیئت کے ساتھ دعا کرنا اور اس پر اصرار کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اور دعا کا التزام نہ کرنے والوں پر نکیر درست ہے یا نہیں؟ براہ کرام تفصیلی جواب سے نوازیں۔ فجزاکم الله أحسن الجزاء.

المستفتی: کلیم احمد، اعظم گڑھ، بدست عبدالحلیم، متعلم جامعہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فرض نمازوں کے بعد دعا کرنا حدیث پاک سے ثابت ہے۔

عن أنس –رضي الله عنه– قال: ما صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم صلاة مكتوبة، إلا أقبل بوجهه علينا، فقال: اللهم إني أعوذ بك من كل عمل يخزيني. (عمل اليوم والليلة، لابن السني، باب ما يقول في دبر الصبح نوع آخر، مؤسسة علوم القرآن، بيروت، ص: ۱۰۷، رقم: ۱۲۰، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم، مدينة المنورة ۱۴/ ۳۲، رقم: ۷۴۴۹)

عن أبي أمامة –رضي الله عنه– ما دنوت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في دبر صلاة مكتوبة، ولا تطوع، إلا سمعته يقول: اللهم اغفرلي ذنوبي وخطاياي كلها. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، نوع آخر، مؤسسة علوم القرآن، بيروت، ص: ۱۰۴، رقم: ۱۱۶، كذا في مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۱۰/ ۱۱۱)

اسی طرح حدیث میں اس کا بھی ثبوت ہے کہ اجتماعی طور پر دعا کی جائے، ایک آدمی زور زور سے دعا کے الفاظ کہے، باقی لوگ آمین کہتے رہیں۔

عن قيس بن مخرمة حدثه أن رجلا جاء زيد بن ثابت، فسأله عن شيء، فقال له زيد: عليك بأبي هريرة، فإنه بينا أنا، وأبوهريرة، وفلان في

المسجد ذات يوم، ندعو الله، ونذكر ربنا خرج علينا رسول الله ﷺ حتى جلس إلينا، قال: فجلس وسكتنا، فقال: عودوا للذي كنتم فيه، قال زيد: فدعوت أنا وصاحبي قبل أبي هريرة، وجعل رسول الله ﷺ يؤمن على دعائنا، ثم دعا أبوهريرة. (المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى الباز ٦/ ٢٢١٨، رقم: ٦١٥٨، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٣٣٨، رقم: ١٢٢٨، مجمع الزوائد، بيروت ٩/ ٣٦١، حياة الصحابة ٣/ ٤٧٨، السنن الكبرى للنسائي، كتاب العلم، دارالكتب العلمية، بيروت ٣/ ٤٤٠، رقم: ٦١٥٨)

عن حبيب بن مسلمة الفهري، وكان مجاب الدعوة، أنه أمر على جيش فدرب الدروب، فلما أتى العدو، قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمن البعض، إلا أجابهم الله. وفي رواية الطبراني: فيدعو بعضهم ويؤمن سائرهم، إلا أجابهم الله. (المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت، جديد ٦/ ٢٠٢٣، رقم: ٥٤٧٨، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٤/ ٢١/ رقم: ٣٥٣٦)

نیز حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوقت دعا ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔ اوردعا کے اختتام پر چہرہ پر ہاتھ پھیرلیا کرتے تھے۔

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قال: كان رسول الله ﷺ إذا رفع يديه في الدعاء، لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه، قال محمد بن المثنى في حديثه: لم يردهما حتى يمسح بهما وجهه. (ترمذي، أبواب الدعوات، باب ماجاء في رفع الأيدي عند الدعاء، النسخة الهندية ٢/ ١٧٦، دارالسلام، رقم: ٣٣٨٦، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١/ ٢٤٣، رقم: ١١٢٩)

عن السائب بن يزيد عن أبيه، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا دعا فرفع يديه، مسح وجهه بيديه. (أبوداؤد، الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ١/ ٢٠٩، دارالسلام، رقم: ١٤٩٢، مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٢٢١، رقم: ١٨٠٧، المعجم

الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۲/ ۲٤۱، رقم: ٦۳۱، بخاري، باب رفع الأيدي في الدعاء تعليقا ۲/ ۹۳۸)

ان تینوں طرح کی حدیثوں کو جمع کر کے دیکھا جائے تو فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت ملتا ہے۔

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: قال النبي ﷺ: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: إلى آخر الدعاء، إلا كان حقا على الله عز وجل أن لا يرد يديه خائبين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، مؤسسة علوم القرآن، رقم الحديث: ۱۳۸، ص: ۱۲۱)

لیکن اس پر التزام اور اصرار مشروع نہیں، اسی طرح فرض نمازوں کے سلام پھیرنے کے بعد دعا سے پہلے چلے جانے والوں پر نکیر کرنا بھی درست نہیں؛ اس لئے کہ دعا نماز کا جزو نہیں ہے۔

قال الطيبي: وفيه من أصر على أمر مندوب وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، إمداديه ملتان ۲/ ۳۵۳، شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد كراچی ۳/ ۳۷٤، رقم: ۹٤۲)

الإصرار على أمر مندوب يبلغه حد الكراهة. (سعايه ۲/ ۲٦۵، مستفاد: از فتاوی محموديه ۵/ ٦۸۲-٦۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ

کیا فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا میں امام کی اقتدا ضروری ہے؟

سوال (ب) [۲۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: (۱) ہر فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کی کیا اصل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کن مواقع پر اجتماعی دعا کی ہے؟ یا اجتماعی دعا کی تلقین فرمائی ہے؟
(۲) کیا دعا میں امام صاحب کی اقتدا کرنا ضروری ہے؟ جو لوگ اجتماعی دعا میں شریک نہ ہوں اور اپنی دعا مانگ کر چلے جائیں ان پر نکیر کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) فرض نمازوں کے بعد جو دعائیں ہوتی ہیں، وہ نماز کا جز نہیں ہوتیں، سلام پر نماز ختم ہوجاتی ہے، دعا میں امام کی اقتدا کرنا ضروری نہیں، ہاں البتہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اجتماعی دعا بہت زیادہ پسندیدہ ہے کہ ایک آدمی دعا کے الفاظ کہے اور باقی لوگ اس کی دعا پر آمین کہیں، یہ اجتماعی دعا فرض نماز کے بعد زیادہ بہتر ہے، اس لئے کہ فرض نماز کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي أمامة –رضي الله عنه– قال: قيل يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلاة المكتوبة. (سنن ترمذي ۲/ ۱۸۷)

وعن معاذ بن جبل –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيدي قال: يا معاذ! والله أني لأحبك، فقال: أوصيك يا معاذ لا تدعن في دبر كل صلاة تقول: "أللهم أعني على ذلك وشكرك وحسن عبادتك". (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب في الاستغفار ۱/ ۲۱۳)

عن قيس المدني أن رجلا جاء زيد بن ثابتؓ، فسأل عن شيء، فقال له زيد: عليك بأبي هريرة، أنا وأبو هريرة وفلان في المسجد ندعو

ونذكر ربنا عز وجل إذ خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جلس إلينا فسكتنا، فقال: عودوا الذي كنتم فيه، فقال زيد: فدعوت أنا وصاحبي قبل أبي هريرة، وجعل رسول الله ﷺ يؤمن على دعائنا. (طبراني في الأوسط ۹/ ۲٦۱)

عن حبيب بن مسلمة الفهري ...... وكان مستجابا ...... أنه أمر على جيش فدرب الدروب، فلما لقى العدو قال للناس: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: لا يجتمع ملأ فيدعو بعضه ويؤمن سائرهم إلا أجابهم الله. (المعجم الكبير للطبراني ٤/ ٢٢، رقم: ٣٥٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۲۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱۱/۸ھ

فرائض پنج گانہ کے بعد دعا مانگنے کا شرعی حکم

سوال [۲۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟ حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا معمول تھا؟ ہمارے ہندوستان میں عام طور سے ائمہ حضرات دعا مانگتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے یا قابل نکیر ہے؟

المستفتی: احسان احمد قاسمی، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث میں وارد ہوا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد جو دعا کی جاتی ہے، وہ قبول ہوتی ہے اور دوسری حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ جو بھی دعا لوگوں کے اجتماع میں مانگی جائے اور جو بھی دعا ایک جگہ جمع ہو کر مانگی جائے اور ایک شخص دعا

کے الفاظ بولے اور دوسرے لوگ اس پر آمین کہیں، تو ایسی دعا بھی قبول ہوتی ہے؛ لہٰذا دونوں قسموں کی دعا کو جمع کرنے کے بعد فرض نمازوں کے بعد حدیث سے اجتماعی دعا کا جواز ثابت ہوتا ہے؛ لیکن اس کو لازم نہ سمجھا جائے، اگر سلام کے بعد کوئی شخص بغیر دعا کے اٹھ کر چلا جائے تو اس کے اوپر کوئی نکیر نہ کی جائے۔ اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ دعا نماز کا جزو ہے اور بغیر دعا کے اٹھ کر چلا جانا جائز نہیں ہے، ہمارے مغربی اتر پردیش میں یہی معمول ہے کہ نہ کوئی اس کو لازم سمجھتا ہے نہ نماز کا جزو سمجھتا ہے۔ اور اگر بغیر دعا کے اٹھ کر چلا جاتا ہے، تو اس پر کوئی نکیر بھی نہیں کرتا ہے۔

عن أمامة –رضي الله عنه– قال: قيل: يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (ترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٧، دارالسلام، رقم: ٣٤٩٩، السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دارالكتب العلمية، بيروت ٦/ ٣٢، رقم: ٩٩٣٦)

عن حبيب بن مسلمة الفهري، وكان مستجابا أنه أمر على جيش، فدرب الدروب، فلما لقى العدو قال للناس: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم، ويؤمن سائرهم إلا أجابهم الله. (المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ٤/ ٢١، رقم: ٣٥٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۹۴/۴۰)

فرائض کے بعد دعا مانگنے کا طریقہ

سوال [۲۹۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ نمازوں کے بعد دعا مانگنے کا احناف کے نزدیک مسنون طریقہ کیا ہے؟ اگر دعا ایسی آواز میں بالجہر مانگی جائے، جس کو شرکاء سن سکیں تو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن موسیٰ لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فرض نماز کے بعد دعا میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رو دوزانوں باادب بیٹھ کر آہستہ خشوع وخضوع سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے، پھر درود شریف، پھر اپنے لئے، پھر والدین کے لئے، پھر تمام مؤمنین ومؤمنات کے لئے دعا کرے اور اپنے ہاتھوں کا رخ آسمان کی طرف رکھے۔ ’’درمختار‘‘ میں ہے:

فيبسط يديه حذاء صدره نحو السماء؛ لأنها قبلة الدعاء، ويكون بينهما فرجة، والإشارة بمسبحته لعذر كبرد يكفي والمسح بعده على وجهه سنة في الأصح. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، كراچی ۵۰۷، زكريا ۲/ ۲۱۵، ۱/ ۴۷۴، كوئٹه ۱/ ۳۷۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دارالكتاب ديوبند، جديد، ص: ۲۵۷)

دعا آہستہ کرنا افضل ہے۔ اور اگر دوسرے نمازیوں کو خلل نہ ہو تو جہرا دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۱۷۳، جدید ڈابھیل ۵/۶۹۲، فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/ ۱۸۳، جدید زکریا ۶/ ۵۵)

ومنها: أن يدعو وهو مستقبل القبلة، ومنها: أن يدعو في دبر صلواته، ومنها: أن يرفع اليدين حتى يحاذي بهما المنكبين إذا دعا، ومنها: أن يخفض صوته بالدعاء، ومنها: أن يمسح وجهه بيديه إذا فرغ من الدعاء. (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/ ۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۶۱)

دعا کی ابتدا ''بسم اللہ'' سے کرنا

سوال [۲۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب نماز کے بعد جو دعا کرتے ہیں، اس میں ابتدائی کلمات میں بسم اللہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ ایک عالم صاحب کا کہنا ہے کہ حدیث سے ثابت نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ دعا کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ شروع میں اللہ کا ذکر، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود آخر میں بھی یہی حالت ہو اس کے متعلق آپ جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد منصور مفتاحی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''بسم اللہ'' شریف سے بھی دعا کی ابتدا کرنا درست ہے؛ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر اہم کام بسم اللہ شریف سے شروع کیا جائے اور دعا بھی ایک اہم کام ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل أمر ذي بال لا يبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم، أقطع. (كنز العمال، حاشية مسند أحمد/ ۳۷۱)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل كلام أو أمر ذي بال لا يفتح بذكر الله عز وجل فهو أبتر، أو قال: أقطع. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۳۵۹، رقم: ۸۶۹۷، ابن ماجة، النكاح، باب خطبة النكاح، النسخة الهندية ۱/ ۱۳۶، دارالسلام، رقم: ۱۸۹٤، سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب الهدي في الكلام، النسخة الهندية ۲/ ٦٦٥، دارالسلام، رقم: ٤٨٤٠، السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الكلام عند الحاجة، دارالكتب العلمية، بيروت

٦/ ١٢٧، رقم: ١٠٣٢٨، صحيح ابن حبان، دارالفكر ١/ ٧٤، رقم: ١-٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٩/ ٧٢، رقم: ١٤١، سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٣٥، رقم: ٨٧٢، ٨٧٣)

اورآداب دعامیں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمدوثنااوردرود پاک کے ساتھ شروع کی جائے،ایسی دعا کی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے؛ اس لئے ''بسم اللہ'' سے شروع کرنا بھی درست ہے۔ اورحمد وثناء سے شروع کرنا بھی درست ہے۔اسی طرح بسم اللہ اورحمد وثناءاوردرودشریف تینوں کے ساتھ شروع کرنا بھی صحیح ہے؛اس لئے کوئی قابل اشکال چیز نہیں ہے۔

عن فضالة بن عبيد يقول: سمع النبي ﷺ رجلا يدعو في صلاته فلم يصل على النبي ﷺ، فقال النبي ﷺ: عجل هذا، ثم دعاه، فقال له أو لغيره: إذا صلى أحدكم فليبدأ بتحيمد الله والثناء عليه، ثم ليصل على النبي ﷺ، ثم ليدع بعد ما شاء، هذا حديث حسن صحيح. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٦، دارالسلام، رقم: ٣٤٧٧، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة ٩/ ٢٠٣، رقم: ٣٧٤٨، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٣٧٣، رقم: ٧١٠، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ١٨، رقم: ٢٤٤٣٤، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ١/ ٢٠٨، دارالسلام، رقم: ١٤٨١، صحيح ابن حبان دارالفكر، بيروت ٣/ ١٦٣، رقم: ١٩٥٦، المستدرك، كتاب الصلاة، مكتبه نزار مصطفى مكة المكرمه الرياض ١/ ٣٤٣، رقم: ٨٤٠، مشكل الآثار، دارالكتب العلمية، بيروت ٣/ ٥٤-٥٥، رقم: ٢٣٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۴؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۲۵ھ

دعا کے شروع میں ''تحمید'' اور اختتام پر ''برحمتک'' بلند آواز سے کہنا

سوال [۲۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرائض کے بعد جب سراً دعا کی جائے تو دعا کی ابتداء میں ''**الحمدلله رب العالمين**'' اور ختم پر ''**برحمتک يا أرحم الراحمين**'' وغیرہ جیسے الفاظ کہنا، تاکہ مقتدیوں کو دعا کی ابتداء اور ختم معلوم ہو جائے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

المستفتی: فہیم احمد نگینوی، مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دعا کو حمد وثناء سے شروع کرنا آداب دعا میں سے ہے، جس کا اعلیٰ مصداق ''**الحمدلله رب العالمين**'' ہے، نیز دعا کے اختتام کو بتلانے کے لئے ''**برحمتک يا أرحم الراحمين**'' یا اس جیسے دوسرے دعائیہ کلمات بآواز بلند کہنا شرعاً جائز ہے۔ اور تفسیر ''روح المعانی'' میں: ''**سبحان ربک رب العزة عما يصفون الخ**'' پر دعا کو ختم کرنا مشہور اور متعارف نقل فرمایا ہے۔

المشهور اليوم بين الناس أنهم يقرؤن عند ختم مجلس القراء ة، أو الذكر، أو نحوهما الآية المذكورة. (روح المعاني، سورة الصافات، آيت: ۱۸۲، مكتبه زكريا ۱۳/ ۲۳۳، قديم مصري ۲۳/ ۱۵۹)

إن الذكر بعد الصلاة كان يختم بالتكبير، ويرفع به الصوت شيئًا ليقف الناس على أن الإمام قد فرغ من توابع الصلاة، فيذهبوا إلى حوائجهم كما أن الجهر بالتسليم لكى يعرف القوم أن الصلاة بأصلها قد تمت، وإن بقيت توابعها من الدعاء والذكر. الخ (إعلاء السنن، كتاب

الصلاة، بـاب فـي بعض آداب الدعاء، دارالکتب العلمية بيروت ۳/ ۲۱۳-۲۱۲، کراچی ۳/ ۱۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳ ۶۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۲ھ

امام صاحب کا دعا کے شروع وآخر میں جہر کرنا

سـوال [۲۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں امام صاحب جمعہ کی نماز میں بھی اور جمعہ کے علاوہ دیگر نمازوں میں بھی صرف اس لئے کہ نمازی زیادہ ہوتے ہیں، سلام پھیر کر دعا مانگتے وقت ''**الـحـمـدلله رب العالمين**'' ہلکی بلند آواز سے اور اختتام پر ''**برحمتک يا أرحم الراحمين**'' کہہ دیتے ہیں، امام اور مقتدی سراً اپنی اپنی دعائیں مانگتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا امام صاحب کا دعا مانگتے وقت جہراً یہ کلمات کہہ دینا شرعاً مکروہ تو نہیں ہے۔

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالـلّٰه الـتـوفيق: امام کے لئے دعا کے شروع میں ''**الـحـمدلله رب العالمين**'' زور سے کہنا اور آخر میں ''**بـرحـمتک يا أرحم الراحمين**'' زور سے کہنا، تاکہ مقتدیوں کو پتہ چل جائے جائز اور درست ہے۔

ويـمكن أن يقال: إن الذكر بعد الصلاة كان يختم بالتكبير، ويرفع به الـصـوت شيـئـا؛ ليـقف الـنـاس عـلـى أن الإمـام قد فرغ من توابع الصلاة، فيـذهبـوا إلـى حـوائـجهـم، كـمـا أن الجهر بالتسليم؛ لكي يعرف القوم أن الصلاة بـأصـلهـا قـد تـمت، وإن بقيت توابعها من الدعاء، والذكر. (إعلاء

السنن، كتاب الصلاة، باب في بعض آداب الدعاء، دار الكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۱۳، ۲۱۲، کراچی ۳/ ۱۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۲ھ

فرض نماز کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟

سوال (الف) [۲۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرض نماز کے بعد دعا مانگنا کیا حضور ﷺ سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو اتنی طویل دعا مانگنا کہ نمازی اکتا جائیں یا سنت ونوافل کے پڑھنے میں تاخیر ہوتی رہے، کیسا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر ایم اسلام خان، سرائے خیر نگر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور ﷺ نے فرض نماز کے بعد دعا کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ فرض نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔

عن العرباض بن سارية –رَضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۸/ ۲۵۹، رقم: ٦٤٧، الفية الحديث، ص: ١٦٨)

ہاں البتہ اتنی طویل دعا نہیں ہونی چاہئے کہ اس کی وجہ سے لوگ اکتاہٹ میں مبتلا ہوجائیں، بلکہ اس وقت تک جاری رکھنی چاہئے جب تک پوری طرح توجہ اور رغبت باقی رہے۔

عن أنس –رضى الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا دعا أحدكم فليعزم المسألة. الحديث (صحيح البخاري، باب ليعزم المسألة؛ فإنه لا مستكره له، النسخة الهندية ۲/ ۹۳۸، رقم: ٦٠٩٣، ف: ٦٣٣٨)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ادعوا الله وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن الله لا يستجيب دعاء من قلب غافل لاه. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٦، دار السلام، رقم: ٣٤٧٩، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٧/ ٣٠٧، رقم: ١٠٠٥٩، المستدرك، كتاب الدعاء والتكبير، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٢/ ٦٩٤، رقم: ١٨١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۷۳)

نماز کے بعد دعا نماز کا جزو نہیں

سوال (ب) [۲۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جن فرضوں کے بعد سنت ونوافل نہیں ہیں، ان میں نماز سے بھی لمبی اجتماعی دعا کرنا، جب کہ دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا ہے اور ہر مغز اپنے پھل یا پھول سے بہت چھوٹا ہوتا ہے، مسنون کیا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبد الحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے بعد دعا نماز کا جزو نہیں، امام کے سلام کے بعد نماز ختم ہوجاتی ہے، اس کے بعد جس کی مرضی چلا جائے اور جس کی مرضی بیٹھ جائے، جس کی مرضی امام کے ساتھ دعا میں شریک ہونا ہے وہ شریک ہوجائے اور جس کی مرضی امام کے ساتھ دعا میں شریک نہ ہونا ہے وہ چلا جائے، کسی کو کسی پر نکیر اور داروگیر کا حق نہیں۔ اور امام کو چاہئے کہ اجتماعی دعا اتنی لمبی نہ کرے جس سے دعا میں شریک ہونے والے مقتدیوں کو گرانی

ہواورامام کواختیار ہے کہ کبھی مختصر دعا کرے اور کبھی لمبی ،مقتدیوں میں سے جس کا دل چاہے شریک ہواور جس کا دل چاہے شریک نہ ہو۔اور جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل نہیں ہیں ان نمازوں کے بعد لمبی دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہوں ان نمازوں کے بعد مختصر دعا کریں اور اجتماعی دعا حدیث سے ثابت ہے۔(مستفاد: فتاوی رحیمیہ جدید ۶/ ۸۰، امداد الاحکام ۱/ ۳۲۲)

یسن للإمام أن یقتصر في الذکر و الدعاء لحضرة المأمومین.

(إمداد الفتاوی ۱/ ۸۰٤)

عن حبیب بن مسلمة الفهري قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لا یجتمع ملأ فیدعو بعضهم ویؤمن سائرهم إلا أجابهم الله.

(المعجم الکبیر للطبراني ٤/ ٢٢، رقم: ٣٥٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۲۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱۱/۸ھ

فرائض کے بعد اجتماعی دعا

سوال [۲۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا یہ علاقہ فضلائے دارالعلوم دیوبند کا علاقہ ہے، اپنے اکابر کے طرزِ عمل پر فرض نمازوں کے بعد امام صاحب اجتماعی دعا کا اہتمام کرتے رہے ہیں، سراً وجہراً دونوں حسب موقع دعا ہوتی رہتی ہے، مگر اب کچھ فضلائے کرام اس پر بضد ہیں کہ اجتماعی دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے یہ بدعت ہے؛ اس لئے آپ حضرات سے تفصیلی جواب مع حوالہ مطلوب ہے، تاکہ مسئلہ کی پوری وضاحت ہوجائے۔اور اسی کے مطابق عمل کیا جائے اور عوام میں اسی کی دعوت دی جائے ، نیز میری یہ بھی درخواست ہے کہ بشکل

مضمون ندائے شاہی میں شائع کیا جائے، تاکہ عمومی شکل میں بات واضح ہوجائے، جولوگ فرض نمازوں کے بعد دعا کو بدعت کہتے ہیں، وہ ندائے شاہی کے خریدار بھی ہیں۔ امید ہے کہ ضرور توجہ فرمائیں گے۔

المستفتی: مدرسہ اسلامیہ دارالعلوم فرقانیہ، مقام وپوسٹ اکسرڑ وا، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: احادیث شریفہ میں فرض نمازوں کے بعد دعائیں مانگنا اور دعاؤں کا قبول ہونا ثابت ہے۔ اور فقہاء کرام کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور امام زور سے دعا کرے اور مقتدی آمین کہیں، یا امام دعا کرائے اور سب لوگ اپنی اپنی سری دعا کرتے رہیں، دونوں طرح جائز ہے؛ لیکن یہ یاد رکھیں کہ فرض نمازوں کے بعد اس اجتماعی دعا کو نہ نمازوں کا جزو سمجھا جائے اور نہ ہی لازم سمجھا جائے، کسی کو نماز کے بعد دعا سے پہلے ضرورت پیش آجائے تو وہ بلا تکلف دعا سے پہلے چلا جائے یا کوئی اس دعا میں شریک نہ ہو تو اس پر کوئی الزام اور طعن وتشنیع نہ ہو، یا خود امام صاحب کسی دن دعا نہ کرائیں اور دعا کرائے بغیر اٹھ کر چلے جائیں، تو امام صاحب پر کوئی الزام یا کوئی تبصرہ بھی نہ ہو، ان شرائط کے ساتھ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا بلا تردد جائز اور درست ہے؛ لیکن اگر نمازوں کا جزو سمجھا جائے یا نماز کے بعد دعا کو لازم سمجھا جائے تو یہ عقیدہ بدعت ہے۔ اور جن علماء کرام نے بدعت کہا ہے، اگر اس نقطہ نظر سے بدعت کہا ہے، تو درست ہے۔ اور اگر یہ نقطہ نظر پیش نظر نہیں ہے؛ بلکہ فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کو علی الاطلاق بدعت کہا جارہا ہے، تو ان کی بات درست نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ٣/ ٢٩١ تا ٢٩٧، ٣/ ٢٨٠، زکریا مطول ٤/ ٤٣، ٤٣، ٤٤، احسن الفتاوی ٣/ ٦٠ تا ٦٨، امداد الفتاوی ١/ ٧٩٥ تا ٨١٦)

عن أبي أمامة – رضی الله عنه– قال: قيل: يا رسول الله! أی الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر، ودبر الصلوات المتكوبات. (ترمذي شريف،

أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٧، دارالسلام، رقم: ٣٤٩٩، السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دارالكتب العلمية، بيروت ٦/ ٣٢، رقم: ٩٩٣٦)

ثم يدعون لأنفسهم وللمسلمين بالأدعية الماثورة الجامعة رافعی أيديهم حذاء الصدر وبطونها مما يلى الوجه بخشوع وسكون إلى قوله: ثم يمسحون بها وجوههم في آخره. (حاشية الطحطاوی على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، دارالكتاب ديوبند، جديد ٣١٦-٣١٨)

عن عائشة -رضي الله عنها- زعم أنه سمعه منها أنها رأت النبي صلى الله عليه وسلم يدعوه رافعا يديه، يقول: إنما أنا بشر، فلا تعاقبني، أيما رجل من المؤمنين آذيته أو شتمته فلا تعاقبني فيه. (الأدب المفرد، باب رفع الأيدي في الدعاء، دارالكتب العلمية، بيروت، ص: ١٨٤-١٨٥، رقم: ٦١٠-٦١٣، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٢٥٨، رقم: ٢٦٧٤٨)

عن عمر بن الخطاب -رضي الله عنه- قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع يديه فی الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب ما جاء في رفع الأيدي عند الدعاء، النسخة الهندية ٢/ ١٧٦، دار السلام، رقم: ٣٣٨٦)

عن عمر -رضي الله عنه- أن رسول الله ﷺ كان إذا رفع يديه في الدعاء لم يردهما حتى يمسح بهما وجهه. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١/ ٢٤٣، رقم: ١٢٩، الدعاء للطبراني ١/ ٨٧، رقم: ٢١٢، المستدرك، كتاب الدعاء والتكبير، مكتبه نزار مصطفى، جديد ٢/ ٧٤٨، رقم: ١٩٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/صفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۷۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۱۴ھ

کیا اجتماعی دعائیں قبولیت کا درجہ زیادہ رکھتی ہیں؟

سوال [۲۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضور اکرم ﷺ سے کیا اجتماعی دعائیں اکثر ثابت ہیں، یا اجتماعی دعائیں قبولیت کا درجہ زیادہ رکھتی ہیں؟ کیوں کہ فرض یا کچھ واجب نمازیں اجتماعی طور پر ہوتی ہیں، ان کے علاوہ بھی کیا اجتماعی عبادات ہیں؟ اوران میں دعا بھی شامل ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر ایم اسلام خان، سرائے خیرنگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور ﷺ نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور جب آپ ﷺ دعا مانگتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر مانگا کرتے تھے، اور جب آپ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے ہوں گے تو کیا صحابہ دیکھتے رہ گئے ہوں گے؟ ظاہر بات ہے کہ صحابہ بھی آپ کے ساتھ دعا میں شریک ہوتے رہے ہوں گے؛ اس لئے اجتماعی دعا پر نکیر درست نہیں، ہاں البتہ اجتماعی دعا کو لازم نہ سمجھا جائے اوراس علاقہ میں اجتماعی دعا کو لازم نہیں سمجھا جاتا، اجتماعی عبادت کے ساتھ اجتماعی دعا کر لی جائے تو قبولیت کی زیادہ امید ہے۔

عن العرباض بن سارية –رَضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من صلى صلاة فريضة فله دعوة مستجابة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/ ۲۵۹، رقم: ٦٤٧)

عن أبي أمامة –رضى الله عنه– قال: قيل: يا رسول الله ! أى الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر، ودبر الصلوات المتكوبات. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۸۷، دارالسلام، رقم: ۳٤۹۹)

عن سلمان –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما رفع قوم أكفهم إلى الله عز وجل يسألونه شيئا إلا كان حقا على الله أن يضع في أيديهم الذي سألوا. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٦/ ٢٥٤، رقم: ٦١٤٢)

عن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع يديه فى الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه.
(سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب ما جاء في رفع الأيدي عند الدعاء، النسخة الهندية ٢/ ١٧٦، دار السلام، رقم: ٣٣٨٦، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١/ ٢٤٣، رقم: ١٢٩، المستدرك، كتاب الدعاء والتكبير، مكتبه نزار مصطفى، جديد ٢/ ٧٤٨، رقم: ١٩٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۷۳/۳۳)

فرض نماز کے بعد مداومت کے ساتھ اجتماعی دعا

سوال [۲۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرض نماز کے بعد امام کا جہراً اجتماعی دعا کرانا اوراس کے اوپر مداومت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد نواب اختر بجنوری، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح دعا کو اگر سنت صلوۃ اور مستحبات صلوۃ میں سے نہیں سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ محض دعا الگ سے ایک امر مستحب ہونے کے عقیدہ سے اس طرح دعا کی جاتی ہے، تو اس کی گنجائش ہے، مگر اس کو لازم سمجھنا بدعت ہے؛ البتہ اگر اس طرح دعا کو نماز کا جزو اور سنت صلوۃ میں سے سمجھا جائے تو جائز نہیں۔ (مستفاد: حاشیہ امداد الفتاوی ۱/۸۰۴)

من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، كراچی ۳/ ۳۷٤، رقم: ۹٤۲، مرقاة شرح مشكوة، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، إمداديه ملتان ۲/ ۳۵۳)

وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (تحته في الشامية:) الظاهر أنها تحريمية؛ لأنه يدخل في الدين ما ليس منه. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۰، زكريا ۲/ ۵۹۸)

وأما إذا سجد بغير سبب، فليس بقربة، ولا مكروه، وما يفعل عقيب الصلاة، مكروه؛ لأن الجهال يعتقدونها سنة، أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. (هندية، كتاب الصلاة، قبيل الباب الرابع عشر في صلاة المريض، زكريا قديم ۱/ ۱۳۷، جديد ۱/ ۱۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۱/۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۲۳/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۶ھ

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی کیفیت

سوال [۲۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دعا مانگتے وقت دونوں ہاتھ کہاں تک اٹھائے جائیں اور دونوں ہاتھ ملا کر رکھے جائیں یا دونوں کے درمیان فاصلہ رکھنا بہتر ہے؟ دعا مانگنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: غفران احمد، خوشحال گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا مسنون طریقہ اس طرح مروی ہے کہ دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھایا جائے کہ نگاہ آسانی کے ساتھ ہتھیلیوں

پر رہے اور یہ جبھی ہوسکتا ہے، جب کہ دونوں ہاتھ سینے کے برابر اٹھائے جائیں؛ لہٰذا دعا کا مسنون طریقہ یہ ہوگا کہ دونوں ہاتھوں کو سینے تک اٹھایا جائے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے درمیان قدرے فاصلہ رہے۔

عن الفضل بن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: الصلاة مثنى مثنى تشهد في كل ركعتين، وتخشع وتضرع وتمسكن وتقنع يديك، يقول ترفعهما إلى ربك مستقبلا ببطونهما وجهك، وتقول: يا رب! ومن لم يفعل ذلك، فهو كذا وكذا. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التخشع في الصلاة، النسخة الهندية ١/ ٨٧، دارالسلام، رقم: ٣٨٥، مسند أحمد بن حنبل ١/ ٢١١، رقم: ١٧٩٩، ٤/ ١٦٧، رقم: ١٧٦٦٦، السنن الكبرى للنسائي، كتاب السهو، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٢١٢، رقم: ٦١٥، ومثله في مشكوة المصابيح، ص: ١٩٦)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: المسألة أن ترفع يديك حذو منكبيك أو نحوهما. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ١/ ٢٠٩، دارالسلام، رقم: ١٤٨٩)

عن الزهري قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه عند صدره في الدعاء، ثم يمسح بهما وجهه. (مصنف عبدالرزاق،المجلس العلمي ٢/ ٢٤٧، رقم: ٣٢٣٤، ٣/ ١٢٢، رقم: ٥٠٠٣)

والمستحب أن يرفع يديه عند الدعاء بحذاء صدره، والأفضل في الدعاء أن يسبط كفيه، ويكون بينهما فرجة. (هندية، كتاب الكراهية، قبيل الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ٥/ ٣١٨، جديد ٥/ ٣٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥/ ربیع الثانی ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٥٨٥)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال [۲۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نماز پڑھائی، نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی یا کسی اور نے کی، ان لوگوں کا نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا حدیث وقرآن سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسلام، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنا احادیث شریفہ سے ثابت ہے، ہاتھ اٹھانے کے آداب دعا میں سے ہونے کی صراحت بھی احادیث میں موجود ہے؛ لہٰذا فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث رسول کے مطابق ہے۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۶۸ و۶۶، کفایت المفتی ۳/ ۲۹۷، ۲۹۶، زکریا مطول ۴/ ۷۰، امداد الفتاویٰ ۱/ ۸۰۷)

عن أبي أمامة –رضی الله عنه– قال: قیل: یا رسول الله ! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف اللیل الآخر، ودبر الصلاة المکتوبة. (ترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۸۷، دارالسلام، رقم: ۳۴۹۹، السنن الکبری للنسائي، باب ما یستحب من الدعاء دبر الصلوات المکتوبات، دارالکتب العلمیة، بیروت ٦/ ۳۲، رقم: ۹۹۳٦)

عن سلمان –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إن ربکم حیي کریم یستحیي من عبده إذا رفع یدیه إلیه أن یردهما صفرا. (أبوداؤد، الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندیة ۱/ ۲۰۹، دارالسلام، رقم: ۱۴۸۸، سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندیة ۲/ ۱۹٦، دارالسلام، رقم: ۳۵۵٦، صحیح ابن حبان، دارالفکر ۲/ ۹۲–۹۳، رقم: ۸۷۳–۸۷۷، المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ٦/ ۲۵٦، رقم: ٦۱۴۸، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/ ۲۵۱، رقم: ۳۲۵۰)

وإذا ثبت رفع اليدين في الدعاء، فالإنكار عليه وعده في البدعات غلو وإفراط لا محل له. (هامش عمل اليوم والليلة، مؤسسة علوم القرآن، بيروت ۱/ ۱۲۲)

فثبت أن الدعاء مستحب بعد كل صلاة مكتوبة متصلا بها برفع اليدين كما هو شائع في ديارنا، وديار المسلمين قاطبة. (إعلاء السنن، باب الإنحراف بعد السلام و كيفيته وسنية الدعاء والذكر بعد الصلاة، دارالكتب العلمية، بيروت ۳/ ۲۰۵، رقم: ۹۳۸، کراچی ۳/ ۱۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۹۲)

پنجوقتہ نمازوں کے بعد دعا مانگنا

سوال [۲۹۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پنجوقتہ نمازوں کے بعد دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے کہ نہیں؟ بعض مسلک کے لوگ بدعت بتاتے ہیں؛ لہٰذا احدیث کے حوالوں سے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ملک عبدالماجد مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پنجوقتہ نمازوں کے بعد دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے، اس کو بدعت کہنا درست نہیں ہے۔ اور ہر فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، بطور مثال چند احادیث یہاں لکھی جارہی ہیں ملاحظہ فرمائیں:

عن مسلم بن أبي بكرة، عن أبيه، عن النبي ﷺ أنه كان يدعو في دبر الصلاة، يقول: اللهم إني أعوذ بک من الكفر، والفقر، وعذاب القبر.

(مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الدعاء، مؤسسة علوم القرآن ۱۵/ ۷۵، رقم: ۲۹۷۴۸،

٧/ ٤٥١، رقم: ١٢١٥٥، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٣٩، رقم: ٢٠٦٨٠، ٥/ ٤٤، رقم: ٢٠٧٢٠، سنن النسائي، الصلاة، باب التعوذ في دبر الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٤٨، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٣٨٩، رقم: ٧٤٦، صحيح ابن حبان، دارالفكر ٢/ ١٤٢، رقم: ١٠٢٤، المستدرك، مكتبة نزار مصطفى ١/ ٣٧٤، رقم: ٩٣٧)

عن أبي أمامة –رضى الله عنه– قال: قيل: يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر، ودبر الصلاة المكتوبة. هذا حديث حسن. (ترمذي شريف، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٧، دارالسلام، رقم: ٣٤٩٩، السنن الكبرى للنسائي، باب ما يستحب من الدعاء دبر الصلوات المكتوبات، دارالكتب العلمية، بيروت ٦/ ٣٢، رقم: ٩٩٣٦)

أملى على المغيرة بن شعبة في كتاب إلى معاوية أن النبي ﷺ كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، اللهم لا مانع لما أعطيت، ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد. (بخاري شريف، الصلاة، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١١٧، رقم: ٨٣٦، ف: ٨٤٤، مسند الدارمي، دارالمغني الرياض ٢/ ٨٥٠، رقم: ١٣٨٩، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٣٨٧، رقم: ٧٤٢)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنهما– عن النبي ﷺ أنه قال: ما من عبد يبسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللهم الهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، وإله جبرئيل وميكائل وإسرافيل عليهم السلام، أسئلک أن تستجيب دعوتي وتعصمني في ديني، فإني مبتلا، وتنالني برحمتک، فإنى مذنب، وتنفى عني الفقر، فإني متمسكن إلا كان حقا على

الله عز وجل أن لا يرد عليه خائبين. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح؟ مؤسسة علوم القرآن، بيروت/ ١٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۰۹)

نماز کے بعد لمبی دعا کرنا کیسا ہے؟

سوال [۲۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام صاحب نے عشاء کی نماز پڑھائی، پہلی رکعت میں سورۂ ''والشمس'' اور دوسری رکعت میں سورۂ ''والضحیٰ'' تلاوت کی گئی، آپ یہ بتائیں کہ اس میں کتنی منٹ لگنی چاہئے؟ جماعت میں تکبیر سے لے کر دعا کے اختتام تک کل نو منٹ لگے، آیا اتنی دیر لگنا درست ہے یانہیں؟ معترض نے اعتراض کیا ہے کہ کسی بھی امام کے نزدیک اتنی لمبی دعا جائز نہیں ہے، شرعی فیصلہ سے روشناس کرائیں۔

المستفتی: نیاز محمد علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اعتبار منٹوں کا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اعتبار صحت الفاظ اور صحیح پڑھنے کا ہوتا ہے، اگر نو منٹ میں صحت الفاظ کے ساتھ نماز پڑھی گئی ہے، تو نماز مسنون طریقہ سے ادا ہو چکی ہے، دعا بہت لمبی نہیں ہونی چاہئے جس سے حاضرین کو اکتاہٹ اور قلق ہوتا ہو، دعا کا جامع اور مختصر ہونا مسنون ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول: أللهم أنت السلام ومنك السلام تباركت يا ذاالجلال والإكرام. (صحيح مسلم، الصلاة، باب استحباب الذكر بعد

الصلاة، و بيان صفته، النسخة الهندية ١/ ٢١٨، بيت الأفكار، رقم: ٥٩٢، مسند الدارمي، مكتبه دارالمغني ٢/ ٨٥٠، رقم: ١٣٨٧)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: ادعوا الله وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن الله لا يستجيب دعاء من قلب غافل لاه.

(سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٦، دارالسلام، رقم: ٣٤٧٩، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ١٧/ ٣٠٧، رقم: ١٠٠٥٩، المستدرك، كتاب الدعاء و التكبير، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٢/ ٦٩٤، رقم: ١٨١٧)

الإمام إذا فرغ من الظهر والعصر والمغرب والعشاء يشرع في السنة ولا يشتغل بأدعية طويلة لما روى عن عائشة –رضى الله عنها– أن النبي ﷺ كان يمكث بعد السلام قدر مايقول: أللهم أنت السلام منک السلام تبارکت یا ذاالجلال والإکرام. (تاتار خانية، کتاب الصلاة، الفصل الثالث في کيفية الصلاة، زکريا ٢/ ١٩٤، رقم: ٢١١٩، کوئٹه ١/ ٥٥٧، هندية، کتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، زکريا قديم ١/ ٧٧، جديد ١/) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/۲/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۳۳)

نماز مختصر اور دعا لمبی کرانا

سوال [۲۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز جلدی یعنی مختصر وقت میں پڑھ لینا اور دعا میں طویل وقت لگانا کیسا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر ایم اسلام خان، سرائے خیر نگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جیسی اہم عبادت کا دعا سے مقابلہ کرکے اہمیت گھٹانا

صحیح نہیں ہے، نماز اپنی جگہ فرض اور لازم ہے، جس کو دین کا ستون کہا گیا ہے اور دعا اپنی جگہ الگ سے عبادت ہے، جس کو ''مخ العبادۃ'' بھی کہا گیا ہے۔

عن أنس –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الدعاء مخ العبادة. وفي رواية: قال: الدعاء هو العبادة. الحديث (ترمذي ٢/ ١٧٥)

دونوں میں مقابلہ کرکے دعا کی وجہ سے نماز میں تخفیف کرنا سخت ناواقفیت کی دلیل ہے، علمائے کرام کے ذریعہ سے وہاں کے لوگوں اور ماحول کی اصلاح کی کوشش کی جائے، ہاں البتہ اجتماع کے موقع پر لمبی دعا کی جاتی ہے، تو یہ مقابلہ نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ کبھی کبھی ہوتی ہے۔

عن عمر –رضى الله عنه– قال: جاء رجل فقال: يا رسول الله! أي شيء أحب الإسلام؟ قال: الصلاة لوقتها، ومن ترك الصلاة فلا دين له، والصلاة عماد الدين. (شعب الإيمان بيروت ٣/ ٣٩، رقم: ٢٨٠٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۷۳)

نماز، تسبیحات اور تلاوت کو مختصر کرکے لمبی دعا کرنا

سوال [۲۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز، روزہ، تسبیحات، قرآن کی تلاوت، قرآن وحدیث کا بیان، کیا ان عبادات سے زیادہ بہتر ہے دعا مانگنا، ان عبادات کو روک کرکے کہ ٹائم کم ہے اور اس کے بعد طویل دعائیں مانگنا یعنی ان عبادات سے بہتر دعا کو سمجھنا کیسا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر ایم اسلام خان ماسٹر جنرل اسٹور، سرائے خیر نگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نماز، روزہ تسبیحات اور تلاوت وغیرہ اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں اور دعا بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے، آپ کا تقابل درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ [قٓ: ٣٩]

الدعاء هو العبادة. الحديث (ترمذي، كتاب الصلاة ٢/ ١٢٧) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣؍شوال ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/٥٤٧٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/١٠/٢٣ھ

فرض کے بعد دعا بالجہر کو لازم سمجھنا

سوال [٢٩٩٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر میں فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا بالجہر کا رواج چل پڑا ہے، اور اس رواج سے متعلق مصلیان مسجد وجوب ولزوم کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس کے تارک کو لعنت وملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ اور اس عقیدہ کی بیخ کنی کے جذبہ سے سرشار ایک صحیح العقیدہ مفتی صاحب کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، جیسا کہ چند دن قبل شہر کی مسجد اقصیٰ میں مفتی، خطیب نے اس پر نکیر کی اور دعا بالسر کی ترغیب دی، تو محلّہ کے معدود چند افراد اس کی کھلی مخالفت پر تل گئے، جب کہ بہت بڑا طبقہ خطیب صاحب کی بات کی حمایت میں پیش پیش ہے؛ لیکن دیگر محلوں کے کچھ دیندار احباب جن کا تعلق جماعت، دعوت وتبلیغ سے ہے، انہیں آئندہ کسی دینی مصلحت کے آگے رکاوٹ ہونے کے صرف وہم وخیال نے پریشان کر رکھا ہے (جب کہ اس قسم کی کوئی بات انشاء اللہ نہیں ہوگی) بنا بریں یہ دیندار احباب مفتی صاحب کو اپنا موقف

بدلنے اوراس موقف پرکاربند امام صاحب کومفتی صاحب کی اس بات کی اتباع سے سختی کے ساتھ منع کررہے ہیں؛ لہٰذا مفتی محترم سے عاجزانہ ومؤدبانہ درخواست ہے کہ اولین فرصت میں اس مسئلہ کاحل قرآن وحدیث، نیز عبارات وقواعد فقہیہ کی روشنی میں فرماکرممنون ومشکور فرمائیں، ذرہ نوازی ہوگی۔

المستفتی: امام مسجد اقصیٰ، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دعا آہستہ مانگنا افضل ہے؛ البتہ دعا کی تعلیم مقصود ہوتو بلند آواز سے بھی مضائقہ نہیں؛ لیکن دعا بالجہر کو لازم واجب سمجھنا مکروہ اور بدعت ہے؛ اس لئے کبھی کبھی جہر کرلیا جائے، نیز جولوگ دعا میں شرکت کئے بغیر چلے جائیں، ان کو برا نہ کہا جائے اور نہ ان پرنکیر کی جائے۔ اور مفتی صاحب کا قول اپنی جگہ درست ہے؛ لہٰذا نکیر کرنے والوں کو اپنی بات پر بضد نہ رہنا چاہئے؛ بلکہ کبھی کبھی جہراً اور کبھی کبھی سراً دعا کریں اور سال میں کبھی دعا ترک بھی کردیں، تو بہتر ہے، تاکہ لوگوں کا عقیدہ یہ نہ ہوکہ نماز کے بعد دعا لازم ہے۔

إذا دعا بالدعاء الماثور جهرا، ومعه القوم أيضا ليتعلموا الدعاء لا بأس به، وإذا تعلموا حينئذ يكون جهر القوم بدعة. (هندية، كتاب الكراهية، قبيل الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة، زكريا قديم ٥/ ٣١٨، جديد ٥/ ٣٦٨)

وكل مباح يؤدي إليه (إلى الوجوب) فمكروه الظاهر أنها تحريمية؛ لأنه يدخل في الدين ما ليس منه. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة المريض، كراچی ٢/ ١٢٠، زكريا ٢/ ٥٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۵ھ

نمازوں کے بعد سراً یا جہراً دعا کرنا

سوال [۲۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) آپ کا مبارک فتویٰ جو مورخہ ۲۳/۱۲/۱۴۲۳ھ کو لکھا گیا ملا، آپ نے دو ماہ کے بعد جواب دیا ہے، تسلی بخش جواب ملنے کے لئے دو بارہ آپ کی طرف متوجہ ہوا ہوں، آپ نے امام کی دعا جہراً اور سراً کا جواب لکھا ہے، وہ آپ اپنے رجسٹر میں چیک فرمائیے کہ عیدین اور جمعہ میں دعا کو جہراً ثابت کیا ہے؟ یہاں اختلاف ہونے کی وجہ سے آپ کی خدمت اقدس میں یہ دو کتابوں کے حوالے بھیج رہا ہوں۔ (فتاوی بزازیہ ۴/۴۲، روح المعانی ۸/۱۳۹)

ان دونوں کتابوں میں جہراً کو بدعت بتایا ہے اور آپ نے فتویٰ میں جہراً ثابت کیا ہے اور جہراً پڑھنے پر آپ نے دلیل نہیں دی؛ اس لئے برائے مہربانی نظر ثانی فرمائیے اور آپ کا جواب آنے کے بعد اس کا زیرعکس کرا کر مسجدوں میں لگانا ہے۔ انشاء اللہ

(۲) امام کا دعا میں پابندی سے جہر کرنا کبھی بھی بھول سے سراً نہ کرنا۔

(۳) دعا میں ''اِنّ اللہ وملائکتہ'' کہنا۔

(۴) مسجد میں دعا میں امام کا رونا مسلمانوں کے حالات پر۔

(۵) امام کا جہراً دعا میں ہمیشہ کے لئے جم جانا، آپ سے گزارش ہے کہ یہ چیزیں صحیح ہیں یا غلط؟ بدعت ہیں یا مکروہ؟ جو بھی آپ بتائیں گے ہم اس پر عمل کریں گے۔

المستفتی: آپ کا بھائی حاجی سردار خان سنگ میر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہم نے جہری اور سری دونوں قسم کی دعا کو جائز لکھا ہے، موقع محل کے اعتبار سے جہری دعا بھی کی جاسکتی ہے اور سری دعا بھی کی جاسکتی ہے؛ لیکن سری دعا زیادہ افضل ہے اور اس پر دلائل بھی پیش کئے گئے، پھر اس کے بعد یہ بھی لکھا تھا کہ

کبھی کبھی بڑے مجمع میں جہراً دعا کرنا بہتر ہے، تاکہ حاضرین کو آمین کہنے کا موقع ملے اور دعا کے الفاظ کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے دعا میں زیادہ رغبت پیدا ہوجائے اور رغبت کے ساتھ آمین کہنے کی صورت میں دعا زیادہ قبول ہونے کی امید ہے، پھر اس پر یہ لکھا تھا کہ جمعہ میں امام صاحب موقع محل کے اعتبار سے کبھی سری دعا کیا کریں اور کبھی جہری دعا کیا کریں۔ اور عیدین کی نماز سال بھر میں ایک مرتبہ ہوتی ہے؛ اس لئے اس میں بھی موقع کو دیکھ کر جہر کرنے کی اجازت ہے، اسمیں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔ اور یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ جمعہ یا عیدین میں جہراً دعا کرنا افضل ہے اور یہ بھی نہیں لکھا ہے کہ جمعہ یا عیدین میں جہراً ہی دعا کرنا ثابت ہے؛ بلکہ یہ لکھا ہے کہ سراً دعا کرنا زیادہ افضل ہے، موقع بموقع کبھی کبھی جہر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جمعہ کی نمازوں میں بھی مستقل جہراً دعا کرنے کو ثابت نہیں کیا ہے؛ بلکہ کبھی جہراً اور کبھی سراً دعا کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح عیدین کے بارے میں بھی کبھی جہراً کبھی سراً دعا کی بات لکھی ہے۔ اور تفسیر ''روح المعانی'' اور ''فتاوی بزازیہ'' دونوں کی عبارتیں لکھ لی گئی ہیں۔ ''روح المعانی'' کی عبارت میں تفصیل ہے اور ''بزازیہ'' کی عبارت تشنہ ہے، ''تفسیر روح المعانی'' میں صاحب تفسیر آیت کریمہ ''**ادعوا ربكم تضرعا و خفية**'' سورہ اعراف، آیت: ۵۵ر کی تفسیر کرتے ہوئے ''تضرعا'' کے معنی ''ادعوه علانية'' کے بیان کیا ہے، یعنی جہری دعا کرنا جس میں عاجزی وانکساری اور تذلل وخاکساری کا اظہار بھی ہو اور ''**خفية**'' کے معنی سراً کے بیان کیا ہے، اس آیت کریمہ سے دونوں طرح کی دعا کا ثبوت ہوا۔ صاحب تفسیر نے آگے چل کر بلند آواز سے دعا کو بدعت لکھا ہے اور پھر اس بلند آواز کے ساتھ دعا کا کیا مطلب ہے؟ اس کو بھی واضح کیا ہے کہ کس صورت میں بدعت ہے اور کس صورت میں جائز ہے؟ بدعت کی صورت یہ بیان کی ہے کہ چیخنے اور چلانے میں حد سے تجاوز کر جائے حتیٰ کہ ''**إنه لا يحب المعتدين**'' میں شامل ہوجائے۔ اور مزید اس میں بلند آواز میں ایسے ایسے الفاظ سے دعائیں کی جائیں جو داعی کے لئے کسی طرح مناسب نہیں، جیسا کہ مرتبہ انبیاء کو پہنچنے کے لئے دعا کی جائے اور ابلیس وابوجہل کے جنت میں داخل

ہونے کی دعا کی جائے اور نزول وحی اور مقام نبوت کے لئے دعا کی جائے، تو صاحب روح المعانی کے بدعت کہنے کا مقصد مختلف اقوال کے ذریعہ خود انہوں نے ہی واضح کردیا ہے، پھر آگے چل کر ''وفصل آخرون'' سے دعا سری کس وقت افضل اور دعا جہری کس وقت افضل ہے، اس کو واضح فرمایا ہے۔ اور ''فتاوی بزازیہ'' کی عبارت چونکہ تشنہ ہے، مفصل نہیں ہے، ورنہ وہاں بھی یہ ہی مقصد ہے، چنانچہ انہوں نے اسی طرح بعض مقاصد کو ذکر بھی کیا ہے کہ اگر قوم کو تعلیم اور تنبیہ مقصود ہے تو جہر کیا جائے اور اگر کوئی مقصد نہیں ہے تو جہر کو بدعت کہا ہے۔ اب ''تفسیر روح المعانی'' کی عبارات میں سے ایک عبارت آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں، جس میں بعض حالات میں جہری دعا کو افضل کہا ہے۔ اور بعض حالات میں سری کو افضل کہا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وفصل آخرون، فقالوا: الإخفاء أفضل عند خوف الريا، والإظهار أفضل عند عدم خوفه، وأولیٰ منه القول بتقديم الإخفاء على الجهر فيما إذا خيف الرياء، أو كان في الجهر تشويش على نحو مصل، أو نائم، أو قارئ، أو مشتغل بعلم شرعي، وبتقديم الجهر على الإخفاء فيما إذا خلا عن ذلک، وكان فيه قصد تعليم جاهل أو نحو إزالة وحشة عن مستوحش، أو طرد نحو نعاس، أو كسل عن الداعي نفسه، أو إدخال سرور على قلب مؤمن، أو تنفير مبتدع عن بدعة، أو نحو ذلک. (روح المعاني، سورة الأعراف، آيت: ۵۵، زكريا ۸/ ۱۴۰، قديم مصري ۵/ ۲۰۸، جديد زكريا ۵/ ۲۰۸)

ہم نے اپنے جواب کے رجسٹر سے مراجعت کر کے نظر ثانی کرلی ہے، ہر طرف سے غور وخوض کے بعد نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ دونوں طرح کی دعاؤں کی اجازت ہے، کبھی سری، کبھی جہری اور سری دعا بہر حال جہری کے مقابلہ میں افضل ہے، مگر موقع محل کے اعتبار سے کبھی کبھی جہری دعا بھی افضل ہو جاتی ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی شخص جہری دعا ہی کو عملاً لازم کرلیتا ہے کہ پانچوں نمازوں میں تسلسل کے ساتھ جہری دعا کرتا ہے اور سری

دعا کو کوئی حیثیت نہیں دیتا تو اس شخص کے لئے جہری دعا کا یہ سلسلہ بدعت ہے یا نامناسب الفاظ میں دعا کرتا ہے اور آواز کو بلند کرنے میں اور زور لگانے میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے، تب بھی بدعت ہے، جیسا کہ ''تفسیر روح المعانی'' میں ان باتوں کی وضاحت موجود ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارا پہلا لکھا ہوا جواب اپنی جگہ درست ہے۔

(۲-۵) دعا میں پابندی سے جہر کرنا کبھی بھی بھولے سے سرنہ کرنا التزام مالا یلزم کی وجہ سے مکروہ اور بدعت ہے، جیسا کہ ابھی ہم نے اوپر لکھا ہے، نیز ہمارے پہلے فتوی میں بھی یہی بات لکھی ہوئی ہے، جس کو آپ نے دوبارہ معلوم کیا ہے۔

قال الطيبي: وفيه أن من أصر على مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر. (مرقاة، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، إمداديه ملتان ۲/ ۳۵۳، طيبى كراچى ۳/ ۳۷۴، رقم: ۹۴۲)

وكل مباح يؤدي إليه، فمكروه، قال الشامي: الظاهر أنها تحريمية؛ لأنه يدخل في الدين ما ليس منه. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة المسافر، كراچى ۲/ ۱۲۰، زكريا ۲/ ۵۹۸)

(۳) دعا میں ''**ان الله وملائكته**'' کہنا ثابت نہیں ہے؛ اس لئے کہ فقہاء جہاں دعا کے اول آخر اور وسط میں درود شریف پڑھنے کو مستحب لکھتے ہیں، وہاں اس آیت کریمہ کے پڑھنے کو ذکر نہیں کرتے؛ بلکہ درود شریف پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ونص العلماء على استحبابها في مواضع إلى ما قال: وأول الدعاء وأوسطه وآخره. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچى ۱/ ۵۱۸، زكريا ۲/ ۲۳۰)

(۴) امام صاحب کا دعا کے اندر مسجد میں مسلمانوں کے حالات پررونے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے لئے غائبانہ دعا کرنا ہے، جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ یہ دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

عن عبدالله بن عمرو –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما دعوة أسرع إجابة من دعوة غائب لغائب. (ترمذي، باب ماجاء في دعوة الأخ لأخيه بظهر الغيب، النسخة الهندية ۲/ ۱۹، دارالسلام، رقم: ۱۹۸۰، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱۳/ ۳۳، رقم: ۷٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۲ھ

بعد نماز امام جہراً دعا کرے یا سراً؟

سوال [۲۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے بعد جماعت نماز دعا بالکل آہستہ مانگی جائے۔ اور باقی مقتدیوں کا کہنا ہے کہ امام صاحب دعا زور سے مانگیں، زید کے علاوہ جو مقتدی حضرات ہیں وہ لوگ بہار شریعت کے حصہ سوم کے ص: ۹۲، حدیث: ۴ر کا حوالہ پیش کر کے زید کے قول کو رد کر رہے ہیں، زید یہ کہتا ہے کہ امام صاحب کے زور سے دعا مانگنے سے جو مسبوق ہوتے ہیں، ان کی نماز میں خلل پہنچتا ہے، باقی مقتدی حضرات کہتے ہیں کہ بعد نماز جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زور سے دعا مانگتے تھے؛ لہٰذا زید کا کہنا ٹھیک ہے یا باقی مقتدیوں کا کہنا اچھا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: منصور عالم امام مسجد لوہاروالی چھوٹی منڈی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نمازوں کے بعد آہستہ دعا مانگنا مسنون اور افضل ہے، نیز کبھی کبھی زور سے دعا مانگنا بھی حدیث سے ثابت ہے؛ لہٰذا دونوں صورتوں کی تفصیل یوں ہوگی کہ عام حالات میں اور نمازوں کے بعد آہستہ دعا مانگنے کا معمول ہونا چاہئے؛ اس لئے

کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ **أي الجاهرين بالدعاء.** (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زكريا ٢/ ٣٣٦، كوئٹه ٢/ ١٩٢)

والسنة أن يخفي صوته بالدعاء. (الجوهرة النيرة، كتاب الحج، إمداديه ملتان ١/ ١٩٣، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٨٩)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أربعوا على أنفسكم إنكم لا تدعون أصم، ولا غائبا، إنكم تدعون سميعا قريبا، وهو معكم. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، النسخة الهندية ٢/ ٦٠٥، رقم: ٤٠٥٢، ف: ٤٢٠٢)

لیکن اگر دوسرے نمازیوں اور مسبوقین کی نمازوں میں خلل کا اندیشہ نہ ہو تو کبھی جہری دعا میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جیسا کہ (مسلم، كتاب المساجد، باب الذكر بعد الصلوة، النسخة الهندية ١/ ٢١٧، بيت الأفكار، رقم: ٥٨٣) کی روایت سے جواز معلوم ہوتا ہے، جس کا حوالہ ''بہار شریعت'' میں دیا گیا ہے۔ اور اگر دوسرے نمازیوں اور مسبوقین کی نماز میں خلل کا اندیشہ ہے تو جہری دعا مانگنا مکروہ ہوگا؛ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس صورت میں ہے کہ جب کسی کی نماز میں خلل کا اندیشہ نہیں رہا ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۹۴/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱/۱۴۲۰ھ

نماز کے بعد جہراً دعا مانگیں یا سراً؟

سوال [۲۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید امامت کرتا ہے اور پانچوں وقت کی نماز کے بعد آہستہ سے دعا مانگتا ہے، بعض

مقتدی حضرات امام پر اعتراض کرتے ہیں کہ امام صاحب آپ پانچوں وقت کی نماز میں دعا بلند آواز سے کریں، خواہ اردو میں ہو یا عربی میں، درود شریف بھی بلند آواز سے پڑھئے، تاکہ ہم سب آمین کہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر نماز کے بعد دعا میں بلند آواز سے ایک بار یہ دعا ضرور پڑھو، دعا یہ ہے: **اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.**

اور کہتے ہیں کہ فلاں مسجد کے امام صاحب یہ دعا پڑھتے ہیں، وہاں جا کر دیکھا اور معلوم بھی کیا، تو وہاں ہر نماز کے بعد امام بلند آواز سے دعا میں قرآن کریم کی چند آیات پڑھ کر یہی دعا امام صاحب بلند آواز سے پڑھتے ہیں جو اوپر گذری، تو مقتدی حضرات بلند آواز سے درود شریف پڑھنے لگتے ہیں اور دعا ختم ہو جاتی ہے، وہاں کا امام عالم نہیں ہے، تو یہ دعا پڑھنا کیسا ہے اور امام صاحب کے لئے کیا حکم ہے کہ کس طرح دعا کریں بلند آواز سے یا آہستہ، سنت طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد اقبال، امام مسجد بلال والی سیکر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زید امام کا آہستہ دعا مانگنا یہی مسنون اور افضل طریقہ ہے اور مقتدیوں کے لئے بھی آہستہ دعا مانگنا مسنون اور افضل ہے، کسی خاص دعا کا زبردستی پڑھوانا درست نہیں؛ بلکہ جو دعا بھی چاہے پڑھنا جائز ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ.﴾ أي الجاهرين بالدعاء. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زكريا ٢/ ٣٣٦، كوئٹه ٢/ ١٩٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩ر محرم الحرام ١٤٢٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/ ٥٩٨٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/١/١٤٢٠ھ

نماز میں سری و جہری دعا کرنا کیسا ہے؟

سوال [۲۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جمعہ کی نماز میں دعا سراً کی جائے گی یا جہراً؟ یہ مسئلہ صرف جمعہ کی نماز اور عیدین کی نماز کا ہے، جب کہ بلند آواز کو بدعت اور مسجد کے آداب کے خلاف بتایا جاتا ہے اور یہ بدعت مولوی صاحبان بتاتے ہیں؛ لیکن ان کے پاس نہ کوئی فتویٰ ہے اور نہ کوئی سند، مسئلہ کا حل کیا ہے؟

المستفتی: حاجی سردار خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دعا سراً اور جہراً دونوں طرح جائز اور مشروع ہے؛ لیکن سری دعا زیادہ افضل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

ادْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. [الأعراف: ۵۵]

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ. [الأعراف: ۲۰۵]

اور جہری دعا کو بدعت نہیں کہا جا سکتا ہے، ہاں البتہ اگر کوئی جہری دعا کو ہی دعا سمجھتا ہو اور سری کو کوئی حیثیت نہ دیتا ہو، اسی وجہ سے جہری دعا کی پابندی کرتا ہو، تو ایسی صورت میں التزام مالا یلزم کی وجہ سے بدعت کہا جا سکتا ہے، ورنہ وقتاً فوقتاً اور کبھی کبھی جہری دعا کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، نیز کبھی بہت بڑے مجمع میں جہری دعا کرنا اور پورے مجمع کا آمین کہنا سری سے افضل ہوجاتا ہے، جیسا کہ تبلیغی اجتماعات میں ہوتا ہے، اس میں سے بھاری تعداد کے لوگ صرف دعا میں شرکت کی نیت سے ہی جاتے ہیں؛ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جمعہ کی نمازوں میں کبھی سری دعا کی جائے اور کبھی کبھی جہری بھی کی جائے اور عیدین کی نماز سال بھر میں ایک

مرتبہ ہوتی ہے؛ اس لئے اس میں بھی جہری دعا کرنے میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔ اور اگر کوئی شخص سری دعا کرتا ہو تو اس پر بھی اعتراض نہ ہونا چاہئے۔

عن سلمان –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: ما رفع قوم أكفهم إلى الله عز وجل يسألونه شيئا إلا كان حقا على الله أن يضع في أيديهم الذي سألوا. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٦/ ٢٥٤، رقم: ٦١٤٢)

من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، كراچى ٣/ ٣٧٤، رقم: ٩٤٢، مرقاة شرح مشكوة، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، إمداديه ملتان ٢/ ٣٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۱۲/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۲/۲۳ھ

نماز کے بعد بآواز بلند دعا کرانا

سوال [۲۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب ظہر، مغرب اور عشاء کی نماز میں بھی کعبہ کی طرف سے منہ پھیر کر آواز کے ساتھ دعا مانگتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح دلائل کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اسحاق حسین، لالباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر اور عصر کے علاوہ دیگر نمازیں جن کے بعد متصلاً سنتیں ہوتی ہیں، ان نمازوں کے بعد متصلا امام کا مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھنا کہیں نظر سے

نہیں گذرا اور جہراً دعا کرنے کا مقصد اگر یہی ہے کہ مقتدی لوگ آمین کہیں گے، تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ البتہ رسمی طور پر کرنا ممنوع ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۸۰۷)

عن سلمان –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: ما رفع قوم أكفهم إلى الله عز وجل يسألونه شيئا إلا كان حقا على الله أن يضع في أيديهم الذي سألوا. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٦/ ٢٥٤، رقم: ٦١٤٢)

عن حبيب بن مسلمة الفهري، وكان مستجابا، أنه أمر على جيش فدرب الدروب، فلما لقى العدو، قال للناس: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يجتمع ملأ، فيدعو بعضهم، ويؤمن سائرهم، إلا أجابهم الله.

(المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٤/ ٢١/ رقم: ٣٥٣٦، المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى الباز، بيروت، جديد ٦/ ٢٠٢٣، رقم: ٥٤٧٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۸ھ

سجدہ میں سر رکھ کر دعا مانگنا

سوال [۲۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ صاحبان نماز وتسبیحات کے بعد اس طرح سے سجدہ میں سر رکھ کر دیر تک دعا مانگتے ہیں کہ ان کی کلائیاں زمین پر بچھی رہتی ہیں اور ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوتی ہیں، اس طرح دعا مانگنا کیا صحیح ہے؟ عقیدت، انکساری، عاجزی اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ قربت کے احساس سے دعا مانگنا بہتر عمل ہے۔ کیا ایسا عمل حدیث شریف یا بزرگان دین سے ثابت ہے؟ اگر نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح سجدے میں سر رکھ کر یعنی ہاتھوں کی کیا کیفیت

رہی اور کس طرح دعا مانگی اور امت کے لئے کیا ہدایت فرمائی؟

المستفتی: محمد نبی خان زیارت شاہ بلاقی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے علاوہ سجدہ کی حالت میں دعا مانگنا بعض حدیث سے ثابت ہے اور اس میں ہاتھوں کو اسی حالت میں رکھنا چاہئے، جس طرح سجدہ کی حالت میں رکھا جاتا ہے اور یہ بات بھی یاد رکھئے کہ سجدہ کی حالت میں دعا کرنا جائز اور درست ہے؛ لیکن اس کا معمول بنا لینا درست نہیں ہے۔

عن علي – رضي الله عنه– قال: لما كان يوم بدر قاتلت شيئا من قتال، ثم جئت إلى رسول الله ﷺ أنظر ما صنع، فجئت، فإذا هو ساجد يقول: يا حي يا قيوم، يا حي يا قيوم، ثم رجعت إلى القتال، ثم جئت، فإذا هو ساجد لايزيد على ذلك، ثم ذهبت إلى القتال، ثم جئت، فإذا هو ساجد يقول ذلك، ففتح الله عليه. (السنن الكبرى للنسائي، كتاب عمل اليوم والليلة، الاستنصار عند اللقاء، دار الكتب العلمية، بيروت ٦/ ١٥٦–١٥٧، رقم: ١٠٤٤٧، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٢/ ٢٥٤، رقم: ٦٦٢)

عن علي بن أبي طالب– رضي الله عنه– قال: لما كان يوم بدر قاتلت شيئا من قتال، ثم جئت مسرعا إلى النبي ﷺ لأنظر ما فعل، فإذا هو ساجد يقول: يا حي يا قيوم، يا حي يا قيوم، لا يزيد عليهما، ثم رجعت إلى القتال، ثم جئت، وهو ساجد يقول ذلك، ففتح الله عليه. (الطبقات الكبرى، دارالكتب العلمية ٢/ ١٩، البداية والنهاية، دارالفكر ٣/ ٢٧٦)

اور دعاؤں میں جتنی زیادہ سے زیادہ عاجزی وانکساری ہو اور دعا کی قبولیت کی عقیدت ہو اتنا ہی افضل اور اعلیٰ ہے، چاہے سجدہ کی حالت میں دعا کی جائے یا کسی اور حالت میں۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً. [الأعراف: ٥٥]

إعلم أن المقصود من الدعاء أن يصير العبد مشاهدًا لحاجة نفسه، ولعجز نفسه، ومشاهدًا لكون مولاه موصوفا بكمال العلم والقدرة والرحمة، فكل هذه المعاني دخلت تحت قوله: ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً.

(تفسير كبير، سورة الأعراف: ٥٥، ١٤/ ١٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۰۸)

فرض نماز کے بعد فوراً سجدہ کرنا

سوال [۲۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص فرض نماز پڑھنے کے بعد فوراً سجدہ کرتا ہے، جس سے کافی لوگوں میں اس بات کا چرچا ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے، جب کچھ لوگوں نے اس کو اس سے منع کیا تو اس کے جواب میں کہا کہ مجھے جوش آتا ہے، جس کی وجہ سے میں سجدہ کرتا ہوں اور یہ بدعت نہیں؛ بلکہ جائز ہے، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتی: سعید احمد دھینگر پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح بلاوجہ پابندی کے ساتھ فرائض کے بعد سجدہ کرنا شریعت میں ثابت نہیں؛ بلکہ علماء نے نماز کے فوراً بعد سجدۂ شکر کو بھی مکروہ لکھا ہے؛ لہٰذا اس عمل سے اس طریقہ پر اجتناب واحتراز لازم ہے۔

لكنها تكره بعد الصلاة؛ لأن الجهلة يعتقدونها سنة، أو واجبة، وكل

مباح يؤدى إليه فمكروه. (درمختار على الشامي، باب سجود التلاوة، مطلب في سجدة الشكر، زكريا ۲/ ۵۹۸، كراچى ۲/ ۱۲۰)

وسجدة الشكر مستحبة به يفتي لكنها تكره بعد الصلاة؛ لأن الجهلة يعتقدون أنها سنة، أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فهو مكروه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في سجدة الشكر مكروهة مكتبه دارالكتاب ديوبند۱/ ۵۰۰، الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب الصلاة، المطلب الثالث سجدة الشكر ۲/ ۱۲۲، مكتبه هدى انٹرنيشنل) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۴/۱۴۲۲ھ

فرائض کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ”یا قویّ“ پڑھنا

سوال [۲۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرض نمازوں کے بعد عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگ اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو پیشانی پر رکھ کر ”یاقوی یاقوی“ سات مرتبہ پڑھتے ہیں، یا گیارہ مرتبہ، کیا اس طرح پڑھنے کا ثبوت کسی حدیث سے ہے، یا یہ بزرگوں اور مشائخ کا وظیفہ ہے؟

المستفتی: بشیر عالم تلجا پور، عثمان آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فرض نماز کے بعد دائیں ہاتھ کو سر پر رکھ دعا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، نفس ”یاقوی“ پڑھنے کا ثبوت حدیث سے نہیں ہے؛ البتہ اس کو بطور وظیفہ کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم ۲/ ۲۱۱، فتاوی عثمانی ۲۶۳)

اور حدیث شریف میں اس موقع پر پڑھنے کی جو دعا مذکور ہے وہ حسب ذیل ہے:

وكان ﷺ إذا صلى، وفرغ من صلاته مسح بيمينه على رأسه،

وقال: بسم الله الذي لا إله إلا هو الرحمن الرحيم، اللهم اذهب بالهم والحزن. (حصن حصين، ص: ۷۵)

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: کان رسول الله ﷺ إذا قضی صلاته مسح جبهته بيده اليمنی، ثم قال: أشهد أن لا إله إلا الله الرحمن الرحيم، اللهم اذهب بالهم والحزن. (عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، نوع آخر، مؤسسة علوم القرآن ۱/ ۱۰۱، رقم: ۱۱۲، الدعاء للطبراني ۱/ ۲۰۹، رقم: ۶۵۸، ۱/ ۲۱۰، رقم: ۶۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

بعد نماز عصر وفجر سر پر ہاتھ رکھ کر ”یا قویّ“ پڑھنا

سوال [۲۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعد نماز عصر اور بعد نماز فجر سر پر ہاتھ رکھ کر ”یا قویّ“ گیارہ مرتبہ پڑھا جاتا ہے، تو بعض لوگ بدعت کہتے ہیں، صحیح کیا ہے؟

المستفتی: جرار احمد قاسمی، امام جامع مسجد بھنڈیہ پوسٹ خاص، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بطور علاج کے یہ عمل کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے سر کے چکر ختم ہونے کا تجربہ ہے اور اسی مقصد کے لئے یہ عمل کیا جاتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کا مقصد عبادت یا رسم جاری کرنا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اپنا ایک علاج ہے، اس طرح سے تجربہ کردہ فعل کا اختیار کرنا بطور علاج جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، جیسا کہ ”شامی“ کی ذیل کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے:

وكذا اختاره صاحب الهداية في التجنيس، فقال: لو عرف فكتب

الفاتحة بالدم على جبهته وأنفه جاز للاستشفاء، وبالبول أيضا إن علم فيه شفاء لا بأس به. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في التداوي بالمحرم، زكريا ١/ ٣٦٥، كراچی ١/ ٢١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۷۷ ۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۸ھ

دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرتے وقت کلمۂ طیبہ پڑھنا

سوال [۳۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک شخص نماز کے بعد دعا کرتا ہے اور دعا کے آخری الفاظ **"لا الـــــه الا الله محمد رسول الله"** کہہ کر چہرہ پر ہاتھ پھیر دیتا ہے۔ اوران الفاظ کو کہنا ضروری سمجھتا ہے، تو کیا اس بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی حکم ہے؟

(۲) اور بعض لوگ: **"لا اله الا الله محمد رسول الله"** سے پہلے لفظ "بحق" کو بڑھا کر کہتے ہیں اور پھر چہرہ پر ہاتھ پھیر دیتے ہیں، یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۳) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں **"لا اله الا الله محمد رسول الله"** پڑھ کر چہرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے؟

(۴) کیا نماز کا سلام پھیرنے کے بعد کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **"لا اله الا الله محمد رسول الله"** پڑھا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ سلام کے بعد زور سے پڑھنا چاہئے اور بعض یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آہستہ پڑھنا چاہئے، کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یحییٰ منی پوری، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے بعد سلام پھیر کر کلمۂ طیبہ کا پڑھنا آہستہ یا زور سے کسی حدیث سے ثابت نہیں، نیز دعاؤں کے اخیر میں بھی کلمۂ طیبہ پڑھنا کسی حدیث میں ثابت نہیں؛ البتہ ہاتھ اٹھا کر دعا کے بعد اخیر میں چہرہ پر ہاتھ پھیرنا حدیث سے ثابت ہے؛ لہٰذا آخری عمل جاری رکھا جائے اور بقیہ امور ترک کردئے جائیں۔

كان رسول الله ﷺ إذا رفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه. (ترمذي، أبواب الدعوات، باب ماجاء فی رفع الأيدي عند الدعاء، النسخة الهندية ٢/ ١٧٦، دارالسلام، رقم: ٣٣٨٦، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم، مدينة المنورة ١/ ٢٤٣، رقم: ١٢٩، الدعاء للطبراني ١/ ٨٧، رقم: ٢١٢، المستدرك، كتاب الدعاء والتكبير، مكتبه نزار مصطفى، جديد ٢/ ٧٤٨، رقم: ١٩٦٧)

عن ابن عباس – رضي الله عنه – قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا سألتم الله فاسألوه ببطون أكفكم، ولا تسألوه بظهورها، وامسحوا بها وجوهكم. (المستدرك، كتاب الدعاء والتكبير، مكتبه نزار مصطفى ٢/ ٧٤٩، رقم: ١٩٦٨، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٠/ ٣١٩، رقم: ١٠٧٧٩، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ١/ ٢٠٩، دارالسلام، رقم: ١٤٨٥) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۴/۵۹۷)

فجر کے بعد دعا سے قبل امام صاحب کا ''یٰسین'' پڑھ کر سنانا

سوال [۳۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

فجر کی فرض نماز کے بعد دعا کرنے سے پہلے امام صاحب سورۂ ''یٰسین'' پڑھتے ہیں اور سب مقتدی چپ چاپ سنتے ہیں، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں یا مکروہ تحریمی ہے، یا بدعت؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے بعد دعا سے پہلے امام کا سورۂ ''یٰسین'' پڑھنا اور مقتدیوں کا سنتے رہنے کا معمول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔ سورۂ ''یٰسین'' کا پڑھنا اچھی بات ہے؛ اس لئے اگر کبھی کبھی پڑھ لی جائے تو مضائقہ نہیں؛ لیکن اس کا معمول بنانا درست نہیں، اس سے غیر لازم چیز کا عملاً لازم سمجھنے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

وفي الخجندي: إمام يعتاد كل غداة مع جماعته قراء ة آية الكرسي، وآخر البقرة، وشهد الله ونحوهما جهرا لا بأس به، والأفضل الإخفاء.

(عالمگیری، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح، وقرأء ة القرآن، زكريا قديم ٥/ ٣١٧، جديد ٥/ ٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/۴/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۲۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۴/۱۴۲۴ھ

ہر روز فجر کے بعد امام صاحب کا ''سورۂ یٰسین'' پڑھنا اور مقتدی کا سننا

سوال [۳۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت امام صاحب روزانہ فجر کی نماز کے بعد سورۂ ''یٰسین'' شریف پڑھیں اور مقتدی اس کو سنیں اور اس پر پابندی بھی کریں، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟ اگر کریں تو بدعت میں سے تو شمار نہیں کیا جائے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کا رواج تھا یا نہیں؟ اس کا

جواب کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل فرمانے کی زحمت گوارہ کریں۔

المستفتی: محمد مسعود، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سورۂ ''یٰسین'' شریف پڑھنا اور سننا ہر حال میں جائز اور باعث خیر وبرکت ہے؛ لیکن اس طرح معمول بنا لینے کی وجہ سے بعد میں چل کر لوگوں کے ذہنوں میں غیر لازم امر کے لازم ہونے کی بات پیدا ہوسکتی ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا یہی عمل سمجھا جاسکتا ہے؛ اس لئے اس خرابی سے بچنے کے لئے سوال نامہ میں درج کردہ طریقہ اختیار کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، نیز ایسا طریقہ اختیار کرنا حضرات فقہاء نے مکروہ اور بدعت لکھا ہے۔

وقراءة الفاتحة بعد المكتوبة لأجل المهمات مخافتة أو جهرا مع الجمع مكروهة (إلى قوله) قراءة الكافرون إلى الآخر مع الجمع مكروهة؛ لأنها بدعة لم تنقل عن الصحابة، ولا عن التابعين رضى الله عنهم.

(عالمگیری، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة والتسبيح وقراءة القرآن، زكريا قديم ٥/ ٣١٦، ٥/ ٣١٧، جديد ٥/ ٣٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۸۰۷۲)

نماز کے بعد ''جب پڑے مشکل شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو'' پڑھنا

سوال [۳۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو	☆	جب پڑے مشکل شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو

اس مناجات کو بعد از نماز دعا میں پڑھنا کیسا ہے؟ مفتی محمد ایوب صاحب کا فتوی ہے کہ بلاشبہ

جائز ہے؛ اس لئے کہ مشکل کے وقت مشکل کشا کو یاد کرنا بہت بہتر ہے، اس مناجات کے بارے میں اظہار خیال کریں۔

المستفتی: محمد ہارون رضا محلّہ بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ''شہ مشکل کشا'' سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور عقیدہ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور وسیلہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مرادیں اور مشکلات حل فرماتے ہیں، تو بلا شبہ اس شعر کو پڑھنا جائز ہے اور پڑھنے کے لئے کسی خاص وقت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ کسی بھی وقت پڑھ سکتے ہیں، صرف نماز کے بعد کی دعا میں لازم کر لینا التزام مالا یلزم کی وجہ سے مکروہ ہوگا؛ بلکہ عام حالات میں کسی بھی وقت پڑھی جاسکتی ہے۔

من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، كراچی ٣/ ٣٧٤، رقم: ٩٤٢، مرقاة شرح مشكوة، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، إمداديه ملتان ٢/ ٣٥٣)

حضور ﷺ کی شفاعت اور حضور ﷺ کے وسیلہ اور برکت سے دعا کی قبولیت حق ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۰/۳۳، جدید ڈابھیل ۱/۳۶۶)

عن عثمان بن حنيف -رضي الله عنه- أن رجلا ضرير البصر أتي النبي صلى الله عليه وسلم فقال: ادع الله أن يعافيني، قال: إن شئت دعوت، وإن شئت صبرت، فهو خير لک، قال: فادعه قال: فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه، ويدعو بهذا الدعاء: اللّهم إني أسئلک وأتوجه إليک بنبيک محمد نبي الرحمة إني توجهت بک إلى ربي في حاجتي هذه لتقضي لي، اللهم فشفعه في. هذا حديث حسن صحيح. (سنن الترمذي، أبواب

الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۹۸، دارالسلام، رقم: ۳۵۷۸)

ومن آداب الدعاء: تقديم الثناء على الله والتوسل بالنبي يستجاب.

(حجة الله البالغة ۲/ ٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۱۲ھ

نماز کے بعد بلند آواز سے کلمۂ طیبہ پڑھنا

سوال [۳۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت کی نماز کے بعد بلند آواز سے کلمۂ طیبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: قاری محمد گل حسن عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''مسلم شریف'' (کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ ۱/ ۲۱۸) کی بعض روایات سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے؛ لیکن یہ عمل شروع میں تھا، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازوں کے بعد کے ذکر ودعا سے ناواقف تھے اور جب بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا علم ہوگیا تو جہری ذکر وغیرہ کا سلسلہ ختم کردیا گیا، سب اپنے طور پر آہستہ کرنے لگے؛ اس لئے نووی نے اس کی نکیر حنفیہ کی طرف منسوب کرکے نقل فرمائی ہے۔ (نووی علی ہامش مسلم، مکتبہ دارالسلام سہارنپور ۱/ ۲۱۷) اور اسی وجہ سے خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں یہ عمل بالکل ختم ہو چکا تھا؛ بلکہ ایسا کرنے والوں کو بدعتی کہا جاتا تھا، چنانچہ ایک جماعت نے ایسا عمل کیا تو ان سب کو بدعتی کہہ کر مسجد سے باہر نکال دیا گیا؛ لہٰذا ایسا عمل بدعت اور قابل ترک ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

عن ابن مسعود -رضي الله عنه- أنه أخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبي صلى الله عليه وسلم جهرا، وقال لهم: ما أراكم إلا مبتدعين. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، زكريا ۹/ ۵۷۰، كراچی ٦/ ۳۹۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/ ۲۵۱، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الكراهية، الفصل الرابع رفع الصوت عند قراءة القرآن، زكريا ۱۸/ ۵۷، رقم: ۲۸۰۲۲)

أنظر لهذا الأثر بمعناه: (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۳/ ۲۲۱، رقم: ۵٤۰۹، ۳/ ۲۲۲، رقم: ۵٤۱۰، المعجم الكبير للطبراني دار إحياء التراث العربي ۹/ ۱۲۵، رقم: ۸٦۳۰، ۹/ ۱۲٦، رقم: ۸٦۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	**الجواب صحیح:**
۱۶/ رجب ۱۴۲۰ھ	**احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ**
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۶۳)	**۱۴۲۰/۷/۱۶ھ**

سنن ونوافل کے بعد اجتماعی طور پر جہراً دعا کرنا

سوال [۳۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر امام نے نماز فرض کے بعد دعا مانگی پھر امام اور سب مقتدی سنن ونوافل سے فارغ ہوکر اکٹھے ہوکر بیٹھ گئے اور امام نے ان کے سامنے بیٹھ کر بلند آواز سے مفصل دعا مانگی اور مقتدیوں نے آمین کہی، تو یہ طریقہ کیوں کر جائز اور کیوں کر جائز نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن موسیٰ، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنن ونوافل کے بعد سب کا اکٹھے ہوکر دعا مانگنے کا طریقہ کہیں منقول نہیں، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور نہ صحابہ سے اور نہ ائمۂ مجتہدین وفقہاء سے ثابت ہے، یہ طریقہ خلاف سنت بے اصل، من گھڑت اور بلا دلیل ہے؛ اس لئے واجب

الترک ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ،قدیم ۳/ ۲۸۰، ۳/ ۲۸۸، ۳/ ۲۹۱، جدید زکریا ۳/ ۳۳۰، ۳۳۷، ۳۴۰، ۳، زکریا مطول ۴/ ۴۵، احسن الفتاوی، زکریا ۱/ ۳۴۴، ۱/ ۳۴۶، فتاوی رحیمیہ، قدیم ۱/ ۲۱۵، جدید زکریا ۶/ ۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۶۱)

نماز عصر کے بعد ’’پانچ منٹ کا مدرسہ‘‘ مائک میں پڑھنا

سوال [۳۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز عصر کے بعد دعا سے پہلے ہماری مسجد میں ’’۵ر منٹ کا مدرسہ‘‘ کے عنوان سے کتاب پڑھی جاتی ہے، جس میں قرآن وحدیث کا درس ہوتا ہے؛ لیکن وہ مسبوق نمازی جن کی دو تین رکعت رہ جاتی ہیں، اس کی ادائیگی میں لاؤڈ اسپیکر پر درس ہونے کی وجہ سے خلل واقع ہونا فطری بات ہے، تو کیا یہ درس بغیر لاؤڈ اسپیکر کے ہونا چاہئے یا لاؤڈ اسپیکر پر ہی ہونا چاہئے؟ واضح طور پر اپنی رائے کا اظہار فرمائیں کیا بہتر ہے؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عصر کی نماز کے بعد دعا سے پہلے ’’پانچ منٹ کا مدرسہ‘‘ کا سلسلہ ایک اچھا کام ہے، مگر اس کی وجہ سے فرض نماز کے مسبوقین کی نمازوں میں خلل نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ مسبوقین کی نماز بھی اطمینان سے پوری ہوجائے اور پانچ منٹ کا مدرسہ بھی چلتا رہے، اس کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد اتنی دیر تک تسبیح وغیرہ میں مصروف ہوجائے جتنی دیر میں مسبوقین فارغ ہوجائیں، اس کے بعد پانچ منٹ کا مدرسہ چلے، پھر اس کے بعد دعا کی جائے؛ لیکن اگر

مسبوقین کی فراغت کا انتظار نہیں کرنا ہے، تو پھر مائک میں نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ ہلکی آواز کے ساتھ قریب کے لوگوں کو سنانا چاہئے یہ کام آپس کے مشورے اور سب کے اتفاق سے چلنا چاہئے اختلاف وانتشار کا سبب نہیں بنانا چاہئے۔

یکره رفع الصوت بالذكر في المسجد إن ترتب عليه تهويش على المصلين، وإلا فلا يكره. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلاة، باب ما يكره فعله في المساجد و ما لا يكره، رفع الصوت في المسجد، دارالفكر ۱/ ۲۸٦، مكمل جديد ۳/ ۱٦۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۲۹)

تعلیم دعا سے قبل ہو یا بعد میں

سوال [۳۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اکثر مساجد میں بعد نماز عصر وفجر از ۵؍تا ۷ منٹ کتابی تعلیم کا معمول رہتا ہے اور عموماً یہ معمول دعا کے بعد ہوتا ہے؛ لیکن بعض ائمہ تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہو کر قبل از دعا کتاب کی تعلیم کرتے ہیں، ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ افادہ عام ہوگا اور زیادہ سے زیادہ لوگ جڑیں گے؛ کیوں کہ اختتام دعا پر یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع کتابی تعلیم قبل از دعا ہونی چاہئے یا بعد دعا، نیز ائمہ حضرات کا یہ موقف کہ قبل از دعا کتابی تعلیم افادۂ عام وکثرت عوام کا باعث ہوگی، کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: محمد رضوان، مدرسہ امداد العلوم، حیدر آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کتابی تعلیم دعا سے پہلے کرنے کی وجہ سے بعد میں آنے والے نمازیوں اور مسبوقین کی نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو تو کتابی تعلیم دعا سے پہلے

نہیں ہونی چاہئے اور اگر دعا سے پہلے اتنی دیر توقف کے بعد تعلیم شروع کی جائے جتنی دیر میں بعد میں آنے والے تمام نمازی اور مسبوقین اپنی نماز سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں اور اس تعلیم کی وجہ سے کسی کی نماز میں خلل نہ پڑتا ہو تو دعا سے پہلے تعلیم میں کوئی حرج نہیں اور نمازیوں کے خلل کے خدشہ سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ دعا کے بعد کتابی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا جائے، جیسا کہ پورے ملک کے طول وعرض میں یہی معمول چلا آرہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۸۲/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۴۳/۴۰)

دعا سے قبل تعلیم کرنا

سوال [۳۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ کی مسجد میں عام دنوں میں ''فضائل اعمال'' وغیرہ کی تعلیم نماز فجر اور دعا سے فراغت کے بعد ہوتی ہے؛ لیکن رمضان المبارک میں آنے والے اکثر نئے نمازیوں میں یہ ماحول بن چکا ہے کہ وہ دعا کے بعد فوراً منتشر ہو جاتے ہیں، مختصر سی تعلیم میں بھی شریک نہیں رہتے، ایسی صورت میں خاص کر رمضان المبارک میں عام دنوں کے خلاف اس ارادہ سے دعا کو تعلیم سے مؤخر کرنا، تاکہ لوگ دعا کا انتظار کرتے ہوئے تعلیم میں شریک رہیں، تو کیا اس طرح دینی مفاد کی خاطر لوگوں کو دعا کے انتظار میں لگا کر کچھ دیر تعلیم میں شریک رکھنے کی کوشش کرنا امر مستحب پر تشدد تو نہیں کہلائے گا؟ جب کہ لوگوں کو اس سے کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے۔

المستفتی: محمد عرفان الدین بن احمد پاشاہ، آندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دعا میں شرکت کرنا جس طرح لازم نہیں ہے، اسی طرح

تعلیم میں شرکت کرنا بھی لازم نہیں ہے؛ لہٰذا دعا سے پہلے تعلیم کا سلسلہ جاری کرنا ہو تو تعلیم کا وقفہ نہایت مختصر ہونا چاہئے، پس اگر دعا سے پہلے بہت مختصر تعلیم کا سلسلہ ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جس سے لوگوں پر گرانی نہ ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۰/ ۲۶۶، جدید میرٹھ ۵/ ۱۸۰)

عن ابن مسعود – رضي الله عنه – قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولنا بالموعظة في الأيام كراهة السآمة علينا. (بخاري شريف، كتاب العلم، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة في الأيام، النسخة الهندية ١/ ١٦، رقم: ٦٩، ف: ٦٨)

ويستفاد من الحديث استحباب ترك المداومة في الجد في العمل الصالح خشية الملال، وإن كانت المواظبة مطلوبة. (فتح الباري، قديم بيروت ١/ ١٩٦، جديد أشرفيه ١/ ١٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۷/ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۹۱۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

فرائض اور نوافل کے درمیان دعاؤں کے ذریعہ فصل کرنا

سوال [۳۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگ قریب قریب ہر نماز فرض میں جن کے بعد سنت ونوافل بھی ہیں، اتنی دیر تک بیٹھ کر ذکر یا دعائیں مانگتے ہیں کہ دوسرے نمازی سنت ونوافل تک پڑھ لیتے ہیں، جب کہ ہدایت ہے کہ جن فرضوں کے بعد سنت ونوافل ہیں دعاؤں میں اختصار کیا جائے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل بھی ہیں، ان میں

فرض نمازوں کے سلام پھیرنے کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر ذکر ودعا میں مشغول رہنا اور فرض وسنتوں کے درمیان کچھ دیر فصل کرنا حدیث پاک سے ثابت ہے، ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ فرض نماز کے فوراً بعد ایک شخص سنتوں کے لئے کھڑا ہوگیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا گریبان پکڑ کر زور سے کھینچ کر بیٹھا دیا اور فرمایا کہ پچھلی امتیں فرض اور سنت کے درمیان فصل نہیں کرتی تھیں، یہ بات ان کے لئے ہلاکت کا باعث بنی، حضور پاک ﷺ نے اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی۔ حدیث شریف حسب ذیل ہے:

عن الأرزق بن قيس، قال: صلى بنا إمام لنا، يكني أبارمثة، فقال: صليت هذه الصلوة، أو مثل هذه الصلوة مع النبي ﷺ قال: وكان أبو بكر وعمر يقومان في الصف المقدم عن يمينه، وكان رجل قد شهد التكبيرة الأولى من الصلاة، فصلى نبي الله صلى الله عليه وسلم، ثم سلم عن يمينه، وعن يساره، حتى رأينا بياض خديه، ثم انفتل كانفتال أبي رمثة، يعني نفسه، فقام الرجل الذى أدرك معه التكبيرة الأولى من الصلاة يشفع، فوثب إليه عمر، فأخذ بمنكبيه فهزه، ثم قال: اجلس، فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلا أنهم لم يكن بين صلواتهم فصل، فرفع النبي صلى الله عليه وسلم بصره، فقال: أصاب الله بك يا ابن الخطاب. (أبوداؤد شريف، الصلاة، باب في الرجل يتطوع فى مكانه الذى صلى فيما المكتوبة، النسخة الهندية ٢/ ١٤٤، دارالسلام، ١٠٠٧، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٢/ ٢٨٤، رقم: ٧٢٨، المستدرك للحاكم، كتاب الصلاة، مكتبه نزار مصطفى، جديد ١/ ٣٩٥، رقم: ٩٩٦، مشكوة شريف ١/ ٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۱/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۸ھ

فرائض وسنن میں فصل کرتے ہوئے اوراد وظائف پڑھنا

سوال [۳۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جن فرضوں کے بعد سنت ونوافل ہیں، ان میں جماعت کے بعد اجتماعی دعا کے بعد بھی اتنی دیرتک بیٹھ کر کچھ پڑھنے کو اپنے اوپر واجب کرلینا کہ دوسرے متقدی دوسنت دونفل آرام سے پڑھ لیں، جب کہ جلدی کی تاکید اکثر مفتیان نے فرمائی ہے؟

(۲) جماعت کے بعد سنت ونوافل کے لئے جگہ بدلنے کو اپنے اوپر لازم کرلینا بھلے ہی دوسرے لوگوں کی نماز میں خلل واقع ہو، اکثر اتر سے دکھن کی جانب چلے جانا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال، اتراکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل کا ثبوت ہے، ان فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے تھوڑی دیر کے لئے اپنی جگہ بیٹھ کر ذکر ودعا اور اوراد وظائف پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس میں اتنی شدت نہیں ہے کہ فرض نماز سے فراغت کے بعد فوراً سنن پڑھی جائیں؛ بلکہ اوراد و وظائف کے ذریعہ فاصلہ کرنا حدیث شریف سے فضیلت کے ساتھ ثابت ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جوشخص مغرب کی فرض نماز کے بعد اپنی جگہ سے منتقل ہونے سے پہلے: ”**لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد بيده الخير يحيي ويميت، وهو على كل شيء قدير**“ دس مرتبہ پڑھے گا، تو ہر مرتبہ پڑھنے کے مقابلہ میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی، دس گناہ معاف ہوں گے، اور دس درجات بلند ہوں گے اور ہر ناگوار امور سے حفاظت میں رہے گا اور شیطان مردود کے مکر وفریب سے حفاظت میں رہے گا۔ اس کلمہ کو دس مرتبہ پڑھتے پڑھتے دوسرا آدمی آسانی کے ساتھ دوسنتیں پڑھ سکتا ہے۔ اور یہ حدیث شریف مغرب کی نماز کے بارے میں ہے، جس کے بعد سنتیں

ہوتی ہیں، اسی طرح مسجد سے فرض پڑھنے کے بعد پیدل چل کر گھر پہنچنے کے ذریعہ سے فرض وسنت کے درمیان میں فاصلہ کرنا حدیث سے ثابت ہے؛ حالانکہ بہت سے صحابہ کرام کی رہائش مسجد نبوی سے کافی دوری پر تھی، جہاں تک پہنچنے میں دس دس، پندرہ پندرہ منٹ کی ضرورت پڑتی تھی، چنانچہ حدیث شریف سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے ایسی فرض نماز ادا فرمائی کہ جس کے بعد سنتیں ہیں اور اس نماز میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ اور ایک شخص حضور ﷺ کے ساتھ تکبیر اولیٰ میں شریک ہوگئے، جب آپ ﷺ نے دونوں طرف سلام پھیرا تو وہ شخص سنتوں کے لئے کھڑے ہوگئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے مونڈھے پکڑ کر کھینچ کر بٹھا دیا اور فرمایا کہ تم سے پچھلی امتیں اسی وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ وہ فرض اور سنتوں کے درمیان میں فاصلہ نہیں کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عمر! بہت اچھا کیا، اسی طرح فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے حضور ﷺ سے مختلف انداز کے مختلف اوراد و وظائف اور ذکر ودعا کا پڑھنا ثابت ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اتنی دیر کے لئے بیٹھ کر کچھ وظائف پڑھتا ہے کہ جس میں دوسرا آدمی دو رکعت سنت پڑھ سکتا ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے، خدا کرے کہ اللہ تعالیٰ اعتراض کرنے والے معترض کو بھی کچھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، اب حدیثیں ملاحظہ فرمایئے:

عن عبدالرحمن بن غنم، عن النبي ﷺ أنه قال: من قال قبل أن ينصرف ويثني رجله من صلاة المغرب والصبح: ''لا إله إلا الله وحده لا شريک له، له الملک، وله الحمد بيده الخير يحيي ويميت، وهو على كل شيء قدير'' عشر مرات، كتب له بكل واحدة عشر حسنات، ومحيت عنه عشر سيئات، ورفع له عشر درجات، وكانت حرزا من كل مكروه، وحرزا من الشيطان الرجيم. (مسند أحمد ٤/ ٢٢٧، رقم: ١٨١٥٣)

عن أبي أيوب –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قال دبر صلاته إذا صلى: ''لا إله إلا الله وحده لا شريک له، له

الملک، وله الحمد وهو على كل شيء قدير" عشر مرات، كتب له بهن عشر حسنات، ومحى عنه بهن عشر سيئات، ورفع له بهن عشر درجات، وكن له عتق عشر رقاب، وكن له حرسا من الشيطان حتى يمسي، ومن قالهن حين يمسي كان له مثل ذلك حتى يصبح. (صحيح ابن حبان، ذكر التى الذى يقول لمن قاله بعد صلاة الغداة والمغرب ...... دارالفكر ۳/ ۱۸۵، رقم: ۲۰۲۱)

عن الأرزق بن قيس، قال: صلى بنا إمام لنا، يكني أبا رمثة، فقال: صليت هذه الصلوة، أو مثل هذه الصلوة مع النبي ﷺ قال: وكان أبو بكر وعمر يقومان في الصف المقدم عن يمينه، وكان رجل قد شهد التكبيرة الأولى من الصلاة، فصلى نبي الله ﷺ، ثم سلم عن يمينه، وعن يساره، حتى رأينا بياض خديه، ثم انفتل كانفتال أبي رمثة، يعني نفسه، فقام الرجل الذى أدرک معه التكبيرة الأولى من الصلاة يشفع، فوثب إليه عمر، فأخذ بمنكبه فهزه، ثم قال: اجلس، فإنه لم يهلک أهل الكتاب إلا أنهم لم يكن بين صلواتهم فصل، فرفع النبي ﷺ بصره، فقال: أصاب الله بک يا ابن الخطاب. (أبوداؤد شريف، الصلاة، باب في الرجل يتطوع فى مكانه الذى صلى فيما المكتوبة، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۵، دارالسلام، ۱۰۰۷، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب الإمام يتحول عن مكانه إذا اراد أن يتطوع في المسجد، دارالفكر جديد ۳/ ۲۱، رقم: ۳۱۲۹، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۲/ ۲۸٤، رقم: ۷۲۸)

(۲) فرض نماز کے بعد سنتوں کے لئے جگہ بدلنا صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے، خود حضور اکرم ﷺ فرض کے بعد تھوڑی دیر کچھ دعائیہ وظائف پڑھ کر حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جا کر سنن ونوافل پڑھا کرتے تھے، اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنی اپنی رہائش گاہوں میں جا کر کے سنن ونوافل پڑھا کرتے تھے۔ اور جن کا قیام مسجد نبوی میں ہوا کرتا تھا، وہ مسجد ہی میں فرض نماز کی جگہ بدل کر کے سنن ونوافل پڑھا کرتے تھے؛ اس لئے اگر کوئی

شخص فرض نماز کی جگہ بدل کر سنن ونوافل پڑھنے کا معمول بنالیتا ہے تو اس کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جگہ بدلنے کو وہ شخص واجب سمجھ رہا ہے یا اپنے طور پر لازم کرلیا ہے؛ بلکہ ایک سنت یا مستحب کام پر عمل کو جاری رکھے ہوئے ہے اور کسی دوسرے آدمی کو اس کے اوپر جارحانہ طور پر یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اس شخص نے اپنے اوپر اس عمل کو لازم کرلیا ہے۔

عن عبدالله بن عمر أن رسول الله ﷺ كان يصلي قبل الظهر ركعتين وبعدها ركعتين، وبعد المغرب ركعتين في بيته. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة وقبلها، النسخة الهندية ١/ ١٢٨، رقم: ٩٢٧، ف: ٩٣٧)

عن ابن عمر -رضى الله عنه- أن النبي ﷺ كان يصلي الركعتين بعد المغرب في بيته. (مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٣٢، رقم: ٥٦٠٣، المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، موسسة علوم القرآن جديد ٤/ ٣٨٢، رقم: ٦٤٣١)

عن أبى هريرة -رضي الله عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أيعجز أحدكم إذا صلى أن يتقدم أو يتأخر، أو عن يمنيه، أو عن شماله يعني السبحة (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، في الرجل يقضي صلاته يتطوع في مكانه، موسسة علوم القرآن، جديد ٤/ ٢٩٩، رقم: ٦٠٦٥، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٤٢٥، رقم: ٩٤٩٢، سنن ابن ماجة، الصلاة، باب ماجاء في صلاة الداخلة حيث تصلي المكتوبة، النسخة الهندية/ ١٠٣، دارالسلام، رقم: ١٤٢٧)

عن زيد بن ثابت، أن النبي ﷺ قال: صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجدي هذا، إلا المكتوبة. (أبوداؤد، الصلاة، باب صلاة الرجل التطوع في بيته، النسخة الهندية ١/ ١٤٩، دارالسلام، رقم: ١٠٤٤، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٥/ ١٤٤، رقم: ٤٨٩٣)

فعليكم بالصلاة في بيوتكم، فإن خير صلاة المرء فى بيته إلا الصلاة المكتوبة. (مسلم، الصلاة، باب استحباب صلاة النافلة في بيته، وجوازها في المسجد،

النسخة الهندية ١/ ٢٦٦، دارالسلام، رقم: ٧٨١، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٥/ ١٤٤، رقم: ٤٨٩٣)

فصلوا أيها الناس! في بيوتكم، فإن أفضل صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة. (صحيح البخاري، باب ما يكره من كثرة السؤال وتكلف ما لا يعنيه، النسخة الهندية ٢/ ١٠٨٢، رقم: ٦٩٩٧، ف: ٧٢٩٠)

عن عطاء: أن ابن عباس، وابن الزبير، وأبا سعيد، وابن عمر كانوا يقولون: لا يتطوع حتى يتحول من مكانه الذي صلى فيه الفريضة. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، في الرجل يقضي صلاته يتطوع فيها مكانه، موسسة علوم القرآن،جديد ٤/ ٢٩٩، رقم: ٦٠٦٧)

عن أبي معمر قال: إذا صليت المكتوبة فبيتك. (مصنف ابن أبی شيبة، الصلاة، فی الرجل يقضي صلاته في المسجد، موسسة علوم القرآن، جديد ٤/ ٣٨٢، رقم: ٦٤٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۷۵)

فرض کے بعد سنتوں سے قبل حدیث سنانا

سوال [۳۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عالم صاحب جمعہ کی فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد دعا سے پہلے مختصر وقت میں ایک حدیث شریف سنا دیا کرتے ہیں اور اس وقت سب لوگ جمعہ کی فرض نماز سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں اور ابھی کسی نے سنت کی نیت بھی نہیں باندھی ہوتی ہے، کسی کی نماز اور عبادت میں اس حدیث کے سنانے کی وجہ سے خلل نہیں پڑتا، اس کے بعد مختصر دعا بھی ہوجاتی ہے، پھر اس کے بعد لوگ سنتوں میں لگ جاتے ہیں، اسی طرح کبھی کبھار ظہر کی سنن

بعد یہ سے پہلے اور کبھی مغرب کی سنت سے پہلے ایک حدیث شریف سنادیا کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کو عمومی فائدہ پہنچ جائے، تو کیا فرض اور سنتوں کے درمیان اس طرح اس مختصر فاصلہ کی وجہ سے عالم صاحب کا یہ عمل درست ہے یا خلاف سنت ہے؟ احادیث شریفہ اور فقہ کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد الیاس حیدرآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن فرض نمازوں کے بعد سنن بعد یہ کا ثبوت ہے، اسی طرح جمعہ کی فرض نماز کے بعد سنن بعد یہ کا ثبوت ہے، ان نمازوں میں بھی فرض نماز سے فراغت کے فوراً بعد متصلا سنتوں کے لئے کھڑا ہوجانا مسنون نہیں ہے؛ بلکہ فرض سے فراغت کے بعد کچھ وظائف، دعا یا ذکر میں مشغول ہونے کے بعد سنتیں پڑھنا مسنون ہے۔ حدیث شریف کی اکثر کتابوں میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فرض نمازوں کے بعد تھوڑی دیر دعا اور وظائف میں مشغول ہوجانا ثابت ہے، اس کے بعد چل کر گھر جا کر سنتیں پڑھا کرتے تھے، یہی مسنون طریقہ ہے، چنانچہ ''ابوداؤد شریف'' میں مفصل روایت موجود ہے کہ ایک دفعہ فرض نماز سے فراغت کے بعد ایک صحابی وظائف وغیرہ سے پہلے سنتوں کے لئے کھڑے ہوگئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا گریبان پکڑ کر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ! فرض نماز اور سنتوں کے درمیان فاصلہ ہونا چاہئے، تو حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ اٹھا کر فرمایا: اے ابن خطاب! اللہ نے تمہیں صحیح بات کی توفیق عطا فرمائی ۔اسی طرح حدیث کی کتابوں میں مفصل دعاؤں اور تفصیلی اذکار کے ذریعہ سنن بعد یہ اور فرضوں کے درمیان فاصلہ کا ثبوت موجود ہے، جب اذکار اور وظائف کی اجازت ہے، تو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر یا اصلاحی موضوع سے متعلق حدیث شریف کا سنانا بطریق اولیٰ جائز اور درست ہوگا، نیز فقہ کی کتابوں میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ اگر فرض نمازوں کے بعد کھانا حاضر ہے، سنتوں میں لگ جانے سے کھانا ٹھنڈا ہوجانے اور بدمزہ ہوجانے کا

خطرہ ہوتو سنتوں کوموقوف کر کے پہلے کھانا کھانے اوراس کے بعد سنتیں پڑھنے کی اجازت ثابت ہے، ظاہر ہے کہ اطمینان سے کھانا کھانے میں اوسطاً پندرہ بیس منٹ کا وقت لگ جاتا ہے اوراس قدر تاخیر کی وجہ سے سنتوں کے ثواب میں کوئی کمی بھی نہیں آئے گی ، جب کھانا ٹھنڈا ہونے اور بدمزہ ہونے کے خطرہ سے سنتوں کوموقوف کر کے بعد میں پڑھنے کی شریعت نے اجازت دی ہے،تو اتنے وقت کے اندر حضور ﷺ کی اصلاحی حدیثیں سنانا بطریق اولیٰ جائزاورافضل ہوگا، اس کی وجہ سے سنتوں کے ثواب میں کمی بھی نہیں آئے گی؛ اس لئے مذکورہ عالم صاحب کا جمعہ کے فرض اورسنتوں کے درمیان، اسی طرح دیگر فرض نمازوں اور سنن بعدیہ کے درمیان دس پندرہ منٹ کے اندراندر وقتاً فوقتاً حدیث شریف کا سنادینا یا کوئی دینی اصلاحی اور ترغیب وتذکیر سے متعلق کوئی مضمون سنادینا بلاتردد جائزاور باعث فضیلت اور افضل ہوگا؛ اس لئے کہ فرضوں کے بعد سنتوں سے پہلے ایسا وقت ہوتا ہے جس میں یکسو ہوکر اطمینان کے ساتھ دین کی بات سننے کا موقع ہوتا ہے،آج کل کے زمانہ میں لوگوں کے اندر دین کی باتیں سننے کا زیادہ داعیہ نہیں ہےاورسنتوں کے بعد لوگوں کے منتشر ہوجانے ،کچھ کے رکنے اور کچھ کے چلے جانے کا خطرہ رہتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ عالم صاحب نے حدیث اور دینی مضامین سنانے کے لئے جس وقت کا انتخاب کیا ہے وہ نہایت مناسب ہے، اور یہ طریقہ سنت کے خلاف نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے نمازیوں کی سنن بعدیہ کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی، ہاں البتہ فرضوں کے بعد دنیوی گفتگو میں مصروف ہوجائے اس کے بعد سنتیں پڑھی جائیں تو ثواب میں کمی آئے گی، جیسا کہ فقہ کی جزئیات سے ثابت ہے، اب حدیث شریف اورفقہ کی جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

عن الأرزق بن قيس، قال: صلى بنا إمام لنا، يكني أبا رمثة، فقال: صليت هذه الصلوة، أو مثل هذه الصلوة مع النبي ﷺ قال: وكان أبو بكر وعمر يقومان في الصف المقدم عن يمينه، وكان رجل قد شهد التكبيرة

الأولى من الصلاة، فصلى نبي الله صلى الله عليه وسلم، ثم سلم عن يمينه، وعن يساره، حتى رأينا بياض خديه، ثم انفتل كانفتال أبي رمثة، يعني نفسه، فقام الرجل الذى أدرك معه التكبيرة الأولى من الصلاة يشفع، فوثب إليه عمر، فأخذ بمنكبه فهزه، ثم قال: اجلس، فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلا أنهم لم يكن بين صلواتهم فصل، فرفع النبي صلى الله عليه وسلم بصره، فقال: أصاب الله بک يا ابن الخطاب. (أبوداؤد شريف، الصلاة، باب في الرجل يتطوع فى مكانه الذى صلى فيما المكتوبة، النسخة الهندية ٢/ ١٤٤، دارالسلام، ١٠٠٧، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٢/ ٢٨٤، رقم: ٧٢٨، المستدرك للحاكم، كتاب الصلاة، مكتبه نزار مصطفى، جديد ١/ ٣٩٥، رقم: ٩٩٦، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب الإمام يتحول عن مكانه إذا اراد أن يتطوع في المسجد، دارالفكر جديد ٣/ ٢١، رقم: ٣١٢٩، مشكوة شريف ١/ ٨٩، حجة الله البالغة، مكتبه حجاز ٢/ ١٥، فتح الملهم، اشرفيه ديو بند ٢/ ١٧٧)

لو حضر الطعام وخاف ذهاب لذته لو اشتغل بالسنة البعدية، فإنه يتناوله، ثم يصليها؛ لأن ذلک عذر في ترک الجماعة، ففي تأخير السنة أولى إلا إذا خاف فوتها بخروج الوقت، فإنه يصليها، ثم يأكل، هذا ما ظهر لي.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ٢/ ٢٠، زكريا ٢/ ٤٦١)

نیز تسبیحات فقراء جس کو عوام تسبیح فاطمہ بھی کہتے ہیں، وہ پانچوں نمازوں کے بعد پڑھنے کی ترغیب ہے، جس میں ۳۳ ؍مرتبہ ''سبحان اللہ'' اور ۳۳ ؍مرتبہ ''الحمدللہ'' اور ۳۳ ؍مرتبہ ''اللہ اکبر'' اور ایک مرتبہ کلمہ توحید مکمل پڑھنے کی ترغیب ہے۔ اور ہمارے برصغیر میں صرف نماز فجر اور نماز عصر کے بعد پڑھنے کا معمول ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ حضور اکرم ﷺ نے ظہر ،مغرب اور عشاء کے فرض کے بعد بھی سنتوں سے پہلے ان تسبیحات کے پڑھنے کی ترغیب دی ہے، ظاہر بات ہے کہ اطمینان سے ان تسبیحات کے پڑھنے میں چار پانچ منٹ لگ

جائیں گے اور ان کے علاوہ اور بھی متعدد دعائیں اور تسبیحات فرضوں کے بعد پڑھنے کی ترغیب ہے، اگر کوئی شخص سنتوں سے پہلے فرضوں کے بعد پڑھنے کی دس بارہ دعائیں اور تسبیحات فقراء سب ایک ساتھ پڑھتا ہے، اس کے بعد سنتیں پڑھتا ہے تو کوئی شخص اس پر خلاف سنت عمل کرنے کا الزام عائد نہیں کرسکتا؛ بلکہ اس کا عمل عین سنت کے مطابق ہے۔ اور ظاہر بات ہے کہ اتنی تسبیحات سنتوں سے پہلے پوری کرنے میں پندرہ بیس منٹ لگ جائیں گے؛ لہٰذا اگر کوئی عالم ہفتہ میں ایک آدھ مرتبہ سنتوں سے پہلے امر بالمعروف نہی عن المنکر سے متعلق حدیث یا مضامین سنا دے وہ بھی بلا تردد جائز اور درست ہوگا، ان تمام وظائف پر اہل عرب کا عمل آج بھی بدستور جاری ہے اور یہاں برصغیر کے مسلمانوں کے درمیان جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، ان میں سنتوں سے پہلے لوگوں نے اپنے معمولات چھوڑ رکھے ہیں، جس کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں یہی بات بیٹھ گئی ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنن بعدیہ ہے ان کے بعد سنتوں سے پہلے شریعت سے وظائف ثابت نہیں ہے جو کہ درست نہیں ہے؛ بلکہ درست یہی ہے کہ ان نمازوں کے بعد بھی لمبے وظائف ثابت ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی امام کبھی کبھاران وظائف کے بجائے امر بالمعروف نہی عن المنکر یا اصلاحی مضامین سنا دے تو اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہے۔ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں تقریباً تین صفحات تک فرضوں کے بعد سنتوں سے پہلے دعائیں اور وظائف نقل فرمائے ہیں۔ اب حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن رسول الله ﷺ قال: من سبح الله في دبر كل صلاة ثلاثا وثلاثين، وحمد الله ثلاثا وثلاثين، وكبر الله ثلاثا وثلاثين، فتلك تسعة وتسعون، وقال تمام المائة: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، وهو على كل شيء قدير، غفرت خطاياه، وإن كانت مثل زبد البحر. (مسلم شريف، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، وبيان صفته، النسخة الهندية ١/ ٢١٩، رقم: ٥٩٧، صحيح ابن خزيمة،

المكتب الإسلامي بيروت ١/ ٣٩٠، رقم: ٧٥٠، بخاري شريف، باب الذكر بعد الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١١٦، ١١٧، رقم: ٨٣٥، ف: ٨٤٣، رقم: ٨٣٦، ف: ٨٤٤، حجة الله البالغة، جديد، مكتبه حجاز ٢/ ٤٩-٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧/ صفر ١٤٢٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٢٣٥)

نماز کے بعد طویل دعا یا وعظ وحدیث کے ذریعہ سنتوں میں فصل کرنا

سوال [٣٠١٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) جن فرض نمازوں کے بعد سنن پڑھی جاتی ہیں، ان میں فرض وسنن کے درمیان لمبی لمبی دعاؤں یا ذکر واذکار کے ذریعہ طویل فصل کرنا کیسا ہے؟ از روئے شرع کتنا فصل ہونا چاہئے؟

(٢) بعض ائمہ کا معمول ہے کہ کسی ایک فرض نماز کے بعد سنن سے پہلے؛ بلکہ دعا سے بھی پہلے کوئی حدیث سنا کر اس کی تشریح کرتے ہیں، جب کہ مسبوق حضرات ابھی نماز میں مشغول رہتے ہیں، ایسی صورت میں تو بآواز تلاوت قرآن مجید بھی درست نہیں ہے، تو حدیث بیان کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(٣) کیا عصر اور فجر کے بعد بھی دعا سے پہلے حدیث سنا کر تشریح کرنا بھی یہی حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: ضیاء الدین سنسار پور، لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (١) جن فرض نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں، ان کے بعد دعائیں اور وظائف اور دینی گفتگو جتنی چاہیں لمبی کر سکتے ہیں، قابل غور بات ان نمازوں کے بارے میں ہے، جن کے بعد سنتیں ہوتی ہیں، تو احادیث صحیحہ سے یہ بات

ثابت ہے کہ ان نمازوں کے بعد بھی حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام سے اذکار اور ادعیہ ماثورہ منقول ہیں، بعض اذکار اور دعائیں مختصر ثابت ہیں اور بعض طویل بھی ہیں، اسی طرح دعاؤں اور اذکار سے فراغت کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لے جا کر سنتیں پڑھا کرتے تھے، یہی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین وتبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے، اذکار اور وظائف کے بعد گھر جا کر سنتیں پڑھنا مسنون ہے، چاہے گھر مسجد سے دور ہی کیوں نہ ہو؛ لیکن آج کل کے زمانہ میں ہمتیں کمزور ہوگئیں، جس کی بنا پر مسجد سے باہر نکلنے کے بعد بجائے سنتوں میں مشغول ہونے کے دوسرے مشاغل میں مشغول ہوجانے کا زیادہ اندیشہ ہے؛ اس لئے عام لوگوں کو مسجد ہی میں سنتیں پڑھ لینی چاہئیں اور خواص جن سے سنتیں چھوٹ جانے کا خطرہ نہ ہو، ان کے لئے آج بھی یہی مسنون ہے کہ اپنی رہائش گاہ میں جا کر سنن ونوافل میں مشغول ہوجائیں، اب رہی لمبی لمبی دعائیں اور ذکر واذکار کے ذریعہ سے طویل فصل کرنا، پھر سنت پڑھنا تو اس میں دیکھا جائے کہ طویل فصل سے کیا مراد ہے؟ اگر بہت زیادہ فصل ہے جو دیکھنے والا خود سمجھ سکتا ہے، تو خلاف اولیٰ ہے۔ اور اگر بہت زیادہ فصل نہیں ہے؛ بلکہ چار پانچ منٹ کا فصل ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح کا فصل حدیث سے ثابت ہے اور صاحب معاملہ خود فیصلہ کرے کہ طویل فصل سے کیا مراد ہے؟ ہاں البتہ بعض جگہ امام بہت لمبی دعا کرنے لگتے ہیں، جس سے مقتدیوں کو اکتاہٹ ہوجاتی ہے؛ اس لئے امام کو عمومی طور پر دعاؤں میں اختصار کا خیال رکھنا چاہئے، ہاں البتہ کبھی کبھی حالات کے پیش نظر اگر دعا کچھ لمبی ہوجائے تو کوئی حرج نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/ ۳۶۵، ۳۰۷، جدید زکریا ۳/ ۳۵۳، ۳۵۴، زکریا مطول ۴/ ۷۹، فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۰۹، ۲۱۱)

قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال. (درمختار مع الرد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ۲/ ۲٤٦، كراچی ۱/ ۵۳۰)

نمازیوں اور مسبوقین کا خیال اور ان کی رعایت رکھتے ہوئے کبھی کبھار دعا سے پہلے کوئی حدیث شریف چار پانچ منٹ کے اندر سنا دی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، نیز

روزانہ پانچوں نمازوں میں اس کا معمول نہ بنانا چاہئے؛ بلکہ کبھی کبھار موقع ومحل کو پیش نظر رکھ کر دعا اور سنتوں سے پہلے چار منٹ کے اندر کوئی حدیث شریف سنا دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اگر سوال نامہ کا مقصد یہ ہے کہ بلا ناغہ مسلسل ایسا کیا جاتا ہے، تو ظاہر بات ہے کہ مسبوقین اور بعد میں سنتیں پڑھنے والے الجھن اور اکتاہٹ کا شکار ہو جائیں گے جو شرعاً درست نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/ ۳۶۵، ۳۰۷، زکریا مطول ۴/ ۵۴-۵۵، فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۰۹ - ۲۱۱)

جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں، ان کے بعد دعا سے پہلے مسبوقین کا خیال رکھتے ہوئے ہمیشہ حدیث شریف سناتے رہیں، چاہیں لمبی ہو یا مختصر تو کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ مسلمانوں کو دینی فائدہ پہنچنے کی زیادہ امیدیں وابستہ ہوں گی (جیسا کہ ترمذی شریف میں نماز عصر کے فوراً بعد غروب شمس تک حضرت سید الکونین علیہ السلام سے بیان کرنا ثابت ہے۔ اور دوسری جگہ نماز فجر کے فوراً بعد لمبا بیان کرنا ثابت ہے) حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– قال: صلى بنا رسول الله ﷺ يوما صلاة العصر بنهار، ثم قام خطيبا فلم يدع شيئا يكون إلى قيام الساعة إلا أخبرنا به. الحديث (سنن الترمذي، أبواب الفتن، باب ما أخبر النبي صلى الله عليه وسلم اصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة، النسخة الهندية ٢/ ٤٢، دارالسلام، رقم: ٢١٩١)

عن العرباض بن سارية –رضي الله عنه– قال: وعظنا رسول الله ﷺ يوما بعد صلاة الغداة موعظة بليغة، ذرفت منها العيون، ووجلت منها القلوب. الحديث (سنن الترمذي، أبواب العلم، باب ماجاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، النسخة الهندية ٢/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٢٦٧٦، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٨/ ٢٤٨، رقم: ٦٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۴/ ۱۴۲۷ھ

دینی امور کے لئے سنن وفرائض میں فصل کرنا

سوال [۳۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
آج دین سے بے رغبتی اور بے توجہی قابل بیان نہیں، دنیا کے لئے کافی اوقات ہیں، مگر دین کے لئے بمشکل بہت تھوڑا سا وقت ہے، اسی کے باعث احقر نے بعد جماعت ظہر متصلا سنن بعدیہ سے قبل حضرت شاہ ابرار الحق صاحبؒ کا اصلاحی نسخہ ''ایک منٹ کا مدرسہ'' شروع کیا ہے؛ اس لئے کہ عصر اور فجر کے بعد جماعت والے تعلیم کرتے ہیں، نیز ایک منٹ کے مدرسہ کی تعلیم میں تقریباً ایک دو منٹ لگتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ ذرا سے وقت میں پوری جماعت کو نفع پہنچ جائے جو ادائیگی سنت کے بعد ممکن نہیں، اس پر بعض لوگوں کو اشکال ہے کہ فرض کے بعد فوراً متصلا سنت کی ادائے گی ہوگی، درمیان میں اور کسی چیز کی گنجائش نہیں، آپ سے مودبانہ التماس ہے کہ آپ ہمیں اس سلسلہ میں ازروئے شرع مطمئن فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد مظفر حسین، امام کنویں والی مسجد نئی بستی، مرد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر دینی امور کے لئے سنت وفرائض کے درمیان تھوڑا سا فصل ہوجائے جس میں امر بالمعروف نہی عن المنکر یا کچھ اوراد و وظائف ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی اور علامہ کمال الدین بن ہمام وغیرہ فرماتے ہیں؛ لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے کہ بات لمبی نہ ہو؛ بلکہ بہت مختصر ہو۔

قال الحلواني: لا بأس بالفصل بالأوراد، واختاره الكمال. (درمختار مع الرد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، زكريا ٢/ ٢٤٦، كراچی ١/ ٥٣٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۸۹)

دعا سے قبل مسجد یا دینی ضرورت کے لئے چندہ کرنا

سوال [۳۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ نئی مسجدوں میں جن میں جمعہ کی نماز ہونے لگی ہے، کچھ دنوں سے نماز میں سلام پھیرنے کے بعد دعا نہ کرکے کچھ طے شدہ نمازیوں سے اپنی جگہ سے کھڑا کرا کر جھولی پھیلا کر مسجد کے لئے چندہ کرنا شروع کرا دیا ہے، جب تک پوری مسجد میں چندہ ہوکر یہ آواز نہ آجائے کہ چندہ ہوگیا، امام صاحب دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے، اس وقت تک سارے نمازی خاموش بیٹھے رہتے ہیں، چندہ ہونے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں کمیٹی کے اس عمل پر اعتراض ہے کہ یہ چندہ اس بیچ میں مناسب ہے کہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جمعہ کے بعد مسجد میں کسی مذہبی کام یا اسی مسجد کی ضروریات کے لئے دعا کو چند منٹ موقوف کرکے چندہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز سلام اور دعا کے درمیان کسی نمازی کی نماز میں خلل بھی نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے کوئی حرج نہیں ہے۔ اور معترض نے الگ صفحہ میں جو اعتراض کیا ہے کہ ''خدا سے مانگنے سے پہلے بندہ سے مانگنا شروع کردیا ہے، یہ غلط ہے'' لیکن یہ غلط نہیں ہے؛ کیوں کہ دعا سے پہلے خاموشی کے ساتھ جو چندہ کیا جاتا ہے وہ اپنے لئے نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ اللہ کے کام کے لئے یا دینی ضروریات کے لئے کیا جاتا ہے۔

والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدى المصلي، ولا يتخطى الرقاب، ولا يسأل إلحافا بل لأمر لابد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة قبيل باب العيدين، زكريا ۳/ ۴۲، كراچی ۲/ ۱٦٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲٦/ ۳٤۱، الفتاوى الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ۱/ ۱٤۸، جديد ۱/ ۲۰۹، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة،

قبیل باب صلاة العیدین، زکریا ۲/ ۲۷۵، کوئٹه ۲/ ۱۵۷، بزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الصلاة، قبیل الرابع والعشرون في العیدین، زکریا ٤/ ٧٦، جدید ۱/ ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۹۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۷/۲۳ھ

بعد نماز جمعہ دعا سے قبل چندہ کا ڈبہ پھرانا

سوال [۳۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جمعہ کی فرض نماز کے بعد فوراً دعا ترک کرکے ڈبہ پھرانا کیسا ہے؟ بعض آدمی اس پر اعتراض کرتے ہیں، مسجد کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے دعا کو روک کر ایسا کرتے ہیں، تو فائدہ ہوتا ہے، یعنی کہ زیادہ چندہ ہوتا ہے؛ لیکن ایسا کرنا کیسا ہے؟ بہتر کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ کی نماز کے بعد فوراً دعا کو روک کر کسی مذہبی کام کی وجہ سے چندہ کے لئے ڈبہ پھرانا جائز ہے؛ البتہ مسجد میں شور وشغف سے اجتناب کیا جائے۔ (مستفاد: کفایت مفتی ۳/ ۱۲۶)

والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي، ولا يتخطى الرقاب، ولا يسأل إلحافا بل لأمر لابد منه، فلا بأس بالسؤال والإعطاء. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة قبیل باب العیدین، زکریا ۳/ ٤٢، کراچی ۲/ ١٦٤، الفتاوی الهندیة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زکریا قدیم ۱/ ١٤٨، جدید ۱/ ۲۰۹، البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قبیل باب صلاة العیدین، زکریا ۲/ ۲۷۵، کوئٹه ۲/ ۱۵۷، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٢٦/ ٣٤١)

وفي البزازية: ولا يحل الإعطاء لسؤال المسجد إذا لم يكونوا على تلك الصفة المذكورة. (بزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الصلاة، قبیل الرابع والعشرون في العیدین، زکریا ٤/ ٧٦، جدید ۱/ ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰۴۲/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۹ھ

۲۲/ باب الوتر

الفصل الأول: في الوتر

ایک رکعت وتر

سوال [۳۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہ ائمہ تراویح کی بیس رکعات کے بعد صرف ایک رکعت وتر پڑھاتے ہیں، ایک رکعت وتر کا کیا مسئلہ ہے؟ ائمہ کا اختلاف مع دلائل اور مفتی بہ قول تحریر کریں۔

المستفتی: محمد عبدالسبحان کیلفورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وتر کی نماز جمہور امت کے نزدیک تین رکعتیں ہیں، ان کے درمیان صرف اتنا اختلاف ہے کہ تین رکعت ایک سلام کے ساتھ ہے یا دو سلام کے ساتھ؟ دونوں طرف صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ اور ایک رکعت وتر کی نماز غیر مقلدین کے یہاں ہے، جمہور امت نے ایک رکعت وتر کی نماز پڑھنے والوں کوکوئی اہمیت نہیں دی ہے، حنفیہ کے نزدیک تین رکعت وتر پڑھنا واجب ہے، جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے۔

أخبرنا يحيى بن موسىٰ قال: أخبرنا عبدالعزيز بن خالد، قال: حدثنا سعيد بن أبي عروبة عن قتادة، عن عزرة، عن سعيد بن عبدالرحمن بن أبزي، عن أبيه، عن أبي بن كعب –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر بسبح اسم ربک الأعلى، وفي الركعة الثانية بقل يا أيها الكافرون، وفي الثالثة بقل هو الله أحد، ولا يسلم إلا فى آخرهن، ويقول: يعنى بعد التسليم: سبحان الملک القدوس ثلاثا.

(سنن نسائي، الصلاة، باب كيف الوتر بثلاث؟ النسخة الهندية ۱/ ۱۹۱، دارالسلام، رقم:

۱۷۰۲، السنن الکبری للنسائي، الصلاة، کیف الوتر بثلاث، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱/ ۱۷۲، رقم: ٤٤٦، عمل الیوم واللیلة لابن السني، باب ما یقول إذا فرغ من وتره، موسسة علوم القرآن ۱/ ٤٦٦، رقم: ۷۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۱۱؍۱۴۳۴ھ

ایک رات میں دو مرتبہ وتر پڑھنا

سوال [۳۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان میں ایک شخص نے اگر عشاء کی نماز کے بعد وتر پڑھ لی اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس میں تراویح بھی ہوتی ہے، اگر تراویح کے بعد وتر پڑھ لے تو اس کی نماز وتر جو بعد میں امام کے ساتھ ادا کی ہے وہ وتر ہوگی یا نفل؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: افضل حسین قاسمی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں اس شخص کی پہلی نماز وتر جو تراویح نہ ہونے کے خیال سے پڑھی ہے، وہ وتر ہے، پھر تراویح کے بعد جو وتر امام کے ساتھ پڑھی گئی ہے وہ وتر شمار نہیں ہوگی؛ کیوں کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک رات میں دو وتر جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح الطحاوی ۲/ ۳۴۱)

ہاں اگر اس نے دوسری وتر کی نماز میں دوسری رکعت کے بعد قعدہ کیا ہے، تو وہ دو رکعت نفل ہوجائیں گی اور ایک رکعت باطل ہوجائے گی۔ (بہشتی زیور ۲/ ۳۹)

عن قیس بن طلق عن أبیه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا وتران في لیلة. (طحاوي، کتاب الصلاة، باب التطوع بعد الوتر، النسخة الهندیة

۱/ ۲۰۲، دارالکتب العلمية، بيروت ۱/ ٤٤٥، رقم: ۱۹٦۹، سنن أبي داؤد، أبواب الوتر، باب في نقض الوتر، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دارالسلام، رقم: ۱٤۳۹، سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء لا وتران في ليلة، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۷، دارالسلام، رقم: ٤۸۰، سنن النسائي، الصلاة، باب نهي النبي عن الوترين في ليلة، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۹، دارالسلام، رقم: ۱٦۸۰، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ٥٤۷، رقم: ۱۱۰۱، مسند آحمد بن حنبل ٤/ ۲٤، رقم: ۱٦٤۰٥، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳ ٦۱، رقم: ۱۱۹۱، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۸/ ۳۳۳، رقم: ۸۲٤۷، صحيح ابن حبان، دارالفكر ۳/ ۳۱٥، رقم: ۲٤٤٦)

والصحيح أن وقتها (أي صلوة التراويح) ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر، وبعده حتى لو تبين أن العشاء صلاها بلا طهارة دون التراويح والوتر أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر. (عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ۱/ ۱۱٥، جديد ۱/ ۱۷٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۱۴ھ

شافعی امام کی اقتداء میں حنفی کی نماز وتر کا حکم

سوال [۳۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ شکیل احمد بنگلوری خادم ''مدرسہ کاشف الہدیٰ'' مدراس، امسال رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے گیا ہوا تھا، وہاں وتر کی اقتدا کے سلسلہ میں جب مسئلہ زیر بحث آیا تو بعض مفتیان کرام نے آپ کا حوالہ دیا کہ آپ نے ایک رسالہ میں اس کو مع دلائل پیش کیا ہے کہ وہاں یعنی حرمین شریفین میں اقتدا درست ہے اوراس کی وجوہ ترجیح بھی بیان کی ہیں، بندہ نے

آپ کے حوالہ سے اپنے علاقہ کے بعض تاجر حضرات جو تقریباً ہر سال رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے جاتے ہیں، بات پیش کی ،تو ان کا کہنا ہے کہ وہ کتاب اور اس کے دلائل ہمیں بتلائیں، مقصود ان کو بتانا نہیں ہے؛ بلکہ علاقہ کے علماء ومفتیان کرام جنہوں نے عدم جواز کی بات کہی ہے کو بتانا ہے۔ آں محترم سے گزارش ہے کہ وہ رسالہ بندہ کے نام جلد از جلد روانہ فرمائیں، ان لوگوں نے کئی بار مجھ سے تقاضہ کرلیا ہے، امید ہے کہ حضرت والا بندہ کی اس گزارش کو پوری فرمائیں گے، اس کی جو رقم ہے انشاء اللہ میں اس کو ادا کردوں گا، حضرت والا کی دیگر کتابوں کی فہرست بھی ہو تو روانہ فرمائیں، تاکہ مکمل سیٹ حاصل کیا جاسکے۔

المستفتی: شکیل احمد بنگلوری، مدرسہ کاشف الہدیٰ مدراس (چنئی) پونامالی ہائی روڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۴۱۸ھ ماہ اکتوبر میں بمبئی حج ہاؤس میں ایک بڑا سمینار ہوا تھا، پورے ملک کے گوشہ گوشہ سے علماء اور مفتیان کرام نے اس سمینار میں شرکت فرمائی تھی اور اس میں حرمین شریفین میں رمضان المبارک کی وتر کے موضوع پر اکثر علماء نے مقالہ لکھ کر کے پیش کیا تھا، احقر نے بھی ایک مدلل رسالہ پیش کیا تھا، اس میں بلاکسی اختلاف کے تمام علماء اور مفتیان نے اس بات پر اتفاق کرلیا تھا کہ حرمین شریفین کے اماموں کے پیچھے حنفی مسلک کے لوگوں کے لئے وتر کی نماز تین رکعات دو سلاموں کے ساتھ پڑھ لینے کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ ان کے پاس بھی حدیث کی روشنی میں دلیل موجود ہے۔ اور اس پر علماء نے مختلف دلائل پیش کئے ہیں، ہم نے بھی اپنے مقالہ میں کئی دلائل پیش کئے ہیں، ان میں سے دو دلیلیں ہم یہاں بھی پیش کردیتے ہیں:

(۱) ایسی ضرورت میں حضرت ابوبکر رازی حنفیؒ اور علامہ ابن وہبانؒ کے نزدیک جائز ہے۔ ''معارف السنن'' کی عبارت ملاحظہ ہو:

لو اقتدى حنفي بشافعي في الوتر وسلم ذلك الشافعي الإمام على الشفع الأول على وفق مذهبه، ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر

الرازي وابن وهبان. (معارف السنن، أبواب الوتر، مسألة اقتداء الحنفي بالشافعي في الوتر، اشرفيه ديوبند ٤/ ١٧٠)

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف واقع ہوجائے اور زمانہ کے حاکم مختلف اقوال میں سے ایک پرعمل کرنے کا حکم کریں تو ہر مسلک کے لوگوں کے لئے اسی قول پرعمل کرنے کی اجازت ہوجاتی ہے۔ اور اختلاف کوختم سمجھا جاتا ہے۔ اور حرمین شریفین میں حکومت اور حاکم کے حکم سے تین رکعات دوسلاموں کے ساتھ وتر پڑھی جاتی ہے؛ اس لئے جوحنفی وہاں رہ کرحرمین کے امام کے پیچھے انہیں کی طرح وتر کی نماز پڑھےگا، تو اس کی وتر صحیح ہوجائے گی، اعادہ کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ حکم حاکم رافع اختلاف ہے۔

ثم أن حكم الحاكم رافع للخلاف فى الأمور المجتهد فيها، فلو وقع التقنين عملا بمذهب المالكية أو الحنابلة جاز من هذا الوجه. (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بيع البعير واستثناء ركوبه، الأحاديث الواردة في الباب، أشرفيه ديوبند ١/ ٦٣٦)

نیز مدینۃ المنورہ میں مفتی عاشق الٰہی صاحب بلندشہریؒ کے ساتھ براہ راست اس مسئلہ پر مذاکرہ ہوا، انہوں نے بھی جواز پراتفاق کرلیا تھا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۴ھ

شافعی المسلک کے پیچھے حنفی کا وتر نماز پڑھنا

سوال [۳۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حنفی کا شافعی کے پیچھے اقتدا کرنے کا کیا حکم ہے اور جب اقتدا کرلی تو حنفی پر نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟ یعنی ایک ہی سلام کے ساتھ وتر کی تین رکعت والی نماز میں شافعی المسلک کے پیچھے اقتدا کرلی تو حنفی پر وتر کی نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟ دو

سلام کے ساتھ وتر کی تین رکعت والی نماز میں حنفی المسلک شافعی المسلک کے پیچھے اقتدا کرلے تو حنفی پر کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: مولانا سید قیصر علی شاہ، مہتمم مدرسہ رونق الاسلام، بن الویں، برما

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حضرات حنفیہ کے نزدیک وتر کی تینوں رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھنا واجب ہے، دو رکعت پر سلام جائز نہیں ہے؛ اس لئے عام حالات میں بغیر کسی سخت مجبوری کے حنفیہ کا راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ دو سلاموں کے ساتھ وتر پڑھنے والے کے پیچھے حنفی شخص کی نماز وتر صحیح نہیں ہوتی؛ البتہ مسلک حنفی کے مشہور فقیہ امام ابوبکر الجصاص الرازی المتوفی ۳۷۰ھ اور علامہ ابن وہبان کے نزدیک حنفی شخص کی نماز اس کے پیچھے صحیح ہوجائے گی؛ لہٰذا حرمین شریفین میں حنفی لوگوں کے لئے مسجد حرام کے امام اور مسجد نبوی کے امام کے پیچھے انہیں کی طرح دو سلاموں کے ساتھ وتر کی نماز پڑھنا جائز اور درست ہوجائے گا اور اس کی تین دلیلیں ہمارے سامنے ہیں:

(۱) امام ابوبکر رازی اور علامہ ابن وہبان یہ دونوں مسلک حنفی کے مشہور فقیہ ہیں، ان کے قول پر عمل کرنا حرمین شریفین میں جائز ہوگا؛ اس لئے کہ اتنے بڑے مجمع میں حنفی شخص کے لئے الگ سے وتر پڑھنا مشکل ہے اور شریک نہ ہوکر بیٹھے رہنا یہ بڑے مجمع کی مخالفت ہے، جو درست نہیں اور اس مجمع کے بیچ میں وتر کی جماعت ہونے کے درمیان تنہا الگ سے اپنی وتر پڑھنا یہ اور زیادہ برا ہے، ان مجبوریوں کی وجہ سے وہاں اس کی گنجائش ہے۔

فمذهب الحنفية أنه لا وتر عندهم إلا بثلاث ركعات بتشهدين وتسليم، نعم لو اقتدى حنفي بشافعي في الوتر وسلم ذلك الشافعي الإمام على الشفع الأول على وفق مذهبه، ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر الرازي وابن وهبان. (معارف السنن، أبواب الوتر، مسألة اقتداء الحنفي بالشافعي في الوتر، اشرفيه ديوبند ٤/ ١٧٠)

وفي البحر: لا يجوز اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس الركعتين

في الوتر، وجوزه أبوبكر الرازي، ويصلي معه بقية الوتر؛ لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ۲/ ٦٨، كوئٹه ۲/ ۳۹)

(۲) حکم حاکم رافع اختلاف ہوا کرتا ہے اور وہاں پر حاکم وقت کی طرف سے دو سلاموں کے ساتھ وتر پڑھنے کا حکم ہے، اس کے خلاف کرنے کی اجازت نہیں؛ اس لئے بھی گنجائش ہے۔

إن حكم الحاكم رافع للخلاف في الأمور المجتهد فيها، فكما أن النزاع يرتفع بالتعامل السابق، فإنه يرتفع أيضا بتقنين من قبل الحكومة. (تكملة فتح الملهم، كتاب البيوع، باب بيع البعير واستثناء ركوبه، الأحاديث الواردة في الباب، أشرفيه ديوبند ۱/ ٦۳٦)

(۳) حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی یہی رائے نقل فرمائی ہے کہ ان کے پیچھے اقتدا کرنا جائز ہے۔

ولا عبرة بحال المقتدي، وإليه ذهب الجصاص، وهو الذي اختاره لتوارث السلف، واقتداء أحدهم بالآخر بلا نكير مع كونه مختلفين في الفروع، وكان مولانا شيخ الهند محمود الحسن أيضا يذهب إلى مذهب الجصاص. (فيض الباري، كتاب الطهارة، باب مسح اليد، كوئٹه ۱/ ۳٥۲)

لہٰذا ان تمام دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حرمین شریفین میں بلا تکلف وہاں کے ائمہ کے پیچھے انہیں کی طرح وتر کی نماز پڑھنا جائز اور درست ہے۔ نیز ۱۴۱۸ھ ماہ اکتوبر کو ممبئی حج ہاؤس میں ہندوستان کے تقریباً ہر صوبہ کے علماء و مفتیان کرام کا ایک بڑا فقہی سمینار ہوا، اس میں بلا کسی اختلاف کے تمام علماء اور مفتیان نے حرمین شریفین میں جواز پر اتفاق کرلیا ہے؛ لیکن حرمین شریفین کے علاوہ دنیا کے کسی اور مقام میں ایسی مجبوری نہیں ہوتی؛ اس لئے دیگر مقامات میں راجح قول کے مطابق اقتدا درست نہ ہوگی۔ حنفی لوگوں کو اپنے وتر الگ سے پڑھنے چاہئے۔

سوال نامہ میں تہجد کی نماز میں اقتدا کی بات پوچھی گئی ہے، حنفیہ کے نزدیک تہجد کی نماز

جماعت کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے تہجد میں اقتداء کرنا مشروع نہیں ہوگا؛ لیکن اگر مسجد نبوی میں معتکف ہے اور وہاں آخری عشرہ میں تہجد کی نماز باجماعت ہوتی ہے اور وہاں حکومت کی طرف سے یہ آڈر ہے کہ تہجد کے وقت کوئی معتکف نہ بیٹھا رہ سکتا ہے اور نہ لیٹا رہ سکتا ہے، ان کے ساتھ شریک ہونے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں؛ اسی لئے مسجد نبوی میں اقتداء کی گنجائش ہے۔ اور مسجد حرام میں تہجد کے درمیان معتکف کے لئے طواف کرنے کی گنجائش ہوتی ہے؛ اس لئے بجائے تہجد میں اقتداء کرنے کے حنفی لوگوں کے لئے طواف کرنا زیادہ بہتر ہوگا؛ لیکن اگر طواف کا موقع نہیں ہے، تو پھر مسجد حرام میں بھی تہجد میں اقتداء کرنے کی گنجائش ہے اور اس کی دلیلیں وہی ہیں جو جواز وتر پر لکھی گئی ہیں، مگر دنیا کے دیگر مقامات میں ان کے پیچھے تہجد کی جماعت میں اقتداء کرنا مکروہ ہوگا۔

ولا يصلي التطوع بجماعة خارج رمضان، أي يكره ذلك على سبيل التداعي، بأن يقتدى أربعة بواحد كما في الدر، ولا خلاف في صحة الاقتداء إذ لا مانع نهر. (درمختار، كتاب الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، زكريا ٢/ ٥٠٠، كراچی ٢/ ٤٩، عالمگيری، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، زكريا قديم ١/ ٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۰۵)

فتنہ کے اندیشہ کے وقت دو سلام سے وتر پڑھنا

سوال [۳۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں بلکہ پورے خلیج میں رمضان میں وتر دو سلام سے پڑھے جاتے ہیں، احناف وتر میں الگ ہوجاتے ہیں۔ (الف): ایسی صورت میں امام صاحب سخت ناراضی کا

اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تراویح اور دیگر نمازیں ہوجاتی ہیں وتر ادا نہیں ہوتی، وتر میں الگ کیوں ہوجاتے ہو؟ (ب): حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر دو سلام سے ثابت ہے، تو احناف کی وتر کیوں نہیں ہوگی؟ ایک حنفی عالم کا کہنا ہے کہ جو اس قسم کا فتویٰ دیتے ہیں کہ وتر تنہا ادا کرو، اگر وہ یہاں ہوتے اور ایک دوسرے کا آپس میں اختلاط ہوتا تو ایسا فتویٰ نہیں جاری کرتے۔ (د) ایسا کرنے سے آپس میں نزاع پیدا ہوگا، فرقہ پرستی کو ہوا ملے گی اور ہر آدمی اپنے ہی امام کے پیچھے نماز ادا کرے گا۔

المستفتی: شفیع احمد الاعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کا قول راجح اور مفتی بہ یہی ہے کہ دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنے والے کے پیچھے وتر نہ پڑھی جائے؛ اس لئے کہ سلام خروج عن الصلاۃ کے لئے ہوتا ہے؛ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو حنفی امام ہی کے پیچھے وتر کی نماز پڑھنی چاہئے؛ لیکن حنفیہ کا ایک قول مرجوح یہ بھی ہے کہ دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنے والوں کے پیچھے مجبوری کے تحت ان ہی کی طرح وتر پڑھ لیے جائیں، تو وہ بھی اس شرط کے ساتھ صحیح ہوجائیں گے کہ وتر پڑھانے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ درمیان میں جو سلام پھیرا جارہا ہے اس سلام سے وہ نماز سے باہر نہیں ہوتا ہے، نیز نمازیوں کے درمیان اختلاف اور فتنے کا اندیشہ ہو تو فتنے سے بچنے کے لئے حنفی کے لئے قول ضعیف پر عمل کر کے دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنے والوں کے پیچھے وتر پڑھنے کی گنجائش ہے، نیز جہاں یہ واقعہ پیش آرہا ہے، وہاں کے حاکم کی طرف سے دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنے کا حکم ہے، تو ایسی صورت میں بھی حنفی کے لئے دو سلام کے ساتھ وتر پڑھنے والے کے پیچھے وتر کی نماز پڑھنا جائز ہے؛ اس لئے کہ حاکم جب ائمہ کے اقوال میں سے کسی ایک کے قول پر حکم دے تو سب کو اس پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے، جیسا کہ حرمین شریفین میں حکم حاکم کے مطابق دو سلام کے ساتھ وتر کی نماز پڑھی جاتی ہے۔

قول أبي بكر الرازي: أن اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس

الركعتين في الوتر يجوز، ويصلي معه بقيته؛ لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده؛ لأنه مجتهد فيه. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، زكريا ۱/ ۴۵۳، كوئٹه ۱/ ۳۸۱، دارالفكر بيروت، قديم ۱/ ۴۳۷)

قرر الفقهاء أن حكم الحاكم رافع للخلاف في الأمور المجتهد فيها، فمتى صادف أمره فصلا مجتهدا فيه نفذ، ووجب اتباعه، ولو كان الرجل لا يرى رأيه في تلك المسئلة، ولذلك لما أمر هارون الرشيد أبا يوسف ومحمدا أن يكبرا فى العيدين بتكبير جده، امتثلا بأمره مع أنهما لا يريان التكبيرات الزوائد على الست. (تكملة فتح الملهم، كتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء، اشرفيه ديوبند ۳/ ۳۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۱۳)

وتر کی نماز ایک سلام سے پڑھنے سے متعلق احادیث

سوال [۳۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وتر کی نماز تین رکعت ایک سلام سے پڑھنے کے بارے میں روایات درکار ہیں، کم از کم تین روایات ضرور نقل فرمادیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد سلیم قاسمی، مدرسہ حبیبیہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وتر میں دو رکعت پر سلام پھیرنے کی روایات بھی کتب حدیث میں موجود ہیں اور دو رکعت پر سلام نہ پھیر کر آخر میں تین رکعت پر سلام پھیرنے کی روایات بھی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے تین رکعت پر سلام پھیرنے والی روایات کو زیادہ راجح سمجھا اور تین رکعت پر سلام پھیرنے سے متعلق احادیث شریفہ کا ایک بڑا ذخیرہ

موجود ہے، ان میں سے یہ چند روایات پیش کرتے ہیں، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) حدثنا أبوبكر بن إسحاق، أنبأ الحسن بن علي بن زياد، ثنا إبراهيم بن موسىٰ، ثنا عيسى بن يونس، ثنا سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن زرارة بن أوفى عن سعد بن هشام، عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله ﷺ لا يسلم في الركعتين الأولين من الوتر، هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه، وله شواهد. (المستدرك للحاكم، كتاب الوتر، قديم ۱/ ٤٤٦-٤٤٧، مكتبه نزار مصطفى الباز ۲/ ٤٤١، رقم: ۱۱۳۹، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب من كان يوتر بثلاث، أو أكثر، قديم ۲/ ۲۹٥، مؤسسة علوم القرآن جديد ٤/ ٤٩٤٩، رقم: ٦٩١٢، سنن النسائي، الصلاة، باب كيف الوتر بثلاث، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۱، دار السلام، رقم: ۱٦۹۹، السنن الكبرى للنسائي، الصلاة، كيف الوتر بثلاث؟ دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ٤٤٠، رقم: ۱٤۰۰، المعجم الصغير للطبراني ۲/ ۱۸۰، رقم: ۹۹۰، سنن الدارقطني، كتاب الوتر، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/ ۲۳، رقم: ۱٦٤۹، مؤطا محمد ۱/ ۱٥۰-۱٥۱)

(۲) أخبرنا يحيى بن موسىٰ قال: أخبرنا عبدالعزيز بن خالد، قال: حدثنا سعيد بن أبي عروبة عن قتادة، عن عزرة، عن سعيد بن عبدالرحمن بن أبزي، عن أبيه، عن أبي بن كعب –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر بسبح اسم ربک الأعلى، وفي الركعة الثانية بقل يا أيها الكافرون، وفي الثالثة بقل هو الله أحد، ولا يسلم إلا في آخرهن. (نسائي، الصلاة، باب كيف الوتر بثلاث؟ النسخة الهندية ۱/ ۱۹۱، دار السلام، رقم: ۱۷۰۲، السنن الكبرى للنسائي، الصلاة، كيف الوتر بثلاث، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۱۷۲، رقم: ٤٤٦، عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول إذا فرغ من

وتره، مؤسسة علوم القرآن ١/ ٦٤٦، رقم: ٧٠٦)

(٣) حدثنا ابن أبي داؤد، قال: حدثنا يحيى بن سليمان الجعفي، قال: أخبرنا ابن وهب، قال: أخبرني عمرو بن أبي هلال عن ابن السباق عن المسور بن مخرمة، قال: دفنا أبا بكر ليلا، فقال عمر: إني لم أوتر، فقام وصففنا وراءه، فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم إلا في آخرهن. (طحاوي، كتاب الصلاة، باب الوتر ركعة من آخر الليل ١/ ١٧٣، مطبوعه مكتبه رحيميه ديوبند، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٣٨٢، رقم: ١٧٠٥)

(٤) حدثنا ابن مرزوق، قال: حدثنا عفان، قال: حدثنا حماد بن سلمة، قال: حدثنا ثابت، قال: صلى بي أنس الوتر أنا عن يمينه، وأم ولده خلفه ثلاث ركعات لم يسلم إلا في آخرهن. (طحاوي، كتاب الصلاة، باب الوتر ركعة من آخر الليل، مطبوعه رحيميه ديوبند ١/ ١٧٣، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٣٨٢، رقم: ١٧٠٥، مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يوتر بثلاث أو أكثر، قديم ٢/ ٢٩٤، مؤسسة علوم القرآن ٤/ ٤٩٣، رقم: ٦٩١٠)

(٥) حدثنا حفص بن عمرو عن الحسن، قال: أجمع المسلمون على أن الوتر ثلاث لا يسلم إلا في آخرهن. (مصنف ابن ابي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يوتر بثلاث أو أكثر، قديم ٢/ ٢٩٤، مؤسسة علوم القرآن، جديد ٤/ ٤٩٢، رقم: ٦٩٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۳۱ ۸۷)

تین رکعت وتر ایک سلام کے ساتھ

سوال [۳۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح سے ہم احناف نماز وتر ادا کرتے ہیں یہ کونسی حدیث سے ثابت ہے؟

المستفتی: محمد الیاس فیضی، مٹیا برج کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین رکعت وتر ایک سلام کے ساتھ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ نسائی شریف میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي ابن كعب –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر بسبح اسم ربك الأعلى، وفي الركعة الثانية بقل يا أيها الكافرون، وفي الثالثة بقل هو الله أحد، ولا يسلم إلا في آخرهن، ويقول: يعني بعد التسليم: سبحان الملك القدوس ثلاثا. (سنن نسائي، الصلاة، باب كيف الوتر بثلاث؟ النسخة الهندية ١/ ١٩١، دارالسلام، رقم: ١٧٠٢، السنن الكبرى للنسائي، الصلاة، كيف الوتر بثلاث، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ١٧٢، رقم: ٤٤٦، عمل اليوم والليلة لابن السني، باب ما يقول إذا فرغ من وتره، موسسة علوم القرآن ١/ ٦٤٦، رقم: ٧٠٦)

اور دعا قنوت پڑھنے سے پہلے رفع یدین کی روایت امام بخاری علیہ الرحمہ کی ''جزو رفع الیدین'' اور امام طبرانی علیہ الرحمہ کی ''معجم کبیر'' اور ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں موجود ہے۔ اور اس پر بھی پورا ایک رسالہ ہے، جو ''انجمن تحفظ شریعت'' سے شائع ہوا ہے، یہاں صرف ایک روایت نقل کردی جاتی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

عن عبدالله أنه كان يرفع يديه إذا قنت في الوتر. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب في رفع اليدين في قنوت الوتر، موسسة علوم القرآن ٤/ ٥٣٠، برقم: ٧٠٢٨، المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي ٩/ ٢٨٣، رقم: ٩٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸۲)

دعائے قنوت کی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا

سوال [۳۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص وتر کی نماز پڑھ رہا تھا اور اس نے کان تک ہاتھ نہیں اٹھائے اور دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا اور بعد میں سجدہ سہو کرلیا، اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عقیل، ساکن میرنچک پوسٹ چکدریا، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعائے قنوت کے لئے تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا سنت ہے، واجب نہیں ہے، اس کے ترک سے نماز میں خرابی نہیں آتی ہے؛ البتہ خلاف سنت ہوتا ہے۔

عن عبدالرحمن بن الأسود، عن أبيه قال: كان عبدالله يقرأ في آخر ركعة من الوتر: قل هو الله أحد، ثم يرفع يديه، فيقنت قبل الركعة. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۹/ ۲۸۳، رقم: ۹۴۲۵)

فلا يسن إلا عند افتتاح كل صلاة، وعند تكبيرة القنوت في الوتر. (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في كيفية تركيب أفعال الصلاة، قديم ۱۵۵، جديد دارالكتاب ديوبند ۲۸۴)

فلا يسن رفع اليدين عندها كتكبيرة السجود، وتأثيره أن المقصود من رفع اليدين إعلام الأصم الذي خلفه، وإنما يحتاج إلى الإعلام بالرفع في التكبيرات التي يؤتى بها في حالة الاستواء كتكبيرات الزوائد في العيدين، وتكبير القنوت. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة، حكم رفع اليدين، قديم ۱/ ۲۰۷، جديد زكريا ۱/ ۴۸۵)

اور اگر دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا ہے اور بعد میں سجدہ سہو کرلیا ہے، تو نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہوگئی۔

وأما القنوت فتركه سهوا، يوجب سجود السهو؛ لأنه واجب. (بدائع

الصنائع، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، جديد زكريا ١/ ٤٠٦، قديم ١/ ١٦٧)

وأما السهو في القنوت، إن ترك القنوت ساهيا، ثم تذكر بعد ما سجد، لا يعود إلى القيام في هذه الصورة، ولا يقنت بل يمضي في صلاته، ويسجد للسهو في آخره. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو ٢/ ٣٩٨، رقم: ٢٧٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۳۱۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۲ھ

وتر کے قعدۂ اولیٰ میں بیٹھنا

سوال [۴۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وتر کی نماز تین رکعت ہے، غیر مقلدین حضرات کہتے ہیں کہ بیچ کے قاعدہ میں حضور اکرم ﷺ نہیں بیٹھتے تھے۔ اور ہم لوگ بیٹھتے ہیں، اس سے ہمیں مطلع کرو۔

المستفتی: ملاجی اللہ دئے، موضع شہباز پور، تھانہ پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وتر کی تین رکعت اور دو رکعت پر قعدہ کرنا حدیث سے ثابت ہے کہ جس طرح مغرب کی نماز تین رکعت اور دو رکعت پر قعدہ ہے، اسی طرح وتر میں بھی مغرب کی طرح بیچ میں قعدہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وتر کی نماز بالکل مغرب کی نماز کی طرح ہے۔

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: الوتر ثلاث، كوتر النهار صلاة المغرب. (طحاوی شریف، كتاب الصلاة، باب الوتر ركعة من آخر الليل، مكتبه رحيميه ديوبند ١/ ١٧٣، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٣٨٢، رقم: ١٧٠٢،

المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يوتر بثلاث أو أكثر، مؤسسة علوم القرآن، جديد ٤/ ٤٩٠، رقم: ٦٨٨٩، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٩/ ٢٨٢، رقم: ٧٨٠، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب من أوتر بثلاث موصولات بتشهدين وتسليم، دارالفكر جديد ٤/ ١٢٦، رقم: ٤٩١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴؍رمضان ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۸۱/۲۷)

وتر میں دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے

سوال [۳۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عمر وبکر کو دعائے قنوت یاد نہیں ہے، وہ اس کی جگہ کوئی اور دعا وغیرہ پڑھ لیتے ہیں اور اس پر مداومت کرتے ہیں، دعائے قنوت یاد کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں، تو کیا ان کی نماز ہوجاتی ہے؟

المستفتی: اسرار احمد محلّہ ضابطہ گنج، نجیب آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دعائے قنوت پڑھنا واجب ہے۔ **ويجب قراءة قنوت الوتر عند أبي حنيفة.** (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجبات الصلوات، قديم، ص: ١٣٧، جديد دارالكتاب ديوبند ٢٥٢) اوردعائے قنوت متعین طور پر اس دعا کا نام نہیں ہے جو مشہور ہے؛ بلکہ وتر کی تیسری رکعت میں جو بھی دعا پڑھی جائے اس کو دعائے قنوت کہا جائے گا؛ البتہ "**اللهم إنا نستعينک**" **الخ** پڑھنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۳/ ۴۴۹)

اس لئے زید عمر بکر کی نماز ہوجائے گی؛ البتہ مشہور ومنقول دعائے قنوت کا یاد کرلینا بہتر ہے۔

وليس في القنوت دعاء مؤقت، كذا في التبيين، والأولىٰ أن يقرأ:

اللهم إنا نستعينک. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن في الوتر، زكريا قديم ١/ ١١١، جديد ١/ ١٧٠)

وليس في القنوت دعاء مؤقت؛ لأنه يذهب برقة القلب، هكذا ذكره محمد رحمه الله قال في المحيط والذخيرة: يعني غير قوله: ''اللهم إنا نستعينک إلى آخره اللهم اهدنا إلى آخره. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل إمداديه ملتان ١/ ١٧٠، زكريا ١/ ٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۵۳/۲۵)

جسے دعائے قنوت یاد نہ ہوتو وہ کیا پڑھے؟

سوال [۳۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر نمازی وتروں میں دعائے قنوت نہ پڑھ سکے یعنی اس کو یاد نہ ہو، تو اس کو وتروں میں دعائے قنوت کی جگہ کیا پڑھنا چاہئے؟ جو صحیح طریقہ ہو وہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: حافظ محمد عمر سلیم پور گڑھی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہیں ہے تو وہ دعائے قنوت کی جگہ ''ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار'' پڑھ لے۔ اور یہ بھی یاد نہیں ہے، تو تین مرتبہ ''اللهم اغفر لی'' پڑھ لے۔ اور اگر یہ بھی یاد نہیں ہے تو ''یا رب'' تین مرتبہ پڑھ لے۔

ومن لم يحسن القنوت يقول: ''اللهم اغفرلي'' ثلاث مرات، أو ''ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار''، أو ''يارب، يا

رب، یا رب''. (نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، باب الوتر، إمدادیه دیوبند، ص: ۹٤)

(ومن لم یحسن) التقیید به لیس بشرط، بل یجوز لمن یعرف الدعاء المعروف أن یقتصر علی واحد مما ذکر، أو یقول: ربنا آتنا في الدنیا حسنة، قال صاحب البحر: الظاهر أن الاختلاف في الأفضلیة لا في الجواز. (حاشیة الطحطاوي علی المراقي، قدیم ۲۱۰، جدید دارالکتاب دیوبند ۳۸٤)

ومن لا یحسن دعاء القنوت قال المرغیناني: یقول علی وجه الاستحباب: اللهم اغفرلي، ثلاثا، وفي الواقعات، والذخیرة: اللهم اغفرلنا ثلاثا، أو أکثر، وقیل: یقول: یا ربي ثلاثا، ذکره في الذخیرة، وقیل: یقول: ''ربنا آتنا في الدنیا حسنة وفي الآخرة حسنة'' وهو اختیار بعض المشایخ.

(البنایة، کتاب الصلاۃ، باب الوتر، اشرفیه ۲/ ۵۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۴/۱۴۱۵ھ

طلوع صبح صادق کے بعد نماز وتر کی قضاء

سوال [۳۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طلوع صبح صادق کے بعد وتر کی قضاء کرنا کیسا ہے؟ وتر کی قضاء جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلوع صبح صادق کے بعد وتر کی قضاء کرنا جائز اور درست ہے؛ کیوں کہ ان اوقات میں واجب نمازوں کی قضاء درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۳۵۸، جدید، انوار مناسک: ۳۸۸)

والواجبات علی قسمین: قسم وجب بإیجاب العبد کالمنذورة،

وقسم وجب بإيجاب الله تعالىٰ يجوز أداؤه في هذين الوقتين، وما وجب بإيجاب العبد لا يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ٢/ ١٥، رقم: ١٥٢٢)

ويكره أن يتنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتي الفجر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يزد عليهما فقد منع عن تطوع آخر ليبقى جميع الوقت كالمشغول بهما لكن صلاة فرض آخر فوق ركعتي الفجر، فجاز أن يصرف الوقت إليه. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، قبيل باب النوافل إمداديه ملتان، ١/ دارالكتاب ديوبند ١/ ٨٤)

إن الوتر أقوى من سائر السنن، حتى أنها تقضي إذا انفردت بالفوات ألا ترى! أن لا وتر بعد الصبح، المراد النهي عن تأخيرها لا في قضائها، وكذلك تقضى بعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس. (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة، دارالكتب العلمية، بيروت، ١/ ١٥٥)

الوتر يقضى بعد طلوع الفجر بالإجماع بخلاف سائر السنن. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، زكريا ١/ ٤٣٧، كراچی ١/ ٢٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۱۰/۴۰)

وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا

سوال [۳۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وتروں کے بعد دو نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے، جب کہ ایسی حدیثیں ملتی ہیں کہ تمہاری آخری نماز وتر ہو یا اپنی نماز وتروں پر ختم کرو، اکثر لوگ وتروں سے پہلے نفل چھوڑ دیتے ہیں اور وتروں

کے بعد نفل پابندی سے پڑھتے ہیں، اکثر بزرگوں کا معمول رہا ہے کہ انہوں نے پابندی سے تہجد پڑھی ہے، تو وہ وتر بھی چھوڑ دیتے ہیں اور تہجد کے بعد وتر پڑھتے ہیں۔

المستفتی: ماسٹر عبدالحق صدیقی لائن ا، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا ثبوت بھی حدیث سے ثابت ہے۔

عن أم سلمة –رضی الله عنها– أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الوتر ركعتين خفيفتين، وهو جالس. (ابن ماجة شريف، الصلاة، باب ما جاء في الركعتين بعد الوتر جالسا، النسخة الهندية/ ٨٥، دار السلام، رقم: ١١٩٥، سنن الدار قطني، كتاب الوتر، في الركعتين بعد الوتر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/ ٢٦، رقم: ١٦٦٦، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٢٩٨- ٢٩٩، رقم: ٢٧٠٨٨)

جن روایات میں وتر کو آخری نماز قرار دینے کو کہا گیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ رات میں تہجد کی نمازوں کے بعد وتر کی نماز پڑھا کرو اور وتر کے بعد دو رکعت تہجد سے الگ نماز ہے؛ اس لئے تعارض نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۰۷)

وتر کے بعد کی دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال [۳۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بوڑھے عالم کا کہنا ہے کہ رمضان شریف میں وتر کے بعد کی دو نفلیں کھڑے ہوکر پڑھنے سے بیٹھ کر پڑھنا افضل ہے؛ لیکن جدید فارغ شدہ عالم کا کہنا ہے کہ ان نفلوں کا

کھڑے ہوکر پڑھنا بیٹھ کر پڑھنے سے افضل ہے اور ثواب زیادہ ملے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں عالموں میں سے کس کا قول صحیح اور کس کا غلط ہے؟

المستفتی: محمد ہارون متعلم شعبہ افتاء، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وتر کے بعد کی دونفلیں بیٹھ کر پڑھنے کے مقابلہ میں کھڑے ہوکر پڑھنے میں زیادہ ثواب اور فضیلت ہے، چاہے رمضان المبارک میں ہو یا غیر رمضان میں۔ اوران دونوں نفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں؛ لہٰذا جدید فارغ شدہ عالم کا قول ہی صحیح ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۵۹، ۴۶۱، کفایت المفتی، قدیم ۳/ ۲۶۶، ۳/ ۲۶۷، جدید زکریا ۳/ ۳۱۵، زکریا مطول ۴/ ۵۷۳، فتاوی دار العلوم، زکریا ۴/ ۲۱۸، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۱۶۸، جدید ڈابھیل ۷/ ۲۲۹، فتاوی رشدیہ مبوب، ص: ۳۰۱)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– حدثت أنه صلى الله عليه وسلم قال: صلاة الرجل قاعدا نصف صلاة القائم، فأتيته فوجدته يصلي جالسا، قال: حدثت يا رسول الله إنک قلت صلاة الرجل قاعدا على النصف من صلاة القائم، وأنت تصل قاعدا، قال: أجل، ولكن لست كأحدكم. (حاشيه چلپی علی تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، إمداديه ملتان ۱/ ۱۷۵، جديد زكريا ۱/ ۴۳۷، ۴۳۸)

عن عبدالله بن عمرو قال: حدثت أن رسول الله ﷺ قال: صلاة الرجل قاعدا نصف الصلاة، قال: فأتيته وهو يصلي جالسا، فوضعت يدي على رأسه، فقال: مالک؟ يا عبدالله بن عمرو! قلت: حدثت يا رسول الله أنک قلت: صلاة الرجل قاعدا على نصف الصلاة، وأنت تصلي قاعدا، قال: أجل، ولكني لست كأحدكم. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب جواز النافلة وقائما وقاعدا، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۲، بيت الأفكار، رقم: ۷۳۵، مسند البزار،

مکتبه العلوم والحکم ٦/ ٣٥٢، رقم: ٢٣٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۲۳)

کیا فرائض اور وتر کے درمیان ترتیب واجب ہے؟

سوال [۳۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صاحب ترتیب کے اوپر جس طرح فرائض کے درمیان ترتیب واجب ہوتی ہے، اسی طرح فرض اور وتر کے درمیان بھی ترتیب واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ مثلاً کسی صاحب ترتیب نے عشاء کی نماز پڑھ لی اس کے بعد دیگر مصروفیات میں مشغول ہوگیا اور وتر پڑھنا بھول گیا اور اسی حالت میں فجر کی نماز بھی پڑھ لی اور پھر ظہر اور عصر کی نماز بھی پڑھ لی، مغرب کی نماز کے درمیان یاد آیا کہ وتر کی نماز نہیں پڑھی ہے، تو ایسی صورت میں وتر فوت ہونے کے بعد جو نمازیں پڑھی گئی ہیں وہ صحیح ہوگئی یا نہیں؟ نیز مغرب کی نماز میں جو یاد آیا ہے، اس نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبید اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صاحب ترتیب کے لئے وتر اور فرائض کے درمیان ترتیب قائم رکھنا واجب ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، حضرات صاحبینؒ کے نزدیک وتر کی نماز واجب نہیں ہے، سنت ہے اور سنتیں فرض کے تابع ہوتی ہیں اور وتر کی نماز حضرات صاحبینؒ کے نزدیک عشاء کی سنن بعدیہ کی طرح عشاء کے تابع ہے؛ لہٰذا اگر عشاء کی فرض نماز پڑھ لی گئی ہے اور سنتیں رہ گئی ہیں، اسی حالت میں فجر کا وقت ہوکر دن طلوع ہوگیا ہے تو اب سنتوں کی قضاء لازم نہیں؛ اس لئے کہ وقت نکل جانے کے بعد سنتوں کی قضاء

نہیں ہوا کرتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں حضرات صاحبینؒ کے قول کے مطابق صاحب ترتیب کی ترتیب باقی رہے گی، وتر کی نماز فوت ہوجانے کی وجہ سے صاحب ترتیب کی ترتیب میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ صاحبینؒ کے قول کی تائید کتب فقہ کی ذیل کی عبارات سے ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائے:

والمسألة الثانية: وهو أن من صلى الفجر وهو ذاكر أنه لم يوتر ...... عندهما يجوز؛ لأن مراعاة الترتيب بين السنة والمكتوبة غير واجبة. (بدائع الصنائع، زكريا ١/ ٦١٠)

والوتر كالفرض عملا، فذكره مفسد عند الإمام خلافا لهما، ومبنى الخلاف على أن الوتر واجب عنده، وسنة عندهما، ولا ترتيب بين الفرائض والسنن. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الوتر، مكتبه فقه الأمت ١/ ٢١٦، مثله في الهداية، أشرفي بكڈپو ديوبند ١/ ١٥٦)

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر ایک مستقل واجب نماز ہے، سنت کی طرح عشاء کے تابع نہیں ہے؛ اس لئے جس طرح فرض نمازوں کے درمیان صاحب ترتیب پر ترتیب کا باقی رکھنا واجب ہوا کرتا ہے، اسی طرح فرض اور وتر کے درمیان میں بھی ترتیب کا باقی رکھنا واجب ہے اور وقت نکل جانے کے بعد بھی وتر کی نماز قضاء کرنا ذمہ میں واجب رہتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ مسئلہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق مذکورہ صاحب ترتیب شخص کی نمازیں جو فجر سے لے کر مغرب تک پڑھی گئی ہیں، فساد موقوف کے طور پر موقوف رہیں گی اور اس کے اوپر لازم ہے کہ مغرب کی نماز پوری کرنے کے بعد پہلے وتر کی نماز پڑھے، اس کے بعد فجر، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب کی نماز کا اعادہ کرے، اس سے اس کی ترتیب اپنی جگہ قائم ہوجائے گی، اس سے متعلق فقہی جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

والمسألة الثانية: وهو أن من صلى الفجر وهو ذاكر أنه لم يوتر وفي الوقت سعة لا يجوز عنده؛ لأن الواجب ملحق بالفرائض في العمل، فيجب

مراعاة الترتيب بينه وبين الفرائض. (بدائع الصنائع، زكريا ١/ ٦١٠)

فلو صلى فرضا ذاكرا فائتة ولو كانت وترا فسد فرضه فسادا موقوفا، وتحته في حاشية الطحطاوي قوله: ولو كانت وترا: أي لأنه فرض عملي عنده. (حاشية الطحطاوي على المراقي، أشرفيه بكڈپو ٤٤٤)

لو صلى الصبح وهو ذاكر أنه لم يصل الوتر، فصلاة الصبح فاسدة عند أبي حنيفة لوجوب الترتيب بين الوتر والفريضة. (الموسوعة الفقهية ٧/ ٣٠١)

فرض الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر فائتا كلها أو بعضها، أي إن كان الكل فائتا فلا بد من رعاية الترتيب بين الفروض الخمسة، وكذا بينها وبين الوتر، وكذا إن كان البعض فائتا والبعض وقتيا لابد من رعاية الترتيب، فيقضى الفائتة قبل أداء الوقتية ولم يجز فرض فجر من ذكر أنه لم يوتر ...... هذا عند أبي حنيفة ...... بناء على وجوب الوتر عنده. (شرح وقاية، مكتبه ياسر نديم ١/ ١٨١-١٨٢)

صاحب ترتیب حضرات کے لئے احتیاط اسی میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق عمل کریں اور اسی کے مطابق ترتیب قائم رکھیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۸/۱۱ھ

عشاء اور وتر کے مابین ترتیب کا حکم بعض شرائط کے ساتھ مقید

سوال [۳۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وتر کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے یا عشاء کا ہی وقت ہے؟ اگر عشاء کی نماز سے قبل وتر پڑھ لی تو اس وتر کا کیا حکم ہے؟ کیا عامدا اور ناسیا اور اختیاری اور غیر

اختیاری کا کوئی فرق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال کے جواب سے پہلے اتنی وضاحت ضروری ہے کہ وتر کی نماز صرف حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک واجب ہے اور حضرات صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر کی نماز واجب نہیں ہے؛ بلکہ سنن بعدیہ کی طرح سنت ہے اور سنتوں کا جو حکم ہے وہی نماز وتر کا بھی حکم ہے۔اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق تمام متأخرین نے وتر کے واجب ہونے پر فتوی دیا ہے، یہی حنفیہ کا مفتی بہ اور صحیح ترین قول ہے۔اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کا وقت بعینہٖ عشاء کا وقت ہونے کے ساتھ ساتھ ہے اور عشاء اور وتر کے درمیان ترتیب بھی واجب ہے؛ لیکن ترتیب کا وجوب مطلقاً نہیں ہے؛ بلکہ عامداً اور حالت اختیاری کے ساتھ مشروط ہے؛ لہٰذا اگر جان بوجھ کر بلا کسی عذر کے وتر کو عشاء سے پہلے پڑھ لیا تو عشاء کی نماز کے بعد دوبارہ وتر کا اعادہ واجب ہے؛ لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے یا بھول کر کے وتر کی نماز کی ادائے گی عشاء سے پہلے ہوجائے یا کسی وجہ سے عشاء کی نماز فاسد ہوجائے اور وتر کی نماز صحیح ہوجائے، پھر جب عشاء کی نماز کا اعادہ کیا جائے تو وتر کا اعادہ لازم نہیں ہوتا، سنتوں کا اعادہ ہر حال میں لازم ہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک عذر یا غیر عذر دونوں صورتوں میں سنن بعدیہ کی طرح وتر کا اعادہ لازم ہوجاتا ہے؛ اس لئے کہ ان کے نزدیک وتر واجب ہی نہیں۔اور فتویٰ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے؛ لہٰذا اگر کسی امام نے بے خیالی میں بھول کر عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھادی ہے، یا ناپاک کپڑے میں پڑھادی ہے اور اس نے عشاء کی نماز کے بعد حدث یا پیشاب وغیرہ کی وجہ سے دوبارہ وضو کرلیا، وضو کر کے وتر اور سنن پڑھ لی، اس کے بعد اس کو پتہ چلا کہ عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھائی گئی ہے، یا عشاء کی نماز ناپاک کپڑے میں پڑھی تھی، مگر وتر اور سنن پاک کپڑے میں پڑھی گئی ہیں، تو ایسی صورت میں عشاء کی نماز کے اعادہ کے ساتھ ساتھ صرف

سنتوں کا اعادہ لازم ہے، وتر کا اعادہ لازم نہیں ہے۔

وعند أبي حنيفة: وقته وقت العشاء، فإن قيل: لو كان وقت الوتر وقت العشاء لجاز تقديمه على العشاء أجاب بقوله: إلا أنه لا يقدم عليه عند التذكر يعني إذا لم يكن ناسيا للترتيب، وعلى هذا إذا أوتر قبل العشاء متعمدا أعاد الوتر بلا خلاف، وإن أوتر ناسيا للعشاء، ثم تذكر لا يعيده؛ عنده؛ لأن النسيان يسقط الترتيب، ويعيده عندهما؛ لأنه سنة العشاء كركعتي العشاء، فلو قدم الركعتين على العشاء لم يجز عامدا كان أو ناسيا، فكذلك الوتر. (عناية على الفتح، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، زكريا ١/ ٢٢٦، دارالفكر ١/ ٤٢٤، كوئٹه ١/...... وهكذا في البناية أشرفيه ديوبند ٢/ ٣٢)

إن أوتر في وقت العشاء قبل أن يصلى العشاء، وهو ذاكر لذلك لم يجز بالإتفاق. وفي الكافي: ولو صلى العشاء بلا وضوء، ثم توضأ وصلى السنة والوتر، ثم علم أنه صلى العشاء بلا وضوء يعيد العشاء عنده والسنة، ولا يعيد الوتر، وعندهما يعيد الوتر أيضا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل ١٠، قضاء الفائتة، زكريا ٢/ ٤٥٠، رقم: ٢٩٥٠)

أما أصل الوقت فوقت العشاء عند أبي حنيفة إلا أنه شرع مرتبا عليه حتى لا يجوز أداءه قبل صلاة العشاء مع أنه وقته لعدم شرطه، وهو الترتيب إلا إذا كان ناسيا، كوقت أداء الوقتية، وهو وقت الفائتة لكنه شرع مرتبا عليه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، فصل في بيان وقتها، كراچی ١/ ٢٧٢، زكريا ١/ ٦١٠)

وقت العشاء والوتر من غروب الشفق إلى الصبح، ولا يقدم الوتر على العشاء لوجوب الترتيب، لا لأن وقت الوتر لم يدخل حتى لو صلى الوتر قبل العشاء ناسيا أو صلاهما فظهر فساد العشاء دون الوتر، فإنه يصح الوتر ويعيد العشاء وحدها عند أبي حنيفة؛ لأن الترتيب يسقط بمثل هذا العذر.

(هـنـدية، كتـاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت، زكريا قديم ۱/ ۵۱، جديد ۱/ ۱۰۸)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۲)

عشاء امام صاحب کے پیچھے اور وتر مقتدی کے پیچھے پڑھنا

سوال [۳۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
کیا ایسا مقتدی جس نے نماز باجماعت پڑھی ہے (لیکن امام صاحب اچانک چلے گئے) تو کیا نماز وتر اس مقتدی کے پیچھے جائز ہے یا ایسی حالت میں فرداً فرداً وتر پڑھی جائے؟

المستفتی: احقر عابد رضا بارہ دری محمد علی روڈ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کے علاوہ مقتدی کے پیچھے بھی نماز وتر باجماعت جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/ ۱۵۸)

لـكـن ينبغي أن يكون قول القهستاني معه احترازا عن صلاتها منفردا، أمـا لـو صـلاها جماعة مع غيره، ثم صلى الوتر معه لا كراهة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ۲/ ۵۰۰، كراچی ۲/ ۴۸، مصري ۱/ ۶۶۳)

ولـو لـم يـصـل التراويح جماعة مع الإمام فله أن يصلي الوتر معه، ثم ذكـر بـعـده أنـه لـو صـلـى التـراويـح مـع غيره له أن يصلي الوتر معه، وهو الصحيح. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، كوئٹه ۲/ ۷۰، زكريا ۲/ ۱۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۶۹)

تراویح نہ پڑھنے والے کا وتر کی جماعت میں شریک ہونا

سوال [۳۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری جماعت دہلی سے وطن واپس آرہی تھی رمضان میں، ایک جگہ نماز عشاء پڑھنی تھی، مسجد میں تراویح ہورہی تھی، ہم نے اپنی الگ عشاء کی جماعت کی اور تراویح کسی نے نہیں پڑھی، مسجد میں وتر کی جماعت ہونے لگی تو کیا ہم اس وتر کی جماعت میں مسجد میں شریک ہوسکتے ہیں، جب کہ ہم میں سے کسی نے بھی تراویح نہیں پڑھی یا ہم اپنی وتر کی نماز جماعت سے الگ ہی پڑھ لیں یا الگ الگ پڑھیں؟ شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں۔

المستفتی: سعید احمد قاسمی، امام مدنی جامع مسجد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: وتر مستقل نماز ہے، اس کی جماعت عشاء کی جماعت کے تابع نہیں ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ حضرات عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد تراویح پڑھنے سے پہلے امام صاحب کے ساتھ وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/ ۲۱۵-۲۱۷، فتاوی محمودیہ جدید ۷/ ۲۷۲، کتاب المسائل ۱/ ۴۱۱)

ولو لم يصلها، أي التراويح بالإمام أو صلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه، لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة؟ فليراجع ...... أما لو صلاها جماعة مع غيره، ثم صلى الوتر معه لا كراهة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ۲/ ۴۸، زكريا ۲/ ۴۹۹-۵۰۰)

قوله: فليراجع قضية التعليل في المسألة السابقة لقولهم: لأنها تبع أن يصلي الوتر بجماعة في هذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح، ولا للعشاء عند الإمام رحمه الله. (حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كوئٹه ۱/ ۲۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۰/۱۲/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۳۱)

جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا نہ کی ہو وہ وتر کی جماعت میں شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۳۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عشاء کی نماز باجماعت ادا نہیں کی، تو کیا زید تراویح میں شریک ہونے کے بعد وتر میں شریک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر شریک ہوسکتا ہے تو کس صورت میں؟ اور اگر شریک نہیں ہوسکتا تو کس صورت میں؟ اس کا تفصیل کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شمس الدین قاسمی، رجب پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ایسا آدمی وتر کی نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے۔ اور ''شامی'' کی جس عبارت سے ممانعت ثابت ہے وہ عبارت حضرات فقہاء اور اہل فتاوی کے نزدیک مخدوش اور ناقابل اعتبار ہے؛ اس لئے کہ علامہ شامی سے بہت بڑی بڑی شخصیات علامہ طحطاویؒ وغیرہ نے اس قسم کی عبارات پر سختی سے رد فرمایا ہے۔ اور جواز پر دلیل بیان فرمائی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۱۵۲)

قضية التعليل في المسألة السابقة لقولهم: لأنها تبع أن يصلى الوتر بجماعة في هذه الصلاة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء...... عند الإمام.

(طحطاوی علی الدر المختار، باب الوتر والنوافل، بحث التراويح، كوئٹه ۱/ ۲۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۱۲)

اکیلے عشاء پڑھنے والے کا وتر کی جماعت میں شریک ہونا

سوال [۳۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص عشاء کی فرض نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا ہوتو کیا وہ وتر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بریلوی مسلک کے مفتیان کرام نے منع فرمایا ہے کہ جو عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو وہ وتر اپنی الگ سے پڑھے۔ مدرسہ حیات العلوم کے کتابچہ میں لکھا ہے کہ جو شخص عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو وہ بھی وتر کی نماز امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اوراس میں حدیث بھی لکھی ہوئی ہے۔ جناب مفتی عبدالجلیل صاحب قاسمی نگینہ مدرسہ رشیدیہ کے مفتی تھے، انہوں نے بھی اس شخص کو جو عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو وہ وتر الگ پڑھے لکھا ہے۔ برائے مہربانی مفصل مدلل حوالہ کے ساتھ بندہ ناچیز کو جواب سے نوازیں۔

المستفتی: قاری سلطان قاسمی، امام مسلم کالج والی مسجد کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کی نماز باجماعت نہ پڑھ سکے، اس کے لئے وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، جب کہ اس نے اپنی نماز عشاء الگ سے پڑھ لی ہو، یہی صحیح اور راجح ہے۔ اور ناجائز کہنا صحیح نہیں ہے۔ حیات العلوم کے کتابچہ میں صحیح لکھا ہے۔

وكان رجل قد صلى الفرض وحده، فله أن يصليها مع ذلك الإمام؛ لأن جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ٢/ ٤٨، زكريا ٢/ ٤٩٩)

هذا قضية التعليل في المسألة السابقة لقولهم: أنها تبع أن يصلي الوتر بجماعة في هذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح ولا

للعشاء عند الإمام. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كوئٹه ۱/ ۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۳ھ

نمازِ عشاء کی جماعت چھوٹنے والے کا وتر کی نماز باجماعت پڑھنا

سوال [۳۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عشاء کی فرض نماز کی جماعت نہ ملے تو وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عابد رضا بارہ دری محمد علی روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہاں زیادہ صحیح اور راجح یہی ہے کہ عشاء کی فرض نماز باجماعت نہ پڑھنے کی صورت میں بھی رمضان المبارک میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھی جائے، وتر کی جماعت میں شریک ہونا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم، زکریا ۴/ ۱۵۲، احسن الفتاوی، زکریا ۳/ ۴۵۹)

كما صرح به في الطحطاوي على الدر، قضية التعليل في المسألة السابقة لقولهم: لأنها تبع أن يصلي الوتر بجماعة في هذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الإمام رحمه الله تعالىٰ. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، كوئٹه ۱/ ۲۹۷)

وفي الصغيري: وإذا لم يصلى الفرض مع الإمام (إلى قوله) والصحيح أنه يجوز أن يتبعه في ذلك كله. (صغيري مطبع مجتبائي دهلى ۲۱۰)

وفي الهندية: صلى العشاء وحده فله أن يصلي التراويح مع الإمام، ولو

تـركـوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح بجماعة، وإذا صلى معه شيئا من التراويح أو لم يدرك شيئا منها، أو صلاها مع غيره له ان يصلي الـوتر معه هو الصحيح. (فتـاوى عـالمگيرى، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ۱/ ۱۱۷، جديد ۱/ ۱۷٦)

اورعلامہ شامی کی تحریراس کے خلاف ہے؛ لیکن مذکورہ کتابوں میں جواز کی صراحت موجود ہے۔اورقاعدہ کا تقاضہ بھی جواز کا ہے۔علامہ شامی کی تحریرمیں دلیل کچھ نہیں ہے۔ **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۹؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/ ۸٦۹)

ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم أَمَّا بَعْد! وتر کی نماز کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں مختلف طریقے مروی ہیں؛ لیکن حضرات ائمہ ٔ اربعہ اور جمہورامت کے نزدیک وتر کی نماز تین رکعت ہے؛ البتہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ تینوں رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں یا دوسلاموں کے ساتھ؟ تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وتر کی تینوں رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں، اوراس کے ثبوت میں ہم آپ کے سامنے متعدد حدیثیں پیش کریں گے، اورحضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک وتر کی نماز تین ہی رکعت ہیں مگر دوسلاموں کے ساتھ ہیں، یہی امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے، اوران کے مسلک کے مطابق بھی حدیث کی کتابوں میں روایات موجود ہیں، اور چونکہ اس مختصر سے مضمون میں ایک سلام کے ساتھ وتر کی نماز کو ثابت کرنا ہے؛ اس لئے اس سے متعلق ہم آپ کے سامنے روایات پیش کرتے ہیں۔

ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر کی گیارہ (۱۱) روایات

ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر کے ثبوت میں گیارہ (۱۱) روایات پیش خدمت ہیں، جن میں تین مرفوع ہیں، باقی آثار تائید میں ہیں۔ امام نسائیؒ نے سندِ صحیح اور حسن مرفوع کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ سے ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر کی روایت کو صاف الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(**۱**) أخبرنا يحيىٰ بن موسىٰ قال: أخبرنا عبد العزيز بن خالد قال: حدثنا سعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن عزرة عن سعيد بن عبدالرحمن بن أبزىٰ عن أبيه عن أبي بن كعبؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأفي الوتر بسبح اسم ربك الأعلى، وفي الركعة الثانية بقل يا أيها الكافرون، وفي الثالثة بقل هو الله أحد، ولا يسلّم إلّا في آخرهنّ، ويقول يعني بعد التسليم: سبحان الملك القدوس ثلاثاً. (سنن نسائي ۱/ ۱۹۱، جديد برقم: ۱۷۰۲)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ ”سبح اسم ربک الأعلی“ اور دوسری رکعت میں ”قل یا أیها الکافرون“ اور تیسری رکعت میں ”قل هو الله أحد“ پڑھا کرتے تھے، اور تینوں رکعت کے آخر میں سلام پھیرتے تھے اور سلام کے بعد تین مرتبہ ”سبحان الملک القدوس“ پڑھا کرتے تھے۔

(**۲**) عن عائشة قالت: كان نبي الله صلى الله عليه وسلم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز میں دو

لایسلّم في رکعتي الوتر. (طحاوي شریف ۱/ ۳٦۳ برقم: ۱٦۳۰، السنن الکبری ٤/ ۱۲۷ برقم: ٤۹۱۹، مصنف ابن أبي شیبة ٤/ ٤۹٤ برقم: ٦۹۱۲، السنن الکبری للنسائي ۱/ ٤٤۰ برقم: ۱٤۰۰، المحلی بالآثار ۱/ ۸۹)

رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(۳) عن عائشة قالت: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یؤتر بثلاث لایسلّم إلاّ في آخرهنّ، وهذا وتر أمیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ، وعنه أخذه أهل المدینة.

(مستدرك حاکم ۲/ ٤٤۱ برقم: ۱۱٤۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی نماز تین رکعت پڑھا کرتے تھے، اور ان تینوں کے درمیان میں سلام نہیں پھیرتے تھے؛ بلکہ آخر میں سلام پھیرتے تھے، اور یہی امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وتر تھے، اور انہی سے اہل مدینہ نے اس عمل کو اختیار فرمایا ہے۔

(٤) عن المسور بن مخرمة قال: دفنا أبا بکر لیلاً فقال عمر: إني لم أوتر، فقام وصففنا وراءه، فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم إلا في آخرهنّ. (طحاوي شریف ۱/ ۳۸۱ برقم: ۱۷۰۰)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت میں دفن کرکے فارغ ہوگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیشک میں نے وتر کی نماز نہیں پڑھی ہے، پھر وہ وتر کی نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، اور ہم ان کے پیچھے صف بندی کرکے کھڑے ہوگئے تو انہوں نے ہم کو تین رکعت وتر کی نماز پڑھائی، درمیان میں کوئی سلام نہیں پھیرا؛ بلکہ ان رکعتوں کے بالکل آخر میں سلام پھیرا۔

(٥) عن عبدالله بن مسعودؓ قال: الوتر ثلاث كوتر النهار صلاة المغرب. (طحاوي شريف ١/ ٣٨٢ برقم: ١٧٠٢، السنن الكبرى للبيهقي ٤/ ١٢٦، برقم: ٤٩١٧، مصنف ابن أبي شيبة ٤/ ٤٩٠، برقم: ٦٨٨٩)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز اسی طرح تین رکعت ہیں جس طرح وتر النہار یعنی مغرب کی نماز (تین رکعت ایک سلام کے ساتھ ہوتی ہے)۔

(٦) عن ثابت قال: صلى بي أنسؓ الوتر أنا عن يمينه و أم ولده خلفنا ثلاث ركعات لم يسلّم إلا في آخرهنّ ظننت أنه يريد أن يعلّمني. (طحاوي شريف ١/ ٣٨٢، برقم: ١٧٠٥)

حضرت ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھے وتر کی نماز پڑھائی اور میں ان کے داہنی طرف تھا، اور ان کی ام ولد ہمارے پیچھے تھیں اور تین رکعت وتر اس طرح پڑھائی ہے کہ ان رکعتوں کے بالکل آخر میں سلام پھیرا، اور مجھے ایسا خیال ہو رہا تھا کہ وہ مجھ کو وتر کی نماز سکھا رہے ہیں۔

(٧) حدثنا وكيع عن حماد بن سلمة عن ثابت عن أنسؓ أنه أوتر بثلاث لم يسلّم إلا في آخرهنّ. (مصنف ابن أبي شيبة ٤/ ٤٩٣، برقم: ٦٩١٠)

حضرت حماد بن سلمہ حضرت ثابت بنانی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین رکعت وتر کی نماز پڑھی درمیان میں کوئی سلام نہیں پھیرا؛ بلکہ ان رکعتوں کے بالکل آخر میں سلام پھیرا۔

(٨) عن الحسن قال: كان أبي بن كعب –رضى الله عنه– يؤتر بثلاث لا يسلم إلا في الثالثة مثل المغرب. (مصنف عبد الرزاق ٣/ ٢٥ برقم: ٤٦٥٩)

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، درمیان میں کوئی سلام نہیں پھیرتے تھے؛ بلکہ مغرب کی طرح تیسری رکعت میں سلام پھیرتے تھے۔

(۹) عن مكحول عن عمر بن الخطابؓ أنّه أوتر بثلاث ركعات لم يفصل بينهنّ بسلام. (مصنف ابن أبي شيبة ٤/ ٤٩٢ برقم: ٦٩٠١)

حضرت مکحول حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت عمرؓ تین رکعت وتر اس طرح پڑھتے تھے کہ ان کے درمیان میں سلام کے ذریعہ سے فصل نہیں فرماتے تھے۔

(۱۰) عن أبي خالدة قال: سألت أبا العالية عن الوتر فقال: علمنا أصحاب محمدؐ صلى الله عليه وسلم، أو علّمونا أن الوتر مثل صلاة المغرب غير أنا نقرأ في الثالثة، فهذا وتر الليل، وهذا وتر النهار. (طحاوي شريف ١/ ٣٨٢، برقم: ١٧٠١)

ابو خالدہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالعالیہ سے نماز وتر کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ہم کو وتر کی نماز اس طرح سے سکھائی ہے کہ بے شک وتر کی نماز کی کیفیت نماز مغرب کی کیفیت کی طرح ہے، علاوہ اس کے کہ وتر کی تیسری رکعت میں ہم قرأت کرتے ہیں (مغرب کی تیسری رکعت میں قرأت نہیں کرتے) تو یہ رات کی وتر ہے، اور یہ دن کی وتر ہے۔

(۱۱) عن عبد الرحمٰن بن أبي الزناد عن أبيه عن السبعة سعيد بن المسيب وعروة بن الزبير والقاسم بن محمد وأبي بكر بن عبدالرحمن وخارجة بن زيد وعبيد الله بن عبدالله وسليمان بن يسار في مشيخة سواهم أهل فقه وصلاح

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی الزناد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ فقہاء سبعہ یعنی (۱) حضرت سعید بن المسیب (۲) عروہ بن الزبیر (۳) قاسم بن محمد (۴) ابوبکر بن عبدالرحمٰن (۵) خارجہ بن زید (۶) اور عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود (۷) سلیمان بن یسار، ان سب فقہاء اور اہل صلاح اور اہل فضل سے نقل فرماتے ہیں کہ بے شک وتر کی نماز تین

وفضل، وربما اختلفوا في الشيء فآخذ بقول أكثرهم وأفضلهم رأيا، فكان مما وعيت عنهم على هذه الصفة أن الوتر ثلاث لا يسلم إلا في آخرهنّ، فهذا من ذكرنا من فقهاء المدينة، وعلمائهم قد أجمعوا أن الوتر ثلاث لا يسلم إلا في آخرهنّ . (طحاوي شريف ١/ ٣٨٥، برقم: ١٧١٦)

رکعت ہے، اور درمیان میں کوئی سلام نہیں صرف اس کے آخر میں سلام پھیرا جائے گا، یہ فقہاء مدینہ اور علماء مدینہ ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، یقیناً ان لوگوں کا اتفاق اس بات پر ہے کہ تین رکعت وتر ایک سلام کے ساتھ ہے۔

روایات کا تحقیقی جائزہ

بے شک وتر کی نماز کے بارے میں بخاری مسلم ترمذی ابوداؤد وغیرہ کی صحیح حدیثوں میں متعدد طریقے مروی ہیں، اور اس کا کوئی انکار نہیں کرتا ہے کہ وہ مختلف طریقے صحیح سندوں کے ساتھ ثقہ راویوں سے مروی ہیں، اور ان تمام روایتوں کے پیش نظر علاّمہ ابن حزم ظاہری نے وتر کی نماز پڑھنے کے تیرہ (۱۳) طریقے بیان کئے ہیں، اور سب کو صحیح کہا ہے، اور کسی پر بھی رد نہیں کیا اور ہر ایک پر عمل کی اجازت دی ہے۔

(۱) تیرہ رکعت جن میں آخر میں ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ ہے (۲) تیرہ رکعت جن میں آخر میں پانچ رکعت ایک سلام کے ساتھ ہیں (۳) گیارہ رکعت جن میں آخر میں ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ ہے (۴) نو رکعت جن میں سے ایک رکعت کو وتر شمار کیا گیا (۵) نو رکعت دو قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ (۶) سات رکعتیں جن میں ایک رکعت وتر ہے (۷) سات رکعتیں ۶ / رکعت پر قعدہ اور ساتویں رکعت پر سلام کا ذکر ہے (۸) سات رکعت ایک قعدہ اور ایک سلام کے ساتھ (۹) پانچ رکعتیں جن میں ایک رکعت وتر ہے (۱۰) پانچ رکعت ایک سلام کے ساتھ (۱۱) تین رکعت دو سلام کے ساتھ (۱۲) تین رکعت ایک سلام کے ساتھ (۱۳) ایک رکعت ایک سلام کے ساتھ۔ (المحلی بالآثار مسئلہ ۲۹۰، ۲/۸۲ تا ۹۰)

اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ عامۃ المسلمین کس پر عمل کریں گے؟ اس میں امت حیران اور ششدر ہوکر رہ جائے گی کہ ہم کیا کریں، اور عامۃ المسلمین کے لئے ایک ہی طریقہ ہوتا ہے جس پر وہ مستقل عمل کرسکیں؛ اس لئے ائمہ اربعہ نے تمام روایتوں پر غور کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل کیا ہے، اس کو متعین فرمایا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہی ثابت ہوا کہ آپ نے تین رکعت وتر کی نماز پڑھی اور پڑھائی ہے، ان ائمہ اربعہ کے درمیان صرف اتنا اختلاف رہ جاتا ہے کہ یہ تین رکعت وتر دو سلاموں کے ساتھ ہیں یا ایک سلام کے ساتھ؟ تو اس بارے میں دونوں طرف روایات صحیح سندوں کے ساتھ ثابت ہیں، چنانچہ ائمہ ثلاثہ نے تین رکعت وتر دو سلاموں کے ساتھ والی روایات کو اختیار کرکے یہ مسئلہ واضح کردیا ہے کہ وتر کی نماز تین رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ ہیں، چنانچہ ان کے متبعین اسی طرح تین رکعت وتر دو سلاموں کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان روایات کو اختیار فرمایا ہے جن میں تین رکعت وتر ایک سلام کے ساتھ مروی ہیں، اور یہ روایات بھی صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں، اب اس تمہید کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چند وجوہ سے ترجیح حاصل ہے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین نے ایک سلام والی تین رکعت وتر کو اختیار فرمایا اور اسی پر عمل فرمایا ہے، جیسا کہ ماقبل میں ذکر کردہ روایت نمبر۳، اور روایت نمبر۴/ اور روایت نمبر۹/ سے واضح ہوتا ہے، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل یہی ثابت کیا گیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بہت سے صحابہ نے اسی طرح وتر کی نماز پڑھی ہے۔

(۲) خلفاء راشدینؓ کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی یہی عمل ثابت ہے، کہ وہ تین رکعت وتر ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ روایت نمبر۵/ اور روایت نمبر۶/ اور روایت نمبر۷، ۸/ سے واضح ہوتا ہے، جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت انس بن مالک اور حضرت ابی بن کعب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل واضح طور پر ثابت ہے کہ وہ تین رکعت وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، اور امت کو یہی مسئلہ بتایا کرتے تھے۔

(۳) مدینۃ المنورہ میں سات فقہاء تابعین ایسے پیدا ہوئے ہیں، جن کے علم وفضل اور ان کی فقاہت اور دیانت پر تمام امت کا اتفاق ہے، جن کو فقہاء سبعہ سے موسوم کیا جاتا ہے، ان کا

اتفاق بھی اسی پر ہے کہ وتر کی نماز تین رکعت ایک ہی سلام کے ساتھ ہے، جیسا کہ روایت نمبر ۱۱ر میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

(۴) ان تمام وجوہات سے نیز صحابہ اور تابعین کے مذکورہ آثار سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع روایت کی تائید ہوتی ہے جو سند صحیح کے ساتھ امام نسائی نے نقل فرمائی ہے جس میں حضور ﷺ کا تین رکعت وتر کی نماز ایک سلام کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے، جس کو ہم نے روایت نمبر ۱ر میں نقل کیا ہے؛ اس لئے اسی کو ترجیح حاصل ہے، اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

بوقتِ قنوتِ وتر رفعِ یدین کا ثبوت

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''جزء رفع الیدین'' میں اور امام ابوبکر ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف میں اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل فرمایا ہے کہ قنوتِ وتر رکوع سے پہلے ہے اور قنوت شروع کرنے سے پہلے رفعِ یدین ہے، اور یہی ان حضرات کا عمل رہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(۱) حدثنا عبد الرحيم المحاربي حدثنا زائدة عن ليث عن عبد الرحمٰن بن الأسود عن أبيه عن عبدالله أنه كان يقرأ في آخر ركعة من الوتر قل هو الله ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة. (جزء رفع اليدين للبخاري ص: ۲۸، المعجم الكبير للطبراني ۹/ ۲۸۳، برقم: ۹۴۲۵، مجمع الزوائد ۲/ ۲۴۴، مصنف ابن أبي شيبه جديد ۴/ ۵۳۱، برقم: ۷۰۲۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کی آخری رکعت میں ''قل ہو اللہ'' شریف پڑھتے تھے، پھر اس کے بعد رفعِ یدین کر کے قنوت پڑھتے تھے رکوع سے پہلے۔

شبیر احمد قاسمی: خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

بروز اتوار ۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

الفصل الثاني: في القنوت النازلة

قنوت نازلہ کا حدیث سے ثبوت

سوال [۳۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قنوت نازلہ کا ثبوت کسی مستند حدیث سے ہے، حدیث اور راوی کا حوالہ دیں، صحاح ستہ میں سے کسی ایک حدیث کا، اگر حدیث سے ثابت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کن مواقع میں قنوت نازلہ پڑھی ہے؟ اور کتنے دنوں تک پڑھی ہے، نیز خلفائے راشدین نے کتنے دنوں تک پڑھی ہے؟

''من أحدث في أمرنا'' حدیث کا کیا مطلب ہے؟ ۲۹/غزوات ہوئے، کیا ۲۹/ غزوات میں قنوت نازلہ پڑھ کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگ میں جایا کرتے تھے؟ نیز اصلاح معاشرہ، اصلاح نفس ضروری ہے یا قنوت نازلہ ہی امن وامان اور صلاح واصلاح کا ضامن ہے؟ علامہ قرطبیؒ نے انکار کیا ہے، کیا یہ غلط ہے؟ ہر ایک اجزاء کا الگ الگ جواب با صواب مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: تصور حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمانوں پر کفار کی طرف سے مظالم کے زمانہ میں قنوت نازلہ کا پڑھنا نبی کریم ﷺ، دور نبوت اور دور صحابہ سے صحیح اور معتبر روایات کے ذریعہ سے ثابت ہے، جب ہجرت کا سلسلہ جاری ہوا اور کمزور مسلمان مکہ میں رہ گئے اور ان پر طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی جانے لگیں، تو حضور ﷺ نے قنوت نازلہ میں ظالموں کے نام لے لے کر کے بد دعا فرمائی اور مظلوموں کے نام لے لے کر کے دعا فرمائی، پھر بیر معونہ کے موقع پر جب ستر صحابہ کو دھوکہ دے کر شہید کر دیا گیا، تو اس وقت ایک مہینہ تک مسلسل حضور ﷺ نے قنوت نازلہ پڑھی۔

سـالـم عـن أبيه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع رأسه مـن الـركـوع مـن الـركعة الآخرة من الفجر يقول: ''اللهم العن فلانا وفلانا وفـلانـا'' بـعد ما يقول: سمع الله لمن حمده ربنا ولک الحمد، كان رسول الله صـلـى الله عـلـيـه وسـلـم يـدعو على صفوان بن أمية، وسهيل بن عمرو، والحارث بن هشام. (بـخـاري شـريف، كتاب المغازي، باب قوله ثم انزل عليكم من بعد الغم الآية، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۲، رقم: ۳۹۲۲، ف: ۴۰۶۹)

إن نبـي الله صـلـى الله عـلـيـه وسلم قنت شهرا في صلاة الصبح يدعو عـلـى أحياء من أحياء العرب على رعل وذكوان وعصية، وبني لحيان، ...... أولـئـک السبعين من الأنصار قتلوا ببئر معونة. (بـخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع، ورعل وذكوان، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۶، رقم: ۳۹۴۳، ف: ۴۰۹۰)

الـلـهـم أنـج الـولـيـد بـن الوليد، ومسلمة بن هشام وعياش ابن أبي ربيـعة، الـلـهـم اشـدد وطـأتـک عـلـى مضر واجعلها سنين كسني يوسف يجهر بذلک. (بـخـاري شريف، كتاب التفسير، باب قوله: ليس لك من الأمر شيء، النسخة الهندية ۲/ ۶۵۵، رقم: ۴۳۷۴، ف: ۴۵۶۰)

أن أبا بكر قنت في الفجر. (الـمصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، من كان يقنت فى الفجر ويراه، مؤسسة علوم القرآن جديد ۵/ ۳۰، رقم: ۷۰۷۴، قديم: ۲/ ۳۱۱)

عن زيد بن وهب قال: ربما قنت عمر في صلاة الفجر. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، مـن كـان يـقنت فى الفجر ويراه، قديم: ۲/ ۳۱۱، موسسة علوم القرآن جديد ۵/ ۳۱، رقم: ۷۰۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱ھ

قنوت نازله

سوال [۳۰۳۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قنوت نازلہ کے بارے میں تفصیلی معلومات مطلوب ہے، جوقرآن وحدیث سے مدلل ہواور کن کن اوقات میں پڑھنا مشروع ہے، تحریر فرما کرممنون فرمائیں، تاکہ عمل کرنا آسان ہو۔

المستفتی: حافظ عبدالکلام گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قنوت نازلہ یہ ایک طرح کی دعا ہے جو کفار کی طرف سے مسلمانوں پر مظالم اور حوادثات کے پیش آنے کے وقت مظلومین کے حق میں دعا اور ظالمین کے حق میں ان کی ہلاکت و بربادی کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ اور اس کا دور نبوت اور دور صحابہ میں بھی کفار کی طرف سے مسلمانوں پر مظالم کے وقت صحیح اور معتبر روایات سے پڑھنا ثابت ہے۔ اور یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف فجر میں پڑھنا مشروع ہے۔ اور بخاری شریف میں فجر ہی میں پڑھنے کی روایت ہے۔

عن أبيه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع رأسه من الركوع من الركعة الآخرة من الفجر يقول: ”اللهم العن فلانا، وفلانا“ بعد ما يقول: سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد –إلى– كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو على صفوان بن أمية، وسهيل بن عمرو، والحارث بن هشام. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب ليس لك من الأمر شيء، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۲، رقم: ۳۹۲۲، ف: ۴۰۶۹، ۴۰۷۰)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنهما– أن النبي صلى الله عليه وسلم قنت شهرا في صلاة الصبح يدعو على أحياء من أحياء العرب على رعل وذكوان وعصية، وبني لحيان، ...... أولئك السبعين من الأنصار قتلوا ببئر

معونة . (بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع، ورعل وذكوان، النسخة الهندية ٢/ ٥٨٦، رقم: ٣٩٤٣، ف: ٤٠٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۲۳ھ

مسلمانوں پر ظلم وستم کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا

سوال [۳۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم ایک دیہی علاقہ کے رہنے والے ہیں، ہمارے یہاں تعلیم بہت قلیل ہے، ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب کسی دوسری جگہ سے مہمان بن کر تشریف لائے اور اس دور میں ہندو مسلم فسادا کثر جگہ ہو رہا تھا اور انہوں نے نماز پڑھائی عشاء وفجر کی نماز میں ایک رکعت میں رکوع کے بعد سجدے میں جانے سے قبل سیدھے کھڑے ہو کر ایک دعا پڑھی، اس کو قنوت نازلہ کہتے ہیں اور مقتدیوں نے آمین کہی۔ یعنی:

اللهم اهدنا في من هديت، وعافنا في من عافيت، وتولنا في من توليت، وبارك لنا في ما أعطيت، وقنا شر ما قضيت، فإنك تقضي ولا يقضى عليك، إنه لا يذل من واليت، ولا يعز من عاديت، تباركت ربنا وتعاليت، نستغفرك ونتوب إليك، وصلى الله على نبيه الكريم الخ.

ہم لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ دعا کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جس وقت اسلام کو یا قوم مسلم کو دشواریوں کا وقت آتا، تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مذکورہ دعا کو پڑھتے تھے، ہمیں یہ تحقیق نہیں تھی، اتنا معلوم تھا کہ نماز میں اگر کوئی بھی زیادتی یا کمی ہوگئی، تو سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، تو پھر کیا ایسے ماحول میں یہ دعا نماز مذکورہ میں پڑھنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ مدلل جواب سے نوازیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محبوب عالم رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں دشمنان اسلام کی طرف سے جب مسلمانوں پر ظلم وستم شروع ہوجائے تو اس طرح نماز میں دعا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، ایسی دعا کو ''قنوت نازلہ'' کہتے ہیں، اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی اور نماز میں جوتاخیر واجب کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، وہ حکم ان ارکان میں ہے کہ جن میں کوئی تسبیح یا دعا نہ ہو۔ اور رکوع کے بعد سجدہ سے پہلے قومہ کی حالت میں حدیث سے دعا ثابت ہے؛ اس لئے اس میں قنوت نازلہ پڑھنے سے جو تاخیر ہوئی ہے، اس سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا ہے؛ البتہ حنفیہ کے یہاں قنوت صرف فجر میں پڑھنا مسنون ہے، عشاء میں قول راجح کے اعتبار سے مسنون نہیں ہے۔ اور سجدہ سہو عشاء میں پڑھنے سے بھی لازم نہیں ہے۔

ويقنت في الأخيرة إذا رفع رأسه من الركوع، فيقول: اللهم اهدني في من هديت. الحديث (حصن حصين، ص: ٥٦)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنهما– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قنت شهرا بعد الركوع في صلاة الفجر يدعو على بني عصية. (مسلم شريف، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة، إذا نزلت بالمسلمين نازلة، النسخة الهندية ١/ ٤٣٢، بيت الأفكار، رقم: ٦٧٧)

إن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر، دون غيرها من الصلاة الجهرية والسرية. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٤٤٩، كراچی ٢/ ١١، مصري ١/ ٦٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

فاسق وفاجر مسلمانوں کے لئے قنوت نازلہ پڑھنا

سوال [۴۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص ہمیشہ اپنی گفتگو میں علماء کی توہین وتحقیر کرتا رہتا ہے، ایک مرتبہ اس نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کے ایک متبع سنت خلیفۂ عظیم کی شان میں بڑبڑاتے ہوئے تیزی کے ساتھ نازیبا گفتگو کی اور اس نے گفتگو میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ایک خلیفۂ اجل کی شان میں بھی گستاخی کی تھی، جس پر شہر کے ایک عالم نے موصوف کی گرفت کی اور مجبور کیا کہ مذکورہ بالا بزرگوں کے موجودہ وارث عالم دین شہر کے قاضی صاحب سے معافی مانگے، چنانچہ اس بدزبان شخص نے اس وقت بمجبوری معافی مانگ لی تھی؛ لیکن روش نہیں بدلی، کیا ایسا شخص کسی دینی منصب کا اہل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ شخص مذکور کا یہ عمل کیسا ہے؟

(۲) ابھی ۲؍محرم ۲۳ھ بروز اتوار بعد نماز فجر تفسیر قرآن کے بعد سب نمازیوں کے سامنے شخص مذکور نے کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ پڑھی تھی اس وقت مسلمان سو فیصد مومن ومخلص تھے اور آج تو سب مسلمان فاجر، فاسق، ظالم، مجرم ہیں اور قنوت نازلہ میں ظالموں اور مجرموں پر بددعا ہے؛ اس لئے آپ کو قنوت نازلہ نہیں پڑھنی چاہئے؟ کیا شخص مذکور کی یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ آج بھی قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) امام صاحب نے کہا کہ قنوت نازلہ کے لئے امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہ العالی نے بھی اپیل کی ہے، تو اس پر شخص مذکور نے مولانا اسعد مدنی صاحب کی شان میں گستاخی کی اور بڑبڑاتے ہوئے کہا کہ یہ شخص ملک وملت بچاؤ تحریک میں قوم کا مال ہڑپ کر گیا، اس کی کوئی بات مسلمانوں کے لئے لائق عمل نہیں، تو کیا مولانا اسعد مدنی صاحب علمائے حق میں ہیں یا نہیں؟

(۴) بدزبان شخص مذکور فتنہ پرور ہونے کے ساتھ بھوسا چور اور خائن بھی ہے، تو کیا اس شخص

کوکوئی دینی منصب سونپا جائے یا نہیں؟ شخص مذکور اگر اپنی باتوں اور حرکتوں سے توبہ نہ کرے تو اس کے باوجود اس کو امام بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ مقصد صرف صحیح بات کا معلوم کرنا ہے، کسی مومن کی توہین وتذلیل نہیں، برائے مہربانی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی سے نوازیں۔

المستفتی: شاہ محمد، حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۴) جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ تمام مسلمان فاسق وفاجر ہیں، ان کے لئے قنوت نازلہ پڑھ کر دعائیں کرنا اور ان کے خلاف دشمنوں کے لئے بد دعائیں کرنا شریعت کے منشاء کے خلاف ہے۔ اور تمام مسلمانوں کو فاسق وفاجر سمجھ رہا ہے، تو سوال یہ ہے کہ خود وہ شخص کیا ہے؟ وہ ان مسلمانوں میں شامل ہے یا خارج؟ اگر وہ کہتا ہے کہ خود بھی انہیں میں شامل ہے، تو وہ خود بھی فاسق اور فاجر ہوا۔ اور فاسق وفاجر کی کوئی بات حکم شرعی سے متعلق اور عبادات سے متعلق قابل قبول نہیں ہے؛ اس لئے اس کی باتیں سننے والے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کی باتوں کو کوئی حیثیت نہ دیں۔ اور اگر وہ یہ کہتا ہے کہ وہ خود سب مسلمانوں میں سے ایک فرد نہیں ہے، تو وہ ہے کیا؟ کیا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے خارج سمجھتا ہے؟ تو اس کا فیصلہ وہ خود کرے، اب رہی یہ بات کہ مسلمانوں پر جب دشمنان اسلام کی طرف سے ایذائیں اور تکلیفیں پہنچنے لگیں، تو قنوت نازلہ کا پڑھنا دور نبوت اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء بھی اسی کے قائل ہیں اور کتب حدیث وکتب فقہ میں اس کی کوئی قید موجود نہیں ہے کہ مسلمان فاسق ہیں یا عادل؛ بلکہ صرف اہل ایمان ہونا شرط ہے؛ اس لئے حوادثات کے وقت میں قنوت نازلہ کا پڑھنا آج بھی مسنون ہے، جیسا کہ حدیث وفقہ سے واضح ہے۔ اور حضرات مشائخ وبزرگوں کو برا بھلا کہنا اپنے اوپر مصیبت لانا ہے، ایسے شخص کو دین کے اچھے کام کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

عن أنس بن مالک – رضي اللّٰہ عنہما – أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قنت شہرا في صلاۃ الصبح یدعو علی أحیاء العرب علی رعل وذکوان

وعصية، وبني لحيان، زاد خليفة. الحديث (بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع، ورعل وذكوان، النسخة الهندية ۲/ ۵۸٦، رقم: ۳۹٤۳، ف: ٤۰۹۰)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله قال: من عادى لي وليا، فقد آذنته بالحرب. الحديث (صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب التواضع النسخة الهندية ۲/ ۹٦۳، رقم: ٦۲۵۳، ف: ٦۵۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۴۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱ھ

سخت مصیبت کے وقت فجر میں قنوت نازلہ پڑھنا

سوال [۳۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز فجر کی دوسری رکعت اور مغرب نماز کی تیسری رکعت کا رکوع کرنے کے بعد قومہ میں امام کسی قسم کی دعا عربی میں جیسے "**اللهم ألف بين قلوبهم وشتت شملهم**" وغیرہ کسی قسم کی نا گہانی آفت یا کوئی پریشانی دفع کرنے کی نیت سے وقتی طور سے بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی امام کے ہر جملہ پر آمین بالجہر کریں، بعد ختم ہونے دعا پھر امام "اللہ اکبر" کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور نماز کو پورا کرے، تو اس صورت میں فرض نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(نوٹ) ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض نماز کی جماعت میں امام کا اس طرح بلند آواز سے دعا پڑھنا اور مقتدیوں کا بلند آواز سے آمین کہنا جائز ہے یا نہیں؟۔

المستفتی: حافظ محمد شبیر چندوسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سخت مصیبت کے وقت میں امام کا فجر کی دوسری رکعت کے رکوع سے فارغ ہوکر قومہ کی حالت میں جہراً بلند آواز سے

قنوت نازلہ پڑھنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا جائز ہے؛ البتہ مقتدیوں کے لئے آہستہ اور سراً آمین کہنا بہتر ہے۔ اور سوال نامہ میں ذکر کردہ موقعوں پر دعا پڑھنا بھی جائز ہے اور یہ دعا حدیث کی مشہور کتاب ''حصن حصین ص:۵۰۶'' میں موجود ہے۔

إن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر، دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٤٤٩، كراچی ٢/ ١١، مصري ١/ ٦٢٨)

ولا شک أن القراءة والتأمين في الوتر لا يكون إلا سرا، فكذا في القنوت النازلة في الفجر. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، تتمة بقيه أحكام قنوت النازلة، دارالكتب العلمية، بيروت ٦/ ١٢٢، كراچی ٦/ ١٠١)

نوٹ: فجر کے علاوہ باقی مغرب یا کسی اور نماز میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۵۷)

قنوت نازلہ میں ملکوں کے ناموں کا اضافہ کرنا

سوال [۳۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مسجد کا امام ہے، کافی دنوں سے ہمارے یہاں ''قنوت نازلہ'' ہورہی ہے، امام مذکور معروف ''قنوت نازلہ'' کے علاوہ: **''ألـلهم انصر الأفغانيين''** اور **''اللهم أهلک الأمريكية والبريطانية''** پڑھتے ہیں، جو غیر معروف ہے، کیا یہ غیر معروف اسماء پڑھے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: افضال احمد، محلّہ چودھریان سہسپور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قنوت نازلہ چونکہ مسلمانوں پر حوادث ومصائب کے پیش آنے پر پڑھی جاتی ہے؛ لہٰذا اس میں حالات وواقعات کے اعتبار سے مظلومین کے حق میں ان کے شہروں اور ملکوں کے نام لے کر دعا کرنا اور ظالمین کے حق میں ان کی ہلاکت وبربادی کے لئے ان کے ملکوں اور شہروں کے نام لے کر بددعا کرنا جائز اور درست ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳/۳۹۴، جدید زکریا ۳/۴۴۰، زکریا مطول ۴/۵۱۲)

عن أنس بن مالک –رضي الله عنهما– أن النبي صلى الله عليه وسلم قنت شهرا في صلاة الصبح يدعو على أحياء العرب على رعل وذكوان وعصية، وبني لحيان، زاد خليفة. (بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع، ورعل وذكوان، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۶، رقم: ۳۹۴۳، ف: ۴۰۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

قنوت نازلہ میں مقتدی حضرات کا آمین کہنا

سوال [۳۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اثنائے صلاۃ خواہ مقتدی ہو یا منفرد ’’ولا الضالین‘‘ کے بعد آمین کہنے کے علاوہ اور کسی آیت یا دعا میں آمین کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً قنوت نازلہ کے اندر یا قرآن کے کسی دعا کی جملہ کے اندر، اگر کہے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شاہد متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے اندر مقتدی یا منفرد کو ’’ولا الضالین‘‘ کے علاوہ باقی کسی بھی آیت یا جملۂ دعائیہ پر آمین کہنا جائز نہیں ہے؛ البتہ قنوت نازلہ کے جملہ دعائیہ پر

سراً اور آہستہ آمین کہنا جائز ہے۔

ولو قرأ الإمام آية الترغيب أو الترهيب، فقال المقتدي: صدق الله وبلغت رسله فقد أساء ولا تفسد صلاته. (فتاوی قاضیخان، کتاب الصلاة، فصل في ما يفسد الصلاة، زکریا جدید ١/ ٨٧، وعلی هامش الهندية ١/ ١٣٨، فتاوی عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب السابع في ما يفسد الصلاة، الفصل الأول، زکریا قدیم ١/ ١٠٠، جدید ١/ ١٥٩)

والمختار في النازلة عند الشامي أنه يقرأ إن أسر الإمام، ويومن إذا جهر ولا شك أن القراءة أو التأمين في الوتر لا يكون إلا سرا، فكذا في القنوت النازلة في الفجر. (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، تتمه بقيه احكام قنوت النازلة، دارالكتب العلمية، بيروت ٦/ ١٢٢، كراچی ٦/ ١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢ ربیع الاول ١٤١٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٥/ ١٧٥٩)

قنوت نازلہ میں آمین کے جہر اور ارسال و وضع ید کی شرعی حیثیت

سوال [٣٠٤٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) کہ جب امام نماز میں ''قنوت نازلہ'' پڑھے، تو مقتدیوں کو آمین بالجہر کہنا چاہئے یا بالسر؟ اگر سر اولیٰ ہے تو جہراً کہنے سے اور اگر جہر اولیٰ ہے تو سراً کہنے سے نماز میں کچھ کراہت ہوگی یا نہیں؟ (٢) اور جب قنوت نازلہ پڑھی جائے تو ارسال ید اولیٰ ہے یا وضع ید تحت السرہ؟ بینوا بالبرہان وتوجروا عند الرحمان۔

المستفتی: احقر غلام محمد (گجراتی) شریک شعبہ دار الافتاء مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (١) بوقت ''قنوت نازلہ'' آمین بالسر مسنون ہے۔ اور آمین بالجہر خلاف سنت ہے۔

والثناء، والتعوذ، والتسمية، والتأمين، وكونهن سرا. وتحته في

الشامية: أن الإسرار بها سنة أخرى. (الدرالمختار، باب صفة الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام، کراچی ١/ ٤٧٥، ٤٧٦، زكريا ٢/ ١٧٢)

وثامنها: التأمين، وتاسعها: الإخفاء بهن، أي بالأربعة المذكورة من الثناء وما بعده، أما ما كان المصلى أو مقتديا، أو منفردا لما مر من الدليل. (حلبي كبير، كتاب الصلاةن، فصل في سنن الصلاة، أشرفيه ديو بند ٣٨٢)

ويسن الثناء، والتعوذ، والتسمية، والتأمين للإمام والمأموم، والمنفرد، ويسن التحميد والإسرار بها بالثناء وما بعده للآثار الواردة بذلك. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، دارالكتاب ديوبند ٢٥٩-٢٦٢)

(٢) اس سلسلہ میں ارسال اور وضع دونوں طرح روایات سے ثابت ہے؛ لیکن ارسال زیادہ اولیٰ ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ١/٣٠٣)

فيرسل عنده حالة الثناء والقنوت. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، قديم ١٤٠، جديد، دارالكتاب ديوبند ٢٥٨)

وأما سنن الصلاة: فمن جملتها: ...... (١٠) والتأمين يأتى به الإمام والقوم جميعا، ويخفونه. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في سنن الصلاة، زكريا ٢/ ١٣٤)

وسنتها رفع اليدين للتحريمة، ونشر أصابعه، وجهر الإمام بالتكبير والثناء، والتعوذ، والتسمية، والتأمين سرا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، جديد دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ١٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/ ٢٣١٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم شعبان ١٤١١ھ

نماز مغرب میں قنوت نازلہ

سوال [۳۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام حنفی ہے اور ''قنوت نازلہ'' فجر میں آدمیوں کے شریک نہ ہونے کی وجہ سے (یعنی مقتدی کم شریک ہوتے ہیں) مغرب کی نماز میں بھی پڑھتے ہیں، کیا ایسا کرنا مسلک حنفی کے مطابق درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مسلک حنفی کیا ہے؟ اوران لوگوں کی مغرب کی نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہاشم گڈاوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضرات حنفیہ کے یہاں ''قنوت نازلہ'' فجر کے علاوہ کسی اورنماز میں مسنون نہیں ہے۔

إن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر، دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٤٤٩، كراچی ٢/ ١١، مصري ١/ ٦٢٨)

اور بخاری ومسلم کی جن روایات میں عشاء، مغرب، ظہر میں قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہے، وہ سب منسوخ ہیں؛ اس لئے حضرات حنفیہ کے یہاں دیگر نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اور ہم کو حنفیہ کے مفتی بہ قول پر عمل کرنا چاہئے، یعنی فجر کے علاوہ کسی اورنماز میں قنوت نازلہ نہیں پڑھنی چاہئے، تاہم جن لوگوں نے مغرب کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھ لی ہے، ان کی نمازوں کا اعادہ لازم نہیں؛ البتہ ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہوگا۔

وأما القنوت في الصلاة كلها للنوازل، فلم يقل به إلا الشافعيّ، وكأنهم حملوا ما روى عنه عليه الصلاة والسلام، أنه قنت في الظهر والعشاء، كما في المسلم، وأنه قنت في المغرب أيضا، كما في البخاري على النسخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٤٤٩، مصري قديم ١/ ٦٢٨، كراچی ٢/ ١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١؍رجب ١٤٢٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٧٣١٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١١/ ٧/ ١٤٢٢ھ

ظہر، عصر، مغرب کی قنوتِ نازلہ میں حکمرانوں پر لعنت کرنا

سوال [٣٠٤٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امریکہ میں بعض حضرات ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی فرض نماز کی آخری رکعت میں بلند آواز سے قنوت نازلہ پڑھتے ہیں اور بعض اوقات خاص حکمرانوں کے نام لے کر نماز میں لعنت کرتے ہیں، کیا یہ دونوں عمل نماز میں صحیح ہیں؟ مع دلائل ائمہ اور مفتی بہ قول تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبد السبحان، کیلفورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امریکہ خود دار الحرب ہے، اگر وہاں رہ کر کے دشمنان اسلام پر بددعا کے لئے قنوت نازلہ پڑھی جائے اور اس علاقہ پر اللہ کا عذاب نازل ہو جائے تو کیا بددعا کرنے والا خود بچے گا؟ نیز ہم حنفی مسلک کے لوگ ہیں اور حنفی مسلک میں راجح قول کے مطابق جہاں قنوت نازلہ پڑھنے کی گنجائش ہے وہاں پر صرف فجر کی نماز میں آخری رکعت کے رکوع کے بعد قومہ میں مشروع ہے۔ اور راجح قول کے مطابق کسی اور نماز میں حنفیہ کے نزدیک قنوت نازلہ مشروع نہیں ہے۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنهما– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قنت شهرا بعد الركوع في صلاة الفجر يدعو على بني عصية.

(مسلم، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة إذا نزلت بالمسلمين نازلة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٧، بيت الأفكار، رقم: ٦٧٧)

إن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر، دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٤٩٩،

کراچی ۲/ ۱۱، مصري ۱/ ٦٢٨)

وقد وضح علامة الشامي في منحة الخالق: ومقتضى هذا أن القنوت النازلة خاص بالفجر. (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٧٩، كوئٹه ٢/ ٤٤، إعلاء السنن، الصلاة، تتمة في بقية أحكام قنوت النازلة، دارالكتب العلمية، بيروت ٦/ ١١٤، ١٢٠، كراچی ٦/ ٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۴)

جمعہ کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنے کی شرعی حیثیت

سوال [۳۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں ایک عالم صاحب نے جمعہ کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھ دی، بعد نماز عوام میں بہت ہی زیادہ ہنگامہ سا ہوگیا، لوگوں نے دلیل مانگی، تو انہوں نے کوئی صریح دلیل نہیں دی، تو جمعہ کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا عند الحنفیہ کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: دلشاد احمد سپولوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرات حنفیہ کے یہاں قنوتِ نازلہ فجر کے علاوہ کسی اور نماز میں پڑھنا مسنون نہیں ہے؛ لہٰذا جمعہ کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا خلاف سنت ہے، پھر بھی نماز جمعہ بلا شبہ درست ہوگئی ہے۔

إن قنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر، دون غيرها من الصلوات الجهرية والسرية. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٤٩٩، كراچی ٢/ ١١، مصري ١/ ٦٢٨، منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٧٩، كوئٹه ٢/ ٤٤، إعلاء السنن، الصلاة، تتمة في بقية أحكام قنوت

النازلة، دارالکتب العلمية، بیروت ٦/ ١١٤، ١٢٠، کراچی ٦/ ٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣/٦/١٤٢٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/٨٤٠١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٣/٦/١٤٢٥ھ

مغرب، عشاء اور ظہر میں قنوت نازلہ پڑھی جانے والی احادیث منسوخ ہیں

سوال [٣٠٤٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جن احادیث شریفہ میں عشاء ومغرب اور نماز ظہر میں قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہے، حضرات حنفیہ کی طرف سے ان روایات کا کیا جواب دیا جاتا ہے اور ہم کو کس پر عمل کرنا چاہئے؟

المستفتی: حضرت مولانا محمد سالم صاحب، مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بخاری ومسلم کی جن روایات میں عشاء، مغرب، ظہر میں قنوت نازلہ پڑھنا ثابت ہے، وہ سب منسوخ ہیں؛ اس لئے حضرات حنفیہ کے یہاں دیگر نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اور ہم کو حنفیہ کے مفتی بہ قول پر عمل کرنا چاہئے، یعنی فجر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت نازلہ نہیں پڑھنی چاہئے۔

وأما القنوت في الصلاة كلها للنوازل، فلم يقل به إلا الشافعيؒ، وكأنهم حملوا ما روى عنه عليه الصلاة والسلام، أنه قنت في الظهر والعشاء، كما في المسلم، وأنه قنت في المغرب أيضا، كما في البخاري على النسخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٤٩٩، مصري قديم ١/ ٦٢٨، كراچی ٢/ ١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١/ جمادی الاولیٰ ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/٢٢٢٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/٥/١٤١١ھ

۲۳/ باب إدراك الفريضة

جماعت کھڑی ہونے کے وقت سنن ونوافل کا حکم

سوال [۳۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے حنفی مسلک کے عالم صاحب سے رابطہ قائم کیا، انہوں نے بتایا جس خن میں جماعت میں ہورہی ہے اس خن میں سنت یا نفل نماز پڑھنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

المستفتی: مقتدیان جامع مسجد منڈی دھنورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت ونفل مشروع نہیں ہے؛ لیکن چونکہ سنت فجر کے بارے میں حضور ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے اور از خود بھی اس پر مواظبت اختیار فرمائی؛ اس لئے حنفی مسلک میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو ایک رکعت ملنے کی بھی قوی امید ہو تو فجر کی سنت تخفیف کے ساتھ ادا کرکے جماعت میں شریک ہوجائے، اب سوال یہ ہے کہ سنت فجر کہاں ادا کریں؟ تو جس خن اور حصہ میں جماعت ہورہی ہے اس میں بلا حائل اور آڑ کے سنت ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے؛ البتہ مسجد میں جماعت کی آڑ سے مثلاً اندر جماعت ہو تو باہر برآمدہ یا صحن میں اور برآمدے میں ہو تو صحن میں اور صحن میں ہو تو جماعت خانہ میں کسی دوسرے مقام پر یا وضوخانہ وغیرہ پر سنت فجر ادا کرسکتے ہیں۔ اور اگر مسجد کا ایک ہی حصہ ہے، تو پھر ستون وغیرہ کی آڑ میں ہوکر اور اگر ستون نہ ہو؛ لیکن مسجد بڑی ہے، تو جماعت کی صف سے دور ہوکر ایک جانب میں سنت فجر ادا کریں۔ اور اگر مسجد بڑی بھی نہ ہو اور نہ کوئی ستون ہو، تو اب سنت فجر چھوڑ کر جماعت میں شریک ہوجائے؛ کیوں کہ جماعت صف میں یا اس کے پیچھے بلا حائل اور آڑ کے سنت ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۶۱، محمودیہ ۲/ ۲۵۶، رحیمیہ ۳/ ۴۷، امداد الفتاوی ۱/ ۴۶۲، امداد الاحکام ۲/ ۲۲۶، کفایت المفتی ۳/ ۲۶۴، زکریا مطول ۴/ ۵۵۹)

ولا يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانا، وإلا تركها.

(درمختار) وفي الشامية: وقال في العناية: لأنه لو صلاها فی المسجد کان متنفلا فيه عند اشتغال الإمام بالفرضية، وهو مکروه، فإن لم یکن علی باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سواری المسجد، وأشدها کراهة أن يصليها مخالطا للصف مخالفا للجماعة، والذي يلی ذلک خلف الصف من غير حائل (قوله: وإلا ترکها) ينبغي أن لا يصلی فيه؛ لأن ترک المکروه مقدم علی فعل السنة. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، کراچی ۲/ ۵۷، زکریا ۲/ ۵۱۱، ومثله في البحر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، زکریا ۲/ ۱۲۹، کوئٹہ ۲/ ۷۳، هندية، الباب العاشر في إدراك الفريضة، زکریا قدیم ۱/ ۱۲۰، جدید ۱/ ۱۷۹)

زید کو حنفی مسلک کے جن عالم صاحب نے سنت ونفل سے متعلق جو مسئلہ بتایا ہے، وہ کسی حد تک درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۲ھ

فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنت فجر پڑھنے کی شرعی حیثیت

سوال [۳۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز فجر شروع ہوجانے کے بعد سنت فجر کا کیا حکم ہے؟ بعض حضرات جماعت شروع ہوجانے کے بعد سنت پڑھنے پر تنقید کرتے ہیں اور خود فرض سے فراغت کے بعد سنت ادا کرتے ہیں، اس سلسلہ میں امریکہ میں عجیب تشویش پائی جاتی ہے، مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبد السبحان، کیلوفورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: فجر کی نماز کی بے شمار خصوصیات اور فضائل احادیث میں وارد ہیں، بریں بناء حنفیہ کے نزدیک فجر کی جماعت شروع ہوجانے کے بعد خارج مسجد یا مقتدیوں کی صفوں سے ہٹ کر ستون کے پاس یا مسجد کے کونے میں بشرطیکہ فجر کی جماعت مل جائے تو فجر کی سنتوں کو پڑھنا بلا شبہ جائز ہے؛ لیکن صفوں سے متصل یا جماعت چھوٹنے کا اندیشہ ہوتو اس وقت فجر کی سنتیں پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس پر شاہد ہے؛ البتہ فجر کی سنت اگر رہ جائے تو فجر کی جماعت کے بعد طلوع شمس سے پہلے پہلے سنت کا اعادہ جائز نہیں ہے۔ اور طلوع شمس کے بعد اسے پڑھنے کی گنجائش ہے، مگر وہ سنت نہیں رہے گی بلکہ نفل بن جائے گی۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يكن على شيء من النوافل أشد معاهدة منه على ركعتين قبل الصبح. (صحيح مسلم، الصلاة، باب تعاهد ركعتي الفجر، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، بيت الأفكار، رقم: ٧٢٤، صحيح البخاري، الصلاة، باب تعاهد ركعتي الفجر، و من سماها تطوعا، النسخة الهندية ١/ ١٥٦، رقم: ١١٥٦، ف: ١١٦٩، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب ركعتي الفجر، النسخة الهندية ١/ ١٧٨، دارالسلام، رقم: ١٢٥٤)

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبي ﷺ كان لا يدع أربعا قبل الظهر، وركعتين قبل الغداة. (بخاري، الصلاة، باب الركعتين قبل الظهر، النسخة الهندية ١/ ١٥٧، رقم: ١١٦٩، ف: ١١٨٢، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة، النسخة الهندية ١/ ١٧٨، دارالسلام، رقم: ١٢٥٣، سنن النسائي، الصلاة، المحافظة على الركعتين قبل الفجر، النسخة الهندية ١/ ١٩٦، دارالسلام، رقم: ١٧٥٩، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٩٠٣، رقم: ١٤٧٩)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا تدعوهما وإن طردتكم الخيل. (أبو داؤد شريف، الصلاة باب في تخفيفهما، النسخة الهندية ١/ ١٧٩، دارالسلام، رقم: ١٢٥٨، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٤٠٥، رقم: ٩٢٤٢)

عـن عـائشة –رضـی الله عـنهـا– عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: ركـعتـا الفجر خير من الدنيا وما فيها. (صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب ركعتي سنة الفجر، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، بيت الأفكار، رقم: ٧٢٥، سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في ركعتي الفجر من الفضل، النسخة الهندية ١/ ٩٤، ٩٥، دار السلام، رقم: ٤١٦، سنن النسائي، الصلاة، باب المحافظة على الركعتين قبل الفجر، النسخة الهندية ١/ ١٩٧، دار السلام، رقم: ١٧٦٠، المستدرك، كتاب التطوع، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ٢/ ٤٤٧، رقم: ١١٥٩)

عـن أبـي مـوسـى قـال: أقيمت الصلاة، فتقدم عبدالله بن مسعود إلى أسطوانة في المسجد، فصلى ركعتين، ثم دخل يعني في الصلاة. رواه الطبراني في الكبير، ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٧٥)

عـن عبـدالله بـن أبـي مـوسـیٰ، عـن أبيـه قـال: أقيمت الصلاة، فتقدم عبدالله إلى المسجد، فصلى ركعتين، ثم دخل المسجد. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٩/ ٢٧٧، رقم: ٩٣٨٧)

عـن أبـي إسحـاق أن الوليد بن عقبة بعث إلى حذيفة وابن مسعود يسألهما عن الصلاة يوم العيد، فأقيمت صلاة الفجر، فقام ابن مسعود خلف سارية، فصلى ركعتين، ثم دخل معهم. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٩/ ٢٨٤، رقم: ٩٤٣٣، وهكذا في شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الرجل يدخل المسجد والإمام في صلاة الفجر، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٤٨٥، رقم: ٢١٥٧-٢١٥٨)

عـن أبـي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة إلا ركعتي الصبح. (السنن الكبرى، الصلاة، باب كراهية الاشتغال بهما بعد ما أقيمت الصلاة، قديم ٢/ ٤٨٣، دارالفكر جديد ٤/ ٣٥، رقم: ٤٦٥١)

عـن أبـي الـدرداء –رضـي الله عـنـه– قـال: إني لأجئ إلى القوم وهم صفوف في صلاة الفجر، فأصلي الركعتين، ثم أنضم إليهم. (المصنف لابن ابي شيبة، الصلاة، باب في الرجل يدخل المسجد فى الفجر، مؤسسة علوم القرآن، جديد

٤/ ٣٩٤، رقم: ٦٤٨٢، مصنف عبدالرزاق، الصلاة، باب هل يصلي ركعتي الفجر إذا أقيمت الصلاة؟ المجلس العلمي ٢/٣/٤٤٣، ٤٤٤، رقم: ٤٠٢٠، شرح معاني الآثار، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٤٨٧، رقم: ٢١٦٤)

عن محمد بن كعب، قال: خرج عبدالله بن عمر رضى الله عنهما من بيته، فأقيمت صلاة الصبح، فركع ركعتين قبل أن يدخل المسجد، وهو في الطريق، ثم دخل المسجد، فصلى الصبح مع الناس. (شرح معاني الآثار، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٤٨٦، رقم: ٢١٦١)

عن أبي عثمان الأنصاري قال: جاء عبدالله بن عباس والإمام في صلاة الغداة، ولم يكن صلى الركعتين، فصلى عبدالله بن عباس رضى الله عنهما الركعتين خلف الإمام، ثم دخل معهم. (شرح معاني الآثار، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٤٨٦، رقم: ٢١٥٩)

عن أبي مجلز قال: دخلت المسجد في صلاة الغداة مع ابن عمر وابن عباس رضى الله عنهم، والإمام يصلي، فأما ابن عمر رضى الله عنهما، فدخل في الصف، وأما ابن عباس رضى الله عنهما، فصلى ركعتين، ثم دخل مع الإمام، فلما سلم الإمام قعد ابن عمر مكانه حتى طلعت الشمس، فقام فركع ركعتين. (شرح معاني الآثار، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٤٨٦، رقم: ٢١٥٩)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (ترمذي، الصلاة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ١/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٤٢٣، صحيح ابن حبان، ذكر الأمر لمن فاتته ركعتا الفجر أن يصليهما بعد طلوع الشمس، دارالفكر ٣/ ٣٢١، رقم: ٢٤٦٩، المستدرك للحاكم، كتاب الصلاة، قديم ١/ ٢٧٤، جديد مكتبه نزار مصطفى الباز ١/ ٤٠٠، رقم: ١٠١٥، سنن الدارقطني، الصلاة، باب قضاء الصلاة بعد وقتها ...... دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٣٧١، رقم: ١٤٢٢)

وفي هامشه: وعند أبي حنيفة وأبى يوسف لا قضاء لسنة الفجر بعد الفوت لا قبل طلوع الشمس ولا بعدها؛ لأنه يبقى نفلا مطلقا؛ لأن السنة ما أداها رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يثبت أنه أداهما في غير الوقت على الإنفراد، وإنما قضاهما تبعا للفرض في ليلة التعريس، والنفل المطلق لا يقضي بعد الصبح، ولا بعد ارتفاعها، وقال محمد: أحب إلي أن يقضيها إلى وقت الزوال؛ لأنه صلى الله عليه وسلم قضاهما بعد ارتفاع الشمس غداة ليلة التعريس. (حاشية ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، مكتبه مريم أجمل فاؤنڈيشن ١/ ٩٦)

وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل، وإلا بأن رجا إدراك ركعة لا يتركها، بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانا. (درمختار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ٢/ ٥٦، زكريا ٢/ ٥١٠)

وتحته في الشامية: قوله: عند باب المسجد: أي خارج المسجد كما صرح به القهستاني، فإن لم يكن في باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سواري المسجد، وأشدها كراهة أن يصليها مخالطا للصف مخالفا للجماعة، والذي يلى ذلک خلف الصف، من غير حائل. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ٢/ ٥٦، زكريا ٢/ ٥١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۰/۴۰)	۱۴۳۴/۱۱/۱۱ھ

فجر کی جماعت کے وقت سنت پڑھنا

سوال [۳۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر فجر کی جماعت ہو رہی ہو تو اس وقت فجر کی سنتیں پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) اگر سنتیں نہ پڑھ سکے اور جماعت کے بعد کافی وقت ہے، مثلاً رمضان المبارک میں عام طور سے جلدی نماز ہو جاتی ہے، یا بعض مساجد میں عام دنوں میں بھی طلوع آفتاب سے تقریباً آدھا گھنٹہ یا بیس منٹ پہلے نماز ہو جاتی ہے، تو جماعت کے بعد وقت میں گنجائش کی وجہ سے فجر کی سنتیں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۳) حدیث شریف میں ”لاصلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس“ کے الفاظ آئے ہیں، تو ”بعد الصبح“ کا اطلاق کس وقت پر ہوگا؟ متعین فرما کر اس مسئلہ کو واضح فرمائیں۔

المستفتی: جلیل حسن نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر فجر کی جماعت ہو رہی ہو اور دونوں رکعت یا ایک رکعت ملنے کی امید ہو، تو پہلے سنت پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جائے۔ اور اگر سنت پڑھنے کی وجہ سے دونوں رکعتیں نکل جانے کا خطرہ ہو تو سنت پڑھے بغیر جماعت میں شامل ہو جائے۔

ومن انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر، وهو لم يصل ركعتي الفجر، إن خشي أن تفوته ركعة، ويدرك الأخرى يصلي ركعتي الفجر عند باب المسجد، ثم يدخل، وإن خشي فوتها دخل مع الإمام؛ لأن ثواب الجماعة أعظم. (هداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، اشرفيه ١/ ١٥٢)

(۲) فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی چھوٹی ہوئی سنتیں پڑھنا جائز نہیں ہے، اگرچہ سورج طلوع ہونے سے پہلے وقت میں آدھا پون گھنٹہ کی گنجائش ہی کیوں نہ ہو؛ اس لئے کہ طلوع فجر کے بعد سے طلوع شمس تک کے درمیان، اسی طرح عصر کی فرض نماز پڑھنے کے بعد سے غروب تک کے درمیان نفل پڑھنے کی جو ممانعت ہے وہ قلت وقت کی وجہ

سے نہیں ہے؛ بلکہ وقت کی کراہیت کی وجہ سے ہے۔ حدیث پاک میں ان دونوں اوقات میں نفل پڑھنے کی ممانعت آئی ہے اور فجر کی سنت بھی فرض پڑھ لینے کے بعد نفل کے حکم میں ہوجاتی ہے۔ اور فجر کی فرض نماز کے بعد طلوع شمس تک کا وقت اسی طرح عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت وقت ناقص کہلاتا ہے۔ اور وقت ناقص میں سنن ونوافل پڑھنا ممنوع ہے۔

عطاء بن يزيد الجندعي، أنه سمع أبا سعيد الخدري يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا صلاة بعد الصبح حتى ترتفع الشمس، ولا صلاة بعد العصر حتى تغيب الشمس. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب لا تتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، النسخة الهندية ١/ ٨٢، رقم: ٥٧٨، ف: ٥٨٦، مشكوة شريف/ ٩٤)

وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ٢/ ٥٧، زكريا ٢/ ٥١٢)

(۳) "**بعد الصبح**" سے مراد "**بعد صلاة الصبح**" ہے؛ اس لئے "**صلاة الصبح**" سے پہلے دو رکعت سنت پڑھنا جائز ہے۔

لا صلاة بعد الصبح، أي بعد صلاته. (مرقاة، كتاب الصلاة، باب أوقات النهي الفصل الأول، إمداديه، ملتان ٣/ ٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۲۶ھ

جب جماعت کھڑی ہوجائے تو فجر کی سنت کب تک پڑھی جائے؟

سوال [۳۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب فجر کی جماعت کھڑی ہوجائے تو فجر کی سنت کا کیا حکم ہے؟ جب کہ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ جب جماعت کھڑی ہوجائے تو سنت کو موخر کرکے جماعت میں شامل ہوجائے

اورسلام پھیرنے کے بعد متصلا سنت پڑھ لے، جب کہ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ اگر آخری قعدہ ملنے کی امید ہے تو پہلے سنت پڑھ لے، اگر یہ امید نہیں ہے تو پھر جماعت میں شامل ہوجائے۔اور سورج نکلنے کے بعد سنت کی قضاء پڑھ لے۔پہلی جماعت اس آیت سے استدلال کرتی ہے: ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْن''.

اوراہل سنت والجماعت کے کیا دلائل ہیں؟ واضح فرمائیں، نیز سنت کے بارے میں راجح قول کیا ہے؟ فقہ کے علاوہ صرف قرآن وحدیث سے جواب واضح فرمائیں۔

المستفتی: نورعالم گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جماعت یہ کہتی ہے کہ جب جماعت فجر کھڑی ہوجائے تو سنت مؤخر کرکے جماعت میں شریک ہوجائے اورسلام پھیرنے کے بعد متصلا سنت پڑھ لے، ان کی یہ بات درست نہیں ہے؛ کیوں کہ فجر کے بعد سورج نکلنے تک نفل مکروہ ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله ﷺ عن صلاتين: بعد الفجر، حتى تطلع الشمس، و بعد العصر حتى تغرب الشمس. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب لا يتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، النسخة الهندية ١/ ٨٣، رقم: ٥٨٠، ف: ٥٨٨، صحيح مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، النسخة الهندية ١/ ٢٧٥، بيت الأفكار، رقم: ٨٢٥)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصليها بعد ماتطلع الشمس. (الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ١/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٤٢٣)

اوران کا استدلال بھی اس آیت: ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْن'' سے درست نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے صرف تاکید جماعت کا ثبوت ہوتا ہے، یہ آیت اس وضاحت سے خاموش ہے کہ جب فجر کی جماعت کھڑی ہوجائے تو سنت کو چھوڑ کر جماعت میں شامل ہوجائے؛ لہٰذا مذکورہ

استدلال درست نہیں ہے۔اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ آیت مذکورہ استدلال کا مستدل اس وقت بنے گی جب مقتدی سنت پڑھ چکا ہو، اس کے برخلاف اہل سنت والجماعت کی بات درست ہے، کہ اگر امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ بھی ملنے کی توقع ہے، تو پہلے فجر کی سنت ادا کرے؛ کیوں کہ احادیث میں فجر کی سنت پڑھنے کی بہت تاکید آئی ہے۔

وروی أن رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یکن علی شيء من التطوع أدوم منه علیهما، وأنه قال: لا تترکوهما، وإن طردتکم الخیل. (طحاوي، کتاب الصلاة، قبیل باب الصلاة في الثوب الواحد، مکتبه رحیمیه ۱/ ۲۲۰، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱/ ٤۸۸، رقم: ۲۱۷۲)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أنه جاء والإمام یصلي الصبح، ولم یکن صلی الرکعتین قبل صلاة الصبح، فصلاهما في حجرة حفصة، ثم أنه صلی مع الإمام. (طحاوي، کتاب الصلاة، باب الرجل یدخل المسجد و الإمام في صلاة الفجر، مکتبه رحیمیه ۱/ ۲۲۰، دارالکتب العلمیة، بیروت ۱/٤۸٦، رقم: ۲۱٦۳)

اور سنت کے بارے میں یہی قول راجح ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۲۸ھ

دورانِ جماعت فجر کی سنت کا حکم

سوال [۳۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی سنتوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اگر تشہد ملنے کی امید ہو تو سنت پڑھ لینی چاہئے۔

المستفتی: مقتدیان جامع مسجد منڈی دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد میں پہنچے

اور اس نے ابھی سنت فجر ادا نہ کی ہو، تو اگر اس کو سنت ادا کرنے کے بعد ایک رکعت ملنے کی قوی امید ہو تو پہلے سنت فجر ادا کرے، پھر جماعت میں شریک ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۲۶۴، زکریا مطول ۴/۵۵۱، رحیمیہ ۳/۴۷)

وإذا خاف الفوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجا إدراك ركعة في ظاهر المذهب. (درمختار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ۲/ ۵۷، زكريا ۲/ ۵۱۰، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، زكريا ۲/ ۱۲۹، كوئٹه ۲/ ۷۳)

زید کو حنفی مسلک کے عالم صاحب نے جو تشہد ملنے کی بات کہی ہے یہ مذہب کے اعتبار سے کمزور ہے؛ بلکہ صحیح اور راجح وہی ہے جو اوپر لکھا گیا کہ ایک رکعت ملنے کی قوی امید پر سنت فجر ادا کرے۔

وقيل: التشهد واعتمده المصنف والشرنبلالي تبعا للبحر، لكن ضعفه في النهر. (درمختار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ۲/ ۵۷، زكريا ۲/ ۵۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۲ھ

فجر کی سنت کب تک پڑھ سکتے ہیں؟

سوال [۳۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر فجر میں امام پہلی رکعت میں ہو یا دوسری رکعت میں ہو یا قعدہ میں ہو تب پہلے سنتیں پڑھیں یا جماعت میں شامل ہوں؟ اور اگر معلوم نہ ہو کہ امام پہلی رکعت میں ہے یا دوسری رکعت میں تو کیا کریں؟ پہلے سنتیں پڑھیں یا جماعت میں شامل ہوں؟ اگر سنتیں پڑھنی ہو تو فرض کے بعد یا طلوع آفتاب کے بعد؟ اور قضاء سنتیں کب تک پڑھ سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی ہاؤس، طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت پانے کی قوی امید ہو تو سنتیں ادا کرلیں، ورنہ ترک کردیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/ ۲۶۴، زکریا مطول ۴/ ۵۴۷-۵۵۱)

وإذا خاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة أكمل وإلا بأن رجا إدراک ركعة في ظاهر المذهب. (درمختار، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ۲/ ۵۷، زكريا ۲/ ۵۱۰)

اگر معلوم نہ ہو کہ امام پہلی رکعت میں ہے یا دوسری رکعت میں ہے؟ تو تحقیق کرلے، اگر یہ گمان غالب ہو کہ امام دوسری رکعت میں ہے، تو سنت ترک کردے اور جماعت میں شریک ہوجائے۔ اور اگر دلی رجحان یہ ہے کہ امام پہلی رکعت میں ہے، تو سنت پڑھ لے اور سنت ترک ہوجانے کی صورت میں سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اس کو پڑھنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ سورج طلوع ہوجانے کے بعد اشراق کے وقت سنت پڑھنے کی گنجائش ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۲۶۸، جدید زکریا ۳/ ۳۱۷، زکریا مطول عزیز الفتاوی ۱/ ۲۴۱)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا أقيمت الصلاة، فلا صلاة إلا المكتوبة، إلا ركعتي الصبح. (السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب كراهية الاشتغال بهما بعد ما أقيمت الصلاة، قديم ۲/ ٤٨٣، دارالفكر جديد ٤/ ٣٥، رقم: ٤٦٥١)

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– قال: سمعت غير واحد من أصحاب النبي ﷺ منهم عمر بن الخطاب، وكان من أحبهم إلي، أن رسول الله ﷺ نهى عن الصلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وعن الصلاة بعد العصر حتى تغرب. (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في

کراهية الصلاة، بعد الفجر و بعد العصر، النسخة الهندية ۱/ ٤٥، دارالسلام، رقم: ۱۸۳)

عن أبی هريرة -رضي الله عنه- عن النبي ﷺ قال: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما إذا طلعت الشمس. (صحيح ابن حبان، ذكر الأمر لمن فاتته ركعتا الفجر أن يصليهما بعد طلوع الشمس، دارالفكر ۳/ ۳۲۱، رقم: ۲٤٦۹، المستدرك، الصلاة، قديم ۱/ ۲۷٤، جديد، مكتبه نزار ۱/ ٤۰۰، رقم: ۱۰۱۵)

والسنن إذا فاتت عن وقتها لم يقضها إلا ركعتي الفجر إذا فاتتا مع الفرض يقضيهما بعد طلوع الشمس إلى وقت الزوال، ثم يسقط، وإذا فاتتا بدون الفرض لا يقضي عندهما خلافا لمحمد. (عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ۱/ ۱۱۲، جديد ۱/ ۱۷۱، شامي كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ۲/ ۵۷، زكريا ۲/ ۵۱۰، حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كوئٹه ۱/ ۳۰۰، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۲۱۱، مصري، قديم ۱/ ۱٤۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۰/۳/ ۱۴۲۱ھ

دورانِ نماز فجر کی سنت کہاں پڑھی جائے؟

سوال [۳۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی جماعت کھڑی ہے، قاعدہ ملنے کی امید ہے، ہمیں سنتیں پڑھنی ہیں تو یہ سنتیں مسجد کی سرحد کے اندر پڑھیں یا مسجد کی سرحد سے باہر پڑھیں؟ ہمارے یہاں دوندوی حضرات ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر فجر کی جماعت کھڑی ہے اور آپ کو سنتیں پڑھنی ہیں، تو یہ سنتیں جماعت سے اتنی دور پڑھیں جہاں امام کی قراءت یا آواز نہ پہنچے یا مسجد کی حد سے باہر پڑھیں، کیا یہ

مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص جماعت کھڑی ہونے کے بعد مسجد میں آئے اور اس کو ایک رکعت ملنے کی قوی امید ہو، تو جس حصہ میں جماعت ہورہی ہے، اس حصہ سے ہٹ کر یا مسجد بڑی ہونے کی صورت میں جماعت کی صف سے دور ہوکر ایک کنارہ میں تخفیف کے ساتھ سنت ادا کرلے، جماعت کی صف سے متصل بلاحائل اور آڑ کے سنت ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: رحیمیہ ۳/ ۴۷، احسن الفتاوی ۳/ ۴۶۱)

عن أبي الدرداء –رضي الله عنه– أنه كان يدخل المسجد والناس صفوف في صلاة الفجر، فيصلي الركعتين في ناحية المسجد، ثم يدخل مع القوم الصلاة. (شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب الرجل يدخل المسجد والإمام في صلاة الفجر، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٤٨٧، رقم: ٢١٦٤، المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، باب في الرجل يدخل المسجد في الفجر، موسسة علوم القرآن جديد ٤/ ٣٩٤، رقم: ٦٤٨٢، مصنف عبدالرزاق، كتاب الصلاة، باب هل يصلى ركعتي الفجر إذا أقيمت الصلاة، المجلس العلمي ٢/ ٤٤٣، ٤٤٤، رقم: ٤٠٢٠)

لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد إن وجد مكانا، وإلا تركها. (درمختار) وتفصيله في الشامية. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ٢/ ٥٧، زكريا ٢/ ٥١١، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، زكريا ٢/ ١٢٩، كوئٹه ٢/ ٧٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۶/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۲۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۶/۱۴۲۲ھ

فجر کی سنتیں کہاں اور کب تک پڑھی جاسکتی ہیں؟

سوال [۳۰۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ مساجد ایسی ہیں جہاں کوئی آڑ نہیں ہے، وہ شرائط پوری نہیں کرتیں، جہاں فجر کی سنتیں پڑھی جاسکیں؛ لیکن اکثر لوگ پڑھتے ہیں اور اکثر ان کی جماعت کی نماز نکل جاتی ہے، کیا مخالفت جماعت کر کے اور اکثر جماعت چھوڑ کر بھی فجر کی سنتیں پڑھنی چاہئیں۔

المستفتی: ماسٹر عبد الحق صاحب، ہلدوانی لائن اینی تالی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن مساجد میں کوئی آڑ نہیں ہے، ان میں نماز شروع ہونے کے بعد صفوں کے اندر فجر کی سنتیں نہ پڑھی جائیں؛ بلکہ مسجد کے بالکل آخری حصہ میں ایک طرف ہو کر سنتیں پڑھی جائیں اور جماعت کی صفوں کے بیچ میں سنتیں پڑھنی مکروہ ہیں۔ اور قول راجح کے مطابق فجر کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد التحیات سے اتنی دیر پہلے تک سنتیں پڑھنی مشروع ہیں، جتنی دیر میں سنت پڑھ کر التحیات ملنے کی امید ہو۔ اور ایک روایت کے مطابق آخری رکعت کے رکوع ملنے کی امید ہو تب سنتیں پڑھی جائیں، ورنہ سنتیں ترک کر دینے کا حکم ہے۔

وقال في العناية: لأنه لو صلاها في المسجد كان متنفلا فيه عند اشتغال الإمام بالفريضة، وهو مكروه، فإن لم يكن على باب المسجد موضع للصلاة يصليها في المسجد خلف سارية من سواري المسجد، وأشدها كراهة أن يصليها مخالطا للصف مخالفا للجماعة، والذي يلي ذلک خلف الصف من غير حائل. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ۲/ ۵۷، زكريا ۲/ ۵۱۱)

قال في الشرنبلالية: الذي تحرر عندي أنه يأتي بالسنة إذا كان يدركه، ولو في التشهد بالاتفاق فيما بين محمد وشيخيه، ولا يتقيد بإدراک ركعة. (منحة الخالق على البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة،

زکریا ۲/ ۱۲۹، کوئٹه ۲/ ۷۳، حلبي کبیر، کتاب الصلاة، فصل في النوافل فروع لو ترك، اشرفیه/ ۳۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۶ھ

جس ہال میں نماز فجر ہو رہی ہو اس میں سنت پڑھنا

سوال [۳۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری مسجد کا ایک بڑا ہال ہے، جس کا برآمدہ نہیں ہے؛ البتہ اس کا صحن ہے، جس میں اینٹیں بچھی ہوئی ہیں، اس پر ٹین یا چھپر وغیرہ کا کوئی نظم نہیں ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ فجر کی جماعت شروع ہونے کے بعد ہال کے پیچھے والے حصے میں جماعت کی صفوں سے کافی ہٹ کر یا ستون کے پیچھے سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ مسجد کا بیرونی حصہ یعنی صحن سخت سردی کی وجہ سے تکلیف دہ بھی ہے اور کپڑوں کے گندے ہونے کا سخت اندیشہ بھی ہے؟

المستفتی: عبد اللہ میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب جماعت کھڑی ہوجائے تو جماعت سے متصل سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر کسی نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی ہیں، تو وہ جماعت کی صفوں سے دور مسجد کے دروازہ کے پاس یا کسی کونے میں ایک طرف جاکر سنت پڑھے، تو اس کی گنجائش ہے اور صفوں کے بیچ میں یا صفوں سے متصل سنتیں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر ہال بڑا ہے اور جماعت کی صفوں سے دور ستون کے پیچھے سنن ادا کی جائیں، تو گنجائش ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أقيمت الصلاة، فلا صلاة إلا المكتوبة. (ترمذی شریف، الصلاة، باب إذا أقيمت

الصلاة فلا صلاة إلا المكتوبة، النسخة الهندية ١/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٤٢١)

ومن حضر وكان الإمام فى صلاة الفرض اقتدى به ولا يشتغل عنه بالسنة في المسجد –إلى قوله– إلا فى الفجر؛ فإنه يصلي سنته، ولو في المسجد بعيدا عن الصف إن أمن فوته. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتاب ديوبند، ص: ٤٥١)

والحاصل أن السنة في سنة الفجر أن يأتى بها في بيته، وإلا فإن كان عند باب المسجد مكان صلاها فيه، وإلا صلاها في الشتوى أو الصيفي إن كان للمسجد موضعان، وإلا فخلف الصفوف عن سارية. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچى ٢/ ٥٧، زكريا ٢/ ٥١١)

ومن انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر، وهو لم يصل ركعتي الفجر إن خشي أن تفوته ركعة ويدرك الأخرى يصلي عند باب المسجد، ثم يدخل؛ لأنه أمكنه الجمع بين الفضيلتين. (هداية أولين، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، أشرفي بكڈپو/ ١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۸۵)

جماعت کو حاصل کرنے کے لئے صرف تشہد پر سلام پھیرنا

سوال [۳۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص فجر کی نماز میں یا دیگر نمازوں میں سنت پڑھ رہا ہے اور جماعت کھڑی ہوگئی، تو فرض نماز میں شامل ہونے کے لئے قعدہ اخیرہ میں صرف تشہد پڑھ لے اور درود شریف ودعا وغیرہ کو چھوڑ دے، کیا رکعت پکڑنے کی وجہ سے یہ تخفیف کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، لالباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جماعت کوحاصل کرنے کے لئے سنن کے افعالِ واجبہ ادا کرکے افعالِ مسنونہ میں تخفیف کرنے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا درود و دعا چھوڑ کر جماعت میں شرکت کی گنجائش ہے۔

لو خاف أنه لو صلی سنة الفجر بوجهها تفوته الجماعة، ولو اقتصر فيها بالفاتحة وتسبيحة في الركوع والسجود يدركها، فله أن يقتصر عليها؛ لأن ترک السنة جائزة لإدراک الجماعة، فسنة السنة أولی.

(شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب هل الإساء ة دون الكراهة، أو أفحش؟ کراچی ۲/ ۵۷، زکریا ۲/ ۵۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۷)

فجر کی سنتیں نماز کے فوراً بعد پڑھنا

سوال [۳۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں کے لوگ جب فجر کی جماعت کھڑی ہوتی ہے، تو جماعت میں شریک ہوجاتے ہیں، اگرچہ اتنا ٹائم ہوتا ہے کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوجائیں، مگر ایسا نہیں کرتے، جب جماعت ہوجاتی ہے تو فوراً اٹھ کر دعا ختم ہونے سے پہلے سنتیں پڑھ لیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سنت فجر رہ جائے تو اصلاً تو اس کی قضاء لازم نہیں؛

لیکن اگر کوئی پڑھنا ہی چاہے، تو طلوع آفتاب کے بعد پڑھنا جائز ہے، اس سے قبل پڑھنا مکروہ ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ١/ ٩٦، دار السلام، رقم: ٤٢٣)

أما إذا فاتت وحدها، فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ٢/ ٥٧، زكريا ٢/ ٥١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۶/۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۲۹ھ

❖❖❖

۲۴/ باب السنن والنوافل

سنت کی نیت کا طریقہ

سوال [۳۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص سنت ادا کرتے وقت نیت میں سنت رسول اللہ کہتا ہے اور دوسرا شخص صرف سنت کہہ کر واسطہ اللہ کے نیت باندھ لیتا ہے، ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

(۲) سنت کہاں سے چلی ہے؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ سنت خلیل اللہ سے چلی ہے، آپ برائے کرم مکمل ومدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ذوالفقار احمد کٹا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں کی نیت صحیح ہے؛ کیوں کہ سنتوں میں مطلق سنت کی نیت کرنا کافی ہے؛ البتہ احتیاط اس میں ہے کہ سنت پڑھتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی نیت کرے۔

ويكفيه مطلق النية للنفل، والسنة، والتراويح هو الصحيح. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع فى النية، زكريا ١/ ٦٥، جديد ١/ ١٢٣، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني الفرائض، كوئٹه ١/ ٤٢٨، زكريا ٢/ ٣٩، رقم: ١٦٣٤)

وفي السنة ينوى السنة. (البحر الرائق، كوئٹه ١/ ٢٧٨)

والاحتياط في السنن أن ينوي الصلاة متابعا لرسول الله صلى الله عليه وسلم، كذا في الذخيرة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في شروط الصلاة، زكريا قديم ١/ ٦٥، جديد ١/ ١٢٣، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، كوئٹه ١/ ٤٢٨، زكريا ٢/ ٣٩، رقم: ١٦٣٤، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب

شروط الصلاۃ، کوئٹہ ۱/ ۲۷۸، زکریا ۱/ ۴۸۵)

(۲) سنت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے چلی ہے؛ اس لئے کہ سنت نام ہے اس طریقہ کا جو دین میں رائج اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

السنة: هي الطريقة المسلوكة في الدين. (شامي، كتاب الطهارة، مطلب في السنة وتعريفها، زكريا ١/ ٢١٩، كراچی ١/ ١٠٣، البحر الرائق، كتاب الطهارة، كوئٹه ١/ ١٦، زكريا ١/ ٣٥، قواعد الفقه، اشرفي ديو بند، ص: ٣٨٢)

فسنة الرسول: هي الطريقة التي سلكها رسول الله صلى الله عليه وسلم، وواظب عليها. (تاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل الأول في الوضوء، كوئٹه ١/ ٩٧، زكريا ١/ ٢٠٨، رقم: ٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۸/۶/۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۱۱ھ

سننِ قبلیہ وبعدیہ سب از قبیل نوافل ہیں

سوال [۳۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سننِ قبلیہ اور سننِ بعدیہ از قبیل فرائض ہیں یا از قبیل نوافل؟ واضح فرما دیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سننِ قبلیہ ہوں یا بعدیہ تمام کی تمام از قبیل نوافل ہیں؛ کیوں کہ فقہائے کرام فرائض وواجبات کے علاوہ تمام نمازوں کو تطوع (نفل) سے تعبیر کرتے ہیں، پھر ان میں سے بعض مؤکدہ ہیں اور بعض غیر مؤکدہ۔

كل سنة نافلة (وفي الشامية) قدمنا قبل هذا الباب في آخر المكروهات، تقسيم السنة إلى مؤكدة وغيرها، والكل يسمى نافلة؛ لأنه زيادة على الفرض

لتكميله. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ٤٣٨، كراچی ٢/ ٣)

يجب أن يعلم أن التطوع قبل الفجر ركعتان، والتطوع قبل الظهر أربع ركعات، وبعد الظهر ركعتان، وأما قبل العصر، فإنه تطوع بأربع ركعات، والتطوع بعد المغرب ركعتان، وأما التطوع قبل العشاء بأربع ركعات فحسن، والتطوع بعدها ركعتان. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر في التطوع قبل الفرض وبعده،المجلس العلمي بيروت ٢/ ٢٣٢، رقم: ١٦٣٦-١٦٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۶)

نوافل وسنن گھر پر پڑھنا

سوال [۳۰۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سنن اور نوافل اگر آدمی گھر ادا کرنا چاہے، تو کیا حکم ہے؟ جب کہ ہمارے یہاں ایسے آدمیوں کو مطعون کیا جاتا ہے جو آدمی گھر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتا ہے اور بعد کی سنتیں بھی گھر جا کر ادا کرتا ہے۔

المستفتی: محمد ہارون، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اصل یہی ہے کہ نوافل وسنن کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے، مگر اس زمانہ میں جب نمازی مسجد سے باہر نکل جاتے ہیں، تو سیدھے گھر جا کر سنن ونوافل میں نہیں لگتے؛ بلکہ دوسرے امور میں لگ جاتے ہیں؛ اس لئے افضل اس زمانہ میں یہی ہے کہ مسجد ہی میں پڑھ لئے جائیں۔

عن زيد بن ثابت –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

إتخذ حجرة –إلی– فصلوا أيها الناس في بيوتكم، فإن أفضل الصلاة صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة. (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب صلاة الليل، النسخة الهندية ١/ ١٠١، رقم: ٧٢٢، ف: ٧٣١)

والأفضل في النفل غير التراويح المنزل إلا لخوف شغل عنها. (درمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبيل مطلب سنة الوضوء، كراچی ٢/ ٢٢، زكريا ٢/ ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۲۰/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

سنن ونوافل گھر میں پڑھیں یا مسجد میں؟

سوال [۳۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض حضرات ''**إجعلوا في بيوتكم من صلاتكم، ولا تتخذوها قبورا**'' سے استدلال کرتے ہوئے فرائض مسجد میں ادا کرنے کے بعد سنن وغیرہ اپنے گھروں میں پڑھتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ ان کا یہ استدلال درست ہے؟ مذکورہ حدیث کا تعلق سنن ونوافل سے ہے یا فرض سے؟

المستفتی: نورحسن کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن صاحب نے مذکورہ حدیث شریف سے استدلال کرکے فرض نماز مسجد میں پڑھنے کے بعد سنن ونوافل گھروں میں پڑھنے کی بات کہی ہے، وہ صحیح اور درست ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرض نماز کے بعد سنن ونوافل اپنی رہائش گاہ میں پڑھا کرتے تھے۔

عن زيد بن ثابت –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ اتخذ حجرة

–إلی– فصلوا أیها الناس في بیوتکم، فإن أفضل الصلاة صلاة المرء في بیته، إلا المکتوبة. (صحیح البخاري، کتاب الصلاة، باب صلاة اللیل، النسخة الهندیة ۱/ ۱۰۱، رقم: ۷۲۲، ف: ۷۳۱)

وفي روایة مسلم: فعلیکم بالصلاة في بیوتکم، فإن خیر صلاة المرء في بیته إلا الصلاة المکتوبة. (صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب صلاة النافلة في بیته، وجوازها في المسجد، النسخة الهندیة ۱/ ۲۶۶، بیت الأفکار، رقم: ۷۸۱)

الأفضل في النفل شمل ما بعد الفریضة، وما قبلها لحدیث الصحیحین علیکم بالصلاة في بیوتکم، فإن خیر صلاة المرء في بیته إلا المکتوبة. (شامي، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبیل مطلب سنة الوضوء، کراچی ۲/ ۲۲، زکریا ۲/ ٤٦٤، هندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، زکریا قدیم ۱/ ۱۱۳، جدید ۱/ ۱۷۲، أحسن الفتاوی ۳/ ۲۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۸/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۷ھ

فرائض کے بعد سنن ونوافل کے لئے جگہ بدلنا مسنون ہے

سوال [۳۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت کی نماز کے بعد سنت ونوافل کے لئے جگہ بدلنا فرض، واجب یا سنت ہے؟ یہ کتنا ضروری ہے کہ اکثر مسجد کا اندر کا حصہ آدھے سے زیادہ خالی ہوجاتا ہے، جس کی وجہ گرمی کی شدت نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ طریقہ جاڑوں میں بھی اپنایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اکثر مسبوق کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔

المستفتی: ماسٹر عبد الحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرض نماز کے بعد سنتوں کے لئے جگہ بدلنا مسنون ومستحب ہے۔ اور اس سلسلہ میں اصل مسنون طریقہ یہی ہے کہ سنتیں اپنی رہائش گاہ میں جاکر ادا کریں؛ لیکن اگر راستہ میں کسی اور کام میں لگنے کا خطرہ ہو یا لاپرواہی سے سنت ترک ہونے کا خطرہ ہو، تو ایسی صورت میں مسجد میں ہی سنت پڑھنی چاہئے جیسا کہ آج کل دستور ہے۔ اور اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ مسبوق نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔

عن زيد بن ثابت –رضي الله عنه– حديثا طويلا، وطرفه: فقال لهم رسول الله ﷺ: مازال بكم صنيعكم حتى ظننت أنه سيكتب عليكم، فعليكم بالصلاة في بيوتكم، فإن خير صلاة المرء في بيته، إلا الصلاة المكتوبة. (بخاري، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الغضب والشدة لأمر الله؟ النسخة الهندية ٢/ ٩٠٣، رقم: ٥٨٧٥، ف: ٦١١٣)

إذا صلى الرجل المغرب في المسجد بالجماعة يصلي ركعتي المغرب في المسجد إن كان يخاف أن لو رجع إلى بيته يشتغل بشيء، وإن كان لا يخاف فالأفضل أن يصلى في بيته. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر في مسائل التطوع، زكريا ٢/ ٣٠٦، رقم: ٢٥٠٣)

وحيث كان هذا أفضل يراعي ما لم يلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبيته أو كان في بيته ما يشتغل باله ويقلل خشوعه فيصليها حينئذ في المسجد؛ لأن اعتبار الخشوع أرجح. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبيل مطلب سنة الوضوء، كراچی ١/ ٢٢، زكريا ٢/ ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۸۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

فرائض کے بعد نوافل پڑھنے کے لئے جگہ تبدیل کرنا

سوال [۳۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح فقہائے کرام نے امام کے لئے لکھا ہے کہ امام سلام پھیر کر جب سنت اور نفلیں پڑھے، تو جس جگہ فرض پڑھے ہیں وہاں سے ہٹ کر دائیں بائیں آگے پیچھے بہر حال ہیئت تبدیل کر کے سنن ونوافل پڑھے اور یہ عمل امام کے لئے مستحب لکھا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کیا مقتدیوں کے لئے بھی یہ مستحب ہے کہ جس جگہ جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھی سلام پھیرنے کے بعد سنت ونفل جگہ بدل کر پڑھیں؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں، ہمارے یہاں مسجد میں دار الافتاء کے فیصلہ کا انتظار ہے۔

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فرض نماز سے فراغت کے بعد سنن ونوافل جگہ بدل کر پڑھنا امام ومقتدی ومنفرد سب کے لئے مستحب اور افضل ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱۱۲/۸، کفایت المفتی ۲۶۴/۳، زکریا مطول ۵۶۴/۴-۵۶۶)

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– عن النبي ﷺ قال: أ يعجز أحدكم إذا صلى أن يتقدم أو يتأخر عن يمينه، أو عن شماله يعنى السبحة. (ابن ماجة، الصلاة، باب ماجاء في صلاة النافلة حيث تصلى المكتوبة، النسخة الهندية ١/ ١٠٣، دارالسلام، رقم: ١٤٢٧، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي يصلي فيه، النسخة الهندية ١/ ١٤٤، دارالسلام، رقم: ١٠٠٦)

أما المتقدي والمنفرد فإنهما إن لبثا أو قاما إلى التطوع فى مكانهما الذي صليا فيه المكتوبة جاز، والأحسن أن يتطوعا في مكان آخر. (شامي كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچى ١/ ٥٣١، زكريا ٢/ ١٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۵۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۶/ ۱۴۲۸ھ

سننِ قبلیہ چھوٹ جائیں تو کب ادا کریں؟

سوال [۳۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرض سے پہلے کی سنت مؤکدہ چھوٹ جائے تو اس کو کب ادا کریں؟ (فتاوی رحیمیہ ۱/۱۷۰) میں فرض کے بعد کی سنتیں ادا کرنے کے بعد پہلے کی سنتوں کو ادا کرنا لکھا ہے۔ اور ملفوظات فقیہ الامت قسط نمبر ۷ ص: ۲۰ پر لکھا ہے کہ فرض کے بعد کی سنتیں ادا کرنے سے پہلے ادا کرلیں اس کے بعد بعد کی سنتیں ادا کریں، ان دونوں میں راجح قول کون سا ہے اور مفتی بہ قول کی نشاندہی کریں، جب کہ فتاوی محمودیہ ۲/۲۰۲ پر دونوں طرح درست لکھا ہے، واضح فرمائیں۔

المستفتی: فصیح احمد، مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وقت کے اندر اندر چھوٹی ہوئی سنتیں ادا کرنا مسنون ہے، جیسا کہ ظہر سے پہلے چار رکعت سنت ہے، اگر وہ چھوٹ جائے تو فرض کے بعد پڑھنا مسنون ہے، مگر فجر کی سنت اگر چھوٹ جائے تو سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھنا جائز نہیں؛ بلکہ سورج طلوع ہوجانے کے بعد اگر وقت ہو تو گنجائش ہے۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ما تطلع الشمس. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في إعادتهما بعد ما تطلع الشمس، النسخة الهندية ۱/ ۹۶، دارالسلام، رقم: ۴۲۳، سنن الدارقطني، الصلاة، باب قضاء الصلاة بعد وقتها ...... دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۳۷۱، رقم: ۱۴۲۲)

وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح، وأما بعد طلوع الشمس (إلى قوله) قال محمد: أحب إلي أن يقضيهما إلى الزوال. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ۲/ ۵۷، زكريا ۲/ ۵۱۲)

ہاں البتہ جب ظہر کی سنن قبلیہ فرض کے بعد پڑھی جائیں تو بعد کی دونوں سنتوں کے بعد پڑھی جائے یا پہلے؟ دونوں طرح کے قول موجود ہیں، مگر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے فرض کے بعد والی دونوں سنتیں پڑھے اس کے بعد پہلے کی چھوٹی ہوئی سنتیں پڑھے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله ﷺ إذا فاتته الأربع قبل الظهر، صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب من فاته الأربع قبل الظهر، النسخة الهندية ٨٠، دارالسلام، رقم: ١١٥٨)

بخلاف سنة الظهر، فإنه يتركها ثم يأتي بها في وقتها قبل شفعه، إلى قوله: الأصح لحديث عائشة أنه عليه الصلاة والسلام، كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ٢/ ٥٩، زكريا ٢/ ٥١٤)

ثم قضاها قبل شفعه، أي قبل الركعتين اللتين بعد الفرض (قال المحشي) هذا عند أبي يوسف، وعند محمد يقدم الركعتين، وفيهم من ذكر الخلاف بالعكس، والأصح هو الثاني. (شرح وقاية مع حاشية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مكتبه بلال ١/ ١٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربجمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۱۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۰ھ

طلباء کو نماز سکھانے کے لئے نفل کی جماعت کرنا

سوال [۳۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مدرسے میں طلبہ کو نماز سکھانے کے لئے نفل کی جماعت ہوسکتی ہے؟ مثلاً ایک شخص امامت کرے اور قراءت جہراً کرے، رکوع اور سجدہ کی تسبیح اور ثناء،

التحیات، درود اور دعا کو بھی جہراً پڑھے اور جو کچھ امام پڑھ رہا ہے اس کو تمام مقتدی دہرائیں، تو آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد غازی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بالغوں کے لئے تداعی کے ساتھ نفل کی نماز جائز نہیں ہے، حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، مقتدی ایک دو ہوں تو جائز ہے، تین ہوں تو اختلاف ہے، چار یا اس سے زیادہ ہوں تو باتفاق حنفیہ مکروہ ہے۔ اور نابالغ بچوں کی جماعت سوال مذکور میں ذکر کردہ طریقہ سے کروانا ان کی تربیت کے واسطے بلا تردد جائز ہے؛ اس لئے کہ بابِ تربیت میں بہت سی ایسی چیزیں جائز ہیں جو بابِ احکام میں جائز نہیں ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۶۱، جدید ڈابھیل ۶/ ۴۰۲)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله ﷺ: مروا أولادكم بالصلاة، وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين، وفرقوا بينهم في المضاجع. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة؟ دارالسلام، رقم: ٤٩٥، سنن دارقطني، كتاب الصلاة، باب الأمر بتعليم الصلوات والضرب عليها، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٣٧، رقم: ٨٧٧)

يؤمر الصبي بالصلاة قبل البلوغ للاعتياد، كما هو نص حديث الباب، إلا أنها غير واجبة عليه. (العرف الشذي على هامش الترمذي، الصلاة، باب ماجاء متى يؤمر الصبي بالصلاة؟ ١/ ٩٥)

أما اقتداء واحد بواحد، أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ٢/ ٤٩، زكريا ٢/ ٥٠٠)

التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره. (عالمگیری،

کتاب الصلاۃ، باب الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، زکریا قدیم ۱/ ۸۳، جدید ۱/ ۱٤۱)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/۳/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۲۱۹)

نماز میں ضم سورت سے قبل ”بسم اللہ“ پڑھنا

سوال [۳۰٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ کونسا طریقہ افضل ہے؟

المستفتی: محمد ناصر انصاری، ملکیان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورۂ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے قبل ”بسم اللہ“ پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۷۵)

ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبى: بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرا، أو جهرا كان حسنا عند أبي حنيفة. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين السورة والفاتحة، كراچی ١/ ٤٩٠، زكريا ٢/ ١٩٢، بحر الرائق، باب صفة الصلاة، فصل إذا اراد الدخول في الصلاة كبر، زكريا ١/ ٥٤٥، ١/ ٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/٦۹۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/۱۱/۱۴۲۱ھ

نماز میں ضم سورت سے قبل ''بسم اللہ'' پڑھنا

سوال [۳۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز میں ''سورۂ فاتحہ'' اور سورت کے درمیان میں ''بسم الرحمٰن الرحیم'' پڑھنا واجب ہے یا سنت یا مستحب؟

المستفتی: عبدالواحد، ٹانڈا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''سورۂ فاتحہ'' اور سورت کے درمیان ''بسم اللہ'' پڑھنا واجب اور سنت تو نہیں ہے؛ البتہ پڑھ لینا مستحب اور افضل واولیٰ ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۳۰۲/۴، ۱۷۶/۱)

إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرا، أو جهرا كان حسنا عند أبي حنيفة رحمه الله. (شامي، كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين السورة والفاتحة، كراچی ۱/ ۴۹۰، زكريا ۲/ ۱۹۲)

ورجحه المحقق ابن الهمام. (شامي، زكريا ۲/ ۱۹۲، كراچی ۱/ ۴۹۰، البحر الرائق، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الدخول في الصلاة كبر، زكريا ۱/ ۵۴۵، كوئٹه ۱/ ۳۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۶۷)

سجدوں کے درمیان دعا کس نماز میں پڑھی جائے؟

سوال [۳۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دونوں سجدوں کے درمیان کیا پڑھا جاتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں: ''**اللهم اغفر لي**،

وارحمني، واهدني، واجبرني، وعافني، وارزقني'' یہ پڑھنا کیسا ہے اور کس نماز میں یہ دعا پڑھی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دونوں سجدوں کے درمیان کی دعا بعینہٖ اسی ترتیب سے تو نہیں؛ لیکن اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ اسی طرح کی دعا پڑھنا منقول ہے، جیسا کہ ذیل کی حدیث شریف سے واضح ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول بين السجدتين: "اللهم اغفرلي، وارحمني، واجبرني، واهدني، وارزقني''. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ما يقول بين السجدتين؟ النسخة الهندية ١/ ٦٣، دارالسلام، رقم: ٢٨٤)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله ﷺ يقول بين السجدتين: ''اللهم اغفرلي، وارحمني، واجبرني، وارفعني، وارزقني''. (المستدرك، الصلاة، مكتبه نزار مصطفى الباز ١/ ٣٩٧، رقم: ١٠٠٤)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– إلى– فقال بين السجدتين: ''اللهم اغفرلي، وارحمني، واجبرني، وارفعني، وارزقني، واهدني''. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٢/ ٢٠، رقم: ١٢٣٤٩)

اس قسم کی دعائیں نفلوں میں پڑھنا بالاتفاق مستحب ہے۔ اور بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ فرائض میں ان مقامات میں اس قسم کی دعائیں مسنون یا مستحب نہیں اور حدیث شریف نوافل پر محمول ہے۔ ''درمختار'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ويجلس بين السجدتين مطمئنا ...... وليس بينهما ذكر مسنون، وكذا ليس بعد رفعه من الركوع دعاء، وكذا لا يأتي في ركوعه وسجوده بغير التسبيح على المذهب، وما ورد محمول على النفل. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچی ١/ ٥٠٥-٥٠٦، زكريا

۲/ ۲۱۲-۲۱۳)

مگر حدیث شریف میں فرض نماز میں پڑھنا بھی ثابت ہے؛ اس لئے مقتدیوں کی گرانی کا خیال رکھتے ہوئے پڑھنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ ان دعاؤں کے پڑھنے سے تعدیل ارکان اطمینان سے ہوجاتا ہے، جیسا کہ قومہ اور جلسہ بین السجدتین کی بحث میں آرہا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۲/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۵ھ

رباعیات مندوبہ کے قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد درود اور تیسری رکعت میں ثناء کا حکم

سوال [۳۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سنن غیر مؤکدہ مثلاً عصر کی قبلیہ سنتیں یا عشاء کی، کیا اس کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف اور دعا وغیرہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ نیز تیسری رکعت کے شروع میں ثناء وتعوذ پڑھا جائے گا یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مولانا عبدالناصر صاحب، مدرس مدرسہ ہذا الالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: افضل یہی ہے کہ رباعیات مندوبہ میں دوسری رکعت میں التحیات کے بعد درود شریف اور تیسری رکعت کے شروع میں ثناء وتعوذ وغیرہ بھی پڑھ لئے جائیں۔

الرباعيات المندوبة، فيستفتح ويتعوذ، ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم في ابتداء كل شفع منها. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان النوافل، قديم ۲۱٤، جديد، دارالكتاب ديوبند ۳۹۲)

وفي البواقى من ذوات الأربع يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويستفتح ويتعوذ. (درمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب قولهم كل شفع

من النفل صلاة ليس مطردا، كراچی ٢/ ١٦، زكريا ٢/ ٤٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۱)

رباعی سنت غیر مؤکدہ کی تیسری رکعت کی ابتداء میں ثناء پڑھنا

سوال [۳۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رباعی سنت غیر مؤکدہ میں دو رکعت پڑھنے کے بعد قعدہ میں التحیات اور دعا پڑھنے کے بعد تیسری رکعت میں، پھر ''سبحانک اللہم'' پڑھتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے، تو جو لوگ اس طرح نہیں پڑھتے ہیں، ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اختر کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنن غیر مؤکدہ دو دو رکعت کرکے پڑھنا زیادہ افضل ہے۔ اور اگر چار رکعت کی نیت باندھ لی جائے تو قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف مکمل پڑھنے کا اختیار رہے، چاہے مکمل پڑھے یا التحیات پڑھ کر کھڑا ہو جائے، اسی طرح جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو ثناء اور تعوذ پڑھنے اور نہ پڑھنے، دونوں طرح کا اختیار ہے، فقہاء کی عبارات میں دونوں طرح کی باتیں موجود ہیں؛ اس لئے جو شخص پڑھے گا، اس کی نماز بھی بلا کراہت درست ہو جائے گی۔ اور جو نہیں پڑھے گا اس کی نماز بھی درست ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۳۱)

وفي البواقي من ذوات الأربع يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، ويستفتح ويتعوذ ولو نذرا؛ لأن كل شفع صلاة، وقيل: لا يأتي في الكل، وصححه في القنية. (درمختار على شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب

قولهم كل شفع من النفل صلاة ليس مطردا، كراچى ٢/ ١٦، زكريا ٢/ ٤٥٧، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان النوافل، قديم ٢١٤، جديد دارالكتاب ديوبند ٣٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۲۵ھ

قومہ اور بین السجدتین منقول تسبیح

سوال [۳۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرض نماز میں قومہ اور بین السجدتین کی تسبیح حدیث میں وارد ہیں، پڑھنا مشروع ہے یا نہیں؟ حدیث اور فقہ کی کتابوں کے حوالوں سے جواب تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فرائض کے قومہ اور بین السجدتین حدیث میں منقول تسبیح پڑھنا مستحب ہے، ہاں امام کے لئے اس بات کی رعایت کے ساتھ مستحب ہے کہ مقتدیوں کو گرانی نہ ہوتی ہو؛ کیوں کہ یہ تعدیل ارکان کے لئے اہم ترین ذریعہ ہے؛ اس لئے نوافل کی طرح فرائض میں بھی اس پر عمل ہوجائے تو بہتر ہے۔

عن ابن أبي أوفى قال: كان رسول الله ﷺ إذا رفع ظهره من الركوع قال: سمع الله لمن حمده، اللهم ربنا لك الحمد ملأ السموات وملء الأرض، وملأ ما شئت من شيء بعد. (مسلم شريف، الصلاة، باب ما يقول إذا رفع رأسه من الركوع؟ النسخة الهندية ١/ ١٩٠، بيت الأفكار، رقم: ٤٧٦)

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ كان يقول حين يقول: سمع الله لمن حمده: أللهم ربنا لك الحمد ملأ السماء،

قال مؤمل: ملء السموات، وملء الأرض، وملء ما شئت من شيء بعد. (أبوداؤد شريف، الصلاة، باب ما يقول إذا رفع رأسه من الركوع؟ النسخة الهندية ١/ ١٢٣، رقم: ٨٤٧، ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا رفع رأسه من الركوع، النسخة الهندية، ص: ٦٢، دارالسلام، رقم: ٨٧٨)

عن رفاعة بن رافع الزرقي قال: كنا يوما نصلي وراء النبي ﷺ، فلما رفع رأسه من الركعة قال: سمع الله لمن حمده، قال: رجل وراءه ربنا ولك الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه، فلما انصرف قال: من المتكلم؟ قال: أنا، قال: رأيت بضعة وثلاثين ملكا يبتدرونها أيهم يكتبها أول. (بخاري شريف، الأذان، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ١/ ١١٠، رقم: ٧٩١، ف: ٧٩٩)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: كان النبي ﷺ يقول بين السجدتين: اللهم اغفر لي وارحمني، وعافني واهدني، وارزقني. (ابوداؤد شريف، الصلاة، باب الدعاء بين السجدتين، النسخة الهندية ١/ ١٢٣، دارالسلام، رقم: ٨٥٠)

عن حذيفة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقول بين السجدتين: رب اغفرلي رب اغفرلي. (ابن ماجة، باب ما يقول بين السجدتين، النسخة الهندية ١/ ٦٤، دارالسلام، رقم: ٨٩٧)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أن النبي ﷺ كان يقول بين السجدتين: اللهم اغفرلي، وارحمني، واجبرني، واهدني، وارزقني. (ترمذي، باب ما يقول بين السجدتين، النسخة الهندية ١/ ٦٣، دارالسلام، رقم: ٢٨٤)

قال يعقوب: سألت أبا حنيفةؒ عن الرجل يرفع رأسه من الركوع في الفريضة أيقول: اللهم اغفرلي؟ قال: يقول: ربنا لك الحمد وسكت، وكذلك بين السجدتين، فقد أحسن حيث لم ينهه عن الاستغفار صريحا، أقول: وفي عدم نهيه عنه إشارة إلى أنه لو فعل لم يكره إذا لو كره لكان الأولى

النهي كما نهي عن القراء ة في الركوع والسجود. (البحر الرائق، زكريا ١/ ٥٦١، كوئٹه ١/ ٣٢١، كذا في تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ١/ ١١٨، زكريا ديو بند ١/ ٣٠٧،)

(ويجلس بين السجدتين مطمئنا، وليس بينهما ذكر مسنون على المذهب) وما ورد محمول على النفل، تحته في الشامي: محمول على النفل، أي تهجدا، أو غيره، ثم الحمل المذكور صرح به المشايخ في الوارد في الركوع والسجود، وصرح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة، وقال: على أنه إن ثبت في المكتوبة فليكن حالة الإنفراد أو الجماعة، والمأمومون محصورون لا يتثقلون بذلك. (شامي، زكريا ٢/ ٢١٣، كراچی ١/ ٥٠٥-٥٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۱/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۱۲/۴۰)

اذان سے قبل سنتیں پڑھ لینا کیسا ہے؟

سوال [۳۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد میں ظہر کا وقت ہونے کے ایک گھنٹہ بعد اذان دی جاتی ہے، کوئی شخص مسجد میں آکر اذان سے پہلے سنن قبلیہ پڑھ لے تو وہ سنن قبلیہ شمار ہوں گی یا نہیں؟ یا اذان کے بعد دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد اذان سے پہلے سنن قبلیہ پڑھ لے تو یہ درست ہے، اذان کے بعد اعادہ لازم نہیں ہے۔

الأذان سنة لأداء المكتوبات بالجماعة، وليس لغير الصلوات

الخمس، والجمعة، نحو السنن، والوتر، والتطوعات، والتراويح، والعيدين أذان ولا إقامة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ۱/ ۵۳، جديد ۱/ ۱۱۰)

سنن للفرائض، وخرج بالفرائض ما عداها، فلا أذان للوتر، ولا العيدين، ولا الجنائز، ولا للكسوف، والتراويح والسنن الرواتب. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، زكريا ۱/ ۴۴۴، كراچی ۱/ ۲۵۵)

فالمحل الذي يجب فيه الأذان، ويؤذن له الصلوات المكتوبة التي تؤدي بجماعة. (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان محل وجوب الأذان، قديم كراچی ۱/ ۱۵۲، زكريا ۱/ ۳۷۶) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۶۱)

صبح صادق کے بعد سنت فجر کے علاوہ نفل پڑھنا

سوال [۳۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فجر کا وقت شروع ہونے پر سنت اور فرض کے علاوہ کوئی نفلی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: ڈاکٹر نسیم احمد، محلّہ مقبرہ درگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں فجر کا وقت شروع ہونے پر فرض اور سنت فجر کے علاوہ نفل نماز پڑھنا ناجائز اور مکروہ ہے۔

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنهما– قال: قال رسول الله صلى الله

علیه وسلم: لا صلاة بعد طلوع الفجر، إلا ركعتين قبل صلاة الفجر. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من أكثر إذا طلع الفجر أن يصلي أكثر من ركعتين، موسسة علوم القرآن ٥/ ١٢٦، رقم: ٧٤٤٦)

ويكره أن يتنفل بعد طلوع الفجر، بأكثر من ركعتي الفجر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يزد عليها. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، قبيل باب النوافل، دارالكتاب ديوبند ١/ ٨٤، مكتبه إمداديه ملتان ١/ ٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۶۴/۲۵)

صبح صادق کے بعد تہجد کی نیت سے پڑھی گئی نماز سنت فجر کے قائم مقام ہے

سوال [۳۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وقت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے تہجد کی نفل پڑھنے کے دوران اذان فجر ہو جاتی ہے، آخری دو نفل اذان فجر کے دوران پڑھی گئیں، تو کیا یہ نفل تہجد میں شمار کی جائیں گی یا یہ نفل باطل ہو گئیں، یا سب بیکار ہو گئیں، یا یہ نفل کس درجہ میں آئیں گی؟

المستفتی: عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تہجد کی نیت سے دو رکعت پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ دو رکعتیں صبح صادق کے بعد پڑھی گئی ہیں تو یہی دو رکعتیں فجر کی سنت کے قائم مقام ہو جائیں گی، الگ سے سنت فجر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۴۴۹)

صحح في المسألة الأولى الإجزاء معللا بأن السنة تطوع فتأدى بنية التطوع. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، قبيل مطلب في لفظة ثمان، كراچی

۲/ ۱۵، زکریا ۲/ ۴۵۵)

وكـذا الحكم من كراهة نفل، وواجب لغيره لا فرض، وواجب لعينه بـعد طلوع الفجر سوى سنته حتى لو نوى تطوعا كان سنة الفجر بلا تعيين. (تـحتـه فـي الشـامية:) فـلو تهجد بركعتين يظن بقاء الليل، فتبين أنهما بعد الـفـجـر كانتا عن السنة على الصحيح، فلا يصليها بعده، للكراهة. (شامي، كتاب الصلاة، زكريا ۲/ ۳۷، کراچی ۱/ ۳۷۵- ۳۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۴ھ

فجر کے بعد طلوع آفتاب سے قبل سنت فجر پڑھنا

سوال [۳۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر فجر کی جماعت ہورہی ہو اور اتنا وقت نہیں ہے کہ فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہوسکے اور نماز جماعت سے فراغت کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے اتنا وقت باقی ہے کہ دو رکعت سنت پڑھ کر فارغ ہوجائے، تو کیا اس وقت طلوع آفتاب سے پہلے سنتیں پڑھ لے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: جلیل حسن بجلی مستری، نواب پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی چھوٹی ہوئی سنت فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے، اگرچہ سورج طلوع ہونے سے پہلے وقت میں اتنی گنجائش کیوں نہ ہو۔

عـطـاء بـن يزيد الليثي، أنه سمع أبا سعيد الخدري -رضى الله عنه-

يقول: قال رسول الله ﷺ: لا صلاة بعد صلاة العصر، حتى تغرب الشمس، ولا صلاة بعد صلاة الفجر حتى تطلع الشمس. (مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب الأوقات التي نهي عن الصلاة فيها، النسخة الهندية ١/ ٢٧٥، بيت الأفكار، رقم: ٨٢٧، صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب لا تتحرى الصلاة قبل غروب الشمس، النسخة الهندية ١/ ٨٢، رقم: ٥٧٨، ف: ٥٨٦)

وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح، وأما بعد طلوع الشمس، فكذلك عندهما، وقال محمد: أحب إلي أن يقضيها إلى الزوال، كما في الدرر. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ٢/ ٥٧، زكريا ٢/ ٥١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رصفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲ھ

فجر کی سنت امام سے آگے پڑھنا

سوال [۳۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: برآمدے میں فجر کی جماعت ہورہی ہے اور باہر صحن میں بارش ہورہی ہے، مسجد اندر سے خالی ہے، اس حالت میں امام سے آگے جا کر سنت پڑھی جاسکتی ہے یانہیں؟

المستفتی: مقتدیان جامع مسجد منڈی دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر برآمدے میں نماز ہورہی ہے اور صحن میں بارش ہورہی ہے، تو اگر اندر جانے کا راستہ ہو اور سنت ادا کرنے کے بعد نمازیوں کے سامنے گذرے بغیر باہر آکر جماعت میں شرکت کرنا ممکن ہو تو پھر اندر کے حصے میں امام سے آگے

سنت فجر ادا کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۳/ ۴۷، جدید زکریا ۴/ ۱۳۵)

لیکن اگر اندر جانے کا کوئی راستہ نہ ہو اور نمازیوں کے سامنے گذرے بغیر جماعت میں شرکت کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اندر جا کر سنت پڑھنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ ایسی صورت میں سنت چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۳/ ۶۱، جدید ڈابھیل ۶/ ۶۹۵)

قال أبو جهيم: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو يعلم المار بين يدي المصلي ما ذا عليه، لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه، قال أبو النضر: لا أدري، قال: أربعين يوما أو شهرا أو سنة. الحديث (صحيح البخاري، الصلاة، باب إثم المار بين يدي المصلي، النسخة الهندية ١/ ٧٣، رقم: ٥٠٤، ف: ٥١٠)

ويكره المرور بين يدي المصلي. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب الحدث في الصلاة، وما يكره فيها، وما لا يكره، زكريا ١/ ١١٩، زكريا جديد ١/ ٧٥، شامي، باب ما يفسد الصلاة، مطلب إذا قرأ تعالىٰ جدك بدون ألف، زكريا ٢/ ٣٩٨، كراچی ١/ ٦٣٤، هداية، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، اشرفي ديو بند ١/ ١٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۲ھ

فجر کی سنت فرض کے بعد پڑھنا

سوال [۳۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فجر کی نماز کی سنت فجر کے فرض کے بعد پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ کافی وقت ہے، سورج کے طلوع ہونے میں۔ اور ہم نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ پڑھ سکتے ہیں، صحیح کیا

ہے، غلط کیا ہے؟ یہ ہمیں معلوم نہیں آپ برائے مہربانی ہم کو آگاہ کریں۔

المستفتی: محمد فیروز عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فجر کی سنت فرض نماز کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے، اگرچہ سورج طلوع ہونے میں کافی وقت ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴۷۶/۳، فتاوی رشیدیہ/۳۶۳)

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– قال: سمعت غير واحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، منهم عمر بن الخطاب، وكان أحبهم إلي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الفجر، حتى تطلع الشمس، وبعد العصر، حتى تغرب الشمس. (صحيح مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، النسخة الهندية ١/ ٢٧٥، بيت الأفكار، رقم: ٨٢٦)

وأما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع لكراهة النفل بعد الصبح. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ٢/ ٥٧، زكريا ٢/ ٥١٢، هدايه، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، أشرفی ١/ ١٥٢، رشيديه ١/ ١٣٢، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢١١، حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كوئٹه ١/ ٣٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۳/۱۴۲۱ھ

فجر کی سنت دو کی جگہ چار پڑھ لیں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۳۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سنت فجر اگر دو کے بجائے چار پڑھ لے بھول کر تو مزید دو رکعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد طیب فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فجر میں دو رکعت سنت کے بجائے چار رکعت پڑھ لے تو دو رکعت سنت ہو جائیں گی اور مزید دو رکعت کراہت کے ساتھ نفل ہو جائیں گی؛ اس لئے کہ فجر کی اذان کے بعد سنت فجر کے علاوہ نفل مکروہ ہے۔

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلاة بعد طلوع الفجر، إلا ركعتين قبل صلاة الفجر.

(المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، من أكثر إذا طلع الفجر أن يصلي أكثر من ركعتين، مؤسسة علوم القرآن ٥/ ١٢٦، رقم: ٧٤٤٦)

ويكره أن يتنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتي الفجر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يزد عليها. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، قبيل باب النوافل، دارالكتاب ديوبند ١/ ٨٤، إمداديه ملتان ١/ ٨٤)

يكره فيه التطوع بأكثر من سنة الفجر. (هندية، كتاب الصلاة، باب المواقيت، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لاتجوز فيها الصلاة، وتكره فيها، زكريا قديم ١/ ٥٢، جديد ١/ ١٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۸۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۶ھ

فجر کی سنت دو کے بجائے بھول سے چار رکعت پڑھنا

سوال [۳۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص نماز فجر کی دو رکعت سنت کو بھول کر چار رکعت پڑھ لے، تو اس صورت میں جواز اور عدم جواز کی کتنی صورتیں ہیں اور مزید دو رکعت کا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شمیم قاسمی، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فجر میں دو رکعت سنت کے بجائے اگر چار رکعت پڑھ لے، تو دو رکعت سنت ہوجائیں گی اور مزید دو رکعت کراہت کے ساتھ نفل ہوجائیں گی؛ اس لئے کہ فجر کی اذان کے بعد سنت فجر کے علاوہ نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلاة بعد طلوع الفجر، إلا ركعتين قبل صلاة الفجر. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، من أكثر إذا طلع الفجر أن يصلي أكثر من ركعتين، مؤسسة علوم القرآن ٥/ ١٢٦، رقم: ٧٤٤٦)

ويكره أن يتنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتي الفجر؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم لم يزد عليها. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، قبيل باب النوافل، دارالكتاب ديوبند ١/ ٨٤، إمداديه ملتان ١/ ٨٤)

يكره فيه التطوع بأكثر من سنة الفجر. (هندية، كتاب الصلاة، باب المواقيت، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لاتجوز فيها الصلاة، وتكره فيها، زكريا قديم ١/ ٥٢، جديد ١/ ١٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۶ھ

صبح صادق کے بعد قبل الاذان یا بعدہ تحیۃ المسجد پڑھنا

سوال [۳۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صبح صادق کے بعد مسجد میں قبل اذان یا بعد اذان تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضوء پڑھنا کیسا ہے؟ کتب حدیث کے حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عرفان احمد قاسمی، گونڈوی، مدرسہ تنویر العلوم دارا پور، پرتاب گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلوع فجر کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ دیگر نوافل کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے تحیۃ المسجد بھی الگ سے پڑھنا مکروہ ہوگا۔

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلاة بعد طلوع الفجر، إلا ركعتي الفجر. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۳/ ۵۳، رقم: ٤٧٥٧، سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء لا صلاة بعد طلوع الفجر إلا ركعتين، النسخة الهندية ۱/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٤١٩)

وقتان آخران يكره فيهما التطوع، وهما: بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس، إلا ركعتي الفجر. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الأول المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۹، كوئٹه قديم ۱/ ٤٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۱/۱۱/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۱/۱۳ھ

فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے تو سنت کب تک پڑھ سکتے ہیں؟

سوال [۳۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص نے ابھی سنت فجر نہیں پڑھی کہ جماعت کھڑی ہوگئی، اب یہ سنت پڑھے یا جماعت میں شریک ہو؟ اور سنت فجر کب تک پڑھی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس کو سنت پڑھ کر جماعت کے ساتھ ایک رکعت ملنے کی امید ہو، تو سنت پڑھ لینی چاہئے، پھر جماعت میں شریک ہو۔ اور اگر سنت سے فراغت کے بعد ایک رکعت ملنے کی امید نہ ہو تو سنت چھوڑ کر جماعت میں شریک ہوجانا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، جدید ۳/ ۳۱۱، قدیم ۳/ ۲۶۲)

رجل انتهى إلى الإمام والناس في صلاة الفجر، إن خشي أن تفوته ركعة من الفجر بالجماعة، ويدرك ركعة صلى سنة الفجر ركعتين عند باب المسجد، ثم دخل المسجد، فيصلي مع القوم، وإن خاف أن تفوته الركعتان جميعا دخل مع القوم في صلاتهم. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر مسائل التطوع، زكريا ٢/ ٣٠٨، رقم: ٢٥١١، كذا في الهداية، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، أشرفي ١/ ١٥٢، شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچی ٢/ ٥٧، زكريا ٢/ ٥١٠، العرف الشذي على هامش الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، ص: ٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۴/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۸۰)

فجر کی سنت چھوٹ جائے تو قضاء کا کیا حکم؟

سوال [۳۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی کی سنت فجر چھوٹ جائے اور طلوع آفتاب ہوجائے تو صرف سنت کی قضاء کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فجر کی سنت چھوٹ جائے تو اس کی قضا نہیں ہوتی؛ اس لئے کہ سنتوں کی قضا نہیں ہے، تاہم ان دو رکعتوں کا طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لینا بہتر ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۴۷۷، محمودیہ، ڈابھیل جدید ۷/ ۱۹۵، میرٹھ ۱۱/ ۲۵۵)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يصل ركعتي الفجر، فليصلهما بعد ماتطلع الشمس. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في إعادتهما بعد طلوع الشمس، النسخة الهندية ١/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٤٢٣، صحيح ابن حبان، ذكر الأمر لمن فاتته ركعتا الفجر أن يصليهما بعد طلوع الشمس، دارالفكر ٣/ ٣٢١، رقم: ٢٤٦٩، المستدرك للحاكم، الصلاة، قديم ١/ ٢٧٤، جديد مكتبه نزار مصطفى الباز ١/ ٤٠٠، رقم: ١٠١٥، سنن الدار قطني، الصلاة، باب قضاء الصلاة، بعد وقتها، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٣٧١، رقم: ١٤٢٢)

وركعتا الفجر إذا فاتتا وحدهما بأن جاء رجل ووجد الإمام في صلاة الفجر، فدخل مع الإمام في صلاته...... أنها لا تقضى قبل طلوع الشمس، ولا بعده قياسا ...... وتقضى بعد طلوع الشمس استحسانا إلى وقت الزوال. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر، باب مسائل التطوع، زكريا ٢/ ٣٠٢، رقم: ٢٤٩٤، كذا في الشامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، كراچى ٢/ ٥٧، زكريا ٢/ ٥١٢، بدائع، كتاب الصلاة، فصل وأما بيان السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ زكريا ١/ ٦٤٣، حلبي كبير، كتاب الصلاة، فروع لو ترك سنة الفجر، ص: ٣٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۳)

ظہر کے بعد قبلیہ چار رکعت کو مقدم کرے یا بعدیہ دو رکعت کو؟

سوال [۳۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ظہر سے قبل ظہر کی سنت کسی وجہ سے نہیں پڑھ سکا، اب جب فرض نماز سے فارغ ہوجائے تو پہلے جو چار رکعت سنت فوت ہوئی اس کو مقدم کرے یا ظہر کے بعد جو دو رکعت سنت ہے اس کو مقدم کرکے پڑھے؟

المستفتی: حافظ طاہر حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دونوں طرح پڑھنا درست ہے؛ البتہ بہتر یہ ہے کہ پہلے دو رکعت پڑھے، اس کے بعد فوت شدہ چار رکعت پڑھے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲/۲۰۲، فتاوی دارالعلوم ۴/۴۲۲)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله ﷺ إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (ابن ماجه شريف، الصلاة، باب من فاتته الأربع قبل الظهر، النسخة الهندية ١/ ٨٠، دارالسلام، رقم: ١١٥٨)

فإنه إن خاف فوت ركعة يتركها ويقتدى، ثم يأتي بها على أنها سنة في وقته، أي الظهر قبل شفعه عند محمد، وبه يفتي. وفي الشامي: لكن رجح في الفتح تقديم الركعتين، قال في الإمداد، وفي فتاوى العتابية: أنه المختار، وفي مبسوط شيخ الإسلام: أنه الأصح. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ٢/ ٥٩، زكريا ٢/ ٥١٣، ٥١٤، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتاب ديوبند، ص: ٤٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۱۷)

ظہر کی سنت چھوٹ جائیں تو نماز کے بعد کیا ان کی اہمیت کم ہوجاتی ہے؟

سوال [۳۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ظہر کی جماعت کھڑی ہوتے ہی جماعت میں شریک ہوگئے، پہلی چار سنتیں رہ گئیں، یہ چار سنتیں ویسی ہی مؤکدہ اہمیت کے ساتھ باقی رہتی ہیں یا اہمیت کم ہوجاتی ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ظہر کی پہلی چار سنتیں جماعت کے بعد مؤکدہ نہیں رہتیں کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ظہر کی چار سنت اگر کوئی فرض سے پہلے نہیں پڑھ سکا، تو فرض کے بعد دو سنت ادا کرنے کے بعد چار سنت ادا کرنی چاہئیں اور فرض کے بعد بھی چار سنتیں مؤکدہ ہی رہتی ہیں، ان کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آتا؛ اس لئے کہ وقت کامل باقی رہتا ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا لم يصل أربعا قبل الظهر، صلاهن بعدها. (سنن الترمذي، الصلاة، باب آخر، النسخة الهندية ١/ ٩٧، دارالسلام، رقم: ٤٢٦)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله ﷺ إذا فاتته الأربع قبل الظهر، صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب من فاتته الأربع قبل الظهر، النسخة الهندية ١/ ٨٠، دارالسلام، رقم: ١١٥٨)

بخلاف سنة الظهر، وكذا الجمعة، فإنه إن خاف فوت ركعة يتركها، ويقتدى، ثم يأتي بها على أنها سنة في وقته، أي الظهر، وتفصيله في الشامي. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ٢/ ٥٩، زكريا ٢/ ٥١٣) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۲۹ھ

عصر وعشاء کی سنتیں مستحب ہیں

سوال [۳۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر وعشاء کی شروع کی چار سنتیں اگر فوت ہوجائیں، تو وہ شخص گنہگار رہے یانہیں؟ اگر ایسا فعل امام سے ہوجائے تو کیا اس امام کے پیچھے نماز درست ہے یانہیں؟ جواب مع ثبوت عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ سنتیں استحباب کے درجہ میں ہیں، ان کے تارک گنہگار نہ ہوں گے؛ البتہ پڑھنے سے ثواب ملتا ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: رحم الله امرأ صلى قبل العصر أربعا. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب الصلاة، قبل العصر، النسخة الهندية ١/ ١٨٠، دارالفكر، رقم: ١٢٧١)

وأما قبل العصر، فإن تطوع بأربع ركعات فحسن، وخيره بين أن يفعل وبين أن لا يفعل. وفي الكافي: وروى أنه عليه السلام كان يصلي قبل العصر ركعتين، والأربع أفضل. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي عشر في مسائل التطوع، زكريا ٢/ ٢٩٩، رقم: ٢٤٨٥)

وأما التطوع قبل العشاء، فإن تطوع قبلها بأربع ركعات فحسن. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الحادي عشر في مسائل التطوع، زكريا ٢/ ٣٠٠، رقم: ٢٤٨٨)

وندب الأربع قبل العصر والعشاء. (هندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ١/ ١١٢، جديد ١/ ١٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

نمازِ عصر سے قبل نوافل

سوال [۳۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عصر کی نماز کا وقت شروع ہوجانے پر فرض نماز سے قبل نفل نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور شکریہ والے نفل بھی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتیة: مسماۃ رقیہ خاتون، زوجہ مقبول احمد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عصر کی فرض نماز ادا کرنے سے پہلے جب وقت موجود ہو تو کوئی بھی نفل نماز پڑھ سکتے ہیں، چاہے شکرانہ نماز ہو یا مطلقاً نفل ہو، یا صلاۃ الحاجہ ہو، یا تحیۃ المسجد ہو، سب جائز ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: رحم الله امرأ صلى قبل العصر أربعا. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱۱۷، رقم: ۵۹۸، سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الأربع قبل العصر، النسخة الهندية ۱/ ۹۸، دارالسلام، رقم: ۴۳۰، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ۵۸۸، رقم: ۱۱۹۳، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب الصلاة، قبل العصر، النسخة الهندية ۱/ ۱۸۰، دارالفكر، رقم: ۱۲۷۱)

عن علي –رضي الله عنه– قال: كان النبي صى الله عليه وسلم يصلي قبل العصر أربع ركعات. الحديث (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الأربع قبل العصر، النسخة الهندية ۱/ ۹۸، دارالسلام، رقم: ۴۲۹)

ويجوز التطوع قبل العصر. (خانية على هامش الهندية، كتاب الصلاة، قبيل باب استقبال القبلة، زكريا ۱/ ۷۴، جديد ۱/ ۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

عصر سے قبل تحیۃ الوضوء پڑھنا

سوال [۳۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی عصر کے وقت اذان ہونے کے بعد تحیۃ الوضوء یا تحیۃ المسجد ادا کرنا چاہے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شفیق احمد بھائے پوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عصر کی اذان کے بعد فرض کی ادائیگی سے قبل تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد پڑھنا شرعاً درست ہے۔ اور عصر کی نماز کے بعد کسی قسم کی سنن ونوافل پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۲/ ۷۰)

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– قال: سمعت غير واحد من أصحاب النبي ﷺ منهم عمر بن الخطاب، وكان من أحبهم إلي: أن رسول الله ﷺ نهى عن الصلاة بعد الفجر، حتى تطلع الشمس، وعن الصلاة بعد العصر، حتى تغرب الشمس. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في كراهية الصلاة بعد العصر و بعد الفجر، النسخة الهندية ۱/ ۴۵، رقم: ۱۸۳)

ويكره أن يتنفل بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب، لما روى أنه عليه السلام نهى عن ذلک. (هداية، كتاب الصلاة، باب المواقيت، فصل في الأوقات التي تكره فيها الصلاة، أشرفي ديوبند ۱/ ۸۵)

ووقتان آخران يكره فيهما التطوع، وهما: بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس، إلا ركعتي الفجر، وما بعد صلاة العصر إلى وقت غروب الشمس. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الأول في المواقيت، زكريا ۲/ ۱۵، رقم: ۱۵۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۴/ ۱۴۲۲ھ

جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ

سوال کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبل صلاۃ الجمعہ چار رکعت نماز سنت ہیں یا غیر سنت؟ اگر سنت ہیں تو کونسی سنت شریعت کی نظر میں اس کا کیا حکم ہے؟ بالدلیل زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد شاہد کٹیہاری، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعا لا يفصل في شيء منهن. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة، النسخة الهندية ١/ ٧٩، دارالسلام، رقم: ١١٢٩)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، يركع قبل الجمعة أربعا، وبعدها أربعا، لا يفصل بينهن. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٢/ ١٢٩، رقم: ١٢٦٧٤)

وسن مؤكدا أربع قبل الجمعة، وأربع بعدها بتسليمة. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في السنن والنوافل، زكريا ٢/ ٤٥١، كراچی ٢/ ١٢، كوئٹه ١/ ٤٢٧، الأشباه، قديم ص: ٦٤، عالمگيری، الصلاة، الباب التاسع في النوافل، زكريا ١/ ١١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۴/۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۵۹/۳۵)

جمعہ سے قبل چار رکعت سنت کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد! جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنا سنت

ہے،اور حضرات حنفیہ کے نزدیک یہ چاروں رکعت سنت مؤکدہ ہیں، اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیم جوزیؒ نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ جمعہ سے پہلے آج کل کے زمانہ میں جو اذان اول دی جاتی ہے وہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جاری ہوئی، حضور ﷺ کے زمانہ میں وہ اذان نہیں تھی، بلکہ منبر کے پاس خطیب کے سامنے جو اذان دی جاتی ہے وہی ایک اذان تھی، تو جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت پڑھنے کا موقع کہاں تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جمعہ میں جلدی پہنچنے کی کوشش کرتے تھے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، اور منبر کے پاس جو اذان دی جاتی ہے اس اذان سے پہلے حضورؐ اور صحابہ کرام کا چار رکعت پڑھنے کا معمول رہا ہے، اور ان چار رکعت کا پڑھنا کسی اذان پر موقوف نہیں تھا؛ بلکہ زوال کے بعد خطبۂ جمعہ سے پہلے پڑھنے کا معمول رہا ہے، پھر یہی چار رکعت حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے اذانِ اوّل کے بعد پڑھی جانے لگیں، جیسا کہ ہم آگے متعدد صحابہ کرام سے روایت پیش کریں گے، اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ لوگوں کو تاکید سے حکم فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھ لیا کریں؛ لہٰذا ہم اس سلسلہ میں ناظرین کے سامنے دس روایات پیش کرتے ہیں، جن میں سے متعدد صحابہ کا عمل صحیح سندوں کے ساتھ پیش کریں گے، اور چند مرفوع روایات ان کی تائید میں پیش کریں گے اور مرفوع روایات کو تائید میں اس لئے پیش کریں گے کہ ان کی سند کے کچھ راویوں پر محدثین نے کلام کیا ہے، اور ان کو بنیاد نہیں بنائیں گے۔

جمعہ سے پہلے چار سنتوں کی روایات

(۱) عبد الرزاق عن الثوري عن عطاء بن السائب عن أبي عبدالرحمن السلمي قال: كان عبدالله يأمرنا أن نصلّي قبل الجمعةأربعاً، وبعدها أربعاً.

(مصنف عبد الرزاق ۳/ ۲٤۷ برقم: ٥٥۲٥،
إعلاء السنن بيروت ۷/ ۱۰ بريم: ۱۷۱٦)

حضرت امام ابوعبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہم لوگوں کو جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

(٢) عبد الرزاق عن معمر عن قتادة أن ابن مسعودؓ كان يصلّي قبل الجمعة أربع ركعات، وبعدها أربع ركعات.

(مصنف عبد الرزاق ٣/ ٢٤٧ برقم: ٥٥٢٤)

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(٣) عن عبدالله بن عمرؓ أنه كان يصلّي قبل الجمعة أربعاً لايفصل بينهن بسلام، ثم بعد الجمعة ركعتين، ثم أربعاً.

(طحاوي شريف ١/ ٤٣٥ برقم: ١٩١٩)

جبلہ بن سحیم عبداللہ بن عمرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور ان چاروں رکعتوں کے درمیان سلام کے ذریعہ سے فاصلہ نہیں فرماتے تھے، اور جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، اور پھر چار رکعت پڑھتے تھے۔

(٤) عن إبراهيم أن عبد الله بن مسعود كان يصلّي قبل الجمعة أربعا وبعدها أربعا لايفصل بينهن بتسليم.

(طحاوي شريف ١/ ٤٣٦، برقم: ١٩٢٥)

حضرت امام ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعت پڑھتے تھے، اوران رکعتوں کے درمیان سلام کے ذریعہ سے فاصلہ نہیں فرماتے تھے۔

(٥) حدثنا ابن فضيل عن حنيف عن أبي عبيدة عن عبدالله قال: كان يصلّي قبل الجمعة أربعا. (مصنف ابن أبي شيبة ٤/ ١١٤ برقم: ٥٤٠٢)

ابوعبیدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(٦) روي عن عبدالله بن مسعود أنه كان يصلّي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً.

(ترمذي ١/ ١١٧- ١١٨، جديد برقم: ٥٢٣)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔

اب چند مرفوع روایات تائید میں پیش کی جاتی ہیں، جن کی سند میں محدثین نے کچھ کلام کیا ہے، مگر تعدد طرق کی وجہ سے اس میں قوت پہونچ جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(۷) عن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يصلّي قبل الجمعة أربعاً، وبعدها أربعا. (المعجم الأوسط ٤/ ٥٦٨ برقم: ٣٩٧١، المعجم الأوسط جديد ٣/ ٩١، برقم: ٣٩٥٩)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(۸) عن علي قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلّي قبل الجمعة أربعا، وبعدها أربعاً، يجعل التسليم في آخرهنّ. (المعجم الأوسط ١/ ٤٤٠ برقم: ١٦١٧، إعلاء السنن كراچى ٧/ ١٠، بيروت ٧/ ١٥ برقم: ١٧٦٢)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور ان چاروں رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرا کرتے تھے

(۹) عن ابن عباسؓ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً لا يفصل في شيء منهنّ. (ابن ماجة ص ٧٩، جديد برقم: ١١٢٩، المعجم الكبير ١٢/ ١٠١ برقم: ١٢٦٧٤)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، اور ان کے درمیان کوئی فصل نہیں کرتے تھے۔

(۱۰) وروی ابن النجار عن أبي هريرة مرفوعاً من كان مصليًا فليصل قبلها أربعاً، وبعدها أربعاً. (إعلاء السنن بيروت ۷/ ۱٤، كنز العمال بيروت ۷/ ۳۰۸، برقم: ۲۱۲۲۱)

ابن نجار حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز پڑھنا چاہے تو وہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھے، اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھے۔

روایات کا تحقیقی جائزہ

(۱) جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت کا ثبوت حضرات صحابہ کرام سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت ہے، جیسا کہ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ اور طحاوی شریف کی روایات صحیح سند کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ ابن عمرؓ کا عمل اور ان حضرات کا امت کو جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، ورنہ حکم کیسے کر سکتے تھے۔

(۳) اسی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جو مرفوع روایات اوپر پیش کی گئیں ہیں ان کی سند میں اگرچہ متکلم فیہ راوی بھی موجود ہیں، تب بھی ان روایات کی کوئی اصل اور حقیقت ہے، نیز تعدد طرق اور متعدد صحابہ سے نقل ہونے کی وجہ سے روایات میں قوت آجاتی ہے، اسی وجہ سے ان روایتوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرؓ کے آثار کے لئے تائید میں پیش کرنے میں کوئی اشکال نہ ہونا چاہئے۔

(۴) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مستدلات کی تمام روایات صحیح اور درست ہوا کرتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ روایات کی سند میں جو متکلم فیہ راوی داخل ہوتا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کے استدلال کے

بعد ہوتا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کا ان متکلم فیہ راویوں سے روایات کا لینا صحیح سند سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے روایات کے ضعف کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑسکتا۔ اور امام عبدالوہاب شعرانیؒ جو اپنے زمانہ کے مشہور محدث اور محقق تھے، اور شافعی المسلک کے ترجمان تھے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے میرے اوپر یہ احسان فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی مسانید کا مطالعہ کر کے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ امام ابوحنیفہؒ کی تمام روایات ایسے خیار تابعین سے مروی ہیں جو سب کے سب عدول اور ثقات میں سے ہیں، اور انہوں نے جن لوگوں سے روایت لی ہیں ان میں سے کوئی بھی ضعیف اور متکلم فیہ یا متہم بالکذب نہیں ہے، اور ان کی لی ہوئی روایتوں کی سندوں میں جو ضعیف رواۃ آئے ہیں وہ ان کے استدلال کے بعد آئے ہیں؛ لہٰذا ضعف کا اثر ان کے مستدلات پر نہیں پڑتا۔ (اوجز المسالک دارالقلم دمشق ۱/ ۱۸۷، مقدمۃ التحقیق فتاوی تاتارخانیہ ۱/ ۴۴ زکریا) ورنہ یہ ایسا ہوجائے گا جیسا کہ کوئی بہتی نہر ہے اس کے بیچ میں مردار پڑا ہوا ہو، اور مردار کے نیچے کی جانب سے کچھ لوگوں نے پانی پیتے ہوئے بدبو محسوس کر کے کہہ دیا کہ اس نہر کے اوپر سے نیچے تک ہر طرف کا پانی بدبودار ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ جہاں پر مردار پڑا ہوا ہے صرف وہاں سے نیچے کی طرف کا پانی بدبودار ہے، اور مردار کے اوپر کی جانب بہتی نہر کے پانی میں اس کا کوئی اثر قطعاً نہیں ہے؛ لہٰذا نیچے والے کے بارے میں یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کو اوپر والے پانی کے بارے میں واقفیت نہیں ہے، پھر بھی بلاتحقیق ان کے اوپر بدبودار پانی پینے کا حکم لگا رہے ہیں جو شرعاً قانوناً وعرفاً کسی طرح بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے امام ابوحنیفہؒ پر ضعیف راویوں کے ضعف کا اثر نہیں پڑتا؛ لہٰذا جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ کی صحت کے ثبوت میں کوئی کلام نہ ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ روایات کی سند میں ضعیف راویوں کے آنے سے پہلے اپنے مسائل پر استدلال کر چکے ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کے اثر کو مستدل کیوں بنایا گیا؟

اس مضمون کے اندر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پانچ (۵) آثار پیش کئے گئے ہیں، خاص

طور سے مصنف عبدالرزاق کی دونوں روایتیں سندِ صحیح کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، ان میں سے ایک میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مسلمانوں کو جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، اور دوسری میں اس بات کی صراحت ہے کہ خود عبداللہ بن مسعودؓ کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پابندی سے پڑھا کرتے تھے، اسی طرح مصنف بن ابی شیبہ اور طحاوی شریف کی روایت بھی صحیح سند کے ساتھ مروی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا معمول ثابت کیا گیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول اور عمل کی تصدیق کرنے کے لئے حضرت سید الکونین علیہ السلام نے امت کو تاکیدی حکم فرمایا ہے، اور آپ ؐ کا تاکیدی حکم مسند امام احمد بن حنبل اور صحیح ابن حبان میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(۱) حدثنا وكيع عن سفيان عن عبدالملك بن عمير عن مولى لربعيّ عن ربعي عن حذيفة قال: كنّا عند النبي صلى الله عليه وسلم جلوساً فقال: إني لا أدرى ما قدر بقائي فيكم فاقتدوا باللذين من بعدي، وأشار إلى أبي بكر وعمر، وتمسكوا بعهد عمار وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه.

(مسند إمام أحمد ابن حنبل ٥/ ٣٨٥، برقم: ٢٣٦٦٥- ٢٣٨١٣)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ ؐ نے فرمایا بے شک مجھے معلوم نہیں ہے کہ میری زندگی تمہارے درمیان کتنے دنوں تک باقی رہے گی؛ لہٰذا تم میرے بعد ان دونوں کی اقتدا کرتے رہنا، اور یہ کہہ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا، اور فرمایا کہ عمار بن یاسر کے عہد کو مضبوطی سے پکڑو، اور فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی تمہارے سامنے بیان کریں اس کی ضرور تصدیق کیا کرو۔

(۲) عن حذيفة قال: كنّا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود

فقال: إني لا أریٰ بقائي فیکم إلا قلیلاً فاقتدوا باللّذین من بعدي، وأشار إلی أبي بکر وعمر، واهتدوا بهدی عمّار، وما حدّثکم ابن مسعودؓ فاقبلوه. (صحیح ابن حبان ٤/ ٢٥٥، برقم: ٦٩١١)

تھے، تو آپ نے فرمایا کہ بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ تمہارے درمیان میرا باقی رہنا تھوڑے وقت کے لئے ہے؛ لہٰذا میرے بعد تمہیں ان دونوں کی اقتدا کرنا ہے، اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا، اور فرمایا کہ عمار بن یاسر سے ہدایت حاصل کرتے رہنا ہے، اور فرمایا کہ تمہارے سامنے عبداللہ بن مسعودؓ جو کچھ بھی بیان کریں اس کو ضرور قبول کرو۔

حضور ﷺ کے اس قدر تاکیدی حکم کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول وعمل سے صرف نظر کیسے کی جاسکتی ہے؟ نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فقہاء صحابہ میں سے ہیں، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول وعمل کو گہرائی تک پہنچ کر اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔

اور یہ بات بھی خوب یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اوّلین اسلام لانے والوں میں سے ہیں، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں دنیا کے مسلمانوں میں چھٹے نمبر کا مسلمان تھا، اور پوری روئے زمین میں ہم چھ کے علاوہ کوئی مسلمان نہ تھا، صحیح سند کے ساتھ ابن مسعودؓ کا یہ قول بھی حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن القاسم بن عبدالرحمن عن أبیه قال: قال عبدالله بن مسعودؓ: لقد رأیتني سادس ستةٍ ما علی الأرض مسلمٌ غیرنا. (صحیح ابن حبان ٦/ ٣١٥، برقم: ٧٠٧١، المستدرك للحاکم جدید ٥/ ١٩٨٤، برقم: ٥٣٦٧)

حضرت قاسم ابن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ یقیناً میں اپنے آپ کو چھ میں سے چھٹا آدمی دیکھ چکا ہوں، اور روئے زمین میں ہم چھ کے علاوہ کوئی اور مسلمان نہیں تھا۔

تو معلوم ہوا کہ نبوت کے پہلے سال سے لے کر حضرت سید الکونین علیہ السلام کے دنیا سے

پردہ فرما کر تشریف لے جانے تک ۲۳ رسالہ پورے دور نبوت کو حضرت ابن مسعودؓ نے دیکھا ہے، اور آپؐ کے خادم خاص تھے، سفر میں حضر میں ہر وقت ساتھ رہا کرتے تھے، اور صاحب النعلین سے مشہور تھے، اور اپنی جگہ فقیہ النفس تھے؛ لہٰذا اتنی خوبیوں کے مالک صحابی رسول کے قول وعمل کو صرف یہ کہہ کر چھوڑ دینا کہ ابن مسعودؓ کا اثر ہے، انتہائی جسارت یا شریعت سے ناواقفیت کی بات ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان کے حکم اور عمل کو پیش نظر رکھ کر جمعہ سے پہلے چار رکعت کو سنت مؤکدہ کہا ہے، یہی صحیح ہے اور یہی حق ہے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفی عنہ، خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو- پی)

۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

نماز جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جمعہ کے فرض کے بعد کتنی سنت مؤکدہ ہیں؟ احناف کے مذہب کے صحیح اقوال نقل فرمائیں، اگر چھ سنت مؤکدہ ہیں، تو ان کے پڑھنے کی کیا ترتیب ہوگی؟ پہلے چار رکعت ایک سلام سے اور پھر دو رکعت ایک سلام سے، یا اس کے برعکس؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چار رکعت ایک سلام کے ساتھ سنت مؤکدہ ہیں۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چھ رکعت سنت ہیں، اولاً چار رکعت ایک سلام کے ساتھ اور اس کے بعد دو رکعت ایک سلام کے ساتھ، اگر وقت میں گنجائش ہو تو چھ رکعت پڑھنا افضل ہے۔ اور اگر عجلت یا کوئی عذر ہے تو چار رکعت سے سنت ادا ہو جائے گی۔

عن أبي هريرة – رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: من كان منكم مصليا بعد الجمعة، فليصل أربعا . (صحيح مسلم، الجمعة، فصل في استحباب أربع ركعات أو الركعتين بعد الجمعة، النسخة الهندية ١/ ٢٨٨، بيت الأفكار، رقم: ٨٨١، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٩٨٢، رقم: ١٦١٦، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٩٠٣، رقم: ١٨٧٤)

منها أربع قبل الجمعة، وأربع بعدها بتسليمة، وتحته في الطحطاوي وقال أبو يوسف: يصلي أربعا قبل الجمعة، وستا بعدها وفي الكرخي محمد مع أبي يوسف، ثم عند أبي يوسف يصلي أربعا، ثم اثنتين. (طحطاوي على المراقي، ص: ٢١٣، دارالكتاب ديوبند ٣٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ

جمعہ کے بعد کی چار رکعت ظہر بالشبہ نہیں ہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے کہ بعد نماز جمعہ جو چار سنتیں اور دو سنت اور دو نفل پڑھتے ہیں، اس میں چار سنتیں بطور ظہر بالشبہ پڑھتے ہیں اور یہ اس وقت سے ہے جس وقت علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا، اب جب کہ ایسا نہیں تو پھر چار سنتیں کیوں؟ مزید کہتا ہے کہ ”فتاوی رشیدیہ وامداد الفتاوی، بہشتی زیور“ کی عبارات سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔

المستفتی: ثناء الرحمٰن ہتھورا، گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا یہ کہنا کہ جمعہ کے بعد جو چار رکعتیں سنت پڑھی جاتی ہیں، وہ بطور ظہر بالشبہ پڑھی جاتی ہیں اور اس کا ثبوت علماء کا ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے

کے وقت سے ہے، غلط ہے؛ اس لئے کہ اس کا ثبوت احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کے عمل سے ملتا ہے، علماء کا ہندوستان کو دار الحرب قرار دینے کے وقت سے نہیں۔ اور فتاوی رشیدیہ اور امداد الفتاوی اور بہشتی زیور وغیرہ کتابوں میں جہاں بھی جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر بالشبہ پڑھنے کا ذکر آتا ہے، وہ ان قریہ صغیرہ کے متعلق ہیں، جہاں صحت جمعہ میں کسی وجہ سے شبہ ہو نہ کہ ظہر کے بعد کی چار رکعت سنتوں کا اس لئے کہ یہ سنتیں مؤکدہ ہیں، جس کا تارک گنہگار ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۶۷۹، فتاوی رشدیہ، ص: ۳۶۵)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من كان منكم مصليا بعد الجمعة، فليصل أربعا. هذا حديث حسن صحيح. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، النسخة الهندية ١/ ١١٧، دارالسلام، رقم: ٥٢٣، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٣/ ٢٤٨، رقم: ٥٢٩)

قال في اللمعات: السنة عند أبي حنيفة بعد الجمعة أربع، وعند صاحبيه ست أربع، ثم اثنتان هذا في الصلاة بعد الجمعة. (حاشية ترمذي ١/ ١١٨، عالمگيری، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ١/ ١١٢، جديد ١/ ١٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۵/۱۴۱۵ھ

جمعہ پڑھا کر دوسری جگہ جمعہ میں بنیت نفل شرکت کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک امام صاحب جو شہر یا قصبہ کی چھوٹی مسجد میں نماز جمعہ پڑھا کر بعد میں جامع مسجد میں جمعہ کی نماز میں شریک ہوجاتے ہیں، تو ان کا یہ عمل درست ہے؟ ان کا یہ کہنا ہے کہ فقہاء نے ظہر

وعشاء کی جماعت میں نفلی نیت سے دوبارہ شریک ہونے کو جائز قرار دیا ہے، کچھ لوگ اس فقہی مسئلہ کو غلط بتاتے ہیں۔

المستفتی: محمد عفان مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں، ان میں نفل کی نیت سے شرکت جائز ہے؛ البتہ مغرب میں اس لئے جائز نہیں ہے کہ تین رکعت کی نفل نہیں ہوتی ہے۔ اور جمعہ کے بعد بھی سنن ونوافل ہوتے ہیں؛ اس لئے جس نے جمعہ پڑھ لیا ہے، اس کا نفل کی نیت سے دوسری مسجد میں جمعہ کی جماعت میں شرکت کرنا جائز ہے۔

ثم بعد الإتمام اقتدى متنفلا إن شاء وهو أفضل لعدم الكراهة، إلا في العصر، والفجر للنهي عن التنفل بعدهما، وفي المغرب للمخالفة. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتاب ديوبند، جديد ۱/ ۴۵۰، قديم، ص: ۲۴۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۷ھ

تہجد کی کتنی رکعات ہیں؟

سوال [۳۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تہجد کی نماز میں کتنی نفل پڑھی جاتی ہیں؟

المستفتی: منصور احمد، تمبا کو محلّہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تہجد کے بارے میں روایات مختلف ہیں، کم از کم دو رکعت

یا چار رکعت اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعت تک وارد ہوئی ہیں؛ البتہ اکثر وبیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد آٹھ رکعت تھیں، اسی وجہ سے فقہاء حنفیہ نے فرمایا ہیکہ تہجد میں افضل آٹھ رکعات ہیں۔

وصلاة الليل وأقلها، وتحته في الشامية قال: يصلي ما سهل عليه، ولو ركعتين، والسنة فيها ثمان ركعات بأربع تسليمات. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل، زكريا ٢/ ٤٦٧، كراچی ٢/ ٢٥، فتاوی دارالعلوم ٤/ ٣١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۹۸)

بغیر سوئے نصف رات کے بعد تہجد پڑھنا

سوال [۳۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تہجد کی نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے؟ اگر کوئی آدمی بغیر سوئے ہوئے نصف رات کے بعد تہجد کی نماز ادا کرے تو کیا یہ تہجد کی نماز ہوگی؟

المستفتی: محمد ایوب کاشی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تہجد کی نماز کے لئے عشاء کی نماز کے بعد سونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ عشاء کی نماز اور سنن ونوافل کی ادائے گی کے بعد جو بھی نفل تہجد کی نیت سے پڑھی جائے گی وہ تہجد کہلائے گی اور تہجد کی نماز سے پہلے سونا لازم نہیں ہے، چاہے نصف لیل کے بعد پڑھی جائے یا نصف لیل سے پہلے پڑھی جائے، تہجد ہی کہلائے گی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۳۰۵، ایضاح المسائل/ ۴۹، احسن الفتاوی ۳/ ۴۹۳)

عن إياس بن معاوية المزني، أن رسول الله ﷺ قال: لابد من صلاة بليل، ولو ناقة، ولو حلب شاة، وما كان بعد صلاة العشاء الآخرة فهو من الليل. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١/ ٢٧١، رقم: ٧٨٧)

وروى الطبراني مرفوعا لا بد من صلاة بليل، ولو حلب شاة، وما كان بعد صلاة العشاء فهو من الليل، وهذا يفيد أن هذه السنة تحصل بالتنفل بعد صلاة العشاء قبل النوم. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل، كراچی ٢/ ٢٤، زكريا ٢/ ٤٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/۸/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۳۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۸/۱۴۲۷ھ

تہجد میں بیدار ہونے کے لئے ’’الارم والی گھڑی‘‘ رکھنا

سوال [۳۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید آدھی شب کے بعد اٹھ کر نماز تہجد ادا کرتا ہے، زید کی کسی دن آنکھ نہیں کھلتی، زید نے اپنے پاس ایک گھڑی الارم والی رکھ لی ہے کہ وقت پر آنکھ کھل جائے؛ لیکن زید کے پاس ایک صاحب سوتے ہیں، ان کو گھڑی کے بولنے سے اعتراض ہے، وہ منع کرتے ہیں کہ یہ طریقہ غلط ہے، ہماری نیند خراب ہوتی ہے۔ اور زید نے صرف اپنی عبادت کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے کے لئے ایسا کیا ہے، اب مجھے بتایا جائے کہ یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ میں تلاوت قرآن کرتا ہوں تو بہت کم آواز سے پڑھتا ہوں، میرے پاس والے کہتے ہیں کہ بلند آواز سے پڑھا کرو ادھر کہتے ہیں کہ گھڑی کی آواز سے اٹھنا غلط ہے، ادھر قرآن کو بلند آواز سے پڑھنے کو کہتے ہیں۔

المستفتی: مستری شبیر احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تہجدوغیرہ کے لئے ’’الارم والی گھڑی‘‘ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بس اس کی آواز سے بیدار ہوتے ہی ’’الارم‘‘ بند کر دیا جائے، تاکہ دوسروں کو خلل نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ الارم رکھنے میں دوسروں کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، الأحكام باب من بنى في حقه ما يضره بجاره، النسخة الهندية/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ٢/ ٨٦، رقم: ١٣٨٧، المؤطا إمام مالك، كتاب الأقضية، القضاء في المرفق، أشرفي ديوبند، ص: ٣١١)

لا ضرر ولا ضرار. أخرجه مالک في المؤطا. (الأشباه، ص: ١١٨، باب القضاء في المرفق، النسخة الهندية/ ٣١١، باب ما لا يجوز من عتق المكاتب، النسخة الهندية/ ٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۵۳)

تہجد کی جماعت

سوال [۳۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی حافظ نماز تہجد میں قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے اور دو تین حضرات کو قرآن سننے کا خوب شوق ہے اور اس حافظ کے پیچھے قرآن سننا چاہتے ہیں، یعنی جماعت کی شکل میں دو تین حضرات اس حافظ کی اقتدا کرنا چاہتے ہیں، تو یہ اقتدا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے، تو مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی؟

المستفتی: محمد نور الاسلام، متعلم جامع الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرصرف دو ہی آدمی اقتدا کرکے سننا چاہتے ہیں، تو اقتدا بلا کراہت درست ہے۔ اور اگر تین ہوں تو کراہت میں علماء کا اختلاف ہے، بعض بلا کراہت درست کہتے ہیں۔ اور بعض مع الکراہت۔ اور چار یا چار سے زائد ہونے کی صورت میں بالا تفاق مکروہ ہے۔ (امداد الفتاوی زکریا دیوبند ۱/ ۳۷۷، احسن الفتاوی، زکریا ۳/ ۴۱۹، فتاوی رشیدیہ/ ۳۷۲، جدید زکریا دیوبند ۳۵۴، فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/ ۱۷۸، جدید زکریا ۵/ ۲۱۸، فتاوی محمودیہ ۲/ ۱۹۸، فتاوی دار العلوم ۴/ ۳۱۲)

عن أنس بن مالک –رضي الله عنهما– أن جدته مليكة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته، فأكل منه، فقال: قوموا فلأصلي بكم، فقمت إلى حصير لنا قد اسود من طول مالبس، فنضحته بماء، فقام رسول الله ﷺ واليتيم معي والعجوز من ورائنا، فصلى بنا ركعتين. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۹، رقم: ۸۵۲، ف: ۸۶۰)

وتطوع على سبيل التداعي مكروهة. (درمختار) **قال الطحطاوي: والتداعي أن يجتمع أربعة، فأكثر على إمام ودون ذلک لا يكره إذا صلوا في ناحية من المسجد كذا في القهستاني، ونقله في البحر عن الصدر الشهيد، وظاهر إطلاقه الكراهة إنها التحريمية.** (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ۱/ ۲۴۰)

ولا يصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، أي يكره ذلک على سبيل التداعي، بأن يقتدى أربعة بواحد، وفي الشامية: وأما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي، كراچی ۲/ ۴۸، زكريا ۲/ ۵۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۵/۲۳)

تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا

سوال [۳۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں بعد نماز تراویح قیام لیل کے نام سے جیسا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہوتا ہے، اس کی اتباع کرتے ہوئے بغیر تداعی کے خواہشمند احباب شریک ہوکر قیام لیل (نماز تہجد) جماعت سے ادا کریں تو اس کی اجازت ہے یانہیں؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: مفتی فاروق صاحب میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتدی دو ہوں تو نفل نماز جماعت سے پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر مقتدی تین ہوں، تو بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور مقتدی چار یا اس سے زائد ہوں تو پھر مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے کہ نوافل میں تداعی جائز نہیں ہے اور مقتدیوں کا چار یا اس سے زائد ہوجانا یہ خود تداعی ہے؛ لہٰذا رمضان اور غیر رمضان دونوں صورتوں میں نفل نماز باجماعت پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ تہجد کی نماز ہو یا دیگر نفل نماز احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنهما– أن جدته مليكة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته، فأكل منه، ثم قال: قوموا فلنصل بكم، قال أنس: فقمت إلى حصير لنا، قد اسود من طول مالبس، فنضحته بالماء، فقام عليه رسول الله ﷺ وصففت عليه أنا واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا، فصلى بنا ركعتين، ثم انصرف. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في الرجل يصلي ومعه رجال ونساء، النسخة الهندية ١/ ٥٥، دارالسلام، رقم: ٢٣٤)

إن التطوع بالجماعة إنما يكره إذا كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد

اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره إتفاقا. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العاشر في التطوع، زكريا ٢/ ٢٩٣، رقم: ٢٤٥٩، قديم ١/ ٦٣٦)

التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره، وقال شمس الأئمة الحلواني: إن كان سوى الإمام ثلاثة لا يكره بالإتفاق، وفي الأربع اختلف المشايخ، والأصح أنه لا يكره. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، زكريا قديم ١/ ٨٣، جديد ١/ ١٤١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۱۵ھ

ماہ رمضان میں تہجد واوابین کو باجماعت ادا کرنا

سوال [۳۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نوافل کو باجماعت ادا کرنا اور بالخصوص رمضان میں تہجد اور اوابین کو جماعت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسرار دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقتدی دو ہوں تو بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر مقتدی تین ہوں تو بعض فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ اور بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور اگر مقتدی چار یا اس سے زیادہ ہو جائیں تو بالاتفاق مکروہ ہے؛ اس لئے کہ نوافل پر تداعی جائز نہیں ہے۔ اور مقتدیوں کا چار یا اس سے زیادہ ہو جانا یہ خود تداعی ہے؛ لہٰذا رمضان یا غیر رمضان دونوں صورتوں میں مکروہ ہے، اسی طرح تہجد اور اوابین میں بھی مکروہ ہے اور نوافل باجماعت صرف صلوۃ الاستسقاء، صلوۃ الکسوف اور صلوۃ تراویح میں جائز ہے اور کسی نفل یا سنت کی جماعت جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/ ۲۲۵)

عن أنس بن مالک –رضي الله عنهما– أن جدته مليكة دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعام صنعته، فأكل منه، فقال: قوموا فلأصلي بكم، فقمت إلى حصير لنا قد اسود من طول مالبس، فنضحته بماء، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم واليتيم معي والعجوز من ورائنا، فصلى بنا ركعتين. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان، النسخة الهندية ١/ ١١٩، رقم: ٨٥٢، ف: ٨٦٠)

إعلم أن النفل بالجماعة على سبيل التداعي مكروه على ما تقدم ماعدا التراويح، وصلاة الكسوف والاستسقاء. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، تتمات من النوافل، اشرفيه ديوبند ١/ ٤٣٢)

وتطوع على سبيل التداعي مكروهة. (درمختار) قال الطحطاوي: والتداعي أن يجتمع أربعة، فأكثر على إمام ودون ذلک لا يكره إذا صلوا في ناحية من المسجد كذا في القهستاني، ونقله في البحر عن الصدر الشهيد، وظاهر إطلاقه الكراهة إنها التحريمية. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ١/ ٢٤٠)

إن التطوع بالجماعة إنما يكره إذا كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره إتفاقا. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العاشر في التطوع، زكريا ٢/ ٢٩٣، رقم: ٢٤٥٩، قديم ١/ ٦٣٦، شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، كراچی ١/ ٥٥٢، زكريا ٢/ ٢٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۵/۶/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۲۴/۳۷)

رمضان میں تہجد اور صلاۃ التسبیح کی جماعت کا حکم

سوال [۳۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا رمضان میں تہجد کی نماز، اسی طرح صلاۃ التسبیح با جماعت ادا کی جاسکتی ہے؟ مسالک اربعہ مع دلائل اور راجح قول تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبدالسبحان کیلوفورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہمارے یہاں سے حنفی مسلک کے مطابق مسئلہ لکھا جاتا ہے، مسالک اربعہ میں سے ہر ایک مسلک کا الگ الگ مسئلہ یہاں سے نہیں لکھا جاتا ہے؛ اس لئے کہ عوام کی ضرورت صرف ایک بات پر عمل کرنے کی ہوتی ہے؛ لہٰذا اگر عامۃ المسلمین کو مسئلہ بتلاتے وقت چاروں اماموں میں سے ہر ایک کا الگ الگ مسلک بتایا جائے تو ان کو گمراہی کے علاوہ کوئی چیز ہاتھ نہیں آئے گی؛ اس لئے کہ وہ بیچارے مختلف اقوال میں سے کس پر عمل کریں؟ اسی وجہ سے فتویٰ لکھنے میں صرف ایک ہی حکم لکھا جاتا ہے؛ لہٰذا ہم حنفی مسلک کے مکلّف ہیں، اسی کے اعتبار سے یہاں بھی دلائل کے ساتھ مسئلہ پیش کیا جارہا ہے کہ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی پوری زندگی میں صلاۃ کسوف، صلاۃ استسقاء اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے صلاۃ التراویح کے علاوہ کسی بھی نفل نماز کا تین سے زائد مقتدیوں کے ساتھ باجماعت پڑھنا ثابت نہیں ہے، چنانچہ حضرت عتبان بن مالک کی روایت میں دو مقتدیوں کے ساتھ نفل پڑھنا ثابت ہے، جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہم مقتدی بنے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں، ایک میں عجوزہ یعنی بڑھیا اور خود حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک نابالغ یتیم بچے نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی اقتدا میں نفل نماز با جماعت پڑھی۔ اور دوسری روایت میں ان کی والدہ حضرت ام سلیم، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور یتیم بچہ کی اقتدا کا ذکر ہے، اب اگر نابالغ کو شمار کیا

جائے تو تین مقتدی ہوں گے۔ اور اگر نابالغ کا اعتبار نہ کیا جائے تو دو مقتدی ہیں؛ اس لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر دو مقتدی ہوں تو بلاتردد جائز ہے۔ اور اگر تین مقتدی ہوں تو حنفی فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض جائز کہتے ہیں؛ اس لئے کہ انہوں نے نابالغ کا بھی اعتبار کیا ہے۔ اور بعض مکروہ کہتے ہیں؛ اس لئے کہ انہوں نے نابالغ کا اعتبار نہیں کیا ہے، اس کے علاوہ پورے ذخیرۂ حدیث میں نفل نماز تین سے زائد مقتدیوں کے ساتھ باجماعت ادا کرنا پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا تین سے زائد مقتدی ہونے کی صورت میں علی سبیل التداعی میں شامل ہوگا اور علی سبیل التداعی نفل نماز باجماعت باتفاق فقہائے احناف مکروہ ہے، صرف علامہ شامی علیہ الرحمہ نے بحث کرتے ہوئے اپنی رائے میں مکروہ تنزیہی لکھا ہے، جس کے پیش نظر مولانا ابوالوفاء افغانی نے بھی مکروہ تنزیہی لکھا ہے، ان کے علاوہ باقی کسی بھی حنفی مسلک کے فقیہ نے مکروہ تنزیہی نہیں کہا ہے، یا تو مطلقاً مکروہ کہا یا مکروہ تحریمی کہا ہے، جیسا کہ علامہ طحطاوی علیہ الرحمہ نے ”طحطاوی علی الدر“ میں مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ اسی طرح مجدد الف ثانیؒ نے بھی مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ اور اسی طرح حضرت گنگوہیؒ نے بھی مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ اور مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے بھی مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ اور اسی وجہ سے حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اور ان کے صاحبزادہ مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی نے بھی مکروہ تحریمی لکھا ہے؛ لہٰذا تہجد اور صلاۃ التسبیح کی نماز باجماعت پڑھنا جس میں تین سے زائد مقتدی ہوں مشروع نہیں ہے؛ بلکہ اکثر فقہاء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے اس سے گریز کر کے اپنے آپ کو دور رکھنا ضروری ہے۔ حوالہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہما اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ملاحظہ فرمائیے:

وفي حديث طويل عن عتبان بن مالک الأنصاري –رضي الله عنه– قال: فغدا علي رسول الله صلی الله علیہ وسلم وأبوبکر معه، بعد ما اشتد النهار، فاستأذن النبي صلی الله علیہ وسلم، فأذنت له، فلم يجلس حتى قال: أين تحب أن أصلي من

بيتک؟ فأشار إليه من المكان الذي أحب أن يصلي فيه، فقام، فصففنا خلفه، ثم سلم وسلمنا حين سلم. (بخاري شريف، الصلاة، باب من لم يرد السلام على الإمام واكتفى بتسليم الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١١٦، رقم: ٨٣٢، ف: ٨٤٠، مسلم، المساجد، باب الرخصة في التخلف عن الجماعة بعذر، النسخة الهندية ١/ ٢٣٣، بيت الأفكار، رقم: ٢٦٣)

عن أنس -رضي الله عنه- قال: صلى النبي صلى الله عليه وسلم في بيت أم سليم، فقمت ويتيم خلفه، وأم سليم خلفنا . (بخاري، شريف، الأذان، باب صلاة النساء خلف الرجال، النسخة الهندية ١/ ١٢٠، رقم: ٨٦٣، ف: ٨٧١، مسلم شريف، المساجد، باب جواز الجماعة في النافلة والصلاة على حصير وخمرة وثوب وغيرها من الطهارة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٤، بيت الأفكار، رقم: ٦٥٨)

عن أنس بن مالك -رضي الله عنهما- أن جدته مليكة دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعام صنعته، فأكل منه، فقال: قوموا فلأصلي بكم، فقمت إلى حصير لنا قد اسود من طول مالبس، فنضحته بماء، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم واليتيم معي والعجوز من ورائنا، فصلى بنا ركعتين. (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب وضوء الصبيان، النسخة الهندية ١/ ١١٩، رقم: ٨٥٢، ف: ٨٦٠، صحيح مسلم ، المساجد، باب جواز الجماعة في النافلة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٤، بيت الأفكار، رقم: ٦٥٨)

فقہاء کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

وتطوع على سبيل التداعي مكروهة. (درمختار) قال الطحطاوي: والتداعي أن يجتمع أربعة، فأكثر على إمام ودون ذلک لا يكره إذا صلوا في ناحية من المسجد كذا في القهستاني، ونقله في البحر عن الصدر الشهيد، وظاهر إطلاقه الكراهة أنها التحريمية. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ١/ ٢٤٠)

افسوس ہزار افسوس بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست، دریں طریقہ علیہ احداث نمودہ اند و نماز تہجد را بجماعت می گذار نداز اطراف وجوانب دراں وقت مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند و بجمعیت تمام ادا می نمایند وایں عمل مکروہ ہست بکراہت تحریمہ الخ۔ (مکتوبات ص: ۱۳۱-۲۳۷، دفتر اول بحوالہ احسن الفتاوی ۳/ ۴۷۶، مستفاد: فتاوی رشیدیہ ص: ۳۵۴، باقیات فتاوی رشیدیہ ص: ۱۸۳، فتاوی عثمانی ۱/ ۴۳۸، ۴۴۴، فتاوی دار العلوم ۴/ ۳۱۲، فتاوی رحیمیہ زکریا ۴/ ۱۳۶، آپ کے مسائل اوران کاحل، جدید ۴/ ۲۰۸، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۹، فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۱/ ۳۰۶، ۳۰۸، ڈابھیل ۷/ ۲۳۸-۲۴۹، کتاب المسائل ۱/ ۴۱۶، احسن الفتاوی ۳/ ۴۶۹-۴۷۶)

التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره. (هندية، الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، زكريا قديم ١/ ٨٣، جديد ١/ ١٤١)

اعلم أن النفل بالجماعة على سبيل التداعي مكروه على ما تقدم ماعدا التراويح، وصلاة الكسوف والاستسقاء. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، تتمات من النوافل، اشرفيه ديوبند ١/ ٤٣٢)

ولا يصلي الوتر، ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، أي يكره ذلك على سبيل التداعي بأن يقتدى أربعة بواحد. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ٢/ ٤٨، زكريا ٢/ ٥٠٠)

والجماعة في النفل في غير التراويح مكروهة، فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان، وعن شمس الأئمة أن هذا فيما كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد، أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره إتفاقا، قال الطحطاوي: اختلف فيه، والأصح عدم الكراهة. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الوتر وأحكامه، دارالكتاب، ص: ٣٨٦، خلاصة الفتاوى، أشرفيه ديوبند ١/ ٦٣، حلبي كبير، الصلاة، فصل في النوافل، قبيل فروع، أشرفيه، ص: ٤٠٨، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل العاشر التطوع، زكريا ٢/ ٢٩٢، رقم: ٢٤٥٩، فتح القدير، كتاب

الصلاة، باب الاستسقاء، زكريا ۲/ ۹۱، كوئٹه ۲/ ۵۹، البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب إدراك الفريضة، كوئٹه ۲/ ۷۰، زكريا ۲/ ۱۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۱۳ھ

تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا جس میں تین سے زائد مقتدی ہوں کیسا ہے؟

سوال [۳۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تہجد کی نماز باجماعت پڑھنے کا کیا حکم ہے، جب کہ تین سے زائد افراد مقتدی ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تہجد کی نماز باجماعت پڑھنا جب کہ مقتدی چار افراد یا اس سے زائد ہوں؛ حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانوی، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ وغیرہ نے مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ (باقیات فتاوی رشیدیہ/۱۸۳، ایضاح المسائل ۵۹، امداد الفتاوی ۱/ ۳۷۸، فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۲۳، ایضاح المسالک/ ۵۸، فتاوی عثمانی ۱/ ۴۴۸)

وتطوع على سبيل التداعي مكروهة. (درمختار) قال الطحطاوي: والتداعي أن يجتمع أربعة، فأكثر على إمام ودون ذلك لا يكره إذا صلوا في ناحية من المسجد كذا في القهستاني، ونقله في البحر عن الصدر الشهيد، وظاهر إطلاقه الكراهة إنها التحريمية. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ۱/ ۲٤۰)

ولا يصلي الوتر، ولا التطوع بجماعة خارج رمضان، أي يكره ذلك على سبيل التداعي بأن يقتدى أربعة بواحد. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ۲/ ٤۸، زكريا ۲/ ۲۸۸)

لأن صلاة النفل غير التراويح ونحوها بالجماعة إنما يكره إذا كان

الإمام والمتقدي معا متنفلين به، وكان على سبيل التداعى بأن يجتمع جمع كثير فوق الثلاثة حتى لو اقتدى به واحد أو اثنان لا يكره، وفي الثلاثة اختلاف المشايخ، وفي الأربعة يكره إتفاقا. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، مكتبه أشرفيه، ص: ٤٠٨)

أن التطوع بالجماعة إنما يكره إذا كان على سبيل التداعي، أما لو اقتدى واحد بواحد، أو اثنان بواحد لا يكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه، وإن اقتدى أربعة بواحد كره إتفاقا. (تاتارخانية زكريا ٢/ ٢٩٣، رقم: ٢٤٥٩)

التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره، وقال شمس الأئمة الحلواني: إن كان سوى الإمام ثلاثة لا يكره بالإتفاق، وفي الأربع اختلف المشايخ، والأصح أنه يكره. (هندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الأول في الجماعة، زكريا قديم ١/ ٨٣، جديد ١/ ١٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۲/۱۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۹)

نماز اشراق

سوال [۳۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سورج طلوع ہونے کے بعد ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے دوران جو نماز پڑھی جاتی ہے، جس کو عام طور پر ''اشراق'' کہتے ہیں، کیا اس نماز کا کوئی ثبوت حدیث سے ملتا ہے؟ اوراس کی فضیلت میں کوئی حدیث آئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس حدیث کو نقل فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: عبید اللہ خان نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورج طلوع ہونے کے بعد ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے دوران جونماز پڑھی جاتی ہے، وہ عوام کے درمیان ’’صلاۃ الاشراق‘‘ سے مشہور ہے اور یہ نماز حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اور حدیث شریف میں اس نماز کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔ حدیث شریف حسب ذیل ہے:

عن أنس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى الفجر في جماعة، ثم قعد يذكر الله حتى تطلع الشمس، ثم صلى ركعتين كانت له كأجر حجة وعمرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تامة تامة تامة، قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ذكر ما يستحب من الجلوس في المسجد بعد صلاة الصبح، حتى تطلع الشمس، النسخة الهندية ١/ ١٣٠، دارالسلام، رقم: ٥٨٦)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله ﷺ إذا صلى الفجر لم يقم من مجلسه حتى تمكنه الصلاة، وقال: من صلى الصبح، ثم جلس في مجلسه حتى تمكنه الصلاة كانت بمنزلة عمرة وحجة متقبلتين.

(المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر ٤/ ١٦٩، رقم: ٥٦٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۸/۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵۶۴/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۸/۱۴۱۶ھ

نماز اشراق کا وقت کب ہوتا ہے؟

سوال [۳۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: سورج کا گول گھیرا پورا نکل آنے پر اشراق کی نماز پڑھ لی جائے، تو نماز درست ہوگی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالقدیر، محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف گول گھیرا پورا نکلنے سے نماز اشراق کا وقت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ سورج پورا نکلنے کے بعد ایک دو نیزہ کی مقدار بلند ہونے اور اچھی طرح چمک ہونے سے پہلے کفار اور اغیار کی عبادت کا وقت ہوتا ہے؛ اس لئے سورج نکلنے کے بعد متصلاً نماز مکروہ ہے۔ اور دس پندرہ منٹ تک انتظار کرنا لازم ہے، اس کے بعد اشراق کا وقت شروع ہوتا ہے اور جو نماز اس سے قبل پڑھی جائے وہ مکروہ تحریمی ہوگی۔

فإن الصلاة مشهودة مكتوبة حتى تصلى الصبح ثم أقصر حتى تطلع الشمس، فترتفع قيس رمح، أو رمحين، فإنها تطلع بين قرني شيطان، ويصلي لها الكفار. (أبو داؤد شريف، الصلاة، باب من رخص فيهما إذا كان الشمس مرتفعة، النسخة الهندية ١/ ١٨١، دارالسلام، رقم: ١٢٧٧، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ١٦٤، رقم: ٢٦٠، المستدرك، كتاب الطهارة، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ١/ ٢٤٤، ٢٣٥، رقم: ٥٨٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۹۴)

نماز اشراق کا وقت کب تک رہتا ہے؟

سوال [۳۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پاکستان ریڈیو سے صبح کے وقت سوال وجواب آتے ہیں، ایک شخص نے مفتی صاحب سے

سوال کیا کہ اشراق کا وقت کب تک رہتا ہے؟ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ سورج نکلنے کے دو گھنٹے بعد تک اشراق کی نماز کا وقت رہتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالقدیر، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سال کے بڑے دن کے اعتبار سے مفتی صاحب مجیب کا قول صحیح ہے، حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سورج نکلنے کے اتنی دیر بعد اشراق پڑھتے تھے جتنی دیر کا وقفہ عصر کی ابتداء اور غروب تک کے درمیان ہوتا ہے۔ ماہ جون میں ابتداء عصر وغروب کے درمیان کم وبیش دو گھنٹے کا فاصلہ رہتا ہے؛ لہٰذا ماہ جون میں اشراق کا وقت سورج نکلنے کے دو گھنٹے بعد تک رہے گا۔

عن علي –رضي الله عنه– قال: كان النبي ﷺ يصلي الضحى –إلى– سألنا عليا عن صلاة رسول الله ﷺ، قد أمليته قبل، قال في الخبر: إذا كانت الشمس من ههنا، كهيئتها من ههنا عند العصر صلى ركعتين، فهذه صلاة الضحى. (صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٦٠٩، رقم: ١٢٣٢)

وصلاة الإشراق –إلى قوله– بارتفاع النهار بعد خروج الوقت المكروه. (معارف السنن، كتاب الصلاة، أبواب الوتر، باب ماجاء في صلاة الضحى، أشرفيه، ص: ٢٦٦، الكوكب الدري، الصلاة، باب ماجاء في صلاة الضحى، مكتبه يحيوي سهارنپور ١/ ١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۳۸)

چاشت کے وقت چاشت کی نماز پڑھنا افضل ہے یا قرآن کی تلاوت؟

سوال [۳۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص قرآن کی تلاوت کررہا تھا، چاشت کی نماز کا وقت ہوگیا، وہ شخص قرآن کی تلاوت کو بند کرکے چاشت کی نماز پڑھنے لگا، زید عالم دین ہے، تو زید نے کہا ظالم تو یہ ظلم کررہا ہے قرآن کی تلاوت کو بند کردیا اور چاشت کی نماز پڑھنے لگا، چاشت کی نماز چھوڑ اور قرآن کی تلاوت کر، چاشت کی نماز سے قرآن کی تلاوت افضل ہے۔

المستفتی: رئیس احمد، اغوان پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو نمازیں مخصوص اوقات میں پڑھنا حدیث سے ثابت ہے انہیں اوقات میں دوسرے نیک اعمال کے مقابلہ میں ان نمازوں کو پڑھنا زیادہ افضل اور بہتر ہے؛ لہٰذا قرآن کی تلاوت کا سلسلہ جاری ہے اور اسی اثنا میں چاشت کا وقت ہوگیا ہے، تو تلاوت بند کرکے چاشت کی نماز ادا کرنا افضل اور بہتر ہے، بعد میں پھر دل چاہے تو تلاوت کی جاسکتی ہے، جو شخص چاشت کے وقت میں چاشت کی نماز پڑھنے پر اعتراض کررہا ہے، وہ غلط کررہا ہے، حدیث میں چاشت کے وقت میں اسی کی نماز ثابت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی پڑھتے تھے اور دوسروں کو ترغیب بھی دیتے تھے، اس کو عربی میں ''صلوۃ الضحیٰ'' کہا جاتا ہے۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى الضحى ثنتى عشرة ركعة بنى الله له قصرا في الجنة من ذهب. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في صلاة الضحى، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۸، دارالسلام، رقم: ٤٧٣، سنن ابن ماجة، الصلاة، باب ماجاء في صلاة الضحى، النسخة الهندية ٨٦، دارالسلام، رقم: ١٣٨٠)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من حافظ على شفعة الضحى غفر له ذنوبه، وإن كانت مثل زبد البحر. (ترمذي، شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في صلاة الضحى، النسخة الهندية ۱/ ۱۰۸، دارالسلام، رقم:

٤٧٦، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من كان يصليها، موسسة علوم القرآن، جديد ٥/٢٥٧، رقم: ٧٨٦٨، مسند أحمد بن حنبل ٢/٤٤٣، رقم: ٩٧١٤، ٢/٤٩٧، رقم: ١٠٤٥١، ٢/٤٩٩، رقم: ١٠٤٨٥، سنن ابن ماجة، الصلاة، باب ماجاء في صلاة الضحى، النسخة الهندية ١/٨٦، دارالسلام، رقم: ١٣٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۶ھ

صلاۃ التسبیح اور صلاۃ الاستخارہ کا طریقہ

سوال [۳۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صلاۃ التسبیح اور صلاۃ استخارہ کا طریقہ مع ادعیۂ ماثورہ لکھ دیں۔

المستفتی: (حضرت مولانا) رشید الدین (صاحب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صلاۃ التسبیح کی دو صورتیں منقول ہیں: (۱) چار رکعت نماز کی نیت باندھ کر ثنا اور قراءت سے فراغت کے بعد پندرہ مرتبہ "**سبحان اللّٰہ، والحمد للّٰہ، ولا إلـٰہ إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبر**" پڑھا کرے، پھر رکوع میں دس مرتبہ، پھر قومہ میں دس مرتبہ، پھر اول سجدہ میں دس مرتبہ، پھر دونوں سجدوں کے درمیان دس مرتبہ، پھر دوسرے سجدے میں دس مرتبہ، پھر سجدہ ثانیہ سے فارغ ہوکر بیٹھ کر دس مرتبہ یہ کل ۷۵؍مرتبہ ہوگئے اور جب دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر دس مرتبہ پڑھے تو قیام کے وقت تکبیر کی ضرورت نہیں، اس طریقہ پر چار رکعت میں تین سو مرتبہ تسبیح ہوجاتی ہیں۔

(۲) دوسرا طریقہ ثنا سے فارغ ہوکر پندرہ مرتبہ، پھر اعوذ باللہ وبسم اللہ سے قراءت پوری کرکے رکوع سے قبل دس مرتبہ، بقیہ بدستور سابق ہوگا؛ لیکن دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر

پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ (سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة التسبيح، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۹، دارالسلام، رقم: ۴۸۱-۴۸۳)

اورالتحیات کے بعد سلام سے قبل یہ دعا اگر پڑھ سکتے ہیں تو پڑھیں:

اللهم إني أسئلك توفيق أهل الهدى، وأعمال أهل اليقين، ومناصحة أهل التوبة، وعزم أهل الصبر وجد أهل الخشية، وطلب أهل الرغبة، وتعبد أهل الورع، وعرفان أهل العلم حتى أخافك، اللهم إني أسألك مخافة تحجزني بها عن معاصيك، وحتى أعمل بطاعتك عملا استحق به رضاك، وحتى أناصحك في التوبة خوفا منك، وحتى أتوكل عليك في الأمور حسن الظن بك، سبحان خالق النور ربنا أتمم لنا نورنا، واغفرلنا إنك على كل شيء قدير برحمتك يا أرحم الراحمين.

اورسلام کے بعد بھی جو مراد ہو اللہ سے مانگے۔ (فضائل ذکر، ص:۱۷۶)

صلاۃ الاستخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ: اولا دو رکعت نفل پڑھے، اس کے بعد خوب دل لگا کر یہ دعا پڑھے: "**أللهم إني استخيرك بعلمك، واستقدرك بقدرتك، وأسألك من فضلك العظيم، فإنك تقدر ولا أقدر، وتعلم ولا أعلم، وأنت علام الغيوب، اللهم إن كنت تعلم أن هذا الأمر خير لي في ديني ومعاشي ومعادي وعاقبة أمري، فاقدره لي ويسره لي، وبارك لي فيه، وإن كنت تعلم أن هذا الأمر شر لي في ديني ومعاشي، وعاقبة أمري فاصرفه عني واصرفني عنه، واقدر لي الخير حيث كان، ثم أرضني به**".

جب "هذا الأمر" پر پہنچے تو اپنی مراد پر دھیان کرے، پھر پاک بچھونے پر قبلہ کی طرف منہ کرکے سو جائے اور بیداری پر جو بات دل میں مضبوطی سے آئے وہی بہتر پہلو ہے، اسی کو کرنا چاہئے، اگر ایک دن نہ ہو تو یکے بعد دیگرے سات روز کرے، انشاءاللہ تعالیٰ کام کی اچھائی برائی معلوم ہو جائے گی۔ (ترمذی، الصلاۃ، باب ما جاء فی صلاۃ الاستخارہ، النسخۃ الہندیہ ۱/ ۱۰۹،

دارالسلام رقم: ۴۸۰، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الاستخارہ، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۲۱۵، دارالسلام، رقم: ۱۵۳۸، بہشتی زیور ۲/۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۹۰)

نماز میں تسبیح وآیات کس طرح شمار کی جائیں؟

سوال [۳۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''ایضاح المسائل'' کے ص: ۵۷/ پر صلاۃ حل المشکلاۃ کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے اس میں ذکر کردہ آیتیں کس طرح شمار کی جائیں؟ اگر دل ودماغ سے شمار کی جائیں تو صرف گنتی کی طرف دھیان رہے گا اور آیات کے معانی اور نماز سے دھیان ہٹ جائے گا اور گنتی میں بھی کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ اور اگر ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تسبیح لے کر اس سے آیات شمار کریں تو نماز اور آیات کے معانی کی طرف بھی دھیان جما رہے گا اور گنتی میں بھی کمی بیشی نہیں ہوگی، تو کیا ایسی حالت میں ہاتھ میں تسبیح لے کر نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو اس کے پڑھنے کی آسان شکل کیا ہے؟ تحریر فرمائیں، جس سے گنتی میں کمی بیشی نہ ہو اور نماز کی طرف بھی دھیان جما رہے۔

المستفتی: نفیس اختر عرف منا بھائی، بڑی مسجد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے اندر ہاتھ میں تسبیح لے کر شمار کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر دل سے شمار کرنے میں دشواری پیش آئے تو انگلیوں کو اپنے حال پر رکھتے ہوئے ایک ایک کو دبا کر دل دل میں شمار کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ صلاۃ التسبیح میں تسبیحات کو اس طرح شمار کیا جاتا ہے، تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

وكره تنزيها عد الآئى والسور والتسبيح باليد في الصلاة مطلقا ولو نفلا، أما خارجها فلا يكره كعده بقلبه، أو بغمزه أنامله، وقال الشامي: أما الغمز برؤوس الأصابع أو الحفظ بالقلب فهو غير مكروه إتفاقا. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل مطلب الكلام على اتخاذ المسجد، زكريا ٢/ ٤٢١، ٤٢٠، كراچی ١/ ٦٤٩، ٦٥٠، العناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل فصل ويكره استقبال القبلة، دارالفكر ١/ ٤١٨، زكريا ١/ ٤٣١، كوئٹه ١/ ٣٦٥، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، كوئٹه ٢/ ٢٩، زكريا ٢/ ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۴۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۸ھ

علاج کرانے کے لئے استخارہ کرنا

سوال [۳۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے کافی علاج کرایا؛ لیکن فائدہ نہیں ہو پایا، اب وہ دوبارہ کسی اور سے اپنا علاج کرانا چاہتے ہیں، تو کیا وہ اس بارے میں استخارہ کرسکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فاروق نرسکھیڑہ دلپت پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انسان کو اپنا علاج کرانا مندوب ہے؛ لہٰذا جب مذکورہ شخص نے ایک ڈاکٹر سے علاج کرایا اور اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور اب وہ دوبارہ کسی اور ڈاکٹر سے علاج کرانے کے لئے استخارہ کرنا چاہتے ہیں، تو شرعاً ان کو استخارہ کرنے کی اجازت ہے۔ اور استخارہ کا مقصد دلی رجحان ہے، اور آپ کا رجحان دوسرے کسی ڈاکٹر سے علاج کرانے کا ہے؛ لہٰذا استخارہ کی خاص ضرورت نہیں کیوں کہ استخارہ تردد اور تشویش کی صورت میں کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

قد ذهب جمهور العلماء الحنفية والمالكية إلى أن التداوي مباح.
(الموسوعة الفقهية ۱۱/ ۱۱۷)

إن الاستخارة تكون في الأمور التي لا يدري العبد وجه الصواب فيها ......، فالإستخارة لا محل لها في الواجب، والحرام، والمكروه، وإنما تكون في المندوبات والمباحات. (الموسوعة الفقهية ۳/ ۲٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۱/۱۹ھ

کسی کام کو کرنے سے پہلے استخارہ

سوال [۳۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استخارہ کسی اہم کام کو کرنے سے پہلے کرنا چاہئے یا بعد کو؟ کیا استخارہ میں مستقبل کے حالات رونما ہوجاتے ہیں؟

المستفتی: محمد فرمود صدیقی، محلہ کوٹ امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: استخارہ کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے جب اس میں تردد ہوتو استخارہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ازالۂ تردد کی دعا مانگنی چاہئے اور دلی میلان کسی ایک جانب ہوجائے یہی استخارہ کا اصل مقصد ہے۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ خواب میں مقصد دکھلا دیتے ہیں؛ لیکن خواب دیکھنا تکمیل استخارہ کے لئے لازم نہیں ہے؛ بلکہ دلی میلان اصل چیز ہے۔ اور کبھی اتفاقاً خواب کے ذریعہ مستقبل کے حالات رونما بھی ہوجاتے ہیں؛ لیکن یہ ضروری نہیں اور دو رکعت نماز کے بعد حسب ذیل دعا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے:

”أللهم إني استخيرك بعلمك، واستقدرك بقدرتك، وأسئلك من فضلك العظيم، فإنك تقدر ولا أقدر، وتعلم ولا أعلم،

وأنت علام الغيوب، اللهم إن كنت تعلم أن هذا الأمر خير لي في ديني ومعيشتي وعاقبة أمري، أو قال: في عاجل أمري وآجله، فيسره لي، ثم بارک لي فيه، وإن كنت تعلم أن هذا الأمر شر لي في ديني ومعيشتي وعاقبة أمري، أو قال: في عاجل أمري وآجله، فاصرفه عني واصرفني عنه، واقدر لي الخير حيث كان، ثم أرضني به، قال: ويسمى حاجته''.

(ترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في صلاة الإستخارة، النسخة الهندية ١/ ١٠٩، دارالسلام، رقم: ٤٨٠، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الاستخارة، النسخة الهندية ١/ ٢١٥، دارالسلام، رقم: ١٥٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۷۱)

طلب بارش کا انوکھا اور ناجائز طریقہ

سوال [۳۱۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بستی میں طلب بارش کے لئے لوگ چھترہ پر چڑھ کر اذانیں دیتے ہیں، اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی، اس کا ایک اور طریقہ بھی اختیار کیا ہے، تمام لوگ دعا بعد صف بستہ ہوتے ہیں اور امام آگے ہوتا ہے، امام تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد معاً سورۂ ''یٰسین'' شروع کردیتا ہے، جب امام ''**وکل شیء احصیناہ فی امام مبین**'' پر پہنچتا ہے، تو امام اور تمام مقتدیان بلند آواز سے اذانیں دیتے ہیں، جب تمام لوگ اذانوں سے فارغ ہوجاتے ہیں تو امام آگے قراءت شروع کردیتا ہے، جب امام دوسرے والے ''مبین'' پر پہنچتا ہے تو یہی عمل کیا جاتا ہے، یعنی ہر ''مبین'' پر اذان دیتے ہیں، جب سورت ختم ہوجاتی ہے، تو امام کھڑے کھڑے سلام پھیر دیتا ہے، اب آپ مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں کہ اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالناصر جامعہ رحمانیہ ٹانڈا بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بارش کے لئے اذان دینا قرآن وحدیث اور صحابہ وتابعین، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام مالک، فقہائے متقدمین ومتأخرین رحمہم اللہ میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ وتابعین کے دور میں بھی بار بار خشک سالیاں ہوئیں، تاہم کسی سے اذان ثابت نہیں؛ البتہ صلاۃ الاستسقاء ثابت ہے، جس کی تفصیل اپنی جگہ موجود ہے، نیز نیت باندھ کر سورۂ یٰسین کے ہر "مبین" پر اذان محض بدعت مخترعہ ضالہ ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد. (صحيح مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة، ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية ٢/ ٧٧، بيت الأفكار، رقم: ١٧١٨، سنن ابن ماجة، كتاب السنة، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، والتغليظ على من عارضه، النسخة الهندية/ ٣، دارالسلام، رقم: ١٤، سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ٢/ ٦٣٥، دارالسلام، رقم: ٤٦٠٦، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٢٤١، رقم: ٢٦٥٦١، صحيح ابن حبان، باب الاعتصام بالسنة...... دارالفكر ١/ ٨٤، رقم: ٢٦، ٢٧، مشكوة ١/ ٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۲۹)

سورج گرہن کی نماز

سوال [۳۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سورج گرہن کے بارے میں عامۃ الناس میں طرح طرح کی باتیں گردش کر رہی ہیں، ادھر سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ جب سورج گرہن ہو تو اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے، حاملہ

عورتوں اور حاملہ جانوروں کو بند جگہ میں (جہاں سورج کی کرنیں نہ پہنچتی ہوں) رکھنا چاہئے، بقول ان کے اس کی شعائیں آنکھوں کو نقصان پہنچاتی ہیں اور بہت سی اس طرح کی باتیں ہیں، جن کو سائنسداں بیان کرتے ہیں؛ لہٰذا چند باتوں کی وضاحت مطلوب ہے:

(۱) سورج گرہن کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) مسلمانوں کو ایسے موقع پر کیا کرنا چاہئے؟

(۳) سائنسدانوں کی بیان کردہ احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے میں کوئی شرعی قباحت تو نہیں؟

المستفتی: جلیس احمد، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سورج گرہن کے وقت اس کی شعاؤں سے حاملہ اور آنکھوں کو نقصان پہنچنا اس کا تعلق اہل طب سے ہے، ان کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ اور شرعی اعتبار سے سورج گرہن ہونا اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ بتلانا چاہتا ہے کہ سورج لائق عبادت نہیں؛ بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے، جب اللہ تعالیٰ اس کی روشنی کو ختم کردے تو سورج میں اتنی طاقت وقدرت نہیں کہ وہ اپنے اندر روشنی پیدا کرے۔

وإن الشمس والقمر آيتان من آيات الله تعالىٰ يريهما عباده ليعلموا أنهما مسخران بأمره ليس لهما سلطان في غيرهما، ولا قوة الدفع عن أنفسهما، فلا يستحقان أن يعبدا. (طحطاوي على مراقي الفلاح، باب صلاة الكسوف، جديد دارالكتاب ديوبند ٥٤٤، قديم ٢٩٧)

(۲) جب سورج گرہن ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور استغفار کرنا اور نماز پڑھنا چاہئے۔

عن قيس قال: سمعت أبا مسعود يقول: قال النبي ﷺ: إن الشمس والقمر لا يخسفان لموت أحد من الناس، ولكنهما آيتان من آيات الله، فإذا

رأيتموها فقوموا، فصلوا. (صحيح البخاري، كتاب الكسوف، باب الصلاة في كسوف الشمس، النسخة الهندية ١/ ١٤١، رقم: ١٠٣١، ف: ١٠٤١)

ولكنهما آيتان من آيات الله، إن الله إذا بدا لشيء من خلقه خشع له، فإذا رأيتم ذلك فصلوا، والله تعالىٰ يخوف عباده ليتركوا المعاصي، ويرجعوا إليه بالطاعة والاستغفار. (طحطاوي، دارالكتاب ديوبند ٥٤٣، قديم ٢٩٧)

(۳) مذکورہ سائنسی تدابیر کو اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۰ھ

سورج گرہن، چاند گرہن سے متعلق ہندو روایات معتبر نہیں

سوال [۳۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سورج گرہن، چاند گرہن اور ان سے متعلق ہندو روایتیں، مثلاً حاملہ عورتوں کے لئے نقصان دہ ہے اور دیگر روایتیں اور اس کا پس منظر صحیح اسلامی روایت یا عمل کیا ہونا چاہئے؟ روشناس فرمائیں۔

المستفتی: شہزادے راعینی، سبزی منڈی، شہر گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں ہندو روایتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، سورج گرہن کے موقع پر اسلام کا حکم یہ ہے کہ لوگ دو رکعت نماز باجماعت ادا کریں اور نماز کے بعد سورج نکل آنے تک دعاؤں میں مشغول رہیں۔ اور چاند گرہن کے موقع پر لوگوں کو تنہا تنہا دو رکعت نماز ادا کرنی چاہئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، جس سے انسان کو عبرت حاصل کرنی چاہئے اور خدا کو یاد کرنا چاہئے۔

عن أبي بكرة قال: كنا عند النبي ﷺ، فانكسفت الشمس، فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم يجر رداءه حتى دخل المسجد، فدخلنا فصلى بنا ركعتين حتى انجلت الشمس، فقال: إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت أحد، وإذا رأيتموها فصلوا وادعوا حتى يكشف ما بكم. (صحيح البخاري، كتاب الكسوف، باب الصلاة في كسوف الشمس، النسخة الهندية ١/ ١٤١، رقم: ١٠٣٠، ف: ١٠٤٠)

وهي سنة تؤدي بجماعة واختلفوا في صفة أدائها، قال علماء نا: يصلي ركعتين كل ركعة بركوع وسجدتين كسائر الصلوات، يقرأ فيهما ما أحب، ويدعو بعد الصلاة حتى تنجلي الشمس كمال الانجلاء. (عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب الثامن عشر في صلاة الكسوف، زكريا قديم ١/ ١٥٣، جديد ١/ ٢١٣، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل التاسع والعشرون في صلاة الكسوف، زكريا ٢/ ٦٥٧، رقم: ٣٥٢٢)

يصلون ركعتين في خسوف القمر وحدانا. (عالمگیری، زكريا قديم ١/ ١٥٣، جديد ١/ ٢١٤)

وكسوف القمر ذهاب ضوءه، والخسوف ذهاب دائرته، ثم يصلي الصلاة فيها، فرادى عندنا. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، فصل في صلاة الكسوف، زكريا ٢/ ٦٦٠، رقم: ٣٥٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۰۹)

نماز کسوف کا طریقہ

سوال [۳۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) کہ صلاۃِ کسوف کا طریقہ کیا ہے؟ ہماری بستی میں ایک صاحب نے نماز کسوف اس طرح پڑھائی کہ پہلے طویل قراءت کی، پھر رکوع کیا، رکوع سے کھڑے ہوکر پھر سورہ فاتحہ پڑھی اور سورت ملائی، پھر رکوع کیا، یعنی دو مرتبہ رکوع کیا، معلوم کرنے پر کہا کہ یہی طریقہ حدیث سے ثابت ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ صحیح طریقہ صلاۃ کسوف کا کونسا ہے مع حوالہ کتب جواب سے نوازیں؟

(۲) نماز کسوف میں قراءت جہری کرنی چاہئے یا سری؟ مفتی بہ قول جہر کا ہے یا سر کا؟

(۳) نماز کسوف کس وقت تک پڑھیں گے؟

(۴) نماز کسوف کے بعد تقریر کرنی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: جلیس احمد ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اس طرح دو رکوع کے ساتھ صلاۃِ کسوف حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک تو جائز ہے، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو رکوع کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حدیث شریف میں دو، تین، چار رکوع کی جو بات آئی ہے اس کا مدار اس پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نماز کے اندر لمبا رکوع فرمایا تھا، جس کی وجہ سے صف اول کے نمازیوں نے یہ سوچا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھالیا ہے، چناں چہ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو پیچھے کی صف والوں نے بھی سر اٹھالیا، اس کے بعد جب صف اول والوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع ہی میں ہیں تو وہ لوگ دوبارہ رکوع میں چلے گئے اور پیچھے والوں نے یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکوع کئے ہیں اور اسی خیال کے مطابق روایت بیان کردی، اسی وجہ سے دو رکوع یا چار رکوع والی روایت صرف صحابیہ عورتیں یا اصاغر صحابہ نقل کرتے ہیں جو پیچھے تھے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں جو کہ بچوں اور عورتوں کی صفوں میں تھے اور ان کی صفیں پیچھے ہوتی تھیں، انہوں نے اگلی صف والوں کو دیکھ

کر یہ سمجھا کہ دو رکوع کئے ہیں، حالاں کہ حقیقت میں ایک رکوع کیا تھا، اسی وجہ سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم صرف ایک رکوع کی روایت بیان کرتے ہیں۔

الحنفية قالوا: صلاة الكسوف لا تصح بركوعين، وقيامين بل لابد من قيام واحد وركوع واحد، كهيئة النفل بلا فرق. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الصلاة، سنن صلاة الكسوف، دار الفكر ١/ ٣٦٤)

نحمل ما رويتم على أن النبي ﷺ ركع فأطال الركوع كثيرا زيادة على قدر ركوع سائر الصلوات لما روى أنه عرض عليه الجنة والنار في تلك الصلاة، فرفع أهل الصف الأول رؤوسهم ظنا منهم أنه صلى الله عليه وسلم رفع رأسه من الركوع، فرفع من خلفهم، فلما رأى أهل الصف الأول رسول الله ﷺ راكعا ركعوا، وركع من خلفهم، فلما رفع رسول الله صلى الله عليه وسلم رأسه من الركوع رفع القوم رؤوسهم، فمن كان خلف الصف الأول ظنوا أنه ركع ركوعين، فرووا على حسب ما وقع عندهم، وعلم الصف الأول حقيقة الأمر، فنقلوا على حسب ما علموه، ومثل هذا الاشباه قد يقع لمن كان في آخر الصفوف، وعائشة رض كانت واقفة في خير صفوف النساء، وابن عباس في صف الصبيان في ذلك الوقت، فنقلا كما وقع عندهما. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الكسوف وكيفيتها، جديد زكريا ١/ ٦٢٨، كراچی ١/ ٢٨١، التقرير للترمذي، باب صلاة الكسوف، ص: ١٩)

(۲) نماز کسوف کے اندر امام صاحب کے نزدیک قراءت آہستہ کرنے کا حکم ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل، ص: ۴۶)

ولا جهر في القراءة فيهما عنده، خلافا لهما، وفي الطحطاوي: الصحيح قول الإمام كما في المضمرات. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب صلاة الكسوف، ص: ٢٩٨، جديد دار الكتاب ديوبند ٥٤٥، تاتارخانية، كتاب

الصلاة، فصل في صلاة الكسوف، قديم ٢/ ١١٧، جديد زكريا ٢/ ٦٥٨، رقم: ٣٥٢٤)

(۳) نمازکسوف جب تک سورج گرہن باقی رہے اس وقت تک پڑھیں، اگر نماز گرہن مکمل ہونے سے پہلے مکمل کردیں تو سورج میں روشنی آنے تک استغفار اور دعا میں مشغول رہیں۔

حتى يكمل انجلاء الشمس لقوله صلى الله عليه وسلم: فإذا رأيتموها فادعوا وصلوا حتى ينكشف ما بكم. (طحطاوي على المراقي الفلاح، باب صلاة الكسوف، جديد دارالكتاب ديوبند ٥٤٦، قديم ٢٩٨، تاتارخانية، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الكسوف، زكريا ٢/ ٦٥٩، رقم: ٣٥٢٥، قديم ٢/ ١١٨)

(۴) نماز کے بعد آفتاب روشن ہونے تک استغفار ودعا وغیرہ میں مشغول رہیں، تقریر کرنا بھی جائز ہے۔

إن المسنون أن يشتغل بالصلاة والدعاء حتى تنجلي الشمس.

(تاتارخانية زكريا ٢/ ٦٥٩، رقم: ٣٥٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵۱۵/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

❖ ❖ ❖

۲۵/ باب التراويح

الفصل الأول في صلاة التراويح

گرمی کی وجہ سے صرف تراویح کی جماعت مسجد کی چھت پر کرنا

سوال [۱۱۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سخت گرمی کی وجہ سے نماز عشاء کی جماعت مسجد کے اندر کرکے تراویح کی جماعت مسجد کی چھت پر کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہارون قاسمی، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تراویح کی نماز فرض نہیں ہے؛ بلکہ سنت ہے؛ اس لئے فرض نماز اصل مسجد میں ادا ہوجانے کے بعد گرمی کی وجہ سے تراویح کی نماز چھت کے اوپر جاکر کے ادا کرنا بلا کراہت جائز و درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، جدید، زکریا ۳/ ۱۴۶، جواب: ۲۱۰، قدیم ۳/ ۱۰۳، زکریا مطول ۴/ ۳۰۲)

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچى ۲/ ۴۳، زكريا ۲/ ۴۹۳، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دارالكتب العلمية بيروت، جديد ۲/ ۲۰۲، مصري، قديم ۱/ ۱۳۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في صلاة التراويح، دارالكتاب ديوبند جديد، ص: ۴۱۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/ ۱۳۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۴)

فرم میں نماز عشاء اور تراویح پڑھنا

سوال [۳۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلہ میں کیت والی مسجد میں نماز تراویح میں کافی مجمع ہوجاتا ہے، جگہ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ لوگوں کو واپس ہونا پڑتا ہے؛ اس لئے ایک فرم میں نماز تراویح ونماز عشاء باجماعت ادا کرتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ نماز عشاء وتراویح فرم میں ادا کرنے سے فرض نماز ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ فرض نماز فرم کے اندر جماعت سے ادا کرنے پر نماز عشاء ادا نہیں ہوگی۔

المستفتی: احمد جان پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کی نماز کی جماعت فرم یا کسی ہال میں کرنے کی گنجائش ہے، مگر عشاء کے فرض مسجد میں باجماعت پڑھنا ضروری ہے؛ لیکن اگر مسجد کی تنگی کی مجبوری ہے تو دوسری مسجد میں جا کر کے فرض نماز ادا کرنی چاہئے، اگر وہاں بھی تنگی ہے تو فرم میں عشاء کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے؛ لیکن اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ فرم میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا؛ لہٰذا ہر شخص رمضان جیسے مبارک مہینے میں اپنے آپ کو عظیم ترین فضیلت اور ثواب سے محروم ہونے سے بچائے رکھے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من سمع النداء فلم يأته، فلا صلاة له، إلا من عذر. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، النسخة الهندية ٥٧، دارالسلام، رقم: ٧٩٣)

وإن صلى أحد في بيته بالجماعة حصل لهم ثوابها، وأدركوا فضلها؛ ولكن لم ينالوا فضل الجماعة التي تكون في المسجد لزيادة فضيلة المسجد، وتكثير جماعته، وإظهار شعائر الإسلام. (حلبي كبير، الصلاة، فصل في التراويح، أشرفيه ١/ ٤٠٢)

وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد.
(شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر، كراچی ۲/ ٤٥، زكريا ۲/ ٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۰۳)

کھلے میدان میں تراویح کی نماز

سوال [۳۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کشادہ میدان اسکول جہاں کسی وقت کی نماز نہیں ہوتی ہے، کیا وہاں نماز تراویح ادا ہوسکتی ہے؟ اور کیا وہاں عشاء کی نماز بھی ہوسکتی ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن واجد نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں وہاں نماز تراویح وعشاء اور دیگر نمازیں سب صحیح اور درست ہو جائیں گی، بشرطیکہ مقام نجاست میں نماز نہ پڑھی جائے؛ البتہ وہاں مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، حدیث میں آیا ہے کہ امت محمدیہ کی نماز روئے زمین کے ہر حصہ میں ادا ہوجاتی ہے۔

جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: –إلى– وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، وأيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل. الحديث (صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، النسخة الهندية ۱/ ٦۲، رقم: ٤۳۳، ف: ٤۳۸)

عن جابر بن عبدالله الأنصاري –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: –إلى– وجعلت لي الأرض طيبة طهورا، ومسجدا،

فأيما رجل أدركته الصلاة صلى حيث كان. الحديث (صحيح مسلم، كتاب المساجد، ومواضع الصلاة، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۹، بيت الأفكار، رقم: ۵۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۵۷)

گھر میں تراویح پڑھنے والے فرض نماز کہاں پڑھیں؟

سوال [۳۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ بیس افراد ایک مکان کی چھت پر تراویح میں دس دن کا قرآن سن رہے ہیں، آیا ہم لوگ عشاء کی نماز بھی جماعت کے ساتھ مکان پر ہی ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ مسجد ہمارے محلّہ میں سات گھروں کے بعد ہی ہے اور ایک عذر بھی ہے کہ اگر مسجد میں جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو کوئی پانچ منٹ، کوئی دس منٹ کی تاخیر سے آتا ہے، آیا ہم لوگوں کا مکان کی چھت پر جماعت کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد عقیل، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماہ رمضان المبارک میں ہر عبادت کا ثواب ستر گنا ہوجاتا ہے اور حدیث شریف میں مسجد کی جماعت کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے اور عشاء کی باجماعت نماز گھر اور چھتوں پر پڑھنا اگرچہ بلاتردد جائز اور درست ہے، مگر رمضان جیسے مبارک مہینہ میں مسجد کی جماعت کو ترک کردینا بہت بڑی محرومی کی بات ہے؛ اس لئے عشاء کی فرض نماز مسجد ہی میں باجماعت ادا کرنی چاہئے، اس کے بعد گھر یا چھتوں پر جہاں تراویح کی نماز ہوتی ہے وہاں آکر سنتیں وغیرہ پڑھ کر تراویح کی نماز شروع کرنی چاہئے اور یہ جو عذر پیش کیا گیا ہے کہ کوئی ۵/ منٹ یا ۱۰/ منٹ کے بعد آئے گا، یہ غیر

معقول عذر ہے؛ کیوں کہ جس کوتراویح باجماعت پڑھنی ہوتی ہے، اس کوخود اپنی تراویح کی فکر ہوتی ہے، جس کا تجربہ ہم کوخود ہے۔

عن سلمان الفارسي –رضي الله عنه– قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في آخر يوم من شعبان، فقال: ...... من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن أدى فريضة فيما سواه، ومن أدى فريضة فيه كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٠٥، رقم: ٣٦٠٨، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٩١١، رقم: ١٨٨٧)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة الرجل في الجماعة تضعف على صلاته في بيته، وفي سوقه خمسا وعشرين ضعفا، وذلک أنه إذا توضأ، فأحسن الوضوء، ثم خرج إلى المسجد، لا يخرجه إلا الصلاة لم يخط خطوة، إلا رفعت له بها درجة، وحط عنه بها خطيئة، فإذا صلى لم تزل الملائكة تصلي عليه ما دام في مصلاه: اللهم صل عليه، اللهم ارحمه، ولا يزال أحدكم في صلاة ما انتظر الصلاة. (صحيح البخاري، الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة، النسخة الهندية ١/ ٨٩، رقم: ٦٣٨، ف: ٦٤٧)

وإن صلى أحد فى بيته بالجماعة لم ينالوا فضل الجماعة التي تكون فى المسجد لزيادة فضيلة المسجد، وتكثير جماعته، وإظهار شعائر الإسلام، وهكذا في المكتوبات، أي الفرائض ...... فالحاصل أن كل ما شرع فيه الجماعة فالمسجد فيه أفضل لما اشتمل عليه من شرف المكان، وإظهار الشعائر، وتكثير سواد المسلمين، وائتلاف قلوبهم. (حلبي كبير، الصلاة، تراويح، أشرفيه، ص: ٤٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۷ھ

زکوۃ وغیرہ کی رقم سے تعمیر شدہ مدرسہ میں نماز وتراویح کا حکم

سوال [۳۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ جس کی تعمیر زکوۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کے پیسہ سے ہوئی ہے، اس میں لوگ رمضان میں تراویح شروع کرنے اور دوسرے مسئلے معلوم کرنے کے لئے آتے ہیں، مدرسہ میں تراویح کی نماز ہوتی ہے اور عشاء کی جماعت بھی ہوتی ہے؛ کیوں کہ لوگ تراویح کے بارے میں مدرسہ میں معلوم کرنے آتے رہتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ جس مدرسہ کی تعمیر میں زکوۃ وغیرہ کا پیسہ لگا ہو، اس میں فرض نماز اور تراویح کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روئے زمین کے ہر پاک حصہ پر نماز جائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "**جعلت لنا الأرض كلها مسجدا**" (صحيح مسلم، كتاب المساجد، ومواضع الصلاة، النسخة الهندية ١/ ١٩٩، بيت الأفكار، رقم: ٥٢٢، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٧/ ٢٦٤، رقم: ٢٨٤٥، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ١/ ١٦٦، رقم: ٢٦٣) "کہ تمام زمین کو میرے لئے مسجد بنادیا گیا" کی بنا پر؛ لہٰذا فرض، نفل، سنت، تراویح ہر جگہ جائز ہے؛ لیکن مسجد کو چھوڑ کر مدرسہ میں جماعت کر لینے سے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

عن جابر بن عبدالله –رضى الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، أينما أدرك رجل من أمتي الصلاة صلى. (سنن النسائي، الصلاة، الرخصة في ذلك، النسخة الهندية ١/ ٨٥، دارالسلام، رقم: ٧٣٧)

إن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ۲/ ٤٥، زكريا ۲/ ٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۹٦۷)

مسجد سے متصل مدرسہ میں ’’الم ترکیف‘‘ سے تراویح پڑھنا

سوال [۳۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے مسجد سے متصل مدرسہ میں چھ یوم میں تراویح میں قرآن پاک مکمل کیا، جب کہ مسجد میں ابھی قرآن ہورہا ہے، اب زید ان مصلیوں کو ’’الم ترکیف‘‘ سے تراویح پڑھاتا ہے، جب کہ سارے مصلی فرض نماز مسجد ہی میں ادا کرتے ہیں، مزید زید کی طرف سے تاکید ہے کہ میرے پیچھے صرف وہی لوگ تراویح پڑھیں جنہوں نے چھ یوم میں قرآن مکمل کیا، تو کیا زید کا یہ عمل شریعت کی روشنی میں درست ہے؟ اور کیا مصلیوں کا مسجد چھوڑ کر مدرسہ میں تراویح پڑھنا، جب کہ قرآن سن چکے ہیں شرعاً درست ہے؟

المستفتی: محمد ابصار قاسمی، مدرسہ انوار العلوم بھیکم پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن لوگوں نے چھ یوم میں قرآن کریم مکمل کرلیا ہے، ان کے لئے فرض نمازوں کے بعد بھی مسجد سے متصل مدرسہ میں ’’الم ترکیف‘‘ سے تراویح پڑھنا درست نہیں ہے اور نہ زید کے لئے مسجد سے متصل کمرہ میں بلاکسی عذر شدید کے ’’الم ترکیف‘‘ سے تراویح قائم کرنا درست ہے۔ اور کاروباری مشاغل نماز کے اعذار میں شامل نہیں ہیں؛ بلکہ سب لوگوں کو مسجد کی اصل جماعت میں شرکت کرنی چاہئے، جہاں قرآن ہورہا ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۷/ ۱٦۸، جدید ڈابھیل ۷/ ۱/ ۳۰٦)

أما قراءة القرآن في التراويح، فمستحب، أي مسنون بل من أجل مقصود التراويح قراءة القرآن فيما يسمع المسلمون كلام الله.
(فتاوى ابن تيميه ١ / ١٤٧)

وإنما جعل ذلک في المساجد في رمضان لکی يحصل العامة الناس فضيلة القيام بالقرآن كله، وسماع كلام ربهم في أفضل الشهور.
(كتاب المدخل ٢/ ٨٩، بحواله رحيميه، قديم ٤/ ٤١٢، جديد زكريا ٦/ ٢٥٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۷۳۱۸)

ایک مسجد میں ایک ساتھ الگ الگ دو تراویح کی کراہت

سوال [۳۱۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرٹھ میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی مسجد میں ایک ساتھ دو تراویح ہوتی ہیں، اوپر کی منزل میں ایک حافظ صاحب پڑھاتے ہیں اور نیچے کی منزل میں ایک حافظ صاحب، اوپر کی منزل میں ۳ر پارے ہوتے ہیں اور نیچے کی منزل میں ایک پارہ ہوتا ہے، تو اس طرح ایک ہی مسجد میں اوپر نیچے تراویح کی ایک ساتھ دو نمازیں جائز ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ہی مسجد میں اوپر نیچے ۲ر جگہ تراویح کا ہونا خواہ ایک ساتھ ہو یا پے در پے ہو، مکروہ تنزیہی ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۵۲۱، احسن الفتاویٰ ۳/۵۲٦)

ولو صلى مرتين في مسجد واحد يكره. (خانية على الهندية، الصلاة، قبيل فصل في مقدار التراويح، زكريا ١/ ٢٣٤، زكريا جديد ١/ ١٤٥)

ولو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره. (هندية، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ۱/ ۱۱۶، جديد ۱/ ۱۷۶)

صلوها بجماعة، ثم أعادوا إرادتها بالجماعة يكره. (بزازية، الصلاة، الثالث في التراويح، زكريا جديد ۱/ ۲۲، وعلى هامش الهندية ٤/ ۲۹)

ولو صلوا التراويح، ثم أرادوا أن يصلوا ثانيا يصلون فرادى. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، زكريا ۲/ ۳۲۱، رقم: ۲۵٤۳، هندية، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ۱/ ۱۱۶، جديد ۱/ ۱۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۲۴)

ایک مسجد میں بیک وقت دو تین جگہ تراویح

سوال [۳۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک کے مہینہ میں بعض مساجد میں دو یا تین جگہ تراویح ہوتی ہیں، مثلاً زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ نیچے والی منزل میں تو قرآن پاک تراویح میں ہو ہی رہا ہے؛ لیکن بالکل اس کے اوپر دوسری منزل میں بھی دوسرا قرآن پاک اسی وقت ہوتا ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا از روئے شرع اوپر والی منزل میں تراویح قرآن پاک کے ساتھ ہوسکتی ہیں؟ کسی طرح کی کوئی کراہت تو نہیں ہے؟ مسئلہ کو واضح فرما کر ممنون فرمائیں اور مکان، کارخانوں وفرم وغیرہ میں تراویح کے سلسلہ میں کیا حکم ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد حنیف، ولد محمد عاقل مرحوم، کٹار شہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ مسجد میں تعدد جماعت مکروہ ہے اور اس کے عموم میں

تراویح بھی شامل ہے؛ اس لئے ایک مسجد میں ایک ہی وقت میں تراویح کی دو جماعتیں یا تین جماعتیں اور بھی زیادہ کراہت کا سبب بنیں گی؛ اس لئے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۵۲۶)

وفي القنية: إمام يصلي التراويح على سطح المسجد اختلف في كراهته، والأولى أن لا يصلي فيه عند العذر، فكيف بغيره. الخ (كبيري، الصلاة، تراويح فروع، أشرفيه، جديد: ۴۱۰، مكتبه رحيميه ديو بند ۳۹۲)

رمضان جیسے فضیلت کے مہینہ میں مسجد کی جماعت سے اپنے آپ کو محروم کرنا یہ خود اپنی جگہ ایک بڑی کمزوری ہے، نیز فرض نمازوں کو مسجد میں پڑھنے کا تاکیدی حکم ہے، اگر کسی مجبوری کے تحت فرموں میں تراویح کی نماز پڑھی جارہی ہے، تو ضروری ہے کہ پہلے فرض نماز مسجد میں ادا کریں اس کے بعد فرموں میں آ کر تراویح کی نماز پڑھی جائے، نیز یہ بات بھی یاد رکھیں کہ تراویح کی نماز مسجد ہی میں پڑھنا مسنون ہے؛ اس لئے فرموں میں پڑھنے سے تراویح کی نماز تو صحیح ہوجائے گی؛ لیکن مسجد میں پڑھنے کی جو سنت ہے اس کا ترک لازم آتا ہے؛ اس لئے رمضان جیسے مبارک مہینہ میں اہم ترین عذر کے بغیر مسجد کی تراویح سے اپنے آپ کو محروم نہ کریں۔

وظاهر كلامهم هنا أن المسنون كفاية إقامتها بالجماعة في المسجد حتى لو أقاموها جماعة فى بيوتهم ولم تقم في المسجد أثم الكل. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچى ۲/ ۴۵، زكريا ۲/ ۴۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم ربیع الاول ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۳۷)	۱۴۲۳/۳/۱ھ

مسجد میں اوپر نیچے تراویح کی جماعت کا حکم

سوال [۱۱۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: تراویح مسجد کی ہر منزل پر جائز ہے؟ اگر جواب مثبت ہے، تو نماز عشاء بھی ہر منزل پر علیحدہ پڑھ سکتے ہیں؟

المستفتی: عبدالحق فرخ آبادی، مسجد منشی کریم اللہ والی پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں جماعت ثانیہ مطلقاً مکروہ ہے، اس میں تراویح کی جماعت ثانیہ بھی شامل ہے، تراویح کی دو جماعت ہونے کی صورت میں اصل جماعت خواہ اوپر ہو یا نیچے وہ درست ہوگی۔ اور دوسری جماعت مکروہ ہوگی؛ اس لئے ایک مسجد میں تراویح کی ایک جماعت ہی ہونی چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۶)

وفي القنية: إمام يصلي التراويح على سطح المسجد اختلف في كراهته، والأولى أن لا يصلي فيه عند العذر، فكيف بغيره. (كبيري، الصلاة، تراويح فروع، أشرفيه، جديد ۲/ ۴۱۰، مكتبه رحيميه ديوبند ۳۹۲)

ولو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره. (هندية، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ۱/ ۱۱۶، جديد ۱/ ۱۷۶، قاضيخان على هامش الهندية، الصلاة، قبيل فصل في مقدار التراويح، زكريا ۱/ ۲۳۴، جديد ۱/ ۱۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۷/۱۴۲۲ھ

دو منزلہ مسجد میں دو نماز تراویح کی پڑھنا

سوال [۳۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد دو منزلہ ہے، کیا دونوں منزل میں تراویح دو حافظ سنا سکتے ہیں

یا نہیں؟ جواز یا عدم جواز کے ساتھ ممنوع اور غیر ممنوع کی بھی وضاحت فرمائیں، نیز مسجد کے طول وعرض کی قید تو نہیں؟

المستفتی: محمد اشرف بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسجد میں بیک وقت تراویح کی ایک ہی جماعت ہونی ضروری ہے، الگ الگ دو جماعت کرنا مکروہ ہے؛ لہٰذا پہلی جماعت جو مسجد کی اصل محراب میں ہو رہی ہے وہ بلا کراہت درست ہے اور اس کے علاوہ دوسری جماعت جو کہ اوپر کی منزل میں ہوئی ہے وہ مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۲۶)

ولو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره. (هندية، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ١/ ١١٦، جديد ١/ ١٧٦، خانيه على هامش الهندية، الصلاة، قبيل فصل في مقدار التراويح، زكريا ١/ ٢٣٤، جديد ١/ ١٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۰۶)

ایک ہی مسجد میں اوپر نیچے تراویح کی نماز ادا کرنا

سوال [۳۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر میں ایک مسجد جس کو مرکز کی حیثیت حاصل ہے، مسجد کے نیچے حصے میں سوا پارہ تراویح میں سنانے کا نظام ہے، اوپر کے حصہ میں تین پارے سنانے کا نظام ہے، عشاء کی جماعت ایک ہوگی اور تراویح کی نماز دو ہوں گی، اوپر کے حصے میں تین پاروں کا نظام اس لئے رکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کو رمضان شریف میں سفر درکار ہوتا ہے، ان کو پورا قرآن سننے کی سعادت حاصل ہو جائے، آیا یہ تراویح سنانے کا عمل اوپر اور نیچے کے حصے میں کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عبدالکریم مچھالے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتیں چاہے اوپر نیچے دو منزل میں الگ الگ ہوں یا ایک منزل میں الگ الگ، بہرصورت مکروہ ہے؛ لہٰذا ایک مسجد میں ایک ہی جماعت ہونی چاہئے، جن لوگوں کو سفر وغیرہ کی بنا پر دس دن میں قرآن سننے کی ضرورت ہو وہ کسی دوسری مسجد یا کسی ہال میں تین تین پاروں کا الگ سے انتظام کرلیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۲۶)

ولو صلی التراویح مرتین في مسجد واحد یکرہ. (هندیة، الباب التاسع في النوافل، زکریا قدیم ۱/ ۱۱٦، جدید ۱/ ۱۷٦، قاضیخان علی هامش الهندیة، الصلاة، قبیل فصل في مقدار التراویح، زکریا ۱/ ۲۳٤، زکریا جدید ۱/ ۱٤٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ شعبان ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۹۷)

تراویح پڑھانے کا زیادہ حقدار کون؟

سوال [۳۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر ایک حافظ مسجد کے قریب رہتا ہو اور دوسرا حافظ مسجد سے دور رہتا ہو، یعنی دوسرے محلّہ میں رہتا ہو، تو ان دونوں میں سے اس مسجد میں رمضان المبارک میں قرآن سنانے کا کون زیادہ حقدار ہے؟ جب کہ دونوں باشرع ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن صحیح پڑھتے ہوں، اگر غیر محلّہ کا حافظ قرآن سنانے کے لئے طے ہوجائے تو کیا محلّہ کے حافظ کو حق اعتراض ہے یا نہیں؟ شریعت اس مسئلہ میں کیا کہتی ہے؟

المستفتی: محمد کاشف، مرادآبادی، نئی بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں جو شخص مستقل طور پر امام ہو اگر وہ حافظ بھی ہو تو وہی اس مسجد میں تراویح کی امامت کا بھی حقدار ہے، اس کے مقابلہ میں دوسرے حفاظ اس مسجد میں تراویح کی امامت کے حقدار نہیں ہیں۔ اور وہ اگر اپنا حق بخوشی دوسرے کو دینا چاہے تو اس کو اختیار ہے، چاہے اس محلّہ کے حافظ کو حق دے دے یا دوسرے محلّہ کے حافظ کو۔ اور سوال نامہ میں جن دو حافظوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ایک اسی محلّہ کا ہے اور دوسرا دوسرے محلّہ کا ہے، دونوں باشرع ہیں اور دونوں قرآن بھی صحیح پڑھتے ہیں، ان دونوں میں سے کوئی بھی امام کے مقابلہ میں مستحق نہیں ہے؛ لہٰذا امام کو اختیار ہے چاہے خود پڑھائے یا محلّہ کے حافظ کو حق دے دے یا دوسرے محلّہ کے حافظ کو، یہ کام اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ اور اگر مسجد کا مستقل امام خود حافظ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں بھی وہی امام کسی حافظ کا انتخاب کرنے کا حق رکھتا ہے اور اس معاملہ میں اسی محلّہ اور دوسرے محلّہ کا کوئی امتیاز نہیں ہے؛ بلکہ امام جس کو چاہے تراویح پڑھانے کا حق دے سکتا ہے۔

عن أبي مسعود الأنصاري –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: ...... ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، من قال: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله، موسسة علوم القرآن، جديد ۳/ ۱۸۹، رقم: ۳۴۷۰، المستدرك، الصلاة، مكتبه نزار مصطفى جديد ۱/ ۳۶۱، رقم: ۸۸۷، المعجم الكبير للطبراني دار احياء التراث العربي ۱۷/ ۲۲۲، رقم: ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۷، ۶۲۰، سنن الدار قطني، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۲۸۴، رقم: ۱۰۷۲)

إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقا. وفي الشامي: وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه. الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ۱/ ۵۵۹، زكريا ۲/ ۲۹۷)

دخل المسجد من هو أولى بالإمامة من إمام المحلة، فإمام المحلة أولى.

(عالمگیری، کتاب الصلاۃ، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثاني، زکریا قدیم ۱/ ۸۳، جدید ۱/ ۱۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۵/۱۴۲۷ھ

مستقل امام تراویح کا زیادہ حقدار ہے یا مقامی حافظ؟

سوال [۳۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تراویح میں قرآن پاک سنانے کا حق محلّہ کے حافظوں کا ہے یا مسجد کے امام صاحب کا ہے؟ جو حافظ بھی ہیں اور پورے سال امامت کرتے رہے ہیں اور ان کے ذریعہ دین کی باتیں بھی معلوم ہوتی رہتی ہیں؟

المستفتی: اہلیان محلّہ گلشہید، چاند والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد میں پہلے ہی سے مستقل امام موجود ہے اور مستقل ومتعین امام حافظ قرآن بھی ہے، تو محلّہ کے حافظوں کے مقابلہ میں مسجد کا مستقل امام ہی اس مسجد میں تراویح اور تراویح میں قرآن سنانے کا زیادہ حقدار ہے، مستقل امام صاحب کے ذریعہ سے دینی باتیں معلوم ہوتی رہتی ہوں یا نہ ہوں، ہر حال میں اور ہر صورت میں امام ہی قرآن سنانے کا زیادہ حقدار ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۸۲)

حدیث پاک میں آیا ہے کہ امام صاحب کی اجازت اور مرضی کے بغیر اس کی امامت کی جگہ کھڑے ہوکر دوسرا آدمی ہرگز نماز نہ پڑھائے۔

عن أبي مسعود –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: لا يؤم

الرجل في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته في بيته إلا بإذنه. (ترمذي شريف، الصلاة، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۱/ ۵۵، دارالسلام، رقم: ۲۷۷۲)

واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقا، أي وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ۱/ ۵۵۹، زکریا ۲/ ۲۹۷) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۱۱)

محلّہ کی مسجد میں تراویح پڑھانے کا حقدار کون ہے امام مسجد یا اہل محلّہ؟

سوال [۳۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد میں امام صاحب ہیں، اس مسجد میں خود امام صاحب تراویح سنانے کے متمنی ہیں؛ لیکن محلّہ کے اور بھی کچھ حفاظ دعویدار ہیں، کیا تراویح کا پڑھانا اور سنانا اس مسجد میں امام صاحب کو حق پہنچتا ہے یا نہیں؟ امام صاحب کے متمنی ہونے کے باوجود دوسرے حفاظ کرام کو یہ حق ملتا ہے کہ نہیں؟ نیز اگر امام صاحب تراویح نہ بھی سنائیں تو حافظ کا مقرر کرنا امام صاحب کے دائرہ اختیار میں ہے یا کمیٹی کو؟

المستفتی: محمد جسیم الدین بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستقل امام کے ہوتے ہوئے اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر دوسرے کا نماز پڑھانا ممنوع ہے؛ اس لئے جب مسجد کے مستقل امام صاحب خود تراویح سنانے کے متمنی ہیں تو وہ دیگر حفاظ کے مقابلہ میں قرآن سنانے کے زیادہ حقدار ہیں؛ البتہ اگر امام صاحب کو کوئی عذر ہو تو امام صاحب ہی کو حق ہے کہ قرآن سنانے کے لئے کسی

دوسرے حافظ کا انتخاب کریں، اس میں امام صاحب پر دباؤ ڈالنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴/ ۲۸۲، فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۴۲۴، جدید زکریا ۸/ ۲۵۷)

عن أبي مسعود –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: لا يؤم الرجل في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته في بيته إلا بإذنه. (ترمذي شريف، الصلاة، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ١/ ٥٥، دارالسلام، رقم: ٢٧٧٢)

عن أبي مسعود الأنصاري –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: –إلى– ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه. (صحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٦، بيت الأفكار، رقم: ٦٧٣، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٤٣، رقم: ٦٥٢، سنن النسائي، كتاب الإمامة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/ ٨٩، دارالسلام، رقم: ٧٨١)

واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقا، أي وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ١/ ٥٥٩، زكريا ٢/ ٩٧، الفقه الإسلامي وأدلته، صلاة الجماعة وأحكامها، فصل من أحق بالإمامة، هدى انٹر نيشنل ديوبند ٢/ ١٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۶/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۲۶ھ

مسجد میں تراویح پڑھانے کا امام حقدار ہے یا مقامی حافظ؟

سوال [۳۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب دو حافظ موجود ہوں اور ان میں ایک پردیسی اور ایک مقامی ہو، پردیسی ایک عرصہ

سے مسجد میں امام ہو اور دوسرا صرف محلّہ کا ہو تو ان دونوں حفاظ میں سے تراویح کے اندر قرآن سنانے کا کون زیادہ حقدار ہے؟

المستفتی: اہل مسجد اڑپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو حافظ پہلے سے امام ہو خواہ وہ پردیسی ہی کیوں نہ ہو دیگر حافظوں سے تراویح پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔

أوس بن ضمعج قال: سمعت أبا مسعود يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ولا يؤم الرجل في أهله، ولا في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته في بيته إلا بإذن، أو بإذنه. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية/ ٦٩، دارالسلام، رقم: ٩٨٠، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/ ٨٦، دارالسلام، رقم: ٥٨٢)

واعلم أن ...... إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقا. وفي الشامية: وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه.

(درمختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/ ٢٩٧، كراچی ١/ ٥٥٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۳۸)

تراویح میں قرآن کریم امام کی اجازت کے بغیر پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال [۳۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کا مستقل امام ہے، تراویح میں قرآن سنانے کا حق امام مستقل کو ہے یا دوسرے کو ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟ آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: عزیز الرحمٰن، شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو امام مستقل ہے شرعاً وہی تراویح میں قرآن سنانے کا زیادہ حقدار ہوگا، اس کی اجازت کے بغیر دوسرے حافظ کو تراویح پڑھانا مکروہ ہے۔

عن أبي مسعود الأنصاري –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: –إلى– ولا يؤمن الرجل الرجل في سلطانه، ولا يقعد في بيته على تكرمته إلا بإذنه. (صحيح مسلم، المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/ ٢٣٦، بيت الأفكار، رقم: ٦٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۶۷)

امام صاحب کا دوسری جگہ تراویح سنانے جانا

سوال [۳۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کے امام صاحب جو عالم دین بھی ہیں اور پاس میں ایک مدرسہ کے نائب مہتمم اور مدرس بھی ہیں، چند سالوں سے وہ رمضان میں اپنی مسجد میں قرآن نہ سنا کر آٹھ دس دن کا قرآن سنانے کے لئے دوسری جگہوں پر چلے جاتے ہیں، مدرسہ کا مفاد ان کے سامنے رہتا ہوگا اور یقیناً پیسہ وغیرہ بھی وہاں ملتے ہوں گے؛ بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ پیسوں ہی کی وجہ سے جاتے ہوں گے، اب آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) کیا کسی امام عالم دین کا اپنی امامت کی مسجد میں کسی طالب علم وغیرہ کو چھوڑ کر خود ادھر ادھر سنانے کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) پیسے کے لالچ میں قرآن سنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) عالم دین اور امام کو اللہ پر یقین نہ رکھ کر حصول مال کے لئے ادھر ادھر جانا اور رمضان جیسے مہینہ کی عبادت کو خراب کرنا کیسا ہے؟

(۴) جو امام عالم دین ہو اور مذکورہ حرکت کرے، اپنی مسجد میں تراویح نہ پڑھائے تو اس کو امام بنانا، یا کسی مدرسہ کا نائب مہتمم بنانا شرعاً جائز ہے؟

(۵) کیا ایسا شخص ضعیف الایمان ہے یا نہیں؟

(۶) ایسے امام کے پیچھے اگر نماز درست نہیں ہے تو پچھلی نمازوں کا کیا ہوگا؟ جو ہم کئی سال سے ان کے پیچھے پڑھتے چلے آرہے ہیں، کیا ان کا لوٹانا واجب ہے یا نہیں؟ اور ان نمازوں میں امام کے ساتھ مقتدی بھی گنہگار ہوئے یا نہیں؟

(۷) ایسے امام کو فوراً برطرف کردینا مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ لوگ آڑے آئیں، ایسے امام کی طرف داری کریں تو وہ بھی گنہگار رہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ بستی کر تپور، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عالم دین ہو یا حافظ ہو یا مفتی ہو یا مدرسہ کا ذمہ دار ہو، وہ رمضان میں اپنی جگہ کسی کو قائم مقام بنا کر دوسری جگہ جا کر کے قرآن سنادے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز اگر دوسری جگہ قرآن سنانے میں مدرسہ کا فائدہ ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور جو ممانعت ہے وہ یہی ہے کہ قرآن سنا کر ذاتی طور پر اجرت لی جائے، تو یہ ناجائز اور حرام ہے؛ لیکن اگر جس مسجد میں قرآن سنایا جائے وہاں کے لوگ مدرسہ میں چندہ دے دیں اور اس کی رسیدیں کاٹی جائیں، تو اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔ اور یہ قرآن سنانے کی اجرت بھی نہیں ہے، اس کے علاوہ باقی سوالات میں جتنی باتیں لکھی گئی ہیں وہ سب کی سب ذاتیات پر حملے ہیں، جن کے لئے شرعی ثبوت لازم ہے۔ اور سوال نامہ میں ایسا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا گیا ہے کہ امام صاحب قرآن سنا کر ذاتی طور پر اجرت لیتے ہوں اور اس کے لئے سفر کرتے ہوں۔

عن أنس –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم استخلف ابن أم مكتوم يؤم الناس وهو أعمى. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب إمامة الأعمى، النسخة الهندية ۱/ ۸۸، دارالسلام، رقم: ۵۹۵)

عن ابن جريج قال: أخبرني سعد بن إبراهيم، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا سافر استخلف ابن أم مكتوم على المدينة. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۲/ ۳۹۵، رقم: ۳۸۲۹)

وإذا علمت جواز الاستخلاف للخطبة والصلاة مطلقا بعذر وبغير عذر حال الحضرة والغيبة، وجواز الاستخلاف للصلاة دون الخطبة وعكسه، فاعلم أنه إذا استناب لمرض ونحوه، فالنائب يخطب ويصلي بهم، والأمر فيه ظاهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچی ۲/ ۱٤۰، زكريا ۳/ ۹)

عن عبدالله بن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده. (بخاري، كتاب الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، النسخة الهندية ۱/ ٦، رقم: ٦)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر.
(ترمذي، أبواب البر والصلة، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۹، دارالسلام، رقم: ۱۹۸۳)

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن رسول الله ﷺ قال: إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث ...... قال سفيان: الظن ظنان، فظن إثم، وظن ليس بإثم، فأما الظن الذي هو إثم، فالذي يظن ظنا، ويتكلم به، وأما الظن الذي ليس بإثم، فالذي يظن ولا يتكلم به. (ترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في ظن السوء، النسخة الهندية ۲/ ۱۹، دارالسلام، رقم: ۱۹۸۸)

عن أبي بكر الصديق -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله ﷺ: ملعون من ضار مؤمنا أو مكر به. (ترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في الخيانة والغش، النسخة الهندية ۲/ ۱۵، دارالسلام، رقم: ۱۹٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۹۱)

دوحافظوں کا مل کر تراویح پڑھانا

سوال [۳۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز تراویح میں دو حافظ مل کر قرآن پاک پورا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جیسے پہلے دس بیس پارے ایک پڑھ لے، باقی دوسرا حافظ، اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد، احمد گڑھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز تراویح میں دو حافظ دس دس رکعت کے حساب سے آدھا آدھا کر کے ایک پارہ، پون پون کر کے ڈیڑھ پارہ، ایک ایک کر کے دو پارہ جس طرح بھی مناسب ہو جائز اور درست ہے، جیسا کہ حرمین شریفین میں ہوتا ہے۔

فإن صلوها بإمامين، فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد على كمال الترويحة. (عالمگيرى، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ١/ ١١٦، جديد ١/ ١٧٦، الجوهرة النيرة، الصلاة، باب قيام شهر رمضان، دارالكتاب ديو بند، ص: ١١٨، إمداديه، ملتان ١/ ١١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

ایک ہی شخص کا دو جگہ نماز تراویح پڑھانا

سوال [۳۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی آدمی ایک ہی دن ایک جگہ تراویح کی پوری نماز پڑھنے یا پڑھانے کے بعد دوسری جگہ تراویح کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد العلیم، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک رات میں تراویح کی نماز مکمل پڑھنے کے بعد دوسری جگہ تراویح کی امامت کرنا جائز نہیں؛ اس لئے کہ ایک رات میں ایک ہی مرتبہ تراویح کی نماز پڑھنا مسنون ہے۔ اگر ایک مرتبہ تراویح پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھے گا تو وہ نفل ہوگی اور نفل نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے، نفل نماز تنہا پڑھنی چاہئے، ہاں البتہ ایک جگہ تراویح کی نماز پڑھنے کے بعد دوسری جگہ پہنچ جائے اس میں ایک آدھ رکعت میں شریک ہوجائے تو کوئی حرج نہیں، مکمل تراویح دوسری جگہ پڑھنا مکروہ ہے۔

إمام يصلي التراويح في مسجدين كل مسجد على وجه الكمال لا يجوز؛ لأنه لا يتكرر، ولو اقتدى بالإمام في التراويح وهو قد صلى مرة لا بأس به، ويكون هذا اقتداء التطوع بمن يصلي السنة، ولو صلوا التراويح، ثم أرادوا أن يصلوا ثانيا يصلون فرادى. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ٢/ ١٢٠، كوئٹه ٢/ ٦٨)

ولا يصلي إمام واحد التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال، ولا له فعل ولا يحتسب التالي من التراويح، وعلى القوم أن يعيدوا؛ لأن صلاة إمامهم نافلة، وصلاتهم سنة، والسنة أقوى فلم يصح الاقتداء؛ لأن السنة لا تتكرر في وقت واحد. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في التراويح- كراچی قديم ١/ ٢٨٩، زكريا ١/ ٦٤٧)

إمام يصلي التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال لا يجوز، كذا في محيط السرخسي، والفتوى على ذلک، كذا في المضمرات. (هندية، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ١/ ١١٦، جديد ١/ ١٧٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۷۰/۳۸)

دس دن میں ایک جگہ اور دس دن میں دوسری جگہ قرآن سنانا کیسا ہے؟

سوال [۳۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان میں ایک حافظ صاحب دوجگہ قرآن سناتے ہیں، دس دن میں ایک جگہ اور دس دن میں دوسری جگہ، تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو حافظ صاحب رمضان میں دومرتبہ قرآن کریم اس طرح سنائیں کہ دس دن میں ایک جگہ اور دس دن میں دوسری جگہ تو اس طرح دومرتبہ قرآن کریم سنانے اور ختم کرنے میں کوئی قباحت نہیں؛ بلکہ اس طرح قرآن کریم سنانے میں زیادہ ثواب ہے؛ کیوں کہ اس میں دوبار ختم ہوا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل، ص:۲۲، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۳۱۵، محمودیہ میرٹھ ۱۱/ ۴۲۲)

السنة في التراويح إنما هو الختم مرة، والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مرات أفضل. (هندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٧، جديد ١/ ١٧٧)

والجمهور على أن السنة الختم مرة فلا يترك لكسل القوم ...... ومرتين فضيلة، وثلاث مرات أفضل. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل، كوئٹه ٢/ ٦٨، مكتبه دارالكتاب ٢/ ١٢٠، البحر الرائق، زكريا ٢/ ١٢٠)

والختم مرة سنة، ومرتين فضيلة، وثلاثا أفضل. (درمختار مع الشامي، الصلاة، مبحث صلاة التراويح، زكريا ٢/ ٤٩٧، كراچی ٢/ ٤٧)

وفي الخانية: وينبغي للإمام وغيره إذا صلى التراويح وعاد إلى منزله وهو يقرأ القرآن أن يصلي عشرين ركعة يقرأ في كل ركعة عشر آيات إحرازا للفضيلة، وهي الختم مرتين، والزهاد وأهل الاجتهاد يختتمون في

كل عشر ليال. (تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، زكريا ٢/ ٣٢٤، رقم: ٢٥٥٣، خانيه على الهندية، فصل في مقدار القراءة في التراويح، زكريا ١/ ٢٣٨، جديد ١/ ١٤٧، حلبي كبير، التراويح، أشرفي ٤٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۳/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۱/۴۰)

بلوغ کی علامت کیا کیا ہیں؟ اور نابالغ کی تراویح کی امامت کا حکم

سوال [۳۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) لڑکے کے بالغ ہونے کے لئے کون کون سی علامت ہیں؟ (۲) امامت کرنے کے لئے بلوغیت کی سبھی علامتیں لازمی ہیں؟ (۳) اگر کوئی لڑکا حافظ قرآن ہے، بلوغیت کی شرطیں اس میں نہیں پائی جاتیں، تو اس کے پیچھے نماز تراویح درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوالہاشم، پورنیہ، بہار

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے کے بالغ ہونے کی شرائط میں سے اہم شرط یہ ہے کہ اس سے احتلام ہوجائے، یا اس کے جماع کرنے کی وجہ سے بیوی حاملہ ہوجائے؟ اگر اس طرح علامت ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال مکمل ہونے پر بالغ ہونے کا حکم ثابت ہوجاتا ہے۔

وبلوغ الغلام بالاحتلام، والإحبال، والإنزال –إلى قوله– فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة. (درمختار، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، زكريا ٩/ ٢٢٦، كراچی ٦/ ١٥٣)

نابالغ کی امامت تراویح میں بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۲۵۲)

عن ابن عباسؓ قال: نهانا أمير المؤمنين عمر أن تؤم الناس في المصحف، ونهانا أن يؤمنا إلا المحتلم. (جامع الأحاديث للسيوطي ٢٨/ ٤٩٢،

رقم: ٣١٥٥٩، كنز العمال، فضل في آداب الأيام قديم ٤/ ٢٤٦، جديد رقم: ٢٢٨٣٥)

ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وصبي مطلقا ولو في جنازة، وتحته: أنه لا يجوز في الصلوات كلها. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب لواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبي وحده؟ كراچی ١/ ٥٧٧، ٥٧٨، زكريا ٢/ ٣٢١، ٣٢٢، هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، زكريا قديم ١/ ٨٥، جديد ١/ ١٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

تراویح میں نابالغ کی امامت

سوال [۳۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بچہ جس کے ابھی بلوغیت کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے اور نہ ہی اس کی عمر پندرہ سال کی ہے، تو کیا از روئے شرع اس کو تراویح میں امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس مسئلہ کے بارے میں کوئی اختلاف ہو تو وہ بھی مدلل اور مفصل تحریر فرمائیں اور قول راجح کی بھی وضاحت فرمائیں نوازش ہوگی؟ مفتی عامر صاحب اور مفتی امین صاحب نے علی گڑھ میں جائز کہا ہے جو ساتھ میں منسلک ہے۔

المستفتی: عبداللہ غفرلہ سرائے رحمان علی گڑھ

الجواب: امامت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ نیز امامت کے لئے عمر کی بھی کوئی قید ہے یا نہیں؟ اس مسئلے کی وضاحت کے لئے میں نے درج ذیل احادیث تحریر کی ہیں، اگر ان حدیثوں کا بغور مطالعہ کیا گیا تو مسئلے آسانی سے ہر مسلمان بھائی کی سمجھ میں آجائیں گے۔ انشاء اللہ۔

(۱) پہلی حدیث حضرت ابومسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی

امامت وہ شخص کرائے جو سب سے زیادہ اچھا قرآن مجید کا پڑھنے والا (یعنی سمجھنے والا) ہو، اگر پڑھنے میں برابر ہوں تو سنت سب سے زیادہ جاننے والا امامت کرائے گا، اگر سنت میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرائے گا جو سب سے پہلے ہجرت کر کے آیا ہو، اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو سب سے زیادہ عمر والا امامت کرائے گا۔(مسلم شریف)

(۲) دوسری حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تم میں سے اچھا ہو وہ اذان دے اور جو سب سے زیادہ پڑھا ہوا ہو وہ امام بنے۔ (ابوداؤد شریف)

(۳) تیسری حدیث: حضرت عمرو بن سلمہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مقتدیوں میں سے کوئی قرآن مجید پڑھا ہوا نہیں تھا، چنانچہ لوگوں نے مجھے آگے بڑھادیا، حالانکہ اس وقت میری چھ یا سات برس کی عمر تھی۔

(۴) چوتھی حدیث: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے بچے سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہوجائیں تو ان کو مار مار کر نماز پڑھاؤ اور ان کے بستر الگ کردو۔(ابوداؤد)

مذکورہ حدیثوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ امامت کا وہی شخص زیادہ مستحق ہے، جو قرآن مجید کو اچھی طرح پڑھنا جانتا ہو، نیز نماز کے تمام مسائل سے واقف ہو اگرچہ عمر میں چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اور یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ دس سال کا بچہ بچہ نہیں رہتا؛ بلکہ وہ بالغ ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بستر الگ کرنے کا حکم دیا۔ واللہ اعلم بالصواب

ذاکر حسین امام موتی مسجد پھول چوراہا، علی گڑھ

جواب بعون اللہ الوہاب ومنہ الصدق والصواب: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ علماء، مشائخ شہر بلخ الدولہ وشام کے نزدیک جائز ومعمول بہ ہے۔ اور علمائے ماوراء النہر کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور مضمرات میں فتویٰ جواز پر ہی دیا ہے، یعنی روا اور درست ہے۔

اختلف أصحابه في النفل فجوزه مشايخ بلخ وعليه العمل عندهم، وبمصر والشام ومنعه غيرهم وعليه العمل بما وراء النهر ما في المرقاة شرح مشكوة لملا علي القاري.

اور ”صحیح بخاری“ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک جگہ چھ سات برس کا لڑکا فرضوں کی جماعت کراتا تھا امام بن کر، جس کا نام عمرو بن سلمہ تھا۔ اور اس کے پیچھے پڑھنے والے سب صحابہ تھے۔ ”نیل الاوطار“ میں ہے:

الذين قدموا عمرو بن سلمة كانوا كلهم صحابة قال ابن حزم: ولا نعلم مخالفا.

یعنی جن لوگوں نے عمرو بن سلمہ کو امام بنایا تھا وہ سب کے سب صحابہ تھے۔ ابن حزم نے کہا کہ ان صحابہ کا کوئی مخالف نہیں معلوم ہوتا۔ ”ابوداؤد، احمد“ کی روایت میں اس لڑکے کا یہ بیان ہے کہ: ”فما شهدت مجمعا من جرم إلا كنت إمامهم“ یعنی قبیلہ جرم کے جس مجمع میں میں حاضر ہوتا تھا میں ہی اس مجمع کا امام ہوتا تھا۔ عمرو بن سلمہ کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض نمازوں میں چھ، سات برس کے لڑکے کی امامت جائز و درست ہے اور یہی مذہب ہے حسن بصری اور امام شافعی اور اسحاق کا۔ اور جب فرض نمازوں میں اس کی امامت اور اس کے پیچھے نماز کا پڑھنا درست ہے تو تراویح میں اس کی امامت بدرجہ اولیٰ درست ہوگی۔ اور امام احمد اور امام ابوحنیفہ کی دو روایتیں آئی ہیں۔ اور مشہور روایت ان دونوں اماموں سے یہ ہے کہ نوافل میں نابالغ لڑکے کی امامت درست ہے۔ اور فرائض میں نادرست۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ ”فتح الباری“ میں لکھتے ہیں:

وإلى صحة إمامة الصبي ذهب أيضا الحسن البصري، والشافعي، واسحاق، وكرهها مالك والثوري، وعن أبي حنيفة وأحمد روايتان، والمشهور عنهما على الإجزاء في النوافل دون الفرائض. فقط

محمد امین اشرفی محلّہ شیخانی، علیگڑھ

۱۸/دسمبر ۱۹۹۸ء

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں علماء بلخ وخراسان مصروشام کے نزدیک جائزاور معمول بہ ہے۔

وعلى قول أئمة بلخ يصلح الاقتداء بالصبيان في التراويح والسنن المطلقة. (فتاوی قاضی خان ۱/ ۱۰۹)

یعنی ائمہ بلخ کے نزدیک تراویح اور سنن مطلقہ میں بچے کی اقتداء کرنا صحیح ہے۔

جوزها أكثر علماء خراسان، وفي الفتاوى عن نصير بن يحيى قال: لا بأس بأن يؤم الصبي في شهر رمضان إذا بلغ عشر سنين، يعنى في التراويح، وعن محمد بن مقاتل أنه قال: يجوز في التراويح خاصة، وكان الحسن بن علي رضي الله عنهما يؤم عائشة رضي اللهعنها في التراويح؛ فإنه صبي وكان القاضي الإمام أبو على النسفي يفتي بالجواز. (تاتارخانية ۱/ ٦٦٨)

یعنی دس سال کا بچہ رمضان المبارک کے موقع پر تراویح میں امامت کرسکتا ہے۔صورت مسئولہ میں بچے کی عمربارہ سال ہے، نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک صحابی چھ سات سال کی عمرمیں فرائض کی امامت کیا کرتے تھےاوران کی اقتداءکرنے والےسب صحابہ تھے،احناف میں علماء بلخ وخراسان کے علاوہ امام محمد کے نزدیک بھی نوافل میں بچے کی امامت درست ہے۔امام ابوحنیفہ کی بھی اس کے متعلق ایک روایت ہے۔فقہاء کی اصطلاح میں تمام سنتوں کا شمارنوافل میں ہوتاہے،جیسا کہ ’’درمختار‘‘میں ہے:’’**كل سنة نافلة ولا عكس** ص: ۹۰، وامامت غیر بالغ بمذہب ابوحنیفہ و مالک درفرائض روانیست ولکن درنوافل رواست وبمذہب شافعی درفرائض ہم رواست‘‘

یعنی نوافل میں امام ابوحنیفہ و مالک – رحمہما اللہ – کے نزدیک بچے کی امامت درست ہے۔اور امام شافعی کے نزدیک فرائض میں بھی درست ہے،یہی مذہب حسن بصری،اسحاق بن راہویہ اورامام احمدکا ہے۔(مناح العباد الی المعاد محمد بن احمد سعید الدین فرغانی)

وسئل نصير بن يحيى عن إمامة الصبي في التراويح، فقال: يجوز إذا

كـان ابـن عشـر سـنيـن، وعن محمد بن مقاتل أن إمامة الصبي في التراويح تـجـوز؛ لأن الـحسـن رضي الله عنه يؤم عائشة رضي الله عنها في التراويح، وكـان صبيـا، كـذا فـي الـفتـاوى، وفـي الهـداية: إمامة الصبي في التراويح والسنن المطلقة جوزها مشايخ بلخ. (الجوهر النيرة/ ۱۲۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت امام حسن کے پیچھے تراویح پڑھا کرتی تھیں؛ حالاں کہ آپ بچے تھے، حضرت عمرو بن سلمہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول، علماء خراسان و بلخ ومصر وشام کے فتاوی کے بعد تراویح میں نابالغ بارہ سال کے حافظ کے پیچھے نماز تراویح درست ہے۔ اور مذکورہ ممالک میں آج بھی معمول ہے، عدم جواز کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ واللہ اعلم

عامر ۱۹؍ دسمبر ۱۹۹۸ء سرائے رحمان علی گڑھی

منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فرائض میں نابالغ کی امامت بالاتفاق جائز نہیں اور تراویح وغیرہ نوافل میں فقہاء کرام کے دو قول ہیں: ایک قول ضعیف اور مرجوح ہے اور دوسرا قول قوی اور راجح اور مفتی بہ ہے۔ اور قول ضعیف نابالغ کی امامت تراویح وغیرہ میں جواز کا ہے جو مشائخ بلخ اور خراسان وغیرہ سے مروی ہے۔ اور ان کی دلیل بھی کمزور ہے، جس کو مفتی محمد عامر صاحب سرائے رحمان علی گڑھی اور مفتی محمد امین صاحب اثری محلّہ شیخان علی گڑھ نے اپنے اپنے جوابات میں نقل فرمایا ہے۔ اور قول راجح اور مفتی بہ یہی ہے کہ نابالغ کی امامت تراویح اور سنن ونوافل میں بھی جائز نہیں ہے، بالغ لوگوں کی نماز اس کے پیچھے فاسد ہو جاتی ہے۔ اور جناب مفتی محمد عامر صاحب ومفتی محمد امین صاحب نے جہاں جہاں سے جواز کے لئے قول ضعیف نقل فرمایا ہے، وہاں پر صحیح اور مفتی بھی اقوال بھی موجود ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ ولم يجوزه مشايخنا، ومنهم من حقق الخلاف في النفل المطلق بين أبي يوسف وبين محمد، والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها؛ لأن نفل الصبى دون نفل البالغ حيث لا يلزمه القضاء لإفساد بالإجماع، ولا يبنى القوى على الضعيف. (هدايه، كتاب الصلاة، باب الإمامة، أشرفي ۱/ ۱۲٤)

''تاتارخانیہ''میں جواز کے ضعیف اقوال نقل کرنے کے بعد راجح اور مفتی بہ اقوال ان الفاظ سے نقل فرمائے ہیں:

كان الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي يفتى بعدم الجواز، وفي الخانية: هو الصحيح، وكان يقول: الإمام ضامن، والصبي لا يصلح للضمان. وفى المنتقى: لو أن قوما صلوا خلف الصبي لاتجوز صلاتهم. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح زكريا ۲/ ۳۳۵، رقم: ۲٥۸٦، كوئٹه ۱/ ٦٦۸، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح والتر،المجلس العلمي جديد ۲/ ۲٦۳، رقم: ۱۷۱٤)

اورصاحب بحر نے ان الفاظ سے نقل فرمائے ہیں:

وأطلق فساد الاقتداء بالصبي، فشمل الفرض والنفل وهو المختار كما في الهداية، وهو قول العامة كما في المحيط، وهو ظاهر الرواية، كما ذكره الاسبيجابي وغيره؛ لأن نفل البالغ مضمون حتى يجب القضاء إذا أفسده، ونفل الصبي ليس بمضمون حتى لا يجب القضاء عليه بالإفساد، فيكون نفل الصبي دون نفل البالغ، فلا يجوز أن يبنى القوي على الضعيف. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة كوئٹه ۱/ ۳٥۹، زكريا ۱/ ٦۲۸)

اورصاحب بدائع کی صراحت ملاحظہ فرمایئے:

أما في التطوعات فقد روى عن محمد بن مقاتل الرازي أنه أجاز

ذلک في التراويح، والأصح أن ذلک لا يجوز عندنا لا في الفريضة ولا في التطوع؛ لأن تحريمة الصبي انعقدت لنفل غير مضمون عليه بالإفساد، ونفل المقتدي البالغ مضمون عليه بالإفساد، فلا يصح البناء. (بدائع الصنائع، الصلاة، بيان شرائط الإقتداء، کراچی قدیم ۱/ ۱۴۳، ۱۴۴، زکریا ۱/ ۳۵۹)

اوراسی طرح کی عبارتیں (قاضی خان علی هامش الهندية، فصل فيمن يصح الإقتداء به ومن لا يصح، زكريا ۱/ ۹۱، زكريا جديد ۱/ ۵۷، هندية، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، زكريا قديم ۱/ ۸۵، جديد ۱/ ۱۴۳، شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۲/ ۳۲۲، کراچی ۱/ ۵۷۸، حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ۱/ ۲۴۹، حاشية چلپي، كتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث في الصلاة، إمداديه ملتان ۱/ ۱۴۰، زكريا ۱/ ۳۵۸، ۳۵۹، الجوهرة النيرة، باب صفة الصلاة، إمداديه ملتان ۱/ ۷۱، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۷۲، البناية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، اشرفیه دیوبند ۲/ ۳۴۴، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالفكر مصري، قديم ۱/ ۳۵۸، كوئٹه ۱/ ۳۰۹، زكريا ۱/ ۳۶۸) **میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔**

لہٰذا نابالغ کی امامت تراویح میں بھی ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور مذکورہ دونوں مفتیان نے حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی امامت کو جو دلیل میں پیش فرمایا ہے، اس کی حقیقت بھی دیکھ لیجئے، انہوں نے علامہ شوکانی کی ''نیل الاوطار'' کا حوالہ دیا ہے؛ حالانکہ شوکانی نے خود ان الفاظ سے مسترد کردیا ہے۔

وأما القدح في الحديث بأن فيه كشف العورة في الصلاة، وهو لا يجوز. (نية الأوطار للشوكانی ۲/ ۴۴)

ابن حزم ظاہری نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے ان لوگوں پر سختی سے رد فرمایا ہے، جنہوں نے نوافل اور تراویح میں نابالغ کی امامت کو جائز کہا ہے۔ اور انہوں نے صاف

لفظوں میں فرائض ونوافل دونوں میں نابالغ کی امامت کو ناجائز لکھا ہے۔

ولا تجوز إمامة من لم يبلغ الحلم لا في الفريضة ولا نافلة، ولا إذنه (وقوله) وأما الفرق بين إمامة من لم يبلغ في الفريضة، وبين إمامته في النافلة فكلام لا وجه له أصلا؛ لأنه دعوى بلا برهان. (المحلی لابن حزم ۳/ ۱۳۴-۱۳۵)

اورحضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اپنی جگہ صحیح ہے اور صحیح روایات سے ثابت بھی ہے؛ لیکن ان کو ان کی قوم نے اقرء ہونے کی وجہ سے اپنے اجتہاد سے امام بنایا تھا اور نابالغ ہونے کا خیال نہیں رہا، نیز جب وہ نماز پڑھاتے تھے تو ان کی سرین تک پورا ستر کھل جایا کرتا تھا؛ حالانکہ کشف عورۃ کے ساتھ نماز کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے، وہ خود فرماتے ہیں:

وعلي بردة لي صغيرة صفراء، فكنت إذا سجدت تكشفت عني، فقالت امرأة من النساء: واروا عنا عورة قارئكم، فاشتروا لي قميصا عمانيًّا.

(أبوداؤد، الصلاة، باب من أح بالإمامة، النسخة الهندية ۱/ ۸۶، دارالسلام، رقم: ۵۸۵، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۷/ ۴۹، رقم: ۶۳۵)

اس حدیث کا جواب تمام علماء امت نے یہ دیا ہے کہ ان کی قوم نے اپنے اجتہاد سے ان کو امام بنایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر نہیں ہوئی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے جواز کی بات مروی ہے؛ بلکہ یہ صرف ان کی قوم کا اجتہاد اور ان کا ذاتی عمل ہے اور اس کے مقابلہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے عدم جواز کی روایات مروی ہیں؛ اس لئے ان کے عمل کو کسی طرح مستدل نہیں بنایا جاسکتا۔

فعلوا ذلک باجتهادهم ولم يطلع النبي صلى الله عليه وسلم على ذلک (قوله) والعجب أنهم لم يجعلوا قول أبي بكر الصديق، وعمر الفاروق، وكبار الصحابة وأفعالهم حجة، واستدلوا بفعل صبي ست سنين، ولا يعرف فرائض الوضوء والصلاة، فكيف يتقدم في الإمامة، ومنعه أحوط

في الدين، وعن ابن عباس : لا يؤم الغلام حتى يحتلم، وعن ابن مسعود : لا يؤم الغلام الذي لا تجب عليه الحدود (وقوله) **فإن الحديث صريح بأن رسول الله صلى الله عليه وسلم: وليؤمكم أكثركم قرآنا، أو أقرأكم، فاجتهدوا وفهموا الخطاب عاما، فهذا ظهر أن جعلهم عمرو بن سلمة إماما كان باجتهاد منهم، ولم يصرح رسول الله صلى الله عليه وسلم بإمامته، حتى يكون نصا ومع هذا، فهذا منع لاستدلال المستدلين.** (بذل المجهود، الصلاة، باب من أحق بالإمامة، مطبع سهارن پور ۱/ ۳۲۷، دارالبشائر الإسلامية، جديد ۳/ ٤٥٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۱۰/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۰/۱۴۱۹ھ

ساڑھے تیرہ سالہ عمر کے لڑکا کا تراویح میں قرآن سنانا

سوال [۳۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حافظ قرآن جن کی عمر ساڑھے تیرہ سال یعنی قریب البلوغ ہیں، کیا وہ حافظ قرآن صرف تراویح کے لئے امام بن کر تراویح کی نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایسا حافظ قرآن عورتوں کا امام بن کر تراویح پڑھا سکتا ہے؟

المستفتی: حافظ عبدالرحیم، کیا تلہ تھانہ باروئی پور، ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں جس حافظ قرآن کا ذکر کیا گیا ہے، اگر اس کی داڑھی مونچھ وغیرہ نہیں نکلی ہے، بلوغیت کے آثار نمایاں طور پر ظاہر نہیں ہوئے ہیں اور اس کی عمر ساڑھے تیرہ سال ہے، تو وہ نابالغ ہے، اس کی امامت صرف تراویح کے لئے بھی جائز

نہیں ہے، بالغ لوگوں کی نماز تراویح اس کے پیچھے درست نہ ہوگی، ایسے ہی بالغ عورتوں کی نماز تراویح بھی اس کے پیچھے درست نہیں ہے۔

ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وصبي مطلقا، قال الشامي: وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ، ولم يجوزه مشايخنا، والمختار أنه لا يجوز فى الصلوات كلها. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبي وحده؟ كراچی ۱/ ۵۷۹، زکریا ۲/ ۳۲۱)

لا يجوز أن يؤم البالغين في التراويح أيضا، وهو المختار. (حلبی كبير، كتاب الصلاة، تراويح، أشرفيه ديوبند، ص: ۴۰۸)

وفي التراويح والسنن المطلقة جوزه مشايخ بلخ، ولم يجوزه مشايخنا، ومنهم من حقق الخلاف في النفل المطلق بين أبي يوسف و بين محمد، والمختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها؛ لأن نفل الصبي دون نفل البالغ حيث لا يلزمه القضاء بالإفساد بالإجماع، ولا يبنى القوي على الضعيف. (هداية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، أشرفي ديوبند ۱/ ۱۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰؍۷؍۱۴۳۳ھ

۱۴؍سال ۸؍ماہ کا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۳۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حافظ صاحب کی تاریخ پیدائش ۳۱؍جنوری ۱۹۹۱ء ہے، اس تاریخ کے اعتبار سے رمضان تک عمر ۱۴؍سال ۸؍مہینہ ہوئی، کیا حافظ صاحب اتنی عمر میں قرآن کریم تراویح میں سنا سکتے ہیں یا نہیں؟ نوٹ: ظاہری طور پر کوئی علامت بلوغ میں سے ظہور میں نہیں آئی ہے، اور ماشاء اللہ صحت اچھی ہے۔

المستفتی: احقر علی احمد گمن پورہ، تحصیل سوار، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکے میں بلوغیت کی صریح علامات ظاہر نہ ہوں، تو بلوغیت کا حکم لگانے کے لئے پندرہ سال کی عمر پوری ہونا لازم ہے۔ اور سوال نامہ میں جس حافظ کا ذکر ہے، اس کی عمر ابھی پندرہ سال پوری نہیں ہوئی ہے اور بلوغیت کی علامات بھی صراحت سے ظاہر نہیں ہوئی ہیں؛ اس لئے تراویح میں یا عام نمازوں میں اس کی امامت بالغوں کے لئے درست نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. الحديث (صحيح البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ١/ ٣٦٦، رقم: ٢٥٩٠، ف: ٢٦٦٤)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال (وقوله) وقالا: إذا تم للغلام والجارية خمس عشرة سنة فقد بلغا. (هداية، كتاب الحجر، باب الحجر للفساد، فصل في حد البلوغ، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٥٧)

وإمامة الصبي المراهق (وقوله) المختار أنه لا يجوز في الصلاة كلها. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، زكريا قديم ١/ ٨٥، جديد ١/ ١٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شعبان ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۲۹)

پندرہ سال سے کم عمر والے حافظ کی تراویح کا مسئلہ

سوال [۳۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک لڑکا جس کی عمر قمری اعتبار سے پندرہ سال میں دو ماہ باقی ہیں اور موئے زیر ناف اگ آئے ہیں، ایسی حالت میں اس لڑکے کو رمضان المبارک میں تراویح کا امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بالغ ہونے کی جو علامت پائی جاتی ہے احتلام کا ہونا وہ بھی پائی نہیں جاتی۔

المستفتی: محمد سلیم الدین، امام جامع مسجد سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں پندرہ سال سے کم عمر کے اس بچہ کو امام بنانا جائز نہیں، محض موئے زیر ناف بلوغیت کی علامت قرار نہیں دی جاسکتی ہے؛ اس لئے کسی بالغ کو تراویح کا امام بنائیں؛ البتہ سامع بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۴۷)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال، والإنزال، فإن لم يوجد فيهما فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (درمختار) ومفاده: أنه لا اعتبار لنبات العانة، وكذا شعر الساق والإبط والشارب. (شامي، كتاب الحجر، فصل في بلوغ الغلام بالاحتلام كراچی ٦/ ١٥٣، زكريا ٩/ ٢٢٦)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال إذا وطي، فإن لم يوجد ذلک فحتى يتم له ثماني عشرة سنة عند أبی حنيفة...... وقالا: إذا تم للغلام والجارية خمس عشرة سنة فقد بلغا، وهو رواية عن أبی حنيفة ...... وقيل: فيه اختلاف الرواية، أما العلامة فلأن البلوغ بالإنزال حقيقة والحبل والإحبال لا يكون إلا مع الإنزال. (هداية، كتاب الحجر، باب الحجر للفساد، فصل في حد البلوغ، أشرفي ديوبند ٣/ ٣٥٧، ٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۵۶)

پندرہ سالہ بے ریش لڑکے کے پیچھے تراویح

سوال [۳۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایسا لڑکا جس کی عمر پندرہ سال ہوچکی ہے، دیکھنے میں پندرہ سال سے کم عمر کا معلوم ہوتا ہے، داڑھی بھی نہیں نکلی ہے، اس کے پیچھے تراویح ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللطیف طویلہ اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس لڑکے کی عمر پندرہ سال مکمل ہوچکی ہے، اس کے پیچھے تراویح کی نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۳۶۰، فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۴۷)

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. الحديث (صحيح البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ۱/ ۳٦٦، رقم: ۲٥۹۰، ف: ۲٦٦٤)

فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى. (شامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، زكريا ۹/ ۲۲٦، كراچى ٦/ ۱٥۳)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية، إذا انتهيا خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد والشافعي، وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في بيان أنواع الحجر، زكريا ۱٦/ ۲۸۰، رقم: ۲٤۹۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۷/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۱۵ھ

بے ریش پندرہ سالہ حافظ کی تراویح

سوال [۳۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا بیٹا مسعود جمال جس کی پیدائش انگریزی تاریخ کے مطابق 20/12/88 ہے، چاند کی بالکل صحیح تاریخ معلوم نہیں، یہ صحیح معلوم ہے کہ رجب کا مہینہ تھا، الحمدللہ اس چھوٹی سی عمر میں ہی اللہ تعالیٰ نے حافظ قرآن بنا دیا ہے، لوگوں میں یہ مانا جاتا ہے کہ ایک حافظ کی داڑھی ہونا ضروری ہے، یہ بھی سنا گیا ہے کہ ۱۵ر سال سے پہلے محراب نہیں سنا سکتے، جہاں تک سوال داڑھی کا ہے، رواں بھی نہیں ہے، استرا تک نہیں لگا ہے، قدرتی طور پر صرف اس کی مسیں بھیگی ہیں، جتنی آج تک اس کی عمر ہوئی ہے، پیدائش کی تاریخ اوپر درج ہے، یہ بتانے کی زحمت فرمائیں کہ شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا پندرہ سال کا ہونا ضروری ہے؟ کیا بچے کے لئے داڑھی کا ہونا ضروری ہے؟ جب کہ قدرتی طور پر رواں بھی نہیں ہے، عزیزوں کی خواہش یہ ہے کہ بچہ اسی سال محراب سنائے۔

المستفتی: آفاق جمال دولت باغ، گلی نمبر۹، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پندرہ سال سے کم عمر کا لڑکا جب کہ اس کی داڑھی وغیرہ بھی نہ نکلی ہوں، اس کی امامت تراویح میں جائز نہیں ہے۔ اور اگر پندرہ سال پورے ہوجائیں تو شرعی طور پر بالغ ہے، چاہے داڑھی نہ نکلی ہو اور تراویح میں اس کی امامت شرعاً جائز ہے۔

عن ابن عمر قال: عرضني رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يوم أحد في القتال، وأنا ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو يومئذ خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد

بين الصغير والكبير. الحديث (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب سن البلوغ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۸٦۸)

ولا يصح إقتداء البالغ غير البالغ في الفرض وغيره، وهو الصحيح. (غنية المستملي، كبيري، الصلاة، من لا يصح الإقتداء أشرفي/ ٥١٦)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية، إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد، وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوى. (هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، زكريا قديم ٥/ ٦١، جديد ٥/ ٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۹٦/۳٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۴ھ

قمری اعتبار سے پندرہ سالہ حافظ کی تراویح

سوال [۳۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکے کی عمر قمری اعتبار سے ۱۵؍سال ہوچکی ہے، شمسی اعتبار سے نہیں ہوئی، تو یہ لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں قمری سال کا اعتبار ہے۔ اور شریعت میں پندرہ سال کا لڑکا بالغ ہی سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے مذکورہ لڑکا شریعت کی رو سے چونکہ بالغ ہوچکا ہے؛ اس لئے وہ تراویح پڑھا سکتا ہے۔

عن ابن عمر قال: عرضني رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد في القتال، وأنا ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق

وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو يومئذ خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. الحديث (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب سن البلوغ، النسخة الهندية ٢/ ١٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٨٦٨)

فإن لم يوجد فيهما شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى. (شامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، زكريا ٩/ ٢٢٦، كراچی ٦/ ١٥٣)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية، إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد، وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوى. (هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، زكريا قديم ٥/ ٦١، جديد ٥/ ٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶ رشعبان ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۱/۹۷)	۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

پندرہ سالہ حافظ کی تراویح

سوال [۳۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکا حافظ ہے، اسلامی چاند کے حساب سے اس کی عمر پندرہ سال ہو رہی ہے، وہ رمضان شریف میں تراویح باجماعت میں قرآن پاک سنا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: اکبر حسین خادم مدرسہ ترغیب العلوم، سرجن نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں قمری سال کا ہی اعتبار ہے؛ لہٰذا قمری سال کے اعتبار سے جب پندرہ سال عمر ہو جائے تو شریعت میں اسے بالغ تسلیم کیا جاتا ہے؛ لہٰذا

اس کا تراویح میں امام بن کر قرآن کریم سنانا جائز اور درست ہے۔ اور بالغ لوگوں کا اس کے پیچھے مقتدی بن کر اقتداء کرنا صحیح ہے۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير، وكتب إلى عماله أن يفرضوا لمن بلغ خمس عشرة. (صحيح البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ١/ ٣٦٦، رقم: ٢٥٩٠، ف: ٢٦٦٤، صحيح مسلم، باب الإمارة، باب سن البلوغ، النسخة الهندية ٢/ ١٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٨٦٨)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال (إلى قوله) والإنزال، فإن لم يوجد فيهما أي في الغلام والجارية شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (درمختار مع الشامي، كتاب الحجر، فصل في بلوغ الغلام بالاحتلام، كراچی ٦/ ١٥٣، زكريا ٩/ ٢٢٦)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية، إذا انتهيا خمس عشرة سنة عند ابي يوسف ومحمد والشافعي، وهو رواية عن أبي حنيفة، وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في بيان أنواع الحجر، زكريا ١٦/ ٢٨٠، رقم: ٢٤٩١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

پندرہ سالہ لڑکے کی تراویح

سوال [۳۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: عزیزم حافظ سید محمد سالم سلمہ عارفی جن کی تاریخ پیدائش ۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ مطابق ۶/ مارچ ۱۹۸۶ء ہے، یہ امسال رمضان المبارک کو تراویح میں قرآن پاک سنا سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: سید محمد سرور عارفی، مسجد مولویان، چاندپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکے کے اندر بلوغیت کی کوئی علامت نہ پائی جائے اور پندرہ سال مکمل ہوجائیں، تو وہ شرعاً بالغوں میں شمار کیا جاتا ہے، ایسا لڑکا اگر حافظ ہے، تو تراویح میں قرآن بھی سنا سکتا ہے اور عام حالات میں بالغوں کی امامت بھی کرسکتا ہے۔ اور مذکورہ لڑکے کی تاریخ پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ کو اس کی عمر پندرہ سال پوری ہوجائے گی؛ لہٰذا اس کے بعد سے وہ ہر نماز میں بالغوں کی امامت کرسکتا ہے۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. (صحيح البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ۱/ ۳٦٦، رقم: ۲٥۹۰، ف: ۲٦٦٤)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية، إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ، وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، وعليه الفتوى. (هندية، كتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، زكريا قديم ٥/ ٦١، جديد ٥/ ۷۳)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والجارية بالاحتلام، والحيض، والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (درمختار مع الشامي، كتاب الحجر، فصل في بلوغ الغلام

بالاحتلام، کراچی ٦/ ١٥٣، زکریا ٩/ ٢٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۹۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۱۹ھ

کیا پندرہ سال کا لڑکا تراویح پڑھا سکتا ہے؟

سوال [۳۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً ۱۵؍سال ہو چکی ہے، یعنی ۱۷؍جولائی ۱۹۸۹ء کی پیدائش ہے، وہ لڑکا حافظ قرآن ہے، کیا وہ مسجد میں تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ صحت نہ ہونے کی وجہ سے کم عمر معلوم ہوتی ہے۔

المستفتی: محمد موسیٰ مدرسہ ازہر العلوم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے مطابق اگر مذکورہ لڑکے کی عمر پندرہ سال ہوگئی ہے، تو وہ شرعی طور پر بالغ ہو چکا ہے؛ لہٰذا وہ نماز تراویح پڑھا سکتا ہے، گرچہ صحت کی کمزوری کی وجہ سے کم عمر کیوں نہ معلوم ہو۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. (صحيح البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ١/ ٣٦٦، رقم: ٢٥٩٠، ف: ٢٦٦٤)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية، إذا انتهيا خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد والشافعي، وهو رواية عن أبي حنيفة –رحمه

اللّٰہ تعالیٰ– وعلیه الفتوی. (الفتاوی التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في أنواع الحجر، زكريا ١٦/ ٢٨٠، رقم: ٢٤٩١١)

فإن لم يوجد فيهما شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي.
(درمختار مع الشامي، كتاب الحجر، فصل في بلوغ الغلام بالاحتلام، كراچی ٦/ ١٥٣، زكريا ٩/ ٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۷/۱۴۲۵ھ

بلا ریش ساڑھے سولہ سالہ حافظ کی تراویح

سوال [۳۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عزیزم شمشاد جس کی تاریخ پیدائش مارچ ۱۹۹۶ء ہے، عمر تقریباً ساڑھے سولہ سال ہو رہی ہے، ماشاء اللہ حافظ ہے، عزیزم کے داڑھی نہیں نکلی ہے، تو کیا عزیزم کے پیچھے نماز تراویح پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمشاد عرفان بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بچہ مارچ ۱۹۹۶ء میں پیدا ہوا ہے، جولائی ۲۰۱۲ء میں اس کی عمر کا سترا واں سال چل رہا ہے، لہٰذا اگرچہ داڑھی مونچھ وغیرہ نہ نکلی ہو، تب بھی اس عمر کا بچہ شرعاً بالغ شمار ہوتا ہے، اس کی امامت بلا شبہ جائز ہے اور اس کے پیچھے بالغ لوگوں کی اقتداء تراویح کی نماز میں بلا شبہ جائز ہے۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني،

قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. (صحيح البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ١/ ٣٦٦، رقم: ٢٥٩٠، ف: ٢٦٦٤)

إذا تم للغلام والجارية خمس عشرة سنة، فقد بلغا. (هداية، كتاب الحجر، باب الحجر للفساد، فصل في حد البلوغ، اشرفی دیوبند ٣/ ٣٥٨)

والبلوغ بالسن عند عدم وجود علامة من علامات البلوغ قبل ذلک يكون بتمام خمس عشرة سنة قمرية للذكر والأنثى. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٨/ ١٩١-١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۸۴)

سولہ سال کے لڑکے کے پیچھے نماز تراویح

سوال [۳۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا سولہ سال کا لڑکا مسئلہ کے اعتبار سے بالغ ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے تراویح نماز درست ہوجائے گی یا نہیں؟ تشفی بخش جواب سے سرفراز فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: شمشاد حسین نواب پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر علامات بلوغ میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی ہو تو پندرہ سال مکمل ہونے پر بالغ قرار دیا جائے گا؛ لہٰذا وہ لڑکا تراویح میں امامت کے قابل ہوگا۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۲/۶۴)

عن ابن عمر قال: عرضني رسول الله ﷺ يوم أحد في القتال وأنا

ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، وعرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو يومئذ خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير.

(صحيح مسلم، كتاب الإمامة، باب سن البلوغ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۱، بيت الأفكار، رقم: ۱۸۶۸)

وسن البلوغ على المفتى به خمس عشرة سنة في الغلام والجارية.

(شامي، كتاب الطهارة، مطلب في رطوبة الفرج، كراچی ۱/ ۱۶۸، زكريا ۱/ ۳۰۸)

ولمن بلغ بالسن، وهو خمس عشرة سنة على المفتى به في الغلام والجارية. (حاشية الطحطاوى، كتاب الطهارة، دارالكتاب ديوبند جديد/ ۱۰۸) **فقط**
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷؍رجب ۱۴۱۸ھ

کیا سترہ سال کا لڑکا تراویح کی نماز پڑھا سکتا ہے؟

سوال [۳۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بیٹے عزیزم نور البدر کی پیدائش ۲؍۱۲؍۱۹۸۹ء کی ہے، جو تقریباً ۱۷؍سال کے قریب ہے؛ لیکن قد اور صحت کے اعتبار سے دیکھنے میں عمر کم لگتی ہے، معلوم کرنا یہ ہے کہ عزیزم کی ایک مسجد میں تراویح پڑھانے کی بات طے ہو رہی ہے، کچھ لوگوں کو اعتراض ہے کہ عزیزم حافظ صاحب ابھی عمر کے اعتبار سے تراویح پڑھانے کے اہل نہیں ہیں؛ لہٰذا تراویح میں قرآن سنا سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: بدر القمر، تمبا کو والان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: لڑکے کی عمر جب پندرہ سال پوری ہوجائے، تو وہ شرعاً بالغ سمجھا جاتا ہے، اگرچہ بلوغت کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو۔ اور سوال نامہ میں مذکورہ حافظ صاحب کی عمر چونکہ تقریباً سترہ سال کی ہوچکی ہے؛ اس لئے وہ شرعی طور پر بالغ ہیں اوران کی امامت بھی بلاتردد جائز ہے؛ لہٰذا تراویح میں بالغین کا امام بن کر قرآن سنانا بلاشبہ جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳/۴۱، جدید زکریا ۳/۸۲، جدید زکریا مطول ۴/۲۰۸)

عـن ابن عمر أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سـنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قـال نـافـع: فـقـدمـت عـلـى عـمـر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الـحـديـث، فـقـال: إن هـذا لـحـد بين الصغير والكبير. (صحيح البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ١/ ٣٦٦، رقم: ٢٥٩٠، ف: ٢٦٦٤)

وقد روى عن سيدنا عمر -رضي الله عنه- أنه عرض على رسول الله صـلـى الله عـلـيـه وسلم غلام، وهو ابن أربع عشرة سنة، فرده، وعرض وهو ابن خمس عشرة فأجازه، فقد جعل صلى الله عليه وسلم خمس عشرة حدا للبلوغ. (بدائع الصنائع، كتاب الحجر، فصل في بيان ما يرفع الحجر؟ زكريا ٦/ ١٧٧، قديم كراچی ٧/ ١٧٢)

فـإن لم يوجد فيهما شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (درمختار مع الشامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، كراچی ٦/ ١٥٣، زكريا ٩/ ٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۲۳ھ

سترہ سال کے لڑکے کا تراویح میں امامت کرنا

سوال [۳۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بیٹے حافظ محمد زکریا کی تاریخ پیدائش ۲۲؍فروری ۱۹۹۳ء ہے، اس اعتبار سے اس کی عمر سولہ سال ہوئی، اب سترہویں سال میں چل رہا ہے؛ لیکن ابھی داڑھی بھی نہیں نکلی ہے۔ اور میں چاہتا ہوں میرا بچہ محلّہ کی مسجد میں قرآن کریم سنائے؛ لیکن مصلیان مسجد بلوغت کے بارے میں شک وشبہ کررہے ہیں، اسی لئے یہ تحریر پیش ہے، جواب تحریر فرمادیں، میرا بچہ قرآن کریم سناسکتا ہے یا نہیں؟ اور پنجوقتہ نمازوں کی امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکبر متصل سائرہ مسجد، اسلام نگر، کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سولہ سال کا بچہ شریعت اسلامی کے نزدیک بالغ شمار ہوتا ہے، اگر ایسا لڑکا حافظ قرآن ہوچکا ہے، تو اس کا تراویح میں امام بننا بالغ اور بڑے لوگوں کا اس کے پیچھے اقتدا کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. (صحيح مسلم، باب الإمامة، باب سن البلوغ، النسخة الهندية ٢/ ١٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٨٦٨)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال، ...... فإن لم يوجد فيهما شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (درمختار على شامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، كراچی ٦/ ١٥٣، زكريا ٩/ ٢٢٦)

والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية، إذا انتهيا خمس عشرة

سنة عند أبي يوسف ومحمد والشافعي، وهو رواية عن أبي حنيفة –رحمه الله تعالىٰ– وعليه الفتوى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحجر، الفصل الثاني في أنواع الحر، زكريا ١٦/ ٢٨٠، رقم: ٢٤٩١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ شعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۸۵)

اٹھارہ سالہ بے ریش لڑکے کے پیچھے تراویح

سوال [۳۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید حافظ قرآن ہے اور پولیو سے معمولی طور پر متأثر ہے، نماز کھڑے ہوکر پڑھتا ہے، عمر ۱۸/ سال ہے، مگر ابھی داڑھی نہیں آئی ہے، صحت مند بھی ہے، اس کے رمضان میں تراویح پڑھانے کے سلسلے میں بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلا قرآن نفلوں میں ہونا چاہئے، مندرجہ بالا باتوں سے متعلق شرعی حیثیت کی وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: شرافت حسین، محلّہ مقبرہ دوئم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید جو حافظ قرآن ہے اور اس کی عمر بھی ۱۸/ سال ہے، تو اس کی امامت درست ہے؛ کیوں کہ جس کی عمر پندرہ سال ہوجائے وہ شرعاً بالغ سمجھا جاتا ہے، داڑھی کا نکلنا کوئی ضروری نہیں ہے اور نہ داڑھی علامت بلوغ میں سے ہے؛ بلکہ جب پندرہ سال ہوجائے تو وہ شرعاً بالغ مان لیا جائے گا، داڑھی نکلے یا نہ نکلے؛ لہٰذا زید تراویح پڑھا سکتا ہے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پہلا قرآن نفلوں میں ہونا چاہئے یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ اور قرآن وحدیث سے بھی ثابت نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة

سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. (صحيح البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان، النسخة الهندية ١/ ٣٦٦، رقم: ٢٥٩٠، ف: ٢٦٦٤)

ويشترط كونه مسلما، حرا، ذكرا، عاقلا، بالغا، قادرا. (درمختار مع الشامي، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرى، كراچی ١/ ٥٤٨، زكريا ٢/ ٢٨٠)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، ...... فإن لم يوجد فيهما شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (درمختار) وفي الشامي: قوله: فإن لم يوجد فيهما شيء، وتحته في الشامية: مفاده أنه لا اعتبار لنبات العانة خلافا للشافعي، ورواية عن أبي يوسف ولا اللحية وكذا شعر الساق، والإبط، والشارب. (شامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، كراچی ٦/ ١٥٣، زكريا ٩/ ٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱/۸/۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۱۵)	۱۱/۸/۱۴۲۰ھ

کیا ۱۸؍سال ۱۰؍ماہ کا لڑکا تراویح میں قرآن سنا سکتا ہے؟

سوال [۳۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا بیٹا محمد بلال جس کی تاریخ پیدائش 26/6/1992 ہے، جو اس وقت ۱۸؍سال ۱۰؍مہینے کا ہے، میرا بیٹا حافظ قرآن ہے، تراویح میں قرآن سنانا چاہتا ہے، داڑھی، مونچھ ابھی نہیں آئی ہے، تو کیا اس عمر میں قرآن پاک سنا سکتا ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟ جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور رہوں۔ فقط

المستفتی: محمد حکمت اللہ، طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محمد بلال کے باپ نے بلال کی سرکاری تاریخ پیدائش پیش فرمائی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی عمر ۱۸؍سال پوری ہوگئی۔ اور شریعت میں اگر پندرہ سال سے پہلے بلوغیت کے آثار ظاہر نہ ہوں تو پندرہ سال پورے ہونے پر بچہ بالغ شمار کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اٹھارہ سال کی عمر کا بچہ لازمی طور پر بالغ شمار ہوگا۔ اور شرعاً شریعت کے ہر حکم کا مکلّف ہوگا؛ اس لئے محمد بلال کی امامت، فرض اور تراویح کی نماز میں بلا کراہت جائز اور درست ہے، محض قد کے چھوٹا ہونے کا شریعت میں اعتبار نہیں۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: عرضني رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد في القتال، وأنا ابن أربع عشرة سنة، فلم يجزني، ثم عرضني يوم الخندق وأنا ابن خمس عشرة، فأجازني، قال نافع: فقدمت على عمر بن عبدالعزيز، وهو خليفة، فحدثته هذا الحديث، فقال: إن هذا لحد بين الصغير والكبير. (صحيح مسلم، باب الإمامة، باب سن البلوغ، النسخة الهندية ٢/ ١٣١، بيت الأفكار، رقم: ١٨٦٨)

جمهور الفقهاء على أنه يشترط لصحة الإمامة فى صلاة الفرض أن يكون الإمام بالغا. (الموسوعة الفقهية ٦/ ٢٠٣)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال، والإنزال، والأصل هو الإنزال، فإن لم يوجد فيهما شيء، فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتي. (شامي، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، زكريا ٩/ ٢٢٥-٢٢٦، كراچی ٦/ ١٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۱۳ھ

داڑھی کٹانے والے کا نماز تراویح پڑھانا

سوال [۳۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) داڑھی کی شرعی حد کیا ہے؟ (۲) داڑھی کترے ہوئے (ایک مشت سے کم) حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ (۳) کیا ایسے حافظ کو تراویح کے لئے مقرر کرنے میں کمیٹی مسجد پر بھی کوئی ذمہ داری ہے؟ (۴) اگر شرعی داڑھی والا حافظ میسر نہ ہوتو بہتر کیا ہے؟ ایسے حافظ کے پیچھے پڑھیں یا ''الم ترکیف'' سے پڑھیں؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) داڑھی کی شرعی حد اور مقدار ایک مشت ہے، اس سے کم داڑھی رکھنا اور کٹانا قطعاً جائز نہیں ہے؛ البتہ ایک مشت سے جو زائد ہو اسے اکسار اور برابر کرنے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۵/ ۱۰۸، جدید ڈابھیل ۱۹/ ۳۹۷، کفایت المفتی، قدیم ۹/ ۱۶۳، جدید، زکریا ۹/ ۱۷۲، زکریا مطول ۱۲/ ۳۲۳)

السنة فيها القبضة، وهو أن يقبض الرجل لحيته، فما زاد منها على قبضة قطعه، كذا ذكره محمد في كتاب الآثار عن الإمام، قال: وبه نأخذ.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچی ٦/ ٤٠٧، زكريا ٩/ ٥٨٣)

(۲) داڑھی منڈانا اور کتروانا حرام ہے، ایسا شخص شرعاً فاسق ہے؛ لہٰذا ایسے شخص کو تراویح کے لئے امام بنانا جائز نہیں؛ بلکہ ایسے امام کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

يحرم على الرجل قطع لحيته. (درمختار، زكريا ٩/ ٥٨٣، كراچی ٦/ ٤٠٧)

وكره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين، فتجب إهانته شرعا، فلا يعظم بتقديمه للإمامة ...... ومفاده كون الكراهة في الفاسق تحريمية.

(طحطاوی على المراقي، الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دار الكتاب ديوبند ٣٠٣،

قدیم ١٦٥، شامي، باب الإمامة، قبيل مطلب البدعة خمسة أقسام، كراچی ١/ ٥٦٠، زكريا ٢/ ٢٩٨)

(۳) مسجد کی کمیٹی پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے امام کومقرر کریں جو دیندار متقی اور پرہیزگار ہو اور ایسے حافظ وامام کو امامت کی ذمہ داری نہ سونپیں جو فاسق اور خلاف شرع امور کا مرتکب ہو، یہ ذمہ داری مسجد کی کمیٹی پر ہے؛ اس لئے کہ لوگوں نے ان ہی لوگوں کو ذمہ دار بنایا ہے؛ لہٰذا کمیٹی کو اپنی ذمہ داری بحسن خوبی انجام دینی چاہئے۔

يجب أن يكون إمام القوم في الصلاة أفضلهم في العلم، والورع، والتقوى، والقراءة. (تاتارخانية، الصلاة، الفصل السادس من هو أحق بالإمامة؟ زكريا ٢/ ٢٤٧، رقم: ٢٣١٩، قديم ١/ ٦٠٠)

(۴) اگر شرعی داڑھی والا حافظ نہ ملے تو داڑھی منڈانے اور کتروانے والے حافظ کے پیچھے نماز پڑھنے کے بجائے ”الم ترکیف“ سے سورہ تراویح پڑھنا بہتر ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۹، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٧)	۱۴۲۱/۵/۲۵ھ

داڑھی کٹانے والے کے پیچھے نماز تراویح

سوال [۳۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی داڑھی کٹواتا ہے، تو اس کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: العارض چنے ٹھیکیدار، بھوڑاکا چوراہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص داڑھی کٹوا کے ایک مشت سے کم کرالیتا ہو، اس

کی امامت تراویح میں مکروہ ہے؛ لہٰذا اس کے پیچھے تراویح پڑھنے والے سب لوگوں کی نماز مکروہ ہوجائے گی۔

وأما الأخذ منها، وهي دون القبضة، فلم يبحه أحد. (شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، مطلب في الأخذ من اللحية، كراچی ۲/ ٤١٨، زكريا ۳/ ۳۹۸)

ولو قدموا فاسقا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور الدين. (كبيري، فصل في الإمامة، الأولى بالإمامة، أشرفيه ديوبند ٥١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۷ھ

داڑھی کٹانے والے حافظ کے پیچھے تراویح

سوال [۳۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حافظ قرآن ہے اور موئے ریش نکل آئے ہیں؛ لیکن منڈا دیتا ہے، اب وہ ماہ رمضان المبارک میں محراب سنانا چاہتا ہے، کیا اس کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہوگا؟

المستفتی: محمود احمد، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی منڈانے والے حافظ کے پیچھے تراویح کی نماز مکروہ تحریمی ہے، ایسے حافظ کو تراویح میں امام بنانا ممنوع ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۵۱۸)

وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه -إلى- بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديم كراهة تحريم؛ لما ذكرنا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ۱/ ٥٦٠، زكريا ۲/ ۲۹۹)

کون الکراهة في الفاسق تحریمیة. (طحطاوي علی المراقي، الصلاة، فصل في بیان الأحق بالإمامة، دارالکتاب دیوبند ۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۸۴/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۸/۱۲ھ

داڑھی منڈے حافظ کے پیچھے نماز تراویح

سوال [۳۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد میں ایک حافظ قرآن کریم تراویح میں سنانا چاہتا ہے؛ لیکن داڑھی منڈواتا ہے، تو کیا ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: افضال احمد میڈیکل اسٹور، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، ایسا شخص شریعت کے نزدیک فاسق ہوتا ہے، ایسوں کو تراویح کے لئے امام بنانا ممنوع ہے، اس کے پیچھے تمام مقتدیوں کی نماز مکروہ تحریمی ہوگی؛ اس لئے ایسے شخص کو تراویح کا امام بنانے کے بجائے باشرع شخص کو تراویح کا امام بنانا چاہئے، جس کی کم از کم ظاہری وضع قطع اور حلیہ شریعت کے مطابق ہو۔

في شرح المنیة: علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم. (شامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، کراچی ۱/ ۵۶۰، زکریا ۲/ ۲۹۹)

کون الکراهة في الفاسق تحریمیة. (طحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، فصل في بیان الأحق بالإمامة، جدید، دارالکتاب دیوبند ۳۰۳، قدیم ۱۶۵)

یحرم علی الرجل قطع لحیته. (درمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع، کراچی ۶/ ۴۰۷، زکریا ۹/ ۵۸۳)

وأما الأخذ منها وهي دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة

الرجال، فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم.

(شامي، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم؟ مطلب في الأخذ من اللحية، كراچی ۲/ ۴۱۸، زکریا ۳/ ۳۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۶/ ۱۴۲۵ھ

داڑھی کترنے والے حافظ کے پیچھے نماز تراویح

سوال [۳۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حافظ قرآن ہے اور ماشاء اللہ پنجگانہ نماز بھی پڑھتا ہے؛ لیکن شریعت کے مطابق داڑھی نہیں رکھتا ہے؛ بلکہ قینچی سے کترتا ہے؛ لیکن بالکل جڑ سے نہیں کترتا ہے، وہ حافظ تراویح پڑھانا چاہتا ہے اور گذشتہ کئی رمضانوں میں اس نے تراویح پڑھائی بھی ہے، جب کہ دوسرا حافظ قرآن جس کی شریعت کے مطابق داڑھی بھی ہے اور نماز کا بھی پابند ہے، موجود ہے، ان دونوں میں سے امامت کا کون زیادہ مستحق ہے؟

(۲) ماہ رمضان میں جو مستقل امام ہے اس کے لئے ہدیہ لینا دینا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یوسف مدرسہ مفید الاسلام، نورگڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت واقعہ دوسرے حافظ صاحب جن کی داڑھی شریعت کے موافق ہے، تراویح پڑھانے کے حقدار ہیں، داڑھی کٹانے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۳۹، جدید زکریا مطول ۴/ ۱۹۴)

يكره إمامة فاسق، وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه؛ بأنه لا يتهم لأمر دينه، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم.

(شامي، الصلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب البدعة خمسة اقسام، زكريا ۲/ ۲۹۹، كراچی ۱/ ۵۶۰)

(۲) جو شخص مستقل امام ہے اس کو ہدیہ لینا اور ہدیہ دینا دونوں امر جائز ہیں۔

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم يقول: تهادوا، تحابوا. (الأدب المفرد، باب قبول الهدية، دارالكتب العلمية، بيروت، ص: ١٨٠، رقم: ٥٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۷/۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۴۳/۴۵۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۱۶ھ

داڑھی کٹانے والے کے پیچھے نماز تراویح

سوال [۳۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اکثر مساجد میں یہ ہدایات تحریراً دیکھنے میں آئی ہیں کہ اگر کوئی امام داڑھی کترواتا یا منڈواتا ہے، تو اس کے پیچھے نہ اقامت جائز نہ امامت جائز، نہ موذن کا ہونا جائز، ایسے اماموں کی قیادت میں نماز کا ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس مسئلہ پر تمام ہی عقائد کے مفتیان حضرات کا متفقہ فیصلہ ہے، مگر رمضان المبارک کے موقع پر اکثر حافظ حضرات ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں جو اکثر تو روزہ ہی نہیں رکھتے اور نماز کے بھی پابند نہیں ہوتے اور اکثر داڑھی منڈواتے اور کترواتے ہیں، منڈوانے والے حضرات صرف رمضان المبارک کے موقع پر فیرنچ کش بہت باریک داڑھی رکھ لیا کرتے ہیں، شرعی صوم وصلاۃ کے پابند حضرات بہت کم دستیاب ہوتے ہیں، ایسے دور میں رمضان المبارک کے واسطے حافظ حضرات کا انتظام کیسے کیا جائے؟ کیا اگر صحیح حافظ دستیاب نہ ہو تو رمضان المبارک کے موقع پر ایسے حافظ سے تراویح میں کلام پاک سنا جائے یا نہیں؟

المستفتی: کاتب ابرار حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: داڑھی منڈانے والے حافظ کے پیچھے تراویح یا فرض

نمازمکروہ تحریمی ہے۔ اوراگر باشرع متبع شریعت حافظ میسر نہ ہوتو کسی متبع شریعت غیر حافظ کے پیچھے ''الم تر کیف'' سے تراویح پڑھ لیا کریں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۸، ایضاح المسائل ۲۸)

وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه -إلى- بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديم كراهة تحريم؛ لما ذكرنا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ۱/ ۵۶۰، زکریا ۲/ ۲۹۹)

كون الكراهة في الفاسق تحريمية. (طحطاوي على المراقي، الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ديوبند ۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۱۳ھ

فاسق امام کے پیچھے نماز تراویح کا حکم

سوال [۳۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حافظ صاحب اپنی بیوی کے ہمراہ فلم دیکھتے ہیں اور گھر میں رنگین ٹی وی بھی رکھوا رکھی ہے، جس میں گندی گندی فلمیں دیکھتے ہیں، ان کو لوگوں نے منع بھی کیا، لیکن وہ اپنی گندی حرکت سے باز نہ آئے، تو کیا ایسی صورت میں ان کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی حالت میں ان کی امامت درست ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: کلیم اللہ خان، محلّہ پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گھر سے باہر یا گھر میں ٹی وی رکھ کر فلمیں دیکھنا حرام

ہے،فلموں اور گندے پروگراموں سے دلچسپی رکھنے والا اور منع کرنے کے بعد بھی اس سے باز نہ آنے والا حافظ فاسق وفاجر ہے،ایسے حافظ کے پیچھے تراویح کی نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، کسی باشرع حافظ کا انتظام ہونا چاہئے۔

وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، ووجب عليهم إهانته -إلى- بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديم كراهة تحريم؛ لما ذكرنا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ۱/ ۵٦٠، زكريا ۲/ ۲۹۹، صغيري مطبع مجتبائي دهلی ص: ۲٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۲ھ

کیا حضور ﷺ نے پورے رمضان تراویح کی نماز ادا فرمائی ہے؟

سوال [۳۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حضور ﷺ نے پورے رمضان المبارک تراویح ادا فرمائی ہیں؟

المستفتی: عبد اللطیف عبد الملک، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پورے رمضان المبارک تراویح پڑھنے کا ثبوت حدیث سے نہیں ملتا، ہاں تین رات مسلسل آپ نے تراویح کی نماز ادا فرمائی۔ اور تمام صحابہ نے آپ کی اقتداء کی ہے، اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ سلسلہ موقوف کردیا، تراویح کے سلسلہ کو موقوف کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے سوال کیا، تو صحابہ کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے واجب کردیئے جانے کا خطرہ ہے؛ اس لئے منقطع کردیا ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– زوج النبي صلى الله عليه وسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى في المسجد، فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة، فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة فلم يخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما أصبح قال: قد رأيت الذي صنعتم فلم يمنعني من الخروج إليكم إلا أني خشيت أن تفرض عليكم، وذلک في رمضان. (أبو داؤد، النسخة الهندية ١/ ١٩٤، دارالسلام، رقم: ١٣٧٣، بخاري شريف، صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، النسخة الهندية، ١/ ٢٦٩، رقم: ١٩٦٧، ف: ٢٠١١)

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں باضابطہ پورے رمضان تراویح کی سنت جاری فرمائی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالاتفاق خلیفہ راشد ہیں۔ اور حدیث صحیح میں حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ. (ابن ماجة، باب إتباع الخلفاء الراشدين المهديين، النسخة الهندية ١/ ٥، دارالسلام، رقم: ٤٢)

پھر تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھام لو؛ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ یہ سنت سنت رسول کی طرح ہے، اگر آقا نے پورے رمضان تراویح کی نماز پڑھ لی ہوتی اور اس کا جو حکم ہوتا، وہی حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ پورے رمضان کی تراویح کا بھی ہے۔

عن عبدالرحمن بن عبدالقاري أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه، ويصلي الرجل، فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هولاء على قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم، فجمعهم على أبي بن

كعب –رضی الله عنه–. (بخاري شريف، باب فضل من قام رمضان، النسخة الهندية ١/ ٢٦٩، رقم: ١٩٦٦، ف: ٢٠١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۱۱/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۶۱/۳۶)

پورے رمضان میں مروج تراویح کا آپ ﷺ سے ثبوت

سوال [۳۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جیسا کہ مروج ہے کہ ماہ رمضان میں ایک بار قرآن شریف پڑھنا اور سننا سنت مؤکدہ ہے، تو یہ تو معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں جماعت سے الگ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے وصال کے بعد خلفائے راشدین نے اسی طرح پڑھیں ہیں، جس طرح آج مروج ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح بیس رکعت جماعت کے ساتھ پڑھنا اور پورا قرآن پڑھنا اور پورا قرآن سننا جس طرح آج مروج ہے، یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ یا نہیں۔

المستفتی: محمد ادریس رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان المبارک میں مکمل قرآن کریم تراویح میں سننا اور سنانا سنت ہے۔ اور بیس رکعت تراویح پورے رمضان جماعت کے ساتھ پڑھنا یہ بھی سنت مؤکدہ ہے، مگر خلفائے راشدین سے اب تک بیس رکعت تراویح تسلسل کے ساتھ پورے رمضان باجماعت ادا کرنے کا جو طریقہ ہے وہ اس شکل اور اس نوعیت کے ساتھ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں پورے رمضان جاری نہیں تھا، بیس رکعت پڑھنا مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت سے ثابت ہے، مگر اس میں پورے رمضان پڑھنے کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ پورے رمضان موجودہ طریقہ سے پڑھنے کا سلسلہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی

اللہ عنہ کے زمانہ میں جاری ہوا۔ اورآقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے خود فرمایا کہ خلفائے راشدین کی سنت اور طریقے کو مضبوطی کے ساتھ پکڑلو، وہی میری سنت ہے، ورنہ تم گمراہی میں مبتلا ہوجاؤگے؛ اس لئے موجودہ طریقہ عین سنت کے مطابق شمار کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن عبدالرحمن القاري أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه، ويصلي الرجل، فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هولاء على قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم، فجمعهم على أبي بن كعب –رضی الله عنه– الحديث. (صحيح البخاري، باب فضل من قام رمضان، النسخة الهندية ١/ ٢٦٩، رقم: ١٩٦٦، ف: ٢٠١٠)

عن حسن، عن عبدالعزيز بن رفيع، قال: كان أبي بن كعب –رضي الله عنه– يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة، ويؤتر بثلاث. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة، قديم ٢/ ٣٩٣، مؤسسة علوم القرآن، جديد ٥/ ٢٢٤، رقم: ٧٧٦٦)

عبدالرحمن بن عمرو السلمي وحجر بن حجر قالا: ...... فقال قائل: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم كأن هذه موعظة مودع ...... فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها، وعضوا عليها بالنواجذ. (سنن أبي داؤد، باب في لزوم السنة، النسخة الهندية ٢/ ٦٣٥، دارالسلام، رقم: ٤٦٠٧، سنن الترمذي، باب ماجاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، النسخة الهندية ٢/ ٩٦، دارالسلام، رقم: ٢٦٧٦، سنن ابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، النسخة الهندية ١/ ٥، دارالسلام، رقم: ٤٢، مسند الدارمي، دار المغني ١/ ٢٢٨، رقم: ٩٦، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ١٢٦، رقم: ١٧٢٧٢، ١٧٢٧٤، مسند البزار، مكتبة

العلوم والحكم ١٠/ ١٣٧، رقم: ٤٢٠١، صحيح ابن حبان، دارالفكر ١/ ٧٥، رقم: ٥، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٨/ ٢٤٥، رقم: ٦١٧، ٦١٨، ٦٢٢، المستدرك، كتاب العلم، مكتبه نزار مصطفى جديد ١/ ١٤٠، ١٤١، ١٤٢، رقم: ٣٢٩، ٣٣٠، ٣٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۳ھ

کیا آٹھ رکعت تراویح ثابت ہیں؟

سوال [۳۱۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی امام کے نزدیک تراویح کی صرف آٹھ رکعت ہیں؟ ایک صاحب کہہ رہے تھے کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک آٹھ رکعت ثابت ہیں۔

المستفتی: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آٹھ رکعت تراویح غیر مقلدین کے یہاں ہیں۔ اور ائمہ اربعہ اور جمہور امت کے نزدیک تراویح کی نماز بیس رکعت ہیں۔ (بدایۃ المجتہد ۱/ ۲۱۰، بذل المجہود ۲/ ۳۰۵، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۱/ ۲۴۲)

نیز بیس رکعت تراویح کی حدیث عمل رسول ﷺ کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة، قديم ٢/ ٣٩٤، مؤسسة علوم القرآن، جديد ٥/ ٢٢٥، رقم: ٧٧٧٤، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١١/ ٣١١، رقم: ١٢١٠٢)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک آٹھ رکعت کے بارے میں کوئی قول نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۶)

آٹھ رکعت تراویح سلف سے ثابت نہیں

سوال [۳۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی مسلک حنفی سے متعلق آدمی کسی غیر مقلد کے پیچھے تراویح کی ۸/ رکعت نماز پڑھتا ہے، تو کیا اس کی نماز ہوجائے گی؟ مفتیان عظام سے گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ذمہ داران میل وشارم تامل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات ائمہ اربعہ کے نزدیک ۲۰/ رکعات تراویح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مواظبت اور اجماع امت کی وجہ سے سنت مؤکدہ ہیں، جو دور صحابہ سے آج تک امت میں تواتر وتوارث کے ساتھ جاری ہیں؛ لہٰذا بغیر کسی شرعی عذر کے اگر کوئی ۲۰/ رکعات چھوڑ کر ۸/ رکعت پر اکتفا کرتا ہے، تو ایسی صورت میں وہ باقی ۱۲/ رکعت کے بارے میں تارک سنت اور قابل ملامت شمار ہوگا۔ اور پھر کسی حنفی مقلد کے لئے کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے کہ وہ سستی میں اس غیر مقلد کی اقتداء کرے، جو صحابہ کی سنت اور اجماع امت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے ۲۰/ رکعت تراویح کا منکر ہے؛ اس لئے حنفی مقلد کے لئے ضروری ہے کہ وہ جمہور صحابہ اور جمہور امت جو اہل سنت والجماعت ہیں، ان کی اتباع کرے اور ۲۰/ رکعات تراویح کو ہی لازم پکڑے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۵۱۷، فتاوی

محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۲۵۸، کفایت المفتی ۳/ ۳۹۸، جدید زکریا مطول ۴/ ۱۸۸، فتاوی حقانیہ ۳/ ۲۷۸، غیرمقلدین کے چھپن اعتراضات مع مجموعہ رسائل غیرمقلدیت/۴۱۶)

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– كان النبي صلى الله عيه وسلم يصلي في شهر رمضان في غير جماعة بعشرين ركعة والوتر. (السنن الكبرى للبيهقي، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، دارالفكر جديد ٤/ ٦٠، رقم: ٤٧٢٠)

وفي الحديث: أنهم كانوا يقومون على عهد عمر رضي الله عنه بعشرين ركعة، وعلى عهد عثمان وعلي مثله، فصار إجماعا. (السنن الكبرى للبيهقي، قديم ٢/ ٤٩٦)

مالك عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر ابن الخطاب رضي الله عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. (مؤطا إمام مالك، باب ماجاء في قيام رمضان، أشرفي ص: ٤٠)

عن حسن عن عبدالعزيز بن رفيع قال: كان أبي بن كعب رضي الله عنه يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة، ويؤتر بثلاث. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة قديم ٢/ ٣٩٣، موسسة علوم القرآن، جديد ٥/ ٢٢٤، رقم: ٧٧٦٦)

عن يحيى بن سعيد أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أمر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة، قديم ٢/ ٣٩٣، مؤسسة علوم القرآن جديد ٥/ ٢٢٣، رقم: ٧٧٧٤)

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء، ...... وهي عشرون ركعة هو قول الجمهور، وعليه عمل الناس شرقا وغربا. (درمختار، الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ٢/ ٤٣-٤٥، زكريا ٢/ ٤٩٣)

وسن في رمضان عشرون ركعة بعشر تسليمات بعد العشاء قبل

الوتر، وهي عشرون ركعة. (تبيين الحقائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، إمداديه ملتان ١/ ١٧٨، زكريا ١/ ٤٤٣)

فقيام رمضان بعشرين ركعة والوتر هو السنة المؤكدة يضلل تاركها ويلام من نقص عنها. (إعلاء السنن، باب التراويح، دار الكتب العلمية بيروت ٧/ ٨٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۶/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۶/۱۴۵۳ھ

تراویح ۲۰ر رکعت یا آٹھ رکعت

سوال [۳۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح کی نماز کتنی رکعات ہیں؟ ہمارے یہاں تو بیس رکعت پڑھی جاتی ہیں، بعض لوگ آٹھ رکعت پڑھنے کو کہتے ہیں؟ صحیح مسئلہ کیا ہے؟

المستفتی: آصف اقبال رازی متعلم مدرسہ کاشف العلوم، چھٹمل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ائمۂ اربعہ یعنی چاروں امام: حضرت امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور امت کے نزدیک تراویح کی نماز بیس رکعات ہیں۔ اور حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا اجماع بھی بیس رکعت تراویح پر ہے؛ اس لئے بیس رکعت تراویح جمہور امت کے نزدیک سنت مؤکدہ ہیں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۴۱، نظام الفتاوی ۲/۳/۱۷، غیر مقلدین کے ۵۶ر اعتراضات کے جوابات ۱۱۰-۱۱۷)

عن ابن عباس – رضي الله عنهما – أن رسول الله صلى الله عيه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. (مصنف ابن أبي شيبة، باب الصلاة

كم يصلي في رضمان من ركعة ٢/ ٣٩٤، جديد مؤسسة علوم القرآن ٥/ ٢٢٥، رقم: ٧٧٧٤، المعجم الكبير للطبراني دار احياء التراث العربي ١١/ ٣١١، رقم: ١٢١٠٢)

عن ابن عباس -رضي الله عنهما- كان النبي ﷺ يصلي في شهر رمضان في غير جماعة بعشرين ركعة والوتر. (السنن الكبرى للبيهقي، باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، دارالفكر جديد ٤/ ٦٠، رقم: ٤٧٢٠)

وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات. (درمختار) وهو قول الجمهور، وعليه عمل الناس شرقا وغربا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ٢/ ٤٥، زكريا ٢/ ٤٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ شعبان ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۶۵/۳۶)

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

سوال [۳۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیس رکعت تراویح پڑھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولانا محمد حارث ندیم، صدر بازار دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیس رکعت تراویح کے ثبوت سے متعلق زیر نظر کتاب دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، اس میں ذکر کردہ تمام دلائل بھی اچھی طرح دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور سب صحیح اور معتبر ہیں، نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت تراویح اور الگ سے وتر پڑھنا ثابت ہے۔حدیث شریف درج کی جارہی ہے:

عن ابن عباس -رضي الله عنهما- أن رسول الله ﷺ كان يصلي في

رمضان عشرين ركعة والوتر. (مصنف ابن أبي شيبة، باب الصلاة كم يصلي في رمضان من ركعة ۲/ ۳۹٤، جديد مؤسسة علوم القرآن ٥/ ۲۲٥، رقم: ۷۷۷٤، المعجم الكبير للطبراني دار احياء التراث العربي ۱۱/ ۳۹۳، رقم: ۱۲۱۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۲۸)

بیس رکعت تراویح کا ثبوت

سوال [۳۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے، تو اس کا ثبوت ادلۂ اربعہ میں سے ہے یا نہیں؟ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ اگر پڑھی ہے تو کتنی رکعتیں ادا کی ہیں اور اس کی کیا حقیقت ہے؟

المستفتی: محمد اطہر جاوید، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کی نماز حضور ﷺ سے بیس رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ ''مصنف ابن ابی شیبہ'' حدیث کی بہت بڑی کتاب ہے، جو سولہ جلدوں میں شائع ہے، اس میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث شریف مروی ہے:

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– أن رسول الله ﷺ كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. (مصنف ابن أبي شيبة، باب الصلاة كم يصلي في رمضان من ركعة ۲/ ۳۹٤، جديد مؤسسة علوم القرآن ٥/ ۲۲٥، رقم: ۷۷۷٤، المعجم الكبير للطبراني دار احياء التراث العربي ۱۱/ ۳۱۱، رقم: ۱۲۱۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۴ھ

٢٠؍رکعت تراویح کا مسئلہ

سوال [٣١٦١]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت تراویح پڑھی، آج تک بیس کا سلسلہ جاری ہے، یعنی کعبۃ اللہ اورمدینہ منورہ میں جس طرح نماز صحابہ کرامؓ کے دور سے آپؐ نے مشروع کی تھی فی الحال بھی ایسی ہی ہے، تو ساری دنیا میں الگ الگ طریقہ سے نماز کیوں؟ حالانکہ حرمین کو مرکزیت حاصل ہے، کوئی تراویح میں آٹھ، کوئی اور پڑھتا ہے، آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل، محمد جعفر بلڈنگ، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ساری دنیا میں تراویح کی نماز الگ الگ نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ جو لوگ ائمہ اربعہ اور رفقہ کو نہیں مانتے ہیں، وہ آٹھ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں، چاہے وہ لوگ کہیں بھی رہتے ہوں۔ اور حرمین شریفین میں بھی دور صحابہ سے اب تک ٢٠؍ ہی رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ اور ٢٠؍ رکعت سے کم کا ائمۂ جمہور فقہاء ومحققین علماء میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

عن عبدالرحمن القارئ قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه، ويصلي الرجل، فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرى لو جمعت هولاء على قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم، فجمعهم على أبي بن كعب -رضى الله عنه- الحديث. (صحيح البخاري، باب فضل من قام رمضان، النسخة الهندية ١/ ٢٦٩، رقم: ١٩٦٦، ف: ٢٠١٠)

عن حسن، عن عبدالعزيز بن رفيع، قال: كان أبي بن كعب -رضي الله عنه- يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة، ويؤتر

بثلاث. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، كم يصلي في رمضان من ركعة، قديم ۲/ ۳۹۳، مؤسسة علوم القرآن، جديد ٥/ ٢٢٤، رقم: ٧٧٦٦)

فالمسنون عند أبي حنيفة والشافعي وأحمد عشرون ركعة –إلى قوله– فإن السنة عندهم ما واظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم، أو الخلفاء الراشدون لتصريحهم بسنية الجماعة في التراويح، وعشرين ركعة فيها بمواظبتهم على ذلک، وهذا هو متمسک الأئمة المجتهدين في المسألة، ويؤيد ذلک قول النبي صلى الله عليه وسلم: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليه بالنواجذ. الحديث (إعلاء السنن، باب التراويح، دارالكتب العلمية بيروت ۷/ ٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۱۸/۲۵)

تراویح سے متعلق سوالات وجوابات

سوال [۳۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ نیز رمضان شریف میں تراویح میں ایک قرآن مجید ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ نیز دس پارہ تک لگاتار تراویح میں قرآن سنا، پھر دنیاوی ضرورتوں کے پیش نظر دو چار پارہ نہ سن سکا، پھر دو چار پارہ سنا، پھر دو چار پارے چھوٹ گئے، تو کیا تراویح میں پورے قرآن سننے کی سنت ادا ہوگئی یا محروم رہے؟ نیز تراویح میں قرآن شریف سننے کے لئے روپیہ کا نذرانہ دے کر حافظ رکھنا ضروری ہے یا مقررہ امام، عالم قاری غیر حافظ کے پیچھے سورہ تراویح پڑھنا بہتر ہے۔

المستفتی: مصلیان مسجد ضلع جھنجھنوں راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔

التراويح سنة مؤكدة؛ لمواظبة الخلفاء الراشدين. (درمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچى ٢/ ٤٣، زكريا ٢/ ٤٩٣)

التراويح سنة مؤكدة للرجال والنساء جميعا بإجماع الصحابة، ومن بعدهم من الأئمة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دارالكتب العلمية، بيروت جديد ٢/ ٢٠٢، مصري قديم ١/ ١٣٥)

اورکم از کم ایک مرتبہ قرآن ختم کرنا بھی سنت ہے؛ لیکن اس میں قدرے مقتدیوں کی رعایت کی جائے۔

والختم في التراويح مرة واحدة سنة ...... فإن كان القوم يملون من القراءة في التراويح فلا بأس به، لكن يكون لهم ثواب الصلاة، لا ثواب الختم، وقد ذكرنا أن السنة هو الختم في التراويح. (حلبي كبير، فصل في النوافل، جديد ٤٠٦، ص: ٤٠٧)

اور تراویح میں جس مقتدی کی قرآن سننے کے دوران دوچار روز ناغہ ہوگئی تو اس کی ختم قرآن کی سنت پوری نہیں ہوئی۔

والختم مرة سنة، أي قراءة الختم في صلاة التراويح سنة، وصححه في الخانية وغيرها، وعزاه في الهداية إلى أكثر المشايخ، وفي الكافي: إلى الجمهور. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچى ٢/ ٤٦، زكريا ٢/ ٤٩٧)

اور ختم قرآن کے لئے بلا اجرت سنانے والا کوئی حافظ تلاش کرنا چاہئے، ورنہ ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھ لینی چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۷/ ۱۷۱، جدید ڈابھیل ۷/ ۱/ ٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۸/۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦٣٠٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۸ھ

قرآن سنانے کے لئے سفر کرنا

سوال [۳۱۶۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح پڑھانے کے لئے حفاظ کرام کا دور دراز کا سفر شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ اگر تراویح میں قرآن سنانا ہی مقصود ہوتو کسی بھی فرم دوکان یا مکان وغیرہ میں سنا سکتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا محض تراویح سنانے کے لئے دور دراز کا سفر کرنا شرعاً جائز ہے یا کوئی قباحت ہے؟

المستفتی: احمد جان پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح پڑھانے کے لئے حفاظ کرام کا سفر کرنا شرعاً درست ہے؛ لیکن تراویح سنا کر اجرت لینا جائز نہیں ہے، اس بات کا ضرور خیال رکھیں، عام طور پر جو حفاظ دور دراز تراویح سنانے کے لئے جاتے ہیں ان کا مقصد کمانا ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر اسی ارادے سے سفر کیا جائے کہ وہاں تراویح سنانے پر کچھ ملے گا، تو اس مقصد سے سفر کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۲/۱۴، جدید ڈابھیل ۶۴/۱۷)

ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال. الخ (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ۶/ ۵۶، زكريا ۹/ ۷۷، رسائل ابن عابدين، شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، ثاقب بك ڈپو ديوبند ۱/ ۱۶۷)

وقراءة القرآن للدنيا مكروهة، والأفضل أن لا يعطي القارئ شيئا، وفي الواقعات: يمنع القارئ والآخذ والمعطي آثمان. (بناية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفيه ديوبند ۱۲/ ۲۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۰۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۲ھ

تراویح کی صحت کے لئے سامع کا ہونا ضروری نہیں ہے؟

سوال [۳۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تراویح میں قرآن پاک سنانے کے لئے سامع کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر سامع نہیں ہے تو تراویح میں کوئی نقص ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: جابر حسین موضع بھینسیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حافظ صاحب کو اچھا یاد ہے، تو سامع کا ہونا ضروری اور لازم نہیں ہے۔ بغیر سامع کے نماز ہر حال میں صحیح اور درست ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۵۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۷۹)

تراویح کی ہر دو رکعت کے لئے نیت کرنا

سوال [۳۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح کی ہر دو رکعت کے لئے نیت ضروری ہے یا ایک ہی دفعہ بیس رکعات کے لئے نیت کرلینا کافی ہے؟

المستفتی: محمد سعید مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ہی دفعہ بیس رکعت کے لئے نیت کرلینا کافی ہے؛ لیکن افضل اور احوط یہ ہے کہ ہر دو رکعت کے لئے الگ الگ نیت کرے۔

وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوي التراويح؟ الأصح أنه لا يحتاج؛ لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة، فإذا صلى التراويح مع الإمام ولم يجدد لكل شفع نية جاز. (عالمگیری، الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٧، جديد ١/ ١٧٧، شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح، كراچی ٢/ ٤٥، زكريا ٢/ ٤٩٤، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح، زكريا ٢/ ٣٢٣، رقم: ٢٥٥، كوئٹه قديم ١/ ٦٥٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۱۵ھ

تراویح کی نماز بیٹھ کرادا کرنا

سوال [۳۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا کہنا ہے کہ جو شخص بالکل صحت مند ہو قیام پر قدرت رکھتا ہو اور وہ اس کے باوجود تراویح کی نماز بیٹھ کر پڑھے، تو اس کی نماز نہیں ہوگی جیسا کہ ''فتاوی رحیمیہ'' میں لکھا ہے کہ جو شخص قیام پر قدرت رکھتا ہو اس کے باوجود فرض نماز بیٹھ کر پڑھے، تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ اور تراویح سنت مؤکدہ واجب کے قریب ہے، کیا زید کا کہنا صحیح ہے؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: شاہد جمال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کی نماز فرض یا واجب نہیں؛ بلکہ سنت مؤکدہ ہے۔ اور سنت مؤکدہ معمولی عذر کی وجہ سے بیٹھ کرادا کرنا جائز ہے اور بغیر عذر کے بھی جائز ہے؛ لیکن کھڑے ہوکر ادا کرنے کا جو ثواب ہوتا ہے اس کا آدھا ثواب ملے گا۔

عن عمران بن حصين -رضي الله عنهما- قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة الرجل وهو قاعد، فقال: من صلى قائما فهو أفضل، ومن صلاها قاعدا فله نصف أجر القائم. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، النسخة الهندية ١/ ٨٥، دارالسلام، رقم: ٣٧١)

لو صلى التراويح قاعدا بلا عذر، قيل: لا يجوز قياسا على سنة الفجر -إلى قوله- يجوز، والقياس على سنة الفجر غير تام، فإن التراويح دونها في التأكيد، فلا تجوز التسوية بينهما في ذلك، قال قاضيخان: وهو الصحيح. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچی ١/ ٤٤٥، زكريا ٢/ ١٣٢، مبسوط السرخسي، الصلاة، فصل أداء صلاة التراويح قاعدا من غير عذر، دار الكتب العلمية، بيروت ٢/ ١٤٧، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، زكريا ٢/ ٣٢٧، رقم: ٢٥٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍صفر ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۷۶)	۱۴۲۶/۲/۵ھ

دوران تراویح آیت سجدہ کا اعلان کرنا

سوال [۳۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز سے قبل آیت سجدہ کے بتلانے کے سلسلہ میں کہ پہلی یا دوسری رکعت میں آیت سجدہ ہوگی، یہ بتلانا درست ہے یا نہیں؟ جیسا کہ آج کل تراویح کے موقع پر بتلایا جاتا ہے؟

المستفتی: مجیب اللہ گونڈوی، گرام ٹنگینہا، پوسٹ جیدہا، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز تراویح میں سجدہ کے اعلان کا ثبوت نہیں؛ اس لئے ترک ضروری ہے۔ اور پابندی غلط ہے؛ البتہ اگر مجمع کثیر ہو اور مغالطہ کا قوی احتمال ہو کہ لوگ بجائے سجدہ کے رکوع میں چلے جائیں گے، تو ایسے موقع پر بموجب ''الضرورات تبیح المحضورات'' کے اعلان کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۱/ ۲۴۵ تا ۲۴۶، جدید زکریا ۵/ ۱۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۶۶)

سجدۂ تلاوت کے بعد بغیر کچھ پڑھے رکوع میں جانا

سوال [۳۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حافظ صاحب نے تراویح میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کیا، پھر کھڑے ہوکر کچھ پڑھے بغیر رکوع میں چلے گئے اور اس طرح نماز پوری کرلی اور سجدۂ سہو نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت سے کھڑے ہوکر کچھ پڑھے بغیر رکوع میں چلے جانے سے نماز ہوئی یا نہیں؟ اور اس صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوا یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سجدۂ تلاوت سے کھڑے ہوکر کچھ پڑھے بغیر رکوع میں چلا گیا، تو ایسی صورت میں نماز بلا کراہت درست ہوگئی اور سجدۂ سہو لازم نہیں ہوا؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت سے کھڑے ہوکر کچھ آیتیں پڑھ لینی چاہئیں۔

ولو كانت بختم السورة، فالأفضل أن يركع بها، ولو سجد ولم

یرکع فلا بد من أن یقرأ شیئا من السورة الأخری بعد ما رفع رأسه من السجود، ولو رفع ولم یقرأ شیئا ورکع جاز. (هندیة، کتاب الصلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، زکریا قدیم ۱/ ۱۳۲، جدید ۱/ ۱۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۳/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۳/۱۴۲۱ھ

تراویح میں مقتدیوں کی رعایت کی جائے یا امام کی ضعف عمری کی؟

سوال [۳۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حافظ صاحب عرصہ تقریباً ۲۰؍سال سے بازار کی ایک مسجد میں ماہ رمضان کے دوران قرآن شریف سناتے آرہے ہیں، وہ اس مسجد میں سال گذشتہ تک تین پارے یومیہ سناتے تھے،اب ان کی عمر اور صحت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ یومیہ تین پارے پڑھ سکیں، وہ روز دو پارے سنانا چاہتے ہیں، بازار کی تقریباً چار اور مساجد میں بھی جو کہ قریب قریب واقع ہیں، تین پارے یومیہ پڑھے جاتے ہیں، چند بازار والوں کی خواہش ہے کہ یہاں بھی تین پارے ہی ہونے چاہئیں، ایسی صورت میں انتظامیہ کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ امام صاحب جو کہ ۲۰؍سال سے اس مسجد میں کلام پاک سناتے آرہے ہیں، ان کی عمر اور کمزوری صحت کو دیکھتے ہوئے دو پارے پڑھوانا چاہئے، یا پھر بازار والوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے حافظ صاحب کو بدل دینا چاہئے؟

المستفتی: مطیع الرحمٰن شمسی، پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کا منشاء یہ ہے کہ رمضان میں پورے رمضان تراویح میں قرآن سننے سنانے کا سلسلہ جاری رہے؛ لہٰذا اگر پہلے عشرہ میں تین تین پارہ کرکے

ایک قرآن پورا کیا جاتا ہے، تو بقیہ دو عشروں میں ڈیڑھ ڈیڑھ پارہ کرکے دوسرا قرآن سنانا چاہئے۔ اور اگر شروع میں دو دو پارہ کرکے پندرہ دن میں ایک قرآن سنایا جائے تو آخر کے پندرہ دن میں بھی دو دو پارہ کرکے دوسرا قرآن سننے سنانے کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے، اگر آپ شریعت کا منشاء معلوم کرنا چاہتے ہیں، تو شریعت کا منشا یہی ہے اور شریعت آپ کو اس کا مشورہ نہیں دے گی کہ دس دن میں تین تین پارہ یا پندرہ دن میں دو دو پارہ کرکے قرآن ختم ہونے کے بعد پھر مسجد میں قرآن سننے سنانے کا سلسلہ ختم کردیں؛ اس لئے کہ رمضان کے تینوں عشروں میں سے آخری عشرہ کی فضیلت زیادہ ہے؛ اس لئے اس میں قرآن سننے سنانے کا سلسلہ ضرور باقی رہنا چاہئے؛ لہٰذا آپ اگر منشاء شریعت چاہتے ہیں تو اس کا حل یہی ہے کہ پورے رمضان میں دو ختم قرآن کو تقسیم کردیا جائے۔ اور ایک ختم کے لئے مذکورہ حافظ صاحب کو بھی موقع دیا جائے۔ اور دوسرے ختم کے لئے دوسرے حافظ کا انتظام کرلیا جائے۔

عن سلمان قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في آخر يوم من شعبان –إلى– وهو شهر: أوله رحمة، وأوسطه مغفرة، وآخره عتق من النار. الحديث (صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٩١١، رقم: ١٨٨٧، شعب الإيمان، دارالكتب العلمية، بيروت ٣/ ٣٠٥-٣٠٦، رقم: ٣٦٠٨)

السنة في التراويح إنما هو الختم مرة فلا يترك لكسل القوم، كذا في الكافي...... والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مرات أفضل، كذا في السراج الوهاج. (عالمگیری، فصل في التراويح، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ١/ ١١٧، جديد ١/ ١٧٧، شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح، كراچی ٢/ ٤٧، زكريا ٢/ ٤٩٧)

ومنهم من استحب الختم في ليلة السابع والعشرين رجاء أن ينالوا ليلة القدر؛ لأن الأخبار تظاهرت عليها. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح، كراچی ٢/ ٤٧، زكريا ٢/ ٤٩٧)

ولو عجل الختم له أن يفتتح من أول القرآن في بقية الشهر.

(فتاوى قاضي خان على هامش الهندية، فصل في مقدار القراءة في التراويح ١/ ٢٣٨، زكريا جديد ١/ ١٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۰۵/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲۱ھ

روزانہ تراویح میں کتنے پارے پڑھے جائیں؟

سوال [۳۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد میں پانچ پارہ تراویح میں پڑھنے سے متعلق کچھ آپس میں کشیدگی پیدا ہوگئی، کچھ مقتدی حضرات چاہتے ہیں کہ دو دو پارے ہوں اور کچھ چاہتے ہیں کہ پانچ پارے ہوں، تو شرعاً کتنے پارے پڑھنے چاہئیں، سنت طریقہ کیا ہے؟ پانچ پارہ ہونے میں بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ادھر تراویح ہو رہی ہے ادھر لوگ بیٹھ کر باتیں کرتے رہتے ہیں، تو بہتر کیا ہے؟

المستفتی: ابوالفرح، امام مسجد شان مصطفیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تراویح میں قرآن کریم پورے رمضان المبارک میں ایک مرتبہ ترتیب وار ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ اور روزانہ دو پارے کرکے دو ختم کرنا فضیلت اور تین پارے کرکے تین ختم کرنا افضل اور باعث خوش نصیبی ہے؛ لیکن لوگوں کا بیٹھ کر باتیں کرتے رہنا اور جب امام رکوع میں جانے لگے تو جلدی سے امام کے ساتھ شریک ہوجانا مکروہ ہے، مگر پورے رمضان ختم کا سلسلہ باقی رکھا جائے، اب آپ ان تین شکلوں میں جونسی مناسب سمجھیں اختیار کریں، پانچ پارے پڑھنے میں قرآن کا حق ادا نہیں ہوتا؛ اس لئے پانچ نہ پڑھیں تو بہتر ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۲۲)

السنة الختم مرة، فلا يترك لكسل القوم، ومرتين فضيلة، وثلاث مرات في كل عشر مرة أفضل، ويكره للمقتدي أن يقعد في التراويح، فإذا أراد الإمام أن يركع يقوم. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ۲/ ۱۲۰-۱۲۲، كوئٹه ۲/ ۶۹-۶۸، قاضي خان على هامش الهندية، فصل في مقدار القراءة في التراويح، زكريا ۱/ ۲۳۸، جديد ۱/ ۱۴۷، الهندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ۱/ ۱۱۷، جديد ۱/ ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۰۸)

روزمرہ تراویح میں پارہ کی مقدار

سوال [۳۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں محلّہ کی مسجد میں روزانہ کتنا پارہ پڑھنا چاہئے؟ اگر دس دن میں ایک کلام پاک تراویح میں سن لیں اس کے بعد نیچے مسجد میں دوسرا قرآن ہوتا ہے اور بالائی مسجد میں ''الم تر کیف'' سے تراویح پڑھتے ہیں اور اس میں بھی پابندی نہیں کرتے، نیز زیریں مسجد میں لوگ کم ہوتے ہیں اور ''الم تر کیف'' سے پڑھنے میں زیادہ ہوتے ہیں اور تین پارہ ہونے کی صورت میں محلّہ کے پنجوقتہ نمازی تین پارہ زیادہ ہونے کی وجہ سے محلّہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ تراویح پڑھنے چلے جاتے ہیں، تو محلّہ کی رعایت نہ رکھ کر دوسری جگہ سے آنے والوں کے لئے تین پارہ کرانا کیسا ہے؟ اور تین پارہ پڑھنے پڑھوانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ظفر، گلشہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پورے رمضان کے مہینہ میں تراویح میں ایک قرآن ختم

کرنا سنت ہے، دومرتبہ فضیلت ہے اور تین مرتبہ ختم کرنا افضل ہے، مگر دومرتبہ یا تین مرتبہ ختم کرنے کے لئے متقدیوں کی رضامندی ضروری ہے۔

وفي الفتاوى: الختم في التراويح مرة سنة، والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مرات في كل عشر ليال مرة أفضل. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، إمداديه ملتان ١/ ٩٥، دارالكتاب ديوبند ١/ ١١٨، الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث عشر، زكريا ٢/ ٣٢٤، رقم: ٢٥٥٢)

عن الحسن قال: من أم الناس في رمضان فليأخذ بهم اليسر، فإن كان بطيئ القراءة فليختم القرآن ختمة، وإن كان قراءة بين ذلك، فختمة ونصف، وإن كان سريع القراءة فمرتين. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، في صلاة رمضان، موسسة علوم القرآن جديد ٥/ ٢٢٢، رقم: ٧٧٦١)

سوال نامہ میں جو لکھا گیا ہے کہ محلّہ کے لوگ اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجدوں میں چلے جاتے ہیں، یا اکثر لوگ اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور چند افراد دوسری مسجدوں میں چلے جاتے ہیں اس سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ محلّہ کے تمام نمازی اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجدوں میں چلے جاتے ہیں یا اکثر لوگ اس مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور چند افراد دوسری مسجدوں میں چلے جاتے ہیں، اگر محلّہ کے تمام نمازی اپنی محلّہ کی مسجد چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، تو اس کو سوال میں واضح کرکے لکھا جائے، اس کے بعد حکم شرعی لکھا جاسکتا ہے۔ اور اگر اکثر لوگ محلّہ کی مسجد میں تین پارہ سنتے ہیں، تو اکثر کا اعتبار رہے، چند افراد کا اعتبار نہیں۔

والأفضل في زماننا أن يقرأ بما لا يؤدي إلى تنفير القوم عن الجماعة لكلهم. (الهندية، الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٨، جديد ١/ ١٧٧)

والاختيار أن الأفضل أن يقرأ فيها مقدار ما لا يؤدي إلى تنفير القوم في زماننا؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة. (البحر الرائق، الصلاة، باب الوتر والنوافل، دارالكتاب ديوبند ٢/ ١٢١، زكريا ٢/ ١٢١، كوئٹه ٢/ ٦٨، شامي،

كتاب الصلاة، بـاب الـوتـر والـنـوافل، مبحث في صلاة التراويح، كراچی ۲/ ٤٧، زكريا ٢/ ٤٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۰۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۶ھ

کم از کم کتنی مدت میں تراویح میں قرآن ختم کرنا مسنون ہے؟

سوال [۳۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب رمضان المبارک میں پانچ یوم میں قرآن کریم تراویح میں سناتے ہیں، صفیں، مائک اور ختم قرآن کے موقع پر شیرینی وغیرہ کا انتظام خود کرتے ہیں اور ختم قرآن ہی کی رات کچھ حضرات یہ کہہ کر پیسہ اکٹھا کرتے ہیں کہ امام صاحب نے مائک اور شیرینی وغیرہ کا انتظام کیا ہے؛ لہٰذا منتقدی حضرات اپنی حیثیت کے مطابق پیسہ دے دیتے ہیں، تو امام صاحب کے لئے یہ پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: یہ بات واضح رہے کہ امام صاحب ہی مائک اور شیرینی وغیرہ کا انتظام اپنی ذاتی ملکیت سے کرتے ہیں، جب کہ امام صاحب ابھی طالب علم ہیں، اپنا کوئی کاروبار نہیں ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد سفیان، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک آدمی جب تنہا نماز پڑھے تو بخاری ومسلم اور ابوداؤد کی روایت میں وارد ہوا ہے کہ سات دن سے کم میں قرآن ختم نہیں کرنا چاہئے۔ حضور ﷺ نے اس سے کم میں قرآن ختم کرنے سے ممانعت فرمائی ہے؛ البتہ ترمذی کی روایت کے مطابق تنہا نماز پڑھنے میں جب زیادہ قوت اور ہمت والا ہو تو اس کے لئے پانچ دن یا تین

دن کی بھی گنجائش ہے؛ لیکن جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھنے میں مقتدیوں میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، کمزور بھی ہوتے ہیں اور نئے مزاج کے بھی ہوتے ہیں، ان کے لئے ڈیڑھ دو پارہ قرآن سننا بھی مشکل اور بھاری ہوجاتا ہے؛ اس لئے ایک دن میں زیادہ سے زیادہ تین سوا تین پارہ پڑھنے کی گنجائش ہوسکتی ہے، اس سے زیادہ پڑھنے میں مقتدیوں میں اکتاہٹ کا ماحول پیدا ہوجاتا ہے، جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں پانچ دن میں قرآن ختم کرنے کی جو بات لکھی گئی ہے، اس سے باز رہنا ضروری ہے۔

حدثني عبدالله بن عمرو بن العاص، قال: كنت أصوم الدهر، وأقرأ القرآن كل ليلة –إلى– قال: واقرأ القرآن في كل شهر، قال: قلت: يا نبي الله! إني أطيق أفضل من ذلك، قال: فاقرأه في كل عشرين، قال: قلت: يا نبي الله! إني أطيق أفضل من ذلك، قال: فاقرأه في كل عشر، قال: قلت: يا نبي الله! إني أطيق أفضل من ذلك، قال: فاقرأه في كل سبع ولا تزد على ذلك، فإن لزوجك عليك حقا، ولزورك عليك حقا، ولجسدك عليك حقا، قال: فشددت، فشدد علي. (مسلم شريف، كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر ١/ ٣٦٦، رقم: ١١٥٩، أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، أبواب قراءة القرآن وتحزيبه وترتيله ١/ ١٩٧، دارالسلام، رقم: ١٣٨٨، ترمذي شريف، باب في كم أقرأ القرآن؟ النسخة الهندية ٢/ ١٢٣، دارالسلام، رقم: ٢٩٤٦)

عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اقرأ القرآن في شهر، قلت: إني أجد قوة حتى قال: فاقرأه في سبع ولا تزد على ذلك. (بخاري شريف، كتاب فضائل القرآن، باب في كم يقرأ القرآن؟ النسخة الهندية ٢/ ٧٥٦، رقم: ٤٨٦٣، ف: ٥٠٥٤)

اور یہ جو طریقہ لکھا گیا ہے کہ مائک شیرینی وغیرہ کا خرچ حافظ صاحب دیتے ہیں، یہ طریقہ غلط ہے، ان سب چیزوں کا نظم محلے والوں کو کرنا چاہئے اور پھر قرآن سنا کر کے ختم قرآن کے

موقع پر پیسہ اکٹھا کر کے حافظ صاحب کو پیش کرنا اور حافظ صاحب کا ان کو قبول کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، یہ قرآنی آیت: ''لَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلاً'' کی وعید میں داخل ہو کرنا جائز اور حرام ہے۔

قال أبو العالية: لا تأخذوا عليه أجرا. (تفسير ابن كثير ١/ ٢٢٢)

''لَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلاً''. يقول: لا تأخذوا عليه أجرا.

(الدرالمنثور، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰/ ۱۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۲۳ھ

نماز تراویح میں ہر سورت کے شروع میں جہراً ''بسم اللہ'' پڑھنا

سوال [۳۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تراویح کے اندر ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو بآواز بلند پڑھنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو ہم بآواز بلند پڑھیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں اپنے امام ابوحنیفہؒ کیا فرماتے ہیں؟ اور امام عاصم الکوفی کیا فرماتے ہیں؟ اور اپنے اکابرین دارالعلوم دیوبند کا اس پر کیا عمل رہا ہے؟ ہم کس پر عمل کریں؟ ہم سورت کے شروع میں بآواز بلند تراویح کے اندر پڑھیں یا نہیں؟ اگر ہم با آواز بلند پڑھتے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کا اس کے بارے میں کوئی اختلاف تو نہیں ہے؟ اگر اس کے بارے میں امام صاحب کا اتفاق ہے تو اس کی بھی وضاحت فرمائیں، تاکہ ہم صحیح عمل کرسکیں، آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں

المستفتی: نجیب الرحمٰن بھاگلپور، امام گملے والی مسجد پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات حنفیہ کےنزدیک ہرسورت کےشروع میں ''بسم اللہ'' شریف کا پڑھنا مشروع ہے؛ البتہ ہر سورت کے شروع میں جہراً پڑھنا مسنون نہیں ہے، نیز حضرت امام عاصمؒ کےنزدیک ہرسورت کےشروع میں پڑھناضروری توہے؛ لیکن جہراً پڑھناان کے یہاں بھی ضروری نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی۲/۲۳۱،فتاوی دارالعلوم۴/ ۸۷ ۲)

إن الفتوى على قول أبي يوسفؒ أنه يسمي في أول كل ركعة ويخفيها، وذكر في المحيط: المختار قول محمد، وهو أن يسمى قبل الفاتحة، وقبل كل سورة في كل ركعة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب لفظة الفتوى آكدو أبلغ من لفظة المختار، زكريا ۲/ ۱۹۲، كراچى ۱/ ٤۹۰)

وأما الموضع الرابع: فإنه يخفى عندنا ...... وروى الطبراني، ثنا محمد بن أبي السرى، ثنا معتمر بن سليمان عن أبيه عن الحسن عن أنس – رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسر ببسم الله الرحمن الرحيم، وأبا بكر وعمر وعثمان وعليا. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۱/ ۲۵۵، رقم: ۷۳۹)

وهو مذهب الثوري وابن المبارک، وقال ابن عبدالبر وابن المنذر: هو قول ابن مسعود وابن الزبير، وعمار بن ياسر، وعبد الله بن المغفل، والحاكم، والحسن بن أبي الحسن، والشعبي، والنخعي، والأوزاعي، وعبدالله بن المبارک، وقتادة، وعمر بن عبدالعزيز، والأعمش، والزهري، ومجاهد، وحماد، وابن عبيد، وأحمد، واسحاق رحمهم الله. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفيه ديوبند ۳۰۷، ۳۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۹۸)

ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنے سے متعلق تحقیقی فتویٰ

سوال [۳۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بکر کہتا ہے کہ ''بسم اللہ'' امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن کا مطلقاً جزو ہے، ہر سورت کا جزو نہیں، تو اس لحاظ سے بسم اللہ کا ایک مرتبہ تراویح میں زور سے پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے پورے ختم قرآن میں کہیں بھی بسم اللہ زور سے نہیں پڑھی تو اس صورت میں قرآن کریم مکمل ہوگا یا ناقص؟ مدلل ومفصل جواب مطلوب ہے۔

(۲) امام عاصمؒ کے مذہب کے مطابق ہر دو سورتوں کے درمیان ''بسم اللہ'' پڑھنا ضروری ہے، جو قراءت متعارف ہند کے مطابق ہے۔ اور امام اعظم کے مذہب میں تراویح کے اندر ''بسم اللہ'' ہر سورت کے شروع میں زور سے نہیں پڑھتے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' مرسوم نہیں ہے؛ اس لئے پڑھنا بھی مشروع نہیں؛ بلکہ ایک مرتبہ کسی غیر معین سورت کے اول میں پڑھی جاتی ہے، تو اس صورت میں ختم کلام مجید بروایت حفص عن العاصم کس طرح پورا ہوگا؛ کیوں کہ امام عاصمؒ ''بسم اللہ'' کو ہر سورت کا جزو مانتے ہیں، ورنہ تو ان قاریوں کی روایت پڑھنی چاہئے جن کے یہاں ''بسم اللہ'' ہر سورت کا جزو نہیں ہے، تاکہ قرآن ناقص نہ رہے، نیز ان لوگوں پر تنقید کرنا جو تراویح میں ''بسم اللہ'' ہر سوت کے شروع میں بالجہر پڑھتے ہیں، کہاں تک درست ہے؟ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اخلاق حسین قاسمی، خادم القرآن مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بکر کا یہ کہنا کہ ''بسم اللہ'' حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن کریم کا مطلقاً جزو ہے، ہر سورت کا جزو نہیں، درست اور صحیح ہے؛ لہٰذا پوری تراویح میں ختم قرآن کے لئے کسی بھی غیر معین سورت کے شروع میں ایک مرتبہ ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنا لازم اور ضروری ہے، ورنہ قرآن ناقص رہ جائے گا، اگر امام نے بجائے جہراً کے سراً

پڑھ دیا تو اس سے صرف امام کا ختم پورا ہوگا، سامعین کے ختم میں ایک آیت کی کمی رہ جائے گی؛ لہٰذا امام کو چاہئے کہ قرآن کریم کی دیگر آیتوں کی طرح ''بسم اللہ'' بھی ایک دفعہ جہراً پڑھے، تاکہ امام اور سامعین دونوں کا قرآن مکمل ہو جائے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۶۲، امداد الاحکام ۲/ ۲۴۴، امداد الفتاوی ۱/ ۴۹۵)

وهی آية واحدة من القرآن كله أنزلت للفصل بين السور. (الدرالمختار على هاشم رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة ۱/ ۴۹۱، كراچی ۲/ ۱۹۳، زكريا ديوبند، فتاوى عالمگيری، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ۱/ ۷۴، جديد ۱/ ۱۳۱، طحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سنن الصلاة، دارالكتاب ديوبند ۲۶، قديم ۱۴۱، أحكام القرآن، القول فی أنها من فاتحة الكتاب، مطبع سهيل اكيڈمی لاهور ۱/ ۹)

ولو قرأ تمام القرآن في التراويح، ولم يقرأ البسملة في ابتداء سورة من السور، سوا ما فی النملة لم يخرج عند عهدة السنية، ولو قرأها سرا خرج عن العهدة، لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة. (أحكام القنطرة، ص: ۲۷۳، بحواله فتاوی محموديه قديم ۱۶/ ۴۳۸، جديد ڈابهيل ۷/ ۳۰۱)

(۲) امام عاصم یا قراءت حفص کی تقلید صرف قرآن کریم کی تلاوت اور وجوہ قرأت میں کی جاتی ہے، باقی نماز کے احکام میں ان کی تقلید نہیں کی جاتی ہے، اس میں صرف فقہاء کرام کی تقلید کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے ماننے والے امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کریں، امام شافعیؒ کے مقلدین امام شافعیؒ کی تقلید کریں اور امام احمدؒ کے مقلدین امام احمدؒ کی تقلید کریں۔ رہی بات ''بسم اللہ'' کے ہر سورت کے شروع میں زور سے پڑھنے کی تو چونکہ ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' کا جہراً پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنا مسنون

نہیں ہے؛ البتہ آہستہ پڑھنا ثابت ہے، اگر کوئی حنفی مسلک کا آدمی ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ جہراً پڑھتا ہے، تو اس کو مسئلہ بتا دیا جائے کہ ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنا امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا نہیں؛ لہٰذا حنفی آدمی کو بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے، زور سے نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳/۴۲۱، ۳/۴۲۳، جدید زکریا ۳/ ۴۶۷، زکریا مطول ۳/ ۵۹۰، فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۶۸، ۴/ ۲۷۸، احسن الفتاویٰ، زکریا ۳/ ۷۴، ایضاح المسائل/ ۳۰)

عن أنس – رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسر ببسم الله الرحمن الرحيم، وأبا بكر وعمر وعثمان وعلي رضى الله عنهم. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ١/ ٢٥٥، رقم: ٧٣٩، أحكام القرآن، وأما قراء تها في الصلاة، سهيل اكيڈمی لاهور ١/ ١٣)

ولا تسن بين الفاتحة والسورة مطلقا ولو سرية، ولا تكره إتفاقا –إلى قوله– وليست من الفاتحة، ولا من كل سورة. (الدرالمختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب لفظ الفتوى آكد وأ بلغ من لفظ المختار، كراچی ١/ ٤٩٠، زكريا ٢/ ١٩٢، ٢/ ١٩٣)

ولا يسمى بين الفاتحة والسورة هكذا فى الوقاية والنقاية، وهو الصحيح. (فتاوى عالمگيرى، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، زكريا قديم ١/ ٧٤، جديد ١/ ١٣١، طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب سنن الصلاة، دارالكتاب ديو بند ٢٦١، قديم ١٤٢)

وروى هشام عن أبي يوسف قال: سألت أبا حنيفةؒ يجزيه قرائتها قبل الحمد. (أحكام القرآن، سهيل اكيڈمی لاهور ١/ ١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۸ھ

ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' جہراً پڑھی جائے یا سراً؟

سوال [۳۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز تراویح میں ہر سورت کے شروع میں جہراً بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے؟ اور حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے؟

المستفتی: عرفان حیدرآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احناف کے نزدیک تراویح میں ہر سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنا خلاف سنت ہے اور سراً پڑھنا افضل اور مستحسن ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۲۹۹، میرٹھ ۱۱/ ۳۷۷، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۹، کفایت المفتی، زکریا ۳/ ۴۶۸، قدیم ۳/ ۴۲۱، زکریا مطول ۳/ ۵۹۰، ایضاح المسائل ۳۰، امداد الفتاوی ۱/ ۴۹۵)

عن أنس -رضي الله عنه- قال: كان رسول الله ﷺ وأبو بكر، وعمر، وعثمان يفتتحون القراءة بالحمد لله رب العالمين...... والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين، ومن بعدهم كانوا يستفتحون القراءة بالحمد لله رب العالمين. (ترمذي، كتاب الصلاة، باب في افتتاح القراءة بالحمد لله رب العالمين، النسخة الهندية ١/ ٥٧، دارالسلام، رقم: ٢٤٦، صحيح مسلم، الصلاة باب حجة من قال: لا يجهر بالبسملة، النسخة الهندية ١/ ١٧٢، بيت الأفكار، رقم: ٣٩٩)

قد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يفتتح الصلاة، أي القراءة بالحمد لله رب العالمين، ولا يجهر ببسم الله، أقول: ولا يبعد أن يكون جهر بها فى بعض الأحيان ليعلمهم سنة الصلاة، والظاهر أنه كان يخص بتعليم

هذه الأذكار الخواص من الصحابة، ولا يجعلها بحيث يؤاخذ بها العامة ويلامون على تركها. (حجة الله البالغة، مكتبه حجاز ۲/ ٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۴۲)

تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں ''بسم اللہ'' جہراً پڑھنا

سوال [۳۱۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح کے اندر ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً ہے یا سراً؟ اگر سراً ہے تو بظاہر امام عاصم کے قول کے خلاف معلوم ہوتا ہے؛ چونکہ امام عاصم کے نزدیک جن کی روایت حفص ہر جگہ پڑھی جاتی ہے، ان کے یہاں بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے، اب یہاں زیر غور بات یہ ہے کہ ہم کس کے قول پر عمل کریں گے، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے یا امام عاصم کے؟ حالانکہ کسی کہنے والے نے کہا کہ امام ابوحنیفہ قراءت میں خود امام عاصم کے شاگرد ہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر حافظ ایک جگہ بسم اللہ جہراً پڑھتا ہے اور بقیہ جگہ میں سر کرتا ہے، بقول امام عاصم سامع کی اتنی آیتیں ناقص رہ جاتی ہیں، اس کی صورت حال کیا ہے؟ اس کی بھی وضاحت کریں، مفتی بہ قول جہراً پڑھنے کا ہے یا سراً؟

المستفتی: عبداللہ طارق، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ہم نماز میں ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں، حضرت امام عاصم کے مقلد نہیں، ہم کو امام اعظم کے مسلک پر عمل کرنا چاہئے، امام عاصم کے قول پر نہیں، نیز حنبلی مسلک میں بھی ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً مسنون نہیں ہے؛ اس لئے امام حرم بھی ہر سورت کے شروع میں جہراً نہیں پڑھتے ہیں اور بعض کیسٹوں میں امام حرم کی قرأت بھرنے

والوں نے اپنی طرف سے اضافہ کردیا ہے، اس کا اعتبار نہیں؛ لہٰذا پورے قرآن میں صرف ایک جگہ بسم اللہ پڑھے گا تو قرآن کے مکمل ہونے میں کوئی کمی باقی نہیں رہے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳/۴۲۱، جدید زکریا ۳/۴۶۷، زکریا مطول ۳/۵۹۰، فتاوی دارالعلوم ۴/۲۶۸)

عن أنس –رضي الله عنه– قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبوبكر، وعمر، وعثمان يفتتحون القراءة بالحمد لله رب العالمين...... والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين، ومن بعدهم كانوا يستفتحون القراءة بالحمد لله رب العالمين.

(ترمذي، كتاب الصلاة، باب في افتتاح القراءة بالحمد لله رب العالمين، النسخة الهندية ١/ ٥٧، دارالسلام، رقم: ٢٤٦)

ثم عن أبي حنيفة رحمة الله عليه أنه لا يأتي بها في أول كل ركعة، كالتعوذ. (هدايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، أشرفى ديوبند ١/ ١٠٤)

عن أنس –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسر ببسم الله الرحمن الرحيم، وأبا بكر، وعمر، وعثمان، وعليا رضى الله عنهم ومن تقدم من التابعين، وهو مذهب الثوري وابن المبارك، وهو قول ابن مسعود وابن الزبير، وعمار ابن ياسر، وعبدالله بن المغفل، والحكم والحسن، والشعبي، والنخعي، والأوزاعي، وقتادة، وعمر بن عبدالعزيز، والأعمش، والزهري، ومجاهد، وحماد، وأبي عبيد، وأحمد، وإسحاق. الخ

(فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كوئٹه ١/ ٢٥٤، ٢٥٥، زكريا ١/ ٢٩٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۱۷ھ

تراویح میں سورت ملانے کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا؟

سوال [۳۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حافظ صاحب نے ختم تراویح کی شب ۱۹/ رکعات میں سورۂ کا فرون تک پڑھا اور بیسویں رکعات میں سورۂ فاتحہ اور ''قل اعوذ برب الناس'' تک پڑھ کر پھر سورۂ فاتحہ پڑھی، اسی رکعت میں اور ایک رکوع سورۂ بقرہ کا بھی پڑھا، تو سورۂ فاتحہ کا تکرار لازم آیا، تو تکرار کی صورت میں سجدہ سہو لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر آئے گا تو کیوں؟ اور اگر نفی میں جواب ہو تو مدلل ومفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد فضل الرحمٰن سکونت بھاگلپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکرار نام ہے بلا فصل دہرانے کا۔ اور سوال نامہ کی درج شدہ صورت میں تکرار نہیں ہے؛ بلکہ اعادہ ہے اور اعادہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا؛ لہٰذا مذکورہ شکل میں سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

ولو قرأ الفاتحة، ثم السورة، ثم الفاتحة لا سهو عليه، كذا في الظهيرية، وهكذا في التجنيس، وهو الأصح. (فتاوی عالمگیری، الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثاني في واجبات الصلاة، زكريا قديم ١/ ٧١، جديد ١/ ١٢٨)

ولو قرأ فاتحة الكتاب، وسورة، ثم قرأ فاتحة الكتاب، فلا سهو عليه. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل السابع عشر، سجود السهو، المجلس العلمي، جديد ٢/ ٣١٠، رقم: ١٨٥١، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في سجود السهو، زكريا ٢/ ٣٩١، رقم: ٢٧٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۷۶)

تراویح میں ایک سورت کا تکرار

سوال [۳۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کی بارے میں: ایک روز میں نے اور کچھ دوستوں نے نماز تراویح اہل حدیث حضرات کے امام کی اقتداء میں ادا کی، جب وہ آٹھ رکعت سے فارغ ہوکر وتر پڑھنے لگے،تو ہم الگ ہوگئے، بعد میں ہم نے باجماعت بارہ رکعت تراویح اور پڑھیں، امام نے ایک بار ایک ہی نیت میں دو رکعت کی نماز میں دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھ دی، کیا نماز صحیح ہوگئی؟ کیا ہم امام اہل حدیث کے ساتھ وتر پڑھ کر الگ سے بارہ رکعت پڑھ سکتے ہیں باجماعت؟

المستفتی: اقتدار انیس صدیقی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح ودیگر نوافل میں سورتوں کا تکرار مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ فرائض میں مکروہ ہے۔

ویکرہ تکرار السورۃ في رکعة واحدۃ في الفرائض، ولا بأس بذلک في التطوع. الخ (فتاوی عالمگیری، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ، الفصل الثاني فیما یکرہ في الصلاۃ وما لا یکرہ، زکریا قدیم ۱/ ۱۰۷، جدید ۱/ ۱۶۶)

وینبغي أن یقید ذلک بالفرائض؛ لأن تکرار الفاتحة في النوافل لم یکرہ کما في القهستاني. (مجمع الأنهر، الصلاۃ، باب سجود السهو، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۲۰، حاشیة الطحطاوي علی المراقي، الصلاۃ، فصل في بیان واجب الصلاۃ، دارالکتاب دیوبند ۲۵۵)

نیز اہل حدیث کے ساتھ باجماعت وتر پڑھنے کے بعد بقیہ تراویح ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ جائز ہے۔

فلو فاته بعضها وقام الإمام إلی الوتر أوتر معه ثم صلی ما فاته.

(الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاۃ التراویح، کراچی ۲/ ۴۴، زکریا ۲/ ۴۹۴)

وإذا فاتته ترويحة أو ترويحتان، فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة يشتغل بالوتر، ثم يصلي مافات من التراويح، وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهير الدين. (هندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٧، جديد ١/ ١٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۴۷)

نماز تراویح میں سورتیں مکرر پڑھنا

سوال [۳۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں بعد ختم قرآن پاک کے سورۂ الم ترکیف سے پڑھا جاتا ہے، کیا ایسے میں سورت یا سورتیں مکرر کر کے پڑھنے اور پڑھانے کی جو ممانعت آئی ہے وہ لاگو نہ ہوگی؟

المستفتی: اقتدار انیس صدیقی اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں اس میں لاگو نہ ہوگی۔

ويكره تكرار السورة في ركعة واحدة في الفرائض، ولا بأس بذلك في التطوع. (فتاوى عالمگيرى، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، زكريا قديم ١/ ١٠٧، جديد ١/ ١٦٦)

وينبغي أن يقيد ذلك بالفرائض؛ لأن تكرار الفاتحة في النوافل لم يكره كما في القهستاني. (مجمع الأنهر، الصلاة، باب سجود السهو، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٢٠)

ذكر في فتاوى العتابي: أن تكرار الفاتحة في التطوع لا يكره، لورود الخبر في مثله. (حاشية چلپى، الصلاة، فصل وإذا أراد الدخول في الصلاة كبر، إمداديه

ملتان، قدیم ۱/ ۱۲۸ زكريا ۱/ ۳۲۹، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، دارالكتاب ديوبند، ص: ۲۵۵)

البتہ باجماعت پڑھنے میں خلاف اولی ہے۔(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۰۹) **فقط واللہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۴۷)

تراویح میں دو تین آیات چھوٹ جائیں تو کس طرح اعادہ کریں؟

سوال [۳۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید تراویح کی نماز پڑھا رہا تھا، اتفاقاً کسی رکعت میں دو تین آیتیں چھوٹ گئیں، تو اب سوال یہ ہے کہ ان آیتوں کے اعادہ کا طریقہ کیا ہے؟ جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو آیتیں چھوٹ گئی ہیں، ان کو اگلی رکعت میں پڑھ کر اسی پر رکوع کرلے، آگے نئی قراءت نہ ملائے، پھر اس کے بعد کی رکعتوں میں آگے سے قراءت کرے، اس کے برخلاف زید یہ کہتا ہے کہ ان چھوٹی ہوئی آیتوں کے ساتھ نئی قراءت بھی ملا سکتا ہے، ان ہی پر رکوع کرنا ضروری نہیں، اب بتایئے کہ ان میں صحیح قول کس کا ہے؟ اگر دونوں غلط ہیں تو چھوٹی ہوئی آیتوں کے دہرانے کا طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: قیام الدین، اشرف العلوم بڈا بازار، بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں قراءت کے دوران دو تین آیتیں چھوٹ جائیں اور بعد میں یاد آئیں تو دوسری رکعت میں ان آیتوں کے ساتھ نئی قراءت ملا کر پڑھ سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۹۴)

وإذا غلط في القراءة في التراويح، فترك سورة أو آية، وقرأ ما بعدها، فالمستحب له أن يقرأ المتروكة، ثم المقروءة ليكون على

الترتیب. (هندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٨، جديد ١/ ١٧٧، تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث في التراويح، زكريا ٢/ ٣٢٦، رقم: ٢٥٦٠، كوئٹه ١/ ٦٦٠، خانيه مع الهندية، فصل في مقدار قراءة في التراويح، زكريا ١/ ٢٣٨، جديد ١/ ١٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۶۸)	۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

ترویحہ کی مقدار

سوال [۳۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ترویحہ میں صرف ایک یا دو بار ''سبحان اللہ'' پڑھنے کے بقدر ہی بیٹھتے ہیں، ترویحہ میں کتنی دیر بیٹھنا چاہئے؟ برائے کرم ہردونوں سوالات پر جواب سے مطلع فرما کر مشکور فرمائیے۔

المستفتی: عبدالرشید شیرکوئی، حال ساکن مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے جتنی دیر چار رکعت میں گذر جائے، اور بالکل مختصر بیٹھنا خلاف مستحب ہے۔

يجلس ندبا بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح، كراچی ٢/ ٤٦، زكريا ٢/ ٤٩٦)

وكلما يصلي ترويحتين، ينتظر بين الترويحتين قدر ترويحة ...... فالانتظار بين كل ترويحتين مستحب بمقدار ترويحة واحدة عند أبي حنيفة، وعليه عمل أهل الحرمين. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل

الثالث عشر التراويح، زكريا ۲/ ۳۱۸، رقم: ۲۵۳٤، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح والوتر، المجلس العلمي جديد ۲/ ۲٥۰، رقم: ۱٦۷۸)

ويستحب الجلوس بين الترويحتين قدر ترويحة. (هندية الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ۱/ ۱۱٥، جديد ۱/ ۱۷٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۳۰)

ترویحہ کتنی دیر کا ہونا چاہئے؟

سوال [۳۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز تراویح میں ترویحہ کتنی دیر کا ہونا چاہئے؟

المستفتی: مفتی رضوان صاحب استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کے ہر ترویحہ یعنی چار رکعت پڑھ کر چار رکعت کے بقدر جلسہ واستراحت مستحب ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۲۸۳، میرٹھ ۱۱/ ۳۴۶)

ويستحب الجلوس بين الترويحتين قدر ترويحة، وكذا بين الخامسة والوتر. (هندية، فصل في التراويح، زكريا قديم ۱/ ۱۱٥، جديد ۱/ ۱۷٥)

يجلس ندبا بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر.

(شامي، مبحث صلاة التراويح، زكريا ۲/ ٤۹٦، كراچی ۲/ ٤٦)

فيجلس بين كل ترويحتين مقدار ترويحة أي بين كل أربع ركعات، وهو مخير فيه إن شاء جلس ساكتا، وإن شاء هلل، سبح،

وهـذا الانتظار مستحب لعادة أهل الحرمين. (حلبي كبير، الصلاة، فصل في التراويح، اشرفيه /٤٠٤، تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح ٢/ ٣١٨، رقم: ٢٥٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۲۳/۴۰)

ترویحہ میں ’’سبحان ذی العزۃ‘‘ پڑھنا

سوال [۳۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مسجد میں رمضان شریف میں تراویح کی ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے ہیں: ’’**سبحان ذی العزۃ الخ**‘‘ تو اس کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟۔

المستفتی: محمد خرم میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز تراویح کی چار رکعت کے بعد ترویحہ میں ہر قسم کی دعا واستغفار ودرود شریف پڑھنے کا اختیار ہے، کوئی خاص دعا پڑھنا ضروری نہیں۔ (فتاوی محمودیہ، قدیم ۲/ ۳۵۹، جدید ڈابھیل ۷/ ۳۴۳)

يجلس ندبا بين كل أربعة، وكذا بين الخامسة والوتر، ويخيرون بين تسبيح وقراءة، وسكوت، وصلاة فرادىٰ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچی ٢/ ٤٦، زكريا ٢/ ٤٩٦)

ويستحب الجلوس بعد صلاة كل أربع ركعات بقدرها، وكذا يستحب الجلوس بقدرها بين الترويحة الخامسة والوتر؛ لأنه المتوارث عن السلف ...... وهم مخيرون في الجلوس بين التسبيح والقراءة والصلاة

فرادیٰ. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، دارالكتاب ديوبند ٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۵/۱۴۱۵ھ

تراویح میں دو رکعت پر ''سبحان اللہ'' پڑھنا اور چار رکعت پر خلفائے راشدین کا نام لینا

سوال [۳۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح کی ہر دو رکعت کے بعد ''سبحان فافعل من اللہ ونعمہ'' پڑھنا اور ہر چار رکعات کے بعد خلفائے راشدین کا نام لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ایاز احمد، تمل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ہر دو رکعت کے بعد دعائے مذکورہ خاکسار کی نظر سے نہیں گذری اور ہر چار رکعت پر خلفائے راشدین کا نام لینا بے اصل ہے؛ بلکہ ہر چار رکعت کے بعد یہ دعا پڑھنا ثابت ہے: (مستفاد: فتاوی محمودیہ، ڈابھیل ۳٦۱/۷)

سبحان ذي الملک والملکوت، سبحان ذي العزة، والعظمة والقدرة، والكبرياء، والجبروت، سبحان الملک الحي الذي لا يموت، سبوح قدوس رب الملائكة والروح، لا إله إلا الله نستغفر الله نسألک الجنة، ونعوذ بک من النار. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل مبحث صلاة التراويح، كراچی ۲/ ٤٦، زكريا ۲/ ٤٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۹۳)

تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد ’’فضل من اللہ‘‘ پڑھنا

سوال [۳۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں مروجہ تسبیح یعنی ہر دو رکعت کے بعد ’’**فضل من الله و نعمه**‘‘ اور ہر چار رکعت کے بعد خلفائے اربعہ کے فضائل پر مشتمل تسبیح یا ’’سبحان الملک القدوس‘‘ کو زور زور سے پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے، جب کہ بعض لوگ پڑھنے پر مصر ہیں اور بعض لوگ اس کے مخالف ہیں؟ ازروئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: جوہر الاسلام دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ دعاؤں میں سے ہر دعا پڑھنے کی اجازت ہے، مگر زور سے پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ اور انفرادی دعائیں آہستہ پڑھنا بہتر ہے۔

قال الله تعالیٰ: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً. [سورة الأعراف، آيت: ٥٥]

وينبغي له أن يجتنب ما أحدثوه بعد كل تسليمتين من صلاة التراويح من رفع أصواتهم بذلك، والمشي على صوت واحد، فإن ذلك كله من البدع والحدث في الدين. (مدخل ٢/ ٢٩٣)

ويجلس ندبا بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة والوتر، ويخيرون بين تسبيح وقراءة، وسكوت. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچی ٢/ ٤٦، زكريا ٢/ ٤٩٦)

خير الذكر الخفي. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب في رفع الصوت بالذكر، كراچی ١/ ٦٦٠، زكريا ٢/ ٤٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۶ھ

تراویح کے ہر ترویحہ میں جہراً تسبیح پڑھنا

سوال [۳۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہوں پر نماز تراویح میں یعنی دو رکعت کے بعد تسبیح پکار پکار کر پڑھتے ہیں اور ہر چار رکعت کے بعد بآواز بلند تسبیح پڑھ کر بآواز بلند دعا ہوتی ہے، تو اس طریقہ سے تسبیحات کا پڑھنا ازروئے شرع کیسا ہے؟ تفصیل کے ساتھ جواب سے نوازیں؟

المستفتی: محمد اقرار، ساکن ملک منڈی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: تراویح میں ہر دو رکعت کے بعد کوئی تسبیح ثابت نہیں اور نہ ہی زور سے پکار کر پڑھنا ثابت ہے، ہاں البتہ ہر چار رکعت کے بعد بیٹھنا اور تسبیح ثابت ہے، مگر زور سے پکار کر پڑھنا ہر چار رکعت کے بعد بھی ثابت نہیں ہے۔

قال الله تعالیٰ: ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً. [سورة الأعراف، آيت: ٥٥]

خير الذكر الخفي. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب في رفع الصوت بالذكر، كراچی ١/ ٦٦٠، زكريا ٢/ ٤٣٤)

ويستحب الجلوس بعد أربع بقدرها، وكذا بين الترويحة الخامسة والوتر. الخ (نور الإيضاح، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، إمداديه ديوبند ١٠٠)

ويجلس ندبا بين كل أربعة، وكذا بين الخامسة والوتر، ويخيرون بين تسبيح وقراءة، وسكوت. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچی ٢/ ٤٦، زكريا ٢/ ٤٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۱/۲۴ھ

تنہا عشاء پڑھنے والے شخص کا تراویح اور وتر باجماعت پڑھنا

سوال [۳۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص کی رمضان میں عشاء کی نماز فرض فوت ہو جائے تو کیا وہ تراویح اور وتر امام کے ساتھ باجماعت ادا کرسکتا ہے؟ اور کوئی شخص صرف تراویح یا تراویح اور فرض دونوں جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکا تو وہ وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یامین اصغر رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر رمضان میں کسی شخص نے عشاء کی نماز جماعت سے چھوٹ جانے کی وجہ سے تنہا پڑھی تو صحیح یہ ہے کہ وہ وتر اور تراویح امام کے ساتھ باجماعت ادا کرے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۳۵۲، رحیمیہ ۱/ ۳۵۵،۴/ ۳۸۶)

ولو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح جماعة؛ لأنها تبع فمصليه وحده يصليها معه قضية التعليل في المسألة السابقة بقولهم: لأنها تبع، أن يصلي الوتر بجماعة في هذه الصورة؛ لأنه ليس بتبع للتراويح ولا للعشاء عند الإمام. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كوئٹه ۱/ ۲۹۷، صغيري، مكتبه مجتبائي، دهلى قديم/ ۲۱۰)

اسی طرح صرف تراویح یا فرض اور تراویح دونوں جماعت کے ساتھ نہ پڑھ سکا ہو، تب بھی وتر جماعت کے ساتھ پڑھے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی/۲۳۹)

قال أبو يوسف الباني: إذا صلى مع الإمام شيئا من التراويح يصلي معه الوتر، وكذا إذا لم يدرك معه شيئا منها، وهو الصحيح ذكره

أبو الليث. (كبيري، الصلاة، فصل في التراويح، فروع، مكتبه رحيميه ديوبند قديم: ۳۹۱، جديد، مكتبه اشرفيه ديو بند: ۴۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۲۳ھ

وتر باجماعت پڑھنے کے بعد تراویح کی نماز پڑھنا

سوال [۳۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص تراویح کی نماز باجماعت نہیں پڑھ سکا اور ایسے وقت میں حاضر ہوا کہ وتر کی نماز ہورہی تھی، اس نے عشاء کی نماز تو پڑھ لی تھی؛ لیکن تراویح جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی، اب اس نے وتر جماعت کے ساتھ پڑھ لی، تو کیا حکم ہے؟ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مفتی فرقان مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب اس شخص نے عشاء کی نماز پڑھ لی، اب اس کے لئے وتر کی جماعت میں شریک ہونا جائز ہے، اگرچہ تراویح نہ پڑھ سکا ہو۔ اور وتر باجماعت پڑھ لینے کے بعد اپنی تراویح کی نماز پڑھ لے۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۳/۳۹۳، قدیم ۳/۳۴۹، زکریا مطول ۴/۶۱۱، ایضاح المسائل/ ۳۰ محمودیہ ڈابھیل ۷/۲۷۰، میرٹھ ۱۱/ ۳۶۹)

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده في الأصح، فلو فاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه، ثم صلى ما فاته. (درمختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، كراچی ۲/ ۴۳، زكريا ۲/ ۴۹۴، بدائع الصنائع، الصلاة، فصل في مقدار التراويح، زكريا ۱/ ۶۴۴، كراچی ۱/ ۲۸۸)

وأكثر المشايخ على أن وقتها ما بين العشاء إلى طلوع الفجر، حتى

لو صلاها قبل العشاء لايجوز، ولو صلاها بعد الوتر يجوز؛ لأنها نوافل سنة بعد العشاء، فأشبهت التطوع المسنون بعد العشاء في غير شهر رمضان، قال أبو علي النسفي: هذا القول أصح، قال القاضي الإمام: هنا أراد مشايخ بلدتنا. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح والوتر، المجلس العلمي، جديد ۲/ ۲۵۲، رقم: ۱٦۸۲، رشيديه، كوئٹه قديم ۲/ ۸، الفتاوى التارخانية، الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح، زكريا ۲/ ۳۲۲، رقم: ۲۵٤۵)

ووقتها ما بعد صلاة العشاء، أي الوقت الذي هو بعد صلاة العشاء على الصحيح إلى طلوع الفجر، ويصح تقديم الوتر على التراويح، وتأخيره عنها، وهو أفضل. (حاشية الطحطاوي على المراقي، فصل في صلاة التراويح، دارالكتاب ديوبند جديد، ص: ٤١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۱۲/۴۰)

عشاء کی نماز فاسد ہونے کی صورت میں تراویح اور وتر کے اعادہ کا حکم

سوال [۳۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عشاء کی نماز کے بعد امام نے تراویح اور وتر پڑھائی، اس کے بعد پتہ چلا کہ امام صاحب کے کپڑے ناپاک تھے، جس سے امام کی نماز نہ ہوئی، اب سب کی نماز کا اعادہ ضروری ہے؛ لیکن ایسا ہوا کہ امام نے عشاء کی نماز کے بعد اپنے کپڑے بدل لئے اور تراویح اور وتر پاک کپڑے میں پڑھائی، اب صرف عشاء کی نماز لوٹائیں گے یا تراویح اور وتر بھی لوٹائیں گے، جو بھی حکم ہو مدلل جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: محمد محبوب اناوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب صرف عشاء کی نماز کا فساد معلوم ہوا، تو اب عشاء کی نماز مع تراویح کے لوٹانا ضروری ہے اور وتر کا لوٹانا ضروری نہیں؛ کیوں کہ تراویح عشاء کے تابع ہے اور وتر عشاء کے تابع نہیں، عشاء اور وتر دونوں میں ترتیب ضروری ہے، وہ ترتیب عذر کی وجہ سے ساقط ہوگئی۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۵۹۴)

لو صلى الوتر قبل العشاء ناسيا، أو صلاهما، فظهر فساد العشاء دون الوتر، فإنه يصح الوتر ويعيد العشاء وحدها عند أبي حنيفة؛ لأن الترتيب يسقط بمثل هذا العذر. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت، زكريا قديم ١/ ٥١، جديد ١/ ١٠٨)

إمام صلى العشاء على غير وضوء، وهو لا يعلم، ثم صلى بهم إمام آخر التراويح، ثم علموا فعليهم أن يعيدوا العشاء والتراويح. (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر فى التراويح، زكريا ٢/ ٣٢٢، رقم: ٢٥٤٦)

لو تبين فساد العشاء دون التراويح والوتر أعادوا العشاء، ثم التراويح دون الوتر عند أبي حنيفة بوقوعها نافلة مطلقة بوقوعها في غير محلها، هو الصحيح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة فصل في صلاة التراويح، دارالكتاب ديوبند، ص: ٤١٣، هندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل التراويح، زكريا ١/ ١١٥، جديد ١/ ١٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۱۲)

حافظ کی موجودگی میں غیر حافظ کا ’’الم ترکیف‘‘ سے تراویح پڑھانا

سوال [۳۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جو ابھی حفظ کرتا ہو وہ لڑکا ’’الم ترکیف‘‘ کی تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) خالد مکمل حافظ ہے اور زید مکمل حافظ نہیں اور خالد نے زید کو نماز پڑھانے کی اجازت دے دی، تو زید نے ''الم تر کیف'' سے تراویح پڑھا دی۔ اور زید نے پہلے سے ''الم تر کیف'' کی تراویح پڑھائی ہے، تو کیا زید کو خالد سے اجازت لینی پڑے گی یا نہیں؟ اور دوسرے آدمی نے زید سے کہا کہ تمہیں اس کا مسئلہ معلوم نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے: زید تراویح نہیں پڑھا سکتا ہے، تو اس سلسلے میں کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: محلّہ کچا باغ مسجد حافظ یعقوب والی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید صحیح پڑھتا ہے، تو ''الم ترکیف'' سے اس کا تراویح پڑھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اگرچہ کامل حافظ موجود کیوں نہ ہو۔

لا ينبغي للقوم أن يقدموا في التراويح الخوشخوان، ولكن يقدموا الدرستخوان. (هندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٦، جديد ١/ ١٧٦، كذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح في بيان القراءة في التراويح، سهيل اكيڈمی/ ٤٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۴۰)

نماز تراویح میں مکمل قرآن نہ سنا کر اس کو عشاء فجر اور تہجد میں تقسیم کرنا

سوال [۳۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض جگہ پر بعض امام حضرات نماز وتراویح میں مکمل قرآن کریم سنانے کے بجائے اس کو عشاء، فجر اور تہجد میں اقساط پر ختم کرتے ہیں، کیا اس طرح کرنے سے تراویح میں ختم قرآن کی سنت ادا ہو جائے گی؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبد السبحان، کیلی فورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: نمازتراویح میں دوسنتیں الگ الگ ہیں: (۱) نمازتراویح کاباجماعت پڑھنا (۲) نمازتراویح میں مکمل قرآن کریم کاختم۔ لہٰذا جوحضرات اقساط کرتے ہیں یعنی عشاء، تہجد، فجر اور نمازتراویح میں قرآن کریم کوتقسیم کردیتے ہیں، تو ایسا کرنے سے مکمل قرآن کریم تراویح میں ختم کرنے کی سنت ادانہیں ہوگی۔

والـختم سنة في التراويح. (الـمبسـوط لـلسرخسي، كتاب التراويح، الفصل السادس في حق قدر القراء ة، مكتبه دارالكتب العلمية ۲/ ۱٤٦)

وأكثـر المشايخ على أن السنة فيها الختم مرة، فلا يترك لكسل القوم. (هداية، باب النوافل، فصل في قيام شهر رمضان، مكتبة البشرىٰ ۱/ ۳۱۲، أشرفی ۱/ ۱٥۱)

وقيـل: يـقـرأ في كل ركعة من عشرين إلى ثلاثين؛ لأنه روي أن عمر –رضـي الله عـنـه– دعـا بثلاثة من الأئمة فاستقرأ هم وأمرأولهم أن يقرأ في كـل ركعة بثلاثين –إلى– إذ السنة أن يختم القرآن مرة في التراويح. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن التراويح، زكريا ۱/ ٦٤٦، كراچی ۱/ ۲۸۹)

والختم مرة سـنة، ومـرتيـن فضيلة، وثلاثا أفضل، ولا يترك الختم لكسل القوم. (درمـختـار مـع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچی۲/ ٤٦، زكريا ۲/ ٤۹۷)

والـحاصل أن السنة فى التراويح إنما هي الختم مرة الخ. (التاتارخانية ۲/ ۳۲٤، رقم: ۲٥٥۲)

عـن الـحسـن قـال: مـن أم الناس في رمضان فليأخذ بهم اليسر، فإن كان بطيء القراء ة فليختم القرآن ختمة، وإن كان قراء ة بين ذلك فختمة ونصف، وإن كان سريع القراء ة فمرتين. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة،

باب كم يصلي في رمضان من ركعة؟ موسسة علوم القرآن جديد ٥/ ٢٢٢، رقم: ٧٧٦١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۳/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۱۳ھ

کیا پہلے عشرہ میں قرآن سن کر بقیہ ایام کی تراویح ساقط ہوجاتی ہیں؟

سوال [۳۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کہتا ہے کہ اگر کسی نے تین دن یا پانچ دن یا دس دن وغیرہ میں مکمل قرآن سن لیا تو اب مابقیہ دنوں میں اس کو تراویح پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور دلیل میں شامی کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

لا يكره له ترك التراويح فيما بقي؛ لأنها شرعت لأجل ختم القرآن مرة. (شامي، زكريا ٢/ ٤٩٧، طحطاوي على المراقي /٤١٤، حلبي كبير/٤٠٧)

تو کیا اس سلسلہ میں کوئی گنجائش ہے؟ اگر نہیں ہے تو شامی کی مذکورہ عبارت کا کیا مطلب ہے؟ جب کہ ان ایام میں تراویح پڑھنے کے قول کو بھی ''قیل'' سے بیان کیا گیا ہے؟

المستفتی: محمد اکرم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فقہاء کی عبارت جو سوال نامہ میں نقل کی گئی ہے وہ اپنی جگہ ایسے ہی ہے جیسا کہ سوال نامہ میں نقل کی گئی ہے؛ لیکن یہ قول، قول مرجوح ہے اور قول راجح اور قول مفتی بہ یہی ہے کہ مابقیہ دنوں میں تراویح کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور نفس تراویح بھی مسنون ہے۔ اور تراویح کا سلسلہ منقطع کردینا مکروہ ہے۔ اور جس شخص نے فقہاء کا مذکورہ جزئیہ نقل کر کے استدلال کیا ہے وہ شاید فقہ کی تمام جزئیات پر واقف نہیں؛ اس لئے

ہر شخص کے لئے فتوی لکھنا بھی درست نہیں، نیز قول راجح یہ بھی ہے کہ اگر پہلے عشرہ میں یا نصف رمضان تک پہلا قرآن کریم ختم کرلیا ہے، تو رمضان کے دوسرے عشرہ میں دوسرا قرآن کریم پڑھا جائے، فقہاء کے جزئیات ملاحظہ ہوں:

لو حصل الختم في ليلة التاسع عشر، أو الحادي والعشرين لا تترك التراويح في بقية الشهر؛ لأنها سنة في جميع الشهر، كذا في الجوهرة النيرة: الأصح أنه يكره له الترك، كذا في السراج الوهاج. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الفصل التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٨، جديد ١/ ١٧٧، الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب فضل قيام شهر رمضان، دارالكتاب ديوبند ١/ ١١٩، إمداديه ملتان ١/ ١١٩)

ولو عجل الختم له أن يفتتح من الأول القرآن في بقية الشهر. (فتاوى خانيه على الهندية، الصلاة، فصل في مقدار القراءة في التراويح، زكريا ١/ ٢٣٨، زكريا جديد ١/ ١٤٧)

والختم مرة سنة، ومرتين فضيلة، وثلاثا أفضل. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح، كراچی ٢/ ٤٧، زكريا ٢/ ٤٩٧، عالمگيری، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٧، جديد ١/ ١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲۸ھ

ختم کے بعد تراویح ''الم ترکیف'' سے پڑھی جائے؟

سوال [۳۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں قرآن پورا ہوگیا دس یوم میں، بقیہ تراویح ''الم ترکیف'' سے پڑھنا افضل ہے

یا قرآن کی دوسری سورت سورۂ ''رحمٰن'' میں بیس رکعت تراویح پڑھی جاسکتی ہے یا سورہ ''ملک،ق،مراسلات'' وغیرہ؟

المستفتی: صاحبزادہ سفیان حافظ عبدالرحمٰن تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''الم ترکیف'' سورہ ''رحمٰن، ملک، ق، مرسلات'' ہر طرح، ہر ایک سے پڑھنا ئز ہے۔ اور افضل یہی ہے کہ اگر ایک ختم کرنا ہے تو پورا رمضان ایک سوا سوا پارہ پڑھ کر ۲۷/ رمضان المبارک کو ختم کیا جائے، اور اگر ایک قرآن دس روز میں ختم کیا جاتا ہے اور لوگ اس کو شاق محسوس نہیں کرتے ہیں، تو تین ختم کرنا افضل ہے۔ اور اگر پندرہ دن میں ایک ختم آسانی سے کیا جاسکتا ہے تو دو ختم کرنا افضل ہے۔

عن الحسن قال: من أم الناس في رمضان فليأخذ بهم اليسر، فإن كان بطيء القراء ة فليختم القرآن ختمة، وإن كان قراء ة بين ذلك فختمة ونصف، وإن كان سريع القراء ة فمرتين. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، باب كم يصلي في رمضان من ركعة؟ موسسة علوم القرآن جديد ٥/ ٢٢٢، رقم: ٧٧٦١)

والختم مرة سنة ومرتين فضيلة، وثلاثا أفضل. وتحته في الشامي: حتى يحصل الختم في ليلة السابع والعشرين. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، زكريا ٢/ ٤٩٧، كراچی ٢/ ٤٦)

السنة في التراويح إنما هو الختم مرة ...... والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مراة أفضل، كذا في السراج الوهاج (هنديه، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٧، جديد ١/ ١٧٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۶۳/۲۶)

نماز تراویح میں امام کا قرآن کو ہاتھ میں لے کر پڑھنا

سوال [۳۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض امام تراویح اور قیام اللیل میں قرآن ہاتھ میں لے کر دیکھ کر پڑھتے ہیں، کیا نماز میں ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتی: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: تراویح اور قیام لیل میں قرآن کریم ہاتھ میں لے کر دیکھ کر پڑھنا عمل کثیر کی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مفسد صلاۃ ہے، اور حضرت امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام سعید بن المسیبؒ، امام حسن بصریؒ، امام مجاہد بن جبیرؒ، امام ربیعۃ الرائےؒ وغیرہ کے نزدیک نماز مکروہ ہوجاتی ہے۔ (الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۸/ ۱۱)

لا تجوز القراء ة في مصحف، ولا في غيره لمصل إماما كان أو غيره، فإن تعمد ذلك بطلت صلاته، وقد روينا هذا عن جماعة من السلف منهم سعيد بن المسيب، والحسن البصري، والشعبي، وعبدالرحمن السلمي، وهو مذهب أبي حنيفة، والشافعي. (المحلى بالآثار ٢/ ٣٦٥)

ہاں البتہ حنبلی مسلک میں جائز ہے، جیسا کہ جزیرۃ العرب میں اکثر حنبلی لوگ رہتے ہیں، ان سے یہ عمل دیکھنے میں بھی آتا ہے اور اسی طرح غیر مقلدین کے یہاں یہ عمل جائز ہے اور یہ لوگ جواز میں امام بخاریؒ کی "**إمامة العبد**" کے عنوان کے ذیل میں ترجمۃ الباب کی عبارت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام حضرت ذکوان قرآن سے دیکھ کر امامت کرتے تھے، عبارت ملاحظہ ہو:

وكانت عائشة يؤمها عبدها ذكوان من المصحف. (بخاري شريف، باب إمامة العبد تعليقا، النسخة الهندية ١/ ٩٦)

اب امام بخاریؒ کی ترجمۃ الباب کی اس عبارت پرغور کر کے دیکھنا چاہئے، اس میں صرف اتنی بات ہے کہ ''**یؤمها عبدها ذکوان من المصحف**'' کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان مصحف سے دیکھ کر امامت فرماتے تھے، اس میں صرف اتنی بات واضح ہے کہ مصحف سے دیکھ کر امامت فرماتے تھے، اس میں قرآن کریم ہاتھ میں لینے کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے؛ لہٰذا اس عبارت کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ ہر دو رکعات یا چار رکعات کے بعد ترویحہ کے دوران آگے کی رکعتوں میں جو پڑھنا ہے، اس کو قرآن کریم سے ایک نظر دیکھ لیتے تھے اور اسی کو ''**من المصحف**'' الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پیچھے لقمہ دینے والا کوئی حافظ نہیں تھا؛ اس لئے ترویحہ کے درمیان دیکھ لیا کرتے تھے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قرآن کریم کو باضابطہ ہاتھ میں لے کر دیکھ کر پڑھتے تھے، جس سے عمل کثیر لازم آتا ہے۔ اور عمل کثیر نماز کے اندر کسی کے نزدیک مشروع نہیں ہے۔

یحتمل أن یکون معنی یؤمها في رمضان في المصحف أنه لم یکن خلفه حافظ یفتح علیه في الصلاة، بل کان یراجع المصحف مرة بعد مرة فی جلسات ترویحاته، فهذا یطلق علیه الإمامة من المصحف عرفا.

(إعلاء السنن، الصلاة، باب فساد الصلاة بالقراءة من المصحف، دارالکتب العلمیة بیروت ٥/ ٦٢، کراچی ٥/ ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

تراویح میں قرآن دیکھ کر پڑھنا

سوال [۳۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شافعی امام کی اکثریت ہے، کہیں امام مسجدوں میں تراویح کی نماز میں

قرآن دیکھ کر پڑھتے ہیں، پیچھے کچھ مقتدی بھی قرآن دیکھتے ہیں، اس طرح نماز جائز ہوگی یانہیں؟ جواب دے کرعنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: شفیع احمد الاعظمی بحرین، بمعرفت محمد عمر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن کریم سے دیکھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں نماز فاسد ہوجاتی ہے، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے۔

وإن قرء المصلي القرآن من المصحف، أو من المحراب تفسد صلاته عند أبی حنيفة (إلى قوله) وعند الشافعي لا يكره أيضا . (غنية المستملی، فصل فيما يفسد الصلاة، أشرفيه ديوبند: ٤٤٧)

حضرات شوافع جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس کا جواب محدثین کرام نے یوں دیا ہے کہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ حافظ قرآن تھے، رمضان المبارک میں تراویح پڑھایا کرتے تھے؛ لیکن پیچھے لقمہ دینے کے لئے کوئی سامع نہیں ہوتا تھا، تو وہ قرآن کریم سامنے رکھ لیا کرتے تھے، اور ترویحات کے جلسات میں قرآن کریم سے دیکھ لیا کرتے تھے، اس کو عرف میں ''**إمامة من المصحف**'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وتقرير الجواب أن ذكوان كان حافظا لما يقرأه فلم يوجد التلقن بل إنما وجدت الاستعانة بالمصحف في الجملة (إلى قوله) بل كان يراجع المصحف مرة بعد مرة في جلسات ترويحاته، فهذا يطلق عليه الإمامة من المصحف عرفا . (إعلاء السنن، الصلاة، باب فساد الصلاة، بالقراءة من المصحف، كراچی ٥/ ٥١، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٦٢)

لہٰذا اس صورت میں شافعی امام کے پیچھے حنفی کی نماز نہیں ہوگی، حنفی کو علیحدہ پڑھ لینا چاہئے۔ اور شوافع سے معارضہ بھی نہ کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰۲/۲۳)

قرآن کریم دیکھ کر امامت کرنا

سوال [۳۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس وقت ایک ضروری امر کے لئے جناب کو تکلیف دے رہا ہوں کہ یہاں کنیڈا اور امریکہ میں حفاظ اور علماء کی بہت کمی ہے، کئی مساجد میں قرآن پاک دیکھ کر تراویح پڑھائی جاتی ہے، میرے دو بیٹے الحمدللہ عالم اور حافظ ہیں، ان میں سے ایک عزیزم ابراہیم سلمہ نے ایک مسجد میں تراویح پڑھائی، یہاں کئی سال سے قرآن پاک میں دیکھ کر تراویح پڑھائی جاتی تھی، امسال بھی ایک صاحب قرآن پاک میں دیکھ کر پیچھے جماعت میں تراویح پڑھتے تھے اور لقمہ بھی دیتے تھے، جب ان کو منع کیا گیا تو انہوں نے دلیل کے طور پر عبارتیں پیش کیں:

(۱) فأما ذكوان مولى عائشة كان يؤمها في رمضان من المصحف. رواه مالک، وهذا مذهب الشافعية، قال النووي: ولو قلب أوراقه أحيانا في صلاته لم تبطل، ولو نظر في مكتوب غير القرآن دى ددما فيه في نفسه لم تبطل صلاته، وإن طال لكن يكره نص عليه الشافعي في الاملاء. (من كتاب فقه السنة للسيد السابق)

(۲) يجوز للمصلي أن يقرأ من المصحف نظرا، وهو في الصلاة لم تبلغ نكرات حركات مستواليات في الركعة الواحدة عند الشافعية، وعند المالكية لا تبطل الصلاة بالحركات ما دامت الحركات لا تشعر بخروج المصلي من صلاته. (من كتاب الفتوى للمكوب عبدالرحيم محمود سيكم الأزهر)

یہاں کے لوگ مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں؛ اس لئے یہ جواب تو ان کے لئے کافی نہیں ہے کہ یہ فلاں امام کا مسلک ہے؛ بلکہ ان کو احادیث سے یا شروح احادیث سے جواب دینا ضروری ہے؛ لہٰذا براہ کرم مفصل ہمارے دلائل مع حوالجات ونقول عبارات ارسال فرمائیں تو کرم ہوگا، چونکہ یہاں کتابیں دستیاب نہیں ہوتی؛ اس لئے محض حوالہ تحریر فرمانا کافی نہ ہوگا،

جناب کوتکلیف دے رہا ہوں؛ لیکن اس سے بہت فائدہ کی توقع ہے اور لوگوں کی نماز خراب ہونے سے بچائیں گے، اللہ آپ کو بڑی جزاء خیر عطا فرمائیں۔

المستفتی: ڈاکٹر اسماعیل موتی تورن وال کنیڈا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث میں مصحف دیکھ کر امامت کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه – قال: نهانا أمير المؤمنين عمر – رضي الله عنه – أن نؤم الناس في المصحف، ونهانا أن يؤمنا إلا المحتلم. (رواه ابن أبي داؤد، كنز العمال، فصل فى آداب الإمام ٤/ ٢٤٦، رقم: جامع الأحاديث: ٣١٥٥٩، إعلاء السنن، الصلاة، باب فساد الصلاة بالقراءة من المصحف، بيروت ٥/ ٦١، كراچی ٥/ ٤٩)

جو عبارت آپ نے پیش کی ہے، اس سے ملتی جلتی بخاری شریف ۱/ ۹۶ کے ترجمۃ الباب میں بھی آئی ہے، حدیث کے شارحین نے اس کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ حضرت ذکوان حافظ قرآن تھے، رمضان المبارک میں تراویح پڑھاتے تھے اور ان کے پاس لقمہ دینے کے لئے کوئی حافظ سامع نہیں ہوتا تھا، تو وہ قرآن کریم کو اپنے سامنے رکھ لیتے تھے اور ترویحات کے جلسہ میں مصحف سے دیکھ لیا کرتے تھے، اور عرف میں اس کو امامت ”**من المصحف**“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وتقرير الجواب أن ذكوان كان حافظا لما يقرأه، فلم يوجد التلقن، بل إنما وجدت الاستعانة بالمصحف في الجملة، وبها لا تفسد وأيضا يحتمل أن يكون معنى يؤمها فى رمضان فى المصحف أنه لم يكن خلفه حافظ يفتح عليه في الصلاة، بل كان يراجع المصحف مرة بعد مرة في جلسات ترويحاته، فهذا يطلق عليه الإمامة من المصحف عرفا. (إعلاء السنن، الصلاة، باب فساد الصلاة، بالقراءة من المصحف ٥/ ٥١، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٦٢)

لہٰذا قرآن کریم سے دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ

کی روایت سے ظاہر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۳۰)

تراویح کی نماز بریلویوں کی مسجد میں پڑھی جائے یا غیر مقلدین کی؟

سوال [۳۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کہتا ہے کہ میں ایسی جگہ نوکری کرتا ہوں جہاں دو مسجدیں ہیں: (۱) رضاخانیوں کی (۲) اہل حدیث کی۔ موصوف عالم دین کے ساتھ حافظ قرآن بھی ہیں، موصوف کا کہنا ہے کہ رضاخانیت کا عقیدہ زیادہ بگڑا ہوا ہے، جس کی وجہ سے غیر مقلدین کی مسجد میں آٹھ رکعت تراویح پڑھتا ہوں اور بارہ رکعت اکیلے کمرہ میں پڑھتا ہوں۔ اور موصوف کا یہ عمل مسلسل تین سال سے جاری ہے، تو کیا اس طرح کرنا درست ہے اور اگر اس طرح کرنا درست نہیں ہے، تو اس سے غیر مقلد کی ہمت افزائی تو نہیں ہو رہی ہے؟ بہر صورت جواب مدلل مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالباری، ڈگھی، مہگاواں، ضلع گڈا جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کی نماز غیر مقلدین کی مسجد میں آٹھ رکعت پڑھنے کے بجائے بریلویوں کی مسجد میں بیس رکعت پڑھنا بہتر ہے؛ اس لئے کہ تراویح کی بیس رکعت ہی مسنون ہے۔ اور بریلوی حنفی مسلک کے مقلد بھی ہیں۔ اور غیر مقلدین کسی امام کے بھی مقلد نہیں ہیں؛ لہٰذا غیر مقلدین بریلویوں سے زیادہ گمراہ ہیں۔

فیا للعجب من أین یسمون أنفسهم الموحدین المخلصین وغیرهم بالمشرکین المبتدعین، وهم أشد الناس تعصبا وغلوا في الدین. (الحطة فی

ذکر الصحاح الستة، ص: ۱۵٤، بحواله محموديه ميرٹھ ٤/ ۳۳۳)

هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في المذاهب الأربعة، وهم الحنفيون، والمالكيون، والشافعيون، والحنبليون رحمهم الله، ومن كان خارجا عن هذه الأربعة في هذا الزمان، فهو من أهل البدعة والنار. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الذبائح، كوئٹه ٤/ ۱۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱۱/۱۴۳۴ھ

چھوٹی ہوئی تراویح وتر کے بعد پڑھنا

سوال [۳۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی چار رکعت تراویح شروع کی رہ گئی ہیں، وتر کی جماعت کھڑی ہوگئی، یہ شخص وتر کی جماعت میں شامل ہوجائے اور بعد میں بقیہ چار رکعت ادا کرے، تو کیسا ہے؟ عمر کا کہنا ہے کہ تراویح صبح صادق سے قبل ادا کی جاسکتی ہے؛ اس لئے وتر کے بعد پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

المستفتی: افضال احمد سہس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عمر کا کہنا درست ہے پہلے وتر باجماعت ادا کرے اس کے بعد مابقیہ تراویح پوری کرے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۴۹۶، فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۵۲، ایضاح المسائل/ ۳۰)

وإذا فاتته ترويحة، أو ترويحات فلو اشتغل بها يفوته الوتر بالجماعة يشتغل بالوتر، ثم يصلى ما فات من التراويح، وبه كان يفتي الشيخ الإمام الأستاذ ظهير الدين. (فتاوى عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب التاسع

في النوافل، فصل فی التراویح، زکریا قدیم ۱/ ۱۱۷، جدید ۱/ ۱۷۶)

فلو فاته بعضها وقام الإمام إلی الوتر أوتر معه، ثم صلی مافاته. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاۃ التراویح، کراچی ۲/ ۴۵، زکریا ۲/ ۴۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

تراویح کی چھوٹی ہوئی رکعت وتر سے قبل ادا کریں یا بعد میں؟

سوال [۳۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید تراویح کی نماز میں ایسے وقت شامل ہوا کہ تراویح کی چار رکعتیں ہوچکی تھیں، اب تراویح ختم ہونے کے بعد امام نے فوراً صلاۃ الوتر شروع کردی، تو کیا زید پہلے اپنی چھوٹی ہوئی چار رکعتیں ادا کرے گا یا امام صاحب کے ساتھ وتر میں شریک ہوگا؟

المستفتی: محمد سعید مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب امام صاحب نے تراویح کے فوراً بعد وتر کی نماز شروع کردی تو زید کو بھی امام کے ساتھ وتر میں شریک ہوجانا چاہئے اور اپنی چھوٹی ہوئی چار رکعتیں بعد میں ادا کرلے؛ اس لئے کہ تراویح اور وتر میں ترتیب ضروری نہیں۔

وإذا فاتته ترویحة أو ترویحتان، فلو اشتغل بها یفوته الوتر بالجماعة یشتغل بالوتر، ثم یصلي مافاته من التراویح. (عالمگیري، کتاب الصلاۃ، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراویح، زکریا قدیم ۱/ ۱۱۷، جدید ۱/ ۱۷۶، حلبي کبیر، فصل في التراویح، أشرفي، ص: ۴۱۰، درمختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل،

مبحث في صلاۃ التراویح، کراچی ۲/ ٤٥، زکریا ۲/ ٤٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۴/۵/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۱۵ھ

تراویح میں ایک رکعت پر سلام پھیرنا

سوال [۳۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حافظ صاحب نے رمضان المبارک میں تراویح پڑھائی، تو ایک رکعت پر سلام پھیر دیا، تو مقتدیوں کے کہنے پر ایک ہی رکعت ہوئی، امام صاحب نے کوئی دھیان نہیں دیا، دوسری مرتبہ واپس تراویح کی نیت باندھ کر نماز شروع کی، پھر بھی ایک ہی رکعت پر سلام پھیر دیا، جب امام صاحب نے کوئی دھیان نہیں دیا کہ ایک رکعت پر ہی سلام پھیرا گیا ہے، تو ایک ہی رکعت نماز ہوئی یا نہیں؟ یہاں تک کہ یہ بیس رکعت تراویح میں شمار کی جائیں گی یا نہیں؟ امام یہ کہتا ہے کہ یہ رکعتیں صحیح ہوئی ہیں، اس کے لئے امام صاحب وحافظ صاحب کے لئے شرع کا حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبدالحفیظ مکرانہ ناگور، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے کی وجہ سے وہ رکعت کسی بھی نماز میں شامل نہیں ہوئی نہ وہ نفل ہوئی اور نہ ہی تراویح؛ لہٰذا دومرتبہ امام صاحب نے ایک ایک رکعت پر جو سلام پھیرا ہے، ان رکعتوں کا شرعاً اعتبار نہیں۔ اور اگر ختم قرآن کے ساتھ تراویح پڑھی جارہی تھی، تو ان رکعتوں میں جو قرآن پڑھا گیا ہے، وہ ختم قرآن میں شامل نہیں ہوگا؛ لہٰذا اگر قرآن کے اس حصے کو دوبارہ لوٹ کر نہیں پڑھا گیا ہے، تو قرآن مکمل نہیں ہوا۔ اور امام اور حافظ صاحب کا یہ کہنا کہ یہ رکعتیں صحیح ہوگئیں غلط ہے۔

إن صلاة ركعة فقط باطلة لا أنها صحيحة مكروهة. (شامي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، مطلب صلاة ركعة واحدة باطلة، كراچی ۲/ ۵۲، زكريا ۲/ ۵۰۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتاب ديوبند، ص: ٤٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۷ھ

دو رکعت پر قعدہ کئے بغیر چار رکعت پڑھا دیں تو بعد کی دو رکعت معتبر ہوں گی

سوال [۳۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام تراویح کی نماز میں دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا تیسری رکعت کے سجدہ کے بعد امام کو یاد آیا کہ اس نے قعدہ نہیں کیا ہے، چنانچہ اس نے چار رکعت مکمل کرکے سجدہ سہو کرلیا، تو ایسی صورت میں یہ چار رکعت صحیح ہوں گی یا اخیر کی دو رکعتیں صحیح ہیں؟ شروع کی صحیح نہیں ہیں؟ اور ان میں جو قرآن پڑھا گیا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب امام صاحب نے ایک سلام سے چار رکعت پڑھیں اور قعدہ اولیٰ نہیں کیا اور اخیر میں سجدہ سہو کرلیا، تو صرف اخیر کی دو رکعتیں معتبر ہوں گی اور پہلی دو رکعتیں باطل ہیں، ان کا لوٹانا واجب ہے۔ اور جو قرآن ان دو رکعتوں میں پڑھا گیا اسے لوٹانا مستحب ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۵۲۲، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/۲۶۰، میرٹھ ۱۱/۳۶۳)

وإن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة، والحال أنه لم يقعد على ركعتين منها قدر التشهد تجزئ الأربع عن تسليمة واحدة أي عن ركعتين عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وهو المختار ...... قال قاضي خان: وهو الصحيح.

(حلبي كبير، فصل في التراويح، أشرفيه، ص: ۴۰۸، شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، کراچی ۲/ ۳۶، زکریا ۲/ ۴۸۳، التاتارخانية، الصلاة ۲/ ۳۳۰، رقم: ۲۵۷۱)

وإذا فسد شفع وقد قرأ فيه هل يعيد ما قرأ؟ اختلف المشايخ، قال بعضهم: لا يعيد؛ لأن المقصود هو القراءة، ولا فساد في القراءة، وقال بعضهم: يعيد؛ ليكون الختم في صلاة صحيحة. (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر في التراويح، زكريا ۲/ ۳۲۶، رقم: ۲۵۶۱، خانية على هامش الهندية، فصل في مقدار القراءة في التراويح، زكريا ۱/ ۲۳۸، جديد ۱/ ۱۴۷، هندية، فصل في التراويح، زكريا قديم ۱/ ۱۱۸، جديد ۱/ ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۵/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۷)

تراویح میں دو رکعت پر قعدہ بھول گیا

سوال [۳۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز تراویح سے متعلق مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں معلومات کرنی ہے، تراویح کی نماز میں دوسری رکعت کے بعد امام صاحب تیسری رکعت پوری کر لیتے ہیں، اس درمیان کسی نے ٹوکا بھی نہیں (جب کہ نیت دو رکعت کی باندھی تھی) تیسری رکعت پوری کرنے کے بعد امام صاحب کو خود ہی خیال آیا کہ میں نے غلطی سے تین رکعت پڑھ لی ہیں؛ لہٰذا اب چار ہی کر لی جائیں۔ چوتھی رکعت پر کھڑے ہونے پر پیچھے سے لقمہ دیا گیا، جس کو امام صاحب نے نظر انداز کر دیا (چوتھی رکعت پوری کرنے کے لئے) چوتھی رکعت پر سجدہ سہو بھی کیا گیا، کچھ صاحبان نے یہ چار رکعتیں دوبارہ سے پڑھوائیں، جب کہ کچھ صاحبان نے کہا کہ پہلے ہی ٹھیک ہو گئی تھیں، محترم صحیح مسئلہ سے آگاہ کریں۔

المستفتی: سید نوشاد علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دوسری رکعت پر قعدہ کرلیا ہے، تو چاروں رکعتیں صحیح ہوگئیں۔ اور اگر دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا ہے، تو صرف آخر کی دو رکعتیں صحیح ہوگئیں اور شروع کی دو رکعتیں باطل ہوگئیں۔ اور ان دونوں رکعتوں میں قرآن کریم کا جو حصہ پڑھا گیا ہے اس کو کسی اور تراویح میں لوٹا لینا لازم ہے، ورنہ تراویح میں قرآن مکمل نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل، ص: ۲۹، کفایت المفتی قدیم ۳/ ۳۴۹، جدید، زکریا ۳/ ۳۹۴، زکریا مطول ۴/ ۶۱۱)

وإن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة، والحال أنه لم يقعد على ركعتين منها قدر التشهد تجزئ الأربع عن تسليمة واحدة، أي عن ركعتين عند أبي حنيفة وأبي يوسف، وهو المختار، اختاره الفقيه أبو جعفر، وأبو بكر محمد بن الفضل، قال قاضي خان: وهو الصحيح. (حلبي كبير، فصل في التراويح، أشرفيه، ص: ٤٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸؍ رمضان ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۱۷)	۱۴۱۲/۹/۸ھ

ایک سلام سے پڑھی گئی تراویح کی چار رکعت میں دو رکعت صحیح ہونے کی وجہ

سوال [۳۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں دو رکعت پر قعدہ نہ کر کے تین رکعت پڑھ لے، تو تینوں رکعتیں یا کل نماز نہیں ہوتی ہے، چار پڑھ لے تو اخیر کی دو رکعت صحیح شمار ہوتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

المستفتی: محمد صابر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تراویح میں دوسری رکعت میں نہ بیٹھ کر تیسری رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا ہے، چاہے سجدہ سہو کیا ہو یا نہ کیا ہو، دونوں صورتوں میں یہ نماز باطل ہوجائے گی۔ اور اعادہ لازم ہوگا؛ کیوں کہ دو رکعت پر بیٹھنا فرض ہے اور ترک فرض سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ اور تینوں رکعتوں میں پڑھا ہوا قرآن بھی لوٹانا ضروری ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۴۹۷)

إن صلى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة ولم يقعد في الثانية ساهيا، أو عامدا تفسد صلاته، ويلزمه قضاء ركعتين، وهو الصحيح. (خانية على هامش الهندية، الصلاة، فصل في السهو، زكريا قديم ١/ ٢٤١، جديد ١/ ١٤٩)

اور اگر دوسری رکعت پر قعدہ چھوڑ کر چار رکعت مکمل کرنے کے بعد قعدہ کر کے سلام پھیرا ہے، تو اخیر کی دو رکعتیں صحیح ہوجائیں گی۔ اور شروع کی دو رکعتیں باطل ہوجائیں گی؛ لہٰذا شروع کی دو رکعتوں میں جو قرآن پڑھا گیا ہے اس کا اعادہ لازم ہوگا۔

وقلنا بفساد الشفع الأول، وأخذنا بالاستحسان في حق بقاء التحريمة، وإذا بقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني، وقد أتمها بالقعدة فجاز عن تسليمة واحدة. (خانية على هامش الهندية، الصلاة، فصل في الشك في التراويح، زكريا ١/ ٢٤٠، جديد ١/ ١٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۴ھ

چار رکعت نماز تراویح کی نیت باندھی پھر قعدہ اخیرہ بھول گیا اور دو رکعت مزید پوری کیں تو کتنی رکعت ہوئیں؟

سوال [۳۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام نے چار رکعت نماز تراویح کی نیت باندھی؛ لیکن قعدہ اخیرہ

بھول گیا، مقتدی نے لقمہ دیا، مگر امام بغیر لقمہ لئے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا اور چھ رکعت پوری کی؛ لہٰذا اس صورت میں نماز ہوئی یا فاسد ہوگئی؟

المستفتی: محمد معروف سیتا پوری، متعلم جامع الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قعدہ اولیٰ کرچکا تھا، تو اول دو رکعت بالاتفاق صحیح ہوں گی اور اب قعدہ اخیرہ نہ کرنے کی وجہ سے بقیہ چار رکعتوں میں سے صرف دو رکعت صحیح ہوئیں اور دو رکعت کا اعادہ لازم ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ چھ رکعتوں میں چار رکعت معتبر ہوئیں اور دو رکعت کا اعادہ لازم ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۳۳۰)

إذا صلى ترويحة بتسليمة واحدة، فهذه المسألة على وجهين، الأول: أن يقعد على رأس الركعتين، وفي هذا الوجه اختلاف المشايخ قال بعض المتقدمين: لا يجزيه إلا عن تسليمة واحدة، وقال بعض المتقدمين وعامة المتأخرين: إنه يجزيه عن تسليمتين، قال القاضي الإمام أبو على النسفي: هو الصحيح، ولو صلى ستا أو ثمانيا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، زكريا ۲/ ۳۲۹، رقم: ۲۵۶۹)

لكن صححوا في التراويح أنه لو صلاها كلها بقعدة واحدة، وتسليمة أنها تجزئ عن ركعتين. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، زكريا ۲/ ۴۸۳، كراچی ۲/ ۳۶، حلبي كبير، فصل في التراويح، اشرفيه، ص: ۴۰۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۷۱)

ختم تراویح کا مسنون طریقہ

سوال [۳۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ختم تراویح کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ ہمارے یہاں ایک حافظ صاحب نے ختم تراویح میں ''مفلحون'' تک پڑھنے کے بعد قیام ہی میں قرآنی دعائیہ آیتیں اور دیگر مختلف دعائیں پڑھی ہیں، اور جب ان سے پوچھا گیا تو کہتے ہیں کہ حرم شریف میں اس طرح پڑھتے ہیں، نیز اور بہت سے لوگ اس طرح ختم تراویح میں پڑھتے ہیں۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسا کرنا صحیح ہے یا اس میں کوئی قباحت ہے، یا افضل ہے؟ اور نیز مسنون طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: عبداللہ طارق، ناتھ نگر، بھاگل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ختم قرآن کریم کا مسنون اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ 'مفلحون' پر ختم کیا جائے، اس کے بعد مختلف مقامات سے دعائیہ آیتیں پڑھنے کو فقہاء ممنوع لکھتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم۴/ ۲۶۵،۴/۲۷۳)

اور امام حرم شریف کا عمل ہمارے لئے حجت نہیں ہے، وہ حنبلی مسلک کے لوگ ہیں، ان کے یہاں اس عمل کی اجازت ہے، حنفی مسلک میں نہیں۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه – قال: قال رجل: يا رسول الله! أي العمل أحب إلى الله؟ قال: الحال المرتحل. قال: وما الحال المرتحل؟ قال: الذي يضرب من أول القرآن إلى آخره كلما حل ارتحل. (سنن الترمذي، قبيل أبواب تفسير القرآن، النسخة الهندية ۲/ ۱۲۳، دارالسلام، رقم: ۲۹۴۸)

قراء أهل مكة إذا ختموا القرآن بالتلاوة ابتدأوا وقرأوا الفاتحة وخمس آيات من أول سورة البقرة إلى وأولئک هم المفلحون، ثم يقطعون القراءة ويسمون فاعل ذلک الحال المرتحل. (النهاية في غريب الحديث والأثر، تحت لفظ حلل، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۱۳-۴۱۴)

ولو ختم القرآن في الأولى يقرأ من البقرة في الثانية؛ لقوله صلى الله عليه وسلم: خير الناس الحال المرتحل، يعني الخاتم المفتتح. (حاشية

الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة فصل في المكروهات، دارالكتاب ديوبند، ص: ۳۵۲، شامي، كتاب الصلاة، كراچی ۱/ ٥٤٦، زكريا ۲/ ۲٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۷/۱/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱/۲۹ھ

تراویح میں دو رکعت کے قعدہ کے بعد کھڑے ہوکر مزید دو رکعت پڑھنا

سوال [۳۲۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح کی نماز میں امام صاحب دو رکعت پر بیٹھ گئے، پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہوگئے اور مزید دو رکعت پڑھ لی اور سجدہ سہو نہیں کیا، تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب امام صاحب نے دو رکعت پر قعدہ کرکے مزید دو رکعت پڑھ لی اور سلام پھیر دیا، تو چاروں رکعتیں صحیح ہے۔ اور سجدہ سہو بھی لازم نہ ہوگا۔
(مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۲۹، حاشیہ امداد الفتاویٰ ۱/ ۴۹۸)

وإن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة ...... لو قعد على رأس الركعتين جازت عن تسليمتين بالاتفاق. (حلبي كبير، فصل في التراويح، اشرفي/ ٤٠٨)

وإن قعد في الثانية قدر التشهد اختلفوا فيه، فعلى قول العامة: يجوز عن تسليمتين، وهو الصحيح. (هندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ۱/ ۱۱۸، جديد ۱/ ۱۷۸، خانية على هامش الهندية، باب التراويح، فصل في السهو وأحكامه، زكريا ۱/ ۲٤۰، جديد ۱/ ۱٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۵/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۲۳)

ختم قرآن کے موقع پر ''سورۂ اخلاص'' کو تین مرتبہ پڑھنا

سوال [۳۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگ ختم قرآن پر ''سورہ اخلاص'' تین مرتبہ پڑھتے ہیں، شرعاً کہیں اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ختم قرآن کے موقع پر ''سورۂ اخلاص'' کا تین بار پڑھنا بعض نے اس کو ''لابأس بہ'' کہا ہے۔ اور بعض نے اس کو غیر مستحسن اور خلاف اولیٰ کہا ہے؛ لہٰذا اس کا ترک ہی اولیٰ اور افضل ہے، اور اس اہتمام کو لازم بنالینا مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۲۹۱، آپ کے مسائل اوران کا حل، نعیمیہ ۴/۱۹۲، محمودیہ ڈابھیل ۷/۳۱۲، میرٹھ ۱۱/۳۸۳)

قراءة ''قل هو الله احد'' ثلاث مرات عند ختم القرآن لم يستحسنها بعض المشايخ، وقال الفقيه أبو الليث هذا شيء استحسنه أهل القرآن، وأئمة الأمصار فلا بأس به. (حلبي كبير، الصلاة، القراءة خارج الصلاة، أشرفي/٤٩٦)

قراءة ''قل هو الله احد'' ثلاث مرات عقيب الختم لم يستحسنها بعض المشايخ، واستحسنها أكثر المشايخ لجبر نقصان دخل في قراءة البعض. (هندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة، والتسبيح .... زكريا قديم ٥/ ٣١٧، جديد ٥/ ٣٦٦)

من أصر على أمر مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة قد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة ومنكر. (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، إمداديه ملتان ٢/ ٣٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۱)

ختم قرآن کے موقع پر آخر میں دعائیہ آیتوں کا پڑھنا

سوال [۳۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ختم قرآن کے موقع پر ختم کے بعد مختلف آیتوں سے دعائیہ کلمات پڑھنا کیسا ہے؟ حضرات حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن ختم کرنے کے بعد آخری رکعت میں مختلف دعائیہ آیات کا پڑھنا احناف کے نزدیک مشروع نہیں ہے، فقہاء نے صرف اس موقع پر سورۂ بقرہ کے شروع کا حصہ ''مفلحون'' تک پڑھنے کو افضل کہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۷۳، ایضاح المسائل، ص: ۳۱)

عن زرارة بن أوفى، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل أي العمل أفضل؟ قال: الحال المرتحل، قيل: وما الحال المرتحل؟ قال: صاحب القرآن يضرب من أول القرآن إلى آخره، ومن آخره إلى أوله، كلما حل ارتحل. (مسند الدارمي دارالمغني ٤/ ٢١٨٠، رقم: ٣٥١٩، سنن الترمذي، قبيل أبواب تفسير القرآن، النسخة الهندية ٢/ ١٢٣، دارالسلام، رقم: ٢٩٤٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١١/ ٤٤٤، رقم: ١٥٣٠٦، المعجم الكبير للطبراني دار احياء التراث العربي ١٢/ ١٦٨، رقم: ١٢٧٨٣)

وكذلك قراء أهل مكة إذا ختموا القرآن بالتلاوة ابتدأوا وقرأوا الفاتحة وخمس آيات من أول سورة البقرة إلى: وأولئك هم المفلحون، ثم يقطعون القراءة، ويسمون فاعل ذلك الحال المرتحل، أي ختم القرآن وابتدأ بأوله ولم يفصل بينهما بزمان. (النهاية في غريب الحديث والأثر،

دارالکتب العلمیة بیروت، تحت لفظ حلل ۱/ ۴۱۳-۴۱۴)

إذا ختم فيقرأ من البقرة ”وفي الشامي“: قال في شرح المنية: من يختم القرآن فى الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولى يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خير الناس الحال المرتحل. (شامي، الصلاة، قبيل باب الإمامة، کراچی ۱/ ۵۴۶، زکریا ۲/ ۲۶۹)

الحال المرتحل، فسره بالخاتم المفتتح، وهو من يختم القرآن بتلاوته، ثم يفتتح التلاوة من أوله ...... ولذا قراء مكة إذا ختموا القرآن ابتدؤا، وقرؤا الفاتحة، وخمس آية من البقرة. (حاشية ترمذي، قبيل أبواب تفسير القرآن ۲/ ۱۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۲)

تراویح کی قضاء

سوال [۳۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا تراویح کی قضاء ہوتی ہے؟ کسی دن کی تراویح چھوٹ جانے پر کیسے ادا ہو؟

المستفتی: احقر اقتدار انیس صدیقی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ایک دن کی تراویح فوت ہوجائے تو دوسرے دنوں میں اس کی قضاء لازم نہیں ہے۔

ولا تقضى إذا فاتت (أصلاً) ولا وحده فى الأصح، فإن قضاها كان نفلا مستحبا، وليس بتراويح كسنة مغرب وعشاء. (الدرالمختار، کتاب

الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح، زكريا ۲/ ٤٩٤-٤٩٥)

إذا فات التراويح عن وقتها هل يقضى؟ -إلى- وقال بعضهم: لا يقضي أصلا، وهو أصح. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، زكريا ۲/ ۳۳۵، رقم: ۲۵۸۷، المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح والوتر، المجلس العلمي، جديد ۲/ ۲٦۳، رقم: ۷۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۴۷)

ختم کے دن مسجد اور اس کے درختوں کو لائٹوں سے سجانا

سوال [۳۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نماز تراویح کے لئے روشنی کا کثرت کے ساتھ استعمال کرنا کیسا ہے؟ نیز ختم قرآن کے روز مسجد کو بجلی کے جھار فانوسوں سے آراستہ کرنا، مسجد کے دروازہ پر چھوٹی چھوٹی بجلیوں کی بیل لٹکانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عقیل، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ختم کے دن رات میں ضروریات سے زیادہ روشنی کرنا فضول خرچی ہے؛ اس لئے جائز نہیں ہے، نیز چھوٹی چھوٹی بجلیوں کی بیل لٹکانا سراسر نمائش اور فضول خرچی ہے، اس کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ قرآن کریم میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْن. [سورة بني إسرائيل، آيت: ۲۷]

لا تبذر، أى لاتسرف فى الإنفاق في غير حق، قال الشافعي: والتبذير

إنفاق المال في غير حقه، ولا تبذير في عمل الخير، وهذا قول الجمهور، وقال أشهب عن مالک: التبذير هو أخذ المال من حقه ووضعه فی غير حقه، وهو الإسراف، وهو حرام؛ لقوله تعالى: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْن. (تفسير قرطبي ١٠/ ١٦١، تحت بني إسرائيل، الآية: ٢٧، مكتبه عباس أحمد الباز) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۸۳)

تراویح میں ختم قرآن کے بعد امام صاحب سے پھونک مروانا

سوال [۳۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک میں جس روز ختم قرآن ہوتا ہے، ختم کے بعد امام صاحب تمام مقتدیوں کے پھونک مارتے ہیں، یہ عمل مقتدی حضرات تبرکاً کراتے ہیں، از روئے شرع یہ عمل کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عقیل، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ختم کے بعد امام صاحب سے دم کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ البتہ اس کو رسم نہ بنایا جائے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ڈابھیل ۹/ ۱۰۸)

ولا بأس بالمعاذات إذا كتب فيها القرآن، أو أسماء الله تعالىٰ قالوا: وأما من القرآن أو شيء من الدعوات فلا بأس به. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، کراچی ٦/ ٣٦٣، زكريا ٩/ ٥٢٣، كذا في الهندية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوي والمعالجات، زكريا قديم ٥/ ٣٥٦، جديد ٥/ ٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۰۸۴)

دوران تراویح اور ختم کے دن شیرینی تقسیم کرنا

سوال [۳۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذیل میں شریعت کی رہنمائی مطلوب ہے، ضرورت پڑنے پر ان کو طبع بھی کرایا جا سکتا ہے؛ اس لئے گزارش ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

پوری بستی میں معمول ہے کہ نماز تراویح پڑھانے والے حضرات ہبہ میں دو چار مرتبہ حسب منشا مٹھائی تقسیم کرتے ہیں اور ختم قرآن کریم کے روز تو شیرینی تقسیم کرنا لازمی ہے؛ اس لئے معلوم کرنا ہے کہ:

(الف) مٹھائی تقسیم کرنا کیسا ہے؟ (ب) مسجد میں مٹھائی تقسیم کرنا کیسا ہے؟ (ج) مٹھائی وتروں سے پہلے تقسیم کرتے ہیں، شور نہیں ہوتا، ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہے اور وہیں پر اس کو مٹھائی مل جاتی ہے۔

المستفتی: محمد عقیل، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مٹھائی تقسیم کرنے کو لازم سمجھنا یا التزام کے ساتھ اس کی پابندی کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱/ ۳۷۷)

ہاں البتہ بلا التزام اور بلا چندہ کے کوئی شخص اپنی طرف سے بخوشی تقسیم کرتا ہے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر اس کا چندہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتاوی رشیدیہ، مکتبہ زیا دیوبند/ ۵۱۹)

اگر کوئی شخص اپنی جیب سے خرچ کر کے تقسیم کرتا ہے، تو ایسے وقت میں تقسیم کرنا چاہئے جس میں نماز میں کسی قسم کا خلل لازم نہ آتا ہو، نیز مسجد کی بھی بے حرمتی لازم نہ آتی ہو۔ فقط واللہ

سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۸۳/۳۳)

تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنا

سوال [۳۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:
(۱) ماہ رمضان المبارک میں اختتام قرآن شریف کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے؟ شیرینی تقسیم کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً دو تین روز قبل ہی مسجد میں بعد نماز عشاء یا تراویح میں اعلان کردیا جاتا ہے کہ فلاں دن تراویح ختم ہوگی اور قرآن پورا ہوگا؛ اس لئے جس سے جتنا ہو سکے روپئے جمع کردے، تاکہ شیرینی خریدی اور تقسیم کی جا سکے۔
(۲) دو تین روز قبل ہی چندہ وصول کرنے کے لئے ذمہ دار قسم کے لوگ مصلیان کرام کے گھر جاتے ہیں اور سابقہ وجہ بتا کر روپئے جمع کرلیتے ہیں۔
(۳) محلّہ اور گاؤں میں ایک یا چند مالدار قسم کے لوگ از خود یہ ذمہ داری لے لیتے ہیں کہ جتنی شیرینی کی ضرورت ہوگی ہم اس کا انتظام کردیں گے، چندہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں شیرینی تقسیم کرنا کیسا ہے، آیا مباح ہے یا نہیں؟ کیا عہد صحابہ اور تابعین سے یہ عمل ہو رہا تھا؟ جو حضرات شیرینی تقسیم کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ایسا کرنا قرآن کے اختتام کی خوشی میں ہے، ان حضرات کا یہ نظریہ اور تاویل کہاں تک درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں، تاکہ پورے عوام کو سمجھ میں آجائے۔

المستفتی: خلیل الرحمٰن اعظمی، متعلم مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں تراویح میں ختم قرآن شریف کے لئے عوام سے چندہ کرکے شیرینی تقسیم کرنا بدعت ہے، اس کا صحابہ وتابعین سے کوئی ثبوت نہیں ملتا؛ البتہ اگر کوئی شخص اپنی جیب خاص سے تقسیم کرتا ہے، تو اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے کہ مسجد میں اور نہ اس کے دروازہ پر کسی قسم کا شور وشغب اور نہ آداب مسجد کے خلاف کوئی بات ہو۔

إن اتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لأجل الأكل يكره. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، كراچی ۲/ ۲٤۰، زكريا ۳/ ١٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۳۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۹ھ

ختم تراویح کے دن حافظ صاحب سے دم کروانے کی شرعی حیثیت

سوال [۳۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک میں نماز تراویح میں جو قرآن پاک پڑھا جاتا ہے، اس کی تکمیل والے دن پانی سرمہ اور اپنے جسموں پر دم کرانے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور اس فعل کو بہت اہمیت دی جاتی ہے، بعض جگہ تو سنانے والے حافظ صاحب اپنی جگہ مسجد میں بیٹھے رہتے ہیں، لوگ آتے جاتے ہیں اور پانی سرمہ وغیرہ پر دم کرواتے جاتے ہیں۔ اور بعض جگہ تو حافظ صاحب خود ہی صف اول تا آخر سبھی حضرات پر دم کرکے آتے ہیں، نیز ختم قرآن پاک کی عوام میں کتنی زبردست اہمیت ہے یہ علماء کرام سے مخفی نہیں؛ لہٰذا اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتی: محمد عمران جامع مسجد انصاران، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم تمام نوع انسانی کے لئے ذریعہ ہدایت ہے اور روحانی وجسمانی امراض کے لئے شفاء کا بھی ذریعہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ. [بني إسرائيل: ۸۲]

اس لئے ختم قرآن کے دن سنانے والے حافظ صاحب کے ذریعہ سے پانی وغیرہ پر پھونک مروانے میں کوئی حرج نہیں، ہاں البتہ پھونک مروانے کے لئے اتنے تکلفات اختیار کرنا جو الگ سے ایک نیا طریقہ ہو جائے مناسب نہیں؛ بلکہ جہاں پر حافظ صاحب بیٹھے ہیں، وہاں پر پانی رکھ دیا جائے، حافظ صاحب ان پانیوں پر پھونک ماردیں اس میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن نمازیوں کا اپنے اوپر دم کرانے کے لئے بھیڑ لگانا یہ غیر مناسب ہے۔

قال الله عز وجل: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاء. [سورة حم السجدة: ٤٤]

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عليكم بالشفائين، العسل والقرآن. (المستدرك، كتاب الطب، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۸/ ۲۹۲۳، رقم: ۸۲۲۵، ۷/ ۲٦٥٥، رقم: ۷٤۳٥، مشكوة، كتاب الطب والرقى، الفصل الثالث، أشرفي، ص: ۳۹۱)

قوله: ''الشفائين'' أحدهما للأمراض الحسية، والآخر للعوارض المعنوية، أو لعموم البلايا البدنية والدينية. (حاشية مشكوة شريف، كتاب الطب والرقى، الفصل الثالث، أشرفي، ص: ۳۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۲۷ھ

شبینہ

سوال [۳۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: موجودہ دور کو پیش نظر رکھتے ہوئے شبینہ پڑھنا ازروئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالماجد سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس زمانہ میں شبینہ کا جو رواج ہو چکا ہے، وہ مختلف خرافات کی بنا پر ناجائز اور ممنوع ہے، مثلاً ادھر قرآن پڑھا جا رہا ہے اور ادھر کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں اور کچھ لوگ کھانا، شیرینی وغیرہ میں اور کچھ لوگ انتظام میں لگے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ یوں ہی پھرتے رہتے ہیں اور قرآن کی آواز سب کے کانوں میں پہنچ رہی ہے؛ لیکن اس طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی ہے، نیز حافظ صاحب قرآن کریم کو صحیح مخارج کے ساتھ نہیں پڑھ پاتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۶، احسن الفتاوی ۳/ ۵۴۱، امداد الفتاوی ۱/ ۳۲۲)

عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. (مسند الدارمي، دارالمغني ۲/ ۹۳٦، رقم: ۱۵۲٤، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱۸۹، رقم: ٦۷۷۵)

عن ابن مسعود –رضي الله عنه– أنه قال: ما يدري من قرأ القرآن في أقل من ثلاث ما يقرأ. (كتاب الآثار للإمام أبي يوسف ۱/ ٤۵، رقم: ۲٤۸)

ثم القراءة على ثلاثة أوجه ...... وفي التراويح يقرأ بقراءة الأئمة بين التؤدة والسرعة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني القراءة، زكريا ۲/ ٦۷، رقم: ۱٦٦۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۹۲)

ایک رات یا تین رات میں قرآن ختم کرنا کیسا ہے؟

سوال [۳۲۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک رات میں ختم قرآن کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح تین دن میں ختم کرنا کیسا ہے؟ اس میں لازمی بات یہ ہے کہ سب لوگ کھڑے ہوکر اطمینان کے ساتھ قرآن سن نہیں سکتے؛ بلکہ بہت سے لوگ چائے وغیرہ میں لگ جاتے ہیں اور کچھ دوسرے کسی کام میں؛ اس لئے کہ اتنی لمبی قراءت کی اقتداء کرنا سب کے بس کی بات نہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک رات میں ختم قرآن کرنا اسی طرح تین دن میں ختم قرآن کرنا مختلف خرافات ومفاسد کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے؛ اس لئے کہ لوگ قرآن سننے کے بجائے ادھر ادھر کے کام اور چائے وغیرہ میں لگ جاتے ہیں، سامعین کی توجہ اور یکسو باقی نہیں رہ سکتی ہے، جو قرآن کے ادب واحترام کے خلاف ہے، ایسی صورت میں بجائے ثواب کے سخت گناہ کا خطرہ ہے؛ اس لئے اس سے اجتناب لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل، ص:۲۶، احسن الفتاوی، زکریا۳/۵۲۱، امداد الفتاوی، زکریا۱/۴۸۶)

عن عبدالله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: من قرأ القرآن في أقل من ثلاث، لم يفقهه. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱۹۵، رقم: ۱۸٤۱، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٦/ ٤٠٦، رقم: ۲٤۳۰)

والاختيار أن الأفضل أن يقرأ فيها مقدار ما لا يؤدي إلى تنفير القوم في زماننا؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، دارالكتاب ۲/ ۱۲۱، زكريا ۲/ ۱۲۱، كوئٹه ۲/ ٦۸)

الأفضل في زماننا قدر ما لا يثقل عليهم، وتحته في الشامية، لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح، زكريا ۲/ ٤۹۷، شامي، كراچی ۲/ ٤۷)

والأفضل في زماننا أن يقرأ بما لا يؤدي إلى تنفير القوم عن الجماعة لكسلهم؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة، والمتأخرون كانوا

یفتون في زماننا بثلاث آیات قصار أو آیة طویلة حتی لا یمل القوم، ولا یلزم تعطیل المساجد، وهذا أحسن. (هندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، زکریا قدیم ۱/ ۱۱۸، جدید ۱/ ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۳/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۱/۴۰)

تین روزہ شبینہ پڑھنا

سوال [۳۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک میں مسجد میں ختم قرآن ہونے کے بعد ''الم تر'' سے نماز تراویح سنتوں میں ادا کرنے کے بعد مسجد ہذا میں شبینہ مبارکہ تین روزہ بحساب دس پارہ یومیہ سے نفلوں میں کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: احقر فرید الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شبینہ کا جواز چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

(۱) لوگوں میں اکتاہٹ نہیں ہونی چاہئے۔

(۲) بوقت نماز بعض لوگ بیٹھے رہتے ہیں اور گفتگو میں مشغول رہتے ہیں یہ نہیں ہونا چاہئے۔

(۳) تراویح میں ہونا چاہئے۔

(۴) نفلوں میں جائز نہیں؛ اس لئے کہ نفلوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

(۵) قرآن کریم صحت الفاظ کے ساتھ پڑھنا لازم ہے، حروف نہ کٹنے چاہئیں۔ ان پانچ شرطوں میں سے اگر کوئی ایک بھی شرط پوری نہ ہوئی تو جائز نہیں، اگر پانچوں شرطیں پوری کی جاسکتی ہیں تو قرآن کریم تین دن کے اندر تراویح میں ختم کرنے کی گنجائش ہے، نفلوں میں

جائز نہیں۔اور تین دن سے کم میں ختم کرنے کی گنجائش نہیں۔

عن عبدالله بن عمرو أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. (سنن الترمذي، أبواب القراءة، قبيل أبواب تفسير القرآن، النسخة الهندية ٢/ ١٢٣، دارالسلام، رقم: ٢٩٤٩، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ١٦٤، رقم: ٦٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۸۲)

لاؤڈ اسپیکر میں شبینہ کا حکم

سوال [۳۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قرآن شریف کا شبینہ بذریعہ لاؤڈ اسپیکر کے چار پانچ حافظ مل کر پڑھیں تو اس کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جہاں پر مسجد نہیں ہے، تو کیا حکم ہے؟ دن یا رات میں شبینہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شہزاد علی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لاؤڈ اسپیکر میں چار پانچ حافظوں کے یکے بعد دیگرے شبینہ پڑھنے میں نہ تجوید وترتیل کا اہتمام باقی رہتا ہے اور نہ سامعین سماعت کا ادب بجالا سکتے ہیں؛ اس لئے یہ صورت جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۳۲۲، فتاوی رحیمیہ ۴/ ۳۸۶)

نیز اگر ریا ونمود مقصود ہو یا کچھ لوگ سننے میں شریک ہوں اور کچھ کھانے پینے کا انتظام کریں اور کچھ لوگ باتیں کریں وغیرہ وغیرہ مفاسد ہوں تو یہ حرام ہے، اس کا ترک واجب ہے۔

عن عبدالله -يعني ابن عمرو- قال: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: لا يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب تحزيب القرآن، النسخة الهندية، ١/ ...... دارالسلام، رقم: ١٣٩٤)

ثم القراءة على ثلاثة أوجه...... وفي التراويح: يقرأ بقراءة الأئمة بين التؤدة والسرعة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، زكريا ٢/ ٦٧، رقم: ١٧٦٢)

قال في القنية نقلا عن ظهير الدين التمرتاشي: لا يقرأ جهرا عند المشتغلين بالأعمال، ومن حرمة القرآن أن لا يقرأ في الأسواق، ومواضع اللغو. (حاشية چلپي على تبين الحقائق، كتاب الطهارة، باب الحيض زكريا ١/ ١٦٧، إمداديه، ملتان قديم ١/ ٥٨، هندية كتاب الكراهية، زكريا قديم ٥/ ٣١٦، جديد ٥/ ٣٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۲/۲۴)

رمضان یا غیر رمضان میں نفلوں کے اندر شبینہ پڑھنا

سوال [۳۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک میں نفلوں میں شبینہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ غیر رمضان کسی کے مکان پر یا مسجد میں دن کے ٹائم شبینہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شہزاد علی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: رمضان میں نفلوں میں چار سے زائد مقتدیوں کے ساتھ مکروہ ہے، ایسا ہی غیر رمضان میں بھی مکروہ ہے۔ اور اگر مفاسد ہوں تو درجہ حرمت کو پہنچ

جائے گا۔(مستفاد:امداد الفتاوی ۱/۳۲۲، فتاوی دار العلوم ۴/۲۸۴، فتاوی رحیمیہ ۳۸۷)

وكان على سبيل التداعي بأن يجتمع جمع كثير فوق الثلاثة، حتى لو اقتدى به واحد أو اثنان لا يكره، وفي الثلاثة اختلاف المشايخ، وفي الأربعة يكره اتفاقا. (حلبي كبيري، الصلاة، تتمات من النوافل، مكتبه رحيميه قديم ٣٩٨، أشرفيه جديد ٤٠٨، شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچى ٢/ ٤٨، زكريا ٢/ ٥٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/۱۰۸۲)

شبینہ متعارفہ کا حکم

سوال [۳۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نفلوں کی جماعت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

(۲) اگر شبینہ تراویح میں پڑھا جائے تو کیسا ہے؟ کیوں کہ حفاظ صاحبان تراویح پڑھ کر یا پڑھا کر آتے ہیں، تو اپنی دو چار تراویح چھوڑ کر آئیں گے اور مقتدی صاحبان بھی تراویح پڑھ لیتے ہیں، تو ان کی نیت نفلوں کی ہوگی اور شبینہ سے پہلے تراویح بھی پوری پڑھ لی جاتی ہیں، ان سب کی دلیل کیا ہے؟

المستفتی:عتیق الرحمٰن، محلّہ تمباکو والان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات فقہاء نے نفلوں کی جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے؛ اس لئے نفلوں کی جماعت سے احتراز کرنا لازم ہے۔(مستفاد:احسن الفتاوی ۳/۴۶۸)

اور شبینہ متعارفہ مختلف خرابیوں کی بنا پر ناجائز ہے، مثلاً عام حاضرین شروع سے حافظ صاحب کے ساتھ شرکت نہیں کرتے ادھر قرآن کریم کی تلاوت ہوری ہے اور دوسری طرف گفتگو

ہورہی ہے، قرآن کریم کوتوجہ سے سننا سب پر لازم ہے؛ لیکن اکثر دوسری چیزوں میں مصروف ہوتے ہیں، بعض جگہ شیرینی ، چائے وغیرہ میں مصروف ہوتے ہیں، نیز حافظ صاحب اس قدر عجلت سے قرآن پڑھتے ہیں کہ حروف کی ادائے گی کما حقہ نہیں ہو پاتی اور قرآن کریم کا پورا احترام باقی نہیں رہتا ہے؛ اس لئے متعارف شبینہ ہرگز جائز نہیں ہے اور شبینہ میں تعاون کرنے والے اور شرکت کرنے والے سب عنداللہ سخت گنہگار ثابت ہوں گے بجائے ثواب کے ان مبارک راتوں میں گناہ کمانا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۳۲۲، احسن الفتاوی ۳/ ۵۲۱، فتاوی دارالعلوم ۴/ ۴۵۶)

عن عبدالله بن عمرو، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لم يفقه من قرأ القرآن في أقل من ثلاث. (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب في كم يستحب يختم القرآن، النسخة الهندية، دارالسلام، رقم: ١٣٤٧، صحيح ابن حبان دارالفكر ٢/ ٥٢، رقم: ٧٥٥)

ثم القراءة على ثلاثة أوجه ...... وفي التراويح بقراءة الأئمة بين التؤدة والسرعة، وفي النوافل بالليل له أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم، وذلک مباح. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في القراءة، زكريا ٢/ ٦٧، رقم: ١٧٦٢)

تصحيح الحروف أمر لازم لا بد منه، ولا تصير قراءة إلا بعد تصحيح الحروف. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، المجلس العلمي، جديد ٢/ ٣٨، رقم: ١١٧٣)

لا يقرأ جهرا عند المشتغلين بالأعمال، ومن حرمة القرآن أن لا يقرأ في الأسواق، ومواضع اللغو. (حاشية چلبي على تبيين الحقائق، كتاب الطهارة، باب الحيض، إمداديه ملتان ١/ ٥٨، زكريا ١/ ١٦٧)

وتطوع على سبيل التداعي مكروهة. (درمختار) قال الطحطاوي: والتداعي أن يجتمع أربعة فأكثر على إمام ودون ذلک لا يكره إذا صلوا

في ناحية من المسجد، كذا في القهستاني، ونقله في البحر عن الصدر الشهيد، وظاهر إطلاقه الكراهة أنها التحريمية. (حاشية الطحطاوي على الدر الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ۱/ ۲٤۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۴۰۲)

مروجہ شبینہ کا حکم

سوال [۳۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں بریلوی حضرات آخری عشرہ میں ایک رات میں شبینہ کے نام سے نماز تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کراتے ہیں، امسال رمضان ۱۴۰۷ھ میں جامع مسجد متعلقہ احیاء العلوم مبارک پور میں جب لوگوں نے دو راتوں میں ختم کرانے کا ارادہ کیا تو بعض حضرات نے اس کی شدید مخالفت کی اور یہ کہا کہ نہ ایک رات یعنی شبینہ میں ختم قرآن کرانا جائز ہے اور نہ دو راتوں میں؛ اس لئے اس مسجد میں یہ پروگرام نہ ہوسکا، مخالفت اس قدر شدید ہوگئی کہ لوگوں کو پروگرام ختم کرنا پڑا، دو راتوں میں ختم کرانے والے حضرات اس کے جائز ہونے میں حضرت مفتی یاسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عمل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس جامع مسجد میں حضرت مفتی صاحب کی موجودگی میں دو راتوں میں ختم قرآن مجید ہوا ہے، اور حضرت مفتی صاحب اس میں شریک ہوئے، اگر یہ کام ناجائز ہوتا تو حضرت مفتی صاحب نہ اس مسجد میں اس کو کرنے دیتے نہ اس میں شریک ہوتے، مزید جواب کے لئے وہ لوگ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا ''فتاوی رشیدیہ ص: ۳۰۴'' کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں، جس میں شبینہ یعنی ایک رات میں قرآن ختم کرنا جائز لکھا ہے، یہاں اس وقت عدم جواز کے سلسلے میں کافی بحثیں ہورہی ہیں، اس لئے آپ سے سوال ہے کہ کیا ایک رات یا دو راتوں میں ختم قرآن مجید نماز تراویح میں کرانا ناجائز اور بدعت ہے؟ اگر ناجائز اور بدعت ہے تو ان

حفاظ کرام اور علماء کے بارے میں کیا کہا جائے، جنہوں نے اس میں شرکت فرمائی ہے، یا آج تک برابر شرکت فرما رہے ہیں؟ کیا ایسے حفاظ کرام علماء دین اور مفتیان کرام کی امامت میں نماز پڑھنی جائز ہے۔ اور اگر دو راتوں میں ختم قرآن مجید کرنا جائز ہے، تو ان لوگوں کے متعلق کیا کہا جائے گا جنہوں نے اس کو ناجائز کہہ کر اس کی شدید مخالفت کرتے ہوئے اس کو جامع مسجد میں کرنے نہیں دیا۔

المستفتی: مختار احمد ٹیلر ماسٹر، محلّہ پورہ رانی، قصبہ مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آج کل کے مروجہ شبینہ میں بہت خرافات ہوتی ہیں: (۱) کچھ مقتدی امام کے ساتھ کھڑے رہتے ہیں، کچھ بیٹھے رہتے ہیں، کچھ باتیں کرتے رہتے ہیں، امام کے رکوع کے وقت جلدی سے نیت باندھ کر شریک ہوجاتے ہیں۔ بعض شریک بھی نہیں ہوتے، بعض مٹھائی، چائے دیگر لوازمات میں مصروف رہتے ہیں جو جماعت اور قرآن کریم کے احترام کے خلاف ہے۔ (۲) امام اس طرح تیز پڑھتے ہیں کہ یعلمون تعلمون کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا، جو ممنوع ہے۔

ويجتنب المنكرات هذرمة القراءة، وترك تعوذ وتسمية وطمأنينة، وتسبيح، واستراحة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل نعمانيه ١/ ٤٧٥، كراچى ٢/ ٤٧، زكريا ٢/ ٤٩٩)

اور اگر نفل کی جماعت کی جائے تو نفل نماز باجماعت علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔

ويكره إذا كان الإمام والمتقدي معا متنفلين به، وكان على سبيل التداعي، بأن يجتمع جمع كثير فوق الثلاثة، حتى لو اقتدى به واحد أو اثنان لا يكره، وفي الثلاثة اختلاف المشايخ، وفي الرابعة يكره إتفاقا. (حلبي كبيري، الصلاة، تتمات من النوافل، مكتبه رحيميه ديوبند قديم/ ٣٨٩، أشرفيه، ٤٠٨)

حضرت گنگوہی اور حضرت مفتی یاسین صاحب و دیگر حضرات کے یہاں مذکورہ خرافات کی عدم کی صورت میں جائز ہوسکتا ہے۔ اور جو حضرات ناجائز کہتے ہیں وہ مذکورہ خرافات کے ساتھ

مقید کر کے کہتے ہیں؛ لہٰذا اب تعارض نہ رہا اور نہ کسی پر اشکال۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۳۰۴)

مروجہ شبینہ کا شرعی حکم

سوال [۳۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شبینہ پڑھنا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟
(۲) دوسرے یہ کہ اگر شبینہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھا جائے تو کیسا ہے؟
(۳) تیسرے یہ کہ سامعین حضرات پہلی رکعت جب ختم ہونے والی ہو تب شامل ہوتے ہیں، کیا وہ مستحق ثواب ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شمشاد علی، کلی گلاس اسٹور، محلہ مانپور، کھڑہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مروجہ شبینہ مختلف وجوہ سے ناجائز اور واجب الترک ہے۔ (الف) لوگ یکسوئی کے ساتھ قرآن کریم نہیں سنتے ہیں، کوئی کھانا، مٹھائی، چائے وغیرہ کے انتظام میں لگا رہتا ہے، کوئی بیٹھ کر باتیں کرتا ہے۔
(ب) کچھ لوگ بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہتے ہیں، اور جب امام رکوع میں جانے لگے تو جلدی سے نیت باندھ کر شریک ہوتے ہیں، یہ سب باتیں احترام قرآن کے خلاف اور حرام ہیں؛ اس لئے بجائے ثواب کے عذاب الٰہی کا سخت خطرہ ہے۔
(۲) لاؤڈ اسپیکر میں ہرگز جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کی وجہ سے جو لوگ اپنے ذاتی کاموں میں مصروف رہتے ہیں وہ لوگ قرآن کریم کی آواز سننے کے باوجود سننے کی طرف توجہ نہیں دے سکتے، نیز جو لوگ آرام کرتے ہیں، ان کے آرام میں خلل ہوتا ہے، نیز اس میں ریا کاری بھی ہے۔

(۳) یہ احترام قرآن کے خلاف اور ناجائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲/۵۲۱، امداد الفتاوی ۱/ ۳۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ رشعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۸ھ

عورتوں کے لئے تراویح کی نماز

سوال [۳۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورتوں کے لئے تراویح کی نماز ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو نفل کی نیت سے یا پھر سنت کی نیت سے؟

المستفتی: عبد المتین، قصبہ بھنگا شرابستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کے لئے بھی تراویح کی بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں، اگر طاقت نہ ہو بیٹھ کر پڑھیں، اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو جتنی پڑھ سکیں پڑھیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۲۵)

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء إجماعا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچی ۲/ ۴۳، زكريا ۲/ ۴۹۳)

التراويح سنة مؤكدة للرجال والنساء جميعا بإجماع الصحابة، ومن بعدهم من الأئمة. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دار الكتب العلمية، بيروت جديد ۱/ ۲۰۲، مصري قديم ۱/ ۱۳۵)

التراويح سنة مؤكدة ولم يتخرصه عمر من تلقاء نفسه، ولم يكن فيه مبتدعا، ولم يأمر به إلا عن أصل لديه، وعهد من رسول الله صلى الله عليه

وسلم وهي سنة عين مؤكدة على الرجال والنساء. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، دارالكتاب ديوبند جديد /۲ ۴۱۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/ ۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۷ھ

عورتوں کا تراویح میں قرآن سنانا

سوال [۳۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماعت زنان کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، مگر حافظات عورتوں کے لئے بقائے حفظ قرآن کی خاطر تراویح میں پارہ سنانا ضروری ہے، تراویح میں پارہ نہ سنانے پر اکثر وبیشتر حفظ ضائع ہوجاتا ہے؛ اس لئے اگر بلا کسی اہتمام کے صرف گھر ہی کی عورتیں اپنا پارہ تراویح میں پڑھ لیں تو کراہت سے بچنے کی کیا شکل ہے؟

المستفتی: محمد صابر مدرس مدرسہ تعلیم القرآن، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات فقہاء نے عورتوں کی جماعت کو جس میں عورت ہی امام ہو مکروہ تحریمی لکھا ہے؛ لیکن امام محمد علیہ الرحمہ نے ''کتاب الآثار'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رمضان میں تراویح میں عورتوں کی امامت کرنے کی روایت کے ذریعہ سے استدلال کرکے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ جب عورت دوسری عورتوں کی امام بنے تو صف کے بیچ میں کھڑی ہوجائے، مردوں کی جماعت کی طرح تنہا آگے کھڑی نہ ہو، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تراویح کی نماز میں عورت کی امامت

اگرچہ خلاف اولیٰ ہے؛ لیکن بغیر کراہت تحریمی کے تراویح کے اندر درست ہوجاتی ہے اور فقہاء نے جو عورت کی امامت کو مطلقاً مکروہ تحریمی لکھا ہے وہ فرض نمازوں کی امامت پر محمول ہوگا اور بعض فقہاء نے ''ولو فی التراویح'' کی بھی قید لگائی ہے؛ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی امامت کی روایت کے ہوتے ہوئے کراہت تحریمی کا حکم لگانا ہم کو سمجھ میں نہیں آتا؛ اس لئے فقہاء کی ان تصریحات کے مقابلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل کی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے؛ لہٰذا جو خاتون حافظ قرآن ہوں گھر اور خاندان کی عورتوں کی تراویح میں صف کے درمیان میں کھڑی ہوکر امامت کرے، تو اس میں شدت نہیں ہونی چاہئے۔ اور تراویح میں قرآن سنانا قرآن کریم کے یاد ہونے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان، فتقوم وسطا، قال محمد: لا يعجبنا أن تؤم المرأة، فإن فعلت قامت فى وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة –رضي الله تعالىٰ عنها– وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (كتاب الآثار، باب المرأة تؤم النساء، وكيف تجلس في الصلاة؟ كراچی ۱/ ۲۰۸، رقم: ۲۱۷)

عن إبراهيم والشعبي، قالا: لا بأس أن تصلي المرأة بالنساء في شهر رمضان، تقوم في وسطهن. (مصنف عبدالرزاق، الصلاة، باب المرأة تؤم النساء، المجلس العلمي ۳/ ۱٤۰، رقم: ٥۰۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۸۶)

عورت کا نماز تراویح پڑھانا

سوال [۳۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت حافظہ ہے، وہ قرآن کریم تراویح میں سنانا چاہتی ہے، اس کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مثلاً عورت تلاوت بالجہر تراویح میں کرسکتی ہے، اگر کرسکتی ہے، تو کتنی آواز سے؟ نیز حافظہ عورت کے ساتھ تراویح میں ایک یا اس سے زائد کتنی عورتیں شرکت کرسکتی ہیں؟ اس حافظہ عورت کے لئے ان عورتوں کے ساتھ تراویح میں کھڑے ہونے کی ہیئت کیا رہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے، امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے ائمہ کرام کے یہاں جواز کی کوئی صورت ہے ؟ اور فتویٰ ائمہ حضرات میں سے کن کے قول پر ہے؟

المستفتی: محمد اشرف مدرسہ جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ، بلاسپور مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظہ عورت اپنا قرآن یاد رکھنے کی غرض سے اگر تراویح میں سنانا چاہے، تو اس کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے ہی گھر کی عورتوں کو تراویح میں قرآن سنائے گرچہ یہ بھی خلاف اولیٰ ہے؛ لیکن قرآن یاد رکھنے کی غرض سے گھر کی عورتوں کو سنانے کی گنجائش ہے۔ اور گھر والوں کے علاوہ دیگر گھروں یا محلوں کی خواتین کا اجتماع نہ ہونا چاہئے؛ کیوں کہ دیگر گھروں کی عورتوں کے اجتماع سے فتنہ وغیرہ کا اندیشہ ہے، اور اس طرح کی عورتوں کی جماعت میں عورت صف کے درمیان کھڑے ہوکر اتنی آواز کے ساتھ قراءت کرے گی کہ اس کی آواز جماعت میں شریک عورتوں کے کانوں تک پہنچے اور در ودیوار کے کانوں تک نہ پہنچے۔

عن عائشة أم المؤمنين –رضي الله عنها– أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان، فتقوم وسطا، قال محمد: لا يعجبنا أن تؤم المرأة، فإن فعلت قامت في وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة –رضي الله تعالىٰ عنها– وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (كتاب الآثار، باب المرأة تؤم النساء، و كيف تجلس في الصلاة؟ کراچی ۱/ ۲۰۸، رقم: ۲۱۷)

عن إبراهيم والشعبي، قالا: لا بأس أن تصلي المرأة بالنساء في شهر رمضان، تقوم في وسطهن. (مصنف عبدالرزاق، الصلاة، باب المرأة تؤم النساء، المجلس العلمي ۳/ ۱٤۰، رقم: ٥۰۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۸/۴ھ

عورتوں کا تراویح پڑھنے کے لئے جانا

سوال [۳۲۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو تین گاؤں میں سے بہت سی عورتیں ایک جگہ جمع ہوکر سنڈیل بنا کر کسی حافظ جی کو بلا کر رمضان شریف میں عشاء کی فرض نماز تراویح اور وتر جماعت کے ساتھ پڑھتی ہیں، یہ سب عورتیں اس حافظ جی کی غیر محرمات ہیں، صرف ایک نانی اور خالہ محرمات میں سے ہیں، تو یہ صورت مسئلہ جائز ہے یا نہیں؟

اور اگر ''الم ترکیف'' کے ساتھ پڑھنا ہے تو کیا حکم ہے؟ بعض آدمیوں کی رائے ہے کہ ''**یصف الرجال**'' والے مسئلہ سے عورتوں کو جماعت سے نماز ادا کرنا ثابت ہے، تو کون روکنے والا ہوتا ہے جب کہ یہ ثواب کا کام ہے؟ بندہ کو بالتفصیل جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: غلام مصطفیٰ مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب امامت کرنے والے مرد کی محرم عورت موجود ہے، تو اس کے لئے امامت کرنا جائز ہے، مگر دوسرے محلوں سے رات کو جماعت میں شرکت کے لئے عورتوں کا آنا جانا جائز نہیں ہے۔

ویکره حضورهن الجماعة ولو لجمعة، وعید، ووعظ مطلقا، ولو عجوزا لیلا علی المذهب المفتی به لفساد الزمان. (شامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا ۲/ ۳۰۷، کراچی ۱/ ۵۶٦)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فتنہ نہ ہونے کی وجہ سے عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت تھی؛ لیکن جب بعد میں فتنہ ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس سلسلے کو بند کروا دیا اور تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کرلیا، جب صحابہ کرام کے دور میں فتنہ کی وجہ سے ممانعت ہوگئی ہے، تو کیا ہمارے اس پرفتن دور میں عورتیں فتنہ سے محفوظ رہ سکتی ہیں؛ اس لئے اب مختلف محلوں اور گلیوں سے عورتوں کا آکر جماعت میں شریک ہونا جائز نہ ہوگا۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: لو أدرک رسول الله صلی الله علیه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بني إسرائیل، قلت لعمرة: أو منعن؟ قالت: نعم. (صحیح البخاري، الصلاة، باب خروج النساء إلی المساجد باللیل والغلس، النسخة الهندیة ۱/ ۱۲۰، رقم: ۸٦۱، ف: ۸٦۹، صحیح مسلم، الصلاة، باب خروج النساء إلی المسجد إذا لم یترتب علیه فتنة، النسخة الهندیة، ۱/ ۱۸۳، بیت الأفکار، رقم: ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۲۹ھ

بالغ لڑکے کا تراویح میں عورتوں کی امامت کرنا

سوال [۳۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں تراویح میں عورتوں کی جماعت ہوتی ہے، جس میں ایک بالغ لڑکا

پردہ میں رہ کر پیچھے کھڑی ہوئی عورتوں کی امامت کرتا ہے۔ اور امام کے علاوہ مردوں میں کوئی نہیں ہوتا ہے، تو آیا تراویح سے قبل جو عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی جاتی ہے اس میں اقامت کوئی عورت کہے گی یا امام صاحب خود ہی اقامت کہیں گے؟ نیز اس طرح فقط مقتدیوں میں عورتوں ہی کا ہونا درست ہے یا نہیں؟ اور فی نفسہ عورتوں کی اذان واقامت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

المستفتی: ذکوان زیدی، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کے لئے اذان واقامت مشروع نہیں ہے، ان کے لئے کسی بھی حالت میں اذان واقامت کی ذمہ داری لینا جائز نہیں ہے اور عورتوں کے لئے جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کے بجائے اپنے اپنے گھروں میں تنہا تنہا تراویح پڑھنے کا حکم ہے، ہاں البتہ اگر عورتوں کو تراویح میں قرآن سننے کا شوق ہے، تو خاندان یا گھر کا کوئی محرم مرد حافظ ہو وہ قریب کی مسجد میں عشاء کی فرض نماز پڑھنے کے بعد گھر کی عورتوں کو تراویح میں قرآن سنائے تو اس کی گنجائش ہے، اور اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ محلّہ یا شہر کی غیر محرم عورتیں ان کے گھر میں تراویح پڑھنے کے لئے نہ آئیں؛ اس لئے کہ عورتوں کو جماعت میں شرکت کی غرض سے باہر آنے جانے سے منع کیا گیا ہے اور جب فرض نماز کی جماعت کے لئے آنے جانے سے منع کیا گیا ہے، تو تراویح کی نماز کے لئے بطریق اولیٰ ممانعت ہوگی۔ اور اگر خاندان میں کوئی حافظ محرم مرد نہیں ہے اور تنہا کسی غیر محرم حافظ کو امام بنادیں اور پیچھے سب کی سب غیر محرم عورتیں ہوں، تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر گھر کے ایک دو محرم مرد بھی اس حافظ کے ساتھ نماز میں شریک ہوں اور عورتوں کے لئے پردہ کا نظم ہو تو گھر کی عورتوں کا محرم مردوں کے ساتھ میں ہوتے ہوئے قرآن سننے کی گنجائش ہے۔

عن أسماء -رضي الله عنها- قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس على النساء أذان، ولا إقامة. الحديث (السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر ۲/ ۱۷۰، رقم: ۱۹٦۰)

ويكره حضورهن الجماعة مطلقا على المذهب، كما تكره إمامة الرجل لهن في بيت ليس معهن رجل غيره، ولا محرم منه، كأخته أو زوجته. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ۱/ ٥٦٦، زكريا ۲/ ۳۰۷)

أما النساء فيكره لهن الأذان، وكذا الإقامة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان، كراچی ۱/ ۳۸٤، زكريا ۲/ ٤۸)

قال في الأصل: وليس على النساء أذان ولا إقامة. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ۲/ ۱٤٤، رقم: ۱۹۸۲، قديم ۱/ ٥۲۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۲۵ھ

عورتوں کا تراویح کی نماز باجماعت پڑھنا

سوال [۳۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) عورتوں کا جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ ان کی امامت کوئی عورت ہی کرے؟

(۲) اگر کوئی مردان کی امامت کر رہا ہے اور جماعت میں صرف عورتیں عورتیں شامل ہیں، مرد اقتداء کرنے والے جماعت میں شامل نہیں ہیں، تو اس امامت اور جماعت کا کیا حکم ہے؟ باحوالہ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: مہرالدین میہا پور، ضلع دیوریا (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) عورتوں کا حفظ قرآن کی خاطر تراویح کی جماعت کرنا جس میں گھر کی عورتیں ہوں، خلاف اولیٰ ہے؛ لیکن جب عورت امامت کرے گی تو درمیانی صف میں کھڑی ہوگی، مردوں کی طرح تنہا آگے صف میں کھڑی نہ ہوگی۔

عن عائشة أم المؤمنين –رضي الله عنها– أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان، فتقوم وسطا، قال محمد: لا يعجبنا أن تؤم المرأة، فإن فعلت قامت في وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة –رضي الله تعالىٰ عنها– وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (كتاب الآثار، باب المرأة تؤم النساء، و كيف تجلس في الصلاة؟ كراچی ۱/ ۲۰۸، رقم: ۲۱۷)

(۲) اگر بالغ مرد صرف نامحرم عورتوں کی امامت کرتا ہے، تو مکروہ تحریمی ہے، ہاں البتہ امام کی محرم عورتیں بھی موجود ہوں، جب کہ غیر محرم تمام عورتیں پردہ میں ہوں، تو مکروہ نہیں، مگر اس فتنہ کے دور میں پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۲۸۴)

وكذلك يكره أن يؤم النساء في بيت، وليس معهن رجل، ولا محرم منه مثل زوجته، وأمته، واخته، فإن كانت واحدة منهن فلا يكره. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۱/ ٦١٦، كوئٹه، ۱/ ۳٥۲، درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچی ۱/ ٥٦٦، زكريا ۲/ ۳۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۲۱ھ

عورتوں کی تراویح کی جماعت کا حکم

سوال [۳۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

عورتوں کی جماعت تراویح رمضان المبارک میں کرنا کیسا ہے؟ جب کہ امام حافظہ عورت ہو، اور سننے والی عورتیں ہوں؟ نیز امام حافظہ عورت کہاں کھڑی ہو؟ حافظہ عورت کے ساتھ مقتدین مرد شریک ہوسکتے ہیں یانہیں؟ مرد امام حافظ کے پیچھے عورتیں تراویح کی جماعت میں شریک ہوسکتی ہیں یانہیں؟ مسجد میں یا گھروں میں؟ قابل ذکر بات یہ ہے کہ حافظہ عورت تراویح میں قرآن سنانے کےتوسط سےقرآن کریم کو باقی رکھ سکتی ہے، ورنہ بھول جانے کا قوی امکان ہے،امید ہے احادیث نبویہ اورقرآن کریم کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب سےنوازیں گے؟

المستفتی: مطیع الرحمٰن ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں تنہا عورتوں کی جماعت خلاف اولیٰ ہےاور جماعت کرنے کی صورت میں ان کی نماز درست ہوجائے گی، اورتراویح بھی صحیح ہوجائے گی؛ البتہ امامت کرنے والی عورت صف کے بیچ میں کھڑی ہوآگے بڑھ کر نہ کھڑی ہواورعورتوں کی جماعت میں مردوں کا شریک ہونا اورعورت کی اقتداء کرنا درست نہیں۔ اور اگرمرد کسی گھر وغیرہ میں امامت کرے،تو مردوں کے ساتھ پردے میں عورتیں بھی اس مرد کی اقتداءکرسکتی ہیں،مسجد میں جاکرعورتوں کاتراویح پڑھنامکروہ تحریمی ہے۔

قال محمد: لا يعجبنا أن تؤم المرأة، فإن فعلت قامت في وسط الصف مع النساء كما فعلت عائشة –رضي الله تعالىٰ عنها– وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (كتاب الآثار، باب المرأة تؤم النساء، كراچی ۱/ ۲۰۸، رقم: ۲۱۷)

عن ابن عباس –رضي الله عنه قال: تؤم المرأة النساء، تقوم في وسطهن.

(مصنف عبدالرزاق، الصلاة، باب المرأة تؤم النساء،المجلس العلمي ۳/ ۱۴۰،رقم: ۵۰۸۳)

عن جابر بن عبدالله قال: خطبنا رسول الله ﷺ: ...... ألا! لا تؤمن امرأة رجلا. الحديث (سنن ابن ماجة، الصلاة، باب في فرض الجمعة، النسخة الهندية، دارالسلام، رقم:

۱۰۸۱، السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب لا يأثم رجل بامرأة، دارالفكر ٤/ ٢٣٨، رقم: ٥٢٣٣)

ولـو أمهـن رجـل فـلا كـراهة إلا أن يـكون في بيت ليس معهن فيه رجل أو محرم من الإمام، أو زوجته، فإن كان واحد ممن ذكر معهن فلا كراهة. (طحطاوي علـى المراقي، الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، دارالكتاب ديوبند جديد/ ٣٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۹۸)

تراویح میں سورۂ فاتحہ کو ایک سانس میں پڑھنا

سوال [۳۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سورۂ فاتحہ کو ایک یا دو سانس میں پڑھنے کا معمول بنالینا جب کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر آیت کا جواب دیتا ہے، تراویح اگر حدر میں پڑھی جاتی ہے تو بھی کم از کم تین سانسوں میں پڑھنا سنت ہے، اس مسئلہ پر آپ کے مدرسہ کے اکثر علماء عمل کیوں نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ ہوجاتی ہے، مسئلہ یہ ہے جب ایک فارغ عالم ایسا کرے تو ایک حافظ صاحب سے کیا توقع کی جاسکتی ہے، صاف طور پر ارشاد فرمائیں، تراویح میں سورۂ فاتحہ اور قرآن مجید کس انداز میں پڑھنا چاہئے۔

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تراویح میں حدر کے ساتھ جب قراءت ہو تو سورۂ فاتحہ کو ایک سانس میں پڑھنا یا دو سانس میں پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اسی طرح تین سانس میں پڑھنا یا ہر آیت پر وقفہ کرتے ہوئے پڑھنا یہ بھی جائز ہے؛ البتہ فرض نمازوں میں

ہر آیت پر وقفہ کرتے ہوئے پڑھنا بہتر اور افضل ہے اور تراویح میں بین بین کا راستہ اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، اگر کوئی لمبی سانس والا پوری سورۂ فاتحہ ایک سانس میں واضح الفاظ کے ساتھ پڑھتا ہے، تو اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں اور تراویح میں تین سانس میں پڑھنا سنت ہے، یہ ہم کو کہیں نہیں ملا۔

عن أم سلمة –رضي الله عنها– قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع قراءته يقول: الحمد لله رب العالمين، ثم يقف، ثم يقول: الرحمن الرحيم، ثم يقف. (ترمذي شريف ١/ ١٤١)

يقرأ في الفرض بالترسل حرفا حرفا، وفي التراويح بين بين، أي بأن تكون بين الترسل والاسراع، وفي النفل ليلا له أن يسرع بعد أن يقرأ كما يفهم. (شامي زكريا ٤/ ٤٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۲۴۰)	۱۴۳۶/۱۱/۸ھ

دس پندرہ روز میں قرآن ختم کر کے الم ترکیف سے تراویح پڑھنا

سوال [۳۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چاند دیکھ کر تراویح پڑھنا شوال کی چاند رات تک ایک سنت ہے، پورا قرآن مجید تراویح میں سننا دوسری سنت ہے، مگر دس دن میں، پندرہ دن میں پورا قرآن مجید رواں دواں فرافرسن کر تراویح پڑھنا چھوڑ دینا ایک رواج بنتا چلا جارہا ہے اور تراویح جو رمضان شریف کی شان ہے، اور اللہ سے قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، سب کچھ ایک رسم سا ہوتا چلا جارہا ہے، اس بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہ بات درست ہے کہ شروع رمضان سے آخر رمضان تک تراویح کی نماز پڑھنا ایک مستقل سنت ہے اور نماز تراویح میں پورا قرآن سننا الگ سے دوسری سنت ہے اور دس دن میں یا پندرہ دن میں قرآن مجید ختم کرنے کے بعد پھر تراویح پڑھنا چھوڑ دینا انتہائی غلط عمل ہے؛ بلکہ تراویح کی نماز پورے رمضان پڑھنا سنت ہے، نیز جن مسجدوں میں دس یا پندرہ دن میں قرآن ختم ہو چکا ہوتا ہے ان میں اس کے بعد بھی آدھا پارہ، ایک پارہ، پاؤ پارہ پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھنا بہتر ہے۔ اور اگر لوگوں میں اکتاہٹ ہے تو ''الم ترکیف'' سے دو مرتبہ میں بیس رکعتیں پڑھنے کا سلسلہ آخر رمضان تک جاری رکھنا چاہئے اور لوگوں کی اکتاہٹ کی وجہ سے فقہاء نے اس کو افضل کہا ہے۔ اور تراویح ہی پڑھنا چھوڑ دینا انتہائی محرومی کی بات ہے۔

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء إجماعا. (شامي زكريا ٢/ ٤٩٣)

والختم مرة سنة، ومرتين فضيلة، وثلاثا أفضل. (در مختار، زكريا ٢/ ٤٩٢)

واختار بعضهم سورة الإخلاص في كل ركعة، وبعضهم سورة الفيل أي البداية منها ثم يعيدها، وهذا أحسن لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات. (شامي، زكريا ٢/ ٤٩)

أي آخر القرآن في عشر ركعات ثم يعيد من سورة الفيل إلى الآخر في العشر الثاني. (تقريرات رافعي، ص: ٩٤)

ذكر في المحيط: والاختيار أن الأفضل أن يقرأ فيها مقدار ما لايؤدى إلى تنفير القوم في زماننا؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراء ة، والمتأخرون كانو يفتون في زماننا بثلاث آيات قصار و آيات طويلات حتى لا يمل القوم ولا يلزم تعطيلها ...... وبعضهم اختاروا قراءة سورة الفيل إلى آخر القرآن، وهذا أحسن. (البحرالرائق ٢/ ١٢١)

ولو عجل الختم له أن يفتتح القرآن في بقية الشهر. (الفتاوى التاتارخانية، فصل التراويح ۲/ ۳۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۲۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱۱/۸ھ

جو دعا ہر چار رکعت کے بعد پڑھی جاتی ہے اس کی کیا حیثیت؟

سوال [۳۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح ترویحہ کی جمع ہے، جس کے معنی ہر چار رکعت کے بعد آرام کرنے کے ہیں، جس میں تسبیح پڑھنا ہے، مگر دیکھا گیا ہے کہ اکثر مقتدیوں کو تو یاد ہی نہیں ہوتی اور خود حافظ صاحب بھی رواں دواں فرافر اس انداز میں پڑھتے ہوں گے کہ نہ پڑھنے کا گمان ہوتا ہے، آپ فرمائیں گے بدگمانی اچھی نہیں تو اس کا واضح طور پر اظہار کیوں نہیں ہوتا؟ اس کو پڑھنے کا ماحول کیوں نہیں بنایا جاتا؟ کیا اتنی ہی جلدی کرنے کا حکم ہے کہ کوئی مقتدی پانی بھی پینے لگے تو دو تین سعادتوں سے محروم ہو جائے۔

المستفتی: ماسٹر عبدالحق ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ مستحب ہے اور ترویحہ میں تسبیح، ذکر، دعا وغیرہ کچھ بھی پڑھ سکتا ہے اور اس موقع پر کوئی خاص دعا منقول نہیں ہے اور اس درمیان پڑھنے کے لئے جو دعا اشتہار وغیرہ میں لکھی ہوئی ہوتی ہے وہ اس موقع پر پڑھنے کے بارے میں منقول نہیں ہے؛ البتہ اس میں اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے متعلق اچھے الفاظ ہیں، اس لئے لوگ اس کو پڑھتے ہیں، مگر وہ خاص کر اس موقع پر پڑھنے کی نہیں ہے اور اس موقع پر کوئی بھی چھوٹی بڑی دعا پڑھنا جائز ہے، اگر کوئی صرف سبحان اللہ پڑھتا ہے، تو اس کی بھی

گنجائش ہے۔ (مستفاد: کتاب النوازل)

ویجلس ندبا بین کل أربعة بقدرها ویخیرون بین تسبیح وقراء ة وسکوت وصلاة فرادی. (در مختار زکریا ۲/ ٦۹ ۳، کراچی ۲/ ٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۲۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱۱/۸ھ

۲۵/ باب التراویح

الفصل الثاني في أجرة التراويح

تراویح کی اجرت سے متعلق چند سوالات کے جواب

سوال [۳۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص مسجد میں مستقل امام ہے، وہ تراویح بھی پڑھاتا ہے، تو اس کے لئے مزید امامت تراویح پر اجرت لینا کس طرح جائز ہوگا؟ یعنی اس کے جائز ہونے کے لئے اس کو ذمہ داران مسجد سے کیا طے کرنا ہوگا، مثلاً کسی امام صاحب کو ہر ماہ تین ہزار روپے تنخواہ ملتی ہے، تو کیا رمضان شریف آتے ہی امامت تراویح کی الگ سے تنخواہ اور مدت طے کرنا واجب ہے، اگر نہ طے کرے تو کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص صرف رمضان میں تراویح پڑھاتا ہے، مستقل امام نہیں، تو رقم پانے کے لئے اس کو امامت تراویح پر کیا اجرت مقرر کرنا واجب ہوگا؟ اور کیا یہ بھی طے کرنا ضروری ہوگا کہ اتنے روز تراویح پڑھاؤں گا؟

(۳) جو شخص تراویح کی امامت پر اجرت اور مدت مقرر نہ کرے اور ختم قرآن ہونے پر متولی مسجد بطور اجرت اور عام لوگ اپنی خوشی سے بطور ہدیہ وتحفہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رقم یا کپڑے وغیرہ دیں تو کیا یہ دی گئی رقم امامت تراویح کی اجرت شمار ہوگی یا ختم قرآن کا ہدیہ وتحفہ شمار ہوگا؟ اور کیا یہ ہدیہ وتحفہ حلال ہوگا یا حرام؟ اگر اس آخری شکل میں امام تراویح کے اس ہدیہ وتحفہ کو اجرت تراویح خیال کر کے لے لے تو کیا یہ حلال ہوگا؟

برائے کرم جواب جلد مدلل ومفصل مع عبارات کتب احادیث وفقہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عامل محلّہ مفتی سرائے چاند پور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: متقدمین نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو ناجائز لکھا ہے، اسی طرح امامت واذان پر اجرت لینے کو بھی ناجائز لکھا ہے، جو اس طرح کی روایات سے واضح ہوتا ہے:

عن الطفيل بن عمرو -رضي الله عنه- اقرأني أبي بن كعب رضي الله عنه القرآن، فأهديت إليه قوسا، فغدا إلى النبي عليه السلام وقد تقلده، فقال له النبي عليه السلام: من سلمک هذه القوس يا أبي؟ فقال الطفيل بن عمرو الدوسي: اقراته القرآن، فقال له رسول الله -صلى الله عليه وسلم- تقلدها شلوة من جهنم. (المعجم الأوسط، قديم ١٠/ ٢٧٤، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٣٧، رقم: ٤٣٩، كنز العمال ١/ ٢٣١، حياة الصحابة ٣/ ١١٧)

عن عبادة بن الصامت -رضي الله عنه- قال: علمت ناسا من أهل الصفة الكتاب والقرآن، فأهدى إلي رجل منهم قوسا، فقلت: ليست بمال، وأرمى عليها في سبيل الله عز وجل، لآتين رسول الله فلأسألنه، فأتيته، فقلت: يا رسول الله! رجل أهدى إلي قوسا ممن كنت أعلمه الكتاب والقرآن، وليست بمال وأرمي عنها في سبيل الله؟ قال: إن كنت تحب أن تطوق طوقا من نار فاقبلها. (سنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في كسب المعلم، النسخة الهندية ٢/ ٤٨٥، دارالسلام، رقم: ٣٤١٦، المستدرك، كتاب البيوع، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٣/ ٨٦٠، ٨٦١، رقم: ٢٢٧٧)

عن عبادة بن الصامت -رضي الله عنه- قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يشغل، فإذا قدم رجل مهاجر على رسول الله صلى الله عليه وسلم دفعه إلى رجل منا يعلمه القرآن، فدفع إلي رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا، فكان معي في البيت أعشيه عشاء أهل البيت، فكنت أقرئه

القرآن فانصرف انصرافة إلى أهله، فرأى أن عليه حقا، فأهدى إلي قوسا لم أر أجود منها عودا، ولا أحسن منها عطفا، فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: ما ترى يا رسول الله فيها؟ قال: جمرة بين كتفيک تقلدتها، أو تعلقتها. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٣٢٤، رقم: ٢٣١٤٦، المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى الباز ٦/ ٢٠٣٥، رقم: ٥٥٢٧)

لیکن متأخرین نے ضرورت کی وجہ سے ان سب پر اجرت لینے کو جائز لکھا ہے، مگر تلاوت قرآن اور ختم قرآن پر اجرت لینے کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، جیسا کہ: ''**لاتشتروا بآياتي ثمنا قليلا**''. [سورة البقرة: ٤١] میں واضح ہے؛ اس لئے متأخرین نے بھی تلاوت قرآن اور ختم قرآن پر اجرت لینے کو ہمیشہ کے لئے ناجائز لکھا ہے، اب اس کے بعد اصل سوالات کے جوابات ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

(۱) جو شخص مستقل امام ہے اس کے لئے یہ شرط لگانا جائز ہے کہ ماہ رمضان میں چھٹی رکھیں گے اور چھٹیوں کی تنخواہ بھی عام دنوں کی طرح مکمل ملا کرے گی، اسی طرح رمضان میں اضافہ تنخواہ کی شرط لگانا بھی جائز ہے اور ایسی صورت میں یہ ختم قرآن کی اجرت نہیں ہوگی؛ بلکہ مستقل امامت کی اضافی تنخواہ ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ مدارس میں مدرسین کے لئے رمضان میں کام کرنے کی صورت میں ڈبل تنخواہ چھٹی کرنے کی صورت میں پوری تنخواہ کی شرط لگانا جائز ہوتا ہے اور ایسا عمل بھی ہوتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۷۶، ۱۵/ ۵۲۵-۵۲۶)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (ترمذي شريف، الأحكام، باب ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

ویفتي الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة. (شامي، کتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار علی الطاعات، کراچی ٦/ ٥٦، زکریا ٩/ ٧٦)

وبعضهم استثنی تعلیم الفقه والإمامة...... الخیزاخبزي یقول: في زماننا یجوز للإمام والمؤذن والمعلم أخذ الأجر. (تاتارخانیه، کتاب الأجارة، الفصل الخامس عشر في الاستئجار علی الطاعات، زکریا ١٥/ ١٢٨، رقم: ٢٢٤٢٢)

فحیث کانت البطالة معروفة في یوم الثلثاء والجمعة، وفي رمضان والعیدین یحل الأخذ. (شامي، کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفة في یوم البطالة، زکریا ٦/ ٥٦٨، کراچی ٤/ ٣٧٢)

(۲) رمضان میں پورے رمضان تراویح پڑھانے کی دوشکلیں ہیں:

(۱) جو شخص رمضان میں صرف تراویح پڑھاتا ہے، جس میں ختم قرآن نہ ہو؛ بلکہ ''الم ترکیف'' وغیرہ چھوٹی سورتوں یا مایجوز بہ الصلاۃ قراءت کے ذریعہ سے صرف بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھادیتا ہے اوراس پر اجرت لیتا ہے،تو یہ جائز اوردرست ہے؛اس لئے کہ یہ عام نمازوں کی امامت کی طرح تراویح کی امامت کی اجرت ہے۔

وفي الروضة: وفي زماننا یجوز للإمام والمعلم أخذ الأجرة. (البحر الرائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زکریا ٢/ ٣٥، کوئٹه ٨/ ٢٠)

ویفتي الیوم بصحتها لتعلیم القرآن، والفقه، والإمامة. (شامي، کتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار علی الطاعات، کراچی ٦/ ٥٦، زکریا ٩/ ٧٦)

(۲) اگراس تراویح میں قرآن ختم کرنے کی شرط پر اجرت طے ہوتی ہے،تو''**لاتشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا**'' کی وعید میں داخل ہوکرناجائز اورحرام ہوگا۔

(۳) اس شکل میں متولی اور ذمہ داران مسجد کی طرف سے جو رقم دی جاتی ہے، وہ ''**المعروف کالمشروط**'' کی بنیاد پردراصل ختم قرآن ہی کی اجرت ہےاوروہ ''**لاتشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا**'' کے دائرہ میں داخل ہوکرناجائز ہے،اسی طرح اگرختم

قرآن کے لئے عام لوگوں سے چندہ اکٹھا کیا جائے اور جمع کر کے حافظ کو پیش کیا جائے تو یہ بھی ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ بھی اجرت ہے، نیز اگر کوئی سرمایہ دار ہر سال ختم کے موقع پر حافظ کو کوئی رقم دیا کرتا ہو اور یہ معروف ہو تو اس کا لینا دینا بھی ممنوع ہوگا؛ البتہ اگر کسی جگہ یہ شکل پیش آئے کہ کوئی شخص حافظ صاحب سے تعلق اور محبت کی بنیاد پر بلا کسی شرط کے اتفاقاً خاموشی سے خلوص ومحبت کے ساتھ انفرادی طور پر ہدیہ پیش کرے، جس میں ختم پر اجرت کا کوئی شبہ نہ پایا جاتا ہو، تو اس انفرادی ہدیہ کو قبول کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، تاہم بہتر یہی ہے کہ یہ ہدیہ عین ختم والے دن نہ دیا جائے، تاکہ اجرت کا شائبہ نہ پایا جائے۔

يجوز للإمام والمفتي قبول الهدية، وإجابة الدعوة الخاصة ...... والأولىٰ في حقهم إن كانت الهدية لأجل ما يحصل منهم من الإفتاء، والوعظ، والتعليم عدم القبول ليكون علمهم خالصا لله تعالىٰ، وإن أهدى إليهم تحببا وتوددا لعلمهم وصلاحهم، فالأولى القبول. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في حكم الهدية للمفتي، زكريا ٨/ ٤٩، كراچی ٥/ ٣٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۴/۱۴۳۴ھ

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت کا شرعی حکم

سوال [۳۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تمام حفاظ اور علماء ہمارے انہیں اداروں میں تیار ہوتے ہیں اور انہیں اداروں سے نکل کر ملک بھر میں ماہ مبارک میں تراویح میں قرآن پاک سنانے کے لئے پھیل جاتے ہیں اور اکثر وبیشتر کو کچھ نہ کچھ کیا بہت کچھ رقوم وہدایا ملتے ہیں جو پیش نظر فتاووں کی رو سے سب اجرت قرآن کی بنا پر حرام ہیں، نہ تو عارضی امامت کرنے کی صورت میں حلال ہے اور نہ ہی

بلا طے کئے، نہ ہی ہدایا کی صورت میں پیش نظر اشتہار پر حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ، مفتی عزیز الرحمٰن مہراج دیوبند، مفتی کفایت اللہؒ، اور مولانا ظفر عثمانیؒ کی عبارات ملاحظہ فرمائیں۔ تمام ملک میں علماء اور حفاظ قرآن پاک سنتے سناتے ہیں، تو سب ہی حرام مال کے حصول کے مرتکب ہیں، کیا یہ حرمت سود، جوے جیسی ہے یا اس کی اور قسم ہے؟ اہل مدارس اس طرف کیوں توجہ مبذول نہ فرما کر اساتذہ اور طلباء کی اصلاح نہیں فرمارہے ہیں، اشکال دور فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد یونس امام جامع مسجد احمد گڑھ، پنجاب

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت کا شرعی حکم

مرتبہ: خادم صوفی جلال الدین صدیقی کیرانوی

پیر مرشد شیخ السالکین حضرت مولانا مفتی شاہ افتخار الحسن صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم

حدیث شریف: حضرت بریرہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے، تاکہ اس کی وجہ سے کھاوے لوگوں سے، قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ محض ہڈی ہوگا، جس پر گوشت نہ ہوگا۔ (بیہقی فی شعب الایمان) یعنی جو لوگ قرآن شریف کو طلب دنیا کی غرض سے پڑھتے ہیں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ (فضائل قرآن ص: ۵۵)

عبارات اکابر

(۱) فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں: قرآن شریف پڑھانے کی اجرت لینا درست ہے، مگر رمضان شریف میں جو قرآن پاک تراویح ونوافل میں سنایا جاتا ہے، اس کی اجرت دینی لینی دونوں حرام ہیں۔ اور آمدنی مساجد سے یہ خرچ اور بھی زیادہ برا ہے؛ بلکہ متولی پر اس کا ضمان آوے گا۔ (فتاوی رشیدیہ، ص: ۱۹۶)

(۲) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض حفاظ کی عادت ہے کہ اجرت لے کر قرآن شریف سناتے ہیں، طاعت پر اجرت لینا حرام ہے، اسی طرح دینا بھی حرام ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے پہلے سے مقرر نہیں کیا؛ اس لئے یہ معاوضہ نہیں ہوا، جواب یہ ہے کہ گو پہلے سے مقرر نہیں لیکن نیت دونوں کی یہی ہے اور نیت بھی مرتبۂ خطرو خیال میں نہیں؛ بلکہ مرتبۂ عزم میں، اگر کسی طور سے یہ معلوم ہوجاوے کہ یہاں کچھ وصول نہ ہوگا، تو ہرگز ہرگز وہاں پڑھیں نہیں۔ اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ معروف مثل مشروط کے ہے، جب اس کا رواج ہو گیا اور دونوں کی نیت یہی ہے بلا شک وہ معاوضہ ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب بلا اجرت پڑھنے والا تو ہم کو ملتا نہیں اور اجرت دے کر سننا جائز نہیں، تو پھر کیوں کر قرآن سنیں، جواب یہ ہے کہ قرآن پورا سننا فرض نہیں ایک امر مستحب کے لئے مرتکب حرام ہونا، ہرگز جائز نہیں ”الم تر کیف“ سے تراویح پڑھ لو ایسی حالت میں قرآن مجید ختم ہونا ضروری نہیں۔ (اصلاح الرسوم، ص:۱۴۳)

(۳) عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ اس سوال کے جواب میں کہ آیا تراویح میں حافظ قرآن کو اجرت قرآن شریف دے کر اس سے قرآن شریف سننا جائز ہے یا نہیں؟ آیا اجرت دہندگان کو ثواب ملتا ہے اور اس سے سنت ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور حافظ کو ایسی صورت میں اجرت لینی جائز ہے یا نہیں؟ تحریر فرماتے ہیں

الجواب: اجرت دینا اور لینا قرآن شریف کے سننے اور پڑھنے کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور اس میں کسی کو ثواب نہیں ہوتا، نہ پڑھنے والوں کو اور نہ سننے والوں کو۔ اور سنت ختم قرآن کی اس طرح ادا نہیں ہوتی۔ (عزیز الفتاویٰ ص:۲۶۳)

(۴) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات ملاحظہ ہوں: ”اجرت دے کر قرآن شریف پڑھوانا درست نہیں، اگر بے اجرت لئے ہوئے پڑھنے والا حافظ نہ ملے تو سورت سے تراویح پڑھنا بہتر ہے“۔ (کفایت المفتی ۳/۳۶۳، زکریا مطول ۱۱/۵۳۴)

لیکن قرآن مجید تراویح میں سنانے کی اجرت دینا لینا جائز نہیں، اگر معاملہ قرآن مجید سنانے کے لئے ہوا تھا تو ناجائز تھا۔ واللہ اعلم (۳/۳۶۵)

روپیہ دینا جب تراویح کے معاوضہ میں جائز نہیں تو اس کو ثواب کیا ملے گا۔ (۳/۳۶۷)

(۵) فقیہ الملت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ''عبارت مذکور سے معلوم ہوا کہ اجرت لے کر قرآن پڑھنا اور پڑھوانا گناہ ہے؛ اس لئے تراویح میں چند مختصر سورتوں سے بیس رکعت پڑھ لینا بلاشبہ اس سے بہتر ہے کہ اجرت دے کر پورا قرآن پڑھوائیں؛ کیوں کہ پورا قرآن تراویح میں پڑھنا مستحب ہے اور اجرت دے کر قرآن پڑھوانا اور پڑھنا گناہ ہے اور بچنا بنسبت مستحب پر عمل کرنے کے زیادہ ضروری ہے؛ البتہ اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز کے اعادے کی ضرورت نہیں، نماز ہوگئی، اگرچہ مکروہ ہوئی۔ (امداد المفتیین، ص: ۳۶۵) واللہ اعلم

(۶) شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا فتویٰ: ''اجرت پر اور نابالغ حافظ کے پیچھے بھی تراویح نہ پڑھی جائیں۔ (امداد الاحکام ۱/۳۶۵)

(۷) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم سے استفسار کیا گیا، تو فرمایا: ''میرے نزدیک یہ رسم دو گناہوں کا مجموعہ ہے: (۱) قرآن پر اجرت (وہ بھی غیر متعین ہونے کی بنا پر) اور (۲) اجارہ فاسدہ''۔

قرآن سنانے کی اجرت

مسئلہ: تراویح میں قرآن کریم سنانے والے حافظ کو اجرت دینا اور حافظ صاحب کا اجرت لینا دونوں ناجائز اور حرام ہیں اور قرآن کریم سننے اور سنانے کا ثواب کسی کو بھی نہ ملے گا؛ بلکہ سب گنہگار رہوں گے۔ (شامی کراچی ۶/۵۶، فتاوی رشیدیہ، ص: ۳۹۴، احسن الفتاوی ۱/۵۱۵، فتاوی محمودیہ ۷/۱۷۱، جواہر الفقہ ۱/۳۸۲)

سامع کی اجرت

مسئلہ: جس طرح تراویح میں قرآن شریف سنانے والے کو اجرت دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں، اسی طرح لقمہ دینے والے سامع کو اجرت دینا ولینا بھی ناجائز وحرام ہے۔ (فتاوی دارالعلوم جدید۲/ ۲۹۵، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۶)

حضرت تھانویؒ کا رجوع

اور حضرت تھانویؒ نے سامع کے لقمہ دینے کو تعلیم سمجھ کر ''امدادالفتاوی'' میں جواز اجرت کا فتویٰ دیا تھا؛ لیکن بعد میں حضرت رحمہ اللہ نے اس فتوی سے رجوع کر کے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے، جو ''التذکیر والتہذیب ۳/ ۸۳'' میں شائع ہو چکا ہے؛ اس لئے لقمہ دینا تعلیم نہیں ہے؛ بلکہ تذکیر ہے۔

بنام ہدیہ پیش کرنا

مسئلہ: اگر اجرت طے نہ کرے؛ بلکہ بطور تحفہ ونذرانہ حافظ کو دیا جائے اور حافظ صاحب بطور نذرانہ کے اس کو قبول کرلیں تو جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو یہ شرعی طور پر ''**المعروف کالمشروط**'' کے دائرہ میں داخل ہو کر نام کا نذرانہ ہے؛ لیکن درحقیقت اجرت ہے؛ اس لئے کہ حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ لوگ مجھے قرآن سنانے کی بنا پر کچھ دیں گے اور لوگوں کے دل میں بھی یہی ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کو جاتے وقت کچھ دینا ہے اور اس طرح دینا اور لینا عادت اور معروف بھی ہے؛ لہٰذا یہ بھی جائز نہیں ہے۔ (شامی کراچی ۶/ ۵۵، فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۶۳)

عارضی امام بنا کر ختم کی اجرت

مسئلہ: اگر حافظ کے ذمہ ایک وقت یا ایک ماہ کی امامت کردی جائے تو وہ اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: یہاں مقصود امامت نہیں؛ بلکہ تراویح میں قرآن سنانا ہے؛ اس لئے یہ بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۳۲۲)

آمد ورفت کا کرایہ ومہمانداری

مسئلہ: حافظ صاحب کی مہمانداری کرنا اور آمد ورفت کا کرایہ دینا شرعاً اجرت میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/۲۹۴)

نابالغ کی امامت

مسئلہ: نابالغ حافظ کے پیچھے بالغ مردوں کی نماز تراویح صحیح نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۵۲۵، درمختار کراچی ۱/ ۵۷۶)

داڑھی کٹانے والے کی امامت

مسئلہ: داڑھی کٹانے والے خشخشی داڑھی رکھنے والے اور داڑھی منڈانے والے حافظ کے پیچھے تراویح کی نماز جائز نہیں ہے، تراویح پڑھنے والے حضرات اپنی تراویح کی خیر منائیں، ایسے حافظ کے پیچھے نماز پڑھنے کے بجائے چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھنا بہتر ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۵۱۸، درمختار کراچی ۱/ ۴۱۸، فتاوی رحیمیہ ۱/ ۳۵۳)

سوال: جس طرح پنجوقتہ نمازوں کے لئے امام کو مقرر کیا جاتا ہے، اسی طرح ماہ رمضان میں تراویح کے لئے امام مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ مسئلہ ہے ”**الأمور بمقاصدها**“ اور یہ بھی ہے: ”**المعروف کالمشروط**“ پس اگر کسی حافظ کو ختم قرآن شریف کے لئے تراویح کا امام بنایا جائے تو ظاہر ہے کہ اس سے مقصود امامت نہیں ہے؛ بلکہ قرآن شریف کا ختم ہے؛ لہٰذا اس پر جو کچھ اجرت دی، لی جائے گی وہ ختم قرآن شریف کی وجہ سے ہے نہ کہ بوجہ امامت محضہ کے، پس حسب قاعدہ تراویح میں ختم قرآن شریف پر اجرت لینا دینا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ بلا اجرت مقرر کرنا امام تراویح کا درست وافضل ہے؛ البتہ اجرت پر ہرگز جائز نہیں۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۷۳)

آخری گزارش

خدارا ذرا حفاظ کرام ٹھنڈے دل سے بیٹھ کر سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں کتنی بڑی دولت سے نوازا ہے، اس کا حق تو یہ تھا کہ دنیا وآخرت کی تمام بھلائیاں ہم اس کے ذریعہ حاصل کر لیتے؛ لیکن ہم چند کوڑیوں پر اکتفا کر بیٹھے اور اسے اپنے لئے سامان نجات وذریعہ شفاعت بنانے کے بجائے اپنے اوپر حجت بنا دیا اور یقین کیجئے، اگر ہماری یہی روش رہی تو قیامت کے روز قرآن ضرور ہمارا گریبان گیر ہوگا، خدا ہم سب کو اتباع شریعت کی توفیق بخشیں آمین۔ **والحمد لله أولاً وآخرًا.**

تراویح سے متعلق حکیم الامتؒ کا ایک عمل

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ تحریر فرماتے ہیں: ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کے زمانہ میں تقریباً چھ سات حافظ اور دس بارہ عالم مقیم خانقاہ تھے، حضرت والا (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ اپنے ضعف واضمحلال کی وجہ سے گھر ہی پر تراویح پڑھا کرتے تھے، ایک حافظ صاحب کو مسجد میں تراویح کے لئے مقرر فرما دیا تھا، ان کو غیر معمولی اور بالکل غیر متوقع طور پر یہ تاکید فرمائی کہ:

”تراویح تمام مہینہ صرف سورۂ الم ترکیف سے پڑھائی جائیں، ایک دن حافظ صاحب نے دوسری سورتیں پڑھیں، حضرتؒ کو جب علم ہوا تو حافظ صاحب کو فہمائش کی کہ انہوں نے ہدایت کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا۔ ایک دن مجلس یومیہ کے وقت حضرات علماء نے ادباً حضرت والا سے عرض کیا کہ آخر کیا وجہ اور کیا مصلحت ہے کہ تراویح میں بجائے قرآن شریف ختم کیئے جانے کے حضرت نے خصوصی طور پر صرف الم ترکیف سے پڑھے جانے کی اس طرح تاکید فرمائی۔ حضرت والا نے جو جواب ارشاد فرمایا، اس کا ماحصل یہ ہے کہ: میں ایک مدت سے دیکھ رہا ہوں اور سن بھی رہا ہوں کہ اکثر مقامات میں خصوصاً بڑے شہروں میں یہ رواج عام طور پر ہوگیا ہے الا ماشاء اللہ کہ لوگوں نے تراویح کو ختم قرآن شریف ہی پر موقوف کرلیا ہے اور اسی کو خاص اہمت دے رکھی ہے، جہاں قرآن شریف ختم ہوا سمجھے کہ تراویح بھی ختم ہوگئی، خواہ قرآن مجید چند دنوں میں ہی ختم کرلیا جائے، اس کے بعد مسجد میں نماز عشاء کی جماعت بھی مختصر رہ جاتی ہے؛ حالانکہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اور قرآن مجید کا پڑھا جانا محض سنت ہے، مگر خاص اور بڑی فضیلت کا درجہ رکھتا ہے؛ لیکن واجب نہیں اور تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں، عمداً جس کا ترک کرنا سخت گناہ ہے؛ اس لئے اس کوتاہی کی اور غلط عقیدہ کی اصلاح واجب ہے، میں نے اس مسئلہ کو تحریراً وتقریراً واضح بھی کردیا اور عملاً وتمثیلاً اپنی مسجد میں رائج بھی کردیا ہے۔ **وما علینا الا البلاغ المبین وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم.** (مآثر حکیم الامت، ص:۹۷، تراویح میں ختم قرآن پر اجرت کا شرعی حکم، ص:۷-۱۴، مصنفہ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آنجناب نے جن اکابر ومشائخ اور معتبر مفتیانِ کرام کے حوالے سے اشتہار پیش فرمایا ہے وہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔ اور مدارس میں اساتذہ، طلبہ کو اس طرف توجہ دلاتے رہتے ہیں اور یہ کہنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اہل مدارس اور ذمہ دار اساتذہ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے، ہم جس ماحول میں ہیں، ہمارے یہاں تو توجہ زبانی اور

تحریری ہر اعتبار سے دلائی جاتی ہے، اس سلسلہ میں ندائے شاہی میں ایک لمبی تحریر شائع ہوچکی ہے، پھر ہماری کتاب ''انوار رحمت'' میں مستقل مضمون کی صورت میں ایک لمبا فتوی شائع ہوچکا ہے، جس میں دارالعلوم دیوبند کے اہم اساتذہ اور مفتیان کرام کے دستخط بھی ہیں، باقی عمل نہ کرنے والوں کی ذمہ داری ہم لوگوں پر نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۲ھ

تراویح کی اجرت کے جواز کے پمفلٹ کا تحقیقی جواب

سوال [۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض تحریر یہ ہے کہ جو پرچہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے، جس نے ہمارے علاقہ میں ائمہ کے ذہنوں میں عجیب الجھنیں پیدا کی ہیں اور خصوصاً اس وقت اور بھی فکر لاحق ہوئی جب فتوی نمبر: ۵ پر آپ کا بھی اسم مبارک دیکھنے میں آیا اور اخیر میں یہاں تک کہ نذرانۂ تراویح کو حرام کہنے والے کو بددین اور فتنہ پرور تک کہا گیا۔

مفتی صاحب! ہماری آپ سے یہ گزارش ہے کہ آخر یہ نذرانۂ تراویح کا اختلافی سلسلہ کب تک چلے گا؟ ہم آپ سے یہ امید کرتے ہیں کہ آپ اس مسئلہ کے بارے میں ہمیں اپنا مفصل جواب دے کر انشاء اللہ عنداللہ ماجور ہوں گے اور ہمیں ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

دلی دعا ہے کہ اللہ آپ کو دونوں جہاں میں عافیت عطا فرمائے۔ (آمین) فقط والسلام

المستفتی: حافظ محمد مختار نعمانی، امام جامع مسجد آسٹی تعلقہ پرتور، ضلع جالندھر مہاراشٹر

ماہ رمضان میں امامت تراویح پر اجرت دینا اور لینا جائز ہے

دارالعلوم دیوبند ومفتیان کرام کے اہم فتاوے

(۱) مفتی اعظم محمود الحسن گنگوہیؒ ''فتاوی محمودیہ'' میں فرماتے ہیں: اگر کوئی باتنخواہ امام ہے اور

مضان شریف میں تراویح کی بھی امامت کرے گا، تو اس کی اجرت میں اضافہ کر دیا جائے تو متأخرین کے فتویٰ کے مطابق کوئی اشکال نہیں۔

(۲) حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحبؒ (مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند): تراویح میں قرآن سنانے سے متعلق وہی توسیع پیدا کی جائے جو تعلیم قرآن حدیث وفقہ وامامت اور اذان واقامت کے متعلق دی گئی ہے، بھاؤ تاؤ نہ کریں؛ لیکن سننے والوں کا فریضہ ہے کہ وہ قرآن سنانے والے کی خدمت اپنی حیثیت سے زیادہ کریں؛ لہٰذا حافظ قرآن کے لئے نذرانہ لینا جائز ہے اور نذرانہ لینے والے حافظ کے پیچھے قرآن سننا بھی باعث اجر وثواب ہے، نیز نذرانہ لینے والے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا بالکل صحیح ہے اور اس کا پورا ثواب بھی ملے گا۔ (جواب نمبر: ۱۱۶۲)

(۳) حضرت مولانا منت اللہ صاحب۔ (امیر شریعت بہار واڑیسہ) مذکورہ بالا فتویٰ کی تصدیق فرماتے ہیں۔

(۴) شیخ اسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں: اس سے پہلے دینی کاموں پر جو رقم دی جاتی تھی، وہ اجارہ نہیں تھا؛ بلکہ بیت المال سے وظیفہ تھا، اب چونکہ بیت المال نہیں رہے؛ اس لئے مسلمانوں کو ضروری ہے کہ ہر دینی خدمت پر معاوضہ دیں۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل ۲/ ۲۰۹)

(۵) حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی (مفتی اعظم مدرسہ شاہی مرادآباد): صرف تراویح میں ختم قرآن پر ہی اجرت کی بحث نہیں؛ بلکہ نفس تراویح پر اجرت کا معاملہ ہے، اگر کسی جگہ ''الم ترکیف'' سے تراویح کی نماز ہوتی ہو اور امام اس پر اجرت لیتا ہے، تو فقہائے متأخرین اور اہل فتویٰ میں سے کسی نے بھی اس کو ناجائز نہیں کہا ہے۔ (ماہنامہ ندائے شاہی ستمبر ۲۰۰۴ء)

(۶) حضرت مولانا مفتی سلیم الدین صاحب قاسمی (مفتی اعظم شادرہ دہلی): اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: تراویح کی نماز کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کے لئے واجب اور ضروری ہے، جس کی امامت کے لئے اگر کسی کو بااجرت متعین کیا جائے تو اس زمانے میں بھی

ضرورتاً ایسا معاملہ کرنا جائز ہے؛ اس لئے رمضان میں تراویح وتر کی امامت کے بدلہ بطور رقم اجرت لینا جائز ہے۔

(۷) حضرت مولانا مفتی مکرم احمد صاحب (شاہی امام مسجد فتح پوری دہلی) فرماتے ہیں کہ تراویح کی امامت کا نذرانہ لینا جائز ہے، متأخرین فقہاء کی یہی رائے ہے۔

(۸) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) فرماتے ہیں کہ: اس مسئلے میں خوشی کے موقع پر کمیٹی اور مصلیوں کو چاہئے کہ وہ امام کی اضافی خدمت کا اہتمام کریں، یہ ایک طرح کا انعام ہے۔ (مفتی سعید احمد ۲۲/رجب ۱۴۳۲ھ)

دستخط مفتی حبیب الرحمٰن صاحب (مفتی دارالعلوم دیوبند)

دستخط مولانا ریاست علی بجنوری (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)

دستخط مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

نوٹ: مفسر قرآن حضرت مولانا انیس احمد صاحب قاسمی بلگرامی نے دارالعلوم دیوبند سے قدیم اور جدید فتوؤں پر تفصیلی بات چیت کرکے ایک تحقیقی کتاب: ''معاوضہ علی الطاعت'' یا معاوضہ علی الخدمت''، لکھی ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

اب اگر اس کے بعد کوئی بھی اجرت اور نذرانۂ تراویح کو حرام کہتا ہے، تو وہ شخص بددین اور فتنہ پرور ہے۔

شائع کردہ زیر اہتمام:

حضرت الحاج مفتی خلیل الرحمٰن صاحب قاسمی دامت برکاتہم ناندیڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں دو سنتیں بالکل الگ الگ ہیں: (۱) نفس نماز تراویح جو مایجوز بہ الصلاۃ قراءت کے ساتھ ادا ہو سکتی ہے، جس قراءت کے ذریعہ سے نماز صحیح ہو جائے، اس کے ذریعہ سے بھی نفس تراویح ادا ہو سکتی ہے، عام طور پر دیہات کے علاقوں میں ''الم ترکیف'' سے دس سورتوں کے ذریعہ سے بیس رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، نفس تراویح کی

ادائے گی کی سنت اپنی جگہ مستقل ہے،اس کے لئے کسی حافظ قرآن کی ضرورت نہیں جس کو''الم ترکیف'' سے آخر تک سورتیں یاد ہوں وہ بھی پڑھا سکتا ہے،اس کی امامت میں اگر اجرت لی جاتی ہے،تو کوئی بھی یہ کہہ نہیں سکتا کہ قرآن پر یا ختم قرآن پر اجرت لی گئی ہے۔

(۲) تراویح کی نماز میں قرآن کریم ختم کرنے کی سنت یہ اپنی جگہ مستقل دوسری سنت ہے، اس سنت کی ادائے گی حافظ قرآن کے بغیر نہیں ہوسکتی، اب اگر اس سنت کی ادائے گی میں حافظ قرآن کو اجرت دی جائے تو''وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيْلًا'' [سورۃ البقرۃ: ٤١] کی وعید میں داخل ہوکر ناجائز وحرام ہوجائے گی، اب اس تمہید کے بعد سائل نے اپنی تحریر کے ساتھ جو پرچی بھیجی ہے اس کے متعلق وضاحت یہ ہے کہ بنگلہ دیش کے ایک مفتی، مفتی غلام رحمٰن صاحب نے ۲/ ۸/ ۱۴۲۴ھ میں ایک فتویٰ لکھا تھا، جس میں تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا بلاتکلف جائز لکھا تھا اور انہوں نے امامت اور اذان وغیرہ کی اجرت پر قیاس کرکے اس کو صاف طور پر جائز اور حلال لکھا تھا۔ اور اس جواب کو لے کر دارالعلوم دیوبند کے ایک طالب علم نے احقر کے پاس سوال بھیجا تھا، اور احقر نے جواب میں مفتی صاحب موصوف کے فتوی کی تردید پر ایک مفصل جواب لکھا تھا، جس میں ختم قرآن پر اجرت کے عدم جواز کو مدلل طور پر ثابت کیا گیا تھا اور اس میں احقر نے ضمنی طور پر ایک عبارت لکھی تھی، جو بعینہٖ آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے: ''اگر کسی جگہ الم ترکیف سے تراویح کی نماز ہوتی ہے اور امام اس پر اجرت لیتا ہے، تو میری معلومات میں فقہائے متأخرین اور اکابر اہل فتویٰ میں سے کسی نے بھی اس کے عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے'' احقر کا یہ مفصل فتویٰ ندائے شاہی میں بھی شائع ہوا اور احقر کی کتاب ''انوار رحمت'' ص: ۴۷۷ سے ۴۹۶ تک وضاحت کے ساتھ موجود ہے، جس پر دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام کے دستخط بھی ہیں اور حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے وضاحتی دستخط بھی موجود ہیں، وہاں سے ملاحظہ فرمائیے۔ اور آنجناب نے جس پرچی کے ساتھ سوال نامہ ارسال فرمایا ہے اس پرچی کو منسلک کرکے چند سوالات ہمارے پاس آئے تھے، جن کے جوابات میں ہمارے

مدرسہ شاہی کے دار الافتاء کا جو موقف ہے، اس کو مفصل تحریر کے ساتھ ۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ میں واضح کر کے جواب لکھا گیا تھا، وہ بعینہٖ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، اور اس جواب میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، وہی ہمارے یہاں کا موقف ہے، باقی اس موقف کے خلاف کہیں سے کوئی بھی تحریر آپ لوگوں کی نظر سے گزرتی ہو وہ ہمارے یہاں کا موقف نہیں ہے، اب وہ تفصیلی جواب ملاحظہ فرمائیے:

اولاً یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح با جماعت پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور بلا عذر تراویح کو چھوڑنا موجب گناہ ہے، اس اعتبار سے اس نماز کو شعائر اسلام میں سے شمار کیا جاسکتا ہے، پھر نماز تراویح میں پورا قرآن پڑھنا یہ الگ سے ایک سنت ہے، مگر اس کا درجہ نفس تراویح کی حیثیت سے کم ہے، اسی لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر لوگ بوجھ محسوس کریں تو ختم کا اہتمام ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یعنی اگر تراویح میں قرآن مکمل نہ کیا جائے تو اس سے نفس تراویح کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ طاعات پر اجرت لینا متقدمین احناف کے نزدیک ناجائز ہے؛ لیکن ضرورت کی وجہ سے متاخرین فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے اور ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ اجرت کی اجازت نہ دینے کی صورت میں دینی نقصان کا اندیشہ ہو، چنانچہ دینی تعلیم وتعلم اور امامت واذان وغیرہ امور میں جواز اجارہ کی علت فقہاء نے یہی بتلائی ہے کہ اگر ان امور میں جواز کی بات نہ کہیں تو دینی شعائر کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہوجائے گا، اب سنت مؤکدہ ہونے کی حیثیت سے نفس تراویح (جو ختم قرآن پر مشتمل نہ ہو) کو امامت فرائض کے ساتھ ملحق اور تابع کر کے جائز قرار دیا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر مقصود ختم قرآن ہو تو اسے امامت فرائض کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ تراویح میں ختم قرآن محض ایک سنت ہے، اس کے نہ ہونے سے دین میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوتا، خلاصہ یہ ہے کہ شعائر دین کے تحفظ کے لئے مطلق امامت تراویح (جو ختم قرآن کی شرط کے ساتھ مشروط نہ ہو، مثلاً ''الم ترکیف'' یا ''ما یجوز بہ الصلاۃ'' قراءت سے تراویح میں امامت کی جائے) کو امامت فرائض کے ساتھ

شامل کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن اگر اس کے ساتھ صراحتاً یا عرفاً ختم قرآن کی شرط لگادی جائیگی تو اس کا عوض لینا جائز نہ ہوگا اور ہمارے علاقوں میں عرف یہی ہے کہ حافظ کو نفس تراویح کے بدلے کوئی عوض نہیں دیتا؛ بلکہ ختم قرآن ہی پر عوض دیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی حافظ ختم کئے بغیر کہیں چلا جائے تو اسے کوئی معاوضہ دینے کو تیار نہیں ہوتا، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ معاشرہ میں معاوضہ دینے کا رواج نفس تراویح پر نہیں ہے؛ بلکہ ختم قرآن پر ہے، جس کی اجازت نہیں؛ اس لئے کہ یہ آیت قرآنی: ”وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا“ [سورة البقرة: ٤١] کی ممانعت کے تحت صراحتاً داخل ہے اور اس کے متعلق جو حیلہ آپ نے سوال میں درج کیا ہے وہ جواز کے لئے کافی نہیں؛ کیوں کہ جب مقصود ختم قرآن ہوگا تو فیما بینہ وبین اللہ یہ عوض درست نہ ہوگا۔ اور دیانت والے معاملے میں حیلے مفید حل واقع نہیں ہوتے۔

(فتاوی دار العلوم ۱۵/ ۲۱۸-۲۸۲، امداد الفتاوی ۱/ ۴۷۱-۴۸۴، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۵۱-۷۴)

قال الله سبحانه وتعالىٰ: ”وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا“ [البقرة: ٤١]

قال أبو العالية: لا تأخذوا عليه أجرا. (تفسير ابن كثير ١/ ٢٢٢، زكريا ديو بند، الدر المنثور، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٢٥)

عن عبدالله بن شبل قال: قال رسول الله ﷺ: اقرؤا القرآن، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به، ولا تجفوا عنه، ولا تغلوا فيه. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، فى الرجل يقوم بالناس في رمضان، فيعطى، موسسة علوم القرآن، جديد ٥/ ٢٤٠، رقم: ٧٨٢٥، مسند أحمد حنبل ٣/ ٤٢٨، رقم: ١٥٦١٤، ٤/ ٤٤٤، رقم: ١٥٧٥٦، ١٥٧٥٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٣/ ٢٥٣، رقم: ١٠٤٤)

عن سليمان بن بريدة عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٣٣، رقم: ٢٦٢٥)

عن عمران بن حصين، أنه مر على قارئ يقرأ، ثم سأل، فاسترجع، ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من قرأ القرآن فليسأل الله

به، فإنه سيجئ أقوام يقرؤن القرآن، يسألون به الناس. (ترمذي شريف، أبواب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۹، دارالسلام، رقم: ۲۹۱۷، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٤٤٩، رقم: ٢٠١٨٦، ٤/ ٤٣٢، رقم: ٢٠١٢٦، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ٩/ ٣٦، رقم: ٣٥٥٣، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٨/ ١٦٦، رقم: ٣٦٠)

وقال عبدالله بن مسعود: إنه سيجيء زمان يسئل فيه بالقرآن، فإذا سألوكم فلا تعطوهم. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٤٣، رقم: ٢٦٣١)

عن عبدالله بن معقل أنه صلى بالناس في شهر رمضان، فلما كان يوم الفطر بعث إليه عبيد الله بن زياد بحلة وبخمس مائة درهم، فردها، وقال: إنا لا نأخذ على القرآن أجرا. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطي، موسسة علوم القرآن جديد ٥/ ٢٣٧، رقم: ٧٨٢١)

قال عمر -رضى الله عنه- اقرؤوا القرآن وسلوا الله به قبل أن يقرأه قوم يسألون الناس به. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطي، موسسة علوم القرآن جديد ٥/ ٢٤٠، رقم: ٧٨٢٦)

التراويح سنة مؤكدة، ومن لم يرها سنة فهو رافضي يقاتل كمن لم ير الجماعة، وقال أهل السنة والجماعة: إنها سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فعلها ثلاث ليال، وفي الخانية: سنة مؤكدة توارثها الخلف عن السلف من لدن تاريخ رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا، هكذا روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله، وقد واظب عليها الخلفاء الراشدون.

(تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح، زكريا ٢/ ٣١٦، رقم: ٢٥٣١)

التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء إجماعا، ووقتها بعد صلاة العشاء، قال الشامي: سنة مؤكدة، صححه في

الهداية وغيرها، وهو المروي عن ابي حنيفةؒ، وفي شرح منية المصلي: وحكى غير واحد الإجماع على سنيتها. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح، كراچى ٢/ ٤٣، زكريا ٢/ ٤٩٣)

التراويح سنة بإجماع الصحابة، ومن بعدهم من الأئمة منكرها مبتدع ضال مردود الشهادة، كما في المضمرات...... وإنما ثبت العشرون بمواظبة الخلفاء الراشدين ماعدا الصديقؓ، ففي البخاري: فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم، والأمر على ذلک في خلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر حين جمعهم عمر على أبي بن كعب، فقام بهم في رمضان، فكان ذلک أول اجتماع الناس على قارئ واحد في رمضان كما في فتح الباري. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، فصل في التراويح، دارالكتاب ديوبند، ص: ٤١١)

والختم مرة سنة، ومرتين فضيلة، وثلاثا أفضل، ولا يترک الختم لكسل القوم لكن في الاختيار الأفضل في زماننا قدر مالا يثقل عليهم وأقره المصنف وغيره، قال الشامي: لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراءة حلية عن المحيط، وفيه إشعار بأن هذا مبني على اختلاف الزمان، فقد تتغير الأحكام لاختلاف الزمان في كثير من المسائل على حسب المصالح، ولهذا قال في البحر: فالحاصل أن المصحح في المذهب أن الختم سنة لكن لا يلزم منه عدم تركه إذ لزم منه تنفير القوم، وتعطيل كثير من المساجد خصوصا في زماننا، فالظاهر اختيار الأخف على القوم. (شامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث في صلاة التراويح، كراچى ٢/ ٤٧، زكريا ٢/ ٤٩٨، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث عشر في التراويح، زكريا ٢/ ٣٢٤، رقم: ٢٥٥٢، هندية، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٧، جديد ١/ ١٧٧، بدائع الصنائع، الصلاة، فصل في سنن التراويح، زكريا ١/ ٦٤٦، كراچى ١/ ٢٨٩)

قال في الهداية: الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا؛ لقوله عليه السلام: "اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به" فالاستئجار على الطاعات مطلقا لا يصح عند أئمتنا الثلاثة، ولا شك أن التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب، فلا يصح الاستئجار عليها؛ لأن الاستئجار بيع المنافع، وليس للتالي منفعة سوى الثواب، ولا يصح بيع الثواب، وقال القارئ: ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان. (تنقيح الفتاوى الحامدية ٢/ ١٣٨)

ولا تصح الإجارة لأجل الطاعات مثل الأذان والحج، والإمامة، وتعليم القرآن، والفقه، ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان. (الدرمع الرد، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٧)

وقال العلامة فخر الدين الزيلعي: والفتوى اليوم على جواز الاستئجار لتعليم القرآن، وهو مذهب المتأخرين من مشايخ بلخ، استحسنوا ذلك وقالوا: بنى أصحابنا المتقدمون الجواب على ماشاهدوا من قلة الحفاظ ورغبة الناس فيهم، وكان لهم عطيات من بيت المال، وأما اليوم، فذهب ذلك كله واشتغل الحفاظ بمعاشهم، وقل من يعلم حسبة، ولا يتفرغون له أيضا، فإن حاجتهم تمنعهم من ذلك فلو لم يفتتح لهم باب التعلم بالأجر لذهب القرآن فأفتوا بجواز ذلك. (تبيين الحقائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٦/ ١١٧، إمداديه ملتان ٥/ ١٢٤، البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٨/ ٣٤، كوئٹه ٨/ ١٩، هدايه، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفي ٣/ ٣٠١)

وقد اتفقت كلمتهم جميعا على التصريح بأصل المذهب من عدم

الجواز، ثم استثنوا بعده ما علمته، فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتي به ليس هو جواز الاستئجار على كل طاعة، بل على ماذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٦)

والمعروف عرفا كالمشروط شرطا. (شامي، كتاب الوقف، مطلب فيما يأخذه المتولي من العوائد العرفيه، زكريا ٦/ ٦٧٢، كراچی ٤/ ٤٥٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/ ١١٣، ٦/ ٣٠٦، البناية، كتاب الصلح، باب الصلح في الدين، اشرفيه ١٠/ ٢٩، كتاب الإجارة، باب مايجوز من الإجارة وما يكون خلافا فيها (١٠/ ٢٥٩)

(۲) جوامام مستقل ہواور وہ یہ شرط لگائے کہ میں رمضان میں تنخواہ زائدلوں گااور وہ اضافہ بھی متعین ہو، یا یہ کہے کہ سال بھر ہر مہینہ میری تنخواہ میں اتنا اضافہ کردیا جائے اور مسجد کی منتظمہ کمیٹی اسے قبول کرلے اوراس اضافہ میں ختم کی کوئی شرط نہ ہو، تو یہ معاملہ شرعاً درست ہے، ایسی صورت میں وہ امام خود قرآن سنائے یا دوسرا کوئی حافظ قرآن پڑھے بہرحال امام اضافہ کا مستحق ہوگا۔اوراگر منتظمہ کمیٹی نے ختم قرآن کی شرط کے ساتھ اضافہ منظورکیا ہےتو اس معاوضہ کالین دین بہرحال جائز نہ ہوگا۔

ويفتى اليوم بصحتها (أي الإجارة) لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان. (الدرمع الرد، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٦)

وبعضهم استثنى تعليم الفقه، والإمامة. (رسائل ابن عابدين، ثاقب بكڈپو ١/ ١٦٣)

(۳) اگرکوئی شخص تراویح میں قرآن سنانے کے ساتھ ساتھ تفسیر بھی کرتا ہےاوراس کا واقعی مقصد تفسیر ہی ہے، ختم قرآن مقصودنہیں ہے، تو تفسیری بیان کے عوض رقم لینا درست ہے؛ کیوں کہ یہ بھی تعلیم کی ایک شکل ہے، تاہم یہ اجرت متعین ہونی چاہئے اوراس کی ادائیگی ختم قرآن کے موقع پر نہ ہونی چاہئے، تاکہ اشتباہ نہ ہو۔

وزاد بعضهم الأذان والإقامة والوعظ. (شامي، زكريا ٩/ ٧٧، كراچی ٦/ ٥٥)

(۴) مسئولہ صورت میں جمع شدہ رقم ہدیہ یا اضافہ کے طور پر مستقل امام یا مؤذن کو دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر حافظ قرآن امام مؤذن کے علاوہ ہو تو ختم قرآن کے بدلے حافظ قرآن کو دینا درست نہیں ہے۔

ويفتى اليوم بصحتها، أي الإجارة لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان. (الدرمع الرد، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٦)

وبعضهم استثنى تعليم الفقه، والإمامة. (رسائل ابن عابدين، ثاقب بكڈپو ١/ ١٦٣)

(۵) اگر کسی جگہ سورہ تراویح پڑھانے کے لئے بلا معاوضہ امام دستیاب نہ ہوسکے، تو ایسی صورت میں تراویح کو فرائض کے ساتھ ملحق اور تابع بنا کر اس کی امامت کا معاوضہ دینے کی گنجائش ہوگی۔ (دیکھئے حوالہ بالا)

(٦) جس طرح قرآن سنانے والے کے لئے معاوضہ جائز نہیں ہے، اسی طرح سامع کے لئے بھی معاوضہ لینا جائز نہیں ہے، اس مسئلہ میں پہلے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تعلیم قرآن پر قیاس کر کے جواز کا قول ارشاد فرمایا تھا، پھر بعد میں اس سے رجوع کر کے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (التذکیر والتهذیب ۳/۸۳، احسن الفتاوی ۳/۵۱٦)

ہمارے نزدیک یہی رائے احوط ہے؛ کیوں کہ سماع میں تعلیم کا پہلو مغلوب اور عبادت کا پہلو غالب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۱۳ھ

اجرت ختم قرآن سے متعلق ایک اہم فتویٰ

حضرت مفتی صاحب الجامعۃ الاسلامیہ دار العلوم خولنا بنگلہ دیش، دامت برکاتہم

سوال [۳۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعد سلام مسنون گزارش ہے کہ ہم لوگ رمضان شریف میں ختم تراویح پڑھ کر حافظ صاحب کو پیسہ دیا کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ یہ پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز نہ ہو تو کوئی ایسی صورت ہے کہ جس کی وجہ سے جائز ہو، دلیل کے ساتھ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حافظ محمد قطب الدین محمود نواپاڑا، متعلم کڑیا مدرسہ خولنا، بنگلہ دیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان کے مہینہ میں ختم تراویح پڑھ کر اجرت دینا جائز ہے، چاہے وہ امام حافظ ہو یا قاری، تھوڑا پڑھا ہو یا پورا ختم پڑھا ہو؛ کیوں کہ رمضان کے مہینہ کی تراویح میں قرآن پاک کو ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ اور تراویح خاص طور سے ختم قرآن ہی کے لئے ہے، جیسا کہ تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ یعنی واجب کے قریب قریب ہے، ویسا ہی پانچ وقت کی نماز کے لئے اذان دینا و امامت کرنا، سنت مؤکدہ ہے، تو اس کے لئے اجرت لینے میں جیسے کوئی منع نہیں ہے، اسی طرح تراویح کی نماز میں بھی اجرت لینے میں کوئی منع اور رکاوٹ نہیں ہے؛ کیوں کہ دونوں ہی ضروریات دین میں شامل ہیں اور تراویح کی نماز میں قرآن ختم کرنا صرف تلاوت مجردہ نہیں ہے، اس کے متعلق مندرجہ اقوال علماء متأخرین کے یہ ہیں:

مسلمانوں پر جس عبادت کو فرض کیا گیا ہے، اس عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، یہی متقدمین کا فتویٰ ہے؛ کیوں کہ متقدمین حضرات کے زمانہ میں معلم اور استاذ قرآن اور حدیث کو نیکی سمجھ کر تعلیم دیا کرتے تھے اور طلبہ و متعلمین حضرات ان لوگوں کے احسان کا بدلہ

احسان ہی کے ذریعہ دیا کرتے تھے اوران دونوں فریق یعنی استاذ اورشاگرد کے درمیان کوئی شرط نہیں ہوتی تھی، بعد میں یہ حالت پیش آئی کہ مذکورہ چیز امت سے رخصت ہونے لگی، جس کی وجہ سے نہ اس قسم کے استاذ ملتے ہیں نہ اس قسم کے طلبہ کہ بلا اجرت دین کا کام کریں، اسی وجہ سے متأخرین میں سے بعض حضرات نے عبادت مؤکدہ پر اجرت لینے کی اجازت کو اچھا سمجھا اوراس پر فتویٰ دیا۔

صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی نے لکھا ہے:

ولا الاستئجار على الأذان والحج، وكذا الإمامة وتعليم القرآن، والفقه (وبين السطور هذا على رأى المتقدمين) لقوله عليه السلام: اقرؤا القرآن، ولا تأكلوا به، وفي آخر ماعهد رسول الله عليه السلام إلى عثمان بن أبي العاص، وإن اتخذت مؤذنا فلا تأخذ على الأذان أجرًا وبعض مشايخنا (وبين السطور مشايخ بلخ) استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لأنه ظهر التوانى في الأمور الدينية، ففي الامتناع يضيع حفظ القرآن، وفي الحاشية على الامتناع فإن المتقدمين من أصحابنا بنوا جوابهم على ما شهدوا في عصرهم من رغبة الناس في التعليم بطريق الحسبة، ومروة المتعلمين في مجازاة الإحسان بالإحسان من غير شرط، وأما في زماننا فقد انعدم المغيان جمعيا. (هدايه أشرفى ۳/ ۳۰۳)

عمدۃ المتأخرین علامہ ابن عابدین نقل کرتے ہیں:

ولا لأجل الطاعات مثل الأذان، والحج، والإمامة، وتعليم القرآن، والفقه، ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان.

(الدرالمختار، كراچى ۶/ ۵۵، زكريا ۹/ ۷۶)

ان قولوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں امامت واذان اورتعلیم قرآن دے کر اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، رمضان شریف میں نماز تراویح کی امامت دوسری نماز کی امامت سے الگ کوئی نماز نہیں ہے۔

(۱) دلیل: **الأذان سنة (وبين السطور مؤكدة).** (هداية اشرفی ۱/ ۸۷)

(۲) **الجماعة سنة مؤكدة؛ لقوله عليه السلام: الجماعة من سنن الهدى.** (هداية اشرفی ۱/ ۱۲۱)

(۳) **الجماعة سنة مؤكدة، أي تشبيه الواجب في القوة.** (الكفاية ۱/ ۲۹۹)

(٤) **لأن المؤكدة في حكم الواجب في لحقوق الإثم بالترك.** (ردالمحتار ۱/ ۸٤)

(٥) **والسنة فيها (في ترويحة) الجماعة.** (هداية اشرفی ۱/ ۱٥۱)

(٦) **وأكثر المشايخ على أن السنة فيها الختم مرة، فلا يترك لكسل القوم، وفي الحاشية: والختم مرة سنة مؤكدة.** (هدايه اشرفی ۱/ ۱٥۱)

تراویح ختم قرآن کے لئے ہے: عمدۃ المتأخرین علامہ ابن عابدین نقل کرتے ہیں:

ثم إذا ختم قبل آخر الشهر قيل: لا يكره له ترك التراويح فيما بقي؛ لأنها شرعت لأجل ختم القرآن مرة، قاله أبو على النسفي: وقيل يصليها ويقرأ فيها ماشاء ذكره في الذخيرة. (الدرالمختار، کراچی ۲/ ٤٧، زکریا ۳/ ٤٩٧)

غلط فہمی کا ازالہ: تلاوت مجردہ اور ایصال ثواب پر تراویح کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے؛ کیوں کہ تلاوت مجردہ اور ایصال ثواب میں ختم قرآن ہوتا ہے۔ اور تراویح کی نماز دوسری نماز کی طرح ہے، رکوع سجدہ اور ارکان کے اعتبار سے جس میں کوئی کمی نہیں کی جاتی، اس کے باوجود اس کو کس طرح تلاوت مجردہ پر قیاس کیا جاتا ہے، اسی وجہ سے تلاوت مجردہ کی طرح اجرت لینے کو ناجائز کہنے کا کوئی حق نہیں ہے؛ کیوں کہ تلاوت مجردہ کے معنی صرف تلاوت کر کے اس کا ثواب پہنچانا اجرت لے کر جو تراویح کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں رکھتی؛ بلکہ پانچ وقت کی نماز، جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھانے والے امام کو ضروریات دین کے خاطر اگر اجرت دینا جائز ہے، تو تراویح کی نماز پڑھانے والے امام کو اجرت دینا کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے؟

نماز تراویح سنت مؤکدہ اور ختم قرآن بھی سنت مؤکدہ ہے، اگر حافظ کو اجرت نہ دی جائے تو وہ قرآن بھول جائے گا اور صرف تراویح کے لئے کوئی حافظ نہیں ملے گا، اگر مل بھی جائے تو عدد کے اعتبار سے بہت ہی کم، اب ہر جگہ حافظ کو اجرت دی جارہی ہے، تو اس کو عموم بلویٰ ''الضرورات تبیح المحظورات'' دو اصول کے تحت ضروریات دین کی خاطر وقتیہ نماز کی طرح تراویح پڑھانے والے حافظ کو بھی اجرت دینا جائز ہے۔ واللہ أعلم و علمه أتم وأحکم.

غلام رحمٰن، خادم دارالافتاء دارالعلوم مدرسہ خولنا بنگلہ دیش
۱۴۲۴/۸/۲ھ

مذکورہ فتویٰ سے متعلق دارالعلوم دیوبند کے ایک طالب علم کا استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت مفتیان کرام دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون گزارش ہے کہ مذکورہ فتویٰ کے بارے میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے، اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو تائید فرمائیں، اور اگر غلط ہے تو مدلل اور مفصل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔ فقط والسلام

المستفتی: مصطفیٰ کمال بنگلہ دیش، متعلم دارالعلوم دیوبند

اجرت ختم قرآن کے عدم جواز پر دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کی طرف سے ایک جامع اور مفصل فتویٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برادر عزیز جناب مولوی مصطفیٰ کمال صاحب متعلم دارالعلوم دیوبند! آں عزیز نے ختم قرآن پر اجرت کے جواز پر جناب مفتی غلام رحمٰن کا مفصل فتویٰ روانہ فرمایا ہے، اس فتویٰ کو بار بار پڑھا گیا اور اس کے بالمقابل حضرات فقہاء کرام اور

اکابر اہل فتاویٰ کی عبارات اوران کی آراء پر بھی بار بار نظر ڈالی گئی، آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ مذکورہ فتویٰ فقہائے عظام، اکابر اہل فتاوی اور جمہور امت کے خلاف ہے اور جتنے قیاس واستدلال سے کام لیا گیا ہے وہ بھی درحقیقت برمحل نہیں ہیں؛ اس لئے مذکورہ فتویٰ صحت پر محمول نہیں ہے، اور نہ ہی تراویح میں قرآن سنا کر اجرت لینا جائز اور درست ہے، لینے والے اور دینے والے دونوں گنہگار ہوں گے، مذکورہ فتویٰ سے متعلق چند مخصوص مسامحت کی نشاندہی کی جاتی ہے:

(۱) مذکورہ فتویٰ میں تراویح کے ختم قرآن کو تعلیم قرآن پر قیاس کیا گیا ہے، یہ قیاس درست نہیں؛ کیوں کہ ختم قرآن ایک مستقل چیز ہے اور تعلیم قرآن اس سے الگ دوسری چیز، اس لئے کہ تراویح میں قرآن پڑھنے اور استاذ وشاگرد کے درمیان قرآن کی تعلیم دینے میں بہت بڑا فرق ہے؛ کیوں کہ تعلیم قرآن میں سیکھنا سکھانا مقصود ہوتا ہے، ایک ایک آیت کو بار بار پڑھ کر اور پڑھا کر استاذ کی طرف سے شاگرد کو سکھانے اور یاد کرانے میں محنت ہوتی ہے اور تراویح میں قرآن پڑھنے والے اور سننے والے کے درمیان یہ محنت اور سیکھنا سکھانا لازم نہیں آتا؛ بلکہ وہ محض تلاوت مجردہ کے مشابہ ومرادف اور اسی کے حکم میں ہے۔

ثم استثنوا تعليم القرآن من الطاعات، وبعضهم استثنى أيضا تعليم الفقه والإمامة، والأذان، والإقامة، كما علمت ذلك مما نقلناه عن المتون وغيرها، وهذا من أقوى الأدلة على ما قلنا من أن ما أفتوا به ليس عاما في كل طاعة، بل هو خاص بما نصوا عليه مما وجد فيه علة الضرورة والاحتياج. (رسائل ابن عابدين، الرسالة السابعة، ثاقب بکڈپو دیو بند ۱/ ۱۶۳)

لہٰذا فاضل مفتی صاحب کا قیاس درست نہیں ہے۔

(۲) فاضل مفتی صاحب نے تراویح میں قرآن سنانے کو عام نمازوں کی امامت کے مشابہ قرار دینے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے اور ساتھ میں حضرات فقہاء اور اکابر اہل فتاوی کی رائے پر بڑے زوردار الفاظ سے رد فرمایا ہے کہ تلاوت مجردہ اور ایصال ثواب پر تراویح کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، اس میں فاضل مفتی صاحب کو سخت مسامحت ہوئی

ہے، انہوں نے استدلال کرتے وقت محض تراویح کا لفظ استعمال کیا ہے، تراویح میں ختم قرآن کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے؛ لیکن سیاق وسباق اور مفتی صاحب کا مقصد اس عبارت سے یہی ہے کہ تراویح میں قرآن سنانے کو تلاوت مجردہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، فاضل مفتی صاحب کو اس تردید میں مسامحت اس لئے ہوئی ہے کہ انہوں نے نماز تراویح اور ختم قرآن کو ایک ہی کردیا ہے اور دونوں چیزوں کو ایک دوسرے سے لاینفک بنادیا ہے، جیسا کہ انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ تراویح پڑھنے کی بنیاد قرآن سنانا ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر غیر حافظ عالم دین تراویح کی نماز میں امامت کرے گا، تو کیا تراویح کی نماز صحیح نہیں ہوگی؟ میرے خیال میں تو فاضل مفتی صاحب ضرور جواب دیں گے کہ تراویح کی نماز صحیح ہوجائے گی، تو پھر تراویح میں ختم قرآن لازم کہاں سے آیا؟ بلکہ بعض دفعہ لوگوں پر شاق گذرنے کی صورت میں بغیر ختم کے مختصر سورتوں سے قرآن پڑھنا زیادہ افضل ہے، جیسا کہ فقہاء کی حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

وقيل: من سورة الفيل إلى الآخر مرتين، وهو الأحسن عند أكثر المشايخ، وفي أكثر المعتبرات الأفضل في زماننا أن يقرأ بما لا يؤدي إلى تنفير القوم عن الجماعة؛ لأن تكثير الجماعة أفضل من تطويل القراء ة، وبه يفتى. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، مصري قديم ١/ ١٣٧، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٠٤)

درحقیقت صحیح بات یہی ہے کہ دو سنتیں الگ الگ ہیں، جیسا کہ موصوف نے بھی اپنی تحریر کے اخیر میں اس کا اقرار کیا ہے۔

(۱) نفس تراویح کی نماز جو مختصر سے مختصر سورتوں کے ذریعہ بھی پوری ہوجاتی ہے، جیسا کہ جن مساجد میں ختم قرآن نہیں ہوتا ہے، ان میں سے اکثر مساجد میں الم ترکیف سے تراویح کی نماز ہوتی ہے، اس سے بھی تراویح کی سنت مکمل طریقے سے ادا ہوجاتی ہے، جیسا کہ فقہاء کی عبارات ذیل سے یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے:

لو قرأ ثلاثا قصارا، أو آية طويلة في الفرض فقد أحسن، ولم يسئي، فما ظنک بالتراويح، وفي فضائل رمضان للزاهدي: أفتى أبوالفضل الكرماني والوبري أنه إذا قرأ في التراويح الفاتحة وآية أو آيتين لا يكره، ومن لم يكن عالما بأهل زمانه فهو جاهل. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچی ۲/ ۴۷، زكريا ۲/ ۴۹۸، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، التراويح، دارالكتاب ديوبند جديد، ص: ۴۱۵)

والمتأخرون كانوا يفتون في زماننا بثلاث آيات قصار، أو آية طويلة حتى لا يمل القوم ولا يلزم تعطيلها. (شامي، الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح، كراچی ۲/ ۴۷، زكريا ۲/ ۴۹۸)

وفي التجنيس: واختار بعضهم سورة الإخلاص في كل ركعة، وبعضهم سورة الفيل، أي البداء ة منها ثم يعيدها، وهذا أحسن لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات، قال في الحلية: وعلى هذا استقر عمل أئمة أكثر المساجد في ديارنا. (شامي، كراچی ۲/ ۴۷، زكريا ۲/ ۴۹۸، الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثالث عشر التراويح، زكريا ۲/ ۳۲۵، رقم:۲۵۵۷)

أي البدائة منها إلى آخره أي إلى آخر القرآن في عشر ركعات، ثم يعيد من سورة الفيل إلى الآخر في العشر الثاني. (تقريرات رافعي/۱۲۸، مع الشامي، كراچی ۲/ ۴۷، زكريا ۲/ ۴۹۸)

(۲) تراویح میں سہولت سے ہو سکے تو قرآن کریم ختم کیا جائے، اس میں بھی تفصیل یہ ہے کہ اگر آسانی سے ہو سکے تو تین ختم کرے، یہ نہ ہو سکے تو دو ختم کرے، یہ بھی نہ ہو سکے تو ایک ختم کرے۔ اور اگر ایک ختم بھی لوگوں پر شاق گذرے تو پھر ختم قرآن نہ کرے؛ بلکہ مختصر سورتوں کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھ لی جائے، جیسا کہ حسب ذیل فقہی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

والختم مرة سنة، ومرتين فضيلة، وثلاثا أفضل، ولا يترك الختم لكسل القوم لكن في الاختيار الأفضل في زماننا قدر ما يثقل عليهم.

(الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مبحث في صلاة التراويح، کراچی ۲/ ٤٧، زکریا ۲/ ٤٩٧)

اب ان عبارات سے صاف واضح ہوگیا کہ تراویح اور ختم قرآن دونوں الگ الگ دو چیزیں ہیں، تراویح کی سنیت عمومی سنت مؤکدہ ہے، عالم حافظ عامۃ المسلمین سب کے لئے نفس تراویح جو ''مایجوز بہ الصلاۃ'' قراءت کے ذریعہ سے پوری ہوسکتی ہے، سنت مؤکدہ ہے، جیسا کہ دنیا کی لاکھوں مساجد میں مختصر قراءت اورالم ترکیف سے تراویح کی نماز ہورہی ہے اور وہ لوگ اسی سے تراویح کی سنت کا ثواب حاصل کررہے ہیں اور تراویح میں قرآن ختم کرنے کی سنت بالکل الگ دوسری چیز ہے۔ اور یہ سنت عمومی اورآفاقی نہیں ہے؛ بلکہ خصوصی اور جزوی ہے اور وہ بھی بشرط گنجائش اور بشرط سہولت ہے، اس سنت کو حاصل کرنے کے لئے ناجائز اور حرام طریقہ یعنی اجرت دے کر قرآن سننا اور اجرت لے کر قرآن سنانا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ جو کہ نہ تراویح کا جزو حقیقی ہے اور نہ ہی تراویح کے لئے لازم ہے، جیسا کہ فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل: أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة، وإعطاء الثواب للآخر، والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا إنا لله وإنا إليه راجعون. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعة، زكريا ۹/ ۷۷، کراچی ٦/ ٥٦)

(۳) فاضل مفتی صاحب نے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک غیر مفتی بہ اور کمزور قول کو نقل کرکے دعویٰ کیا ہے کہ تراویح ختم قرآن ہی کے لئے ہے، یعنی تراویح کا مقصد ہی قرآن ختم

کرنا ہے، نفس نماز تراویح مقصد نہیں ہے؛ لہٰذا اگر پانچ دن میں، دس دن میں قرآن ختم ہوجائے تو آئندہ دوسرے اور تیسرے عشرہ میں اگر تراویح نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے، یہ فقہاء کے اقوال میں نہایت کمزور اور نا قابل اعتبار قول ہے، مفتی کے لئے معتبر اور مفتی بہ قول کی موجودگی میں غیر مفتی بہ اور کمزور وضعیف قول پر فتویٰ جاری کرنا ممنوع ہے، اس مسئلہ میں مفتی بہ اور معتبر قول یہی ہے کہ تراویح صرف ختم ہی کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ یہ مستقل سنت ہے جو ماہ رمضان کے شروع سے آخر تک مسلسل جاری رہتی ہے؛ لہٰذا جن مساجد میں ختم قرآن کا سلسلہ ہے اور دس یا پندرہ دن میں قرآن ختم ہوجاتا ہے، تو بقیہ ایام میں اخیر مہینہ تک مختصر سورتوں کے ساتھ تراویح کا سلسلہ جاری رکھنا مسنون اور افضل ہے، اسی طرح جن مساجد میں ختم قرآن نہیں ہوتا اور مختصر قراءت سے نماز تراویح پڑھی جاتی ہے، ان میں بھی پورے رمضان بغیر ختم قرآن کے نماز تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اسی پر فقہاء کا فتویٰ ہے، جیسا کہ حسب ذیل عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے:

لو حصل الختم ليلة التاسع عشر، أو الحادي والعشرين لا تترک التراويح في بقية الشهر؛ لأنها سنة، كذا في الجوهرة النيرة، الأصل أنه يكره له الترک، كذا في السراج الوهاج. (هندية، الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٨، جديد ١/ ١٧٧)

ولو ختم في التراويح في ليلة، ثم لم يصل التراويح جاز بلا كراهة؛ لأنه ما شرعت التراويح إلا للقراءة، وقيل: الأفضل أن يقرأ فيها مقدار ما يقرأ في المغرب، وقيل: آيتين متوسطتين، وقيل: آية طويلة، أو ثلاث آيات قصار، وهذا أحسن، وبهذا أفتى المتأخرون. (مجمع الأنهر الجديد، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٠٤)

وقيل: من سورة الفيل إلى الآخر مرتين، وهو الأحسن عند أكثر المشايخ، وفي أكثر المعتبرات الأفضل في زماننا أن يقرأ بما لا يؤدي إلى

تنفير القوم عن الجماعة؛ لأن تكثير الجماعة أفضل من تطويل القراء ة، وبه يفتي. (مجمع الأنهر، الصلاة، فصل في التراويح، دارالكتب العلمية، بيروت جديد ١/ ٢٠٤)

وأما الذي هو سنن الصحابة فصلاة التراويح في ليالي رمضان (إلى قوله) أما صفتها فهي سنة، كذا روى الحسن عن أبي حنيفة أنه قال: القيام في شهر رمضان سنة لا ينبغي تركها. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن التراويح، کراچی ١/ ٢٨٨، زكريا ١/ ٦٤٤)

(۴) **مذکورہ** فتویٰ میں ختم قرآن پر اجرت کے جواز کے لئے فاضل مفتی صاحب نے بار بار اس طرح کی عبارتیں لکھیں ہیں کہ جب عام نمازوں کی امامت پر اجرت دینا درست ہے، تو رمضان شریف میں نماز تراویح کی امامت دوسری نمازوں کی امامت سے الگ کوئی نماز نہیں ہے۔ اور کہیں لکھا ہے کہ تراویح کی نماز دوسری نماز کی طرح ہے، رکوع، سجدہ وارکان کے اعتبار سے اس میں کوئی کمی نہیں کی جاتی، تو عجیب حیرت کی بات یہ ہے کہ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے اور جب دلیل اور قیاس ومقیس علیہ اور مشبہ مشبہ بہ پیش کرتے ہیں تو اس میں نماز تراویح کو پیش کرتے ہیں، ختم قرآن کا ذکر نہیں کرتے؛ حالانکہ موضوع بحث ختم قرآن پر اجرت کا جواز اور عدم جواز ہے، نفس تراویح پر اجرت کا جواز اور عدم جواز نہیں ہے، اگر کسی جگہ الم ترکیف سے تراویح کی نماز ہوتی ہے اور امام اس پر اجرت لیتا ہے تو میری معلومات میں فقہائے متأخرین اور اکابر اہل فتاویٰ میں سے کسی نے بھی اس کے عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے، یہ عجیب خلط مبحث ہے؛ حالانکہ اخیر میں موصوف نے تراویح اور ختم قرآن کو الگ الگ دو سنتیں جداگانہ تسلیم بھی کیا ہے، حضرات فقہاء اور اکابر اہل فتاویٰ ختم قرآن کی سنیت کے بھی قائل ہیں اور اس پر اجرت لینے کی حرمت کے بھی قائل ہیں، موضوع بحث ختم قرآن والی سنت ہے نہ کہ نماز تراویح والی سنت، نیز تلاوت قرآن پر اجرت لینے کی ممانعت نص قطعی سے ثابت ہے۔ اور اذان واقامت پر اجرت لینا نص قطعی سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے دونوں ایک نہیں ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کے لئے مقیس

علیہ بن سکتے ہیں، اسی لئے فقہاء نے صاف الفاظ میں اس کی وضاحت کردی ہے کہ ضرورت کی بنا پر تعلیم قرآن، فقہ، حدیث، تفسیر، اذان، امامت، قضاء اور افتاء پر اجرت کی گنجائش قرار دے کر صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ ان کے ماعدا پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، پھر مزید قراءت قرآن کو خاص طور پر متعین کرکے ذکر کیا ہے کہ اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، جیسا کہ فقہاء کی حسب ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

وقد اتفقت كلمتهم جميعا على التصريح بأصل المذهب من عدم الجواز، ثم استثنوا بعده ما علمته، فهذا دليل قاطع وبرهان ساطع على أن المفتى به ليس هو جواز الاستئجار على كل طاعة، بل على ما ذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة تبيح الخروج عن أصل المذهب من طرو المنع، فإن مفاهيم الكتب حجة، ولو مفهوم لقب على ما صرح به الأصوليون، بل هو منطوق، فإن الاستثناء من أدوات العموم كما صرحوا به أيضا. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٦)

يظهر لک أن العلة في جواز الاستئجار على تعليم القراءة، والفقه، والأذان، والإمامة هي الضرورة، واحتياج الناس إلى ذلک، وإن هذا مقصور على هذه الأشياء دون ما عداها مما لا ضرورة إلى الاستئجار عليه.

(رسائل ابن عابدين، ثاقب بکڈپو ١/ ١٦١)

ثم استثنوا تعليم القرآن من الطاعات، وبعضهم استثنى أيضا تعليم الفقه والإمامة، والأذان، والإقامة، كما علمت ذلک مما نقلناه عن المتون وغيرها، وهذا من أقوى الأدلة على ما قلنا من أن ما أفتوا به ليس عاما في كل طاعة، بل هو خاص بما نصوا عليه مما وجد فيه علة الضرورة والاحتياج. (رسائل ابن عابدين، ثاقب بکڈپو ديوبند ١/ ١٦٣)

أن ما أجازه المتأخرون إنما أجازوه للضرورة، ولا ضرورة في الاستئجار على التلاوة، فلا يجوز. (رسائل ابن عابدين، ثاقب بکڈپو ١/ ١٦٨)

اوپر جو یہ بات لکھی گئی کہ الم ترکیف وغیرہ سے نفس تراویح پر اجرت کے عدم جواز کا کوئی قائل نہیں ہے، یہ صرف اسی وقت ہے جب کہ صرف امامت تراویح ہی مقصود ہو، ختم قرآن مقصود نہ ہو، اگر ختم قرآن کو مقصود بنا کر تراویح کے لئے الگ سے امام رکھنے کا حیلہ کیا جائے گا، تو یہ حیلہ مفید حلت نہیں ہوگا، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ: ’’یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے جب امامت ہی مقصود ہو؛ حالانکہ یہاں مقصود ختم تراویح ہے اور یہ محض حیلہ ہے دیانات میں جو کہ معاملہ فی ما بین العبد وبین اللہ ہے، حیل مفید جواز واقعی نہیں ہوتے؛ لہٰذا یہ ناجائز ہوگا‘‘۔ (امداد الفتاوی، زکریا۱/ ۴۹۵)

اس لئے یہ غلط فہمی ہرگز نہ ہونی چاہئے کہ جب نفس تراویح میں امامت پر اجرت کی حلت ہوگئی تو ختم قرآن پر بھی حلت آجائے گی، ختم قرآن پر اجرت بہر حال حرام رہے گی۔

(۵) موصوف نے اس بات پر بھی بہت زور لگایا ہے کہ سنت کو سنت پر قیاس کیا جائے کہ اذان بھی سنت، امامت بھی اور ختم قرآن بھی سنت ہے، جب اذان وامامت کی سنت کی بقا کے لئے اجرت لینا دینا درست ہے، تو ختم قرآن کی سنت کی بقا کے لئے بھی اجرت لینا درست ہونا چاہئے، موصوف کا اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے یہی مرکز استدلال ہے، اس میں موصوف نے یہ خیال نہیں کیا ہے کہ جماعت اور اذان کی سنت اپنی اپنی جگہ مستقل بالذات ہے، مگر تراویح میں ختم قرآن کی سنت مستقل بالذات نہیں ہے؛ بلکہ ایسی ضمنی اور اضافی سنت ہے کہ اس سنت کے بغیر نفس نماز تراویح میں کوئی کمی نہیں آتی؛ بلکہ اس کی سنیت بدستور باقی ہے، جب کہ اذان اور امامت ایسی مستقل بالذات سنت ہے کہ اگر مؤذن نہ ہو تو اذان کا وجود نہیں ہوسکتا، اسی طرح اگر امام نہ ہو تو جماعت کا وجود نہیں ہوسکتا اور اذان وجماعت کا وجود ضروریات دین اور شعائر اسلام میں سے ہے۔ اور ان کی اجرت کی ممانعت قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے فقہائے متأخرین نے ضرورت کی وجہ سے ان کی اجرت کے جواز پر فتویٰ دیا ہے، مگر نماز تراویح میں قرآن کریم کا ختم کرنا ایسی

مستقل بالذات سنت نہیں ہے کہ اس کے نہ ہونے کی وجہ سے نفس نماز تراویح اور نماز تراویح کی امامت کا وجود ختم ہوجاتا ہو؛ بلکہ نفس نماز تراویح اور اس کی امامت بدستور باقی رہ جاتی ہے، نیز ختم قرآن کی تلاوت اور تلاوت مجردہ دونوں بالکل یکساں ہیں اور تلاوت مجردہ پر اجرت کی حرمت قرآن کریم کی نص قطعی سے ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول: ”لَا تَشْتَرُوْا بِـآيَاتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا“ [سورة المائدة: آیت: ٤٤] تو پھر ایسی صورت میں ختم قرآن کی سنت اذان وامامت کی سنت کے برابر کیسے ہوسکتی ہے؟ اور ختم قرآن کی سنت کو اذان واقامت کی سنت کے برابر قرار دے کر اس پر اجرت کو جائز کہنا قطعاً غلط اور بے عقلی کی بات ہوگی، اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے ضرورت کی وجہ سے جن امور میں اجرت لینے کی گنجائش دی ہے، ان کو نامزد بھی کردیا ہے، اوران کے ماعدا میں اجرت کو ناجائز کہا ہے۔ اور ختم قرآن کی اجرت بھی ماعدا میں شامل ہے، جیسا کہ حسب ذیل عبارات فقہیہ سے واضح ہوتا ہے:

إن ما أجازه المتأخرون إنما أجازوه للضرورة، ولا ضرورة في الاستئجار على التلاوة، فلا يجوز. (رسائل ابن عابدین، ثاقب بکڈپو ۱/ ۱٦۸)

يظهر لک أن العلة في جواز الاستئجار على تعليم القراءة، والفقه، والأذان، والإمامة هي الضرورة واحتياج الناس إلى ذلک، وإن هذا مقصور على هذا الأشياء دون ماعداها مما لا ضرورة إلى الاستئجار عليه.

(رسائل ابن عابدین، ثاقب بکڈپو ۱/ ۱٦۱)

(٦) موصوف نے جواز کے لئے ایک علت یہ بھی بیان کی ہے کہ اگر حافظ کو اجرت دے کر اس کا قرآن نہ سنا جائے تو حافظ صاحب قرآن بھول جائیں گے؛ اس لئے ”الضرورات تبیح المحضورات“ کے تحت ضروریات دین کی خاطر وقتیہ نماز کی طرح حافظ صاحب کو بھی اجرت دینی چاہئے، تو اب سوال یہ ہے کہ حافظ صاحب کے قرآن یاد رکھنے کے ذمہ دار یہی مقتدی حضرات ہیں یا خود حافظ صاحب اس کے مکلّف ہیں؟ کیا حافظ صاحب اگر قرآن بھول جائیں گے، تو اللہ کے یہاں قرآن بھولنے کی جو سزا ہے اس میں عوام الناس بھی شامل

ہوں گے یا صرف حافظ صاحب پر ہوگی؟ شاید مفتی صاحب کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑے گا کہ قرآن بھولنے کی سزا صرف حافظ صاحب کو ملے گی، عوام اور مقتدیوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالک رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: عرضت علي أجور أمتي حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد، وعرضت علي ذنوب أمتي، فلم أر ذنبا أعظم من سورة من القرآن، أو آية أوتيها رجل، ثم نسيها. (سنن الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١١٩، دارالسلام، رقم: ٢٩١٦، سنن أبي داؤد، الصلاة، باب في كنس المسجد، النسخة الهندية ١/ ٦٦، دارالسلام، رقم: ٤٦١، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ١/ ٦٣٩، رقم: ١٢٩٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٢/ ٣٣٩، رقم: ٦٢١٩)

نیز کیا حافظ قرآن کے لئے یاد کرنے اور پڑھنے کا سال بھر میں یہی ایک مہینہ ہے یا بارہ مہینے اور ہمیشہ قرآن پڑھنے اور یاد رکھنے کا مکلّف ہے؟ اس میں بھی شاید مفتی صاحب یہی جواب دیں گے کہ ہمیشہ قرآن پڑھنے اور یاد رکھنے کا مکلّف ہے، ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ رمضان میں پڑھنے کا شوق زیادہ بڑھ جاتا ہے؛ اس لئے حافظ صاحب کے قرآن بھولنے کے خطرے کو عمومی سطح پر ضروریات دین میں شامل کرنا کہاں تک درست ہے؟ نیز جو حفاظ اجرت کے بغیر قرآن نہیں پڑھتے، ان کے قرآن بھول جانے سے دین اور قرآن پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اللہ نے خود فرمایا ہے کہ: **"انا له لحافظون"** [سورة الحجر: ۹] اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود ہی لے لیا ہے، نیز خود ہمارے شہر مرادآباد میں تقریباً چھ سو مسجدیں ہیں، رمضان آنے سے کئی مہینہ پہلے سے ایک ایک مسجد میں کئی کئی حافظ بغیر اجرت کے قرآن سنانے کے لئے ذمہ داران مسجد کی خوشامد کرتے رہتے ہیں کہ کسی طرح قرآن سنانے کا موقع مل جائے، پھر مفتی صاحب کا یہ گمان کرنا کہاں تک درست ہے کہ دنیا کے تمام حفاظ کا حال یہی ہے کہ اجرت کے بغیر پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

اکابر اہل فتاویٰ اور مشائخ عظام کا متفقہ فتویٰ

اب اخیر میں حضرات اکابر علماء اور اولوالعزم اہل فتاویٰ جن میں سے ایک ایک فرد کے فتوے کو سند کے درجہ میں مانا جاتا ہے، ان میں سے گیارہ مستند اکابر کا متفقہ فتویٰ الگ الگ طور پر مختصر انداز سے نقل کر دیتے ہیں، تاکہ امت میں اس سلسلہ میں بیداری پیدا ہو اور صحیح مسئلہ پر عمل کر سکے اور ہر کسی کے الٹے سیدھے اور غلط فتوے سے گریز کر سکے۔

(۱) حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: تراویح میں جو کلام اللہ پڑھے یا سنے اس کی اجرت دینا حرام ہے۔ (فتاوی رشیدیہ قدیم/۳۹۲، جدید زکریا/۳۷۰)

(۲) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ فرماتے ہیں: اجرت دے کر قرآن سننا جائز نہیں، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں۔ اور اگر بغیر تعیین اجرت سنایا جائے اور ختم قرآن کے بعد بطور تبرع دیا جائے تو اصح قول کی بنا پر یہ صورت بھی ناجائز ہے۔ (فتاوی مظاہر علوم المعروف بفتاویٰ خلیلیہ ا/ ۴۸)

(۳) حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: حاصل جواب یہ ہوا کہ رواج مذکور فی السوال محض باطل اور مخالف شرع ہے اور ایسا ختم ہرگز موجب ثواب نہیں؛ بلکہ موجب معصیت ہے۔ (امداد الفتاوی، زکریا ا/ ۴۸۱)

(۴) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن مجید تراویح میں سنانے کی اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ۳/۳۶۳، جدید زکریا ۳/ ۴۰۹، زکریا مطول: ۱۱/ ۵۳۶)

(۵) حضرت مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فرماتے ہیں: اجرت پر قرآن شریف پڑھنا درست نہیں ہے اور اس میں ثواب نہیں ہے اور بحکم ''المعروف کالمشروط''، جن کی نیت لینے دینے کی ہے، وہ بھی اجرت کے حکم میں ہے اور ناجائز ہے، اس حالت میں صرف تراویح پڑھنا اور اجرت کا قرآن شریف نہ سننا بہتر ہے اور صرف تراویح ادا کر لینے سے قیام

رمضان کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ (فتاوی دارالعلوم۴/ ۲۴٦)

(٦) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح ادا کریں اجرت دے کرقرآن نہ سنیں؛ کیوں کہ قرآن سنانے پر اجرت لینا اور دینا حرام ہے۔ (جواہر الفقہ ا/۳۸۲، جدید زکریا۳/۵۲۲)

اور''امداد المفتیین''میں فرماتے ہیں: اجرت لے کر قرآن پڑھنا اور پڑھوانا گناہ ہے؛ اس لئے تراویح میں چند مختصر سورتوں سے بیس رکعات پڑھ لینا بلاشبہ اس سے بہتر ہے کہ اجرت دے کر پورا قرآن پڑھوائیں۔ (امداد المفتیین / ۳٦۵)

(۷) حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں: محض تراویح میں قرآن شریف سنانے پر اجرت لینا اور دینا جائز نہیں، دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہوں گے اور ثواب سے محروم رہیں گے، اگر بلا اجرت سنانے والا نہ ملے تو الم ترکیف سے تراویح پڑھیں۔ (فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۱۷۱، جدید ڈابھیل ۱۷/ ٦٦)

(۸) حضرت مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں: خدمت کے نام سے نقد یا کپڑے وغیرہ دینا بھی معاوضہ ہی ہے۔ اور اجرت طے کرنے کی بہ نسبت زیادہ قبیح ہے؛ اس لئے کہ اس میں دو گناہ ہیں: ایک قرآن سنانے پر اجرت کا گناہ اور دوسرا جہالت اجرت کا گناہ۔ (احسن الفتاوی۳/۵۱۴)

(۹) تراویح میں ختم قرآن پر اجرت مقرر کرنا خواہ صراحتاً ہو جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں یا بطور عرف وعادت ہو، جیسا کہ عموماً آج کل رائج ہے، دونوں صورتوں میں جائز نہیں۔ (فتاوی احیاء العلوم ا/ ۱۹۸)

(۱۰) حضرت مفتی عبدالرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں: بے شک تراویح میں اجرت لینا دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھی جائے۔ (فتاوی رحیمیہ ا/ ۳۴۹، جدید زکریا ٦/ ۲۳۴)

(۱۱) بریلوی مکتب فکر کا فتویٰ: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بریلوی مکتب فکر کے بھی مشہور

معروف عالم جناب مولانا مفتی امجد علی صاحب قادری اعظمی کا ایک معتبر فتویٰ بعینہٖ یہاں لکھ دیا جائے، تاکہ بریلوی مکتب فکر کے لوگ بھی اس مسئلہ سے متنبہ ہوجائیں اور حرام میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہوجائیں، ملاحظہ ہو:

’’آج کل اکثر رواج ہوگیا ہے کہ حافظ کو اجرت دے کر تراویح پڑھواتے ہیں، یہ ناجائز ہے، دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں، اجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر مقرر کرلیں کہ یہ لیں گے، یہ دیں گے؛ بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا یہ بھی ناجائز ہے ”**المعروف کالمشروط**“ ہاں اگر کہہ دیں کہ کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا، پھر پڑھے اور حافظ کی خدمت کریں تو اس میں حرج نہیں ہے کہ الصریح یفوق الدلالۃ‘‘۔ (بہار شریعت ۴/ ۳۵، قادری بکڈپو)

اب اس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ تمام فقہاء متقدمین اور متأخرین اور تمام مستند اکابر اہل فتاویٰ کا اجماع اور اتفاق اس بات پر ہے کہ تراویح میں قرآن ختم کرکے اجرت لینا اور دینا دونوں حرام اور گناہ عظیم ہیں؛ اس لئے مسلمانوں کو اس کے خلاف فتوے سے متنبہ ہوجانا اور دوری اختیار کرنا لازم اور ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۲)	۱/ ۳/ ۱۴۲۵ھ

اجرت علی التراویح کے حیلہ کی مختلف شکلوں کا حکم

سوال [۳۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تراویح کے ختم پر غیر حافظ کے نذرانے کا حکم کیا ہے؟

(۲) تراویح کے ختم پر حافظ مستقل امام کے نذرانے کا حکم علاوہ تنخواہ کے کیا ہے؟

(۳) تراویح کے ختم پر حافظ غیر مستقل امام کے نذرانے کا مسئلہ کیا ہے؟

(۴) تراویح کے ختم پر نذرانہ لینے کی اگر کوئی ممانعت کی صورت ہو پھر بھی اس صورت میں وہ نذرانہ لےکر بلانیت ثواب صرف کرے، تو کیا حکم ہے؟

(۵) ختم تراویح کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنے کا مسئلہ کیا ہے؟

(٦) ختم تراویح پر مصافحہ ومعانقہ کا حکم کیا ہے؟

المستفتی: جاوید انور، رہلتاسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تراویح کے ختم پر غیر حافظ کو جو رقم بطور نذرانہ دی جاتی ہے؛ چونکہ یہ پورے رمضان کی امامت کر رہا ہے، تو یہ بشکل نذرانہ مہینہ بھر کی تنخواہ ہے، جو لینا جائز ہے، نیز اس لئے جائز ہے کہ اس نے قرآن ختم نہیں کیا؛ بلکہ صرف نماز پڑھائی ہے، ممانعت ختم قرآن کی صورت میں ہے:

ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والفقه والإمامة. (درمختار مع الشامي، کتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة کراچی ٦/ ۵۵، زکریا ۹/ ۷٦)

(۲) جو امام پہلے سے مستقل امامت کرتا چلا آرہا ہے، اس کو نذرانہ کے طور پر کچھ دینا اور اس کے لئے لینا جائز ہے؛ اس لئے کہ وہ شخص اس محلّہ کا مستقل امام ہے، رمضان اور غیر رمضان ہر حال میں اس کے لئے تحفہ اور نذرانہ لینا جائز ہے اور مقتدیوں کے لئے دینا بھی جائز ہے، کبھی کم کبھی زیادہ جس طرح چاہیں، اس کو نذرانہ دے سکتے ہیں۔ اور نذرانہ دینے والے کے اختیار میں ہے، لینے والے کو مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے امام صاحب کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں ہونا چاہئے، نیز امام صاحب تراویح پڑھاتے وقت ہرگز یہ نیت نہ کریں کہ میں اپنی امامت کی ذمہ داری سے کوئی الگ کام انجام دے رہا ہوں؛ بلکہ اسے بھی ایک ذمہ داری سمجھیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۷/ ۲۹٦، جدید زکریا ٦/ ۲٦۵)

(۳) تراویح کے ختم پر جو نذرانہ دیا جاتا ہے، یہ درحقیقت قرآن سنانے کی اجرت ہی ہے؛ اس لئے اس طرح حیلہ سے اجرت بشکل نذرانہ لینا دینا قطعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ یہ شکل: **لاتشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا“** [البقرة: ٤١] کی وعید میں داخل ہے۔

(۴) حافظ صاحب کو زحمت کی کوئی ضرورت نہیں، لینا تو بہرحال ناجائز ہے، پھر بلا نیت ثواب صرف کرنے کا حافظ صاحب کو حق نہیں ہے؛ بلکہ جنہوں نے دیا ہے ان کو واپس کرنا ضروری ہے۔

من اکتسب مالا بغير حق ...... كالاستئجار على المعاصي والطاعات، ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه، ويجب عليه أن يرده على مالكه. (بذل المجهود، الطهارة، باب فرض الوضوء، میرٹھ ۱/ ۳۷، بیروت دارالبشائر الإسلامية ۱/ ۳۵۹، مطبوعه لکھنؤ ۱/ ۱۴۷)

(۵) تراویح کے بعد شیرینی مسجد کی رقم یا چندہ کی رقم سے تقسیم کرنا درست نہیں؛ البتہ اگر کوئی شخص بخوشی اپنی جیب خاص سے تقسیم کرتا ہو، تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن مسجد کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۴۲۷، جدید زکریا ۶/ ۲۴۳)

(۶) ختم تراویح کے موقع پر مصافحہ معانقہ کرنا بدعت مکروہ ہے، شریعت میں مصافحہ ومعانقہ کا موقع صرف اول ملاقات ہے، نیز اس رسم کا قرون مشہود لہا بالخیر میں کوئی ثبوت نہیں ہے؛ لہٰذا اس رسم سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱/ ۳۵۴)

تكره المصافحة بعد أداء الصلاة، بكل حال؛ لأن الصحابة رضي الله عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض، وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في إدبار الصلوات. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، زكريا ۹/ ۵۴۷، کراچی ۶/ ۳۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۶ھ

امیر شریعت کے جواز اجرت تراویح کی دلیل کا جائزہ

سوال [۳۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حضرت امیر شریعتؒ نے نذرانۂ تراویح کو امامت وتعلیم قرآن پر قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دیا ہے، جب کہ نذرانۂ تراویح اور امامت وتعلیم قرآن کے درمیان فرق ہے؟

الف: تراویح عبادت محضہ ہے، تعلیم قرآن عبادت محضہ نہیں۔

ب: تراویح میں مکمل قرآن سنانا ضروریات دین میں داخل نہیں، جب کہ تعلیم قرآن ضروریات دین میں داخل ہے۔

ج: تعلیم قرآن میں جس وقت کی وجہ سے کسب معاش کا موقع نہیں ملتا، بخلاف تراویح کے کہ وہ کسب معاش میں حارج نہیں۔

د: حفظ قرآن کے بعد حفظ کا باقی رکھنا حافظ کے ذمہ فرض ہے، بخلاف امامت کے کہ علی الانفراد واجب نہیں۔

ہ: کیا یہ امر واقعی اور مشاہد ہے کہ نذرانۂ تراویح کے عدم جواز پر درجہ حفظ میں طلبہ کی تعداد گھٹنے لگے گی؟

و: کیا امیر شریعت کی رائے ان کے امیر شریعت ہونے کی وجہ سے خصوصاً اہل بہار واڑیسہ کے لئے قابل عمل ہے، یا عمل کی گنجائش ہے؟

(۲) بغیر نذرانہ کے تراویح پڑھانے والے کے نہ ملنے پر نائب امام یا ایک دو وقت کی امامت سپرد کرکے تنخواہ متعین کرنے کی اجازت بعض اکابر مفتیان کرام نے دی ہے۔

الف: حیلہ کی شرعی حیثیت اور اس کے اختیار کرنے کا محل وموقع؟

ب: تراویح میں ختم قرآن جو ایک سنت ہے، اس کے لئے حیلہ اختیار کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ حیلہ بنی اسرائیل کے حیلہ اصطیاد سمک کی طرح مذموم وقابل لعنت تو نہیں؟ کیوں کہ حضرت تھانویؒ نے حیلہ امامت کو ناجائز لکھا ہے۔

ج: مسجد کی آمدنی میں سے حافظ تراویح جیسے نائب امام محض نذرانۂ تراویح کے جواز کی خاطر مقرر کیا گیا ہے، اس کو دینے پر سکریٹری مسجد قابل ضمان تو نہیں ہوگا؟

المستفتی: محمد الیاس، تنظیم علماء چمپانگر، بھاگلپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جناب امیر شریعت کا نذرانۂ تراویح کو امامت وتعلیم قرآن پر قیاس کر کے جائز قرار دینا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ مقیس ومقیس علیہ میں کسی طرح بھی مطابقت نہیں ہے، جس کو ہر ذی علم سمجھ سکتا ہے؛ کیوں کہ تعلیم قرآن اور چیز ہے اور تلاوت قرآن دوسری چیز ہے، اور انہوں نے تلاوت قرآن کو تعلیم قرآن پر قیاس کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، ان کو اس سلسلہ میں مغالطہ ہوا ہے۔

إن المفتى به ليس هو جواز الاستئجار على كل طاعة، بل على ماذكروه فقط مما فيه ضرورة ظاهرة. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٦)

الآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٧)

(ہ) یہ واقعہ نفس الامر کے خلاف ہے کہ نذرانۂ تراویح کے عدم جواز سے درجہ حفظ کے طلبہ کی تعداد کم ہو جائے گی؛ کیوں کہ یہ واقعہ ہے کہ جب سے مغربی یوپی میں لین دین کا سلسلہ تقریباً ختم ہو چکا ہے، حفاظ کی کثرت ہے، جہاں صرف ایک درجہ حفظ تھا وہاں آج آٹھ نو درجات ہو گئے ہیں، اور جگہ کی قلت کی وجہ سے طلبہ کو واپس کرنا پڑتا ہے، کوئی چاہے تو مغربی یوپی کا مشاہدہ کرے، نذرانۂ تراویح کے عدم جواز سے کوئی ضرر نہیں ہے۔

فإنه لو مضى الدهر ولم يستأجر أحد على ذلك لم يحصل به ضرر، بل الضرر في الاستئجار عليه (إلى قوله) يمنع استحقاق الثواب. (عقود رسم المفتي، ص: ٣٨)

(و) کسی شخص کی ذات بذاتہ حجت نہیں ہے، الا یہ کہ اس کا قول اصول شرع یعنی کتاب وسنت اجماع وقیاس کے موافق ہو، مذکورہ مسئلہ میں امیر شریعت کو قیاس کرنے میں مغالطہ ہوا ہے جو اجماع کے معارض ہے، اس لئے ان کی رائے قطعاً حجت نہیں؛ بلکہ واجب الترک ہے۔حیلہ کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ خفی مباح طریقہ اپنانے میں غیر کا حق باطل نہ ہو اور نہ کسی باطل کا اثبات ہو، اگر ایسا ہے تو یہ حرام اور ممنوع ہے؛ لہٰذا تلاوت قرآن پر اجرت کا یہ حیلہ کسی بھی ضرورت کے تحت نہیں آتا؛ اس لئے یہ حیلہ شرعاً جائز نہیں؛ کیوں کہ ایک سنت پر عمل کرنے کے لئے حرام کا اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔اور جن اکابر نے اس طرح کے حیلہ کی اجازت دی ہے، اس سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔

فإن توصل بها بطريق مباح إلى إبطال حق، أو إثبات باطل، فهي حرام. (فتح الباري، كتاب الحيل، قبيل باب في ترك الحيل، بيروت ۱۲/ ۳٤۲، اشرفيه ۱۷/ ٤۰٤، ۱۲/ ۳۲٦، مبسوط، كتاب الحيل، دارالكتب العلمية ۳/ ۲۱۰)

اور بہت ممکن ہے کہ یہ حیلہ بنی اسرائیل کے حیلہ اصطیاد سمک کے مرادف ہو؛ اس لئے ایسا حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(ج) مسجد کی آمدنی سے حافظ تراویح کو دینے کی اجازت نہیں، اگر مسجد سکریٹری نے حافظ تراویح پر مسجد کی آمدنی سے کچھ صرف کیا تو اس کو اپنی جیب سے تاوان دینا لازم ہوگا؛ اس لئے کہ اس صورت میں یہ خائن ہوگا، ایسے سکریٹری کو عہدہ سے معزول کردینا چاہئے۔

إن عزل القاضي للخائن واجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه، والإثم بتولية الخائن. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دارالكتب العلمية، بيروت جديد ۲/ ٦۰۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۴۵)

تراویح کی اجرت کے جواز سے متعلق مونگیر کے فتوی کی شرعی حیثیت

مکرم مفتی محمد سلمان صاحب/ مفتی شبیر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال [۶۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعد سلام مسنون دریافت طلب امر یہ ہے کہ رمضان ۱۴۰۶ھ میں دارالافتاء مونگیر سے ایک فتوی شائع ہوا تھا (جو اس استفتاء سے منسلک ہے) اس میں تراویح میں جو ختم قرآن پر لین دین ہوتا ہے، اس کو اجرت کے بجائے نذرانہ کا نام دے کر نیز بہت سی عقلی علتیں اور خدشات کا امکان ظاہر کر کے اور دوسری فقہی جزئیات پر قیاس کر کے جائز قرار دیا ہے، کیا یہ قواعد فقہیہ کے موافق درست ہے؟ کیا اس میں مذکورہ علتیں قابل اعتبار ہیں؟ اور مذکورہ خدشات کی بنا پر جواز کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے؟ براہ کرم وضاحت فرمائیں، نیز جواز کا جو بھی حیلہ درست ہو تحریر فرمائیں، نیز اس مسئلہ میں حضرت تھانویؒ کی جو رائے ہے اسے تشدد پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت بڑے متشدد تھے، مفتی کا کام تو امت کے لئے گنجائش نکالنا ہوتا ہے، نہ کہ معاملہ تنگ کرنا وغیرہ۔ فقط

المستفتی: آپ کا ممنون احقر عبد العظیم صدیقی رحمت پوری، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دارالافتاء مونگیر کا جواب دیکھا گیا ہے، اس جواب میں جو تاویلات اور قیاس آرائیاں کی گئی ہیں وہ سب تاویلات فاسدہ ہیں، اس فتوے کو پیش نظر رکھ کر تراویح میں قرآن سنا کر اجرت لینے کو جائز سمجھنا غلط ہے؛ اس لئے اس فتوے پر اعتماد کر کے حرام کو حلال نہ سمجھیں، اللہ نے قرآن مقدس میں "**لاتشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا**" نص قطعی کے ذریعہ سے اس کی حرمت کو واضح فرما دیا ہے؛ اس لئے یہاں پر صرف طاعت پر اجرت کا مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ نص قطعی سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ اور حضرت تھانویؒ کے جو

جوابات ہیں وہ سب شریعت کے مطابق ہیں اور حضرت کے فتاویٰ کو تشدد پر محمول بتلانا شریعت سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۰/۱۴۳۴ھ

تفسیر، امامت وغیرہ کرنے والے کے لئے نذرانۂ تراویح کا حکم

سوال [۳۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کوئی حافظ عالم بھی ہو اور رمضان میں تراویح کے ساتھ ساتھ تفسیر قرآن بیان کرے اور لوگوں سے تفسیر کے پیسے وصول کرے، جب کہ لوگ بھی اسے تفسیر قرآن کے نام پر پیسہ دیتے ہیں، نیز اگر حافظ عالم نہ ہو، تو ایسی صورت میں دوسرا کوئی عالم تفسیر کر کے پیسے لیتا ہے، تو کیا حافظ قرآن کے لئے تفسیر کی اجرت لینا ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی حافظ رمضان میں تراویح کے ساتھ ساتھ پنجوقتہ نماز کی امامت کرے، تو اس ایک مہینہ کی امامت کی تنخواہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر رمضان میں کوئی حافظ تراویح پڑھائے جو بارہ مہینے امامت کرتا ہو، تو اسے رمضان میں تنخواہ سے بڑھا کر کچھ رقم بطور انعام دینا کیسا ہے؟

(۴) اگر کوئی شخص رمضان میں الم ترکیف سے تراویح پڑھائے تو وہ اجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد ایوب اشاعتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) حافظ صاحب عالم ہوں اور تفسیر قرآن کی اجرت میں پیسہ لیتے ہوں، تو جائز ہے اور اگر حافظ صاحب عالم نہ ہوں تو ایسی صورت میں دوسرا کوئی عالم

تفسیر کرتا ہو اور وہی عالم اپنی تفسیر کا پیسہ لیتا ہو تو جائز ہے، مگر تراویح میں تلاوت قرآن اور ختم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں؛ اس لئے کہ تفسیر قرآن اور نماز میں تلاوت قرآن دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان. (درمختار مع الشامي، کتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار علی الطاعات، کراچی ٦/ ٥٦، زکریا ٩/ ٧٦)

فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا یجوز. (شامي، کتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار علی الطاعات، کراچی ٦/ ٥٦، زکریا ٩/ ٧٧)

(۲) پنجوقتہ امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے؛ لیکن یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے کہ جب کہ امامت ہی مقصود ہو؛ حالانکہ اس صورت میں مقصود تراویح میں ختم قرآن ہے، امامت مقصود نہیں، اس کی دلیل یہی ہے کہ نماز کی امامت پورے سال ہوا کرتی ہے، صرف رمضان ہی میں نہیں اور مسلمانوں پر صرف رمضان ہی میں نماز فرض نہیں ہے؛ بلکہ پورے سال نماز فرض ہے؛ لہٰذا صرف ماہ رمضان میں امامت کی اجرت مقرر کرنا دراصل ختم قرآن کی اجرت ہے، جس کو حافظ صاحب بھی جانتے ہیں اور دینے والے بھی جانتے ہیں؛ لہٰذا اجرت کی یہ صورت بھی ناجائز ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۸۵، فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۷۳)

بل الضرر صار في الاستئجار علیه حیث صار القرآن مکسبا وحرفة یتجر بها، وصار القارئ منهم لا یقرأ شیئا لوجه الله خالصا، بل لا یقرأ إلا للأجرة. (شرح عقود رسم المفتي/ ٣٨)

(۳) مسجد کا مستقل امام جو پورے سال نماز پڑھاتا ہو اگر وہ رمضان میں تراویح بھی پڑھائے تو اس کو اس کی مقررہ تنخواہ سے زائد دینا جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۶، فتاوی محمودیہ ۷/ ۱۷۰)

ثم استثنوا تعلیم القرآن من الطاعات، وبعضهم استثنی أیضا تعلیم الفقه،

والإمامة، والأذان، والإقامة. (مجموعه رسائل ابن عابدين ثاقب بكڈپو ١/ ١٦٣)

(۴) صرف ''الم ترکیف'' سے تراویح کی نماز پڑھانے والے کو امامت کی اجرت دینا صحیح اسی وقت ہے، جب کہ امامت تراویح ہی مقصود ہو، ختم قرآن مقصود نہ ہو، اگر ختم قرآن کو مقصود بنا کر تراویح کے لئے الگ سے امام رکھنے کا حیلہ کیا جائے گا تو یہ حیلہ مفید حلت نہ ہوگا۔ (انوار رحمت/۴۹۰)

يظهر لک أن العلة في جواز الاستئجار على تعليم القرآن، والفقه، والأذان، والإمامة هي الضرورة واحتياج الناس إلى ذلک. (مجموعه رسائل ابن عابدين ثاقب بكڈپو ١/ ١٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۸ھ

اجرت تراویح کے لئے امامت کے حیلہ کی حقیقت

سوال [۳۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لوگوں کا آپس میں چندہ کرکے یا بلا چندہ ماہ رمضان المبارک میں قرآن شریف پورا ہونے پر حافظ صاحب کو بطور ہدیہ ونذرانہ کے روپئے دینا درست ہے یا نہیں؟ نیز حافظ صاحب کا ان روپیوں کو قبول کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر حافظ صاحب ان روپیوں کو لینے کے لئے ماہ رمضان میں امامت کا حیلہ کریں یا تفسیر کا تو شرعاً یہ حیلہ درست ہے یا نہیں؟ نیز اس حیلہ سے وہ روپئے لینے درست ہوں گے یا نہیں؟

(۳) اگر مذکورہ بالا حیلہ درست نہیں تو کیا حافظ صاحب کو ان روپیوں کے قبول کرنے کی شریعت میں کوئی صورت ہے یا نہیں؟

(۴) اگران روپیوں کے جواز کی صورت حافظ صاحب کے عدم شرط اور اخلاص پر مبنی ہو تو پھر فقہی قاعدہ "**المعروف کالمشروط**" کا کیا مطلب اور جواب ہے؟ جب کہ فی زمانہ اس کا رواج شائع ذائع ہے۔

(۵) بعض علماء طالب علموں کے واسطے مطلقاً ان روپیوں کے جواز کے قائل ہیں، ان علماء کا یہ قول شریعت میں کہاں تک درست ہے؟ آج کل کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حافظ صاحب کو تراویح میں قرآن کریم سنانے پر چندہ یا بلا چندہ بطور ہدیہ یا نذرانہ کے دینا اور حافظ صاحب کو لینا دونوں ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ نام کا نذرانہ ہے، درحقیقت اجرت ہے؛ اس لئے کہ حافظ صاحب کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ آخر میں مجھے کچھ پیش کیا جائے گا اور ذمہ داروں کے دل میں بھی یہ بات ہوتی ہے کہ آخر میں ہم حافظ صاحب کو کچھ پیش کریں گے اور اس زمانہ میں ایسا دستور بہت چل رہا ہے؛ لہٰذا یہ نام کا نذرانہ ہے، حقیقت میں دستور اور عرف کے اعتبار سے اجرت ہے؛ لہٰذا "**المعروف کالمشروط**" (الأشباہ والنظائر، قدیم ۱/ ۱۳۱) کے تحت یہ بھی ناجائز اور حرام ہوگا۔

(۲) حافظ صاحب کو تراویح کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، امامت کے لئے نہیں رکھا جاتا؛ لہٰذا امامت اور تفسیر وغیرہ کو حیلہ بنا کر کسی بھی صورت میں جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر تراویح کوئی اور پڑھاتا ہے اور یہ حافظ صاحب مستقل تفسیر اور امامت کرتے ہیں اور اتفاقی طور پر کسی دن تراویح پڑھانے والا نہ رہے اور یہ حافظ صاحب پڑھا دیتے ہیں، تو کوئی حرج نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۷۹)

(۳) حافظ کو لینے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

(۴) اس جواب کو سمجھنا عرف کے سمجھنے پر موقوف ہے، عرف دو طرح کے ہوتے ہیں: (۱)

عرف عام (۲) عرف خاص۔ عرف عام جیسا کہ فی زمانناتراویح میں قرآن کریم سنا کر پیسہ لینا۔ اور خاص کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی مخصوص علاقہ میں رائج ہو گیا ہو، مذکورہ دونوں قسموں کے عرف اس وقت مؤثر ہوتے ہیں، جب کہ ان کی وجہ سے ترک نص لازم نہ آتا ہو۔ اور اگر سوال میں مذکورہ عرف کا اعتبار کیا جائے تو اس وقت نص قرآنی: ''وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا'' کا ترک لازم آتا ہے؛ لہٰذا یہ قاعدہ یہاں پر جاری نہ ہوگا۔

إذا خالف العرف الدليل الشرعي، فإن خالفه من كل وجه بأن لزم منه ترك النص فلا شك في رده لتعارف الناس كثيرا من المحرمات من الربوا وشرب الخمر. (نشر العرف ملحق برسائل ابن عابدين، ثاقب بكڈپو ۲/ ۱۱۶)

(۵) ہم کو ان علماء کا قول معلوم نہیں ہے جو جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، انہیں سے حکم شرعی معلوم کرلیا جائے، ورنہ شریعت میں تو کسی کے لئے بھی خواہ وہ طالب علم ہو یا غریب کسی بھی صورت میں تراویح میں قرآن کریم سنانے کی اجرت لینا جائز نہیں، نیز علم دین حلال پیسہ سے حاصل کرنا چاہئے اور تراویح میں قرآن کریم سنا کر جو پیسہ حاصل ہوتا ہے، وہ حرام و ناجائز ہے، تو حرام پیسہ سے علم دین کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس کو حلال کہنا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۷۲۴)	۱۴۱۹/۴/۱۷ھ

حافظ صاحب کے نذرانہ سے متعلق کس فتوی پر عمل کیا جائے؟

سوال [۳۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ضروری گزارش یہ ہے کہ ماہ شعبان ۲۵ھ کے مؤقر ماہنامہ ''ندائے شاہی'' میں ص: ۱۱ پر ختم قرآن پر اجرت کے لین دین کا شرعی حکم اور بنگلہ دیش کے مفتی صاحب کے فتویٰ پر

حضرت مفتی شبیر صاحب کی جرح وقدح وفقہی تبصرہ نظرنواز ہوا، تو غازی آباد کے پتہ سے ندائے شاہی کے اس مضمون کے جواب میں جعفرآباد دہلی کے ائمہ کرام کی طرف سے دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ امینیہ دہلی کا مشترکہ فتویٰ شائع کیا گیا۔ ماہ رمضان المبارک سے قبل ہر مسجد میں بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو آویزاں کیا گیا اور سنایا گیا ہے، نیز اس سال ۲۷ھ کے ماہ رمضان کی آمد سے قبل بھی ندائے شاہی کے شائع شدہ فتوے کی تردید کرنے کا مستقل اہتمام کیا جارہا ہے۔ بعض علماء جناب کے فتوے کی تائید کررہے ہیں، تو بعض دوسرے علماء اس اشتہار میں شائع شدہ فتویٰ کی تائید کررہے ہیں، علی الاعلان یہ کہہ رہے ہیں کہ مفتی شبیر صاحب کا یہ تبصرہ اور متقدمین اکابر کے فتوے سب غلط ہیں اور اس شائع شدہ اشتہار کا فتویٰ ومضمون صحیح ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ فتویٰ صحیح ہے؟ کہ اس اشتہار میں شائع شدہ فتوی درست ہے؟ ایک کو صحیح تسلیم کرنے میں دوسرے کی خود بخود تردید ہوجاتی ہے، امید ہے کہ اس مخمصہ واضطراب سے ہم مسلمانان جعفرآباد کو خصوصاً و باشندگان دہلی کو عموماً نجات دلائیں گے، ہم مسلمانان جعفرآباد کس فتوے کو صحیح تسلیم کریں؟ اس استفتاء سے صرف رفع ودفع فتنہ مقصود ہے، اس سے اپنی ناموری وشہرت وغیرہ قطعاً مقصود نہیں ہے۔

نیز یہ بتلائیں کہ کیا واقعتاً اس اشتہار کا فتوی صحیح ہے یا کہ اس میں تدلیس وتلبیس کی گئی ہے؟ یعنی اس اشتہار کے صحت وسقم کو واضح کیا جائے اور ماہنامہ ندائے شاہی کے فتوے سے اس کے تعارض کو دور کیا جائے، امید ہے کہ سنجیدگی سے اس استفتاء اور مرسلہ اشتہار پر غور فرما کر جلد از جلد جواب دینے کی کوشش فرمائیں گے۔ فقط والسلام

المستفتی: ڈاکٹر ذاکر جمال صاحب وغیرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محترم ذمہ داران چاند مسجد جعفرآباد و ذمہ داران مدینہ

مسجد وذمہ داران مسجد عثمان غنی وذمہ داران زینت مسجد جعفرآباد! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
آپ حضرات کا مرسلہ اشتہار نظر نواز ہوا۔ اور سوال نامہ بھی پڑھا گیا اور مدرسہ شاہی سے یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ کا جاری کردہ جواب بھی دوبارہ پڑھا گیا اور یہ جواب ندائے شاہی میں بھی شائع ہوا اور انوار رحمت میں بھی مستقل عنوان کی شکل میں شائع ہوا، اس فتوی پر دارالعلوم دیوبند کے ان مفتیان کرام کے دستخط ہیں، جن کا فتویٰ مرسلہ اشتہار میں موجود ہے، نیز شاہی کے فتوی پر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کے بھی وضاحتی دستخط ہیں۔ ''انوار رحمت'' میں ملاحظہ فرمایئے جو دہلی فرید بکڈ پو سے بھی حاصل ہوسکتی ہے، بار بار غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ امینیہ دہلی کے فتوے اور مدرسہ شاہی کے جواب کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے؛ اس لئے کہ مدرسہ شاہی کے فتوے کا مدار اس حافظ قرآن کی اجرت پر ہے جس کو صرف رمضان میں اجرت کے ساتھ قرآن سنانے پر متعین کیا گیا ہو، مستقل امام مدرسہ شاہی کے فتوے میں موضوع بحث نہیں ہے۔ اور جس اشتہار میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ امینیہ کا فتوی مذکور ہے اس میں مستقل امام موضوع بحث ہے کہ مستقل امام کو رمضان میں ختم تراویح کے موقع پر اسی طرح نماز عیدین کے موقع پر کچھ دینے کا تذکرہ ہے، جو مستقل امام کے لئے سالانہ آمدنی کا جزو بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور مستقل امام کے بارے میں مدرسہ شاہی سے بھی تقریباً اسی طرح فتوی جاری ہوتا رہتا ہے، جس طرح دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ امینیہ کا فتوی اشتہار میں موجود ہے، اس لئے عوام الناس کے درمیان دونوں طرف کے مسائل کو مخلوط کرکے شکوک وشبہات نہ پھیلائے جائیں، اگر شبہ ہو تو اشتہار اور مدرسہ شاہی کے فتوے کو کسی سمجھ دار عالم یا ذمہ دار مفتی کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

تراویح میں حافظ صاحب کو اجرت دینے سے متعلق سوالات کے جوابات

الحمد لله رب العالمين نحمده ونصلي على رسوله الكريم، وعلى آله وأصحابه وأوليائه أجمعين، وسلم تسليما كثيرا، أما بعد!

محترم مفتیان عظام دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد!

سوال [۳۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس تعلق سے میں نے تقریباً ۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ کو آپ کے یہاں ایک سوال نامہ (تیز رفتاوالی ڈاک سے) ارسال کیا تھا؛ لیکن اس کا جواب آج تک نہیں ملا، خیر دوبارہ بھیج رہا ہوں اجرت تراویح کے عدم جواز کے متعلق ایک جامع اور مفصل فتویٰ شائع ہوا تھا، جس کی کاپی ساتھ ہے، تحقیق کرنے پر لینے والے یعنی ائمہ مسجد اور دینے والے یعنی مقتدیان مساجد سے درج ذیل وجوہات حاصل ہوئی ہیں:

(۱) یہ اجرت نہیں بلکہ نذرانہ ہے۔

(۲) یہ امام کی تراویح کی خدمات کو دیکھتے ہوئے تحفہ ہے۔

(۳) یہ تمام دلائل غیر مقامی حفاظ وائمہ کرام کے لئے ہیں۔ دس، بارہ سال سے جو مقامی امام مستقل امامت کررہا ہواسے یہ لینا جائز ہے۔

(۴) بغیر تعین کے مقتدیان مساجد اگر اپنی خوشی سے امام کو انفرادی طور پر کچھ رقم وغیرہ دیتے ہیں تو یہ درست ہے۔

(۵) اگر یہ تحفہ یا نذرانہ بند کردیا جائے تو امام کی ضروریات واخراجات کا کیا ہوگا؟

ان تمام وجوہات میں ائمہ مساجد کی مصلحت اور ضروریات واخراجات کا پہلو غالب ہے، یعنی تمام مقتدیان اور امام مسجد بھی یہی چاہتے ہیں اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ کسی قسم کا اختلاف امام ومقتدیان کے درمیان یا ہمارے اور امام کے درمیان پیدا نہ ہوجائے، جب کہ مندرجہ بالا وجوہات میں درج ذیل خامیاں ہیں:

(۱) یہ نذرانہ ہے یا تحفہ ہے تو ختم قرآن پر ہی کیوں؟ نذرانہ یا تحفہ تو پورے سال میں کبھی بھی دے سکتے ہیں۔

(۲) یہ تمام دلائل غیر مقامی حفاظ وائمہ کرام کے لئے ہیں، جب کہ ایسا کچھ بھی نہیں، ہے، مقامی وغیر مقامی کا اس میں کہیں ذکر نہیں ہے، یہ تو غیر مقامی حفاظ وائمہ کرام کے ساتھ مقامی حفاظ وائمہ کرام کے تعصب کی وجہ بن سکتی ہے۔

(۳) اگر انفرادی طور پر کچھ رقم وغیرہ دیتے ہیں، تو امام کو ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق امیدیں ہو جائیں گی اور اگر اس میں کمی وبیشی ہوئی تو پھر دل میں اس شخص کے متعلق بدگمانی کا اندیشہ ہوگا۔

(۴) رہا سوال امام کی ضروریات واخراجات کا تو سال کے گیارہ مہینے بھی تو ضروریات واخراجات ہیں، اسی لئے تو ماہانہ تنخواہ کا نظام رائج ہے اور صرف امام کے لئے (ضروریات واخراجات کے پیش نظر) تمام مقتدیوں سے یہ فعل حرام کروانا کس طرح جائز ہوگا؟ ان تمام خامیوں کے پیش نظر ہماری حکمت عملی یہ ہے کہ:

الف: اگر تمام ائمہ مساجد وذمہ داران مساجد ایک متفقہ فیصلہ مشورے سے اس طرح کرلیں کہ امام کی ماہانہ تنخواہ میں بحیثیت وسعت اضافہ کرلیا جاوے، مثال کے طور پر اگر امام کی ماہانہ تنخواہ میں ایک ہزار روپے اضافہ ہو تو سال بھر میں بارہ ہزار روپئے کا امام کی تنخواہ میں اضافہ ہوگا، اس میں ائمہ مساجد کے دو فائدے ہیں: ایک تو ماہانہ تنخواہ میں ایک ہزار کا اضافہ اور دوسرا جہاں انہیں رمضان المبارک میں ختم قرآن پر صرف ایک مہینہ میں پانچ سے چھ ہزار روپئے ملتے تھے وہیں پورے سال بھر میں ماہانہ تنخواہ کی صورت میں براہ راست بارہ ہزار روپیوں کا اضافہ ہو جاوے گا اور ائمہ مساجد اور مقتدیان مساجد بھی اس فعل حرام سے بچ جائیں گے، نیز دیگر اختلافات اور فسادات کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے اور کسی قسم کے احکامات کی خلاف ورزی بھی نہ ہوگی، واضح ہو کہ اس میں بھی ہم نے امام کی سہولت کا پہلو غالب رکھا ہے۔

ب: اگر رمضان المبارک میں نقد روپیہ وغیرہ جمع کرکے براہ راست امام کو نہ دیتے ہوئے اس جمع شدہ رقم کے بارہ حصے کرکے سال بھر کے بارہ مہینوں کی تنخواہ میں تقسیم کردیا جائے، تو ختم قرآن پر جو نقد امام کو دینے کا مقصد ہے وہ بھی فوت ہوجائے گا اور امام کی تنخواہ میں خود بخود اضافہ بھی ہوجائے گا۔ (مگر رمضان میں نقد وغیرہ کا جمع کرنا کراہت کا سبب ہوسکتا ہے کہ نقد تو رمضان ہی میں جمع ہورہا ہے) واضح ہو کہ اس میں بھی ہم نے امام کی سہولت کا پہلو غالب رکھا ہے۔

یہ تو ہمارے ذہن میں چند اقدامات تھے (جس میں ہمارے حساب سے الف زیادہ احوط اور راجح ثابت ہوسکتا ہے) مگر اس مسئلہ کے متعلق آپ حضرات کیا فرماتے ہیں، اپنی رائے (کوئی خاکہ یا حکم نامہ جس میں اس کا اور زیادہ مفید اور آسان حل ہو) اور مفید مشوروں وحوالوں اور تفصیلی رہنمائی سے نوازیں، انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔

مندرجہ بالا سعی کرنے کے بعد بھی امام اگر اپنے مطلب پر قائم ودائم رہے تو صرف الم ترکیف سے تراویح سن کر یا پڑھوا کر نقد وغیرہ دینا درست ہوگا یا نیا امام رکھ کر الف پر عمل کرنا زیادہ صحیح ہوگا؟ واضح ہو کہ جواب لکھنے سے پہلے ساتھ دیئے ہوئے اہم کاغذات پر نظر ثانی کرلیں، وہ اس لئے کہ ہم آپ سے زبردستی عدم جواز نہیں لکھوانا چاہتے، ہم تو چاہتے ہیں کہ مسئلہ کی صحیح حقیقت اور اس کا صحیح حل تحقیق کرکے معلوم ہوجائے، نیز کسی عالمی فقہی کانفرنس وغیرہ میں اس مسئلہ پر بحث وفیصلہ وغیرہ لئے گئے ہوں تو تفصیل مطلوب ہے۔ فقط

المستفتی: سید میر نوید علی بن بشارت علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (ا) رمضان کے مہینہ میں مستقل امام کو تنخواہ سے زائد جو رقم ملتی ہے وہ اس کی سالانہ آمدنی اور تنخواہوں کا حصہ ہے، بعض مواقع میں اس کی صراحت کردی جاتی ہے کہ ماہانہ تنخواہ اتنی ہوگی اور رمضان میں اس پر اتنا اضافہ ملے گا۔ اور بعض

جگہوں پر زبانی صراحت نہیں ہوتی؛ بلکہ صرف جانبین میں یہ بات ملحوظ ہوتی ہے اور اس اضافہ کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے؛ کیوں کہ عموماً امام کی تنخواہ مناسب مقدار میں نہیں ہوتی، جس پر وہ مطمئن ہوسکے، مگر سال کے اخیر میں رمضان کے موقع پر جو معتد بہ اضافی رقم ملتی ہے، اسی خطیر رقم پر اعتماد کرکے امام پورے سال امامت کے فرائض انجام دیتا ہے، بہر دوصورت مستقل امام کو رمضان میں ختم قرآن پر جو اضافی رقم ملے گی، اسے قرآن سنانے کی اجرت نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ اسے امام کی سالانہ آمدنی کا جزو قرار دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر تراویح میں کوئی دوسرا حافظ قرآن سنائے تب بھی مستقل امام کو الگ سے زائد رقم ملتی ہے؛ لہٰذا اس زائد رقم کا لینا مستقل امام کے لئے جائز اور درست ہے؛ البتہ جو مقامی اور غیر مقامی حفاظ کرام مستقل امام نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ صرف رمضان کے موقع پر قرآن ختم کرتے ہیں، انہیں ختم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

لا تصح الإجارة لأجل الطاعات ...... ويفتى اليوم بصحتها للإمامة.

(شامي، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٦)

أما شرائط الصحة فمنها رضا المتعاقدين. (هندية، مطلب أنواع الإجارة، وحكمها و كيفية انعقادها وصفتها، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤٠)

قد يثبت من الحكم تبعا مالا يثبت مقصودا. (شامي، كتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول تبعا للعقار، كراچی ٤/ ٣٦١، زكريا ٦/ ٥٥٢)

(۲) سائل نے سوال نامہ میں جو حکمت عملی پیش کی ہے اور ساتھ میں اس کے تفصیلی اجزاء بھی پیش کئے ہیں وہ ایک مناسب اقدام ہے، اگر اس پر عمل ہوجائے تو زیادہ بہتر ہوگا اور ساتھ میں منسلک کئے گئے وہ کاغذات جس میں تفصیلی جواب موجود ہے، وہ احقر کا لکھا ہوا جواب ہے، جو کئی سال پہلے ندائے شاہی میں بھی شائع ہوا تھا۔ اور احقر کی کتاب ''انوار رحمت'' میں صفحہ: ۴۷۷-۴۹۶ پر بھی وہ تفصیلی فتوی موجود ہے، جس میں دارالعلوم

دیوبند کے مفتیان کرام اور مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کے بھی تائیدی دستخط موجود ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۲۵ھ

اجرت لے کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے نماز کا حکم

سوال [۳۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کے پیش امام رمضان کے مہینہ میں اپنی جگہ دوسرے حافظ کو کھڑا کر کے خود دوسری جگہ یعنی مدرسہ میں دس دن میں تراویح پڑھاتے ہیں، جس کی وجہ سے مسجد کی رونق ختم ہو جاتی ہے، پھر نویں اور دسویں تراویح میں شہر کے ہی ایک مولوی کو بلا کر ان سے تھوڑی تقریر کروا کر مقتدیوں سے چندہ کرانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ مولوی اللہ رسول کی دو چار حدیثیں سنا کر اور دنیا داری اور امام صاحب کی چند پریشانیوں کو بتا کر مقتدیوں سے جوش اور ان کے دلوں میں رحم پیدا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے متقدی حضرات زیادہ سے زیادہ چندہ دیتے ہیں، جو لوگ نویں تاریخ میں چندہ نہیں دے پاتے ان کو خاص طور سے بتا دیا جاتا ہے کہ وہ لوگ کل کو ضرور اور دھیان سے لے آئیں، مفتیان کرام ذرا اس بات پر خاص توجہ دیں کہ جو چندہ کیا جاتا ہے، وہ اس امام کی (جو تراویح سنا رہا ہے) موجودگی میں ہی کیا جاتا ہے، یعنی وہ امام اپنے مصلے پر بیٹھا رہتا ہے اور وہ مولوی جس نے تقریر کی ہوتی ہے وہیں کھڑا ہو کر چندہ جمع کراتا ہے اور بولتا رہتا ہے کہ فلاں شخص نے اتنے پیسہ دئے اور فلاں نے اتنے دئے، علماء دین سے درخواست ہے کہ یہ بتانے کی مہربانی کریں کہ اس چندہ کے پیسے اس امام کے لئے جائز ہیں یا نہیں؟ اور چندہ دینے والے لوگوں کو کچھ اجر وثواب ملے گا یا نہیں؟ کیوں کہ ان کے نام کا بھی تو اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں نے اتنے پیسے دئے مفصل ومکمل جواب تحریر فرمائیں۔

(۲) اگر وہ چندہ کا پیسہ اس امام کے لئے ناجائز ہے، تو کیا اس امام کے پیچھے نمازیں جائز ہوں گی یا نہیں؟ کیوں کہ چار پانچ سال سے وہ امام اس پیسے کو اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا آرہا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد طارق انور، ٹھاکر دوارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ میں دس دن میں تراویح پڑھانے کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس کا مطلب یہی ہے کہ دس دن میں قرآن کریم سنایا جاتا ہے اور پھر ختم قرآن پر اجرت لینے کے لئے چندہ کیا جاتا ہے اور قرآن سنانے والا اسی کا پیسہ لیتا ہے، تو شرعاً قرآن سنا کر اس طرح پیسہ لینا ناجائز اور حرام ہے۔ اور نہ ہی دینے والوں کو ثواب ملے گا۔ اور سوال کے آخر میں یہ جو پوچھا گیا ہے، اس کے پیچھے نمازیں جائز ہوں گی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں قرآن سنا کر پیسہ لینے والے کو مسئلہ بتا دیا جائے، بہت ممکن ہے کہ مسئلہ کی تفصیلات ان کو معلوم نہ ہو، اگر مسئلہ بتانے کے بعد آئندہ کے لئے اس عمل سے باز رہتے ہیں، تو ان پر کوئی الزام نہیں۔ اور اگر مسئلہ بتانے کے باوجود پھر سے یہ سلسلہ جاری رکھتے ہیں اور قرآن سنا کر اجرت لیتے ہیں اور اس کے لئے چندہ کرتے ہیں، تو لوگوں کو اس امام کے پیچھے تراویح کی نماز نہیں پڑھنی چاہئے، اس سے بہتر یہی ہے کہ ''الم تر کیف'' سے تراویح پڑھ لی جائے۔ (فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۴۶، کفایت المفتی ۳/ ۳۶۶، جدید زکریا ۳/ ۴۰۹، جدید مطول ۱۱/ ۵۳۶، امداد المفتیین / ۳۶۵، فتاوی رحیمیہ قدیم ۱/ ۳۴۹، جدید زکریا ۶/ ۲۳۴، فتاوی محمودیہ جدید ۱/ ۶۶)

ثم استثنوا تعليم القرآن من الطاعات، وبعضهم استثنى أيضا تعليم الفقه والإمامة، والأذان، والإقامة، كما علمت ذلك مما نقلناه عن المتون وغيرها، وهذا من أقوى الأدلة على ما قلنا من أن ما أفتوا به ليس عاما في كل طاعة، بل هو خاص بما نصوا عليه مما وجد فيه علة الضرورة والاحتياج. (رسائل ابن عابدين، ثاقب بکڈپو دیوبند ۱/ ۱۶۳)

والحاصل أن ما شاع في زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لايجوز إلى قوله: بل جعلوا القرآن، مكسبا، ووسيلة إلى جمع الدنيا إنا لله وإنا إليه راجعون إلى قوله: المفتى به جواز الأخذ استحسانا على تعليم القرآن لا على القراء ة المجردة. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسد، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٦-٧٧)

ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٧)

وقد نص الحنفية على أنه لا يجوز قراء ة القرآن بأجر، وأنه لا يترتب على ذلک ثواب، والآخذ والمعطي آثمان. (الموسوعة الفقهية الكويتية ١/ ٢٩١، مستفاد: إمداد الفتاوى ١/ ٤٨١-٤٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۲ھ

قرآن سننے اور سنانے کی اجرت کا شرعی حکم

سوال [۳۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تراویح میں قرآن پاک کے سننے سنانے پر اجرت کا لینا اور دینا کیسا ہے؟

(۲) اگر ماہ رمضان میں کسی کو پورے ماہ کا امام بنادیں یا اس کے ذمہ ایک یا دو وقت کی نماز پڑھانی کردیں اور تراویح میں قرآن بھی وہی سنائے تو اس پر اجرت کا لینا دینا کیسا ہے؟

(۳) مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ: اگر رمضان شریف کے مہینہ کے لئے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک یا دو نماز پڑھانے کا اس کو امام بنا دیا جائے تو حضرت مفتی صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں: یہ

صورت جواز کی ہے؛ کیوں کہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء کرام نے اجازت دی ہے، تو کیا یہ مفتی صاحب کا قول صحیح ہے؟

(۴) خالد جو کہ ایک مسجد کا مستقل امام ہے اور رمضان شریف میں قرآن بھی وہی یعنی امام ہی سناتا ہے، جس روز قرآن پورا ہوتا ہے تو مقتدی حضرات اپنے امام کو روپئے دیتے ہیں، ہزار ہوں یا دو ہزار، کتنے ہی ہوں، تو مقتدیوں کا اپنے امام کو دینا اور امام کا لینا کیسا ہے اور یہ قرآن کی اجرت میں ہے یا اس کی مستقل امامت کی اجرت میں؟

(۵) یا دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جس مسجد میں خالد مستقل امام ہے، اسی مسجد میں خالد کے علاوہ کسی دوسرے حافظ صاحب نے قرآن سنایا تو مقتدی حضرات اپنے امام کو بھی دیتے ہیں اور سنانے والے کو بھی تو اس صورت میں دونوں کو دینا صحیح ہے یا دونوں کو دینا غلط ہے یا دونوں میں سے ایک کو دے دیں، امام کو دے دیں سنانے والے کو نہ دیں، اگر اس صورت میں امام کو دے دیں، تو یہ دینا اس کی مستقل امامت میں داخل ہوگا یا اجرت قرآن میں؟

(۶) ہمارے اکثر میرٹھ وغازی آباد کے علاقہ میں گاؤں ہوں یا شہر تقریباً سبھی جگہ جہاں جہاں مساجد ہیں، مستقل امام حضرات ہوتے ہیں، جس روز قرآن پورا ہوتا ہے تو مقتدی حضرات اپنے اپنے اماموں کو کافی تعداد میں رقم دیتے ہیں، چاہے امام قرآن سنائے یا نہ سنائے، مثلاً امام کے علاوہ کوئی اور سنا دے، جب بھی امام کو ضرور دیتے ہیں۔ اور اگر کسی مسجد میں مستقل امام نہیں ہوتا ہے، تو لوگ دوسری جگہ سے صرف حافظ کو رمضان میں قرآن سنانے کے لئے بلاتے ہیں تو اس سنانے والے کو اتنے روپئے نہیں دیتے جتنے وہ اس امام کو دیتے ہیں جو مستقل امامت کر رہا ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اس نے پورے سال محنت نہیں کی ہے اور جو مستقل امام ہوتا ہے اس کو یہ کہتے ہیں کہ یہ اس کی مستقل محنت کے ہیں، آیا یہ دینا لینا ٹھیک ہے؟ یا یہ بھی اجرت قرآن میں داخل ہے؟ یا اجرت امامت میں؟

(۷) زید ایک مسجد کا مستقل امام ہے اور لوگوں نے کچھ تنخواہ بھی طے نہیں کی؛ بلکہ لوگ اپنے امام کو فصل گندم میں گندم دیتے ہیں اور فصل مکئی میں مکئی اور فصل گڑ میں گڑ اور کچھ رقم عید پر

دے دیتے ہیں اور کچھ رقم اس روز دیتے ہیں جس روز قرآن پورا ہوتا ہے، آیا یہ دینا اور امام کا لینا صحیح ہے، یا ناجائز ہے؟ کیوں کہ ایک مولانا صاحب سے جب یہ مسئلہ زبانی معلوم کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ جس مسجد میں مستقل امام ہے، اس کو دینا اور لینا جائز ہے؛ کیوں کہ یہ اس کی مستقل امامت کی اجرت میں داخل ہے۔ اور امامت کی اجرت لینا جائز ہے، آیا یہ مولانا صاحب کا قول صحیح ہے؟

المستفتی: انتظار احمد، مدرسہ فیض العلوم موضع بدرکھہ، ضلع غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تراویح میں قرآن کریم سنا کر اجرت دینا اور لینا دونوں ناجائز اور حرام ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷۱/۷، جدید ڈابھیل ۶۶/۱۷)

(۲) اس کو بھی حضرت تھانویؒ نے حرام اور ناجائز لکھا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی قدیم ۳۲۲/۱، جدید زکریا ۴۸۵/۱، ایضاح المسائل/۲۸)

(۳) حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے صاف الفاظ میں اس کو جائز لکھا ہو بندہ کو معلوم نہیں۔

(۴) امام کو رکھتے وقت یہ طے ہوا ہے کہ ہر ماہ اتنی تنخواہ رہے گی اور سال کے آخر میں ماہ رمضان میں اتنا ملے گا تو ایسی صورت میں رمضان میں جو زیادہ مل رہا ہے، وہ ہمیشہ کی تنخواہ میں شامل ہوگا، یہ نہیں ہے کہ جو مل رہا ہے وہ صرف قرآن سنانے کی وجہ سے مل رہا ہے، تو یہ شکل جواز کے دائرہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

المسلمون علی شروطهم. (سنن ترمذي، كتاب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس؟ النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

(۵) امام کو دینا اور امام کے لئے لینا جائز اور درست ہے۔ اور دوسرا آدمی جس نے قرآن سنایا ہے، اس کے لئے لینا جائز نہیں ہے۔

(۶) اس صورت میں جو دیا جاتا ہے، وہ ہمیشہ کی تنخواہ میں شامل ہے؛ اس لئے وہ بلا کراہت جائز ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

(۷) جی ہاں مولانا صاحب کا مذکورہ قول صحیح اور درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۳ھ

تراویح کا نذرانہ

محترم المقام حضرت مفتی صاحب جعلکم اللہ قدوۃ للدین والشرع

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کی عافیت کا خواہاں ہوں، اللہ گردش ایام اور تمام حوادث وفتن سے بال بال آپ کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

سوال [۳۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقصد تحریر تراویح پڑھانے والے حافظ کو دی جانے والی رقم کی مندرجہ ذیل صورتوں میں شرعی حیثیات معلوم کرنا ہے کہ آیا یہ تمام صورتیں یکساں ہیں یا جدا گانہ؟ اور معاوضہ وہدیہ ہر دو میں فرق ہے یا نہیں؟ صورتیں یہ ہیں:

(۱) رمضان المبارک سے پہلے ہی ٹرسٹیان مسجد حافظ قرآن کے ساتھ معاوضہ متعین کرلیں، مثلاً ۱۰۰۰۰/ روپے، تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر عدم جواز ہے، تو جواز کی صورت یا حیلہ کی شکل کیا ہے؟

(۲) معاوضہ کی پیشگی تعیین تو نہیں کی؛ لیکن ٹرسٹی حضرات محلّہ کے چند مال داروں کو اس بات کا مکلّف کریں کہ ان میں سے ہر ایک شخص حافظ کے لئے کسی بھی طرح پانچ پانچ سو روپئے کا انتظام کرے، اس صورت کا کیا حکم ہے؟

(۳) ختم قرآن کے بعد دیر یا سویر لوگ انفرادی طور پر حافظ سے مصافحہ کرکے ان کے ہاتھ کچھ رقم تھما دیتے ہیں، حافظ کے لئے یہ رقم طیب ہے یا حرام؟ نیز عوام الناس کا اس طرح (ہی سہی) اہل علم کی عزت افزائی ممدوح ہے یا ممنوع ؟

(۴) مسجد کے ٹرسٹیان مصلین سے محض درخواست کرکے اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا کسی اور شب کو مسجد میں رومال پھرا کر حافظ کے لئے روپئے بٹوریں، تو یہ صورت کیسی ہے؟ اس صورت مسئولہ کو مندرجہ ذیل شرائط اور چند مشکلات کی بنا پر اختیار کرنا حرام ہے، یا شرع متین اس کی گنجائش رکھتی ہے؟

شرط ۱: کسی فرد واحد پر کسی بھی طرح کا جبر و اکراہ نہیں؛ بلکہ جو بصدر رضا و رغبت حافظ کو ہدیۃً لوجہ اللہ دینا چاہے وہی دے۔ اور نیز جتنی رقم دینا چاہے اتنی دے، خواہ چار آنے ہی کیوں نہ ہوں۔

شرط ۲: زکوۃ، فطرات اور صدقات کی رقم ہرگز ہرگز اس رومال میں نہ ڈالی جائیں۔

مجبوریاں یہ ہیں:

(۱) انفرادی طور پر لوگوں کو رقم پہنچانی ہو تو اس میں وہ حضرات حرج میں مبتلا ہوتے ہیں جو دس بیس روپئے دینے کے خواہاں ہوتے ہیں، بایں طور کہ وہ لوگ گرچہ بلند جذبہ رکھتے ہیں؛ لیکن اپنی رقم کو حقیر گردانتے ہوئے وہ حافظ کو دیتے وقت عار محسوس کرتے ہیں، جب کہ ایسے لوگ بڑے مخلص ہوتے ہیں اور اللہ ان کے اخلاص کی قدردانی فرماتے ہیں، نیز یہ قضیہ بھی مسلم ہے کہ بوند بوند گھڑا ابھرتا ہے، ہم نے بہت سے علماء کے حالات میں پڑھا ہے اور آج بھی مدارس دینیہ میں بہت سے طلبہ ایسے ہوتے ہیں جو رمضان کے ایسے ہی ہدایا سے اپنے سال بھر کے اخراجات کی تکمیل کرتے ہیں۔ بہر حال رومال پھرانے میں جانبین کی رعایت ہوجاتی ہے، یعنی جہاں مخلصین اپنے پاکیزہ جذبات کا اظہار کرلیتے ہیں وہیں بہت سے اہل علم کی کفالت بھی ہوجاتی ہے، نیز یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ عالمی سطح پر اسی فی صد سے بھی

زائد مسلمان (مال و دولت کے اعتبار سے) درمیانی یا آخری سطح پر گذر بسر کرتے ہیں تو رومال گردانی میں اسی فی صد مسلمانوں کی رعایت ہو جاتی ہے۔

(۲) جہاں مسجد میں طویل قطار لگ جاتی ہے، وہیں شور وغوغا اور دھکا مکی بھی ہو جاتی ہے۔

نوٹ: اس صورت مسئولہ میں حافظ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ یا معاملہ نہیں، وہ تو صرف اس جذبہ سے تراویح پڑھا رہا ہے کہ اس کا حفظ قرآن تازہ اور محفوظ ہو جائے (ہم نے بھی حفاظ سے سن رکھا ہے کہ وہ رمضان المبارک میں تراویح سنا دیتے ہیں، تو پورے سال انہیں بھول جانے کا اندیشہ نہیں رہتا) اسے اس بات سے چنداں سروکار نہیں کہ کوئی اسے پھوٹی کوڑی بھی نہ دے۔

(۵) حافظ کے لئے تراویح کے بعد ملنے والی رقم کا لینا علی الاطلاق حرام ہے، یا حرمت مخصوص صورتوں کی ہے؟ اگر مطلقاً حرام ہے تو پھر جواز کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

لگے ہاتھوں مندرجہ ذیل دو مسئلوں کے حکم بھی لکھ دیں تو نوازش ہوگی:

(الف): مسجد کے امام کے لئے نماز عید میں رومال گردانی کا کیا حکم ہے؟ آیا مکروہ ہے، مباح ہے یا حرام؟

(ب): زید کہتا ہے کہ ''جتنے بھی حفاظ ہوتے ہیں ان کے دل میں یہ لالچ ہوتا ہی ہے کہ مجھے کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا'' گویا یہ حفاظ کرام حریص ہوتے ہیں، تو کیا زید کا اس طرح حفاظ کرام کی نیتوں پر ہاتھ صاف کرنا بجا ہے؟ کیا شرع شریف اسے اس بات کی گنجائش دیتی ہے؟

افتو فتوجروا.

المستفتی: محمد ایاز خان، خواجہ پیلس، نزد مسجد اقصیٰ، کوسہ ممبرا، ضلع تھانہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ قرآن کے لئے رمضان میں تراویح میں قرآن سنا کر اجرت لینا قطعاً جائز نہیں ہے، نصوص قطعیہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

وَلاَ تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا. [سورۃ البقرۃ: ۱٦]

ٹرسٹیان مسجد حافظ قرآن کے ساتھ معاوضہ متعین کرلیں یہ قطعاً جائز نہیں ہے، دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہوں گے۔

والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٧)

(۲) معاوضہ کی پیشگی تعیین نہ ہو مگر منتظمین سرمایہ داروں کو پانچ پانچ سو یا کم زیادہ حافظ کے لئے انتظام کا پابند کردیں یہ بھی قطعاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ بھی صراحتاً اجرت کی ادائے گی کا انتظام ہے، ختم قرآن کے بعد دیر یا سویر انفرادی طور پر مصافحہ میں دینے کا اس مسجد میں پہلے سے رواج نہیں ہے اور اتفاقی طور پر کوئی شخص کچھ دیتا ہے، تو وہ اجرت میں شامل نہیں ہے۔ اور اگر اس مسجد میں پہلے سے ختم قرآن کے موقع پر بوقت مصافحہ دینے کا رواج ہے، تو یہ ''**المعروف كالمشروط**'' کی بنا پر اجرت تراویح کے دائرہ میں داخل ہو کر ممنوع ہے۔ حضرت تھانویؒ نے اس طرح لینے دینے کو ناجائز اور ممنوع لکھا ہے۔ (امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۸۱)

(۴) رومال پھرا کر حافظ صاحب کے لئے روپیہ جمع کرنا یہ بھی دوسری صورت کی طرح قرآن سننے سنانے کی صریح اجرت ہے؛ اس لئے اس طرح بھی دینا لینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

شرط ا جو شخص بلا جبر واکراہ حافظ صاحب کو لوجہ اللہ ہدیہ دینا چاہتا ہے، تو وہ حافظ صاحب کے گھر کیوں نہیں دیتا۔ اور اگر حافظ صاحب کے گھر جانا دشوار ہو تو حافظ صاحب کے گھر خفیہ طور پر منی آڈر کردے جس کا تعلق قرآن سنانے سے نہ ہو، تو وہ ہدیہ بن سکتا ہے چاہے جتنی رقم حافظ صاحب کے گھر خفیہ طور پر منی آڈر کردے اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن ختم قرآن کے موقع پر دینے کا کیا مطلب ہے؟ یہ سوال نمبر ۳ کی طرح اگر وہاں مصافحہ یا انفرادی طور پر لینے دینے کا پہلے سے رواج نہیں ہے اور کوئی شخص خفیہ طور پر حافظ کو کچھ دے دے جس کا خیال حافظ صاحب کے ذہن میں پہلے سے نہ ہو تو ایسی صورت میں گنجائش ہے، رومال گھوما کر حافظ صاحب کے لئے روپیہ جمع کرنا اور اکٹھے کرکے دینا اس کے لئے سائل نے بہت

سے راستے بیان فرمائے ہیں، مگران راستوں میں سے کوئی بھی راستہ جواز کے لئے نہیں بنتا ہے، اگر حافظ صاحب اور اہل علم کی کفالت کا ارادہ ہے، تو ان کے گھر درمیان سال میں کیوں نہیں بھیجتے؟ ختم قرآن کے موقع پر لینے دینے کا کیا مطلب ہے؟ یہ محض اجرت ہی ہے اور یہ کہنا کہ حافظ صاحب کا قرآن یاد رہے گا تو حافظ صاحب کے قرآن یاد رکھنے کے مکلّف آپ نہیں ہیں؛ بلکہ حافظ صاحب خود یاد رکھنے کے مکلّف ہیں؛ اس لئے دوسرے لوگ اللہ کے یہاں مسئول نہیں ہوں گے، اب کوئی یہ پوچھے کہ قرآن کی حفاظت کیسے ہو تو اس کی ذمہ داری اللہ نے خود لے رکھی ہے۔ ''**انا له لحافظون**''.

اب رہی یہ بات کہ اگر حافظ قرآن سنا کر پیسہ نہ لے تو اس کا گزربسر کیسے ہو؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حافظ صاحب کے پاس کوئی کاروبار نہیں ہے، تو وہ کسی دینی مدرسہ میں قرآن کی تعلیم دینے کے لئے استاذ بن جائے پھر اپنی ماہانہ تنخواہ سے گزربسر کیا کرے، قرآن کریم کا درس دینا بچوں کو پڑھانا الگ چیز ہے اور رمضان میں تراویح میں قرآن ختم کرنا دوسری چیز ہے، دونوں کو مخلوط کر کے یکساں سمجھنا دینی مسائل کے سمجھنے میں کمی ہے۔

(۱) رمضان میں قرآن سنا کر اجرت لینے کے جواز کی کوئی شکل یا حیلہ ہم کو معلوم نہیں، ان سب کے دلائل ماہنامہ ''ندائے شاہی'' شمارہ ستمبر ص: ۱۷ پر موجود ہیں۔

(۲) مسجد کے امام کے لئے عیدگاہ میں رومال گردانی یا مصافحہ میں دے دے، یا عید کے موقع پر سالانہ رقم دے دے، ہر طرح سے جائز ہے، یہ رقم قرآن سنانے کی نہیں ہے؛ بلکہ امام کی امامت کی سالانہ آمدنی ہے، جس میں ختم قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے، زید کا یہ کہنا کہ تمام حفاظ حریص ہوتے ہیں، درست نہیں ہے، قرآن کریم میں ایسی بدگمانی سے منع کیا گیا ہے۔

اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ. [سورۃ الحجرات، آیت: ۱۲]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۱۳)	۱۴۲۵/۱۱/۱۹ھ

تراویح میں قرآن پاک سنانے کی اجرت ایک متفقہ اور شرعی فیصلہ

سوال [۳۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں قرآن پاک بغیر تعین اجرت کے سنانا اور سننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: فقیہ العصر حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مدظلہ فرماتے ہیں کہ: محض تراویح میں قرآن شریف سنانے پر اجرت لینا درست نہیں ہے، اس میں کوئی حیلہ بھی مفید نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آمدورفت کا کرایہ لینا اور مہمانی کرنا جائز ہے۔ اور آمدورفت کا کرایہ دے کر باہر سے حافظ کو بلانا اور اس کا قرآن مجید بلا معاوضہ سننا جائز ہے اور موجب ثواب بھی ہے، اور جب کہ باہر سے آیا ہوا ہو تو بلایا ہوا مہمان ہے؛ لہٰذا اس کو عمدہ کھانا کھلانا بھی جائز ہے اور ثواب بھی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴/ ۲۹۰)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: کہ اجرت دے کر قرآن مجید پڑھنا اور پڑھوانا دونوں گناہ ہے؛ اس لئے تراویح میں چند مختصر سورتوں سے پڑھ لینا بلا شبہ اس سے بہتر ہے کہ اجرت دے کر پورا قرآن مجید پڑھوائے؛ کیوں کہ پورا قرآن مجید تراویح میں پڑھنا مستحب ہے۔ اور اجرت دے کر قرآن مجید پڑھنا پڑھوانا گناہ ہے۔ اور گناہ سے بچنا یہ سنت مستحب پر عمل کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔ اور اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، نماز ہوگئی اگرچہ مکروہ ہوئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۲/ ۲۴۷)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اجرت دے کر قرآن شریف تراویح میں پڑھوانا درست نہیں ہے، اگر بے اجرت لئے ہوئے پڑھنے والا حافظ نہ ملے تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھنا بہتر ہے، قرآن مجید تراویح میں سنانے کی اجرت لینا اور دینا جائز نہیں۔ (کفایت المفتی ۳/ ۳۶۲، جدید زکریا ۳/ ۴۰۹، جدید مطول ۱۱/ ۵۳۶)

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: اگر مسجد میں دینے کا رواج ہے تو قاعدہ فقہ

ہے: ''المعروف کالمشروط''لہٰذا یہ صورت بھی ناجائز ہے اور استیجار علی قراءۃ القرآن میں داخل ہے۔ (فتاوی دارالعلوم قدیم/۱۱۰)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: ختم تراویح کے دن جو حافظ کو چندہ اکٹھا کر کے دیا جاتا ہے یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ روپیہ کی طمع سے قرآن مجید پڑھتا ہے، اس لئے اس کو پڑھنے کا ثواب تو کیا ہوتا یہی غنیمت ہے کہ اس پر مؤاخذہ نہ ہو اور حافظ صاحب کا محض روپیہ کے واسطے پڑھنا ظاہر ہے؛ کیوں کہ حافظ صاحب کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں کچھ نہ ملے گا تو حافظ صاحب ہرگز نہ پڑھائیں گے اور بہانہ بازی کر کے روانہ ہو جائیں گے۔ اور اگر بالفرض پورا قرآن ختم بھی کر دیا تو مایوس ہو کر جائیں گے اور دوبارہ کبھی اس مسجد کا رخ نہ کریں گے، آخر خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ اس حافظ نے روپئے کے لالچ میں قرآن پڑھا ہے، یا دین کا کام سمجھ کر خالص رضائے الٰہی کے واسطے پڑھا ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب بغیر اس کے کوئی حافظ نہیں ملتا تو میں یہ کہوں گا کہ ایسے حافظ سے قرآن شریف سننے سے تو بہتر ہے یہ کہ ''الم ترکیف'' (چھوٹی سورتوں سے) تراویح پڑھ لی جائے، یہ اول تو دین فروشی ہے اور دوسرے لوگوں پر دباؤ ڈال کر چندہ لیا جاتا ہے اور چندہ کی فہرست مجمع کو پیش کی جاتی ہے جس سے دوسروں کی دیکھا دیکھی کچھ لکھانا ہی پڑتا ہے، بعض کو غیرت دلائی جاتی ہے کہ میاں یہ تو تمہاری حیثیت کے خلاف ہے کم از کم دو چند تو کر دیجئے طوعاً وکرہاً جب چاروں طرف سے زور ڈالا جاتا ہے، تو بیچارے کو مجبور ہونا ہی پڑتا ہے، یہ رقم قطعاً حرام ہوتی ہے؛ کیوں کہ حلت عطایا میں طیب خاطر شرط ہے، اول تو یہ موقع تھا کہ بخوشی دیا جاتا، تب بھی لینا جائز نہ ہوتا اور اس پر ایک امر موجب حرمت مزید ہو گیا۔

فقیہ الامت حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ: جو حافظ اجرت پر سناتے ہیں، خواہ وہ طے شدہ ہو یا غیر طے شدہ ہو، وہ سنانا عبادت نہیں ہے، پس اس کو سننا بھی نہیں چاہئے۔ (فتاوی رشیدیہ، ص:۲۱۸)

فتویٰ ۲: جو حافظ روپیہ کی خاطر قرآن سناتا ہے تو اس کا قرآن نہیں سننا چاہئے، تراویح میں

قرآن مجید سنانے کی اجرت لینا اس لئے درست نہیں ہے کہ قرآن شریف پڑھنا عبادت ہے۔اورعبادت پراجرت لینا حرام ہے۔

قال في ردالمحتار: الآخذ والمعطي آثمان.

(ردالمحتار میں ہے کہ: قرآن مجید پر اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار رہیں) حافظوں کو اجرت پر قرآن سنانا حرام ہے؛ اس لئے کہ رمضان المبارک میں جو قرآن مجید تراویح ونفل میں سنایا جاتا ہے (خواہ شبینہ ہی کی شکل کیوں نہ ہو) سب پر اجرت (یعنی روپیہ وغیرہ) لینا اور دینا دونوں حرام ہے اور یہ خرچہ مسجد کی آمدنی میں سے ہوتو اور بھی برا ہے؛ بلکہ متولی پر اس کا ضمان آوے گا، یعنی جس قدر اس کام میں مسجد کا مال خرچ کیا ہے اس کے ذمہ ہے کہ پھر اپنے پاس سے وہ روپیہ مسجد میں دے۔ (فتاوی رشیدیہ/۳۹۲، جدید زکریا/۳۷۰)

سوال: اگر کوئی حافظ کو ایک مہینے کے لئے امام مقرر کر کے کچھ دے تو اس صورت میں عند الشرع اجرت حلال ہوگی یا نہیں؟ جب کہ اس کا مقصد تراویح میں قرآن سنانا ہے اور امامت کی صورت میں تو حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے؛ کیوں کہ علماء متأخرین نے امامت کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: یہ جواز کا فتویٰ اس وقت ہے جب امامت ہی مقصود ہو (الأمور بمقاصدہا) حالانکہ یہاں مقصود ختم تراویح ہے اور یہ محض ایک حیلہ ہے، دیانات میں جو کہ معاملہ فی ما بین العبد وبین اللہ ہے حیلے مفید جواز واقعی کو مفید نہیں ہوتے؛ لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا۔ (امدادالفتاوی، زکریا ۱/۴۸۵)

سوال: سامع کو اجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ اس کو جائز کہتے ہیں، جیسا کہ ''امداد الفتاوی'' میں موجود ہے۔

حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری فرماتے ہیں: سامع کو اجرت دینا بھی جائز نہیں۔ (فتاوی دارالعلوم جدید ۴/ ۲۹۵) میں عدم جواز کی صراحت موجود ہے۔ اور ''امداد الفتاوی ۱/ ۴۹۶'' مطبوعہ دیوبند میں جو جواز کا فتویٰ ہے، اس سے حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ

نے ''التذکیر'' حصہ سوم ''التہذیب ۳/۸۳'' میں رجوع فرمالیا ہے جو ''امداد الفتاوی'' میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے۔ اور میرے تحشیہ کے وقت وہ رجوع میرے سامنے نہیں تھا؛ اس لئے حاشیہ میں نہ آسکا، بعد میں یہ رجوع میرے سامنے آیا ہے، جس کی تائید ''فتاوی دار العلوم'' سے ہوتی ہے۔

تصدیق حضرت مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی

یہ سب مسائل صحیح ودرست ہیں۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ررمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۰۱)

ایک مہینے کے لئے حافظ قرآن کو امامت کے لئے مقرر کرکے روپیہ دینا

سوال [۳۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں یہ طے ہوا ہے کہ ایک مہینہ کے لئے حافظ قرآن کو امامت کے لئے مقرر کیا جائے گا اور ختم تراویح کے بعد پیسہ دیا جائے گا، تو کیا یہ پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ والسلام

المستفتی: ابوالحسن چین پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہاں اصل مقصد نماز پنجگانہ کی امامت نہیں ہے؛ بلکہ قرآن سنانا ہے؛ اس لئے حضرت تھانوی قدس سرہ نے ''امداد الفتاوی'' میں اس کو بھی ناجائز لکھا ہے۔ (امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۸۵)

الأمور بمقاصدها. (الأشباه، القاعدة الثانية، قديم ۱ / ۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ررمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۹/۳ھ

حیلہ بنا کر تراویح کی اجرت لینا

سوال [۳۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح کی اجرت کے بارے میں بعض عوام اور حافظ وقت کو حیلہ بناتے ہیں، عوام کہتے ہیں کہ گھر سے آکر وہ ہمارے یہاں مستقل وقت دیتا ہے، اس وقت کی اجرت دیتے ہیں۔ اور حافظ صاحب کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر بار کو چھوڑ کر دوسرے کے یہاں مستقل وقت دیتا ہوں اس کی اجرت لیتا ہوں، اس طرح عوام اور حافظ صاحب کے حیلہ کا کیا جواب ہے؟

المستفتی: محمد اسرار الحق، محمد پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: "المعروف كالمشروط" کے قاعدہ کے مطابق حافظ قرآن کو تراویح میں اجرت لینا اور دینا کسی بھی صورت میں کسی بھی حیلہ کے ساتھ جائز نہیں، ایسی صورت میں کسی کو بھی قرآن کریم سننے اور سنانے کا ثواب نہیں ملے گا؛ بلکہ تمام لوگ گنہگار رہوں گے، اگر بلا اجرت کے کوئی امام نہ ملے تو ایسی صورت میں ''الم ترکیف'' سے تراویح کی نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۴/ ۳۲، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۶۴، ایضاح المسائل/ ۲۶)

وإن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز، وإن الآخذ والمعطي آثمان.

(شامي، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، زكريا ٢/ ٥٣٤، كراچی ٢/ ٧٣، ٦/ ٥٦، البحر الرائق، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٨/ ٣٥، كوئٹه ٨/ ١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۲۲۷)

قرآن سنانے کی اجرت کسی بھی حال میں جائز نہیں

سوال [۳۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حافظ قرآن ہے اوراس کی والدہ مقروض ہیں، اس کے والد اس کی والدہ کا قرض ادا نہیں کرتے، تو کیا قرض ادا کرنے کے لئے زید کو روپیہ لینا جائز ہوگا، تراویح سنانے والے کو قرآن پورا ہونے کے دن مسجد والے دیتے ہیں، زید ابھی کچھ کام بھی نہیں کرسکتا؛ اس لئے کہ وہ ابھی پڑھ رہا ہے۔ اور اگر لینا جائز ہے تو کیا پہلے طے بھی کرسکتا ہے یا نہیں؟ قرض ادا کرنے کے لئے۔ بحوالہ جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں، اگر ''کفایت المفتی'' کی کسی جلد میں ہوتو وہ بھی تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد راغب سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کا روپیہ لینا ناجائز ہے، لینے اور دینے والے دونوں گنہگار رہیں، اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں، اگرچہ پہلے سے کچھ متعین نہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۶/ ۳۷۷، جدید ڈابھیل ۷/۱۷۲)

لأن المعروف كالمشروط، والقرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، والآخذ والمعطي آثمان. (درمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچى ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٦-٧٧)

اور پہلے سے اجرت متعین کرنا بھی حرام ہے۔ **لقوله تعالىٰ: وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا.** [سورة البقرة، آيت: ٤١] **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

حافظ کے ذمہ تراویح کے ساتھ ایک دو وقت کی نماز کرکے نذرانہ دینا

سوال [۳۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں حافظ بلا اجرت تراویح پڑھانے کے لئے نہیں ملتا اور اجرت لینا دینا جائز نہیں، تو پھر کیا رمضان المبارک کے مہینہ میں حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیں اور اس کے ذمہ تراویح کے علاوہ عشاء وغیرہ ایک دو وقت کی نماز لازم کردی جائے اور بقیہ نمازوں میں اگر زیادہ دشواری نہ ہو تو حاضری ضروری قرار دی جائے اور چندہ کرکے یا پھر مسجد سے اس کی تنخواہ پوری کردی جائے، جیسا کہ اساطین ملت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ اور مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے مذکورہ حیلہ کی گنجائش بتلائی ہے، جب کہ دیگر مفتیان کی تحقیقات اس کے برخلاف ہیں اور وہ لوگ "**المعروف کالمشروط**" کے تحت اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

المستفتی: شکیل احمد لکھیم پوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ سوال نامہ میں درج کردہ حیلہ بتلاتے ہیں وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، بہرحال اس طرح حیلہ کرنا بھی جواز کے دائرہ میں نہیں آسکتا؛ اس لئے کہ آئندہ اس حیلہ کے بغیر حافظ صاحب کو رکھا جائے اور کچھ نہ دیا جائے، تو وہ ہرگز نہیں آئے گا؛ اس لئے اس طرح اجرت لینے والے حافظ کے پیچھے قرآن سننے سے بہتر یہی ہے کہ "الم ترکیف" سے تراویح پڑھی جائے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۲۶۳، ایضاح المسائل، ص:۲۷، کفایت المفتی قدیم ۳/۳۶۳، جدید زکریا ۳/ ۴۰۹، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۵۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

چند نمازوں کی امامت کے ساتھ تراویح پڑھانے والے کا نذرانہ قبول کرنا

سوال [۳۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حافظ رمضان المبارک کے اندر تراویح سناتا ہے اور ساتھ ہی دو تین نمازیں پڑھاتا ہے، تو اس صورت میں تراویح کی اجرت لینا درست ہے یا نہیں؟ یا اجرت کے بغیر صرف کپڑے یا کچھ چیزیں تحفۃً لیتا ہے، تو کیا اس طرح کا لینا جائز ہے؟

المستفتی: سید حبیب، آندھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حافظ صاحب خواہ صرف تراویح پڑھا کر اجرت لیں یا تراویح کے ساتھ چند نمازوں کی امامت کرکے اجرت لیں، دونوں صورتوں میں اجرت لینا دینا ناجائز ہے؛ اس لئے کہ تراویح کے ساتھ جو چند نمازیں رمضان میں پڑھا رہا ہے، وہ صرف اس نیت سے پڑھا رہا ہے کہ تراویح کی اجرت حلال ہوجائے، صرف چند نمازیں پڑھانے کی وجہ سے حافظ کو مذکورہ اجرت نہیں دیں گے، تو پتہ چلا کہ جو اجرت دی جارہی ہے وہ تراویح میں ختم قرآن ہی کی اجرت ہے۔ اور دونوں وقت کھانا اور سحری کا انتظام یا کوئی کپڑا دینا لینا یہ اجرت میں شمار نہیں ہوتے، اتنا تو رمضان میں ویسے بھی امام ومؤذن کو دے دیا جاتا ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۴۹۰)

ویمنع القارئ للدنیا، والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل أن ما شاع في زماننا قراءة الأجزاء بالأجرة لا یجوز. (شامي، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، کراچی ٦/ ٥٦، زکریا ٩/ ٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/صفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۶۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۸ھ

ختم قرآن کے موقع پر حفاظ کو کسی بھی حیلہ سے ہدیہ کرنا جائز نہیں

سوال [۳۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں تقریباً یہ رواج ہے کہ رمضان المبارک میں تراویح پڑھانے والے حفاظ کرام وائمہ کرام کو ۲۷ر رمضان المبارک کی شب یعنی شب قدر میں بعد ختم قرآن کے مسجد کی انتظامیہ کمیٹی والے اپنے اپنے محلّہ کا چندہ اکٹھا کر کے عوام کی رضاوخوشی سے بلاکسی شرط وشرائط کے نذرانہ وہدیہ کے طور پر اجتماعی حیثیت سے کچھ رقم جو بلاتعیین جمع ہوجاتی ہے، حافظ وامام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور ساتھ میں اپنے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ کپڑے وغیرہ بھی نذر کرتے ہیں، یہ سارا کام بلاتعیین اور بلاجبرواکراہ کے عوام کی رضاوخوشی سے ہوتا ہے، تو کیا شریعت کے اعتبار سے جائز ہے؟ جب کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: ''**تهادوا تحابوا**'' اور بعض احادیث سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہدیہ اور نذرانہ لینا ثابت ہے۔ اور اسی بات کو مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بھی اپنے فتاویٰ ''کفایت المفتی'' جلد ۳ر میں بلاتعیین جائز قرار دیا ہے۔ اور دارالعلوم کے سابق فتاوی میں بھی اس کو جائز قرار دیا ہے؛ لیکن ہمارے یہاں کے کچھ نیم ملا حضرات نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور ثبوت میں حال کا دارالعلوم کا فتویٰ پیش کیا ہے، اسی طرح مظفرنگر کے مفتی افتخار الحسن صاحب کی جانب سے بھی حرام کا فتویٰ جاری ہوا ہے؛ لہٰذا ہمارے شہر میں بڑا انتشار ہے کہ کس کو مانیں اور کس کو نہ مانیں؛ اس لئے حضرت سے گزارش ہے کہ اس کا تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں، تاکہ انتشار دور ہو اور صحیح صورت سامنے آئے۔

المستفتی: انجمن اتحاد المعلمین کھرگون، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز میں قرآن کریم سنانے کی بنیاد پر حافظ صاحب کو ختم

قرآن کے موقع پر تعیین یا بلا تعیین کسی بھی طریقہ سے کچھ دینا وہ نماز میں قرآن کی تلاوت کی اجرت ہے۔ اور تعیین کرکے دینے کی صورت میں ناجائز ہونا واضح ہے اور بغیر تعیین کے دینا ’’**المعروف کالمشروط**‘‘ کے اصول کے تحت یہ بھی ایک طرح کی اجرت ہے؛ اس لئے کہ حافظ صاحب کے دل میں یہ بات ہوتی ہے کہ مقتدیوں کی طرف سے کچھ ملے گا اور مقتدیوں کے دلوں میں بھی یہ بات ہوتی ہے کہ ہمیں کچھ دینا ہے، چنانچہ سوال نامہ میں اسی کا اظہار بھی ہے کہ حافظ صاحب کو دینے کے لئے چندہ بھی کیا جاتا ہے، یہ صرف اور صرف قرآن پڑھنے کی اجرت ہے، اس کو ہدیہ یا نذرانہ کا نام دینے سے ہدیہ یا نذرانہ نہیں بنے گا، اگر ہدیہ دینا تھا تو اس کے بغیر امام صاحب کے گھر غیر رمضان میں کبھی اتنی بڑی رقم پہنچائی گئی، آج ختم کے موقع پر کیوں دیا جارہا ہے، ہر ایک اپنے اپنے جی میں سوچ کر دیکھ لے یہ قرآن سنانے ہی کی وجہ سے دیا جارہا ہے، اور جو سوال نامہ میں یہ کہا گیا ہے کہ حدیث شریف میں ’’**تهادوا تحابوا**‘‘ فرمایا گیا ہے، آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دو، تاکہ محبت بڑھے، کیا اس ہدیہ دینے کا موقع صرف ختم قرآن ہی ہے؟ لاکھوں حدیثوں کے ذخائر سے کوئی حدیث شریف دکھا دی جائے جس میں ختم قرآن کے موقع پر قرآن پڑھنے والے کو ہدیہ پیش کیا گیا ہو، سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے خوب ہدیہ قبول فرمایا ہے، اس کا کوئی انکار نہیں کرتا؛ لیکن کیا قرآن سنانے کی بنا پر کسی نے آپ کو ہدیہ پیش کیا تھا؟ اور آپ نے اسی موقع پر اس کو قبول فرمایا تھا؟ یہ کس حدیث شریف میں ہے، اس کو واضح کیا جائے؟ ورنہ یہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور جن علماء نے اس کو حرام قرار دیا ہے، انہوں نے صحیح مسئلہ بتلایا ہے، ان کو نیم ملا کہنا بھی علمائے حق کی توہین ہے۔ حضرت مفتی افتخار الحسن صاحب دامت برکاتہم کی جانب سے جو حرام کا فتویٰ جاری ہوا ہے وہ بھی صحیح ہے، اور حضرت تھانویؒ نے ’’امداد الفتاویٰ‘‘ میں حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے ’’احسن الفتاویٰ‘‘ میں حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے ’’فتاوی محمودیہ‘‘ میں، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے ’’فتاوی دارالعلوم‘‘ میں، حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے ’’فتاوی رحیمیہ‘‘ میں

اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی ''امداد المفتیین'' میں بنام ہدیہ دینے کو بھی ''المعروف کالمشروط'' کے اصول کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجرت قرار دیا ہے۔ اور اس کو ناجائز اور حرام کہا ہے۔ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی رائے سے کسی بھی اہل فتاوی کو اتفاق نہیں ہے۔ (امداد الفتاوی زکریا ۱/ ۴۸۴، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/ ۳۷، ۱۴/ ۳۲، ۷/ ۱۷۱، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۳۶، ۶۴، ۶۶، فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۶۳، ۷/ ۲۹۶، امداد المفتیین/ ۳۶۳، عزیز الفتاوی/ ۶۲۳، ایضاح المسائل/ ۲۵-۲۶)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا. [سورة البقرة: ٤١]

وإن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز، وإن الآخذ والمعطي آثمان، اقرء وا القرآن ولا تأكلوا به. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٩/ ٧٦، ٩/ ٧٧، كراچی ٥/ ٥٦، رساله ابن عابدين، شفاء العليل، وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، ثاقب بك ڈپو ديوبند ١/ ١٥٧، ١/ ١٥٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

تراویح کی اجرت کی چند صورتیں

سوال [۳۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک حافظ صاحب کی نیت صاف ہے اور وہ تراویح کا روپیہ لینے سے انکار کرتے ہیں؛ لیکن لوگ لینے پر مجبور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہدیہ ہے، ہم اپنی خوشی سے دے رہے ہیں، ایسی صورت میں یہ روپیہ لینا کیسا ہے؟

(۲) ایک حافظ صاحب عرصۂ دراز سے ایک مسجد میں امامت کرتے ہیں، رمضان میں

تراویح بھی پڑھاتے ہیں، ان کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ روپیہ ملے، تو ایسی صورت میں روپیہ لینا کیسا ہے؟

(۳) ایک حافظ صاحب غریب ہیں اور کسی مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں، پڑھنے لکھنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، تو کیا ان کو تعلیم کی غرض سے روپیہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مظہر الاسلام قاسمی، تخصص فی معہد الدعوۃ بجامعۃ القرآن الکریم چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حافظ صاحب کے دل میں لینے کا خیال نہ ہو اور نہ ہی اشراف نفس ہو، تو بھی اس طرح لینے سے غلط رسم اور ناجائز معاملہ کی تائید ہوتی ہے؛ اس لئے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۵۱۶، امداد الفتاوی، زکریا/۴۸۰، ۴۸۵)

(۲) تراویح پڑھا کر پیسہ لینا ناجائز ہے؛ اس لئے کہ قرآن کے عوض میں کوئی چیز وصول کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا امام صاحب کے لئے روپیہ لینا درست نہیں ہے، ہاں البتہ رمضان المبارک کی مخصوص مقدار سالانہ تنخواہ میں ضم کردی جائے تو گنجائش ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۴/ ۴۲۷، جدید زکریا ۶/ ۲۴۳، امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۹۳، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۵)

ولا تصح الإجارة لأجل الطاعات (درمختار) ...... وفی الشامية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ. (الدرمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ديو بند ٩/ ٧٧، ٧٦)

(۳) غریب حافظ جو زیر تعلیم ہو اس کے لئے بھی تراویح میں قرآن سنا کر روپیہ لینا جائز نہیں ہے، اس کو تو بلا کسی کام لئے دینا چاہئے۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاوی ۲/۳۶۳)

التلاوة المجردة عن التعليم من أعظم الطاعات التي يطلب بها الثواب، فلا يصح الاستئجار عليها. (تنقيح الفتاوى الحامدية بحواله مجموعة الفتاوى ٢/ ٢٤٢)

كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا.

(شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۴/ ۱۴۱۸ھ

تراویح کی اجرت سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۳۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) تراویح میں قرآن شریف سنا کر حفاظ کرام کا روپیہ لینا اور محلّہ والوں کا حفاظ صاحبان کو روپئے دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک حافظ صاحب تراویح میں قرآن کریم سناتے ہیں، روپیہ لینے کی ان کی نیت نہیں ہوتی؛ لیکن بطور ہدیہ اور نذرانہ کے دو چار ہزار روپیہ لوگ دے دیتے ہیں، تو اس صورت میں حافظ صاحب کا لینا اور لوگوں کا دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) ایک حافظ صاحب مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں، وہ تراویح میں ملے ہوئے روپئے سے صرف کتابیں خریدتے ہیں، تو ان کے لئے روپئے لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۴) ایک حافظ صاحب نہایت غریب ہیں، مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں، لکھنے پڑھنے کے لئے کوئی ظاہری اسباب نہیں، تو ان کے لئے روپئے لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز مذکورہ چاروں صورتوں میں ان کے پیچھے تراویح کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مظہر الحق قاسمی، جامعہ اسلامیہ مظاہر علوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حفاظ صاحبان کو تراویح میں قرآن پاک سنا کر روپیہ

پیسہ بطور ہدیہ قبول کرنا، اسی طرح محلّہ والوں کا حافظ صاحب کو کچھ دینا جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۵۱۴، امداد المفتیین ۲/۳۶۳، فتاوی رشیدیہ، قدیم ۳۹۱، جدید زکریا ۳۷۰)

قال في رد المحتار: الآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ٦/ ٥٦)

(۲) اگرچہ حافظ صاحب کی اجرت کے نام سے لینے کی نیت نہیں ہوتی ہے، مگر بطور تحفہ اور نذرانہ لینے کی نیت ہوتی ہے؛ کیونکہ حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ لوگ مجھے قرآن سنانے کی بنا پر جاتے وقت کچھ دیں گے اور لوگوں کے دلوں میں بھی یہی ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کو جاتے وقت کچھ دینا ہے؛ لہٰذا یہ بھی "**المعروف كالمشروط**" کے تحت داخل ہوکر نام کا نذرانہ ہے، درحقیقت یہ اجرت ہی ہے؛ اس لئے بطور نذرانہ بھی لینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل، ص: ۲۷، امداد الفتاوی ۱/ ٦ ۴۷، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۵)

(۳-۴) طالب علم کے لئے بھی قرآن سنا کر اجرت لینا جائز نہیں ہے، جس طرح غیر حافظ غریب طلباء اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں، اسی طرح غریب حافظ طلباء بھی اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہیں، قرآن سنا کر اجرت لینے کی اجازت دینا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا؛ بلکہ یہ تو اجرت لینے کے لئے شروع ہی سے عادی بنانا ہے؛ اس لئے جواز کے دائرے میں نہیں آسکتا، نیز مذکورہ چار صورتوں میں اگر حافظ قرآن نے سنا کر روپیہ پیسہ لیا ہے، تو ایسے قاری کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن نماز مکروہ تحریمی ہوگی؛ لہٰذا اگر بغیر اجرت کے قرآن سنانے والا نہ ملے تو "الم ترکیف" سے تراویح پڑھ لینا زیادہ بہتر ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۵، کفایت المفتی، قدیم ۳/ ۳۸۳، جدید زکریا دیوبند ۳/ ۴۰۹، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۵۳٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۵/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱ ۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۵/۱۴۱۹ھ

ماہِ رمضان میں حفاظ کو نذرانہ دینے کی چند شکلیں

سوال [۳۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ماہ رمضان المبارک میں حفاظ حضرات تراویح میں قرآن سناتے ہیں اور موٹی رقم حاصل کرتے ہیں، اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ:

(۱) کبھی تو حافظ صاحب مصلی حضرات سے سنانے کی اجرت طے کر لیتے ہیں، تو کیا اس طرح اجرت لینے دینے میں شریعت مطہرہ میں کوئی گنجائش ہے؟

(۲) کبھی اجرت طے نہیں کرتے، مگر بطور تحفہ ونذرانہ حافظ صاحب کو دیا جاتا ہے، آیا اس طرح نذرانہ دینا اور حافظ صاحب کو قبول کرنا درست ہے؟

(۳) کبھی حافظ صاحب کے ذمہ ایک دووقت کی نماز سونپ دیتے ہیں اور امامت کے نام پر اجرت دیتے ہیں، جب کہ دوسرے مہینوں میں امام صاحب کی تنخواہ اتنی نہیں ہوتی جتنی حافظ صاحب کو ملتی ہے، کیا اس طرح اجرت دینا اور لینا شریعت مطہرہ میں جائز ہے؟

نوٹ: واضح رہے کہ مذکورہ بالا ہرصورت میں فریقین کے ذہن میں دینے لینے کی بات ملحوظ ہوتی ہے؛ اس لئے کہ حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ لوگ مجھے قرآن سنانے کی بنا پر کچھ دیں گے اور لوگوں کے دل میں بھی یہی ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کو جاتے وقت کچھ دینا ہے۔ براہ کرم مذکورہ بالا مسائل کے باحوالہ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اظہر امین، لچھن پور، پوسٹ بوجگاؤں، پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح کی نماز میں قرآن کریم پڑھنے کی اجرت خواہ پہلے سے طے کرلیں یا بعد میں بطور تحفہ ونذرانہ حافظ قرآن کو دیں، دونوں صورت میں لینا دینا دونوں ناجائز ہے اور ایک دو وقت کی نماز کے لئے امام مقرر کرلیا جائے تب بھی ناجائز ہوگا؛

کیوں کہ اصل مقصد امامت نہیں ہے؛ بلکہ اصل مقصد قرآن کریم کو نماز میں پڑھنے کی اجرت ہے، تو یہ حیلہ ہوا اور دیانات میں حیلہ جائز نہیں۔ (مستفاد: انوار رحمت، باب: ۱۵، امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۸۵-۴۸۱، فتاوی رشیدیہ، قدیم/ ۳۹۲، جدید زکریا ۳۷۰، فتاوی خلیلیہ ۱/ ۴۸، کفایت المفتی ۳/ ۳۶۵، جواب: ۶۲۵، جدید زکریا ۳/ ۴۱۰، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۵۳۶، فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۴۶، جواہر الفقہ ۱/ ۳۸۲، جدید زکریا ۳/ ۵۲۲، امداد المفتیین / ۳۶۵، فتاوی محمودیہ ۷/ ۱۷، قدیم، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۶۶، فتاوی احیاء العلوم ۱/ ۱۹۸، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۴، بہار شریعت مطبوعہ قادری بک ڈپو ۴/ ۳۵)

قال الشامي: إن ما أجازه المتأخرون إنما أجازوه للضرورة، ولا ضرورة في الاستئجار على التلاوة، فلا يجوز. (رسائل ابن عابدين، شفاء العليل، وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، ثاقب بك ڈپو ديوبند ۱/ ۱۶۸)

وقال: ويظهر لک أن العلة فی جواز الاستئجار على تعليم القراءة والفقه، والأذان، والإقامة هي الضرورة، واحتياج الناس إلى ذلک، وإن هذا مقصور على هذه الأشياء دون ما عداها مما لا ضرورة إلى الاستئجار عليه. (رسائل ابن عابدين ۱/ ۱۶۱)

ومن ذلک مسئلة الاستئجار على تلاوة القرآن المجردة ...... وقد أطبقت المتون والشروح والفتاوى على نقلهم بطلان الاستئجار على الطاعات، إلا فيما ذكر، وعللوا ذلک بالضرورة، وهي خوف ضياع الدين، وصرحوا بذلک التعليل، فكيف يصح أن يقال: إن مذهب المتأخرين صحة الاستئجار على التلاوة المجردة مع عدم الضرورة المذكورة، فإنه لو مضى الدهر ولم يستأجر أحد أحدا على ذلک لم يحصل به ضرر، بل الضرر صار في الاستئجار عليه، حيث صار القرآن مكسبا وحرفة يتجر بها، وصار القارئ منهم لا يقرأ شيئا لوجه الله تعالىٰ خالصا، بل لا يقرأ إلا للأجرة، وهو الرياء المحض. (شرح عقود رسم المفتي،

دارالكتاب ديوبند ٩ ٥-٦١، سهارنپور ٣٦-٣٨، هكذا في الشامية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٩/ ٧٧، كراچی ٦/ ٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۸۰)

اجرت تراویح سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۳۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا حافظ صاحب تراویح میں اجرت طے کر کے پہلے یا بعد میں لے سکتے ہیں یانہیں؟

(۲) حافظ صاحب کو بنا مانگے جو کچھ نقدی کپڑے جوتے وغیرہ لوگ دیتے ہیں، انہیں لے سکتے ہیں یانہیں؟

(۳) اگر کسی گاؤں والوں نے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے غلہ دیا تو لے سکتے ہیں یانہیں؟

(۴) تراویح میں قرآن پاک حدر سے پڑھنا سنت ہے یا تدویر سے؟

(۵) اگر حافظ صاحب نادار ہیں، غریب اور طالب علم ہیں اور ناداری کی وجہ سے گھر سے خرچ نہیں ملتا تو وہ تراویح کی اجرت لے کر اپنی کتابیں وغیرہ اور اپنا خرچ اس میں سے چلا سکتے ہیں یانہیں؟

(۶) ایک ہوتا ہے ماں باپ کا حکم اور دوسرا ماں باپ کی خواہش، تو کیا ماں باپ کی خواہش پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا ان کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے؟

(۷) حدیث میں سب سے پاک کمائی وہ بیان کی گئی ہے جو اپنے ہاتھ سے کمائی گئی ہو، تو کیا مدرس بن کر یا مؤذن وامام بن کر جو کمائی کی گئی ہو وہ ہاتھ کی کمائی کے برابر ہی ہے یا فرق ہے؟

المستفتی: محمد عثمان، سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱،۲،۳) تراویح میں قرآن سنا کر طے کر کے یا بغیر طے کئے نقدی یا غلہ کی شکل میں جو اجرت لی جاتی ہے وہ: **’’لاتشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا‘‘** [البقرۃ: ٤١] کی وعید میں داخل ہو کر ناجائز اور حرام ہے۔

(۴) قرآن کریم تراویح میں حدر سے پڑھنا بھی جائز ہے اور تدویر سے بھی؛ لیکن حدر کے مقابلہ میں تدویر سے پڑھنے میں زیادہ اطمینان وسکون ہوتا ہے اور سامعین کو سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے حدر کے مقابلے میں تدویر سے پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

ثم القراءة على ثلاثة أوجه –إلى– وفي التراويح يقرا بقراءة الأئمة بين التؤدة والسرعة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، القراءة، زكريا ٢/ ٦٧، رقم: ١٧٦٢)

(۵) ایسے نادار طالب علم کا تعاون کرنا مسلمانوں کے لئے باعث سعادت اور بڑی فضیلت ہے، مگر قرآن کریم سنانے کی اجرت کے طور پر نہیں؛ بلکہ از سرنو اس کا تعاون کرتے رہنا چاہئے۔

عن سالم عن أبيه، أن رسول الله –صلى الله عليه وسلم– قال: المسلم أخو المسلم، من كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته، ومن فرج عن مسلم كربة، فرج الله عنه بها كربة من كرب يوم القيامة. (مسلم شريف، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم، النسخة الهندية ٢/ ٣٣٠، بيت الأفكار، رقم: ٢٥٨٠، صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم، ولا يسلمه، النسخة الهندية ١/ ٣٣٠، رقم: ٢٣٧٨، ف: ٢٤٤٢)

عن أبي سعيد –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أيما مسلم كسا مسلما ثوبا على عري كساه الله من خضر الجنة، وأيما مسلم أطعم مسلما على جوع أطعمه الله من ثمار الجنة، وأيما مسلم سقى

مسلما على ظماء سقاه الله عز وجل من الرحيق المختوم. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكوة، باب في فضل سقى الماء، النسخة الهندية ١/ ٢٣٦، رقم: ١٦٨٢)

(٦) ہاں البتہ اگر یہی مطلب ہے کہ ماں باپ کبھی حکم کرتے ہیں اور کسی موقع پر کسی دوسری بات کی خواہش ظاہر کرتے ہیں، تو ماں باپ کے حکم پر عمل کرنا واجب اور لازم ہے اور ماں باپ کی خواہش اور مرضی پر چلنا جب کہ شرعی طور پر جواز کے دائرہ میں ہو وہ بھی ضروری اور اولاد کے لئے خوش قسمتی ہے۔

عن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه قال: أوصاني رسول الله صلى الله عليه وسلم بعشر كلمات، قال: لا تشرك بالله شيئا، وإن قتلت أو حرقت، ولا تعقن والديك، وإن آمراك أن تخرج من أهلك ومالك. (مسند الإمام أحمد بن حنبل ٥/ ٢٣٩، رقم: ٢٢٤٢٥)

عن عبدالله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: رضا الرب في رضا الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد. (ترمذى شريف، أبواب البر والصلة، باب الفضل في رضا الوالدين، النسخة الهندية، رقم: ١٨٩٩)

عن علي -رضى الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم (إلى قوله) قال: لا طاعة في معصية الله إنما الطاعة في المعروف. (مسلم، الامارة، باب وجوب طاعة الأمراء...... النسخة الهندية ٢/ ١٢٥، بيت الأفكار، رقم: ١٨٤٠)

(٧) مؤذن بن کر یا امام بن کر ماہانہ یا سالانہ جو اجرت ملتی ہے وہ ہاتھ کی کمائی کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۴ھ

تراویح سنانے والے کو بلا شرط ہدیہ دینا

سوال [۳۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنے گھر میں تراویح پڑھواتا ہے اور یہ اس کا معمول نہیں ہے؛ بلکہ اسے کوئی مل جائے تو خوشی سے اپنے یہاں پڑھواتا ہے، اب جب کہ کچھ نہ ہوا اور نہ حافظ صاحب کو کچھ لالچ ہے تو قرآن شریف مکمل ہونے کے بعد وہ شخص حافظ کو جوڑا اور کچھ رقم دیتا ہے، اب حافظ صاحب اسے قبول کریں یا نہ کریں؟ یہ جوڑا اور رقم صرف ایک شخص کا عطیہ ہے۔ براہ کرام بہت جلد جواب سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بھی ناجائز ہے۔(مستفاد: امداد الفتاوی، قدیم ۱/۳۲۲، جدید زکریا ۱/۴۸۵)

المعروف عرفا، کالمشروط شرطا. (البناية، أشرفيه ديو بند: ۱۰ / ۲۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۴۷)

تراویح میں بخوشی روپے اور کپڑے دینے کا حکم

سوال [۳۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ رمضان المبارک میں تراویح میں ختم قرآن کریم کے پیش نظر بلا تعیین اجرت اگر اہل محلّہ مسجد کے فنڈ یا اپنی طرف سے بخوشی کچھ رقم یا کپڑے وغیرہ دے دیں، تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ درصورت نفی شرعاً کوئی حیلہ فی زماننا ہو تو تحریر فرمائیں؛ کیوں کہ ہمارے اطراف میں

بلا کچھ دئے قرآن کریم سننے پر لوگ ناراض ہوتے ہیں اور کچھ نہ دینے پر حافظ قرآن کی دستیابی بھی مشکل دہ مسئلہ ہے، بایں وجہ ساری جگہ اختلاف اور ختم قرآن جو سنت ہے اس کے ترک کا خدشہ ہے، امید ہے کہ مفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: امداد الحق غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں قرآن کریم سنانے والے حافظ صاحب کو اجرت دینا اور حافظ صاحب کا اجرت لینا دونوں ناجائز اور حرام ہیں اور قرآن کریم سننے سنانے کا ثواب کسی کو بھی نہ ملے گا؛ بلکہ سب گنہگار رہوں گے۔

وإن القراءة لشيء من الدنيا لا يجوز، وأن الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلک يشبه الاستئجار على القراءة، ونفس الاستئجار عليها لا يجوز.

(شامي، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالتهاليل، کراچی ۲/ ۷۳، زکریا ۲/ ۵۳۴)

اور حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم کو حصول رضائے خداوندی کا ذریعہ بناؤ، کمائی کا ذریعہ نہ بناؤ۔

اقرؤا القرآن وابتغوا به. الحديث (رواه أحمد ۳/ ۳۵۷، رقم: ۱۴۹۱۶)

تعلموا القرآن، فإذا علمتوه فلا تغلو فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به. (رواه أحمد ۳/ ۴۴۴، رقم: ۱۵۷۵۱)

اور حدیث شریف میں ایسے لوگوں پر وعید آئی ہے، جو قرآن کریم کو اجرت وکمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔

اقرؤا القرآن وسلوا الله تبارک وتعالیٰ به من قبل أن يجيئ قوم يسئلون الناس به. (رواه أحمد ۴/ ۴۴۵، رقم: ۲۰۲۳۹)

اور اگر اجرت طے نہ کرے؛ بلکہ بطور نذرانہ وتحفہ حافظ صاحب کو دیا جائے اور حافظ صاحب اس کو بطور نذرانہ قبول کریں، تو یہ بھی ناجائز ہوگا، چونکہ یہ تو شرعی طور پر ''المعروف

کالمشروط" (شامي، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، کراچی ٦/ ٥٥، زکریا ۹/ ٧٦) کے تحت داخل ہوکر نام کا نذرانہ ہے؛ لیکن درحقیقت یہ بھی اجرت ہی ہے؛ اس لئے کہ حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ لوگ مجھے قرآن سنانے پر کچھ دیں گے اور لوگوں کے دل میں بھی یہی ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کو جاتے وقت کچھ دینا ہے اور اس طرح لینا دینا عادت اور معروف بھی ہے؛ لہٰذا یہ بھی ناجائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲/۶۳، ۲/۲۹۴)

اور سوال نامہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں لئے دئے بغیر کچھ ہوتا نہیں ہے اور یہ خود لین دین تعیین کے لئے کافی ہے؛ اس لئے کسی بھی طریقہ سے حافظ صاحب کو قرآن سنانے کے بعد کچھ دینا جائز نہیں ہوگا، نیز اگر تراویح میں اجرت دے کر قرآن کریم نہ سنا جائے تو حفظ قرآن کا سلسلہ ختم ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے؛ لہٰذا جہاں بلا اجرت حافظ قرآن نہ ملے، تو ایسی جگہ ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھنی چاہئے، تاکہ کم از کم سنت (تراویح) ادا ہوتی رہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/ ۳۶)

کیوں کہ تراویح کی ادائے گی ختم قرآن کریم پر موقوف نہیں، 'الم ترکیف' سے بھی تراویح پڑھی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ

تراویح میں ختم قرآن پر حافظ صاحب کو جوڑا دینا

سوال [۳۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر رمضان المبارک کے دوسرے عشرہ میں اپنی پھوپھی کے پاس ملنے کے لئے گیا تھا، پھوپھی صاحبہ بھی حافظہ ہیں، انہوں نے گھر پر تراویح میں قرآن پاک سنانے کے لئے کہا، چنانچہ تراویح کا سلسلہ شروع ہوگیا، نیچے جو مالک مکان تھے وہ بھی تراویح میں شریک ہونے

لگے، اس طرح پھوپھا اور چار مرد حضرات شریک ہوتے تھے، آخری دن ختم کلام پاک کے وقت ایک نئی شال انہوں نے مجھ کو اڑھائی اور مجھ سے گلے مل کر رخصت ہوئے، پہلے سے مجھ کو کچھ خیال بھی نہ تھا، گھر واپس آنے کے بعد دادا جان اور ابو نے مجھ سے کہا کہ تمہیں اسی وقت منع اور انکار کرنا چاہئے تھا، تم نے کیوں لی اور ناراضگی کا اظہار کیا، اس کے بعد سے اب تک وہ شال میرے ہی پاس ہے؛ البتہ میں نے استعمال نہیں کی ہے، آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اس کا استعمال کرنا میرے لئے حرام یا خلاف اولیٰ تو نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو پھر اس کا مصرف کیا ہے؟ کیا کسی مسکین طالب علم کو دینے سے میں بری الذمہ ہو جاؤں گا؟ جو حکم شرعی ہو اس سے میری رہبری فرما دیں۔

المستفتی: ناکارہ سعید الرحمٰن، گلبرگوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں پھوپھی نے جو شال دی ہے، اور اس طرح کپڑا وغیرہ پہلے سے بھی دینے کا اگر دستور رہا ہے، تو یہ قرآن سنانے کے عوض میں نہیں ہے، نیز اس طرح کا ایک آدھ جوڑا حافظ قرآن کو دینا قرآن سنانے کی اجرت کے طور پر دینا سمجھ میں نہیں آتا ہے؛ بلکہ اس طرح کے جوڑے ایسے موقع پر آنے والے معزز لوگوں کو بھی بعض دفعہ دئے جاتے ہیں؛ اس لئے اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں اور یہ: **وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا.** [سورة البقرة: ٤١] کی وعید میں داخل نہیں ہے؛ لیکن چونکہ آپ کو بھی تردد ہے؛ اس لئے تقویٰ کی بات یہی سمجھ میں آتی ہے کہ کسی غریب کو اسے صدقہ کردیں، تاکہ آئندہ بھی قرآن سنانے کے بدلے اور نتیجہ میں کوئی چیز لینے کے بارے میں طبیعت میں وہم وگمان بھی نہ رہے، یہ آپ کے لئے افضلیت کی بات ہے، لازم نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۹ھ

حافظ تراویح کو عطر، شہد اور مٹھائی ہدیہ میں دینا

سوال [۳۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ختم تراویح کے موقع پر یا حافظ صاحب کو رخصت کرتے وقت مصلیان تراویح عمومی چندے سے یا کوئی صاحب خیر شخص اپنے ذاتی مال سے کچھ عمدہ قسم کی مٹھائیاں یا دیگر اشیاء مثلاً خوشبو، شہد وغیرہ بطور ہدیہ ونذرانہ حافظ صاحب کی خدمت میں پیش کریں تو ان کا دینا اور حافظ صاحب کو اس کو لینا کیسا ہے؟ جب کہ حافظ صاحب تراویح سے قبل یا بعد میں نہ تو کسی بھی قسم کی رقم کا مطالبہ کرتے ہیں اور نہ ہی رقم کے لینے پر آمادہ ہوتے ہیں؛ بلکہ موجودہ وقت میں حفاظ کرام کو نذرانہ کی شکل میں جو رقم دی جاتی ہے، اس کے شدید مخالف بھی ہیں؛ اس لئے برائے کرم مذکور فی السوال کے تمام اجزاء کو مدلل مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: رئیس احمد چمپارنی، متعلم خادم الاسلام ہاپوڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ صاحب کو ختم تراویح کے موقع پر یا رخصتی کے وقت کسی قسم کی نقدی پیسے ظاہری یا خفیہ کسی طرح دینا درست نہیں۔ اور نہ حافظ صاحب کے لئے لینا جائز ہے، ہاں البتہ اگر خوشبو، عطر وغیرہ پیش کیا جائے تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں؛ اس لئے کہ یہ اجرت میں داخل نہیں ہے؛ البتہ شہد اور مٹھائیاں لینے میں حافظ صاحب خود ہی اس سلسلہ میں تجربہ کرکے دیکھیں کہ یہ کیوں دیا جارہا ہے، اگر اس کے دینے میں یہ محسوس ہوجائے کہ قرآن سنانے کی وجہ سے ہے، تو لینا درست نہیں اور اس کے بغیر بھی لینے کی بات سمجھ میں آتی ہے، تو لے سکتا ہے ورنہ نہیں۔

إن الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلک یشبه الاستئجار علی القراءة

ونفس الاستئجار عليها لايجوز. (شامي، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالتهاليل، زكريا ٢/ ٥٣٤، كراچی ٢/ ٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۹۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۱ھ

حصول علم کی خاطر نادار طالب علم کا تراویح کی اجرت لینا

سوال [۳۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکا حافظ قرآن ہے اور وہ غریب ہے اور مولوی یا مفتی بننے کی اس کی بہت خواہش ہے؛ لیکن وہ اپنی غریبی کی وجہ سے مولویت یا مفتی کا کورس پورا نہیں کرسکتا، تو ایسی صورت میں وہ رمضان میں قرآن شریف سنا کر اس سے جو معاوضہ ملے اس سے وہ ہر سال اپنے پڑھنے اور دوسری ضروریات میں خرچ کرلے، کیا وہ ایسا کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیا وہ معاوضہ اس پر کسی طرح حلال ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوسکتا تو اسے اپنی پڑھائی چھوڑ دینی چاہئے؟

المستفتی: انیس الرحمٰن، مطیع الرحمٰن، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسی صورت میں بھی قرآن سنا کر اجرت لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ صحیح معنی میں جو محنت کرکے مولوی یا مفتی بننے والے ہیں، ان کے قیام وطعام، پیراہن وغیرہ کی ذمہ داری منجانب مدرسہ ہوا کرتی ہے، اس لئے اس کمزور علت کی وجہ سے حرام کو اختیار کرنے کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔

ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ٩/ ٧٧، كراچی ٦/ ٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۴/۵/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۵۲/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۵/۳ھ

نادار طالب علم کے لئے تراویح پر اجرت لینا

سوال [۳۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طالب علم کے گھر سے تنگی کی بنا پر پیسے نہیں آتے، اس کو تراویح میں قرآن شریف سنا کر پیسے لینا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اکرم بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں قرآن شریف سنا کر اس پر اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں اور قرآن کریم سننے اور سنانے کا ثواب کسی کو بھی نہ ملے گا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۲۶، احسن الفتاوی ۱/ ۵۱۵، فتاوی رشیدیہ، قدیم ۳۹۲، جدید زکریا ۳۷۰)

فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لا يجوز.
(شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ۶/ ۵۶) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۸۳)

حافظ طالب علم کو تراویح کی اجرت دینا

سوال [۳۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) رمضان المبارک میں جو حافظ صاحب تراویح سنائیں وہ طالب علم ہوں اور بغیر متعین کئے لوگ باخوشی نقد روپئے وغیرہ دیں تو اسے لے کر اپنی تعلیم میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ باحوالہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد بشیر الدین متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طالب علم ہونے کی وجہ سے بخوشی نقد روپیہ دیتے ہیں، تو قرآن سنانے کے بعد کیوں دیتے ہیں؟ بغیر قرآن سنائے دیا کریں، معلوم ہوا کہ طالب علم ہونے کی وجہ سے نہیں دیتے ہیں؛ بلکہ قرآن کریم سنانے کی وجہ سے دیتے ہیں؛ اس لئے لینا اور دینا دونوں ناجائز اور قابل ترک ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۸، امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۲/۲۰ھ

تراویح میں قراءت قرآن اور سماعت قرآن پر اجرت لینا

سوال [۳۲۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) رمضان المبارک سے کچھ دن قبل ایک حافظ کی دیگر حافظ سے بات چیت ہوئی، آپ آج سے میرے سامع بن جائیں اور آپس میں کچھ رقم بھی متعین ہوئی؛ لہٰذا سامع صاحب حافظ صاحب کے گھر دن میں جاکر سیپارہ سنتے رہے اور رمضان المبارک آنے پر حافظ صاحب کے پیچھے سامع بنے رہے اور جب حافظ صاحب کی آخری تراویح ہوئی، تو حافظ صاحب سامع صاحب سے کہنے لگے کہ میرے اور آپ کے درمیان جو رقم طے ہوئی تھی وہ لایجوز، تو کیا ایسی صورت میں سامع طے شدہ رقم لے سکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت کریں۔

(۲) قرآن وحدیث پڑھا کر اجرت لینے کا جو جواز ہے، اس کی کیا صورت ہے؟ مدلل بیان کریں۔

المستفتی: محمد واعظ الحق روزنامہ گرج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حافظ صاحب کا یہ کہنا کہ سماعت قرآن پر جو رقم طے

ہوئی ہے وہ ''لا یجوز'' اور ناجائز ہے، بالکل صحیح ودرست ہے۔اور سماعت پر جواجارہ کیا گیا ہے وہ ناجائز اور باطل ہے، شرعاً طےشدہ رقم لازم نہ ہوگی۔(مستفاد:احسن الفتاوی۳/۵۱۴،۳/۵۱۶)

(۲) قرآن وحدیث پڑھانا اور تراویح میں قرآن کریم پڑھنا وسننا دونوں یکساں نہیں ہیں کیونکہ قرآن وحدیث کی تعلیم اگر جاری نہ رہے اور علماء اور حفاظ پیدا نہ ہوں، تو اسلام اور شعائر اسلام کی بقامشکل اور دشوار ہے؛ اس لئے متأخرین فقہاء نے دین اسلام اور شعائر اسلام کی حفاظت اور قرآن وحدیث کی تعلیم کو مسلمانوں کے درمیان بدستور باقی رکھنے کی ضرورت شدیدہ کی بناپر تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ وحدیث پر اجرت کی اجازت دے دی ہے۔ اور تراویح میں اگر قرآن ختم نہ کیا جائے اور ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھی جائے تو اسلام اور شعائر اسلام میں کوئی نقص اور کمی نہیں آتی اور نہ ہی یہ خطرہ پیدا ہوسکتا ہے کہ اغیار کا غلبہ مذہب اسلام پر ہوکر مذہب اسلام مسخ ہوکر رہ جائے گا؛ اس لئے اس پر اجرت لینا ودینا دونوں ناجائز اورحرام ہے۔اور تراویح پڑھنے والے قاری وسامع اور مقتدی کسی کو ختم قرآن اور تراویح کا ثواب نہیں ملے گا اور ساتھ ساتھ گنہگار بھی ہوں گے۔

ولا تصح الإجارة (إلى قوله) ويفتي اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان. وتحته في الشامي: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التوانى في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن، وعليه الفتوى.

(الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ٦/ ٥٥)

إن القراء ة بالأجرة لا يستحق الثواب (إلى قوله) ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ۹/ ۷۷)

نیز تعلیم قرآن اور سماعت قرآن دونوں یکساں نہیں ہیں، تعلیم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان پڑھ جاہل کو سکھایا جائے اور سماعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قاری جوان پڑھ جاہل نہیں ہے، اس کے پڑھنے کے درمیان اگر کوئی رکاوٹ ہوجائے تو سامع مقتدی اپنے امام کو لقمہ دیا کرے جو

تعلیم قرآن کے تحت ہرگز داخل نہیں ہے؛ بلکہ نماز میں اپنے امام کو یاددہانی کے طور پر لقمہ دینا ہوتا ہے جو مقتدی کا فریضہ ہے؛ اس لئے اس پر اجرت ہرگز جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۷۶)

حافظ وسامع کو روپیہ یا جوڑا دینے کے لئے چندہ کرنا

سوال [۳۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ حافظ صاحب جو کہ تراویح میں قرآن پاک پڑھ رہے ہیں اور جو حافظ صاحب قرآن پاک سن رہے ہیں، ان کو کچھ روپیہ پیسہ یا جوڑا وغیرہ دینے کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے۔

المستفتی: اہل محلّہ بستی قاضی باغ، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تراویح سنا کر اجرت لینا اور دینا قطعاً ناجائز اور حرام ہے؛ لہٰذا حافظ صاحب اور سامع کو روپیہ یا جوڑا وغیرہ دینے کے لئے چندہ کرنا بھی جائز نہیں، اس طرح لینے اور دینے والے دونوں گنہگار رہوں گے اور قرآن سنانے کا ثواب بھی کسی کو نہیں ملے گا؛ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھی جائے جو بغیر کسی لالچ کے محض رضاء الٰہی کے خاطر قرآن سنائے، اگر ایسا حافظ نہ ملے تو ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھی جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۴، فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۴/ ۳۲، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۶۴، فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۶۳، امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۸۴، کفایت المفتی ۳/ ۳۶۳، جدید زکریا ۳/ ۴۰۹، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۵۳۶، ایضاح المسائل/ ۲۶-۲۵)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا. [سورة البقرة: ٤١]

إن القراء ة لشيء من الدنيا لا تجوز، وأن الآخذ والمعطي آثمان.

اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به. (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، زكريا ٢/ ٥٣٤، كراچی ٢/ ٧٣، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٥-٥٦، شامي زكريا ٩/ ٧٧-٧٦، رساله ابن عابدين، شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل، ثاقب بك ڈپو ١/ ١٥٧، ١/ ١٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

ناجائز کمائی کی رقم ہدیہ کے نام سے تراویح سنانے والے کو دینا

سوال [۳۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حافظ قرآن نے قرآن پاک سنایا، وہاں کے لوگوں نے ہدیہ کے طور پر کچھ امداد کی؛ لیکن ان لوگوں کا کاروبار نمبر دو کا ہے، تو کیا وہ پیسہ حافظ صاحب کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مزاز بڑی مسجد مامن کلاں ہمراوی، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن سنانے کے بعد کسی بھی طرح کا پیسہ لینا دینا قطعاً جائز نہیں؛ اس لئے حافظ قرآن کو اس پیسہ کا استعمال درست نہیں ہے۔

إنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن، لا على التلاوة. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٦)

الآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالتهاليل، كراچی ۲/ ۷۳، زكريا ۲/ ۵۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۱ھ

تراویح کے نذرانہ کا شرعی حکم

سوال [۳۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان شریف سے بیشتر ہی حفاظ ممبئی، بنگلور، کرناٹک وغیرہ قرآن سنانے جاتے ہیں، باقاعدہ لوگ اجرت پر حفاظ سے تراویح میں قرآن سنتے ہیں، دس پندرہ ہزار روپئے تک مل جاتے ہیں، مفصل حکم قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمادیں، تاکہ اس کی فوٹو کاپی ہر جگہ تقسیم کردی جائے، شاید کسی کی اصلاح ہوجائے۔

المستفتی: (مولانا) محمد شفیع غفرلہ، جامعۃ الصالحات رامپور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں قرآن کریم سنانے والے حافظ کو اجرت دینا اور حافظ صاحب کا اجرت لینا دونوں ناجائز اور حرام ہے۔ اور قرآن کریم سننے اور سنانے کا ثواب کسی کو بھی نہ ملے گا؛ بلکہ سب گنہگار رہوں گے۔

وإن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز، وأن الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لايجوز. (شامي، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، كراچی ۲/ ۷۳، زكريا ۲/ ۵۳۴)

اور حدیث شریف میں ہے کہ قرآن کو حصول رضا خداوندی کا ذریعہ بناؤ، کمائی کا ذریعہ نہ بناؤ۔

اقرؤا القرآن وابتغوا به فضل الله. الحديث (رواه أحمد ۳/ ۳۵۷، رقم: ۱٤۹۱٦)

تعلموا القرآن، فإذا علمتموه فلا تغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به. (رواه أحمد ۳/ ٤٤٤، رقم: ۱٥۷٥۱)

اوراگر اجرت طے نہ کرے؛ بلکہ بطور تحفہ ونذرانہ حافظ کو دیا جائے اور حافظ صاحب بطور نذرانہ اس کو قبول کرلیں تو یہ بھی جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ تو شرعی طور پر "**المعروف کالمشروط**" (کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، کراچی ٦/ ٥٦، زکریا ۹/ ۷٦) کے تحت داخل ہوکر نام کا نذرانہ ہے؛ لیکن درحقیقت اجرت ہے؛ اس لئے کہ حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ لوگ مجھے قرآن سنانے کی بنا پر کچھ دیں گے اور لوگوں کے دل میں بھی یہی ہوتا ہے کہ حافظ صاحب کو جاتے وقت کچھ دینا ہے اور اس طرح لینا دینا عادت اور معروف بھی ہے؛ لہٰذا یہ بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۲/ ۲۶۳، ۲۹۴)

اس لئے جہاں بلا اجرت حافظ قرآن نہ ملیں تو ایسی جگہوں میں ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھنی چاہئے، تاکہ کم از کم ایک سنت تراویح ادا ہوتی رہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/ ۳٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/ رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۲۴۴)

ختم قرآن کے موقع پر حافظ یا امام کو ہدیہ دینا

سوال [۳۲٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض یہ ہے کہ رمضان المبارک کے موقع پر تراویح کے متعلق ہمارے یہاں چار عمل ہوتے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تراویح میں قرآن مجید سننے کے لئے حافظ کو دوسرے گاؤں یا شہر سے بلایا جاتا ہے، جس کے قیام وطعام کا نظم بھی داعیان کی جانب سے کیا جاتا ہے۔

(۲) حافظ مقامی ہوتا ہے، لوگوں کی خواہش پر وہ تراویح میں قرآن مجید سناتا ہے، گویا کہ اس سے ایک ماہ کا وقت لیا گیا ہے۔

(۳) امام حافظ ہوتا ہے اور وہی قرآن سناتا ہے۔

(۴) ایک شخص حافظ نہیں ہوتا ہے؛ لیکن قرآن اچھا پڑھتا ہے، لوگوں کی خواہش پر وہ تراویح پڑھاتا ہے، گویا کہ اس سے بھی ایک ماہ کا وقت لیا گیا ہے، ان چاروں صورتوں میں عشرۂ اخیرہ کی کسی طاق رات میں حافظ امام اور مؤذن کے لئے کپڑے سلائے جاتے ہیں، پھر حافظ اور غیر حافظ کو اجتماعی وانفرادی طور پر رقم یا اشیاء کی شکل میں ہدیہ پیش کیا جاتا ہے، یہ محض اس بنا پر ہوتا ہے کہ حافظ نے ہماری چاہت پر اپنے مصروف وقت کو فارغ کیا، ہمارا اخلاقی فریضہ ہے کہ اس کی ضروریات زندگی کا لحاظ رکھیں اور اس نے ہماری خواہش پر قرآن سنایا اور ہماری تشنگی بجھائی، اس حسن عمل پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں، نہ حافظ کی طرف سے کچھ مطالبہ ہوتا ہے نہ مصلیوں کی طرف سے کچھ متعین اور اس دینے لینے کو عرف میں نہ اجرت سے تعبیر کیا جاتا ہے، نہ اس کا کوئی تصور ہے، تو کیا مذکورہ چار طریقہ اور ہدیہ دینا اور لینا شریعت کے مطابق ہے؟

المستفتی: محمد شمس الحق قاسمی، مدرسہ قاسم العلوم، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ہدیہ ہے یا اجرت اس کا تجربہ کرنے کے لئے آپ دو سال تک ان مذکورہ حضرات کو نہ کپڑا دیں اور نہ رقم، اگر اس کے باوجود بھی تیسرے سال بخوشی آکر قرآن کریم سنائیں گے، تو یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ اجرت نہیں ہے اور حفاظ کو اس کا خیال نہیں ہے، ورنہ یہ بھی اجرت ہی ہے کہ نہ دینے پر آئندہ سال بخوشی آکر سنانے پر آمادہ نہیں ہیں، ہاں البتہ جو غیر حافظ محض چند سورتوں سے تراویح پڑھاتا ہے، اس کو دینا جائز ہے؛ کیوں کہ اس کے لئے اجرت لینا بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ قرآن کی اجرت نہیں

ہے؛ بلکہ نماز پڑھانے کی اجرت ہے، جو کہ جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۲۵ھ

قرآن کریم کے سننے سنانے پر اجرت لینا

سوال [۳۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) آج کل رمضان المبارک میں حفاظ کرام قرآن پاک سناتے ہیں، ان کو ہدیہ کے نام پر رقم ملتی ہے، نیز جوڑا بھی دیا جاتا ہے، بعض حفاظ تو سنانے کی اجرت طے کر لیتے ہیں، بعض طے تو نہیں کرتے؛ لیکن کمیٹی والے فی نفر چندہ رکھ دیتے ہیں، بعض کمیٹی والے اعلان کرتے ہیں کہ اپنی خوشی سے جتنا دینا چاہو جمع کردو، پھر وہ رقم اکٹھی کر کے قرآن پورا ہونے پر حافظ صاحب کو ہدیہ دیا جاتا ہے، بعض جگہ ختم قرآن کے دن مصلیان اپنی خوشی سے حافظ صاحب کی جیب میں ڈال دیتے ہیں، کیا یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں، یا جائز یا بعض جائز، بعض ناجائز، اگر جواب نفی میں ہے، تو اس رسم کو ختم کرنے کی کیا صورت ہے؟ نیز سامع کی اجرت کا بھی حکم تحریر کیجئے۔

(۲) بعض جگہ جو رقم حافظ صاحب کے نام پر جمع ہوتی ہے، اس میں سے مسجد کے امام ومدرس کو ہدیہ کے نام پر رقم دینا اور جوڑے بنوانا کیسا ہے؟ کیا لینے اور دینے والے کا حکم ایک ہی ہے، یا الگ؟

المستفتی: مولانا منیر احمد، امام بڑھیوں والا تھانہ جسپور، اودھم سنگھ نگر، اترانچل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان المبارک میں حفاظ کرام کو قرآن سنانے پر ہدیہ اور تحفہ کے نام سے جو رقم دی جاتی ہے وہ ''**المعروف کالمشروط**'' (شامی کراچی ۶/ ۵۵)

کے اصول کے تحت داخل ہوکر ایسے ہی ناجائز اورحرام ہے، جیسا کہ اجرت طے کرنے کی صورت میں ناجائز اورحرام ہے، اسی طرح جو رقم انفرادی طور پر حافظ صاحب کوملتی ہے یا اجتماعی چندہ کے بعد دی جاتی ہے، وہ سب حافظ صاحب کے لئے ناجائز اورحرام ہے، اسی طرح سامع کی اجرت بھی ناجائز ہے، دینے والے بھی گنہگار ہوں گے اور لینے والے بھی۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۳/۵۱۴، فتاوی محمودیہ، قدیم ۷/ ۱۷۱، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۶۶، رشیدیہ، قدیم ۳۹۲، جدید زکریا ۳۷۰، جواہر الفقہ، قدیم ۱/۳۸۲، جدید زکریا ۲/۵۲۲، فتاوی دار العلوم جدید ۴/ ۲۹۵)

فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا، ووسيلة إلى جمع الدنيا. الآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ٦/ ٥٦)

(۲) جن جگهوں پر قرآن سنانے والے حافظ صاحب کے نام پر رقم جمع ہوتی ہے، پھر وہ رقم مسجد کے امام اور مدرس اور خود حافظ صاحب کو بطور ہدیہ تقسیم کردی جاتی ہے اور اس میں سے جوڑا بھی دیا جاتا ہے، تو قرآن سنانے والے حافظ صاحب کے لئے ان میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر دینے والوں کو پہلے سے معلوم ہے کہ جو چندہ حافظ صاحب کے نام پر جمع ہورہا ہے اس میں سے امام ومدرس کو بھی دیا جائے گا، تو امام ومدرس کے لئے لینا جائز ہے اور دینے والوں کے لئے دینا بھی جائز ہے۔ اور اگر صرف دینے والے حافظ صاحب ہی کے لئے دیتے ہیں، پھر وصول کرنے والے امام اور مدرس کو دیتے ہیں، تو امام ومدرس کے لئے نہ لینا جائز ہے، اور نہ دینے والوں کے لئے دینا جائز ہے؛ اس لئے کہ یہاں دھوکہ اور خیانت ہوتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶/ ۷۶۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۶ھ

تراویح پڑھانے والے کو نذرانہ دینا

سوال [۳۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: الحمدللہ ہمارے گاؤں میں پانچ مسجدیں ہیں، اور پانچوں مسجدوں میں بڑی تراویح ہوتی ہے اور کسی بھی مسجد میں کسی بھی حافظ کے لئے اجرت یا نذرانہ کے متعلق کوئی بات پہلے سے طے نہیں ہوتی ہے؛ لیکن صورت حال کافی زمانہ سے یوں چلی آرہی ہے کہ رمضان میں تراویح کے نام پر گاؤں میں وصولی ہوتی ہے اور جو چندہ ہوتا ہے، اس کو اکٹھا کر کے حافظ صاحب کو شب قدر کے بعد دے دیا جاتا ہے، کسی سال ۱۷۰۰ر کسی سال ۲۰۰۰ر، کسی سال ۲۵۰۰ر لیکن اب تک کسی بھی حافظ نے نذرانہ سے متعلق یہ نہیں کہا کہ کم ہے یا زیادہ؛ بلکہ جو کچھ ہوتا ہے اسے بخوشی قبول فرمالیتے ہیں، تو کیا اس طرح چندہ کر کے اور رقم کو اکٹھا کر کے حافظ کو دینا اور حافظ کا اس رقم کو لینا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ حافظ بغیر لالچ کے بڑی تراویح پڑھاتا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ”**المعروف کالمشروط**“ یا ”**الأمور بمقاصدها**“ کے تحت داخل ہو کر ناجائز ہو جائے، مستفتی نے مسائل تراویح، ایضاح المسائل، کفایت المفتی، فتاوی دارالعلوم کا مطالعہ کر لیا ہے؛ لیکن یہاں کی صورت حال میں کون سا حکم لگے گا یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا ہے، اور اس مسئلہ کو لے کر کافی انتشار واختلاف ہے اور یہ مسئلہ ہمارے یہاں کے لحاظ سے مختلف فیہ بن گیا ہے؛ اس لئے اس مسئلہ کی ایسی وضاحت فرمائیں کہ خواص کی سمجھ میں بات آجائے اور یہ مسئلہ مختلف فیہ سے نکل کر متفق علیہ بن جائے۔

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں ختم قرآن کے موقع پر لوگوں سے تراویح کے نام پر روپیہ اکٹھا کر کے حافظ قرآن کو دینا جائز نہیں ہے اور نذرانہ کے کم وبیش

ہونے پر حافظ قرآن کا بخوشی قبول کرنا اور کسی قسم کی ناراضگی نہ جتلانا اس کے جواز کی دلیل نہیں؛ کیوں کہ اس کو یہ معلوم ہے کہ بستی کے لوگ حسب معمول نذرانہ ضرور دیں گے؛ اس لئے یہ "**المعروف کالمشروط**" (شامي، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زکریا ۹/ ۷۷) کے تحت داخل ہوکر ناجائز اور حرام ہے، لینے والے اور دینے والے دونوں گنہگار رہوں گے اور "امداد الفتاویٰ" اور "ایضاح المسائل" کا مسئلہ جس کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں وہ صحیح اور درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۴، فتاوی رشیدیہ، قدیم ۳۹۲، جدید زکریا /۳۷۰، ایضاح المسائل/ ۲۶)

فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لایجوز؛ لأن فیه الأمر بالقراء ة، وإعطاء الثواب للآمر والقراء ة لأجل المال، فإذا لم یکن للقارئ ثواب لعدم النیة الصحیحة، فأین یصل الثواب إلی المستأجر ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد فی هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا، ووسیلة إلی جمع الدنیا إنا لله وإنا إلیه راجعون. (شامي، زکریا ۹/ ۷۷، کراچی ۶/ ۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۲/ ۱۴۲۴ھ

تراویح کے نذرانہ کی شرعی حیثیت

سوال [۳۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے امام صاحب مستقل امام ہیں اور حافظ بھی ہیں، دوسری مسجد کے امام صاحب عالم تو ہیں مگر حافظ نہیں ہیں، تیسری مسجد کے امام صاحب میاں صاحب ہیں جو "الم ترکیف" سے تراویح ادا کرتے ہیں، دوسری مسجد کے امام صاحب باہر سے رمضانی حافظ بلاتے ہیں، اب ان تینوں اماموں کے لئے چندہ ہوتا ہے۔ اور ۲۷/ رمضان کو نذرانہ پیش کیا جاتا ہے، مستقل حافظ

امام کے لئے مفتی دارالعلوم دیوبند نے رمضان کی تنخواہ کہہ کر دینے کو جائز قرار دیا ہے اور دوسرے رمضانی حافظ کے لئے مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نائب امام بنا کر جائز قرار دیا ہے، عام طور سے اماموں کی تنخواہیں پندرہ سو دو ہزار تک ہیں، رمضان کی تنخواہ چالیس تیس ہزار۔ اور نائب امام کی پانچ ہزار یہ کہاں کا اصول ہے؟ جب کہ اشتہار دارالعلوم ویوکرن کی روداد میں ناجائز وحرام لکھا ہے، نیز سامع کے لئے بھی نذرانہ لینا دینا کیسا ہے؟ مکمل مع دلائل کے واضح فرمائیں اور فی الحال جو تنخواہ اماموں کو مل رہی ہے وہ گذر بسر کے لئے ناکافی ہے، سارے پہلو پر غور وفکر کرکے ہی جواب دیں اور جدید فقہی مسائل/۱۹۴ بھی پڑھ لیں۔

المستفتی: عظیم اللہ بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر امام یا سامع کو جو نذرانہ دینا معروف ومشہور ہے وہ اجرت کے درجہ میں آتا ہے؛ اس لئے ناجائز وحرام ہے اور جدید فقہی مسائل ص: ۱۹۴ پر مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا بیان کردہ جو حیلہ ذکر کیا گیا ہے وہ ناکافی ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ ومفتی عزیز الرحمٰنؒ کی رائے ناجائز ہونے ہی کی ہے؛ البتہ مستقل امام کو دینے کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ مستقل امام کو جو دیا جاتا ہے وہ سال بھر کی تنخواہ کے اندر سالانہ آمدنی شمار ہوتی ہے، قرآن سننے یا سنانے کے متعلق نہیں ہوتی۔ اور بہتر یہ ہے کہ تیس چالیس ہزار کی جو بات کہی جارہی ہے یہ پیسہ جمع کرکے امام صاحب کی پورے سال کی تنخواہ میں ضم کردیا جائے، تاکہ ختم قرآن کی اجرت کا شبہ باقی نہ رہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۸۵، دار العلوم ۴/ ۳۷۳)

ویمنع القارئ للدنیا، والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا یجوز. (شامي، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، کراچی ۶/ ۵۶، زکریا ۹/ ۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۱۱/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۶ھ

اجرت تراویح کے لئے چندہ کرنا

سوال [۳۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں رمضان شریف میں نماز تراویح میں قرآن پاک مکمل سنانے کے بعد حافظ صاحب کے لئے نذرانہ کے نام سے چندہ ہوتا ہے، جب کہ حافظ صاحب کی طرف سے نذرانہ کی رقم متعین نہیں ہوتی ہے؛ لیکن حافظ صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ موٹی رقم ملے گی، یہی وجہ ہے کہ اکثر حفاظ کو اچھی جگہ کی تلاش ہوتی ہے۔(۱) تراویح کے نام پر چندہ مانگنا اور دینا درست ہے یا نہیں؟

(۲) تراویح کے نذرانہ کے جائز ہونے کی صورت ہے یا نہیں؟

(۳) کسی مقام پر بغیر نذرانہ کے قرآن سنانے والے نہ ملیں تو کیا کریں؟

(۴) اس بیماری میں اکثر دین سے واقف طبقہ (علماء وحفاظ) ملوث ہیں۔

امید ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں تشفی بخش جواب دے کر مطمئن فرمائیں گے۔

المستفتی: حافظ عطاء خطیب دسٹرک جبل دھنباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ صاحب کو تراویح میں قرآن کریم سنانے کے عوض میں نذرانہ کے نام سے کچھ رقم دینا اور لینا دونوں ناجائز ہیں؛ کیوں کہ درحقیقت یہ نذرانہ نہیں؛ بلکہ دستور اور عرف کے لحاظ سے اجرت ہے؛ لہٰذا ”**المعروف کالمشروط**“ کے تحت دونوں ناجائز اور حرام ہیں۔ اور اس کے لئے چندہ وصول کرنا اور چندہ دینا ناجائز اور گناہ ہے، جہاں بلا اجرت حافظ نہ مل سکے وہاں ”الم ترکیف“ سے تراویح پڑھنا زیادہ بہتر ہے؛ کیوں کہ اجرت دے کر قرآن کریم سننے سے ثواب نہیں ملتا ہے۔ اور جہاں تک فتنہ کے اندیشہ کا سوال ہے، تو اس سلسلے میں لوگوں کو نرمی اور حکمت کے ساتھ مسئلہ بتایا جائے، ان شاء اللہ سارے لوگ شرعی فیصلہ کے سامنے سر جھکائیں گے، کوئی فتنہ نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۷۹، امداد المفتیین / ۳۶۵، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۴)

وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٧، بناية، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٣٧، الدرر الأحكام ٢/ ٢٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۱۹ھ

چندہ کر کے قاری وسامع کی خدمت کرنا اور ختم پر شیرینی تقسیم کرنا

سوال [۳۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) رمضان شریف میں ختم شریف کے موقع پر محلوں سے جو مسجد سے متعلق ہیں بخوشی چندہ کر کے قاری اور سامع کی خدمت کی جاتی ہے، سامع مسجد میں مستقل امام ہے، مگر قاری امام نہیں ہے، امام صاحب کی جو رمضان میں خدمت کی جاتی ہے وہ طے شدہ تنخواہ کے علاوہ ہوتی ہے، کیا یہ درست ہے؟ اسی چندہ میں سے ان حضرات کے دودھ لینے کا بندوبست بھی کیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۲) رمضان شریف میں ختم شریف کے موقع پر اجتماعی چندہ کر کے یا انفرادی طور پر شیرینی تقسیم کرنا درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالحمید راعینی ساہنپور، ضلع بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) رمضان شریف میں ختم شریف کے موقع پر محلوں سے چندہ کر کے قاری اور سامع کو اجرت لینا ناجائز ہے۔ اور اگر اجرت طے نہ کرے؛ بلکہ بطور تنخواہ اور نذرانہ حافظ اور سامع کو دیا جائے تو یہ شرعی طور پر ”**المعروف كالمشروط**“

کے تحت داخل ہوکر نام کا نذرانہ ہے، ورنہ درحقیقت یہ اجرت ہے؛ لہٰذا یہ بھی جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/۲۶۳)

کذا في الشامية: وأن القراء ة لشيء من الدنيا لا تجوز، وأن الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلک يشبه الاستئجار على القراء ة، ونفس الاستئجار عليها لا يجوز. (شامي، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، زكريا ٢/ ٥٣٤، كراچی ٢/ ٧٣)

وأيضا اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به. الحديث (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ٩/ ٧٦)

لیکن اسی چندہ سے حافظ صاحب اور سامع کے لئے دودھ وغیرہ کا بندوبست کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ شرعی طور پر اجرت میں داخل نہیں؛ بلکہ یہ مہمان نوازی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۲۹۴)

(۲) رمضان شریف میں چندہ کرکے مٹھائی یا شیرینی تقسیم کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ چندہ دینے والے کی طرف سے طیب خاطر کا یقین نہیں؛ بلکہ وہ چندہ دینے پر مجبور ہوتے ہیں؛ اس لئے ان سے کچھ لینا ہرگز جائز نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۵)

ہاں البتہ کوئی شخص اپنے طور پر بطیب خاطر اپنی جیب خاص سے مٹھائی تقسیم کرتا ہے، تو اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے کہ حرمت مسجد کا لحاظ رکھا جائے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۴/ ۳۸۹، جدید زکریا ۶/ ۲۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۲ھ

تراویح میں حافظ وسامع کو اجرت دینا

سوال [۳۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: (۱) اجرت لے کر یا دے کر تراویح پڑھنا یا پڑھوانا کیسا ہے؟ جب کہ یہ سلسلہ ہر مسجد میں ہر سال تراویح میں ہوتا ہے، کوئی سننے یا سنانے کی اجرت کا نام لے کر نہیں لیتا؛ بلکہ کوئی ہدیہ کہہ کر لیتا ہے، تو کوئی امداد کہہ کر لیتا ہے، جب کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کا کہنا ہے کہ ہدیہ ہو یا امداد نیت لینے اور دینے والے کی ایک ہی ہوتی ہے؛ لہٰذا ایسا کرنا ہر حال میں حرام ہے، کوئی جگہ ایسی نہیں ہوتی جہاں سامع حضرات پیسے نہ لیتے ہوں، کئی جگہ تو امام صاحب جو تراویح سناتے ہیں، وہ بھی پیسے لیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

(۲) جہاں امام صاحب یا سامع حضرات کی نیت پیسے لینے کی ہو اور منتظمہ کمیٹی کی نیت دینے کی ہو تو ایسی جگہ تراویح پڑھنا کیسا ہے؟ اگر کسی جگہ مسجد میں پیسے لینے دینے کا ماحول ہو اور اسی مسجد میں کوئی باشرع شخص جو کہ حافظ نہ ہو؛ بلکہ ناظرہ خواں ہو اور تجوید وقواعد اچھی طرح جانتا ہو، تو کیا وہ شخص مصلی سے علیحدہ مسجد کے کسی دوسرے حصہ میں بغیر کسی اجرت کے الم ترکیف سے تراویح پڑھا سکتا ہے اور تراویح پڑھنے و پڑھانے والوں کو تراویح کا ثواب حاصل ہوسکتا ہے؟

المستفتی: احقر محمد شاہد الراعی، باڑہ ہندوراؤ، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے جو مسئلہ لکھا گیا ہے وہی صحیح اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۴۸۱)

(۲) کسی کی نیت کی بات اللہ کو معلوم ہوتی ہے اور انسان کو اسی وقت معلوم ہوتی ہے کہ جب اس نیت کے مطابق عمل ظاہر ہو جائے، دینے لینے کا معمول پہلے سے جاری ہو تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''امداد المفتیین''میں تراویح میں اجرت دے کر قرآن سننے اور اجرت لے کر قرآن پڑھنے کو گناہ کا کام لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ نماز مکروہ ہو جاتی ہے اور یہی بات حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے ''احسن الفتاوی'' میں لکھی ہے، ملاحظہ فرمائیے: (امداد المفتیین، ص: ۳۶۵، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۵)

(۳) اگر اجرت دئے لئے بغیر تراویح میں قرآن پڑھنے والے نہ مل سکیں تو ''الم ترکیف'' جیسی مختصر سورتوں کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھ لینا زیادہ بہتر ہے؛ لیکن اس کے لئے مسجد والوں کے ساتھ اس طرح معارضہ کرنا کہ مسجد میں باجماعت قرآن ہورہا ہو اور ''الم ترکیف'' کے ساتھ اسی مسجد کے دوسرے کنارہ پر دوسری جماعت شروع کردی جائے یہ ایک معارضہ اور جھگڑے کی بات ہے۔ اور معارضہ اور جھگڑے سے بچنا بھی ہر مسلمان پر لازم ہے؛ اس لئے مسجد میں فرض پڑھنے کے بعد الگ سے کسی دوسری جگہ جا کر کے پڑھنا مناسب ہے۔

ولو صلى التراويح في مسجد واحد مرتين في ليلة واحدة يكره.

(فتاوى النوازل، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، دار الايمان، ص: ٩٥)

ولو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره. (خانيه على الهندية، كتاب الصلاة، باب التراويح زكريا ١/ ٢٣٤، زكريا جديد ١/ ١٤٥، هنديه، الباب التاسع فى النوافل، فصل في التراويح، زكريا قديم ١/ ١١٦، جديد ١/ ١٧٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۳/۷ھ

قاری اور سامع کو اجرت دینا

سوال [۳۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں قرآن پاک کے قاری اور سامع کو مسجد کی آمدنی سے کچھ نذرانہ پیش کیا جاتا ہے، نیز ختم والے دن شیرینی بھی مسجد ہی کی آمدنی سے تقسیم کی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ والسلام

المستفتی: وقار احمد نواب رامپور، کوچہ لالہ میاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قاری اور سامع کو مسجد کی آمدنی سے اجرت دینا ہرگز جائز نہیں، اسی طرح ختم قرآن کے موقع پر مسجد کی آمدنی سے شیرینی تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، متولی اور ذمہ داران مسجد اگر ایسا کریں، تو ان پر لازم ہے کہ اتنا پیسہ اپنی جیب سے مسجد کو ادا کردیں۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ، قدیم/ ۵۱۹، جدید زکریا/ ۴۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۷۵)

تراویح میں قرآن سننے والے کا اجرت لینا

سوال [۳۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں قرآن سننے والا حافظ اجرت یا انعام لے سکتا ہے؟ اور کیا طے بھی کرسکتا ہے؟ جواب باصواب سے نوازیں۔ والسلام

المستفتی: حافظ زاہد حسین، مدرس مدرسہ چچیلا کلاں ناصر العلوم تحصیل دھنورہ منڈی، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں جس طرح قرآن سنانے والے کے لئے اجرت یا بنام انعام رقم لینا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح سامع کے لئے بھی ناجائز ہے۔ اور کسی زمانہ میں حضرت تھانویؒ نے سامع کی اجرت کو جائز لکھا تھا، پھر بعد میں اس سے رجوع کرکے ناجائز لکھا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۷، فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۹۹، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ۹/ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۹/ ۱۴۱۹ھ

تراویح کی اجرت

سوال [۳۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان المبارک میں تراویح پڑھا کر اس پر اجرت لینا کیسا ہے؟ جیسے بعض حضرات رمضان میں مدرسہ کا سفر کرتے ہیں اور قرآن تراویح میں پڑھ کر اجرت لیتے ہیں، کیا اس طرح لینا درست ہے؟ اگر ایسے آدمی کو امام بنایا جائے تو اس کے پیچھے نماز ادا کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مسعود الحسن رشیدی سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں تراویح پڑھا کر اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ قرآن کے عوض میں کوئی چیز وصول کرنا ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/ ۲۵۵، جدید ڈابھیل ۷/ ۱۷۴، فتاوی رحیمیہ قدیم ۴/ ۴۲۷، جدید زکریا ۶/ ۲۴۳)

ولا تصح الإجارة لأجل الطاعات. (الدرالمختار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٥، زكريا ديوبند ٩/ ٧٢)

اور جب تک وہ توبہ نہ کرلے اس کی امامت مکروہ ہے۔

كون الكراهة في الفاسق تحريمية. (طحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان الأحق بالإمامة، قديم ١٦٥، دارالكتاب ديوبند: ٣٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۱۵)

اجرت لے کر قرآن سنانے والے کے پیچھے تراویح پڑھنا

سوال [۳۲۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

رمضان المبارک میں تراویح سنانے والے حافظ کو برا بھلا کہنا اور طعنہ دینا کیسا ہے؟ اور ایسا حافظ جو روپیہ کے لالچ میں تراویح سناتا ہے، تو ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق پلاموی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں قرآن کریم سنانے کی اجرت چاہے، چندہ کرکے دیں یا کوئی شخص اپنی جیب سے دیدے، دونوں صورتوں میں اجرت دینا اور لینا ناجائز اور حرام ہے۔ اور اس میں قرآن کریم سننے اور سنانے کا ثواب بھی نہیں ملے گا، بغیر اجرت کا حافظ نہ ملے تو ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ، قدیم/ ۳۹۲، جدید زکریا ۳۷۷، ایضاح المسائل/ ۲۶، شامی، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، زکریا ۹/ ۷۷، کراچی ۶/ ۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۲۸)

اجرت علی التراویح کی شرعی حیثیت

سوال [۳۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں چھ سات سو مکان کا ہے اور ایک جامع مسجد ہے، ماہ رمضان میں نماز تراویح میں چالیس پچاس آدمی شامل ہوتے ہیں، پندرھویں رمضان سے لے کر بعد نماز عید تک تاکیداً ہر ایک مکان سے مسجد کمیٹی لسٹ لے کر کے روپیہ وصول کرتے ہیں اور حافظ جی کو دیتے ہیں، ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور ایسی حالت میں کس طرح سے نماز پڑھیں؟ اور ''فتاوی دارالعلوم'' اور اس کے مسئلے صحیح ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبد الغفار قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح میں قرآن کریم سنانے والے حافظ کو اجرت دینا اورحافظ صاحب کا اجرت لینا دونوں ناجائز اورحرام ہے۔اورقرآن کریم سننے سنانے کا ثواب کسی کوبھی نہ ملے گا؛ بلکہ سب گنہگار رہوں گے۔(مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۱/۳۹۲، جدید زکریا ۳۷۰، احسن الفتاوی ۱/۵۱۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۷/۱۷۱، جدید ڈابھیل ۷/۱۶۶، ایضاح المسائل ۲۸)

قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب...... ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ٦/ ٥٦)

اجرت لینے والے حافظ کے پیچھے تراویح کی نماز پڑھنے کے بجائے ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھنا بہتر ہے۔فتاوی دارالعلوم کے مسائل صحیح ہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۳۰/ذی الحجہ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/ ۴۵۷۸)

تراویح پڑھانے والے حافظ صاحب کونذرانہ دینا

سوال [۳۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ماہ رمضان میں قیام لیل میں ہدیہ یا نذرانہ لینا دینا کیسا ہے؟ جب کہ مفتی عزیزالرحمٰن صاحب بجنوری کا فتوی جواز کا ہے، موصوف نے علی الاطلاق جامع مسجد نجیب آباد میں دوران تقریر تین مرتبہ یہ الفاظ کہے تھے کہ: ''میں کہتا ہوں جائز ہے، جس کواعتراض ہووہ مجھ سے بات کرے''۔نیز صوبہ کرناٹک میں مطلقاً جواز کا فتوی ہے۔اور''فتاوی دارالعلوم''میں جائز لکھا ہے،ص:۲۹۸-۲۹۹۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ حفاظ کرام کا نذرانہ جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو مفتی

صاحب کی تقریر کا کیا حاصل؟ اور کرناٹک میں جو جائز ہے اس کا کیا جواب؟ فتاوی دار العلوم میں جو لکھا، اس کا کیا مطلب؟ شریعت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں جائز ہے یا ناجائز؟ اگر نہیں تو ان سب کا مدلل جواب تحریر کریں۔

اخبار کی فوٹو کاپی روانہ کرر ہا ہوں، بغور اس کا مطالع کرنے کے بعد اس کا بھی جواب لکھیں، جس میں امامت، اذان، تعلیم القرآن فقہ کی طرح اس کو جائز لکھا گیا ہے، جواب صاف صاف مفصل مدلل پشت پر تحریر فرمادیں، تاکہ فوٹو اسٹیٹ کرالی جاسکے۔

المستفتی: سلیم احمد خطیب جامع مسجد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں قرآن کریم تراویح میں سنانے والے حافظ اور سامع دونوں کو اجرت دینا اور ان کا لینا جائز نہیں ہے، نیز اس زمانہ میں نذرانہ کے نام سے جو دیا جاتا ہے وہ بھی رواج پا گیا ہے؛ اس لئے وہ بھی ناجائز ہے۔ فتاوی دار العلوم ص: ۲۹۹ رمیں اسی طرح لکھا گیا ہے اور اس میں جو اخیر میں لکھا ہے کہ حافظ کو لینے کا خیال نہیں اور ذمہ داروں کو دینے کا خیال نہیں، اتفاق سے ہدیہ کے طور پر حافظ صاحب کو جاتے وقت کچھ دے دیا جائے تو گنجائش کی بات ہے، اولاً ایسا کہاں ہوتا ہے؟ نیز ایسی شکل کے لئے بحث مباحثہ کی نوبت کیسے پیش آئی، بحث مباحثہ کی نوبت سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سب کے ذہن میں لینے اور دینے کی بات رواج کی مطابق ہوتی ہے، جس کو فتاوی دار العلوم کے مذکورہ حوالہ میں ناجائز اور باطل لکھا ہے۔ اور جن مفتی صاحب کا استفتاء میں ذکر کیا گیا ہے تو کسی مفتی کا منصب یہ نہیں کہ وہ کسی دوسرے مفتی عالم پر نقد کرے؛ اس لئے ہم ان سے متعلق کوئی بات نہیں لکھ سکتے؛ البتہ یہ ضرور کہیں گے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ موجودہ زمانہ کے تمام مفتیان کرام اور تمام علماء کرام سے بڑھ کر عالم ومفتی اور محقق تھے، انہوں نے ہدیہ ونذرانہ کو اس موقع پر ناجائز لکھا ہے، نیز حضرت تھانویؒ نے شروع میں تعلیم قرآن پر قیاس کرکے سامع کی اجرت کو جائز لکھا تھا، جو ’’امداد الفتاوی‘‘ میں شائع ہو چکا

ہے، مگر بعد میں حضرت تھانویؒ نے سامع کی اجرت کے مسئلہ سے رجوع کرکے عدم جواز کا فتاوی دیا ہے، جو ''التذکیر والتہذیب ۳/۸۳'' میں شائع ہو چکا ہے اور ''النقیب'' میں ہر سال اسی طرح شائع کرتے رہے اور اس میں لکھے ہوئے دلائل سب مخدوش ہیں جو تمام فقہاء اور تمام اکابر اہل فتاوی کے خلاف ہیں؛ اس لئے اس سے تعارض کی ضرورت نہیں۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۱۶)

ختم تراویح پر نذرانہ اور مٹھائی تقسیم کرنا

سوال [۳۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح سنانے والے طالب علم کے لئے پیسہ لینا جائز ہے کہ نہیں؟ اور اگر سننے والے خوشی سے دے رہے ہیں تو لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور تراویح ختم میں جب مٹھائی بانٹی جاتی ہے، تو اگر وہ چندہ کے پیسہ سے بانٹی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: احقر محمد عثمان پینتے پور، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تراویح سنانے والا طالب علم ہو یا غیر طالب علم کسی کے لئے بھی تراویح کا نذرانہ لینا جائز نہیں، اگرچہ دینے والے غیر متعین طور پر خوشی ہی سے کیوں نہ دیں۔

لأن المعروف كالمشروط؛ لأن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٧)

تراویح کے ختم پر مسجد کی رقم سے یا چندہ کرکے مٹھائی تقسیم کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی

شخص اپنی جیب خاص سے بخوشی تقسیم کراتا ہو تو گنجائش ہے؛ لیکن مسجد کا احترام لازم اور ضروری ہے۔ (مستفاد: رحیمیہ قدیم ۴/ ۴۲۷، جدید زکریا ۶/ ۲۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۷ھ

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا

سوال [۳۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) لفظ اجرت کی کیا تعریف ہے؟ (۲) جو حافظ قرآن بلا تعین اجرت تراویح میں قرآن سناتا ہے اور عوام چندہ اکٹھا کر کے نذرانہ یا ہدیہ کے نام سے دیتی ہے، تو کیا حافظ قرآن کے لئے ان روپیوں کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ''ردالمحتار'' میں ''**والآخذ والمعطي آثمان**'' ہے، لینے اور دینے والے اس کے ذیل میں آئیں گے یا نہیں؟ اور یہ صورت استیجار علی قراءۃ القرآن میں داخل ہے یا نہیں؟

(۳) جو حافظ قرآن حیلہ امامت کر کے اجرت لیتا ہے، وہ ''**الأمور بمقاصدها**'' کے تحت ناجائز ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے حیلۂ امامت کو جائز قرار دیا ہے، کیا وہ فتویٰ مفتیان کرام وفقہاء عظام کی نظر میں معتبر ہے، جب کہ ''**الأمور بمقاصدها**'' اس کی اجازت نہیں دیتا ہے، چند علماء کرام اس کی روشنی میں بحث وحجت کر رہے ہیں؛ لہٰذا تحقیقی جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: امیر اللہ قاسمی مدرس شعبہ عربی وفارسی مدرسہ قاسم العلوم کولا چھاپر مدراپالی، دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اجرت حق الخدمت کو کہا جاتا ہے اور اس کی مقدار متعین نہیں ہے، حسب موقع کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

(۲) چندہ کر کے بنام نذرانہ اور ہدیہ دینا محض ایک حیلہ ہے اور عبادات میں حیلہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ ''**المعروف كالمشروط**'' کے تحت ہو کرنا جائز اور ممنوع ہوگا اور ''**والآخذ والمعطي آثمان**'' کے ذیل میں داخل ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، قدیم ۱/ ۳۲۲، جدید زکریا ۱/ ۴۸۵، ایضاح المسائل، ص: ۲۸)

(۳) جو حافظ حیلۂ امامت کے ذریعہ اجرت لیتا ہے شرعاً ''**الأمور بمقاصدها**'' کے تحت داخل ہو کر ناجائز ہوگا؛ اس لئے کہ مقصد امامت نہیں ہے؛ بلکہ تراویح میں قرآن سنانا ہی اصل مقصد ہے، یہ اجرت بھی اسی وجہ سے دی جاتی ہے۔ اور یہ ایک حیلہ ہے اور عبادات میں حیلہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے یہ بھی جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی قدیم ۳۲۲، جدید زکریا ۱/ ۴۸۵)

الأصل أن كل طاعة يختص بها المسلم لا يجوز الاستئجار عليها عندنا؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ۷٦، كراچی ٦/ ٥٥)

اور ''کفایت المفتی'' میں حیلہ امامت والا مسئلہ جو واقعتاً صریح دلیل بن سکتا ہے؟ نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ۱۱/ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۱۱/ ۱۴۱۲ھ

تراویح پڑھانے والے حافظ کو ہدیہ دینا

سوال [۳۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حافظ مدرسہ یا ٹیوشن کے ذریعہ قرآن کا درس دیتا ہے، اس کے علاوہ اس کا کوئی اور ذریعہ معاش بھی نہیں ہے، اس کے باوجود جب رمضان کا مہینہ آتا ہے، تو وہ سب کچھ چھوڑ کر

پورا دن قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور رات کو تراویح میں قرآن پڑھتا ہے، اس کے بعد اگر تراویح پڑھنے والے ایسے حافظ کو اپنی طرف سے کچھ ہدیہ دیں تو آیا جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: تسلیم احمد اکبر پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح بطور ہدیہ اور نذرانہ کے نام سے دینا اور لینا متعارف ہے۔ اور جو چیز متعارف ہوتی ہے وہ بمنزلہ شرط کے ہوتی ہے؛ اس لئے حضرت تھانویؒ نے اس کو بھی ناجائز لکھا ہے۔

المعروف کالمشروط. (مستفاد: إمداد الفتاوی، قدیم ۱/ ۳۲۲، جدید زکریا ۱/ ۴۸۵، إیضاح المسائل ۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۱۲/ ۱۴۱۲ھ

تراویح میں قرآن سنا کر اجرت لینا

سوال [۳۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان شریف میں تراویح کے بعد لینا دینا کیسا ہے؟ مفتی ظفیر الدین صاحب مفتی دارالعلوم کا ایک فتویٰ جواز کا ہے، تحریر دوسرے کے پاس ہے اور وہ باہر ہیں؛ اس لئے حوالہ نمبر نہیں لکھ سکا، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کا فتویٰ جواز کا ہے، ”فتاوی دارالعلوم“ میں ابتغاءً للہ جائز ہے، جلد: ۴ ص: ۲۹۸ مسائل تراویح، صوبہ کرناٹک میں عام طور سے کافی رقم لی دی جاتی ہے اور خود حضرات اساتذۂ دارالعلوم کو وہاں پایا گیا، بنگلور سے مفتیوں کی ایک جماعت آئی تھی صرف مفتی حضرات تھے، ان سے جب معلوم کیا گیا تو بتلایا کہ صوبہ کرناٹک میں لینا دینا جائز ہے؛ اس لئے کہ مسئلہ عرف ورواج پر چلتا ہے اور وہاں عرف ہے؛ اس لئے جائز ہے، مفتی صاحبان نے فرمایا کہ اس چیز کا عرف سہارنپور میں نہیں ہے؛ اس لئے مفتی صاحبان ناجائز لکھتے ہیں، کیا عرف پر مسئلہ کا چلنا صرف کرناٹک کی خصوصیت ہے یا سب

کے لئے ہے؟ اگر سب کے لئے ہے تو ضلع بجنور میں پرانے زمانے سے یہ عرف ہے کہ تراویح کے بعد لیا دیا جاتا ہے، کیا یہاں عرف کا اعتبار نہیں ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا تو کیوں؟ کرناٹک میں مفتیان کرام کا جواز کا فتوی ہے اور یہ بات کہ: **المعروف کالمشروط** میں جو داخل ہو وہ ناجائز ہے، تو علمائے کرام وعظ تقریر کے بعد جو ہدایا وغیرہ لیتے ہیں وہ داخل ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ جب کہ اس کو ہر آدمی جانتا ہے۔

المستفتی: مصلیان مسجد بنجاران ساہن پور نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن کریم سنا کر اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں۔ اور ''فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۹۸'' جو فتویٰ ہم نے دیکھا ہے، اس میں موجودہ زمانہ میں لینے دینے کا رواج ہونے کی وجہ سے ناجائز لکھا ہے۔ اور اساتذۂ دارالعلوم کے قرآن پر اجرت لینے کا علم احقر کو نہیں ہے، اگر آپ کو معلوم ہے تو آپ ان سے براہ راست گفتگو کریں، نیز کسی کا عمل جو شرعی حکم کے خلاف ہے وہ حجت شرعی نہیں ہوسکتا۔ اور جن مفتیوں کی جماعت سے آپ کی گفتگو ہوئی ہے، شاید ان کی بات آپ کو سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہوگا؛ اس لئے کہ فتاوی دارالعلوم کے جس فتوے کا حوالہ آپ نے پیش کیا ہے خود اس میں عرف ورواج جہاں ہے وہاں لینا دینا ناجائز اور حرام لکھا ہے۔ اور قرآن کے ثواب سے محروم ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۴/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/۱۴۱۳ھ

حافظ صاحب کا اجرت لے کر قرآن سنانا اور مقتدیوں کا سننا کیسا ہے؟

سوال [۳۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ راجستھان ضلع جھن جھنوں میں ''جاکھل'' نامی گاؤں کی مسجد میں شہر مرادآباد یوپی

کے مشہور مدرسہ جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد سے فارغ التحصیل سند یافتہ عالم، قاری، امام مقرر ہے، اس امام کے پیچھے سنت تراویح پڑھنے کے بجائے روپیہ کا نذرانہ دے کر تراویح میں ایک قرآن ختم سننے کے لئے حافظ لانا چاہتے ہیں، شریعت مطہرہ کے حساب سے کیا بہتر ہے؟ نیز مذکورہ مسجد میں جو بھی امام مقرر ہوتا ہے اس کے ذمہ مسلمانوں کے سبھی دینی امور کی مسجد سے متعلق ہوں یا گاؤں سے متعلق ہوں ذمہ داری ہوتی ہے اور عید کے دن تراویح کے بہانے سے اور بقرعید میں قربانی کے بہانے سے تنخواہ کے علاوہ کچھ رقم نذرانہ کے طور پر دیتے ہیں اور دوسرے موقعوں پر بھی دیتے ہیں، امام مقرر کرتے وقت یہ بتا دیتے ہیں کہ مذکورہ موقعوں پر نذرانہ دیا جائے گا، تو کیا اس قسم کا نذرانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مصلیان مسجد ضلع جھن جھنوں راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ کو اجرت لے کر سنانا اور مقتدیوں کو اجرت دے کر سننا جائز نہیں؛ اس لئے ایسا حافظ تلاش کرنا چاہئے جو بلا اجرت سناتا ہو۔ اور اگر بلا اجرت سنانے والا نہ ملے تو اسی امام کے پیچھے سورۂ تراویح پڑھ لینا چاہئے۔

إن القراءة لشيء من الدنيا لا تجوز، وأن الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلک يشبه الاستئجار على القراءة، ونفس الاستئجار عليها لايجوز، فكذا ما أشبه. (شامي، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل، كراچی ۲/ ۷۳، زكريا ۲/ ۵۳٤)

البتہ جو شخص مستقل امامت کے فرائض انجام دے رہا ہے ختم کے موقع پر اسے نذرانہ پیش کرنے میں کوئی خرابی نہیں؛ اس لئے کہ اس کا قرآن سنانے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۴/ ۴۲۷، جدید زکریا ۶/ ۲۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ۸/ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۸/ ۱۴۲۰ھ

اجرت لے کر تراویح پڑھانے والے کے پیچھے نماز تراویح

سوال [۳۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک عالم ہے، وہ کہتا ہے کہ جس حافظ کو تراویح میں اجرت دی جاتی ہے، اس کے پیچھے تراویح پڑھنا درست نہیں؛ بلکہ اس سے بہتر سورۂ تراویح پڑھنا ہے؛ لیکن زید تو ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھتا ہے کسی نے اس سے پوچھا کہ آپ تو ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنے سے سورہ تراویح پڑھنے کو افضل بتلاتے ہیں، پھر آپ کیوں پڑھتے ہیں؟ تو انہوں نے دو وجہ بتلائی۔ پہلی وجہ یہ بتلائی کہ مجھے قرآن سننے کا بے حد شوق ہے اور میں صرف سن لوں گا کسی قسم کا عوض یا اجرت اس حافظ کو بذات خود نہیں دوں گا، دوسری وجہ یہ بتلائی کہ ہم کو سورۂ تراویح پڑھنے سے دل کو اطمینان اور سکون اور سرور نہیں ہوتا ہے، تو کیا ان صورتوں میں زید کو ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنا درست ہے؟

المستفتی: اسرار الحق، کیراف نور الدین بیکری والے محمد پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کو جب یہ بات معلوم ہے کہ سنانے والے کو اجرت دی جاتی ہے، تو اس کے پیچھے قرآن کریم سننے سے بہتر یہ ہے کہ سورہ تراویح پڑھ لے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۳/۳۶۳، جدید زکریا ۳/ ۴۰۹، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۵۳۶، امداد الاحکام ۲/ ۲۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۱)	۱۴۲۱/۴/۲۴ھ

تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا

سوال [۳۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص حافظ قرآن ہے، اس کا ذریعہ معاش ایسا کاروبار ہے کہ وہ ہر ماہ اپنے بچوں کا خرچ پورا کر لیتا ہے، اب رمضان المبارک آنے پر وہ شخص مسجد میں قرآن سناتا ہے اور رمضان میں قرآن سنانے کے بعد اس کو جو پیسے ملتے ہیں اس کے ذریعہ ہی وہ اپنے بچوں کا خرچ پورا کرتا ہے، اب اگر وہ عدم جواز کی صورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے پیسے نہ لے تو اس صورت میں اس کے بچوں کا خرچ پورا نہ ہوگا، اسی عدم جواز کی وجہ سے بعض حفاظ نے رمضان میں قرآن کو سنانا ترک کر دیا، مذکورہ صورت مسئلہ پر نظر رکھتے ہوئے اگر وہ پیسے لے لے تو اس صورت میں یہ جائز ہوگا یا نہیں؟، نیز طلبہ کے لئے یہ پیسے لینا جائز ہے یا نہیں؟

رمضان المبارک میں تراویح کے نام سے جو چندہ جمع کرتے ہیں، جب کہ بعض لوگ بددلی سے دیتے ہیں اور بعض خوش دلی سے، کیا اس کو مسجد کے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس تراویح کے چندہ سے دودھ کے پیسے دئے جاتے ہیں، آیا حافظ صاحب کا دودھ پینا اور اپنی زبان سے دودھ طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مذکورہ بالا تمام صورتوں کا جواب مدلل دیں۔

المستفتی: محمد شعیب بجنوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسئولہ صورت میں ایسے شخص کو تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں ہے، لینے اور دینے والے دونوں گنہگار رہیں، اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے، اگرچہ پہلے سے کچھ متعین نہ کیا جائے بچوں کا خرچ پورا کرنے کے لئے کوئی دوسرا کام کریں، نیز طلبہ کے لئے بھی اس کے پیسے لینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۶/ ۳۷۷، جدید ڈابھیل ۷/۱/۲۷، ایضاح المسائل، ص: ۲۶)

والمعروف کالمشروط. (ردالمحتار، زکریا ۹/ ۷۶)

إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، والآخذ والمعطي آثمان.

(شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٧)

(۲) تراویح کے نام سے چندہ کرنا مشروع نہیں ہے؛ اس لئے کہ تراویح میں ختم قرآن کے نام سے کوئی اجرت ہی نہیں ہے، اگر مسجد کے مصرف کے لئے چندہ کی ضرورت ہے، تو اسی

کے نام سے چندہ کریں اور حافظ صاحب کو دودھ پلانا، کھانا کھلانا اور اس کی افطاری کا انتظام کرنا جب کہ وہ اس محلّہ کا نہ ہو یہ سب مہمانداری ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، یہ تراویح سنانے کی اجرت نہیں ہے اور یہ مہمانداری مسجد والوں پر فرض ہے، مانگنے اور مطالبہ کا موقع نہیں دینا چاہئے؛ بلکہ مسجد والوں کو رغبت سے یہ کام کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۹۵، ایضاح المسائل/ ۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

حافظوں کے لئے تراویح کا پیسہ لینا کیسا ہے؟

سوال [۳۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل رمضان شریف میں حافظوں کو پیسے دینے کا دستور ہے، تو کیا یہ صحیح ہے، بعض جگہ خوشی سے دیتے ہیں اور عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ حافظوں کے لئے چندہ کرنے میں زبردستی کی جاتی ہے، پھر وہ پیسہ حافظوں کو ہدیہ میں پیش کرتے ہیں، یہ لینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور کس صورت میں جائز ہے اور کس صورت میں نہیں؟

المستفتی: قاری اصغر علی جوٹھیا رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دستور اور رواج کے مطابق حافظ کو جو دیا جاتا ہے وہ بھی شرعی طور پر جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ مجھے کچھ پیش کریں گے اور مقتدیوں کے دلوں میں بھی یہ بات رہتی ہے کہ جاتے وقت حافظ کو کچھ دینا ہے؛ لہٰذا یہ بھی ’’**المعروف کالمشروط**‘‘ کے تحت داخل ہو کر نام کا نذرانہ ہے، درحقیقت اجرت ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ اور اس طرح حافظ صاحب کو دینے کے لئے چندہ کرنا نیز اس میں زور دباؤ سے کام لینا جائز نہیں ہے، بہر حال خوشی سے دیتے ہوں یا دباؤ سے ہر حال میں ناجائز

ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۷، شامی کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، زکریا۹/ ۷۶، کراچی ۶/ ۵۵)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۸۰)

سامع کی اجرت

سوال [۳۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں رقم سامع کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں؟ مسجد والوں کے اطمینان کے لئے سامع ضروری ہے، سامع کے بغیر مصلیان کو تسلی نہیں ہوتی اور بغیر رقم دیئے ہوئے کوئی سامع نہیں ملتا، ایسی مجبوری میں سامع کو رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: فرخ منہاج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح تراویح میں قرآن سنانے والے کو اجرت دینا اور لینا دونوں جائز نہیں، اسی طرح لقمہ دینے والے سامع کو اجرت لینا اور دینا بھی ناجائز اور حرام ہے، حضرت تھانویؒ نے تعلیم قرآن پر قیاس کرتے ہوئے کسی زمانہ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، پھر حضرت تھانویؒ نے اس فتویٰ سے رجوع فرمالیا تھا، جو ''التذکیر والتہذیب ص: ۸۳'' میں مذکور ہے؛ اس لئے پہلے فتویٰ سے رجوع کر کے عدم جواز کا فیصلہ دیا ہے۔
(مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۶، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۶، فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۹۵)

ویمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ۶/ ۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۵ھ

سامع وقاری کی اجرت کا حکم

سوال [۳۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید تراویح میں قرآن کریم سنتا یا پڑھتا ہے، اس کو تراویح میں ختم والے دن روپیہ ملتا ہے، تو کیا یہ روپیہ لینا جائز ہے؟

(۲) کیا قرآن کریم سننے اور سنانے والے حافظ کو روپیہ دینا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تراویح میں قرآن ختم کرنے والے حافظ اور سننے والے سامع حافظ دونوں کے لئے روپیہ لینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۳۹۲، جدید زکریا ۳۷۰، جواہر الفقہ ۱/ ۳۸۲، جدید زکریا ۳/ ۵۲۲، فتاوی دار العلوم ۴/ ۵۶۵، ایضاح المسائل/ ۲۶)

نیز روپیہ دینے والوں کے لئے دینا بھی جائز نہیں ہے۔

والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة، الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ٦/ ٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۰۸)

قاری وسامع کی اجرت کے لئے چندہ کرنا

سوال [۳۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے بعض علاقہ میں یہ دستور ہے کہ مسجد کے متولیان حضرات مسجد کے نمازیوں سے چندہ وصول کرتے ہیں اور یہ چندہ سامع اور قاری کے درمیان تقسیم کردیتے ہیں، تو کیا سامع کو اس کا لینا درست ہے؟

المستفتی: جمیل احمد، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قاری وسامع کو اجرت دینے کے لئے متولیان مسجد کا نمازیوں سے چندہ وصول کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اور نہ ہی وصول کرکے قاری وسامع کے درمیان تقسیم کرنا جائز ہے۔ اور نہ قاری وسامع کے لئے اس کا لینا درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۴، فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴/ ۲۹۵)

والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة، الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ٦/ ٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۱۸)

سامع کا آمد ورفت کا کرایہ وصول کرنا

سوال [۳۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا سامع کو آمد ورفت کے لئے کرایہ کا لینا جائز ہے، خصوصاً جب کہ سامع (تراویح میں قرآن سننے والا) طے شدہ شہر یا قصبہ میں پہلے سے موجود ہے، تو کیا گھر جانے کے لئے کرایہ لینا درست ہے جب کہ سامع کو کرایہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے؟

المستفتی: جمیل احمد بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاوی'' میں سامع کے لقمہ دینے کو تعلیم قرآن کے مشابہ قرار دے کر سامع کے لئے اجرت وکرایہ وغیرہ کو جائز قرار دیا ہے۔ (امداد الفتاوی، قدیم ۱/ ۳۲۹، جدید زکریا ۱/ ۴۹٦)

اور ''احسن الفتاوی'' کے اندر فرمایا ہے کہ یہ تعلیم نہیں ہے؛ بلکہ تذکیر ہے، جس پر اجرت ناجائز ہے؛ اس لئے سامع کو قاری کی طرح اجرت وکرایہ وغیرہ لینا دینا حرام اور ناجائز ہے۔ (احسن الفتاوی۳/۵۱۴، ۳/ ۵۱۶)

احقر کے نزدیک اس مسئلہ میں ''احسن الفتاوی'' کی دلیل زیادہ مضبوط ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں سامع کے لئے کرایہ کے نام سے مذکورہ اجرت کا لینا شرعاً ناجائز ہے؛ کیوں کہ سامع کو باہر سے بلایا نہیں گیا اور باہر سے بلانے کی ضرورت میں آمد ورفت کا کرایہ جائز ہوتا ہے، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند۴/۴۹۴) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۱۸)

سامع کا اجرت طے کرنا

سوال [۳۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعد آداب گزارش یہ ہے کہ رمضان شریف میں سامع قرآن سننے کا معاوضہ طے کر کے لے سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ وہ دوپہر کو حافظ کے گھر جا کر روزانہ قرآن سنتا ہے، مہربانی فرما کر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس طرح قاری کے لئے تلاوت قرآن کی اجرت حرام اور ناجائز ہے، اسی طرح سامع کے لئے بھی ناجائز اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۷، التذکیر والتھذیب۳/۸۳)

البتہ اگر دوپہر کو حافظ کے گھر جا کر حافظ کو قرآن کریم یاد کراتا ہے، تو مناسب معتدل اجرت

اس وقت کی لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے جیسا کہ ٹیوشن پڑھانے کی اجرت لی جاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۱۴)

سامع کی اجرت کا شرعی حکم

سوال [۳۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید رمضان شریف میں ہر سال تراویح کے اندر قرآن کریم سناتا ہے اور وہ اپنے سامع کو برابر سننے کی اجرت دیتا ہے، ہمارے یہاں سامع کی اجرت سنانے والے کے ذمہ ہوتی ہے، اہل محلّہ کے تعاون کے بغیر آج تک اس اجرت کے عدم جواز کے بارے میں کوئی بات سامنے نہیں آئی تھی؛ چونکہ حضرت تھانویؒ کا فتویٰ بھی جواز کا ہے، مگر کچھ دنوں سے اس کے خلاف سننے میں آرہا ہے، جب کہ اس کے اندر کتنے علماء کرام اور حفاظ صاحبان ملوث ہیں کسی کے ذہن میں بھی یہ نہیں کہ یہ اجرت ناجائز ہے، اب سوال طلب امر یہ ہے کہ اس کا صحیح مسئلہ کیا ہے، اگر عدم جواز کا ہے تو کیا بہر صورت حرام ہے؟ یا کوئی خاص شکل مستثنیٰ ہے، جیسے اگر طے نہ کریں تو کیسا ہے؟ اگر اجرت کی ممانعت ہوتی ہے تو سامعین بالکل نہیں مل پائیں گے، جس کے باعث انتہائی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا، یا تو قرآن کریم تراویح کے اندر ہونا بند ہوجائے گا یا اگر ہوگا تو حفاظ صرف اپنے حافظہ سے پڑھتے رہیں گے، کتنی غلطیوں کا احساس تک نہ ہوگا، سامع کو بھی لینے پر مجبور کرتے ہیں، ورنہ اس کا احسان سمجھ کر اس کو اپنے اوپر لینا نہیں چاہتے، پھر بھی جوڑا وغیرہ دے ہی دیتے ہیں، دونوں مسئلوں میں حتی المقدور گنجائش نکال کر ممنون فرمائیں۔

(۲) حفاظ کرام دور دراز قرآن پڑھنے جاتے ہیں، کنسیشن لے کر اگر کوئی اجرت نہ لے

صرف کرایہ خرچ لے تو کیا پورا کرایہ وصول کرسکتا ہے یا کنسیشن کے حساب سے لے گا، جب کہ کبھی کنسیشن نہیں بھی ملتا ہے؟

المستفتی: ابن داؤد مسجد کہنہ ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت تھانوی قدس سرہ نے سامع کے لقمہ دینے کو تعلیم سمجھ کر سامع کے لئے اجرت کے جواز کا فتوی ضرور صادر فرمایا ہے، جو ''امداد الفتاوی'' میں شائع ہو چکا ہے؛ لیکن بعد میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے اپنے اس فتوی سے رجوع بھی کر لیا ہے اور رجوع کا فتویٰ اتفاق سے ''امداد الفتاوی'' میں نہیں آسکا اور حضرت تھانویؒ کی کتاب ''التذکیر والتہذیب، ۳/۸۳'' میں رجوع کا فتوی موجود ہے؛ اس لئے کہ لقمہ دینا در حقیقت تعلیم نہیں ہے؛ بلکہ تذکیر ہے۔ اور ''امداد الفتاوی'' زیادہ متداول ہونے کی وجہ سے جواز کا فتویٰ مشہور ہوگیا ہے۔ اور ''التذکیر والتہذیب'' متداول نہ ہونے کی وجہ سے رجوع کا فتویٰ پردۂ خفا میں رہ گیا ہے؛ لہٰذا قاری کی طرح سامع کے لئے بھی اجرت جائز نہ ہوگی، نیز عدم جواز کا فتویٰ (فتاوی دارالعلوم ۴/ ۲۹۵، احسن الفتاوی ۳/ ۵۱۶ پر موجود ہے) اور بغیر اجرت سامع نہ ملنے کا جو اشکال پیش کیا جارہا ہے، اس سے اہم اشکال قاری نہ ملنے کا بھی کیا جاتا رہا ہے، اور اسی طرح سماعت قرآن پر اجرت لینے میں علماء وحفاظ کے ملوث ہونے کا جو اشکال پیش کیا جارہا ہے، اس سے اہم اشکال تراویح میں قرآن کریم پڑھنے پر اجرت لینے میں بھی علماء وحفاظ کے ملوث ہونے کا کیا جاتا رہا ہے اور ان اشکالات کی طرف شریعت نے کوئی توجہ نہیں دی ہے؛ بلکہ بغیر اجرت قاری وسامع کے نہ ملنے کی صورت میں ''الم ترکیف'' سے تراویح ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/ ۳۶)

(۲) کنسیشن نہیں ملتا ہے، تو پورا کرایہ، ورنہ کنسیشن کا کرایہ وصول کرسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شعبان ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۶۹)

حافظ قرآن کو مسجد کے فنڈ سے آمد ورفت کا کرایہ دینا

سوال [۳۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کی اعانت وامداد کے مخصوص فنڈ سے حافظ تراویح کے آمد ورفت کے کرایہ عمدہ کھانے سحر وافطار کا نظم کرنا کیسا ہے؟

(۲) یا پھر مذکورہ امور کے لئے مسجد کے عام مصلیوں سے چندہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر نمازیوں میں سے تنہا کوئی شخص حافظ صاحب کے مذکورہ اخراجات کی ذمہ داری قبول کرلے تو اس سلسلہ میں کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: رئیس احمد چمپارنی، متعلم خادم الاسلام ہاپوڑ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: (۱-۲) حافظ قرآن کو آمد ورفت کا کرایہ دینا اور مہمان داری کرنا قرآن سنانے کی اجرت میں داخل نہیں ہے؛ لیکن یہ خرچ مسجد کے فنڈ سے نہ دیا جائے؛ بلکہ کوئی سرمایہ دار اپنے طور پر خرچ کرے یا محلّہ کے دو چار افراد آپس میں بخوشی ورضا اس پیسے کا انتظام کریں، کسی پر اسکی وصولی کے لئے دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۴/۴۲۲، جدید زکریا ۶/ ۲۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۵/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/۱۴۲۴ھ

''الم ترکیف'' سے تراویح پر اجرت لینا

سوال [۳۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی ختم قرآن تراویح پر اجرت لے تو یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور سورۂ تراویح پر

اجرت لے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ہدایا اور تحائف لینا کیسا ہے؟ فقط والسلام

المستفتی: فخر الاسلام آسامی، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سورۂ تراویح یعنی ''الم ترکیف'' سے تراویح کی امامت پر اجرت کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ اس صورت میں قرآن سنانا مقصد نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ صرف نفس نماز تراویح مقصد ہوتا ہے اور نماز تراویح اصل ہے اور تراویح کے ضمن میں مختصر سورتیں نماز کے تابع ہیں؛ اس لئے اصل مقصد نماز تراویح ہے اور نماز کی امامت میں اجرت جس وقت کی لینا شرعاً جائز ہے اور ختم قرآن کی صورت میں تراویح کے ساتھ ختم قرآن اہم مقصد ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم سنا کر اجرت لینا اور دینا دونوں حرام ہے؛ اس لئے جائز نہیں ہے۔

والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ٦/ ٥٦)

اور ہدایا وتحائف کے نام سے بھی ناجائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، قدیم ۱/۳۲۲، جدید زکریا ۱/ ۴۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/۷/۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۷/۱۴۱۲ھ

سورۂ فیل سے تراویح پڑھانے پر اجرت لینے کا حکم

سوال [۳۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض لوگ ''الم ترکیف'' کے بعد دس سورت کو لے کر تراویح پڑھاتے ہیں اور اس تراویح پڑھانے کی اجرت لیتے ہیں، کیا یہ اجرت لینا جائز ہے؟

المستفتی: ابوالخیر، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں چونکہ مقصود ختم قرآن پر اجرت نہیں ہے؛ بلکہ محض امامت تراویح پر اجرت لینا ہے؛ لہٰذا ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھانے کی صورت میں اجرت لینا درست ہوگا؛ اس لئے کہ یہ امامت کی اجرت ہے تلاوت کی اجرت نہیں ہے۔

يفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن، والفقه، والإمامة، والأذان.

(درمختار مع الشامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ديوبند ٩/ ٧٦، كراچی ٦/ ٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۶/۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۱۸ھ

تراویح میں ملی ہوئی رقم کو کیا کریں؟

سوال [۳۲۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید رمضان المبارک میں ختم قرآن کے بعد ہدیہ یا نذرانہ لیتا تھا لاعلمی کی بنا پر، مگر اب اس کی حرمت کا علم ہوا تو زید نے سختی کے ساتھ لین دین کو کئی سالوں سے بند کر دیا ہے اور توبہ بھی کر لی ہے، گذشتہ سالوں کا لاعلمی کا لین دین جو ہوا ہے کیا زید کے ذمہ یہ حقوق العباد رہا جب کہ زید پہلے سے ہی اس لین دین سے خوش نہ تھا اور نہ کسی سے کچھ طلب کرتا تھا، اگر ذمہ میں حقوق العباد ہے، تو اس کی معافی کی کیا شکل ہوگی؟ مقتدی کوئی طلب گار بھی نہیں ہے؟

المستفتی: محمد اسلام پریس والے، شیر کوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں: (۱) حقوق العباد، اس کا

مطلب یہ ہے کہ کسی انسان کی ملکیت کواس کی اجازت اور مرضی کے بغیر قبضہ کرنا اور تصرف میں لانا یہ ہرگز جائز نہیں ہے، مالک سے معاف کروانا لازم ہے۔ اور اگر کوئی اپنی ملکیت کو بخوشی کسی کی ملکیت میں دے دیتا ہے، تو معطی لہ اس کا مالک ہوجاتا ہے۔ اور اس ناجائز عمل اور فساد عقد کا تعلق درحقیقت حقوق اللہ سے ہے، دوسری چیز حقوق اللہ ہے، اس میں اگر خرابی آجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ توبہ سے بری ہوجائے گا، اور عقد فاسد کے ذریعہ سے اگر مالک کی رضامندی سے کوئی چیز کسی کی ملکیت میں آجائے تو جب تک وہ چیز موجود ہو واپس کرنا لازم ہوتا ہے، تاکہ فساد عقد کی بنا پر حقوق اللہ میں جو خرابی آئی ہے وہ دور ہوجائے۔ اور اگر وہ چیز موجود نہیں ہے؛ بلکہ ختم ہو چکی ہے تو حدود اللہ سے تجاوز کرنے کی وجہ سے جو گناہ ہوا ہے، وہ اس پر باقی ہے انشاء اللہ تعالیٰ توبہ سے اس کی تلافی ہوجائے گی؛ لہٰذا گذشتہ سالوں میں جو پیسہ قرآن سنا کر ملا ہے اور ختم ہو چکا ہے، تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی جائے اور آئندہ نہ لیا جائے۔ اور اگر وہ رقم موجود ہے اور سب لوگوں کو پہنچانا دشوار ہے تو عام اعلان کر دیا جائے کہ وہ رقم موجود ہے، اگر آپ سب لوگ اجازت دے دیں تو اس رقم کو آپ لوگوں کی طرف سے صدقہ وغیرہ یا فلاں کار خیر میں خرچ کر دیتا ہوں، بری ہونے کا یہ ایک آسان راستہ ہے۔ (مستفاد: بذل المجهود، الطهارة، باب فرض الوضوء، دارالبشائر الاسلامیہ بیروت ۱/ ۳۵۹، میرٹھ ۱/ ۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر محرم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۹۲)

تراویح میں موصول اجرت کا مصرف

سوال [۳۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ''استئجار علی الطاعات'' کی حرمت کے ضمن میں ''استئجار علی

تلاوت القرآن‘‘ کی حرمت پر متقدمین اور متأخرین کا اتفاق ہے، اور بنابریں وجہ اجرت تراویح کے عدم جواز کا فتویٰ ہے؛ لیکن اگر کسی شخص نے اجرت تراویح کو کسی حیلہ سے یا بغیر حیلہ کے قبول کرلیا یا بغیر اس کی رضامندی کے اسے اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، تو اب سوال طلب امر یہ ہے کہ آیا وہ شخص حاصل شدہ رقم کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اسے کسی رفاہی کام میں لگا سکتا ہے؟ مثلاً وہ اس رقم سے کچھ کتابیں خرید کر ایک رفاہی لائبریری قائم کرے اور کسی طرح کے تعصب کے بغیر عام لوگوں کے استفادہ کے لئے اس میں کتابیں جمع کرے، تو بروئے شریعت اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: غلام محمد غفرلہ مقام موڈاسا، ضلع سابرکانٹھا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر تراویح میں قرآن سنانے کی وجہ سے اس کی اجرت بطلب یا بجبور یا امامت کا نام دے کر حیلہ کیا گیا ہو اور مقصود ختم قرآن ہو تو ان تمام صورتوں میں اجرت ناجائز اور حرام ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۳۲۲، جدید زکریا ۱/۴۸۵)

لہٰذا ان تمام صورتوں میں اگر واپس کرنا ممکن نہ ہو تو صدقہ کردینا واجب ہے۔ اور بعض لوگوں نے رفاہ عام میں خرچ کرنے کی گنجائش قرار دی ہے؛ لیکن صدقہ کردینا ہی اصل ہے۔

من اكتسب مالا بغير حق، فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة، والاستئجار على المعاصي والطاعات (إلى قوله) ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (إلى قوله) يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۱/ ۳۵۹، میرٹھ ۱/ ۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۳۲۱)

تراویح میں لی ہوئی اجرت کس طرح واپس کی جائے؟

سوال [۳۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے رمضان شریف میں مصلیان مسجد سے تراویح پر اجرت طے کی اور کلام پاک سنایا، ختم تراویح پر مسجد کی انتظامیہ نے طے شدہ اجرت سے کچھ زیادہ رقم زید کو دی اور کہا کہ یہ ہدیہ ہے اور فرداً فرداً مقتدیوں نے بھی ہدایا کے نام سے پیسے کپڑے دیئے، دیگر سالوں میں اسی مسجد میں زید نے کلام پاک سنایا اور طے کچھ نہیں کیا، مسجد والے خود ہی ایک رقم مسجد سے بخوشی دیتے رہے اور مقتدی بھی ہدایا دیتے رہے، تو اس رقم کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ جب کہ زید کو اب معلوم نہیں ہے کہ کس سال کتنی رقم ملی اور کن لوگوں نے ہدایا دیئے، اس صورت میں زید کیا کرے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقادر بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک میں قرآن کریم تراویح میں سنا کر طے شدہ اجرت لینا اور بنام ہدیہ لینا دونوں ناجائز اور حرام ہیں، دینے والے اور لینے والے دونوں گنہگار ہوں گے۔

إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت، ولا للقارئ ...... ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان، فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زكريا ۹/ ۷۷، كراچی ٦/ ٥٦)

جو کچھ واپس کر سکتے ہیں، اس مسجد کو واپس کر دیں، مقدار معلوم نہ ہو تو تخمینہ لگا کر دے سکتے

ہیں، نیز لوگوں کو اگر فرداً فرداً پہنچا نہ سکیں تو اس مسجد ہی کو واپس کر دیں، نیز توبہ بھی کر لیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۲۹/۳۳)

تراویح میں ملے ہوئے روپیوں کو مسجد میں دینا

سوال [۳۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے تراویح کی نماز پڑھائی اور اس کو لوگوں نے اجرت دینی چاہی، مگر زید نے لینے سے انکار کر دیا، پھر بھی لوگوں نے اصرار کیا، تو اس نے وہ روپئے لے لئے، اب وہ چاہتا ہے کہ ان روپیوں کو مسجد کی ضرورت میں لگا دے گا، تو مسجد میں دینا یا کسی مزدور کو دینا کیسا ہے؟

المستفتی: فروغ احمد، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غریب ناداروں کو دے دینا زیادہ بہتر اور افضل رہے گا۔

ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء.

(بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١/ ٣٥٩، ميرٹھ ١/ ٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۱۲/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۲ھ

کوئی حافظ بلا اجرت تراویح پڑھانے کے لئے تیار نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال [۳۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک مسجد ہے، جس میں تقریباً چار سال سے ختم تراویح کی نماز نہیں ہورہی ہے، صرف روپیوں کی بنا پر اس وجہ سے کہ کوئی بھی حافظ روپیوں کے بغیر نماز تراویح پڑھانے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے، اب ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ اگر تراویح کی نماز پڑھی جاتی ہے، تو ایک گناہ کا ارتکاب کرنا لازم آرہا ہے۔ اور اگر تراویح کی نماز نہیں پڑھی جارہی ہے، تو اب ایسی صورت میں ایک سنت کو ترک کرنا لازم آرہا ہے، تو اب ان دونوں صورتوں میں کون سی شکل اختیار کی جائے آیا اب روپیہ دے کر تراویح کی نماز پڑھی جائے یا سنت تراویح پر ہی اکتفا کیا جائے؛ لہٰذا حضور والا سے درخواست ہے مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

المستفتی: امیرالدین پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجرت پر ختم تراویح سنانا اور سننا "**المعروف کالمشروط**" کے تحت قطعاً ناجائز اور حرام ہے، ایسی صورت میں سننے اور سنانے والے دونوں گنہگار ہوں گے؛ لہٰذا ایسے حافظ سے ختم تراویح سنی جائے جو بلا کسی اجرت اور معاوضہ کے محض رضائے الٰہی کے خاطر قرآن سنائے، اگر ایسے حافظ نہ ملیں تو پھر "الم ترکیف" سے سورۂ تراویح ہی پڑھی جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۴۸۴، احسن الفتاوی ۳/۵۱۴، فتاوی محمودیہ ۱۲/۷ ۳، ۱۴/۳۲، ۷/۱۷۱، فتاوی احیاء العلوم/۱۹۹، فتاوی دارالعلوم ۴/۲۶۳، امداد المفتیین /۳۶۳، عزیز الفتاوی/۲۶۳، فتاوی رحیمیہ ۴/۴۲۲، ۷/۲۹۶، ایضاح المسائل/۲۵-۲۶)

ولا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا. [سورۃ البقرۃ: ٤١]

وان القراءۃ لشيء من الدنیا لاتجوز، وأن الآخذ والمعطي آثمان ...... اقرؤا القرآن ولا تأکلوا بہ. (فتاوی شامي، کتاب الإجارۃ، باب الإجارۃ الفاسدۃ، مطلب في الاستئجار علی الطاعات، زکریا ۹/ ۷٦، ۹/ ۷۷، شامي کراچی

۲/ ۷۳، ٦/ ٥٦، رسالہ ابن عابدين، الرسالة السابعة، بشفاء العليل، وبل الغليل في حكم الوصية بالختمات والتهاليل ۱/ ۱۵۷، ۱/ ۱۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۶/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ

کوئی حافظ بلا اجرت تراویح پڑھانے کے لئے تیار نہیں

سوال [۱۳۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ’’ندائے شاہی‘‘ میں تراویح میں ختم قرآن پر اجرت کالین دین جائز نہیں ہے، اکابر اہل فتویٰ، مشائخ عظام کا متفقہ فتویٰ ص: ۲۵/ ستمبر۲۰۰۴ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے، جس سے سیدھی سی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ختم قرآن پر اجرت کا لین دین قطعاً حرام ہے؛ لیکن موجودہ دور میں ایک معمولی حافظ سے لے کر اچھے پڑھے لکھے قرآن سنانے والے تک بغیر اجرت کوئی بھی قرآن سنانے کے لئے تیار نہیں ہے؛ بلکہ سماعت کرنے والے بھی ایک ہزار سے کم اجرت لینے پر تیار نہیں، اس کا ذمہ دار کون ہوگا، عوام یا خواص؟ اور اگر مجھ جیسے کم فہم آدمی کو بلا اجرت قرآن سنانے والا نہیں ملتا تو اجرت پر قرآن سننا کیسا ہے؟ مسجدوں میں امامت کرنے والے سب سے پہلے سوال کرتے ہیں کہ یہاں پر کیا آمدنی ہے، تو گاؤں والے بتاتے ہیں کہ اتنا اناج ملتا ہے اور اتنی رمضانی ملتی ہے، اب اگر امام کو معاوضہ نہیں ملتا تو امام صاحب ایسی جگہ پر امامت کے لئے تیار نہیں ہوتے ایسے حالات میں امام کو اجرت دینا یا اس کو ضروریات زندگی کا خرچ اور بار اٹھانے کی سوچ رکھتے ہوئے رمضان میں ان کو دینا کیسا ہے؟ جس میں قرآن کی اجرت کے بجائے امام کی خدمت کا خیال ہو تو کیسا ہے؟

المستفتی: محبوب بھائی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر رمضان میں بلا اجرت ختم قرآن کے لئے حافظ نہ

ملے تو بارہ مہینے جو امام نماز پڑھاتے ہوں، ان کے ذریعہ سے ''الم ترکیف'' سے تراویح پڑھ لینی چاہئے؛ اس لئے کہ ختم قرآن سنت ہے اور اس پر اجرت لینا دینا حرام ہے۔ اور ایک سنت کی ادائے گی کے لئے حرام کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں ہے، اس کی پوری تفصیل اس فتویٰ میں موجود ہے، جس کا سوال نامہ میں حوالہ ہے اور حافظ قرآن کی ضروریات زندگی اور خرچ کا بار اس کی مستقل آمدنی کا ذریعہ ہوگا، اگر ملازم ہے تو ملازمت سے، کاروباری ہے، تو کاروبار سے۔ اور اگر امامت سے اس کا خرچ پورا نہیں ہوتا، تو اس کی تنخواہ بڑھا دی جائے جس سے اس کی تمام ضروریات پوری ہو سکیں، یہی اس کے لئے لحاظ ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، قدیم ۱/۳۸۲، جدید زکریا ۳/۵۲۲، امداد المفتیین /۳٦۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۴/۸٦۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۱۳ھ

جس مسجد میں نذرانہ لینے دینے کا معاملہ نہ ہو اس میں انفرادی طور پر کچھ دینا

سوال [۳۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں رمضان المبارک میں ختم قرآن کے موقع پر قاری اور سامع کو بطور نذرانہ مسجد کی طرف سے کچھ پیسے اور کپڑے دئے جاتے تھے، جب علم ہوا کہ ختم قرآن پر لینا دینا درست نہیں ہے، تو مسجد میں اعلان کر دیا گیا کہ ختم قرآن پر نذرانہ لینا دینا درست نہیں ہے، مسجد والوں نے شرعی حکم سن کر سننے سنانے والوں کو دینا بند کر دیا، اب سننے سنانے والوں کو بھی یہ علم ہے کہ یہاں مسجد میں لین دین بند ہے؛ لیکن کسی سال ایسا ہو جاتا ہے کہ مقتدیوں میں سے کوئی سنانے والے یا سننے والے کو یا دونوں کو اپنی جیب سے کچھ انعام دے دیتا ہے، حالانکہ مسجد کے فنڈ سے یا چندہ سے لین دین بالکل بند ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر مسجد میں لینا دینا بالکل بند ہو، پھر اتفاقی طور پر کوئی مقتدی سننے سنانے والے کو کچھ دے دے تو کیا یہ بھی

اجرت علی الطاعات میں آ کرنا جائز ہے؟ کیا یہاں ”المعروف کالمشروط“ کا قاعدہ چلے گا جب کہ عرفاً لین دین بند ہے؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں لینے دینے کا سلسلہ ختم کردیا بہت اچھا ہوا اور کسی کا انفرادی طور پر دینے کی جو بات کہی گئی تو سوال یہ ہے کہ مسجد میں کیوں دیا جاتا ہے؟ اگر کسی کو حافظ یا سامع سے خصوصی تعلق ہے اور وہ اسی بنیاد پر دیتا ہے، تو حافظ صاحب یا سامع کے گھر یا رہائش گاہ میں جا کر کیوں نہیں دیتا؟ اگر خصوصی تعلق کی بنا پر کچھ دینا ہے، تو رہائش گاہ میں جا کر دینا چاہئے، اگر مسجد میں اس طرح دینے کا سلسلہ شروع ہوگا، تو پھر ایک آدھ سال کے بعد وہی بات سامنے آنے لگے گی کہ ”المعروف کالمشروط“ (شامي، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زکریا ۹/ ۷۷، کراچی ۶/ ۵۵) کے ضابطہ میں داخل ہو کر ناجائز ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۵ھ

حافظ صاحب کو رکشہ کرایہ دینا کیسا ہے؟

سوال [۳۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حافظ صاحب تراویح پڑھانے کے لئے ایک کلومیٹر دور سے تشریف بر کشہ لاتے ہیں، تو کیا ان کو رکشہ کا کرایہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شمیم محلّہ جولاہان، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ صاحب کے لئے لینا جائز اور دینے والوں کے لئے موجب ثواب ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ارمحرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۷۰)

ختم قرآن کے موقع پر مستقل امام کو روپیہ پارچہ دینا

سوال [۳۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مستقل امام ہے، رمضان شریف میں قرآن کریم سناتا ہے، مقتدی حضرات چندہ کرکے ختم والے دن روپیہ اور پارچہ وغیرہ دیتے ہیں، کیا مستقل امام کے لئے یہ لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: صبغت اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستقل امام کو چندہ کرکے دینے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) تقرر کے وقت یہ طے کرکے رکھا ہے کہ ماہانہ تنخواہ اتنی ہوگی اور رمضان المبارک میں ہر سال اتنا اضافہ ملتا رہے گا۔ اور امام کو رمضان میں اضافہ کے ساتھ دینے کے لئے چندہ کیا جاتا ہے اور ختم کے موقع پر وہی اضافی رقم امام کو دی جاتی ہے، تو یہ قرآن سنانے کی اجرت نہیں ہے؛ بلکہ سالانہ واجبی تنخواہ ہے، اس کے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور ذمہ داران پر اس کا دینا واجب ہے۔

(۲) تقرر کے وقت طے نہیں ہوا، مگر مقتدیوں کا معمول ہے کہ تنخواہ کم ہونے کی وجہ سے رمضان میں امام کو تعاون کرنے کے لئے چندہ کیا جاتا ہے اور ان لوگوں سے چندہ لیا جاتا ہے جو بخوشی دیتے ہیں، تو یہ بھی درست ہے؛ لیکن اگر صرف قرآن سنانے کی وجہ سے ہی چندہ

کرکے اس امام کو دیا جاتا ہے، تو پھر یہ ختم قرآن کی اجرت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۴/ ۴۲۷، جدید زکریا ۶/ ۲۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رمحرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۴۴)

مستقل امام کو رمضان میں زائد ملنے والی تنخواہ تراویح کی اجرت نہیں

سوال [۳۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز پنج گانہ کے مستقل ائمہ کرام جو علماء اور حفاظ بھی ہوں یا صرف حافظ قرآن ہوں، رمضان المبارک میں مکمل قرآن کریم تراویح میں سنانے پر دیگر حفاظ کرام کی طرح انہیں بھی مصلیان کرام سے چندہ لے کر کپڑے اور نقد رقم بطور نذرانہ دی جاتی ہے، تو کیا ان مستقل ائمہ اور حفاظ کرام کے لئے وہ نذرانہ لینا جائز ہے یا عارضی حفاظ تراویح کے نذرانہ کی طرح ناجائز ہے؟ ان دونوں نذرانوں میں کوئی فرق ہے جواز اور عدم جواز کے بارے میں یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟ یعنی ناجائز۔

(۲) اگر ایسا کیا جائے کہ ان مستقل حفاظ ائمہ کو وہی نذرانہ بجائے سب کے سامنے اعلان کرکے دینے کے کمیٹی کے کچھ افراد اور معززین محلّہ بعد ختم قرآن پاک (۱) رات میں گھر پر لے جا کر دیں (۲) یا ۲۷/ ۲۸/ ۲۹/ ویں روزہ کو مسجد میں یا گھر میں لے جا کر دیں (۳) ۲۴/ ۲۵/ ۲۶ ویں روزہ کو گھر پر لے جا کر دیں، تو کیا یہ جائز ہوگا یا ناجائز ہی رہے گا؟

(۳) خلعت ونذرانہ کے بجائے تمام خادمین مسجد کو بشمول امام صاحب جنہوں نے مکمل قرآن کریم سنایا ہے نائب امام صاحب مؤذن صاحب وغیرہ کو ان حضرات کی ضروریات واخراجات کا لحاظ کرتے ہوئے بطور خدمت جن کی جو تنخواہ ہے، ہر ایک کو ایک تنخواہ زائد دی جائے یہ شرعاً کیسا ہے؟

(۴) مستقل ائمہ کرام کوقرآن پاک سنانے کے بعد ہدیہ لینے اور دینے کی کوئی شکل جو بلا کراہت باتفاق مفتیان کرام جائزہو واضح فرمائیں ،تا کہ اس کے مطابق عمل کیا جاسکے؟

المستفتی: وقایت اللہ خالد قاسمی ،دارالعلوم کریلا ،محلّہ جاہ ،ناندیڑ،مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستقل امام کورمضان میں جوزائد ملتا ہے وہ سالانہ آمدنی اورتنخواہوں کا جزو ہوتا ہے۔اور امام کےتقرر کے وقت جانبین میں اس کا لحاظ ملحوظ رہتا ہے۔اوران کی ماہانہ تنخواہ اتنی نہیں ہوتی ہے جتنے پر وہ مطمئن ہوں ؛لیکن سال کے آخر میں رمضان کے موقع پر معتد بہ رقم ملتی ہے،اسی پراعتماد کرکے کم تنخواہ پرامام رکا رہتا ہے۔ اوربعض جگہوں پرتقرر کےوقت اس کی صراحت ہوتی ہے کہ ماہانہ اتنا ملے گا اور رمضان میں اتنا ملے گا۔اوربعض جگہ جانبین میں ملحوظ رہتا ہےصراحت نہیں رہتی۔اوردیہات میں دو فصلوں میں غلہ دینے کا ذکر ہوتا ہے، پھر رمضان میں ایک موٹی رقم دینے کا عرف ودستور ہوتا ہے،ان سب صورتوں میں رمضان کی اضافہ شدہ رقم امام کی سالانہ آمدنی اورتنخواہ میں شامل ہوتی ہے،اسی وجہ سے اگر رمضان میں کوئی دوسرا حافظ تراویح میں قرآن سناتا ہوتب بھی مستقل امام کورمضان میں الگ سے اضافی رقم ملتی ہے،اس لئے اگرمستقل امام تراویح میں قرآن سنائے اس کے بعدزائد رقم اس کومل جائے تو قرآن سنانے کی اجرت شمار نہیں ہوگی؛ بلکہ سالانہ آمدنی میں شامل ہوجائے گی، اس تفصیل سےسوال نامہ کے ہر گوشہ کا جواب واضح ہوچکا ہے۔

لا تصح الإجارة لأجل الطاعات ...... مثل الإمامة، ويفتى اليوم بصحتها ...... للإمامة. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٦)

أما شرائط الصحة، فمنها: رضا المتعاقدين. (هندية، مطلب أنواع

الإجارة وحكمها وكيفية انعقادها وصفتها، زكريا قديم ٤/ ٤١١، جديد ٤/ ٤٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

تراویح میں امام صاحب کا قرآن پڑھا کر پیسہ لینا

سوال [٣٣٠٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تراویح میں امام صاحب کا قرآن پڑھا کر پیسہ لینا اور احباب کمیٹی کا چندہ کر کے پیسہ دینا کیسا ہے؟ اور نہ دینے والے یا کم دینے والے احباب کمیٹی پر امام صاحب کا اعتراض کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں مسجد میں اس قدر زیادہ دیتے ہیں، آپ اتنے کم دیتے ہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ دوسرے حفاظ بغیر پیسہ کے بخوشی پڑھانے کے لئے تیار ہیں؟ گزارش ہے کہ ہر ایک سوال کا تفصیل سے جواب لکھیں۔

المستفتی: عبدالرشید خان، نرمل عادل آباد، آندھرا پردیش
09059212786

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تراویح میں ختم قرآن پر پیسہ لینا ناجائز اور حرام ہے، نیز ختم قرآن پر حافظ صاحب کا مانگ کر لینا بھی ناجائز ہے۔ اور یہ کہنا بھی ناجائز ہے کہ دوسری مسجد میں زیادہ مل رہا ہے، اگر وہ قرآن سنانے کی بنیاد پر مل رہا ہے، تو وہ بھی ناجائز ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۵/ ۲۸۱-۲۸۲)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا. [سورة البقرة: ٤١]

قال عليه السلام: اقرؤا القرآن ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به، ولا

تجفوا عنه، ولا تغلوا فيه. (مصنف ابن أبي شيبة، الصلاة، في الرجل يقوم بالناس في رمضان، فيعطى، موسسة علوم القرآن، جديد ٥/ ٢٤٠، رقم: ٧٨٢٥)

من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم.

(شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٣٣، رقم: ٢٦٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۲۷ھ

مستقل امام صاحب کو ختم تراویح کے موقع پر ہدیہ دینا

سوال [۳۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ختم قرآن کریم پر اگر سامع کو بغیر کسی معاوضہ کے کچھ ہدیہ یا تحفہ دے دیا جائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(۲) اگر مستقل امام کسی حافظ قرآن کا قرآن سن رہا ہے اور بروز ختم قرآن بروقت بغیر کسی معاوضہ کے کچھ ہدیہ اس مستقل امام سامع کو دے دیا جائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(۳) نیز یہ مسئلہ بھی زیر غور ہے کہ اگر کوئی مستقل امام ہے اور ہر رمضان کو قرآن کریم سنا رہا ہے، تو اس کو اگر کچھ دے دیا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے، یہ مسئلہ کہاں تک درست ہے؟ کیا ایسے امام کے لئے بحالت قراءت یا بحالت سماع بغیر کسی معاوضہ کے لینا درست ہے؟

المستفتی: عبدالجلیل خادم جامعہ عربیہ سراج العلوم ٹنڈی کلاں کھرولیا، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تراویح میں ختم قرآن پر امام یا سامع کو ہدیہ یا تحفہ کے نام سے جو نذرانہ دینا معروف اور مشہور ہے، وہ اجرت کے درجہ میں ہو جاتا ہے؛ اس لئے ناجائز ہے۔

(۲-۳)اور جو مستقل ہمیشہ کے لئے امام ہے، اس کو دینے کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ مستقل امام کو جو دیا جاتا ہے، وہ سال بھر کی تنخواہ کے اندر سالانہ آمدنی شمار ہوتی ہے، قرآن سننے یا سنانے کے متعلق نہیں ہوتی ۔ (مستفاد محمودیہ، قدیم ۷/ ۱۷۱، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۷، فتاوی دار العلوم ۴/ ۲۹۵)

ويمنع القارئ للدنيا والآخذ والمعطي آثمان. (شامي، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، كراچی ٦/ ٥٦، زكريا ٩/ ٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　　الجواب صحیح:
۲۹؍ شوال ۱۴۲۲ھ　　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۷۸)　　　۱۴۲۲/۱۰/۲۹ھ

مسجد کے مستقل امام کو تراویح میں نذرانہ دینا

سوال [۳۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو حافظ صاحب تراویح میں قرآن پاک سنا رہے ہیں، وہ مستقل امام بھی ہیں اور تنخواہ بھی لیتے ہیں، کیا ان کو نذرانہ کے طور پر روپیہ یا جوڑا وغیرہ دینا مسجد کے فنڈ سے صحیح ہے یا نہیں؟ اگر مسجد کے فنڈ سے نذرانہ دیا گیا تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ مدلل اور مفصل بیان کیجئے۔

المستفتی: اہل محلّہ مسجد قاضی باغ کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حافظ مسجد کا مستقل اور سال بھر کا پرانا امام ہے اور وہ سلسلۂ امامت کے ساتھ ختم تراویح بھی سناتا ہے، تو رمضان میں ختم تراویح کے موقع پر جو کچھ بھی دیا جائے وہ اس کی سالانہ آمدنی اور تنخواہ میں سمجھا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے وہ امامت بھی کرتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں ایسے مستقل امام کو روپیہ یا جوڑا وغیرہ دینا جائز اور درست ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ختم قرآن کے موقع پر نہ دیا جائے؛

بلکہ اس سے پہلے یا بعد میں دیا جائے؟ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۱۲/۱۸۰، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

امام صاحب کا رمضان میں تنخواہ سے زائد اجرت لینا

سوال [۳۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو حفاظ کرام مساجد کے مستقل امام ہوتے ہیں اور رمضان المبارک میں قرآن پاک سناتے ہیں، کیا ان کو مسجد کے فنڈ یا عوامی چندہ سے تنخواہ سے زائد روپیہ یا جوڑ اوغیرہ دینا ختم قرآن کے موقع پر جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تلاوت قرآن کے ختم پر جو قراء حضرات "صدق اللہ العظیم" پڑھتے ہیں، کیا اس کا ثبوت کسی حدیث یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد رحمت اللہ دربھنگوی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حافظ مسجد کا مستقل اور سال بھر کا پرانا امام ہے اور وہ سلسلۂ امامت کے ساتھ ختم تراویح بھی سناتا ہے، تو رمضان میں ختم تراویح کے موقع پر جو کچھ بھی دیا جائے وہ اس کی سالانہ آمدنی اور تنخواہ میں سمجھا جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے وہ امامت بھی کرتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں ایسے مستقل امام کو روپیہ یا جوڑ اوغیرہ دینا جائز اور درست ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ ختم قرآن کے موقع پر نہ دیا جائے؛ بلکہ اس سے پہلے یا بعد میں کسی اور موقع پر دیا جائے؟ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، قدیم ۷/ ۱۷۰، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۶۷)

(۲) تلاوت قرآن سے فراغت پر "صدق اللہ العظیم" پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں

ہے؛ البتہ امام غزالی نے اپنی کتاب ''احیاء العلوم'' میں تلاوت قرآن سے فراغت کے وقت اس کو پڑھنا آداب تلاوت میں شمار فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

ولیقل عند فراغه من کل سورة ''صدق الله تعالیٰ، وبلغ رسول الله صلی الله علیه وسلم. (إحياء العلوم ١/ ١٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۷؍۱۴۲۵ھ

رمضان میں امام صاحب کو مقتدی حضرات کا تحفہ تحائف دینا

سوال [۳۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ کا فتویٰ حافظ قرآن کا تراویح میں اجرت لینے کے بارے میں ''ندائے شاہی'' ستمبر ۲۰۰۴ء کے شمارہ میں پڑھا، بحمد اللہ بہت ہی تفصیلی اور معلوماتی فتویٰ ہے، اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے- آمین- مگر حافظ امام معین کے بارے میں کچھ باتیں وضاحت طلب ہیں، تاکہ اس پہلو کی تشنگی بھی باقی نہ رہے، جیسا کہ یہ عام ہے مساجد کے ائمہ کے لئے رمضان المبارک میں تعاون کیا جاتا ہے، امام چاہے قرآن سنائے یا نہ سنائے، بہر صورت رمضان المبارک کی ستائیس کو اور کبھی بعد میں مقتدی حضرات خاموش طریقہ سے چندہ کر کے ہدیہ کے نام سے دیتے ہیں۔ اور کبھی عیدی کہہ کر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ امام کا حق ہے؛ لہٰذا بتائیں کہ حافظ امام معین کا تعاون اس طرح کریں، تو اجرت کے دائرہ میں آتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ولی محمد عفی عنہ، امام جامعہ ابوبکر صدیق فتح پور، محلّہ بیوپاریان، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ صاحب جو مسجد کے مستقل امام ہیں اور سلسلۂ

امامت کے ساتھ ختم تراویح بھی سناتے ہیں،تو رمضان میں ختم تراویح کے موقع پر جو کچھ بھی دیا جائے وہ ان کی سالانہ آمدنی اور تنخواہ میں سمجھا جاتا ہے۔اور اس کی وجہ سے وہ امامت بھی کرتے ہیں؛لہٰذا ایسی صورت میں ایسے مستقل امام کو روپیہ یا جوڑا وغیرہ دینا جائز اور درست ہے۔ یہ اجرت کے دائرہ میں داخل نہیں ہوگا؛ لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ ختم قرآن کے موقع پر نہ دیا جائے؛ بلکہ اس سے پہلے یا بعد میں دیا جائے، تاکہ شکوک وشبہات باقی نہ رہیں۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۱۸۰، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۸/۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۸/۱۴۲۵ھ

ختم تراویح کے موقع پر حافظ صاحب کے علاوہ امام ومؤذن کو تنخواہ بڑھا کر دینا

سوال [۳۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) رمضان شریف میں ختم قرآن کے موقع پر حفاظ کو جو ہدیہ مسجد کی کمیٹی کی جانب سے یا مخصوص افراد سے چندہ کر کے دیا جاتا ہے، اس کا لینا کیسا ہے؟ کیا اس کے جواز کا کوئی حیلہ ہے؟

(۲) رمضان میں ختم قرآن ہی کے موقع پر تراویح سنانے والے حافظ صاحب کے علاوہ مسجد کے امام مؤذن صاحبان اور خادم مسجد کو بھی مقررہ تنخواہ کے علاوہ ہدیہ پیش کیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر مذکورہ پیسہ لینا کسی طرح جواز کے درجہ میں نہیں آتا تو جو حافظ اس سے قبل چند سالوں سے یہ رقم لیتا رہا ہو، اب وہ اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے، تو اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ جب کہ یہ معلوم بھی نہ ہو کہ گذشتہ کئی سالوں سے کس شخص نے کتنا پیسہ دیا تھا، براہ کرم بالتفصیل اس مسئلہ کو جس میں ابتلاء عام ہے واضح فرمائیں۔

المستفتی: مقبول ایاز خان، منڈولی شاہ پور حسن پور، ضلع سلطانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر مسجد کمیٹی کی طرف سے جو رقم دی جاتی ہے، اس کا نہ لینا جائز نہ دینا جائز؛ بلکہ لینے والے اور دینے والے دونوں گنہگار رہوں گے اگر چہ پہلے سے کچھ متعین نہ کیا جائے؛ اس لئے کہ نفس اجرت پہلے سے فریقین کے ذہن میں مرکوز ہوتی ہے؛ لہٰذا ”**المعروف کالمشروط**“ کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں۔

وإن القراءة لشيء من الدنیا لا تجوز، وأن الآخذ والمعطي آثمان؛ لأن ذلک یشبه الاستئجار علی القراءة، ونفس الاستئجار علیها لایجوز، فکذا ما أشبه. (شامي، باب قضاء الفوائت، مطلب في بطلان الوصیة بالختمات والتهالیل، کراچی ۲/ ۷۳، زکریا ۲/ ۵۳٤)

(۲) جو شخص پنج گانہ امام ہے اور اس نے پورے سال امامت کا فریضہ ادا کیا ہے، اسی طرح مؤذن و دیگر خدام مسجد کے لئے اگر چندہ کیا جائے اور مصلی بخوشی چندہ دیتے ہوں، تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں؛ اس لئے کہ ان حضرات کا قرآن سنانے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۴/ ۴۲۷، جدید زکریا ۶/ ۲۵۸، فتاوی محمودیہ، قدیم ۱۰/ ۲۵۵، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۷۴)

(۳) ظاہر بات ہے کہ وہ رقم حافظ صاحب کو مسجد کے کسی ذمہ دار کے ہاتھ سے ملی ہوگی، بس حافظ صاحب وہ رقم مسجد کے ذمہ دار کے حوالہ کردیں، اس سے حافظ کے ذمہ سے اس کا وبال ساقط ہو جائے گا، باقی مصلیوں کو واپس کرنا اس ذمہ دار کی ذمہ داری ہے۔

ویجب رده لو قائما ورد مثله، أو قیمته لو مستهلکا. (شامي، کتاب البیوع، باب الربو، کراچی ۵/ ۱٦۹، زکریا ۷/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۲۰ھ

رمضان میں تراویح سنانے والے مستقل امام کو تنخواہ بڑھا کر دینا

سوال [۳۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص مسجد کا امام ہے اور رمضان شریف میں اس نے تراویح میں قرآن شریف بھی سنایا ہے اور اس کی ایک ہزار ماہانہ تنخواہ تھی، اب اس کو جب تنخواہ دی تو بڑھا کر ڈھائی ہزار روپئے دے دی، تو کیا اس صورت میں اس کے لئے یہ روپئے لینا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) عام طور سے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے اندر الوداع الوداع ضروری سمجھ کر پڑھتے ہیں، تو کیا اس کا پڑھنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: نظام الدین متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر غیر حافظ امام کو بھی اسی طرح رمضان المبارک اور عیدین کے موقع پر اضافہ کرکے دیا جاتا ہے، تو اس حافظ کو بھی جو مستقل امام ہے، تنخواہ پر اضافہ کرکے دینا جائز ہے؛ لیکن اگر غیر حافظ مستقل امام کو اضافہ کرکے نہیں دیا جاتا ہے، تو حافظ امام کو بھی دینا جائز نہ ہوگا۔

(۲) رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں خطبہ الوداعی پڑھنا دورِ نبوت، دورِ صحابہ اور ائمہ مجتہدین اور فقہ کسی سے بھی ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی، زکریا ۱/ ۶۸۵، فتاوی دارالعلوم ۵/ ۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۱۸ھ

مستقل امام کو ختم تراویح کے موقع پر ڈبل تنخواہ دینا

سوال [۳۳۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مساجد کے اماموں کو جو رمضان شریف میں تراویح وغیرہ کے ختم پر کچھ لیتے نہ ہوں، اگر یہ امام حضرات رمضان میں اخراجات کے پیش نظر اپنی تنخواہ کا معاملہ دوگنا کرالیں تو کمیٹی اس ماہ میں بڑھا کر دے سکتی ہے یا نہیں؟ اور لینا کیسا ہے؟ اور ”**المعروف کالمشروط**“ کے دائرہ میں آتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد غفران مدرس وخطیب مسجد مدرسہ تعلیم القرآن، شیرکوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مستقل سال بھر کا امام ہے اور وہ رمضان میں تراویح بھی سناتا ہے، پھر عید کے موقع پر اس کی تنخواہ دوگنی کردی جائے یا کم وزیادہ اسے پیسہ دیا جائے، تو وہ سالانہ آمدنی میں شمار ہوگا وہ صرف قرآن سنانے کی بنا پر اجرت شمار نہ ہوگی، نیز جس طرح مدارس کے ملازمین اور اساتذہ کو تعطیل کلاں رمضان میں چھٹی ملتی ہے اور چھٹیوں میں کام کرنے کے نتیجہ میں ڈبل تنخواہ ملتی ہے، اسی طرح مسجد کے اماموں کا بھی حکم ہے؛ لیکن مستقل امام کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو تراویح میں قرآن سنانے کے بعد کم یا زیادہ کچھ رقم دی جائے وہ جائز نہیں، چاہے رمضان میں بعض فرض نماز بھی پڑھا دیتا ہو۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۸، امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۲۲، جدید زکریا ۱/ ۴۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴؍ شعبان ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۰۹)	۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

رمضان میں امام کا ڈبل تنخواہ لینا

سوال [۳۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی عالم یہ طے کرکے آئے کہ میں رمضان المبارک میں کلام پاک سنوں یا سناؤں گا تو ڈبل تنخواہ لوں گا، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ریحان اسرائیلی کالاگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: کوئی عالم یہ طے کرکے آئے کہ رمضان المبارک میں کلام پاک سنوں یا سناؤں گا تو ڈبل تنخواہ لوں گا؟ لفظ ''ڈبل'' تنخواہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ پہلے سے وہاں کا مستقل امام ہے یا مستقل امامت کے لئے شرط لگا رہا ہے۔ اور مستقل امام کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ تعطیل کے زمانہ میں وقت دینے کی بنا پر ڈبل تنخواہ حاصل کرے، جیسا کہ مدارس میں رمضان میں تعطیل کلاں ہوتی ہے اور بغیر کام کئے ماہ رمضان کی تنخواہ ملتی ہے، اب اگر امام اسی طرح ماہ رمضان کی چھٹی میں رہنا چاہتا ہے اور اسے چھٹی کے دنوں کی تنخواہ ملتی ہے، ایسے حالات میں مسجد والے چھٹی کے ایام میں اس کو روکنا چاہیں تو وہ ڈبل تنخواہ کا مطالبہ کرسکتا ہے چاہے وہ قرآن سنائے یا محض پنج گانہ پڑھائے، دونوں صورتوں میں ڈبل تنخواہ کی اجازت ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص مستقل امام نہیں ہے، صرف رمضان میں قرآن سنانے کے لئے آتا ہے، تو اس کے لئے کسی طرح کا کوئی پیسہ لینا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور اگر کسی مسجد میں رمضان کے ایام میں امام کو چھٹی ہی نہیں ملتی ہے، تو اس مسجد میں تقرر کے وقت امام یہ شرط لگا سکتا ہے کہ اگر میں رمضان میں امامت کی غرض سے رکا رہوں گا تو ڈبل تنخواہ لوں گا، چاہے قرآن سنائے یا نہ سنائے، اس طرح کی شرط لگانا جائز ہے، قرآن سنانے یا سننے یا نہ سنانے تینوں صورتوں میں مستقل امام کے لئے شرط لگانا جائز ہے۔

لقوله عليه السلام: والمسلمون على شروطهم. (ترمذي، باب ما ذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية، ۱/ ۲۵۱، دارالسلام، رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۱/۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۵۰)

مستقل امام کو ملنے والے تراویح کے نذرانہ کی شرعی حیثیت

سوال [۳۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: مستقل امام کے بارے میں معلوم کرنا ہے، جو آدمی مستقل کسی مسجد میں امام ہے، سات آٹھ سال سے اور وہ حافظ بھی ہے اور ہر سال سناتا بھی ہے۔ اور ختم پر لوگ اس کو دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ تم تو مستقل امام ہو تم ایک عرصہ سے ہمارے یہاں امامت کررہے ہو اور یہ کہ ہم کچھ دیں یا نہ دیں مستقل امام ہونے کی وجہ سے تم کو تو سنانا ہی ہے، نیز مستقل اماموں کا بھی خیال یہی ہے کہ مستقل امام کے لئے ختم قرآن پر ہدیہ لینا درست ہے، تو اس طرح مستقل امام کا لینا اور مقتدیوں کا دینا درست ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ مستقل امام کے لئے کوئی حیلہ یا گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد عاصم کاظم پوردیوی، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حافظ مسجد کا مستقل اور قدیم امام ہو اور وہ امامت کے ساتھ ختم تراویح بھی سناتا ہو، تو رمضان میں ختم تراویح کے موقع پر جو کچھ دیا جاتا ہے، اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ مستقل امام ختم قرآن کے ذریعہ سے تراویح نہ پڑھائے؛ بلکہ ''الم ترکیف'' سے پڑھائے تب بھی ختم تراویح کے دن یا اس سے آگے پیچھے امام کو کچھ دیا جاتا ہو اور امام بھی اپنا حق سمجھتا ہو اور مقتدی و ذمہ داران بھی اپنا فرض سمجھتے ہوں، کہ یہ امام کی سالانہ آمدنی ہے، تو ایسی صورت میں اگر اسی امام نے ختم قرآن کے ذریعہ تراویح پڑھائی ہو تو اس کو ختم قرآن کے موقع پر دینا درحقیقت ختم قرآن کی اجرت نہیں ہے؛ بلکہ امام کی سالانہ آمدنی کا جزو ہے، لہٰذا اس کا دینا لینا دونوں جائز ہے؛ لیکن یہ چیزیں ختم قرآن کے دن دینا شکوک وشبہات پیدا کرنے والی ہیں، اس لئے اگر مستقل امام کو دینا ہے، تو ختم قرآن کے دن نہ دیں؛ بلکہ چند دن پہلے یا اس کے بعد دے دیں، نیز ختم قرآن کے موقع پر دینے سے بہت سے لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ ختم ہی کی اجرت ہے۔ اور اگر امام ختم قرآن کے ذریعہ تراویح نہ پڑھائے؛ بلکہ ''الم ترکیف'' سے پڑھادے اور امام کو اس صورت میں کچھ نہ دیا جاتا ہو اور نہ ہی امام اپنا کچھ حق سمجھتا ہو اور نہ ہی مقتدی و دیگر ذمہ داران اپنا فرض سمجھتے ہوں کہ امام

کو کچھ دینا چاہئے، تو ایسی صورت میں ختم قرآن کے موقع پر مستقل امام کے لئے بھی کچھ لینا جائز نہ ہوگا اور اس کا تجزیہ اپنے اپنے علاقہ کے لوگ خود کرلیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۱۷۰، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

تنخواہ میں اضافہ کر کے اجرت علی التراویح کا حیلہ

سوال [۳۳۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عام دستور سے زائد ایک ماہ کی بڑی تنخواہ طے کر کے قرآن سنایا جائے تو کیا اس طرح درست ہوگا، برائے کرم جواب باصواب سے مشکور فرمائیں۔

المستفتی: عبد الرحیم بڈیڈوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت کا جو حیلہ سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے، یہ محض نام کا حیلہ ہے، حقیقت میں قرآن سنانے کی اجرت ہے؛ اس لئے شرعاً نہ ایسا حیلہ جائز ہے اور نہ ہی تنخواہ کے نام سے قرآن سنانے کی اجرت دینا جائز ہے؛ بلکہ یہ شکل "وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا" [سورة البقرة: ٤١] کی وعید میں داخل ہو کر جائز نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲ھ

۲۶/ باب صلاة المسافر

کسی کی اقتداء میں نماز کے لئے سفر کی ممانعت اور حصولِ علم وحصول فیض کے لئے اجازت

سوال [۳۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی بڑی شخصیت کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے مسافت سفر طے کرنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: محمد یعقوب غازی آبادی، متعلم شعبہ افتاء مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نیک اور بڑے لوگوں کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے سفر شرعی طے کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے؛ البتہ صالحین کی زیارت اور ان کی صحبت اختیار کرنے اور ان سے دین سیکھنے اور ان سے حصول علم کے لئے اور ان سے فیض حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا جائز اور حدیث سے ثابت ہے۔

عن البراء –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ الصلاة خلف رجل ورع مقبولة والهدية إلى رجل ورع مقبولة والجلوس مع رجل ورع من العبادة والمذاكرة معه صدقة. (جامع الأحاديث ٦/ ١١٣، رقم: ١٣٧٦٥)

أما قصد غير المساجد من الراحلة في طلب العلم، وزيارة الصالحين، والإخوان، والتجارة، والتنزه ونحو ذلک، فليس داخلا فيه.

(إعلاء السنن، کراچی ٥/ ١٥٠، دارالکتب العلمية بيروت ٥/ ٢٠٥)

عن عائشة –رضي الله عنها– أنها كانت تقول المتقون سادة العلماء، والفقهاء، وقادة أخذ عليهم أداء مواثيق العلم، والجلوس إليهم بركة، والنظر إليهم نور. (كنز العمال ٢/ ٤٢، رقم: ٥٦٥٠)

رحل جابر بن عبدالله مسيرة شهر إلى عبدالله بن أنيس في حديث

واحد. (بخاري شريف، كتاب العلم تحت ترجمة الباب الخروج في طلب العلم ١/ ١٧)

عن أبي أمامة قال: قال رسول الله ﷺ: إن لقمان قال لابنه: يا بني! عليك بمجالس العلماء، واستمع كلام الحكماء، فإن الله يحيى القلب الميت بنور الحكمة كما يحي الأرض الميتة بوابل المطر. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٨/ ١٩٩، رقم: ٧٨١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۶۱)

دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے سفر کی ممانعت

سوال [۳۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان کے آخری جمعہ کو دور دراز سے لوگ دہلی کی جامع مسجد میں الوداعی جمعہ پڑھنے کے لئے جاتے ہیں، کیا بڑے شہروں کی جامع مسجد کے لئے دوسرے اضلاع سے سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد نعمان ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان المبارک کے آخری جمعہ پڑھنے یا کوئی اور نماز پڑھنے کے لئے دور دراز کا سفر کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ صرف تین مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے دور دراز کا سفر کرنا مشروع ہے: (۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد اقصیٰ، ان کے علاوہ باقی کسی بھی مسجد میں نماز کے لئے مسافت سفر طے کرنا مشروع نہیں ہے۔

عن شهر بن حوشب قال: سمعت أبا سعيد وذكرت عنده الصلاة في الطور، فقال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ينبغي للمصلي أن يشد

رحاله إلى مسجد تبتغي فيه الصلاة غير المسجد الحرام، والمسجد الأقصى، ومسجدي. (مسند أحمد ۳/ ٦۳، رقم: ١١٦١٥)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجد الرسول، ومسجد الأقصى. (بخاري شريف، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة ١/ ١٥٨، رقم: ١١٧٦، ف: ١١٨٩، ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في أي المساجد أفضل، النسخة الهندية ١/ ٧٥، دارالسلام، رقم: ٣٢٦)

لا ينبغي للمطي أن تشد رحاله إلى مسجد يبتغي فيه الصلاة ...... فإنه صريح في النهي عن ابتغاء الصلاة، فيما سوى المسجد الحرام وقرينيه، فالمراد بالمسجد موضع الصلاة ...... فإن النهي عن السفر إلى مسجد للصلاة غير الثلاثة. (إعلاء السنن كراچی ٥/ ١٥٠، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٣٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۴/۴۰)

محض ارادہ سے آدمی مسافر نہیں ہوتا

سوال [۳۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی کسی جگہ پر اقامت کی نیت سے ٹھہرا ہے؛ لیکن دو تین روز کے بعد ہی اسے گھر واپسی کی ضرورت پیش آ گئی، تو اب اگر وہ نیت رجوع کے بعد از خود وہیں پر ظہر کی نماز ادا کرنے لگے، تو کیا اس میں قصر ہوگا؟

المستفتي: محمد راشد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسافر شرعی اقامت کی نیت سے کسی جگہ ٹھہرا ہوا ہے، پھر دو تین دن کے بعد وہاں سے واپسی کا ارادہ ہے، تو محض ارادہ اور نیت کی وجہ سے مسافر نہیں بنے گا اور نہ ہی قصر کرے گا؛ بلکہ عملی طور پر جب وہاں کی آبادی سے باہر نکل کر سفر شروع کرے گا تب نمازوں کا قصر کرے گا۔

أنس بن مالک یقول: صلیت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الظهر بالمدینة أربعا، وصلیت معه العصر بذی الحلیفة رکعتین. (صحیح مسلم، الصلاة، باب صلاة المسافرین وقصرها، النسخة الهندیة ۱/ ۲٤۲، بیت الأفکار، رقم: ٦۹۰)

والأصل أن النیة متی تجردت عن العمل لا تکون مؤثرة، فإذا نوی الإقامة في موضع الإقامة فقد اقترنت النیة بعمل الإقامة، فصار مقیما، وإذا نوی السفر فقد تجردت النیة عن العمل ما لم یخرج فلا یصیر مسافرا. (المبسوط، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۳۹)

قاصدا ...... مسیرة ثلاثة أیام (قال الشامي:) أشار به مع قوله ”خرج“ إلی أنه لو خرج ولم یقصد أو قصد ولم یخرج لا یکون مسافرا. (شامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، کراچی ۲/ ۱۲۲، زکریا ۲/ ٦۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۵/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۳٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

محض نیت سفر کی وجہ سے وطن اقامت باطل ہوگا یا نہیں؟

سوال [۳۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وطن اقامت صرف سفر کی نیت کرنے سے باطل ہوگا کہ نہیں، مثلاً ایک آدمی کسی مدرسہ میں پڑھاتا ہے اور وہ سفر کی نیت کرتا ہے کہ میں تین دن کے بعد جاؤں گا، تو کیا اب وہ مدرسہ میں تین دن مسافر شمار ہوگا اور قصر کرے گا یا جب مدرسہ سے نکل جائے گا تب مسافر مانا

جائے گا؟ کتب حدیث کے حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتي: عرفان احمد قاسمی گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس وقت مدرسہ میں حاضر ہورہا ہے، اگر اس وقت پندرہ روز قیام کا ارادہ کیا ہے اور اس کے بعد بحالت قیام پندرہ روز سے قبل دوبارہ سفر کا ارادہ کرتا ہے، تو محض ارادہ کی وجہ سے قصر نہیں کرے گا؛ بلکہ وہاں کی آبادی سے باہر نکلنے کے بعد ہی قصر لازم ہوگی۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل بيوتها. (مصنف عبدالزراق، باب المسافر متى يقصر إذا خرج مسافرا، المجلس العلمي ۲/ ۵۳۰، رقم: ۴۳۲۳)

ولا يصير مسافرا بالنية حتى يخرج. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ۱/ ۱۳۹، جديد ۱/ ۱۹۹)

لا يصير الشخص مسافرا بمجرد نية السفر، بل يشترط معه الخروج. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل ۲۲/ صلاة السفر، زكريا ۲/ ۴۹۳، رقم: ۳۰۹۳)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: صليت الظهر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم أربعا، والعصر بذى الحليفة ركعتين. (صحيح البخاري، كتاب تقصير الصلاة، باب يقصر إذا خرج من موضعه، النسخة الهندية ۱/ ۱۴۸، رقم: ۱۰۷۸، ف: ۱۰۸۹، صحيح مسلم، الصلاة، باب صلاة المسافرين وقصرها، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۲، بيت الأفكار، رقم: ۶۹۰)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۱۱/ ۱۴۱۱ھ

معصیت کے ارادہ سے سفر کرنا بھی موجب تخفیف ہے

سوال [۳۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی کسی گناہ کے کام سے سفر شرعی کا ارادہ کرتا ہے، مثلاً کوئی چور یا ڈاکو ہے اور وہ ڈیڑھ سو کلومیٹر دور چوری کے لئے سفر کرتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ دوران سفر وہ نمازیں مکمل پڑھے گا یا قصر کرے گا؟

المستفتي: ذاکر اللہ آندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفر کرنا ہر مسافر کے لئے موجب تخفیف ہے؛ لہٰذا گناہ کے ارادہ سے سفر گرچہ شریعت میں ممنوع و ناجائز ہے، مگر اس کے باوجود جب سفر شرعی کا تحقق ہوجائے تو ایسی صورت میں اس پر نمازوں کی قصر ہی لازم ہے، اس کے لئے اتمام کرنا جائز نہ ہوگا۔ دلائل ملاحظہ فرمایئے:

ولو كان عاصيا بسفره؛ لأن القبح المجاور لا يعدم المشروعية.

(شامي مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٦٠٤، كراچی ٢/ ١٢٤، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند ٤٢٢-٤٢٣)

وصرح الحنفية بأن السفر الذي يكون الغرض منه فعلا هو معصية كسفر البغاة، وقطاع الطريق لا يمنع الرخصة؛ لإطلاق النصوص.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/ ٢١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف رجسٹر خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۱)

یکبارگی مسافت سفر کا ارادہ کرنا قصر کے لئے لازم

سوال [۳۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنے گھر سے ۲۰؍کلو میٹر کی مسافت پر جانے کے ارادہ سے نکلا اور ظاہر ہے کہ وہاں قصر نہیں کرے گا، اب وہاں ایک رات گزارنے کے بعد پھر مزید ۴۰؍کلو میٹر آگے جانے کا ارادہ ہوا، تو اب وہ کل ملا کر ۶۰ ؍کلو میٹر کے فاصلہ پر ہوگیا، اب وہاں ایک دن قیام کر کے اس کے ذہن میں آیا مثلاً گڑھ میں ہے، پھر اس کا ہاپوڑ جانے کا ارادہ ہوا اور مرادآباد سے ہاپوڑ سو کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، جس کے مسافت سفر ہونے پر کسی کا اختلاف نہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ وہ گڑھ سے ہاپوڑ پہنچنے تک قصر کرلے گا یا اتمام کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص اپنے گھر سے ۲۰ ؍کلو میٹر کی مسافت پر نکلے، پھر وہاں رات گزارنے کے بعد مزید ۴۰؍کلو میٹر کی مسافت پر نکلے، پھر وہاں سے مزید ۴۰؍کلو میٹر کی مسافت پر نکلے، تو ایسی صورت میں اگرچہ یہ شخص اپنے وطن سے ۱۰۰؍کلو میٹر کی دوری پر ہے، جو کہ بالاتفاق مسافت شرعی ہے؛ لیکن پھر بھی وہ قصر نہیں کرے گا؛ بلکہ اتمام ہی کرنا اس پر لازم ہے؛ اس لئے کہ قصر کے لئے یکبارگی مسافت سفر طے کرنے کا قصد نہیں کیا؛ اس لئے اس شخص پر اتمام کرنا لازم ہوگا، قصر جائز نہ ہوگی۔

وأما الثاني: فهو أن يقصد مسيرة ثلاثة أيام، فلو طاف الدنيا من غير قصد إلى قطع مسيرة ثلاثة أيام لا يترخص. (البحر الرائق، باب صلاة المسافر، کوئٹه ۲/ ۱۲۸، زکریا مکتبه دارالکتاب ۲/ ۲۲۶)

فإن لم يقصد موضعا وطاف الدنيا من غير قصد إلى قطع مسيرة ثلاثة أيام لا يترخص بالقصر. (الفقه الإسلامي وأدلته، صلاة المسافر الموضوع الأول المسافة التي يجوز فيها القصر، هدى انٹر نیشنل دیو بند ۲/ ۲۸۷)

ولا بـد لـلـمسـافـر مـن قـصـد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص بـرخـصـة المسافرين وإلا لا يترخص أبدا. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، إمداديه ملتان ١/ ٢٠٩، زكريا ١/ ٥٠٧)

فـإنـه إذا كـان يسيـر مـرحـلـة جـمـيـع الـدنيا ولا ينوي سفرا لا يصير مسافرا. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٤٩٦، رقم: ٣١٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶۸/۴۰)

مسافر ومقیم شرعاً کب ہوتے ہیں؟

سوال [۳۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) الف: آدمی اپنے گاؤں اور بستی سے نکلتے ہی مسافر ہوجاتا ہے یا اپنے شہر سے نکلنے کے بعد مسافر ہوتا ہے؟

(۲) ب: اگر شہر گاؤں سے بہت دور ہو تو گاؤں سے نکلتے ہی مسافر ہوگا یا شہر سے نکلنے کے بعد مثلاً گاؤں سے تیس کلو میٹر کی دوری پر شہر واقع ہے، تو مسافر گاؤں سے نکلنے کے بعد مانا جائے گا یا شہر سے نکلنے کے بعد؟

(۳) سفر سے واپسی میں آدمی مقیم کب ہوتا ہے اپنے گاؤں میں گھسنے کے بعد مقیم بن جاتا ہے یا شہر میں داخل ہونے کے بعد؟ بسا اوقات شہر گاؤں سے بہت دور ہوتا ہے، تو اس صورت میں مقیم کہاں بنے گا؟

المستفتي: شمشاد حسین نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) الف، ب (۲) سفر شرعی کی نیت سے اپنے گاؤں

سے باہر نکلتے ہی قصر کا حکم لگ جاتا ہے، شہر سے تجاوز کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس میں شہر کا کوئی تعلق نہیں؛ بلکہ صرف اپنی بستی اور آبادی ہی کا اعتبار ہوتا ہے؛ لہٰذا واپسی میں بھی شہر میں پہنچنے سے قصر کا حکم ختم نہ ہوگا، جب تک کہ اپنی بستی کی آبادی میں داخل نہ ہو جائے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل بيوتها. (مصنف عبدالرزاق، باب المسافر متى يقصر إذا خرج مسافرا؟ المجلس العلمي ۲/ ۵۳۰، رقم: ۴۳۲۳)

عن أبي حرب بن أبي الأسود الديلمي أن عليا لما خرج إلى البصرة رأى خصا، فقال: لو لا هذا الخص لصلينا ركعتين، فقلت: ما خصا؟ قال: بيت من قصب. (مصنف عبدالرزاق، باب المسافر متى يقصر إذا خرج مسافرا؟ المجلس العلمي ۲/ ۵۲۹، رقم: ۴۳۱۹)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدا. (تنوير الأبصار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۱، زكريا ۲/ ۵۹۹)

وكذا إذا عاد من سفره إلى مصر لم يتم حتى يدخل العمران. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، زكريا ۲/ ۲۲۶، کوئٹه ۲/ ۱۲۸، كبيري صلاة المسافر، أشرفيه ۵۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۳۹۹/۳۳)

مسافت شرعی کی مقدار

سوال [۳۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سفر شرعی کی مقدار جس پر مسافر کے اوپر قصر کا حکم عائد ہوتا ہے، میلوں کے اعتبار سے تو ۴۸؍

میل ہے، اب میل اور فرلانگ کا حساب تو ختم ہوگیا، کلومیٹر سے مسافت کا حساب لگایا جاتا ہے، تو فرمائیں اب کتنے کلومیٹر شرعی سفر کی مسافت ہے؟ اور میل اور کلومیٹر میں کتنا فرق ہے؟

المستفتي: محمد عباس ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی ۴۸/میل کی مسافت کلومیٹر کے حساب سے ۸۷/ کلومیٹر ۸۲۷/میٹر ۴۰/سینٹی میٹر ہے۔ میل اور کلومیٹر میں ۶۰۹/میٹر ۳۴/سینٹی میٹر ۴/ملی میٹر کا فرق ہے؛ کیوں کہ ایک کلومیٹر ایک ہزار میٹر کا ہوتا ہے، مگر فقہاء نے جو مسافت لکھی ہے اس میں سب سے مختصر مسافت ۴۵/میل شرعی ہے اور اس کی مقدار کلومیٹر کے حساب سے ۸۲/کلومیٹر ۲۹۶/میٹر ہے کہ اس سے کم کی مسافت میں قصر نہیں کرنا چاہئے اور اتنی مسافت سے قصر کا حکم شروع ہو جاتا ہے؛ لہٰذا آج کل کے زمانہ میں کلومیٹر کے حساب سے ۸۲/کلو میٹر ۲۹۶/میٹر پر ہی سفر شرعی کا حکم جاری ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۲۰ھ

مسافت سفر میں ۴۵ یا ۴۸/میل شرعی کا اعتبار

سوال [۳۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسافت سفر کی مقدار کیا ہے؟ حدیث وفقہ کی معتبر کتابوں کے حوالہ سے جواب تحریر فرما دیں، یہاں کچھ لوگ ساڑھے ستتر کلومیٹر کہتے ہیں۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ ۸۲/کلومیٹر سے کم مسافت پر قصر مشروع نہیں، آنجناب واضح فرما دیں، تاکہ اطمینان ہو جائے۔

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافت سفر کی مقدار سے متعلق مختصر وضاحت یہ ہے کہ حدیث شریف میں تین منزل کو مسافت سفر قرار دیا گیا ہے؛ لیکن تین منزل کی مقدار کو عامۃ المسلمین خود متعین نہیں کر سکتے؛ اس لئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین کرام اور فقہائے متأخرین نے مسافت سفر کی جو مقدار متعین فرمائی ہے، اس کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

اور مسافت کی مقدار کے بارے میں صحابہ سے لے کر متأخرین فقہاء تک ۴/ اقوال ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) ۱۵/ فرسخ۔ اور ایک فرسخ میں ۳/ میل شرعی ہوتے ہیں؛ لہٰذا ۱۵/ فرسخ میں ۴۵/ میل شرعی ہوں گے۔

(۲) ۱۶/ فرسخ، جس میں ۴۸/ میل شرعی ہوتے ہیں۔

(۳) ۱۸/ فرسخ، جس میں ۵۴/ میل شرعی ہوتے ہیں۔

(۴) ۲۱/ فرسخ، جس میں ۶۳/ میل شرعی ہوتے ہیں۔

یادر ہے کہ ایک شرعی میل میں ۲۰۰۰/ گز یعنی ایک کلومیٹر ۸۲۸/ میٹر ۸۰/ سینٹی میٹر ہوتے ہیں، اس حساب سے ۴۵/ شرعی میل ۸۲/ کلومیٹر ۲۹۶/ میٹر ہوتے ہیں، یہ مذکورہ چاروں اقوال میں سے سب سے کم مسافت والا قول ہے۔

اور ۴۸/ میل شرعی میں ۸۷/ کلومیٹر ۸۲۷/ میٹر ۴۰/ سینٹی میٹر ہوتے ہیں، یعنی تقریباً پونے ۸۸/ کلومیٹر۔

اور ۵۴/ میل شرعی میں ۹۸/ کلومیٹر ۷۵۵/ میٹر ۲۰/ سینٹی میٹر ہوتے ہیں، یعنی تقریباً پونے ۹۹/ کلومیٹر۔

اور ۶۳/ شرعی میل میں ۱۱۵/ کلومیٹر ۲۱۴/ میٹر ۴۰/ سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔

اب اس تفصیل کے بعد اس بات کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ شریعت میں شرعی میل کا اعتبار ہوتا ہے، انگریزی میل کا اعتبار نہیں ہے، ہمارے بعض بزرگوں نے ۴۸/ میل انگریزی کا

اعتبار فرمایا ہے، جس میں ۷۷؍کلومیٹر ۲۴۸؍میٹر ۵۱؍سینٹی میٹر ہوتے ہیں، اسلاف سے یہ قول منقول نہیں ہے، حضرات اسلاف اور فقہاء سے جو چار اقوال منقول ہیں، جن کو ہم نے اوپر ذکر کردیا ہے، اس میں سب سے کم مسافت والا قول ۸۲؍کلومیٹر ۲۹۶؍میٹر والا قول ہے؛ اس لئے اس سے کم مسافت میں نمازوں کا قصر کرنا ہم صحیح نہیں سمجھتے ہیں۔ اور احتیاط اس میں ہے کہ ۴۸؍میل شرعی یعنی ۸۷؍کلومیٹر ۷۸۲؍میٹر ۴۰؍سینٹی میٹر سے کم مسافت میں قصر نہ کریں۔ اور یہ مسئلہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مسئلہ قصر واتمام میں جب اختلاف ہوجائے تو اتمام کو ترجیح ہوتی ہے؛ اس لئے ۷۷؍کلومیٹر والے قول پر ہم عمل کو درست نہیں سمجھتے، اب اس تفصیل کے بعد عربی عبارتوں کے ساتھ مآخذ ملاحظہ فرمایئے:

(۱) **كان ابن عمر وابن عباس يقصران ويفطران في أربعة برد، وهو ستة عشر فرسخا.** (بخاري، أبواب تقصير الصلاة ١/ ١٤٧)

(۲) **عن نافع عن سالم أن ابن عمر –رضي الله عنه– خرج إلى أرض له بذات النصب فقصر، وهي ستة عشر فرسخا.** (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٥/ ٣٥٧، رقم: ٨٢٢٠)

(۳) **عن ابن أبي رباح قال: قلت لابن عباس: أ قصر إلى عرفة؟ فقال: لا، قلت: أ قصر إلى مز؟ فقال: لا، قلت أ قصر إلى الطائف وإلى عسفان؟ قال: نعم، وذلك ثمانية وأربعون ميلا، وعقد بيده.** (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ٥/ ٣٥٨، رقم: ٨٢٢٢)

(٤) **لكن جمهور الفقهاء قدروها باعتبار المكان بأربعة برد، وهو ثمانية وأربعون ميلا استنادا إلى بعض الآثار.** (الموسوعة الفقهية الكويتية، ٣٦/ ٣٤٧)

(٥) **وفي النهاية الفتوىٰ على اعتبار ثمانية عشر فرسخا، وفي المجتبى فتوى أكثر أئمة خوارزم على خمسة عشر فرسخا.** (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، كوئٹه ٢/ ١٢٩، زكريا ٢/ ٢٢٨)

(٦) **ثم اختلفوا فقيل: أحد وعشرون فرسخا، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر، والفتوى على الثاني؛ لأنه الأوسط، وفي المجتبى: فتوى أئمة خوارزم على الثالث.** (شامي، باب صلاة المسافر، كراچی ١/ ١٢٣، زكريا ٢/ ٦٠٢، مجمع الأنهر،باب صلاة المسافر، مكتبه فقيه الأمت ديوبند ١/ ٢٣٩، فتح القدير، باب صلاة المسافر، كوئٹه ٢/ ٤، زكريا و أشرفيه ديوبند ٢/ ٢٩، بدائع الصنائع، باب المسافر، فصل فيما يصير به المقيم مسافرا، قديم ١/ ٩٣، زكريا ١/ ٢٦١)

(٧) **ومنهم من قدره بثلاث مراحل، وقال مالك: أربعة برد، كل برد إثنا عشر ميلا.** (بدائع الصنائع زكريا ١/ ٢٦١، قديم كراچی ١/ ٩٣) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۵)

شرعی مسافت سفر کی تعیین سے متعلق ایک تحقیقی جائزہ

سوال [۳۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسائل کی کتابوں کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ۴۸؍میل یا ۷۲؍کلومیٹر سفر کرنے کے ارادے سے نکلے، تو اس پر سفر کے احکام جاری ہوں گے؛ لیکن سننے میں آیا کہ آپ کی تحقیق یہ ہے کہ ۸۱؍کلومیٹر سے زیادہ سفر کرنے کے ارادہ سے نکلے تو اس پر احکام سفر جاری ہوں گے، یہ خبر کس حد تک صحیح ہے؟

المستفتي: مطیع اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نصوص اور فقہاء کی عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ

شرعی مسافت تین منزل پر ہوتی ہے؛ لیکن تین منزل میں کتنے میل اور کتنے کلومیٹر ہوتے ہیں، اس کا تعین نصوص سے ثابت نہیں ؛ بلکہ حضرات فقہاء کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے، بعض فقہاء نے ۲۱ر فرسخ، بعض نے ۱۸ر فرسخ اور بعض فقہاء نے ۱۵ر فرسخ کی مسافت بتلائی ہے۔ اور ایک فرسخ میں تین شرعی میل ہوتے ہیں۔ اور بعض اکابر کی کتابوں میں ۱۶ر فرسخ کی بات بھی ملتی ہے، تو کل یہ چار اقوال ہو گئے۔

۲۱ فرسخ = ۶۳ میل شرعی = ۱۱۵ کلومیٹر ۲۱۴ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔

۱۸ فرسخ = ۵۴ میل شرعی = ۹۸ کلومیٹر ۷۵۵ میٹر ۲۰ سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔

۱۶ فرسخ = ۴۸ میل شرعی = ۸۷ کلومیٹر ۷۸۲ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔

۱۵ فرسخ = ۴۵ میل شرعی = ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر ہوتے ہیں۔

اب ان فقہاء کے چاروں اقوال میں سے قول نمبر:۲ کو بعض فقہاء نے مفتی بہ بتلایا ہے اور ائمہ خوارزم نے قول نمبر۴ یعنی ۱۵ر فرسخ کی بات کو مفتی بہ اور راجح قرار دیا ہے، بہر حال ان چاروں اقوال میں سے سب سے کم مسافت کا قول پندرہ فرسخ کا ہے جو کہ کلومیٹر کے اعتبار سے ۸۲ر کلومیٹر ۲۹۶، میٹر ہوتے ہیں۔ اور ہم پر ایسے مسائل میں حضرات فقہاء کے استنباط کردہ راجح قول پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور ۸۲ر کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم مسافت پر قصر کے بارے میں متقدمین اور متأخرین فقہاء میں سے کسی کا کوئی قول ہم کو نہیں ملتا؛ اس لئے ہمیں مجبوراً یہ لکھنا پڑتا ہے کہ ساڑھے ۸۲ر کلومیٹر سے کم پر قصر کرنا جائز نہ ہوگا۔ اور ۴۸ر انگریزی میل جس میں ۷۷ر۲ر کلومیٹر ہوتے ہیں اس کی کوئی اصل کتب فقہ میں نہیں ملتی، ہاں البتہ بعض ہمارے اکابر نے ایسا بھی لکھا ہے، مگر اس پر فقہاء کی کوئی تائید نہیں ملتی اور اس کی ایک تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''ایضاح المسائل'' میں لکھی ہے، وہاں سے دیکھ سکتے ہیں۔

الفرسخ ثلاثة أميال، والميل أربعة الآف ذراع (إلى قوله) ثم اختلفوا فقيل: أحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر، والفتوىٰ على الثاني؛ لأنه الأوسط، وفي المجتبى فتوى أئمة خوارزم على الثالث،

وجه الصحيح أن الفراسخ تختلف باختلاف الطريق في السهل، والجبل، والبر، والبحر. (شامي، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۶۰۲، كراچی ۲/ ۱۲۳، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر زكريا ۲/ ۲۲۸، كوئٹه ۲/ ۱۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۱ھ

۴۸ ؍ میل کتنا کلومیٹر ہے؟

سوال [۳۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے دور میں ۴۸ ؍ میل سے کتنا کلومیٹر مراد ہے، شرح مظاہر حق جدید ۳/ ۲۶۵ پر ۴۸ ؍ سے ۸۷ کلومیٹر مراد تحریر ہے، جب کہ مفتی عزیز الرحمٰن فتح پوری صاحب نے جن کا فتویٰ انقلاب اخبار میں شائع ہوتا ہے ۷۲ کلومیٹر فرمایا ہے؛ لہٰذا درست جواب کیا ہے؟

المستفتي: عبداللہ حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافت سفر کے بارے میں حدیث شریف میں تین دن کی مسافت آئی ہے اور کتب فقہ کے متون میں بھی تین منزل کی بات منقول ہے۔ اور یہ ایک تخمینی چیز ہے، اس کے سلسلہ میں فقہاء احناف کے چار اقوال ملتے ہیں:

(۱) پندرہ فرسخ (۲) اٹھارہ فرسخ (۳) اکیس فرسخ اور ایک فرسخ میں تین میل شرعی ہوتے ہیں۔ اور چوتھا قول سولہ فرسخ کا بھی ہے۔ اب ان چاروں اقوال کے مطابق کیا مسافت بنتی ہے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) ۱۵ ؍ فرسخ میں ۴۵ ؍ شرعی میل ہوتے ہیں۔ اور ۴۵ ؍ شرعی میل میں ۸۲ ؍ کلومیٹر ۲۹۶، میٹر ہوتے ہیں۔

(۲) ۴۸/شرعی میل میں ۸۷/کلومیٹر ۲۸۲ میٹر ۴۰/سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔

(۳) ۵۴/شرعی میل میں ۹۸/کلومیٹر ۵۵۷/میٹر ۲۰/سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔

(۴) ۶۳/شرعی میل میں ۱۱۵/کلومیٹر ۲۱۴/میٹر ۴۰/سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔

حضرات فقہاء احناف کی طرف سے یہی چار اقوال ملتے ہیں، ان میں سے کم سے کم مسافت ۱۵/فرسخ ہے، جس میں ۴۵/شرعی میل ہوتے ہیں اور کلومیٹر کے حساب سے ۸۲/کلومیٹر ۲۹۶ میٹر ہوتے ہیں۔ اور حضرات فقہاء کے ان چاروں اقوال کے پیش نظر ۸۲/کلومیٹر ۲۹۶/میٹر سے کم مسافت میں قصر کرنا درست نہ ہوگا۔ اقوال فقہاء ملاحظہ فرمائیں:

ثم اختلفوا فقيل: أحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر، والفتویٰ على الثاني؛ لأنه الأوسط، وفي المجتبى فتوى أئمة خوارزم على الثالث. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٦٠٢، كراچى ٢/ ١٢٣، هكذا تاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني والعشرون صلاة السفر، زكريا ٢/ ٤٩٠، رقم: ٣٠٨٦، كوئٹه ٢/ ٢)

اور سوال نامہ میں جو ۷۲/کلومیٹر یا ۷۸/کلومیٹر کا قول نقل کیا گیا ہے شرعی میل کے اعتبار سے وہ درست نہیں ہے۔ ۴۸/شرعی میل کی مسافت پونے ۸۸/کلومیٹر سے کم نہیں ہوتی ہے؛ البتہ انگریزی میل کے اعتبار سے ۴۸/میل میں ۷۷/کلومیٹر ۲۴۸/میٹر ۵۱/سینٹی میٹر ۲/ملی میٹر ہوتے ہیں، یعنی تقریباً سوا ۷۷/کلومیٹر۔ سوال نامہ میں ۷۲/کلومیٹر جو لکھا ہے وہ انگریزی میل کے اعتبار سے بھی صحیح نہیں ہے۔ اور شریعت میں شرعی میل کا اعتبار ہوتا ہے، انگریزی میل کا نہیں ہوتا؛ اس لئے انگریزی میل کے اعتبار سے سوا ۷۷/کلومیٹر کا قول جو بعض اکابر نے نقل کیا ہے، وہ فقہاء کے اقوال اور شرعی میل کے اعتبار سے برابر نہیں بیٹھتا؛ اس لئے اس قول پر عمل کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا، حضرت تھانویؒ نے بھی انگریزوں کے زمانہ میں ۴۸/انگریزی میل کی بات کہی ہے، مگر وہ فقہاء کے اقوال کے مطابق شرعی میل کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہیں آتا؛ اس لئے ہم ساڑھے ۸۲/کلومیٹر سے کم میں نمازوں میں

قصر کرنا درست نہیں سمجھتے، اس کی ایک تفصیل ''ایضاح المسائل/۷۰'' پر دیکھی جاسکتی ہے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۱۸)

مسافت سفر سے متعلق ''ایضاح المسائل'' کے مسئلہ پر اعتراض کا جواب

سوال [۳۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صد افسوس سے لکھنا پڑھ رہا ہے کہ آج کل جتنے لوگ اردو مسائل لکھتے ہیں ان کا مبلغ علم صرف اردو کتابیں ہیں، نہ عربی کتابیں سمجھ سکتے ہیں اور نہ پڑھ سکتے، اردو کتابیں دیکھ کر عربی کتابوں کا حوالہ دے دیتے ہیں، نہ ان کتابوں کے مقابلہ کی توفیق ہے اور نہ فرصت۔

(۱) آپ نے ''ایضاح المسائل'' میں سفر شرعی کی مسافت پر سیر حاصل تحقیقی بحث کے تحت لکھا ہے کہ مسافت سفر کے بارے میں شامی وغیرہ معتبر کتب فقہ میں چار اقوال نقل کئے گئے ہیں: ۶۳-۵۴-۴۸-۴۵؍میل۔

اور شامی کراچی ۲/۱۲۳ کا حوالہ دیا ہے، ہمارے یہاں شامی کے مذکورہ صفحہ میں ۴۸؍میل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، آپ اپنی کتاب سے ۴۸؍میل والی روایت کی عربی عبارت نقل کردیں گے تو عین نوازش ہوگی؟

(۲) معتبر کتب فتاوی کون کونسی ہیں؟ کیا اکابر کا فتویٰ بھی معتبر کتب فقہ میں شامل ہے؟

(۳) ۴۸؍میل مسافت سفر شرعی حنفیہ کی کون سی معتبر کتاب میں لکھا ہے، عربی عبارت سے واضح کریں؟

(۴) مفتی بہ قول کو چھوڑ کر غیر مفتی بہ قول پر فتویٰ دینے کی آپ کو اجازت ہے؟

(۵) پندرہ فرسخ سے شرعی مسافر ہو جائے گا یہ قول کون سی معتبر کتب فقہ میں لکھا ہے؟

(۶) جن حضرات نے ۴۸/میل انگریزی مانا ہے، ان کی کیا دلیل ہے؟ کیا جب مسافت سفر شرعی متعین کیا جارہا تھا، اس وقت انگریز بھی موجود تھے؟

(۷) اگر غیر مفتی بہ قول پر فتوی دے کر لوگوں کو عمل کرایا جائے تو گناہ کس پر ہوگا؟

(۸) بلا ضرورت شدیدہ مذہب غیر پر فتویٰ دینا کیسا ہے؟ اگر کوئی مفتی فتویٰ دے دے تو مستفتی کو عمل کرنا کیسا ہے؟ جب کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ یہ مذہب غیر ہے اور اس کو ضرورت شدیدہ بھی نہ ہو؟ فقط والسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنجناب کی ناصحانہ تحریر بغیر جوابی لفافہ کے موصول ہوئی، یہاں جوابی لفافہ کے بغیر جو تحریر آتی ہے، اس کا جواب نہیں دیا جاتا ہے؛ لیکن پھر بھی مناسب سمجھا گیا کہ چند سطر لکھ دیں، آنجناب کا علمی تبحر کے ساتھ حکم نامہ موصول ہوا، جس کا یہ خاکسار انتہائی مشکور ہے، آنجناب نے اپنی تحریر میں توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''۴۸/میل والی روایت کی عربی عبارت نقل کر دیں گے، تو عین نوازش ہوگی'' اس سلسلے میں گزارش ہے کہ احقر نے ''ایضاح المسائل'' کم پڑھے لکھے مسلمانوں کے لئے لکھی تھی، جس میں انتہائی اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ اور مسافت شرعی کے بارے میں کتب فقہ میں چار اقوال ملتے ہیں: (۱) ۶۳/میل (۲) ۵۴/میل (۳) ۴۸/میل (۴) ۴۵/میل۔ اور شامی میں چونکہ ۴۸/میل کے علاوہ دیگر تمام اقوال موجود ہیں؛ اس لئے شامی کا نام لکھا اور ساتھ میں وغیرہ کا لفظ بڑھا دیا؛ کیوں کہ اس مختصر کتاب میں ساری کتب فقہ کے حوالہ لکھنے میں عوام کے لئے خاص فائدہ نہیں ہے اور اس کتاب کے لکھتے وقت یہ توقع بھی نہیں تھی کہ آپ جیسے صاحب علم بھی اس کتاب کو دیکھیں گے، بہر حال آنجناب نے ۴۸/میل والے قول کی عربی عبارت نقل کرنے کے لئے حکم فرمایا ہے، تو اس سلسلے میں حدیث کی تین کتابوں کے حوالے اور فقہ کی تین کتابوں کے حوالہ ذیل میں درج کر دئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے: حدیث کی تین کتابوں کے حوالے حسب ذیل ہیں:

(۱) بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل درج ذیل ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وكان ابن عمر وابن عباس يقصران ويفطران في أربعة برد، وهو ستة عشر فرسخا. (بخاري شريف، كتاب تقصير الصلاة، تحت ترجمة الباب في كم يقصر الصلاة؟ ١/ ١٤٧)

اور ایک فرسخ میں ۳ر میل شرعی ہوتے ہیں اور سولہ فرسخ میں ۴۸ر میل شرعی ہوتے ہیں۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر کا عمل نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن سالم أن ابن عمر خرج إلى أرض له بذات النصب، فقصر وهي ستة عشر فرسخا. (المصنف لابن أبي شيبة ٥/ ٣٥٧، ٣٥٨، رقم: ٨٢٢٠)

(۳) سنن کبریٰ بیہقی میں حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل مکہ! تم چار برید سے کم مسافت میں قصر مت کیا کرو اور مکہ مکرمہ سے عسفان چار برید کے فاصلے پر ہے۔ اور یہی قول فقہ کی مشہور ترین کتاب ''مبسوط سرخسی'' میں بھی نقل کیا گیا ہے کہ اولاً امام مالکؒ کا قول نقل کیا گیا کہ مسافت سفر ۴ر برید ہے اور ہر ایک برید بارہ میل کا ہوتا ہے اور اس پر امام مجاہد اور امام عطاء کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار برید سے کم مسافت میں قصر کرنے سے منع فرمایا۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباس –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يا أهل مكة! لا تقصروا الصلاة في أدنى من أربعة برد من مكة إلى عسفان. (السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر ٤/ ٣٣١، رقم: ٥٥٠٤)

وأقل ما يقصر فيه الصلاة في السفر إذا قصد مسيرة ثلاثة أيام، وفسره في الجامع الصغير بمشي الأقدام وسير الإبل، فهو الوسط؛ لأن أعجل السير سير البريد، وأبطأ السير سير العجلة، وخير الأمور أوسطها،

وهذا مذهب ابن عباسؓ وإحدى الروايتين عن ابن عمر رضى الله عنه، وعنه في رواية أخرى التقدير بيوم وليلة، وهو قول الزهريؒ، والأوزاعيؒ، وقال مالكؒ: أربعة برد كل بريد اثنا عشر ميلا، واستدل بحديث مجاهد وعطاء أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يا أهل مكة! لا تقصروا الصلاة فيما دون مكة إلى عسفان، وذلك أربعة برد. (المبسوط للسرخسي، باب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۲۳۵)

اورکتب فقہ کے حوالہ ذیل میں درج ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

(۱) ''**الفقه على المذاهب الأربعة**'' کی عبارت ہے کہ سولہ فرسخ مسافت سفر ہے۔ اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، عبارت ملاحظہ فرمایئے:

منها أن يكون السفر مسافة تبلغ ستة عشر فرسخا فقط، والفرسخ ثلاثة أميال، والميل ستة آلاف ذراع بذراع اليد، وهذه المسافة تساوي ثمانين كيلو ونصف كيلو ومائة وأربعين مترا. (الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث قصر الصلاة الرباعية، شروط صحة القصر، دارالكتب العلمية، ودارالفكر بيروت ۱/ ۴۷۲)

(۲) ''مجمع الانہر'' کی عبارت ہے:

وقيل: الفتوى على اعتبار ثمانية عشر فرسخا، وضعفه في البحر، وهو ستة عشر فرسخا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب المسافر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۳۸، ۲۳۹)

(۳) ''**الفقه الإسلامي وأدلته**'' اس میں بھی مسافت سفر میں سولہ فرسخ کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ويقدر بالمسافة ذهابا بأربعة برد أو ستة عشر فرسخا، أو ثمانية وأربعين ميلا هاشميا. (الفقه الإسلامي وأدلته، صلاة المسافر، الموضوع الأول المسافة التي يجوز فيها القصر، مطبع هدى انٹر نيشنل ديوبند ۲/ ۲۸۸)

آنجناب نے لکھا ہے کہ معتبر کتب فتاوی کون کون سی ہیں؟ تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ ہمارے علماء کے محاورے میں معتبر کتب فتاوی، فقہ کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے کہ فتویٰ لکھتے وقت جن کتابوں کا حوالہ عام طور پر دیا جاتا ہے، جیسا کہ شامی، مجمع الانہر، بدائع الصنائع، البحر الرائق، فتاوی ہندیہ، فتاوی تاتارخانیہ وغیرہ۔ آنجناب نے یہ بھی پوچھا ہے کہ اکابر کا فتویٰ بھی معتبر کتب فقہ میں شامل ہے؟ اکابر کے فتاوی، فتاوی ہوتے ہیں، کتب فقہ نہیں اور ان کے معتبر فتاوی سے استفادہ کرنا کوئی گناہ نہیں۔ آنجناب نے تیسرا نمبر قائم کر کے پھر سوال کیا ہے کہ ۴۸/میل مسافت شرعی حنفیہ کی کون سی معتبر کتاب میں لکھا ہے، عربی عبارت سے واضح کریں، اس کے بارے میں اوپر آنجناب کے سامنے تین کتابوں کے حوالے پیش کردئے گئے ہیں، ''مجمع الانہر'' بھی حنفیہ کی معتبر کتاب ہے۔ اور ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں حنفیہ کے مذاہب کو بھی واضح طور پر اجاگر کیا گیا ہے، نیز ''مبسوط سرخسی'' بھی حنفیہ کی معتبر کتب فقہ میں سے ہے، اس میں بھی چار برید کا ذکر موجود ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ آنجناب نے نمبر۴/ پر لکھا ہے کہ مفتی بہ قول کو چھوڑ کر غیر مفتی بہ قول پر فتوی دینے کی آپ کو اجازت ہے؟ یہ بات آنجناب نے سوالیہ طور پر لکھی ہے، تو آنجناب سے گزارش ہے کہ آپ کے نزدیک معتبر مفتی بہ قول کیا ہے؟ حضرات حنفیہ کا تو راجح قول یہی ہے کہ تین منزل مسافت شرعی ہے اور تین منزل کی مقدار کتنی میل ہے اور کتنے کیلومیٹر ہیں، اگر آنجناب کے ذہن میں ہو تو متعین فرمادیں؛ اس لئے کہ صرف تین منزل کہہ دینا عامۃ المسلمین کے لئے کافی نہیں ہے، ہر ایک مسلمان منزل کی مسافت کو متعین نہیں کرسکتا، نیز شامی کی عبارت کو آنجناب نے ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ **والفتوی علی الثاني ؛ لأنه الأوسط، وفي المجتبى : فتوى أئمة خوارزم على الثالث .**

(شامي، باب صلاة المسافر، کراچی ۲/ ۱۲۳، زکریا ۲/ ۶۰۳، البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب المسافر، کوئٹہ ۲/ ۱۲۹، زکریا ۲/ ۲۲۸) کے الفاظ آنجناب کی نظر سے گذرے ہوں گے۔ مفتی بہ قول اس کو کہا جاتا ہے کہ جس قول کے اوپر اس طرح کے الفاظ

فقہاء نے استعمال کئے ہوں، جس میں ''بہ یفتی''، ''وعلیہ الفتویٰ'' اور ''والفتویٰ علی ہذا'' وغیرہ ہیں۔ اورآنجناب نے نمبر۵ میں سوال کیا ہے کہ پندرہ فرسخ سے شرعی مسافر ہوجائے گا، یہ قول کون سی معتبر کتب فقہ میں لکھا ہے؟ تواس سلسلے میں گزارش ہے کہ ''شامی'' اور ''البحرالرائق'' اور ''فتاوی تاتارخانیہ'' وغیرہ میں پندرہ فرسخ کی صراحت موجود ہے۔ اور پندرہ فرسخ میں ۴۵ رمیل شرعی ہوتے ہیں اورائمہ خوارزم کا فتوی پندرہ فرسخ پرہی ہے؛ اس لئے اس قول کوبھی مفتی بہ قول کہا جاسکتا ہے، عربی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ثم اختلفوا، فقيل: أحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر، والفتوى على الثاني؛ لأنه الأوسط، وفي المجتبى: فتوى أئمة خوارزم على الثالث. (شامي، زكريا ٢/ ٦٠٢، البحرالرائق جديد ٢/ ٢٢٨)

ولم يعتبر بعض مشايخنا الفراسخ، وفي السغناقي: وهو الصحيح، وعامة مشايخنا قدروها بالفراسخ أيضا، واختلفوا فيما بينهم بعضهم قالوا: أحد وعشرون فرسخا، وبعضهم قالوا: ثمانية عشر، وبعضهم قالوا: خمسة عشر. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٤٩٠، رقم: ٣٠٨٦)

آنجناب نے سوال نمبر۶ قائم کرکے سوال فرمایا ہے کہ ۴۸ رمیل انگریزی جن حضرات نے مانا ہے، ان کی کیا دلیل ہے؟ احقراس سلسلے میں گزارش کرتا ہے کہ جن حضرات نے انگریزی میل مانا ہے، آنجناب انہی سے دلیل مانگئے، ان کی دلیل پیش کرنے کے ہم ذمہ دارنہیں ہیں اور نہ ہی ۴۸ رمیل انگریزی کوہم معتبر مانتے ہیں۔ آنجناب نے سوال نمبر۷ قائم کرکے یہ سوال کیا ہے کہ غیر مفتی بہ قول پرفتوی دے کرلوگوں کوعمل کرایا جائے تو گناہ کس پر ہوگا؟ تو ہم نے اپنی معلومات میں غیر مفتی بہ قول پرفتوی نہیں لکھا ہے؛ اس لئے کہ پندرہ فرسخ والے قول پر ائمہ خوارزم کا فتویٰ آنجناب کے سامنے نقل کردیا گیا ہے، ہمارے لئے مسئلہ لکھنے میں متأخرین کے فتاوی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے؛ اس لئے اس میں کوئی

حرج نہیں۔ آنجناب نے سوال نمبر ۸ میں یہ سوال کیا کہ بلاضرورت شدیدہ مذہب غیر پر فتویٰ دینا کیسا ہے؟ اگر کوئی مفتی فتوی دے دے تو مستفتی کو عمل کرنا کیسا ہے؟ جب کہ اس کو معلوم ہوجائے کہ یہ مذہب غیر ہے اور اس کو ضرورت شدیدہ بھی نہ ہو، یہ آنجناب کی عبارت ہے، اس سلسلے میں بلاضرورت شدیدہ فتویٰ دینے والے مفتی اور مستفتی سے آپ معلوم فرمالیں ۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۶۸)

مسافت شرعی کی مقدار پر تحقیقی فتویٰ

محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب زید مجدکم وفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال [۳۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بفضلہ تعالیٰ خیریت ہے۔آپ کی محقق تالیف ’’ایضاح المسائل‘‘ سے استفادہ کا موقع ملا، آنجناب نے شرعی مسافت کے بارے میں صفحہ نمبر ۶۹؍ پر تحریر فرمایا ہے (کہ ۸۲؍کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم کی مسافت میں قصر نہیں کرنا چاہئے) اس سلسلہ کی ایک مفید اور محقق کتاب ’’شرعی مسائل‘‘ آپ کی خدمت میں ارسال ہے، جس میں صاحب کتاب استاذی حضرت مرشد الامت مفتی مہربان علی شاہ بڑوتوی قدس سرہ نے ’’مسافت شرعی‘‘ سے متعلق اپنے زمانے کے اہل افتاء کی تائید کے ساتھ ساتھ جمہور علماء کے مسلک کو واضح کیا ہے، اس تحقیق کے بعد صاحب ’’احسن الفتاوی‘‘ نے بھی اپنے اس قول سے رجوع فرمایا تھا جو قول آپ نے تحریر فرمایا ہے، جس کا ذکر ’’احسن الفتاوی‘‘ جلد۴ ،ص:۹۶؍ پر ضمیمہ میں موجود ہے، امید ہے کہ جناب والا اس سلسلہ میں نظر ثانی فرمائیں گے۔

نوٹ: ''شرعی مسافت'' نامی کتاب دوسال قبل اس عریضہ کے ساتھ بھیجی گئی تھی، اگر وہ کسی وجہ سے نہ مل سکی ہو یا ڈاک کی نظر ہوگئی ہو تو مطلع فرمادیں، تاکہ دوبارہ کتاب ارسال کی جاسکے۔

المستفتي: محمد عابد یسع قاسمی، خادم الافتاء والتدریس جامعہ فلاح دارین اسلامیہ، بلاسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنجناب نے دوسال پہلے ''مسافت شرعی'' سے متعلق مفتی مہربان علی مرحوم کی تحریر کے حوالہ سے جو بات لکھی تھی اور اس میں جمہور علماء کا حوالہ دیا گیا تھا، احقر کو مع رسالہ کے موصول ہوچکی تھی، مگر اس کا جواب لکھنا ضروری نہیں سمجھا گیا تھا، نیز حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب سے براہ راست احقر کی ملاقات ہوئی اور اسی وقت مفتی مہربان علی صاحبؒ نے جو تحریر مفتی رشید احمد صاحب کے پاس لکھی تھی وہ بھی احقر کو دکھائی گئی اور مفتی رشید احمد صاحب نے احقر کے سامنے ان کی تحریر پر اطمینان کا اظہار نہیں کیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظ اور بہشتی زیور کا حوالہ دیا گیا ہے، اس لئے حضرت تھانویؒ کی تحریر کی بنا پر اپنی تحریر میں کچھ ترمیم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اور اڑتالیس میل انگریزی جو کلومیٹر کے حساب سے ۷۷؍کلومیٹر ۲۴۸؍میٹر ۱۵؍سینٹی میٹر ۲؍ملی میٹر کی مسافت ہے، اس کے بارے میں جمہور علماء کا کوئی قول احقر کو نہیں ملا، نیز شریعت میں شرعی میل کے اعتبار کو چھوڑ کر انگریزی میل کا اعتبار کرنے والے متقدمین یا متأخرین فقہاء کا کوئی قول یا مسلک احقر کی نظر سے نہیں گذرا، ہاں البتہ حضرت تھانویؒ کا قول بہشتی زیور میں اور حضرت کے بعض ملفوظ میں موجود ہے، اب اس تفصیل کے بعد اصل مسئلہ سے متعلق ان فقہاء متأخرین کے اقوال اور فتاوی کی عبارتیں پیش خدمت ہیں، جن پر خود حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ اعتماد فرمایا کرتے تھے، نیز ایسے محدثین کی آراء بھی پیش کی جارہی ہیں جن کو حجت کے درجہ میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی پیش خدمت ہے، جب انگریزی میل اور شرعی میل کا تعارض ہمارے سامنے آئے گا تو ہم انگریزی میل کا اعتبار نہیں کریں گے؛ بلکہ شرعی میل کا اعتبار کریں گے؛ اس لئے کہ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں برید

اور فرسخ کا اعتبار کیا گیا ہے اور ایک برید چار فرسخ کا ہوتا ہے۔ اور ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہوتا ہے۔ اور انگریزی میل کا حدیث اور فقہ کی کتابوں میں کہیں سے کہیں تک بھی ذکر نہیں ہے، چنانچہ فقہ کی کتابوں میں اس سلسلے میں عام طور پر تین اقوال ملتے ہیں: ۲۱/فرسخ، ۱۸/فرسخ، ۱۵/فرسخ۔ کتب فقہ میں ۱۸/فرسخ پر فتوی نقل کیا ہے، جس کے شرعی میل کے حساب سے ۵۴/میل ہوتے ہیں اور کلومیٹر کے حساب سے ۹۸/کلو میٹر ۵۵۷/میٹر ۲۰/سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔ اکثر فقہاء متأخرین نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ اور ائمہ خوارزم کا فتویٰ ۱۵/فرسخ پر ہے، جس کے ۴۵/شرعی میل ہوتے ہیں اور کلومیٹر کے حساب سے ۸۲/کلومیٹر ۲۹۶/میٹر مسافت سفر بنتی ہے۔ اور اس سے کم مسافت کا کوئی قول کتب فقہ میں احقر کی نظر سے نہیں گذرا؛ اس لئے ’’ایضاح المسائل‘‘ میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ ۴۵/میل شرعی یعنی ۸۲/کلو میٹر ۲۹۶/میٹر سے کم مسافت میں قصر نہیں کرنا چاہئے۔ اور ۱۶/فرسخ کی بات کتب فقہ میں وضاحت سے نہیں ملتی؛ لیکن حدیث کی کتابوں میں ۱۶/فرسخ کی بات صاف الفاظ کے ساتھ موجود ہے، جس کے ۴۸/میل شرعی ہوتے ہیں۔ اور کلو میٹر کے حساب سے ۸۷/کلو میٹر ۸۲۷/میٹر ۴۰/سینٹی میٹر ہوتے ہیں، اس قول کے بارے میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ خود فرماتے ہیں کہ میں اسی پر فتویٰ دیتا ہوں؛ اس لئے کہ حدیث کی کتابوں میں یہی منقول ہے، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اسی پر متأخرین کا مذہب نقل کیا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں اس بات کی وضاحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ چار برید سے کم مسافت میں قصر نہ کیا کرو، جیسا کہ مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان کی مسافت ہے۔ اور چار برید میں ۱۶/فرسخ ہوتے ہیں۔ اور ۱۶/فرسخ میں ۴۸/میل شرعی ہوتے ہیں۔ اور حضرات فقہاء ومحدثین کے ان تمام دلائل ونظائر کو چھوڑ کر انگریزی میل کا اعتبار کرنا جس کا ثبوت کہیں سے بھی نہیں ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آتا، نیز حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ جب قصر واتمام کے مسئلہ میں اختلاف اور تعارض ہو جائے تو اتمام کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اور فقہاء ومحدثین سے فی الجملہ چار اقوال منقول ہیں جو آپ کے سامنے پیش کئے جا چکے ہیں، ان سب کو

چھوڑ کر شرعی مسافت کے لئے انگریزی میل کا اعتبار کیسے کیا جاسکتا ہے، اس لئے ہم نے ''ایضاح المسائل'' میں جو لکھا ہے اس کے اوپر ہم کو الحمدللہ بھرپور اعتماد ہے، اب اس کے بعد فقہ وحدیث کی چند عبارتیں ذیل میں نقل کردیتے ہیں، امید ہے کہ ان پر غور فرمائیں گے:

(۱) شامی اور موسوعہ میں اس سلسلے میں یہ عبارت نقل کی گئی ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

ثم اختلفوا فقيل: واحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر، والفتوى على الثاني؛ لأنه الأوسط. وفي المجتبى: فتوى أئمة خوارزم على الثالث. (الموسوعة الفقهية ٢٥/ ٣٠، شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ٢/ ١٢٣، زكريا ٢/ ٦٠٢)

(۲) اور ''حلبی کبیر'' میں یہ مسئلہ ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

قال المرغيناني: وعامة المشايخ قدروها بالفراسخ، فقيل: أحد وعشرون فرسخا، وقيل: ثمانية عشر فرسخا، قال المرغيناني: وعليه الفتوى، وقال العتابي في جوامع الفقه وهو المختار. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة المسافر، أشرفيه ديوبند، ص: ٥٣٥، عمدة القاري، كتاب تقصير الصلاة، باب في كم يقصر الصلاة؟ جديد زكريا ٥/ ٣٨٥، قديم بيروت ٧/ ١٢٥، بناية، كتاب الصلاة، باب المسافر، أشرفيه ديوبند ٣/ ٤)

(۳) ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وعامة مشايخنا قدروها بالفراسخ أيضا، واختلفوا فيما بينهم، بعضهم قالوا: أحد وعشرون فرسخا، وبعضهم قالوا: ثمانية عشر، وبعضهم قالوا: خمسة عشر، والفتوى على ثمانية عشر؛ لأنها أوسط الأعداد. وفي الغياثية: وعامتهم قدروا بالفراسخ، واختاروا ثمانية عشر في التقدير لا خمسة عشر؛ لأنه أضبط وأحوط. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، جديد، زكريا ٢/ ٤٩٠، رقم: ٣٠٨٦، قديم ٢/ ٢)

(۴) ''فیض الباری'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ومسافة القصر في المذهب مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، ثم حولوها إلى التقدير بالمنازل، فاختلفوا فيه على أقوال منها: ستة عشر فرسخا، كل فرسخ ثلاثة أميال، فتلك ثمانية وأربعون ميلا، كما في الحديث، وبه أفتى لكونه مذهب الآخرين. (فيض الباري، أبواب التقصير، باب في كم يقصر الصلاة، كوئٹه ٢/ ٣٩٧)

(۵) اورحدیث کی کتابوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن ابن عباس -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أهل مكة لا تقصروا الصلاة في أدنى من أربعة برد من مكة إلى عسفان. (سنن دارقطني، الصلاة، باب قدر المسافة التي تقصر في مثلها صلاة وقدر المدة ١/ ٣٧٤، رقم: ٤٣٢، بيهقي، الصلاة، باب السفر الذي لا تقصر ٣/ ١٣٧، المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ١١/ ٧٩، رقم: ١١١٦٢، السنن الكبرى، دارالفكر ٤/ ٣٣١، رقم: ٥٥٠٤)

(٦) ''عمدۃ القاری'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے جو بخاری شریف میں بھی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وكان ابن عمر -رضي الله عنه- وابن عباس -رضي الله عنه- يقصران ويفطران في أربعة برد، وهي ستة عشر فرسخا. (عمدة القاري، جديد زكريا ٥/ ٣٨٤، قديم بيروت ٧/ ١٢٥، بخاري شريف، كتاب الصلاة، تحت ترجمة الباب في كم يقصر الصلاة؟ ١/ ١٤٧)

والفراسخ ثلاثة أميال. (عمدة القاري، جديد زكريا ٥/ ٣٨٥، قديم بيروت ٧/ ١٢٥)

(۷) ''البحر الرائق'' میں اس مسئلہ کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور ساتھ ہی ۱۸؍فرسخ یعنی ۵۴؍میل شرعی جس کے ۸۷؍کلومیٹر ۷۵۵؍میٹر ۲۰؍سینٹی میٹر ہوتے ہیں، اسی پر جمہور کا

فتویٰ نقل کیا ہے۔ اور ائمہ خوارزم کا فتویٰ ۱۵؍فرسخ جو ۴۵؍شرعی میل ہے، جس کی ۸۲؍کلومیٹر اور ۲۹۶؍میٹر مسافت ہوتی ہے پر نقل کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وفي النهاية: الفتوى على اعتبار ثمانية عشر فرسخا. وفي المجتبى: فتوى أكثر أئمة خوارزم على خمسة عشر فرسخا. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، زكريا ٢/ ٢٢٨، كراچی ٢/ ١٢٩)

(۸) اور ''المحیط البرہانی'' میں جمہور کا فتویٰ ۱۸؍فرسخ پر نقل کیا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وعامة مشايخنا قدروه بالفراسخ أيضا، واختلفوا فيما بينهم، بعضهم قالوا: أحد وعشرون فرسخا، وبعضهم قالوا: ثمانية عشر فرسخا، أدنى مدة السفر ثمانية عشر فرسخا، وبعضهم قالوا: خمسة عشر، والفتوىٰ على ثمانية عشر؛ لأنها أوسط الأعداد. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، المجلس العلمي بيروت ٢/ ٣٨٥، رقم: ٢٠١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۸/۹ھ

مسافت سفر کی تحقیق

سوال [۳۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''احکام مسافر'' کی فوٹو اسٹیٹ حاضر خدمت ہے، اس میں شرعی سفر ساڑھے ۷۷؍کلو میٹر میں ثابت کیا ہے۔ اور ''ایضاح المسائل'' میں ۸۲؍کلومیٹر ۲۹۶؍میٹر اور تقریبا ۸۷؍کلومیٹر لکھا ہے، مسافر کس مقدار پر عمل کرے؟ خیال رہے کہ میل انگریزی اور میل شرعی میں فرق ہے، میل انگریزی کے مقابلہ میں میل شرعی ۲۴۰؍گز بڑا ہوتا ہے، یعنی دو ہزار گز کا ہوتا ہے، اس لحاظ سے ۴۸؍میل، میل شرعی سے ۸۷؍کلومیٹر ۸۲؍میٹر ۴۰؍سینٹی میٹر ہوتا ہے، مسافت سفر میں شرعی میل ۸۷؍کلومیٹر مراد نہیں ہے؛ بلکہ انگریزی میل مراد ہے۔

(نوٹ) بعض حضرات نے مسافت شرعی کی تحدید میں ۴۸؍میل کو میل شرعی پر محمول کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسلاف کی عبارات میں میل شرعی مراد ہے نہ کہ انگریزی، اس لحاظ سے ۸۷؍ کلومیٹر مسافت یقینی طور پر ہوگی، نہ کہ ۴/۱ ۷۷؍کلومیٹر؛ لیکن یہ قول بندہ کی معلومات کی حد تک سب سے پہلے مفتی پاکستان حضرت مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم نے اختیار کیا تھا، مگر جب مولانا مہربان علی بڑوتوی نے ان کا تعاقب کیا اور اکابر علمائے دیوبند سے اس کی تصدیق کرائی اور مسافت سفر نامی رسالہ شائع کیا تو حضرت مفتی صاحب نے رجوع کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''بہر کیف ان اکابر کی مراد اوران کے فتوی کی بنا واضح ہوگئی، تو میں اپنی تحریر سابق سے رجوع کرتا ہوں، جب تک کہ اہل تفقہ علماء حالات زمانہ پر ازسرنو اجتماعی طور پر غور وفکر کرکے کوئی نیا فیصلہ نہیں کرتے، اس وقت تک مسافت سفر ذیل رہے گی:

مسافت سفر: ۴۸؍میل انگریزی ۲۴۸۵،۷۷'' (احسن الفتاوی ۴/ ۹۶)

اسی طرح ''ایضاح المسائل'' کے مصنف مفتی شبیر احمد صاحب نے بھی یہی تحقیق پیش فرمائی ہے کہ میل سے مراد میل شرعی ہے۔ اور مسافت سفر ۸۷؍کلومیٹر ہے، نہ کہ ۴/۱ ۷۷ کلومیٹر، ممکن ہے موصوف کو حضرت مفتی رشید احمد صاحب کے فتاوی ''احسن الفتاوی'' کے قدیم نسخہ سے دھوکہ ہوا ہو، بہر حال مسافت سفر نامی رسالہ سے ۴/۱ ۷۷ کلومیٹر کی تحدید مزید متحقق ہوگئی؛ لہٰذا مسافت شرعی ۴/۱ ۷۷ کلومیٹر ہے، جیسا کہ سید مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۵/۵) فقط والسلام

المستفتي: محمد یونس سنگرور، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسافت سفر کی مقدار نصوص میں منزل وارد ہوئی ہے اور نصوص میں میل اور کیلومٹر کے ذریعہ سے تعیین نہیں کی گئی، بعد میں عامۃ المشائخ نے پندرہ فرسخ، اٹھارہ فرسخ اور اکیس فرسخ، تین اقوال نقل فرمائے ہیں۔ اور بعض نے ۱۶؍فرسخ بھی

نقل فرمایا ہے۔اور ایک فرسخ میں تین شرعی میل ہوتے ہیں اور پندرہ فرسخ سب سے چھوٹی مسافت ہے،اس میں ۴۵ رمیل شرعی ہوتے ہیں،جس میں ۸۲ رکلو میٹر ۲۹۶ رمیٹر ہوتے ہیں۔اور ہمارے اکابر میں سے بعض نے ۴۵ رمیل انگریزی کہا ہے۔اور بعض نے ۳۶ رمیل انگریزی اور بعض نے ۴۸ رمیل انگریزی کہا ہے۔اور ایک اہم اصول فقہاء نے لکھا ہے کہ جب مسافت سفر اور مسئلہ قصر میں اختلاف واقع ہوجائے تو اتمام کرنا چاہئے،قصر نہیں کرنا چاہئے؛اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ عامۃ المشائخ کے اقوال میں سے کم ازکم آخری قول اختیار کیا جائے،یعنی ۱۵ رفرسخ جس میں ۴۵ رمیل شرعی ہوتے ہیں،جو ۸۲ رکلومیٹر ۲۹۶ رمیٹر ہوتے ہیں۔اور ہم لوگ اسی مقدار پر فتویٰ لکھتے ہیں۔اور اگر کوئی ۴۸ رمیل انگریزی پر عمل کرتا ہے،تو ہم ان پر شدت سے نکیر بھی نہیں کرتے ہیں۔اور''ایضاح المسائل ص:۶۹ رمیں اس کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے،اب رہی''ایضاح المسائل'' لکھتے وقت''احسن الفتاوی'' کے قدیم نسخہ سے دھوکہ ہونا یہ جناب مولانا مفتی انعام الحسن دارالعلوم عالی پور مدظلہ کا اپنا خیال ہے،واقعہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ جس وقت مولانا مہربان علی بڑوتوی نے مفتی رشید احمد کی تحریر پر اعتراضات لکھا تھا،اس کی ایک فوٹو کاپی مولانا مہربان علی صاحب نے اس ناکارہ کے پاس بھی بھیجی تھی،سب چیزوں پر نظر ڈالی گئی،اس کے بعد''ایضاح المسائل'' لکھی گئی ہے،نیز اس موضوع کو بڑی تحقیق اور کاوشوں کے ساتھ بڑے بڑے علماء اور مفتیان کرام سے مشورہ کے بعد ہی لکھا گیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹ رمحرم ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/۵۱۶۲)	۱۴۱۸/۱/۲۹ھ

۷۰ رکلومیٹر مسافت سفر نہیں ہے

سوال [۳۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میں مرادآباد سے گڑھ کا سفر کرتا ہوں جو مرادآباد سے ستر کلومیٹر ہے؛ لیکن جویا پہنچ کر مجھے امروہہ بھی جانا ہے اور امروہہ جویا سے سات کلومیٹر ہے، جس کی آمد و رفت ۱۴؍کلومیٹر ہوتی ہے، پھر گجرولہ پہنچ کر حسن پور بھی جانا ہے، جو گجرولہ سے ۱۳؍کلومیٹر ہے، جس کی آمد و رفت گجرولہ، حسن پور تک ۲۶؍کلومیٹر ہوتی ہے؛ لیکن اصل ہمارا منتہاء سفر گڑھ ہے، جو مرادآباد سے کل ستر کلومیٹر ہے، اگر بیچ سفر سے ادھر ادھر جانے کی مسافت بھی جوڑی جائے تو کل مسافت ایک سو دس کلومیٹر ہوتی ہے، تو اس صورت میں میں مسافر شرعی ہوں گا یا نہیں؟ نیز جویا سے امروہہ جانے کی صورت میں اور گجرولہ سے حسن پور جانے کی صورت میں آنے جانے کی یعنی دونوں طرف کی مسافت سفر میں شمار ہوگی یا صرف ایک طرف کی یعنی صرف جانے کی یا صرف آنے یا ادھر ادھر جانے آنے کی مسافت بالکل شمار نہیں ہوگی؟

المستفتي: مفتی محمد شاہد عفا اللہ عنہ، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زیر نظر سوال میں یہ بات واضح ہے کہ منتہائے سفر گڑھ ہے، جو سوال نامہ کے مطابق ۷۰؍کلومیٹر ہے۔ اور یہ مسافت سفر نہیں ہے۔ اور جو درمیان میں جویا سے امروہہ جاکر اسی راستہ سے جویا واپس آنا ہوا، اسی طرح گجرولہ سے حسن پور جاکر اسی راستہ سے گجرولہ واپس آنا ہوا یہ ضمنی سفر ہے اور ضمنی سفر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اس لئے امروہہ اور حسن پور کا ضمنی سفر معتبر نہیں ہوگا؛ لہٰذا سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں یہ شخص مسافر نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر جویا سے امروہہ جاکر واپس جویا نہ آنا ہوتا؛ بلکہ امروہہ سے رجب پور والا راستہ پکڑ کر رجب پور نکل جاتا اور امروہہ سے رجب پور ہوتے ہوئے دلی روڈ پکڑ کر مسافت سفر ۸۵؍کلومیٹر ہوجاتی، تو ایسی صورت میں مسافت سفر شرعی پوری ہوجاتی؛ اس لئے قصر کرنا لازم ہوجاتا، اسی طرح گجرولہ سے حسن پور جس راستہ سے گیا ہے، اسی راستہ سے گجرولہ واپس نہ آکر دوسرا راستہ اختیار کرکے دلی روڈ پکڑ لیتا تو گجرولہ سے حسن پور ہوکر دلی

روڈ پکڑنے تک جو مسافت ہوسکتی ہے وہ بھی معتبر ہوجاتی، پھر مرادآباد سے اس راستہ سے ہوکر کے گڑھ پہنچنے میں ۸۵-۹۰ رکلومیٹر ہوجاتے ہیں، تو ایسی صورت میں بھی قصر کرنا لازم ہوجاتا، پھر اگر گڑھ جو منتہائے سفر ہے، وہاں سے مرادآباد واپس ہونے میں دائیں بائیں کہیں کا ارادہ نہ ہوتا، ڈائریکٹ مرادآباد کا ارادہ ہوتا تب بھی مرادآباد پہنچنے تک مسافر ہی رہتا۔ سائل نے سوال نامہ میں جو شکل پوچھی ہے اس سے مسافر نہیں ہوگا اور امروہہ حسن پور کا سفر مسافت میں داخل نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امدادالاحکام ۲/۳۳۴، ۳۳۵)

وتعتبر المدة من أي طريق أخذ فيه، كذا في البحر الرائق، فإذا قصد بلدة وإلى مقصده طريقان، أحدهما مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، والآخر دونها، فسلك الطريق الأبعد كان مسافرا عندنا، هكذا في فتاوى قاضيخان، وإن سلك الأقصر، يتم كذا في البحر الرائق.

(عالمگيري، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا ۱/ ۱۳۸، جديد زكريا ۱/ ۱۹۹، قاضيخان على الهندية، الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۱/ ۱۶۵، زكريا جديد ۱/ ۱۰٤، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ۲/ ۱۲۹، زكريا ۲/ ۲۲۸، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب المسافر، مصري قديم ۱/ ۱٦۱، دارالكتب العلمية، بيروت جديد ۱/ ۲۳۹، شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ٦۰۳، كراچی ۲/ ۱۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۲۹ھ

وطن اصلی و وطن اقامت کی تعریف

سوال [۳۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر میں اپنے گھر سے یا جائے ملازمت سے سفر شرعی پر جاؤں اور بالا بالا مدرسہ آکر تعلیم وتدریس میں مشغول ہوجاؤں کہ جمعرات یا جمعہ کو گھر چلا جاؤں گا، ابھی درمیان ہفتہ کیا جاؤں تعلیم کا نقصان ہوگا، دراں حالانکہ میں پندرہ روز مسلسل جائے ملازمت پر رہنے کا ارادہ نہ کروں، تو اتنے دنوں تک میں اپنی نمازوں میں قصر کروں یا اتمام؟ نیز وطن اصلی اور وطن اقامت کی شرعی تعریف معہ احکام مدلل بیان فرمائی جائے۔ بینوا توجروا

المستفتي: محمد عثمان القاسمی، مرکزی دارالعلوم، محمدیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قصر کرنا ہوگا۔ (فتاوی دارالعلوم ۴/۴۵۲، کفایت المفتی قدیم ۳/ ۳۳۵، جدید زکریا ۳/ ۳۷۸، جدید زکریا مطول ۵/ ۷۰)

یبطل ...... وطن الإقامة بمثله ...... وبإنشاء السفر الخ. (الدرالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، زکریا ۲/ ٦١٤، کراچی ۲/ ۱۳۲)

نیز وطن اصلی وہ مقام ہے جہاں پیدائش ہوئی ہو یا شادی کی ہو یا مستقل رہنے کا ارادہ ہو۔ اور ان مقامات سے جب تک مع ساز وسامان کے منتقل نہ ہوجائے یہ اپنی جگہ وطن اصلی ہی رہیں گے۔

الوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه، أي عزم على القرار فيه، وعدم ارتحال وإن لم يتأهل. (درالمختار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، زکریا ۲/ ٦١٤، کراچی ۲/ ۱۳۱)

اوروطن اقامت وہ مقام ہے جہاں مسافت سفر پر مسافر نصف ماہ یا اس سے زائد قیام کا ارادہ کرے، وہاں سے محض مسافت سفر کے ارادہ سے روانہ ہونے سے وہ وطن باطل ہوجاتا ہے۔

ووطن الإقامة، وهو موضع الذی ینوی المسافر أن یقیم فیه خمسة عشر یوما فصاعدا. (زیلعي، کتاب الصلاۃ، باب المسافر، زکریا ۱/ ٥١٧، إمدادیه ملتان ۱/ ۲۱٤)

ویبطل وطن الإقامة بمثله، وبإنشاء السفر الخ. (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زکریا ٢/ ٦١٤، کراچی ٢/ ١٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦/ربیع الاول ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/٢١٧٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٦/٣/١٤١١ھ

وطن اقامت اور وطن اصلی

سوال [٣٣٣٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مرادآباد میں کسی مدرسہ میں ملازم ہے اور اس کا وطن دیوبند ہے، اس کے ماموں کا گھر سہارنپور ہے اور زید بچپن ہی سے اپنے ماموں کے گھر رہا ہے اور اب بھی وہ مرادآباد سے اپنے ماموں کے گھر ہی جاتا ہے اور وہیں قیام کرتا ہے اور مستقل پوری زندگی وہیں رہنے کا ارادہ بھی ہے۔ اور اپنے گھر یعنی دیوبند میں بطور مہمان کبھی ایک دن کے لئے اور کبھی دو دن کے لئے جاتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں زید اپنے ماموں کے گھر مسافر رہے گا یا مقیم رہے گا؟ اسی طرح ایک شخص مسافر ہے اور مدت اقامت سے پہلے اس کا ارادہ دوبارہ سفر کا ہے، تو کیا ایسا شخص اقامت کی نیت کر کے مقیمین حضرات کی امامت کر سکتا ہے؟

المستفتي: انیس عالم جامع مسجد برہم بازار، دیور یاصدر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو صورت لکھی گئی ہے، اس میں زید کی پرورش سہارنپور ماموں کے یہاں ہوئی ہے اور ہمیشہ وہیں رہنے کا ارادہ ہے۔ اور زید عاقل بالغ بھی ہے، تو ایسی صورت میں اس کا وطن اصلی سہارنپور ہی ہے اور دیوبند جو اس کا وطن ولادت ہے، اگر اس کے ذہن میں اس کو باقی رکھنے کا ارادہ ہے، تو دونوں جگہ نمازوں کا اتمام

کرے گا۔اور اگر دیوبند کی وطنیت ختم کرنے کا ارادہ ہے تو دیوبند اس کا وطن اصلی نہیں رہا؛ لہٰذا اگر مرادآباد سے دیوبند ہوکر سہارنپور جانا ہے، تو دیوبند میں مسافر رہے گا اور نمازوں کی قصر کرنی ہوگی۔ اور اگر سہارنپور ہوکر دیوبند جانا ہے، تو سہارنپور پہنچتے ہی مقیم ہوجائے گا اور نمازوں کو مکمل ادا کرے گا۔اور سہارنپور سے دیوبند جائے گا تو اس میں مسافت سفر نہیں ہے؛ اس لئے دیوبند میں نمازوں کا اتمام کرے گا ،سوال نامہ میں مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ پوچھا گیا ہے کہ مسافر شخص کا کسی جگہ قیام کرکے آگے سفر کرنے کا ارادہ ہے اور جہاں پر قیام کیا جارہا ہے، وہاں سے مدت اقامت سے پہلے آگے کے سفر کا ارادہ ہے، تو ایسا شخص اس جگہ قیام کے دوران مسافر رہے گا، اور نمازوں کی قصر کرنا لازم ہوگا، چار رکعت پڑھنا اور پڑھانا اس کے لئے جائز نہیں ہوگا، اگر مقیمین کی امامت کرتا ہے، تو دو رکعت پر سلام پھیرنا لازم ہے۔اور مقیمین حضرات اپنی بقیہ نماز بعد میں پوری کریں گے۔

الوطن الأصلي هو موطن ولادته، أو تأهله، أو توطنه، يبطل بمثله لا غير، قال الشامي: ويسمى بالأهلي، ووطن الفطرة والقرار، عن القهستاني قوله (أو تأهله) أى تزوجه، قوله (توطنه) أي عزم على القرار فيه، وعدم ارتحال وإن لم يتأهل، فلو كان له أبوان ببلد غير مولده، وهو بالغ ولم يتأهل به، فليس ذلک وطنا له إلا إذا عزم على القرار فيه، وترک الوطن الذى كان له قبله شرح المنية. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ووطن الإقامة، كراچی ۲/ ۱۳۱، زکریا ۲/ ٦١٤)

وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده، فإذا قام المقيم إلى الاتمام لا يقرأ فى الأصح. (شامي، زكريا ۲/ ٦١٠-٦١١، كراچى ۲/ ۱۲۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۰۰/۴۰)

وطن اقامت سے اپنے آبائی وطن آئے تو نماز میں قصر واتمام کا کیا حکم ہے؟

سوال [۳۳۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی پیدائش اپنے آبائی وطن شہر مرادآباد میں ہوئی، اب یہ شخص مع اہل وعیال کے دوسرے شہر میں مقیم ہوگیا اور ان کا سارا کاروبار بھی وہیں ہے، اب یہ شخص اپنے رشتہ دار سے ملنے کی غرض سے اپنے وطن اصلی آتا ہے،تو اس مدت میں پورنماز پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کرعنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتي: کمال الدین مفتی ٹولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں شخص مذکور جب اپنے آبائی وطن میں رشتہ داروں سے ملنے کی غرض سے آئے گا اور پندرہ روز سے کم مدت میں واپس چلے جانے کا ارادہ ہے،تو اس درمیان آبائی وطن میں اس پر قصر کرنا لازم ہوگا۔(مستفاد: احسن الفتاوی۴/ ۷۶)

يبطل الوطن الأصلي بمثله الخ. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، زكريا ٢/ ٢٣٩، كوئٹه ٢/ ١٣٦)

ويبطل الوطن الأصلي بالوطن الأصلي إذا انتقل عن الأول بأهله.

(هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا ١/ ١٤٢)

البتہ اگراس کاارادہ مرادآباد ہی میں دوبارہ آکر ہمیشہ کی رہائش کا ہے،تو پھر مرادآباد میں قصر کرنا جائز نہ ہوگا، اتمام لازم ہوگا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۹/ ۳۲۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۷/۸ھ

''ایضاح المسائل'' کے ایک مسئلہ کی وضاحت

سوال [۳۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ''امداد الاحکام'' میں (۶۰۴/۱۸) میں ہے، ''تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قصر کرنا چاہئے تھا'' ہونا چاہئے کرنا چاہئے، اس میں آپ بھی غور فرمائیں۔

(۲) کتاب ''ایضاح المسائل'' ص: ۶۶ / پر مسئلہ نمبر۲ جب دہلی میں مراد آبادی مستقل کاروبار کرتا رہا ہے، تو اس کے لئے ص: ۶۷ کی شرط نہیں ہونی چاہئے، جیسا کہ دار العلوم دیوبند کے ایک مفتی صاحب نے بندہ سے فرمایا، پھر نمبر۲ پندرہ روز رہنے کی نیت کر چکا ہو ہونا چاہئے پندرہ روز سے زائد قیام کر چکا ہو نہ ہونا چاہئے، ان دو سطروں میں غور فرمائیں اور یہ شرط ''امداد الاحکام'' میں نہیں ہے۔

(۳) ''امداد الاحکام'' (۶۰۹/۱) سطر اول میں خلاصہ یہ ہوا کہ وطن اقامت سے اگر انشاء سفر کا قصد کیا جاوے، تو اس صورت میں تو خروج من العمران کے بعد ہی وطن اقامت باطل ہوجاتا ہے، یہ سمجھ میں نہیں آیا؛ کیوں کہ اصلی وطن، وطن اقامت دونوں کو چھوڑ کر سفر کرنے سے اور اصلی وطن میں داخل ہونے سے یا اس کے مثل دوسرا بنا لینے سے ختم ہوتے ہیں، محض سفر کر لینے سے ختم نہیں ہوتے، جب کہ حضرت مفتی صاحب اصلی وطن اور وطن اقامت متعدد ہوسکتے ہیں، تو خروج من العمران کے بعد کیسے باطل ہوجائیں گے؟ ایسا ہی (امداد الاحکام ص: ۶۳۱، سوال نمبر۱۱) کے جواب میں ہے کہ وطن اقامت میں تنہا مرد کا قیام ہو اس کے سفر کرنے سے باطل ہوجائے گا، یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا، اصل میں وطن ختم ہونے کا مدار نیت پر ہے، چھوڑ کر جائے گا تو ختم اور اگر واپسی کی نیت ہے حاجت پوری کرنی ہے، تو باقی رہے گا، اس میں آپ کی رائے شریف کیا ہے؟

المستفتي: حافظ نور محمد جھنجھانوی، محلہ کوڑہ گر، قصبہ جھنجھانہ، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ”امدادالاحکام“ کی پوری عبارت اس طرح ہے:
”کیوں کہ اگر مطلق تزوج ببلدہ موجب قصر ہوجائے خواہ زوجہ کو وہاں رکھے یا نہ رکھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں قصر کرنا چاہئے تھا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں نکاح کیا تھا۔ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے باپ کا گھر وہاں موجود تھا، ان کے بھائی وغیرہ بھی وہاں موجود تھے، نیز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے مکہ ہی میں نکاح کیا تھا اور ان کا خاندان مکہ میں تھا، مگر صحیحین سے ثابت ہے کہ آپ نے مکہ میں قصر کیا ہے۔ اور نماز کے بعد فرماتے تھے: ”**یا أهل مكة! أتموا صلاتكم، فإنا قوم سفر**“ الخ. اب غور فرمایئے ان عبارات میں لفظ ”قصر“ نہ کرنا چاہئے تھا، اپنی جگہ بالکل صحیح اور درست ہے، ہاں البتہ اس سے قبل کی عبارت اگر مطلق تزوج ببلدہ موجب قصر ہوجاوے میں کتابت میں الٹا ہوگیا ہے، ہونا چاہئے تھا، موجب اتمام، یہاں موجب اتمام کی جگہ موجب قصر ہوگیا ہے، باقی سب عبارات اپنی جگہ درست ہیں۔
”امدادالاحکام“ (۳۱۰/۲) میں یہ بحث ہے۔

(۲) آنجناب کی بات اس بارے میں بالکل صحیح اور درست ہے کہ ایک دفعہ پندرہ روز قیام کی قید لگانے کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن اس بارے میں احقر نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی سے گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ اس مسئلہ پر کراچی میں علماء پاکستان کا ایک فقہی اجتماع ہوا، اس میں سب نے احتیاطاً اس شرط کی قید لگائی“ احقر نے صرف علماء کے اتفاق واجماع کی بناء پر یہ شرط لگائی ہے، ورنہ اس شرط کی ضرورت نہیں تھی اور پندرہ روز کے بجائے زائد کا لفظ لگا کر بیان کرنا محاورہ میں معروف ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پندرہ روز سے کم نہ ہو۔

(۳) آنجناب سے گزارش ہے کہ فرشتوں کی تحریر اور فرشتوں کی زبان ابن آدم سمجھنے سے قاصر ہے، شاید آنجناب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح انشاء سفر سے وطن اصلی باطل نہیں

ہوتا ہے، اسی طرح انشاء سفر سے وطن اقامت بھی باطل نہ ہونا چاہئے، اگر یہی مراد ہے، تو جواب یہ ہے کہ وطن اصلی اور وطن تاہل یعنی جہاں بیوی کے ساتھ رہائش اختیار کر رکھی ہے، دونوں کا حکم ایک ہے، یعنی انشاء سفر سے باطل نہیں ہوتے ہیں؛ لیکن وطن اقامت جس میں تنہا رہتا ہو واپسی کی نیت ہو تب بھی مسافت سفر کے ارادہ سے انشاء سفر کرے گا تو وطن اقامت باطل ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۲۰ھ

وطن اقامت کس طرح کے سفر سے باطل ہوتا ہے؟

سوال [۳۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا وطن اقامت محض سفر شرعی سے باطل ہو جاتا ہے، جیسا کہ عام متون وشروح اس پر دال ہیں: ”**ويبطل الوطن الأصلي بمثله والسفر، ووطن الإقامة، بمثله والسفر**“ یا ایسے سفر سے باطل ہوتا ہے جس کے بعد وطن اقامت کی طرف عود کا ارادہ نہ ہو، جیسا کہ وطن اصلی محض سفر سے باطل نہیں ہوتا ہے، جب تک کہ وطن اصلی کو بالکلیہ ترک نہ کیا ہو اور دوسرا وطن اصلی نہ بنالیا ہو، اس سلسلہ میں ایک استفتاء ”احسن الفتاوی“ جلد چہارم میں منقول ہے، رسالہ کا نام ہے ”**وطن الارتحال يبقى ببقاء الأثقال**“ اور اس کا جواب خیر المدارس پاکستان کے مفتی عبد الستار نے دیا ہے اور اس کی تصویب حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے کی ہے، جس میں لکھا ہے کہ وطن اقامت محض سفر شرعی سے باطل نہیں ہوگا جب تک اس وطن سے مکمل ارتحال کا قصد نہ ہو، اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحب نے بدائع اور بحر سے دلائل پیش کر کے فتویٰ کو حتمی شکل دی ہے، دلائل کا خلاصہ ذیل میں ہے۔

وطن اقامت کا بطلان سفر شرعی کے ذریعہ فقہی عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے، اور یہی معمول بہ

بھی ہے؛ لیکن سفر شرعی سے مراد مکمل طور پر قصد ارتحال ہو، وطن اصلی کی طرح جس وطن سے بھی ترک توطن کا عزم کرلیا اور وہاں سے نکل پڑا اور دوسری جگہ وطن بنالیا ہو تو وہ وطن باطل ہو جائے گا، خواہ یہ وطن اصلی ہو یا وطن اقامت۔ ''بدائع'' میں ہے:

وينقض بالسفر أيضا؛ لأن توطنه في هذا المقام ليس للقرار، ولكن لحاجة، فإذا سافر منه يستدل به على قضاء حاجته، فصار معرضا عن التوطن به، فصار ناقضا له دلالة. (بدائع الصنائع، زكريا ١/ ٢٨٠)

کسی جگہ سے سفر کرنا اس حال میں کہ سامان اور ضروریات کی تمام چیزیں وہاں رکھ چھوڑی ہیں، تو ایسی جگہ کا وطن ہونا متعین ہے، بقائے ثقل، بقائے توطن کی قطعی دلیل ہے۔ ''البحر الرائق'' کی عبارت اس سلسلہ میں واضح دلیل ہے:

لو كان له أهل بالكوفة وأهل بالبصرة، فمات أهله بالبصرة، وبقي له دور وعقار بالبصرة (لاتبقى وطنا له) وقيل: تبقي وطنا له؛ لأنها كانت وطنا له بالأهل والدار جميعا، فبزوال أحدهما لا يرتفع الوطن كوطن الإقامة تبقى ببقاء الثقل، وإن أقام بموضع آخر. (البحر الرائق، زكريا ٢/ ٢٣٩)

گذشتہ دلائل سے یہ بات متعین ہوگئی کہ وہی سفر مبطل اور ناقض الوطن السابق ہے، جو اعراض پر دلالت کرے۔ ''**وإن أقام بموضع آخر**'' سے بیک وقت دو وطن اقامت کا ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے، وہ اس لئے کہ پہلا وطن حالت سابقہ پر باقی ہے، معرض کوئی پیش نہیں آئی ہے، یمین کے مسئلہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جب قسم کھائے کہ ''**لا يسكن هذه الدار ...... فخرج وبقى متاعه، وأهله حنث؛ لأنه يعد ساكنا ببقاء أهله ومتاعه عرفا**''. (البحر الرائق، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج، زكريا ٥/ ٥٠٤، كوئٹه ٤/ ٣٠٦)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چند سال یا چند ماہ کے واسطے ملازمت کی غرض سے مع اہل وعیال کہیں مقیم ہے، اسی طرح مدارس کے معلمین و متعلمین درس وتدریس کے سلسلہ

میں کہیں رہتے ہیں، جسے وطن اقامت کہا جاتا ہے، تو اب ملازمت کے دوران وطن اقامت سے کبھی کسی ضرورت کے تحت سفر شرعی پر جاتے ہیں اور سفر سے واپسی پر اپنی ملازمت کی جگہ یعنی وطن اقامت میں پندرہ روز سے قبل ہی سفر کا ارادہ رکھتے ہیں، تو مشہور تو یہی ہے کہ سفر شرعی سے وطن اقامت ختم ہو جاتا ہے، اب اتمام کے لئے تجدید نیت یعنی دوبارہ پندرہ روز کی نیت سے قیام کرنا ہوگا، ورنہ قصر پڑھتے رہیں گے، مگر مفتی غلام صاحب کا فتویٰ ہے کہ چونکہ یہ سفر محض ضرورت کے لئے عارضی ووقتی ہے اور اس سفر سے وطن اقامت کے ترک کا قصد نہیں؛ بلکہ عود کا عزم مصمم ہے؛ اس لئے محض انشاء سفر سے مع عزم العود وطن اقامت باطل نہیں ہوا۔ اور سفر سے واپسی پر اتمام کرتے رہیں گے، گو کہ پندرہ روز سے قبل دوبارہ سفر کا ارادہ ہو کہ یہ سفر مبطل وطن اقامت نہیں ہے، جناب والا سے استدعاء ہے کہ اپنی تحقیق سے سرفراز فرمائیں، یہ گوشہ بھی ملحوظ رہے کہ بعض ملازم مع اپنے اہل وعیال وخانگی سامان کے قیام پذیر ہوتے ہیں، جب کہ بعض دوسرے تنہا اور مختصراً استعمال کے کپڑوں کے ساتھ قیام کرتے ہیں، کیا دونوں قسموں کے ملازموں کا حکم یکساں ہے، یا دونوں میں فرق ہے؟ مفتی غلام صاحب نے تو پہلی صنف کے ملازموں کی اقامت پر وطن اصلی ہونے کا بھی حکم لگایا ہے، تفصیلی جواب سے ممنون فرمائیں۔ بینوا بالبرہان اجرکم الرحمان۔

المستفتي: محمد شہباز ندوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ مسئلہ صرف حضرت مولانا عبد الستار صاحب اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے نہیں لکھا ہے؛ بلکہ ان کے پہلے حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی زیر نگرانی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ وغیرہ ''امداد الاحکام'' میں لکھ چکے ہیں۔ (امداد الاحکام ٢/٢٣٢) میں کافی تفصیلی فتویٰ موجود ہے، احقر نے ''ایضاح المسائل'' میں بھی اس مسئلہ کو لکھا ہے، بس اس میں اتنی قید لگائی جاتی ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ

قیام کرتا ہو؛ کیوں کہ بقائے ثقل کا پورا مفہوم بیوی کے ساتھ ہی پورا ہوتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴رذیقعدہ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/ ۵۵۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۴ھ

''شرح وقایہ'' کی عبارت:''ویبطل الوطن الأصلی'' کی وضاحت

بخدمت حضرات مفتیان کرام اور حاملین شرع متین دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوں گے!

ازراہ کرام درج ذیل عبارت کی تسلی بخش تشریح کر کے ممنون فرمائیں:

سوال [۳۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:''**ویبطل الوطن الأصلي بمثله لا السفر، ووطن الإقامة بمثله، والسفر، والأصلي**''. (شرح وقاية ١/ ١٩٧)

کیا وطن اقامت مطلق ہر سفر شرعی سے باطل ہوجاتا ہے یا ساز وسامان کے ساتھ سفر کرنا ضروری ہے، جیسا کہ صاحب احسن الفتاوی اس کی قید لگاتے ہیں اور مستقل رسالہ اس بارے میں انہوں نے تحریر فرمایا:

''**وطن الارتحال یبقی ببقاء الأثقال**". (أحسن الفتاوی ٤/ ١٠٧)

اگر مطلق سفر شرعی سے وطن اقامت باطل ہوتا ہوتو پھر''بحر'' کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوسکتا ہے:

قال صاحب البحر، وفي المحيط: ولو كان له أهل بالكوفة وأهل بالبصرة...... كوطن الإقامة تبقى ببقاء الثقل، وإن أقام بموضع آخر.
(٢/ ٢٣٩ مطبع زكريا)

نیز ''بحر'' کی اس عبارت سے لگ رہا ہے کہ ایک سے زائد وطن اقامت ہوسکتے ہیں۔ اور متون کے اطلاق سے معلوم ہورہا ہے کہ حکم اس کے برعکس ہے۔

غرض حاصل سوال کا یہ ہے کہ متون کے اس اطلاق کو عزم علی الترک کے ساتھ مقید کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ صاحب احسن الفتاوی مقید مانتے ہیں، یا وہ عبارتیں اپنے اطلاق پر باقی ہیں، آپ کے پاس جو بات راجح ہو اس سے مطلع فرمائیں، اگر صاحب احسن الفتاوی کی یہ رائے محض تفرد ہو تو ان کے دلائل کا جواب مدلل ارقام فرمائیں- جزاکم اللہ خیرا- اللہ تعالیٰ آپ کی عمر شریف دراز فرمائے اور امت کو خوب استفادہ کا موقع ملے۔ (آمین)

المستفتي: راقم بندہ عبدالرحمٰن مدرسہ مفتاح العلوم میل وشارم مدراس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال کا جواب ایک اصولی گفتگو کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ وطن کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وطن اصلی، یہ متعدد ہوسکتے ہیں۔

(۲) وطن تأہل، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ کا رہنے والا ہے، وہ دوسری جگہ جاکر کے شادی کرلیتا ہے اور بیوی کی رہائش کا انتظام بھی وہیں کرلیتا ہے، یا کسی جگہ کا رہنے والا اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ دوسری جگہ جاکر رہائش اختیار کرتا ہے اور پہلی جگہ کو نہیں چھوڑتا، یا پہلے وطن کے باقی رہتے ہوئے دوسری جگہ ملازمت اختیار کرلیتا ہے اور اپنی بیوی بچوں کو ساتھ لے کر رہنے لگتا ہے، تو یہ بھی وطن تأہل کہلاتا ہے۔ اور وطن تاہل کا حکم وطن اصلی جیسا ہوتا ہے۔

(۳) وطن اقامت، وطن اقامت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوران سفر کسی بھی جگہ پندرہ دن سے زائد قیام کی نیت کرلی جائے اور یہ وطن محض وہاں سے سفر شروع کردینے کی وجہ سے باطل ہوجاتا ہے۔ اور ''شرح وقایہ'' کی عبارت کا مطلب یہی ہے؛ لیکن اگر کسی جگہ پندرہ دن سے زیادہ قیام کی نیت کرلی ہے اور بیوی بچے ساتھ میں ہیں، پھر بیوی بچوں کو وہاں چھوڑ کر

دوسری جگہ سفر کر کے لوٹ کر آتا ہے، تو ایسی صورت میں اس جگہ پر قصر کرے گا یا اتمام کرے گا؟ جب کہ اس کے بال بچے بھی یہاں موجود رہے ہوں، اور زندگی کے ساز وسامان بھی یہیں رہے ہوں، تو اس سلسلہ میں صاحب بحر وغیرہ نے یہ لکھا ہے کہ جب بال بچہ کی رہائش کا انتظام اس جگہ پر کرلیا گیا ہے، تو وہ وطن تأہل کے درجہ میں ہوگیا۔ اور بعض فقہاء نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے؛ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ بال بچہ اور اثاثہ کے ساتھ اس جگہ پر ایک مدت تک رہنے کا ارادہ ہو چکا ہے، تو وہ وطن تأہل کے درجہ میں ہوگیا ہے۔ اور اگر ایک عرصہ تک رہنے کا ارادہ نہیں ہے، تو وطن تأہل کے درجہ میں نہیں ہوگا، اس کی مثال یوں سمجھ لی جائے کہ مسافت سفر سے دوری پر شادی کرلی جائے تو اس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں:

(۱) شادی کر کے بیوی کی رہائش کا انتظام بھی وہیں کرلیا جائے تو وہ وطن تأہل بن گیا، اب وہ وطن اقامت نہیں رہا۔

(۲) دوسری شکل: مسافت سفر سے دوری پر شادی کرلی جائے اور بیوی کو رخصت کر لے اپنے وطن لے آئے پھر بعد میں ساز وسامان کے ساتھ بیوی کو لے کر سسرال جائے اور پندرہ دن سے زائد سسرال میں قیام کرلے، پھر اس کے بعد بیوی کو سسرال ہی میں چھوڑ کر مسافت سفر پر جاتا آتا ہے، اور اس کا ارادہ یہی ہے کہ محض دو تین مہینے کے لئے سسرال میں رہنا ہے، اس کے بعد اصلی وطن واپس ہو جائیں گے، تو ایسی صورت میں بیوی کے وہاں ہوتے ہوئے پندرہ دن سے کم قیام کے ارادے سے آنے جانے پر صاحب بحر کے قول کے مطابق اتمام کرے گا۔ اور وطن اقامت باطل نہیں ہوگا۔ اور دوسرے فقہاء کے اقوال کے مطابق وطن اقامت باطل ہو جائے گا، اسی طرح مسافت سفر پر بیوی کو اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں چھوڑ کر آتا جاتا ہے، تو یہی حکم اور یہی اختلاف رہے گا؛ لیکن اس کے برخلاف جائے ملازمت میں بیوی بچوں کے ساتھ رہنے کی صورت میں جائے ملازمت وطن تأہل بن جاتا ہے۔ اور اگر بیوی بچوں کے ساتھ نہیں ہے، تنہاء اور تجرد کی زندگی گزارتا ہے، تو جائے ملازمت وطن تأہل نہیں بنے گا؛ بلکہ وطن اقامت ہی رہے گا، مستفتی نے ”احسن

الفتاویٰ'' کا حوالہ دیا ہے؛ لیکن یہ مسئلہ مفصل طور پر'' امداد الاحکام'' میں موجود ہے، جو حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں مرتب فرمایا ہے، اس کو دیکھ لیا جائے۔ اور ہماری رائے بھی یہی ہے کہ مسافت سفر پر جس جگہ بیوی بچے اور ساز وسامان کے ساتھ رہتا ہے، تو وہ وطن تأہل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور اگر بغیر بیوی بچے کے رہتا ہے، تو وہ وطن اقامت کے حکم میں ہوتا ہے؛ لہٰذا بیوی بچوں کے رہنے کی حالت میں وہاں سے سفر شرعی کرے گا، تو وہ وطن ختم نہیں ہوگا، جیسا کہ صاحب بحر نے لکھا ہے، اور بغیر بیوی بچوں کے رہنے کی حالت میں سفر کرے گا، تو وہ وطن ختم ہوجائے گا، جیسا کہ ''شرح وقایہ'' کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ مزید تفصیل (امداد الاحکام ۲/ ۳۰۷- ۳۱۵) میں دیکھ لی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۲۵ھ

وطن اصلی تبدیل کرنے کی صورت میں نماز کا حکم

سوال [۳۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک عزیز پہلے یہاں (مرادآباد) میں مقیم تھے اور اب مستقل مع اہل وعیال دہلی چلے گئے، ایسی صورت میں جب کبھی مرادآباد آئیں تو نماز قصر ادا کریں اور دہلی میں کیا کریں؟

المستفتي: ظہیر عالم محلّہ بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اب مرادآباد رہنے کا ارادہ نہیں ہے اور دہلی ہی کو اپنا وطن بنا لیا ہے، تو مرادآباد بطور مہمانداری آنے پر پندرہ روز سے کم قیام کی صورت میں مرادآباد میں قصر کرنا لازم ہوگا۔ اور دہلی میں چار رکعت پڑھنا لازم ہوگا۔ اور اگر مرادآباد میں

رہائشی سب چیزیں ملکیت میں موجود ہیں اور مرادآباد کو بطور وطن باقی رکھا ہے اور مرادآباد کو بالکلیہ ترک کرنے کا ارادہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں دونوں جگہ نماز مکمل پڑھا کرے گا۔

عن يحيى بن أبي اسحاق سمعت أنسا -رضي الله عنه- يقول: خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم من المدينة إلى مكة، فكان يصلي ركعتين ركعتين، حتى رجعنا إلى المدينة، قلت: أقمتم بمكة شيئا؟ قال: أقمنا بها عشرا. (صحيح البخاري، كتاب تقصير الصلاة، باب ماجاء في التقصير، النسخة الهندية ١/ ١٤٧، رقم: ١٠٧٠، ف: ١٠٨١)

إذا انتقل من البلد الذي تأهل به أهله وعياله وتوطن ببلدة أخرى بأهله وعياله لا تبقى البلد المنتقل عنها وطنا له.

لو نقل الرجل أهله وعياله ببلدة وتوطن ثمة، وله في مصره الأول دور وعقار، قال بعض المشايخ: يبقى المصر الأول وطنا له، حتى لو دخل فيه يصير مقيما من غير نية الإقامة. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٥١٠، رقم: ٣١٤٥، ٣١٤٩)

الوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه، ويبطل بمثله إذا لم يبق له بالأول أهل، فلو بقى لم يبطل بل يتم. (درمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ٢/ ١٣٢، زكريا ٢/ ٦١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۸)

وطن اقامت سفر شرعی سے باطل ہوجاتا ہے

سوال [۳۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مسجد میں امامت کرتا ہوں، میرا گھر پندرہ میل دور ہے، میں اتوار کے دن

مسجد ہی سے یہ نیت کر کے گھر گیا کہ پیر کے دن مسجد میں آ کر دو دن رہ کر جمعرات کو بردوان جاؤں گا اور مسجد سے بردوان کا ۵۰؍میل کا راستہ ہے، تو میں گھر سے آ کر مسجد میں نماز قصر کروں یا پوری نماز ادا کروں؟ اور بردوان سے واپس آ کر مسجد میں نماز قصر کروں یا پوری نماز ادا کروں؟ اگر قصر کروں تو کب تک کرنا ہوگا؟ میں بردوان سے گھر نہ جانے تک قصر کروں یا بردوان سے مسجد آ کر پوری نماز ادا کروں؟

المستفتي: محمد حیدر علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں چونکہ گھر سے بردوان کی مسافت ۶۵؍میل سفر شرعی کے بقدر ہے؛ اس لئے گھر سے جب بردوان جانے کے ارادے سے نکلے گا تو وہ مسافر بن جائے گا، اسے مسجد میں بھی قصر کرنا ہوگا۔ اور پھر بردوان سے واپس آ کر اگر مسجد میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہیں تو بھی قصر کرنا واجب ہوگا۔

عن عبدالله بن عمر قال: إذا كنت مسافرا فوطنت نفسك على إقامة خمسة عشر يوما، فأتمم الصلاة، وإن كنت لاتدري فاقصر، قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة. (كتاب الآثار، للإمام محمد، باب الصلاة في السفر، رحیم اکیڈمی کراچی/ ۲۰۱، رقم: ۱۸۸)

والحاصل: أن إنشاء السفر يبطل وطن الإقامة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، کراچی ۲/ ۱۳۲، زکریا ۲/ ۶۱۵)

والسفر أي يبطل وطن الإقامة به؛ لأنه ضد الإقامة، فلا يبقى معه حتى لو نوى الإقامة في بلد، ثم سافر، ثم أتى ذلك البلد قصر مالم ينوها. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/ ۲۴۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۴/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۰۵)

مسافت سفر کی ابتداء وانتہاء کا حکم

سوال [۳۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہم جب مرادآباد کا سفر کرتے ہیں، تو ہمارے گاؤں سے اور جہاں سے مرادآباد شہر کی حد شروع ہوتی ہے، یعنی ہرتھلا پار کر کے یہاں تک مسافت سفر پوری نہیں ہوتی؛ البتہ ہمیں دارالطلبہ لالباغ جانا ہوتا ہے، وہی ہماری منزل ہے، لالباغ تک مسافت پوری ہوجاتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے، کیا ہم مسافر ہونگے یا نہیں؟

(۲) شرعاً مسافت سفر کا اعتبار شہر کی ابتدائی حدود تک شمار ہوگا یا شہر کے جس محلّہ اور جس جگہ جارہے ہیں اس جگہ تک مسافت کا اعتبار ہوگا؟

(۳) شہر کے جس محلّہ اور جگہ سے سفر شروع کیا ہے، وہاں سے مسافت کی ابتداء ہوگی یا شہر کی حد جس جگہ ختم ہوتی ہے، اس جگہ سے مسافت سفر شمار ہوگی؟

المستفتي: عبدالرشید سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جب آپ کے گاؤں سے مرادآباد کی آبادی کی ابتدا ہرتھلہ تک کے درمیان مسافت سفر پوری نہیں ہوتی ہے، تو آپ کو مرادآباد کے سفر میں قصر کرنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ نمازوں کا اتمام لازم ہے چاہے، مرادآباد کی آبادی کے اندر دارالطلبہ تک پہنچنے میں مسافت سفر پوری ہوجاتی ہو؛ اس لئے کہ قصر واتمام کا مدار جہاں سے سفر شروع کیا جاتا ہے وہاں کی آبادی کی سرحد سے جہاں جانا ہے وہاں کی آبادی کی ابتداء تک کے درمیان کی مسافت پر ہے۔ اور یہاں مسافت سفر پوری نہیں ہے۔

أخرج البخاري تعليقا قال: وخرج علي بن أبي طالب، فقصر وهو يرى البيوت، فلما رجع قيل له: هذه الكوفة قال: لا، حتى ندخلها. (صحيح البخاري، كتاب تقصير الصلاة، باب يقصر إذا خرج من موضعه ١/١٤٨)

من خرج من عمارة موضع إقامته من جانب خروجه، وإن لم يجاوز

من الجانب الآخر. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۰، زكريا ۲/ ۵۹۹)

وفي التاتارخانية: والمعتبر من الخروج أن يجاوز المصر وعمراناته هو المختار، وعليه الفتوى. (تاتارخانية، قديم ۲/ ٤، جديد زكريا ۲/ ٤۹۳، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر)

(۲) اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ (۲) جس جگہ اور محلّہ سے سفر شروع کیا ہے، وہاں سے مسافت کی ابتداء وہاں کی آبادی کی سرحد جہاں پر ختم ہورہی ہے، وہاں سے ہوگی، دلیل اوپر گذر چکی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۴ھ

مسافت سفر کے ارادہ سے سفر شروع کرنے کے بعد درمیان میں قیام اور سفر ملتوی کرنے کا حکم

سوال [۳۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو دلی جانا تھا اور وہ دلی کے لئے روانہ ہوا، پھر امروہہ اترا، مرادآباد سے امروہہ ۳۰؍کلومیٹر ہے اور امروہہ اترنے کے بعد اس کا ارادہ دلی جانا کینسل ہوگیا اور امروہہ سے نوگاواں ۵-۷؍کلومیٹر ہے وہاں دو، تین دن رہنے کا ارادہ ہوا، پھر وہاں سے دس بارہ کلو میٹر کے فاصلہ پر سات دن گذارنے کا ارادہ ہے، پھر وہاں سے کانٹھ ۷؍کلومیٹر ہے، کانٹھ میں دس دن رہنے کا ارادہ ہے، اس کے بعد اس کا مرادآباد لوٹنے کا ارادہ ہے، اب مفتی صاحب سے گزارش یہ ہے کہ تیس کلو میٹر کے فاصلہ پر جاکر دلی جانے کا ارادہ ملتوی ہوگیا، پھر اس علاقہ میں دس پندرہ روز رہنے کا ارادہ ہوا، یہاں تک کہ امروہہ مرادآباد سے مسافت سفر پر نہیں ہے تو کیا امروہہ پہنچ کر دلی کا ارادہ ملتوی کرنے سے اقامت لوٹ آئے گی یا مسافر ہی

رہے گا؟ جب کہ وہ امروہہ پہنچنے سے پہلے قصر بھی کر چکا ہے، نیز امروہہ سے نوگاواں، عمری، کانٹھ ہوتے ہوئے جب مرادآباد آنے کا ارادہ ہوا تو وہ مقیم بن گیا یا مسافر ہی رہے گا؟ ایسا ہی واقعہ تبلیغی جماعت کے ساتھ کثرت سے پیش آتا ہے۔

المستفتي: محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مرادآباد سے دلی مسافت سفر پر ہے؛ اس لئے مرادآباد سے دلی جانے والوں پر مرادآباد کی آبادی ختم ہونے کے بعد سے نمازوں کا قصر کرنا لازم ہوتا ہے، جب یہ شخص دلی ہی کے ارادہ سے مرادآباد سے روانہ ہوا ہے، جب تک اس کا ارادہ باقی رہے گا قصر کرتا رہے گا۔ اور امروہہ صرف ۳۰ رکلومیٹر پر ہے اور اسی طرح نوگاواں، عمری اور کانٹھ وغیرہ قریب قریب کے علاقے ہیں، جب یہ شخص امروہہ یا نوگاواں وغیرہ جانے کے بعد دلی جانے کا ارادہ ملتوی کر دیتا ہے، تو جس وقت ارادہ ملتوی کرے گا اس وقت سے علاقائی مقیم بن جائے گا، اب اس کے لئے نمازوں کو قصر کرنا جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ پوری نماز پڑھنا لازم ہوگا، اسی طرح تبلیغی جماعت والے لمبی مسافت کے ارادہ سے نکلے اور بعد میں ابھی لمبی مسافت کا سفر نہیں ہو پایا تھا، ان کا ارادہ بدل جائے کہ اب یہیں سے واپس ہونا ہے، تو جہاں پر ارادہ بدل جائے وہیں سے نمازوں کا اتمام کرنا لازم ہو جائے گا۔

جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

إذا عزم المسافر على العود إلى وطنه قبل أن يسير مسافة القصر، فإنه يعتبر مقيما من حين عزم على العود، ويصلي تماما؛ لأن العزم على العودة إلى الوطن قصد ترك السفر بمنزلة نية الإقامة.

(الموسوعة الفقهية ٢٧/ ٢٨٦)

ولا يزال حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلده أو قرية خمسة عشر يوما، أو أكثر كذا في الهداية، هذا إذا سار ثلاثة أيام، أما إذا لم يسر

ثلاثة أيام، فعزم على الرجوع أو نوى الإقامة يصير مقيما وإن كان في المفازة. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، جديد ۱/ ۱۹۹، قديم ۱/ ۱۳۹)

ثم اعلم أنا قلنا إنما يصير مقيما بنية الإقامة إذا سار ثلاثة أيام، فأما إذا لم يسر ثلاثة أيام فعزم على الرجوع ونوى الإقامة يصير مقيما وإن كان في المفازة، كذا ذكر فخر الإسلام، وفي المجتبى: لا يبطل السفر إلا بنية الإقامة أو دخول الوطن أو الرجوع إليه قبل الثلاثة. (البناية شرح الهداية، المكتبة الأشرفية ۳/ ۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۵ھ

نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد سفر کرنے والا اتمام کرے گا یا قصر؟

سوال [۳۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی نماز شروع ہونے کے بعد نماز ادا کئے بغیر سفر شرعی کرے اور پھر دوران سفر اس نماز کو ادا کرے، تو کیا اس میں قصر ہوگا؟

المستفتي: محمد راشد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھر پر رہتے ہوئے جس نماز کا وقت ہو گیا ہے اور وقت ختم ہونے سے پہلے سفر شروع کر دیا ہے، تو وہ سفر کی نماز ہوگی، حضر کی نہیں؛ لہٰذا سفر میں اس نماز کا قصر کرنا لازم ہے؛ اس لئے کہ سفر شروع کرنے کے بعد بھی وقت باقی تھا۔

والمعتبر في تغيير الفرض آخر الوقت ...... فإن كان المكلف في

آخـره مسـافـرا وجب ركعتان وإلا فأربع؛ لأنه المعتبر في السببية عند عدم الأداء قبـلـه (تـحته في الشامية) وجب ركعتان أي وإن كان في أوله مقيما.

(شـامـي، كتـاب الـصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۳۱، زكريا ۲/ ۶۱۳، حاشية الـطـحـطـاوي عـلـى مـراقـي الـفـلاح، باب صلاة المسافر، دارالكتاب ديوبند ص: ۴۲۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/ ۲۸۱)

فـإن كـان آخـر الـوقـت مسافرا وجب عليه ركعتان، وإن كان مقيما وجب عليه الأربع؛ لأنه المعتبر في السببية عند عدم الأداء في أول الوقت.

(تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، إمداديه ملتان ۱/ ۲۱۵، زكريا ۱/ ۵۲۰)

إذا كـان الـرجـل مـقيما في أول الوقت فلم يصل حتى سافر في آخر الوقت كان عليه صلاة السفر. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، زكريا ۲/ ۵۰۶، رقم: ۳۱۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۵/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۵/۱۴۳۴ھ

نیت اقامت میں ایام سفر معتبر نہیں

سوال [۳۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ممبئی سے یوپی جانے میں تقریباً ۲½ یا تین دن درکار ہوتے ہیں، پس اگر کوئی شخص سفر کرے تو کیا وہ ایام سفر وایام اقامت کو ملا کر ۱۵/ دن سے کم کی نیت کرنے پر مسافر ہوگا یا یہ کہ آنے جانے میں جو پانچ چھ دن درکار ہیں انہیں چھوڑ کر بقیہ اقامت کے دن شمار کرے، یعنی سوال یہ ہے کہ ۱۵/ دن سے کم کی جو نیت کرے گا اس میں ایام سفر کو شامل کرے گا یا صرف یوپی پہنچ کر وہاں سے رہنے کے دن شمار ہوں گے؟

المستفتي: عبداللہ حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقامت میں ایام سفر کا اعتبار نہ ہوگا، یعنی آنے جانے میں جو ایام صرف ہوں گے، وہ اقامت میں شمار نہیں ہوں گے؛ بلکہ ان ایام سفر کے علاوہ جہاں جاکر مقیم ہونا ہے، اگر وہ وطن اصلی نہیں ہے، تو پندرہ دن یا اس سے زیادہ ایک مقام پر قیام کی نیت سے اقامت کا ثبوت ہوجائے گا؛ لہٰذا نمازوں کا اتمام کرے گا۔ اور اگر پندرہ دن سے کم کی نیت ہے، تو قصر کا سلسلہ باقی رہے گا۔

وإن لم يكن وطنا أصليا له، فإنه يقصر الصلاة ما لم ينو الإقامة بها خمسة عشر يوما، ثم نية الإقامة لا تصح إلا في موضع الإقامة ممن يتمكن من الإقامة. (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ١/ ١٦٥، زكريا جديد ١/ ١٠٤، وهكذا في الهندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ٣٩، جديد ١/ ١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۱۸)

شہر کے فناء متصل سے نکلنے کے بعد قصر کرنا

سوال [۳۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسافر جب سفر شروع کردے اور اس کا ارادہ مثلاً دوسو کلومیٹر سفر کرنے کا ہو، تو نمازوں کی قصر آبادی سے نکلتے ہی کرے گا یا آبادی کے بعد فنائے شہر سے نکلنے کے بعد شروع کرے گا؟

المستفتي: محبوب اناوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص شرعی سفر کے ارادے سے شہر سے نکلے گا، تو وہ شہر

کی آبادی اور اس کے ملحقات سے نکلنے کے بعد قصر کرے گا، فنائے شہر سے خارج ہونا ضروری نہیں ہے، یہ اس وقت ہے جب فنائے شہر، شہر سے منفصل ہو۔ اور اگر فنائے شہر، شہر کی آبادی سے متصل ہے، تو فنائے متصلہ سے نکلنے کے بعد نمازوں کی قصر شروع کرے گا، شہر سے ایک غلوہ (تقریباً پاؤ کلومیٹر کے فاصلہ کے فناء کو بھی فنائے متصل کہا جاتا ہے)۔

وهل يعتبر مجاوزة الفناء؟ إن كان بين المصر وفنائه أقل من قدر غلوة، ولم يكن بينهما مزرعة يعتبر مجاوزة الفناء أيضا. (خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ١/ ١٦٥، جديد ١/ ١٠٤)

قال محمد رحمه الله تعالىٰ: لا يقصر حتى يخرج من مصره ويخلف دور المصر ...... ومن مشايخنا رحمهم الله من اعتبر مجاوزة فناء المصر إن كان بين المصر وبين فناءه أقل من قدر غلوة، ولم يكن بينهما مزرعة، وإن كان بينهما مزرعة، أو كانت المسافة بين المصر وفنائه، قدر غلوة لا يعتبر مجاوزة الفناء. (محيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، جديد مجلس علمي ٢/ ٣٨٧-٣٨٨، رقم: ٢٠٢٣، قديم ٢/ ١٢٧)

أما الفناء وهو المكان المُعدّ لمصالح البلد كربض الدواب، ودفن الموتى، وإلقاء التراب، فإن اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته، وإن انفصل بغلوة أو مزرعة فلا. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٦٠٠، كراچی ٢/ ١٢١)

إن عليا خرج من البصرة فصلى الظهر أربعا، ثم قال: أما إنا إذا جاوزنا هذا الخص صلينا ركعتين. (مصنف ابن أبي شيبة، موسسة علوم القرآن جديد ٥/ ٣٦٩، رقم: ٨٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۸)

مسافر شرعی کس مقام سے قصر کرے گا؟

سوال [۳۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسافر شرعی کس مقام سے قصر کرنی شروع کرے گا؟

المستفتي: مفتی محمد سمیر عثمان آباد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مسافر سفر شرعی کی نیت سے اپنی جائے قیام کی آبادی اور اس کے ملحقات سے آگے بڑھتے ہی قصر شروع کردے گا۔ (مستفاد: کتاب المسائل، جدید ۱/۵۵۳)

عن أنس -رضي الله عنه- أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر بالمدينة أربعا، وصلى العصر بذى الحليفة ركعتين. (صحيح مسلم، الصلاة، باب صلاة المسافرين وقصرها، النسخة الهندية ١/ ٢٤٢، بيت الأفكار، رقم: ٦٩٠)

عن أبي حرب بن أبي الأسود الديلي، أن عليا لما خرج إلى البصرة رأى خصا، فقال: لو لا هذا الخص لصلينا ركعتين، فقلت: ما خصا؟ قال: بيت من قصب. (مصنف عبدالرزاق، باب المسافر متى يقصر إذا خرج من موضعه؟ المجلس العلمي ٢/ ٥٢٩، رقم: ٤٣١٩)

وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر، وهو ماحول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچى ٢/ ١٢١، زكريا ٢/ ٥٩٩)

قال محمد رحمه الله تعالىٰ: يقصر حين يخرج من مصره ويخلف دور المصر، كذا في المحيط. وفي الغياثية: هو المختار، وعليه الفتوى. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٣٩، جديد ١/ ١٩٩،

قاضی خان علی هامش الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٦٥، جديد ١/ ١٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۷ھ

قصر کے لئے اپنے مقام سے سفر شرعی کا ارادہ کرنا لازم ہے

سوال [۳۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جماعت تین دن کے لئے اپنے وطن سے بیس کلومیٹر دور گئی اور وہاں وہ جماعت امیر کے تابع ہے، امیر ان تین دنوں میں اپنے مامورین کو اپنے وطن سے مسافت شرعی پر یا جہاں جماعت ہے وہاں سے مسافت شرعی پر یا اس سے کم پر روانہ کرسکتا ہے، ابھی روانہ کیا نہیں ہے، تو مامورین ان تین دنوں میں جماعت جہاں ہے وہاں پر اتمام کریں گے، یا قصر؟ جب کہ وہ امیر کے تابع ہیں۔

المستفتي: مفتی سمیر صاحب عثمان آباد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تک امیر جماعت اپنے مامورین کو مسافت شرعی کی دوری پر روانہ نہ کرے یہ جماعت اتمام ہی کرتی رہے گی؛ اس لئے کہ قصر کے لئے اپنے مقام سے سفر شرعی کے قصد وارادہ سے نکلنا شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پایا جارہا ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل، جدید ۱/۵۵۴)

ولا بد للمسافرين قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين، وإلا لا يترخص أبدا، ولو طاف الدنيا جميعها بأن كان طالب آبق أو غريم أو نحو ذلك. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٣٩، جديد ١/ ١٩٩)

قاصدا ولو كافرا، ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر . وتحته في الشامية: أشار به مع قوله ''خرج'' إلى أنه لو خرج ولم يقصد أو قصد ولم يخرج لا يكون مسافرا. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۲، زكريا ۲/ ۶۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۷ھ

قصر کے لئے مسافت سفر کا ہونا لازم ہے

سوال [۳۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ساکن ٹانڈہ گاڑی پر رہتا ہے۔ اور ٹانڈہ سے سیدھے کاشی پور جاتا ہے، ٹانڈہ سے کاشی پور ۲۷؍ کلو میٹر ہے۔ اور کاشی پور سے سیدھے ٹانڈہ ہوتے ہوئے مراد آباد جاتا ہے (کاشی پور سے مراد آباد ۵۵؍ کلو میٹر ہے) پھر مراد آباد سے وایہ ٹانڈہ کاشی پور جاتا ہے، اسی طرح سے زید کے صبح سے شام تک کئی چکر ہو جاتے ہیں اور مجموعی سفر تقریباً دو سو کلو میٹر ہو جاتا ہے، مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ زید کو نماز قصر پڑھنی چاہئے یا کہ پوری نماز؟ اسی طرح جب گاڑی مراد آباد سے کاشی پور جاتے ہوئے یا آتے ہوئے کچھ دیر کے لئے ٹانڈہ رکتا ہے، تو اس وقت کون سی نماز پڑھنا چاہئے؟

المستفتي: جلیس احمد ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی صورت میں زید مسافر نہیں ہوتا؛ اس لئے اس کے لئے قصر کرنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ ٹانڈہ، کاشی پور، مراد آباد تینوں مقاموں میں نمازوں کا اتمام اس پر لازم ہوگا؛ کیوں کہ اس میں ابتداء سفر سے منتہائے سفر تک کے درمیان کسی بھی مقام سے

مسافت سفر پوری نہیں ہوتی، نیز ابتدائے سفر سے منتہائے سفر تک اگر مسافت بھی ہو، مگر درمیان میں اپنا وطن ہوکر گذرنا پڑے تب بھی قصر جائز نہیں ہوتا، اتمام لازم ہوتا ہے۔
(مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۱/ ۵۶۱)

أقل مسافة سفر تتغير به الأحكام مسيرة ثلاثة أيام، كذا في التبيين هو الصحيح. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٣٨، جديد ١/ ١٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۶/۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۶/۱۴۱۶ھ

ساڑھے ۸۲ر کلومیٹر سے کم مسافت میں قصر نہ کرنا چاہئے

سوال [۳۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مسافت سفر میں ۴۸ر میل کا اعتبار ہے، تو اس سے میل شرعی مراد ہے، یا میل انگریزی؟ بعض بزرگوں نے انگریزی میل مراد لیا ہے، اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ جب کہ ۴۸ر میل انگریزی ۴۵ر میل شرعی سے بھی کم کا ہوتا ہے؟

المستفتي: ساجد میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافت سفر ۴۸ر میل ہے۔ اور میل سے میل شرعی مراد ہے، نہ کہ میل انگریزی۔ ''فتاوی رشیدیہ''، ''فتاوی دارالعلوم'' اور ''احسن الفتاوی'' کے فتاوی سے یہی معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ حضرت گنگوہیؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن نے مسافت سفر ۴۸ر میل تحریر فرمانے کے بعد آگے میل کی تعین ۴۰۰۰ر چار ہزار قدم سے کی ہے اور چار ہزار کا میل شرعی ہوتا ہے، نہ کہ میل انگریزی، معلوم ہوا کہ ۴۸ر میل شرعی مسافت سفر ہے۔ اور بعض

بزرگوں سے جو ۴۸؍میل انگریزی منقول ہے اس کا کوئی ماخذ اور دلیل فقہاءِ متأخرین سے ہم کو نہیں مل سکی۔ اور ۴۸؍میل شرعی میں ۸۷؍کلومیٹر ۸۲۷؍میٹر ۴۰؍سینٹی میٹر ہوتا ہے۔ اور ۴۵؍ شرعی میل میں ۸۲؍کلومیٹر ۲۹۶؍میٹر ہوتا ہے؛ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ۸۲؍کلومیٹر ۲۹۶؍میٹر سے کم کی مسافت میں نمازوں کا قصر نہ کیا جائے۔ (فتاوی رشیدیہ، مکتبہ فقیہ الامت ۲/ ۸۵، رقم: ۶۴۹، زکریا دیوبند ۴۱۲، احسن الفتاوی ۴/ ۹۵، زکریا، فتاوی رشیدیہ جسیم بک ڈپو دیوبند/ ۴۳۷، فتاوی دارالعلوم مکتبہ زکریا دیوبند ۴/ ۴۴۴-۴۴۶)

كـان ابـن عـمـر –رضـي الله عـنـه– وابن عبـاس –رضي الله عنـه– يـقصران ويفطران في أربعة برد، وهو ستة عشر فرسخا. (بخاري شريف، باب في كم تقصر الصلاة؟ ١/ ١٤٧)

عـن ابـن عبـاس –رضـي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقصروا الصلاة في أدنى من أربعة برد من مكة إلى عسفان. (عمدة القاري، أبواب تقصير الصلاة، باب الصلاة بمنى، قديم بيروت ٧/ ١١٩، زكريا ٥/ ٣٧٦)

عـن مالک عن نافع عن سالم بن عبيدالله أن عبدالله بن عمر ركب إلى ذات الـنصب، فقصر الصلاة في مسيرة ذلک، قال يحيى: قال مالک: وبين ذات النصب والمدينة أربعة برد. (أوجز المسالك، ما يجب فيه قصر الصلاة ٣/ ١٨١)

ابـن عـلية عن أيوب عن نافع عن سالم أن ابن عمر خرج إلى أرض له بـذات الـنـصب، فقصر وهي ستة عشر فرسخا. (مـصنف ابن أبي شيبة، موسسة علوم القرآن ٥/ ٣٥٨، رقم: ٨٢٢٠)

عن عطاء بن رباح قال: قلت لابن عباس: أقصر إلى عرفة؟ فقال: لا، قلت: أقصر إلى مر؟ قال: لا، قلت أقصر إلى الطائف وإلى عسفان؟ قـال: نعم، وذلک ثمانية وأربعون ميلا، وعقد بيده. (مصنف ابن أبي شيبة، بيروت ٥/ ٣٥٨، رقم: ٨٢٢٢)

لکن جمهور الفقهاء قدروها باعتبار المكان بأربعة برد، وهي ثمانية وأربعون ميلا، استنادا إلى بعض الآثار. (الموسوعة الفقهية ٣٦/ ٣٤٧)

عن نافع أن ابن عمر –رضي الله عنه– كان يقصر الصلاة في مسيرة أربعة برد. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٢/ ٥٢٥، رقم: ٤٣٠٠)

اختلفوا فقيل: أحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر، والفتوى على الثاني. وفي المجتبى: فتوى أئمة خوارزم على الثالث.
(شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٦٠٢، كراچی ١/ ١٢٣)

ثم اختلفوا فقال بعضهم: أحد وعشرون فرسخا، وقال آخرون: ثمانية عشر، وآخرون خمسة عشر. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، أشرفيه ٢/ ٢٩)

وفي النهاية: الفتوى على اعتبار ثمانية عشر فرسخا، وفي المجتبى: فتوى أكثر أئمة خوارزم على خمسة عشر فرسخا. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، زكريا دارالكتاب ٢/ ٢٢٨، كراچی ٢/ ١٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۱۱/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۰/۴۰)

اتمام کے لئے پندرہ دن کا شمار کب سے؟

سوال [۳۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نماز قصر جس دن گھر سے نکلیں اس دن سے پندرہ دن جوڑیں یا منزل پر پہنچ کر قصر لازم ہوتی ہے؟ (۲) اگر قصر میں اکیلا نماز پڑھے تو کتنی رکعت پڑھے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو شخص مسافت شرعی یعنی تقریباً ۸۲؍ کلومیٹر کے

ارادے سے نکلے اور وہاں پر پندرہ دن قیام کا ارادہ نہیں ہے، تو وہاں پر قصر کرے گا۔ اور اگر پندرہ دن قیام کا رادہ ہے، تو ایسی صورت میں مکمل نماز پڑھے گا، نیز مسافت سفر کا اعتبار نکلنے کے وقت سے ہوگا۔ اور پندرہ دن کا اعتبار پہنچنے کے دن سے ہوگا۔

عن عبدالله بن عمر -رضي الله عنهما- قال: إذا كنت مسافرا فوطنت نفسک على إقامة خمسة عشر يوما، فأتمم الصلاة، وإن كنت لاتدري فاقصر، قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة. (کتاب الآثار، باب الصلاة في السفر، الرحیم اکیڈمی، کراچی/ ۲۰۱، رقم: ۱۸۸)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها صلى الفرض الرباعي ركعتين، حتى يدخل موضع مقامه، أو ينوی إقامة نصف شهر. (درمختار علی الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زکریا ۲/ ۵۹۹، ۶۰۵، کراچی ۲/ ۱۲۱-۱۲۵)

عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: فرضت الصلاة ركعتين، ثم هاجر النبي صلى الله عليه وسلم ففرضت أربعا، وتركت صلاة السفر على الأولى. (صحيح البخاري، مناقب الأنصار، النسخة الهندية ۱/ ۵۶۰، رقم: ۳۷۹۵، ف: ۳۹۳۵)

(۲) حالت سفر میں چار رکعت والی نماز تنہا پڑھنے کی صورت میں دو پڑھے گا۔ اور امام کے ساتھ پڑھنے کی صورت میں امام کی اتباع کرتے ہوئے چار ہی پڑھے۔

عن عمر -رضی الله عنه- قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى ركعتين، وأبو بكر بعده، وعمر بعد أبي بكر، وعثمان صدرا من خلافته، ثم إن عثمان صلى بعد أربعا، فكان ابن عمر إذا صلى مع الإمام صلى أربعا، وإذا صلاها وحده صلى ركعتين. (صحيح مسلم، الصلاة، فصل إذا صلى المسافر مع الإمام المقيم فليصل أربعا، النسخة الهندية ۱/ ۲۴۳، بيت الأفكار، رقم: ۶۹۴)

إن اقتدى مسافر بمقيم أتم أربعا. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة

المسافر، قديم ۱/ ۱۳۳، جديد ۱/ ۲۰۲، هكذا في الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۳۰، زكريا ۲/ ۶۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۳ھ

مسافت سفر کا شمار کہاں سے ہوگا؟

سوال [۳۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''احکام مسافر'' مصنفہ مولانا مفتی انعام الحق صاحب نے کتاب کے ص: ۶۷/ پر کفایت المفتی ۳/۳۵۳/ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسافت سفر کا شمار اپنے اس مقام اور مکان سے ہوگا جہاں سے وہ سفر کا آغاز کر رہا ہے، نہ کہ حدود شہر سے نکلنے کے بعد۔ حضرت مفتی اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ہیڈ کواٹر جہاں قائم رہتا ہے، وہاں سے مسافت سفر کا اعتبار ہوگا۔ ''احکام مسافر'' میں اگلا مسئلہ لکھا ہے کہ جس شہر میں جا رہا ہے اس کی حدود تک مسافت شرعی مکمل نہیں ہوتی؛ لیکن شہر کے جس حصہ میں پہنچنا ہے، وہاں تک مسافت پوری ہوجاتی ہے، تو اس سے وہ مسافر ہوگا؛ کیوں کہ مسافت کا شمار اس جگہ تک ہوتا ہے، جہاں قیام کرنا ہے، جب کہ آں محترم نے فتوی نمبر: ۷۔۹۴۹/ میں لکھا ہے کہ قصر واتمام کا دارومدار آبادی کی سرحد کی ابتداء اور انتہاء سے ہوگا الخ اشارۃً لکھا ہے، پوری تفصیل رجسٹر میں موجود ہوگی، معلوم یہ کرنا ہے، اس سلسلے میں راجح اور مفتی بہ قول کونسا ہے؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ''احکام مسافر'' مصنفہ مولانا مفتی انعام الحق صاحب دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور ''کفایت المفتی'' (۳/۳۵۳، زکریا مطول ۱۱/ ۵۳۶)

پر تراویح سے متعلق بحث ہے، مسائل سفر اور قصر و اتمام سے متعلق کوئی مسئلہ اس صفحہ میں نہیں ہے، ہاں البتہ ''کفایت المفتی ۳/ ۳۳۲، زکریا مطول ۵/ ۷۷'' پر ایک مسئلہ سے اس طرف اشارہ ملتا ہے، جیسا کہ آنجناب نے سوال میں لکھا ہے، اب اصل مسئلہ کی وضاحت ضروری ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اگر چھوٹے یا اوسط درجہ کا شہر ہے، جیسا کہ مرادآباد، سہارنپور، مظفرنگر وغیرہ، یا گاؤں اور قصبہ ہے، جہاں سے سفر شروع کیا جارہا ہے، وہ بھی چھوٹا شہر یا اوسط درجہ کا شہر یا قصبہ یا گاؤں ہے۔ اور جہاں پہنچنا ہے، اس کا بھی یہی حال ہے، تو مسئلہ وہی ہے جو فقہاء کی عام عبارات اور جزئیات سے واضح ہوتا ہے، جس کو احقر نے ۴/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ میں لکھا ہے، جس کا نمبر شمار الف ۸/ ۹۴۹۷ رہے؛ لیکن اگر شہر بہت بڑا ہو جس کی ایک جانب اس کے مقابل کی دوسری جانب کے لوگوں کے لئے بالکل اجنبی شمار ہوتی ہو، جیسا کہ دہلی کے ایک کنارے غازی آباد ہے، اس کے مقابل دوسرے کنارہ پر فرید آباد ہے، مگر فرید آباد سے غازی آباد تک تسلسل آبادی ہے، اسی طرح نوئیڈا سے اس کے مقابل دوسری جانب پنجاب روڈ اور گڑگاؤں ہے، ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبیت ہے، یہی حال شہر بمبئی، کلکتہ، بنگلور، مدراس، کراچی وغیرہ کا ہے، تو اتنے بڑے شہر کا حکم عام شہر اور قصبات سے الگ ہوگا کہ اتنے بڑے شہر سے اگر سفر کا ارادہ ہے، تو اپنے ایریا اور حدود سے تجاوز کرنے پر قصر صلاۃ کا حکم لاگو ہوگا، پورے شہر کے تسلسل آبادی مکمل ختم ہوجانے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اور آگے جہاں جانا ہے وہ اگر اتنا بڑا شہر نہیں ہے، اوسط درجہ کا یا چھوٹا شہر ہے، اس میں پندرہ روز یا اس سے زائد قیام کا ارادہ ہے، تو اس کی آبادی کی حدود میں داخل ہوتے ہی، قصر کا حکم ختم ہوجائے گا۔ اور اگر جہاں جانا ہے، وہ بمبئی، کلکتہ، مدراس وغیرہ جیسے ہیں، تو صرف حدود میں داخل ہونے سے قصر کا حکم ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ جس جگہ قیام کرنا ہے، اس کے ایریا کے حدود میں داخل ہونے کا اعتبار ہوگا، حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے بھی ''فتاوی رحیمیہ ۶/ ۳۶۴'' میں تقریباً ایسا ہی جواب لکھا ہے؛ لہٰذا اگر ''کفایت المفتی'' کا مسئلہ اسی طرح ہے، تو وہ بڑے شہر سے متعلق ہوگا۔ اور اس مسئلہ کی پوری تفصیل ہماری کتاب ''انوار رحمت'' ص:

۸۱/اور ''انوار مناسک'' ص: ۴۶۴/ پر موجود ہے، اس کو دیکھ لیا جائے۔ اور آنجناب نے ۴/ ربیع الاول کے لکھے ہوئے فتوی کے سوال میں شہر مرادآباد کو پیش کیا ہے۔ اور مرادآباد اتنا بڑا شہر نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۳/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۳/۱۴۲۹ھ

مسافر کہاں سے نمازوں میں قصر شروع کرے گا؟

سوال [۳۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسافر شخص کہاں سے کہاں تک جا کر قصر کرے گا؟ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کا مرادآباد سے سہارنپور کے آخری حصہ میں جا کر ۴۸/ میل شرعی حد کے اعتبار سے ہو تو کیا وہ شخص سہارنپور کے اسٹیشن پر جا کر قصر کرے گا یا نہیں یا جہاں پر ۴۸/ میل شرعی اعتبار سے ختم ہو رہا ہے، وہاں جا کر قصر کرے گا، یا اس ۴۸/ میل سے آگے جا کر قصر کرے گا؟

المستفتي: محمد اکرام علی، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب سفر شرعی یعنی مسافت سفر طے کرنے کے ارادہ سے اپنی آبادی سے باہر ہو جائے گا، تو وہاں سے نماز کا قصر کرنا لازم ہو جاتا ہے، یعنی مرادآباد کی آبادی سے باہر نکلنے کے بعد ہی سے قصر کرنا لازم ہو جائے گا؟

عن أبي حرب بن أبي الأسود الديلي: أن عليا لما خرج إلى البصرة رأي خصا، فقال: لو لا هذا الخص لصلينا ركعتين، فقلت: ما خصا؟ قال: بيت من قصب. (مصنف عبدالرزاق، الصلاة، باب المسافر، متى يقصر إذا خرج مسافرا؟ المجلس العلمي ۲/ ۵۲۹، برقم: ۴۳۱۹)

ولو جاوز العمران من جهة خروجه، وكان بحذائه محلة من الجانب الآخر يصير مسافرا إذ المعتبر جانب خروجه. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۶۰۰، کراچی ۲/ ۱۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳رشوال ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۸۱)

مسافت سفر سے کم سفر کی صورت میں آدمی مقیم ہے

سوال [۳۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جون کے ''ندائے شاہی'' ماہنامہ میں سفر سے متعلق بہت سے شبہات الحمد للہ دور ہوگئے، مگر ایک خلجان باقی ہے، ہمارے ساتھی نہٹور، دھام پور، نگینہ وغیرہ یعنی قریبی قصبات اور دیہات میں مدرسہ اور مسجد میں پڑھاتے ہیں، سنیچر کی صبح کو جاتے ہیں اور جمعرات کی شام کو گھر آجاتے ہیں، اس طرح کے ائمہ اور معلمین جب مدرسہ سے سفر میں جائیں اور واپسی بھی مدرسہ یا مسجد میں کریں، تو یہ اتمام اور قصر کے بارے میں کیا فیصلہ کریں؟ کیا ان کا چھ دن مدرسہ یا مسجد میں رہنا یہ وطن اصلی کے حکم میں ہوگا یا وطن اقامت ہی رہے گا؟ اور ان کا ہر ہفتہ جمعرات کو گھر آنا اور سنیچر کو مدرسہ اور مسجد جانا یہ علی سبیل القرار رہائش میں آئے گا یا نہیں؟

المستفتي: سعید احمد قاسمی، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے جو ساتھی مسافت سفر سے کم مسافت پر واقع دیہات وقصبات میں مدرسے اور مسجدوں میں پڑھاتے ہیں، ان کا اپنے گھر آنے جانے سے قصر واتمام میں کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ ہمیشہ مقیم ہی رہتے ہیں، وہ اپنے گھر سے آکر مدرسہ اور مسجد میں بدستور امامت کرسکتے ہیں؛ کیوں کہ ان کا سفر مسافت سفر کے طور پر نہیں۔

رجل خرج من مصره إلى قرية لحاجة ولم يقصد السفر، ونوى أن

یقیم فیها أقل من خمسة عشر یوما، فإنه یتم فیها؛ لأنه مقیم. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، کراچی ۲/ ۱۳۳، زکریا ۲/ ٦١٤، البحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، زکریا ۲/ ۲٤۱، کوئٹه ۲/ ۱۳۷، تبیین الحقائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، إمدادیه ملتان ۱/ ۲۱٤، زکریا ۱/ ۵۱۸)

نوٹ: یہ حکم جائے ملازمت سے صرف گھر آنے جانے سے متعلق ہے۔ اور اگر جائے ملازمت سے مسافت سفر پر دوسری جگہ جانا ہے، تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۳۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۶ھ

پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں آدمی مقیم نہیں ہوتا

سوال [۳۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید علی گڑھ میں پڑھتا ہے اور رامپور میں اس کا گھر ہے، زید اپنے گھر آتا ہے، پھر زید کو دس یا بارہ دن کے لئے کسی کام سے علی گڑھ جانا ہے اور اب ان دس یا بارہ ایام میں زید پر کیا حکم لگے گا، اس مدت میں زید اپنی نمازیں قصر پڑھے گا یا پوری پڑھے گا؟ علی گڑھ اور رامپور کے درمیان تقریباً دوسو کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔

المستفتي: خورشید احمد سوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب کہ زید صرف دس بارہ دن کی نیت سے علی گڑھ کا سفر کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں زید وہاں مسافر رہے گا۔ اور اس پر قصر لازم ہوگا۔ اور آدمی ۸۲/ کلومیٹر ۲۹۶/ میٹر میں مسافر ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۶۸)

عن عبداللہ بن عمر -رضي اللہ تعالیٰ عنهما- قال: إذا کنت مسافرا

فوطنت نفسک علی إقامة خمسة عشر یوما، فأتمم الصلاة، وإن کنت لا تدري فاقصر، قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنیفة. (کتاب الآثار للإمام محمد، باب الصلاة في السفر، الرحیم اکیڈمی کراچی، ص: ۲۰۱، رقم: ۱۸۸)

قاصدا مسیرة ثلاثة أیام ولیالیها من أقصر أیام السنة بالسیر الوسط مع الاستراحات المعتادة صلی الفرض الرباعي رکعتین وجوبا. (درمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب الصلاة المسافر، کراچی ۲/ ۱۲۲، زکریا ۲/ ۶۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۸۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۰ھ

کلکتہ سے فجر پڑھ کر بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچا تو فجر کے وقت کے بیس منٹ باقی ہیں

سوال [۳۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کلکتہ سے فجر کی نماز اول وقت میں پڑھ کر ہوائی جہاز پر سوار ہوکر دہلی آیا جب دہلی آیا تو اس وقت نماز فجر کے وقت ہونے میں بیس منٹ باقی تھے، کیا اس شخص پر نماز فجر دوبارہ لازم ہوگی؟ اس مسئلہ کو اختلاف علماء مع دلائل واضح تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتي: ابوسعید ۲۴/ پرگنہ، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوافع کے نزدیک مذکورہ شخص پر نماز فجر دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اور احناف کے یہاں اقرب الی الفقہ یہی ہے کہ دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

فلو غربت ثم عادت هل یعود الوقت؟ الظاهر نعم، وهي الوسطی

علی المذهب (وفي الشامية) بحث لصاحب النهر حيث قال: ذكر الشافعية أن الوقت يعود -إلى قوله- قلت: على أن الشيخ إسماعيل ردما بحثه في النهر تبعا للشافعية، بأن صلاة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاء، ورجوعها لا يعيدها أداء، وما في الحديث خصوصية لعلى كما يعطيه -إلى قوله- قلت: ويلزم على الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها، وبطلان صلاته المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودها للكل. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، مطبوعه كوئٹه ۱/ ۲٦٥، شامي مصري ۱/ ۳۳٤، كراچی ۱/ ۱٦۰- ۳٦۱، زكريا ۲/ ۱۷، أحسن الفتاوی ٤/ ٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۳۱)

مسافر کے پیچھے مقیم کی نماز

سوال [۳۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پانچ علماء وفضلاء کرام کی موجودگی میں جو کہ مقیمین ہیں، کسی مسافر آدمی کو امامت کے لئے بلایا جائے عیدین میں جو کہ اس درجہ کا نہیں ہے، آیا اس کے پیچھے مقیمین کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد انوار حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں مسافر کے پیچھے مقیمین کی نماز صحیح ہوجاتی ہے۔

عن عمران بن حصين -رضي الله عنه- قال: غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وشهدت معه الفتح، فأقام بمكة ثماني عشرة ليلة لا يصلي إلا ركعتين، ويقول: يا أهل البلد! صلوا أربعا، فإنا قوم سفر. (سنن أبي

داؤد، الصلاة، أبواب صلاة السفر، باب متى يتم المسافر؟ النسخة الهندية ١/ ١٧٣، دارالسلام، رقم: ١٢٢٩، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٨/ ٢٠٩، رقم: ٥١٧)

وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وغيره. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ٢/ ١٢٩، زكريا ٢/ ٦١٠-٦١١، مصري ١/ ٧٤٠)

نیز علماء وفضلاء کی نماز کم علم والے کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۶۵/۲۵)

جس شہر کی مسافت شرعی مسافت سے بڑی ہو، اس میں شرعی مسافت کہاں سے بنے گی؟

سوال [۳۳۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض شہروں میں آبادی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ وہاں کے رہنے والے سفر کے ارادہ سے نکلیں اور سفر کی شرعی مسافت بھی پار کر جائیں تب بھی اس شہر کی آبادی ختم نہیں ہوتی؛ بلکہ اور باقی رہتی ہے، تو وہ شرعی مسافر کہاں سے بنیں گے اور نمازوں میں قصران پر کہاں سے لازم ہوگا؟

المستفتي: عبدالرؤف قاسمی کٹھوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اتنا بڑا شہر ہے جس کے ایک طرف سے سفر شروع کیا جائے تو دوسرے کنارے تک پہنچتے پہنچتے مسافت سفر کے قریب مسافت ہو جاتی ہے، تو ایسے شہر کا حکم صراحت کے ساتھ حدیث وفقہ میں ملنا ممکن نہیں ہے؛ اس لئے کہ دور نبوت، دور صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے دور میں اس قدر وسیع ترین شہروں کا تصور بھی نہیں تھا؛ اس لئے اصولی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے شہروں کا حکم عام شہروں کی طرح نہیں ہوگا؛ بلکہ

عام شہروں سے الگ ہوگا، اتنے بڑے شہروں کے متعلق حکم شرعی یہ ہوگا کہ اس کا ہر ایریا اور ہر کارپوریشن سے متعلق علاقے الگ الگ شمار کئے جائیں گے، جیسے دہلی کی آبادی ایک طرف سے غازی آباد سے متصل ہوگئی اور اس کے بالمقابل دوسری طرف صوبہ ہریانہ کے شہر فریدآباد سے مل گئی، گویا دہلی شہر کی آبادی نے صوبہ دہلی سے تجاوز کرکے صوبہ اترپردیش اور صوبہ ہریانہ کے بعض شہروں کو اپنے اندر شامل کرلیا ہے؛ اس لئے غازی آباد کا شخص پورے دہلی کو پار کرکے فریدآباد ہوتے ہوئے متھرا اور آگرہ کے راستہ سے سفر کرے، تو مسافر ہونے کے لئے پورے دہلی کو پار کرکے فریدآباد بھی پیچھے چھوڑنے کے بعد مسافر نہیں ہوگا؛ بلکہ غازی آباد کی اصل حدود کو پار کرتے ہی مسافر شمار ہوجائے گا، اسی طرح نوئیڈا کا آدمی اسی طرح سفر کرنا چاہے تو حدود نوئیڈا تجاوز کرنے کے بعد مسافر شمار ہوگا، یہ حکم صرف اسی طرح کے شہروں سے متعلق ہے، عام شہروں سے متعلق نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت، ص: ۸۱-۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۸/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۷ھ

ایک شہر میں ۱۸/ دن ٹھہرنے کی نیت کی پھر دوسرے میں تین دن گزارے

سوال [۳۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں آسام سے بغرض تجارت اپنی اہلیہ کے ساتھ مرادآباد ۱۸/ دن ٹھہرنے کے لئے آیا ہوں، اتفاق سے تین دن کے بعد امبالہ جانے کی نوبت پیش آئی، میں انبالہ سے تین دن کے بعد مرادآباد آگیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ اب میں مرادآباد میں نماز کا اتمام کروں گا یا قصر؟

المستفتي: عبدالرشید، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے مرادآباد میں اٹھارہ دن قیام کا ارادہ کیا تو مرادآباد سے کہیں دوسری جگہ لمبا سفر کرنے سے پہلے تک آپ یہاں مقیم رہیں گے اور نمازوں

کا اتمام کریں گے۔ اور جب آپ نے انبالہ کا سفر شروع کر دیا تو مرادآباد کی اقامت ختم ہوگئی؛ کیوں کہ امبالہ مرادآباد سے لگ بھگ تین سوکلومیٹر کی دوری پر ہے۔ اور جب امبالہ سے لوٹ کر مرادآباد آ گئے ہیں تو مرادآباد میں ازسرنو پندرہ دن یا اس سے زائد کا ارادہ ہو تو مقیم رہیں گے اور نمازوں کا اتمام کریں گے۔ اور اگر پندرہ دن سے کم کا ارادہ ہے، جیسا کہ سوال نامہ سے یہی سمجھ میں آ رہا ہے، تو آپ مرادآباد میں اب مقیم نہیں رہے؛ لہٰذا نمازوں کا قصر کرنا لازم ہوگا۔

عن عبدالله بن عمر قال: إذا كنت مسافرا فوطنت نفسك على إقامة خمسة عشر يوما، فأتمم الصلاة، وإن كنت لاتدري فاقصر، قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة. (كتاب الآثار، للإمام محمد، باب الصلاة في السفر، رحيم اكيڈمی كراچی/ ۱ ۰ ۲، رقم: ۱۸۸)

ويبطل وطن الإقامة بمثله، وبالوطن الأصلي، وبإنشاء السفر الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۳۲، زكريا ۲/ ۶۱۴، نور الإيضاح، باب صلاة المسافر، إمداديه ديوبند، ص: ۱۰۴، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب صلاة المسافر، دارالكتاب ديوبند ۱/ ۴۲۹)

من خرج من عمارة موضع إقامته ...... قاصدا ...... مسيرة ثلاثة ايام ولياليها ...... صلى الفرض الرباعي ركعتين، حتى يدخل موضع مقامه ...... أو ينوى إقامة نصف شهر بموضع واحد، فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه، أي في نصف شهر. (شامي مع درمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۵۹۹-۶۰۵، كراچی ۲/ ۱۲۱-۱۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ صفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۲۴ھ

نوح سے دہلی آنے والا مسافر نہیں ہے

سوال [۳۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں علاقہ میوات نوح کا رہنے والا ہوں، ہمارے یہاں سے دہلی کی حکومتی حد تقریباً پچاس کلومیٹر دور ہے، جب کہ پرانی دہلی کی حد ہمارے یہاں سے مسافت شرعی کے بقدر ہو جاتی ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے یہاں سے پرانی دہلی کے ارادے سے سفر کرنے والا شخص مسافر شرعی کہلائے گا یا نہیں؟ وہ شخص دوران سفر قصر کرے گا یا اتمام کرے گا؟

المستفتي: محمد افضل میواتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پرانی دہلی اور نئی دہلی نام کی الگ الگ ہیں اور وجود میں دونوں کا اتصال ایسا ہے کہ ان کو دو نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ دونوں ایک ہیں؛ اس لئے آپ کے یہاں سے پرانی دہلی آنے والے مسافر نہیں ہوں گے؛ بلکہ مقیم ہی ہوں گے، ان کے لئے قصر کرنا درست نہیں ہے، اتمام لازم ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۵۱۴)

والقرية المتصلة بالفناء دون الربض لاتعتبر مجاوزتها على الصحيح كما في شرح المنية. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچى ٢/ ١٢١، زكريا ٢/ ٦٠٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٥/ ٣١، هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٣٩، جديد ١/)

وإن كان هناك قرية متصلة بربض المصر فلابد من مجاوزتها على الصحيح، وإن كانت متصلة بفنائه دون ربضه لا تعتبر مجاوزتها على الصحيح. (حلبي كبير، الصلاة، فصل المسافر، أشرفيه ديوبند، ص: ٥٣٧)

ذكر الأسبيجابي: المقيم إذا قصد مصرا من الأمصار، وهو ما دون مسيرة ثلاثة أيام، لا يكون مسافرا. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۲۲۸، کوئٹہ ۲/ ۱۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۳۴ھ

''ایضاح المسائل'' کے ایک مسئلہ کی وضاحت

سوال [۳۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر کو اپنی کم فہمی کی بنا پر ''ایضاح المسائل'' ص: ۶۶ ؍مسئلہ: ۲؍ سے متعلق ایک اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ مسئلہ: ۲؍ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وطن اصلی متعدد ہوتے ہیں اور وطن اصلی وطن اصلی سے باطل نہیں ہوگا۔ اور فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وطن اصلی وطن اصلی سے باطل ہو جائے گا، جیسا کہ ''نورالایضاح'' ص: ۱۰۲؍ پر موجود ہے، حضرت سے عاجزانہ التماس ہے کہ ان دونوں عبارتوں میں بظاہر جو تعارض نظر آتا ہے اس کو بالتفصیل حل فرمائیں۔

المستفتي: وسیم احمد غفرلہ مدرسہ عربیہ حسینیہ صدیقۃ العلوم ہریدوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''نورالایضاح'' کی عبارت بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور ''ایضاح المسائل'' کی عبارت بھی اپنی جگہ صحیح ہے، شاید تھوڑا سا غور کرنے میں کمی رہ گئی ہے، وطن اصلی دوسرے وطن اصلی سے اس وقت باطل ہوتا ہے جب کہ پہلے وطن اصلی میں رہائش کا ارادہ نہ ہو اور نہ ہی اس کو باقی رکھنے کا ارادہ ہو، یہی ''نورالایضاح'' کی عبارت کا مطلب ہے؛ لیکن اگر پہلے وطن اصلی کو باقی رکھنے کا ارادہ ہے، پھر مسافت سفر میں دوسرا وطن اصلی بنا

لیتا ہے، دونوں میں سے کسی ایک کوختم کرنے کا ارادہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں دونوں کو وطن اصلی کہا جائے گا۔ اور دونوں ہی باقی رہیں گے۔ اور وطن تاہل یعنی جہاں بیوی کو رکھ رہا ہے، وہ بھی وطن اصلی کے حکم میں ہوتا ہے، اسی وجہ سے ''ایضاح المسائل'' میں ایک قید خاص طور پر لگائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ مرادآباد وطن اصلی ہے اور اس کو باقی بھی رکھا ہے، اس کے بعد دہلی میں مستقل کاروبار اور اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۹ھ

بریلی اور ہردوئی آمد ورفت کرنے والے کا مسئلہ

سوال [۳۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص ہردوئی میں رہتا ہے اور پڑھا رہا ہے بریلی میں، جب وہ ہردوئی میں اپنے گھر گیا، گھر سے پھر بریلی پڑھانے آیا؛ لیکن وہ وہاں ٹھہرا نہیں، گاڑی میں سوار ہے، پھر اس نے ارادہ کرلیا کہ رامپور بھی جانا ہے اور بریلی سے رامپور تک سفر طے کرنے میں مسافر نہیں بنتا ہے، تو کیا رامپور میں قصر پڑھے گا؟ اگر ہردوئی سے ہی ارادہ کیا کہ بریلی سے دو دن کے بعد میں پھر ہردوئی آجاؤں گا، ہردوئی سے بریلی آیا اور گاڑی سے اترنے کے بعد ہی فوراً اس نے ارادہ کیا کہ بریلی سے دہلی بھی جانا ہے، پہلے اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا، جب گاڑی سے بریلی میں اترا تھا تو ظہر کا وقت تھا، تو اب بریلی میں کیا اتمام لازم ہوگا؟

المستفتي: محبوب اناوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہردوئی اور بریلی کے درمیان میں مسافت سفر کا فاصلہ ہے۔ اور ہردوئی وطن اصلی ہے، اور بریلی وطن اقامت ہے، اب اگر بریلی میں اس نے

اہل وعیال کونہیں رکھا ہے اور نہ اسے وطن اصلی بنایا ہے، تو حکم یہ ہے کہ وہ جب بھی ہردوئی سے بریلی پندرہ روز سے کم قیام کی نیت سے جائے گا تو پورے سفر میں اور بریلی کے دوران قیام میں قصر لازم ہوگا، اس اصولی مسئلہ کے بعد سوال نامہ کے دونوں پہلو کو سمجھنا چاہئے، پہلا پہلو ہردوئی سے صرف بریلی تک سفر کا ارادہ ہے، نیز وہاں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کا رادہ ہے، اب وہ بریلی شہر پہنچ کر مقیم ہوگیا، اس کے بعد رامپور کا ارادہ ہوگیا اور رامپور بریلی کے درمیان مسافت سفر کا فاصلہ نہیں ہے؛ لہٰذا رامپور جا کر بریلی واپس آنے تک کے درمیان قصر کی ضرورت نہیں ہوگی۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہردوئی سے روانہ ہوتے وقت بریلی میں پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ ہے، پھر وہاں سے دہلی جانے کا بریلی پہنچنے کے بعد یا پہلے ہی ارادہ ہوا، دونوں صورتوں میں ہردوئی سے روانہ ہونے کے بعد سے پھر ہردوئی واپس آنے تک یا بریلی یا کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کے ارادہ کرنے تک مسافر رہے گا۔ اور قصر لازم ہوگا۔

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: صليت الظهر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة أربعا، والعصر بذي الحليفة ركعتين. (صحيح البخاري، الصلاة، باب يقصر إذا خرج من موضعه، النسخة الهندية ١/ ١٤٨، رقم: ١٠٧٨، ف: ١٠٨٩)

عن مجاهد قال: كان ابن عمر إذا أجمع على إقامة خمس عشرة، سرح ظهره وصلى أربعا. (المصنف لابن أبي شيبة، الصلاة، من قال: إذا أقام على خمسة عشر أتم، موسسة علوم القرآن ٥/ ٣٨٤، رقم: ٨٣٠١، مصنف عبدالرزاق، باب الرجل يخرج في وقت الصلاة، المجلس العلمي ٢/ ٥٣٤، رقم: ٤٣٤٨)

عن مجاهد، عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنهما– قال: إذا كنت مسافرا، فوطنت نفسك على إقامة خمس عشر يوما، فأتمم الصلاة، وإن كنت لا تدري فاقصر، قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة. (كتاب

الآثار، للإمام محمد، باب الصلاة في السفر، الرحیم اکیڈمی، کراچی، ص: ۲۰۱، رقم: ۱۰۸)

من خرج من عمارة موضع إقامته، قاصدا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة، صلى الفرض الرباعي ركعتين، ولو عاصيا بسفره حتى يدخل موضع مقامه، أو ينوي إقامة نصف شهر بموضع صالح لها. (تنوير الأبصار مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۵۹۹-۶۰۵، کراچی ۲/ ۱۲۱-۱۲۵)

وأما وطن الإقامة: فهو الوطن الذي يقصد المسافر الإقامة فيه، وهو صالح لها نصف شهر، وهو ينتقض بواحد من ثلاثة: بالأصلي؛ لأنه فوقه، وبمثله، وبالسفر؛ لأنه ضده. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۲۳۶، کوئٹہ ۲/ ۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۹ھ

ایک جگہ ۱۵؍دن قیام کا ارادہ مگر دن میں دیگر مقامات کا دورہ کرتا رہے تو کیا حکم؟

سوال [۳۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید دہلی کا باشندہ ہے اور مرادآباد میں ۱۵؍دن سے زائد قیام کرنے کا ارادہ ہے، اب وہ مرادآباد میں راستہ بھٹک کر زیرو پوئنٹ کے پاس سے دھوکہ میں ڈائرکٹ رامپور چلا گیا اور رامپور سے رات میں مرادآباد آ گیا۔ اور اس کو اب مرادآباد میں ہی ۱۵؍دن قیام کرنا ہے اور مرادآباد میں رہ کر کے روزانہ دن میں کبھی کانٹھ، کبھی امروہہ، کبھی سنبھل، کبھی چندوسی اور کبھی ٹھاکردوارہ جانا ہے؛ لیکن رات مرادآباد میں ہی آ کر گزارنی ہے، تو ایسی صورت میں مرادآباد میں قیام کے دوران آس پاس جو جانا ہے، ان سب جگہوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید جب تک مرادآباد میں داخل نہیں ہوگا اس وقت تک مسافر رہے گا؛ لہٰذا جب ڈائریکٹ رامپور چلا گیا تو وہاں قصر کرے گا؛ لیکن جب مرادآباد میں آکر پندرہ روز قیام کا ارادہ کرلیا ہے، تو وہ مرادآباد میں شرعی طور پر مقیم ہوگیا ہے، پھر وہاں سے آس پاس مثلاً امروہہ، کانٹھ، سنبھل، چندوسی کا دورہ کرتا رہتا ہے، اور رات مرادآباد ہی میں آکر گذارتا ہے، تو اب زید مرادآباد اور آس پاس کی سب جگہوں پر اتمام کرے گا اس کے لئے قصر جائز نہیں۔

فأما إذا عزم على أن يقيم بالليالى في أحد الموضعين، ويخرج بالنهار إلى موضع آخر، فإن دخل أولا الموضع الذي عزم الإقامة فيه بالنهار لا يصير مقيما، وإن دخل أولا الموضع الذي عزم فيه الإقامة بالليالى يصير مقيما، ثم بالخروج إلى موضع الآخر لا يصير مسافرا؛ لأن موضع إقامة الرجل حيث يبيت فيه. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٤٩٩، رقم: ٣١٠٧، مبسوط سرخسي، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٣٧)

فإن نوى المسافر أن يقيم بالليالي في أحد الموضعين، ويخرج بالنهار إلى الموضع الآخر، فإن دخل أولا الموضع الذي نوى المقام فيه بالنهار لا يصير مقيما، وإن دخل الموضع الذي نوى الإقامة فيه بالليالي يصير مقيما، ثم بالخروج إلى الموضع الآخر لا يصيرا مسافرا؛ لأن موضع إقامة الرجل حيث يبيت فيه. (بدائع الصنائع، صلاة المسافر، فصل في بيان ما يصير المسافر به مقيما، زكريا ١/ ٢٧٠، قديم كراچی ١/ ٩٨)

ولو نوى الإقامة خمسة عشر يوما بقريتين النهار في إحداهما والليل في الأخرى يصير ميقيما إذا دخل التي نوى البيتوتة فيها، هكذا في محيط

السرخسي، ولا يصير مقيما بدخوله أولا في القرية الأخرى، كذا في الخلاصة. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٤٠، جديد ١/ ٢٠٠)

وكذا إن نوى خمسة عشر يوما بموضعين لا يصير مقيما إلا إن نوى أن تكون بيتوتته في أحدهما. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، أشرفيه ديوبند/٥٣٩)

ولو نوى الإقامة في موضعين خمسة عشر يوما لا يصير مقيما إلا أن ينوي أن يقيم لياليها في أحدهما وأيامها في أخرى، فإنه يصير مقيما إذا دخل القرية التي نوى الإقامة فيها خمسة عشر ليلة، ولا يصير مقيما بدخوله أولا في القرية الأخرى. (خلاصة الفتاوى، باب صلاة المسافر، اشرفيه ديوبند ١/ ١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۷)

ہرتھلا اور پاکبڑہ مرادآباد میں شامل ہوکر مقام واحد

سوال [۳۳۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں دہلی کا باشندہ ہوں اور کاروبار کے سلسلے میں مرادآباد بار بار آنا ہوتا ہے اور بسا اوقات ۱۵/دن تک بھی قیام رہتا ہے؛ لیکن درمیان میں ایک دوراتوں میں ''ہرتھلا'' اور ''پاکبڑہ'' بھی قیام رہتا ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ گذشتہ زمانہ میں دونوں قصبوں کا فاصلہ مرادآباد سے ۱۰/کلومیٹر رہا ہے، جب کہ آج مرادآباد کی آبادی ہرتھلہ سے آگے بڑھ چکی ہے، اور ادھر پاکبڑہ تک پہنچ چکی ہے، تو آپ سے سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں ہرتھلا اور پاکبڑہ مرادآباد میں شامل ہوگا یانہیں؟ اگر شامل ہے تو مذکورہ صورت میں میرے اوپر اتمام لازم ہوگا

یانہیں؟ اور اگر شامل نہیں ہے، تو پھر میں مرادآباد کے قیام میں مسافر ہوں اور قصر کرنا لازم ہے؛ لہٰذا بتائیے میں کیا کروں؟

المستفتي: فرقان مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مرادآباد کی آبادی تسلسل کے ساتھ بڑھتے ہوئے ''پاکبڑہ'' اور ہرتھلا سے متصل ہوگئی تو یہ دونوں جگہ بھی مرادآباد کا جزو بن کر مرادآباد میں شامل ہوگئیں؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں جب آپ نے مرادآباد میں ۱۵/دن قیام کا ارادہ کیا ہے، تو آپ مرادآباد میں مقیم ہوگئے اور اتمام لازم ہے، اگرچہ درمیان میں آپ کو ایک دو رات ہرتھلا اور پاکبڑہ میں بھی قیام کرنا ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۱/ ٦٦٧، انوار مناسک/٤٥٩)

یعتبر مجاوزة عمران المصر لا غیر إلّا إذا کان ثمة قریة أو قری متصلة بربض المصر، فحینئذ تعتبر مجاوزة القری. (هندیة، کتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زکریا قدیم ۱/ ۱۳۹، جدید ۱/ ۱۹۹، مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب المسافر، مکتبه فقیه الامت دیوبند ۱/ ۲۳۸، تاتارخانیة، الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زکریا ۲/ ٤٩٥، برقم: ۳۰۹۸)

إذا کانت قریة أو قری متصلة بربض المصر لا یقصر حتی یجاوزها. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، کوئٹه ۲/ ۸، زکریا ۲/ ۳۳)

المسافر إذا خرج من المصر وبقرب من المصر قریة إن کانت القریة متصلة بالمصر لا یقصر الصلاة؛ لأنها من جملة المصر. (الولوالجیة، کتاب الطهارة، الفصل الثاني عشر في السفر، دارالایمان سهارنپور ۱/ ۱۳۱، السراجیة، مکتبه اتحاد دیوبند ص: ۷۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الثانی ۱٤۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤۰/ ۱۱٤۷۹)

دو الگ الگ مقاموں کے بلد واحد ہونے کا مدار اتصال پر ہے

سوال [۳۳٦۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسافر کے لئے صحت اقامت کا مدار بلد واحد پر ہے اور بلد واحد ہونے کا مدار اتصال پر ہے، یا پرانی حدود پر؟ واضح فرمادیں عین نوازش ہوگی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دو الگ الگ مقاموں کے بلد واحد ہونے کا مدار اتصال پر ہے، نہ کہ پرانی حدود پر، یعنی جب آبادیاں بڑھتی ہوئی ایک دوسرے سے مل جائیں تو دونوں ایک آبادی کے حکم میں ہوں گی۔

والقريتان المتدانيتان المتصل بناء إحداهما بالأخرى، أو التي يرتفق أهل إحداهما بالأخرى فهما كالقرية الواحد. (الموسوعة الفقهية كيوت ٢٧/ ٢٧٩، المغني دارالفكر بيروت ٢/ ٥٠، الفقه الإسلامي وأدله، صلاة المسافر، شروط القصر، الهدى انٹر نيشنل ديوبند ٢/ ٢٩٦)

المسافر إذا خرج من المصر وبقرب من المصر قرية إن كانت القرية متصلة بالمصر لا يقصر الصلاة؛ لأنها من جملة المصر. (الولوالجية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني عشر في السفر، دارالايمان سهارنپور ١/ ١٣١، الفتاوى السراجية اتحاد، ص: ٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۵)

شہر سے متصل باہر کی طرف پھیلی ہوئی آبادی بھی شہر کے حکم میں

سوال [۳۳٦۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شہر کی آبادی شہر سے باہر کی طرف پھیلتی جارہی ہے، تو جتنی آبادی اتصال کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے وہ سب شہر کے حکم میں داخل ہوگی یا شہر سے الگ شمار ہوگی؟

المستفتي: قاسم بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شہر کی نئی آبادی شہر سے باہر کی طرف پھیلتی جارہی ہے وہ شہر سے متصل ہوکر تسلسل کے ساتھ جہاں تک آگے کو پہنچ جائے گی وہاں تک پوری کی پوری شہر ہی کے حکم میں شمار ہوگی۔

وإذا كانت قرية أو قرى متصلة بربض المصر لا يقصر حتى يجاوزها. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ٢/ ٨، زكريا ٢/ ٣٣)

وإن كانت القرى متصلة بربض المصر، فالمعتبر مجاوزة القرى هو الصحيح. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٣٨، سكب الأنهر ١/ ٢٣٨)

بخلاف ما إذا كانت القرى متصلة بربض المصر فحيئنذ تعتبر مجاوزة القرى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، زكريا ٢/ ٤٩٥، رقم: ٣٠٩٨)

أشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر، وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٥٩٩، كراچی ٢/ ١٢١)

المسافر إذا خرج من المصر وبقرب المصر قرية إن كانت القرية متصلة بالمصر لا يقصر الصلاة؛ لأنها من جملة المصر.

(الولوالجية ١/ ١٣١، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، كوئٹه ٢/ ١٢٨، زكريا ٢/ ٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/محرم الحرام ١٤٣٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١١٣٦٩/٤٠)

شہر سے متصل ہو جانے والے گاؤں کا حکم

سوال [٣٣٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر سے قریب آٹھ دس کلو میٹر پر ایک گاؤں ہے، شہر کی آبادی بڑھتی ہوئی اس سے متصل ہو چکی ہے، اب وہ گاؤں شہر میں شمار ہوگا یا نہیں؟ یعنی قصر نماز شہر سے نکلنے پر کرے گا یا اس گاؤں سے نکلنے پر؟

المستفتي: محمد گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شہر کی آبادی بڑھتی ہوئی قریب کے گاؤں سے بالکل متصل ہو جائے تو وہ گاؤں شہر میں شمار ہوگا اور اس گاؤں سے نکلنے کے بعد ہی مسافر قصر نماز شروع کرے گا۔

بخلاف ما إذا كانت القرى متصلة بربض المصر، فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني و العشرون، زكريا ٢/ ٤٩٥، رقم: ٣٠٩٨)

وإذا كانت قرية أو قرى متصلة بربض المصر لا يقصر حتى يجاوزها. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ٢/ ٨/٢ زكريا ٢/ ٣٣)

أشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض

الـمـصـر، وهـو ما حول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكـذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٥٩٩، كراچی ٢/ ١٢١)

الـمسـافـر إذا خرج من المصر وبقرب المصر قرية إن كانت القرية متصلة بالمصر لا يقصر الصلاة؛ لأنها من جملة المصر. (الولوالجية ١/ ١٣١)

وإن كـانت القرى متصلة بربض المصر، فالمعتبر مجاوزة القرى هو الصحيح. (مـجـمـع الأنهـر، بـاب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٣٨، سكب الأنهر ١/ ٢٣٨)

أنـه يعتبر مجاوزة عمران المصر لا غير إلا إذا كان ثمة قرية، أو قرى متـصـلة بـربض المصر، فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى. (هـندية، الباب الخامس عشر فـي صـلاة الـمسـافـر، زكـريـا قديم ١/ ١٣٩، جديد ١/ ١٩٩، خانية على الهندية، الـصـلاة، بـاب صـلاة المسافر، زكريا ١/ ١٦٥، جديد ١/ ١٠٤، البحرالرائق، باب صلاة المسافر، كوئٹه ٢/ ١٢٨، زكريا ٢/ ٢٢٦)

والـصـحيح ما ذكرنا أنه يعتبر مجاوزة عمران المصر إلا إذا كان ثمة قـرية أو قـرى متصلة بربض المصر، فحينئذ يعتبر مجاوزة القرى. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، جديد مجلس علمي ٢/ ٢٨٨، قديم ٢/ ١٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ رمحرم الحرام ١٤٣٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١٣٦٩)

ایک ماہ کے قیام کا ارادہ تھا مگر تین دن کے بعد واپسی کا ارادہ ہوگیا تو کیا کرے؟

سوال [٣٣٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید مرادآباد سے دہلی گیا اور ایک ماہ کے قیام کا ارادہ کیا، اب ظاہر ہے کہ وہ اتمام کرے گا اور ۴/ رکعت والی نماز میں امامت بھی کرسکتا ہے؛ لیکن ۳/ دن کے بعد اس کا ارادہ ہوا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو اب سوال یہ ہے کہ جب تک وہ دہلی میں ہے وہاں سے واپسی تک جو نمازیں پڑھے گا ان میں قصر کرے گا یا اتمام؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید جو دہلی میں ایک ماہ کے قیام کے ارادہ سے گیا؛ لیکن ۳/ یوم کے بعد اس کا ارادہ بدل گیا اور ایک ماہ سے قبل ہی اس کا دلی کو چھوڑنے کا ارادہ ہوگیا، تو اب زید وہاں سے جب تک عملی طور پر دلی چھوڑ کر روانہ نہ ہوجائے گا نمازوں کا اتمام ہی کرنا اس پر لازم ہوگا۔

وكذا إذا عاد من سفره إلى مصره لم يتم حتى يدخل العمران، ولا يصير مسافرا بالنية حتى يخرج. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، قديم زكريا ١/ ١٣٩، جديد ١/ ١٩٩)

من تنقل في البلدان، فأقام في بلد نصف شهر مثلا، ثم عاد إليه، قصر الصلاة فيه ما لم ينو الإقامة مجددا نصف شهر؛ لأن وطن الإقامة يبطل حكمه بمثله، وبالسفر عنه، أي بإنشاء السفر منه، كما يبطل بالوطن الأصلي.
(الفقه الإسلامي وأدلته، صلاة المسافر، متى يتم المسافر الصلاة، ومتى يقصر حالة الانتقال عن الوطن، مطبع الهدى انٹر نيشنل ديوبند ٢/ ٣٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۶/ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۹)

کسی جگہ پندرہ دن کی نیت کے بغیر ۲۸/ دن گذار دے تو قصر ہی کرتا رہے گا؟

سوال [۳۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص مرادآباد سے دہلی گیا ٣/دن کے قیام کے ارادے سے؛ لیکن ٣/دن کے بعد وہ جماعت والوں کے ہاتھ لگ گیا اور جماعت والوں کے ساتھ ١٠/دن جماعت میں لگائے، پھر دس دن کے بعد دس دن اور لگا یائے، پھر اس کے بعد ایک ہفتہ اور جماعت میں لگایا، تو دہلی کے اسی ایریہ میں اس نے ٢٨/دن گزاردئے، مگر ایک ساتھ ١٥/دن کے قیام کا ارادہ نہیں کیا، تو اس عرصہ میں وہ نمازوں میں قصر کرے گا یا اتمام کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص کسی جگہ تسلسل کے ساتھ مستقل ١٥/دن قیام کرنے کی نیت نہ کرے؛ لیکن اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے وہ ١٥/دن سے زائد اس جگہ قیام کرلے تو وہ قصر ہی کرے گا، اتمام نہیں کرے گا، مثلاً صورت مسئولہ میں شخص مذکور نے دہلی میں صرف ٣/دن کے قیام کا ارادہ کیا تھا؛ لیکن پھر جماعت والوں کے ساتھ اس نے اولاً ١٠/دن قیام کی نیت سے لگائے، پھر اسی طرح جماعت والوں کے کہنے پر ١٠/دن اور لگائے، پھر مزید اصرار پر ایک ہفتہ اور لگایا، جس کی وجہ سے دہلی میں اس کا قیام ٢٨/دن سے زائد رہا، مگر مسلسل پندرہ دن قیام کا ارادہ نہیں رہا، تو وہ ان دنوں دلی میں قصر ہی کرتا رہے گا، اتمام نہیں کرے گا۔

عن نافع عن ابن عمر قال: ارتج علينا الثلج، ونحن بآذر بيجان ستة أشهر في غزاة قال: ابن عمر: فكنا نصلى ركعتين. (معرفة السنن والآثار للبيهقي، الصلاة، باب المقام الذي يتم بمثله الصلاة ٢/ ٤٣٦، رقم: ١٦١٠)

المسافر إذا دخل مصرا وهو على عزم أنه متى غرضه يخرج لا يصير مقيما، وإن مكث فيها سنة. (تاتارخانية، الصلاة، الباب الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٥٢٥، رقم: ٣٢٠٦)

أما نية الإقامة فأمر لابد منه عندنا حتى لو دخل مصرا ومكث فيه شهرا، أو أكثر لانتظار القافلة، أو لحاجة أخرى يقول: أخرج اليوم أو غدا ولم ينو الإقامة لا يصير مقيما. (بدائع الصنائع، باب صلاة المسافر، فصل في بيان ما

يصير المسافر به مقيما زكريا ١/ ٢٦٨، قديم كراچى ١/ ٩٧)

إذا قام في بلدة من غير نية الإقامة لا يكون مقيما، وإن طال؛ لأنه لم ينوى الإقامة خمسة عشر يوما. (الولوالجية ١/ ١٣٤)

فإن لم يعزم على الإقامة مدة معلومة، ولكنه مكث أياما في المصر، وهو على عزم الخروج، لا يصير مقيما عندنا وإن طال مكثه. (مبسوط سرخسي، باب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٢٣٧)

ولو دخل مصرا على عزم أن يخرج غدا أو بعد غد، ولم ينو مدة الإقامة، حتى بقي على ذلك سنين قصر؛ لأن ابن عمر رضي الله عنه أقام بآذربيجان ستة أشهر وكان يقصر، وعن جماعة من الصحابة مثل ذلك.
(هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، أشرفي ديوبند ١/ ١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۹)

ویزا ختم ہونے کے بعد خفیہ طور پر ۳/ ماہ رہنے کا ارادہ ہو تو قصر کرے یا اتمام؟

سوال [۳۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص کا غیر ملک میں ویزا ختم ہونے کے بعد غیر قانونی خفیہ طور پر ۱۵/ دن سے زائد مثلاً ۳/ مہینے رہنے کا ارادہ ہے، مگر رہنے کے لئے قانونی ثبوت اس کے پاس نہیں تو یہ شخص مقیم ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: قاسم بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص نمازوں کا قصر کرے گا؛ اس لئے کہ اس شخص

کی حالت اس کے عزم وارادے کے خلاف ہے۔(مستفاد: فتاوی حقانیہ ۳/ ۳٦۸- ۳٦۹) مگر ویزا یا اقامت کے ساتھ رہنے والے پر اتمام لازم ہے۔

لأن حالهم يخالف عزيمتهم للتردد بين القرار والفرار. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، كراچی ٢/ ١٣٣، زكريا ٢/ ٢٣٤، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، إمداديه ملتان ١/ ٢١٢، زكريا ١/ ٥١٣- ٥١٤)

والحاصل أن شروط الإتمام ستة: النية، والمدة، واستقلال الرأى، وترك السير، واتحاد الموضع، وصلاحيته. تحته في الشامية: ستة زاد في الحلية شرطا آخر، وهو أن لا تكون حالته منافية لعزيمته. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٦٠٩، كراچی ٢/ ١٢٨)

لأنهم بين أن يهزموا فيفروا أو يهزموا، فيفروا وحالهم هذه مبطلة عزيمتهم لترددها في الإقامة، ولا بد في تحقق النية من الجزم. (حلبي كبير، فصل في صلاة المسافر، أشرفيه ديو بند/ ٥٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۰۴)

دوراستوں میں سے مقدار مسافت سفر والے میں قصر اور کم والے میں اتمام

سوال [۳۳٦۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کو مرادآباد سے نور پور جانا ہے جو صرف ۵۵ رکلومیٹر کی دوری پر ہے؛ لیکن نور پور سے مرادآباد واپسی میں وہ چاند پور سے ٹرین پکڑ کر گجرولہ ہوتے ہوئے مرادآباد آئے جس کی مسافت تقریباً ۹۰ / ۹۵ رکلومیٹر ہو جاتی ہے، تو ایسی صورت میں نور پور سے مرادآباد واپسی میں وہ قصر کرے گا یا اتمام؟

المستفتي: شعیب احمد میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفر میں جس راستہ کواختیار کرے گا، اسی کا اعتبار ہوگا؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب وہ مرادآباد سے نور پور جائے گا جو تقریباً ۵۵؍کلومیٹر کی دوری پر ہے، تو وہ اتمام کرے گا قصر نہیں کرے گا۔ اور جب نور پور سے چاند پور، گجرولہ ہوتے ہوئے مرادآباد آئے گا جس کی مسافت ۹۰؍۹۵؍کلومیٹر ہوجاتی ہے، تو اس صورت میں جب نور پور سے چاند پور ہوکر سفر شروع کرے گا تو نمازوں کی قصر کرتا رہے گا، اتمام جائز نہ ہوگا۔

ولو لموضع طريقان، أحدهما مدة السفر ...... والآخر أقل قصر في الأول لا الثاني. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۳، زكريا ۲/ ۶۰۳)

ولو قصد موضعا له طريقان، أحدهما في البر، والآخر في البحر، وطريق البر يوصله في ثلاثة أيام، وطريق الماء أقل من ذلک، فإنه إذا سافر في البحر يقصر، وإذا سافر في البحر لا يقصر. (تاتارخانية، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ۲/ ۴۹۱، رقم: ۳۰۸۸)

وتعتبر المدة من أي طريق أخذ فيه كذا في البحر الرائق، فإذا قصد بلدة وإلى مقصده طريقان أحدهما مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، والآخر دونها، فسلک الطريق الأبعد كان مسافر عندنا، وإن سلک الأقصر يتم. (هندية، الباب الخامس عشر، في صلاة المسافر، زكريا قديم ۱/ ۱۳۸، جديد ۱/ ۱۹۹، خانية على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۱/ ۱۶۵، جديد ۱/ ۱۰۴، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۹، زكريا ۲/ ۲۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۷۰/۴۰)

بڑے شہروں کا کس طرح اعتبار کیا جائے؟

سوال [۳۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) احقر کا وطن اصلی دہلی میں ہے، گھر (جو دہلی کے ایک محلے میں واقع ہے) سے جائے ملازمت ۹۰ر کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، جب کہ دہلی کے آخری حصے سے جائے ملازمت ۷۰ر کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اور گھر سے جائے ملازمت کی طرف جاتے ہوئے گھر اور دہلی کے آخری حصے کے درمیان جنگلات کے ذریعہ فاصلہ بھی ہے، تو اس فاصلے کے ہوتے ہوئے جائے ملازمت پہنچ کر مقیم ہی رہوں گا یا مسافر ہو جاؤں گا؟ اور گھر پہنچنے سے قبل دہلی کے کسی بھی حصے میں قصر کا حکم ہوگا یا اتمام کا؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اگر دہلی کے آخری حصے سے جائے ملازمت مسافت سفر شرعی ساڑھے بیاسی کلومیٹر پر واقع ہو تو کیا احقر کو غازی آباد میں جائے ملازمت سے آتے جاتے وقت نماز اتمام کرنی ہوگی؟ اس سوال کی وجہ غازی آباد اور دہلی کی آبادی کا اتصال ہے کہ اتصال آبادی کی بنا پر اتمام ہی کا حکم ہوگا؟ محقق ومدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: حضرت مولانا محمد ریاست قاسمی، خادم مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء متقدمین ومتأخرین کے زمانہ میں جو شہر ہوا کرتے تھے وہ بہت بڑے نہیں ہوا کرتے تھے؛ بلکہ بڑے سے بڑا شہر اس طرح ہوتا تھا کہ اس شہر کے تمام باشندے شہر کے ہر حصہ سے مانوس ہوا کرتے تھے اور بڑے سے بڑا شہر بھی ۲۵ / ۳۰ر کلومیٹر کے طول وعرض سے زیادہ پھیلا ہوا نہیں ہوتا تھا؛ لیکن آج کے دور میں ایسے شہر بھی وجود میں آ گئے ہیں، جنہوں نے آزو بازو کے کئی شہر اور کئی ضلعوں کو اتصال آبادی کے ذریعہ سے اپنے اندر داخل کر لیا ہے، جیسا کہ دہلی سے غازی آباد ۲۵ / ۳۰ر کلومیٹر کے فاصلہ پر تھا، اسی طرح نوئیڈا بھی اتنے فاصلہ پر تھا، پھر اس کے بالمقابل

فرید آباد بھی کم وبیش اتنے فاصلہ پر رہا اور اسی طرح گڑ گاؤں بھی دہلی سے الگ دوسرے صوبہ کا شہر رہا ہے، آج یہ چاروں شہر دہلی سے متصل ہوکر ایک ہی شہر جیسے بن گئے ہیں، ہاں البتہ سرکاری اعتبار سے ان کی میونسپلٹی الگ الگ ہیں، اسی طرح بمبئی نے بھی اپنے آزو باز و کے کئی شہروں کو اتصال آبادی کے ذریعہ سے اپنے اندر داخل کرلیا ہے۔ اور ایسا ہی کلکتہ اور مدراس کا حال بھی ہے کہ اتصال آبادی کے اعتبار سے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک ۸۰ر ۹۰ رکلومیٹر سے بھی زیادہ فاصلہ ہوجاتا ہے کہ خود ان شہروں کے اتصال آبادی کے اعتبار سے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچنے میں مسافت سفر کو طے کرنا پڑ جاتا ہے؛ لہٰذا ایسے شہروں کے بارے میں وہ حکم نہیں ہوسکتا جو فقہاء کے زمانہ میں بڑے شہروں کا حکم ہوا کرتا تھا، کہ اتصال آبادی کے اعتبار سے شہر کے کسی بھی کنارے پہنچ جائیں تو قصر کا حکم ختم ہوجائے؛ بلکہ ان شہروں کا حکم بالکل الگ اور نئے انداز کا ہوگا؛ کیوں کہ قصر صلاۃ کے مسئلہ کا مدار سفر کی مشقت کے ساتھ ساتھ اجنبیت پر بھی ہے اور ایسے بڑے شہروں میں ایک کنارے کے لوگ دوسرے کنارے میں اجنبی ہوجاتے ہیں؛ اس لئے ایسے بڑے شہروں کا حکم اپنے ایریا کے اعتبار سے ہوگا کہ دہلی کا ایریا الگ ہے، غازی آباد کا ایریا الگ اور نوئیڈا کا ایریا الگ اور گڑ گاؤں اور فرید آباد کا ایریا اس سے بالکل دوسرا ہے؛ لہٰذا غازی آباد کی طرف سے گڑ گاؤں فرید آباد جانے والے لوگ دہلی کی آبادی میں داخل ہونے کے بعد مقیم نہیں ہوں گے؛ بلکہ اس وقت تک مسافر رہیں گے جب تک دہلی سے تجاوز کرکے گڑ گاؤں اور فرید آباد کے ایریا میں داخل نہ ہوں گے، اسی طرح فرید آباد اور گڑ گاؤں کی طرف سے غازی آباد یا نوئیڈا کے باشندے اس وقت تک مقیم نہیں ہوں گے، جب تک پوری دہلی پار کرکے غازی آباد یا نوئیڈا کے ایریا میں داخل نہ ہوں گے، نیز دہلی کا رہنے والا آدمی فرید آباد، گڑ گاؤں، نوئیڈا، غازی آباد وغیرہ میں داخل ہونے سے مقیم نہیں ہوگا، جب تک دہلی کی اصل آبادی میں داخل نہ ہوجائے، اسی طرح کا حکم ان تمام شہروں میں جاری ہوجائے گا جو شہر کئی ضلعوں کو شامل ہیں، اس تفصیل کے بعد دونوں سوالوں کا جواب حسب ذیل ہے:

سوال نامہ کے مطابق سائل دہلی کا رہنے والا ہے اور دہلی سے ۹۰ رکلو میٹر کے فاصلہ پر ملازمت کرتا ہے، اب اگر دہلی کی اصل آبادی کی حد سے جائے ملازمت ساڑھے بیاسی کلو میٹر یا اس سے زیادہ مسافت پر ہے، تو دہلی کی اصل آبادی کی حدود سے تجاوز کرتے ہی مسافر ہوجائے گا۔اسی طرح واپسی میں غازی آباد یا اس کے مضافات وغیرہ جو دہلی کی آبادی سے متصل ہوچکے ہیں، ان میں پہنچنے سے مقیم نہیں ہوگا؛ بلکہ دہلی کی سرکاری حدود میں داخل ہونے کے بعد ہی مقیم ہوگا، اب اس اعتبار سے سائل دہلی کی پرانی حدود سے اپنی جائے ملازمت کی مسافت کو خود ہی دیکھ لے، اگر ساڑھے بیاسی کلو میٹر یا اس سے زیادہ مسافت ہے، تو اپنے آپ کو مسافر سمجھے گا۔اور اگر اس سے کم ہے تو اپنے آپ کو مقیم سمجھے۔

فالقرية المتصلة بالفناء دون الربض لا تعتبر مجاوزتها على الصحيح، كما في شرح المنية. (شامي، كتاب الصلاة، باب المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۱، زكريا ۲/ ۶۰۰، عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ۱/ ۱۳۹، جديد ۱/ ۱۹۹، أحسن الفتاوى ۴/ ۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۵/۱۴۳۴ھ

وطن اقامت اور وطن اصلی کا ایک مسئلہ

سوال [۳۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا اصل وطن سہارنپور ہے، بجنور میں تقریباً پچیس سال سے ایک مسجد کا امام ہے، زید اپنی امامت کے مقام پر تنہا ہی رہتا ہے، اہلیہ بچے وغیرہ نہیں رہتے، مسجد کے حجرہ میں ہی مقیم ہے، زید کا اپنا مکان ذاتی یا کرایہ کا بھی نہیں، زید اپنے وطن اصلی سہارنپور جاکر بجنور (وطن اقامت) آیا، اب زید کو دوبارہ بھی سہارنپور جانے کی ضرورت درپیش ہے، تو اس شکل میں پندرہ دن سے پہلے اگر زید بجنور سے واپس ہونے کا ارادہ رکھتا ہو تو بجنور آکر زید مسافر رہے گا

اورقصر کرے گایا زید وطن اقامت میں آکر مقیم ہوجائے گا اور اتمام کرے گا؟
بکر کا اصلی مسکن رڑکی ضلع سہارنپور ہے، بجنور سے بکر سفر کر کے سہارنپور جارہا ہے، راستہ میں رڑکی کا اسٹیشن پڑتا ہے، وہاں بکر نے نماز رباعی پڑھی ہے، تو رڑکی کے اسٹیشن پر جو بکر کے شہر کا اسٹیشن ہے، نماز کا اتمام کرے یا یہ کہ وہ سفر میں ہے۔ اور سفر سہارنپور تک کا ہے، تو قصر کرے اور سہارنپور پہنچ کر جو کہ رڑکی سے ۲۵ ؍میل ہے قصر کرے گا یا اتمام؟

المستفتي: فخر الاسلام شیر کوٹ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید اپنی جائے ملازمت بجنور میں تنہا رہتا ہے اور وہاں بچوں کو ساتھ نہیں رکھا ہے، تو ایسی صورت میں جائے ملازمت بجنور اس کے لئے وطن اصلی کے حکم میں نہیں ہے اور نہ ہی وطن تأہل کے حکم میں ہے؛ بلکہ صرف وطن اقامت ہی کے حکم میں ہوسکتا ہے؛ اس لئے جب زید پندرہ دن سے کم قیام کے ارادہ سے سہارنپور سے بجنور آئے گا، تو اس درمیان میں اس پر نمازوں کا قصر کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳/۵۰، جدید زکریا ۵/ ۱۶۹-۱۷۰)

ولا يزال على حكم السفر حتى ينوى الإقامة في بلدة أو قرية خمس عشر يوما، أو أكثر. (عالمگیری، الصلاة، الباب الخامس في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٣٩، جديد ١/ ١٩٩)

(ب): بکر جب رڑکی اسٹیشن پہنچ جائے گا تو خود بخود مقیم بن جائے گا اور نمازوں کا اتمام واجب ہوجائے گا اور پھر رڑکی سے سہارنپور تک مسافت سفر کی نہیں ہے؛ اس لئے سہارنپور آنے جانے کے درمیان تمام نمازوں کا اتمام لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۳/ ۵۵، جدید زکریا ۵/۱۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍۷؍۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍۷؍۱۴۱۴ھ

جائے ملازمت وطن اصلی ہے یا وطن اقامت

سوال [۳۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جائے ملازمت کو وطن اصلی قرار دیتا ہے اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ اگر کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو مجھے یہاں زندگی بھر ملازمت کرنی ہے۔ اور عمر جائے ملازمت کو وطن اقامت قرار دیتا ہے، اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ یہ میرا اصلی وطن نہیں، اگر آج کوئی بات ہوگئی تو آج مجھے یہاں سے جانا ہے؛ لہٰذا دونوں میں کس کی بات صحیح ہے؟ اور علمائے کرام جائے ملازمت کو کس کے حکم میں رکھتے ہیں؟

المستفتي: محمد عثمان القاسمی مرکزی دار العلوم محمدیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کتب فقہ کی بعض عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ ہمیشہ کی جائے ملازمت جہاں مع اثاثہ کے رہتا ہے، وہ وطن تأہل کی طرح وطن اصلی کے حکم میں ہے، وہاں سے اگر عارضی سفر کیا جائے اور اپنا اثاثہ وہاں چھوڑ کر واپسی کے ارادہ سے سفر کیا جائے، تو واپسی میں قصر کے بجائے اتمام کرنا چاہئے، اگرچہ نصف ماہ سے قبل دوسرے سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔

كوطن الإقامة يبقى ببقاء الثقل، وإن أقام بموضع آخر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، زكريا ٢/ ٢٣٩، كوئٹه ٢/ ١٣٦، أحسن الفتاوى ٤/ ١٠٦، ٤/ ١١٠)

اور عام کتب فقہ کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ ہمیشہ کی جائے ملازمت وطن اقامت ہی ہے، وہاں سے مسافت سفر کے ارادہ سے اگر سفر کیا جائے اور واپسی میں نصف شہر سے قبل دوبارہ سفر کا ارادہ رکھتا ہے تو سفر اول اور سفر ثانی کے درمیان قیام کے زمانہ میں قصر کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۳۳۵، جدید زکریا ۳/ ۳۷۹، جدید زکریا مطول ۵/ ۱۷، فتاوی دار العلوم ۴/ ۴۵۴، ۴/ ۴۶۱، امداد الفتاوی ۱/ ۳۷۵)

ويبطل …… وطن الإقامة بمثله والسفر (تحته في مجمع الأنهر) حتى لو نوى الإقامة في بلد، ثم راح منه، وأقام في بلد آخر، وأتى البلد الأول

قصر ما لم ينو الإقامة ثانيا. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢٤٣، مصري قديم ١/ ١٦٤)

لہٰذا فصل اول کے اعتبار سے زید کی بات صحیح ہے اور فصل ثانی کے اعتبار سے عمرو کی بات صحیح ہے؛ البتہ اکابر علمائے دیوبند کا عمل بھی عمرو کی بات کی تائید کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۷۴)

جائے ملازمت وطن اصلی کے حکم میں ہے

سوال [۳۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنے اہل وعیال کو لے کر ایک جگہ میں رہتا ہے اور امامت کرتا ہے اور اس جگہ سے اس کا وطن اصلی ڈھائی سو کلومیٹر دور واقع ہے، اس نے حج کا ارادہ کیا اور سب کو لے کر ۳؍۴؍دنوں کے لئے وطن گیا اور چار پانچ روز رہنے کے بعد اپنے اہل وعیال کو لے کر اسی امامت کی جگہ جہاں اہل وعیال کو لے کر رہتا ہے واپس آیا اور تین روز کے بعد حج کے لئے روانہ ہوگیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ گھر سے واپسی کے بعد جو تین روز حج کے لئے روانگی سے پہلے نماز پڑھائی وہ پوری پڑھانے کا حکم ہے یا قصر اہل وعیال کو وہاں چھوڑ کر حج کو گیا؟

محمد بلال احمد ۲۷؍۳/۲۰۰۳ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وہ شخص پوری نماز پڑھائے وہ مسافر نہیں؛ بلکہ مقیم ہے، حضرت مولانا قاری رفعت صاحب قاسمی نے اپنی مؤلفہ کتاب ''مکمل ومدلل مسائل سفر'' ص: ۱۲۰؍میں اس قسم کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، جو درج ذیل ہے، از روئے فقہ آدمی کے وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں اور شرعاً وطن اصلی صرف اس جگہ کو نہیں کہتے جہاں پیدا ہوا ہو؛ بلکہ ہر اس جگہ

کو وطن اصلی کا درجہ حاصل ہے جہاں انسان اپنے اثاثہ (سامان تعیش) اوراہل وعیال کے ساتھ مستقل قیام پذیر ہو، مثلاً آدمی کی جائے ملازمت جہاں وہ اپنے اہل وعیال وسامان کے ساتھ رہتا ہو، وہ بھی وطن اصلی کے درجہ میں ہوتا ہے؛ لہٰذا شرعی مسافر ہو کر وہاں پہنچ جائے گا تو نماز قصر نہیں کرے گا؛ بلکہ پوری پڑھنی لازم ہے، خواہ پندرہ دن کے قیام کا ارادہ نہ کیا ہو۔ (ایضاح المسائل/ ۶۶، امداد الاحکام ۱/ ۷۱۸، احسن الفتاوی ۴/ ۱۰۲، البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، زکریا ۲/ ۲۳۹، کوئٹہ ۲/ ۱۳۶، مجمع الانہر، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، مصری قدیم ۱/ ۱۶۴، دارالکتب العلمیہ بیروت جدید ۱/ ۲۴۳، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، فصل ما یبطل بہ القصر وبیان الوطن الاصلی وغیرہ، دارالفکر ۱/ ۴۸۰)

دوسری کتابوں میں بھی اسی مسئلہ کی تفصیل ہے، قلت فرصت کی وجہ سے تمام عبارتوں کو نقل کرنے سے قاصر رہا، امید ہے کہ مذکورہ دلیل سے تشفی ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

یہ جواب درست ہے، ہمارے یہاں سے یہی مسئلہ لکھا جاتا ہے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍ ۳؍ ۱۴۲۴ھ

کیا وطن اقامت وملازمت وطن اصلی کے حکم میں ہیں؟

سوال [۳۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وطن اقامت یا ملازمت وطن اصلی کے حکم میں ہے یا نہیں؟ وطن اصلی کی کیا کیا شرائط ہیں؟ پاسپورٹ اور راشن کارڈ کے علاوہ اور کوئی جائیداد وغیرہ نہیں ہے تو پاسپورٹ یا راشن کارڈ اور ووٹ کا ثبوت ہونا کافی ہوگا؟

المستفتي: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وطن اقامت اور جائے ملازمت اگر مسافت سفر کی

دوری پر ہے اور بیوی بچے اور اثاثہ بھی ساتھ میں رکھا ہے، تو وہ شرعی طور پر وطن تأہل ہو جاتا ہے، جو شرعی طور پر وطن اصلی کے حکم میں ہے، پاسپورٹ یا راشن کارڈ کا تعلق اس سے نہیں ہے، ہاں البتہ پاسپورٹ اور راشن کارڈ اس کے لئے تائید کے درجہ میں ہیں؛ لیکن ان کارڈوں پر کوئی مدار نہیں، مثلاً کوئی شخص بال بچے اور اثاثہ کے بغیر جائے ملازمت اور وطن اقامت میں رہتا ہے اور وہاں اس کا راشن کارڈ اور پاسپورٹ وغیرہ بھی بن جاتا ہے اور بیوی بچے اور اثاثہ سب دوسری جگہ پر ہیں، تو ایسی صورت میں جائے ملازمت یا وطن اقامت اس کے لئے وطن تأہل نہیں بنے گا، تو معلوم ہوا کہ وطن تأہل جو وطن اصلی کے حکم میں ہے اس کا مدار ان کارڈوں پر نہیں ہے؛ بلکہ اہل وعیال اور اثاثہ پر ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام۲/ ۳۱۰، ایضاح المسائل/ ٦٦)

إنما كانت وطنا بالأهل لا بالعقار؛ ألا ترى! أنه لو تأهل ببلدة لم يكن له فيها عقار صارت وطنا له، وقيل: تبقى وطنا له؛ لأنها كانت وطنا له بالأهل والدار جميعا، فبزوال أحدهما لا يرتفع الوطن كوطن الإقامة، تبقى ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٢٣٩، كوئٹه ٢/ ١٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۴۶)	۱۴۲۹/۶/۲۳ھ

جائے ملازمت وطن اصلی کے حکم میں کب ہے؟

سوال [۳۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جائے ملازمت وطن اصلی کے درجہ میں ہے، جب اہل وعیال مع اثاثہ کے ہوں؛

البتہ اگر اہل وعیال کے بغیر صرف اثاثہ یعنی ضروری سامان کے ساتھ ہو، تو کیا جائے ملازمت وطن اصلی کے درجہ میں ہوگا؟

المستفتي: محمد سیف اللہ قاسمی، مدرسہ عربیہ دارالسلام مراقی پور بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائے ملازمت کا وطن اصلی کے حکم میں ہونے کے لئے اہل وعیال کا ساتھ میں ہونا لازم ہے، اس کو بالفاظ دیگر وطن تأہل کہا جاتا ہے۔ اور اہل وعیال کے بغیر محض اثاثہ ساز وسامان کی وجہ سے وطن تأہل نہیں بنے گا۔

لأنها إنما كانت وطنا بالأهل لا بالعقار. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر زكريا ٢/ ٢٣٩، كوئٹه ٢/ ١٣٦، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب المسافر، دارالكتب العلمية بيروت جديد ١/ ٢٤٣، مصري قديم ١/ ١٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۶ھ

مدارس کے طلبہ اور سرکاری ملازمین مدرسہ اور جائے ملازمت پر مقیم یا مسافر

سوال [۳۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کوئی طالب علم تین سال یا ۵؍سال پڑھنے کے لئے حیدرآباد سے دارالعلوم دیوبند آتا ہے، اسی طرح بعض ملازمین مثلاً سرکل اور D.S.P کی ملازمت ۵؍سال میں ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتی رہتی ہے، تو ان حضرات کا ۵؍سال رہنے کے ارادہ سے کسی جگہ قیام وطن توطن کہلائے گا یا وطن اقامت؟

(۲) مذکورہ طالب علم اگر دارالعلوم سے مدرسہ شاہی جاتا ہے واپسی پر دارالعلوم میں آٹھ دن رہ کر دہلی جانے کا ارادہ ہے، تو وہ اس آٹھ دن میں قصر کرے گا یا اتمام؟

المستفتي: عبداللہ حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوطلبہ مسافت سفر سے دوری پرجا کر۳؍سال ۴؍سال یا ۵؍سال تک تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی مدرسہ میں قیام کر لیتے ہیں، جیسا کہ سوال نامہ میں ہے، ان کا ارادہ تعلیم پوری کرنے کے بعد وہاں سے واپس چلے جانے کا رہتا ہے، علی سبیل القرار وہاں رہنے کا ارادہ نہیں ہوتا ہے، اسی طرح بعضے سرکاری ملازمین ایک شہر یا قصبہ میں یا کسی اور جگہ اس طرح رہتے ہوں کہ چندسال کے بعد یہاں سے تبادلہ کرا لیتے ہوں، تو ان کے حق میں وہ جگہ علی سبیل القرار قیام کرنے کی نہیں ہوتی، بہر حال ان کا ارادہ وہاں سے کلی طور پر منتقل ہوجانے کا رہتا ہے؛ اس لئے ایسی جگہوں پر پندرہ دن سے زائد قیام کی صورت میں تو وطن اقامت ہوجائے گا، مگر اس سے کم قیام کی صورت میں مسافر ہی رہیں گے اور وہ مقامات ان لوگوں کے لئے وطن توطن نہیں کہلائیں گے اسی سے دوسرے سوال کا جواب بھی واضح ہوگیا ہے؛ اس لئے کہ وطن توطن کے لئے فقہاء نے یہ قید لگائی ہے کہ اس کا ارادہ وہاں سے منتقل ہونے کا نہ ہو؛ بلکہ تعیش کے طور پر وہاں مستقل رہنے کا ہو یہ شرط ان لوگوں میں نہیں پائی جاتی، جیسا کہ شامی اور طحطاوی کے جزئیہ سے واضح ہوتا ہے۔

أو توطنه بأن اتخذها دارا، وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وإن لم يتأهل بها. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ١/ ٣٣٦) اورشامی کی عبارت ملاحظہ ہو:

أي عزم على القرار فيه، وعدم الارتحال وإن لم يتأهل. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچى ٢/ ١٣٣، زكريا ٢/ ٦١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹٦۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۲۹ھ

کیا وطن اصلی سے ۲۰؍کلومیٹر کی دوری کی جائے ملازمت وطن اصلی سے ملحق ہے

سوال [۳۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک عربی مدرسہ کا ملازم (معلم) ہوں اور مدرسہ میری جائے پیدائش (وطن اصلی) سے صرف بیس کلومیٹر دور ہے ہفتہ عشرہ میں گھر جاتا ہوں کبھی کبھی پندرہ بیس روز بھی مدرسہ میں رہ جاتا ہوں، تو وہ جگہ میرے لئے وطن اصلی کا حکم رکھتی ہے یا وطن اقامت کا نیز اگر میں اتنی دور ملازمت کرتا ہوں جو مسافت سفر ہو تو اس کا بھی حکم بیان کریں۔

المستفتي: محمد عثمان القاسمی مرکزی دار العلوم محمدیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسافت سفر سے کم (بیس کلومیٹر) کے فاصلے پر جو جائے ملازمت ہے وہ اس وقت تک وطن اصلی سے ملحق رہے گی جب تک وہاں سے ایک دفعہ مسافت سفر کے ارادہ سے سفر نہ کیا جائے اور جب وہاں سے سفر شرعی کی مسافت طے کرنے کے ارادے سے سفر کیا جائے اور واپسی میں نصف ماہ سے کم قیام کے ارادہ سے وہاں قیام کیا جائے تو اکثر کتب فقہ کی عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں قصر کیا جائے گا۔

ويبطل ...... وطن الإقامة بمثله، والسفر، أي يبطل وطن الإقامة به؛ لأنه ضد الإقامة فلا يبقى معه حتى لو نوى الإقامة في بلد، ثم سافر، ثم أتى ذلك البلد قصر ما لم ينوها. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٢٤٣، مصري قديم ١/ ١٦٤)

إنما يصير الوطن وطن الإقامة بشرط أن يتقدمه سفر، ويكون بينه وبين ما صار إليه منه مدة سفر. (حاشية چلپی على الزيلعي، كتاب الصلاة، باب المسافر، زكريا ١/ ٥١٨، ٥١٩، إمداديه ملتان ١/ ٢١٥، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، زكريا ٢/ ٢٤٠، كوئٹه ٢/ ١٣٦، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالفكر قديم ٢/ ٤٣، زكريا ٢/ ٤١، كوئٹه ٢/ ١٦)

اوراگر جائے ملازمت مسافت سفر پر ہےتو چونکہ وطن اصلی سے جائے ملازمت تک ایک دفعہ سفر شرعی کا تحقق ہو چکا ہے؛ اس لئے اس میں اگر نصف ماہ سے زائد قیام کا ارادہ کیا جائے تو وہ وطن اقامت ہوگا اور وہاں سے دوسری جگہ اگر سفر شرعی کیا جائے اور واپسی میں پندرہ روز قیام کا ارادہ نہیں ہے، تو بروایت مجمع الانہر اور اکابر مفتیان کرام کے فتاوی کی رو سے قصر لازم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۷۴)

وطن اقامت سے بیس کلومیٹر دوری پر جائے ملازمت پر جانا

سوال [۳۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سہیل احمد بسلسلہ ملازمت دہلی میں قیام پذیر ہے اور مکان وغیرہ وطن اصلی فتح پور ضلع بارہ بنکی میں ہے، سہیل احمد ایک کمپنی کے ملازم ہیں، دہلی میں جہاں قیام ہے وہاں سے ۲۰؍ کلومیٹر دوری پر ملازمت کے لئے جاتے ہیں، یہ ملازمت کی جگہ صوبہ اترپردیش میں شمار ہوتی ہے۔ اور جہاں قیام کرتا ہے وہ دہلی میں ہے، تو شرعاً یہ شخص مقیم ہی شمار ہوگا یا مسافر رہے گا؟

المستفتي: عمران علی خان مدرس مدرسہ ملت قضیارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سہیل احمد کا ارادہ مستقل دہلی میں رات گذارنے کا ہے اور وطن سے اولاً دہلی آکر ایک رات گذارنے کے بعد دوسرے دن سے ۲۰؍ کلومیٹر دوری پر کمپنی میں کام کرنے کے لئے جانا شروع کر دیا ہے۔ اور روزانہ واپس دہلی آکر رات گذارتا ہے، تو وہ شرعی طور پر مقیم ہے نماز پوری پڑھا کرے گا، غالباً سوال نامہ میں یہی صورت ہے۔

فإن نوى المسافر أن يقيم بالليالي في أحد الموضعين، ويخرج

بالنهار إلی الموضع الآخر، فإن دخل أولاً الموضع الذي نوی المقام فيه بالنهار، لا يصير مقيما، وإن دخل الموضع الذي نوی الإقامة فيه بالليالي يصير مقيما، ثم بالخروج إلی الموضع الآخر لا يصير مسافرا؛ لأن موضع إقامة الرجل حيث يبيت فيه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صلاة المسافر ما يصير المسافر به مقيما، زكريا ١/ ٢٧٠، قديم كراچی ١/ ٩٨، ومثله في المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، فصل في صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢٣٧، البناية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، أشرفيه ٣/ ٣٢، حاشية الطحطاوي علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دار الكتاب ديوبند، ص: ٤٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

وطن اقامت اور جائے ملازمت میں قصر کرے یا اتمام؟

سوال [۳۳۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید بغرض ملازمت سعودی عرب گیا جہاں دمام شہر میں اس کی پوسٹنگ ہوئی، اس کے قیام وطعام کا وہیں انتظام ہے، وہ روزانہ صبح کو دمام سے تقریباً ۱۰۰؍سو میل کے فاصلہ پر جہاں پروجیکٹ ورک چل رہا ہے جاتا ہے، دن بھر وہاں رہتا ہے، اور شام کو دمام چلا آتا ہے، رات کو دمام میں قیام کرتا ہے اور پھر صبح کو روانگی، اب سوال یہ ہے کہ زید پروجیکٹ ورک کے مقام پر ظہر اور عصر کی نماز قصر پڑھے گا یا پوری نماز ادا کرے گا؟ اسی طرح رات کو دمام میں عشا کی نماز قصر پڑھے گا یا پوری نماز ادا کرے گا؟

المستفتي: شفیع الزماں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: زید ایسی صورت میں دمام اور جائے ملازمت دونوں جگہ شرعی مسافر رہے گا اور دونوں جگہ رباعی نمازوں کا قصر کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۳۳۲، جدید زکریا ۳/۳۷۷، جدید زکریا مطول ۵/ ۶۹-۷۰)

وإن لم يكن وطنا أصليا له، فإنه يقصر الصلاة ما لم ينوى الإقامة بها خمسة عشر يوما. (قاضي خان على الهندية، باب صلاة المسافر، زكريا ١/ ١٦٥، جديد ١/ ١٠٤)

والحاصل أن إنشاء السفر يبطل وطن الإقامة إذا كان منه، أما لو أنشأه من غيره، فإن لم يكن فيه مرور على وطن الإقامة أو كان ولكن بعد سير ثلاثة أيام فكذلك. (شامي، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، كراچی ٢/ ١٣٢، زكريا ديوبند ٢/ ٦١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۸/۳/۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۳۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۲۳ھ

صرف بیٹے کے قیام پر وطن تأہل کا حکم

سوال [۳۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک گاؤں کا رہنے والا ہے، زمین جائیداد باغات سب وہیں ہیں، مکان اور رہائش بھی وہیں ہے، اب ایک مکان علی گڑھ میں بنوا لیا ہے، جس میں لڑکا رہ رہا ہے، اگر زید کا علی گڑھ جانا ہو مسافت شرعی پر تو علی گڑھ میں قصر کرے گا یا پوری نماز پڑھے گا؟

المستفتي: اکبر بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علی گڑھ ایسی صورت میں وطن اصلی نہیں ہوگا؛ اس لئے وہاں پندرہ روز سے کم قیام سے مقیم نہ ہوگا، نمازوں کا قصر کرنا ہوگا، جب کہ وہاں ضروریات زندگی کے تمام ساز وسامان یا اہل وعیال کو نہیں رکھا ہے۔ اور لڑکے کو وہاں مسافرانہ انداز میں رکھا ہو؛ لیکن اگر علی گڑھ میں مستقل طور پر اپنے یا بال بچوں کے رہنے کا سلسلہ ہو جائے تو علی گڑھ بھی وطن اصلی کے حکم میں ہو جائے گا۔ اور نمازوں کا بھی اتمام کرنا لازم ہوگا۔

لأنها إنما كانت وطنا بالأهل لا بالعقار؛ ألا ترى! أنه لو تأهل ببلدة لم يكن له فيها عقار صارت وطنا له، وقيل: تبقى وطنا له؛ لأنها كانت وطنا له بالأهل والدار جمعيا، فبزوال أحدهما لا يرتفع الوطن كوطن الإقامة تبقى ببقاء الثقل الخ. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٢٣٩، كوئٹه ٢/ ١٣٦، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٤٣، قديم مصري ١/ ١٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۹۰)

تبلیغی جماعت مسافت سفر جانے کے بعد مختلف دیہاتوں کا دورہ کرے تو؟

سوال [۳۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جماعت بمبئی سے عثمان آباد مسافت سفر پر چالیس دن کے لئے گئی عثمان آباد کے ذمہ داروں نے مشورہ کر کے جماعت کو چالیس دن کے لئے شہر کے آس پاس کے دیہاتوں میں تین تین دن کا رخ بنا کر روانہ کر دیا، یہ جماعت تین دن ایک دیہات میں کام کر کے پھر تین دن کے لئے دوسرے دیہات میں جاتی ہے، جو مسافت سفر سے کم پر واقع ہے، اس طرح یہ جماعت اپنا چلہ پورا کرے گی تو یہ جماعت اس ضلع میں مقیم ہوگی یا مسافر؟ جو بھی حکم

شرعی ہو تحریر فرمادیں عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: مفتی سمیر عثمان آباد مہاراشٹر، استاذ مدرسہ فلاح دارین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ جماعت پورے چلہ عثمان آباد میں مسافر ہی رہے گی، اس لئے کہ اقامت کی شرائط میں سے ایک شرط ایک جگہ پندرہ دن قیام کرنا ہے جو اس کے حق میں نہیں پایا گیا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۵۹۳، ۵۹۴، آپ کے مسائل اوران کا حل ۴/۹۱)

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنهما– قال: إذا كنت مسافرا، فوطنت نفسک علی إقامة خمسة عشر يوما، فأتمم الصلاة، وإن كنت لاتدري، فاقصر. (كتاب الآثار، باب الصلاة، في السفر، الرحيم اکیڈمی، کراچی ص/ ۲۰۱، رقم: ۱۸۸)

ونية الإقامة إنما تؤثر بخمس شرائط إلى قوله: واتحاد الموضع. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ۱/ ۱۳۹، جديد ۱/ ۱۹۹، بدائع الصنائع، زكريا ۱/ ۲٦۸، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، کوئٹہ ۲/ ۱۳۲، زكريا ۲/ ۲۳۲)

لو نوى الإقامة في موضعين، فإن كان كل منهما أصلا بنفسه نحو مكة ومنى والكوفة والحيرة لا يصير مقيما. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ۱/ ۱٤۰، جديد ۱/ ۱۹۹، بدائع الصنائع، فصل في صلاة المسافر زكريا ۱/ ۲۷۰، بحر، كتاب الصلاة، باب المسافر، کوئٹہ ۲/ ۱۳۲، زكريا ۲/ ۲۳۲، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتب العلمية، بيروت جديد ۱/ ۲٤۰، هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، أشرفي ۱/ ۱٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۱۱۵۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲۲ھ

گرامی قدر حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی مدرسہ شاہی مرادآباد سلام مسنون!

سوال [۳۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ کی کتاب چھوٹے سائز کی ''ایضاح المسائل'' کا صفحہ ۶۶ رسامنے ہے،اور ساتھ ہی ساتھ دار العلوم دیو بند کا فتویٰ بھی دونوں کی زیروکس منسلک ہے؛ البتہ دار العلوم کے فتویٰ اور آپ کی کتاب کے فتویٰ میں کافی اختلاف ہے، مسئلہ مذکورہ میں آپ کے نزدیک قصر کی اجازت نہیں، جب کہ دار العلوم کے فتویٰ کے مطابق قصر لازم ہے، یعنی وہ شخص بحکم مسافر ہی رہتا ہے، دونوں حوالوں کی روشنی میں براہ مہربانی کوئی وضاحت تحریر فرمائیں، ایک مسلک ایک مکتب فکر؛ بلکہ ایک ہی بانی کے دو مدرسہ کے دارالافتاء سے ایک واضح مسئلہ میں بین اختلاف کچھ عجیب سالگتا ہے، بعینہٖ یہی سوال ہم نے دار العلوم میں بھی لکھا ہے، کیا اچھا ہوتا آپ حضرات اس سلسلہ میں کوئی متفقہ فتویٰ صادر فرماتے۔ امید کہ وضاحت کے ساتھ مسئلہ کی نوعیت تحریر فرمائیں گے؟

المستفتي: شاکر حسین قاسمی، ہیڈ ماسٹر عربک کالج بیجاپور، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آج سے پچاس ساٹھ سال قبل حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی نگرانی میں ''امداد الاحکام'' مرتب فرمائی ہے۔ اور پوری کتاب حضرت تھانوی قدس سرہ کی نظر میں رہی ہے، اس میں ''مجمع الانہر'' اور ''البحر الرائق'' کے جزئیہ کو پیش نظر رکھ کر بہت واضح اور مفصل فتویٰ لکھا گیا ہے کہ ہر وہ مقام وطن اصلی کے حکم میں ہے جہاں انسان اپنے اثاثہ اور اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہو، جیسا کہ سسرال میں بیوی کو رکھنے کی صورت میں وہ وطن اصلی کے حکم میں ہو جاتا ہے، وہاں پر سب کے نزدیک اتمام واجب ہوتا ہے، اسی طرح ہمیشہ کی جائے ملازمت جس میں آدمی اپنی بیوی اور اثاثہ کے ساتھ رہتا ہے، وہ بھی وطن اصلی کے حکم میں ہو جاتی ہے؛ لہٰذا جب جائے ملازمت میں ضروریات زندگی اور بال بچوں کے ساتھ رہیگا تو اتمام لازم ہوگا۔ اور اگر بال بچے ساتھ نہ ہوں تو قصر کا حکم ہے۔ اور اس حکم کے ثبوت کے لئے (امداد الاحکام

۱/ ۶۰٤، احسن الفتاوی ٤/ ۱۰۱، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه، فصل ما یبطل به القصر، وبیان الوطن الأصلي وغیره، دارالفکر ۱/ ٤۸۰، مجمع الأنهر، باب صلاة المسافر، مصري قدیم ۱/ ۱٦٤، دارالکتب العلمیة بیروت جدید ۱/ ۲٤۳، البحرالرائق، باب صلاة المسافر، زکریا ۲/ ۲۳۹، کوئٹه ۲/ ۱۳٦) **کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے، نیز چند سال قبل اس مسئلہ پر علماء پاکستان کا اجتماع ہوا تھا، اس میں بھی ''امداد الاحکام'' کے مسئلہ پر سب کا اتفاق ہوا ہے؛ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ جائے ملازمت میں ایک دفعہ پندرہ دن سے زائد قیام کر چکا ہو، اس کے بعد ہمیشہ اتمام کرتا رہے گا۔ اور علماء پاکستان کا یہ فیصلہ دارالعلوم کراچی کے ماہنامہ میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ اور آپ نے دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ پیش کیا ہے، اس کے متعلق کچھ کہنے اور لکھنے کی اہلیت ہمارے اندر نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

جائے ملازمت میں اتمام یا قصر؟

[۳۳۸۳]: حضرت الاستاذ مولانا نعمت اللہ صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے ٹیلیفون پر اس مسئلہ کی تحقیق کے بارے میں حکم فرمایا، اسی وجہ سے فتویٰ اور جواب استفتاء کی شکل میں یہ مسئلہ نہیں لکھا جا رہا ہے بلکہ مضمون اور مفصل تحریر کی شکل میں لکھا جا رہا ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ جزئیات جمع ہو جائیں۔

نیز حضرت الاستاذ موصوف اس مسئلہ کے بارے میں پہلے ہی سے واقف ہونگے کیونکہ انکی شخصیت دارالعلوم دیوبند میں استاذ الاساتذہ کی حیثیت سے مانی جاتی ہے۔

مسئلہ کی تحقیق اس طرح سے پیش کی جاتی ہے کہ چھ چیزیں الگ الگ عنوانات سے مستقل طور

پر واضح کر کے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) وطن اصلی (۲) وطن تأہل (۳) وطن توطن (۴) وطن سفر و وطن اقامت (۵) وطن سکنی (٦) قصر واتمام میں اختلاف واشتباہ واقع ہو جائے، تو کیا حکم ہے؟

(۱) **وطن اصلی**: حضرات فقہاء کرام نے وطن اصلی کی حقیقت کو واضح کرنے میں تین چیزوں کو الگ الگ حیثیت سے بیان فرمایا ہے، امام علاء الدین حصکفیؒ نے الدرالمختار میں حیثیت اور نوعیت کا فرق کر کے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

”**الوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه**“ (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، کراچی ۲/ ۱۳۱، زکریا،۲/٤ ٦١- طحطاوی علی الدر، باب صلاة المسافر، کوئٹہ ۱/۳۳٦)

اس میں غور کرنے کی نہایت ضرورت ہے کہ حرف أو کے ساتھ تین چیزوں کو الگ الگ کیوں بیان فرمایا ہے، عربی قواعد کے اعتبار سے حرف أو کے ماقبل اور مابعد کے درمیان حقیقت اور نوعیت کے اعتبار سے مغایرت لازم ہوتی ہے، ہاں البتہ حکم میں اتحاد اور موافقت ہوتی ہے، اسی وجہ سے علامہ شامی اور صاحب طحطاوی علی الدر نے تینوں کی حقیقت الگ الگ عبارات میں الگ الگ انداز سے واضح فرمائی ہے،اور وطن اصلی کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ وطن اصلی کو وطن اہلی، وطن فطرت اور وطن قرار وغیرہ سے بھی موسوم کیا جاتا ہے،اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ موطن ولادت سے مراد یہ نہیں ہے کہ جہاں پر رحم مادر سے دنیا میں آیا ہو، وہی جگہ متعین ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے، ورنہ سہارن پور کا آدمی اپنی بیوی کو ولادت کے موقعہ پر میرٹھ ہسپتال لے جاتا ہے اور میرٹھ ہی میں بچہ کی ولادت ہوتی ہے تو اس بچہ کا وطن اصلی میرٹھ ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اسکا وطن اصلی سہارن پور ہی ہے، اسی طرح مرادآباد کا آدمی ولادت کے موقعہ پر اپنی بیوی کو دلی ہسپتال لے جاتا ہے اور دلی میں ولادت ہو جاتی ہے تو دلی اس بچہ کا وطن اصلی ہو جاتا ،حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا وطن اصلی مرادآباد ہی ہے، یا سہارنپور کا آدمی جس کی سسرال میرٹھ میں ہے،قرب ولادت کے زمانہ

میں سہولت کے واسطے بیوی کو میکہ بھیج دیتا ہے اور میکہ ہی میں ولادت ہوجاتی ہے تو اس بچہ کا وطن اصلی میرٹھ بن جاتا، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور دنیا کا کوئی بھی شخص اس طرح کی جائے ولادت کو وطن اصلی نہیں کہتا ہے، بلکہ ”**موطن ولادتہٖ**“ سے مراد اس کا وہ وطن اصلی ہے جس میں اس کے ماں باپ کی اصلی رہائش ہوتی ہے اور وہ اس میں علیٰ سبیل القرار رہتے آئے ہیں، چنانچہ صاحب بدائع اور صاحب بحر نے بجائے، ”**موطن ولادتہٖ**“ کے ”**الوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته، أو بلدة أخرى اتخذها دارا، وتوطن بها مع أهله وولده**“ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں (بدائع فصل في صلاة المسافر، الكلام فی الأوطان، زکریا ۱/ ۲۸۰، کراچی ۱/ ۱۰۳، البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب المسافر، کوئٹه ۲/ ۱۳۶، زکریا، ۲۳۹/۱)

لہٰذا حاصل یہ نکلا کہ موطن ولادت سے اسکے باپ کا وہ حقیقی اور اصلی بلد یا گاؤں مراد ہے، جس کی طرف لوگ اسکو اور اسکے باپ کو منسوب کیا کرتے ہیں، جیسے کہ لوگ کہا کرتے ہیں، سہارنپوری، میرٹھی، لکھنوی، اعظمی، پالن پوری وغیرہ، حالانکہ سہارنپوری نے سہارنپوری کہلاتے ہوئے مستقل رہائش لکھنؤ میں بنالی ہے، اور اعظمی نے اعظمی کہلاتے ہوئے مستقل طور پر رہائش دیوبند میں بنالی ہے وغیرہ وغیرہ، تو ایسی صورت میں پہلے والا حقیقی وطن اصلی ہے اور دوسرا والا وطن اصلی کے حکم میں ہوتا ہے، یہی ہے وطن اصلی کے متعدد ہونے کا مطلب، اور جس طرح وطن اصلی کی حقیقت کو وطن فطرت اور وطن قرار کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس طرح کے الفاظ سے وطن تأہل اور وطن توطن کی حقیقت کو کہیں بھی بیان نہیں کیا گیا، بلکہ وطن تأہل کو وطن اصلی سے الگ کرکے اس کی حقیقت کو الگ سے واضح فرمایا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اسی طرح وطن توطن کو بھی وطن اصلی اور وطن تأہل کی حقیقت سے الگ کرکے بالکل دوسرے انداز سے بیان فرمایا، اسلئے ہم پر لازم ہے کہ حضرات فقہاء کی تصریحات کے مطابق تینوں چیزوں کی حقیقت اور تینوں کے حکم کو الگ الگ عنوان کی حیثیت سے سمجھیں اور اس بات کو بھی پہلے ہی سے سمجھ لینا چاہئے کہ تینوں کی حقیقت اور نوعیت بالکل

الگ الگ ہونے کے باوجود، تمام فقہاء کا اتفاق اس بات پر ہے کہ قصر واتمام کے مسئلہ میں تینوں کا حکم یکساں ہے کہ جس طرح وطن اصلی میں اتمام لازم ہوتا ہے، اسی طرح وطن تأہل میں بھی اتمام لازم ہے، اور ایسا ہی وطن توطن میں بھی، اسی وجہ سے تینوں کو حضرات فقہاء کبھی علی الاطلاق وطن اصلی کے الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں، وطن اصلی کی حقیقت واضح ہے، مزید وضاحت کی ضرورت نہیں، مگر اس بات کی وضاحت عام طور پر صاف شفاف طریقے سے نہیں کی جاتی ہے، کہ وطن تأہل کے دائرے میں کون کونسی شکلیں داخل ہیں اور وطن توطن کے دائرے میں کیا کیا شکلیں شامل ہیں، جس کی وجہ سے لوگ قصر واتمام میں شکوک وشبہات اور اشتباہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اشتباہ اور شبہ میں مبتلا ہونے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ جب حضرات فقہاء وطن تأہل کی وضاحت کرنے لگتے ہیں تو اس میں لفظ ''الوطن الاصلی'' استعمال کرتے ہیں حالانکہ فقہاء کا مقصد ایسی جگہ پر یہی ہوتا ہے کہ چونکہ وطن تاہل بھی وطن اصلی کے حکم میں ہوتا ہے، اس لئے لفظ الوطن الاصلی استعمال کرتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ وطن تأہل بعینہٖ وطن اصلی ہی ہے، اس کی وضاحت بدائع کی اس عبارت سے اچھی طرح ہوسکتی ہے :

''ثم الوطن الأصلی یجوز أن یکون واحداً أو أکثر من ذلک بأن کان لہ أھل ودار فی بلدتین أو أکثر ولم یکن من نیة أھله الخروج منھا''

(بدائع، فصل في صلاة المسافر، الکلام في الأوطان، زکریا ۱/ ۲۸۰، قدیم کراچی ۱/ ۱۰۳، بیروت ۱/ ٤۹۸)

اس عبارت پر غور کیا جائے تو یہ بات خود سمجھ میں آجائیگی کہ فقہاء کا مقصد اس طرح کی عبارات سے صرف اس بات کو واضح کرنا ہے کہ جو بھی وطن اصلی کے حکم میں ہوتا ہے وہ متعدد ہوسکتا ہے، چاہے وطنِ تأہل ہو یا وطنِ توطن، ہر ایک میں تعدد ممکن ہے، ورنہ اس عبارت میں ''بأن کان لہ أھل ودار فی بلدتین أو أکثر'' کے الفاظ خود ہی بتارہے ہیں کہ یہاں صرف وطن فطرت کا حکم بیان نہیں کیا جارہا ہے، کیونکہ وطن فطرت

متعدد کبھی نہیں ہوسکتا، بلکہ وطن فطرت، وطن ولادت ایک ہی ہوا کرتا ہے، ورنہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ ایک آدمی کی پیدائش اور پیدائشی وطن دوجگہ کیسے ہو؟ وہ تو ایک ہی ہوسکتا ہے، اس تفصیل سے حقیقی معنی میں جو وطن اصلی ہے اس کی وضاحت ہوگئی ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اس نہج سے بیان فرمایا ہے کہ وطن اصلی، وطن اصلی سے باطل ہوجائے گا، جبکہ اپنے ساز وسامان اور بیوی بچے سب کچھ لے کر منتقل ہوجائے اور اگر ساز وسامان اور بیوی بچوں کے ساتھ منتقل نہ ہو اور دوسری جگہ بھی شادی کرکے وطن بنالیا ہے تو اس کا پہلا وطن اصلی باطل نہیں ہوگا، بلکہ اب اس کے وطن اصلی دو ہوجائیں گے، اور دونوں جگہ اتمام لازم ہوجائے گا، اسکو ہندیہ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

" ویبطل الوطن الأصلي بالوطن الأصلي إذا انتقل عن الأول بأهله وأما إذالم ینتقل بأهله ولکنه استحدث أهلا ببلدة أخری فلا یبطل وطنه الأول ویتم فیهما". (هندیه، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زکریا قدیم ١/١٤٢، جدید ١/٢٠٢)

اور بحر میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے،

" وهذا الوطن یبطل بمثله لاغیر، وهو أن یتوطن فی بلدة أخری وینقل الأهل إلیها فیخرج الأول من أن یکون وطناً أصلیاً حتی لو دخله مسافراً لایتم ." (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب المسافر، زکریا ٢/ ٢٣٩، کوئٹه ٢/ ١٣٦)

بحر کے جزئیہ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حقیقی وطن اصلی سے ساز وسامان اور بال بچوں کے ساتھ مکمل طور پر دوسری جگہ منتقل ہوکر وطن بنالیا ہو تو پہلے والے وطن میں اتمام جائز نہیں ہوگا بلکہ قصر لازم ہوگا۔

(٢) وطن تأهل : متون میں وطن تأہل کو وطن اصلی کے ساتھ اس طرح بیان فرمایا ہے:

" الوطن الاصلی هو موطن ولادته أوتأهله أو توطنه."

کہ تأہل کے لفظ سے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ وطن اصلی کی ایک شکل تأہل کی بھی ہے

اس کامطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے اصلی اور حقیقی وطن اصلی سے دور دراز اجنبی علاقہ میں شادی کرکے بیوی کو وہیں مستقل طور پر رکھ رکھا ہو، تو ایسی صورت میں باتفاق فقہاء یہ سسرال کا مقام بھی اس کے لئے وطن اصلی کے حکم میں ہوجاتا ہے، یہ نہیں ہے کہ بعینہ وطن اصلی بن جاتا ہو بلکہ اسکے حکم میں ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے ''أو تـأهلـه'' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے یعنی لفظ ''أو'' کے مابعد اور ماقبل میں حقیقت کا تعلق نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف حکم کا تعلق ہوتا ہے یعنی وطن تأہل، حکمی وطن اصلی ہوتا ہے، لیکن اگر شادی کرکے بیوی کو وہاں مستقل طور پر نہیں رکھا ہے بلکہ رخصت کرکے اپنے ساتھ لے آیا ہے تو سسرالی جگہ اس کے لئے وطن اصلی کے حکم میں ہوگی یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں علامہ شامی، صاحب صغیری وکبیری اور صاحب فتح القدیر کی ایک عبارت سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ صرف نکاح کرنے کی وجہ سے سسرال میں راجح قول کے مطابق اتمام کیا کرے گا، اگرچہ بیوی کو وہاں مستقل طور پر نہ رکھا ہو، مگر اس عبارت کی گہرائی تک پہنچنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شادی کرکے بیوی کو وہاں سے رخصت کرکے منتقل کرلیا ہو، اسکے بعد سسرال آکر کے اقامت کی نیت نہ کرے تب بھی اتمام کیا کرے گا، بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ شادی کرکے بیوی کو وہاں مستقل طور پر اس طرح رکھ رکھا ہو جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں شادی کرکے بیوی کو وہاں چھوڑ رکھا تھا اور خود مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور جب بھی مکہ مکرمہ تشریف لاتے تھے تو بغیر پندرہ دن کے قیام کے بھی اتمام فرمالیا کرتے تھے جیسا کہ محیط برہانی کے حوالے سے اسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔

''كـان لـعثـمـان –رضي الله عنه– أهل بمكة وأهل بالمدينة وكان يتم الـصـلاة بهما جميعاً''. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني والعشرون صلاة السفر، المجلس العلمي ٢/ ٤٠٢، رقم: ٢٠٦٤)

اورخود صاحب کبیری نے ''**وهو الأوجه**'' کہنے کے ساتھ ساتھ ''**لما مر من حديث عثمان رضي الله عنه**'' کی قید لگائی ہے جس سے یہی مفہوم واضح ہوتا ہے کہ بیوی کو وہاں

رکھ رکھا ہو جیسا کہ حضرت عثمانؓ نے رکھا تھا، اور تمام اکابر اہل فتاویٰ نے اسی قید کے ساتھ سسرال میں اتمام کو جائز لکھا ہے، جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم ۴/۴۸۳، فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۷/۴۹۷، امداد الاحکام ۲/۳۱۰ وغیرہ)

فقہاء کی عبارت حسب ذیل ہے :

”**ولو تزوج المسافر ببلد ولم ينو الاقامة به فقيل لايصير مقيما، وقيل : يصير مقيماً وهو الأوجه لما مر من حديث عثمانؓ** “. (حلبي كبير، الصلاة، باب صلاة المسافر، پاكستان، ص: ٥٤٤، فتح القدير، الصلاة، باب صلاة المسافر، بيروتي ٢/ ٤٣، زكريا ديو بند ٢/ ٤١، صغيري، الصلاة، باب صلاةالمسافر، ص: ٢٧٥، شامي، الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقالمة، زكريا ٢/ ٦١٤، كراچى ٢/ ١٣١)

اور فتح القدیر و بحر وغیرہ کی عبارت سے سسرال میں اتمام کے لئے اس بات کو شرط کے درجہ میں قرار دیا ہے کہ شادی کر کے بیوی کو وہاں رکھ رکھا ہو، ورنہ سسرال میں نہ اتمام جائز ہے اور نہ ہی سسرال وطن تأہل بنے گا، فتح القدیر کی عبارت حسب ذیل ہے:

”**أو موضع تأهل به ومن قصده التعيش به لا الا رتحال**“. (فتح القدير، بيروتي ٢/ ٤٣، كوئٹه ٢/ ١٦)

اسکو علامہ چلپی نے حاشیۂ زیلعی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

” **التى تأهل فيها أى ومن قصده التعيش به لا الارتحال**. (حاشيه زيلعى على ها مش التبيين، كتاب الصلاة، باب المسافر، زكريا ١/ ٥١٧، إمداديه ملتان ١/ ٢١٤)

اور البحر الرائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے :

”**وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها**“. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، كوئٹه ٢/ ١٣٦، زكريا ٢/ ٢٣٩)

ان تمام جزئیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سسرال کے وطن اصلی کے حکم اور اسکے درجہ میں ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بیوی کو مستقل طور پر وہاں رکھ کر وہیں پر رہائش کا ارادہ کرلیا

ہو۔

وطن تأهل کا تعدد: وطن تأہل کے وطن اصلی کے درجہ میں ہونے کا سارامدار قیام زوجہ پر ہے جس کی دلیل ماقبل میں گزرچکی ہے، لہٰذا اگر کسی نے جائے پیدائش کے علاوہ دیگر متعدد مقامات میں، متعدد بیویوں کو رکھ رکھا ہے، وہ سب جگہیں اس کے لیے وطن اصلی کے درجہ میں ہوجائیں گی، اور ان مقامات میں سے جس میں بھی پندرہ دن سے کم قیام کے ارادے سے پہنچے گا، نمازوں کا اتمام لازم ہوجائے گا، مثلاً سہارنپور کا رہنے والا آدمی ایک شادی دلی میں کرکے اس کا قیام دلی میں رکھا ہے دوسری شادی لکھنؤ میں کرکے اس کو مستقل طور پر لکھنؤ میں رکھ رکھا ہے تیسری شادی گورکھپور میں کرکے اس کو مستقل طور پر گورکھپور میں رکھ رکھا ہے، چوتھی شادی بنارس میں کرکے اس کو مستقل طور پر بنارس میں رکھ رکھا ہے، اور سہارنپور جو اسکا حقیقی وطن اصلی ہے اسکو بھی ترک نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں سہارنپور اس کا حقیقی وطن اصلی ہوگا، اور دلی، لکھنؤ، گورکھپور، بنارس، یہ چاروں مقام وطن تأہل ہوجائیں گے، اور چاروں کے درمیان میں مسافت سفر کا فاصلہ ہے اور چاروں وطن تأہل قصر واتمام کے مسئلہ میں سہارنپور کی طرح وطن اصلی کے حکم میں ہوکر کے ہر جگہ ہمیشہ نمازوں کا اتمام کرنا اسکے اوپر لازم ہوجائے گا، اسکو تاتارخانیہ میں اس طرح کے الفاظ سے واضح فرمایا ہے :

”ولو كان أهل في بلدة فاستحدث في بلدة أخرى أهلاً فكل واحد منهما وطن أصلي له“. (تاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٥١١، رقم: ٣١٤٨، كوئٹه ٢/ ١٩ قديم)

شامی اور شرح کبیری وغیرہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے :

”ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخل صار مقيماً. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، كراچی ٢/ ١٣١، زكريا ٢/ ٦١٤، كبيري، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، لاهور، ص: ٥٤٤)

اور ”کفایہ“ اور **”المحيط البرهاني“** وغیرہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے

ساتھ ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے :

ولو كان له أهل ببلدة فاستحدث ببلدة أخرى أهلاً فكل واحد منهما وطن أصلي له، وروى أنه كان لعثمان رضى الله عنه أهل بمكة وأهل بالمدينة وكان يتم الصلاة بهما جميعاً. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني والعشرون صلاة السفر، بيروت ٢/ ٤٠٢، رقم: ٢٠٦٤، كفاية مع فتح القدير، الصلاة باب صلاة المسافر، کوئٹہ،٢/ ١٧)

بیوی کا انتقال ہوجائے یا طلاق ہوجائے تو کیا حکم؟

ماقبل کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوچکی کہ وطن تأہل باتفاق فقہاء متعدد ہوسکتا ہے، لیکن ساتھ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص کی دو بیویاں دو جگہ رہتی ہیں، مثلاً ایک کو دلی میں رکھ رکھا ہے اور دوسری کو گورکھپور میں، تو باتفاق فقہا دونوں جگہ اس پر ہمیشہ اتمام لازم ہے، لیکن اگر دلی میں جو بیوی ہے اسکا انتقال ہوگیا یا طلاق بائن ہوگئی، تو ایسی صورت میں دلی اس کے لئے وطن تأہل کے دائرے میں باقی رہی یا دلی سے وطن تأہل ختم ہوگیا؟ تو اس سلسلے میں فقہاء کی دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ وطن تأہل کا مدار قیام زوجہ پر ہے اس لئے اب دلی میں اتمام نہیں کرسکتا، اور دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اگر دلی میں اس کی جائیداد، رہائشی مکان وغیرہ کچھ بھی باقی نہیں ہے بلکہ سسرال کے گھر میں بیوی کو رکھ رکھا تھا تب تو تأہل بالکلیہ ختم ہوچکا ہے اور اتمام اسکے لئے جائز نہ ہوگا لیکن اگر دلی میں اس کی جائیداد اور رہائشی مکان وغیرہ موجود ہے اور سابقہ طریقہ سے دلی میں آنے جانے کا ارادہ ہے تو ایسی صورت میں بیوی کی موت کے بعد بھی دلی وطن تأہل کی طرح، وطن اصلی کے حکم میں باقی رہے گی، فقہاء کے ان اختلافی جزئیات پر غور کرنے کے بعد یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ دلی اسکے لئے وطن اصلی کے درجہ میں باقی رہے گی، اور سابقہ طریقہ سے اس پر اتمام لازم ہوگا، فقہاء کے اختلافی جزئیات حسب ذیل ہیں: ملاحظہ ہوں :

’’لوكان له أهل في بلدتين فأيتهما دخل صار مقيماً فإن ماتت زوجته في إحداهما وبقي له فيها دور وعقار قيل لايبقى وطناً له إذالمعتبر الأهل دون الدار كمالوتأهل ببلدة واستقرت سكنا له وليس له فيها دار وقيل تبقى. (شامي، الصلاة باب صلاة المسافر، مطلب في الموطن الأصلي، ووطن الإقامة، زكريا ٢/ ٦١٤، كراچی٢/ ١٣١، حلبي كبير، الصلاة، باب صلاة المسافر، لاهور، ص: ٥٤٤، صغيري مجتبائی، الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ٢٧٥)

اورطحاوی علی الدر میں بیوی کی موت کے بعد بھی وطن تأہل کے وطن اصلی کے حکم میں باقی رہنےکوترجیح دی ہے، جوذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

’’ولو كان له أهل بالكوفة وأهل بالبصرة فمات أهله بالبصرة وبقي له دور وعقار يبقىٰ وطناً له لأنها كانت وطنا له بالأهل والدار جميعاً فبزوال أحدهما لاير تفع الوطن الأصلى كوطن الإقامة يبقىٰ ببقاء الثقل. وإن أقام بموضع آخر.‘‘ (طحطاوی على الدر، الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ١/ ٣٣٦)

وطن تأهل کی بنیادی دلیل: حضرات فقہاء نے وطن تأہل کو وطن اصلی کے درجہ میں قرار دینے میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر کو بنیاد بنایا ہے کہ یہ بات واضح ہے کہ حضرت عثمانؓ نے وطن اصلی مدینہ منورہ کو بنایا تھا، وہی ان کی جائے ہجرت تھی، اسی وجہ سے جب تک انہوں نے مکہ مکرمہ میں شادی نہیں کی تھی، اس وقت تک مکہ مکرمہ میں قصر فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے قصر فرمایا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ اے اہل مکہ تم اپنی نماز مکمل کرلو، ہم دورکعت اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ ہم مسافر ہیں، اس کو ابوداؤد شریف میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے،

’’ياأهل البلد صلوا أربعا فإنا قوم سفر. (أبوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب متى يتم المسافر؟ النسخة الهندية ١/ ١٧٣، حديث: ١٢٢٩)

موطا امام مالک میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

”إن عمر بن الخطاب كان إذاقدم مكة صلى بهم ركعتين ثم يقول: ياأهل مكة أتموا صلاتكم فإنا قوم سفر. (مؤطا امام مالك، الصلاة، صلاة المسافر إذا كان إماما أو وراء الإمام، ص: ٥٢، حديث: ٣٣٦)

اوردوسرے الفاظ اس طرح ہیں:

إن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– صلى للناس بمكة ركعتين، فلما انصرف، قال: ياأهل مكة! أتموا صلوتكم فإنا قوم سفر، ثم صلى عمر ركعتين بمنى، ولم يبلغنا أنه قال لهم شيئا. (موطاامام مالك، الصلاة، باب صلاة منى، ص: ١٥٧، حديث: ٨٩٥)

چنانچہ حضرت عثمانؓ اپنے دور خلافت میں شروع شروع میں جب تک مکہ مکرمہ میں شادی نہیں کی تھی، دو ہی رکعت پڑھا کرتے تھے، اور جب مکہ مکرمہ میں شادی کرلی، تو چار رکعت پڑھنے لگے، اور جب حضرت عثمانؓ چار رکعت پڑھنے لگے تو بعض اجلۂ صحابہ نے حضرت عثمانؓ پر نکیر فرمائی تو اس پر حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ پہلے میں نے شادی نہیں کی تھی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح دو رکعت پڑھتا رہا، اور جب میں نے مکہ مکرمہ میں شادی کرلی تو اب میرے لئے چار رکعت پڑھنے کا حکم ہو گیا ہے، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں شادی کرکے تأہل اختیار کرلے تو وہ مقیم کی طرح نماز پڑھے، حضرت عثمانؓ کی روایت مسند امام احمد میں ان الفاظ سے مذکور ہے:

”إن عثمان صلى بمنى أربع ركعات فأنكره الناس عليه فقال يا أيها الناس، إني تأهلت بمكة منذ قدمت وإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تأهل ببلد فليصل صلاة المقيم. (مسند إمام أحمد بن حنبل ١/ ٦٢، حديث: ٤٤٣، اعلاء السنن، الصلاة، باب وجوب القصر في السفر وكراهة الإتمام، كراچی ٧/ ٢٨٥، مطبع بيروت، الصلاة، باب إذا تزوج المسافر فى بلد وله فيه زوجة الخ ٧/ ٣١١)

اور مبسوط سرخسی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نکیر کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی روایت نقل کی گئی ہے جو اس سے زیادہ مفصل ہے اور وہ ذیل میں درج ہے:

”ولما صلى عثمانؓ بعرفات أربعاً قال ابن مسعود رضى الله عنه: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى هذا المقام ركعتين ومع أبى بكر وعمر رضى الله عنهما ركعتين، ثم اختلفت بكم الطريق فليت حظى من الأربع مثل حظى من الركعتين، فلما بلغ ذلك إلى عثمان قال: إنى تأهلت بمكة وسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تأهل ببلدة فهو من أهلها. (مبسوط سرخسى، الصلاة، باب صلاة المسافر، بيروت ١/ ٢٤٠)

اور ”المحیط البرہانی“ میں اس بات کو وضاحت سے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی ایک بیوی مکہ میں تھی اور ایک بیوی مدینہ منورہ میں بھی تھی اور اسی وجہ سے وہ دونوں جگہ اتمام فرمایا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ وطن تأہل کے تأہل بننے کے لئے قیام زوجہ لازم ہے، خود مرد کا مستقل قیام لازم نہیں، ”محیط برہانی“ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

ولو كان له أهل ببلدة فاستحدث ببلدة أخرى أهلاً فكل واحد منهما وطن أصلى له، وروى أنه كان لعثمانؓ أهل بمكة وأهل بالمدينة وكان يتم الصلاة بهما جميعاً. (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني والعشرون صلاة المسافر، المجلس العلمي ٢/٤٠٢، رقم: ٢٠٦٤)

ان تمام روایات و جزئیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وطن تأہل کو وطن اصلی کہنے کی بنیاد حضرت عثمانؓ کا عمل ہے، اور یہ بات بھی خود واضح ہے کہ حضرت عثمانؓ کی ہجرت کے بعد حقیقی وطن اصلی مدینہ منورہ تھا اور مکۃ المکرمہ حقیقی وطن اصلی نہیں تھا، صرف بیوی کو وہاں رکھنے کی وجہ سے اسکو وطن اصلی کا درجہ دیا گیا تھا نہ یہ کہ وہ حقیقی وطن اصلی تھا، اس لئے کہ اگر بیوی کو طلاق دی جاتی یا بیوی کا انتقال ہوجاتا اور وہاں جائیداد بھی نہ ہوتی تو مکہ مکرمہ کے وطن اصلی ہونے کا حکم باقی نہ رہتا لیکن مدینۃ المنورہ میں بیوی کا انتقال ہوجانے کے بعد بھی وہ وطن اصلی ہی

رہتا اس سے معلوم ہوا کہ وطن تأہل بعینہٖ وطن اصلی نہیں ہوتا ہے بلکہ وطنِ اصلی کے حکم اور اس کے درجہ میں ہوتا ہے۔

(۳) **وطن توطن** : علامہ حصکفی علیہ الرحمہ کی عبارت:

" الوطن الأصلي وهو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه."

ماقبل میں اسکی وضاحت آچکی تھی کہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے وطن اصلی کی تین شکلیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) موطن ولادتہ: اسکی مفصل تفصیل وطن اصلی کی سرخی کے ذیل میں آچکی ہے۔

(۲) وطن تأہل: اسکی بھی مفصل بحث اور تفصیل ماقبل میں آچکی ہے۔

(۳) وطن توطن: جس کی وضاحت یہاں کی جارہی ہے۔

علامہ شامیؒ نے علامہ حصکفیؒ کی عبارت "**أو توطنه**" کے لئے الگ سے تفصیلی عنوان قائم فرمایا ہے، چنانچہ اسکے ذیل میں "**أى عزم على القرار فيه وعدم الارتحال وإن لم يتأهل، الخ.** (شامي، الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي ووطن الإقامة، زكريا ۲/ ٦١٤، كراچى ۲/ ۱۳۱) سے مفصل نوٹ تحریر فرمایا ہے کہ وطن توطن اسکو کہا جاتا ہے جو نہ اپنی اور باپ دادا کی جائے ولادت اور جائے قرار ہو اور نہ ہی اس جگہ شادی کر رکھی ہو، بلکہ یہ ایک ایسی جگہ ہے جو وطن اصلی اور وطن تأہل سے بالکل جداگانہ ایک تیسری جگہ ہے جو قصر واتمام کے حکم میں بالاتفاق وطن اصلی کی طرح برابر کا حکم رکھتی ہے، لیکن کلمۂ اُو کے ذریعہ سے اسکو الگ سے بیان کرنا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وطن اصلی اور وطن توطن کے درمیان حقیقت کا اختلاف ہے، دونوں کی حقیقت الگ الگ ہے مگر حکم کا اتحاد ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وطن توطن کا مصداق کیا ہے اور اسکے دائرہ میں کیا کیا شکلیں آسکتی ہیں؟ تو ہمارے سامنے اس کی دو شکلیں ہیں:

شکل ۱: جائے ملازمت میں مع اہل وعیال قیام

اگر ہم توطن سے ایسی جائے ملازمت مراد لیتے ہیں جسمیں آدمی بیوی بچے اور ضروریات زندگی کے سازوسامان کے ساتھ رہتا ہے تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت میں تین قیدیں ہیں، ان تینوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے (۱) عزم علی القرار فیہ، کہ اگر کسی شخص نے جائے ملازمت میں مستقل طور پر رہنے کا ارادہ کرلیا ہے اور اسکا ارادہ وہاں سے ملازمت ترک کرنے کا نہیں ہے۔

(۲) دوسری قید عدم الارتحال، اسکا ارادہ وہاں سے اپنے بال بچے وساز وسامان لے کر مستقل طور پر منتقل ہونے کا نہیں ہے۔

(۳) **وإن لم يتأهل** :اس نے اس جگہ شادی نہیں کی ہے۔

ان تمام قیودات پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ایسی جائے ملازمت جس جگہ پر آدمی نے شادی نہیں کی ہے مگر بال بچوں اور سازوسامان کے ساتھ تعیش کے طور پر رہتا ہے اور جب وہاں سے کہیں جاتا ہے تو لوٹ کر آنے کے ارادہ سے جاتا ہے اور علامہ شامیؒ نے عدم الارتحال کی جو قید لگائی ہے اس کا یہی مقصد ہے کہ جب بھی وہاں سے دور دراز سفر میں جائے تو ارتحال کے طور پر نہ جائے بلکہ عود کرآنے کے ارادہ سے جائے، تو ایسی صورت میں وہ مقام اسکے لئے وطن توطن ہے جو وطن تأہل کی طرح وطن اصلی کے حکم میں ہوتا ہے اور جب بھی وہاں سے مسافت سفر پر جانے کے ارادے سے سفر شروع کرے گا تو اس کا یہ توطن باطل نہیں ہوگا۔

اسکو علامہ طحطاوی نے اس طرح کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے جو ذیل میں درج ہے:

”أو توطنه أی بأن اتخذ ها داراً وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وإن لم يتأهل بها.

طحطاوی کی عبارت پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مقصد تعیش اور رہائش ہو اور ارتحال کا ارادہ نہ ہو، اور علامہ طحطاوی نے بھی وان لم یتأہل بہا کی قید لگائی ہے کہ اگرچہ سسرال کا علاقہ نہیں ہے بلکہ کسی دوسری جگہ ضروریات زندگی کے ساتھ رہائش اختیار کرلی ہو۔

تو اس مسئلہ کے بارے میں احقر کا شرح صدر ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ جائے ملازمت یا جائے کاروبار میں بیوی بچوں کے ساتھ رہائش اختیار کر لینے سے وطن تأہل کی طرح جائے ملازمت بھی وطن اصلی کے حکم میں ہو جاتی ہے اور اس پر نمازوں کا اتمام کرنا لازم ہو جاتا ہے، اور اگر وہ کسی مسجد کا امام ہے اور دور دراز سفر سے واپسی میں پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ ہے تو بلا تکلف ان ایام میں نمازوں کے اتمام کے ساتھ امامت کر سکتا ہے۔

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرات فقہا نے بالاتفاق، وطن توطن کو وطن تأہل کی طرح، وطن اصلی کے درجہ اور حکم میں قرار دیا ہے، ایسی جائے ملازمت جس میں علی سبیل القرار بال بچوں کے ساتھ رہائش اختیار کر لی گئی ہے اور وہاں سے مستقل طور پر منتقل ہونے کا ارادہ نہیں کیا ہے تو ایسی جائے ملازمت وطن توطن کے دائرہ سے ہرگز خارج نہیں ہے بلکہ وطن توطن کی پوری تصویر ایسی جائے ملازمت اور جائے کاروبار میں مکمل طور پر ثابت ہوتی ہے۔

لہٰذا یہ جائے ملازمت وطن تأہل کی طرح وطن اصلی کے حکم میں ہوگی اور وہاں اتمام لازم ہو جائے گا، اکثر فقہانے اس حکم کو: ”**إذا المعتبر الأهل دون الدار كما لو تأهل ببلدة واستقرت سكناً له، وليس له فيها دار.** (شامی، الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ووطن الإقامة، زکریا ۲/ ۶۱۴، کراچی ۲/ ۱۳۱، حلبي كبير، الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، سھیل اکیڈمی، ص: ۵۴۴) جیسی عبارات سے واضح فرمایا ہے۔

لہٰذا اگر کسی نے دو شہروں میں الگ الگ دو بیویوں کو مستقل طور پر رکھا ہے چاہے وہاں شادی نہ کی ہو۔

اور وہاں سے بیویوں کو منتقل کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو تو وہ دونوں جگہ وطن تأہل کی طرح وطن اصلی کے حکم میں ہو جائیں گی، اور جب بھی وہاں پندرہ دن سے کم قیام کے ارادہ سے پہونچے گا نمازوں کا اتمام لازم ہو جائے گا، اس لئے کہ وطن اصلی کے حکم میں ہونے کی اصل وجہ اس جگہ پر شادی کرنا نہیں ہے، بلکہ بیوی بچوں کو ساتھ لے کر مستقل طور پر رہائش کا ارادہ ہے تو اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جائے ملازمت میں بیوی بچوں کے ساتھ مستقل

رہائش کر لینا من وجہ وطن تأہل ہے اور من وجہ وطن توطن ہے اور دونوں شکلوں میں اتمام لازم ہوتا ہے چنانچہ اگر دو شہروں میں سے کسی ایک شہر میں بیوی کا انتقال ہوجائے تو فقہاء کا اختلاف ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک جب وہاں سے ساز وسامان کے ساتھ منتقل ہونے کا ارادہ نہیں تو اتمام لازم ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک وہاں کی وطنیت ختم ہوجائے گی، قصر لازم ہوجائے گا، جو فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے واضح ہوتا ہے:

ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخل صار مقيماً فإن ماتت زوجته في أحدهما وبقي له فيها دور وعقار قيل: لايبقىٰ وطنا له إذالمعتبر الأهل دون الدار كمالو تأهل ببلدة واستقرت سكنا له وليس له فيها دار وقيل: تبقى. (حلبی کبیر، الصلاة، باب صلاة المسافر، سهيل اكيڈمی ص: ٥٤٤)

اور بدائع کے الفاظ سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے:

وإن كان هو ينتقل من أهل إلى أهل في السنة حتى إنه لوخرج مسافراً إلى من بلدة فيها أهله، ودخل في أي بلدة من البلاد التي فيها أهله فيصير مقيماً من غير نية الإقامة. (بدائع، الصلاة، المسافر إذا دخل مصره صار مقيما، زكريا ١/ ٢٨٠، كراچی ١/ ١٠٤)

شکل ۲: جائے ملازمت یا جائے کاروبار میں تجرد کے ساتھ رہائش

اگر کسی شخص نے جائے ملازمت یا جائے کاروبار میں مستقل طور پر رہائش کا ارادہ کرلیا ہے اور وہاں سے منتقل ہونے کا ارادہ نہیں ہے مگر بیوی بچے بھی ساتھ میں نہیں ہیں تو وہ جب اپنی جگہ سے مسافت سفر پر چلا جائے اور واپسی میں پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کا ارادہ نہ ہو بلکہ دو چار دن بعد پھر مسافت سفر پر جانے کا ارادہ ہو اور جب بھی جائے لوٹ کر آنے کے ارادے سے جائے تو ایسی تجرد کی زندگی گزارنے والوں کے بارے میں اب تک احقر کا شرح صدر اس بارے میں یہ رہا ہے کہ جائے ملازمت میں پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں ان کو

قصر کرنا چاہئے اتمام نہیں، لیکن مفتی محمد سلمان صاحب نے اس بارے میں توجہ دلائی اور ’’احکام سفر‘‘ کے عنوان پر مفتی محمد طاہر مسعود صاحب مدرسہ مفتاح العلوم سرگودھا پاکستان، کی ایک کتاب پیش فرمائی، اس کتاب میں اس موضوع پر دسیوں مدارس کے مفتیان کرام کے فتاویٰ اور تحقیقی مضامین موجود ہیں، خاص طور پر مجلس تحقیقات اسلامی ملتان کے زیر تحت، مفتی عبدالستار، خیر المدارس ملتان، مفتی عبداللہ مفتی خیر المدارس ملتان، مولانا عبدالقادر، دارالعلوم کبیر والا، مفتی محمد مجاہد جامعہ امدایہ فیصل آباد، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی، مفتی عبدالواحد جامعہ مدنیہ لاہور، ان سب حضرات نے اپنی محققانہ تحقیقوں سے یہ ثابت کردیا ہے کہ جائے ملازمت میں تجرد کے ساتھ رہنے والے بھی علی سبیل القرار رہتے ہیں، اس لئے ان کو پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں بھی اتمام کرنا ضروری ہے، لیکن اس مسئلہ میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑا خٹک والوں نے تحقیقی جواب نہیں لکھا ہے بلکہ ان حضرات کی تحقیقات کے صحیح ہونے پر رجحان ظاہر فرمایا ہے، اور جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ حقانیہ سرگودھا، دارالعلوم دیوبند اور مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کا فتویٰ اول الذکر حضرات کی تحقیق کے خلاف عدم اتمام اور قصر پر ہے، لیکن دونوں طرف کے دلائل پر غور کرنے کے بعد قائلین اتمام کے دلائل درست معلوم ہوتے ہیں، مگر اتمام کو جائز کہنے کی صورت میں اسکو علی الاطلاق وطن اقامت کہنا سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے احقر نے اس سلسلے میں فقہ کی جزئیات کی جستجو کی تو ’’کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ‘‘ میں ایک جزئیہ ملا، جو اتمام کی تائید میں ہے، مگر ساتھ ساتھ اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ مستقل طور پر جو جائے ملازمت ہوتی ہے وہ وطن تأہل کی طرح وطن اصلی کے حکم میں ہوتی ہے، انہوں نے وطن اصلی کی تین شکلیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) انسان کی جائے ولادت۔

(۲) وہ مقام جس میں بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہو۔

(۳) وہ جگہ جس میں آدمی نے اپنے روزگار کے لئے مستقل طور پر کاروبار یا ملازمت کررکھی ہے، نہ وہ اسکی جائے ولادت ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ اس کے بیوی بچے ہیں، تو دوسری اور

تیسری شکل اگرچہ بعینہ حقیقت میں جائے ولادت کی طرح وطن اصلی نہیں ہے، لیکن وطن اصلی کے حکم میں ہے، اسلئے وہاں اتمام لازم ہوگا، کتاب الفقہ کا جزئیہ حسب ذیل ہے:

وطن أصلي: وهو الذي ولد فيه الإنسان أوله فيه زوج في عصمته، أو قصد أن يرتزق فيه، وإن لم يولد به، ولم يكن له به زوج. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعه، مايبطل به القصر، وبيان الوطن الأصلي وغيره، دارالفكر ١/ ٤٨٠)

اورشامی، ودرمختار کی عبارت سے بھی اس کی تائید ملتی ہے، درمختار میں بھی وطن اصلی کے لئے تین چیزوں کوا لگ الگ بیان کیا ہے، اورتینوں کی نوعیت بالکل الگ الگ ہے۔

(۱) جائے ولادت (۲) وہ مقام جس میں آدمی نے شادی کرکے بیوی کو وہاں چھوڑ رکھا ہے (۳) کسی جگہ توطن اختیار کرلیا ہے یعنی علی سبیل القرار رہائش اختیار کرلی ہے، اس کے ذیل میں علامہ شامی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، قولہ:''**أو توطنه أي عزم على القرار فيه ،وعدم الارتحال، وإن لم يتأهل**'' جائے ولادت کےعلاوہ دوسری جگہ میں بالغ آدمی نے نہ شادی کی ہے اور نہ ہی بیوی بچوں کورکھ رکھا ہے بلکہ صرف علی سبیل القرارعدم ارتحال کے ارادے سے قیام کرلیا ہے، تو وہ اس کے لئے وطن اصلی کے درجہ میں ہو جائے گا، حتی کہ اگرکسی بالغ آدمی کے ماں باپ، جائے ولادت کے علاوہ کسی شہر میں رہتے ہوں اور وہ بالغ آدمی دوسرے شہر میں علی سبیل القرار رہتا ہو، اوراس بالغ آدمی نے نہ ماں باپ کی جگہ پر ماں باپ کی رہائش کے علاقہ میں شادی کی ہے اور نہ ہی اس کی بیوی وہاں رہتی ہے اور نہ ہی وہ شخص علی سبیل القرار وہاں رہتا ہے توجب ماں باپ سے ملنے جائے گا تو اتمام نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ اس کا وطن نہیں بنا، الا یہ کہ اس نے بھی اس میں علی سبیل القرار رہنے کا ارادہ کرلیا ہو اور تجرد کی حالت میں پہلے جہاں رہتا تھا اسکو ترک کردیا ہو، تب جاکر ماں باپ کی رہائش کا علاقہ اس کے لئے وطن بن سکتا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تجرد کی حالت میں بھی جائے ولادت کے علاوہ انسان کا وطن دوسری جگہ بن سکتا ہے چاہے وہ جائے ملازمت ہو یا جائے کاروبار ہو، بس صرف علی سبیل القرار رہنے کا ارادہ ہوتو ایسی صورت میں وہ جگہ بھی

اس کے لئے وطن اصلی کے درجہ اور حکم میں ہوجاتی ہے اور اتمام کرنا لازم ہوجاتا ہے، درمختار اورشامی کی عبارت ملاحظہ ہو :

’’في الدر : الوطن الأصلي هو موطن ولادته، أو تأهله، أو توطنه يبطل بمثله إذا لم يبق له بالأول أهل : فلو بقي لم يبطل، بل يتم فيهما لاغير، وتحته في الشاميه: توطنه: أي عزم على القرار فيه، وعدم الارتحال، وإن لم يتأهل، فلوكان له أبوان ببلد غير مولده، وهو بالغ، ولم يتأهل به، فليس ذلک وطناله إلا إذا عزم على القرار فيه، وترک الوطن الذي كان له قبله.

(درمختار مع الشامي، الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الاصلي، ووطن الإقامة، زكريا ۲/ ٦١٤، کراچی ۲/ ۱۳۱)

طحطاوی علی الدر کے الفاظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے،عبارت یہ ہے :

’’أو توطنه أي بأن اتخذ ها داراً، وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها، وإن لم يتأهل بها. (طحطاوی على الدر، الصلاة، باب صلاة المسافر، کوئٹه ۱/ ۳۳٦)

نـوٹ :- لیکن ساتھ میں یہ بھی گزارش ہے کہ اس بارے میں دوسرے محقق علماء ومفتیان کرام سے بھی رجوع کیا جائے، کیونکہ اب تک ہندوستان میں کسی اہم مفتی نے اس پرفتویٰ دیا ہو،احقر کے علم میں نہیں ہے۔

چندشبہات کاازالہ

یہاں دوطریقے سے شبہ کیا جاسکتا ہے :

پہلا شبہ : ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ پتہ نہیں، ملازمت کب تک باقی رہے، مالکان یا صاحب اقتدار جب چاہیں اپنے اقتدار سے نکال باہر کردیں، تو اس طرح کے شبہ کو بنیاد بنانا اس لئے درست نہیں ہے کہ غیراختیاری طور پر ملازمت کا ختم ہوجانا، ایک ناگہانی حادثہ

کے درجہ میں ہے۔

اوراس طرح غیر اختیاری حادثہ کو بنیاد بنا کر حکم شرعی لاگو نہیں ہوتا ہے جبکہ اپنا خود کا ارادہ وہاں مستقل طور پر رہنے کا ہے، اس لئے یہی سمجھا جائے گا کہ مستقل طور پر جائے ملازمت میں توطن اختیار کرلیا گیا ہے۔

دوسرا شبہ : یہاں یہ شبہ بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ جو لوگ دور دراز مسافت سفر پر جائے ملازمت میں بیوی بچوں کے ساتھ مستقل طور پر رہتے ہیں اوپر کی تفصیل کے مطابق ان کے لئے جائے ملازمت کو وطن توطن قرار دیا گیا ہے جو وطن تأہل کی طرح وطن اصلی کے حکم میں ہے، اس میں ہمیشہ نمازوں کا اتمام کیا کریں گے، لیکن جب تعطیل کلاں میں بیوی بچوں کو لے کر وطن اصلی چلے جائیں گے، اسی طرح شادی بیاہ میں بیوی بچوں کو ساتھ لے کر وطن اصلی چلے جاتے ہیں اسکے بعد چند مہینے کے لئے بیوی بچوں کو وہاں چھوڑ دیتے ہیں اور خود جائے ملازمت میں واپس آتے ہیں اسی طرح تعطیل کلاں پوری کرنے کے بعد خود بیوی بچوں کو ساتھ میں نہیں لاتے ہیں چند مہینے کے لئے وہیں چھوڑ کر کے خود جائے ملازمت میں اکیلے آکر رہتے ہیں اور پھر پندرہ دن سے کم قیام کے ارادے سے آتے جاتے رہا کرتے ہیں تو اس درمیان میں بھی نمازوں کا اتمام ہی کیا کریں گے، قصر جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ دوبارہ واپس لوٹ کر آنے کے ارادے سے جانا شریعت کے نزدیک نہ جانے کے حکم میں ہے۔

اس کی دلیل شامی اور بحر وغیرہ میں اس طرح کے جزئیات سے ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں فلاں محلّہ یا فلاں علاقہ میں یا فلاں گھر میں نہیں رہونگا، اس کے بعد خود وہاں سے چلا گیا مگر مال ومتاع اور اہل وعیال کو علی حالہ چھوڑ دیا ہے تو ایسی صورت میں وہ شخص حانث ہوجائے گا، اس لئے کہ بقائے ثقل کے ساتھ چلا جانا، شریعت کے نزدیک اس جگہ کو چھوڑ کر چلے جانے میں شمار ہی نہیں ہوتا، اسی طرح اگر صرف مال ومتاع کو چھوڑ کر چلا گیا ہے اور بیوی بچوں کو ساتھ میں لے کر وہاں سے چلا گیا ہے تو اس بارے فقہاء کا اختلاف ہے لیکن راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی حانث ہوجائے گا اس لئے کہ مال ومتاع کو چھوڑ کر جانے کا

مطلب یہ ہے کہ وہ دوبارہ آئے گا ہاں جس دن مال ومتاع سب کو لے کر چلا جائے گا اس دن یہ سمجھا جائے گا کہ اب یہ یہاں سے کلی طور پر چلا گیا ہے اس لئے اکثر فقہاء نے اس طرح جانے کو نہ جانے میں شمار فرمایا ہے، لہٰذا جائے ملازمت کا بھی ایسا ہی حکم ہے کہ بقصد العود ایک دو مہینے کے لئے اہل وعیال کے ساتھ خود چلا جائے یا صرف اہل وعیال کو بھیج دیا جائے اورخود نہ جائے، ان سب صورتوں میں اس کا توطن حسب سابق بدستور باقی رہتا ہے اس لئے جب بھی پندرہ دن سے کم قیام کے ارادے سے آتا جاتا رہے گا، نمازوں کا اتمام لازم ہوگا، کیونکہ بقائے ثقل کے ساتھ بقصد العود جانے کو شریعت نے ارتحال کے دائرہ میں شمار ہی نہیں کیا ہے، اس لئے حکم شرعی علی حالہ حسب سابق باقی رہے گا۔

شامی اور بحر کا جزئیہ ملاحظہ فرمایئے۔

’’لأن الحنث يحصل ببقاء أحدهما من غير توقف عليهما، وقوله وأفاد أنه لابدمن نقل جميع الأهل والمتاع، وهو في الأصل بالإجماع، والمراد بالأهل زوجته، وأولاده الذين معه، وكل من يأويه لخدمته، والقيام بأمره، كما في البدائع، وأما في الأمتعة ففيه اختلاف، فقال الإمام: المتاع كالأهل حتى لوبقى وتدحنث، لأن السكنى تثبت بالكل فتبقى ببقاء شيئى منه‘‘. (البحرالرائق، كتاب الايمان، باب اليمين في الدخول والخروج الخ، زكريا ٤/ ٥١٦، كوئٹه ٤/ ٣٠٦)

في الدر: حلف لايسكن هذه الدار أو البيت أو المحلة يعنى الحارة فخرج وبقى أهله ومتاعه حتى لو بقى وتدحنث، واعتبر محمدؒ نقل ماتقوم به السكنىٰ وهو أرفق وعليه الفتوىٰ، وتحته فى الشامية: وهذاتعميم للمتاع جرياً على قول الإمام بأنه لابد من نقل المتاع كله كالأهل. (درمختار مع الشامي، كتاب الايمان، باب اليمين في الدخول والخروج الخ، كراچی ٣/ ٧٥٠، زكريا ٥/ ٥٣٨)

(۴) **وطن سفر یا وطن اقامت:** فقہاءنے وطن اقامت کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ مسافر جب مسافت سفر یا اس سے زائد کی مسافت پر سفر کرتے ہوئے اثنائے سفر عارضی طور پر پندرہ دن یا اس سے زائد مدت کے لئے کسی جگہ قیام کا ارادہ کرلے اور جس جگہ پر قیام کا ارادہ ہو وہ جگہ قیام کی صلاحیت رکھتی ہو یعنی آبادی ہو، جنگل یا صحراء نہ ہو، تو وہ مسافر جب تک وہاں مقیم رہے گا اس وقت تک نمازوں کا اتمام کرے گا اور جب وہاں سے دوبارہ مسافت سفر کی نیت سے نکلے گا، تو وطن اقامت ختم ہو جائے گا، یا کسی دوسری جگہ منتقل ہو کر پندرہ دن یا اس سے زائد عارضی قیام کا ارادہ کرے گا، تب بھی پہلے والا وطن اقامت ختم ہو جائے گا، جبکہ وہاں پر نہ ضروریات زندگی کا ساز وسامان اکٹھا کر رکھا ہو، اور نہ ہی بیوی بچوں کے ساتھ تعیش کا ارادہ ہو بلکہ وہاں سے ارتحال ہی کا ارادہ ہوتا ہے۔

علامہ شامی وعلامہ طحطاوی نے اس کو وطن مستعار اور وطن حادث سے تعبیر فرمایا ہے اس لئے کہ یہ درحقیقت وطن ہی نہیں ہے بلکہ عارضی طور پر چند دن کے واسطے مستعار اور عاریت پر لیا ہوا وطن ہے، جس کو چھوڑ کر جانے کا ہی ارادہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے صاحب محیط برہانی نے اسکو وطن سفر و وطن حادث کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ اثنائے سفر کا وطن ہے اور وطن حادث اس لئے کہا گیا ہے کہ اپنے ارادہ میں پندرہ دن یا اس سے زائد مدت کے بعد اس کو چھوڑ دینے کا ہی ارادہ ہے۔

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے اس عارضی وطن کے لئے جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں وہ تمام الفاظ اس بات کی طرف مشیر ہیں کہ اس اقامت کے ساتھ ساتھ وہاں سے منتقل ہونے کا بھی ارادہ ہے بس پندرہ دن یا اس سے زائد مدت کے بعد وہاں سے منتقلی کا ارادہ ہے، اس کے برخلاف جس جگہ آدمی نے ہمیشہ کی ملازمت اختیار کرلی ہے، یا ہمیشہ کا کاروبار اختیار کر کے مستقل قیام کا ارادہ کرلیا ہے، کیا اسکو وطن مستعار وطن سفر، وطن حادث سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ کوئی بھی اسکا قائل نہیں ہوگا۔

لہٰذا ایسی جائے ملازمت جس میں اس کا استقلال ہو چکا ہو اور اس کا وہاں سے چھوڑ کر جانے کا ارادہ نہ ہو، اسکو وطن حادث، وطن سفر، وطن مستعار کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اس لئے معنیٰ حقیقی پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جائے ملازمت کو وطن سفر اور وطن حادث کے مترادف نہیں قرار دیا جاسکتا، بلکہ مستقل جائے ملازمت ایک الگ چیز ہے اور وطن سفر اس سے جداگانہ بالکل دوسری چیز ہے، ایسے ہی دونوں کا حکم بھی جداگانہ ہوگا، حضرات فقہاء کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے۔

”وطن إقامة: وهو المكان الصالح للإقامة فيه خمسة عشر يوما، فأكثر إذا نوى الإقامة. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعه، ما يبطل به القصر، وبيان الوطن الأصلي وغيره، دارالفكر ١/ ٤٨٠)

اور محیط برہانی میں اسکو وطن سفر اور وطن حادث کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

”وطن سفر ويسمى وطناً حادثاً وهو البلد الذى ينوى المسافر الإقامة فيه خمسة عشر يوماً فأكثر.“

اور علامہ شامی اور صاحب طحطاوی علی الدر نے وطن مستعار، وطن حادث سے تعبیر فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

وطن الإقامة ويسمى أيضاً الوطن المستعار والحادث وهو ما خرج إليه بنية إقامة نصف شهر سواء كان بينه وبين الأصلى مسيرة سفر أولا.

(شامي، الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ووطن الإقامة، زكريا ٢/ ٦١٤، كراچى ٢/ ١٣١، طحطاوى على الدر، الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ١/ ٣٣٦)

(۵) وطن سکنی: وطن سکنی کا مطلب یہ ہے کہ مسافر اثنائے سفر کسی جگہ پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ کرے تو ایسی صورت میں اس کو ایسا سمجھا جائے گا، جیسا کہ چلتا ہوا مسافر، کہ جس طرح چلتا ہوا مسافر اثنائے سفر چار رکعت والی نمازوں کو دو رکعت پڑھا کرے گا اسی طرح وطن سکنی میں بھی دو ہی رکعت پڑھا کرے گا، اسلئے حضرات فقہاء نے اسکو وطن ہی شمار

نہیں فرمایا ہے۔

ولـم يـعتبـروا وطن السكنى وطناً، وهو الصحيح، وهذا لأن المكان إنـمـا يـصير وطناً بالإقامة فيه، وإذا لم يثبت حكم الإقامة في وطن السكنى، بـل حـكم السفر فيه باقٍ؛ لما ذكرنا، أن أقل مدة الإقامة خمسة عشر يوماً، ولم يثبت فيه حكم الإقامة، لم يعتبر هو وطناً أصلاً . (المحيط البرهاني، الصلاة، الفصل الثاني والعشرون صلاة السفر، المجلس العلمي ٢/٤٠٢، رقم: ٢٠٦٨)

اور کفایہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے :

ولـم يـعتبـروا وطـن السـكنى وطناً، وهو الصحيح، لأنه لم يثبت فيه حـكم الإقامة، بل حكم السفر فيه باقٍ. (كـفـايه مع فتح القدير، الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ٢/ ١٨)

(٦) مسئلہ قصر واتمام میں شبہ پیدا ہوجائے تو کیا حکم؟

یہاں یہ مسئلہ بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ اگر کسی جگہ اشتباہ پیدا ہوجائے کہ مسافر ہے یا مقیم جس کی وجہ سے یہ مسئلہ اشتباہ کے ساتھ پیش آجائے کہ نمازوں کا قصر کرنا ہے یا اتمام، تو ایسے حالات میں فقہاء نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ نمازوں کا قصر نہیں کیا جائے گا، بلکہ اتمام ہی احوط ہوگا۔

اس کو شامی، بحر اور طحطاوی علی الدر وغیرہ میں اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے :

قـال فـي البـحـر: وأشار إلى أن النية لابد أن تكون قبل الصلاة، ولذا قال في التجنيس: إذا افتتح الصلاة في السفينة حال إقامته في طرف البحر، فـنـقـلـتهـا الـريـح، وهو في السفينة، ونوى السفر يتم صلاة المقيم عند أبي يوسفؒ، خـلافـا لـمـحـمـدؒ؛ لأنـه اجتـمع في هذه الصلاة مايوجب الأربع، ومايمنع، فرجحنا مايوجب الأربع إحتياطا. (شامی، الصلاة، باب صلاة المسافر،

زکریا ۲/ ۶۰۱، شامی کراچی ۲/ ۱۲۲، البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب المسافر، کراچی ۲/ ۱۲۹، زکریا ۲/ ۲۲۷، حاشیہ طحطاوي علی الدر المختار، الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، کوئٹہ ۱/ ۳۳۰)

اوراس کومحیط برہانی میں اس طرح سے نقل فرمایا ہے کہ اگر کوئی مشترک غلام دونوں مالکوں کے ساتھ سفر میں جائے اور اثناء سفر دونوں مالکوں میں سے ایک اقامت کی نیت کرلے اور دوسرا اقامت کی نیت نہ کرے، تو راجح قول کے مطابق غلام، اس مالک کی طرح نمازوں کا اتمام کرے گا جس نے اقامت کی نیت کرلی ہے، محیط برہانی کی عبارت حسب ذیل ہے:

وذکر القاضي الإمام الأجل علاء الدین رحمه اللّٰه تعالیٰ في شرح المختلفات: أن العبد المشترک إذا خرج مع مولییه في السفر، ثم نویٰ أحدهما الإقامة دون الآخر، قال بعض مشا یخنا رحمهم الله تعالیٰ: لا یصیر مقیماً، لأنه تعارضت النیتان، فبقي ما کان علی ما کان، وقال بعضهم: یصیر مقیماً ترجیحا؛ لنیة الإقامة إحتیا طاً. (المحیط البرهاني، الصلاۃ، الفصل الثاني والعشرون: صلاۃ السفر، المجلس العلمي، ۲/ ۳۹۵، رقم: ۲۰۴۷)

ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جائے ملازمت میں اہل وعیال کے ساتھ رہنے کی صورت میں اتمام ہی کرنا چاہئے، اور جائے ملازمت میں اتمام سے متعلق جو دلائل پیش کئے گئے ہیں دوسرے دلائل اگر ان کے متعارض مل جائیں، تو مقام اشتباہ میں اتمام کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اس لئے دوسرے متعارض دلائل کے باوجود جائے ملازمت میں اتمام ہی کرنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(مفتی) جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی
۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۵ھ

فیملی کے ساتھ رہنے والے ملازم مقیم ہیں یا مسافر؟

سوال [۳۲۸۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو مدرسین اور اسکول کے سرکاری ماسٹر اور بینک کے ملازمین اپنی جائے ملازمت پر کرایہ کا کمرہ لے کر اپنے بچوں کو رکھ لیتے ہیں، اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کب تبادلہ ہوجائے یا کب مدرسہ اور مسجد سے اہل محلّہ چھٹی کردیں، ان حالات میں یہ مذکورہ حضرات اپنی جائے ملازمت پر وطن اصلی کے درجہ میں رہیں گے یا وطن اقامت کے؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس کے مدرسین ہوں یا اسکول کے سرکاری ماسٹر ہوں، یا سرکاری دیگر ملازمین ہوں، سب کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ اگر جائے ملازمت میں بیوی، بچوں اور اثاثے کے ساتھ نہیں رہتا ہے؛ بلکہ تنہا رہتا ہے، تو پندرہ دن سے کم قیام کر کے مسافت سفر پر آنے جانے سے اور پھر درمیان میں پندرہ دن سے کم قیام کرنے میں قصر کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر جائے ملازمت میں بیوی، بچوں اور اثاثے کے ساتھ رہتا ہے اور وہاں سے مسافت سفر پر آتا جاتا ہے اور درمیان میں جائے ملازمت میں بچوں کے ساتھ پندرہ دن سے کم قیام کرتا ہے، تو قصر نہیں کرے گا؛ بلکہ اتمام کرنا لازم ہوگا؛ اس لئے کہ جائے ملازمت میں بیوی، بچوں کے ساتھ رہنے کی صورت میں ''وطن تأہل'' بن جاتا ہے۔ اور وطن تأہل وطن اصلی کے درجہ میں ہوتا ہے۔ اور جائے ملازمت میں چاہے اپنے ذاتی مکان میں رہتا ہو یا کرایہ کے مکان میں رہتا ہو، یا کسی کے دئے ہوئے عارضی مکان میں رہتا ہو، سب صورتوں میں حکم یکساں ہے۔ اور یہ شبہ کرنا کہ کب تبادلہ ہوجائے، کب ملازمت چھوٹ جائے یا مدرسہ اور مسجد والے کب چھٹی کردیں، اس کی ضرورت نہیں؛ اس مسئلہ کو ''امداد الاحکام'' میں کافی تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/ ۳۱۰، ایضاح المسائل/ ٦٦، احسن الفتاوی ۴/ ۱۰۱)

إذا المعتبر الأهل دون الدار، كما لو تأهل ببلدة و استقرت سكنا له، وليس له فيها دار. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر،

کراچی ۲/ ۱۳۳، زکریا ۲/ ۶۱٤، وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، اشرفيه/ ٥٤٤)

لو خرج مسافرا من بلدة فيها أهله، ودخل في أي بلدة من البلاد التي فيها أهله، فيصير مقيما من غير نية الإقامة. (بدائع الصنائع، فصل في صلاة المسافر، الكلام في الأوطان، كراچی ۱/ ۱۰٤، زكريا ۱/ ۲۸۰)

وفي المجتبى: نقل القولين فيما إذا نقل أهله ومتاعه، وبقي له دور وعقار، ثم قال: وهذا جواب واقعة ابتلينا، وكثير من المسلمين المتوطنين فى البلاد، ولهم دور وعقار في القرى البعيدة منها يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم، فلابد من حفظها أنهما وطنان له لا يبطل أحدهما بالآخر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، زكريا ۲/ ۲۳۹، كوئٹه ۲/ ۱۳٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۲۰ھ

جائے تجارت میں اتمام یا قصر؟

سوال [۳۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پردیس میں منتقل ہوکر مع اپنے اہل وعیال رہتا ہے، پردیس میں رہ کر تجارت کرتا ہے؛ لیکن دل میں پندرہ روز رہنے کا مستقل مزاج نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک دن یا دو روز کے بعد پھر جاتا ہے اور جاتے ہی رہتا ہے، اس حالت میں جہاں مستقل رہنے کا مستقل بندوبست کر رکھا ہے وہاں قصر نماز ادا کرے یا پوری نماز ادا کرے؟

المستفتي: سراج الحق شریف گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جہاں مستقل رہنے کا بندوبست کر رکھا ہے، اگر اس کو وطن اصلی نہیں بنایا ہے۔ اور وہاں سے کسی وقت منتقل ہونے کا ارادہ ہے تو وہاں پندرہ روز سے کم قیام کے ارادہ سے حاضر ہونے میں قصر کرنا واجب رہے گا۔

وأما وطن الإقامة، فينتقض بوطن إقامة آخر، وإن لم يكن بينهما مدة سفر، وكذا ينتقض بالسفر. (كبيري، كتاب الصلاة، فصل في صلاة التراويح، قديم ٥٠٦، جديد أشرفيه ديو بند ٥٤٤)

ومن حكم وطن السفر أنه ...... ينتقض بوطن السفر؛ لأنه مثله، وينتقض بإنشاء السفر؛ لأنه ضده. (الفتاوى التاتارخانية، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٥١١، رقم: ٣١٥٠)

ووطن الإقامة يبطل بوطن الإقامة، وبإنشاء السفر، وبالوطن الأصلي هكذا في التبيين. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٤٢، جديد ١/ ٢٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۰۷/۸/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

جائے ملازمت کا حکم

سوال [۳۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بعض مہتممین ومدرسین وملازمین حضرات، مدارس میں بغیر اہل وعیال کے قیام پذیر ہوتے ہیں اور وہاں سے دور دراز شہر کا دورہ کرتے رہتے ہیں اور واپسی کی صورت میں پندرہ دن سے کم قیام کی نیت کریں، تو ایسی صورت میں ان حضرات کے بارے میں قصر واتمام سے متعلق کیا حکم ہے؟ مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔

(۲) مذکورہ حضرات اگر مع اہل وعیال کے قیام کریں تو قصر واتمام سے متعلق کیا حکم ہوگا۔
(۳) مذکورہ حضرات میں سے بعض حضرات کبھی ایسا کرتے ہیں کہ شروع سال میں مع اہل وعیال کے قیام کرتے ہیں، مثلاً تین ماہ اور تین ماہ بغیر اہل وعیال کے پھر تین ماہ اہل وعیال کے اور تین ماہ بغیر اہل وعیال کے، اسی طرح سے پورے سال قیام کرتے ہیں، ان کے بارے میں قصر واتمام کا کیا حکم ہوگا؟ مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتي: عبداللہ حال مقیم مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو مہتممین ومدرسین وملازمین مدرسہ میں بغیر اہل وعیال اور بغیر بال بچوں کے تجرد کی حالت میں ملازمت پر قائم ہیں اور ان کا ارادہ وہاں سے ملازمت ترک کر کے منتقل ہوجانے کا نہیں ہے؛ بلکہ ان کی نیت علی سبیل القرار اپنی ملازمت پر قائم رہنے کی ہے، مگر بیوی بچے ان کے ساتھ میں نہیں ہیں، جب وہ اپنی جگہ سے مسافت سفر پر چلے جائیں اور واپسی میں پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کا ارادہ نہ ہو؛ بلکہ دو چار دن کے بعد پھر مسافت سفر پر جانے کا ارادہ ہو اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جب بھی وہ مسافت سفر پر جاتے ہیں، لوٹ کر واپس آنے کے ارادے سے جاتے ہیں، ایسوں کے بارے میں اب تک احقر کا شرح صدر اس بارے میں یہ رہا ہے کہ جائے ملازمت میں پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں ان کو قصر کرنا چاہئے؛ لیکن مفتی محمد سلمان صاحب نے اس بارے میں توجہ دلائی اور ''احکام سفر'' کے عنوان پر مفتی محمد طاہر مسعود صاحب مدرسہ مفتاح العلوم سرگودھا پاکستان کی ایک کتاب پیش فرمائی، اس کتاب میں اس موضوع پر دسیوں مدارس کے مفتیان کرام کے فتاوی اور تحقیقی مضامین موجود ہیں، خاص طور پر مجلس تحقیقات اسلامی ملتان کے زیر تحت مفتی عبدالستار، خیر المدارس ملتان، مفتی عبداللہ، مفتی خیر المدارس ملتان، مولانا عبدالقادر دارالعلوم کبیر والا، مفتی محمد مجاہد، جامعہ امدادیہ فیصل آباد، دارالافتاء

جامعہ فاروقیہ کراچی، مفتی عبدالواحد جامعہ مدنیہ لاہور، ان سب حضرات نے اپنی محققانہ تحقیقوں سے یہ ثابت کردیا ہے کہ جائے ملازمت میں تجرد کے ساتھ رہنے والے بھی علی سبیل القرار رہتے ہیں؛ اس لئے ان کو پندرہ دن سے کم قیام کی صورت میں بھی اتمام کرنا ضروری ہے؛ لیکن اس مسئلہ میں دارالعلوم حقانیہ اکوڑ اختک والوں نے تحقیقی جواب نہیں لکھا ہے؛ بلکہ ان حضرات کی تحقیقات کے صحیح ہونے پر رجحان ظاہر فرمایا ہے۔ اور جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ حقانیہ سرگودھا، دارالعلوم دیوبند اور مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کا فتوی اول الذکر حضرات کی تحقیق کے خلاف عدم اتمام اور قصر پر ہے؛ لیکن دونوں طرف کے دلائل پر غور کرنے کے بعد قائلین اتمام کے دلائل درست معلوم ہوتے ہیں، مگر اتمام کو جائز کہنے کی صورت میں اس کو علی الاطلاق وطن اقامت کہنا سمجھ میں نہیں آتا؛ اس لئے احقر نے اس سلسلے میں فقہ کی جزئیات کی جستجو کی، تو ’’کتاب الفقہ علی المذاهب الأربعة‘‘ میں ایک جزئیہ ملا جو اتمام کی تائید میں ہے، مگر ساتھ ساتھ اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ مستقل طور پر جو جائے ملازمت ہوتی ہے وہ وطن تأہل کی طرح وطن اصلی کے حکم میں ہوتی ہے، انہوں نے وطن اصلی کی تین شکلیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) انسان کی جائے ولادت۔

(۲) وہ مقام جس میں بیوی بچوں کے ساتھ رہتا ہو۔

(۳) وہ جگہ جس میں آدمی اپنے روزگار کے لئے مستقل طور پر کاروبار یا ملازمت کر رکھی ہے، نہ وہ اس کی جائے ولادت ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ اس کے بیوی بچے ہوں، تو دوسری اور تیسری شکل اگرچہ بعینہ حقیقت میں جائے ولادت کی طرح وطن اصلی نہیں ہے؛ لیکن وطن اصلی کے حکم میں ہے؛ اس لئے وہاں اتمام لازم ہوگا۔ ’’کتاب الفقہ‘‘ کا جزئیہ حسب ذیل ہے:

وطن أصلي: وهو الذي ولد فيه الإنسان، أو له فيه زوج في عصمته، أو قصد أن يرتزق فيه، وإن لم يولد به، ولم يكن له به زوج. (کتاب الفقه علی

المذاهب الأربعة، مباحث قصر الصلاة الرباعية ما يبطل به القصر وبيان الوطن الأصلی وغيره، دارالفکر، بیروت ۱/ ٤٨٠)

اور''شامی'' اور''درمختار'' کی عبارت سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔ ''درمختار'' میں بھی وطن اصلی کے لئے تین چیزوں کو الگ الگ بیان کیا ہے۔ اور تینوں کی نوعیت بالکل الگ الگ ہے: (۱) جائے ولادت (۲) وہ مقام جس میں آدمی نے شادی کر کے بیوی کو وہاں چھوڑ رکھا ہے (۳) کسی جگہ توطن اختیار کرلیا ہے، یعنی علی سبیل القرار رہائش اختیار کرلی ہے، اس کے ذیل میں علامہ شامیؒ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

قوله: "أو توطنه" أي عزم على القرار فيه، وعدم الارتحال وإن لم يتأهل.

جائے ولادت کے علاوہ دوسری جگہ میں بالغ آدمی نے نہ شادی کی ہے اور نہ ہی بیوی بچوں کو رکھ رکھا ہے؛ بلکہ صرف علی سبیل القرار، عدم ارتحال کے ارادے سے قیام کرلیا ہے، تو وہ اس کے لئے وطن اصلی کے درجہ میں ہوجائے گا، حتی کہ اگر کسی بالغ آدمی کے ماں باپ جائے ولادت کے علاوہ کسی شہر میں رہتے ہوں اور وہ بالغ آدمی کسی دوسرے شہر میں علی سبیل القرار رہتا ہو۔ اور اس بالغ آدمی نے نہ ماں باپ کی جگہ پر ماں باپ کی رہائش کے علاقہ میں شادی کی ہے اور نہ ہی اس کی بیوی وہاں رہتی ہے اور نہ ہی وہ شخص وہاں علی سبیل القرار رہتا ہے، تو جب ماں باپ سے ملنے جائے گا، تو اتمام نہیں کرسکتا؛ اس لئے کہ وہ اس کا وطن نہیں بنا، الا یہ کہ اس نے بھی اس میں علی سبیل القرار رہنے کا ارادہ کرلیا ہو اور تجرد کے ساتھ پہلے جہاں رہتا تھا، اس کو ترک کردیا ہو، تب جاکر کے ماں باپ کی رہائش کا علاقہ اس کے لئے وطن بن سکتا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ تجرد کی حالت میں بھی جائے ولادت کے علاوہ انسان کا وطن دوسری جگہ بن سکتا ہے، چاہے وہ جائے ملازمت ہو یا جائے کاروبار ہو، بس صرف علی سبیل القرار رہنے کا ارادہ ہو، تو ایسی صورت میں وہ جگہ بھی اس کے لئے وطن اصلی کے درجہ اور حکم میں ہوجاتی ہے۔ اور اتمام کرنا لازم ہوجاتا ہے۔

''درمختار'' اور''شامی'' کی عبارت ملاحظہ ہو:

في الدرالمختار: الوطن الأصلي هو موطن ولادته، أو تأهله، أو توطنه يبطل بمثله إذا لم يبق له بالأول أهل، فلو بقي لم يبطل، بل يتم فيهما لا غير. وتحته في الشامية: توطنه، أي عزم على القرار فيه وعدم الارتحال، وإن لم يتأهل، فلو كان له أبوان ببلد غير مولده، وهو بالغ ولم يتأهل به، فليس ذلک وطنا له إلا إذا عزم على القرار فيه، وترک الوطن الذی كان له قبله. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلی، ووطن الإقامة، زكريا ۲/ ٦١٤، كراچی ۲/ ۱۳۱)

''طحطاوی علی الدر'' کے الفاظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، عبارت یہ ہے:

أو توطنه، أی بأن اتخذها دارا، وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها، وإن لم يتأهل بها. (طحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ۱/ ۳۳٦)

نوٹ:- لیکن ساتھ میں یہ بھی گزارش ہے کہ اس بارے میں دوسرے محقق علماء ومفتیان کرام سے بھی رجوع کیا جائے، کیونکہ اب تک ہندوستان میں کسی اہم مفتی نے اس پر فتویٰ دیا ہو، احقر کے علم میں نہیں ہے۔

(۲) مہتممین ومدرسین وملازمین جب جائے ملازمت میں بیوی بچوں کے ساتھ رہائش اختیار کرلیں، چاہے رہائشی مکان ذاتی ہو یا کرایہ کا، تو اس سلسلے میں احقر کا شرح صدر ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ان حضرات پر جائے ملازمت میں ہر حالت میں اتمام لازم ہے؛ لہٰذا جو ائمہ حضرات بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، وہ بلا تکلف جائے امامت میں اتمام کیا کریں گے، جب بھی مسافت سفر سے واپس جائے ملازمت میں پندرہ دن سے کم قیام کے ارادے سے آتے جاتے رہیں گے، اتمام کیا کریں گے، اس کے لئے کتب فقہ میں شرعی دلائل کا ذخیرہ موجود ہے اور تقریباً ۲۲؍سال سے مدرسہ شاہی کے دارالافتاء سے مسلسل یہی فتوی جاری ہوتا رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے بالاتفاق وطن تأہل کو وطن اصلی کا

درجہ دیا ہے۔ اور وطن تأ ہل اس کو کہا جاتا ہے، جس میں شادی کرنے کے بعد بیوی کو مستقل طور پر سسرال میں رکھ رکھا ہو۔ اور اگر بیوی کو سسرال سے اپنے ساتھ منتقل کرلیا ہو تو وہ وطن تأ ہل نہیں بنتا ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء نے صاف الفاظ میں یہ بات نقل کی ہے کہ جائے ولادت اور جائے فطرت کے علاوہ دوسری جگہ جب آدمی علی السبیل القرار رہائش اختیار کر لے اور اس میں اپنے بیوی بچوں کو ساتھ میں رکھے تو وہ وطن تأ ہل ہی بن جاتا ہے؛ اس لئے کہ اس وطن کا سارا مدار بیوی کو ساتھ رکھنے پر ہے، چاہے سسرال میں رکھے اور چاہے جائے ملازمت میں رکھے، دونوں برابر درجے میں وطن اصلی اور وطن فطرت کے حکم میں ہوجائیں گے؛ لہٰذا ان پر ہر حال میں اتمام کرنا لازم ہوگا۔

”إذالمعتبر الأهل دون الدار كما لو تأهل ببلدة واستقرت سكناً له، وليس له فيها دار. (شامی، الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ووطن الإقامة، زکریا ۲/ ۶۱۴، کراچی ۲/ ۱۳۱)

اس کو فقہاء نے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ چونکہ اعتبار بیوی کی رہائش کا ہے، شادی کا نہیں؛ لہٰذا اگر دو شہروں میں الگ الگ دو بیویوں کو رکھ رکھا ہے، تو دونوں جگہ اس کے لئے وطن اصلی کے درجہ میں ہیں، اس لئے جہاں بیوی کو ساتھ میں رکھے اور مستقل قیام کا ارادہ ہو، تو وہ وطن تأ ہل، وطن اصلی کے حکم میں ہوگا؛ لہٰذا اگر دو جگہ دو بیویوں کو رکھ رکھا ہے، ان میں سے ایک بیوی کا انتقال ہوجائے اور زمین وجائیداد بھی وہاں موجود ہو، تو بعض فقہاء نے اس کی وطنیت باطل ہونے کو کہا ہے۔ اور بعض بقائے وطن کے قائل ہیں؛ لہٰذا بیوی ساتھ میں ہونے کی صورت میں جائے ملازمت کے وطن اصلی کے حکم میں ہونے میں کسی قسم کے شکوک وشبہات نہیں رہنے چاہئیں، فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہوں:

ولو كان له أهل ببلدتين فأيتهما دخل صار مقيماً فإن ماتت زوجته في أحدهما وبقي له فيها دور وعقار قيل: لايبقىٰ وطنا له إذالمعتبر الأهل دون الدار كمالو تأهل ببلدة واستقرت سكنا له وليس له فيها دار وقيل:

تبقی. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في المسافر، سهيل أشرفيه ديو بند ص: ٥٤٤)

(۳) جس شخص نے اپنے وطن اصلی سے مسافت سفر پر دور دراز علاقہ میں رہائش اختیار کر رکھی ہے اور وہ سال کے درمیان میں عید وبقرعید میں اپنے اہل وعیال کو جائے ملازمت اور جائے کاروبار سے دوایک مہینہ کے لئے وطن اصلی یا دوسری جگہ بھیج دے اور ساتھ میں خود بھی کبھی کبھی چلا جائے، یا اہل وعیال کو دو چار مہینے کے لئے بھیج دے اور خود جائے ملازمت میں مقیم رہے، تو اس طرح اہل وعیال کے آنے جانے کی وجہ سے جائے ملازمت وطن اصلی کے حکم میں باقی رہنے میں متأثر نہیں ہوگا، وہ علی حالہ وطن اصلی کے حکم میں باقی رہے گا، اس کی دلیل شامی اور بحر وغیرہ کے اس جزئیہ سے ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی ہے کہ میں فلاں محلہ یا فلاں گھر میں نہیں رہوں گا، اس کے بعد خود وہاں سے چلا گیا اور مال ومتاع اور اہل وعیال کو وہاں چھوڑ دیا تو وہ حانث ہوجائے گا؛ اس لئے کہ بقائے ثقل کے ساتھ چلے جانا، شریعت کے نزدیک اس جگہ کو چھوڑ کر چلے جانے میں شمار ہی نہیں ہوتا، اسی طرح اگر صرف مال ومتاع کو چھوڑ کر چلا گیا ہے اور بیوی بچوں کو ساتھ میں لے کر وہاں سے چلا گیا ہے تو اس بارے فقہاء کا اختلاف ہے لیکن راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی حانث ہوجائے گا اس لئے کہ مال ومتاع کو چھوڑ کر جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوبارہ آئے گا ہاں جس دن مال ومتاع سب کو لے کر چلا جائے گا، اس دن یہ سمجھا جائے گا کہ اب یہ یہاں سے کلی طور پر چلا گیا ہے اس لئے اکثر فقہاء نے اس طرح جانے کو نہ جانے میں شمار فرمایا ہے، لہٰذا جائے ملازمت کا بھی ایسا ہی حکم ہے کہ بقصد العود ایک دو مہینے کے لئے اہل وعیال کے ساتھ خود چلا جائے یا صرف اہل وعیال کو بھیج دیا جائے اور خود نہ جائے، ان سب صورتوں میں اس کا توطن حسب سابق بدستور باقی رہتا ہے اس لئے جب بھی پندرہ دن سے کم قیام کے ارادے سے آتا جاتا رہے گا، نمازوں کا اتمام لازم ہوگا، کیونکہ بقائے ثقل کے ساتھ بقصد العود جانے کو شریعت نے ارتحال کے دائرہ میں شمار ہی نہیں کیا ہے، اس لئے حکم شرعی علی حالہ حسب سابق باقی رہے گا۔

شامی اور بحر کا جزئیہ ملاحظہ فرمایئے۔

”لأن الحنث يحصل ببقاء أحدهما من غير توقف عليهما، وقوله وأفاد أنه لابد من نقل جميع الأهل والمتاع، وهو في الأصل بالإجماع، والمراد بالأهل زوجته، وأولاده الذين معه، وكل من كان يأويه لخدمته، والقيام بأمره، كما في البدائع، وأما في الأمتعة ففيه اختلاف، فقال الإمام: المتاع كالأهل حتى لوبقى وتدحنث، لأن السكنى تثبت بالكل فتبقى ببقاء شيئى منه“. (البحر الرائق، كتاب الايمان، باب اليمين في الدخول والخروج الخ، زكريا ٤/ ٥١٦، كوئٹه ٤/ ٣٠٦)

وفي الدر: حلف لايسكن هذه الدار أو البيت أو المحلة يعنى الحارة فخرج وبقى أهله ومتاعه حتى لو بقى وتدحنث، واعتبر محمدؒ نقل ماتقوم به السكنىٰ وهو أرفق وعليه الفتوىٰ، وتحته فى الشامية: وهذاتعميم للمتاع جرياً على قول الإمام بأنه لابد من نقل المتاع كله كالأهل. (درمختار مع الشامي، كتاب الايمان، باب اليمين في الدخول والخروج الخ، كراچی ٣/ ٧٥٠، زكريا ٥/ ٥٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۷۲/۳۸)	۱۴۲۹/۴/۲۱ھ

جائے ملازمت میں اتمام یا قصر؟

سوال [۳۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں ملازم ہے، مدرسہ اور زید کے گھر کے درمیان کے مسافت کی دوری مسافت سفر کے بقدر ہے اور زید ہر جمعرات کو اپنے گھر چلے جاتے ہیں

اور سنیچر کی صبح مدرسہ میں حاضر ہوجاتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید مدرسہ میں اتمام کرے گا یا قصر؟

المستفتي: شہاب الدین اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اپنے مدرسہ میں تمام نمازوں میں اتمام کرے گا بشرطیکہ زید مدرسہ مذکورہ میں علی سبیل القرار رہتا ہو اور اس جگہ کو چھوڑ کر جانے کا فی الحال ارادہ نہ ہو۔ (مستفاد: جائے ملازمت میں اتمام یا قصر ۷-۸، احکام السفر ۷۵-۱۵۸، احسن الفتاوی ۴/ ۱۰۷)

وطن أصلي: وهو الذي ولد فيه الإنسان، أو له فيه زوج في عصمته، أو قصد أن يرتزق فيه، وإن لم يولد به، ولم يكن له به زوج. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث قصر الصلاة الرباعية ما يبطل به القصر وبيان الوطن الأصلى وغيره، دارالفكر، بيروت ۱/ ٤٨٠)

أو توطنه، أى بأن اتخذها دارا، وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها، وإن لم يتأهل بها، كما هو قضية العطف. (حاشية الطحطاوي على الدر، الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ۱/ ٣٣٦)

والوطن الأصلي هو الذى ولد فيه الإنسان، أو تزوج فيه، أو لم يتزوج، ولم يولد فيه، ولكن قصد التعيش لا الارتحال عنه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، الصلاة، باب المسافر، دارالكتاب ديوبند جديد ۱/ ٤٢٩)

وطن أصلي، وهو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارا، وتوطن بها مع أهله وولده، وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها. (بدائع الصنائع، فصل في صلاة المسافر، الكلام في الأوطان، زكريا ۱/ ٢٨٠، كراچی ۱/ ١٠٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/ ۱۱۴۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۷ھ

جائے ملازمت میں جب بیوی بچوں کے ساتھ رہے تو قصر جائز نہیں

سوال [۳۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جائے ملازمت میں کوئی شخص بیوی کے ساتھ رہتا ہے اور وہاں پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ ہے، تو یہ قصر کرے گا یا اتمام؟

المستفتي: عبید اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص جائے ملازمت میں اپنی بیوی اور اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہے، تو ایسی صورت میں وہ وہاں پہنچتے ہی مقیم ہوجائے گا اور اتمام کرے گا، خواہ پندرہ دن سے کم ہی قیام کی نیت کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۶۶)

وأما إذا لم ينتقل بأهله ولكنه استحدث أهلا ببلدة أخرى فلا يبطل وطنه الأول، ويتم فيهما. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٤٢، جديد ١/ ٢٠٢)

وإن تأهل بهما كان كل واحد من الموضعين وطنا أصليا. (تاتارخانية، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٤٩٩، رقم: ٣١٠٨)

لو كان له أهل بالكوفة، وأهل بالبصرة، فمات أهله بالبصرة، وبقي له دور وعقار بالبصرة، قيل: البصرة لا تبقي وطنا له؛ لأنه إنما كانت وطنا له بالأهل لا بالعقار، ألا ترى! أنه لو تأهل ببلدة ولم يكن له عقار صارت له وطنا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مصري قديم ١/ ١٦٤،

دارالکتب العلمیة بیروت، جدید ۱/ ۲۳۹، البحرالرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، زکریا ۲/ ۲۳۹، کراچی ۲/ ۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۲۸)

جائے ملازمت کتنی دوری پر ہو تو قصر لازم ہے؟

سوال [۳۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید اپنے وطن اصلی سے اسی کلومیٹر کی دوری پر مستقل ملازمت کے سلسلہ میں رہتا ہے، جو باعتبار راجح قول فقہاء ۴۸؍میل (تقریباً ۸۸؍کلومیٹر) بحوالہ ایضاح المسائل/ ۶۸ کے مسافر نہیں ہوتا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اگر اس ملازمت والی جگہ سے آٹھ دس کلو میٹر آگے سفر کرتا ہے، تو مسافر ہوگا یا نہیں؟

(۲) ماہنامہ ''ندائے شاہی'' مارچ ۲۰۰۷ء نماز مسافر کے تحت ص: ۶۰؍ پر مستقل ملازمت یا کاروباری سلسلہ میں رہنے والوں کے لئے جائے اقامت کو وطن اصلی کا درجہ بتایا گیا ہے، تو کیا جائے اقامت سے آگے سفر اس جگہ سے مانا جائے گا، یا وطن اصلی جائے پیدائش سے؟ نیز کیا سفر سے جائے اقامت منسوخ ہوگی یا نہیں؟ اور جہاں سے مستقل جائے اقامت سے سفر کیا ہے، وہاں واپس ہونے پر مقیم ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: مستقیم احمد جمال القرآن، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''ایضاح المسائل'' میں فقہاء کے بیان کردہ چار اقوال لکھے گئے ہیں: (۱) ۴۵؍میل شرعی (۲) ۴۸؍میل شرعی (۳) ۵۴؍میل شرعی (۴) ۶۳؍میل شرعی۔ جس کو فقہاء نے ۱۵؍فرسخ، ۱۶؍فرسخ، ۱۸؍فرسخ اور ۲۱؍فرسخ سے تعبیر کیا ہے۔ اور

ایک فرسخ تین میل شرعی کے برابر ہوتا ہے،اس حساب سے یہ چار اقوال ہمارے سامنے ہیں، ان میں سب سے چھوٹی مسافت ۱۵؍فرسخ کی ہے،جس میں ۴۵؍میل شرعی ہوتے ہیں،جس میں ۸۲؍کلومیٹر ۲۹۶؍میٹر ہوتے ہیں، یہ فقہاء کے چار اقوال میں سے سب سے مختصر مسافت والاقول ہے،اس سے کم مسافت میں ہم نمازوں کا قصر مشروع نہیں سمجھتے ،اگر آپ کے وطن اصلی سے جائے ملازمت کی مسافت اس سے بھی کم ہے اور وطن سے چلتے وقت جائے ملازمت ہی میں رکھنے کا ارادہ تھا، پھر جائے ملازمت میں پہنچنے کے بعد کسی اور جگہ جانے کا ارادہ بنا ہے،تو وہاں سے سوا بیاسی کلومیٹر سے زیادہ کا سفر ہوتو قصر کرنا لازم ہوگا،کم ہوتو قصر جائز نہیں ہوگا اور اگر وطن اصلی سے چلتے وقت جائے ملازمت میں ۱۵؍دن سے کم رک کر آگے کا ارادہ بھی ہے جہاں سے وطن اصلی کی مسافت سوا بیاسی کلومیٹر سے زیادہ ہے،تو قصر کرنا ضروری ہوگا، بشرطیکہ جائے ملازمت میں بال بچہ اور آشائش کے بغیر رہائش ہو اور اگر جائے ملازمت میں بیوی بچوں کے ساتھ رہائش ہےتو جائے ملازمت وطن تأہل ہوجائے گا جو وطن اصلی کے حکم میں ہوجاتا ہے۔اور''ندائے شاہی'' میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر. (درمختار) وفي الشامي: بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها، فلما بلغها بدا له أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرا. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۲، زكريا ۲/ ۶۰۱، مستفاد: إيضاح المسائل/۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍۳؍۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/ ۹۲۱۷)

ڈرائیور سفر میں نماز پوری پڑھے یا قصر کرے؟

سوال [۳۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زیدٹرین کا ڈرائیور ہے، وہ ہر دودن بعد یا روزانہ گاڑی لے کر ۴۸ر میل سے زیادہ کی مسافت طے کرتا ہے، اور وہ اس پیشے سے منسلک ہے، کیا وہ راستے میں قصر کی نماز پڑھے گا یا پوری چار رکعت ہی ادا کرے گا ؟ والسلام

المستفتي: محمد یٰسین ریلوے ڈرائیور، محلّہ سرائے شیخ محمود، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسافت سفر سے زیادہ کے ارادہ سے جب ڈرائیور شہر کی آبادی سے باہر گاڑی لے کر نکلے گا، تو اس وقت سے واپس آبادی میں داخل ہونے تک چار رکعت والی نمازوں کو دو رکعت پڑھا کرے گا، چار رکعت پڑھنا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنهما– أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل. (مصنف عبدالرزاق، باب المسافر، متى يقصر إذا خرج مسافرا، المجلس العلمي ۲/ ۵۳۰، رقم: ۴۳۲۳)

عن عبدالله بن عمر– رضي الله عنهما– قال: إذا كنت مسافرا، فوطنت نفسک علي إقامة خمسة عشر يوما، فأتمم الصلاة، وإن كنت لا تدري فاقصر. قال محمد: وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة. (كتاب الآثار، باب الصلاة في السفر، الرحيم اكيڈمی كراچی، ص: ۲۰۱، رقم: ۱۸۸)

ثم المعتبرة المجاوزة من الجانب الذي خرج منه، حتى لو جاوز عمران المصر قصر. (عالمگیری، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر، زکریا قدیم ۱/ ۱۳۹، جدید ۱/ ۱۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۶۳/۲۶)

امام یا ملازم باپ کے پاس تعلیم کے لئے باہر گئے بیٹے مقیم ہوں گے یا مسافر؟

سوال [۳۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام یا ملازم وطن اصلی یا وطن اقامت کے حکم میں داخل ہوگیا تو اس کی وہ اولاد جو وطن سے باہر رہتی ہے کاروبار کی لائن سے یا تعلیم وتعلم کے لئے، تو اس اولاد کے لئے کیا حکم ہے؟ جب کہ ان کا علیحدہ کوئی ریکارڈ نہیں، اپنے باپ کے پاس پہنچ کر ان کو اتمام کرنا ہوگا یا قصر؟

المستفتي: محمد یونس، یکم جمادی الاخریٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو باپ امام یا ملازم ہے اور وہ اہل وعیال اور اثاثہ کے ساتھ جائے ملازمت میں رہتا ہے، تو جائے ملازمت اس کے لئے وطن تاہل ہے جو وطن اصلی کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور اولاد باپ کے تابع ہوتی ہے؛ لہٰذا جو اولاد تعلیم وتعلم یا ملازمت کے لئے دوسری جگہ رہتی ہے اور وہ باپ کی فیملی میں رہتی ہے، وہ جب باپ کے پاس آئے گی تو نمازوں کا اتمام کرے گی؛ اس لئے کہ جو اولاد باپ کی فیملی میں ہوتی ہے، وہ کہیں بھی رہے باپ کے تابع رہتی ہے، ہاں البتہ جو بالغ لڑکے اپنی جائے ملازمت میں بیوی بچوں کو ساتھ رکھیں اور باپ سے الگ تھلگ ان کی فیملی جدا گانہ رہے تو وہ لڑکے باپ کی جائے ملازمت میں باپ کے تابع نہیں ہیں، ان کو قصر کرنا پڑے گا، یا بالغ لڑکے چاہے غیر شادی شدہ ہوں، مگر باپ سے الگ تھلگ رہتے ہوں اور باپ کی جائے ملازمت میں باپ کے تابع ہوکر رہنے کا ارادہ نہیں ہے، وہ بھی باپ کی جائے ملازمت میں مسافر رہیں گے، اسی طرح جو لڑکیاں شادی ہوکر شوہر کے پاس رہنے لگیں وہ بھی شوہر کے تابع ہوتی ہیں، باپ کے تابع نہیں ہوتی ہیں۔

وتعتبر نية الإقامة والسفر من الأصل كالزوج، والمولى، والأمير دون التبع، كالمرأة، والعبد، والجندي. (حاشية الطحطاوی علی مراقي الفلاح،

باب صلاة المسافر، دارالكتاب ديوبند ص: ٤٢٤، قديم، ص: ٢٣١)

وتعتبر نية الإقامة والسفر من الأصل دون التبع، كالمرأة. (كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب المسافر، مكتبه مجتبائي ديوبند ١ / ٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۳ھ

دوچار دن جائے ملازمت میں قیام کی صورت میں قصر کریں یا اتمام؟

سوال [۳۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ امامت بھی کرتا ہے، وہ یہاں سے مسافت سفر شرعی طے کرتا ہے، پھر واپسی میں یہاں دو چار دن ٹھہر کر مسافت سفر شرعی کا ارادہ رکھتا ہے، نیز وہ اہل وعیال والا ہے، مگر جائے ملازمت میں اہل وعیال کو نہیں رکھتا ہے، تو کیا اس حالت میں یعنی ان دو چار دنوں میں قصر کرے گا؟ بایں طور کہ وہ مسافر ہے، یا اتمام کرے گا، بایں طور کہ وہ مقیم ہے؟ مذکورہ سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔

المستفتي: محمد صابر مدرسہ دار العلوم فرقانیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آدمی کی جائے ملازمت وطن تأہل کے مرادف ہے، جو وطن اصلی کے حکم میں ہوتا ہے؛ لہٰذا وہ شخص ان چار دنوں میں اتمام کرے گا، اگر چہ پندرہ روز قیام کا ارادہ نہیں کیا ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/ ۳۱۰، ایضاح المسائل/ ٦٦)

إذا دخل المسافر بلدة له فيها أهل صار مقيما نوى الإقامة أو لا.

(فتاوى سراجية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۶۷)

جس بستی میں آئندہ رہنے کا ارادہ ہو اس میں قصر واتمام کا حکم

سوال [۳۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک گاؤں میں پیدا ہوا، نورانی قاعدہ حفظ قرآن کریم تک اپنے گاؤں کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی، پھر ایک بستی کے مدرسہ میں عربی سال ششم تک پڑھا، اس کے بعد مشکوۃ شریف ودورۂ حدیث شریف کے لئے ایک قصبہ میں رہا، فراغت کے بعد تین سال سے میں ایک مدرسہ میں پڑھانے کے کام پر لگا ہوا ہوں، میری ابھی شادی نہیں ہوئی ۲۲؍سال عمر ہے، گھر کی ملکیت زمین جائیداد وغیرہ سب میرے دادا یا والدصاحبان کے نام ہے، میرے والدین، بہن بھائی، دادا سب حیات ہیں، گھر کوئی ملکیت میری نہیں ہے، پندرہ بیس دن اور کبھی ماہ میں والدین وغیرہ سے ملنے خیر خبر کے لئے ایک دوشب گذارنے گھر جاتا ہوں، میں جس مدرسہ میں مقیم ہوں اس سے کچھ فاصلہ پر جنگل میں ایک بستی آباد ہونا شروع ہوئی ہے، میں نے پختہ ارادہ کیا ہے کہ شادی ہونے کے کچھ دن بعد اہل خانہ سے الگ اس نئی بستی میں پلاٹ خرید کر مستقل طور پر اپنی رہائش گاہ بناؤں گا، سردست میرے پاس اتنی رقم نہیں کہ جس سے پلاٹ خرید سکوں، ہاں وسعت ہونے پر آئندہ خریدنے کا عزم پختہ ہے، اب ضروری سوال یہ ہے کہ سفر شرعی سے واپس ہونے پر اس نئی بستی میں پہنچنے کے بعد مسافر ہی رہوں گا یا مقیم ہوجاؤں گا؟ اہل خانہ سے ایک روپیہ کا بھی سوال یا امید نہیں، اللہ تعالیٰ کی نعمت، نہ ملے مضائقہ نہیں کسی وجہ سے مدرسہ میں بھی رہائش میری نہیں رہتی تب بھی میں یہیں رہوں گا، کرایہ کے مکان میں رہوں گا، امید کہ حکم شرع سے مجھے آگاہ فرما کرممنون فرمائیں گے۔

المستفتي: میرزاہد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی ہونے کے بعد مستقل طور پر رہنے کا پختہ ارادہ ہے اس کی تکمیل شادی کے بعد ہی ہوسکتی ہے اور ابھی شادی سے قبل آبائی وطن کا ترک نہیں ہوا ہے؛ اس لئے آئندہ کی رہائش کا ارادہ کافی نہیں؛ بلکہ ارادہ پر عمل بھی لازم ہے؛ لہٰذا جب شادی کے بعد وہاں مستقل رہائش شروع کردیں گے، تب وہ آپ کا وطن شمار ہوسکتا ہے، اس سے قبل نہیں؛ اس لئے فی الحال آپ وہاں نصف شہر سے کم قیام کی صورت میں مسافر ہی شمار ہوں گے۔

إذا المعتبر الأهل دون الدار كما لو تأهل ببلدة واستقرت سكنا له، وليس له فيها دار، وقوله: فلو كان له أبوان ببلد غير مولده، وهو بالغ ولم يتأهل به، فليس ذلک وطنا له إلا إذا عزم على القرار فيه، وترک الوطن الذي كان له قبله. (شامي، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ووطن الإقامة، زكريا ٢/ ٦١٤، كراچی ٢/ ١٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۹/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۹/۲۳ھ

وطن تأہل میں قصر واتمام کا حکم

سوال [۳۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کی شادی دہلی میں ہوئی وہ خود لکھنو کا رہنے والا ہے اور دہلی میں بیوی کا ذاتی مکان ہے۔ اور زید نے اس بیوی کو دہلی ہی میں رکھ رکھا ہے، مگر زید کا قیام دہلی میں مستقل نہیں ہے اور بیوی کا قیام دہلی میں مستقل ہے۔ اور زید مہینہ میں یا پندرہ دن میں بیوی کے پاس دو تین دن کے لئے جاتا ہے، اس کے بعد لکھنو چلا جاتا ہے اور لکھنو دہلی کے درمیان

تقریباً پانچ سوکلومیٹر کا فاصلہ ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زید اپنی بیوی کے پاس تین دن کے لئے جائے گا، تو اس دوران نمازوں کی قصر کرے گا یا اتمام؟

(۲) اگر زید نے بیوی کو دہلی میں نہیں رکھا؛ بلکہ رخصت کر کے اپنے گھر لکھنو میں لے آیا اور بیوی کی رہائش مستقل زید کے ساتھ لکھنو میں ہوگی، اس کے بعد زید کبھی کبھی اپنی بیوی کے ساتھ یا تنہا سسرال دہلی پہنچتا ہے اور دو تین دن قیام کرتا ہے، تو ایسی صورت میں دوران قیام زید قصر کرے گا یا اتمام؟

(۳) حدیث پاک "**من تأهل ببلدة فهو منها**" کا مطلب کیا ہے؟ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں اتمام کیوں فرماتے تھے؟ حدیث فقہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتي: محمد قمر عالم بجنوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نمازوں کے اتمام اور قصر کا مدار وطن کے اعتبار سے ایک اصول پر ہے، اصول یہ ہے کہ وطن تأہل کا وطن اصلی کے حکم میں ہونا بیوی کی مستقل رہائش پر موقوف ہے، مرد نے جہاں شادی کی ہے، اگر بیوی کو شادی کے بعد مستقل وہاں رکھ چھوڑا ہے اور وقتاً فوقتاً بیوی کے پاس پندرہ دن سے کم کے لئے پہنچتا ہے، تو شوہر کے لئے نمازوں کا اتمام کرنا لازم اور واجب ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں جب زید لکھنو سے دو تین دن کے لئے بیوی کے پاس دہلی میں قیام کرے گا تو دوران قیام زید پر نمازوں کا اتمام کرنا لازم اور ضروری ہے؛ اس لئے کہ زید کی بیوی کا مستقل قیام دہلی ہی میں ہے، اسی طرح اگر زید نے ایک شادی دہلی میں کر کے بیوی کو مستقل طور پر دہلی میں رکھ چھوڑا اور دوسری شادی بنارس میں کر کے اس کو مستقل بنارس ہی میں رکھ چھوڑا اور اس کا خود اپنا قیام لکھنو میں ہے اور لکھنو سے دونوں بیویوں کے پاس جاتا رہتا ہے، تو ایسی صورت میں زید پر دونوں جگہ اتمام کرنا لازم ہوگا۔

(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۴/۴۸۲، ۴۶۶، امدادالفتاویٰ ۱/۵۶۳، بہشتی زیور ص: ۵۰، مسئلہ: ۲۱، فتاویٰ محمودیہ

۲/۰۷-۲۷۰،۱۴/ ۲۲۸، فتاوی رحیمیہ ۵/۱۰۰، ایضاح المسائل/ ۶۸، امداد الاحکام ۲/ ۳۰۸)

وإن كـان ذلك وطنـا أصـليا بأن كان مولده، وسكن فيه أو لم يكن مـولـده، ولـكـنـه تأهل به وجعله دارا يصير مقيما بمجرد العزم إلى الوطن؛ لأنـه رفـض سـفـره قبـل الاستحكام حيث لم يسر ثلاثة أيام ولياليها، فيعود مقيما يتم صلاته إلى الوطن. (خانية على الهندية، الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ١/ ١٦٥، جديد ١/ ١٠٤، هكذا في البحر، الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ٢/ ١٣٦، زكـريـا ٢/ ٢٣٩، تاتار خانيه، الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٥١١، رقم: ٣١٥٢، قديم ٢/ ١٩، شامي، الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچى ٢/ ١٣٢-١٣١، زكريا ٢/ ٦١٤)

ولو كان ببلدتين فأيتهما دخل صار مقيما. (حواله بالا)

(۲) اوراگر شادی کرنے کے بعد بیوی کو وہاں نہیں چھوڑا؛ بلکہ رخصت کرکے اپنے ساتھ لے آیااس کے بعد پندرہ دن سے کم کے لئے جب بیوی کے ساتھ یا تنہا سسرال جائے گا تو وہاں اتمام جائز نہ ہوگا؛ بلکہ قصر کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم۴/۴۸۲، امداد الاحکام ۲/ ۳۰۸-۳۱۱)

حتـى إذا انتقل من البلد الذي تأهله به أهله وعياله، وتوطن ببلدة أخـرى لا يبـقـى البلد المنتقل عنه وطنا له. (البـحـر الرائق، الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ٢/ ١٣٦، زكريا ٢/ ٢٣٩، تاتارخانية، الصلاة باب صلاة السفر ٢/ ٥١١، رقـم: ٣١٤٩، قـديـم ٢/ ١٩، طـحـطاوي على المراقي، الصلاة، باب صلا المسافر، مكتبه أشرفيه/ ٤٢٩)

(۳) حدیث پاک میں ''**مـن تـأهـل ببلدة فهو منها**'' الحدیث کامطلب یہ ہے کہ جس شخص نے کسی شہر یا دیار میں شادی کرکے بیوی کو وہاں رکھ چھوڑا، اسی طرح کسی شہر و دیار میں ملازمت یا کسی اور غرض سے اہل وعیال کے ساتھ رہائش اختیار کر لی ہے، تو وہ شہر و دیار اس شخص کے حق میں وطن اصلی کا حکم رکھتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مکۃ المکرّمہ میں ایک شادی کرکے بیوی کو چوں کہ وہیں رکھ چھوڑا تھا اور بیوی کی

مستقل رہائش مکہ ہی میں باقی رکھی تھی؛ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مکہ پہنچتے تھے تو نمازوں کا اتمام فرمایا کرتے تھے گرچہ ان کا ارادہ مدت اقامت سے کم قیام کا رہا ہو، ایسا نہیں ہے کہ صرف شادی کی ہو اور بیوی کو وہاں مستقل نہ رکھنے کے باوجود اتمام کیا ہو، اس موضوع پر مبسوط فتویٰ ''امداد الاحکام'' -۳۱۱/ پر ہے:

حدثنا عبدالله، حدثنى أبي، حدثني أبو سعيد يعنى مولى بني هاشم، حدثنا عكرمة بن إبراهيم الباهلي، حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن بن أبي ذباب عن أبيه أن عثمان بن عفان –رضي الله عنهما– صلى بمنى أربع ركعات، فأنكره الناس عليه،فقال: يا أيها الناس! إني تأهلت بمكة منذ قدمت، وإنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من تأهل ببلدة، فليصل صلاة المقيم. (مسند أحمد ١/ ٦٢، مجمع الزوائد، الصلاة، باب فيمن سافر، فتأهل في بلد، بيروت ٢/ ١٥٦، إعلاء السنن، الصلاة، باب إذا تزوج المسافر في بلد وله فيه زوجة الخ، بيروت ٧/ ٣١١، زاد المعاد ١/ ٤٧٠)

وفي زاد المعاد: أنه قد تأهل بمنى أو بمكة والمسافر إذا أقام في موضع، وتزوج فيه، أو كان له به زوجة أتم. (زاد المعاد، الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ١/ ٤٧٠، هكذا في إعلاء السنن ٧/ ٣١١، الصلاة، باب إذا تزوج المسافر في بلد وله فيه زوجة الخ، بيروت)

وفي كفاية على هامش فتح القدير: روى أنه كان لعثمان أهل بمكة وأهل بالمدينة، وكان يتم الصلاة بهما جمعيا. (كفاية كوئٹه ٢/ ١٦)

وهذا أصل فى هذه المسئلة. وفي البحر: روى أن عثمان –رضى الله عنه) كان حاجا يصلي بعرفات أربعا فاتبعوه فاعتذر، وقال: تأهلت بمكة، وقال النبي صلى الله عليه وسلم: من تأهل ببلدة فهو منها. (البحر الرائق، الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه، ٢/ ١٣٦، زكريا ٢/ ٢٣٩)

وفي إعلاء السنن: أن موطن التأهل ملتحق بالوطن الأصلي كما ورد

التصريح به في لفظ أبي يعلى، ونصه إذا تأهل المسافر في بلد فهو من أهله.
(الصلاة، باب إذا تزوج المسافر في بلد وله فيه زوجة، بيروت، ص: ۳۱۲)

وفي المحيط: إنما كانت وطنا بالأهل لا بالعقار. (البحر الرائق، الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۲۳۹، كوئٹه ۲/ ۱۳٦، تاتارخانية، الصلاة، باب صلاة السفر، زكريا ۲/ ٥۱۱، رقم: ۳۱٤۹، ۲/ ۱۹، شامي، الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچى ۲/ ۱۳۱، زكريا ۲/ ٦۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۶/ ۱۴۲۲ھ

سسرال کو وطن اصلی میں شامل کرنے کی تخصیص

سوال [۳۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سسرال کو وطن اصلی شمار کیا گیا ہے، مگر اس وقت جب کہ بیوی کو وہاں رکھے تو سوال یہ ہے کہ اس میں سسرال کی تخصیص کیا ہے؛ کیوں کہ بیوی جس جگہ بھی رکھی جائے تو وہ وطن اصلی بن جائے گا، پھر سسرال کو وطن اصلی میں شمار کرنے کی کیا وجہ ہے؟

المستفتي: محمد حسیب سمدھن فرخ آباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بات وہی ہے جو آپ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ہمیشہ کے لئے بیوی کو سسرال میں رکھنے کی وجہ سے سسرال وطن اصلی کے حکم میں ہوجاتا ہے، اسی طرح کسی دوسری جگہ بیوی کے ساتھ مستقل طور پر قیام کر لینے کی وجہ سے وہ بھی وطن اصلی کے حکم میں ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۶۶، امداد الاحکام ۱/ ۵۰۴)

والوطن الأصلي هو الذي ولد فيه الإنسان، أو تزوج فيه، أو لم

يتزوج ولم يولد فيه، ولكن قصد التعيش لا الارتحال عنه. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، دارالكتاب ديوبند، ص: ٤٢٩)

والوطن الأصلي هو موطن ولادته، أو تأهله أو توطنه. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٦١٤، كراچی ٢/ ١٣١، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مصري قديم ١/ ١٦٤، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٤٢، ٢٤٣، بدائع الصنائع، فصل في صلاة المسافر، الكلام في الأوطان، زكريا ١/ ٢٨٠، كراچی ١/ ١٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۸۴)

وطن تأہل جاتے ہی اتمام کرے گا

سوال [۳۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسافر ہے اور حالت مسافرت میں اس پر قصر لازم ہے اور وہ کسی مسجد کا امام ہے، وہ گھر سے جب آتا ہے، تو مسافر ہوجاتا ہے اور وہاں آنے کے بعد اس کو بمبئی سفر پر جانا ہے۔ اور اتنی مدت بھی نہیں کہ اقامت کی نیت کرسکے، مثلاً ایک ہفتہ کے بعد اس کو بمبئی جانا ہے اور پھر بمبئی سے آنے کے بعد اس کو گھر واپس جانا ہے اور وہ اپنی زبان سے کہتا ہے کہ مجھے ۵؍ یا دس دن میں گھر جانا ہے، ایسے کہتے کہتے ۱۵؍ یا بیس دن گذر جاتے ہیں اور وہ اس مدت میں عشاء، ظہر اور عصر کی نماز چار رکعت پڑھتا ہے، تو کیا یہ نماز صحیح ہوگی یا اس کا لوٹانا واجب ہوگا؟ مقتدی اور امام دونوں پر یا صرف مقتدی پر یا صرف امام پر؟ صحیح جواب سے نوازیں۔

المستفتي: محمد یاسین، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شخص مذکور بمبئی میں اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے، تو اگر بمبئی صرف ایک یوم کے لئے آتا ہے، تب بھی نماز پوری پڑھنا لازم ہوگا اور امام بن کر چار رکعت پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور اگر بلا بیوی کے تنہا رہتا ہے، تو پندرہ روز سے کم قیام کا ارادہ ہو تو بمبئی میں قصر کرنا ہوگا۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/ ۳۳۷)

عن عبدالرحمن بن أبي ذباب أن عثمان بن عفان صلى بمنى أربع ركعات، فأنكره الناس عليه، فقال: يا أيها الناس! إني تأهلت بمكة منذ قدمت وإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من تأهل في بلد فليصل صلاة المقيم. (مسند أحمد بن حنبل ١/ ٦٢، رقم: ٤٤٣)

وكذا إذا دخل وطنه الأصلي أو مصرا صار وطنا له، بأن كان اتخذ فيه أهلا صار مقيما، وإن لم ينو الإقامة. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، زكريا ٢/ ٥١٠، رقم: ٣١٤٣)

والوطن الأصلي: هو موطن ولادته، أو تأهله أو توطنه. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٦١٤، كراچی ٢/ ١٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۱۵)	۱۴۱۹/۱۱/۱ھ

متعدد شہروں میں شادی کر رکھی ہو تو ہر بیوی کے یہاں اتمام لازم

سوال [۳۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سرمایہ دار آدمی ہے، مرادآباد کا رہنے والا ہے، اس نے ایک شادی سہارن پور میں کی اور بیوی کو ایک مکان خرید کر دیا اور اس کو وہیں رکھا، دوسری شادی دلی میں کی اور وہاں ایک مکان لیکر بیوی کو وہیں رکھا، تیسری شادی ممبئی میں کی اور فلیٹ لے کر بیوی کو وہیں رکھا،

چوتھی کلکتہ میں کی اور وہاں مکان لے کر اس بیوی کو وہیں رکھا اور ہر بیوی کے پاس آتا جاتا رہتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ زید جو بیویوں کا دورہ کرتا ہے اور کسی کے پاس پندرہ یا اس سے زائد دن قیام نہیں کرتا ہے، تو وہ ان مقامات پر قصر کرے گا یا اتمام؟

المستفتي: محمد شعیب میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید جو سرمایہ دار اور مرادآباد کا رہنے والا ہے اور سہارنپور، دہلی، ممبئی اور کلکتہ میں شادیاں کر کے مکان لے کر اپنی بیویوں کو ان ہی مذکورہ مقامات میں رکھ رکھا ہے، تو وہ جب بھی اپنی کسی بیوی کے پاس جائے گا تو وہ اتمام کرے گا، خواہ پندرہ دن سے کم قیام کا ارادہ ہو؛ اس لئے کہ یہ سب مذکورہ مقامات اس کے لئے وطن تأہل ہیں، جو وطن اصلی کے درجہ میں ہوتے ہیں۔

إذا دخل المسافر بلدة له فيها أهل صار مقيما نوى الإقامة أولا. (سراجية، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٧٩)

وإن تأهل بهما كان كل واحد من الموضعين وطنا أصليا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٤٩٩، رقم: ٣١٠٨)

ولو كان له أهل في بلدتين، فأيتهما دخلها صار مقيما. (شامي، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ووطن الإقامة، كراچی ٢/ ١٣١، زكريا ٢/ ٦١٤، حلبي كبير، الصلاة، باب صلاة المسافر، أشرفيه ديوبند: ٥٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۲۸)

سنگاپور، امریکہ وغیرہ کی ہر بیوی کے پاس اتمام

سوال [۳۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: زید ایک سرمایہ دار اور قومی تاجر ہے، سنگاپور جاتا رہتا ہے، اس نے وہاں ایک شادی کرلی اور بیوی کو وہیں رکھا، جرمنی جاتا رہتا ہے، ایک شادی وہاں کرلی، اس کو وہیں پر رکھ رکھا ہے، امریکہ جاتا رہتا ہے، ایک شادی وہاں کرلی اس کو وہیں رکھ رکھا ہے، ہانگ کانگ جاتا ہے، ایک شادی وہاں کرلی اور اسے وہیں رکھ رکھا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جب یہ اپنی بیویوں کے پاس آتا جاتا رہے گا اور پندرہ دن سے کم قیام کرے گا، تو یہ قصر کرے گا یا اتمام؟

المستفتي: قاسم بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید مذکورہ چاروں مقامات پر اتمام کرے گا، خواہ پندرہ دن سے کم قیام کی نیت ہو؛ اس لئے کہ چاروں مقامات اس کے لئے وطن تأہل ہیں اور وطن تأہل وطن اصلی کے درجہ میں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس پر اتمام لازم ہوگا۔

إذا دخل المسافر بلدة له فيها أهل صار مقيما نوى الإقامة أولا.

(سراجية، مكتبه اتحاد ديوبند ١/ ٧٩)

وإن تأهل بهما كان كل واحد من الموضعين وطنا أصليا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٤٩٩، رقم: ٣١٠٨)

ولو كان له أهل في بلدتين، فأيتهما دخلها صار مقيما. (شامي، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ووطن الإقامة، كراچی ٢/ ١٣١، زكريا ٢/ ٦١٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۸/۴۰)

داماد سسرال میں قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال [۳۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: بعض کتب میں آیا ہے کہ داماد کو سسرال میں قصر کرنا ہے اور بعض مفتیان کرام کا کہنا ہے کہ اتمام کرے گا، صحیح مسئلہ کیا ہے؟ واضح کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داماد اپنی سسرال میں قصر کرے گا، الا یہ کہ پندرہ یا اس سے زائد دنوں کا قیام کا ارادہ ہو۔ اور بعض کتب میں جو لکھا ہے کہ اتمام کرے گا یہ اس وقت ہے جب کہ لڑکی ہمیشہ اپنے میکے ہی میں رہتی ہو، تو ایسی صورت میں داماد اپنی سسرال میں اتمام کرے گا؛ کیوں کہ اب سسرال کا علاقہ اس کے لئے وطن تأہل بن گیا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۶۷، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/ ۴۹۷، میرٹھ ۱۱/ ۶۱۱)

من خرج عمارة موضع إقامته قاصدا مسيرة ثلاثة أيام و لياليها صلى الفرض الرباعي ركعتين، حتى يدخل موضع مقامه، أو ينوي إقامة نصف شهر، فيقصر إن نوى في أقل منه، أي في نصف شهر. (شامي كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۱، زكريا ۲/ ۵۹۹-۶۰۰)

الوطن الأصلي: هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارا وتوطن بها مع أهله وولده، وليس من قصده الارتحال عنها، بل التعيش بها، وهذا الوطن يبطل بمثله لا غير. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۲۳۹، كراچی ۲/ ۱۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۷)

بیوی میکے میں قصر کرے گی یا اتمام؟

سوال [۳۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: سسرال میں اگر بیوی نہ ہو اور ساز وسامان نہ ہو تو جب شوہر وہاں مسافر ہو کر جائے گا، تو قصر کرنا لازم ہوگا؛ لیکن بیوی اپنے ماں باپ کے گھر جا کر قصر کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: ابوالکلام آزاد صدر مدرس مدرسہ اولیاء بھنگنا راوی، پوسٹ چولیا کاٹا، ضلع پرٹپا (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی میکے سے رخصت ہو کر شوہر کے یہاں چلی گئی ہے اور شوہر کے ساتھ شوہر کے وطن میں مستقل رہنے کا ارادہ ہے، تو جب اتفاقاً پندرہ روز سے کم مدت کے لئے میکے جائے گی تو قصر کرنا اس پر لازم ہوگا؛ اس لئے کہ وطن مولودی کی وطن تأہلی کی وجہ سے اصلیت باطل ہوگئی اور اصلیت وطن تأہلی میں منتقل ہوگئی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۳۸۸، بہشتی زیور ۲/ ۵۰)

الوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه يبطل بمثله. (الدرالمختار، باب صلاة المسافر، مطلب في الوطن الأصلي، ووطن الإقامة، زكريا ٢/ ٦١٤، كراچی ٢/ ١٣١)

وطن أصلي وهو مولد الرجل أو البلد الذي تأهل به، ويبطل الوطن الأصلي بالوطن الأصلي. (هندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٤٣، جديد ١/ ٢٠٢)

وطن أصلي: وهو مولد الرجل، والبلد الذي تأهل به ...... ومن حكم الوطن الأصلي أن ينتقض بالوطن الأصلي؛ لأنه مثله، والشيء ينتقض بما هو مثله. (الفتاوى التاتارخانية، الصلاة، الفصل الثاني و العشرون، في صلاة السفر، زكريا ٢/ ٥١٠، رقم: ٣١٤٤، ٣١٤٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۲ھ

لڑکی میکے میں قصر کرے گی یا اتمام؟

سوال [۳۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد (جو حیدرآباد کا مقیم ہے) کا نکاح ممبئی کی لڑکی سے ہوا، لڑکی جب اپنے والدین سے ملنے کے لئے میکے جاتی ہے اور مدت قیام ۱۵/ دن سے کم ہو تو قصر کرے گی یا مکمل ۴/ رکعت پڑھے گی۔ بینوا توجروا۔

المستفتي: محمد نذیر الدین حیدرآباد، تلگانہ اسٹیٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ممبئی کی لڑکی کا نکاح حیدرآباد میں خالد کے ساتھ ہوا ہے، تو اب لڑکی کے ماں باپ کا گھر اس کا اپنا گھر شمار نہ ہوگا، بلکہ اب اس کا وطن اصلی شوہر کے تابع ہوکر شوہر کا گھر ہوگا، اس لئے جب لڑکی حیدرآباد سے ممبئی ۱۵/ دن سے کم قیام کے ارادہ سے آئے گی تو اس پر قصر لازم ہوگا، یعنی چار رکعت والی نماز کو چار رکعت پڑھنا درست نہیں ہوگا۔

ومن حكم الوطن الأصلي أن ينتقض بالوطن الأصلي، وشيء ينتقض بما هو مثله. (تاتارخانية، زكريا ۲/ ۵۱۰، رقم: ۳۱۴۵، بهشتي زيور ۲/ ۵۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۱ھ

دولہن پہلی رات سسرال میں قصر کرے گی یا اتمام

سوال [۳۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی کی شادی مسافت سفر پر ہوئی، پہلی رات گزارنے کے بعد اسے میکہ آنا ہے، تو یہ لڑکی شوہر کے گھر پر قصر کرے گی یا اتمام؟

المستفتي: شعیب احمد میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں جس لڑکی کی شادی مسافت سفر پر ہوئی، پھر اس کو شوہر کے یہاں رات گزار کر میکہ آنا ہے، تو یہ لڑکی اس رات اتمام کرے گی؛ کیوں کہ اسے جو کل جانا ہے، وہ رسماً جارہی ہے، آئندہ اس کو ہمیشہ شوہر کے تابع ہوکر سسرال ہی میں رہنا ہے۔

وتعتبر نية الإقامة والسفر من الأصل كالزوج، والمولى، والأمير دون التبع كالمرأة والعبد والجندي، فالنية في السفر والإقامة نية من يليه كالمرأة مع زوجها. (فتاوی قاضی خان علی الهندية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ١/ ١٦٦، جديد ١/ ١٠٤)

وكل من كان تبعا لغيره يلزمه طاعته يصير مقيما بإقامته ومسافرا بنيته، وخروجه إلى السفر. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ١/ ١٤١، جديد ١/ ٢٠١)

ولا ينتقض الوطن الأصلي بوطن الإقامة، ولا بوطن السكنى؛ لأنهما دونه، والشيء لا ينسخ بما هو دونه. (بدائع الصنائع، صلاة المسافر، الكلام في الأوطان، قديم كراچی ١/ ١٠٤، زكريا ١/ ٢٨٠)

يبطل الوطن الأصلي بمثله لا السفر. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ٢/ ١٣٦، زكريا ٢/ ٢٣٩)

ولا ينتقض هذا الوطن بوطن السفر، ولا بوطن السكنى؛ لأن كل واحد منهما دونه، والشيء لا ينتقض بما هو دونه، وكذلك لا ينتقض بإنشاء السفر. (التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون، في صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٥١١، رقم: ٣١٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۶)

شوہر سسرال میں اتمام کرے گا یا قصر؟

سوال [۳۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسافر اگر اپنی سسرال جائے تو نماز پوری پڑھے گا یا قصر کرے، جب کہ سسرال ۴۸ میل سے زیادہ پر ہے، یعنی شرعی طور پر مسافر ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتي: محمد تحسین سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سسرال میں رہائش اختیار کرتا ہے اور بیوی کو مستقل وہاں رکھتا ہے، تو بالاتفاق سسرال میں قصر نہیں کرے گا۔ اور اگر بیوی کو سسرال میں نہیں رکھتا ہے؛ بلکہ اپنے وطن ہی میں بیوی کو لے آیا ہے اور وطن میں ہی مستقل رہائش کا ارادہ ہے، تو نصف ماہ سے کم کے ارادہ سے سسرال میں جانے کی صورت میں فقہاء واکابر اہل فتاوی کے درمیان اختلاف ہے، صاحب قاضی خان وصاحب غنیۃ المستملی شرح کبیری اور حضرت تھانوی علیہ الرحمہ اور صاحب فتاوی رحیمیہ کی رائے یہ ہے کہ شوہر پر قصر کرنا لازم ہوگا۔

علامہ شامی صاحب درمختار صاحب ''مجمع الانہر'' اور حضرت مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ''فتاوی دار العلوم'' کی رائے یہ ہے کہ سسرال میں ہر حال میں قصر ہی کرے گا۔

اسی کو شامی اور درمختار میں زیادہ راجح قرار دیا ہے۔ اور بعد میں کبیری اور رافعی نے بھی اسی کو اوجہ نقل فرمایا ہے۔ (امداد الفتاوی ۱/ ۳۷۶، فتاوی رحیمیہ ۵/ ۱۰، فتاوی محمودیہ ۲/ ۲۶۹)

أو موضع تأهل به، ومن قصده التعيش لا الارتحال عنه. (كبيري، الصلاة، صلاة المسافر، سهيل اكيڈمی /٥٤٤، مكتبه رحيميه قديم: ص: ٥٠٥)

تأهل به وجعله دارا يصير مقيما. (فتاوى قاضي خان، الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ١/ ١٦٥، جديد ١/ ١٠٤)

تزوج المسافر ببلد صار مقيما على الأوجه، وفي الشامي: أي بنفس التزوج وإن لم يتخذه وطنا أو لم ينوى الإقامة خمسة عشر يوما. (الدرالمختار مع الشامي، الصلاة، باب صلاة المسافر، قبيل باب الجمعة، زكريا ٢/ ٦١٩، كراچی ٢/ ١٣٥، رافعي، الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ١١٠، كراچی ٢/ ١١٠، مجمع الأنهر، الصلاة، باب صلاة المسافر، بيروت ١/ ٢٣٤، كبيري، الصلاة، باب صلاة المسافر، سهيل اكيڈمی/ ٥٤٤، ٥٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۱۰/۲۴)

مسافر کے لئے جمعہ کی امامت

سوال [۳۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مسافر حالت سفر میں نماز جمعہ کی امامت کرسکتا ہے؟

المستفتي: حافظ رضوان صاحب، امام وخطیب مسجد اسلام پورہ عثمان آباد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین قسم کی نمازوں میں سفر اور حضر کی وجہ سے کسی قسم کا فرق نہیں آتا ہے: فجر کی نماز، مغرب کی نماز اور جمعہ کی نماز۔ یہ تین نمازیں مسافر اور مقیم دونوں قسم کے لوگوں کے حق میں یکساں اور برابر رہتی ہیں؛ اس لئے ان تین قسم کی نمازوں میں مسافر امام بن کر کے نماز پڑھا سکتا ہے؛ لہٰذا جمعہ کی نماز میں مسافر کے لئے امامت کرنا بلاشبہ جائز ہے اور اس کے پیچھے مسافر ومقیم ہر طرح کے لوگ اقتداء کرسکتے ہیں، ہاں البتہ چار رکعت والی نماز میں مسافر اگر امام بنے تو مقیم مقتدیوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ اپنی بقیہ نماز

لاحق کی طرح بغیر قراءت کے مکمل کریں۔

یجوز للمسافر والعبد والمريض أن يؤموا في الجمعة كذا في القدوري. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ١/ ١٤٨، جديد ١/ ٢٠٩)

ولا قراءة على المقتدي في بقية صلاته إذا كان مدركا، أي لا يجب عليه؛ لأنه شفع أخير في حقه. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، اقتداء المقيم بالمسافر، كراچی قدیم ١/ ١٠٢، زكريا ١/ ٢٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ؍شعبان ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۵ھ

مسافر کا جمعہ کی امامت کرنا

سوال [۳۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسافر پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، اگر کوئی مسافر جمعہ کی امامت کرلے، تو مقیم کی نماز ادا ہوجاتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

المستفتي: عبدالرحیم بن محمود رنگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافر کے لئے جمعہ ترک کرنے کی رخصت ہے اور پڑھنا عزیمت ہے، اس کو ترک جمعہ کی اجازت ورخصت اس لئے دی گئی ہے، تاکہ پریشانی میں نہ پڑے؛ لیکن اس نے خود عزیمت پر عمل کرکے جمعہ پڑھ لیا، تو اس کی نماز صحیح ہوگئی۔ اور جب خود اس کی نماز صحیح ہوگئی ہے، تو اس کی امامت بھی صحیح ہوجائے گی، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال جمعہ کی نماز پڑھائی ہے، حالانکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم

مسافر تھے۔

عن عمران بن حصين -رضي الله عنه- قال: غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، وشهدت معه الفتح، فأقام بمكة ثماني عشرة ليلة لا يصلي إلا ركعتين يقول: يا أهل البلد! صلوا أربعا، فإنا قوم سفر. (سنن أبي داؤد، الصلاة، باب متى يتم المسافر، النسخة الهندية ۱/ ...... دارالسلام، رقم: ۱۲۲۹، مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۴۳۰، رقم: ۲۰۱۰۵، ۴/ ۴۳۲، رقم: ۲۰۱۱۹)

ولنا ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه صلى الجمعة بالناس عام فتح مكة وكان مسافرا. (بدائع الصنائع، فصل في بيان شرائط الجمعة، كراچی ۱/ ۲۶۲، ۱/ ۵۸۸، فتاوي عالمگيری، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ۱/ ۱۴۵، جديد ۱/ ۲۰۹، شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة كراچی ۲/ ۱۵۵، زكريا ۳/ ۳۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۷/ ۲۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۸/۱۴۱۹ھ

مسافر کے چار رکعت والی نماز پڑھانے کا حکم

سوال [۳۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے سابق امام صاحب جو ضلع بجنور میں کسی جگہ کے رہنے والے ہیں، جو فی الحال دہلی میں رہتے ہیں، جب کہ ان کے بیوی بچے ضلع بجنور میں ہی مقیم ہیں۔ حضرت امام صاحب ہفتہ یا دو ہفتہ میں دہلی سے مرآباد تشریف لاکر ہماری مسجد میں نماز جمعہ پڑھاتے ہیں، اور اگر ایک دن یا دو دن مرادآباد ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز عصر وعشاء وغیرہ بھی پڑھا دیتے ہیں، جب کہ مسجد میں موجود امام صاحب بھی موجود رہتے ہیں، آیا مذکورہ صورت میں

امام صاحب مقیم ہوں گے یا مسافر؟ اور ان کے لئے نماز جمعہ پڑھانا اور چار رکعت والی نماز پڑھانا کیسا ہے؟ واضح ہو کہ امام صاحب مراد آباد میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کرتے، ایک دن یا دو دن میں دہلی واپس ہو جاتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتي: از مصلیان مسجد احمدی محلّہ مقبرہ باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جس سابق امام صاحب کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اگر شہر بجنور کا رہنے والا ہے، تو شہر بجنور مراد آباد سے مسافت شرعی کی دوری پر ہے یا ضلع بجنور میں ایسی جگہ کا رہنے والا ہے جو جگہ شہر مراد آباد سے ۸۲/ یا ساڑھے ۸۲/کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے اور وہاں سے مراد آباد ایک دو دن کے لئے آ کر چار رکعت والی نماز پڑھاتا ہے اور چار ہی رکعت پڑھاتا ہے، تو اس امام صاحب کے لئے چار رکعت والی نماز کی امامت جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں سب لوگوں پر نماز کا اعادہ لازم ہو جائے گا اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس امام کو مراد آباد سے بجنور ہی واپس ہونا ہو اور اگر بجنور سے دہلی جانے کا ارادہ ہو اور درمیان میں چند روز یا پندرہ دن سے کم مراد آباد میں رکنے کا ارادہ ہو تو ضلع بجنور کے کسی بھی خطہ کا رہنے والا کیوں نہ ہو، چاہے مراد آباد سے ۳۰/۴۰/کلو میٹر کے فاصلہ سے دہلی کے لئے روانہ ہوا ہو تو اس کے لئے مراد آباد میں پندرہ دن سے کم قیام کے ارادہ سے ٹھہرنے کی صورت میں چار رکعت والی نماز کی امامت چار رکعت کے ساتھ کرنا جائز نہیں ہے، تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اور امام کی نماز واجب الاعادہ ہو جائے گی، اسی طرح اگر دہلی سے بجنور کے ارادہ سے سفر کے دوران مراد آباد میں دو چار دن کے لئے ٹھہرنا ہو تب بھی چار رکعت والی نماز کی امامت جائز نہیں، ہاں البتہ جمعہ کی امامت اور مغرب وفجر کی امامت بلا کراہت جائز و درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۷/۲۶۴، فتاوی دار العلوم ۴/ ۴۵۱)

فلو أتم المقيمون صلاتهم معه، فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمنتقل. (شامي، كتاب الصلاة، باب المسافر، كراچی ۲/ ۱۳۰، زكريا ۲/ ۶۱۲)

هذا إذا قام إلى الثالثة على ظن أنه مقيم، أما إذا قام قاصدا، فإنه يجب عليه القضاء. (تقريرات رافعي ملحقه شامي زكريا ۲/ ۱۰۸)

ويجوز للمسافر والعبد والمريض أن يؤموا في الجمعة. (عالمگیری، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ۱/ ۱۴۸، جديد ۱/ ۲۰۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر شعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۶۷۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۸/۱۹ھ

مسافر امام نے مقیم مقتدیوں کو چار رکعت پڑھادی

سوال [۳۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مسافر تھا، اس کو امام بنا دیا گیا، اس نے دو رکعت پڑھانے کے بجائے چار رکعت پڑھا دی، تو ایسی صورت میں مقیم مقتدیوں کا کیا حکم ہے؟ اور مسافر مقتدیوں کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے مسافر ہونے کی حالت میں امام بن کر دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھادی اور مقتدیوں میں بعض مسافر اور بعض مقیم ہیں، تو زید اور مسافر مقتدیوں کا فرض ادا ہوگیا؛ لیکن تاخیر واجب کی وجہ سے سجدۂ سہو لازم ہے، اگر سجدہ سہو نہ کیا تو وقت کے اندر اعادہ لازم ہوگا اور وقت کے بعد اعادہ کا حکم نہ ہوگا؛ البتہ مقیم مقتدیوں کی نماز

باطل ہوگئی؛ کیوں کہ آخری دورکعتوں میں اقتداء المفترض بالمتنفل لازم آرہا ہے، جو کہ وجہ فساد ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ۷/۵۱۱)

فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، أي إذا قصدوا متابعته. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۳۰، زكريا ۲/ ۶۱۲، منحة الخالق، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۲۳۸، كوئٹه ۲/ ۱۳۵)

والوجوب مقيد بما إذا كان الوقت صالحا حتى أن من عليه السهو في صلاة الصبح إذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول يسقط عنه السجود. (هندية، الباب الثالث عشر في سجود السهو ۱/ ۱۲۵، جديد ۱/ ۱۸۵، التاتارخانية، الفصل الثاني والعشرون في صلاة السفر، زكريا ۲/ ۴۲۳، رقم: ۲۸۵۵)

إذا صلى المسافر أربع ركعات ولم يقعد في الأوليين فسدت صلاته؛ لأنه ترك الفرض، فإن قعد قدر التشهد تمت صلاته وقد أساء بتأخير السلام عن محله. (الولوالجية ۱/ ۱۳۳)

فإن صلى أربعا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته، والأخريان نافلة ويصير مسيئا لتأخير السلام، وإن لم يقعد في الثانية قدرها بطلت. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ۱/ ۱۳۹، جديد ۱/ ۱۹۹)

فلو أتم المسافر بأن صلى أربعا إن قعد في آخر الركعة الثانية قدر التشهد صحت فريضته، والزائد نفل، كالفجر وأساء؛ لأن فرضه ثنتان، والقعدة الأولى فرض عليه؛ لأنها آخر صلاته، فإذا وجدت يتم فرضه، ولكنه أساء لتأخير السلام. (مجمع الأنهر، باب صلاة المسافر، مكتبه فقيه الأمت ديوبند ۱/ ۲۳۹- ۲۴۰)

إذا صلى المسافر أربع ركعات ولم يقعد في الأوليين فسدت صلاته؛ لأنه ترك الفرض، فإن قعد قدر التشهد تمت صلاته، وقد أساء

بتأخير السلام عن محله. (الولوالجية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني عشر في السفر و سجدة التلاوة، مكتبه دارالإيمان سهارنپور ۱/ ۱۳۳)

وإن أتم فإن قعد في الثانية قدر التشهد أجزأته، والأخريان نافلة له، ويصير مسيئا لتأخير السلام. (غنية المستملي، فصل في صلاة المسافر، أشرفيه ديو بند ۵۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۸۴)

مسافر امام نے چار رکعت پڑھادی

سوال [۳۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مسافر تھا، اس کو امام بنادیا گیا، اس نے دو رکعت کے بجائے چار رکعت نماز پڑھادی اوراس کی اقتداء کرنے والے لوگ مقیم تھے، تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے حالت سفر میں چار رکعت نماز پڑھادی اور مقتدی مقیم تھے، تو زید کا فرض ادا تو ہوگیا؛ لیکن تاخیر واجب کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہے، اگر سجدہ سہو نہ کیا تو گنہگار ہوگا اور مکافات کے لئے وقت کے اندر اعادہ لازم ہے۔ اور وقت گذر جانے کے بعد اعادہ کا حکم ختم ہوجاتا ہے۔ اور مقیم مقتدیوں کی نماز باطل ہوگئی؛ کیوں کہ آخری دو رکعت میں "اقتداء المفترض بالمتنفل" لازم آرہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، ڈابھیل ۷/ ۵۱۱)

فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت، لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، أي إذا قصدوا متابعته. (شامي، باب صلاة المسافر، کراچی ۲/ ۱۳۰، زکریا ۲/ ۶۱۲)

فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولى تم فرضه لكنه أساء لو عامدا لتأخير السلام. (شامي، باب صلاة المسافر، کراچی ۲/ ۱۲۸، زکریا ۲/ ۶۰۹)

والوجوب مقيد بما إذا كان الوقت صالحا حتى أن من عليه السهو في صلاة الصبح إذا لم يسجد حتى طلعت الشمس بعد السلام الأول يسقط عنه السجود. (هندية، الباب الثالث عشر في سجود السهو، زكريا قديم ١/ ١٢٥، جديد ١/ ١٨٥)

فرض المسافر في كل صلاة رباعية ركعتان لا تجوز له الزيادة عليهما عمدا، ويجب سجود السهو إن كان سهوا، فإن أتم الرباعية وصلى أربعا، وقد قعد في الركعة الثانية مقدار التشهد أجزأته الركعتان عن فرضه وكانت الركعتان الأخريان له نافلة، ويكون مسيئا. (الفقه الإسلامي وأدلته، صلاة المسافر، حكم القصر أو هل القصر رخصة أو عزيمة، مطبع هدی انٹر نیشنل دیوبند ۲/ ۲۸٤)

فلو أتم المسافر بأن صلى أربعا إن قعد في آخر الركعة الثانية قدر التشهد صحت فريضته، والزائد نفل كالفجر وأساء؛ لأن فرضه ثنتان، والقعدة الأولى فرض عليه؛ لأنها آخر صلاته، فإذا وجدت يتم فرضه، ولكنه أساء لتأخير السلام. (الولوالجية ١/ ١٣٣، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر جديد دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٣٩-٢٤٠)

فإذا أتم الرباعية والحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد صحت صلاته لوجود الفرض في محله، وهو الجلوس على الركعتين، وتصير الأخريان نافلة له مع الكراهة لتأخير الواجب، وهو السلام عن محله إن كان عامدا، وإن كان ساهيا يسجد للسهو. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب صلاة المسافر، دارالكتاب ديوبند ٤٢٥، فيصل ١٦٤)

وإن أتم فإن قعد في الثانية قدر التشهد أجزأته، والأخريان نافلة له، ويصير مسيئا لتأخير السلام. (غنية المستملي، كتاب الصلاة، فصل في صلاة

التراویح، أشرفیه دیوبند ۵۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۸۴)

مسافر امام کا مقیم مقتدیوں کو رباعی نمازیں پڑھانا

سوال [۳۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسافر امام مقیم مقتدیوں کو متعدد رباعی نمازیں پڑھا چکا ہے، آیا وہ واجب الاعادہ ہیں یا ہوگئیں؟ نیز اگر عمداً پڑھائے یا نسیاناً پڑھائے، دونوں کا حکم ایک ہوگا یا جدا جدا؟

المستفتي: مولانا عبدالناصر مدرس مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں امام کی نمازیں کراہت تحریمی کے ساتھ صحیح ہوگئیں وقت کے اندر اندر اعادہ کرنا لازم تھا، وقت گذر جانے کے بعد اعادہ لازم نہیں، جتنی رباعی نمازوں میں مقیم مقتدیوں نے اس امام کے پیچھے اقتداء کی ہے وہ تمام نمازیں ان مقیم مقتدیوں کی فاسد ہوگئیں اوران مقتدیوں پر پڑھی گئیں تمام رباعی نمازیں لوٹانا واجب ہے۔ اور امام پر لازم ہے کہ معلوم ہونے کے بعد مقتدیوں میں نمازوں کے اعادہ کا اعلان کردے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/ ۴۸۱)

لو اقتدی مقیمون بمسافر وأتم بهم بلا نية إقامة وتابعوه فسدت صلاتهم؛ لكونه متنفلا في الأخريين. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإقامة، قبيل مطلب في الألثغ، زكريا ۲/ ۳۲۷، كراچی ۱/ ۵۸۱)

فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۶۱۲، كراچی

۲/ ۱۳۰، منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كوئٹه ۲/ ۱۳۵، زكريا ۲/ ۲۳۸)

كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، والمختار أنه جابر للأول؛ لأن الفرض لا يتكرر. (درمختار مع الشامي، الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها، زكريا ۲/ ۱٤۸، کراچی ۱/ ٤٤۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۱۶ھ

مسافر کا مقیمین کو نماز عشاء چار رکعت پڑھانے کا حکم

سوال [۳۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک امام کو بات طے کئے بغیر لایا گیا اور وہ مسافر تھا، ان کا تین روز سے زیادہ قیام کا ارادہ بھی نہیں تھا، انہوں نے عشاء کی نماز چار رکعت پڑھائی، نماز ہوگئی یا نہیں؟ اور وتر بھی ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافر امام کی اقتداء میں اگر مقتدیوں نے عشاء کی چار رکعت نماز پڑھ لی تو مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگئی اور اس کا اعادہ لازم ہے۔ اور امام کی دو رکعت نماز فرض کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہوگئی، بشرطیکہ وہ قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بقدر بیٹھا ہو۔ امام اور مقتدی سب کی وتر کی نماز صحیح ہوگئی؛ کیوں کہ وتر مستقل نماز ہے۔

وفي الشامي تحت قوله: لم يصر مقيما، فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة

المسافر، زکریا ۲/ ۶۱۲، کراچی ۲/ ۱۳۰، منحة الخالق، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، کوئٹه ۲/ ۱۳۵، زکریا ۲/ ۲۳۸)

لو اقتدى مقيمون بمسافر، وأتم بهم بلا نية إقامة وتابعوه فسدت صلاتهم؛ لكونه متنفلا في الأخريين. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإقامة، قبيل مطلب في الألثغ، كراچی ۱/ ۵۸۱، زكريا ۲/ ۳۲۷)

لو صلى العشاء بلا وضوء والوتر والسنة به يعيد العشاء والسنة لا الوتر؛ لأنه أداه ناسيا أن العشاء في ذمته، فسقط الترتيب. (شامي، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، كراچی ۲/ ۶۸، زكريا ۲/ ۵۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۶۳)

مسافر کا ظہر چار رکعت ادا کرنا

سوال [۳۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مسافر ظہر کی نماز چار رکعت کی نیت سے ادا کر رہا ہو؛ لیکن پھر تیسری رکعت میں قصر کرنا یاد آیا، یا چوتھی رکعت میں یاد آیا تو اب وہ کیا کرے گا؟

المستفتي: محمد راشد بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: جب مسافر شخص نے دو رکعت پر قعدہ کرلیا ہے اور پھر اس کے بعد تیسری رکعت پڑھنے کے دوران یاد آیا کہ مجھے قصر کرنا تھا، تو فوراً قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سجدہ سہو کے ذریعہ سلام پھیر دے اور اگر چوتھی رکعت میں یاد آیا ہے، تو ایسی صورت میں چوتھی رکعت مکمل کرے اور قعدۂ اخیرہ میں سجدۂ سہو بھی کرلے تو نماز درست ہو جائے گی،

دو رکعت فرض اور دو رکعت اضطراری طور پر نفل میں شمار ہوگی۔

الذخيرة: مسافر تشهد بعد ما صلى ركعتين من الظهر، ثم قام يريد أن يصلي ركعتين تمام أربع ركعات فنوى بهما التطوع، فركع ثم بدت له الإقامة، قال: ينبغي أن يجلس فيعود إلى الحالة التي كان عليها قبل أن يقوم للتطوع؛ لأن التحريمة الأولى باقية، وقد انعقدت قابلة للتغير لوجود المغير، وقد وجد فتغيرت، فيعود إلى الحالة التي كان عليها قبل أن يقوم للتطوع ليؤدي على الوجه الذي لزمته في الابتداء، ثم يقوم، فإن شاء قرأها، وإن شاء لم يقرأ؛ لأنه قرأ في الأوليين، ثم يركع. الخ (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۵۱۸، ۵۱۹، رقم: ۳۱۷۵)

ولو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولى، تم فرضه، ولكنه أساء. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۶۰۹، كراچی ۲/ ۱۲۸)

فإن صلى أربعا وقعد في الثانية قدر التشهد أجزأته، والأخريان نافلة له، ويصير مسيئا لتأخير السلام. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا قديم ۱/ ۱۳۹، جديد ۱/ ۱۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۳۶)	۱۴۳۴/۵/۲۲ھ

دوران سفر نماز عصر چار رکعت ادا کرنا

سوال [۳۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسافر ہے، حالت سفر میں عصر کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھ لی اور دو رکعت پر قعدہ بھی کرلیا ہے اور آخر میں سجدہ سہو کر کے نماز پوری کرلی، تو یہ بات معلوم

ہے کہ اگر مسافر نے دورکعت کے بجائے چاررکعت پڑھ لی ہے اور دورکعت پر قعدہ بھی کرلیا ہے، تو سجدہ سہو کے ساتھ اس کی نماز مکمل ہوگئی اور اخیر کی دورکعت اس کے حق میں نفل ہوجائے گی ، یہاں پرسوال یہ ہے کہ عصر کے بعد نفل مکروہ ہے،تو سجدہ سہو کے ساتھ اس مسافر کی آخری دورکعت جونفل ہوئی ہے،تو یہ کراہت کے ساتھ ہوئی یا بلا کراہت درست ہوگئی ؟واضح فرمائیں۔

المستفتي: مفتی عبدالجلیل صاحب ناظم اوقاف مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافر نے جوعصر کی نماز دورکعت کے بجائے چاررکعت پڑھ لی ہے اور دورکعت پر قعدہ بھی کرلیا ہے اور سجدہ سہوکر کے نماز پوری کرلی ہے تواس کی نماز درست ہوگئی ہے، اب رہی یہ بات کہ عصر کی فرض نماز کے بعد نفل نماز مکروہ ہے، یہ اس وقت مکروہ ہوتی ہے جب کہ بالقصد پڑھی جائے اور بھول ونسیان اور بلا قصد پڑھنے میں مکروہ نہیں ؛اس لئے مسافر مذکور کی نماز بلا کراہت درست ہوگئی۔اسی طرح فجر کی فرض نماز کے بعد نفل پڑھنا سب کے نزدیک مکروہ ہے؛لیکن اگر کسی شخص نے بھول ونسیان میں فجر کی نماز دورکعت کے بجائے چاررکعت پڑھ لی اور درمیان میں قعدہ کرلیا ہے،تو اس کی پہلی دورکعت فرض ہوگئی اوراخیر کی دورکعت نفل ہوگئی اوراس کی یہ نماز بلا ارادہ بھول ونسیان کی وجہ سے بلا کراہت درست ہوگئی،جوحسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

وضم إليها سادسة لو في العصر، وتحته في الشامية: أشار إلى أنه لا فرق في مشروعية الضم بين الأوقات المكروهة وغيرها، لما مر أن التنفل فيها إنما يكره لو عن قصد وإلا فلا وهو الصحيح، وعليه الفتوى، وإلى أنه كما لا يكره في العصر لا يكره في الفجر. (شامي، زكريا ديوبند، باب سجود السهو ۲/ ۵۵۳، کراچی ۲/ ۸۷)

ویکره التنفل بعد صلاة الفجر أي قصدا. (طحطاوي علی المراقي، کتاب الصلاة، فصل في الأوقات المکروهة، دارالکتاب دیوبند/۱۸۸)

فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولی تم فرضه، ولکنه أساء لو عامدا لتأخیر السلام. (درمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، زکریا ۲/ ۶۰۹، کراچی ۲/ ۱۲۸)

وإن صلی أربعا وقعد قدر التشهد أجزأته الأولیان عن الفرض، والأخریان له نافلة اعتبارا بالفجر. وفي البنایة: یعني إذا صلی الفجر أربعا بعد القعدة الأولی تجزئه صلاته. (البنایة، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مکتبه أشرفیه ۳/ ۱٤)

فلو أتم المسافر بأن صلی أربعا إن قعد في آخر الرکعة الثانیة قدر التشهد صحت فرضه، والزائد نفل کالفجر. (الدرالمنتقی، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، جدید دارالکتب العلمیة ۱/ ۲۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۹ھ

مسافر شخص نے عشاء کی نماز میں مقیم حضرات کی امامت کی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۳۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسافر تھا اور اس نے عشاء کی نماز پڑھائی، ان کے پیچھے مقیم اور دیگر حضرات نے نماز پڑھی اور اس نے پوری چار رکعت پڑھائی، بعدہ اس نے ظہر کی نماز میں اعلان کیا کہ میں نے مسافرت کی حالت میں نماز پڑھائی تھی؛ لہٰذا جو حضرات

میرے پیچھے نماز پڑھے ہیں وہ لوگ اپنی نماز لوٹا لیں، تو کیا عشاء کی نماز لوٹانی ہوگی یانہیں؟ یا پھر وتر کو بھی لوٹانا پڑے گا؟

المستفتي: نسیم احمد دملکوی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسافر امام جس کے پیچھے مقیم مقتدی ہوں اور وہ قعدہ اولیٰ کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا اور مقیم مقتدیوں نے بعد میں ان دو رکعتوں میں امام کی اقتداء کی نیت ختم کرلی، تو امام کی دو رکعت فرض اور دو رکعت نفل اور مقتدیوں کی چار رکعتیں فرض ادا ہوجائیں گی؛ لیکن اگر مقتدیوں نے امام سے الگ ہونے کی نیت نہیں کی؛ بلکہ امام کی متابعت ہی میں چار رکعت مکمل پڑھی تو مقیم مقتدیوں کی نماز فاسد ہوجائے گی، اور اعادہ بھی لازم ہے، وتر فرض کے تابع نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اعادہ لازم نہیں ہے۔

فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، ظهيريه: أي إذا قصدوا متابعته، أما لو نووا مفارقته ووافقوه صورة فلا فساد، أفاده الخير الرملي. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٦١٢، كراچی ٢/ ١٣٠، منحة الخالق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٢٣٨، کوئٹہ ١٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۴؍۱۴۱۷ھ

جب مسافر امام رباعی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دے تو مقتدی لوگ بقیہ دو رکعت کس طرح پوری کریں؟

سوال [۳۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مقیم مقتدی مسافر امام کے پیچھے چار رکعت والی نماز میں اقتداء کرے، تو امام مسافر کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی مقیم باقی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد عبداللہ مقیم حال مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مقیم مقتدی مسافر امام کے پیچھے نماز پڑھے تو مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقیم مقتدی باقی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھے گا؛ بلکہ اتنی ہی دیر کھڑے ہوکر رکوع سجدہ کرے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲/ ۲۷۱)

وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت وبعده، فإذا أقام المقيم إلى الإتمام لا يقرأ ولا يسجد للسهو في الأصح؛ لأنه كاللاحق.

(درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۹، زکریا ۲/ ٦١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۴۱)

مقیم کا مسافر کی اقتداء کرنا

سوال [۳۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مقیم مقتدی مسافر امام کی اقتداء کرے اور مسافر امام قعدہ اولیٰ کے بعد بھول کر

کھڑا ہوجائے تو مقتدی کیا کرے، کیا امام کی اقتداء کرے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سلیم مظفرنگری، امام مکی مسجد، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافر امام چار رکعت والی نماز میں قعدہ اولیٰ کے بعد بھول کر کھڑا ہوجائے تو مقتدی امام کے لوٹنے کا انتظار کرے گا، اگر امام تیسری رکعت کے سجدہ سے پہلے واپس آجائے تو اس کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور اس کے سلام کے بعد باقی نماز ادا کرے۔ اور اگر امام نے تیسری رکعت کا سجدہ کرلیا تو مقیم مقتدی مسافر امام کی اقتداء نہ کرے؛ بلکہ اپنی بقیہ رکعتیں اسی طریقہ سے پوری کرے جس طریقہ سے مسافر امام کے سلام پھیرنے کے بعد بغیر قرأت کے رکوع وسجدہ سے پوری کی جاتی ہیں؛ اس لئے کہ تیسری اور چوتھی رکعت مسافر امام کے حق میں نفل ہے اور مقیم مقتدی کے حق میں فرض ہے۔ اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء درست نہیں ہے۔

فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، أي إذا قصدوا متابعته، أما لو نووا مفارقته ووافقوه صورة فلا فساد. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ۲/ ۶۱۲، كراچی ۲/ ۱۳۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶؍۴؍۱۴۲۷ھ

مسافر مقیمین کو رباعی نماز پڑھادے

سوال [۳۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک مسجد میں مرادآباد میں امام ہوں، ۲۷؍مئی بروز بدھ کو دہلی گیا تھا، وہاں چندروز

رہ کر ۲ر جون پیر کو واپس ہوا، وہیں سے ارادہ تھا کہ اپنے گھر بدایوں جاؤں گا، یہاں ایک ہفتہ رہ کر ۸ر جون اتوار کو بدایوں تبلیغی اجتماع میں شریک ہونے کے لئے بدایوں چلا گیا، ۲ر جون تا ۷ر جون جو نمازیں پڑھائیں پوری نمازیں پڑھائیں، گزارش ہے کہ بتائیں کیا ہمیں مرادآباد میں قصر کرنا چاہئے تھا یا اتمام؟ اگر قصر کرنا چاہئے تھا تو جو نمازیں ہم نے پڑھا دی ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: بارق محمود، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مرادآباد میں صرف ۲ر جون سے ۷ر جون تک قیام کا ارادہ پہلے ہی سے تھا اور اسی کے مطابق عمل بھی ہو گیا، تو اس درمیان رباعی نمازیں جو پڑھائی گئیں اور ان میں دو رکعت پر قعدہ بھی کرلیا ہے، تو امام مسافر کی نمازیں لوٹانے کی ضرورت نہیں، اور بعد کی دو رکعتیں امام کے حق میں نفل ہیں اور مقتدی کے حق میں چاروں فرض ہیں، تو بعد کی دو رکعتوں میں فرض پڑھنے والوں نے نفل پڑھنے والے کے پیچھے اقتداء کی ہے؛ اس لئے مقتدیوں کی نمازیں فاسد ہوگئی ہیں، سب پر ان نمازوں کا لوٹانا لازم ہوگا۔

فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولی، تم فرضه، ولکنه أساء لو عامدا لتأخیر السلام. (درمختار، کتاب الصلاۃ، باب الإقامة، قبیل مطلب في الألثغ، زکریا دیوبند ۲/ ۶۰۹، کراچی ۲/ ۱۲۸)

فلو أتم المقیمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر، زکریا دیوبند ۲/ ۶۱۲، کراچی ۲/ ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۱۸ھ

مقیم مقتدی کی رباعی نماز مسافر کے پیچھے پڑھی گئی کب تک اعادہ کی گنجائش ہے؟

سوال [۳۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عشاء کی نماز ادا کی گئی بعد میں معلوم ہوا کہ امام صاحب ۱۰۰ رکلومیٹر باہر سے آئے ہوئے مہمان ہیں نماز نہیں ہوئی، بعد میں نماز دہرائی گئی، کیا جماعت میں وہ لوگ شامل ہوسکتے ہیں، جنھوں نے نماز میں شرکت نہیں کی تھی، دوسری بات کیا وتر اور سنتیں بھی دہرانی چاہیے؟

المستفتي: لئیق احمد تمباکو والا ان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسافر امام نے مقیم مقتدیوں کو جب چار رکعت نماز پڑھادی اور مقیم مقتدیوں نے اس کی اقتداء بھی کرلی تو ان مقتدیوں کی نماز فاسد ہوگئی؛ لہٰذا اب دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں وہ لوگ بھی شرکت کرسکتے ہیں، جنھوں نے فسادصلاۃ سے پہلے اقتداء نہیں کی تھی، نیز فرض کے بعد کی سنت وقت کے اندر اندر دہرائی جائے گی۔ اور وتر صحیح قول کے مطابق فرض کے تابع نہیں ہے؛ اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں اور وقت نکلنے کے بعد سنتوں کی قضاء نہیں ہے۔

قال الشامي: فلو أتم المقيمون صلاتهم معه فسدت؛ لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۳۰، زكريا ۲/ ۶۱۲)

والمختار أن المعادة لترك واجب نفل جابر، والفرض سقط بالأولى. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في بيان واجب الصلاة، جديد دارالكتاب ديوبند ۲۴۸، قديم ۱۳۴)

وأما الأربع قبل الظهر إذا فاتته وجدها بأن شرع في صلاة الإمام ولم

يشتغل بالأربع فعامتهم على أنه يقضيها بعد الفراغ من الظهر مادام الوقت باقيا وهو الصحيح. (عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل زکریا قدیم ۱/ ۱۱۲، جدید ۱/ ۱۷۱)

لو تبين أن العشاء صلاها بلا طهارة دون التراويح والوتر أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر؛ لأنها تبع للعشاء، هذا عند أبي حنيفةؒ، فإن الوتر غير تابع للعشاء في الوقت عنده الخ. (هندية، کوئٹه ۱/ ۱۱۵، جدید ۱/ ۱۷۵، هكذا في المبسوط ۱/ ۱۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۳۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۴ھ

امام کے پیچھے پڑھی گئی عصر کی فاسد نماز دوسرے دن صاحب ترتیب اور مسافر کس طرح قضا کریں؟

سوال [۳۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امام نے عصر کی نماز پڑھا دی، نماز میں فساد یا ابطال پیدا ہوگیا، جس کی بنا پر امام صاحب کل آئندہ کہہ رہے ہیں کہ کل جن لوگوں نے عصر کی نماز پڑھی تھی وہ دوبارہ اپنی نماز کی قضا کرلیں، اب بات یہ پیش آجاتی ہے کہ اس عصر کی نماز میں مسافر اور صاحب ترتیب بھی موجود تھے، تو یہ حضرات اپنی نماز کس طریقہ پر قضاء کریں؟ اور فساد اور ابطال کی وضاحت فرمادیں۔

المستفتي: عبد الغفار ۱۳/رجب ۲۴ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: کل گذشتہ کی عصر کی نماز جب فاسد ہوگئی تو صاحب ترتیب پر صرف عصر ہی کی نماز قضا کرنا لازم اور ضروری ہے؛ کیوں کہ بھول کی صورت میں

ترتیب کی رعایت لازم نہیں ہوتی ہے۔ اور مسافر پر عصر کی صرف دو رکعت قضاء کرنا لازم ہے، چار رکعت قضاء کرنا ضروری نہیں ہے۔

لو صلى الظهر على ظن أنه متوضي، ثم توضأ وصلى العصر، ثم تبين يعيد الظهر خاصة؛ لأنه بمنزلة الناسي في حق الظهر فلم يلزمه مراعاة الترتيب. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، زكريا ٢/ ١٤٩، كوئٹه ٢/ ٨٤)

وأما اقتداء المسافر بالمقيم فيصح في الوقت ويتم، تحته في الشامية: وهو الوقت ولو أفسده صلى ركعتين لزوال المغير. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچى ٢/ ١٣٠، زكريا ٢/ ٦١٢)

عن الحسن قال: إذا نسي صلاة في الحضر، فذكرها في السفر صلى صلاة الحضر، وإذا نسي صلاة في السفر، فذكرها في الحضر صلى صلاة السفر. (المصنف لابن أبي شيبة، الرجل ينسى الصلوات في الحضر، فيذكرها في السفر، موسسة علوم القرآن ٣/ ٥٢٦، رقم: ٤٨١١، مصنف عبدالرزاق، باب من نسي صلاة الحضر، المجلس العلمي ٢/ ٥٤٣، رقم: ٤٣٨٩)

جمہور فقہاء کے نزدیک عبادت میں فساد اور ابطال کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؛ بلکہ دونوں لفظ مترادف ہیں؛ کیوں کہ فساد کی تعریف یہ ہے کہ عبادت عبادت ہونے سے خارج ہوجائے، کسی فرض کے فوت ہوجانے کی وجہ سے۔

أما الحنفية، فإنهم على المشهور عندهم وهو المعتمد يوافقون الجمهور في أن البطلان والفساد مترادفان بالنسبة للعبادات. (الموسوعة الفقهية ٨/ ١١٠)

الفساد والبطلان في العبادات سواء؛ لأن المراد بهما خرج العبادات عن كونها عبادة بسبب فوات بعض الفرائض. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، كراچى ١/ ٦١٣، زكريا ٢/ ٣٧٠)

الفساد والبطلان في العبادات بمعنى واحد، وهو عدم الصحة، وهي عند الفقهاء اندفاع وجوب القضاء بالإتيان بالشرائط. (البحرالرائق، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد؟ زکریا ۲/ ۴۷۲، کوئٹه ۲/ ۲۷۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍رجب ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۳۶/۳۷)	۱۹/۷/۱۴۲۴ھ

ٹرین پر کس طرح نماز پڑھیں؟

سوال [۳۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید سواری پر سوار محو سفر ہے، اس کو یہ اختیار نہیں کہ سواری کو رکوا کر نماز ادا کر سکے، نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہوجائے، تو ایسی حالت میں زید کیا کرے؟ آیا نماز قضاء ہوجانے دے یا اشارہ سے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے؟ اس کے علاوہ جو بھی حکم ہو مدلل بیان فرمائیں۔

امید ہے کہ مدلل جواب سے نوازیں گے۔ **جزاکم الله احسن الجزاء.**

المستفتي: محمد عبداللہ ساکن ڈھکیا ضلع امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ایسی سواری پر سفر ہو رہا ہے کہ اس سواری پر باضابطہ رکوع، سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ بس کا سفر ہوتا ہے، تو اس وقت اشارے سے نماز پڑھ لے اور بعد میں اس کی قضا بھی کرلے۔ اور اگر ٹرین کا سفر ہو رہا ہے، تو ٹرین میں اشارہ سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ٹرین میں رکوع وسجدہ کے ساتھ

نماز پڑھنے کی گنجائش ہوتی ہے، ہاں البتہ کسی ٹرین میں ازدحام اور بھیڑ کی وجہ سے رکوع وسجدہ سے نماز پڑھنے کی کوئی شکل نہ بنے تو اس میں بھی اشارہ سے نماز پڑھ لے اور بعد میں قضاء کرلے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ۷/۵۳۲)

في الدر المختار: يتشبه بالمصلين وجوبا، فيركع ويسجد إن وجد مكانا يابسا، وإلا يومئ قائما، ثم يعيد، وتحته في الشامية: الصحيح على هذا القول أنه يومئ كيفما كان. (درمختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب التيمم، كراچی ۱/ ۲۵۲، زكريا ۱/ ۴۲۳، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب التيمم، دار الكتاب ديوبند، ص/ ۱۱۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲/ ۱۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

ٹرین میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۳۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور بکر ٹرین میں سفر کرتے ہیں، دوران سفر ٹرین میں نماز کا وقت ہو جاتا ہے، زید کہتا ہے کہ چلتی ٹرین میں اگر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے، تو اپنی سیٹ پر بیٹھ کر فرض نماز ادا کرنا ہے، بکر کہتا ہے کہ فرض نماز کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے، اگر کھڑے ہوکر پڑھنے کا موقع نہ ملے تو بیٹھ کر نماز نہ پڑھے؛ بلکہ قضاء کر دینا چاہئے، سفر دو روز سے طویل کیوں نہ ہو بعد میں قضاء پڑھے، تو کیا زید اپنے قول میں صحیح ہے یا بکر تفصیل سے جواب دیں؟

المستفتي: احقر محمد عابد سٹھلوی، مدرسہ دعوۃ القرآن صدر بازار، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چلتی ٹرین میں فرض اور واجب نمازیں کھڑے ہوکر پڑھنا فرض ہے، بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے نماز فرض ادا نہ ہوگی، اگر سخت بھیڑ کی وجہ سے کھڑے ہوکر پڑھنے کا موقع نہ ہوتو بھی قیام کا فریضہ ساقط نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ عذر بندوں کی طرف سے آیا ہے، جس کی وجہ سے ترک قیام کی رخصت نہیں دی جاسکتی؛ لہٰذا ایسی صورت میں جس طرح بھی ہوسکے بیٹھ کر یا اشارہ سے نمازیوں کی مشابہت اختیار کرے اور پھر بعد میں اس کی قضاء کرے؛ لہٰذا زید اور بکر دونوں کو مضمون بالا کا خیال رکھنا چاہئے۔

ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يجوز لمن يصلي الفريضة في السفينة ترک القيام مع القدرة، كما لو كان في البر. (الموسوعة الفقهية ۲۵/ ۷۵)

فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالى لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، زكريا ۱/ ۲٤۸، كوئٹه ۱/ ۱٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۰؍رجب ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۴۳/۳۶)	۱۰؍۷؍۱۴۲۳ھ

ٹرین میں مجبوری کے وقت فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا

سوال [۳۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سفر کے دوران ریل گاڑی کبھی ایسے رخ پر چلنے لگتی ہے کہ اس وقت قبلہ کی جہت رخ کرکے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ناممکن ہوجاتا ہے اور تاخیر کرنے سے نماز کے وقت کے نکل جانے کا اندیشہ رہتا ہے، تو کیا ایسی مجبوری کی صورت میں فرض نماز بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہے؟ یا کھڑے ہوکر ہی غیر قبلہ کی طرف پڑھ لی جائے، یا حکم کچھ اور ہے؟

المستفتي: عبدالرؤف قاسمی گونڈی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹرین میں کھڑے ہوکر قبلہ رخ ہوکر آسانی کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے، اس لئے جو عذر پیش کیا گیا ہے وہ ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے استقبال قبلہ اور قیام جیسے فرض اور رکن صلاۃ کو ترک کردیا جائے، ٹرین کے بیچ میں ہر دو سیٹوں کے درمیان ایک آدمی آسانی سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور دونوں طرف کے بیت الخلاء کے پاس بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے؛ اس لئے مذکورہ عذر کی وجہ سے استقبال قبلہ اور قیام کی فرضیت ساقط نہ ہوگی۔

وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ. [البقرة: ١٤٤]

عن عمران بن حصين –رضي الله عنه– قال: كانت بي بواسير، فسألت النبي صلى الله عليه وسلم عن الصلاة، فقال: صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جنب. (صحيح البخاري، الصلاة، باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب، النسخة الهندية ١/ ١٥٠، رقم: ١١٠٦، ف: ١١١٧)

ومنها: القيام، لقادر عليه. (درمختار) وفي الشامية: فلو عجز حقيقة وهو ظاهر أو حكما كما لو حصل له به ألم شديد، أو خاف زيادة المرض ...... فإنه يسقط. (شامي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، كراچی ١/ ٤٤٤، ٤٤٥، زكريا ٢/ ١٣١، ١٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۷ھ

دوران سفر بس یا ریل میں نماز کا حکم

سوال [۳۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: سفر میں نماز کی ادائیگی کے متعلق چند دشواریاں پیش آتی ہیں، جن سے نمازوں کی ادائے گی مشکل ہوجاتی ہے، اپنی سواری میں تو آدمی خود مختار رہے، کہیں بھی روک کر نماز ادا کرلے، مگر بس کے سفر میں آدمی مجبور محض ہوتا ہے، ڈرائیور اپنی مرضی یا ضرورت پر روکتا ہے، ایسی صورت میں مسافر کیا بس میں سیٹ پر ہی بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز ادا کرسکتا ہے؟ اور وضو کی جگہ تیمّم کرسکتا ہے؟ بس میں چاہے پانی بھی ساتھ ہو، مگر وضو کیسے کیا جاوے، ٹرین میں بھی آج کل بغیر ریزرویشن کے اکثر بھیڑ ہی ہوتی ہے، مگر بعض مرتبہ تو کھڑکی پر جگہ مل جاتی ہے، مگر بصورت دیگر کیا سیٹ پر بیٹھ کر ہی نماز ادا کرلی جاوے یا کس طرح کیا جاوے؟ نیز سمت قبلہ بھی بمشکل ہی موافق ہوتا ہے، بس میں بھی سمت قبلہ بمشکل موافق ہوتا ہے، تو کیا کیا جاوے؟ جہاز کا سفر تو اتفاقیہ ہی پیش آتا ہے، اس میں نماز کیسے ادا کی جائے؟

المستفتي: محمد یونس جامع مسجد احمد گڑھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بس کے سفر میں اگر نماز کا وقت ختم ہونے کا خطرہ ہے، تو اس بات کی گنجائش ہے کہ جس حالت میں بھی ہو اشارہ سے نمازی کی صورت بنالے۔ اور یہ بات بھی واضح رہے کہ بس میں آلۂ تیمّم نہیں ہوتا اور پانی بھی نہیں ہوتا؛ اس لئے مصلی کی صورت بنالے، پھر جہاں جاکر اتر جائے وہاں پر باضابطہ وضو کے بعد نماز کی قضاء کرلینا لازم ہے۔ اور ٹرین میں پانی کا انتظام ہوتا ہے، اس کے پانی سے وضو کرکے نماز پڑھی جاسکتی ہے، نیز ٹرین میں کسی طرح رکوع سجدہ کے ساتھ بھیڑ میں بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے؛ اس لئے وہاں پر بس کی طرح شکل اختیار کرنے کی گنجائش نہ ہوگی، ہاں البتہ سخت مجبوری کی حالت میں بس کی طرح شکل اختیار کرنے کی گنجائش ہے کہ جب کہ ٹرین میں پانی بھی نہ ہو اور ٹرین رک بھی نہ رہی ہو۔ اور ہوائی جہاز میں پانی بھی ہوتا ہے اور ہوائی جہاز کے آگے یا پیچھے نماز پڑھنے کے بقدر جگہ بھی ہوتی ہے؛ اس لئے اشارہ سے پڑھنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ اور سعودی ایرلائنز میں

باقاعدہ پانچ سات افراد کے ایک ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جگہ ہوتی ہے۔(مستفاد: حاشیہ امدادالفتاوی ۱/۵۸۶)

فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالى لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، زكريا ١/ ٢٤٨، كوئٹه ١/ ١٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۴/۹۳۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۴ھ

بس پر نماز کا طریقہ اور قصر کہاں سے کرنا درست ہے؟

سوال [۳۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بس پر نماز کس طرح پڑھوں، نیز دہلی میں مقیم ہوں، اب گورکھپور جارہا ہوں، تو قصر کب سے کروں گا؟ اسٹیشن سے یا دہلی کے باہر شاہ راہ سے نکل کر واضح فرمائیں؟

المستفتي: عظیم اللہ بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بس ٹھہری ہو تو نماز نیچے اتر کر پڑھنی چاہئے اور چلتی ہو تو کھڑے ہو کر قبلہ رخ پڑھنی چاہئے، گرنے کا خطر ہو تو ٹیک لگائی جاسکتی ہے۔ اور اگر استقبال قبلہ قیام یا رکوع وسجدہ نہ ہوسکے تو جس طرح اشارہ وغیرہ سے ممکن ہو پڑھ لی جائے۔ اور بعد میں اعادہ ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۱۸۸، امداد الفتاوی ۱/ ۵۸۶، دارالعلوم ۲/ ۶، محمودیہ قدیم ۱۴/۲۲۳، جدید ڈابھیل ۱۷/۵۳۲)

ولو كان على الدابة يخاف النزول للطين والردغة يستقبل، قال في الظهيرية: وعندي هذا إذا كانت واقفة، فإن كانت سائرة يصلي حيث شاء.

(فتح القدير، كتاب الصلاة، باب شروط التي تتقدمها، زكريا ١/ ٢٧٦، كوئٹه ١/ ٢٣٦، دارالفكر مصري ١/ ٢٧٠)

فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالى لا تجب الإعادة، وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، باب التيمم، زكريا ١/ ٢٤٨، كوئٹه ١/ ١٤٢)

اورقصر اس وقت کی جاتی ہے جب کہ بارادۂ مسافتِ قصر آبادی سے باہر ہوجائے اور دہلی کا اسٹیشن چونکہ آبادی کے اندر ہے؛ اس لئے دہلی کی آبادی سے نکل کر قصر کی جائے گی۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۴/ ۲۲۸، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۲۲، دارالعلوم ۴/ ۴۵۹)

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدا مسيرة ثلاثة أيام ولياليها، صلى الفرض الرباعي ركعتين. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ٢/ ١٢٣، زكريا ٢/ ٥٩٩، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ٢/ ٢٢٦، كوئٹه ٢/ ١٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/۱/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۱/۱۴۲۲ھ

بحمد الله تم

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۹)

المجلد التاسع

بقية الصلوٰة، صلوٰة المريض

الجمعية العيدين، الجنائز الٰى حمل الجنازة

۳۴۲۴ ——— ۳۸۹۳

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

۹/بقیة كتاب الصلاة

۲۷/ باب صلاة المريض

۲۸/ باب الجمعة

(۱) فصل في الفضائل ووقتها

۲/ فصل في شرائط الجمعة

۳/ فصل في أذان الجمعة

۴/ فصل في الخطبة

۱/ فصل في الإمامة و القضاء وغيرها

۲/ فصل في صلاۃ العیدین

۳/ فصل في صلاۃ العید في المسجد

۴/ فصل في تكبيرات التشريق

۵/ فصل في من يجب عليه صلاة العيد

۶/ فصل في الدعاء، و المصافحة

۱۰/ كتاب الجنائز

۱/ باب الجنائز و متعلقا تها

۲/ باب غسل المیت

۳/ باب تکفین المیت

۴/ باب فضل صلوة الجنازة وغيرها

۵/ باب تعجيل صلاة الجنازة وتأخيرها

۶/ باب صلاة الجنازة في المسجد

۷/ باب من یستحق بالصلاۃ علی المیت

۸/ باب من یصلیٰ علیه ومن لا یصلیٰ علیه

۹/ باب حمل الجنازة

۹/ بقية كتاب الصلاة

(۲۷) باب صلاة المريض

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

پیشاب کے قطرے نکلتے رہیں تو نماز کیسے پڑھے؟

سوال [۳۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ساتھ یہ پریشانی ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد تقریباً نصف گھنٹہ قطرے آتے رہتے ہیں، اس کے بعد وہ نماز وغیرہ کے لئے وضو کرتا ہے، اب اگر چہ قطرہ نہیں آیا، یعنی آدھے گھنٹہ کے بعد، مگر قطرہ کا شبہ رہتا ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ جیسے قطرہ آگیا ہو، پھر کپڑے یا عضو مخصوص کو دیکھتا ہے تو وہاں گیلا پن اور نمی نہیں ہوتی اور ایسا قریب بیس برس سے ہے، یہ پریشانی ہے کیا کیا جائے؟ بعد از پیشاب نصف گھنٹہ اگر چہ قطرہ کا احتمال ختم ہوجاتا ہے، مگر ایسا لگتا رہتا ہے جیسے قطرہ آگیا ہو؛ لیکن کپڑے اور عضو پر نہ تو گیلا پن ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی نشان، اس شبہ کو لے کر بہت تشویش ہے، رہنمائی فرمائیں؟

المستفتی: عبداللہ رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے بہتر شکل یہ ہے کہ پیشاب سے فراغت کے بعد سوراخ کے اندر کوئی چیز مثلاً روئی وغیرہ رکھ لے؛ تاکہ اس کے اندرونی حصہ سے

پیشاب باہر نہ آئے اوراس کے بعد مطمئن ہوکر وضوکر کے نماز ادا کرلے؛ اس لئے کہ روئی وغیرہ رکھنے کی وجہ سے پیشاب کا قطرہ نہ تو باہر آئے گا اور نہ ہی وضوٹوٹے گا یہ بہتر شکل ہے؛ لیکن اگر یہ شکل نہ ہوسکے تو خوب کھنکھار کر کھڑے ہوکر ٹیشو پیپر یا مٹی کے ڈھیلے وغیرہ کا استعمال کرے اور تھوڑی دیر کے لئے ذرا بدن میں حرکت دے، اس کے بعد پانی سے استنجاء کرے اور پائجامہ کی رومالی پر پانی کی چھینٹیں مار لے، پھر اس کے بعد وضوکر کے بے فکری سے نماز پڑھے اگر کچھ نکلنے کا شبہ محسوس ہوتو اس کی طرف قطعاً دھیان نہ دے اور یہ سوچے کہ میں نے پانی کے ذریعہ سے رومالی کو بھگودیا ہے؛ لہٰذا جو کچھ بھیگا ہوا دیکھے اس کے بارے میں یہی سوچے کہ یہ اس پانی کی تر واٹ ہے، جو میں نے رومالی کو پانی کے چھینٹوں کے ذریعہ سے تر کیا ہے، شریعت کا یہی حکم ہے۔

قلت: و من كان بطئ الاستبراء، فليفتل نحو ورقة مثل الشعيرة ويحتشي بها في الإحليل فإنها تتشرب ما بقي من أثر الرطوبة التي يخاف خروجه -إلى- وقد جرب ذلک فوجد أنفع من ربط المحل الخ (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء، زكريا ۱/ ۵۵۸، كراچي ۱/ ۳۴۵)

الحيلة في قطع هذه الوسوسة، أن ينضح فرجه بالماء، فإذا أراه الشيطان ذلک أحاله على الماء. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الطهارة، الفصل الثاني في مايوجب الوضوء، زكريا ۱/ ۲۷۰، رقم:۳۵۷)

عن سعيد بن جبيرؒ، أن رجلا أتى ابن عباس فقال: إني أجد بللاً إذا قمت أصلي، فقال ابن عباس: انضح بكأس من ماء، وإذا وجدت من ذلک شيئاً، فقل هو منه، فذهب الرجل فمكث ما شاء الله، ثم أتاه بعد ذلک فزعم أنه ذهب ما كان يجد من ذلک. (السنن الكبرى للبيهقي دارالفكر، جديد ۱/ ۲۷۳، رقم: ۷۸۰، بيروت قديم ۱/ ۱۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۶۱۳/۱۱)

اشارہ سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والوں کا نماز پڑھنا

سوال[۳۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اشارہ کر کے نماز پڑھنے والے کے پیچھے رکوع وسجدہ کرنے والے کی نماز درست ہے یانہیں؟ نیز اس میں فرائض ونوافل کا حکم یکساں ہے یا کوئی فرق ہے؟ کیوں کہ مرکز میں حضرت مولانا زبیر صاحب کرسی پر تراویح پڑھاتے ہیں، اسی کو بتا کر ہمارے یہاں ایک صاحب نے کرسی پر بیٹھ کر تراویح پڑھائی۔

المستفتی: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رکوع اور سجدے پر قادر لوگوں کا اشارے سے نماز پڑھنے والے کی اقتداء کر کے نماز پڑھنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ رکوع اور سجدے پر قادر لوگوں کی حالت قوی ہے اور امام کی حالت ضعیف ہے، قوی کا ضعیف پر بنا کرنا درست نہیں ہے، اس سلسلے میں فرائض ونوافل سب کا حکم یکساں ہے؛ لہٰذا آپ کے وہاں جس صاحب نے مولانا زبیر صاحب کا حوالہ دے کر کرسی پر بیٹھ کر تراویح پڑھائی ہے، اس کے پیچھے جتنے دن تراویح پڑھی گئی مقتدیوں کی تراویح کی نماز درست نہیں ہوئی۔

نیز مولانا زبیر صاحب کا حوالہ دینا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ مولانا زبیر صاحب کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز نہیں پڑھتے؛ بلکہ زمین پر بیٹھ کر باقاعدہ رکوع وسجدے کے ساتھ فرض و وتر اور تراویح کی نماز پڑھتے ہیں اور مرکز سے براہ راست مولانا عبید اللہ صاحب کے صاحبزادے مولانا عبد الرحیم صاحب سے معلوم کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ فرض و وتر کی نماز خود مولانا عبد الرحیم صاحب پڑھاتے ہیں اور تراویح حضرت مولانا زبیر صاحب مدظلہ باقاعدہ رکوع وسجدے کے ساتھ پڑھاتے ہیں، نہ کرسی پر بیٹھ کر پڑھاتے ہیں اور نہ اشارے کے ساتھ پڑھاتے ہیں، مسئلہ شرعی یہ ہے کہ بیٹھ کر رکوع وسجدے کے ساتھ نماز

پڑھانے والے کے پیچھے کھڑے ہوکر اقتداء کرنا درست ہے اور محض سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرکے اپنی عبادت خراب نہیں کرنی چاہئے۔

ويصح اقتداء القائم بالقاعد، الذي يركع، ويسجد، لا اقتداء الراكع والساجد بالمؤمي، هكذا في فتاوى قاضيخان. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان ما يصلح إماما لغيره، زكرياقديم ۱/۸۵، جديد ۱/۱٤۲)

ولايصح اقتداء الراكع، والساجد بالمؤمي. (قاضي خان على هامش الهندية، كتاب الصلاة، باب الاذان، فصل فيمن يصح الاقتداء به و فيمن لا يصح، زكريا قديم ۱/۸۹، زكريا جديد ۱/۵۸)

ولاقادر على ركوع، و سجود بعاجز عنهما. وفي الشامي: أي بمن يؤمي بهما قائماً، أو قاعداً بخلاف مالوأمكناه قاعداً، فيصح لبناء القوي على الضعيف. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصبي وحده، كراچي ۱/۵۷۹، زكريا ۲/۳۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۶۶/۳۸)	۱۴۲۸/۷/۸ھ

قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۳۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی بیمار رہتا ہے، لیکن نماز کے لئے پیادہ چل کر مسجد میں آتا ہے اور بیٹھ کر نماز با جماعت ادا کرتا ہے؛ حالاں کہ وہ اتنی قدرت رکھتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہے، تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلمان لاتور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیمار آدمی کو اگر اتنی قدرت ہو کہ کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ اور ایک آیت یا اس سے کم پڑھ سکتا ہے، تو کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھنا لازم ہے اور جب کھڑے ہونے میں تحمل نہ ہوسکے تو درمیان میں بیٹھ جانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳/ ۵۵، جدید زکریا ۵/ ۱۵۸)

عن ابن عباسؓ، عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: یصلي المریض قائماً، فإن نالته مشقة صلی جالساً. الحدیث (المعجم الأوسط للطبراني، دارالفکر ۳/ ۱۰۳، رقم: ۳۹۹۷)

وإذا کان قادراً علی بعض القیام ولو قدر آیة، أو تکبیرة دون تمامه. قال أبو جعفر الهندواني: یؤمر بأن یقوم مقدار ما یقدر، فإذا عجز قعد، وإن لم یفعل خشیت أن تفسد صلاته. (عنایة مع الفتح، باب صلاة المریض کوئٹه ۱/ ٤٥٧، دارالفکر بیروت ۲/ ۳، زکریا ۲/ ۳-٤)

لو کان قادراً علی بعض القیام دون تمامه یؤمر بأن یقوم قدر ما یقدر، حتی إذا کان قادراً علی أن یکبر قائماً، ولا یقدر علی القیام للقراء ة، أو کان قادراً علی القیام لبعض القراء ة دون تمامها یؤمر بأن یکبر قائماً، ویقرأ قدر ما یقدر علیه قائماً، ثم یقعد إذا عجز. قال شمس الأئمة الحلواني: هو المذهب الصحیح. (هندیة، کتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المریض، زکریا قدیم ۱/ ۱۳٦، جدید ۱/ ۱۹٦)

فإذا کان قادراً علی بعض القیام دون تمامه کیف یصنع؟......قال الفقیه أبو جعفر: یؤمر بأن یقوم مقدار ما یقدر، فإن عجز قعد. (الفتاوی التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المریض، زکریا ۲/ ٦٦۸، رقم: ۳۵۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

تھوڑی دیر قیام پر قدرت رکھنے والے کا ہر رکعت میں تھوڑی دیر کے لئے قیام کرنا

سوال [۳۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مریض کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھ سکے اس کو بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے، مگر ہو سکے تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہہ لے یا جتنی دیر کھڑا ہو سکے اتنا کھڑا ہوکر بیٹھ جائے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر مریض ہر رکعت میں تھوڑی دیر کھڑا ہونے کی طاقت رکھتا ہے، تو کیا ہر رکعت میں تھوڑی دیر کھڑا ہوکر بیٹھ جائے یا یہ مسئلہ صرف پہلی رکعت کا ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑا ہوکر کہہ کر بیٹھ جائے؟ فقہاء کی جو رائے ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کے اندر قیام فرض ہے؛ البتہ جو مریض قیام پر قادر نہیں یا تھوڑی دیر قیام کی طاقت رکھتے ہیں، تو ایسے مریض کے لئے حسب قدرت قیام فرض اور لازم ہوگا، بریں بنا ہر رکعت میں جتنی دیر کھڑے ہو سکتے ہیں، اتنی دیر کھڑے ہونے کے بعد پھر بیٹھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے۔

من فرائضها القيام في فرض لقادر عليه وعلى السجود. (در مختار مع الشامي، باب صفة الصلاة، بحث القيام، كراچي ١/ ٤٤٤، زكريا ٢/ ١٣٢)

أصح الأقاويل في تفسير العجز أن يلحقه بالقيام ضرر وعليه الفتوىٰ.

(هندية، الباب الرابع عشر في صلاة المريض، زكريا قديم ١/ ١٣٦، جديد ١/ ١٩٦)

ولو كان قادراً على بعض القيام دون تمامه يؤمر بأن يقوم قدر ما يقدر، حتى إذا كان قادراً على أن يكبر قائماً، ولا يقدر على القيام للقراء ة، أو كان قادراً على القيام لبعض القراء ة دون تمامها يؤمر بأن يكبر قائماً، ويقرأ قدر ما يقدر عليه قائماً، ثم يقعد إذا عجز قال شمس الأئمة الحلواني: هو المذهب الصحيح.

(هـنـدية، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلوٰة المريض، زكريا قديم ١/١٣٦، جديد ١/١٨٦، جديد ١/١٩٦، حلبي كبير، الفرض الثاني القيام، اشرفي ص: ٢٦٢، الفتاوى التاتارخانية قديم ٦ ٢٥، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون، زكريا ٢/٦٦٨، رقم: ٣٥٣٧)

''وإلا'' أي بأن قدر على بعض القيام قام بقدر ما يمكنه بلا زيادة مشقةٍ، ولو بالتحريمة وقراء ة آية...... هو المذهب الصحيح؛ لأن الطاعة بحسب الطاقة، قوله ''قام بقدر ما يمكنه''؛ لأن البعض معتبر بالكل...... والمعنى أنه يقوم إلى أن يتعسر عليه القيام فيقعد، وهذه الحالة كحالة العجز ابتداءً. (طحطاوي مع المراقي، باب صلاة المريض، دارالكتاب ديوبند ص: ٤٣١، شامي، زكريا، باب صلاة المريض، كراچي ٢/٩٧، زكريا ٢/٥٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۶۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۲۴ھ

سجدہ پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا

سوال [۳۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں چند آدمیوں نے آنکھیں بنوائی ہیں، ڈاکٹر نے سجدہ کرنے کو سختی سے منع کر دیا ہے قیام اور رکوع کر سکتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا سجدہ پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے قیام ورکوع ساقط ہوجائے گا؟ اور بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت ہوگی یا کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھنا فرض ہوگی؟ اور سجدہ بیٹھ کر اشارہ سے کرلیں، فقہاء کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: محمد عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں سجدہ پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور ایسے لوگ رکوع اور سجدہ اشارہ سے کر سکتے ہیں۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من استطاع منكم أن يسجد فليسجد، ومن لم يستطع فلا يرفع إلى جبهته شيئاً ليسجد عليه؛ ولكن ركوعه، و سجوده يؤمي برأسه. (المعجم الأوسط دارالفكر ۲۰۷/۵، رقم: ۷۰۸۹)

عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما كان يقول: إذا لم يستطع المريض السجود، أومأ برأسه إيماء، ولم يرفع إلى جبهته شيئاً.

(موطأ إمام مالك، باب العمل في جامع الصلاة، اشرفي ديوبند ص: ۵۹)

وإن قدر على القيام، ولم يقدر على الركوع، والسجود لم يلزمه القيام، ويصلي قاعداً يؤمي إيماء؛ لأن ركنية القيام للتوسل به إلى السجدة لما فيها من نهاية التعظيم، فإذا كان لايتعقبه السجود لايكون ركناً، فيتخير والأفضل هو الإيماء قاعداً؛ لأنه أشبه بالسجود. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، اشرفي ۱۶۲/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۰۰/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۳ھ

عمر رسیدہ سانس کا مریض جو طہارت حاصل کرنے پر قادر نہ ہو، کس طرح نماز پڑھے؟

سوال [۳۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اس قدر کمزور ہوں اور سانس کا مریض ہوں کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ بذات خود غسل کرسکوں بوجہ عمر ۷۲؍ سال، اس وجہ سے ہاتھ پیر سب جواب دے رہے ہیں، تو اب کس طرح غسل کروں اور کس طرح وضو کروں؛ کیوں کہ جب دوسرا اٹھاتا ہے تب میں اٹھ پاتا ہوں، پھر نماز کس طرح ادا کی جائے، تیمّم کی بھی طاقت نہیں؛ کیوں کہ اتنی ہی مجبوری

شامل حال ہے اور کوئی کرانے والا بھی نہیں ہے، ایسی صورت میں نماز کس طرح ادا کی جائے؟ اس کا جواب بہت جلد دیں؛ کیوں کہ نمازیں قضا ہورہی ہیں۔

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ آپ کو آ کر اٹھاتے ہیں وہ آپ کو وضو بھی کرا سکتے ہیں؛ اس لئے ان سے وضو کی خدمت لے کر نماز پڑھا کریں، اگر ٹھنڈا پانی استعمال کرنے پر قادر نہیں ہیں، تو پانی گرم کرالیں اور اگر گرم پانی کا نظم نہیں تو ان کے ذریعہ تیمّم کرالیں، دیوار پر بھی تیمّم جائز ہوجاتا ہے۔

وإن عجز عن التيمم في الأكثر، أو النصف، سقط التيمم، ويصلى إذا صح، وقيل يأمر غيره أن يؤممه، أو مسح وجهه، وذراعيه على جدار.

(تاتار خانية، كتاب الطهارة، الفصل الخامس في التيمم، زكريا ١/٣٨١، رقم: ٨٣٣، كوئته ١/٢٤٥) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۶/شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۸۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۶/۸/۱۴۲۳ھ

غیر کی مدد سے وضو پر قادر شخص کا تیمّم سے نماز پڑھنا

سوال [۳۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی آنت اور ٹانگ کی ہڈی کا آپریشن ہوا ہے، ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا ہوا ہے، مگر پیر ٹخنوں تک کھلا ہوا ہے، اس پر پلاسٹر نہیں ہے، یہ شخص اس حالت میں چل پھر نہیں سکتا ہے؛ البتہ بیٹھ جاتا ہے اور پیر پھیلائے رہتا ہے، اس حالت میں کیا یہ شخص تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے یا استعانت بالغیر کے ذریعہ وضو کرنا لازم ہے؟ اگر اس شخص نے اب تک تیمّم کرکے

نمازیں ادا کیں، تو کیا ان کا اعادہ لازم ہے؟ وضو کرانے والے اور خدمت گار بہت موجود ہیں، جو وضو کرا سکیں، تو کیا اس شخص کے لئے تیمّم کافی ہوگا یا وضو کر کے نماز ادا کرے گا؟

المستفتی: شرافت اللہ، ناسکہ سرائے شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ٹخنوں کے نیچے پلاسٹر کا حصہ کھلا ہوا ہے، تو وضو میں اس کا دھونا بھی واجب ہے اور جو نمازیں اب تک تیمّم سے پڑھی جا چکی ہیں وہ واجب الاعادہ ہیں۔

فإن کان الأکثر صحیحًا، والأقل جریحاً یغسل الصحیح، ویمسح علی الجریح إن أمکنه، وإن لم یمکنه المسح یمسح علی الجبائر، أو فوق الخرقة. (هندية، كتاب الطهارة، الباب الرابع في التيمم، زكريا قديم ١/ ٢٨، جديد ١/ ٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۷۳۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۹ھ

آپریشن شدہ آنکھ والا شخص وضو کر کے نماز پڑھے یا تیمّم کر کے؟

سوال [۴۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی آنکھ کا آپریشن ہوا، پانی منھ پر لگانے کو اور آنکھ دھونے کو ڈاکٹر نے منع کر دیا، یہ شخص چلتا پھرتا بھی ہے، مگر منھ کو پانی لگانا منع ہے، تو کیا یہ شخص نماز تیمّم کر کے ادا کرے یا پھر نماز کو قضا کرے، جب تک پانی لگانے کی اجازت نہیں ہے؟

المستفتی: شرافت اللہ، ناسکہ سرائے شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنکھ پر لگی پٹی کے اوپر تر انگلیوں سے مسح کرے اور باقی

اعضاء کو دھوئے اور اگر آنکھ پر پٹی نہیں ہے، تو وضو کے وقت آنکھ کو اچھی طرح سے بند کرے کہ پانی آنکھ کے اندر نہ جائے اور چہرے کو دھولے، اگر ڈاکٹر نے آنکھوں پر پانی لگنے سے منع کیا ہے چہرے پر پانی لگنے سے منع نہیں کیا ہے۔

عن الحكم قال: إذا كان في اليد، أو الرجل الجرح فخشي عليه صاحبه إن أصابه الماء مسح على الخرقة إذا توضأ. (مصنف ابن أبي شيبه، كتاب الطهارة، المسح على الجبائر ۲/۱۲۰، رقم:۱٤٥٤)

وكما يجوز المسح على الخف يجوز المسح على الجبائر، إذا كان يضره المسح على الجراحة، وإذا كان لايضره المسح على الجراحة لايجوز المسح على الجبائر. (قاضيخان على الهندية، كتاب الطهارة، فصل في المسح على الخفين زكريا قديم ۱/۵۰، زكريا جديد ۱/۳٤)

المسح على الجبائر إنما يجوز إذا كان لايقدر على المسح على القرحة، كما كان لايقدر على غسلها، بأن كان يضرها الماء، أما إذا كان يقدر على المسح على القرحة، فلايجوز المسح على الجبائر. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطهارة، الفصل السادس، المسح على الخفين، زكريا ۱/٤۲٤، رقم: ۱۰۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۵۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۹ھ

ریاحی مریضہ کے لئے ایک وضو سے نماز کا حکم

سوال [۳۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری والدہ محترمہ (عمر لگ بھگ ۶۵؍ سال عرصے) سے مختلف امراض میں مبتلا نہایت نحیف وضعیف ریاحی تکلیف کی وجہ سے دوران نماز ریاح خارج ہونے کی صورت میں

ایک ہی وقت کی نماز میں کئی کئی بار وضو کرتی ہیں، کیا ایک وقت کی نماز کے لئے صورت مذکورہ میں ایک ہی وضو کافی ہے؟ براہ کرم واضح جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) استنجاء کرنے میں وہ باوجود ضعف اور ہزال جسم ۳۰/۴۰ رمنٹ لگاتی ہیں، کئی کئی بار مسلسل استنجا کرتی رہتی ہیں، جس کی وجہ سے ضعف میں اضافہ ہوتا ہے، واضح فرمائیں شریعت کی رو سے استنجاء کی اصل اور ضروری مقدار کتنی ہے؟

المستفتی: محمد افضال، ٹھٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) سوال نامہ کے مطابق آپ کی والدہ شرعاً معذور کے حکم میں داخل ہیں اور معذور کے لئے حکم یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے لئے مستقل وضو کر لیا کرے بار بار وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس ایک مرتبہ وضو کر کے نماز پڑھے چاہے اس درمیان غیر اختیاری طور پر ریح خارج ہو، بہر صورت نماز درست ہے۔

وصاحب عذر من به سلس بول، أو استطلاق بطن، أو انفلات ريح، أو استحاضة، إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة، ولو حكمًا إلى أن قال و حكمه الوضوء لكل فرض، ثم يصلي به فيه فرضاً، ونفلاً.

(الدر المختار، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور، زكريا ۱/٤ ٠ ٥، كراچي ۱/٥ ٠ ٣، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب الحيض و الاستحاضة، دارالكتاب ديوبند ص: ۱٤۹)

(۲) شریعت میں استنجاء کی اصل یہ ہے کہ انسان کا دل اس کے اثر کے ختم ہونے پر مطمئن ہو جائے اور اس کے لئے الگ سے کوئی مقدار متعین نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ پانی بہانا کافی ہے اور ایک لوٹے سے استنجاء کرنا کافی ہے، زیادہ سے زیادہ دو لوٹا استعمال کرے، اس سے زیادہ غیر ضروری ہے۔

يجب الاستبراء الخ هو طلب البراءة من الخارج بشيء مما ذكره الشارح،

حتى يستيقن بزاول الأثر. (شامي، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء، زكريا ۱/ ۵۵۸، كراچي ۱/ ۳٤٤)

يلزم الرجل الاستبراء......والمراد طلب براءة المخرج عن أثر الرشح، حتى يزول أثر البول......ويطمئن قلبه. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، قديم ۲٤، دارالكتاب ديوبند جديد ۴۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۵۰)

جس کو پیشاب کی نلکی لگی ہوئی ہے وہ کس طرح نماز پڑھے؟

سوال [۳۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے گردہ کا آپریشن ہوا ہے، ڈاکٹر نے نلکی لگادی ہے، جس میں سے پیشاب آتا رہتا ہے، ایک تھیلی پلاسٹک کی دے دی ہے، جس میں پیشاب اکٹھا ہوجاتا ہے، جو ہر وقت مریض سنبھالے رہتا ہے، کیا یہ شخص وضو کرکے ایسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے؛ جبکہ پیشاب کی تھیلی سامنے لٹکی ہوئی ہے؟ یا کیا کرے؟ وضاحت مطلوب ہے۔

المستفتی: حافظ شرافت اللہ، محلّہ ناسکہ سرائے، شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسا شخص شرعی طور پر معذور ہے اور ایسے معذور کے لئے اسی طریقے پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے، جس طرح سے پیشاب کا تھیلا اس کے سامنے لٹکا ہوا ہے۔

وصاحب عذر من به سلس بول لايمكنه إمساكه، حتى ما قال: إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة، بأن لايجد في جميع وقتها زمناً

يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في أحكام المعذور، كراچي ١/٣٠٥، زكريا١/٥٠٤)

ومن به عذر كسلس بول......يتوضأ لوقت كل فرض لا لكل فرض ولانفل. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، باب الحيض والاستحاضة، دارالكتاب ديوبند ص: ١٤٩، قديم ٨٠، هندية، كتاب الطهارة، الباب السادس في الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع في أحكام الحيض، زكريا قديم١/٤١، جديد ١/٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۳۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۹ھ

آں حضرت ﷺ نے بیماری کے زمانہ میں کرسی پر بیٹھ کر نماز کیوں نہیں پڑھائی؟

سوال [۴۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ ﷺ کو ایک موقعہ پر چوٹ لگی تو آپ کھڑے ہوکر رکوع وسجدہ کرنے پر قادر نہ تھے؛ لہٰذا آں حضرت ﷺ نے زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھائی، سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کرسی پر بیٹھ کر نماز کیوں نہیں پڑھائی؛ جبکہ کرسی کا وجود آپ کے زمانہ میں بھی تھا؟

المستفتی: محمد فرقان غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل بنیاد یہ ہے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے خالق ومالک حق تعالیٰ کے سامنے بندہ اپنی ذلت کا اظہار کرتا ہے، کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں یہ مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہوتا؛ اس لئے آں حضرت ﷺ نے زخم کی سخت تکلیف کی حالت میں بھی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھائی ہے۔

عن أنس بن مالکؓ، أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم سقط عن فرسه فجحشت ساقه، أو کتفه، وآلی من نسائه شهراً، فجلس في مشربة له درجتها من جذوع النخل، فأتاه أصحابُه یعودونه فصلیّٰ بهم جالساً وهم قیامٌ.

(بخاري شریف، کتاب الصلاة، باب الصلاة في السطوح و المنبر، النسخة الهندیة ۱/ ۵۵، رقم: ۳۷٦، ف: ۳۷۸) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۴۰۲)

بلا عذر شدید کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۴۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش کس وقت ہے؟ اور کس طرح کے عذر سے جائز ہے؟

المستفتی: محمد سلیمان غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص پیر اور کمر وغیرہ میں تکلیف کی وجہ سے کسی بھی طرح زمین پر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو اس کے لئے یہ گنجائش ہے کہ کرسی یا اسٹول وغیرہ پر بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھ لے؛ لیکن جو شخص کسی بھی طرح زمین پر پالتھی مار کر یا پیر پھیلا کر بیٹھ سکتا ہو اور اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہو تو اس کے لئے کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ممنوع اور مکروہ ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۵۷۹، چند اہم عصری مسائل ص: ۱۲۵)

عن عمران بن حصین قال: کانت بي بواسیر، فسألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن الصلاة، فقال صل قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطیع فعلی جنب. (بخاری شریف، تقصیر الصلاة، باب إذا لم یطق قاعداً

صلی علی جنب النسخة الهندية ١/ ١٥٠، رقم: ١١٠٦، ف:١١١٧، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في صلاة القاعد، النسخة الهندية ١/ ١٣٧، دار السلام رقم: ٩٥٢)

فإن عجز عن الركوع، والسجود، وقدر على القعود، فإنه يصلي قاعداً بإيماء. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض ٢/ ٦٦٧، رقم: ٣٥٣٥)

يصلي مؤمياً وهو قاعد إن تعذر الركوع والسجود لما قدمناه، ولأن الطاعة بحسب الطاقة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، زكريا ٢/ ١٩٩، كوئٹه ٢/ ١١٣)

فإن عجز عن الركوع، والسجود، وقدر على القعود، فإنه يصلي قاعداً بإيماء. (محيط برهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض، المجلس العلمي ٣/ ٢٦، رقم: ٢٣٣٨، كذا في الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض، زكريا قديم ١/ ١٣٦، جديد ١/ ١٩٦، شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، زكريا ٢/ ٥٦٨، كراچي ٢/ ٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ر۱۱۴۱۷)

کیا حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ثابت ہے؟

سوال [۴۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا آپ ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، کھرگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا نہ تو آپ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے؛ چناں چہ ایک موقعہ پر آپ کی پنڈلی میں چوٹ لگ گئی تو آپ نے زمین پر بیٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی؛ حالاں کہ کرسی کا وجود آپ کے زمانے میں بھی تھا، اسی طرح صحابئ رسول حضرت اُہبان بن اوسؓ کے گھٹنے میں تکلیف رہتی تھی وہ بجائے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے زمین پر بیٹھ کر اور گھٹنے کے نیچے تکیہ رکھ کر نماز پڑھتے تھے۔

عن أنس بن مالکؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سقط عن فرسه فجحشت ساقه، أو كتفه، وآلى من نسائه شهراً، فجلس في مشربة له درجتها من جذوع النخل، فأتاه أصحابُه يعودونه، فصلّى بهم جالساً، وهم قيامٌ.
(بخاري شريف، كتاب الصلاة، باب الصلاة في السطوح والمنبر الخ النسخة الهندية ١/٥٥، رقم:٣٧٦، ف:٣٧٨)

عن مجزأة عن رجل منهم من أصحاب الشجرة، اسمه أهبان بن أوس، وكان اشتكىٰ ركبته، فكان إذا سجد جعل تحت ركبته وسادة. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، النخسة الهندية ٢/٦٠٠، رقم:٤٠٢٢، ف:٤١٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۴۹/۴۰)

کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنا اولیٰ ہے یا بیٹھ کر؟

سوال [۳۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنے پر قادر ہے اور بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے پر بھی قادر ہے تو اس کے لئے کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور یہ حنفیہ کا مشہور قول ہے، مگر

حضرت مفتی تقی صاحب عثمانی مدظلہ نے ۲؍۴؍۱۴۳۴ھ میں ایک مدلل فتویٰ لکھا ہے، جو ماہنامہ البلاغ کے شمارہ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ میں شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے حضرت عمران بن حصینؓ کی حدیث اوراعلاء السنن کی عبارت سے اس کے برخلاف یہ ثابت فرمایا ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے کہ کھڑے ہوکراشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت میں قیام جو رکن صلوۃ ہے، اس کی ادائیگی ہوجاتی ہےاور بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں اس کی ادائیگی رہ جاتی ہے،تو مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اپنی تحقیق سے آگاہ فرمائیں کہ فقہاء کے مشہور قول کو ترجیح حاصل ہوگی یا مفتی تقی صاحب کے قول کو اس سلسلہ میں اپنی رائے سے آگاہ فرمایئے۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن، بڑاگاؤں ،موانہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم کا تحقیقی فتوی دیکھ لیا گیا ہے، حضرات فقہاء متاخرین کا مشہور قول یہی ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے پر قادر ہےاور زمین پر بیٹھ کر بھی اشارہ سے نماز پڑھنے پر قادر ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا زیادہ بہتر اور راجح ہے، جیسا کہ حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

وإن قدر على القيام، ولم يقدر على الركوع، والسجود لم يلزمه القيام ويصلي قاعداً يؤمي إيماء؛ لأن ركنية القيام للتوسل به إلى السجدة لما فيها من نهاية التعظيم، فإذا كان لايتعقبه السجود لايكون ركنًا، فيتخير، والأفضل هو الإيماء قاعداً؛ لأنه أشبه بالسجود. (هداية مع الفتح، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، زكريا ٢/٦، كوئٹه ١/ ٤٦٠، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، زكريا ٢/ ٢٠٥، كوئٹه ٢/ ١١٦، عناية مع الفتح، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض،

کوئٹه ۱/ ٤٦٠، زکریا ۲/ ٦، بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الکلام في صلاة المریض، زکریا ۱/ ۲۸۷، هندیة، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، زکریا قدیم ۱/ ۱۳٦، جدید ۱/ ۱۹٦، خانیة علی الهندیة، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، زکریا قدیم ۱/ ۱۷۱، زکریا جدید ۱/ ۱۰۷، در مختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، کراچي ۲/ ۹۷، زکریا ۲/ ٥٦٧، منحة الخالق، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، زکریا ۲/ ۲۰۵، کوئٹه ۲/ ۱۱٦)

فإن کان یقدر علی القیام، ولایقدر علی السجود، أومیٰ إیماءً، وهو قاعد، کذا ذکره الشیخ شمس الأئمة الحلواني، والسرخسي، وذکر الشیخ المعروف بخواهر زاده، والشیخ الصفار أنه بالخیار إن شاء صلی قائماً بإیماء، وإن شاء صلی قاعداً بإیماء، وهو الأفضل عندنا. وفي الخانیة: والمستحب أن یصلي قاعداً بإیماء. (تاتار خانیة، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، زکریا ۲/ ٦۷۰، رقم: ۳٥٤۱، المحیط البرهاني، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، المجلس العلمي ۳/ ۲۷، رقم: ۳٤۱)

احقر ایک عرصہ تک یہی مسئلہ لکھتا رہا کہ قیام ایک رکن صلوۃ ہے؛ اس لئے اگر کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے پر قدرت ہے اور بیٹھ کر اشارہ سے بھی نماز پڑھنے پر قدرت ہے، تو ایسی صورت میں دونوں شکلوں میں سے کوئی بھی شکل اختیار کر کے نماز پڑھ لے، تو نماز صحیح اور درست ہوجائے گی؛ لیکن کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت میں قیام کا رکن ادا ہو جاتا ہے؛ اس لئے کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنا بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں زیادہ راجح اور بہتر ہوگا، مگر حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری کی طرف سے بار بار فقہاء کے مشہور قول کے مطابق جو جزئیہ ہے وہ پیش ہوتا رہا؛ اس لئے فقہاء کے مشہور قول کے مطابق مذکورہ جزئیہ کی وجہ سے کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی افضلیت لکھنے لگا اور فقہاء کی مذکورہ جزئیات کا حوالہ بھی

دیتا رہا؛ لیکن کبھی بھی فقہاء کی ان جزئیات پر اطمنان نہیں رہا؛ کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنا صحیح حدیث اور نص قرآنی کے موافق ہے اور بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا فقہاء کے قیاس سے ثابت ہے اور فقہاء کا قیاس نص قرآنی اور نص حدیث کے مقابلہ میں اضعف الدلائل میں سے ہے۔ نیز خود فقہاء کے درمیان اختلاف بھی ہے اور کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف بھی ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ طحطاوي اور کبیری وغیرہ کی عبارات میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔

ظاهر المذهب جواز الإيماء قائماً، أو قاعداً، كما لا يخفى. قال الحلبي: لو قيل: إن الإيماء قائماً، هو الأفضل خروجاً من الخلاف، يعني خلاف من يشترط القيام عند القدرة عليه لكان موجهاً. (طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، دار الكتاب ديوبند ١ ٤٣، ٤٣٢)

أما إذا كان يقدر على القيام؛ لكن يلحقه نوع مشقة من غير ألم شديد، ولا خوف ازدياد مرض، أو بطؤ برء، فلايجوز له ترك القيام، ولو قدر عليه متكئاً على عصاً، أو خادم. قال الحلواني: الصحيح أنه يلزمه القيام متكئاً، ولو قدر على بعض القيام لا كله لزمه ذلك القدر حتى لو كان لايقدر إلا على قدر التحريمة لزمه أن يتحرم قائماً، ثم يقعد. (كبيري، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، اشرفية ص: ٢٦١، ٢٦٢)

اس لئے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کے مقابلہ میں کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے کو ہم زیادہ افضل اور بہتر سمجھتے ہیں، صحیح حدیث کا حوالہ آگے آرہا ہے۔

آج حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم کا تحقیقی فتوی نظر سے گزرا، جو اپنی پہلی رائے کے مطابق ہے، جس پر احقر کو ہمیشہ اطمینان رہا ہے اور حضرت مولانا مفتی صاحب موصوف کی اس تحقیق کے ذریعہ سے اپنی پہلی رائے کے بارے میں مزید اطمینان ہوگیا؛ اس

لئے کھڑے ہوکر اشارہ سے پڑھنے کو راجح اور بہتر سمجھتا ہوں اور امید کی جاتی ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری بھی اب اس تحقیق سے مطمئن ہو جائیں گے۔

حدیث ملاحظہ فرمایئے:

عن عمران بن حصين قال: كانت بي بواسير، فسألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الصلاة، فقال صل قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً، فإن لم تستطع فعلى جنب. (بخاری شریف، تقصیر الصلاة، باب صلاة القاعد بالإيماء، ١/ ١٥٠، رقم:١١٠٦، ف:١١١٧، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في صلاة القاعد، النسخة الهندية ١/ ١٣٧، دار السلام رقم:٩٥٢)

عن ابن بريدةؓ، قال: حدثني عمران بن حصينؓ، وكان مبسوراً، قال: سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلاة الرجل قاعداً، فقال من صلى قائماً فهو أفضل، ومن صلى قاعداً، فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائماً، فله نصف أجر القاعد. (بخاري شريف، تقصير الصلاة، باب صلاة القاعد، النسخة الهندية ١/ ١٥٠، رقم: ١١٠٤، ابو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب في صلاة القاعد، النسخة الهندية ١/ ١٣٧، دار السلام رقم: ٩٥٢)

اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی صاحب نے اپنی تحقیق میں حضرت مولانا ظفر عثمانیؒ کی اعلاء السنن کا جو تحقیقی جزئیہ پیش کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

إن ركنية القيام قد ثبتت بالنص، وهو قوله تعالى '' وقوموا لله قانتين'' وقوله لعمران صل قائماً، فإن لم تستطع فقاعداً وبالإجماع، فلا يسقط وجوبه عن القادر عليه بالقياس الذي ذكرتموه، فإن القياس أضعف الدلائل لايجوز معارضة القطعي له—وقوله قلت: وتعليل المسئلة، بذلک أولىٰ مما عللها به الجمهور من علمائنا...... والأحوط عندي ماذكره في النهر من وجوب القيام عليه القراءة......وهذا وإن تفرد

صاحب النهر بذكره ولم يوافقه عليه أحد من ناقلي المذهب؛ ولكنه قوي من حيث الدليل، فإن ظاهر حديث عمران مؤيد له كما لا يخفى.

(اعلاء السنن، كتاب الصلاة، ابواب صلاة المريض، باب إذا لم يستطع القيام يصلي قاعداً، دار الكتب العلمية بيروت ۷/۱۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۳۳۲۷ ۱۱)

کیا کھڑے ہوکر اشارہ سے اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا برابر ہے؟

سوال [۴۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا مسئلہ درپیش ہے، اس زمانے کے سارے مفتیان کرام یہی لکھتے ہیں کہ جب تک بیٹھ کر کے اشارہ سے نماز پڑھنے پر قدرت ہو تو کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا ممنوع اور مکروہ ہے، مگر حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی نے ۲/۴/۱۴۳۴ھ میں اپنے ایک تحقیقی فتوی میں لکھا ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے کے مشابہ ہے اور حضرت کے الفاظ یہ ہیں ’’لہٰذا جب اشارہ سے نماز پڑھنے والے کے لئے زمین پر ہی بیٹھ کر پڑھنا متعین اور ضروری نہ ہوا؛ بلکہ کھڑے ہوکر اشارہ سے بھی پڑہنا جائز ہے، تو کرسی پر بیٹھ کر بھی اشارہ سے پڑھنا جائز ہے، ماہنامہ البلاغ صفحہ: ۴۸، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ، ہمیں اس بارے میں کچھ تردد ہے؛ اس لئے کہ آدمی کے لئے سب سے زیادہ آرام وراحت کی شکل کرسی پر بیٹھنے میں ہے اور یہ آرام وراحت نہ تو زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے میں ہے اور نہ ہی کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے میں ہے؛ بلکہ معذور آدمی کے لئے کھڑا ہونا کافی مشقت کا باعث ہوتا ہے اور کرسی پر بیٹھنے کی صورت میں کسی قسم کی مشقت اور تکلیف نہیں ہوتی، تو ایسی صورت میں کرسی پر بیٹھ کر اشارہ

سے نماز پڑھنے کو کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے کے مشابہ قرار دینا ہماری سمجھ میں نہیں آیا؛ اس لئے مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ کو واضح انداز میں بیان کر کے ہمارے شبہ کو دور فرما کر مطمئن فرمائیں؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن بڑا گاؤں ،موانہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم کا تحقیقی فتوی دیکھ لیا گیا، اس میں جو تحقیقات پیش کی گئی ہیں ان میں سے اکثر سے ہمیں اتفاق ہے؛ لیکن کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کو کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے کے برابر جو قرار دیا گیا ہے، اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے، حضرت مفتی صاحب موصوف اس تشبیہ پر دوبارہ نظر ثانی فرمالیں تو بہتر ہے، اور اس کی کئی وجوہات ہمارے سامنے آئی ہیں۔

(۱) کرسی پر بیٹھنے کی صورت میں پیروں، کمر اور پورے بدن پر کوئی زور نہیں پڑتا جس میں معذور کے لئے کوئی پریشانی نہیں ہوتی؛ جبکہ کھڑے ہونے کی صورت میں پورے بدن کا زور پیروں اور کمر پر مکمل پڑتا ہے، جو کرسی پر بیٹھنے کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور معذور آدمی کھڑے ہوکر جب نماز پڑھتا ہے، تو اس کو کم و بیش کچھ نہ کچھ تکلیف برداشت کرنی پڑجاتی ہے جس کا تجربہ سب کو ہے۔

(۲) حاکم کے سامنے کھڑا ہونا عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرنا ہے اور کرسی پر بیٹھنے میں عاجزی وانکساری نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ کرسی پر بیٹھنا اعزاز واکرام اور بڑائی کا سبب ہے، جو حاکم کے سامنے نامناسب سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے کہ کوئی بھی چھوٹا بڑے کے سامنے کرسی پر بیٹھنے کے بجائے اس وقت تک کھڑا رہتا ہے، جب تک بڑے کا حکم نہ ملے اور بڑوں کے سامنے کرسی پر بیٹھنا بے ادبی سمجھا جاتا ہے، مگر کھڑے رہنے کو ادب کے دائرہ میں سمجھا جاتا ہے تو دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

(۳) قیام نماز کا رکن اور فرض ہے اور کرسی پر بیٹھنے کے ذریعہ سے یہ رکن اور فرض ہرگز ادا نہیں ہوسکتا؛ اس لئے کرسی پر بیٹھنے کو قیام کے برابر قرار دینا درست نہیں ہوسکتا۔

(۴) خیر القرون میں بھی کرسیاں تھیں، حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کو جب چوٹ لگی تو آپ ﷺ نے کرسی پر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھائی؛ بلکہ زمین پر بیٹھ کر کے نماز پڑھائی، اگر کرسی پر بیٹھنا قیام کے برابر ہوتا تو آپ ﷺ قیام کی فرضیت اور رکنیت کی ادائیگی کی نیت سے ضرور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھاتے، مگر آپ ﷺ نے کرسی پر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھائی۔

نیز خیر القرون میں جہاد اسلامی کا دور دورہ رہا ہے، سینکڑوں صحابہ کرامؓ زخم خوردہ ہوچکے تھے، مگر اس کے باوجود کسی سے بھی کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ثابت نہیں؛ بلکہ بعض صحابہؓ سے یہ ثابت ہے کہ زخم کی وجہ سے گھٹنے زمین پر نہیں رکھ سکتے تھے تو گھٹنوں کے نیچے تکیہ رکھ کر تکلیف برداشت کرتے ہوئے رکوع سجدہ کے ساتھ نماز ادا کی ہے جیسا کہ حضرت اہبان بن اوسؓ کے واقعہ میں ہے۔

عن مجزأة عن رجل منهم من أصحاب الشجرة، اسمه أهبان ابن أوسؓ، وكان اشتكىٰ ركبته، فكان إذا سجد جعل تحت ركبتهٖ وسادة.

(بخاري شريف، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية النسخة الهندية ۲/۶۰۰، رقم: ۴۰۲۳، ف: ۴۰۷۴)

ان وجوہات کی بناء پر کرسی پڑ بیٹھنے کو قیام جیسے رکن صلوۃ کے برابر قرار دینا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

(۵) قیام ایک رکن صلوۃ ہے جو قرآن وحدیث سے منصوص ہے اور کرسی پر بیٹھنا نہ رکن ہے، نہ واجب ہے، نہ سنت ہے اور نہ ہی مستحب ہے؛ بلکہ نماز کے اعمال میں سے کسی بھی عمل میں شامل نہیں ہے اور افعال صلوۃ میں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا؛ لہٰذا ایک ایسے عمل کو قیام جیسے رکن صلوۃ کے برابر قرار دینا ہماری سمجھ میں نہیں آتا؛ بلکہ جو شخص کھڑے ہوکر قراءت کرنے پر قدرت رکھتا ہو، وہ کرسی پر بیٹھ کر قراءت کرے گا تو قیام جیسے رکن صلوۃ کے فوت ہوجانے کی

وجہ سے اس کی نماز ہی صحیح نہیں ہوگی۔ اور اس بات کو حضرت مفتی صاحب موصوف نے بھی اپنی مذکورہ تحریر میں ثابت فرمایا ہے، ہاں البتہ کوئی شخص ایسا معذور ہو، جو نہ قیام پر قدرت رکھتا ہو اور نہ ہی زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے پر قدرت رکھتا ہو، تو صرف اس کے لئے انتہائی مجبوری میں کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اور اس کی اجازت بھی صرف اس زمانہ کے اہل فتاوی دیتے ہیں، خیر القرون سے لے کر ایک صدی پہلے تک کسی بھی فقیہ نے معذور کے لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز لکھا ہو احقر کی معلومات میں نہیں ہے؛ جبکہ ہر دور میں ہر جگہ کرسی کا وجود رہا ہے اور کسی بھی فقیہ نے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا مسئلہ نہیں اٹھایا؛ اس لئے کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا افعال صلوۃ کے کسی بھی خانہ میں داخل نہیں ہے، ان وجوہات کی بناء پر حضرت مفتی صاحب موصوف نے جو کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے برابر قرار دیا ہے اس کے بارے میں حضرت والا سے نظر ثانی کی گذارش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۳۲/۱۱۷)

کرسی پر نماز کے متعلق ایک جامع فتوی

سوال [۳۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جماعت کھڑی ہوتے وقت کرسی پر نماز پڑھنے والے معذور حضرات صف میں کرسی کس طرح رکھیں کرسی کے پچھلے پائے صف کے آخری حصہ پر رکھیں یا اگلے پائے صف کے آخری حصے پر رکھیں؟ اسی طرح صف بناتے وقت پہلی صف تکبیر تحریمہ کے وقت جہاں تک پر ہوئی ہے وہیں کرسی رکھ لیں یا شروع ہی سے کرسی صف کے بالکل کنارے رکھیں، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: شکیل، فیض گنج مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کرسی کا وجود زمانہ نبوت کے بہت پہلے سے پایا جاتا ہے اور دور نبوت، دور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ جہاد اسلامی کا زمانہ تھا، کسی کے پیر میں چوٹ آئی، کسی کے ہاتھ میں چوٹ آئی، کسی کی کمر میں چوٹ آئی، کسی کے کولہے میں چوٹ آئی، مگر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا کسی سے ثابت نہیں، حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کو پیر میں سخت چوٹ آئی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اٹھنے، بیٹھنے اور نقل وحرکت میں آپ ﷺ کو زبردست تکلیف ہوتی تھی پھر بھی آپ ﷺ نے کرسی پر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھائی؛ بلکہ زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھائی، جس کا ذکر حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہے۔

المعجم الاوسط میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جو بھی معذور آدمی سجدہ پر قدرت رکھتا ہو تو وہ سجدہ کے ساتھ نماز پڑھے اور جو سجدہ پر قدرت نہیں رکھتا ہے وہ سجدہ کے لئے تکیہ یا ٹیبل وغیرہ کسی اونچی چیز پر سجدہ نہ کرے؛ بلکہ اپنے سر کے اشارے سے رکوع سجدہ کرکے نماز پڑھے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من استطاع منكم أن يسجد فليسجد، ومن لم يستطع فلا يرفع إلى جبهته شيئاً ليسجد عليه؛ ولكن ركوعه وسجوده برأسه. (المعجم الأوسط، دارالفكر ۵/۲۰۷، رقم:۷۰۸۹)

اور یہ اثر موطا امام مالک میں موجود ہے ملاحظہ فرمایئے:

عن نافع أن عبد الله بن عمر كان يقول: إذا لم يستطع المريض السجود، أومأ برأسه إيماء، ولم يرفع إلى جبهته شيئاً. (موطا إمام مالك، باب العمل في جامع الصلاة، اشرفي ديوبند ص:۵۹)

اور المعجم الکبیر للطبرانی میں یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عمرؓ قال: عاد رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا من

أصحابه مريضاً، وأنا معه فدخل عليه، وهو يصلي على عود فوضع جبهته على العود، فأومأ إليه، فطرح العود وأخذ وسادة. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعها عنک، إن استطعت أن تسجد على الأرض، وإلا فأومأ إيماءً، واجعل سجودک أخفض من ركوعک. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۲/۲۰۹، رقم: ۱۳۰۸۲، السنن الكبري للبيهقي، دارالفكر ۳/۲۳۵، رقم: ۳۷۷۰)

اور مسند ابو یعلی موصلی میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ ایک مریض کی عیادت کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ موجود تھا، تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ مریض تکیہ پر سجدہ کر رہا تھا، تو آپ ﷺ نے ان کو اس سے منع فرما کر یہ ارشاد فرمایا: کہ اگر تم زمین پر سجدہ کرنے پر قدرت رکھتے ہو، تو زمین پر سجدہ کرو ورنہ اشارہ کے ساتھ نماز پڑھا کرو اور رکوع کے مقابلے میں سجدہ میں زیادہ جھکا کرو، اسی روایت کو امام ابو ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں مسند بزار کے حوالے سے نقل فرمایا ہے اور ساتھ ہی فرمایا:

رجال البزار رجال الصحيح

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما، قال: عاد رسول الله صلى الله عليه وسلم مريضاً، وأنامعه فرآه يصلي ويسجد على وسادة فنهاه. وقال: إن استطعت أن تسجد على الأرض فاسجد وإلا فأومأ إيماء، واجعل السجود أخفض من الركوع. (مسند أبي يعلىٰ الموصلي، دار الكتب العلميةبيروت ۲/۲۰۱، رقم: ۱۸۰۵، بيروت، مجمع الزوائد ۲/۱٤۸)

اس روایت کو امام بیہقیؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عاد مريضاً، فرآه يصلي على وسادة، فأخذها فرمى بها، فأخذ عوداً ليصلي عليه، فأخذه فرمى به، وقال: صل على الأرض إن استطعت وإلا

فأوم إيماءً، واجعل سجودك أخفض من ركوعك. (السنن الكبرى للبيهقي، باب صلاة المريض، باب الإيماء بالركوع، والسجود إذا عجز عنهما، دارالفكر جديد ۳/۲۳٦، رقم:۳۷٦۸)

نیز حضرت امام ابوحنیفہؒ کے زمانے سے متاخرین فقہاء تک کسی بھی فقیہ نے اپنی کتاب میں کرسی پر نماز پڑھنے کا مسئلہ نہیں اٹھایا؛ اس لئے کہ نماز اللہ کی ایسی عبادت ہے، جس میں بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی ذلت اور عاجزی وانکساری کا اظہار کرتا ہے اور کرسی پر بیٹھنا باعث اعزاز ہوتا ہے؛ اس لئے حدیث وفقہ کی تمام کتابوں میں معذورین کی نماز کا عنوان قائم کیا گیا ہے، مگر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا کوئی مسئلہ نہیں لکھا گیا ہے؛ البتہ اگر کوئی آدمی زمین پر کسی بھی ہیئت پر بیٹھ سکتا ہے، پالتی مار کر یا پیروں کو پھیلا کر یا ٹیڑھا میڑھا ہو کر بیٹھ سکتا ہو، تو اسی ہیئت پر بیٹھ کر اگر رکوع سجدہ کر سکتا ہے تو کرے گا ورنہ اسی ہیئت میں اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے گا اور اگر زمین پر بیٹھنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے، تو لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ اس تفصیلی حکم کے بعد کرسی پر نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اگر کوئی آدمی زمین پر کسی بھی ہیئت میں بیٹھنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے اور کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا ہے اور وہ کرسی پر بیٹھنے کی قدرت رکھتا ہے، تو ایسی انتہائی مجبوری کی حالت میں کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، مثلاً کوئی بڑا آپریشن ہوا ہے، جس کی وجہ سے زمین پر بیٹھنے سے زخم کو نقصان ہونے کا خطرہ ہے یا کولہے میں ایسی تکلیف ہے کہ زمین پر کسی طرح بیٹھنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے اور کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنے پر بھی قدرت نہیں ہے، تو ایسی انتہائی مجبوری کی حالت میں کرسی پر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنے پر کی گنجائش ہے اور ایسا شخص نماز کھڑی ہوتے وقت جو صفیں مکمل ہوتی ہیں، ان میں سے کسی صف کے ایک کنارے پر نماز پڑھے؛ لیکن جس صف پر نماز پڑھ رہا ہے، اسی صف پر کرسی رکھے، پیچھے والی صف پر نہ رکھے؛ اس لئے کہ پیچھے والی

صف کا وہ حصہ اس صف پر نماز پڑھنے والے کے سجدہ کی جگہ ہے، آج کے زمانہ میں کرسی پر نماز پڑھنے کا ایک تساہلی سلسلہ شروع ہو چکا ہے، جس کو کرسی پر نماز پڑھنے کی گنجائش ہوسکتی ہے ایسا ۱۰۰ ؍ میں ایک آدھ مشکل سے نظر آتا ہے، ورنہ ۹۹ ؍ فیصد وہ حضرات کرسی پر نماز پڑھتے ہیں، جن کو شریعت نے کرسی پر پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے؛ اس لئے ہر نمازی کو پہلے ہی سے اس بات کا دھیان رکھنا چاہئے کہ وہ اپنی نماز کو کرسی کے ذریعہ خراب نہ کرے۔ ہمارے قریب کی کئی مسجدوں میں بہت ساری کرسیاں رکھی نظر آرہی تھیں۔ اور اچھے خاصے لوگ آکر کے کرسیوں پر نماز پڑھتے تھے، ان کو شرعی مسئلہ سے آگاہ کردیا گیا۔

الحمدللہ ان مسجدوں سے ساری کرسیاں ہٹ گئی ہیں، وہی حضرات جو کرسی پر نماز پڑھتے تھے آج **الحمد للہ** بغیر کرسی کے نماز پڑھ رہے ہیں، مسئلہ تفصیل سے اس لئے لکھا گیا ہے تاکہ ہر مسلمان بھائی دوسرے کو صحیح مسئلہ بتادے۔

وكذا لو عجز عن الركوع، والسجود وقدر على القيام، فالمستحب أن يصلي قاعداً بإيماءٍ، وإن صلى قائما بإيماء جاز عندنا، هكذا في فتاوى قاضيخان .

(هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلوة المريض قديم ١/١٣٦، جديد ١/١٩٦)

إن كان جلوسه كما يجلس للتشهد أيسر عليه من غيره، أو مساوياً لغيره كان أولىٰ، وإلا اختار الأيسر في جميع الحالات . (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، كراچي ٢/٩٧، زكريا ٢/٥٦٦، ٥٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸ ؍ رجب ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۰ ؍ ۷۲۴۷)	۱۴۲۱/۷/۱۸ھ

کرسی پر نماز کا حکم

سوال [۳۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ وانمباڑی کی مسجدوں میں ہرکس وناکس کرسی پر بیٹھ کرنماز پڑھ لیتا ہے؛ اس لئے حسب ذیل مسائل کی اشاعت کرنا چاہتے ہیں، اس پر مطلوب یہ ہے کہ:

(الف) یہ مسائل صحیح ہیں یانہیں؟

(ب) اگرکوئی مسئلہ صحیح نہیں ہےتو اس کی صحیح شکل کیا ہے؟

(د) صحیح ہونے کی صورت میں فقہ کی کتابوں سے حوالہ درکار ہے؟

(ج) اِسی کے تعلق سے مزید اہم مسائل ہوں تو ان کو بھی تحریر فرمادیں،تو عین نوازش ہوگی۔

’’کرسی پر بیٹھ کرنماز پڑھنے کے مسائل‘‘

نمبر۱: فرض وواجب نماز میں قرأت (سورۂ فاتحہ وسورۃ) کرتے وقت کھڑے ہوناضروری (فرض) ہے؟

نمبر۲: کھڑے ہونے پرانتہائی مشقت ہونے کی صورت میں بیٹھ کرنماز پڑھنا جائز ہے؟

نمبر۳: بیٹھ کر پڑھنے کامطلب یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر رکوع سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہئے ،سجدہ کرنے کی سکت نہ ہونے پر زمین پر بیٹھ کر ہی اشارہ کرکے پڑھنا چاہئے ؟

نمبر٤: قیام (قرأت کرتے وقت) مکمل قیام نہیں ہوسکتا صرف تھوڑی دیر ہی کھڑے ہونے کی طاقت ہونے کی صورت میں اسے تھوڑی دیر کے لئے ہی کھڑا ہونالازمی (واجب) ہے؟

نمبر٥: بیٹھ کرنماز پڑھنے کا مطلب التحیات میں بیٹھنے کی طرح بیٹھ کرنماز پڑھنا ہے؟

نمبر٦: اگرالتحیات کی طرح بیٹھنے کی سکت نہ ہوتو جس طرح بیٹھنے کی طاقت ہو،اسی طرح بیٹھ کرنماز پڑھ سکتے ہیں؟

نمبر٧: اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کے لئے جتنا جھکا جا تا ہے،اس سے زیادہ سجدہ کے لئے جھکنا چاہئے ؟

نمبر٨: سجدہ کرنے کے لئے تکیہ یاڈسک وغیرہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے؟

نمبر۹: کھڑے ہونے پر یا زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے انتہائی مشقّت ہونیکی صورت میں میں ہی کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

نمبر۱۰: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو سہارا دے کر یا ٹیک لگا کر پڑھنا صحیح طریقہ نہیں ہے؟

نمبر ۱۱: اللہ کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی و بے بسی کو ظاہر کرنے کا طریقہ ہی نماز ہے، اپنی ظاہری حالت سے بھی عاجزی ظاہر ہونی چاہئے؟

نمبر۱۲: ارشاد خداوندی ہے کہ اطاعت خدا اور رسول ﷺ کے خلاف عمل کر کے اپنے عمل کو ضائع نہ کریں؟

نمبر۱۳: جو سجدہ پر قادر نہ ہو اس پر قیام بھی فرض نہیں ہے؟

حضرات مفتیان کرام سے عاجزانہ گذارش ہے کہ اس کا جواب فوری طور پر روانہ کردیں، تو عین نوازش ہوگی۔ **جزاکم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء.**

المستفتی: وفاق المکاتب القرآنیہ، مسجد امین آباد، قادر پیٹ، وانمباڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) فرض اور واجب نماز میں قیام پر قادر شخص کے لئے کھڑا ہونا فرض ہے، سوال نامہ میں جس انداز سے تعبیر کی گئی ہے، وہ تعبیر درست نہیں ہے؛ بلکہ حکم شرعی وہی ہے جو ہم نے جواب میں لکھا ہے کہ قیام پر قادر شخص پر تکبیر تحریمہ سے لے کر رکوع تک قیام فرض ہے۔

ومنها القيام وهو فرض في صلاة الفرض، والوتر. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، زكريا قديم ١/٦٩، جديد ١/١٢٦)

(۲) یہ درست ہے کہ کھڑے ہونے پر انتہائی مشقت اور تکلیف کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

فإذا عجز عن القيام يصلي قاعدًا. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة الفصل

فـي أركـان الصلاة زكريا ١/٢٨٤، كراچي ١/١٠٥، المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢١٢)

(۳) یہ بات بھی درست ہے کہ کھڑے ہونے پر قادر نہ ہونے کی صورت میں زمین پر بیٹھ کر باضابطہ رکوع اور زمین پر سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے، مگر رکوع وسجدہ اشارہ سے کرنا درست نہیں؛ ہاں البتہ یہاں تین حکم شرعی الگ الگ ہیں۔

نمبر ۱: قیام پر قادر نہیں ہے، مگر رکوع وسجدہ پر قادر ہے، تو ایسے شخص کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، مگر بیٹھنے کی حالت میں رکوع کرنا اور زمین پر سجدہ کرنا لازم ہے۔

نمبر ۲: قیام پر قادر ہے، مگر رکوع وسجدہ پر قادر نہیں، مثلاً کسی کی ریڑھ کی ہڈی میں سخت تکلیف ہے جس کی بنا پر کھڑا تو ہوسکتا ہے، مگر رکوع وسجدہ نہیں کرسکتا، یا آنکھ بنوائی گئی ہے اور اس حالت میں قیام پر قادر ہے، مگر وقتی طور پر رکوع اور سجدہ سے منع کر دیا گیا ہے، تو ایسے آدمی کے لئے رکوع وسجدہ اشارہ سے کرنا جائز ہے اور ایسا آدمی کرسی پر بیٹھ کر بھی رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرسکتا ہے، مگر سجدہ کے لئے دو اینٹ سے اونچا میز یا کوئی اور چیز رکھ کر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

نمبر ۳: ایسا معذور آدمی جو نہ قیام پر قادر ہو اور نہ ہی زمین پر سجدہ کرنے پر، تو ایسے آدمی کے لئے زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنے کی اجازت ہے؛ لیکن اگر زمین پر بیٹھنے پر بھی قادر نہیں ہے، تو کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرسکتا ہے یہی وہ معذور شخص ہے، جس کے لئے کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے، مثلاً ایکسیڈنٹ میں کولہے کی ہڈی ٹوٹ گئی، زمین پر بیٹھ نہیں سکتا اور زمین پر سجدہ بھی نہیں کرسکتا ہے، تو وہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

فإذا عجز عن القيام، يصلي قاعداً بركوع وسجود، فإن عجز عن الركوع والسجود يصلي قاعدًا. (بدائع الصنائع، كتاب صلاة، فصل في أركان الصلاة،

زکریا ۱/۲۸٤، کراچي ۱/۱۰٥، المبسوط للسرخسي، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۲۱۲)

فإن فعل وهو یخفض برأسه لسجوده أکثر من رکوعه، صح علیٰ أنه إیماء لاسجود إلا أن یجد قوة الأرض. وفي الشامي: فحینئذٍ ینظر إن کان الموضوع مما یصح السجود علیه کحجر مثلاً ولم یزد ارتفاعه علی قدر لبنة، أو لبنتین، فهو سجود حقیقي، فیکون راکعاً، ساجداً لامؤمیاً......وإن لم یکن الموضوع، کذلک یکون مؤمیاً. (شامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، کراچي ۲/۹۸، زکریا ۲/٥٦٨-٥٦٩)

ومنها القیام لقادر علیه وعلی السجود، فلو قدر علیه دون السجود ندب إیماؤه قاعداً. (در مختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، کراچي ۱/٤٤٤، ٤٤٥، زکریا ۲/۱۳۲)

(۴) اگر کوئی شخص مکمل قیام پر قادر نہ ہو؛ لیکن تھوڑی دیر کے لئے کھڑا ہوسکتا ہے، تو ایسے شخص پر تھوڑی دیر کھڑا ہونا لازم ہے۔

وإن قدر علی بعض القیام، ولو متکئاً علی عصاً، أو حائط قام لزوماً بقدر ما یقدر ولو قدر آیة أو تکبیرة علی المذهب. (در مختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، کراچي ۲/۹۷، زکریا ۲/٥٦٧)

(۶/۵) تشہد کی طرح نماز پڑھنے کا حکم مریض کے لئے اس وقت ہے، جب آسانی سے اس ہیئت پر بیٹھنے پر قادر ہو؛ لیکن اس ہیئت پر بیٹھنا دشوار ہو تو جس طرح اس کو سہولت ہو بیٹھ سکتا ہے، اس پر کسی ہیئت کی پابندی نہیں ہے۔

من تعذر علیه القیام صلی قاعداً، کیف شاء علی المذهب. وقال زفر: کالمتشهد. وفي الشامیة قال في البحر: ولایخفیٰ ما فیه؛ بل الأیسر عدم التقیید بکیفیة من الکیفیات. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، کراچي ۲/۲٥، زکریا ۲/٥٦٤ تا ٥٦٦)

(۷) یہ درست ہے کہ اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع کے اشارہ کے مقابلہ میں

سجدہ کا اشارہ زیادہ جھک کر کرنا چاہئے۔

ویجعل سجوده أخفض من رکوعه. (در مختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلوة المریض، کراچي ۹۸/۲، زکریا ۵٦۸/۲)

(۸) جو شخص رکوع وسجدہ پر قادر نہ ہو، تو اس کے لئے بیٹھنے کے بعد تکیہ یا میز پر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں، تاہم اگر ان چیزوں پر سجدہ کرلیا تو اصل میں سجدہ کی ادائیگی سر جھکانے سے ہو جائے گی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ سجدہ کے لئے جو چیز سامنے رکھی جائے، اگر وہ چیز دو اینٹ کے برابر اونچی ہے یا دو اینٹ کی اونچائی سے کم ہے، تو یہ سجدہ کا اشارہ شمار نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ زمین پر ہی سجدہ کرنا شمار ہوگا اور اگر جو چیز سامنے رکھی ہوئی ہے، وہ دو اینٹ سے زیادہ اونچی ہے، تو اس پر سجدہ کرنا اور اس کے بغیر صرف اشارہ سے سجدہ کرنا دونوں برابر ہیں؛ لہٰذا سجدہ کرنے کے لئے ایسی چیز رکھنے کی ضرورت نہیں، اگر اس پر سجدہ کر بھی لے گا تو سجدہ کا فریضہ ادا ہو جائے گا؛ لیکن اس چیز پر سجدہ کرنے کی کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

وفي الشامیة: فحینئذٍ ینظر إن کان الموضوع مما یصح السجود علیه کحجر مثلاً ولم یزد ارتفاعه علی قدر لبنة، أو لبنتین، فهو سجود حقیقي، فیکون راکعاً ساجداً لا مؤمیا...... وإن لم یکن الموضوع کذلک یکون مؤمیًا.

(شامي، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض، کراچي ۹۹/۲، زکریا ۵٦۹/۲)

(۹) جو شخص ضعف یا کمزوری یا مرض کے بڑھ جانے کے خطرہ سے قیام سے عاجز ہو، تو ایسے شخص کے لئے بیٹھ کر فرض وواجب نمازیں پڑھنا جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص بیٹھنے سے عاجز ہو؛ لیکن وہ کھڑا ہو سکتا ہے، تو ایسے شخص کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا لازم ہے، اور رکوع بھی کھڑے ہونے کی حالت میں کرے گا، ہاں البتہ سجدہ کے لئے کرسی پر بیٹھنے کی گنجائش ہے، اور اگر کمر کی تکلیف کی وجہ سے کھڑے ہونے پر قادر نہیں ہے اور نہ زمین پر بیٹھنے پر قادر ہے، تو ایسے شخص کے لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ

جواب نمبر۳ رمیں تفصیل سے لکھا گیا۔

(۱۰) کرسی پر بیٹھ کرنماز پڑھنے کی صورت میں ٹیک لگانا مکروہ تحریمی ہے؛ البتہ ضرورت کی وجہ سے ٹیک لگائیں یا سہارا لیں تو جائز ہے۔

وإذا لم يقدر على القعود و مستويا و قدر متكئاً، أو مستنداً إلى حائط أو إنسان يجب أن يصلي متكئا أو مستنداً. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلوة المريض، زكريا قديم ١/١٣٦، جديد ١/١٩٦)

(۱۱/۱۲) نماز میں خشوع وخضوع اللہ کے یہاں محبوب اور پسندیدہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِيۡ صَلَاتِهِمۡ خَاشِعُوۡنَ. [المؤمنون:١-٢]

(۱۳) مطلقاً یہ کہنا درست نہیں کہ جو آدمی سجدہ پر قادر نہ ہو اس پر قیام فرض نہیں؛ اس لئے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کھڑا ہوسکتا ہے، چل سکتا ہے؛ لیکن آنکھوں میں آپریشن کی وجہ سے یا ایکسیڈنٹ کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتا ہے اور نہ ہی سجدہ کرسکتا ہے، تو ایسے شخص کے لئے کھڑے کھڑے اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم ہے، اسی طرح گردن میں یا سر میں یا چہرہ میں کوئی ایسی تکلیف ہے، جس کی وجہ سے سجدہ نہیں کرسکتا ہے یا کمر کی تکلیف کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتا، تو ایسا شخص کھڑے کھڑے اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ومنها القيام في فرض لقادر عليه وعلى السجود، فلو قدر عليه دون السجود ندب إيماؤه قاعداً. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة باب صفة الصلاة، كراچي ١/٤٤٤، ٤٤٥، زكريا ٢/١٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵رصفر المظفر ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۳۴/۹۷۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۲/۱۴۳۰ھ

معذور کا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۳۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کا ایکسیڈنٹ کے اندر پیر ٹوٹ گیا، پھر ایک مہینہ کے بعد پلاسٹر کی حالت میں نماز پڑھنے کے لئے آیا، مغرب میں تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھ لیا؛ لیکن عشاء میں نہ پڑھ سکا تکلیف زیادہ ہونے کی وجہ سے؛ لہٰذا کرسی لگا کر نماز پڑھی تو بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کی نماز نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ وہ امام سے اونچا ہو گیا، تو کیا یہ قول درست ہے؟

المستفتی: مصلیان جامع مسجد شاہی مرزعہ، پی، ٹی، ایس، نگر مہال (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ دو منزلہ مسجدوں میں یا مسجد کی دو چھتی میں نماز پڑھتے ہیں وہ لازمی طور پر امام سے اونچائی پر ہوتے ہیں، جیسے ان کی نماز بلا کراہت ہو جاتی ہے، اسی طرح معذور کی نماز بھی بلا کراہت درست ہو جاتی ہے، امام سے اونچا ہونے سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

من تعذر عليه القيام لمرض – إلى قوله – صلىٰ قاعداً، ولو مستنداً إلى وسادة أو إنسان، فإنه يلزمه ذلک على المختار. (در مختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، كراچي ۲/۹۷، زكريا۲/۵٦٤)

فلو قاموا على الرفوف والإمام على الأرض أو في المحراب لضيق المكان لـم يكره لو كان معه بعض القوم في الأصح. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة الخ زكريا ۲/٤١٥، كراچي ١/٦٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۸۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱۶ھ

گھر سے پیدل چل کر آنے والے کا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۳۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسجد کی پہلی صف میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے لوگ راس سے کہتے ہیں کہ اگلی صف میں کرسی نہ ڈالے، مگر وہ مانتا نہیں اب اگر کوئی مقتدی قرآن پاک کی تلاوت کرنا چاہے تو کیسے کرے؛ جبکہ وہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے اور تلاوت کرنے والے سے کہتا ہے کہ اگر تلاوت کروگے تو گنہگار ہوگے؛ کیوں کہ میں کرسی پر بیٹھا ہوں، تو کیا اس شخص کو پہلی صف میں کرسی ڈالنی چاہئے؛ جبکہ گھر سے پیدل چل کر مسجد تک آتا ہے؟

المستفتی: محمد اسلم، شکلوں کا کنواں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ پیدل چلنے پر قادر ہے اور کسی خاص مرض کی وجہ سے رکوع وسجدہ پر قادر نہیں ہے، تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔

ولو قدر على القيام مع عدم القدرة على الركوع فيصلي قاعداً يومي إيماءً. (الموسوعة الفقهية ٢٧/٢٦٢)

اور ایسا شخص اپنی کرسی مسجد کے بالکل دائیں یا بالکل بائیں آخری کنارہ پر رکھوایا کرے، آخری کنارہ پر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے اور آخری کنارہ پر پہلی صف میں بھی کرسی ڈال کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، مگر صف کے بیچ میں کرسی ڈال کر نہ بیٹھے، اس کی وجہ سے صفوں کی درستگی اور یکسانیت باقی نہیں رہتی ہے اور حدیث شریف میں صفوں کی درستگی اور یکسانیت کی تاکید آئی ہے۔

قال في المعراج: الأفضل أن يقف في الصف الآخر، وهذا لو قبل الشروع، فلو شرعوا وفي الصف الأول فرجة له خرق الصفوف.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچي ١/٥٦٩، زكريا ٢/٣١٠)

عن أنس رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: سووا صفوفكم، فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلاة. (بخاري شريف، كتاب الأذان، باب إقامة الصف من تمام الصف، النسخة الهندية ١/١٠٠، رقم: ٧١٤، ف:٧٢٣)

قرآن کریم کی تعظیم او رادب ضروری ہے؛ لیکن جب ایک آدمی مسجد میں عذر کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز میں مشغول ہے اوراسی کے بغل میں دوسرا آدمی قرآن کریم کی تلاوت کررہا ہے، تو عرف میں اسے خلاف ادب نہیں سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ مسجد نبوی میں صفہ پرلوگ بیٹھے عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور اسی کے دائیں بائیں نیچے دوسرے لوگ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں؛ البتہ اگر کوئی نیچے قرآن کریم کی تلاوت کررہا ہو اوراسی کے بغل میں کوئی آدمی چارپائی پر بیٹھا یا لیٹا ہو، تو اسے ہمارے عرف میں خلاف ادب سمجھا جاتا ہے؛ لہٰذا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے بغل میں قرآن کریم کی تلاوت عرفاً خلاف ادب شمار نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ دونوں عبادت میں مشغول ہیں اور معذور آدمی عذر کی وجہ سے کرسی چھوڑ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا؛ اس لئے یہ خلاف ادب نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱/۱۷۱، زکریا مطول ۲/۴۹۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۶/۳۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادالثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۰۷/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۲۵ھ

کمر کی تکلیف میں مبتلا شخص کا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال [۳۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات سے کمر میں درد کی وجہ سے رکوع اور سجدہ نہیں ہوتا ہے؛ لیکن کھڑے ہوسکتے ہیں، ایسے لوگ کرسی پر نماز پڑھتے ہیں، کیا کرسی پر نماز پڑھنے کی وجہ سے قیام معاف

ہوجائے گا؟ جبکہ قیام پر قادر ہیں رکوع اور سجدہ پر قادر نہیں ہیں، آج کل کرسی پر نماز پڑھنا عام ہوتا جارہا ہے، اس کی وضاحت فرمادیں؟

المستفتی: محمد اصغر، سیڈھا، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جولوگ کمر کی تکلیف کی وجہ سے رکوع اور سجدہ پر قادر نہ ہوں اور کھڑے ہونے پر قادر ہوں اور زمین پر بیٹھنے پر بھی قادر ہوں، تو ان کے لئے کھڑے ہوکر اشارہ سے نماز پڑھنے کی گنجائش تو ہے؛ لیکن افضل اور بہتر یہی ہے کہ زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھیں، کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ان کے لئے جائز نہیں ہے۔

نیز اگر زمین پر کسی بھی ہیئت میں بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قدرت رکھتے ہوں تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر پیروں میں یا کمر میں یا کولھے وغیرہ میں اس طرح تکلیف ہے کہ زمین پر کسی بھی ہیئت میں بیٹھنے پر قدرت نہیں ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے مجبوراً کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، اسی طرح اگر کسی بھی ہیئت میں زمین پر بیٹھنے پر قدرت نہیں ہے اور رکوع وسجدہ پر بھی قدرت نہیں ہے، مگر قیام پر قدرت ہے اور کرسی پر بیٹھنے پر بھی قدرت ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے بھی کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ جب زمین پر سجدہ کرنے پر قدرت نہ ہو تو قیام کی فرضیت ختم ہوجاتی ہے۔

وكذا لو عجز عن الركوع والسجود، وقدر على القيام فالمستحب أن يصلي قاعداً بإيماء، وإن صلى قائماً بإيماء جاز عندنا. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صلاة المريض، زكرياقديم ١/١٣٦، جديد ١/١٩٦)

ولأن السجود أصل وسائر الأركان كالتابع له؛ ولهذا كان السجود معتبراً بدون القيام كما في سجدة التلاوة، وليس القيام معتبراً بدون السجود؛

بـل لـم يشـر ع بـدو نـه، فـإذا سـقـط الأصـل سقط التابع ضر و ة؛ ولهذا سقط الركو ع عمن سقط عنه السجود، وإن كان قادراً على الر كو ع و كان الر كو ع بـمنز لة التابع له، فكذا القيام؛ بل أو لىٰ لأن الر كو ع أشد تعظيماً و إظهارًا لذل الـعبـو دية مـن الـقيام، ثم لما جعل تابعاً له وسقط بسقو طه، فالقيام أولىٰ إلا أنه لـو تـكـلف وصـلى قائما يجو ز لما ذ كرنا؛ ولكن لايستحب؛ لأن القيام بدون الســجـو د غيـر مشـر و ع بـخـلاف مـا إذا كـان قـادراً على القيام، و الر كو ع، و السـجو د؛ لأنه لم يسقط عنه الأصل، فكذا التابع. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الكلام في صلاة المريض، قديم كراچي ١/١٠٧، زكريا ١/٢٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ ؍۱۶۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲ ؍۳ ؍۱۴۳۳ھ

(۲۸) باب الجمعة

(۱) فصل في الفضائل ووقتها

جمعہ کی فضیلت

سوال [۳۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن کی خصوصیت کیا ہے؟ اوراس کی فضیلت کیا ہے؟ اگر جمعہ کے دن کے بارے میں حدیث پاک میں کوئی مخصوص فضیلت وارد ہوئی ہوتو ضرور مع حوالہ تحریر فرمادیں؟

المستفتی: شعیب احمد، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ کے دن کی فضیلت سے متعلق بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں؛ چناں چہ حدیث شریف میں ہے کہ روئے زمین میں جمعہ کے دن سے زیادہ بہتر اور افضل دن پر سورج طلوع نہیں ہوا (کیوں کہ)اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا گیا اور اسی دن آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن آدم علیہ السلام کو جنت سے روئے زمین پر اتارا گیا اوراسی دن آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی اوراسی دن قیامت قائم ہوگی۔

اس سے متعلق حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي هريرة رضـ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة، فيه خلق آدم، وفيه أدخل الجنة، وفيه أخرج منها، ولاتقوم الساعة إلا في يوم الجمعة. (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، فصل في فضيلة

يوم الجمعة على باقي الأيام، النسخة الهندية ١/ ٢٨٢، بيت الأفكار رقم: ٨٥٤، سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب فضل يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١١١، دارالسلام رقم: ٤٨٨، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب فضل يوم الجمعة و ليلة الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١٥٠، دارالسلام رقم: ١٠٤٦، سنن النسائي، كتاب الجمعة، ذكر الساعة التي يستجاب فيها الدعاء يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١٥٤، دارالسلام رقم: ١٤٣١)

عن أبي لبابةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن يوم الجمعة سيد الأيام وأعظمها عند الله من يوم الأضحى ويوم الفطر، فيه خمس خلال: خلق الله فيه آدم، وأهبط الله فيه آدم إلى الأرض، وفيه توفى الله آدم، وفيه ساعة لايسأل الله فيها العبد شيئاً إلا أعطاه ما لم يسئل حراماً، وفيه تقوم الساعة. الحديث. (ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب في فضل الجمعة، النسخة الهندية ١/ ٧٦، دارالسلام رقم: ١٠٨٤، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٥/ ٣٣، رقم: ٤٥١١، المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، في فضل صلاة الجمعة و يومها قديم ٢/ ١٥٠، مؤسسة علوم القرآن جديد ٤/ ١٥٥، ١٥٦، رقم: ٥٥٥٩، مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٤٣٠، رقم: ١٥٦٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱ر ۱۱۹۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۷ھ

جمعہ کے دن جلد از جلد مسجد پہونچنے کی فضیلت

سوال [۳۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا جمعہ کے دن سویرے نماز جمعہ کے لئے جانا لازم اور ضروری ہے؟ اور سویرے جانے کی کیا فضیلت ہے؟ کیا حدیث میں اس کے لئے کوئی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے؟ اگر کوئی

حدیث اس کے متعلق وارد ہوئی ہے تو ضرور تحریر فرمادیں؟

المستفتی: محمد سلمان لاتور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے سویرے جانے سے متعلق بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں؛ چناں چہ حدیث شریف میں اس بات کی صراحت ہے کہ جمعہ کے دن مسجد کے دروازوں پر فرشتوں کو متعین کردیا جاتا ہے اور وہ فرشتے پہلے آنے والے کی فضیلتیں نوٹ کرتے ہیں، الاول فالاول، اسی طرح سلسلہ وار آنے والے کا نام نوٹ کرتے رہتے ہیں اور بعض روایات میں ہے کہ پہلے آنے والے کو اونٹ صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے بعد آنے والے کو گائے بیل وغیرہ صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے بعد آنے والے کو بکرا صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے، اس کے بعد آنے والے کو مرغ اور پرندہ صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور اس کے بعد آنے والے کو انڈا وغیرہ صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ الغرض حدیث شریف میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ جمعہ کے دن جتنا ہوسکے جلد جامع مسجد میں پہونچنا چاہئے، جو جتنا جلد مسجد پہونچے گا، اس کو اتنا ہی ثواب اور افضلیت حاصل ہوگی۔

اس سے متعلق حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا كان يوم الجمعة وقفت الملائكة على باب المسجد يكتبون الأول فالأول، ومثل المهجر كمثل الذي يهدي بدنة، ثم كالذي يهدي بقرة، ثم كبشاً، ثم دجاجة، ثم بيضة، فإذا خرج الإمام طووا صحفهم، ويستمعون الذكر.

(بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب الاستماع إلى الخطبة، النسخة الهندية ١/١٢٧، رقم: ٩١٩، ف: ٩٢٩، مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/٢٨٢، بيت الأفكار رقم: ٨٥٠)

عن أبي هريرة رضـ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تقعد الملائكة يوم الجمعة على أبواب المسجد يكتبون الناس على منازلهم، فالناس فيه كرجل قدم بدنة، وكرجل قدم بدنة، وكرجل قدم بقرة، وكرجل قدم بقرة وكرجل قدم شاة وكرجل قدم شاة وكرجل قدم دجاجة، وكرجل قدم دجاجة وكرجل قدم عصفوراً، وكرجل قدم عصفوراً، وكرجل قدم بيضة، وكرجل قدم بيضة. (نسائي شريف، كتاب الجمعة، باب التبكير إلى الجمعة، النسخة الهندية ١/١٥٦، دار السلام رقم:١٣٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۹۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۷ھ

ساعتِ اجابت کب ہے؟

سوال [۳۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن قبولیت کی کون سی گھڑی ہے؟ اس کے بارے میں علماء سے سنا ہے کہ جمعہ کے دن میں کوئی ایسا وقت ہے، جس میں دعا کرنے والے کی دعاء ضرور قبول ہوتی ہے، اگر ایسی کوئی حدیث ہو تو ضرور تحریر فرمادیں؟

المستفتی: محمد اکبر چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہے، جس میں بندوں کی دعاء ضرور قبول ہوتی ہے اور اس گھڑی کو ساعۃ اجابت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، کتب احادیث میں اس قبولیت کی گھڑی سے متعلق بے شمار روایات وارد ہوئی ہیں؛ چناں چہ بعض روایات میں عصر کے بعد سے لے کر مغرب تک کے درمیانی وقت کی صراحت آئی ہے اور بعض روایات میں جمعہ کی نماز سے لے کر فراغت تک کے درمیانی

وقت کی صراحت آئی ہے، ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں؛ لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے عصر کے بعد والی روایت کو حنفیہ کا راجح مذہب نقل فرمایا ہے؛ البتہ بہتر یہی ہے کہ اگر کسی کو گنجائش ہو تو جمعہ کے پورے دن کو عبادت کے لئے مخصوص کرے اس میں قبولیت کی گھڑی ضرور مل جائے گی۔

ساعتِ اجابت سے متعلق روایات ملاحظہ فرمایئے:

عن أنس بن مالکؓ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: التمسوا الساعة التي ترجیٰ في یوم الجمعة بعد العصر إلی غیبوبة الشمس. (ترمذي شریف، کتاب الصلاة، باب في الساعة التي ترجیٰ في یوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١١١، دارالسلام رقم: ٤٨٩، سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب الإجابة، أیة ساعة هي في یوم الجمعة، النسخة الهندیة ١/ ١٥٠، دارالسلام رقم: ١٠٤٨)

کثیر بن عبد اللّٰہ عن أبیه عن جدہٖ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إن في الجمعة ساعة لایسأل اللّٰہ العبد فیها شیئاً إلا آتاہ اللّٰہ إیاہ قالوا: یا رسول اللّٰہ! أیة ساعة هي؟ قال: حین تقام الصلاة إلی انصراف منها. (ترمذي شریف، کتاب الصلاة، باب في الساعة التي ترجیٰ في یوم الجمعة، النسخة الهندیة ١/ ١١١، دارالسلام رقم: ٤٩٠، سنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب الإجابة، أیة ساعة هي في یوم الجمعة، النسخة الهندیة ١/ ١٥٠، دارالسلام رقم: ١٠٤٩)

عن أبي بردة بن أبي موسیٰ الأشعريؓ، قال: قال لي عبد اللّٰہ بن عمر: أسمعت أباک یحدث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم في شأن ساعة الجمعة؟ قال قلت: نعم، سمعته یقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: هي مابین أن یجلس الإمام إلی أن تقضی الصلاة . (صحیح مسلم، الجمعة، باب في الساعة التي في یوم الجمعة، النسخة الهندیة ١/ ٢٨١، بیت الأفکار رقم: ٨٥٣)

في الساعة المحمودة خمسة و أربعون قولاً وأذكر ههنا اثنين. قول الأحناف أنها بعد العصر إلى غروب الشمس، وهو مختار أبي حنيفة وأحمد بن حنبل. والقول الثاني: إنها بعد الزوال من الخطبة إلى الفراغ عن صلاة الجمعة، واختاره الشافعية، ورجح الزملكاني الشافعي القول الأول. (العرف الشذي على هامش الترمذي، النسخة الهندية ١/١١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۲۹/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۷ھ

جمعہ کے دن مرنے والے کی فضیلت

سوال [۴۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن مرنے والے کے متعلق کیا فضیلت وارد ہوئی ہے؟ اس سلسلے میں حدیث شریف تحریر فرمادیں؟

المستفتی: عبیداللہ، بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی فضیلتوں میں سے ایک اہم فضیلت یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ اور جمعرات کی درمیانی رات یا جمعہ کے دن وفات پاتا ہے، تو وہ عذاب قبر سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اور عذاب قبر سے حفاظت کے تین اسباب ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) عظمت ذات کی وجہ سے عذاب قبر سے حفاظت ہوتی ہے، جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام، شہداء اور معصوم بچے، اللہ کے یہاں ان کی ذات کی عظمت ہے، جس کی وجہ سے اللہ کے یہاں ان کی عذاب قبر سے حفاظت کی جاتی ہے۔

(۲) عظمت عمل کی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ عذاب قبر سے محفوظ رکھتے ہیں، مثلاً کوئی شخص

سونے سے پہلے سورۂ ملک (تبارک الذی) پڑھنے کا معمول بنالیتا ہے، تو اس عمل خیر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ عذاب قبر سے اس کی حفاظت فرما دیتے ہیں، جیسا کہ حسب ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے۔

عن ابن عباسؓ قال ضرب بعض أصحاب النبي صلی اللہ علیه وسلم خباءه علی قبر وهو لا یحسب أنه قبر، فإذا قبر إنسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها، فأتی النبي صلی اللہ علیه وسلم، فقال: یا رسول اللہ! إني ضربت خبائي علی قبر وأنا لا أحسب أنه قبر، فإذا فیه إنسان یقرأ سورة الملک حتی ختمها، فقال النبي صلی اللہ علیه وسلم هي المانعة، هي المنجیة تنجیه من عذاب القبر. (ترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة الملك، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۷، دار السلام رقم: ۲۸۹۰، مسند البزار مكتبة العلوم والحكم ۱۱/ ۴۳۹، رقم: ۵۳۰۰، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۲/ ۱۷۴، رقم: ۱۲۸۰۱)

(۳) عظمت زمان کی وجہ سے بھی عذاب قبر سے حفاظت ہوجاتی ہے جیسا کہ کوئی شخص جمعہ اور جمعرات کی درمیانی رات یا جمعہ کے دن مرتا ہے، تو جمعہ کے دن کی عظمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے عذاب قبر سے محفوظ فرما لیتے ہیں اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اگر کوئی ظالم آدمی جمعہ کے دن مرتا ہے، تو وہ بھی عذاب قبر سے محفوظ ہوجائے گا جیسا کہ روایت سے واضح ہوتا ہے، مگر آخرت کے حساب وکتاب سے نہیں بچ پائے گا وہاں کی پکڑ اپنی جگہ ہے۔

روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن عبد اللہ بن عمروؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ما من مسلم یموت یوم الجمعة، أو لیلة الجمعة إلا وقاه اللہ فتنة القبر. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء في من يموت يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۵، دار السلام رقم: ۱۰۸۰، مسند أحمد ۲/ ۱۶۹، رقم ۶۵۸۲، المعجم الأوسط للطبراني ۲/ ۲۳۱، رقم: ۳۱۰۷)

عن أنسؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من مات يوم الجمعة وقي عذاب القبر. (مسند أبي يعلى الموصلي، دار كتب العلمية بيروت ۳/ ۴۰۰، رقم: ۴۰۹۹)

عن ابن شهاب أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من مات ليلة الجمعة، أو يوم الجمعة برئ من فتنة القبر، أو قال وقي فتنة القبر، وكتب شهيداً.

(المصنف لعبد الرزاق، باب من مات يوم الجمعة المجلس العلمي ۳/۲۶۹، رقم: ۵۵۹۵)

(۴) مزید ایک چوتھی چیز یہ ہے کہ اللہ کے یہاں عظمت مکان کی وجہ سے بھی مرنے والوں کی فضیلت آئی ہے جیسا کہ حدود حرم مکی اور حدود حرم مدنی کی سرزمین کا تقدس اللہ کے یہاں اس قدر ہے کہ وہاں پر مرنے والوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، ایک حدیث میں وارد ہوا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کو اس بات کی گنجائش ہو کہ مدینہ کی سرزمین پر آکر مرے، تو وہ ضرور وہاں کی رہائش اختیار کر کے وہاں پر مرنے کی کوشش کرے؛ اس لئے کہ مدینہ میں مرنے والوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرور شفاعت فرمائیں گے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من استطاع أن يموت بالمدينة، فليمت بها، فإني أشفع لمن يموت بها. (ترمذي، المناقب، باب ماجاء في فضل المدينة، النسخة الهندية ۲/ ۲۲۹، دار السلام رقم: ۳۹۱۷)

اور دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص حرمین میں سے کسی ایک مقام پر مرتا ہے، قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اس کے لئے لازم ہوجائیگی اور قیامت کے دن اس کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو امن وحفاظت کا پروانہ مل جائے گا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالكؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مات في أحد الحرمين، بعث من الآمنين يوم القيامة، ومن زارني محتسباً

إلى المدينة كان جواري يوم القيامة. (شعب الإيمان للبيهقي، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٩٠، رقم:٤١٥٨)

عن جابرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مات في أحد الحرمين بعث آمناً. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر بيروت ٤/ ٢٥٠، رقم: ٥٨٨٣)

عن سلمانؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من مات في أحد الحرمين استوجب شفاعتي، وكان يوم القيامة من الآمنين. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٦/ ٢٤٠، رقم:٦١٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۲۲/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۲۰ھ

محلّہ کی مسجد چھوڑ کر جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد جانا

سوال [۳۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ حضرات اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے جامع مسجد جاتے ہیں کہ ثواب زیادہ ملے گا؛ جبکہ اپنے محلّہ میں مسجد اچھی خاصی بڑی ہے، کیا اپنے محلّہ کی مسجد کا حق نہیں ہے کہ جمعہ کی نماز بھی وہیں ادا کریں؟ اس کے جواب سے نوازیں۔

المستفتی: زبیر عالم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز پنج گانہ کے لئے لوگوں کو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا تاکیدی حکم ہے، بلا کسی شرعی عذر کے محلّہ کی مسجد کو چھوڑنا جائز نہیں؛ بلکہ فقہاء نے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کو جامع مسجد کے مقابلہ میں افضل قرار دیا ہے اور نماز پنج گانہ سے متعلق ہی لوگوں پر محلّہ کی مسجد کا حق بھی ہے؛ لیکن جمعہ کے دن جمعہ کی نماز جامع مسجد میں افضل اور بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۲۵۲/۱، ۶۶/۳، جدید زکریا ۱۶۲/۸)

ومسجد حيه أفضل من الجامع. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في أفضل المساجد، كراچي ۱/۶۵۹، زكريا ۲/۴۳۳)

ولأجل أن الجمعة جامع للجماعات. (رسائل الأركان ص:۱۱۸)

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة الرجل في بيته بصلاة، وصلاته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاة، وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مأة صلاة. الحديث (سنن ابن ماجه، ما جاء في قيام شهر رمضان، باب ما جاء في الصلاة في المسجد الجامع، النسخة الهندية ۱/۱۰۲، دارالسلام رقم:۱۴۱۳، مشكوة ۱/۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۲۷۲/۳۵)

مسلسل تین جمعہ چھوڑنے والے کا حکم

سوال [۴۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عالم دین نے دوران تقریر یہ حدیث بیان کی کہ امام اعظمؒ کے نزدیک جو شخص مسلسل تین جمعہ کی نماز ترک کردے تو وہ کافر ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو ایسے عالم دین پر شریعت کا کیا حکم لاگو ہوتا ہے؟ ان سوالات کا جواب مع سند کے عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتی: عبداللہ، مقام وپوسٹ: جونکا، وایا: تین پہاڑ صاحب گنج (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مضمون کی حدیث کتابوں میں ملتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حقارۃً واہانۃً ترک کرنا کفر ہے اور تساہلاً بلا عذر ترک کرنا فسق ہے۔

عن أبي الجعد الضمري رضـ وكانت له صحبة–أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من ترك ثلاث جمع تهاونًا بها، طبع الله على قلبه. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجمعة، النسخة الهندية ١/١٥١، دارالسلام رقم: ١٠٥٢)

المراد بالتهاون التساهل وقلة المبالاة والاهتمام وليس المراد الاستخفاف فإنها كفر الخ (بذل المجهود، سهارنپور قديم ٢/١٦٣، دارالبشائر الإسلامية جديد ٥/٣٠، تحت رقم الحديث: ١٠٥٢) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۷۰۷)

عرفہ کا دن افضل ہے یا جمعہ کا دن؟

سوال [۳۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کا دن زیادہ افضل ہے یا عرفہ کا دن زیادہ افضل ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زیادہ صحیح اور راجح یہی ہے کہ عرفہ کا دن جمعہ کے دن سے افضل ہے، یعنی سال کے تمام ایام میں عرفہ کا دن سب سے افضل ہے اور ہفتہ کے ایام میں جمعہ کا دن سب سے افضل ہے۔

واستدل به على أنه أفضلُ من يوم عرفةَ، والأصحُّ أن يوم عرفة أفضلُ، وجُمِعَ بأنه أفضلُ أيام السنة و يوم الجمعة أفضل أيام الأسبوع. (فتح الملهم، ماجاء في فضل يوم الجمعة على باقي الأيام......، مكتبه اشرفية ٢/٣٩٦)

وأما إذا قيل: أفضل أيام السنة فهو عرفة، وأفضل أيام الأسبوع فهو الجمعة. (مرقاة المفاتيح، هل الجمعة أفضل أم يوم الجمعة، مكتبه امدادية ملتان ۳/۲۳۲)

فأما إن أراد أفضل أيام السنة، فتعين يوم عرفة، وإن أراد أفضل أيامِ الأسبوع، فتعين الجمعة. (شرح النووي على صحيح مسلم، النسخة الهندية ۱/۳۸۲)

استدل به علىٰ أنه أفضل من يوم عرفة، قال الزرقاني: الأصح أن يوم عرفة أفضل أيام السنة، ويوم الجمعة أفضل أيام الأسبوع. (أوجز المسالك ۲/۴۵ دار القلم) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۱۰/۴۰)

جمعہ و جمعرات کی درمیانی شب میں سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت

سوال [۳۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت کس حدیث سے ثابت ہے، اگر کوئی جمعرات کے دن مغرب بعد سورۂ کہف پڑھ لے، تو وہ جمعہ کے دن پڑھنے میں شامل ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عادل بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت متعدد احادیث سے ثابت ہے اور یہ فضیلت جمعرات کے دن مغرب بعد پڑھنے والوں کو بھی اسی طرح ملے گی، جس طرح جمعہ کے دن پڑھنے والوں کو ملتی ہے؛ اس لئے کہ شرعاً جمعہ سے پہلی والی رات جمعہ ہی کی ہوتی ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن من قرأ سورة الكهف في يوم الجمعة أضاء له من النور مابين الجمعتين. (مستدرك حاكم، كتاب التفسير قديم ٢/٣٩٩، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز جديد ١٢٧٥/٤، رقم: ٣٣٩٢)

عن أبي سعيد الخدريؓ قال: من قرأ سورة الكهف ليلة الجمعة أضاء له من النور فيما بينه وبين البيت العتيق. (مسند الدارمي دارالمغني ٢١٤٣/٤، رقم: ٣٤٥٠، كنز العمال بيروت ٥٧٦/١، رقم: ٢٦٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۴۲۷)

جمعۃ المبارک کہنا کیسا ہے؟

سوال [۳۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لفظ جمعہ کے ساتھ بعض لوگ ''المبارک'' کا لفظ استعمال کرتے ہوئے جمعۃ المبارک کہتے ہیں، ازروئے شرع اس کی کیا حیثیت ہے؟ بینوا توجروا.

المستفتی: مظاہر حسین ابوحذیفہ، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ جمعہ کے ساتھ المبارک کا لفظ شامل کرکے جمعۃ المبارک کہنا صحیح اور درست ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کا دن بہت زیادہ فضیلت اور برکت والا دن ہے، حدیث پاک کے اندر آیا ہے کہ جن ایام میں سورج طلوع ہوتا ہے، ان میں سب سے خیر وبرکت کا دن جمعہ کا دن ہے، اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن جنت سے نکالا گیا، اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي هريرة رضـ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة: فيه خلق آدم، وفيه أدخل الجنة، وفيه أخرج منها، ولاتقوم الساعة إلا في يوم الجمعة. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب فضل يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١١٠، دارالسلام رقم: ٤٨٨، مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ٢٨٢، بيت الأفكار رقم: ٨٥٤، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٢٠٠، رقم: ٨٥٩٥، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٨٣٦، رقم: ١٧٢٩)

دوسری حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی ہوتی ہے، جس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے، بعض روایات میں عصر کے بعد کا وقت آیا ہے اور بعض روایات میں جمعہ کی نماز کا وقت بتایا گیا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: التمسوا الساعة التي ترجى في يوم الجمعة بعد العصر إلى غيبوبة الشمس. (ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب في الساعة التي ترجى في يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١١١، دارالسلام رقم: ٤٨٩)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن في الجمعة ساعة لايسأل الله العبد فيها شيئاً إلا آتاه الله إياه، قالوا: يا رسول الله! أية ساعة هي؟ قال حين تقام الصلاة إلى انصراف منها. (ترمذي، كتاب الصلاة، باب في الساعة التي ترجى في يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١١١، دارالسلام رقم: ١٨٢)

عن أبي بردة رضـ بن أبي موسىٰ الأشعري قال: قال لي عبد الله بن عمر: أسمعت أباك يحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في شأن ساعة الجمعة؟ قال قلت: نعم، سمعته يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

يقول: هي مابين أن يجلس الإمام إلى أن تقضى الصلاة. (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب في الساعة التي في يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/٢٨١، بيت الأفكار رقم:٨٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۱۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۵ھ

زوال شمس سے قبل نماز جمعہ کی ادائیگی

سوال [۳۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کئی مساجد میں جمعہ زوال سے قبل ادا کرنے کا رواج شروع ہوچکا ہے، مساجد کی انتظامیہ تنگیٔ جگہ و پارکنگ کا اور لوگ معاشی تنگی کا عذر کرتے ہیں، کیا اس طرح جمعہ ادا ہوجاتا ہے؟ چاروں مسالک کو مع دلائل واضح کریں اور چاروں ائمہ کے نزدیک جمعہ کا کون سا وقت افضل ہے؟ تحریر فرمائیں نماز جمعہ یا خطبہ میں زوال ہوجائے تو کیا یہ صحیح ہے یا دہرانا پڑے گا؟ چاروں مسالک کے دلائل اور مفتی بہ قول تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد عبد السبحان، کیلوفورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چاروں اماموں میں سے کسی کے نزدیک بھی زوال سے پہلے جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے اور پورے سال زوال کے بعد جمعہ کی نماز کی ادائیگی میں جلدی کرنا مسنون ہے۔

وأما الوقت فمن شرائط الجمعة، وهو وقت الظهر حتى لايجوز تقديمها على زوال الشمس لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه لما بعث مصعب بن عمير إلى المدينة قال له: إذا مالت الشمس فصل بالناس

الجمعة. (بدائع الصنائع،كتاب الصلاة، قبيل فصل في بيان مقدار صلاة الجمعة، كراچي ٢٦٩/١، زكريا١/٦٠٢)

الشـرط الثـالث الوقت، يعنى وقت الظهر حتى لايجوز تقديمها على الزوال. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، شرائط الجمعة، زكريا ٢/٥٥٧، رقم: ٣٢٨٥)

وقال الجمهور: ليس بمشروع (أي الإبراد) لأنها تقام بجمع عظيم، فتأخيرها مفضٍ إلى الحرج ولا كذلک الظهر. (شامي، كتاب الصلاة، كراچي ٣٦٧/١، زكريا ٢/٢٥)

عن أنس بن مالک رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كا ن يصلي الجمعة حين تميل الشمس. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس ١/١٢٣، رقم: ٨٩٤، ف:٩٠٤، سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في وقت الجمعة، النسخة الهندية ١/١١٢، دارالسلام رقم:٥٠١، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب وقت الجمعة، النسخة الهندية ١/١٥٥، دارالسلام رقم:١٠٨٤، مسند أحمد بن حنبل٣/١٢٨، ١٥٠، ٢٢٨، المصنف لابن أبي شيبه، مؤسسة علوم القرآن، جديد ٤/٦٢، رقم: ٥١٧٨، السنن الكبرى، دارالفكر ٤/٤٢٠، رقم:٥٧٦٦)

عن أياس بن سلمة بن الأكوع عن أبيه كنا نجمع مع رسول صلى الله عليه وسلم، إذا زالت الشمس، ثم نرجع نتتبع الفئ. (مسلم شريف، كتاب الجمعة، باب في وقت صلاة الجمعة، النسخة الهندية ١/٢٨٣، بيت الأفكار رقم: ٨٦٠)

زوال سے قبل جمعہ کا وقت ہی نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے صورت مسئولہ میں نہ نماز جمعہ صحیح ہوگی اور نہ ہی خطبہ، بریں بناء اس کا اعادہ لازم ہے۔

ولايتصور أداء الفرض وقت الاستواء قبل الزوال؛ لأنه لا فرض قبله .

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، بيان الوقت المكروه، كراچي ١/١٢٧، زكريا١/٣٢٩)

قال الله تعالیٰ: اِنَّ الصَّلاةَ كَانَتْ عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَوْقُوْتًا .

[سورۃالنساء:۱۰۳]

ومن شرائطها الوقت فتصح في وقت الظهر (هداية) وقال العلامة ابن الهمام: لقوله صلى الله عليه وسلم: إذا مالت الشمس الخ وروي أنه صلى الله عليه وسلم لما بعث مصعب بن عمير إلى المدينة قال: إذا مالت الشمس فصل بالناس الجمعة. وفي البخاري عن أنس رضي الله عنه: كان صلى الله عليه وسلم يصلي الجمعة حين تميل الشمس وأخرج مسلم عن سلمة بن الأكوع رضي الله عنه، كنا نجمع مع رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا زالت الشمس. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة كوئٹه ۲/۲۷، زکریا۲/۵۴، دارالفکر مصري قديم ۲/۵٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۱۱ھ

(۲) فصل في شرائط الجمعة

نماز جمعہ کا وجوب اور شرائط

سوال [۳۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جمعہ کس جگہ واجب ہے اور اس کے کیا شرائط ہیں جس جگہ جمعہ واجب ہوتا ہے؟

(۲) کس جگہ جمعہ واجب نہیں؟ اور جس جگہ جمعہ واجب نہیں احتیاطاً جمعہ ادا کرتے ہیں تو پھر دو فرضوں کے بعد کیا چار فرض ادا کریں، بطور ظہر یا سنت ہی پڑھیں اور اگر بعد میں فرض پڑھیں تو جماعت کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: سعید احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے، اگر شہر یا قصبہ نہیں ہے اور گاؤں میں ہندو مسلم ملا کر تین ہزار سے زائد کی آبادی ہے، تو وہاں بھی قصبہ کے حکم میں ہونے کی وجہ سے جمعہ صحیح ہوجاتا ہے، اس سے کم آبادی والے گاؤں اور دیہات میں جمعہ صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/۸۰)

عن علي رضي قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق، الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت ۳/۱۶۷، رقم: ۵۱۷۵)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء. الأول: المصر. وتحته في الشامية: عن أبي حنيفة رح أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ولها رساتيق الخ

(شامي، كراچي ۲/۱۳۷، زكريا ۳/۵، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

(۲) جس جگہ جمعہ واجب نہیں ہے، وہاں پر احتیاطاً جمعہ ادا کرنا جائز نہیں ہے، وہاں پر ظہر پڑھنا فرض ہے، اگر ظہر نہ پڑھیں گے اور باجماعت جمعہ پڑھ لیں گے تو سب کے اوپر ظہر کا فرض باقی رہ جائے گا اور اس طرح معمول بنالینا بھی جائز نہیں ہے کہ باجماعت جمعہ پڑھ لیا جائے، اس کے بعد احتیاط الظہر پڑھ لیا کریں؛ بلکہ وہاں کے لوگوں پر صرف ظہر کی نماز فرض ہے۔

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق (إلى قوله) أنه لا تجوز في الصغيرة (وقوله) لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ
(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/۷، كراچي ۲/۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۳ھ

اقامت جمعہ وعیدین کے شرائط

سوال [۳۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احناف کے نزدیک ہندوستان جیسے ملک میں اقامت جمعہ وعیدین کے کیا شرائط ہیں؟ مزید شہریت کا مدار کیا ہے؟ شہر کسے کہتے ہیں؟ جواز جمعہ کے لئے کتنی شہریت ضروری ہے؟ کوئی ایسی جامع مانع تعریف فرمائیں جس سے کوئی الجھن باقی نہ رہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

المستفتی: حافظ محمد اشتیاق مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان جیسے ملک میں جمعہ وعیدین کے لئے اہم ترین شرط یہ ہے کہ آبادی کی حیثیت شہر نما ہو، یعنی اس میں باقاعدہ بازار ہو، ہر چیز ہر وقت ملتی ہو، ہسپتال، ڈاکخانہ، تھانہ وغیرہ ہو، تو وہاں جمعہ وعیدین جائز ہے، چاہے آبادی کی تعداد کم کیوں

نہ ہو اور تین ہزار کی آبادی ہو جائے، بازار وغیرہ وہاں موجود نہ ہو تو وہاں بھی جمعہ وعیدین جائز ہے؛ اس لئے کہ تین ہزار کی آبادی کو قصبہ کے حکم میں تصور کیا جاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۱۴/۲، ۳۱۵/۲، جدید ڈابھیل ۹۱/۸، بہشتی زیور ۱۱/۸۰)

عن عليؓ قال: لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ٤/٤٦، رقم: ٥٠٩٩)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق، ولا في الصغيرة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٦، كراچي ٢/١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶۰۶/۳۱)

قیام جمعہ کے لئے شہر یا قریۂ کبیرہ کا ہونا لازم ہے

سوال [۳۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مدار پور فیض آباد میں جمعہ کے قیام کے سلسلہ میں کوششیں جاری ہیں؛ حالانکہ یہاں پر برتن کی دوکان موجود نہیں ہے، آپ سے یہ استفسار مقصود ہے کہ برتن وغیرہ حوائج وضروریات میں سے ہے یا نہیں؟ برتن دیگچی اور اس قسم کی دیگر ضروریات کے لئے اس گاؤں سے پانچ کیلومیٹر دور ایک شہر میں جانا پڑتا ہے، تو کیا ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے؟

المستفتی: محمد طارق، فیض آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک جمعہ صحیح ہونے کے لئے شہر یا قصبہ یا اتنا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، جو قصبہ جیسا ہو اور قصبہ جیسا ہونے کی دو شکلیں حضرات فقہاء اور اکابر نے لکھی ہیں۔

(۱) آبادی چاہے کم ہو یا زیادہ لیکن باضابطہ بازار اور حکومتی عملہ ہو، ضروریات زندگی کی تمام چیزیں وہاں فراہم ہوں، تو ایسی جگہ جمعہ کی نماز لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱/۳۰۱، جدید ڈابھیل ۸/۷۹، دارالعلوم ۵/۴۴)

عن ابن جریجؒ قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنودی للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/۱٦۸، رقم:۵۱۷۹)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق (إلى قوله) لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۸، زكريا ۳/٦)

(۲) ضروریات زندگی کی اشیاء فراہم ہوں یا نہ ہوں؛ لیکن آبادی کی مردم شماری تقریباً تین ہزار یا اس سے زیادہ ہو تو اتنی بڑی آبادی کو چاہے اس میں ضروریات کی اشیاء فراہم نہ ہوتی ہوں تب بھی قصبہ کے حکم میں قرار دیا گیا ہے، اس میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/۸۰)

تقع فرضاً في القصبات، والقرى الكبيرة. (شامي، باب الجمعة، زكريا ۳/٦، كراچي ۲/۱۳۸)

اب آپ اپنے یہاں کی آبادی اور اس کی حیثیت کو دیکھ لیں کہ اگر ان دونوں شکلوں میں سے کوئی ایک شکل پائی جاتی ہے، تو وہاں جمعہ جائز ہے اور اگر کوئی بھی شکل نہیں پائی جاتی ہے، تو وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، اس کا فیصلہ آپ خود کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/۷۵۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۲۳ھ

جمعہ کی نماز کس جگہ جائز ہے؟

سوال [۳۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع جاجو پارہ جس کی آبادی تقریباً تین ہزار سے زائد ہے، گاؤں میں تین مساجد، دو مدرسے، ایک ہسپتال، دو سرکاری جونیر و پرائمری اور ایک پرائیویٹ اسکول ہیں، جسمیں روزمرہ ضروریات کی تقریباً سبھی چیزیں دستیاب ہیں، پرچون کی تھوک وفٹکر ہر دو طرح کی دوکانیں، آٹا پیسنے کی چار چکیاں، تین پالیشر، گڑ بنانے کے چار کریشر اور تیل نکالنے کا ایک کولہو بھی موجود ہے، ڈاکٹر مقامی و بیرونی دونوں جگہ کے ہیں، کپڑے وسلائی، مٹھائی کی دوکانیں، ٹیلیفون سہولیات بھی میسر ہیں، گاؤں لب سڑک آباد ہے، جس پر تقریباً باہر آمد و رفت کے لئے سواریاں ہمہ وقت ملتی رہتی ہیں، اہل علم کی تعداد تقریباً ۳۵/ ہے، جس میں سے ایک مفتی اور دس عالم باقی حفاظ کرام ہیں، گاؤں میں ایک عیدگاہ ہے، جس میں عید کی نماز کافی عرصہ سے ہوتی چلی آرہی ہے، کیا ان ضروریات وسہولیات کے میسر ہوتے ہوئے اور گاؤں کی آبادی مذکورہ بالا تعداد میں ہوتے ہوئے جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: حافظ امیرالدین، محمد الیاس مع مصلیان مسجد جاجو پارہ، ہردوئی

مندرجہ ذیل مقامی علماء کرام ومفتیان عظام نے چل پھر کر گاؤں کا جائزہ لیا ہے اور انہیں کے مشورہ سے مذکورہ بالا تحریر کو مرتب کیا ہے۔

محمد لقمان القاسمی
مفتی دارالعلوم جامع الہدی
گلشہید مرادآباد

صغیر احمد مدرس
مدرسہ سیدنا صدیق اکبرؓ
قصبہ پہانی، ہردوئی

محمد احسن قاسمی
مفتی مدرسہ اسلامیہ الطاف
العلوم کھوائی میرٹھ

مشیت اللہ قاسمی
خادم درس وافتاء مدرسہ
جامعہ عربیہ سیتاپور

مجیب الرحمٰن
مدرس مدرسہ بنی گنج

محمد ساجد
خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

احقر یونس
مدرس مدرسہ قصبہ مادھوگنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس گاؤں کی مردم شماری تین ہزار سے زائد ہو، وہ گاؤں قصبہ اور شہر کے حکم میں ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک ایسے بڑے گاؤں میں جمعہ وعیدین بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: بہشتی گوہر ۱۱/۸۱، امداد الفتاوی ۱/۶۲۲)

عن ابن جريجؒ قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة، فنودي للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ۳/۱٦۸، رقم: ۵۱۷۹)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق (إلى قوله) لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۸، زكريا ۳/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۵۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۰ھ

کتنی بڑی آبادی میں جمعہ کا قیام جائز ہے؟

سوال [۳۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ موضع شہباز پور، جو مین روڈ پر واقع ہے، جس کی آبادی مردم شماری کے مطابق دو ہزار ہوتی ہے، جس میں کم از کم ایک صدی سے جمعہ ہوتا ہے، موضع ہذا میں نماز عیدین، مذبح، کریشر، بھٹہ اور ہفتہ واری بازار لگتا ہے، گاؤں میں چند عالم اور حفاظ کرام موجود ہیں، جن میں سے چند افراد متصل گاؤں کرونده میں جمعہ کی نماز پڑھنے جاتے ہیں، اب دریافت طلب

امر یہ ہے کہ گاؤں شہباز پور میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؛ جبکہ وہاں تقریباً ایک صدی سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اگر نماز جمعہ جائز نہیں تو کیا ظہر کے ترک کی وجہ سے اہل شہباز پور گنہ گار ہوں گے؟ اور اگر نماز جمعہ جائز ہے تو گاؤں کے جو افراد دوسرے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنے جاتے ہیں، ان کا وہاں جانا درست ہے یا اپنے ہی گاؤں میں نماز جمعہ ادا کی جائے؟

(۲) شہباز پور کے قریبی گاؤں محمود پور جس کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے اور مین روڈ پر مارکیٹ قائم ہے، وہاں بھی نماز جمعہ ہوتی ہے اور دونوں گاؤں کی پنچایت اور پردھان ایک ہے، برائے مہربانی دونوں گاؤں شہباز پور اور محمود پور میں نماز جمعہ کے جواز وعدم جواز کے بارے میں مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: عبدالصمد، کوتوالی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحت جمعہ کے لئے آبادی کا دو اعتبار سے لحاظ کیا جاتا ہے۔

(۱) کثرت آبادی، تین ہزار کی آبادی شرعاً کثرت آبادی میں شامل ہے؛ لہٰذا موضع محمود پور جس کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے، اس کے بڑے گاؤں اور قصبہ کے حکم میں ہونے کی وجہ سے وہاں پر جمعہ پڑھنا واجب ہے۔

عن ابن جریجؓ قال: قلت لعطاء: ما القریة الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمیر، والقصاص، والدور المجتمعة غیر المفترقة الآخذ بعضها ببعض کهیئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا کنت في قریة جامعة، فنودی للصلوة من یوم الجمعة، فحق علیک أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الجمعة، باب القری الصغار، المجلس العلمي ۳/ ۱۶۸، رقم: ۵۱۷۹)

(۲) حیثیت آبادی کا اعتبار: اگر آبادی مردم شماری کے اعتبار سے کچھ کم بھی ہے؛ لیکن گلی

کوچے، بازار، روزمرہ کی اشیاء، ہسپتال، اسکول، تھانہ، سرکاری آفیسر اور سرکاری دفاتر وغیرہ سب موجود ہوں تو ایسی صورت میں آبادی کی حیثیت بڑھ جاتی ہے، جس کی وجہ سے مردم شماری کم ہونے کے باوجود اسے شہر اور قصبہ کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے اور اس میں جمعہ جائز ہوجاتا ہے، موضع شہباز پور میں مردم شماری دو ہزار بتلائی جارہی ہے اور یہ آبادی کے اعتبار سے کم تعداد ہے، اس میں حیثیت کے اعتبار سے وہ تمام چیزیں نہیں ہیں جو ایک شہر یا قصبہ میں ہوتی ہیں، سرکاری دفاتر، ہسپتال، تھانہ، اسکول اور سرکاری آفیسر وغیرہ وہاں موجود نہیں ہیں، مذبح، کریشر، بھٹہ وغیرہ کی وجہ سے آبادی کی حیثیت نہیں بڑھتی؛ اس لئے موضع شہباز پور میں جواز جمعہ کے بارے میں ہمیں تردد ہے؛ اس لئے ہم جواز کی بات لکھنے سے معذرت خواہ ہیں۔

في الدر: ويشترط لصحتها سبعة أشياء. الأول: المصر. وتحته في الشامية: عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/ ١٣٧، زكريا ٣/ ٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣/ جمادی الثانیہ ١٤٢٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٨/ ٩٦٤٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٣/ ٦/ ١٤٢٩ھ

قیام جمعہ کے لئے کتنی آبادی شرط ہے؟

سوال [٣٤٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کے لئے تکلیف کا باعث یہ ہے کہ احقر محکمۂ شرعیہ گجرات کا صدر ہے؛ لہٰذا آپ حضرات کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(۲) عدم وجوب جمعہ کے متعلق ایک مفتی صاحب کو سوال مرتب کرنے کے متعلق ذمہ داری حوالہ کی تھی، انہوں نے برضا ورغبت ذمہ داری قبول فرمائی تھی، مگر سترہ ماہ ہوگئے باوجود توجہ دلانے کے ذمہ داری ادا نہیں کی؛ اس لئے وجوب جمعہ کے قائل حضرات کی طرف سے سوال لکھا جارہا ہے۔

(۱) قریۂ کبیرہ۔

(۲) دونوں گاؤں ایک قریہ کے حکم میں ہیں؟

(۳) رویدرا گاؤں میں دس سال پہلے جمعہ ادا ہوتا تھا، مگر شرعی مسئلہ معلوم ہونے کی وجہ سے جمعہ کو ترک کردیا گیا، دس سال میں حالات تیزی سے بدلے، پچاس ساٹھ نئے مکان، مزید مدرسہ کے ۲۵ رکرایہ کے مکان، ایک دارالعلوم جس میں فی الحال تین سو طلباء کی گنجائش ہے، مگر دوسو طلباء پڑھتے ہیں، لڑکیوں کے لئے مدرسہ خیاطی کا انتظام، دوکانوں کی تعداد میں اضافہ، دیگر کاریگروں کا اضافہ وغیرہ امور کی وجہ سے اہل قریہ نے جمعہ کے متعلق سوال کیا، حالات بدلنے سے حکم بدلے گا، ایک مفتی صاحب نے وجوب جمعہ کا فتوی دیا، دوسرے مفتی صاحب جن کو سوال مرتب کرنے کی ذمہ داری حوالہ کی گئی تھی وہ عدم وجوب کے قائل ہیں، اسی وجہ سے انہوں نے سوال نہیں مرتب کیا، وجہ وجوب جمعہ کا فتوی اصل مسئلہ حالات حاضرہ کی وجہ سے ہوجائے یا اختلاف جواب ہو؟

(۴) رویدرا گاؤں میں تقریباً دو ہزار کی آبادی ہے، سات کلاس تک اسکول ہے، ۴۵ رسال سے مشین ٹنکی سے پانی کا نظم ہے، مکتب میں چھ سات مدرس پڑھاتے ہیں، دس یا گیارہ دوکانیں ہیں، ڈاکخانہ موجود ہے، پچاس سال سے گورنمنٹ کی طرف سے منظور شدہ شرائط پر غلہ کی دوکانیں ہیں، ۲۵ رکرایہ کے مکان وقف ہیں، ٹیلی فون، ۷/۸ ررکشہ، ٹریکٹر اور ایک دارالعلوم جس میں دوسو طلبہ موجود ہیں، قیام وطعام کا مکمل نظم ہے، طالبات کے لئے دینی تعلیم اور خیاطی کا نظم ہے، اہل قریہ نے بھی خیاطی کا نظم کیا ہے، ڈاکٹر بھی موجود ہے، ان حالات کے ساتھ رویدرا کے متصل ملحق ایک قریہ کرمالی ہے، دونوں دیہات کا نظم ایک نام

علیحدہ ہے، مگر درمیان میں راستہ فقط بارہ پندرہ فٹ کا ہے، اجنبی آنے والے کو نہ بتلایا جاوے تو مکمل اس قریہ کو رویدرا کا محلّہ تصور کرے گا، اس کی آبادی تقریباً ۹۰۰/ افراد ہوں گے تو حکیم الامتؒ کی تحریر کے مطابق دونوں دیہات کو نو وارد ایک ہی تصور کرے گا؛ لہٰذا دونوں کو ایک ہی کے حکم میں سمجھ کر قریۂ کبیرہ کا حکم لگا کر وجوب جمعہ کا فتویٰ دیا ہے۔

نائی، لوہار جدید آلات کے ساتھ، بڑھئی جدید مشین کے ساتھ موجود ہیں، تعمیری کام کرنے والے تین کنٹریکٹر بھی ہیں، مجموعی تین مسجدیں ہیں، چوتھی مسجد کا احساس ہے، دو مکتب میں دس اساتذہ، دارالعلوم میں تیرہ اساتذہ ہیں، مجموعی آبادی تین ہزار کے قریب ہے؛ لہٰذا جمعہ واجب ہے؟

(۵) عوام میں چہ میگوئیاں ہورہی ہیں جو موجب فتنہ نہ ہو، احقر نے عوام کو ساکت کردیا ہے کہ مفتیان کرام کے فتاوی پر عمل ہوگا؛ اس لئے امید کہ جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں؟

المستفتی: مفتی احمد بیمات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دو گاؤں اس طرح مل جائیں کہ دونوں کے درمیان کوئی بڑا کھیت نہ ہو اور اجنبی آدمی دونوں کو دیکھ کر ایک ہی گاؤں سمجھ لیتا ہو، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر دونوں آبادی کو ایک ہی آبادی اور ایک ہی گاؤں کہا جائے گا اور احکام جمعہ میں دونوں کو ایک ہی شمار کیا جائے گا؛ اس لئے رویدرا اور کرمالی دونوں گاؤں قیام جمعہ کے مسئلہ میں ایک ہی شمار ہونے کی وجہ سے دونوں کی آبادی اور مردم شماری کا اعتبار ہوگا اور جب دونوں کی مردم شماری تین ہزار تک پہونچ چکی ہے، تو اس میں بلا کسی شرط کے محض مردم شماری کی کثرت کی وجہ سے حنفی مسلک کے مطابق جمعہ کا قیام جائز اور درست ہوجائے گا۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵/۵۶، امداد المفتیین ۲/۳۱۰، بہشتی زیور ۱۱/۸۰، امداد الفتاوی ۱/۶۷۱)

اور بڑا گاؤں جس میں ضروریات زندگی کا سامان موجود ہو وہاں کے لوگوں پر جمعہ کی ادائیگی فرض ہے۔

عن ابن جریجؒ، قال: قلت لعطاء: ما القریة الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمیر، والقصاص، والدور المجتمعة غیر المفترقة الآخذ بعضها ببعض کهیئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة والطائف. قال: وإذا کنت في قریة جامعة، فنودی للصلوة من یوم الجمعة، فحق علیک أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الجمعة، باب القری الصغار، المجلس العلمي۳/۱۶۸، رقم:۵۱۷۹)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق (إلی قوله) لاتجوز في الصغیرة التی لیس فیها قاض، ومنبر، وخطیب. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۶/ ۱۴۱۵ھ

جمعہ کے قیام کے لئے کتنی آبادی ضروری ہے؟

سوال [۳۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی نماز جائز ہونے کے لئے کتنی آبادی کی ضرورت ہے؟

المستفتی: محمد طارق انور رشیدی، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کے جائز ہونے کے لئے شہر یا قصبہ ہونا ضروری ہے کہ جس میں باقاعدہ بازار ہو اور جس میں ضرورت کی تمام اشیاء مہیا ہوں۔

عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشریق، إلا في مصر جامع. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الصلاة، من قال: لاجمعة، ولاتشریق إلا في مصر جامع. مؤسسة علوم القرآن ۴/۴۶، رقم:۵۰۹۹)

تـقـع فـرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق – إلى أنه لاتـجوز في الصغيرة التى ليس فيها قاض. (شـامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۸، زكريا ۳/٦)

نیز اگر تین ہزار کی آبادی ہوتو وہاں جمعہ جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص:٦۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦/شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/٦۸۹۱)

چندلوگوں کا مسجد کے باہر خطبہ وجماعت کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنا

سوال[۳۴٦۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند اشخاص قبل نماز جمعہ کسی شہر میں جانے کے لئے روانہ ہوئے، عین نماز جمعہ کے وقت اپنے مستقر پر پہونچے، کئی مساجد میں نماز جمعہ ہوچکی تھی، دوتین مساجد میں نماز ہونی باقی تھی، مقامی لوگوں نے بتایا کہ فلاں مسجد میں نماز جمعہ مل جائے گی، ماروتی گاڑی سے جو کہ ساتھ تھی جیسے ہی وہاں پہونچے، امام ومقتدی نماز سے فارغ ہو چکے تھے دعاء میں مشغول تھے، وہاں لوگوں نے بتایا کہ اسٹیشن کے پاس فلاں مسجد میں دو بجے نماز ہوتی ہے، وہاں پر مل سکتی ہے، جو کہ تقریباً ایک کلومیٹر دور تھی؛ لیکن ان لوگوں نے اسی مسجد کے برابر (باہر) میں مدرسہ کی جگہ میں مسجد سے خطبہ کی کتاب لے کر نماز جمعہ باجماعت ادا کرلی؛ جبکہ دوسری مسجد میں جماعت مل سکتی تھی۔ نیز اذان اول نہ پڑھی؛ بلکہ صرف اذان ثانی پڑھ کر بغیر ممبر کے خطبہ پڑھ کر نماز جمعہ باجماعت ادا کرلی۔

(۱) کیا ایسی حالت میں جبکہ کسی دوسری مسجد میں نماز جمعہ باجماعت ادا کی جاسکتی ہو مسجد سے باہر جماعت بنا کر نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا صرف اذان ثانی پڑھ کر خطبہ پڑھنا اور نماز جمعہ ادا کرنا؛ جبکہ اذان اول نہیں پڑھی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) بغیر ممبر خطبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ استدعاء ہے کہ قرآن وحدیث کے مکمل دلائل کے ساتھ مشرح تینوں سوالوں کا جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: سید اقبال حیدر، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد ومدرسہ دونوں ایک احاطہ میں ہیں؛ لہٰذا جب اس طرح ایک احاطہ میں، مسجد کے حصہ میں جمعہ ہو جانے کے بعد مدرسہ کے حصہ میں دوسرا جمعہ پڑھ لیا گیا ہے، تو وہ بھی شرعاً صحیح ہوگیا ہے؛ لیکن ایک احاطہ میں ہونے کی وجہ سے دوسرا جمعہ اگر چہ صحیح ہے؛ لیکن مقصد جمعہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے بہتر نہیں ہوا۔

واجتمع الناس علی رجل فصلی بهم جاز للضرورة، كما فعل عليؓ في محاصرة عثمانؓ، وإن فعلوا ذلک لغير ما ذكر لايجوز لعدم الضرورة، وروي ذلک عن محمد في العيون، وهو الصّحيح. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الجمعة، جديد دارالكتاب ديوبند ص:٥٠٧، قديم ٢٧٦)

(۲) جب نماز جمعہ بغیر اذان اول کے پڑھ لی گئی تو اس صورت میں نماز جمعہ تو ہو جائے گی؛ لیکن سنت مؤکدہ کے ترک کرنے کی وجہ سے سخت گنہگار ہوں گے۔

وهو سنة للرجال في مكان عال مؤكدة هي كالواجب في لحوق الإثم للفرائض الخمس في وقتها. (شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان كراچي ٣٨٤/١، زكريا ٤٨/٢، مصري ٣٥٧/١، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الأذان، زكريا ١٣٥/٢، رقم: ١٩٥٨)

(۳) بغیر ممبر کے خطبہ دینا خلاف سنت ہے، سنت طریقہ یہی ہے کہ ممبر پر خطبہ دیا جائے؛ لیکن جب بغیر ممبر کے خطبہ دے دیا گیا تو خطبہ ہوگیا۔

و من السنة أن يكون الخطيب على منبر اقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۲/ ۲۵۹، كوئٹه ۱۴۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۵ھ

جمعہ کے شرائط مفقود ہونے والے گاؤں میں رہنے والے علماء ومفتیان کی ذمہ داری

سوال [۳۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بستی میں مسلمانوں کی آبادی صرف ڈیڑھ سو ہے اور کفار کی آبادی ایک سو ہے، ہر چہار جانب کافروں کی گھنی غیر معمولی آبادی ہے؛ جبکہ مسلمانوں کی دوسری بڑی آبادی بہت دور ہے اور زید کی بستی میں حنفی مسلک کے مطابق نماز جمعہ کے شرائط مفقود ہیں، پھر بھی عوام وعلماء عرصۂ دراز سے نماز جمعہ ادا کرتے آرہے ہیں اور اس کو ختم کرنے میں فتنہ و فساد ہونے کا ظن غالب ہے، تو کیا ان کی نماز درست ہے یا ظہر باقی رہے گی؟ اور فی الحال اس کو ختم کیا جائے یا برقرار رکھا جائے؟ نیز زید کی اسی بستی میں ایک مسجد ایک عیدگاہ اور ایک قبرستان ہے، جس میں قلت آبادی کی بنا پر فساد وغیرہ میں بڑا خطرہ محسوس ہوتا ہے اور زندگی دوبھر ہوجاتی ہے، تو کیا مسلمانوں کا وہاں سے ہجرت کرنا درست ہے؟ واضح ہو کہ وہاں اکثریت غرباء وفقراء کی ہے جو ہجرت کی وسعت نہیں رکھتے؟

المستفتی: محمد محسن، تکمیل ادب، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس جگہ جمعہ جائز نہیں اگر وہاں ظہر چھوڑ کر جمعہ ادا کیا جائے گا تو ان پر ظہر کا فریضہ باقی رہ جائے گا؛ البتہ اگر جمعہ کی مخالفت کرنے سے اختلاف و

انتشار کا اندیشہ ہوتو مسئلہ بتا کر خاموشی اختیار کرلیں اور خود جمعہ میں شرکت نہ کریں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۶۵، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۲۴۵، ۱۴/۲۵۳، جدید ڈابھیل ۸/۱۳۹-۶۵)

ولها شرائط وجوب وأداءٍ (إلى قوله) أن الأداء لا يصح بانتفاء شروطه. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۲/۵، كراچي ۲/۱۳۷)

ولو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي، باب الجمعة، زكريا ۲/۷، كراچي ۲/۱۳۸)

جس مقام پر مسلمان اپنے دین، جان، عزتِ عیال اور مال کی حفاظت پر قادر نہ ہوں اور شعائر اسلام پر کما حقہ عمل ممکن نہ ہو وہاں سے ہجرت کر جانا فرض ہے اور اگر وہاں رہ کر شریعت پر اعلانیہ طور سے عمل میں دشواری ہو اور دوسری جگہ سہولت معلوم ہو، تو ایسی جگہ سے ہجرت کرنا مستحب اور باعث اجروثواب ہے۔ سوال میں ذکر کردہ بستی کا حال؛ چونکہ ایسا نہیں ہے؛ اس لئے وہاں سے ہجرت کرنا فرض یا مستحب نہ ہوگا؛ البتہ وہاں سے چلے جانے میں بھی کوئی گناہ نہیں؛ بلکہ جائز ہے اور اگر وہاں رہتے ہوئے اپنے جان و مال اور اولاد کی حفاظت کرے اور مفسدین کی جماعت سے پوری تدبیر اور قوت سے مقابلہ کرے اور اپنے بھائیوں کی مدد کرے، تو باعث اجروثواب ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا، جو شخص جان و مال، اولاد اور دین وعزت کی خاطر لڑتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۹/۳۷۴، جدید ڈابھیل ۴/۶۴۰، کفایت المفتی قدیم ۹/۳۰۶، ۹/۳۰۹، جدید زکریا مطول ۳/۳۹۰، ۲۹۴)

والمعنى أنهم إن كانوا في أرض لا يقدرون فيها على إقامة دينهم ولا يسلمون فيها من أذى الكفار، فإن أرض ربهم واسعة، فليهاجروا إلى موضع منها يقدرون فيه على إقامة دينهم و يسلمون فيه من أذى الكفار كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمون. ("اضواء البيان" العنكبوت تحت آية:٥٦، قديم٦/٤٦٩، كذا في روح المعاني، العنكبوت تحت آية:٥٦، زكريا ٢/١٤، قديم ٢١/٩)

قالوا: كل هجرة لطلب علم، أو حج، أو جهاد، أو قرار إلى بلد يزداد

فيه طاعة، أو زهدًا، أو ابتغاء رزق طيب، فهي هجرة إلى الله و رسوله.

(أحكام القرآن حضرت تهانوي، العنكبوت: ٥٦، ٢/) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۱۵ھ

دیہات میں جمعہ کے جواز کی شرائط

سوال [۳۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی نماز درست ہونے کے لئے مصر، فنائے مصر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، جہاں روزمرہ کی ضروریات بسہولت ملتی ہوں تو مصر، قصبہ، بڑا گاؤں ہر ایک کی تعریف کیا ہے؟ الگ الگ واضح طور پر تحریر فرمائیں، اگر اختلاف ہو تو مفتی بہ قول تحریر فرمائیں۔ نیز روزمرہ کی ضروریات میں کیا کیا چیزیں شامل ہیں؟ کل کتنی چیزیں ضروریات میں شمار ہوں گی، دو تین دوکانیں ہوں؛ لیکن کھانے کی اشیاء کے علاوہ اور کچھ نہ ملتا ہو، تو اس کا شرعاً اعتبار رہے یا نہیں؟

(۲) اگر شرائط نہ پائی جائیں صرف عرصۂ دراز سے جمعہ ایسی بستی میں ہوتا آرہا ہے، تو اس کو منع کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر منع کرنے سے فتنہ کا خوف ہو یا نہ ماننے کا اندیشہ ہو تو کیا کیا جائے؟ مزید شرائط جمعہ پائی نہ جائیں، اس کے باوجود اگر کوئی شخص پڑھتا ہے یا پڑھاتا ہے، تو اس کے ذمہ سے ظہر ساقط ہوگی یا نہیں؟ اور اس کے ذمہ قضاء لازم ہے یا نہیں؟ اور وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(۳) یہ مسئلہ عموم بلویٰ اور ضرورت کے تحت داخل ہو کر جواز کا فتوی دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یا بقیہ ائمۂ ثلاثہ کے قول کے مطابق فتوی دیا جا سکتا ہے؟ تو پھر نماز جمعہ کے تمام متعلقہ مسائل میں انہیں کے مذہب کے مطابق عمل کرنا ضروری ہوگا یا نہیں؟

(۴) جہاں شرائط نہ ہوں وہاں عیدین کی نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ پڑھنے والا ثواب کا حق دار ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب کوئیلی، عبدالمنان، امام مسجد کوئیلی، سیتامڑھی (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حنفیہ کے نزدیک جواز کے لئے شہر، قصبہ اور ایسا بڑا قریہ ہونا شرط ہے جس میں لگ بھگ تین ہزار کی آبادی ہو اور ضروری اشیاء مل جاتی ہوں، ضروری اشیاء میں خورد ونوش کا سامان کپڑے وغیرہ کی دوکانیں اور پیشہ وروں کا ہونا شامل ہے، جن سے لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

بأن المصر موضع يندفع فيه حاجة الإنسان الضرورية من الأكل، بأن يكون هناك من يبيع طعاماً، والكسوة الضرورية، وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيراً. (رسائل الأركان ص: ۱۱٤، بحواله فتاوى رحيمية قديم ٥/٥٤، جديد زكريا٦/ ٩٠)

(۲) مصر کی تعریف میں اختلاف ہے؛ لیکن بظاہر عرف پر مدار ہے، عرفاً جس شہر اور قصبہ کی آبادی زیادہ ہو، بازار گلیاں ہوں اشیاء ضرورت سب ملتی ہوں وہ شہر ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۵/۱۰۲)

وفي التحفة: عن أبي حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح .

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/ ١٣٧، زكريا٣/ ٥)

(۳) قصبہ بڑے گاؤں سے بڑا شہر نما ہوتا ہے، شہر کی طرح ہر چیز وہاں پائی جاتی ہیں، ڈی ایم اور کلکٹر کا ہونا ضروری نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے: جس کی آبادی لگ بھگ تین ہزار کی ہو، وہ بھی قصبہ کے حکم میں ہے اور اس میں بھی جمعہ جائز ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ کی رائے ہے، امداد الفتاوی ۱/۷۱۶، اور بہشتی زیور میں یہی مذکور ہے۔

(۴) چھوٹا گاؤں وہ ہے: جس کو اردو میں دیہات سے تعبیر کرتے ہیں اور اس میں شہر قصبہ وغیرہ کے شرائط بھی موجود نہ ہوں اور اس کی آبادی میں مردم شماری دو تین ہزار بھی نہ ہو، تو ایسے چھوٹے گاؤں میں شرعاً جمعہ جائز نہیں، ظہر کی نماز اس پر باقی رہ جاتی ہے اور اگر منع کرنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو فتنہ سے بچنا بھی لازم ہے، اگر ایسا مقام ہے کہ جہاں عموم بلویٰ کی بناء پر شدید ضرورت پیش آجائے، تو ایسے مقام میں اگر امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کیا جائے، تو ان کے مسئلہ کے ساتھ ساتھ اس مسئلہ کے متعلق تمام شرائط کا لحاظ رکھنا بھی لازم ہے؛ اس لئے امام شافعی کے مسلک پر عمل کرنا دشواری سے خالی نہیں، ورنہ تلفیق لازم آجاتی ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۸۹)

(۵) شرائط نہ ہونے کی صورت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

صلوة العيد في القرىٰ تكره تحريماً؛ لأنه اشتغال بما لايصح؛ لأن المصر شرط الصحة. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، كراچي ٢/١٦٧، زكريا ٣/٤٦)

مگر فتنہ سے بھی بچنا لازم ہے۔ نیز نماز عید جمعہ کی طرح نہیں ہے؛ اس لئے کہ جہاں جمعہ صحیح نہیں ہوتا وہاں ظہر کی نماز لازم آجاتی ہے، مگر عیدین کی نماز نہ پڑھی جائے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۰ھ

دیہات میں جمعہ سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۳۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں چھوٹے چھوٹے علیحدہ علیحدہ نام کے چند گاؤں ہیں، کسی کی آبادی پانچ

سو کسی کی چھ سو ہے، اسی میں ایک گاؤں سریہ کے نام سے ہے، جس کی کل آبادی بمشکل تمام دو سو افراد پر مشتمل ہوگی۔ مذکورہ گاؤں کے شمال وجنوب میں آدھا آدھا کلومیٹر دور ہفتے میں ایک ایک دن اٹھائی بازار لگتا ہے، کچھ فاصلے پر سرکاری بینک بھی واقع ہے، تقریباً دس سال سے ایک صاحب کی سعی سے جمعہ کا قیام عمل میں آیا، مگر اسی وقت سے مقامی ذی علم اور تجربہ کار علماء اس سے متفق نہ رہے اور نہ کبھی شریک جمعہ ہوکر جمعہ کی نماز ادا کی، اب جبکہ کئی عالم و مفتی فارغ التحصیل ہوئے اور کتب فقہ اور اکابرین کی رائے کو دیکھ کر مشکوک ہوئے کہ اس چھوٹے سے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک قیام جمعہ درست نہیں معلوم ہوتا ہے تب لوگوں کے سامنے بات رکھی گئی، بحمد اللہ لوگ صحیح بات ماننے اور شریعت مطہرہ پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں، اب ایسی صورت میں مذکورہ گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ کسی گاؤں میں جمعہ کے دن اذان ونماز ظہر باجماعت مسجد میں نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ ہر گاؤں کے چند افراد شریک ہوکر جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، تو کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ یا عام دنوں کی طرح جمعہ کے دن بھی ہر گاؤں میں ظہر کے لئے اذان ونماز باجماعت کی ادائیگی لازم ہے؟

(۳) جبکہ تمام گاؤں علیحدہ علیحدہ ناموں کے ساتھ موسوم ہیں اور ہر دو گاؤں کے درمیان کھیت وسڑک کے ذریعہ آدھا کلومیٹر کا فاصلہ ہے، تو کیا ایسی صورت میں تمام گاؤں کو ایک شمار کرکے جمعہ قائم کرنا درست ہے؟

(۴) چونکہ دس سال سے جمعہ کی نماز ہورہی ہے، اگر فتوی عدم جواز کا ہو اور بعض لوگوں کے عدم اتفاق واختلاف کی بات ہو تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(۵) جس جگہ شرائط جمعہ نہ ہوں اور لوگ پڑھتے ہوں، وہاں جمعہ کو بند کرنا بہتر ہے یا بنیت نفل جمعہ میں شریک ہوکر بعد میں احتیاط الظہر پڑھنا بہتر ہے؟

(٦) وعظ ونصیحت یا دینی فائدہ اور شوق نماز کے پیش نظر شرائط جمعہ کے بغیر جمعہ کے قیام

کا کیا حکم ہے؟ بینوا بیانًا شافیًا تؤجروا أجرًا وافیًا، فإن الله لایضیع أجر المحسنین.

المستفتی: اہلیان موضع متھر ہنڈیہ، بلرام پور (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ہر چیز کے کچھ اصول وقواعد ہوتے ہیں، اگر ان اصول وقواعد کے موافق عمل کیا جائے تب ہی وہ عمل صحیح اور قابل قبول ہوگا، ورنہ صحیح اور قابل قبول نہ ہوگا، مثلاً نابالغ لڑکا بالغوں کا امام نہیں بن سکتا؛ اس لئے کہ امامت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نماز کی صحت کے لئے طہارت شرط ہے، بلا طہارت نماز درست نہ ہوگی، اسی طرح وقت سے پہلے اگر نماز پڑھی جائے تو نماز نہ ہوگی۔ نیز حج کی ادائیگی کے لئے ماہ ذی الحجہ کا ہونا اور ارکان کی ادائیگی کے لئے جو جگہیں مقرر کی گئی ہیں وہاں جاکر ارکان ادا کرنا ضروری ہے ورنہ فریضۂ حج ادا نہ ہوگا، اسی طرح نماز جمعہ کی صحت کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہو، روزمرہ کی ضروری اشیاء ملتی ہوں، کم از کم تین ہزار کی آبادی ہو تو وہاں جمعہ کی نماز واجب ہے اور جو گاؤں ایسا نہ ہو اس میں جمعہ ادا کرنا جائز نہیں ہے، دیکھئے میدان عرفات میں لاکھوں حاجیوں کا اجتماع ہونے کے باوجود جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی؛ بلکہ ظہر پڑھی جاتی ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کا دن تھا پھر بھی ہزاروں صحابہ کے اجتماع میں جمعہ نہیں پڑھا گیا؛ بلکہ ظہر باجماعت پڑھی گئی اور آج تک ظہر ہی پڑھی جاتی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کی صحت کیلئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، سوال نامہ میں جس گاؤں کا ذکر ہے وہ یقیناً چھوٹا گاؤں ہے؛ اس لئے وہاں جمعہ کی نماز پڑھنا قطعاً جائز نہیں ہے، پڑھی جائے تو ادا نہ ہوگی؛ بلکہ نفل ہوجائے گی اور نفل کے لئے اذان واقامت، خطبہ، قرأت بالجہر اور نفل باجماعت پڑھنے کی کراہت، نیز ظہر باجماعت ترک کرنا موجب فسق اور کراہت تحریمی کا باعث ہے؛ اس لئے گاؤں والوں پر ظہر باجماعت پڑھنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۳۱۹ تا ۳۳۱،

جدید ڈابھیل ۱۰۵/۸ تا ۱۲۳، تعلیم الاسلام ۴/۷، کفایت المفتی قدیم ۱۸۹/۳، زکریا مطول: ۱۶۲/۵، مسائل نماز جمعہ ص: ۷۷)

ولاجمعة بعرفات في قولهم جميعاً. (جامع الصغير ص:۱۱۲)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق، وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التى ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. كما في المضمرات. والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۱۳۸/۲، زكريا ۷/۳، وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۵۲٤/۱، امداد يه ملتان ۲۱۷/۱، امداد الأحكام ۳٤٠/۲، البحر الرائق، زكريا ۲٤۸/۲، كوئٹه ۱٤۱/۲، ومجمع الأنهر بيروت، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة ۲٤٥/۱، وفتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، كراچي ۲۲/۲، زكريا ٥۱/۲، هداية، باب صلوة الجمعة اشرفى ديو بند ۱٦۸/۱، كبيري، باب صلوة الجمعة اشرفية ديو بند ٥٤٩، قديم ٥۱٠، صغيري، مطبع مجتبائي دهلي ۲۷۷، ونور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، امداديه ديو بند ۱۱۷، ۱۱۸، مالا بد منه ٥٤، بهشتي ثمر ۱٤۳/۱، وطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتاب ديو بند ص:٥٠٤، قديم ۲۷٤)

(۲) جہاں شرائط جمعہ موجود نہ ہوں وہاں چند افراد کا یکجا ہو کر جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے اہل گاؤں پر جمعہ کے دن بھی دوسرے دنوں کی طرح ہر گاؤں میں اذان واقامت کے ساتھ ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا لازم وضروری ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۵۱/۵-۱۶۳-۱۶۵)

ألاترى أن في الجواهر لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة كراچي ۱۳۸/۲، زكريا ۷/۳)

(۳) جبکہ چند گاؤں اپنے نام کے اعتبار سے الگ الگ ہیں اور ہر دو گاؤں کے درمیان کھیت وسڑک کے ذریعہ فاصلہ بھی ہے اور انفرادی طور پر کسی میں بھی شرائط جمعہ موجود نہیں ہیں، تو محض اقامت جمعہ کے لئے ان کی آبادی کو ایک شمار کر کے قریۂ کبیرہ کا درجہ دینا قواعد

شرعیہ اور عرف وعادت کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے؛ اس لئے اہل علاقہ کا اکٹھا ہوکر ایک گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ آپ خود نہ پڑھیں اور نہ پڑھائیں؛ بلکہ اعلان کردیں کہ یہاں جمعہ درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵۲۶/۱۶، جدید ڈابھیل ۱۴۷/۸)

(۵) جس جگہ شرائط جمعہ نہ ہوں اور لوگ کم علمی کی وجہ سے پڑھ رہے ہوں تو وہاں جمعہ کو موقوف کر کے ظہر قائم کرنا ضروری اور مطلوب شرع ہے، بنیت نفل جمعہ میں شرکت کرنے سے دوسرے لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ بھی جمعہ پڑھتے ہیں؛ لہٰذا ایسی جگہ جمعہ پڑھ کر بعد میں احتیاط الظہر پڑھنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۰۲/۷، ۲۳۵/۱۴، جدید ڈابھیل ۱۶۸/۸، ۴۴، امداد الفتاوی ۶۴۱/۱ ومسائل نماز جمعہ ص:۷۷)

(۶) شریعت میں مصلحت کی رعایت اس وقت ہوتی ہے جب وہ حکم شرعی کے خلاف نہ ہو اور جب مصلحت حکم شرعی کے خلاف ہو، تو پھر مصلحت کی اجازت ہرگز نہ ہوگی؛ بلکہ حکم شرعی پر عمل کرنا لازم ہوگا، مذکورہ گاؤں میں جب شرائط جمعہ موجود نہیں ہیں، تو پھر کسی دینی فائدہ و مصلحت کے پیش نظر جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے؛ بلکہ ظہر باجماعت ادا کرنا ضروری ہے، جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خوف خدا ہے وہ پھر بھی ادا کرے گا اور جو بدقسمت ادا نہ کرے، اس کی فکر کسی کے ذمہ نہیں وہ اپنی قبر کا سامان خود کرے گا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۳۷/۹، جدید ڈابھیل ۱۵۲/۸، امداد الفتاوی ۳۷۵/۳ ومسائل نماز جمعہ: ۷۸)

المفسدة إذا ترجحت على المصحلة اقتضت تحريم الفعل. (روح المعاني، سورة البقرة:٩ ٢١، زكريا ديوبند ١٧٣/٢)

إذا كان فعل الإمام مبنياً على المصلحة فيما يتعلق بالأمور العامة لم ينفذ أمره شرعاً إلا إذا وافقه، فإن خالفه لم ينفذ. (الأشباه و النظائر قديم ص:١٨٩)

مزید تفصیل کے لئے اوثق العری وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۵۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۲۶ھ

گاؤں میں نماز جمعہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال[۳۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ صوبہ بہار کے ضلع سمستی پور کے دیہات کے رہنے والے ہیں، ایسی جگہ ہے جہاں ضروریات کا سامان نہیں ملتا اور بہت دنوں سے یہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، مولوی حضرات شامل بھی ہوتے ہیں؛ بلکہ امامت بھی کرتے ہیں اور احتیاط الظہر پڑھتے ہیں۔

(۱) نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) احتیاط الظہر پڑھنا کیسا ہے، ان کی امامت ہوگی یا نہیں؟

(۳) تقریباً دو ہزار کی آبادی ہے، ہندو مسلمان دونوں کے دو محلے ہیں دونوں میں ایک ایک مسجد ہے، ایک بڑی ہے دوسری چھوٹی، چھوٹی مسجد میں جمعہ کے وقت میں کوئی نماز نہیں ہوتی۔ کیا اس محلّہ کے افراد جمعہ کے وقت میں اذان دے کر ظہر کی نماز با جماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) ایسے علاقہ میں اگر عید کی نماز سے پہلے قربانی کرلی تو قربانی درست ہوگی یا نہیں؟ جبکہ عید کی نماز بھی ہوتی ہے۔

المستفتی: عبدالغفار قاسمی، لادھہ کپسیہ، سمستی پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لئے دو چیزوں میں سے ایک چیز لازم ہوتی ہے۔

(۱) آبادی کی حیثیت یعنی ایسی آبادی ہو جس میں ضروریات زندگی کی ہر چیز موجود ہو، اسکول، اسپتال، تھانہ اور روزمرہ کے خورد ونوش کی ہر چیز کی دکانیں، بازار نما موجود ہوں اور قصبہ جیسی شکل ہو، اگرچہ مردم شماری کم ہو؛ لیکن آبادی کی حیثیت قصبہ نما ہونے کی وجہ سے وہاں جمعہ جائز ہوجائے گا۔

(۲) آبادی کی مردم شماری اگرچہ بازار نما نہ ہو؛ لیکن وہاں کی مردم شماری تین ہزار سے اوپر ہو، تو ایسی صورت میں وہ گاؤں قصبہ کے حکم میں ہونے کی وجہ سے وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا۔ اور سوال نامہ میں جس آبادی کا ذکر ہے اس میں دونوں چیزیں نہیں ہیں۔ مذکورہ گاؤں مردم شماری کے اعتبار سے قصبہ کے حکم میں نہیں ہے اور حیثیت آبادی بھی بازار جیسی نہیں ہے؛ اس لئے وہاں جمعہ جائز نہ ہوگا؛ بلکہ وہاں کے لوگوں پر ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہوگا اور دونوں مسجدوں میں باقاعدہ اذان واقامت اور جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنی چاہئے، جب اس گاؤں میں جمعہ درست ہی نہیں ہے تو ظہر کی جو نماز پڑھی جائے گی وہ اصل نماز ہوگی۔ اسے احتیاط الظہر نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ اداءِ فرض کہا جائے گا اور جہاں نماز جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں پر نماز عید بھی درست نہیں ہے؛ لہٰذا ایسے گاؤں میں نماز عید سے پہلے قربانی درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۴۲/۸)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۳۸، زكريا ۳/ ٦)

وفيما ذكرنا إشارة إلىٰ أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. كما في المضمرات...... ألا ترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر......وكما أن المصر، أو فنائه شرط جواز الجمعة، فهو شرط جواز صلاة العيد. (شامي كراچي ۲/ ۱۳۸، زكريا ۳/ ۷)

فأما أهل السواد، والقرىٰ، والرباطات عندنا يجوز لهم التضحية بعد طلوع الفجر. (شامي، كتاب الأضحية، كراچي ٦/ ۳۱۸، زكريا۹/ ٤٦۱)

لاتجوز لأمير الموسم......ولا بعرفات؛ لأنها مفازة، وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة على المذهب وعليه الفتوى دفعاً للحرج وعلى المرجوح، فالجمعة لمن سبق تحريمة وتفسد بالمعية، والاشتباه فيصلي بعدها آخر ظهر، وكل ذلك خلاف المذهب، فلايعول عليه كما حرره في البحر الخ

(الدر المختار علی رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب، کراچي ۲/ ۱۴۴، زکریا ۳/ ۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۱/ ۱۴۳۳ھ

گاؤں میں نماز جمعہ ہو تو علماء شرکت کریں یا نہ کریں؟

سوال [۳۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ہمارے علاقہ میں لوگ (حنفی) اپنے اپنے کھیتوں میں گھر بنا کر رہتے ہیں، گاؤں یا قصبہ کی شکل میں اجتماعی طور پر آباد نہیں ہیں شرقاً، غرباً اور شمالاً ہر سہ جانب تقریباً ایک سوبیس کلومیٹر کی دوری پر شہر (ضلع) ہے، بجانب جنوب تقریباً ساٹھ کلومیٹر پر شہر ہے، اگرچہ ضلع تو نہیں ہے؛ لیکن مثل ضلع ہے، اس کے قریب کوئی شہر نہیں ہے؛ اس لئے جمعہ اور عیدین کے لئے ان شہروں تک دوری اور وسائل کی کمی کے وجہ سے پہونچ نہیں سکتے اور جہالت کا غلبہ ہے، نماز پنج وقتہ کے پابند تو بہت کم ہیں؛ البتہ جمعہ کا سب اہتمام کرتے ہیں، دور دراز سے چل کر سب ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، سالہا سال سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔ علماء کرام ومفتیان عظام کی رائے اختیار کرنے میں فتنہ ہے؛ اس لئے جہاں جمعہ جاری ہے، جاری ہی رکھا جائے؛ اس لئے جاری ہے کہ اکثر طبقہ جاہل ہے؛ لیکن معدودے دینی اداروں کے فضلاء کرام بھی اس علاقہ میں رہتے ہیں، جو عیدین میں تو سب شریک ہوتے ہیں؛ لیکن جمعہ میں بعض شریک ہوتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے، جو شریک نہیں ہوتے ہیں وہ اپنے گھر بیٹھے رہتے ہیں، ان کے لئے مستقل مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے، عوام ان کو جمعہ نہ پڑھنے والے اور جمعہ سے روکنے والے ایک فرقہ کے روپ میں دیکھتے ہیں اور بدظنی حد سے زیادہ بڑھ رہی ہے، عوام کو ایک بات ہاتھ لگ گئی کہ یہ تو جمعہ ہی نہیں پڑھتے، خوب تبصرے ہوتے ہیں اور علماء کے طبقہ سے بدظنی دن بدن پھیلتی جا رہی ہے، ایسی بگڑی ہوئی صورت حال میں علماء کرام کیا کریں؟

الف: آیا جمعہ وعیدین میں شریک ہوں یا نہ ہوں؟ نیز ایسی جگہوں پر جمعہ وعیدین کی امامت کریں یا نہیں؟

ب: اگر شریک ہوں تو جمعہ کے بعد ظہر کے نام سے چار فرض پڑھیں یا نہیں؟ اگر پڑھیں تو عوام کو اس کی اطلاع دینا ضروری ہے یا نہیں؟ تاکہ بعض لوگ بھی اس پر عمل کرسکیں؟

ج: اگر چار فرض پڑھیں تو جماعت کرنے میں فتنہ ہے، اب تنہا پڑھیں تو اس حدیث پر عمل کیسے ہوگا؟ جس میں چالیس دن تک تکبیر اولی کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے، اکثر دوسرے علاقہ سے تبلیغی جماعتیں آتی رہتی ہیں، وہ لوگ تکبیر اولی کے پابند ہوتے ہیں، ایسے لوگ کیا کریں، اس حدیث پر عمل کیسے کریں؟

د: نیز اس کے متعلق دوسرے علاقہ کے بعض علماء کا کہنا ہے کہ ایسی جگہوں پر آخر ظہر کی چار رکعت کی ضرورت نہیں ہے اس میں حرج ہے، جمعہ کافی ہوجائے گا، پھر یہ کہ خواص پڑھیں اور عوام نہ پڑھیں، یہ بات بھی رفتہ رفتہ عوام تک پہونچ جائے گی تو ایک نیا فتنہ کھڑا ہوجائے گا کہ علماء کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ ہے، ان کو مقتدیٰ کیسے مانا جائے؟ اس لئے جمعہ ہی پڑھنا کافی ہوجائے گا اور سبھی کو شریک ہونا چاہئے اور جو لوگ شریک نہیں ہوتے ہیں، ان کو بھی ترغیب دلاکر شریک کرنا چاہئے اور ان کا کہنا ہے کہ پر پیچ حالات میں حنفیوں کو امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ دوسرے امام (امام شافعیؒ وغیرہ) کے مسلک پر عمل کی اجازت ہوگی؟ آیا ان علماء کا یہ استدلال درست ہے یا نہیں؟ ازراہ کرم تسلی بخش مفصل، مدلل حوالوں کے ساتھ جواب عنایت فرمادیں، نوازش ہوگی۔ شکریہ

سوال نمبر۲: مذکورہ بالا علاقہ میں ایک مشکل پانی کی بھی ہے، زمین کا پانی کھارا ہے؛ اس لئے کھانے پینے کے علاوہ ضروریات تو زمین کے پانی سے پوری ہوجاتی ہیں، مگر پینے کے لئے بارش کا پانی حوض میں جمع کیا جاتا ہے اور آئندہ سال بارش ہونے تک اسی کو دوائی کے طور پر بہت ہی محتاط انداز سے پیا جاتا ہے، یہ حوض زمین میں سات آٹھ ہاتھ گہرے ہوتے ہیں او

راتنے ہی اوپر گولائی میں ہوتے ہیں جودہ دردہ کی مقدار سے کم ہوتے ہیں، یہ حوض آبادی سے دور ہوتے ہیں، اردگرد کی زمین ہموار کردی جاتی ہے،اس کا پانی جمع ہوکر بہہ کر حوض میں بھر جاتا ہےاور ہر آدمی کے ایک ایک دودوحوض باپ، دادا کے ہاتھ کے بنے ہوئے ہیں او رچونکہ بارش کے علاوہ کھیتی وغیرہ ہوتی نہیں ہے؛ اس لئے جہالت کی طرح غربت وافلاس بھی غالب ہے، ہر شخص پرانے حوض کوتوڑ کر نیا حوض بنانے کی وسعت نہیں رکھتا کہ اس کودہ در دہ بنادیا جائے، اگر دہ دردہ بنایا بھی جائے تو اکثر ناکام ہوجاتا ہےاور کئی مجبوریاں ہیں، زمین نرم ہونے کی وجہ سے اس مقدار مذکورہ سے بڑانہیں بناسکتے۔

مذکورہ حوض میں سال بھر میں کبھی چڑیا کبھی چوہے مرتے رہتے ہیں اور مجبوری کی وجہ سے تمام لوگ اسی پانی کو پیتے رہتے ہیں، کنویں کا پانی کھارا ہےاور یہ حوض ہر ایک کے ذاتی ہوتے ہیں؛ اس لئے دوسرے کواجازت بھی نہیں دیتے ہیں، پھر گاؤں کے متصل آبادی نہیں ہے؛ اس لئے سرکار کی طرف سے بھی کوئی انتظام نہیں اور نہ امید ہے۔ باوجود مسئلہ بتانے کے سیکڑوں نہیں؛ بلکہ ہزاروں میں شاید ہی کوئی ایک رکتا ہو،عوام وخواص سب ہی کا یہی حال ہے او رخصوصاً موسم گرما میں، یہ علاقہ قابل رحم ہوتا ہے، دست وغیرہ کی شکایت ہوجاتی ہے، اس مسئلہ میں بھی بعض کا کہنا ہے کہ ان مجبوریوں کے پیش نظر حنفیوں کوحدیث قلتین (یعنی امام شافعیؒ کے مسلک پر) عمل کرنے کی اجازت ہوگی؟

الف: جناب والا اس مسئلہ میں بھی پوری رہنمائی فرمائیں کہ حدیث قلتین پرعمل کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جاہلوں کی جہالت کی وجہ سے احکام شرع میں تبدیلی کی اجازت نہیں ہوگی، علمی طبقہ کےلوگ باقاعدہ اذان دے کر علی الاعلان ظہر کی نماز پڑھا

کریں، اگر کسی نے مصلحت کو پیش نظر رکھ کران کے ساتھ جمعہ پڑھ لیا ہے تو اس پر ظہر کا فرض باقی رہ جائے گا، ہاں البتہ جس گاؤں کی آبادی تین ہزار تک پہنچ گئی ہے، اس میں شرعاً جمعہ کی نماز جائز ہے، آس پاس میں تین ہزار کی آبادی والے گاؤں تو ضرور ہوں گے، وہاں جا کر آپ لوگ جمعہ کی نماز پڑھ لیا کریں، تو کیا پریشانی ہے؟ شہر ہی میں جانا کیا ضروری ہے؟ اگر آبادی تین ہزرا تک پہنچ گئی ہے، تو وہاں پر جمعہ کی امامت ضرور کیجئے۔

ب: دیہات میں جمعہ وظہر کو جمع کرنا ممنوع ہے؛ کیونکہ جمعہ نفل ہو جائے گا اور نفل کی جماعت ممنوع ہے۔

ج: آپ کو اگر فتنہ واختلاف سے محفوظ ہو کر تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز کی خواہش ہے، تو آپ بڑے گاؤں میں جا کر جمعہ کی نماز پڑھ لیا کریں اور تبلیغی جماعت والے مسافر ہوتے ہیں وہ اگر دو تین مل کر نماز پڑھ لیں گے تو پورا ثواب مل جائے گا، وہ لوگ جمعہ کے دن ایسے چھوٹے دیہات میں قیام نہ کریں، جہاں یہ سب فتنہ ہو، غیر جمعہ کے ایام میں وہاں جایا کریں۔

(۲) دوسرے علماء کا جمعہ کی اجازت دینا شرعاً درست نہیں ہے، جمعہ پڑھنے کے باوجود ظہر کا فرض باقی رہ جائے گا۔ امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کرنے میں تلفیق لازم آتی ہے، جو کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

(۳) اگر مرنے کا صرف گمان ہے، تو محض گمان کی وجہ سے پانی میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ نیز اگر آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، پھر بھی مجبوری کی بناء پر ایسا پانی پینے کے لئے دل گوارا کرتا ہے، تو حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر مجبوراً عمل کی گنجائش ہوسکتی ہے، اس طرح عموم بلوی کی وجہ سے عدول عن المذہب کے جواز کے بارے میں ایضاح المسالک ص:۱۵۵/ کا مطالعہ کرنا مفید ثابت ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/شوال المکرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۹۹/۳۳)

جمعہ نہ پڑھنے پر گاؤں میں انتشار کا خدشہ ہو تو کیا کریں؟

سوال[۳۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں پائے جاتے ہیں، نہ وہاں باضابطہ بازار ہے اور نہ ہی تمام ضروریات زندگی دستیاب ہوتی ہیں۔

نیز اس گاؤں کی آبادی بھی تین ہزار نہیں ہے، یہاں کے لوگ عرصۂ دراز سے جمعہ کی نماز ادا کرتے چلے آرہے ہیں، بریلوی مکتبۂ فکر کے اس گاؤں کے باشندہ قاری صاحب کہتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے گاؤں والوں کو جمعہ کی دو رکعت سے فراغت کے بعد چار رکعت احتیاط الظہر ادا کرنی چاہئے۔ نیز تاتاخانیہ کی درج ذیل عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے:

والاحتياط في القرىٰ، أن يصلي السنة أربعاً، ثم الجمعة، ثم ينوی أربعاً سنة الجمعة، ثم يصلي الظهر، ثم ركعتين سنة الوقت، فهذا هو الصحيح المختار، فلو كان أداء الجمعة صحيحاً، فقد أداها وسنتها، وإن لم تكن الجمعة صحيحة، فقد صلى الظهر، فالأربع سنة، والأربع فريضة، والركعتان بعد هذا سنة. (فتاوى تاتاخانية ٢ /٥٤، جديد زكريا ديوبند ٢/٥٥٥، رقم: ٣٢٧٩)

لیکن فتاوی محمودیہ ۵۲۴/۱۶، البحر الرائق ۱۴۳/۲ کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ احتیاط الظہر نہ پڑھی جائے، آنجناب سے استفسار ہے کہ احتیاط الظہر پڑھنے اور نہ پڑھنے کے متعلق فیصلہ کن جواب سے نوازیں۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ پڑھے لکھے حضرات کی ایسی صورت میں کیا ذمہ داری ہے؟ یاد رہے کہ جمعہ کو بند کرنے کے متعلق اگر زوردار انداز سے کہا جائے گا تو خلفشار وانتشار کا قوی اندیشہ ہے۔

المستفتی: محمد یامین، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے جمعہ صحیح نہیں ہے، اگر چہ بند کرانے میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہو اوران کو صاف صاف مسئلہ بتادیا جائے کہ یہاں پر جمعہ ادا نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے اس کے باوجود نہ مانیں تو وہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں، دیہات میں جمعہ اور احتیاط الظہر کو جمع کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ لازمی طور پر ظہر کی نماز پڑھی جائے۔تاتارخانیہ کی عبارت کا مصداق ایسی بڑی بستی ہے، جس میں جمعہ کے شرائط پائے جانے اور نہ پائے جانے میں شک ہو؛ لیکن مذکورہ دیہات میں چونکہ یقینی طور پر جمعہ کے شرائط نہیں پائے جارہے ہیں؛ اس لئے احتیاط الظہر کا مسئلہ وہاں کے لئے نہیں ہے اور بڑی بستی میں بھی احتیاط الظہر کا عوام کو حکم نہیں دیا جائے گا؛ کیونکہ عوام کی ناواقفیت کی بنا پر ان میں انتشار اور فتنہ کا اندیشہ ہے، اسی کو فتاوی محمودیہ قدیم ۵۲۴/۱۶، جدید ڈابھیل ۱۴۷/۸، البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، باب الجمعۃ، زکریا دیوبند ۲۵۲/۲، کوئٹہ ۱۴۳/۲ میں بیان کیا گیا ہے، اگر جمعہ بند کرنے میں خلفشار کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں مقتدیٰ اور علماء حضرات کو قطعی طور پر ظہر کی نیت سے چار رکعت ظہر پڑھنا لازم ہے اور اگر وہاں کے لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہونے میں فتنہ کا خطرہ ہے، تو مقتدی بن کر شریک ہوجائیں، امام ہرگز نہ بنیں اور بعد میں اپنی ظہر کی نماز ادا کرنا ان پر لازم ہے۔

وكذا لا يَصِحّ أداء الجمعة إلا في المصر، وتوابعه، فلاتجب على أهل القرىٰ التي ليست من توابع المصر، ولايصح أداء الجمعة فيها. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة،باب الجمعة، زكريا ديوبند ٥٨٣/١، كراچي ٢٥٩/١)

لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة،زكريا ٧/٣، كراچي ١٣٨/٢)

كل موضع وقع الشك في كونه مصراً، ينبغي لهم أن يصلوا بعد الجمعة أربعاً بنية الظهر احتياطاً، حتى أنه لو لم تقع الجمعة موقعها

یخرجون عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر إلی قوله: نعم! إن أدیٰ إلی مفسدة لا تفعل جهاراً والکلام عند عدمها، ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلک أمثال هذه العوام؛ بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة إلیهم.

(شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في نیة آخر ظهر بعد صلوة الجمعة، زکریا ۳/۱۷، کراچي ۲/۱٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲۱ھ

شرائط جمعہ مفقود ہونے والی جگہ میں مقتدی حضرات کی ذمہ داری

سوال [۳۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا گاؤں جہاں جمعہ کے شرائط بالکل نہیں پائے جاتے ہیں، نہ ہی ضروریات کی چیزیں ملتی ہیں اور نہ ہی اتنی آبادی ہے کہ وہاں جمعہ قائم کیا جاسکے؛ لیکن پھر بھی بہت سالوں سے جمعہ ہوتا ہے۔ اب اگر جمعہ بند کرایا جائے، تو اختلاف وانتشار اور فتنہ کا اندیشہ ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں جمعہ بند کرایا جائے یا بدستور باقی رکھا جائے؟

(۲) ایسی جگہ لوگوں کے اوپر سے جمعہ کی نماز پڑھنے کی وجہ سے ظہر ساقط ہوگی یا نہیں؟ اگر ساقط نہ ہوگی تو گذشتہ زمانہ کی قضا لازم ہوگی یا نہیں؟

(۳) ایسی جگہ علماء اور مقتداء حضرات کو کیا کرنا چاہئے؟ یہ حضرات جمعہ پڑھیں یا ظہر؟ نیز اگر ظہر پڑھتے ہیں تو عوام برا بھلا کہتے ہیں، تو عوام کا برا بھلا کہنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عرفان پینی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس جگہ بہت دنوں سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے، اور اب

جمعہ بند کرانے میں سخت فتنہ کا اندیشہ ہے، تو فساد کرنے اور الجھنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ لوگوں کو صاف صاف مسئلہ بتادیا جائے کے کہ یہاں جمعہ کی شرائط نہیں پائی جارہی ہیں، اس کے باوجود اگر لوگ نہیں مانتے ہیں تو وہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں؛ لیکن جن کو مسئلہ معلوم ہے ان کے لئے ایسی جگہ جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵۶۲/۱۶، جدید ڈابھیل ۱۴۷/۸، کفایت المفتی قدیم ۱۸۷/۳، ۱۸۰، جدید زکریا ۲۳۲/۳، ۲۲۶، زکریا جدید مطول ۱۶۱/۵، آپ کے مسائل اور ان کا حل قدیم ۳۹۸/۲، جدید زکریا ۱۱۳/۴)

وکذا لا یصح أداء الجمعة إلا في المصر، وتوابعه، فلاتجب علی أهل القریٰ التی لیست من توابع المصر، ولا یصح أداء الجمعة فیها.

(بدائع الصنائع، کتاب الصلاة،باب الجمعة، زکریا دیوبند ۵۸۳/۱، کراچي ۲۵۹/۱)

(۲) ایسی جگہ جمعہ نماز پڑھنے سے فریضۂ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا؛ بلکہ ظہر کا فریضہ ذمہ میں بدستور باقی رہے گا، اگر ظہر ادا نہ کریں گے، تو گنہگار ہوں گے اور گذشتہ زمانہ کی قضاء بھی لازم ہوگی۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱۱۴/۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۵۱۵/۱۶، جدید ڈابھیل ۱۴۷/۸، فتاوی دارالعلوم، دیوبند زکریا ۱۳۷/۵)

لو صلوا في القریٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، زکریا ۷/۳، کراچي ۱۳۸/۲)

(۳) ایسی جگہ علماء ومقتدا حضرات کو چاہئے کہ جمعہ کے روز ایسی جگہ جمعہ کی نماز ادا کریں جہاں جمعہ کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں اور اگر اس جگہ رہنا ناگزیر ہوجائے اور جمعہ کی نماز میں شرکت نہ کرنے کی صورت میں ایسے فتنہ کا اندیشہ ہو جس کا وہ تحمل نہ کرسکے، تو مقتدی بن کر جمعہ پڑھ لے؛ لیکن بعد میں ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۷۵/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۳ھ

جہاں جمعہ صحیح نہیں وہاں صرف ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہے

سوال [۳۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جہاں جمعہ کی نماز صحیح نہ ہو، وہاں جمعہ اور ظہر دونوں کی باجماعت نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد حمید، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جہاں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، وہاں جمعہ جائز ہی نہیں، صرف ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہے دونوں نہ پڑھیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۳۸/۵)

عن علي رضي الله عنه قال: لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥٠٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رصفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۷۸/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۱۸ھ

دیہات میں نماز جمعہ ادا کرنے سے نماز ظہر ساقط نہیں ہوگی

سوال [۳۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی نماز جس جگہ دیہات کی مسجدوں میں پہلے سے ہوتی ہوئی چلی آرہی ہے، وہاں جمعہ کی نماز پڑھ لینے سے ظہر کی نماز ساقط ہوگئی یا پڑھنا پڑے گی؟

المستفتی: عبدالوحید، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس دیہات میں شرعاً جمعہ جائز نہیں ہے،اس میں جمعہ پڑھنے سے ظہر کا فرض ساقط نہیں ہوگا؛ بلکہ بدستور باقی رہے گا،اگرچہ اس میں جمعہ ہوتا آیا ہو۔

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض (إلى قوله) لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/۷، كراچي ۲/۱۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۰/۲۹ھ

قریۂ صغیرہ میں ظہر کی جگہ جمعہ پڑھنا

سوال [۳۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسی جگہ جہاں جمعہ واجب نہیں ہے؛ لیکن ایک عرصۂ دراز سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے، اگر ان کو منع کیا جائے تو فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لئے منع نہیں کیا جاسکتا ،اب وہ عالم جو وہاں جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے یا اتفاق سے کوئی عالم دیہات میں پہونچ گیا،تو انہوں نے جمعہ کی نماز پڑھادی،تو اس امام پر یا اس عالم پر جو اتفاقاً پہونچ گیا ظہر کی نماز واجب ہے یا جمعہ کی نماز اس کے لئے کافی ہوجائے گی؟ نیز اس دیہات میں رہنے والے عوام کی نماز جمعہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: شریف احمد گڈاوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن دیہاتوں میں جمعہ کی شرائط موجود نہیں ہیں،ان میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوتی،وہاں والوں پر ظہر کی نماز فرض ہے،اگر ظہر کی نماز نہیں پڑھیں گے تو

ظہر کا فرض ان کے ذمہ باقی رہ جائے گا اور جو علماء اس گاؤں میں جمعہ کے دن پہونچتے ہیں، ان پر بھی جمعہ فرض نہیں ہے، ان پر ظہر پڑھنا فرض ہے۔

عن الحارث عن علي رضي قال: لا جمعة و لا تشريق إلا في مصر جامع.

(مصنف عبد الرزاق، الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي ١٦٧/٣، رقم:٥١٧٥)

لاتجوز في الصغيرة (إلى قوله) لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٧/٣، كراچي ١٣٨/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رصفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۵ھ

جن دیہاتوں میں پہلے سے جمعہ ہوتا آ رہا ہے ان کا حکم

سوال [۳۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن دیہاتوں میں پہلے سے جمعہ ہوتا آ رہا ہے اور آج بھی ان دیہاتوں کی آبادی ۱۰۰۰/ ہزار ۵۰۰ پانچ سو سے زیادہ نہیں ہے وہاں جو جمعہ پڑھا جا رہا ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا ان پر ظہر کا فرض باقی رہ جاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالاحد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن دیہاتوں کی آبادی ایک ہزار یا پانچ سو ہے اور وہاں روزمرہ کی ضروری اشیاء فراہم نہیں ہیں، تو ایسے دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ وہاں ظہر کی جگہ جمعہ پڑھنا جائز ومشروع نہیں ہے، ان لوگوں پر ظہر کا فریضہ باقی رہ جاتا ہے۔
(مستفاد: ایضاح المسائل/ ۶۵، فتاوی دار العلوم ۵/ ۳۷)

وفيما ذكرنا إشارة أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض،

ومنبر، وخطيب-والظاهر أنه أريدبه الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألاترىٰ أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۷/۳، كراچي ۱۳۸/۲)

وفي القنية: صلاة العيد في القرىٰ تكره تحريماً، ومثله في الجمعة. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين كراچي ۱٦۷/۲، زكريا ۳/٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۴۹/۴۰)

دیہات میں جمعہ جائز ہے یانہیں؟

سوال[۳۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے یانہیں؟ جبکہ اس دیہات میں دوہزار سے کم آبادی ہے، باقاعدہ بازار بھی نہیں ہے۔

المستفتی: فضل اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شہر یاقصبہ یا اتنا بڑا گاؤں ہو کہ عورت، مرد، مسلم، غیر مسلم ۳؍ہزار افراد پر مشتمل ہوں اور وہاں روزمرہ کی ضروریات مہیا ہوں، اس سے چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔(مستفاد: ایضاح المسائل ۶۴، فتاوی عثمانی ۱/۶۱۵، محمودیہ میرٹھ ۱۲/۲۱۷، محمودیہ ڈابھیل ۸/۱۲۴، فتاوی دارالعلوم ۵/۳۳)

عن حذيفةؓ قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ٤٦/٤، رقم: ٥١٠٠)

وشرط أداء الجمعة المصر: أي شرط صحتها أن تؤدى في مصر؛ حتى لا تصح في قرية، ولامفازة. لقول عليؓ: لا جمعة، ولا تشريق، ولاصلاة فطر، ولا أضحى، إلا في مصر جامع، أو في مدينة عظيمة.
(البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، كوئٹہ ۲/ ۱٤٠، زكريا، دارالكتاب ۲/ ۲٤٥)

عن أبي حنيفةؒ، أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۳۷، زكريا ۳/ ۵، حلبي كبير، فصل في صلوة الجمعة، مكتبه رحيمية قديم اشرفية ديو بند جديد ۵۵٠، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، كراچي ۱/ ۲٦٠، زكريا ديوبند ۱/ ۵۸۵، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، امداديه ملتان ۱/ ۲۱۷، زكريا ديوبند ۱/ ۵۲٤، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۲۶/۴۰)

گاؤں میں جمعہ پڑھنا

سوال [۴۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں باوجود شرائط نہ پائے جانے کے ایک عرصہ سے جمعہ ہو رہا ہے، بند کرنے میں فتنہ کا خطرہ ہے، اب ایک مسجد اور بن گئی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کیا بارش وغیرہ کے موقع پر اس دوسری مسجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟ اور کیا ان حضرات پر جمعہ پڑھنے کی وجہ سے عید کی نماز بھی واجب ہے؟ اگر بارش ہو جائے تو کیا یہ حضرات عید کی نماز اپنی اپنی مسجدوں میں پڑھ سکتے ہیں؟

المستفتی: عبدالرشید، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ جس گاؤں میں شرائط جمعہ نہ پائی جائیں، وہاں جمعہ اورعیدین کی نماز کا قیام درست نہیں اور کسی جگہ عرصہ سے جمعہ ہوتے رہنا اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا؛ لہٰذا صورۃ مسؤلہ میں قدیم وجدید دونوں مسجدوں میں جمعہ کے دن گاؤں والوں پر جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا لازم ہے اوران پر عید کی نماز بھی واجب نہیں ہے، بارش ہو یا کوئی اور موسم ہو، ہرحال میں حکم یکساں ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۸/۱۶۰)

عن حذیفۃؓ، قال: لیس علی أھل القریٰ جمعۃ، إنما الجمعۃ علی أھل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شیبۃ، کتاب الصلاۃ، من قال: لا جمعۃ، ولاتشریق إلا في مصر جامع، مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ٤/٤٦، رقم: ٥١٠٠)

وشرائط أدائھا: المصر، أي شرط صحتھا: أي تؤدي في مصر؛ حتی لاتصح في قریۃ، ولامفازۃ. لقول عليؓ: لا جمعۃ، ولا تشریق، ولاصلاۃ فطر، ولا أضحی، إلا في مصر جامع، أو في مدینۃ عظیمۃ. (البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، زکریا ٢/٢٤٥، کوئٹہ ٢/١٤٠)

لاتجوز في الصغیرۃ التي لیس فیھا قاض، ومنبر وخطیب......ألاتری أن فيالجواھر: لو صلوا في القریٰ لزمھم أداء الظھر. (شامي،کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ کراچي ٢/١٣٨، زکریا ٣/٧)

وفي القنیۃ: صلاۃ العید في القریٰ تکرہ تحریماً. وفي الشامیۃ: ومثلہ في الجمعۃ. (در مختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، کراچي ٢/١٦٨، زکریا٣/٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/۱۱۷۰۲)

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا حکم

سوال [۴۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے جو نہ شہر میں ہے اور نہ ہی قصبہ میں ہے، یہ مسجد پنڈ میں ہے، یعنی گاؤں میں پنڈ دھرم کوٹ میں ہے، یہ مسجد پورے پچاس سال ویران رہی اور اب اسے آباد کیا گیا ہے، پہلے کا کچھ پتہ نہیں یہ جامع مسجد تھی یا نہیں؟ مسجد بھی چھوٹی ہے، یہاں سے شہر صرف سات کلومیٹر ہے اور شہر میں بھی جامع مسجد ہے۔ کیا یہاں دھرم کوٹ میں جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں جمعہ کے دن جمعہ کی شرائط بھی مکمل نہیں ہیں، صرف تھانہ ہے اور میڈیکل اسٹور ہیں، مسلم کم ہیں، منکر اسلام زیادہ ہیں، جو مسلم ہیں وہ بھی خانہ بدوش ہیں، تو کیا یہاں جمعہ ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد بشیر الدین قاسمی، کشمیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہاں کی آبادی تین ہزار سے زائد ہو، چاہے وہ آبادی سارے غیر مسلم کی کیوں نہ ہو، تو وہاں شرعی طور پر جمعہ جائز ہے اور اگر مذکورہ مقام میں مسلم وغیر مسلم کی آبادی بچے، بوڑھے سب ملا کر تین ہزار سے کم ہے، تو وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، جمعہ کے جواز کے لئے شہر، قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، چاہے آبادی ہندوؤں کی ہو یا مسلمانوں کی، اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور بڑے گاؤں کی شکل تین ہزار کی آبادی میں ہوجاتی ہے، اس سے کم میں چھوٹا گاؤں اور دیہات مانا جاتا ہے؛ اس لئے وہاں جمعہ جائز نہیں ہوتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۲۰، عزیز الفتاوی ۲۷۸/، امداد المفتیین ۳۹۶/)

عن حذیفة رضـ قال: لیس علی أهل القریٰ جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشریق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ٤٦/٤، رقم: ٥١٠٠)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق "إلى قوله" لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. كما في المضمرات. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۱۳۸/۲، زكريا ۷/۳، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الجمعة، زكريا ديوبند ۵۸۳/۱، كراچي ۲۵۹/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۷۵۱/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۳ھ

قریۂ صغیرہ میں جمعہ کی نماز کا حکم

سوال [۳۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں پکے مکانات بھی نہیں ہیں اور اتنے آدمی بھی نہیں ہیں کہ جتنے آدمی ہونے پر جمعہ جائز ہے، مگر جمعہ ہوتا ہے، تو اس کے بارے میں کچھ تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ میں نے منع کیا تو لوگ کہتے ہیں کہ دو چار نمازی آتے ہیں وہ بھی نہیں آئیں گے۔

المستفتی: محمد شہزاد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر وہاں پر جمعہ کی شرائط موجود نہ ہوں، تو وہاں پر جمعہ کی نماز صحیح نہ ہوگی، وہاں والوں پر ظہر کی نماز ادا کرنا فرض ہے، اگر ظہر چھوڑ کر جمعہ پڑھیں گے تو ان کے اوپر ظہر کا فریضہ باقی رہ جائے گا اور آپ لوگ اس کے مکلّف نہیں ہیں کہ جہاں جمعہ شرعی طور پر صحیح نہیں ہے، وہاں لوگوں کو جمع کرنے کے لئے شرعی حکم میں تغیر پیدا کریں، شریعت کے حکم کو اسی طرح باقی رکھنا لازم ہے، جس طرح شریعت نے مقرر کر دیا ہے؛ اس لئے وہاں پر مذکورہ مصلحت کی وجہ سے بھی جمعہ قائم کرنا درست نہ ہوگا۔

عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلاة فطر، ولاأضحى، إلافي مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لاجمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم:٥٠٩٩)

لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٧، كراچي ٢/١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۱۴۸)

گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین کا فرق

سوال [۳۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں نو یا دس گاؤں کے لوگوں نے مل کر کسی ایک گاؤں میں متفق ہو کر نماز جمعہ ادا کرنا مقرر کیا ہے اور ہر گاؤں کے درمیان آدھا کیلومیٹر، ایک کیلومیٹر، ڈیڑھ کیلومیٹر کا فاصلہ ہے اور جس جگہ جمعہ ہوتا ہے، اس گاؤں میں سو گھر مسلم اور سو گھر غیر مسلموں کے ہیں اور ضروریات میں سے راشن پانی اور ڈاکٹر کے علاوہ کوئی ضرورت پوری نہیں ہوتی ہے، اور یہی بات نماز عید میں بھی ہے، تو اس گاؤں میں نماز جمعہ درست ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ مذکورہ گاؤں میں سے کسی بھی گاؤں کی آبادی ڈھائی ہزار سے زیادہ نہیں ہے، تو ایسی جگہوں پر نماز جمعہ وعیدین پڑھنا شرعًا کیسا ہے؟

اور اگر نماز درست ہے تو پھر ان میں سے کچھ گاؤں کے لوگوں نے اپنے اپنے گاؤں میں الگ سے جمعہ قائم کر لیا ہے، اور وہاں بھی جس گاؤں میں جمعہ قائم کیا ہے، اس گاؤں کی آبادی مسلموں کی ۴۵؍گھر اور غیر مسلموں کی ایک سو بیس گھر ہے اور ضروریات کے سلسلے میں بالا گذشتہ چیزیں ہی موجود ہیں اور اسی طرح عید کی نماز بھی انہوں نے قائم کر لی ہے، تو پھر ان

کے لئے وہاں جمعہ اور عید کی نماز قائم کر لینا درست ہے یا نہیں؟ آپ حضور والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ احقر کو پیچیدہ مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالصمد، پرتا بگڈھی، عربی دوم، متعلم جامعہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس گاؤں کی آبادی لگ بھگ تین ہزار سے کم ہے اور وہاں تھانہ، ہسپتال، سرکاری دفاتر اور باقاعدہ بازار وغیرہ میں سے کوئی نہیں ہے، وہاں شرعی طور پر جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، وہاں کے لوگوں پر ظہر کی نماز ادا کرنا فرض ہے؛ لہٰذا مذکورہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ہے، وہاں والوں پر ظہر پڑھنا لازم ہے اور دیہات میں عید کی نماز قائم کرنا بھی مشروع نہیں ہے، مگر عید کی نماز اور جمعہ کی نماز میں بہت بڑا فرق ہے کہ دیہات والے ظہر کی نماز نہ پڑھ کر جمعہ کی نماز پڑھیں گے، تو ان کے اوپر ظہر کا فریضہ باقی رہ جاتا ہے اور عید کی نماز پڑھنے کی صورت میں ان کے اوپر کوئی فریضہ باقی نہیں رہتا؛ اس لئے دونوں برابر درجے کے نہیں ہیں۔

يشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر. و في الشامية: عن أبي حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما وقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. إلى قوله: لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب، كما في المضمرات ......ألا ترىٰ أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ، لزمهم أداء الظهر. (درالمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٥-٧، كراچي ٢/١٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۱۴۰/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴ھ

قریۂ صغیرہ میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا

سوال [۳۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کل آبادی تقریباً ڈھائی سو گھر ہے؛ لیکن دو محلے ہیں اور بیچ میں ایک نالہ ہے، ہم لوگ نالہ کے ایک طرف ہیں اور نالہ سے اس طرف کی آبادی تقریباً ۸۰؍اسّی گھر ہے، جس میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۲۵؍گھر ہے۔ نیز یہاں مسجد بھی ہے، جس میں پانچوں وقت کی نماز باجماعت ہوتی ہے اور دونوں محلّہ ملا کر تقریباً خاص خاص ساری ضروریات پوری ہوجاتی ہیں، مثلاً کھانے، پینے اور پہننے اوڑھنے اور علاج معالجہ کی ساری ضروریات پوری ہوجاتی ہیں اور قصبہ سے متصل ہے؛ لیکن ڈاکخانہ یہاں سے ایک کلومیٹر دوری پر ہے، آج تک یہاں جمعہ کی نماز نہیں ہوئی ہے اور نہ ہوتی ہے؛ لیکن عید وبقرعید کی نماز ایک سال سے ہورہی ہے، عید وبقرعید کی نماز پڑھنے کا مقصد گاؤں سے باہر غیر مزروعہ زمین کو انجمن کے تحت داخل کرنا ہے، یہاں مسلمانوں میں آپس میں تنازعہ ہوگیا ہے کہ آیا اس جگہ نماز جمعہ وعید وبقرعید درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: انعام اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے شہر یا قصبہ یا اتنا بڑا گاؤں ہو کہ عورت، مرد، مسلم وغیر مسلم کم از کم تین ہزار افراد پر مشتمل ہو؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں یہاں عید وبقرعید کی نماز درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۰۴/۲، جدید ڈابھیل ۱۳۵/۸، ایضاح المسائل اضافہ شدہ ص:۶۵)

عن علي رضـ **قال: لا جمعة، ولا تشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة.** (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤٦/٤، رقم:٥٠٩٩)

وتقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة-وفي ما ذکرنا إشارة إلی أنه لاتجوز في الصغیرة. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/۶-۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۹۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲ھ

دیہات میں نماز جمعہ قائم کرنے کا حکم

سوال [۳۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز گاؤں میں جائز نہیں اور جہاں قائم ہے وہاں پڑھی جائے، روکی نہ جائے؛ بشرطیکہ بعد میں ظہر کی نماز پڑھی جائے اور بکر کہتا ہے کہ ظہر کی نماز پڑھنے سے جمعہ کی نماز پڑھنے لوگ نہیں آئیں گے اور جمعہ کی اہمیت ختم ہوجائے گی؛ لہٰذا شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد شارق وعلیم الدین، کشن گنج (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس گاؤں میں جمعہ پڑھنے کی شرائط موجود ہیں، وہاں کے لوگوں پر جمعہ پڑھنا فرض ہے اور جس گاؤں میں جمعہ کے قیام کی شرائط موجود نہیں ہیں، تو وہاں کے لوگوں کے لئے جمعہ پڑھنا جائز نہیں، ظہر کی نماز ہی جماعت کے ساتھ پڑھنا واجب اور ضروری ہے اور آپ کے گاؤں میں جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ اس وقت تک بتایا نہیں جاسکتا؛ جب تک وہاں کی مردم شماری اور آبادی کی حیثیت کی تفصیل نہ معلوم ہوجائے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/۳۳۹)

عن حذیفة رضـ قال: لیس علی أهل القریٰ جمعة، إنما الجمعة علی أهل

الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن ٤/٤٦، رقم: ٥١٠٠)

ويشترط لصحتها سبعة أشياء. الأول: المصر (در مختار) وفي الشامية: عن أبى حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة كراچي ٢/١٣٧، زكريا ٣/٥، حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في صلوة الجمعة، اشرفية ديوبند جديد ٥٤٩- ٥٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۵۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۱۳ھ

گاؤں میں نماز جمعہ

سوال [۳۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں مانی مئوقصبہ سانڈی ضلع ہردوئی یوپی میں قدیم زمانے سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے، دو جماعتیں ہیں: ایک جمعہ ادا کرتی ہے، دوسری جماعت ظہر ادا کرتی ہے، آج سے تقریباً پندرہ سال قبل سے جمعہ کے بارے میں عدم جواز کا فتوی ملنے پر ایک جماعت ظہر ادا کرتی آئی ہے، اس وقت آبادی بھی کم تھی؛ لیکن اس وقت بارہ سو صرف ووٹر ہیں، گاؤں قصبہ سے متصل ہے، صرف ندی کا فاصلہ ہے، ضروریات کی اکثر چیزیں مل جاتی ہیں، مورنگ سیمنٹ، اشیاءِ خوردنی وغیرہ بھی مل جاتی ہیں؛ لہٰذا ایسی صورت میں جمعہ ادا کرنا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالجلال، سانڈی ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے شہر یا قصبہ یا اتنا بڑا گاؤں

ہونا شرط ہے، جو کم سے کم تین ہزار افراد اور تین ہزار مردم شماری پر مشتمل ہو، اس سے چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، وہاں کے لوگوں پر ظہر کی نماز فرض ہے، اگر ظہر چھوڑ کر جمعہ پڑھیں گے، تو ان پر ظہر کا فریضہ باقی رہ جائے گا۔ مذکورہ سوال سے پتہ چلتا ہے کہ گاؤں کی آبادی تین ہزار افراد سے کم ہے؛ اس لئے وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، اگر چہ وہ قصبہ سے چند کلومیٹر دور ہی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۶۴، ۶۵، کتاب المسائل ۴۲۲/۱، ۴۲۴)

عن أبي عبد الرحمن قال: قال علي: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤ /٤٦، رقم: ٥٠٩٨)

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر الخ . (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٧، كراچي ٢/١٣٨)

ومن كان مقيماً بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع ببخارىٰ لاجمعة على أهل ذلك الموضع، وإن كان النداء يبلغهم الخ. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة، قديم زكريا ١/١٤٥، جديد ١/٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۷۰۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲ھ

قریۂ صغیرہ میں نماز جمعہ

سوال [۳۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر سے تقریباً تین میل دور ایک مسجد ہے اور مسجد کے محلّہ میں تقریباً سو آدمی ہوں گے؛ لیکن مذکورہ مسجد میں پانچ وقت کی اذان ونماز نہیں ہوتی ہے، صرف جمعہ کی نماز پندرہ یا بیس آدمی با جماعت پڑھتے ہیں، تو کیا مذکورہ مسجد میں نماز جمعہ صحیح ہوگی یا نہیں؟ مع الدلائل وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع دیجئے۔

(۲) صورت مسئلہ یہ ہے مثلاً زید نے بکر کو ایک بیگہ زمین دو ہزار روپیہ کے بدلہ میں دی، اس شرط پر کہ جب میں دو ہزار روپیہ واپس کروں گا، تب میں زمین لے لوں گا اور اس دوران میں بکر اس زمین سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؛ لیکن اس سلسلہ میں اگر دو سال گذر جائیں، تو بیس روپیہ ٹیکس بکر سے وصول کیا جاتا ہے، تو شریعت کی رو سے مذکورہ مسئلہ کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: جمیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ محلّہ شہر سے بالکل الگ ہے، بہت چھوٹا ہے، اور شریعت میں ایسے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اس گاؤں کے لوگوں پر نماز پنجگانہ وظہر لازم ہے، جمعہ صحیح نہ ہوگا۔

عن حذيفة رضـ قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥١٠٠)

لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٧، كراچي ٢/١٣٨)

(۲) یہ معاملہ شرعاً رہن ہے اور معاملہ رہن میں شئ مرہون سے نفع حاصل کرنا مرتہن کے لئے سود اور حرام ہے؛ اس لئے مذکورہ معاملہ ناجائز اور حرام ہے۔

لايحل له أن ينتفع بشيئٍ منه بوجه من الوجوه؛ إن أذن له الراهن؛ لأنه إذنه له في الربا؛ لأنه يستو في دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً الخ. (شامي، كتاب البيوع، فصل في القرض، مطلب كل قرض جر نفعاً فهو ربا، زكريا ٧/٣٩٥، كراچي ٥/١٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ ررجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۱۷۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۱۲ھ

چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ جائز نہیں

سوال [۳۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی ہے جس میں مسلمانوں کی تقریباً ۳۵ر گھر کی آبادی ہے، جہاں کے لوگ اسی بستی کے اندر نماز جمعہ ادا کرتے ہیں؛ حالانکہ نماز جمعہ صحیح ہونے کی جو شرطیں ہیں وہ نہیں پائی جارہی ہیں اور تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر دور قصبے میں جامع مسجد ہے؛ لیکن وہاں پر مشکل سے اس بستی کے دس آدمی پہونچ پاتے ہیں اور یہاں پر نماز جمعہ جب ہوتی ہے تو تقریباً پچاس ساٹھ آدمی جمع ہوجاتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں لوگوں کی رائے سے اس بستی میں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہوگا کہ نہیں؟ سبھی لوگوں کے یہاں پر جمعہ کی نماز میں زیادہ دلچسپی لینے کی وجہ سے نماز جمعہ اسی بستی میں قائم کردیا گیا، تو ایسا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ نماز جمعہ صحیح ہوگی یا نہیں؟ یہاں پر پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔

المستفتی: لیاقت علی، بابو ہنومان دکائی دموا، کالری، چنداواڑہ (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے چھوٹے گاؤں میں فقہاءِ احناف کے نزدیک جمعہ کی نماز جائز نہیں ہے، اگرچہ جمعہ کی وجہ سے لوگوں میں نماز کی دلچسپی ہوگئی ہو؛ اس لئے مذکورہ گاؤں میں جمعہ جائز نہ ہوگا۔

عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلاة فطر، ولاأضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لاجمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥٠٩٩)

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض (إلى قوله) ألاترى أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ . (شامي، كتاب الصلاة،

باب الجمعة ، زكريا ٣/٧، كراچي ١٣٨/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۴۰۶)

قریۂ صغیرہ میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پڑھنے والوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ نیز ان کو احتیاطاً ظہر پڑھنا چاہئے؟ اگر پڑھیں تو فرداً فرداً پڑھیں یا جماعت کے ساتھ پڑھیں؟ اگر ظہر پڑھنا ضروری ہے، تو جمعہ پڑھنے سے فائدہ کیا؛ بلکہ ایک ناجائز چیز کو جائز سمجھنے کا گناہ الگ سے ہوگا اور اگر احتیاطاً ہی حکم ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جائز ہے، پھر ناجائز کہنے کا کیا مطلب؟ دیہات میں جمعہ کے عدم جواز کی صورت میں تمام مفتیان کرام اور علماء کبار کی خاموشی کے کیا معنی؟ جس کی وجہ سے کچھ مفتیان اور علماء بھی اس ناجائز فعل کے مرتکب ہورہے ہیں؟ دلائل فقہیہ کے علاوہ احادیث بھی اس سلسلہ میں تحریر فتاوی کے وقت سامنے رکھیں تو مستفتی کو کافی مدد ملے گی۔

المستفتی: عرفان احمد قاسمی گونڈوی، مدرسہ تنویر العلوم دارا پور پرتا بگڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چھوٹے گاؤں اور دیہات میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ جائز نہیں ہے، جو لوگ دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، ان پر شرعاً ظہر کی نماز باقی اور لازم ہے، جمعہ پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور دیہات میں جمعہ کے عدم جواز پر علماء و مفتیان کرام خاموش نہیں رہے ہیں؛ بلکہ اس بارے میں کتابیں اور فتاوی لاتعداد شائع ہو چکے ہیں۔

لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب ...... والظاهر أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة ألا ترى أن في الجواهر: لوصلوا في القرى لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة ، زكريا ۳/۷، كراچي ۲/۱۳۸)

عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامعٍ. (مصنف عبد الرزاق، الجمعة، باب القرىٰ الصغار، المجلس العلمي۳/۱٦۷، رقم: ۵۱۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۳۵)	۱۴۱۱/۱۱/۸ھ

گاؤں کے پروا میں جمعہ کی نماز صحیح نہیں

سوال [۳۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بڑا گاؤں جس کی آبادی تقریباً دو ہزار سے زائد ہے اور اس میں مسلمانوں کے صرف تین گھر ہیں، اسی گاؤں کا پروا جس میں مسلمانوں کے ۱۲/۱۳ ارگھر ہیں اور آبادی غیر قوم کی بھی کم ہے، اس پروا میں مسجد کی بنیاد قریب دس سال پہلے پڑی تھی اور اب تک پنج وقتہ نماز بھی ہوتی رہی، اب پروا کے مسلمانوں نے ہمت کر کے مسجد کو مکمل کرلیا ہے اور کچھ دنوں کے بعد جمعہ کی نماز بھی پڑھنے لگے؛ کیونکہ دو میل سے کم پر قریب میں کوئی مسجد نہیں ہے؛ اس لئے قرب وجوار کے گاؤں والے اور پروا کے لوگ مل کر نماز جمعہ بھی پڑھنے لگے، چند جمعہ پڑھنے کے بعد کسی نے کہہ دیا یہاں نماز جمعہ نہیں ہوگی؛ اس لئے نماز جمعہ بند ہوگئی، نماز جمعہ بند ہونے سے جو نئے نمازی بنے تھے وہ اور وقتوں کی بھی نماز نہیں پڑھتے ہیں نمازی بالکل ختم ہوگئے۔ مذکورہ پروا لب سڑک ہے، جو جی ٹی روڈ سے ملا ہوا ہے اور چاروں طرف سے آنے جانے کے راستے ہیں، ہفتہ میں دو بازار بھی لگتے ہیں اور سرکاری سادھن سیمنٹ، گودام بھی

بنا ہوا ہے، اس میں ہر قسم کی سہولت ہے اور جماعت وغیرہ بھی آیا کرتی ہے، جو اسی مسجد میں قیام کر کے قرب وجوار کے گاؤں میں تبلیغی کام کرتی ہے، ایسی حالت میں مندرجہ بالا پروا کی مسجد میں نماز جمعہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسلام الدین، معلم مدرسہ فیض العلوم، بلونت پور سدھولی، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ پروا قریہ کبیرہ نہیں ہے اور نہ ہی اس میں شہر یا قصبہ کی شرائط پائی جاتی ہیں؛ اس لئے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پروا میں نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی، وہاں کے لوگوں پر جمعہ کے روز ظہر پڑھنا فرض ہے، اگر جمعہ پڑھ لیا جائے تو دوبارہ ظہر بھی پڑھنا لازم ہوگا، ورنہ ان پر ظہر کا فرض باقی رہ جائے گا۔

عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، وكان يعد الامصار البصرة، والكوفة، والمدينة، والبحرين، ومصر، والشام، والجزيرة. وربما قال: اليمن، واليمامة. (مصنف عبد الرزاق، الجمعة، باب القرىٰ الصغار، المجلس العلمي ۱۶۸/۳، رقم:۵۱۷۷)

لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. كما في المضمرات (إلى قوله) ألا ترى أن في الجواهر: لوصلوا في القرى لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۷/۳، كراچي ۱۳۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۳۶۷)

چھوٹے پوروہ میں نماز جمعہ

سوال [۳۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک ایسے چھوٹے پوروہ پر ہے، جہاں صرف پانچ چھ گھر مسلم وغیر مسلم آباد ہیں،

مجموعی آبادی قریب پندرہ افراد پر مشتمل ہے، پنجوقتہ نماز میں دو تین فرد کبھی کبھی ہو جاتے ہیں، یہاں تو اذان واقامت اور جماعت کا کوئی اہتمام ونظم نہیں ہے۔

بحمد اللہ پوروہ کے سبھی مسلم افراد مسلک احناف سے وابستہ ہیں بلا کسی تفریق واختلاف کے ہمیشہ ہمیش سے آج تک ظہر کی نماز پڑھتے چلے آئے ہیں اور پڑھ رہے ہیں، یہاں سے قریب ڈھائی کلومیٹر دوری پر ایک مشہور بازار اتّر کی جانب واقع ہے، جس میں ہر طرح کی بے شمار دوکانیں ہیں، زندگی سے لے کر موت تک کے سبھی سامان فراہم وموجود ہیں، غرضیکہ پرائیویٹ وسرکاری اسکول، کالج ودیگر دفاتر، اسپتال، بینک، پوسٹ آفس، بلاک، پنچایت گھر اور تھانہ وغیرہ موجود ہیں، پیدل اور مختلف سواریاں جانے کے لئے بہترین ڈامر روڈ ہے، بازار میں پہونچنے کے لئے ہر طرح کی سہولتیں ہیں، کسی قسم کی کوئی دشواری وپریشانی حائل نہیں، یہاں سے لوگ برابر نماز جمعہ ادا کرنے بازار جایا کرتے ہیں، مگر چند نفوس بغیر کسی تصدیق وفتویٰ کے مسلک احناف کے گلے کو گھونٹ کر فسطائی طاقتوں کے لئے دروازہ کھول کر اسلاف واکابر دیوبند کی توہین کر کے ایسے پوروہ میں نماز جمعہ قائم کرنا چاہتے ہیں، یہ طریقۂ کار کہاں تک جائز اور درست ہے؟ کتاب وسنت وخلفاء راشدین کے زریں قول وعمل اور مسلک احناف کے فتاوی سے مدلل جواب دیجئے، تاکہ لوگ صحیح مسئلہ پر عمل کر سکیں۔

المستفتی: رحمت اللہ قاسمی، گوالیار گرنٹ پورہ، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے پوروہ میں جمعہ کا قیام جائز نہیں ہے، اگر ایسے پوروہ میں جمعہ پڑھ لیا جائے گا تو وہ جمعہ نہیں ہوگا، وہاں کے لوگوں پر ظہر کی نماز کا فریضہ باقی رہ جائے گا۔

عن حذیفةؓ قال: لیس علی أهل القریٰ جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشریق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بیروت ٤/٤٦، رقم: ٥١٠٠)

لاتجوز في الصغيرة......لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ .
(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۳۸، زكريا ۳/ ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۹۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۲۷ھ

دس گھروں کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آبادی دس گھروں کی ہے، جس میں رہنے والے مسلم، غیر مسلم چھوٹے بڑے سب ۸۰/ ۸۵ نفر ہیں اور اس کے پورب ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلہ پر دوسری آبادی ہے، جس میں ۱۸/ ۲۰ گھر ہوں گے، ایسے ہی ۳/ ۳ فرلانگ کے فاصلہ پر اور گاؤں ہیں، جن کی آبادی ۱۸/ ۲۰ گھروں سے زیادہ نہ ہوگی اور ہر آبادی میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں اور ایک آبادی سے دوسری آبادی تک درمیان میں کاشت کی زمین ہے اور کاشت ہوتی ہے۔ زید پہلی آبادی میں جو صرف دس گھروں کی ہے جمعہ کی نماز قائم کر رہا ہے، تو ایسی چھوٹی بستی میں جمعہ کا قائم کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ دلائل کے ساتھ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا نثار احمد، مدرس مدرسہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جن آبادیوں کا ذکر ہے، ان میں سے ہر ایک آبادی شرعی طور پر الگ الگ شمار ہوگی اور زید جس آبادی میں جمعہ قائم کرنا چاہتا ہے، اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوگی اور اس گاؤں کے لوگوں پر ظہر کی نماز ادا کرنا فرض ہوگا؛ لہٰذا اگر وہاں کے لوگ ظہر کی نماز نہ پڑھ کر جمعہ کی نماز اس گاؤں میں پڑھیں گے، تو ان کا جمعہ صحیح نہ ہوگا اور ان پر ظہر کی نماز کا فریضہ باقی رہ جائے گا۔

أمـا شـروط الأداء فستة أيـضـاً. الشـرط الأول: المصر، أو فنـاؤه، فـلاتـجـوز فـي الـقـرىٰ عـنـدنـا. وهـو مذهب علي بن أبي طالبؓ، وحذيفة، وعـطـاء، والـحسـن بـن أبـي الـحسـن، والـنـخـعـي، ومـجـاهـد و ابـن سيرين،والثورى، وسحنون الخ (غـنية المستملي، باب صلوة الجمعة، جديد اشرفية ديو بند ص:٥٤٩، قديم ٥١٠)

ومـن لاتـجب عليهم الجمعة من أهل القرىٰ والبوادي لهم أن يصلوا الـظهـر بـجـماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة الخ. (هـنـدية، كتـاب الصلاة، الباب السـادس عشر في صـلوة الـجـمـعة، زكـريـا قديم ١/١٤٥، جديد ١/٢٠٥، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٤٥، قديم ١/١٦٥)

لـو صـلـوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شـامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٧، كراچي ٢/١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۵۷)	۱۴۱۵/۴/۵ھ

چالیس مکان کی آبادی والے گاؤں میں نماز جمعہ

سوال [۳۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس گاؤں میں چالیس مکان، چھوٹی تین دوکانیں اور ایک مسجد ہو، اس میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو پھر جمعہ کی ان نمازوں کا کیا حکم ہوگا، جو اس مسجد میں تقریباً ۴۰ر سال سے پڑھی گئی ہیں؟ گاؤں کی مردم شماری تقریباً ۵۰۰ر سو ہے۔

المستفتی: عبداللہ عبادہ، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس گاؤں میں صرف چالیس مکان ہیں اور اس میں

بسنے والے لوگوں کی مردم شماری چند سو افراد پر مشتمل ہے وہ بہت چھوٹا دیہات ہے، اس میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے، جو لوگ اس میں نماز جمعہ پڑھیں گے ان کے اوپر ظہر کا فرض باقی رہے گا، وہاں پر اگر جمعہ کی نماز پڑھی گئی ہے تو پڑھنے والوں پر ظہر کی نماز کا اعادہ لازم ہے۔
(مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/ ۸۰ا، امداد الفتاوی ۱/ ۶۱۸، ۶۲۰، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۸/ ۱۴۷، ۱۴۸)

عن إبراهيم ؒ قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامعٍ. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة . من قال: لاجمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤ /٤٧، رقم: ٥١٠٥)

و عبارة القهستاني: تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢ /١٣٨، زكريا ٣ /٦)

صرح به في التحفة: عن أبي حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ الخ . (شامي، كراچي ٢ /١٣٧، زكريا ٣ /٥)

لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣ /٧، كراچي ٢ /١٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۳ھ

دوسو کی آبادی پر مشتمل گاؤں میں نماز جمعہ

سوال [۳۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں جو دو محلّہ پر مشتمل ہے، جس میں ایک جامع مسجد ہے اور ایک پنجوقتہ مسجد ہے جامع مسجد کی تعمیر کو سو سال ہوگئے ہیں اور پنجوقتہ مسجد کی تعمیر کو بیس سال ہوئے؛ لیکن آپسی تفرقہ بازی کی وجہ سے ایک محلّہ کے نمازی چھوٹی مسجد یعنی پنجوقتہ مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں اور دوسرے محلّہ کے نمازی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں؛ جبکہ پنجوقتہ مسجد میں

نمازیوں کی تعداد چالیس پینتالیس ہے اور جامع مسجد میں نمازیوں کی تعداد پینتیس ہے؛ حالانکہ تفرقہ بازی سے قبل نماز جمعہ میں نمازیوں کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہونچ جاتی تھی، اب مسئلہ درپیش یہ ہے کہ آیا پنجوقتہ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: اس گاؤں کی کل آبادی ۲۰۰/ افراد پر مشتمل ہے، تو اس گاؤں کی دونوں مسجدوں میں یا ایک میں نماز جمعہ درست ہے یا نہیں؟ جبکہ جامع مسجد میں عرصۂ دراز سے نماز جمعہ ہوتی چلی آرہی ہے۔

المستفتی: مولانا عبدالودود قاسمی، ساکن: گڑھی، پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ گاؤں میں چونکہ صرف دوسو کی آبادی ہے، جو شرعاً قریۂ صغیرہ میں داخل ہے؛ اس لئے وہاں جمعہ کی نماز مسلک حنفی کے مطابق جائز نہیں ہے؛ بلکہ ایسی جگہ ظہر کی نماز واجب ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۳۵/۵، امداد الفتاوی قدیم ۲۷۰/۱، جدید زکریا ۶۱۸/۱، فتاوی دار العلوم مع امداد المفتیین ۲۷۸/۲) لابن

عن حذیفة رضـ قال: لیس علی أهل القریة جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشریق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بیروت ٤/٥، رقم: ٥١٠٠)

ثم ظاهر روایة أصحابنا لاتجب إلا علی من یسکن المصر، أومایتصل به، فلاتجب علی أهل السواد ولو قریباً، وهذا أصح ما قیل فیه، وبه جزم في التجنیس. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة، زکریا ٢٧/٣، کراچي ١٥٣/٢، هدایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة، اشرفي دیوبند ١٦٨/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۱۶/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۷ھ

چارسو کی آبادی میں جمعہ

سوال[۳۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موضع مڑھیا قصبہ پہانی ضلع ہردوئی میں نماز جمعہ کا قیام کم وبیش سترہ سال پہلے عمل میں آیا تھا اور اب تک باقی ہے؛ جبکہ گاؤں کی آبادی کم وبیش چارسو (۴۰۰) افراد پر مشتمل ہے، تو کیا ایسی صورت میں نماز جمعہ درست ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو ہم مصلیاں جمعہ کو سمجھائیں تو کس انداز سے سمجھائیں؟ اس کا جواب مدلل ومفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد اسلم پہانی، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس گاؤں میں ہندو مسلم، بچے، بوڑھے، مردوعورت کل مردم شماری چارسو افراد پر مشتمل ہے وہ چھوٹا گاؤں اور دیہات ہے، اس میں شہر کی طرح گلی کوچے بھی نہیں ہیں، بازار، ہسپتال، تھانہ وغیرہ بھی نہیں ہیں، تو ایسے دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں کے لوگوں کو جو بھی حکمت عملی مناسب ہو اس سے سمجھایا جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۱۸-۶۲۰، بہشتی زیور ۱۱/۸۰)

عن حذيفة رضـ قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥١٠٠)

وعبارة القهستاني: تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. صرح به في التحفة: عن أبي حنيفة رحـ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٥-٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۳ھ

پانچ سو کی آبادی میں نماز جمعہ قائم رکھیں یا بند کردیں؟

سوال[۳۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں جس میں سالہا سال سے جمعہ ہوتا رہا ہے، جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہاں کی کل آبادی پانچ سو مسلم غیر مسلم سب کو ملاکر ہے، جن میں سے دوسو پچاس مرد بالغ ہیں اور اس گاؤں میں نہ تو بازار ہے، نہ کوئی بڑی دوکان؛ بلکہ چھوٹی موٹی دو چار دکانیں ہیں اور نہ وہاں کوئی شفا خانہ ہے، نہ ڈاکخانہ اور نہ پنچایت؛ بلکہ وہاں سے چار پانچ کلومیٹر دور ہے، آنے جانے کے لئے سرکاری گاڑیوں کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے، تو اس گاؤں میں جمعہ باقی رکھا جائے یا بند کردیا جائے؟

المستفتی: محمد یوسف، گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت حال میں مذکورہ دیہات میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے، ان کے اوپر ظہر کی فرض نماز پڑھنا لازم ہے، ورنہ ظہر کی نماز ان کے ذمہ باقی رہ جائے گی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۶۳۵، فتاویٰ عثمانی ۱/۵۰۹)

يشترط لصحتها سبعة أشياء. الأول: المصر...... وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير، وقاض، يقدر على إقامة الحدود. وتحته في الشامية: عن أبي حنيفةؒ أنه بلدة كبيرة، فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/۵، كراچي ۲/۱۳۷، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۲/۲٤٦، كوئٹه ۲/۱٤۱)

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب، كما في المضمرات. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/۷، كراچي ۲/۱۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۱/۱۴۳۴ھ

چھ سو افراد پر مشتمل آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں کی ایک بستی ہے، جس میں چالیس سال قبل سے نماز پنجوقتہ و جمعہ ادا کی جاتی ہے؛ لیکن مسجد کچی اور لوگوں کے لئے نا کافی ہے اور امام متعین نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ بند ہے، اب الحمد للہ مسجد کی آبادی کے اعتبار سے توسیع ہو چکی ہے، نماز پنجوقتہ تو اول سے ہی ہو رہی ہے، روز افزوں افراد کی زیادتی ہوتی جا رہی ہے۔ فی الوقت اس بستی کی آبادی پانچ سو سے چھ سو تک ہے، بڑے قصبہ میں یہ بستی شمار ہوتی ہے؛ چونکہ اس بستی میں پرچون کی دوکان، کپڑے کی دوکان، آٹا چکی مشین، تیل نکالنے کی مشین، دیگر ضروریات کی اشیاء بسہولت بر وقت دستیاب ہوتی ہیں، امام بھی اب متعین ہے، گاؤں کے لوگوں کا اصرار اور خواہش ہے کہ اب جمعہ قائم ہو۔ نیز نماز جمعہ قائم کرنے میں کسی قسم کا خلفشار کا امکان قطعی نہیں ہے، اس بستی میں تجارت پیشہ، کاشتکار، نوکری پیشہ، رکشہ چلانے والے لوگ بھی بستے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ اس بستی میں جمعہ قائم کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ امید کہ تفصیل وتشریح کے ساتھ جواب سے نوازا جائے گا، اس فتوی کے سارے گاؤں کے لوگ منتظر ہیں۔

المستفتی: شیخ سلطان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بستی صرف پانچ یا

چھ سوافراد پر مشتمل آبادی ہے، شرعاً جس آبادی کی مردم شماری اتنی کم ہو اور اس میں باقاعدہ گلی کوچے اور بازار نہ ہو اور نہ ہی سرکاری عملہ کے دفاتر ہوں اور نہ ہی تھانہ، ہسپتال، ڈاکخانہ وغیرہ ہوں، وہاں جمعہ جائز نہیں؛ لہٰذا مذکورہ گاؤں میں جمعہ جائز نہ ہوگا، اگر جمعہ پڑھ لیا جائے تو ان پر ظہر کا فرض باقی رہ جائے گا؛ اس لئے وہاں پر ہرگز جمعہ قائم نہ کریں۔ نیز ایسی آبادی کو قصبہ نہیں کہا جاتا؛ بلکہ وہ دیہات اور گاؤں ہی ہے۔

عن أبي عبد الرحمن قال: قال علي رضی اللہ عنہ: لا جمعة، ولا تشريق، إلا في مصر جامع. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة . من قال: لا جمعة، ولا تشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥٠٩٨)

ولا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، وخطيب ومنبر (وقوله) لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٧، كراچي ٢/١٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۶۴۶)

ایک ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ

سوال [۳۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کی آبادی تقریباً ایک ہزار ہے اور کچھ پرچون کی دوکانیں ہیں، جہاں پرانی ایک مسجد ہے، جس میں پچاس ساٹھ سال پہلے سے جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے، اب لوگوں میں کچھ اختلاف ہوگیا ہے، بعض لوگوں نے اس پرانی مسجد کے تھوڑے سے فاصلہ پر ایک نئی مسجد بنائی ہے، اب اس نئی مسجد میں جمعہ شروع کرنا چاہتے ہیں، تو کیا اس نئی مسجد میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور پرانی مسجد میں جو جمعہ پڑھا جارہا ہے، اس میں پڑھنا

درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: نوید الحسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ہزار کی آبادی جس گاؤں میں ہو وہ بہت چھوٹا اور دیہات کے حکم میں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس میں جمعہ جائز نہیں ہوگا، وہاں والوں پر ظہر کی نماز پڑھنا واجب اور فرض ہے، چند پرچون کی دوکانوں سے شہر اور قصبہ کی حیثیت نہیں ہوسکتی، نہ پرانی مسجد میں جمعہ جائز ہوگا اور نہ ہی نئی مسجد میں؛ بلکہ دونوں جگہ اذان واقامت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہے۔

عن علي رضی اللہ عنہ قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلاة فطر، ولاأضحىٰ، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة. من قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت٤/٤٦، رقم:٥٠٩٩)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق (إلى قوله) وفيما ذكرنا إشارة إلىٰ أنها لا تجوز في الصغيرة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٦-٧)

ومن لاتجب عليهم الجمعة، من أهل القرىٰ والبوادي لهم أن يصلوا الظهر بجماعة يوم الجمعة، بأذان، وإقامة الخ. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة، زكريا قديم١/١٤٥، جديد ١/٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ر رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ ر ۸۸۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۵ھ

ایک ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ، نیز امام کی امامت اور مسجد میں تالا لگانا

سوال [۳۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک گاؤں کی کل آبادی تقریباً ۸۰؍گھر کی ہے، اس گاؤں میں ایک مسجد ہے، اس مسجد میں زید تقریباً پچیس سال سے جمعہ اور وقتیہ نمازوں کی امامت کرتا ہے، زید حافظ قرآن قاری ہے اور مسائل نماز اچھی طرح جانتا ہے باشرع ہے، زید کی لڑکی دو سال سے سرکاری نوکری کررہی ہے، کچھ دنوں سے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ اب زید کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، تو اس مسئلہ کی کیا حقیقت ہے بتائیں؟ یہ بات بکر اور ان کے بھائیوں نے پیدا کی ہے؛ چونکہ مسجد بکر کی زمین پر ہے اور یہ لوگ اپنا حق جتاتے ہیں، تو مسجد میں حق جتانا کیسا ہے؟

اسی وجہ سے بکر اور ان کے بھائیوں نے مل کر مسجد میں تالا لگادیا اور چابی اپنی بیوی کے حوالہ کر کے گاؤں سے باہر نکل گئے، اپنی بیویوں سے یہ کہا کہ اگر زید اور ان کے بھائی لوگ جمعہ کی نماز کے لئے آئیں تو تم سب مل کر گالی گلوچ کرنا اور حملہ کرنا، جب زید اور ان کے بھائی اور دوسرے مقتدی حضرات جمع ہوئے تو دیکھا کہ مسجد میں تالا لگا ہوا ہے، تالا توڑنا چاہ رہے تھے؛ لیکن زید نے منع کردیا اور جمعہ کی نماز باہر صحن میں ادا کی گئی، جب جمعہ کی نماز پڑھ کر سب چلے گئے تو بکر کی بیوی نے آکر تالا کھولا، اگر زید تالا کھولنے کے لئے کہتا تو بات آگے بڑھتی، بکر اور ان کے بھائی مل کر یہ کہہ کر کیس کرتے کہ ہم لوگ گھر میں موجود نہیں تھے ہماری عورتوں پر حملہ کرنے آیا تھا۔ اب معاملہ ذاتی دشمنی کا رخ اختیار کرچکا ہے، اب کیا کیا جائے؟ اسی بنا پر زید اور اس کے بھائی اور دیگر لوگ مل کر دوسری مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ کررہے ہیں، درمیان میں کتنا فاصلہ ہو اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟

المستفتی: منظر عالم، تمل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں تین مسئلے سامنے آئے ہیں۔

(۱) جس گاؤں کی آبادی ۸۰؍گھروں پر مشتمل ہو اور مردم شماری کی تعداد ایک ہزار ہو، وہاں جمعہ درست نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱؍۶۲۰ تا ۶۷۰، بہشتی زیور جزء ۱۱؍۸۰)

ہاں البتہ پنج وقتہ نماز ہر مسلمان پر لازم ہے اور جمعہ کے دن ایسے چھوٹے دیہاتوں کے رہنے

والوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے۔

عن إبراهيم قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة. من قال: لا جمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤ /٤٧، رقم: ٥٠٩٩)

عن أبي حنيفةؒ: أنه بلدة كبيرة، فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ١٣٧/٢، زكريا٦/٣)

(۲) امام صاحب نے جب اپنی لڑکی کو بے پردگی کے ساتھ ملازمت کی ترغیب نہ دی ہو اور وہ اس کے عمل سے خوش بھی نہ ہوں، تب ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے؛ لیکن اگر خود امام صاحب نے بیٹی کو اس کی ترغیب دی ہو اور وہ بے پردگی کے ساتھ اس کے ملازمت کرنے پر راضی بھی ہوں، تو پھر ان کی امامت مکروہ ہے، بشرطیکہ اس سے بہتر کوئی شخص امامت کے لئے موجود ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۲۴۶/۶، کفایت المفتی قدیم ۸۰/۳، جدید زکریا ۱۲۱/۳، جدید زکریا مطول ۲۰۵/۴)

وفي الترمذي عن الحسن قال: سمعت أنس بن مالكؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم؛ ثلاثة رجل أم قوما وهم له كارهون، وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط، أو رجل سمع حي على الفلاح، ثم لم يجب. (ترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء من أم قوماً هم له كارهون، النسخة الهندية ٨٣/١، دارالسلام رقم: ٣٥٨)

وفي الدر المختار: ويكره إمامة...... فاسق. وقال العلامة ابن عابدين تحته: وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه، بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً، ولايخفىٰ أنه إذا كان

أعلم من غیره لاتزول العلة. (شامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، قبیل مطلب: البدعة خمسة اقسام، زکریا ۲/ ۲۹۹، کراچي ۱/ ۵٦۰)

(۳) امام صاحب سے ناراضگی کی بناپر مسجد میں تالا لگانا ناجائز عمل ہے؛ اس لئے کہ مسجد میں صرف امام صاحب نماز نہیں پڑھیں گے، آنے والے تمام نمازیوں کو نماز پڑھنا ہے، اگر امام صاحب میں شرعی قباحت ہو اور وہ اس سے باز نہ آئیں، تو دوسرا امام رکھ لیں، مسجد میں تالا نہ لگائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا. [البقرہ:۱۱٤] **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱/۱۴۳۱ھ

تیرہ سو افراد کی آبادی والے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا جائز نہیں

سوال [۳۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے موضع ملک سادات میں ایک سو چالیس سال پرانی پختہ مسجد ہے، کافی عرصہ تک مسجد میں نماز جمعہ ادا ہوتی رہی، تقریباً ۲۴؍ سال کا عرصہ ہوا، گاؤں میں ایک تبلیغی جماعت آکر قیام پذیر ہوئی، انہوں نے کہا کہ یہاں نماز جمعہ جائز نہیں ہے، اسی روز سے نماز جمعہ بند ہے، اس وقت گاؤں میں کوئی پینٹھ وغیرہ نہیں لگتی تھی، موضع ہذا کی کل آبادی ۱۳۱۰؍ اور مسلم آبادی تقریباً چھ سو افراد پر مشتمل ہے، ہفتہ میں دو دن منگل اور جمعرات کو پینٹھ بھی لگتی ہے، جس میں اکثر بیرونی دوکاندار آتے ہیں، مسجد میں تقریباً ایک سو ستر نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں، گاؤں میں کئی مقامی دوکانیں بھی ہیں، گاؤں سے چار کلو میٹر دور قصبہ جھالو ہے، آمد ورفت کے لئے گھوڑا بوگی ملتی ہے، ایک مدرسہ بھی قائم ہونے جارہا ہے، جس کا قیام ہو چکا ہے صرف

رجسٹریشن باقی ہے، ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے احادیث وقرآن پاک کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں کہ اس گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے، تو کن شرائط کے ساتھ ہے؟

المستفتی: ریاست حسین، ملک سادات، ملک گنگوڑا، پوسٹ: بیہل پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس دیہات کی آبادی صرف بارہ تیرہ سو افراد پر مشتمل ہے، وہ چھوٹا گاؤں ہے، اس میں جمعہ کا قیام حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، وہاں والوں پر ظہر کی نماز فرض ہے؛ لہٰذا مذکورہ گاؤں میں قیام جمعہ مشروع نہ ہوگا۔

عن حذیفةؓ، قال: لیس علیٰ أهل القریٰ جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشریق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بیروت ٤/٤٦، رقم: ٥١٠٠)

ولا یجوز في الصغیرة التي لیس فیها قاض، ومنبر، وخطیب (إلی قوله) لو صلوا في القریٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، زکریا ۳/۷، کراچي ۲/۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۲۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۲۹ھ

تقریباً پندرہ سو کی آبادی میں نماز جمعہ کا قیام

سوال [۳۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں جس کی آبادی پندرہ سو ہے تقریباً، گاؤں میں پردھان ممبر کوٹا، نیز ضروریات کے ہر سامان مل جاتے ہیں، اس میں آج سے ۳۰ یا ۳۵ سال پہلے سے لوگ جمعہ پڑھتے آرہے ہیں، تو کیا ایسی جگہ جمعہ پڑھ لینے سے نماز ظہر ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟

اگر نہیں تو کیا جمعہ پڑھنے سے روک دیا جائے؟ اگر نہ روکیں تو پھر ان کی نمازوں کا کیا حال ہوگا؟ مدلل جواب باحوالہ چاہئے۔

المستفتی: عبدالمجید، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس آبادی میں صرف پندرہ سو کی مردم شماری ہے، وہاں نہ بازار ہے، نہ تھانہ ہے، نہ سرکاری دفاتر ہیں، تو ایسی آبادی میں شرعاً جمعہ جائز نہیں، اگر وہاں کے لوگ اس جگہ جمعہ پڑھتے رہیں گے، تو ان کے اوپر اتنے دنوں کی ظہر کی نماز کی ذمہ داری باقی رہ جائے گی جتنے دن وہاں پر جمعہ کی نماز پڑھیں گے، اگر پہلے سے وہاں جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے، تو فتنہ سے بچتے ہوئے جمعہ ختم کرنے کے سلسلے میں لوگوں کے درمیان ماحول بنانے کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵۱۶/۶، جدید ڈابھیل ۱۷۰/۸، امدادالاحکام ۳۳۸/۲، فتاوی دارالعلوم ۳۸/۵، عزیز الفتاوی ۲۷۹/۱، ایضاح المسائل ۶۵)

عن حذیفةؓ قال: لیس علی أهل القریٰ جمعة، إنما الجمعة علی أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشریق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بیروت ٤/٦٤، رقم: ٥١٠٠)

لاتجوز في الصغیرة –إلی– لو صلوا في القریٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، زکریا ۳/۷، کراچي ۲/۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۶۲۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۹ھ

پندرہ سو کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی پندرہ سو کی ہے اور وہاں پر اس طرح کا

کوئی بازار بھی نہیں ہے، جہاں روزمرہ کی ضروریاتی سامان فراہم ہوجائیں، دوایک پرچون اورکپڑے کی دوکانیں ہیں۔ نیز ڈاکخانہ بھی نہیں ہے، توایسی صورت میں وہاں پر جمعہ کی نماز صحیح ہوگی یانہیں؟ واضح رہے کہ وہاں پر۲۵ ر۳۰ رسال سے جمعہ کی نماز پڑھی جارہی ہے، اگر جمعہ کی نماز پڑھنے سے روکا جائے تومسلمانوں کے درمیان انتشاراورافتراق پیدا ہوجائے گا، ایسی صورت میں شریعت کا کیاحکم ہے؟

المستفتی: محمدسعید ہردوئی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس آبادی میں صرف پندرہ سوکی مردم شماری ہے، وہاں نہ بازارہے، نہ تھانہ ہے، نہ سرکاری دفاتر ہیں، توایسی آبادی میں شرعاًجمعہ جائزنہیں ہے، اگروہاں کےلوگ ایسی جگہ جمعہ پڑھتے رہیں گے، توان کےاوپراتنے دنوں کےظہر کی نماز ان کے ذمہ میں باقی رہ جائے گی، جتنے دن وہاں پر جمعہ کی نماز پڑھیں گے، اگر پہلے سے وہاں جمعہ ہوتا آرہاہے، تو فتنہ سے بچتے ہوئے جمعہ ختم کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کے درمیان ماحول بنانے کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم۱۶/۱۶/۵۱، جدید ڈابھیل۸/۱۷۹، امدادالاحکام ۳۳۸/۲، فتاوی دارالعلوم۵/۳۸، عزیزالفتاوی۱/۲۷۹، ایضاح المسائل ص:۶۵/۱)

عن أبي عبد الرحمنؒ قال: قال عليؓ : لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة. من قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم:٥٠٩٨)

لاتجوز في الصغيرة–إلى–لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٧، كراچي ٢/١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۴ رربیع الثانی۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۵/۶۶۳۴)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۲۴/۴/۱۴۲۱ھ

ڈیڑھ ہزار کی آبادی میں جمعہ اور جامع مسجد کا اطلاق

سوال [۳۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامع مسجد کا اطلاق شریعت میں کس مسجد پر ہوتا ہے؟ کیا جامع مسجد ہر اس مسجد کو کہا جاتا ہے جس میں نماز جمعہ ہوتی ہو یا جو گاؤں میں بڑی مسجد ہو، اس پر بھی جامع مسجد کا اطلاق ہوگا، مثلاً ایک گاؤں ہے، جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار کی آبادی ہے، جس میں دو مسجدیں ہیں، ایک بڑی، ایک چھوٹی، دونوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ کیا دونوں کو جامع مسجد کہا جائے گا یا ان میں جو بڑی ہو اس کو جامع مسجد کہا جائے گا؟

المستفتی: عبدالناصر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس گاؤں میں صرف ڈیڑھ ہزار کی آبادی ہے اور اس میں مصر اور شہر کے آثار یعنی بازار وغیرہ بھی نہیں ہے، تو ایسے چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہی جائز نہیں؛ لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک کو بھی جامع مسجد نہیں کہا جا سکتا۔

عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلاة فطر، ولاأضحى، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لاجمعة، ولاتشريق إلافي مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥٠٩٩)

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب (وقوله) لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٧، كراچي ٢/١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۵۷)

ڈیڑھ ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ کی نماز

سوال [۳۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس گاؤں اور قریۂ صغیرہ کی آبادی تقریباً ہندو مسلم کو شامل کر کے ڈیڑھ ہزار زیادہ سے زیادہ ہو، ایسے گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی محتاط شخص اپنے گاؤں کو چھوڑ کر کسی شہر یا بڑے گاؤں جس کی آبادی چار ہزار سے بھی زائد ہو، وہاں جا کر جمعہ پڑھتا ہے، تو ایسے شخص کو لعن وطعن کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: جس گاؤں اور دیہات کے متعلق مسئلہ دریافت کیا جا رہا ہے، اس گاؤں میں کوئی بھی ایک دوکان ایسی نہیں ہے جہاں ضروری تمام اشیاء ملتی ہوں؛ لیکن واضح ہو کہ وہ بازار بھی دوسرے گاؤں کے نام سے موسوم ہے؛ لہٰذا براہ کرام حنفی المسلک کے مطابق جواب بالدلائل وبالتفصیل تحریر فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مقبول ہوں۔

المستفتی: ابوالحسن، متوطن باچپٹی، سیتامڑھی (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک ایسے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز درست نہیں ہوتی، وہاں والوں پر ظہر کی نماز پڑھنا فرض ہے، اگر جمعہ پڑھ کر ظہر نہ لوٹاویں، تو ان پر ظہر کا فرض باقی رہ جائے گا؛ اس لئے اگر جمعہ کے دن وہاں رہ کر جمعہ کی نماز نہ پڑھنے میں فتنہ کا خطرہ ہے، تو وہاں سے دوسری جگہ چلے جانا چاہئے اور اگر دوسری جگہ جانے میں بھی لعن وطعن کیا جائے، تو اس کا کوئی اثر نہیں لینا چاہئے، ملعون تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ملعون ہوگا، کسی کے لعنت کرنے سے کوئی ملعون نہیں ہوتا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۱۹/۲، جدید ڈابھیل ۱۰۵/۸)

سوال نامہ میں مذکورہ گاؤں کی جو ہیئت وآبادی بتلائی گئی ہے، اس سے اس گاؤں میں جمعہ کی

نماز امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہرگز درست نہیں ہے، جمعہ پڑھیں گے تو ظہر کا فرض سب پر باقی رہ جائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۱۲/۷، ۳۱۰۲، جدید ڈابھیل ۱۴۹/۸، ۹۷)

عن حذيفةؓ قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤٦/٤، رقم: ٥١٠٠)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق (إلى قوله) وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض (إلى قوله) والظاهر: أنه أريد به الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألاترىٰ أن في الجواهر: لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ١٣٨/٢، زكريا ٧/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۴۱۷/۲۵)

اٹھارہ سو کی آبادی پر مشتمل قصبہ میں نماز جمعہ

سوال [۳۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع محمود پور کامل عرف نوادہ، جس کی آبادی تقریباً اٹھارہ سو افراد پر مشتمل ہے، موضع ہذا میں تین چھوٹی دوکانیں ہیں، جن میں ضروریات زندگی کی کل چیزیں دستیاب نہیں ہوتیں اور تین دوکانیں ڈاکٹروں کی ہیں اور موضع ہذا میں دو اسلامی مکتب اور ایک پرائمری اسکول بھی ہے، پانچ سال سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے، اس کو قائم رکھا جائے یا نہیں؟ صحیح جواب سے مستفید فرمادیجئے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: حافظ اصغر علی، موضع محمود پور کامل عرف نوادہ، پرگنہ نہٹور، دھام پور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ گاؤں قصبہ نما قصبہ نہیں ہے اور نہ وہاں بازار ہے، جس میں روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں مل سکتی ہوں تو وہ قریۂ صغیرہ ہے، وہاں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز نہیں ہوگا، ظہر پڑھنا فرض ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۶۱۹)

عن أبي عبد الرحمن السلميؒ، عن عليؓ قال: لاتشريق، ولاجمعة، إلا في مصر جامع. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة. من قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٧، رقم:٥١٠٦)

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض. (إلى قوله) لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٧، كوئٹه ١/٥٩٠)

البتہ اگر دیکھنے میں قصبہ نما ہے اور وہاں بازار اور روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں ملتی ہیں، تو وہ شہر کے حکم میں ہے، وہاں جمعہ جائز ہوگا۔

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق الخ.
(شامي، زكريا ٣/٧، كراچي ٢/١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۸۴۳)

دو ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ گاؤں جس کی آبادی دو ہزار پر مشتمل ہے، اس میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کریں تو کن شرطوں پر؟ نہ کریں تو ظہر کے چار فرض پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ اگر پڑھیں

توجماعت سے پڑھیں یا بغیر جماعت کے؟ اگر جماعت کریں تو اسی مصلیٰ پر جس پر دوفرض پڑھے تھے یا الگ ہٹ کر۔ اس گاؤں میں دوکانیں بازار، ڈاکخانہ وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے؟ ضروریات زندگی کی اشیاء کو دوسری جگہ سے لانا ہوتا ہے۔

المستفتی: محمد مرتضی حسن، پھول پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ آپ کے گاؤں میں ضروریات زندگی کے لئے روز مرہ کی اشیاء یا ڈاکخانہ، تھانہ وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے اور آبادی بھی ہندو مسلم، بوڑھے، بچے سب ڈھائی تین ہزار بھی نہیں ہیں؛ اس لئے آپ کے گاؤں میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں کے لوگوں پر ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہے اور ظہر کی نماز روزانہ کی طرح مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا چاہئے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۶۴)

عن الحارث عن عليؓ قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلاة فطر، ولاأضحىٰ، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة . من قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥٠٩٩)

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٦)

ومن لا تجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة. (شامي، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة، كراچي ٢/١٥٧، زكريا ٣/٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳؍۷۵۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۲۳ھ

دو ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ کا قیام

سوال [۳۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی گاؤں میں بسنے والوں کی تعداد مرد وعورت، بچے، بوڑھے سب کو ملا کر ڈیڑھ ہزار سے لے کر دو ہزار تک ہو، تو کیا اس گاؤں میں جمعہ کی نماز صحیح ہوگی؟ دوسری بات یہ ہے کہ اس گاؤں کے اندر طویل عرصہ سے جمعہ کی نماز پڑھتے ہوئے آرہے ہیں، اب فی الحال اس گاؤں میں ایک عالم صاحب شاہی مدرسہ سے فراغت کر کے گئے ہیں، انہوں نے جا کر جمعہ کی نماز کے بارے میں روکا تھا کہ جمعہ کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو حال یہ ہے کہ گاؤں کے تمام آدمی اس کی مخالفت کرتے ہیں، اگر وہ مسئلہ مسائل کی کسی بات کو بتلاتے ہیں تو نہیں مانتے، تو اب کیا کرنا چاہئے؟ اگر جمعہ کی نماز صحیح نہ ہو تو کیا وہ مولانا تنہا ظہر کی نماز پڑھیں گے یا ان لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز بھی پڑھیں اور ظہر کی نماز الگ پڑھیں، اگر وہ ان لوگوں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھیں تو کیا ان کا امامت کرنا صحیح ہوگا؟

المستفتی: حمید اللہ، مدنا پور (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر شدہ گاؤں اگر دیکھنے میں قصبہ نما ہے اور وہاں بازار بھی ہے اور روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں ملتی ہیں، تو وہ شہر کے حکم میں ہے، وہاں جمعہ جائز ہوگا۔

عن ابن جریجؒ، قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، القصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة، قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة، فنودي للصلاة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، الجمعة، باب

القرى الصغار، المجلس العلمي٣/١٦٨، رقم:٥١٧٩)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق الخ.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٦، مطبوعة كوئٹه ١/٥٩٠)

اور اگر مذکورہ گاؤں قصبہ نما نہیں ہے اور نہ وہاں بازار ہے اور نہ روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں ملتی ہیں، تو وہ قریۂ صغیرہ ہے، وہاں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز نہیں ہوگا، ظہر پڑھنا فرض ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ١/٦١١)

عن حذيفةؓ قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمعة على أهل الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥١٠٠)

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض (إلى قوله) لو صلّوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٧، كوئٹه ١/٥٩٠)

اگر وہ قریۂ صغیرہ ہے تو فاضل مدرسہ شاہی کا تنہا یا باجماعت ظہر پڑھنا درست ہے، جہاں شرعاً نماز جمعہ ناجائز ہے وہاں جمعہ پڑھائے تو وہ نفل ہو جاتی ہے اور نفل نماز باجماعت مکروہ ہے؛ اس لئے جمعہ جائز نہ ہونے کی صورت میں جمعہ کی امامت نہ کرنا چاہئے۔

الكراهة لكراهة النفل بالجماعة الخ . (شامي، كراچي ٢/١٣٨، زكريا٣/٧، كوئٹه ١/٥٩٠)

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تجربہ کار علماء و مفتی کو وہاں لے جاکر گاؤں کا مشاہدہ کرایا جائے، وہ گاؤں کی ہیئت کا معائنہ فرما کر جو حکم کردیں اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١/ رجب المرجب ١٤٠٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٤/ ٧٨١)

دو ہزار کی آبادی والے کس طرح کے گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے؟

سوال [۳۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں مسجد ہے، وہاں پہلے ہی سے جمعہ ہوتا ہے، جب مسئلہ سامنے آیا کہ دیہات میں جمعہ نہیں ہوتا ہے اگر ہم جمعہ کی نماز پڑھنے کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنے کو کہتے ہیں تو اندیشہ اس بات کا ہے کہیں جھگڑا فساد نہ ہوجائے اور اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ کہیں مسجد کو ہی شہید نہ کردیں۔ اور جمعہ کی نماز درست ہونے کے لئے جو شرطیں بیان کی گئی ہیں، اس میں سے کچھ شرطیں پائی جارہی ہیں، مثلاً ڈاکٹر کا ہونا اور کھانے پینے کی چیزیں آسانی سے مہیا ہوجانا اور ڈاکخانہ نہیں ہے اور آبادی مسلم وغیر مسلم کی قریب قریب دو ہزار ہے، تو ایسے دیہات میں جمعہ کی نماز ہوگی کہ نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: اختر حسین قاسمی، مدرسہ اشرفیہ روضۃ العلوم کاس گنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردم شماری میں مسلم وغیر مسلم، بچے وبوڑھے سب شامل ہوتے ہیں، اگر اس کی آبادی دو ہزار افراد کی ہے اور علاقہ میں اس کو بڑا گاؤں سمجھا جاتا ہے اور جمعہ قائم نہ ہونے میں فتنہ بھی ہے، تو ایسی صورت میں وہاں جمعہ کی نماز صحیح ہوجائے گی ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں؛ جبکہ وہاں ضروریات کی اشیاء بھی بآسانی ملتی ہوں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/۵۶، عزیز الفتاوی ۲۷۸/)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۱۳۸/۲، زكريا ۷/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۴۹۰/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۱ھ

اکیس سو کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال[۳۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع بسہا معافی کی آبادی تقریباً ۲۱۰۰/سو ہے، بستی میں بہت سے پختہ مکانات ہیں، سرکاری اسکول، ہسپتال، سرکاری بینک خستہ حالت میں موجود ہیں، اسلامی مکتب، پوسٹ آفس، شکر وتیل کوٹہ، بغیر ڈگری کے تین ڈاکٹر، تیل نکالنے والی اور پسائی کی مشین، پالیشر، پرچون کی بہت سی دوکانیں ہیں، جن میں ایک تھوک کی بھی دوکان ہے، سڑک پر کھڑنجا بھی لگا ہے، مگر کوئی بڑا سامان، مثلاً کفن وغیرہ نہیں ملتا ہے، اس کے لئے گاؤں سے دو کلومیٹر دور ایک بستی ”تیراسی“ ہے وہاں جانا پڑتا ہے، وہاں ضروریات زندگی کا اکثر سامان مہیا ہوجاتا ہے، مگر اس بستی کا ہماری بستی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کا پردھان وغیرہ سب الگ ہوتا ہے، پہلے بیچ گاؤں میں ایک مسجد تھی جس میں تقریباً ستر سال سے جمعہ قائم ہے، مگر کچھ لوگوں کا ہمیشہ کہنا رہا کہ مذکورہ بستی میں شرائط جمعہ نہ پائے جانے کی وجہ سے یہاں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے، لگ بھگ بیس سال قبل گاؤں کے کنارے ایک نیا محلّہ بسا تھا، اس میں ایک مسجد بھی بنائی گئی ہے، کچھ لوگوں کے کہنے کی وجہ سے کہ یہاں جمعہ صحیح نہیں ہے، ہم نئی مسجد میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھتے ہیں، اب آپ سے دریافت ہے کہ ہم لوگوں کو نماز جمعہ پڑھنی چاہئے یا نماز ظہر؟ قرآن وحدیث کی روشنی مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: احمد حسین، موضع: بسہا معافی، لکھیم پور کھیری (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس آبادی کی صرف اکیس سو کی مردم شماری ہو، وہاں نہ بازار ہے، نہ تھانہ ہے، نہ سرکاری دفاتر ہیں اور نہ ہی ضروریات زندگی کی اشیاء مہیا ہیں، تو ایسی آبادی میں شرعاً جمعہ جائز نہیں، اگر وہاں کے لوگ ایسی جگہ جمعہ پڑھتے رہیں گے، تو ان کے اوپر اتنے دنوں کی ظہر کی نماز کی ذمہ داری باقی رہے گی؛ لہٰذا مذکورہ گاؤں میں جمعہ قائم کرنا

درست نہیں؛ بلکہ ظہر کی ہی نماز ادا کرنا ضروری ہے اورنئی مسجد میں جوظہر پڑھی جارہی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۶۵، فتاوی محمودیہ قدیم ۳۰۴/۲، جدید ڈابھیل ۹۷/۸، فتاوی رشیدیہ قدیم ۴۲۰، جدید زکریا ۳۹۵، عزیز الفتاوی ۲۷۸/۱، احسن الفتاوی ۱۵۷/۴، امداد الاحکام ۳۳۸/۲)

عن أبي عبد الرحمنؓ قال: قال عليؓ: لا جمعة، ولا تشريق، إلا في مصر جامع. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة . من قال: لا جمعة، ولا تشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم:٥٠٩٨)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق...... لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، و خطيب...... لو صلوا في القرىٰ لزمهم اداء الظهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٧، عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة، زكريا قديم ١/١٤٥، جديد ١/٢٠٥، البحرا الرائق، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، زكريا ٢/٢٤٥، كوئٹه ٢/١٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۱۷۷/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۱۹ھ

دو ہزار سے زائد آبادی جس میں ضرورت کے سامان ملتے ہوں قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہے

سوال [۳۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک چوک ہے جس میں تقریباً پچیس دوکانیں ہیں، جن میں عمومی ضروریات کے سامان فراہم ہوجاتے ہیں، چوک کے اندر بمشکل دوسو کی آبادی ہے، مگراس کے اطراف جو قدرے فاصلہ پر ہیں وہاں کم وبیش دوہزار کی آبادی ہے۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

جانب مغرب آدھا کلومیٹر کے فاصلہ پر دو ہزار کی آبادی ہے ان کے درمیان کھیت ہیں اور

جانب جنوب دوسوفٹ کے فاصلہ پر پانچ سو کی آبادی ہے، جن کے درمیان بانس اور درخت وغیرہ قائم ہیں اور جانب مشرق تقریباً پانچ سوفٹ کے فاصلہ پر ایک ہزار کی آبادی ہے جن کے درمیان کھیت اور جھاڑیاں ہیں اور درمیان میں بھی دس پندرہ آدمی آباد ہیں اور جانب شمال خالی ہے، تو ایسے چوک پر نماز جمعہ درست ہے یا نہیں؟ اور یہاں عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے، تو عیدین کا ادا کرنا کیسا ہے؟

نیز ایک گاؤں جس میں تقریباً سات سو کی آبادی ہے، جس میں پچاسوں سال سے جمعہ کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے، اس گاؤں کے متعلق کیا حکم فرماتے ہیں؟ حالانکہ یہاں کے سردا ران جمعہ کی نماز پر پابندی لگانے کی قدرت رکھتے ہیں، تو کیا یہ سرداران قابل مواخذہ عند اللہ ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: ضیاء الحق، کماتی، کشن گنج (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں جو صورت لکھی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوک کے ارد گرد قدرے قدرے فاصلہ پر مختلف آبادیاں ہیں اور اس چوک سے تمام ضروریات کے سامان فراہم ہوتے ہیں اور آبادی بھی دو ہزار یا اس سے زائد ہے، تو اگر وہ مختلف آبادیاں آپ کے یہاں عرفاً ایک سمجھی جاتی ہیں، تو یہ قریۂ کبیرہ میں داخل ہیں؛ اس لئے اس چوک پر نماز جمعہ وعیدین دونوں درست ہیں اور اگر وہ آبادیاں آپ کے یہاں الگ الگ سمجھی جاتی ہیں، تو پھر وہاں نماز جمعہ وعیدین درست نہیں۔ آپ اپنے یہاں کے حالات و عرف سے زیادہ واقف ہیں؛ اس لئے آپ خود فیصلہ کرلیں کہ وہ ایک آبادی مانی جاتی ہے یا الگ الگ۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۶۸، فتاوی دار العلوم ۵/۵۶، ۵/۵۸)

عن عليؓ، قال: لا جمعة، و لا تشريق، و لا صلاة فطر، و لا أضحىٰ، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب

الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤٦/٤، رقم: ٥٠٩٩)

وعن القهستاني: تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٧/٣، كراچي ١٣٨/٢)

أنها تصح إقامتها في الفناء، ولو منفصلاً بمزارع، فإذا صحت في الفناء؛ لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصليها؛ لأنه من أهل المصر الخ (شامي،كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة،زكريا ٢٧/٣، كراچي ١٥٣/٢)

جس گاؤں میں سات سو کی آبادی ہے وہ قریۂ صغیرہ ہے، وہاں نماز جمعہ عندالاحناف جائز نہیں ہے، اگر عرصۂ دراز سے وہاں جمعہ کی نماز ہوتی آرہی ہے تو سرداران قوم کو تدبیر سے روکنا چاہئے، اگر قدرت کے باوجود نہیں روکتے ہیں تو وہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔

إن عبد الله بن عمرؓ يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كلكم راعٍ وكلكم مسئول عن رعيته. (بخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القریٰ والمدن ١٢٢/١، رقم: ٨٨٣، ف:٨٩٣)

وفي مسند الإمام أحمد بن حنبل: فالأمير الذي على الناس راعٍ عليهم، وهو مسئول عنهم. (مسند أحمد بن حنبل٥٤/٢،رقم:٥١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۹۱/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۵ھ

ڈھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے؟

سوال [۳۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد بہت پرانی اور قدیم مسجد ہے اور ہماری بستی کی آبادی دو ہزار پانچ سو

ہے؛لہٰذا دیگر دو مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے اور تمام ساز وسامان کی دوکانیں بھی ہیں اور عیدگاہ ہے اور سرائے بھی ہے، تو اس صورت میں جمعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ لوگ طرح طرح کے دباؤ ڈالتے ہیں، تو جمعہ قائم ہوگا کہ نہیں؟

المستفتی: عمران

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے، مگر اتنی چھوٹی جگہ میں دو تین مسجدوں میں جمعہ قائم کرنے میں جمعہ کا مقصد اور روح ختم ہوجاتی ہے؛ اس لئے ایک سے زائد مسجدوں میں ایسی جگہ جمعہ قائم کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۲۴۰، جدید زکریا ۳/۲۸۸، جدید زکریا مطول ۵/۱۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۸ھ

ڈھائی ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع مجاہد پور ضلع سہارنپور کی کل آبادی تقریباً ڈھائی ہزار افراد پر مشتمل ہے ضروریات زندگی اور تجہیز وتکفین کی چیزیں سب دستیاب ہوجاتی ہیں، تین مساجد ہیں، ایسی آبادی میں جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: (مولانا) محمد عمر، مجاہد پور، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تقریباً ڈھائی ہزار کی آبادی قریۂ صغیرہ میں داخل ہے، اس میں جواز جمعہ کے لئے ہسپتال، اسکول اور روز مرہ کے لئے باقاعدہ بازار کی شکل میں

دکانیں ہونا بھی لازم ہے، سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ ضروریات کی ایک آدھ دوکان ہے، جس سے وقتی ضرورتیں پوری ہوتی ہوں گی، ضروریات کی ہر طرح کی چیزیں ہر وقت ملنے کا ذکر نہیں ہے؛ اس لئے وہ چھوٹا گاؤں اور دیہات ہے، وہاں جواز جمعہ کی بات ثابت نہیں ہوسکتی، جواز جمعہ کے لئے اگر بازار کی شکل نہیں ہے اور ہسپتال، تھانہ وغیرہ نہیں ہے تو کم از کم تین ہزار کی مردم شماری ہونی چاہئے اور یہ تعداد بھی مذکورہ گاؤں میں نہیں ہے؛ اس لئے اس گاؤں میں جواز جمعہ کی بات ہم کو سمجھ میں نہیں آتی، بہتر ہے کہ وہاں سے مظاہر علوم سہارنپور قریب ہے اور رڑھی تاج پورہ بھی قریب ہوگا، وہاں کے تجربہ کار مفتیوں سے معائنہ کروالیا جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۱۸، ایضاح المسائل ص: ۶۴، کتاب المسائل ۱/۴۲۲)

لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب، كما في المضمرات. والظاهر: أنه أريدبه الكراهة لكراهة النفل بالجماعة، ألا ترى أن في الجواهر: لو صلّوا في القرى لزمهم أداء الظهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٧، كراچي ٢/١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۷ھ

پچیس سو کی آبادی میں نماز جمعہ پڑھنا

سوال [۳۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں ہے، جس میں ساڑھے ۱۲/ سو ووٹ ہیں اور تقریباً ڈھائی ہزار کی آبادی ہے اور روزمرہ کی ضروریات گاؤں میں ہی پوری ہوجاتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

اس گاؤں میں تقریباً بیس پچیس پرچون کی دوکانیں ہیں، جس میں سے چار پانچ دوکانیں بڑی ہیں۔ نیز آٹا، چاول، گیہوں، دال وغیرہ فراوانی کے ساتھ دستیاب ہوجاتے ہیں۔

نیز سبزی وغیرہ بھی مل جاتی ہے؛ البتہ باضابطہ گاؤں میں بازار نہیں لگتا ہے، گوشت قریب کے قصبہ سے بکنے کے لئے آجاتا ہے، عام بیماریوں کے لئے مثلاً نزلہ، کھانسی، بخار وغیرہ کے لئے دوتین ڈاکٹر بھی ہیں، ایک سرکاری اسکول، ایک مدرسہ جہاں حفظ تک کی تعلیم ہے اور ساٹھ ستر بچے، بچیاں زیر تعلیم ہیں، دو مسجدیں ہیں، جن میں سے ایک زیر تعمیر ہے۔ نیز گاؤں میں پکی سڑکیں اور پکی نالیاں ہیں، گاؤں میں لائٹ بھی دستیاب ہے؛ لہٰذا مذکورہ احوال کے پیش نظر ایسے گاؤں میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟

نوٹ: واضح رہے کہ مذکورہ گاؤں میں عید کی نماز ہوتی ہے، جس کی بناء پر عیدین کے موقعہ پر اختلاف کی صورت پیش آجاتی ہے۔

المستفتی: عبدالمتین، ہردوئی

بندہ نے مذکورہ گاؤں کا معائنہ کیا ہے، جو احوال سوال میں درج ہیں بالکل صحیح اور درست ہیں

ریاست علی عفا اللہ عنہ

خادم شعبۂ افتاء جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ

۲۲؍رجب المرجب ۱۴۳۳ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز جمعہ جائز ہونے کے لئے آبادی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) حیثیت آبادی، یعنی آبادی کی حیثیت شہر یا قصبہ جیسی ہو کہ اس میں باضابطہ بازار ہو اور تھانہ ہو، ہسپتال ہو، مذکورہ گاؤں میں باضابطہ بازار اور تھانہ وغیرہ نہیں ہے؛ اس لئے حیثیت آبادی کے اعتبار سے اس گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

(۲) کمیت آبادی کہ مردم شماری کے اعتبار سے وہاں کی آبادی تین ہزار سے زائد ہو جو آبادی تین ہزار یا اس سے زیادہ ہو وہ قریۂ کبیرہ ہوتا ہے اور مذکورہ گاؤں سوال نامہ کے اعتبار سے قریۂ کبیرہ بھی نہیں ہے؛ اس لئے وہاں پر مردم شماری کے اعتبار سے بھی جمعہ جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۵/۱۶۲، بہشتی زیور ۱۱/۸۰)

عن حذيفةؓ، قال: ليس على أهل القرىٰ جمعة، إنما الجمعة على أهل

الأمصار مثل المدائن. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم: ٥١٠٠)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق......وفيما ذكرنا إشارة إلىٰ أنه لاتجوز في الصغيرة، التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب كما في المضمرات. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٦-٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۷/۲۵ھ

ڈھائی تین ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ راجستھان ضلع جھنجھنوں میں ایک بڑا گاؤں جاکھل ہے، یہاں اکثر آبادی غیر مسلموں کی ہے اور مسلمانوں کی آبادی تقریباً ایک سو پچاس گھر کی کم وبیش ہوگی اور ایک مسجد ہے اور ایک مکتب بھی ہے، نماز جمعہ میں بوڑھے، بچے، جوان ملا کر سو کی تعداد نہ ہو پاتی ہے، پنجوقتہ نماز باجماعت میں دس بارہ نمازی بڑی مشکل سے شریک ہوتے ہیں، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر مسجد کا امام نہ ہو تو اذان بھی نہ ہو، دو چار نمازی ایسے ہیں جن کو پوری نماز ثنا، فاتحہ، سورتیں، التحیات، درود، دعاء قنوت وغیرہ صحیح ڈھنگ سے یاد ہوں گی، ورنہ بقیہ نمازی اس سے کورے ہیں؛ بلکہ کلمۂ طیبہ بھی صحیح یاد نہ ہوگا۔

رمضان شریف میں دو چار پانچ نمازی بڑھ جاتے ہیں، ایسے ہی روزوں کا حال ہے، بچوں کی تعداد کچھ زیادہ ہوتی ہے، پوری مسلم آبادی علم دین سے کوری ہے، دنیاوی تعلیم سبھی حاصل کرتے ہیں، دینی تعلیم اپنے بچوں کو نہیں دلاتے ہیں، اپنی مرضی سے بچہ مکتب جائے تو

ٹھیک ہے تاکید نہیں کرتے، انگریزی اسکولوں میں جانے کی تاکید اور نگرانی کرتے ہیں، اِن اَن پڑھ لوگوں کے سامنے حافظ، قاری، عالم، سب برابر ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت مطہرہ ان کے بارے میں کیا کہتی ہے؟

المستفتی: مصلیان مسجد ضلع جھنجھنوں (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس گاؤں کی کل آبادی جوان، بوڑھے، بچے، عورت مرد سب ملاکر اگر ڈھائی تین ہزار سے کم نہیں ہے تو یہاں جمعہ ادا کرنا جائز ہے، اگرچہ جمعہ میں کم افراد حاضر ہوتے ہوں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۲۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۳۱۴، جدید ڈابھیل ۸/۱۰۲، ۱۰۳)

لاتصح الجمعة إلا في مصر جامع، أو في مصلى المصر، ولاتجوز في القرىٰ. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة اشرفى ديوبند ١/١٦٨)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٦، هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في الجمعة، زكريا قديم ١/١٤٥، جديد ١/٢٠٥)

اور گاؤں کی صورت حال دیکھتے ہوئے بہت محنت کی ضرورت ہے، خود بھی محنت کریں اور لوگوں کو دین سے آشنا کرائیں اور دہلی نظام الدین سے تبلیغی جماعت بلالیں، اس کے ذریعہ سے بھی محنت کرائیں۔ اللہ پاک آپ کی محنت کو قبول فرمائے اور ہمت عطا فرمائے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۸ھ

دو، تین ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا قیام

سوال [۳۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع ککرالہ اپنے نواح کی کئی بستیوں مثلاً رسول پور، ناگل، بیگ، پہاڑی، پچپلڑی وغیرہ میں بڑی آبادی شمار کی جاتی ہے، اس اکیلی آبادی کی تعداد کی تقریباً دو ہزار ہے؛ جبکہ اس آبادی میں سے چھوٹی چھوٹی آبادیاں جن کو یہاں کی اصطلاح میں ''باس'' کہا جاتا ہے، ککرالہ کے جنگل میں اپنے اپنے کھیتوں پر آباد ہیں، جن کی نفری ککرالہ کی نفری کے علاوہ ایک ہزار سے کچھ زائد بتائی جاتی ہے، اس طرح ککرالہ کی آبادی کا تخمینہ ۳ر ہزار ہے، مذکورہ سب آبادیوں کی سرکاری پنچایت ککرالہ میں ہی ہے، سرکاری اسکول اور ڈاک خانہ بھی ہے، سڑک اور بجلی بھی ہے، اول الذکر آبادی رسول پور جو مستقل ککرالہ سے علیحدہ آبادی ہے، مگر اتنی قریب ہے کہ درمیان میں صرف تین چار کھیت کا فاصلہ ہے، تو ایسی صورت میں ککرالہ میں جمعہ پڑھنے کی شرعاً گنجائش ہے یانہیں؟ یہاں کے تمام لوگ ککرالہ میں کافی عرصہ سے عیدین کی نماز پڑھتے آرہے ہیں، جو ایک مولوی صاحب مرحوم نے شروع کرا دی تھی، ککرالہ گاؤں میں تین مسجدیں ہیں، جن میں بڑی مسجد بہت شاندار اور وسیع وعریض ہے، یہاں سے تین کلومیٹر دور ایک قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں عندالاحناف ککرالہ گاؤں میں جمعہ پڑھ لینا کیسا ہے؟

المستفتی: اہالیان موضع ککرالہ، بھرت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موضع رسول پور جو ککرالہ سے دو تین کھیت کے فاصلہ پر ہے وہ کھیت کے درمیان میں آنے کی وجہ سے مستقل الگ آبادی ہے، اسی طریقہ پر ککرالہ کے اطراف واکناف میں جو لوگ کھیتوں میں آباد ہیں، ان آبادیوں کے نام بھی الگ الگ ہیں، ان کو بھی ککرالہ سے متصل نہیں سمجھا جائے گا؛ بلکہ وہ بھی شرعاً الگ الگ آبادیاں سمجھی

جائیں گی، اگر ان تمام آبادیوں کو الگ کرنے کے بعد صرف ککرالہ کی آبادی دوتین ہزار کی تعداد سے کم ہے، تو ایسی صورت میں موضع ککرالہ میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہ ہوگی ۔

(مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۲۸۰، ایضاح المسائل ص: ۶۵، فتاوی دارالعلوم ۵/۴۴، محمودیہ قدیم ۲/۳۰۴، ۲/۳۱۴، جدید ڈابھیل ۸/۹۸، ۱۰۲)

عن أبي عبد الرحمن السلميؒ، عن عليؓ قال: لاتشريق، ولاجمعة، إلا في مصر جامع. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٧، رقم:٥١٠٦)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق .هذا بلاخلاف–وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة–لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي،كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٦، كراچي ٢/١٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۰۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۱۰ھ

۲۷۰۰/ آبادی والے گاؤں میں نماز جمعہ کا قیام

سوال [۳۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضلع ہردوئی میں تحصیل شاہ آباد سے تقریباً دس کلومیٹر کی دوری پر ایک بڑا گاؤں ہوسے پور ہے اور اس سے برابر ہی میں نصف کلومیٹر کی دوری پر اسی کے بقدر سرومن نگر ہے، ہوسے پور کی آبادی مسلم ہے، سرومن نگر میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے اور مسلم نہ ہونے کے درجہ میں ہیں، ہوسے پور کی آبادی مردم شماری کے مطابق دو ہزار سات سو گیارہ ہے اور گاؤں میں جگہ کی قلت کی وجہ سے جانب جنوب میں پیدل پانچ

منٹ کی دوری پر چھیالیس گھر بنالئے ہیں، گاؤں میں دو مدرسہ اور پرائمری اسکول، پرچون کی دس دوکانیں، دوڈاکٹر بھی موجود ہیں۔

عرض یہ ہے کہ ضروریات کی تمام چیزیں کھانا، کپڑا وغیرہ گاؤں ہی میں مل جاتا ہے، غلہ وغیرہ کی پیداوار اتنی ہوجاتی ہے کہ گاؤں والوں کو فروخت کرنا پڑتا ہے، سبزیوں کی بھی پیداوار ہوتی ہے، گاؤں میں ٹیلیفون، موبائل، ٹریکٹر ٹرالی، موٹر سائیکلیں وغیرہ سب کچھ لوگوں کے پاس ہے اور گاؤں کی عیدگاہ بھی ہے، جو تقریباً ستر سال سے زیادہ قدیم ہے اور اتنے ہی سالوں سے جمعہ اور عید کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے، دو چار لوگوں کو جمعہ کی نماز سے اختلاف ہے، ایک تو امیر جماعت ہیں، جو عیدین کی نماز میں امامت فرماتے ہیں اور جمعہ کو ناجائز کہتے ہیں، دو تین لوگ ان کے ساتھ ہیں، گاؤں میں عالم حافظ، قاری سبھی لوگ ہیں اور گاؤں کے عالم صاحب بھی یہ کہتے ہیں کہ جمعہ پڑھنا جائز ہے اور انہوں نے ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند سے جواز جمعہ کے فتاوے بھی حاصل کئے ہیں اور مؤرخہ ۲۱/جون ۲۰۰۸ء کو گاؤں والوں نے حضرت مفتی محمد لقمان صاحب دارالعلوم جامع الہدی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد احسان متعلم شعبۂ افتاء دارالعلوم دیوبند کو اپنے پورے گاؤں کا معائنہ کرایا اور انہوں نے پورا گاؤں گھوم پھر کر دیکھا اور کہا کہ اس گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی، اس کے باوجود امیر جماعت اور دو چار لوگ جو ان کے ساتھ ہیں ناجائز کہتے ہیں؛ لہٰذا موجودہ صورت حال میں جمعہ کی نماز پڑھنا اس گاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں تاکہ انتشار ختم ہوجائے۔

نوٹ: سوال نامہ میں تحریر کردہ باتیں درست ہیں۔

المصدق: محمد لقمان القاسمی، دارالعلوم جامع الہدیٰ، مرادآباد

۲۱/جون ۲۰۰۸ء

المستفتی: باشندگان ہوسے پور، تحصیل شاہ آباد، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جواز جمعہ کے لئے آبادی کو دو پہلو سے دیکھا جاتا ہے۔

(۱) حیثیت آبادی: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مردم شماری کم ہو یا زیادہ، مگر اس کی حیثیت قصبہ یا شہر نما ہو، مثلاً سرکاری آفیسر، تھانہ، اسکول، ہسپتال، بازار گلی کوچے، یہ سب کچھ موجود ہوں، تو ایسی صورت میں آبادی چاہے تعداد میں کم ہو، مثلاً تین چار سو کی آبادی ہو، تب بھی اس کو قصبہ اور شہر کی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے اور وہاں جمعہ جائز اور لازم ہوجاتا ہے۔

(۲) دوسرا پہلو: کثرت آبادی کے اعتبار سے ہے، چاہے آبادی کی حیثیت کمزور ہو؛ لیکن مردم شماری کی تعداد کثرت کی حیثیت رکھتی ہو، حضرات اکابر نے ڈھائی ہزار (۲۵۰۰) سے اوپر کی مردم شماری کو کثرت میں شمار فرمایا ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جس گاؤں کی آبادی کا ذکر ۲۷۰۰ بتایا گیا ہے، اس کو کثرت آبادی کی حیثیت حاصل ہے؛ اس لئے وہاں شرعی طور پر جمعہ جائز ہوجائے گا؛ لہٰذا وہاں کے لوگوں کو جواز جمعہ کے بارے میں اختلاف سے گریز کرنا چاہئے اور جمعہ پڑھنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔

عن ابن جريجؒ قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة، فنودي للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار ۳/۱٦۸، رقم:۵۱۷۹)

في الدر: ويشترط لصحتها سبعة أشياء. الأول: المصر، وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها، وعليه فتوى أكثر الفقهاء. وتحته في الشامية: عن أبي حنيفةؒ: أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه،أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا

ھو الأصح. (در مختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة کراچي ۲/ ۱۳۷، زکریا ۳/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۶۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۷ھ

دو ہزار نوسو ساٹھ افراد کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ محمدی سے تقریباً پونے دوکلومیٹر پر ایک گاؤں دھمولہ ہے، جس کی آبادی دوہزار نوسو ساٹھ افراد پر مشتمل ہے، کوئی بازار اور پوسٹ آفس وغیرہ نہیں ہے؛ لیکن ضرورت زندگی کی اشیاء فراہم ہوجاتی ہیں، مثلاً سبزیاں، کپڑا، چھوٹی موٹی ادویہ وغیرہ اور کیرانہ وغیرہ کی سبھی ضروریات پوری ہوجاتی ہیں اور کپڑا فروخت کرنے والے گاؤں کے لوگ ہیں؛ لیکن پختہ دوکانیں نہیں ہیں، پھیری اور چل کر سائیکلوں کے ذریعہ گاؤں اور دوسرے گاؤں میں فروخت کرتے ہیں اور لکڑی وغیرہ کی ٹھیکی بھی ہیں، کیا اس گاؤں کو کثرت آبادی یا حیثیت آبادی میں سے کسی اعتبار سے قریۂ کبیرہ شمار کیا جاسکتا ہے، جس میں جمعہ جائز ہو؟ جبکہ فتاوی دارالعلوم ۵/ ٦٦/ پر اسی طرح کا ایک مسئلہ ہے جس میں گاؤں سوجڑو کی آبادی تقریباً تین ہزار یا اس سے کچھ کم بیان کی گئی ہے، اس میں جمعہ کو واجب قرار دیا گیا ہے اور ایضاح المسائل ص: ٦۴/ پر تحریر ہے کہ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے اتنا بڑا گاؤں کافی ہے کہ عورت ومرد، مسلم غیر مسلم تین ہزار افراد پر مشتمل ہوں؛ حالانکہ دارالعلوم دیوبند سے فتوی آیا ہے کہ یہ گاؤں قریۂ صغیرہ ہے، اس میں جمعہ جائز نہیں ہے، جس کی فوٹو کاپی سوالنامہ کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ قریۂ کبیرہ کے لئے مکمل تین ہزار افراد کی آبادی ضروری ہے یا کچھ کم بھی نماز جمعہ کے لئے کافی ہے، اگر کچھ افراد کی کمی قریۂ کبیرہ کے لئے مانع نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی دارالعلوم

٦٦/۵ کے سوال وجواب سے معلوم ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ گاؤں جس کی آبادی دو ہزار نوسو ساٹھ افراد پر مشتمل ہے، قریۂ کبیرہ کہلائے گا یا نہیں؟ اور نماز جمعہ صحیح ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: حافظ مشیر احمد، موضع دھمولہ، پوسٹ: قصبہ محمدی، لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک دیہات اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے، صحت جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ اور قریۂ کبیرہ یعنی بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے اور تقریباً ساڑھے تین ہزار آبادی والے گاؤں بڑے گاؤں میں شامل ہیں؛ اس لئے صورت مذکورہ میں دو ہزار نوسو ساٹھ افراد جس گاؤں میں بستے ہیں وہ گاؤں شرعی طور پر بڑے گاؤں میں شامل ہے۔ سوال نامہ میں درج کردہ دھمولہ گاؤں میں نماز جمعہ کا قیام جائز اور درست ہے۔

حضرت تھانویؒ نے تین ہزار کی آبادی کو قریۂ کبیرہ میں شامل کیا ہے اور دو ہزار نوسو ساٹھ و تین ہزار میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، بہشتی زیور ١١/٨٠ میں فرمایا ہے کہ جس گاؤں کی آبادی قصبہ کے برابر ہو، مثلاً تین چار ہزار کی آبادی ہو وہاں جمعہ درست ہے۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نے جس گاؤں میں تقریباً تین ہزار مردم شماری یا کچھ کم ہے اور اس میں بازار بھی نہیں ہے، کوئی سودا اور غلہ وغیرہ نہیں ملتا ہے، ایسے گاؤں کو بھی قریۂ کبیرہ قرار دیا ہے، آج سے تقریباً اسی نوے سال پہلے موضع سوجڑو گاؤں شہر مظفرنگر کی حدود سے کافی فاصلہ پر تھا، اس وقت اس کی آبادی تقریباً تین ہزار تھی اور آج سوجڑو گاؤں مظفرنگر کے پیٹ میں داخل ہے؛ اس لئے آج کل کی حیثیت کو دیکھ کر موضع سوجڑو کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کرنا چاہئے، اس وقت کی حیثیت کے اعتبار سے حضرت مفتی صاحب نے تین ہزار سے کچھ کم آبادی میں جمعہ کو درست قرار دیا، جیسا کہ سوال نامہ میں اس فتویٰ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے؛ لہٰذا اکابر کی رائے کے مطابق گاؤں دھمولہ کو قریۂ کبیرہ اور بڑے گاؤں میں شمار کیا جائے گا؛ لہٰذا اس میں نماز جمعہ بلا شبہ جائز اور درست ہے۔ اور کبھی جواز جمعہ کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ کثرت آبادی اور مردم شماری کو نہ دیکھا جائے؛ بلکہ حیثیت آبادی کو

دیکھا جائے، مثال کے طور پر کسی جگہ کی ہزار پانچ سو کی مردم شماری ہو؛ لیکن وہ جگہ ہر طرف سے ضروریات زندگی پوری کرنے کی ہے، وہاں سے مختلف گاؤں، مختلف قصبات میں راستہ جارہا ہو اور گاؤں دیہات قصبات کے لوگوں نے وہاں ہر طرح کی دوکانیں بنالی ہوں، دور دور تک دوکانیں گلی کوچے اس میں ہوں، اسپتال، تھانہ، ڈاکخانہ، اسکول بھی ہو اور ہر قسم کی ضروریات زندگی کی دوکانیں ہوں، تو ایسی جگہ مردم شماری کا اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ حیثیت آبادی اور گلی کوچے کا اعتبار ہے۔

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق. إلی أن قال: فیما ذکرنا أشارة إلی أنه لا تجوز في الصغیرة. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/ ۱۳۸، زکریا ۳/ ۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۵/۱۴۲۴ھ

غیر مسلموں کی آبادی میں مزدوروں کا نماز جمعہ ادا کرنا

سوال [۳۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں کے باشندے غیر مسلم ہیں اور ابھی دو سال کے واسطے مسلم مزدور کام کرنے کے واسطے آئے ہوئے ہیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اور اب چاہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز بھی ادا کریں، کیا جمعہ کی نماز قائم کرسکتے ہیں؟

المستفتی: محمد فیروز عالم مدرسہ الفرقان شیخ پورہ چوپڑہ، جلگاؤں (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس آبادی کا سوال نامہ میں ذکر کیا جارہا ہے، اگر وہ بڑی آبادی ہے اور اس کی مردم شماری تین ہزار سے اوپر ہے چاہے غیر مسلموں کو شمار کرکے ہی

یہ آبادی پوری ہوتی ہو، وہاں نماز جمعہ قائم کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۳۰۴، جدید ڈابھیل ۸/۹۸)

عن ابن جريجؓ، قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنودى للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الآذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت ٣/١٦٨، رقم:٥١٧٩)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۵۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۹ھ

تقریباً تین ہزار آبادی میں نماز جمعہ کا جواز

سوال [۳۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا گاؤں گنگ داس پور شہر امروہہ سے تقریباً سولہ کلومیٹر کے فاصلہ پر آباد ہے، جس کی آبادی تقریباً تین ہزار ہے، جس میں لگ بھگ دو سو پچاس ہندو باقی سب مسلمان ہیں، گاؤں میں دو مسجدیں اور ایک مدرسہ اور سات دوکانیں ہیں، جن پر روزمرہ اور ضروریات زندگی کا اکثر سامان مل جاتا ہے، اس کے علاوہ میت کے کفن دفن کا سامان وغیرہ بسہولت سب چیزیں مل جاتی ہیں اور ڈاکٹر وغیرہ بھی موجود ہیں اور دوسری مسجد میں بھی سیکڑوں سال پہلے سے جمعہ ہوتا ہے، تو کیا ہماری مسجد میں جمعہ درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: گنگ داس پور، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ گاؤں میں تین ہزار سے کم کی مردم شماری نہیں ہے؛ بلکہ تین ہزار یا اس سے زائد ہے، تو وہاں جمعہ کی نماز جائز ہے اور دوسری مسجد میں بھی جمعہ جائز ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/ ۸۰، امداد الفتاوی ۱/ ۶۲۱)

عن ابن جريج، قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة، فنودي للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت ۳/ ۱٦۸، رقم:۵۱۷۹)

عن أبي حنيفة: أنه بلدة كبيرة، فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۳۷، زكريا ۳/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۴/ ۱۴۱۵ھ

تین ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع ٹانڈہ ضلع بلند شہر یوپی میں بابت جمعہ جس کے تفصیلی حالات یہ ہیں:

۱. آبادی 3037۔۲. پرچون کی دوکان گیارہ،جن سے روزمرہ کی ضروری چیزیں ملتی ہیں اورسبزی بھی۔۳. کپڑا بھی ملتا ہے گھروں میں اور باہر کے بھی آتے ہیں۔۴. جنرل اسٹور کی دوکان تین۔۵. میڈیکل اسٹور۔۶. نل وغیرہ کے مختصر سامان کی ایک دوکان اوراس پر ویلڈنگ بھی ہوتی ہے۔۷.لوہے کی جالی وغیرہ بنانے کی دوکان ایک۔۸.ٹائرپنچر کی دوکان ایک۔۹. دودھ کی ڈیری دس۔۱۰. ٹیلر ماسٹر کی دوکانیں تین۔۱۱. موبائل فون وغیرہ کی دوکان ایک۔۱۲. سرکاری اسکول ایک۔۱۳. پرائیویٹ اسکول ایک .۱۴. لوہار، بڑھئی کی دوکان دو۔۱۵. مویشی ڈاکٹر دو۔۱۶. کھلی چوکر کی دوکان دو .۱۷. ڈاکٹروں کی دوکان چار۔۱۸. ڈیزل وپیٹرول کی دوکان دو۔۱۹. مرغی فارم ایک۔۲۰. آٹا چکی چھ۔۲۱. سرکاری راشن کی دوکان ایک۔۲۲. صابن وغیرہ بنانے کی فیکٹری ایک۔۲۳. دومسجد ایک مدرسہ ایک عیدگاہ۔۲۴. مچھلی فارم دو۔

نوٹ: زمانہ قدیم سے نماز جمعہ جاری رہا؛لیکن کافی وقت بندرہا،اب تقریباً چار سال سے نماز جمعہ ہورہا ہے اورعید کی نماز بھی مسلسل ہورہی ہے شروع سے ہی اوراب آٹھ دس افراد ہیں جوکہ جمعہ کی نماز کوادانہیں کرتے؛لیکن اسی مسجد میں کبھی توظہر کی جماعت کرتے ہیں اور کبھی اپنی اپنی پڑھتے ہیں، کیا ایسی صورت میں اوران تمام باتوں کے باوجود نماز جمعہ صحیح ہے یانہیں؟

المستفتی: حاجی آس محمد، موضع: ٹانڈہ، بلندشہر(یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موضع احمدپورٹانڈہ ضلع بلندشہر یوپی،جس کی آبادی تین ہزار سے زائد ہے۔نیز اس میں ضروریات زندگی بھی کافی حدتک دستیاب ہیں،تو یہ شرعاً ایسا بڑا گاؤں ہے،جوقصبات کے حکم میں ہے،وہاں والوں پر جمعہ پڑھنا لازم ہے اورعید کی نماز بھی واجب ہے اورجولوگ ایسے بڑے گاؤں میں جمعہ نہ پڑھ کرظہر کی نماز الگ پڑھتے ہیں

وہ شرعی مسائل سے واقف نہیں ہیں، ان کوتوجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۸۰/۱۱، امداد الفتاوی ۶۱۸/۱، ۶۲۰، فتاوی دارالعلوم ۴۵/۵، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۷/۸، امداد المفتیین ۱۹۵/۲، امداد الاحکام ۴۱۶/۲، ۴۱۷)

و عبارة القهستاني: تقع فرضاً في القصبات، و القرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۱۳۸/۲، زكريا ۶/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۶۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۹ھ

کیا تین ہزار کی آبادی میں قیام جمعہ جائز ہے؟

سوال [۳۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے گاؤں میں قیام جمعہ درست ہے، جس کی آبادی تقریباً تین ہزار کے اوپر ہے اور ضروریات زندگی کی کچھ اشیاء دستیاب ہیں، مثلاً کرانہ کا سامان اور ادویات، اس کے علاوہ سارا سامان قصبہ محمدی سے لانا پڑتا ہے، جس کی دوری ایک کلومیٹر ہے، اس مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرما کر تمام مسلمانان دھمولہ کو مطمئن فرمائیں؟

المستفتی: محمد ضمیر المظاہری، نزد محمدی لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کے لئے آبادی کی دو حیثیت ہوتی ہیں۔

(۱) کمیت آبادی جس میں مردم شماری کا اعتبار ہے کہ مردم شماری کے اعتبار سے جس آبادی میں بسنے والے افراد کی تعداد بچے، بوڑھے، عورت، مرد، ہندو مسلم سب ملا کر تین ہزار یا اس سے اوپر ہو، تو اس کو ایسا بڑا گاؤں شمار کیا جاتا ہے، جو قصبہ کے حکم میں ہوتا ہے، اس میں جمعہ و

عیدین جائز ہوجاتے ہیں اوراس میں عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہوتی۔

(۲) حیثیت آبادی کہ مردم شماری کے اعتبار سے اس آبادی میں بسنے والے لوگوں کی تعداد کم ہو، مثلاً ہزار بارہ سو کی آبادی ہو،مگر وہ جگہ ایسے موقع پر واقع ہے کہ اس میں بازار لگتا ہو اور شہر کی گلیوں کی طرح دوکانیں بنی ہوئی ہوں، اس میں ہسپتال، تھانہ اورضروریات زندگی کی ہر چیز موجود ہو، ایسی جگہ پر حیثیت آبادی کی وجہ سے جمعہ وعیدین جائز ہوجاتے ہیں؛ اس لئے کہ یہ بھی قصبہ کے حکم میں ہوجاتا ہے اورسوال نامہ میں جس گاؤں کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں حیثیت آبادی اگرچہ کم ہے؛ لیکن کمیت آبادی کے اعتبار سے قصبہ کے حکم میں ہے؛ اس لئے وہاں جمعہ جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۶۱۸، ۶۲۰، بہشتی زیور ۱۱/ ۸۰)

وعبارة القهستاني: تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۳۷، زكريا ۳/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۰۵)	۱۴۳۳/۱۲/۲۷ھ

تین ہزار کی آبادی پر مشتمل گاؤں میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے گاؤں میں تین ہزار کی آبادی ہے، تقریباً پندرہ سال پہلے یہاں پر جمعہ کی نماز ہوتی تھی، بعد میں کچھ علماء کے کہنے سے کہ جمعہ یہاں پر فرض نہیں ہے ختم کردیا گیا تھا۔ نیز ضروریات زندگی کے تمام سامان ۵/ کلومیٹر دورشہر سندیلہ سے دستیاب ہوجاتے ہیں، اب ایسی صورت میں مذکورہ گاؤں میں نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نیز صاحب نورالایضاح کی بیان کردہ صحت جمعہ کے لئے شرائط ستہ کی ہمارے زمانہ میں

کیا توجیہ ہوگی۔
مذکورہ کتاب کی عبارت درج ذیل ہے: عبارت کا مطلب بیان کرنے اور وضاحت کرنے کی زحمت فرمائیں۔

ویشترط لصحتها (الجمعة) ستة أشياء: المصر، أو فناؤه، والسلطان، أو نائبه، ووقت الظهر فلا تصح قبله، وتبطل بخروجه والخطبة قبلها بقصدها في وقتها، وحضور أحد لسماعها ممن تنعقد بهم الجمعة، ولو واحداً في الصحيح، والإذن العام، والجماعة، وهم ثلاثة رجال غير الإمام. (نور الإيضاح ۱۱۷، ۱۱۸)

المستفتی: مظفر حسین، اہل میر نگرا جگوا ں، ہردوئی (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ کی صحت کے لئے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، مذکورہ گاؤں کی آبادی چونکہ تین ہزار پر مشتمل ہے جو کہ بڑے گاؤں اور قریۂ کبیرہ کے درجہ میں ہے؛ اس لئے مذکورہ گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنا درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۶۴، عزیز الفتاوی ۱/ ۲۸۰)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۳۸، زكريا ۳/ ۷)

ممکن ہے کہ سائل کو سوال میں درج کردہ عبارت کے شرط نمبر۲ / پر کچھ ذہنی خلجان ہوا ہو کہ ہمارے ہندوستان میں ایک شرط یعنی مسلم بادشاہ یا اس کا نائب مفقود ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان بادشاہ نہ ہو، وہاں مسلمانوں کی آپسی رضامندی سے جس کو امام جمعہ مقرر کرلیں وہ امام جمعہ ہو جاتا ہے اور وہاں نماز جمعہ واجب اور ادا ہو جاتی ہے، چاہے اس امام کو منجانب حکومت کسی قسم کی قوت حاصل نہ ہوئی ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۲۳۹، زکریا جدید ۳/ ۲۸۷، زکریا جدید مطول ۵/ ۱۱۲، فتاوی دار العلوم ۵/ ۴۱، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۲۶۲، ۹/ ۱۱۱،

جدید ڈابھیل ۸/۴۷، ۱۵۳)

فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب، كراچي ۲/۱٤٤، زكريا ۳/۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۸۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/۵/۲۵ھ

تین ہزار والی آبادی میں جمعہ جائز ہے

سوال [۳۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں ایک گاؤں سرائے سلطان نام کا ہے، جس کی آبادی تقریباً تین ہزار ہے اور عموماً روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں بھی ملتی ہیں اور بڑا گاؤں شمار ہوتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز فرض وواجب ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسے گاؤں والے اگر جمعہ وعیدین کی نماز نہ پڑھیں تو گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: عبد الغنی، مدرسہ انوار العلوم، بلگرام، ہردوئی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین ہزار کی آبادی والا گاؤں جس میں روزمرہ کی ضروریات کے سامان ملتے ہوں، قصبات کا حکم رکھتا ہے، اس میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز ہے؛ بلکہ وہاں والوں پر جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا واجب ہے، نہ پڑھنے کی صورت میں گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۷۱، بہشتی زیور اختری ۱۱/۸۰، ایضاح المسائل ص: ٦٤)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۸، زكريا ۳/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۰۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۲ھ

تین ہزار کی آبادی والا گاؤں قریۂ کبیرہ ہے

سوال [۳۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسی جگہ جمعہ ہوسکتا ہے، جس کی آبادی تقریباً تین ہزار ہے اور ضروریات زندگی کا سارا سامان ملتا ہے اور دوسری جگہ جمعہ پڑھنے کی مسافت تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر ہے، جہاں لوگوں کو جانے میں مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور لوگ برائے نام جاپاتے ہیں، اگر ایسی جگہ جمعہ ہونے لگے تو یقیناً مصلیان میں ان شاء اللہ اضافہ ہوگا۔

المستفتی: مصلیان مدینہ مسجد، دھمولہ محمدی، کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ آبادی کی تین ہزار مردم شماری ہے، تو وہ شرعاً بڑا گاؤں ہے، جو قصبہ کے حکم میں ہے، ایسے بڑے گاؤں میں شرعی طور پر نماز جمعہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۶۱۸)

وعبارة القهستاني: تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۳۷، زكريا ۳/ ۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۰۸۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۱۹ھ

تین ہزار سے زائد کی آبادی میں جمعہ جائز ہے

سوال [۳۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم دینی احباب بن میں رہ کر اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے ہیں، جو عرف عام میں گوجر کے نام سے مشہور ہے؛ لیکن اللہ کے فضل وکرم سے ہم نے بن کے قریب اپنی کوشش سے زمین الاٹ کرالی ہے وہیں ہماری رہائش ہے، ہم نے وہیں پر ایک پکی مسجد تیار کرالی ہے اور مدرسہ بنانے کا ارادہ ہے، الیکشن میں بھی ہم حصہ لیتے ہیں، جس گرام سے ہمارا تعلق ہے، اس کی آبادی ۳۰۰۰ر ہزار سے زائد ہے، ہم نے بعض علماء دین سے یہ سنا ہے کہ جس گرام کی آبادی ۳۰۰۰ ہزار سے زائد ہو وہاں جمعہ ہوسکتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض علماء کا یہ مذکورہ قول درست ہے؟ اگر چہ شرائط جمعہ نہیں ہو پارہے ہیں، تو کیا ہم ایسے قریہ میں جس کی آبادی تین ہزار سے زائد ہو جمعہ ادا کریں یا نماز ظہر؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: علی حسین، بریا منجھولہ، اودھم سنگھ نگر (اترا کھنڈ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں جس آبادی کی مردم شماری تین ہزار سے زائد ہے، اس کو قریۂ کبیرہ کی حیثیت حاصل ہے، اس میں جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱ر۸۰)

عن ابن جریجؒ قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنؤدى للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت ۳/۱٦۸، رقم:۵۱۷۹)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۸، زكريا ۳/٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۳؍۵۱۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۲؍۱۴۱۸ھ

3150 کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی جو کہ قصبہ کوتوالی دیہات بجنور کے قریب واقع ہے، جس کی آبادی اعداد و شمار کے اعتبار سے 3150 افراد پر مشتمل ہے، بستی میں حوائج ضروریہ مثلاً پرچون کا سبھی سامان، تجہیز وتکفین کا سامان نیز ڈاکٹر اور ہائی اسکول وغیرہ بھی موجود ہیں، اس کے علاوہ ہفتہ واری بازار لگتا ہے، بستی میں ایک مدرسہ اور تین مساجد ہیں، جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا اس بستی میں شرعی نقطہ نظر سے جمعہ درست ہوگا؟

المستفتی: مفتی محفوظ الرحمٰن قاسمی، مدرس جامعہ دار العلوم محمدیہ گدر پور، یو ایس نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس آبادی میں تین ہزار سے زیادہ افراد کی مردم شماری ہو وہ شرعاً قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہے؛ اس لئے اس میں جمعہ اور عیدین بلاشبہ جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱؍۶۷۱، بہشتی زیور ۱۱؍۸۱)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، کراچي ۲/ ۱۳۸، زکریا ۳/ ۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۱۰۱۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۱۱؍۱۴۳۱ھ

تین ہزار سے زائد آبادی والی بستی میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کی کتاب ایضاح المسائل ص:۶۴/ پر لکھا ہے، جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے لازم ہے کہ شہر یا قصبہ یا اتنا بڑا گاؤں ہو کہ عورت مرد مسلم غیر مسلم تین ہزار افراد پر مشتمل ہوں، اس سے چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں کے لوگوں پر ظہر کی نماز فرض ہے، اگر ظہر چھوڑ کر جمعہ پڑھیں گے تو ان پر ظہر کی نماز کا فریضہ باقی رہ جائے گا، اس میں چند امور کی تفصیل مطلوب ہے۔ غیر مسلم مرد اور عورت میں نابالغ بچے بھی داخل ہیں یا نہیں؟ اتنے افراد پر مشتمل گاؤں میں اگر مسلمان تھوڑے ہوں اور غیر مسلم زیادہ تو بھی یہی حکم ہے یا بصورت زیادتی کفار حکم نفی میں ہوگا؟

نیز تین ہزار افراد پر مشتمل گاؤں میں جمعہ صرف جائز ہے یا واجب ہے؟ اور ایسے گاؤں کے افراد ترک جمعہ سے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ حضرت والا سے درخواست ہے کہ مذکورہ بالا امور کی وضاحت فرمادیں؟ نیز گاؤں میں جواز جمعہ کے لئے تین ہزار افراد کی آبادی کی دلیل سے بھی نوازدیں تا کہ اطمنان قلب حاصل ہوجائے، احقر نے گذشتہ سال دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی ہے اور حصول علم میں مصروف ہے، مجھے یہ امید قوی ہے کہ حضرت والا ضرور میرے عریضہ کا جواب مرحمت فرمائیں گے؟

المستفتی: اشتیاق احمد قاسمی، مدرس مدرسہ دارالعلوم اشرفیہ، بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین ہزار کی آبادی میں مسلم وغیر مسلم بالغ ونابالغ، عورت ومرد سب شامل ہیں، غیر مسلموں کے نابالغ بچے بھی شمار میں آئیں گے اور اگر مسلمان کم ہوں اور غیر مسلم کی تعداد مسلمانوں سے کافی زائد ہوتب بھی جمعہ جائز ہوجائے گا، تین ہزار کی آبادی والوں پر جمعہ کی نماز واجب ہے ظہر ساقط ہوجائے گی اور تین ہزار کی آبادی پر جمعہ لازم یا ثابت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ شہر یا قصبہ کی طرح بڑی آبادی ہے، فتح مکہ کے موقعہ

پر مکۃ المکرّمہ کی آبادی بھی کم وبیش اتنی ہی تھی؛ اس لئے شہر یا قصبہ کے حکم میں داخل کر کے جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۳۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶؍۷؍۱۴۱۸ھ

تین ساڑھے تین ہزار کی آبادی میں جمعہ

سوال [۳۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع سنہولی جس کی آبادی (تعداد انسانی) تین ساڑھے تین ہزار ہے، شہر بھاگل پور سے یہ گاؤں بارہ کیلومیٹر کی دوری پر ہے، موجودہ سہولت یا دقت اتنی ہے کہ مذکورہ شہر جانے کے لئے ٹرین اسٹیشن گاؤں سے دو کیلومیٹر اور بس اسٹینڈ تین کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، شہر بھاگل پور کا معروف قصبہ پورینی مذکورہ گاؤں سے تین، چار کیلومیٹر دوری پر واقع ہے، شہر بھاگل پور کا معروف قصبہ ہے جہاں ضروریات کی تمام اشیاء پائی جاتی ہیں۔

گاؤں سنہولی میں پرچون (کرانہ دوکان) تین چار ہیں، جن سے تمام ضروریات پوری نہیں ہوتی ہیں، اس گاؤں ہی کے نام سے صرف ایک کیلومیٹر کی معمولی دوری پر ایک ہاٹ ہفتہ کے دوران لگایا جاتا ہے، ہفتہ دس دن میں کپڑا بیچنے والا کوئی نہ کوئی آجاتا ہے، تہوار اور لگن کے موقعہ پر کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہے، گاؤں ہذا میں دو فون اور ایک وایرلیس سسٹم فون بھی موجود ہے اتنے بڑے گاؤں میں البتہ کوئی معقول اور بڑا ڈاکٹر موجود نہیں ہے، معمولی بخار اور نزلہ کے وقت دوا مل جاتی ہے اور ڈائریا وغیرہ کے وقت سلائن ہوتے ہوئے بھی دیکھا گیا ہے، جب سے مسجد قائم ہوئی ہے تقریباً پچاس ساٹھ سال سے لوگ بلا اختلاف جمعہ وعیدین پڑھتے تھے اور جس کی مرضی نہ ہوتی تھی نہ پڑھتے تھے؛ لیکن تقریباً آٹھ سال سے علماء سنہولی میں اختلاف ہوا اور لوگ دو حصوں میں منقسم ہوگئے، گاؤں ہذا میں گیہوں اور دھان کٹنے،

پینے کے لئے تین چار مل مشین بھی ہے، گاؤں ہذا میں تقریباً ۴۰؍ فارغین اور ۵۰؍ حفاظ کرام بھی ہیں، جو اکثر و بیشتر مدارس سے منسلک ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جمعہ و عیدین پڑھنا باشندگان سنہولی پر واجب ہے یا ناجائز؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فتویٰ عنایت فرمائیں تاکہ فتوی کے کسی لفظ اور جملہ سے علماء کے طبقہ میں بحث ومباحثہ پیدا ہی نہ ہوسکے؟

المستفتی: محمد اختر حسین، سنہولی، بھاگل پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین ساڑھے تین ہزار کی آبادی ہے، تو وہ شرعاً بڑا گاؤں ہے جو قصبہ کے حکم میں ہے، ایسے گاؤں میں شرعی طور پر جمعہ وعیدین کی نماز جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور اختری ۱۱؍۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۱۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۱؍۱۴۱۸ھ

چار ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کی بستی فلوسہ نامی تحصیل اوڑی تین پٹیوں ۱۔ فلوسہ ۲۔ ریشہ واڑی ۳۔ قاضی پور پر مشتمل ہوکر کل آبادی بالغ ونابالغ زن ومرد تعداد چار ہزار نفوس پر مشتمل ہے، جس کے اندر تین مساجد، ضروریات زندگی کے لئے کافی دوکانات، ایک رنگ روڈ کے ذریعہ نیشنل ہائے وے منسلک ہے اور چند سرکاری ادارے، ۱. اسکول درجہ پنجم تک ۲. ایک پرائمری ہیلتھ سینٹر ہے، عوام الناس مختلف ذرائع ملازمت تجارت اور ٹھیکیداری، زمینداری روزینہ مہیا کرتے ہیں، اس بستی کے لوگوں کو نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے بستی سے دو کیلو میٹر

دور جانا پڑتا ہے، بایں وجہ بستی کے تمام بالغ مرد اس بستی میں ایک مسجد شرعی فلوسہ کو مرکز قرار دینا چاہتے ہیں، کیا اس بستی میں جمعہ پڑھنا پڑھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو تفصیلاً جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: فراست علی قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے گاؤں میں عورت ومرد، بچے، بوڑھے، ہندو مسلم چار ہزار انسانوں کی آبادی ہے، تو وہ قصبہ اور بڑے گاؤں کے حکم میں ہے، وہاں کے لوگوں پر جمعہ پڑھنا واجب ہے؛ اس لئے آپس کے مشورہ سے وہاں پر جامع مسجد کی تعیین ہو جانا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵/۶۶)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق (إلی قوله) لاتجوز في الصغیرة التی لیس فیها قاض، ومنبر، وخطیب. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۲۳۹)

چار پانچ ہزار کی آبادی والے گاؤں میں جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اقوال فقہاء سے مصرح ہے کہ قریہ (گاؤں) میں جمعہ درست نہیں، جمعہ کے لئے مصر (شہر) یا قریہ کبیرہ (بڑا گاؤں) کا ہونا شرط ہے، تو بڑے گاؤں سے کیا مراد ہے؟

نیز وہ گاؤں جس میں جمعہ مشکوک ہو اور وہاں علماء واعظین نے کبھی نہ کہا نہ بتایا ہو کہ یہاں جمعہ جائز نہیں؛ البتہ تحریراً بتایا جاتا رہا ہو، ماحصل یہ کہ اس گاؤں میں جمعہ عرصۂ دراز سے ہوتا

آرہا ہو اور اس کے سبب مسلمانوں میں جمعیۃ قائم ہو، اب اگر جمعہ ختم کیا جائے تو افتراق جمعیۃ مسلمین کا قوی خدشہ ہے، اس صورت میں جمعہ پڑھنا بہتر ہوگا یا ترک جمعہ یا اولاً جمعہ بعدہ ظہر احتیاطی باجماعت یا انفراداً؟ اس گاؤں کی کل آبادی تقریباً پانچ ہزار ہے اور اس میں انسان کی ضروریات بھی بآسانی پوری ہوتی ہیں۔

المستفتی: اسرارالحق، سیفنی رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ گاؤں کی آبادی چار پانچ ہزار کے درمیان ہے تو وہ قریۂ کبیرہ ہے، ایسے بڑے قریہ پر فقہاء احناف نے قصبہ اور شہر کا حکم لگا کر جمعہ کو جائز قرار دیا ہے؛ اس لئے مذکورہ گاؤں میں بلاشبہ جمعہ جائز اور درست ہوگا، احتیاط الظہر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۵/۵۴، جدید زکریا ۶/ ۹۰ امداد الفتاوی ۱/۴۵۵، فتاوی دارالعلوم ۵/۵۲ا، بہشتی زیور اختری ۱۱/۸۰)

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق (إلى قوله) لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر، وخطيب. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/٦، كراچي ۲/۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۰۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۲/۱۴۱۳ھ

تقریباً پانچ ہزار کی آبادی میں جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع اتّر یا نیپال میں ہے، یہاں کی کل آبادی تقریباً ۵/ ہزار ہے، جس میں مسلم آبادی کے ۲۵/لوگ ہیں، یہاں پر بازار ہے اور پرائیویٹ ہسپتال بھی ہے، بینک بھی ہے اور

سرکاری آفس بھی ہیں شہروں کی طرح تمام سہولیات موجود ہیں، کیا ہم ۲۵؍لوگ یہاں پر نماز جمعہ ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ فقہ کی روشنی میں بالدلائل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: شبیر حسین، ٹنکپور منڈی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وہاں کی آبادی تقریباً پانچ ہزار کی ہے،اور تمام سہولیات بازار پرائیویٹ ہسپتال، بینک اور سرکاری آفس وغیرہ موجود ہیں، تو وہ قریۂ کبیرہ ہے؛ لہٰذا اگرچہ وہاں مسلمان کل ۲۵؍لوگ رہتے ہیں، پھر بھی بلاشبہ جمعہ جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱؍۶۱۷، عزیز الفتاوی ۲۸۰)

بأن المصر موضع يندفع فيه حاجة الإنسان الضرورية من الأكل بأن يكون هناك من يبيع طعامًا، والكسوة الضرورية، وأن يكون هناك أهل حرف يحتاج إليهم كثيراً. (رسائل الأركان ١١٤، بحواله فتاوى رحيمية قديم، جديد زكريا ٦/ ٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ؍)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۷؍۱۴۲۰ھ

پانچ ہزار سے زائد آبادی میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں ہے جس میں ساڑھے پانچ سو گھر ہیں اور مسلمانوں کے کل گھر ساٹھ ہیں، اس میں پندرہ دوکانیں ہیں، گاؤں کے لوگوں کی تعداد پانچ ہزار سے زائد ہے اور گاؤں سے آٹھ کلومیٹر دور ایک قصبہ ہے جس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، لوگوں کو وہاں تک پہونچنے میں تکلیف ہوتی ہے، سواری کا نظم نہیں ہے تو کیا ان تمام صورتوں میں جمعہ کی نماز جائز ہے؟

المستفتی: محمد سہیل، چلاشنی، فیروزآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال مذکورہ گاؤں جس میں بسنے والے افراد ہندو مسلم، بچے، بوڑھے سب ملاکر پانچ ہزار سے زائد ہیں، تو ایسا بڑا گاؤں شرعاً قصبہ کے حکم میں ہے، جہاں جمعہ وعیدین بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۱۸، ۶۲۰، بہشتی زیور ۱۱/۸۰، فتاوی دار العلوم ۵/۴۵، ۴۶، ۵، امداد المفتیین ۲/۱۹۵، امداد الاحکام ۲/۴۱۶، ۴۱۷، محمودیہ ڈابھیل ۸/۷)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق (إلی قوله) لاتجوز في الصغیرة التی لیس فیها قاض، ومنبر، وخطیب. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، زکریا ۳/۶، کراچي ۲/۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رشعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۲۲۷)

تقریباً ساڑھے چھ ہزار کی آبادی میں جمعہ کا قیام

سوال [۳۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مادھو پور بستی شہر رڑکی سے تقریباً ۴ رکیلومیٹر دور مغرب جانب واقع ہے، یہاں کا ڈاکخانہ سالیر ہے اور تھانہ وتحصیل رڑکی ہے، یہاں کی ووٹرلسٹ 2181 عدد ہے، اس حساب سے اس کی کل آبادی کا تخمینہ ساڑھے چھ ہزار ہے، یہاں کے اکثر مکانات پختہ، گلیاں کشادہ ہیں، اس میں کھڑنجے بچھے ہوئے ہیں، بعض سمینٹیڈ اور ڈامر والے بھی ہیں، رڑکی سے یہاں تک پختہ ڈامر روڈ بنا ہوا ہے، سواریوں کی آمد ورفت کی سہولت حاصل ہے، یہاں پانچ مسجدیں، دو عربی مدرسے، دو پرائمری اسکول، ایک جونیر ہائی اسکول ہے، یہاں

ستر سے زیادہ دوکانیں ہیں، جن میں پرچون کی چھوٹی بڑی اکتیس دوکانیں ہیں، علاوہ ازیں راشن کی سرکاری دوکانیں اور ہریجنوں میں چار دوکانیں ہیں، گوشت کی چھ، جلیبی کی ایک، یہاں کپڑے کی کوئی دوکان نہیں ہے؛ البتہ پھیری کرنیوالے روزانہ کپڑے لے کر آتے ہیں، یہاں کے دو آدمی معمولی طریقہ پر اپنے گھروں میں کپڑے رکھتے ہیں، جو پھیری کر کے فروحت کرتے ہیں، ڈاکٹر کی سات، نیز دو ڈاکٹر روزانہ جانوروں کو دیکھنے آتے ہیں، عورتوں کی ڈیلوری کے لئے ایک ڈاکٹرنی بھی سرکاری طور پر ہر ہفتہ ایک بار آتی ہے، ٹیلرس کی دوکان ایک، نائی کی دو، آٹا پیسنے کی چکی چار، جانوروں کے سامان کی ایک، لحاف بھرنے کی مشین ایک، چاول نکالنے کی دو، بجلی کے سامان کی ایک، لکڑی کی ٹال دو، سنٹرنگ کی ٹال ایک، ولڈنگ مشین ایک، ایس ٹی ڈی تین، مسالے کی پسائی کی ایک، سائیکل پنچر کی ایک، بستیٔ مذکورہ کے مندرجہ بالا تفصیلی کیفیت کے بعد دریافت طلب امر یہ ہے کہ قیام نماز جمعہ کے سلسلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد اختر مادھو پور، روڑکی، ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ قائم ہونے کے لئے حنفیہ کے نزدیک شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے اور ہر ایسا گاؤں بڑا ہے جس میں گلی کوچے اور اپنے پھیلاؤ اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو اور آپ کے بیان کے مطابق آپ کا گاؤں قریۂ کبیرہ ہے؛ اس لئے اس گاؤں میں جمعہ قائم کرنا واجب اور فرض ہوگا وہاں کے باشندوں پر جمعہ پڑھنا لازم اور فرض ہے۔

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق إلی ما قال فیما ذکرنا إشارة إلی أنه لا تجوز في الصغیرة. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ٢/١٣٨، زکریا ٣/٦)

ولاشک في جواز الجمعة في البلاد، والقصبات، وهذا الذي قاله

من حیث کون الموضع مصراً أولا. (حلبي کبیر، کتاب الصلاۃ، فصل في صلوۃ الجمعة اشرفیه دیوبند ص: ۵۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۴ھ

سات ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس گاؤں یا دیہات کی آبادی ۶ یا ۷/ ہزار کی ہو اور چھ مساجد ہوں اور علماء بھی موجود ہوں اور اکثر اشیاء اس بستی میں فراہم ہوتی ہوں، انسان کے لئے ہر چیز ملتی ہو اور پوسٹ آفس، دینی ادارہ، سرکاری اسکول بھی ہو، تو وہاں جمعہ کی نماز صحیح ہے؟

المستفتی: ماسٹر محمد عاشق حسین، سرائے کھجور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس گاؤں یا دیہات کی آبادی چھ یا سات ہزار کی ہو اور ضرورت کی اشیاء بھی فراہم ہوتی ہوں، تو یہ قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہوتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ گاؤں میں نماز جمعہ بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵/ ۳۴)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرۃ التي فیها أسواق. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، زکریا ۳/ ۶، کراچي ۲/ ۱۳۸، نعمانیه ۱/ ۵۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۵۷)

سات ہزار آبادی والا گاؤں قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہے

سوال [٣٥٢٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کی صورت حال یہ ہے کہ وہاں حکومت کا ایسا کوئی نظم نہیں ہے، جس سے مظلوم شخص فوری طور پر مدد حاصل کرسکتا ہو، مگر چھوٹا سا ایک بازار ہے، جس سے روزمرہ کی ضروریات کی چیزیں ملتی ہیں اور آبادی تقریباً چھ سات ہزار یا اس سے کچھ زائد ہے اور اس گاؤں میں چھ سات محلے ہیں اور ہر محلے میں الگ الگ مسجدیں ہیں اور ہر مسجد میں جمعہ قائم ہوتا ہے اور ہر محلے میں لوگوں نے ایک ایک قابل اعتماد آدمی کو متعین کر رکھا ہے تاکہ لوگوں کے درمیان اختلاف اور لڑائی ہو تو فیصلہ کر سکے اور اگر فیصلہ نہ کرسکے تو کم از کم معاملہ کو تھانہ تک پہونچا سکے اور تھانہ اس گاؤں سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس گاؤں میں پوسٹ آفس بھی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ

(١) اس گاؤں کو قریۂ کبیرہ میں شامل کر کے ہر محلے کی مسجد میں جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز لوگوں نے ہر محلے میں ایک ایک قابل اعتماد آدمی متعین کیا تاکہ لوگوں کے درمیان اختلاف اور لڑائی ہو تو فیصلہ کر سکے، اگر نہ کر سکے تو اس معاملہ کو تھانہ تک پہونچا سکے، یہ حکومت کے اس نظم کے قائم مقام ہوسکتا ہے جس سے مظلوم شخص مدد حاصل کر سکے؟ واضح رہے کہ اگر اس میں جمعہ ادا نہ کیا جائے تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہوسکتا ہے، تو کیا اس سے مسئلہ میں کوئی فرق پڑے گا؟

(٢) نیز فقہاء نے قریۂ کبیرہ کی جو تحدید لکھی ہے کہ اس میں بازار ہو یا حکومت کا ایسا کوئی نظم ہو جس سے مظلوم شخص مدد حاصل کرسکتا ہو وغیرہ وغیرہ، اگر ان میں سے ایک جز نہ پایا جائے اور بقیہ چیزیں پائی جائیں تو وہ قریۂ کبیرہ میں شامل ہوگا یا نہیں؟

(٣) نیز اس گاؤں کے آس پاس چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ہیں، جن کو قریۂ کبیرہ میں کسی بھی صورت میں داخل نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن وہاں بہت دن سے جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے او رمفتیان کرام کے منع کرنے کی بناء پر بعض گاؤں والے جمعہ ادا کرنے سے رک گئے اور بعض

گاؤں والوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، بعض نماز جمعہ ادا کرتے رہے اور بعض نماز ظہر ادا کرتے رہے، اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے جمعہ ادا کرنا چھوڑ دیا، تو پہلے جو جمعہ ادا کر چکے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ اب بھی جمعہ ادا کرتے رہے ان کا کیا حکم ہے؟ مذکورہ مسائل کے بارے میں ہمارے یہاں کوئی حل نہیں ہو پا رہا ہے؛ اس لئے آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔ دلائل کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مفتی عبدالرشید، استاذ دارالعلوم جئ بوم، چونماری پارہ (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جس گاؤں میں چھ، سات ہزار کی آبادی ہے بلاشبہ وہ گاؤں قریۂ کبیرہ میں داخل ہے، اس گاؤں میں جمعہ پڑھنا بلاشبہ جائز ہے، چاہے اس میں بازار اور حاکم وغیرہ نہ ہوں؛ اس لئے کہ جواز جمعہ کے لئے دو چیزوں میں سے ایک چیز کا ہونا کافی ہے۔

(۱) کثرت آبادی، اگر آبادی کی کثرت ہے، تو پھر بازار اور حاکم وغیرہ کی شرط نہیں۔

(۲) حیثیت آبادی کہ آبادی کی کثرت تو نہیں ہے؛ بلکہ معمولی آبادی ہے، جس میں ہزار پانچ سو کی مردم شماری ہے؛ لیکن وہاں پر تھانہ بھی ہے، اسکول بھی ہے، ہسپتال بھی ہے اور ضروریات زندگی کے لئے ہر چیز کے مہیا ہونے کا بازار بھی ہے اور آس پاس کے گاؤں دیہات کے لوگ وہاں آکر ضروریات زندگی کا سامان خرید کر لیجاتے ہیں، تو اگرچہ مردم شماری کے اعتبار سے وہ جگہ چھوٹی آبادی کی ہے؛ لیکن حیثیت کے اعتبار سے اس جگہ کو قصبہ کا حکم حاصل ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں درج کردہ گاؤں میں کثرت آبادی کی وجہ سے جمعہ جائز اور درست ہے۔

إن شرطه المصر فمسلم–إلى قوله–وقيل ما فيه أربعة ألاف رجال إلى غير ذلک، وليس هذا كله تحديداً له؛ بل إشارة إلى تعيينه و تقريب له إلى الأذهان، و حاصله إدارة الأمر على رأي أهل كل زمان في عدهم المعمورة مصراً، فما هو مصر في عرفهم جازت الجمعة فيه، و ماليس بمصر

لـم يجز فيه. قال المحشي: لم أجده في الكتب المعروفة عندى؛ ولكنهم لما اختـلـفـوا فـي تعريف المصر على أقوال كثيرة فلا بعد في أن يكون هذا أيضاً قـولاً، لاسيما إذحكي في جامع الرموز عن المضمرات قول ألف رجل أيضاً.

(الكوكب الدري، بحث الجمعة في ديارنا، مطبوعة اشاعت الإسلام، سهارنپور ۱۹۹/۱)

(۲) کا جواب بھی اسی میں آچکا ہے۔

(۳) آس پاس میں جو چھوٹے چھوٹے گاؤں دیہات ہیں ان دیہاتوں میں شرعی طور پر جمعہ جائز نہیں، وہاں کے لوگ جمعہ پڑھیں تو درست نہ ہوگا، ان کے اوپر ظہر کا فرض باقی رہ جائیگا اور جن دیہاتوں میں پہلے سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے، ان کے بارے میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے یہ لکھا ہے اگر جمعہ بند کرنے کی صورت میں فتنے اور سخت اختلاف کا خطرہ ہو تو انہیں ویسے ہی چھوڑ دیا جائے؛ لہٰذا وہاں کے جو پڑھے لکھے علماء ہیں ان کو وہاں جمعہ پڑھنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی،مطبوعہ کوہ نور، دہلی ۱۸۹/۳، زکریا جدید ۲۳۵/۳، زکریا جدید مطول ۱۶۲/۵)

لاتجوز في الصغيرة–إلى قوله–وصلّوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۱۳۸/۲، زكريا ۶/۳-۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۶۵/۳۹)	۱۴۳۱/۵/۱۸ھ

آٹھ ہزار کی آبادی میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا گاؤں جو ضلع سہارن پور میں واقع ہے، جس کی آبادی تقریباً آٹھ ہزار ہے اور اس گاؤں میں کافی سہولت فراہم ہے، ایک انٹر کالج اور پانچ چھ ڈاکٹر ہیں اور پانچ کپڑے کی دوکانیں ہیں اور اس گاؤں کے دو پردھان رہتے ہیں، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس

گاؤں میں جمعہ قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عادل، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس گاؤں کی آبادی تقریباً آٹھ ہزار ہو، وہاں بلاتردد جمعہ کا قیام واجب ہے؛ کیونکہ یہ گاؤں قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہے اور ہمارے تمام اکابر کا اس پر اتفاق ہے، جیسا کہ فتاوی دارالعلوم میں ہے کہ تین ہزار آبادی والے گاؤں میں جمعہ جائز ہے ۔ فتاوی دارالعلوم ۶۶/۵، عزیز الفتاوی میں ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تین ہزار ہو وہ قریۂ کبیرہ کے حکم میں ہے، قریۂ کبیرہ میں بتصریح فقہاء جمعہ درست ہے۔ عزیز الفتاوی ۲۸۰ اور امداد الاحکام ۲/ ۷۱ ۴ میں ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تین ہزار سے زائد ہو وہ قریۂ کبیرہ ہے، جس میں بالاتفاق جمعہ جائز بلکہ واجب ہے۔ اور امداد الفتاوی ۱/ ۶۱۷ میں ہے کہ اگر ایک قریہ اتنا بڑا ہے کہ اس میں تین چار ہزار کی مردم شماری ہے اور اس میں ضروری حوائج کے لئے بازار بھی ہیں، تو وہاں جمعہ بلاتکلف جائز ہے۔ اور امداد الفتاوی ہی میں ۱/ ۶۷۳ میں ہے کہ چار ہزار کی آبادی مصریت کا اثر اعظم ہے، یہ صحت جمعہ کے لئے کافی ہے۔

كذا في الشامي ناقلا عن القهستاني: وتقع فرضاً في القصبات، والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۳۸، زكريا ۳/ ۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۴۴)

قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنا

سوال [۳۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید ایک ایسے قصبہ کا رہنے والا ہے جس کی آبادی تقریباً تین ہزار سے زائد ہے اور قریب قریب اشیاءِ ضروریہ بھی مہیا ہو جاتی ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کتنی مساجد میں جائز ہے اور ایک مسجد کے کچھ لوگ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، پھر فوراً نماز ظہر بھی با جماعت ادا کرتے ہیں، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عارف مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے، نیز جمعہ ایک ہی مسجد میں ادا کرنا چاہئے، متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ ادا کرنا مناسب نہیں ہے، ہاں کوئی مجبوری ہو جیسے ایک ہی مسجد میں سبھی افراد نہ سما سکیں، تو دو جگہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

وإقامة الجمعة من أعلام الدين فلا يجوز القول بما تؤدي إلى تقليلها. (مبسوط سرخسي، باب الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۲۱)

ان لوگوں کی نماز جمعہ درست ہو جاتی ہے؛ لہٰذا بعد میں نماز ظہر پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ان کو ظہر پڑھنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۲۴۰، جدید زکریا ۳/ ۲۸۸، جدید زکریا مطول ۵/ ۱۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۲۱ھ

قریۂ کبیرہ میں مسجد کی جگہ بیٹھک میں نماز جمعہ ادا کرنا

سوال [۳۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ کسی گاؤں میں ایک مسجد ہے اور اس میں پہلے سے جمعہ قائم ہے، اس گاؤں کی آبادی تقریباً چار ہزار ہے اور اس مسجد میں لوگوں میں آپس میں لڑائی ہوگئی ہے، تو کچھ لوگ وہاں مسجد چھوڑ کر دوسری ایک بیٹھک میں نماز پڑھنے لگے اور بیٹھک میں نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور یہ لوگ دوسری مسجد بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں، مسجد کی جگہ بھی تجویز ہوچکی ہے، تو دوسری مسجد بنانا اور فی الحال بیٹھک میں نماز ادا کرنا اور جمعہ کی نماز بیٹھک میں پڑھنا درست ہے یا نہیں اور اگر اب تک پڑھ لی تو ان نمازوں اور جمعہ کی نمازوں کی جگہ دوسری نمازیں پڑھنی ہوں گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم سبل پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ گاؤں میں مردم شماری تقریباً چار ہزار ہے، تو وہ شرعاً قریۂ کبیرہ ہے اور ایسے گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز اور درست ہوجاتی ہے۔

عن ابن جریجؒ قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنودي للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت ۳/۱٦۸، رقم:۵۱۷۹)

اور ایسے گاؤں کے میدان اور کسی ایسی بیٹھک میں بھی جمعہ کی نماز صحیح ہوجاتی ہے جس میں ہر نمازی کو جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ نیز جھگڑے اور نزاعات سے بچنے کے لئے دوسری مسجد بنانا جائز اور درست ہے، وہ بھی شرعی مسجد ہوجائیگی اور اس میں جمعہ وغیرہ بھی جائز ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۹۷، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۱۲)

السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره، فإن فتح باب الدار وأذن

إذناً عاماً جازت صلوته شهدها العامة، أو لم يشهدوها كذا في المحيط.

(هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة، زكريا قديم ۱/ ۱٤۸، جديد ۱/ ۲۰۹)

لو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرىٰ، وفيها والٍ، وحاكم، جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا. (حلبي كبير، فصل في صلوة الجمعة، اشرفية ديوبند ۱/ ۵۵۱)

أهل محلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطا ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحد، لابأس به، والأولىٰ أن يكون لكل طائفة مؤذن.

(هندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، زكريا قديم ۵/ ۳۲۰، جديد ۵/ ۳۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۵۴)	۷/ ۱۲/ ۱۴۱۵ھ

قریۂ کبیرہ میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم افراد مختلف اضلاع کے ملک نیپال کی ایک منڈی میں آباد ہیں، ہم لوگوں نے اپنے ذاتی مکانات بھی نیپالی منڈی میں بنا رکھے ہیں، ہندوستان میں بھی ہمارے مکانات ہیں اور ۴/ ۶/ ماہ میں ہفتہ عشرہ کے لئے یا شادی، غمی میں شریک ہونے کے لئے چلے جاتے ہیں، ہم لوگ تقریباً چالیس پچاس افراد ہیں، اس منڈی میں ضروریات زندگی کی ہر چیز دستیاب ہے، غیر مسلم آبادی تقریباً چار ہزار سے زائد ہے، یہاں باقاعدہ مسجد نہیں ہے، مسجد کی تعمیر میں قانونی رکاوٹیں ہیں، اس وجہ سے ایک پختہ مکان کو جماعت گاہ کی حیثیت سے استعمال کررہے ہیں، پنجوقتہ جماعت یہیں ہوتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت بالا میں ہم لوگوں پر نماز جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی شمشاد حسین، وارڈ نمبر ا، ٹنک پور چمپاوت نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس آبادی میں ہندو وغیر مسلم اور مسلم بچے، بوڑھے سب کی مردم شماری تین ہزار سے زائد ہو، وہ شرعی طور پر شہر اور قصبہ کے حکم میں ہے، اس میں نماز جمعہ بلاتر دد جائز ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو صورت درج ہے، اس میں بلاتر دد جمعہ جائز ہوگا۔

وتقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/٦)

عن ابن جریج قال: قلت لعطاء: ما القریة الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمیر، والقصاص، والدور المجتمعة غیر المفترقة الآخذ بعضها ببعض کهیئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا کنت في قریة جامعة فنودی للصلوة من یوم الجمعة، فحق علیک أن تشهدها، إن سمعت الأذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الجمعة، باب القری الصغار، المجلس العلمي بیروت ۳/۱٦۸، رقم: ۵۱۷۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۲۳)

بڑے گاؤں میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا گاؤں پھوڑہ، قصبہ جانسٹھ، ضلع مظفر نگر ایک بڑی بستی ہے، جس کی آبادی ۳۵۰۰/ سے زائد ہے، اکثر مکانات پختہ ہیں، دیہات کی مناسب ضروری چیزیں فراہم ہوجاتی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ یہاں جمعہ پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: سعید الزماں مظفر نگری، مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ساڑھے تین ہزار کی آبادی والا گاؤں قریۂ کبیرہ میں شمار ہوتا ہے، ایسے بڑے گاؤں میں محض کثرت آبادی کی وجہ سے جمعہ جائز ہوجاتا ہے؛ لہٰذا آپ کے گاؤں پموڑہ میں بلا شبہ جمعہ جائز ہوجائے گا۔ نیز وہاں عیدین کی نماز بھی جائز اوردرست ہوجائے گی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۲۲، بہشتی زیور ۱۱/۸۰، فتاوی دارالعلوم ۵/۴۴-۵/۱۳۶)

عن ابن جریج رضؓ قال: قلت لعطاء: ما القریة الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمیر، والقصاص، والدور المجتمعة غیر المفترقة الآخذ بعضها ببعض کهیئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا کنت في قریة جامعة فنؤدی للصلوة من یوم الجمعة، فحق علیک أن تشهدها، إن سمعت الآذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الجمعة، باب القری الصغار، المجلس العلمیة بیروت ۳/۱٦۸، رقم: ۵۱۷۹)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۷۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۷/۲۵ھ

بڑی آبادی میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ شہر ساگر ایم، پی کے محلّہ شکرواری ٹوری کی مسجد شیخ گھنسو منشی میں نماز جمعہ کی ادا جارہی ہے، اس کے متعلق اول بات یہ ہے کہ شکرواری اور درزیانہ محلے مسلم اکثریت والے محلے ہیں، جس کی وجہ سے کافی لوگوں کی نماز جمعہ اکثر چھوٹ جاتی ہے، جس کی وجہ سے

کافی لوگوں کو نماز جمعہ اکثر دور والی مسجد میں جا کر ادا کرنی پڑتی ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ان محلوں میں بذریعۂ ٹرین آنے والے لوگوں کی نماز جمعہ بھی جاتی رہتی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ جمعہ کے دن مسجد درزیانہ میں دوپہر میں کسی بھی نماز کا اہتمام نہیں ہوتا۔

(۴) چوتھے یہ کہ درزیانہ مسجد میں مدرسہ کی شروعات کے واسطے اوپری منزل کی توسیع کا کام ادھورا پڑا ہے، مسجد درزیانہ میں ادائے گی نماز جمعہ ہونے پر دیگر محلوں کے افراد کے آنے سے انشاء اللہ اس توسیع کے کام میں بھی فروغ ہوگا۔

مندرجہ بالا مسئلوں کا حل تجویز یہ ہے کہ محلّہ درزیانہ مسجد میں شیخ گھنسو منشی مسجد سے بڑھے ہوئے وقت پر نماز جمعہ شروع کی جائے؛ اس لئے آپ علماء حضرات سے گذارش ہے کہ شرع کے مطابق نماز جمعہ کی ادائیگی کی اجازت عنایت فرمائیں؟ غور طلب امر یہ ہے کہ

(۱) درزیانہ اور شکرواری محلوں کے ۹۵ ر فیصد سے زیادہ لوگ مندرجہ بالا تجویز پر رضامند ہیں۔

(۲) مسجد درزیانہ میں جگہ پانی وغیرہ کا انتظام معقول ہے۔

(۳) مسجد درزیانہ میں نماز جمعہ کی دیگر شرائط پوری ہیں۔

(۴) مسجد درزیانہ اور شیخ گھنسو منشی مسجد میں تقریباً ۲۰۰ ر گز کا فاصلہ ہے۔

المستفتی: محمد خلیل کوثر کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محلّہ درزیان کی مسجد میں بھی جمعہ کی نماز صحیح اور درست ہو جائے گی، مگر جہاں تک ہو سکے جمعہ کی تعداد نہ بڑھائی جائے تو بہتر ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳ر۲۴۰، جدید زکریا ۳ر۲۸۸، جدید زکریا مطول ۵ر۱۷۳، احسن الفتاوی ۴ر۱۱۳)

وتؤدي في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذاهب، وعليه الفتوى. وقال ابن عابدين: وبما ذكر اندفع ما في البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها في موضعين لا في أكثر وعليه الإعتماد، فإن المذهب

الجواز مطلقاً. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، قبيل مطلب في نية آخر ظهر بعد صلوة الجمعة، كراچي ۲/ ۱٤٤، زکریا۳/ ۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۴۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۸/۹ھ

قریۂ کبیرہ میں نماز جمعہ کا قیام

سوال [۳۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موضع عمر سیڈھا (ہردوئی) لکھیم پور، ہردوئی روڈ سے تقریباً دو کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، موضع کو اس روڈ سے ایک پختہ سڑک ملاتی ہے، قرب وجوار کے تین گاؤں سرکاری طور پر اس موضع سے ملحق ہیں، موضع کی آبادی ہندو، مسلم مخلوط تقریباً ساڑھے تین ہزار ہے اور اس سے متعلق گاؤں کی مجموعی آبادی تقریباً پندرہ سو ہے، اس طرح موضع اور اس کے متعلقات کی کل آبادی تقریباً پانچ ہزار تک پہونچتی ہے، موضع میں دور حاضر کے وسائل زندگی، بجلی، ٹیلیفون لائن، (جو ابھی زیر تکمیل ہے) ذرائع نقل وحمل، دو کانیں بھی موجود ہیں قابل ذکر یہ ہے کہ موضع میں ایک مسجد ہے، جس میں پانچ وقت باجماعت نماز ہوتی ہے، جمعہ کے دن ظہر کی نماز پڑھی جاتی ہے، عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے موضع کے لوگ چھ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک قصبے میں جاتے ہیں، کیا اس موضع میں جمعہ کا قیام درست ہے؟

قیام جمعہ کا یہ خیال مسجد کے متولی اور نمازیوں کے دل میں اس پاک جذبے کے تحت آیا کہ موضع میں پابندی سے نماز پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے، مسلمانوں کی اکثریت ایسی ہے کہ وہ صرف عیدین کی نماز پڑھ لیتے ہیں اور کبھی باہر سے آنے والی تبلیغی جماعت کے لانے پر مسجد میں آجاتے ہیں اور ایک یا دو وقت کی نماز پڑھ جاتے ہیں ورنہ کبھی مہینے گذر جاتے ہیں، وہ مسجد کا رخ نہیں کرتے، اگر موضع میں قیام جمعہ کی شرائط کی بنیاد پر جمعہ کا قیام ہوجاتا ہے

،تو ایسی صورت میں دین سے دور یہ مسلمان کم از کم جمعہ کی نماز تو پڑھ لیا کریں گے اور دین کی کچھ باتیں ان کے کان میں پڑ جایا کریں گی، جیسا کہ دیکھا گیا ہے کہ دیہاتوں میں لوگ جمعہ کی نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور اس طرح ان تک دین کی بات پہنچتی رہتی ہے۔

المستفتی: محمد صابر، متولی مسجد عمر سیڈھا، ضلع ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ مذکورہ گاؤں کی آبادی ساڑھے تین ہزار؛ بلکہ اس سے بھی زائد ہے، ایسے بڑے گاؤں شریعت میں قصبہ کا حکم رکھتے ہیں؛ اس لئے ایسے گاؤں میں جمعہ کا قیام بلا تردد و بلا شبہ جائز ہے۔ نیز مذکورہ گاؤں ہر طرح کی سہولیات اور ضروریات زندگی اور ذرائع نقل وحمل کی وجہ سے مکمل طور پر بڑے قصبہ اور شہر کے حکم کے دائرہ میں داخل ہو چکا ہے؛ اس لئے وہاں کے لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۲۸۰، فتاوی دارالعلوم ۵/۳۴، ایضاح المسائل ص:۶۴، محمودیہ قدیم ۲/۳۰۴، ۳/۳۱۴، جدید ڈابھیل ۸/۹۸، ۱۰۲، بہشتی زیور اختری ۱۱/۸۱)

عن ابن جریجؒ قال: قلت لعطاء: ما القریة الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمیر، والقصاص، والدور المجتمعة غیر المفترقة الآخذ بعضها ببعض کهیئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا کنت في قریة جامعة فنؤدی للصلوة من یوم الجمعة، فحق علیک أن تشهدها، إن سمعت الآذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الجمعة، باب القری الصغار، المجلس العلمي بیروت ۳/۱٦۸، رقم:۵۱۷۹)

وتقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/٦٦۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۸ھ

قریۂ کبیرہ میں جمعہ کے بجائے ظہر پڑھنا

سوال [۴۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں سنہولی میں تقریباً ساڑھے تین ہزار کی آبادی ہے، روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں بھی ملتی ہیں، تین ڈاکٹر بھی ہیں۔ نیز پوسٹ آفس بھی ہے، ایک جامع مسجد اور ایک چھوٹی مسجد ہے، جامع مسجد میں بہت زمانہ سے نماز جمعہ وعید ہوتی آرہی ہے؛ لیکن بعض حضرات نماز جمعہ وعید کر کی ادائیگی کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس گاؤں میں نماز جمعہ کی شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے جمعہ وعیدین جائز نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو جو حضرات نماز جمعہ ادا نہیں کرتے اور ظہر پڑھتے ہیں، ان سے ظہر کی فرضیت ساقط ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طاہر حسین، متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس گاؤں کی آبادی ساڑھے تین ہزار ہے، وہ قریۂ کبیرہ ہے، اس میں بلاشبہ جمعہ جائز ہے؛ بلکہ واجب ہے اور عدم جواز ثابت کرنا درست نہیں ہے، جو لوگ ظہر پڑھتے ہیں ان سے ظہر تو ساقط ہو جائے گی، مگر جمعہ نہ پڑھنے کا گناہ ہوگا۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۱۱/۸۰، امداد الفتاوی ۱/۶۲۲)

عن ابن جریجؒ قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنؤدى للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت ۳/۱۶۸، رقم:۵۱۷۹)

وتقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة الخ. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، زکریا ۳/۶، کراچي ۲/۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۱۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۱۵ھ

بڑے گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے

سوال [۳۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے گاؤں میں تقریباً ڈھائی تین ہزار کی آبادی ہے اور کرانے وغیرہ کی دوکانیں ہیں، سرکاری اسکول اور مکتب بھی ہے، مگر کپڑے کی دوکان، لوہے کی دوکان نہیں ہے، عرف میں اس کو دیہات ہی کہتے ہیں، شہر اور قصبہ نہیں کہتے اور تقریباً چالیس پچاس برس سے میرے یہاں جمعہ کی نماز ہو رہی ہے، اب منع کرنے پر فتنہ کا شدید اندیشہ ہے، تو اس صورت میں ان کو منع کیا جائے یا چھوڑ دیا جائے؟

خلاصہ یہ کہ میرے گاؤں میں صرف آبادی ہے، بازار وغیرہ کچھ نہیں، تو کیا میرے گاؤں میں جمعہ وعیدین جائز ہے اور ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط ہو جائے گی؟ اور اگر ساقط نہ ہوگی تو کیا جو جمعہ گاؤں میں پڑھے گئے ہیں، ان کی جگہ ظہر کی قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عبد اللہ خان قاسمی، ریاض العلوم، گورینی، جون پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ڈھائی تین ہزار کی آبادی کو قصبہ کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہاں با قاعدہ بازار نہ ہو؛ لہٰذا آپ کے گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز ہے اور ظہر ساقط ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵/۵۸)

عن ابن جریجؒ قال: قلت لعطاء: ما القریة الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمیر، والقصاص، والدور المجتمعة غیر المفترقة الآخذ

بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنؤدى للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت ۱٦۸/۳، رقم: ۵۱۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۱٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۴۱۵/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/۱۴۱٦ھ

قصبہ سے دو میل دور آبادی میں جمعہ جائز نہیں

سوال [۳۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس بڑی آبادی میں عندالاحناف جمعہ وعیدین پڑھنا درست ہے، اس کی حدود میں کتنی دور تک جمعہ وعیدین کی ادائے گی جائز ہوگی اور حدود سے مراد ''فناء'' ہے یا اس آبادی کا زمینی رقبہ کہ جہاں تک وہ پھیلا ہوا ہو وہاں تک کہیں بھی جمعہ پڑھ سکتے ہیں، استفتاء ہذا کے ساتھ منسلک دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ امینیہ دہلی کے فتاوی میں بڈیڈ کی حدود میں دو میل تک جہاں کہ ایک پہاڑ بھی حائل ہے جمعہ پڑھنے کی اجازت تحریر فرمائی گئی ہے، فناء میں جو چیزیں شامل ہیں وہ بڈیڈ کے آس پاس قریبی حصہ میں ہیں نہ کہ دو میل دور تک، بڈیڈ کے مضافات میں جو چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہیں وہ بڈیڈ میں سے ہی بسی ہیں اور بعض مستقل طور پر ہیں اور بڈیڈ کا زمینی رقبہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے، اگر قصبہ کی حدود مراد لی جائیں گی تو ہر آبادی والے اپنے نزدیک جمعہ وعیدین پڑھنا شروع کر دیں گے، جیسا کہ منسلک فتاوی میں گنجائش کی بنیاد پر ایک مدرسہ والوں نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے، خلاصۂ سوال یہ ہے کہ حدود سے زمینی رقبہ مراد ہے یا فناء؟

المستفتی: عبدالرحیم بڈیڈوی، گھڑ گاؤں (ہریانہ)

دارالعلوم دیوبند کا جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی ہے موضع بڈیڈ جس میں کافی عرصہ سے نماز جمعہ وعیدین ہوتی چلی آرہی ہے، اسی گاؤں کی کاشت کی زمین ہے جو تقریباً گاؤں سے دومیل کے فاصلہ پر ہے اوراسی زمین میں ایک پہاڑ بھی درمیان میں حائل ہے، پہاڑ کی دوسری جانب بڈیڈ کے بیس پچیس گھر آباد ہیں، ان گھروں کے قریب بڈیڈ ہی کی زمین میں ایک دینی مدرسہ بھی قائم ہے، مدرسہ کے قریب چھوٹے چھوٹے کئی گاؤں پڑتے ہیں، اکثر یہ لوگ جمعہ کی نماز سے محروم رہتے ہیں، ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بڈیڈ اگر قصبہ یا بڑی آبادی ہے اوراسی وجہ سے وہاں جمعہ ہوتا آرہا ہے، یعنی وہاں شرائط جمعہ پائے جاتے ہیں، تو بڈیڈ کے دوسرے حصہ میں جو آبادی ہے، وہاں بھی جمعہ پڑھنا اورعیدین کی نماز جائز ہے۔

وتقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق. (رد المختار، کتاب الصلوة، باب الجمعة کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/٦)

وتؤدیٰ في مصر واحدٍ بمواضع کثیرة. (درمختار، کراچي ۲/۱٤٤، زکریا ۳/۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد ظفیر الدین عفا اللہ عنہ
۵/ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: ۱۲۳۴/۵۶۹۹)

الجواب صحیح:
کفیل الرحمٰن نشاط غفرلہ
۵/ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ

مدرسہ امینیہ دہلی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بیس پچیس گھر جو آباد ہیں اگرایک ہی بستی کے ہیں، اس کو اور ان کو ایک ہی بستی شمار کیا جاتا ہے، تو ان گھروں میں یا ان کے پاس جو مدرسہ ہے، اس میں جمعہ کی

نماز پڑھ سکتے ہیں؛ اس لئے کہ جمعہ کی نماز میں تعدد جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

دارالافتاء مدرسہ شاہی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس قصبہ اور بڑی آبادی میں شرعاً نماز جمعہ جائز ہوتی ہے، اس کے فناء میں تو نماز جمعہ جائز ہے، مثلاً قبرستان، کھیل کا میدان وغیرہ، مگر اس قصبہ کی ملکیت کی زمین جو ایک ایک دو دو میل کے فاصلہ پر ہے اور قصبہ والوں نے اپنی جائیداد کی بناء پر وہاں رہائشی مکانات بھی بنالئے ہیں، ایسے فاصلہ اور اتنی دوری کی آبادی کو قصبہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے؛ اس لئے ان آبادیوں میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ جواز جمعہ کے لئے اتصال آبادی شرط ہے۔ اور سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ اتصال نہیں ہے؛ بلکہ کافی فاصلہ ہے؛ اس لئے بڈیڈ کے مضافات کی مذکورہ آبادیوں میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے؛ کیونکہ زمینی رقبہ کا اعتبار نہیں؛ بلکہ فناء ہی کا اعتبار ہے اور دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ امینیہ کا جواب ہم کو سمجھ میں نہیں آیا۔ جزئیہ ملاحظہ فرمائیں:

من كان مقيمًا في أطراف المصر ليس بينه وبين المصر فرجة؛ بل الأبنية متصلة إليه، فعليه الجمعة، وإن كان بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي فلا جمعة عليه، وإن كان يسمع النداء. (شرح كبيري، فصل في صلوة الجمعة، اشرفية ديوبند ٥٥٢، وهكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، زكريا ٢/٢٤٧، كوئٹه ٢/١٤١، قاضيخان على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعه، زكريا ١/١٧٤، جديد زكريا ١/١٠٩، الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس و العشرون في شرائط الجمعة، زكريا٢/٥٥٣، رقم: ٣٢٧٦، هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة، زكريا قديم١/١٤٥، جديد ١/٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۶۹۹/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۱ھ

ملے ہوئے دو گاؤں کو ایک شمار کر کے جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں دو گاؤں بالکل ملے ہوئے ہیں، ایک گاؤں کے اندر جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور دوسرے گاؤں میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے؛ لیکن عیدین کی نماز ہوتی ہے، جو دونوں گاؤں ملے ہوئے ہیں ان کی آبادی تقریباً پانچ ہزار ہے، ان دونوں گاؤں کو ملا ہوا تصور کر کے وہاں پر جمعہ کی نماز قائم کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: گلشاد احمد فیض آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اتحادِ آبادی کا اعتبار یوں ہوتا ہے کہ باہر سے آنے والا دونوں گاؤں کو ایک ہی تصور کرے، چاہے گاؤں والے الگ الگ شمار کرتے ہوں؛ چونکہ مذکورہ دونوں گاؤں کی کیفیت آبادی اسی طرح کی ہے اور دونوں گاؤں کی مجموعی آبادی؛ چونکہ پانچ ہزار ہے؛ لہٰذا یہ قصبہ کے حکم میں ہوگا اور اس میں بلا تردد جمعہ جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۳۰۴، ۲/۳۱۴، جدید ڈابھیل ۸/۹۱، ۱۰۶، امداد الفتاوی ۱/۶۲۴، بہشتی زیور ۱۱/۸۰، ایضاح المسائل ص: ۶۵)

أنه بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۷، زكريا ۳/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۳۰۹/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۱۱ھ

دو متصل آبادیوں میں جمعہ قائم کرنا

سوال[۳۵۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو آبادی ہیں جو بالکل متصل ہیں، اس طرح کہ ناظر یہ نہیں سمجھتا کہ یہ دو آبادی ہیں؛ حالاں کہ سرکاری اعتبار سے دونوں کا الگ الگ نام ہے اور دونوں کے پردھان الگ الگ ہیں، دونوں کی ووٹر لسٹ الگ الگ ہے، تو کیا ہم دونوں میں اتحاد پیدا کر کے جمعہ کو قائم کر سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد طارق، مدرس مدرسہ ہدایت العلوم، مدار پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دونوں آبادیاں اس قدر متصل ہیں کہ باہر سے آنے والے اجنبی لوگ دونوں کے درمیان امتیاز نہ کر سکیں، تو وہ شرعی طور پر ایک ہی آبادی شمار ہوگی، اگرچہ سرکاری کاغذات وپردھان وغیرہ الگ الگ کیوں نہ ہوں اور دونوں آبادی کی مردم شماری جس میں ہندو مسلم، بچے، بوڑھے سب شامل ہیں تین ہزار سے تجاوز کر جاتی ہے، تو وہ بڑے گاؤں اور قصبہ کے حکم میں ہے اور ایسے قصبہ میں جمعہ پڑھنا واجب ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/۴۱۱)

والقریتان المتدانیتان المتصل بناء إحداهما بالأخریٰ، أو التي یرتفق أهل إحداهما بالأخریٰ فهما كالقریة الواحدة. (الموسوعة ۲۷/۲۷۹)

وتقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الكبیرة التي فیها أسواق، وفیما ذكرنا إشارة إلی أنه لاتجوز في الصغیرة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۸، زكریا ۳/۶-۷، امداد الفتاوی ۱/۶۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۷۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۷/۱۴۲۳ھ

تین چار بستیوں کا ایک جگہ مل کر جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے وطن میں مختلف بستیاں ہیں اور ہر بستی کی آبادی مختلف ہے، کسی بستی میں پانچ سو مسلم وغیر مسلم مرد وعورتیں ہیں اور کسی بستی میں ایک ہزار مسلم وغیر مسلم مرد وعورتیں ہیں؛ لیکن ضروریات کے سامان دستیاب ہونے کے اعتبار سے مذکورہ بستیوں میں سے کوئی بھی بستی ایسی نہیں ہے کہ ضرورت کے سارے سامان دستیاب ہوسکیں، یعنی شہر یا قصبہ کی کوئی شکل نہیں ہے، کیا ایسی بستیوں میں جمعہ یا جمعہ کے لئے مسجد قائم کر سکتے ہیں؟

دو تین یا چار پانچ بستی والے مل کر کسی ایک بستی کی مسجد کو جامع مسجد بنا کر نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مکمل ومدلل جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: عبداللہ حساس، جینتی پور روڈ، سرسید نگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس بستی میں ۵۰۰ یا ۶۰۰ رسو مسلم غیر مسلم مرد وعورت، بچے، بوڑھے انسان رہتے ہوں، اس میں شرعی طور پر جمعہ جائز نہیں ہے، جمعہ کے جائز ہونے کے لئے کم از کم یہ لازم ہے کہ ڈھائی تین ہزار انسانوں کی آبادی ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے، نیز تین چار بستیاں مل کر ایک ساتھ ایک جگہ جمعہ قائم کریں تو یہ بھی جائز نہیں ہے؛ جبکہ ان بستیوں کے درمیان کھیت یا باغات وغیرہ کا فاصلہ ہو۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/۶۲)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق، وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لاتجوز في الصغیرة التی لیس فیها قاض، ومنبر، وخطیب. کما في المضمرات. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/۶)

لاتجوز في القریٰ. (الجوهرة النیرة، کتاب الصلاة، باب الجمعة، امدادیه ملتان ۱/۱۰۶، دارالکتاب دیوبند ۱/۱۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۸۵/۳۸)

متصل چار گاؤں میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ایسا قریہ ہے جس کا اصل نام مؤمن پور ہے، جس کے تحت چار قریہ ہیں۔ ۱. رسول پور ۲. مؤمن پور ۳. ہیرا پور ۴. پریتم پور، ان چاروں گاؤں کا پردھان ایک ہے، آرائش وضرورت کی ہر چیز ہر وقت ملتی ہے، ان چاروں گاؤں میں سے بعض میں صرف عیدین کی نماز ہوتی ہے جمعہ نہیں ہوتا، ان چاروں کی آبادی اگر ملائی جائے تو تین ہزار سے کہیں زائد ہوگی، ان چاروں گاؤں کے بالکل بیچ سے ایک ہمہ وقت چلتا ہوا پختہ روڈ ہے، اس میں ایک ڈاکخانہ ہے، جو چاروں گاؤں کا ہے، اس میں ایک بازار چوراہہ ہے، سات آٹھ شفا خانہ ہیں، میڈیکل، جنرل اسٹور، ہوٹل، پنکھا، نل، کپڑا، جوتا، چپل، سلائی مشین، سیمنٹ، کھاد، سریا، پلائی کی مشین، آرا مشین، رائس مل وغیرہ میں سے ہر ایک کی چھ چھ، سات سات دوکانیں موجود ہیں، تو آیا اس گاؤں میں نماز جمعہ اور عیدین جائز ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟ ان چاروں گاؤں کا حکم الگ الگ لگے گا یا ڈاکخانہ اور پردھان کی وجہ سے ایک ہی کا حکم لگے گا؟

المستفتی: محمد اسعد، مینڈ پورہ، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چاروں گاؤں کے درمیان باقاعدہ کھیتوں کا فاصلہ ہے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہیں، تو سب الگ الگ آبادی ہیں، سب کا حکم بھی الگ الگ ہوگا، سب کا پردھان ڈاکخانہ ایک ہونے کی وجہ سے ایک آبادی کا حکم نہ ہوگا؛ بلکہ آبادی ایک ہونے کے لئے اتصال آبادی شرط ہے؛ لہٰذا اگر دو گاؤں متصل ہو گئے ہیں اور

ان کی آبادی تین ہزار یا اس سے زائد ہے، تو ان میں جمعہ جائز ہوگا ورنہ نہیں اور اگر متصل نہیں ہے، تو جس کی آبادی تین ہزار یا اس سے زائد ہے اس میں جمعہ جائز ہوگا اور جس میں کم ہے اس میں جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۱۵)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق، وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه لاتجوز في الصغیرة التی لیس فیها قاض، ومنبر، وخطیب. کما في المضمرات. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۱۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۱۸ھ

متصل دو آبادی میں جمعہ کی نماز کا حکم

سوال [۳۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جمعہ کے جواز کے متعلق بستی میں کشمکش کا ماحول ہے، کچھ لوگ دوبارہ فتوی حاصل کر کے اختلاف کے خاتمہ کے متمنی ہیں، نئی تحقیق کے مطابق بستی کے حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

موضع شاہ پور کے کل چار موضع ہیں، دو میں کاشتکاری ہوتی ہے، دو میں آبادی ہے ۱۹۴۷ء سے پہلے یہاں پر ایک ہی مسجد تھی اور قبرستان تو اب بھی دونوں موضعوں کا مشترکہ ہی ہے، پردھان بھی ایک ہی ہوا کرتا ہے، برساتی ندی سے گھر بہتے گئے اور دوبارہ بستے گئے، اس طرح پرانی مسجد سے بھی گھر دور ہوتے چلے گئے اور آبادی بھی بڑھتی گئی، گلی کوچوں سے مقامی لوگ ہی جانتے ہیں کہ موضع شاہ پور اور حسین ملک پور کی حدود کہاں کہاں ہیں، فاصلہ نہ ہونے کی وجہ سے باہر کے آدمی کو اب بھی بغیر بتلائے معلوم نہیں ہوسکتا، مشہور بھی یہ بستی شاہ پور کے نام

سے ہے، موضع حسین ملک پور سے بہت کم لوگ واقف ہیں، ہر ایک کی آبادی اس طرح ہے کہ موضع شاہ پور کی آبادی تین ہزار سے زیادہ ہے، پرچون کی چھ دوکانیں ہیں، دو سرکاری اسکول ہیں، ایک کرانے کی دوکان، تین باہر کے ڈاکٹر ہیں، سرکاری کوٹہ بھی ہے، جہاں سے چینی اور مٹی کا تیل ملتا ہے، کپڑے کی مستقل دوکان تو نہیں ہے؛ لیکن معمولی ضرورت تو باہر سے بیچنے آنے والوں کے ذریعہ سے پوری ہوجاتی ہے، بیاہ شادی اور میت کے لئے کپڑا قصبہ بہٹ سے لانا پڑتا ہے، اہم ضروریات دونوں بستیوں کی قصبہ بہٹ ہی سے پوری ہوتی ہیں جو تقریباً تین کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، موضع حسین ملک پور کی آبادی تقریباً تین ہزار ہے، پانچ، چھ پرچون کی دوکانیں، ایک مقامی، ایک بیرونی ڈاکٹر کی دوکان ہے، عام راستے کشادہ ہیں، ایک مدرسہ اور مدرسہ کی ایک مسجد اور ایک مسجد علیحدہ ہے؛ جبکہ موضع شاہ پور میں ایک ہی مسجد ہے، ان حالات میں کس بستی میں نماز جمعہ واجب ہے یا دونوں میں جائز ہے؟ اور نماز عید بھی دونوں بستی کے لوگ ایک ہی جگہ پڑھیں یا علیحدہ علیحدہ انتظام کریں؟ عیدگاہ گرام پنچایت کی جگہ میں پردھان اور ممبروں کی مرضی سے بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس، احمد گڈھ (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں بستیاں اس طرح مل چکی ہیں کہ دیکھنے والے دونوں کو ایک ہی سمجھیں گے تو ایسی صورت میں دونوں کی آبادی اقامت جمعہ کے لئے ایک ہی شمار ہوگی؛ لہٰذا ایسی شکل میں آبادی پانچ ہزار سے بھی تجاوز کرجاتی ہے؛ اس لئے وہاں پر نماز جمعہ وعیدین بلاشبہ جائز ہوجائیں گی۔

نیز دونوں کے لئے ایک عید اور ایک ہی جامع مسجد ہو تو زیادہ بہتر ہوگا اور متعدد مساجد میں بھی جمعہ قائم کرنا جائز ہے اور عیدگاہ ایک ہی رہے تو بہتر ہے اور تعدد عیدگاہ اور تعدد جمعہ کے لئے پردھان کے تعدد کا اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ اقامت جمعہ وعیدین کے لئے صرف آبادی کی کثرت

اورقصبہ کی حیثیت ہونا کافی ہے۔

تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق الخ

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/ ٦، كراچي ۲/ ۱۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

مختلف گاؤں کو ایک مان کران میں جمعہ ہوسکتا ہے؟

سوال [۴۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کے گاؤں کی مجموعی آبادی مردم شماری کے اعتبار سے ۴۶۰۰ رہے اور ووٹر لسٹ کے اعتبار سے دو ہزار پانچ سو سے زائد ہے، ان میں سے کچھ لوگوں نے ممبئی اور دوسرے مقامات پر گھر بنالئے ہیں، جن کی تعداد چھ سات سو سے زائد نہیں ہے، گاؤں کے اندر ان حضرات کا کبھی اہل وعیال کے ساتھ اور کبھی بغیر اہل وعیال کے آنا جانا ہوتا رہتا ہے، کچھ لوگ اپنے بچوں کی شادیاں وغیرہ بھی گاؤں ہی میں آکر کرتے ہیں، تو کیا مذکورہ گاؤں میں جمعہ کا قیام درست ہے؟ مدلل واضح فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

نوٹ: ضروریات کی چیزوں میں گوشت، مچھلی، کپڑا، چپل وغیرہ نہیں ملتا ہے، بقیہ چیزیں گاؤں کی دو کانوں میں دستیاب ہیں، گاؤں میں ڈاکخانہ ہے؛ لیکن پولس چوکی نہیں ہے اور گاؤں کا محل وقوع کچھ اس طرح ہے کہ وہ مختلف چھوٹے چھوٹے گاؤں پر مشتمل ایک بڑا گاؤں ہے اور ان گاؤں کے اندر ہر ایک کو الگ الگ نام سے پکارا جاتا ہے؛ لیکن گاؤں سے باہر اور سرکاری کاغذات میں وہ سب بڑے گاؤں کے نام سے موسوم ہوتے ہیں اور ہر ایک چھوٹا گاؤں بڑے گاؤں سے کچھ کھیتوں کے فاصلہ پر ہے، ہر ایک کے مابین کم وبیش سو، دوسو میٹر کا فاصلہ ہوگا۔ گاؤں میں دو مسجدیں ہیں، ان میں سے ایک مسجد میں ۲۰ رسال سے زائد

عرصہ سے جمعہ کی نماز ادا کی جارہی ہے، اس وقت گاؤں کی آبادی بمشکل تمام ڈیڑھ ہزار رہی ہوگی اور گاؤں کے اکثر لوگ جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں اور کچھ لوگ دوسری مسجد میں جمعہ کے دن ظہر کی نماز ادا کرتے ہیں۔ نیز ان تمام گاؤں کا پردھان بھی ایک ہی ہے۔

المستفتی: سہیل احمد، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں طرز تحریر اور موقع وقوع کا جو تذکرہ کیا گیا ہے، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک گاؤں نہیں ہے؛ بلکہ الگ الگ مختلف گاؤں ہیں، جن کی مجموعی آبادی اور مردم شماری ایک ساتھ بیان کی گئی ہے، جواز جمعہ کے لئے بغیر فصل کے متصل آبادی کا اعتبار ہے اور سوال نامہ میں ذکر کردہ الگ الگ کسی بھی گاؤں کی آبادی ڈھائی تین ہزار نہیں ہورہی ہے؛ لہٰذا شرعی طور پر ہر ایک گاؤں کو الگ الگ شمار کیا جائے گا؛ اسی لئے کھیتوں کے فاصلہ کے ساتھ مختلف آبادیوں کو ایک شمار کرکے ان گاؤوں میں جمعہ جائز نہ ہوگا؛ بلکہ جب بھی ان میں سے جس گاؤں کی تنہا آبادی ڈھائی تین ہزار کو پہنچ جائے، اس میں جمعہ جائز ہوسکتا ہے، ورنہ ان میں سے کسی بھی گاؤں میں جمعہ درست نہ ہوگا۔

حضرت تھانویؒ نے اس مسئلہ میں بحث کرتے ہوئے عدم جواز کا حکم لکھا ہے؛ اس لئے ہم بھی اس میں عدم جواز ہی کی بات سمجھتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۱۵)

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض، ومنبر و خطيب. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۱۳۸/۲، زكريا ۷/۳)

ومن كان مقيماً بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع بنجاریٰ لاجمعة على أهل ذلک الموضع. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة، زكرياقديم ۱/۱٤٥، جديد ۱/۲۰۵)

ولوكان بين ذلک الموضع و بين عمران المصر فرجة من المزارع والمراعي لاجمعة على أهل ذلک الموضع، وإن كان النداء يبلغهم.

(تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، زكريا ۲/۵۵۳، رقم: ۳۲۷۶)

وروي عن أبي حنيفةؒ: وهو بلدة كبيرة فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره ويرجع الناس إليه فيما وقع لهم من الحوادث، وهذا هو الأصح. (تاتار خانية، ۲/ ۵٤۹، رقم: ۳۲٦٦، شامي، زكريا ۳/ ۵، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲٤۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۶ھ

شہر سے متصل ہونے والی آبادی میں نماز جمعہ وعیدین

سوال [۳۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندۂ ناچیز کو ایک مسئلہ میں بہت تردد ہے، ویسے چند کتابوں مثلاً امداد الفتاوی، امداد الاحکام، فتاوی رحیمیہ، فتاوی محمودیہ، احسن الفتاوی، فتاوی دار العلوم، شامی، البحر وغیرہ میں دیکھا مسئلہ سمجھ میں نہ آیا، وہ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے شہر کامٹی اور شہر ناگپور کے درمیان ۱۵؍کلومیٹر کا فصل ہے اور دونوں میں شرائط جمعہ وعیدین کے پائے جانے کی وجہ سے جمعہ وعیدین ہوتی ہیں؛ لیکن ان دونوں شہروں کے درمیان اور شہر کامٹی سے بالکل متصل صرف ایک نالا حائل ہے ایک آبادی ہے جس کا نام بھی الگ ہے اور اس کا انتظام بھی الگ ہے، شہر کامٹی میونسپلٹی کے تحت ہے اور وہ متصل آبادی نگر پالیکا کے تحت ہے، وہ دیکھنے میں اتنی متصل ہے کہ اگر نیا آدمی دیکھے اور پہلے سے اس آبادی کے متعلق معلوم نہ ہوتو وہ شہر کامٹی ہی سمجھے گا، اس کی آبادی مسلم وغیر مسلم کل ملا کر ۷۰۰۰؍سات ہزار ہے، ضرورت زندگی کی اکثر چیزیں مہیا ہیں، صرف ڈاکخانہ، ریلوے اسٹیشن نہیں ہے اور بازار

نہیں ہے، اس آبادی میں اہل ایمان نے ایک اچھی مسجد بنائی ہے، تو اس آبادی میں نماز جمعہ درست ہے یا نہیں؟

نوٹ: یہ آبادی فناء کامٹی نہیں ہے۔ برائے مہربانی آپ اس کا جواب جلد دے دیں تو بہت اچھا ہوگا۔

المستفتی: مفتی عتیق الرحمٰن، استاذ دارالعلوم کامٹی، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شہر کامٹی سے متصل جو آبادی ہے، وہ شرعی طور پر شہر کامٹی ہی کا حصہ قرار پائے گی، اس پر شہر کا حکم لاگو ہوگا، اگرچہ قانون حکومت کے اعتبار سے اس کا نام اور ذمہ دار الگ الگ کیوں نہ ہوں؛ اس لئے اس میں جمعہ قائم کرنا فرض ہوگا۔

نیز خود اس کی آبادی اتنی کثیر مقدار کو پہونچ چکی ہے کہ اگر یہ بالکل الگ ہوتی تب بھی اس پر شہر اور قریۂ کبیرہ کا حکم لگایا جاتا، ایسی بڑی آبادی میں یوں ہی جمعہ لازم ہوجاتا ہے؛ اس لئے اس آبادی میں جامع مسجد بنا کر جمعہ قائم کرنا بلا شبہ جائز اور درست ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۶۷۳/۱)

أو كان إحدهما تبعاً للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكماً الخ (در مختار، كتاب الصلاة، باب صلوة المسافر، كراچي ١٢٦/٢، زكريا ديوبند ٦٠٧/٢)

يجب على أهل المواضع القريبة إلى البلد التي هي توابع العمران الخ (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ديوبند ٢٤٨/٢، كوئٹه ١٤١/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۳۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۶ھ

درمیان میں دو تین کلومیٹر کے فاصلے والی دو بستیوں کو ایک شمار کر کے جمعہ قائم کرنا

سوال[۳۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں بعض بستیوں کا بساؤ ایک ایک، دو دو، تین تین کلومیٹر فاصلہ پر ہیں، جس میں بعض بستیوں کی مردم شماری چارسو، بعض کی پانچ سو، بعض کی اس سے کم وزیادہ ہے، تقریباً سبھی بستیوں میں مساجد ومکاتب ہیں جو آباد ہیں۔

نیز گورنمنٹ ان میں سے تین تین، چار چار کو ملا کر ایک گاؤں اور پنچایت قرار دے کر ان میں سرپنچ، وارڈ ممبر کے ووٹ کرواتی ہے، اس طرح تین چار بستیوں کو ملانے سے بعض کی مردم شماری تین چار ہزار کو پہنچ جاتی ہے اور ان میں کچھ ضروریات انسانی (کرانہ وغیرہ) بھی دستیاب ہوتی ہیں، اس علاقہ کے عرف میں چھوٹی ایک بستی کو ڈھانی اور گورنمنٹ کی ملا کر گاؤں پنچایت قرار دی ہوئی بستی کو ایک گاؤں سمجھا اور کہا جاتا ہے؛ لہٰذا گورنمنٹ اور عرف کی اتباع میں اس طرح کی بستیوں کو ملا کر ایک بڑا گاؤں مان کر ان میں جمعہ کا جواز قرار دینا شرعاً کیسا ہے؟

نوٹ: فصل اور وصل کتنا معتبر ہے، یعنی کتنی دور کی آبادی کو ایک قرار دیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: مختار احمد قاسمی، خادم مدرسہ خادم الاسلام بھاکری (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن گاؤں کے درمیان دو دو، تین تین کلومیٹر کا فاصلہ ہے اور درمیان میں کھیتی وغیرہ ہے ان کو بالکل الگ الگ دیہات شمار کیا جاتا ہے؛ لہٰذا ایسے مختلف گاؤں کو ملا کر ایک آبادی شمار کر کے جمعہ کا قیام درست نہیں ہے۔

ألا ترى أنهم لو صلوا في القرى لزمهم أداء الظهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۳۸، زكريا ۳/ ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

شہر سے ڈیڑھ کلومیٹر دوری پر واقع مدرسہ کی مسجد میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا مدرسہ جس میں تقریباً دوسو پچاس طلبہ مقامی وبیرونی زیر تعلیم ہیں، جنگل میں گاؤں سے (جس کی آبادی کم وبیش ۲۴۰۰۰) سے ڈیڑھ کلومیٹر کی دوری پر لب سڑک واقع ہے اور قدرے فاصلہ پر ایک دوسرا مدرسہ اسکول اور گنوں کا میل بھی ہے، بعض مرتبہ ان جگہوں بھی نماز جمعہ پڑھنے کے لئے لوگ تشریف لاتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے اس مدرسہ کی مسجد میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد لقمان قاسمی، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوبیس ہزار کی آبادی والے گاؤں سے ڈیڑھ کلومیٹر دوری پر لب سڑک جنگل میں مدرسہ ہے، مدرسہ اور آبادی کے درمیان اس ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ میں جنگلات اور کھیت وغیرہ ہیں اور مدرسہ کے آس پاس کوئی آبادی نہیں ہے، تو ایسے مدرسہ کی مسجد میں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ جمعہ کی شرائط میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ جمعہ شہر یا قصبہ یا بڑے گاؤں میں ہو، یہاں چھوٹا گاؤں بھی نہیں ہے۔

ویشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول المصر......أو فناؤه الخ (وتحته في الشاميه:) في ما ذكرنا إشارة إلى أنه لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض......ألا ترىٰ أن في الجواهر: لو صلّوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ١٣٧/٢، زكريا٣/ ٤–٧)

لاتصح الجمعة إلا في مصر جامع، أو في مصلى المصر، ولاتجوز في القرىٰ. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة اشرفی دیوبند١/ ١٦٨)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي،

كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٣٨، زكريا ٣/٦)

عن علي رضي الله عنه أنه قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة من قال: لاجمعة، ولاتشريق، إلا في مصر جامع، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٤/٤٦، رقم:٥٠٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۰۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۱۴ھ

جنگل میں واقع مدرسہ میں جمعہ کا قیام

سوال [۳۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا مدرسہ شہر سے سات کلومیٹر دوری پر جنگل میں واقع ہے، مدرسہ ہذا میں ایک سو ساٹھ طلبہ زیر تعلیم ہیں، گیارہ اساتذہ اور پانچ ملازمین ہیں، مدرسہ سے جنوب کی سمت پانچ کلو میٹر دوری پر ایک گاؤں واقع ہے، جس میں تقریباً پچاس مسلم گھر ہیں اور وہاں نماز جمعہ بھی ہوتی ہے اور مدرسہ سے مغرب کی سمت تین کلومیٹر پر ایک دیہات واقع ہے، وہاں بھی دس مسلم گھر ہیں، ویسے ہم یہاں نماز جمعہ ادا کررہے تھے؛ لیکن ایک عالم دین کے کہنے کی وجہ سے بند کردیا ہے، اگر نماز جمعہ نہیں پڑھ سکتے تو جو چند جمعہ کی نمازیں اس سے پہلے پڑھی گئی ہیں ان کا کیا مسئلہ ہے؟ اور اگر پڑھ سکتے ہیں، تو جو ہم ظہر ادا کررہے ہیں اس کا کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: منجانب مدرسہ بیت العلوم سندگی، بیجاپور (کرناٹک)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ شہر، قصبہ، بڑے گاؤں میں جائز ہے، اس کے علاوہ دیہات، چھوٹے گاؤں یا جنگل میں جائز نہیں اور آپ کا یہ مدرسہ چونکہ آبادی سے دور جنگل میں واقع ہے؛ اس لئے اس مدرسہ میں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ ظہر پڑھنا لازم ہے، وہاں رہتے ہوئے جمعہ پڑھنے سے فریضۂ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا؛ اس لئے چند مرتبہ جو جمعہ

پڑھ لیا گیا ہے، اس کی جگہ ظہر کی قضاء نماز پڑھ لیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۱۹۳، جدید زکریا ۳/۲۳۹، جدید زکریا مطول ۵/۱۲۰، دارالعلوم ۵/۵۸)

لا جمعة بعرفات في قولهم جميعاً؛ لأنها قضاء. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة اشرفي ديوبند ١٦٨/١)

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة...... لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ١٣٨/٢، زكريا ٣/٦-٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۸/۱۷ھ

فرم میں جہاں اذن عام نہ ہو نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دہلی روڈ پر ایک فرم میں تین وقت ظہر، عصر اور مغرب کی نماز ہوتی ہے، فرم میں نماز پڑھنے کی جگہ متعین ہے، اس میں صرف فرم کے لوگ ہی نماز پڑھتے ہیں، فرم کے ملازمین یا ذمہ داران کے علاوہ باہر کے لوگوں کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی تو کیا اس جگہ میں نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: منشی جی، وینش انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر فرم کے اندر نماز کی جگہ بنائی گئی ہے اور اس فیکٹری میں وہاں کے عملہ کے علاوہ ہر طرح کے مسلمانوں کی آمد و رفت پر پابندی ہے اور صرف عملہ ہی کے نماز پڑھنے کا انتظام ہے، تو ایسی جگہ اذن عام نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، جمعہ ایسی جگہ جائز ہوتا ہے جہاں پر ایمان والے کو بلا کسی روک ٹوک کے آنے

جانے کی اجازت ہوتی ہے، چاہے اس جگہ سے متعلق ہوں یا کہیں اور سے آرہے ہوں، آدمی دیندار ہوں یا نہ ہوں صرف مسلمان ہونا کافی ہے۔

والإذن العام: أي شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار؛ حتى لو أن أميراً أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله، وعسكره صلاة الجمعة لاتجوز.
(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، زكريا ٢/٢٦٣، ٢٦٤، كوئٹه٢/ ١٥١)

ومنها الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع، فيؤذن للناس كافة حتى أن جماعة لو اجتمعوا في الجامع وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم وجمعوا لم يجز. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة، زكرياقديم ١/١٤٨، جديد ١/ ٢٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰رمحرم الحرام۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱/۱۴۳۱ھ

فناء شہر میں قیام جمعہ درست ہے

سوال [۳۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رامپور دوراہہ کبیر نگر کالونی میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے، اس مسجد میں نماز جمعہ لوگ کرنا چاہتے ہیں، لوگوں کی نماز جمعہ کے لئے اکثریت بھی کم ہے، نماز جمعہ کے لئے مسئلہ میرے خیال سے ایک یہ بھی ہے کہ چالیس جوان آدمیوں کا ہونا بھی شرط ہے، کبھی اس مسجد میں چالیس آدمی ہوجاتے ہیں، کبھی کم ہوجاتے ہے، کبیر نگر کالونی سے قریب ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر جامعہ امدادیہ کی جامع مسجد ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں وہاں جاتے ہوئے پریشانی ہوتی ہے، بارش کے موسم میں بارش بھی ہے، گرمی کے موسم میں گرمی بھی ہے، تو کیا ایسی صورت میں نماز جمعہ جائز ہے؟ اور اس مسجد میں اب تک دو جمعہ ہوچکے ہیں۔

المستفتی: جناب قاری لیاقت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ یہ مسجد آبادی ٹاؤن ایریا کے دائرہ میں داخل ہے؛ اس لئے یہاں نماز جمعہ شرعاً درست ہوجائے گی، چالیس آدمی ہونا شرط نہیں ہے۔

السادس: الجماعة وأقلها ثلاثة رجالٍ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب في قول الخطيب، كراچي ۲/۱۵۱، زكريا ۳/۲٤)

نیز نماز جمعہ شہر اور فناء شہر میں جائز ہے۔

ويشترط لصحتها المصر، أو فناؤه. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۸، زكريا ۳/۵-۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

فناء شہر میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقام ہٹوارہ جے پور شہر سے ۱۳؍کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور یہاں بھینسوں کا کاروبار ہوتا ہے اور یہاں مسلمانوں کے تقریباً پچاس ڈیرے ہیں اور کچھ ڈیرے غیر مسلموں کے بھی ہیں، یہ علاقہ جے پور نگر نگم کی ماتحتی میں آگیا ہے اور یہاں کی ضروریات بھی شہر ہی سے پوری ہوتی ہیں اور یہاں سے دو کلومیٹر کے فاصلہ پر شہر کی جانب پوسٹ آفس اور بینک بھی ہے، اس سے کچھ فاصلہ پر جامعۃ الہدایۃ ہے، تو کیا ایسی صورت میں ہٹوارہ میں نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسلام، ہٹوارہ، جے پور (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر موضع ہٹوارہ میں ڈیرا اور آبادی ملا کر ڈھائی تین ہزار افراد پر مشتمل نہیں ہے اور جے پور شہر کی آبادی یا شہر کے میدان قبرستان اور فناء شہر کا سلسلہ ہٹوارہ تک نہیں پہونچا ہے؛ بلکہ درمیان میں بڑے بڑے کھیتوں کا فاصلہ ہے، تو وہاں جمعہ کی نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر کھیتوں کا فاصلہ نہیں ہے؛ بلکہ شہر کے ملوں اور فیکٹریوں کا سلسلہ وہاں تک پہونچ گیا ہے، تو جمعہ جائز ہوگا۔

وإذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه، فليحفظ، أو فناؤه وهو ما حوله اتصل به الخ (درمختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۷/۳، كراچي ۱۳۸/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۵۰۸/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

جیل میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم یہاں جیل میں دوسو نمازی ہیں، پنج وقتہ نمازیں ایک برآمدہ میں پڑھتے ہیں، نماز جمعہ بھی پڑھنا چاہتے ہیں؛ اس لئے کہ جیل سے باہر نہیں جاسکتے، تو قیدیوں میں سے کسی قیدی کو جو پڑھا لکھا مشرع ہو اسے یا مشرع نہ ہو تو کسی کو امام بنا کر نماز جمعہ اور دیگر نمازیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: سخاوت حسین، جیل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جمعہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ وہاں پر کسی کی روک ٹوک نہ ہو؛ بلکہ ہر ایک کو وہاں پہونچ کر نماز میں شرکت کی عام اجازت ہو اور جیل میں ہر ایک کو آنے جانے کی عام اجازت نہیں ہوتی؛ اس لئے جیل میں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ ان لوگوں پر ظہر کی نماز فرض ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۷۵/۲، امداد الاحکام ۲/ ۳۷۱)

والإذن العام: أي شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار؛ حتى لو أن أميراً أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله، وعسكره صلاة الجمعة لاتجوز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلوٰة الجمعة، زكريا٢/ ٢٦٣، ٢٦٤، كراچي ٢/ ١٥١، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجماعة من شروط الجمعة، زكريا ١/ ٦٠٣، كبيري، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، سهيل اكيڈمي ص: ٥٥٨، قديم ٥١٨، درمختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، قبيل مطلب في وجوب الجمعة، كراچي ١٥١/٢، زكريا ٢٦/٣)

اگر قیدیوں میں کوئی شخص مشرع ہے جو قرآن پڑھنا جانتا ہو تو پنج گانہ نماز میں اسی کو امام بنایا جائے گا اور اگر کوئی مشرع نہیں تو موجودہ افراد میں سے جو شخص بھی بقدر ضرورت قرآن پڑھ کر نماز پڑھا سکتا ہو، تو اس کو امام بنا کر نماز پڑھ لینے سے بھی نماز درست ہو جائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲/ ۲۶۴، دار العلوم ۲/ ۲۲۴، ۳/ ۱۸۱)

ويكره تقديم العبد والأعرابي والفاسق، فإن تقدموا جاز (قدوري) وفي الجوهرة: لقوله عليه السلام: صلّوا خلف كل بر و فاجر؛ لأن ابن عمرو أنس بن مالك وغيرهما من الصحابة، والتابعين كانوا يصلون خلف الحجاج مع أنه كان أفسق أهل زمانه. (الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، دارالكتاب جديد ١/ ٧١، امدادية ملتان ١/ ٧٠)

صلى خلف فاسق، أو مبتدع نال فضل الجماعة. أفاد أن الصلوٰة خلفهما أولى من الانفراد؛ لكن لاينال كما ينال خلف تقي ورع. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب في إمامة الأمرد، كراچي ١/ ٥٦٤،

زکریا۲/ ۳۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۵۸)

کیا جیل میں جمعہ پڑھنا جائز ہے؟

سوال[۳۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جیل میں نماز جمعہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ یہاں کوئی امام نہیں ہے، کیا ہم قیدی کسی بھی قیدی کو اپنا امام بنا سکتے ہیں؟

المستفتی: عبدالقدیر، ضلع کاراگار (جیل) مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جمعہ کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ وہاں پر کسی طرح کی روک ٹوک نہ ہو؛ بلکہ ہر ایک کو وہاں پہونچ کر نماز میں شرکت کی عام اجازت ہو اور چونکہ جیل میں ہر ایک کو آنے جانے کی عام اجازت نہیں ہوتی؛ اس لئے جیل میں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ ان لوگوں پر ظہر کی نماز فرض ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۲۷۵، جدید ڈابھیل ۸/ ۱۸۲، امداد الاحکام ۲/ ۳۷۱)

والإذن العام: أي شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار؛ حتى لو أن أميراً أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله، وعسكره صلاة الجمعة لاتجوز. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة،، زكريا ٢/ ٢٦٣، ٢٦٤، كراچي ٢/ ١٥١، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب صلوة الجماعة شروط الجمعة من شروط الجماعة، زكريا ١/ ٦٠٣، قديم ١/ ٢٣٩، كتاب الصلاة، باب الجمعة سهيل اكيڈمي، ٥٥٨، قديم ٥١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶ / ۷۳۵۷)

جیل میں جمعہ

سوال [۳۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جیلوں میں جمعہ کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ ہم تو فی الحال جیل میں جمعہ کی نماز ادا کررہے ہیں، اگر جیل کے قیدی یا بندی میں سے کوئی آدمی جمعہ کی نماز پڑھانے کے قابل ہو تو وہ جمعہ کی نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ مراد آباد جیل میں پانچ احاطے ہیں ہر احاطہ کے آدمی دوسرے احاطے میں جاتے رہتے ہیں۔ اور فجر کے علاوہ باقی چار نمازیں ہر احاطے کی مسجد میں باجماعت ادا ہوتی ہیں اور جمعہ کی نماز ادا کرنے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہے؟

المستفتی: محمد رئیس خاں، سالار پوری، بیرک ۹، احاطہ ۱۱، جیل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیل میں جواز جمعہ سے متعلق اہل فتاوی کے درمیان کچھ اختلاف ہے، حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ نے فتاوی محمودیہ میں اور حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے احسن الفتاوی میں کافی لمبی بحث کرنے کے بعد اخیر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بڑی جیل، بڑی فیکٹری اور شہر کے اندر ایئر پورٹ وغیرہ کو مستقل آبادی کے حکم میں قرار دے کر جمعہ کو جائز قرار دیا ہے؛ لیکن حضرات فقہاء نے جواز جمعہ کے لئے اذن عام کو جو شرط قرار دیا ہے اس کے پیش نظر مذکورہ بزرگوں کے جواز کے دلائل ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔

نیز قلعہ پر قیاس کی بات بھی ہم کو سمجھ میں نہیں آئی؛ اس لئے کہ قلعہ میں جس طرح آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے جیل خانہ میں اس طرح اجازت نہیں ہوتی ہے۔ نیز حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے مذکورہ بند جگہوں میں رہنے والوں کو یہ جو کہا ہے کہ وہاں آباد ہیں، یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آئی؛ اس لئے کہ مذکورہ جگہوں میں جو لوگ رہتے ہیں، ان کے اوپر آبادی کی

تعریف کو ثابت کرنا ہماری سمجھ سے بالا تر ہے، اس کے برخلاف مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تعلیم الاسلام حصہ چہارم ۷۴/ میں مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فتاوی دارالعلوم ۵/۹۰/ اور ۵/۱۰۸ میں اور حضرت مفتی عبدالکریم گمتھلوی اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے امداد الاحکام ۲/۱۷۳ تا ۲/۱۷۳ میں تفصیلی بحث کے ساتھ اور حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ فتاوی رحیمیہ قدیم ۵/۴۲ تا ۴۸، میں مفصل وضاحت کے ساتھ اور شیخ الاسلام، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مکتوبات شیخ الاسلام ۱/۳۰۸/ میں اور سید الملت حضرت مونا لا محمد میاں صاحبؒ نے نورالاصباح ۱۲۵ میں صاف وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ جیل خانہ میں اذن عام نہ ہونے کی وجہ سے نماز جمعہ جائز نہیں ہے اور مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے علامہ شامی کی اس توجیہ کا جواب بھی واضح فرمایا ہے: جس میں تعدد جمعہ کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے، کہ اگر شہر کی صرف ایک جامع مسجد میں جمعہ کی بات ہے، تو جس شہر کے قلعہ کے اندر نماز جمعہ پڑھی جارہی ہو، تو اس شہر کی جامع مسجد میں بھی نماز جمعہ ضرور ہوتی ہوگی؛ لہٰذا تعدد کا ثبوت ہوا اور تعدد کے باوجود اذن عام کی شرط اس میں لگائی گئی ہے، اسی طرح حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور ۱۱/۸۰ میں اور امداد الفتاوی ۱/۶۱۳ میں اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے علم الفقہ ۲/۱۱۶ میں صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ جہاں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو، وہاں جمعہ جائز نہیں ہے، مولانا مفتی یوسف صاحب لدھیانویؒ نے آپ کے مسائل اور ان کے حل میں بھی صراحت کے ساتھ جیل میں اذن عام نہ ہونے کی وجہ سے نماز جمعہ کو ناجائز لکھا ہے، ان تمام اکابر اہل فتاوی کی رائے کے مطابق نہ جیل خانہ میں نماز جمعہ جائز ہے اور نہ ہی شہر کے ایرپورٹ کے اندر کے حصہ میں جس میں ہوائی جہاز سے سفر کرنے والوں کے علاوہ دیگر لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، نماز جمعہ جائز نہیں ہوگی۔ اور یہی بات اکثر کتب فقہ کی عبارات سے واضح ہوتی ہے؛ لہٰذا جیل خانہ میں اور ایرپورٹ کے اندر کے حصہ میں نماز جمعہ ان دلائل اور عبارات کی روشنی میں جائز نہیں ہے؛ ہاں البتہ ایرپورٹ میں سیکورٹی سے باہر کے حصہ میں نماز جمعہ جائز ہوسکتی ہے، جہاں عام لوگوں کے آنے جانے میں

کوئی رکاوٹ نہیں ہے؛ لہٰذا حنفیہ کے نزدیک جیل خانہ میں اذن عام کے فقدان اور عام لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے نماز جمعہ جائز نہیں ہوگی۔

در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، قبيل مطلب في شروط وجوب الجمعة، زكريا ٣/٢٥، كراچي ٢/١٥١، تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، زكريا ٢/٥٧٧، هندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ١/١٤٨، جديد زكريا ١/٢٠٩، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، منحة الخالق على البحر الرائق، كراچي ٢/١٥١، زكريا ٢/٢٦٣، ٢٦٤، بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، باب الجمعة من شروط الجمعة، زكريا ١/٦٠٣، الدر المنتقي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، مجمع الأنهر، وسكب الأنهر، بيروت ١/٢٤٦، در مختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة اشرفية ١/١١٢، كنز الدقائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة ١/٤٤، تبيين الحقائق، وحاشية چلپي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا ١/٥٣٣، امدادية ملتان ١/٢٢١، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون، صلاة الجمعة، كراچي ٢/١٩٧، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٤٦٤، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ٥١٠، فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريادارالكتاب ٢/٤٩، كوئٹه ٢/٢٢١، عناية و نهايه مع الفتح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتاب ٢/٤٨، كوئٹه ٢/٢٢، حلبي كبيري، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، سهيل اكيڈمي ٥٥٨، المبسوط للسرخسي، الصلاة، باب صلاة الجمعة بيروت ٢/٢٣، نقاية للقهساني، كتاب الصلاة، باب الجمعة قديم ١/١٧٧، الموسوعة الفقهية ٢٧/٢٠٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴۸/۴۰)

جیل میں نماز جمعہ وعیدین کے قیام کا حکم

سوال[۳۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ افسران جیل کی اجازت سے مسلم قیدیوں کو جیل کے اندر نماز جمعہ وعیدین پڑھائی جائے، تو کیا یہ نماز درست ہوگی؟ بہشتی گوہر ص:۳۷ (کتب خانہ رحیمیہ دیوبند) میں بعنوان ''جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی شرطیں'' کے ذیل میں لکھا ہے۔ ''عام اجازت کے ساتھ علی الاشتہار نماز جمعہ کا پڑھنا'' پس خاص مقام پر چھپ کر نماز پڑھنا درست نہیں، اگر کسی ایسے مقام میں نماز جمعہ پڑھی جائے، جہاں عام لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو یا جمعہ کے دن مسجد کے دروازے بند کر لیئے جائیں تو نماز نہ ہوگی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جیل میں بھی نماز جمعہ درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ جیل میں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی، کئی کئی تالے پڑے ہوتے ہیں اور پولیس کا پہرہ مزید برآں اور اگر جیل میں نماز جمعہ درست ہے تو بہشتی گوہر کی مندرجہ بالا عبارت کا کیا مطلب ہے؟ بصورت جواز صلوة في المحلبس حوالہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: شریف احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صحت جمعہ کے لئے اذن عام بھی شرط ہے؛ لہٰذا جس مقام میں ہر شخص کے آنے جانے کی اجازت نہیں ہے، وہاں نماز جمعہ مشروع نہیں ہے؛ لہٰذا اگر حکومت کی طرف سے جیل میں آنے جانے کی اجازت نہیں ہے تو اس میں نماز جمعہ مشروع نہیں ہوگی؛ بلکہ جیل کے اندر لوگ ظہر کی نماز پڑھیں گے، بہشتی گوہر کی عبارت صحیح ہے۔

ويشترط لصحتها سبعة أشياء (إلى قوله) والسابع: الإذن العام. وتحته في الشامية: أي أن يأذن للناس إذنا عاما بأن لا يمنع أحدا ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذي تصلى فيه، وهذا مراد من فسر الإذن العام بالاشتهار. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، قبيل مطلب في شروط وجوب الجمعة، زكريا ٣/٥-٢٥، كراچي ٢/١٥١، هكذا في البحر،

كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا۲/۲۶۳، كوئٹه ۲/۱۵۱، وهكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة بيروت ۱/۲٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۵۸۰)

فرم کے اندر بنائی گئی مسجد میں نماز جمعہ کا حکم

سوال[۳۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی فرم کے اندر پنج گانہ نماز کے لئے مسجد بنائی گئی ہے، مسجد میں تین ٹائم کی نماز تو پابندی سے ہوتی ہے اور نمازی بھی تقریباً ۳۵؍۴۰؍ ہو جاتے ہیں، ظہر، عصر اور مغرب میں، مگر عشاء اور فجر کی جماعت مستقل نہیں ہوتی ہے اور اتوار کو بھی پانچوں نمازیں جماعت سے نہیں ہوتی ہے، زید اپنی ضرورت کے مطابق مسجد کی تبدیلی کرتے رہتے ہیں، ایسی صورت میں زید فرم والی مسجد میں جمعہ کی نماز کروانا چاہتے ہیں صحیح کیا ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ایم، ایچ ایکسپورٹ، سرسید نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں اگر چہ شرائط جمعہ موجود ہیں؛ لیکن مقاصد جمعہ فوت ہو جانے کی وجہ سے مکروہ ہے اور ایسا کرنے والوں کو مسیئ اور برا کام کرنے والے سے فقہاء نے تعبیر فرمایا ہے اور جمعہ کا مقصد یہ ہے کہ ایک ہفتہ میں ایک مرتبہ مسلمان ایک عام عبادت گاہ میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور فیکٹری کے اندر جمعہ قائم کرنے سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ نیز فیکٹری کے اندر جمعہ قائم کرنا اللہ کی عبادت کو اپنے کاروبار کے تابع کرنا ہے؛ جبکہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ اور اللہ کی عبادت کے تابع ہو جائے، ان مقاصد کی بناء پر حضرات فقہاء نے ایسی مخصوص جگہ اور فیکٹری میں قیام جمعہ کو

مکروہ اور برا کہا ہے اور جہاں فقہاء نے غیر مسجد میں جمعہ کے جواز کو لکھا ہے، وہ صرف اتفاقی ہے یا کسی عذر کی بنا پر اس کی گنجائش لکھی ہے، مستقل اور ہمیشگی کے طور پر شہر کی عام مسجد کو چھوڑ کر کسی کے گھر یا فیکٹری میں جمعہ کا سلسلہ جاری کرنے کی فقہاء اجازت نہیں دیتے۔

ولو أن أميراً فتح أبواب القصر، وأمر المؤذن، فأذن فجمع بالناس في قصره، فإنه يجزيهم، والمراد من فتح أبواب القصر الإذن للعامة بالدخول وقد أدي الجمعة، وهو مستجمع لشرائطها؛ ولكنه مسئ فيما صنع؛ لأن الموضع المعد لإقامة الجمعة فيه المسجد، وقد جفا ذلك الموضع و في فعله نوع ترفع حيث لم يخرج من قصره إلى المسجد، ففعله هذا مخالف فعل السلف، فكان مسيئاً في ذلك الخ (المبسوط للسرخسي، كتاب الصلاة، باب الجمعة ۲/ ۱۲۰، مطبع بيروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۱۴۱)

فرم میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرم کے اندر مسجد میں باہر کے کسی آدمی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اتوار کو یعنی چھٹی والے دن مسجد میں کوئی نماز نہیں ہوتی اور روزانہ نماز فجر نہیں ہوتی۔ فرم کے سامنے ہی ایک مسجد ہے، جس میں ساری نمازیں باہتمام ہوتی ہیں، ان ساری صورتوں میں نماز جمعہ فرم کے اندر والی مسجد میں ہوگی یا نہیں؟ تفصیلی جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: حافظ محمد زبیر صاحب، کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی مخصوص جگہ میں نماز جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے، جہاں پر باہر کے لوگوں کو جمعہ پڑھنے کے لئے اجازت نہ ہو؛ لہٰذا ایسے فرم اور فیکٹری میں نماز جمعہ جائز نہیں ہوگی، جہاں پر مسلمانوں کو جمعہ پڑھنے کے لئے داخل ہونے کی عام اجازت نہ ہو؛ اس لئے کہ جمعہ کے جائز ہونے کے لئے جو شرائط شریعت نے قائم اور مقرر کئے ہیں، ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس جگہ پر ہر مسلمان کو آنے جانے کی عام اجازت ہو۔

الشرط السادس: الإذن العام، وهو أن تفتح أبواب الجامع فيؤذن بالناس كافّة؛ حتى أن جماعةً لو اجتمعوا في الجامع، وأغلقوا أبواب المسجد على أنفسهم، وجمعوا لم يجزهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، زكريا ٢/٥٧٧، رقم:٣٣٤٥)

من شرائط الجمعة: هو أداء الجمعة بطريق الاشتهار، حتى أن أميراً لو جمع جيشه في الحصن، وأغلق الأبواب وصلى بهم الجمعة لاتجزئهم...... ولو لم يأذن للعامة وصلى مع جيشه لاتجوز. (بدائع الصنائع، الصلاة الجماعة من شروط الجمعة، زكريا ١/٦٠٢)

والإذن العام، أي شرط صحتها الأداء على سبيل الاشتهار؛ حتى لو أن أميراً أغلق أبواب الحصن وصلى فيه بأهله وعسكره صلاة الجمعة لاتجوز...... وعللوا الأول بأنها من شعائر الاسلام وخصائص الدين، فيجب إقامتها على سبيل الاشتهار. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٥١، زكريا٢/٢٦٤)

وفي الدر المنتقى: الجمعة...... لاتصح إلا بستة شروط شرطت لأدائها...... والإذن العام لأنها من شعائر الإسلام، فتؤدى بالشهرة بين الأنام، وهو يحصل بفتح باب الجامع، أو دار السلطان، أو القلعة بلا ممانع. (الدر المنتقي، كتاب الصلاة، باب الجمعة بيروت ١/٢٤٥، ٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۰۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۱۲ھ

فرم اور مکانوں میں نماز جمعہ سے متعلق سوالات

سوال [۳۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ شہر مرادآباد اور پاکبڑا کے درمیان دونوں طرف آبادی کا اتصال ہے، اب ان دونوں جگہوں کے درمیان کوئی مسجد ہو تو وہاں جمعہ کی نماز درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر مسجد نہیں ہے؛ بلکہ درمیان میں جو فرم ہیں ان کے اندر جمعہ کی نماز درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) نیز مکان کے اوپر حصے میں کاروبار ہو اور نیچے کوئی جگہ نماز کے لئے منتخب کرلی جائے یا نیچے کے حصے میں کاروبار ہو اور اوپر کوئی جگہ منتخب کرلی جائے، اس میں نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟ حالانکہ یہ کوئی مسجد نہیں ہے اور جن حالات کے تحت یہ معلومات درکار ہیں وہاں پر نماز جمعہ کے علاوہ دیگر ۵/ وقت کی نماز ایک جگہ ادا نہیں کی جاتی ہیں؛ بلکہ کبھی نیچے، کبھی اوپر، کبھی صحن میں اور کبھی آنگن میں۔

(۴) نیچے کاروبار ہے تو اوپر کوئی مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے یا اوپر کاروبار ہے تو نیچے مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز اگر ایسا ہوجائے تو وہ مسجد کہلائے گی یا نہیں اور کیا وہاں پر جمعہ ادا ہو جائیگا؟ گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر امت مسلمہ کو فیض بخشیں اور صحیح راستہ دکھائیں۔

المستفتی: محمد نسیم، ہرتھلا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرادآباد اور پاکبڑا کے درمیان اگر بغیر فصل کے اتصال آبادی ہے تو پاکبڑا تک شہر مرادآباد اور اس کے فنا میں داخل ہے؛ لہٰذا درمیان میں جو بھی مسجد

ہو،اس میں جمعہ قائم کرنا جائز اور درست ہوجائے گا۔

وتؤدي في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة،باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب، كراچي ٢/١٤٤، زكريا٣/١٥)

وتؤدي الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة، وهو قول أبي حنيفةؒ، ومحمدؒ وهو الأصح. (هندية، الباب السادس عشر في صلوة الجمعة، زكريا قديم ١/١٤٥، جديد ١/٢٠٥)

(۲) نماز جمعہ حدودِ شہر کے اندر مسجد اور غیر مسجد میں ہر جگہ صحیح اور جائز ہوجاتی ہے؛ لیکن جہاں پر جمعہ قائم کیا جائے، وہاں پر اذن عام کا ہونا شرط ہے اور اذن عام کا مطلب یہ ہے کہ وہاں ہر مسلمان کو آنے جانے کی اجازت ہو، چاہے چور ڈکیت فاسق کیوں نہ ہو،مگر وہ نماز کے ارادے سے آرہا ہو،تو اسے بھی اجازت ملنی ضروری ہے اور فرموں اور فیکٹریوں میں اذن عام نہیں ہوتی، دربان ہر شخص کو اندر جانے نہیں دیتا؛ حالانکہ اذن عام کے لئے کھلی ہوئی اجازت شرط ہے،جو فیکٹریوں میں نہیں ہوتی؛ اس لئے نیچے اوپر کہیں بھی فیکٹریوں میں جمعہ قائم کرنا درست نہیں ،وہاں البتہ اگر فیکٹری والوں نے کوئی جگہ ایسی متعین کردی ہے کہ جس میں آنے جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے، ہر قسم کے لوگوں کی آمدورفت کی اجازت ہے، تو جمعہ جائز ہوجائے گا۔

الإذن العام: أي أن يأذن للناس إذنا عاماً، بأن لا يمنع أحداً. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قبيل مطلب في شروط وجوب الجمعة، كراچي ٢/١٥١، زكريا ٣/٢٥)

الشرط السادس: الإذن العام، حتى لو أن السلطان، أو الأمير إذا أغلق باب قصره، وصلى فيه بحشمه لاتجوز جمعته، وإن فتحه وأذن للناس بالدخول جازت سواء دخلوا أولا. (كبيري، كتاب الصلاة، باب الجمعة، اشرفية جديد ٥٥٨، قديم ٥١٨)

ولایشترط الصلوة في البلد با لمسجد فتصح بفضاء فیها. (حاشیة الطحطاوي علی المراقي، الصلاة، باب الجمعة، دارالکتاب دیوبند۵۱۳، قدیم ۲۷۹)

(۳) حدود شہر کے مکانوں میں بھی جمعہ پڑھنے کا وہی حکم ہے جو سوال نمبر۲ رمیں فرم اور فیکٹریوں کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

(۴) اگر عمارت پہلے سے بنی ہوئی نہیں ہے؛ بلکہ خالی میدان ہے اور ابھی مسجد نہیں بنائی گئی ،تو ایسی صورت میں تعمیر کی ابتداء میں نیچے کاروبار کے لئے عمارت بنالی جائے، جس کی آمدنی ضروریات مسجد میں صرف ہو اور بعد میں اس کی چھت پر مسجد تعمیر کی جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن مسجد بن جانے کے بعد اس کے اوپر کسی طرح کاروبار یا رہائشی عمارت وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے مسجد بن جانے کے بعد اوپر عبادت ہی کی جگہ بن سکتی ہے، اس کے علاوہ نہیں، ایسی صورت میں عمارت کی وہ چھت جس کے اوپر مسجد تعمیر ہوئی ہے، وہ مسجد کے لئے وقف شمار ہوتی ہے، اوپر اور نیچے جتنی بھی چیزیں بنائی جائیں گی مسجد یا مصالح مسجد ہی کے لئے بنائی جاسکتی ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲؍۶۸۳)

أما لو تمت المسجدیة، ثم أراد البناء منع. (شامي، الوقف، باب أحکام المساجد، قبیل مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره، کراچي ۴/ ۳۵۸، زکریا ۶/ ۵۴۸)

وإذا جعل تحته سردابًا لمصالحه: أي المسجد جاز. (در مختار مع الشامي، کراچي ۴/ ۳۵۸، زکریا ۶/ ۵۴۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۸۸۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۲۶ھ

شہر سے خارج فیکٹری میں جمعہ کی نماز کا حکم

سوال [۳۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ آپ حضرات کے سامنے بھی ہم نے جمعہ کی نماز فیکٹری میں ادا کرنے کے بارے میں ذکر کیا ہے، اس کے متعلق فیکٹری کا پورا جائزہ اور دارالعلوم دیوبند سے آیا جواب منسلک چٹھی میں درج ہے، آپ حضرات سے گذارش ہے کہ اس چٹھی کو پوری طرح سمجھ کر اس کا خلاصہ وضاحت کرنے کی مہربانی کریں تاکہ وقت ضرورت کام آئے۔

المستفتی: عبدالاحد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرادآباد سے قصبہ پاکبڑا دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور پاکبڑہ کی اصل آبادی سے مذکورہ فیکٹری دہلی روڈ پر دہلی کی طرف ڈیڑھ یا سوا کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور احقر نے مدرسہ شاہی کے نائب مہتمم حضرت مولانا محمد عمر صاحب اور دیگر علماء کرام کی معیت میں مرادآباد سے جویا تک تقریباً تیس کلومیٹر دہلی روڈ کا معائنہ کیا ہے۔ مرادآباد سے تیس کلومیٹر دور قصبہ جویا تک دہلی روڈ کی دونوں طرف کی ساری آراضی مرادآباد کے سرمایہ دار لوگوں نے خرید لی ہے اور کسی نے اپنی زمین پر صرف چہار دیواری کر رکھی ہے اور کسی نے کچھ تعمیر بھی کر لی ہے اور کسی نے باقاعدہ فیکٹری بنا کر کاروبار شروع کر رکھا ہے، مگر ان عمارتوں میں باضابطہ رہائش کسی کی بھی نہیں ہے؛ بلکہ مالکان اور ملازمین سب اپنے اپنے گھروں سے صبح کو جاتے ہیں اور شام کو فیکٹری بند کر کے اپنے اپنے گھر واپس چلے آتے ہیں اور اس مسافت میں کہیں کہیں دو تین گاؤں بھی واقع ہیں اور قصبہ پاکبڑا سے دہلی کی طرف چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر چودھر پور گاؤں واقع ہے، پھر وہاں سے چودہ کلومیٹر کے فاصلہ پر قصبہ جویا واقع ہے، تو اگر مذکورہ فیکٹری کو پاکبڑا کی فناء میں شامل کر کے اس میں جمعہ کی اجازت دی جائے گی، تو پاکبڑا سے چودھر پور تک اور پھر چودھر پور سے جویا تک سب جگہ جمعہ کی اجازت دینی پڑے گی، جہاں اسی طرح کی عمارت یا فیکٹری بنی ہوئی ہے۔ نیز مذکورہ فیکٹری میں صرف ایک وقت ظہر کی نماز ہوتی ہے باقی نمازیں نہیں ہوتیں، مذکورہ وجوہات کی بناء پر فی الحال اس فیکٹری میں جمعہ کی مشروعیت کی بات سمجھ میں نہیں آتی؛ بلکہ وہاں والوں کو جمعہ

کے دن اگر جمعہ پڑھنا ہے، تو قصبہ پاکبڑا میں آکر جمعہ پڑھنا چاہئے۔

إن كان مقيماً في عمران المصر، وأطرفه، وليس بين مكانه و بين المصر فرجة، فعليه الجمعة، ولو كان بين ذلك الموضع و بين عمران المصر فرجة من المزارع والمراعي لاجمعة على أهل تلك الموضع، وإن كان النداء يبلغهم. (تاتارخانية، الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، زكريا ۲/ ۵۵۳، رقم:۳۲۷۶، قديم ۲/ ۵۳، حلبي كبير، فصل في صلوة الجمعة اشرفيه ديوبند ص:۵۵۲، قاضي خان على الهندية، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، زكريا قديم ۱/ ۱۷٤، زكريا جديد ۱/ ۱۰۹، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، كوئٹه ۲/ ۱٤۱، زكريا ۲/ ۲٤۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۶۵۰/۳۵)	۱۴۲۱/۵/۷ھ

پرانی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز بند کر کے نئی مسجد میں پڑھنا

سوال [۳۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اتریہر پاڑہ گاؤں میں فی الحال لوگوں کی تعداد ۲۵۵۰/ ہے اور ضرورت کی تمام چیزیں مہیا ہیں، تقریباً سوسال پہلے سے اس گاؤں میں صرف ایک ہی جامع مسجد تھی، فی الحال اس گاؤں کے کچھ لوگوں نے پرانی جامع مسجد سے تقریباً دوسو گز کی دوری پر ایک وقتیہ مسجد مکتب کی شکل میں بنوا کر اس میں جمعہ کی نماز پڑھنی شروع کردی ہے اور پرانی مسجد کی جائیداد بیچ کر، اسی طرح اس کی جمع شدہ رقم لے کر اس نئی مسجد کی تعمیر میں لگا رہے ہیں، فی الحال پرانی مسجد میں مصلیوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے پرانی مسجد میں جمعہ کی نماز بند ہوگئی، کسی طرح پانچ وقت کی نماز ہو رہی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ نئی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنا

درست ہے کہ نہیں؟ پرانی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز بند کردینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ربیع الحق، مرشد آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جواز جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ یا کافی بڑا گاؤں کا ہونا لازم ہے، جس گاؤں کی آبادی لگ بھگ تین ہزار ہو، جس میں ہندو مسلم، بچے، بوڑھے سب شامل ہوں گے اور اگر ایسی آبادی ہے، جس میں باضابطہ بازار اور گلی کوچے ہوں اور دیکھنے میں شہر نما ہو، تو ایسی آبادی میں کثرت افراد کی شرط نہیں ہے؛ بلکہ شہر نما ہونا کافی ہے، اب آپ کے یہاں کی آبادی کس نوعیت کی ہے، وہاں کے تجربہ کار علماء اور مفتیان کرام سے معائنہ کرایا جائے، وہ جو فیصلہ کریں اس پر عمل ہونا چاہئے اور دو ہزار پانچ سو پچاس کی مردم شماری جس دیہات اور گاؤں میں ہو وہ چھوٹا گاؤں شمار ہوتا ہے، ہاں البتہ اگر شہر نما ہو تو اس کو قصبہ کا حکم حاصل ہو جاتا ہے اور اگر آبادی شہر نما ہے، تو دونوں مسجدوں میں سے ایک ہی میں جمعہ ہونا بہتر ہوگا چاہے پرانی میں ہو چاہے نئی میں، اس بارے میں وہاں کے لوگ خود فیصلہ کریں، ہم اتنی دور رہ کر کے فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتے اور اگر آپ کے یہاں کی آبادی شہر نما نہیں ہے، تو دونوں مسجدوں میں سے کسی میں بھی جمعہ جائز نہ ہوگا؛ بلکہ دونوں میں جمعہ بند کردینا ضروری ہوگا اور اذان واقامت کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہوگا۔

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرۃ التي فیها أسواق (إلی قوله) وفیما ذکرنا إشارۃ إلی أنه لا تجوز في الصغیرۃ. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/۷)

عن عليؓ قال: لا جمعة، ولا تشریق، إلا في مصر جامع. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الجمعة، باب القری الصغار، المجلس العلمي بیروت ۳/۱۶۷، رقم: ۵۱۷۵)

عن ابن جریجؓ قال: قلت لعطاء: ما القریة الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمیر، والقصاص، والدور المجتمعة غیر المفترقة الآخذ

بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة، والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنؤدي للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الأذان أو لم تسمعه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت۳/۱٦۸، رقم:۵۱۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/٦/۱۰ھ

مسجد سے متصل پارک میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵٦۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی تعمیر ہورہی ہے اور مسجد سے دس قدم پر یا پندرہ قدم پر ایک پارک ہے، اس میں نماز جمعہ ادا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ پارک نگر پالیکا والوں کا ہے، عوام کے لئے بنایا ہے۔

المستفتی: متولی زکریا مسجد، محلّہ عیدگاہ، رام نگر نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعمیر کے زمانہ میں احاطہ مسجد کے اندر اگر جگہ کی گنجائش ہو تو جمعہ بھی وہیں ادا کیا جائے، بصورت دیگر مسجد سے متصل پارک میں نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے۔

عن حذيفة رضؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فضلنا على الناس بثلاثٍ: جُعلت صفوفنا كصفوف الملائكة، وجعلت لنا الأرض كلها مسجداً. الحديث (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، النسخة الهندية ۱/۱۹۹، بيت الأفكار رقم:۵۲۲)

ولو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى، وفيها والٍ، وحاكم جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم

یبنو......والمسجد الجامع لیس بشرط؛ ولهذا أجمعوا علی جوازها بالمصلی في فناء المصر. (حلبي کبیري، فصل صلاة الجمعة، اشرفیة دیو بند ص:۵۵۱)

ولا یشترط الصلاة في البلد بالمسجد فتصح بفضاء فیها.

(حاشیة الطحطاوي علی المراقي، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالکتاب دیو بند ۵۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۶۷۵)

کبھی کبھار جماعت ہونے والی مسجد میں نماز جمعہ کا حکم

سوال [۳۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی نماز کے شرائط میں سے کیا یہ شرط بھی ہے کہ جس مسجد میں جمعہ کی نماز ہو اس میں پنجوقتہ نماز باجماعت بھی ہو، اگر پانچوں وقت جماعت نہ ہوتی ہو؛ بلکہ کسی کسی وقت میں ہوتی ہو، تو جمعہ کی نماز ہوگی یا نہیں؟ نیز بعض مساجد ایسی بھی ہیں، جس میں ہفتہ بھر میں کبھی کبھی باجماعت نماز ہو جاتی ہے اور جمعہ میں کم وبیش دس پندرہ آدمی ہوتے ہیں اور کبھی کبھی جمعہ میں بھی امام صاحب پنجوقتہ نمازوں کی طرح اکیلے ہی ظہر کی نماز پڑھ لیتے ہیں، ایسی صورت میں ایسی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہاشم قاسمی، چیرولی، ضلع کھمم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی مسجد میں بھی جمعہ پڑھنا جائز اور درست ہے۔ نیز خارج مسجد کھلی جگہ پر جمعہ پڑھنا جائز ہوتا ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۹۸، جدید ڈابھیل ۸/ ۵۳، ۵۶)

عن حذیفة رضی قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: فضلنا علی

الناس بثلاثٍ: جُعلت صفوفنا كصفوف الملائكة، وجعلت لنا الأرض كلها مسجداً. الحديث (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، النسخة الهندية ۱/۱۹۹، بيت الأفكار رقم:۵۲۲)

والحكم غير مقصور على المصلي؛ بل يجوز في جميع أفنية المصر؛ لأنها بمنزلته في حوائج أهله. (الهداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة اشرفي ۱/۱۶۸)

ولو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى، وفيها والٍ، وحاكم جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا......والمسجد الجامع ليس بشرط؛ ولهذا أجمعوا جوازها بالمصلى في فناء المصر. (حلبي كبير، فصل صلاة الجمعة، اشرفية ديوبند ص:۵۵۱)

ولايشترط الصلاة في البلد بالمسجد فتصح بفضاء فيها. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتاب ديوبند ص:۵۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۹۵)	۱۴۱۶/۳/۲۶ھ

ہندو کی کمپنی کی تعمیر کے دوران عبادت خانہ بنا کر نماز جمعہ ادا کرنا

سوال [۳۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں سے گاؤں اور شہر بہت دور ہے، اتنی دور ہے کہ بس سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ جانے میں لگ جاتا ہے، اس گاؤں اور شہر سے بہت دور ایک کمپنی ہندو کی بن رہی ہے، اس کمپنی میں کام پانچ سال کا ہے، اس کمپنی میں مسلمان ہندو سب مل کر کام کرتے ہیں، مسلمانوں نے مل کر ہندو کی کمپنی میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی ہے اور گرمی، بارش اور گاڑی چھوٹنے کی وجہ سے اس مسجد میں پانچ وقت کی نماز، جمعہ وعیدین کی نماز بھی

ادا کرتے ہیں اور وہ جگہ جب کمپنی والوں کو ضرورت پڑے گی یا مسلمان دو تین سال کے بعد چلے جائیں گے، تو وہ مسجد کو منہدم کر دیں گے، ایسی جگہ مسجد تعمیر کر کے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالواحد، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو صورت حال سوال نامہ میں درج ہے، اس میں مسجد شرعی بنانے کی گنجائش نہیں ہے؛ البتہ پنج وقتہ نماز اور جمعہ کے لئے جو جگہ متعین کی گئی ہے، اسے جماعت خانہ یا عبادت گاہ کہا جاسکتا ہے، اس میں باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں جماعت کا ثواب تو مل جائے گا؛ لیکن مسجد شرعی کے حدود میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس فیکٹری میں جمعہ وعیدین کی نماز اس وقت جائز ہوگی، جب اس میں لوگوں کو آنے کی عام اجازت ہو اور شہر کی مسلسل آبادی فیکٹری تک متصل ہو اور سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شہر کی آبادی سے ڈیڑھ گھنٹہ بس کی مسافت پر فیکٹری واقع ہے، تو گویا کہ فیکٹری دیہات اور جنگل میں ہے، ایسی جگہ جمعہ کی نماز درست نہیں ہوتی؛ اس لئے اس فیکٹری کے لوگوں پر جمعہ کی نماز پڑھنا لازم نہیں؛ بلکہ ظہر کی نماز باجماعت ادا کی جائے گی اور عیدین کی نماز پڑھنا بھی درست نہ ہوگا۔

كما يجوز أداء الجمعة في المصر، يجوز أداؤ ها في فناء المصر، وهو الموضع المعد لمصالح المصر متصلاً بالمصر. (هندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ١/١٤٥، زكريا جديد ١/٢٠٥)

ويشترط للعيد، ما يشترط للجمعة. (هندية، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، زكريا ١/١٥٠، جديد ١/٢١١)

ولو اتخذ في بيته موضعاً للصلاة، فليس له حكم المسجد أصلاً. (حلبي كبير، فصل في أحكام المساجد، اشرفية ديوبند ص:٦١٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۲۷۴ ۱۰۴)

چندہ کی وجہ سے عیدگاہ میں جمعہ پڑھنا

سوال [۳۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بابوگنج ایک گاؤں ہے، جس کی آبادی تقریباً پانچ ہزار کی ہے، اس گاؤں میں چار مسجدیں ہیں اور ایک بڑی عیدگاہ ہے۔ ۳/ مساجد میں نماز جمعہ ہمیشہ ہوتی ہے، عیدگاہ کی نئی تعمیر ہورہی ہے، روپیوں کی ضرورت ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک بار یا دو بار نماز جمعہ عیدگاہ پر ادا کی جائے تاکہ نماز جمعہ میں تمام لوگ جمع ہوں اور لوگوں سے چندہ کے بارے میں کہا جائے، تو عیدگاہ میں نماز جمعہ محض چندہ کی وجہ سے پڑھنا کیسا ہے؟ نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہارون بابوگنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح عیدگاہ میں جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔

لاتصح الجمعة إلا في مصر جامعٍ، أو في مصلى المصر الخ (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفي ديوبند ١٦٨/١)

وكما تجوز إقامة الجمعة في المصر، تجوز إقامتها خارج المصر قريباً منه مصلى العيد. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون في شرائط الجمعة، زكريا ٢/ ٥٥٠، رقم: ٣٢٦٩، كوئٹه ٥١/٢)

لاتجب الجمعة عندنا إلا في مصر، أو مما هو في حكمه كمصلى العيد.

(البناية، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، اشرفية ٤٢/٣)

ويشترط لصحتها: أي صلاة الجمعة ستة أشياء. الأول: المصر، أو فناؤه، سواء مصلى العيد وغيره؛ لأنه بمنزلة المصر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح،

كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، دارالكتاب ديو بند ص:٦ ٠ ٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸۷۱/۳۱)

تعمیر مسجد کے دوران حدود مسجد سے باہر جمعہ ادا کرنا

سوال [۳۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کو از سرِ نو تعمیر کرنے کے لئے شہید کر لیا ہے، اس وقت مسجد کے اندرون اتنی جگہ نہیں ہے کہ جماعت ہو سکے؛ اس لئے وقتی طور پر پنج وقتہ نماز وضوخانہ کی جگہ پر پڑھ رہے ہیں؛ لیکن نماز جمعہ مسجد سے تھوڑے فاصلہ پر فیکٹری میں ادا کر رہے ہیں، کیا نماز جمعہ ادا کرنا فیکٹری میں درست ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مولانا محمد احسان، محلّہ تھانہ ٹین، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تعمیر مسجد کے دوران حدود مسجد سے باہر فیکٹری یا کسی ہال میں وقتی طور پر عارضی جمعہ قائم کرنا جائز اور درست ہے، جب مسجد کی تعمیر مکمل ہو جائے، تو پھر مسجد میں جمعہ کا سلسلہ شروع ہو جائے۔

أخبرنا جابر بن عبد الله، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أعطيت خمسًا لم يعطهن أحد قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً. الحديث (صحيح البخاري، كتاب التيمم ١/٤٨، رقم:٣٣٣، ف:٣٣٥)

ولا يشترط الصلوة في البلد بالمسجد فتصح بفضاء فيها.

(طحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ديوبند

ص:۵۱۳، قديم ۲۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵ر۷ر۱۵۷)

مستقل امام اور کبھی کبھار جماعت نہ ہونے والی مسجد میں نماز جمعہ

سوال[۳۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی مسجد میں جو کہ جامع مسجد ہے، اگر امام نہ ہو اور اس میں گاہے گاہے جماعت نہ ہوتی ہو، تو کیا اس جامع مسجد میں جمعہ کی نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: ملا جنگو، متولی جامع مسجد لاٹھرو پورہ، پوسٹ: اقبال پور، ضلع سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ مسجد حدود شہر میں واقع ہے اور عام لوگوں کو نماز ادا کرنے کی اجازت ہے کوئی روک ٹوک نہیں ہے، تو جمعہ ادا کرنا درست اور صحیح ہے، کبھی کبھار جماعت نہ ہونا صحت جمعہ کے لئے مضر نہیں۔

وتقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق. قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالي، أو القاضي ببناء المسجد الجامع، وأداء الجمعة؛ لأن هذا مجتهد فيه، فإذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/۷، كراچي ۲/۱۳۸، كوئٹه ۱/۵۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳ر۲۷ر۷۷۳)

مدرسہ میں نماز جمعہ پڑھنا

سوال [۳۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضلع بریلی کے قصبہ میر گنج میں ایک مسجد ہے، جس میں امام مسلک دیوبند کے تھے؛ لیکن بریلوی خیالات کے کچھ شر پسندوں نے مسلک دیوبند کے امام کو مسجد سے نکال دیا، میر گنج ہی میں امام صاحب نے ایک مدرسہ بنوایا ہے، جب امام صاحب کو لوگوں نے نکال دیا، تو امام صاحب اوران سے تعلق رکھنے والے مقتدی حضرات مدرسہ ہی میں جماعت کے ساتھ پنج وقتہ نماز ادا کرتے ہیں اوراس مدرسہ میں جمعہ کی نماز بھی ادا کی جاتی ہے، کیا اس طرح سے دیگر بریلوی خیالات کی مسجدوں کے ہونے کے باوجود مدرسہ میں ان لوگوں کا جماعت کرنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد راشد بریلوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بریلوی بدعتیوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے؛ اس لئے جب تک دیوبندی اہل سنت والجماعت کی مسجد قائم نہیں ہو جاتی، اس وقت تک مذکورہ مدرسہ میں پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرنا درست ہے، اسی طرح جمعہ بھی پڑھا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ جمعہ کی صحت کے لئے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے؛ بلکہ بڑا گاؤں، قصبہ یا شہر ہونا شرط ہے اور میر گنج قصبہ ہے۔

ولو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى، وفيها والٍ، وحاكم جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا. (حلبي كبير، فصل صلاة الجمعة، اشرفية ديوبند ٥٥١)

وتؤدىٰ في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٤٤،١٤٥، زكريا ٣/١٥)

و عبارة القهستاني: تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۸، زكريا ۳/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۰۶۴)

شہر کی بڑی مسجد کے خالی رہنے کے باوجود چھوٹی مسجد میں جمعہ

سوال [۳۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جمعہ ایک شہر میں ایک ہی مسجد میں مشروع ہے اور بتایا جاتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ بغداد شہر کا درمیانی پل اٹھا دیا کرتے تھے؛ کیونکہ دوسری طرف جمعہ الگ ہوتا تھا، فی زماننا بعض شہروں میں؛ بلکہ اکثر شہروں میں جمعہ چھوٹی چھوٹی مساجد میں قائم کیا جارہا ہے؛ بلکہ بعض قصبات میں تو حال یہ ہے کہ مسجدیں قریب قریب ہیں اور جمعہ میں پوری بھرتی بھی نہیں ہیں پھر بھی دونوں میں جمعہ ہوتا ہے؛ حتی کہ بڑی مسجد جو علاقہ کی جامع مسجد کی حیثیت رکھتی ہے، آدھی سے زائد خالی رہتی ہے، اس صورت میں فقہ حنفی کے ضوابط وقواعد کے مطابق قیام جمعہ کن کن مساجد میں درست ہے؟ اور کیا قریب ترین مساجد میں جمعہ میں باوجود خالی رہنے کے چھوٹی مساجد میں جمعہ جائز ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

المستفتی: محمد میاں قاسمی، ہلالی سرائے، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک شہر کے اندر متعدد مساجد میں نماز جمعہ ادا کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ البتہ مسئولہ صورت میں جب بڑی مسجدیں خالی رہتی ہیں، تو چھوٹی مسجدوں میں جمعہ بند کر کے بڑی مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کرنا بہتر اور اولیٰ ہے؛

کیونکہ اسلامی شان اور شرعی مصلحت یہی ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں جمعہ قائم ہوں، چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ قائم نہ کئے جائیں؛ ہاں البتہ بڑی بڑی تمام مسجدوں میں نمازی ہر اعتبار سے بھر جائیں اور بہت سے مسلمانوں کو جمعہ کے لئے جگہ نہ مل رہی ہو، تو ایسی صورت میں چھوٹی مسجدوں میں بھی جمعہ کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے؛ تاکہ شہر کا کوئی بھی مسلمان جمعہ سے محروم نہ رہ جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۴/۱۱۳)

وتؤدي الجمعة في مصر واحد في مواضع كثيرة وهو الأصح. (هندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ١/١٤٥، زكريا جديد ١/٢٠٥، عزيز الفتاوى ٣٩٦/٢٧٨، ١/٣١٢، امداد المفتيين ٤٠٤)

وتصح في مصر واحد في مواضع كثيرة، فإن كان لا مشقة في اجتماع أهله في موضع واحد لاتجوز فيه الزيادة......لأنها من أعلام الدين. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۲۹ھ

میدان میں جمعہ کی نماز ادا کرنا

سوال [۳۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کورٹ اور ڈی سی آفس مسلم آبادی سے قریب ڈھائی کلومیٹر دوری پر ہے، یہاں پر ہم لوگ جمعہ کی نماز سرکاری زمین میں ایک چھوٹے سے میدان میں ادا کرتے ہیں، یہاں پر پانچوں وقت نماز نہیں ہوتی ہے، جمعہ میں وکیل، کرم چاری اور مؤکل وغیرہ ملا کر مجموعی طور پر ۲۵/ ۴۰/ تک ہوجاتے ہیں، اگر جمعہ کی نماز یہاں پر ادا نہ کی جائے تو ۳/ ۵/ آدمی

تک ہی ڈھائی کلومیٹر کی دوری کی مسجد جا کر نماز ادا کرتے ہیں، نماز ادا کرنے کے لئے سرکار سے کوئی اجازت نہیں لی گئی، اس کے پہلے دوتین نماز ادا کرنے میں مخالفت کرنے کی وجہ سے جگہ بدل دی گئی ہے، جب بارش یا چھٹی ہوتی ہے، تواس جگہ جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے، مندرجہ بالاصورت میں نماز جمعہ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عمیم الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس جگہ جمعہ کی نماز ادا کی جارہی ہے، وہاں پرکورٹ وکچہری سب کچھ ہے اور یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وہ آبای پورا قصبہ ہے، مگر مسلم آبادی نہیں ہے؛ اس لئے آس پاس میں مسجد نہیں ہے، اگر یہ بات صحیح ہے جو ہم نے سوال نامہ سے سمجھی ہے، تو جواب یہ ہے کہ صحت جمعہ کے لئے مسلم آبادی ہونا شرط نہیں ہے؛ بلکہ شہر یا قصبہ یا اتنا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، جو قصبہ نما ہو؛ لہٰذا جس میدان میں نماز جمعہ ہوتی ہے، اگر وہ غیر مسلم آبادی والے قصبہ کے اندر ہے، تو اس میدان میں بلا شبہ نماز جمعہ صحیح ہوجائے گی، باضابطہ تعمیر شدہ مسجد کا ہونا لازم نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہاں پر تعمیر مسجد کا مسئلہ آسان نہیں ہے؛ لہٰذا اگر جامع مسجد میں جا کر نماز پڑھی جاسکتی ہے تو یہی بہتر ہے اور اگر دو ڈھائی کلومیٹر دور جامع مسجد جانا دشوار ہے، تو اس میدان میں بھی جمعہ کی نماز ہوجائے گی، بشرطیکہ یہ میدان ایسی آبادی کے اندر ہو، جس کی مردم شماری کم از کم تین ہزار ہو یا کورٹ، کچہری، بازار وغیرہ کی وجہ سے شہر جیسا معلوم ہوتا ہو۔

وتقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۸، زكريا ۳/۶-۷)

عن ابن جريج رضي قال: قلت لعطاء: ما القرية الجامعة؟ قال: ذات الجماعة، والأمير، والقصاص، والدور المجتمعة غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهيئة جدة. قال: والقصاص؟ قال: فجدة جامعة،

والطائف. قال: وإذا كنت في قرية جامعة فنؤدى للصلوة من يوم الجمعة، فحق عليك أن تشهدها، إن سمعت الآذان، أو لم تسمعه. (مصنف عبدالرزاق، كتاب الجمعة، باب القرى الصغار، المجلس العلمي بيروت ۱٦۸/۳، رقم: ۵۱۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

کثرت کی وجہ سے دیوار حائل مکانات پر نماز جمعہ پڑھنا

سوال [۳۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ حیات الاسلام پانی پت کے احاطہ میں پنجوقتہ نماز ہوتی ہے، جمعہ بھی، تو جمعہ کے دن لوگوں کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے دیگر مکانات پر نماز ہوتی ہے، تو بیچ میں دیوار حائل ہے، تو کیا نماز لوگوں کی ادا ہوجائے گی؟

المستفتی: مدرسہ حیات العلوم، پانی پت (ہریانہ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے حدود مسجد سے باہر متصل مکانوں کی چھتوں پر مکانوں کے کمروں میں سڑکوں پر اقتداء کی جائے اور درمیان درمیان دیواریں اور چھتیں بیچ میں آجاتی ہیں اور امام کی تکبیر کی آواز یا مکبر کی تکبیر کی آواز کے ذریعہ سے دیواروں کے پیچھے کے لوگوں کو امام کی تکبیرات انتقالیہ کا پتہ چلتا ہے یا متصل صفوں کے ذریعہ سے پتہ چلتا ہے، تو ایسی صورت میں اس امام کی اقتداء میں تمام لوگوں کی نماز صحیح ہوجائے گی، دیواروں کا حائل ہوجانا یا چھتوں کا حائل ہونا مانع اقتداء نہیں ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو صورت ذکر کی گئی ہے، اس میں اگر دیوار کی آڑ میں مکانات میں اور مکانات کی چھتوں پر جو لوگ نماز پڑھتے ہیں، ان کو امام کی تکبیر یا مکبر کی آواز سنائی دیتی

ہے، تو ان سب کی نماز درست ہوجائے گی۔

وعلى هذا الاقتداء في المساكن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحيح إذا لم يشتبه حال الإمام بسماع، أو رؤية، ولم يتخلل إلا الجدار. كما ذكر شمس الأئمة: فيمن صلى على سطح بيته المتصل بالمسجد، أو في منزله بجنب المسجد، وبينه و بين المسجد حائط مقتديًا بإمام في المسجد، وهو يسمع التكبير من الإمام، أو من المكبر تجوز صلوته. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/ ٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/ جمادی الثانیہ ١٤٢٣ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٦/ ٧٦٩٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٠/٦/١٤٢٣ھ

قریۂ کبیرہ میں متعدد مساجد میں جمعہ کا حکم

سوال [٣٥٧٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع گنگوار جس کی مردم شماری موجودہ حالت میں تقریباً ڈھائی ہزار ہے، جس میں چار مسجد ہیں کاروباری کام، نیز ضروریات زندگی کے جملہ سامان مہیا ہیں، ایک مدت سے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز اور بستی سے باہر عید کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے، مگر رمضان کے مہینہ میں جمعہ کی نماز ایک مسجد میں ناکافی ہوجاتی ہے؛ لہٰذا دوسری جگہ نماز جمعہ کا ارادہ ہورہا ہے، تو کیا متعدد جگہوں پر جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محلّہ ساکنان گنگوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اتنی بڑی آبادی میں جمعہ جائز ہوسکتا ہے؛ اس لئے کہ یہ قریۂ کبیرہ اور قصبوں کے حکم میں ہے اور اگرچہ سب مساجد میں جمعہ جائز ہوسکتا ہے، مگر ایسے گاؤں میں صرف ایک مسجد میں جمعہ ہونا چاہئے، جو مسجد سب سے بڑی ہو؛ لہٰذا بہتر صورت

یہی ہے کہ ان مساجد میں سے جوسب سے بڑی ہو، اس میں سب لوگ جمع ہوکر جمعہ کی نماز ادا کیا کریں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵/۵۷)

وتؤدیٰ (أي الجمعة) في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب......وعليه الفتوى. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، كراچي ۱۳۷/۲، زكريا ۵/۳، وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتب العلمية بيروت ۲٤۷/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵۹۳/۳۱)

قصبہ کی تینوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز کا حکم

سوال [۲۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی قصبہ میں تین مسجدیں ہیں، تو ان تینوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتي: محمد عباس، رائے پور، مقام وپوسٹ: رانی پور، جھانسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس جگہ اقامت جمعہ جائز ہے، وہاں تعدد جمعہ بھی جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/۱۷۵، زکریا جدید ۳/۲۲۱)

وتؤدیٰ في مصر واحدٍ في مواضع كثيرة الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا ۵/۳، كراچي ۱۳۷/۲، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، بيروت ۲٤۷/۱)

البتہ اگر چھوٹا شہر ہو یا قصبہ ہو تو اس میں ایک ہی مسجد میں جمعہ زیادہ افضل ہے، اگرچہ جائز سب میں کیوں نہ ہو۔

لو كان المصر صغيراً لا مشقة في اجتماع أهله في موضع واحدٍ لا تجوز فيه الزيادة على واحدٍ (إلى قوله) لأنها من أعلام الدين. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، بيروت ۱/۲٤۷، قديم ۱/۱٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۴۴/۲۵)

ایک محلّہ کی دو مسجد میں نماز جمعہ

سوال [۳۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک محلّہ ہے اور اس میں دو مسجدیں ہیں، جن میں سے ایک مسجد بڑی کہلاتی ہے اور ایک چھوٹی ہے اور محلّہ کے باہر ایک جامع مسجد ہے، جس میں جمعہ کی نماز ہوتی تھی اور اوپر کی دونوں مسجدوں میں نماز جمعہ نہیں ہوتی تھی، سارے لوگ اسی جامع مسجد میں جمعہ نماز ادا کرتے تھے، اتفاق ایسا ہوا کہ جامع مسجد کے امام صاحب چلے گئے اور اب محلّہ کی دونوں مسجدوں میں نماز جمعہ ادا ہونے لگی، جن میں پہلے نہیں ہوتی تھی اور دونوں مسجدوں کے درمیان غیر مسلموں کی آبادی بھی ہے اور ایک مسجد میں کل نمازی آٹھ، نو ہوتے ہیں اور ایک مسجد میں نمازیوں کی تعداد پندرہ، سولہ ہوتی ہے، اب اس چھوٹی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور ادا کی ہوئی نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: اعجاز احمد، محلّہ گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ دونوں مسجدیں ایسی جگہ ہیں، جہاں صحت جمعہ کی شرائط ہیں، تو ان مسجدوں میں جمعہ کی نماز صحیح ہوچکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۴۱۰)

وتؤدیٰ (أي الجمعة) في مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتوی. (درمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، کراچي ۱۳۷/۲، زکریا ۳/ ٥، وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲٤۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۹٦/۲٦)

ایک شہر میں متعدد مساجد میں نماز جمعہ

سوال[۳۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے، جب سے یہ مسجد قائم ہوئی ہے، اس دن سے آج تک جمعہ کی نماز نہیں ہوئی ہے، اب اس میں لوگ جمعہ کی نماز قائم کرنا چاہتے ہیں؛ لیکن اس مسجد کے آگے پیچھے تین تین منٹ کے فاصلے پر مسجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے پانچ منٹ کے فاصلے پر ایک جامع مسجد ہے۔ بہر حال کئی مساجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور جس میں جمعہ کی نماز قائم کرنا چاہتے ہیں وہ شہر میں داخل ہے، تو ایسی صورت میں اس مسجد میں جمعہ کی نماز قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ دلائل کے ساتھ جواب مطلوب ہے؟

المستفتی: مولوی فضل الرحمٰن، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قائم کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵/ ۷۵)

وتؤدیٰ (أي الجمعة) في مصر واحدٍ بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب......وعلیه الفتوی. (درمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، کراچي ۱۳۷/۲، زکریا ۱٥/۳، مصری ۱/ ٥٥۷، وکذا في مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجمعة، بیروت ۱/ ۲٤۷)

لیکن اگر زیادہ ضرورت نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ وہاں جمعہ قائم نہ کیا جائے تاکہ اختلاف فقہاء سے محفوظ رہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۵۴۷)

شہر کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ

سوال [۳۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن شہر کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں کو بند کر کے نماز جمعہ کے لئے بڑی بڑی مساجد میں جاتے ہیں، کیا بارش وغیرہ کے موقع پر اگر جامع مسجد یا بڑی مسجد میں نہ جایا جاسکے، تو چھوٹی مسجد میں نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شہر کے اندر جہاں جمعہ کی شرائط موجود ہیں کہیں بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے، اس لئے اگر بارش کی وجہ سے جامع مسجد جانا دشوار ہوجائے تو مقامی پنجگانہ مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، بشرطیکہ وہ مقام اداء جمعہ کی شرائط پوری کرتا ہو۔

ولو صلى الجمعة في قرية بغير مسجد جامع، والقرية كبيرة لها قرى، وفيها والٍ، وحاكم جازت الجمعة بنوا المسجد أو لم يبنوا......والمسجد الجامع ليس بشرط؛ ولهذا أجمعوا على جوازها بالمصلى في فناء المصر. (حلبي كبير، فصل صلاة الجمعة، اشرفية ديوبند ۵۵۱)

عن حذيفة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فضلنا على الناس بثلاثٍ: جُعلت صفوفنا كصفوف الملائكة، وجعلت لنا الأرض كلها

مسجداً. الحدیث (صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاة، النسخة الهندیة ۱/ ۱۹۹، بیت الأفکار رقم:۵۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍ شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۵۶/۴۰)	۱۹/۱۰/۱۴۳۴ھ

شہر کی چھوٹی مسجد میں نماز جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پٹھانوں والی مسجد محلّہ بھٹی میں جمعہ کی نماز قائم کرنا چاہتے ہیں، تقریباً ۱۵۰؍ آدمی نماز کے لئے آجائیں گے، تو کیا جمعہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحسیب، شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہر کے اندر ہر چھوٹی بڑی مسجد میں جمعہ قائم کرنے سے جمعہ کی فرضیت تو ادا ہوجاتی ہے، مگر جمعہ قائم کرنے کا مقصد اور حکمت شریعت میں یہی ہے کہ ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ شہر کے مختلف مقامات اور مختلف محلوں کے مسلمان کسی بڑی مسجد میں جمع ہوجائیں تاکہ اسلام کی شوکت کا اظہار ہوجائے؛ اس لئے شہر کی صرف بڑی بڑی مسجدوں میں جمعہ قائم ہونا چاہئے، چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ قائم نہیں کرنا چاہئے، اگر ہر چھوٹی مسجد میں قائم کیا جائے، تو جمعہ کا اصل مقصد اور اس کی روح ختم ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۶۳/۳، جدید زکریا ۱۰۴/۶)

وإقامة الجمعة من أعلام الدین، فلا یجوز القول بمایؤدي إلی تقلیلها. (مبسوط سرخسي، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۲۱/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۶۶۴/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۱۹ھ

محلّہ کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں جمعہ قائم کرنا

سوال [۸۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد پٹھانوں والی میں عرصہ سے جمعہ کی نماز نہیں ہوئی، اب مسجد کے مقتدی چاہتے ہیں کہ اس مسجد میں جمعہ کی نماز ہونی چاہئے، آپ کی اجازت چاہئے؟

المستفتی: بلال احمد، محلّہ شیدی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب بڑی مساجد میں شہر کے اندر مختلف جگہوں پر نماز جمعہ ہوتی ہے اور ان مساجد کے ذریعہ لوگ نماز جمعہ بآسانی ادا کر لیتے ہیں، تو پھر اس صورت میں محلّہ کی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں نماز جمعہ نہ پڑھنا بہتر ہے، اسی وجہ سے مولانا عبد الحق مدنیؒ نے شہر مرادآباد کی تمام چھوٹی مسجدوں سے نماز جمعہ ختم کروا دیا تھا، صرف بڑی مسجدوں میں جمعہ پڑھنے کی پابندی کروائی تھی تاکہ جمعہ کی روح باقی رہے۔

ولأن الحرج يندفع عند كثرة الزحام بموضعين غالباً فلا يجوز أكثر من ذلك. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، شرائط الجمعة، كراچي ۱/۲٦۱، زكريا ۱/۵۸۷)

واجتمع الناس على رجل فصلى بهم جاز للضرورة. وروي ذلك عن محمدؒ في العيون وهو الصحيح. (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتاب ديوبند ۵۰۷، قديم ۱/۲۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۰۳۰/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۴ھ

ایک شہر میں متعدد مساجد میں جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۵٧۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی قصبہ اور شہر میں نماز جمعہ چند مساجد میں ادا کرنے میں کیا حکمت ہے، اگر قصبے اور شہر کی اکثر مساجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت یا فتوی نافذ کردیا جائے تو کوئی قباحت تو نہیں، نماز جمعہ کے انعقاد کی حکمت تحریر فرمائیں اور اکثر مساجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے فتوی دینے میں قباحت ہے تو کیا ہے؟

المستفتی: مسعود الحسن رشیدی، سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی شہر یا قصبہ کے متعدد مقامات پر جمعہ قائم کرنا جائز ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ شہر میں مقیم دور دراز کے لوگوں کو نماز جمعہ ادا کرنے میں دشواری نہ ہو اور جمعہ جیسے عظیم الشان دن کے فضائل سے مکمل طور پر مستفیض ہوسکیں، مگر بلا ضرورت تعدد جمعہ مکروہ ہے، اب رہی یہ بات کہ نماز جمعہ منعقد کرنے کی حکمت تو ایک طرف اتحاد واخوت کے رشتہ کو مضبوط کرنے میں مدد ملے گی اور دوسری جانب اس جماعت کی بدولت مسلمانوں کے عقائد واعمال تحریف وفساد سے محفوظ رہیں گے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۴۳/۳، جدید زکریا ۲۹۱/۳، زکریا مطول ۱۷۵/۵، ارکان اربعہ ۲٧)

وتؤدي في مصر واحدٍ بمواضع كثيرة مطلقاً. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۱٤٤/۲، زكريا ۱۵/۳)

لأن في المصر في موضع أو موضعين حرجاً في المدن الكبيرة وهو مدفوع. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل صلاة الجمعة، اشرفية ديوبند ۵۵۲، حجة الله البالغة ۲۸۳/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۳۱۵)

چھ ہزار کی آبادی میں متعدد مقامات پر نماز جمعہ قائم کرنا

سوال [۳۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں جس کی آبادی ایک ہزار گھروں کی ہے، اس گاؤں میں جمعہ کی نماز ایک مسجد میں پہلے سے ہوتی چلی آرہی ہے، اب اسی گاؤں میں دوسرے محلے میں ایک عالم دین نے جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں قائم کیا اور تقریباً دو سال سے ہورہی ہے، اب مسئلہ دریافت یہ ہے کہ ان لوگوں کی جمعہ کی نماز ہورہی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: جن کی مردم شماری چھ ہزار ہوگی۔

المستفتی: حافظ عبد اللہ، مقام: جونکا، وایہ تین پہاڑ، صاحب گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے یہاں دو قسم کی آبادی میں جمعہ کی نماز پڑھنا فرض ہے۔

(۱) وہ آبادی جس میں شہر کی ساری علامات موجود ہوں، مثلاً گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، اس کے ماتحت دوسری چھوٹی آبادیاں ہوں، اس میں عدل وانصاف کے لئے صاحب اقتدار ذمہ دار ہوں۔

عن أبي حنيفةؒ: أنه بلدة كبيرة، فيها سكك، وأسواق، ولها رساتيق، وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته، وعلمه، أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة كراچي ١٣٨/٢، زكريا ٦/٣)

(۲) وہ آبادی جو بہت بڑی ہو، جس میں روزمرہ کی ضروریات کا سامان فراہم ہوتا ہو، تو اس میں جمعہ جائز ہوگا، ورنہ جائز نہ ہوگا؛ بلکہ لوگوں پر ظہر پڑھنا لازم ہوگا۔

وعبارة القهستاني: تقع فرضاً في القصبات، والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ١٣٨/٢، زكريا ٦/٣، كوئٹه ٥٩٠/١)

(و قوله) لا تجوز في الصغيرة (إلى قوله) لزمهم أداء الظهر الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٧/٣، كراچي ١٣٨/٢، كوئٹه ٥٩٠/١)

سوال نامہ میں درج شدہ گاؤں بظاہر دوسری قسم کی آبادی میں شامل ہے، جس کی آبادی چھ ہزار بتلائی جارہی ہے، وہاں جس مسجد میں پہلے سے جمعہ ہورہا ہے، اس میں اور جس میں قائم کرنا ہے اس میں بھی جمعہ جائز ہوگا، بہتر یہی ہے کہ کسی عالم دین فقیہ کو بلاکر معائنہ کرادیا جائے، وہاں کے حالات دیکھ کر جو وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ر جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴ ر ۷۰۷)

ایک شہر میں متعدد جگہوں پر جمعہ کا جواز

سوال [۳۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہسپتال دلی کینٹ میں ایک مسجد ہے، جو نصف صدی قبل مسلم ڈاکٹروں اور مسلم سپاہی مریضوں کی سہولت کے پیش نظر تعمیر کی گئی تھی، مگر ماضی قریب میں یہ مسجد غیر آباد تھی، مسلم فوجیوں کی کوشش اور توجہ سے ایک سال سے زائد عرصہ سے یہ مسجد دوبارہ آباد ہوگئی ہے اور انہیں کے اصرار پر وقف بورڈ نے اس میں مستقل امام کا تقرر کردیا ہے، استنجاء خانہ اور وضوخانہ کا بھی

یہاں معقول انتظام ہے، یہاں چونکہ مسلم بستی نہیں ہے اور نمازی فوجی لوگ ہیں یا راہ گیر شریک صلاۃ ہوجاتے ہیں، یہ لوگ نماز پنجگانہ کے ساتھ ساتھ نماز جمعہ بھی اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں اور دو سال سے نماز عید بھی یہیں ادا کرتے ہیں؛ جبکہ نصف کلومیٹر یا اس سے کچھ زائد فاصلہ پر جامع مسجد ہے، مگر فوجیوں کو سرکاری ڈیوٹی کی بنا پر جامع مسجد میں پہونچ کر نماز جمعہ یا نماز عیدین ادا کرنے میں پریشانی ہوتی ہے؛ اس لئے نماز جمعہ اور نماز عیدین بھی یہ فوجی لوگ اور مسلم سپاہی، مریض ہسپتال سے متصل اسی مسجد میں ادا کرتے ہیں، کیا شرعی نقطۂ نظر سے اس مسجد میں نماز جمعہ اور نماز عیدین ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شمشاد خان، دلی کینٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جی ہاں! شرعی نقطۂ نظر سے دلی جیسے عظیم شہر میں ایسی مسجد میں بلا شبہ و بلا تردد نماز جمعہ اور عیدین صحیح اور جائز ہوجائے گی، ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ و عیدین جائز ہے۔

إن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، زكريا ٣/٤٩، كراچي ٢/١٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶۶۵/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

برابر کی دو مسجدوں میں جمعہ کا قیام

سوال [۳۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو مسجدیں برابر برابر ہیں، دونوں کے درمیان حد فاصل صرف دیوار ہے، ایک مسجد بڑی ہے اور دوسری چھوٹی ہے، بڑی مسجد میں پنجوقتہ نماز کے ساتھ جمعہ بھی ہوتا ہے اور چھوٹی

مسجد میں پنجوقتہ نمازیں ہوتی ہیں جمعہ نہیں ہوتا ہے، اب چھوٹی مسجد والے جمعہ شروع کرنا چاہتے ہیں،تو ان کے لئے ایسی صورت میں اسلامی رو سے جمعہ قائم کرنا کیسا ہے؟ جبکہ بڑی مسجد سبھی لوگوں کے لئے کافی ہوجاتی ہے۔جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد اعظم ،نگرنگم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں مسجدیں اتنی قریب قریب ہیں کہ دونوں کے درمیان صرف ایک دیوار کا فاصلہ ہے اور بڑی والی مسجد میں پہلے ہی سے جمعہ ہوتا آرہا ہے، وہ اتنی بڑی مسجد ہے کہ مسجد کے متعلق پورے محلّہ کے لوگ آسانی سے جمعہ پڑھ سکتے ہیں،کوئی تنگی اور پریشانی نہیں ہے،تو ایسی صورت میں متصل والی چھوٹی مسجد میں جمعہ قائم کرنا مقصد جمعہ کی روح کو ختم کردینا ہے اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور اختلاف کی بنیاد قائم کرنا ہے؛ اس لئے فقہاء نے اس طرح کے مواقع میں دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

لو كان المصر صغيراً لا مشقة في اجتماع أهله في موضع واحدٍ لاتجوز فيه الزيادة على واحدٍ. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٤٨، قديم ١/١٦٧، المغنى لابن قدامه ٢/٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۵۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۴ھ

ایک مسجد میں دومرتبہ جمعہ پڑھنا

سوال [۳۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں کئی مسجدیں ہیں، ان میں سے صرف بڑی مسجد میں جمعہ

ہوتا ہے، جو آبادی کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کے دن ناکافی ہوجاتی ہے، جتنے آدمی جمعہ پڑھتے ہیں، اتنے ہی باقی رہ جاتے ہیں، تو کیا اس مسجد میں دوبارہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد قاسم، محمد پور، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایک مسجد میں صرف ایک ہی مرتبہ جمعہ ہوسکتا ہے، دوبارہ اس میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اگر اس میں گنجائش نہیں ہے، تو دوسری مسجدوں میں بھی جمعہ کا سلسلہ شروع کردیں۔

والظاهر أنه يغلق أيضاً بعد إقامة الجمعة؛ لئلا يجتمع فيه أحد بعدها.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/ ۳۳، كراچي ۲/ ۱۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

کیا ایک ہی مسجد میں دو مرتبہ نماز جمعہ جائز ہے؟

سوال [۳۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر ممبئی میں ایک جگہ ایسی ہے، جہاں دیوبندی مکتب فکر کی صرف ایک مسجد ہے اور وہاں دور دور تک کوئی دوسری مسجد نہیں ہے، ہاں ایک مسجد بریلوی حضرات کی ہے جو مسجد دیوبندی مکتب فکر کی ہے وہ اتنی وسیع نہیں ہے کہ اس میں تمام حضرات ایک ہی مرتبہ نماز جمعہ پڑھ سکیں، تو کیا ایسی مجبوری کی حالت میں اس میں دوبارہ نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد زبیر، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بوقت ضرورت ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ قائم کرنا جائز اور درست ہے؛ اس لئے جو علاقہ ایسا ہو کہ اس میں صرف ایک ہی مسجد ہو اور اس میں علاقہ کے تمام لوگ یکبارگی جمعہ نہ ادا کرسکیں، تو اس علاقہ کے تمام لوگوں کا دینی فریضہ ہے کہ وہ مسجد کی توسیع کریں اور جب تک مسجد کی توسیع یا بڑی مسجد نہ بن سکے اس وقت تک کسی کھلے میدان میں یا کسی پارک میں نماز جمعہ ادا کرسکتے ہیں، ایک مسجد میں دوبار جمعہ ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۲/۲۶۷، فتاوی دار العلوم ۵/۱۵)

وتؤدیٰ في مصر واحدٍ بمواضع كثيرة مطلقاً. وعليه الفتوى.
(درمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، كراچي ٢/١٤٤-١٤٥، زكريا ٣/١٥)

ويكره تحريمًا تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد. وفي الشامية تحته: وإقامة، ومقتضي هذا الاستدلال كراهة التكرار في مسجد المحلة، ولو بدون أذان و يؤيده ما في الظهيرية: لو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى فيه أهله يصلون وحدانًا، وهو ظاهر الرواية الخ. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، كراچي ١/٥٥٢، ٥٥٣، زكريا ٢/٢٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۵۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۵ھ

ایک ہی مسجد میں مقتدیوں کی کثرت کی بناء پر دو مرتبہ نماز جمعہ ادا کرنا

سوال [۳۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ایسی مسجد جو تین منزلہ ہے شہر میں واقع ہے، اس میں نماز ہوتی ہے، لوگ اتنی

کثیر تعداد میں شرکت کرتے ہیں کہ مسجد اپنے وسیع ہونے کے باوجود تنگ پڑ جاتی ہے، جس کی بناء پر نماز جمعہ اس کے اندر دو مرتبہ ہوتی ہے، دو مرتبہ نماز جو ہوتی ہے اس کے امام الگ الگ ہیں اور دونوں ہم مسلک ہیں، تو دونوں کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں، اگر نہیں ہوتی ہے تو پہلے والے کی نہیں ہوتی یا دوسرے کی نہیں ہوتی اور کیوں نہیں ہوتی؟ شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسعد فیض آبادی، خان گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شہر میں اس مسجد کے علاوہ کوئی دوسری مسجد دور دور تک نہیں ہے جہاں جا کر یہ لوگ اپنا فریضہ ادا کرسکیں اور دوسری جماعت کرنے کے لئے کوئی دوسری جگہ بھی نہیں ہے اور دوسری جماعت نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کی ایک بھاری تعداد جمعہ سے محروم ہوجاتی ہے اور اس تعداد کو وقت پر حاضر ہونے میں کوئی تاخیر بھی نہیں ہوتی ہے، تو ایسی شدید ضرورت کے تحت اس مسجد میں دو مرتبہ جمعہ کی نماز پڑھی جانے کی گنجائش ہے، مگر جماعت ثانیہ کے لئے باقاعدہ اذان نہ دی جائے، اس کی گنجائش اس وقت تک ہے کہ جب تک دوسری مسجد کا نظم نہ ہو، سب لوگوں پر ضروری ہے کہ دوسری مسجد قائم کرنے کا انتظام کریں، تکرار جماعت کی ممانعت اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے اصل جماعت متاثر ہوجاتی ہے، یہاں سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متاثر نہیں ہے۔ نیز یہاں تکرار نہ کیا جائے تو شہر کے لوگوں کی بھاری تعداد کو جمعہ سے محروم ہونا پڑے گا۔

ولأن في الإطلاق هكذا تقليل الجماعة معنى، فإنهم لا يجتمعون إذا علموا أنها لاتفوتهم الخ. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، زكريا ٢/٢٨٩، كراچي ١/٥٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۳۲/۳۳)

جمعہ کے دن چار رکعت احتیاط الظہر پڑھنا

سوال[۳۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جمعہ کی نماز پڑھتا ہے؛ لیکن جمعہ کے فرائض وسنن کے بعد پھر چار رکعت احتیاط الظہر کے نام سے پڑھتا ہے آیا یہ صحیح ہے یانہیں؟ مع دلائل وحوالۂ کتاب تحریرفرمائیں۔

المستفتی: حمیدالرحمٰن، ۲۴؍ پرگنہ، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: احتیاط الظہر شہر میں اس لئے مکروہ ہے کہ عوام الناس جمعہ کی فرضیت میں شک کرنے لگیں گے اور دیہات میں؛ اس لئے کہ وہاں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ نماز ظہر ہی فرض ہے تو جمعہ کو صحیح سمجھ کر احتیاط الظہر کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۳۸/۵، فتاوی رشیدیہ ص: ۳۳۰-۳۴۹-۳۵۰)

و في البحر وقد أفتيت مراراً بعدم صلوة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة، وهو الاحتياط في زماننا. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/ ۵، كراچي ۲/ ۱۳۷، مصري ۱/ ۵۸۹)

وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض (إلى قوله) فكان الاحتياط في تركها الخ. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا ۲/ ۲۵۲، كوئٹه ۲/ ۱۴۳)

علامہ شامیؒ نے مختلف دلائل سے جائز لکھا ہے؛ لیکن وہ سب دلائل ہمارے نزدیک مخدوش ہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۳۵)

احتیاط الظہر

سوال[۳۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں جمعہ کی نماز کے بعد لوگوں میں احتیاط الظہر پڑھنے کا معمول ہے، ہمیں معلوم یہ کرنا ہے کہ ان کا یہ عمل کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن، ۲۴ر پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہر یا قصبہ میں جہاں جمعہ کی صحت کے تمام شرائط پائے جاتے ہیں، وہاں جمعہ کے دن جمعہ کی نماز ہی ادا کی جائے، جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط الظہر کی نیت سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ نیز جمعہ جیسی فرض نماز کی ادائیگی میں شک پیدا کرنا ہے جو شرعاً درست نہیں ہے؛ اس لئے مسلمانوں کو اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۲۷۱، جدید زکریا ۳/۲۲۰، جدید زکریا مطول ۲۶۵/۵، محمودیہ ڈابھیل ۳۵۳/۸، عزیز الفتاوی ص: ۲۷۳)

ليس الاحتياط في فعلها؛ لأن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين، وأقواهما إطلاق جواز تعدد الجمعة، وبفعل الأربع مفسدة اعتقاد الجهلة عدم فرض الجمعة، أو تعدد المفروض في وقتها. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، دارالكتاب ديو بندص:٥٠٦، هكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كوئٹه ٢/١٤٣، زكريا ٢/٢٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۷۷/۳۸)

جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا

سوال [۳۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی نے جمعہ کی نماز ادا کر لی پھر بطور احتیاط ظہر کی نماز پڑھ لی تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد طارق انور رشیدی، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن مقامات پر جمعہ جائز ہے، جیسے فناء شہر، قصبہ وغیرہ تو وہاں پر احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہیں اور جہاں پر جمعہ جائز نہیں جیسے قریۂ صغیرہ تو ان میں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ وہاں والوں پر ظہر کی نماز پڑھنا لازم ہے؛ لہٰذا احتیاط الظہر پڑھنا درست نہیں ہے۔

وفي البحر: وقد أفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة، وهو الاحتياط في زماننا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۳۷، زكريا۳/۵)

فيتكا سلون عن أداء الجمعة، فكان الاحتياط في تركها. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا۲/۲۵۲، کوئٹہ۲/۱۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۸۹۱/۳۵)

بڑی آبادی میں جمعہ کے بعد کچھ لوگوں کا جماعت سے ظہر کی نماز پڑھنا

سوال [۳۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جس گاؤں میں رہتا ہے، اس کی آبادی تقریباً اٹھائیس سو سے کچھ اوپر ہے، چھوٹی

چھوٹی کافی دوکانیں ہیں، روزمرہ کی ضروریات کے لئے باہر نہیں جانا پڑتا، اسی گاؤں سے پوری ہوجاتی ہیں، قرب وجوار کے لوگ بھی آکر اپنی ضروریات کا سامان لے جاتے ہیں، یہ گاؤں شہر سے تقریباً ۱۸رکلومیٹر اور قصبہ سے تقریباً تین چار کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے، قصبہ وشہر چھوڑ کر قرب وجوار میں سب سے بڑا گاؤں یہی ہے؛ اس لئے لوگ اپنی گفتگو میں اس کو بڑا گاؤں شمار کرتے ہیں اور اسی گاؤں سے حکومت نے تین اور گاؤں جوڑ رکھے ہیں، جن کا پردھان ایک ہوتا ہے، ان کی دوری گاؤں سے تقریباً ڈھائی تین فرلانگ ہوگی۔ درمیانی حصہ پر کھیت، تالاب، نہر وغیرہ موجود ہے، ووٹر لسٹ تقریباً پندرہ سو سے کچھ اوپر ہے اور مجموعی آبادی تقریباً پانچ ہزار کے قریب ہوگی، گاؤں کے مکانات کچھ خام، کچھ پختہ اور راستے تقریباً سارے پختہ ہیں اور زید کے گاؤں سے ملحق ایک اور گاؤں ہے، جس کے کچھ مکان مکمل وغیر مکمل زید کے گاؤں سے ملے ہوئے ہیں، پرانی آبادی اور ان مکانوں کے درمیان تقریباً ڈھائی تین سوقدم یا میٹر کا فاصلہ ہے، یہ گرام کی زمین ہے، جو اسی ملحق گاؤں کی ہے، اس درمیانی حصہ پر اسی گاؤں کے مسلمانوں کا قبرستان اور تالاب بھی واقع ہے اور کچھ حصہ پر گھورے کھلیان بھی ڈالے جاتے ہیں، اسی زمین پر ہفتہ میں دو دن بازار بھی لگتا ہے، جو کافی بڑا بازار ہے، اسی گاؤں میں ڈاکخانہ، پنچایت گھر، ٹیلی فون اور دو رویا دوکانیں بھی موجود ہیں، زید کے گاؤں اور اس گاؤں کا ڈاکخانہ ایک ہی ہے، اگر اس کی آبادی بھی جوڑ دی جائے، تو تقریباً چھ ہزار کے قریب پہونچ جائے گی، مگر دونوں بستیوں کے پردھان الگ الگ ہیں، کیا صورت مسئولہ میں زید اپنے گاؤں میں جمعہ وعیدین پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

اگر کچھ لوگ احتیاطاً جمعہ نہ پڑھیں تو کیا مسجد میں اسی مصلیٰ پر جماعت ثانیہ سے ظہر ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا ظہر پڑھنے والے ترک جمعہ کی وجہ سے گنہگار تو نہیں ہوں گے؟ اسی طرح جمعہ پڑھنے والے ترک ظہر کی وجہ سے گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

نـــوٹ: مسجد طول وعرض میں کافی بڑی ہے، اس کے باوجود بستی کے سارے لوگ اس میں سما نہیں سکتے قرب وجوار میں رہنے والے مسلمان بھی زید کے یہاں آکر جمعہ وعیدین میں شریک ہوتے

ہیں، جس سے ان میں تبلیغ دین کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

المستفتی: ابواشرف، خادم مدرسہ تعلیم القرآن، حاجی گنج قنوج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کے گاؤں کی آبادی ۲۸۰۰ رہے اور اس میں ضروریات زندگی کی اشیاء بھی مل جاتی ہیں، تو ایسی صورت میں وہ گاؤں قصبہ کے حکم میں ہے، ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔ نیز سوال نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے متصل دوسرے گاؤں ایسے ملے ہوئے ہیں کہ دیکھنے میں محسوس ہوتا ہے کہ دونوں گاؤں ایک ہیں، اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو اور زیادہ جواز جمعہ میں قوت آجائے گی، پھر اس میں احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ صرف جمعہ پڑھنا کافی ہے۔

وتقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الکبیرة التي فیها أسواق. قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف. (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۳۸، زکریا ۳/۶)

لأنهما متحدان حکما. (کتاب الصلاة، باب المسافر، کراچي ۲/۱۲۶، زکریا ۲/۶۰۷، الموسوعة الفقهیة، الکویتیة ۲۷/۲۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر یکم ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۰۸۶)

نماز جمعہ کے بعد ظہر کی جماعت

سوال [۳۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں بہاری پور ضلع گونڈہ میں ہے، وہاں ایک سلسلے میں جانا ہوا، حیرت ہوئی اور کافی تکرار ہوئی، مگر وہاں کے مولوی جو اپنا مدرسہ جمائے ہوئے ہیں ماننے کو تیار نہیں، مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ ہوا، پھر فرض جمعہ کے بعد تکبیر ہو کر نماز ظہر باجماعت ہوئی، ہم لوگوں نے نماز ظہر ادا نہیں کی؛ جبکہ فرنگی محل مولانا ہاشم میاں نے منع کیا ہے، نماز ظہر نہیں ہونی چاہئے۔

مفتی ظہور صاحب نے بعد جمعہ نماز ظہر سے منع کیا ہے، گاؤں کی آبادی ڈیڑھ دو ہزار ہے، چھوٹی موٹی چیزیں ضرورت کی مل جاتی ہیں، کیا نماز جمعہ کے بعد نماز ظہر ادا کرنی ناجائز ہے یا نہیں؟ ہاں تو کیا صورت ہے اور نہیں تو کیا صورت ہے؟ مبارک پور لکھا، مگر جواب نہیں آیا برائے کرم ہم مریدوں کو اطمینان دلائیں تاکہ ہم لوگ ان سے گفتگو کریں، جو کبھی نہیں تھا وہ اب کیوں؟

المستفتی: غلام احمد عزیزی، حکمت بخش صابری، جمال خاں مبارک پوری لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ ایسی آبادی ہے، جس میں صحت جمعہ کی شرائط موجود نہیں ہیں، تو نماز ظہر باجماعت مع تکبیر کے ادا کرنا درست ہے؛ کیونکہ جمعہ صحیح نہیں ہوا ہے اور اگر ایسی آبادی ہے کہ جس میں صحت جمعہ کی شرائط موجود ہیں، تو نماز جمعہ کے بعد باجماعت ظہر کی نماز صحیح ودرست نہیں ہے۔

لو صلوا في القریٰ لزمهم أداء الظهر الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٦، كراچي ٢/١٣٨)

تقع فرضاً في القصبات، والقریٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٦، كراچي ٢/١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

احتیاط الظہر کا ثبوت اور شرائط

سوال [۳۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احتیاط الظہر ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو اس کے شرائط بیان کریں کہ کب اور کہاں ادا کی جائے؟

المستفتی: مہدی حسن، ۲۴ر پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احتیاط الظہر کے نام سے جمعہ کے بعد چار رکعت نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے، اس کی وجہ سے ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز جو پڑھی گئی ہے، اس کے صحیح ہونے میں شک ہے، جبکہ جن علاقوں میں جمعہ کی نماز صحیح ہوتی ہے، وہاں پر فرض کی ادائے گی بھی ہوتی ہے اور فرض کی ادائیگی کے بعد اس میں شک اور تردد پیدا کر کے ۴ر رکعت دوبارہ پڑھنا اپنی عبادت کے اندر شک پیدا کرنا ہے؛ اس لئے احتیاط الظہر پڑھنا درست نہیں۔

ومنشأ جهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر، وإنما وضعها بعض المتأخرين عند الشک في صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها في مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة، وليس هذا القول أعني اختيار صلاة الأربع بعدها مروياً عن أبي حنيفةؒ وصاحبيه حتى وقع لي أني أفتيت مراراً بعدم صلاتها خوفًا على اعتقاد الجهلة بأنها الفرض وإن الجمعة ليست بفرض. (البحر الرائق، باب صلاة الجمعة، زكريا ٢/٢٤٥، كوئٹه ٢/١٣٩، وهكذا في حاشية الطحطاوي على الدر، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كوئٹه ١/٣٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۹۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۱ھ

(۳) فصل في أذان الجمعة

جمعہ کی اذان اول کا وقت زوال کے فوراً بعد

ایک دوست نے بار بار فون پر یہ مسئلہ احقر کے سامنے دہرایا کہ جمعہ کی اذان اول زوال کے فوراً بعد دینا لازم ہے یا نہیں؟

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ کی طرف لزوم اور وجوب کو منسوب کیا ہے (جو قابل تردد ہے) اور آنے والی تحریر سے بات واضح ہو جائے گی اور اس مسئلہ پر دارالافتاء دارالعلوم کراچی اور جامعہ مدنیہ لاہور اور حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کے مفصل جوابات ہیں اور بعد میں حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ وغیرہ کی تائیدی تحریر ہے، جو فتاوی عثمانی ۱/۵۳۰ تا ۵۴۶ میں موجود ہے، ان سب تحریرات کو مستفتی کے سوال کے مطابق یہاں بھی درج کردیا گیا ہے، اخیر میں دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب ہے ملاحظہ فرمائیے:

سوال [۳۵۹۲]: حضرت مفتی صاحب سے ایک اہم مسئلہ کے متعلق دریافت کرنا ہے، جب سے یہ مسئلہ نظر سے گذرا الجھن ہی رہی، مسئلہ یہ ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ نے فتاوی عثمانی میں یہ لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان اول بعد زوال متصلاً فوراً دینا واجب ہے، ورنہ اس کا گناہ ہوگا اور بہت لمبا فتویٰ ہے، آخر میں مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی اور مولانا سحبان محمود صاحب کی تائید بھی موجود ہے اور اس مضمون کا فتوی دارالعلوم کراچی کی طرف سے لکھا گیا ہے، جس میں بہت سارے مفتیان کرام کے دستخط موجود ہیں اور مفتی عبدالواحد صاحب جامعہ مدنیہ لاہور اور مفتی عبدالشکور ترمذی کی طرف سے بھی لکھا گیا ہے: اس لئے ہم بڑی تشویش میں مبتلا ہیں؛ کیوں کہ ہمارے ہندوستان میں اکثر مساجد میں جمعہ کی اذانِ اول زوال کے فوراً بعد نہیں دی جاتی ہے، آپ سے گذارش ہے کہ اس بارے میں اپنا تحقیقی جواب تحریر فرمائیں، اگر فتاویٰ عثمانی میں جو مسئلہ لکھا گیا ہے، وہی صحیح ہے تو پورے ہندوستان میں جمعہ کے دن اکثر مسجدوں میں اذان اول وقت پر نہ دینے کے گناہ کے مرتکب ہورہے ہیں، امید کہ جواب باصواب سے نوازیں گے۔

فتاوی عثمانی میں اس سلسلے میں جو فتوے ہیں، وہ اس سوال سے منسلک ہیں، آپ سے فون پر بھی اس سلسلے میں تفصیلی بات ہوئی ہے اور دو مرتبہ ہوئی ہے اور آپ نے کہا کہ کتاب کی مراجعت کے بعد کوئی جواب دینا مناسب ہوگا؛ اس لئے یہ تحریر پیش خدمت ہے، تحقیق سے جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ، سردھنہ، میرٹھ

حافظ صغیر احمد کا سوال اور دارالافتاء دارالعلوم کراچی کا جواب

ترک سعی کے گناہ سے بچنے کے لئے اذان اول کو تقریر سے مؤخر کرنے کا حکم

(سب سے پہلے اس موضوع سے متعلق حافظ صغیر احمد صاحب کے ایک سوال کے جواب میں دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے درج فتوی جاری کیا گیا)

جمعہ کی اذان اوّل کے متعلق ایک استفتاء اور اس کا جواب

سوال [۳۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن اذان اول کے بعد فقہائے کرام کے نزدیک "**سعي إلى الجمعة**" واجب ہے، جس کا مطلب سب کے نزدیک یہ ہے کہ نمازی مسجد کی طرف چل پڑے اور مسجد کی طرف چلنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہئے، اِلا یہ کہ جمعہ کی تیاری میں مشغول ہو، یعنی غسل کرر ہا ہو، کپڑے تبدیل کرر ہا ہو، تیل، سرمہ یا عطر لگار ہا ہو اور پھر اس سے فارغ ہوتے ہی مسجد کی طرف چل پڑے۔

نیز اگر کبھی اذان اول سے قبل جمعہ کی مذکورہ تیاری سے فارغ نہ ہوسکا ہو یا تیاری شروع نہ کر سکا ہو، تو اذان اول پر فوراً تیاری میں مشغول ہوجائے، بشرطیکہ خطبے کی اذان سے اتنا قبل فارغ ہوکر مسجد میں پہنچ سکے کہ بہ سہولت سنتیں ادا کرسکے، اگر ایسا ممکن نہ ہوتو پھر جمعہ کی تیاری

(غسل وغیرہ) کی سنتوں کو موقوف کر کے واجب (مسجد) کی طرف چل پڑے۔
نیز مصلی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جمعہ کی مذکورہ تیاری اذان اول کے ساتھ شروع کرنے کی عادت نہ بنائے اور یہ جانے کہ تیاری کی صرف اذان اول کے بعد اجازت ہے اور اصل یہی ہے کہ اذان اول کے بعد سعی الی الجمعۃ کے تحت فوراً مسجد کی طرف چل پڑے کہ یہ عمل واجب ہے اور تاخیر سے واجب کی ادائیگی میں تاخیر کا گناہ ہوگا۔
۲: یہ بات بھی سب فقہائے کرام کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ اذان اول سے قبل یا اذان اول کے ساتھ کوئی مصلّی تیاری سے فارغ ہو کر بجائے مسجد میں آنے کے گھر میں ہی صلوۃ التسبیح، نوافل ادا کرتا ہے یا تلاوت میں مشغول ہوتا ہے تو یہ مشغولی ناجائز ہے۔
اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اکثر مساجد میں اذان اول اور اذان خطبہ کے درمیان نصف گھنٹہ تا زائد از ایک گھنٹہ بھی وقفہ ہوتا ہے، جس کے دوران ہمارے بلاد اپنے اندر سننے والوں کے لئے پسند وناپسند کی بہت سی وجوہ رکھتے ہیں، اسی وجہ سے تقاریر کے سننے اور نہ سننے میں نمازیوں کا ذوق ومزاج مختلف ہوتا ہے؛ اس لئے اکثر نمازی اس تقریر کئے جانے والے وقت کو دیگر اپنے نجی کاموں کو پورا کرنے میں صرف کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔
آیا صوت مذکورہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ نمازی، جمعہ کی تیاری سے فارغ ہو کر گھر میں ہی تلاوت، صلوۃ التسبیح وغیرہ میں مشغول رہیں؟ گھر کے یا نجی کاموں میں شامل رہیں اور سنتیں بھی گھر ہی میں ادا کریں اور خطبے کی اذان سے قبل یا خطبے کی اذان کے ساتھ ساتھ مسجد میں پہنچ جائیں؟ اگر اس کی گنجائش نہیں تو ایسا کرنے والا کس درجہ کا گنہگار ہوتا ہے؟ جواب سے جلد مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: صغیر احمد
احسان منزل، امیر معاویہ روڈ، راج گڑھ،
چوبرجی، لاہور ۵۴۰۰۰

(اس استفتاء کا دارالافتاء دارالعلوم کراچی کی جانب سے یہ جواب دیا گیا جو ''البلاغ'' کراچی کے شوال

۱۴۱۵ھ کے شمارے میں بھی شائع ہوا)

جواب: جن لوگوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے، ان کے لئے جمعہ کے دن جمعہ کی پہلی اذان سے لے کر نماز جمعہ سے فارغ ہونے تک مفتی بہ قول کے مطابق خرید وفروخت کرنا ،سونا ،کسی سے باتوں میں مشغول ہونا، یہاں تک کہ بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور کسی کتاب وغیرہ کا مطالعہ کرنا وغیر ذلک ،غرض وہ سارے کام اور مشاغل جو جمعہ کی طرف جانے کے اہتمام میں مخل ہوں ،سب کے سب مکروہ تحریمی یعنی ناجائز ہیں ،صرف کھانے کے مسئلے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کھانے کی طرف رغبت اتنی غالب ہو کہ نماز کے دوران دل اس میں لگا رہنے کا اندیشہ ہو اور نماز سے فراغت تک کھانا بےلذت ہو جانے کا خطرہ ہو تو کھانا کھایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ خطبۂ جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو،اس کے علاوہ جمعہ کی تیاری کے متعلق جو کام ہیں وہ کئے جاسکتے ہیں، جیسے غسل کرنا، وضو کرنا، لباس پہننا وغیرہ؛ لیکن قصداً ان کاموں کو اذان اول تک مؤخر نہ کرنا چاہئے۔

البتہ ایک اہم بات جو توجہ طلب ہے وہ یہ کہ احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ آپ ﷺ زوال شمس کے بعد جلد نماز جمعہ پڑھ لیتے تھے اور ایسا ہی حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بشمول خلفائے راشدینؓ نماز جمعہ زوال کے بعد جلد پڑھی جاتی تھی؛ لہذا جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اذان اول شروع ہوئی تو اس اذان اول اور خطبے کے درمیان زیادہ وقفہ نہیں ہوتا تھا؛ لیکن آج کل نماز جمعہ عموماً زوال کے بعد تاخیر سے ادا کی جاتی ہے اور پھر خطبۂ جمعہ سے قبل تقریر کا دستور ہو جانے کی وجہ سے خطبہ ونماز جمعہ میں مزید تاخیر ہو جاتی ہے اور اذانِ اول اور خطبے کے درمیان بہت وقفہ ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں لوگوں کے اندر یہ غفلت پائی جاتی ہے کہ لوگ اذان اوّل کے بعد سعی الی الجمعۃ کا اہتمام نہیں کرتے کہ ابھی خطبے میں بہت وقت ہے،لوگوں کے اس گناہ میں مبتلا ہونے کا ایک سبب ان کی اپنی کوتاہی اور سستی کے علاوہ مساجد کے منتظمین بھی ہیں؛ اس لئے منتظمین کو چاہئے کہ وہ اذان اوّل کے بعد جلدی جمعہ ادا

کرنے کا اہتمام کریں؛ کیونکہ اگر چہ نماز جمعہ کا اصل وقت (یعنی ابتداء اور انتہاء کے اعتبار سے) ظہر والا ہی ہے؛ لیکن ظہر کی نماز کی طرح جمعہ میں ابراد کرنا اولی نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ میں تعجیل افضل ہے؛ چنانچہ فتاوی رشیدیہ میں ہے کہ:-

جمعہ وظہر کا وقت ایک ہے، مگر جمعہ کو ذرا پہلے پڑھنا کہ لوگ سویرے سے آئے ہیں، ان کو جلد فراغت ہوجائے تو بہتر ہے، فقط۔ (فتاوی رشیدیہ ص: ۲۵۳، زکریا جدید ۲۷۸)

اسی طرح مفتیٔ اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ اپنے فتاوی عزیز الفتاوی میں اس سوال کے جواب میں کہ جمعہ کو سوا بجے پڑھنے والے افضلیت پر ہیں یا ڈھائی بجے پڑھنے والے افضلیت پر ہیں؟ لکھتے ہیں کہ:

جمعہ میں تعجیل افضل ہے، ایک بجے، سوا بجے پڑھنے والے افضلیت پر ہیں۔

(عزیز الفتاوی، دارالاشاعت کراچی ص: ۲۷۴)

اور دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

حنفیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جمعہ میں تعجیل مستحب ہے، ابراد یعنی تاخیر جو کہ ظہر کی نماز میں موسم گرما میں مستحب ہے وہ جمعہ میں نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ کو جلد ادا کرنا مستحب ہے اور احادیث سے بھی جمعہ کی تعجیل ہی ثابت ہوتی ہے، پس زوال کے بعد مثلاً ساڑھے بارہ بجے اذانِ جمعہ ہونی چاہئے، پھر دس پندرہ منٹ بعد خطبہ اور اس کے بعد نماز ہونی چاہئے، مثلاً ایک بجے تک یہ سب کام ہوجائیں یا کسی قدر کم وبیش ہو۔ (عزیز الفتاوی، مکتبہ دارالاشاعت، کراچی ص: ۲۹۸)

لہٰذا منتظمین کو چاہئے کہ وہ زوال کے بعد جلدی جمعہ ادا کیا کریں اور نیز اذان اول اور خطبے کے درمیان زیادہ وقفہ نہ کیا کریں اور اس کی صورت یہ ہے کہ اذان اوّل کے کافی دیر بعد تقریر شروع کرنے کے بجائے اذان اول کے فوراً بعد تقریر شروع ہوجائے اور مختصر تقریر کے بعد خطبے کے لئے اذان دی جائے اور پھر خطبہ اور نماز پڑھ لی جائے یا اذان اول، تقریر کے فوراً بعد ہو اور اس کے بعد صرف اتنا وقت ہو کہ جو لوگ ابھی مسجد میں نہیں آئے، وہ مسجد میں آ کر

سنتیں پڑھ سکیں اوراس کے بعداذان ثانی اورخطبہ ونماز ہو۔

لیکن چونکہ یہ طریقہ آج کل معروف نہیں ہے؛اس لئے اس کوشروع کرنے سے پہلے لوگوں کو مسئلہ بتا کرذہنی طور پر تیار کرلیا جائے تا کہ وقت پرلوگوں کوتشویش نہ ہو؛لیکن بہرحال اذان اول کے بعدگھر کے کام کاج میں رہ کرتلاوت یا صلوۃ التسبیح وغیرہ میں مشغول ہونا جائز نہیں ہےاورایسا کرنے والامکروہ تحریمی کا مرتکب ہوگا۔

قال الله تعالى: يٰٓاَيُّها الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ. [سورة الجمعة:۹]

وفي تنوير الأبصار ۱۶۱/۲ (طبع سعيد) ۳۸/۳ (زكريا ديوبند) ووجب سعى إليها و ترك البيع بالأذان الأوّل. و في الشامية: تحت (قوله و ترك البيع) أراد به كل عمل ينافي السعي و خصه إتباعاً للآية، نهر.

و في بدائع الصنائع: ۲۶۵/۱ (طبع ايچ ايم سعيد) زكريا ديوبند ۵۹۵/۱، لما روي عن عمرؓ أنه كان يخطب يوم الجمعة، فدخل عليه عثمانؓ، فقال له أية ساعة هذه؟ فقال: ما زدت حين سمعت النداء يا أمير المؤمنين! على أن توضأت، فقال: والوضوء أيضاً؟ وقد علمت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بالاغتسال.

و في الدر المختار: ۱۶۳/۲، (طبع سعيد زكريا ديوبند ۴۱/۳) سمع النداء وهو يأكل تركه إن خاف فوت جمعة أو مكتوبة لا جماعة. وفي الشامية: والأكل أي الذي تميل إليه نفسه ويخاف ذهاب لذته عذر في ترك الجماعة، كما مر في بابها لكن يشكل ما مر من وجوب السعي إلى الجمعة بالأذان الأول وترك البيع ولو ماشيًا، والمراد به كل عمل ينافي السعي، فتأمل.

و في تقريرات الرافعي بتقييد ما مر بما هنا يندفع الإشكال، وذلك

لأن حضور الأكل المذكور حيث كان عذراً في سقوط واجب الجماعة لشغل بال المصلّي يكون عذراً في سقوط واجب السعي؛ إذ لا فرق بين واجب وواجب بخلاف ما إذا خاف فوت الجمعة، أو الوقت لفوات الفرض لا الواجب. (باب الجمعة ۱۱۳، جديد زكريا ۳/۱۵۲)

وفي صحيح البخاري ۱/۱۲۳، (طبع قديمي كتب خانه) عن أنس بن مالكؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس، وعنه أيضاً قال: كنا نبكر بالجماعة ونقيل بعد الجمعة. (النسخة الهندية، رقم: ۸۹۵، ف:۹۰٤)

وفي المصنف لعبد الرزاق (۳/۱۸۵، رقم الحديث: ۵۲۱۲) **عن عطاء قال: بلغني أن عثمان كان يجمع، ثم يقيل الناس بعد الصلاة.** (مصنف ابن أبي شيبة، باب من كان يقيل بعد الجمعة ويقول هي أول النهار، ۱/٤٤٤، رقم:۵۱۲۳، طبع مكتبة الرشد، رياض)

و في مصنف لابن أبي شيبة (۲:٦:۱) أخبرنا محمد بن سعد الأنصاري عن أبيه، قال: كنا نجمع مع عثمان بن عفانؓ ثم نرجع فنقيل. (تحقيق شيخ عوامه ٤/٦۰، رقم:۵۱٦٤)

وفيه أيضاً (۲:۸:۱) عن أبي رزين قال: كنا نصلي مع عليؓ الجمعة فأحيانًا نجد فيئاً وأحيانا لا نجده. (تحيقيق شيخ عوامه ٤/٦٤، رقم: ۵۱۸٦)

وفي الدر المختار (۱/۲٦۷) (وجمعة كظهر أصلا واستحبابًا) في الزمانين؛ لأنها خلفه (مكتبة زكريا ديوبند ۲/۲۵)

و في الشامية (قوله أصلا) أي من جهة أصل وقت الجواز وما وقع في اٰخره من الخلاف (وقوله استحباباً في الزمانين) أي الشتاء، والصيف ح، لكن جزم في الأشباه من فن الأحكام أنه لا يسن لها الإبراد. وفي جامع

الفتاوى لقارئ الهداية: قيل أنه مشروع؛ لأنها تؤدى في وقت الظهر وتقوم مقامه، وقال الجمهور: ليس بمشروع لأنها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض إلى الحرج ولا كذلك الظهر و موافقة الخلف لأصله من كل وجه ليس بشرط. (شامي، مكتبه زكريا ديوبند ۲/ ۲۵) **واللہ اعلم بالصواب**

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ	احقر محمد تقی عثمانی عفا اللہ عنہ	سحبان محمود	عبید اللہ انور میر پوری
الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
بندہ محمود اشرف غفر اللہ لہ	بندہ عبد الرؤف سکھروی	محمد عبد المنان عفی عنہ	اصغر علی ربانی

(ان ہی دنوں میں اس مسئلے سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں جناب مولانا ڈاکٹر عبد الواحد صاحب نے ایک فتویٰ تحریر فرمایا جو رجب ۱۴۱۵ھ کے رسالہ ''انور مدینہ'' میں شائع ہوا، یہ فتویٰ درج ذیل ہے)

جمعہ کی اذان اوّل کے بعد بیع وشراء وغیرہ ممنوع کاموں کے ارتکاب سے لوگوں کو بچانے کے لئے کیا اذان اول کو مؤخر کرنا جائز ہے؟

سوال [۳۵۹۴]: جمعہ کی اذان اوّل کے بعد خرید وفروخت اور نماز کے منافی ہر کام کو چھوڑ کر مسجد میں آنا واجب ہے؛ لیکن چونکہ لوگوں میں اس کا اہتمام بہت کم ہے کہ اذان اول کے وقت مسجد میں آجائیں؛ اس لئے ترک واجب کے مرتکب ہوتے ہیں، لوگ اس معصیت سے بچ جائیں، اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ اذان اول کو تاخیر سے کہا جائے اور دونوں اذانوں کے مابین فقط اتنا وقفہ کیا جائے کہ لوگ سنتیں پڑھ لیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ مثلاً دوسری اذان سوا ایک بجے ہو اور پہلی اذن ایک بجے یا ایک بج کر پانچ منٹ پر کہی جائے؛ جبکہ زوال کا وقت سوا بارہ بجے ہو، اردو میں تقریر اذان اول سے پہلے ہی ہو جائے، اس طرح بہت زیادہ لوگ اذان اول کے وقت مسجد میں موجود ہوں گے، بعض

مساجد میں اس طریقے پر عمل ہورہا ہے۔

مفتی عبدالواحد صاحب جامعہ مدینہ لاہور کا جواب

جـــواب: جمعہ کی اذان اول کا وقت زوال کے متصل بعد ہے، اسی پر عملی توارث چلا آرہا ہے، کتب حدیث وفقہ میں بھی اس کی تصریح ہے۔

(۱) المغنی لابن قدامہؒ ۲/۲۹۷ میں ہے:

ویبدأ وجوب السعي إليها......وعند الحنفية بالأذان الأول عند الزوال.

(طبع دارالفکر، بحواله الفقه الإسلامي و أدلته ۲/۲۶۲، طبع الهدی انٹر نیشنل دیوبند ۲/۲۳۴-۲۳۳)

(**ترجمہ:** حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے سعی کا وجوب زوال کے وقت اذان اول سے شروع ہوتا ہے)

(۲) معارف السنن میں مولانا یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

وبالجملة فهذا الأذان كان قبل التأذين بين يدى الخطيب و كان في أول وقت الظهر متصلاً بالزوال. (طبع ایچ ایم سعید، ۳/۳۹۶، اشرفية ديوبند ۴/۳۹۶)

(**ترجمہ:** اذان اول خطیب کے سامنے اذان سے پیشتر ہوتی تھی اور ظہر کے اول وقت میں زوال کے ساتھ متصل ہوتی تھی)

(۳) **مجمع الأنهر في شرح ملتقي الأبحر** میں ہے:

(ويجب السعي وترك البيع بالأذان الأول) عقيب الزوال.

(۱/۱۷۱، جدید بیروت ۱/۲۵۳)

(ترجمہ: جمعہ کے لئے سعی اور ترک بیع، زوال کے بعد اذان اول سے واجب ہوتی ہے)

(۴) عمدۃ القاري میں علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

قوله زاد النداء الثالث إنما سمى ثالثًا با عتبار كونه مزيداً؛ لأن الأول هو الأذان عند جلوس الإمام على المنبر، والثاني: هو الإقامة للصلوة عند نزوله، والثالث عند دخول وقت الظهر. (طبع دار الفكر ۶/۲۱۱،

مکتبه زکریا دیوبند ۷۳/۵)

(ترجمہ: پہلی اذان کو جو تیسری اذان کہا گیا تو اس اعتبار سے کہ اس کو زیادہ کیا گیا تھا؛ کیونکہ پہلی اذان وہ ہے جو امام کے سامنے ہوتی ہے، جب وہ منبر پر بیٹھا ہوتا ہے اور دوسری سے مراد نماز کے لئے اقامت ہے، جو امام کے منبر سے اترنے پر ہوتی ہے اور تیسری اذان وہ ہے، جو ظہر کا وقت شروع ہونے پر ہوتی ہے)

(۵) فتح الباری میں علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وتبين بما مضى أن عثمان أحدثه لإعلام الناس بدخول وقت الصلوة الخ

(طبع دار نشر الكتب الإسلامية لاهور، ۳۹٤/۲، طبع زكريا ۵۰۱/۲)

(ترجمہ: سابقہ کلام سے ظاہر ہوا کہ حضرت عثمان نے پہلی اذان اس لئے شروع کی کہ لوگوں کو نماز کے وقت کے شروع ہونے کی اطلاع ہوجائے)

(٦) تبیین الحقائق میں علامہ زیلعیؒ لکھتے ہیں:

وقال بعض العلماء: يجب السعي وترك البيع بدخول الوقت؛ لأن التوجه إلى الجمعة يجب بدخول الوقت، وإن لم يؤذن لها أحد؛ ولهذا لا يعتبر الأذان قبل الوقت. (طبع مکتبه امدادیه ملتان، ۲۲۳/۱، مکتبه زکریا دیوبند ۵۳۷/۱)

(ترجمہ: بعض علماء نے کہا ہے کہ سعی اور ترک بیع کا وجوب، جمعہ کا وقت شروع ہونے سے ہوتا ہے؛ کیونکہ جمعہ کی طرف توجہ کا وجوب، وقت شروع ہونے سے ہوتا ہے، اگر چہ کسی نے بھی اس کے لئے اذان نہ کہی ہو، اسی لئے وقت سے پیشتر اذان کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے)

(۷) تفسیرات احمدیہ میں حضرت ملاجیونؒ لکھتے ہیں:

وقال الإمام الزاهد: المراد بالنداء دخول الوقت إذبه يحرم البيع دون الأذان نفسه. (تفسيرات أحمدية، سورة الجمعة ص:۷۰۵-۷۰٦، مطبع الكريمي، ممبئ، ٤۷۵)

(ترجمہ: امام زاہد نے کہا کہ ”نداء“ سے مراد وقت کا شروع ہونا ہے کہ اس سے بیع حرام ہوتی ہے عین اذان مراد نہیں ہے)

(۸) احکام القرآن میں مولانا ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

قوله تعالیٰ: وذروا البيع: اختلف السلف في وقت النهى عن البيع، فروي عن مسروق، والضحاک ومسلم بن يسار أن البيع يحرم بزوال الشمس، وقال مجاهد والزهري: يحرم بالنداء، وقد قيل: إن اعتبار الوقت في ذلک أولیٰ إذا کان عليهم الحضور عند دخول الوقت، فلايسقط ذلک عنهم تأخير النداء، ولما لم يکن للنداء قبل الزوال معنى دل ذلک على أن النداء الذي بعد الزوال، إنما هو بعد ما قد وجب إتيان الصلاة. (طبع إدارة القرآن كراچي، ٥/٦٣)

(ترجمہ: ارشاد باری تعالیٰ: ”وذروا البیع“ بیع سے ممانعت کے وقت کے بارے میں سلف میں اختلاف ہوا ہے، مسروق، ضحاک اور مسلم بن یسارؒ سے روایت ہے کہ زوال آفتاب سے ہی بیع حرام ہو جاتی ہے، مجاہدؒ اور زہریؒ کا قول ہے کہ اذان سے حرام ہوتی ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بارے میں وقت کا اعتبار کرنا اولی ہے؛ کیونکہ وقت شروع ہونے پر لوگوں کے ذمے جمعہ کے لئے حاضری واجب ہوتی ہے؛ لہٰذا اذان کو مؤخر کرنا ان سے واجب کو ساقط نہیں کرے گا......)

اس عبارت سے درج ذیل باتیں سامنے آئیں۔

الف: جمعہ کی اذان اول کا وقت زوال سے متصل بعد کا ہے۔

ب: بعض علماء کے نزدیک بیع وشراء وغیرہ کی حرمت کا تعلق وقت زوال سے ہے، تنہا اذان سے نہیں، اگر زوال کے وقت ہی اذان ہوتب تو وقت اور اذان دونوں کے ساتھ حکم ممانعت کا تعلق ہوا اور اگر اذان اول کو تاخیر سے کہا گیا تو حکم ممانعت کا تعلق وقت زوال کے ساتھ ثابت ہوگا، اذان کہے جانے تک مؤخر نہیں ہوگا، ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھیں تو یہ سمجھنا دشوار نہیں ہوگا کہ اصلاح احوال کے لئے جس صورت کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے انتہائی غیر

مناسب ہے کہ اس میں ترک واجب کے ارتکاب سے بچاؤ تو کیا ہوتا الٹا عملی تو ارث اور ایک حکم کی خلاف ورزی ہورہی ہے، یعنی اذان اول کی اس کے اصل وقت سے تاخیر۔

جن مساجد میں اذان اول کو مؤخر کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، ضروری ہے کہ وہاں اس طریقے کو ختم کردیا جائے۔

اصلاح احوال کی متبادل صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اذان اول کو اپنے وقت پر رکھتے ہوئے اذان ثانی کو جہاں تک ہوسکے مقدم کرلیا جائے؛ لیکن اس میں بھی اتنا وقفہ ضرور رکھا جائے کہ لوگ اذان اول کو سن کر مسجد میں جمع ہوجائیں اور فرضوں سے پہلے سنتیں پڑھ سکیں؛ کیونکہ ایک روایت میں ہے:

فأحدث عثمان التأذينة الثالثة على الزوراء ليجتمع الناس.

(عمدة القاري، ٦/٢١١، مطبع دار الفكر، مكتبه زكريا ديوبند ٥/٧٢، مصنف ابن أبي شيبة، تحقيق شيخ عوامه ٤/١٣٣، رقم: ٥٤٨٢)

(حضرت عثمانؓ نے زوراء پر تیسری اذان شروع کرائی تاکہ لوگ اکٹھے ہوجائیں)

اور ایک روایت میں ہے۔

فأذن بالزوراء قبل خروجه ليعلم الناس أن الجمعة قد حضرت.

(فتح البارى ٢/٣٩٤، مكتبه زكريا ٢/٥٠١، المعجم الكبير ٧/١٤٦، رقم: ٦٦٤٣)

(اپنے نکلنے سے پیشتر زوراء پر اذان دلوائی تاکہ لوگوں کو علم ہوجائے کہ جمعہ کا وقت ہوگیا ہے)

موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے ہماری رائے میں یہ وقفہ آدھ گھنٹہ کا تو ضرور ہونا چاہئے، یعنی اذان اول تو زوال ہوتے ہی کہہ دی جائے اور آدھ گھنٹہ بعد اذان ثانی کہہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ:
محمد قاسم	عبدالحمید	عبدالواحد غفرلہ جامعہ مدنیہ لاہور

(اس فتویٰ کی اشاعت کے بعد حافظ صغیر احمد صاحب کی طرف سے جناب ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کو درج ذیل تحریر بھیجی گئی)

محترم ومکرم حضرت مولانا مفتی عبدالواحد زید مجدہ! سلام مسنون

عرض یہ ہے کہ جناب کے علم میں ہے کہ بندہ ایک کوشش میں مشغول ہے کہ نماز جمعہ ادا کرنے والے مسلمان (بالعموم) اذان اول اور اذان ثانی کے درمیانی وقفے پر سعی الی الجمعہ کے منافی امور میں مشغول رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ترک واجب کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اسی سلسلے میں ایک استفتاء مرتب کرکے پاکستان کے اہم اہم مدارس سے جواب بھی منگایا، جناب کے یہاں سے بھی جواب موصول ہوا تھا، مگر ''انوار مدینہ'' کے جلد:۳ شمارہ:۳۱ ماہ رجب المرجب ۱۴۱۵ (دسمبر ۱۹۹۴ء) میں اسی ذیل میں ایک مضمون (استفتاء اور اس کا جواب) دیکھا جسے دیکھ کر خیال ہوا کہ حضرات مفتیان کرام کی خدمت میں اس کو روانہ کرکے رہنمائی چاہوں اور اس کی تیاری بھی کرلی (تیاری کا ایک صفحہ بھی لف ہے) مگر ایک مشفق و محبّ عالم نے یہ رہنمائی فرمائی کہ اپنے اشکال کے حل کے لئے جناب کی خدمت میں پہلے عرض کردوں، خدا کرے جناب ہی توجہ فرما کر حل فرمادیں، اشکال یہ ہے کہ:

یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ زوال سے نماز جمعہ کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور فضیلت بھی اسی میں ہے کہ اس سے یعنی زوال سے بھی قبل یا زوال پر تیاری شروع کرے، مگر فتویٰ کس پر ہے کہ وجوب سعی الی الجمعہ کا اطلاق زوال کے فوراً بعد ہوگا یا جہاں (جس مسجد میں) جس نمازی نے نماز پڑھی ہے، وجوب کا اطلاق اس نمازی پر اس مسجد کی پہلی اذان سے ہوگا؟ اگر وجوب کا اطلاق زوال سے ہوگا تو پھر سارے عالم کے مسلمانوں کو اس گناہ کبیرہ سے بچانے کی سعی کیا ہو؟

امید ہے جناب والا مفتی بہ قول کی روشنی میں رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

جواب: (از مفتی عبدالواحد صاحب)

جناب کی جانب سے پہلے جو سوال نامہ آیا تھا اس کا اور جواب کا حاصل یہ تھا کہ اذان اول

کے بعد سعی الی الجمعۃ واجب اور دنیوی کاموں میں لگنا یا ایسے شغل میں مشغول ہونا جس سے سعی الی الجمعۃ میں خلل آتا ہو نا جائز ہے۔

لیکن ایک بات قابل غور تھی اور وہ یہ کہ اذان اول کا وقت کیا ہے؟ کیا زوال ہوتے ہی کہی جائے یا جب مناسب خیال کیا جائے کہی جائے؟ خواہ زوال کے پندرہ منٹ بعد یا ایک گھنٹے بعد یا اس سے بھی زیادہ تاخیر سے۔

اس بابت سے نہ تو جناب کے سوال نامے میں کچھ تعرض تھا اور نہ ہی اس کے جواب میں اس سے کچھ بحث کی گئی تھی، ''انوار مدینہ'' میں اسی بات کے بارے میں تحقیق پیش کی گئی تھی۔

حوالہ جات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اذان اول کا وقت زوال ہوتے ہی ہے (لہٰذا اذان اول کے وقت کے بارے میں یہی مفتی بہ قول ہے) فتح الباری کے حوالے سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے پہلی اذان اس لئے شروع کی تا کہ لوگوں کو نماز کے وقت کے شروع ہونے کی اطلاع ہوجائے، معارف السنن کے حوالے سے معلوم ہوا کہ دور سلف میں اسی وقت اذان ہوتی تھی اور اسی پر تو ارث عملی چلا آ رہا ہے۔

ایک متوارث عمل کو تبدیل کرنا جبکہ:

(۱) اذان اول اس لئے شروع ہوئی کہ لوگوں کو جمعہ کے وقت کے شروع ہونے کا علم ہوجائے۔

(۲) اذان اول کا وقت زوال ہوتے ہی ہے۔

(۳) بعض حضرات کے نزدیک بیع وغیرہ کی حرمت زوال شمس سے ہے (اور اس قول کے قوی ہونے کا علم اس سے ہوتا ہے کہ علامہ زیلعیؒ نے تبیین میں اور مولانا ادریس کاندھلویؒ نے احکام القرآن میں یہ قول نقل کر کے نہ تو اس کی تضعیف کی اور نہ ہی اس کے خلاف کیا)

(۴) جو مصلحت جناب کے پیش نظر ہے، اس کی تفصیل کا متبادل طریقہ موجود ہے، جو کہ ''انوار مدینہ'' ہی میں ذکر کیا گیا ہے۔

ایک غیر مناسب اور قابل ترک بلکہ واجب الترک اور واجب الاحتراز طریقہ ہے۔

یہ تو ایک اتفاقیہ بات (Accidental) ہوگی کہ اذان اول زوال ہوتے ہی نہ کہی گئی؛ بلکہ

کچھ تاخیر سے کہی گئی ہو، اس وقت یہ اختلاف سامنے آتا ہے کہ وجوب سعی زوال سے ہو یا اذان سے؛ لیکن اس اتفاقیہ بات کو ہم عملی معمول نہیں بنا سکتے، عملی معمول وہی ہوگا جو حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ زوال ہوتے ہی اذان اول کہی جائے اور اس طرح عملاً (Practically) وجوب سعی، زوال اوراذان اول دونوں ہی کے ساتھ مقترن ہو۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم
عبدالواحد غفرلہ
۲۰؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ

(اس کے بعد ماہنامہ ''البلاغ'' اور ماہنامہ ''انوار مدینہ'' میں شائع ہونے والی تحریرات ایک سوال کے ساتھ حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی گئیں تو حضرت موصوفؒ نے اس کا درج ذیل جواب تحریر فرمایا)

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کا جواب

جواب: جمعہ کے خطبے سے پہلے تقریر کا متعدد صحابہ کرامؓ سے ثبوت ملتا ہے، جیسا کہ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جمعہ کے دن خطبے سے پہلے اپنی تقریر میں آں حضرت ﷺ کی احادیث بیان کیا کرتے تھے، جب امام خطبے کے لئے آتے تو وہ اپنی تقریر موقوف کر دیا کرتے تھے۔ (مستدرک حاکم ۱/۱۰۸ و ۳/۵۱۲، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز ۱/۴۱۶، رقم: ۱۰۶۱، دارالکتب العلمیۃ ۱/۴۲۴-۴۲۵)

قال الحاکم والذهبي صحیح. (ازراہ سنت محمد سرفراز خان صاحب)

اسی طرح اسی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن بسرؓ کا جمعہ کے دن خطبے سے قبل وعظ کہنا منقول ہے اور اصابہ فی تذکرۃ الصحابہ ۱/۱۸۴ میں ہے کہ حضرت تمیم داریؓ کے اصرار پر حضرت عمرؓ نے ان کو اجازت دے دی تھی کہ جمعہ کے دن اس سے قبل کہ میں خطبہ کے لئے آؤں تقریر کر سکتے ہو۔

مستدرک حاکم اور اصابہ میں ذکر کردہ ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کا معمول خطبۂ جمعہ سے پہلے تقریر و وعظ کہنے کا تھا۔

اور یہ بھی صحیح احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آں حضرت ﷺ زوال شمس کے بعد جلد نماز جمعہ ادا کر لیتے تھے اور یہی طریقہ خلفائے راشدینؓ کا تھا کہ نماز جمعہ زوال کے بعد جلد پڑھی جاتی تھی۔

صحیح بخاری میں ہے:

عن أنس بن مالكؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس وعنه أيضاً. قال: نبكر بالجمعة ونقيل بعد الجمعة. (١٢٣/١، رقم: ٨٩٦/٨٩٥، ف:٩٠٥/٩٠٤)

وفي المصنف لعبد الرزاق (١٧٥/٣) عن عطاء قال: بلغني أن عثمان كان يجمع، ثم يقيل الناس بعد الصلاة. وفي المصنف لابن أبي شيبة (١٠٦/٢) أخبرنا محمد بن سعد الأنصاري عن أبيه قال: كنا نجمع مع عثمان بن عفان، ثم نرجع فنقيل: و فيه أيضاً. (١٠٨/٢) عن أبي رزين قال: كنا نصلي مع عليؓ الجمعة فأحياناً نجد فيئاً و أحياناً لانجده.

اور فقہائے کرام کی عبارات سے بھی راجح یہی معلوم ہوتا ہے۔

وفي الشامية: لكن جزم في الأشباه من فن الأحكام، أنه لا يسن لها الإبراد، و في جامع الفتاوى لقارئ الهداية: قيل إنه مشروع لأنها تؤدي في وقت الظهر و تقوم مقامه، و قال الجمهور: ليس بمشروع لأنها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض إلى الحرج و لا كذلك الظهر و موافقة الخلف لأصله من كل وجه ليس بشرط. (٣٦٧/١)

اب یہ تو ظاہر ہے کہ جب تک اذان اول جس کی ابتداء حضرت عثمانؓ کے زمانے میں نہیں ہوئی تھی، اس وقت تک یہ تقریر اور وعظ یقیناً اذان اور خطبے سے پہلے ہی ہوتی تھی؛ کیونکہ

اذان ثانی اور خطبے کے درمیان تقریر و وعظ کی نفی صراحتہً اوپر کی روایات سے ہورہی ہے، ان میں تصریح ہے کہ جب امام خطبے کے لئے آتا تھا تو یہ تقریر و وعظ موقوف کر دیا جاتا تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس زمانے میں جمعہ میں تبکیر کا لحاظ بھی بہت تھا، اکثر لوگ جمعہ میں تبکیر کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے صبح سے ہی مسجد میں آجاتے تھے،تو ان کے لئے وعظ وتقریر اذان سے پہلے ہی مناسب تھی؛ لیکن جب لوگوں میں سستی ہوئی تو اذان اول، زوال کے وقت لوگوں کو وقت جمعہ بتلانے کے لئے شروع کی گئی تو اب جبکہ زوال کے وقت اذان اول کی ابتداء زوراء پر ہوئی اور اذان ثانی عندالمنبر خطبے سے قبل ہونے لگی تو معلوم نہیں اس وقت یہ تقریر و وعظ اذان علی الزوراء سے پہلے ہوتی تھی یا بعد میں؟

لوگوں کے تکاسل اور سستی پر نظر کرتے ہوئے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریر ووعظ اذان علی الزوراء کے بعد ہوتی ہوگی کہ اب تبکیر کی فضیلت کی تحصیل پر لوگ اتنے حریص نہیں رہے تھے کہ اذان سے پہلے خود بخود جمع ہوجاتے ہوں؛ اس لئے ان کو جمع کرنے اور وقت جمعہ کے ایذان کے لئے ہی تو یہ اذان علی الزوراء مشروع ہوئی۔

جب لوگوں کا اجتماع اذان کے بعد ہی ہوتا ہوتو پھر اجتماع سے پہلے تقریر ووعظ کا کوئی فائدہ متصور نہیں ہے اور اذان سے پہلے اجتماع کا معمول جب زمانۂ خیر القرون میں کم ہوگیا تھا تو اب اس کے لئے لوگوں کو تیار کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔

اس لئے ''البلاغ'' کی یہی تجویز متعین اور سلف کے عمل کے موافق ہے کہ ''اذان اول کے فوراً بعد تقریر شروع ہوجائے اور مختصر تقریر کے بعد خطبے کے لئے اذان دی جائے اور پھر خطبہ اور نماز پڑھ لی جائے'' (۵۳)

دوسری تجویز کہ ''اذان اول تقریر کے فوراً بعد ہو اور اس کے بعد صرف اتنا وقت ہو کہ جو لوگ ابھی مسجد میں نہیں آئے وہ مسجد میں آکر سنتیں پڑھ سکیں، اس کے بعد اذان ثانی اور خطبہ ونماز ہو''، یہ طریقہ علاوہ اس کے کہ معروف نہیں اس پر ہر جگہ اور ہر مسجد کے لوگوں کو جمع کیا جانا

مشکل ہے، اذان اول سے پہلے لوگوں کا مسجد میں آنا اس حرص اور دنیا میں انہماک کے زمانے میں ازبس دشوار ہے، سلف کے معمول کے بھی خلاف معلوم ہوتا ہے اور اذان اول کی مشروعیت سے جو ایذان اور جمعہ کی دعوت تھی اس کے بھی خلاف ہے۔

جمعہ کے لئے اصل داعی اذان ہی ہے "إذا نودی للصلوۃ" پر ہی "**فاسعوا إلی ذکر اللّٰہ**" مرتب ہے، اس تجویز ثانی میں اصل داعی وعظ وتقریر ہوگی، لوگ اس کے لئے جمع ہوں گے، پھر اس صورت میں تقریر و وعظ کا اذان اول کے ساتھ اتصال ہوگا، جو معمول سلف کے خلاف ہے، ان کا معمول تقریر و وعظ کا اذان خطبہ سے پہلے اور اس کے ساتھ اتصال کا تھا، پھر اس صورت میں اذان کا اپنے اصل وقت سے مؤخر کرنا ہے؛ کیونکہ اس کا اصل وقت "**عند الزوال**" ہے، اس تجویز میں پہلے تقریر ہوگی اس کے بعد اذان اول ہوگی، اذان اول کو اپنے وقت زوال پر ہی کہنا چاہئے، اس کو اپنی جگہ سے ہٹانا نہیں چاہئے، جمعہ کی اذان اول کا وقت زوال سے متصل بعد ہے، اسی پر عملی توارث چلا آرہا ہے، کتب حدیث وفقہ میں بھی اس کی تصریح موجود ہے۔

المغنی لابن قدامہ ۲/۲۹۷ میں ہے:

(۱) ویبدأ وجوب السعي إلیها......عند الحنفیة بالأذان الأول عند الزوال. (بحواله الفقه الإسلامي و أدلته ۲/۶۲٦، الهدی انٹر نیشنل دیوبند ۲۳٦)

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے سعی کا وجوب زوال کے وقت اذان اول سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر میں ہے: **(ویجب السعي وترک البیع بالأذان الأول عقیب الزوال).** (۱/۱۷۱، جدید بیروت ۱/۲۵۳)

جمعہ کے لئے سعی اور ترک بیع، زوال کے بعد اذان اول سے واجب ہوتی ہے۔

(۳) فتح الباری میں علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وتبین بما مضی أن عثمان أحدثه لإعلام الناس بدخول وقت الصلاۃ.

(۲/ ۳۹۴، مکتبة زکریا دیوبند ۲/ ۵۰۱)
سابقہ کلام سے ظاہر ہوا کہ حضرت عثمانؓ نے پہلی اذان اس لئے شروع کی کہ لوگوں کو نماز کے وقت کے شروع ہونے کی اطلاع ہوجائے۔

(۴) معارف السنن میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

وبالجملة فهذا الأذان كان قبل التأذين بين يدى الخطيب، وكان في أول وقت الظهر متصلاً بالزوال. (اشرفية ديوبند ٤/ ٣٩٦)

اذان اول خطیب کے سامنے اذان سے پیشتر اور ظہر کے اول وقت میں زوال کے ساتھ متصل ہوتی تھی۔

مذکورہ بالا حوالہ جات میں فتح الباری کی عبارت سے واضح ہے کہ اذان اول کی مشروعیت کی غرض ہی یہ بتلائی گئی ہے کہ لوگوں کو نماز جمعہ کے داخل ہونے کی اطلاع ہوجائے اور دوسرے حوالوں میں بھی اس اذان کو "**عند الزوال**"، "**عقب الزوال**" کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، جس سے واضح ہورہا ہے کہ اس اذان کا اصل وقت زوال کے فوراً بعد متصل ہی ہے؛ کیونکہ عرف میں "عند" اور "عقب" کو گھنٹے کے بعد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا اور علامہ بنوریؒ نے تو "**في أول وقت الظهر متصلاً بالزوال**" لکھ کر کسی دوسرے احتمال کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی؛ اس لئے جن مساجد میں اذان اول کو اس کے اصل وقت سے مؤخر کرکے کہنے کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اس کو ختم کردینا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ عمل توارث اور تصریحات سلف کے خلاف ہونے کے ساتھ اس اذان کی غرض مشروعیت کے بھی خلاف ہے۔ **کما مر**

اس لئے پہلی تجویز پر عمل کرنا چاہئے، اذان اول ظہر کے وقت شروع ہوتے ہی کہہ دی جایا کرے اور پندرہ بیس منٹ کا وقفہ نمازیوں کے مسجد میں آنے اور وضو وغیرہ کے لئے مختص کردینے کا اعلان کردیا جائے، اس کے بعد آدھا گھنٹہ مختصر ضروری وقتی مسائل پر مشتمل وعظ ہوجایا کرے، پھر اذان ثانی، خطبہ اور نماز ہوجایا کرے، لمبی چوڑی تقریروں اور بے ضرورت

مضامین بیان کرنے کا جو رواج ہوگیا ہے، اس کی اصلاح کرنے کی طرف توجہ کرنے اور توجہ دلانے کی ضرورت ہے، نہ یہ کہ اصل وعظ وتقریر ہی کو بند کردیا جائے یا عمل توارث سلف سے ہٹ کر نیا طریقہ جاری کیا جائے۔

آج کل تعلیم یافتہ طبقہ اور مغربی تہذیب کا دلدادہ گروہ چاہتا ہے کہ ہر ہفتے جو کلمۂ خیر تمام مسلمانوں کے کانوں میں خطبہ جمعہ سے پہلے پڑ جاتا ہے اس کا موقع نہ رہے؛ حالانکہ ان مواعظ سے بہت بڑے طبقے کی اصلاح ہورہی ہے اور بکثرت مسلمان اس سے استفادہ کر کے اپنے عقائد واعمال کی اصلاح کرتے ہیں اور یہ بھی ہفتہ وار تبلیغ عام اور عوامی اصلاح کا پروگرام ہے، مگر ہر چیز میں حدود شریعت کی پابندی اور اعتدال کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور غلو سے احتیاط کرنا لازم ہے، خطباء اور مبلغین وواعظین کو اپنے منصب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اگر حدود شریعت میں رہتے ہوئے ہمارے خطباء اس پر عمل کریں تو یہ "یتخولنا بالموعظة" پر امتثال کا ذریعہ ہوسکتا ہے، آزاد طبقہ اس کو ختم کرنا چاہتا ہے اور کئی قسم کے اعتراضات سے اس عمل خیر پر قدغن لگانا چاہتا ہے، اصل یہ ہے کہ وہ علمائے کرام اور خطبائے عظام کی بات سننا گوارا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں اور ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق نصیب فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سید عبد الشکور ترمذی عفی عنہ
جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا
۱۶؍شوال ۱۴۱۵ھ

(یہ تمام تحریرات حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کی گئیں، حضرت دامت برکاتہم نے ان سب تحریرات کے مطالعے کے بعد درج ذیل جواب تحریر فرمایا جس پر شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحبؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی تائیدی دستخط فرمائے)

جواب: (از حضرت ولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم)

الحمد لله و کفی وسلام علی عباده الذین اصطفی، أما بعد:

احقر نے اس موضوع پر مرسلہ تمام تحریروں کا مطالعہ کیا، ان تمام تحریروں میں احقر اس تحریر سے حرف بہ حرف متفق ہے، جو دارالافتاء دارالعلوم کراچی سے جاری ہوئی اور ''البلاغ'' میں شائع ہوئی۔

خرابی یہاں سے پیدا ہوئی ہے کہ جمعہ کو اس کے وقت مستحب (تعجیل) سے بہت موٴخر کر دیا گیا ہے، اولاً اس بات کی ترغیب کی ضرورت ہے کہ تعجیل جمعہ کی سنت کو زندہ کیا جائے۔

دوسرے اذان اول اور اذان ثانی کے درمیان طویل فصل نہ ہو، جس کی صورت یا تو یہ ہے کہ تقریر زوال سے پہلے کی جائے اور زوال کے متصل بعد اذان اول اور دس پندرہ منٹ کے بعد اذان ثانی ہو یا پھر تقریر اذانین کے درمیان ہو تو وہ پندرہ بیس منٹ سے زائد نہ ہو اور مفصل تقریر جمعہ کے بعد یا زوال سے پہلے ہو، اذان اول سے پہلے اردو تقریر کے بارے میں یہ اندیشہ کہ لوگ تقریر سننے نہیں آئیں گے، تجربہ سے درست ثابت نہیں ہوا۔

جو لوگ تقریر سننا چاہتے ہیں وہ پہلے بھی آجاتے ہیں اور جو سننا نہیں چاہتے وہ محض اذان اول کی وجہ سے عموماً نہیں آتے؛ بلکہ اذان ثانی کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۶/۱۲/۱۴۱۵ھ
(فتوی نمبر ۱۷۸/۳۳)

مذکورہ بالا تحریر ناچیز کی رائے میں درست ہے اور دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے جو فتوی جاری ہوا اور ''البلاغ'' میں شائع ہوا ہے وہ بھی درست ہے؛ البتہ احقر کے نزدیک اذانین کے درمیان وقفہ اگر نصف گھنٹے کا بھی ہو جائے تو مضائقہ نہیں، جس میں بیس پچیس منٹ تقریر اور ۵/منٹ سنتوں کے لئے مل سکتے ہیں اور لوگوں کے لئے اس میں ان شاء اللہ دشواری

بھی نہیں ہوگی اور جو گناہ سے بچنا چاہے گا وہ دشواری کے بغیر بچ سکے گا۔

واللہ اعلم

سحبان محمود ناچیز محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۵/۱۲/۲۳ھ

دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد الہند کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فتاوی عثمانی میں جمعہ کی اذان اول سے متعلق جو فتاوی موجود ہیں، ان سب کو دیکھ لیا گیا ہے، دارالعلوم کراچی سے مفتی عبید اللہ انور میر پوری کے قلم سے لکھا گیا فتوی، جس میں دارالعلوم کراچی کے تمام بڑے علماء اور مفتیان کرام کے دستخط بھی ہیں، اس فتوی میں سعی الی الجمعہ کی بنیاد اذان اول پر رکھی گئی ہے کہ اذان اول کے فوراً بعد سعی الی الجمعہ لازم ہو جاتا ہے، کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جانا مکروہ تحریمی ہے حتی کہ قرآن کریم کی تلاوت اور کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہنے کو بھی مکروہ تحریمی لکھا ہے۔

حضرت مفتی عبد الواحد صاحب جامعہ مدنیہ نے سعی الی الجمعۃ کی بنیاد زوال شمس پر رکھی ہے کہ زوال کے فوراً بعد جمعہ کے لئے روانہ ہو جانے کو واجب لکھا ہے ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اذان اول کا وقت ہی زوال کے فوراً بعد ہے اور یہ اذان حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں شروع ہوئی ہے، جس کا مقصد جمعہ کا وقت شروع ہونے کا اعلان ہے اور حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی نے کتب فقہ کے حوالہ کے ساتھ ساتھ کتب حدیث کے حوالوں سے بھی اپنی بات کو مدلل فرمایا ہے اور انہوں نے بھی اذان اول کا مقصد ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے ”اذان اول زوال کے وقت لوگوں کو وقت جمعہ بتلانے کے لئے شروع کی گئی ہے“ اور اس اذان اول کی ابتداء زوال کے وقت مقام زوراء پر شروع ہوئی ہے اور اس مدعی کو مفتی صاحب دامت برکاتہم نے فقہی جزئیات اور حدیث و آثار سے مدلل فرمایا ہے، پھر آخر میں حضرت مفتی مولانا

محمد تقی عثمانی صاحب نے ان الفاظ سے تائید فرمائی ہے کہ اذان اول اوراذان ثانی کے درمیان طویل فصل نہ ہواور وعظ وتقریر زوال سے پہلے کی جائے اور زوال کے متصل بعد اذان اول ہو دس پندرہ منٹ کے بعد اذان ثانی ہو، پھر اگر دونوں اذانوں کے درمیان تقریر کرنا ہوتو صرف پندرہ بیس منٹ سے زائد نہ ہواور حضرت مولانا مفتی رفیع صاحب عثمانی نے اپنے تائیدی نوٹ میں دارالعلوم کراچی کے فتوی کی تائید کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ دونوں اذانوں کے درمیان نصف گھنٹہ کا فاصلہ ہوجائے، تو میرے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں یہ انہوں نے اپنی رائے پیش کی ہے، ان تمام حضرات کی تحریروں کا حاصل یہی ہے، ان میں سے کسی کی بھی تحریر میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ جمعہ کی اذان اول زوال کے فوراً بعد دینا واجب ہے؛ ہاں البتہ سبھی لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اذان اول کا وقت زوال کے فوراً بعد ہے، واجب ہونے کی بات کسی نے نہیں کہی ہے؛ لیکن یہ بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ دارالعلوم کراچی کے فتوی میں اذان اول کے بعد سعی الی الجمعہ کو واجب کہا ہے اوراذان اول کے بعد کسی بھی کام میں مشغول ہونے کو مکروہ تحریمی لکھا ہے اور پھر اذان اول زوال کے متصلا بعد دینے کی بات مفتی محمد تقی صاحب نے اپنے قلم سے لکھا ہے اور مفتی عبدالواحد صاحب نے اذان اول کا وقت زوال کے فوراً بعد ہونے کو جزئیات سے ثابت فرمایا اور سعی الی الجمعہ کے وجوب کو بھی زوال کے بعد ثابت کیا ہے، تو ان تمام تحریروں کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ جمعہ کی اذان اول زوال کے فوراً بعد دینی چاہئے اوراذان کے فوراً بعد سعی الی الجمعہ لازم ہوجائے گا، خرید وفروخت کی ممانعت کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کام میں مشغول ہوجانے کی بھی ممانعت ہے اور یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں، ہمارے ہندوستان کی اکثر مساجد میں جمعہ کی اذان اول اس کے اصل وقت پر نہیں ہوتی ہے، اس میں یا تو عمومی طور پر منتظمین کی طرف سے غفلت ہے، مسئلہ شرعی سے ناواقفیت کا نتیجہ بھی ہے اور دونوں اذانوں کے درمیان لمبا وقفہ بھی سلف وخلف سے ثابت نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی نے

لکھا ہے کہ پندرہ بیس منٹ کا وقفہ ہو اس سے زائد نہ ہو یہی صحیح ہے، ہندوستان کے مساجد کے منتظمین کو مسئلہ بتا کر کے واقف کا رہنا ناضروری ہے ناواقفیت کا یہ حال ہے کہ ہماری شاہی مسجد میں ڈیڑھ بجے جمعہ کا خطبہ ہوتا ہے۔

سابق مہتمم حضرت اقدس مولانا رشید الدین صاحبؒ کے زمانہ میں ڈیڑھ بجے کے بجائے ایک بجے جمعہ کا اعلان کیا گیا، تو آس پاس کے لوگوں نے ہنگامہ کھڑا کردیا، جس کے نتیجہ میں شاہی مسجد میں جمعہ کی نماز کا سلسلہ آج بھی ڈیڑھ بجے جاری ہے؛ لیکن اس کے برخلاف دارالطلبہ لالباغ کی مسجد میں شہر والوں کا کوئی دخل نہیں؛ چنانچہ زوال کے بعد جلد ہی ساڑھے بارہ بجے اذان ہوتی ہے اور پون بجے خطبہ شروع ہوجاتا ہے، اس درمیان میں خطیب دس منٹ کا بیان بھی کردیتا ہے، کبھی سلام پھیر کر دعاء سے پہلے پانچ سات منٹ کا بیان ہوجاتا ہے؛ اس لئے ہندوستان کی مساجد کے ذمہ داروں کو مسئلہ سے واقف کرانے کی ضرورت ہے کہ جمعہ کی نماز ہر جگہ اول وقت میں ہوجایا کرے اور زوال کے بعد جلد ہی جمعہ کی اذان اول ہوجائے اور اس کے پندرہ بیس منٹ کے بعد خطبہ شروع ہوجائے یہی مسنون طریقہ ہے اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جمعہ کا وقت وہی ہے، جو ظہر کا وقت ہے؛ لیکن گرمیوں کے زمانہ میں ظہر میں ابراد افضل ہے؛ جبکہ جمعہ میں ابراد افضل نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ میں تعجیل ہی افضل ہے اور ان ساری باتوں کے دلائل دارالعلوم کراچی، جامعہ مدنیہ لاہور اور مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کے جوابات میں مفصل طور پر موجود ہیں، فقہی عبارات بھی ہیں اور حدیث و آثار بھی موجود ہیں؛ اس لئے ان دلائل کا تکرار اپنی تحریر میں غیر مناسب سمجھا گیا ہے، بریں بناء عربی عبارات لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۱۱/۴۱)	۱۴۳۶/۲/۱۴ھ

جمعہ کی اذان اول ''إذا نودی للصلوۃ'' کا مصداق کیسے؟

سوال [۳۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی اذان اول ''إذا نودی للصلوۃ'' کی مصداق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیسے؟ جبکہ اذان اول آیت کریمہ کے نزول کے وقت مشروع ہی نہیں ہوئی تھی؟

المستفتی: محمد ہارون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آیت کریمہ ''إذا نودي للصلوۃ'' کا مصداق اذان اول ہی ہے، رہا یہ سوال کہ آیت کے نزول کے وقت اذان اول مشروع نہیں ہوئی تھی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تفسیر کا قاعدہ ہے '' العبرة لعموم اللفظ، لالخصوص المورد'' یعنی اگر آیت کے الفاظ عام ہوں اور شان نزول خاص ہو تو الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے اور مذکورہ بالا آیت کے الفاظ عام ہیں اور مراد وہ اذان ہے، جو غائبین کو جمعہ کے لئے بلانے کے واسطے دی جائے اور اب غائبین کے لئے اذان اول ہوتی ہے؛ لہٰذا وہی آیت کا مصداق ہوگی۔ (مستفاد: معارف القرآن ۸/۴۴۲، تحفۃ القاری ۳/۲۳۲)

قد قال علماؤنا: أنه إذا أذن الأذان الأول تركوا البيع وسعوا، لقوله تعالى: إذا نودي للصلاة الخ. قال الطحطاوي: إنما يجب السعي وترك البيع، إذا أذن الأذان، والإمام على المنبر؛ لأنه الذي كان على عهده عليه السلام وزمن الشيخين، وهو الأظهر؛ لكن قال غيره هو الأذان على المنارة الآن الذي أحدث في زمان عثمانؓ، قال الشمني: وهو الأصح، واختاره شمس الأئمة، ولعلهم أخذوا بعموم لفظ الآية. (مرقاة المفاتيح، يجب السعي بالنداء الأول خلافا للطحاوي، مكتبه امداد يه ملتان ۳/ ۲٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۵۸/۴۰)

جمعہ کی اذان اول کا مسنون وقت اور اذان ثانی کے درمیان کتنا فاصلہ

سوال [۳۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی اذان اول جو عام طور پر ایک گھنٹہ قبل ہوتی ہے، بعض علاقوں میں لوگ اس کو اذان ثانی سے متصل کرنا چاہتے ہیں، اس طرح کہ دونوں کے درمیان صرف دس منٹ کا فاصلہ رہے گا۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اذان اول کے بعد عام طور پر لوگ فوراً جمعہ کے لئے سعی نہیں کرتے، جس کی وجہ سے وہ گنہگار ہورہے ہیں، اگر ایسا کرلیا جائے کہ اذان اول کے فوراً بعد اذان ثانی ہوجائے تو لوگ اذان اول سے پہلے مسجد میں آنے کی کوشش کریں گے اور اذان اول کے بعد سعی کے ترک کی وجہ سے جو گناہ ہورہا تھا وہ نہیں ہوگا۔ فتوی اور مشورہ دونوں ہی مطلوب ہیں۔

المستفتی: ثمیر الدین املی بازار کھجنیر، ضلع: راج گڈھ (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی اذان اول اور خطبہ کے درمیان ایک گھنٹہ کا فاصلہ خلاف سنت ہے، ایسی صورت میں اذان اول کا مصلیوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور اذان اول کے فوراً بعد لوگ کاروبار چھوڑ کر نہیں آئیں گے؛ اس لئے اذان اول اور خطبہ کے درمیان ۱۵-۲۰ منٹ کا فاصلہ مناسب ہے، اس سے زیادہ مناسب نہیں ہے۔

نیز جمعہ کی اذان اول کا مسنون وقت زوال کے فوراً بعد ہے اور حضور ﷺ، خلفاء راشدین اور سلف صالحین کے زمانہ میں جمعہ کی نماز اول وقت میں ہوا کرتی تھی، ہمارے ہندوستان میں عملی طور پر جمعہ کی اذان اول مسنون وقت پر نہیں ہوتی ہے اور جمعہ کی نماز بھی جتنی جلد ہونی

چاہئے نہیں ہوتی، اس سلسلہ میں مساجد کے ذمہ داران اور خواص کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ جمعہ کی اذان زوال کے فوراً بعد ہو، اس کے ۱۵-۲۰ منٹ کے بعد خطبہ شروع ہوجائے اس دوران لوگ آسانی سے سنتیں پڑھ سکتے ہیں، اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ اذان اول کے فوراً بعد اذان ثانی کہہ دی جائے؛ بلکہ اذان اول اور اذان ثانی کے درمیان اتنا فاصلہ رہنا چاہئے کہ جس میں لوگ آسانی کے ساتھ وضو کر کے جمعہ کی سنن قبلیہ ادا کرسکیں، اس کے لئے ۱۵-۲۰ منٹ کافی ہیں۔

حدثني إياس بن سلمة بن الأكوع عن أبيه قال: كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة، وليس للحيطان فيئ يستظل به. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجمعه، باب استحباب التعجيل بصلاة الجمعة، دار الفكر بيروت ٤/ ٤٢١، رقم: ٥٧٧٠)

عن أنس بن مالک رضـ**، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس.** (بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١٢٣، رقم: ٨٩٤، ف: ٩٠٤)

عن إياس بن سلمة بن الأكوع عن أبيه قال: كنا نجمع مع النبي صلى الله عليه وسلم: إذا زالت الشمس، ثم نرجع نتتبع الفيئ. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة٤/ ٤٢٠، دار الفكر رقم:٥٧٦٧)

لكن جزم في الأشباه من فن الأحكام أنه لايسن لها الإبراد. وفي جامع الفتاوى لقارئ الهداية: قيل إنه مشروع؛ لأنها تؤدي في وقت الظهر وتقوم مقامه، وقال الجمهور: ليس بمشروع لأنها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض إلى الحرج. (شامي، كتاب الصلاة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها، زكريا ٢/ ٢٥، كراچي ١/ ٣٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۱۹۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍ ۱ھ

کیا جمعہ کی اذان اول کے بعد کھانا کھانا حرام ہے؟

سوال [۳۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک بجے جمعہ کی اذان ہوتی ہے، ڈیڑھ بجے خطبہ ہوتا ہے، بعض مرتبہ جمعہ کے دن ولیمہ کا کھانا ہوتا ہے، پوری بستی کی بھی دعوت ہوتی ہے اور مہمان بھی کافی ہوتے ہیں اور مہمانوں کا کھانا اور بستی والوں کا کھانا بھی ۱۲؍ بجے سے کھلانا شروع کر دیتے ہیں اور جمعہ کی اذان کے بعد تک کھانے سے فارغ ہوتے ہیں، جمعہ کے خطبہ میں سب شریک ہو جاتے ہیں، ہماری مسجد کے امام صاحب نے جمعہ میں اعلان کر دیا کہ جو لوگ جمعہ کی اذان کے بعد کھانا کھا کر آ رہے ہیں، وہ حرام کھا کر آ رہے ہیں؛ کیونکہ جمعہ کی اذان اول کے بعد کھانا حرام ہے، اس اعلان سے بستی والوں میں بے چینی ہے؛ کیونکہ شادی کے موقع پر یا مہمان زیادہ آ جائیں، تو ایسے موقع پر کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ کھانا تیار ہوتا ہے، بھوک کا تقاضہ ہوتا ہے، میزبان پر کھلانے کا بوجھ ہوتا ہے، تو اذان اول کے بعد تک کھانا کھا لیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ جمعہ کی اذان اول کے بعد کسی کے لئے بھی کسی موقع پر کھانا جائز نہیں ہے؟ اگر کھا لیا تو کیا حرام کھانے کا گناہ ہوگا؟ اس سلسلہ میں ہمیں تفصیل سے وضاحت فرما کر سامان راحت مہیا فرمائیں؟

المستفتی: حاجی محمد شفیق احمد سیڈھا، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کھانا کھانے کا تقاضہ غالب ہو اور کھانا کھا کر آرام سے جمعہ کی نماز مل جاتی ہو تو جمعہ کی اذان اول کے بعد کھانا کھانا جائز ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں

ذکر کردہ صورت میں جن لوگوں نے اذان اول کے بعد کھانا کھایا ہے، ان کے اس فعل کو حرام نہیں کہا جائے گا۔

نیز ان کو حرام کھانے والا نہیں کہا جائے گا اور امام صاحب کا یہ اعلان کہ ''جو لوگ جمعہ کی اذان کے بعد کھانا کھا کر آرہے ہیں، وہ حرام کھا کر آرہے ہیں'' مسئلہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۷)

سمع النداء وهو يأكل تركه إن خاف فوت جمعة. وفي الشامية: والأكل أي الذي تميل إليه نفسه ويخاف ذهاب لذته عذر في ترك الجماعة، كما مر في بابها؛ لكن يشكل ما مر من وجوب السعي إلى الجمعة بالأذان الأول، وترك البيع و لو ماشيًا، والمرادبه كل عمل ينافي السعي فتأمل. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة كراچي ٢/ ١٦٣، زكريا ٣/ ٤١)

وفي تقريرات الرافعي: قوله لكن يشكل ما مر من وجوب السعي الخ بتقييد ما مر بما هنا يندفع الإشكال، وذلك لأن حضور الأكل المذكور حيث كان عذراً في سقوط واجب الجماعة لشغل بال المصلى يكون عذراً في سقوط واجب السعي، إذا لا فرق بين واجب وواجب.

(تقريرات رافعي قديم ٣/ ١١٣، جديد ٣/ ١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۸ھ

مسجد کی کون سی اذان پر دوکان بند کی جائے؟

سوال [۳۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید کا تعلق تین مساجد سے ہے، بایں طور کہ زید کے بالکل گھر کے متصل ایک مسجد ہے، مگر وہ مسجد زید کے محلّہ کی نہیں، دوسرے محلّہ کی کہلاتی ہے، زید اس میں نماز بھی زیادہ تر نہیں پڑھتا، دوسری مسجد جو گھر سے کچھ دور ہے، جو محلّہ کی اور زید کے خاندان سے متعلق ہے اور زید بازار کا دکاندار ہے، بازار میں بھی مسجد ہے، زید اکثر نمازیں بازار کی مسجد ہی میں ادا کرتا ہے، تینوں مساجد میں جمعہ ہوتا ہے، جو گھر کے متصل ہے اس میں ۱۲/بجکر ۳۵/منٹ پر اذان ہوتی ہے، جو محلّہ کی مسجد ہے اس میں پون بجے اذان ہوتی ہے، بازار کی مسجد میں ایک بجے اذان ہوتی ہے ڈیڑھ بجے جمعہ کی نماز ہے، جمعہ کی نماز زید بازار کی مسجد میں ادا کرتا ہے، تو زید کو کونسی اذان پر اپنی دوکان بند کردینا چاہئے، محلّہ کی یا پڑوس کی یا بازار کی اذان پر؟

المستفتی: دوکاندار بازار شیرکورٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر ”**فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع**“ فرمایا ہے، یعنی ترک بیع کا حکم فرمایا ہے، ترک شراء کا حکم نہیں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بیچنا بند ہوجائے گا اور گلیوں میں دوکانیں بند ہوجائیں گی تو خریدار کہاں سے آئیں گے، غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ بیچنے اور خریدنے دونوں کا مدار دوکان کھلی رکھنے پر ہے، جب دوکان ہی بند ہوجائے گی تو خریدار بھی نہیں آئیگا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے لفظ ”**وذروا البیع**“ فرمایا، جس کے ضمن میں ترک شراء کا حکم بھی ثابت ہوجاتا ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آگے پیچھے مختلف اذانوں میں کس اذان پر دوکان بند کی جائے؟ تو اس سلسلہ میں صریح جزئیہ اس لئے نہیں مل سکا کہ پہلے زمانہ میں ایک شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ ہوا کرتا تھا، اگر شہر بہت بڑا ہے تو زیادہ سے زیادہ دو یا تین مسجدوں میں جمعہ ہوتا تھا، جن کے علاقے بھی الگ الگ ہوتے تھے، آج کے زمانہ میں چھوٹی بڑی ہر مسجد میں جمعہ ہونے لگا؛ اس لئے کس مسجد کی اذان پر دوکان بند کی جائے صریح جزئیہ تو نہیں مل سکا؛ البتہ

علماءِ سلف کی رائے دستیاب ہوئی۔

امام مسروق، امام ضحاک، امام مسلم بن یسار فرماتے ہیں کہ زوال کے بعد ہی خرید وفروخت حرام ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگرچہ جس مسجد میں جمعہ پڑھنا ہے، اس کی اذان پر بند کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن علماءِ سلف کی رائے کے مطابق پہلی اذان پر دوکانیں بند کردینا چاہئے اور پھر جولوگ جمعہ پڑھ کر پہلے آجائیں، ان کے لئے آتے ہی دوکان کھولنے کی اجازت ہے، چاہے دوسری مسجدوں میں جمعہ پڑھنا ابھی باقی ہی کیوں نہ ہو؛ اس لئے کہ آنے والوں نے حکم شرعی کی تعمیل کرلی ہے۔

قال أبو بكر: اختلف السلف في وقت النهی عن البيع. فروي عن مسروق، والضحاک، ومسلم بن يسار أن البيع يحرم بزوال الشمس. وقال مجاهد، والزهري: يحرم بالنداء، وقد قيل إن اعتبار الوقت في ذلک أولى إذ كان عليهم الحضور عند دخول الوقت، فلا يسقط ذلک عنهم تأخير النداء، ولما لم يكن للنداء قبل الزوال معنى دل ذلک على أن النداء بعد الزوال إنما هو بعد ما قد وجب إتيان الصلوة. (أحكام القرآن للجصاص الرازي، باب وجوب خطبة الجمعة، سهيل اكيڈمي، لاهور ۳/ ٤٤٨، جديد زكريا ۳/ ۵۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۶۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

جمعہ کی اذان ہوتے ہی بائع پر دوکان بند کردینا لازم ہے

سوال [۳۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ نے ایضاح المسائل میں حدیث شریف کا حوالہ نہیں دیا، زحمت فرما کر حدیث

تحریر فرمادیں۔

المستفتی: قاری محمد یامین، قنوج، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث کا حوالہ نہیں دیا، مگر اس سے قبل مسئلہ ۱۵۱۱/ میں آیت کریمہ **فاسعوا الی ذکر اللّٰہ وذروا البیع.** [**الجمعۃ: ۹**] سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بائع پر دوکان بند کردینا لازم ہے، ورنہ خریداروں کا سلسلہ باقی رہ جائے گا اور بہت سے مسلمان خریدار ترک سعی کے مرتکب ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۲۶۸/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۳ھ

جمعہ کی اذان اول پر خرید وفروخت کی ممانعت

سوال [۳۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بروز جمعہ بعد اذان اول خرید وفروخت نا جائز اور حرام ہے، تو اس کی کمائی کا کیا حکم ہے اور کن دلائل سے یہ اطلاق اذان اول پر ہوتا ہے، اذان ثانی پر نہیں؟ اور اس کے خلاف کرنے والے کی اقتداء کیسی ہے اور اس کو امام بنانا کیسا ہے؟ اور بعض ائمہ بسبب وعظ وتقریر اذان جمعہ زوال کے فوراً بعد یعنی ظہر کی اذان سے بھی قبل کہلواتے ہیں، جس سے عوام کو اور زیادہ تشویش ہوتی ہے؛ جبکہ علماء کو عوام کے حق میں نرمی برتنے کی ہدایت ہے، تو کیا یہ حضرات گنہگار نہ ہوں گے؟ احقر خود اس میں مبتلا ہے؛ اس لئے برائے کرم واضح فرمائیں۔

المستفتی: ندیم احمد بجنوری، مقیم ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے جمعہ کی اذان اول پر خرید وفروخت کی ممانعت پر دلائل کا مطالبہ کیا ہے، اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت سید الکونین علیہ السلام کے زمانے سے حضرت عمرؓ کے آخری زمانہ تک اذان اول کا وجود نہیں تھا؛ بلکہ جمعہ کی اذان ثانی ہی تھی اور یہ اذان ثانی حضور ﷺ کے زمانہ سے حضرت عمرؓ کے آخری زمانہ تک زوال کے فوراً بعد دی جاتی تھی اور سب لوگ اذان سے پہلے ہی مسجد میں جمع ہوجایا کرتے تھے، جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو انہوں نے مقام زوراء پر جو مسجد نبوی سے خارج حصہ پر تھا، اس پر اذان اول کا سلسلہ شروع فرمادیا اور اذان اول زوال کے فوراً بعد دی جانے لگی، اذان ثانی جو حضور ﷺ کے زمانے سے زوال کے فوراً بعد دی جاتی تھی، اس کو کچھ دیر بعد دی جانے لگی، دونوں اذانوں کے درمیان کچھ فاصلہ قائم کیا گیا تاکہ پہلی اذان سنتے ہی غائبین مسجد میں آنے لگیں، دوسری اذان سے پہلے پہلے سب لوگ مسجد میں جمع ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت بند کردینے کا جو حکم فرمایا ہے، اس کا مصداق حضور ﷺ کے زمانے میں اذان ثانی تھی؛ اس لئے کہ اذان ثانی زوال کے فوراً بعد ہوتی تھی اور حضرت عثمانؓ کے زمانے سے آیت کریمہ کا مصداق اذان اول بن گئی ہے؛ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے سے زوال کے فوراً بعد جو اذان دی جاتی ہے، وہ اذان اول بن گئی ہے، اسی لئے اذان اول ہی آیت کریمہ کا مصداق بن گئی اور اذان ثانی سے کچھ وقفہ دیر بعد میں قائم ہوگئی؛ اس لئے علماء جو بیان فرماتے ہیں کہ اذان اول سے خرید وفروخت ممنوع ہوجاتی ہے، وہ قرآن کریم اور آیت کریمہ کی بات ہے، وہ علماء کے من کی بات نہیں ہے۔

عن أنس بن مالکؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس. (بخاري، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشمس، النسخة الهندية ۱/۱۲۳، رقم: ۸۹۴، ف:۹۰٤، سنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ما جاء في وقت الجمعة، النسخة الهندية ۱/۱۱۲، دارالسلام رقم:۵۰۱)

عن السائب بن يزيدؓ قال: كان النداء يوم الجمعة، أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر رضي الله عنهما، فلما كان عثمان رضي الله عنه وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء. (بخاري شريف، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية۱/۱۲٤، رقم:۹۰۲، ف:۹۱۲)

و في عمدة القاري: فالأذان الثالث الذي زاده عثمانؓ هو الأول اليوم، فيكون الأول هو الأذان الذي كان في زمن النبي صلى الله عليه وسلم وزمن أبي بكر وعمر رضي الله عنهما عند الجلوس على المنبر، والثاني: هو الإقامة، والثالث: الأذان الذي زاده عثمانؓ، فأذن به على الزوراء. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، زكريا ٥/۷۱-۷۳، بيروت قديم ٦/۲۱۱)

اب رہی یہ بات کہ اذان اول اور اذان ثانی کے درمیان جو وقفہ رہتا ہے، اس وقفہ میں کچھ وعظ وتقریر اور دین کی باتیں کرنا کہاں سے ثابت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے، حضرت ابو ہریرہؓ جمعہ کی اذان ثانی سے پہلے اور امام وخطیب کے ممبر پر آنے تک حدیثیں سنایا کرتے تھے، اسی طرح حضرت عبد اللہ بن بسرؓ سے بھی ثابت ہے، مستدرک حاکم میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایات موجود ہیں۔

رأيت أبا هريرةؓ يخرج يوم الجمعة فيقبض على رمانتَيَ المنبر قائماً، ويقول: حدّثنا أبو القاسم رسول الله الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، فلايزال يحدث حتى إذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الإمام للصلاة جلس، هذا حديث صحيح الإسناد و لم يخرجاه. وقال الذهبي صحيح. (المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٦/۲۲۲۲، رقم:٦۱۷۳، قديم ۳/٥۱۲)

عن أبي الزهريةؓ، قال: كنت جالسا مع عبد الله بن بسر يوم الجمعة، فمازال يحدثنا حتى خرج الإمام. (المستدرك على الصحيحين، كتاب الجمعة، قديم ۱/۲۸۸، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ۱/۴۱۶، رقم:۱۰۶۱)

سائل نے جوسوال نامہ میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ جمعہ کی اذان اول کے بعد خرید وفروخت کرنا اگر ناجائز اور حرام ہے، تو اس کی کمائی کا کیا حکم ہے؟ اور اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں مقصد شریعت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ دور نبوت میں حضرت عثمانؓ کے زمانے تک صرف اذان ثانی جو منبر کے قریب دی جاتی تھی وہی تھی، پھر اس اذان کے بعد خطبہ شروع ہو جاتا تھا اور جمعہ کا خطبہ سننا واجب ہے اور یہ اذان ثانی زوال کے فوراً بعد دی جاتی تھی؛ لہٰذا اس اذان کے بعد بھی خرید وفروخت کو جاری رکھا جائے، تو اسے نہ جمعہ کا خطبہ مل سکتا ہے، نہ ہی جمعہ کی پوری نماز مل سکتی ہے؛ لہٰذا بالقصد اس اذان کے بعد خرید و فروخت کو جاری رکھنا گناہ کبیرہ اور موجب فسق ہے؛ لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانے سے زوال کے فوراً بعد ایک اذان کا اضافہ ہوا اور اس کے کچھ وقفہ کے بعد منبر کے سامنے والی اذان دی جانے لگی؛ لہٰذا حضرت عثمانؓ کے زمانے سے مسئلہ کی دو حیثیت ہوگئی۔

(۱) زوال کے فوراً بعد جو اذان دی جاتی ہے قرآن کریم میں وہی اذان مراد ہے۔ اور حضور ﷺ کے زمانے سے حضرت عثمانؓ کے زمانے تک اس اذان کا مصداق منبر کے سامنے والی اذان تھی۔ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے سے آیت کریمہ کا مصداق بن گئی؛ اس لئے کہ زوال کے فوراً بعد یہی اذان دی جاتی ہے۔

نیز منبر کے سامنے والی اذان کی آواز آج کل کے زمانے میں مسجد سے باہر بازاروں اور محلوں میں نہیں پہونچ پاتی؛ بلکہ اذان اول ہی کی آواز پہونچتی ہے، یہ تفصیل تقریباً اوپر آچکی ہے۔

(۲) دوسری حیثیت یہ ہے کہ خطبہ اور نماز دونوں کا حاصل کرنا لازم اور ضروری ہے۔ اور بالقصد خطبہ اور نماز کا ترک کر دینا موجب فسق ہے؛ لہٰذا اگر جمعہ کی اذان اول کے بعد اتنی

دیر تک خرید وفروخت جاری رکھی جائے کہ خطبہ اور نماز ترک ہو جائے، تو یہ موجب فسق ہے۔ اور بار بار بالقصد ایسا کرنے والا فاسق اور لائق امامت نہیں ہے؛ لیکن اگر اذان سننے کے بعد تیاری شروع ہو جائے اور اسی ضمن میں کچھ خرید وفروخت بھی ہو جائے تو خرید وفروخت اگر چہ مکروہ ہے؛ لیکن اس کی کمائی حرام یا مکروہ نہیں ہے؛ بلکہ حلال ہے جب کہ جمعہ کے خطبہ اور نماز میں اطمینان سے شرکت حاصل ہو جاتی ہو، اگر مسئلہ طلب اور اخلاص کے ساتھ معلوم کیا جائے تو باعث اجر وثواب ہے اور اگر کسی ذاتی رنجش کی بنا پر ایک دوسرے کو زیر کرنے کی نیت سے معلوم کیا جائے تو باعث معصیت ہے، اس کا ضرور خیال رکھا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۰۲۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۲ھ

جمعہ کی اذانِ اول کے جواب کا شرعی حکم

سوال [۳۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی نماز میں خطبہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے، اس کا جواب دینا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمادیں۔

المستفتی: عبد اللہ گجراتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطیب کے سامنے جب مؤذن جمعہ کے خطبہ کی اذان دے، تو اس وقت اس کا جواب سامعین کا زبان سے دینے سے متعلق کتب فقہ میں مختلف عبارتیں ملی ہے، حضرت الاستاذ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحبؒ نے اس مسئلہ سے متعلق متعدد جوابات لکھے ہیں، ان میں چھ جوابات فتاوی محمودیہ میں درج ہیں کچھ تفصیلی ہیں، کچھ مختصر۔

جو فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۸/۳۲۴ سے ۳۳۳ تک اور میرٹھ ۱۲/۱۷۷-۱۸۴ تک میں موجود ہیں، اس میں حضرت مفتی صاحب نے تفصیلی فتاوی میں فقہاء کی آراء اور جزئیات بھی نقل فرمائے ہیں، امام طحطاوی وغیرہ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اذان ثانی کا جواب دینا، سامعین کے لئے جائز ہے، اسی طرح مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے نفع المفتی والسائل میں جواز کی بات کو راجح قرار دیا ہے اور امام صاحب کے قول کو اسی بات پر محمول کیا ہے کہ دنیوی کلام وغیرہ اس دوران ممنوع ہے؛ البتہ دینی کلام تسبیح، تہلیل اور اجابت اذان ممنوع نہیں ہے، پھر بعد میں امام صاحب کے نزدیک کراہت کی بات ثابت فرمائی اور صاحبینؒ کے نزدیک عدم کراہت کی بات ثابت کی گئی ہے، اس کے بعد اخیر میں استدلال کر کے یہ ثابت فرمایا کہ امام صاحب کا قول کراہت ہی پر محمول ہے یہی راجح ہونا چاہئے اور اذان ثانی کا جواب زبان سے نہ دیں؛ بلکہ دل ہی دل میں دھیان کر کے جواب دیں اور حضرت معاویہؓ کی روایت کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ امام کے لئے اذان ثانی کا جواب زبان سے دینا مشروع ہے اور اس میں مقتدی شامل نہیں، اسی طرح حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ جدید ۲/۵۳۱ سے لے ۵۳۶ تک میں اسی موضوع سے متعلق تفصیلی فتوی تحریر فرمایا ہے، انہوں نے بھی اپنے دلائل کے ذریعہ یہی بات ثابت فرمائی ہے کہ اذان ثانی کا جواب زبان سے نہ دیا جائے اور ان بزرگوں نے زبان سے نہ جواب دے کر دل ہی دل میں جواب دینے کی بات جو کہی ہے یہ ہمیں سمجھ میں نہیں آئی؛ اس لئے کہ دل ہی دل میں جواب دینے کا مطلب یہی ہے کہ دھیان سے سنی جائے اور جواب چوں کہ بلا تلفظ ادا نہیں ہوسکتا؛ اس لئے یہی بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے کہ زبان ہی سے سراً اور آہستہ جواب دیا جائے اور کتب فقہ کی عبارات سے یہی بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے اور ممانعت کا مدار دوران خطبہ پر ہے اور اذا خرج الإمام فلا صلوۃ ولا کلام کا اصل مقصد دوران خطبہ کلام اور صلوۃ سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کی رائے ہے اور امام

صاحب کا دوسرا قول جو طحطاوی علی الدر وغیرہ میں منقول ہے کہ خطبہ سے پہلے دوران اذان دنیوی کلام ممنوع ہے، جواب اذان اس سے مستثنیٰ ہے، ایسی صورت میں دونوں طرح کی حدیثوں میں تطبیق ہوجاتی ہے کہ فلا صلاۃ ولا کلام سے دوران خطبہ ممانعت کا حکم ہے اور حضرت معاویہؓ کی روایت خطبہ شروع ہونے سے پہلے اور بعد سے متعلق ہے، طحطاوی علی الدر اور بحر کی عبارت اس سلسلے میں بہت واضح ہے، جو بعد میں آرہی ہے اور ایسی صورت میں حدیث بخاری پر بھی عمل ہوجائے گا، امام صاحب کے قول کا صحیح محمل بھی واضح ہوجائے گا اور صاحبینؒ کے قول کے اعتبار سے کوئی اشکال بھی نہیں رہے گا اور اس سلسلے میں ہم کو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے دو فتاوے دستیاب ہوئے ہیں۔

(۱) کفایت المفتی جدید ۲۷۲/۳، جدید مطول ۲۰۵/۵ اس میں حضرت مفتی صاحب نے بخاری شریف ۱۲۴/۱ میں حضرت معاویہؓ، سلمان فارسیؓ کی روایت سے استدلال کر کے لکھا ہے کہ جب امام خطبے کے لئے تشریف لائے، تو خاموشی اختیار کرنے کا حکم ہے اور حضرت معاویہؓ کی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام وخطیب کے لئے اذان ثانی کا جواب دینا مشروع ہے اور غیر خطیب کے لئے انصات اور خاموشی کا حکم ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ خطبہ شروع ہونے سے پہلے کلام دینی کو جائز فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ امام و خطیب کے لئے اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے اور غیر خطیب کے لئے خاموشی بہتر ہے، مگر صاحبین کے نزدیک مقتدی کے لئے اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے اور حضرت مفتی صاحب کا دوسرا فتویٰ فتاوی رحیمیہ جدید ۱۴۷/۶ میں ازالہ الاوصام عن مسائل الاحکام از افادات سید قاضیؒ محدث راندیری ۱۹ کے حوالے سے ذیل کے الفاظ کے ساتھ دست یاب ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

تاہم متأخرین حنفیہ نے بوجہ حدیث معاویہ احادیث اذان منبری کی اجازت دی ہے؛ لیکن نماز شروع کرنے کی باتفاق ائمہ اجازت نہیں ہے اور خاکسار کے خیال میں اجابت اذان منبری کے

علاوہ دیگر اذکار سے انصات اور خاموشی اول اور اقدم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: محمد کفایت اللہ غفرلہ
مدرسہ امینیہ دہلی

مفتی صاحب کی اس تحریر سے واضح ہوا کہ اذان خطبہ کا جواب مقتدی بھی زبان سے دے سکتے ہیں، مگر اجابت اذان ثانی کے علاوہ دیگر اذکار سے خاموشی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، اکابر کی تحریرات کی اس تفصیل کے بعد اور فقہی جزئیات کے پیش نظر حضرت مفتی کفایت اللہ کا آخری فتوی زیادہ راجح اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک بھی خطیب کے منبر پر آنے کے بعد کلام دنیاوی مکروہ ہے اور اجابت اذان مشروع ہے اور صاحبین کے نزدیک بلا شبہ جائز ہے جیسا کہ مفتی صاحب کے آخری فتوی سے واضح ہے؛ لہٰذا ہم بھی زبان سے سرًا اذان ثانی کا جواب دینا جائز اور مشروع سمجھتے ہیں؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اور سب روایات پر عمل بھی ہو جاتا ہے، اب ہم اس سلسلے میں پہلے بخاری شریف کی دونوں روایتیں نقل کر دیتے ہیں اور اس کے بعد فقہاء کے جزئیات پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن سلمان الفارسي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من اغتسل يوم الجمعة وتطهر بما استطاع من طهر، ثم ادهن، أو مس من طيب، ثم راح فلم يفرق بين اثنين فصلى ما كتب له، ثم إذا خرج الإمام أنصت غفر له ما بينه وبين الجمعة الأخرى. (بخاری شریف ۱/۱۲٤، رقم: ۹۰۰-۹۱۰)

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف قال: سمعت معاوية بن أبي سفيانؓ، وهو جالس على المنبر أذن المؤذن، فقال الله أكبر، الله أكبر، قال معاويةؓ: الله أكبر، الله أكبر، فقال أشهد أن لا إله إلا الله، فقال معاويةؓ: وأنا، قال أشهد أن محمدا رسول الله، قال معاويةؓ: وأنا، فلما أن قضى التأذين قال يا أيها

الناس إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ما سمعتم مني من مقالتي...... (بخاري شريف ۱/۱۲۵، رقم: ۹۰۴-۹۱٤، كتاب الجمعة، باب يجيب الإمام على المنبر إذا سمع النداء)

لايرّد السلام ولايسلم ولا يقرأ؛ بل يقطعها ويجيب ولايشتغل بغير الإجابة، قال: وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتفاقاً في الأذان بين يدى الخطيب، وأن يجيب بقدمه اتفاقًا في الأذان الأول يوم الجمعة لوجوب السعي بالنص. وتحته في حاشية الطحطاوي: قوله في الأذان بين يدي الخطيب مراعاة لقول الإمام بكراهة الكلام مطلقًا إذا صعد الخطيب المنبر؛ لكن سيأتي في الجمعة أن الأصح جواز الأذكار عنده قبل شروعه في الخطبة فلا مانع من الإجابة. (حاشية الطحطاوي على الدر كراچي ۱/۱۸۸)

ولأن الكلام يمتد طبعاً فيخل بالاستماع والصلاة قد تستلزمه أيضاً وبه اندفع قولهما أنه لا بأس بالكلام إذا خرج قبل أن يخطب وإذا نزل قبل أن يكبر، واجمعوا أن الخروج قاطع للصلاة. وفي العيون: المراد إجابة المؤذن أما غيره من الكلام فيكره إجماعًا. (البحر الرائق، زكريا ۲/۲۷۰، كوئٹه۲/۱۵۵)

اختلف المشايخ علي قول الإمام في الكلام قبل الخطبة، فقيل: إنما يكره ما كان من جنس كلام الناس، أما التسبيح ونحوه، فلا، وقيل: ذلک مكروه، والأول أصح، ومن ثمه قال في البرهان: وخروجه قاطع للكلام أي كلام الناس عند الإمام فعلم بهذا أنه لا خلاف بينهم في جواز غير الدنيوي على الأصح. (حاشية الطحطاوي على المراقي، المكتبة الأشرفية ۵۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۰۲۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۲۶ھ

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب اوراذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

سوال [۳۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن خطبہ کی اذان جو دی جاتی ہے، اس کا جواب دینا اوراذان ختم ہونے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟ ضروری سمجھ کر برائے کرم مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد مسلم بردوانی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی اذان ثانی کا جواب زبان سے جہراً دینا ممنوع اور مکروہ ہے؛ البتہ زبانی سراً جواب دینا راجح قول کے مطابق جائز اور درست ہے اوراذان ثانی کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ناجائز اور ممنوع ہے۔

وإذا شرع في الدعاء لايجوز للقوم رفع اليدين ولاتأمين باللسان جهراً، فإن فعلوا ذلک أثموا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/۳۵، كراچی ۲/۱۵۸)

أما التسبيح ونحوه فلا يكره وهو الأصح. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۵۸، زكريا ۳/۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۹۳۲)

اذان ثانی کا جواب اور دوران خطبہ آپ ﷺ کے نام پر درود پڑھنا

سوال [۳۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کی ثانی اذان کا جواب دینا اور خطبہ کے دوران نبی ﷺ کے نام مبارک پر درود

شریف کا پڑھنا اور خطبہ کے اخیر میں دعائیہ کلمات پر آمین کہنا کیسا ہے؟

المستفتی: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی اذان ثانی کا جواب زبان سے جہراً دینا مکروہ ہے؛ البتہ راجح قول کے مطابق زبان سے سراً جواب دینا جائز ہے، نام مبارک آجائے تو زبان سے درود شریف پڑھنا دوران خطبہ ممنوع ہے؛ بلکہ دل دل میں درود پڑھنا چاہئے۔

والصواب أنه يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم عند سماع إسمه في نفسه الخ. (در مختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٥٩، زكريا ٣/٣٦)

اور دوران خطبہ دعائیہ کلمات پر آمین جہراً کہنا ممنوع ہے۔

وإذا شرع في الدعاء لا يجوز للقوم رفع اليدين، ولاتأمين باللسان جهراً، فإن فعلوا ذلک أثموا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣/٣٥، كراچي ٢/١٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹۱۶/۲۸)

جمعہ میں خطبہ کی اذان کا جواب دینا کیسا ہے؟

سوال[۳۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے خطبہ کی اذان کا جواب کس طرح دیا جائے، عام اذانوں کی طرح یا کوئی اور شکل ہوگی؟

المستفتی: محمد ناظم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: راجح اور صحیح قول کے مطابق جمعہ کے خطبہ کی اذان کا

جواب زبانی سراً دینا بلاشبہ جائز ہے، جن فقہاء نے زبانی جواب نہ دینے کی تصریح کی ہے، ان کی مراد جہراً جواب دینا ہے یا وہ اقوال مرجوحہ ہیں جن کا اعتبار نہیں ہے۔ (مستفاد: ذخیرۃ المسائل، مولانا عبدالحی لکھنوی ص: ۱۳۶)

إذا خرج الإمام فلا صلوۃ ولا كلام وهو قول الإمام؛ لأنه نص النبي صلى الله عليه وسلم، قوله ولا كلام: إختلف المشايخ على قول الإمام في الكلام قبل الخطبة، فقيل إنما يكره ما كان من جنس كلام الناس، أما التسبيح ونحوه فلا وقيل ذلک مكروه، والأول أصح. (حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة ٥١٨)

ثم عند أبي حنيفة يكره الكلام حين يخرج الإمام للخطبة، وفي الينابيع: يريد به أنه إذا صعد على المنبر، ثم اختلف المشايخ على قول أبي حنيفة، قال بعضهم: إنما يكره الكلام الذي هو من كلام الناس، أما التسبيح، وأشباهه فلا، وقال بعضهم: كل ذلک والأول أصح. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس و العشرون، شرائط الجمعة، زكريا ٥٧٦/٢، رقم: ٣٣٤٢، البنايه، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفية ٨٤/٣، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا ٢٧٢/٢، كوئٹه ١٥٥/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۶۰/۴۰)

خطبہ کی اذان میں کلمۂ شہادت پر درود پڑھنا

سوال [۳۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ میں خطبہ کی اذان میں ''**اشهد أن محمد رسول الله**'' پر درود شریف

پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد اسعد قاسمی، اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آئے تو زبان کے تلفظ کے ساتھ نہیں؛ بلکہ اتنے مخفی انداز سے درود شریف پڑھے کہ خود اپنے کو بھی سنائی نہ دے۔

أنه لا يصلى النبي صلى الله عليه وسلم عند ذكره في الخطبة، وعن أبي يوسف ينبغي أن يصلي في نفسه؛ لأن ذلک مما لايشغله عن سماع الخطبة، فكان احرازاً للفضيلتين الخ. (فتح القدير، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة العيدين، زكريا ٦٦/٢، كوئٹه ٣٨/٢، دارالفكر مصري قديم ٦٩/٢)

إذا ذكر النبي صلى الله عليه وسلم لايجوز أن يصلوا عليه بالجهر؛ بل بالقلب وعليه الفتوى. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ٣٥/٣، كراچي ١٥٨/٢)

وإذا أمر الخطيب بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم يصلي سراً إحرازاً للفضيلتين. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتاب ديوبند ص:٥١٩، الموسوعة الفقهية الكويتيه ١٨٤/١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۳۱ ۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/۱۴۱۷ھ

دور نبوت میں اذان جمعہ کہاں دی جاتی تھی؟

سوال [۳۶۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی حضور ﷺ کے زمانے میں ممبر کے سامنے ہوتی تھی

اوراس کا کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کرتا ہے؛ البتہ امر مطلوب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر ہوتی تھی؟ اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں کہاں ہوتی تھی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا محمد علی قصبہ شیرگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور ﷺ اور حضرات ابوبکرؓ وعمرؓ کے زمانہ تک جمعہ کی صرف ایک اذان ہوتی تھی اور یہ وہ اذان ہے، جو آج کے زمانہ میں مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اور حضور ﷺ کے زمانہ سے حضرت عمرؓ کے زمانہ تک چونکہ ایک ہی اذان ہوتی تھی؛ اس لئے یہ اذان مسجد کے دروازے کے سامنے دی جاتی تھی تاکہ مسجد کے اندر کے لوگ اور باہر کے لوگ سب اذان سن سکیں؛ لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگوں کا مجمع زیادہ بڑھ گیا، تو تمام صحابہ کے مشورہ سے مزید ایک اذان کا اضافہ کیا گیا اور یہ اذان مسجد نبوی کے باہر مقام زوراء پر دی جانے لگی تاکہ اس اذان کو سن کر دور دراز کے لوگ مسجد میں جلد آجائیں اور یہ اذان پہلے دی جاتی ہے تاکہ غائبین حاضر ہوجائیں اور سابقہ اذان مسجد کے اندر ممبر کے سامنے دی جانے لگی تاکہ اس اذان کے ذریعہ سے مسجد کے اندر کے لوگ خطیب کی طرف متوجہ ہوکر خطبہ سنیں اور سنن ونوافل ذکر وتلاوت وغیرہ بند کردیں، یہ ہے دونوں اذانوں کی حیثیت۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن السائب بن يزيد قال: كان النداء يوم الجمعة، أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي صلى الله عليه وسلم، وأبي بكر، وعمر رضي الله عنهما، فلما كان عثمان رضي الله عنه وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة، ١/ ١٢٤، رقم: ٩٠٢، ف:٢ ٩١)

عن السائب بن يزيدؓ قال: كان يؤذن بين يدي رسول الله صلى الله

علیه وسلم إذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد، وأبي بکر، وعمر، ثم ساق نحو حدیث یونس. (ابوداؤد، کتاب الصلاة، باب النداء یوم الجمعة، النسخة الهندیة ۱/۱۵۵، دار السلام رقم: ۱۰۸۸)

إذا صعد الإمام المنبر جلس و أذن المؤذنون بین یدي المنبر، بذلک جری التوارث. (هدایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة، اشرفیة ۱/ ۱۷۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۶/۲۴)

خطبہ سے قبل اذان کہاں دی جائے؟

سوال [۳۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ تین ماہ قبل ایک امام صاحب مسجد نورخاں، حیات نگر سنبھل میں نماز پڑھانے کے لئے تشریف لائے، مسجد نورخاں میں جمعہ کے خطبہ سے پہلے کی اذان اندرون مسجد ممبر کے سامنے پہلی صف میں ہوتی چلی آرہی ہے۔ امام مذکور نے تقریباً دو ماہ آٹھ یا نو جمعوں کی نماز اسی طرح اندرون مسجد اذان کے ذریعہ پڑھائی، آٹھویں یا نویں جمعہ کو انہوں نے مؤذن کو اذان مذکور بیرون مسجد پڑھنے کا حکم دیا، اس پر وہاں موجود نمازی بھڑک گئے اور اذان کی جگہ نہ بدلنے پر اڑے رہے، بالآخر اذان اندرون مسجد میں ہوئی۔ اور امام مذکورہ نے ہی نماز پڑھائی؛ لیکن جمعہ کے بعد امام صاحب نے حدیث شریف کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ حدیث کے مطابق اذان بیرون مسجد ہونی چاہئے۔ اور حدیث کے مطابق عمل نہ کرنے والا نہ ماننے والا منافق اور کافر ہے؛ لیکن امام مذکور کے اس فیصلہ پر وہاں کے مستقل نمازیوں نے یہ اعتراض کیا کہ آپ نے پہلے آٹھ جمعوں تک اور اب بعد میں بھی حدیث کے حکم کے خلاف نماز کیوں پڑھائی اور اب بھی کیوں پڑھا رہے ہیں؛ جبکہ اذان اندرون مسجد ہو رہی ہے، آپ

کیا ہوئے کافر یا منافق؟ امام مذکور کے اس عمل سے مسجد میں لوگوں نے نماز پڑھنی بند کردی ہے، تقریباً ایک درجن مستقل نمازیوں نے جانا بند کردیا ہے اور مسجد میں تفرقہ پھیل گیا ہے، امام مذکور نے اپنی جمعہ کی تقریر میں فرمایا ڈاڑھی منڈوانا حرام ہے، خطبہ کے دوران ایک شخص پالتی مارے بیٹھا تھا، امام مذکورہ نے کہا (کیسے بیٹھا ہے جیسے مندر میں مورتی رکھی ہو)

المستفتی: نمازی مسجد جمال اختر خاں، حیات نگر سرائے ترین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سے جمعہ کی اذان اول کا سلسلہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ سے شروع ہوا ہے، وہ اذان مسجد سے باہر ہی دینے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے اور اذان اول حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں شروع ہوئی ہے، اس وقت سے خطبہ کی اذان منبر کے سامنے دینے کا سلسلہ بھی دور صحابہ سے لے کر ائمہ مجتہدین، سلف وخلف سے تواتر و توارث کے ساتھ آج تک جاری ہے؛ اس لئے اگر چہ یہ اذان حدود مسجد میں کہیں بھی دینا جائز ہے، مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ منبر کے سامنے یہ اذان دی جائے، جیسا کہ دور اول سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، امام مذکور سے مقتدیوں کا جوابی اعتراض اپنی جگہ درست ہے کہ جب امام نے خطبہ کی اذان مسجد سے باہر پڑھنے پر حدیث سے ثابت کر کے اس پر خود یہ استدلال کیا ہے کہ حدیث کے خلاف عمل کرنے والے کافر یا منافق ہیں، تو اس پر مقتدیوں کا جوابی اعتراض کہ آٹھ نو جمعہ تک آپ نے بلا کسی اشکال کے اندرون مسجد منبر کے سامنے خطبہ کی اذان دلوائی اور نماز پڑھائی تو مقتدیوں کی طرف سے یہ جواب دینا بالکل درست ہے؛ لیکن اصل بات یہ ہے کہ مسجد کے دروازہ پر یا صحن مسجد میں خطبہ کی اذان اس وقت دی جاتی تھی، جب تک اذان اول کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا، جب حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں پہلی اذان کا سلسلہ شروع ہوا تو خطبہ کی اذان اندرون مسجد دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔

امام صاحب کا مجمع عام میں اس طرح کے بازاری اور غیر مہذب الفاظ سے یاد کرنا ایک مسلمان کی بھرے مجمع میں ہتک حرمت ہے؛ اس لئے اس نمازی سے معذرت خواہی، معافی

مانگ کر دل کی صفائی ضروری ہے، اور امام صاحب کی یہ بات درست ہے کہ داڑھی منڈانا حرام ہے۔

وإذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدی المنبر، بذٰلک جری التوارث، ولم يكن على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا هذا الأذان. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفي ديوبند ١/ ١٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۳۸/۳۷)

اذان ثانی کہاں دی جائے؟

سوال [۳۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان ثانی مسجد کے اندر ہونی چاہئے یا خارج مسجد، جو بھی صورت درست ہو جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد مشکور حسین، ملک سری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان ثانی جو خطیب کے ممبر پر جانے کے بعد دی جاتی ہے، اس کو حدود مسجد میں دینا جائز ہے؛ لیکن افضل اور مستحب یہ ہے کہ خطیب اور ممبر کے سامنے یہ اذان دی جائے، یہی توارث اور تواتر سے ثابت ہے؛ اس لئے کہ یہ اذان حاضرین کو متنبہ کرنے کے لئے ہوتی ہے کہ جو لوگ ذکر وتلاوت وغیرہ میں مشغول ہیں یا سنن ونوافل پڑھنے کا ارادہ کررہے ہیں، وہ حضرات سب چیزیں ترک کر کے امام کے خطبہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

و يؤذن ثانيًا بين يديه إذا جلس على المنبر. (شامي، كتاب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدى الخطيب، كراچي ۲/۱۶۱، زكريا ۳/۳۸-۳۹)

وإذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدى المنبر، بذلك جرى التوارث. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفي ديوبند ۱/۱۷۱، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۴، كذا في اعلاء السنن، باب التأذين عند الخطبة، دارالكتب العلمية بيروت ۸/۸۵)

الحكمة في الأذان في هذا المحل ليعرف الناس بجلوس الإمام على المنبر، فينصتون له إذا خطب. (فتح الباري، كتاب الجمعة، باب الأذان يوم الجمعة ،زكريا ۲/۵۰۰، تحت رقم الحديث: ۹۱۲، قديم ۲/۳۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۰۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵؍۴؍۱۴۳۱ھ

اذان ثانی کا محل کیا ہے؟

سوال [۳۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عین الہدایہ ۱؍۲۹۵؍ باب الاذان اور عالمگیری ۱؍۵۷؍ باب الاذان میں تحریر ہے کہ سنت یہ ہے کہ اذان اونچی جگہ دے، مسجد کے اندر نہیں؛ بلکہ مئذنہ پر یا مسجد سے باہر ہونی چاہئے۔ ابن الحاج محمد مالکی نے مدخل میں لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اذان دینے والا مینارہ پر ہو اور یہ طریقہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ سے جاری ہے، پھر ہشام بن عبد الملک جب حاکم ہوا، تو اس نے اس اذان کو جس کی ابتداء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوئی تھی، اس کو مینارہ پر کردی اور اذان ثانی کو امام کے سامنے کردی۔ (حاشیۂ شرح وقایہ ۱؍۲۴۵)

حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تعلیم الاسلام حصہ چہارم ۴۸ر میں تحریر کرتے ہیں کہ خطیب کے سامنے ہونی چاہئے یا منبر کے پاس ہو یا ایک دوصفوں کے بعد یا ساری صفوں کے بعد، مسجد میں یا مسجد سے باہر، ہر طرح جائز ہے۔

بہر حال ہمارے علماء حق کا عمل اس کے خلاف ہے اوراذان ثانی جس مسجد میں باہر ہوتی ہے، اس کو برا سمجھتے ہیں اور علماء حق کا عمل فعلاً تو کتب فقہ کے خلاف ہے، اس کا کیا سبب ہے؟

المستفتی: عبدالرشیدانا وی، معرفت عارف الصدیق، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی اذان ثانی کو مسجد سے باہر ثابت کرنے کے لئے سائل نے تین طرح کے حوالہ جات پیش فرمائے ہیں۔

(۱) عین الہدایہ اور فتاوی عالمگیری کا حوالہ ہے، تو یہ دونوں حوالے ہرگز صحیح نہیں ہیں؛ کیونکہ سائل کی پیش کردہ عبارتیں نماز پنج گانہ کی اذان سے متعلق ہیں نہ کہ جمعہ کی ذان ثانی سے؛ کیونکہ عین الہدایہ اور فتاوی عالمگیری دونوں کتابوں میں صاف لفظوں کے ساتھ موجود ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی منبر کے سامنے دیا کریں اور اسی کے ساتھ دور صحابہ سے اب تک توارث جاری ہوتا آیا ہے، دونوں کی عبارتیں یوں ہیں: مؤذن لوگ منبر کے سامنے اذان کہیں اسی فعل کے ساتھ توارث جاری ہوتا آیا ہے۔ (عین الہدایہ باب الجمعہ ۱/۶۵۸)

إذا جلس على المنبر أذن بين يديه وأقيم بعد تمام الخطبة بذلک جرى التوارث. (فتاوى عالمگيري، باب الجمعة، زكريا قديم ۱/۱۴۹، جديد زكريا ۱/۲۱۰)

اس لئے جولوگ فتاوی عالمگیری اور عین الہدایہ کی طرف عبارتوں کو غلط منسوب کر کے جمعہ کی اذان ثانی کو مسجد سے باہر لازم کرنا چاہتے ہیں وہ قطعاً غلط ہے۔

(۲) سائل نے حاشیہ شرح وقایہ کے حوالہ سے مدخل کی عبارت کا ترجمہ نقل کیا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی حضور ﷺ کے زمانہ مبارک سے ہشام بن عبدالملک کے زمانہ تک مینارہ پر ہوتی

آئی ہے، یہ حوالہ مدخل کی طرف منسوب کرنا کسی حد تک تو صحیح ہے؛ لیکن صاحب مدخل کے پاس اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، یہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے اور نہ ہی جمہور فقہاء متقدمین و متأخرین اس سے متفق ہیں؛ کیونکہ حضور ﷺ کے زمانہ میں کوئی منارہ ہی نہیں تھا؛ بلکہ مسجد ہی کے اندر منبر کے سامنے جمعہ کی اذان ثانی دیجاتی تھی، جیسا کہ عمدۃ القاری شرح بخاری، البحر الرائق، فتاوی شامی، منحۃ الخالق وغیرہ کتب فقہ وحدیث کی عبارتوں سے صاف طریقہ سے ثابت ہوتا ہے۔

وفي فتاوى ابن يعقوب الخاصى هي الماذنة هي الماذنة، وفيه نظر ولم يكن في زمن النبي صلى الله عليه وسلم مأذنة التي يقال لها المنارةالخ.

(عمدة القاري، باب الأذان يوم الجمعة، قديم دار إحياء التراث العربي زكريا جديد ٥/٧٤، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الأذان، قديم كوئٹه ١/٢٥٨، جديد زكريا ١/٤٥٠)

أن أول من رقي منارة مصر للأذان شرحبيل بن عامر المرادى، وبنى سلمة المنابر للأذان بأمر معاويةؓ، ولم تكن قبل ذلك. (فتاوى شامي، كتاب الصلاة، باب الأذان، كراچي ١/٣٨٧، زكريا ٢/٥٣، منحة الخالق، كوئٹه ١/٢٥٨، جديد زكريا ١/٤٥٠)

نیز محشی شرح وقایہ خود اپنی کتاب سعایہ اور نفع المفتی والسائل وغیرہ میں جمعہ کی اذان ثانی کو خطیب کے سامنے ثابت کرتے ہیں۔

أذان لا يستحب رفع الصوت فيه بل هو الأذان الثاني بين يدى الخطيب؛ لأنه كالإقامة لا علام الحاضرين صرح به جماعة من الفقهاء.

(سعاية حواله لامع الدراري ٢/٢١، هكذا في نفع المفتى والسائل ٤٢)

(۳) سائل کا علماء حق کے عمل کو تعلیم الاسلام کی عبارت کے خلاف ثابت کرنا بھی ہرگز درست نہیں ہے؛ کیونکہ علماء حق بھی اسی کے قائل ہیں کہ اندر باہر ہر طرح جائز ہے؛ البتہ سلف وخلف سے توارث کے ساتھ اندرون مسجد اذان ثانی پر عمل ثابت ہونے کی وجہ سے عدم عذر کی

حالت میں اندرون مسجد میں خطیب کے سامنے اذان ثانی کوزیادہ افضل اور بہتر کہتے ہیں اور باہر لازم ہونے اور اندر ناجائز ہونے کا انکار کرتے ہیں؛ کیونکہ جمہور فقہاء متقدمین ومتأخرین سب اس بات پر متفق ہیں کہ داخل مسجد خطیب کے سامنے اذان ثانی زیادہ افضل اور بہتر ہے اور باہر لازم ہونے اور اندر ناجائز ہونے کا انکار کرتے ہیں؛ کیونکہ جمہور فقہاء متقدمین ومتأخرین سب اس بات پر متفق ہیں کہ داخل مسجد خطیب ہی کے سامنے جمعہ کی اذان دی جائے اور اسی پر تمام فقہاء کا عمل چلا آرہا ہے اور صاحب مدخل کے قول کا مردود ہونا ماقبل میں ثابت ہو چکا ہے؛ اس لئے کہنا ہوگا کہ جمعہ کی اذان ثانی عدم عذر کی صورت میں اندرون مسجد خطیب کے سامنے ہی زیادہ افضل اور بہتر ہوگی۔ نیز باہر بھی جائز ہے اور نظیر کے طور پر فقہاء کی چند عبارتیں پیش کی جاتی ہیں۔

وإذا صعد الإمام المنبر جلس و أذن المؤذن بين يدى المنبر بذلک جرى التوارث. (هداية ١/ ١٥١، مجمع الأنهر ١/ ١٧١، ملتقي الأبحر ١/ ١٧١)

ويؤذن ثانيا بين يديه أي الخطيب وفي الشامية: أي على سبيل السنية كما يظهر من كلامهم. (در مختار مع الشامي، كتاب الجمعة، باب الجمعة كراچي ٢/ ١٦١، زكريا ٣/ ٣٨)

إن التأذين عند الخطبة محله عند الإمام وبذلک جرى التوارث على ماقال صاحب الهداية قلت فبطل بذلک قول من زعم أن التأذين عند الخطبة في المسجد بدعة. (حاشية آثار السنن ٢/ ٩٥، العرف الشذي على هامش الترمذي ١/ ١١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۲۳۲۷)

جمعہ کی اذان ثانی کہاں پر ہو؟

سوال [۳۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حالات سماجی، سیاسی میں جس قدر تبدیلی آرہی ہے اور جو باعث بربادی ہے، ویسے ہی مذہبی طور پر روز نئے نئے مسئلے پیدا کئے جارہے ہیں، جس سے قوم کی بربادی ہوتی جارہی ہے۔

ادھر کچھ برسوں سے زیادہ تر قصبہ اور دیہات میں کچھ ضلع میں اذان جمعہ ثانی مسجد کے دروازے پر رائج کرادی ہے، کہاں تک درست ہے؟ جبکہ ہمارے اولین پیشوا اوراولین اکابرین مشائخ محدث اولیاء کرام نے سنت نبوی ﷺ واطوار صحابہؓ کو اپنا نصب العین بنارکھا ہے، وہاں پر آج تک ایسا نہیں ہے، اللہ معاف کرے، کیا ان کو اس بات کا علم نہ تھا؟ اگر تھا تو کیوں اب تک وہاں پر اورشہر شہر و دیگر مقامات پر اذان جمعہ امام سے کچھ فاصلے پر ہوتی ہے، دوسرے ہم کو منع کرنے والے جب ان میں آکر نماز جمعہ ادا کرتے ہیں تو ہونٹ خاموش رہتے ہیں، لب کشائی تک نہیں کرتے اور نہ فتوی دیتے ہیں، نماز جمعہ ادا کر کے رخصت ہوجاتے ہیں۔

المستفتی: نیاز احمد شمسی، ریاض خاں علوی، حکمت علی قادری، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی اذان ثانی منبر کے سامنے، دروازے پر، اندر، باہر، ہرطرح جائز ہے؛ البتہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام کے سامنے منبر سے قریب کھڑے ہو کر دی جائے۔

وإذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدي المنبر، بذلك جرى التوارث. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفي ديوبند ۱/ ۱۷۱، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۵٤، مصري قديم ۱/ ۱۷۱)

جوعلماء منع نہیں کرتے ہیں شاید فتنہ سے بچنے کے لئے خاموشی اختیار کرتے ہیں اوراختلاف فتنہ

سے بچ کر حکمت کا طریقہ اختیار کرنا، اس طرح کے مسائل میں بہت ضروری ہے؛ کیونکہ اذان ثانی تو ہو ہی جاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۹۱/۲۵)

جمعہ کی اذان ثانی امام اور منبر کے سامنے دینا

سوال [۳۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے محلّہ میں ایک مسجد ہے، جس میں پنج گانہ اور جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ابھی چار ہفتہ سے خطبہ کی اذان مسجد سے باہر ہوتی ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ منبر کے سامنے اذان دیا کرو، تو اس کے متعلق آپ جواب تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد یحییٰ، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فقہاء کی تصریحات یہی ہیں کہ امام اور منبر کے سامنے اذان ثانی دی جائے، جو دور صحابہؓ سے اب تک تواتر وتوارث کے ساتھ تعامل بین العلماء ہے؛ اس لئے امام کے سامنے ہی افضل ہے۔

وإذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدى المنبر، بذٰلک جرى التوارث. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفي ديوبند ۱/۱۷۱)

فإذا جلس الإمام على المنبر، أذن بين يديه ثانياً. (ملتقي الأبحر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۵۴، مصري قديم ۱/۱۷۱، شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/۳۸، كراچي ۲/۱۶۱، هندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ۱/۱۴۹، جديد ۱/۲۱۰، صغيري، مكتبه مجتبائي دهلي ۲۸۱، كبيري، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجمعة، مكتبه رحيميه ديوبند

قديم ٥٢٠، اشرفية ديوبند جديد ٥٦١، احسن الفتاوى ١٢٦/٣، امداد الفتاوى ٧٠٥/١)

البتہ اگر مسجد اتنی بڑی ہے کہ اندر اذان دینے سے باہر صحن میں لوگوں کو سنائی نہیں دیتی ہے، تو امام کی روبرو ہوکر باہر بھی بلا کراہت درست ہے؛ لیکن اگر یہ عذر نہیں ہے تو خلاف اولیٰ ہے، لازم سمجھنے کی صورت میں بدعت اور مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۵۳۴)

جمعہ کی اذان ثانی کہاں دی جائے؟

سوال [۳۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے مسجد کے باہر دینا سنت اور مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ تحریمی ہے اور حوالہ دیتے ہیں بخاری شریف: ۱۲۵، ابوداؤد شریف: ۱۵۵، نسائی شریف: ۶۸، مشکوۃ شریف: ۱۲۳، قاضیخاں: ۳۸؍وغیرہ کتابوں سے اگر مسجد کے باہر اذان دینا ناجائز ہے، تو دلائل کے ساتھ مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: غلام مصطفیٰ، راڈھا رمنپور، پوسٹ: پیاریبیڑا، ضلع بانکوڑا (مغربی بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کی اذان ثانی جو خطبہ کے وقت دی جاتی ہے، اس کا امام کے روبرو مسجد کے اندر امام کے سامنے اور مسجد سے باہر امام کے روبرو دینا دونوں طرح جائز اور درست ہے، باہر ہی سنت ہونے اور اندر سنت نہ ہونے کا دعوی بلا دلیل ہے اور باہر سنت ہونے اور اندر عدم سنت پر بخاری شریف ۱۲۵/۱ میں کوئی حدیث نہیں ہے اور نہ ہی ابوداؤد، نسائی ومشکوۃ میں کوئی ایسی روایت ہے کہ جس میں اندرون مسجد خطبہ کی اذان کی ممانعت موجود ہے اور قاضی خان میں خطبہ کی اذان مسجد کے اندر دینے کی ممانعت نہیں ہے،

باب الاذان میں خطبہ کی اذان کے علاوہ نماز پنج گانہ کی اذان اندرون مسجد دینے کی ممانعت آئی ہے، خطبہ کی اذان کی ممانعت ہرگز نہیں ہے؛ اس لئے ہدایہ اور فتاوی عالمگیری وغیرہ میں امام کے بالکل سامنے خطبہ کی اذان کو مسنون لکھا ہے۔

وإذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدى المنبر، بذٰلک جرى التوارث. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفي ديوبند ١/ ١٧١، فتاوى عالمگيري، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ١٤٩/١، زكريا جديد ١/ ٢١٠، البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة العيدين، زكريا ٢/ ٢٧٤، كوئٹه ٢/ ١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍ ۳۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍ ۷؍ ۱۴۱۳ھ

کیا جمعہ کی اذان ثانی منبر کے سامنے دی جائے؟

سوال [۳۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ جمعہ میں اذان ثانی باہر ہونی چاہئے، ثبوت میں ابوداؤد شریف کی حدیث پیش کرتا ہے، حضرت سائب بن یزید والی اور کہتا ہے ان کے علاوہ فتاویٰ عالمگیری، فتاوی قاضی خاں اور بہت سی کتابیں ہیں، جس میں بعض نے اندر اذان کو مکروہ اور بعض نے منع کیا اور مسجد کے اندر اذان کی کوئی حدیث موجود ہو تو حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد ناظم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد سے باہر خطبہ کی اذان دینا حدیث سے ثابت نہیں؛

بلکہ ممبر کے سامنے اذان دینا فقہاء سے تواتر وتورث کے ساتھ ثابت ہے۔ اور جن روایات میں مسجد کے دروازے پر اذان دینا ثابت ہے، یہ اس زمانہ کی بات ہے جب جمعہ کی ایک اذان ہوتی تھی، جب حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں دو اذانیں ہوگئیں، تو پہلی اذان مسجد کے دروازے سے باہر دی جاتی تھی اور خطبہ والی اذان مسجد کے اندر منبر کے سامنے دی جاتی تھی، جیسا کہ فقہاء کی عبارت سے واضح ہے۔

وإذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدی المنبر، بذٰلک جری التوارث. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفي ديوبند ١/ ١٧١، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دارالكتاب ديوبند ٥١٥، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٥٤، مصري قديم ١/ ١٧١، وكذا في الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/ ١٦١، زكريا ٣/ ٣٨، فتاوى عالمگيري، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ١/ ١٤٩، جديد ١/ ٢٢٠، البحر الرائق، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة العيدين، زكريا ٢/ ٢٧٤، كوئٹه ٢/ ١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۵۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۵ھ

جمعہ کی اذان ثانی کا محل

سوال [۳۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ میں ایک مسجد ہے، جس میں پنج گانہ اور جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور ابھی چار ہفتے سے خطبہ کی اذان مسجد سے باہر ہوتی ہے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ منبر کے سامنے دیا کرو، اس کے متعلق جواب تحریر فرمائیں۔

(۲) بعض لوگ جمعہ کی اذان ثانی کو مسجد کے اندر امام کے سامنے دینے کو ممنوع کہتے ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

المستفتی: حاجی ابوالقاسم، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فقہاء کرام کی تصریحات یہی ہیں کہ امام اور منبر کے سامنے اذان ثانی دی جائے، جو دور صحابہؓ سے اب تک تعامل بین العلماء ہے؛ اس لئے امام کے سامنے ہی افضل ہے۔

إذا صعد الإمام المنبر جلس، وأذن المؤذنون بين يدى المنبر، بذٰلک جرى التوارث. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفي ديوبند ١/١٧١)

فإذا جلس الإمام على المنبر، أذن بين يديه ثانياً. (ملتقي الأبحر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٥٤، قديم مصري ١/١٧١، الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٦١، زكريا ٣/٣٨، هندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم١/١٤٩، جديد زكريا ١/٢١٠، صغيري، مكتبه مجتبائي دهلي ٢٨١، غنية المستملي شرح كبيري، فصل في صلاة الجمعة، اشرفية ديوبند جديد ٥٦١، مكتبه رحيمية قديم ٥٢٠، احسن الفتاوى ٣/١٢٦، امداد الفتاوى ٧٠٥)

البتہ اگر مسجد اتنی بڑی ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینے سے باہر صحن میں لوگوں کو سنائی نہیں دیتی ہے، تو امام کے روبرو ہو کر باہر بھی بلا کراہت درست ہے؛ لیکن اگر یہ عذر نہیں ہے تو خلاف اولیٰ ہے، لازم سمجھنے کی صورت میں بدعت اور مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ فتاوی عالمگیری میں جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر دینا ممنوع ہے، وہ فتاوی عالمگیری کا مطالعہ یا تو صحیح طور سے نہیں کرتے ہیں یا فتاوی عالمگیری سمجھتے ہی نہیں ہیں؛ اس لئے کہ فتاوی عالمگیری میں بھی جمعہ کی اذان ثانی امام کے سامنے دینے کا ذکر موجود ہے۔

فتاوی عالمگیری کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وإذا جلس على المنبر أذن بين يديه، وأقيم بعد تمام الخطبة، بذلك جرى التوارث. (عالمگيري، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ۱/۱۴۹، جديد زكريا ۱/۲۱۰)

اور یا تو وہ لوگ عوام الناس کے ساتھ یہ خیانت کرتے ہیں کہ جمعہ کی اذان اول اورعام اذانیں اندردینے میں؛ چونکہ غائبین کو سنائی نہیں دیں گی؛ اس لئے ان کو مسجد کے باہر دینے کا حکم ہے،اوراذان کو اندرون مسجد ممنوع قرار دیا گیا ہے،جس کو فتاوی عالمگیری میں تمام اذانوں اور جمعہ کی اذان اول کے موقع پر ذکر کیا ہے۔

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أو خارج المسجد، ولايؤذن في المسجد. كذا في فتاوى قاضي خان. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، زكريا قديم ۱/۵۵، جديد زكريا ۱/۵۱)

اس عبارت کو اذان ثانی کے موقع پر دکھانا زبردست خیانت ہے؛اس لئے کہ اذان ثانی کی عبارت اپنی جگہ الگ سے موجود ہے، جو ہم نے اوپر ذکر کردی ہے؛لہٰذا جمعہ کی اذان ثانی ممبر کے سامنے دیناہی افضل ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الثانیہ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر:الف۳۵؍۶۷۲۰)

ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھانے کے بعد دوسری مسجد میں جمعہ کی اذان واقامت کہنا

سوال[۳۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھاتا ہے، پھر ایک دوسری مسجد میں جا کر جمعہ کی اذان اوراقامت کہتا ہے یہ عمل مسلسل ہے، اس عمل سے اس کی یا مقتدیوں کی نماز میں کیا خلل ہوتا ہے؟

المستفتی: طارق عثمانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز میں کوئی خلل نہیں ہوگا؛ البتہ دوسری مسجد میں جاکر اذان واقامت کہنا مکروہ اور ممنوع ہے، اس کا ترک لازم ہے۔

إذا صلى في المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني، والتنفل بالأذان غير مشروع؛ ولأن الأذان للمكتوبة، وهو في المسجد الثاني يصلي النافلة، فلا ينبغي أن يدعو الناس إلى المكتوبة، وهو لايساعدهم الخ. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب شروط الصلاة، زكريا ٢/٧١، كراچي ١/٤٠٠، وهكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في صفات المؤذن، زكريا ١/٣٧٥، كراچي ١/١٥١، المبسوط، للسرخسي، باب الأذان، قبيل باب مواقيت الصلاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٤٠، البناية في شرح الهداية، كتاب الصلاة، باب الأذان، اشرفية ٢/٩٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۷۸۶/۲۵)

اذان ثانی سے قبل مؤذن کا ”إن الله و ملائكته“ وغیرہ پڑھنا

سوال [۳۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی کی مسجد میں مسلک شافعی کے مطابق پانچوں وقت کی نماز ہوتی ہے؛ اس لئے یہاں کے سبھی لوگ مسلک شافعی سے تعلق رکھتے ہیں، یہاں پر طویل عرصہ سے یہ رواج جاری ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے یعنی خطبہ کی اذان سے پہلے مؤذن صاحب لوگوں کی طرف

مخاطب ہوتے ہیں، ہاتھ میں عصا ہوتا ہے اور پہلے یہ آیت پڑھتے ہیں:

إن اللہ و ملائکته یصلون علی النبي یا ایها الذین اٰمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیمًا. پھر یا معشر المسلمین رحمکم اللہ روي في الخبر عن سید البشر شفیع الأمة في یوم المحشر سید الأشراف ومتمم مکار م الأخلاق، والأوصاف، سید العرب، والعجم، محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن هاشم بن عبد مناف، أنه قال: إذا صعد الخطیب علی المنبر، ثم خطب خطبتین ولا یتکلم أحدکم، ومن تکلم فقد لغیٰ، ومن لغیٰ فلا ثواب بجمعة اللہ انصتوا رحمکم اللہ تعالی فاستمعوا یغفر اللہ لنا ولکم لوالدنا ولو الدکم لأستادنا ولأستاذکم وجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات، فاستغفروه إنه هو الغفور الرحیم.

یہ کلمہ پڑھنے کے بعد عصا امام کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور امام ممبر پر چڑھتا ہے، بعد اذان ثانی ہوتی ہے، ازراہ کرم شافعی مسلک کے تحت مذکورہ کلمات پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ شرع میں کوئی ثبوت یا دلیل ہے، جو اوپر کے کلمات خطبہ کی اذان سے پہلے پڑھے جاتے ہیں، اثبات میں یا نفی میں؟ مدلل تحریر فرمایئے، اگر ان کلمات کو پڑھیں تو کیا گناہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعظیم صدیقی، مقام: باکول، رائے گڈھ (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہمارے یہاں حضرت امام شافعیؒ کی مشہور ومعروف اور معتبر کتاب کتاب الام موجود ہے، اس میں اور دیگر معتبر کتابوں میں سوال نامہ میں درج شدہ کلمات کا مذکورہ موقع میں مذکورہ طریقے سے پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۶۲ ۷)

کیا اذان اول پر عورتوں کے لئے ظہر کی تیاری لازم ہے؟

سوال [۳۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن اذان اول کی وجہ سے جیسے مردوں کے اوپر جمعہ کی تیاری لازم ہوتی ہے، بیع وشراء حرام ہوجاتی ہے، تو کیا عورتوں پر بھی اذان اول ہوتے ہی ظہر کی تیاری میں لگنا ضروری ہے، ان کے لئے بھی بیع وشراء حرام ہوجاتی ہے؟ ہمارے یہاں کے بعض علماء جمعہ کے دن اذان اول کے بعد عورتوں پر بھی ظہر کی تیاری کو لازم کہتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد اکرام اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر ’’**فاسعوا الی ذکر اللّٰہ و ذرو البیع**‘‘ کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں، ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اللہ نے جمعہ کی سعی کے ساتھ ساتھ ترک بیع کا حکم فرمایا ہے، ترک شراء کا حکم نہیں فرمایا، اس کے پیچھے راز یہ ہے کہ جب بیچنے والا ہی نہیں رہے گا اور دوکان ہی بند ہوجائے گی تو خریدار کہاں سے آئے گا اور مفسرین نے اس کی تفسیر کے ذیل میں اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ فرض ہے، ان کے اوپر جمعہ کی اذان اول پر ہر کام چھوڑ کر جمعہ کی تیاری لازم ہے؛ لہٰذا اس سے وہ دیہات مستثنیٰ ہوں گے، جن دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں ہے، وہاں کے لوگوں پر جمعہ کی سعی اور تیاری کا حکم نہیں ہے، مگر ظہر کی اذان پر ظہر کی تیاری لازم ہے، تو ایسا ہی شہر اور قصبات اور جن آبادیوں میں جمعہ مشروع ہے، وہاں جمعہ کی اذان اول پر عورتوں پر ظہر کی تیاری ضروری ہے، جیسا کہ عام دنوں میں ظہر کی اذان پر مردوں کی طرح عورتوں پر بھی ظہر کی تیاری لازم ہوتی ہے؛ لہٰذا جن علماء نے یہ کہا ہے کہ جمعہ کے دن اذان اول کے بعد عورتوں پر ظہر کی تیاری لازم ہے، اس اعتبار سے صحیح ہے کہ جمعہ کی اذان کے علاوہ ظہر کے لئے کوئی

دوسری اذان نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے عام دنوں کی طرح اسی اذان سے عورتوں کوظہر کی تیاری کرنی چاہیئے اوراس کواجابت اذان کے لئے اجابت بالفعل کہتے ہیں۔ عورتوں کے لئے اس دن اجابت بالفعل کی یہی شکل ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوْا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. [سورة الجمعة الآية:۹]

قال العلامة الآلوسي: والظاهر أن المأمورين بترك البيع هم المأمورون بالسعي إلى الصلاة. (تفسير روح المعاني، سورة الجمعة، زكريا ۱۵/ ۱۵۲)

سئل ظهير الدين عمن سمع الأذان في وقت واحد من الجهات ماذا يجب عليه؟ قال: إجابة أذان مسجده بالفعل. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، المتفرقات، زكريا ۲/ ۱۵٤، رقم: ۲۰۱۱، كوئٹه ۱/ ۵۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۰۷۸/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۲۹ھ

جمعہ کے خطبات عورتوں کو جمع کر کے سنانا

سوال [۳۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیانات جمعہ مرد حضرات سنتے ہیں اوران کی اصلاح کا ذریعہ بنتے ہیں؛ لیکن عورتیں اس سے محروم رہتی ہیں؛ جبکہ گھر کے ماحول کو درست کرنے کے لئے عورتوں کی اصلاح کی ضرورت ہے؛ اس لئے ہم نے چاہا کہ ہماری مسجد سے متصل جو مدرسہ ہے، وہاں پر عورتوں کو پردہ کی پابندی کے ساتھ جمعہ کے خطبات سنانے کا اہتمام کیا جائے؛ لیکن اس تعلق سے شریعت کیا کہتی ہے؟ کیا اس طرح عورتوں کو جمعہ کے دن جمعہ کے خطبات سنانے کا اہتمام کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: محمد عادل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جمعہ کا خطبہ سننے کے لئے عورتوں کی شرکت کا اہتمام کرنا چاہے الگ سے کیوں نہ ہو ایک نئے فتنہ کو دعوت دینا ہے؛ اس لئے سوال نامہ میں جو عذر لکھا گیا ہے، اس عذر کی بناء پر عورتوں کے لئے خطبہ سننے کا انتظام کرنا درست نہیں ہے اور اس کی تلافی دوسرے طریقہ سے بآسانی ہوسکتی ہے کہ عورتوں کے لئے ہفتہ میں ایک دن کسی ہال میں انتظام کیا جائے اور اس میں سخت پردہ کے اہتمام کے ساتھ علماء اور بزرگوں کے بیانات کروائے جائیں، یہ جمعہ کے خطبہ سے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوگا؛ لہٰذا جمعہ کا خطبہ سننے کے لئے مذکورہ طریقہ پر انتظام ہرگز نہ کیا جائے۔

عن أبي سعيد الخدريؓ، قالت النساء للنبي صلى الله عليه وسلم: غلبنا عليك الرجال، فاجعل لنا يوماً من نفسك، فوعدهن يوماً لقيهن فيه، فوعظهن وأمرهن. (الحديث) (صحيح البخاري، كتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة، العلم، النسخة الهندية ١/٢٠، رقم:١٠١)

ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة، وعيد، ووعظ مطلقاً، ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كراچي ١/٥٦٦، زكريا ٢/٣٠٧)

ولا يحضرن الجماعات. لقوله تعالىٰ: وقرن في بيوتكن الخ. قال المصنف في الكافي: والفتوىٰ اليوم على الكراهة في الصلاة كلها لظهور الفساد، ومتى كره حضور المسجد للصلوة، فلأن يكره حضور مجالس الوعظ خصوصاً عند هؤلآء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء أولىٰ، ذكره فخر الإسلام. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ١/٦٢٧،٦٢٨، كوئٹه ١/٣٥٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۰۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۲۶ھ

کیا عورتوں پر جمعہ وعیدین کی نماز واجب ہے؟

سوال [۳۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عورتوں پر جمعہ وعیدین کی نماز واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب نہیں ہے اور وہ جمعہ وعیدین کی نماز پڑھ لیتی ہیں، تو مستحق ثواب ہے یا مستحق عذاب ہے؟

المستفتی: نعیم الدین، سیتامڑھی (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں پر جمعہ اور عیدین کی نماز واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر اتفاق سے کہیں پڑھ لیں، تو نماز صحیح اور درست ہوجائے گی اور ممانعت اس لئے ہے کہ ان کے اس بہانہ سے نکلنے کے بعد آہستہ آہستہ فتنہ کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

عن طارق بن شهاب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك، أو امرأة، أو صبي، أو مريض. (سنن أبي داؤد، باب الجمعة للمملوك، النسخة الهندية ١/١٥٣، دارالسلام رقم: ١٠٦٧، المستدرك، كتاب الجمعة قديم ١/٢٨٨، مكتبه نزار مصطفىٰ جديد ١/٤١٧، رقم:١٠٦٢)

وأما النساء فهل يرخص لهن أن يخرجن في العيدين؟ أجمعوا على أنه لا يرخص للشواب منهن للخروج في الجمعة، والعيدين، وشئ من الصلاة. لقوله تعالى: وقرن في بيوتكن، والأمر بالقرار نهى عن الانتقال الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في شرائط وجوب العيدين و جوازها،

زکریا ۱/۶۱۷، کراچي ۱/۲۷۵، البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا ۱/۶۲۷، ۶۲۸، کراچي ۱/۳۵۸)

اوراس زمانہ میں فتنہ کی وجہ سے کسی بھی نماز کے لئے مجمع یا مسجد میں جانا عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔

والفتویٰ الیوم علی الکراهة في الصلوة کلها؛ لظهور الفساد ومتی کره حضور المسجد للصلوة، فلأن یکره حضور مجالس الوعظ الخ. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة، زکریا ۱/۶۲۸، کوئٹه ۱/۳۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۳۵۲/۳۳)

جمعہ سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ

سوال [۳۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبل صلاۃ الجمعہ چار رکعت نماز سنت ہیں یا غیر سنت؟ اگر سنت ہیں تو کون سی سنت، شریعت کی نظر میں اس کا کیا حکم ہے؟ بالدلیل زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد شاہد کٹیہاری، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ سے قبل چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: کان النبي ﷺ یرکع قبل الجمعة أربعًا لا یفصل في شيء منهن. (سنن ابن ماجه، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة، النسخة الهندیة ۱/ ۸۰، دارالسلام، رقم: ۱۱۲۹)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: کان رسول الله صلی الله علیه

وسلم يركع قبل الجمعة أربعًا، وبعدها أربعًا، لا يفصل بينهن. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٢/ ١٢٩، رقم: ١٢٦٧٤)

وسن مؤكدا أربع قبل الجمعة، وأربع بعدها بتسليمة. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في السنن والنوافل، زكريا ٢/ ١٢، كراچی ١٢/٢، كوئٹه ١/ ٤٢٧، الأشباه، قديم ص: ٦٤، عالمگيری، الصلاة، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ١/ ١١٢، جديد ١/ ١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۱۰/۴/۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۵۹/۳۵)

نماز جمعہ کے بعد کتنی رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں؟

سوال [۳۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے فرض کے بعد کتنی سنت مؤکدہ ہیں؟ احناف کے مذہب کے صحیح اقوال نقل فرمائیں، اگر چھ سنت مؤکدہ ہیں، تو ان کے پڑھنے کی کیا ترتیب ہوگی؟ پہلے چار رکعت ایک سلام سے اور پھر دو رکعت ایک سلام سے، یا اس کے برعکس؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چار رکعت ایک سلام کے ساتھ سنت مؤکدہ ہیں۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام کے نزدیک چھ رکعت سنت ہیں، اولاً چار رکعت ایک سلام کے ساتھ اور اس کے بعد دو رکعت ایک سلام کے ساتھ، اگر وقت میں گنجائش ہو تو چھ رکعت پڑھنا افضل ہے۔ اور اگر عجلت یا کوئی عذر ہے تو چار رکعت سے سنت ادا ہو جائے گی۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان منكم مصليًا بعد الجمعة، فليصل أربعا. (صحيح مسلم، الجمعة، فصل في استحباب أربع ركعات أو الركعتين بعد الجمعة، النسخة الهندية ١/ ٢٨٨، بيت الأفكار، رقم: ٨٨١، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ٩٨٢، رقم: ١٦١٦، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/ ٩٠٣، رقم: ١٨٧٤)

منها أربع قبل الجمعة وأربع بعدها بتسليمة، وتحته في الطحطاوي: وقال أبو يوسف: يصلي أربعًا قبل الجمعة، وستًا بعدها وفي الكرخي محمد مع أبي يوسف، ثم عند أبي يوسف يصلي أربعًا، ثم إثنتين. (حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ٢١٣، جديد دار الكتاب ديوبند ص: ٣٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ

جمعہ کے بعد کی چار رکعت ظہر بالشبہ نہیں ہیں

سوال [۳۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ بعد نماز جمعہ جو چار سنتیں اور دو سنت اور دو نفل پڑھتے ہیں، اس میں چار سنتیں بطور ظہر بالشبہ پڑھتے ہیں اور یہ اس وقت سے ہے جس وقت علماء نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا تھا، اب جب کہ ایسا نہیں تو پھر چار سنتیں کیوں؟ مزید کہتا ہے کہ ”فتاوی رشیدیہ وامداد الفتاوی، بہشتی زیور“ کی عبارات سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے۔

المستفتی: ثناء الرحمٰن ہتھورا گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کا یہ کہنا کہ جمعہ کے بعد جو چار رکعتیں سنت پڑھی جاتی ہیں، وہ بطور ظہر بالشبہ پڑھتے ہیں اور اس کا ثبوت علماء کا ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کے وقت سے ہے، غلط ہے؛ بلکہ یہ چار رکعت سنت مؤکدہ ہیں؛ اس لئے کہ اس کا ثبوت احادیث نبویہ اور صحابہ کرام کے عمل سے ملتا ہے، علماء کا ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کے وقت سے نہیں۔ اور فتاوی رشیدیہ اور امداد الفتاوی اور بہشتی زیور وغیرہ کتابوں میں جہاں بھی جمعہ کے بعد چار رکعت ظہر بالشبہ پڑھنے کا ذکر آتا ہے، وہ ان قریہ صغیرہ کے متعلق ہیں، جہاں صحت جمعہ میں کسی وجہ سے شبہ ہو، نہ یہ کہ ظہر کے بعد کی چار رکعت سنتوں کا؛ اس لئے کہ یہ سنت مؤکدہ ہیں، جس کا تارک گنہگار ہوگا۔ (امداد الفتاوی ۱/۶۷۹، فتاوی رشیدیہ، قدیم ص: ۳۶۵، جدید زکریا ص: ۳۴۷)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان منكم مصليًا بعد الجمعة، فليصل أربعًا. هذا حديث حسن صحيح. (سنن الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، النسخة الهندية ۱/۱۱۷، دارالسلام، رقم: ۵۲۳، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۳/ ۲۴۸، رقم: ۵۲۹)

قال في اللمعات: السنة عند أبي حنيفةؒ بعد الجمعة أربع وعند صاحبيه ست، أربع، ثم اثنتان هذا في الصلاة بعد الجمعة. (حاشية ترمذي ۱/۱۱۸، عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، زكريا قديم ۱/ ۱۱۲، جديد ۱/۱۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۵/۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۱۲ھ

جمعہ پڑھا کر دوسری جگہ جمعہ میں بنیت نفل شرکت کرنا

سوال [۳۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک امام صاحب جو شہر یا قصبہ کی چھوٹی مسجد میں نماز جمعہ پڑھا کر بعد میں جامع مسجد میں جمعہ کی نماز میں شریک ہوجاتے ہیں، تو ان کا یہ عمل درست ہے؟ ان کا یہ کہنا کہ فقہاء نے ظہر وعشاء کی جماعت میں نفلی نیت سے دوبارہ شریک ہونے کو جائز قرار دیا ہے، کچھ لوگ اس فقہی مسئلہ کو غلط بتاتے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں، ان میں نفل کی نیت سے شرکت جائز ہے؛ البتہ مغرب میں اس لئے جائز نہیں ہے کہ تین رکعت کی نفل نہیں ہوتی ہے۔ اور جمعہ کے بعد بھی سنن ونوافل ہوتے ہیں؛ اس لئے جس نے جمعہ پڑھ لیا ہے، اس کا نفل کی نیت سے دوسری مسجد میں جمعہ کی جماعت میں شرکت کرنا جائز ہے۔

ثم بعد الإتمام اقتدى متنفلاً إن شاء، وهو أفضل لعدم الكراهة، إلا في العصر والفجر للنهي عن التنفل بعدهما، وفي المغرب للمخالفة.

(حاشية الحطحاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب إدراك الفريضة، دارالكتاب ديوبند، جديد ص: ٤٥٠، قديم، ص: ٢٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱/۱۴۱۶ھ

جمعہ کی سنن قبلیہ اور سنن بعدیہ کل ملا کر ۱۴؍ رکعت ہیں یا بارہ رکعت؟

سوال [۳۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور عمرو کے درمیان اس مسئلہ میں بحث ہوگئی، زید کا کہنا ہے کہ جمعہ کی ۱۴؍ رکعتیں ہیں، یہی ہم سنتے آرہے ہیں اور مکتب میں یہی پڑھایا جاتا ہے اور عمرو کا یہ کہنا ہے کہ بارہ رکعتیں ہی ثابت ہیں، اخیر کی دو رکعت نفل ثابت نہیں؛ بلکہ جمعہ کے بعد چھ رکعت سنت کے

بارے میں میں بھی اختلاف ہے کہ آیا چار ہیں یا چھ؟ برائے کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں؟ کس کی بات درست اور قابل عمل ہے؟

المستفتی: عبدالاول، احمد آباد (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ میں کل بارہ رکعتوں کا ثبوت ملتا ہے، چار رکعت جمعہ کے خطبہ سے پہلے سنت مؤکدہ، پھر خطبہ کے بعد جمعہ کی دو فرض رکعت، پھر جمعہ کے بعد ۶/ رکعت، چار رکعت ایک سلام کے ساتھ اور دو رکعت ایک سلام کے ساتھ۔ اور ان چھ رکعتوں کی ادائیگی میں اختلاف ہے، بعض دو رکعت کو مقدم کرتے ہیں اور چار رکعت کو مؤخر کرتے ہیں اور بعض چار رکعت پہلے پڑھتے ہیں اور دو رکعت بعد میں، مگر ان چھ رکعتوں کے علاوہ مزید دو رکعت نوافل کا ثبوت کسی معتبر روایت سے نہیں ملتا؛ لہٰذا سوال نامہ میں عمرو کا قول زیادہ صحیح ہے۔

ملاحظہ فرمائیے جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد کی سنتوں کی روایتیں:

عن ابن مسعودؓ، أنه كان يصلي قبل الجمعة أربعاً و بعدها أربعاً. (سنن الترمذي، كتاب الجمعة، باب ما جاء في الصلوة قبل الجمعة و بعدها، النسخة الهندية ١/١١٨، دار السلام رقم:٥٢٣)

عن أبي عبيدة عن عبد اللهؓ، قال: كان يصلي قبل الجمعة أربعاً–عن إبراهيم قال: كانوا يصلون قبلها أربعًا. (مصنف لابن أبي شيبة ٤/١١٤-١١٥، رقم قديم: ٥٣٦٠-٥٣٦٣، رقم جديد ٥٤٠٢-٥٤٠٥)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان منكم مصليًا بعد الجمعة، فليصل أربعاً. (ترمذي، كتاب الجمعة، باب ماجاء في الصلوة قبل الجمعة وبعدها، النسخة الهندية ١/١١٧، دار السلام رقم:٥٢٣)

عن أبي عبد الرحمنؒ، قال: قدم علينا ابن مسعود، فكان يأمرنا أن

نصلي بعد الجمعة أربعًا، فلما قدم علينا عليؓ: أمرنا أن نصلي ستاً، فأخذنا بقول عليؓ وتركنا قول عبد اللهؓ، قال: كان يصلي ركعتين، ثم أربعاً. (المصنف لابن أبي شيبة ۱۱۷/٤، رقم جديد ٥٤١٠، رقم قديم: ٥٣٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۵۶/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۱۴ھ

جمعہ سے قبل چار رکعت سنت کا ثبوت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد! جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنا سنت ہے، اور حضرات حنفیہ کے نزدیک یہ چاروں رکعت سنت مؤکدہ ہیں، اس سلسلے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیم جوزیؒ نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ جمعہ سے پہلے آج کل کے زمانہ میں جو اذان اول دی جاتی ہے وہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جاری ہوئی، حضور ﷺ کے زمانہ میں وہ اذان نہیں تھی؛ بلکہ منبر کے پاس خطیب کے سامنے جو اذان دی جاتی ہے وہی ایک اذان تھی، تو جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت پڑھنے کا موقع کہاں تھا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام جمعہ میں جلدی پہنچنے کی کوشش کرتے تھے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، اور منبر کے پاس جو اذان دی جاتی ہے اس اذان سے پہلے حضورؐ اور صحابہ کرام کا چار رکعت پڑھنے کا معمول رہا ہے، اور ان چار رکعت کا پڑھنا کسی اذان پر موقوف نہیں تھا؛ بلکہ زوال کے بعد خطبۂ جمعہ سے پہلے پڑھنے کا معمول رہا ہے، پھر یہی چار رکعت حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے اذانِ اوّل کے بعد پڑھی جانے لگیں، جیسا کہ ہم آگے متعدد صحابہ کرام سے روایت پیش کریں گے، اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ لوگوں کو تاکید سے حکم فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھ لیا کریں؛ لہٰذا ہم اس سلسلہ میں ناظرین کے سامنے دس روایات پیش کرتے ہیں، جن میں سے متعدد صحابہ کا عمل صحیح سندوں کے ساتھ پیش کریں گے، اور چند مرفوع روایات ان کی تائید

میں پیش کریں گے اور مرفوع روایات کو تائید میں اس لئے پیش کریں گے کہ ان کی سند کے کچھ راویوں پر محدثین نے کلام کیا ہے، اور ان کو بنیاد نہیں بنائیں گے۔

جمعہ سے پہلے چار سنتوں کی روایات

(۱) عبد الرزاق عن الثوري عن عطاء بن السائب عن أبي عبدالرحمن السلمي قال: كان عبدالله يأمرنا أن نصلّي قبل الجمعةأربعاً، و بعدها أربعاً. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ۳/ ۲٤۷ برقم: ٥٥۲٥، إعلاء السنن بيروت ۷/ ۱۰ برقم: ۱۷۱٦)

حضرت امام ابوعبدالرحمٰن سلمی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہم لوگوں کو جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

(۲) عبد الرزاق عن معمر عن قتادة أن ابن مسعودؓ كان يصلّي قبل الجمعة أربع ركعات، وبعدها أربع ركعات. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ۳/ ۲٤۷ برقم: ٥٥۲٤)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(۳) عن عبد الله بن عمرؓ أنه كان يصلّي قبل الجمعة أربعاً لايفصل بينهن بسلام، ثم بعد الجمعة ركعتين، ثم أربعاً. (طحاوي شريف، باب التطوع بالليل والنهار كيف هو؟ النسخة الهندية ۱/ ۲۳۳، بيروت ۱/ ٤۳٥ برقم: ۱۹۱۹)

جبلہ بن سحیم عبداللہ بن عمرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور ان چاروں رکعتوں کے درمیان سلام کے ذریعہ سے فاصلہ نہیں فرماتے تھے، اور جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، اور پھر چار رکعت پڑھتے تھے۔

(٤) عن إبراهيم أن عبد الله بن مسعود كان يصلّي قبل الجمعة أربعا وبعدها أربعا لايفصل بينهن بتسليم. (طحاوي شريف، النسخة الهندية ١/٢٣٣، بيروت ١/٤٣٦، برقم: ١٩٢٥)

حضرت امام ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعت پڑھتے تھے، اوران رکعتوں کے درمیان سلام کے ذریعہ سے فاصلہ نہیں فرماتے تھے۔

(٥) حدثنا ابن فضيل عن خصيف عن أبي عبيدة عن عبدالله قال: كان يصلّي قبل الجمعة أربعا. (مصنف ابن أبي شيبة جديد مؤسسة علوم القرآن بيروت٤/ ١١٤ برقم: ٥٤٠٢)

ابوعبیدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(٦) روي عن عبدالله بن مسعود أنه كان يصلّي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً. (ترمذي، كتاب الجمعة، باب ما جاء في الصلوة، قبل الجمعة وبعدها، النسخة الهندية ١/ ١١٧- ١١٨، دار السلام برقم: ٥٢٣)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔

اب چند مرفوع روایات تائید میں پیش کی جاتی ہیں، جن کی سند میں محدثین نے کچھ کلام کیا ہے، مگر تعدد طرق کی وجہ سے اس میں قوت پہونچ جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

(٧) عن عبدالله عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يصلّي قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعًا. (المعجم الأوسط ٤/ ٥٦٨ برقم: ٣٩٧١، المعجم الأوسط جديد ٣/ ٩١، برقم: ٣٩٥٩)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(۸) **عن علي قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلّي قبل الجمعة أربعًا وبعدها أربعاً، يجعل التسليم في آخرهنّ.** (المعجم الأوسط ١/ ٤٤٠ برقم: ١٦١٧، إعلاء السنن كراچی ٧/ ١٠، بيروت ٧/ ١٥ برقم: ١٧٦٢)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور ان چاروں رکعتوں کے آخر میں سلام پھیرا کرتے تھے

(۹) **عن ابن عباسؓ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً لا يفصل في شيء منهنّ.** (ابن ماجه، باب ماجاء في الصلوة قبل الجمعة، النسخة الهندية، ص ١٥٨، دارالسلام برقم: ١١٢٩، المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي بيروت ١٢/ ١٠١ برقم: ١٢٦٧٤)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، اور ان کے درمیان کوئی فصل نہیں کرتے تھے۔

(١٠) **وروى ابن النجار عن أبي هريرة مرفوعاً: من كان مصليًّا فليصل قبلها أربعاً، وبعدها أربعاً.** (إعلاء السنن بيروت ٧/ ١٤، كنز العمال بيروت ٧/ ٣٠٨، برقم: ٢١٢٢١)

ابن نجار حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز پڑھنا چاہے تو وہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھے، اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھے۔

روایات کا تحقیقی جائزہ

(۱) جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت کا ثبوت حضرات صحابۂ کرام سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت ہے، جیسا کہ مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ اور طحاوی شریف کی روایات صحیح سند کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا عمل اور ان حضرات کا

امت کو جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، ورنہ حکم کیسے کرسکتے تھے؟

(۳) اسی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جو مرفوع روایات اوپر پیش کی گئیں ہیں ان کی سند میں اگرچہ متکلم فیہ رواۃ بھی موجود ہیں، تب بھی ان روایات کی کوئی اصل اور حقیقت ہے، نیز تعدد طرق اور متعدد صحابہ سے نقل ہونے کی وجہ سے روایات میں قوت آجاتی ہے، اسی وجہ سے ان روایتوں کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے آثار کے لئے تائید میں پیش کرنے میں کوئی اشکال نہ ہونا چاہئے۔

(۴) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مستدلات کی تمام روایات صحیح اور درست ہوا کرتی ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ روایات کی سند میں جو متکلم فیہ راوی داخل ہوتا ہے وہ امام ابوحنیفہؒ کے استدلال کے بعد ہوتا ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کا ان متکلم فیہ راویوں سے روایات کا لینا صحیح سند سے ثابت نہیں ہے؛ اس لئے روایات کے ضعف کا اثر امام ابوحنیفہؒ پر نہیں پڑسکتا۔ اور امام عبد الوہاب شعرانیؒ جو اپنے زمانہ کے مشہور محدث اور محقق تھے، اور شافعی المسلک کے ترجمان تھے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے میرے اوپر یہ احسان فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی مسانید کا مطالعہ کر کے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ امام ابوحنیفہؒ کی تمام روایات ایسے خیار؟ تابعین سے مروی ہیں جو سب کے سب عدول اور ثقات ہیں، اور انہوں نے جن لوگوں سے روایت لی ہیں ان میں سے کوئی بھی ضعیف اور متکلم فیہ یا متہم بالکذب نہیں ہیں، اور ان کی لی ہوئی روایتوں کی سندوں میں جو ضعیف روات آئے ہیں وہ ان کے استدلال کے بعد آئے ہیں؛ لہٰذا ضعف کا اثر ان کے مستدلات پر نہیں پڑتا۔ (اوجز المسالک، دارالقلم دمشق ۱/۱۸۷، مقدمۃ التحقیق فتاوی تاتارخانیہ ۱/ ۴۴ زکریا)

ورنہ یہ ایسا ہوجائے گا جیسا کہ کوئی بہتی نہر ہے اس کے بیچ میں مردار پڑا ہوا ہو، اور مردار کے نیچے کی جانب سے کچھ لوگوں نے پانی پیتے ہوئے بدبو محسوس کر کے کہہ دیا کہ اس نہر کے اوپر

سے نیچے تک ہر طرف کا پانی بدبودار ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ جہاں پر مردار پڑا ہوا ہے صرف وہاں سے نیچے کی طرف کا پانی بدبودار ہے، اور مردار کے اوپر کی جانب بہتی نہر کے پانی میں اس کا کوئی اثر قطعاً نہیں ہے؛ لہٰذا نیچے والے کے بارے میں یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کو اوپر والے پانی کے بارے میں واقفیت نہیں ہے، پھر بھی بلا تحقیق ان کے اوپر بدبودار پانی پینے کا حکم لگا رہے ہیں جو شرعاً قانوناً وعرفاً کسی طرح بھی جائز نہیں ہے؛ اس لئے امام ابوحنیفہؒ پر ضعیف راویوں کے ضعف کا اثر نہیں پڑتا؛ لہٰذا جمعہ سے پہلے چار رکعت سنت مؤکدہ کی صحت کے ثبوت میں کوئی کلام نہ ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ روایات کی سند میں ضعیف راویوں کے آنے سے پہلے اپنے مسائل پر استدلال کر چکے ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ کے اثر کو مستدل کیوں بنایا گیا؟

اس مضمون کے اندر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پانچ (۵) آثار پیش کئے گئے ہیں، خاص طور سے مصنف عبدالرزاق کی دونوں روایتیں سندِ صحیح کے ساتھ پیش کی گئی ہیں، ان میں سے ایک میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مسلمانوں کو جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، اور دوسری میں اس بات کی صراحت ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا معمول یہ رہا ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے چار رکعت پابندی سے پڑھا کرتے تھے، اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ اور طحاوی شریف کی روایت بھی صحیح سند کے ساتھ مروی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا معمول ثابت کیا گیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول اور عمل کی تصدیق کرنے کے لئے حضرت سید الکونین علیہ السلام نے امت کو تاکیدی حکم فرمایا ہے، اور آپ ﷺ کا تاکیدی حکم مسند امام احمد بن حنبل اور صحیح ابن حبان میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حدثنا وکیع عن سفیان عن عبدالملک بن عمیر عن مولی لربعيّ عن ربعي عن حذیفة قال: کنّا عند النبي صلی الله علیه وسلم جلوساً فقال: إني لا أدری ما قدر بقائي فیکم فاقتدوا باللذین من بعدي، وأشار إلی أبي بکر وعمر وتمسکوا بعهد عمار وما حدثکم ابن مسعود فصدقوه. (مسند إمام أحمد ابن حنبل ٥/ ٣٨٥، برقم: ٢٣٦٦٥ - ٢٣٨١٣)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو آپؐ نے فرمایا بے شک مجھے معلوم نہیں ہے کہ میری زندگی تمہارے درمیان کتنے دنوں تک باقی رہے گی؛ لہٰذا تم میرے بعد ان دونوں کی اقتدا کرتے رہنا، اور یہ کہہ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا، اور فرمایا کہ عمار بن یاسر کے عہد کو مضبوطی سے پکڑو، اور فرمایا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی تمہارے سامنے بیان کریں اس کی ضرور تصدیق کیا کرو۔

(۲) عن حذیفة قال: کنّا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال: إني لا أریٰ بقائي فیکم إلا قلیلاً فاقتدوا باللّذَین من بعدي، وأشار إلی أبي بکر وعمر، واهتدوا بهدی عمّار، وما حدّثکم ابن مسعودؓ فاقبلوه. (صحیح ابن حبان ٦/ ٢٥٥، برقم: ٦٩١١)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، تو آپ نے فرمایا کہ بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ تمہارے درمیان میرا باقی رہنا تھوڑے وقت کے لئے ہے؛ لہٰذا میرے بعد تمہیں ان دونوں کی اقتدا کرنی ہے، اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی طرف اشارہ فرمایا، اور فرمایا کہ عمار بن یاسر سے ہدایت حاصل کرتے رہنا ہے، اور فرمایا کہ تمہارے سامنے عبداللہ بن مسعودؓ جو کچھ بھی بیان کریں اس کو ضرور قبول کرو۔

حضور ﷺ کے اس قدر تاکیدی حکم کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول وعمل سے صرف نظر کیسے کی جاسکتی ہے؟ نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فقہاء صحابہ میں سے ہیں کہ حضور ﷺ کے ایک ایک قول وعمل کو گہرائی تک پہونچ کر اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔

اور یہ بات بھی خوب یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اوّلین اسلام لانے والوں

میں سے ہیں، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں دنیا کے مسلمانوں میں چھٹے نمبر کا مسلمان تھا، اور پوری روئے زمین میں ہم چھ کے علاوہ کوئی مسلمان نہ تھا، صحیح سند کے ساتھ ابن مسعودؓ کا یہ قول بھی حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

عن القاسم بن عبدالرحمن عن أبيه قال: قال عبدالله بن مسعودؓ: لقد رأيتني سادس ستةٍ، ما على الأرض مسلمٌ غيرنا. (صحيح ابن حبان ٦/ ٣١٥، برقم: ٧٠٧١، المستدرك للحاكم جديد ٥/ ١٩٨٤، برقم: ٥٣٦٧)

حضرت قاسم ابن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ یقیناً میں اپنے آپ کو چھ میں سے چھٹا آدمی دیکھ چکا ہوں، اور روئے زمین میں ہم چھ کے علاوہ کوئی اور مسلمان نہیں تھا۔

تو معلوم ہوا کہ نبوت کے پہلے سال سے لے کر حضرت سید الکونین علیہ السلام کے دنیا سے پردہ فرمانے تک ۲۳ر سالہ پورے دور نبوت کو حضرت ابن مسعودؓ نے دیکھا ہے، اور آپؐ کے خادم خاص تھے، سفر میں حضر میں ہر وقت ساتھ رہا کرتے تھے، اور صاحب النعلین سے مشہور تھے، اور اپنی جگہ فقیہ النفس تھے؛ لہٰذا اتنی خوبیوں کے مالک صحابی رسول کے قول وعمل کو صرف یہ کہہ کر چھوڑ دینا کہ ابن مسعودؓ کا اثر ہے، انتہائی جسارت یا شریعت سے ناواقفیت کی بات ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ان کے حکم اور عمل کو پیش نظر رکھ کر جمعہ سے پہلے چار رکعت کو سنت مؤکدہ کہا ہے، یہی صحیح ہے اور یہی حق ہے۔

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو- پی)

بروز اتوار ۱۳ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ

(۴) فصل في الخطبة

منبر میں کتنی سیڑھی ہونا افضل ہے؟

سوال [۳۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے خطبہ کے لئے جو ممبر مسجد میں بنایا جاتا ہے، اس میں کتنی سیڑھیاں ہونی چاہئے، دو یا تین، افضل سنت کیا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبۂ جمعہ کے لئے جو ممبر ہوتا ہے، اس کے لئے تین سیڑھیاں ہونا مسنون اور یہی افضل بھی ہے۔ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے لئے جو ممبر بنایا گیا تھا، اس میں تین ہی سیڑھیاں تھیں۔ اور آج کل حرمین شریفین کے ممبروں میں جو زیادہ سیڑھیاں نظر آرہی ہیں، وہ بنوامیہ کے زمانہ میں مروان بن حکم نے اضافہ کیا تھا، اس کے بعد اس میں اضافہ کیساتھ سلسلہ چلتا رہا ہے، مگر خلفاء راشدین کے زمانہ میں وہی تین سیڑھیاں تھیں، جو حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں تھیں۔

وفي حديث طويل طرفه هذا: وكان منبر النبي صلى الله عليه وسلم قصيرا، إنما هو ثلاث درجات. الحديث (مسند أحمد بن حنبل ۱/۲٦۹، رقم:۲٤۱۹)

عن الطفيل بن أبي بن كعبؓ، عن أبيه، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي إلى جذع إذ كان المسجد عريشاً وكان يخطب إلى ذلك الجذع، فقال رجل من أصحابه: يا رسول الله! هل لك أن نجعل لك شيئاً تقوم عليه يوم الجمعة؛ حتى يراك الناس و تسمعهم خطبتك؟ قال: نعم! فصنع له ثلاث درجات، فهي التي أعلى المنبر، فلما وضع المنبر، وضعوه في موضعه الذي هو فيه، فلما أراد رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقوم إلى المنبر مر إلى الجذع الذي كان يخطب إليه، فلما جاوز الجذع، خار حتى تصدع وانشق، فنزل رسول الله صلى الله عليه وسلم لما

سمع صوت الجذع، فمسحه بيده حتى سكن، ثم رجع إلى المنبر، فكان إذا صلى صلى إليه، فلما هدم المسجد وغير أخذ ذلك الجذع أبي بن كعب، و كان عنده في بيته حتى بلي فأكلته الأرضة وعاد رفاتاً. (ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ما جاء في بدء شان المنبر، النسخة الهندية ١٠٢، دارالسلام رقم: ١٣١٣، مسند أحمد ١٣٧/٥، رقم: ٢١٥٦٨، ٢١٥٧٢، ٢١٥٨٠)

عبد الرزاقؒ، عن رجل، من اسلم عن صالح مولى التو أمة، أن بأقوال، مولى العاص بن أمية صنع للنبي صلى الله عليه وسلم منبره من طرفاء ثلاث درجات، فلما قدم معاوية المدينة زاد فيه، فكسفت الشمس حينئذ.

(مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم المجلس العلمي ١٨٢/٣، رقم: ٥٢٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١؍ رجب المرجب ١٤٣١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٩؍ ١٠١٤٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٨؍ ٧؍ ١٤٣١ھ

خطبۂ جمعہ منبر کے کس زینہ سے دیا جائے؟

سوال [٣٦٢٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ممبر کے اوپر جمعہ کے دن خطبہ کا طریقہ کیا ہے، خلاصہ تحریر کریں؛ کیونکہ ممبر کے تین زینہ ہوتے ہیں، جس میں سے کون سے زینہ سے خطبہ شروع کرنا چاہئے۔ اور کون سے زینہ پر بیٹھنا چاہئے؟

المستفتی: فصیح الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کا خطبہ تیسرے زینہ سے پڑھنا منقول ہے؛ البتہ پہلے اور دوسرے زینہ سے بھی پڑھنا ممنوع نہیں۔ علماء کا معمول سب طرح کا ہے، کسی خاص زینہ کی پابندی نہیں؛ لیکن اپنے اکابر کو دوسرے زینہ پر بیٹھتے ہوئے کثرت سے دیکھا گیا ہے۔ (مستفاد:

فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/۲۶۰، ۶/۵۲۳، جدید ڈابھیل ۸/۲۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۲۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۷/۲۴ھ

خطیب کے منبر پر چڑھنے کے بعد لوگوں کو سلام کرنے سے متعلق روایت کا تحقیقی جائزہ

سوال [۳۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کچھ غیر مقلدین زور لگا کر یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب خطبہ کے لئے ممبر پر تشریف لاتے تھے، تو نمازیوں کی طرف مخاطب ہوکر سلام کیا کرتے تھے، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث شریف اس کی مشعر ہے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ، أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا صعد المنبر سلم. (ابن ماجه شريف، النسخة الهندية ۷۸، الجامع الصغير ۲/۹۳، إعلاء السنن ۸/۶۶)

اس لئے غیر مقلدین ہم حنفیوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ تم خلاف سنت عمل کرتے ہو جوکہ جائز نہیں ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ممبر پر جانے کے بعد کیا امام کا نمازیوں کو سلام کرنا مسنون ہے؟ اگر مسنون ہے تو ہمارے یہاں اس کے خلاف عمل کیوں؟ اور اگر سنت نہیں ہے تو حدیث شریف کا جواب کیا ہوگا؟

المستفتی: محمد عباس ساکن سہور ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطیب کے منبر پر چڑھنے کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر سلام کرنے سے متعلق کتب حدیث میں جو روایات ملتی ہیں، ان سب کی سند میں کچھ نہ کچھ کلام اور خامیاں ہیں۔ اور کتب حدیث میں چار روایات ہم کو ملی ہیں، اولاً ان

حدیثوں کو مع سند کے نقل کردیتے ہیں، اس کے بعدان روایات کی کیا حیثیت ہے، وہ بھی آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

عن محمد بن يحى حدثنا عمرو بن خالد ثنا ابن لهيعة عن محمد بن زيد بن مهاجر عن محمد بن المنكدر عن جابر بن عبد الله أن البني صلى الله عليه وسلم، كان إذا صعد المنبر سلم. (سنن ابن ماجة، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/٧٨، دارالسلام رقم: ١١٠٩، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/٤٤٤، رقم:٥٨٣٧ نصب الرأيه، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة، مكتبه لاهور پاكستان ٢/٢٠٥، إعلاء السنن، باب سلام الخطيب على المنبر دارالكتب العلمية بيروت ٨/٨٤، كراچي٨/٨٣)

حدثنا محمد بن الحسن حدثنا محمد أبي السرى حدثنا الوليد بن مسلم حدثنا عيسىٰ بن عبد الله الأنصاري عن نافع عن ابن عمر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس، فإذا صعد المنبر توجه إلى الناس، فسلم عليهم.

(المعجم الأوسط للطبراني قديم ٧/٣٤٩، درالفكر جديد ٥/٨٩، رقم:٦٦٧٧)

وفيه عيسى بن عبد الله الأنصاري وهو ضعيف، وذكره ابن حبان في الثقات. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٨/٨٣، ٢/١٨٤، إعلاء السنن، دارالكتب العلمية ٨/٨٣، نصب الراية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، لاهور پاكستان ٢/٢٠٥)

حدثنا أبو بكر حدثنا أبو أسامة حدثنا مجالد عن الشعبي قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صعد المنبر يوم الجمعة استقبل الناس بوجهه، فقال: السلام عليكم، وكان أبو بكر، وعمر، وعثمان يفعلونه.

(مصنف ابن أبي شيبة، الإمام إذا جلس على المنبر يسلم قديم ٢/١١٤، مؤسسة

علوم القرآن جديد ٤/٧٩، رقم: ٥٢٣٨، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٣/١٩٣، رقم: ٥٢٨٢، نصب الرايه، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة لاهور پاكستان ٢/٢٠٦، إعلاء السنن، باب سلام الخطيب على المنبر، دارالكتب العلمية بيروت ٨/٨٤، كراچي ٨/٨٤)

أخبرنا ابن جريج عن عطاءؒ، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صعد المنبر يوم الجمعة استقبل بوجهه، فقال: السلام عليكم.

(اعلاء السنن، دار الكتب العلمية ٨/٨٤، نصب الراية ٢/٢٠٦)

روایات کا جائزہ: منبر پر خطیب کے سلام سے متعلق یہ کل چار روایات آپ کے سامنے پیش کی جاچکی ہیں، مگر ان روایات کی اصلیت اور حقیقت کیا ہے؟ اس پر واقف ہونا بھی ضروری ہے۔

پہلی روایت جو حضرت جابر سے مروی ہے، اس روایت کی سند میں دو راویوں پر محدثین نے کلام فرمایا ہے۔

(۱) عبداللہ بن لہیعہ، ان کی کتابیں جل جانے کے بعد ان کا حافظہ متأثر ہو چکا تھا؛ اس لئے محدثین نے عبداللہ بن لہیعہ کو ضعیف اور کمزور راوی قرار دیا ہے۔

و ابن لهيعة ضعيف عند أهل الحديث، ضعفه يحيىٰ بن سعيد القطان وغيره. (ترمذي شريف، النسخة الهندية ١/٨)

(۲) عمرو بن خالد بن فروخ التیمی الحرانی: ان کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے دسویں طبقہ کے محدثین میں شمار فرمایا اور ثقہ کہا ہے؛ لیکن عبداللہ بن لہیعہ اور ان کی وفات کے درمیان میں ۵۵ر سال کا فاصلہ ہے؛ اس لئے اس حدیث شریف کی سند کو اگر کسی حد تک مان بھی لیا جائے تو منقطع شمار ہوگی اور منقطع حدیث شریف غیر مقلدین کے یہاں معتبر نہیں۔

نیز ابن ابی حاتم وغیرہ نے اس حدیث شریف کو موضوع قرار دیا ہے، نصب الرایہ اور ابن ماجہ کے حاشیہ میں اس کی تفصیل موجود ہے اور اگر عمرو بن خالد قرشی مراد ہے، تو اس کو امام

وکیع وغیرہ نے متہم بالکذب قرار دیا ہے؛ اس لئے یہ روایت متکلم فیہ ہے۔اور دوسری روایت میں عیسی بن عبداللہ انصاری ہے، اس کو امام ابوبکر ہیثمی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، اور امام یحی بن سعید قطان نے ان کو منکر الحدیث فرمایا ہے؛ اس لئے اس حدیث شریف کو بھی ضعیف کہا گیا ہے۔اور تیسری روایت امام عامر شعبی کی مرسل روایت ہے اور مرسل روایات غیر مقلدین کے یہاں ان کے اصول کے مطابق قابل استدلال نہیں ہوتیں، اسی طرح چوتھی روایت امام عطاء بن ابی رباح کی مرسل روایت ہے، یہ بھی ان کے یہاں معتبر نہیں، اب ثابت ہوا کہ مذکورہ چاروں روایات یا تو ضعیف ہیں یا مرسل ہیں۔بہر حال چاروں روایات متکلم فیہ ہیں اور ایسی روایات احناف کے یہاں تو آداب اور مستحبات میں مستدل بن سکتی ہیں، اسی وجہ سے حضرت تھانوی نے بہشتی زیور ۱۱/۸۲ میں ازقبیل آداب تحریر فرمایا ہے اور کتاب سراج کے اندر مستحب نقل فرمایا ہے؛ لیکن غیر مقلدین جو اپنے آپ کو بتکلف سلفی کہتے ہیں، ان کے یہاں اس قسم کی روایات مستدل نہیں بن سکتی؛ بلکہ ان کے یہاں مستدل جب ہی بن سکتی ہے کہ جب حدیث شریف مرفوع ہو، اور متصل السند بھی ہو۔اور سند کے تمام رجال ثقہ اور معتبر ہوں اور کوئی راوی متکلم فیہ نہ ہو اور مذکورہ روایات میں سے کسی میں یہ تمام شرائط موجود نہیں ہیں، تو ہماری طرف سے سوال ہے کہ یہ احادیث ان کی شرائط کے مطابق نہ ہونے کے باوجود وہ لوگ منبر پر سلام کا التزام کیوں کرتے ہیں۔اور حنفیہ کے اوپر اعتراض اور الزام بھی قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں؛ حالانکہ حنفیہ کے یہاں اس قسم کی روایات پر عمل کرنے میں اختیار ہے، اگر کوئی عمل کرتا ہے تو اس کی بھی اجازت ہے اور اگر کوئی عمل نہیں کرتا ہے تو اس پر بھی کوئی ملامت نہیں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں اس قسم کی روایات پر عمل کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہے۔اور امر اختیاری میں کسی کو کسی پر ردوقدح کا حق نہیں ہوتا، اگر کوئی اس پر عمل کرتا ہے، تو اس کو ثواب ملنے کی امید کی جاتی ہے اور اگر کوئی عمل نہیں کرتا ہے، تو اس پر کوئی حرج بھی نہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶ ؍ ۷۴۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵ ؍ ۳ ؍ ۱۴۳۱ھ

خطبۂ جمعہ میں عصا ہاتھ میں لینا

سوال [۳۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کا خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں عصا لینا اور اس پر ٹیک لگا کر خطبہ دینا مسنون ہے یا نہیں؟ اگر مسنون ہے تو اس دور میں اس پر عمل کیوں متروک ہے؟ کیا اس سنت کو زندہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے؟

اگر مسنون عمل نہیں ہے، تو شرعاً اس کی حیثیت کیا ہے؟ ہمارے علاقہ ضلع سیتاپور میں کچھ لوگ عصا لے کر خطبہ دیتے ہیں، کچھ لوگ بغیر عصا کے خطبہ دیتے ہیں، شرعی حیثیت واضح فرما کر شکر گذاری کا موقع دیں۔

المستفتی: شریف احمد مظاہری، مدرس مدرسہ تعلیم القرآن چوبے ٹولہ، شہر سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات فقہاء نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ جن بلاد کو لڑائی اور قتال کے ذریعہ فتح کیا گیا ہے، ان میں عصا یا تلوار پر ٹیک لگا کر خطبہ دینا مستحب ہے۔ اور جن بلاد کو بغیر قتال کے صلح کے ذریعہ سے فتح کیا گیا ہے، اس میں بغیر عصا اور بغیر تلوار کے خطبہ دینا مستحب ہے۔ اور بعض فقہاء نے مطلقاً عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دینا مستحب لکھا ہے؛ اس لئے ہمارے ہندوستان میں لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دیں اور چاہے بغیر عصا کے خطبہ دیں، دونوں طرح جائز ہے اور دونوں میں سے کوئی بھی خلاف شریعت نہیں ہے؛ ہاں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کبھی عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دیا جائے اور کبھی بغیر عصا کے خطبہ دیا جائے؛ لہٰذا سیتاپور میں جو لوگ عصا ہاتھ میں لے

کرخطبہ دیتے ہیں اور جولوگ بغیر عصا کے خطبہ دیتے ہیں دونوں جائز ہے، کسی کو کسی پر نکیر کرنے کا حق نہیں ہے اور عصا کو لازمی سمجھنا بدعت ہے اور اس کا ترک ایسے حالات میں اولیٰ اورافضل ہے۔(مستفاد: امداد المفتیین ص:۳۸۱)

في الدر: يخطب الإمام بسيف في بلدة فتحت به كمكة، وإلا لا كالمدينة. وفي الحاوي القدسي: إذا فرغ المؤذنون قام الإمام والسيف في يساره، وهو متكئ عليه. وفي الخلاصة: يكره أن يتكئ على قوس، أوعصا. وفي الشامية: استشكله في الحلية بأن في رواية أبي داؤد أنه صلى الله عليه وسلم قام أي في الخطبة متوكئاً على عصا أو قوس الخ. ونقل القهستاني عن المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/ ۱۶۳، زكريا ۳/ ۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۵۱۰)	۱۴۲۹/۳/۱۶ھ

ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ دینا

سوال [۳۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جمعہ کا خطبہ دیتے وقت عصا لے کر خطبہ دینا کیسا ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد کمال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کا خطبہ دیتے وقت ہاتھ میں لاٹھی لینے کے بارے میں دوطرح کی فقہی روایات ملتی ہیں۔ درمختار اور عالمگیری میں خلاصہ کے حوالہ سے کراہت منقول ہے۔ اور علامہ شامیؒ نے قہستانی کے حوالہ سے سنیت کا قول ذکر کیا ہے؛ لہٰذا جب

روایات دونوں طرح کی ہیں،تو کبھی لاٹھی ہاتھ میں لی جائے اور کبھی نہ لی جائے، لاٹھی لینے کا التزام نہ کیا جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۸۲ ،فتاوی محمودیہ قدیم ۷/۲۰۷، جدید ڈابھیل ۸/۲۶۹، فتاوی سعدیہ ص:۱۰۷، احسن الفتاوی ۴/۱۴۲)

ویکره أن یتكئ علی قوس أو عصا، قال الشامي: أنه صلی الله علیه وسلم قام أي في الخطبة متوكئاً علی عصا، أو قوس (إلی قوله) ونقل القهستاني عن عید المحیط أن أخذ العصا سنة. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكریا ۳/ ٤١، كراچي ۲/ ١٦٣)

وفي الهندیة: ویكره أن یخطب متكئاً علی قوس أو عصاً، كذا في الخلاصة. (عالمگیري، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكریا قدیم ۱/ ١٤٨، جدید ۱/ ۲۰۹) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۳۱)

کیا حضور ﷺ سے عصا لے کر خطبہ دینا ثابت ہے؟

سوال [۳۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور ﷺ سے عصا لے کر خطبہ دینے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو آپ ﷺ کے عصا کا حجم اور کیفیت کو بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: مفتی قمر عالم، نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فتاوی تا تارخانیہ میں عصا ہاتھ میں لینے کو خلاف سنت لکھا ہے؛ لیکن یہ بات قابل غور ہے؛ اس لئے کہ متعدد احادیث شریفہ میں حضور ﷺ کا عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا ثابت ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ کے حاشیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے

کہ عصا کی لمبائی آپ کے کوکھ کے برابر تھی، جس کو آپ پکڑ کر آسانی سے ٹیک لگایا کرتے تھے۔ اور عصا پر ٹیک لگانے کی روایت متعدد کتب احادیث میں مروی ہے، مگر اس کی موٹائی کتنی تھی احقر کو دستیاب نہیں ہوسکی۔

روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن شعيب بن رزيق الطائفي حدثنا طويلاً وفيه، فأقمنابها أياماً شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متكئاً على عصًا أو قوس الخ. (أبو داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، النسخة الهندية ١/١٥٦، رقم: ١٠٩٦، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ١/٧٠٣، رقم: ١٤٥٢)

حدثني أبي عن أبائه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا خطب في الحرب خطب على قوس، وإذا خطب في الجمعة خطب على عصاً. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصا، أو قوس، أو ما اشبههما إذا خطب، دارالفكر ٤/٤٤٧، رقم: ٥٨٤٧، سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الخطبة يوم الجمعة، النسخة الهندية، دارالسلام رقم:١١٠٧، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٦/٣٩، رقم:٥٤٤٨)

عن يزيد بن البراء عن أبيه، أن النبي صلى الله عليه وسلم، خطب على قوس أو عصاً. (مسند أحمد بن حنبل ٤/٣٠٤، رقم: ١٨٩١٨، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد ٤/١٧٧، رقم: ٥٦٠٨، وهكذا في مصنف عبد الرزاق، رقم: المجلس العلمي ٥٦٥٨)

وفي حديث طويل ذكره الإمام أحمد بن حنبل في مسنده قال: فتقدم فصلى ركعتين، ثم سلم، ثم استقبل الناس بوجهه وأعطىٰ قوساً أوعصاً فاتكأ عليه الخ. (مسند أحمد بن حنبل ٤/٢٨٢، رقم: ١٨٦٨٢)

عن جريرؓ، قال قلت لعطاء: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم

إذا خطب على عصا؟ قال: نعم! وكان يعتمد عليها اعتماداً. (السنن الكبرى للبيهقي، باب الإمام يعتمد على عصا أو قوس، أو ما اشبههما، دارالفكر ٤/٤٤٧، رقم: ٥٨٤٨، وهكذا في المستدرك للحاكم، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ١/٦ ٢٣٤، رقم: ٦٥٥٤، المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ١١/٣١٠، رقم: ١٢٠٩٨، مجمع الزوائد ٢/١٨٧)

عن ابن شهاب، حدثنا طويلاً : وفيه قال ابن شهاب: وكان إذا قام أخذ عصاً، وهو قائم على المنبر، ثم كان ابو بكر الصديقؓ، وعمر بن الخطابؓ، وعثمان بن عفانؓ يفعلون ذلك. (مراسيل أبي داؤد ٢/٧، مستفاد: حاشية الفتاوى التاتارخانية ٢/٥٦٥-٥٦٦، تحت رقم المسئلة:٣٣٠٩)

وأما حديث ابن الزبير فذكره تحت عنوان: ذكر قضيبه صلى الله عليه وسلم ١/١٢٨

وفي إسناده ابن لهيعه: ولفظه: كان يخطب ومعه مخصرة أي عصاً طولها إلى حد خصر صاحبها، فهي قصيرة. (هامش المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد ٤/١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۰۷)

عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا

سوال [۳۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے ریاست آسام میں ایک مولانا بوقت خطبہ عصا بکف ہوکر زبانی خطبہ سناتے ہیں اور دستۂ عصا پر ایک ایسی رحل کا انتظام کیا گیا ہے کہ وہ بظاہر دستہ ہی نظر آتی ہے؛ لیکن اگر خطبہ دیکھ کر پڑھنا چاہیں، تو اسے کھول کر وہ رحل بن جاتی ہے۔ اور اس پر کتاب رکھ کر بآسانی خطیب خطبہ دے سکتا ہے؛ چونکہ وہاں دیکھ کر خطبہ خواں کی اکثریت ہے اور عصا

ساز مولانا کا اسی پر تعامل ہے؛ لیکن دیگر علماء کرام اس پر اعتراض کرنے لگے اور خاصا اختلاف کھڑا ہوگیا ہے۔ اب مولانا موصوف یہ کہتے ہوئے دفاع کرنے لگے کہ اگر عصا کے ساتھ رحل بایں صورت بنائی جائے کہ وہ بند نہ کی جاسکے اور مستقل رحل کی شکل وساخت اختیار کر جائے، تو وہ قابل استعمال نہیں ہوسکتی اور اس عصا کے ساتھ جو رحل ملحق ہے، وہ بظاہر بعید از شناس ہے؛ اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس کو دستہ ہی قرار دے کر استعمال کیا جاسکتا ہے؛ لہٰذا مفتیان کرام اس مسئلہ کی اختلافی جہت کو سامنے رکھ کر فیصلہ فرمائیں کہ خطبہ میں مطلقاً عصا کا استعمال شریعت کی نظر میں کس حیثیت کا حامل ہے اور عصا مذکور کے استعمال میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ جواب خواہ نفی کی صورت میں ہو یا اثبات کی صورت میں اسباب ووجوہات سے روشناس فرمائیں۔

المستفتی: مولوی محمد ضیاء الحق ہیلا کندی، متعلم دارالعلوم، دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوقت خطبہ عصا کا ہاتھ میں لینا شرعاً مسنون ومستحب ہے۔ حضور ﷺ سے صراحت کے ساتھ عصا کا سہارا لے کر خطبہ دینا ثابت ہے؛ لیکن مداومت کا کہیں ثبوت نہیں ہے، اس بناء پر کبھی کبھی عصا لئے بغیر بھی خطبہ دیا جائے، تاکہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں؛ کیونکہ مستحب کو ضروری سمجھنا بھی مکروہ ہے؛ البتہ اگر خطیب ایسا ہو کہ عصاء کا سہارا لیے بغیر کھڑا نہ ہوسکتا ہو، تو اس کو مداومت کے ساتھ عصا کا سہارا لے کر خطبہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، احادیث میں مطلقاً عصا کی بات ہے، اس کی کیفیت اور ساخت کا بیان نہیں ہے؛ اس لئے اگر آپس میں اختلاف کا اندیشہ نہ ہو تو سوال نامہ میں مذکور ساخت وکیفیت کا عصا لے کر خطبہ دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۸۱، محمودیہ قدیم ۱۴/۲۴۲، ۷/۲۰، ڈابھیل ۸/۲۶۹، احسن الفتاوی ۴/۱۵۲، امداد الاحکام ۲/۳۵۰، امداد المفتیین ۵/۳۸۲، ۳۷۵، کفایت المفتی قدیم ۳/۲۱۴، جدید زکریا ۳/۲۶۰)

شعیب ابن رزیق الطائفي قال: جلست إلی رجل له

صحبة –إلى –فأقمنابها أيامًا شهدنا فيها الجمعة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقام متكئاً على عصا أو قوس. الحديث (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، النسخة الهندية ١/١٥٦، دارالسلام رقم: ١٠٩٦)

ويكره أن يتكئ على قوس أو عصا. (در مختار) وفي الشامية: ونقل القهستاني عن عيد المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٦٣، زكريا ٣/٤١، حاشية الطحطاوي على المراقي، باب صلاة الجمعة، دارالكتاب ديوبند ٥٤٦، البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا ٢/ ٢٦٠، كوئٹه ٢/١٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۴۵)

کیا حضور ﷺ نے عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دیا ہے؟

سوال [۳۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دیا ہے یا نہیں؟ اگر آپ علیہ السلام نے عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دیا ہے، تو اس عصا کی لمبائی کتنی تھی اور اس کو چوڑائی کتنی تھی؟

المستفتی: محمد اقبال آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دیا ہے اور یہ حدیث سے ثابت ہے، فقہاء نے اسے مستحب قرار دیا ہے اور اس عصا کی لمبائی کمر مبارک کی حد تک تھی۔

حدثنا وكيع عن أبي جناب عن يزيد بن البراء عن أبيه أن النبي صلى

الله عليه وسلم خطبهم يوم عيدٍ وفي يده قوسٌ أو عصا. (المصنف لابن أبي شيبه، مؤسسة علوم القرآن ٤/ ١٧٨، رقم: ٥٦٠٨)

وأما حديث ابن الزبير...... وفي إسناده ابن لهيعة، ولفظه: كان يخطب ومعه مخصرة أي عصا طولها إلى حد خصر صاحبها، فهي قصيرة.
(هامش المصنف لابن أبي شيبة٤/ ١٧٨، بيروت)

عن ابن جريج قال: قلت لعطاءٍ: أكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم إذا خطب على عصا؟ قال: نعم! وكان يعتمد عليها اعتماداً. (السنن الكبرى، البيهقي بيروت ٣/ ٢٩٢)

عبد الرزاق عن معمر قال: سمعت بعض أهل المدينة يذكر أن النبي صلى الله عليه وسلم، كان إذا خطب اعتمد على عصاه اعتماداً. (مصنف عبد الرزاق ٣/ ٢٨٨، بيروت) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۲۰)

عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ دینا

سوال [۳۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ممبئی میں امام اپنے ہاتھ میں عصا کیوں لیتے ہیں؟ ناچیز لکھنؤ کا باشندہ ہے، اس ملک کے کافی حصوں کا دورہ کیا ہے؛ لیکن یہ طریقہ نہیں پایا، یہ طریقہ سنت ہے یا فرض یا کہ بدعت ہے؟ اگر بدعت ہے تو اسے کس طرح دور کیا جا سکتا ہے؟ امید کہ آپ اس بارے میں کچھ روشنی ڈالیں گے۔

المستفتی: امین الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام کے اپنے ہاتھ میں عصا لینے سے اگر سائل کی مراد

خطبۂ جمعہ کے وقت ہاتھ میں لینا ہوتو اس سلسلہ میں کتب فقہ میں سنت اور کراہت دونوں طرح کی روایات منقول ہیں۔

ویکره أن یتکئ علی قوس أو عصا. (در مختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/۱۶۳، زکریا ۳/۴۱، البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زکریا ۲/ ۲۶۰، کوئٹه ۲/۱۴۸)

ونقل القهستاني عن عبد المحیط أن أخذ العصا سنة کالقیام. (شامي، کراچي ۲/۱۶۳، زکریا ۳/ ۴۱)

تو دونوں روایات کے درمیان مطابقت یوں ہے کہ عصا لینا مکروہ نہیں ہے، ٹیک لگانا اوراس کا التزام مکروہ ہے۔اور بغیر عذر التزامًا ہاتھ میں عصا لینا مکروہ نہیں ہے۔(مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۴۴۱، فتاوی واحدی ۱/۲۴۴)

لہٰذا عصاء ہاتھ میں لینے والوں کو کچھ نہ کہا جائے اور نہ ہی عصا ہاتھ میں نہ لینے والوں کو کچھ کہا جائے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۶۷۱)

خطبۂ جمعہ کی مقدار

سوال [۳۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خطبۂ جمعہ کی مقدار کتنی ہے اوراس حد سے تجاوز کرنے پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: نورالحسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مختصر خطبہ دینا مسنون ہے، جس کی مقدار قرآن پاک کی طوال مفصل سورتوں کے بقدر ہے، اس سے زیادہ خطبہ کو لمبا کرنا مکروہ ہے۔ نیز یہ کہ دونوں خطبے دونوں رکعتوں سے لمبے نہ ہوں۔(مستفاد: از فتاوی دارالعلوم ۵/۱۵۴)

ویسن خطبتان خفیفتان، وتکره زیادتهما علی قدر سورة من طوال المفصل. (شامي مع الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، زکریا۳/ ۲۰، کراچي ۲/ ۱٤۸، وهکذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة۲/ ۱٤۸، زکریا۲/ ۲۵۸)

عن واصل بن حیان، قال: قال أبو وائل، خطبنا عمار، فأوجز و أبلغ، فلما نزل قلنا، یاأبا الیقظان لقد أبلغت و أوجزت، فلو کنت تنفست فقال: إني سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم، یقول: إن طول صلاة الرجل، وقصر خطبته، مئنة من فقهه، فأطیلوا الصلاة، واقصروا الخطبة، وإن من البیان سحراً. (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، فصل في إیجاز الخطبة وإطالة الصلاة، النسخة الهندیة ۱/ ۲۸٦، بیت الأفکار رقم: ۸٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ / ۴۰۸۳)	۲۹ / ۶ / ۱۴۱۵ھ

عذر کی وجہ سے چوکی یا زمین پر خطبہ دینا

سوال [۳۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا منبر چھوٹا ہے، جس کی وجہ سے امام صاحب خطبہ دینے کے لئے صحیح طور پر کھڑے نہیں ہوسکتے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ جمعہ کا خطبہ منبر پر کھڑے ہوکر ہی دینا ضروری ہے یا نیچے کھڑے ہوکر بھی خطبہ دے سکتے ہیں اور نیچے کوئی چوکی وغیرہ ڈالی جائے یا زمین پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا جاسکتا ہے؟ جو طریقہ بھی شریعت مطہرہ کی روشنی میں درست ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: جلیس احمد، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خطبہ منبر پر کھڑے ہوکر دینا مسنون ہے، مگر سوال نامہ

میں ذکر کردہ معقول عذر کی وجہ سے چوکی یا زمین پر کھڑے ہوکر خطبہ دیا جائے، تو بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵/۱۲۶)

قال أبو رفاعة العدوي: انتهيت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو يخطب، فقلت: يا رسول الله! رجل غريب جاء يسأل عن دينيه، لايدري ما دينه؟ قال: فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وترك خطبته، ثم أتي بكرسي خلت قوائمه حديداً فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فجعل يعلمني مما علمه الله، ثم أتى خطبته فأتمها. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲/ ۵۹، رقم: ۱۲۸٤، صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب من دخل المسجد والإمام يخطب، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۷، بيت الأفكار رقم: ۸۷٦، صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۱/ ۷۰٦، رقم: ۱٤۵۷، ۲/ ۸۷۲، رقم: ۱۸۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۴۳۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۱۶ھ

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے؟

سوال [۳۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا کیسا ہے اور بیٹھنے کی مقدار کیا ہے؟ اگر نہ بیٹھے تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ شریعت کی رو سے مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ابراہیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے اور اس کی مقدار تین چھوٹی آیتوں کے پڑھنے کے بقدر ہے، اگر کوئی شخص دو خطبوں کے درمیان نہ بیٹھے تو دو خطبے شمار نہ ہوں گے؛ بلکہ ایک خطبہ شمار ہوگا اور ایسا کرنے والا تارک سنت ہوگا۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم، يخطب قائماً، ثم يقعد، ثم يقوم كما تفعلون الآن. (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الخطبة قائماً، النسخة الهندية ١/١٢٥، رقم: ٩١٠، ف: ٩٢٠)

(**بجلسة بينهما) بقدر ثلث آيات على المذهب وتاركها مسئ على الأصح .**

(در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٤٨، زكريا ٣/٢٠،

فتاوى عالمگيري، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم١ /١٤٧، جديد ١/٢٠٨،

هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، اشرفي ١ /١٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵ ؍ ۶۷۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹ ؍ ۵ ؍ ۱۴۲۱ھ

خطبہ کے بعد حضور ﷺ مصلے پر بیٹھتے تھے یا جماعت شروع فرماتے تھے؟

سوال [۳۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور اکرم نور مجسم ﷺ نماز جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد مصلے پر تشریف فرما ہوتے تھے یا کھڑے ہوجاتے تھے، مکبر کی تکبیر کھڑے ہوکر سماعت فرماتے تھے یا بیٹھ کر؟ حدیث پاک کی روشنی میں مع حوالۂ کتب تفصیل کے ساتھ بیان فرمائیں۔

المستفتی: اکبر علی، خادم مدرسہ اسلامیہ مصباح العلوم بیردا رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ خطبہ سے فراغت کے بعد ممبر شریف سے نیچے اتر کر مصلے پر تشریف لیجا کر کھڑے رہتے اور مؤذن تکبیر کہتے تھے اور مؤذن کے تکبیر سے فارغ ہونے تک مصلے پر ہی کھڑے رہتے تھے۔

عن السائب بن يزيد قال: ما كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم إلامؤذن واحد إذا خرج أذن وإذا نزل أقام، و أبو بكر، وعمر، كذالک.

الحديث (ابن ماجه شريف، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الأذان يوم الجمعة، النسخة الهندية۹ ۷، دارالسلام رقم:۱۱۳۵)

أقيمت بحيث يتصل أول الإقامة بأخر الخطبة، وتنتهي الإقامة بقيام الخطيب مقام الصلاة الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا۳/ ۳۹، كراچي ۲/ ۱٦۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍۲۷۲۹)

خطبہ میں امام کا خلفاء راشدین و دیگر صحابہ کا نام نہ لینا

سوال [۳٦۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری جامع مسجد میں جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل، جو خطبۂ ثانیہ دیا جاتا ہے، اس میں مقیم پیش امام وخطیب باوجود کتاب خطبہ یعنی خطبات الاحکام حضرت تھانویؒ کے ہونے کے وہ زبانی خطبہ پڑھتے ہیں، جس میں اہل بیت وخلفاء راشدین ودیگر صحابہ کے نام نامی کا تذکرہ نہیں کرتے، یہ معمول ہر جمعہ میں جاری ہے، اس سلسلہ میں امام موصوف کا یہ عمل از روئے شرعی آداب کیسا ہے؟

المستفتی: محمد مسعود کورائی اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ جمعہ میں خلفاء راشدین وغیرہ کے ناموں کو ذکر کرنا مستحب ہے، لازم یا واجب نہیں اور نہ ہی خطبہ جمعہ دیکھ کر پڑھنا لازم ہے؛ بلکہ زبانی خطبہ پڑھنے پر قادر ہے، تو زبانی پڑھنا زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے اگر امام صاحب کوئی ایسا خطبہ پڑھیں، جس میں خلفاء راشدین وغیرہ کے ناموں کا ذکر نہ ہو، تو اس کی وجہ سے امام صاحب پر طعن وتشنیع کرنا درست نہیں ہے؛ ہاں البتہ امام صاحب کو ترغیب دی جائے، خلفائے

راشدین کا نام بھی دوران خطبہ آجائے تو بہتر ہے، نہ آنے پر کوئی الزام نہیں۔

ویندب ذکر الخلفاء الراشدین، والعمین هما حمزة، والعباس رضي الله عنهما الخ (شامي، کتاب الصلاة، باب الجمعة، کراچي ۲/ ۱٤۹، زکریا ۳/ ۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۱۱/ ۱۴۲۷ھ

دوران خطبہ دشمنان اسلام پر لعنت بھیجنا

سوال [۳۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید خطبۂ جمعہ میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین پر لعنت اور بددعا کے الفاظ کہتا ہے، کیا ان کا خطبہ میں مذکورہ افراد پر ان الفاظ کا کہنا درست ہے یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں جواب مع دلائل تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد عثمان امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر قوم پر ہر زمانے میں اور ہر موقع پر لعنت کرنے کی بات ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ جب غیر کی طرف سے مسلمانوں پر مظالم ہونے لگیں، تو فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی جائے، اس میں دشمنان اسلام پر لعنت اور بددعا کے الفاظ استعمال کرنے کی اجازت ہے، اسی طرح خطبۂ جمعہ میں بھی ایسے مظالم کے زمانے میں لعنت کی اجازت ہے، حضور ﷺ نے مسلسل ایک مہینہ ایسے مظالم کے موقع پر لعنت کے ساتھ بددعاء فرمائی ہے، مگر مسلسل ہر زمانے میں نہیں؛ اس لئے اگر زید ایسے مظالم کے زمانے میں خطبہ جمعہ میں لعنت کی بددعا کرتے ہیں تو گنجائش ہے، مگر مسلسل ہر زمانے میں نہیں کرنی چاہئے۔ (

مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۷/۱۷۴)

عن أنسؓ قال: قنت النبي صلى الله عليه وسلم بعد الركوع شهراً يدعو على رعل و ذكوان، ويقول: عصية عصت الله ورسوله. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب غزوة الرجيع ورعل وذكوان، النسخة الهندية ۲/ ۵۸۷، رقم: ۳۹۴۷، ف: ۴۰۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۵۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۹ھ

دوران خطبہ ''السلطان ظل اللہ'' کے الفاظ کہنا

سوال [۳۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جمعہ کے خطبہ میں بعض خطیب درمیان خطبہ یہ جملے بھی کہتے ہیں کہ ''**السلطان ظل الله في الأرض من أكرمه أكرمه الله و من أهانه أهانه الله**'' کیا اس وقت ہندوستان میں بوقت خطبہ ان جملوں کا کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو کون شخص مراد ہوگا؟ اور اگر کوئی اس کا مصداق نہیں ہے، تو کیا ان الفاظ کا کہنا ترک کردیا جائے؟

المستفتی: قاری احمد علی، استاذ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جہاں اسلامی حکومت ہو وہاں بھی ان الفاظ کا کہنا مستحب نہیں ہے اور جہاں اسلامی حکومت نہ ہو وہاں ان الفاظ کا کہنا درست نہیں اور ہندوستان میں بھی غیر اسلامی حکومت ہے؛ لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ، مکتبہ تفسیر القرآن ۴/۱۰۹)

و أما الدعاء للسلطان في الخطبة، فلا يستحب لما روي أن عطاء سئل عن ذلك، فقال: أنه محدث و إنما كانت الخطبة تذكيرًا، في الخلاصة

وغيرها: الدنو من الإمام أفضل من التباعد على الصحيح، ومنهم من احتار التباعد حتى لا يسمع مدح الظلمة في الخطبة. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۲/۲٦۰، كوئٹه ۲/۱٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۴۲)

خطبہ میں ”والسلطان ظل اللہ الخ“ پڑھنا

سوال [۳۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خطبہ میں یہ الفاظ ”**والسلطان ظل الله في الأرض، من أهان سلطان الله في الأرض اهانه الله أو من اكرمه اكرمه الله**“ ذکر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ دارالاسلام ہو یا دارالحرب ہو؟

المستفتی: محمد علاء الدین، منی پوری، متعلم مدرسہ عبداللہ ابن مسعود، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں ذکرکردہ روایت کے اکثر الفاظ صحیح حدیث شریف سے ثابت ہیں اور بعض الفاظ صحیح حدیث شریف میں موجود نہیں ہیں اور حدیث شریف سے ثابت شدہ روایات خطبہ میں ذکر کرنا جائز اور درست ہے، چاہے دارالاسلام ہو یا دارالحرب؛ اس لئے کہ خطبہ میں تذکیر اور نصیحت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک نصیحت کی بات ہے، اس میں دارالاسلام یا دارالحرب کا کوئی امتیاز نہیں۔

من أهان سلطان الله في الأرض أهانه الله. (ترمذي شريف، ابواب الفتن، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/٤٦، درالسلام رقم: ۲۲۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۹۰۲۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۲ھ

خطبہ میں ”السلطان ظل اللہ“ پڑھنے کے عدم جواز کے فتویٰ سے رجوع

سوال [۳۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کے دو فتوے میرے سامنے ہیں اور دونوں میں سائل نے یہ سوال پوچھا ہے کہ خطبہ میں ”**السلطان ظل الله في الأرض من أهان سلطان الله في الأرض أهانه الله**“ کا پڑھنا مشروع ہے یا نہیں؟ لہٰذا پانچ صفر ۱۴۱۷ھ کے جواب میں جواہر الفقہ اور بحر کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ ان الفاظ کا کہنا اسلامی حکومت میں مستحب نہیں ہے اور غیر اسلامی حکومت میں درست نہیں ہے اور ہندوستان میں بھی غیر اسلامی حکومت ہے؛ جبکہ ۲؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ میں دس سال کے بعد کے جواب میں یہ لکھا گیا ہے کہ چوں کہ یہ الفاظ حدیث میں مذکور ہیں اور صحیح حدیث شریف سے ثابت ہیں؛ اس لئے حدیث شریف سے ثابت شدہ الفاظ کا خطبہ میں ذکر کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے؛ کیونکہ خطبہ میں تذکیر ونصیحت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک نصیحت کی بات ہے، چنانچہ حضرت والا سے گذارش ہے کہ دونوں کے درمیان بظاہر جو تعارض نظر آرہا ہے، اس کو رفع فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے فتویٰ میں بحر کی عبارت کے پیش نظر جواب لکھا گیا تھا اور بحر کی عبارت میں سلطان اور بادشاہ کی تعریف اور اس کے لئے دعا کرنے کو خلاف استحباب لکھا ہے اور مسئلہ دار الاسلام کا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام میں اگر عادل بادشاہ نہیں ہے، تو اس کے لئے خواہ مخواہ دعا کرنا مستحب نہیں ہے؛ ہاں البتہ اس کی اصلاح

کی غرض سے دعا کرنا جائز ہے اور غیر اسلامی ممالک میں جو حکام ہوتے ہیں، ان کے لئے عدل وانصاف کی دعا کرنا جائز ہے اور ظالم کی ہدایت کی دعا کرنا بھی جائز ہے، اس سے ہٹ کر جب ظلم کررہا ہو، تو اس ظالم کے لئے یونہی دعا کرنا درست نہیں ہے۔

نیز بحر کی عبارت کا مقصد حاکم کا نام لے کر اس کے لئے دعا کرنا مشروع اور مستحب نہیں ہے، جواہر الفقہ میں یہی جواب لکھا ہے کہ پاکستان میں بعض لوگ محمد علی جناح کا نام لے کر دعا کر رہے تھے، اس کے جواب میں جواہر الفقہ میں عدم جواز کی بات لکھی ہے؛ اس لئے کہ وہ متشرع اور متبع شریعت حاکم نہیں تھا، اسی کے پیش نظر ہم نے بھی ۱۴۱۷ھ میں اسی طرح کا جواب لکھا تھا، پھر ۱۴۲۷ھ میں حدیث شریف کے پیش نظر خطبہ میں ان الفاظ کے پڑھنے کو جائز لکھا تھا؛ اس لئے کہ خطبہ تذکیر ونصیحت ہے اور اس حدیث شریف میں جو مضمون ہے اس میں بھی ایک طرح کی نصیحت ہے کہ جو حاکم کا اعزاز کرتا ہے اللہ تعالی اس کا اعزاز کرے گا اور جو حاکم کی اہانت کرتا ہے، تو اللہ تعالی بھی اس کی اہانت کریں گے؛ لہٰذا بطور نصیحت کے حدیث کے ان الفاظ کو خطبہ میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے چاہے حکومت اسلامی ہو یا غیر مسلم کی ہو، اس میں کوئی فرق نہیں اور حضرت ابوبکرہؓ نے یہ حدیث شریف اسی موقع پر بیان فرمائی تھی کہ ایک شخص امیر کی اہانت کے جملے استعمال کررہا تھا کہ ہمارے امیر کو دیکھو کتنا باریک کپڑا اور فساق کا لباس پہن کر خطبہ دے رہا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امیر متبع شریعت نہیں تھا اور یہ بنوامیہ کے دور کا واقعہ ہے اور اسی موقع پر حضرت ابوبکرہؓ نے یہ حدیث شریف سنائی تھی؛ لہٰذا بطور نصیحت کے خطبہ میں یہ الفاظ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں؛ چنانچہ پہلے فتوی سے ہم رجوع کرتے ہیں اور دوسرا فتوی زیادہ صحیح ہے۔

اس سلسلے میں مزید چند روایات ملاحظہ فرمایئے:

عن زياد بن كسيب العدوي، قال: كنت مع أبي بكرة تحت منبر ابن عامر وهو يخطب وعليه ثياب رقاق، فقال أبو بلال: أنظروا إلى أميرنا يلبس ثياب الفساق، فقال أبو بكرة: أسكت، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

يقول: من أهان سلطان الله في الأرض أهانه الله. (سنن الترمذي، أبواب الفتن، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ٢/٤٦، دارالسلام رقم: ٢٢٢٤، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٩/١٢١، رقم: ٣٦٧٠)

عن أبي بكرة، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أكرم سلطان الله في الدنيا، أكرمه الله يوم القيامة، ومن أهان سلطان الله في الدنيا، أهانه الله يوم القيامة. (مسند أحمد بن حنبل ٥/٤٢، رقم: ٢٠٧٠٥، ٥/٤٩، رقم: ٢٠٧٦٩)

عن أبي بكرة قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: السلطان ظل الله في الأرض، فمن أكرمه أكرمه الله، ومن أهانه أهانه الله. (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٦/١٧، رقم: ٧٣٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳رصفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۰۱/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۳ھ

محراب کے اندر منبر پر خطبہ دینا

سوال [۳۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر منبر بالکل محراب کے اندر رہے اور منبر کی آخری سیڑھی دیوار کی برابر میں ہے، دیوار سے باہر نکلی ہوئی نہیں ہے، تو اس پر خطبہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عباس بردوانی، متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی جگہ منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ دینا مسنون ہے، جہاں سے سب لوگ امام کو اچھی طرح دیکھ سکیں؛ لہٰذا جب محراب کے اندر ہونے کی وجہ سے امام

سب لوگوں کو نظر نہ آئے اور دائیں اور بائیں طرف کے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو تو مکروہ ہے۔

عن الطفیل بن أبي بن کعب، عن أبیه، قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم: یصلي إلی جذع ویخطب إلیه فقال له رجل من اصحابه: ألا نجعل لک عریشا تقوم علیه یراک الناس یوم الجمعة وتسمع من خطبتک؟ قال: نعم. الحدیث (مسند الدارمي، دارالمغني ١/ ١٨٠، رقم: ٣٦)

منها أن یستقبل القوم بوجهه ویستدبر القبلة؛ لأن النبي صلی الله علیه وسلم، هکذا کان یخطب، وکذا السنة في حق القوم أن یستقبلوه بوجوههم؛ لأن الإسماع والاستماع واجب للخطبة وذا لایتکامل إلا بالمقابلة الخ (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في سنن الخطبة، قدیم ١/ ٥٩٢، زکریا ١/ ٢٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴ رصفر المظفر ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۳۵۰)	۱۴۱۶/۲/۲۴ھ

خطبہ ہاتھ باندھ کر دے یا کھول کر؟

سوال [۳۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خطبہ زبانی پڑھنے کی صورت میں ہاتھ باندھ کر پڑھنا چاہئے یا ہاتھ کھول کر؟ اگر ہاتھ کھول کر پڑھنا چاہئے تو ہاتھ باندھ کر پڑھنے میں کوئی کراہت تو نہیں؟ اور اگر دونوں شقیں صحیح ہیں تو اصح کیا ہے؟ بینوا توجروا.

المستفتی: محمد حنیف، رام نگری، مینگا والا، بادلی ٹانڈہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: احقر کو اس سلسلے میں کتب حدیث وفقہ میں کوئی صراحت

نہیں ملی۔

بعثت أنا والساعة كهاتين. الحديث (مسلم شريف، كتاب الجمعة ٢٨٤/١، بيت الأفكار رقم:٨٦٧)

وأشار بيده. الحديث (بخاري شريف، باب الجمعة ١٢٨/١، مؤطا إمام مالك ٣٨/١)

فقام متوكئًا على عصا أو قوس فحمد الله. الحديث (ابوداؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، النسخة الهندية ١٥٦/١، دارالسلام رقم:١٠٩٦)

وغیرہ کے الفاظ سے اشارۃً ودلالۃً بغیر ہاتھ باندھے مسنون معلوم ہوتا ہے اور ہاتھ باندھ کر خلاف سنت معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۹/۲۴)

خطبۂ اولیٰ میں سامعین کا ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

سوال [۳۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سامعین جمعہ کے خطبہ کے دوران خطبۂ اول میں تشہد والی بیٹھک بیٹھتے ہیں اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے اس طرح باندھتے ہیں، جس طرح قیام میں ہاتھ باندھے جاتے ہیں اور خطبۂ ثانیہ میں بالکل تشہد والی بیٹھک بیٹھتے ہیں، زانو پر ہاتھ دراز کردیتے ہیں، کیا مذکورہ بیٹھک شریعت سے ثابت ہے؟ نیز یہ بھی بتلائیں کہ دوران خطبہ کس طرح بیٹھنا چاہئے؟

المستفتی: مولانا عبدالناصر، مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ کے خطبہ کے دوران خطبۂ اولی میں ناف کے نیچے

ہاتھ باندھنا اور خطبہ ثانی میں تشہد والی بیٹھک بیٹھ کر زانوں پر ہاتھ رکھنا کتاب وسنت وفقہ سے ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۳۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۹ھ

خطبۂ جمعہ میں لقمہ دینا

سوال [۳۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر خطیب جمعہ کے خطبہ میں قرآن یا حدیث غلط پڑھ دے، تو غلطی بتائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشد، قاضی پورہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بوقت خطبہ اگر آیت قرآنی یا حدیث شریف غلط پڑھی جارہی ہے یا خطیب پڑھتا پڑھتا اٹک کر رک گیا ہے، تو نماز میں لقمہ دینے کی طرح تجربہ کار عالم یا حافظ کے لئے خطیب کو لقمہ دینے کی گنجائش ہے، ہر شخص کو نہیں۔

بخلاف فتحه على إمامه، فإنه لا يفسد مطلقاً. (در مختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب ما يفيد الصلاة و ما يكره فيها، كراچي ۱/۶۲۲، زكريا ۲/۳۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۷۱۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

خطبہ دینے میں موروثی دعوی کی شرعی حیثیت

سوال[۳٦۴٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہٗ آندھرا پردیش کے ضلع پرکاشم کے ''یدلی'' منڈل میں عیدگاہ میں رمضان، بقر عید کے موقع پر خطبہ دینے کا مسئلہ ہے، بستی کی نوعیت یہ ہے کہ یہاں پر ایک خاندان جو ملا خاندان سے مشہور ہے، برسوں سے اسی خاندان کے عام فرد کے (غیر حافظ، غیر عالم) خطبہ دینے کا سلسلہ چلا آرہا ہے، آخر میں چھ سات سال سے (کم وبیش) اسی خاندان کے ایک فرد جو صرف ناظرہ خواں ہے (نہ حافظ ہیں، نہ عالم ہیں) خطبہ دے رہے ہیں اور خطبہ کے دوران کچھ خرافات ہوتی ہیں، جیسے خطبہ کے دوران مصلیوں میں سے کوئی خطیب صاحب پر تولیہ یا کپڑے وغیرہ اڑھاتے ہیں اور خطیب صاحب خطبہ کے ختم پر منبر پر ہی بیٹھے رہتے ہیں اور امام صاحب دعا کرتے ہیں۔

نیز خطبے کے بعد غلط مسائل بتاتے ہیں، نیز ان کے پڑھنے میں لحن جلی بھی پیش آتی ہے، جس سے آیات قرآنیہ احادیث شریفہ کے معانی بدل جاتے ہیں، شہر کے علماء نے انہیں سمجھایا کہ آپ اپنا خطبہ صحیح کرلو، تو انہوں نے الٹا جواب دیا کہ آپ ہی لوگ مجھ سے صحیح کرالو اور شہر کے اکثر لوگ ان کے خطبے سے مطمئن نہیں ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ اتنے برسوں سے شہر میں حفاظ علماء بھی موجود نہیں تھے۔ اب الحمدللہ تقریباً آٹھ حفاظ علماء، مفتیان موجود ہیں اور لوگوں میں آواز اٹھ رہی ہے کہ اہل علم سے خطبہ دلوایا جائے، تو اسی صورت میں شہر کے ایک طبقہ نے ان ناظرہ خواں خطیب سے کہا کہ آپ کے خطبے میں غلطیاں ہیں، آپ ہٹ جائیں اور اہل علم کو آگے بڑھائیں تو انہوں نے انکار کرکے کہا کہ خطبہ دینا صرف ہمارے خاندان کا حق ہے، ہم ہی خطبہ دیں گے۔

سوال: یہ ہے کہ ناظرہ خواں کی یہ ضد صحیح ہے؟ کیا خطبہ دینا کسی خاندان کا حق ہے؟ یا یہ کہ شریعت میں امامت اور خطبہ دینے کے لئے کوئی ترتیب یا ترجیح ثابت ہے؟ اگر ہے براہ کرام اس کی وضاحت فرمائیں۔ نیز یہ کہ ان ناظرہ خواں کو ہم کس طرح سمجھا سکتے ہیں؟ اگر

مان جائے تو الحمدللہ ورنہ شریعت کے مطابق ترتیب قائم کرنے کے لئے ہم کہاں تک جا سکتے ہیں؟ ہم پر کتنی ذمہ داری ہے؟ اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے مشورہ کیا تو رائے یہ آئی کہ ضلع پرکاشم کے صف اول کے علماء کرام (جو ناظرہ خواں کے استاذ بھی ہیں) سے رابطہ کر کے اس فکر کی تصدیق کرائیں اور ان کے خاندان والوں کو سمجھائیں کیا یہ اقدام صحیح ہے؟ سوال یہ ہے کہ یہ فرد بعض مرتبہ حکومت کا سہارا لیتے ہیں اور شریعت کے خلاف ان سے تعاون لیتے ہیں، اس سلسلہ میں مکمل رہبری فرمائیں۔

المستفتی: محمد رفیع قاسمی، ید لی، ضلع: پرکاشم (آندھراپردیش)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ نماز پڑھانے والا امام الگ سے مستقل ہے اور خطبہ دینے والا امام سے ہٹ کر کوئی دوسرا شخص ہے، جو اپنے خاندان اور موروثی حق کا دعویٰ کرتا ہے، شریعت میں خطبہ دینے کا حق اسی کو ہے جو لائق امامت ہو اور صحیح قرآن پڑھنے والا ہو اور ضروری مسائل سے واقف ہو، صرف ناظرہ خواں کا عید و بقرعید کا خطبہ پڑھنا جو صحیح طور پر خطبہ پڑھنے پر بھی قادر نہیں ہے، ایسے شخص کو خطبہ دینے کا حق نہیں ہے، جو امام نماز پڑھاتا ہے، اسی کو خطبہ دینے کا حق ہے اور مسائل شرعیہ میں موروثی حق نہیں چلتا۔ (مستفاد: کتاب النوازل ۴/۲۵۲)

عن عبد الله بن مسعودؓ، قال: قال لنا عليه السلام: يؤم القوم أقرأهم لكتاب الله وأقدمهم قراءةً. (مسلم، كتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة، النسخة الهندية ١/٢٣٦، بيت الأفكار الدولية رقم:٦٧٣، ترمذي شريف، كتاب الصلاة، باب ما أحق بالإمامة، النسخة الهندية، ١/٥٥، دار السلام رقم: ٢٣٥)

الأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة، ثم الأحسن تجويداً وتلاوةً للقرآن، ثم الأورع، ثم الأسن، ثم الأحسن خلقًا، ثم الأحسن وجهًا، ثم الأشرف نسبًا. (شامي، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، زكريا

۲/ ۲۹۴-۲۹۵، کراچي ۱/ ۵۷۷، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۲/ ۱۷۷)

ولو أم قومًا وهم له كارهون، إن الكراهة لفساد فيه أولأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك تحريماً لحديث أبي داؤد ''لايقبل الله صلاة من تقلدم قومًا وهم له كارهون'' وإن هو أحق لا والكراهة عليهم. (شامي، زكريا ۲/ ۲۹۷، كراچي ۱/ ۵۵۹،أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب الرجل يؤم القوم وهم له كارهون، النسخة الهندية۱/ ۸۸، دارالسلام رقم:۵۹۳)

لاينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأن الجمعة مع الخطبة كشئ واحدٍ، فلاينبغي أن يقيمها اثنان وإن فعل جاز وهذا يكون باستخلاف الخطيب. (شامي، كراچي ۲/ ۱۶۲، زكريا ۳/ ۱۱، فتاوی محمودیه ڈابھیل ۸/ ۲۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۳۰۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۳۰ھ

خطبۂ جمعہ اور نماز الگ الگ شخصوں کا پڑھانا

سوال [۷۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض جگہوں پر خطبہ جمعہ کوئی اور پڑھاتے ہیں اور نماز جمعہ کوئی اور پڑھاتے ہیں، کیا اس طرح تقسیم درست ہے؟

المستفتی: محمد عبدالسبحان، کیلفورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کا خطبہ کوئی اور پڑھے اور نماز جمعہ کوئی اور پڑھائے تو بھی نماز جمعہ بلاشبہ درست ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/ ۴۶۶)

وقد علم من تفاريعهم، أنه لا يشترط في الإمام أن يكون هو

الخطيب. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱٤۷، زكريا ۳/۱۹، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۲/۵۰۸، كوئٹه ۲/۱٤۷)

وفي القنية: واتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار، وفي الذخيرة: لو خطب صبي عاقل وصلى بالغ جاز. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتاب ديوبند ۵۰۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۸۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۷ھ

ایک شخص نماز جمعہ پڑھائے اور دوسرا خطبہ دے

سوال [۳۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام صاحب نے جمعہ کا خطبہ پڑھا اور دوسرے آدمی نے نماز جمعہ پڑھائی، تو جمعہ کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اس میں خطبہ اور نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں خطبہ اور نماز الگ الگ لوگوں کا پڑھانا کیسا ہے؟

المستفتی: جمیل احمد، باغ بہادر گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کی نماز اور خطبہ میں افضل اور بہتر صورت یہ ہے کہ جس نے خطبہ پڑھا ہو وہی نماز پڑھائے؛ لیکن اگر ایسا نہیں کیا گیا؛ بلکہ ایک نے خطبہ دیا اور دوسرے نے نماز پڑھائی، تو ایسی صورت میں بلا تردد نماز صحیح ہوگئی ہے، بس صرف افضلیت کے خلاف عمل ہوا ہے اور نماز وخطبہ بلا کراہت درست ہے۔

لاينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأنهما كشيئٍ واحد، فإن فعل بأن

خطب صبي بإذن السلطان، وصلى بالغ جاز هو المختار. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٦٢، زكريا ٣/٣٩)

وفي القنية: واتحاد الخطيب والإمام ليس بشرط على المختار نهر. وفي الذخيرة: لو خطب صبي عاقل وصلى بالغ جاز؛ لكن الأولى الاتحاد كما في شرح الآثار. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتاب ديوبند جديد ٥٠٨)

ولاينبغي أن يصلي غير الخطيب؛ لأن الجمعة مع الخطبة كشئ واحد، فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان، وصلى بالغ جاز. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قبيل باب صلاة العيدين قديم مصري ١/١٧٢، دارالكتب العلميه بيروت جديد ١/٢٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۷۰)	۳۰/۵/۱۴۲۳ھ

خطبۂ جمعہ زبانی دینا بہتر ہے یا کتاب کو دیکھ کر؟

سوال [۳۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خطبۂ جمعہ جو کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں، ان کو دیکھ کر پڑھنے یا ان خطبوں کو زبانی یاد کرکے یا اپنی طرف سے بنا کر دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان خطبوں کو دیکھ کر دینا زیادہ بہتر ہے، جو شائع ہو چکے ہیں بالمقابل ان خطبوں کو زبانی یاد کرکے یا اپنی طرف سے بنا کر دینے کے شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد الطاف، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبۂ جمعہ زبانی اور دیکھ کر پڑھنا دونوں طرح جائز ہے؛ لیکن زبانی یاد کر کے یا اپنی طرف سے بنا کر کے زبانی یاد کر کے دینا زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ خطبہ جمعہ وعظ ہے؛ اس لئے زبانی یاد کر کے ہی خطبہ دینا زیادہ بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۵/۹، ڈابھیل ۲۱۲/۸، ۲۱۳)

والخطبة في الاصطلاح هي الكلام المؤلف، الذي يتضمن وعظاً وابلاغاً على صفة مخصوصة. (المؤسوعة الفقهية ۱۷٦/۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۴۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۷/۱۷ھ

دوران خطبہ متولی کا امام صاحب کو پگڑی باندھنا

سوال [۳٦۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں جب امام صاحب نماز سے فارغ ہوتے تھے اور خطبہ کے لئے ممبر پر جاتے تھے، تو خطبہ کے درمیان متولی جامع مسجد اپنی طرف سے ان کے سر پر پگڑی باندھتے تھے، یہ تقریباً پچاس سال سے سلسلہ پگڑی جاری تھا، کسی نے گذشتہ سال منع کر دیا، تو اب کی مرتبہ ایسا کیا کہ جب امام صاحب خطبہ کے لئے ممبر پر بیٹھے تو خطبہ پڑھنے سے پہلے متولی جامع مسجد نے پگڑی باندھی، ایک صاحب نے پھر ٹوک دیا کہ ایسا کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس میں ریا کاری ہے تاکہ لوگوں کے درمیان متولی صاحب کی شہرت ہو اور لوگ جانیں کہ جامع مسجد کے متولی ہیں، تو کیا پگڑی باندھنا ممبر پر امام صاحب کے صحیح ہے؟ ان حضرات نے کہا امام صاحب سے ہمیں محبت ہے؛ اس لئے پگڑی باندھتے ہیں، تو جواب دیا گیا کہ اگر محبت ہے تو گھر ہی سے امام صاحب کے پگڑی باندھ کر کیوں نہیں لاتے، تو کیا متولی مسجد کا یہ فعل درست ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد تسلیم راعینی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوران خطبہ یا خطبہ کے وقت امام صاحب کے سر پر دستار باندھنا سلف وخلف سے ثابت نہیں؛ اس لئے اس کا ترک لازم ہے، متولی سے معلوم کیا جائے کہ یہ دستار فضیلت ہے یا دستار خلافت؟ کہ متولی صاحب سے حدیث پڑھ کر امام دستار فضیلت حاصل کر رہا ہے یا متولی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہو کر دستار خلافت حاصل کر رہا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩ رشوال المکرّم ١٤١٧ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٢ / ٥٠١٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٩ / ١٠ / ١٤١٧ھ

ناپاک پانی سے غسل کر کے جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھادی

سوال [٣٦٥١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام نے ناپاک پانی سے غسل کر کے جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ پانی ناپاک تھا، تو کیا نماز اور خطبہ دونوں ہی چیزیں دوبارہ ادا کی جائیں گی یا صرف نماز؟

نیز اگر خطبہ ناپاک پانی سے غسل کر کے پڑھ دیا، اس کے بعد معلوم ہوا کہ پانی ناپاک تھا، تو پھر غسل کر کے نماز ادا کی تو کیا خطبہ پھر سے پڑھنا پڑے گا؟

المستفتی: محمد شعیب فتح پوری، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طہارت شروط صلاۃ میں سے ہے اور ماءِ نجس سے غسل عدم غسل کے حکم میں ہے؛ اس لئے نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ اور طہارت شرط خطبہ میں سے

نہیں ہے؛اس لئے خطبہ کا اعادہ واجب نہیں ہوگا، ہاں اس کا اعادہ مستحب ہوگا۔

ولو خطب محدثاً أو جنباً، ثم توضأ أو اغتسل و صلى جاز الخ

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا ٢/ ٢٥٨، كراچي ٢/ ١٤٧)

خطبہ لوٹانا واجب و لازم نہیں؛ البتہ مستحب ضرور ہوگا۔

لو خطب محدثا أو جنباً، جاز و يأثم ثم إقامة الخطيب في المسجد، وبه ظهر معنى السنية مقابل الشرط من حيث صحة الخطبة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا٣/ ٣٤، كراچي ٢/ ١٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۹۰/۲۵)

مقامی زبان میں منظوم خطبہ دینا

سوال [٣٦٥٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خطبۂ جمعہ کے وقت ہندوستان میں عموماً سامعین؛ چونکہ عربی زبان نہیں سمجھتے، اس لئے کیا خطبہ مقامی زبان میں پڑھا جاسکتا ہے؟ اور نثر کی بہ نسبت نظم زیادہ مؤثر ہوتی ہے، تو کیا خطبۂ جمعہ اردو منظوم پڑھا جاسکتا ہے؟

(۲) زاہد خطبۂ جمعہ اول عربی میں پڑھتا ہے اور پھر فوراً نماز سے قبل ہی اس کا اردو منظوم ترجمہ پڑھتا ہے، کیا یہ عمل درست ہے؟ اگر نہیں تو کیا ترک سنت لازم آتا ہے؟

المستفتی: تسلیم احمد، تمباکو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) خطبہ کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے، اگر غیر عربی میں جائز ہوتا تو بہت سے صحابہ کرامؓ جو دور دور بلاد عجمیہ میں گئے، وہ بھی غیر عربی میں

خطبہ دے سکتے تھے؛ لیکن عربی کو چھوڑ کر کسی دوسری زبان میں خطبہ نہ دیا؛ کیونکہ آپ ﷺ کا طریقہ اورسنت متوارثہ یہی ہے کہ خطبہ عربی زبان میں ہو، اس کے برخلاف عربی زبان کو چھوڑ کر اردو میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ اردو کو ملانا مکروہ تحریمی اور بدعت ہے، اسی طرح خطبۂ جمعہ میں اردو منظوم پڑھنا بدعت اور ناجائز ہے؛ کیونکہ قرون مشہودلہا بالخیر میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ (مستفاد: امداد المفتیین ص:۳۸۵)

فإنه لاشک في أن الخطبة بغير العربية على خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة، فيكون مكروهًا تحريماً، وكذا قراء ة الأشعار الفارسية، والهندية فيها. (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية، باب احكام صلاة الجمعة، اشرفی دیوبند ۱/۲۰۰)

(۲) زید کا یہ طریقہ بالکل خلاف سنت ہے، حضور ﷺ کا طریقہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ خطبہ ختم فرماتے، تو فوراً اقامت کہی جاتی۔ اور نماز اور خطبہ کے درمیان فصل نہیں کرتے؛ اس لئے خطبہ اور اقامت کے درمیان فصل کرنا مکروہ ہوگا اور اس کا اردو منظوم پڑھنا بھی مکروہ ہوگا۔

قوله: فإذا أتم أي الإمام الخطبة أقيمت بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة. (شامي كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۶۱، زكريا ۳/۳۹)

وفي الدر: ويكره الفصل بأمر الدنيا، ذكره العيني. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ۲/۱۶۱، زكريا ۳/۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶ ر رجب المرجب ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۶۴)	۱۶/۷/۱۴۲۰ھ

خطبہ کے درمیان اردو تقریر کرنا

سوال [۳۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ امام صاحب نے جمعہ کی نماز کے لئے خطبہ شروع فرمایا اور خطبۂ اول ختم ہونے سے پہلے اردو میں یہاں کی وہاں کی نہ جانے کون کون سے موضوع کی تقریر کرتے ہیں پھر پڑھتے ہیں ”**بارک اللہ لنا ولکم في القرآن العظیم**“ یہاں پر پہلا خطبہ ختم کرتے ہیں، پھر خطبہ ثانیہ ٹھیک پڑھتے ہیں، کیا امام صاحب کا یہ عمل از روئے شرع کسی کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد رئیس، محلّہ ڈیریہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تمام خطبہ کا خالص عربی زبان میں ہونا لازم اور ضروری ہے، اردو میں خطبہ دینا یا اردو، عربی دونوں کو ملا کر خطبہ دینا مکروہ تحریمی اور بدعت سیئہ ہے؛ لہٰذا امام صاجب کو چاہئے کہ اردو میں جو بھی بیان کرنا ہو، وہ اذان خطبہ سے پہلے یا نماز کے سلام کے بعد کرے، دوران خطبہ اردو میں وعظ کرنے سے احتراز کرے۔
(مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۲۷۶)

وکل ماحرم في الصلاۃ حرم فیها، أي في الخطبة. (در مختار مع الشامي، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، کراچي ۲/ ۵۹، زکریا ۳/ ۳۵)

الخطبة یوم الجمعة، وفي العید بغیر اللسان العربي، أو ترجمتها بالعجمي أحد ثوا ذلک بعد قرون الخیر بلا إثارة من علم. (مجموعة الفتاوی ۲/ ۲۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۵/ ۱۴۲۶ھ

دوران خطبہ آیات واحادیث کا ترجمہ کرنا

سوال [۳۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خطبۂ جمعہ میں خطیب کبھی کبھار تہدید والی آیت یاحدیث کا ترجمہ اردو میں اپنی واقفیت کی بناء پر کردیتا ہے، صرف لوگوں میں خوف خدا پیدا کرنے کے لئے، تو کیا یہ امر بنظر شرع خطیب کا صحیح ہے؟

المستفتی: محمد احمد مدرسہ اسلامیہ بشیریہ سکر ہٹہ کلاں، بھوج پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ کے درمیان آیات یااحادیث کا ترجمہ اردو وغیرہ میں کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ عمل صحابہ اور ائمہ مجتہدین، سلف صالحین کے توارث کے خلاف ہے۔ (مستفاد: فتاوی نظامیہ ۱/۵۶، امداد الاحکام ۲/۳۳۸)

فإنه لاشک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة، فيكون مكروهًا تحريماً. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، باب أحكام صلاة الجمعة، اشرفی ۱/۲۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۲۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۳ھ

اردو زبان میں جمعہ کا خطبہ

سوال [۳۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ناظرہ خواں ہیں اور اردو کی چند کتابیں پڑھے ہوئے ہیں، محلہ میں مولوی صاحب کے نام سے پکارے جاتے ہیں، نیز یہ صاحب مسجد کے امام بھی ہیں، ان کا معمول یہ ہے کہ خطبۂ جمعہ ہمیشہ اردو زبان میں دیتے ہیں، اشعار پڑھتے ہیں اوران کی توضیح کرتے ہیں، کبھی کبھی درمیان خطبہ عربی عبارت بھی پڑھتے ہیں۔

جب ان سے اردو زبان میں خطبہ کے جواز کے بارے میں دلیل مانگی گئی، تو انہوں نے مولانا حمید اللہ صاحب میرٹھی کی کتاب توحید استشہاد میں پیش کی، جس میں جمعہ کے خطبہ کے اردو زبان میں ہونے کے جواز پر مسلم شریف، ترمذی شریف اور بخاری شریف وغیرہ کا حوالہ تھا۔ نیز اس میں اس کے جواز پر بطور استدلال کے قرآن کی آیت بھی پیش کی تھی جو مرقوم ہے۔

وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه الخ [سورہ ابراهيم، پاره:۱۳]

میں نے ان سے اس آیت کا ترجمہ معلوم کیا، تو انہوں نے کہا کہ مجھکو ترجمہ نہیں آتا اور جب میں نے ترجمہ کرنا چاہا، تو فرمایا کہ میں یہ قرآن نہیں مانتا اور نہ تمہارا ترجمہ؛ بلکہ مترجم قرآن پاک لاؤ، ہم اس کو مانیں گے اور یا ان اردو کتابوں کو مانیں گے۔

نیز وہ جمعہ کے خطبہ کے اردو زبان میں جائز ہونے پر اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ ہم لوگ عربی زبان سمجھ نہیں پاتے؛ اس لئے اردو ہی میں پڑھتے ہیں۔ اور مزید انہوں نے فرمایا کہ دیکھئے ہم ان ہی اردو کتابوں کو مانیں گے، آپ جو کہیں گے اس کو نہیں مانیں گے، اگر آپ کہیں گے کہ میت کو اگر مرد ہے تو تین کپڑے میں دفن کرنا چاہئے، تو ہم نہیں مانیں گے؛ بلکہ اس کو پانچ کپڑے میں دفن کریں گے چاہے ہو چاہے نہ ہو۔

اب سوال طلب امر یہ ہے کہ آیا اردو زبان میں خطبہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز توحید نامی کتاب جو حمید اللہ میرٹھی کی ہے معتبر ہے یا نہیں؟ جو امام اس کو استشہاد میں پیش کر کے اردو زبان میں خطبہ دیتا ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالقیوم، گرام و پوسٹ: امان اللہ پٹی، جانب ٹولہ، وایا: میری گنج ضلع پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اردو زبان میں خطبہ دینا نہ بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف وغیرہ اور نہ مذکورہ آیت کریمہ میں اس کا ثبوت ہے؛ بلکہ آیت کریمہ کے اندر تبلیغ وتذکیر کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اور خطبہ تبلیغ وتذکیر نہیں ہے؛ بلکہ ذکر ہے اگرچہ لغت میں خطبہ بمعنی وعظ وتذکیر کے آیا ہے؛ لیکن حدیث وفقہ میں واضح طور پر خطبہ بمعنی ذکر کے آیا ہے

اور ذکر عبادت ہوتا ہے، اس میں زبان فہمی مقصود نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ نماز میں قراءت قرآن عربی زبان میں ہوتی ہے، اس میں فہم مقصود نہیں ہوتا، ایسے ہی خطبہ بھی عبادت وذکر اللہ ہے، اس میں فہم مقصود نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ آیت کریمہ کے ذریعہ استدلال کرکے اردو زبان میں خطبہ کو ثابت کرنا ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔

ولنا أن الخطبة ذكر الخ. (مبسوط سرخسي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٢٦)

ولاينبغي للإمام أن يتكلم في خطبته بشيئ من حديث الناس؛ لأنه ذكر منظوم. (مبسوط سرخسي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، دار الكتب العلمية ٢/٢٧)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا كان يوم الجمعة وقفت الملائكة على باب المسجد......فإذا خرج الإمام طووا صحفهم ويستمعون الذكر. (صحيح البخاري، باب الإستماع إلى الخطبة، النسخة الهندية ١/١٢٧، رقم: ٩١٤، ف: ٩٢٩)

نیز شریعت اسلامی میں سامعین کا وہی حکم ہے، جو نماز میں مقتدیوں کا ہے، مثلاً نماز میں جب امام قراءت شروع کرتا ہے، تو مقتدیوں پر خاموشی کا حکم ہے، ایسا ہی جب امام خطبہ دینا شروع کرے تو سامعین پر خاموش رہنے کا حکم ہے اور جیسا کہ نماز میں قراءت تذکیر وتبلیغ نہیں ہے؛ بلکہ ذکر اللہ ہے ایسا ہی خطبہ بھی ذکر ہی ہے، اس میں زبان فہمی مقصود نہیں ہے۔

لايجب الإنصات للقرآن إلا في موضعين في الصلاة، والخطبة، ثم نقل عن أكثر العلماء أن الإنصات واجب على من سمعها، ومن لم يسمعها. (عمدة القاري شرح بخارى، باب الاستماع إلى الخطبة، تحت رقم الحديث: ٩٢٩، زكريا قديم ٦/٢٢٩-٢٣٠، جديد زكريا ٥/٩٨، احسن الفتاوى ٤/١٥٠)

نیز حمید اللہ میرٹھی کی کتاب بنام توحید کا مذکورہ مضمون قابل اعتبار نہیں، اس میں کتاب وسنت اور اجماع امت کو چھوڑ کر عقلی گھوڑے دوڑانے کی کوشش کی گئی ہے اور حدیث کی کتابوں

کا منگھڑت حوالہ پیش کردیا گیا ہے اور اردو زبان میں خطبہ دینا مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۲۳۹/۸)

لاشک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوراثة من النبي الله عليه وسلم، والصحابة رضي الله عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً الخ
(عمدة الرعاية حاشية شرح وقايه ۱/ ۲۰۰)

البتہ اس امام کے پیچھے نماز درست ہے؛ اس لئے کہ مسئلہ اختلافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۵۶۷)

اردو میں خطبہ دینا یا اردو میں ترجمہ کرنا

سوال [۳۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کا خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد پھر اس کا اردو میں ترجمہ کرنا یا خطبہ کے دوران اردو میں تقریر کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد کامل، اوجھاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کا خطبہ عربی میں دینا مسنون ہے اور یہی خلفاء راشدین اور دور صحابہؓ، تابعین، سلف وخلف سے تواتر اور توارث سے ثابت ہے، خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد اس کا اردو میں ترجمہ کرنا، اسی طرح خطبہ کے درمیان اردو میں تقریر کرنا، سنن متوارثہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۲۵۹/۸، میرٹھ ۳۶۰/۱۲، جواہر الفقہ زکریا ۵۰۶/۲)

لاشک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوراثة من النبي صلى الله عليه وسلم، والصحابة رضي الله عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً الخ

(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقايه، باب احكام صلاة الجمعة، رقم الحاشية ۲، مكتبه بلال ۱/ ۲۰۰)

الكراهة إنما هي لمخالفة السنة؛ لأن النبي ﷺ، وأصحابه قد خطبوا دائماً بالعربية. (مجموعة رسائل اللكنوى، رسالة أكام النفائس ٤/ ٤٤، بحواله محمو ديه ڈابهيل ٨/ ٢٦٢)

الخطبة الفارسية التي أحدثوها واعتقدوا أحسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية مع ذلک لم يخطب أحد منهم بغير العربية، ولما ثبت وجود الباعث في تلک الأزمنة، وفقد ان المانع والتكاسل و نحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة التي هي أدنىٰ درجات الضلالة.

(رسالة أكام النفائس ٤/ ٤٧، بحواله محموديه ڈابهيل ٨/ ٢٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۴۳۱)

اردو زبان میں جمعہ کا خطبہ

سوال [۳۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اردو میں خطبہ دینا کیسا ہے، ہم جاہل لوگ عربی میں خطبہ نہیں سمجھ پاتے ہیں اور امام صاحب کے دوران خطبہ اشعار پڑھنے سے ساری باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں؛ لہٰذا ہمیں شریعت کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالستار، پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اردو زبان میں خطبہ دینا خلاف سنت اور مکروہ ہے اور خطبۂ جمعہ نماز کی قرأت کے مشابہ ہے؛ اس لئے قراءت کی طرح خطبہ کے مفہوم کو سمجھنا لازم نہیں؛ بلکہ صرف توجہ اور دھیان دینا لازم ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۷۴۳، فتاوی دار العلوم ۵/۵۲، فتاوی عبدالحی ۲/۲۶۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۲۹۲، جدید ڈابھیل ۸/۲۹۵، کفایت المفتی قدیم ۳/۲۱۴، جدید زکریا ۳/۲۶۰، جدید زکریا مطول ۵/۲۰۲)

اور اردو اشعار بھی مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: فتاوی عبدالحی ۲/۲۶۲)

فإنه لاشک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي الله عليه وسلم، والصحابة رضي الله عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً.

(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقايه، باب احكام صلاة الجمعة، اشرفی دیو بند ۱/ ۲۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۹۳۹)

مخلوط خطبہ دینا

سوال[۳۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ میں ممبر پر مخلوط خطبہ دینا کیسا ہے؟

المستفتی: خالد احمد، وانمباڑی (تمل ناڈو)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے دن منبر پر مخلوط خطبہ دینا مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے کہ نبی کریم اور دور صحابہؓ سے ضرورت ہونے کے باوجود عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ دینا ثابت نہیں ہے۔

لاشک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم، والصحابة رضي الله عنهم، فيكون مكروهاً تحريماً.
(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقايه، باب احكام صلاة الجمعة، اشرفی دیوبند ۱/ ۲۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۲۸۳)

جمعہ وعیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو میں تقریر کرنا

سوال [۳۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے گاؤں میں کتب فقہیہ کی روشنی میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں ہے؛ لیکن عرصۂ دراز سے جمعہ وعیدین کی نماز ہر سال پابندی کے ساتھ ادا کی جاتی ہے؛ بلکہ عیدین میں تقریباً ساڑھے چار سو افراد سے زائد جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔
اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جو امام صاحب عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، ان کا ہمیشہ کا معمول ہے کہ وہ ہر سال مداومت کے ساتھ عیدین کے خطبۂ اولیٰ کے پڑھنے کے بعد متصلاً اسی قیام میں تقریباً آدھ پون گھنٹہ اردو زبان میں تقریر کرتے ہیں، جس میں پڑھے گئے عربی خطبہ کے ترجمہ ومفہوم کے علاوہ بھی دنیا بھر کی باتیں بیان کرتے ہیں، اس کے بعد پھر تین تسبیح پڑھنے کے بقدر بیٹھتے ہیں اور پھر کھڑے ہو کر خطبۂ ثانیہ عربی زبان میں پڑھتے ہیں؛ لہٰذا ان مذکورہ صورتوں میں امام صاحب کا اس قدر اردو زبان میں تقریر کرنا شرعاً کیسا ہے، ایسے امام کی اقتداء کسی بھی نماز میں درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: تلمیذ حسن ارریاوی، دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدین اور جمعہ کا خطبہ عربی زبان میں ہونا ضروری اور

لازم ہے، غیر عربی زبان میں خطبہ کو حضرات فقہاء نے مکروہ لکھا ہے؛ اس لئے کہ دور صحابہؓ سے لے کر آج تک ائمۂ مجتہدین اور سلف وخلف صالحین سے توارث اور تواتر کے ساتھ عربی زبان ہی میں خطبہ دینے کا حکم ثابت ہے اور غیر عربی میں خطبہ کا جواز کسی بھی فقیہ اور امام سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا خطبہ کے دوران یا دونوں خطبوں کے درمیان اردو میں تقریر کرنا مکروہ تحریمی اور ممنوع ہوگا، جس کا ترک کرنا لازم ہے، ورنہ تارک سنت ہوگا اور اگر اردو میں تقریر کرنی ہے تو خطبہ کی اذان سے قبل یا نماز کے بعد ہی کیا کریں۔

عن أبي الزاهرية قال: كنت جالساً مع عبد الله بن بسر يوم الجمعة، فما زال يحدثنا حتى خرج الإمام. الحديث (صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ۲/۸۷٦، رقم:۱۸۱۱، المستدرك للحاكم، كتاب الجمعة قديم ۱/۲۸۸، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ۱/٤۱٦، رقم:۱۰٦۱)

فإنه لاشک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة، فيكون مكروهًا تحريماً. (عمدة الرعايه على هامش شرح الوقايه، باب أحكام صلاة الجمعة، اشرفى ۱/۲۰۰)

اردو میں خطبہ دینے کی وجہ سے اس کی امامت میں کوئی فرق نہیں آئے گا؛ البتہ امام کو یہ عمل ترک کردینا چاہئے۔ نیز مذکورہ گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز صحیح نہ ہوگی، بجائے جمعہ کے ظہر کی نماز پڑھنا واجب ہوگا۔

لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض (إلى قوله) لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، زكريا ۳/۷، كراچي ۲/۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۴۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۵۱۱)

جمعہ کے دن مسجد میں مائک کے ذریعہ سے تقریر کرنا

سوال [۳٦٦۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد اتنی بڑی ہے کہ اس میں نماز جمعہ میں اتنے نمازی ہوتے ہیں کہ اگر بغیر مائک کے وعظ وتقریر کی جائے تو خطیب کی آواز تمام مصلیان کو پہونچ سکتی ہے؛ لیکن اس مسجد میں مائک کے ذریعے تقریر اس غرض سے کی جاتی ہے تاکہ بستی کے بقیہ مصلیان بھی مسجد میں حاضر ہوکر نماز جمعہ ادا کرلیں۔

حضرت مفتی صاحب سے ہمارا سوال صرف اتنا ہے کہ سوال میں مذکورہ مسجد میں مائک کے ذریعہ سے وعظ وتقریر کرنا یہ عمل جائز ہے یا بدعت؟ تسلی بخش جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد توحید مدناپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے سوال نامہ میں اس بات پر زور دیا ہے کہ مذکورہ مسجد میں مائک کے ذریعہ وعظ وتقریر کرنا یہ عمل جائز ہے یا بدعت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جائز اور درست ہے۔ اور وعظ وتقریر کا مقصد یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دینی اور اصلاحی فائدہ پہنچے؛ لہٰذا اس مسجد میں مائک کے ذریعہ تقریر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

عن عاصم بن محمدؓ، عن أبيه قال: رأيت أبا هريرة رضي الله عنه، يخرج يوم الجمعة، فيقبض على رمانتي المنبر قائماً، ويقول: حدثنا أبو القاسم رسول الله الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، فلا يزال يحدث حتى إذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الإمام للصلاة جلس.

(المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ۵۱۲/۳، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز جدید ۲۲۲۲/٦، رقم: ٦۱۷۳)

ویجوز الدرس بسراج المسجد، وإن كان موضوعاً فيه للصلاة إلى ثلث الليل. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، کوئٹہ ۲/ ۲۵۰، زکریا۵/ ۴۲۰، خلاصة الفتاوى، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد وأوقافه، المكتبة الأشرفية ٤/ ٤٢٢)

لو وقف على دهن السراج للمسجد لايجوز وضعه جميع الليل؛ بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل، أو نصفه إن احتيج إليه للصلاة فيه. (هندية، كتاب الوقف، مطلب فيما إذا أراد أن يقرأ الكتاب بسراج المسجد، زكريا قديم ۲/ ٤٥٩، جديد ۲/ ٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۸۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۶ھ

جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان وعظ ونصیحت

سوال [۳۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اذان اول کے بعد اذان ثانی سے قبل کچھ لمحہ ضروری مسائل اور دینی باتیں بیان کرنا چاہتا ہوں؛ لیکن ایک شخص کا اعتراض ہوتا ہے کہ اس وقت بیان کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ وہ ذکر وتلاوت کرنے کا وقت ہے؛ لہٰذا مدلل اور مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عتیق احمد مدراسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اذان اول کے بعد اذان ثانی سے قبل جمعہ میں دینی مسائل اور وعظ ونصیحت کرنا جائز اور درست ہے؛ لیکن اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ لوگوں میں اعلان ہوجائے کہ خطبہ سے قبل ۵؍ منٹ سنتوں کے لئے وقت دیا جائے گا؛ لہٰذا جو آتا جائے دینی گفتگو میں شریک ہوتا جائے اور ذکر وتلاوت کے مقابلہ میں شریعت میں دینی مسائل زیادہ اہم اور افضل ہیں۔

عن أبي ذر رضي الله عنه، قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: يا أبا ذر! لأن تغدو فتعلم آية من كتاب الله، خيرلک من أن تصلي مائة ركعة؛ ولأن تغدو فتعلم باباً من العلم، عمل به أو لم يعمل، خير من أن تصلي ألف ركعة. (ابن ماجه شريف، كتاب العلم، باب فضل من تعلم القرآن و علمه، النسخة الهندية ص: ٢٠، دارالسلام رقم: ٢١٩)

هذا الحديث يدل على أن تعلم العلم خير من كثرة الأعمال.

(حاشية ابن ماجه ٢٠)

عن أبي الزاهرية قال: كنت جالساً مع عبد الله بن بسر يوم الجمعة، فما زال يحدثنا حتى خرج الإمام. الحديث (صحيح ابن خزيمة، المكتب الإسلامي ٢/٦٧٨، رقم: ١٨١١، المستدرك للحاكم، كتاب الجمعة قديم ١/٢٨٨، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ١/٤١٦، رقم: ١٠٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۵۹۹/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۱۹ھ

خطبۂ جمعہ سے قبل یا نماز جمعہ کے بعد وعظ ونصیحت کرنا

سوال [۳۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر مساجد میں نماز جمعہ سے پہلے مسنون خطبہ کے علاوہ کوئی خطاب حالت حاضرہ پرلوگوں کی زبان میں نہیں ہوتا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ نماز تو ہو جاتی ہے، مگر مقصد جمعہ ادا نہیں ہوتا، جمعہ ہفتہ بھر کے احتساب کا دن ہے، جس میں خطیب جمعہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں ملت کی کوتاہیوں گمراہیوں کی نشاندہی کرکے قرآن وسنت کی روشنی میں ہدایات دے۔

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جمعہ سے قبل وعظ وتقریر کرنا مقصد جمعہ میں داخل نہیں ہے اور بیان نہ ہونے سے ادائیگی جمعہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے؛ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ خطبہ کے اندر دینی مسائل، امر بالمعروف نہی عن المنکر سے متعلق دینی مضامین کا ہونا مسنون ہے اور غیر عربی لوگ عربی خطبہ سمجھنے پر قادر نہیں ہوتے؛ اس لئے خطبہ سے پہلے یا نماز کے بعد مادری زبان میں دینی مسائل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق کچھ دینی اصلاحی بیان کرتے رہنا مسلمانوں کی افادیت کے لئے بہتر اور مناسب ہے، اور حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، مگر یہ خطبہ اور نماز کا جز نہیں ہوگا۔

عاصم بن محمد، عن أبيه، قال: رأيت أبا هريرة –رضي الله عنه– يخرج يوم الجمعة، فيقبض على رمانتي المنبر قائماً، ويقول: حدثنا أبو القاسم رسول الله الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، فلا يزال يحدث حتى إذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الإمام للصلاة جلس.

(المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ٥١٢/٣، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٢٢٢٢/٦، رقم: ٦١٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف /)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۲/۲۸ھ

جمعہ سے قبل منبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا

سوال [۳۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دہلی کی اکثر مساجد میں ائمہ حضرات جمعہ سے پہلے ممبر پر بیٹھ کر تقریر کرتے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ ممبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، کیروف مطلوب احمد، چوہان بانگر، نیوسیلم پور (دہلی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ سے پہلے لوگوں کی تذکیر کے لئے احکامات اسلامیہ اور ضروری مسائل کا بیان کرنا نہ صرف درست ہے بلکہ مستحب ہے، حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں جمعہ کے روز احادیث شریفہ بیان فرماتے، اس کے بعد سیدنا حضرت عمرؓ خطبۂ جمعہ دیتے۔

عن عاصم بن محمدؒ، عن أبيه قال: رأيت أبا هريرة رضي الله عنه، يخرج يوم الجمعة، فيقبض على رمانتي المنبر قائماً، ويقول: حدثنا أبو القاسم رسول الله الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، فلا يزال يحدث حتى إذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الإمام للصلاة جلس.

(المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ۳/۵۱۲، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ۶/۲۲۲۲، رقم: ۶۱۷۳)

اس کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس طرح کا عمل ثابت ہے، جیسے حضرت تمیم داریؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں خطبہ سے پہلے بیان فرماتے تھے۔

عن السائب بن يزيد، أنه لم يكن يقص على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أبي بكر، وكان أول من قص تميم الداريؓ، استأذن عمر بن الخطاب أن يقص على الناس قائماً، فأذن له عمر. (مسند أحمد بن حنبل ۳/۴۴۹، رقم: ۱۵۸۰۶، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۷/۱۴۹، رقم: ۶۶۵۶، مصنف عبد الرزاق، باب ذكر القصاص، المجلس العلمي ۳/۲۱۹، رقم: ۵۴۰۰)

لیکن اس میں یہ احتیاط رہے کہ اذان خطبہ سے تقریباً ۵/۱۰ منٹ پہلے بیان کو ختم کردیا جائے، تاکہ تمام لوگ بآسانی سنت ادا کرسکیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۸/۳۲۰)

اور منبر پر بیٹھ کر تقریر وعظ کرنا حضور ﷺ سے ثابت ہے؛ لہٰذا منبر پر بیٹھ کر تقریر وعظ کرنے میں

کوئی قباحت نہیں ہے؛ بلکہ یہ عمل بلا کراہت درست ہے۔

عن عطاء بن يسار أنه سمع أبا سعيد الخدريؓ، أن النبي صلى الله ليه وسلم جلس ذات يوم على المنبر و جلسنا حوله. (بخاري شريف ١/١٢٥، حديث:٩١١، ١/١٩٧، حديث: ١٤٤٤)

حميد بن هلال قال: قال أبورفاعة: إنتهيت إلى النبيﷺ،وهو يخطب قال: فقلت يا رسول الله! رجل غريب جاء يسأل عن دينه، لايدري ما دينه قال: فأقبل على رسول الله صلى الله عليه وسلم وترك خطبتة حتى انتهى إلى يسأل، فأتى بكرسى حسبت قوائمه حديداً، قال: فصعد عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم: وجعل يعلمني مما علمه الله، ثم أتى فأتم آخرها .

(صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب من دخل المسجد والإمام يخطب، النسخة الهندية ١/٢٨٧، بيت الأفكار رقم:٨٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۹ ۶۵۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۶ھ

خطبۂ جمعہ سے قبل وعظ کرنا

سوال [۳۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا جمعہ کی نماز سے قبل جبکہ لوگ سنن میں مشغول ہوں مسجد میں تقریر کرنا درست ہے؟ نیز پہلے خطبہ کے بعد اس کا مفہوم اردو میں بتلا کر وقفہ کرلیں اور پھر دوسرا خطبہ دیدیں یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فخر الاسلام، امام موتی مسجد سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبۂ جمعہ سے قبل وعظ کہنا فی نفسہ ممنوع نہیں ہے، اگر کوئی

مانع خارجی پیش آئے تو شرعی طریقہ پر اس کا انسداد کیا جائے؛ لہٰذا خطبۂ جمعہ کے مقرر وقت کے شروع ہونے سے قبل وعظ ختم کردیا جائے، عام نمازیوں سے کسی جمعہ میں وعظ کہنے کی اجازت لی جائے، اگر سب یا اکثر راضی ہوں، تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۱/۶۴۹، احسن الفتاوی زکریا ۴/۱۲۸)

نیز دو خطبوں کے درمیان پہلے خطبہ کا مفہوم اردو میں بتانا درست نہیں۔ (مستفاد: علم الفقہ ۲/۱۴۸)

عاصم بن محمد بن زيد، عن أبيه، قال: كان أبوهريرة رضـ يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر، فيطرح أعقاب نعليه في ذراعيه، ثم يقبض على رمانة المنبر، يقول: قال أبو القاسم صلى الله عليه سلم: قال محمد صلى الله عليه وسلم، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: قال الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، ثم يقول في بعض ذلك: ويل للعرب من شر قد اقترب، فإذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. (المستدرك للحاكم، كتاب العلم، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٦/ ١٥٨، قديم ١/ ١٠٨، رقم: ٣٦٧)

عن السائب بن يزيد قال: لم يقص على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أبي بكر، وعمر، وكان أول من قص تميم الداري رضـ واستأذن عمر رضي الله عنه،، فأذن له فقص قائماً. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٧/ ١٤٩، رقم: ٦٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۲۵ھ

خطبۂ جمعہ سے قبل اردو زبان میں منبر پر وعظ کہنا

سوال[۳٦٦۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن جمعہ کا عربی خطبہ منبر پر پڑھنا سنت ہے؟ اگر کوئی شخص اردو زبان میں وعظ وتقریر عربی خطبہ سے پہلے منبر پر ہی کرنا چاہے، تو کیا اس طرح اردو زبان میں عربی خطبہ سے پہلے منبر پر اردو میں تقریر کرنا سنت کے خلاف ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر بنوروئل کرنا ٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ کے دن اذان اول کے بعد اذان ثانی سے پہلے اردو میں وعظ ونصیحت کرنا شرعاً جائز ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ وعظ ونصیحت منبر پر بیٹھنے کے بجائے الگ کرسی وغیرہ پر ہو، تاکہ خطبہ کی مشابہت لازم نہ آئے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۴۹)

عن عاصم بن محمدؓ، عن أبيه قال: رأيت أبا هريرة رضي الله عنه، يخرج يوم الجمعة، فيقبض على رمانتي المنبر قائماً، ويقول: حدثنا أبوالقاسم رسول الله الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، فلا يزال يحدث حتى إذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الإمام للصلاة جلس.

(المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ۳/۵۱۲، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ۶/۲۲۲۲، رقم: ۶۱۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۲۴ھ

جمعہ کی اذان اول وثانی کے درمیان وعظ کا شرعی حکم

سوال[۳٦٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے دیار صوبہ کرنا ٹک میں نماز جمعہ کا طریقہ یہ ہے کہ ساڑھے بارہ بجے اذان

ہوتی ہے اور ایک بجے خطیب صاحب منبر پر آتے ہیں اور اس کے بعد اذان ثانی ہوتی ہے، اذان ثانی کے فوراً بعد خطیب صاحب ایک رکن کے بقدر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر کھڑے ہوکر خطبہ ثانی عربی میں دیتے ہیں اور پھر نماز کھڑی ہوجاتی ہے۔ اب ہم ذمہ داران حضرات یہ چاہتے ہیں کہ اذان اول ہو اور اس کے بعد خطیب صاحب منبر سے علیحدہ ہوکر ایک بجے اردو میں بیان کریں اور اس کے بعد پانچ منٹ سنتیں پڑھنے کے لئے دیں اور اس کے بعد امام صاحب منبر پر آئیں اور اذان ثانی دی جائے اور پھر عربی میں دو خطبے ہوں، آیا ہم کمیٹی والوں کا دوسرا طریقہ سنت کے موافق ہوگا یا طریقہ اول سنت کے موافق ہے؟ مندرجہ بالا مسئلہ کا جواب دیں۔

المستفتی: کمیٹی مسجد اعظم کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات علماء وفقہاء نے خطبۂ جمعہ اردو میں دینے کو مکروہ لکھا ہے؛ اس لئے ذمہ داران مسجد کی جو رائے ہے، وہ زیادہ مناسب ہے کہ اذان اول اور اذان ثانی کے درمیان اردو میں بیان کیا جائے، پھر اذان ثانی کے بعد دونوں خطبے عربی میں دئے جائیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۴۲، فتاوی دار العلوم ۶۶/۵، امداد الاحکام ۱/۷۷۲، امداد الفتاوی ۱/۶۴۲، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۲۳۹/۸)

فإنه لاشک في أن الخطبة بغير العربية على خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة، فيكون مكروهًا تحريمًا.

(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، باب احكام صلاة الجمعة، اشرفی دیوبند ۱/ ۲۰۰)

عن معمر، عن الزهري، قال: أول من قص تميم الداري على عهد عمر رضـ، استأذنه في كل جمعة قائماً، فأذن له، فكان يقوم قال: ثم استزاده مقاماً آخر فزاده، فلما كان عثمان استزاده مقاماً آخر، فكان يقص في الجمعة ثلاث مرات. (مصنف عبد الرزاق، باب ذكر القصاص، المجلس العلمي

۲۱۹/۳، رقم: ۵٤۰۰)

عن عاصم بن محمدؒ، عن أبيه قال: رأيت أبا هريرة رضي الله عنه، يخرج يوم الجمعة، فيقبض على رمانتي المنبر قائماً، ويقول: حدثنا أبوالقاسم رسول الله الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، فلا يزال يحدث حتى إذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الإمام للصلاة جلس.

(المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ۳/۵۱۲، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز جديد ۲۲۲۲/٦، رقم: ٦١٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۳۶/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۱۹ھ

درمیان خطبہ مقتدیوں کو ضروری ہدایت کرنا

سوال [۳٦٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام منبر پر کھڑے ہونے کے بعد کوئی ضروری ہدایات از قبل خطبہ یا درمیان خطبہ مقتدیوں کو کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ادریس جامعہ ملیہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ شروع کرنے سے پہلے اپنی مادری زبان میں ضروری ہدایات اور وعظ ونصیحت وغیرہ بلاکراہت جائز اور درست ہے؛ البتہ دوران خطبہ غیرعربی میں ممنوع اور مکروہ ہے؛ ہاں البتہ عربی زبان میں جائز ہے؛ اس لئے کہ عربی میں ہونے کی صورت میں یہ بھی خطبہ کا جز ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۱۲۸، علم الفقہ ۲/۱۴۹)

عن السائب بن يزيد، أنه لم يكن يقص على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا أبي بكر، وكان أول من قص تميم الداريؓ، استأذن عمر بن

الخطاب أن يقص على الناس قائماً، فأذن له عمر. (مسند أحمد بن حنبل ۴۴۹/۳، رقم: ۱۵۸۰۷)

عن عاصم بن محمدؓ، عن أبيه قال: رأيت أبا هريرة رضي الله عنه، يخرج يوم الجمعة، فيقبض على رمانتي المنبر قائماً، ويقول: حدثنا أبو القاسم رسول الله الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم، فلا يزال يحدث حتى إذا سمع فتح باب المقصورة لخروج الإمام للصلاة جلس. (المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ۵۱۲/۳، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ۲۲۲۲/۶، رقم: ۶۱۷۳)

فإنه لاشک في أن الخطبة بغير العربية على خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة، فيكون مكروها تحريماً، وكذا قراءة الأشعار الفارسية، والهندية فيها. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، باب احكام صلاة الجمعة، اشرفی دیوبند ۲۰۰/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۶۶ ۷۴۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۵ھ

خطبہ کی اذان کے بعد خطبہ کے مسائل وآداب بتانا

سوال [۳۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن خطیب کا خطبہ کی اذان کے بعد اور عربی خطبہ سے پہلے اردو اور مقامی زبان میں خطبہ کے آداب ومسائل بتانا اور یہ کہنا کہ اگر کوئی تکلیف نہ ہو، تو دوزانو قعدہ کی حالت میں بیٹھ جائیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اس طرح سے مسائل وآداب بتا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد ضیاء الرحمٰن، میسور، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ میں خطبہ کی اذان سے پہلے مسائل وغیرہ اردو زبان میں بتاسکتے ہیں اور اذان کے بعد صرف عربی زبان میں خطبہ دینا ضروری ہے اور اردو زبان میں مسئلہ بتانا مشروع نہیں ہے؛ البتہ اگر مسئلہ بتانا ہے، تو نماز کے بعد ایک منٹ، دو منٹ میں مسئلہ بتا کر دعا کر لے۔

الثامن: يكره الكلام مطلقاً دينيًا كان أو دنيويًا من حين شروع الإمام في الخطبه اتفاقاً. (حاشية هداية، باب صلاة الجمعة، اشرفی دیوبند، ۱/۱۷۱)

عن السائب بن يزيد، أنه لم يكن يقص على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا أبي بكر، وكان أول من قص تميم الداري، استأذن عمر بن الخطاب أن يقص على الناس قائماً، فأذن له عمر. (مسند أحمد بن حنبل ۴۴۹/۳، رقم: ۱۵۸۰۷)

فإنه لاشک في أن الخطبة بغير العربية على خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة، فيكون مكروها تحريماً، وكذا قراءة الأشعار الفارسية، والهندية فيها. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، باب أحكام صلاة الجمعة، اشرفی دیوبند ۱/ ۲۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۳۵)

تقریر اور خطبہ کے دوران سنت پڑھنے کا متعین شدہ وقت نہ دینے کا حکم

سوال [۳۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، وہ ہر جمعہ کو خطبہ سے پہلے آدھا گھنٹے تقریر کرتے ہیں، تقریر

کے ختم ہونے کے بعد نمازی حضرات سنت پڑھتے ہیں، مگر ابھی نمازی حضرات دو رکعت یا تین رکعتیں ہی پڑھ پاتے ہیں کہ مؤذن صاحب اذان دے دیتے ہیں، اس پر امام صاحب بھی کچھ نہیں کہتے ہیں، تو ایسی صورت میں جو نمازی حضرات دو رکعت یا ایک رکعت اذان کے دوران پڑھتے ہیں، تو ان نمازیوں کا اذان کے دوران نماز پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ نیز امام صاحب کے لئے اس وقت خاموش رہنا درست ہے یا نہیں؟ یا امام کو کم از کم اتنا وقت دینا چاہئے جتنے وقت میں نمازی حضرات چار رکعات سنتیں سنت کے مطابق پڑھ سکیں جو بھی حکم شرعی ہو دلائل سے واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبدالغفور، جلپائی گوڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پہلے سے یہ طے شدہ نظام ہے کہ امام کی تقریر کے بعد اذان ثانی اور خطبہ سے پہلے لوگ سنتیں پڑھا کریں گے اور اس کے لئے مثلاً پانچ منٹ کا وقفہ دینے کی بات طے ہوئی ہے اور اس طے شدہ نظام کے باوجود چار رکعت پڑھنے کے بقدر وقت نہیں دیا جاتا ہے، تو یہ غیر مناسب بات ہے، امام و مؤذن کو خود اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ نظام کے مطابق چار رکعت سنت پڑھنے کے بقدر جو وقت متعین ہوا ہے، وہ لوگوں کو دے تاکہ لوگ اس وقت میں اپنی سنتیں پوری کرلیں؛ لیکن پھر بھی اگر مؤذن نے اذان شروع کردی اور اذان کے بعد امام نے خطبہ شروع کردیا ہے اور سنت پڑھنے والوں کی نماز ابھی تک پوری نہیں ہوئی ہے، ان کے لئے چار رکعت سنت اسی وقت پوری کرنا بلاکراہت جائز اور درست ہے، یہی قول زیادہ راجح اور مفتی بہ ہے؛ اس لئے کہ جمعہ کی چار سنن قبلیہ کو صلاۃ واحدہ قرار دیا گیا ہے، جو ایک ہی سلام کے ساتھ پوری کی جاتی ہیں، اس کو بیچ میں انقطاع کئے بغیر خطبہ کے دوران پوری کرنے کی اجازت ہے۔

وإذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام، وأفاد أنه لا يكره الشروع قبل الخروج فيتم ما شرع فيه- إلى قوله- واختلف في سنة الجمعة، فقيل:

يقطع على رأس الركعتين كالنفل المطلق، والصحيح أنه يتمها؛ لأنه كصلاة واحدة واجبة؛ ولكن يخفف القراءة بقدر الواجب بإدراك الواجب.

(حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، دار الكتاب ديوبند۵۱۸)

إذا شرع في الأربع قبل الجمعة، ثم افتتح الخطبة والأربع قبل الظهر، ثم أقيمت هل يقطع على رأس الركعتين؟ تكلموا فيه، والصحيح أنه يتم، ولا يقطع لأنها بمنزلة صلاة واحدة واجبة. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، کوئٹه۲/ ۱۵۵، زکریا ۲/ ۲۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۴۵/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۵ھ

نماز جمعہ کے بعد دعا سے قبل چندہ کی گولک پھرانا

سوال [۳۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں جامع مسجد میں نماز کا سلام پھیر کر جمعہ کی نماز کے بعد جلدی سے چندہ کر لیتے ہے، جمعہ کی نماز سے پہلے اگر چندہ کرتے ہیں، تو لوگ سنتیں پڑھتے رہتے ہیں، چندہ بھی نہیں ہو پاتا اور سنتوں میں بھی خلل ہوتا ہے، زید کفایت المفتی کے حوالہ سے جائز کہتا ہے، ہماری بستی والے تسلی کے طور پر آپ سے رجوع کر رہے ہیں، اگر یہ طریقہ صحیح ہوں تو جاری رکھیں؟ مسجد کی اچھی خاصی ضرورت اس چندہ سے پوری ہوجاتی ہے۔ کیا اس طرح کی ضرورت کے پیش نظر فرض اور سنتوں کے درمیان اتنے فصل کی شرعاً اجازت ہے؟

المستفتی: باشندگان سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کا سلام پھیرنے کے بعد دعا

سے پہلے ایک دو آدمی خاموشی کے ساتھ مسجد کے فراہمی چندہ کے لئے گولک گھمادیں یارومال وغیرہ کپڑا لے کر صفوں میں خاموشی سے گھوم لیں، جس سے مسجد کے اخراجات و ضروریات پوری کرنے میں مدد ملے، ایسا کرنا بلا شبہ جائز اور درست ہے اور اتنی دیر کے لئے سنتوں کو موقوف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، پانچ سات منٹ میں یہ کام پورا ہوجاتا ہے اور پانچ، سات منٹ سنتوں کو فرضوں سے مؤخر کرنے میں کوئی قباحت نہیں؛ اس لئے اس طریقہ سے مسجد کی فراہمی چندہ کر لینے کی گنجائش ہے، حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ مسجد میں فرضوں سے فراغت کے بعد چل کر اپنے گھروں اور رہائش گاہوں میں جاکر سنتیں پڑھا کرتے تھے، کسی کا گھر قریب ہوتا تھا اور کسی کا گھر دور ہوتا تھا۔ نیز فرض کے سلام پھیرنے کے بعد سنتوں سے پہلے بسا اوقات ذکر ووظائف میں مشغول ہوجاتے تھے، اس کے بعد سنتیں پڑھ لیا کرتے تھے؛ لہٰذا سنتوں کا فرضوں سے اس قدر فاصلہ ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ اس لئے زید کا کفایت المفتی کے حوالہ سے جائز کہنا صحیح اور درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، جدید زکریا مطول ۲/۱۷۱)

عن الأزرق بن قيس رضـ، قال: صلى بنا إمام لنا يكنى أبا رمثه، فقال: صليت هذه الصلاة، أو مثل هذه الصلاة مع النبي صلى الله عليه وسلم، وكان أبو بكر رضـ، وعمر رضـ يقومان في الصف المقدم......فقام الرجل الذي أدرك معه التكبيرة الأولىٰ من الصلاة يشفع، فوثب إليه عمر، فأخذ بمنكبه فهزه، ثم قال: إجلس، فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلا أنهم لم يكن بين صلوتهم فصل فرفع النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: أصاب الله بك يا ابن الخطاب. (ابوداؤد شریف، كتاب الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي يصلي فيه المكتوبة، النسخة الهندية ١/ ١٤٤، دارالسلام رقم:١٠٠٧، المعجم الكبير للطبراني دار أحياء التراث العربي ٢٢/ ٢٨٤، رقم: ٧٢٨، المستدرك للحاكم، كتاب الصلاة قديم ١/ ٢٧٠، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ١/٣٩٥، رقم: ٩٩٦)

والأصل في الرواتب أن يأتي بها في بيته والسر في ذلک كله أن يقع الفصل بين الفرض والنوافل بما ليس من جنسها، و أن يكون فصلا معتداً به يدرک به بادي الرأي، وهو قول عمر لمن أراد أن يشفع معه المكتوبة: إجلس، فإنه لم يهلک أهل الكتاب إلا أنه لم يكن بين صلاتهم فصل، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أصاب الله بک يا ابن الخطاب، وقوله صلى الله عليه وسلم اجعلوها في بيوتكم. (حجة الله البالغة ۲/ ۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۵۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۷ھ

خطبہ سے قبل چندہ کرنا

سوال [۳۶۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجدوں میں عموماً یہ رواج ہے کہ لوگ ڈبہ کے ذریعہ مسجد کے فنڈ کے لئے خطبہ سے پہلے، اسی طرح امام کے سلام پھیرنے کے بعد دعا سے پہلے چندہ کرتے ہیں، بسا اوقات سلام پھیرنے کے بعد ڈبہ کے بجائے کوئی شخص کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور رومال وغیرہ لے کر چندہ کے لئے تمام نمازیوں کے سامنے گھومتا ہے۔ اور بعض مساجد میں یہ بھی رواج ہے کہ اذان جمعہ کے بعد مسجد کے گیٹ کے سامنے اندرونی حصہ میں دو چار شخص کوئی کپڑا بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں، چندہ دینے والے لوگ وہیں جمع کر دیتے ہیں۔ کیا یہ شکلیں چندہ کرنے کی جائز ہیں؟ اور اگر یہ شکلیں جائز نہیں، تو اس کی متبادل شکلیں پیش فرمائیں۔

المستفتی: محمد مسعود اررياوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جمعہ کے بعد مسجد کی ضروریات یا کسی مذہبی کام کے

لئے دعا کو چند منٹ روک کر سوال میں مذکور دونوں طرح چندہ کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر اذان جمعہ کے بعد چند لوگ رومال وغیرہ بچھا کر چپ چاپ ایک طرف بیٹھ جائیں۔ اور جن لوگوں کو معلوم ہے وہ چندہ دیتے جائیں اور اس عمل سے کوئی شور وغل نہ ہو، جس سے کسی نمازی کی نماز میں خلل ہو، تو اس میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن خطبہ سے کچھ دیر قبل لوگوں کا گھوم کر چندہ کرنا، جس میں نمازیوں کی گردنوں کو پھلانگنا پڑے یا کسی نمازی کے سامنے گذرنے کی ضرورت پیش آئے، تو اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

المختار أن السائل إن كان لايمر بين يدى المصلي، ولا يتخطى الرقاب، ولايسأل الناس الحافاً؛ بل لأمر لابد منه، فلابأس بالسؤال والإعطاء. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، كراچي ١٦٤/٢، زكريا ٤٢/٣، هكذا في الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس في صلاة الجمعة، زكريا قديم ١٤٨/١، جديد ٢٠٩/١، وهكذا في الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤١/٢٦، وهكذا في البناية، كتاب الصلاة، باب الجمعة اشرفية ٩٤/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۱۷۶/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۱۹ھ

دوران خطبہ مسجد کا چندہ کرنا

سوال [۳۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خطبہ کے دوران مسجد کے چندہ کا بکسا صف کے درمیان سے آگے بڑھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اویس، جامعہ ملیہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمعہ کے خطبہ کے درمیان چندہ کے ڈبہ سے چندہ کرنا

یاسنت پڑھنے والوں کے سامنے سے ڈبہ گھمانا سخت ممنوع اورناجائز ہے؛ کیونکہ دوران خطبہ نماز اورذکر سے بھی شریعت نے منع کیا ہے، ہاں البتہ اس کے لئے متبادل شکل یہ ہوسکتی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعاء سے پہلے جس وقت کوئی آدمی نماز کی حالت میں نہیں ہوتا ہے، اس وقت چند منٹ کے لئے ڈبہ گھمادیا جائے، اس سے مسجد کا کام بھی ہوجائے گا اور کسی نمازی کی نماز میں کسی قسم کا خلل بھی نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۶۵، فتاوی دارالعلوم ۵/۱۲۱)

إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، قبل مطلب في حكم المرقي بين يدى المصلي، زكريا ٣/ ٣٤، كراچي ٢/ ١٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۲۳ھ

خطبہ کے دوران چندہ کرنا

سوال [۳۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جمعہ میں خطبہ کے درمیان مسجد کے لئے چندہ کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح اگر کسی کے پاس کھلے ہوئے روپئے نہیں ہیں، تو وہ بڑا نوٹ دے کر حسب منشاء واپس لیتا ہے، مثلاً کسی کو پانچ روپیہ مسجد میں دینے ہیں اوراس کے پاس کھلے ہوئے پانچ روپیہ نہیں ہے، تو اس نے دس کا نوٹ دیا اور پانچ روپیہ واپس لیے ایسا کرنا کیسا ہے؟ مذکورہ بالا مسائل میں شریعت کی رہنمائی مطلوب ہے، ضرورت پڑنے پر ان کوطبع بھی کرایا جاسکتا ہے؛ اس لئے گذارش ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عقیل احمد، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ کے دوران مسجد کے لئے چندہ کرنا جائز نہیں ہے، نیز نماز یا ذکر بھی اس وقت جائز نہیں ہے؛ بلکہ سب لوگوں پر لازم ہے کہ سب خطبہ کی طرف متوجہ ہو جائیں؛ ہاں البتہ سلام پھیرنے کے بعد دعاء سے قبل جلدی سے یہ کام کرلیا جائے تو جائز ہے۔ نیز پانچ روپئے چندہ دینے میں دس کا نوٹ دے کر پانچ روپیہ واپس لینا جائز ہے، اسی طرح سو کا نوٹ دے کر اس کا ٹوٹا ہوا فٹکر لینے کی بھی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ یہ از قبیل دیون ہے اعیان نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۱۲۶، جدید زکریا ۳/۱۶۹، جدید زکریا مطول ۵/۲۱۹)

أن الدين هو ما يثبت في الذمة من غير أن يكون معيناً مشخصاً سواء كان نقدًا أم غيره، أما العين فهي الشيئ المعين المشخص كبيت.

والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدي المصلي، ولا يتخطى الرقاب، ولايسأل الناس إلحافاً؛ بل لأمر لا بدمنه، فلابأس بالسؤال والإعطاء. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، كراچي ٢/١٦٤، زكريا ٣/٤٢، هكذا في الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ١/١٤٨، جديد ١/٢٠٩، هكذا في الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/٣٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۵۰۶۱)

جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے یا سلام پھیرتے ہی چندہ کرنا

سوال [۳۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ مسجد میں نماز جمعہ سے قبل چندہ ہوتا ہے، اس وقت جو چند لوگ موجود ہوتے ہیں، وہ بھی نماز میں مشغول ہوتے ہیں، معلوم ہوا کہ چندہ خطبہ سے قبل ناجائز ہے؟

(۲) نماز جمعہ کا سلام پھیرتے ہی دعاء سے قبل چندہ کرنا کیسا ہے اور اگر دعاء کے بعد چندہ کرتے ہیں تو چندہ نہیں ہوتا؛ کیونکہ کچھ لوگ سنن ونوافل پڑھے بغیر ہی مسجد سے نکل جاتے ہیں اور بقیہ لوگ نماز میں مشغول ہوجاتے ہیں؛ اس لئے چندہ نہیں ہوتا، اس وجہ سے مسجد کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں، تو کیا نماز جمعہ کا سلام پھیرتے ہی دعاء سے قبل مسجد کا چندہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: مسعود حسن، سہس پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) مسجد کی ضروت کی خاطر جمعہ سے قبل چندہ کی گنجائش ہے، مگر شرط یہ ہے کہ سنت پڑھنے والوں کو خلل نہ ہو اور نمازی کے آگے سے نہ گذرے اور گردنوں کو نہ پھلانگے؛ لہٰذا اگر سنت پڑھنے والوں کو خلل ہوگا یا نمازی کے آگے سے گذرنا پڑتا ہو یا گردنیں پھلانگنا پڑتا ہو تو جائز نہ ہوگا۔

(۲) اگر سب لوگ دعاء سے قبل تھوڑی دیر کے لئے انتظار پر متفق ہیں تو دعاء سے قبل چندہ کرنے کی گنجائش ہے، مگر ہمیشہ کے لئے معمول نہ بنایا جائے۔

والمختار أن السائل إن كان لا يمر بين يدی المصلي، ولا يتحظى الرقاب، ولايسأل الناس الحافاً؛ بل لأمر لا بدمنه، فلابأس بالسؤال والإعطاء.

(شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، كراچي ۲/ ۱٦٤، زكريا ۳/ ٤۲، وهكذا في الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، زكريا قديم ۱/ ۱٤۸، جديد ۱/ ۲۰۹، وهكذا في الموسوعة الفقهية الكويتية ۲٦/ ۳٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۶ھ

خطبۂ الوداع

سوال [۳۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ رمضان المبارک کا آخری جمعہ، جس کو عوام الناس ''الوداع'' کے نام سے جانتے ہیں، تو کیا اس جمعہ میں وہی خطبہ پڑھنا، جو اس دن کے لئے تیار کیا گیا ہے ضروری ہے یا نہیں؟ نیز شریعت کی رو سے کیا اس جمعہ کی کوئی خصوصیت ہے، جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں؟

المستفتی: محمد اطہر سیتاپوری، موضع: جیوتی شاہ عالم پور، پوسٹ: کملاپور، سیتاپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان کے آخری جمعہ میں خطبۃ الوداع کی شریعت میں کوئی اصل نہیں؛ بلکہ بدعت ہے؛ کیونکہ خطبۃ الوداع پڑھنا قرون مشہود لہا بالخیر سے ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۱۸۴، جدید ڈابھیل ۸/۲۹۶، احسن الفتاوی، زکریا ۱/۳۷۱، فتاوی رشیدیہ قدیم ۱۴۹، جدید زکریا ۱۲۳)

و من الأمور المحدثة ما ذاع في أكثر بلاد الهند، والدكن وغيرهما من تسمية خطبة الجمعة الأخيرة بخطبة الوداع. (مجموعة رسائل اللكنؤي ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان، كراچي ٢/٢٤، بحواله محموديه ڈابھيل ٨/٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۴۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

خطبۃ الوداع کا ثبوت، اور نہ پڑھنے پر امام کو ذلیل کرنا

سوال [۳۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک عالم صاحب ہیں جو کہ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہیں، انہوں نے ایک مسجد میں ماہ رمضان کے آخری جمعہ کی نماز جس کو لوگ الوداعی جمعہ کہتے ہیں پڑھائی اور نماز جمعہ سے پہلے جب خطبہ پڑھا تو اس کے اندر الوداع کے الفاظ نہیں کہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ رمضان کے آخری جمعہ کے نماز کے خطبہ میں الوداع کے الفاظ کہنا کیا ضروری ہے؟ اگر یہ لفظ خطبہ میں ادا نہ کرسکا تو کیا اس پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق ہے؟ محلّہ کے ایک آدمی ان مولانا صاحب کو اس بات پر ذلیل کر رہے ہیں اور پورے محلّہ میں انتشار کر رہے ہیں، ان کے لئے ہنگامہ کرنا اور مولانا کو ذلیل ورسوا کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد مقصود، مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبۃ الوداع قرون مشہود لہا بالخیر، نیز سلف وخلف وصلحاء سے ثابت نہیں، نیز قرآن وحدیث وکتب فقہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے؛ لہٰذا امام صاحب نے جمعۃ الوداع کو اگر خطبہ الوداع نہیں پڑھا، تو شرعاً امام صاحب پر کوئی الزام نہیں ہے، جو لوگ نہ پڑھنے پر امام صاحب کو ذلیل ورسوا اور ملامت کر رہے ہیں اور بے دین بات پر انتشار کر رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں، ان کو اپنے اس عمل سے باز آکر امام صاحب سے اپنی غلطی کی معافی کی درخواست کرنی چاہئے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۸۵، فتاوی دار العلوم ۵/۵۳، محمودیہ ۱۲/۱۸۴، ۱۴/۲۶۹، جدید ڈابھیل ۸/۲۹۵، ۲۹۶)

ومن الأمور المحدثة ما ذاع في أكثر بلاد الهند، والدكن وغيرهما من تسمية خطبة الجمعة الأخيرة، بخطبة الوداع و تضمينها جملا دالةً على التحسر بذهاب ذلک الشهر، فيدرجون فيها جملاً دالةً على فضائل ذلک الشهر، ويقولون بعد جملة أو جملتين، الوداع والوداع أوالفراق، والفراق، لشهر رمضان أو الوداع ياشهر رمضان، و نحو ذلک من الألفاظ الدالة على ذلک. (مجموعة رسائل اللكنوي، بحواله حاشية

فتاوی محمودیه ڈابھیل ۸/۲۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۰۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۳۰ھ

جمعۃ الوداع اور اس کے مخصوص خطبہ کا حکم

سوال [۳۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کا آخری جمعہ جو کہ الوداع کے نام سے مشہور ہے، ہر سال اس جمعہ کو الوداع والا خطبہ ضروری سمجھ کر پڑھا جاتا ہے، کیا ایسی صورت میں اس خطبہ کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب تحریر فرمائیں اور اگر اس خطبہ کو ہر سال، ہر رمضان کے آخری جمعہ میں غیر ضروری سمجھ کر پڑھا جاتا ہو، تو کیا ایسی صورت میں جبکہ اس خطبہ کو ضروری سمجھ کر تو نہ پڑھا جاتا ہو؛ لیکن ہر الوداع کو پڑھا جاتا ہو، اس کا پڑھنا صحیح ہوسکتا ہے؟ بہر دوصورت جو مسئلہ ہو اس کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد اقبال احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطیب چاہے ضروری سمجھ کر پڑھتا ہو یا غیر ضروری سمجھ کر دونوں صورتوں میں مکروہ اور بدعت ہے؛ اس لئے کہ اکثر عوام اس میں امتیازی فضیلت سمجھ کر اہتمام سے ان مساجد میں خطبہ سننے کے لئے جاتے ہیں، جہاں خطبۃ الوداع ہوتا ہو، جس کی شریعت میں کوئی خاص فضیلت نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۴۴، احسن الفتاوی، زکریا ۱/۳۷۱، فتاوی دار العلوم ۵/۵۳)

و من الأمور المحدثة، ماذاع في أكثر بلاد الهند، والدكن وغيرهما من تسمية خطبة الجمعة الأخيرة بخطبة الوداع. (مجموعه

رسائل اللكنوي ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان، كراچي ۲/ ۲٤، بحواله محموديه ڈابھيل ۸/ ٤ ۹ ۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ررمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۸۲/۲۶)

رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں خطبۃ الوداع پڑھنا

سوال [۳٦٧٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے آخری جمعہ کو خطبہ الوداع الفراق، الوداع الفراق یا شہر رمضان وغیرہ کے الفاظ سے پڑھنا کسی حدیث سے ثابت ہوتو تحریر فرمادیں؟ بہت سے لوگ خطبۃ الوداع سننے کے لئے دور دراز سے آتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے، اگر یہ مستحب یامسنون ہوتو روایات تحریر فرمادیجئے۔

المستفتی: عبید اللہ، بھاگل پوری، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ”الوداع والفراق والسلام یا شهر رمضان“ وغیرہ کے الفاظ سے خطبۃ الوداع پڑھنا حضرت سید الکونین علیہ السلام، خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں ہے، اس کو اکابر اہل فتاوی نے مکروہ اور بدعت لکھا ہے، ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحی لکھنوئیؒ نے مجموعۃ الفتاوی اور خلاصۃ الفتاوی ۳۲۹/۴ کے حاشیہ میں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فتاوی رشیدیہ ۱۲۳ میں، اور حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی ۶۸۵/۱ میں، اور حضرت مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فتاوی دارالعلوم ۹٦/۵ میں اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے فتاوی محمودیہ مطبع ڈابھیل ۲۹٦/۸، مطبع میرٹھ ۱۴۱/۱۲ میں، اور مفتی شفیعؒ نے امداد المفتیین ۴۰۴ میں بدعت اور مکروہ لکھا ہے؛

اس لئے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ''الوداع والفراق و السلام یاشھر رمضان'' وغیرہ کے الفاظ سے خطبہ پڑھنا ترک کردینا چاہئے۔ اورمسنون خطبہ پڑھنا چاہئے، ہاں البتہ ماہ شعبان کے آخری جمعہ کے بیان میں رمضان المبارک کے مہینہ کی فضیلت سے متعلق بیان کرنا بہتر اور افضل ہے، جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت ہے۔ شعب الایمان للبیہقی ۳/۳۰۵، رقم: ۳۶۰۸ ملاحظہ فرمائیے:

عن سلمان الفارسي، قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في آخر يوم من شعبان فقال: أيها الناس! قد أظلكم شهر عظيم، شهر مبارك شهر فيه ليلة خير من ألف شهر، جعل الله صيامه فريضة، وقيام ليله تطوعاً، من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن أدى فريضة فيما سواه، و أدى فريضة فيه كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه، وهو شهر الصبر، فالصبر ثوابه الجنة، وشهر المواساة، وشهر يزاد فيه رزق المؤمن، ومن فطر فيه صائماً، كان له مغفرة لذنوبه، و عتق رقبته من النار، وكان له مثل أجره من غير أن ينقص من أجره شئ، قلنا يا رسول الله! ليس كلنا يجد مايفطر الصائم؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يعطي الله هذا الثواب من فطر صائماً على مذقة لبن، أو تمرة، أو شربة من ماء، ومن أشبع صائماً سقاه الله من حوضي شربة لا يظمأ حتى يدخل الجنة، وهو شهر أوله رحمة، و أوسطه مغفرة، وآخره عتق من النار زاد همام في روايته فاستكثروا فيه من أربع خصال، خصلتان ترضون بها ربكم، وخصلتان لا غنى لكم عنهما، فأما الخصلتان اللتان ترضون بها ربكم، فشهادة أن لا إله إلا الله، و تستغفرونه، وأما اللتان لا عنى لكم عنهما، فتسألون الله الجنة، و تعوذون به من النار. لفظ حديث همام وهو أتم (شعب الإيمان للبيهقي، باب الصيام، فضائل شهر رمضان دارالكتب العلمية ٣٠٥/٣، رقم:٣٦٠٨) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۹۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۲۱ھ

جمعۃ الوداع کو بطور عید منانے کی شرعی حیثیت

سوال [۳۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ (جمعۃ الوداع) کو مسلمان بطور تیوہار مناتے ہیں اور اس کے لئے باقاعدہ گھر کے سبھی افراد کے لئے نئے کپڑوں کا اور اچھے اچھے کھانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، تو یہ کہاں تک جائز اور درست ہے؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

المستفتی: محمد عمران جامعی، مسجد انصاران، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذہب اسلام میں عید اور بقرعید کے دن کو خصوصیت کے ساتھ منانا ثابت ہے، اور ان کے علاوہ ایام تشریق کے تین دن بھی زیادہ خوشی اور اہمیت کے ایام ہیں، یہ پانچ دن اسلام کے ایسے تیوہار اور ایسے خوشی کے ایام میں جن میں روزہ رکھنا بھی جائز نہیں، اس کے بعد ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ کا دن اہمیت کا حامل ہے، ہر جمعہ کو نیا کپڑا یا دھلا ہوا کپڑا پہننا، اسی طرح عطر لگانا اور غسل کرنا مستحب ومسنون ہے؛ لیکن رمضان کے آخری جمعہ جس کو عام لوگ جمعۃ الوداع کہتے ہیں، اس کو پورے سال کے دوسرے جمعات کے مقابلہ میں الگ سے کوئی خصوصیت حاصل نہیں؛ اس لئے اس کو الگ سے اہمیت دینا شریعت اسلام کے اصول وقوانین اور شعائر سے ناواقفیت کی بات ہے۔

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة فيه خلق آدم وفيه أدخل الجنة وفيه أخرج منها ولاتقوم الساعة إلا في يوم الجمعة. (ترمذي شريف، كتاب الجمعة، باب ماجاء في فضل يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١٠١، دار السلام رقم: ٤٨٨)

عن أوس ابن أوسؓ، قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: من اغتسل يوم الجمعة، وغسل وبكر وابتكر دودنا واستمع، وأنصت كان له بكل خطوة يخطوها أجر سنة صيامها وقيامها. (ترمذي شريف، كتاب الجمعة، باب في فضل الغسل يوم الجمعة، النسخة الهندية ١/ ١١١، دار السلام رقم: ٤٩٦)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أربع من سنن المرسلين والحياء، والتعطر، والسواک، والنكاح. (ترمذي شريف، أبواب النكاح، باب ماجاء في فضل التزويج، النسخة الهندية ١/ ٢٠٦، دار السلام رقم: ١٠٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

(۲۹) باب العیدین

(۱) فصل في الإمامة والقضاء وغیرها

عیدین کی امامت کا مستحق کون ہے؟

سوال [۳۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی قصبہ باشٹہ کے شہر قاضی جناب مولانا حبیب اللہ صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، بستی میں علماء کرام اور طالب علم بھی موجود ہیں، عیدین کی امامت کے لئے افضل اور حقدار کون ہے؟

المستفتی: محمد عرفان انصاری، قصبہ باشٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بستی میں متعدد علماء کرام موجود ہیں، تو ان میں تقوی وطہارت اور علم وفضل اور مسائل میں جو زیادہ فائق ہے، اسی کو شہر قاضی اور امام عیدگاہ بنانا چاہئے۔ اور ساری قوم کو ایسے عالم پر متفق ہوجانا چاہئے اور اگر سارے علماء تقوی وطہارت اور علم وفضل میں برابر درجہ کے ہیں، تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کر کے قرعہ میں جس کا نام نکلے اس پر سب کو متفق ہوجانا چاہئے۔ اور اس منصب کے لئے آپس میں اختلاف وانتشار پیدا کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔

فائدۃ: لا یقدم أحد في التزاحم إلا بمرجح.....فإن استووا یقرع بین المستویین، أو الخیار إلی القوم، فإن اختلفوا اعتبر أکثرهم. (شامي، کتاب الصلاۃ،

باب الإمامة، کراچي ۱/ ۵۵۸، ۵۵۹، زکریا ۲/ ۲۹۶، ۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۶۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۷ھ

کیا عید کے دن فجر نماز چھوڑنے والا عید کی امامت کرسکتا ہے؟

سوال [۳۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو امام عید کے دن فجر کی نماز نہیں پڑھتے، کیا ان کے پیچھے عید کی نماز اور خطبہ سننا جائز ہے؟ عوام ان کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتی۔

المستفتی: محمد عرفان انصاری، قصبہ: باشٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا شخص فاسق ہے؛ جبکہ بغیر عذر ترک کرتا ہو۔

عن الحسنؒ قال: سمعت أنس بن مالک قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ثلاثة رجل أم قوماً وهم له کارهون. (سنن الترمذي، کتاب الصلاة، باب ما جاء من أم قوما و هم له کارهون، النسخة الهندیة ۱/ ۸۲، دارالسلام رقم: ۳۵۸)

وتارکها عمداً أي تکاسلاً فاسق. (شامي، کتاب الصلاة، کراچي ۱/ ۳۵۲، زکریا ۲/ ۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۶۵۱)

عیدین میں دو شخصوں کا مل کر امامت کرنا

سوال [۳۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ عیدین میں خطبہ کوئی اور، امامت کوئی اور کرتے ہیں۔ نیز ایک خطیب متعدد جگہ خطبہ و نماز پڑھاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: محمد عبدالسبحان، کیلی فورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عید کا خطبہ کوئی اور شخص اور نماز کوئی دوسرا پڑھادے، تو یہ بلاشبہ درست ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۴۶۶)

وقد علم من تفاريعهم، أنه لا يشترط في الإمام أن يكون هو الخطيب. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچي ٢/١٤٧، زكريا ٣/١٩)

البتہ عید کی نماز واجب ہے، جب ایک خطیب نے عید کی نماز پڑھ لی ہے، تو اس کا دوسری جگہ جا کر دوبارہ عید کی نماز پڑھنا نفل ہے؛ لہٰذا اس کے پیچھے عید کی واجب نماز پڑھنے والوں میں سے کسی کی نماز درست نہیں ہے۔

وشروط صحة الاقتداء أربعة عشر شيئاً–إلى قوله–وأن لا يكون الإمام أدنى حالاً من المأموم كافتراضه، وتنفل الإمام. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، دارالكتاب ديوبند ص: ٢٩٠، ٢٩١)

ومن شروط الإمام أن لا يكون الإمام أدنى حالاً من المأموم، فلا يصح اقتداء مفترض بمتنفل. (الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث الإمام في الصلاة، اقتداء المتفرض بالمتنفل، دارالفكر ١/٤١٨، مكمل ٢٣٥)

ولا مفترض بمتنفل و بمفترض فرضاً آخر؛ لأن اتحاد الصلاة شرط عندنا. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/٣٢٤، ٣٢٥، كراچي ١/٥٧٩)

ولا (يصح) اقتداء المفترض بالمتنفل. (هندية، قديم الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، زكريا ١/٨٦، جديد ١/١٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۷ھ

حنفی امام کا بارہ تکبیریں کہنے اور عورتوں کی امامت کا حکم

سوال [۳۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ اگر کوئی شخص امام اعظمؒ کی اقتداء کرتا ہے اور وہ پھر ایسی جگہ پہونچ گیا، جہاں کے لوگ امام شافعیؒ کی اقتداء کرتے ہیں اور لوگوں نے اسے عید کی نماز پڑھانے کو کہا، تو امام اعظمؒ کی اقتداء کرنے والا شخص کیا ان لوگوں کو نماز عید پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک عیدین میں بارہ تکبیریں زائد کہنی پڑتی ہیں اور اپنے امام صاحب کے نزدیک چھ زائد تکبیریں ہیں، تو ان کو بارہ زائد تکبیروں کے ساتھ پڑھانا کیسا ہے؟

(۲) سوال یہ ہے کہ ان کے یہاں عورتیں بھی نماز پڑھنے جاتی ہیں؛ لیکن پردہ کا معقول انتظام رہتا ہے، وہ اس طرح کہ سب مرد عیدگاہ چلے جاتے ہیں اور عورتیں مسجد میں جاتی ہیں؛ جبکہ امام کے علاوہ کوئی بھی بستی میں نہیں رہتا ہے اور امام بھی باقاعدہ پردہ کے اندر رہ کر نماز پڑھاتا ہے، تو کیا امام اعظم کی تقلید کرنے والا نماز عید عورتوں کو پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ پردہ کے نظم کے ساتھ بغیر خوف فتنہ کے، اس کا جواب بالتفصیل مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: نظرالدین، مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہاں پڑھا سکتا ہے، مگر وہ اپنے امام کے مذہب کے مطابق پڑھائے؛ لہٰذا وہ اس میں صرف چھ تکبیریں میں زائد کہے نہ کہ بارہ اور شافعیؒ لوگوں کی نماز اس کے پیچھے بلا کراہت جائز ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳۵۹/۶، جدید زکریا ۸۸/۶، عزیز الفتاوی ۲۲۳/۱)

(۲) عورتوں پر نہ عید کی نماز فرض ہے، نہ واجب ہے اور نہ سنت ہے؛ لہٰذا یہ عورتوں کے حق میں ضرورت کی چیز نہیں ہے؛ اس لئے نہ عورتوں کا اس طریقہ سے الگ سے ایک جگہ عید کی نماز کے لئے جمع ہونا مشروع ہے نہ کسی مرد کے لئے ان کی امامت کرنا مشروع ہے؛ کیونکہ

مرد پر تو مجمع میں شریک ہوکر عید کی نماز ادا کرنا واجب ہے؛ لہٰذا کسی مرد کے لئے اس غیر ضروری امر کے لئے ترک واجب مشروع نہ ہوگا۔

وتجب صلاة العيد على من تجب عليه الجمعة. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، اشرفي ١/ ١٧٢)

عن طارق بن شهاب عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلا أربعة: عبد مملوك، أو امرأة (الحديث). (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة للمملوك، والمرأة، النسخة الهندية ١/ ١٥٣، دارالسلام رقم:١٠٦٧، المستدرك للحاكم، كتاب الجمعة، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ١/ ٤١٧، رقم:١٠٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۲۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍ ۷؍ ۱۴۲۰ھ

نماز عید میں مقتدی کے لقمہ دینے پر تکبیرات زوائد کہنے کا حکم

سوال [۳۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امامِ عیدگاہ نے نماز ادا کرنے کے لئے نیت کر کے ثناء پڑھی اور بغیر تکبیر کہے قرأت شروع کی، پیچھے سے کسی نے اللہ اکبر کہا تینوں زائد تکبیرات پوری ہوگئیں، اب مقتدی کہتے ہیں کہ نماز ادا ہوئی کہ نہیں؟

المستفتی: اظہار الحق، قاضی نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر سورۂ فاتحہ مکمل کرنے سے قبل لقمہ دیا گیا ہے اور امام صاحب نے تکبیر کہہ کر از سر نو سورۂ فاتحہ اور ضم سورۃ کیا ہے تو نماز ہوگئی۔

نسي التكبير في الأولىٰ حتى قرأ بعض الفاتحة أو كلها، ثم تذكر يكبر ويعيد الفاتحة...... لأنها تمت وصحت بالكتاب و السنة. (حلبي كبير، باب صلاة العيد، فروع خروج إلى المصلي،اشرفية ديوبند ص: ٥٧٢، شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، كراچي ١٧٣/٢، زكريا ٥٥/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۱۶/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۲۴ھ

جن لوگوں کی نماز فاسد ہوگئی امام کا ان کو نماز پڑھانا

سوال [۳٦٨٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سہ منزلہ مسجد میں امام صاحب نے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی، جب امام صاحب نماز عید سے فارغ ہوگئے، تو تیسری منزل کے مقتدیوں نے جو امام کے ساتھ نماز میں شریک تھے، یہ شکایت کی کہ مائک کی آواز ہمارے کانوں میں نہ پڑنے کی وجہ سے ہم میں سے بعض سے پہلی رکعت کے سجدے یا رکوع یا تکبیر زوائد فوت ہوئیں اور بعض سے دوسری رکعت کے، امام صاحب کا یہ سن کر ان لوگوں کو دوبارہ عید کی نماز پڑھانا کیا درست ہے؟ یا اس موقع پر صحیح مسئلہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد رضوان قاسمی، سورت گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: راجح اور صحیح قول کے مطابق عید کی نماز واجب ہے؛ لہٰذا امام صاحب نے جب پہلی مرتبہ عید کی نماز پڑھائی، جس میں کچھ لوگوں کی نماز فاسد ہوگئی تو جن کی نماز فاسد ہوگئی تھی، ان پر لازم تھا کہ آپس میں سے ہی کسی کو امام بناتے یا کسی ایسے کو امام بناتے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تھی، مگر چونکہ ان لوگوں کی امامت اسی امام نے کرائی ہے، جس

نے ایک مرتبہ صحیح طریقہ پر عید کی نماز ادا کرلی ہے اور عید کی نماز ایک ہی دفعہ ہوتی ہے، تو دوبارہ یہ عید کی نماز نہیں ہوئی؛ اس لئے اس امام کے پیچھے دوبارہ نماز پڑھنے والے مقتدیوں میں سے کسی کی بھی عید کی نماز نہیں ہوئی؛ بلکہ سب کی نماز بکراہت نفل ہوگئی۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۸/۴۳۴، فتاوی دارالعلوم ۵/۲۲۴، فتاوی عثمانی ۱/۱۵۵، آپ کے مسائل اوران کاحل مدلل جدید ۴/۱۵۹)

ان الاقتداء شركة وموافقة، فلا بد من الاتحاد. (هداية، باب الإمامة، مكتبه البشرىٰ، كراچي پاكستان ۱/۲٤٦، اشرفي ديوبند ۱/۱۲۷)

واتحاد الصلاتين شرط لصحة الاقتداء. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس ما يمنع صحة الإقتداء ومالا يمنع، زكريا ۲/۲٦۸ رقم: ۲۳۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۱۶ھ

عید کی نماز میں سجدہ کرنے میں تاخیر ہونا

سوال [۳٦۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب جو عیدگاہ میں عرصۂ دراز سے امامت کررہے تھے، انہوں نے نماز عید الفطر ادا کرائی، پہلی رکعت مع تین زوائد تکبیرات درست پڑھائی، دوسری رکعت مع قرأت وتین تکبیرات درست پڑھائی، مگر چوتھی تکبیر کے بعد رکوع میں جانے سے قبل تاخیر ہوگئی، پیچھے سے کسی مقتدی نے اللہ اکبر کہا امام صاحب رکوع میں چلے گئے اور سجدہ وغیرہ درست ادا کیے، مگر بعد میں مقتدی لڑنے لگے کہ نماز نہیں ہوئی، نماز دہرائی جائے، کچھ کہنے لگے درست ہوگئی، بہرحال نماز کسی دوسرے امام کے ذریعہ دوبارہ ادا کی گئی، کیا یہ نماز اول درست ہوئی

یا نہیں؟ دوسری نماز کا جو اعادہ ہوا وہ درست تھی یا نہیں؟

المستفتی: قاری رفیق احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام نمازوں میں کسی رکن میں تین تسبیح کے بقدر تاخیر موجب سجدۂ سہو ہوتی ہے؛ لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ عید وغیرہ مجامع میں ایسی غلطی سے سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں رہتی؛ بلکہ اس کے بغیر بھی نماز درست ہوجاتی ہے؛ تاکہ کثیر مجمع کی وجہ سے نمازیوں میں انتشار نہ ہو، بریں بناء مسئولہ صورت میں اگر بالفرض نماز عید میں ایسی کوئی غلطی ہوگئی تھی، تو اس نماز کو بعد میں دہرانے کی ضرورت نہیں تھی، جن لوگوں نے نماز کا اعادہ کرایا، انہیں غالباً مسئلہ کا صحیح علم نہ ہوگا۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱/۵۷۴، امداد المفتیین ۴۰۶)

والسهو في صلاة العيد، والجمعة، والمكتوبة، والتطوع سواء، والمختار عند المتأخرين عدمه في الأولين؛ لدفع الفتنة. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كراچي ۲/۹۲، زكريا ۲/۵٦۰)

قال في الأصل: والسهو في العيدين، والجمعة، والمكتوبة، والتطوع سواء، إلا أن مشايخنا قالوا: لا يسجدون للسهو في الجمعة، والعيدين. في الغياثية: وهو المختار. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون، صلاة العيدين، زكريا ۲/ ٦۳۱، رقم: ۳٤٦٦، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون، صلاة العيدين، المجلس العلمي ۲/۱۰۵، رقم: ۲۲۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۱۶/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۲۴ھ

نماز عید سے قبل سنن ومستحبات

سوال [۳٦۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ عیدالفطر کی نماز سے قبل کون کون سے اعمال وافعال حضور پاک ﷺ اورصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں؟ چند مخصوص سنن ومستحبات تحریرفرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: کلیم اللہ، مقام وپوسٹ: کملاپور، ضلع: سیتاپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدالفطر کی نماز سے قبل جو اعمال مسنون ومستحب ہیں، ان میں سے چند چیزیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) کوئی میٹھی چیز کھانا (۲) مسواک کرنا (۳) غسل کرنا (۴) خوشبو لگانا (۵) اپنے کپڑوں میں سے عمدہ کپڑے پہننا (۶) صدقۂ فطر ادا کرنا (۷) پیدل عیدگاہ جانا وغیرہ۔

و ندب يوم الفطر أكله حلواً وتراً و لو قرويًا قبل خروجه إلى صلاتها، واستياكه واغتساله وتطيبه......ولبسه أحسن ثيابه......وأداء فطرته، ثم خروجه ما شيًا إلى الجبانة الخ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، زكريا ۳/ ٤٧ تا ٤٩، كراچي ٢/ ١٦٨، هداية، كتاب الصلاة، باب العيدين، اشرفي ديوبند ١/ ١٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۳۷۰)

ایک صوبہ میں عید کی نماز پڑھنے کے بعد دوسرے صوبہ میں پڑھنا

سوال [۳۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابوبکر ریاست کرناٹک ضلع ہاسن گاؤں ارےہلی کا رہنے والا ہے، مگر وہ اپنے کاروبار کی وجہ سے ریاست کیرالا ضلع کاسرگوڈ میں رہتا ہے اور کیرالا میں ایک دن پہلے ہی عیدالفطر کی نماز ہوگئی، اب ابوبکر کیرالا سے عیدالفطر کی نماز پڑھ کر اپنے ضلع ہاسن گاؤں ارےہلی آیا، تو

یہاں دوسرے دن عید کی نماز پڑھی جارہی تھی، تو کیا ابوبکر اپنے گاؤں ارےہلی میں دوبارہ عیدالفطر کی نماز پڑھ سکتا ہے؟

المستفتی: ابوبکر، کیرالا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں ابوبکر جب ریاست کرناٹک آ گیا اور وہاں پر دوسرے دن عید ہورہی ہے، تو وہ بھی دیگر لوگوں کے ساتھ عید کی نماز ادا کرے گا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۳۸، احسن الفتاوی، زکریا ۴/۱۳۴)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: صومكم يوم تصومون، وفطركم يوم تفطرون. (سنن الدارقطني، كتاب الصيام، قبيل باب في وقت السحر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱٤٤، رقم: ۲۱٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۲۶/۳۸)

عذر کی وجہ سے بھی دوسرے دن نماز عید قضا ہی ہوتی ہے

سوال[۳٦۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عذر کی بناء پر نماز عید دوسرے دن پڑھی گئی، یہ ادا ہوئی یا قضا؟

المستفتی: محمد فاضل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے دن نماز عید قضا ہوگی نہ کہ ادا؛ اس لئے کہ نماز عید کا وقت پہلے دن کے زوال آفتاب تک رہتا ہے، اس سے پہلے پہلے پڑھی جانے والی نماز ادا ہوگی اور اس کے بعد قضا کا وقت ہے ادا کا نہیں؛ لہٰذا اس کے بعد جو پڑھی جائے گی، وہ قضا ہی ہوتی ہے چاہے عذر کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔

فإن اشتغل الإمام فلم يصل، أوترك عمداً حتى زالت فقد حل الذبح بغير صلاة؛ لأنه بالزوال فات وقت الصلاة، وإنما يخرج الإمام في اليوم الثاني والثالث على وجه القضاء. (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ۴٦١/٩، كراچي ٣١٨/٦)

وتؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط، فوقتها من الثاني، كالأول وتكون قضاءً لا أداءً. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، زكريا ٥٩/٣، كراچي ١٧٦/٢، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين، كوئٹه ١٦٢/٢، زكريا ٢٨٤/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۱۱۴۷۷/۴۰)

نمازِ عید دوسرے دن قضا ہوتی ہے ادا نہیں

سوال [۳٦۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بارش کی وجہ سے عید الفطر کی نماز پہلے دن عید گاہ میں پڑھنا مشکل ہے، تو ایسی صورت میں مساجد میں نماز عید پڑھیں یا اگلے دن کے لئے موقوف رکھنی چاہئے؟

المستفتی: محمد ابراہیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں مساجد میں نماز عید پڑھ لینی چاہئے، اگلے دن کے لئے موقوف نہ رکھی جائے؛ کیونکہ نماز عید دوسرے دن قضا ہو جاتی ہے اور پہلے دن کی نماز ادا ہوتی ہے۔

وتؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط فوقتها من الثاني كالأول وتكون قضاءً لا أداءً. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، زكريا٣/٥٩، كراچي ١٧٦/٢)

عن أبي هريرة رضي أنه أصابهم مطر في يوم عيد، فصلى بهم النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العيد في المسجد. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس في المسجد إذا كان يوم مطر، النسخة الهندية ١/١٦٤، دارالسلام رقم: ١١٦٠، مستدرك حاكم، كتاب الصلاة، باب العيدين قديم ١/٢٩٥، مكتبه نزار مصطفي الباز ٢/٤٢٧، رقم: ١٠٩٤)

قال ابن الملك: كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي صلاة العيد في الصحراء، إلا إذا اصابهم مطر، فيصلي في المسجد. (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب يصلي بالناس في المسجد إذا كان يوم مطر، قديم ٢/٢١٢، جديد دارالبشائر الإسلامية ٥/٢٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۹۳/۴۰)

عید کی نماز کے بعد قبرستان جانا کیسا ہے؟

سوال [۳۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید کی نماز کے بعد قبرستان جانا اور عزیز مرحومین کو ایصال ثواب کرنا کیسا ہے؟ بہت سے لوگوں میں اس کا اہتمام دیکھنے میں آتا ہے، کیا یہ بدعت تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد ذاکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کی نماز کے بعد قبرستان جاکر مرحومین کو ایصال ثواب کرنا جائز اور درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی یہ عمل بدعت ہے؛ بلکہ بعض روایات اس کی مؤید ہیں (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۲/۵۵۶، محمودیہ ڈابھیل ۹/۲۰۱)

لابأس بزيارة القبور وهو قول أبي حنيفة--وأفضل أيام الزيارة أربعة يوم الإثنين، والخميس، والجمعة والسبت-وكذلک في الأزمنة المتبركة كعشر ذى الحجة، والعيدين، وعاشوراء، وسائر المواسم. (هندية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور و قرأة القرآن في المقابر، زكريا اقديم٥/ ٣٥٠، جديد٥/ ٤٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۴۹۰)

عید کی نماز کے وقت جنازہ آجائے تو پہلے کون سی نماز پڑھیں؟

سوال [۳۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عید کی نماز کے وقت جنازہ آجائے، تو پہلے نماز جنازہ پڑھی جائے یا عید کی نماز پڑھی جائے؟ نیز اگر بعد میں پڑھی جائے تو خطبۂ عید سے قبل یا بعد میں پڑھی جائے؟

المستفتی: محمد قاسم محمد پور، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ بہر حال نماز عید کے بعد ہی پڑھنی چاہئے، اب رہی بات کہ خطبہ سے پہلے پڑھی جائے یا بعد میں پڑھی جائے، تو اس میں دونوں طرح گنجائش ہے؛ لہٰذا موقع ومحل کے اعتبار سے اگر خطبہ سے پہلے نماز جنازہ پڑھنے میں تشویش نہیں ہے اور دفن میں اکثر لوگ شرکت کے لئے نہیں جائیں گے، تو خطبہ سے پہلے پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر دفن میں اکثر لوگ شرکت کے لئے جانے والے ہیں، تو ایسی شکل میں خطبہ کے بعد نماز جنازہ پڑھنی چاہئے؛ تاکہ سب لوگوں کو خطبہ سننے کا بھی موقع مل سکے اور پھر خطبہ کے بعد دفن میں بھی شرکت کا موقع مل سکے۔

وتقدم صلاة العيد على صلاة الجنازة، إذا اجتمعتا. (هندية، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، زكريا قديم ١/١٥٢، جديد ١/٢١٣، درمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، كراچي ٢/١٦٧، زكريا٣/٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

عید کے موقع پر گھروں سے چندہ کر کے گلیوں کو کاغذات اور لائٹ سے مزین کرنا

سوال [۳۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر وشارم میں عید کے موقع پر ہر گلی میں لڑکے تمام گھروں سے چندہ وصول کر کے گلیوں میں رنگین کاغذات اور لائٹ لگاتے ہیں اور کوئی چندہ نہ دے، تو ان سے جبراً لیا جاتا ہے اور لائٹ عید کے تین دن لگائے رکھتے ہیں۔ اور رنگین کاغذ ایسے ہی پڑا رہتا ہے اور چندہ میں بچا ہوا پیسہ آپس میں بانٹ لیتے ہیں اور رنگین کاغذ چپکانے میں رمضان کا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح رنگین کاغذ اور لائٹ سے گلیوں کو مزین کرنا، گھروں سے چندہ وصول کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد آصف، کنوینر تنظیم العلماء، وشارم، تمل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عید کے موقع پر گلی کوچوں کو رنگین کاغذات اور لائٹوں کے ذریعہ سے چمکانے کے واسطے چندہ کرنا قطعاً جائز نہیں، یہ فضول خرچی ہے، اس کام کے لئے چندہ دینے والے بھی گنہگار ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے اس طرح فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْن. [سورة بنی اسرائیل:۲۷]

کے ذریعہ سے سخت وعید نازل فرمائی ہے؛ اس لئے اس سے مسلمانوں کو دور رہنا لازم ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ررمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۴۶/۴۰)

۱۴۰۸ھ کو دس ذی الحجہ کس دن تھی؟

سوال [۳۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قواعد شرعیہ کی رو سے ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کب کی تسلیم کی گئی ہے؟ اور عید الاضحیٰ اگست کی کون سی تاریخ میں ہوگی؟ یعنی ار ذی الحجہ کب ہے؟

المستفتی: محمد سفیان عالم، سہسپور ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہاں ثبوت شرعی نہ ملنے کی بناء پر قواعد شرعیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء اور مفتیان مرادآباد نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ عید الاضحیٰ بروز جمعرات ہوگی۔

نوٹ: بعد میں دیوبند، سہارنپور سے شرعی ثبوت آنے کی وجہ سے اس فیصلہ سے رجوع کر کے بدھ کا اعلان کیا گیا۔

طريق موجب كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر. (شامي، كراچي ٢/ ٣٩٤، زكريا ٣/ ٣٦٤، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹۱/۲۳)

عیدگاہ کومزین کرنا اورراستوں میں جھنڈے لگانا

سوال[۳۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں عیدین کے موقع پر عیدگاہ کومزین کرتے ہیں، ساتھ ساتھ چاروں طرف سرخ جھنڈے اور بیچ میں ایک مخصوص سرخ جھنڈا لگاتے ہیں اور گیٹ کرایہ پر لے کر لگاتے ہیں۔ کیا یہ شریعت میں درست ہے؟

المستفتی: خیرالاسلام آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عید، بقرعید کے لئے عیدگاہ اوراس کے راستوں میں جھنڈیاں لگانا شریعت سے ثابت نہیں ہے؛ البتہ شوکت اسلام کے لئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگوں کا عید کے لئے جمع ہوجانا ثابت ہے۔ اور عیدگاہ کومزین کرنے کے لئے چندہ کرنا بھی مشروع نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۵/۵۸۴، میرٹھ ۱۲/۵۴۷)

عن أم عطية رضـ أمرنا أن نخرج، فنخرج الحيض، والعواتق، وذوات الخدور. (بخاری شریف، کتاب العيدين، باب اعتزال الحيض المصلي، النسخة الهندية ١/ ١٣٤، رقم: ٩٧١، ف: ٩٨١)

عن جابر رضـ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم: إذا كان يوم العيد خالف الطريق. (بخاري، كتاب العيدين، باب من قال: خالف الطريق إذا رجع يوم العيد، النسخة الهندية، رقم: ٩٧٦، ف: ٩٨٦)

قال الحافظ رحـ: وقيل لإظهار شعار الإسلام فيهما......وقيل ليغيظ المنافقين أو اليهود، وقيل ليرهبهم بكثرة من معه، ورجحه ابن بطال.

(فتح الباري اشرفی ٢/ ٦٠٠، بيروت ٢/ ٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۲۳ھ

عیدگاہ ایک راستہ سے جانا اور دوسرے سے آنا

سوال [۳۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید وبقرعید کے دن ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا اس کا کیا ثبوت ہے؟ مزید برآں لوگ قبرستان ہوکر آنا ضروری سمجھتے ہیں، تو اس کی کیا اصل ہے؟

المستفتی: معراج الدین، سپولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عید کے لئے ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے آنا مسنون اور حدیث سے ثابت ہے؛ البتہ قبرستان جانا صحیح حدیث میں مذکور نہیں؛ لیکن بعض فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے؛ لہٰذا قبرستان کی زیارت بہتر اور مستحب اور مستحسن عمل ہے، لازم اور ضروری نہیں ہے۔

عن جابرؓ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم: إذا كان يوم عيد خالف الطريق. الحديث (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب من خالف الطريق إذا رجع يوم العيد، النسخة الهندية ١/ ١٣٤، رقم: ٩٧٦، ف: ٩٨٦)

والزيارة يوم الجمعة بعد الصلوة حسن— إلى قوله— وكذلك في الأزمنة المتبركة كعشر ذي الحجة والعيدين. (هندية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيادة القبور وقراءة القرآن في المقابر، زكريا قديم ٥/ ٣٥٠، جديد ٥/ ٤٠٥، هكذا في هامش البخاري ١/ ١٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۴۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۹ھ

(۲) فصل في صلاة العيدين

عیدین کی نماز کا مسنون طریقہ

سوال[۳۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کی نماز کا مسنون طریقہ فقہ حنفی اور حدیث کی روشنی میں تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کی نماز کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اس میں چھ تکبیریں زائد ہوتی ہیں، ان تکبیروں کے علاوہ باقی نماز عام نمازوں کی طرح ہے۔ اور ان چھ تکبیروں میں سے تین تکبیریں پہلی رکعت میں ہوتی ہیں اور تین تکبیریں دوسری رکعت میں ہوتی ہیں اور دونوں رکعتوں میں تکبیرات زوائد کا مقام الگ الگ ہے، پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھی جائے گی اور ثناء کے بعد تین زائد تکبیریں کہی جائیں گی، ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں گے اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر امام **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** اور **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھ کر قراءت شروع کرے گا، سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کے بعد رکوع کر کے کھڑا ہو جائے گا، اس کے بعد دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تکبیرات زوائد کہے گا، ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں گے، اس کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے چوتھی تکبیر کہہ کر امام رکوع میں چلا جائے گا، بقیہ نماز عام نمازوں کی طرح بدستور ادا کرے گا، یہ عیدین کی نماز ادا کرنے کا مسنون طریقہ ہے۔

نیز یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ پہلی رکعت کی تکبیر تحریمہ بھی واجب ہے اور دوسری رکعت کی تکبیر رکوع بھی واجب ہے؛ اس لئے نتیجۃً دونوں رکعتوں میں آٹھ تکبیرات واجب ہیں۔

دلائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:

عن كردوس قال: قدم سعيد بن العاص في ذي الحجة، فأرسل إلى عبد الله، وحذيفة، وأبي مسعو الأنصاري، وأبي موسىٰ الأشعري، فسألهم عن التكبير في العيد؟ فأسندوا أمرهم إلى عبد الله، فقال عبد الله: يقوم فيكبر، ثم يكبر، ثم يكبر، ثم يكبر، فيقرأ، ثم يكبر، و يركع ويقوم فيقرأ، ثم يكبر، ثم يكبر، ثم يكبر، ثم يكبر الرابعة، ثم يركع. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، في التكبير في العيدين و اختلافهم فيه، تحقيق الشيخ عوامة، موسسة علوم القرآن ٤/٢١٦، رقم:٥٧٥٥، ٥٧٥٤، شرح معاني الأثار للطحاوي، الزيادات، باب صلاة العيدين، كيف التكبير فيها، عباس أحمد الباز ٤/١٧٦، رقم:٧١٤٠، كتاب الأثار للإمام محمد، كراچي٢٠٥، رقم:٢٠٢)

عن الأسود بن يزيد عن ابن مسعود: في الأولى خمس تكبيرات بتكبيرة الركعة وبتكبيرة الاستفتاح، وفي الركعة الأخرى أربعة تكبيرة الركعة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الصلاة، باب التكبير في العيدين، المجلس العلمي ٣/٢٩٣، رقم:٥٦٨٥)

عن أنس بن مالكؓ، أنه قال: تسع تكبيرات، خمس في الأولى و أربع في الأخيرة مع تكبيرة الصلاة. (شرح معاني الأثار للطحاوي، الزيادات، باب صلاة العيدين، كيف التكبير فيها، عباس أحمد الباز ٤/١٧٦، رقم: ٧١٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۲۵/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۲۰ھ

نمازِ عید میں تکبیراتِ زوائد چھ ہیں یا بارہ؟

سوال [۳۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید کی نماز میں زائد تکبیروں کی مقدار چھ ہے یا بارہ، ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ یہ

کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز عید بارہ زائد تکبیروں کے ساتھ ادا فرماتے تھے، نہ کہ چھ تکبیروں کے ساتھ؛ لہٰذا تم لوگ جو چھ تکبیروں کے ساتھ نماز عید پڑھتے ہو وہ درست نہیں ہے، حضور والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ حضور ﷺ سے کتنی تکبیروں کے ساتھ نماز عید ادا کرنا ثابت ہے اور ہمارے پاس اسی چھ زائد تکبیرات کے ساتھ نماز عید ادا کرنے کے دلائل کیا ہیں؟ اور اس سلسلے میں احادیث مبارکہ اور فقہی جزئیات سے مسئلہ کو مدلل فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: نسیم احمد مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین کی نمازوں میں تکبیرات زوائد کا مسئلہ کچھ مختلف فیہ ہے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں روایات کے مختلف انداز سے وارد ہونے کی وجہ سے فقہاء اور مجتہدین کے اقوال بھی مختلف ہوگئے ہیں، جس کی وجہ سے اس بارے میں ائمہ کے دس اقوال وارد ہو چکے ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ نے ابوداؤد کی شرح بذل المجہود میں شوکانی کی نیل الاوطار کے حوالہ سے ان سارے اقوال کو نقل فرمایا ہے اور ان دس اقوال میں چھ تکبیروں کا قول بھی موجود ہے اور بارہ تکبیروں کا قول بھی مذکور ہے اور سب نے اپنے اپنے طور پر احادیث شریفہ سے استدلال کیا ہے اور ہمیں چھ تکبیرات والے اور بارہ تکبیرات والے قول پر غور کرنا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ نے چھ تکبیرات زوائد والی روایات کو اختیار فرمایا ہے اور دوسرے ائمہ نے بارہ تکبیرات والی روایت کو اختیار فرمایا ہے۔

اب دونوں قسم کی روایات کو سامنے رکھ کر تحقیقی جائزہ لینا ہے کہ کس قسم کی روایات کو قوت وترجیح حاصل ہے، اب ہم دونوں قسم کی روایات کا جائزہ لے کر دیکھتے ہیں کہ بارہ تکبیرات والی روایات سب متکلم فیہا ہیں، یہ روایات ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں، ترمذی کی روایات میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ آیا ہے، اس راوی کے اوپر محدثین نے مختلف انداز سے کلام کیا ہے:

امام شافعیؒ اور امام ابوداؤدؒ نے ’’ رکن من أرکان الکذب ‘‘ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اور ابن ماجہ کی روایت کی سند میں عبدالرحمٰن بن سعد بن عمار بن سعد کے نام سے ایک راوی آیا ہے وہ متکلم فیہ اور ضعیف راوی ہے۔

علامہ ذہبی، امام یحیٰ بن معین اور حافظ ابن حجر عسقلانی ان سارے محدثین نے اس کو ضعیف اور متکلم فیہ قرار دیا ہے، اور ابوداؤد کی روایت میں ایک راوی عبداللہ بن لہیعہ آیا ہے، یہ بھی متکلم فیہ راوی ہے، ان کی کتابیں جل جانے کے بعد ان کا حافظہ کمزور ہوگیا تھا؛ اس لئے محدثین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، یہ بارہ تکبیرات والی روایات کا حال ہے۔ یہ تفصیل بذل المجہود قدیم ہندی نسخہ ۲/۶ ۲۰، جدید دارالبشائرالاسلامیہ ۵/۲۲۹ میں موجود ہے اور فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۸/۴۴۰، میں بھی اس کو نقل کیا گیا ہے اور چھ تکبیرات زوائد والی روایات اعلی درجہ کی سند سے مروی ہیں اور یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ عیدین کی دونوں رکعتوں میں سے ہر رکعت میں چار چار تکبیرات لازمہ ہیں، کل آٹھ تکبیرات واجب ہیں، پہلی رکعت میں ثناء کے بعد قراءت سے پہلے تین تکبیرات زوائد ہیں اور ایک تکبیر تحریمہ اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے تین تکبیرات زوائد ہیں، ایک تکبیر رکوع، یہ کل آٹھ تکبیرات واجب ہیں، جن میں سے چھ زوائد اور ان تکبیرات کی روایات صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں، امام عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ، امام طبرانی نے سند جید کے ساتھ، امام ابوبکر بن أبی شیبہ نے مصنف بن ابی شیبہ میں صحیح اور عالی سند کے ساتھ، امام طحاوی نے اور امام ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ ان روایات کو نقل فرمایا ہے۔

روایات ملاحظہ فرمایئے:

عبد الرزاق عن معمر عن أبي اسحاق عن علقمة، والأسود بن يزيد قال: كان ابن مسعود جالساً وعنده حذيفة وأبو موسىٰ الأشعري، فسألهما سعيد بن العاص عن التكبير في الصلاة يوم الفطر والأضحى، فجعل هذا يقول: سل هذا، وهذا يقول: سل هذا، فقال له حذيفة: سل

هـذا-لعبـد الله بـن مسـعـود-فسـألـه، فـقال ابن مسعود يكبر أربعًا، ثم يـقـرأ،ثم يكبر، فيركع، ثم يقوم في الثاية فيقرأ، ثم يكبر أربعاً بعد القراء ة. (مـنـصف عبـد الـرزاق، المجلس العلمي بيروت ٣/٣٩٣، ٥٦٨٧، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ٩/٣٠٣-٩٥١٦)

مصنف بن ابی شیبہ میں اعلیٰ درجہ کی سند کے ساتھ کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن معبد بـن خـالد عن كردوس قال: قدم سعيد بن العاص في ذي الـحـجة، فـارسـل إلـى عبـد الله، وحـذيـفة، وأبي مسعود الأنصاري، وأبي مـوسـىٰ الأشـعـري، فسـألهم عن التكبير في العيد؟ فأسندوا أمرهم إلى عبد الله، فـقال عبد الله: يقوم فيكبر، ثم يكبر، ثم يكبر، ثم يكبر فيقرأ، ثم يكبر و يركع، ويـقـوم فيـقـرأ، ثـم يـكبـر، ثم يكبر، ثم يكبر، ثم يكبر الرابعة، ثم يركع. (مصنف ابن ابي شيبة تحقيق شيخ عوامة ٤/٢١٦، رقم: ٥٧٥٥)

طحاوی شریف کی روایت کا حاصل بھی تقریباً اسی طرح ہے۔ ملاحظہ ہو:

طحاوی شریف جدید دارالکتب العلمیۃ ۴/۵/۱۷، رقم: ۷۱۴۰، ابوداؤد شریف، سنن کبریٰ بیہقی میں بھی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن الیمان ؓ سے روایت تقریباً اسی طرح ثابت ہے اور یہ سند سند حسن کے درجہ میں ہے، سنن کبریٰ بیہقی جدید، النسخۃ الہندیۃ، دارالفکر ۵/۶۹، رقم: ۶۲۷۵، ابوداؤد، النسخۃ الہندیۃ ۱/۱۶۳، دارالسلام رقم: ۱۱۵۲)

اب ان تمام روایات کا تحقیقی جائزہ سامنے آجانے کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ چھ تکبیرات زوائد والی روایات کو زیادہ قوت اور ترجیح حاصل ہے؛ اس لئے حنفیہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۲۱/۴۱)

عید کی نماز میں تکبیرات زوائد بھول جائے تو؟

سوال [۳۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کی نماز میں امام تکبیرات زوائد بھول گیا، آخر میں سجدہ سہو بھی نہیں کیا، تو ایسی صورت میں عید کی نماز بلا کراہت درست ہوگئی یا اعادہ لازم ہے؟

المستفتی: انعام اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین کی نماز میں چھ تکبیرات زوائد ہیں پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور ثناء کے بعد تین تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے تین تکبیریں ہیں اور دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر بھی واجب ہے، اگر بھول سے یہ تکبیریں چھوٹ جائیں تو ساری کتب فقہ میں یہ حکم مذکور ہے کہ سجدۂ سہو واجب ہو جائے گا؛ لیکن ساتھ میں متاخرین فقہاء نے یہ بات بھی واضح کردی ہے کہ جمعہ اور عیدین میں مجمع کثیر ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو کرنے میں لوگوں کی نماز خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور لوگوں میں اختلاف وانتشار کے ذریعہ فتنہ کھڑا ہونے کا خطرہ ہے؛ اس لئے سجدہ سہو کے بغیر عیدین اور جمعہ کی نماز درست ہو جائے گی اور سجدہ سہو نہ کرنے کو اولیٰ اور بہتر بھی لکھا ہے؛ اس لئے سوال میں ذکر کردہ صورت میں نماز عید درست ہوگئی ہے، مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اگر مجمع کثیر نہ ہو تو امام کو سجدہ سہو کر لینا چاہئے۔

ترک قراءة الفاتحة، أو القنوت، أو التشهد، أو تكبيرات العيدين؛ لأنها واجبات فإنه عليه السلام، واظب عليها من غير تركها مرة، وهي أمارة الوجوب؛ ولأنها تضاف إلى جميع الصلاة، فدل أنها من خصائصها، وذلك بالوجوب ......وكل ذلك واجب وفيها سجدة السهو هو الصحيح.

(هداية، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه اشرفية ١/١٥٧-١٥٨)

العاشر تكبيرات العيدين. قال في البدائع: إذا تركها أو نقص منها أوزاد عليها أو أتى بها في غير موضعها، فإنه يجب عليه السجود. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كوئٹه ٩٦/٢، زكريا ١٧٠/٢)

أما السهو في تكبيرات العيد، فهو يتحصيلها في غير محلها، أوبالزيادة فيها، أو بالنقصان عنها، أو بتركها، ففي كل ذلک يجب سجود السهو. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر: سجود السهو، المجلس العلمي ٣١٣/٢، رقم:١٨٦٦، ومثله في التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، زكريا ٣٩٩/٢، رقم:٢٧٨٧، الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، مكتبه اشرفية ٩٢/١، امدادية ملتان ٩٢/١)

والسهو في صلاة العيد، والجمعة، والمكتوبة، والتطوع سواء، والمختار عند المتأخرين عدمه في الأوليين؛لدفع الفتنة كما في جمعة البحر، وتحته في الشامية: الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما، كذلک كما بحثه بعضهم، وكذا بحثه الرحمتي. وقال: خصوصاً في زماننا، وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزمية، أنه ليس المراد عدم جوازه؛ بل الأولى تركه لئلا يقع الناس في فتنة. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كراچي ٩٢/٢، زكريا ٥٦٠/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۱۱۹۲۳)

عید کی نماز کی پہلی رکعت کی تکبیرات زوائد بھول جائے تو؟

سوال [۴۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین میں امام تکبیرات زوائد پہلی رکعت میں بھول گیا، دوسری رکعت میں یاد آیا تو ایسی

صورت میں پہلی رکعت کی چھوٹی ہوئی تکبیریں دوسری رکعت میں لوٹا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر لوٹا سکتے ہیں تو دوسری رکعت میں کس وقت یہ تکبیریں کہیں گے؟

المستفتی: علاءالدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر امام پہلی رکعت میں تکبیرات زوائد کہنا بھول جائے تو رکوع سے پہلے پہلے تکبیرات کہنے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا اگر پہلی رکعت کا رکوع کرلیا ہے، تو رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں تکبیرات کہنے کی گنجائش ہے؛ لیکن اگر پہلی رکعت کا سجدہ کرلیا ہے، تو پہلی رکعت کی فوت شدہ تکبیرات زوائد کا کوئی اعادہ نہیں، اسی طرح دوسری رکعت میں یاد آجائے تو اعادہ کی کوئی گنجائش نہیں؛ اس لئے کہ وہ تکبیرات کے اعادہ کا مقام نہیں ہے؛ لہٰذا وہ چھوٹی ہوئی تکبیروں کا اعادہ نہیں کرے گا؛ بلکہ سجدۂ سہو کرنا لازم ہوگا؛ لہٰذا اگر مجمع کثیر نہیں ہے، تو سجدۂ سہو کرلے اور اگر مجمع کثیر ہے، تو سجدۂ سہو بھی معاف ہوجائے گا اور بغیر سجدہ سہو کے عید کی نمادرست ہوجائے گی، جیسا کہ حسب ذیل جزئیہ سے واضح ہوتا ہے۔

العاشر تكبيرات العيدين قال في البدائع: إذا تركها أو نقص منها أوزاد عليها أو أتى بها غير موضعها، فإنه يجب السجود، وذكر في كشف الأسرار، أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتى ركع، فإنه يعود إلى القيام؛ لأنه قادر على حقيقة الأداء فلا يعمل بشبهه. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين، كراچي ٢/٩٦، زكريا ٢/١٧٠)

أما السهو في تكبيرات العيدين: و هي بتحصيلها في غير محلها، أو بالزيادة فيها أو بالنقصان عنها أو بتركها، ففي كل ذلک يجب سجود السهو. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، المجلس العلمي ٢/٣١٣، رقم:١٨٦٦، مثله في التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع عشر سجود السهو، زكريا ٢/٣٩٩، رقم:٢٧٨٧)

السهو في صلاة العيد، والجمعة، والمكتوبة، والتطوع سواء، والمختار عند المتأخرين عدمه في الأوليين؛لدفع الفتنة كما في جمعة البحر. وتحته في الشامية: الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما، كذلك كما بحثه بعضهم، وكذا بحثه الرحمتي. وقال: خصوصاً في زماننا، وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزمة، أنه ليس المراد عدم جوازه؛ بل الأولى تركه لئلا يقع الناس في فتنة. (شامي، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، كراچي ۲/۹۲، زكريا ۲/۵٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۳٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۲۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳٦/۲/۲۰ھ

عیدین میں خطبوں کی مسنون مقدار اور تعداد

سوال [۱۰۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید میں دو خطبے ضروری ہیں یا ایک سے بھی کام چل سکتا ہے اور خطبہ کی مقدار کیا ہو؟ مسالک اربعہ مع دلائل اور مفتی بہ قول نقل فرمائیں؟

المستفتی: محمد عبد السبحان، کیلفورنیا، امریکہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عید کی نماز میں بھی جمعہ کی طرح دو خطبہ مسنون ہیں، بس اتنا فرق ہے کہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور عیدین کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے اور خطبہ کی کم سے کم مقدار تین آیتوں کے برابر ہے اور زیادہ کی مقدار میں سامعین کی رعایت کا لحاظ کرتے ہوئے جتنا چاہے لمبا کرسکتا ہے۔

عن جابرؓ، قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم: يوم فطر،

وأضحىٰ، فخطب قائماً، ثم قعد قعدة، ثم قام. (ابن ماجه، باب ماجاء في الخطبة في العيدين، النسخة الهندية ١٩١، دارالسلام، رقم: ١٢٨٩)

عن عبد الله بن عتبةؓ، قال: السنة أن يخطب الإمام في العيدين خطبتين يفصل بينهما بجلوس. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب صلاة العيدين، باب جلوس الإمام حين يطلع على المنبر...... قديم ٢/١٥٨، دارالفكر ٥/٨٢، رقم: ٦٣٠٥)

عن عبد الله بن السائبؓ، قال: شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم: العيد، فلما قضى الصلاة، قال: إنما نخطب فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس، ومن أحب أن يذهب فليذهب. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجلوس للخطبة، النسخة الهندية ١/١٦٣، دارالسلام رقم:١١٥٥، المستدرك للحاكم، كتاب صلاة العيدين قديم١/٢٩٥، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٢/٤٢٦، رقم:١٠٩٣، سنن الدارقطني، كتاب العيدين، دارلكتب العلمية بيروت ٢/٣٨، رقم:١٧٢٢)

خطبتا العيدين سنة باتفاق. (الفقه على على المذاهب الأربعة، مباحث صلاة العيدين، حكم خطبة العيدين مكمل ١٩٩، دارالفكر ١/٣٥٣، الموسوعة الفقهية الكويتية١٩/١٨٦)

وقالا: لابد من ذكر طويل يسمى خطبة، وهو مقدار ثلاث آيات عند الكرخي. (العناية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا ٢/٥٧، دارالفكر مصري قديم ٢/٥٩، وهكذا في البنايه اشرفية ديوبند ٣/٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۳۲۵)

کیا نماز عیدین کے خطبہ میں تکبیرات تشریق والا خطبہ ضروری ہے؟

سوال [۳۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک مسجد میں امام صاحب کی عدم موجودگی میں زید کو عید الفطر کے موقعہ پر نماز عید پڑھانے کے لئے کہا گیا، زید ایک مستند عالم وحافظ ہیں، تقریباً ۳۵ر سال قبل مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت حاصل کر چکے ہیں، مختلف جگہ کافی عرصہ تک امامت کے فرائض انجام دے چکے ہیں، اور اکابرین کے خاندان سے ہیں، نماز عید الفطر کے ادا کرنے کے بعد زید نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے خطبات میں سے دو خطبہ حسب قاعدہ پڑھے، مگر تکبیر تشریق والا خطبہ نہیں پڑھا، مسجد کے چند نمازیوں نے اعتراض کیا کہ تکبیر تشریق والا خطبہ نہیں پڑھا وہ بھی پڑھا جائے، زید کا کہنا تھا کہ میں دو خطبہ پڑھ چکا ہوں؛ اس لئے تیسرے خطبہ کی ضرورت نہیں، دو خطبہ ادا ہو چکے ہیں، مگر نمازیوں کے اصرار پر ایک دوسرے صاحب نے جو کسی بھی مدرسہ سے فارغ نہیں ہیں، انہوں نے خطبہ پڑھ دیا بعد میں اس پر بحث ہوئی، زید کا کہنا ہے کہ میں نے سہارنپور میں اور دیوبند، گنگوہ کے قیام کے دوران اور زمانہ طالب علمی کے اندر متعدد باران تمام جگہوں کے اکابرین حضرات کو نماز عید کے موقعہ پر مختلف خطبات پڑھتے ہوئے سنا اور دیکھا ہے اور علماء حضرات الگ الگ خطبات پڑھتے ہیں، اس بنا پر زید کا کہنا یہ ہے کہ تکبیر تشریق والا خطبہ بھی پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن ضروری نہیں ہے؛ اس لئے وضاحت درکار ہے۔

(۱) نماز عید کے خطبہ میں تکبیر تشریق والا خطبہ ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) چند نمازیوں کا اعتراض کیا اپنی جگہ پر درست ہے؟

(۳) کیا زید کا کہنا اپنی جگہ پر درست ہے؟

(۴) کیا زید نے جو دو خطبہ پڑھے وہ شرعی لحاظ سے کافی تھے یا نہیں؟

برائے کرم جواب سے جلد از جلد مطلع کریں۔

المستفتی: سلیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین میں پہلے خطبہ کے شروع میں ۹ر مرتبہ، دوسرے

خطبہ میں ۷؍مرتبہ، بالکل آخر میں ۱۴؍مرتبہ مسلسل تکبیر تشریق کہنا مستحب ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۴۵۲/۸)

كما في تنوير الأبصار مع الدر المختار: و يبدأ بالتكبير في خطبة العيدين، ويستحب أن يستفتح الأولىٰ بتسع تكبيرات، والثانية بسبع و أن يكبر قبل نزوله من المنبر أربع عشرة الخ. (تنوير الأبصار مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين نعمانيه ۵٦١/١، كراچي ١٧٥/٢، زكريا٣/٥٨، هندية، الباب السابع عشر في صلاة العيدين، زكريا قديم ١٥٠/١، زكريا جديد ٢١٢/١)

لیکن واجب اور ضروری نہیں؛ اس لئے جب زید نے دو خطبہ دیدیئے تو دوبارہ تکبیرات کے ساتھ خطبہ نہیں دینا چاہئے تھا؛ بلکہ اگر لازم سمجھ کر ایسا کیا ہے تو وہ مکروہ تحریمی اور بدعت سیئہ کا مرتکب ہوا ہے۔

الجهلة يعتقدونها سنة أو واجبة، وكل مباح يؤدي إليه فمكروه. تحته في الشاميه: الظاهر أنها تحريمية؛ لأنه يدخل في الدين ماليس منه. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل باب صلاة المسافر، زكريا ٥٩٨/٢، كراچي ١٢٠/٢)

(۱) ضروری نہیں (۲) درست نہیں (۳) درست تھا (۴) کافی تھا۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شوال المکرم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸۲/۲۳)

عیدین کے خطبہ میں تکبیر تشریق کی تعداد اور طریقہ

سوال [۳۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کے پہلے خطبہ میں عموماً مشہور ہے کہ نو بار تکبیر تشریق پڑھی جائے، مگر

کسی کتاب میں مل نہیں رہا ہے؛ لہٰذا حوالہ درکار ہے؛ البتہ درمختار کراچی ۱۶۱/۱، پر یہ عبارت ہے۔

ويستحب أن يستفتح الأولىٰ بتسع تكبيرات تترى أي المتتابعات، والثاني بسبع هو السنة الخ.

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شروع ہی میں لگاتار پڑھے، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا شروع میں بھی لگاتار نو بار پڑھے اور درمیان میں بھی نو بار پڑھے؟

نیز تکبیرات سے مراد صرف **الله اكبر الله اكبر لا إله إلا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد** ہے، اگر صرف اللہ اکبر ہے، تو خطیب گویا اذان جیسی کہے گا، جس سے عام لوگ بھڑکیں گے؛ چونکہ اس پر عمل آج کل متروک ہے اور اگر تکبیر تشریق مراد ہے، تب بھی لوگ بھڑکیں گے یا یہ کہ آہستہ پڑھے تا کہ لوگ نہ بھڑکیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن، افضل گڑھ، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کتب فقہ میں مسلسل شروع میں نو تکبیرات اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات تکبیرات اور دونوں کے اخیر میں چودہ تکبیرات مسلسل کہنے کو مستحب لکھا ہے۔ اور ان تکبیرات سے مراد پوری تکبیر تشریق ہے، لوگوں کے بھڑکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، جو لوگ مسائل سے واقف ہیں، وہ ان تکبیرات کو پڑھتے ہیں۔

ويستحب أن يستفتح الأولىٰ بتسع تكبيرات تترى أي المتتابعات، والثانية بسبع هو السنة، وأن يكبر قبل نزوله من المنبر أربع عشرة.

(الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، زكريا ۵۸/۳، كراچی ۱۷۵/۲، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، زكريا ۲۸۳/۲، كوئٹه ۱۶۲/۲، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام العيدين، دارالكتاب ديوبند ص:۵۳۵، مجمع الأنهر، باب صلاة العيدين، مصري قديم ۲۷۴/۱،

دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۵۶۱/۳۳)

اردو میں عیدین کا خطبہ مکروہ

سوال [۴۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کا پہلا خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد دوسرا خطبہ پڑھنے سے پہلے اردو میں تقریر کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد عادل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین کا پہلا خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد دوسرا خطبہ شروع کرنے سے پہلے اردو میں تقریر کرنا مکروہ ہے؛ اس لئے کہ عربی میں خطبہ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے توارث کے ساتھ عربی میں خطبہ پڑھنا ثابت ہے؛ لہٰذا اردو میں خطبہ پڑھنا خلاف سنت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۴۵۵/۸، محمودیہ میرٹھ ۵۳۲/۱۲)

لأن النبي الله عليه وسلم، وأصحابه قد خطبوا دائما بالعربية، و لم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة، و لو خطبة غير الجمعة بغير العربية.

(رسالة أكام النفائس اللكنوي ٤/ ٤٤، بحواله محموديه ڈابهيل ٤٥٥/٨)

لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم، والصحابة رضي الله عنهم، فيكون مكروهًا تحريماً. (عمدة الرعاية، حاشية شرح الوقايه، باب أحكام صلاة الجمعة، اشرفی

دیوبند ۱/ ۲۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۲۹/۴۰)

عیدین کی نماز کے بعد خطبہ سے قبل اردو زبان میں بیان کرنا

سوال [۳۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید کی نماز کے بعد خطبہ سے پہلے اردو زبان میں بیان کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: مولوی عبد الماجد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز کے بعد خطبہ سے پہلے وعظ ونصیحت کا ثبوت نہیں ہے؛ بلکہ نماز کے بعد اگر دعا کرنی ہے تو دعا کے بعد متصلاً خطبہ شروع ہو جانا چاہئے اور خطبہ کے بعد اپنی مادری زبان میں اگر کوئی وعظ ونصیحت کرتا ہے اور لوگ بھی اس کے لئے رک جاتے ہیں، تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ لیکن عید کے دن خطبہ کے بعد وعظ ونصیحت سننے کے لئے لوگوں میں رک جانے کی عادت نہیں ہے، ہاں البتہ نماز شروع ہونے سے پہلے اگر وعظ ونصیحت کی جائے اور نماز شروع ہونے تک لوگ سکون واطمینان کے ساتھ سنیں تو کوئی حرج نہیں؛ البتہ جائز دونوں طرح ہے چاہے نماز سے پہلے ہو یا خطبہ کے بعد مگر نماز اور خطبہ کے درمیان مشروع نہیں ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۳۶۹)

عن جابر بن عبد اللّٰہ قال: سمعته يقول: إن النبي صلى الله عليه وسلم قام يوم الفطر فصلى فبدأ بالصلوة قبل الخطبة، ثم خطب الناس، فلما فرغ نبي الله صلى الله عليه وسلم نزل، فأتى النساء، فذكرهن. الحديث (مسلم شريف، كتاب صلاة العيدين، النسخة الهندية ١/٢٨٩، بيت الأفكار رقم: ٨٨٥، مسند الدارمي، باب الحث على

الصدقة يوم العيدين، دار المغني بيروت ٢/٩٩٧، رقم: ١٦٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۵۰۸/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۹ھ

عیدین کے خطبوں کے درمیان تقریر کرنا

سوال [۴۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مولانا صاحب عیدین کی نماز میں پہلا خطبہ پڑھ کر بیٹھتے ہیں، پھر کھڑے ہوکر تقریر کرتے ہیں، پھر دوسرا خطبہ پڑھتے ہیں، یعنی دونوں خطبوں کے درمیان تقریر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض مرتبہ مولانا جمعہ کی نماز میں اس طرح کرکے خطبہ دیتے ہیں۔

المستفتی: محمد فضیل، الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ وعیدین کے دو خطبوں کے درمیان تقریر کرنے کے جواز وعدم جواز میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خطبہ اردو میں ہو، تو چونکہ یہ رسول ﷺ اور آپ کے صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین ومحدثین اور فقہاء متقدمین ومتأخرین کے طریقہ اور عمل کے خلاف ہے؛ اس لئے مکروہ تحریمی ہے؛ چنانچہ عمدۃ الرعایہ شرح وقایہ میں ہے۔

فإنه لا شک في أن الخطبة بغير العربية على خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم، والصحابة، فيكون مكروهًا تحريماً. (عمدة الرعاية، على هامش شرح الوقاية، باب أحكام صلاة الجمعة، اشرفی دیوبند ١/ ٢٠٠)

اور اگر عربی میں ہو تو وہ خطبہ کا جزء ہے؛ اس لئے کہ درحقیقت عربی میں تقریر کرنے کا نام ہی خطبہ ہے۔ **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۴۶/۳۴)

عیدین کے خطبہ میں امام کے سر پر چھتری پکڑنے کا حکم

سوال [۴۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ بنگال کے ضلع جلپائی گوڑی اور کوچ بہار میں یہ رواج ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد جب امام صاحب خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، تو ان پر چھتری پکڑی جاتی ہے چاہے دھوپ ہو یا نہ ہو، چاہے بارش ہو یا نہ ہو، بہرصورت چھتری پکڑی جاتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ شرعًا اس کی کیا حیثیت ہے؟ براہ کرم مع حوالہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد جہانگیر، جلپائی گوڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین کے خطبہ کے دوران اگر دھوپ ہورہی ہے، یا بارش ہورہی ہے، تو چھتری لگا کر کھڑا ہو جانا بہتر اور مستحسن ہے اور اگر دھوپ بھی نہیں ہے اور بارش بھی نہیں ہورہی ہے، تو بلاضرورت خطیب کے اوپر چھتری لگا کر کھڑا ہو جانا بے ثبوت ہے اور اس کا التزام بدعت ہے اور اس کا ترک کرنا لازم ہے۔

قال الشمني: البدعة ما أحدث على خلاف الحق المتلقي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل لو حال بنوع شبهة، واستحسان، وجعل دينًا قويمًا وصراطًا مستقيما. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام، زكريا ديوبند ٢/ ٢٩٩، كراچي ١/ ٥٦٠)

قال ابن المنير: إن المندوبات قد تنقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها.

(فتح الباري، كتاب الاذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال، رقم: ٨٥٢، دارالفكر ٢/ ٣٣٦، اشرفي ٢/ ٤٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۲۰۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۵/۲۲ھ

(۳) فصل في صلاة العيد في المسجد وغيره

مسنون عیدگاہ

سوال [۳۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدگاہ کہاں بنائی جائے اور عیدگاہ کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں اور کیا کیا مندوب ومسنون؟

(۲) ایسے خیمہ جو بیاہ شادی کے پروگراموں میں لگائے جاتے ہیں، اسی طرح کے خیمہ عیدگاہ میں بوقت نماز وتقریر لگانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عمر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عید کی نماز ان علاقوں میں جائز ہے، جہاں پر جمعہ کی نماز جائز ہوتی ہے، یعنی شہر، قصبات اور ایسے بڑے گاؤں میں عید اور جمعہ کی نماز جائز ہوتی ہے، جو گاؤں قصبہ نما ہوتا ہے، جس کی آبادی ۳۰۰۰/ ہزار سے متجاوز ہو اور عیدگاہ کا آبادی سے باہر صحراء اور جنگلوں میں ہونا افضل اور مسنون ہے۔ (مستفاد: محمود یہ ڈابھیل ۴۰۹/۸)

تصح صلاة العيدين بما تصح به الجمعة إشارة إلى المصر والسلطان. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس العشرون في صلوة العيدين، زكريا ۶۰۸/۲، رقم: ۳٤۱۹)

عن عطاء بن السائب رضي، قال: صليت الفجر في هذا المسجد في يوم فطر، فإذا عبد الرحمن، وعبد الله بن معقل، فلما قضيا الصلاة خرجا وخرجت معهما إلى الجبانة. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۹۱/٤، رقم: ۵٦۵۸)

عن أبي سعيد الخدري رضي، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يخرج

يوم الفطر، والأضحى إلى المصلىٰ. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى ۱/۱۳۱، رقم:٩٤٦، ف:٩٥٦)

عن عليؓ: الخروج إلى الجبانة في العيدين من السنة، ثم خروجه ماشيًا إلى الجبانة، وهي المصلى العام. وتحته في الشامية: أي في الصحراء. (المعجم الأوسط، دار الكتب العلمية ۳/۱۱٦، رقم:٤٠٤٠، شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، مطلب يطلق المستحب على السنة، كراچي ۲/۱٦٨، زكريا ۳/٤٨)

الخروج إلى الجبانة في صلوة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشائخ، وهو الصحيح. (هندية، الباب السابع عشر في صلاة العيد، زكريا قديم ۱/۱٥٠، جديد ۱/۲۱۱، تاتارخانية ۲/٦۱۱، رقم:٣٤٢٣)

فالأفضل أداؤها في الصحراء في سائر البلدان. (مرقات المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب صلوة العيدين، الفصل الثاني، الأولىٰ أن يصلى العيد في الصحراء...... إمداديه ملتان پاكستان ۳/۲۹٨)

(۲) جن ایام میں صبح سے ہی سورج کی دھوپ تیز ہوجاتی ہے، ان ایام میں دھوپ سے حفاظت کے لئے عید گاہ میں خیمہ لگا دیا جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ زیب وزینت مقصود نہ ہو۔

مأ ابيح للضرورة يتقدر بقدرها. (الأشباه والنظائر قديم ص: ١٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۵۵)

نماز عید کون سی عید گاہ میں ادا کی جائے؟

سوال [۴۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے عید کی نماز کے لئے اپنی زمین دی؛ حالانکہ کافی عرصہ سے اس زمین پر

عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں اور زید نے اس زمین کی رجسٹری نہیں کی ہے؛ جبکہ لوگوں نے عید گاہ کے نام سے رجسٹری کرنے کو کہا تو زید نے رجسٹری کرنے سے انکار کردیا، پھر بھی اس میں نماز ہوتی ہے، تو عمر نے دوسری زمین کی عیدگاہ کے نام سے رجسٹری کردی ہے اور دونوں عیدگاہ میں نمازیں ہوتی ہیں، دونوں عیدگاہ کے درمیان چالیس یا پچاس میٹر کا فاصلہ ہے، دونوں عیدگاہ میں سے کون سی عیدگاہ میں نماز جائز ہے؟

المستفتی: علی مرتضیٰ، قاسمی دارالشفاء، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسری زمین چونکہ باضابطہ عیدگاہ کے لئے رجسٹری کردی گئی ہے؛ اس لئے اس پر نماز عید بلاشبہ جائز ہے اور پہلی زمین؛ چونکہ مالک کی ملکیت ہے تو اس پر اس شرط کے ساتھ نماز جائز ہے کہ مالک زمین نے عید کے موقع پر اپنی خوشی سے اس میں نماز کی اجازت دے دی ہو، بشرطیکہ الگ الگ دو جماعتیں نہ ہوں۔

تؤدي بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً. (در مختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة العيد، زكريا٣/ ٥٩، كراچي٢/ ١٧٦)

رجل له ساحة لابناء فيها أمر قومًا أن يصلوا فيها بجماعة، فهذا على ثلاثة أوجه: أحدها: إما أن أمرهم بالصلاة فيها أبداً نصاً، بأن قال صلوا فيها ابدًا، أو أمرهم بالصلاة مطلقاً ونوىٰ الأبد، ففي هذين الوجهين صارت الساحة مسجداً لو مات لا يورث عنه، وأما إن وقت الأمر باليوم، أو الشهر، أو السنة، ففي هذا الوجه لا تصير الساحة مسجداً لو مات يورث عنه. (هندية، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و مايتعلق به، الفصل الأول فيما يصير به مسجداً، زكريا قديم ٢/ ٤٥٥، جديد ٢/ ٤٠٩، الفتاوى التاتار خانية، كتاب الوقف، الفصل الحادى والعشرون في المساجد، زكريا٨/ ١٥٧، رقم:١١٤٩٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۲/ ۱۴۳۳ھ

عید کی نماز مساجد میں ادا کی جائے یا عیدگاہ میں؟

سوال [۴۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں ہر محلّہ کی الگ الگ مسجد ہے، جس میں اسی محلّہ کے آدمی نماز پڑھتے ہیں اور ہر محلّہ کے لوگ اپنی اپنی مسجد میں عید کی نماز بھی ادا کرتے ہیں، ہمارے محلّہ کے لوگوں کی ایک عیدگاہ کی زمین، دوسرے محلّہ کے بیچ میں ہے، جس میں ہم عید کی نماز ادا کرتے ہیں اور ہم مسجد میں عید کی نماز ادا نہیں کرتے، ہر مسجد کی الگ الگ کمیٹی بھی ہے، ہر کمیٹی اپنا امام مؤذن اور عید کے امور طے کرنے میں مستقل ہیں، اب چند سال پہلے ہمارے علاقہ میں ایک بڑی مسجد مرکز کے نام سے بنی ہے، جو گاؤں کی آبادی سے باہر ہے، اگر چہ وہاں بھی اب نئی آبادی دھیرے دھیرے بس رہی ہے اور اس مرکز کی مسجد کافی بڑی ہے اور اس کا احاطہ تقریباً ۳۰-۳۵ بیگھہ زمین کو لیے ہوئے ہے، جس میں ہمارے تمام محلّہ کے لوگ اگر اپنی اپنی مسجد میں عید کی نماز چھوڑ کر ایک جگہ اکٹھا نماز ادا کریں تو بھی وہ جگہ نہیں بھرے گی، مرکز کی طرف سے تمام مساجد میں یہ بات چلائی جاتی ہے کہ وہاں نماز ادا کی جائے، جس سے محلّہ کے متولیوں کو ناگواری ہوتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ......

(۱) کیا ان مساجد کی متفرق عید کی نماز کو ختم کر کے اس ایک بڑی مرکز مسجد میں اکٹھا عید کی نماز کا نظم کرنے کی کوشش کی جائے کہ ہر محلّہ کی کمیٹی سے اس سلسلہ میں بات طے کرلیں؟

(۲) یا جس طرح نماز ہو رہی ہے ہونے دیں اور مرکز میں جو چاہے اپنی مرضی سے آئے اور اپنی نماز عید ادا کرے؟

(۳) کیا ہر محلّہ کے لوگ اپنی اپنی مسجدوں کو چھوڑ کر نماز عید کے لئے مرکز میں شرکت کریں یہ بہتر ہوگا، یا اپنی اپنی مساجد میں جیسے پڑھتے آئے ہیں یہ بہتر ہے؟

المستفتی: حاجی شاہ عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عید کی نماز آبادی سے باہر عیدگاہ میں ادا کرنا مسنون ہے اور اگر عیدگاہ پہلے سے تیار شدہ نہیں ہے، تو آبادی سے باہر کہیں بھی کھلی فضا میں عید کی نماز ادا کی جائے، تو سنت ادا ہو جائے گی اور محلّہ کی مسجدوں میں عید کی نماز پڑھنے کے بجائے آبادی سے باہر عیدگاہ میں پڑھنا زیادہ افضل اور مسنون ہے۔ اور جس مرکزی مسجد کا ذکر کیا گیا ہے، اگر اس میں ہر محلّہ کے مسلمان آسانی سے اکٹھے ہو سکتے ہیں، جیسا کہ سوال نامہ میں ذکر ہے تو محلّہ کی مسجدوں کے مقابلہ میں سب لوگوں کا وہاں اکٹھا ہو کر نماز عید ادا کرنا بہتر ہوگا؛ اس لئے کہ عید کی نماز میں مسلمانوں کا اجتماع اور شوکت اسلام بھی مقصود ہوتا ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضـ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر، والأضحى إلى المصلىٰ. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر ١/ ١٣١، رقم:٩٤٦، ف:٩٥٦)

عن علي رضـ قال: الخروج إلى الجبانة في العيدين من السنة. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر بيروت ٣/ ١١٦، رقم:٤٠٤٠)

والخروج إليها أي الجبانة لصلوة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع، هو الصحيح. (تنوير مع الدر، كتاب الصلاة، باب صلوة العيدين، مطلب يطلق المستحب على السنة، كراچي ٢/ ١٦٨، زكريا ٣/ ٤٩، تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس و العشرون في شرائط صلوة العيد، زكريا ٢/ ٦١١، ، قديم ٢/ ٨٩، رقم:٣٤٢٣)

ذلک أي الخروج إلى الصحراء لصلوة العيد أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على ذلک مع فضل مسجده. (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى الخ جديد اشرفيه ديو بند ٢/ ٥٧٢، قديم دارالريان للتراث العربى ٢/ ٥٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۹۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۶ھ

بلا عذر عیدگاہ چھوڑ کر مسجد میں نماز عید

سوال [۴۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کے قریب میں ہی عیدگاہ ہے، مگر عید وبقرعید کی نماز محلّہ کی مسجد میں منتظمین مسجد اس غرض سے کراتے ہیں کہ مسجد کے لئے چندہ آجائے گا، برائے کرم وضاحت فرمائیں کہ کیا عید الفطر وعید الاضحیٰ کی نماز محلّہ کی مسجد میں پڑھی جاسکتی ہے؟ جبکہ عیدگاہ قریب بھی ہو اور عیدگاہ تک جانے میں نہ بیماری کا خطرہ ہو، نہ مال کا اور نہ جان کا۔

المستفتی: مصلیان مسجد محلّہ یوسف نگر جیون گڈھ، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدگاہ کا آبادی سے باہر ہونا سنت مؤکدہ ہے اور بغیر عذر آبادی سے باہر عیدگاہ میں نماز عید نہ پڑھ کر آبادی کے اندر مسجد یا میدان میں پڑھنا خلاف سنت ہے اور ترک سنت مؤکدہ کا گناہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۴۰۹، احسن الفتاوی ۴/۱۱۹)

عن أبي سعيد الخدري رضـ، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يخرج يوم الفطر، والأضحى إلى المصلىٰ. (بخاري شريف، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر ۱/۱۳۱، رقم:۹٤٦، ف:۹٥٦)

والخروج إليها أي الجبانة لصلوة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع، هو الصحيح الخ (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلوة العيدين، مطلب يطلق المستحب على السنة وبالعكس، زكريا ۳/٤۹، كراچي ۲/۱٦۹، تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس و العشرون في شرائط صلوة العيد، زكريا ۲/٦۱۱، قديم ۲/۸۹، رقم:۳٤۲۳)

الخروج إلى الجبانة في صلوة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع،

علی هذا عامة المشایخ، وهو الصحیح. (هندیة، کتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلاة العید، زکریا قدیم ۱/ ۱۵۰، جدید ۱/ ۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍ ۲۰۷۹)

عیدگاہ میں نہ جاکر مسجد میں بلاعذر نماز عید ادا کرنا

سوال [۴۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں جس کی مسلم غیر مسلم کل آبادی تقریباً تین ہزار ہے، اس بستی میں ہی کفن دفن وغیرہ کی ضروریات بھی پوری ہوجاتی ہیں، پانچ مسجدیں ہیں، ہر مسجد میں مسجد کی ابتداء سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے، اس گاؤں اور قرب وجوار میں جتنے گاؤں ہیں، ان سب کی ایک بہت بڑی عیدگاہ ہے، جو باہر کھلے میدان میں ہے، سبھی قرب وجوار والے لوگ عید کی نماز کے لئے عیدگاہ آتے ہیں، مگر اس بستی کے چند لوگ مل کر عید کی نماز مسجد میں پڑھتے ہیں اور مسجد میں عید کی نماز سے قبل فجر کے بعد فوراً قربانی کا جانور ذبح کردیتے ہیں، تو کیا ان حضرات کے لئے عیدگاہ ترک کرکے محلّہ کی مسجد میں عید کی نماز پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد رفیق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے گاؤں میں عید کی نماز واجب ہے جس کی آبادی تقریباً تین ہزار یا اس سے زائد ہو اور جب گاؤں کے لئے آبادی سے باہر باضابطہ عیدگاہ موجود ہے، تو عیدگاہ کو چھوڑ کر بلاعذر گاؤں کی مسجد میں عید کی نماز پڑھنا خلاف سنت ہے؛ اس لئے کہ عید کی نماز آبادی سے باہر جو عیدگاہ متعین کی گئی ہے وہیں پڑھنا مسنون ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۹؍ ۱۱۷، جدید ڈابھیل ۸؍ ۴۰۴، فتاوی دار العلوم ۵؍ ۱۸۵، امداد الاحکام ۲؍ ۳۴۶)

عن أبي سعيد الخدريؓ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يخرج يوم الفطر، والأضحى إلى المصلىٰ. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر ۱/۱۳۱، رقم:۹٤٦، ف:۹٥٦)

عن عليؓ قال: الخروج إلى الجبانة في العيدين من السنة. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر ۳/۱۱٦، رقم:٤٠٤٠)

والخروج إليها أي الجبانة لصلوة العيد سنة، وإن وسعهم المسجد الجامع، هو الصحيح. (الدرالمختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة العيدين، كراچي ۲/۱٦۸، زكريا ۳/٤۹، فتاوى عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في العيدين، زكريا قديم۱/۱٥٠، جديد۱/۲۱۱)

والخروج إلى الجبانة لصلوة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون في شرائط صلوة العيد ۲/٦۱۱، رقم:۳٤۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۴۲۱)

شہر کی جامع مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنا

سوال [۳۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا قصبہ بہت سے مواضعات پر مشتمل ہے، جہاں چیرمین کا انتخاب ہوتا ہے، تقریباً چار سال سے شہر کی جامع مسجد میں بھی لوگ نماز عیدین ادا کرتے ہیں، اب ایک عالم نے کہا ہے کہ جامع مسجد میں نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے، اس سلسلہ میں آں محترم سے درخواست ہے کہ اس عالم کا قول کہاں تک درست ہے؟ امید ہے کہ جلد جواب مرحمت فرمائیں گے۔

(۲) واضح رہے کہ اس عالم کو آپ کی اس تحریر پر بھی ''اگر عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہے، تو ایسی عیدگاہ سے سنت مؤکدہ کا حکم ختم ہوجاتا ہے'' جو ترجمان دیوبند شوال المکرّم کے شمارہ میں موجود ہے، اس پر بھی اعتراض ہے۔

المستفتی: ظفر الاسلام، دار العلوم، مؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آبادی سے باہر عیدگاہ میں جاکر نماز ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے، بلاعذر ایسی عیدگاہ کو ترک کر کے شہر میں نماز عید پڑھنا مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۳۵، فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۹۸/۵، کفایت المفتی قدیم ۲۴۵/۳، جدید زکریا ۲۹۳/۳، جدید زکریا مطول ۲۹۱/۵، امداد الفتاوی ۶۱۰/۱)

عن أبي سعيد الخدري رضـ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر، والأضحى إلى المصلى. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر ۱۳۱/۱، رقم: ۹٤٦، ف: ۹٥٦)

چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ اسی مقصد کے پیش نظر مسجد نبوی میں پچاس ہزار نمازوں کی فضیلت کے باوجود باہر جنگل وصحراء میں جاکر عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۱۶/۷، ڈابھیل ۴۰۵/۸)

ذلک أفضل من صلاتها في المسجد لمواظبة النبي صلى الله عليه وسلم على ذلک مع فضل مسجده. (فتح الباري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى، قديم بيروت ۵۲۲/۲، جديد اشرفيه ديوبند ۵۷۲/۲)

ہاں البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً بارش یا سخت سردی یا ضعفا ومعذورین ہوں، تو ایسی صورت میں شہر کی مساجد میں نماز عید ادا کرنا بلاکراہت درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۴۵/۳، جدید زکریا ۲۹۳/۳، جدید زکریا مطول ۲۹۱/۵، ایضاح المسائل ص: ۳۳)

و لا يصلى في المسجد إلا عن ضرورة...... وقال الشافعي في الأم:

بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يخرج في العيدين إلى المصلى بالمدينة، وكذا من بعده إلا من عذر مطر ونحوه. (عمدة القاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى، دار إحياء التراث العربي ٢٨١/٦، زكريا ١٧١/٥)

ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، كراچي ١٦٨/٢، زكريا ٤٩/٣، مصرى ٧٧٧/١)

(۲) اگرعیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہے، تو ایسی عیدگاہ سے سنت مؤکدہ کا حکم ختم ہوجاتا ہے؛ اس لئے کہ آبادی سے باہر میدان اور صحراء میں نماز عید پڑھنے کا اصل مقصد شوکت اسلام کا مظاہرہ ہے۔ اور جب عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے تو مقصد فوت ہوجانے کی وجہ سے اصل عیدگاہ کا حکم باقی نہیں رہے گا؛ لہٰذا وہاں نماز پڑھنا اور شہر کی مسجدوں میں نماز پڑھنا برابری کا حکم رکھتا ہے، کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص:۳۴، فتاوی دارالعلوم ۲۰۸/۵، امداد الفتاوی ۶۴۳/۱)

تؤدي بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً. (الدر المختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلوة العيدين، مطلب أمر الخليفة لايبقي بعد موته زكريا ٥٩/٣، كراچي ١٧٦/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۷۱۹۷)

عیدین کی نماز مسجد میں ادا کرنے سے عیدگاہ کا ثواب

سوال [۳۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ پر تین مسجدیں ہیں، عیدگاہ نہ ہونے کی بنا پر گاؤں والے عیدین کی نماز بھی

شہر کی بڑی مسجد میں ادا کرتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مالی حالت قوی اور مضبوط ہونے کے باوجود عیدگاہ نہ ہونے کی بناء پر بار بار مسجد ہی میں عیدین کی نماز ادا کرنے سے عیدگاہ میں نماز ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور عیدگاہ کا انتظام نہ کرنے کی وجہ سے شہر والے عنداللہ مجرم ہوں گے؟

المستفتی: انس فاروق، گودھر، اپنچ محل، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی عیدگاہ جو آبادی سے بالکل باہر صحراء میں ہوتی ہے، اس میں عیدگاہ کی فضیلت حاصل ہوتی ہے اور اس میں عید کی نماز پڑھنے کا مقصد اسلام کی شان وشوکت کا اظہار ہے اور جن شہروں میں عیدگاہ آبادی کے اندر آ گئی ہے، ان کا حکم اور شہر کی جامع مسجد اور بڑی مسجدوں کا حکم تقریباً یکساں ہے، جن میں آبادی سے باہر صحراء میں عید کی نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل نہیں ہوتی ہے۔

عن أبي سعيد الخدريؓ، قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يخرج يوم الفطر، والأضحى إلى المصلىٰ. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر ١/١٣١، رقم: ٩٤٦، ف:٩٥٦)

حتى لو صلى العيد في الجامع و لم يتوجه إلى المصلىٰ، فقد ترك السنة الخ (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين،زكريا ٢/٢٧٨، كوئٹه ٢/١٥٩)

اور عیدگاہ کی باقاعدہ تعمیر کرنا لازم نہیں ہے؛ بلکہ شہر اور آبادی سے باہر جنگلوں میں کسی بھی میدان میں عید کی نماز ادا کرنے سے عیدگاہ کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے اور جس میدان میں عید کی نماز پڑھی جائے، اس میں کھیتی باڑی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عليؓ: الخروج إلى الجبانة في العيدين من السنة. (المعجم الأوسط ٣/١١٦، رقم: ٤٠٤٠)

والخروج إليها، أي الجبانة لصلوة العيد سنة. (شامي، كتاب الصلاة، باب

صلوة العيدين، مطلب يطلق المستحب على السنة وبا لعكس، كراچي ١٦٩/٢، زكريا ٤٩/٣)

والخروج إليها، أي الجبانة لصلوة العيد سنة. وفي الحاشية: قوله سنة: فلو لم يتوجه إليها فقد ترك السنة. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلوة العيدين، كوئٹه ١/٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۲۲/ ۱۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۲۸ھ

فتنہ سے بچنے کے لئے کچھ لوگوں کا محلّہ کی مسجد میں نمازِ عید ادا کرنا

سوال [۳۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا قصبہ بارہ چودہ محلات پر مشتمل ہے، زمانہ قدیم سے ایک عیدگاہ قائم ہے، جس میں قصبہ کے پانچ سات محلے اور بیسیوں دیہات کے دیوبندی مسلک کے مسلمان نمازِ عید ادا کرتے ہیں، ادھر چندسالوں سے کچھ لوگوں نے اس میں ایک فتنے کی شکل پیدا کی، اس میں ناکامی کے بعد ایک محلّہ کی جامع مسجد میں نمازِ عید پڑھنی چاہی؛ لیکن مسجد کی کمیٹی نے مخالفت کی اور پڑھ نہیں سکے، تو ایک غیر جامع مسجد میں نمازِ عید تیس پینتیس آدمیوں نے ادا کرلی، پھر ہنگامہ کرکے ایک جدید انتخاب کیا اور جامع مسجد پر مسلط ہوگئے اور عیدین کی نماز پڑھنے لگے، ادھر ایک دوسری عیدگاہ کے ایک مصلی قاری صاحب اپنی عیدگاہ کے امام سے عناد کی وجہ سے الگ ہوکر اسی جامع مسجد میں آکر امامت کرنے لگے، اس سال ہماری عیدگاہ کے خطیب نے کہا کہ عیدگاہ کی موجودگی میں بلا عذر شرعی کے مسجد میں نمازِ عید پڑھنا مکروہ ہے، پانچ چھ ماہ کے بعد قاری صاحب نے اپنی جامع مسجد سے خطبۂ جمعہ میں متواتر دوتین جمعہ تک تقریر کرتے ہوئے بہت اشتعالی انداز میں فرمایا کہ جامع مسجد میں نمازِ عید پڑھنا بغیر کسی عذر کے مطلقاً درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

نیز عیدگاہ تو اب آبادی میں آگئی ہے تو مسجد کے حکم میں ہوگئی، عربی، فارسی، اردو کی ڈیڑھ سو کتابوں کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ سمجھا ہے کہ عیدگاہ کو بلا عذر چھوڑ کر مسجد میں نماز عید ادا کرنا مکروہ نہیں ہے۔ اور کتابوں کی فہرست بھی پڑھ کر سنائی۔ فتاوی شامی، شرح وقایہ، بدائع الصنائع، امداد الفتاوی، فتاوی دارالعلوم، فتاوی محمودیہ وغیرہ وغیرہ دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ صرف معذورین، ضعفاء، مرضیٰ یا تنگیٔ عیدگاہ کی صورت میں مسجد میں نماز عید پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ نیز انہوں نے عیدگاہ پر حملہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو مسجد کے حکم میں ہے اور مفتی شبیر احمد صاحب مرادآبادی کا حوالہ بھی دیا اور کوئی تحریر ان کی نہیں دکھائی، پتہ چلا ہے کہ کوئی استفتاء بھی آپ کے نام ارسال کیا تھا، جس کا جواب یہاں پہونچ گیا ہے، اس کی فوٹو کاپی ساتھ میں منسلک ہے۔

(۱) نماز عید سے متعلق جو آپ نے لکھا ہے، نہ اس سے اختلاف ہے اور نہ عیدگاہ کی آبادی میں آجانے کے مسئلہ سے اختلاف ہے؛ البتہ سوال یہ ہے کہ ہماری عیدگاہ جس نوعیت کی ہے کیا وہ آبادی کی تعریف میں آتی ہے؟

(۲) نیز اگر آبادی کی تعریف میں آتی ہے، تو اس سے اختلاف کر کے کسی مسجد میں صرف پچاس ساٹھ آدمی کو لے کر نماز عید پڑھنا اور عیدگاہ کو چھوڑ دینا، جس میں کئی ہزار مسلمان نماز عید ادا کرتے ہیں اور اتنے آدمی کی مزید گنجائش موجود ہے، کیا حکم ہے؟

عیدگاہ کی نوعیت یہ ہے کہ اس کے مصلی پانچ سات قصبہ کے محلّہ جو ایک کلومیٹر اور نصف کلو میٹر پر پڑتے ہیں اور بیسیوں دیہات جو پانچ سے سات کیلومیٹر پر پڑتے ہیں ادھر چند سالوں سے کچھ لوگ آکر عیدگاہ کے قریب آباد ہوگئے ہیں جو عید تو اسی عیدگاہ میں پڑھتے ہیں؛ لیکن نماز جمعہ دوسرے محلّہ میں جا کر پڑھتے ہیں؛ البتہ پنجوقتہ نماز کے لئے ایک چھوٹی سی مسجد حال ہی میں تعمیر کرلی ہے۔ جواب لکھتے وقت آپ کے ذہن میں یہ بات رہے کہ اس مسلک کے تمام ہی مسلمان اسی عیدگاہ میں نماز عید پڑھتے رہے ہیں، کبھی کسی نے اختلاف کر کے نہ

دوسری جگہ نماز عید پڑھی اور نہ ہی عیدگاہ میں تنگی ہوئی اور عیدگاہ جاتے وقت مختلف راستوں پگڈنڈیوں اور شاہراہوں پر شوکت اسلام کا منظر قابل دید رہتا ہے اور جو لوگ جامع مسجد میں پڑھتے ہیں، ان کی تعداد پچاس ساٹھ سے متجاوز نہیں ہے۔ اور کفار بھی سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی پھوٹ کی بنیاد پر یہ لوگ یہاں پر نماز عید پڑھتے ہیں، ان دونوں باتوں کا جواب شریعت مطہرہ کی روشنی میں تحریر فرمائیں تاکہ اس قصبہ میں ایک مسلک کے لوگوں کے مابین واقع نزاع کو ارباب حل وعقد بیٹھ کر ختم کرسکیں۔

نوٹ: عیدگاہ سال بھر بند رہتی ہے، نہ اذان ونماز پنج گانہ ہوتی ہے نہ کوئی پروگرام، صرف نماز عیدین کے لئے کھولی جاتی ہے۔

المستفتی: حاجی سفیان قاسمی، گھوسی، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے یہاں کی عیدگاہ ہم نے نہیں دیکھی ہے، اگر وہ آبادی میں آگئی ہے تو مسجد اور اس میں نماز پڑھنا برابر ہے، چاہے وہاں پر دوسرے گاؤں دیہات کے لوگ بھی آکر نماز پڑھتے ہوں۔ آقائے نامدار ﷺ آبادی سے باہر نماز عید کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور اس عیدگاہ سے کافی دور دور کے لوگ دوسرے محلوں سے آپ کے ساتھ نماز عید کے لئے آیا کرتے تھے، جیسا کہ بنوسلمہ، بنوحارثہ، بنوعبدالأشہل، بنوعمرو بن عوف، یہ سب لوگ گاؤں، دیہات سے الٹے شہر کی طرف آتے تھے؛ لہٰذا آپ کی جو عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہے، اس کو مسجد یا مدرسہ یا قبرستان کے لئے لے کر اس کے عوض میں آبادی سے باہر شرعی عیدگاہ بنائی جائے، جس میں مختلف محلات کے لوگ نماز کے لئے آئیں گے، تو اس کی مخالفت قطعاً جائز نہ ہوگی۔ اور اب جو صورت حال بتائی جارہی ہے، اس میں نماز نہ پڑھ کر اگر کچھ لوگ مسجد میں نماز پڑھ لیں تو ان پر کچھ حرج نہیں، بشرطیکہ یہ نماز اختلاف اور فتنہ برپا کرنے کے لئے نہ ہو، سہارنپور میں حضرت شیخؒ کی معیت میں سب سے پہلے مسجد میں عید کی نماز ہوئی تھی؛ جبکہ وہاں بھی عیدگاہ آبادی میں آگئی تھی، مگر اس میں کسی کی مخالفت

مقصود نہیں تھی۔ بہرحال آبادی میں آئی ہوئی عیدگاہ میں نماز پڑھنا اور مسجد میں نماز پڑھنا دونوں برابر ہے، مگر فتنہ وفساد بھی قطعاً جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۷۲۲۵)

مساجد میں عید کی نماز پڑھنا

سوال [۳۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر کی بہت سی مسجدوں میں عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے، جامع مسجد میں بھی ہوتی ہے اور محلّہ کی چار پانچ مسجدوں میں بھی عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہے؛ جبکہ عیدگاہ جانے میں کوئی پریشانی بھی نہیں ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اگر کراہت ہے تو کون سی؟

المستفتی: اسرار احمد، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آبادی کے باہر صحراء میں شرعی عیدگاہ ہے اور وہاں عید کی نماز پڑھنے میں کوئی عذر بھی نہیں ہے، تو ایسی عیدگاہ کو چھوڑ کر تمام لوگوں کا آبادی کی مساجد میں عید کی نماز ادا کرنا خلاف سنت ہے، ہاں البتہ عیدگاہ میں نماز ہوتی ہے اور بعض مساجد میں بھی نماز ہوتی ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ نیز اگر عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہے، تو وہ مسنون عیدگاہ کے دائرہ سے خارج ہوگئی ہے، اس میں نماز پڑھنا اور مسجدوں میں نماز پڑھنا برابر کا حکم رکھتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۳۵، امداد الفتاوی ۱؍۶۴۳، کفایت المفتی قدیم ۳؍۲۴۶، جدید زکریا ۳؍۲۹۳، مطول ۵؍۲۹۰)

وفیہ: البروز إلی المصلی والخروج إلیہ، ولایصلي في المسجد إلا عن ضرورۃ، وروي ابن زیاد عن مالک قال: السنۃ الخروج إلی الجبانۃ.

(عمدة القاری، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی قدیم ۲۸۱/۶، جدید زکریا دیوبند ۱۷۱/۵، فتاوی محمودیه قدیم ۲۱۶/۷، جدید ڈابھیل ۴۰۵/۸)

عن أبي سعید الخدري رضـ قال: کان النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: یخرج یوم الفطر، والأضحی إلی المصلیٰ. (صحیح البخاري، کتاب العیدین، باب الخروج إلی المصلی بغیر منبر ۱۳۱/۱، رقم: ۹۴۶، ف: ۹۵۶)

عن علي رضـ: الخروج إلی الجبانة في العیدین من السنة. (المعجم الأوسط، دار الفکر بیروت ۱۱۶/۳، رقم: ۴۰۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۹۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۳۰ھ

عیدگاہ سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل مساجد میں عید کی نماز ادا کرنا

سوال [۳۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں عید کی نماز عیدگاہ میں تاخیر سے ہوتی ہے؛ جبکہ محلّہ کی مسجد میں عیدگاہ سے ڈیڑھ، دوگھنٹہ پہلے ہوتی ہے، تو کیا اس طرح سے محلّہ کی مسجد میں نماز درست ہوجائے گی اوراس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے، کسی قسم کی کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد شمس الہدیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کے دن عیدگاہ کی نماز سے پہلے مساجد میں عید کی نماز پڑھنا بلاکراہت جائز اور درست ہے۔

ووقت الصلوة من الارتفاع إلی الزوال. (شامي، کتاب الأضحیة، کراچي ۳۱۸/۶، زکریا ۴۶۱/۹)

ولو ضحیٰ بعد ما صلی أهل المسجد، ولم یصل أهل الجبانة أجزأہ استحساناً؛ لأنه صلاة معتبرة، حتی لو اکتفوا بها أجزأتهم. وقال العلامة ابن الهمام رحـ:

لأن كون صلاة أهل المسجد صلاة معتبرة لاينافي كون صلاة أهل الجبانة أيضاً صلاة معتبرة. (هدايه مع فتح القدير، كتاب الأضحيه، كوئٹه ۸/ ۴۳۱، زكريا ۹/ ۵۲۷، شامي، كتاب الأضحيه، زكريا ۹/ ۴۶۰، كراچي ۶/ ۳۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۰۵)

عیدگاہ سے پہلے مساجد میں نماز عید

سوال [۴۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تک عیدگاہ میں عید کی نماز نہ ہوجائے تب تک گاؤں کی مسجد میں عید کی نماز صحیح نہیں ہوتی، پہلے عیدگاہ میں نماز ہوجائے، پھر مسجدوں میں عید کی نماز صحیح ہوگی، کیا ان کا یہ کہنا صحیح ہے؟

المستفتی: محمد ظاہر، محلّہ: کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہر کی مسجدوں میں عیدین کی نماز عیدگاہ سے پہلے ادا کرنا بلاکراہت درست ہے۔

ولو ضحیٰ بعد ما صلی أهل المسجد، ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحساناً؛ لأنها صلوة معتبرة الخ (شامي، كتاب الأضحية، زكريا ۹/ ۴۶۰، كراچي ۶/ ۳۱۸)

ولو ضحیٰ بعد ما صلی أهل المسجد، ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحساناً؛ لأنه صلاة معتبرة، حتى لو اكتفوا بها أجزأتهم. وقال العلامة ابن الهمام: لأن كون صلاة أهل المسجد صلاة معتبرة لاينافي كون صلاة أهل الجبانة أيضاً صلاة معتبرة. (هدايه مع فتح القدير، كتاب الأضحيه، كوئٹه ۸/ ۴۳۱، زكريا

۵۲۶/۹، شامي، کتاب الأضحیه، زکریا ۴٦۰/۹، کراچي ۳۱۸/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۵؍صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲/۳۵ ۷۰۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۲۳ھ

قبلہ رخ قبریں ہوتو عیدگاہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال [۳۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بہت بڑا پرانا قبرستان ہے اور آج سے تقریباً دس سال پہلے اس قبرستان کے متصل مشرقی جانب عیدگاہ کی زمین خریدی گئی؛ لیکن ابھی تک عیدگاہ نہیں بنائی گئی ہے اور امسال ۱۹۹۸ء میں بقرعید کی نماز پڑھی گئی، عیدگاہ کے مغربی جانب قبرستان اور مشرقی جانب کاشتکاری کی زمین اور شمالی جانب بھی کاشتکاری کی زمین اور جنوب میں تالاب ہے، اس عیدگاہ میں نماز ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیا جائے اور دوسال میں عیدگاہ بنانے کا اراداہ ہے۔ انشاء اللہ۔

المستفتی: سمیع الدین، مہراج گنجی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب قبریں عیدگاہ کے احاطۂ زمین سے باہر ہیں تو وہاں عیدین کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چاہے قبرستان قبلہ کی جانب کیوں نہ ہو، وہاں بلاتردد نماز عید جائز ہے۔

لاتکره الصلوة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلوة الخاشعين وقع بصره عليه. (شامي، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلوة وما یکره فیها، مطلب: في بیان السنة، والمستحب، کراچي ٦۵۴/۱، زکریا ۴۲۵/۲، هندیة، کتاب الصلاة، الباب السابع فیما یفسد الصلاة، الفصل الثاني فیما یکره في الصلوة وما لا

يكره، زكريا قديم ١/١٠٧، جديد ١/١٦٦، تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الرابع في ما يكره للمصلي و ما لا يكره، زكريا ٢/٢١٣، رقم: ٢١٩٨، قديم ١/٥٧٠)

ولابأس بالصلوة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة و ليس فيه قبر ولانجاسة، كما في الخانية. (شامي، كتاب الصلاة، قبيل مطلب تكره الصلاة في الكنيسة، زكريا ٢/٤٢، كراچي ١/٣٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۷۹۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۱ھ

جولوگ عید کی نماز میں پیچھے رہ گئے وہ کیا کریں؟

سوال [۳۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں عید کی نماز میں کچھ لوگ پیچھے رہ گئے تھے، بعد میں ان لوگوں نے دوبارہ عید کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو ایک حنفی عالم نے کہا کہ دوبارہ عید کی نماز نہیں پڑھی جائے گی، اس جملہ کو سن کر ایک غیر مقلد عالم نے کہا کہ اگر نماز نہ ہوگی تو ہم تم کو قربان کردیں گے، ورنہ اس کا ثبوت کسی حدیث سے دو؛ لہٰذا آن محترم سے درخواست ہے کہ مذکورہ مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں حل فرما کر ذہنی خلجان کو رفع فرمائیں۔

المستفتی: ابوالکلام سدھارتھ نگری، دارالطلبہ لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زوال سے پہلے پہلے وقت کے اندر اندر دوسری جگہ عید کی نماز وہ لوگ جماعت سے ادا کریں، جن کو عیدگاہ میں عید کی نماز نہیں ملی ہے تو بلاتردد جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ جس طرح جمعہ کی نماز متعدد مقامات پر ایک شہر میں جائز ہے اور آگے پیچھے بھی جائز ہے، اسی طرح عیدین کی نماز بھی دوبارہ دوسری جگہ پر درست ہے۔

إن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالإتفاق. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين،مطلب يطلق المستحب على السنة و بالعكس، كراچي ۱۶۹/۲، زكريا ۴۹/۳)

وتجوز إقامة صلاة العيدين في موضعين، وأما إقامتها في ثلاثة مواضع، فعند محمدؒ تجوز. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين، زكريا قديم ۱۵۰/۱، جديد ۲۱۱/۱، الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس و العشرون: شرائط صلاة العيد، زكريا ۶۱۲/۲، رقم:۳۴۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۸۸۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۴ھ

ہر جگہ نماز عید ہونے کے بعد جو لوگ باقی رہ جائیں ان کا الگ سے نماز عید پڑھنا

سوال [۴۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر کے مختلف مقامات پر نماز عید ہوتی ہے، ان میں سے آخری جگہ بھی نماز ہوچکی؛ لیکن کچھ لوگ نماز نہ پڑھ سکے، تو کیا یہ لوگ کسی جگہ جماعت کرکے نماز عید اداء کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: فضل اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں، یہ لوگ بھی زوال سے پہلے پہلے اپنے میں سے کسی کو امام بنا کر نماز عید ادا کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۶۴۵/۱، باقیات فتاوی رشیدیہ ص: ۲۲۰)

ولم تقض إن فاتت مع الإمام؛ لأن الصلوة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لاتتم بالمنفرد، فمراده: نفي الصلاة وحده، وإلا فإذا فاتت مع إمام وأمكنه أن يذهب إلى إمام أخر، فإنه يذهب إليه؛ لأنه يجوز تعددها في مصر واحد في موضعين وأكثر اتفاقاً. (بحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة

العيدين، كوئٹه ١٦٢/٢، زكريا ٢٨٣/٢، كذا في الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، كراچي ١٦٩/٢، زكريا ٤٩/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۷۸/۴۰)

ایک عیدگاہ میں دوبار عید کی نماز پڑھنا

سوال [۴۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں عیدگاہ ہے، جس میں باہری لوگ عیدین کی نماز پڑھنے آتے ہیں، جب عیدین کا وقت آتا ہے، تو گاؤں کی جامع مسجد میں جمعہ کے روز تمام متقدیوں کے مشورہ سے جس میں باہر کے لوگ بھی ہوتے ہیں عید کی نماز کا وقت طے ہوتا ہے، وقت مقررہ پر گاؤں کے سبھی لوگ اور باہر کے لوگ بھی سب اکٹھا ہوجاتے ہیں، تب نماز پڑھی جاتی ہے، ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے، مگر اب چند دنوں سے کچھ لوگ آپس میں دنیاوی رنجش کی وجہ سے چند لوگوں کو جوان کے موافق خیال کے ہیں ان کو ساتھ لے کر وقت مقررہ سے پہلے ہی عید کی نماز پڑھ لیتے ہیں، لوگوں نے ہر چند سمجھایا مگر نہیں مانے، ان کے پڑھ لینے کے بعد وقت مقررہ پر گاؤں والے اور باہری لوگ جمع ہوجاتے ہیں، جن کی تعداد پہلی جماعت کرنے والوں سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، مقررہ وقت پر امام سابق کے پیچھے نماز پڑھی جاتی ہے، مگر فکر اس کی ہے کہ عیدگاہ میں دو جماعتیں ہوتیں ہیں، تو کون سی جماعت صحیح ہوگی، پہلی جماعت یا دوسری جماعت؟

المستفتی: محمد عادل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جولوگ اعلان شدہ وقت سے قبل باجماعت عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھتے ہیں، ان کی نماز مکروہ ہوگی اور جولوگ اعلان کے بعد وقت مقررہ پر عیدگاہ

میں نماز پڑھتے ہیں، ان کی نماز سنت کے مطابق بلا کراہت درست ہوجائے گی؛ لہٰذا پہلی جماعت مکروہ اور دوسری جماعت مسنون ہوگی۔

ولو صلى بعض أهل المسجد بإقامة وجماعة، ثم دخل المؤذن والإمام وبقية الجماعة فالجماعة المستحبة لهم والكراهة للأولىٰ الخ
(عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول في صفته وأحوال المؤذن، زكريا قديم ۱/ ۵٤، جديد ۱/ ۱۱۱، تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الأذان، نوع آخر في المتفرقات، زكريا ۲/ ۱۵٦، رقم:۲۰۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ؍)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۱۵ھ

ایک ہی عیدگاہ میں دوسری جماعت قائم کرنا

سوال [۳۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید الاضحیٰ کی نماز عیدگاہ کے اندر اکثر لوگوں نے ادا کی اور کچھ لوگوں کی نماز چھوٹ گئی تھی، تو ان لوگوں نے اسی عیدگاہ میں دوبارہ نماز عید الاضحیٰ ادا کرلی، تو ان کی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ نیز کیا اسی عیدگاہ میں دوبارہ نماز ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس کی کوئی صورت ہو تو اس کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ثاقب ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز عید کی دوسری جماعت بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں عربی کی معتبر کتب فقہ میں صریح جزئیہ احقر کی نظر سے نہیں گذرا، ہاں البتہ نماز کے حق میں عیدگاہ کو مسجد کی طرح قرار دیا گیا ہے، اس پر قیاس کرکے مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری وغیرہ نے دوسری جماعت کو بلا عذر مکروہ لکھا ہے؛ اس لئے بلا عذر دوسری جماعت کی

اجازت نہیں؛ البتہ اگر عیدگاہ چھوٹی پڑ گئی ہے اور مجمع اتنا بڑا ہو گیا ہے کہ ایک ساتھ سب لوگوں کا یکبارگی نماز پڑھنا عیدگاہ میں ممکن نہیں ہے، تو ایسی صورت میں دوسری جماعت کی گنجائش ہے؛ لیکن اس جماعت کا امام بھی دوسرا ہونا چاہئے، پہلے امام کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳۵/۵، جدید زکریا ۱۵۳/۶)

يكره تكرار الجماعة في مسجد. (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد، كراچي ۱/ ۵۵۲، زكريا ۲/ ۲۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۰۰۵/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۶ھ

بارش کی وجہ سے ایک ہی مسجد میں دو مرتبہ نمازِ عید ادا کرنا

سوال [۴۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید کی نماز گاؤں کی ایک مسجد میں ہوئی اور بہت لوگ نماز پڑھنے سے رہ گئے اور بارش بہت زیادہ ہو رہی ہے اور گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے اور کوئی ایسی جگہ نہیں ہے، جہاں پر عید کی نماز پڑھائی جاسکے اور ان سب لوگوں نے بھی اسی مسجد میں نماز ادا کرلی، آیا ان لوگوں کی نماز جو بعد میں ادا کرلی ہے، وہ نماز ہوگی یا نہیں؟ یا اس نماز کو دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: عبدالحکیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ بڑا گاؤں جس کی آبادی تین ساڑھے تین ہزار یا اس سے زائد کی مردم شماری ہے اور نمازِ عید ادا کرنے کے لئے کوئی بڑا ہال وغیرہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ان لوگوں کی نماز بھی بلا کراہت ادا ہوگئی ہے، جنہوں نے بعد میں نماز پڑھی ہے۔ اور اگر چھوٹا گاؤں ہے، جس کی آبادی تین ہزار سے کم ہے اور اس میں کوئی بازار وغیرہ بھی نہیں

ہے، تو ایسے گاؤں میں عید کی نماز چونکہ صحیح نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے دونوں قسم کے لوگوں کی نماز عید صحیح نہیں ہوئی اور سب کی نماز نفل ہوجائے گی اور نفل با جماعت مکروہ ہے۔

صلوة العيد في القرىٰ تكره تحريماً، أي لأنه اشتغال بما لايصح؛ لأن المصر شرط الصحة الخ. وفي الشامية: فهو نفل مكروه لأدائه بالجماعة الخ (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب في الفال والطيرة، زكريا ٣/٤٦، كراچي ٢/١٦٧، حاشية الطحطاوي على الدر، باب العيدين، كوئٹه ١/٣٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۹۳۰)

عذر کی وجہ سے ایک مسجد میں دو مرتبہ نماز عید ادا کرنا

سوال [۳۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسی مسجد جس میں صلوۃ پنج گانہ اور جمعہ کے علاوہ قلت جگہ اور عیدگاہ نہ ہونے کی وجہ سے عیدین کی نماز ادا کی جاتی ہے؛ لیکن کبھی بارش، کیچڑ وغیرہ کی زیادتی کی وجہ سے صرف اندرون مسجد ہی نماز ہوتی ہے اور کثرت تعداد کی وجہ سے ایک مرتبہ میں بھی لوگ مسجد میں سما نہیں پاتے، اس پریشانی کے باعث دوبارہ جماعت کرنی پڑتی ہے، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے عذر کی وجہ سے دوسری نماز عید اسی مسجد میں ادا ہوجائے گی، کوئی کراہت تو نہیں آئے گی؟

المستفتی: محمد اکرم مدھے پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر واقعی بارش یا کیچڑ کی وجہ سے کوئی دوسری جگہ میسر نہ ہو سکے اور وہاں کوئی دوسرا ہال وغیرہ بھی موجود نہ ہو۔ نیز نماز عید فوت ہونے کا اندیشہ ہو، تو ایسی

صورت میں دوبارہ نماز مسجد مذکورہ میں بلا کراہت درست ہوجائے گی۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ، قدیم ۳۶/۵، جدید زکریا ۱۵۳/۶)

يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان و إقامة الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد،زكريا ٢ /٢٨٨، كراچي ١ /٥٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱۴۰/۳۱)

جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں عید کی نماز کا حکم

سوال [۳۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ اسلامیہ میں قرآن کریم کی تعلیم ہوتی ہے اور فرض نماز بھی ادا کی جاتی ہے، علاوہ جمعہ کے اور رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن شریف بھی مستقل طریقے سے پڑھا جاتا ہے، جب سے مدرسہ قائم ہوا ہے۔ کیا اس مدرسہ اسلامیہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز بھی پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب ارسال فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: حافظ خوشنود احمد، ڈھکیہ جمعہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آبادی سے باہر جاکر عیدگاہ میں نماز عید ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے؛ لہٰذا ایسے قصبہ کے مدرسہ میں جہاں جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو وہاں عیدین کی نماز کو قائم نہ کیا جائے؛ کیونکہ بلا عذر کے آبادی سے باہر جاکر عیدگاہ میں نماز نہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۳۵)

عن أبي سعيد الخدريؓ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يخرج يوم الفطر، والأضحى إلى المصلىٰ. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر ١/١٣١، رقم:٩٤٦، ف:٩٥٦)

عن عليؓ: الخروج إلى الجبانة في العيدين من السنة. (المعجم الأوسط ٣/١١٦، رقم: ٤٠٤٠)

ثم خروجه ماشيًا إلى الجبانة و هي المصلى العام، و تحته في الشامية: أي الصحراء (شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة العيدين، مطلب يطلق المستحب على السنة و بالعكس، زكريا ٣/٤٨، كراچي ٢/١٦٨)

الخروج إلى الجبانة في صلوة العيد سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشائخ، وهو الصحيح. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابعة عشر في صلاة العيد، زكريا قديم١/١٥٠، جديد الفتاوى التاتارخانية ٢/٦١١، رقم:٣٤٢٣)

الخروج إلى المصلى وهى الجبانة سنة، وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ، لما ثبت أنه عليه الصلوة والسلام كان يخرج يوم الفطر، ويوم الأضحىٰ إلى المصلى. (حلبي كبير، صلاة العيد، فروع خروج إلى المصلى اشرفية ديوبند ص: ٥٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۴۷۵/۳۶)	۱۴۲۳/۱/۲۹ھ

جہاں جمعہ جائز نہیں وہاں مفتی کا نمازِ عید پڑھنا

سوال [۳۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ اگر کوئی مفتی جمعہ کی نماز ادا نہ کرے، جہاں جمعہ شریعت کے لحاظ سے نہیں ہوتا، تو پھر وہی امام مفتی اس گاؤں میں عیدین کی نماز ادا کریں تو کیا جہاں جمعہ نہیں ہے، وہاں عیدین کی نماز پڑھنا مفتی صاحب کے لئے جائز ہے؟

المستفتی: محمد اکرام علی، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں جمعہ کی نماز شرعی طور پر صحیح نہیں ہوتی ہے، وہاں عیدین کی نماز بھی شرعی طور پر صحیح نہیں ہے، چاہے نماز پڑھنے والے عالم ہوں یا غیر عالم، سب کے لئے ایک ہی حکم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۲۶/۱۴، جدید ڈابھیل ۳۸۵/۸)

عن علي رضي، قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولاصلوة فطر، ولا أضحى إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، من قال: لا جمعة، ولاتشريق إلا في مصر جامع، مؤسسه علوم القرآن بيروت ٤٦/٤، رقم: ٥٠٩٩)

تجب صلاتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة، فإنها سنة بعدها. وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريماً. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب في الفال والطيرة، كراچي ١٦٦/٢، زكريا ٤٥/٣)

اعلم أن صلوة العيد واجبة على من تجب عليه الجمعة، هذا هو الصحيح من المذهب. (حلبي كبير، فصل في صلوة العيد اشرفية ديوبند ص: ٥٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ شوال المکرّم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱۸۱/۳۱)

جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی وہاں اشراق کا حکم

سوال[۴۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اشراق کی نماز عید کے روز ایسے دیہات میں جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی ہے، پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا دیہات میں شہر کی عید کی نماز ہونے سے پہلے پڑھ سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن دیہاتوں میں عید کی نماز جائز نہ ہو اور وہاں کے لوگ عید کی نماز نہ پڑھتے ہوں، ایسے دیہاتوں میں نماز عید سے پہلے نماز اشراق پڑھنا مشروع ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں صریح جزئیہ نہیں ملا؛ البتہ اوجز المسالک کی عبارت سے جواز کی بات مترشح ہوتی ہے۔ اوجز المسالک کی عبارت میں نماز عید سے پہلے اشراق کی نماز کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ ''اگر نوافل میں مشغول ہو جائیں گے تو عید کی نماز میں تاخیر ہوسکتی ہے'' اس علت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دیہات کے لوگوں کے لئے عید کے دن اشراق کی نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

وعن ابن مسعود و حذيفة: أنهما كانا ينهيان الناس عن الصلاة قبل العيد– ولأن المبادرة إلى صلاة العيد مسنونة. وفي الإشتغال: بالتطوع تأخيرها. (أوجز المسالك، كتاب العيدين، باب الرخصة في الصلوة قبل العيدين وبعدهما، جديد دار القلم دمشق ٣/٦٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۱۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۶/ ۱۴۳۱ھ

(۴) فصل في تكبيرات التشريق

ایام تشریق میں تکبیر تشریق کا وجوب

سوال[۳۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بقرعید کے موقع پر ۹؍ذی الحجہ کی صبح سے ۱۳؍ذی الحجہ کی عصر تک تکبیر تشریق پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے اور یہ تکبیر تشریق کن لوگوں پر لازم ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بقرعید کے موقع پر ۹؍ذی الحجہ کی صبح سے ۱۳؍کی عصر تک تکبیر تشریق پڑھنا اصح قول کے مطابق واجب ہے۔

عن علي بن حسين عن جابر بن عبدالله، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر في صلاة الفجر يوم عرفة إلى صلاة العصر من آخر أيام التشريق، حين يسلم من المكتوبات. (سنن الدار قطني، كتاب العيدين، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۳۷، رقم:۱۷۱۹)

ويجب تكبير التشريق في الأصح. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، كراچي ۲/۱۷۷، زكريا ۳/٦٤)

تكبير التشريق: واجب، يبدأ بالتكبير من صلاة الغداة يوم عرفة...... يكبر إلى صلاة العصر من اٰخر أيام التشريق......يجب على كل من تجب عليه المكتوبة في أيام التشريق. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع والعشرون، تكبيرات أيام التشريق، زكريا ۲/٦٣٤-٦٤٠، رقم: ٣٤٧٠-٣٤٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۳۲۵)

عید کی نماز کے بعد تکبیر تشریق ہے یا نہیں؟

سوال [۳۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ گولا ضلع لکھیم پور کھیری کے امام جامع مسجد نے عیدگاہ میں بقرعید کی نماز پڑھائی سلام کے بعد امام نے بلند آواز سے تکبیر تشریق پڑھی اور نمازوں کی طرح، جس پر پیچھے سے ایک عالم صاحب نے اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا کہ عید کی نماز واجب ہے اور واجب نماز کے بعد تکبیر تشریق نہیں پڑھی جاتی ہے، جس کی وجہ سے لوگوں میں کافی افواہیں ادھر اُدھر کی اڑیں؛ لہٰذا وضاحت فرمائیں کہ عیدین کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کی کیا حیثیت ہے؟ کس طرح پڑھیں؟ بلند آواز سے پڑھیں یا آہستہ پڑھیں؟

المستفتی: اراکین کمیٹی انجمن ضلع: لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ بقرعید کی نماز کے بعد بھی تکبیر تشریق بآواز بلند پڑھنا مستحب ہے؛ لہٰذا امام صاحب نے بآواز بلند جو تکبیر تشریق پڑھی ہے، وہ صحیح اور درست ہے اور جس عالم صاحب نے اس پر اعتراض کیا ہے وہ قول راجح اور مفتی بہ کے خلاف ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۴۴۵/۸)

عن علي بن أبي طالب، وعمار بن یاسرؓ، أنهما سمعا رسول الله صلى الله عليه وسلم ......يكبر في دبر الصلات المكتوبات من قبل صلاة الفجر، غداة عرفة إلى صلاة العصر، آخر أيام التشريق يوم دفعة الناس العظمى. (سنن الدارقطني، كتاب العيدين، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٣٧، رقم: ١٧١٧)

وعند البلخيين يكبرون عقب صلاة العيد لأدائها بجماعة كالجمعة وعليه توارث المسلمين، فوجب إتباعه. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، كراچي ٢/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٦٣)

وعليه الاعتماد والعلم والفتوى في عامة الأمصار وكافة الأعصار، ولابأس به عقب العيد؛ لأن المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم. (إعلاء السنن، كتاب العيدين، باب تكبيرات التشريق، وإنما لا تجب إلا على أهل المصر، بيروت ۸/۱۵۱، ۱۲٤۸)

وشرط إقامة، ومصر، ومكتوبة...... قيد بالمكتوبة احترازاً عن الواجب كصلوة الوتر، والعيدين...... والبلخيون يكبرون عقب صلاة العيد الخ (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين، زكريا ۲/۲۸۹، كوئٹہ ۲/۱٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۶۱/ ۱۱۱۳)

عیدین کی نماز میں تکبیر تشریق مشروع ہے یا نہیں؟

سوال [۴۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایام تشریق میں ہر فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق زور سے پڑھنے کا حکم ہے؟، سوال یہ ہے کہ عید کی نماز فرض نہیں ہے، بلکہ واجب ہے، جو باجماعت پڑھی جاتی ہے، تو کیا عید کی نماز کے بعد تکبیر تشریق زور سے پڑھنا مسنون ہوگا؟ اس میں فقہاء کا کیا اختلاف ہے اور قولِ راجح کیا ہے؟

المستفتی: محمد کامل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر تشریق کے ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے پر علماء کا اتفاق ہے؛ البتہ عید کی نماز کے بعد پڑھے جانے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ نماز عید کے واجب ہونے کی وجہ سے تکبیر تشریق نہیں پڑھی جائیگی، تاہم مشائخ کے عمل

اورتوارث مسلمین کی وجہ سے تکبیر تشریق پڑھنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور یہی قول راجح ہے۔
(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۸/۴۴۵، محمودیہ میرٹھ ۱۲/۵۲۴)

عقب كل فرض، شمل الجمعة وخرج به الواجب كالوتر، والعيدين، والنفل وعند البلخيين يكبرون عقب صلوة العيد؛ لأدائها بجماعة كالجمعة، وعليه توارث المسلمين، فوجب اتباعه. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، كراچي ۲/۱۷۹، زكريا۳/۶۳)

ولو كبر على إثر صلاة العيد لابأس به؛ لأن المسلمين توارثوا هكذا، فوجب أن يتبع توارث المسلمين. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب العيدين، كوئٹه ۲/۱٦٥، زكريا ۲/۲۸۹)

ولابأس بالتكبير عقب صلاة العيدين. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي قديم ص:۲۹٦، دار الكتاب جديد ص:٥٤١، إعلاء السنن، كتاب العيدين، باب تكبيرات التشريق، وانما لاتجب الا على أهل المصر، كراچي ۸/۱۲٤، بيروت ۸/۱٥۱)

وقال أبو يوسف و محمدؒ التكبير يتبع الفريضة، فكل من أدىٰ فريضة فعليه التكبير، والفتوى على قولهما. (الجوهر النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دارالكتاب ديوبند ۱/۱۱٤، امدادية ملتان ۱/۱۱٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۳۵۰)

تین مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا کیسا ہے؟

سوال [۴۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تکبیر تشریق تین تین مرتبہ پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے اور ایک سے زائد پڑھنے کے سلسلے میں دو طرح کے جزئیہ ملتے ہیں، بعض جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا کراہت جائز ہے اور بعض جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلاف سنت ہے؛ اس لئے اگر کوئی پڑھتا ہے تو اس پر نکیر نہ کی جائے اور جو نہیں پڑھتے ہیں ان کو پڑھنے کی ترغیب نہ دیں۔

ويجب تكبير التشريق في الأصح للأمر به مرةً، وإن زاد عليها يكون فضلاً. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب في تكبير التشريق، زكريا ٣/٦٢، كراچي ٢/١٧٧)

ذكر أبو السعود أن الحموي نقل: عن القراحصاري أن الإتيان به مرتين خلاف السنة، قلت: وفي الأحكام عن البر جندي: ثم المشهور من قول علمائنا أنه يكبر مرة، و قيل ثلاث مرات. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، قبيل مطلب المختار أن الذبيح اسماعيل، زكريا ٣/٦٢، كراچي ٢/١٧٨)

وصفته أن يقول مرة واحدة، وإن زاد عليها يكون نفلاً. (الدر المنتقي في شرح الملتقي على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلوة العيدين، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٦٠)

قوله مرة إشارة إلى رد ما نقل عن الشافعي: أنه يكرر التكبير ثلاثاً. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيد، كوئٹه ٢/١٦٥، زكريا ٢/٢٨٨)

وصفته أي صفة التكبير أن يقول مرة، حتى لو زاد فقد خالف السنة. وعند الشافعي يقول: الله اكبر ثلاثا، أو خمساً، أو سبعاً، أوتسعاً متصلاً. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دارالكتب العلمية، بيروت ١/٢٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۵۹/۴۰)

تکبیرات تشریق تین مرتبہ پڑھنا افضل ہے یا ایک مرتبہ؟

سوال [۴۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ ذی الحجہ میں ایام تشریق کے پانچ دن کی تکبیرات تشریق کیا تین مرتبہ پڑھنا حضور ﷺ سے ثابت ہے یا ایک مرتبہ؟ نیز فقہ حنفی میں کہیں بھی تین مرتبہ کا ثبوت ہے یا ایک ہی مرتبہ ہے؟ ہمارے شہر رائچور صوبہ کرناٹک میں بریلوی حضرات تین مرتبہ کو سنت اور افضل قرار دیتے ہیں۔

المستفتی: محمد عاکف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر تشریق ایک مرتبہ پڑھنا ہر نماز کے بعد نویں ذی الحجہ کی نماز فجر سے تیرہویں کی نماز عصر تک واجب ہے۔ اوراس سے زائد دو یا تین مرتبہ پڑھنا بعض فقہاء نے خلاف سنت اور بعض فقہاء نے مستحب لکھا ہے اور خلاف سنت کے قول کو بعد کے فقہاء نے راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے؛ لہٰذا اس مسئلہ کو موضوع بحث بنانا نہیں چاہئے؛ کیونکہ تین مرتبہ کہنا بھی بعض فقہاء سے ثابت ہے؛ اس لئے ان پر نکیر کی ضرورت نہیں، اگر آپ ایک مرتبہ پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں تو صرف اپنے خاص لوگوں کو دیا کریں۔

ویجب تکبیر التشریق في الأصح مرة، وإن زاد علیها یکون فضلاً الخ. وتحته في الشامیة: إن الإتیان به مرتین خلاف السنة الخ.

(درمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب في تکبیر التشریق، کراچي ۱۷۷/۲، زکریا دیوبند ۶۲/۳)

وما زاد فهو مستحب، وفي مجمع الأنهر: إن زاد فقد خالف السنة.

(حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، دارالكتاب ديوبند، جديد ۲/ ۵۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۵۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۸ھ

تکبیر تشریق کن لوگوں پر واجب ہے

سوال [۴۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامعہ فاطمہ شاہجہاں پور کی طرف سے مسائل عیدالاضحیٰ جو شائع ہوئے، جس کی فوٹو کاپی منسلک ہے، برائے تشریح مفتی جامعہ فاطمہ کو روانہ کیے گئے، مفتی صاحب نے جو جوابات دیئے ہیں، وہ سمجھ میں نہیں آئے؛ اس لئے آپ کی خدمت میں ارسال ہیں۔

سوالات درج ذیل ہیں:

الف: تکبیر تشریق کے سلسلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ جماعت مستحبہ کی تشریح کس طرح نماز باجماعت ہو، جس کو مستحب کہا جائے گا؟

ب: اگر کسی کو امام کے ساتھ پوری رکعتیں نہ ملی ہوں، تو وہ اپنے کو مستحب جماعت میں شامل تصور کرتے ہوئے بعد سلام تکبیر تشریق کہے یا تکبیر تشریق چھوڑ دے؟

ج: مندرجہ بالا تحریر کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ تکبیر تشریق صرف اور صرف نماز باجماعت پڑھنے والوں پر واجب ہے، اگر کسی کی جماعت کسی مجبوری سے فوت ہوگئی ہے یا وہ مسافر ہے، تو اس پر تکبیر تشریق واجب نہیں ہے؟

د: گھر کے اندر جو خواتین بغیر جماعت نماز پنج گانہ ادا کر رہی ہیں، وہ بھی میری ناقص عقل کے مطابق مندرجہ بالا تحریر کی روشنی میں تکبیر تشریق سے مستثنیٰ تصور ہوں گی؛ کیونکہ اس واجب کو ادا کرنے کے لئے جماعت مستحبہ کی ضرورت ہے۔

المستفتی: خادم مطلوب احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تکبیر تشریق کن لوگوں پر واجب ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کے دوقول ہیں:

(۱) وہی ہے کہ جو جامعہ فاطمہ کے اشتہار میں درج ہے کہ جو لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے، ان کے اوپر تکبیر تشریق واجب ہے۔

(۲) یہ ہے کہ تکبیر تشریق نویں ذی الحجہ کی صبح سے تیرہویں کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد مرد پر بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے اور عورت پر آہستہ آواز سے، چاہے جماعت سے پڑھی جائے یا تنہا، چاہے مسبوق ہو یا عورت، ہر عاقل بالغ مرد وعورت مسافر مقیم سب پر تکبیر تشریق واجب ہے، یہی دوسرا قول راجح ہے اور یہی معمول بہا ہے، اس میں سائل کے سوال نامہ کی چاروں شقوں کا جواب آ گیا، فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ووجوبه على إمام مقيم بمصر و على مقتد مسافر، أو قروی، أوامرأة بالتبعية؛ لكن المرأة تخافت، ويجب على مقيم اقتدىٰ بمسافر، و قالا بوجوبه فور كل فرض مطلقاً ولو منفرداً، أو مسافراً، أوامرأة؛ لأنه تبع للمكتوبة، وعليه الاعتماد والعمل، والفتوى في عامة الأمصار . (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب: المختار أن الذبيح إسماعيل، كراچي ۲/۱۷۹، زكريا ۳/٦٤)

يجب على كل من تجب عليه المكتوبة في أيام التشريق، والرستاقي، والبلدي، والمسافر، والمقيم، والذي يصلي وحده، أوبجماعة سواء. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع والعشرون في تكبيرات أيام التشريق، زكريا ۲/ ٦٤٠، رقم:۳٤۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۶ھ

تکبیرات تشریق سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال[الف: ۴۷۳۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایامِ تشریق میں تکبیرِ تشریق کتنی مرتبہ کہنا مسنون ہے، اور تین مرتبہ لازم کہنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) تکبیرات تشریق امام ومقتدی کا ایک ساتھ کہنا مسنون ہے یا پہلے امام کہہ لے پھر مقتدی کہے، کون سا طریقہ افضل ومسنون ہے؟

(۳) اگر تکبیر تشریق امام ومقتدی کا ایک ساتھ کہنا مسنون ہے، تو طحطاوی علی المراقی کی عبارت ''**ولو نسي الإمام التكبير أتى به المؤتم وجوباً الخ ٥٤٠**'' کا مطلب کیا ہے؟ نیز اس مسئلہ کی تائید میں صاحب طحطاویؒ نے امام ابو یوسفؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام پہلے تکبیر کہے گا، پھر مقتدی کہیں گے، بہر حال جو طریقہ مسنون وافضل ہو، اس کی وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد زبیر، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہر فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے اور تین مرتبہ پڑھنے کو بعض فقہاء نے خلاف سنت لکھا ہے اور بعض فقہاء نے بغیر التزام کے مستحب بھی لکھا ہے؛ اس لئے تین مرتبہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختیار رہے گا۔ اور تین مرتبہ نہ پڑھنے والے پر نکیر نہ کی جائے اور تین مرتبہ پڑھنے والے پر بھی نکیر نہ کی جائے۔

وفي حاشية الطحطاوي: ويأتي به مرة، ومازاد فهو مستحب.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، دارالكتاب ديوبند ٥٣٩)

(۲) افضل یہی ہے کہ تکبیر کی ابتداء امام کرے پھر مقتدی بھی تکبیر کہیں؛ لیکن اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدی زور سے تکبیر کہیں تا کہ امام کو تنبیہ ہو جائے۔

وفي التاتار خانية: ويبدأ الإمام به، ثم القوم، فإن نسي الإمام يبدأ واحد من القوم حتى يكبر الإمام. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع والعشرون كيفية تكبير التشريق، زكريا ۲/ ٦٣٩، رقم: ٣٤٧٦، كوئٹه ٢/ ١٠٣)

(۳) جواب نمبر۲ر میں سوال نمبر۳ر کی وضاحت بھی آ گئی ہے کہ پہلے امام ہی تکبیر تشریق شروع کرے گا، اس کے بعد ہی مقتدی کہیں گے، یہی افضل طریقہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۶۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۱ھ

شہر کی ایک مسجد میں نماز عید کے بعد دیگر محلوں کے لوگوں کے لئے قربانی کا حکم کیا ہے؟

سوال [ب: ۳۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نجیب آباد اور جلال آباد کسی زمانہ میں الگ الگ آبادی تھی اور آج کے زمانہ میں بلا کسی فصل کے دونوں کی آبادی متصل ہوکر ایک ہی قصبہ اور ایک ہی شہر جیسی ہو چکی ہے کوئی بھی اجنبی آدمی اس کی حیثیت کو دیکھ کر دونوں کو الگ الگ نہیں سمجھ سکتا، ایسی صورت میں یہ مسئلہ درپیش ہے کہ بقرعید کی نماز نجیب آباد میں پہلے ہو جاتی ہے اور جلال آباد میں تاخیر سے ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ نجیب آباد میں بقرعید کی نماز ہو جانے کے بعد جلال آباد والوں کے لئے اپنی نماز عید پڑھنے سے پہلے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اسی طرح کسی بھی شہر میں کسی ایک محلّہ کی مسجد میں نماز عید ہو جائے تو دوسرے محلّہ کے ان لوگوں کے لئے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جنھوں نے نماز عید نہیں پڑھی ہے اور قربانی کرنے کے بعد جہاں نماز عید تاخیر سے ہوتی ہے یہ لوگ وہاں جا کر نماز عید الاضحیٰ ادا کریں گے؟

المستفتی: مفتی اسرار احمد، امام مسجد ریلوے اسٹیشن، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب نجیب آباد اور جلال آباد دونوں آبادی مل کر ایک قصبہ بن چکا ہے، تو دونوں ایک قصبہ کے الگ الگ دو محلوں کے حکم میں ہو چکے ہیں اور دونوں مل کر

ایک ہی قصبہ شمار ہوگا اورشہر وقصبہ کی کسی ایک مسجد میں نمازعید الاضحیٰ ہوجانے کے بعد دوسرے محلّہ والوں کے لئے قربانی جائز ہوجاتی ہے یانہیں؟اس سلسلے میں فقہاء کی دورائیں ہمارے سامنے ہیں:

(۱) پہلی رائے یہ ہے کہ شہر کی مختلف مسجدوں اورعیدگاہ میں سے کسی ایک جگہ نمازعید ہوجانے کے بعد پورے شہر میں ہرجگہ قربانی جائز ہوجاتی ہے؛لہٰذااس قول کے مطابق نجیب آباد میں نماز عید ہوجانے کے بعدجلال آبادمیں بھی قربانی جائز ہوجائیگی اسی شہر کے ایک محلّہ کی مسجد میں نمازعید ہوجانے کے بعدان محلوں میں بھی قربانی جائز ہوجائیگی جن محلوں میں ابھی نمازعید نہیں ہوئی ہےاوربعد میں ہونے والی ہےاوراس قول کے مطابق دوسرے محلّہ کےلوگ اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنے کے بعدعید کی نماز پڑھ سکتے ہیں اوریہی قول اکثر اردوفتاوی میں دیکھنےکو ملے گا؛لیکن یہ قول حدیث رسول کی عبارۃ النص کے خلاف ہے؛ اس رائے کے مطابق عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ولوضحیٰ بعد ما صلی أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانًا؛ لأنها صلاة معتبرة حتى لو اكتفوا بها أجزأتهم. (شامي، زكريا ٩/ ٤٦٠، هداية اشرفي ٤/٦ ٤٤، البحرالرائق زكريا ٨/٢ ٣٢)

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ شہر کےمختلف محلوں میں سے اگرکسی ایک محلّہ میں پہلے نمازعید ہوجائےتو صرف اسی محلّہ کےلوگوں کے لئے اپنی قربانی کے جانورکوذبح کرنا جائز ہوجاتا ہےاوردوسرے محلّہ کےلوگوں کے لئے اس وقت تک اپنی قربانی جائز نہ ہوگی جب تک ان محلوں میں نمازعید نہ ہوجائے،اسی قول کوفقہاء نے حدیث رسول کے زیادہ موافق قراردیا ہے اوراسی قول پرعمل کرنے میں احتیاط ہے؛لہٰذا اس قول کے مطابق شہر کے اندر جن لوگوں نے اپنی نمازعید نہیں پڑھی ہے،ان کے لئے ایسا کرنا جائزنہیں ہے کہ دوسرے محلّہ میں نمازعید ہوجانے کی وجہ سے اپنی قربانی کردیں، پھرعید کی نماز پڑھنے کے لئے جائیں اورحدیث رسول کے مطابق احتیاط کا پہلوغالب ہونے کی وجہ سے اسی پرعمل کرنا زیادہ احوط اورزیادہ بہتر ہے۔عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وإن كان يصلى في المصر في موضعين بأن كان الإمام قد خلف من يصلى بضعفة الناس في الجامع وخرج هو بالآخرين إلى المصلى، وهو الجبانة، ذكر الكرخيؒ: أنه إذا صلى أهل أحد المسجدين أيهما كان جاز ذبح الأضاحى وذكر في الأصل: إذا صلى أهل المسجد فالقياس أن لا يجوز ذبح الأضحية وفي الاستحسان يجوز، وجه القياس أن صلاة العيد لما كانت شرطاً لجواز الأضحية في حق أهل المصر فاعتبار صلاة أهل أحد الموضعين يقتضي أن يجوز واعتبار صلاة أهل الموضع الآخر يقتضي أن لا يجوز، فلا يحكم بالجواز بالشک؛ بل يحكم بعدم الجواز احتياطًا. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢١١)

قوله: أجزأه استحسانا يشير إلى أنه لا يجزيه قياسًا، وذلک لأن اعتبار جانب أهل الجبانة يمنع الجواز واعتبار جانب أهل المسجد يجوز ذلک؛ فإنه قبل الصلاة من وجه وبعد الصلاة من وجه، فوقع الشک، وفي العبادات يؤخذ بالاحتياط. (فتح القدير زكريا ٩/ ٥٢٦)

قال شمس الأئمه الحلواني: هذا إذا ضحى رجل من الفريق الذي صلى فأما إذا ضحىٰ رجل من الفريق الذي لم يصل فلم تجز أضحيته قياسًا واستحسانًا.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ١٧/ ٤١٩، رقم:٢٧٩٩٦، وهكذا في البناية شرح الهداية ١٢/ ٢٥)

اورحدیث شریف اس مسئلہ سے متعلق یہ ہے:

عن أنس بن مالک قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من ذبح قبل الصلاة فإنما يذبح لنفسه، ومن ذبح بعد الصلاة فقدتم نسكه وأصاب سنة المسلمين. (بخاری شريف، أضاحي ٢/ ٨٣٢، رقم:٥٣٣١، مسلم شريف أضاحي ٢/ ١٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۳۰۲)

ساتشرکاء میں سے ایک نے پہلے عید کی نماز پڑھ کر قربانی کردی باقی شرکاء نے ابھی نماز نہیں پڑھی

سوال [۴۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شہر کے مختلف محلوں کے سات آدمیوں نے مل کر ایک بڑا جانور قربانی کے لئے خریدلیا، اور شہر میں نماز عیدالاضحیٰ مختلف مسجدوں میں ہوتی ہے اور عیدگاہ میں بھی ہوتی ہے، مگر ان نمازوں کے اوقات مختلف ہیں:

ایک مسجد میں سورج طلوع ہونے کے بیس منٹ کے بعد نماز عیدالاضحیٰ ہوجاتی ہے، دوسری مسجد میں طلوع شمس کے آدھا گھنٹہ کے بعد ہوتی ہے، تیسری مسجد میں ایک گھنٹہ کے بعد ہوتی ہے، چوتھی مسجد میں سوا گھنٹہ کے بعد ہوتی ہے، پانچویں مسجد میں ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہوتی ہے اور عیدگاہ میں تقریباً دو گھنٹے بعد ہوتی ہے، ان ساتوں شرکاء میں سے ایک اس مسجد میں نماز پڑھتا ہے، جس میں سب سے پہلے نماز عید ہوتی ہے، دوسرا اس کے بعد والی میں، تیسرا اس کے بعد والی میں، چوتھا اس کے بعد والی میں، پانچواں اس کے بعد والی میں، چھٹا عیدگاہ میں نماز پڑھے گا اور ساتواں شریک نماز ہی نہیں پڑھتا ہے، وہ فرض، نماز جمعہ، عیدین کچھ نہیں پڑھتا ہے، بس وہ صرف ایک نام کا مسلمان ہے، مگر اس کی کمائی حلال ہے اور یہ سب لوگ الگ الگ محلوں کے ہیں، ایسے حالات میں سب سے پہلے جس نے نماز عید پڑھ لی، وہ اپنی نماز کے بعد قربانی کا جانور ذبح کرنا چاہتا ہے؛ جبکہ اس کے شرکاء میں سے کسی نے نماز عید نہیں پڑھی ہے، یہ سب بعد میں پڑھیں گے، تو اس کے لئے تمام شرکاء کی طرف سے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی ہے، جانور کو ذبح کردینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسرار احمد، امام مسجد اسٹیشن والی، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شامی وغیرہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جب شہر میں کسی ایک مسجد میں نماز عید ہوجائے، تو پورے شہر میں ہر جگہ قربانی کرنا جائز ہوجاتا ہے اور اسی مسئلہ کو اردو فتاوی کی اکثر کتابوں میں بھی صراحت سے لکھا گیا ہے؛ لہٰذا مذکورہ شرکاء میں سے جس نے پہلے نماز پڑھ لی ہے، اس کے لئے دیگر شرکاء کے نماز پڑھنے سے پہلے مشترک جانور کو سب کی طرف سے ذبح کر دینا جائز ہوگا، اور سب کی قربانی درست ہوجائیگی اور جو بے نمازی ہے، اس کی وجہ سے کسی کی قربانی میں کوئی فرق نہیں آئے گا؛ اس لئے کہ قربانی میں مسلمان ہونا اور حلال مال ہونا شرط ہے اور وہ دونوں شرطیں یہاں موجود ہیں، مگر بہتر یہی ہے کہ سب کی نماز ہوجانے کے بعد ذبح کیا جائے، تاکہ حدیث شریف پر بھی مکمل عمل ہوجائے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۵/۵۰۹، فتاوی رحیمیہ ۱۰/۳۹)

ولو ضحیٰ بعد ما صلی أهل المسجد ولم یصل أهل الجبانة أجزاه استحسانًا؛ لأنها صلاة معتبرة حتی لو اکتفوا بها أجزأتهم. (شامي، زکریا ۹/ ٤٦٠، هداية اشرفي ٤/٤٤٦، مجمع الأنهر، مكة المكرمة ٤/ ١٧٠، البحرالرائق زكريا ٨/ ٣٢٢، تبيين الحقائق زكريا ٦/٤٧٧)

اور حدیث شریف اس مسئلے سے متعلق یہ ہے:

عن أنس بن مالک قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: من ذبح قبل الصلاة فإنما یذبح لنفسه، ومن ذبح بعد الصلاة فقدتم نسکه وأصاب سنة المسلمین. (بخاری شریف، أضاحي ۲/ ۸۳۲، رقم: ۵۳۳۱، صحيح مسلم، أضاحي ۲/ ۱۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۳۰۳)

(۵) فصل في من يجب عليه صلاة العيد و من لايجب

کیا عورتوں پر عید کی نماز واجب ہے؟

سوال[۴۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کی نماز جس طرح مردوں پر واجب ہے، کیا عورتوں پر بھی واجب ہے؟ عہد نبوی ﷺ میں تو عورتیں نماز عید میں شریک ہوا کرتی تھیں؛ لیکن حضرات صحابہؓ کے زمانہ میں فتنہ کے اندیشہ سے جماعت کی حاضری سے روک دی گئیں، تو کیا اب عورتیں نماز عید گھر میں ادا کرسکتی ہیں یا نہیں؟ تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: جلیس احمد ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز عید کے لئے نماز جمعہ کی طرح جماعت شرط ہے اور تنہا عورتوں کی جماعت جائز نہیں ہے؛ اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورتوں کے لئے گھر میں نماز عید ادا کرنا درست نہیں ہوگا۔

ومن شرائطها الجماعة؛ لأن الجمعة مشتقة منها الخ (هداية، كتاب الصلاة، باب صلوة الجمعة اشريفى ديوبند ١/١٦٩)

تجب صلواتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوىٰ الخطبة الخ (الدر المختار مع الشامي، باب العيدين، مطلب في الفال والطيرة، زكريا ٣/٤٥، كراچي ٢/١٦٦)

اعلم أن صلوة العيد واجبة على من تجب عليه الجمعة، هذا هو الصحيح من المذهب. (حلبي كبير، فصل في صلوة العيد، اشرفية ديو بند ص:٥٦٥)

ویکره إمامة المرأة للنساء في الصلوات کلها من الفرائض، والنوافل الخ (هندیة، کتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بیان من یصلح إماماً لغیره، زکریا قدیم ۱/ ۸۵، جدید ۱/ ۱٤۳)

ویکره تحریماً جماعة النساء. (در مختار، کتاب الإمامة، کراچي ۱/ ٥٦٥، زکریا ۲/ ۳۰٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر شوال المکرّم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۲۱)

کیا عورتوں پر نماز عید الفطر وعید الاضحیٰ واجب ہے؟

سوال [۳۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عورتوں پر عید الفطر وعید الاضحیٰ کی نماز پڑھنا بھی واجب ہے؟

المستفتی: حافظ مقصود احمد انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں پر عید الفطر وعید الاضحیٰ کی نماز پڑھنا نہ واجب ہے، نہ سنت اور نہ مستحب؛ بلکہ ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے؛ کیونکہ تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اور جمعہ وعیدین میں حاضر ہونا بھی ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے؛ اس لئے ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵/ ۲۳۲)

عن أم سلمةؓ، عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أنه قال: خیر مساجد النساء قعر بیوتهن. (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ۲۹۷، رقم: ۲۷۰۷۷، ۳۰۱، رقم: ۲۷۱۰٥)

ویکره حضورهن الجماعة ولو لجمعة، وعید، و وعظ مطلقاً، ولو عجوزاً لیلاً علی المذهب المفتی به لفساد الزمان الخ . (الدر المختار مع المحتار،

كتاب الصلاة باب الإمامة، مطلب إذا صلى الشافعي قبل الحنفي، كراچي ١/٥٦٦، زكريا٢/٣٠٧،كوئٹه ١/٤١٨)

قوله ولايحضرن الجماعات؛ لقوله تعالىٰ: ’’ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ‘‘ [سورة الاحزاب:٣٣]

وقال صلى الله عليه وسلم: صلاتها في قعر بيتها أفضل من صلاتها في صحن دارها، وصلاتها في صحن دارها أفضل من صلاتها في مسجدها، وبيوتهن خير لهن؛ ولأنه لا يؤمن الفتنة من خروجهن. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ١/٦٢٧، كوئٹه ١/٣٥٨)

ويكره تحريماً جماعة النساء؛ لأن الإمام إن تقدمت لزم زيادة الكشف، وإن وقفت وسط الصف لزم ترك الإمام مقامه، وكل منهما مكروه. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ١/٢٤٥)

ويكره تحريماً جماعة النساء. (در مختار، باب الإمامة، كراچي ١/٥٦٥، زكريا ٢/٣٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۶۹۳)

عورتوں کا عیدین کی نماز پڑھنا

سوال [۳۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض عورتیں عیدین کے دن عیدین کی نماز اپنے اپنے گھروں میں ادا کرتی ہیں، پھر ان میں سے بعض تو آپس میں باجماعت ادا کرتی ہیں اور بعض تنہا ادا کرتی ہیں، تو کیا ان دونوں صورتوں میں ان کی نماز ہو جاتی ہے یا پھر گناہ کی مستحق بنتی ہیں؟

المستفتی: اسرار الحق، محمد پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عورتوں پرعیدین کی نماز واجب نہیں ہے۔
نیز عیدین کی نماز عورتوں کے لئے بلا جماعت اور مع جماعت پڑھنا بھی درست نہیں؛ البتہ عیدگاہ یا مساجد میں عید کی نماز ہوجانے کے بعد عورتیں اپنے گھروں میں تنہا تنہا بطور شکریہ نفل نماز پڑھ سکتی ہیں، مگروہ عید کی نماز نہ ہوگی اور نماز عید سے پہلے نفل پڑھنا عورتوں کے لئے بھی ممنوع ومکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳۲/۵، جدید زکریا ۱۵۱/۶، محمودیہ قدیم ۲۳۹/۱، ۲۳۷/۷، جدید ڈابھیل ۳۹۳/۸، ۴۳۵)

وتجب صلاة العيدين على كل من تجب عليه صلوة الجمعة و من لا فلا. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون في صلوة العيدين، نوع آخر في بيان من يجب عليه الخروج في العيدين، زكريا ٦١٣/٢، رقم: ٣٤٢٨، قديم ٩٠/٢)

تجب صلاتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوىٰ الخطبة. (الدر المختار مع الشامي، باب العيدين، مطلب في الفال والطيرة، كراچي ١٦٦/٢، زكريا ٤٥/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۷/۷/۳۵)

عورتوں کا تنہا عیدین کی نماز باجماعت ادا کرنا

سوال [۴۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ کی تمام عورتیں عیدین اور جمعہ کے دن کسی مقام پر جمع ہوکر کسی پڑھی لکھی عورت کو امام بنا کر تمام عورتیں اسی کے پیچھے نماز ادا کرتی ہیں، جب ان عورتوں سے کہا جاتا ہے کہ تم ایسا مت کرو، تو وہ عورتیں جواب دیتی ہیں کہ ہم لوگ جاہل ہیں خود سے نماز تنہا ادا نہیں کرسکتے، تعلیم

کے طور پر ایسا کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا شریعت مطہرہ میں درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مرتضی، مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں کا تنہا الگ سے عورت کو امام بنا کر عیدین کی نماز ادا کرنا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے اور شرعی طور پر عورتوں پر عیدین کی نماز لازم نہیں ہے۔

ویکره تحريماً جماعة النساء. (در مختار، کتاب الصلوٰة، باب الإمامة، کراچي ١/٥٦٥، زکریا ٢/٣٠٦)

ويكره إمامة المرأة للنساء في الصلوة كلها من الفرائض، والنوافل. (عالمگیری، کتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، زكريا ١/٨٥)

ويكره تحريماً جماعة النساء؛ لأن الإمام إن تقدمت لزم زيادة الكشف، وإن وقفت وسط الصف لزم ترك الإمام مقامه، وكل منهما مكروه. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، كوئٹه ١/٢٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١ر رجب المرجب ١٤١٣ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٩/٣٢٣٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٣/٧/٢ھ

عورتیں عیدین کے دن کون سی نماز پڑھیں؟

سوال [٣٧٤٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کے لئے عید کی نماز ہے یا نہیں؟ ہے تو مستحب ہے یا نفل ہے یا کچھ اور؟

المستفتی: عبدالمتین، قصبہ: بھنگا، شراوستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں پر عیدین کی نماز واجب نہیں، ان کو صرف اس کی

اجازت ہے کہ عیدگاہ یامساجد میں عید کی نماز ہونے کے بعد اپنے گھروں میں تنہا بطور شکرانہ نفل نماز پڑھ لیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳۲/۵، جدید زکریا ۱۵۱/۶، مالابدمنہ ۶۲-۶۵، مطبوعہ رحیمیہ دیوبند)

تجب صلاتهما في الأصح على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوىٰ الخطبة. (الدر المختار مع الشامي، باب العيدين، مطلب في الفال والطيرة، زكريا ۳/۴۵، كراچي ۲/۱۶٦)

اعلم أن صلاة العيد واجبة على من تجب عليه الجمعة، هذا هو الصحيح من المذهب. (حلبي كبير، فصل في صلوة العيد، اشرفية ديو بند ص:٥٦٥)

ويكره إمامة المرأة للنساء في الصلوات كلها من الفرائض، والنوافل. (هندية، كتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماماً لغيره، زكريا قديم ۱/۸۵، جديد ۱/۱٤۳)

وتجب صلاة العيدين على كل من تجب عليه صلاة الجمعة ومن لا فلا. (تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون في صلوة العيدين، نوع آخر في بيان من يجب عليه الخروج في العيدين، زكريا ۲/٦۱۳، رقم: ۳٤۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۶۱۸/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۴/۱۴۲۱ھ

عورتوں کا گھروں میں عید کی نماز جماعت سے پڑھنا

سوال [۳۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں ایک پرانی رسم چلی آرہی ہے کہ مرد حضرات نماز عید گاہ میں پڑھتے ہیں اور عورتیں گاؤں کی مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرتی ہیں، کبھی ان کی نماز کوئی پڑھا لکھا لڑکا پڑھاتا ہے اور کبھی انہیں عورتوں میں سے ایک پڑھی لکھی عورت ان کی نماز پڑھاتی

ہے اور خطبہ بھی دیتی ہے؛ لیکن ابھی تک اس بات کا نہ میں نے مشاہدہ کیا ہے اور نہ ہی کسی سے معلوم کیا ہے کہ آیا وہ ممبر پر چڑھ کر خطبہ دیتی ہے یا نیچے ہی اکتفا کرتی ہے، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ کیا عورت منبر پر چڑھ کر خطبہ دے سکتی ہے؟ اور کیا کوئی لڑکا بالغ یانابالغ ان کی امامت کرسکتا ہے، بغیر پردہ کے حائل ہوتے ہوئے؟ اور کیا اس کے علاوہ اس دور میں عورتوں کی عیدین کی نماز کی ادائیگی کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یاعیدین کے علاوہ کسی اورنماز کو وہ باجماعت ادا کرسکتی ہیں اور کیا مسجد میں عورتیں کسی بھی قسم کی کوئی نماز ادا کرسکتی ہیں؟ کیا شریعت کی رو سے اس کی اجازت ہے؟ نیز کیا کوئی عورت مسجد کی صفائی کرسکتی ہے؟

المستفتی: ابوالکلام سدھارتھ نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین اور جمعہ کی نماز عورتوں پر فرض نہیں ہے؛ لہٰذا عورتوں کا عیدگاہ جانا یا محلّہ کی مسجد میں جمع ہوکر عیدین کی نماز ادا کرنا درست نہیں ہے۔ اور جب عیدین کی نماز ہی درست نہیں ہے تو خطبہ بھی دینا درست نہیں ہے۔ نیز اس پرفتن دور میں عورتوں کا مسجد میں جانا اور اکٹھا ہوکر نماز ادا کرنا فتنہ سے خالی نہیں ہے؛ لہٰذا عورتوں کے لئے اس دور میں یہی حکم ہے کہ وہ اپنی نمازیں اپنے اپنے گھروں میں تنہا ہی ادا کریں، اسی طرح عورتوں کا عیدین کی جماعت کرنا کہ اس میں عورت ہی امام ہو اور خطبہ دے یہ بھی شرعاً ممنوع ہے، نیز صفائی کے لئے ایسی عورت مسجد میں جاسکتی ہے، جس پر فتنہ کا خوف نہ ہو؛ لیکن اگر فتنہ کا خوف واندیشہ ہو تو درست نہیں ہے۔

إعلم أن صلوة العيد واجبة على من تجب عليه الجمعة، هذا هو الصحيح من المذهب. (حلبي كبير، فصل في صلوة العيد اشرفية ديوبند ص: ٥٦٥، در مختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب في الفال و الطيرة، زكريا ٣/ ٤٥، كراچي ٢/ ١٦٦، الفتاوى التاتارخانية، فصل في صلوة اليدين، نوع آخر في بيان من يجب عليه الخروج في العيدين، زكريا ٢/ ٦١٣، رقم: ٣٤٢٨)

ویکره تحریماً جماعة النساء؛ لأن الإمام إن تقدمت لزم زیادة الکشف، وإن وقفت وسط الصف لزم ترک الإمام مقامه، وکل منهما مکروه. (حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، کوئٹہ ۱/ ۲٤٥، هندیة، کتاب الصلاة، باب الإمامة، الفصل الثالث في بیان من یصلح أماماً لغیره، زکریا قدیم ۱/ ۸٥، جدید ۱/ ۱٤۳، در مختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب الإمامة، کراچي ۱/ ٥٦٥، زکریا ۲/ ۳۰٦)

أجمعوا علی أنه لا یرخص للشواب منهن الخروج في الجمعة، والعیدین، وشئ من الصلوة لقوله تعالیٰ: وقرن في بیوتکن. (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل في صلوة العیدین، شرائط وجوبها وجوازها،زکریا ۱/ ٦۱۷)

ولا یباح للشواب منهن الخروج إلی الجماعات بدلیل ما روي عن عمر رضی اللہ عنہ أنه نهي الشواب عن الخروج؛ ولأن خروجهن إلی الجماعات سبب الفتنة، والفتنة حرام، وما أدیٰ إلی الحرام فهو حرام. (بدائع الصنائع، صلاة الجماعة، فصل في بیان من یصلح للإمامة علی التفصیل، زکریا ۱/ ۳۸۸)

عن أم حمید قالت: قلت یا رسول الله! یمنعنا أزواجنا أن نصلي معک، ونحب الصلوة معک؟ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: صلاتکن في بیوتکن أفضل من صلاتکن في حجرکن، وصلا تکن في حجرکن أفضل من صلاتکن في الجماعة. الحدیث (مصنف ابن أبي شیبة، مؤسسة علوم القرآن بیروت ٥/ ۲۰۳، رقم: ۷۷۰۲)

عن أبي الأحوص رضی اللہ عنہ، قال: قال عبد الله: المرأة عورة وأقرب ماتکون من ربها إذا کانت في قعربیتها، فإذا خرجت استشرفها الشیطان. (مصنف لا بن أبي شیبة، مؤسسة علوم القرآن، بیروت ٥/ ۲۰۲، رقم:۷٦۹۸) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۷/۸ھ

(٦) فصل في الدعاء، والمصافحة، والمعانقة بعد العيدين

عیدین کے بعد دعا کب مانگی جائے؟

سوال [۳۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کے خطبہ کے بعد متصلاً دعاء ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا دلیل ہے؟ اگر نہیں ہے تو اس کو باعث ثواب قرار دے کر دعا کرنے پر اصرار کرنا شریعت میں کیسا ہے؟

بعض فقہاء کی کتابوں میں لکھا ہے کہ دعا ثابت نہیں ہے اور بعض مفتیان کرام نے لکھا ہے کہ یہ ثابت ہے پس اگر کوئی نماز کے بعد بھی دعاء کرلے اور خطبہ کے بعد بھی دعاء کرلے تو اس کے کرنے پر کیا گناہ کبیرہ ہوگا یا صغیرہ؟ اوراگر کوئی عالم اس دعاء کے کرنے پر اصرار کرے اور نہ کرنے پر ملامت کرے تو اس عالم پر شریعت کا کیا حکم ہوگا؟

برائے کرام مدلل بحوالہ فیصلہ فرمائیں گے۔

المستفتی: مولانا شمس الحق آسام، خادم مدرسہ مرکز العلوم ڈبکا (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین میں اجتماعی دعا کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے؛ چنانچہ بخاری شریف، مسلم اور ترمذی شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں شوکت اسلام کی غرض سے عورتوں کو بھی عید گاہ پہونچنے کا حکم ہوتا تھا اور اس میں حائضہ اور پردہ نشیں عورتوں کو بھی لے جایا جاتا تھا اور حائضہ عورتیں عیدگاہ میں عید کی نماز میں شریک نہیں ہوتی تھیں؛ بلکہ الگ بیٹھ جاتی تھیں اور جب عید کی نماز کے بعد دعاء ہوتی تھی تو دعاؤں میں شریک ہوجاتی تھیں، تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ عیدگاہ میں اجتماعی دعاء ہوتی تھی؛ لیکن اس کی صراحت نہیں کہ نماز کے بعد ہوتی تھی یا خطبہ کے بعد۔

اور دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نمازوں کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے؛ اس لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ عیدگاہ میں جو دعاء ہوتی تھی وہ نماز کے بعد ہوتی تھی، اسی وجہ سے اکابر ومشائخ نماز عید کے بعد دعاء کو مستحب کہتے ہیں اور خطبہ کے بعد دعاء کے استحباب کا انکار کرتے ہیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن حفصة بنت سيرينؒ، قالت: كنا نمنع جوارينا أن يخرجن يوم العيد، فجاءت امرأة فنزلت قصر بني خلف فأتيتها، فحدثت أن زوج أختها غزى مع النبي صلى الله عليه وسلم ثنتى عشرة غزوة، فكانت أختها معه في ست عزوات، قالت: كنا نقوم على المرضى، ونداوي الكلمىٰ، فقالت يا رسول الله! أعلى أحدانا بأس إذا لم يكن لها جلباب أن لاتخرج، فقال: لتلبسها صاحبتها من جلبابها، فليشهدن الخير و دعوة المؤمنين. (بخاري، كتاب العيدين، باب إذا لم يكن لها جلباب في العيد ١/١٣٤، رقم: ٩٧٠، ف: ٩٨٠، مسلم، كتاب العيدين فصل في إخراج العواتق و ذوات الخلور، النسخة الهندية ١/٢٩٠، بيت الأفكار رقم: ٨٩٠، ترمذي، كتاب العيدين، باب في خروج النساء في العيدين، النسخة الهندية ١/١٢٠، دارالسلام رقم: ٥٣٩)

عن أبي أمامة رضي الله عنه، قال: قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم: أي الدعاء أسمع؟ قال جوف الليل ودبر الصلوات المكتوبات.

(سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ٢/١٨٧، دار السلام رقم: ٣٤٩٩)

عن أنس بن مالكؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: مامن عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة، ثم يقول: اللّٰهم الٰهي وإله إبراهيم، واسحاق، ويعقوب، واله جبريل، وميكائيل، واسرافيل عليهم السلام، أسئلك أن تستجيب دعوتي، فإني مضطر وتعصمني في ديني، فإنی مبتلى وتنالني برحمتك، فإني مذنب وتنفي عني الفقر، فاني متمسكن إلا كان حقاً على الله عزوجل أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل اليوم الليلة ١٢١، رقم: ١٣٨)

جب نماز کے بعد دعاء ہوگئی ہے، تو خطبہ کے بعد دعاء کی ضرورت نہیں اور سوال میں پوچھا گیا ہے کہ خطبہ کے بعد دعاء کرنے پر گناہ صغیرہ ہوگا یا کبیرہ تو زیر بحث مسئلہ گناہ کبیرہ سے متعلق ہے ہی نہیں؛ بلکہ استحباب اور عدم استحباب سے متعلق ہے اور استحباب کے خلاف مسئلہ پر اگر گناہ ہوتا ہے تو صغیرہ ہوتا ہے، جو نیک اعمال کے ذریعہ معاف ہو جاتا ہے؛ لہٰذا خطبہ کے بعد دعا نہ کرنے والوں پر ملامت کرنا غلط ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۸۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/ ۱۴۳۶ھ

کیا عید کی نماز کے بعد دعاء کرنا حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے؟

سوال [۴۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز عیدین کے بعد قبلِ خطبہ دعا مانگنا، حضور ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد اللطیف و عبد الملک، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عیدین کی نماز میں دعا کرنا تو ثابت ہے؛ لیکن وہ دعاء نماز کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد اس کی تعیین حدیث میں نہیں ہے اور احادیث شریفہ میں فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنے کا ورود ہوا ہے۔ نیز ہمارے تمام اکابر اہل فتاوی نے نماز کے بعد خطبہ سے پہلے دعا مانگنے کو بہتر کہا ہے؛ اس لئے دیگر نمازوں کی طرح عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۱۲۵، عزیز الفتاوی ۳۰۲، امداد المفتیین ۴۰۸، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۲۹۵، جدید ڈابھیل ۸/ ۴۶۵، احسن الفتاوی ۴/ ۱۲۵، فتاوی دار العلوم ۵/ ۲۲۵)

عن أم عطية رضـ قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم،

ویدعون بدعائهم یرجون بركة ذلک الیوم وطهرته. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى ١/١٣٢، رقم: ٩٦١، ف:٩٧١)

عن أبي أمامةؓ قال: قيل يا رسول الله ! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الاٰخر ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ٢/١٨٧، دارالسلام رقم:٣٤٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۸۶۱/۳۶)

عیدین کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال[۴۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کی نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا کہیں سے ثبوت ہے یا نہیں؟

المستفتی: مقصود عالم، چمپارن، متعلم مدرسہ جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین کی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا ثابت اور مشروع ہے، مگر خطبہ کے بعد ثابت نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۰۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۲۹۵، جدید ڈابھیل ۸/۴۶۵)

عن أم عطيةؓ قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ویدعون بدعائهم یرجون برکة ذلک الیوم وطهرته. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى ١/١٣٢، رقم: ٩٦١، ف:٩٧١)

عن أبي أمامةؓ قال: قيل يا رسول الله ! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الاٰخر ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة،

النسخة الهندية ۲/ ۱۸۷، دار السلام رقم: ۳٤۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۳۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۷/۵ھ

نماز عید اور خطبہ دونوں کے بعد دعا مانگنا کیسا ہے؟

سوال [۳۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ہمارے یہاں جمعہ وعیدین کا امام ہے، امام مذکور عیدین میں نماز عیدین کے بعد دعا مانگتا ہے اور خطبہ سے فارغ ہو کر پھر دوبارہ اجتماعی جہری دعا کرتا ہے۔ زید امام کے اس عمل پر عمرو نے زید کو دو دعا مانگنے سے منع کیا اور کہا کہ نماز عیدین کے بعد دعا مانگ لیں اور خطبہ کے بعد دعا نہ کریں اور عمرو نے اپنی دلیل میں امداد الفتاوی، فتاوی رحیمیہ وغیرہ کا حوالہ پیش کیا، مگر زید امام دو دعا مانگنے پر مصر ہے۔ اب آپ فیصلہ فرمائیں کہ زید وعمرو میں کس کا موقف صحیح اور جمہور کے موافق ہے؟ پھر اگر ایک ہی دعا کرنا ثابت ہے، تو یہ دعا کس وقت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے، آیا نماز عیدین کے بعد یا بجائے بعد نماز عیدین کے خطبہ کے بعد دعا کرنا بہتر ہے؟ مفصل باحوالہ تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: سفیان احمد القاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عیدین کی نماز کے بعد دعاء مشروع ہے؛ لیکن خطبہ کے بعد دعاء کا کوئی ثبوت نہیں ملتا؛ لہٰذا عمرو کا دو دعا پر نکیر کرنا صحیح اور درست ہے اور عمرو نے دلیل میں جن فتاوی کی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، وہ بھی درست ہے۔ اور زید امام کا دو دعاء مانگنے پر مصر ہونا ہٹ دھرمی اور ضد پر محمول ہوگا، اس کو اپنی ضد سے باز آجانا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/ ۲۹۵، ۲/ ۳۰۷، جدید ڈابھیل ۸/ ۴۶۵، ۴۶۱، امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۲، ایضاح المسائل ۳۳)

عن أم عطية رضي الله عنها **قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته.** (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى ١/١٣٢، رقم: ٩٦١، ف: ٩٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۷۳۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

عیدین کے خطبہ کے بعد دعاء کرنا کیسا ہے؟

سوال [۳۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے اندر کافی دن سے یہ اختلاف ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد دعاء مانگنی چاہئے یا خطبہ کے بعد؟ ہمارے یہاں چند عالم ہیں اور حفاظ بھی ہیں؛ لیکن معلوم ہونے کے باوجود کبھی عیدین کے خطبہ سے پہلے دعا کر لیتے ہیں اور کبھی بعد میں کوئی امام مقرر نہیں، جو نماز پڑھاتا ہے اس کا طریقہ علیحدہ ہوتا ہے۔ صحیح مسئلہ بیان فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمران رامپوری، گرام ملک منڈی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبہ کے بعد دعاء کا ثبوت نہیں اور نمازوں کے بعد ثابت ہے؛ اس لئے عیدین میں نماز کے بعد ہی دعاء کرنا صحیح طریقہ ہے، اس پر عمل کرنا چاہئے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۲)

عن أبي أمامة رضي الله عنه**، قال: قيل يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات.** (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ٢/ ١٨٧، دارالسلام رقم: ٣٤٩٩)

عن أم عطيةؓ، قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى ١٣٢/١، رقم: ٩٦١، ف: ٩٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۰۴۱/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ

نماز عید کے بعد دعا

سوال [۴۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعد نماز عیدین کے دعا مانگنے کے بارے میں ہمارے ضلع کے علماء کرام میں تین فریق ہوگئے۔

(۱) فریق اول فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد عموماً وخصوصاً دعا مانگنا احادیث سے ثابت ہے، پس نماز عیدین بھی اس حکم میں داخل ہے۔ اور خطبہ تکمیل صلوۃ ہونے کی وجہ سے خطبہ کے بعد دعاء کرنا مستحب ہے؛ کیونکہ نماز اور خطبہ کے درمیان کوئی فصل منقول نہیں۔

(۲) فریق دوم فرماتے ہیں کہ بعد نماز عیدین کے دعا کرنا مستحب ہے اور خطبہ کے بعد نہیں؛ کیونکہ خطبہ لیکچر کو کہتے ہیں اور لیکچر کے بعد دعا منقول نہیں۔

(۳) فریق سوم کہتے ہیں کہ بعد نماز عیدین کے دعا کرنا مسنون ہے اور خطبہ کے بعد بھی، یہ فریق بعد نماز عیدین کے دو مرتبہ دعا کرتے ہیں، ان تینوں فریقوں کی صورتوں میں سے کون سی صورت اچھی ہے، جن کا اتباع ہم پر لازم ہے؟

المستفتی: محمد اجمل حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز عید کے بعد دعا اجتماعی طور پر مانگنا احادیث شریفہ

سے ثابت ہے؛ لہٰذا نماز کے بعد خطبہ سے قبل یا خطبہ کے بعد لاعلی التعیین اجتماعی دعاء مانگنا جائز ہے؛ لیکن اکابر اہل فتاوی نے نماز کے بعد خطبہ سے قبل کو مستحب لکھا ہے؛ اس لئے صرف ایک دعا مانگنا اور وہ بھی خطبہ سے قبل نماز کے بعد مستحب ہے اور دو دعاء مانگنا کہیں سے ثابت نہیں۔ اور حضور ﷺ عیدین میں حائضہ اور نفساء عورتوں کو لے جاتے تھے اور یہ خواتین نماز کے بعد مسلمانوں کی اجتماعی دعامیں شامل ہوجاتی تھیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۳ ۶۰۳، ایضاح المسائل ص:۳۳)

عن أم عطيةؓ، قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى ۱۳۲/۱، رقم: ۹۶۱، ف: ۹۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۲۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۲۷ھ

عید کی نماز کے بعد دعاء

سوال [۴۸ ۴۷ ۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کی نماز میں دعا ہے یا نہیں؟ اجتماعی طور پر دعا مانگیں یا نہیں؟ مانگیں تو کب مانگیں نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد؟ ہمارے شہر میں خطبہ کے بعد دعا مانگنے کا مقامی علماء نے رواج روا رکھا ہے اور اس کو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اپنی کتاب کفایت المفتی میں لکھا ہے کہ دعا نماز کے بعد جائز ہے، مگر خطبہ کے بعد دعا افضل ہے، بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے یہاں خطبہ کے بعد ہی دعا مانگنے کا رواج ہے، مگر کچھ لوگ اس کو منع کرتے ہوئے نماز کے بعد ہی دعا مانگتے ہیں اور اسی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور عوام میں ایک نیا بھونچال پیدا کرتے ہیں، جس

سے اختلاف ابھر کر قوم میں توڑ پھوڑ کا مزاج پیدا ہوتا ہے۔

المستفتی: انجمن اتحاد المعلمین، کھر گون (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ وارد ہے کہ عیدین کی نماز میں حائضہ اور نفساء عورتیں دعاء میں شرکت کے لئے جاتی تھیں۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أم عطيةؓ، قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى ١٣٢/١، رقم: ٩٦١، مشكوة شريف ١٢٥)

حدیث شریف سے ایک دعا کرنا ثابت ہے؛ لیکن وہ دعا نماز کے بعد کی جائے یا خطبہ کے بعد اس کی تعیین حدیث میں نہیں ہے۔ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے اس سلسلہ میں دو فتوے ہیں، ایک میں یہی بات ہے کہ دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقعہ پر دعا مانگی جائے تو مضائقہ نہیں۔ اور دوسرے میں خطبہ کے بعد کو اچھا کہا ہے؛ لیکن حضرت مفتی صاحب کے علاوہ باقی تمام اکابر اہل فتاوی نے بجائے خطبہ کے بعد کے نماز کے بعد دعا مانگنے کو بہتر کہا ہے، جیسا کہ حضرت تھانویؒ، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ، حضرت مفتی محمود صاحبؒ اور حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ لدھیانویؒ وغیرہم، ان کے فتاوی کے حوالے ذیل میں درج ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۰۷، عزیز الفتاوی ۳۰۲، امداد المفتیین ۴۰۸، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۲۹۵، ۲/۳۰۷، جدید ڈابھیل ۸/۴۶۱، ۴۶۵، احسن الفتاوی ۴/۱۲۵، فتاوی دار العلوم ۵/۲۲۵)

عن عائشةؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: في دبر

كـل صـلوة: اللّٰهم رب جبرئيل، وميكائيل، واسرافيل، أعذني من حر النار، وعذاب القبر. (مجمع الزوائد، كتاب الأذكار، الدعاء في الصلاة و بعدها، دارالكتب العلمية بيروت ١١٠/١٠)

عن أبي أمامةؓ، قال: قيل يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الاٰخر ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ١٨٧/٢، دارالسلام رقم: ٣٤٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۳۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۵ھ

دعا عید کی نماز کے بعد ہو یا خطبہ کے بعد؟

سوال [۴۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی میں عید کی نماز کے بعد دعاء مانگنے کے سلسلہ میں زید اور بکر کا اختلاف ہے، زید ایک طویل عرصہ تک امام کے ساتھ نماز کے بعد دعاء مانگتا رہا، مگر چند دنوں سے زید اورامام نے نماز کے بعد دعاء مانگنا ترک کردیا ہے، ان کے اس عمل پر بکر نے سختی سے اصرار کرنا شروع کیا ہے کہ نماز کے بعد خطبہ سے پہلے دعاء مانگنی چاہیے، اس بات کو زید اور امام ماننے کے لئے تیار نہیں اور اپنے اس عمل (ترک دعا) پر بطور استدلال ام عطیہؓ کی روایت جو بخاری شریف ۱۳۲/۱ پر موجود ہے، اس کو پیش کرتا ہے۔ زید اور امام دلیل دیتا ہے کہ صلوۃ عید کے بعد دعاء منصوص نہیں۔ اب قابل لحاظ چند امور ہیں۔

الف: نماز عید کے بعد فوراً دعاء مانگنا ثابت ہے یا نہیں؟

ب: اگر ثابت ہے تو تارک دعاء قابل ملامت ہے یا نہیں؟

ج: زید اور امام اور اس کے رفقاء حق پر ہیں یا بکر اور اس کے ہمنوا راہ راست پر ہیں؟

نیز ایسی صورت حال پیش آنے پر دونوں فریقوں کا کیا موقف ہونا چاہئے؟ **بینوا توجروا.**

المستفتی: عبدالحسیب اشہد، سنسارپوری، متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عید کی نماز کے بعد دعاء صراحت کے ساتھ تو ثابت نہیں؛ لیکن ام عطیہؓ کی روایت جو بخاری شریف میں منقول ہے، اس سے اشارہ اور دلالت کے طور پر ثابت ہوتی ہے؛ لہٰذا اگر دعا مانگی جائے تب بھی قابل اشکال نہیں۔ اور اگر نہ مانگی جائے تب بھی قابل اعتراض نہیں۔ یہ ایک اختیاری امر ہے، اس پر اختلاف کی کوئی ضرورت نہیں، مگر اکابر و مشائخ نے دعاء مانگنے کو مستحب لکھا ہے؛ اس لئے نماز کے بعد خطبہ سے قبل دعاء مانگنا مستحب ہوگا لازم نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۶۰۳)

دونوں فریقوں میں سے کسی پر بھی ملامت یا اعتراض مناسب نہیں۔

عن أم عطيةؓ، قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى ۱/۱۳۲، رقم: ۹۶۱، ف: ۹۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۰۵)

نماز عید کے بعد دعا کے سلسلے میں اکابر دیوبند کا معمول

سوال [۳۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین میں دعا نماز کے بعد کرنی چاہئے یا خطبہ کے بعد اکابر فقہاء کا کیا معمول رہا ہے؟

المستفتی: حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد، بقلم: کلیم اللہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نمازِ عید کے بعد دعاء جائز اور مشروع ہے، مگر خطبے کے بعد دعا کا ثبوت نہیں ہے۔ نیز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی (شیخ الہند) تمام اکابر کا یہی معمول رہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۵/۱۹، فتاوی محمودیہ قدیم ۷/۲۱۸، جدید ڈابھیل ۸/۴۶۲)

عن عائشةؓ قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في دبر كل صلوة: اللّٰهم رب جبرئيل، وميكائيل، واسرافيل، أعذني من حر النار، وعذاب القبر. (مجمع الزوائد، كتاب الأذكار، الدعاء في الصلاة و بعدها، دارالكتب العلمية بيروت ۱۰/۱۱۰)

عن أم عطيةؓ، قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب التكبير أيام منى ۱/۱۳۲، رقم: ۹۶۱، ف: ۹۷۱)

عن أبي أمامةؓ، قال: قيل يا رسول الله! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الهندية ۲/۱۸۷، دارالسلام رقم: ۳۴۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۱۴ھ

عیدین کی نماز میں دعاء کب کی جائے خطبہ سے پہلے یا بعد میں؟

سوال [۳۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ عیدین کی نماز میں اگر خطبہ کے بعد دعاء کی جائے تو اس میں شرعاً کیا مضائقہ ہے؛ چونکہ محلّہ کے اکثر لوگ کہتے ہیں کہ عیدین کے خطبہ کے بعد دعاء کی جائے۔ اور دوسری مساجد میں بھی خطبہ کے بعد دعاء ہوتی ہے؛ لیکن محلّہ کے چند لوگ کہتے ہیں کہ عیدین میں خطبہ کے بعد شریعت میں کہیں بھی کسی بھی حدیث سے دعا ثابت نہیں ہے؛ اس لئے محلّہ میں اس مسئلہ کو لے کر کافی انتشار ہے، درخواست ہے کہ حدیث وفقہ کی روشنی میں مدلل اور مفصل جواب دیں؟

المستفتی: محمد یوسف خان گوجر ٹولہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مطلقاً نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت تو بہت سی احادیث سے ہے؛ اس لئے عیدین کے سلام کے بعد خطبہ سے پہلے اجتماعی طور پر دعا مانگنا شرعاً جائز اور درست ہے اور پھر خطبہ کے بعد دوبارہ دعا مانگنا حدیث وفقہ اور ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں ہے۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاوی قدیم ۱/۱۲۰، امداد الفتاوی ۱/۶۰۳، عزیز الفتاوی ۱/۳۰۷، محمودیہ قدیم ۲/۲۹۵، ۲/۲۰۸، جدید ڈابھیل ۸/۴۶۱، ۴۶۵)

عن أبي أمامةؓ، قال: قیل یا رسول اللّٰہ! أي الدعاء أسمع؟ قال: جوف اللیل الاٰخر ودبر الصلوات المکتوبات. (سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب بلاترجمة، النسخة الھندیة ۲/ ۱۸۷، دارالسلام رقم: ۳٤۹۹)

عن عائشةؓ قالت: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول في دبر کل صلوة: اللّٰھم رب جبرئیل، ومیکائیل، واسرافیل، أعذني من حر النار، وعذاب القبر. (مجمع الزوائد، کتاب الأذکار، الدعاء في الصلاة و بعدھا، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۰/ ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ / محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۰۱۶)

نمازعیدین کے بعد مصافحہ سے متعلق جامع فتوی

سوال [۳۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کی نماز کے بعد لوگوں میں مصافحہ کا معمول ہے، خاص طور پر عید کی نماز پڑھانے والے امام صاحب سے مصافحہ کے لئے لوگوں کی بھیڑ لگتی ہے؛ اس لئے مفتی صاحب سے صحیح مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے کہ عیدین کی نمازوں کے بعد عیدگاہ میں یا عیدگاہ سے نکل کر باہر لوگوں کا آپس میں مصافحہ کرنا کیسا ہے؟ اور مصافحہ کے ساتھ عید کی مبارک بادبھی پیش کرتے ہیں، اسی طرح اگر عید کی نماز مسجدوں میں ہوتی ہے، تو وہاں بھی یہ منظر دیکھنے میں آتا ہے، اس کا شرعی حکم واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبیداللہ، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کی نماز کے بعد مصافحہ سے متعلق تفصیلی بات دلائل کے ساتھ ضروری معلوم ہوتی ہے، اس مسئلہ میں احقر نے بعض بڑوں اور بعض اہل فتاوی کی تحریروں کو دیکھ کر نمازوں کے بعد کے مصافحہ کو کہیں مکروہ اور کہیں بدعت لکھا ہے، اسی طرح عید کی نمازوں کے بعد کے مصافحہ کو بھی مطلقاً مکروہ لکھ دیا اور اردو کے فتاوی کے حوالہ کو بھی پیش کردیا اور شامی کا حسب ذیل جزئیہ بھی دلیل کے طور پر لکھ دیا۔

ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط: أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلوة بكل حالٍ؛ لأن الصحابة رضي الله عنهم ماصافحوا بعد أداء الصلوة ؛ ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع، وإنه ينبه فاعلها أولا ويعزر ثانياً، ثم قال وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في أدبار

الصلوات، فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك، ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچي ٦/٣٨١، زكريا ديوبند ٩/٥٤٧)

مگراس موضوع سے متعلق مختلف کتب فقہ، کتب حدیث کی مراجعت اور شیعوں اور روافض کے عمل اور محل مصافحہ کو دیکھنے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسئلہ سے متعلق ہر گوشہ کو پیش نظر رکھ کر مسئلہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یہاں یہ بات یاد رکھیں کہ جو مسئلہ اب لکھا جارہا ہے احقر نے جتنے بھی فتاوی اس موضوع سے متعلق اس سے قبل لکھے ہیں، ان میں سے جو بھی فتوی اس تحریر کے خلاف ہوگا اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ یہی تحریر صحیح ہے اور اس کے خلاف دیئے گئے فتووں سے اس تحریر کے ذریعہ رجوع کیا جارہا ہے؛ لہٰذا مختلف کتابوں کی مراجعت کے بعد جو کچھ بھی اس نااہل نے سمجھا ہے وہ پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) نماز کا سلام پھیرتے ہی فوراً دائیں بائیں جانب کے لوگوں سے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا جائے، جیسا کہ حرمین شریفین میں ایران سے آئے ہوئے شیعہ و رافضی اور اسی طرح انڈونیشیا اور ملیشیا سے آئے ہوئے بعض لوگ اس طرح سلام کے معاً بعد مصافحہ کرتے ہوئے کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آتے ہیں، یہی شیعوں اور رافضیوں کا شعار ہے اور اسی کو علماء نے من سنن الروافض کہہ کر بدعت اور مکروہ قرار دیا ہے، جیسا کہ شامی کی مذکورہ عبارت میں موجود ہے؛ لہٰذا شیعوں اور رافضیوں کا شعار صرف یہی ایک شکل قرار دی جاسکتی ہے، دیگر شکلوں کو ان کا شعار نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

وذكر أن منهم من كرهها؛ لأنها من سنن الروافض. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٣٦٣)

(۲) چند افراد نماز کے لئے مسجد جارہے ہوں اور انہوں نے آپس میں ملاقات کے وقت مصافحہ نہیں کیا اور اسی طرح گفتگو کرتے ہوئے مسجد پہونچ جائیں، پھر نماز سے فراغت کے بعد آپس میں مصافحہ کرنے لگیں، تو اس کو بھی علماء نے مکروہ اور بدعت مذمومہ قرار دیا ہے؛ اس

لئے کہ اس صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ ان لوگوں نے نمازوں کے بعد ہی مصافحہ کو لازم اور مسنون سمجھا ہے؛ اس لئے علماء نے اس طرح کے مصافحہ کو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے۔ جو ذیل کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة ويتصاحبون بالكلام ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة ولذا صرح بعض علمائنا بأنها مكروهة حينئذٍ وأنها من البدع المذمومة. (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، مكتبة امداديه ملتان ٩/ ٧٤، عون المعبود، باب المصافحة، دارالكتاب العربي ٤/ ١٢ ٥، رقم: ٥٢١١، حاشية سنن أبي داؤ،د هندي ٢/ ٧٠٨)

(۳) نمازوں کے سلام کے بعد متصلاً بیٹھے بیٹھے دائیں بائیں کے لوگوں سے مصافحہ نہیں کیا جاتا ہے اور نہ ہی نمازوں کے بعد اسے مسنون سمجھا جاتا ہے، اسی طرح نماز سے قبل ملاقات پر مصافحہ نہیں ہوا اور گفتگو کرتے ہوئے مسجد پہنچ کر نماز ادا کرنے کے بعد مصافحہ نہیں ہوا اور نہ ہی نمازوں کے بعد مصافحہ کی مواظبت اور پابندی کا اہتمام ہے؛ بلکہ کبھی کبھار نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کا اہتمام ہے جیسا کہ ہماری مغربی یوپی کی عام مساجد کا یہی حال ہے، تو ایسی صورت میں کبھی کبھار کسی سے محبت میں مصافحہ کرلیا جائے یا کسی سے چند دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے، اس سے نماز کے بعد مصافحہ کرلیا جائے، چاہے عصر یا فجر کی نماز کے بعد ہی کیوں نہ ہو، تو اس طرح کا مصافحہ شرعاً مسنون اور مستحب ہے۔ صاحب درمختار نے اپنی عبارت کے ذریعہ سے اسی شکل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

درمختار کی عبارت ملاحظہ ہو۔

تجوز المصافحة؛ لأنها سنة قديمة متواترة، بقوله عليه الصلاة والسلام: من صافح أخاه المسلم وحرك يده......تناثرت ذنوبه، وإطلاق المصنف تبعاً للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها

یفید جوازها مطلقاً ولو بعد العصر. (در مختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیره، کراچي٦/٣٨١، زکریا ٩/٥٤٧)

اور یہ حکم مرقاۃ کی اس عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔

نعم لو دخل أحد في المسجد والناس في الصلاة، أو علی إرادة الشروع فیها، فبعد الفراغ لو صافحهم؛ لکن بشرط سبق الکلام علی المصافحة، فهذا من جملة المصافحة المسنونة بلاشبهة. (مرقاة المفاتیح، کتاب الأدب، باب المصافحة والمعانقة، مکتبة امدادیه ملتان ٩/ ٧٤)

اور بلامواظبت نماز عصر کے بعد بھی مصافحہ کا ثبوت اس حدیث شریف سے ہوتا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن الحکم قال سمعت أباجحیفة قال: خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم بالهاجرة إلی البطحاء، فتوضأ، ثم صلی الظهر رکعتین والعصر رکعتین، وبین یدیه عنزة، قال شعبة: وزاد فیه عون عن أبیه عن أبي جحیفة قال: کان تمر من ورائها المرأة وقام الناس فجعلوا یأخذون یدیه فیمسحون بهما وجوههم، قال: فأخذت بیده فوضعتها علی وجهي، فإذا هی أبرد من الثلج، وأطیب رائحة من المسک. (صحیح البخاري، کتاب المناقب، باب صفة النبي صلی الله علیه وسلم، النسخة الهندیة ١/ ٥٠٢، رقم:٣٤٢٨، ف:٣٥٥٣، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٣٠٩، رقم: ١٨٩٧٤، المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ٢٢/ ١١٥، رقم:٢٩٤)

(۴) عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ کے بارے میں غور کرنا ہے؛ چنانچہ عید کی نماز کو جاتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوجائے اور اس میں سلام ومصافحہ نہ ہو پھر عید کی نماز کے بعد وہی لوگ جو ساتھ میں گفتگو کرتے ہوئے آتے ہیں آپس میں مصافحہ کرنے لگیں تو یہ محض رسمی مصافحہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

وقدیکون جماعة......إلی...... من البدع المذمومة. (مرقاة المفاتیح ملتان ۷۴/۹، عون المعبود ۵۲۱/۴، حاشیة أبوداؤد ۷۰۸/۲)

لیکن اگر عید کو جاتے وقت راستہ میں ملاقات پر سلام مصافحہ ہو چکا ہے، پھر عید کی نماز کے بعد عید کی مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مصافحہ بھی ہو جائے تو یہ شکل نماز کے بعد کی خصوصیت اور اہتمام کے دائرہ میں شامل نہ ہوگی؛ بلکہ ہر ملاقات پر مصافحہ کے حکم میں شامل ہوگی؛ اس لئے کہ نماز سے پہلے کی ملاقات میں بھی مصافحہ ہوا ہے اور بعد کی ملاقات میں بھی مصافحہ ہوا ہے؛ لہٰذا اس کو بدعت یا مکروہ کہنا درست نہیں اور درمختار کی ذیل کی عبارت کے حکم میں شامل ہو جائے گا۔

عبارت ملاحظہ فرمایئے:

تجوز المصافحة؛ لأنها سنة قدیمة متواترة لقوله علیه السلام من صافح أخاه المسلم وحرک یده تناثرت ذنوبه . (در مختار مع الرد، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره کراچي ۳۸۱/۶، زکریا ۵۴۷/۹)

عید کی مبارک باد پیش کرنے کا جواز ذیل کی احادیث اور جزئیات سے ہوتا ہے۔

احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیں:

حدثني حبیب بن عمر الأنصاري، أخبرني أبي قال: لقیت واثلة یوم عید فقلت: تقبل الله منا و منک فقال: نعم! تقبل الله منا و منک . (المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ۵۲/۲۲، رقم:۱۲۳)

عن خالد بن معدان قال: لقیت واثلة بن الأسقع في یوم عید، فقلت: تقبل الله منک، فقال: نعم! تقبل الله منا و منک ، قال واثلة: لقیت رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم عید فقلت: تقبل الله منا و منک، قال: نعم! تقبل الله منا و منک . (السنن الکبری للبیهقي، باب ماروي في قول الناس یوم العید بعضهم لبعض: تقبل الله منا و منك ۱۱۱/۵، رقم: ۶۳۸۷، دارالفکر بیروت، کتاب صلاة العیدین)

عن أدهم مولیٰ عمر بن عبد العزیزؒ، قال: کنا نقول لعمر بن عبد العزیز في العیدین: تقبل اللہ مناومنک یاأمیر المؤمنیین، فیرد علینا ولاینکر ذلک علینا. (شعب الإیمان للبیهقي، باب في الصیام، في لیلة العیدین، ویومها ٣/٣٤٥، رقم: ٣٧٢٠، المعجم الکبیر للطبراني، ٢٢/٥٣، رقم:١٢٣، السنن الکبریٰ للبیهقي، کتاب صلاۃ العیدین، باب ماروي في قول الناس یوم العیدین بعضهم لبعض: تقبل اللّٰہ منا و منك، جدید ٥/١١١، رقم:٦٣٨٩، دارالفکر بیروت)

اورشامی وغیرہ میں اس حکم کوان الفاظ میں بیان کیا گیاہے:

والمتعامل في البلاد الشامیة، والمصریة عید مبارک علیک ونحوہ، وقال: یمکن أن یلحق بذلک في المشروعیة والاستحباب لما بینهما من التلازم، فإن من قبلت طاعته في زمان کان ذلک الزمان علیه مبارکاً علی أنه قدورد الدعاء بالبرکة في أمور شتی فیؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أیضاً. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب العدین مطلب یطلق المستحب علی السنة و بالعکس، زکریا ٣/٥٠، کراچي ٢/١٦٩، ومثله في حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاۃ، باب أحکام العیدین، دارالکتاب دیوبند ٥٣٠، حلبي کبیر، صلاۃ العید، فروع خروج إلی المصلی، مطبع لاهور٥٧٣، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ١٤/٩٩)

(۵) عید کی نماز کے بعدلوگوں کا آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا؛ جبکہ اس میں کسی کی کسی سے مہینہ بھر کے بعد ملاقات ہورہی ہے، کسی کی ہفتوں اورکسی کی ایک دودن کے بعد ملاقات ہورہی ہے ،تو ایسی صورت میں عید کی نماز اور خطبہ کے بعد واپسی کے موقعہ پر ایک دوسرے سے ملاقات پر مصافحہ کرنا نہ صرف جائز اور درست ہے؛ بلکہ ایک دوسرے سے فرطِ محبت میں اس موقعہ پر مصافحہ کرنا باعث اجروثواب اور گناہوں کے جھڑنے اورمعاف ہونے کا سبب بنے گا۔

عن أنسؓ قال: کان أصحاب النبي صلی اللہ علیه وسلم إذا تلاقوا

تصافحوا. الحديث (المعجم الأوسط، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ٤۱، رقم: ۹۷)

عن أيوب بن بشير عن رجل من عنزة أنه قال: قلت لأبي ذر ......هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصافحكم إذا لقيتموهٔ؟ قال: ما لقيته قط إلا صافحني. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في المعانقة، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۸، دارالسلام رقم: ٥۲۱٤، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ۱٦۳، رقم: ۲۱۷۷٤، ۲۱۷۷٥)

عن حذيفة بن اليمان عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن المؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه، وأخذ بيده، فصافحه، تناثرت خطاياهما كما يتناثرورق الشجر. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر بيروت ۱/ ۸٥، رقم: ۲٤٥)

عن البراء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، مامن مسلمين يلتقيان، فيتصافحان إلاغفر لهما قبل أن يفترقا. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في المصافحة، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۸، دارالسلام رقم: ٥۲۱۲، جامع الترمذي، كتاب الإستئذان، باب ماجاء في المصافحة، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۲، دارالسلام رقم: ۲۷۲۷)

(٦) عید کی نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کرنا، یہاں یہ بات واضح رہے کہ امام صاحب سے کسی شخص کی ملاقات سال بھر کے بعد کسی کی مہینہ، کسی کی ہفتہ اور کسی کی چند دنوں کے بعد ہوتی ہے، اب اگر محض امام صاحب سے محبت اور امام صاحب کے مصافحہ سے برکت حاصل کرنے کے ارادہ سے عید کی نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کریں تو اس میں کوئی قباحت اور کراہت نہیں ہے؛ بلکہ بلاکراہت و بلاشبہ جائز ہے اور یہ مصافحہ اول ملاقات پر مصافحہ کے حکم میں ہے؛ اس لئے امام صاحب سے عید کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں بلاکراہت جائز ہے۔

عن الحكم قال: سمعت أباجحيفة قال: خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم بالهاجرة إلى البطحاء فتوضأ، ثم صلى الظهر ركعتين، والعصر ركعتين، وبين يديه عنزة، قال شعبة: وزاد فيه عون عن أبيه عن أبي جحيفة

قال: كان تمر من ورائها المرأة، وقام الناس فجعلوا يأخذون يديه فيمسحون بهما وجوههم، قال: فأخذت بيده فوضعتها على وجهي، فإذا هي أبرد من الثلج، وأطيب رائحة من المسك. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۱/ ۵۰۲، رقم:۳۴۲۸، ف:۳۵۵۳، مسند أحمد بن حنبل ۴/ ۳۰۹،رقم:۱۸۹۷۴، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۲/ ۱۱۵، رقم:۲۹۴)

عن البراء بن عازبؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقى المسلمان، فتصافحا وحمدا الله واستغفراه غفرلهما. (سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في المصافحة، النسخة الهندية ۲/ ۷۰۸، دارالسلام رقم: ۵۲۱۱)

عن أنسؓ أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصافح بعضهم بعضاً. (سنن الترمذي، كتاب الاستئذان والأدب، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۳، دارالسلام رقم:۲۷۲۹، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد ۱۳/ ۱۸۵، رقم:۲۶۲۳۳، صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب في المصافحة، النسخة الهندية ۲/ ۹۲۶، رقم: ۶۰۲۲، ف:۶۲۶۳)

عن أنسؓ قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا تلاقوا تصافحوا. الحديث (المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر بيروت ۱/ ۴۱، رقم:۹۲، ومثله في شرح معاني الآثار، كتاب الكراهة، باب المعانقة، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۹۲، رقم:۶۷۶۶، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد تحقيق شيخ محمد عوامه ۱۳/ ۱۸۵، رقم: ۲۶۲۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۷۱۵/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۱۷ھ

عید کی مبارک باد پیش کرنا

سوال [۳۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل لوگوں میں عید کے موقعہ پر اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک دوسرے کو عید کی مبارک بادی پیش کرتے ہیں، تو کیا شرعاً عید مبارک کہہ کر عید کی مبارک باد پیش کرنا مشروع ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبید اللہ، بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کا دن اسلام میں سال بھر کی خوشی کا دن ہے اور اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی اجتماعیت کے ساتھ ایک نماز کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ بہت بڑی خوشی کا بھی دن ہے۔ اور اپنے لباس سے، اپنے کردار سے، چلت، پھرت سے خوشی کے اظہار کرنے کا دن ہے، اس دن اسلامی، سرکاری چھٹی بھی ہوتی ہے، اتنی خوشیاں جمع ہو جانے کی وجہ سے ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرنا اور ایک دوسرے کو خیر وبرکت کی دعائیں دینا بلاکراہت جائز اور درست ہے؛ بلکہ افضل اور پسندیدہ عمل ہے، جو فقہاء کے حسب ذیل جزئیہ سے واضح ہوتا ہے۔

قال المحقق ابن أمير الحاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة في الجملة، ثم ساق آثاراً بأسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك، ثم قال: والمتعامل في البلاد الشامية، والمصرية عيد مبارك عليك، ونحوه وقال: يمكن أن يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم، فإن من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على أنه قد ورد الدعاء بالبركة في أمور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أيضاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب

علـى السـنة و بـالـعكس، زكريا ۳/ ۵۰، كراچي ۲/ ۱٦۹، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، بـاب أحـكـام الـعيـدين، مكتبه دارالكتاب ص: ۵۳۰، حلبي كبير، صلاة العيدين، خروج إلى المصلى ص:۵۷۳)

عـن أدهـم مـولـىٰ عـمـر بن عبد العزيزؓ، قال: كنا نقول لعمر بن عبد العزيز في العيدين، تقبل الله مناومنک ياأمير المؤمنين، فيرد علينا و لاينكر ذلک علينا. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في الصيام في ليلة العيدين و يومها ۳/ ۳٤۵، رقـم: ۳۷۲۰، المعجم الكبير للطبراني، ۲۲/ ۵۳، رقم:۱۲۳، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب صـلاـة الـعيدين، باب ماروي في قول الناس يوم العيدين بعضهم لبعض تقبل الله منا و منك جديد ۵/ ۱۱۱، ٦۳۸۷، ٦۳۸۸، رقم:٦۳۸۹، دارالفكر بيروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۷۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

عید کے دن معانقہ کی شرعی حیثیت

سوال [۳۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عوام الناس میں عید کے دن عید کی نماز کے بعد اور پھر پورے دن آنے جانے والے ملاقات کرنے والوں کے ساتھ معانقہ کا بازار گرم رہتا ہے، راستہ میں گھروں میں، ہوٹلوں میں، چوراہوں پر، غرضیکہ عید کے دن جہاں کہیں ایک دوسرے سے ملاقات ہورہی ہے، تو لوگ معانقہ کرتے نظر آرہے ہیں، مفتی صاحب! دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح عید کے دن معانقہ کا التزام واہتمام شریعت سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس معانقہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبیداللہ بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کے دن معانقہ کرنا محض رسمی معانقہ ہے، شریعت میں کہیں سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور اس رسمی معانقہ کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو خواہ مخواہ بہ تکلف مشقت اٹھانی پڑتی ہے کہ ہر آنے جانے والے سے گلے ملنے کے لئے کھڑے ہونا پڑتا ہے۔ اور راستوں میں بھی رسمی مصافحہ کا عجیب وغریب سلسلہ دیکھنے میں آتا ہے، خاص طور پر نوجوان طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ معانقہ کے بغیر عید کے دن کی ملاقات مکمل نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے یہ معانقہ مکروہ اور بدعت ہے؛ لہٰذا اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ یہ رسمی معانقہ لوگوں کے درمیان سے ختم ہوجائے، ہاں البتہ عید کے دن اگر کوئی رشتہ دار یا دوست واحباب دوسری جگہ سے یا دور دراز سفر سے آجائیں، تو ان کے ساتھ معانقہ کرنا نہ صرف بلا کراہت جائز بلکہ مسنون ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

والمعانقة بعد صلوة العيدين من البدع المذمومة المخالفة للشرع، والله أعلم. (عون المعبود، كتاب الأدب، باب في المصافحة تحت رقم الحديث: ٥٢١١، مكتبه دارالكتب العربية ٤/ ٥٢١)

حدیث پاک کے اندر موجود ہے کہ صحابہ کرام جب دور دراز سے سفر سے آتے یا دیرینہ ملاقات ہوتی تو آپس میں معانقہ کرتے تھے، اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کی آمد پر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور معانقہ کیا اور حضرت جعفرؓ جب حبشہؓ سے تشریف لائے تو ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ان سے معانقہ فرمایا؛ لہٰذا اس طرح دور دراز سفر سے آمد پر یا دیرینہ ملاقات پر معانقہ مسنون ہے، مگر خاص طور پر عید کے دن معانقہ کو لازم سمجھ کر کرنا بدعت ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أنسؓ قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم إذا تلاقوا

تصافحوا، وإذا قدموا من سفر تعانقوا. (المعجم الأوسط للطبراني، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ٤١، رقم: ٩٧، اسناده صحيح انظر مجمع الزوائد ٨/ ٣٩)

عن عائشة رضـ قالت: قدم زيد بن حارثة المدينة ورسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي، فأتاه، فقرع الباب، فقام إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم عريانًا يجرُّ ثوبه، والله مارأيته عرياناً قبله ولابعده، فاعتنقه وقبله. (سنن الترمذي، كتاب الآداب، باب ماجاء في المعانقة والقبلة، ٢/ ١٠٢، رقم: ٢٧٣٢)

عن عون بن أبي جحيفة عن أبيه، قال: لما قدم جعفر من هجرة الحبشة تلقاهُ النبي صلى الله عليه وسلم فعانقه و قبل مابين عينيه. الحديث (المعجم الكبير للطبراني ٢/ ١٠٨، رقم: ١٤٧٠، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ١٣/ ١٨٨، رقم: ٢٦٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۷۲۸)	۱۹/۱۱/۱۴۳۵ھ

عام نماز وعیدین کے بعد مصافحہ کی حیثیت

سوال [۳۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علامہ شامی وغیرہ نے نمازوں کے بعد مصافحہ کو مکروہ اور بدعت لکھا ہے اور اسے روافض کا شعار بھی قرار دیا ہے، تو اس سے کون سا مصافحہ مراد ہے؟ واضح فرمائیے۔

اوراس عبارت کے ذریعہ بعض لوگ بے دھڑک لکھ دیتے ہیں کہ نماز او رعیدین کے بعد مصافحہ بدعت ہے؛ لہٰذا ان عبارتوں کا محمل کیا ہے؟ اور صحابہ کا عمل کیا ہے؟ عمل صحابہؓ سے متعلق حوالہ مل جائے تو بہتر ہوگا اور عبارتوں کے درمیان تطبیق بھی فرمادیں۔

المستفتی: ذاکر اللہ، میسور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علامہ شامیؒ نے نماز کے بعد جس مصافحہ کو بدعت اور روافض کا طریقہ لکھا ہے اس کا محمل اس صورت میں ہے کہ جب سلام کے بعد متصلاً اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دائیں بائیں طوعاً وکرہاً مصافحہ کیا جائے اور دیگر مقامات پر مصافحہ سے زیادہ ثواب بعد الصلوۃ مصافحہ میں سمجھے، تو یہ بدعت ہے، روافض اور شیعوں میں یہی طریقہ رائج ہے۔

ان عبارتوں سے مصافحہ بعد الصلوۃ کو بے دھڑک بدعت قرار دینا مناسب نہیں ہے؛ بلکہ یہ حکم مقید بالقید ہے۔ اور صحابہؓ کا عمل ملاقاتی مصافحہ کے طور پر تھا اور ملاقاتی مصافحہ ثابت ہے۔علامہ نوویؒ نے ملاقات پر مصافحہ کرنے کو متفق علیہ سنت تحریر فرمایا ہے، بریں بنا عیدین کے بعد مصافحہ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں دیکھنے میں آتا ہے کہ رافضی لوگ سلام پھیرتے ہی فوراً دائیں بائیں لوگوں سے مصافحہ کرتے ہیں، شامی وغیرہ میں اسی کو مکروہ کہا ہے۔

إن المواظبة عليها بعد الصلوات خاصة، قد يؤدّي الجهلة إلياعتقاد سنيتها في خصوص هذه المواضع، وأن لها خصوصية زائدة على غيرها، مع أن ظاهر كلامهم أنه لم يفعلها أحد من السلف في هذه المواضع؛ لأن الصحابةؓ ماصافحوا بعد أداء الصلاة؛ ولأنها من سنن الروافض، ثم نقل عن ابن جحر عن الشافعية: أنها بدعة مكروهة لاأصل لها في الشرع......وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء، زكريا۹/۵٤۷، كراچي ٦/ ۳۸۱)

قال النووي: المصافحة سنة مجمع عليها عند التلاقي. (فتح الباري، كتاب الاستئدان، باب المصافحة، تحت رقم الحديث ٦٢٦٤، دارالريان للتراث ۱۱/ ۵۷، اشرفية ديوبند ۱۱/ ٦۵)

أصل المصافحة، سنة وكونهم حافظوا عليها في بعض الأحوال لا يخرج

ذلک من أصل السنة. (فتح الباري، كتاب الاستئذان، باب المصافحة، تحت رقم الحديث ٦٢٦٤، دارالريان للتراث ١١/٥٧، اشرفية ديوبند ١١/٦٥)

ويظهر البشاشة في وجه من يلقاه من المؤمنين (تحته) والمتعامل به في البلاد الشامية، والمصرية قول الرجل لصاحبه عيد مبارك عليك ونحوه، ويمكن أن يلحق هذا اللفظ بذلك في الجواز الحسن واستحبابه لما بينهما من التَّلازم، وكذا تطلب المصافحة فهي سنة عقب الصلاة كلها وعند كل لقيٍ. (حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب أحكام العيدين، داراكتاب ديوبندص: ٥٣٠)

عن البراء بن عازب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مامن مسلمين يلتقيان فيصافحان إلا غفرلهما قبل أن يتفرقا. (ترمذي شريف، كتاب الاستئذان، باب ماجاء في المصافحة، النسخة الهندية ٢/١٠٢، دارالسلام رقم: ٢٧٢٧)

عن أنسؓ أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصافح بعضهم بعضًا. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٣/١٨٥، رقم:٢٦٢٣٣)

عن حذيفةؓ، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا لقي المؤمن المؤمن فقبض أحدهما على يد صاحبه، تناثرت الخطايا منهما كما تناثر أوراق الشجر. (شعب الإيمان ٦/٤٧٤، رقم:٨٩٥٣)

قال أنسؓ: كانت المصافحة في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهم الحجة والقدوة للأمة،ثم أتباعهم. (عمدة القاري، كتاب الاستئذان، باب المصافحة، تحت رقم الحديث: ٦٢٦٣، دار إحياء التراث العربي بيروت ٢٢/٢٥٢، زكريا ديوبند ١٥/٣٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۹۳/۴۰)

عید کے دن معانقہ کا التزام

سوال [۳۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید کے دن عید کی نماز کے بعد یا کسی کے بھی آنے جانے پر معانقہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عید کے دن عید کی نماز کے بعد یا کسی کے بھی آنے جانے پر معانقہ کرنا حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اس میں خود کو مشقت اور تنگی میں ڈالنا ہے؛ لیکن اگر کوئی دور دراز سے آنے والا ہے، تو اس سے معانقہ کرنا درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص:۱۴۸)

كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يتصافحون، وإذا قدم أحدهم من سفر عانق صاحبه. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۱۸۵/۱۳، رقم:۲٦٢٣٤)

عن جابرؓ قال: لما قدم جعفرؓ من أرض الحبشة عانقه النبي صلى الله عليه وسلم. (مسند أبي يعلي الموصلي، دارالكتب العلمية ۲۲۷/۲، رقم: ۱۸۷۱، المعجم الكبير للطبراني ۱۰۸/۲، رقم: ۱٤۷۰)

عن أنسؓ قال: كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: إذا تلاقوا تصافحوا، وإذا قدموا من سفر تعانقوا. (المعجم الأوسط للطبراني ٤۱/۱، رقم:۹۷، إسناده صحيح، انظر مجمع الزوائد ۳۹/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاولی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۷۶)

نمازعیدین کے بعدمصافحہ کاجواز

سوال[۴۷۵۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدین کی نماز کے بعد سلام ومصافحہ کرنا کیساہے؟

المستفتی: محمد فضیل الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدین کی نماز کے بعد سلام ومصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے تاہم اگر کوئی کسی اور وقت میں مصافحہ نہ کرے اور نماز کے بعد ہی اس کو خاص کرلے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور بعض کتب فقہ میں بعد الصلوۃ مصافحہ کو روافض کا شعار جولکھا گیا ہے، اس کا مطلب اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے، روافض اور شیعوں کے یہاں دستور یہ ہے کہ سلام کے فوراً بعد دائیں بائیں کے لوگوں کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں اور عیدین کے بعد مصافحہ کرلینا نہیں۔

عن البراء بن عازبؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مامن مسلمين يلتقيان، فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يتفرقا. (ترمذي، أبواب الأداب، باب ماجاء في المصافحة، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۲، دارالسلام رقم:۲۷۲۷، مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۳/ ۱۸۵، رقم: ۲۶۲۳۱)

عن البراء بن عازبؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا التقى المسلمان، فتصافحا، فحمدا الله واستغفراه غفرلهما. (شعب الإيمان للبيهقي، دالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٧٤، رقم: ٨٩٥٦)

عن الشعبي أنه قال: كان أصحاب محمد صلى عليه وسلم: إذا التقوا صافحوا، فإذا قدموا من سفر عانق بعضهم بعضًا. (شعب الإيمان ٦/ ٤٧٥، رقم:٨٩٥٨، مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٣/ ١٨٥، رقم:٢٦٢٣٤)

عن جابرؓ قال: لما قدم جعفرؓ من أرض الحبشة عانقه النبي صلى الله عليه وسلم. (مسند أبي يعلي الموصلي، دارالكتب العلمية ٢/٢٢٧، رقم: ١٨٧١، المعجم الكبير للطبراني ٢/١٠٨، رقم: ١٤٧٠)

إن المواظبة عليها بعد الصلوات خاصة، قد يؤدّي الجهلة إلى اعتقاد سنيتها في خصوص هذه المواضع مع أن ظاهر كلامهم، أنه لم يفعلها أحد من السلف في هذه المواضع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، فصل في البيع، زكريا٩/٥٤٧، كراچي ٦/٣٨١)

فإن محل المصافحة المشروعة أول الملاقاة، وقد يكون جماعة يتلاقون من غير مصافحة، ويتصاحبون بالكلام، ومذاكرة العلم وغيره مدة مديدة، ثم إذا صلوا يتصافحون، فأين هذا من السنة المشروعة؛ ولهذا صرح بعض علمائنا، بأنها مكروهة حينئذ، وإنها من البدع المذمومة. (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب المصافحة والمعانقة، مكتبة امداديه ملتان، اشرفية ديوبند ٩/٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۲۲/۴۰)

○❖○

۱۰/ کتاب الجنائز

(۱) باب الجنائز ومتعلقاتها

انتقال کے وقت کے مسنون اعمال

سوال [۳۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انتقال کے وقت کیا کرنا ہے؟ سنت طریقہ کیا ہے؟ غسل کس طرح دینا ہے؟ دفن کرتے وقت کیا کرنا ہے؟

المستفتی: محمد شمس تبریز (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انتقال کے وقت اس کے پاس بیٹھ کر سورۂ یٰسین پڑھنی چاہئے اور قریب المرگ شخص کو داہنی کروٹ پر قبلہ رخ لٹا دینا چاہئے اور اس کے پاس بیٹھنے والے لوگ کسی قدر بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھیں؛ لیکن میت کو پڑھنے کے لئے نہ کہا جائے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۲/ ۷۷)

ویسن توجیه المحتضر أي من قرب من الموت علی یمینه؛ لأنه السنة، وجاز الاستلقاء علی ظهره. (حاشیة الطحطاوي علی المراقي، باب أحکام الجنائز قدیم ۳۰۵، جدید دارالکتاب دیوبند ۵۵۸، هدایة، کتاب الصلوة، باب الجنائز اشرفي دیوبند ۱/ ۱۷۸)

اور غسل کے وقت بھی مذکورہ طریقہ پر لٹا کر غسل دینا چاہئے، سب سے پہلے میت کو اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر استنجاء کرائے، پھر وضو کرائے؛ لیکن ناک، کان میں پانی نہ ڈالے؛ بلکہ بھیگے

کپڑے سے اس کو پونچھ دے اور پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہادیا جائے۔(مستفاد:بہشتی زیور۲/۵۲)

وصورة استنجاءه أن يلف الغاسل على يديه خرقة، ويغسل السوءة؛ لأن مس العورة حرام كالنظرإليها، ولاينظر الرجل إلى فخذالرجل، وكذا المرأة لاتنظر إلى فخذ المرأة، ثم يوضأ وضوءه للصلاة، ولايمضمض، ولايستنشق. ومن العلماء من قال: يجعل الغاسل على إصبعه خرقة رقيقة، ويدخل الإصبع في فمه ويمسح بها أسنانه ويدخل في منخريه أيضاً. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، زكريا قديم ۱/۱۵۸، جديد ۱/۲۱۹)

دفن کے وقت میت کوقبلہ کی جانب سے اتارا جائے اور قبر میں اتارتے وقت بسم الله وعلى ملة رسول الله پڑھنا چاہئے ،میت کوقبر میں اتارنے کے بعد دائیں کروٹ قبلہ رخ لٹادیا جائے ،اس کے بعد اس کی کفن کی گرہوں کوکھول دیا جائے ،پھر مٹی ڈالتے وقت ''منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرى'' پڑھے۔

ويدخل الميت ممايلى القبلة، وذلك أن يوضع في جانب القبلة من القبر ويحمل الميت منه ويوضع في اللحد، فيكون الأخذ له مستقبل القبلة حالة الأخذ، كذا في الفتح، ويقول واضعه: بسم الله وعلى ملة رسول الله، ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة، وتحل العقد. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في صلوة الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن، زكريا قديم۱/۱۶۶)

ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثو في قبره ثلاث حثيات من التراب بيديه جميعاً، ويكون من قبل رأس الميت ويقول في الحثية الأولىٰ ''منها خلقناكم'' وفي الثانية ''وفيها نعيدكم'' وفي الثالثة ''ومنها نخرجكم

تارة أخرى'' كذا في الجوهرة النيرة. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۱٦٦، جديد ۱/ ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۳ھ

جاں کنی کے وقت کس طرح لٹایا جائے

سوال [۴۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے والے کو وضع فی القبر کا اعتبار کرتے ہوئے دائیں کروٹ قبلہ رخ کر دیا جائے۔ نیز وضع فی القبر کو دیکھا جائے، تو سر جانب شمال اور قدم جنوب کی طرف ہوجاتا ہے۔ عبارت یہ ہے کہ **وجه إلى القبلة على شقه الأيمن اعتبارًا بحال الوضع في القبر، والأول هو السنة.**

لیکن ایک چھوٹی سی کتاب دیکھنے کو ملی، جس میں مسنون طریقہ یہ لکھا ہوا ہے ''مسنون طریقہ اس شخص کے لئے جس کی موت نزدیک ہو یہ ہے کہ اس کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے، اس طرح اس کی چارپائی کو پورب، پچھّم کر دیا جائے کہ اس کے پیر قبلہ کی طرف ہوجائیں اور سر کو ٹیک لگا کر اوپر کر دیا جائے تاکہ چہرہ قبلہ کی طرف ہوجائے'' کون سا طریقہ مسنون ہے یا دونوں ہی مسنون ہیں؟ (موت کی باتیں: ۵۰ از مولانا احترام الحسن کاندھلوی)

المستفتی: محمد اشتیاق نور قاسمی پیپر پیٹھی بازار، بھاگل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کتاب کا آپ نے حوالہ دیا ہے، اس میں مباح صورت ذکر کی گئی ہے؛ لیکن مسنون اور افضل طریقہ وہی ہے، جو ہدایہ میں مذکور ہے کہ جس کے مرنے کا وقت قریب ہوجائے اور موت کے آثار شروع ہوجائیں تو اس وقت

اس کا سر شمال کی طرف، پیر جنوب کی طرف اور رخ قبلہ کی طرف کردیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۶/ ۴۸۷، جدید ڈابھیل ۸/ ۴۸۱)

يوجه المحتضر القبلة، وهو المعتاد في زماننا؛ ولكن يرفع رأسه قليلاً ليتوجه للقبلة. (در مختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، كراچي ۲/ ۱۸۹، زكريا ۳/ ۷۷، ۷۸، حاشية الطحطاوي على المراقي، باب أحكام الجنائز، قديم ۳۰۵، جديد دارالكتاب ديوبند ص: ۵۵۸)

إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن اعتباراً بحال الوضع في القبر؛ لأنه أشرف عليه، والمختار في بلادنا استلقاء؛ لأنه أيسر لخروج الروح، والأول هو السنة. (هداية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، اشرفی دیوبند ۱/ ۱۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۶۵۵)	۱۴۲۱/۵/۷ھ

میت سے مکھی اڑانے کے لئے نیم کی ٹہنی استعمال کرنا

سوال [۴۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں علاقہ میں یہ رواج ہے کہ میت ہوجانے کے بعد اس کو چارپائی یا تخت پر لٹادیتے ہیں اور مکھی مچھر اڑانے کے لئے نیم کی ٹہنی کا استعمال کرتے ہیں، دستی پنکھے جو عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، وہ نہیں استعمال کرتے؛ بلکہ نیم کی ٹہنی سے ہوا کرتے ہیں۔ کیا کہیں اس کا ثبوت ملتا ہے یا یہ غلط رسم ہے؟

المستفتی: توقیر احمد، نہٹور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کی کوئی اصل نہیں ہے؛ بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ میت کو چار پائی پر رکھ کر اس کے بدن کے پورے حصے کو کپڑے سے ڈھانک دیں۔

وفي الهندية: ويستحب أن ينزع عنه ثيابه التي مات فيها و يسجي جميع بدنه بثوب ويترك على شيئ مرتفع من لوح، أو سرير. (هندية، الباب الحادي والعشرون في صلوة الجنائز، الفصل الاول في توجيه المحتضر، زكريا قديم١/١٥٧، جديد ١/٢١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٦/١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۲۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۲/۱ھ

میت کا نماز جنازہ سے قبل چہرہ دیکھنا

سوال [۳۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں عام دستور ہے کہ میت کفنانے کے بعد جب قبرستان لے جاتے ہیں، تو نماز جنازہ سے قبل لائن لگا کر منھ دکھاتے ہیں، اس کے بعد نماز جنازہ ہوتی ہے، علماء کرام نے اس سے روکا تو اب دوسری صورت چند دنوں سے یہ ہوگئی ہے کہ میت کو نماز جنازہ کے لئے لے چلنے سے قبل گھر سے باہر نکال کر میت کا آخری دیدار کیا جاتا ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً یہ کیسا ہے؟ کفنانے کے بعد آخری دیدار کی کچھ گنجائش ہے، جو حضرات باہر سے نماز جنازہ میں شرکت کے لئے آتے ہوں، تو کیا ان کو چہرہ دکھلانے کی گنجائش ہے؟

المستفتی: محمد راشد ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان لیجانے کی تیاری سے پہلے جو غیر متعلق لوگ میت

کا منھ دیکھتے ہیں، اسی پر اکتفا کیا جائے، بعد میں اجتماعی طور پر منھ دکھانے اور آخری دیدار کرانے کی رسم شریعت سے ثابت نہیں ہے؛ کیونکہ اس سے دفن میت میں تاخیر ہوتی ہے، جو شرعاً ممنوع ہے؛ لہٰذا ایسے رسم ورواج کو ترک کردینا ضروری ہے اور ٹانڈہ میں تو ہم نے میت کے منھ کے دکھانے کی عجیب رسم دیکھی ہے، جو قطعاً درست نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۲۱۹/۴)

عن عبد الله بن عمر قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلاتحبسوه وأسرعوا به إلى قبره الخ (المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي بيروت ۳٤٠/١٢، رقم:١٣٦١٣)

وكره تأخير صلوته ودفنه؛ ليصلي عليه جمع عظيم. (الدر المختار على هامش رد المختار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، مطلب في حمل الميت، زكريا١٣٦/٣، كراچي ٢٣٢/٢، هندية، كتاب الصلاة، الباب الاول في المواقيت، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لا تجوز فيها الصلوة، زكريا قديم ٥٢/١، جديد ١٠٨/١، حاشية الطحطاوي على المراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، دارالكتاب ديوبند ٦٠٤)

وإذ تيقن موته يعجل بتجهيزه إكرامًا له لما في الحديث: عجلوا به، فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب أحكام الجنائز، قديم ٣٠٩، جديد دارالكتاب ديوبند ٥٦٥، أبوداؤد شريف، كتاب الجنائز، باب تعجيل الجنازة، النسخة الهندية ٤٥٠/٢، دارالسلام رقم: ٣١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۴۱۸/۲۶)

کفن پہنانے کے بعد جنازہ سے قبل چہرہ دکھانا

سوال [۳۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میت کوکفن پہنا دیا جائے، تو اس وقت کسی کو چہرہ دکھا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف مہرولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کوکفن پہنانے کے بعد نماز سے پہلے اس کا چہرہ دکھانا جائز اور درست ہے۔

ولابأس بأن يرفع ستر الميت؛ ليرى وجهه، وإنما يكره ذلک بعد الدفن، كذا في القنية. (هندية، كتاب الكراهية،الباب السادس عشر في زيارة القبور، زكريا قديم ٥/ ٣٥١، جديد ٥/ ٤٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۲۴/۳۸)

نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا

سوال [۴۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ نے ایضاح المسائل میں جنائز کے مسئلہ میں لکھا ہے احسن الفتاوی کے حوالہ سے کہ جنازہ کی نماز کے بعد میت کا منھ دیکھنا منع ہے، جس کی بناء پر میں سال گذشتہ ایک جنازہ میں شریک تھا، تو نماز جنازہ کے بعد میت کے والد صاحب نے میت کو پھر دیکھنا چاہا، تو میں نے منع کر دیا تھا؛ لیکن فتاوی رشیدیہ مکتبہ تھانوی دیوبند ۱۷۲/ پر ایک سوال کے جواب میں ہے، منھ دیکھنا میت کا گو قبر میں دیکھے یا قبل دفن کے دیکھے درست ہے؛ اس لئے حضور والا سے درخواست ہے کہ دونوں میں تطبیق کی صورت بتا کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد عباس، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا فی نفسہ جائز ہے؛

لیکن چونکہ فی زماننا یہ ایک رسم بن گئی ہے اور اس میں بہت سی خرافات اور مفسدات شامل ہوگئی ہیں، جیسا کہ کارثواب اور مسنون سمجھ کر باقاعدہ اعلان کر کے چہرہ دیکھنے کے لئے لوگوں کو بلایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے، جو ممنوع ہے۔

کما قال الشامي: ویسرع في جهازه لما رواه أبو داؤد عنه صلی الله علیه وسلم لما عاد طلحة بن البراءؓ، وانصرف قال: لا أری طلحة إلا وقدحدث فیه الموت، فإذا مات فأذنوني حتی أصلي علیه و عجلوبه، فإنه لاینبغي لجیفة مسلم أن تحبس بین ظهراني أهله. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب صلوۃ الجنائز، قبیل مطلب في القرأۃ عند المیت، کراچي ۲/۱۹۳، زکریا ۳/۸۳، سنن ابوداؤاد شریف، کتاب الجنائز، باب تعجیل الجنازۃ، النسخة الهندیة ۲/۴۵۰، دارالسلام رقم:۳۱۵۹)

نیز اس میں یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر خدانخواستہ چہرے میں کچھ تغیر یا عیب ظاہر ہوگیا، تو ایک مسلمان کی ہتک حرمت اور افشاء عیب لازم آتا ہے جو منع ہے۔

قال الشامي: وینبغي للغاسل ولمن حضر إذا رأی مایحب المیت ستره أن یستره ولایحدث به لأنه غیبة، وکذا إذا کان عیباً حادثاً بالموت کسواد وجه ونحوه. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب صلوۃ الجنائز، قبیل مطلب في الکفن، کراچي ۲/۲۰۲، زکریا ۳/۹۵)

ان خرابیوں کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے؛ لہٰذا فتاوی رشیدیہ قدیم ۲/۷۱ کے فتوی کا تعلق اس صورت سے ہے؛ جبکہ مفسدات اور خرابیاں نہ پائی جائیں، اور ایضاح المسائل میں درج مسئلہ کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جب مفسدات اور خرابیاں شامل ہوجائیں؛ کیونکہ ایسی صورت میں امر مباح محظور ہوجاتا ہے؛ لہٰذا دونوں فتاوی میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰/ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۹۷)	۲۲/۷/۱۴۲۰ھ

کن لوگوں کے لئے نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے؟

سوال [۴۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ ہوجانے کے بعد میت کی صورت کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: حافظ رئیس احمد، محلّہ شیشگران نگینہ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد دفن سے قبل میت کی صورت دیکھنا صرف دوردراز سے آئے ہوئے اعزاء واقرباء کے لئے جائز ہے کہ جنہوں نے ابھی صورت نہیں دیکھی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۴۴، جدید زکریا ۴/ ۵۶، جدید زکریا مطول ۵/ ۴۸۹، مدارج النبوۃ بحوالہ فتاوی رشیدیہ قدیم ۱/ ۲۷۱، جدید زکریا ۲۵۰)

ولابأس بأن يرفع ستر الميت؛ ليرى وجهه، وإنما يكره ذلك بعد الدفن. (هندية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور، زكريا قديم ٥/ ٣٥١، جديد ٥/ ٤٠٦)

لیکن عام لوگوں کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے مبادا آثار برزخ کی وجہ سے میت کی صورت وغیرہ میں تغیر آجائے تو ایک مسلمان کی ہتک حرمت ہوگی جو ممنوع ہے۔ نیز اس کی وجہ سے دفن وغیرہ میں تاخیر لازم آئے گی جو بروئے حدیث ممنوع ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۷۴، احسن الفتاوی ۴/ ۲۱۰، فتاوی دار العلوم ۵/ ۳۶۹، محمودیہ قدیم ۳/ ۳۹۹، جدید ڈابھیل ۹/ ۷۹)

عن الحصين بن وحوح أن طلحة البراءؓ مرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده، فقال: إني لا أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت، فإذا مات فأذنوني به و عجلوا. الحديث (سنن أبي داؤد شريف، كتاب الجنائز، باب تعجيل الجنازة، النسخة الهندية ٢/ ٤٥٠، دارالسلام رقم: ٣١٥٩)

عن أبي هريرةؓ، يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة فخير تقدمونها إليه، وإن تك سوى ذلك فشر تضعونه عن رقابكم. الحديث (أبوداؤاد شريف، كتاب الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، النسخة الهندية ٢/٤٥٣، دارالسلام رقم: ٣١٨١)

وفي الشامية: ويسرع في جهازه الخ . (شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في القرأة عند الميت، كراچي ٢/١٩٣، زكريا ٣/٨٣)

وكره تأخير صلوته، ودفنه الخ (شامي، كتاب الصلاة، با ب صلوة الجنائز، مطلب في حمل الميت، كراچي ٢/٢٣٢، زكريا ٣/١٣٦، هندية، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الثالث في بيان الأوقات التي لايجوز فيها الصلوة، زكريا قديم١/٥٢، جديد ١/١٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۴۲۳)

نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنے کا اعلان کرنا

سوال [۳۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر رامپور میں میت کا چہرہ دیکھنا نماز جنازہ کے بعد ایک رواج بن گیا ہے، میت کا ولی نماز جنازہ کے بعد اعلان کرتا ہے کہ جس کو دیکھنا ہے دیکھ لیں اور باقاعدہ میت کا چہرہ دکھلایا جاتا ہے؛ جبکہ کچھ لوگ ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو کہ نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوتے، وہ صرف اسی غرض سے باہر کھڑے رہتے ہیں کہ ہم نماز کے بعد میت کا چہرہ دیکھیں گے، اس مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

المستفتی: تصورخاں، محلّہ ٹھانہ ٹین رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا ممنوع ہے اور یہ رسم قابل ترک ہے؛ کیونکہ اس کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے جو ممنوع ہے۔

عن الحصين بن وحوح أن طلحة البراءؓ مرض فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده، فقال: إني لا أرى طلحة ألا قد حدث فيه الموت، فإذا مات فإذا مات فأذنوني به و عجلوا. الحديث (سنن أبي داؤاد شريف، كتاب الجنائز، باب تعجيل الجنازة، النسخة الهندية ٢/ ٤٥٠، دارالسلام رقم: ٣١٥٩)

كما قال الشامي: ويسرع في جهازه لما رواه أبو داؤد عنه لما عاد طلحة البراءؓ وانصرف، قال: لا أرى طلحةؓ إلا قد حدث فيه الموت، فإذا مات فأذنوني حتى أصلى عليه و عجلوبه، فإنه لاينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في القراءة عند الميت، كراچي ٢/١٩٣، زكريا ٣/٨٣)

نیز بعض دفعہ میت پر آثار آخرت کا ظہور ہونے لگتا ہے، خدانخواستہ صورت میں تغیر آجائے یا کوئی عیب ظاہر ہوجائے، تو ایک مسلمان کی ہتک حرمت اور افشاء عیب لازم آتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔

كما قال الشامي: وينبغي للغاسل ولمن حضر إذا رأى ما يحب الميت ستره أن يستره ولايحدث به؛ لأنه غيبة، وكذا إذا كان عيباً حادثاً بالموت كسواد وجه ونحوه. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في الكفن، زكريا ٣/٩٥، كراچي ٢/٢٠٢)

لہٰذا یہ رسم قابل ترک ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۷۴، احسن الفتاوی ۲۱۹/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۶۰/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۷/۹ھ

صفوں کی درستگی کے بعد میت کا چہرہ دکھانا اور عورتوں کا اکٹھا ہونا

سوال [۴۷۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میت کو غسل دینے کے بعد اور نماز جنازہ کی تیاری کے وقت جبکہ صفیں درست ہو چکی ہوں نماز بالکل تیار ہو جنازہ سامنے رکھا ہو، پھر آخری دیدار سمجھتے ہوئے قطار در قطار میت کی زیارت کرنا جیسا کہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ لوگ چہرہ دیکھتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ شرعی رائے سے نوازیں، ہمارے یہاں اس میں ابتلائے عام ہے۔

ہمارے یہاں یہ بھی بکثرت دیکھا جاتا ہے کہ میت محرم ہو یا غیر محرم عورتوں کا ہجوم رہتا ہے اور جس وقت میت کو قبرستان لیجاتے ہیں، اس وقت تو اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ الامان والحفیظ معلوم ہوتا ہے ساری بستی کی عورتیں میت کو وداع کرنے کے لئے یہیں جمع ہیں؟

المستفتی: محمد جاوید رشید فاروقی دڑھیال، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی تیاری سے پہلے جب میت کو دیکھنے کا سلسلہ رہا ہے، پھر اس کے بعد نماز کی تیاری پر نیز نماز کے لئے صف بندی ہو جانے کے بعد دوبارہ دیکھنے کا سلسلہ محض رسم و رواج پر مبنی ہے؛ اس لئے یہ سلسلہ ختم کرنا ضروری ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں یک گونہ تاخیر بھی ہوتی ہے جو خلاف سنت ہے، ہاں البتہ اسی وقت دور دراز سے کوئی ولی اور بہت قریبی رشتہ دار پہونچتا ہے تو اس کے لئے معمولی گنجائش ہوسکتی ہے، مگر عام لوگوں کو دکھانے کی رسم خلاف سنت ہے، اس سے گریز کرنا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۲۱۹)

عن علي رضؓ بن أبي طالب أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال له: یا علي ثلاث لاتؤخرها الصلوة إذا آنت و الجنازة إذا حضرت، والأیم إذا

وجدت لها كفواً. (ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ماجاء في تعجيل الجنازة، النسخة الهندية ۱/۲۰٦، دارالسلام رقم:۱۰۷۵)

والأفضل أن يعجل بتجهيزه كله حين يموت. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في حمل الميت، كراچي ۲/۲۳۲، زكريا ۳/۱۳٦)

جس طرح غیرمحرم مردوں کا غیرمحرم عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں، اسی طرح غیرمحرم عورتوں کا بھی غیرمحرم مردوں کو دیکھنا جائز نہیں۔

نیز غیرمحرم عورتوں کی بھیڑ قطعاً درست نہیں ہے، اس سے گریز کرنا ضروری ہے اور اس میں بے پردگی کا گناہ بھی ہوتا ہے۔

في حديث أم سلمةؓ، فقلت: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! أليس هو أعمىٰ لايبصرنا ولايعرفنا؟ فقال: عليه السلام أفعميا وان أنتما؟ ألستما تبصرانه.

(سنن الترمذي، أبواب الآداب، باب ماجاء في احتجاب النساء من الرجال، النسخة الهندية ۲/۱۰٦، دارالسلام رقم:۲۷۷۸، مشكاة ۲/۲٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۰۲۳)	۱۴؍۷؍۱۴۲۷ھ

قبر میں اتارنے کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا

سوال [۴۷٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کی نماز جنازہ ہوجانے کے قبل بعد دفن یا قبر میں اتارنے کے بعد منھ دیکھنا ناجائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے؟

المستفتی: نورالعابدین، یونانی دواخانہ، بڑابازار، کرہٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ ہوجانے کے بعد دفن سے قبل اور دفن کے بعد

میت کا منھ دیکھنا ممنوع اور قابل ترک اُمر ہے، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ خدانخواستہ اگر صورت میں تغیر آجائے تو ایک مسلمان کی ہتک حرمت لازم آئے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۲۱۹، ایضاح المسائل ۷۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۳۹۸، جدید ڈابھیل ۹/۷۹)

وينبغي للغاسل ولمن حضر إذا رأى ما يحب الميت ستره أن يستره ولايحدثبه لأنه غيبة، وكذا إذا كان عيباً حادثاً بالموت كسواد وجه ونحوه.

(شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في الكفن، كراچي ۲/۲۰۲، زكريا ۳/۹۵، حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز اشرفية ديوبند ۵۸۰، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ۵۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۹۷۳)

میت کا چہرہ دیکھنا

سوال [۳۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کی کتاب ایضاح المسائل اور فتاوی دارالعلوم دیوبند جلد نمبر ۵/ کے متعلق وضاحت مطلوب ہے، ایضاح المسائل مسئلہ نمبر ۱۳۱/ نماز جنازہ کے بعد میت کی صورت دکھانا ممنوع اور قابل ترک ہے، اس میں خطرہ ہے کہ خدانخواستہ اگر صورت میں تغیر ہوجائے تو ایک مسلمان کی ہتک حرمت لازم آتی ہے۔ نیز اس کی وجہ سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے جو ممنوع ہے۔

(احسن الفتاوی ۴/۲۱۹، فتاوی دارالعلوم جدید جلد ۵/سوال ۳۰۵۰/صفحہ ۴۳۹۸)

میت کو لب گور یا قبر میں اتارنے کے بعد کفن کھول کر ورثاء وغیرہ کو صورت دیکھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: ثابت نہیں ہے، اسی کتاب کے صفحہ ۵/۴۰۶/ پر یہ سوال وجواب بھی مذکور ہے۔

سوال: میت کو قبر میں اتارنے کے بعد منھ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قبر میں اتارنے کے بعد منھ دیکھنا نہ چاہئے،اس کے بالمقابل دو کتابیں جو ہمارے اکابر دیوبند ہی کی ہیں، اس میں اس طرح مذکور ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۴۴،جدید زکریا ۴/۵۶،جدید زکریا مطول ۵/۴۸۹)

سوال: مردے کو قبر میں لٹا کر اس کا منھ دیکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: جائز ہے۔فتاوی رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتاوی کی کتاب ۲۷۲، کتاب الجنائز الموتی والقبور۔

سوال: منھ دیکھنا میت کا قبل دفن کے گو قبر میں دیکھے درست ہے یا نہیں؟

جواب: منھ دیکھنا میت کا گو قبر میں دیکھے یا قبل دفن کے دیکھے درست ہے۔

قال في فتاوى عالمگيری: ولابأس بأن يرفع ستر الميت عن وجهه، وإنما يكره بعد الدفن ، وفي مدارج النبوة.

واضح آن است کہ علی وعباس وفضل وقثم در قبر آمدند و بود قثم آخر کسے کہ برآمد از قبر واز وی ارند کہ گفت آخر کسے کہ روئے مبارک آنحضرت را دید در قبر من بودم .انتہی (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۲۷۱،زکریا جدید ۲۵۰)واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ عبدالحیٔ عفی عنہ الجواب صحیح: بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

نوٹ: حضرت قثم بن عباس کا حضور ﷺ کو قبر میں دیکھنا ثابت ہے، ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: ڈاکٹر جمیل احمد قاسمی ، بازار پہاڑی دروازہ ،نگینہ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت گنگوہیؒ کا اس بارے میں کوئی فتوی نہیں ہے؛البتہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب کے فتوی پر تصدیق ہے،بہرحال کفایت المفتی اور فتاوی رشیدیہ میں

حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کو قبر اطہر میں دیکھنے کے واقعہ سے استدلال کر کے جائز قرار دیا ہے اور حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور انبیاء کے چہرہ میں تغیر نہیں آسکتا اور نہ ہی ان کے بدن میں قیامت تک تغیر آسکتا ہے اور فتاوی رشیدیہ اور کفایت المفتی میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر قیاس کر کے جائز قرار دیا ہے اور فتاوی دار العلوم، احسن الفتاوی اور ایضاح المسائل میں یہ قیاس نہیں کیا گیا؛ بلکہ عام مسلمانوں کا حکم بیان کیا گیا ہے اور غیر انبیاء میں تغیر ہو جانے کا امکان بھی ہے اور تجربہ بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاثانی ۱۴۱٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍ ۴۴۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍ ۴؍ ۱۴۱٦ھ

مرنے کے بعد شوہر اپنی بیوی کو دیکھ سکتا ہے یا نہیں

سوال [۴۷٦۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کے مرنے پر شوہر اس کی صورت دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح بیوی شوہر کی صورت دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟ نیز کیا یہ دونوں ایک دوسرے کو چھو سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: فضل اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے مرنے کے بعد شوہر اس کو دیکھ سکتا ہے؛ لیکن مس وغیرہ جائز نہیں۔ اور بیوی شوہر کو دیکھ بھی سکتی ہے۔ نیز بیوی کا شوہر کو چھونا بھی جائز ہے اور اگر کوئی مرد غسل دینے والا نہ ہو تو بیوی کا شوہر کو غسل دینا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رشیدیہ قدیم ۲۷۱، جدید زکریا ۲۵۰، احسن الفتاوی ۴؍ ۲۲۵)

ویمنع زوجها من غسلها و مسها لا من النظر إليها على الأصح......وهي لا تمنع من ذلک أي من تغسيل زوجها دخل بها

أولا...... لأنها تلزمها عدة الوفاة ولو لم يدخل بها. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في حديث كل سبب ونسب منقطع إلا سببي و نسبي، زكريا ٣/ ٩٠، كراچي ٢/ ١٩٨، سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز ١/ ٢٦٦، فقيه الأمة، وكذا في الهندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، زكريا ١/ ١٦٠، الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل العاشر أنواع الصلوة، المبحث الثامن صلوة الجنازة الفرض الأول تغسيل الميت، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٢/ ٤٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۲۴ھ

کیا شوہر اپنی متوفی بیوی کے قریب جا سکتا ہے؟

سوال [۳۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی انتقال کر چکی ،تو وہ شخص اپنی بیوی کی میت کے قریب جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسے چھوسکتا ہے؟ جنازہ اٹھا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد منظور الحق ،سمستی پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی بیوی کی میت کے قریب جانا اور اس کو دیکھنا اور اس کا جنازہ اٹھانا سب جائز ہے؛ البتہ بلا حائل چھونا جائز نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۲۱۵)

ويمنع زوجها من غسلها، ومسها لا من النظر إليها على الأصح. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في حديث: كل سبب و نسب منقطع إلا سببي ونسبي، زكريا ٣/ ٩٠، كراچي ٢/ ١٩٨، سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة،

دارالکتب العلمية بيروت ۱/ ۲٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ٦/ ۱۴۱٦ھ

شوہر کا اپنی متوفیہ بیوی کا چہرہ دیکھنا

سوال [۳۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کی بیوی کا انتقال ہوجائے، تو وہ مرنے کے بعد اپنی بیوی کا چہرہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: نصیر اختر محلّہ: باڑہ شاہ صفا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی کے مرنے کے بعد شوہر کے لئے بیوی کا چہرہ دیکھنا بلاتردد جائز ہے، اس میں کسی شبہ کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۴۷، فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۸/ ۴۹۳)

قال الطحطاوي: ولا يمنع من النظر إليها في الأصح. (حاشية الطحطاوي على المراقي، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ۵۷۲)

ويمنع زوجها من غسلها، ومسها لا من النظر إليها على الأصح. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، زكريا ۳/ ۹۰، كراچي ۲/ ۱۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۱۷)

شوہر کا بیوی کی وفات کے بعد اس کا چہرہ دیکھنا

سوال [۳۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ہارون کی بیوی انتقال کرگئی،تو ہارون صاحب اپنی بیوی کی صورت دیکھ سکتے ہیں یانہیں؟ اسی طرح سے نماز جنازہ میں شرکت اور کاندھا لگا سکتے ہیں یانہیں؟ اور قبر میں کون کون اتار سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عارف، دھنورہ منڈی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد ہارون اپنی مردہ بیوی کو دیکھ سکتا ہے؛ البتہ چھونا جائز نہیں ہے۔ اور نماز میں شرکت کرنا بھی صحیح ہے اور جنازہ کو اٹھانا بھی جائز ہے اور قبر میں ضرورت کے وقت جو مسلمان چاہے اتار سکتے ہیں؛ البتہ اگر اس عورت کے باپ، بھائی وغیرہ محرم ہوں تو ان کو قبر میں اتارنے کا زیادہ حق پہونچتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۳۷۷، جدید ڈابھیل ۸/۴۹۳، امداد الفتاوی، زکریا ۱/۷۳۹، ایضاح المسائل ص۷۴)

ویمنع زوجها من غسلها، ومسها لا من النظر إليها على الأصح. منية. و في رد المختار: عزاه في المنح إلى القنية، ونقل عن الخانية أنه إذا كان للمرأة محرم يممها بيده و أما الأجنبي فبخرقة على يده. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، زكريا ۳/ ۹۰، كراچي ۲/ ۱۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۷/ ۱۴۱۶ھ

کیا ناپاک عورت بھی اپنے متوفی شوہر کا چہرہ دیکھ سکتی ہے؟

سوال [۳۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عورت کئی ایام سے ناپاکی کی حالت میں ہو، مثلاً حیض، نفاس، استحاضہ کا خون جاری ہو اور ایسی حالت میں شوہر کا انتقال ہوجائے، تو کیا ایسی عورت اپنے شوہر کا منھ دیکھ سکتی ہے یانہیں؟

المستفتی: ولی اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر مرجائے تو حالت حیض یا نفاس یا استحاضہ میں بیوی اس کا منھ دیکھ سکتی ہے، مستحاضہ اس کے پاس بیٹھ بھی سکتی ہے؛ البتہ حائضہ اور نفساء دیکھنے کے بعد ہرگز نہ بیٹھے، فوری طور پر اس کے پاس سے ہٹ جائے۔

ويمنع زوجها من غسلها، ومسها لا من النظر إليها على الأصح، وهي لاتمنع من ذلک (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في حديث: كل سبب و نسب منقطع إلا سببي ونسبي، زكريا۹۰/۳، كراچي ۱۹۸/۲)

ويخرج من عنده الحائض، والنفساء، والجنب. (در مختار، باب الجنازة، مطلب في القرأة عند الميت، زكريا ۸۳/۳، كراچي ۱۹۳/۲،البنايه شرح الهداية، كتاب الصلاة ، باب الجنائز اشرفيه ديو بند ۱۸۷/۳ ، حاشية چلپي على التبيين، كتاب الصلاة، باب الجنائز،امداديه ملتان ۲۳٤/۱، زكريا ديوبند ٥٦١/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۵۱)	۹/۷/۱۴۲۰ھ

والد صاحب کا بیٹے کو اپنے جنازہ میں شرکت سے روکنا

سوال [۴۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حامد کا والد تیز مزاج کا ہے، کسی دن غصہ کی حالت میں حامد کو باپ یہ کہتا ہے کہ تم پر میرا جنازہ اٹھانا اور مٹی دینا حرام ہے اور ان کا والد زید دوسرے دن راضی ہوجاتا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد والد کا انتقال ہوجاتا ہے، تو کیا زید کے لئے باپ کا جنازہ اٹھا کر لے جانا اور ایصال ثواب، مٹی دینا شرعاً درست ہوگا؟

المستفتی: محمد ظفر عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ خواہ کے سے بھی ہوں اولاد پر والدین کی فرمانبرداری، عزت واحترام لازم اور ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا. [سورة نبی اسرائیل: ٢٤]

والدین کے سامنے عاجزی وانکساری کے ساتھ رہو۔ اور مسئولہ صورت میں خالد کے لئے والد کا جنازہ اٹھانا، مٹی دینا اور ایصال ثواب کرنا درست ہی نہیں؛ بلکہ زندگی میں اگر کوئی رنجش رہی ہے، تو بعد الوفات والد مرحوم کو خوش کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن العبد ليموت والداه أو أحدهما، وإنه لهما لعاق، فلايزال يدعولهما، ويستغفرلهما حتى يكتبه الله بارًا. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في بر الوالدين، فصل في حفظ حق الو الدين بعد موتهما، دارالكتاب العلمية بيروت٦/ ٢٠٢، رقم:٧٩٠٢، مشكوةشريف،١ ٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۰۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

(۲) باب غسل المیت

انسانی اعضاء کے ٹکڑوں کو جمع کر کے غسل دینا

سوال [۴۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بم دھما کہ میں ایک شخص کے پرخچے اڑ گئے، اس کا جسم تین چار ٹکڑوں میں منتشر ہوگیا، اس کو غسل کیسے دیا جائے، اس کے اعضاء کو جوڑ کر غسل دیں گے یا الگ الگ اجزاء کو غسل دیا جائے؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: محمد محمود عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب جسم کے اجزاء منتشر ہوجائیں، تو ان کو جوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، ان کو ایک ساتھ رکھ کر پانی بہادیا جائے گا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان اجزاء پر نماز جنازہ پڑھی جائے اور دفن کر دیا جائے؛ کیونکہ میت کا اکثر بدن موجود ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی جدید ۱/۷۳۷)

وعلى هذا يخرج ما إذا وجد طرف من أطراف الإنسان كيد ورجل أنه لايغسل؛ لأن الشرع ورد بغسل الميت، والميت اسم لكله، ولو وجد الأكثر منه غسل؛ لأن للأكثر حكم الكل. (بدائع الصنائع، كتاب الجنائز، فصل في شرائط وجوب الغسل قديم ۱/۳۰۲، زكريا ۲/۲۸)

ولو وجد أكثر البدن أو نصفه مع الرأس يغسل و يكفن ويصلى عليه. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، زكريا قديم ۱/۱۵۹، زكريا جديد ۱/۲۱۹، البحر الرائق، كتاب الجنائز، زكريا ۲/۳۰۵، كراچي ۲/۱۷٤)

لو وجد طرف من أطراف إنسان–يلف في خرقة إلا إذا كان معه

الرأس فيكفن. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، مطلب في الكفن، زكريا ٣/٩٩، كراچي ٢/٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ربیع الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۲۳/۴۰)

آپریشن کی وجہ سے میت پر ٹیپ لگے ہونے کی حالت میں غسل کا حکم

سوال [۶۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو غسل دیتے وقت اگر جسم پر ٹیپ چپکے ہوں، آپریشن یا ایکسیڈنٹ کی وجہ سے تو ٹیپ الگ کرنا چاہئے یا ایسے ہی غسل دیدینا چاہئے؟

المستفتی: ناصر رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: میت کو غسل دیتے وقت آپریشن یا ایکسیڈنٹ کی وجہ سے جسم پر جو ٹیپ لگے ہوں، تو اس کو الگ کرنا ضروری ہے، ٹیپ الگ کئے بغیر غسل دینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/۲۲۷)

ويجرد الميت إذا أريد غسله، وهذا مذهبنا، كذا في الظهيرية. (هندية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، زكريا قديم ١/١٥٨، جديد ١/٢١٨)

يجرد الميت إذا أريد غسله—ولنا: أن المقصود من الغسل هو التطهير، ومعنى التطهير لايحصل بالغسل وعليه الثوب لتنجس الثوب بالغسالات التي تنجست بما عليه من النجاسات الحقيقية، وتعذر عصره وحصوله بالتجريد أبلغ فكان أولىٰ. (بدائع الصنائع، صلاة الجنائز، فصل في بيان كيفية الغسل قديم ١/٣٠٠، زكريا ٢/٢٤، المبسوط للسرخسي،

دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۲۲ھ

کیا جلے ہوئے شخص کو غسل دینا لازم ہے؟

سوال [۳۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک خاتون اسٹوپ پھٹنے کے نتیجہ میں بدن میں آگ لگنے کی وجہ سے جل کر انتقال کرگئی، اس کے بدن کا سر اور چہرہ کے علاوہ پورا چمڑا جلنے سے متاثر ہوگیا اور پٹیاں بندھی ہوئی ہیں، اس حالت میں غسل دینا لازم ہے یا نہیں؟ یا تیمّم سے کام چل جائے گا؟

المستفتی: محمد عمر کارخانے دار، ریتی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غسل دینا لازم ہے، تیمّم کافی نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/ ۵۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۱۵۹۰)

شوہر کا بیوی کو انتقال کے بعد چھونا اور غسل دینا

سوال [۳۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مفتی صاحب مدعی ہیں کہ شوہر عورت کو غسل دے سکتا ہے، دلیل میں حضرت علیؓ کا واقعہ پیش کرتے ہیں۔

نیز مدعی ہے کہ شوہر عورت کا بعد الموت ہر وقت تا تدفین وزمین دوز تک چہرہ دیکھ سکتا ہے، اس

مسئلہ کی بحوالہ وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: محمد سلیم الدین عفا اللہ عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر اپنی مردہ بیوی کی صرف صورت دیکھ سکتا ہے، غسل دینا، چھونا جائز نہیں ہے اور حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہؓ کو غسل دینا حضرت علیؓ وفاطمہؓ کی خصوصیت ہے یہ حکم اور کسی پر جاری نہ ہوگا؛ کیونکہ موت کے بعد بھی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ کے ساتھ باقی تھا اور بقیہ امتی کا نکاح بیوی سے ختم ہوجاتا ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن فاطمةؓ زوجتك في الدنيا والآخرة. فادعاؤه الخصوصية دليل على ان المذهب عندهم عدم الجواز.

(شامي، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل مطلب في حديث كل سبب و نسب منقطع إلا سببي و نسبي، زكريا ۳/ ۹۰، كراچي ۲/ ۱۹۸)

ويمنع زوجها من غسلها و مسها لا من النظر إليها على الأصح.

(در مختارمع الشامي، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل مطلب في حديث كل سبب و نسب منقطع إلا سببي و نسبي، كراچي ۲/۱۹۸، زكريا ۳/۹۰، سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲٦٦، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ۵۷۱، ايضاح المسائل ۷۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۸۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۹/ ۱۴۱۲ھ

کیا میت کو شروع سے آخر تک دستانہ پہن کر غسل دینا چاہئے؟

سوال [۳۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو نہلاتے وقت بائیں ہاتھ میں شروع میں دستانہ پہن لیتے ہیں؛ چونکہ استنجاء

کرانا ہوتا ہے، پھر جب وضو کراتے ہیں تو دستانہ نکال دیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا پھر جب میت کو وضو کرانے کے بعد پورے جسم کو دھویا جاتا ہے، صابن لگایا جاتا ہے، پھر صابن کو دھویا جاتا ہے، ستر کو بھی دھویا جاتا ہے، کیا اس حالت میں بھی دستانہ پہننا چاہئے اور بائیں ہاتھ میں پہنیں یا دائیں ہاتھ میں؛ چونکہ ستر کو تو اب بھی ہاتھ لگے گا، فقہاء کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: توقیر احمد نہٹور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو استنجاء دستانے پہن کر کرانا چاہئے، اسی طرح ناف سے لے کر گھٹنوں تک میت کے جسم کو بلا دستانوں کے نہیں چھونا چاہئے؛ بلکہ یوں ہی پانی بہادے اگر ملنے کی ضرورت پڑے، تو دستانوں کا استعمال کیا جائے۔ نیز ستر پر بغیر دستانوں کے ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔

وصورته أن يلف الغاسل على يديه خرقة، ويغسل السوأة؛ لأن مسها حرام كالنظر إليها. (شامي، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميت، كراچي ۱۹٦/۲، زكريا ۸۷/۳، حاشية الطحطاوي على المراقي، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ص:٥٦٨، هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثاني في الغسل، زكريا قديم ۱۵۸/۱، جديد ۲۱۹/۱ البنايه، باب الجنائز، فصل في الغسل اشرفية ديو بند ۱۸۲/۳)

عن ابن سيرين في الميت يغسل قال: ...... ولايكشف الخرقة التى علىٰ فرجه؛ ولكنه يلف على يده خرقة، إذا أراد أن يغسل فرجه، فيغسل ماتحت الخرقة التي على فرجه بماء. الحديث (مصنف عبد الرزاق، باب غسل الميت، المجلس العلمي بيروت ۴۰۱/۳، رقم:٦٠٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ / ۹۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۲/۱ھ

بوقت غسل میت کا پیر کس جانب ہو؟

سوال [۳۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ یعنی مردہ کو جب غسل دیا جائے تو اس کا پیر کس جانب ہونا چاہئے دکھن یا پچھّم؛ کیونکہ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ مردے کو پورب پچھّم لٹا کر غسل دیا جائے تا کہ اس کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اتر، دکھن مردے کو غسل دیا جائے، ان دونوں میں سے کون صحیح ہے اور کون غلط؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردے کو غسل کے لئے دائیں کروٹ قبلہ رخ لٹانا مسنون ہے۔

یسن توجیہ المحتضر أي للقبلة......علی یمینه......وجاز الاستلقاء، ویوضع هکذا في الغسل. قال في شرح الطحاوي: وهو العرف بین الناس. قال في الزاد والأول أفضل؛ لأنه السنة، کذا في المضمرات. (حاشیة الطحطاوي علی المراقي، باب أحکام الجنائز قدیم ۱/ ۳۰۵، جدید دار الکتاب دیوبند ۵۵۸، درمختار مع الشامي، کتاب الصلاة، باب الجنائز، کراچي ۲/ ۱۸۹، زکریا ۳/ ۷۷، ۷۸، هدایه، کتاب الصلاة، باب الجنائز، اشرفی دیوبند ۱/ ۱۷۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۱۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶؍ ۴؍ ۱۴۲۰ھ

میت کو غسل دینے کے بعد لٹانے کا طریقہ

سوال [۳۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو غسل دے کر بعد کفنانے کے بعد کس طرح لٹایا جائے؟ قبلہ کی طرف پیر کر

کے لٹایا جائے یا شمالاً وجنوباً؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد رضوان، مدرسہ امداد العلوم، حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو غسل دینے یا کفنانے کے بعد جنوب، شمال لٹایا جائے کہ اس کا سر شمال کی طرف ہو اور پیر جنوب کی طرف اور معمولی سی دائیں کروٹ پر چہرہ رکھا جائے، جس سے چہرہ قبلہ کی طرف ہو۔ اور سوالنامہ میں جو لکھا ہے کہ قبلہ کی طرف پیر کر کے لٹایا جائے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۳/۵۲، ڈابھیل ۸/۴۹۱)

یوجه المحتضر ......القبلة...... وهو المعتاد في زماننا؛ ولكن يرفع رأسه قليلا ليتوجه للقبلة. (در مختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، كراچي ۲/۱۸۹، زكريا ۳/۷۷، ۷۸، حاشية الطحطاوي على المراقي، باب أحكام الجنائز قديم ۳۰۵، جديد دارالكتاب ديوبند ۵۵۸، حلبي كبير، فصل في الجنائز، اشرفية ديوبند ۵۷۶، هندية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في توجيه المحتضر، زكريا قديم ۱/۱۵۷، جديد ۱/۲۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۲۴۳)

میت کو کافور لگانے کا ثبوت

سوال [۴۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو کافور لگانا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟

المستفتی: نوشے صاحب، محلّہ: نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامیہ میں میت کی پیشانی اور دونوں ہاتھ، گھٹنوں، قدموں، اور ناک پر کافور لگانا مسنون اور درست ہے۔

عن ابن مسعود قال: الكافور يوضع على مواضع السجود. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب الكافور والمسك للحنوط، دارالفكر بيروت ٥/ ٢٧٥، رقم: ٦٨٠٦)

وجعل الحنوط على رأسه، ولحيته، والكافور على مساجده. وتحته في البحر: وانها الجبهة، واليدان، والأنف، والقدمان، والركبتان الخ (البحر الرائق، كتاب الجائز، زكريا ٢/ ٣٠٣، كوئٹه ٢/ ١٧٣، فتاوى عالمگيري، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في التكفين، زكريا قديم ١/ ١٦١، جديد ١/ ٢٢٢، مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ص: ٥٧١، حلبي كبير، فصل في الجنائز، اشرفية ديوبند ٥٧٩، الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، قسم آخر في كيفية التكفين، زكريا ديوبند ٣/ ٢٩، رقم: ٣٦٥٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۹؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۷۶)

میت کے بدن پر صابن لگانا

سوال [۳۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو غسل دینے کا طریقہ جو کتابوں میں بیان کیا گیا ہے، اس میں یہ ہے کہ وضو کرانے کے بعد سر اور داڑھی کو گل خیرو یا صابن وغیرہ سے خوب اچھی طرح دھوئے، پھر بیری کا پانی، یا نیم گرم پانی تین تین دفعہ دائیں، بائیں کروٹ پر خوب اچھی طرح بہاوے، میت کے جسم پر ہاتھ ملتے ہوئے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص میت کے

جسم پر بھی صابن کا استعمال کرے بغیر مبالغہ کے قابل ستر حصہ کو چھوڑ کر، تو کیا اس میں شرعاً قباحت ہے؟ یا اس کی اجازت ہے شرعی نقطۂ نظر سے؟

المستفتی: محمد رضوان مدرسہ امداد العلوم، حیدرآباد، (اے پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام کتب فقہ میں اتنی ہی بات لکھی ہوئی ہے کہ سر اور داڑھی کو خطمی اور صابن وغیرہ سے دھوکر صاف کریں اور پورے بدن کو بیری وغیرہ کے نیم گرم پانی سے دھویا جائے؛ لیکن بعض کتب فقہ میں اس کی بھی صراحت موجود ہے کہ پورے بدن کو بھی صابن لگا کر کے دھویا جائے، پہلی اور دوسری مرتبہ میں صابن لگایا جائے، اور تیسری مرتبہ میں بغیر صابن کے دھوکر بدن کو صاف کرلیا جائے، اس سلسلہ میں دو کتابوں کے حوالے درج ذیل ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

أما السنة فإنه يزاد على هذه الغسلة غسلتان أخريان، وذلک بأن يضجع ثانياً على يمينه، ثم يصب الماء على شقه الأيسر ثلاثاً بالكيفية المتقدمة-إلي-وهذه هي الغسلة الثانية، ثم يضجع بعد ذلک على يساره ويصب الماء على يمينه بالكيفية المتقدمة، وهذه هي الغسلة. الثالثة: وتكون الغسلتان الأوليان بماء ساخن مصحوب بمنظف كورق النبق، والصابون. أما الغسلة الثالثة فتكون بماء مصحوب بكافور، ثم بعد ذلک يجفف الميت، ويوضع عليه الطيب، كما تقدم. (الفقه على المذاهب الأربعة، مباحث الجنائز، كيفية غسل الميت، دارالفكر بيروت ۱/ ۵۱۰، مكمل جديد ۲۸٤)

ثم يغسل الرأس، ثم اللحية بسدر. (ورق النبق يستعمل في التنظيف) اؤ خِطمي، بأن يسحق ويضرب بماء قليل في إناء حتى تبدوله رغوة، ثم يعرک به الموضع لإزالة الوسخ، ثم يصب عليه الماء الطهور الذي هو شرط لصحة الغسل، فإن لم يوجد سدر فيستعمل الصابون، أو نحوه من أشنان.

(الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الثامن من صلوة الجنازه، وأحكام الجنائز، سادساً، كيفية

الغسل ومقداره ومندوباته، الهدیٰ انٹرنیشنل دیوبند ۲/ ۴۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۲۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۸؍۱۴۳۴ھ

کیا میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا ضروری ہے؟

سوال [۳۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو جو شخص غسل دے، میت کو غسل دینے کے بعد اس شخص کو غسل کرنا ضروری ہے؟ کیونکہ بعض لوگ غسل دینے کی وجہ سے جو چھینٹیں آتی ہیں، ان کی وجہ سے غسل کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

المستفتی: محمد کاظم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو غسل دینے کے بعد غسل دینے والے پر غسل کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے؛ البتہ مستحب ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۵؍۲۵۳، احسن الفتاوی ۴؍۲۴۳)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من غسل ميتاً فليغتسل. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۸۱، رقم: ۷۷۵۷، سنن الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في الغسل من غسل الميت، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۳، دارالسلام رقم: ۹۹۳، سنن ابن ماجه، أبواب الجنائز، باب ماجاء في غسل الميت ۱۰۵، دارالسلام رقم: ۱۴۶۳، سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الغسل من غسل الميت، النسخة الهندية ۲/ ۴۵۰)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس عليكم في غسل ميتكم غسل إذا غسلتموه، فإن ميتكم ليس بنجس، فحسبكم أن تغسلوا أيديكم. (المستدرك للحاكم، كتاب الجنائز قديم ۱/ ۳۸۶، جديد مكتبه نزار مصطفى الباز ۲/ ۵۴۹، رقم: ۱۴۲۶، سنن دار قطني، باب حث التراب على

المیت، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۶۳، رقم: ۱۸۲۱، السنن الکبری للبیهقي، کتاب الطهارة، جماع أبواب الغسل للجمعة والأعیاد، دارالفکر بیروت ۱/۵۱٤، رقم: ۱۵۰۵)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من غسل میتاً، فلیغتسل ومن حمله فلیتوضأ، رواه الإمام أحمد وأصحاب السنن إلا النسائي، والأمر فیه للندب، وصرفه عن الوجوب حدیث ابن عباس المصرح فیه بعدم الوجوب. (حاشیة الطحطاوي علی المراقي، باب أحکام الجنائز، قبیل فصل الصلاة علیه قدیم ۳۱۷، جدید دارالکتاب دیوبند ۵۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲۶۶)

میت کے غسالہ کا کیا کریں؟

سوال [۴۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کے نہلائے ہوئے پانی کو گڑھا کھود کر جمع کر دینا چاہئے یا بہا دینا چاہئے؟ اگر بہا دیا گیا تو از روئے شرع کوئی حرج نہیں؟

المستفتی: جلیس احمد ٹانڈہ، رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بہا دینا اور گڑھا کھدوا کر اس میں جمع کر دینا دونوں صورتیں بلا کراہت جائز اور درست ہیں؛ ہاں البتہ بہتر شکل یہی ہے کہ گڑھا کھدوا کر سارا پانی اس میں جمع کر دیا جائے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۲/ ۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۵/۲ھ

حضرت فاطمہؓ کے غسل کا واقعہ

سوال [۳۷۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کو وفات کے بعد غسل نہیں دیا گیا؛ بلکہ انہوں نے وفات سے پہلے خود اپنا غسل کر کے حضرت ام سلمیٰ کو وصیت کی تھی کہ میری موت کے بعد میرے بدن کو کوئی نہ کھولے، میں نے اپنا غسل خود کر لیا ہے، یہ بات کہاں تک درست ہے؟ اس بارے میں حدیث اور سیرت کی کتابوں میں کون سی بات پایۂ ثبوت تک ہے؟ کہ ان کو وفات کے بعد غسل دیا گیا تھا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت فاطمہؓ کو وفات کے بعد غسل دیا گیا تھا یا نہیں؟ اس سلسلے میں دو طرح کی روایات ملتی ہیں:

نمبرا: وہ روایات ہیں جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ انہوں نے وفات سے پہلے خود غسل کر کے کپڑا پہن لیا تھا اور کپڑے میں حانوط وغیرہ یعنی کافور اور خوشبو وغیرہ لگا لیا تھا اور ام المؤمنین حضرت ام سلمیٰؓ کو وصیت کر دی تھی کہ ان کا بدن نہ کھولا جائے اور ایک روایت میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضرت علیؓ کو وصیت کی تھی کہ وفات کے بعد ان کا بدن نہ کھولا جائے۔

یہ روایات حسب ذیل ہیں: مسند احمد میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن أم سلمیؓ، قالت: اشتكت فاطمةؓ شكواها التي قبضت فيه، فكنت أمرِّضها فأصبحت يومًا كأمثل ما رأيتها في شكواها تلك، قالت: وخرج عليؓ لبعض حاجته، فقالت: يا أمه! اسكبي لي غسلا فسكبت لها غسلاً فاغتسلت كأحسن ما رأيتها تغتسل ثم قالت: يا أمه! أعطني ثيابي الجدد فأعطيتها فلبستها، ثم قالت: يا أمه! قدمي لي فراشي وسط البيت، ففعلت، واضطجعت، واستقبلت القبلة وجعلت يدها تحت خدها، ثم قالت: يا أمه! إني مقبوضة الآن وقد تطهرت فلا يكشفني أحد، فقبضت مكانها، قالت: فجاء علي فأخبرته. (مسند إمام أحمد بن حنبل ٦/٤٦١ - ٤٦٢، رقم: ٢٨١٦٧)

المعجم الکبیر میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

عن عبد الله بن محمد بن عقيل أن فاطمة لما حضرتها الوفاة أمرت عليًّا، فوضع لها غسلاً فاغتسلت وتطهرت ودعت بثياب أكفانها فأتيت بثياب غلاظ خشن ولبستها ومست من الحنوط وأمرت عليًّا أن لا تكشف إذا قبضت، وأن تدرج كما هي في ثيابها، فقلت له هل علمت أحد أفعل ذلك، قال: نعم! كثير بن عباس وكتب في أطراف أكفانه "يشهد كثير بن عباس" أن لا إله الله. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العلمي ۳۹۹/۲۲، رقم: ۹۹٦، المصنف لعبد الرزاق، المكتب الإسلامي، بيروت ٤١١/۳، رقم: ٦١٢٦)

دوسری قسم کی وہ روایات ہیں جن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت اسماء بنت عمیسؓ کو وصیت کی تھی یہی دونوں ان کو وفات کے بعد غسل دیں گے، ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا ان کے غسل میں شریک نہ ہو، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو وفات کے بعد باضابطہ غسل دیا گیا ہے اور یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے؛ اس لئے کہ موت کے بعد جو غسل دیا جاتا ہے، وہ غسل واجب ہے اور موت سے پہلے اس غسل واجب کا فریضہ ادا نہیں ہوسکتا؛ بلکہ موت کے بعد ہی ادا ہوسکتا ہے اور دونوں روایات میں تطبیق کی شکل یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے وفات سے پہلے اطمینان سے غسل فرما لیا تھا اور کفن والا کپڑا بھی پہن لیا تھا اور حضرت ام سلمٰی اور حضرت علیؓ کو وصیت کردی تھی کہ ان کا بدن نہ کھولا جائے، پھر بعد میں ان کو احساس پیدا ہوا کہ موت کے بعد غسل واجب ہوتا ہے؛ اس لئے حضرت اسماء بنت عمیسؓ اور حضرت علیؓ کو دوبارہ وصیت کردی کہ مجھے غسل صرف آپ ہی دونوں حضرات دیں اور آپ دونوں کے علاوہ کوئی اور میرے غسل میں شریک نہ رہے، اصل واقعہ و صحیح بات یہی ہے کہ بعد میں اس طرح غسل بھی دیا گیا ہے اور دونوں روایتوں کے درمیان اس صورت میں کوئی تعارض بھی نہیں رہتا؛ بلکہ دونوں روایتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔

اب غسل دینے کی روایات ملاحظہ فرمایئے: چنانچہ سنن کبریٰ بیہقی میں ان الفاظ سے مروی ہے:

عن عون بن محمد عن أمه عن أسماء بنت عميس أن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصت أن يغسلها زوجها على بن أبي طالب رضي الله عنه فغسلها هو وأسماء بنت عميس. (السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر بيروت ٥/٢٥٦، رقم: ٦٧٦٠، ومكتبة دارالحديث القاهرة ٤/١٠٥، رقم: ٦٦٦١)

سنن کبریٰ بیہقی میں دوسری روایت عمارہ بن المہاجر کے طریق سے الفاظ کے فرق کے ساتھ مروی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عن عمارة بن المهاجر عن أم جعفر أن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، قالت: يا أسماء! إذا أنا مت فاغسليني أنت وعلي بن أبي طالب فغسلها عليؓ وأسماء رضي الله عنهما. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، مطبع دارالحديث القاهره ٤/١٠٥، رقم: ٦٦٦٠، ومطبع دار الفكر بيروت ٥/٢٥٦، رقم:٦٧٥٩)

مستدرک حاکم میں مختصر فرق کے ساتھ یہی روات مروی ہے۔

عن عون بن محمد بن على وعمارة بن المهاجر عن أم جعفرؓ زوجة محمد بن علي قالت: حدثني أسماء بنت عميس قالت: غسلت أنا وعليؓ فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم. (المستدرك للحاكم، دار لكتب العلمية ٣/١٧٩، رقم: ٤٧٦٩، ومكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة ٥/١٧٩٠، رقم:٤٧٦٩)

اورسنن دارقطنی میں سند صحیح کے ساتھ عون بن محمد کے طریق سے یہ روایت مروی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

عن عون بن محمد عن أمه عن أسماء بنت عميس أن فاطمة أوصت أن يغسلها زوجها عليٌّ وأسماء فغسلاها. (سنن الدار قطنى، دار الايمان سهارن پور ٢/٦٢، رقم: ١٨٣٣)

اور مصنف عبد الرزاق میں عمارہ بن المہاجر کی روایت تھوڑے سے الفاظ کے فرق کے ساتھ مروی ہے، ملاحظہ فرمایئے:

عن عمارة بن مهاجر عن أم جعفر بنت محمد عن جدتها أسماء بنت عميس قالت أوصت فاطمة إذا ماتت أن لا يغسلها إلا أنا وعليٌّ قالت: فغسلتها أنا وعليٌ فحديث بنت عميس أرجح للأدلة الدالة على وجوب غسل الميت مطلقاً. (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ بيروت ۳/ ۹۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا رصفر المظفر ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۳۴۷)

❋ ❋ ❋

(۳) باب تکفین المیت

آب زمزم سے کفن کا کپڑا تر کرنا

سوال [۳۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے حجاج کرام اپنے ساتھ کفن کا کپڑا لیجاتے ہیں اور آب زمزم میں تر کر کے واپس لاتے ہیں، یہ عمل حصول تبرک کے لئے کرتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد کلیم اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبرک کے طور پر آب زمزم سے کفن کے کپڑے دھونے میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ بلکہ باعث برکت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۳۲/۷، جدید ڈابھیل ۵۲۰/۸، میرٹھ ۸۳/۱۳)

لو وُضِع شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم، أو عصاه، أو سوطه على قبر عاصٍ، لنجا بذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب -إلى قوله- ومن هذا القبيل: ماء زمزم، والكفن المبلول، وبطانة أستار الكعبة، والتكفن بها الخ. (روح البيان، تحت سورة التوبة، الآية: ٨٤، مصري ٥٥٩/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۸۴/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۱۵ھ

آب زمزم سے کفن دھونا

سوال [۳۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ کفن کے کپڑے کو آب زمزم سے اس عقیدے سے دھونا کہ اس سے کچھ فائدہ پہنچے گا کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد حارث، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حصول برکت کے لئے کفن کا کپڑا آب زمزم سے دھونا بلاکراہت جائز ہے، پہلے حضرت تھانویؒ نے اس کو ماءِ زمزم سے استنجاء کرنے پر قیاس کرتے ہوئے ناجائز کہا تھا؛ لیکن بعد میں حضرت نے اس سے رجوع فرمالیا۔

نیز مفتیٔ اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’کفنِ مبلول بماءِ زمزم میں میرے نزدیک جواز کی جہت راجح ہے اور اس کو استنجاء بماءِ زمزم پر قیاس نہ کرنا چاہئے‘‘۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۴/۳۴، جدید زکریا مطول ۵/۳۳۰، قدیم ۴/۲۳، امداد الفتاوی ۱/۵۱۷، محمودیہ ڈابھیل ۸/۵۲۰، میرٹھ ۱۳/۸۳، انوار مناسک ۳۹۸)

لو وُضِع شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم، أو عصاه، أوسوطه على قبر عاصٍ، لنجا بذلك العاصي ببركات تلك الذخيرة من العذاب -إلى قوله- ومن هذا القبيل: ماء زمزم، والكفن المبلول به، وبطانة أستار الكعبة. (تفسير روح البيان، مصري ۲/۵۵۹، بحواله أنوار مناسك ۳۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۱۶)

غلاف کعبہ کا ٹکڑا کفن میں دینا

سوال [۳۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیت اللہ شریف کے غلاف کے ٹکڑے کو میت کے کفن میں رکھ دینا اس عقیدہ سے

کہ اس کے ذریعہ اس کو فائدہ پہونچے گا، اس بارے میں کوئی دلیل شرعی ہو تو ضرور تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد جابر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیت اللہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا میت کے کفن میں بطور تبرک کے رکھنا جائز اور درست ہے، بشرطیکہ اس پر اللہ کا نام یا کوئی آیت کریمہ نہ لکھی ہوئی ہو، رہا یہ کہ اس سے میت کو کوئی فائدہ پہونچے گا یا نہیں؟ تو حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ فائدہ بھی پہونچ سکتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۸۲/۱۳، ڈابھیل ۵۱۹/۸)

عن أم عطية رضي قالت: دخل علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نغسل ابنته، فقال: اغسلنها ثلاثاً، أو أكثر من ذلك بماء، وسدر، واجعلن في الآخرة كافوراً، فإذا فرغتن فاٰذنني، فلما فرغنا أذناه، فألقي إلينا حقوهٗ، فقال: أشعر نها إياه. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب مايستحب أن يغسل وتراً، النسخة الهندية ١٦٧/١، رقم: ١٢٤٠، ف: ١٢٥٤)

قال الطّيبي أي اجعلن هذا الحقو تحت الأكفان بحيث يلاصق بشرتها، والمراد إيصال البركة إليها. (مرقاة المفاتيح، اشرفي ٣٣/٤، رقم: ١٦٣٥)

وهو أصل في التبرك باثر الصالحين. (عمدة القاري ٦٣/٨، مصري قديم ٤١/٨)

وهذا الحديث أصل في التبرك بآثار الصالحين و لباسهم كما يفعله بعض مريدي المشايخ، من لبس أقمصتهم في القبر لمعات. (حاشية مشكوة ١٤٣/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۶۰/۴۰)

جس کپڑے میں انتقال ہوا ہے اس کو نکالنا

سوال[۳۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ میت کی روح جن کپڑوں میں نکلے وہ کپڑے اتار دینے چاہئیں اور میت کے اوپر صاف چادر ڈال دینی چاہئے، کیا یہ بات صحیح ہے کہ میت کو ننگا کر کے اوپر صرف چادر ڈال دیں؟ یا جو بہتر شکل ہو تحریر فرمادیں۔

المستفتی: توقیر احمد نہٹور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ مستحب ہے کہ میت سے وہ کپڑے نکال کر اس کے اوپر صاف چادر ڈال دی جائے، جس سے میت کا سارا بدن ڈھک جائے۔

ویستحب أن ینزع عنه ثیابه التي مات فیها، ویسجی جمیع بدنه بثوب .

(هندیة، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الأول في المحتضر، زکریا ۱/۱۵۷، جدید ۱/۲۱۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۶/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۲/۱۴۲۹ھ

کفن کس کپڑے کا ہو؟

سوال [۳۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردے کا کفن سوتی کپڑے کا ہونا ہی ضروری ہے یا ٹیری کاٹ وغیرہ کا کفن بھی دیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: انیس الرحمٰن سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفید سوتی کپڑے کا کفن دینا مستحب ہے، حضور ﷺ نے سفید کپڑے میں کفن دینے کی ترغیب دی ہے، اگر سوتی کپڑا بالکل میسر نہ ہو تو مجبوراً ٹیری کاٹ کپڑا میں کفن دینے کی گنجائش ہے؛ لیکن وہ بھی سفید ہونا چاہئے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألبسوا من ثيابكم البياض، فإنها من خير ثيابكم، وكفنوا فيها موتاكم. (سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما يستحب من الأكفان، النسخة الهندية ١٩٣/١، دارالسلام رقم:٩٩٤، مسند أحمد بن حنبل ٢٤٧/١، رقم:٢٢١٩، شمائل ترمذي ١٣/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۰۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۴؍۱۴۲۰ھ

مرد میت کے لیے کتنے کپڑے مسنون ہیں؟

سوال [۴۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد میت کے کفن میں شرعاً کتنے کپڑے ضروری ہیں، تہبند اس کفن میں شامل ہے یا نہیں؟

المستفتی: تصدق حسین، کھرک پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد میت کے لئے شرعاً تین کپڑے مسنون ہیں۔ ۱. کرتا ۲. ازار ۳. لفافہ، ازار لفافہ سے چھوٹی چادر کا نام ہے، جو سر سے پاؤں تک ہوتی ہے۔ اور لفافہ سب سے بڑی چادر کا نام ہے، جس میں میت کو لپیٹ کر گرہ لگائی جاتی ہے، اس کے علاوہ علیحدہ سے تہبند نامی کوئی چیز مرد کے کفن میں شامل نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲۶۱/۵)

عن عائشة رضـ **قالت: دخلت على أبي بكر، فقال: في كم كفنتم النبي صلى الله عليه وسلم؟ قالت: في ثلاثة أثواب بيضسحولية ليس فيها قميص، ولاعمامة. الحديث** (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب موت يوم الإثنين، النسخة الهندية ١/١٨٦، رقم: ١٣٧١، ف: ١٣٨٧)

ويسن في الكفن إزار، وقميص، ولفافة. (در مختار) إزار هو من القرن إلى القدم، واللفافة تزيد على ما فوق القرن والقدم ليلف فيها الميت، وتربط من الأعلى والأسفل. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچي ٢/٢٠٢، زكريا٣/٩٥، هندية، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الثالث في التكفين، زكريا ١/١٦٠، جديد ١/٢٢١، هداية، باب الجنائز، فصل في التكفين، اشرفی دیوبند ١/١٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۲۹)

عورت اور مرد کے کفنِ مسنون کے کپڑوں کی تعداد

سوال [۳۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کفن میں کتنے کپڑے مرد کے لگتے ہیں اور کتنے عورت کے؟ اور کون کون سے کپڑے لگتے ہیں؟

المستفتی: سیف اللہ، مجھوڑہ، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کفن میں مرد کے لئے تین کپڑے ہیں، کرتا، ازار، چادر، پہلے چادر بچھائی جائے پھر ازار، پھر اس پر کرتہ پھر میت کو رکھدیا جائے، اور پہلے کرتہ لپیٹا جائے، پھر ازار، پھر چادر۔

السنة أن يكفن الرجل في ثلاثة أثواب: إزار، وقميص، ولفافة، الخ
(هداية، كتاب الجنائز، فصل في التكفين، اشرفي ديوبند ١/ ١٧٩)

اور عورت کے لئے پانچ کپڑے چادر، ازار، قمیص، سینہ بند، سر بند، پہلے چادر بچھائی جائے، پھر اس پر ازار، پھر اس کے اوپر کرتہ، پھر کرتا پہنا کر سر بند بالوں پر رکھا جائے، پھر ازار لپیٹنے کے بعد سینہ بند باندھا جائے، اس کے بعد چادر لپیٹ دی جائے۔ (مستفاد: بہشتی زیور اختری ۲/۵۵)

عن ليلى بنت قانف الثقفيةؓ، قالت: كنت فيمن غسل أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم عندوفاتها، فكان أول ماأعطانا رسول الله صلى الله عليه وسلم الحقاء، ثم الدرع، ثم الخمار، ثم الملحفة، ثم أدرجت بعد في الثوب الأخر. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كفن المرأة، النسخة الهندية٢/ ٤٥٠، دارالسلام رقم:٣١٥٧، مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٣٨٠، رقم: ٢٧٦٧٦، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٥/ ٢٩، رقم:٤٦)

وتكفن المرأة في خمسة أثواب: درع، وإزار، وخمار، ولفافة، وخرقة تربط فوق ثدييها. (هداية، باب الجنائز، فصل في التكفين، اشرفي ديوبند ١/ ١٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۵۰)

مرد عورت کے کفن میں مسنون کپڑوں کی مقدار

سوال [۴۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کے کفن میں عورت کے لئے کتنے کپڑے اور مرد کے لئے کتنے کپڑے مسلک حنفی میں حضور ﷺ سے ثابت ہیں؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد نصیر، نون برّا، ضلع: کوریا، چھتیس گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے کفن میں اگر میسر ہوتو پانچ کپڑے دینا مسنون ہے اور اگر میسر نہ ہوتو تین بھی کافی ہیں اور مرد کے کفن میں تین کپڑے دینا مسنون ہے اور اگر میسر نہ ہوتو دو بھی کپڑے کافی ہیں۔

عن ابن عباسؓ قال: بينما رجل واقف بعرفة إذ وقع عن راحلته، فوقصته أو قال: فأوقصته، قال النبي صلى الله عليه وسلم: إغسلوه بماء وسدر، وكفنوه في ثوبين، ولاتحنطوه، ولاتخمروا رأسه، فإنه يبعث يوم القيامة ملبياً.

(صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الكفن في ثوبين، النسخة الهندية ١/١٦٩، رقم:١٢٥١، ف:١٢٦٥، صحيح مسلم، باب ما يفعل بالمحرم إذا مات، النسخة الهندية ١/٣٨٤، بيت الأفكار رقم:١٢٠٦، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/١١٧٤، رقم:١٨٩٤)

ويسن في الكفن له إزار، وقميص، ولفافة، ولها درع أي قميص، وإزار، وخمار، ولفافة، وخرقة تربط بها ثدياها، وكفاية له إزار، ولفافة، ولها ثوبان وخمار. (الدر مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، كراچي ٢/٢٠٢، ٢٠٣، زكريا ٣/٩٥تا ٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۱۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۸ھ

کفن میں آیات یا دعا لکھ کر قبر میں دفن کرنا

سوال [۴۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ **سبحان من هو بالجلال موحدا، وبالتوحيد معروفا وبالمعروف موصوفا وبالصفة على لسان كل قائل ربا وبالربوبية للعالم قاهرًا وبالقهر للعالم جبارًا وبالجبروت عليما حليما وبالعلم والحلم رؤوفا رحيمًا سبحانه**

عـمـا يـقـولـون وسبـحـانـه عـمـا هم قائلون تسبيحًا، تخشع له السموات، والأرض ومـن عـليهـا، ويـحـمـد من حول عرش اسمي الله عند غير منتهي كتابي وليا وانا اسرع الحاسبين.

وروي الترمذي عن النبي صلى الله عليه وسلم: من كتب هذا الدعاء وجعله بين صـدر الـميـت وكـفنه لم ينل عذاب القبر ولم ير منكرا ونكيرا. (ترشيح المستفيد ١٣٨)

(۱) منسلک پرچہ پر جو حدیث شریف ہے، وہ کہاں تک صحیح ہے؟ تحریر فرمائیں۔

(۲) ایسی کوئی دعاء ماثورہ یا منقولہ یا بزرگوں سے دعاء منقول ہے، جو میت کے ساتھ لکھ کر رکھ دی جائے یا کفن میں لکھ دی جائے، تو عذاب قبر سے یا فتنۂ قبر سے محفوظ رہ سکتا ہو؟ تحریر فرمائیں۔

(۳) سلسلہ قادریہ کیا ہے اور اس کے اعمال ووظائف کیا ہیں؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ممتاز احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ حدیث پاک اصل کتاب ترمذی شریف میں نہیں ہے؛ اس لئے ہم اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے قاصر ہیں؛ البتہ حضرات فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ چونکہ میت کے جسم سے نجاست وغیرہ نکلتی ہے؛ اس لئے کفن وغیرہ پر کوئی دعا یا قرآن کی آیت لکھنا احتراماً ممنوع ہے، ہاں البتہ کوئی دعا انگلی کے اشارہ سے اس طرح لکھ دے کہ حروف نہ بنیں تو اس کی گنجائش ہے۔

وقـد أفتـى ابـن الـصـلاح بـأنـه لايـجوز أن يكتب على الكفن، يٰس، والـكهف وغيرهما خوفًا من صديد الميت (إلى قوله) نقل بعض المحشين عـن فـوائـد الشـرجـي أن مـمـا يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة الخ. (شامي، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، قبيل باب الشهيد، كراچي ٢/ ٢٤٦، زكريا ٣/ ١٥٧)

جاء في الجمل على شرح المنهج: لايجوز له أن يكتب عليها شيئاً من القرآن، أو الأسماء المعظمة صيانة لها من الصديد به، قال ابن الصلاح.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۳/ ۲٤۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۸۹۳۷)

جنازہ کے اوپر کلمہ طیبہ لکھی چادر ڈالنا

سوال [۳۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ کے اوپر ایک چادر ڈالنے کا رواج کچھ دنوں سے شروع ہوگیا ہے، اس چادر پر آیۃ الکرسی، کلمہ طیبہ وغیرہ لکھا ہوتا ہے، ایسی چادر ڈالنا کیسا ہے؟ امام صاحب اسی طرح نماز جنازہ پڑھا دیں یا چادر اتروائیں؟

المستفتی: حامد علی ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو چادر نہ ہٹائے؛ بلکہ کبھی کسی مجمع عام میں بیان کردے کہ یہ بے ثبوت امر ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۱/ ۳۵۱)

وقد أفتى ابن الصلاح، بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰس، والكهف وغيرهما خوفًا من صديد الميت، والقياس المذكور ممنوع؛ لأن القصد ثم التمييز، وهنا التبرك، فالأسماء المعظمة باقية على حالها، فلايجوز تعريضها للنجاسة، والقول بأنه يطلب فعله مردود؛ لأن مثل ذلك لا يحتج به إلا إذا صح عن النبي صلى الله عليه وسلم طلب ذلك، وليس كذلك. (شامي، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، قبيل باب

الشهيد، زكريا ۳/ ۱۵۷، كراچي ۲/ ۲٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۲۴۶/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۲ھ

جنازہ پر قرآنی آیات لکھی ہوئی چادر ڈالنا

سوال [۴۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردے کو قبرستان لیجاتے وقت اس کے اوپر کالی چادر جس پر قرآن کی آیتیں لکھی ہوتی ہیں ڈال کرلے جاتے ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب، مقبرہ اول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شریعت میں اس رسم کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور قرآن کریم کی ایک آیت چھونے کے لئے وضو کرنا فرض ہے، تو کتنے آدمی بغیر وضو اس کو پکڑتے ہوں گے، اس میں قرآنی آیات کی انتہائی بے ادبی اور بے احتیاطی کا خطرہ ہے؛ اس لئے آیت لکھی ہوئی چادر استعمال کرنے سے احتراز کی ضرورت ہے۔

تكره كتابة القرآن، وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم، والمحاريب، والجدران وما يفرش وما ذاك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة، فالمنع هنا أولى مالم يثبت عن المجتهد، أوينقل فيه حديث ثابت. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، قبيل باب الشهيد، كراچي ۲/ ۲٤٦، زكريا ۳/ ۱۵۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۳/ ۲٤۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۱۶/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ

آیات قرآنیہ لکھی ہوئی چادر میت پر ڈالنا

سوال [۴۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں جب مردہ کو قبرستان لے جاتے ہیں، تو اس کی چار پائی پر ایک چادر ڈال دیتے ہیں یہ چادر عام طور پر حج سے لاتے ہیں اور اس پر آیت قرآنیہ لکھی ہوئی ہوتی ہے، اس چادر کے بارے میں ایک صاحب یوں بھی کہہ رہے تھے کہ یہودی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے؛ لہٰذا آپ بتائیں کہ مذکورہ بالا چادر ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

نیز پاؤں کی جانب سے اونچی کردی جائے یا پاؤں کی جانب بھی لٹکی رہے؟ کیا دونوں کا ایک ہی حکم ہے یا علیحدہ؟ مدلل فرمائیں۔

المستفتی: عبد السلام سیٹھ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آیات قرآنیہ کے احترام کے خلاف ہونے کی وجہ سے ایسی چادر میت کے اوپر ڈالنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۳/ ۳۵۱)

وقد أفتى ابن الصلاح، بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰس، والكهف وغيرهما خوفاً من صديد الميت، والقياس المذكور ممنوع (إلى قوله) عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم، والمحاريب، والجدران، ومايفرش، وما ذاك إلا لاحترامه، وخشية، وطئه ونحوه مما فيه إهانته فالمنع هنا بالأولىٰ. (شامي، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، قبيل باب الشهيد، زكريا ۳/ ۱۵۷، كراچي ۲/ ۲۴۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۳/ ۲۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۸۰۶)

عورت کے کفن پر لال چادر ڈالنا

سوال[۳۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد کی (شوہر) موجودگی میں اگر عورت انتقال کر جائے، تو کیا میت کے اوپر لال کپڑا ڈال کر قبرستان لے جانا فقہ حنفی میں کہیں جائز لکھا ہے؟ شریعت کا ایک جز قرار دے کر جائز ہے تو واضح تحریر فرمائیں اور ایسا کرنے والا اور کروانے والا شرعی حیثیت سے کیا ہے؟

المستفتی: محمد نصیر، چھتیس گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کا جنازہ چارپائی پر رکھنے کے بعد چارپائی کے اوپر مزید پردہ کے لئے سفید چادر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن لال چادر ڈالنا غیر مسلم کے ارتھی کے مشابہ ہے؛ اس لئے لال چادر نہیں ڈالنی چاہئے، سفید ہی چادر ڈالی جائے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۲۶۰/۵)

عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم. (سنن أبي داؤد، کتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۵۵۹/۲، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، مسند البزار، مكتبة العلوم والحکم ۳۶۸/۷، رقم: ۲۹۶۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۱۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۸ھ

تجہیز وتکفین کے بعد میت کی پیشانی پر تسمیہ لکھنا

سوال[۳۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ مردے کونہلانے اور کفنانے کے بعد اس کے ماتھے پر بعض لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھواتے ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابوذر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کی پیشانی پر صرف انگلی کے اشارہ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا جائز ہے، کسی ایسی چیز سے نہ لکھی جائے، جس سے پیشانی پر نقش بنے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴۸/۴، جدید زکریا ۵۹/۴، جدید زکریا مطول ۳۳۷/۵)

نعم نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي بعد الغسل قبل التكفين. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل باب الشهيد، كراچي ٢٤٧/٢، شامي، زكريا ١٥٧/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۲۶/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا

سوال [۳۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو غسل دینے کے بعد کفن پہنانے سے پہلے پیشانی پر بسم اللہ لکھنے کا رواج ہے اور جنازہ لے کر جاتے ہوئے میں جنازہ کے اوپر آیۃ الکرسی والی چادر الگ سے ڈال دیتے ہیں، کیا یہ از روئے شرع جائز ہے؟ جواز اور عدم جواز مدلل لکھیں۔

المستفتی: سیرت حسین، ماپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو غسل دینے کے بعد تکفین سے قبل صرف انگلی سے جس سے کوئی نشان نہ بنے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کی اجازت ہے، لازم نہیں۔

نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي: أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالإصبع المسحبة بسم الله الرحمن الرحيم، وعلى الصدر لااله إلا الله محمد رسول الله، وذلك بعد الغسل قبل التكفين.
(شامي، باب صلاة الجنازة، مطلب فيمايكتب على كفن الميت، كراچي ٢/ ٢٤٦، زكريا ٣/ ١٥٧)

اور جنازہ کے اوپر آیۃ الکرسی لکھی ہوئی چادر ڈالنا آیات قرآنیہ کے احترام کے خلاف ہے؛ لہٰذا درست نہیں ہے۔

وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰس، والكهف وغيرهما خوفًا من صديد الميت. (شامي، مطلب فيما يكتب على كفن الميت، قبيل باب الشهيد، كراچي ٢/ ٢٤٦، زكريا ٣/ ١٥٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٣/ ٢٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۲۵ھ

کیا بیوی کی تجہیز و تکفین وتدفین کی ذمہ داری شوہر پر ہے؟

سوال [۳۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہوگیا، تو اس نے اپنی بیوی سے تعلق کی بنیاد پر اس بات کی خواہش کی کہ اس کی بیوی شوہر کے آبائی قبرستان میں دفن ہو اور اس کی نماز جنازہ بھی اور کفن کے مصارف بھی وہ خود ہی کرے؛ لیکن ایک صاحب نے جو خود تو عالم نہیں؛ البتہ علماء سے وابستہ ہیں، یہ کہا کہ انتقال کے بعد شوہر کا بیوی سے کوئی تعلق نہیں؛ جبکہ اس کے ماں، باپ اور بھائی بہن موجود ہیں، شوہر کو مذکورہ معاملات میں دخل دینے کا شرعًا کوئی جواز نہیں اور اب وہ اس کی بیوی نہیں رہی، وہ جن کی بیٹی اور بہن ہے وہی اس کے ولی اور وارث ہیں بحوالہ شریعت انہوں نے روک دیا۔

سوال یہ ہے کہ کیا شوہر کو اس کی بیوی کے انتقال کے بعد (جبکہ وہ نکاح میں رہتے ہوئے شوہر کے مکان پر ہی تھی) مذکورہ معاملات میں دخل دینے اور اپنی مرضی سے کفن، دفن اور نماز جنازہ پڑھانے کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟ اور کیا رسول اللہ کا اپنی کسی بیوی کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ براہ کرم شرعی حکم سے آگاہی بخشیں، نیز مطلع فرمائیں کہ اگر شوہر کی خواہش پوری کردی جاتی تو گناہ تو نہیں ہوتا؟

المستفتی: محمد مشفق ولد جناب حماد خاں، معرفت مدرسہ سراج العلوم، ہلالی سرائے، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: انتقال کے بعد اگرچہ نکاح ختم ہوجاتا ہے؛ لیکن پھر بھی شوہر کو مذکورہ معاملات، یعنی بیوی کی تجہیز وتکفین کے مصارف پورے کرنے اور اپنے آبائی قبرستان میں دفن کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے؛ لہٰذا شوہر کو ان کاموں سے روکنا درست نہیں۔ اور شوہر کی مذکورہ خواہش پوری کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۲۷۷، جدید ڈابھیل ۹/۶۴، امداد الفتاوی ۱/۵۰۸)

واختلف في الزوج، والفتوى على وجوب كفنها عليه. قال في الشامية: والأصل فيه أن من يجبر على نفقته في حياته يجبر عليها بعد موته. وقال محمدؒ: لا يجبر الزوج، والصحيح الأول، ثم اعلم أن الواجب عليه تكفينها، وتجهيزها الشرعيان من كفن السنة أو الكفاية، وحنوط وأجرة غسل، وحمل، ودفن. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كفن الزوجة على الزوج، كراچي ۲/۲۰۶، زكريا ۳/۱۰۱)

يندب دفنه في جهة موته. وتحته في الشامية: أي في مقابر أهل المكان الذي مات فيه أو قتل. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في دفن الميت، كراچي ۲/۲۳۹، زكريا ۳/۱۴۶)

البتہ اگر جنازے میں بیوی کے محرم یعنی باپ، بیٹے، بھائی وغیرہ موجود ہوں، تو نماز جنازہ پڑھانے اور میت کو قبر میں اتارنے میں وہ مقدم ہوں گے۔ اور ان کی عدم موجودگی میں شوہر کو یہ حقوق حاصل ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۳۷۷، جدید ڈابھیل ۹/۶۳، ۶۴)

ثم الولي بترتيب عصوبة الإ نكاح إلا الأب، فيقدم على الابن اتفاقاً، فإن لم يكن له ولي فالزوج. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب تعظيم أولى الأمر واجب، كراچي ٢/ ٢٢٠، زكريا٣/ ١٢١)

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات پر حضور ﷺ خود قبر میں اترے اور تدفین فرمائی۔

ودفنت بالحجون ونزل النبي صلى الله عليه وسلم في حفرتها، ولم تكن شرعت الصلوة على الجنائز. (الاصابة في تمييز الصحابة، بيروت ٨/ ١٠٣)

اسی طرح حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات پر تجہیز وتکفین کے سارے کام خود انجام دیئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نماز جنازہ بھی خود پڑھائی۔ (بخاری شریف ۲/ ۲۰۹، رقم: ۴۰۸۲، ف: ۴۲۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۵۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۹ھ

(٤) باب فضل صلوة الجنازة وغيرها

نماز جنازہ کی ابتداء کب ہوئی؟

سوال[٤٨٠٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ کی ابتداء کب سے ہوئی اور سب سے پہلے نماز جنازہ کس نے پڑھائی اور کس کی نماز جنازہ پڑھائی گئی؟ اوراس نماز جنازہ کے پڑھانے کا حکم کس نے دیا؟

المستفتی: عبداللطیف، لکھیم پوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سب سے پہلے نماز جنازہ ا ہجری میں مدینۃ المنورہ میں ہوئی اور سب سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہؓ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور سب سے پہلے حضور ﷺ نے پڑھائی اور حضرت اسعد بن زرارہؓ کے جنازہ سے شروع فرمائی ہے۔

شرعت صلوة الجنازة بالمدينة المنورة في السنة الأولىٰ من الهجره، فمن مات بمكة المشرفة لم يصل عليه الخ. (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، قبيل غسل الميت، قديم ٢/٢٤، جديد دار القلم بيروت ٤/٣٨٨)

أنه أول من مات من الصحابة بعد الهجرة وأنه أول ميت صلى عليه النبي صلى الله عليه وسلم (إلى قوله) أول من دفن بالبقيع أسعد بن زرارة هذا قول الأنصار، وأما المهاجرون فقالوا: أول من دفن به عثمان بن مظعون الخ (الإصابة في تمييز الصحابة، رقم الترجمة: ١١١، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٠٩، قديم ١/٣٣)

عن عبد الله بن أبي بكر بن عمرو بن حزمؓ، قال: أول من دفن بالبقيع

أسعد بن زرارة. (المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، قديم ۱۸۷/۳، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ۸۲۰/۵، رقم: ۴۸۵۷، الاستيعاب في معرفة الأصحاب، كتاب الكنى، باب الألف دارالكتب العلمية بيروت ۱۶۳/۴، رقم الترجمة: ۲۸۷۹، الطبقات الكبرى لابن سعد، دار الكتب العلمية بيروت ۴۵۹/۳، رقم: الترجمة: ۳۲۹)

اور بعض روایات میں یہ ہے کہ سب سے پہلے جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون مدفون ہوئے ہیں۔

عن علي بن أبي طالب قال: أول من دفن بالبقيع عثمان بن مظعون.

الحديث (المصنف لابن أبي شبية، كتاب الأوائل، موسسة علوم القرآن جديد ۶۰۲/۱۹، رقم: ۳۷۱۷۶، ۵۶۷/۱۹، رقم: ۳۷۰۶۷، اسد الغابة في معرفة الصحابة، دارالفكر ۴۹۵/۳ رقم الترجمة ۳۵۸۸، الطبقات الكبرى لإبن سعد، دارالكتب العلمية بيروت ۳۰۴/۳، رقم الترجمة ۶۹، الاستيعاب في معرفة الأصحاب، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷۵/۱، رقم: ۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۳۹/۳۲)	۱۴۱۶/۲/۱۸ھ

جنازۂ نبی ﷺ کی تجہیز وتکفین کی کیفیت اور آپ کی نماز جنازہ

سوال [۳۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اللہ کے نبی ﷺ کی نماز جنازہ ہوئی یا نہیں؟ ہوئی تھی تو کس نے پڑھائی تھی؟

(۲) آپ کو غسل کس نے دیا؟

(۳) اور روضۂ مبارک میں آپ کو کس نے اتارا تھا، ان صحابہ کے نام کیا تھے؟

المستفتی: عمران خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) آنحضرت ﷺ کی وفات ۱۲؍ربیع الاول بروز پیر

کو ہوئی اور تمام صحابہ وصحابیات، بچوں اور غلاموں نے انفرداً حجرۂ شریفہ میں نماز جنازہ ادا فرمائی، جس کی ترتیب یہ رہی کہ ایک جماعت آتی اور نماز پڑھ کر واپس آجاتی، تو دوسری جماعت جاتی، یہ سلسلہ منگل سے لے کر بدھ تک جاری رہا، اس کے بعد تدفین عمل میں آئی، نماز جنازہ میں کسی نے بھی کسی کی امامت نہیں کی؛ بلکہ تمام لوگوں نے الگ الگ نماز جنازہ ادا فرمائی۔ (سیرت مصطفیٰ ۲/۱۸۷)

عن ابن عباسؓ...... فلما فرغوا من جهازه يوم الثلثاء، وضع على سريره في بيته، ثم دخل الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أرسالاً يصلون عليه، حتى إذا فرغوا أدخلوا النساء، حتى إذا فرغوا أدخلوا الصبيان، ولم يؤم الناس على رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد–إلى–ثم دفن رسول الله صلى الله عليه وسلم وسط الليل من ليلة الأربعاء. الحديث

(ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ١/١١٨، دارالسلام رقم:١٦٢٨، شمائل ترمذي، باب ماجاء في وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ٢٧، الروض الأنف، دفن الرسول والصلاة عليه، تحقيق عبد الرحمن الوكيل ٥٥٩/٧ تا ٥٦٠، البداية والنهاية، دارالفكر ٢٦٧/٥، تاريخ طبرى ١١٨/٢، اسد الغابه ٢١٣/٣، دارالفكر ٤١/١)

(۲) حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور ان کے دونوں بیٹے حضرت فضلؓ اور حضرت قثم اور حضرت اسامہ بن زید اور حضرت شقران (جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے) نے آپ کو غسل دیا، جس میں حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے اور حضرت ابن عباس اور ان کے دونوں بیٹے فضل اور قثم کروٹ بدلتے تھے اور حضرت اسامہ بن زید اور حضرت شقران پانی ڈالتے تھے۔

فأسنده علي بن أبي طالبؓ، إلى صدره وكان العباسؓ، والفضلؓ، والقثمؓ يقلبونه معه وكان أسامة بن زيد وشقران مولاه هما اللذان يصبان الماء عليه وعلي يغسله قد أسنده إلى صدره وعليه قميصه يدلكه به من ورائه.

(الروض الأنف، جهاز رسول الله صلى الله عليه وسلم ودفنه من تولى غسل الرسول، تحقيق عبد الرحمن الوكيل ۷/۵۵۷، ۵۵۸، البدايه والنهاية، صفة غسله عليه السلام، دارالفكره/ ۲٦۰، تاريخ طبرى ۲/۲۳۸)

(۳) جب تمام حضرات بدھ کی رات میں نماز جنازہ سے فارغ ہوگئے، تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں بیٹے فضل اور حضرت قثم اور آپ ﷺ کے غلام شقران نے آپ ﷺ کو قبر شریف میں اتارا۔

وكان الذين نزلوا في قبر رسول الله صلى الله عليه وسلم علي بن أبي طالبؓ، والفضل بن العباسؓ، وقثم بن العباسؓ، وشقران مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الروض الأنف، تحقيق عبد الرحمن الول ۷/ ۵٦۰، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۱/ ۲۰۸، رقم:۱۱۵۱٦، ودخل في حفرته العباس، وعلي، وقثم، والفضل، وشقران۔ (البداية والنهاية، صفة دفنه عليه السلام وأين دفن ......دارالفكره/۲٦۹، ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۱/ ۱۱۸، دارالسلام رقم: ۱٦۲۸، اسد الغابه ۱/ ۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۹۴)	۱۴۲۲/۶/۲۹ھ

حضرت فاطمہؓ کو غسل کس نے دیا، نماز کس نے پڑھائی؟

سوال [۳۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت فاطمہؓ کی وفات پر ان کو غسل کس نے دیا اور نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

المستفتی: محمد یعقوب، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت فاطمہؓ کو حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت ام

ایمنؓ نے غسل دیا تھا اور حضرت علیؓ نے پانی لاکر دیا تھا اور نماز جنازہ حضرت علیؓ نے پڑھائی تھی۔

عن أم جعفر زوجة محمد بن علي قالت: حدثتني أسماء بنت عميسؓ قالت: غسلت أنا وعلي فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم. (مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ۳/ ۱٦٤، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٥/ ۱۷۹۰، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب الرجل يغسل امرأته إذاماتت،دارالفكر ٥/ ۲٥٦، رقم: ٦۷٥۹، ٦۷٦۰، مصنف عبد الرزاق، باب المرأة تغسل الرجل، المجلس العلمي ۳/ ۲۱۰، رقم: ٦۱۲۲)

ومن طريق عمرة: صلى العباس على فاطمة، ونزل في حفرتها هو وعلي، والفضل، ومن طريق علي بن حسين: أن علياً صلى عليها. (الاصابة، في تمييز الصحابة، دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۲٦۸، رقم الترجمة ۱۱٥۸۷، الطبقات الكبرى، دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۲٤، رقم الترجمة: ٤۰۹۷)

عن عائشة قالت: دفنت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلاً دفنها علي، ولم يشعربها أبو بكر رضي الله عنه حتى دفنت و صلى عليها عليّ بن أبي طالب رضي الله عنه. (مستدرك حاكم، كتاب معرفة الصحابة، ذكر وفاة فاطمة رضي الله عنها، والاختلاف في وقتها، قديم ۳/ ۱٦۲، ۱٦۳، مكتبة نزار مصطفىٰ الباز جديد ٥/ ۱۷۸۹، رقم: ٤۷٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۲۴۰)

ہجرت سے قبل فوت ہونے والوں کی اور حضرت خدیجہؓ کی نماز جنازہ

سوال [۳۸۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟

المستفتی: محمد عادل، کانٹھ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی؛ اس لئے ان کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۳/۱۸۴)

قال الواقدي: لم تكن شرعت يوم موت خديجةؓ، وموتهاؓ بعد النبوة بعشر سنين على الأصح. (حاشية الطحطاوي على المراقي، أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه، المكتبة الأشرفية ديوبند ص: ٥٨٠)

ودفنت بالحجون، ونزل النبي صلى الله عليه وسلم في حفرتها، ولم تكن شرعت الصلاة على الجنائز. (الإصابة، بيروت ٤/٢٤٨٢، رقم:١١٠٨٣، دارالكتب العلمية بيروت، كتاب النساء ٨/١٠٣، رقم الترجمة ١١٠٩٢، البداية والنهاية بيروت ٣/١٠٢، أسد الغابة بيروت ٦/٨٥)

شرعت صلاة الجنائز بالمدينة المنورة في السنة الأولىٰ من الهجرة فمن مات بمكة المشرفة لم يصل عليه. (أوجز المسالك بيروت، كتاب الجنائز، قبيل غسل الميت جديد دمشق ٤/٣٨٨)

ومات بمكة قبل الهجرة بخمس سنين ودفنت بالحجون. (الإكمال في أسماء الرجال على مشكوة المصابيح، مكتبة ياسر نديم ديوبند، تحت خديجة ص:٥٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۰۱)

نابالغ بچوں کے فوت ہوجانے پر ماں باپ کے صبر کی فضیلت

سوال [۴۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو نابالغ بچے فوت ہوجاتے ہیں، تو وہ بچے ماں، باپ کو جنت میں لے جانے کا سبب بنیں گے، یہ حدیث ہے یا نہیں؟

المستفتی: فضل اللہ سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں وارد ہوا ہے، جس کے تین بالغ بچے فوت ہوگئے ہوں اور اس نے اس پر صبر کرلیا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت لازم کردیتے ہیں، آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جس کے دو بچے فوت ہوگئے ہوں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے لئے بھی جنت لازم ہے، پھر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے سوال فرمایا کہ جس کا ایک بچہ فوت ہوا ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا ایک بچہ فوت ہوا ہو اور اس نے اس پر صبر کیا ہو، اس کے لئے بھی جنت واجب ہوگئی ہے۔

عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دفن ثلاثةً من الولد، فصبر عليهم واحتسبهم وجبت له الجنة، فقالت أم أيمن: أو اثنين؟ قال: من دفن اثنين فصبر عليهما وجبت له الجنة، فقالت أم أيمن: أو واحدةً؟ قال: فسكت أو أمسك، فقال: سمعت أم أيمن من دفن واحداً، فصبر واحتسب كانت له الجنة. (المعجم الكبير للطبراني دار إحياء التراث العربي ٢/٢٤٥، رقم: ٢٠٣٠)

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مات له ولد ذكر أو أُنثىٰ، سلم أو لم يسلم رضي أو لم يرضَ لم يكن له ثواب إلا الجنة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٠/٨٦، رقم: ١٠٠٣٤)

وفي رواية المعجم الأوسط زيادة: صبر أو لم يصبر، بعد قوله: رضي أو لم يرض. (المعجم الأوسط، دار الفكر ٢١٢/٤، رقم:٥٧٥٣، مجمع الزوائد ١٠/٣)

عن أبي سعيد رضي الله عنه، أن النساء قلن للنبي صلى الله عليه وسلم: إجعل لنا يوماً، فوعظهن، وقال أيما امرأة مات لها ثلاثة من الولد، كانوا حجابا من النار، قالت امرأة: و اثنان؟ فقال: واثنان. (بخاري شريف، باب فضل من مات له ولد فاحتسب، وقال الله عزوجل: و بشرالصابرين، النسخة الهندية ١٦٧/١، رقم: ١٢٣٥، ف:١٢٤٩، مسند أحمد بن حنبل ٣٤/٣، رقم: ١١٣١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۰۰/۴۰)

پیر کے دن مرنے کی کیا فضیلت ہے؟

سوال [۴۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن یا رات میں مرنے والوں پر عذاب نہیں ہوگا؟ کس قدر فضیلت ہے، تو کیا پیر کے دن کی بھی یہی فضیلت ہے جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث شریف میں جہاں پر پیر کے دن کی خصوصیت کا ذکر ہے، وہاں یہ بات نہیں ملتی ہے کہ اس دن مرنے والے پر عذاب نہ ہوگا، معلوم ہوا کہ یہ فضیلت صرف جمعہ کے ساتھ خاص ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیر کے دن کو نبی علیہ السلام کی ذات اور زندگی کے ساتھ خاص مناسبت ہے؛ کیونکہ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش پیر کے دن ہوئی اور پیر ہی کے دن آپ کو نبوت ملی، ہجرت کی ابتداء پیر کے

دن ہوئی، پیر ہی کے دن آپ علیہ السلام مدینہ منورہ پہنچے، حجر اسود کو پیر کے دن رکھا گیا اور آپ علیہ السلام کی وفات بھی پیر کے دن ہوئی، پیر کا دن روزہ رکھنے کا حکم ہے، فرشتوں کے آنے جانے کا دن ہے، ان وجوہات کی بنا پر پیر کا دن ایک عظیم دن ہے، اس دن کی فضیلت دیگر ایام پر زیادہ ہے۔ (مستفاد: انوار نبوت ص:۱۰۳)

عن ابن عباس رضي الله عنه، قال: ولد النبي صلى الله عليه وسلم يوم الإثنين و اُستنبئ يوم الإثنين و توفى يوم الإثنين وخرج مهاجرا من مكة إلى المدينة يوم الإثنين، ورفع الحجر أسود يوم الإثنين. (مسند أحمد ابن حنبل ۱/۲۷۷، رقم: ۲۵۰۶، البدايه و النهاية، دار الفكر ۲/۲۶۰)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم: يصوم الإثنين والخميس. (سنن النسائي، الصيام، باب صوم النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ۱/۲۵۲، دار السلام رقم: ۲۳۶۶، صحيح ابن خزيمة المكتب الإسلامي ۲/۱۰۱۵، رقم: ۲۱۱۶)

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: تعرض الأعمال يوم الإثنين و الخميس، فأحب أن يعرض عملي وأنا صائم. (سنن الترمذي، الصيام، باب ماجاء في صوم يوم الإثنين والخميس، النسخة الهندية ۱/۱۵۷، دارالسلام رقم:۷۴۷)

عن عبد الله بن عمروؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مامن مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء فيمن مات يوم الجمعة، النسخة الهندية ۱/۲۰۵، دارالسلام رقم:۱۰۷۴، مسند أحمد بن حنبل ۲/۱۶۹، رقم:۶۵۸۲، مكتبة البدر ديو بند) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۴۵۵)

جنازہ کو چالیس قدم تک کندھا دینے کی فضیلت

سوال[۴۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ کو چالیس قدم تک کندھا دینا بایں طور کہ ہر دس قدم پر کندھا بدلا جائے کیا حکم رکھتا ہے اور اس کی کیا فضیلت ہے؟

المستفتی: محمد نوید، علی گڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ لے جاتے وقت چالیس قدم تک کندھا دینا اس طرح کہ ہر دس قدم پر کندھا بدلا جائے، حدیث پاک سے ثابت ہے اور اس عمل کی فضیلت بعض حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اس شخص کے چالیس گناہ کبیرہ معاف کردیئے جائیں گے۔

ثم اعلم أن في حمل الجنازة شيئين، نفس السنة وكمالها، أما نفس السنة: هي أن يأخذ بقوائمها الأربع على طريق التعاقب بأن يحمل من كل جانب عشر خطوات. جاء في الحديث: من حمل جنازة أربعين خطوة كفرت له أربعون كبيرة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، حمل الجنازة زكريا ٣/٣٤، رقم:٣٦٦٨)

سمعت أنس بن مالك رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حمل جوانب السرير الأربع كفر الله عنه أربعين كبيرةً. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر ٤/٢٥٩، ٢٦٠، رقم: ٥٩٢٠، بيروت ٦/٤٢٨، رقم:٥٩١٦، كذا في جامع الأحاديث ٧/٢٠١، رقم:٢١٨٨٤، كنز العمال بيروت ١٥/٢٥٣، رقم: ٤٢٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۹۳/۴۰)

جنازہ کوکندھا دینے کی فضیلت

سوال [۳۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جنازہ کوکاندھا دینے کی کیا فضیلت ہے؟

المستفتی: ولی الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کوکاندھا دینے کی فضیلت حدیث میں یوں آئی ہے کہ جوشخص کندھا لگاکر چالیس قدم چلے گا اس کے بڑے بڑے چالیس گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

علي بن أبي سارۃؓ، قال: سمعت ثابتًا البناني، قال: سمعت أنس بن مالک قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من حمل جوانب السریر الأربع کفر اللہ عنه أربعین کبیرۃ. (المعجم الأوسط، دار الفکر ۲۵۹/٤، ۲٦۰، رقم: ۵۹۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۵۰۵/۳٦)

نماز جنازہ میں آخری صف میں کھڑا ہونا کیوں افضل ہے؟

سوال [۳۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پانچوں وقت کی نماز میں اگلی صف میں کھڑا ہونا افضل ہے، کیا نماز جنازہ میں بھی یہی حکم ہے؟

المستفتی: محمد فہیم، گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ میں یہ حکم نہیں؛ بلکہ اس میں آخری صف میں

کھڑا ہونا افضل اور بہتر ہے؛ اس لئے کہ اسی میں تواضع اور انکساری پائی جاتی ہے۔

أفضل صفوف الرجال في الجنازة آخرها، و في غيرها أوّلها إظهاراً للتواضع لتكون شفاعته أدعیٰ للقبول. (حلبي كبير، فصل في الجنائز، اشرفيه ديوبند ٥٨٨، كذا في الشامي: كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ٣/ ١١٢، كراچي ٢/ ٢١٤، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل السابع مقام الإمام والمأموم، زكريا ٢/ ٢٧٥، رقم: ٢٤١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۰۵)

نماز جنازہ پڑھنے کے فضائل

سوال [۳۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ کی نماز پڑھنے کے کیا فضائل ہیں؟

المستفتی: ولی الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ میں شرکت کرنے سے ایک قیراط کا ثواب ملتا ہے اور نماز کے ساتھ ساتھ تدفین میں بھی شرکت کی جائے تو دو قیراط کا ثواب ملتا ہے۔

عبد الرحمن الأعرجؒ، أن أباهريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من شهد الجنازة حتى يصلي عليه، فله قيراط، ومن شهد حتى يدفن كان له قيراطان، قيل: وما القيراط؟ قال: مثل الجبلين العظيمين. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن، النسخة الهندية ١/ ١٧٧، رقم: ١٣١٠، ف: ١٣٢٥، صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب فضل الصلاة على الجنازة واتباعها، النسخة الهندية ١/ ٣٠٧، بيت الأفكار رقم: ٩٤٥)

اور قیراط کا لفظ جب آخرت کے اجر وثواب کے لئے بولا جائے تو ایک قیراط کی مقدار احد پہاڑ کے برابر ہوتی ہے، جیسے بخاری شریف ۱/۱۷۷ میں ہے اور جب قیراط کا لفظ دنیا کی کسی چیز کے وزن کے لئے بولا جائے تو اس سے ایک درہم کا چودھواں حصہ مراد ہوتا ہے اور ایک دینار کا بیسواں حصہ مراد ہوتا ہے، جس کو نصف دانق بھی کہا جاتا ہے۔ (مستفاد: الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۸/۳۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۵۰۵)

جنازہ کے ساتھ پیدل جانے کے فضائل

سوال [۳۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ کے ساتھ پیدل جانے کے کیا فضائل ہیں؟

المستفتی: ولی الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کے ساتھ سواری پر جانا گناہ تو نہیں ہے؛ لیکن فضیلت اور ثواب سے محرومی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ کچھ لوگ سواری پر جارہے تھے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ رحمت پیدل چل رہے ہیں اور تم سواری پر چلتے ہو؟

أما الركوب خلفها فلا بأس به، والمشي أفضل. (كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا۳/۱۳۷، كراچي ۲/۲۳۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/۱۳)

عن ثوبانؓ، قال: خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في جنازة فرأى ناساً راكباناً، فقال: ألا تستحيون؟ إن ملائكة الله على أقدامهم

وأنتم على ظهور الدواب. (سنن الترمذي، كتاب الجنائز، باب ماجاء في كراهة الركوب خلف الجنازة، النسخة الهندية ١/١٩٦، دارالسلام رقم: ١٠١٢، سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء في شهود الجنائز، السنخة الهندية ص:١٠٦، دارالسلام رقم: ١٤٨٠، المستدرك للحاكم، كتاب الجنائز قديم ١/٣٥٦، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٢/٥٠٩، رقم:١٣١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۵۰۵/۳۶)

زندگی میں کفن دفن کا انتظام کرنا

سوال [۴۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی آدمی اپنی زندگی میں ہی کفن دفن کا مکمل انتظام کر کے جائے، جیسے قبر کے تختے وغیرہ، تو شریعت میں اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالملک فاروقی، بدایوں (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کفن دفن کا انتظام آدمی پہلے سے کرلے تو اس کی گنجائش ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث شریف آتا ہے کہ بعض صحابۂ کرامؓ نے اپنے کفن کا کپڑا اسالہا سال تک اپنے ساتھ محفوظ رکھا ہے، جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی عطا کردہ چادر کو اپنے کفن میں دینے کے لئے ہمیشہ ساتھ رکھا ہے۔ نیز میت کے ترکہ میں سے تجہیز وتکفین کا خرچہ سب سے پہلے نکالا جاتا ہے، جو میت اپنی زندگی میں تجہیز وتکفین کی اشیاء وخرچے کو مہیا کر کے اور متعلقین کو اس کے بارے میں وصیت کردے تو اس کی گنجائش ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن سهل رضي الله عنه، أن امرأة جاء ت النبي صلى الله عليه وسلم ببردة منسوجة فيها حاشيتها، أتدرون ما البردة؟ قالوا: الشملة، قال: نعم! قالت: نسجتها بيدي فجئت لأكسوكها، فأخذها النبي صلى الله عليه وسلم محتاجًا إليها، فخرج إلينا وإنها إزاره، فحسنها فلان فقال: أكسنيها ما أحسنها، قال القوم: ما أحسنت لبسها النبي صلى الله عليه وسلم محتاجًا إليها، ثم سألته وعلمت أنه لايرد، قال: إني والله ماسألته لألبسه، إنما سألته؛ لتكون كفني، قال سهل: فكانت كفنه. (بخاري‌شريف، كتاب الجنائز، باب من استعد الكفن في زمن النبي صلى الله عليه وسلم فلم ينكر عليه، النسخة الهندية ١/ ١٧٠، رقم: ١٢٦٣، ف: ١٢٧٧)

والتركة تتعلق بها حقوق أربعة جهاز الميت ودفنه والدين، والوصية، فيبدأ أولا بجهازه وكفنه ومايحتاج إليه في دفنه بالمعروف. (هندية، كتاب الفرائض، زكريا قديم ٦/ ٤٤٧، جديد ٦/ ٤٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۱۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۷ھ

مشترک جنازوں کا الگ الگ ثواب

سوال [۳۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک میت کے جنازہ پڑھنے کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ملتا ہے، حرمین شریفین میں ہر نماز کے بعد کئی کئی جنازے ہوتے ہیں اور سب کی ایک ہی نماز ہوتی ہے، تو کیا جتنے جنازے ہوں گے اتنا ہی ثواب ہوگا، یا صرف ایک ہی جنازہ پڑھنے کا ثواب ملے گا؟ ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ ایک میت کے جنازہ میں شریک ہونے سے ایک قیراط یعنی احد پہاڑ کے برابر ثواب ملتا ہے اور متعدد میت کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھنا حدیث سے ثابت اور مشروع ہے۔

نیز بعض روایت میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ شہداء احد کی نماز جنازہ کے موقع پر حضرت حمزہؓ کا جنازہ رکھا ہوا تھا اور دس دس جنازے ایک ساتھ حضرت حمزہؓ کے جنازے کے پاس رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی اور بعض روایت میں ایک ایک جنازہ لاکر اس پر نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی، تو ہر ایک کے لئے ایک ایک اور حضرت حمزہؓ کے لئے ستر ہوئی۔ جب دوسرے کے ساتھ حضرت حمزہ کی نماز کا اعتبار کیا گیا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک ساتھ جتنے بھی جنازے ہوں گے اتنی مرتبہ ہر ایک کی جانب سے ایک ایک قیراط اور پہاڑ کے برابر ثواب نماز پڑھنے والوں کو ملے گا۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

أن أبا هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من شهد الجنازة حتى يصلي عليه فله قيراط، ومن شهد حتى يدفن كان له قيراطان قيل: و ما القيراطان؟ قال: مثل الجبلين العظيمين. (بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب من انتظر حتى تدفن، النسخة الهندية ١/١٧٧، رقم: ١٣١٠، ف: ١٣٢٥)

عن أبي مالكؓ، قال: أتي رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد بحمزة بن عبد المطلب، فوضع، وجيئ بتسعة، فصلى عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فرفعوا وترك حمزة، ثم جيئ بتسعة، فوضعوا، فصلى عليهم سبع صلوات حتى صلى على سبعين رجلاً.

(مراسيل ابو داؤد ص: ١٨، رقم: ٤٢٧)

عن الشعبيؒ قال: صلى النبي صلى الله عليه وسلم علىٰ حمزةؓ يوم أحد سبعين صلاة، بدأ بحمزة، فصلى عليه، ثم جعل يدعو بالشهداء فيصلي

علیهم، وحمزة مكانه. (مراسیل ابوداؤد ص:۱۸، رقم:٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۶۲/۳۷)

نماز جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا حکم

سوال [۳۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ کی صفوں میں طاق عدد کا اس درجہ اہتمام کرنا کہ صفیں مکمل ہونے کے بعد، نماز شروع کرنے سے قبل یہ معلوم ہونے پر کہ صفوں کی تعداد طاق نہیں، ہر صف سے کچھ آدمیوں کو لے کر ایک صف اور بنائی جائے تاکہ صفوں کی تعداد طاق ہی رہے، کیا نماز جنازہ میں صفوں کی تعداد میں عدد طاق کا لحاظ رکھنا مستحب سنت یا اولویت کا درجہ رکھتا ہے اور پھر اتنا لحاظ کیوں؟

المستفتی: مفتی شباہت علی ہہس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز جنازہ میں صفوں کی تعداد تین سے کم نہ ہونی چاہئے؛ لہٰذا مقتدی اگر صرف پانچ ہیں، تو پہلی صف میں دو اور دوسری صف میں دو اور تیسری صف میں ایک کر دیا جائے تاکہ تین صفوں کی فضیلت حاصل ہوجائے، باقی تین سے زائد صفوں میں طاق عدد کی صراحت نہیں ملی؛ لہٰذا اگر مقتدیوں کی تعداد کم ہو تو تین صفوں کا اہتمام کر لینا چاہئے اور اگر مقتدی زیادہ ہیں تو تین سے زائد صفوں میں طاق عدد کا لحاظ ضروری نہیں ہے، کبھی لحاظ کر لیا جائے تو اس پر نکیر کی بھی ضرورت نہیں۔

كان مالك بن هبيرہ إذا صلى على جنازة فتقال الناس عليها جزأهم ثلاثة أجزاء، ثم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى عليه ثلاثة صفوف، فقد أوجب. (ترمذي، كتاب الجنائز، باب ماجاء في الصلاة على

الجنازة والشفاعة للميت، النسخة الهندية ١/ ٢٠٠، دارالسلام رقم: ١٠٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۲۴/ ۱۴۱۷ھ

میت کے استعمالی کپڑے غیر مسلم کو خیرات میں دینا

سوال [۳۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردہ کے استعمالی کپڑے یا نئے کپڑے یا کسی قسم کی خیرات غیر مسلم کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: امام مسجد بش پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: غیر مسلم کو نئے پرانے کپڑے دینا جائز ہے۔

عن سعيد بن جبير، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتصدقوا إلا على أهل دينكم، فأنزل الله تعالىٰ: ليس عليك هداهم—إلى—وماتنفقوا من خير يوف إليكم. (البقرة: ٢٧٢)

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تصدقوا على أهل الأديان.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكوة، ماقالوا في الصدقة في غير الإسلام، مؤسسة علوم القرآن ٦/ ٥١٣، رقم: ١٠٤٩٩)

ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالاتفاق الخ. (هندية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف، زكريا قديم ١/ ١٨٨، زكريا جديد ١/ ٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۴۴۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۲۲/ ۱۴۱۶ھ

(۵) باب تعجيل صلاة الجنازة وتأخيرها ونقلها

نماز عید کے وقت جنازہ آجائے تو کیا کریں؟

سوال [۳۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید کی نماز میں جنازہ آجائے تو نماز جنازہ خطبہ سے پہلے پڑھیں یا بعد میں؟

المستفتی: جلیس احمد، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عید کی نماز وخطبہ دونوں سے فراغت کے بعد نماز جنازہ پڑھنا افضل واولیٰ ہے، جیسا کہ فرض نماز اور سنت مؤکدہ سے فراغت کے بعد نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۱/۷۳۷)

عن قتادةؓ، قال: إذا حضرت صلوة مكتوبة وجنازة بدئ بالمكتوبة. (مصنف عبد الرزاق، باب إذا حضرت المكتوبة، والجنازة، المجلس العلمي ۳/۵۲۵، رقم: ۶۵۷۱)

عن معمرؓ قال: بلغني أن عليا قال: إذا حضرت الجنازة و صلوة المكتوبة أبدأ بالمكتوبة. (مصنف عبد الرزاق، باب إذا حضرت المكتوبة والجنازة، المجلس العلمي ۳/۵۲۵، رقم: ۶۵۷۳)

وتقدم صلوتها أي صلوة العيد على صلوة الجنازة إذا اجتمعا؛ لإنه واجب عيناً والجنازة كفاية. (در مختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، مطلب فيما يترجح تقديمه من صلاة عيد وجنازة، كراچي ۲/۱۶۷، زكريا۳/۴۶)

ولو حضرت وقت العيد قدمت العيد عليها. (حلبي كبير، كتاب الصلاة، فصل في صلوة الجنائز اشرفيه ديوبند٦٠٧)

وتقدم صلوة العيد على صلاة الجنازة إذا اجتمعا. (هندية، كتاب الصلاة، الباب السابع عشر في صلوة العيدين، زكريا قديم ١/ ١٥٢، جديد ١/ ٢١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۴۳۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۱۹ھ

فرض نمازوں کے بعد سنن پڑھنا افضل ہے یا نماز جنازہ؟

سوال [۴۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرض ادا کرنے کے بعد پہلے صلوۃ جنازہ پڑھی جائے یا سنت مؤکدہ پہلے پڑھی جائے، ان دونوں میں افضل کون سی ہے؟

المستفتی: محمد سلیمان، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں جائز ہیں؛ لیکن سنت مؤکدہ کو مقدم کرنا افضل اور اولیٰ ہے، یہی فقہاء محققین کا مفتی بہ قول ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم، ص: ۴۳۳، جدید زکریا ص: ۴۰۸، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۱۸، فتاوی دار العلوم ۵/ ۲۵۸)

الفتویٰ على تأخير الجنازة عن السنة الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلوٰة، باب العيدين زكريا ٣/ ٤٧، كراچي ٢/ ١٦٧، شامي، باب صلوٰة الجنازة، مطلب في حمل الميت زكريا ٣/ ١٣٦، كراچي ٢/ ٢٣٢)

إن الفتوىٰ على تأخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة وهي سنة،

فعلى هذا تؤخر عن سنة المغرب؛ لأنها آكد. (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، قبيل باب الأذان زكريا ١/ ٤٤٠، كوئٹه ١/ ٢٥٣)

ولو حضرت الجنازة في وقت المغرب تقدم صلوٰة المغرب، ثم تصلي الجنازة، ثم سنة المغرب، وقيل: تقدم السنة أيضا على الجنازة.

(حلبي كبير، كتاب الصلوٰة، فصل في صلوٰة الجنائز، الثامن في المتفرقات، اشرفيه ديوبند ٦٠٧)

وقال القاضي شمس الأئمة الأوزجندى: يبدأ بالسنة كيلا ينقطع الفور.

(الفتاوى التاتارخانيه الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، المتفرقات ٣/ ٨٦، رقم: ٣٧٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۸۰۳)

نماز جنازہ سنن ونوافل سے قبل پڑھی جائے یا بعد میں؟

سوال [۳۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کا منہ بعد نماز جنازہ دیکھنا درست ہے یا نہیں اور یہ کہ میت کی نماز فرض نماز کے بعد فوراً پڑھی جائے یا سنن ونوافل پڑھ لینے کے بعد؟۔

المستفتی: محمد یامین، بیگوسرائے بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد میت کا چہرہ دیکھنا ممنوع ہے اور اس کئی وجہ ہیں:

(۱) منھ دکھائی کی وجہ سے تاخیر ہوتی ہے۔

(۲) اگر کوئی عیب ظاہر ہو جاوے تو اس کے افشاء ہو جانے کا خطرہ ہے وغیرہ؛ البتہ اگر کوئی

بہت قریبی عزیز جو بوقت وفات حاضر نہ رہا ہو اور نماز جنازہ کے بعد آوے تو اس کے لئے گنجائش ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲۱۶/۴)

عن أبي هريرةؓ يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة. الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الإسراع بالجنازة، النسخة الهندية ٤٥٣/٢، رقم: ٣١٨١)

عن الحصين بن وحوحؓ، أن طلحة بن البراءؓ مرض، فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده فقال: إني لأرىٰ طلحة إلا قد حدث فيه الموت، فأذنوني به وعجلوا، فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهر اني أهله. (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب تعجيل الجنازة، النسخة الهندية ٤٥٠/٢، دار السلام رقم: ٣١٥٩)

ويسرع في جهازه لما رواه أبو داؤد عنه: لما عاد طلحة بن البراء وانصرف قال: ما أرى طلحة إلا قد حدث فيه الموت، فإذا مات فاٰذنوني حتى أصلي عليه وعجلوا به، فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله. (شامي، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، قبيل مطلب في القرأة عند الميت، زكريا ٨٣/٣، كراچي ١٩٣/٢)

وينبغي للغاسل ولمن حضر إذا رأى ما يحب الميت ستره أن يستره ولا يحدث به؛ لأنه غيبة، وكذا إذا كان عيبا حادثاً بالموت كسواد وجه ونحوه.

(شامي، باب صلوٰة الجنازة، قبيل مطلب في الكفن، زكريا ٩٥/٣، كراچي ٢٠٢/٢)

نیز مفتی بہ قول یہی ہے کہ فرض وسنت کے بعد نماز جنازہ ادا کی جائے اور نوافل کو مؤخر کر دیں۔

الفتوى تأخير الجنازة عن السنة، وأقره المصنف كأنه إلحاق لها بالصلاة. (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب العيدين، كراچي ١٦٧/٢،

زکریا ۴۷/۳، شامي، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ، مطلب في حمل المیت، زکریا۱۳۶/۳، کراچي ۲۳۲/۲)

إن الفتوی علیٰ تأخیر صلاۃ الجنازۃ عن سنة الجمعة، وهي سنة ، فعلی هذا تؤخر عن سنة المغرب، لأنها آکد. (البحر الرائق، کتاب الصلوٰۃ، قبیل باب الأذان زکریا ۴۴۰/۱، کوئٹه ۲۵۳/۱)

ولو حضرت الجنازۃ في وقت المغرب تقدم صلوٰۃ المغرب، ثم تصلی الجنازۃ، ثم سنة المغرب، وقیل تقدم السنة أیضا علی الجنازۃ.

(حلبي کبیر، کتاب الصلوٰۃ، فصل في صلوٰۃ الجنائز، اشرفیه دیوبند ۶۰۷)

وقال القاضي شمس الأئمة الأوزجندي: یبدأ بالسنة کیلا ینقطع الفور .

(الفتاوی التاتارخانیة، الصلاۃ، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، المتفرقات ۸۶/۳، رقم:۳۷۸۳، امداد الفتاویٰ ۲۳۷/۱، فتاویٰ رشیدیه، قدیم ص:۴۳۳، جدید زکریا ص:۴۰۸، أحسن الفتاویٰ ۲۱۸/۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۱/۲۳)

پہلے نماز جنازہ ادا کی جائے یا نماز تراویح؟

سوال [۳۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر رمضان میں تراویح شروع ہونے سے پہلے جنازہ آجائے تو پہلے نماز جنازہ ادا کی جائے یا نماز تراویح اور تدفین تراویح سے پہلے ہو یا بعد میں؟

المستفتی: ابرار حسین ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دونوں میں اختیار ہے، جس کو چاہے پہلے پڑھے؛ البتہ

تدفین بعد میں ہونا بہتر ہے؛ تاکہ نماز تراویح میں خلل واقع نہ ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ، زکریا ۱/۳۶۷)

روی الحسن أنه يخير الخ. (شامي، كتاب الصلوٰة، باب العيدين، قبيل مطلب يطلق المستحب على السنة و بالعكس، زكريا ۴۷/۳، كراچي ۱۶۸/۲)

وروی الحسن ابن زياد في صلاته المجرد أنه يبدأ بأيهما شاء. (الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، المتفرقات زكريا ۸۶/۳، رقم: ۳۷۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۶۸ ۱۳۶)

بوقت زوال آفتاب نماز جنازہ

سوال [۳۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ میت نابالغ ہو یا بالغ ہو، کیا بوقت زوال نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے؟

(۲) میت کی نماز جنازہ پڑھنے کے بعد فوراً ہی زوال کا وقت شروع ہوگیا، کیا زوال کے وقت میت کو دفن کیا جاسکتا ہے؟ بحوالہ احادیث مدلل جواب سے مستفید فرمائیں۔

المستفتی: عزیز الرحمٰن خاں، محلّہ قانون گویاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بوقت زوال اور نصف النہار نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔

(۲) بوقت زوال نماز جنازہ ممنوع ہے اور دفن کرنا ممنوع نہیں ہے، دفن کرنا جائز ہے۔

عن عقبة عامر بن الجهنيؓ: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله

علیه وسلم ینهانا أن نصلي فیهن وأن نقبر فیهن موتانا: حین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع، وحین یقوم قائم الظهیرة حتی تمیل، وحین تضیف للغروب حتی تغرب. (سنن الترمذی، ابواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلوٰة على الجنازة، النسخة الهندية ١/ ٢٠٠، دار السلام، رقم: ١٠٣٠)

تكره الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس وغروبها و نصف النهار، لما روينا من حديث عقبة بن عامر أنه قال: ثلاث ساعات نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نصلي فيها وأن نقبر فيها موتانا، والمراد من قوله: أن نقبر فيها موتانا الصلاة على الجنازة دون الدفن، إذ لا بأس بالدفن في هذه الأوقات. (بدائع الصنائع، باب الجنائز، فصل وأما بيان ما يكره فيها، زكريا ١/ ٥٧)

لا تجوز الصلوٰة عند طلوع الشمس ولا عند قيامها في الظهيرة: ولا عند غروبها لحديث عقبة بن عامرؓ قال: ثلثة أوقات نهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نصلى وأن نقبر فيها موتانا عند طلوع الشمس حتى ترتفع وعند زوالها حتى تزول وحين تضيف للغروب حتى تغرب، والمراد بقوله وأن نقبر: صلوٰة الجنازة لأن الدفن غير مكروه. (هدايه، كتاب الصلوٰة، باب المواقيت، فصل في الأوقات التى تكره فيها الصلوٰة، اشرفي ديو بند ١/ ٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍ ۲۴۹۵)

اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھنا

سوال [۳۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید کہتا ہے کہ بحوالۂ کتاب نظام شریعت جنازہ اگر اوقات ممنوعہ ومکروہہ میں لایا گیا تو اسی وقت نماز بلا کراہت پڑھنی جائز ہے، عمر کہتا ہے بحوالہ کتاب ہدایہ ١/٦٨، **لاتجوز الصلوة عند طلوع الشمس** وغیرہ سے پتہ چلتا ہے ضحوۂ کبری ونصف النہار وغیرہ وقتوں میں نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے، ہدایہ کی اس عبارت کا صحیح ترجمہ ومکروہ وقت میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ وضاحت فرما کر جواب سے مستفیض فرمائیں۔

المستفتی: سلامت احمد، محمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جنازہ پہلے سے تیار تھا تو طلوع آفتاب وغروب اور نصف النہار کے وقت اس پر نماز مکروہ تحریمی ہے، یہی ہدایہ کی عبارت کا مطلب ہے، اگر وقت مکروہ میں ہی تیار ہوا ہے تو کوئی کراہت نہیں ہے، اسی وقت نماز پڑھ لی جائے، یہی کتاب نظام شریعت وغیرہ کا مطلب ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ص:١٣٦)

عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل، وحين تضيف للغروب حتى تغرب. (سنن الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية الصلوٰة على الجنازة، النسخة الهندية ١/ ٢٠٠، دار السلام، رقم: ١٠٣٠، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الأوقات التي نهى عن الصلوٰة فيها، النسخة الهندية ١/٢٧٦، بيت الأفكار، رقم: ٨٣١)

والمراد بقوله وأن نقبر: صلوٰة الجنازة؛ لأن الدفن غير مكروه. (هدايه، كتاب الصلوٰة، باب المواقيت، فصل في الأوقات التى تكره فيها الصلوٰة، اشرفي ديوبند ١/ ٨٤)

ثلاث ساعات لا تجوز فيها المكتوبة ولا صلوٰة جنازة و لا سجدة تلاوة، هٰذا إذا وجبت صلاة الجنازة وسجدة التلاوة في وقت مباح وأخرتا

إلي هـذا الوقت، فأنه لايجوز قطعًا، أما لو وجبا في هذا الوقت وأديتا فيه جاز، لأنه أديت ناقصة كما وجبت. (هـنـديه الصلاة، الفصل الثالث في بيان الاوقات التی لاتجوز فيها الصلوٰة وتكره فيها، زكريا ۱/ ۵۲، جديد ۱/ ۱۰۸، مجمع الانهر، كتاب الصلوٰة، دار الكتاب العلميه بيروت ۱/ ۱۱۰)

وحضرت الجنازة قبل لوجوبه كاملا فلا يتأدى ناقصًا، فلو وجبتا فيها لـم يكره فعلهما أي تحريما وفي التحفة الأفضل أن لا تؤخر الجنازة. وفي الشـامـي: إذا كـان الأفـضـل عدم التأخير في الجنازة فلا كراهة أصلاً الخ.

(الـدرر الـمـختـار، كتـاب الصلاة، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت، كراچي ۱/ ۳۷٤، زكريا ۲/ ۳٤، كوئٹه ۱/ ۲۷۵، مصرى ۱/ ۳٤۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر شعبان ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۸۵۴)

عین زوال اورقبر پرنماز جنازہ کا حکم

سـوال [۳۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا انتقال ہوا بعد المغرب اعزہ کو خبر دینا رسم بن گیا ہے، بنا بریں جنازہ میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ زوال سے قبل جنازہ تیار ہوگیا؛ لیکن امام صاحب کے انتظار میں زوال کا وقت شروع ہوگیا، لوگوں نے کہا زوال کا وقت شروع ہوگیا ہے تو امام نے کہا اوقات ممنوعہ میں سجدہ والی نماز پڑھنا جائز نہیں، نماز جنازہ ہر وقت میں پڑھنا جائز ہے؛ کیونکہ اس میں سجدہ نہیں ہوتا، تو کیا زوال کے وقت میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؟ تقریباً ۲۰ر منٹ قبل جنازہ تیار تھا۔

(۲) اگر نماز نہ ہو تو دوبارہ قبر پر نماز کب تک پڑھ سکتے ہیں؟ اس کا جواب مدلل دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحیم، معصوم پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عین طلوع شمس کے وقت اور عین زوال کے وقت نماز جنازہ بھی جائز نہیں ہے؛ ہاں البتہ اوقات ممنوعہ میں سے صبح صادق سے طلوع شمس تک کے درمیان اور نماز عصر سے غروب شمس کے درمیان نفلیں پڑھنا جائز نہیں، مگر نماز جنازہ جائز ہے، امام صاحب کو فرق سمجھنے میں دھوکہ ہوا ہے، انہوں نے صبح صادق سے طلوع شمس تک کے درمیان اور عصر سے غروب تک کے درمیان وقت کی طرح عین طلوع اور عین زوال کے وقت کو بھی برابر سمجھا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله عنه: ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا أن نصلي فيهن وأن نقبر فيهن موتانا: حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع، وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس، وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الأوقات التي نهى عن الصلوٰة فيها، النسخة الهندية ۱/۲۷۶، بيت الأفكار، رقم: ۸۳۱)

والمراد بقوله "وأن نقبر" صلوٰة الجنازة؛ لأن الدفن غير مكروه. (هدايه، كتاب الصلوٰة، باب المواقيت، فصل في الأوقات التى تكره فيها الصلوٰة، اشرفي ديوبند ۱/۸٤)

لا تجوز الصلوٰة عند طلوع الشمس ولا عند قيامها في الظهيرة ولا عند غروبها، قال: ولا صلوٰة جنازة. (هدايه، كتاب الصلوٰة، باب المواقيت، فصل في الأوقات التى تكره فيها الصلوٰة، اشرفي ديوبند ۱/۸٤)، هنديه الصلاة، باب المواقيت، الفصل الثالث في بيان الأوقات التى لا تجوز فيها الصلوٰة، زكريا ۱/۵۳)

(۲) جنازہ کو بغیر نماز پڑھے ہی دفن کر دیا جائے تو اگر جنازہ کے پھولنے اور پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو تو پھولنے اور پھٹنے سے پہلے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز اور درست ہے اور اس کا وقت فقہاء نے تین دن مقرر کیا ہے کہ تین دن سے پہلے پہلے جائز ہے۔

عن أبی هریرةؓ، أن امرأة سوداء أو رجلا کان یقم المسجد، ففقده النبي صلی اللہ علیه وسلم فسأل عنه، فقیل: مات، فقال ألا آذنتمونی به، قال: دلوني علی قبره، فدلوه فصلی علیه. (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الصلوٰة علی القبر، النسخة الهندیة ۲/۴۵۷، دارالسلام، رقم: ۳۲۰۳)

فإن دفن بلا صلاة صلی علی قبره ما لم یتفسخ؛ لأن النبی صلی الله علیه وسلم صلی علی قبر المرأة من الأنصار. (البحر الرائق، کتاب الصلوٰة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زکریا ۲/۳۱۹، کوئٹه ۲/۱۸۲، هندیه، الصلاة، الباب الحادی و العشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلوٰة علی المیت، زکریا قدیم۱/۱۶۵، جدید ۱/۲۲۶)

وإن دفن وأهیل علیه التراب بغیر صلوة صلي علی قبره استحساناً مالم یغلب علی الظن تفسخه. (شامي، الصلوة، باب الجنائز، کراچي ۲/۲۲٤، زکریا ۳/۱۲۵)

وفي الأمالي عن أبي یوسفؒ أنه قال: یصلی علیه إلی ثلاثة أیام. (بدائع الصنائع، صلاة الجنازة، وأما بیان ماتصح به وما تفسد، زکریا ۲/۵۵) ***فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم***

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۵۰۰)

رشتہ داروں کے انتظار میں تجہیز وتکفین میں تاخیر کرنا

سوال [۳۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کا انتقال ہوگیا اور متعلقین رشتہ دار دوسرے شہر میں رہتے ہیں، ان کو بلایا جاتا ہے اوران کے آنے میں چار پانچ گھنٹے تک لگ جاتے ہیں، ان کے انتظار میں تجہیز وتکفین میں دیر کرنا ازروئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عقیل ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میت کی تجہیز وتکفین میں عجلت کا حکم ہے تاخیر ممنوع ہے؛ البتہ معمولی تاخیر مثلاً ایک آدھا گھنٹہ کی تاخیر جس سے رشتہ دار لوگ جنازہ میں شرکت کرسکیں تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن تیاری اوقات کے علاوہ چار چار پانچ پانچ گھنٹہ یا آدھا دن یا پورا دن صرف کسی کے آنے کی وجہ سے تاخیر کی جائے تو اس کی اجازت نہیں؛ نیز فقہاء نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ مثلاً جمعہ کی نماز کا انتظار کیا جائے؛ تاکہ مجمع کثیر نماز میں شرکت کرے؛ لہٰذا رشتہ داروں کے آنے کے لئے بھی زیادہ تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضـ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تک صالحة فخير تقدمونها، وإن تک سوى ذٰلک فشر تضعونه عن رقابكم. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، ١٧٦/١، رقم: ١٣٠١، ف: ١٣١٥)

وكره تأخير صلوٰته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلوة الجمعة. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنائز، مطلب في حمل الميت، زكريا ١٣٦/٣، كراچي ٢٣٢/٢)

وفي صلوٰة الجنازة التأخير مكروه. (هنديه، كتاب الصلوٰة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الثالث في بيان الأوقات التى لا تجوز فيها الصلوٰة، زكريا قديم ٥٢/١، جديد ١٠٨/١)

فلو جهز الميت صبيحة يوم الجمعة يكره تأخير الصلاة عليه ليصلي عليه الجمع العظيم بعد صلاة الجمعة. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، دار الكتاب ديوبند ٦٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱؍رجب ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۵۶/۳۲)	۲۱/۷/۱۴۱۷ھ

رشتہ دار کے لئے میت کی تجہیز وتکفین میں تاخیر

سوال [۳۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی گھر والی کا انتقال ہوا، بعد انتقال زید اور زید کے رشتہ دار زید کے ساس سسر، چچا، تایا کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اور ان کے آنے کے انتظار میں اس کی تجہیز وتکفین میں تاخیر سے کام لے سکتے ہیں؟ کیا جب تک میت گھر میں رہے گی اس وقت تک اس کے حساب وکتاب میں بھی تاخیر ہوگی؟

المستفتی: محمد فاروق جھنجھنوی (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کی تجہیز وتکفین میں عجلت کا حکم ہے تاخیر ممنوع ہے؛ البتہ معمولی تاخیر مثلاً ایک آدھا گھنٹہ کی تاخیر جس سے رشتہ دار لوگ جنازہ میں شرکت کرسکیں، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن تیاری کے اوقات کے علاوہ چار چار پانچ پانچ گھنٹہ یا آدھا دن یا پورا دن صرف کسی کے آنے کی وجہ سے تاخیر کی جائے تو اس کی اجازت نہیں۔ نیز فقہاء نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ مثلاً جمعہ کی نماز کا انتظار کیا جائے؛ تاکہ مجمع کثیر نماز میں شرکت کرے؛ لہٰذا رشتہ داروں کے آنے کے لئے بھی زیادہ تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تک صالحة فخير تقدمونها، وإن تک سوی ذٰلک فشر تضعونه عن رقابکم. (صحيح البخاری، کتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، ۱/۱۷۶، رقم: ۱۳۰۱، ف:۱۳۱۵)

ولذا کره تأخير صلوٰته ودفنه ليصلی عليه جمع عظيم بعد صلوة الجمعة الخ. (شامي، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنائز، مطلب في دفن الميت،

زکریا ۱۴۶/۳، کراچي ۲۳۹/۲، هنديه، كتاب الصلوٰة، الباب الأول في المواقيت، الفصل الثالث في بيان الأوقات التى لا تجوز فيها الصلوٰة، زكريا قديم ۵۲/۱، جديد ۱۰۸/۱، حاشية الطحطاوى على المراقى، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، دار الكتاب ديوبند ص: ۶۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۷۰۸/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۱ھ

لاش کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال [۳۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی دہلی میں مر گیا، اور یہاں سے دہلی دو دن کا راستہ ہے؛ اس لئے مردہ کے خراب یا سڑ جانے کے خوف سے اگر برف لگا کر رکھیں تو برف رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں اصل حکم یہ ہے کہ انسان کا جہاں انتقال ہوا ہو وہیں اس کو دفن کیا جائے۔

إن النقل من بلد إلى بلد مكروه. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى، أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، دار الكتاب ديوبند ۶۱۳، قديم ص: ۳۳۷، خانية على هامش الهنديه، باب في غسل الميت وما يتعلق به زكريا قديم ۱۹۵/۱، جديد ۱۲۱/۱)

لیکن اگر منتقل ہی کیا جا رہا ہے تو لاش کی حفاظت کے لئے برف لگانے کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ میت کی لاش کے ساتھ ہر وہ کام کرنا مشروع ہے جس سے اہانت نہ ہو اور یہاں بھی سڑنے گلنے سے حفاظت کے لئے برف لگایا جاتا ہے۔

قال ابن حجر: ومن لوازمه أن يستلذ بما يستلذ به الحي.

(مرقاة، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، قبيل الفصل الثالث: الميت يتألم و يستلذ كالحي، امداديه ملتان ٧٩/٤، مطبع بمبئى ٣٨٠/٢، حاشية أبو داؤد، كتاب الجنائز، باب في الحفار يجد العظم هل يتنكب ذٰلك المكان ٤٥٨/٢)

قال الطيبي: إنه لا يهان الميت كما لا يهان الحي. (مرقاة، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، قبيل الفصل الثالث، الميت يتألم و يستلذ كالحي، امداديه ملتان ٧٩/٤، مطبع بمبئى ٣٨٠/٢)

إكرام الميت مندوب إليه في جميع ما يجب كإكرامه حيًا وإهانته منهي عنها كما في الحيوٰة. (شرح الطيبى، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، كراچي ٣٨٧/٣، رقم:١٧١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۵۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۶ھ

میت کی منتقلی سے متعلق ایک تحقیقی فتویٰ

مکرمی جناب مفتی شبیر صاحب زیدلطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال [۳۸۲۸]: ایک سوال میرے نام آیا ہے اس کی فوٹو کاپی مرسل ہے، یہاں کے مفتی صاحب رخصت پر ہیں، خیال تھا کہ ان سے جواب لکھا کر آپ جیسے حضرات کے پاس بھی ارسال کروں گا؛ لیکن ایک صاحب مراد آباد جانے والے مل گئے؛ اس لئے آپ کے پاس بغرض جواب مرسل ہے، جواب لکھ کر میرے پاس ارسال کریں۔ **جزاک اللہ خیرا.**

والسلام
(جناب) ابرار الحق
۳/ جمادی الثانیہ/ ۱۴۱۸ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بقية السلف عارف بالله محي السنة بركة العصر

حضرت والا ہردوئی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہ معروض خدمت اقدس میں نہایت عاجزانہ وپرخلوص گزارش یہ ہے کہ حضرت ہر انسان کا مقدر دنیا میں آنے سے قبل لکھا جا چکا ہے؛ یہاں تک کہ اہل علم حضرات سے بارہا سنا کہ روح کے قبض ہونے کا وقت ومقام اور جہاں انسان کو دفن ہونا ہے وہاں کی مٹی بھی مقرر رہے، چاہے انسان دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو، موت اس کی وہاں اس کو کھینچ کر لے جائے گی جہاں دفن ہونا ہے، وہاں کی مٹی اس کو وہاں کھینچ لے گی، اس کی تائید وتصدیق حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کے وصال سے ہوتی ہے، حضرت کو جب باندہ سے لکھنؤ لے جانے کا ارادہ ہوا تو حضرت نے انکار فرمایا اور فرمایا یہ موت کی تکلیف ہے، آگے یہ فرمایا کہ میرا اسلام سب ملنے والوں کو کہہ دینا اور مدرسہ کا خیال رکھنا، اتنا فرما کر ذکر میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کو لکھنؤ لے جایا گیا، وہاں تھوڑی دیر کے بعد ہی روح کو اپنے پیدا کرنے والے کے سپرد کر دیا۔ انا لله وانا اليه راجعون.

پھر وہاں سے حضرت والا کو ہتھورا لانے کی تیاری ہونے لگی، اس موقع پر حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی دامت برکاتہم نے انکار فرمایا کہ حضرت کو یہیں دفن کر دیا جائے اور حضرت والا آپ نے بھی اس بات پر اصرار فرمایا کہ حضرت کو ہتھورا نہ لے جایا جائے، ہزار کوششوں کے باوجود ایسا نہ ہو سکا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موت اور مٹی کو اپنے مقام پر کھینچنے میں دخل ہے، ان تمام باتوں پر یقین کے باوجود پھر کوئی انسان اس ضد پر اڑ جائے کہ جہاں روح قبض ہوئی ہے وہیں دفن کیا جائے گا، تو میں جنازہ میں شریک ہوں گا ورنہ نہیں اور اس بات پر قسم کھالے کہ میں اس مقام پر کبھی نہیں جاؤں گا، جہاں اس کو دفن کیا ہے، اس ضد پر اڑے رہنا

کیا یہ صحیح ہوگا؟ حضرت والا سے مؤدبانہ اور عاجزانہ التماس ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم لوگوں کی رہبری فرمائیں اور خصوصی توجہ فرما کر جلد سے جلد جواب تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محتاج دعا: عبدالخالق، امام جامع مسجد رسلی کرد بھوپال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے سے متعلق مسئلہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور زیادہ الجھا ہوا بھی ہے، اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے کچھ تفصیل کی ضرورت ہے؛ لہٰذا ہم اس سلسلہ میں علی الترتیب چھ باتیں عرض کریں گے۔

(۱) حضرات انبیاء کرام کے بارے میں۔

(۲) حضرت یعقوب و یوسف علیہما السلام کے منتقلی پر اشکال وجواب۔

(۳) شہداء کے بارے میں۔

(۴) عامۃ المسلمین کے بارے میں اور اس مسئلہ سے متعلق نصوص وروایات۔

(۵) حضرات محدثین کی تشریح۔

(۶) حضرات فقہاء احناف کی رائے۔

اور فقہاء کی آرا کے تحت اس مسئلہ میں چار درجات ہیں۔

پہلی بات: حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح اسی جگہ قبض فرماتا ہے، جس جگہ اس نبی کو دفن کرنا پسند ہوتا ہے؛ چنانچہ حضور ﷺ کو اس حدیث شریف کے پیش نظر بعینہ اسی جگہ دفن کیا گیا ہے، جس جگہ پر روح پرواز ہوگئی تھی، ترمذی شریف میں اس کی صراحت موجود ہے۔

عن عائشةؓ قالت: لما قبض رسول الله صلى الله عليه وسلم اختلفوا في دفنه، فقال أبو بكرؓ: سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئاً ما نسيته، فقال: ما قبض الله نبيًا إلا في الموضع الذي يحب أن يدفن فيه،

فدفنوه في موضع فراشه. (الترمذي، أبواب الجنائز، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية، ۱۹۸/۱، دار السلام، رقم: ۱۰۱۸)

دوسری بات: مذکورہ حدیث شریف پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مصر سے ملک شام منتقل کیا گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک زمانہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام کے شہر میں ان کے جوار میں منتقل فرمایا، تو اس پر یہ اشکال ہے کہ جب نبی کو اللہ تعالیٰ وہیں موت دیتے ہیں جہاں پر دفن ہونا ہے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جائے وفات سے دوسری جگہ کیسے منتقل فرمایا؟ تو اس کا جواب علامہ بدرالدین عینیؒ نے یوں دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی رائے سے منتقل نہیں فرمایا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہونے کی وجہ سے منتقل فرمایا؛ لہٰذا یہ انتقال مکانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہوگا کسی اور کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا؛ اس لئے حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ سے حضور کی حدیث پر اشکال نہ ہوگا۔

لأن النبي عليه الصلوٰة والسلام يدفن حيث يموت ولا ينقل، قيل: فيه نظر، لأن موسىٰ عليه السلام قد نقل يوسف عليه السلام إلى بلد إبراهيم الخليل عليه الصلوٰة والسلام، قلت: وفيه نظر؛ لأن موسىٰ عليه السلام مانقله إلا بالوحي، فكان ذٰلک مخصوصاً به الخ. (عمدة القاری، كتاب الجنائز، باب من أحب الدفن في الأرض المقدسة، دار إحياء الترث العربي بيروت ۱۴۹/۸، زكريا ديوبند ۲۰۶/۶)

تیسری بات: شہداء کے بارے میں، شہداء کو جائے شہادت سے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ ان کی جائے شہادت قیامت کے دن ان کے لئے گواہی دے گی، اسی وجہ سے جب احد کے موقع پر بعض شہداء کو مدینہ منتقل کیا گیا، تو حضور ﷺ نے ان کو واپس کرا دیا اور فرمایا کہ یہ لوگ احد میں شہید ہوئے ہیں وہیں دفن ہوں گے۔

عن جابرؓ، قال: كنا حملنا القتلى يوم أحد لندفنهم، فجاء منادى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمركم أن تدفنوا القتلي في مضاجعهم فرددناهم. (ابو داؤد، كتاب الجنائز، باب في الميت يحمل من ارض إلى ارض، النسخة الهنديه ۲/۴۵۱، دار السلام، رقم: ۳۱۶۵)

چوتھی بات: عام مسلمانوں کو جائے وفات سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا مسئلہ، یہ مسئلہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس سلسلہ میں اولاً تین روایات نقل کی جاتی ہیں، جو اس موضوع سے متعلق ہیں۔

(۱) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی جگہ موت دینے کا فیصلہ فرماتا ہے، تو اس کے لئے اس جگہ کوئی ضرورت اور بہانا بنادیتا ہے؛ چنانچہ وہ اسی جگہ جا کر مرتا ہے۔

عن أبي عزةؓ، قال: قال رسول الله عليه وسلم: إذا قضى الله لعبد أن يموت بأرض جعل له إليها حاجة. (ترمذی، أبواب القدر، باب ما جاء أن النفس تموت حيث ما كتب لها، النسخة الهندية، ۲/۳۶، دار السلام رقم: ۲۱۴۷)

(۲) حضرت سعد ابن ابی وقاص اور حضرت سعید ابن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہم، ان دونوں صحابی رسول کا انتقال وادی عقیق میں ہوا جو مدینۃ المنورہ سے چار فرسخ کے فاصلہ پر ہے اور ایک فرسخ میں تین میل شرعی ہوتے ہیں؛ لہٰذا تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ان دونوں کا انتقال ہوا، اور دونوں کو مدینۃ المنورہ منتقل کیا گیا، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اس پر کسی نے نکیر بھی نہیں فرمائی۔

مالک عن غير واحد ممن يثق به أن سعد ابن أبي وقاص و سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل توفيا بالعقيق و حملا إلى المدينة ودفنا بها. (مؤطا إمام مالك مع أوجز المسالك، كتاب الجنائز، بحث نقل الميت، جديد دار القلم دمشق ۴/۵۱۳، قديم۲/۴۷۲، مسند إمام أحمد بن حنبل ۶/۷۹، رقم: ۲۵۰۰۳- ۲۵۰۰۴)

(۳) حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ مکۃ المکرّمہ سے کچھ فاصلہ پر مقام حبشی میں وفات پا گئے، ان کو وہاں سے مکۃ المکرّمہ منتقل کردیا گیا، جب حضرت عائشہؓ ان کی قبر پر تشریف لے گئیں، تو فرمایا کہ اگر میں تمہاری موت کے وقت وہاں ہوتی تو تم کو وہیں دفن کردیتی۔

عن عبدالله ابن أبي مليكةؒ، قال: توفي عبد الرحمن ابن أبي بكرؓ بالحبشي إلى قوله، ثم قالت والله لو حضرتک ما دفنت إلا حيث مت، ولو شهدتک ما زرتک. (ترمذي شريف، أبواب الجنائز، باب ما جاء في زيارة القبور للنساء، النسخة الهنديه ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم:۱۰۵۵)

اب تینوں قسم کی روایات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) کا تقاضہ یہ ہے کہ جہاں وفات پائے وہیں دفن کردیا جائے۔

(۲) کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر مسافت سفر سے کم ہے تو منتقل کرنے کی گنجائش ہے۔

(۳) کا تقاضہ بھی یہی ہے؛ اس لئے کہ مقام عقیق سے مدینۃ المنورہ مسافت سفر سے کم ہے اوراسی طرح مقام حبشی سے مکۃ المکرّمہ بھی مسافت سفر سے کم ہے؛ لہٰذا مسافت سفر سے زائد میں منتقل کرنے کے جواز پر کوئی بھی روایت ناطق نہیں ہے۔

پانچویں بات: محدثین کی تشریح: حضرات محدثین مذکورہ روایات کو پیش نظر رکھ کر یہ تشریح کرتے ہیں کہ مقامات مقدسہ میں منتقل کرنے کی اجازت ہے؛ لہٰذا جنت البقیع اورجنت المعلی اور بیت المقدس میں دفن کرنے کی غرض سے دوسری جگہ سے منتقل کرنا علی الاطلاق جائز ہوگا۔ نیز ایسے قبرستان میں بھی منتقل کرنا جائز ہے؛ جہاں نیک لوگوں کی قبریں ہوں؛ اس لئے کہ نیک لوگوں کے جوار میں دفن ہونے میں حفاظت ہوتی ہے اور برے لوگوں کے جوار میں دفن ہونے میں ایذاء پہونچتی ہے، مگر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس دوران میت کے جسم میں تغیر پیدا نہ ہوا ہو، اس کو حضرات محدثین نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

يحرم نقل الميت قبل دفنه من محل موته إلى محل أبعد من مقبرة

محل موته ليدفن فيه إلا أن يكون بقرب مكة، أو المدينة، أو بيت المقدس، وفي الحاشية: المراد بالقرب مسافة لا يتغير الميت فيها قبل وصوله، والمراد بمكة جميع الحرم، ولا ينبغي التخصيص بالثلاثة؛ بل لو كان بقرب مقابر أهل الصلاح و الخير، فالحكم كذٰلک لأن الشخص يقصد الجار الحسن.

(أوجز المسالك، كتاب الجنائز، بحث نقل الميت، جديد دارالقلم دمشق ٥١٤/٤، قديم ٤٧٥/٢)

اور بعض محدثین نے چار اغراض کی بناء پر منتقلی کو جائز لکھا ہے۔

(۱) حرمین شریفین میں سے کسی ایک کی طرف منتقل کرنا۔

(۲) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی ایک کی قبر کے قریب منتقل کرنا۔

(۳) اولیاء اللہ میں سے کسی کی قبر سے قریب منتقل کرنا۔

(۴) دوسری جگہ منتقل کرنے کی غرض یہ ہو کہ وہاں لوگ زیادہ سے زیادہ قبر کی زیارت کر سکیں گے اور ایصال ثواب کر سکیں گے، ایسی صورت میں منتقل کرنا مکروہ نہیں ہے، شاید ان تشریحات کے پیش نظر حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ کو دہلی سے دیوبند منتقل کیا گیا تھا۔

فإذا كان يترتب عليه فائدة من نقله إلى أحد الحرمين أو إلى قرب قبر أحد من الأنبياء أو الأولياء أو ليزوره أقاربه من ذلك البلد وغير ذلك فلا كراهة. (مرقاة، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثاني، نقل الميت من موضع إلى موضع، ملتانی ۷۳/٤، حاشيه ابوداؤد، كتاب الجنائز، باب في الميت يحمل من أرض إلى أرض، ٤٥١/٢، رقم الحاشية: ٤)

اور بذل المجہود میں یہ نقل فرمایا ہے کہ بغیر عذر کے منتقل کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ کسی اہم خصوصیت کی بناء پر منتقل کرنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو صحابہ کی ایک جماعت کی موجودگی میں منتقل کیا گیا تھا اور کسی نے اس پر نکیر بھی نہیں کی اور اس میں جنت البقیع میں دفن کرنے کی خصوصیت تھی اور ممانعت کی روایت کو بغیر عذر کے دفن کے بعد منتقل کرنے پر محمول فرمایا ہے۔

والأظهر أن يحمل النهي على نقلهم بعد دفنهم بغير عذر. قال الطيبي الظاهر: إن دعت الضرورة إلى النقل نقل وإلا فلا. (بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب في الميت يحمل من ارض إلى ارض، جديد دار البشائر الإسلاميه، بيروت ١٠/٤٤٣، قديم مطبوعة سهارن پور ٤/١٩٧)

اعلاء السنن میں ایسے قبرستان میں منتقلی کو مستحب لکھا ہے کہ جس میں شہداء اور صالحین کی قبریں کثرت کے ساتھ ہوں۔

يستحب الدفن في المقبرة التي يكثر فيها الصالحون والشهداء لتناله بركتهم وكذلک في البقاع الشريفة. (اعلاء السنن ٢/٢٦٨، المغنی ٣/١٩٣)

چھٹی بات فقہاء کی تشریح: حضرات فقہاء کی تشریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں چار درجات ہیں۔

درجہ نمبر (۱) جہاں منتقل کرنا ہے اگر وہاں کی مسافت دو میل کے اندر اندر ہے تو بالاتفاق جائز اور اس کی گنجائش ہے اور جہاں جہاں حضرات فقہاء کرام کی **لا بأس بنقله قبل دفنه** اور **فان نقل إلى مصر آخر لا بأس به** جیسی عبارتیں جو کثرت کے ساتھ فقہ حنفی کی کتابوں میں موجود ہیں، ان سب کے اندر **إلى ميل أو ميلين** کی قید بھی موجود ہے؛ جیسا کہ کتب فقہ میں اس طرح کی عبارت ساتھ ساتھ لکھی گئی ہے۔

وإن نقل قبل الدفن إلى قدر ميل أو ميلين فلا بأس به، (قاضی خاں، باب في غسل الميت وما يتعلق به الخ،جديد زكريا ١/١٢١، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/١٩٥،طحطاوی على المراقی، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، دارالكتاب ديوبند ٦١٣، قديم ٣٣٧، هنديه، كتاب الصلوٰة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن الخ، زكريا قديم ١/١٦٧، جديد ١/٢٢٨، كبيرى، فصل في الجنائز، المتفرقات، اشرفيه ديوبند ٦٠٧، قديم ٥٦٣)

واختلفوا في نقل الميت من موضع إلى موضع فكرهه جماعة

وجوزه اٰخرون. وقيل: إن نقل ميلا، أو ميلين، فلا بأس به وقيل ما دون السفر، وقيل لا يكره السفر أيضا. (اوجز المسالك، كتاب الجنائز، باب نقل الميت، جديد دار القلم دمشق ٥١٣/٤، قديم ٤٧٥/٢)

درجه نمبر (۲) دو میل سے زیادہ اور مدت سفر سے کم مسافت میں منتقل کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔

لا تظهر الكراهة في نقله من بلد إلى بلد إلا إذا كانت المسافة أكثر من ميلين، وقيل يجوز ذلک إلى ما دون مدة السفر، جیسی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ (حاشية الطحطاوي، أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها، دار الكتاب ديو بند ٦١٣، قديم ٣٣٧، كبيري، فصل في الجنائز،المتفرقات، اشرفيه ديو بند ص:٤٠٧)

اوراس میں اس بات کا لحاظ بھی اہم ہے کہ جس زمانہ میں یہ مسائل لکھے گئے ہیں، اس زمانہ میں منتقلی کے بیشتر ذرائع موجود نہیں تھے اور آج کے زمانہ میں گھنٹہ بھر میں اتنی لمبی مسافت بآسانی طے ہوجاتی ہے، جس کا اس زمانہ میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

درجه نمبر (۳) مدت سفر سے زیادہ مسافت پر منتقل کرنا، فقہاء احناف میں سے اکثر اس کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں۔

بيان أن النقل من بلد إلى بلد مكروه أي تحريمًا (إلى قوله) وقيل في مدة السفر. (حاشية الطحطاوى على المراقى، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، دار الكتاب ديوبند ٦١٣، قديم ٣٣٧)

اوپر کی تشریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بغیر عذر شدید کے منتقل کرنا ممنوع ہے اور مقامات مقدسہ اور صالحین کے جوار میں دفن کرنے کے لئے منتقل کرنا جائز ہے۔

نیز مدت سفر سے کم مسافت میں بھی منتقل کرنا جائز ہے، شاید کہ تطبیق کی یہ شکل ہوسکے کہ مقامات مقدسہ اور صالحین کی قبریں مدت سفر سے کم مسافت میں ہونے میں جائز ہو؛ اس لئے کہ جنۃ البقیع اور جنۃ المعلی میں جن حضرات کو منتقل کیا گیا ہے، ان کی مسافت مدت سفر سے کم ہے، تاہم

اگر مدت سفر سے زائد مسافت میں میت کے جسم میں تغیر آنے کا خطرہ نہ ہو، تو بعض محدثین کی بیان کردہ چار وجوہات میں سے ایک کی بنا پر منتقل کیا جائے تو ان کی رائے کے مطابق گنجائش ہوسکتی ہے اور اس تفصیل سے منتقلی کی ممانعت کی چار علتیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) میت کے جسم میں تغیر کا خطرہ۔ **كما في الأوجز:**

لا يتغير الميت فيها قبل وصوله الخ. (أوجز المسالك، كتاب الجنائز، بحث نقل الميت، جديد دار القلم دمشق ٤/ ٥١٥، قديم ٢/ ٤٧٥)

(۲) ایسے امور میں مشغول ہو جانا جس میں شرعاً کوئی فائدہ نہیں۔

من مات في بلدة يكره نقله إلى آخرى؛ لأنه اشتغال بمالا يفيد بما فيه تأخير دفنه وكفى بذلك كراهة. (مرقاة، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثاني، نقل الميت من موضع إلى موضع،ملتانی ٤/ ٧٣)

(۳) حدیث شریف میں جنازہ میں عجلت کا حکم ہے؛ لہٰذا تاخیر کی ممانعت ہوگی۔

عن أبي هريرةؓ يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة. (ترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء في الإسراع بالجنازة، النسخة الهندية ١/ ١٩٦، دارالسلام رقم: ١٠١٥)

(۴) حدیث پاک میں ہے کہ جب کسی کو کسی جگہ موت دینی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی بہانہ سے اس کو وہاں پہنچا دیتا ہے، پھر وہاں سے منتقل کرنا حدیث شریف کے تقاضہ کے خلاف ہے۔

درجہ نمبر (٤) اکابر کا فتویٰ، حضرات اکابر نے منتقل کرنے کو مکروہ لکھا ہے، شاید ان کی مراد بھی یہی ہو کہ مدت سفر سے زیادہ مسافت پر منتقل کرنا ممنوع ہے؛ چنانچہ بہشتی زیور ۱۱/ ۱۰۲ میں مکروہ تحریر فرمایا ہے۔

احقر نے ان تمام تفصیلات سے یہ سمجھا ہے کہ مسافت سفر سے کم فاصلہ پر منتقل کرنے کی بہر حال گنجائش ہوگی؛ جبکہ تغیر کا خطرہ نہ ہو؛ اس لئے کہ یہ درمیانی قول ہے اور کسی اہم وجہ اور اہم عذر کی وجہ سے مسافت سفر سے زائد فاصلہ پر بھی منتقل کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ

زیادہ تاخیر نہ ہو اور اس درمیان میں میت کے جسم میں کسی قسم کا تغیر بھی نہ آتا ہو اور اگر کوئی اہم وجہ اور اہم عذر نہیں ہے، تو مسافت سفر سے زائد فاصلہ پر منتقل کرنا ممنوع اور مکروہ ہوگا اور خلاف اولیٰ اور خلاف تقویٰ تو ہر حال میں ہے ہی؛ لہٰذا اگر کوئی شہرۂ آفاق شخصیت اور ان کے ہر عمل کو لوگ سنت کے مطابق ہی سمجھتے ہوں، ان کو اگرچہ کسی خاص عذر کی بنا پر منتقل کیا جائے تو لوگوں کی نگاہوں میں وہ عذر پیش نظر نہیں ہوگا؛ بلکہ لوگ اسی کو عین سنت سمجھیں گے؛ اس لئے ایسی صورت میں ایسی شخصیت کو منتقل نہ کرنا ہی بہتر ہوگا؛ لہٰذا سوالنامہ میں جن صاحب کا ذکر ہے شاید انہوں نے اسی مصلحت کی بناء پر سختی سے نکیر کی ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۳۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۶ھ

(٦) باب صلاة الجنازة في المسجد وغيره

مسجد حرام کے اندر جنازہ رکھ کر نماز پڑھنا

سوال [۳۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حرم شریف کے اندر جنازہ رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ اگر بلاکراہت درست ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ اور دیگر مساجد میں اس کی اجازت کیوں نہیں؟ براہ کرم جو بھی حکم ہوا سے عام فہم انداز میں ارشاد فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: فریداحمد قاسمی، خادم مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد حرام عام مساجد سے مختلف وجوہ سے مستثنیٰ ہے کہ دیگر مساجد کی بنیاد اداءِ فرض کے لئے رکھی گئی ہے۔ اور سنن ونوافل ان مساجد میں پڑھنا اگرچہ جائز ہے؛ لیکن گھر یا حجرے میں ادا کرنا مسنون وبہتر ہے اور مسجد حرام میں سنن ونوافل پڑھنا گھر یا کمرے میں پڑھنے کے مقابلہ میں بہت زیادہ افضل ہے، اسی طرح نماز عیدین، نماز خسوف وکسوف، نماز استسقاء اور نماز جنازہ یہ سب مسجد حرام میں زیادہ افضل ہیں؛ لیکن دیگر مساجد میں افضل نہیں ہیں؛ اس لئے بلاکراہت مسجد حرام میں نماز جنازہ جائز ہے۔

وأما المسجد الحرام فمستثنیٰ كما صرح به ابن الضياء إذهو موضوع لأداء المكتوبات، والجمعة، والعيدين، وصلوة الكسوف والخسوف، وصلوة الجنازة، والاستسقاء ...... أولكبره وسعة قدره أولتعظيم أمره أولاشتماله على جهات كل جهة بمنزلة مسجد أولأنه قبلة المساجد كلها الخ (شرح النقايه، كتاب الصلوة، باب فی الجنائز، اعزازية ديوبند ١/١٣٧،

تقریرات رافعی، کتاب الصلوۃ، باب صلاۃ الجنازۃ۳/ ۱۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف۲۶؍۲۱۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۲/۲۶ھ

مسجد میں نماز جنازہ

سوال [۳۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ مسجد سے باہر رکھ کر کچھ لوگ مسجد کے باہر کھڑے ہو جائیں اور کچھ لوگ مسجد کے اندر کھڑے ہو جائیں تو سب کی نماز مکروہ ہوگی یا سب کی بلا کراہت ادا ہو جائے گی؟ اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: انوار حسین، خادم مسجد کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں سب کی نماز جنازہ ادا ہو جائے گی؛ البتہ جو لوگ مسجد کے باہر کھڑے ہوں گے، ان کی نماز بلا کراہت ادا ہو جائیگی اور جو اندرون مسجد کھڑے ہوں گے ان کی نماز بعض فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک بلا کراہت ادا ہو جائے گی؛ اس لئے حتی الامکان اندرون مسجد نہ کھڑے ہوں۔

واختلف فی الخارجة عن المسجد وحده، أو مع بعض القوم، والمختار الکراهة مطلقاً الخ (الدر المختار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فی کراهة صلوة الجنازة فی المسجد، زکریا۳/۱۲٦، کراچی ۲/ ۲۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۲۱۱۱)

کیا مسجد کے اندر نماز جنازہ نہیں ہوتی ہے؟

سوال [۴۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ کی نماز مسجد کے اندر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے اس مسئلہ کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب دین کی باتیں ص:۱۶۸ر پر دیکھا ہے، جس میں یہ لکھا ہے کہ جنازہ کی نماز ان مساجد میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، جو پنج وقتی نمازوں یا جمعہ یا عیدین کی نماز کے لئے بنائی گئی ہیں، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر ہو اور نماز پڑھنے والے اندر ہو یا باہر اس مسئلہ کو میں نے عوام کو بتایا کہ نماز جنازہ نہیں ہوتی ہے، ناجائز ہے، تو ایک مفتی صاحب نے بتایا کہ جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ میں نے حضرت مولانا اشرف علیؒ کا مسئلہ بتایا تو انھوں نے فرمایا کہ ہم مولانا اشرف علیؒ کے مسئلہ کو نہیں مانتے، ہمیں دلیل چاہئے، مفتی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ چبوترہ مسجد کے باہر بنا ہوا ہے اور جنازہ مسجد سے باہر ہے، اور نمازی اندر رہیں تو نماز جائز ہے۔

المستفتی: حافظ محمد عرفان، مسجد عثمانیہ، نئی بستی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کا یہ بیان کرنا صحیح نہیں ہے کہ مسجد کے اندر نماز جنازہ ہوتی ہی نہیں اور نہ ہی حضرت مولانا اشرف علیؒ کا مقصد یہ ہے کہ نماز ہوتی ہی نہیں؛ بلکہ مقصد یہ ہے کہ نماز کراہت کے ساتھ ہوتی ہے، لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے اور مذکورہ مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ نماز ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کراہت کے ساتھ صحیح ہوجاتی ہے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على جنازة في المسجد فلا شئ عليه. (سنن ابی داؤد، الجنائز، باب الصلوة علی الجنازة

فی المسجد، النسخة الهندیه ۲/ ٤٥٤،دارالسلام رقم: ۳۱۹۱، سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء فی الصلوة علی الجنازة فی المسجد ، النسخةالهندیه ۱۰۹، دارالسلام رقم: ۱۵۱۷، مسند أحمد ابن حنبل ۲/ ٤٥٥، رقم: ۹۸٦٥)

وكرهت تحريماً وقيل تنزيهاً في مسجد جماعة هو أي الميت فيه وحده، أو مع القوم الخ (درمختار، کتاب الصلوة،باب صلوة الجنازة،مطلب فی کراهة صلاة الجنازة فی المسجد، زکریا۳/ ۱۲٦، درمختار، کراچی ۲/ ۲۲٤، هندیه، الباب الحادی العشرون فی الجنائز،الفصل الخامس فی الصلوة علی المیت، زکریا قدیم ۱/ ۱٦٥، جدید ۱/ ۲۲٦، الفتاوی التا تار خانیه، الصلوة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز،المتفرقات زکریادیوبند۳/ ۸۷، رقم: ۳۷۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۱۸ھ

مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا

سوال [۳۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ اس مسجد میں جائز نہیں ہے جس میں پنجوقتہ نماز ہوتی ہو یا عیدین کے لئے بنائی گئی ہو، اس کا مطلب کیا ہے؟ کچھ مسجدیں ایسی ہیں جس میں پنج وقتہ نماز بھی ہوتی ہے اور جنازہ کی نماز کے وقت سارے مقتدی مسجد کے اندر ہوتے ہیں، کیا اس جگہ نماز جنازہ ہو سکتی ہے؟ اس کا خلاصہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد حبیب اللہ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔

عن أبي هريرةؓ ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى

علیٰ جنا زۃ فی المسجد فلاشئ علیه. (سنن أبي داؤد، الجنائز ،باب الصلوۃ علیٰ الجنازۃ في المسجد، النسخۃالھندیه ۲/ ۴۵۴، دارالسلام رقم: ۳۱۹۱، سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، بـاب ماجاء فی الصلوۃ علیٰ الجنازۃ فی المسجد، النسخۃ الھندیه ۴/ ۱۰۹، دارالسلام رقم: ۱۵۱۷، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۴۵۵، رقم: ۹۸۶۵)

وکـرھـت تحریماً وقیل تنزیھاً فی مسجد جما عۃ ھو أي المیت فیه أومـع القوم. واختلف في الخارجۃ عن المسجد وحده، أومع بعض القوم. (درمـختار، کتاب الـصلـوۃ، باب صلوۃ الـجنازۃ، مـطـلـب فـي کـراھۃ صلوۃ الجنازۃ في المسجد، کراچي ۲/ ۲۲۵، زکریا ۳/ ۱۲۶)

البتہ عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳/ ۱۴۲)

لاتکـرہ في مسجد أعدلھا، وکذا في مدرسۃ ومصلیٰ عید؛ لأنه لیس لھا حکم المسجد الخ. (حـاشیۃ الـطحطاوی علی المراقی، کتاب الصلوۃ، فصل في الـمکـروھـات، دارالکتاب دیو بند ۳۵۷، شامي، کتاب الصلوۃ، باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیھا، کراچي ۱/ ۶۵۴، زکریا ۲/ ۴۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۲۹ھ

مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے سے ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال [۳۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے، اگر ایک مرد اور ایک عورت مل کر بھی نماز جنازہ پڑھ لیں تو نماز ادا ہو جائے گی ،مسلک حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ مسجد میں ادا کرنے سے نماز جنازہ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲) جنازہ مسجد کے اندر خارجی حصہ میں ہو یا مسجد کے باہر ہو؛ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ مسجد میں صفیں بنا کر نماز میں شریک ہو جاتے ہیں، بحوالہ احادیث مستند کے جواب دے کر تشفی فرمائیں۔

المستفتی: ایم این حسن، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں! نفس جنازہ ایسی صورت میں بھی ادا ہو جاتی ہے، مگر دوسرے لوگوں پر سخت افسوس ہے۔

عن حذیفة بن أسیدؓ، أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم بلغه موت النجاشی، فقال لأصحابه: إن أخاکم النجاشي قد مات، فمن أراد أن یصلي علیه فلیصل علیه، فتوجه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نحو الحبشة، فکبر علیه أربعاً.

(المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی ۱۷۹/۳، رقم: ۳۰۴۸)

ومن صفتها أنها فرض کفایة، إذا قام بها البعض وفی شرح المتفق: واحداً کان أو جماعة ذکراً کان أو أنثیٰ– سقط عن الباقین وإذا ترک کلهم أثموا الخ. (تاتارخانیه، الصلوٰة، الفصل الثانی والثلاثون فی صلوٰة الجنازة،قدیم ۱۵۳/۲، جدید زکریا دیوبند ۴۰/۳، رقم: ۳۶۸۱، هندیه، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلوٰة علی المیت، زکریا قدیم ۱۶۲/۱، جدید ۲۲۳/۱، حاشیة الطحطاوی علی المراقی، فصل فی الصلوٰة علیه، دار الکتاب دیوبند ۵۸۰، دار الکتاب دیو بند ۵۹۶)

(۲) مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنے سے نماز جنازہ کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے؛ ہاں البتہ مسجد میں ادا کرنا حنفیہ کے یہاں مکروہ ہے، جنازہ حدود مسجد میں چاہے اندر کے حصہ میں ہو یا باہر صحن کے حصہ میں، حکم یکساں ہے۔

عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من صلی علیٰ جنازة في المسجد فلا شیئ علیه. (سنن أبي داؤد، الجنائز، باب الصلاة علی الجنازة في المسجد، النسخة الهندیه ۴۵۴/۲، دار السلام رقم: ۳۱۹۱، مسند أحمد بن حنبل ۴۵۵/۲، رقم: ۹۸۶۵)

تکره سواء کان المیت و القوم فی المسجد أو أحدهما الخ. (البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، کوئٹه ۱۸۷/۲، زکریا ۳۲۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۴۰/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۴ھ

احاطۂ مسجد میں جنازہ کی چارپائی رکھنے کی شرعی حیثیت

سوال [۳۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بنگال کے اکثر وبیشتر گاؤوں میں یہ رواج عام ہے کہ جنازہ کی چارپائی کبھی مسجد میں رکھی جاتی ہے، کبھی مسجد کے برآمدہ میں اور کبھی احاطۂ مسجد میں امام صاحب کے کمرے میں، بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ احاطۂ مسجد میں جنازہ کی چارپائی رکھنا درست نہیں ہے، اس بارے میں حکم شرعی وضاحت کے ساتھ مطلوب ہے۔

المستفتی: منجانب مدرسہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جنازہ کی چارپائی احاطۂ مسجد میں، مسجد کے کسی کونہ میں یا مسجد کے برآمدہ میں رکھنے میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ وہ پاک اور صاف ستھری ہوتی ہے، اس میں کوئی ناپاکی لگی ہوئی نہیں ہوتی ہے۔

فما کان فیه نوع عبادة و لیس فیه إهانة ولا تلویث لا یکره. (حلبي کبیر، فصل في أحکام المسجد، ص: ۶۱۱، مطبوعه لاهور پاکستان) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۳۲/۴۰)

مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنا

سوال [۴۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری جامع مسجد کے امام صاحب فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنا؛ جبکہ جنازہ مسجد کے باہر ہو اور جماعت جنازہ کے نمازی مسجد کے اندر ہوں، یا دو ہی نمازی مسجد کے اندر ہوں باقی باہر ہوں، تو اس صورت میں نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور کہتے ہیں کہ فتاویٰ دارالعلوم میں یہی لکھا ہے، اس وقت پر ایک جنازہ نماز ادا کرنے کے لئے موجود تھا، جس کی نماز امام صاحب نے باہر سڑک پر ادا کرائی اور مسجد میں اسی وقت یہ مسئلہ بیان کیا، مطابق فرمودہ امام صاحب یہ مکروہ تحریمی ہے یا غیر تحریمی، جائز ہے کہ ناجائز؟

المستفتی: سید افتخار احمد زیدی، چاند پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام سمیت تمام نمازی مسجد کے اندر ہوں، تو ایسی صورت میں سب کی نماز مکروہ ہوگی اور امام مذکور کی بات صحیح ہے اور اگر صرف دو ہی نمازی مسجد کے اندر ہوں باقی سب مسجد کے باہر ہوں تو مسجد کے اندر کھڑے ہونے والے دونوں نمازیوں کی نماز مکروہ ہوگی، بقیہ کی نماز مکروہ نہ ہوگی اور مسجد میں نماز جنازہ کو صاحب درمختار نے راجح قول کے مطابق مکروہ تحریمی نقل فرمایا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۷۵، امداد الفتاویٰ ۱/۲۲۷، فتاوی رشیدیہ قدیم ۴/۴۳۲، جدید زکریا ۴۰۷)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول اللّٰه عليه وسلم: من صلى علىٰ جنازة فى المسجد فلا شيئ عليه. (سنن أبی داؤد، الجنائز، باب الصلاة على الجنازة فى المسجد، النسخة الهنديه ۲/۴۵۴، دار السلام رقم: ۳۱۹۱)

وكرهت تحريمًا وقيل تنزيها فى مسجد جماعة هو أي الميت فيه وحده،

أو مع بعض القوم الخ. (درمختار) واختلف في الخارجة عن المسجد وحده، أو مع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقاً الخ. (در مختار، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ، مطلب في كراهة صلوٰۃ الجنازۃ في المسجد، زکریا ۱۲٦/۳، کراچی ۲۲۵/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۱۵ھ

مسجد کے حصہ میں نماز جنازہ

سوال [٦۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے قصبہ ہندوپور کی جامع مسجد ہے، جس کی بائیں جانب یعنی جنوب کی جانب ایک بڑا ہال بنا ہوا ہے، جس میں تقریباً چار سال سے چھت پڑ چکی ہے، چار سال قبل چھت نہیں تھی بروز جمعہ نماز جمعہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے لوگ اس حصہ میں بھی نماز ادا کرتے تھے، لوگوں نے دھوپ اور برسات کی غرض سے غالباً چھت کا اہتمام کیا ہوگا، اب بھی صرف نماز جمعہ اور رمضان کی دو نمازوں مغرب اور عشاء میں بھی اس حصہ میں نماز جماعت کے وقت لوگوں کی صفیں قائم کی جاتی ہیں، کیا اس حصہ میں نماز جنازہ پڑھی اور پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہاں تو کراہت کے ساتھ یا بنا کراہت کے، نیز کراہت بھی کون سی تحریمی یا تنزیہی؟

المستفتی: عبدالجبار، اننت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے سوال نامہ میں ذکر کردہ ہال مسجد سے خارج معلوم ہوتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں اس کے اندر نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے اور مسجد کے اندر نماز جنازہ بلا عذر مکروہ ہے؛ لہٰذا اگر ہال مسجد میں داخل ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۵۰۶، جدید ڈابھیل ۸/۶۹۱، امداد الفتاویٰ ۱/۳۰۷، فتاوی رشیدیہ ۴۳۳، جدید زکریا ۴۰۷، احسن الفتاویٰ ۴/۲۳۴)

عن أبي هريرة رضؓ، قال: قال رسول اللّٰه عليه وسلم: من صلى علىٰ جنازة فى المسجد فلا شيئ عليه. (سنن أبى داؤد، الجنائز، باب الصلاة على الجنازة فى المسجد، النسخة الهنديه ۲/۴۵٤، دار السلام رقم: ۳۱۹۱، سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء فى الصلوٰة على الجنازة فى المسجد، النسخة الهندية ۱/۱۰۹، دار السلام رقم: ۱۵۱۷، مسند احمد بن حنبل ۲/٤۵۵، رقم: ۹۸٦۵)

وصلوٰة الجنازة فى المسجد الذى تقام فيه الجماعة مكروه. (عالمگيرى، الباب الحادى و العشرون فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلوٰة على الميت، زكريا قديم ۱/۱٦۵، جديد ۱/۲۲٦، الفتاوىٰ التاتار خانيه، الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز، المتفرقات، زكريا ديوبند ۳/۸۷، رقم: ۳۷۸٦، در مختار مع الشامى، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فى كراهة صلوٰة الجنازة فى المسجد، زكريا ۳/۱۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۶۲)

خارج مسجد صحن میں نماز جنازہ ادا کرنا

سوال [۴۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کبیر ہے جس میں جماعت خانہ سے متصل اور کچھ جگہ ہے، جس پر چھت نہیں ہے، تو ایسی مسجد میں نماز جنازہ کہاں پڑھی جائے، اب تک جماعت خانہ سے متصل صحن میں نماز جنازہ ہوتی ہے، ایک مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ نماز جنازہ مسجد سے جتنی دور ہو اتنا اچھا ہے؛ لہٰذا صحن سے متصل جو کھلی جگہ ہے وہاں پڑھی جائے، متولی صاحب کا کہنا ہے کہ صحن میں

نماز صحیح ہے؛ کیونکہ تعمیر کے وقت ہی سے صحن کو جماعت خانہ سے باہر تسلیم کیا گیا ہے۔

المستفتی: محمد وسیم، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن مفتی صاحب نے کہا کہ نماز جنازہ مسجد سے جتنا دور ہو اتنا ہی اچھا ہے، وہ تقریباً صحیح ہے؛ اس لئے کہ نماز جنازہ خارج مسجد ہی میں ادا کرنا مسنون ہے اور اگر متولی صاحب کی یہ بات صحیح ہے کہ صحن مسجد حدود مسجد اور جماعت خانہ سے خارج ہے، تو اس میں بلا کراہت نماز جنازہ جائز ہے۔

إنما تکرہ فی المسجد بلا عذر فإن کان فلا. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ، کراچی ۲/ ۲۲۶، زکریا ۳/ ۱۲۹)

لا یکرہ إذا کان المیت خارج المسجد. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الجنازۃ، کراچی ۲/ ۲۲۵، زکریا ۳/ ۱۲۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۸/۱۴۲۸ھ

مسجد میں ہونے والی نماز جنازہ میں شرکت کرنے کا حکم

سوال [۳۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ مسجد میں ہو رہی ہے جو کہ مکروہ ہے، سوال یہ ہے کہ کیا دوسرے لوگ جو ابھی تک شریک جماعت نہیں ہوئے ہیں وہ مع کراہت جماعت میں شریک ہوں یا نہیں؛ نیز جو صف میں کھڑے ہو گئے ہیں، ان لوگوں کو کراہت کا علم ہونے پر وہاں سے نکل جانا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نور الحسن امینی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جن لوگوں کو خارج مسجد جگہ نہیں مل سکی ان کو بوجہ عذر مسجد میں ہی کھڑا ہو جانا چاہئے اور جو لوگ پہلے سے مسجد کی صفوں میں کھڑے ہو گئے ہیں ان کو وہاں سے نہیں نکلنا چاہئے؛ اس لئے کہ نماز جنازہ کی اہمیت ارتکاب کراہت سے فائق ہے؛ لہٰذا مسجد میں جماعت ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑ نا نہیں چاہئے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۷۶۷، ۱/۷۶۸، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ص:۴۳۳، جدید زکریا ص:۴۰۷)

واعلم أن ظاهر الحديث و كلامهم أنه لا أجر أصلاً لمن صلى عليها في المسجد، و لا يلزم منه عدم سقوط الفرض لعدم الملازمة بينهما. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زكريا ۳۲۸/۲، كوئٹه ۱۸۷/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۲۹ھ

مسجد کی توسیع کے وقت جنازہ گاہ کو مسجد کے اندر داخل کرنا

سوال [۳۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جمشید پور کی جامع مسجد میں نماز جنازہ کے لئے مسجد کے باہر خالی جگہ کا انتظام ہے، جہاں گرمی سردی برسات یعنی سبھی موسم میں نماز جنازہ ادا ہوتی ہے، مسجد کی توسیع کی آج کل بہت ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور توسیع کرنے کے لئے جنازہ کی نماز کی جگہ کو بھی مسجد میں شامل کرنا پڑ رہا ہے؛ لہٰذا عام رائے یہ ہو رہی ہے کہ جنازے کی نماز کے لئے مسجد کے پچھّم جانب امام کے محراب کے آگے مسجد کے باہر ایک کمرہ تعمیر کر دیا جائے، جس کا دروازہ مسجد کی پچھمی دیوار سے ہوگا، اس باہر کے کمرے میں ایک چھوٹی صف لگا کر مقتدیوں کے

ساتھ نماز جنازہ پڑھائیں اور اس کمرے کا دروازہ کھلا رہے اور باقی نمازی مسجد میں صف بندی کرلیں تو ایسی صورت میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جنازہ کی نماز میں بے قاعدگی سے صف بندی ہوتی ہے اور بہت سے مقتدی نوافل اور سنتوں میں مسجد میں مشغول رہتے ہیں، تو ایسی صورت میں امام صاحب فرض نماز کے بعد سنت اور نوافل سے قبل نماز جنازہ پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس طرح جو اوپر تحریر ہے کر دیا جائے تو امام صاحب فرض نماز کے بعد باہر جنازہ کے کمرے میں مع چند مقتدیوں کے نماز جنازہ ادا کریں تو مرحوم مسلمان کی نماز جنازہ احترام کے ساتھ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہاب الدین، جامع مسجد کمیٹی، جمشید پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کی توسیع کی سخت ضرورت ہے اور جس جگہ نماز پڑھی جاتی ہے وہ مسجد کی ملکیت ہے، تو ایسی صورت میں جنازہ کی مذکورہ جگہ توسیع مسجد کے اندر داخل کرلینا جائز اور درست ہے، پھر جب نماز جنازہ کے لئے حدود مسجد سے خارج کوئی وسیع جگہ نہیں ہے یا مجمع اتنا بڑا ہے اور کثیر تعداد میں ہے کہ نماز جنازہ کے لئے حدود مسجد سے خارج کوئی وسیع جگہ نہیں ہے یا مجمع اتنا بڑا اور کثیر تعداد میں ہے کہ نماز کے بعد سب نمازیوں کا مسجد سے منتقل ہو کر میدان اور کھلی جگہ جانے میں بڑا انتشار پیدا ہو سکتا ہو تو تنگی اور مجبوری کی وجہ سے مسجد کی محراب سے متصل خارج مسجد میں جنازہ رکھنے کے لئے جس نوعیت کا کمرہ بنانے کا ذکر ہے اس کی گنجائش ہے۔

نیز باضابطہ کمرہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ ایسی جگہ بنالینا کافی ہے، جس میں جنازہ رکھنے کے بعد امام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہو اور امام کے پیچھے چند افراد کے کھڑے ہونے کے لئے ایک صف کی جگہ ہو اور باقی نمازی اس صف سے متصل ہو کر تسلسل کے ساتھ مسجد کے اندر کھڑے ہو جائیں، تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن اگر آس پاس میں اتنی بڑی خالی جگہ یا میدان موجود ہے، جس میں آسانی کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، تو ایسی صورت

میں حدود مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے مذکورہ نظام قائم کرنا مکروہ ہوگا اور جولوگ حدود مسجد میں جماعت خانہ کے اندر کھڑے ہوں گے، عذر نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں کی نماز جنازہ مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۶۷۷)

إنما تكره في المسجد بلا عذرفإن كان فلا...... وإذا كان ما ذكرناه عذراً فلا كراهة أصلاً. (شامی، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، مطلب مهم إذا قال: إن شتمت فلانا في المسجد الخ، زكريا ۱۲۹/۳، كراچی ۲۲۶/۲)

ولو كانت الجنازة والإمام وبعض القوم خارج المسجد و باقي القوم في المسجد كما هو المعهود في جوامعنا لا يكره باتفاق أصحابنا. (مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، صلوة الجنائز، دار الكتب العلمية بيروت ۲۷۲/۱، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دار الكتاب ديوبند ۵۹۶)

جگہ کی تنگی کی صورت میں جانب قبلہ میں اوپر بیان کردہ صفات کے مطابق جنازہ کے لئے جگہ بنا کر نماز پڑھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، اس میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں مؤکدہ ہیں، جیسا کہ ظہر، مغرب اور عشاء ہے، جب ان نمازوں کے بعد نماز جنازہ پڑھنی ہو، تو سنتوں سے فراغت کے بعد نماز جنازہ ادا کرنا مسنون اور افضل ہے؛ تاکہ نماز جنازہ میں آسانی کے ساتھ مسبوق حضرات بھی شریک ہو جائیں، اور نماز جنازہ سے فراغت کے بعد سنت پڑھنے کے لئے جنازہ کو وہاں چھوڑ کر نہ رکھا جائے؛ بلکہ فوراً قبرستان کے لئے روانہ ہو جائیں۔

الفتویٰ على تأخير الجنازة عن السنة، وأقره المصنف كأنه إلحاق لها بالصلوٰة أي للسنة بالصلاة أي صلاة الفرض. (شامی، كتاب الصلوٰة، باب العيدين، مطلب الفقهاء قد يذكرون ما لا يوجد عادة، زكريا ۴۷/۳، كراچی ۱۶۷/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۷ھ

امام اور کچھ مقتدی مسجد سے باہر اور مابقیہ مسجد میں، تو کیا حکم ہے؟

سوال [۳۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی سہ نشین کے باہر جنازہ گاہ بنایا گیا ہے، سہ نشین اور جنازہ گاہ کے درمیان دروازہ لگایا گیا ہے، باہر جنازہ رکھا جاتا ہے، امام صاحب اور دو صفیں باہر رہتی ہیں جس میں بیس افراد ہوتے ہیں، باقی نمازی مسجد کے اندر جنازے کی نماز پڑھتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: نسیم احمد شیش گراں بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

ولو كانت الجنازة والإمام وبعض القوم خارج المسجد و باقي القوم في المسجد كما هو المعهود في جوا معنا لا يكره باتفاق أصحابنا.

(مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنائز، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۷۲، قديم ۱/ ۱۸٤، حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، باب أحكام الجنائز، دار الكتاب ديو بند ٥٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۵/ ۱۴۳۴ھ

اعتراض بر جواب مذکور

محترم ومکرم حضرت مفتی شبیر صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسجد میں جنازہ سے متعلق حضرت والا کا ایک فتویٰ موصول ہوا جس پر حضرت مفتی محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم کے دستخط بھی ہیں، اس میں دو سوال ہیں، ایک نماز جنازہ سے متعلق

اوردوسرا مسجد سے متصل زمین سے متعلق، مجھے پہلے سوال وجواب کے سلسلے میں عرض کرنا ہے، وہ فتویٰ یہ ہے۔الف ۱۲۰۱۸/۴۰۔

سوال [۳۸۴۱]: مسجد کی سہ نشین کے باہر جنازہ گاہ بنایا گیا ہے، سہ نشین اور جنازہ گاہ کے درمیان دروازہ لگایا گیا ہے، باہر جنازہ رکھا جاتا ہے، امام صاحب اور دو صفیں باہر رہتی ہیں، جس میں بیس افراد ہوتے ہیں، باقی نمازی مسجد کے اندر جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: نسیم احمد واہل محلّہ شیش گراں کرتپور، نجیب آباد بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

ولو كانت الجنازة والإمام وبعض القوم خارج المسجد و باقي القوم في المسجد كما هو المعهود في جوا معنا لا يكره بإتفاق أصحابنا.

(مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، دار الكتب العلمية بيروت ٢٧٢/١، قديم ١٨٤/١، عنايه مع فتح القدير، كوئٹه ٩٠/٢، زكريا ١٣٢/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۱۸/۱۰)	۱۴۳۴/۵/۱۸ھ

آپ کا یہ مذکورہ فتویٰ مندرجہ ذیل احادیث نبوی علیہ السلام، کتب فقہ اور آپ کی بھی گزشتہ تحقیق (جو ایضاح المسائل ص:۵۷ر میں ہے) کے خلاف معلوم ہو رہا ہے، برائے کرم ان کا مدلل جواب راجح قول کے ساتھ عنایت فرمائیں۔

عن أبي هريرة رضـ، قال: قال رسول الله عليه وسلم من صلى علىٰ جنازة فى المسجد فلا شيئ عليه. (رواه أبو داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، النسخة الهندية ٤٥٤/٢، مكتبة دار السلام رياض رقم: ٣١٩١، والإمام أحمد

فـي مسنـده، رقـم: ٩٧٢٨، وقـال الـمحشي: إسناده حسن، وابن ماجه، باب ماجاء في الصلاة على الجنائزة في المسجد،النسخة الهندية ١/٩ ١٠، دار السلام رياض رقم: ١٥١٧، وفي رواية مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، رقم: ١٢٠٩٧)

نـعـي الـنجاشي في اليوم الذى مات فيه وخرج إلى المصلى فصف بهم وكبر. (أخرجه البخاري، باب الصفوف على الجنازة ص:٢٥٦، مكتبة بيت الأفكار رقم: ١٣١٨، مسلم ٣٠٩/١، وفي در مختار مع الشامى ١٢٨/٣)

واختـلف فـي الـخــارجة مـن الـمسـجـد وحدهـأو مع بعض القوم. والمختار الكراهة مطلقًا خلاصة...... وهو الموافق لإطلاق حديث أبي داؤد: من صلى الخ. (البحر الرائق ٣٢٧/٢)

ولا فـى المسجد لحديث أبى داؤد مرفوعاً...... أطلقه فشمل الميت والـقوم فى المسجد، أو كان الإمام مع بعض القوم خارج المسجد، والقوم الباقون فى المسجد...... وهو المختار. (مراقى الفلاح مع الطحطاوى ٥٩٥)

وتكره الصلوٰة عـليـه في مسجد الجماعة......أو كان الميت خارجه أي الـمسـجد مع بعض القوم وكان بعض الناس فى المسجد أو عكسه ولو مـع الإمـام عـلى المختار. كما فى الفتاویٰ الصغریٰ: وعـلى هامش الهندية زكريا ١٦٥/١، جديد زكريا ٢٢٦/١.

صلوٰة الجنازة فى المسجد الذى فيه الجماعة مكروهة سواء...... كان الإمـام مـع بـعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون فى المسجد...... هو المختار، كذا في الخلاصة، خلاصة الفتاویٰ ٢٢٢/١.

صلوٰة الجنازة في المسجد الذى يقام فيه الجماعة مكروه سواء...... كـان الإمـام مـع بـعـض القوم خارج المسجد، والقوم الباقون فيالمسجد. وكذا في تبيين الحقائق ٥٨٠/١، وفي فتاویٰ النوازل ص:١٢١.

لا يـصـلـى الـجـنـازة فى مسجد يصلى فيه الجماعة عندنا للحديث

سواء كان الميت فيه أو خارجاً منه في ظاهر الرواية، وفي الحاشية عن أبي حنيفةؒ لاتصح الصلاة عليه. (النووي في شرح مسلم ١/٣١٣، وكذا في بذل المجهود ١٠/٢٧٢، وفي مجمع الأنهر ١/٢٧٢)

وتكره في مسجد جماعة وإن كان الميت خارجه أي المسجد، وقام الإمام خارج المسجد ومعه صف، والباقي في المسجد كذا في أكثر الكتب.

فتاویٰ رشیدیہ ص:۴۳۳/ پر نماز جنازہ کو مسجد میں پڑھنا ہر حال میں مکروہ لکھا ہے، امداد الفتاویٰ ۱/۶۶۷، پر بالکل اسی جیسے سوال کے جواب میں لکھا ہے۔ **مکروه علی الأرجح كما في الشامي،** مگر صرف ان ہی کی جو مسجد میں ہیں۔

احسن الفتاوی ۴/۱۹۳/ پر ہے: بلا عذر مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر؛ البتہ اگر نماز کے لئے کوئی دوسری جگہ نہ ہو تو عذر کی وجہ سے مسجد میں کراہت نہیں۔ ردالمختار ج:۱، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۳۸۰، پر بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

کفایت المفتی ۴/۱۰۷/ پر ہے جنازہ خارج مسجد ہو اور نمازی بھی بعض مسجد میں ہوں، تو یہ صورت مختلف فیہ ہے، راجح یہ ہے جو لوگ مسجد میں ہیں ان کی نماز مکروہ ہے، اگر بعذر ہو تو کوئی صورت بھی مکروہ نہیں۔

فتاوی دارالعلوم ۵/۳۰۴/ پر ہے مسجد میں نماز جنازہ اس طرح کہ نعش باہر ہو، کے تحت لکھا ہے کہ صحیح ومختار یہ ہے کہ اس سے کراہت مرتفع نہیں ہوتی۔ **کما فی الدر المختار.**

اور آپ نے بھی ایضاح المسائل ص:۵۷ پر لکھا ہے کہ اگر میت اور امام اور کچھ مقتدی مسجد سے باہر ہوں اور کچھ مقتدی مسجد کے اندر ہوں تو جو لوگ مسجد کے اندر ہیں تو ان کی نماز مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۶۶۷، فتاویٰ رشیدیہ ص:۴۳۳، درمختار کراچی ۲/۲۲۵)

لیکن فتوی میں آپ نے سب لوگوں کی نماز کو بلا کراہت درست قرار دے دیا اس کی کیا وجہ ہوئی؟ کیا آپ کی تحقیق اب بدل گئی؟ اور کیا آپ نے پہلے قول سے رجوع کر لیا؟

آپ نے فتوی میں جو عبارت پیش کی ہے، اس سلسلے میں علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

قلت: بل ذكر فى غاية البيان والعناية أنه لا كراهة فيها بالاتفاق؛ لكن رده في البحر وأجاب في النهر بحمل الاتفاق على عدم الكراهة فى حق من كان خارج المسجد وما مرفي حق من كان داخله. (رد المختار ١٢٧/٣، مطبع زكريا)

اور شیخ زین الدین ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

فما فى غاية البيان والعناية من أن الميت وبعض القوم إذا كانا خارج المسجد والباقون فيه لا كراهة اتفاقاً ممنوع......وما اختارو كما نقلناه لم يوافق واحدًا من الاحتمالات الثلاثة؛ لأنهم قالوا بالكراهة إذ وجد أحدهما فى المسجد المصلى أو الميت كما قال فى المجتبى: وتكره سواء كان الميت والقوم في المسجد أو أحدهما، ولعل وجهه أنه لما لم يكن دليل على واحد من الاحتمالات بعينه قالوا بالكراهة بوجود أحدهما أيا كان.

(البحر الرائق زكريا ٣٢٧/٢)

جس مسجد کے سلسلے میں سائل نے سوال کیا ہے اس مسجد کے سامنے مدرسہ کا میدان ہے اور مسجد کے بائیں جانب کافی زمین خالی پڑی ہے جس زمین کے متعلق سائل نے سوال دوم میں ذکر بھی کیا ہے۔

احادیث اور شروحات احادیث میں اس کی وضاحت بھی ملتی ہے کہ دور نبوی میں مسجد سے باہر نماز جنازہ کی مستقل جگہ مقرر تھی اور حضور اکرم ﷺ کی دائمی عادت شریفہ بھی مسجد سے باہر نماز جنازہ پڑھنے کی تھی۔ (بخاری شریف ١٧٧/١، رقم: ١٣١٤، مسلم شریف ٣١٣/١، مرقاۃ ٣٤٣/٣، فتح الباری ٥٥٨/٣)

لیکن اس دور میں مستقل جنازہ گاہ کے نام سے کوئی جگہ کیوں مقرر نہیں کی جاتی اور یہ سنت کیوں فوت ہوگئی؟ اور علماء کرام و مفتیان عظام اس کی ترغیب اپنے بیانات وتحریرات میں

کیوں نہیں دیتے ؟ جیسے شہروں اور قصبوں میں عید گاہ کا اہتمام ہوتا ہے، اسی طرح مستقل جنازہ گاہ کا بھی اہتمام ہمیں کرنا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقادر کرتپوری قاسمی، خادم دارالافتاء، اسعدالعلوم چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایضاح المسائل میں جو لکھا گیا ہے، یہ اس صورت میں ہے؛ جبکہ مسجد کے باہر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کوئی جگہ موجود ہو، اس کے باوجود مسجد میں نماز جنازہ اس طریقہ سے پڑھی جارہی ہے، اور اس کے متعلق حوالہ ایضاح المسائل میں اپنی جگہ موجود ہے اور ۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ میں جو فتوی لکھا گیا تھا، وہ اس صورت میں ہے؛ جبکہ مسجد سے ہٹ کر کے اتنی بڑی کوئی جگہ موجود نہ ہو، جس میں نماز جنازہ آسانی کے ساتھ سب لوگ پڑھ سکیں، تو ایسی تنگی کی صورت میں اس فتوی میں لکھی ہوئی شکل بلا کراہت درست ہے اور اس کے ذیل میں جو عربی عبارت لکھی گئی ہے، اس میں اس بات کی صراحت موجود ہے، تو معلوم ہوگیا کہ ایضاح المسائل اور بعد میں لکھے ہوئے فتوی میں کوئی تعارض نہیں ہے اور فتوی کے سوال نامہ میں ایسی وضاحت نہیں ہے، جو آں جناب نے اس وقت کی تحریر میں صاف لکھا ہے، مسجد سے متصل مدرسہ کا میدان پڑا ہوا ہے، جس میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے، ایسی صاف وضاحت کے ساتھ ۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ کا سوال نامہ نہیں ہے؛ لہٰذا آں جناب نے اس وقت جو وضاحت کی ہے، اس اعتبار سے فتنہ اور اختلاف نہ ہوتا ہو اور اگر فتنہ، اختلاف اور رکاوٹ ہے، تو پھر مسجد میں مذکورہ طریقے سے نماز جنازہ پڑھنا بلا کراہت درست ہوجائے گا۔ اب وہاں کیا صورت حال ہے، آں جناب خود اس کا جائزہ لے لیں تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ آں جناب ایک عالم دین اور مفتی بھی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۹ھ

نماز جنازہ میں کچھ مقتدیوں کا اندرون مسجد کھڑا ہونا

سوال [۳۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس مسجد کے حدود مسجد سے باہر ایک جگہ ہے، جس میں نماز جنازہ پڑھی جائے گی، وہاں پر جنازہ بھی رکھا جائے گا، امام بھی کھڑا ہوگا اور کچھ مقتدی بھی کھڑے ہوں گے؛ لیکن جب تعداد زیادہ ہوجائے گی تو کچھ لوگ حدود مسجد میں بھی کھڑے ہوں گے، اب یہاں سوال یہ ہے کہ جولوگ حدود مسجد میں کھڑے ہوں گے، ان کی نماز میں خرابی تو نہیں آئے گی، اگر خرابی آئے گی تو کون سی خرابی ہوگی؟ واضح رہے کہ نماز جنازہ کے لئے قرب و جوار میں اور کوئی جگہ بھی سرکاری سڑک کے علاوہ نہیں ہے۔

المستفتی: الحاج سید ولی الدین (ریٹائرریلوے ڈرائیور) محلّہ کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب جنازہ امام اور کچھ مقتدی خارج مسجد میں اور کچھ دوسرے مقتدی حدود مسجد میں کھڑے ہوکر نماز جنازہ میں شرکت کرتے ہیں، تو جولوگ حدود مسجد کے اندر کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں، ان کے بارے میں فقہاء کی عبارات دوطرح کی ہیں۔

(۱) وہ عبارت جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حدود مسجد کے اندر کھڑے ہونے والے کی نماز بلاکراہت درست ہوجائے گی، جیسا کہ شرح کبیری کی عبارت ہے۔

ولو وضعت خارج المسجد، والإمام، وبعض القوم معها، والباقي في المسجد، والصفوف متصلة لا يكره. (شرح كبيري، كتاب الصلاة، فصل في الجنازة، نسخه قديم ٥٤٦، مكتبه، اشرفية ديوبند ٥٨٩)

(۲) اور فقہاء کی بعض عبارتیں ایسی ہیں، جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جولوگ حدود مسجد کے اندر کھڑے ہیں، ان کی نماز مکروہ ہوگی جیسا کہ خلاصہ کے حوالے سے فتح القدیر وغیرہ میں منقول ہے۔

في الخلاصة: مكروه سواء كان الميت والقوم في المسجد، أو كان الميت خارج المسجد، والقوم في المسجد، أو كان الإمام مع بعض القوم خارج المسجد، والقوم الباقون في المسجد، أو الميت في المسجد، والإمام، والقوم خارج المسجد، وهو المختار. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة بيروت ٢/١٢٨، زكريا ٢/١٣٣، كوئٹه٢/٩٠)

اب فقہاء کی دونوں طرح کی عبارات میں مطابقت کے ساتھ عمل کی یہی صورت ہوگی کہ اگر مسجد کے علاوہ محلّہ اور اطراف یا قبرستان میں یا وسیع سڑک اور میدان میں نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، تو ایسی صورت میں مسجد کے اندر اس طریقے سے نماز جنازہ پڑھی جائے، تو مکروہ ہوگی اور اگر نماز جنازہ کے لئے نہ قبرستان میں جگہ ہے اور نہ محلے کے اطراف میں کوئی میدان ہے اور نہ ہی وسیع سڑک ہے اور نہ کوئی ایسا پھاٹک ہے، جس میں نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہو یا نماز جنازہ کے لئے جگہ موجود ہو؛ لیکن بارش ہورہی ہو، تو اس طرح کی ضرورت اور تنگی کی صورت میں مسجد کے اندر مذکورہ طریقے سے نماز جنازہ پڑھی جائے، تو ایسی صورت میں بلا کراہت نماز جنازہ درست ہے اور جو لوگ حدود مسجد میں کھڑے ہوں، ان کی نماز جنازہ بھی بلا کراہت درست ہوجائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۷۸٦۷)	۱۴۲۳/۱۲/۳۰ھ

مسجد میں نماز جنازہ جبکہ امام اور کچھ مقتدی خارج مسجد ہوں

سوال [۳۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پنجوقتہ نماز با جماعت والی مسجد ہے اور وہ جامع مسجد بھی ہے، جگہ کی تنگی اور نمازیوں کی کثرت ہے، اگر نماز جنازہ اس طرح پڑھی جائے کہ میت اور امام اور کچھ لوگ تقریباً دو صف مسجد سے آگے متصلاً خارج مسجد ہوں اور باقی نماز جنازہ پڑھنے والے

نمازیوں کی بڑی تعداد مسجد کے اندر ہو، تو کیا اس طرح نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟ جبکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں خاص طور پر اس جگہ بہت سی سماجی اور مسلکی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور یہاں کا اکثر معمول بھی یہی ہے کہ لوگ جنازہ کو کسی نہ کسی نماز باجماعت کے بعد ہی لاتے اور پڑھتے ہیں۔

المستفتی: انجمن اسلامیہ کمیٹی، جامع مسجد گاندھی نگر، بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خارج مسجد نماز جنازہ کے لئے اتنی بڑی جگہ میسر نہیں ہے، جس میں جنازہ کی نماز صحیح طور پر ادا کی جاسکے، تو ایسی تنگی کی صورت میں اس بات کی گنجائش ہے کہ جنازہ کو باہر رکھا جائے اور امام اور کچھ لوگ مسجد سے باہر کھڑے ہو جائیں اور بڑا مجمع مسجد کے اندر ہو؛ لیکن بعض فقہاء نے ایسی صورت میں مسجد کے اندر کے لوگوں کی نماز کو مکروہ تنزیہی کہا ہے اور مسجد کے باہر کے لوگوں کی نماز کو بلا کراہت درست کہا ہے اور مجبوری کی حالت میں یہی قول راجح ہے کہ سب کی نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی اور جو مجبوری سائل نے سوال نامہ میں درج کی ہے، تو ایسی مجبوری کی صورت میں انشاء اللہ سب کی نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی۔

واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقاً. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچي ۲/۲۲۵، زکریا ۳/۱۲۶)

وإن كانت الجنازة والإمام، وبعض القوم خارج المسجد والباقي فيه لم تكره بالاتفاق. (عناية مع فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة بيروت ۲/۱۲۸، زکریا ۲/۱۳۲، کوئٹہ ۲/۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۲۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۴؍۱۴۲۸ھ

جنازہ مسجد سے باہر ہو اور امام ومقتدی سب اندر ہوں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۴۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ جبکہ جنازہ خارج مسجد ہو اور نمازی وامام داخل مسجد ہو؟ مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد فضل اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاضرورت اور مجبوری کے مسجد میں اس طرح نماز جنازہ پڑھنا کہ جنازہ مسجد کے باہر ہو، امام اور تمام نمازی داخل مسجد ہوں تو سب کی نماز مکروہ ہوگی۔
(مستفاد: ایضاح المسائل ۷۵، امداد الفتاوی ۶۶۷/۱، فتاوی رشیدیہ ۴۳۳)

إن الميت إذا وضع خارج المسجد لعذر، والقوم كلهم في المسجد ...... لايكره ولو كان من غير عذر اختلف المشايخ فيه بناء على اختلافهم أن الكراهية لأجل التلويث؛ أو لأن المسجد بني لأداء المكتوبات لا لصلوة الجنازة.
(تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ٥٨٠/١، امداديه ملتان ٢٤٣/١)

واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقاً بناء على أن المسجد إنما بني للمكتوبة. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا٣/١٢٦، كراچي ٢/٢٢٥، خلاصة الفتاوى، كوئٹه ١/٢٢٢)

لو كانت الجنازة وحدها خارج المسجد، والإمام، والقوم في المسجد قيل: يكره؛ لأن المسجد لِأداء المكتوبات، فلا يقام فيه غيرها إلا لعذر. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، دارالكتب العلمية بيروت ٢٧٢/١، قديم ١٨٥/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۵۴/۴۰)

نماز جنازہ میں امام کے ساتھ کچھ مقتدی مسجد سے باہر اور کچھ اندر رہوں

سوال [۳۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھی گئی اور میت خارج مسجد دائیں بائیں رکھی ہوئی تھی، تو کیا اس صورت میں نماز ہ جناز ہ ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو جس امام نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے متعلق کیا مسئلہ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد یامین، فرید نگر، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جنازہ، امام اور کچھ مقتدی مسجد سے خارج ہوں اور صفوف بھی متصل ہوں، تو بلا کراہت نماز درست ہوجائے گی۔

ولو وضعت خارج المسجد، والإمام، وبعض القوم معها، والباقي في المسجد، والصفوف متصلة لايكره (إلى قوله) وإلى عدمها مال في المبسوط، وفي المحيط: وعليه العمل وهوالمختار الخ (غنية المستملي شرح منية المصلي، فصل في الجنائز، مكتبه رحيمية ديوبند، قديم ٥٤٦، اشرفية ديو بند ٥٨٩، صغيري، مكتبه مجتبائى دهلي ٢٩١)

أما إذا عللنا بخوف تلويث المسجد فلا يكره إذا كان الميت خارج المسجد وحده أو مع بعض القوم. قال في شرح المنية: وإليه مال في المبسوط والمحيط، وعليه العمل وهو المختار. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا٣/١٢٦، كراچي ٢/٢٢٥)

وإن كان الإمام مع بعض القوم والجنازة خارج المسجد، وما بقي في المسجد ذكر نجم الأئمة النسفي في فتاواه: أ ن الصلاة غير مكروهة بالاتفاق. (المحيط البرهاني، كتاب الكراهة والإستحسان، الفصل الرابع، الصلاة والتسبيح وتلاوة القرآن والذكر، المجلس العلمي ٧/٥٠٤، رقم:٩٤١٨)

اوراگر جنازہ خارج مسجد ہےاورامام ومقتدی سب داخل مسجد ہیں، یا بعض مقتدی باہر ہیں او ربعض مسجد یا صفوف متصل میں ہیں،تو نماز کراہت کے ساتھ ادا ہوگی۔

واختلف في الخارجة عن المسجد وحده، أو مع بعض القوم والمختار الكراهة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ٣/١٢٦، كراچي ٢/٢٢٥، مصري نعمانية ١/٦٥٣، وهكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، امداديه ملتان ١/٢٤٣، زكريا ديوبند ١/٥٨٠، أحسن الفتاوى ٤/١٨٣، امداد الفتاوى ١/٧٦٦)

ایسی صورت میں مذکورہ امام کو نہ فاسق کہا جائے گا اور نہ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۵۵۵)

عیدگاہ میں نماز جنازہ

سوال [۳۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے قصبہ میں قبرستان کے ایک کونے میں عیدگاہ بنائی گئی ہےاورعیدگاہ میں نماز جنازہ ہمیشہ سے پڑھتے آئے ہیں،تقریباً پانچ سال قبل عیدگاہ کے بازو میں ایک ہال بنایا گیا ہے؛لیکن نماز جنازہ پڑھنے کے لئے یہ ہال چھوٹا پڑتا ہےاور دوسری جگہ بھی نہیں ہے، اگر عید گاہ میں نماز جنازہ پڑھی جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟

المستفتی: شبیراحمد قاسمی،خادم مدرسہ اشرف العلوم (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ ہر پہلو سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ بعض پہلو سے مسجد کے حکم میں ہے؛لہٰذا عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔

لاتكره صلوٰة الجنازة في مسجد أعدلها، و كذا في مدرسة ومصلى عيد؛ لأنـه ليس لها حكم المسجد في الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ٥٩٥، قديم ٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۷ ۷۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۲۵ھ

عیدگاہ میں نماز جنازہ اور چپل پہن کر چلنے کا حکم

سوال [۳۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مقامات پر نماز جنازہ عیدگاہ میں ہوتی ہے، عیدگاہ کے بارے میں بھی تحریر فرمائیں کہ عیدگاہ میں جوتے وغیرہ پہن کر جاسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: خلیل احمد، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: نماز کی حالت میں عیدگاہ کا حکم مسجد کی طرح ہے اور نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں اس کا حکم ایک میدان کے مانند ہے، اس میں جوتے چپل پہن کر جانا یا حائضہ اور نفساء عورتوں کا داخل ہونا سب جائز ہے؛ البتہ عید کی نماز وغیرہ کے موقع پر جوتے چپل پہن کر عیدگاہ میں داخل ہونا بے ادبی ہے، جس طرح مسجد میں اس کو پہن کر داخل ہونا بے ادبی ہے؛ اس لئے اس طرح عیدگاہ میں جانے سے احتراز کرنا چاہئے۔

واما المتخذ لصلوة جنازة أو عيد، فهو مسجد في حق جواز الاقتداء لا في حق غيره فحل دخوله لجنب حائض كفناء المسجد ورباط ومدرسة. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، كراچي ٦٥٧/١، زكريا٢/ ٤٣٠)

واختلفوا أيضاً في مصلى العيدين، أنه هل هو مسجد؟ والصحيح أنه مسجد في حق جواز الإقتداء، وإن لم تتصل الصفوف،

لأنه أعد للصلاة حقيقة لا في حرمة دخول الجنب والحائض.

(البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زكريا ۲/۳۲۸، كوئٹه ۲/۱۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۰۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۲۸ھ

قبرستان میں نماز جنازہ

سوال [۳۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے اندر جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور جگہ کی مجبوری کی وجہ سے قبرستان میں پڑھنا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالستار، مدرسہ اسلامیہ فیض العلوم، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان کے اندر کوئی خالی جگہ ہو، جس میں کوئی قبر نہ ہو، تو اس میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے اور اگر خالی جگہ میں کچھ قبریں بھی ہوں، تو نماز جنازہ کے وقت سامنے کوئی قبر نہ ہو تب بھی بلا کراہت جائز ہے اور اگر سامنے کوئی قبر ہو اور اس جگہ کے علاوہ نماز جنازہ کے لئے دوسری جگہ بھی نہ ہو، تو اس قبر کے سامنے کسی چیز کی آڑ کر دی جائے تب بھی بلا کراہت نماز جنازہ صحیح ہو جائے گی اور اگر آڑ پیدا کرنے کی بھی کوئی شکل نہیں ہے، تو مجبوری کے تحت آس پاس میں آمنے سامنے قبریں ہونے کے باوجود نماز جنازہ درست ہو جاتی ہے اور بلا عذر مکروہ ہے۔

قال أبو حنيفة: لاينبغي أن يصلى على ميت بين القبور –إلى– ثم محل الكراهة إذا لم يكن عذراً، فإن كان فلا كراهة اتفاقاً. (حاشية الطحطاوي

على المراقي الفلاح، كتاب الصلاة، با ب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ٥٩٥، قديم ٣٢٦،
بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، سنن الدفن، زكريا ٦٥/٢، كراچي ٣٢٠/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۴۷۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱ھ

قبرستان کی خالی جگہ میں نماز جنازہ

سوال [۴۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضلع پورنیہ میں ہندو مسلم کی پارس منی نام کی ایک بستی ہے، یہاں کا قبرستان تقریباً ۹ر بیگھہ زمین میں واقع ہے، قبرستان کی چوطرفہ آراضی غیر مسلموں کی ہے، نماز جنازہ کے لئے ہمیشہ پریشانی رہتی ہے، کسی غیر متعین جگہ میں غیر مسلم کی جگہ پر نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، خرید کے لئے بھی کوئی جگہ موقع کی ملتی نہیں ہے اور ادھر قبرستان کے حدود میں پچھّم اور دکھن جانب سے اسی جگہ تقریباً ۴ر کٹھا خالی ہے نہ تو کوئی قبر ہے اور نہ ہی ہم لوگوں نے اپنی عمر میں کسی کو دفن کیا ہے اور نہ ہی کرتے دیکھا ہے، اس صورت میں اگر جنازہ کی نماز کے لئے ضرورت کے مطابق کچھ حصہ کو مقرر کرلیا جائے اور قبلہ کی جانب سے نشان کے لئے دیوار وغیرہ قائم کرلی جائے تو از روئے شریعت کیسا ہے؟

المستفتی: اہلیان پارس منی، پورنیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں مذکور قبرستان کی خالی جگہ میں نماز جنازہ پڑھنا بلاکراہت جائز ہے، مگر اس کو دیوار وغیرہ قائم کرکے اس طرح سے متعین کرلینا کہ یہ قبرستان سے الگ جنازے کے لئے متعین جگہ سمجھی جانے لگے اور اس جگہ مردے دفن کرنے کی ضرورت کے وقت وہ جگہ مانع بن جائے یہ جائز نہیں؛ ہاں البتہ اگر سامنے قبریں

ہوں تو میت کی چارپائی کی لمبائی کے برابر دیوار قائم کردینا کافی ہے، مقتدیوں کی صفوں کے برابر پوری سمت قبلہ میں دیوار بنانے کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ٩/١٠٥، ١٠٦، امداد الفتاوی ١/٧٣٣)

وعن أبي حنيفة رحمه الله **أنه قال: لاينبغي أن يصلى على ميت بين القبور، وإن صلى أجزأهم.** (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، كتاب الجائز، المجلس العلمي ٣/٩٤، رقم: ٢٤٨٥، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، كتاب الجنائز، القبر الدفن، زكريا ٣/٧٣، رقم: ٣٧٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٤/ جمادی الاول ١٤٢٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٤/ ٦١٤٢)

قبرستان کی خالی جگہ پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال [٣٨٥٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان کافی بڑا ہے، اس کے ایک حصہ میں ابھی مردیت دفین نہیں ہیں، تو قبرستان کی اس خالی جگہ پر نماز جنازہ پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز قبرستان میں نماز پڑھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

المستفتی: محمد تعظیم قاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان کی وہ خالی جگہ جس میں تدفین شروع نہیں ہوئی، اس میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جائز اور درست ہے، ہاں البتہ نماز پنج گانہ قبرستان میں اگر پڑھنا ہے تو اس جگہ پڑھنا جائز ہے جہاں نماز پڑھنے میں سامنے کوئی قبر نہ ہو، ورنہ مکروہ ہوگی۔

عن أبي مرثد الغنوي رضي الله عنه**، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تجلسوا**

علـى القبور، ولا تصلوا إليها. (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهى عن الجلوس على القبر، والصلاة عليه، النسخة الهندية ۱/۳۱۲، بيت الأفكار رقم: ۹۷۲، سنن الترمذي، ابواب الجنائز، باب ماجاء في كراهة الوطي على القبور والجلوس عليها، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۰، صحيح ابن خزيمة المكتب الإسلامي ۱/۴۰۸، رقم: ۷۹۳)

أو كان في المقبرة موضع أعد للصلوة، ولاقبر ولا نجاسة فيه، فلابأس كما في الخانية–إلى قوله– وفي القهستاني: لاتكره الصلوة في جهة قبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلوة الخاشعين وقع بصره عليه كما في جنائز المضمرات. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره، قبيل مطلب في أحكام المسجد، زكريا ۲/۴۲۵، كراچي ۱/۶۵۴، حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات اشرفي ۳۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ /۹۴۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

قبرستان میں دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا

سوال [۳۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بار نماز جنازہ با جماعت ہو جانے کے بعد جبکہ جنازہ دفن ہو چکا؛ لیکن لوگ ابھی قبر کے پاس موجود ہیں، کیا دوبارہ قبرستان ہی کی حدود میں قبر سے ہٹ کر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر الدین، مونگیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب با قاعدہ نماز جنازہ کے بعد دفن کیا جا چکا ہے، تو پھر اس

کے بعد دوبارہ قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا حدیث وفقہ اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے۔

ولایصلی علی میت إلا مرة واحدةً. (الفتاوی التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الجنائز، المتفرقات، زكريا ٣/ ٨٥، رقم: ٣٧٨٠، هندية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، زكريا قديم ١/ ١٦٥، جديد ١/ ٢٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨/ ذی قعدہ ١٤١٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣١/ ٤٢١٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٨/ ١١/ ١٤١٥ھ

عیدگاہ یا صحن مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا

سوال [٣٨٥٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ٹانڈہ بادلی کی عیدگاہ قبرستان کے بیچ واقع ہے، عیدگاہ کی چہار دیواری ہے، نماز جنازہ عیدگاہ میں ہوتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز جنازہ عیدگاہ میں پڑھنے میں کوئی کراہت تو نہیں؟

(٢) ٹانڈہ کی جامع مسجد کی سہ دری میں نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، اس طرح پر کہ جنازہ اور امام اور کچھ مقتدی سہ دری میں ہوتے ہیں اور اکثر مقتدی مسجد کے صحن میں ہوتے ہیں، صحن والے مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مولانا جلیس احمد، محلّہ نیب ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ٤٢/٣، جدید زکریا ١٨٦/٣، جدید زکریا مطول ٣٩١/٥، فتاوی محمودیہ قدیم ٢٩١/١٤، جدید ڈابھیل ٧٠٥/٩، احسن الفتاوی ٢١٦/٤)

لأنها لا تكره في مسجد أعدلها، وكذا في مدرسة ومصلي عيد؛ لأنه ليس لها حكم المسجد في الأصح إلا في جواز الاقتداء. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دار الكتاب ديوبند ٥٩٥، قديم ٣٤٧)

(٢) صحن مسجد چونکہ حدود مسجد میں داخل ہے؛ اس لئے ان کی نماز مکروہ اور خلاف سنت ہوگی۔

(مستفاد: امدادالفتاوی، زکریا ۱/۶۶۷، فتاوی رشیدیہ ۴۳۳، جدید زکریا ۴۰۷، ایضاح المسائل ص: ۷۵)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيئ عليه. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الجنازة في المسجد، النسخة الهندية ٢/٤٥٤، دارالسلام رقم: ٣١٩١)

وكرهت تحريمًا وقيل تنزيهًا في مسجد جماعة، هو أي الميت فيه وحده، أو مع القوم. (در مختارمع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في كراهة صلوة الجنازة في المسجد، كراچي ٢/٢٢٥، زكريا ٣/١٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۳۴۴)	۱۴۱۶/۲/۲۰ھ

جوتے پہن کر نماز جنازہ پڑھنا

سوال [۳۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ کے وقت کچھ لوگ اپنے جوتے اتار لیتے ہیں، کچھ لوگ اپنے جوتے اتار کر پیر ان پر رکھ لیتے ہیں، کچھ جوتے چپل اتار کر نماز پڑھتے ہیں، کچھ لوگ جوتے چپل پہنے ہوئے ہی نماز پڑھ لیتے ہیں، اس نماز کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: مظہر حیات، رحمت نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر نماز جنازہ صاف ستھری ایسی پاک زمین پر ہو رہی

ہو، جس میں کسی قسم کی نجاست اورگندگی کا اندیشہ نہیں ہے، ہرطرح کی گندگیوں سے پاک ہے،تو ایسی زمین پر جوتا اتار کرزمین پر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا بہتر ہے،جیسا کہ مسجداور مدرسہ وغیرہ کے فرش اور اگرنماز جنازہ عام سڑک پر ہورہی ہے، جس میں جانوروں کی نجاست،پیشاب اورخشک گوبر کے ذرات وغیرہ ہر چیز کا اندیشہ ہے،تو اس میں بہتر شکل یہی ہے کہ جوتا اتارکر جوتے کے اوپر پیر رکھ کرکھڑا ہوجائے،اگرچہ جوتے کے نیچے نجاست لگی ہو تب بھی اس طرح نماز جنازہ پڑھنے میں کسی قسم کی خرابی نہیں اور سڑکوں پر نماز جنازہ پڑھنے میں یہی شکل اختیار کرنی چاہئے؛اس لئے کہ سڑک کی زمین کا اعتبار نہیں ہے اور اگر جوتا اتارا نہ جائے؛ بلکہ پہننے کی حالت میں نماز جنازہ پڑھی جائے،تو اس کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) جوتے کے نیچے کسی قسم کی نجاست لگی ہوئی نہیں ہے،تو نماز درست ہوجاتی ہے۔

(۲) جوتے کے نیچے نجاست لگی ہوئی ہو،تو ایسی صورت میں جوتا پہننے کی حالت میں نماز جنازہ درست نہیں ہے اور پیر سے اتارکر جوتے کے اوپر پیر رکھنا پہننا نہیں ہے؛اس لئے جس جوتے کے نیچے ناپاکی ہو،اس کے اوپر پاک حصہ پر پیر رکھ کر نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔

(مستفاد:امداد الاحکام ۲/۴۴۶)

ولو قام على النجاسة وفي رجليه نعلان أو جوربان لم تجز صلاته. كذا في المحيط السرخسي، ولو خلع نعليه وقام عليهما جاز سواء كان ما يلي الأرض منه نجسًا أو طاهراً إذا كان ما يلي القدم طاهراً. (عالمگيري، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الثاني في طهارة ما يستربه العورة وغيره، زكريا قديم ۱/۶۲، جديد ۱/۱۱۹، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ۵۸۲، قديم ۳۱۹، الفتاوى التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في الفرائض، زكريا ۲/۳۱، رقم: ۱۵۹٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۲۱ھ

سڑک پر نماز جنازہ

سوال[۴۴۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ پیرغیب زیارت والی مسجد میں اندر جنازہ لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جنازہ کی نماز سڑک پر ہوتی ہے، تو آنے جانے والوں کو پریشانی ہوگی۔

(۲) مسجد کے پیش طاق پر پشت میں درگاہ سلطان صاحب کا صحن ہے، جنازہ اس صحن میں رکھ کر پیش طاق کی کھڑکی کھول کر امام صاحب اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر کیا جنازہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: متولی پرویز نبی خاں، سلطان صاحب والی مسجد، پیرغیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جنازہ کی نماز میں ۵؍منٹ سے زائد نہیں لگتے، اتنی دیر ایک مسلمان کی نماز جنازہ کے لئے آمد و رفت ملتوی کرنے میں کوئی پریشانی نہیں، کیا تقریبات وغیرہ کے لئے سڑکوں پر خیمہ وغیرہ سے چار چار پانچ گھنٹے تک آمد ورفت پر روک لگانے پر اشکال کیا جاتا ہے؟ لہٰذا یہ عذر معقول نہیں، نماز جنازہ مسجد میں ایسی صورت میں مکروہ رہے گی۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على جنازة في المسجد فلا شيئ عليه. الحديث (ابو داؤد، كتاب الجنائز، باب الصلوة على الجنائزة في المسجد، النسخة الهندية ٢/ ٤٥٤، دارالسلام رقم: ٣١٩١، مسند أحمد بن حنبل ٢/ ٤٥٥، رقم: ٩٨٦٥)

(۲) ایسی صورت میں صحن میں کھڑے ہونے والوں کی نماز بلا کراہت اور مسجد میں کھڑے ہونے والوں کی کراہت کے ساتھ نماز ہو جائے گی اور یہاں سب مسجد میں ہوں گے؛ لہٰذا سب کی مکروہ ہوگی۔

فشمل ما إذا كان الميت والقوم في المسجد أو كان الإمام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون في المسجد، أو الميت في المسجد والإمام والقوم خارج المسجد هو المختار (إلى قوله) هذا الإطلاق في الكراهة بناء على أن المسجد إنما بنى للصلوة المكتوبة وتوابعها من النوافل. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زكريا ۳۲۷/۲، كوئٹه ۱۸٦/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۵۴۸/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۲ھ

سڑکوں پر نماز جنازہ پڑھنا

سوال [۳۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کثرت جماعت کی وجہ سے کبھی نماز جنازہ مسجد کے باہر ایسی سڑک پر پڑھی جاتی ہے جہاں عموماً گائے، بیل وغیرہ جانوروں کا گذر ہوتا رہتا ہے؛ لہٰذا بعض لوگ جوتے پہن کر، بعض لوگ جوتے اتار کر ان پر کھڑے ہوکر اور بعض لوگ بغیر جوتوں کے ایسے ہی زمین پر کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھتے ہیں، ان تینوں میں کون سا عمل صحیح اور کون سا غلط ہے؟ اگر سب صحیح ہیں تو کون سی صورت افضل ہے؟

المستفتی: محمد جنید، پلپڑی، متعلم مدرسہ مفتاح العلوم، میل وشارم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب سڑکوں پر گوبر اور گندگیاں ہوتی ہیں، تو ایسی سڑک پر ننگے پیر نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے؛ اس لئے کہ سڑک اگرچہ خشک بھی ہو جائے اور اس پر گندگیاں ہوں تو ناپاک ہوتی ہے؛ اس لئے سڑک پر جب نماز جنازہ پڑھی جائے تو جوتا،

چپل پیروں سے اتار کر جوتے، چپل کے اوپر کے حصہ پر پیر رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جائے، یہی سڑکوں پر نماز پڑھنے کا بہتر طریقہ ہے، ایسی صورت میں اگر جوتا، چپل میں بھی ناپاکی لگی ہوئی ہوگی تب بھی نماز کے صحیح ہونے میں شکوک وشبہات باقی نہیں رہیں گے؛ اس لئے کہ ایسے جوتے، چپل پہن کر نماز پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی جن کے نیچے ناپاکی لگی ہوتی ہے؛ لیکن اس طرح ناپاکی لگے ہوئے جوتوں کو پیروں سے اتار کر پھر جوتے کے اوپر کا حصہ جو پاک ہے اس پر پیر رکھ کر نماز جنازہ پڑھنے سے نماز درست ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص:۷۳، احسن الفتاوی ۱۹۲/۴)

ولو قام على النجاسة و في رجليه نعلان،أو جوربان لم تجز صلاته؛ لأنه قام على مكان نجس، ولو افترش نعليه وقام عليهما جازت الصلاة.

(البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، زكريا ١/٤٦٦، كراچي ١/١٦٨، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في الصلاة عليه، دارالكتاب ديو بند ص:٥٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۱۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۸ھ

(۷) باب من یستحق بالصلاۃ علی المیت

نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہے؟

سوال [۳۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں جماعت اسلامی کے ہم خیال آدمی کے گھر میں ایک میت ہوئی، تو اس نے محلّہ کے امام کو چھوڑ کر جماعت اسلامی خیال کے ایک عام آدمی سے نماز جنازہ پڑھوائی، جو عالم نہیں ہے؛ بلکہ اس کا کام گھر گھر جا کر جماعت اسلامی کی تبلیغ کرنا ہے، جس وقت نماز جنازہ ہوئی امام صاحب موجود تھے، محلّہ کے امام کی کوئی پرواہ نہیں کی؛ تو اب معلوم کرنا ہے کہ:

(۱) میت کی نماز محلّہ کے امام کی اہانت کر کے دوسرے عام جماعت اسلامی خیال کے آدمی سے پڑھوا کر یہ کام ٹھیک کیا ہے یا غلط کیا ہے؟

(۲) یہ نماز کامل ہوئی ہے یا نہیں؟

(۳) پڑھانے والے اور پڑھوانے والوں کی سزا کیا ہوگی؟

المستفتی: مفتی لیاقت علی قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے ولی نے امام مسجد کو چھوڑ کر کسی اور سے نماز جنازہ پڑھوالی تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، نہ پڑھنے والوں پر کوئی گناہ، اور نہ پڑھوانے والوں پر کوئی گناہ ہے، نماز بالکل درست ہے؛ البتہ محلّہ کے امام سے نماز پڑھوانا زیادہ بہتر تھا؛ لیکن جب ولی نے کسی دوسرے سے نماز پڑھوالی تو یہ بھی جائز ہے، اس سے محلّہ کے امام کی توہین نہیں ہوئی۔

أخرج البخاری تعلیقاً: قال الحسن: أدرکت الناس وأحقهم بالصلاۃ

علـى جنائزهم من رضوه لفرائضهم. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب سنة الصلاة على الجنازة، النسخة الهندية ١٧٦/١)

عن حماد قال: يقدم الولي على الجنازة من أحب. (المصنف لابن أبي شيبة الجنائز، ما قالوا في تقدم الإمام على الجنازة، مؤسسة علوم القرآن جديد ٢٣٢/٧، رقم: ١١٤٣٥)

ثم إمام الحي وهو إمام المسجد الخاص بالمحلة، وإنما كان اولىٰ لأن الميت رضي بالصلوٰة خلفه في حال حياته فينبغي أن يصلى عليه بعد وفاته. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچی ٢٢٠/٢، زكريا ١١٩/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۰۳۴/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ

اولاً نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون؟

سوال [۳۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ کے امام کی موجودگی میں مسجد سے متعلق کسی نمازی یا مقتدی کا انتقال ہو جائے تو نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار مسجد کا امام ہے یا ولی کا نامزد کیا ہوا دوسرا امام، جوابات دیکر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: اہلیان جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد سے متعلق کسی مقتدی یا نمازی کا انتقال ہو جاتا ہے تو جنازے کی نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار امام مسجد ہے، ولی کا نام زد کیا ہوا حقدار نہیں ہے، دوسرے سے پڑھوانے کی صورت میں امام سے اجازت لینی ضروری ہے۔

عن عروة، قال: لما قتل عمر رضـ ابتدر علي و عثمان للصلاة عليه، فقال

لهما صهيب: إليكما عني فقد وليت من أمر كما أكثر من الصلاة على عمر وأنا أصلى بكم المكتوبة، فصلى عليه صهيب. (المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى الباز، ۱۷۰۲/۵، رقم: ۴۵۱۷)

وأما بيان من له ولا ية الصلاة على الميت، فذكر في الأصل أن إمام الحى أحق بالصلاة علىٰ الميت، وروى الحسن عن أبى حنيفة رحمهما الله تعالىٰ أن الإمام الأعظم أحق بالصلاة إن حضر، فإن لم يحضر فأمير المصر، وإن لم يحضر فإمام الحى، فإن لم يحضر فالأقرب من ذوى قراباته وهٰذا هو حاصل المذهب عندنا. (بدائع الصنائع، فصل في بيان من له ولاية الصلاة، كراچی ۳۱۷/۱، زكريا ۵۸/۲، البناية، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت، اشرفيه ديوبند ۲۰۸/۳)

ثم إمام الحى أى الطائفة، وهو إمام المسجد الخاص بالمحلة، وإنما كان أولىٰ لأن الميت رضى بالصلاة خلفه في حال حياته، فينبغى أن يصلى عليه بعد وفاته. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، کراچی ۲۲۰/۲، زكريا ۱۱۹/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رمضان ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۳۷۶/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۹/۱۴۲۲ھ

باشرع حافظ قرآن ولی کی موجودگی میں نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار کون ہوگا؟

سوال [۴۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے والد کا انتقال ہوا، زید مسائل ضروریہ سے واقف ہے اور قرآن پاک کا حفظ کر رہا ہے؛ نیز متشرع ہے، زید کا بڑا بھائی تارک صلاۃ اور بے شرع ہے، مرحوم باپ کی نماز ہ زید خود پڑھانا چاہتا تھا؛ لیکن زید کے کنبہ کے ایک آدمی نے بغیر زید کی مرضی کے محض بڑے بھائی کی اجازت پر نماز پڑھائی، زید نے کہا کہ میری طرف سے کوئی اجازت نہیں ہے؛ جبکہ بڑا

بھائی جس نے نماز کی اجازت دی خود شریک نماز نہیں ہوا، ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے اور جس شخص نے نماز جنازہ زبردستی پڑھائی وہ عالم حافظ کچھ نہیں اور نہ ہی کسی مسجد کا امام ہے، ایسے شخص کے لئے شرعی حکم کیا ہے، جواب عنایت فرمایا جائے۔

المستفتی: محمد اسلام الدین، بشن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اولیاء میں متقی باشرع حافظ قرآن آدمی موجود ہے تو تارک صلوۃ ولی جو زید کا بڑا بھائی ہے؛ اس کے لئے غیر ولی کو نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھانا درست نہیں تھا، نماز پڑھانے کا حق زید کو تھا؛ لہٰذا اگر زید اس نماز میں شریک نہیں ہوا ہے تو زید کو دوبارہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے نماز پڑھنے کی اجازت ہے؛ لیکن اس میں وہ لوگ شریک نہ ہوں گے جنہوں نے نماز پڑھ لی ہے؛ نیز زید کی اجازت کے بغیر جو نماز پڑھی گئی ہے وہ بھی شرعاً درست ہو چکی ہے اور زید کو صرف اپنا حق حاصل کرنے کے لئے دوبارہ پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور جس نے بڑے بھائی کی اجازت سے نماز پڑھائی ہے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

فإن أراد الأسن أن يقدم أحداً كان للأصغر أن يمنع الخ. (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زكريا، ٢/٣١٧، كوئٹه، ٢/١٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۰/۱۴۱۱ھ

نماز جنازہ ولی سے اجازت لے کر پڑھائی جائے

سوال [۳۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے محلّہ کے امام صاحب کو میت کے ولی سے اجازت لینا

بالکل ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم رتن پورا سوپول بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محلّہ کے امام کو نماز جنازہ پڑھانے کا حق حاصل ہے، جس کے پیچھے میت نے ہمیشہ نماز پڑھی؛ لیکن چونکہ بعض دفعہ ولی بھی پڑھا لکھا ہوتا ہے؛ اس لئے ولی سے اجازت لے کر نماز جنازہ پڑھائی جائے۔ (مستفاد بہشتی زیور، ۹۶/۱۱)

عن عمرؓ أنه قال: الولي أحق بالصلاة عليها. (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب من أحق بالصلاة على الميت المجلس العلمي، ۴۷۲/۳، رقم: ۶۳۷۳)

أخرج البخاری تعليقاً: وقال الحسن: أدركت الناس و أحقهم بالصلاة على جنائزهم من رضوهم لفرائضهم. (صحيح بخاري، الجنائز، باب سنة الصلاة على الجنائز، النسخة الهنديه ۱۷۶/۱)

ثم إمام الحي وإنما كان اولىٰ لأن الميت رضى بالصلاة خلفه في حال حياته فينبغي أن يصلى عليه بعد وفاته. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچی ۲۲۰/۲، زكريا ۱۱۹/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۱۷/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

ولی کی طرف سے اجازت شدہ شخص کے علاوہ دوسرے کا نماز جنازہ پڑھانا

سوال [۴۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بڑی مسجد کے علاقہ میں میت ہوئی، ولی میت نے امام کو مصلےٰ پر کھڑا کیا اور اجازت دے کر جماعت سے الگ ہوگیا اور نمازی صفیں درست کرنے لگے، ولی جماعت میں نہیں تھا، ایک فاسق وفاجر نے یہ کہہ کر کہ ہم اس امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے، اپنے خاندان کے

ایک فرد کونماز پڑھانے کے لئے کھڑا کیا، پھر دوبارہ ولی میت سے جو کہ دور تھا کہا کہ نماز پڑھائیں؟ ولی نے کہا پڑھاؤ نماز ادا کی گئی، نماز کے بعد ولی میت سے کہا گیا کہ تمہارے امام کو ہٹا کر دوسرے فرد نے نماز پڑھائی ہے، کیا تم نے دوسرے فرد کو اجازت دی تھی، ولی میت نے کہا کہ میں تو اپنی مسجد کے امام ہی کو سمجھ رہا تھا، عرض یہ ہے کہ اس صورت میں نماز جنازہ ادا ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ صوفی نعیمی، سرائے کھجور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ بہر صورت صحیح ہوچکی ہے؛ البتہ حق تقدم کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے: تو اس بارے میں حکم شرعی یہ ہے اگر شرعی حاکم وغیرہ نہ ہو تو محلّہ کا امام سب سے زیادہ حقدار ہے اور محلّہ کے امام کے بعد ولی حقدار ہوتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں نماز پنجگانہ کے امام کو ہٹانا درست نہیں تھا وہی حقدار تھا، جس نے ہٹایا ہے غلط کیا ہے، آئندہ ایسی حرکت سے باز رہے۔

عن عروة، قال: لما قتل عمر ابتدر عليؓ و عثمانؓ للصلاة عليه، فقال لهما صهيب: إليكما عني فقد وليت من أمركما أكثر من الصلاة على عمر وأنا أصلي بكم المكتوبة، فصلى عليه صهيب. (المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة قديم ۹۲/۳، مكتبه نزار مصطفى البازجديد ۱۷۰۲/۵، رقم: ۴۵۱۷)

عن عمرؓ، أنه قال: الولي أحق بالصلاة عليها. (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب من أحق بالصلاة على الميت المجلس العلمي، ۴۷۲/۳، رقم: ۶۳۷۳)

عن حمادؒ، قال: يقدم الولي على الجنازة من أحب. (المصنف لابن شيبة الجنائز، ما قالوا في تقدم الإمام على الجنازة، مؤسسة علوم القرآن جديد ۲۳۲/۷، رقم: ۱۱۴۳۵)

ويقدم في الصلوة عليه السلطان أو نائبه، ثم القاضي، ثم إمام الحي، ثم الولي الخ. (الدرر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ۱۱۹/۳،

کراچی ۹/۲ ۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/رجب ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۶۵)

ولی نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار ہے یا محلّہ کی مسجد کا امام؟

سوال [۳۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک اپنے کنبہ میں ملا جی ہیں جو کچھ پڑھے لکھے ہیں، ان کے کنبہ میں ایک موت واقع ہوگئی، جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے ملا جی نے کہا کہ یہ حق میرا ہے امام کا نہیں ہے؛ کیونکہ میرا حق امام سے زیادہ ہوتا ہے؛ کیونکہ میں کنبہ کا ہوں؛ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ کو بتائیں کہ امام کی بغیر اجازت ملا جی یا اور کوئی کنبے کا شخص نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: ماسٹر ابرار حسین، ڈھکیہ جمعہ، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محلّہ کے امام یا کنبہ میں سے کوئی ولی اور رشتہ دار نماز جنازہ پڑھائے تو نماز ہر صورت میں ہوجائے گی؛ ہاں البتہ فضیلت میں فرق ہے، اگر میت کے اولیاء میں سے کوئی محلّہ کے امام سے زیادہ افضل موجود ہے تو وہ زیادہ حقدار ہوگا؛ ورنہ محلّہ کا امام ہی زیادہ حقدار ہوگا؛ لہٰذا اگر ملا جی امام صاحب سے زیادہ افضل ہے تو وہ زیادہ حقدار ہوگا، ورنہ محلّہ کا امام زیادہ حقدار ہوگا۔

عن عمرؓ أنه قال: الولي أحق بالصلاة عليها. (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب من أحق بالصلاة على الميت، المجلس العلمي، ۳/ ۴۷۲، رقم: ۶۳۷۳)

عن عروةؓ، قال: لما قتل عمر ابتدر عليٌّ، و عثمانؓ للصلاة عليه، فقال

لهـمـا صهيـب: إليـكـمـا عني، فقد وليت من أمر كما أكثر من الصلاة على عـمر، وأنا اصلي بكم المكتوبة، فصلى عليه صهيب. (المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، مكتبه نزار مصطفى البازجديد ٥/٢ ١٧٠١، رقم: ٤٥١٧)

وتقديم إمام الحي مندوب فقط بشرط أن يكون أفضل من الولي وإلا فـالولي أولىٰ الخ. (در الـمختـار، كتـاب الـصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ٣/ ١٢٠، كراچی ج:٢/ ٢٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۱۷۲)

نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار کون ہے امام جامع مسجد یا امام حي؟

سوال [۳۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ زید ایک قصبہ کی جامع مسجد کا امام ہے۔ نیز زید چونکہ عالم فاضل ہے؛ اس لئے عیدین کی نماز بھی پڑھاتا ہے، حتی کہ رویت ہلال رمضان ورویت ہلال عید کا اعلان بھی سب سے پہلے زید ہی کرتا ہے، لوگ اس کو قاضی شہر سمجھتے ہیں، تو کیا زید جب کسی جنازہ کی نماز میں شرکت کرے گا، تو امام حي سے مقدم ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر زید کو مذکورہ صورت میں حق تقدم حاصل ہے، تو اس کی نوعیت وجوب کی ہے یا استحباب کی؟

(۳) امام حي کا اخلاقی وشرعی فریضہ کیا ہے؟ کیا اس کو امام جامع مسجد کو نماز پڑھانے کے لئے کہنا چاہئے یا خود آگے بڑھ جانا چاہئے؟ جبکہ میت کے ولی نماز جامع مسجد کے امام سے پڑھوانا چاہتے ہوں؛ لیکن امام حي جب خود ہی آگے بڑھ گیا تو مصلحۃً خاموش رہتے ہوں۔

(۴) امام حي جب نماز جنازہ پڑھائے تو اس کو اولیاء میت سے صراحۃً اجازت لینی ضروری

ہے یا بغیر اجازت لئے ہی نماز پڑھا سکتا ہے؟ مذکورہ چاروں صورتوں سے متعلق سوال اس صورت میں ہے؛ جبکہ نماز جنازہ میت کے محلّہ کی مسجد میں ادا کی جارہی ہے (یعنی جس میں امام حي نماز پڑھاتا ہے)

(۵) اور اگر نماز جنازہ نہ تو جامع مسجد میں ہورہی ہے اور نہ ہی محلّہ کی مسجد میں؛ بلکہ ایک تیسری مسجد میں نماز ادا کی جارہی ہے اور میت جس محلّہ کی ہے اس کا امام بھی موجود ہے، تو پھر امام حي کون سی مسجد کا امام ہوگا، جس میں نماز ہورہی ہے یا جو میت کے محلّہ کی مسجد کا ہے۔

المستفتی: سلیم الدین رشیدی، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۲/۱) راجح قول یہی ہے کہ امام جامع مسجد امام محلّہ پر مقدم ہوگا؛ جبکہ میت اپنی زندگی میں امام جامع مسجد کے پیچھے نماز پڑھتا رہا ہو اور یہ حق تقدم صرف افضلیت میں ہے، وجوب میں نہیں ہے۔

إمام المسجد الجامع أولیٰ من إمام الحي أي مسجد محلة. و تحته في الشامية: لأن الميت رضي بالصلوٰة خلفه في حال حياته، فينبغي أن يصلي عليه بعد وفاته الخ. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، زكريا ۱۱۹/۳، كراچى ۲۲۰/۲)

إن تقديم الولاة واجب وتقديم إمام الحي مندوب فقط بشرط أن يكون أفضل من الولي الخ. (درمختار، كراچي ۲۲۰/۲، زكريا ۱۱۹/۳)

اور اگر امام جامع مسجد یا امام حي سے میت اپنی زندگی میں راضی نہیں رہا ہے تو ان میں سے کسی کو امامت کے لئے پیش کرنا مستحب نہیں ہے۔

فعلی هٰذا لو علم أنه كان غير راض به حال حياته ينبغي أن لا يستحب تقديمه الخ. (كبرى، فصل في صلوٰة الجنائز، اشرفيه ديو بند ۵۸۵ قديم)

(۳) امام جامع مسجد اور امام حي اگر ولی سے افضل ہوں تو ان کو حق تقدم بشرط اجازت ولی

کے حاصل ہے اور اگر ولی ان سے افضل ہے، تو امام جامع مسجد اور امام حي پر ولی کا مقدم ہونا اور اس کا نماز پڑھانا زیادہ افضل ہے۔ اسی طرح اگر جامع مسجد کا امام امام حي سے افضل ہے، تو ولی کی اجازت سے اس کا نماز پڑھانا افضل ہے اور اگر امام حي افضل ہے، تو ولی کی اجازت سے اس کا مقدم ہونا زیادہ افضل ہے، معلوم ہوا کہ امام جامع مسجد یا امام حي میں سے جو بھی مقدم ہوگا وہ ولی کی اجازت سے مقدم ہوگا؛ لہٰذا ولی جس کو نماز پڑھانے کے لئے کہے گا وہی نماز پڑھائے گا۔ (مستفاد فتاوی محمودیہ قدیم ج: ۳۹۹/۲، جدید ڈابھیل ۵۷٦/۸)

عن حماد، **قال: يقدم الولي على الجنازة من أحب.** (المصنف لابن أبي شيبة الجنائز، ما قالوا في تقدم الإمام على الجنازة، مؤسسة علوم القرآن جديد ٢٣٢/٧، رقم: ١١٤٣٥)

عن عمر، **أنه قال: الولي أحق بالصلاة عليها.** (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب من أحق بالصلاة على الميت، المجلس العلمي، ٤٧٢/٣، رقم: ٦٣٧٣)

فإن حضر الوالي، أو خليفته، والقاضي، وصاحب الشرطة، وإمام الحي والأولياء فأبى الأولياء، أن يقدموا أحدًا من هٰؤلاء، وأرادوا أن يتقدموا فلهم ذٰلک، ولهم أن يقدموا من شاؤوا ولا يتقدم أحد من هٰؤلاء إلا بإذنهم الخ. (الفتاوى التاتارخانيه، الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، القسم الرابع في بيان من هو أولىٰ بالصلاة على الميت، زكريا ٦٠/٣، رقم: ٣٧١٥، قديم ١٦٤/٢)

(۴) امام حي یا امام جامع مسجد میں سے ہر ایک پر ضروری ہے کہ نماز پڑھانے کے لئے ولی سے صراحۃً اجازت لے۔

ولا يتقدم إمام الحي إلا بإذن الأب. (الفتاوى التاتارخانيه قديم ١٦٤/٢، جديد زكريا ٥٩/٣، رقم: ٣٧١٣)

(۵) ایسی صورت میں جس محلّہ کی میت ہے وہاں کی مسجد کا امام امام حي کہلائے گا، یہاں بھی ولی جس کو نماز پڑھانے کے لئے کہے گا، اسی کو نماز پڑھانے کا حق ہوسکتا ہے، کسی کے

ساتھ پہلے سے حق متعلق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی تا تارخانیہ قدیم ۱۶۴/۲، جدید زکریا ۵۹/۳، رقم: ۳۷۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹۵۱/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۲۸ھ

عورت کی نماز جنازہ کے لئے امام کس سے اجازت لے گا؟

سوال [۳۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی کی بیوی کا انتقال ہوجائے تو جنازہ کی نماز کے لئے امام کس سے اجازت لے گا، ان کی اولاد سے یا ان کے شوہر سے، اگر آپ کا جواب اولاد سے ہے تو لڑکا سے یا لڑکی سے اور اگر اولاد نہ ہو، تو کس سے اجازت طلب کی جائے گی؟

المستفتی: عبد القیوم، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولادِ ذرینہ سے اجازت لینی ہوگی۔

عن الزهريؒ، قال: الأب، والإبن، والأخ أحق بالصلاة على المرأة من الزوج. (المصنف لابن أبي شيبة الجنائز، في الزوج والأخ أيهما أحق بالصلاة مؤسسة علوم القرآن جديد ٤٢٤/٧، رقم: ١٢٠٨٧)

عن قتادةؒ، أنه كان يقول: الأولياء أحق بالصلاة عليها من الزوج (المصنف لابن أبي شيبة الجنائز، تحقيق الشيخ عوامه ٤٢٤/٧، رقم: ١٢٠٨٨)

ثم الولي بترتيب عصوبة الإنكاح (إلى قوله) فإن لم يكن له ولي فالزوج الخ. (در مختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچی ٢٢٠/٢، ٢٢١، زكريا ١٢١/٣، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب احكام الجنائز، دار الكتاب

دیو بند ص: ۵۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ رربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۷ ۳۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

بیوی کی نماز جنازہ پڑھانے کا حقدار شوہر یا والد؟

سوال [۳۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی انتقال کر گئی، اب حق نماز جنازہ کس کو حاصل ہوگا زید کو یا لڑکی کے والد بکر کو، اگر زید دوسرے کو نماز پڑھانے کی اجازت دیدے، تو اس کی یہ اجازت شرعاً کیسی ہوگی؟

المستفتی: محمد معین الدین، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جنازہ میں بیوی کے محارم باپ، دادا، بھائی، بیٹے وغیرہ موجود ہیں، تو نماز جنازہ پڑھانے اور میت کو قبر میں اتارنے کا حق انہیں کو ہوگا، ان کی موجودگی میں شوہر کو نہ خود یہ حقوق حاصل ہیں اور نہ شوہر کو ان کی موجودگی میں دوسرے کو نماز کے لئے آگے بڑھانے کا حق ہے؛ البتہ ان لوگوں کی عدم موجودگی میں یہ تمام حقوق شوہر کو حاصل ہوں گے اور اپنی جگہ دوسرے کو نماز کے لئے آگے کرنا درست ہوگا۔

عن الزهريؒ، قال: الأب، والإبن، والأخ أحق بالصلاة على المرأة من الزوج. (المصنف لابن أبي شيبة الجنائز، في الزوج والأخ أيهما أحق بالصلاة مؤسسة علوم القرآن جديد ۷/۴۲۴، رقم: ۱۲۰۸۷)

عن قتادةؒ، أنه كان يقول: الأولياء أحق بالصلاة عليها من الزوج. (المصنف لابن أبي شيبة الجنائز، تحقيق الشيخ عوامه ۷/۴۲۴، رقم: ۱۲۰۸۸)

ثم الولي بترتيب عصوبة الإنكاح......، فإن لم يكن له ولي

فالزوج الخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچی ۲/ ۲۲۱، زكريا ۳/ ۱۲۱، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، درا الكتاب ديوبند ص: ۵۹۰، هندية، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، زكريا قديم ۱/ ۱۶۳، زكريا جديد ۱/ ۲۲۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/ ۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۱ھ

دیوبندی امام کے پیچھے بریلوی کی نماز جنازہ

سوال [۳۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید میرا لڑکا بریلوی خیال سے پختہ ہو گیا ہے، میں اور میرا پورا گھر خاندان پختہ اہل سنت والجماعت دیوبندی خیال کے ہیں، زید کے گھر خاندان کے جنازوں کی نماز اہل سنت والجماعت دیوبندی امام پڑھاتے آرہے ہیں، تو کیا اگر والد والدہ میں سے کسی کا انتقال ہو جائے، تو کیا دیوبندی امام کے پیچھے زید کی نماز جنازہ ادا ہو جائے گی یا نہیں؛ جبکہ زید اپنے ماں باپ کے متعلق اپنی طرف سے یہ کہتا ہے کہ یہ لوگ مسئلہ کی رو سے کافر مرتد ہیں، تو کیا زید اپنے ماں باپ کے ساتھ کھانا کھا سکتا ہے، رہ سکتا ہے یا نہیں؟ زید کے ساتھ اس کے ماں باپ ایسی حالت میں کس طرح کا برتاؤ رکھیں؟

المستفتی: محمد اقبال، جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیوبندی اہل سنت والجماعت امام کے پیچھے زید بریلوی بدعتی کی نماز جنازہ درست ہو جائے گی؛ البتہ ماں باپ کو کافر کہنے کا گناہ عظیم اور

وبال زید پر ہوگا۔

والأصل في هٰذه المسائل أن حال الإمام إن كان مثل حال المقتدي أو فوقه جازت صلاة الكل. (هندية، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، زكريا قديم ۸۶/۱، جديد ۱/ ۱٤٤، الموسوعة الفقهيته الكويتية ۲۲/٦، فتاوى دار العلوم ۱۱۱/۳)

اگر حسن اخلاق سے زید متاثر ہوکر بدعت کو ترک کردے یا اس کو سمجھانے سے دینی فائدہ کی امید ہو، تو اس سے تعلق باقی رکھ کر اصلاح کی کوشش کریں، اصلاح کی توقع نہ ہو، تو قطع تعلق کردیں اور اصلاح کی دعا بہر حال کرتے رہیں۔ (مستفاد فتاوی محمودیہ قدیم ۵۱۰/۱۷، جدید ڈابھیل ۵۳۰/۱۸)

وأما نصيحة عامة المسلمين– وهم من عدا ولاة الأمر– فإرشادهم لمصالحهم في آخرتهم ودنياهم، وكف الأذى عنهم، فيعلمهم ما يجهلونه من دينهم ودنياهم، ويعينهم عليه بالقول والفعل......وأمرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر برفق وإخلاص والشفقة عليهم. (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، النسخة الهندية ۱/ ٥٤)

وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلى الحق. (مرقاة، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، رشيدية ۷٥۹/۸، مكتبه امداديه ملتان، ۹/ ۲٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۷۵۸/۳۲)	۱۴۱۷/۴/۸ھ

شیعہ اور حنفیہ مل کر نماز جنازہ ادا کریں تو کیا حکم ہے؟

سوال [٣٨٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر شیعہ اور حنفیہ مذہب کے آدمی ایک ساتھ مل کر جنازہ کی نماز پڑھیں اور جو امام ہے وہ حنفی مذہب کا ہے تو نماز جنازہ جائز ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں جواب دیجئے آپ کے فتوے کا منتظر ہوں۔

المستفتی: انعام اللہ، فتح پور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں اس صورت میں نماز جنازہ صحیح ودرست ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ج:٥/٣١١)

تجوز الصلاة خلف أهل الاهواء (إلى قوله) والرافضي الغالي الذي ينكره خلافة أبي بكر رضي الله عنه لا تجوز الخ. (الفتاوى التاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل السادس في بيان من هو أحق بالإمامة، قديم ٦٠١/١، جديد زكريا ٢٤٩/٢، رقم: ٢٣٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥/ شوال المکرّم ١٤٠٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١٤٣٦/٢٥)

(٨) باب من یصلیٰ علیه ومن لا یصلیٰ علیه

فاسق شخص کی نماز جنازہ کا حکم

سوال[۳۸٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بشیر نام کے ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس کا پیشہ گانا بجانا تھا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کی نماز جنازہ نہیں ہوگی، اس کو زنانہ لباس (زنخہ وہجڑا) بھی کہا جاتا ہے، شرعی حکم سے آگاہ کریں، اس کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں ہوگی؟

المستفتی: محمد رئیس ،اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: گانا بجانا، زنانہ لباس اختیار کرنا، ہجڑہ بن جانا، سب اسباب فسق میں سے ہیں، ان افعال کو اختیار کرنے سے شرعاً فاسق ہوجاتا ہے؛ لیکن شریعت میں فاسق کی نماز جنازہ پڑھنا بھی لازم ہے؛ لہٰذا اس کی نماز جنازہ پڑھ لی جائے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...... والصلاة واجبة على كل مسلم برًّا، كان أو فاجرًا، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية ١/٣٤٣، دار السلام رقم: ٢٥٣٣)

قوله عليه السلام: صلوا على كل بر و فاجر. الحديث (شرح نقايه، مكتبه اعزازيه ديوبند، باب الشهيد ١/١٤٢)

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلوا خلف كل بر و فاجر، و صلو على كل بر و فاجر. (سنن الدار قطني، كتاب الصلاة، باب صفة

الصلاة معه والصلاة عليه، دار الكتب بيروت ٢/ ٤٤، رقم: ١٧٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣ر محرم الحرام ١٤١٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٥ر ١٥٩٣)

بے نمازی کی نماز جنازہ کا حکم

سوال [٣٨٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب یہ معلوم کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یا خلفاء راشدین میں سے کسی نے یا صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے بے نمازی کے جنازہ کی نماز پڑھائی ہے یا نہیں؟ اور بے نمازی کے جنازہ کی نماز پڑھنا یا پڑھانا کیسا ہے؟ اور بے نمازی کا حکم کس پر لگایا جائے گا؟

المستفتی: نسیم احمد، امام نورانی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: حضور ﷺ یا خلفاء راشدین کے زمانہ میں کوئی مسلمان بے نمازی نہیں ہوتا تھا، سب ہی نمازی ہوتے تھے؛ اس لئے اس زمانہ میں بے نمازی کی نماز جنازہ کا سوال ہی نہیں ہوتا کہ کسی بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھائی ہے یا نہیں؛ البتہ بے نمازی فاسق ہوتا ہے اور حضور ﷺ نے فاسق کی بھی نماز جنازہ کا حکم فرمایا ہے؛ اس لئے بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھنا بھی شرعی طور پر لازم ہے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: —إلى— والصلاة واجبة على كل مسلم براكان أو فاجراً، وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، النسخة الهندية ١/ ٣٤٣، دارالسلام رقم: ٢٥٣٣)

ويصلى على كل بر و فاجر إذا ماتت على الإيمان للإجماع. لقوله عليه الصلاة والسلام: لاتدعوا الصلوة على من مات من أهل القبلة.

(شرح عقائد نسفي ١٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۲/۱۴۱۷ھ

مردہ بچے کی نماز جنازہ سے متعلق تحقیقی فتوی

سوال [۴۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بچہ ماں کے بطن سے مردہ پیدا ہو، تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

(۱) امام بخاریؒ نے تعلیقاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ ابن شہابؒ کہتے ہیں ہر مرنے والے بچہ پر نماز پڑھی جائے، خواہ وہ زانیہ ہی کا کیوں نہ ہو؛ کیونکہ بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین یا صرف والد مسلمان ہونے کا مدعی ہو اور اس کی والدہ اسلام پر نہ ہو اور وہ بچہ چلا کر رودے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور جو چلا کر نہ روئے تو اس کے لئے نماز نہیں؛ کیونکہ وہ ساقط شمار ہوگا۔ (بخاری ۱/۱۸۱، رقم: ۱۳۴۲، ۲/۹۴، رقم: ۱۳۵۸، مطبوعہ دار طوق النجاۃ)

(۲) حضرت جابر بن عبد اللہؓ اور حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ بچہ وارث نہیں بنے گا یہاں تک کہ چلا کر روئے اور اس کا استہلال یہ ہے کہ روئے یا چلائے یا چھینکے۔ (ابن ماجہ ۴/ ۵۰، رقم: ۲۷۵۲، صحہ البانی، مطبوعہ، دارالرسالۃ العالمیۃ، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۰/۲۰، مطبوعہ مکتبہ ابن تیمیہ، سنن الدارمی، : ۴/ ۲۰۰۷، رقم: ۳۱۷۱، اسنادہ صحیح وہو مرسل، مطبوعہ دار المغنی، سعودیہ، السنن الکبری للبیہقی ۶/ ۴۲۱، رقم: ۱۲۴۸۶، دارالکتب العلمیہ، مصنف ابن ابی شیبہ ۷/ ۲۹۹، رقم: ۱۱۷۱۷، ۱۱۷۱۸، ۱۱۷۲۱، ۱۱۷۲۱، ۱۱۷۲۴، ۱۱۷۲۵، مطبوعہ دار القبلہ)

(۳) امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: جب بچہ پیدا ہونے کے بعد آواز کرے تو نام رکھا جائے گا اور غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور وہ وارث بنے گا اور اس کا بھی وارث ہوگا

اور جب بچہ پیدا ہونے کے بعد آواز نہ کرے تو نہ نام رکھا جائے گا اور نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ وہ وارث بنے گا۔ حدیث ابوہریرہؓ کی وجہ سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

إذا استهل المولود غسل وصلی علیه وورث، وإن لم یستهل لم یصل علیه ولم یورث.

امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور اسی طرح مروی ہے امام محمدؒ سے ایک روایت میں اور اسی کو امام طحاویؒ نے اختیار کیا ہے۔ (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ۴۹/۳)

اور مختار قول یہی ہے کہ غسل دیا جائے گا اور کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ (مستفاد: فتاوی شامی ۲۲۸/۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بہر کیف مذکورہ بالا روایات سے عدم استہلال کی صورت میں مطلقاً نماز جنازہ نہ پڑھنے کا حکم معلوم ہو رہا ہے؛ لیکن بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگر بچہ ماں کے بطن سے ۴/ ماہ کے بعد مردہ پیدا ہو، تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل روایات پیش کرتے ہیں۔

جو بچہ ساقط ہو جائے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کے والدین کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کی جائے گی۔ (ابوداؤد ۲۰۵/۳، رقم: ۳۱۸۰، مطبوعہ المکتبۃ العصریۃ بیروت، مسند احمد بتحقیق شعیب الارنؤوط ۱۱۰/۳۰، رقم: ۱۸۱۷۴، مسند احمد بتحقیق شعیب الارنؤوط ۱۱۰/۳۰، رقم: ۱۸۱۸۱، السنن الکبری للبیہقی ۱۱/۴، رقم: ۶۷۷۹، السنن الکبری للبیہقی ۳۸/۴، رقم: ۶۸۶۶)

(۴) امام احمدؒ فرماتے ہیں: جب بچہ ۴/ ماہ پر پیدا ہو تو غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ (المغنی لابن قدامہ ۳۸۹/۲، مطبوعہ المکتبۃ القاہرہ)

(۵) شیخ ناصر الدین البانیؒ کا قول ہے کہ: اور ظاہر یہ ہے کہ مردہ پیدا ہونے والے بچہ کی نماز

جنازہ پڑھی جائے گی؛ جبکہ اس میں روح پھونکی گئی ہو اور یہ جب ہے کہ ۴/ ماہ مکمل ہو جائے۔

(احکام الجنائز للالبانی ۱/۸۱، مطبوعہ المکتب الاسلامی)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن روایات کی بنیاد پر خصم اپنا مدعی ثابت کر رہے ہیں، ان کی کیا حیثیت ہے؟ اصول حدیث وفقہ کی بنیاد پر، نیز ہمارے مسلک کی وجوہ ترجیح کیا ہیں؟

المستفتی: نذیرالدین، حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستفتی نے ایک عالمانہ شان سے سوال نامہ مرتب کیا ہے اور سوال نامہ میں مستفتی نے دو موقف پیش فرمائے ہیں۔

(۱) ایک موقف یہ پیش فرمایا ہے کہ جو بچے زندہ پیدا ہوں اور پیدائش کے بعد زندگی کے آثار ظاہر ہو جائیں، تو ان بچوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور زندگی کی علامات میں سے حدیث شریف میں جو استہلال (رونے اور چلانے) کو بتلایا گیا ہے، اس کو بھی نقل کر دیا ہے اور امام بخاریؒ نے کتاب الجنائز، ''**باب إذا أسلم الصبي**'' کے تحت ۱۸۱/ حدیث ۱۳۴۱، ۱۳۵۷، میں حضرت امام ابن شہاب زہری کا جو اثر نقل فرمایا ہے، اس کو بھی سوال نامہ میں پیش کر دیا ہے، اور حضرت جابر بن عبداللہ اور مسور بن مخرمہ کی مشترکہ روایت بھی پیش فرمائی ہے اور اس روایت کے حوالہ میں ''ابن ماجہ شریف، معجم کبیر، سنن دارمی، سنن کبری بیہقی اور مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے پیش فرمائے ہیں اور حضرات حنفیہ کا بھی یہی موقف نقل فرمایا ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے اور ساتھ میں محیط برہانی اور فتاوی شامی کا حوالہ بھی پیش فرمایا ہے۔

(۲) دوسرا موقف مستفتی نے یہ پیش فرمایا ہے کہ ماں کے پیٹ سے چار مہینے کے بعد جو بچہ پیدا ہو جائے، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس موقف کی دلیل میں ابوداؤد شریف کی ایک روایت کا حوالہ پیش فرمایا ہے کہ جو بچہ ساقط ہو جائے، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کے والدین کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کی جائے گی اور ساتھ میں

مسند احمد اور سنن کبری بیہقی کی دو دو حدیث کے حوالے بھی پیش فرمائے ہیں اور یہ بھی پیش فرمادیا ہے کہ یہ موقف امام احمد بن حنبل کا ہے کہ جب بچہ چار ماہ کے بعد پیدا ہو، تو اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس پر "المغنی لابن قدامه" کا حوالہ نقل فرمایا ہے، اور شیخ ناصر الدین البانی کا قول بھی نقل فرمایا ہے کہ مردہ پیدا ہونے والے بچہ کی نماز جنازہ دو شرطوں کے ساتھ پڑھی جائے گی۔

(۱) چار مہینے مکمل ہونے کے بعد پیدا ہوا ہو۔

(۲) اس بچہ میں روح پھونک دی گئی ہو یہی مستفتی کی طرف سے سوال نامہ کا حاصل ہے، اس کے بعد مستفتی نے دونوں موقفوں کی حیثیت معلوم فرمائی ہے۔

نیز حنفیہ کی وجوہ ترجیح کیا ہیں، اس کو بھی معلوم فرمایا ہے، یہ سوالات کی وضاحتی تمہید ہے، اس کے بعد جو کچھ بھی کتب حدیث کے مطالعہ کے ذریعہ جانبین کی روایات سامنے آئی ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔ ابن ماجہ شریف النسخۃ الہندیہ ۱۹۷، دار السلام رقم: ۲۷۵۱، اور امام طبرانی کی المعجم الکبیر ۲۰/۲۰، رقم: ۲۳ر میں سوال نامہ میں دیئے گئے حوالہ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ اور مسور بن مخرمہ کی مشترکہ روایت موجود ہے، مگر اس روایت میں نومولود بچہ پر نماز جنازہ پڑھنے اور نہ پڑھنے سے متعلق کوئی لفظ نہیں ہے، ہاں البتہ نومولود کے وارث ہونے اور استہلال سے متعلق جو بات لکھی ہے وہ بات موجود ہے اور سنن دارمی میں میراث الصبي کے عنوان کے ذیل میں حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی موقوف روایت بھی موجود ہے، اور سنن کبری بیہقی میں نومولود بچہ پر نماز جنازہ پڑھنے سے متعلق کتاب الفرائض میں کوئی روایت نہیں ملی؛ البتہ وراثت اور استہلال سے متعلق روایت موجود ہے اور مصنف بن ابی شیبہ کے حوالے اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اب اس کے بعد گزارش یہ ہے کہ نومولود بچہ کی نماز جنازہ کے بارے میں حضرت جابرؓ سے ۹ رمرفوع روایات دستیاب ہوئیں، جن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ بچہ زندہ پیدا ہو جائے، تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور جس بچہ کی

پیدائش پر زندگی کے آثار ظاہر نہ ہوں، تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور یہ روایات

(۱) سنن کبری بیہقی، مطبع دار الفکر ۵/ ۳۰۴، ۳۰۵، رقم: ۶۸۸۲، ۶۸۸۳، ۶۸۸۴.

(۲) ابن ماجہ شریف ہندی ۱۰۸، دار السلام رقم: ۱۵۰۸.

(۳) مستدرک حاکم، مطبع مصطفیٰ الباز ۸/ ۲۸۵۲، رقم: ۸۰۲۲، ۸۰۲۳.

(۴) مستدرک حاکم، مطبع مصطفیٰ الباز ۲/ ۵۲۰، رقم: ۱۳۴۵.

(۵) سنن ترمذی، ہندی نسخہ ۱/ ۲۰۰، دار السلام رقم: ۱۰۳۲.

(۶) سنن کبریٰ نسائی ۴/ ۷۷، رقم: ۶۳۵۸ میں موجود ہیں.

اور حضرت جابرؓ سے پانچ موقوف روایتیں ملی ہیں، جو ذیل کے حوالوں میں موجود ہیں۔

(۱) سنن کبریٰ بیہقی، مطبع دار الفکر ۵/ ۳۰۴، رقم: ۶۸۸۱.

(۲) سنن دارمی، مطبع دار المغنی ۴/ ۲۰۰۵، رقم: ۳۱۶۸، ۴/ ۲۰۰۷، رقم: ۳۱۷۲.

(۳) طحاوی شریف، مطبع دار الکتب العلمیہ ۲/ ۳۹، رقم: ۲۸۳۱.

(۴) اور عبد اللہ بن عباسؓ کی بھی موقوف روایت سنن دارمی ۴/ ۲۰۰۶، رقم: ۳۱۶۹ میں موجود ہے.

ان روایات سے یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے کہ جو بچہ زندہ پیدا ہوجائے، اس کے لئے غسل، کفن اور نماز جنازہ سارے احکام لاگو ہوجاتے ہیں۔ اور جو بچہ مردہ پیدا ہوجائے، جس میں زندگی کے آثار ظاہر نہ ہوں، اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور یہی امام امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔

اب رہا دوسرا موقف جس میں چار مہینہ کے بعد مردہ پیدا ہونے والے بچہ کی نماز جنازہ پڑھنے کی بات ہے، یہی امام احمد ابن حنبل اور شیخ ناصر الدین البانی کا موقف ہے، جس پر انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سے استدلال فرمایا ہے، اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ شیخ ناصر الدین البانی نے دو قیدوں کے ساتھ پیدا ہونے والے بچہ کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم لگایا ہے۔

(۱) بچہ میں روح پھونک دی گئی ہو۔
(۲) چار مہینے مکمل ہونے کے بعد بچہ مردہ پیدا ہوا ہو، تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔
اس مضمون کے ساتھ ذخیرہ احادیث میں ہم کو کوئی مرفوع روایت نہیں ملی ہے اور مستفتی نے اس موقف سے متعلق جو حوالے پیش فرمائے ہیں، ان میں سے کسی بھی حوالہ میں اس مضمون کی کوئی مرفوع روایت ہم کو نہیں ملی اور نہ ہی کسی صحابی کی موقوف روایت ملی، ہاں البتہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت لفظ ''سقط'' اور لفظ ''طفل'' کے ساتھ مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مل گئی ہے اور حضرت عبد اللہؓ کا اثر بھی مل گیا ہے۔
اب حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت کے بارے میں حسب ذیل گزارش ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے اس موضوع سے متعلق متعدد کتب حدیث میں ۲۱/روایتیں ملی ہیں، جن میں سے ۱۳/مرفوع رواتیں ایسی ہیں، جن میں ''الطفل يصلي عليه'' کے الفاظ موجود ہیں اور پانچ روایتیں ایسی ملی ہیں، جن میں ''السقط يصلى عليه'' کے الفاظ موجود ہیں اور تین رواتیں ایسی ملی ہیں جو مغیرہ بن شعبہؓ پر موقوف ہیں اور ان میں بھی '' السقط يصلى عليه'' کے الفاظ موجود ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی پانچ مرفوع روایات میں ''السقط يصلى عليه'' کے الفاظ موجود ہیں اور تین موقوف روایات میں ''السقط يصلى عليه'' کے الفاظ موجود ہیں اور ۱۳/مرفوع روایتیں ایسی ملی ہیں، جن میں ''الطفل يصلى عليه'' کے الفاظ موجود ہیں۔
اب ہم کو ان دونوں قسم کی روایات پر غور کرنا ہے اور اس سلسلہ میں پہلے روایات کا حوالہ پیش کرتے ہیں، اس کے بعد ان روایات کی حقیقت اور جائزہ پیش کریں گے۔
حوالہ ملاحظہ فرمائیے:
آٹھ ایسی روایتوں کا حوالہ جن میں ''السقط يصلى عليه'' کے الفاظ موجود ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) مسند احمد ۴/ ۲۴۹، رقم: ۱۸۳۵۸، مرفوعاً.

(۲) مسند احمد ۴/ ۲۴۹، رقم: ۱۸۳۶۵، موقوفاً.

(۳) سنن کبریٰ بیہقی، دارالفکر ۵/ ۳۰۳، رقم: ۶۸۷۸، مرفوعاً.

(۴) سنن ابوداؤد، ہندی نسخہ ۲/ ۴۵۳، دارالسلام رقم: ۳۱۸۰، مرفوعاً.

(۵) مسند ابوداؤد الطیالسی، دارالکتب العلمیہ ۱/ ۳۸۱، رقم: ۷۳۷، موقوفاً.

(۶) مصنف بن ابی شیبہ ۷/ ۲۹۸، رقم: موقوفاً.

(۷) المعجم الکبیر للطبرانی ۲/ ۴۳۰، رقم: ۱۰۴۳، مرفوعاً.

(۸) مستدرک حاکم، مصطفےٰ الباز ۲/ ۵۱۹، رقم: ۱۳۴۴، مرفوعاً.

ان تمام روایات مرفوعہ وموقوفہ میں ''**السقط يصلى عليه**'' کے الفاظ موجود ہیں، اس کے برخلاف حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ۱۳/ مرفوع روایتیں ایسی ہیں، جن میں '' **الطفل يصلى عليه**'' کے الفاظ موجود ہیں، جن کے حوالے حسب ذیل ہیں:

(۱) سنن نسائی ہندی نسخہ ۱/ ۲۱۴، دارالسلام رقم: ۱۹۵۰، مرفوعاً.

(۲) سنن کبریٰ بیہقی، دارالفکر ۵/ ۳۰۴، رقم: ۶۸۸۰، مرفوعاً.

(۳) سنن ابن ماجہ، ہندی نسخہ ۱۰۸، دارالسلام رقم: ۱۵۰۷، مرفوعاً.

(۴) سنن ترمذی، ہندی نسخہ ۱/ ۲۰۰، دارالسلام رقم: ۱۰۳۱، مرفوعاً.

(۵) صحیح ابن حبان، دارالفکر ۴/ ۱۶، رقم: ۳۰۴۵، مرفوعاً.

(۶) مصنف بن ابی شیبہ ۷/ ۲۱۱، ۲۹۷، رقم: ۱۱۳۶۸، ۱۱۷۰۴، مرفوعاً.

(۷) طحاوی شریف، دارالکتب العلمیہ ۲/ ۳۸، رقم: ۲۸۲۶، مرفوعاً.

(۸) سنن کبریٰ نسائی ۱/ ۶۳۳، ۶۳۳، رقم: ۲۰۷۰، ۲۰۷۵، مرفوعاً.

(۹) معجم کبیر للطبرانی ۲/ ۴۳۰، ۴۳۱، رقم: ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، مرفوعاً.

(۱۰) مستدرک حاکم، مطبع مصطفےٰ الباز ۲/ ۵۱۹، رقم: ۱۳۴۳، مرفوعاً.

ان دس کتابوں میں ۱۳؍روایات ہیں، یہ تمام روایات حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مرفوعاً مروی ہیں اور سب میں ''**الطفل يصلى عليه**'' کے الفاظ ہیں۔

اب غور کرنا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی زیادہ مرفوع روایتوں میں ''**الطفل يصلى عليه**'' کے الفاظ موجود ہیں، اور یہ بات واضح ہے کہ طفل کا لفظ لغت کے اندر شیر خوار نرم و نازک کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (القاموس الوحید ۱۰۰۳/۱)

نیز لغت میں طفل کے معنی یہ بھی آتا ہے: ''**الصبي من حين الولادة إلى البلوغ**'' (لغة الفقهاء ۲۹۱) اور **المغرب** ۲۳/۲، میں ہے: ''**الصبي حين يسقط من البطن إلى أن يحتلم**'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''**طفل**'' کا لفظ بچہ کی پیدائش سے لے کر قریب البلوغ تک کے لئے لغت میں مستعمل ہے؛ اس لئے جن روایات میں ''**الطفل يصلى عليه**'' کے الفاظ آئے ہیں، ان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جو بچہ زندہ پیدا ہوتا ہے، اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ البتہ بعض روایات کی تعبیر اس طرح بھی آئی ہے۔

''**الطفل لايصلي عليه و لايرث ولا يورث حتى يستهل**'' (ترمذی، النسخة الهندية ۲۰۰/۱، دارالسلام رقم: ۱۰۳۲)

اس سے مفہوم مخالف کے طور پر مردہ پیدا ہونے والے بچہ کے لئے بھی طفل کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے، اس پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو بچہ زندہ پیدا ہوا ہو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اس کا مطلب یہ نہیں کہ حقیقی طور پر مردہ پیدا ہونے والے بچہ پر بھی طفل کا لفظ بولا جاتا ہے، ہاں البتہ مجازی طور پر اس کے لئے ''**طفل**'' کا لفظ بولا جا سکتا ہے؛ لہٰذا مغیرہ بن شعبہؓ کی یہ تمام روایات جن میں ''**الطفل يصلى عليه**'' کے الفاظ آئے ہیں، ان تمام روایتوں کے ہم معنی ہیں جن میں استہلال کی شرط کے ساتھ نومولود بچہ کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم بیان کیا گیا ہے، ان کے علاوہ مغیرہ بن شعبہؓ کی وہ آٹھ روایات جن میں ''**السقط يصلى عليه**'' کے الفاظ آئے ہیں، ان پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ

’’**السقط**‘‘ کے معنی ناتمام بچہ کے ہیں جو وقت سے پہلے گر جائے اور ’’**سُقط**‘‘ ایسے ناتمام بچہ کو کہا جاتا ہے، جو پیدائش کا وقت آنے سے پہلے گر جائے اور اس میں یہ شرط ہے کہ بچہ کے اعضاء وغیرہ سب مکمل ہو چکے ہوں اور ایسا بچہ عام طور پر مردہ پیدا ہوتا ہے؛ لیکن بسا اوقات ایسا بچہ زندہ بھی پیدا ہو جاتا ہے؛ لہٰذا مغیرہ بن شعبہؓ کی دونوں طرح کی روایتوں کے درمیان تطبیق کی یہی شکل ہے کہ ان کی روایات میں ’’سقط‘‘ سے مراد وہ ناتمام بچہ ہے، جو زندہ پیدا ہوا ہو اور زندہ پیدا ہونے والے بچہ پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر ان کے وہ شاگرد جو ان کے علوم اور روایات کے امین ہیں یعنی حضرت نافع نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سقط پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔

حدیث شریف کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

عن نافع أن ابن عمر صلى على السقط، قال نافع: لا أدري أحيا خرج أم ميتاً. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۲۹۷/۷، رقم: ۱۱۷۰۵)

اس کے الفاظ پر غور فرمایئے کہ نافع فرماتے ہیں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے جو سقط پر نماز جنازہ پڑھی ہے، اس میں تعین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بچہ زندہ پیدا ہوا ہے یا مردہ، معلوم ہوا کہ اس بچہ کے بارے میں دونوں احتمال ہیں کہ وہ بچہ زندہ تھا یا مردہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر نے زندہ بچہ کی نماز جنازہ پڑھائی ہے یا مردہ کی، تو اس سلسلہ میں حضرت ابن عمرؓ کی دوسری روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن نافع عن ابن عمرؓ أنه كان لا يصلي على السقط حتى يستهل.

(سنن کبریٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ۳۰۷/۵، رقم: ۶۸۹۱)

اس حدیث شریف میں یہ بات صاف واضح ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سقط کی نماز جنازہ اس وقت تک نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ وہ بچہ چلا کر نہ روئے اور اس کا زندہ ہونا معلوم نہ ہو جائے؛ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ نے جس بچہ کی نماز جنازہ پڑھائی وہ بچہ زندہ پیدا

ہوا تھا نہ کہ مردہ اور حدیث میں اس بچہ کے لئے سقط کا لفظ استعمال ہوا ہے، اسی بنا پر حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ان روایات میں جن میں **''الطفل''** کے بجائے **''السقط''** کے الفاظ آئے ہیں، سب میں زندہ بچہ مراد ہوگا نہ کہ مردہ؛ اس لئے کہ ناتمام بچہ جو وقت سے پہلے پیدا ہوتا ہے وہ زندہ بھی پیدا ہوسکتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں سقط سے زندہ بچہ کا مراد ہونا متعین ہو چکا ہے، تو ایسے ہی حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ان تمام روایات میں جن میں **''السقط''** کا لفظ آیا ہے زندہ بچہ ہی مراد ہوگا؛ لہٰذا حضرات حنفیہ کے موقف ہی کا زیادہ راجح اور زیادہ صحیح ہونا واضح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۲۲/۴۱)	۱۴۳۶/۱/۴ھ

شکم مادر سے مردہ پیدا ہونے والے بچہ پر نماز جنازہ نہیں

سوال [۴۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو بچہ شکم مادر سے مرا ہوا پیدا ہوا، تو اس کے لئے مسنون طریقہ سے قبر کھودی جائے یا ویسے ہی گڑھا کھود کر دفنا دیا جائے؟

المستفتی: رئیس احمد، منگلور ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بچہ مرا ہوا پیدا ہوا اس کو غسل دیا جائے اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر قبر کھود کر دفن کر دیا جائے؛ البتہ اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، سنت طریقہ پر غسل اور دفن کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۵۵/۲)

وإن لم يستهل غسل في المختار وأدرج في خرقة، ودفن ولم يصل عليه الخ (نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ص: ۱۳۸،

هندية، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الثاني في الغسل، زكريا قديم ١/١٥٩، جديد ١/٢١٩، هدايه، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، اشرفي ديوبند ١/١٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۵۸۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۱۹ھ

مراہوا بچہ پیدا ہوتو کیا اس کا نام رکھا جائے گا؟

سوال [۴۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی بچہ ماں کے پیٹ سے مراہوا پیدا ہوا، کوئی آواز وغیرہ نہیں نکالی، تو کیا اس بچے کا نام رکھ دینا چاہئے اور میدان حشر میں والدین کے لئے سفارشی ہوگا کہ نہیں؟

المستفتی: محمد طاہر، گودھنا، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں، قول راجح کے مطابق اس کا نام رکھ دینا چاہئے، امید ہے کہ وہ میدان حشر میں سفارشی بن جائے؛ البتہ اس پر نماز جنازہ نہیں ہے۔

غسل و سمي عند الثاني، وهو الأصح، فيفتي به على خلاف ظاهر الرواية، ووجهه أن تسميته تقتضي حشره الخ (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچي ٢/٢٢٨، زكريا ٣/١٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۴۰۷)

بچہ پیدا ہونے کے بعد انتقال کر جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۳۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پانچ مہینہ کے بعد بچہ پیدا ہوا زندہ، ایک دو سانس لینے کے بعد مر گیا، تو کیا اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: افضل حسین قاسمی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پانچ مہینہ پر پیدا ہونے والا زندہ بچہ جو ایک دو سانس لینے کے بعد مرا ہو، اس کا نام رکھنا اور اس پر نماز جنازہ پڑھنا لازم ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ا/۵۵)

من استهل بعد الولادة سمي، وغسل وصلي عليه. (عالمگيري، الباب الحادي العشر في صلاة الجنازة، الفصل الثاني في الغسل، زكريا قديم۱/۱۵۹، جديد ۱/۲۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۱/۱۴۱۵ھ

بچہ مردہ پیدا ہو تو نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں؟

سوال[۳۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بچہ پیدا ہوا، جس نے ہی آنکھیں کھولی اور نہ ہی آواز نکالی، تو کیا اس کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟ اور یہ بھی بتادیں کہ آواز نکالنا شرط ہے یا نہیں؟ اور آثار زندگی ہم کیسے سمجھیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم، محلّہ اصالت پورہ، گلی نمبر ۳، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پیدائش کے وقت واقعتاً زندگی کے آثار ظاہر نہیں

ہوئے ہیں، نہ حرکت کی اور نہ آواز نکالی اور نہ ہی آنکھیں کھولی ہیں، تو ایسی صورت میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے اور زندگی کے لئے اگر حرکت وغیرہ دیکھ کر آثار زندگی ظاہر ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے؛ البتہ آواز نکالنا ایک عمومی فطری بات ہے، شرط نہیں ہے۔

إذا استهل المولود صلى عيله، وإن لم يستهل لم يصل عليه. (هداية، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، اشرفي ۱/ ۱۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱۹۱/۲۸)

ڈکیت اور چور کی نماز جنازہ

سوال [۴۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چوروں اور ڈکیتوں کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حبیب اللہ، بہڑ اسیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چور اور ڈکیٹ اگر چوری اور ڈکیتی کرتے ہوئے مارا جائے، تو اس کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ تاکہ دوسروں کو عبرت ہو؛ ہاں البتہ اگر ڈکیتی کے دوران نہ مرا ہو؛ بلکہ عام حالات میں مرا یا مارا گیا، تو اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے۔

وهي فرض على كل مسلم مات خلا أربعة: بغاةٍ، وقطاع طريق، فلا يغسلوا، ولا يصلى عليهم إذا قتلوا في الحرب، و لو بعده صلي عليهم؛ لأنه حدّ أو قصاص. قوله فلا يغسلوا: إنما لم يغسلوا ولم يصل عليهم إهانة وزجراً لغيرهم عن فعلهم. (شامي كراچي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة

۲/ ۲۱۰، زکریا ۳/ ۱۰۷، تاتار خانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في من يصلی عليه ومن لا ۳/ ۵۳، رقم: ۳۷۰٤)

ويصلی علی کل مسلم-إلا البغاة، وقطاع الطريق، ومن بمثل حالهم. (هندية، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة علی الميت، زكريا ۱/ ۱٦۳، جديد ۱/ ۲۲٤)

والسارق الذي صلب بمنزلة قطاع الطريق. (تاتار خانية، کتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون في من يصلی عليه ومن لا، زکریا ۳/ ٥٤، رقم: ۳۷۰٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۹۸)

ڈاکو کی نماز جنازہ اور غسل کا حکم

سوال [۴۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ڈاکو ہے اور ڈاکا ڈالنے کے وقت مارا گیا، تو کیا اس کو غسل دیا جائے گا؟ اور کیا اس کی نماز جنازہ پڑھائی جائے گی۔ نیز اگر ڈاکو نے مرتے وقت کلمہ بھی پڑھا ہو تو کیا اس صورت میں مسئلہ کی نوعیت بدل جائے گی یا وہی مذکورہ رہے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں، نوازش وکرم ہوگا۔

المستفتی: نجیب الرحمٰن بھاگل پوری، مدرس مدرسہ فیض الاسلام، برو الان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈاکو اگر ڈاکہ ڈالتے وقت قتل کردیا جائے، تو اس کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو اسلام سے خارج ہونے کی وجہ سے غسل وصلوۃ سے محروم نہیں کیا جاتا؛ بلکہ بطور سزا محروم کیا جاتا ہے؛ اس لئے اگر کلمہ بھی پڑھ لیا، تو بھی وہی حکم ہوگا۔

من قتل من البغاة، أو قطاع الطريق لم يصل عليه (وقوله) ولنا أن عليا رضي الله عنه لم يصل على البغاة، ولم يغسلهم (وقوله) إنما ترك الغسل والصلاة عليهم عقوبة لهم وزجراً لغيرهم. (فتح القدير، باب الشهيد، قبيل باب الصلاة في الكعبة، كوئٹه ۲/۱۰۹، زكريا ۲/۱۵۹، دار الفكر مصري قديم۲/۱۵۰، بنايه، باب الشهيد، قبيل باب الصلاة في الكعبة اشرفية ۳/۲۸۰، نعيمية ۱/۱۱٤٤، شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا۳/۱۱۰، كراچي ۲/۲۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۹۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱/۱۴۱۳ھ

ڈاکہ زنی اور چوری کے دوران مقتول شخص کی نماز جنازہ

سوال [۴۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص داڑھی والا ہے، نماز بھی پڑھتا ہے؛ لیکن چوری ڈاکہ زنی میں بھی اعلی کمال رکھتا ہے، وہ شخص کسی ڈاکہ میں شریک تھا کہ اسی موقع پر مرگیا، اس کی تجہیز وتکفین شرعی طور پر ہوگی یا نہیں؟ نیز نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ امید ہے کہ بالتفصیل جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: عنایت علی مظفرنگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی طور پر نہیں؛ بلکہ عبرۃً شہید اکبر کے برعکس معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے گا کہ اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

إن قتل لسعاية في الأرض فساداً، أو لبغي على الإمام العدل، أو قطع طريق غسل، ولايصلى عليه للفرق بينه و بين الشهداء. (شرح نقاية، باب الشهيد،

مکتبه اعزازية ديوبند ١/ ١٤٢)

وفي الشامي: وعليه الفتویٰ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ٣/ ١٠٧، كراچي ٢/ ٢١٠، شرح وقايه، باب الشهيد، قبيل باب الصلاة في الكعبة، اشرفي ديوبند ١/ ٢١٥، ملتقى الأبحر، قبيل باب الصلاة في داخل الكعبة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٨١، مصري قديم، كراچي ١/ ١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍ ۱۴۸۶)

ڈاکو کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

سوال [۳۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پہلی کتاب بہشتی گوہر ص: ۹۱؍ پر نماز جنازہ کی شرائط میں سے ایک شرط میت کا مسلمان ہونا بھی بیان فرمایا ہے، پس کافر اور مرتد کی نماز جنازہ صحیح نہیں، مسلمان اگرچہ فاسق یا بدعتی ہو اس کی نماز صحیح ہے، سوائے ان لوگوں کے جو بادشاہ برحق سے بغاوت کریں یا ڈاکہ زنی کرتے ہیں بشرطیکہ یہ لوگ بادشاہ وقت سے لڑائی کی حالت میں مقتول ہوں اور اگر بعد لڑائی کے یا اپنی موت سے مر جائیں تو پھر ان کی نماز پڑھی جائے گی، اسی طرح جس شخص نے اپنے باپ یا ماں کو قتل کیا ہو اور اس کی سزا میں وہ مارا جائے، تو اس کی نماز پڑھی جائے گی اور ان لوگوں کی نماز زجراً نہیں پڑھی جاتی۔

دوسری کتاب فتاوی دارالعلوم جلد: ۵؍ سوال: ۲۸۶۳؍ مسلمان ڈاکو ڈاکہ زنی کی حالت میں مارا جائے، تو کیا اس کا ایمان قائم رہے گا اور اس کی نماز جنازہ جائز ہے؟

جواب: وہ شخص فاسق ہے کافر نہیں، اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی **لقوله عليه السلام: صلوا على كل بر وفاجر.** اسی صفحہ کے حاشیہ ۲؍ پر یہ لکھا ہے کہ زانی کی نماز

جنازہ تو ضرور پڑھی جائے گی، مگر ڈاکو کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی؛ چونکہ ڈاکہ زنی اور قتل کی وارداتیں موجودہ دور میں عام ہو رہی ہیں، اس لئے آپ سے معلومات کی جا رہی ہے کہ جو شرائط بہشتی گوہر میں بیان فرمائی گئی ہیں کہ بادشاہ برحق سے بغاوت کی یا بادشاہ وقت سے لڑائی کی حالت میں مقتول ہو گیا وغیرہ، تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جہاں پر ہم لوگ آباد ہیں کیا یہاں پر بھی ان شرائط کا لحاظ رکھا جائے گا یا یہ شرائط ختم ہو جائیں گی، ان تمام باتوں کے پیش نظر چند امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) ایک شخص ڈاکہ زنی بھی کرتا ہے اور قتل بھی کرتا ہے، پیسہ لے کر یا دشمنی میں کرتا ہے اور زنا کار بھی ہے، ان تمام چیزوں کے باوجود نماز بھی پڑھتا ہے۔

الف: ایسا شخص کسی مکان میں ٹھہرا ہو، اس وقت اس کو بدمعاش ختم کر دیں یا پولس مخبر کی اطلاع پر پہونچ کر اسے گولی مار کر ختم کر دے۔

ب: ایسے ہی ڈاکہ زنی کی حالت میں عوام اسے مار دے یا پولیس سے مڈبھیڑ میں مارا جائے، تو ایسے شخص کی نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایسے آدمی کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کیا جائے تو شریعت کا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۲) اگر موجودہ دور کے ڈاکو کی نماز جنازہ پڑھی گئی تو کیا نماز جنازہ پڑھانے والے اور پڑھنے والے گنہگار ہوں گے؟

(۳) نماز جنازہ صرف امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے یا تمام انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں نماز جنازہ کا ثبوت ملتا ہے؟ اس کی بھی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: جمیل احمد قاسمی، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) مسلمان ڈاکو کو اگر اس کے گھر یا ٹھکانہ پر حملہ کر کے دوسرے بدمعاش نے قتل کر دیا، تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

(۲) پولیس نے ڈاکو کو اگر اس کے مقام پر چھاپہ مار کر قتل کر دیا تب بھی اس کی نماز جنازہ

پڑھی جائے گی۔

(۳) اگر مسلمان ڈاکو ڈاکہ زنی کی حالت میں عوام کے ہاتھوں مارا جائے، تو پھر بغیر نماز جنازہ کے اس کو دفن کر دیا جائے گا۔

(۴) اور اگر ڈاکو پولیس سے مڈبھیڑ میں مارا جائے تبھی بطور زجر وعبرت کے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

ولا يصلي على باغ ولا قاطع طريق إذا قتلا حال الحرب زجراً عن مثل فعلهما. (كبيري شرح منيه، فصل في الجنائز، اشرفية ديوبند ٥٩٠، قديم ٤٥٧)

ولا يصلى عليهم إذا قتلوا في الحرب، ولو بعده صلى عليهم. (درمختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، زكريا٣/١٠٧، كراچي٢/٢١٠، حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، دار الكتاب ديوبند ٦٠١، قديم ٣٣٠)

ڈاکو کو نماز جنازہ سے محروم رکھنے کا حکم زجر وتوبیخ کی بناء پر ہے؛ لیکن اگر لاعلمی کی بنا پر اس کی نماز جنازہ پڑھ لی جائے یا کسی مصلحت کی بنا پر پڑھ لی جائے، تو پھر پڑھنے اور پڑھانے والا کوئی گنہگار نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۵/۳۰۹)

عن أبي هريرة رضي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: صلوا على كل بر وفاجر. الحديث (سنن دار قطني، باب صفة من تجوز الصلاة معه والصلاة عليه ٢/٤٤، رقم: ١٧٥٠، شامي، باب الجنائز، مطلب في صلاة الجنازة، زكريا ٣/١٠٢، كراچي ٢/٢٠٧، مشكوة ص: ١٠٠)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے، مگر صحیح حدیث سے اس قول کی تردید ہوجاتی ہے، اس حدیث پاک میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے انتقال پر فرشتوں نے انہیں غسل دیا اور باقاعدہ نماز جنازہ بھی پڑھائی اور ان فرشتوں نے اس موقع پر یہ پیغام بھی سنایا کہ یہی طریقہ بعد والوں کے لئے بھی ہوگا، اس حدیث سے

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ اس امت کے خصوصیات میں سے نہیں؛ بلکہ گذشتہ شریعتوں کے لئے بھی یہ نماز مشروع تھی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۴۱۳، جدید ڈابھیل ۸/۵۴۴)

قيل هي من خصائص هذه الأمة، كالوصية بالثلث، ورد بما أخرجه الحاكم و صححه عنه صلى الله عليه وسلم، أنه قال: كان آدم رجلا أشقر طوالا كأنه نخلة سحوق، فلما حضره، الموت نزلت الملائكة (إلى قوله) وصلوا عليه، وقالوا: هذه سنة لمن بعده. (حاشية الطحطاوي على المراقي، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، دارالكتاب ديو بند ۵۸۰، قديم ۳۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱۴ھ

کیا خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی؟

سوال [۳۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے گھریلو الجھن اور آپس کے لڑائی جھگڑے سے پریشان ہو کر خودکشی کرلی۔

اب مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ واضح ہو کہ یہاں کے بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے صحیح کیا ہے؟ حکم شرعی تحریر فرمادیں۔

المستفتی: شمیم اختر، حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ ہے؛ لیکن موجب کفر نہیں ہے؛ لہٰذا خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے؛ چنانچہ زید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

من قتل نفسه يغسل و يصلى عليه، قال الحجة: وهو الصحيح؛ لأنه مؤمن مذنب، فصار كغيره من أصحاب الكبائر. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون من يصلى عليه و من لا يصلى، زكريا ٣/ ٥٦، رقم: ٣٧٠٨، كوئٹه ٢/ ١٦٢، عالمگيري، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، زكريا قديم ١/ ١٦٣، جديد ١/ ٢٢٤، شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچي ٢/ ٢٠٨، زكريا ٣/ ١٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۵/۱۴۲۴ھ

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا

سوال [۳۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد مقیض الدین، میسور، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خودکشی اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے؛ لیکن خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۴/ ۱۹۶، امداد الفتاوی، زکریا ۸/ ۶۲۵، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۸/ ۶۲۵، میرٹھ ۱۳/ ۲۱۴)

وفي الجامع الصغير: من قتل نفسه يغسل ويصلى عليه. قال الحجة: وهو الصحيح؛ لأنه مؤمن مذنب، فصار كغيره من أصحاب الكبائر. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون من يصلي عليه ومن لا يصلي، زكريا ٣/ ٥٦، رقم: ٣٧٠٨)

من قتل نفسه ولو عمداً يغسل ويصلي عليه، به يفتى وإن كان أعظم وزراً. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ٣/ ١٠٨، كراچي ٢/ ٢٠٨، تبيين

الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مكتبه امدادية ملتان ١/ ٢٥٠، زكريا١/ ٥٩٧، سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٨١، هندية، الباب الحادي والعشرون في صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، زكريا قديم ١/ ١٦٣، جديد ٢٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۹۳/۴۰)

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم

سوال [۴۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص خودکشی کرلے، تو نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کے لئے قرآن مجید پڑھ کر ایصال ثواب ودعاء مغفرت یا صدقۂ جاریہ کیا جائے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی قبولیت یا بخشش ہوگی یا نہیں؟ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: انظار الاسلام، کمال پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خودکشی کے بارے میں سخت وعید آئی ہے، مگر شرعاً اس کی نماز جنازہ، سنت طریقہ سے کفن دفن کرنا ضروری ہے۔

نیز جب وہ مسلمان ہونے کی حالت میں مرا ہے، تو اس کے لئے ایصال ثواب بھی درست ہوگا، قبولیت کے بارے میں اللہ کو معلوم ہے۔

عن واثلة بن الأسقع قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلوا على كل ميت، وجاهدوا مع كل أمير. (سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب في الصلاة على أهل القبلة، النسخة الهندية ١/ ١٠٩، دارالسلام رقم: ١٥٢٥)

عن عمران قال: سألت إبراهيم النخعي عن إنسان قتل نفسه أ يصلى عليه؟ قال: نعم! إنما الصلاة سنة. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الجنائز، باب في الرجل يقتل نفسه...... مؤسسه علوم القرآن جديد ۳۷٦/۷، رقم: ۱۱۹۹۰)

من قتل نفسه ولو عمداً يغسل و يصلى عليه، به يفتي. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ۱۰۸/۳، كراچي ۲۱۱/۲)

إن رجلا قتل نفسه، فلم يصل عليه النبي صلى الله عليه وسلم...... فقال بعضهم: يصلى على كل من صلى للقبلة وعلى قاتل النفس. (ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء فيمن قتل نفسه لم يصل عليه، النسخة الهندية ۲۰۵/۱، دارالسلام رقم: ۱۰٦۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۷۷۴/۳۲)	۱۴۱۵/۱۲/۲۹ھ

سیلاب میں بہہ کر آئی عورت کی نماز جنازہ کا حکم

سوال [۴۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سیلاب کے مہینہ میں ایک عورت پانی میں ڈوبی ہوئی ملی اور یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ مسلم ہے یا غیر مسلم، تو کیا اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: سعد اللہ بیلا جاہی، سپول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عورت جہاں پائی گئی وہ مسلمانوں کا علاقہ ہے یا جس طرف سے بہہ کر آرہی ہے ادھر مسلمانوں کا علاقہ ہے، تو ایسی صورت میں عورت مسلمان تسلیم کی جائے گی اور اسلامی طریقہ پر غسل ونماز جنازہ کے ساتھ مسلمانوں کے قبرستان میں

دفن کی جائے گا اور اگر جہاں پائی گئی ہے وہ غیر مسلموں کا علاقہ ہے یا جدھر سے بہہ کر آ رہی ہے ادھر بھی غیر مسلموں کا علاقہ ہے، تو وہ عورت غیر مسلم شمار کی جائے گی، اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا، اور غیر مسلموں کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اگر مسلم اور غیر مسلم کی مخلوط آبادی ہے اور جدھر سے بہہ کر آئی ہے ادھر بھی مخلوط آبادی ہے، تو ایسی صورت میں بھی عورت کو مسلمان تسلیم کر کے اسلامی طریقہ پر اس کو دفن کیا جائے گا۔

وإذا اختلط موتى المسلمين وموتى الكفار، فمن كانت عليه علامة المسلمين صلى عليه، ومن كانت عليه علامة الكفار ترك، فإن لم تكن عليهم علاقة والمسلمون أكثر غسلوا، وكفنوا، وصلي عليهم، وينوون بالصلاة، والدعاء للمسلمين دون الكفار ويدفنون في مقابر المسلمين، وإن كان الفريقان سواء، أو كانت الكفار أكثر لم يصل عليهم، ويغسلون، ويكفنون، ويدفنون في مقابر المشركين. (الأشباه والنظائر، القاعده الثانية، إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام قديم ١٨١، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، الجنائز المتفرقات ٣/٨٣، رقم:٣٧٧٢، المحيط البرهاني، الفصل الثاني الثلاثون، الجنائز، المجلس العلمي ٣/١٠١، رقم:٢٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۵۲۱)	۲۹/۷/۱۴۲۵ھ

غیر مسلم کے نومولود بچہ کی تجہیز و تکفین

سوال [۴۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غیر مسلمہ باؤلی عورت بدکاری سے حاملہ ہوگئی، محلّہ والوں نے اس کو بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہسپتال میں بھرتی کرا دیا، پھر ہسپتال میں لڑکا پیدا ہوا، پھر اس باؤلی عورت کو

کچھ دنوں ہسپتال میں رکھ کر رخصت کر دیا، اس بچہ کو ایک گاؤں کے مسلمان نے اپنی تربیت میں رکھ لیا یہ لڑکا حرامی ہے اور غیر مسلمہ کے بطن سے ہے؛ لیکن ایک ہفتہ کے بعد اس بچہ کا انتقال مسلمان شخص کے گھر پر ہو گیا، تو سوال یہ ہے کہ بچہ کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں اور اس بچے کا اسلامی نام بھی رکھا گیا تھا اور کفن دفن بھی مسلمان نے کیا، تو نماز جنازہ اور تدفین کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: بشیر الدین بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مسلمان نے اس کو اپنی پرورش میں لے لیا ہے، تو وہ بچہ مسلمان ہی ہے؛ کیونکہ وہ بڑا ہو کر بھی لامحالہ مسلمان ہی رہتا؛ لہٰذا مذکورہ مسلمان نے جو اسلامی نام رکھ کر اسلامی طریقہ سے دفن کیا ہے صحیح کیا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ہر بچہ فطرۃ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، مگر ماں، باپ بعد میں عقیدہ خراب کرتے ہیں اور مذکورہ لڑکا فطرت اسلام پر مرا ہے۔

عن أبي هريرةؓ، أنه كان يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه، وينصرانه، ويمجسانه الحديث. (صحيح مسلم، كتاب القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة، النسخة الهندية ٢/٣٦، بيت الأفكار رقم:٢٦٥٨، صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فهل يصلي عليه، النسخة الهندية ١/١٨١، رقم: ١٣٤٢، ف:١٣٥٨، مشكوة ١/٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۲۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱۱/۱۴۱۵ھ

غیر مسلم کی اسلامی طریقہ پر تدفین کرنا

سوال [۴۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسلمان کو غیر مسلم کی تکفین وتدفین اپنے ہاتھ سے طریقۂ اسلام پر مع کلمۂ توحید و آیت قرآنی **منها خلقنكم الخ** کے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ایسے اگر کرلیا ہے، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: جلال الدین، کٹیہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کو اگر مسلمان دفن کرتا ہے، تو ناپاک کپڑے دھونے کی طرح دھوکر کسی معمولی کپڑے میں لپیٹ کر بغیر سنت کی رعایت کرتے ہوئے کسی گڑھے میں کتے کی طرح ڈال کر داب دے، اسلامی طریقہ سے دفن کرنا جائز نہیں ہے، جس نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرلے۔

عن علي بن أبي طالبؓ، قال: لما توفي أبو طالب أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: إن عمك الشيخ قدمات، فقال لي: اذهب فواره. الحديث. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الطهارة، باب الغسل من غسل الميت، دارالفكر ۱/۵۱۲، رقم:۱۴۹۶)

عن علي بن أبي طالب قال: لما مات أبو طالب أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله! مات الشيخ الضال، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذهب فاغسله، وكفنه. الحديث (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الطهارة، باب الغسل من غسل الميت، دارالفكر ۱/۵۱۳، رقم:۱۴۹۹، وهكذا في الطبقات الكبرى لإبن سعد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۹۹)

وإذا مات الكافر وله ولي مسلم، فإنه يغسله، ويكفنه، ويدفنه؛ لكن يغسل غسل الثوب النجس، ويلف في خرقة وتحفر حفيرة من غير مراعاة سنة التكفين واللحد. (هداية، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت

۱/ ۱۸۱-۱۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۲۵۶ ۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۳۱ھ

مرتد کے نابالغ بچہ کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال [۳۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مسلمان پابند شرع ہے، اچانک اس کا لڑکا بیمار ہوگیا اور زیادہ عرصہ تک بیمار رہا، زید نے بہت زیادہ علاج کرایا کوئی فائدہ نہیں ہوا، زید کی ماں نے کہا کہ دیوی پاٹن میں جا کر کچھ دان دو؛ چنانچہ زید گیا اور وہاں مندر پر پجاری کو روپیہ دے دیا کہ پرساد چڑھادو، پجاری نے آدھا پرساد اپنا لیا اور آدھا زید کو دیا، زید نے خود کھایا اور دوسروں کو بھی کھلا دیا اور پجاری نے زید اور اس کے لڑکے کی پیشانی پر ٹیکہ بھی لگایا، دیوی پاٹن ہندؤں کی پوجا کا بہت بڑا استھان ہے، وہاں سے زید گھر آیا، کچھ لوگوں نے کہا وہ مسلمان نہیں رہا؛ کیونکہ اس کا عقیدہ صحیح نہیں ہے، اس سے کہا گیا کہ تو توبہ کرلے تو اس نے توبہ نہیں کیا، اسی حال میں رہا، پھر چار دن کے بعد اس کا لڑکا مرگیا، چند لوگوں کے سوا تمام لوگوں نے جنازہ کی نماز پڑھی لڑکے کی عمر تقریباً ۹؍سال تھی، گاؤں کے سب آدمیوں کو معلوم نہیں تھا کہ وہ مندر پر گیا تھا؛ اس لئے تمام لوگوں نے جنازہ کی نماز پڑھی، بعد میں جب معلوم ہوا تو گاؤں کے تمام لوگوں نے تجدید نکاح وایمان کیا۔

اب اس مسئلہ کے بارے میں صحیح جواب عنایت فرمائیں۔

(۱) کیا آدمی مندر پر جانے سے مرتد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مرتد آدمی کا بچہ جو ابھی نابالغ ہے مرگیا اور ماں مسلمان ہے، اور ماں، باپ دونوں ساتھ ساتھ رہتے ہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی کہ نہیں؟

(۳) کیا اس بچہ کی نماز جنازہ پڑھنے سے صرف نکاح ہی ٹوٹ جاتا ہے یا اسلام سے خارج ہوجاتا ہے؟

(۴) جن لوگوں کا نکاح ٹوٹ گیا اور ابھی تک انہوں نے اپنا نکاح نہیں پڑھایا ہے ان کا کیا حکم ہے؟

(۵) نکاح ٹوٹ جانے کے بعد جن لوگوں نے دوبارہ نکاح نہیں پڑھوایا اور میاں بیوی کی طرح ساتھ ساتھ رہے، ان سے حمل ٹھہر گیا ان کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عنایت اللہ قاسمی، معرفت عبدالجلیل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اس شخص نے اپنے بچہ کو مندر میں لے جاکر جو حرکت کی ہے وہ کفریہ حرکت ہے تجدید ایمان اس پر لازم ہے۔

لو شبه نفسه باليهود، والنصارىٰ صورة، أو سيرة على طريق المزاح والهزل...... كفر. (شرح فقه اكبر ۲۲۸)

لو أن رجلا عبد الله خمسين سنة، ثم جاء يوم النيروز، فأهدىٰ إلى بعض المشركين بيضةً يريدبه تعظيم ذلک اليوم، فقد كفر بالله وأحبط عمله.

(تاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادى والعشرون في الخروج إلى النشيدة، زكريا ديوبند ۳۴۷/۷، رقم: ۱۰۶۵۶، قديم ۵۲۲/۵)

نیز اس پر تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح لازم ہے۔

إذا ارتد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق. (هداية، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك اشرفي ۳۶۸/۲)

(۲/۳) بچہ ماں کے تابع ہوکر مسلمان شمار ہوگا؛ لہٰذا اس کی نماز جنازہ جائز اور مشروع ہے۔

فإن كان أحد الزوجين مسلماً، فالولد على دينه، وكذلک إن أسلم أحدهما وله ولد صغير صار ولده مسلماً بإسلامه. (هداية، كتاب النكاح،

باب نكاح أهل الشرك، اشرفي ديو بند ٢/ ٣٤٦)

لہٰذا نماز جنازہ پڑھنے والوں میں سے کسی کا نکاح نہیں ٹوٹا، سب کا ایمان بدستور باقی ہے۔

(۴) نکاح ہی نہیں ٹوٹا تو ان پر تجدید نکاح کی کیا ضرورت؟

(۵) نکاح نہیں ٹوٹا اور نہ ہی ان پر کوئی حکم لاگو ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۵۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱/۹ھ

مسلم لڑکی جس نے ہندو سے شادی کی اور غیر مسلم لڑکی جو مسلمان کے پاس ہے ان کے کفن دفن کا حکم

سوال [۳۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلم کی لڑکی ہندو مذہب کے لڑکے کے ساتھ چلی گئی، پھر کچھ دنوں کے بعد ماں باپ سے ملنے کے لئے آنے لگی، پورے تعلقات ہندو لڑکے سے ہیں، ایسی حالت میں لڑکی کی خدانخواستہ موت واقع ہوگئی، تو کس مذہب پر کفن دفن کیا جائے اور ہم لوگوں کو ان سے تعلقات رکھنے چاہئے یا نہیں؟

(۲) مسلم لڑکے نے ہندو مذہب کی لڑکی کو اپنے پاس رکھا ہے بغیر نکاح کے، خدانخواستہ موت واقع ہوگئی، تو کس مذہب پر کفن دفن کیا جائے؟ ایسے لوگوں سے ہم لوگوں کو تعلقات رکھنے چاہئے یا نہیں؟

(۳) ان دونوں شکلوں کے بارے میں لوگ پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، منظر عام پر لانا نہیں چاہتے، ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالسلام قریشی، تلودھی، چندر پور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) جب مسلم لڑکی ہندو مذہب لڑکے کے ساتھ چلی گئی تو

ظاہر ہے کہ لڑکی نے اپنے مذہب کو بتدیل کر کے لڑکے کے مذہب کو قبول کرلیا ہے محض والدین سے ملاقات کرنے کی وجہ سے اسے مسلمان نہیں کہا جائے گا؛ بلکہ اس کا حکم مرتد کا ہوگا، اگر اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوجائے، تو کپڑے میں لپیٹ کر جانوروں کی طرح دفن کردیا جائے گا، نہ نماز پڑھی جائے گی اور نہ ہی سنت کے مطابق تجہیز وتکفین کی جائے گی؛ البتہ اگر وہ غیر مسلم کے ساتھ جانے کے بعد بھی مذہب اسلام پر مضبوطی سے قائم رہے، تو پھر بھی دونوں کا ساتھ رہنا زندگی بھر بدکاری اور زنا کاری ہوگی اور اولاد بھی بدکاری کی ہوگی اور چونکہ مذہب اسلام پر مضبوطی سے قائم ہے؛ اس لئے اسلامی طریقہ پر تجہیز وتکفین کی جائے گی، اگر دین پر قائم ہونے کے باوجود غیر مسلم کے یہاں سے الگ نہیں ہوتی ہے، تو رشتہ داروں کو اس سے تعلقات ختم کردینا چاہئے۔

ولاتصل على أحدمنهم مات أبداً ولا تقم على قبره، بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِىْ الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْن. [التوبة: ۸۰]

والمرتد إذا قتل يحفرله حفيرة، ويلقي فيها كالكلب، ولايدفع إلى من انتقل إلى دينهم ليدفنوه. (البناية، باب الجنائز، فصل في الصلاة على الميت اشرفية ديوبند ۳/۲۳۹، نعيمية ديوبند ۲/۱۱٦، الدر مع الرد، كاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچي ۲/۲۳۰، زكريا۳/۱۳٤)

(۲) اور اگر مسلم لڑکے نے ہندو مذہب کی لڑکی کو اپنے پاس رکھا ہے اور اس لڑکی نے اسلام قبول نہیں کیا ہے، تو اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے شرعی طور پر اس کا نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ بلکہ باطل ہوگا؛ اس لئے نکاح کے ساتھ رکھے یا بغیر نکاح کے ہر حال میں اس لڑکی کے ساتھ بدکاری اور زنا کاری ہوگی، اس کے مرنے کے بعد اسلامی طریقہ پر کفن دفن نہیں کیا جائے گا؛ اس لئے کہ اس کے اسلام لانے کی کوئی علامت نہیں پائی گئی۔

وعلى هذا قالوا: اشترىٰ جارية، أو تزوج امرأة فاستوصفها صفة الإسلام، فلم تعرفه لا تكون مسلمة. (فتح القدير، باب الجنائز، فصل في الصلاة

علی المیت، کوئٹہ ۹۳/۲، زکریا ۱۳۷/۲، دار الفکر مصري قدیم ۱۳۱/۲، ۱۳۲، حاشیة الطحطاوي علی مراقي الفلاح، باب أحکام الجنائز، دارالکتاب دیوبند ۶۰۰)

وکذا لو اشتریٰ جاریة، واستوصفها صفة الإسلام لایکون بذلک مؤمنة، وإنما یصلی علیه عند الإقرار بالإسلام؛ لأنه صح إسلامه استحسانًا.

(البنایة، باب الجنائز، فصل في الصلاة علی المیت، اشرفیة دیوبند ۲۳۶/۳، نعیمیة ۱۱۱۳/۲)

(۳) اگر لوگ اس مسئلہ کو منظر عام پر لانا نہیں چاہتے ہیں اور آپ کو مسئلہ معلوم ہو چکا ہے، تو اب آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی یہ خدمت انجام دیں، دوسرے لوگوں کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۹۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۱/۱۴۲۵ھ

مندروں میں جا کر بتوں کی پوجا کرنے والے کی نماز جنازہ کا حکم

سوال [۳۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کے مندر میں جا کر بتوں کی پوجا کرے اور ان کے سامنے اپنا سر ٹیکے، تو اس مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے لئے صدقہ کرنا اور اس کے لئے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد گلفام، متولی مسجد بکر قصاب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر واقعی مندروں میں جا کر پوجا کی ہے اور بت پرستی کی ہے، تو اسلام سے خارج ہو چکا ہے، لہٰذا اگر مرنے سے پہلے توبہ کر کے تجدید ایمان نہیں کی ہے اور اسی حالت میں مرا ہے، تو اس کی نماز جنازہ درست نہیں ہے اور اس کے لئے ایصال ثواب کرنا بھی جائز نہیں ہے اور اگر توبہ کر کے تجدید ایمان کر لی تھی اور اس کے بعد مرا ہے، تو نماز

جنازہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/۲۹، جدید زکریا مطول ۱/۸۵، جدید زکریا مطول ۱/۳/۶۰۲، فتاوی احیاء العلوم ۱/۹۶)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا أُوْلِيْ قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ. [التوبة:۱۱۳]

ولاتصل على أحدمنهم مات أبداً ولا تقم على قبره، بِأَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِيْ الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ. [التوبة: ۸۰]

وَإِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَى. [طه: ۸۲]

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. [النساء:۱۷]

كما لو سجد لصنم، أو وضع مصحفاً في قاذورة، فإنه يكفر. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، زكريا ۶/۳۵۶، كراچي ۴/۲۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۱۴۱/۵۰)

کفریہ عقائد رکھنے والوں کی نماز جنازہ کا حکم

سوال [۳۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی کی محلّہ کی مسجد میں زید عرصہ پندرہ سال سے امامت کررہا ہے، اسی محلّہ میں ایک ایسے فرقہ نے جنم لیا ہے، جو کہ نعوذ باللہ یہ کہتا ہے کہ نماز روزہ کوئی چیز نہیں، نماز کے بارے میں حکم ہے کہ نماز قائم کرو، جس طرح تم نماز پڑھتے ہو، اس طرح نماز قائم نہیں ہوتی؛ بلکہ نماز قائم کرنے والے ہم لوگ ہیں۔

اور روزہ کا مطلب ہے رکنا یہ نہیں کہ کھانے پینے سے رک جاؤ؛ بلکہ رکنا وہ ہے جو حالت ہم کو ہر وقت حاصل ہے اور قرآن ایک مثال ہے کہ اس میں ابابیلوں اور ہاتھی وغیرہ وغیرہ کا ذکر

ہے اورکوسنا کاٹنا ہے، جیسا کہ تبت یدا میں ہے اور ایسا نماز میں کرنا یعنی نماز میں چرندوں، پرندوں کا ذکر اور کسی کو بد دعا کرنا کہاں درست ہے یہ کوئی نماز ہے؟ اور روزہ ضروری نہیں اس کا فدیہ دے دو ادا ہو جائے گا، اسے تو بھوکا مارنا کہتے ہیں، اسی طرح کی اور بہت سی نازیبا غلطیاں یہ لوگ کرتے ہیں، اگر منع کیا جائے تو رکتے نہیں، اس فرقہ کے لوگ اپنے پیر کے قدموں پر ماتھا رکھتے ہیں اور سر کو اس وقت تک نہیں اٹھاتے؛ جب تک پیر صاحب اپنا ہاتھ سر پر نہ رکھیں گے، پیر صاحب کے ہاتھوں کا دھوون آپس میں بہت بڑا جام حیات سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، یہ تبلیغ ان لوگوں کی عرصہ بیس سال سے چل رہی ہے اور امام زید کو ان کے ہر کام کا علم بخوبی ہے، یہ فرقہ کہتا ہے کہ قرآن کے چالیس پارے ہیں، اس کے دس پارے ہمارے پاس ہیں، جو سینہ در سینہ چلے آرہے ہیں، ان مولویوں کو ان کا علم نہیں ہے، جس کو وہ حاصل نے ہوں ہم جیسا ہو جائے، اس فرقہ کے ایک فرد کا انتقال ہو گیا تو زید نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی، اس کے بعد پھر ایک فرد کا اسی فرقہ کے انتقال ہو گیا، اس کی بھی زید نے بلاسوچے سمجھے نماز جنازہ پڑھا دی، تو اس فرقہ کے کسی فرد کی نماز جنازہ زید کو پڑھانا درست ہے یا نہیں؟ از روئے شرع اس فرقہ کی نماز جنازہ جو زید نے پڑھائی کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عمر، ایڈوکیٹ، منڈاور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکور فرقہ کے عقائد موجب کفر ہیں، ایسے عقائد رکھنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے، جو شخص ان کے عقائد معلوم ہونے کے باوجود ان کی میت کی نماز جنازہ پڑھائے، وہ عاصی اور فاسق ہے، ایسا شخص جب تک توبہ نہ کرے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور جب توبہ کرے گا اور آئندہ اس میں شرکت نہ کرے گا، تو نماز بلا کراہت درست ہوگی۔

اوقال نماز کردہ یا نا کردہ یکے است = اوقال نماز چیزے نیست کہ اگر بماند کندہ شود

فهـذا كـلـه كفر. كذا في خزانة المفتيين. (عـالـمـگيري، ومنها ما يتعلق بالصلاة والصلام والزكاة، زكريا قديم ٢/ ٢٦٨، جديد ٢/ ٢٨٠)

أمـا المرتد فيلقي في حفرة كالكلب، أي يغسل ولايكفن. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، كراچي ٢/ ٢٣٠، زكريا ٣/ ١٣٤)

ويـكـره إمامة عبد، و فاسق، ومبتدع: أي صاحب بدعة، أما الفاسق، فـقد عللوا كراهة تقديمه، بأنه لا يهتم لأمر دينه؛ بل مشي في شرح المنية عـلـى أن كـراهة تقديمه كراهة تحريم. (شـامـي، كتـاب الصلاة، باب الإمامة، كراچي ١/ ٥٥٩- ٥٦٠، زكريا ٢/ ٢٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۳/ ۱۴۲۴ھ

❁ ❁ ❁

(٩) باب حمل الجنازة

جنازہ گھر سے نکالنے سے قبل میت کے لئے دعاءِ مغفرت کرنا

سوال [٣٨٨٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کے لئے جنازہ کے گھر سے نکلنے سے پہلے مغفرت کی دعاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: انجمن علماء لکھیم پور نورتھ لکھیم پور (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میت کے لئے دعاء مغفرت کرنا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، گھر سے نکلنے سے پہلے، گھر سے نکلنے کے بعد ہر حالت میں جائز ہے، کسی ایک وقت کو متعین کر لینا درست نہیں ہے۔

عن أم سلمة رضـ –إلى– قالت: فلما مات أبو سلمة أتيت النبي صلى الله عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم، إن أبا سلمة رضـ مات، قال: فقولي: اللّٰهم اغفرلي وله الخ (ترمذي، كتاب الجنائز، باب ماجاء في تلقين المريض عند الموت والدعاء له عنده، النسخة الهندية ١/١٩٢، دارالسلام رقم: ٩٧٧)

أن أبا هريرة رضـ، أخبر هما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نعي لهم النجاشي صاحب الحبشة في اليوم الذي مات فيه، و قال: استغفروا لأخيكم. (بخاري شريف، المناقب، باب موت النجاشي، النسخة الهندية ١/٥٤٨، رقم: ٣٧٤٢، ف: ٣٨٨٠)

ذكر ما يستفاد منه –إلي–: فيه : إباحة الدخول على الميت بعد

التکفین......وفیه: الدعاء للمیت. (عمدة القاري، باب الدخول علی المیت بعد الموت إذا أدرج في أکفانه، قدیم مصري ۱۷/۸، زکریا ۲۳/۶)

صرح علماؤنا في باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلوةً، أو صوماً، أو صدقةً، أو غیرها. (شامي، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القرأة للمیت واهداء ثوابها له، کراچي ۲۴۳/۲، زکریا ۱۵۱/۳)

فإن من صام، أو صلی، أو تصدق، وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز، ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة. (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، زکریا۱۰۵/۳، کوئٹه ۵۹/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۶۰۷/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۲۴ھ

جنازہ لے جاتے وقت کیا پڑھیں؟

سوال [۳۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب لوگ جنازہ کی چار پائی لے کر چلتے ہیں تو ان لوگوں کو کیا پڑھنا چاہئے، جو لوگ پیچھے پیچھے چلنے والے ہیں ان کو کیا پڑھنا چاہئے؟

المستفتی: شاہد علی، گونڈوی، امام محلّہ کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ لے کر چلنے والے اور پیچھے پیچھے چلنے والے سب کے لئے خاموش رہنا بہتر ہے؛ البتہ اگر کوئی ذکر وغیرہ کرنا چاہے، تو دل دل میں کیا کرے، آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے۔

عن زید بن أرقم رضی اللہ عنہ، عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إن اللّٰہ عزوجل یحب الصمت عند ثلاث: عند تلاوة القرآن، وعند الزحف، وعند الجنازة.

(المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٥/٢١٣، رقم: ٥١٣٠)

عن قتادةؓ، عن الحسن قال: أدركت أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يستحبون خفض الصوت عند الجنائز، وعند قراءة القرآن، وعند القتال وبه نأخذ. (مصنف عبد الرزاق الصنعاني الجنائز، باب خفض الصوت عند الجنائز، المجلس العلمي ٣/٤٥٣، رقم: ٦٢٨١)

وعلى متبعي الجنازه الصمت، ويكره لهم رفع الصوت بالذكر، وقراءة القرآن الخ (فتاوى تاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الجنازة حمل الجنازة، زكريا٣/٣٧، رقم: ٣٦٧٥، كوئٹه ٢/١٥٢، البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاة، زكريا ٢/٣٣٦، كوئٹه ٢/١٩٢، الجوهرة النيره، باب الجنائز، دارالكتاب ديوبند ١/١٣٠، مكتبه امداديه ملتان ١/١٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۱۸۷۲)

قبرستان دور ہونے کی وجہ سے جنازہ کو راستہ میں رکھنا، پھر لے جانا

سوال [۳۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کے گھر سے قبرستان ایک فرلانگ کی دوری پر ہے زید کے گاؤں سے جنازے کو قبرستان لے جاتے وقت عام طور سے لوگ قبرستان پہونچنے سے پہلے آدھی دوری پر منزل لیتے ہیں، یعنی تھوڑی دیر چارپائی کو زمین پر رکھ کر پھر اٹھا کر لے جاتے ہیں اور قبرستان تک پہونچاتے ہیں، کیا جنازے کو دوسری منزل لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد جابر خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: احادیث طیبہ میں جنازہ میں جلدی کرنے کا حکم وارد ہوا

ہے؛ لہٰذا بلا وجہ تاخیر درست نہیں ہے، بریں بنا قبرستان پہونچنے سے پہلے تھوڑی دیر جنازہ کو بلا عذر زمین پر رکھنا یا اس کو لازم سمجھنا درست نہ ہوگا۔

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أسرعوا بالجنازة، فإن تک صالحة فخير تقدمونها، وإن تک سوى ذلک فشر تضعونه عن رقابكم. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، النسخة الهندية ١/١٧٦، رقم: ١٣٠١، ف: ١٣١٥)

ويسرع بها بلا خبب (در مختار) وحد التعجيل المسنون أن يسرع بها بحيث لا يضطرب الميت على الجنازة. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل الميت، كراچي ٢/٢٣٢، زكريا ٣/١٣٦، هندية، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة زكريا قديم ١/١٦٢، جديد ١/٢٢٣، مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنازة، مكتبه مصرى قديم ١/١٨٦، دار الكتب العلمية، بيروت ١/٢٧٤، البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زكريا ٢/٣٣٥، كوئٹه ٢/١٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۳ھ

اپنی متوفیہ عورت کو شوہر کا کندھا دینا

سوال [۴۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر اپنی متوفیہ بیوی کے جنازے کو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی شرع میں ممانعت ہے یا اجازت ہے؟ اگر ممانعت ہے تو اس کی وجہ بھی لکھی جائے، یہ سوال مجھ سے کئی آدمیوں نے کیا اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ شوہر اپنی مردہ بیوی کا کندھا نہیں دے سکتا۔

المستفتی: (مولانا) سہیل احمد، بمعرفت مقصود احمد بستوی، متعلم شعبۂ افتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف ہاتھ لگانا ممنوع ہے، اس کو دیکھنا اس کا جنازہ اٹھانا اور کندھا دینا سب جائز ہے۔

ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح.

(الدرالمختار على هامش رد المختار، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث كل سببي ونسب منقطع إلا سببي و نسبي، زكريا ۳/ ۹۰، كراچي ۲/ ۱۹۸، مطبوعه كوئٹه ۱/ ۶۳۳، فتاوى دارالعلوم ۵/ ۲۷۵، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ۵۷۲، قديم ۳۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۴۵/۳۳ ۵)

کافر کا مسلم اور مسلم کا کافر کے جنازہ میں شرکت کرنا

سوال [۳۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم کے جنازہ میں ہماری شرکت پڑوسی ہونے کے سبب کی جاسکتی ہے؟ کیا ارتھی کے ہمراہ ہمارا کاندھا دینا جائز ہے؟ کیا اس کی آخری رسوم تک ہمارا وہاں رہنا درست ہے؟

المستفتی: تسلیم احمد، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کا مسلمانوں کے جنازہ میں شرکت کرنے میں مسلمانوں کا کوئی مذہبی فائدہ نہیں اور میت کے حق میں بھی بجائے فائدہ کے نقصان ہوسکتا ہے؛ اس لئے مسلمانوں کے جنازہ میں شرکت کرنے کی وجہ سے مسلمان ان کے جنازہ میں شرکت کریں، اس کی شرعاً اجازت نہیں، ہاں البتہ پڑوسی ہونے کی وجہ سے صرف گھر جاکر تعزیت کرکے آجائے، جب جلانے کے لئے لے جائیں تو ان کے ساتھ نہ جائے اور نہ ہی ارتھی کا کندھا لگائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۶/ ۲۱۶/ ۴۷، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۳۹)

عن أبي اليمان قال: لما توفي أبو طالب خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يعارض جنازته، قال: ابن عون فجعل يمشي مجانبًا لها، يقول: برتك رحم و جزيت خيراً و لم يقم على قبره. (المراسيل لأبي داؤد، ماجاء في الدفن رقم:۱۸)

إذا كان خلف جنازة الكافر من قومه من يتبع الجنازة لا ينبغي لقريبه المسلم أن يتبع الجنازة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، الجنائز، الكافر يموت وله ولي، زكريا ۳/۷۷، رقم:۳۷۵۳، كوئٹه ۲/۱۷۳، معارف القرآن ۳۷/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۴ ۵۲۵)

جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا

سوال [۳۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ کو دیکھ کر لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں، شرع میں اس کی کیا اصل ہے؟

المستفتی: عبد الحفیظ قاسمی، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کو دیکھ کر ادباً کھڑے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سند صحیح کے ساتھ دونوں طرح کی روایات وارد ہوئی ہیں، حضرت عامر بن ربیعہ اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم موجود ہے اور حضرت علیؓ کی روایت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ حضور ﷺ جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہوجایا کرتے تھے؛ لیکن بعد میں کھڑے ہونے کا عمل ترک فرمادیا، اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جنازہ کو دیکھ کر کے کھڑا ہوجانا لازم اور واجب نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کوئی ادباً کھڑا

ہوجاتا ہے، تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر کوئی کھڑا نہیں ہوتا ہے، اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہے تو اس پر نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی اس کے اوپر سوء ادبی کا الزام ہے؛ بلکہ اس کو اختیار ہے؛ لہٰذا اگر کوئی کھڑا نہیں ہوتا ہے، تو اس کو برا نہیں سمجھنا چاہئے؛ کیوں کہ کھڑے ہونے کی جتنی روایتیں ہیں، وہ سب منسوخ ہوچکی ہیں۔

عن عامر بن ربيعةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الجنازة فقوموا لها، حتى تخلفكم أو توضع. (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، فصل في استحباب القيام للجنازة و جواز القعود، النسخة الهندية ١/٣١٠، بيت الأفكار رقم: ٩٥٨، ترمذي شريف، كتاب الجنائز، باب ماجاء في القيام للجنازة، النسخة الهندية ١/٢٠١، دارالسلام رقم: ١٠٤٢)

عن علي بن أبي طالبؓ، أنه ذكر القيام في الجنائز حتى توضع، فقال عليؓ: قام رسول الله صلى الله عليه وسلم مرة واحدةً، كان يتشبه بأهل الكتاب في الشئ، فإذا نهى عنه تركه. (شرح معاني الأثار بيروت ٢/١٧، رقم: ٢٧٣٥)

علي بن أبي طالبؓ يقول: في شأن الجنائز: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام ثم قعد. (صحيح مسلم، كتاب الجنائز، فصل في استحباب القيام للجنازة وجواز القعود، النسخة الهندية ١/٣١٠، بيت الأفكار رقم:٩٦٢)

ولا يقوم من في المصلي لها إذا رآها قبل وضعها ولا من مرت عليه، وهو المختار، وماورد فيه منسوخ. (وتحته في الشامية) بما رواه أبوداؤد، و ابن ماجه، وأحمد، والطحاوي من طرق، عن عليؓ قام رسول الله صلى الله عليه وسلم، ثم قعد و لمسلم بمعناه، وقال: قد كان ثم نسخ. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ٣/١٣٦، ١٣٧، كراچي ٢/٢٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۷۵/۴۰)	۱۴۳۵/۱/۸ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۱)

المجلد الحادی العشر

بقیۃ الزکوٰۃ، کتاب الصدقات، الصوم
بتمام ابوابہا الیٰ صدقۃ الفطر

۴۴۰۵ ——— ۴۸۷۳

ناشر
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

۱۱/ بقية كتاب الزكوٰة

مسئلہ نمبر: ۷/ باب: مدارس میں زکوٰۃ صرف کرنے کا بیان صفحہ نمبر

۸/ باب: حیلۂ تملیک

۹/ باب: مدزکوٰۃ تنخواہ یا تعمیر میں صرف کرنے کا حکم

۱۰/ باب: سفراء کے احکام

۱۱/ باب: مکاتب میں زکوٰۃ صرف کرنے کا حکم

۱۲/ باب: اسکول میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم

۱۳ / باب العشر والخراج

(۱۲) کتاب الصدقات

۱۳/ کتاب الصوم

❑ ۱ /باب الصوم و متعلقاته

۲/باب رؤية الهلال

۳/ باب السحور والإفطار

۴/باب مایفسد الصوم و مالا یفسد

٥/ باب القضاء والکفارة والفدیة

❐ ۶/باب الاعتکاف

۸/باب صدقة الفطر

بقية كتاب الزكوٰة

(۷) باب: مدارس میں زکوٰۃ صرف کرنے کا بیان

کس طرح کے مدارس کیلئے چندہ وصول کرنا جائز ہے؟

سوال: [۴۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب ایک گاؤں کے خستہ و پرانے مدرسہ جس میں خورد و نوش کا مستقل نظام نہیں ہے صرف پارہ حفظ و ناظرہ و دینیات پڑھا کر دوسرے مدرسوں میں داخلہ کی رغبت دلائی جاتی ہے، چندہ وصول کرتے ہیں، جس میں سب طرح کی رقومات آتی ہیں، بعدۂ حیلہ تملیک کرا کر مدرسہ کے مصارف میں خرچ کرنا گناہ ہے یا ثواب اور امام موصوف کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ امام موصوف بعد نماز عشاء معارف القرآن سے پڑھتے ہیں، بعض لوگ سنتے ہیں، لیکن بعض اپنے احباب کو بھی بیٹھنے سے منع کرتے ہیں، اور خود فضائل اعمال سے صبح کی نماز کے بعد پڑھتے ہیں، لوگ سنتے ہیں اکثر نمازی نماز سے فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں، نیز امام بھی کثرت مشاغل کی وجہ سے نہیں بیٹھتا ہے، تو کیا امام گنہگار ہوگا، اور کیا جو لوگ اسی وجہ سے بغض رکھ کر البغض للہ سے ملاتے ہیں اور امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی بتاتے ہیں، وہ حق پر ہیں یا ناحق پر؟ جو بھی صحیح معاملہ ہو شریعت کی روشنی میں حل فرما کر ممنون فرمائیں؟

المستفتی: خلیل احمد ندوی، مسجد مقدس، سیوزی، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسا مدرسہ جس کی ضرورت وہاں کے لوگوں کی امدادی رقوم سے پوری ہوجاتی ہے، تو اس کیلئے زکوٰۃ کے روپیہ کو حیلہ تملیک کر کے استعمال کرنا ممنوع ہے، واضح رہے کہ صرف نفس حیلہ ممنوع ہے مگر لوگوں کی زکوٰۃ بہر حال ادا ہو جائیگی، اور ایسا مدرسہ جس کی ضرورت لوگوں کی امدادی رقم سے پوری نہیں ہوتی اور وہاں کوئی دوسرا مدرسہ بھی نہیں ہے، اور وہاں اس مدرسہ کی سخت ضرورت بھی ہے، اور مدزکوٰۃ میں حیلہ کے بغیر اسکی ضرورت پوری ہونے کیلئے کوئی شکل نہیں ہے، ایسی صورت میں وقتی طور پر حیلہ تملیک سے کام لیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے اسلئے کہ یہ حیلہ کسی کی حق تلفی کیلئے نہیں بلکہ حرام سے حفاظت اور دینی ضرورت کیلئے ہے، شاید مذکورہ مدرسہ بھی ایسا ہی ضرورت مند ہو۔

كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلال فهي حسنة الخ. (هنديه، كتاب الحيل، زكريا ديوبند٦/ ٣٩٠، جديد زكريا٦/ ٣٩٣)

(۲) امام صاحب کے پیچھے بلا کراہت نماز جائز ہے۔

(۳) امام صاحب نے معارف القرآن کے درس کا سلسلہ جاری فرمایا ہے، بہت اچھا کیا ہے، جو لوگ اس میں بیٹھنے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں، وہ سخت گنہگار ہوں گے، البتہ جو لوگ اپنی ضرورت کی وجہ سے خود چلے جاتے ہیں، وہ گنہگار نہیں ہوں گے، اور اسی طرح صبح کو فضائل اعمال کی تعلیم کا سلسلہ بھی نہایت عمدہ اور لوگوں کو ہدایت کا ذریعہ ہے اس میں بھی لوگوں کو جوڑ جوڑ کر بٹھانا چاہئے، اگر امام صاحب یا کوئی دوسرا شخص اپنی ضرورت کی وجہ سے بغیر بیٹھے چلے جاتے ہیں، وہ بھی گنہگار نہیں ہوں گے، البتہ قرآن کی تفسیر یا فضائل اعمال کی تعلیم میں بیٹھنے سے منع کرنے والے سخت گنہگار رہوں گے، ان لوگوں کو اس فعل شنیع سے باز آجانا لازم ہے، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ قرآن کریم کی آیت کا سیکھنا سو رکعت نفل نماز سے زیادہ افضل ہے، اور دین کا ایک مسئلہ سیکھ لینا ایک ہزار رکعت نفل نماز سے زیادہ بہتر ہے، فضائل قرآن/ ۴۸، اب جو شخص قرآن کی تعلیم اور تفسیر سننے سے منع کریگا وہ کتنا بڑا گنہگار

ہوگا، اللہ تبارک وتعالیٰ بہتر جانے۔

عن أبي ذر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال لي رسول الله صلی الله علیه وسلم یا أبا ذر لأن تغدو فتعلم آیة من کتاب الله خیر لک من أن تصلی مائة رکعة ، الحدیث: (سنن ابن ماجه ، العلم ، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه ، النسخة الهندية ۱/ ۲۰، دارالسلام رقم: ۲۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

کیا مدارس زکوٰۃ کا مصرف نہیں؟

سوال: [۴۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ جو عالم دین نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مدارس میں زکوٰۃ کی رقم لینا جائز نہیں ہے، مدرسہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے، علماء نے جوز کوٰۃ کی رقم مدرسہ میں خرچ کرنے کا حیلہ اختیار کر رکھا ہے، وہ عقل ونقل کے خلاف ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا، تمام علماء اس مسئلہ میں (جو مدارس میں زکوٰۃ دینے کو جائز کہتے ہیں) غلطی پر ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ حضرات ایک مدرسہ کے ارکان منتظمہ بھی ہیں، اور اپنے مدرسہ کیلئے (جس میں صرف دو چار بیرونی طلبہ ہیں) زکوٰۃ لیتے ہیں، چرم قربانی وصول کرتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں، کہ اللہ معاف کرے ہم پر بھی زکوٰۃ مدرسہ میں لینے کی وجہ سے قیامت میں ڈنڈے پڑیں گے کیا ایسے خیالات کے باوجود ان لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کیلئے لینا درست ہے، جو خود اپنے اس فعل کو از روئے شرع ناجائز سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کو چرم قربانی یا زکوٰۃ کی رقم دینا کیسا ہے؟

المستفتی: سلیم الدین، سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ فی نفسہ مصرف زکوٰۃ نہیں بلکہ مصرف بغیرہ ہے، یعنی جب مدرسہ میں غریب ومحتاج طلبہ زیر تعلیم ہوں اوران کی کفالت کا کوئی نظم نہ ہوتو ایسا مدرسہ صدقہ واجبہ زکوٰۃ چرم قربانی وغیرہ کا مصرف ہوجاتا ہے، اور زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ بغیر کسی تأمل کے ادا ہوجاتی ہے، چنانچہ جوحضرات اس مسئلہ میں علماء کو غلط ٹھہراتے ہیں، ان کے لئے اس سے تائب ہونا ضروری ہے، کیونکہ علماء حضرات نے ایسے ہی مدرسہ میں زکوٰۃ دینے اور لینے کو جائز قرار نہیں دیا ہے، اور وہ مدرسہ جہاں کوئی غریب طالب علم زیر تعلیم نہ ہویا دو چار موجود تو ہوں، لیکن اس کا پورا خرچ امداد وصدقات نافلہ سے پورا ہوجاتا ہوتو ایسے مدرسے میں زکوٰۃ کی رقم لینے اور دینے کو جائز نہیں کہتے۔

وقد قال في البدائع في سبيل الله جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، زکریا دیوبند۳/۲۸۹، کراچی ۲/۳۴۳، بدائع الصنائع کراچی ۲/۴۵، زکریادیو بند ۲/۱۵۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۳؍رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱۱۹/۳۱)

مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا

سوال: [۴۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامع مسجد رانی کھیت میں ایک مدرسہ خارج از مسجد تیس چالیس سال سے چل رہا ہے، جو پوری قوم کے اتفاق سے قیام میں آیا، جو مکتب کی شکل میں آج تک چل رہا تھا، اب مدرسہ کی کمیٹی نے باہر کے غریب طلبہ کا قیام وطعام کا انتظام کیا ہے، لہٰذا فطرہ زکوٰۃ کا پیسہ اس مدرسہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟ تملیک کے ساتھ یا بلا تملیک کے خرچ نہیں کیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: شاہد رضا، رانی کھیت، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بیرونی طلبہ مذکورہ مدرسہ میں رہتے ہیں، ان پر زکوٰۃ کا پیسہ بلاتملیک خرچ کرنا جائز ہے، ان کے کھانے میں، ان کے کپڑے میں ان کے وظائف وغیرہ میں دیا جاسکتا ہے، مگر مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں تملیک، یا بلاتملیک خرچ کرنا درست نہیں ہے، بلکہ تعمیر میں امدادی پیسہ ہی خرچ کیا جائے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة: ٦٠)

وقيل طلبة العلم ..... ويشترط أن يكون الصرف تمليكا، لا إباحة (تحته في الشامية) فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك.

(در مختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند ٣/٢٨٩ تا ٢٩١، كراچی ٢/٣٤٣، ٣٤٤)

وينبغي أن يلحق به طالب العلم لا شتغاله عن الكسب بالعلم.

(البحرالرائق، قبيل باب صدقة الفطر، زكريا ٢/٤٣٧، كوئٹه ٢/٢٥٠)

لايصرف إلى بناء نحومسجد (وفي الشامية) كبناء القنطرة إلى قوله والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه. (شامی، كراچی ٢/٣٤٤، زكريا٣/٢٩١)

ولا تدفع الزكاة، لبناء مسجد، لأن التمليك شرط فيها، ولم يوجد وكذا بناء القناطر، وإصلاح الطرقات، وكرى الأنهار، والحج، والجهاد، وكل مالا تمليك فيه. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٢٨، مصرى قديم ١/٢٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

کس طرح کے مدارس میں زکوٰۃ جائز ہے؟

سوال: [۴۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک مدرسہ ہے جس میں صرف لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں، اسمیں باہر کی لڑکیاں مقیم نہیں ہیں، گاؤں ہی کی رہنے والی لڑکیاں پڑھتی ہیں، تو اس مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا کیسا ہے؟

(۲) اسی طرح ایک مدرسہ ہے جس میں مقامی و بیرونی لڑکے تعلیم پاتے ہیں، مقامی طلباء زیادہ ہوتے ہیں، اور بیرونی کم اس مدرسہ میں مطبخ اور قیام کا بھی نظم ہے، تو اس میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اس مدرسہ میں مقامی نابالغ لڑکیاں بھی تعلیم پاتی ہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: حافظ شمیم احمد، مدرسہ اسلامیہ عربیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ فقیروں اور غریبوں کا حق ہے جب مذکورہ مدرسہ میں مستحق زکوٰۃ فقیروں کا خرچ نہیں ہے، تو زکوٰۃ کس کام کیلئے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳٤٤)

(۲) جی ہاں اس مدرسہ میں مستحق زکوٰۃ طلبہ کا خرچ ہے کھانا وغیرہ سب ہے چاہے کم ہو یا زیادہ بہرحال مستحقین ہیں، اسلئے زکوٰۃ کی رقم اس میں دے سکتے ہیں۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة الخ. (درمختار، زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

مدرسوں کے لئے ضرورت سے زائد زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم

سوال: [۴۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس مدرسہ میں صرف پانچ سات بیرونی طالب علم حصول تعلیم میں مشغول ہیں، اور لوگوں کے گھروں پر جا کر یا گھروں سے لا کر کھانا کھاتے ہیں، اور ان پر مدرسہ کی جانب سے سالانہ صرف ہونے والی رقم مثلاً پانچ ہزار ہے تو اس مدرسہ کیلئے پچاس ہزار روپیہ زکوٰۃ کی مد میں یکمشت یا متفرق طور پر چندہ کی شکل میں لینا کیسا ہے؟

المستفتی: سلیم الدین، سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مدرسہ میں صرف پانچ سات بیرونی طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہوں اور ان کی کفالت بھی گاؤں والوں کے ذمہ ہو تو ایسے مدرسہ کو ضرورت سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم وصول کرنا درست نہیں؟

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة: ٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۷/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۱۹)

محض چند طالبات کو وظیفہ دینے کیلئے زکوٰۃ کی وصولیابی کا حکم

سوال: [۴۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں زید **مدرسة البنات للمسلمين** کا ذمہ دار ہوں، اس مدرسہ میں صرف لڑکیوں کی تعلیم کا نظم ہے، تعلیمی نصاب قرآن کریم، ناظرہ، اور اردو دینیات کے علاوہ درجہ ایک سے درجہ آٹھ تک ہندی انگریزی سائنس وغیرہ کی تعلیم کا نظم ہے، مدرسہ ہذا میں نہ تو مطبخ کا نظم ہے اور نہ ہی طالبات کا قیام البتہ مدرسہ میں پڑھنے والی کچھ نادار غریب طالبات

کو ماہانہ وظیفہ(قائم مقام کھانا) دیا جا تا ہے، نیز کسی غریب نادار کی شادی پر اس کا مالی تعاون مدرسہ ہٰذا سے کیا جا تا ہے، جامعہ کی طالبات سے برائے نام ماہانہ فیس لی جاتی ہے، جو مدرسہ کے اخراجات کیلئے نا کافی ہے اس لئے ماہ رمضان میں منجانب مدرسہ زکوٰۃ وصولیابی کا اور عیدالأضحیٰ کے موقع پر چرم قربانی کا نظم رہتا ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ موجودہ شکل میں مدرسے کے لئے زکاۃ وصول کرنا اور زکاۃ کو مدرسے کے اخراجات میں (مدرسین کی تنخواہ مدرسے کی تعمیر وغیرہ میں) صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، تو جواز کی شکل کیا ہے واضح فرمائیں؟

المستفتي: صادق حسین، کاشی پور، اترا کھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت حال میں مذکورہ مدرسۃ البنات میں صرف غریب نادار طالبات کو جو ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے، وہی مد زکاۃ سے دیا جاسکتا ہے، باقی مدرسے میں کوئی مصرف زکاۃ نہیں ہے، لہٰذا صرف غریب طالبات کو وظیفہ دینے کی وجہ سے زکاۃ وصدقات واجبہ کا باضابطہ چندہ کرنا بے محل ہے اس لئے اس مدرسے کے چلانے کے لئے رمضان میں باضابطہ زکاۃ کی وصولی کرنا زکاۃ دہندگان کو دھوکہ اور غفلت میں رکھنا ہے، جو شرعاً درست نہیں اور زکاۃ کی وصولی ایسے مدارس کیلئے جائز ہے، جہاں غریب طلبہ کیلئے باضابطہ قیام وطعام کا نظم ہوتا ہے، اور یہاں ایسا کوئی نظم نہیں بلکہ طالبات سے فیس بھی لی جاتی ہے، اور فیس کے ذریعہ سے جو ضرورت پوری نہیں ہو پاتی ہے اس کے لئے سرمایہ داروں سے صاف وضاحت کے ساتھ رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے، کہ ضرورت پوری نہیں ہو پا رہی ہے، امداد کی ضرورت ہے، اور غریب نادار لڑکیوں کی شادی میں خرچ کرنے کے لئے مدرسہ ذمہ دار نہیں ہے، اور نہ ہی مدرسہ کو اس کے لئے چندہ کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۵۹۴-۵۹۶)

قال الله تعالیٰ: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ. (التوبة: ٦٠)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من لهٗ أدنى شيىء أى دون نصاب .

(شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳۳۹، زکریا۳/۲۸۳، مراقی الفلاح قدیم /۳۹۲، دارالکتاب دیوبند/۷۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۹ھ

زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی کن مدات میں صرف کرسکتے ہیں؟

سوال: [۴۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا روپیہ مدرسہ کی کس کس مد میں لگا سکتے ہیں؟

المستفتی: مہتمم جامعہ اخلاق العلوم، چکرکی ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلبہ کے کھانے کپڑے وغیرہ میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تلميكاً لا إباحة الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۸ھ

مدرسہ کی زکوٰۃ کا مصرف اور تملیک کا طریقہ

سوال: [۴۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا مال مدرسہ کے کن کن مصارف میں استعمال ہوسکتا ہے، نیز تملیک کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ مستند

دلائل کے ساتھ جواب مرحمت فرمادیں؟

المستفتی: مقیم الدین قاسمی، خادم:
مدرسہ عمر فاروق، ہلدانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کی زکوٰۃ کے پیسے کا مصرف مدرسہ کے غریب اور مستحق طلبہ ہی ہوتے ہیں، لہذا ان کے کھانے کپڑے میں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا درست ہے، اور تملیک کا شرعی طریقہ یہی ہے، کہ طلبہ کے قبضہ میں زکوٰۃ کا پیسہ دے کر ان کو مالک بنادیا جائے، اسی طرح زکوٰۃ کے پیسہ سے بنا ہوا کھانا طلبہ میں تقسیم کردیا جائے، تو یہ بھی تملیک کا بہترین طریقہ ہے، نیز مستفتی نے تملیک کا شرعی حکم پوچھا ہے وہی ہم نے لکھ دیا ہے، حیلہ تملیک نہیں پوچھا۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة (وتحته في الشامیة) فلا یکفی فیها إلا طعام إلا بطریق التملیک. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا دیوبند۳/۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۳۰)

چندہ کی رقم مدرسہ کی کن ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہے؟

سوال: [۴۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب خیر نے اپنی ذاتی سوا ایکڑ (۴۹ گٹھے) زمین کے ٹکڑے پر مختلف عمارتیں بنا کر ایک مولوی صاحب سے یہ کہا کہ میں نے یہ مدرسہ بنادیا ہے، آگے آپ اسے چلاؤ میں آئندہ کسی قسم کی مدد نہیں کروں گا، آگے مرمت، رنگ، روغن، ٹوٹ پھوٹ وغیرہ کے مصارف بھی آپ کے ذمہ رہیں گے، مولوی صاحب نے ہامی بھر لی اور چندہ کر کے مدرسہ چلانا شروع کردیا تقریباً چھ سال کا عرصہ ہوگیا ہے ان صاحب نے یہ زمین کا ٹکڑا وقف نہیں کیا ہے؟

اب تک جس قدر مال صرف کیا گیا ہے، وہ حتی الوسع احتیاط کے ساتھ طلبہ کی ضروریات میں ہی صرف ہوا ہے، مثلاً لائٹ، پنکھے ان کے لگائے ہوئے خراب ہوگئے تو مدرسہ کی رقم سے بدل دئے گئے، دیواروں کا رنگ بالکل خراب ہوگیا تو رنگ کروادیا، بارش کے موسم میں گھاس پھوس بڑھ جاتی ہے، تو کٹوادی اور ابھی ایک دوجگہ نشیبی حصہ میں بھراؤ کرنا ہے، تاکہ بارش کا پانی جمع ہوکر گندگیوں اور امراض کے پھیلنے کا سبب نہ ہو اور مزید نالیاں بنانی ہیں، تاکہ مدرسہ کے اندر کا پانی باہر نکل جائے، جس میں اچھی خاصی رقم خرچ ہوجانے کا اندازہ ہے، سوال یہ ہے کہ اب تک جو کچھ خرچ ہوا ہے، اور آئندہ جو خرچ ہوگا یہ چندہ کی رقم سے صحیح ہے یا غلط؟ کیونکہ زمین ان کی ذاتی ہے، وقف نہیں، اگر اللہ نہ کرے یہ خرچ غلط ہے تو جو کچھ خرچ ہوا ہے، اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی، اور یہ کہ آئندہ اس مدرسہ کی ترتیب کو جاری رکھا جائے یا بند کردیا جائے، ملحوظ رہے کہ بار بار ترغیب دینے اور سمجھانے کے باوجود صاحب زمین وہ حصہ وقف کرنے پر آمادہ نہیں ہے لہٰذا تشفی بخش مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتي: خلیل احمد، عبدالغفار خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چندہ کی رقم مذکورہ مدرسہ کی بالفعل ضروریات پانی بجلی پنکھے وغیرہ میں خرچ کرنا درست ہے اور تعمیری کام اور ہر پائیداری کام اس وقت تک چندہ کے پیسے سے نہ کیا جائے، جب تک مالک زمین اپنی ملکیت میں سے نکالکر مدرسہ کے نام منتقل نہ کردے، ہاں البتہ وقتی ضرورت کیلئے رنگ وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور گڑھے وغیرہ کا بھراؤ بھی تعمیر میں شامل ہے۔ (قاعدہ/۲۷۰)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، اشرفیه دیوبند/۱۱۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/۲۹۶، شرح المجلة لسليم رستم، باز اللبناني اتحاد دیوبند۱/۶۱، رقم: الماده: ۹۶ ۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۲۶ھ

زکوٰۃ کے دو اہم مصرف میں سے کسی کو دینا زیادہ افضل ہے؟

سوال: [۴۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے دو مصرف ایسے ہیں، جنکو زکوٰۃ دینے سے دوگنا ثواب ملتا ہے، ایک اعزہ واقارب ہیں، ان کو دینے سے ایک تو صلہ رحمی کا دوسرے زکوٰۃ ادا کرنے کا، اور دوسرے نمبر پر مدارس عربیہ ہیں ان میں دینے سے بھی دوگنا ثواب ملتا ہے، ایک تو اشاعت علم دین کا دوسرے زکوٰۃ ادا کرنے کا، اب آپ تحریر فرمائیں، ان دونوں میں سے کس کو دینا زیادہ افضل ہے اگر مدارس عربیہ میں دینا افضل ہے، تو " ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین و ابن السبیل" میں تطبیق کی صورت کیا ہوگی؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اعزہ واقارب کو ذکر کیا ہے، فقہاء یا محدثین کس کے دینے کو زیادہ افضل قرار دیتے ہیں، مسئلہ کی وضاحت فرما کر جواب تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتی: کلیم اللہ غفرلہ، مقام: فتح پور، کملاپور، ضلع: سیتاپور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محتاج عالم دین وطالب علم اور ذورحم سب افضلیت میں برابر ہیں لیکن حالات کے پیش نظر کبھی فرق بھی ہوتا ہے، کہ اگر طالب علم اور اہل علم ذورحم سے زیادہ ضرورت مند ہیں، تو ان کو دینا زیادہ افضل ہوگا، اور اگر ذورحم زیادہ ضرورت مند ہے تو اس کو دینا زیادہ افضل ہوگا۔

لأن المقصود منها، سدّ خلة المحتاج فمن كان أحوج كان أولىٰ وأنفع للمسليمن بتعليم ..... التصدق على العالم الفقير أفضل من الجاهل

الفقير الخ. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الزکاة، باب المصرف قديم /٣٩٤، دارالکتاب ديوبند/٢ ٧٢، وهکذا فی الهنديه زکريا ١/١٨٧، جديد زکريا، تبيين الحقائق، مکتبه امداديه ملتان ١/٣٠٢، زکريا ديوبند ٢/١٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۴/۲۴۷)

امداد نہ آنے والے مدرسہ میں زکوٰۃ صرف کرنا

سوال: [۴۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس مدرسہ میں بیرونی طلبہ نہ رہتے ہوں تو اس مدرسہ میں زکوٰۃ وصدقات وغیرہ تملیک کر کے لگانا کیسا ہے، اور احقر کے گاؤں میں مدرسہ ہے، اور حالت یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ وصدقات وغیرہ نہ لگایا جائے تو تعمیر کرانا تو بہت ہی مشکل بات ہے، ایک مدرس کی تنخواہ بھی دینی مشکل پڑے گی، اور بچوں کے اعتبار سے تین مدرسوں کی ضرورت ہے اور گاؤں کے اندر بدعت بھی ہے، تو ایسے حالات میں کیا کریں؟

المستفتی: احقر عبد الحفیظ، نور پور،
بڑھاپور، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں اور مدرسین کی تنخواہ میں لگانا اور خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

وكذلک فی جميع أبواب البر التی لا يقع بها التمليک كعمارة المساجد وبناء القناطر، والرباطات لايجوز صرف الزكاة، إلىٰ هذه الوجوه. (عالمگیری، کتاب الحيل زکريا ديوبند ٦/٣٩٢، جديد زکريا ٦/٣٩٥)

اور بلاضرورت شرعی کے مدزکوٰۃ کی تملیک بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کسی علاقہ

میں دور دور تک کوئی مدرسہ نہیں ہے، اور وہاں جہالت پھیلی ہوئی ہے، دینی انحطاط بڑھتا جا رہا ہے، اور امداد کہیں سے نہیں آ رہی ہے، تو ایسی مجبوری کی صورت میں مدز کوٰۃ کی تملیک کرکے اس دینی ضرورت کو پوری کرنے کی گنجائش ہے، اب آپکا مدرسہ اس ضرورت کے دائرہ میں داخل ہے یا نہیں؟

والحيلة في ذلك أن يتصدق السلطان بذلك على الفقراء ثم الفقراء يدفعون ذلك إلى المتولي ثم المتولي يصرف ذلك إلىٰ الرباط.

(عالمگیری، زکریا دیوبند ۶/ ۳۹۲، جدید زکریا ۶/ ۳۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ / محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۷۵)

مہتمم صاحب کا دوسرے مدرسہ کے طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبد اللہ نے ایک مدرسہ میں دینی تعلیم کی ابتداء کی پھر عربی چہارم سے فارغ ہو کر اس نے کسی بڑے ادارہ میں داخلہ لے لیا جبکہ اس مدرسہ میں فراغت تک تعلیم ہوتی ہے، عبد اللہ کی مالی حالت خستہ ہے لہذا اس نے اپنے ابتدائی مدرسہ کے مہتمم صاحب سے اپنی پریشانیاں بیان کیں، اور وظیفہ کی درخواست کی لہذا انھوں نے ماہانہ دوسو روپیہ وظیفہ دینا شروع کیا تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عبد اللہ کیلئے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے، اور عبد اللہ یہ نیت کرے کہ فی الحال ضرورت کے پیش نظر میں اس رقم کو استعمال کرلوں گا، لیکن فراخی اور خوشحالی کے بعد انشاء اللہ ساری رقم اس مدرسہ کو لوٹا دوں گا، تو اس صورت میں اس کیلئے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد الستار، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ طالب علم مستحق زکوٰۃ ہے اور مدرسہ کے مہتمم صاحب زکوٰۃ ہی کا پیسہ دیتے ہوں گے، اور زکوٰۃ دہندگان عام طور پر یہ قید نہیں لگاتے ہیں، کہ مدزکوٰۃ کا پیسہ ایسے غریب طالب علم کو نہ دیں جو دوسرے بڑے مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہا ہے، اور زکوٰۃ میں چونکہ صرف مستحق کو مالک بنانا شرط ہوتا ہے، اور وہ شرط یہاں موجود ہے، لہٰذا بعد میں واپس کرنا اس پر لازم نہ ہوگا۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكالا إباحة الخ. (درمختار، کتاب الزكاة، باب المصرف زکریادیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۶/۲/۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۶ھ

دارالافتاء، دارالمطالعہ وغیرہ کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خریدنا

سوال: [۴۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے دارالافتاء کو زکوٰۃ کے پیسہ سے کتابیں خرید کر دینا جہاں طلبہ نہیں پڑھتے عوام کے مسائل حل کرنے کیلئے اسکا قیام عمل میں آیا ہو تو زکوٰۃ کے پیسہ سے کتابیں خرید کر دینا کیسا ہے، اس طرح وہاں جو مفتی صاحب رہیں گے، ان کو تنخواہ لینا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دارالافتاء، دارالمطالعہ اور مدارس اسلامیہ کی لائبریریاں مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں، لہٰذا ان میں زکوٰۃ کے پیسے سے کتابیں خرید کر دینا جائز نہ ہوگا، بلکہ مصرف خیر سے خرید کر دینا چاہئے، اور جو مفتی صاحب دارالافتاء میں کام کریں گے، انکی تنخواہ بھی مصرف خیر سے دینا ضروری ہے، اگر کسی شہر میں ایسا دارالافتاء قائم ہے اور ایسے کوئی معتبر مفتی صاحب اس دارالافتاء کی ذمہ داری ادا کریں تو اس شہر والوں کیلئے ضروری

ہے، کہ مصرف خیر سے مفتی صاحب کی تنخواہ کا انتظام کریں۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا، (تحته فی الشامیة) فلا یکفی فیها الاطعام إلا بطریق التملیک . (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳۴٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۴/۱۴۲۶ھ

مقروض مدرس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال: [۴۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے، اور ایک مدرسہ میں مدرس ہے، مجموعی طور پر دونوں جگہوں سے اتنی تنخواہ ہے کہ جس کے ذریعہ گھر کا خرچ بمشکل چلتا ہے، نیز زید مقروض بھی ہے، مذکورہ صورت میں جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کو ادائیگی قرض کیلئے زکوٰۃ دینا درست ہے یانہیں؟ نیز کیا زید کو زکوٰۃ دینے میں بمقابلہ دیگر کے زیادہ ثواب ملے گا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور ہوں؟

المستفتی: رئیس احمد، نجیب آباد، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید صاحب نصاب نہیں ہے، اور مسجد ومدرسہ کی تنخواہ قرض کی ادائیگی کیلئے کافی نہیں ہے، اور قرض کی ادائیگی کی کوئی اور صورت بھی نہیں ہے، تو زید کو شرعی طور پر زکوٰۃ کی رقم دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور عام لوگوں کے مقابلہ میں مستحق زکوٰۃ عالم کو دینا زیادہ افضل ہے۔

وکره إعطاء فقیر نصاباً أو اکثر إلا إذا کان المدفوع إلیه مدیوناً

أو كان صاحب عيال بحيث لو فرّقه عليهم لا يخص كلا أو لا يفضل بعد دينه نصاب فلا يكره. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، زکریا دیوبند۳/ ۳۰۳، ۳۰٤، کراچی ۲/ ۳۵۳)

الدفع إلىٰ من عليه دين أولىٰ من الدفع إلى الفقير. (هندیه، زکریا ۱/ ۱۸۸، جدید زکریا ۱/ ۲۵۰)

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل. (هندية، زكريا ۱/ ۱۸۷ جديد زكريا ۱/ ۲٤۹، طحطاوی علی المراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۱۷ھ

امام صاحب کیلئے صدقات واجبہ کی رقم وصول کرنا

سوال: [۴۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر امام غریب ہے، اخراجات نہیں چلتے تو فطرہ زکوٰۃ اس کو لینا کیسا ہے؟

المستفتی: گلزار احمد، سہارنپور، امام مسجد جھاڑی، ضلع: سیکر، صوبہ: راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بطریق زکوٰۃ وصدقہ جائز ہے، اور بطریق اجرت امامت ناجائز ہے، کیونکہ زکوٰۃ وفطرہ بلا کسی عوض کے مستحق کو دے دینا واجب ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۰ھ

ڈرافٹ کا خرچہ مد زکوٰۃ سے ادا کرنا

سوال: [۴۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے لوگوں پر دس ہزار روپیہ مثلاً زکوٰۃ فرض ہے، اسلئے مدرسہ کو زکوٰۃ کا پیسہ بھیجنے کیلئے ڈرافٹ بنوایا اور ڈرافٹ رجسٹری کے ذریعہ سے مدرسہ کو بھیجا تو رجسٹری میں اور ڈرافٹ بنوانے میں جو پیسہ خرچ ہوا ہے وہ دس ہزار روپیہ میں سے ہی تھا، الگ سے نہیں تھا، ایسا کرنے سے دس ہزار روپیہ پوری زکوٰۃ ادا ہوگئی یا ڈرافٹ پیسہ بنوانے میں یا رجسٹری کرنے میں اپنے پاس سے پیسہ خرچ کرنا چاہئے؟

المستفتی: قاری تسلیم احمد، مدرس مدرسہ انوار العلوم، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مد زکوٰۃ سے رجسٹری اور منی آرڈر خرچ اور ڈرافٹ خرچ ادا کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ اس میں تملیک فقراء نہیں پایا گیا اور تملیک فقراء ادائے زکوٰۃ کیلئے شرط ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة الخ. (درمختار، کتاب الزكاة، باب الصرف، زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

لہذا یہ خرچ اپنے پاس سے ادا کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

ذمہ دار حضرات زکوٰۃ مصرف میں نہ خرچ کریں تو گناہ کس پر ہے؟

سوال: [۴۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے چندے کا پیسہ وصول کر کے مدرسہ کے ذمہ دار حضرات کو سونپ دیا کہ اس کو صحیح جگہ پر صرف کریں، ان حضرات نے نا معقول جگہ پر پیسہ خرچ کیا تو زید کسی گناہ یا باز پرس کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: احقر محمد ارشاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے ذمہ دار حضرات نے زکوٰۃ کا پیسہ اگر مصرف زکوٰۃ میں خرچ نہیں کیا ہے تو یہ لوگ شرعاً خائن اور گنہگار ہونگے، ان کے ذمہ اس کا تاوان ادا کرنا لازم ہے۔

وللوكيل أن يدفعه لو لده الفقير لا لنفسه(درمختار) لا يملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/ ۲۶۹، زکریا۳/ ۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۴۷)

نامعلوم سفراء کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ

سوال: [۴۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں سعودی عرب میں رمضان المبارک میں مختلف ممالک کے مدارس اور رفاہی تنظیم کے سفراء چندہ کیلئے آتے ہیں، لوگوں سے زکوٰۃ صدقات وغیرہ وصول کرتے ہیں، ان میں بعض دھوکہ باز بھی ہوتے ہیں، اگر کسی شخص کی زکوٰۃ وصول کنندہ بجائے مصرف کے اپنے اوپر خرچ کرلے جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے، کہ کاغذی مدرسہ یا تنظیم بنا کر عرب حضرات سے کافی مقدار میں چندہ جمع کر کے اپنا کاروبار شروع کردیتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں زکاۃ دینے والوں کی زکاۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور کیا زکوٰۃ دہندگان پر دوبارہ زکوۃ لازم ہوگی، اور کیا وصول کنندہ پر پہلی رقم قرض ہوگی؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زکوٰۃ دہندگان نے لاعلمی سے ایسے شخص کو زکوٰۃ دیدی ہے تو ان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی اور دھوکہ دیکر وصول کرنیوالا شخص جب تک اس رقم کو مصرف تک نہ پہونچائے گا، اس وقت تک عند اللہ یہ مستحق مؤاخذہ ہوگا، اس شخص پر اس رقم کو مصرف تک پہونچانا لازم ہے، اور اگر زکوٰۃ دہندگان نے معلوم ہونے کے باوجود ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم دیدی، تو پھر ایسی صورت میں یہ لوگ اپنے فریضہ سے بری نہ ہوں گے، بلکہ زکوٰۃ بدستور ذمہ میں باقی رہے گا۔

وإن بان غناه .... لا يعيد لأنه أتى بما في وسعه . (الدر المختار علی رد المختار ، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ۲/ ۳۵۳، زکریا۳/ ۳۰۳)

حتى لو دفع بلا تحر لم يجز إن أخطأ أى إن تبين له أنه غير مصرف فلو لم يظهر له شيئى فهو على الجواز. (شامی، کراچی ۲/ ۳۵۳، زکریا ۳/ ۳۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۵)

مدرسہ کے آٹا پسائی کی اجرت زکوٰۃ کی رقم سے دینا

سوال: [۴۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچوں کے لئے گیہوں پیسائی کی اجرت زکوٰۃ کی رقم سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح لکڑی وغیرہ کی قیمت اور اس کی ڈھلائی وغیرہ زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جوابِ باصواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتی: زاہد الاسلام مدرسہ رحمانیہ، محمد نگر، سہاگ پور، شہڈول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:اس کی یہ شکل ہوتی ہے کہ معطی جس کو زکوٰۃ کی رقم دے رہا ہے، وہ صرف معطی کا وکیل ہے طلباء کا وکیل نہیں اور معطی اپنے وکیل کو یہ ہدایت کرتا ہے، کہ اس پیسے کے ذریعے فلاں چیز ادائے زکوٰۃ کیلئے تیار کرنی ہے، اور یہ پیسہ اسی چیز میں خرچ کرنا ہے،مثلاً یہ کہہ کر کے دیدیا کہ اس پیسے سے کھانا بنوا کر بمد زکوٰۃ طلباء کو کھانا تقسیم کرنا،تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک تیارشدہ کھانا طلباء کے ہاتھوں میں نہ پہونچ جائے ،درحقیقت معطی کی طرف سے بشکل طعام ہی زکوٰۃ ادا ہورہی ہے،اور پیسے دیتے وقت اس پیسےکو بمد زکوٰۃ کہنا صرف نام کے لئے ہے،لہٰذا اس پیسے کے ذریعے سے کھانا تیار کرنے کے لئے تمام اشیاء کا خریدنا اور آٹا پیسائی کی اجرت دینا،لکڑی کی قیمت ادا کرنا،اور طباخ کی اجرت دینا سب جائز ہے،اس لئے کہ یہ پیسہ ابھی زکوٰۃ نہیں بنا بلکہ ان تمام چیزوں میں پیسہ خرچ ہونے کے بعد تیارشدہ کھانا ہی زکوٰۃ ہوگا،لہٰذا تیارشدہ کھانا جب تک مستحقین کے ہاتھوں میں نہ پہونچ جائے ، اس وقت تک معطی کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

إلا إذا دفع إليه المطعوم ..... بنية الزكوٰة يملكه فيصير آكلاً من ملكه . (شامي، كتاب الزكاة، كراچی ۲/۲۵۷، زکریا ۳/۱۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۵۲/۳۵ ۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۶/۱۴۲۲ھ

زکوٰۃ کی رقم سے ماہانہ فیس ادا کرنا

سوال:[۴۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بچے احسن العلوم طویلہ میں پڑھ رہے ہیں، اب ان کے کورس اور ماہانہ فیس کا مسئلہ ہے میرے اندر اتنی وسعت نہیں کہ میں اپنے بچوں کے کورس اور ماہانہ فیس کے پیسے دے سکوں تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ اگر ان بچوں کی فیس اور کورس کے پیسے اس مدرسہ کے ذمہ دار بمد زکوٰۃ دیدیں ،تو کیا یہ میرے لئے جائز ہے، میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے، گھر کا خرچہ بھی

قرض وغیرہ سے چل رہا ہے، شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: محمد لئیق، دولت باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں آپ نے اپنے جو حالات ظاہر کئے ہیں، ان حالات کی وجہ سے آپ کیلئے زکوٰۃ کا استعمال جائز ہے، اسلئے مدز کوٰۃ سے آپ کے بچوں کی فیس ادا کرنا یا بچوں کو کورس کی کتابیں لیکر دینا شرعاً جائز ہے، لیکن فیس کے مسئلہ میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، کہ اگر فیس ادا کرنے والے نے اپنے ہی مال کی زکوٰۃ کو فیس کی شکل میں دیدیا ہے تو وہ پیسہ پہلے آپکے یا آپکے بچوں کے ہاتھ میں آئے اس کے بعد آپ یا آپکے بچے فیس ادا کریں، تب اسکی گنجائش ہے، ورنہ فیس ادا کرنے والے کی زکوٰۃ خطرہ میں پڑ جائیگی۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة: ٦٠)

مصرف الزكوٰة والعشر هو فقير. (شامی، كتاب الزكاة، كراچی ۲/ ۳۳۹، زكريا۳/ ۲۸۳)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (شامی، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا۳/ ۲۹۱)

دفع الزكوة إلىٰ صبيان أقاربه برسم عيد أو إلىٰ مبشر أو مهدى الباكورة جاز (درمختار) قوله إلىٰ صبيان أقاربه أى العقلاء؛ وإلا فلا يصح إلا بالدفع إلىٰ ولي الصغير. (شامی، كراچی ۲/ ۳۵٦، زكريا۳/ ۳۰۷، طحطاوی علی الدر كوئٹه ۱/ ٤۳۱، عالمگیری، زكريا۱/ ۱۹۰، جديد زكريا ۱/ ۲۵۲، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالكتاب ديو بند/ ۷۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۱۳ھ

محفل قرأت کے اخراجات زکوٰۃ کی رقم سے پورے کرنا

سوال: [۴۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجلس تبلیغِ قرآن (رجسٹرڈ) خالص قرأت قرآن کی خدمت کرنے کا ادارہ ہے ملک کی عالمی سطح پر قرأت کے اجتماعات کراتا ہے، آپ کے تمام دارالعلوم ومدارس میں شعبہ تجوید کے شعبہ جات عام ہیں، یہ مجلس کی کاوشوں کا نتیجہ ہے، مجلس کی کوئی آمدنی نہیں ہے، صرف اہل خیر سے جب سالانہ جلسہ ہوتا ہے، چندہ جمع کیا جاتا ہے، اہل خیر اور قرآن کے عاشقین مجلس کی خدمت کرتے ہیں، قراء مہمانوں کے قیام اور طعام اور زائد ہرہ (کرایہ) تمام اخراجات جن میں پنڈال اشتہارات وغیرہ شامل ہیں، کے ان اخراجات کو زکوٰۃ کے پیسہ سے پورا کیا جاسکتا ہے؟

المستفتي: خادم قرآن: چودھری محمد عارف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کے مستحق فقراء ومساکین ہی ہیں، اس طرح کے ادارے ومجالس وغیرہ کی ضروریات زکوٰۃ کے مصارف میں شامل نہیں ہیں، اسلئے مذکورہ اخراجات میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم صرف کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اور جو زکوٰۃ دہندگان جان بوجھ کر ایسی جگہ زکوٰۃ دیں گے ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة: ٦٠)

ولا تصرف في بناء مسجد و قنطرة .... ورباط......... ولا يبنى بها قبر، ولا يقضى بها دين ميت ولا يعتق عبد ولا يكفن ميتا.

(الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن في من توضع فيه الزكاة، زكريا ٣/٢٠٨، رقم: ٤١٤٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما لايصرف إلىٰ بناء

نحو مسجد و كل ما لاتمليك فيه . (در مختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۳ھ

زکوٰۃ، صدقات اور چرم قربانی کی رقم سے انجمن اور مدرسہ کی کتابیں خرید نا کیسا ہے؟

سوال: [۴۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کی کھال کی رقم یا زکوٰۃ فطرہ کی رقم انجمن میں کتابوں وغیرہ کیلئے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر دیدی تو انجمن میں کتابوں وغیرہ کیلئے خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عزیز، مدرسہ اشرف العلوم، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ وصدقات اور چرم قربانی کی رقم سے انجمن یا مدرسہ کی کتابیں خریدنا جائز نہیں ہے، بلکہ محتاجوں اور غریبوں کو صدقہ کردینا لازم ہے۔

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلىٰ بدله .(هدایہ آخرین، کتاب الأضحية، جیسوری ٤/٤٣٤، اشرفیہ دیوبند ٤/٤٥٠، وكذا فی العالمگیریة کوئٹہ وزکریا ٦/٣٩٢، جدید زکریا ٦/٣٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۲/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۵۱)

زکوٰۃ کی رقم اور غلہ بلا تملیک مطبخ میں استعمال کرنا

سوال: [۴۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم بغیر حیلۂ تملیک کے بعینہ مطبخ کے صرفہ میں آسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ طلباء میں مالدار بھی ہوتے ہیں، اور غریب بھی ہوتے ہیں، یا زکوٰۃ کا اناج وغیرہ آیا تو اس کو بعینہ مطبخ میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بغیر حیلۂ تملیک کے؟

المستفتي: سعید احمد، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا پیسہ اور زکوٰۃ کا غلہ بغیر حیلۂ تملیک کے طلباء کے مطبخ میں استعمال کرنا بلاتردد جائز ہے، اور مدارس میں مدز کوٰۃ میں آیا ہوا پیسہ اور غلہ کا اصل مصرف یہی مطبخ ہے، چاہے مطبخ سے صاحب حیثیت لوگوں کے لڑکے بھی کھالیتے ہوں، اس لئے کہ صاحب حیثیت لڑکے جن کے پاس ماں باپ کی دولت سے الگ ذاتی دولت نصاب سے زیادہ ہے اور وہ مطبخ میں خوراکی جمع کرکے کھانا لیتے ہیں، یا مدرسین خوراکی جمع کرکے کھانا کھالیتے ہیں، تو وہ بھی بلاتردد جائز ہے، اسلئے کہ انھوں نے قیمت ادا کردی ہے۔

لأن الدفع لو لد الغنی إذا کان کبیراً جائزاً مطلقاً. (البحرالرائق، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۲/۴۲۹، کوئٹہ ۲/۲٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۷ھ

مدرسہ کے مطبخ کا قرض زکوٰۃ سے ادا کرنا

سوال: [۴۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غریب مدرسہ ہے رمضان میں جو چندہ آتا ہے، اس سے مدرسہ کے تین چار ماہ کا خرچ

مشکل سے ہو پاتا ہے، اس کے بعد مدرسہ قرض پر چلتا ہے، مطبخ کا پورا رسد ادھار آتا ہے، اور جب زکوٰۃ کا پیسہ چندہ میں وصول ہوجاتا ہے، تو اس سے مدرسہ کا قرض ادا کرتے ہیں، تو سوال یہ ہیکہ زکوٰۃ کے پیسے سے طلباء کی ضروریات کیلئے لیا گیا قرض براہ راست زکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفي: شہزاد، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مدرسہ کے مہتمم نے جو قرض لے کر طلباء کی ضروریات میں خرچ کیا ہے اس قرض کی ادائیگی براہ راست زکوٰۃ کے پیسہ سے کرنا جائز ہے کیونکہ مہتمم طلبہ اور چندہ دہندگان دونوں کا وکیل ہوتا ہے، لہٰذا جب چندہ کا پیسہ ذمہ دار مدرسہ کے قبضہ میں ہے تو چندہ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲۵۰/۴، محمودیہ میرٹھ ۲۶۲/۱۴، کفایت المفتی جدید ۲۹۴/۴، جدید زکریا مطول ۲۶۱/۶، ایضاح المسائل/۱۱۳، محمودیہ ڈابھیل ۶۰۰/۹، کفایت المفتی قدیم ۲۷۶/۴)

إذا كان بإذنه وهو فقير فيجوز عن الزكاة علىٰ أنه تمليك منه والدائن بقبضه بحكم النيابة عنه ثم يصير قابضا لنفسه . (فتح القدير، اشرفيه ۲۷۲/۲، زكريا۲۷۲/۲، كوئٹه ۲۰۸/۲)

من قضى دين غيره بأمره .... فيجوز لو بأمره أى يجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه والدائن يقبضه لحكم النيابة عنه ثم يصير قابضاً لنفسه . (شامى، زكريا۲۹۲/۳، شامى، كراچى ۳۴۵/۲)

إذا وقع بأمر المديون لأن بالدفع وقع الملك للفقير بالتمليك وقبض النائب . (فتح القدير، اشرفيه ۲۷۳/۲، زكريا ۲۷۳/۲، كوئٹه ۲۰۸/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۰)

زکوٰۃ کی رقم سے بلا تملیک قرض ادا کرنا

سوال: [۴۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہتمم یا کمیٹی کے لوگ قرض لیکر مدرسہ کی عمارت تعمیر کردیں، اس کے بعد مدرسہ کا مہتمم یا ذمہ داران زکوٰۃ کے پیسہ سے وہ قرض ادا کردیں تو ایسا کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

المستفي: شہزاد، کھاری ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کی عمارت کے لئے جو قرض لیا گیا ہے اس کو براہ راست بغیر تملیک کے زکوٰۃ کے پیسہ سے ادا کیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے اور یہاں تملیک نہیں پائی گئی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۴/ ۲۷۷)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة . (شامی، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۴۴، زکریا ۳/ ۲۹۱)

بناء مسجد وتكفين ميت وقضاء دينه وشراء قن يعتق .... وعدم الجواز لا نعدام التمليك الذى هو الركن . (البحرالرائق، زکریا ۲/ ۴۲۴، کوئٹہ ۲/ ۲۴۳)

بناء مسجد أى لا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد لأن التمليك شرط فيها ولم يوجد . (تبيين الحقائق، زکریا ۲/ ۱۲۰، امدادیہ ملتان ۱/ ۳۰۰)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۶)

زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا

سوال: [۴۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مدارس میں زکوٰۃ ہی زیادہ وصول ہوتی ہے، اور امداد تو شاذ ونادر ہے، اس لئے مدارس کے ارباب حل وعقد شریعت کے مقررہ طریق حیلۂ تملیک سے فائدہ اٹھالیتے ہیں، مگر ہمارے اہل مدرسہ اس حیلۂ تملیک سے بھی کلی طور پر متفق نہیں ہیں، تو اس صورت میں مہتمم کیا یہ کرسکتا ہے، کہ اول کسی مہاجن وغیرہ سے قرض اٹھالے، اور اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرلے، بعد میں زکوٰۃ کی مد سے اس قرضہ کو ادا کردے تو کیا مہتمم زکوٰۃ کی مد سے مدرسہ کا قرضہ ادا کرسکتا ہے؟

المستفتي: محمد اظہار الحق، مظہر القاسمی، شریف نگری، ضلع: رتن گڈھ، صوبہ: راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قرض لیکر مستحق طلبہ کی ضروریات میں خرچ کیا گیا ہے تو مدزکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہے۔

من قضیٰ دین غیر بأمره، فیجوز لو بأمره أي یجوز عن الزکاة علی أنه تملیک منه والدائن یقبضه لحکم النیابة عنه، ثم یصیر قابضا بنفسه.

(شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۲، کراچی ۲/ ۳۴۵، کوئٹہ ۲/ ۶۸، وهکذا في الهندیة زکریا ۱/ ۱۹۰، جدید زکریا ۱/ ۲۵۲)

اگر دوسری ضروریات کیلئے قرض لیا ہے تو اس کی ادائیگی میں جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں فقراء کو مالکانہ قبضہ بالواسطہ یا بلا واسطہ کسی طرح بھی نہیں دیا گیا اور مالکانہ قبضہ شرط ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة إلیٰ آخره. (الدر مع الرد، کوئٹہ ۲/ ۶۱، کراچی ۲/ ۳۴۴، زکریا ۳/ ۲۹۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۵۹)

مستحق زکوٰۃ سفیر کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کو بعض قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ چندہ کرنے والا شخص جو مدرسہ کے لئے چندہ کر رہا ہے، خود مستحق زکوٰۃ بھی ہے میں چندہ میں ایک بڑی رقم مد زکوٰۃ کی اسی شخص کو دیدوں زبان سے نہ کہوں جبکہ نیت اسی کی کرلوں، تو کیا میری زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟ خواہ وہ مدرسہ میں دے یا نہ دے؟

المستفتي: عبد الکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں آپ کی زکوٰۃ ایسی صورت میں ادا ہو جائیگی، لیکن ایک فقیر کو مقدار نصاب سے زائد دینے میں کراہت لازم آتی ہے۔

وکره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف ، زكريا ديوبند۳/ ۳۰۳، کراچی ۲/ ۳۵۳)

وكره دفع نصاب أو أكثر إلىٰ فقير . (مجمع الأنهر مصرى قديم ۱/ ۲۲۵، دارالكتب العليمة بيروت ۱/ ۳۳۲)

وكره الأغنياء وهو أن يفضل للفقير نصاب . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دارالكتاب ديو بند/ ۷۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۲)

کیا مالدار طلباء مصرف زکوٰۃ ہیں؟

سوال: [۴۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے مدرسے ایسے ہیں، کہ جہاں بیرون طلباء تو ہیں، مگر بیرونی طلبہ سب سے کثیر تعداد میں مالدار ہیں، کیا ان طلباء پر صرف بیرونی طلبہ ہونے کی بنیاد پر زکوٰۃ فطرہ چرم قربانی وغیرہ مدات کا صرف کرنا جائز ہے؟

المستفتي: قاری تسلیم احمد، مدرسہ انوالعلوم، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بیرونی طلبہ ہیں، اور وہ طلبہ از خود مالک نصاب نہیں ہیں، بلکہ انکے والدین مالک ہیں، تو ان کیلئے زکوٰۃ کا مال حلال ہے، اور صدقہ فطرہ و چرم قربانی کی رقم ان پر خرچ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ والدین کے مالدار اور صاحب نصاب ہونے سے بالغ اولاد کا صاحب نصاب ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكوٰة الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/٢٨٥، كراچی ٢/٣٤٠، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالكتاب ديوبند/ ٧٢٠)

ولا يسأل أي لايحل له أن يسأل شيئاً من الفوت من له قوت يومه، بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب إلا أن يكون مشتغلا بالجهادأو طلب العلم . (سكب الأنهر، مع مجمع الانهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٣٣)

بخلاف ماإذا كان كبيراً فقيراً ؛ لأنه لايعد غنيا بيسار أبيه وإن كانت نفقته عليه. (هدايه، اشرفيه ديو بند ١/٢٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ رشوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

مالدار طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) ہمارے یہاں کے کچھ لڑکے دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے ہیں ان لڑکوں کے والدین صاحب نصاب ہیں، مگر یہ لڑکے جب دارالعلوم جاتے ہیں، تو اپنے خرچ کیلئے چارسو پانچ سو روپے لیجاتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کیا ہم گاؤں کے لوگ جب دارالعلوم جائیں ان لڑکوں کو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں، کیا طالب علمی کے زمانہ میں اسطرح کے طالب علم مصرف زکوٰۃ ہوتے ہیں۔

(۲) اگر یہ طالب علم مصرف زکوٰۃ ہیں، تو کیا ہم ان کو ان کے گھر پر چھٹیوں میں رہتے ہوئے بھی زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں، یا زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر ان کو دے سکتے ہیں۔

المستفتي: محمد ایوب، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱-۲) جو طالب علم خود مالک نصاب نہیں ہے، اور وہ بالغ ہے اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا بلا تردد جائز ہے، بلکہ ڈبل ثواب ملیگا۔(۱) اداء زکوٰۃ کا ثواب۔ (۲) اشاعت علم کا ثواب۔ لہٰذا دارالعلوم میں زیر تعلیم ایسے بالغ طلبہ کو وہاں جاکر کے زکوٰۃ کے پیسے دینا یا چھٹیوں کے زمانہ میں گھر کے قیام کے دوران دینا دونوں طرح جائز ہے، ان پیسوں کو وہ اپنی ذات پر استعمال کریں یا کتابیں خریدنے میں استعمال کریں ان کو اختیار ہے ایسے طلبہ کے ماں باپ مالدار ہوں تب بھی جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۸، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۶۰۰)

وبهذا التعليل يقوى مانسب للواقعات من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكوٰة ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب الحاجة داعية إلىٰ مالا بد منه – وفى الشامية تحته – وهذا الفرع مخالف لا طلاقهم الحرمة فى الغنى ولم يعتمده أحد قلت وهو كذلك والأوجه تقييده بالفقر. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، کراچی ۲/ ۳٤٠،

زکریا دیوبند ۳/ ۲۸۵، ۲۸۶، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱/۱۴۳۰ھ

زکوٰۃ کی رقم طالب علم کیلئے حلال ہے

سوال: [۴۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید حافظ قرآن ہے، اور اپنے گھر سے تنگ دست ہے گھر والے اس کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے اور وہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے، اور مدرسہ کا طعام لینا نہیں چاہتا ہے بلکہ اپنی جانب سے کھانا چاہتا ہے، تو کیا ایسا شخص تراویح میں ختم قرآن کی اجرت لیکر سال بھر کا خرچہ برداشت کرسکتا ہے یا نہیں اور اگر ٹھیک ہے تو اجرت طے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد راغب، محلّہ شیخان، قصبہ سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم غریب طالب علم کیلئے کھانا حلال ہے۔

أن طالب العلم له أخذ الزکوٰۃ ولو غنیاً إذا فرغ نفسه لإفادۃ العلم واستفادته لعجزہ عن الکسب والحاجة داعية إلیٰ مالابد منه. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۸۵)

اور قرآن کریم کو سنا کر اجرت لینا حرام ہے اور حلال چھوڑ کر حرام کا راستہ اختیار کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

وأن القراءۃ لشيء من الدنيا لا تجوز، وأن الآخذ والمعطی آثمان لأن ذلک یشبه الاستئجار علی القراءۃ ونفس الاستئجار علیها لایجوز.

(شامی، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب فی بطلان الوصیة بالختمات والتهالیل کراچی ۷۳/۲، زکریا ۵۳٤/۲)

اورحدیث شریف میں فرمایا کہ قرآن کریم کوحصول رضاء خداوندی کا ذریعہ بناؤ، کمائی کا ذریعہ نہ بناؤ۔

إقرؤوا القرآن وابتغوا به الله عز وجل الحديث : (رواه احمد ۳۵۷/۳،رقم: ۱٤۹۱٦)

إقرؤوا القرآن ولا تغلوا فيه ولاتجفوا عنه ولا تأكلوا به ، الحديث: (رواه احمد ٤۲۸/۳، رقم: ۱۵٦۱٤)

اورحدیث شریف میں ایسےلوگوں کے بارے میں وعید آئی ہے، جوقرآن کواجرت اورکمائی کا ذریعہ بناتے ہیں۔

إقرؤوا القرآن وسلوا الله تبارک وتعالیٰ به من قبل أن يجيئ قوم يسألون الناس به . (رواه احمد ٤٤۵/٤، رقم: ۲۰۲۳۹)

اوربطورنذرانہ وتحفہ کے لینا بھی ناجائز ہے، چونکہ یہ شرعی طور پرالمعروف کالمشروط کے تحت داخل ہوکر نام کا نذرانہ ہے بلکہ درحقیقت یہ بھی اجرت ہی ہے، چونکہ حافظ صاحب مقتدی حضرات دونوں کے ذہن میں کچھ لینے دینے کی بات ہوتی ہےاس لئے یہ بھی ناجائز ہوگا۔(مستفاد: دارالعلوم ٦/ ٦۳،۳/۲، ۲۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۱۳ھ

غنی طالب علم کیلئے زکوٰۃ لینا نیز مدرسہ کا کھانا کھانا

سوال: [۴۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا غنی طالب علم کوزکوٰۃ دے سکتے ہیں، اگرنہیں لے سکتا تو کیاوہ مدرسہ کا کھاناوغیرہ کھاسکتا ہے۔

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا غنی اور مالدار طالب علم جس کی ملکیت میں نصاب کے بقدر یا اس سے زائد مال ہو تو راجح قول کے مطابق اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا یا مد زکاۃ سے اس پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا مالدار اور مستطیع کو چاہئے کہ فیس مدرسہ کو ادا کر کے مدرسہ سے کھانا حاصل کرے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۸، بوادر النوادر/ ۱۲۷، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۵۲، ایضاح النوادر/ ۴۹)

من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم وهذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد. (شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۳/ ۲۸٦، شامی، كراچی ۲/ ۳٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۸۴)

مستطیع طلباء کیلئے مدرسہ سے کھانا

سوال: [۴۴۳٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طالب علم مدرسہ میں رہتے ہوئے مطبخ سے کھانا کھائے جبکہ وہ خود صاحب نصاب ہو تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کیا طالب علم پر اس کھانے کی قیمت کا ادا کرنا ضروری ہے جو اس نے مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کھالیا ہے؟

المستفتی: حبیب اللہ تاج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غنی اور صاحب نصاب غیر مسافر طالب علم کیلئے جائز نہیں ہے، اسلئے مدرسہ کے زمانہ میں جو اُس نے لاعلمی میں مطبخ سے کھانا کھایا ہے، اس زمانہ کے اعتبار سے قیمت طعام ادا کردے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۲۵۸، جدید زکریا ۴/ ۲۷۴ جدید زکریا مطول ۶/ ۲۷۰)

لأن الفقر شرط فی الأصناف کلها. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، کراچی ۲/ ۳٤۳، زکریادیوبند ۳/ ۲۸۹، البحرالرائق ، زکریا ۲/ ٤۲۲، کوئٹه ۲/ ۲٤۲)

وهذا الفرع (أی جواز أخذ الزکوٰۃ لطالب العلم) مخالف لإطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده أحد .... والأوجه تقییده بالفقیر. (شامی، کراچی ۲/ ۳٤۰،زکریا۳/ ۲۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۹۹۰)

مستطیع طالب علم کیلئے مدرسہ سے امداد لینا

سوال: [۴۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک طالب علم جسکے والدین مالک نصاب ہیں، اور اپنے بچے کا کھانا خرچہ برداشت کرسکتے ہیں، تو کیا اس طالب علم کیلئے مدرسہ کا کھانا کھانا جائز ہے۔

(۲) وہ لڑکا بالغ ہے تو کیا حکم ہے۔

(۳) نابالغ ہے تو کیا حکم ہے، اور اگر لڑکا بالغ ہے اور وہ خود صاحب نصاب ہے تو اس کیلئے مدرسہ کا کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر لڑکا صاحب نصاب نہیں ہے، اور اس کے والدین صاحب نصاب ہیں، تو وہ والدین کو خرچہ دینے پر مجبور کریگا یا نہیں؟

المستفتی: وسیم اکرم، بدایوں، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :(۱)اگر وہ طالب علم بالغ ہے تو منجانب مدرسہ اس کے اخراجات بمدزکوۃ دیئے جاسکتے ہیں، چاہے اس کے والدین غنی مالدار ہوں یا نہ ہوں۔

فیصرف إلیٰ البالغ ولو ذکراً صحیحاً الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ، زکریا دیوبند۳/۲۹۸، کراچی ۲/۳۴۹)

بخلاف ولده الكبير وإن كانت نفقته على الأب الغني لأنه لا يعد غنياً بغنائه. (مجمع الأنهر، مصری قدیم ۱/۲۲٤، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۳۰، هدایه ، اشرفیه دیوبند۱/۲۰٦، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/۷۲۰،الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۳/۳۱٥، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ۱/۳۰۳، زکریا دیوبند۲/۱۲٤)

(۲) اور اگر بالغ طالب علم خود صاحب نصاب ہے، جو اس کی حاجت اصلیہ سے فاضل ہے تو اس کیلئے منجانب مدرسہ بمدزکوۃ تعاون حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی مدزکوۃ کا کھانا لینا جائز ہے۔

عن عبد الله بن عمرو ، قال: قال النبی ﷺ لا تحل الصدقة لغني، ولا لذی مرة سوي. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۱٦٤، رقم: ٦٥۳۰)

ولا إلیٰ غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة الخ. (شامی، کراچی ۲/۳٤۷، زکریا۳/۲۹٥، ۲۹٦)

(۳) اور اگر طالب علم نابالغ ہے اور اس کے والدین صاحب نصاب مالدار ہیں، تو اس طالب علم کو مدزکوۃ سے مدرسہ کا کھانا لینا جائز نہیں ہے، والدین پر لازم ہے، کہ از خود اس کا خرچہ برداشت کیا کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ٦/۲۱۹)

ولا إلیٰ طفله أی الغنی (إلیٰ قوله) أن المراد بالطفل غير البالغ ذكراً كان أو أنثى الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۸، کراچی ۲/۳٤۹)

ولا إلیٰ ولد غني إذا كان صغيراً لأنه غنياً بيسار أبيه. (هدایه اشرفیه دیوبند۱/۲۰٦)

وإنما منع من الدفع لطفل الغني؛ لأنه يعد غنياً بغناء أبيه . (البحر الرائق ، زكريا ديوبند۲/۴۲۹ ، كوئٹه ۲/۲٤٦ ، وهكذا في الجوهرة النيرة ، دارالكتاب ديوبند ۱/۱۵۷ ، امداديه ملتان ۱/۱۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۱۴ھ

غنی طالب علم کا مدرسہ سے وظیفہ لینا

سوال: [۴۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک طالب علم گھر میں صاحب نصاب ہے اور مدرسہ میں جب اس کو جتنے روپئے کی ضرورت پڑتی ہے، منگوانے سے مل جاتے ہیں، بلکہ جتنے روپئے طلب کرتا ہے، اتنا ہی گھر والے بھیج دیتے ہیں، تو کیا ایسے طالب علم کیلئے مدرسہ کا کھانا کھانا اور وظیفہ لینا فی نفسہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عباس، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسے بالغ طالب علم کو زکوٰۃ اور اس مدرسہ سے وظائف لینا جائز ہے جس کے والدین صاحب نصاب ہیں لیکن اسکی ملکیت میں بقدر نصاب مال نہیں ہے خواہ اس کے گھر سے روپئے حسب چاہت آجاتے ہوں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۸، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۲۲۴، کفایت المفتی جدید ۴/ ۲۷۴، قدیم ۴/ ۲۵۸، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۴۰، ایضاح النوادر ۲/ ۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍۷؍۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍۷؍۱۴۲۰ھ

غنی اور سید طالب علم پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا

سوال: [۴۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شامی وغیرہ کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہے، کہ اگر طالب علم غنی ہوتو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ودرست ہے لیکن اگر طالب علم سید ہوتو کیا اس کیلئے بھی زکوٰۃ جائز اوردرست ہے، کیا بصورت عدم جواز طالب علم نے مدرسہ میں جو کھایا ہے، اوراسی طرح بجلی پانی اوردیگر زکوٰۃ کی اشیاء کا استعمال کیا ہے، اس کیلئے مدرسہ کو اس تمام رقم کا لوٹا ضروری ہوگا، یا صرف کھانے کی رقم کا لوٹانا ضروری ہوگا؟

المستفتي: رفعت علی قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شامی، کے جس مقام کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ غیر مفتیٰ بہ ہے دوسرے مقام پر اسکی وضاحت موجود ہے، کہ طالب علم غنی صاحب نصاب غیر مسافر کیلئے زکوٰۃ جائز نہیں ہے اور سید کے بارے میں بھی یہی مسئلہ ہے کہ سید کو زکوٰۃ جائز نہیں ہے، خواہ وہ طالب علم غنی ہو یا محتاج، لہٰذا اس نے بمد زکوٰۃ سے جو کھایا ہے، اسکو ادا کرے اور اگر نادار ہے، تو ذمہ داران مدرسہ دوسری مد سے اس رقم کو ادا کریں اسی طرح بجلی پانی فرش جگہ وغیرہ کا استعمال کیا تو ان کا بھی مناسب کرایہ یا تو سید طالب علم ازخود ادا کرے اور اگر نادار ہے تو ذمہ داران مدرسہ دوسری مد سے کہ جس سے تملیک کی ضرورت نہ ہو اور معطیین کی جانب سے دلالۃً یا صراحۃً بلا تخصیص صرف کی اجازت ہو تو اسمیں سے سید طلباء کیلئے صرف کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۳)

ولا إلیٰ بنی هاشم ....ثم ظاهر المذهب إطلاق المنع . (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳۵۰، زکریا ۳/۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

زکوٰۃ کی رقم سے طلبہ کو بٹھا کر کھانا کھلانا

سوال: [۴۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں زکوٰۃ کے فنڈ کی رقم سے بغیر کسی حیلۂ تملیک کے طلبہ کیلئے کھانا تیار کیا جاتا ہے، اور طلبہ بھی یہ جانتے ہیں، کہ یہ کھانا زکوٰۃ کے فنڈ کی رقم سے تیار کیا گیا ہے، اور وہ کھانا طلبہ کو حسب مصلحت (آداب طعام ودعاء وغیرہ سکھانے اور تضییع اوقات سے روکنے اور کھانا ضائع کرنے سے بچانے کی غرض سے) ایک ساتھ بیٹھا کر کھلایا جاتا ہے، بعض طلبہ کو وقت الاطعام حاضر نہ ہونے کی صورت میں الگ سے کھانا دیدیا جاتا ہے، اور کھلانے والے طلبہ کو بھی الگ سے کھانا تقسیم کردیا جاتا ہے، اور طلبہ بخوبی جانتے ہیں، کہ ان کی تربیت کی غرض سے ایک ساتھ بیٹھا کر کھلایا جاتا ہے، جیسا کہ مدارس میں ایسا بکثرت ہوتا ہے، اب دریافت ـ طلب بات یہ ہے کہ مکتوبہ تفصیل کی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے، تو کیا کھانا تیار کرنے میں صرف شدہ کل رقم کی ادا ہوتی ہے، یا اس میں کوئی تفصیل ہے'' اور جو کھانا باقی رہ جاتا ہے، یا خراب ہوجاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے'' اور اگر بیٹھا کر کھلانے میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے، تو کیا صرف کردہ کل رقم کی نہیں ہوتی ہے، یا کوئی تفصیل ہے اور ابتک جو رقم ایک ساتھ بیٹھا کر کھلانے میں صرف ہوئی ہے، اس کا کیا حکم ہے، اور زکوٰۃ کے فنڈ کی رقم کو طلبہ کیلئے کھانا وغیرہ تیار کرانے میں حیلۂ تملیک کے بعد صرف کرنا بہتر ہے یا بغیر حیلۂ تملیک کے مسئولہ، صورتوں میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو کھانا زکوٰۃ کے پیسہ سے بٹھا کر کھلایا جاتا ہے، اسکی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اسلئے کہ یہ تملیک نہیں ہے بلکہ اباحت ہے اور ادائے زکوٰۃ کیلئے تملیک شرط ہے، اور بغیر قبضہ کے تملیک کا ثبوت نہیں ہوتا اور جو کھانا تقسیم کرکے طلبہ کے قبضہ

میں دیدیا جاتا ہے، اسکی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، لہٰذا جوکھانا بیٹھا کر کھلایا جاتا ہے، یا باقی رہ جاتا ہے، اسکی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور جو تقسیم کردیا جاتا ہے، اس کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، اور طلبہ پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے اور کھانا پکا کر طلبہ کے قبضہ میں دیدینے میں حیلۂ تملیک کی نہ ضرورت ہے نہ ہی مناسب ہے۔

وأما الطعام فما يدفعه إليه بيده يجوز أيضاً لما قلنا بخلاف ما يأكله بلا دفع إليه الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۳/۱۷۲، کراچی ۲/۲۵۷)

إذا اشترىٰ بالزكوٰة طعاماً فأطعم الفقراء غداءً وعشاءً ولم يدفع عين الطعام إليهم لايجوز لعدم التمليك الخ. (بدائع الصنائع، کراچی ۲/۳۹، زکریا ۲/۱۴۲، ۱۴۳، هکذا فی البحر الرائق، کوئٹہ ۲/۲۰۱، زکریا ۲/۳۵۳)

لہٰذا اب تک جوکھانا بیٹھا کر کھلایا گیا ہے، ان سب کی زکوٰۃ باقی ہے مدرسہ کے ذمہ داران پر اداءِ زکوٰۃ کی ذمہ داری باقی رہ جائیگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱۱/۱۴۱۴ھ

مالدار و مستحقین زکوٰۃ طلبہ کا ایک ساتھ کھانا پکانا

سوال: [۴۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے مطبخ سے کھانے والے طلبہ دو قسم کے ہوتے ہیں، (الف) غریب مستحق زکوٰۃ کے طلبہ۔ (ب) مالدار طلبہ جن کیلئے زکوٰۃ کا مال کھانا حرام ہے، اور وہ اپنی خوراک کی رقم مطبخ میں دے کر کھانا لیتے ہیں، ان دونوں قسم کے طلبہ کا کھانا ایک ساتھ پکانا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ زکوٰۃ فطرہ کے غلہ سے کھانا پکایا جاتا ہے، اور دونوں قسم کے طلبہ کو اس میں سے کھانا دیا جاتا ہے، اور اگر مالدار طلبہ کا کھانا علیحدہ پکانا ضروری ہو تو ان کا غلہ، مصالحہ، ایندھن حساب وغیرہ سب کچھ علیحدہ کرنا ضروری ہوگا، جس میں حرج عظیم ہے، لہٰذا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے؟

المستفتی: محمد شہید اللہ ہاوڑوی، مدرسہ اشرف العلوم، کیتھن، بردوان، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مالدار طلبہ جو خورا کی جمع کرتے ہیں، اور جو مدرسین خورا کی جمع کر کے مدرسہ سے کھاتے ہیں، ان کا حساب الگ جوڑ کر رکھنا چاہئے، پھر مستحق زکوٰۃ طلبہ کیلئے مد زکوٰۃ سے جو کھانا بنایا جاتا ہے، ان کے ساتھ ملا کر پکانا جائز اور درست ہے، اسلئے کہ مطبخ کا حساب متعین ہے کہ ایک آدمی کی خورا کی کتنی مقدار ہے اس طریقے سے ساتھ میں ملا کر پکایا جائے تو بلا تردد جائز اور درست ہے، یہ نہیں سمجھا جائے گا کہ مالدار مدرسین نے زکوٰۃ کے پیسے کا کھانا کھایا بلکہ اپنے پیسے کا کھانا کھایا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۲۲۳، ڈابھیل ۹/ ۶۰۸)

إن تخالطوهم فإخوانكم و المقصود الحث على المخالطة المشروعة بالإصلاح مطلقاً أى إن تخالطوهم فى الطعام والشراب والمسكن والمصاهرة تؤدوا اللائق بكم لأنهم إخوانكم أي في الدين وبذلک قرأ ابن عباسؓ وأخرج عبد بن حميد عن المخالطة أن يشرب من لبنک وتشرب من لبنه ويأكل فى قصعتک وتأكل فى قصعته ويأكل من تمرتک ويأكل من تمرته الخ. (روح المعانی، زکریا ودارالفکر بیروت ۲/ ۱۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۵/ ۱۴۲۵ھ

زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے بنے ہوئے کھانے کو غیر امدادی طلبہ کا کھانا

سوال: [۴۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں زکوٰۃ وصدقات امداد سبھی قسم کا راشن مثلاً غلہ گھی مرچ مسالہ وغیرہ مشترک

رہتا ہے، اوراسی سے کھانا تیار ہوتا ہے، طلبہ میں بعض وہ ہیں، جو غیر امدادی کھانا کھاتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ غیر امدادی طلباء اسی میں سے کھانا کھائیں، یا ان کیلئے الگ سے کھانا تیار کرایا جائے، نیز اگر راشن کی تملیک کرادی جائے، تو کیا پھر غیر امدادی طلبہ کا اسمیں سے کھانا درست ہے، مذکورہ جو بھی صورت بہتر ہو یا ان کے علاوہ کوئی صورت ہو تو اس سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسلم قاسمی، خادم: مدرسہ حسینیہ قاسم العلوم، دھامپور، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امدادی وغیر امدادی طلبہ کا کھانا ایک ساتھ تیار کرنا جائز ہے، اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، اسی طرح جو اساتذہ قیمتاً مدرسہ سے کھانا کھاتے ہیں، ان کا کھانا بھی طلبہ کے مدزکوۃ کے کھانے کے ساتھ پکانا جائز اور درست ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْيَتَامىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ، الآية: (سورة البقرة، آيت ۲۲۰)

والمقصود الحث على المخالطة المشروعة با لإصلاح مطلقاً أى إن تخالطوهم فى الطعام والشراب والمسكن والمصاهرة تؤدوا اللائق بكم لأنهم إخوانكم أي في الدين وبذالک قرأ ابن عباسؓ وأخرج عبد بن حميد عن المخالطة أن يشرب من لبنک وتشرب من لبنه ويأكل فى قصعتک وتأكل فى قصعته ويأكل من تمرتک ويأكل من تمرته الخ. (روح المعانی، زکریا۲/ ۱۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱/۵ھ

مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم سے بننے والے کھانے کا اساتذہ یا مہمان کا استعمال کرنا

سوال: [۴۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے مدرسہ میں مطبخ قائم ہے، اور مدرسین بھی اس سے کھانا کھاتے ہیں، مطبخ میں صدقہ زکوٰۃ کا پیسہ استعمال ہوتا ہے، کیا یہ مدرسین کیلئے جائز ہے، جبکہ مدرسین بھی اس سے کھانا کھاتے ہیں، اور مدرسین کیلئے الگ سے کھانا بنانا مشکل ہے، نیز ناظم مطبخ کیلئے امدادی فنڈ سے پیسہ لگانے کا امتیاز بھی بہت دشوار ہے، لہذا اگر کوئی گنجائش ہو تو تحریر فرمائیں؟

ایک مدرسہ کے ذمہ دار ہیں، اور وہ صاحب نصاب بھی ہیں، مدرسہ کی ہر وقت نگرانی کی فکر رہتی ہے، بعض موقعوں پر مہمانوں کا آنا اور ان کا مطبخ کے کھانے میں شریک کرنا کیسا ہے؟ اگر ایسا نہ ہو تو بھی بہت برا محسوس ہوتا ہے، کہ وہ ایک طرف کو بیٹھے رہیں، باقی لوگ کھانا کھاتے رہیں، نیز چائے وغیرہ کا امتحان وغیرہ کے موقعہ پر مدرسہ کے فنڈ سے انتظام ہوتا ہے، اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: رحمت اللہ قاسمی، مدرسہ اسلامیہ عربیہ،
مسافر خانہ دونگر سرائے، سنبھل، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم مدرسین وملازمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں اور مدرسہ کے مطبخ میں صدقات واجبہ اور زکوٰۃ کی مد سے طلبہ کیلئے جو کھانا وغیرہ تیار ہوتا ہے، اس میں سے بھی ملازمین و مدرسین کو کھانا دینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ہر ایک خوراک کی قیمت متعین کر کے ملازمین و مدرسین سے اس کے بقدر فیس وصول کر لی جائے یا ان کی تنخواہوں میں سے کاٹ لی جائے تو ایسی صورت میں طلبہ کے

کھانے کے ساتھ مدرسین کا کھانا بھی ایک ہی دیگ میں پکانا جائز اور درست ہو جاتا ہے۔

اسی طرح مدرسہ میں جو مہمان وغیرہ آتے ہیں، ان کو مطبخ سے صدقات واجبہ کی رقم سے پکا ہوا کھانا کھلانا بھی جائز نہیں ہے، نیز امتحان اور دیگر تقاریب میں آئے ہوئے مہمانوں کیلئے چائے وغیرہ کا انتظام بھی صدقات واجبہ کی مد سے درست نہیں بلکہ ایسے اخراجات کیلئے صدقات غیر واجبہ اور امداد خصوصی کا الگ سے فنڈ بنانا چاہئے، تاکہ اسی میں سے خرچ کیا جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲۶۳/۴، ۲۶۹/۴، جدید زکریا مطول ۲۷۰/۶، ایضاح المسائل/ ۱۱۸)

فهي تمليك المال .... **بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه الله تعالىٰ**. (الهندية كتاب الزكاة، الباب الاول، زكريا ديوبند ۱/ ۱۷۰، جديد زكريا ۱/ ۳۲۳، الدر مع الرد، زكريا ديوبند ۳/ ۱۷۳، كراچی ۲/ ۲۵۸، مجمع الأنهر، مصری قديم ۱/ ۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۹۵)

کیا طالب علم مدرسہ کے کھانے کو بیچ سکتا ہے؟

سوال: [۴۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک طالب علم کی امداد مدرسہ سے جاری ہے لیکن وہ کسی وجہ سے مثلاً اسکو مدرسہ کا کھانا برداشت نہیں ہوتا ہے، یا وہ چاول کھانے کا عادی ہے، جس کی وجہ سے روٹی برداشت نہیں ہوتی تو اپنا کھانا جو اس کو مدرسہ سے ملتا ہے، وہ کسی کو بیچ دیتا ہے اگر نہیں بیچتا ہے تو کبھی پھینک دینا پڑتا ہے، اور ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ نہ بیچے تو اس کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ الگ سے روپئے لگا کر چاول وغیرہ خریدے تو اس کے لئے یہ کھانا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بیچنے کا یہ طریقہ ہوتا ہے، کہ جو ٹکٹ اس کو مدرسہ کی طرف سے ملتا ہے بیچنے والا

اس ٹکٹ کوجس کو وہ اپنا کھانا بیچتا ہے دے دیتا ہے، اور خریدنے والا وہ ٹکٹ لیکر مطبخ سے کھانا اٹھالیتا ہے، اور مہینہ میں ایک مقدار روپئے خریدنے والے سے لیتا ہے، مثلاً دوسو روپیہ میں بیچتا ہے اگر وہ نہ بیچے تو مدرسہ سے بدل طعام لیتا ہے تو بہت کم روپیہ ملتا ہے، مثلاً سوروپیہ ملتا ہے، جس سے اس کا کام نہیں ہوتا تو کیا اس طرح کھانا فروخت کرنا درست ہے جبکہ اسمیں ایک خرابی یہ ہے کہ یہ بیع قبضہ سے پہلے ہے، اور دوسری خرابی یہ ہے، کہ مجہول کی بیع ہے، اگر یہ کہا جائے کہ مدرسہ کا کھانا متعین ہے، کہ دونوں ٹائم دودو روٹی اور ایک ڈبا سالن ملتا ہے، تو جہالت تو نہیں البتہ دوسری خرابی قبضہ وہ نہیں پایا گیا لیکن اگر چہ فی الفور قبضہ نہیں تو بھی یہ معاملہ مفضی الی المنازعۃ نہیں تو مفضی إلی المنازعۃ نہ ہونے کی وجہ سے یہ معاملہ درست ہوگا، اسی طرح مدرسہ سے جو طالب علم کھانا خریدتا ہے، اس کو بھی روپیہ لیکر ایک ٹکٹ دیدیا جاتا ہے، اور وہ ٹکٹ لیکر مطبخ سے کھانا وصول کرتا ہے، یہاں بھی مبیع مجہول معلوم ہوتی ہے، اور قبضہ بھی نہیں، قبضہ صرف ٹکٹ پر ہے، تو کیا مدرسہ سے اس طرح کھانا خریدنا درست ہوگا، دونوں مسئلوں میں اگر درست نہیں ہے تو جواز کی کوئی صورت اگر ہو اسے لکھدیں؟

المستفتي: محمد عباس بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: طعام کا ٹکٹ مدرسہ کی طرف سے حق امداد ہے، جب مدرسہ نے طالب علم کوٹکٹ دیدیا تو طالب علم کا مدرسہ سے ملنے والی امداد یعنی طعام میں حق متعین ہوگیا، اب اسکی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے، اس کو جاننے کیلئے تین پہلو سے غورکیا جانا ضروری ہے۔

(۱) اس معاملہ میں جہالت ہے یا نہیں؟

(۲) اس میں غرر ودھوکہ ہے یا نہیں؟

(۳) حق امداد کس نوعیت کا ہے، اور بیع جائز ہے یا نہیں؟

١/ تو سب سے پہلے جہالت کی جہاں تک بات ہے، اگر مان بھی لیا جائے، کہ طعام میں جہالت ہے کہ کسی دن روٹیاں بڑی اور کسی کسی دن چھوٹی کسی دن سالن کم کسی دن زیادہ ہوسکتا ہے، تو یہ جہالت جہالت یسیرہ ہے اور عقد اس جہالت کا متحمل ہوتا ہے، کیونکہ جہالت یسیرہ مفضی إلی المنازعۃ نہیں ہوتی ہے۔

ففي كل ذلك تنتفي الجهالة الفاحشة عن المبيع، وتبقى الجهالة اليسيرة التي لاتنافي صحة البيع. (شامی، کتاب البیوع، قبیل مطلب فی الزق بین الأثمان والمبیعات کراچی ٤/ ٥٣٠، زکریا دیوبند٧/ ٥١)

لہٰذا جہالت کی بنیاد پر اس معاملہ کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا ہے۔

٢/ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں غرر ودھوکہ نہیں ہے، کیونکہ جب ذمہ داران مدرسہ نے طعام کا ٹکٹ طالب علم کو دیدیا تو یہ متعین ہوگیا کہ روزانہ دوٹائم اس کو کھانا ملنا متعین ہے۔

٣/ تیسرا پہلو جہاں تک حق امداد کی بات ہے تو حق امداد اصلاً فروخت کرنا جائز نہیں ہے، لیکن کسی شخص کیلئے صلح اور دست برداری کے طور پر عوض لیکر حق امداد منتقل کرنا جائز ہے، کیونکہ متأخرین احناف نے وظائف سے دستبرداری کے طور پر عوض لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

فيفتى بجواز النزول عن الوظائف بمال. (الدر مع الرد، مطلب فی النزول عن الوظائف بمال، زکریا دیوبند٧/ ٣٥، کراچی ٤/ ٢٨٢، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ١٩/ ٢٨٣)

نیز علامہ شامیؒ نے مفتی ابوالسعود کا فتویٰ نقل کیا ہے: **ورأيت بخط بعض العلماء عن المفتي ابي السعود أنه أفتى بجواز أخذ العوض في حق القرار والتصرف وعدم الرجوع.** (شامی، قبیل مطلب فی خلو الحوانیت زکریا دیوبند٧/ ٣٧، کراچی ٤/ ٥٢٠)

نیز ٹکٹ پر قبضہ کو قبضہ حکمی اور تخلیہ کے درجہ میں رکھ کر بھی اس معاملہ کو جواز کے دائرے میں لایا جاسکتا ہے، کیونکہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں۔

(١) قبضہ حقیقی۔

(۲) قبضہ حکمی۔

قبضہ حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ عین طعام پر قبضہ ہو جائے، اور قبضہ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز پر قبضہ ہو جائے، جو طعام کیلئے تخلیہ کا درجہ رکھتی ہو تو اب ٹکٹ پر قبضہ قبضۂ حکمی کے درجہ میں ماننا لازم ہوگا، اسلئے کہ جب طالب علم کو ٹکٹ مل جاتا ہے، تو ہر ایک جانتا ہے، کہ اس کو پورا سال کھانا ملیگا، البتہ اتنی بات طے ہو جانا ضروری ہے کہ جس کے نام کا ٹکٹ ہے اگر اس کے کسی جرم کی وجہ سے کھانا بند ہو گیا تو جن دنوں میں کھانا بند رہا ان دنوں کا پیسہ ٹکٹ بیچنے والے کو نہیں ملیگا، حتی کہ وہ پیسہ مشتری طالب علم کو واپس کرنا ضروری ہے، نیز اس میں یہ شرط بھی ہے کہ اسی مدرسہ کے طلبہ کو فروخت کرے جس مدرسہ سے یہ ٹکٹ ملا ہے، دوسرے مدرسے کے طلباء یا عام آدمی کے ہاتھ یہ ٹکٹ فروخت کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی، کیونکہ ان لوگوں کیلئے بھی گنجائش دیدی جائے تو مدرسہ کا نظام خراب ہوسکتا ہے، اور جو طالب علم پیسہ دیکر مدرسہ سے کھانا خریدتا ہے، یہ بلا شبہ جائز ہے، کیونکہ مدرسہ نے ایسی چیز پر قبضہ دیدیا ہے جو قبضۂ حکمی اور تخلیہ کا درجہ رکھتی ہے اور مبیع اہل مدرسہ کیلئے مقدور التسلیم ہے، اور مبیع کا مقدور التسلیم ہونا کافی ہے۔

وكونه مقدور التسليم فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم.

(شامی، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة زكريا ديوبند۷/۱۵، کراچی ۴/۵۰۵)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۷۶۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۱۱/۱۴۲۰ھ

مدارس میں مال زکوٰۃ کا استعمال کیسے ہو؟ (ایک تحقیقی جائزہ)

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ أَمَّا بَعْد!

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِين . (التوبة الآية: ٦٠)

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً ❖ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مدارس اسلامیہ میں نوے فیصد زکوٰۃ کی رقم آتی ہے، اور دس فیصد مشکل سے امداد کی رقم آتی ہے، اورزکوٰۃ کی رقم میں تملیک فقراء شرط ہے، اور بعض دفعہ تملیک اور حیلۂ تملیک کے اختیار کرنے میں بڑے مدارس میں سخت دشواریاں بھی پیش آتی ہیں؛ اس لئے اس سلسلے میں کہاں تک گنجائش نکل سکتی ہے؟ اس کے اثبات ونفی سے متعلق یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

کس قسم کے مدارس کیلئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے؟

جن مدارس میں طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام ہے ان تمام مدارس کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقوم مسلمانوں سے وصول کرنا جائز اور درست ہے، چاہے وہ مدارس چھوٹے ہوں یا بڑے، ہاں البتہ جن مدارس میں طلبہ کے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے جیسا کہ مکاتب ان کیلئے زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ وصول کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ ان مدارس میں ان مدات کے مصرف کا وجود ہی نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۵۹۴)

اور ایسے مدارس کیلئے زکوٰۃ کی رقوم وصول کر کے طلبہ پر خرچ کرنے کا مسئلہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو یمن بھیجتے وقت جو ہدایات فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ان کے مالداروں سے زکوٰۃ اور صدقات وصول کرلیا کریں پھر وہی زکوٰۃ وصدقات ان کے فقراء میں تقسیم کردیں۔

لمبی حدیث شریف کا ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے:

أَنَّ اللّٰهَ قَدْ اِفْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ الخ. (بخاری ۱/ ۲۰۳، رقم: ۱٤۷٤)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر اپنے مال کی زکوۃ فرض فرمادی ہے اور وہ زکوۃ ان کے مالداروں سے وصول کرکے ان کے فقراء پر خرچ کی جائے۔

ضرورت مند علماء کو زکوۃ دینا

تدریس وتصنیف اور تبلیغ میں مصروف علمائے دین اگر مدزکوۃ کے مصرف (فقیر) ہیں، تو ان کو مدزکوۃ میں سے بطور تبرع دینا جائز اور درست ہے، مگر بغیر تملیک فقراء کے تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ تنخواہیں اجرت ہوتی ہیں جو کام کے عوض میں لی جاتی ہیں، اور زکوۃ وصدقاتِ واجبہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ بغیر اجرت اور بلا عوض کے مستحق کو مالک بنادینا لازم ہوتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۲۴۹، زکریا جدید ۴/ ۲۹۳، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۷۸، محمودیہ میرٹھ ۴/ ۲۶۷ تا ۲۷۰، ایضاح المسائل/ ۱۱۸، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۲، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۵۲)

اس حکم کو بدائع الصنائع میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

وَأَمَّا قَوْلُهُ تَعَالىٰ: وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عِبَارَةٌ عَنْ جَمِيْعِ الْقُرَبِ فَيَدْخُلُ فِيْهِ كُلُّ مَنْ سَعىٰ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالىٰ، وَسَبِيْلِ الْخَيْرَاتِ إِذَا كَانَ مُحْتَاجًا.

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد " وفی سبیل اللہ" اس سے تمام نیکی کے کام مراد ہیں؛ لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہوجائے گا جو اللہ کی طاعت اور خیراتی کاموں میں سرگرم عمل ہو بشرطیکہ وہ محتاج (مستحق) ہو

(بدائع الصنائع زکریا ۲/ ١٥٤)

طلبہ کو مالک بنائے بغیر ان پر خرچ کرنا

سوال۳ میں پوچھا گیا ہے کہ زکوۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقوم کا طلبہ کو مالک بنائے بغیر ذمہ دار مدرسہ طلبہ کی مصلحتوں اور ضرورتوں میں اپنے طور پر خرچ کردیں تو مالک بنانے کے قائم مقام ہوجائے گا یانہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طلبہ کو مالک بنائے بغیر اپنے طور پر ان کی ضروریات اور مصلحتوں میں خرچ کرنے کی بہت سی صورتیں جواز کے دائرے میں داخل ہیں، مثلاً طلبہ کے کھانے کے لئے مطبخ کے فنڈ میں خرچ کردیا جائے یا طلبہ کیلئے کپڑا خرید کران میں تقسیم کردیا جائے تو یہ صورتیں جائز اور درست ہیں؛ اس لئے کہ لوٹ کر طلبہ کے پاس بطورتملیک کے آجاتی ہیں، مگر طلبہ کی وہ ضروریات جو استہلا کی مصارف میں شامل ہیں، مثلاً روشنی، پانی، معلمین، خدام اور ملازمین کی تنخواہ، درس گاہ، کتب خانہ، اور کتابوں وغیرہ کے خرچ سے متعلق جو مسئلہ ہے وہ سوال ۸ اور ۹ کے ذیل میں موضوع بحث بنایا گیا ہے؛ اس لئے یہاں پر اس کو نہیں لکھا جارہا ہے وہاں پر غور کیا جائے گا۔

اس حکم کو شامی میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

وَيَشْتَرِطُ اَنْ يَكُوْنَ الصَّرْفُ تَمْلِيْكاً لاَ إِبَاحَةَ. (وَتَحْتَهُ فِى الشَّامِيَّةِ:) فَلاَ يَكْفِىْ فِيْهَا الإِطْعَامُ إِلاَّ بِطَرِيْقِ التَّمْلِيْكِ. (شامی، باب المصرف زکریا۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)	شرط یہ ہے کہ زکوۃ کا پیسہ مالک بنانے کے طور پر صرف کیا جائے اباحت کے طور پر نہیں۔ (اس کے تحت شامی میں ہے کہ) لہٰذا کھانا کھلانا کافی نہیں ہے الا یہ کہ کھانے پر قبضہ دے کر مالک بنانے کے طریقہ سے ہو۔

اور شامی میں دوسری جگہ یہ حکم ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

إِذَا كَـانَ يَعُوْلُ يَتِيْمـاً وَيَجْعَلَ مَا يَكْسُوْهُ وَيُطْعِمُهُ مِنْ زَكوٰةِ مَالِهٖ ، فَفِي الْكِسْوَةِ لاَ شَكَّ فِي الْجَوَازِ لِوُجُوْدِ الرُّكْنِ وَهُوَ التَّمْلِيْكُ ، وَأَمَّا الطَّعَامُ فَمَا يَدْفَعُهُ إِلَيْهِ بِيَدِهٖ يَجُوْزُ أَيْضًا لما قُلْنَا، بِخِلاَفِ مَا يَأْكُلُهُ بِلاَ دَفْعٍ إِلَيْهِ. (شامی، زکریا۳/۱۷۲، کراچی ۲/۳۳۱، تاتار خانية ۳/۲۱٤، رقم:٤١٥٩)

جب یتیم کی پرورش کی جائے، اور اپنے مال کی زکوۃ میں سے اس کو پہنائیں اور کھلائیں تو پہنانے کے جواز میں کوئی شک نہیں، رکن زکوۃ کے پائے جانے کی وجہ سے اور رکن زکوۃ مالک بنانا ہے، بہر حال کھانا کھلانا تو جو کچھ اپنے ہاتھ سے اس کے قبضہ میں دیا جائے تو وہ بھی جائز ہے، بخلاف ان چیزوں کے جو وہ کھاتا ہے بغیر اس کے قبضہ میں دیئے ہوئے۔

حیلۂ تملیک کیسے ہو؟

حضرات فقہاء نے حیلۂ تملیک کی جو صورت بیان کی ہے، وہ یہی ہے کہ فقیر کو زکوۃ کی رقم دے کر پھر اس سے مدرسہ کی ضروریات کے نام سے مطالبہ کیا جائے۔ اور اس کو ترغیب دی جائے کہ یہ پیسہ تمہارے پاس آچکا ہے، اور مدرسے کو پیسوں کی سخت ضرورت ہے؛ لہٰذا اگر آپ یہ پیسہ مدرسے کو دے دوگے تو آپ کو اس کا اجر ملے گا، اور اس پر ترغیبی انداز سے دباؤ ڈالنے کی بھی گنجائش ہے، جو فقہاء کی عبارت: ''**ثم یأمر بعد ذلک بالصرف إلیٰ هذه الوجوه**'' وغیرہ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے، کہ اس عبارت میں حیلۂ تملیک کے موقع پر کم وبیش اصرار اور دباؤ کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس سلسلے میں چند عبارتیں ذیل میں درج ہیں۔

اس حکم کو ''الفتاوی التاتارخانیہ'' میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَالْحِيلَةُ لِمَنْ أَرَادَ ذٰلِكَ أَنْ يَّتَصَدَّقَ يَنْوِيَ الزَّكوٰةَ عَلىٰ فَقِيْرٍ، ثُمَّ يَأْمُرُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالصَّرْفِ إِلىٰ هَذِهِ الْوُجُوْهِ، فَيَكُوْنَ لِصَاحِبِ الْمَالِ ثَوَابُ الصَّدَقَةِ، وَلِذٰلِكَ الْفَقِيْرُ ثَوَابُ هٰذَا الصَّرْفِ. (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۳/۲۰۸، رقم: ۴۱۴۱، ۱۰/۳۱۸، رقم: ۱۴۸۶۰، ۱۴۸۶۱، هندیه ۶/۳۹۲، جدید زكريا ۲/۴۷۳، شامی، كتاب الزكاة، زكريا ۳/۱۹۱، كراچی ۲/۲۱۱)

وہ شخص جو مال زکوۃ کو غیر مصرف میں خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کے لئے حیلہ کی شکل یہ ہے کہ زکوۃ کی نیت سے فقیر پر صدقہ کردے، پھر اس کے بعد فقیر کو ان غیر مصرف کارخیر میں خرچ کرنے کا حکم کرے، تو ایسی صورت میں صاحب مال کو زکوۃ کا ثواب اور اس فقیر کو اس کارخیر میں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا۔

اس کو محیط برہانی میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

وَالْحِيْلَةُ لَمُنْ أَرَادَ ذٰلِكَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمِقْدَارِ زَكوٰتِهِ عَلىٰ فَقِيْرٍ، ثُمَّ يَأْمُرُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالصَّرْفِ إِلىٰ هٰذِهِ الْوُجُوْهِ، فَيَكُوْنُ لِصَاحِبِ الْمَالِ ثَوَابُ الصَّدَقَةِ، وَلِلْفَقِيْرِ ثَوَابُ هٰذِهِ الْقُرْبَةِ. (المحيط البرهاني ڈابھیل ۳/۲۱۲، رقم: ۲۷۸۴،

جو شخص مد زکوۃ کو دیگر کارخیر میں خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہو اس کے لئے حیلہ کی شکل یہ ہے کہ مقدار زکوٰۃ کے برابر فقیر پر صدقہ کردے، پھر اس کے بعد فقیر کو ان دیگر کارخیر میں خرچ کرنے کا حکم کرے، تو ایسی صورت میں صاحب مال کو ادائے زکوٰۃ کا ثواب ملے گا، اور فقیر کو اس کارخیر کا ثواب ملے گا۔

وكذا البحر الرائق زكريا ٢/٤٢٤، تبيين الحقائق، زكريا ٢/١٢١، النهر الفائق ١/٣٢٨، مجمع الأنهر ١/٣٢٨، فقيه الأمت ديوبند ومصرى)

حضرات فقہاء نے حیلۂ تملیک کا مسئلہ خاص طور پر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مستنبط کیا ہے، کہ جب حضرت نسیبہؓ نے صدقہ کا بکرہ حضرت بریرہؓ کو پیش کیا تو حضورﷺ نے فرمایا کہ بریرہ کے لئے صدقہ ہے، ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ فَقَالَتْ: لاَ إِلَّا شَيْءٌ بَعَثَتْ بِهِ إِلَيْنَا نُسَيْبَةَ مِنَ الصَّدَقَةِ، فَقَالَ: إِنَّهَا قَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا.

(بخارى ١/٢٠٢، رقم: ١٤٧٢)

حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ حضورﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاکر فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کی چیز ہے؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کچھ نہیں ہے، مگر نسیبہؓ نے بریرہؓ کے واسطے جو صدقہ کا بکرہ بھیجا ہے، اس میں سے کچھ ہے، تو حضورﷺ نے فرمایا کہ بے شک وہ بکرہ اپنی جگہ پہنچ چکا ہے۔

ایک روایت کچھ الفاظ کے فرق کے ساتھ حضرت انسؓ سے مروی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أَنَسٍ رضـ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَحْمٍ تَصَدَّقَ بِهِ بَرِيْرَةَ، فَقَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ.

(بخارى، النسخة الهندية ١/٢٠٢، رقم: ١٤٧٣، مسلم ١/٣٤٥، دارالسلام رقم: ١٠٧٤)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ بے شک نبی کریمﷺ کے پاس کچھ ایسا گوشت پیش کیا گیا جو حضرت بریرہؓ پر صدقہ کیا گیا تھا، تو حضورﷺ نے فرمایا کہ بریرہؓ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔

ابوداؤ دشریف اور ابن ماجہ کی حدیث شریف کے اسی ٹکڑے سے بھی حیلۂ تملیک کی بات سمجھ میں آتی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتَصَدَّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَاهْدَاهَا الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ. (ابو داؤد ۱/۲۳۱، رقم: ۱۶۳٦، ابن ماجه ۱/۱۳۲ رقم: ۱۸٤۱)

کسی آدمی کا پڑوسی مسکین فقیر ہے پس اس فقیر پر صدقہ کیا جائے، پھر مسکین وہ صدقہ غنی مالدار کے لئے ہدیہ کردے (تو جائز ہے)۔

فقیر کا قرض لے کر مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرنا

سوال ۵ میں جو بات لکھی گئی ہے وہ بات آج کے زمانہ میں ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، کہ مستحق زکوٰۃ اور محتاج شخص کو اتنا بڑا قرض کون دے سکتا ہے، تاکہ وہ مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کردے؛ کیوں کہ موجودہ زمانہ کے تجربہ سے ثابت ہوا کہ ایسے محتاج شخص کو کوئی شخص بڑی رقم بطور قرض نہیں دیتا ہے، تاہم اگر ایسا کہیں وجود میں آنا ممکن ہے اور فقیر محتاج کو مدرسے میں خرچ کرنے کے نام سے کوئی شخص قرض دے دیتا ہے، اور وہ قرض لے کر مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کر دیتا ہے، تو مدزکوٰۃ سے اتنی رقم ادائے قرض کے نام سے اس کو دینا جائز ہوسکتا ہے، جیسا کہ فقہاء کی اس طرح کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وَمَدْيُوْنٌ لا يَمْلِكُ نِصَابًا فَاضِلاً عَنْ دَيْنِهِ. (وَفِي الظَّهِيْرِيَّةِ: اَلدَّفْعُ لِلْمَدْيُوْنِ أَوْلىٰ مِنْهُ لِلْفَقِيْرِ (وَتَحْتَهُ فِي الشَّامِيَّةِ) أَيْ أَوْلىٰ مِنَ الدَّفْعِ لِلْفَقِيْرِ الْغَيْرِ الْمَدْيُوْنِ لِزِيَادَةِ اِحْتِيَاجِهِ. (شامي، كراچی ۲/۳٤۳، زکریا ۳/۲۸۹)

اور ایسے قرض دار کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جو ایسے نصاب کا مالک نہیں ہے، جو اس کے قرض کی ادائے گی سے فاضل ہو۔ (اور ظہیریہ میں ہے کہ مدیون کو دینا فقیر کو دینے سے زیادہ بہتر ہے، (اس کے نیچے شامی میں ہے کہ) غیر مدیون فقیر کو دینے سے مدیون فقیر کو دینا زیادہ بہتر ہے اس کے زیادہ محتاج ہونے کی وجہ سے۔

کیا عمارت کی تعمیر کے قرض کو مدزکوۃ سے ادا کیا جاسکتا ہے؟

سوال۶: میں یہ پوچھا گیا ہے کہ عمارت کی تعمیر کیلئے مہتمم صاحب کسی ایک مالدار شخص یا چند افراد کی کمیٹی سے کہیں کہ آپ لوگ خود اپنی طرف سے یا دوسرے لوگوں سے قرض لے کر مدرسہ کی عمارت بنوادیں اور ہم کسی طرح ادا کردیں گے، پھر مدرسہ کے مہتمم زکوۃ کی رقم سے ان کا قرض ادا کردیں تو کیا رقومِ زکوۃ اور صدقات واجبہ سے ان حضرات کا قرض ادا کرنا جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ یہ قرض موجودہ طلبہ کی فوری ضرورت میں خرچ نہیں ہوا ہے، اور نہ ہی اس قرض کے پیسہ سے موجودہ طلبہ نے کسی کا قسم فائدہ اٹھایا ہے؛ بلکہ آئندہ سالوں میں آنیوالے طلبہ ان عمارتوں سے فائدہ اٹھائیں گے؛ اس لئے یہ قرض موجودہ طلبہ کی طرف سے ثابت کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے؛ لہٰذا زکوۃ کی رقم سے تعمیر کیلئے لئے گئے قرض کی ادائیگی کے بارے میں بغیر تملیک فقراء کے جواز کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

لاَ يَصْرِفُ إِلىٰ بِنَاءِ نَحْوَ مَسْجِدٍ (وتحته في الشامية) كَبِنَاءِ الْقَنَاطِرِ وَالسّقَايَاتِ وَإِصْلاَحِ الطُّرُقَاتِ وَكَرى الأَنْهَارِ وَالْحَج وَالْجِهَاد وَكُلُّ مَالاَ تَمْلِيْك فِيْهِ.

(شامی زکریا۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/)

زکوۃ کی رقم مسجد وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے، ایسا ہی رفاہ عام کے پل اور پیاؤ ومسافر خانہ کی تعمیر، راستوں اور سڑکوں کی پختگی میں، نہروں کی کھدائی میں، حج اور جہاد میں اور ہر اس چیز میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے جس میں مالک بنانا نہ پایا جاتا ہو

زکوۃ کے پیسہ سے مطبخ کا قرض ادا کرنا

اگر کوئی مدرسہ غریب ہے اور بحرانی حالت میں ہے، اور دوکان دار سے ادھار سامان

لاکر مطبخ اور دیگر ضروریات پوری کرتا ہے، اور بعد میں زکوۃ کے پیسہ سے دوکاندار کا قرض ادا کردیا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں زکوۃ ادا ہوجائیگی یانہیں؟ اور بلاتملیک کے زکوٰۃ کے پیسہ سے قرض ادا کرنا درست ہوجائے گا یانہیں؟

اس بارے میں وضاحت آگے آرہی ہے کہ قبضۂ زکوۃ کے بارے میں مہتمم، ذمہ دار مدرسہ اور مہتمم کے نائبین سفراء وغیرہ زکوۃ دہندگان کے وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ کے بھی وکیل ہیں؛ لہٰذا طلبہ پر خرچ کرنے میں جو قرض ہوا ہے وہ قرض طلبہ کی طرف سے وکیل بن کر مد زکوۃ سے ادا کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ چنانچہ دوکان دار کا قرض طلبہ کے واسطے ہوا ہے؛ اس لئے طلبہ کی طرف سے وکیل بن کر مد زکوۃ سے ادا کرنا جائز اور درست ہوجائے گا جیسا کہ حسب ذیل فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

أما دين الحي الفقير فيجوز لو بأمره (وتحته في الشامية) لأن من قضىٰ دين غيره بأمره له أن يرجع عليه بلا شرط الرجوع في الصحيح، فيكون تمليكاً من المديون علىٰ سبيل القرض، وقوله: يجوز عن الزكوٰة على أنه تمليك منه والدائن يقبضه لحكم النيابة عنه ثم يصير قابضا لنفسه.

(شامی، زکریا۳/ ۲۹۱، ۲۹۲، کراچی ۲/ ۲٤٤)

بہر حال زندہ فقیر کا قرض ادا کرنا اگر اس کی اجازت سے ہو تو جائز ہے (اور اس کے تحت شامی میں ہے کہ) بیشک جو شخص غیر کا قرض اس کے حکم سے ادا کرتا ہے اس کیلئے رجوع کی شرط لگائے بغیر صحیح قول کے مطابق مقروض پر رجوع کرنا جائز ہے، تو ایسی صورت میں مدیون کی طرف سے قرض کے طور پر تملیک ثابت ہوجائے گی اور زکوۃ کی ادائے گی جائز ہوجائے گی اس وجہ سے کہ مدیون کی طرف سے تملیک پائی گئی اور دائن کا اس کو قبضہ کرنا اس کی طرف سے نیابت کی وجہ سے ہے، پھر اس کے بعد وہ اپنے لئے قبضہ کرنے والا بن جاتا ہے۔

اورشامی کی ذیل کی عبارت سے بھی یہ بات مستفاد ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وهو أن يوكل المديون خادم الدائن بقبض الزكوة ثم بقضاء دينه ، فبقبض الوكيل صار ملكاً للموكل ولا يسلم المال للوكيل إلا في غيبة المديون لاحتمال أن يعزله عن وكالة قضاء دينه حال القبض قبل الدفع. (شامی، زکریا۳/ ۱۹۱، کراچی ۲/ ۲۷۱)

اور وہ یہ ہے کہ مدیون دائن کے خادم کو قبضۂ زکوۃ کا وکیل بنائے ، پھراپنے قرض کی ادائیگی کا وکیل بنائے ،تووکیل کے قبضہ کی وجہ سےموکل کی ملکیت ثابت ہوجائے گی، اور مال وکیل کوسونپانہیں جائے گا،مگر مدیون کی غیبو بیت میں مال کی ادائے گی سے پہلے قبضہ کی حالت میں اس کے قرض کی ادائے گی کی وکالت سے معزول کردینے کے خطرہ کی وجہ سے۔

تملیک کی بہترین شکل

سوال ۷میں جوطریقہ لکھا گیاہےمدارس میں تملیک کیلئے وہ سب سےبہتر شکل معلوم ہوتی ہے، کہ جتنا ماہانہ خرچ بشمول مطبخ، تعلیم، تنخواہ مدرسین وملازمین وغیرہ آتاہے، اس کوطلبہ کی تعداد پرتقسیم کرکے ہرایک کے حصہ میں آنیوالی رقوم بطور فیس مقرر کردی جائے ، اور ہر مہینہ فیس کے بقدر رقم بطور وظیفہ طالب علم کو مدزکوۃ سے دے دی جائے ، پھر طالب علم سے بطور فیس وصول کرکے ذمہ دار مدرسہ ، مدرسے کی مذکورہ تمام ضروریات میں خرچ کرتے رہیں، یہ صورت مدارس اسلامیہ میں مدزکوۃ کی رقوم کی تملیک کی بہترین شکل ہے، اگر اس شکل پرحتی الامکان عمل ہوجائے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/۴/ ۲۲۴، محمودیہ ڈابھیل۹/ ۶۰۳، رحیمیہ۵/ ۱۵۰،محمودیہ الفتاویٰ۲/ ۱۴۷، کتاب المسائل۲/ ۲۷۳)

لہٰذا جن مدارس میں اس شکل پرعمل ممکن ہوتوان مدارس کے ذمہ داروں کواس شکل کواپنالینا چاہئے، اور جو مدارس بہت بڑے ہیں، جن میں ہزاروں سے زائد طلبہ قیام

وطعام کیساتھ رہتے ہیں، ان مدارس میں اس شکل پر عمل کرنا دشوار ہوسکتا ہے؛ اسلئے ان مدارس کیلئے الگ سے کوئی دوسرا حل تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور مذکورہ شکل میں صراحت کیساتھ فقیر کو مال زکوۃ کا مالک بنا دینا پایا جاتا ہے، جو فقہاء کی ذیل کی صریح عبارت کے تحت داخل ہے:

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة. (شامی، زکریا۳/ ۲۹۱) شرط یہ ہے کہ زکوۃ کا پیسہ مالک بنانے کے طور پر صرف کیا جائے اباحت کے طور پر نہیں۔

مدزکوۃ سے سفراء کی تنخواہ

مدارس کے سفراء کو ''العاملین علیہا'' کے حکم میں قرار دیکر ان کو زکوۃ کی رقم میں سے بلا تملیک تنخواہ دینا درست ہوگا یانہیں؟

اس سلسلے میں ہمارے اکابر میں سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے سفراء کو ''**العالمین علیها**'' کے دائرے میں داخل کر کے مدزکوۃ سے ان کو تنخواہ دینا جائز قرار دیا ہے اور صرف یہ قید لگائی ہے، کہ ان کی وصول کی ہوئی رقم کے نصف سے زائد تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم۴/ ۲۶۹، جدید زکریا۴/ ۲۸۶، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۷۷)

لیکن حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے ''معارف القرآن'' میں کافی تفصیل کے ساتھ مختلف دلائل سے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ مدارس کے سفراء کو عاملین کے حکم میں قرار نہیں دیا جاسکتا؛ لہٰذا ان کو عاملین کے حکم میں قرار دے کر مدزکوٰۃ سے ان کو زکوۃ دینا درست نہیں ہو سکتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن۴/۱۶۹، تحت سورۂ توبہ، آیت: ۶۰)

کیوں کہ العاملین علیہا کے حکم میں قرار دینے کے لئے لازم ہے کہ امیر المؤمنین کی طرف سے سفراء مقرر کئے گئے ہوں اور مہتمم مدرسہ کو ولایت عامہ اور قوت عسکری حاصل نہ ہونے کی وجہ سے امیر المؤمنین کے حکم میں نہیں قرار دیا جاسکتا ہے؛ اس لئے سفراء کو عاملین علیہا کے حکم میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔

نیز حضرت تھانویؒ قدس سرہ نے ''امداد الفتاویٰ'' میں اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ نے ''عزیز الفتاویٰ'' میں اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ نے ''احسن الفتاویٰ'' میں یہی نقل فرمایا ہے کہ سفراء کو عاملین کے حکم میں قرار دے کر ان کو مد زکوۃ سے تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۲/ ۵۶، عزیز الفتاویٰ کراچی/۳۶۳، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۵۲)

تو اکابر میں سے جواز کے قائل صرف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ تنہا رہ جاتے ہیں، اور قریب قریب تمام اکابر اہل فتاویٰ اس پر متفق ہیں کہ سفراء کو امیر کی طرف سے مقرر کردہ عاملین کے حکم میں قرار دیکر ان کو مد زکوۃ سے بلا تملیک تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ اور یہی حکم محاسبی اور دفتر کے ملازمین کی تنخواہ کے بارے میں بھی ہوگا، خصوصاً جب وہ لوگ حساب زکوۃ کے علاوہ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہوں؛ لہٰذا مد زکوۃ سے سفراء اور دیگر ملازمین کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر، ص: ۲۲۹ تا ۲۳۱، مکتبہ نعیمہ)

کیا مہتمم امیر المؤمنین کے حکم میں ہوسکتا ہے؟

سوال ۸ اور ۹ زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، اور دونوں سوالوں میں مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کو امیر المؤمنین کے درجہ میں قرار دینے کا حکم اٹھایا گیا ہے، ان کو امیر المؤمنین کے درجہ میں قرار دینے کی بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، اسلئے کہ امیر المؤمنین کو ولایت عامہ بھی حاصل ہوتی ہے، اور قوت عسکری بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ دونوں چیزیں مدارس کے مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کو حاصل نہیں ہوتیں، ہاں البتہ مدارس کے مہتمم اور ذمہ دار کو قوت ارادی حاصل ہوتی ہے اور جس کو قوت ارادی حاصل ہوتی ہے اس کو امیر المؤمنین کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا ہے؛ اس لئے یہ مسئلہ موضوع کے پیش نظر انتہائی نازک ہے؛ لہٰذا اس مسئلہ میں براہ راست نصوص سے استفادہ کر کے سمجھنے کے بجائے بڑے بڑے اکابر و مشائخ اور معتبر اہل فتاویٰ کا سہارا لے کر سمجھنا زیادہ مناسب ہوگا۔

تو اس سلسلے میں سوال نامہ میں جن اکابر کا نام لیا گیا ہے، یعنی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریرات کو پیش نظر رکھ کر گفتگو کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے؛ لھٰذا حضرات اکابر کی تحریرات کا نچوڑ یہاں پر نقل کر دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

مہتمم معطیین وطلبہ دونوں کا وکیل

مہتمم اور سفراء بالاتفاق معطیین کے وکیل ہیں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ طلبہ اور فقراء کے بھی وکیل ہیں یا نہیں؟ تو اگر ان کو صرف زکوۃ دہندگان کی طرف سے وکیل تسلیم کیا جائے اور طلبہ کی طرف سے وکیل تسلیم نہ کیا جائے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک یہ لوگ مصرف میں خرچ نہ کر دیں؛ لہٰذا اگر مصرف میں خرچ ہونے سے قبل ضائع ہو جائے تو معطیین کی زکوۃ ادا نہ ہوگی، اس پر زکوۃ بدستور باقی رہے گی؛ لیکن اگر مہتمم اور سفراء کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوتی ہے تو ان پر تاوان بھی لاگو نہیں ہوگا۔

نیز ایسی صورت میں اگر کسی مدرسے میں زکوۃ کی رقم کئی سال خرچ ہوئے بغیر جمع رہ جائے تو وہ اگر بقدر نصاب ہو تو ان معطیین پر ان سالوں کی زکوۃ بھی دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے ''معارف القرآن'' میں اس کو خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ (معارف القرآن ۴/ ۱۶۹ تحت سورۂ توبہ، آیت: ۶۰)

مگر ہمارے اکثر اہل فتاویٰ نے مہتمم کو طلبہ اور معطیین دونوں کا وکیل تسلیم کیا ہے اور طلبہ کا وکیل ہونے کی وجہ سے مہتمم اور اس کے ماتحت لوگوں کے قبضہ کرنے پر زکوۃ دہندگان کی زکوۃ اسی وقت ادا ہو جاتی ہے؛ لہٰذا اگر طلبہ پر خرچ ہونے سے قبل بلا تعدی ہلاک ہو جائے تو معطیین کے وکیل اور امین ہونے کی وجہ سے ان پر کوئی تاوان لازم نہ ہوگا اور طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے معطیین کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ نیز کئی سال سے جمع شدہ رقم پر کسی شخص حقیقی

کی ملکیت تامہ نہ ہونے کی وجہ سے ان سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا لازم نہ ہوگا۔

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ معطیین کے حق میں اہل مدرسہ بیت المال کے عمال کے مثل ہیں، طلبہ اورآخذین کی طرف سے وکلاء ہیں؛ لہٰذا نہ اس پر زکوۃ واجب ہوگی اور نہ ہی معطیین زکوۃ واپس لے سکتے ہیں۔ (فتاویٰ خلیلیہ مکتبہ مظاہر العلوم، سہارنپور/۳۱۹)

اور یہی مضمون مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ''فتاویٰ محمودیہ'' میں بھی نقل فرمایا ہے کہ جب طلبہ نے مہتمم کے اہتمام وانتظام اور قوانین کو تسلیم کر کے داخلہ لیا ہے تو گویا یوں کہہ دیا کہ آپ میرے وکیل ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۵۱۴)

اور حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے صاف اور واضح الفاظ میں مہتمم کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے۔ (مستفاد: تذکرۃ الرشید ۱/ ۱۶۴، بحوالہ حاشیہ فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۳۲۰)

قوت دلائل کی روشنی میں اگرچہ مہتمم کو طلبہ کا وکیل قرار نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''معارف القرآن'' میں نقل فرمایا ہے؛ لیکن اساطین امت اور اہل فتاویٰ کی ایک بڑی جماعت نے مہتمم اور اہل مدرسہ کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے؛ اس لئے مسلم ہوگا کہ مہتمم اور اہل مدرسہ، سفراء معطیین اور طلبہ دونوں کی طرف سے وکیل ہوں گے، نیز حضرت تھانویؒ نے بھی ''امداد الفتاویٰ'' ترتیب قدیم مطبوعہ رحمانیہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے مذکورہ جواب کو تحریر فرمایا ہے، جس سے شبہ اور تردد بالکل مرتفع ہوجاتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ترتیب قدیم ۴/ ۲۱۸)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی آخری عمر میں اس فتویٰ سے رجوع کر کے اعلان کردیا ہے، جس میں مہتمم اور اہل مدرسہ کے طلبہ کی طرف سے وکیل ہونے کا مفتی صاحبؒ نے انکار کیا تھا۔ اور اکابر کے اس فتویٰ سے اتفاق کرلیا ہے، جس میں مہتمم اور اس کے مامور کردہ حضرات کے طلبہ کی طرف سے وکیل ہونے کی صراحت ہے، اور رجوع کا تفصیلی فتویٰ ''جواہر الفقہ'' ۴/ ۳۸۷، میں امین اشرف متعلم شعبہ افتاء دار العلوم کراچی کے

پانچ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ کے سوال کے جواب کے تحت موجود ہے۔ اور ان کی وفات دس اور گیارہ شوال کی درمیانی شب ۱۳۹۶ھ میں ہوئی ہے؛ لہٰذا وفات سے تقریباً گیارہ مہینے پہلے رجوع فرما کر حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کی تحریر سے اتفاق کرلیا ہے۔ (امداد المفتیین کراچی/ ۱۰۸۵، جواہر الفقہ قدیم ۴/ ۳۸۷، جدید سلمان عثمان اینڈ کمپنی دیوبند ۳/ ۳۱۴ تا ۳۲۱)

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ جو اشیاء مہتمم یا اس کے نائب کو حاصل ہوتی ہیں اس میں تین شکلیں ہوں گی:

شکل ۱: صاحب خیر زکوۃ کی رقم یہ کہہ کر دے کہ یہ طلبہ کی فلاں ضرورت میں خرچ کر دینا، تو ایسی شکل میں ذمہ دار مدرسہ معطیین اور طلبہ دونوں کا وکیل ہوگا، معطی کا وکیل اس لئے ہے کہ اس نے صراحت کیساتھ وکیل بنایا ہے، اور طلبہ کا وکیل اس ضرورت کی وجہ سے ہے؛ لہٰذا اگر طلبہ کا وکیل تسلیم نہ کیا جائے تو زکوۃ کی چیز اہل مدرسہ کے ہاتھ میں آتے ہی معطی کی زکوٰۃ کی ادائیگی ثابت نہ ہوگی؛ بلکہ ادائے گی معلق رہے گی۔

شکل ۲: صاحب خیر اہل مدرسہ کو بغیر کسی صراحت کے زکوۃ کی چیز دیدے، تو ایسی صورت میں بھی اہل مدرسہ معطیین اور طلبہ دونوں کے وکیل ہوں گے۔ اور موضوع سے متعلق زیر بحث مسئلہ میں یہی شکل زیادہ پیش نظر ہے۔

شکل ۳: صاحب خیر امداد کی رقم دیدے، تو ایسی صورت میں مہتمم اور اہل مدرسہ صرف معطی کے وکیل ہوں گے طلبہ کی وکالت کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ رقم بمد زکوۃ نہیں ہے؛ لہٰذا جب تک صحیح مصرف میں خرچ نہیں ہوگی اس وقت تک وہ رقم معطی کی ملکیت سے خارج نہ ہوگی۔ نیز جہاں خرچ کرنیکی صراحت کردی ہے وہاں خرچ کر دینا واجب ہوگا۔

(مستفاد: ایضاح النوادر، مکتبہ فرید/ ۲۲۶ تا ۲۲۹)

المستفاد: قوماً بنوا مسجدا و فضل من خشبهم شيء – إلىٰ – يكون الفاضل لهم يصنعون ما شاؤا. (البحر الرائق کوئٹہ ۵/ ۲۵۰)

اگر کسی قوم نے رقم واسباب جمع کرکے مسجد کی تعمیر کی ہے اور کچھ سامان فاضل بچ جائے تو وہ انہیں چندہ دہندگان کی ملکیت میں ہوگا اور وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

وکالت نامہ پر دستخط کافی کیوں نہیں؟

مذکورہ وضاحت سے یہ بات سامنے آگئی کہ مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ طلبہ کے وکیل ہوتے ہیں، اور اس بارے میں تمام اکابر اہل فتاویٰ کا اتفاق ہو چکا ہے، جیسا کے ماقبل کے عنوان سے واضح ہو چکا ہے، مگر اس پر غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ چندہ وصول کرتے وقت کن طلبہ کے وکیل ہوتے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ عمومی طور پر پچانوے فیصد زکوۃ کا پیسہ رمضان المبارک میں وصول ہوتا ہے، اور ظاہر بات ہے کہ رمضان میں جو پیسہ وصول ہوتا ہے وہ آئندہ آنے والے سال شوال میں جو طلبہ داخل ہونے والے ہیں، ان ہی کی طرف سے وکیل بنکر وصول کیا جاتا ہے، یعنی جو طلبہ مدرسہ میں ابھی داخل نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی وہ طلبہ مدرسہ کے قوانین وضوابط کے پابند ہوئے ہیں، اور نہ ہی انھوں نے مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کی ماتحتی کو ابھی قبول کیا ہے اور وہ مجہول الذات اور مجہول الکمیت بھی ہیں، ان کی طرف سے وکیل بنکر زکوۃ کا پیسہ وصول کیا جاتا ہے، اور اکابر نے مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کو ان غیر داخل طلبہ کی طرف سے وکیل تسلیم کر لیا ہے، حضرت گنگوہیؒ نے اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے فتویٰ میں اس بات کی صراحت بھی ہے کہ اگر چہ وہ طلبہ مجہول الذات اور مجہول الکمیت کیوں نہ ہوں تب بھی مہتمم مدرسہ ان کی طرف سے وکیل ہے۔ (فتاویٰ خلیلیہ/۳۹۱، تذکرۃ الرشید/۱۶۴، امداد الفتاویٰ جدید ۶/ ۲۶۳، قدیم ۲/ ۲۷۳)

اب اس پر ہمارا ایک سوال ہے کہ جب غیر داخل طلبہ جو ابھی مہتمم یا ذمہ دار مدرسہ کی

ماتحتی میں مدرسہ کے کسی طرح کے قوانین وضوابط کے پابند نہیں ہیں اور ابھی تک وہ مجہول الذات اور مجہول الکمیت ہیں ان کی طرف سے سارے اکابر نے مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کو وکیل تسلیم کرلیا ہے تو شوال میں جو طلبہ معلوم الذات اور معلوم الکمیت ہوکر مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ کی ماتحتی میں مدرسہ کے سارے قوانین وضوابط کی پابندی کا عہد کرکے داخل ہو جاتے ہیں، ان کی طرف سے ان کی متعلقہ تمام ضروریات روشنی، پانی، رہائش اساتذہ کی تنخواہیں، کتابوں وغیرہ میں خرچ کرنے کا مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ وکیل کیوں نہیں بن سکتے؟

لہٰذا اگر داخلہ فارم پر پورے سال کا ایک طالب علم کے پیچھے بجٹ کے حساب سے جو بھی امکانی خرچ ہوسکتا ہے، اس کو تفصیل سے درج کردیا جائے اور طالب علم اس کو پڑھ کر اس پر دستخط کردے کہ میری طرف سے ان تمام اخراجات کا مہتمم اور ذمہ دار مدرسہ وکیل ہے تو ایسی صورت میں یہ وکالت کیوں جائز نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں علماء کرام سے گذارش ہے کہ غور فرمائیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی گذارش ہے کہ وکالت نامہ کی یہ شکل صرف ان مدارس کے بارے میں زیر غور ہونی چاہئے، جن میں طلبہ کی تعداد ہزاروں سے زائد ہے، کیونکہ حضرات فقہاء کے لکھے ہوئے حیلۂ تملیک کی صورت پر عمل کرنا ان مدارس میں دشوار ہے، یہ پیش کش احقر کے طرف سے حضرات علماء کرام کی خدمت میں غور کرنے کیلئے کی گئی ہے ابھی اپنی طرف سے کسی قسم کی رائے کا اظہار نہیں ہے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(رجسٹر خاص)

(۸) باب: حیلۂ تملیک

حیلۂ تملیک

سوال: [۴۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حیلہ کا کیا حکم ہے؟ مدارس میں جو حیلۂ تملیک کراتے ہیں شرعاً جائز ہے یا نہیں، جسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی طالب علم کو مہتمم صاحب کہتے ہیں، ہم اس مال کا آپ کو مالک بنائیں گے پھر تم قبضہ کرنے کے بعد یہ کہنا کہ میں نے یہ مال مدرسہ کیلئے وقف کیا تو کیا اس طرح تملیک کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جب کہ مہتمم صاحب کی نیت مالک بنانے کی نہیں ہوتی بلکہ حکم شرعی (تملیک) کا اسقاط مقصود ہوتا ہے، لھٰذا آپ سے گذراش ہے کہ حیلہ کا صحیح طریقہ تحریر فرمائیں۔

نوٹ: جن علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اور جن علماء اس کو ناجائز قرار دیا ہے، دونوں فریقین کے دلائل قرآن وحدیث اور کتب فقہ سے مدلل فرمائیں۔

المستفتی: مفتی حسام الدین، مقیم امراوہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حیلۂ تملیک مطلقاً ہر جگہ جائز نہیں ہے بلکہ خاص قیودات کے ساتھ سخت ضرورت کے تحت جائز ہوتا ہے، مثلاً جس مدرسہ میں قرآن وحدیث تفسیر وفقہ کی تعلیم ہوتی ہے اور مدرسین کی تنخواہیں امداد کے پیسے سے پوری نہیں ہوتیں اور بغیر تنخواہ کے مدرس میسر نہیں ہوتے ہیں، تو ان کی تنخواہوں میں دینے کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے، اور حیلہ کی شکل یہ ہوتی ہے، کہ کسی فقیر یا غریب طالب علم کے قبضہ میں زکوۃ کا پیسہ دیدیا جائے پھر اس کے بعد اس سے مانگ کر لیا جائے کہ مدرسہ میں دیدو تم کو ثواب ملے گا، یہ حیلۂ تملیک کا طریقہ ہے اور بہتر شکل یہ ہے کہ مدرسہ کی سالانہ ضروریات یا ماہانہ ضروریات اور تنخواہوں کا حساب لگا لیا جائے اور پھر اس حساب سے فی طالب علم کتنا بیٹھتا ہے، اس کا بھی

حساب لگا کر ہر طالب علم کو لفافے میں یا یوں ہی اتنا پیسہ دیدیا جائے اور ہر طالب علم بطور فیس کے مدرسہ میں جمع کردے ایسی صورت میں کوئی شکوک وشبہات باقی نہ رہیں گے، نیز ضرورت کے وقت حیلۂ تملیک کے مسئلہ میں کسی نے اختلاف کیا ہو نظر سے نہیں گذرا حیلۂ تملیک کی عبارت حسب ذیل ہے۔(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۴۸)

والحيلة في الجواز في هذه الأربعة أن يتصدق بمقدار زكوته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب، كذا في المحيط.

(البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف كوئٹه ۲/ ۲٤۳، زكريا ديوبند ۲/ ٤۲٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

تملیک وحیلۂ تملیک میں فرق

سوال: [۴۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تملیک اور حیلۂ تملیک میں کیا فرق ہے، مدارس میں جو طریقہ رائج ہے وہ اگر حیلۂ تملیک ہے تو تملیک کی شکل بتائی جائے تاکہ اسکے تحت پرائمر اور جونیئر بھی چلایا جاسکے۔

المستفتي: محمد یوسف قاسمی، جامعہ شمس العلوم، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تملیک اور حیلۂ تملیک میں یوں فرق ہے کہ تملیک میں دینے والے کے دل میں کسی ترکیب سے فقیر کے ہاتھ سے نکالنے کا ارادہ نہیں ہوتا مثلاً کسی ان جان شخص کو مستحق زکوٰۃ ہونے کی بناء پر دیدیا جائے پھر اس سے کوئی توقع نہ رکھی جائے، وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے جسطرح چاہے خرچ کرسکتا ہے، اس صورت میں

مدرسہ ہو یا جونیئر کسی میں بھی مال زکوۃ پہونچنے کی کوئی شکل اور موقع نہیں ہوسکتا۔

التمليك هو جعل الرجل مالكاً . (قواعد الفقه/٢٣٧)

والمالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك الخ. (بيضاوی شريف/٧)

اور حیلۂ تملیک کی شکل یہ ہے کہ کسی فقیر کو مال زکوۃ اس طرح دیا جائے کہ کسی ترکیب سے مثلاً کار خیر کی ترغیب وغیرہ کے ذریعہ سے اسکے ہاتھ سے نکالنے کی توقع ہو جو صرف دینی مدارس میں شدت ضرورت کی بناء پر جائز ہے، جو جونیئر وغیرہ میں کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوسکتا ہے پرائمری دینی تعلیم مدرسہ کے تابع ہوتی ہے اسلئے اشکال نہ ہونا چاہئے۔

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذا التقرب الخ. (الدر المنتقى شرح الملتقى، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية بيروت ٣٢٨/١، قديم ٢٢٢/١، فتاویٰ عالمگیری زکریا دیوبند٦/٣٩٢، كتاب الحيل الفصل الثالث، زکریا ٦/٣٩٤، الدرالمختار مع الشامي، کراچی ٢/٣٤٥، زکریا دیوبند٣/٣٩٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ذی الحجہ ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٩٩٦/٢٤)

کیا حیلۂ تملیک سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

سوال: [٤٤٤٧]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوۃ کی رقم کی ادائیگی کس طرح سے ہوتی ہے، مدارس میں کام کرنے والے کسی زکوۃ کے حقدار بچے کو پوری رقم دیدیتے ہیں، جو دیگر شہروں سے وصول کر کے لائی جاتی ہے وہ بچہ اپنی طرف سے اس رقم کو مدرسہ میں امداد کر دیتا ہے پھر اس رقم کو تعمیر تنخواہ وغیرہ میں خرچ کیا جاتا ہے اس طرح سے زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟

نوٹ: جبکہ لوگوں سے رقم غرباء ویتیم بچوں کی پڑھائی کھانا اور کپڑوں کیلئے کہہ کر لی جاتی ہے اور جس بچے کو رقم دی جاتی ہے اس سے یہ وعدہ کر کے دیجاتی ہے کہ وہ رقم مدرسہ کی امداد میں واپس کرے گا؟

المستفتي: نفیس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طریقہ کار کو حیلۂ تملیک کہتے ہیں اور یہ حیلہ ہر قسم کے مدارس میں جائز نہیں ہے بلکہ صرف ان مدارس میں جائز ہے جن میں باہر کے طلبہ اور مطبخ وغیرہ ہو اور اگر پہلے واپسی کا وعدہ کرایا جاتا ہے تو حیلۂ تملیک صحیح طریقہ پر نہیں ہوگا، اس حیلہ سے نہ طالب علم اس کا مالک ہوگا اور نہ رقم زکوۃ اپنی مد سے منتقل ہوگی، ہاں البتہ اگر پہلے کوئی بات نہیں کہی ہے اور یونہی فقیر کے قبضہ اور ملکیت میں دے کر پھر اس فقیر سے اس طرح مانگے جس طرح چندہ کرتے وقت مالکان سے مانگا تھا، ورنہ زکوۃ ادا نہ ہوگی ۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۳)

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب الزكوة وللفقير ثواب هذا التقرب. (مجمع الأنهر ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، دارالكتب العلمية بيروت ١ /٣٢٨، قديم مصری ١/ ٢٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۱۹ھ

بغیر تملیک کے زکوۃ ادا نہیں ہوتی ہے

سوال: [۴۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بقرعید کے موقعہ پر قربانی کی کھال یا اس کی قیمت لاوارث نعش میں بغیر تملیک کے لگا سکتے ہیں

یا نہیں؟ کیونکہ بقرعید سے پہلے کچھ لوگوں نے جامعہ نعیمیہ سے فتویٰ لیا تو انھوں نے فتویٰ اس طرح دیا کہ زکوۃ ،فطرہ بغیر تملیک کے کسی بھی مصرف میں نہیں لگا سکتے البتہ یہ کام کار خیر ہے اس میں انھوں نے تملیک کی شرط نہیں لگائی اور حوالہ دیا درمختار کا اس کو صحیح تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: ربیع الدین، جھبو کا نالہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قربانی کی کھال فروخت کر کے اس کی قیمت لاوارث نعش کی تجہیز و تکفین میں صرف کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت کا صدقہ کر کے کسی زندہ فقیر کو مالک بنا دینا لازم ہے اور یہی حکم زکوۃ وفطرہ کا بھی ہے، اگر بلا تملیک کسی مصرف میں صرف کردی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ مالک نصاب پر زکوٰۃ کی ادائیگی بدستور باقی رہے گی، اور وہ عنداللہ مؤاخذہ دار بھی ہوگا۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به أو بدراهم تصدق بثمنه. (الدرالمختار مع الشامی كتاب الأضحية كراچی ٦/٣٢٨، زكريا٩/ ٤٧٥)

ولا يبنى بها مسجد ولا يكفن بها ميت لانعدام التمليك وهو الركن فإن الله تعالىٰ سماها صدقة وحقيقة الصدقة تمليك المال من الفقير وهذا في البناء ظاهر وكذا في التكفين لأنه ليس تمليكا للكفن من الميت ولا الورثة . (فتح القدير مع الهدايه ، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز زكريا٢/ ٢٧٢، كراچی ٢/ ٢٠٧، بيروت ٢/ ٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۱۶ھ

کیا حیلۂ تملیک من گھڑت ہے؟

سوال: [۴۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے لوگ تملیک کو بھی من گھڑت مسئلہ بتاتے ہیں، کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں مولویوں کا من گھڑت ہے؟ یا حقیقت سے کچھ اس کا تعلق ہے؟

المستفتی: قاری تسلیم احمد، کرت پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ تملیک من گھڑت نہیں ہے بلکہ اس کے جواز کیلئے ضرورت شدیدہ اور خالص دینی ضرورت شرط ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۱۵۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

تملیک کا صحیح طریقہ

سوال: [۴۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم کی تملیک کیلئے کوئی تعداد رقم متعین ہے یا نہیں یا کتنی بھی رقم ہو اس کے بارے میں بھی تملیک ہوسکتی ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتی: قمر الاسلام انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک فقیر کو اتنی زکوٰۃ دینا کہ وہ صاحب نصاب ہو جائے مکروہ ہے البتہ نصاب سے کم کم دینا جائز ہے اور اگر فقیر مدیون ہو یا صاحب عیال ہو تو اسکو بقدر نصاب یا اس سے زائد رقم دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس رقم کو تمام بچوں وغیرہ پر تقسیم

کرنے کے بعد نصاب باقی نہ رہتا ہو۔

وکره إعطاء فقير نصاباً إلا إذا كان مديونا أو صاحب عيال لو فرقه عليهم لايخص كلا أو لايفضل بعد دينه نصاباً فلايكره. (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳۵۳، زکریا۳/۳۰۳، ہندیہ، کتاب الزکوٰۃ، الباب السابع فی المصارف، زکریا دیوبندجدید ۱/۲۵۰، ۱/۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۸/۳ھ

دینی ضروریات کیلئے حیلۂ تملیک

سوال: [۴۴۵۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حیلۂ تملیک کی اجازت صرف دینی ضروریات کو چلانے کے واسطے ہے یا دوسری ضروریات مثلاً امام مسجد کی تنخواہ کنواں وغیرہ بھی بنوایا جاسکتا ہے یانہیں؟ یا جونیئر ہائی اسکول اور ہاسپٹل وغیرہ کی تعمیر کرائی جاسکتی ہے یانہیں؟

المستفتي: محمد شفیع قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیلہ صرف ایسی دینی ضروریات کیلئے جائز ہے، جن کے بغیر اسلامی شعار اور دینی علوم وغیرہ ضائع ہوجانے کا سخت خطرہ ہو، چونکہ امور مسجد بھی دینی ضروریات میں شامل ہیں، عام مسلمانوں کیلئے کہیں پانی کا انتظام نہیں ہورہا ہے تو کنواں بھی دینی ضرورت میں شامل ہوگا۔

والحيلة له أن يتصدق بمقدار زكوته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلىٰ هذه الوجوه، فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك

الفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة الخ. (هنديه، كتاب الحيل، الفصل الثالث فی زكوٰة زكريا ديوبند ٦/٣٩٢، جديد ٦/٣٩٤)

جونیئر ہائی اسکول دینی ضروریات میں داخل نہیں اسلئے اس میں جائز نہ ہوگا، ہاسپٹل کی اتنی ضرورت نہیں جسکی وجہ سے مال زکوٰۃ کو حیلہ کرکے اس میں صرف کرنا پڑے جبکہ حکومت کی طرف سے بغیر دیگر وجوہات سے علاج ومعالجہ کا انتظام ہرجگہ وافر طریقہ سے موجود ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۲/۲۳)

صدقات واجبہ کی چیز کھا کر اندازے سے تملیک کرنا

سوال: [۴۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا صدقہ یا فطرہ کی چیز کو کھا کر بعد میں اندازے سے اسکی تملیک کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۲) تملیک کا مستحق کون ہے یا ہر شخص تملیک کر سکتا ہے؟

المستفتی: طاہر حسین، فاضل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) صدقہ یا فطرہ کی اشیاء فقراء کی ملکیت میں دیدینا واجب ہوتا ہے اس کو کھالینا ممنوع ہے اگر کھالیا ہے تو اس کے تاوان میں اتنی چیز صدقہ یا فطرہ کی نیت سے فقراء کو دیدینا لازم ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ٣/٢٩١، كراچی ٢/٣٤٤)

(۲) زکوٰۃ اور صدقہ کا مالک ایسے شخص کو بنانا لازم ہے جو نصاب کا مالک نہ ہو یعنی

ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مالک نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱۱/۱۴۱۵ھ

تملیک کیلئے پیسہ لیکر واپس نہ کرنے پر زبردستی کرنا

سوال: [۴۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو تملیک کیلئے پیسے دیئے اس نے لینے کے بعد دوبارہ دینے سے انکار کر دیا تو کیا اس سے جبراً وہ پیسے لینے کا حق ہے یا نہیں اور اگر جبراً وہ پیسے اس سے لے لئے تو کیا تملیک ہوگی یا نہیں؟ آجکل جو ہر آدمی تملیک کا بہانا بنا کر جگہ جگہ مدرسہ کھول بیٹھا ہے اور لوگوں سے زکوٰۃ وغیرہ وصول کرتا ہے تو کیا ایسے مدرسہ والوں کو زکوٰۃ دی جائے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تملیک کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال فقیر کو بنیت زکوٰۃ دیکر مالک بنا دیا جائے اور اس کے بعد اس سے اسی طرح درخواست کی جائے جس طرح چندہ دہندگان سے درخواست کی جاتی ہے، اب اگر وہ نہ دے تو جبر نہیں ہونا چاہئے، لہٰذا اگر زبردستی لیا جائیگا تو تملیک صحیح نہ ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۲)

الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء .

(الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا ديو بند ۳/ ۲۹۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱۲/۱۴۱۸ھ

صاحب نصاب معذور سے یا کسی کو انعام دے کر تملیک کرانا

سوال: [۴۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) کوئی شخص ہاتھ و پیروں سے تو معذور ہے مگر صاحب نصاب ہے تو کیا ایسے شخص کو مدز کوٰۃ یا چرم قربانی وغیرہ کی تملیک کرائی جاسکتی ہے؟

(۲) آجکل تملیک کرانے کا طریقہ اس طرح سے ہے کہ زکوٰۃ وغیرہ کی کل رقم معذور شخص کو دیدی جاتی ہے، اور اس سے کہدیا جاتا ہے کہ یہ روپیہ مدرسہ کا ہے وہ شخص کل روپیہ لیکر پھر واپس کردیتا ہے اب مہتمم صاحب اس شخص کو اس روپیہ میں سے ۳۰۰ یا ۴۰۰/روپئے جو بھی مناسب سمجھتے ہیں دیدیتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

المستفتي: محمد اسلم امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسا شخص جو صاحب نصاب ہے اس سے زکوٰۃ کے مال کی تملیک کرانا ہرگز جائز نہیں ہے اگرچہ وہ ہاتھ پیروں سے معذور ہی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۴/ ۲۷۶، ۴/ ۲۶۰، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۴۲)

والحیلة أن یتصدق علی الفقراء ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۳)

(۲) انعام یا کچھ دیکر مدز کوٰۃ کی تملیک کرانا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ

کیا بذریعہ چیک حیلۂ تملیک کی شکل ہوسکتی ہے؟

سوال: [۴۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل

عام طور پر مدارس میں زیادہ رقومات، زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی آتی ہیں، جن کو دیگر مصارف میں خرچ کرنے کے لئے جو حیلۂ تملیک رائج ہے، وہ محض حیلہ بن کر رہ گیا ہے، اور بعض اکابر رحمہم اللہ کے بقول یہ حیلہ محض لاشئی ہے کیوں کہ دینے والا بھی ہازل ہے اور لینے والا بھی ہازل اسلئے ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسی صورت تجویز کی جائے جس میں تملیک واقعی کا کسی حد تک تحقق ہو جائے۔

اس سلسلہ میں مجلس عاملہ دارالعلوم دیوبند کی ہدایت پر ایک مجلس نے غور وخوض کے بعد درج ذیل صورت تجویز کی ہے:

(تجویز کا متن)

مروجہ حیلۂ تملیک وتوکیل کے بجائے مدارس میں طلبہ کے ضروری مصارف مثلاً مصارف مطبخ، روشنی، پانی، علاج، مصارف کتب، صفائی، مصارف تعلیم وامتحانات کے اعتبار سے ہر طالب علم پر ایک مقررہ رقم عائد کردی جائے اور مہینہ کے ختم پر اسے مد زکوٰۃ سے سند حوالہ (چیک) دیدیں پھر اسی طالب علم سے سابقہ واجب الأداء رقم بذریعہ چیک واپس وصول کر کے مد عطایا میں داخل کردی جائے۔ تو کیا یہ صحیح ہے؟

برائے کرم جلد جواب سے نوازیں۔

المستفتي: مولانا مرغوب الرحمٰن،
مہتمم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چیک کی دو قسمیں ہیں، (۱) صرف ادارہ کے اندر اندر اس کا عتبار ہے حکومت اور عوام میں اس کا اعتبار نہیں ہے، تو اس طرح کا چیک مال کا بدل یا سند نہیں بن سکتا! اور اس طرح کے چیکوں کے ذریعے سے لین دین اور طلبہ کے مصارف کی خانہ پوری اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حال اس سے زیادہ لاشئی اور ہزل ہے جو سوال نامہ میں مروجہ حیلۂ تملیک کے بارے میں کہا گیا ہے۔

(۲) سرکاری چیک جو عوام اور حکومت دونوں میں معتبر ہوتا ہے بلکہ بعض حالات میں دوسری حکومتوں میں بھی اس کا اعتبار ہو جاتا ہے، کیونکہ جس حکومت نے کاغذی نوٹ کو ثمن عرفی کی حیثیت دے رکھی ہے اسی نے سرکاری چیک کو بھی کاغذی نوٹ کے بدل کی حیثیت دے رکھی ہے، اس لئے وہ چیک صرف سرکاری بینک ہی سے حاصل ہوسکتا ہے اور بڑے بڑے ادارے، فرم اور کمپنی کی رقم جب بینک میں جمع ہو جائے پھر ادارے اگر چاہیں تو بینک سے اپنی ضرورت کے مطابق سرکاری چیکوں کی پوری پوری کاپیاں حاصل کر سکتے ہیں، اور ایک ایک چیک بک میں کافی تعداد میں چیک ہوتے ہیں، لہٰذا اگر اس طرح کیا جائے کہ روشنی، مطبخ، پانی، تعلیم اور امتحانات وغیرہ تمام مصارف کیلئے طالب علم پر جو مقررہ رقم عائد کردی ہے اس رقم کا مدز کوٰۃ سے اس سرکاری چیک کے ذریعے سے طالب علم کو ذمہ دار کے دستخط کے بعد مالک بنادیا جائے اور پھر طالب علم اپنے دستخط کے بعد سابقہ واجب الاداء رقم یا آئندہ واجب ہونے والی رقم کو اس چیک کے ذریعے دفتر میں داخل کردے، اور پھر دفتر والے طالب علم کی طرف سے بینک میں جمع شدہ رقم اس چیک کے ذریعے سے وصول کرلیں اور پھر اس رقم کو ادارہ کسی بھی مصرف میں خرچ کرے تو اس کی شرعاً گنجائش معلوم ہوتی ہے، بشرطیکہ ادارے کی رقم بالفعل بینک میں موجود ہو کیونکہ سرکاری چیک کو ہم غیر ملکی کرنسی کے حکم میں سمجھتے ہیں۔

ومنه يعلم حكم ما تعورف في زماننا من الشراء بالقروش فإن القرش في الأصل قطعة مضروبة من الفضة (إلىٰ قوله) ثم إن أنواع العملة المضروبة تقوّم بالقروش فمنها مايساوي عشرة قروش (وقوله) فإذا اشترى بمائة قرش فالعادة أنه يدفع ما أراد إما من القروش أو مما يساويها من بقية أنواع العملة من ريال أو ذهب ولايفهم أحد أن الشراء وقع بنفس القطعة المسماة قرشا بل هى أو مايساويها من أنواع العملة المتساوية فى الرواج المختلفة فى المالية. (شامی، کتاب البیوع، مطلب هم في حكم الشراء

بالقروش فی زماننا کراچی ٤/٥٣٧، زکریا ٧/٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۳۰ھ

فدیہ کی رقم کی تملیک کیسے ہو؟

سوال: [۴۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدیہ کی بڑی رقم ہے جسمیں بعض تو نماز کا فدیہ ہے اور بعض روزہ کا، ہمارے یہاں طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ وصدقات کی جو رقم وصول ہوتی ہے، وہ تو طلبہ سے تملیک کرا دیتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ ماہانہ دو ہزار روپئے کے حساب سے طلبہ کو دیتے ہیں، جو اپنی خورا کی فیس میں جمع کر دیتے ہیں، فدیہ میں کیا صورت اختیار کی جائے، فدیہ میں سے دو ہزار روپیہ ایک طالب علم کو دیدیں تو متعدد فدیہ ایک کو دینا ہوگا، نیز فدیہ مکمل دینا چاہئے، اور مذکورہ صورت میں کمی بیشی ہوگئی، سفیر لوگ فدیہ کی رقم چندہ میں لاتے ہیں، اور معلوم نہیں ہوتا ہے کہ معطی نے کس حساب سے فدیہ نکالا ہے؟

مہتمم کے قبضہ سے زکوٰۃ فدیہ وغیرہ کی ادائیگی ہوجائے گی کہ وہ طلبہ کا وکیل ہوکر وصول کرے اور پھر طلبہ پر صرف کر دے؟

المستفتي: محمود غفرلہ سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فدیہ کے مصارف وہی ہیں، جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

مصرف الزكوة هو فقير وهو من لهٗ أدنىٰ شيىء، ومسكين من لاشيء لهٗ و تحته فى الشامية: وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، زکریا۳/۲۸۳، کراچی ۲/۳۳۹)

اورفدیہ کی ادائیگی کیلئے تملیک ضروری ہےاور تملیک کادرج کردہ طریقہ فدیہ کی رقوم میں بھی جاری کرنا درست ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا یصرف إلیٰ بناء المسجد ولا إلیٰ کفن میت (إلیٰ قوله) لعدم التملیک وهو الرکن وقد منا أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء . (شامی، زکریا۳/۲۹۱، ۲۹۳، کراچی ۲/۳٤٤، ۳٤٥)

اور آپ کے ذکر کردہ تملیک کے طریقہ میں ایک طالب علم کے حصہ میں متعدد فدیوں کی رقم آنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

ویدفع عن کل صلاة نصف صاع حنطة منوین ولو دفع جملة إلی فقیر واحد جاز. (تاتار خانیة دارالإیمان ۱/٤۸٦، جدید زکریا دیوبند۲/٤٥۹، رقم: ۲۹۹۲)

اسی طرح ایک فدیہ کی رقم کا متعدد طلبہ کے درمیان تقسیم ہونا بھی شرعاً جائز ہے۔

ولو أدی اثناعشر منا إلیٰ أربعة وعشرین مسکینا اختلفوا فیه قال بعضهم یجوز کما فی صدقة الفطر إذا أدی إلی مسکین مناً ومناً إلیٰ مسکین یجوز . (تاتارخانیة ۱/٤۸۷، جدید زکریا ۲/٤٥۹، رقم: ۲۹۹٤)

وفی الولوالجیة : ولو دفع عن خمس صلوات تسع أمناء لفقیر واحد ومنا لفقیر واحد قال أبوبکر الإسکاف یجوز ذلک کله . (تاتار خانیة ۱/٤۸۷، مطبع دالایمان جدید زکریا ۲/٤٥۹، رقم:۲۹۹۳)

اور اکثر ارباب فتاویٰ کی رائے کے مطابق مہتمم اور سفراء حضرات زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ فدیہ وغیرہ کی وصولیابی میں اداکنندگان اور زکوٰۃ دہندگان کی طرح طلبہ کے بھی وکیل ہیں، اس اعتبار سے فدیہ کی رقم سفراء اور مہتمم حضرات کے قبضہ اور تحویل میں آتے ہی فدیہ دہندگان کی طرف سے فدیہ ادا ہو جائے گا،لیکن ان حضرات پر لازم ہے کہ وصول شدہ زکوٰۃ وفدیہ اور دیگر صدقات واجبہ کی رقوم کو طلبہ کے

مصارف ہی میں خرچ کریں ۔ (مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۵۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۱۸، جدید ڈابھیل ۹/ ۵۱۳، تذکرۃ الرشید ۱/ ۱۶۴)

وأما الفقير البالغ فلا يقع القبض لهٗ إلا بتوكيله. (تاتار خانية قديم ۲/ ۲۷۴، جديد زكريا ۳/ ۲۱۲، رقم: ۴۱۵۳)

إذا دفع الزكاة إلىٰ الفقير لا يتم الدفع مالم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه. (هنديه، زكريا قديم ديوبند۱/ ۱۹۰، جديد زكريا ۱/ ۲۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۶۶)

عشر اور صدقہ کے تملیک کی صورت

سوال: [۴۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عشر اور صدقہ کے غلہ کی تملیک کی کیا صورت ہے۔

المستفتي: عبدالقدوس، گیاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مستحق زکوٰۃ فقیر کو مالک بنادیا جائے اور اس میں اپنا کوئی اختیار باقی نہ رکھے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند۳/ ۲۹۳، ۲/ ۳۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱/ ۱۴۱۶ھ

حیلۂ تملیک کی بہتر شکل کیا ہے؟

سوال: [۴۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حیلہ تملیک کی جو شکل فقہاء کرام نے تحریر کی ہے اس میں مناسب شکل کونسی ہے؟

اسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حیلۂ تملیک کی ایک مناسب شکل یہ ہے کہ مدرسہ کا جتنا سالانہ خرچ ہے اس کو تمام طلبہ اور ہر ایک طالب علم پر جتنا خرچ آتا ہے حساب لگا کر دیکھ لیا جائے اور اتنی رقم بطور وظیفہ طالب علم کو دیدی جائے پھر طالب علم وہ رقم فیس کے طور پر مدرسہ کو دیدے، تو اس طرح مدرسہ میں آنے والی رقم مدرسہ کے تمام مصارف میں خرچ کی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/۲۲۴، فتاوی رحیمیہ ۷/ ۱۵۶، کتاب المسائل ۲/۲۷۳)

الحيلة فى الجواز في هذه الأربعة أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمره بعدذلک بالصرف إلىٰ هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب . (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۲/ ۴۲۴، البحرالرائق، كراچی ۲/ ۲۴۳، تبيين الحقائق، زكريا ۲/ ۱۲۱، امداديه ملتان ۱/ ۳۰۰)

والحيلة لمن أراد ذلک أن يتصدق ينوى الزكاة على فقير ثم يأمره بعد ذلک بالصرف إلىٰ هذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلک الفقير ثواب هذا الصرف . (تاتارخانية زكريا ۳/ ۲۰۸، رقم: ۴۱۴۱، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲۸، قديم مصرى ۱/ ۲۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الأول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۶۶)

تملیک کی بہترین شکل

سوال:[۴۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) زید یہ کہتا ہے، کہ آجکل مدارس میں جو حضرات تملیک کی صورت اختیار کرتے ہیں، مناسب نہیں اگرچہ اصل مسئلہ کے اعتبار سے یہ جائز ہے لیکن اب اکابر اس کو منع کرتے ہیں، چنانچہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں بھی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم نے دوران سبق اس پر کافی لمبی تقریر کی تھی اور یہی کہا تھا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تو کیا زید کی یہ بات درست ہے؟

نیز زید پھر بھی یہ کہتا ہے کہ اس کا بہترین اور افضل طریقہ یہ ہے کہ اولاً تو مدرسہ کو امداد سے چلانے کی کوشش کی جائے اس کے باوجود اگر تملیک کی ضرورت پڑتی ہو تو پھر مدرسہ کا نظام اس طور پر بنایا جائے کہ ہر بچہ پر فیس رکھدی جائے اور جب آپ فیس متعین کریں تو مدرسہ کے تمام تقاضوں کو سامنے رکھیں مثلاً بجلی کا خرچہ فرشوں کا خرچہ، اساتذہ کی تنخواہ بچوں کا کھانا کپڑے اور کمرے وغیرہ ان تقاضوں کو سامنے رکھکر بچوں پر فیس متعین کی جائے، اب اگر وہ بچہ یا اس کے والدین اتنا خرچہ برداشت کر سکتے ہیں تو بہت اچھا، اور اگر اس کے والدین اتنا خرچہ برداشت نہیں کر سکتے ہیں تو پھر مدرسہ کی زکوٰۃ کا جو فنڈ ہے اس میں سے فیس کے بقدر پیسے لے لئے جائیں اور اس بچہ کو دے دیئے جائیں اور پھر وہ بچہ اپنی فیس مدرسہ کے فنڈ میں جمع کردے، مثلاً آپ نے ۴۰۰/روپیہ فیس کے متعین کئے تو زکوٰۃ کے فنڈ سے ۴۰۰/روپیہ بچہ کو دے دیئے جائیں اور پھر ان کو امداد کے فنڈ میں داخل کردیئے جائیں، اور پھر آپ ان پیسوں کو جہاں چاہے استعمال کر سکتے ہیں، خواہ تنخواہ میں استعمال کریں یا تعمیر میں یا اور کہیں بھی مثلاً آپکے یہاں ۳۰/ بچے ہیں، اور اس حساب سے ماہانہ ۱۲۰۰۰/روپیہ جمع ہوئے، اور مثلاً کھانے میں جو بچوں کا خرچ ہوا وہ صرف ۶۰۰۰/کا ہوا تو اب باقی ۶۰۰۰/روپیہ آپ جہاں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں، خواہ

تنخواہ میں یا عمارت میں یا بجلی میں تو کیا یہ جائز ہے؟

(۲)اور دوسری صورت یہ معلوم کرنی ہے کہ ہم نے جو فیس متعین کی ہے وہ صرف کھانے کا تقاضہ سامنے رکھکر متعین کی ہے، مثلاً ہم نے ۳۰۰/روپیہ ماہانہ فیس متعین کی اس حساب سے ماہانہ ۹۰۰۰/روپیہ جمع ہوئے اور کھانے میں صرف ۵۰۰۰/روپیہ کا خرچہ ہوا تو کیا باقی رقم عمارت، تنخواہ، بجلی وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے یا باقی رقم کو کھانے ہی میں استعمال کرنا ضروری ہے؟

(۳) یہ جو ہم نے فیس متعین کی ہے تو کیا بچوں کے ہاتھ میں دینا ضروری ہے یا صرف حساب لگا کر زکوٰۃ کے فنڈ سے امداد کے فنڈ میں داخل کر دینا ہی کافی ہے؟

(۴) اب یہ معلوم کرنا ہے کہ زید کی یہ تمام باتیں درست ہیں یا نہیں اگر درست نہیں تو کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے کیونکہ علاقہ میں مدرسہ کی سخت ضرورت ہے اور اب مدرسوں کے ہمارے یہاں پر اسکول بنتے جارہے ہیں، اب ہم کیا صورت اختیار کریں، اس کے برخلاف عمرو یہ کہتا ہے کہ فیس متعین نہ کی جائے بلکہ پرانے طرز پر ہی یعنی تملیک کے طور پر مدرسوں کو چلایا جائے، کیونکہ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ استاذ دارالعلوم دیوبند نے ویٹ کے مدرسہ میں یہ بات کہی تھی کہ اگر مدرسوں کو فیس پر چلایا جائیگا تو مدرسوں کی روح نکل جائے گی؟

نوٹ: تو اب ہمارا ذہن پریشان ہے کہ مدرسہ بھی چلانا ہے اور اللہ کے یہاں جواب بھی دینا ہے، اسلئے خدا کے واسطے ایسا راستہ بتایئے کہ جس سے مدرسہ بھی چل جائے، اور کسی ناجائز کام کا ارتکاب بھی نہ کرنا پڑے؟

المستفتی: حافظ محمد فرحت، استاذ مدرسہ تجوید القرآن، محلّہ قاضی خیل، قصبہ سیانہ، ضلع: بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زید کا یہ کہنا کہ اولاً مدرسہ کو امداد سے

چلانے کی کوشش کی جائے بہت مناسب ہے بصورت دیگر زکوٰۃ وغیرہ کی مدات وصول کرلی جائیں اور ہر بچہ کو وظیفہ دیدیا جائے، تاکہ زکوٰۃ ادا ہوجائے، پھر اگر یہ بچے نابالغ ہیں تو ان کے اولیاء سے ماہانہ فیس کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے وہ اس رقم کو فیس میں داخل کردیں اور اگر وہ لڑکے خود بالغ ہیں تو اولیاء کے توسط کی بھی ضرورت نہیں وہ خود وظیفہ لیکر اس سے اپنی ماہانہ مقررہ فیس ادا کردیں۔

(۲) اب اس فیس کو طعام، تعمیرات، مدرسین کی تنخواہ میں خرچ کرسکتے ہیں، پوری رقم کا کھانے میں خرچ کرنا ضروری نہیں۔

(۳) ماہانہ مقرر کردہ فیس پر طلبہ کا قبضہ کرانا ضروری ہے صرف رجسٹر اور کاغذات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، بلکہ مستحق طلبہ کا قبضہ کرانا ضروری ہے۔

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند۳/۲۹۳، كراچی ۲/۳۴۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٦/۲٤٥)

وفي الهندية فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي ثم المتولي يصرف إليٰ ذلک. (هنديه زكريا ۲/۴۷۳، جديد زكريا ۲/۴۱۷، الفتاوى التاتارخانية زكريا ۱۰/۳۱۹، رقم: ٤٨٦٦)

(۴) اور حضرت مولاناؒ کا یہ کہنا کہ طلبہ سے فیس لیکر تعلیم دیجائیگی تو مدرسہ کی روح ختم ہوجائیگی تو اس سے مراد وہ صورت ہے جو اسکولوں، اور کالجوں میں ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ مدرسہ کے تعاون سے وظیفہ لیکر فیس جمع کردیں گے تو بھی روح ختم ہوجائیگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۵/۱۴۲۰ھ

تملیک کی بہترین شکل

سوال: [۴۴۶۰]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا مہتمم طلبہ کا شرعی وکیل ہوتاہے؟ مفصل جواب مطلوب ہے؟

(۲) زکوٰۃ کی رقم کو مدرسہ کی جملہ مدات میں استعمال کرنے کے لئے وظیفہ کا طریقہ اختیار کرلیا جائے، اورطلبہ سے ماہانہ وظیفہ کے ذریعہ جورقم اکھٹی ہوتی ہے اس میں مدرسین کی تنخواہیں اور دیگرضروریات پوری کرلی جائیں، جیسا کہ بعض مدارس میں ایسا بھی ہوتا ہے، تو کیااس شکل میں مہتمم اس رقم کو جوزکوٰۃ کی ہے، جس کوطلبہ کے وظیفہ میں دیدیا ہے، طلبہ نے اس کواپنی فیس طعام وغیرہ میں مدرسہ میں جمع کردیا، مدرسہ کی دیگرضروریات میں وہ رقم خرچ کرسکتا ہے یانہیں، فی زماننااس کا بہترین طریقہ کیا ہے، جوشکوک سے بالاترہو، نیز اس مسئلہ میں قرآن وحدیث کا کیاحکم ہے، اورتعامل صحابہ اوراجماع امت کیاہے، اس مسئلہ پرتحقیقی نقطۂ نظرسے قلم اٹھائیں، توذرہ نوازی ہوگی، کیونکہ حیلۂ تملیک تورقم کی ہیراپھیری کا نام ہے اس مسئلہ پرمعترضین کے منھ کس طرح بند کئے جائیں؟

(الف) طلبہ نابالغ ہوں یا بالغ ہی ہوں ۔ (ب) نابالغ طلبہ کو مالک بنانے کی کیاصورت ہے؟ (ج) مستطیع طلبہ ہی ہیں یا غیرمستطیع طلبہ کو مالک بنایا جاسکتاہے؟ (د) کسی طالب علم کے ورثاء مستحق زکوٰۃ تونہیں ہیں مگروہ اپنے بچے کا خرچہ بھی مدرسہ میں نہیں دے سکتے تواس شکل میں کیاحکم ہے؟ اس پرزکاۃ خرچ کی جاسکتی ہے یانہیں؟ (ہ) اگرطلبہ کے ورثاء سے لکھوادیاجائے کہ ہم خرچہ برداشت نہیں کرسکتے ہیں، توکیاان طلبہ پرزکاۃ خرچ کی جاسکتی ہے یانہیں؟ (و) کیایہ بھی درست ہے کہ بیرونی طلبہ جونابالغ ہوں انکے وارثین کی طرف سے کسی کو سرپرست بنایا جائے اور وہ سرپرست بیت المال سے ان طلبہ کے وظیفہ کی شکل میں رقم لیکر مدرسہ میں جمع کرادےاور مدرسہ اس رقم کوتنخواہ وجملہ مدات میں صرف کرلے؟

المستفتي: محمداظہارالحق مظہرالقاسمی،

شریف نگری، رتن گڈھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مہتمم طلبہ اور معطیین زکاۃ دونوں کی طرف سے شرعی وکیل ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۵)

(۲) یہ صورت مدارس اسلامیہ کیلئے حیلۂ تملیک وغیرہ سے بہت اچھی ہے کیونکہ اسمیں باقاعدہ مستحق کو مالکانہ قبضہ دیا جاتا ہے نیز مدارس میں شکوک سے بچنے کا بھی بہترین طریقہ ہے اور شدت ضرورت کے وقت نفس حیلہ کا ثبوت قرآن کریم سے ہے۔

قوله تعالیٰ: خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلاَ تَحْنَثْ. (سوره: ص : ٤٤)

اور یہی معترضین کے جواب کیلئے کافی ہے۔ (عمدہ القاری شرح بخاری، دارالاحیاء التراث العربي ٢٤/ ١٠٨، زكريادیوبند ٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث/ ٦٩٥٣)

(الف- ب- ج) بالغ یا نابالغ سب طلبہ کو مالک بنایا جاسکتا ہے، لیکن درج ذیل قیود کے ساتھ طلبہ پر کسی طرح بھی جائز نہیں ہے (۱) سید ہوں۔ (۲) مستطیع مالک نصاب ہوں۔ (۳) وہ نابالغ طلبہ جنکے والدین مالک نصاب ہوں۔

لا تدفع إلیٰ غني (قوله ولا إلیٰ ولد غنيٍ إذاكان صغيراً (قوله لاتدفع إلی بني هاشم الخ). (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب المصرف، امدادیه ملتان ١/ ١٦٠، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٥٧)

(د) کی جاسکتی ہے عدم موانع کی وجہ سے۔ (ہ) اگر مستحق ہوتو کی جاسکتی ہے۔ (و) اگر نابالغ طلبہ کے اولیاء صاحب نصاب اور سید نہ ہوں تو یہ شکل بھی درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۰، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/ ۲۱۹)

ولاإلیٰ ولد غني إذاكان صغيراً، لأنه يعد غنيا بمال أبيه -إلیٰ- ولا يدفع إلیٰ ابن هاشم. (الجوهرة النيرة، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٥٧، امدادیه ملتان

۱/ ۱۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۵۹)

زکوٰۃ کی تملیک کی آسان شکل

سوال: [۴۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی تملیک کی صحیح اور آسان شکل کیا ہے کہ جس پر بآسانی عمل کیا جا سکے دار العلوم میں جو یہ شکل جاری ہے کہ فارم میں تملیک کے متعلق لکھ دیا گیا ہے کہ طالب علم اس پر دستخط کر دیتا ہے تملیک کی یہ شکل کس حد تک درست ہے ہمیں اس شکل پر شرح صدر نہیں ہے۔

المستفتي: مفتی اشرف علی، مدرس جامعہ قاسمیہ جامع الہدیٰ، کھاری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی تملیک کی آسان شکل یہ ہے کہ طلباء کے اخراجات کا حساب لگا کر فی کس جتنا بنتا ہے اتنے کا چیک بنا کر مہتم مدرسہ طلباء کے قبضہ میں دیدیا کریں اور پھر طلبہ اپنے قیام و طعام کی فیس کے نام سے مدرسہ کو دیدیا کریں تو یہ بلاشبہ جائز اور درست ہے اور یہ مدارس اسلامیہ میں مال زکوٰۃ کی تملیک کیلئے بہت بہترین اور مناسب شکل ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۴۸)

اور مروجہ شکل بھی جائز ہے لیکن اسمیں یہ ہے کہ فقیر کو دینے کے بعد فقیر سے باضابطہ اس طرح ترغیب دیگر کے چندہ کے طور پر اس رقم کو لے کہ بھائی تمہارے پاس پیسہ ہے تم مدرسہ کو دیدو مدرسہ کو ضرورت ہے یہ کہکر لے۔

إن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء الخ.

(الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ ، باب الصرف کراچی ۲/ ۳۴۵،زکریا۳/ ۲۹۳)

اور دار العلوم دیوبند کی طرف سے تملیک کی جو شکل بتائی گئی ہے اس سلسلہ میں دار العلوم

کی تحریر ہمارے پاس بھی آئی ہوئی تھی اس سے ہم اتفاق نہیں کر پائے آپ سے بھی یہی گذارش ہے کہ دارالعلوم کی مذکورہ شکل سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍۷؍۱۴۲۵ھ

تملیک کیلئے کیا فارم داخلہ کی وکالت کافی ہے؟

سوال: [۴۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن مدارس میں ذمہ داران مدرسہ طلبہ سے داخلہ فارم پر لکھوا لیتے ہیں کہ ہم مہتمم مدرسہ یا ناظم مدرسہ کو وکیل بناتے ہیں کہ یہ ہماری طرف سے زکاۃ اور صدقات واجبہ وصول کر کے مدرسہ ہذا میں لگائیں، تو ایسی صورت میں ذمہ داران مدرسہ آمدہ رقومات کو عمارت یا مدرسین کی تنخواہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: مسعود احمد، متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محض داخلہ فارم میں لکھنے کی وجہ سے تملیک فقراء کا ثبوت نہیں ہوتا ہے، اور زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک فقراء شرط ہے، اور ناظم مدرسہ وسفراء حضرات کو معطیین کی زکاۃ کی ادائیگی کے لئے وکیل کے درجے میں قرار دیا گیا ہے، لیکن ان حضرات وکلاء پر لازم ہے کہ زکاۃ کے پیسے پر قبضہ کرنے کے بعد اس پیسے کو طلبہ پر ہی خرچ کریں ہاں البتہ اگر مدرسین کی تنخواہیں امداد کے پیسوں سے پوری نہ ہوتی ہوں، تو بدرجۂ مجبوری صحیح طور پر تملیک کرانے کے بعد زکاۃ کے پیسوں کو تنخواہوں میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ تنخواہ کے بغیر کوئی مدرس کام کرنے پر راضی نہ ہوگا، نیز تنخواہوں کا خرچہ مسلسل ہر مہینہ کا ہے، ایسا نہیں ہے کہ دس بیس سال میں ایک آدھ مرتبہ اس کی ضرورت پڑتی ہو، اس کے بالمقابل تعمیرات کا خرچہ سو پچاس سال میں ایک مرتبہ پیش آتا ہے، اس لئے تعمیرات کے واسطے زکاۃ کا وجود ہی نہیں ہوسکتا، اور تعمیر کے بغیر تعلیم کہیں بھی جاری ہوسکتی ہے، مسجد میں بیٹھ

کر، اور چھپر کے نیچے بیٹھ کر بھی تعلیم دی جاسکتی ہے، حاصل یہ ہے کہ مدرسین کی تنخواہوں کیلئے بدرجۂ مجبوری حیلۂ تملیک جائز ہے، اور تعمیرات کیلئے حیلۂ تملیک جائز نہیں ہے۔

رأيتهٗ مكتوباً وعلى هامش الشامي بخطه طال بقائه علىٰ رؤس المستفيدين ، أن التمليك ركن الزكاة، ولم يوجد في التوكيل . (تصحيح الأغلاط/۲۷، بحواله حاشية امدادالفتاویٰ۲/ ۱٤)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً ، لا إلىٰ بناء نحو مسجد ولا إلىٰ كفن ميت قوله لعدم التمليك وهو الركن ، وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء . (شامی، كتاب الزكاة، باب الصرف زكريا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

لاتدفع الزكاة لبناء المسجد وكذا بناء القناطير وإصلاح الطرقات، وإن أريد الصرف إلىٰ هذه الوجوه صرف إلىٰ فقير ثم يأمره بالصرف إليها . (مجمع الانهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲۸، قديم۱/ ۲۲۲)

أراد ببعض الناس أباحنيفة – إلى قوله– لأن مذهبه أن كل حيلة يحتال بها أحدٌ في إسقاط الزكاة فأثم ذلك عليه – إلىٰ قوله – وقال محمد : يكره لما فيه من القصد إلىٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه وهو النصاب . (عمدة القارى ، داراحياء التراث العربي بيروت ۲٤/ ۱۱۰، زكريا ديو بند ۱٦/ ۲٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ

کیا فارم میں مدز کوٰۃ کے خانہ میں امداد لکھنا جائز ہے

سوال: [۴۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادارہ دینیات پچھلے چند سالوں سے قیام مکاتب اور اس کے استحکام، تنظیم وترتیب مکاتب کے سلسلہ میں جدوجہد کررہا ہے، مکاتب کے اخراجات میں سہولت کے پیش نظر ادارہ نے فیس کا نظام قائم کیا ہے، علاقہ کی نوعیت کے لحاظ سے ماہانہ فیس ۵۰، ۷۵، ۱۰۰، ۲۰۰، روپئے مقرر کی جاتی ہے اس کے باوجود کوئی غریب اپنے بچوں کی فیس ادا نہ کرپائے تو علاقہ کے اہل خیر حضرات کو للہ رقم سے تعاون کی ترغیب دی جاتی ہے، اگر للہ رقم سے فیس کا نظم نہ ہوسکے تو زکاۃ کی رقوم سے فیس ادا کرائی جاتی ہے، اس کے لئے ادارہ نے ایک فارم ''وکالت نامہ'' کے طور پر تیار کیا ہے یہ فارم اصلاح کی غرض سے آپ کی خدمت میں پیش ہے اس فارم میں ایک خاص بات دریافت کرنی ہے، کہ زکاۃ کی مد کے بجائے ''امدادی رقم'' کے الفاظ لکھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بعض حضرات مستحق زکاۃ ہونے کے باوجود عزت نفس کی وجہ سے لفظ زکاۃ دیکھ کر یہ فارم بھرنے سے اعراض کرتے ہیں، برائے کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: بندہ وسیم احمد، ادارۂ دینیات،
مہاراشٹر کالج، ناگپاڑا، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدزکوٰۃ کے خانے میں زکوٰۃ لکھنے کے بجائے امداد لکھنا جبکہ رقم زکوٰۃ ہی کی ہو جھوٹ اور فریب ہے اس لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔

وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ. (الحج، الآیۃ: ۳)

عن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال إن الصدق یهدی إلی البر وإن البر یهدی إلی الجنة، وإن الرجل لیصدق حتی یکون صدیقاً وإن الکذب یهدی إلی الفجور وإن الفجور یهدی إلی النار وإن الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللّٰہ کذابا. (بخاری شریف، کتاب الأدب، باب قول اللّٰہ تعالیٰ یأیها الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین الخ، النسخة الهندیة ۲/۹۰۰، رقم

۵۸۵٦، مسلم شریف ، کتاب البر و الصلة والأدب ،باب قبح الكذب وحسن الصدق ، النسخة الهندية ۲/۳۲٦، بيت الافكار ، برقم: ۲٦۰۷، ترمذی شریف، ابو اب البر والصلة ، باب ماجاء فی الصدق و الكذب ، النسخة الهندية ۱۸/۲ ، دارالسلام ، رقم: ۱۹۷۱، ابو داؤد شريف ، كتاب الأدب باب التشديد فی الكذب النسخة الهندية ۲/٦۸۱، دارالسلام برقم : ٤۹۸۹)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال إذا كذب العبد تباعد عنه الملك ميلاً من نتن ماجاء به . (ترمذی ، النسخة الهندية ۱۸/۲ ، باب ماجاء فی الصدق والكذب ، دارالسلام برقم : ۱۹۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

زکوٰۃ کا فارم ملاحظہ فرمائیں:

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ .... أَمَّا بَعْدُ!

ہر مسلمان پر علم دین کا حاصل کرنا فرض ہے، چنانچہ علم کے حصول کیلئے تمام اسباب کا مہیا کرنا ہر ایک کی اپنی ذمہ داری ہے، اس ذمہ داری کی ادائیگی سے کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔ لیکن اگر کسی گاؤں کے لوگ تعلیمی نظام کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے اور اس کی نگرانی بھی نہیں کر سکتے تو ان کے مطالبہ پر یہ نظم کیا گیا ہے۔

ہر طالب علم کیلئے مدرسہ کی فیس ــــــــــــــــ روپیہ ماہانہ طے کی گئی ہے۔

آپ کتنی فیس ادا کر سکتے ہیں؟ ــــــــــــــــ

اگر آپ اپنے بچے کی پوری فیس ادا نہیں کر سکتے تو مندرجہ ذیل فارم بھر کر دستخط کریں۔

وکالت نامہ

میں نیچے دستخط کرنے والا/ والی ــــــــــــــــــــ اپنے

بچہ/ بچوں ------------------------کی مدرسہ کی فیس فی بچہ-------روپیہ ماہانہ ادا نہیں کرسکتا/ کرسکتی۔ لہٰذا اپنے بچہ/ بچوں کی فیس ادا نہ کرسکنے پر جناب-------- کو اپنی طرف سے فیس کی رقم زکوٰۃ کی مد سے وصول کرنے کا وکیل بناتا ہوں/ بناتی ہوں تاکہ وہ میری طرف سے زکوٰۃ کی رقم وصول کرلیں اور فیس کی مد میں جمع کرلیں۔

والا/ والی کی دستخط-------------------- گواہ نمبر ۱:-----------------

تاریخ-------------------- گواہ نمبر ۲:-----------------

تملیک میں فقیر نے آدھا روپیہ رکھ لیا تو اس کا ضمان

سوال: [۴۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے جب کسی سے تملیک کرائی تو اس نے روپئے کو آدھا رکھ لیا آدھا واپس کیا تو اس صورت میں ان روپیوں کا ضامن کون ہوگا؟ دفتر محاسبی کے ملازم یا ناظم؟ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: روح الامین الظاہری،
دار العلوم، ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے کسی فقیر سے تملیک کرائی اور اس نے آدھا روپیہ اپنے پاس رکھ لیا اور آدھا دیا تو ایسی صورت میں دفتر محاسبی کے ملازم یا ناظم میں سے کوئی بھی اس کا ضامن نہ ہوگا، اس لئے کہ جس فقیر کو زکوٰۃ کا پیسہ دیا گیا ہے وہ مستحق زکوٰۃ ہے، اس کو زکوٰۃ دینے پر زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی ہاں البتہ مدرسہ کے ذمہ داروں کو یہ حق ہے کہ اس سے اسی طریقہ سے مدرسہ کیلئے چندہ مانگیں جس طرح سرمایہ داروں سے مانگا جاتا ہے کہ مدرسہ میں پیسے کی ضرورت ہے آپ یہ پیسہ مدرسہ کے تعاون کیلئے پیش فرمادیں، اگر وہ نہیں دیتا ہے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی دفتر محاسبی کے ملازم یا ناظم اس کے ضامن نہیں ہیں۔

وهل تران يخالف أمره لم أره والظاهر نعم لأنه مقتضىٰ صحة التمليك. (شامي، زكريا ۳/ ۲۹۳، كراچی ۲/ ۳٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ رصفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۰۲)

حیلۂ تملیک کن مدارس میں کیا جا سکتا ہے؟

سوال: [۴۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کن مدارس میں حیلۂ تملیک سے زکوٰۃ وفطرہ کی رقم خرچ کرنا درست ہے۔

المستفتي: عبداللہ، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن مدارس میں فقہ تفسیر حدیث کی تعلیم ہوتی ہو وہاں نہایت شدید ضرورت میں گنجائش ہوتی ہے۔

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلالٍ فهي حسنة. (الفتاوىٰ التاتار خانية، كتاب الحيل الفصل الاول في جواز الحيل، زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۱۱، رقم: ۱٤٨٤٦، هنديه قديم، زكريا ٦/ ۳۹۰، جديد ٦/ ۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۸۹)

زکوٰۃ کی رقم دینی ضروریات میں صرف کرنے کیلئے حیلۂ تملیک کرنا

سوال: [۴۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حیلۂ تملیک کی اجازت صرف دینی ضروریات کو چلانے کے واسطے ہے یا دوسری ضروریات مثلاً

امام مسجد کی تنخواہ، کنواں وغیرہ بھی بنوایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جونیئر ہائی اسکول اور ہاسپٹل وغیرہ کی تعمیر کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیع غفرلہٗ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیلہ صرف دینی ضروریات کیلئے جائز ہے، جنکے بغیر اسلامی شعار اور دینی علوم اور عبادات وغیرہ ضائع ہونے کا سخت خطرہ ہوا مور مسجد بھی دینی ضروریات میں سے ہیں عام مسلمانوں کے لئے پانی کا انتظام نہ ہو تو کنواں بھی دینی ضروریات میں شامل ہوگا!

والحیلة أن یتصدق بمقدار زکوٰته علی فقیر ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلیٰ هذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة الخ. (هندیه، کتاب الحیل، قبیل الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، زکریا دیوبند ٦/ ٣٩٢، جدید زکریا ٦/ ٣٩٥)

جونیر ہائی اسکول دینی ضروریات میں داخل نہیں ہے، بلکہ اس کی ترقی دینی مدارس کی تنزلی کا سبب بن سکتی ہے، اس لئے اسمیں ہرگز جائز نہ ہوگا، ہاسپٹل کی اتنی ضرورت نہیں جسکی وجہ سے مال زکوٰۃ کو حیلہ کر کے اس میں خرچ کرنا پڑے، جبکہ حکومت کی طرف سے نیز دیگر وجوہات سے علاج معالجہ کا انتظام وافر طریقہ سے موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ / ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۲۴)

مقروض کے قرض کو زکوٰۃ میں بدلنے کا حیلہ

سوال: [۴۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ
(۱) زید عمرو کا مال لیکر گیا اجرت پر اپنی ذمہ داری میں پھر وہ مال اس شخص سے ضائع

ہو گیا، جب عمرو نے اس سے اس مال کی قیمت کا مطالبہ کیا تو اس نے کچھ روپئے اسمیں سے دیدئے اور باقی آئندہ کیلئے وعدہ کیا وعدہ کئے ہوئے کافی مدت گذرگئی اوراب وہ کہہ رہا ہے کہ جب میرے پاس روپئے ہوں گے تو دیدونگا، ورنہ نہیں دے سکتا اوراب عمرو یہ چاہتا ہے کہ اس روپئے کو (جو زید کے پاس ہے) اسی کو زکوٰۃ میں دیدیا جائے، تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی ہوگی یا نہیں؟ اور وہ شخص مستحق زکوٰۃ بھی ہے؟

(۲) ایک شخص کا روپیہ چند لوگوں پر ہے جس کو ان لوگوں نے بطور قرض کے لیا تھا اور وہ بار بار وعدہ کرتے ہیں، لیکن ادا نہیں کرتے ہیں، اور جب ان لوگوں پر سختی کی جائے تو تعلقات میں خرابی آئیگی اور جس شخص کا روپیہ ہے وہ چاہتا ہے کہ اس روپئے کو جو مقروض پر ہے زکوٰۃ میں دیدے یا بطور صدقہ دیدے تو اس بارے میں کیا حکم ہے، وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: اکرم الحق، سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دونوں صورتوں میں محض نیت کر لینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً بقدر قرض رقم مقروض کو بہ نیت زکوٰۃ دیدی جائے پھر مقروض اس سے اپنا قرض ادا کردے، بشرطیکہ مقروض مستحق زکوٰۃ ہو۔

وحيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه ولو امتنع المديون مد يده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه. (درمختار، کتاب الزکاۃ کراچی ۲/۲۷۱، زکریا۳/۱۹۰، ۱۹۱)

– وتحته فى الشاميه – والحيلة إذا خاف ذلك مافى الأشباه وهو أن يؤكل المديون خادم الدائن بقبض الزكوٰة ثم بقضاء دينه فبقبض الوكيل صار ملكاً للموكل ولا يسلم المال للوكيل إلا فى غيبة المديون لاحتمال أن يعزله عن وكالة قضاء دينه حال القبض قبل الدافع. (شامی کراچی ۲/۲۷۱، زکریا۳/ ۱۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۴ھ

حیلۂ تملیک کی ناجائز شکلیں

سوال: [۴۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مدرسہ کا مہتمم ہوں، میں نے تملیک کی درج ذیل صورتیں اختیار کیں ہیں کیا شرعاً یہ صورتیں جائز ہیں یانہیں؟ (۱) میں ایک شخص سے قرض لیکر مدرسہ کی ہر قسم کی ضروریات پوری کرتا ہوں، اور بعد میں زکوٰۃ کے روپئے سے اس قرض کو ادا کر دیتا ہوں۔ (۲) ہمارے یہاں کے طلباء محلّہ میں ایک شخص کے یہاں کھانا کھاتے ہیں، میں بطور قیمت کے زکوٰۃ کا روپیہ اس شخص کو دے دیتا ہوں اور بعد میں وہ شخص وہی روپیہ یا اسی مقدار کے دیگر روپئے ہمیں بطور امداد کے دیدیتے ہیں، نیز واضح رہے کہ وہ شخص طلبہ کو کھانا فری (مفت) میں کھلاتا ہے، اگر تملیک کی مذکورہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، تو صحیح اور جائز صورت کیا ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد افضل، مدرسہ قاسم العلوم، بھیڑی، بریلی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ کے پیسہ سے قرضہ ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ کا پیسہ مستحق فقیر کو دے کر مالک بنادینا ضروری ہوتا ہے، اور زکوٰۃ دہندگان مہتمم اور مدرسہ کے سفراء کو اسلئے زکوٰۃ کا پیسہ دیتے ہیں، کہ ان کے پاس زکوٰۃ کے مستحق طلبہ ہوتے ہیں، تاکہ مہتمم ان پیسوں کو صحیح مصرف میں خرچ کرے اور صورت مسئولہ میں جب مہتمم زکوٰۃ کے پیسہ کو مستحق طلبہ پر خرچ کرنے کے بجائے براہ راست اس سے قرضہ ادا کر رہا ہے تو یہ مستحقین تک نہیں پہنچی اسلئے مذکورہ صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۶۰۹/۹)

وهـي تـمليک جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير. (الدر المختار، كتاب الزكاة، زكريا۳/۱۷۰تا ۱۷۲، كراچی ۲/۲۵٦، ۲۵۷)

هـي تـمـليک مال مخصوص لشخص مخصوص. (مـراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، دارالكتاب ديوبند/۷۱۳، قديم /۳۸۹)

(۲) دوسرے شخص کی طرف سے کھانا کھلا دیا جائے اور بعد میں زکوٰۃ کے پیسہ سے اس شخص کو اس کھانے کی قیمت ادا کردی جائے تو اس کیلئے صرف یہ شکل دائرہ جواز میں داخل ہے کہ جو کھانا تیار کیا گیا ہے، اسکی پوری قیمت جوڑ لے اسکی پوری قیمت جوڑنے کے بعد مدرسہ میں آئی ہوئی زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت سے وہ کھانا طلبہ کو کھلا دیا جائے، اور مدزکوٰۃ کے پیسے سے اس کھانے کی قیمت ادا کردی جائے، اور سوالنامہ میں جو شکل آپ نے لکھی ہے، وہ جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے، نہ کھانا کھلانے والے کی زکوٰۃ ادا ہوسکتی ہے، اور نہ مدرسہ میں زکوٰۃ دہندگان کی، اور کھانا کھلانے والوں کی زکوٰۃ اسلئے ادا نہیں ہوتی کہ تملیک نہیں پائی گئی، اور تملیک کیلئے ضروری ہے کہ وہ جہاں کھانا چاہیں لیجا کر کھالیں اور بٹھا کر کھانا کھلانے میں تملیک نہیں ہوتی ہے، صرف اباحت ہے۔

ويشتـرط أن يـكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳٤٤)

اور مدرسہ میں زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ اس شکل میں اسلئے ادا نہیں ہوئی کہ اس زکوٰۃ کے پیسہ سے یہ کھانا خریدا نہیں گیا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم۱۴/ ۱۶۶، جدید ڈابھیل ۹/ ۶۰۳)

ولـو تـصـدق أى الـوكـيـل بـدفع الزكاة إذا أمسک دراهم الموكل ودفـع مـن ماله ليرجع ببدلها فی دراهم الموكل صح. (شـامی، زكريا۳/ ۱۸۹، كراچی ۲/ ۲۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۵۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۶ھ

وجوب زکوٰۃ سے بچنے کیلئے حیلہ کرنا

سوال: [۴۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کچھ حضرات زکوٰۃ کے وجوب سے بچنے کے لئے حفاظت مال کا نام دیکر یہ حیلہ کرتے ہیں کہ اپنے مال نقد روپئے اور سونے اور چاندی کے زیورات کو جیولری کی بڑی دکانوں سے ہیرے کی صورت میں تبدیل کرا کے بینک وغیرہ میں لاکر جمع کر دیتے ہیں، اسی طرح کچھ لوگ اپنی پراٹیاں اپنے نابالغ بچوں کے نام سے خریدتے ہیں، مقصد صرف زکوٰۃ کے وجوب سے بچنا ہوتا ہے، اب وضاحت طلب امر یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ عمل کیسا ہے؟ اور اس طرح حیلہ کرنے سے زکوٰۃ ساقط ہوگی یا نہیں؟ براہ کرم جواب نوازیں؟

المستفتي: محمد توحید عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نیتوں کا حساب اللہ کے پاس ضرور ہوگا لیکن ظاہری حالت کے اعتبار سے مسئلہ بتانے کے مکلّف ہیں، کہ جب سرمایہ دار نے نقد روپئے اور سونا چاندی کو ہیرے میں تبدیل کر دیا ہے تو شریعت کا حکم یہ ہیکہ ہیرے جواہرات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ على المنبر قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرى مانوى. (بخاری ۱/۲، رقم: ۱)

أن من عزم على المعصية بقلبه ووطن نفسه عليها أثم فى اعتقاده وعزمه (إلىٰ قوله) للأحاديث الدالة على المؤاخذة بأعمال القلوب. (شرح نووی ۱/۷۸)

عن أبى هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ إن الله لاينظر إلىٰ صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلىٰ قلوبكم وأعمالكم. (مسلم، کتاب البر والصلة والأدب،

باب تحریم ظلم المسلم الخ، النسخة الهندية ٢/٣١٧، بيت الافكار رقم ٢٥٦٤)

وأما اليواقيت واللآلى والجواهر فلا زكوٰة ولو كانت حلياً. (هندية، زكريا ديوبند ١/١٨٠، جديد، كتبا الزكوة، الباب الثالث: الفصل الثاني في العروض ١/٢٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۲/۳۸)

تعمیر کیلئے حیلۂ تملیک کرنا

سوال: [۴۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ایسی مسلم بستی جس میں دینی تعلیم کیلئے کوئی مدرسہ نہیں ہے، اس بستی میں زکوٰۃ کی رقم سے حیلہ تملیک کے بعد دینی مدرسہ کیلئے زمین خریدنا اور تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: تسلیم احمد، مسجد مولانا والی تمبا کووالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم فقیر مسکین اور غریبوں کا حق ہے اور تعمیری ضرورت ایسی ضرورت نہیں ہے جس کی وجہ سے فقیروں مسکینوں کو اپنے حق سے محروم کر کے تعمیر میں لگایا جائے اسلئے سلف سے خلف تک تعلیم کیلئے باضابطہ عمارت اور مدرسہ کی شکل نہیں تھی، بلکہ اکثر و بیشتر علماء مسجد یا چھپر میں بیٹھ کر تعلیم دیا کرتے تھے، لہٰذا یہ ضرورت مسجد اور چھپروں کے ذریعہ سے بھی پوری ہوسکتی ہے اسلئے تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانے کی کوئی شکل نہیں ہے اور ایسی کوئی امداد کی بھی صورت نہیں ہے جس سے پڑھانے والوں کو تنخواہ دی جاسکے، تو اس ضرورت کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے، اور پڑھانے والے جب تک امداد کے طریقہ سے عمارت تیار نہ ہو اس وقت تک کیلئے مسجد یا کسی کے گھر

یا بیٹھک یا کسی چھپر میں تعلیم دے سکتے ہیں، اسلئے زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں لگانے کے واسطہ حیلۂ تملیک کرنے کی گنجائش نہیں۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کمامر لایصرف إلیٰ بناء نحو – مسجد وتحته فی الشامیة – کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد، وکل مالاتملیک فیه.

(الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

ولیس من أخلاق المؤمنین الفرار من أحکام الله بالحیل الموصلة إلیٰ إبطال الحق. (عمدة القاری، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲٤/ ۱۰۹، زکریادیوبند ۱٦/ ۲۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۷۲٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۲۳ھ

(۹) باب: مد زکوٰۃ تنخواہ یا تعمیر میں صرف کرنے کا حکم

حیلۂ تملیک

سوال: [۴۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، آیا تعمیر وتعلیم میں بعد از حیلۂ تملیک زکوٰۃ کی رقم لگانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالناصر، ساکن نگلیامائل، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حیلۂ تملیک کے بعد تعمیر میں لگانا جائز ہے، بشرطیکہ اس گاؤں اور علاقہ کی امداد کافی نہ ہوتی ہو اور مدرسہ قائم کئے بغیر دینی شعار ختم ہونے کا سخت خطرہ ہو ورنہ حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق . (عمدة القاری شرح بخاری، دارإحياء التراث العربي بيروت ١٠٩/٢٤، زکریادیوبند ٢٣٩/١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۵۰/۲۶)

حیلۂ تملیک کی اجازت کہاں ہے؟

سوال: [۴۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ایسے موضع کا رہنے والا ہے کہ جس میں کافی لوگ مزدور طبقہ کے ہیں پانی نکالنے کیلئے کنواں کھودتے ہیں، اور اسی سے پانی پیتے ہیں، یعنی نادار ہیں اور ۷۵/ فیصد ناخواندہ

ہیں، اورکوئی باقاعدہ تعلیم کا نظم نہیں ہے بلکہ ایک صاحب کے مکان پر چار چھ بچے جمع ہوجاتے ہیں، اور صاحب مکان کے لوگوں میں سے جس کوفرصت ہوتی ہے وہ لوجہ اللہ سبق سن کر چھٹی دیدیا کرتے ہیں، ایک طویل زمانہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا بعدہٗ ایک حاجی صاحب کا انتقال ہوگیا ان کے کوئی اولاد نہیں تھی دور کے وارثوں نے ان کا یہ مکان مدرسہ کیلئے وقف کردیا کافی جدوجہد سے ایک مولانا صاحب مقیم دبئی نے دو کمرے اور کچھ برآمدہ پختہ بنوادیا نیز گاؤں کے لوگوں نے مٹی کی دیوار سے گھیر کر درست کرلیا اور نام مدرسہ کا ضیاء الاسلام رکھا ہے اور مستقل تعلیم دینے کیلئے مدرس رکھ کر شوری ہوئی جس کے صدر نائب صدر دو عالم بنائے گئے اور مہتمم وخازن وممبران کا تقرر ہوا تا کہ نظم ولگن کیساتھ مدرسہ آگے بڑھے لیکن بوجہ ناداری مدرسہ قائم تو ہے لیکن ترقی نہ کرسکا بہر کیف مدرسہ مذکورہ کے صدر مسجد مقدس محلّہ سیوری بمبئی میں تقریباً ۲۵ رسال سے امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، انھوں نے لوجہ اللہ بغیر کسی روئیداد وغیرہ کے صرف لوگوں کے اپنے اعتماد کی وجہ سے مدرسہ کیلئے مخصوص لوگوں سے چندہ کی اپیل کی تو لوگوں نے بڑی شفقت ومحبت کیساتھ اپنے امام پر جو مدرسہ مذکورہ کے صدر بھی ہیں، اعتماد وبھروسہ کرتے ہوئے رقم زکوٰۃ وصدقۂ فطر چرم قربانی وغیرہ دینا شروع کردیا امام موصوف بذریعہ رسید مدرسہ صرف محلّہ سیوری بمبئی میں اپنے مخصوص مقتدیوں سے وصول کرتے ہیں، اور جملہ رقم حیلۂ تملیک کراکے مہتمم مدرسہ کے حوالہ کردیتے ہیں، اور کبھی رقم مہتمم کے حوالہ کرتے ہوئے حیلۂ تملیک کی تاکید کرتے ہیں، اس طرح ہر سال بعد حیلۂ تملیک ہی وہ رقم مدرسہ مذکورہ کے مصارف میں صرف ہوتی رہی، یہ سب جدوجہد اسلئے کی جاتی ہے کہ گاؤں کے لوگوں میں علم کے حصول کی رغبت وعقائد کی درستگی ودینداری آئے کیا امام موصوف کے اس طرح حیلۂ تملیک کرنے کے بعد معطی کی زکوٰۃ وغیرہ درست وادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور امام موصوف گنہگار رہوں گے یا کچھ ثواب کی بھی امید ہے نیز ایسا چھوٹا مدرسہ جہاں خورد ونوش کا مستقل نظم نہ ہو اور صرف چند پارہ حفظ وناظرہ ودینیات پڑھا کر دوسرے مدرسوں میں

داخلہ کی رغبت دلانے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یا نہیں؟

المستفتي: خلیل احمد ندوی، مسجد مقدس، سیوری، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بلاضرورت شدیدہ حیلۂ تملیک ممنوع ہے مگر پھر بھی حیلۂ تملیک سے بہرکیف لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، ان کے اوپر زکوٰۃ کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی اور اگر وہاں مدرسہ کی شدید ضرورت ہے اور اس کے علاوہ دوسرا مدرسہ بھی نہیں ہے جس سے دینی تعلیم کی ضرورت پوری ہوسکے اور امدادی رقم بھی اتنی حاصل نہیں ہوتی جس سے کسی حد تک مدرسہ کی ضرورت پوری ہوسکے تو وقتی طور پر ضرورت پوری ہونے تک کیلئے ایسے مدرسہ کیلئے بھی بلاکراہت جائز اور درست ہوگی۔

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلال فهي حسنة الخ. (هنديه كتاب الحيل زكريا ديوبند ٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

مدز کوٰۃ سے طلبہ کی فیس ادا کرنا

سوال: [۴۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا یہ صورت درست ہوگی کہ ایک طالبعلم جو مستحق زکوٰۃ ہے ادارہ اس کے طعام قیام تعلیم اور دوسری سہولتوں کا انتظام کرتا ہے، اس کے طعام پر ماہانہ خرچ سو روپئے آتا ہے اس کی رہائش کیلئے جو مکان فراہم کیا گیا ہے (مکان کی تعمیر عام چندے سے کی گئی ہے) بازاری نرخ کے حساب سے اس کا کرایہ ۲۵ روپئے ماہانہ ہے اساتذہ کے شہریہ (ماہانہ تنخواہ) وغیرہ پر جو خرچ آتا ہے اسی طرح دیگر انتظامی امور پر جو مامور ہیں ان کا مجموعی شہریہ اگر فی

طالب علم تقسیم کی جائے تو فی طالب علم ۲۵؍روپئے ماہوار پڑتا ہے اس طرح ایک طالب علم پر کل اخراجات ماہانہ مثلاً ڈھائی سو روپئے آتے ہیں، مدرسہ یہ نظم بناتا ہے کہ ہر طالب علم سے ڈھائی سو روپئے ماہانہ لئے جائیں مستطیع طلبہ یہ اخراجات اپنے پاس سے ادا کریں اور غیر مستطیع طلبہ کی طرف سے یہ مقررہ فیس مدرسہ مد زکوٰۃ سے ادا کرے یا مدرسہ اس رقم کا چیک اس طالب علم کے نام دیدے اور وہ چیک وصول کرنے کے بعد مدرسہ میں جمع کردے کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

المستفتی: مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلبہ کے اخراجات کا حساب لگا کر فی کس جتنا بنتا ہے اتنے کا چیک بنا کر مہتمم مدرسہ طالب علم کے قبضہ میں دیدیا کرے اور طلبہ اپنے قیام وطعام کی چیز کے نام سے مدرسہ کو واپس دیدیا کریں تو بلاشبہ جائز اور درست ہوگا، اور یہ مدارس اسلامیہ میں مال زکوٰۃ کی تملیک کیلئے بہت بہترین اور مناسب شکل ہے اور یہ حیلۂ تملیک نہیں بلکہ تملیک کے دائرہ میں داخل ہوجائیگی اور اگر مالدار اور مستطیع طلبہ سے فی کس کے تناسب سے فیس لیا کرے تو یہ بھی جائز اور درست ہے البتہ وہ غنی طالب علم جس کی ملکیت میں نصاب سے زائد مال اور رقم ہو راجح قول کے مطابق اس کو زکوٰۃ کی رقم دینا یا مد زکوٰۃ سے اس پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۲/۱۹، احسن الفتاویٰ زکریا ۴/۲۵۲)

اور صاحب درمختار نے جو غنی طالب علم کیلئے اخذ زکوٰۃ کو جائز لکھا ہے اس کو علامہ شامی نے یہ کہہ کر مسترد کردیا ہے کہ یہ اس قول کے خلاف ہے جس میں مطلقاً غنی کیلئے حرمت زکوٰۃ کو ثابت کیا گیا ہے، اور جواز کے قول کا کسی نے اعتبار نہیں کیا ہے۔

وهذا الفرع مخالف لإطلاقهم الحرمة في الغني ولم يعتمده أحد. (شامی، کتاب

ترجمہ: اور یہ جزئیہ فقہاء کے غنی کے حق میں علی الاطلاق حرمت زکوٰۃ کے قول کے مخالف ہے اور (اس جواز کے قول)

الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیو بند ۳/ ۲۸۶، کراچی ۲/ ۳۴۰) کا کسی نے اعتبار نہیں کیا ہے۔

اور اگر فقیر طلبہ کو مہتمم اور ذمہ داران مدرسہ چیک یا رقم پر قبضہ نہ دیں، اور خود مہتمم یا دیگر ذمہ دار طلبہ کے نام سے اپنے طور پر جمع کر لیں، پھر اس رقم کو تنخواہ وغیرہ میں صرف کیا جائے تو یہ جائز نہ ہوگا، بلکہ اسکے جواز کیلئے یہ شرط ہے کہ طلبہ صراحۃً ذمہ دار کو اس کام کیلئے وکیل بنا دیں اس کے بغیر جواز کے دائرہ میں نہیں آ سکتا ہے اسلئے کہ مہتمم اور اہل مدرسہ اگر چہ طلبہ کے کلی وکیل ہیں، مگر جزئی وکیل نہیں ہیں، اور مذکورہ تصرف میں جزئی وکالت شرط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۲)

زکوٰۃ کی رقوم میں تنخواہوں کیلئے تملیک کرانا

سوال: [۴۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم کو اساتذہ کی تنخواہ کیلئے تملیک کرانا جائز ہے یا نہیں؟

اسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کے پیسوں سے اساتذہ کی تنخواہ دینے کیلئے تملیک کرانا ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۶/ ۳۰، جدید فقہی تحقیقات ۶/ ۳۴۶، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۲۰۷)

كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلال فهي حسنة. (تاتارخانية ۱۰/ ۳۱۱، رقم: ۱۴۸۶۰)

لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد ...... وكل مالا تمليك فيه وقدمنا أن

الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره یفعل هذه الأشیاء. (تاتار خانیة ۱۰/۳۱۸، رقم: ۱۴۸۶۰، درمختار مع شامی، زکریا۳/۲۹۳، شامی کراچی ۲/۳۴۴، مجمع الانهر مکتبه دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۲۸، قدیم ۱/۲۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۴)

صدقات واجبہ کی رقم سے مدرسین کو تنخواہ یا بچوں کو سپارہ دلانا

سوال: [۴۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں مسلمان عموماً بے دین وجہالت کی زندگی گذار رہے ہیں، بچوں وبچیوں کو دینی تعلیم دلانے کا ذوق تقریباً مفقود ہے ایک دینی ادارہ مدرسہ نورالعلوم کے نام سے ایک عرصہ سے دینی خدمت انجام دے رہا ہے، بستی میں کثیر تعداد میں بچے وبچیاں جہالت کی زندگی بتا رہے ہیں، تمام بچے اور بچیوں کی تعلیم کا انتظام امدادی رقم سے نہیں کرپا رہے ہیں، امدادی رقم کا انتظام قدر ضرورت بھی نہیں ہورہا ہے، بچوں پر فیس لگانے کی صورت میں بچے دینی تعلیم سے محروم ہوتے ہیں، عوام میں دینی بیداری اس قدر نہیں ہے کہ وہ تمام مدرسین کی تنخواہ کا انتظام اپنے صرفہ سے خود کے ذمہ لیں اور مدرسہ میں امیر وغریب سبھی کے بچے تعلیم پاتے ہیں، امیر غریب میں امتیاز کرنا بھی کوئی آسان وسہل کام نہیں ہے، اور بستی میں عوام کی معاشی حالت بھی کمزور ہے کیا ایسی صورت میں مدرسین کی تنخواہ اور بچوں کو قاعدہ پارہ جات ودیگر ضروری اشیاء بیت المال کی واجبہ یعنی زکوٰۃ وفطرہ چرم قربانی کی رقم سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بستی کے عوام سے رمضان المبارک میں تمام طور پر زکوٰۃ فطرہ کی رقم وصول کی جاتی ہے، جس میں سے بستی کے یتیم بیواؤں ونادار لوگوں کو ماہانہ وظیفہ کی شکل میں دیا جاتا ہے، اور بیرونی طلبہ کے مطبخ اور ادویہ جات، کتب درسیات صابون، لحاف، گدے وغیرہ میں خرچ کئے جاتے ہیں، سوال طلب امر یہ ہے کہ اسی رقم کو

دینی تعلیم کے انتظام میں براہ راست لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر براہ راست نہیں لا سکتے تو پھر کوئی شکل جیسے تملیک مستحق کا حیلہ کر کے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب تفصیل اور وضاحت کیساتھ عنایت فرمائیں، اور تملیک مستحق کی کیا صورت ہوگی ، اس کی بھی وضاحت فرمائیں، امدادی رقم کا انتظام نہ کر پانے کی صورت میں تقریباً مدرسہ کے بند ہونے کا اندیشہ ہے عوام میں اس بابت کافی اختلاف ہے۔

(۱) ایک فریق سرے سے دینی تعلیم ہی کے فریضہ سے غافل ہے۔

(۲) ایک فریق فقط امدادی رقم سے ہی مدرسہ چلانے کے حق میں ہے۔ نہ چلے تو بند ہی سہی ۔

(۳) ایک فریق تملیک مستحق کے حیلے کا قائل نہیں ہے، بلکہ براہ راست علوم دینیہ کے فروغ وانتظام میں صدقات حسنہ وصدقات واجبہ لگانے کے حق میں ہے۔

(۴) ایک فریق دینی تعلیم کے اہم ذمہ سے سبکدوش ہونے کیلئے اس بات کا قائل ہے کہ اگر امدادی رقوم سے ضرورت تعلیم جس کا طلب کرنا فرض قرار دیا گیا ہے، اس کے بندوبست نہ ہونے کی صورت میں تملیک مستحق کا قائل ہے یعنی صدقات حسنہ وصدقات واجبہ وصول کر کے بقدر ضرورت صدقات واجبہ میں تملیک مستحق کا حیلہ کر کے تعلیم کو جاری رکھنے کے حق میں ہے؟

المستفتي: محمد صادق علی، چورو، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسین کو زکوٰۃ کی رقم اجرت میں دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ یتیموں اور مسکینوں کا حق ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۳، کفایت المفتی ۴/۲۸۵، جدید زکریا مطول ۶/۲۷۹)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة . (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱)

اور ایک دو روپیہ کے قاعدے سپارے کیلئے مدز کوٰۃ سے چندہ کرنے کی ضرورت بندہ کی سمجھ سے بالاتر ہے اسلئے کہ ایک دو روپیہ ہر غریب فقیر خرچ کرنے پر قادر ہوتا ہے، اس میں کوئی مسلمان کوتاہی نہیں کریگا، زکوٰۃ کی رقم جس مصرف میں صرف ہورہی ہے، وہی صحیح ہے اب اس میں مزید ترمیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، نیز زکوٰۃ دہندگان نے مدرسہ کے طلبہ کے ساتھ ساتھ نادار فقیروں کیلئے بھی رقم جمع کی ہے، تو پھر ایک عالم دین مدرسہ کا ذمہ دار یہ کیسے گوارہ کرسکتا ہے، کہ فقراء کو محروم کرکے تمام زکوٰۃ صرف مدرسہ کے مصرف میں صرف کرتے رہیں شریعت ایسے ظلم کی ہرگز اجازت نہیں دیتی۔

أی مصرف الزكاة والعشر...... هو فقير وهو من له أدنى شيىء أي دون نصاب . (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۹ھ

صدقات واجبہ کی رقم تنخواہوں یا دیگر ضروریات مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: [۶۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہماری بستی کے اندر ایک اسلامی ادارہ ہے، جس کے اندر قرآن پاک حفظ وناظرہ اور اردو دینیات کی تعلیم ہوتی ہے، اور اس کے اندر دو مدرس پڑھاتے ہیں، اور اس مدرسہ میں صرف بستی کے بچے پڑھتے ہیں، اور بستی کے علاوہ کوئی بچہ تعلیم حاصل نہیں کرتا اور مہتمم مدرسہ لوگوں سے زکوٰۃ وصدقۃ الفطر وچرم قربانی کا پیسہ وصول کرکے اس مدرسہ میں تملیک کرا کر لگالیتے ہیں، اور اس سے مدرسہ کے مدرس کی تنخواہ دیتے ہیں، نیز اس مدرسہ کے اخراجات امدادی رقوم کے ذریعہ پورے نہیں ہوتے تو کیا ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ وصدقہ الفطر وچرم قربانی کی تملیک کرا کر لگانا اور اس سے مدرسوں کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مدرسہ کے فنڈ کے اخراجات میں صرف کیا جائے یا نہیں؟

المستفتي: محمد ناظم بجنوری، متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ وصدقات اور چرم قربانی کی رقم مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کے ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا جہاں تک ہوسکے مدرسہ کے اخراجات امدادی رقم ہی کے ذریعہ پوری کرنے کی کوشش کریں۔

وکذلک في جمیع أبواب البر التي لایقع بها التملیک کعمارة المساجد وبناء القناطر والرباطات لایجوز صرف الزکوٰة إلیٰ هذه الوجوه.

(عالمگیری، کتاب الحیل زکریا٦/ ٣٩٢، الفصل الثالث فی الزکوٰۃ جدید٦/ ٣٩٥، البنایه ، اشرفیه دیوبند٣/ ٤٦٢، تبیین الحقائق ، امدادیه ، ملتان ١/ ٣٠٠، زکریا٢/ ١٢٠)

اور بلاضرورت شرعی زکوٰۃ وصدقات کی تملیک بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر اس علاقہ میں دور دور تک کہیں مدرسہ نہیں ہے اور وہاں جہالت پھیلی ہوئی ہے، دینی انحطاط بڑھتا جارہا ہے اور کہیں سے امداد نہیں آرہی ہے تو ایسی مجبوری کی صورت میں بقدر ضرورت تملیک کرکے اس دینی ضرورت کو پوری کرنے کی گنجائش ہے اب آپ کا مدرسہ اس ضرورت کے دائرے میں داخل ہے یا نہیں آپ خود فیصلہ کریں نیز مدرسہ میں جو زکوٰۃ وصدقات کی رقم فنڈ میں موجود ہے اسے مدرسہ میں خرچ کرسکتے ہیں، جبکہ مدرسہ اس کا مستحق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۲۵ھ

مدزکوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا

سوال: [۴۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ میں پڑھاتا ہے، اور اس مدرسہ میں زکوٰۃ خیرات امداد صدقات گویا تمام مدوں

سے رقم آتی ہے، اور کسی بھی مد کی رقم کو الگ نہیں کیا جاتا ہے، سب کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے، اور کسی طرح کی تملیک نہیں کرائی جاتی ہے، اور وہی رقم بیرونی طلبہ اور مقامی طلبہ پر صرف ہوتی ہے، اور اسی رقم سے اساتذہ کی تنخواہیں دی جاتی ہیں، کیا ایسی رقم اساتذہ کیلئے درست ہے؟ اور علم ہونے کے باوجود ایسی رقم اساتذہ لیتے رہیں، تو اس کا عذاب کس پر ہوگا؟ دینے والے پر یا لینے والے پر؟ اور کیا ایسے مدرسہ میں پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: ارشد عالم، دار العلوم دینیہ، رحمت نگر، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مدرسہ میں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم آتی ہے، اور نفلی صدقات اور خیرات اور امداد کی رقم بھی آتی ہے تو اس مدرسہ والوں پر لازم اور ضروری ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا فنڈ الگ اور مدات خیرات کا فنڈ اس سے بالکل الگ تھلگ دوسرا رکھیں اور دونوں کا حساب وکتاب الگ الگ رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ مدرسہ کے ذمہ داران اللہ کے یہاں خیانت کی وجہ سے جواب دہ ہوں گے، ہاں البتہ اگر زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم تنخواہوں میں دینے کیلئے سخت ضرورت پیش آجائے تو پہلے ان کی تملیک کرالینا واجب ہے اس کے بعد تنخواہوں میں دینا درست ہے، اگر اس کے بغیر تنخواہوں میں دیں گے، تب بھی ذمہ داران اللہ کے یہاں خیانت کی وجہ سے پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے، اور اساتذہ اور ملازمین جن کو اختیارات حاصل نہیں ہیں، اللہ کے یہاں وہ لوگ جوابدہ نہ ہوں گے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزكاة، باب الصرف ، زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

حدثنا حبان بن علي عن حصين بن مذعون قريش التميمي عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لا عهد له الخ. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي بيروت ۱۰/ ۲۲۷، رقم:

۱۰۵۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۰۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۵ھ

زکوٰۃ کی رقم سے مدرسین یا امام کو تنخواہ دینا

سوال: [۴۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ و صدقات کے پیسہ سے مدرس یا امام کو تنخواہ دیکر اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اور مدارس دینیہ کے اندر مدرسوں کو اسی مد سے تنخواہیں دی جاتی ہیں، تو کیا اس مد سے مدرس کو تنخواہ دینے کی کوئی صورت شریعت مطہرہ میں ہے یا نہیں؟

المستفتي: شمیم اختر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز بہرحال درست ہے مگر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے پیسے سے مدرس یا امام کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ وصدقات ادا نہیں ہونگے نیز احقر کے علم میں نہیں ہے کہ مدارس میں مد زکوٰۃ سے مدرس کو تنخواہ دی جاتی ہو، اگر دی جاتی ہے تو جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ جبھی ادا ہوسکتی ہے کہ جب بلا کسی عوض یا اجرت کے مفت میں کسی مستحق کو مالک بنا دیا جائے، اس کے بغیر ادا نہیں ہوسکتی۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب الصرف، زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۶/۳/۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۷۱/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۸ھ

مدزکوٰۃ سے سفراء کی تنخواہ

سوال: [۴۴۷۹]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس کیلئے زکوٰۃ کی وصولی پر جولوگ مقرر کئے جاتے ہیں، وہ ماہانہ تنخواہ پاتے ہیں،اورساتھ ساتھ وہ عملہ جو حساب کتاب کیلئے مقرر ہوتا ہے، اسے بھی ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے، یہ محسوس کیا جارہاہے کہ ماہانہ تنخواہ پرمقرر کئے ہوئے سفراءو محصلین کے ذریعہ جوآمدنی ہوتی ہے،اور ان پر جوخرچ ہوتاہے، اس سے مدرسہ کونقصان پہونچتاہے، آمد کا تناسب کم اورخرچ کا تناسب زائدآتا ہے۔

دوسرامسئلہ یہ ہے کہ حساب آمد وخرچ کے اندراج پر جوعملہ مقرر ہے کیااس کی ماہانہ تنخواہ مدزکوٰۃ سےادا کی جاسکتی ہے،جبکہ وہ لوگ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہیں؟

المستفتي: مجاہدالاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ، (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس کے سفراءکوالعاملین علیہا کے حکم میں قرار دیکران کوزکوٰۃ کی رقم میں سے بلاتملیک تنخواہ دینا درست ہوگایانہیں؟ تواس سلسلہ میں ہمارے اکابر میں سے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے سفراءکوالعاملین علیہا کے دائرہ میں داخل کرکے مدزکوٰۃ سے ان کوتنخواہ دینا جائزقرار دیاہے،صرف یہ قیدلگائی ہے کہ ان کی وصول کی ہوئی رقم کے نصف سے زائد تنخواہ دیناجائزنہیں ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی ۴/۲۶۹، جدیدزکریامطول ۶/۲۷۷،امدادالمفتیین، کراچی/۴۵۸)

(۲) نیز حضرت مفتی شفیع صاحب قدس سرہ نے امدادالمفتیین میں بڑی تفصیل کیساتھ یہی نقل فرمایاہے کہ سفراءکوعاملین کے حکم میں قراردیکران کومدزکوٰۃ سے تنخواہ دی جاسکتی ہے،لیکن حضرت مفتی محمدشفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں کافی تفصیل کے ساتھ

مختلف دلائل سے یہ ثابت کردیا ہے کہ مدارس کے سفراء کو عاملین کے حکم میں قرار نہیں دیا جاسکتا ہے اور ان کو عاملین کے حکم میں قرار دیکر مدز کوٰۃ میں سے ان کو تنخواہ دینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۴/ ۱۶۹، سورۃ توبہ آیت: ۷)

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت مفتی صاحب موصوف نے جواز کے فتویٰ سے رجوع کر کے عدم جواز کو اختیار فرمالیا ہے، اسلئے کہ یہ مسلّم بات ہے کہ امداد المفتیین بہت پہلے مرتب ہوگئی تھی، اور اس کے طویل عرصہ کے بعد معارف القرآن تحریر فرمائی ہے تو اب اکابر میں سے جواز کے قائل صرف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ تنہا رہ جاتے ہیں، اور قریب قریب تمام اکابر اہل فتاویٰ اس پر متفق ہیں، کہ سفراء کو امیر کی طرف سے مقرر کردہ عاملین کے حکم میں قرار دیکر ان کو مدز کوٰۃ سے بلا تملیک تنخواہ دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۳۶۰، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۶)

اور یہی حکم محاسبی اور دفتر کے ملازمین کی تنخواہ کے بارے میں بھی ہوگا، خصوصاً جب وہ لوگ حساب زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے کام بھی انجام دیتے ہوں، لہذا مدز کوٰۃ کی رقم سے سفراء و دیگر ملازمین کو تنخواہ دینا ہرگز جائز نہیں ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۴)

ٹیوشن پڑھانے والے کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینا

سوال: [۴۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ جو بھی روزانہ بیوپار ہو اس میں سے کچھ رقم نکال کر اللہ کے دین یا اس کے راستے میں خرچ کروں گا، بحمد اللہ کچھ مدرسوں کو ماہانہ کچھ رقم دیتا ہوں، رشتہ داروں میں جو غریب ہیں، ان پر خرچ کرتا ہوں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، تقریباً ۴، ۵، سال کے جو زیادہ آمد ورفت والے روڈ کو کراس نہیں کرسکتے ہیں،

کیونکہ مسجد ومدرسہ فاصلہ پر ہے، اسلئے ایک حافظ صاحب کو گھر پر بچوں کو پڑھانے کیلئے مدعو کیا ہے تو کیا ان کو اس مذکورہ رقم میں سے تنخواہ دے سکتا ہوں؟ وہ پانچ سو روپیہ ماہوار لیتے ہیں؟ جو بھی مسئلہ ہو وضاحت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: حمید اللہ، مولانا اسٹور،
جامع مسجد، اندھیری ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ صاحب کی تنخواہ میں زکوٰۃ صدقۂ فطر اور دیگر صدقات واجبہ دینا جائز نہیں ہے اس سے زکوٰۃ اور صدقہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ ان حافظ صاحب کی تنخواہ میں وہ پیسہ دینا لازم ہے جو آپ اپنی ذات پر خرچ کرتے ہوں گے، ہاں البتہ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر اور صدقات واجبہ کے علاوہ صرف کار خیر میں خرچ کیلئے کچھ پیسہ علیحدہ رکھا ہے تو اس سے حافظ صاحب کو بطور تنخواہ دے سکتے ہیں، لیکن بلا معاوضہ کار خیر میں خرچ کرنے کی جو نیت کی گئی ہے وہ باقی نہیں رہے گی، اسلئے کہ حافظ صاحب کو جو دے رہے ہیں، وہ اجرۃ الخدمت اور کام کے عوض میں دے رہے ہیں، اسلئے وہ کار خیر باقی نہیں رہا ہے بلکہ بچوں کو پڑھانے کی تنخواہ ہو جائے گی۔ (مستفاد: امداد الأحکام ۳/۸۴، احسن الفتاویٰ ۴/۲۵۲)

ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل لهٗ لو لم يعطه صح وإلا لا أى لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض . (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/، زكريا۳/۳۰۸، عالمگیری زكريا ۱/۱۹۰، جديد زكريا ۱/۲۵۲)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة . (الدر المختار مع الشامی، زكريا۳/۲۹۱، كراچی ۳/۳۴٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰؍۷؍۱۴۲۸ھ

زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی کا پیسہ تنخواہ میں دینا

سوال: [۴۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نئی آبادی میں ایک مسجد ہے، مسجد کے برابر ہی میں ایک حجرہ ہے، اسمیں مکتب کی شکل میں مدرسہ قائم ہے باہر کے بچے کچھ دن رہ کر بھاگ گئے، محلّہ غریب ہے مدرسہ کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتا ہے دو مدرس کام کررہے ہیں، کیا زکوٰۃ وفطرہ و چرم قربانی وغیرہ دینا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ، فطرہ و چرم قربانی کی رقم کا فقیر مستحق کو مالک بنانا شرط ہے، ورنہ ادا نہیں ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ مکتب کیلئے دینے سے زکوٰۃ فطرہ وغیرہ ادا نہیں ہونگے، نیز چرم قربانی کی قیمت تنخواہ وغیرہ میں دینا جائز نہیں ہوگا۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کما مر لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریادیو بند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف الخ. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر، زکریا دیو بند۳/۳۲۵، کراچی ۲/۳٦۸، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیو بند/ ۷۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۷۴)

مدزکوٰۃ کی تملیک کے بعد مدرسین کے مشاہرات یا تعمیر میں صرف کرنا

سوال: [۴۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس رقم کی تملیک حیلۂ شرعی کے ذریعہ کیجائے اس کو تملیک کے بعد ملازمین ومدرسین کے مشاہرات

نیز عمارت میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: سلیم الدین، سہسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس رقم کی تملیک حیلۂ شرعی کے ذریعہ کیجائے اسکو ملازمین ومدرسین کی تنخواہ نیز عمارت وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے، مگر حیلۂ تملیک ہر جگہ درست نہیں ہے۔

والحیلة له أن یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلیٰ هذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة. (هندیه، کتاب الحیل زکریادیوبند۶/ ۳۹۲، جدید زکریا ۶/ ۳۹۵، وهکذا فی الشامي، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا۳/ ۲۹۳، کراچی۲/ ۳۴۵، البحر الرائق، کوئٹه۲/ ۲۴۳، زکریا ۲/ ۴۲۴، تبیین الحقائق، زکریادیوبند ۲/ ۱۲۱، مکتبه امدادیه ملتان ۱/ ۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ۷/ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۱۹)

زکوٰۃ کی رقم تنخواہ یا تعمیر میں صرف کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: [۴۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا پیسہ استاذ کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ مدرسہ میں کوئی زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے؟

المستفتی: تنویر عالم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مدرسہ ایسا ہے جس میں بچوں کا قیام وطعام، مطبخ

وغیرہ کچھ نہیں ہے اس کو مکتب کہتے ہیں، جب اس میں مستحق نہیں تو وہاں زکوٰۃ کا مصرف بھی نہیں ہے، ایسے مکاتب میں زکوٰۃ کا پیسہ دینے والے خود اپنی زکوٰۃ کی حفاظت کریں، اور زکوٰۃ کا پیسہ تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے، اور مدرسین کی تنخواہ میں بھی بلا تملیک دینا جائز نہیں ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (التوبہ: ٦٠)

مصرف الزكاة هو فقير و مسكين . (شامی ، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ديوبند٣/٢٨٣ ، كراچی ٢/٣٣٩)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد . (شامی، كراچی ٢/٣٤٤، زكريا٣/ ٢٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۱۰/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۳۱ھ

صدقات واجبہ کی رقم تنخواہوں اور تعمیرات میں صرف کرنا

سوال: [۴۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) زید ایک اسلامی مدرسہ میں ملازم ہے مدرسہ کی آمدنی زکوٰۃ، فطرات اور چرم قربانی ہیں، فصل پر اناج اکٹھا کیا جاتا ہے، مدرسہ میں بیرونی طلبہ ۲۸/ ہیں، جنکا مدرسہ خود کفیل ہے مدرسہ میں ایک مطبخ چل رہا ہے، جس پر تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ نقد خرچ ہوتے ہیں، مدرسہ میں مقامی طلباء وطالبات کی تعداد تقریباً ساڑھے تین سو ہے مدرسہ کی کل آمدنی تقریباً دو لاکھ روپیہ ہے مطبخ کے خرچ کے علاوہ باقی آمدنی سے مدرسین کی تنخواہوں کی ادائیگی مدرسہ میں تعمیراتی کام پر خرچ اور بچوں کے بیٹھنے کیلئے فرش کی خرید پر خرچ کیا جاتا ہے، زید اور مدرسہ کے مدرسین وملازمین زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ لے سکتے ہیں یا نہیں ؟ زکوٰۃ سے تعمیراتی کام اور دیگر امور پر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) مدرسہ میں زکوٰۃ کی تملیک کراکر مدرسین کی تنخواہ نہیں دی جاتی ہے یہ کیا ہے؟ زکوٰۃ کی تملیک کیلئے زکوٰۃ کی رقم کسی کی تحویل میں دے دینے سے رقم کے واپس نہ کرنے کا خدشہ ہوتا ہے ایک بار ایسا ہوا بھی ہے کہ جس کی ملکیت میں رقم دی وہ رقم لیکر بھاگ گیا تو اس کا دیگر کوئی طریقہ ہے یا نہیں؟

المستفتي: قمر الاسلام انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ صدقۂ فطر اور دیگر صدقات واجبہ کی رقم مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کے دیگر مصارف تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے ، جہاں تک ممکن ہو مدرسہ کے اخراجات تعمیر وغیرہ امدادی رقوم ہی کے ذریعہ پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

وکذلک فی جمیع أبواب البر التی لایقع بها التملیک کعمارة المسجد، وبناء القناطیر والرباطات لایجوز صرف الزکوٰة إلیٰ هذه الوجوه. (هندیه ، کتاب الحیل زکریا٦/٣٩٢، جدید زکریا ٦/٣٩٥، کتاب الزکاة ، الباب السابع فی المصارف زکریا١/١٨٨ ، ومثله فی الشامی، زکریا٣/٢٩١، کراچی ٢/٣٤٤)

(۲) بلاضرورت شرعی زکوٰۃ وصدقات کی تملیک کرنا بھی جائز نہیں ہے، البتہ اگر مدرسہ میں امدادی فنڈ نہ ہو اور مدرسین کی تنخواہ کا کسی طرح کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو ایسے ناگزیر حالات میں بدرجہ مجبوری بقدر ضرورت تملیک کرکے مدرسین کی تنخواہ اور دینی ضرورت کو پوری کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۵۴)

البتہ تعمیر میں تملیک کرکے زکوٰۃ وغیرہ کی رقوم کا صرف کرنا پھر بھی جائز نہیں ہے، تملیک کا طریقہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو دیدی جائے، پھر وہ اپنی جانب سے مدرسہ کے اخراجات کیلئے مدرسہ کو دیدے اس حیلہ کے بعد اسی رقم سے مدرسین کی تنخواہ دینا جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۲۵۲)

وحیلة الجواز أن یعطی مدیونه الفقیر زکوٰته ثم یأخذها عن دینه وحیلة التکفین بها التصدق علی الفقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد . (شامی، زکریا۳/ ۱۹۰، کراچی ۲/ ۳۴۴، هندیه ۶/ ۳۹۲، جدید زکریا ۶/ ۳۹۵)

اوراس کاایک طریقہ وہ ہے جس کوحضرت فقیہ الامت نے ارشادفرمانے کے ساتھ ساتھ بہت سے مدارس میں جاری بھی فرمایا کہ مستحق طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے کھانا کپڑاوغیرہ نہ دے بلکہ کہدے کہ اتنا وظیفہ تم کو دیاجائیگا،اور کھانا کمرہ، وغیرہ کا کرایہ وصول کیاجائیگا،مہینہ پوراہونے پر وظیفہ ان کو دیدیا جائے ، پھر کھانے اور کمرہ وغیرہ کا کرایہ وصول کیا جائے ، اور وظیفہ اتنا مقرر کیا جائے کہ معاوضۂ طعام وکمرہ وغیرہ کی اجرت وصول کرنے کے بعد طلبہ کے پاس صابون وغیرہ کی ضرورت کیلئے بھی بچ جائے ۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط:۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/ ۶۸۶۹)

مدارس کی تعمیراور مدرس کی تنخواہ میں حیلۂ تملیک سے مال زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۴۸۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل جومدارس اسلامیہ چل رہے ہیں، ان کی بقاء کے ذرائع بظاہر زکوٰۃ وصدقۃ الفطراور چرم قربانی وغیرہ ہیں، اوران ہی آمدنی سے مدارس اسلامیہ چل رہے ہیں۔

کیا ان مکتبوں میں جن میں باہر کے پردیسی نادار طلبہ تو نہیں پڑھتے ہیں ، لیکن زکوٰۃ صدقۃ الفطر وغیرہ انکو دیا جاتا ہے، اوران ہی پیسوں سے مدرسوں کی تنخواہیں اور تعمیر مدرسہ کیجاتی ہے ،بعض دل کو سمجھانے کیلئے تملیک کرالیتے ہیں ان ہی میں سے ایسے سے جو فوراً مدرسہ کو واپس کردے ، اگر واپس نہ کرے بلکہ ان پیسوں سے اپنے اخراجات رفع کرے تو ہرگز اہل مدرسہ اس سے خوش نہ ہونگے ، بلکہ آئندہ کبھی بھی اس سے تملیک

نہ کرائیں گے، صورت مذکورہ میں کیا ان پیسوں سے مدرسوں کی تنخواہ وتعمیر مدرسہ کرانا جائز ہے؟ اس سے مدرسوں پر تو کوئی جرم عائد نہیں ہوتا؟ کیا زکوٰۃ، صدقۃ الفطر ادا ہوجائیگا؟ اور کن وجوہات کی بنا پر علماء کرام اس طرف راغب ہوتے ہیں، کہ کوئی بھی چھوٹے بڑے اس طرف دھیان نہیں دیتے عنداللہ ماخوذ تو نہیں ہونگے؟ اس طریقہ سے بیان کیجئے کہ کوئی اشکال نہ رہے؟ مہربانی ہوگی؟

المستفتي: مہتمم مدرسہ خزینۃ العلوم، موضع، کلڑیا معافی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مکتب کی ضروریات مقامی انداز سے پوری ہوجاتی ہے، تو مکتب کے مدرسین وتعمیر کیلئے زکوٰۃ، صدقۃ الفطر وغیرہ کا تملیک کرانا جائز نہیں ہے، اور اس میں شامل ہونے والے سب لوگ گنہ گار ہونگے۔

وأما الاحتیال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان الخ. (عمدۃ القاری شرح بخاری، داراحیاء التراث العربي بیروت ۲٤/ ۱۰۹، زکریا دیوبند ۱۶/ ۲۳۹)

(وقوله) عن محمد بن الحسن قال لیس من أخلاق المؤمنین الفرار من أحکام اللّٰه بالحیل الموصلة إلیٰ إبطال الحق الخ. (عمدۃ القاری، ۲٤/ ۱۰۹، فتح الباری ۱۲/ ۳۲۹، فیض الباری ٦/ ٤۱۸)

نیز حیلۂ تملیک کی اجازت جو دی گئی ہے، وہ نہایت مجبوری اور شدید ضرورت کی بنا پر امور دینیہ کی ضیاع سے حفاظت کیلئے ہے اور یہ حیلۂ تملیک صرف ان مدرسوں میں جائز ہے جن کی ضرورت حیلۂ تملیک کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو شروع میں ترغیب دئے بغیر مال زکوٰۃ کا مالک بنادیا جائے اور فقیر اس پر قابض ہوجائے، پھر بعد میں فقیر کو اس طرح ترغیب دیجائے کہ فلاں کارثواب میں یہ مال دیدو اور فقیر اس کام میں دیدے تو مالک کے زکوٰۃ کا ثواب مل جائیگا اور اس کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور فقیر کو کار خیر کا ثواب ملیگا! (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۳)

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذا التقرب الخ. (الدر المنتقیٰ شرح ملتقیٰ الأبحر، کتاب الزکاۃ، باب في بیان أحکام المصارف، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۳۲۸، قدیم ۱/۲۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۰۹/۱/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۴۷)

زکوٰۃ کی رقم حیلہ کے بعد اساتذہ کی تنخواہ اور تعمیر میں لگانا

سوال: [۴۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک مسجد کے اندر مقامی طلبہ کو تعلیم دینے کیلئے ایک پرائیویٹ مدرسہ قائم کیا ہے، اوراس میں کچھ اساتذہ کو متعین کر دیا ہے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے اب ظاہری بات ہے کہ استاذ کو بھی تنخواہ چاہئے تو اس کے لئے بچوں سے فیس لے کر اور مدرسہ کے ممبران وغیرہ سے پیسے وصول کر کے استاذ کو تنخواہ دی جاتی ہے، اور بقیہ دوسری ضروریات میں خرچ کیا جاتا ہے، لیکن پھر بھی مدرسہ کا کام نہیں چل پا رہا ہے، اور بچوں کی تعداد زیادہ ہو چکی ہے جس کی وجہ سے جگہ کافی تنگ ہے اسلئے انھوں نے سوچا کہ مسجد کے باہر ایک زمین ہے، اس میں مدرسہ تعمیر کر لیا جائے ٹھیک ہے تو اسکے لئے انھوں نے پیسے کی تنگی کی وجہ سے قربانی کا چمڑا لینا شروع کر دیا اور لینے کا حق بھی بنتا ہے اب رہی بات حیلہ تملیک کی تو اس مکتب میں کوئی ایسا غریب نادار طالب علم نہیں پڑھتا ہے جس سے حیلہ تملیک کرایا جائے سب کے سب مقامی ہی طلباء ہیں، تو اس کے لئے لوگوں نے ایک تدبیر سوچی کی کسی فقیر یا مسکین کو یہ پیسہ دیکر حیلہ تملیک کرالیا جائے تا کہ کم از کم مدرسہ کی تعمیر ہو جائے، جو کہ مسلمانوں کے لئے ایک اہم فریضہ ہے۔ اب اس مسائل کے اندر آپ سے یہ بات پوچھنی ہے کہ کیا اس

مدرسہ والے کو چمڑے کے پیسے لینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر صحیح ہے تو کیا اس طرح چمڑے کے پیسے کو کسی فقیر سے حیلہ کرانے کے بعد مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا مدرسہ کے کسی رکن میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ جیسا کہ اس عبارت سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ تملیک کرانے کے بعد خرچ کرنا صحیح ہے۔

وحیلة التکفین التصدق بها علی فقیر ثم یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد. (الرد المختار ، کتاب الزکوٰۃ کراچي ۲/۲۷، زکریا ۳/۱۹۱)

اور دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بریرہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو ہانڈی میں گوشت بن رہا تھا تو حضور ﷺ نے اس گوشت کو مانگا تو بریرہؓ نے کہا کہ یہ صدقہ کا گوشت ہے آپ ﷺ نے کہا کہ یہ تمہارے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے ان سب باتوں سے یہی معلوم ہوتا ہیکہ چمڑے کا مال کسی فقیر کو مالک بنا کر پھر اس سے لیا جائے تو درست ہو جائے گا۔ ویسے تو یہ پیسہ دینی ہی کام میں خرچ کیا جاتا ہے نہ کہ کسی دوسرے کام میں جیسا کہ عام طور سے دیکھا گیا سرکاری اور غیر سرکاری مدرسہ والے پیسہ کا حیلہ تملیک کرا کے اسکو جہاں چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، کسی کا اس میں کوئی اعتراض نہیں رہتا۔ برائے مہربانی اس باریک مسئلہ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح جواب عطا فرما کر ممنون ومشکور ہوں؟

المستفتی: مولوی شاہد جمال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں صاف الفاظ میں اس بات کو ذکر کیا جا چکا ہے کہ جو بچے پڑھتے ہیں، وہ سب صاحب حیثیت لوگوں کے بچے ہیں، اور انہیں کے بچوں کی تعلیم کیلئے سارے مسائل کا مدار ہے تو ایسے حالات میں صاحب حیثیت لوگوں کے بچوں کی تعلیم کی غرض سے زکوٰۃ کے پیسوں کا حیلۂ تملیک کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ صاحب حیثیت لوگوں سے امدادی رقم جمع کرکے تعمیر میں لگانا چاہئے لہٰذا زکوٰۃ اور چمڑے کے پیسوں کا حیلۂ تملیک کرکے غریبوں اور فقیروں کا حق سرمایہ داروں کی اولاد کی تعلیم کیلئے ضائع نہ کیا

جائے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے، ہاں البتہ غریب بچوں کی تعلیم کیلئے استاذ کی تنخواہ کا انتظام امدادی پیسوں سے نہ ہو سکے تو مجبوری کے تحت حیلۂ تملیک کرا کے زکوٰۃ و چمڑے کے پیسوں کا استاذ کی تنخواہوں میں صرف کرنے کی ضرورۃً گنجائش ہے مگر تعمیر میں لگانا ایسی ضرورت نہیں ہے، جس کی وجہ سے فقراء ومساکین کے حق کو حیلہ کر کے استعمال کیا جائے، جیسے مسجد میں تعلیم ہو رہی ہے ایسے ہی مسجد میں تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا جائے، جب امدادی رقم کا انتظام ہو جائے، تو تعمیر کر دیجائے، اور درمختار کی جو عبارت تکفین وتعمیر مسجد کیلئے حیلہ سے متعلق نقل کی گئی ہے وہ ایسی ضرورت کے وقت میں ہے کہ کفن خریدنے کیلئے زکوٰۃ کے پیسے کے علاوہ کوئی دوسری شکل نہ ہو ورنہ بغیر کفن کے دفن کرنے کی ضرورت پیش آجائے اسی طرح مسجد کی تعمیر کیلئے کسی قسم کا نظم نہ ہونیکی وجہ سے لوگ نماز ہی نہ پڑھتے ہوں اور مسجد بننے کی صورت میں لوگ نماز پڑھیں گے اور جماعت کیساتھ پڑھیں گے مگر تعمیر مسجد کیلئے کوئی شکل نہیں ہے تو ایسی سخت ضرورت میں حیلۂ تملیک کر کے اتنی تعمیر کی گنجائش ہے جتنے میں لوگ نماز پڑھ سکیں اور اتنا کام چھپر کے ذریعہ سے بھی ہو سکتا ہے پھر اس ضرورت کے پوری ہونے کے بعد حیلۂ تملیک کی اجازت نہیں ہے، یہی درمختار کی عبارت کا مطلب ہے اور موجودہ سوال میں کسی حد تک مسجد میں تعلیم جاری ہے نیز بعض لوگوں نے درمختار کی اس عبارت سے حیلۂ تملیک کے جواز کا مسئلہ بتایا ہے تو اس سے سرمایہ داروں نے حیلۂ تملیک کر کے بڑے بڑے اسکول اور ہسپتال وغیرہ کیلئے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کر دیں اور مد زکوٰۃ کے کروڑہا روپئے اسکولوں وہسپتالوں میں خرچ ہو رہے ہیں، مگر دینی مدارس جوں کے توں رہ گئے اس لئے حیلہ تملیک کر کے تعمیر کے جواز کا مسئلہ بتانا خود دینی مدراس کیلئے نقصان دہ ہے۔ فقہاء ومحدثین نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان وقال النسفي في الكافي عن محمد بن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق. (عمدة القاری، زکریا ۱۶/ ۲۳۹، بیروت

۲٤/۱۰۸، ۱۰۹، المبسوط للسرخسی ۳۰/۲۱۰، فتاویٰ عالمگیری، زکریا دیوبند ۶/۳۹۰، جدید ۶/۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

زکوٰۃ، صدقہ، چرم قربانی کی رقم تنخواہ وتعمیر میں لگانے کی ممانعت

سوال: [۴۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر مرادآباد میں ایک مدرسہ ہے جو کہ قرآن کریم کی تعلیم اور دینی تعلیم سے بچوں کو آراستہ کررہا ہے، اسمیں داخل بچوں کی تعداد لگ بھگ ۱۵۰؍ایک سو پچاس ہے، اورسب کے سب شہری ہیں، مدرسین ومعلماؤں کی تنخواہ وغیرہ سب بچوں کی ماہانہ فیس سے ادا کردی جاتی ہے، مدرسہ میں زیادہ تعداد لڑکیوں کی ہے اب جبکہ مدرسہ میں تعمیر نو کا کام یعنی بالائی منزل کی تعمیر ہونی ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ صدقات یا چرم قربانی کی رقم مدرسہ کے اخراجات کو پورا کرنے اور تعمیر میں لگانے کی گنجائش ہوگی۔ مہربانی فرما کر اس مسئلہ کی وضاحت کیساتھ جوابی شکل دیکر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتي: محمد اخلاق، کارخانیدار محلّہ کسرول، رحیم اللہ والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مدرسین کی تنخواہ اور تعمیرات میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کی رقم صرف کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اگر اس میں خرچ کریں گے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی جبکہ اس کو اس کا علم ہو۔

يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح

الطرقات وكري الأنهار والحج، والجهاد وكل مالا تمليك فيه الخ.

(الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳۴٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۵۰۹)

مدرسہ کے مدّ زکوٰۃ کی رقم بطور قرض لیکر مسجد کی تعمیر میں لگالیا تو کیا کریں؟

سوال: [۴۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مدرسہ اور محلّہ کی مسجد کے ذمہ داروں کی ایک ہی کمیٹی تھی اس کمیٹی میں چند با اثر لوگوں نے محلّہ کی مسجد میں تعمیر کے وقت جب روپیوں کی ضرورت پڑی تو مدرسہ کی رقم جسمیں اکثر حصہ صدقات واجبہ کا ہے نکال کر مسجد کی تعمیر میں صرف کردی جب اس کا علم دیگر لوگوں کو ہوا تو انھوں نے کمیٹی کے ان چند افراد سے باز پرس کی تو اس وقت انھوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم نے یہ رقم مدرسہ سے بطور قرض لی ہے، جو مسجد کی آمدنی سے واپس کردی جائیگی مسجد کی تعمیر کو چھ یا سات سال کا عرصہ گذر چکا ہے اب لوگوں نے ان سے اس رقم کا مطالبہ کیا اب کمیٹی اس رقم کو دینے سے انکار کرتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ مسجد کی آمدنی اتنی نہیں ہے ہم کہاں سے یہ رقم ادا کریں، اب مفتی صاحب سے سوال یہ ہے کہ مدرسہ کی رقم بطور قرض مسجد میں لگا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو معطیین کی زکوٰۃ کی جو رقم مسجد میں لگ چکی ہے اس سے ان کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ کمیٹی کے ذمہ دار اس قرض کے نہ دینے سے گنہگار رہوں گے یا نہیں؟ اگر مسجد کی آمدنی اتنی نہ ہو تو اس مدرسہ کے قرض کو ادا کرنے کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ کمیٹی پر یا اہل محلّہ پر جنکے ماتحت وہ مسجد ہے یا مسجد کی جتنی بھی آمدنی ہو اس پر ہوگی اور اگر بالکلیہ قرض ادا کرنے سے یہ کمیٹی کے ذمہ دار منکر ہوجائیں تو ایسی مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مذکورہ تمام باتوں کا جواب دیکر شکریہ کا موقع

عنایت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: مولانا محمد ہارون قاسمی، رکن کمیٹی:
مدرسہ قاسم العلوم، قصبہ چلکانہ، ضلع سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کی وہ رقم جو مدز کوٰۃ میں سے ہے اس کو بطور قرض مسجد میں لگا لینے کے بعد مسجد کے ذمہ وہ پیسہ مدرسہ کو واپس کرنا ہر حال میں لازم ہے اور اس پیسہ کی ادائیگی کے ذمہ دار مسجد کے ذمہ دار لوگ ہونگے، اگر مسجد کے ذمہ دار اس پیسہ کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتے تو عامۃ المسلمین سے مسجد کے نام سے چندہ جمع کر کے ادا کرنا لازم ہے، اور مسجد کے ذمہ دار اگر اس طریقہ سے بھی ادائیگی کے اہل نہیں ہیں، تو ان کو ذمہ داری سے سبکدوش ہوجانا چاہئے جو اس کے اہل ہیں، ایسے افراد کو ذمہ دار بنا دینا چاہئے کیونکہ مسجد میں جو پیسہ لگا ہے وہ مدِز کوٰۃ کا ہے جس کو مسجد میں لگانا قطعی طور پر جائز نہیں، اسلئے اس پیسہ کی واپسی مسجد کے اوپر ہر حال میں لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۴۸)

أخرج عبد الرزاق عن الثوری قال الرجل لايعطی زکوٰة ماله من يحبس علی النفقةمن ذوی أرحامه ولا يعطيها فی كفن ميت ولا دين ميت ولابناء مسجد الخ. (مصنف عبدالرزاق، الزكاة، باب لمن الزكاة، المجلس العلمي بيروت ٤/١١٣، رقم: ٧١٧٠)

يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة لا يصرف إلیٰ نحو بناء مسجد ولا إلیٰ كفن ميت. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف، كراچی ٢/٣٤٤، زكريا ديوبند٣/٢٩١، هنديه زكريا ١/١٨٨، جديد ١/٢٥٠، تاتار خانية زكريا٣/٢٠٨، رقم: ٤١٤٠)

ليس للمتولی إيداع مال الوقف .... ولا إقراضه فلو أقرضه ضمن وكذا لمستقرض. (البحر الرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/٢٣٩، زكريا٥/٤٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۱/۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/۱۱۳۸۴)

زکوٰۃ،صدقات،فطرہ اور چرم قربانی کی رقم مسجد میں استعمال کرنا

سوال: [۴۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے مکتب میں زکوٰۃ ،صدقات،فطرہ چرم،قربانی کا روپیہ مبلغ **۴۰۰۰**/ ہے اب سوال طلب امر یہ ہے کہ مسجد کی دیوار گرنے کے قریب ہے اور چھت بھی ڈلوانا ضروری ہے،اور فی الحال اتنی رقم کا جمع ہونا جس سے مسجد کی دیوار درست کی جا سکے مشکل ہے ،جبکہ ہم اس قرض کو بہت جلد چار ماہ کے اندر اندر ادا کرنے کی کوشش کریں گے،قرآن و احادیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: جابر حسین ،گاؤں بھینسیا،مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی رقم مستحق کو دینے سے پہلے وکیل کیلئے بطور قرض صرف کرنا جائز نہیں ہے،اس لئے سوالنامہ کی درج شدہ صورت میں مسجد کیلئے بطور قرض استعمال جائز نہیں ہوگا۔

الوكيل بدفع الزكوٰة إذا أمسک دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صح ، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً، على نفسه مثلاً ، ثم دفع من ماله فهو متبرّع الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/صفر ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲٦/۲۱۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/۲/۵ھ

زکوٰۃ کی رقم مسجد کی دوکانوں میں لگانے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوگی

سوال: [۴۴۹۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد سے علاحدہ مسجد کی دوکانیں ہیں انکی مرمت وغیرہ زکوٰۃ وفطرات کی رقم سے کرسکتے ہیں یانہیں؟ جبکہ دوکانیں مسجد سے بالکل علیحدہ ہیں، حضرت والا سے دست بستہ درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: عبدالحفیظ، اغوانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عدم تملیک کیوجہ سے ناجائز ہے۔

يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لاإباحةً. (الدر المختار مع الشامی، کراچی ۲/ ۳۴٤، زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۲/۲۳)

زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ کی رقم سے مسافرخانہ تعمیر کرنا

سوال: [۴۴۹۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ کی رقم سے مسافرخانہ تعمیر کرسکتے ہیں یانہیں؟

المستفتی: عبدالعظیم، بساتیان مسجد، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ فطرہ اورصدقۂ واجبہ کی رقم مسافرخانہ کی تعمیر میں خرچ کرنا جائزنہیں ہے۔

ولايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامية كبناء القناطر

والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار الخ. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ديوبند۳/ ۲۹۱ ، كراچی ۲/ ۳٤٤، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف مكتبه امداديه ملتان۱ / ۳۰۰، زكريا۲/ ۱۲۰، البناية ، كتاب الزكاة، باب مايجوز دفع الصدقات إليه، اشرفيه ديوبند۳/ ۲/ ٤٦٢ ، هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف ، زكرياديو بند۱ /۱۸۸، جديد ۱ /۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍۷؍۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۷؍۱۴۱۳ھ

مدزکوٰۃ سے فقراء کیلئے، مکانات، ہسپتال اور مدرسوں کی تعمیر

سوال: [۴۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر مدزکوٰۃ کے فنڈ سے زمین خریدنا چاہتا ہے جو کہ منصوبہ بنایا گیا ہے کہ اس کے پیش نظر زمین خریدی جارہی ہے۔

(۱) تعمیر مکانات برائے غرباء۔

(۲) قیام مدرسہ بسلسلہ قرآن پاک اردو وغیرہ۔

(۳) قیام اسپتال برائے غرباء۔

معلومات طلب یہ ہے کہ مدزکوٰۃ کے فنڈ سے میں اپنی تحریر بالا میں ذکر کردہ خواہشات کو پورا کرنے کا مجاز ہوں؟ کیا دائرۂ شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد کامل، محلہ ٹھیٹرہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر مکانات بنا کر غرباء کو مالک بنادیا جائے اوران میں آپ کا کوئی اختیار نہ رہے تو جائز ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

كما في الدر المختار يشرط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً الخ.

(الدر المختار، کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا۳/ ۲۹۱)

(۲) فقرا کو مالکانہ قبضہ دئے بغیر زکوٰۃ ادانہیں ہوگی، بلکہ اپنی طرف سے ایک تبرک ہوجائیگا۔

(۳) زکوٰۃ ادا نہ ہوگی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی فرض وواجب رہے گی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادئیگی میں فقیر کو مالک بنانا شرط ہے وہ یہاں مفقود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۶۵)

تملیک کے بعد مسجد ومدرسہ کی عمارت میں صرف کرنے والے کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی زکوٰۃ کی رقم ایک غریب مدرسہ کی امداد کے طور پر دینا چاہتا ہے، لیکن صورت حال یہ ہے کہ مدرسہ مذکورہ کے ارباب حل وعقد مذکور رقم کو کسی غریب وحاجت مند کے ذریعہ تملیک کرا کر خرید اراضی برائے توسیع مدرسہ ومسجد میں لگانا چاہتے ہیں، جس کا زید کو علم بھی ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم غریب مدرسہ کی امداد کے طور پر دینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: حکمت اللہ خاں، لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بمد امداد نہیں بلکہ بمد زکوٰۃ دی جائے اور مدرسہ کے ذمہ دار حضرات صحیح طریقے سے حیلۂ تملیک کرا کر اس قسم کی زمین کی خریداری کریں تو درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۳)

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء فتكون لرب المال ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذا التقرب الخ. (الدر المنتقیٰ شرح ملتقیٰ الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۲۸، قديم ۱/ ۲۲۲، شامی زکریا۳/ ۲۹۳،

کراچی ۲/۳٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رصفر ۱٤۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰٤/۲٤)

زکوٰۃ کی تملیک کرا کے عمارت میں لگانا

سوال: [٤٤۹٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ نور پور محلّہ اسلام نگر میں ہندو ماحول سے آئی ہوئی آبادی کے اندر قریبی اہل علم حضرات کے مشورہ سے حلقہ میں فقدان علم کی وجہ سے ساٹھ ہزار میں اٹھارہ سو میٹر جگہ کی بات کی گئی ہے، بیع نامہ دیدیا گیا ہے، بیعنامہ ان شاء اللہ ۳۱ رمارچ ۱۹۸۹ء کو ہوگا، حضرت اس تعلیمی درسگاہ کیلئے نہ پہلے سے کوئی اثاثہ تھا اور نہ اب ہے، صرف اہل خیر حضرات سے صدقہ، زکوٰۃ وصول کر کے تملیک صحیح کے بعد اس کا بیع نامہ ہوگا، اور بعد ازاں اسکا تعمیری پروگرام ہے آیا ایسی شکل میں کہ قوم کے نونہالان ضروری دینی تعلیم سے محروم ہیں، صدقہ زکوٰۃ وصول کر کے تملیک صحیح کے بعد اس کے بیع نامہ اور اس کی تعمیر پر خرچ کر سکتے یا نہیں؟ اس کے جواز کی شکل مذکورہ بالا ہی ہے یا اس کے علاوہ اور کوئی ہے حوالہ کے ساتھ تحریر فرما کر مشرف فرمائیں۔ ذرہ نوازی ہوگی۔

المستفتی: محمد فرقان، ساکن نور پور، محلّہ اسلام نگر، فتح آباد ضلع بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صدقۂ واجبہ اور زکوٰۃ فقراء کا حق ہے حیلۂ تملیک کے ذریعہ ان کے حق کو باطل کرنا ہے جو شرعاً ناجائز ہے، ہاں البتہ وہ امور دینیہ ضروریہ جن کے بغیر دین کی حفاظت ناممکن ہو اور ان کی حفاظت کیلئے امدادی رقم بھی نہ مل رہی ہو، تو ایسی صورت میں بقدر ضرورت حیلۂ تملیک کی اجازت ہے، اس لئے حیلۂ تملیک میں تساہلی برتنا

بڑی غفلت کی بات ہے، اگر ایسی مجبوریاں ان مدارس میں پیش آجائیں جن میں فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ فوقانی علوم کی تعلیم ہوتی ہو تو وہاں حیلۂ تملیک جائز ہے، لہٰذا اگر نور پور کے زیر تجویز تعلیمی درسگاہ میں فقہ، حدیث اور تفسیر ہی کی تعلیم مقصود ہے، اور وہاں کے لوگ امداد پر تیار نہیں ہیں، اور ضرورت بھی شدت سے ہے، تو حیلۂ تملیک شدہ صدقۂ واجبہ، زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں صرف کرنا جائز ہوگا، لیکن حیلہ کرنے والے عنداللہ گنہگار ثابت ہوں گے، نیز حیلہ کے علاوہ صرف رقم صدقۂ واجبہ کے جواز کی دوسری شکل بظاہر نہیں ہے۔

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فى الآثام لا بأس به بل هو مندوب إليه وإنما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان ، وقال النسفى فى الكافى عن محمد بن الحسن ، قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القارى شرح بخارى، داراحياء التراث العربى بيروت ٢٤/١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/٢٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍شوال ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۵۹)

بلا حیلۂ تملیک رقوم زکوٰۃ تعمیر میں لگانا

سوال: [۴۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے پاس کچھ زکوٰۃ کی رقم ہے، ہم اس سے ایک دینی مدرسہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، شریعت کی روشنی میں اس کا حل مفصل و مدلل تحریر فرمائیں، حیلہ کا صحیح طریقہ بھی لکھیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: ساکنان لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے، اور مدرسہ کی تعمیر میں شرط مفقود ہے اس لئے تعمیر مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم

صرف کرنا جائز نہیں ہے، اگر کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

لایصرف إلی بناء نحو مسجد الخ (شامی، مطبوعه کوئٹه مع الدر ۲/ ٦٨، کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریادیوبند۳)۲۹۳)

ضروریات دینیہ کے لئے اس طرح حیلہ کرنا جائز ہے کہ مالک زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو مالک بنادے پھر فقیر مالک کو ہبہ کردے یا خود تعمیر میں صرف کردے۔

الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء الخ. (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف، کوئٹه ۲/ ٦٩، زکریا۳/ ۲۹۳، کراچی ۲/ ۳٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۱/۲۴)

کیا زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے؟

سوال: [۴۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید نے اپنی زمین مدرسہ نسواں کیلئے اعلانیہ وقف کر کے اس میں چھوٹی موٹی عمارت قائم کرنے کی غرض سے چندہ کراتا ہے کہ پردہ میں رہ کر خواتین اساتذہ تعلیم دے سکیں، اور لڑکیاں پردہ میں رہ کر تعلیم حاصل کر سکیں تو کیا زید کا یہ عمل کہ تعلیم شروع ہونے سے قبل چندہ کرنا درست ہے؟

(۲) کیا بذریعۂ تملیک زکوٰۃ کا روپیہ تعمیر میں لگا سکتے ہیں؟

(۳) کیا دین کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: آصف الحسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱،۲) دینی مدرسہ قائم کرنے کیلئے چندہ کرنا جائز ہے، مگر تعمیر میں زکوٰۃ کا پیسہ لگانا جائز نہیں ہے، نیز جس مدرسہ کا ابھی وجود بھی نہیں ہے اس

کیلئے حیلۂ تملیک بھی ممنوع ہے کیونکہ حیلۂ تملیک ہر جگہ جائز نہیں ہے بلکہ جس میں حدیث قرآن فقہ کی تعلیم ہوتی ہے اس میں شدت ضرورت کی وجہ سے گنجائش ہے کیونکہ حیلۂ تملیک میں فقراء کا حق مارا جاتا ہے جس کی اجازت نہیں ہے۔

أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة. (هنديه، كتاب الحيل ٦/ ٣٩٠، جديد زكريا ٦/ ٣٩٣، الفتاویٰ التاتار خانية زكريا ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٦، عمدة القاری، داراحياء التراث العربي ٢٤/ ١٠٨، زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث/ ٦٩٥٣)

(۳) دین کی راہ میں رکاوٹ کی تفصیل سے آگاہ فرمائیں اس کے بعد شرعی حکم لکھا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۴/ ۱۴۱۸ھ

تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم

سوال: [۴۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے طلبہ کیلئے رہائش گاہ کی تنگی ہے باہر کے طلبہ کی کثرت کی بنا پر موسم سرد میں دوسرے کے مکان کا سہارا لینا پڑتا ہے اور مدرسہ کے پاس عطیہ فنڈ کی رقم نہیں ہے تو کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ وغیرہ کی رقم تعمیر میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ اگر لگ سکتی ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ واضح جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی رقم براہ راست مدرسہ کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے۔

ولا یصرف إلی بناء نحو مسجد الخ. (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریادیوبند۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤، ہندیہ زکریا۱/۱۸۸، جدید ۱/۲۵۰، البنایہ، اشرفیہ دیوبند۳/٤٦۲)

البتہ اگر زکوٰۃ کی رقم کسی نادار فقیر کو دیدی جائے، اور اسے مدرسہ میں دینے کی ترغیب دی جائے، پھر وہ اپنی مرضی اور خوشی سے مدرسہ کو دیدے تو اس رقم کو تعمیر میں لگانا جائز ہے۔

الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء الخ. (الدرالمختار، کراچی ۲/۳٤۵، زکریا دیوبند۳/۲۹۳، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳٦/۲٤۵، البحرالرائق، زکریا۲/٤۲٤، کوئٹہ ۲/۲٤۳، تبیین الحقائق، مکتبہ امدادیہ ملتان۱/۳۰۱، زکریا ۲/۱۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱٤۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/٤۷۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱٤۱۷ھ

مدرسہ کی عمارت میں زکاۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم

سوال: [٤٤۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حافظ صاحب بستی کے اندر ایک مکان میں بیٹھ کر اسی بستی کے بچوں کو دین اور قرآن کریم کی تعلیم وتربیت دیتے ہیں، اہل بستی کو رغبت اور حافظ صاحب کو اتنی وسعت حاصل نہیں کہ کچھ آراضی خرید کر مدرسہ کو وقف کردیں کیا وہ حافظ صاحب مدرسوں کی طرح عام طور پر یعنی زکوٰۃ وغیرہ کا چندہ کرکے مدرسہ کو بنیادی طور پر تعمیر کرسکتے ہیں، یانہیں؟ اگر صورت مسئولہ ناجائز ہو تو شریعت کی روشنی میں مشورہ دیں؟

المستفتی: شمشاد عالم، نورانی مسجد، براموپور، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کے پیسہ سے تعمیر جائز نہیں اور نہ ہی اس کیلئے

زکوٰۃ کی بطور حیلہ تملیک جائز ہے، ہاں البتہ سخت مجبوری میں تنخواہ کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے جس بستی کا سوالنامہ میں ذکر ہے کیا اس بستی میں کوئی مسجد نہیں، اگر مسجد ہے تو مسجد میں بیٹھ کر بچوں کی تعلیم قرآن کریم جائز ہے۔

يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لاإباحة كما مر لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته فى الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج، والجهاد وكل مالا تمليك فيه الخ.

(شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤، وهكذا فى البناية، اشرفيه ديوبند۳/٤٦٢، البحرالرائق زکریا۲/٤٢٤، کوئٹه ۲/۲٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۲۵ھ

زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں لگانا

سوال: [۴۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر زید کو اپنی زکوٰۃ دے کر یہ کہتا ہے کہ تم اس رقم سے دینی مدرسہ قائم کرلو جس میں بچے دینی تعلیم حاصل کریں تاکہ میرے بھائی اور والد کو ثواب پہونچتا رہے اب زید اس زکوٰۃ کی رقم سے کس طرح مدرسین کی تنخواہ ادا کرے اور مدرسہ کی عمارت تعمیر کرے اور اگر زید زکوٰۃ کی رقم سے مدرسین کی تنخواہ ادا کرتا ہے اور مدرسہ کی عمارت تعمیر کرتا ہے تو کیا یہ اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ یا پھر وہ کس طرح کام کرے؟

المستفتي: محمد زید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن

ہے، اس کی ادائیگی سرمایہ دار پر فرض ہوتی ہے، والد یا بھائی یا دیگر اعزہ کا ایصال ثواب زکوٰۃ کے پیسہ سے نہیں ہوتا بلکہ ایصال ثواب زکوٰۃ کے علاوہ دیگر امداد کی رقم سے صحیح ہوتا ہے، اب رہی یہ بات کہ زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہوں میں خرچ کرنا تو اس کیلئے حیلہ تملیک لازم ہے، اسکے بعد تنخواہوں میں دینا جائز ہے، لیکن ہر جگہ تعمیرات کیلئے حیلہ تملیک کی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/۲۰۴)

والاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان، وقال النسفيؒ عن محمد بن الحسن، قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاري، كتاب الحيل، باب الزكاة، داراحياء التراث العربي بيروت ۲۴/۱۰۹، زكريا ديوبند۱۶/۲۳۹، تحت رقم الحديث /۶۹۵۳، وهكذا في الهندية زكريا۶/۳۹۰، زكريا ۶/۳۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۴ھ

بلا ضرورت تعمیر کیلئے تملیک جائز نہیں

سوال: [۴۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند حضرات کافی عرصہ سے ایک مدرسہ چلا رہے ہیں، اب دو تین سال پہلے انھوں نے ایک عمارت ایک نیا مدرسہ قائم کرنے کیلئے خریدی جس کا نام بھی علیحدہ ہے اور اس کے پہلے مدرسہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس نئی عمارت کو خریدتے وقت اس میں کچھ گڑبڑی تھی جس کا مقدمہ اب تک چل رہا ہے ابھی تک کوئی فیصلہ بھی نہیں ہوا ہے نہ اس عمارت پر مدرسہ والوں کا قبضہ ہے نہ اس میں تعلیمی سلسلہ ہے مدرسہ والے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے اس کے مقدمہ میں لگاتے ہیں، مذکورہ بالا صورت میں ایسی عمارت کے مقدمہ کیلئے زکوٰۃ کی رقم کا تملیک کرانا اور اس رقم کو مقدمہ میں صرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت اس طرح

فرمائیں کہ بات بالکل واضح ہوجائے۔

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اس جگہ ایک دینی مدرسہ چل رہا ہے اوراس کے ذریعہ دین کی ترویج ہورہی ہے تو ایسی صورت میں ایک نیا مدرسہ قائم کرنے کیلئے عمارت خرید کر زکوٰۃ کی رقم کو مقدمہ میں لگانا جائز نہیں ہے کیونکہ بلا ضرورت تملیک بھی جائز نہیں ہے۔

قال فی شرح التنویر لا یصرف مال الزکوٰۃ إلیٰ بناء نحو مسجد وتحته فی الشامیة کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرق وکري الأنهار ، والحج والجهاد وکل مالاتملیک فیه . (الدر المختار ، کتاب الزکاة، باب المصرف مصری ۲/۵۸، کراچی ۲/۳٤٤، زکریا دیوبند۳/۲۹۱، فی عالمگیری زکریا٦/۳۹۲، جدید زکریا ٦/۳۹٥، البحرالرائق زکریا۲/٤۲٤، کوئٹہ۲/۲٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۰۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم رصفر ۱۴۲۰ھ

اراضی مدرسہ کی خریداری اور تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانا

سوال: [۴۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مال زکوٰۃ مدرسہ کی زمین کی خریداری اور تعمیر میں صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرما کر زحمت گوارہ فرمائیں؟

المستفتي: اراکین مدرسہ صدیق العلوم،
نئ آبادی، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بغیر تملیک فقراء کے زکوٰۃ ادا نہ

ہوگی اور بعد تملیک جائز رہے گا۔

کما فی الشامی تحت قول الدر المختار ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد و تحته فی الشامیة کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکري الأنهار والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیه الخ. (الدر مع الرد، کتاب الزکاة، باب المصرف مصری قدیم ۲/۸۵، زکریا ۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤، هندیه زکریا ۱/۱۸۸، جدید ۱/۲۵۰، البنایه اشرفیه دیوبند ۳/٤٦٢)

والحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء فتکون لرب المال ثواب الزکوٰة وللفقیر ثواب هذا التقرب الخ. (الدر مع الرد، کراچی ۲/۳٤٥، زکریا دیوبند ۳/۲۹۳، البحرالرائق زکریا ۲/٤۲٤، کوئٹه ۲/۲٤۳، تبیین الحقائق، مکتبه امدادیه ملتان ۱/۳۰۱، زکریادیوبند ۲/۱۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۱۲/۲۳)

زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر یا مدرس کی تنخواہ میں استعمال کرنا

سوال: [۴۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ وصدقات وخیرات وفطرہ کے روپیہ سے مدرسہ کی تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں نیز مدرس کی تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر کوئی ہندو مسجد کی تعمیر میں روپئے دے تو اس کا لینا کیسا ہے؟ یا کوئی مسلمان اگر مندر کی تعمیر میں روپیہ دے تو اس کا دینا کیسا ہے؟

المستفتي: شمیم اختر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ خیرات وصدقات وفطرہ کے روپیہ سے

مدرسہ کی تعمیر اور مدرسین کی تنخواہ نہیں دے سکتے اور اگر ہندو مسجد کی تعمیر میں نیک کام کی نیت سے دیتے ہیں، اور بعد میں لعن طعن کا اندیشہ نہ ہو تو درست ہے اور مسلمان کیلئے مندر کی تعمیر میں روپیہ دینا اعانت علی المعصیت ہے، لہٰذا درست نہیں۔

لایجوز أن یبنی بالزکوٰۃ المسجد (إلیٰ قوله) وکل مالا تملیک فیه الخ. (عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف زکریا ۱/۱۸۸، جدید ۱/۲۵۰، هکذا فی الشامی، کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱، الموسوعة الفقهية ۳٦/۲٤٥)

لو نوی الزکاة بمایدفع المعلم إلیٰ الخلیفة (إلی قوله) بنیة الزکاة. (هندیه، زکریا ۱/۱۹۰، جدید زکریا ۱/۲۵۲، احسن الفتاویٰ ٤/۲۵۲)

بخلاف بناء البیعة فإن ذلک معصیة فمن أعان علی بنائها یکون آثما. (قاضیخان، علی هامش الهندية زکریا ۳/٤۹۸، قاضیخان، جدید ۳/۳٦۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۱۵ھ

زکوٰۃ کی رقم بعد تملیک مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: [۴۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم کو بعد تملیک تعمیر مدرسہ پر خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خرچ تو کر سکتے ہیں، مگر حیلۂ تملیک ہر جگہ جائز نہیں ہے بلکہ جن مدرسوں میں اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے مثلاً فقہ حدیث تفسیر کی تعلیم ہوتی ہے جن امور پر

شریعت کا مدار ہے ایسے مدرسوں میں شدید ضرورت کی وجہ سے تنخواہ وغیرہ کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہوگی، محض تعمیر کیلئے حیلۂ تملیک جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی اہم ضرورت جس پر شریعت کا مدار ہو تعمیر نہیں ہے اس لئے تعمیر کے لئے حیلۂ تملیک کا جواز ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيلة الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (هنديه ، كتاب الحيل زكريا ديوبند٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣، ايضاح النوادر ١/ ١٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۲ھ

تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں صرف کرنا

سوال: [۴۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم بعد تملیک صحیح مدارس کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: رحمت اللہ مظاہری، تاجپور، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حیلہ ہر جگہ جائز نہیں ہے ایسے مدارس جن میں حدیث وتفسیر وفقہ اور حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہو اور امدادی فنڈ سے ضرورت پوری نہ ہوتی ہو اور طلبہ کے پڑھنے کیلئے جگہ کی سخت تنگی ہو اور تعمیر کی ایسی ضرورت ہے کہ اگر تعمیر نہیں ہوگی تو ان طلبہ کو مجبوراً تعلیم چھوڑ کر جانا ہوگا، اور تعمیر کیلئے امدادی رقم کسی طرح فراہم نہیں ہو پا رہی ہے، تو ایسی ناگزیر حالت میں ان طلبہ کی تعلیم کی بقا کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے نیز مکتب کیلئے اجازت نہیں ہے، اس کی ذمہ داری وہاں کے باشندوں پر ہوتی ہے نیز ابھی مدرسہ کا وجود بھی نہیں ہے، اور زکوٰۃ وصول کرکے حیلہ کرتے ہیں، اسکی ہرگز

اجازت نہیں ہے، لہٰذا آپ کا مدرسہ اگر ایسا ہے کہ اس میں بیرونی طلبہ رہتے ہیں، اور حدیث تفسیر فقہ اور حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اس میں وہ ساری مشکلات ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے، تو گنجائش ہے ورنہ مطلقاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان عن محمد بن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القارى، كتاب الحيل، داراحياء التراث العربي ۲۴/۱۰۹، زكريا ۱۶/۲۳۹، تحت رقم الحديث: ۶۹۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۰ھ

تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۴۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی آمدنی اخراجات سے کم ہے اس میں حیلہ کرکے زکوٰۃ کی رقم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حاجی محمد یسیین، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ درحقیقت فقراء ومساکین کا حق ہے سخت مجبوری اور شدید شرعی ضرورت کی بناپر ہی علماء نے بعض صورتوں میں حیلہ اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، مسجد کے اخراجات کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے کہ جس میں کمی کرنے سے کوئی شرعی حرج لازم آتا ہو لہٰذا ایسی صورت میں حیلہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔

ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق. (عمدة القارى، داراحياء التراث العربى ۲۴/۱۰۹، زكريا ۱۶/۲۳۹،

تحت رقم الحديث /٤٩٥٣، هكذا في الهندية ، زكريا ٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣، ايضاح النوادر/ ١٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۷۰)

تملیک کے بعد زکاۃ کی رقم تعمیر میں لگانا جائز ہے؟

سوال: [۴۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زکوٰۃ کی رقم بعد حیلۂ تملیک کے مدرسہ کی عمارت میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زاہد نے اپنا مکان مدرسہ کے واسطے وقف کیا اس مکان میں نچلے حصہ میں مدرسہ بنایا جا رہا ہے، اور اوپر کے حصہ میں رہائشی مکان تا کہ اس کی آمدنی مدرسہ کو آ سکے اس عمارت میں جو اوپر اور نچلے حصہ میں بنائی جا رہی ہے اس میں زکوٰۃ کی رقم بعد حیلۂ تملیک صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عزیز جان خزانچی، مدرسہ جامعہ عربیہ رحمانیہ، محلّہ بازیگران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱-۲) حیلۂ تملیک کر لیا ہے تو عمارت میں لگانا تو جائز ہو جائے گا، مگر اس طرح نفس حیلہ اختیار کرنا ہر جگہ جائز نہیں ہے، اگر اس عمارت کو بنا کر مدرسہ کی ضروریات میں نہ لگائی جائے تو دینی زبردست نقصان ہو سکتا ہے تو یہ حیلہ جائز ہو سکتا ہے اور اگر زبردست دینی نقصان کا خطرہ نہیں ہے یا امداد کی رقم سے عمارت بنائی جا سکتی ہے تو یہ حیلہ جائز نہیں ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ کی رقم غریب فقراء کا حق ہے عظیم ضرورت کے بغیر اس حق کو ضائع کرنا جائز نہ ہوگا۔

ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری، كتاب الحيل دارإحياء التراث العربی١٠٩/٢٤، زكريا ديوبند٢٣٩/١٦، تحت رقم الحديث/٦٩٥٣، وهكذا فی الفتاویٰ التاتار خانية زكريا ٣١١/١٠، رقم: ١٤٨٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۷۶)

بغیر تملیک کے زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ بنانا اور اسکول کیلئے کرایہ دینا

سوال: [۴۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جمالیہ قصبہ گوھاور، بجنور میں واقع ہے جسکا قیام ۱۹۴۹ء میں ایک عظیم شخصیت کے ذریعہ دین کی بقا کی غرض سے وجود میں آیا، ۱۹۴۹ء سے ۱۹۹۰ء تک خالص دینی مرکز کی حیثیت سے گامزن رہا اور سینکڑوں حفاظ وقراء علوم قرآنیہ سے فیضیاب ہوکر سیراب ہوئے ۱۹۹۰ء میں ضرورت وقت کے مطابق ہندی انگلش جونیئر ہائی اسکول کی ضرورت پیش آئی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور پر مدرسہ کی اراضی چھ ماہ کیلئے دیدی گئی جس کا کرایہ ماہوار دینا طے ہوا اب اس میں چھ ہال اور بہت بڑے میدان میں مدرسہ ہے جس کا رقبہ کئی بیگھہ ہے چہار جانب باونڈری اور چھ ہال مکمل زکوٰۃ کی جائیداد ہے، اور اس میں باقاعدہ حکومت کے قانون کے مطابق جونیئر ہائی اسکول چل رہا ہے، اور اس میں غیر شرعی طریقہ پر غیر مسلم لڑکیاں تعلیم دیتی ہیں، اور وہ تمام جائیداد مدرسہ کی حکومت کو لکھ کر منظوری لے گئی ہے، اور مدرسہ کا وجود بالکل ختم ہو رہا ہے اب ان حالات میں مدرسہ کی بقا کے لئے کیا کرنا چاہئے، جو بھی قرآن وحدیث کا فیصلہ ہو تحریر فرمائیں؟

المستفتي: ڈاکٹر سید سکندر حسن ایم ایچ انصاری، مہتمم جامع مسجد، گوھاور، ضلع بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ عربیہ کی وہ املاک جو مدزکوٰۃ سے خریدی گئی ہیں، ان کو بغیر تملیک کئے خریدنا درست نہیں تھا، مدرسہ کی عمارت کو اسکول کیلئے کرایہ پر دینا قطعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا اول فرصت میں اسکول سے مدرسہ کی عمارت کو خالی کرالیا جائے اور اس میں دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کرلیا جائے، جن لوگوں نے مدرسہ کی عمارت کو اسکول کیلئے دیا ہے وہ سب گنہگار رہوں گے۔

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، کتاب الوقف، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا٦/٦٦٥)

شرط الوقف كنص الشارع . (شامی، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا٦/٦٤٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر رجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۴ھ

زکوٰۃ فطرہ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں صرف کرنا

سوال: [۴۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا زکوٰۃ فطرہ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں خرچ کر سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد نصیر الدین، نور پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : زکوٰۃ فطرہ نیز دیگر صدقات واجبہ کی رقم مدرسہ کی عمارت میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ مستحق فقراء ومساکین میں تقسیم کرنا واجب ہے، جن میں مدارس اسلامیہ کے طلبہ سرفہرست ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۲۰۷، امداد المفتیین ۱/۳۶۲)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (التوبه: ٦٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه . (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲ /۳٤٤، زكريا ديوبند ۳/۲۹۱، هنديه ، ۱/۱۸۸، جديد ۱ /۲٥۰ ، تبيين الحقائق ، مکتبه امداديه ملتان ۱/۳۰۰، زكريا۲/۱۲۰، البناية، اشرفيه ديوبند۳/٤٦۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٦/۲٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۲/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۶ھ

زکوٰۃ وچرم قربانی کی رقم سے مدرسہ کی زمین خریدنا اورتعمیر کرنا

سوال: [۴۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی والوں نے دینی تعلیم کیلئے مدرسہ قائم کرنا چاہا ابھی قائم نہیں کیا نام رکھ کر رسیدات چھپوا کر زکوٰۃ وچرم قربانی جمع کیں پھر اس سے زمین خریدی پھر آئندہ سال زکوٰۃ وچرم قربانی سے تعمیر کرانے کا ارادہ رکھتے ہیں، ایسا مدرسہ جس میں تعلیم شروع نہیں ہوئی نہ کوئی عمارت ہے صرف کاغذ پر نام ہے کیا ایسے مدرسہ کو زکوٰۃ وچرم قربانی دینا جائز ہے؟

المستفتي: محمد اطہر، کتب فروش، افضل گڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ وچرم قربانی کے پیسہ سے مدرسہ کیلئے زمین خریدنا اور مدرسہ کی عمارت کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، اگر زکوٰۃ دہندگان کو معلوم ہونے کے باوجود ایسی جگہ زکوٰۃ دیں تو ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ان پر زکوٰۃ کا فریضہ باقی رہے گا اور دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا، اور زکوٰۃ وچرم قربانی کا پیسہ صرف ان مدارس میں دینا چاہئے جن میں باقاعدہ مطبخ ہو اور طلباء کو کھانا دیا جاتا ہو۔

ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته فى الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليک فيه الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا ديوبند ۳/ ۲۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۹۹)

زکوٰۃ، صدقات یا چرم قربانی کا روپیہ تعمیر مدرسہ میں لگانا

سوال: [۴۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھیڑا ٹانڈہ مسجد قبرستان کی جانب غسل خانے اور وضو کی نالی کنواں وغیرہ خارج مسجد ہے مزید کچھ جگہ خالی پڑی ہوئی تھی، جملہ جگہ کو شامل کر کے امدادی رقم جمع کر کے تعمیر کرادی اور اس پر وسیع اور عریض لنٹر او پر مکتب خیر العلوم کے نام سے ڈال دیا اہل محلّہ کو امام کی سخت پریشانی رہتی ہے صرف امامت کیلئے کوئی آدمی تنخواہ کے قلیل ہونے کی وجہ سے نہیں ملتا، لہٰذا مدرسہ کی غرض سے تعمیر کرادی کہ وہی مدرس نماز بھی پڑھائے گا، دونوں جگہوں کی تنخواہ کفایت کر جائے گی، مولوی محمد شفیع قاسمی، نے محلّہ سے زکوٰۃ صدقات چرم قربانی وصول کیں اور روپیہ تعمیر میں تملیک کر کے خرچ کر دیا اور مسئلہ یہ بتایا کہ مجبوراً ان رقوم کی تملیک کرا کے تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے، پورا محلّہ مسائل کے بارے میں ان سے اتفاق رکھتا ہے خود انھوں نے زکوٰۃ چرم قربانی اسی مدرسہ میں دی ہیں؟

(۲) مولوی حفظ الرحمٰن صاحب سابق نائب مہتمم مدرسہ شاہی نے بتایا کہ تم لوگ اپنی زکوٰۃ چرم قربانی غارت کر رہے ہو تعمیر میں یہ رقم خرچ نہیں ہوگی نوعمر لوگ اور نئے فارغ مولوی لوگ ان کے ساتھ ہیں دونوں میں سے کس کی بات شریعت کے مطابق ہے اس سال پارٹی بن گئی ہے جواب بحوالہ کتب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عبدالشکور، عبدالغفار، محمد فہیم، محمد یعقوب، ساکنان، کھیڑہ ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حیلۂ تملیک کے بعد زکوٰۃ صدقات چرم قربانی کی رقم تعمیر اور تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے لیکن حیلۂ تملیک مکتب چلانے اور مسجد کے امام کی تنخواہ پوری کرنے کیلئے اور مکتب کی تعمیر کیلئے ہرگز جائز نہیں ہے اور ایسے امور کیلئے حیلہ کرنے والے گنہگار ہوں گے، نیز زکوٰۃ دہندگان کو اگر معلوم ہے اور معلوم ہوتے ہوئے وہاں زکوٰۃ دیں تو تملیک کی وجہ سے ان کا فریضۂ زکوٰۃ تو ادا ہوجائے گا لیکن ثواب کی کوئی امید نہیں ہے، کیونکہ اس سے زکوٰۃ وصدقات کی روح ختم ہوجاتی ہے اور فقراء اور مستحقین کا حق مارا جاتا ہے، اور مذکورہ امور میں کھیڑا ٹانڈہ جیسے علماء وحفاظ کے علاقہ میں حیلۂ تملیک ایسی شرعی ضرورت کیلئے نہیں ہے، کہ جن امور کے بغیر وہاں کے لوگ دین اسلام سے دور ہوکر گمراہی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، لہٰذا شاید مولانا محمد شفیع صاحب کو یوں دھوکہ ہوگیا ہو کہ تملیک سے زکوٰۃ تو ادا ہوجاتی ہے لیکن اس طرف خیال نہ ہوا ہو کہ ہر جگہ حیلہ تملیک جائز نہیں ہے بلکہ ثواب سے محرومی ہوتی ہے، اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا قول حفاظت کیلئے گنجائش ہوتی ہے اور وہاں اگر حیلہ تملیک نہ کیا جائے تو عام لوگوں کا حرام اور گمراہی میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، اسلئے مذکورہ صورت میں حیلہ تملیک جائز نہ ہوگا۔

الاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع في الآثام لابأس به بل هو مندوب إليه الخ. (عمدة القاری، کتاب الحیل، داراحیاء التراث العربی ۱۰۸/۲۴، زکریا دیوبند ۲۳۹/۱۶، تحت رقم الحدیث: ۶۹۵۳، وهكذا فی الهندیة زکریا دیوبند ۳۹۰/۶، الفتاویٰ التاتارخانیة ۳۱۱/۱۰، رقم: ۱۴۸۴۵)

وليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة

إلیٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری ، داراحیاء التراث العربي، ٢٤/١٠٩، زكريا ديو بند١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث: ٦٩٥٣، وهكذا فی الهندية زكريا ديو بند٦/ ٣٩٠، الفتاویٰ التاتارخانية ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۱؍۱۴۱۲ھ

(۱۰) باب: سفراء کے احکام

سفراء مدارس اور عاملین کے درمیان کیا فرق ہے؟

سوال: [۴۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت والا نے ایضاح النوادر حصہ دوم صفحہ۵۳ و۵۴ پر تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سفراء مدرسہ العاملین علیہا الآیۃ کے مصداق نہیں ہیں، اکثر اکابرین کی بھی یہی رائے ہے اسکی علت کیا ہے؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں تفصیل فرمائی ہے مگر اس تفصیل کے اعتبار سے تو سفراء مدرسہ کا طلبہ کے وکیل نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اور پورا مدار اس بات کو ماننے پر ہے جبکہ دیگر اکابرین کی رائے یہ ہے کہ طلبہ جس طرح وکلاء معطیین ہیں، اسی طرح وکلاء آخذین بھی ہیں جیسا کہ آنجناب نے بھی ایضاح النوادر ۲/ ۱۵ پر صراحت فرمائی ہے تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جب راجح قول یہی ہے کہ سفراء مدرسہ طلبہ و معطیین دونوں کے وکلاء ہیں، تو پھر العاملین علیہا کا مصداق بھی قرار دینا چاہئے جیسا کہ حضرت مفتی مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کا فتویٰ ہے، اور اگر العاملین علیہا کیلئے حکومت کی طرف سے مقرر ہونا شرط ہے تو کیا جب اسلامی حکومت نہ ہو بیت المال نہ ہو اور یہ کام علماء امت انجام دے رہے ہوں تو مہتممین مدارس کا تقرر حکومت کے تقرر کے قائم مقام نہ ہوگا، برائے کرم اس مسئلہ کو مدلل بیان فرما کر خلجان کو دور فرمائیں؟ خاص کر دونوں میں وجوہ فرق بیان فرما کر ممنون فرمائیں؟

(نوٹ) اگر یہ علت ہے کہ سفراء کی تنخواہ مقرر ہوتی ہے تو اگر مقرر نہ کریں اور عاملین بیت المال کی طرح وظیفہ کے طور پر بعد میں دیدیں تو اس وقت مصداق بن جائیں گے یا نہیں؟

المستفتی: محمد صبیح اختر، کشن گنجی،

متعلم شعبہ افتاء دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :(۱) آپ کےسوال کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سفراء مدارس اور عاملین کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور جب سفراء اور ارباب اہتمام عاملین کی طرح معطیین اور طلبہ دونوں کے وکیل ہوتے ہیں،تو عاملین اور سفراء کے درمیان کوئی فرق نہیں رہا، لہٰذا جس طرح عاملین کو مدز کوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز ہے اسی طرح سفراء کو بھی مدز کوٰۃ سے بلا حیلہ تملیک تنخواہ دینا جائز ہونا چاہئے؟ تو جواب یہ ہے کہ صرف ایک امر میں ہی تو برابری ہے باقی بہت سے ایسے امور ہیں جن میں برابری نہیں ہوسکتی ان میں سے نوامور بطور مثال یہاں درج کردیتے ہیں تاکہ دونوں کے درمیان کی علت افتراق واضح ہوجائے۔

(۱) عامل ایک دفعہ میں زکوٰۃ دہندہ کی پوری زکوٰۃ وصول کرتا ہےسفراءنہیں کرسکتے۔

(۲) زکوٰۃ دہندہ پرلازم ہے کہ مال زکوٰۃ عامل کے حوالہ کردے مگر سفراء کے حوالہ کرنالازم نہیں۔

(۳) عامل کو ہر صاحب نصاب سے زکوٰۃ وصول ہوتی ہے مگر سفراء کو نہیں ہوتی کسی نے دیا کسی نے واپس کردیا۔

(۴) عامل کے پیچھے قوت عسکری ہوتی ہے سفراء کے پیچھے نہیں ہوتی۔

(۵) عامل کی زکوٰۃ بیت المال صدقات میں جمع ہوجاتی ہے سفراء کی نہیں۔

(۶) عامل کی زکوٰۃ حکومت کے نظام کے تحت بلاکسی حیلہ جوئی کے مصرف میں صرف ہوتی ہے سفراء کی نہیں بلکہ اس میں اکثر حیلۂ تملیک بھی ہوتا ہے۔

(۷) عامل کے پاس صحیح طریقہ سے نظام حکومت کے تحت پہلے سے بیت المال موجود ہوتا ہے سفراء کے پاس نہیں۔

(۸) عامل کی زکوٰۃ کی حفاظت اور صحیح مصرف پر خرچ نظام حکومت کے تحت ہوتا ہے سفراء کی زکوٰۃ کیلئے منجانب حکومت کوئی انتظام نہیں۔

(۹) تمام عاملین کی زکوٰۃ ایک ہی نظام کے تحت صدقات کے بیت المال میں جمع

ہوتی ہے، پھرایک ہی نظام کےتحت پورے ملک کے مستحقین پر صرف ہوتی ہے اور سفراء اور مہتممین کیلئے یہ بات امکان سے باہر ہے کہ تمام مدارس کےتمام سفراء کی زکوٰۃ کیلئے ایک ملک گیر بیت المال اور پھراسی بیت المال سےتمام مدارس کےطلبہ کی تمام ضروریات پوری کی جاسکیں، آج سے تقریباً سات سال قبل جمعیۃ العلماء ہند نے بیت المال قائم کرنے کاارادہ کیا تھا، اوراسی عنوان سے دفتر میں ایک اہم میٹنگ بھی ہوئی تھی، مگر شرط نمبر ۹ کو پوری کرنے کی کوئی شکل نہیں تھی، اسلئے قائم نہ ہوسکا البتہ امارت فنڈ کے نام سے لوگوں نے میٹنگ میں ہی روپیہ جمع کردیا تھااب بعد میں اسکا نام بھی بیت المال پڑ گیا، بہرحال ہندوستان میں بیت المال کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں، اسلئے عاملین پر سفراء کو قیاس کر کے مدزکوٰۃ سے سفراء کی تنخواہ ادا کرنا صحیح نہیں ہوسکےگا۔

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ۷؍ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ میں معارف القرآن اورامداد المفتیین کی اس عبارت سے رجوع کا اعلان فرمادیا ہے جس میں مہتمم اور سفراء کو طلبہ کی طرف سے وکیل ہونے کاانکار فرمایا تھا، اوررجوع کے بعد حضرت مفتی صاحب مرحوم کا اختلاف باقی نہیں رہا۔ (جواہر الفقہ قدیم ۴/ ۳۸۷، جدیدزکریا ۳/ ۳۲۰) میں یہ اعلان موجود ہے۔

(۳) حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا اس مسئلہ میں اکابر سے ہٹ کرتفرد ہے اس کوکسی نے اختیار نہیں کیا ہے بہت ممکن تھا کہ اگر اکابر ملکران کوتوجہ دلاتے تو اپنے موقف سے رجوع فرمالیتے۔

(۴) اس مسئلہ میں مہتمم کوحکومت کے قائم مقام مانا نہیں جاسکتا ہے اور نہ ہی ارباب اہتمام کا فرستادہ سفراء کوحکومت کےفرستادہ عاملین کے قائم مقام مانا جاسکتا ہے بلکہ مدارس کا نظام ایک پرائیویٹ نظام ہے جوکبھی بھی نظام حکومت کے برابر یا اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍۳؍۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/ ۴۶۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۳؍۳؍۱۴۱۷ھ

کیا سفراء عاملین کے حکم میں ہیں؟

سوال: [۴۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سفراء مدارس عاملین کے حکم میں ہوں گے یا نہیں؟

المستفتي: مسعود احمد، متعلم دار العلوم دیو بند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارس کے سفراء عاملین کے حکم میں نہیں ہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے علاوہ تمام اکابر اہل فتاویٰ کی شرعی تعریف ان پر صادق نہیں آتی، لہٰذا! بلا تملیک مد زکاۃ سے ان کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ وصول یابی میں جو بھی رقم حاصل ہو سب کو اوّلاً مدرسہ کے دفتر میں جمع کریں، اس کے بعد مدرسہ کے فنڈ سے باضابطہ اپنی تنخواہ وصول کریں۔ (ایضاح النوادر حصہ دوم/۵۴، مکتبہ فرید بکڈپو، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۸، عزیز الفتاویٰ/ ۳۶۰، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۴، معارف القرآن اشرفیہ ۴/ ۳۹۹)

وأما العاملون فهم الذين نصبهم الإمام لاستيفاء صدقات المواشي، فيعطيهم مما في يده من مال الصدقة ما يكفيهم وعيالهم. (تاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، كوئٹه ٢/ ٢٦٨، زكريا ديو بند٣/ ١٩٩، رقم: ٤١٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۸ھ

مہتمم معطیین وطلبہ دونوں کا وکیل

سوال: [۴۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہتمم

مدرسہ زکوٰۃ دہندگان کا وکیل ہے یا مستحقین زکوٰۃ کا؟

المستفتي: مجاہدالاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مہتمم اور سفراء بالاتفاق معطیین کے وکیل ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ طلبہ اور فقراء کے بھی وکیل ہیں یا نہیں؟ تو اگر ان کو صرف زکوٰۃ دہندگان کی طرف سے وکیل تسلیم کیا جائے اور طلبہ کی طرف سے وکیل تسلیم نہ کیا جائے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہ ہوگی جب تک یہ لوگ مصرف میں خرچ نہ کردیں، لہٰذا اگر مصرف میں خرچ ہونے سے قبل ضائع ہوجائے تو معطیین کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس پر فریضۂ زکوٰۃ بدستور باقی رہے گا، لیکن اگر مہتمم اور سفراء کی طرف سے کوئی تعدی نہیں ہوئی ہے تو ان پر تاوان بھی لاگو نہیں ہوگا، نیز ایسی صورت میں جن مدارس میں زکوٰۃ کی رقم کئی کئی سال خرچ ہوئے بغیر جمع رہتی ہے اگر بقدر نصاب ہو تو ان کے معطیین پر ان سالوں کی زکوٰۃ بھی دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں اس کو خوب وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن اشرفیہ دیوبند۴/۱۶۹، تحت سورۃ توبہ آیت: ۶۰)

لیکن بعد میں ۵؍ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ کو امین اشرف متعلم شعبہ افتاء دارالعلوم کراچی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے صاف الفاظ میں اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کا اعلان کردیا ہے اور تمام اکابر کے اس فتویٰ کو تسلیم کرلیا ہے جسمیں مہتمم اور اس کے مامور کردہ حضرات کو فقراء کا وکیل ثابت کیا گیا ہے، ان کے قبضہ سے معطیین کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (جواہر الفقہ ۴/ ۳۸۸)

لیکن ہمارے اکثر اکابر اہل فتاویٰ نے مہتمم کو طلبہ اور معطیین دونوں کا وکیل تسلیم کیا ہے، اور طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے مہتمم اور اسکے ماتحتی لوگوں کے قبضہ کرنے پر زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوجاتی ہے، لھذا اگر طلبہ پر خرچ ہونے سے قبل بلا تعدی ہلاک ہوجائے تو معطیین کے وکیل اور امین ہونے کی وجہ سے ان پر کوئی تاوان لازم نہ ہوگا، اور طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے معطیین کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، نیز کئی سال سے جمع شدہ رقم پر کسی

شخص حقیقی کی ملکیت تامہ نہ ہونے کی وجہ سے ان سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا لازم نہ ہوگا۔

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ معطیین کے حق میں اہل مدرسہ بیت المال کے عمال کے مثل ہیں، اور طلبہ اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہٰذا نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ ہی معطیین زکوٰۃ واپس لے سکتے ہیں۔(مستفاد: فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۳۱۹)

اور یہی مضمون حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ دامت برکاتہم نے فتاویٰ محمودیہ میں نقل فرمایا ہے، کہ جب طلبہ نے مہتمم کے اہتمام اور انتظام اور قوانین تسلیم کرکے داخلہ لیا ہے تو گویا یوں کہدیا کہ آپ ہمارے وکیل ہیں۔(فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۹/ ۵۱۳، قدیم ۱۲/ ۲۱۸)

اور حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ نے بھی صاف اور واضح الفاظ میں مہتمم کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے۔(مستفاد: تذکرۃ الرشید ۱/ ۱۶۴، حاشیۃ فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۳۲۰)

اور قوت دلائل کی روشنی میں اگرچہ مہتمم کو طلبہ کا وکیل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے معارف القرآن میں نقل فرمایا ہے، لیکن اساطین امت اور اہل فتاویٰ کی ایک بڑی جماعت نے مہتمم اور اہل مدرسہ کو طلبہ کا وکیل قرار دیا ہے اسلئے یہی مسلم ہوگا، کہ مہتمم اور اہل مدرسہ اور سفراء معطیین اور طلبہ دونوں کی طرف سے وکیل ہوں گے۔

نیز حضرت تھانویؒ نے بھی امداد الفتاویٰ ترتیب قدیم مطبوعہ رحیمیہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے مذکورہ جواب کو تحریر فرمایا ہے جس سے شبہ اور تردد بالکل مرتفع ہوجاتا ہے۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ قدیم ۴/ ۲۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۳)

مہتمم وسفراء طلبہ ومعطیین دونوں کے وکیل

سوال: [۴۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس کے سفراء اور مہتمم معطیین کے وکیل ہوتے ہیں، یا طلبہ کے، معطیین کی طرف سے سفراء اور مہتمم کے ہاتھ میں پیسہ آنے کے بعد انکی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت گنگوہیؒ ،حضرت سہارنپوریؒ ،حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی شفیع صاحب کی آخری رائے کیا ہے اسکو واضح کریں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبداللہ، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس کے مہتمم اور سفراء معطیین اور طلبہ دونوں ہی کے وکیل ہوتے ہیں، لہٰذا جب معطیین کے ہاتھ سے پیسہ نکل کران حضرات کے ہاتھ میں آ گیا تو معطیین کی زکوٰۃ ادا ہوگئی حضرت گنگوہیؒ ،حضرت سہارنپوری، حضرت تھانویؒ کا فتویٰ یہی ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی پہلی رائے سے رجوع کر کے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/۲۲۶، جواہر الفقہ ۴/ ۳۸۷، امداد المفتیین / ۱۰۸۵، محمود یہ ڈابھیل ۹/ ۵۱۴، ۵۱۷، معارف القرآن ۴/ ۳۹۹، فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۳۱۹، تذکرۃ الرشید/۱۶۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۱/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۸۳)

چندہ کیلئے مدرسہ کی تصویر لینا

سوال: [۴۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس میں چندہ وصول کرنے کیلئے مدرسہ کی تعمیری عمارت کے ساتھ مہتمم صاحب ودیگر بعض

حضرات تصویر نکالتے ہیں، تاکہ لوگ اعتماد کرکے چندہ دیں جس سے مدارس کی ضرورتیں پوری ہوں، آیا اس طرح مدارس کی ضرورت وحاجت کی بناء پر علماء کا تصویر نکالنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں؟

المستفتي: مفتی حسام الدین، مقیم امراونی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کی تعمیری عمارت یا مدرسہ کی تیار شدہ عمارت کا فوٹو لینا بلاشبہ جائز ہے، اور وہ فوٹو چندہ دہندگان کو دکھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ جن فوٹو کی ممانعت ہے، وہ جاندار کی فوٹو ہے۔

عن سعيد بن أبي الحسن، قال: كنت عند ابن عباس رضي الله عنهما إذ أتاه رجل، فقال: يا أبا عباس، إني إنسان إنمامعيشتي من صنعة يدي، وإني أصنع هذه التصاوير – إلىٰ– فقال: ويحک، إن أبيت إلا أن تصنع، فعليک بهذا الشجر، كل شيئى ليس فيه روح. (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب بيع التصاوير، التى ليس فيها روح، ومايكره من ذلك، النسخة الهندية ١/٢٩٦، رقم ٢١٧٤، ف: ٢٢٢٥، مسند أحمد بن حنبل ١/٣٦٠، رقم: ٣٣٩٤، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٢/١٦٤، رقم: ١٢٧٧٢)

وفي رواية، فإن كنت لا بدفاعلا، فاجعل الشجر، ومالا نفس له. (مسند أحمد بن حنبل ١/٣٠٨، رقم: ٢٨١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

چندہ دہندگان کو اختیار ہے جس کو چاہیں دیں

سوال: [۴۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) آج بعض بڑے اداروں پر اہل خیر حضرات اعتماد کرکے مدارس ومساجد کی تعمیری کام کرانے کیلئے

رقمیں دیتے ہیں، ان بڑے اداروں کے پاس تعمیری کام کرانے کیلئے جو لوگ جاتے ہیں، ان سے یہ کہہ کر فائل جمع کرتے ہیں، کہ مدرسہ اور مسجد کے ضروری کاغذات بنائیں مثلاً درسگاہوں کیلئے آٹھ لاکھ کا بجٹ بنا کر فائل جمع کرتے ہیں، پھر اس کی منظوری ہوتی ہے، پھر جب رقم لینے جاتے ہیں، تو کہتے ہیں، کہ ابھی بجٹ نہیں ہے اور ٹال مٹول کرتے رہتے ہیں، پھر جب زیادہ تقاضہ کیا جاتا ہے تو ایک لاکھ دے کر کہہ دیتے ہیں، کہ کسی اہل خیر سے لیکر قرض کے طور پر کام کرالیں بعد میں آپ کو منظور شدہ رقم ادا کردی جائے گی، پھر جب جاتے ہیں، تو کہہ دیتے ہیں کہ آپ لیٹ آئے اسلئے آپ کی منظور شدہ رقم کسی دوسری جگہ میں صرف کردی گئی ،تو دریافت یہ کرنا ہے کہ جو رقم مدرسہ کیلئے یا مسجد کے لئے منظور ہوئی تھی کیا دیگر جگہوں پر صرف کرنے کا کوئی شرعی جواز ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح دیگر جو بڑے بڑے ادارے ہیں، جن پر عوام الناس کا اعتماد ہے ان کے پاس اہل خیر حضرات کثیر رقم جمع کردیتے ہیں، تاکہ جہاں مستحقین ہوں وہاں صرف کردیں، اور ادارے والے ان رقموں کو ایسی جگہوں پر صرف کرتے ہیں، جہاں لوگ خود خوشحال ہیں، اور خود کفیل ہیں جبکہ ان رقموں کے مستحقین صرف ارتداد زدہ علاقہ والے لوگ ہی ہیں، اور بہت سی جگہوں پر مسجد کا کام شروع کردیتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں، کہ کرسی تک کام بستی والے کرائیں، بعدہٗ مکمل ہم کرادیں گے، مگر جب کرسی تک کام کرادیا جاتا ہے تو اگلے کام میں ٹال مٹول کرتے ہیں، اور کام ادھورا پڑا رہ جاتا ہے، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا اس کا کوئی جواز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اللہ نور ابن عبد اللہ، مدرسہ جامعہ دار ارقم چانڈیا کلاں، رائپور، ضلع: بالی، صوبہ (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں درج کئے گئے دونوں سوالات کے بارے میں گذارش یہ ہے کہ چندہ دہندگان کو اختیار رہے کہ جہاں چاہیں اور جسکو چاہیں اپنا

چندہ دے دیں، لیکن اگر کسی سے کچھ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے تو وعدہ پورا کرنا لازم اور ضروری ہے ورنہ سخت گنہگار رہوں گے، اور چندہ دہندگان کے وعدہ پورا نہ کرنے کیوجہ سے اگر مدرسہ کا نقصان ہوا ہے تو اسکا گناہ چندہ دہندگان یا چندہ میں واسطہ بننے والے کے سر ہوگا، نیز چندہ دہندگان کی طرف سے مدرسہ یا مدرسہ کے ذمہ داران کو بلا وجہ ایذاء پہونچانا اپنے چندہ کے ثواب کو ضائع کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذىٰ. الآية: (بقرہ: ٢٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍۴؍۱۴۳۴ھ

کیا چندہ دہندگان کی آمدنی کی تحقیق لازم ہے؟

سوال: [۴۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لوگ مدرسہ میں ہمارے پاس پیسے لیکر آتے ہیں، یا ہم چندہ کرنے کیلئے جاتے ہیں، اور ہم لوگ ان پیسوں کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں کرتے تو کیا ایسا پیسہ استعمال کرنا جائز ہے نیز بہت سے لوگ ایک لاکھ دو لاکھ اور زائد بھی روپیہ دیتے ہیں، اور اگر تحقیق کی جائے تو عامۃً ایسے لوگ سود میں مبتلا ملتے ہیں، اور وہ لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں، کہ اگر ہم اپنی تمام آمد سرکار کے سامنے کردیں گے تو پھر ہم کو کوئی بھی نفع نہیں ملیگا، تو کیا ان کا یہ فعل جائز ہے جیسا کہ گاڑی بس وغیرہ کے مالکین حضرات! آج ہی ایک صاحب آئے اور مجھکو کچھ رقم دی اور میں نے ان سے کوئی تحقیق نہیں کی اور پھر انھوں نے وہ رقم واپس لے لی، اور پھر بہت کچھ کہا جو لکھنے کے قابل نہیں؟ دل میں بھی طرح طرح کے وساوس آئے آپ برائے کرم جواب سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: حافظ محمد فرحت، تجوید القرآن، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بغیر تحقیق کے چندہ کے پیسہ استعمال کرنا جائز ہے، صرف اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ چندہ دینے والے کے پاس جائز کاروبار بھی ہے، کچھ بھی تفصیل معلوم نہیں تو ان صورتوں میں چندے کے پیسے بلاتردد حلال وجائز ہیں، ہاں البتہ کسی مسلمان کے بارے میں معلوم ہوجائے کہ ان کے پاس حرام آمدنی کے علاوہ حلال کاروبار اور حلال آمدنی بالکل نہیں ہے یا حلال کمائی اور آمدنی اقل قلیل ہے، اکثر حرام ہے اور ایسے مسلمان کا چندہ ہمیں مل رہا ہے تو ہم کو یہی گمان کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں جو دیا ہے، وہ حلال ہے اسی کے ہم مکلّف ہیں، البتہ اگر کسی نے یہ تحقیق کرلی ہے اور یہ معلوم ہوا کہ اس کے پاس حلال کمائی بھی ہے اور حرام کمائی بھی اور دیتے وقت کچھ بھی تفصیل بیان نہیں کی کہ حلال میں سے دیا یا حرام میں سے تو چندہ لینے والوں کو یہی گمان کرنا چاہئے کہ ہمیں حلال میں سے دیا ہے، اور اس سے چندہ لینا بھی جائز ہے۔

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلاَ تَجَسَّسُوْا . الآية: (الحجرات: ۱۲)

وإن كان غالب ماله حلالاً لابأس بقبول هديته والأكل منها . (هنديه، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات زكرياديوبند٥/٣٤٣، جديد زكريا ٥/٣٩٧)

وفی البزازية غالب حال المهدي إن حلالاً لا بأس بقبول هديته وأكل ماله مالم يتبين أنه من حرام ، لأن أموال الناس لايخلو عن حرام ، فيعتبر الغالب . (مجمع الأنهر ، كتاب الكراهية، فصل في الكسب مصرى قديم ٢/٥٢٩، دارالكتاب العلمية بيروت ٤/١٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۰۹/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۱۳ھ

حلال وحرام کاروباری شخص سے چندہ لینا

سوال: [۴۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قصبہ میں ایک مسلمان کے پاس ٹیلیویژن اسٹیشن ہے یعنی اسکے پاس ایسی مشین ہیں، کہ شہر کے

لوگوں کے ٹیلیویژنوں میں کنکشن دیا ہے جس سے تمام پروگرام ٹیلیویژن اسٹیشن سے تمام شہر کے ٹیلیویژنوں میں آتا ہے، جس کا کرایہ شہر کے ٹیلیویژن والے اس مسلمان ٹیلیویژن اسٹیشن والے کو ادا کرتے ہیں، اس مسلمان ٹیلیویژن رکھنے والے کی اس آمدنی کے علاوہ کافی کاشتکاری کی زمین بھی ہے جس سے کافی آمدنی ہے اسکے علاوہ مزید آمدنی یہ ہے کہ اسکے دو بھائی باہر ملکوں میں ملازمت کرتے ہیں، وہاں سے بھی کافی رقم آتی ہے، لہٰذا ازروئے شرع اس مسلمان ٹیلیویژن والے کے یہاں سے مدرسہ کا چندہ لینا اور ان کی دعوت کھانا حلال ہے یا حرام؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتی: توقیر عالم، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ٹیلیویژن اسٹیشن والے کے پاس اس کی اس آمدنی کے علاوہ دوسرے کاروبار بھی ہیں، جن سے حلال آمدنی آتی ہے تو بلا تحقیق ہم کو یہی خیال کرنا چاہئے کہ اس نے حلال مال سے مدرسہ میں چندہ دیا ہے، لہٰذا اس کا چندہ مدرسہ کیلئے لینا اور استعمال کرنا بلا کراہت جائز ہے اور اگر تحقیقی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے مدرسہ میں چندہ حرام مال سے دیا ہے تو اس کا چندہ لینا جائز نہیں ہے، نیز کسی مسلمان کے بارے میں ہم کو تحقیق کا حق نہیں ہے مسلمان کا چندہ ہمیں مل رہا ہے تو ہم کو یہی گمان کرنا چاہئے کہ اس نے جو پیسہ مدرسہ میں دیا ہے وہ حلال ہے اسی کے ہم مکلّف ہیں، اور اس کے یہاں دعوت کھانا بھی جائز ہے۔

وإن كان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والأكل منها. (هنديه، الباب الثاني عشرفي الهدايا والضيافات زكرياديوبند ٥/٣٤٣، جديد زكريا ٥/٣٩٧، بزازيه على هامش الهنديه زكريا ٦/٣٦٠، خانيه زكريا٣/ ٤٠٠)

وإن كان غالب ماله حلالاً فلا بأس بأن يقبل حتى يتبين عنده أنه حرام. (البنايه، اشرفيه، ديوبند١٢/ ٢٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

خنزیر کے بالوں سے برش بنانے والوں کا چندہ لینا

سوال: [۴۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں اکثر لوگوں کا کاروبار حرام ہے (خنزیر کے بالوں کے ذریعہ برش بنتے ہیں) صرف یہی کام ہے ان لوگوں کا تو ان کا چندہ مساجد و مدارس میں اور ان کے یہاں دعوت کھانا ان کا ہدیہ قبول کرنا ان کے یہاں بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اجرت لینا کیسا ہے؟

نیز اگر کسی ایسے شخص نے کسی مسجد کا فرش یا نماز جنازہ کیلئے بستی سے باہر چبوترہ یا مدرسہ میں کسی کمرہ کی تعمیر کرائی اور اس میں درس قرآن ہوتا ہو تو اس فرش پر نماز پنجگانہ اور چبوترہ پر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ اگر نمازیں پڑھ لیں تو انکا کیا حکم ہے اور مدرسہ میں تعمیر شدہ مکان میں تعلیم و تعلم کا کیا حکم ہے؟ ایسے مدرسہ کے مہتمم ناظم جو ان کام کے کرنے والوں کی تعریف اور دعائیں برکت کی دے کر مزید چندہ کا خواہاں ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: مولوی سلامت اللہ، مدرس مدرسہ تعلیم القرآن شیر کوٹ، ضلع بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: واقعۃً اگر وہاں کے لوگوں کی زائد آمدنی حرام کی ہے، تو ان لوگوں کا چندہ مساجد و مدارس میں لگانا ان کے گھر دعوت کھانا انکا ہدیہ قبول کرنا ان کے بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اجرت لینا جائز اور درست نہیں ہے، نیز اگر اس مال حرام سے مسجد کا فرش یا نماز جنازہ کیلئے چبوترہ یا درس قرآنی کیلئے مدرسہ کے کمروں کی تعمیر کرا دی ہے تو اس حرام مال کی مقدار مال طیب سے اس کے مال کو لوٹا دے مالک نہ ہونے کی حالت میں فقراء پر صدقہ کر دے ورنہ اس فرش و چبوترہ اور کمروں میں تعلیم و نماز جنازہ اور نماز پنجگانہ ادا کرنا

مکروہ تحریمی ہے،اسی طرح مدرسہ کے مہتمم وناظم کاان لوگوں کے حرام مال میں برکت کی دعا کرنا اور مزید چندہ کا خواہاں رہنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ،گلستان کتاب گھر دیوبند/ ۵۴۱،زکریا/۲۲ ۵،مسئلہ نمبر ۹۲۱،کفایت المفتی قدیم ۷/ ۶۴ - ۶۷،زکریا جدید ۷/ ۲)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله ﷺ أيها الناس إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً ،الحديث: (صحيح مسلم ، الزكاة ، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و ترتيبها، النسخة الهندية ١/ ٣٢٦، بيت الأفكار رقم: ١٠١٥)

ولابأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب بماله الحلال(تنوير الابصار) قال تاج الشريعة: أما لو أنفق في ذلك مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب ، فيكره لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب الخ. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة ، باب مايفسد الصلاة ، ومايكره فيها قبيل مطلب كلمة لابأس دليل على المستحب غيره ، زكرياديوبند٢/ ٤٣١، كراچی ١/ ٦٥٨)

آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه ، أو أضافه وغالب ماله حرام لايقبل ، ولايأكل مالم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه . (عالمگيرى ، كتاب الكراهية ، الباب الثانى عشر فى الهدايا والضيافات زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣، جديد زكريا ٥/ ٣٩٧ ، وهكذا فى البناية اشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/۱۴۱۵ھ

برادری، بدعتی اور رائڈ والے مدرسہ میں چندہ دینا کیسا ہے؟

سوال: [۴۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) جن مدرسوں میں ۹۹ ٪ امور میں برادری کا بڑا خاص لحاظ ہو علاوہ چندہ لینے کے کیا

اس میں چندہ دیا جاسکتا ہے؟

(۲) جن مدرسوں میں عاشورہ شب برأت اور کونڈے کی نسبت باقاعدہ چھٹی ہوتی ہو اور تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسی چہلم، چھومک، منگنی بارات یعنی لڑکی کی شادی کی دعوت قبول کی جاتی ہو اور دوکان ومکان پر طلبہ کو باقاعدہ رسمی قرآن خوانی کیلئے بھیجا جاتا ہو وغیرہ اور مہتمم عامی غیر عالم ہو کیا ایسے مدرسوں میں چندہ دیا جاسکتا ہے؟

(۳) جن مدرسوں میں الہ آباد بورڈ یوپی سے باقاعدہ ایڈ آتی ہو اور وہ مدرسے مسلم مالدار دیندار تاجروں کے شہروں میں ہوں کہ سالانہ خرچ وہیں کی امداد، صدقہ، زکوٰۃ وغیرہ سے پورا ہوسکتا ہو تو کیا ایڈ والے مدرسہ میں چندہ دینا جائز ہے؟ اور ایسے مدرسہ میں دوسرے شہر کا چندہ کہ جس کا اس شہر کے چندہ سے کام پورا ہوسکتا ہے، چندہ بیرونی دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ عاصی سنی حنفی قاسمی، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم قاضی باغ، کاشی پور، ادھم سنگھ نگر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) برادری اور تعصب شرعاً ناجائز ہے لیکن اس کا گناہ الگ سے ہوگا، اور اسمیں چندہ دینے کا ثواب الگ ہوگا، جو لوگ برادری اور تعصب میں مبتلا ہیں، وہ خود اپنے گناہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

(۲) سوال میں مذکورہ تمام رسومات داخل بدعت ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں، اور یہ سب چیزیں مدارس اسلامیہ کے اندر قطعاً جائز نہیں ہیں، اگر ان چیزوں پر روک تھام کے باوجود باز نہ آئیں تو بجائے ایسے مدارس میں چندہ دینے کے دوسرے اچھے مدارس میں چندہ کا پیسہ بھیج دیا جائے، جہاں اس قسم کی بدعات وخرافات نہ ہوتی ہوں۔

(۳) جس مدرسہ کی ضرورت عام مسلمانوں کے چندہ سے آسانی پوری ہوسکتی ہو انہیں ایڈ کا تعاون لیکر حکومت کا کسمپرسی بننا دینی تعلیم اور دینی مدارس کو اپنی جگہ سے نیچے اتار دینا ہے، اور دینی تعلیم کی حیثیت کو گھٹانا ہے، اس لئے شرعاً حکومت کا تعاون مدارس اسلامیہ کو

نہیں لینا چاہئے، لیکن پھر بھی حکومت سے ایڈ لینے کی گنجائش ہے اور صرف ایڈ سے مدرسہ کی ضروریات پوری نہیں ہوتی ہیں، تو اپنے شہر اور دوسرے شہر سے چندہ کرنا جائز ہے اور دینے والوں کیلئے چندہ دینے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ

سفیر کی شرعی حیثیت

سوال: [۴۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سفیر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ سفیر زکوٰۃ کی رقم کو ذاتی یا مدرسہ کے کام میں خرچ کرلے پھر اپنے پاس سے اس کی بھرپائی کردے تو اس صورت میں زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟ اس طرح کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارس کے سفراء زکوٰۃ دہندگان اور طلبہ دونوں کے وکیل ہوتے ہیں، اور زکوٰۃ دہندگان کی طرف سے سفراء کے قبضہ میں زکوٰۃ آتے ہی ان کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، اس کے بعد سفراء کی اگلی ذمہ داری مدارس کے دفتروں میں داخل کرنے تک کی ہے، اور دفتروں میں داخل کرنے سے پہلے پہلے اس پیسہ کو خرچ کرنے میں ایک قسم کی خیانت بھی ہے، اور اس میں سے کچھ خرچ کرنے کی صورت میں مکمل ضمانت بھی ان کے ذمہ عائد ہوتی ہے، لہٰذا اس میں سے کچھ خرچ کرنے کے بعد بقیہ پیسہ ضائع ہوجائے، یا چوری ہوجائے تو اپنی جیب سے متعینہ رقم مدرسہ میں مکمل ادا کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۰)

ولو خلط زكاة موكليه ضمن وكان متبرعاً، إلا إذا وكله الفقراء

وتحته فی الشامية : لأنه كلما قبض شيئا ملكوه وصار خالطا مالهم بعضهم ببعض ووقع زكاة عن الدافع – إلىٰ قوله – وليس له الخلط بلا إذنهم ، فلو خلط أجزأ عن الدافعين وضمن للموكلين . (شامی، کتاب الزکاة، کراچی ۲/ ۲۶۹، زکریا۳/ ۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ۸/ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۸/ ۱۴۳۲ھ

وصولی کے ایام کے اخراجات کی رقم تنخواہ سے وضع کرنا

سوال: [۴۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بمد ناشتہ تمام مدرسین و ملازمین کے تنخواہ میں رقم شامل کردی گئی ہے، جو تنخواہ کیساتھ مل رہی ہے، تو ایام وصولی میں جو رقم چائے ناشتہ میں صرف کرتے ہیں، وہ رقم اتنے ایام کے ان کے تنخواہ سے کیوں نہ وضع کرلی جائے؟

المستفتي: نبی حسن، خادم دار العلوم، ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے مدرسہ میں اس سلسلہ میں جو اصول وضوابط متعین اور نافذ ہیں، اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، مدرسہ میں رہ کر ناشتے کا پیسہ ملتا ہے مگر ناشتہ نہیں ملتا، اور وصولی کے زمانہ میں منجانب مدرسہ لوگوں کے پاس جانے کی وجہ سے لوگ ناشتہ کرادیں تو پھر اس ناشتے کا پیسہ مدرسہ سے وصول نہیں کرنا چاہئے، ہاں البتہ اگر آپ کے مدرسہ کا ضابطہ دوسرا ہے تو اسکے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً .

(ترمذی شریف، الأحکام، باب ماذکر عن رسول اللہ ﷺ فی الصلح بین الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۲۰-۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

کیا پورے دن وصولی کرنا لازم ہے؟

سوال: [۴۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وصولی کے ایام منجانب مدرسہ ایام کارکردگی ہیں بیشتر دن ایسا ہوتا ہے کہ صبح ۱۱ ربجے تک وصولی کا کام کیا بقیہ دن یا بعض دن بالکل کام نہیں کیا سوایسا کرنا مدرسہ کیساتھ خیانت تو نہیں؟ اوران ایام کی تنخواہ لینا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ مدرسہ میں بکار مدرسہ شمار ہورہا ہے؟

المستفتي: نبی حسن، خادم دارالعلوم ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وصولی کے زمانہ میں مدرسہ کے وصولی کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ مدرسہ کے وصولی کے دھن اور اس کی فکر میں پورا وقت گزرتا ہے، چاہے پورے دن میں سے چند گھنٹہ کام ہو پاتا ہو تو ایسی صورت میں پورا وقت کارکردگی میں شمار ہوگا، اور وصولی کے زمانہ میں کوئی دوسرا کام کرنے کی منجانب مدرسہ اجازت نہیں ہوتی اس لئے اگر دوسرا کام کیا جاتا ہے تو اس کو واضح کرنا چاہئے کہ مدرسہ کے ذمہ داروں سے دوسرے کاموں کے متعلق کیا معاملہ طے ہوا ہے اس کے بغیر شرعی حکم نہیں لکھا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۲۰-۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

سفراء حضرات کا تحائف قبول کرنا

سوال: [۴۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان یا غیر رمضان میں مدارس کے مستقل سفراء حضرات یا عام چندہ کنندگان مثلاً مدرسہ

کے اساتذہ حضرات چندہ کرنے جاتے ہیں، چندہ دینے والے بعض دفعہ مدرسہ کی رسید کٹوانے کے بعد کچھ نقدی یا جوڑا وغیرہ چندہ کرنے والے صاحب کو دیکر کہتے ہیں، کہ حضرت یہ آپ کیلئے ہے، اسے آپ اپنے لئے رکھ لیں، تو اب ان حضرات کیلئے یہ دی ہوئی نقدی یا جوڑا اپنی ذات کیلئے بلا مہتمم مدرسہ کو بتائے ہوئے الگ کرلینا جائز ہے یا نہیں؟ یا اس کو مدرسہ میں جمع کرنا ضروری ہے؟

المستفتي: رفیق احمد، ہٹوا بازار، بستی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارس کے سفراء اور دیگر چندہ کرنے والے ان لوگوں کے تحائف قبول کرسکتے ہیں، جنکے ساتھ پہلے سے ان کے تعلقات ہوں یا جو پہلے سے ان کو تحائف دیتے ہوں یا جن لوگوں کے بارے میں یہ ظاہر ہوجائے کہ وہ ذاتی محبت کی وجہ سے ہی ہدیہ دے رہے ہیں، ان کے علاوہ عام لوگوں کے تحائف سے احتراز کرنا چاہئے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۸۸۳)

عن أبي حميد الساعدى رضى الله عنه قال: استعمل النبى ﷺ رجلا من الأزد ،يقال له : ” ابن اللتبية “ على الصدقات ، فلما قدم قال: هذا لكم وهذا أهدىٰ لى ، قال: فهلا جلس فى بيت أبيه أو أمه فينظر يهدى له أم لا، الحديث: (بخارى شريف ، كتاب الهدية ، باب من لم يقبل الهدية لعلة ، النسخة الهندية ۱/۳۵۳، رقم: ۲۵۲۵، ف: ۲۵۹۷)

قال صاحب تكملة فتح الملهم فى شرح هذا الحديث ودل الحديث على أن العامل لا يجوز له قبول الهدية أثناء عمله إلا ممن كان يهدى إليه قبل أن يتولىٰ العمل...... أما من تبين منه أنه لايهدى إليه إلا حبا لذاته ولا يبتغى بذلك إلا وجه الله فالظاهر أنه لا يدخل فى وعيد هذا الحديث إن شاء الله تعالىٰ. (تكمله فتح الملهم ، كتاب الامارة ، باب تحريم هدايا العمال ، اشرفيه ديو بند۳/ ۳۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۹۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۱۹ھ

سفیر کو زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے میں کلی اختیار دینا

سوال: [۴۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر چندہ کرنے والے ایک شخص کو جو کہ لوگوں میں دیانت امانت تقویٰ طہارت کے اعتبار سے پسندیدہ ہے، اپنی رقم دیکر کہہ دیتا ہے کہ تم یہ رقم جہاں اپنے علم کے مطابق ضروری سمجھو لگادو یہ زکوٰۃ کی رقم ہے میں تم کو اختیار کلی دیتا ہوں اپنے علمی روشنی میں خرچ کرنیکی، تو کیا احقر کا فیصلہ مناسب ہے یا دوسرا مشورہ ہو تو مطلع فرمائیں کیسے کیا کروں؟

المستفتي: عبدالکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں یہ فیصلہ جائز اور درست ہے۔

وللوكيل أن يدفع لولده الفقير و زوجته الخ. (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۳/۱۸۸، ۱۸۹، کراچی ۲/۲۶۹، البحرالرائق، کوئٹہ ۲/۲۱۱، زکریا ۲/ ۳۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۴۲/۲۸)

سفیر کا بوقت ضرورت مدرسہ کی رقم استعمال کرنا

سوال: [۴۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض سفیر حضرات مدرسہ کی رقم کو اپنی ذاتی مصرف میں استعمال کر لیتے ہیں، اور پھر بعد میں وہ رقم

مدرسہ میں جمع کردیتے ہیں تو کیا مدرسہ کی رقم ضرورت کے وقت اپنے ذاتی مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ وہ رقم بعد میں مدرسہ کو لوٹا دیتے ہیں؟

المستفتي: اسلام الدین، مدنا پور بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفراء حضرات کو چندہ میں جو پیسہ ملتا ہے وہ عام طور پر زکوٰۃ کا پیسہ ملتا ہے اور زکوٰۃ کے پیسہ کو مدرسہ کے دفتر میں جمع کرنے سے پہلے سفراء حضرات کو اس میں کسی قسم کے تصرف اور استعمال کا حق نہیں یہ سفراء کی طرف سے سخت خیانت ہے اور جو سفیر چندہ کے پیسہ کو اپنی ذات پر خرچ کرلیتا ہے وہ سخت گناہ گار ہوگا، اگرچہ مدرسہ میں اس کے بدلہ میں دوسرے پیسے جمع کردیتا ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ، گلستاں کتاب گھر /۵۲۹، زکریا دیوبند/۵۰۸، ۸۷۷)

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْأَمَانَاتِ إِلىٰ أَهْلِهَا . (النساء: ۵۸)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده، عن النبي ﷺ، قال: ليس على المستعير غير المغل ضمان، ولا على المستودع غير المغل ضمان.

(سنن الدر قطنی، کتاب البیوع، دارالکتب العلمية بيروت ۳/۳۶، رقم: ۲۹۳۹)

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة . (المبسوط للسرخسی، کتاب الوديعة، دارالکتب العلمية بيروت ۱۱/۱۲۲، العناية دارالفكر ۸/۴۹۰، زکریا۸/۵۱۵، ۵۱۶)

إنما كانت الوديعة أمانة لقوله عليه السلام: ليس على المستودع غير المغل ضمان والغلول والإغلال: الخيانة. (شامی، زکریا ۱۲/۴۴۷، کراچی ۸/۴۷۱)

وفي الخلاصة: والوديعة لاتودع ولاتعار ولا تؤجر ولا ترهن وإن فعل شيئا منها ضمن . (شامی، زکریا ۱۲/۴۵۰، کراچی ۸/۴۷۴)

فلو اودع رجلاً عشرين ذهباً عثمانياً لزم الوديع أن يرد هذه الذهبات عيناً .

(شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/۱۲٤، رقم المادة :۲٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۳۳ھ

سفیر کا فضول خرچی کرنا جائز نہیں

سوال: [۴۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران سفر صرفہ جات جو فضول خرچی پر مبنی ہے اور معطی کے منشا کیخلاف بھی ہے ایسے بلوں کو ناظم مدرسہ کیا کرے، اگر مجبوری میں منظور کرتا ہے تو کیا عنداللہ ماخوذ ہوگا؟

المستفتي: نبی حسن، خادم دارالعلوم، ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فضول خرچی کہیں بھی جائز نہیں ہے اور مدارس کے محصلین کو اور زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے اسلئے اوسط درجہ کے خرچہ سے زیادہ خرچ کریں گے، تو ناظم مدرسہ اسکے ذمہ دار بنیں گے اگر ناظم مدرسہ اجازت دیتے ہوں۔

ولا تبذر تبذيراً نهى عن صرف المال إلىٰ من لايستحقه فإن التبذير إنفاق في غير موضعه. (روح المعاني، سورة الاسراء تحت تفسير الآية: ۲٦، زكريا ديوبند ۹/ ۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۲/۱۴۲٦ھ

کیا سفیر دوران سفر اعلی کھانا کھا سکتا ہے؟

سوال: [۴۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران سفر روزانہ کتنے چائے پان اور ناشتہ وغیرہ استعمال کر سکتے ہیں، جتنا جی چاہے کریں اسی طرح

کھانے میں عمدہ سے عمدہ کھانا کھائیں رقم جتنی بھی لگ جائے کیا حکم ہے؟

المستفتي: نبی حسن ،خادم دار العلوم، ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دوران سفر بقدر ضرورت چائے پانی ناشتہ وغیرہ منجانب مدرسہ کرنے کی اجازت ہے اعلیٰ درجہ کے کھانے کی قیمت دینے کا مدرسہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

فتستوجب الكفاية عليه في ماله كالعامل على الصدقات لما فرغ نفسه لعمل المساكين استوجب كفايته في مالهم . (مبسوط سرخسي، كتاب النكاح ، باب النفقة دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ١٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

سفراء کا زکوٰۃ کی رقم سفر وطعام میں خرچ کرنا

سوال: [۴۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے سفراء زکوٰۃ کی رقم سفر وطعام اور دیگر ضروریات میں خرچ کرتے ہیں، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں؟

المستفتی: مولانا وجیہ الدین،
مدرسہ اشرف العلوم، گلشہید ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کے سفراء کے لئے زکوٰۃ کی رقم سفر وطعام اور دیگر ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اگر سفیر مالک نصاب ہے تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوگی، اور اگر غریب غیر مالک نصاب ہے تو یہ اخراجات سفیر کی مزدوری کے عوض میں ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

الزکوٰۃ تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المالک من کل وجه لله تعالیٰ الخ . (بنایه، عینی شرح هدایه، کتاب الزکاة، باب المصرف قدیم ۲/ ۱۱۵۱، جدید مکتبه اشرفیه ۳/ ۲۸۸، هندیه ۱/ ۱۷۰، زیلعی امدادیه ملتان ۱/ ۳۰۲، زکریا دیوبند ۲/ ۱۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۸۴)

سفیر کا سائیکل کی مرمت مدرسہ کی رقم سے کروانا

سوال: [۴۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک دینی مدرسہ کا مدرس ہے اور فراہمی مالیات کا فریضہ انجام دیتا ہے، دوران فراہمی اپنی سائیکل کا سامان مثلاً ریم، ٹائر، ٹیوپ، سیٹ وغیرہ کو مدرسہ کی رقم سے بدلنا کیسا ہے؟

المستفتي: نبی حسن، خادم، دارالعلوم ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فراہمی مالیات مدرسہ کا کام ہے اس کا سفر خرچ مدرسہ کے اوپر لازم ہوتا ہے، اگر زید اپنی سائیکل سے فراہمی کرتا ہے تو مدرسہ کے ذمہ داروں سے یہ بات طے کرلے کہ دوران سفر سائیکل کی مرمت کا خرچہ مدرسہ کے پیسوں سے ہوا کرے گا، تو زید کے لئے جائز ہے کہ سائیکل کی مرمت کا خرچہ مدرسہ کے دفتر سے وصول کرلے، مگر دوران سفر جو چندے میں پیسہ ملے گا وہ سب دفتر میں آکر مکمل جمع کردے۔

(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ، قدیم/ ۵۳۵، جدید زکریا ۵۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۸ھ

سفیر کا دوران سفر رشتہ داروں کے یہاں کھانا کھا کر سفر خرچ میں لکھنا

سوال: [۴۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سفیر یا ملازم مدرس چندہ کرنے کے دوران کسی کے گھر پندرہ دن تک کھانا کھایا اگر پندرہ دن کے کھانے کا خرچ مدرسہ کے سفر خرچ میں لکھدے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: محمد اعجاز، نگینہ، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرس اور سفیر کو دوران چندہ جو رقم کھانے کے نام سے ملتی ہے یہ جزء تنخواہ ہوتی ہے، کیونکہ حالت سفر میں مستاجر کے ذمہ اجیر کا کھانا بھی ہوتا ہے، لہٰذا کھانے کا خرچ مدرسہ کے سفر خرچ میں لکھدیتا ہے تو یہ جائز ہے چاہے دو دن یا پندرہ دن دوسروں کے یہاں کھائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/ ۱۰۹، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۷۱)

وإذا زاد الآجر والمستأجر في المعقود عليه أو في المعقود به، إن كانت الزيادة مجهولة، ...... وإن كانت معلومة من جانب الآجر تجوز سواء كانت من جنس ما آجر أو من خلاف جنس ما آجر. (هنديه، كتاب الإجارة، الباب الرابع عشر في تجديد الإجارة بعد صحتها والزيادة فيها زكريا ديوبند ٤/ ٤٣٩، جديد زكريا ٤/ ٤٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۱۹ھ

کیا لفٹ ملنے والے سفیر کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے؟

سوال: [۴۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید نے اپنے ساتھی یا اپنے شاگرد عمر کو اپنے کسی کام کیلئے کہیں بھیجا اور ساتھ میں اس کو

وہاں تک پہونچنے کیلئے رکشہ کا کرایہ دیا اب عمر رکشہ سے نہ جاکر پیدل چلا جاتا ہے محنت کرکے اور زید کے دئے ہوئے پیسے کو اپنے مصرف میں خرچ کرلیتا ہے تو کیا عمر کیلئے ان پیسوں کو اپنے مصرف میں لانا جائز ہے؟

(۲) سفیر کو پورا سفر خرچ مدرسہ کی جانب سے دیا جاتا ہے، اس نے مثلاً چندہ کی غرض سے لکھنؤ کا سفر کیا لیکن اس کو اپنا کوئی جاننے والا جو کہ گاڑی بھی لئے ہوئے ہو وہ مل گیا اور اس کو لکھنؤ تک فری میں لے کر چلا گیا تو اب اگر وہ ٹرین سے جاتا تو جو کرایہ ہوتا اس کرایہ کو سفر خرچ میں جوڑ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے لئے اس مقدار کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے عمر کو کہیں ایسی جگہ بھیجا جہاں جانے کیلئے عام طور پر رکشہ کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن زید نے نہ تو رکشہ سے جانے کیلئے کہا اور نہ ہی اس کے پیسے الگ سے دیئے ہاں جس چیز کو خریدنے کیلئے بھیجا تھا اس کے پیسے دئے تھے، تو اب عمر واپس آکر زید کو پیسے واپس کردے اور بچے ہوئے پیسوں میں سے رکشہ کا کرایہ مجریٰ کرلے مثلاً تیس روپئے زید کے دئے ہوئے پیسوں میں سے بچے تو اب وہ رکشہ کے دس روپیہ کاٹ کر بیس روپئے واپس کرے تو کیا اس کیلئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشد، بارہ بنکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جتنی چیزیں لکھی گئی ہیں ان سب کا مدار اس حدیث شریف پر ہے۔

الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حراماً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً. (ترمذی شریف، الأحکام، باب ماذکر عن رسول الله ﷺ فی الصلح بین الناس، النسخة الهندية ۱/۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲، وهكذا فى المعجم الكبير للطبرانی، داراحياء التراث العربي ۱۷/۲۲، رقم: ۳۰)

اب اس حدیث پاک کو پیش نظر رکھکر مسئلہ کو سمجھنا ہے کہ سوالنامہ میں جو چیزیں لکھی گئیں ہیں اگر یہ سب چیزیں مدارس کے سفراء اور کارندوں سے متعلق ہیں، تو مدارس کے ضابطہ کے مطابق حساب ہوگا، بڑے مدارس کے ذمہ داروں سے اس سلسلہ میں یہ معلومات فراہم ہوئی ہیں، کہ رکشہ کرایہ بس یا ٹرین وغیرہ کا کرایہ اگر صحیح صحیح خرچ ہونے سے متعلق لکھا ہوتو کرایہ ملتا ہے اور اگر بجائے رکشہ کے پیدل گیا ہوتو رکشہ کرایہ نہیں ملتا ہے اسی طرح اگر ٹرین کا کرایہ کسی اور نے دیا ہے خود سے خرچ نہیں کیا ہے تب بھی نہیں ملتا ہے بلکہ جو کچھ اس کی جیب سے کرایہ میں خرچ ہوتا ہے وہی من جانب مدرسہ مل جاتا ہے، چاہے پیسہ پیشگی دیا گیا ہو اور اس کو علی الحساب مان کر بعد میں حساب کرلیا جاتا ہو اور چاہے پیشگی کوئی پیسہ نہ دیا ہو بلکہ بعد میں خرچہ کا حساب پیش کیا جاتا ہو، تو حاصل یہ ہے کہ جو کچھ خرچ ہوتا ہے وہی ملتا ہے پیدل چلنے کے عوض میں نہیں ملتا ہے، لہٰذا غلط بیانی سے خرچہ پیش کر کے پیسہ وصول کرنا جائز نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر کسی مدرسہ میں ایسا ہی ضابطہ بنا ہوا ہو کہ آنے جانے کا کرایہ جتنا لگتا ہے اتنا بہر حال دیا جائیگا، چاہے جیب سے خرچ ہو یا نہ ہو تو ایسی صورت میں رکشہ سے نہ جا کر پیدل جاتا ہے یا ٹرین کا کرایہ کوئی دوسرا دیتا ہے تو مدرسہ کے ضابطہ کی وجہ سے کرایہ وصول کرنا جائز ہوگا، ہمارے یہاں محکمۂ شرعیہ کا ایجنڈا گھمانے کیلئے چپراسی کوتیس روپیہ دے دیا جاتا ہے چاہے وہ پیدل جائے یا رکشہ میں جائے، اس سے دوبارہ حساب نہیں لیا جاتا ہے، اسلئے کہ ہمارے یہاں محکمۂ شرعیہ میں یہی دستور ہے، اسلئے مذکورہ حدیث کی وجہ سے یہ بھی جائز ہے، اور مدارس کے سفراء کے کھانے کا خرچہ اسی حدیث شریف کے پیش نظر یومیہ متعین کرلیا جاتا ہے، مثلاً یومیہ پچاس روپیہ ہے چاہے اپنی جیب سے کھائے یا مہمان داری ہوتی رہے، ہر حال میں یومیہ پچاس روپیہ اسے ملا کریں گے، تو اس حدیث کے پیش نظر کھانے کا خرچہ لینے کیلئے سفر کے ایام کی تعداد پیش کر کے جو کچھ حساب بنتا ہے وہ وصول کرنا جائز ہے، لہٰذا سوالنامہ میں استاذ وشاگرد یا ساتھی کی جو بات کہی گئی ہے وہ بھی

اس حدیث شریف کی رو سے آپس کی تراضی پر موقوف ہے، باقی تمام سوالات کے جوابات اسی تفصیل سے واضح ہو چکے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۳؍۱۴۲۹ھ

مدرسہ کا چندہ سفیر کے پاس امانت ہوتا ہے

سوال: [۴۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مدرسہ کے چندہ کے سلسلہ میں سفر میں تھا چنانچہ میں ایک گاؤں سے سفر کر رہا تھا، اتفاق سے میرا تھیلہ گر گیا، مجھے جب معلوم ہوا تو گاؤں کافی دور نکل چکا تھا، میں نے گارڈ کو بہت تلاش کیا مگر نہیں ملا، اس میں ضروری سامان تھا، اور مدرسہ کی رسید بکیں اور رقم بھی تھیں اب رسید بکوں کا تو کوئی بدل نہیں ہے، لیکن رقم کا تو ہے اب زیادہ رقم مدرسہ والوں کو مجھے اپنے پاس سے جمع کر کے دینی پڑے گی، یا وہ ناگہانی حادثہ میں گئی جس میں میری کوتاہی اور لافہمی کو کوئی دخل نہیں ہے، تو میرے اوپر اس کا کوئی تاوان اور ڈنڈ بھی نہیں ہے، جو بھی شریعت کا حکم ہو اس کو حضرت بحوالہ کتب مع اصول مدلل فرمائیں، تاکہ اس پر عمل کر کے آخرت کے مواخذہ سے بچیں، اور یہ بھی عرض کر دوں کہ میری مالی حالت بسہولت ادا کرنے کی نہیں ہے۔

امید ہے کہ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں گے؟

المستفتي: نور الاسلام سبحانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: یہ امانت ہے اگر آپ سے بالکل تعدی نہیں ہوئی ہے تو بلا تعدی کے ہلاکت پر امانت دار پر ضمان واجب نہیں ہوتا۔

كما في الجوهرة الوديعة أمانة في يد المدفوع، فإذا هلك لم يضمنها. (الجوهرة النيرة، كتاب الوديعة، دار الكتاب ديوبند قديم ۲/۳۵)

لیکن آپ خود دیانت داری کے ساتھ سوچ لیں کہ تعدی ہوئی ہے یا نہیں، اگر تعدی ہوئی ہے تو آپ پر ضمان واجب رہے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلىٰ أَهْلِهَا. (النساء: ۵۸)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جده، قال: قال رسول الله ﷺ: من أودع وديعة فلا ضمان عليه. (سنن ابن ماجه، باب الوديعة، النسخة الهندية ۱/۱۷۳، دارالسلام رقم: ۲۴۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۲۴)

محصلین کا واجب التملیک اور غیر واجب التملیک رقم کو ایک ہی جیب میں رکھنا

سوال: [۴۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کی طرف سے جن کو چندہ وصولی کیلئے بھیجا جاتا ہے، وہ زکوٰۃ وصدقات نافلہ وعطایا سب قسم کے روپئے وصول کرتے ہیں، تو رقوم واجب التملیک اور غیر واجب التملیک کو ایک جیب میں ایک ساتھ خلط ملط کر کے رکھنا درست ہے یا دونوں کو علیٰحدہ رکھنا ضروری ہے باحوالہ تحریر کریں؟

المستفتي: شہید اللہ، ہاوڑوی، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: روپیہ پیسہ ایسے دیون میں سے ہے جو تعین کے باوجود متعین نہیں ہوتے ہیں، تو ایسی چیزوں کے اندر الگ الگ رکھنے کا حکم حساب وکتاب میں ہوتا ہے، زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا حساب بالکل الگ رکھے اور امداد اور نفلی صدقہ وخیرات کا حساب اس سے الگ مستقل فہرست بنا کر رکھے اور حساب وکتاب میں بہت مضبوطی کیساتھ رہے تو ایسی صورت میں نوٹوں کا مخلوط ہو جانا ممنوع نہیں ہے، جیسا کہ مد زکوٰۃ کے پیسوں کو منی آرڈر کرنے میں ڈرافٹ بھیجنے میں مدرسہ کے دفتر میں بعینہ وہی نوٹ نہیں آتے

ہیں، مگراس طرح کے نوٹوں کی تبدیلی کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائیگا کہ زکوٰۃ اورصدقات واجبہ کے پیسوں کوامداداورصدقات نافلہ کے پیسوں میں اختلاط کردیا گیا ہے بلکہ الگ الگ ہی سمجھا جائیگا، یہی عرف اورمتعارف بھی ہے۔

ویتصل بهذا العالم إذا سأل للفقراء شيئاً وخلط يضمن قلت ومقتضاه أنه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حينئذ دلالة والظاهر أنه لا بد من علم المالک بهذا العرف ليكون إذنا منه دلالة . (شامی، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/۲۶۹، زکریا۳/۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۶ رجمادی الثانیہ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۷/ ۸۳۹۷)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۶ھ

سفیرکاچندہ کی رقم ذاتی استعمال میں لانا

سوال: [۴۵۳۵]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ کے سفیر نے چندہ کی رقم میں سے پانچ ہزارروپئے اس نیت سے اپنے ذاتی کام میں خرچ کردئے کہ میرے بینک کے کھاتہ میں پانچ ہزارروپئے ہیں، میں جب مدرسہ والوں کوحساب دونگا تووہ پانچ ہزارروپئے نکال کردیدونگا، اوراس وقت نیت بھی کرلی تھی کہ کھاتہ کے پانچ ہزارروپئے مدرسہ کے ہوگئے معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح زکوٰۃ اداہوجائے گی اورسفیرکایہ عمل درست ہے یانہیں؟

المستفتي: محمداصغر،سیڑھا،بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ کے سفیرکاچندہ کی رقم اپنے ذاتی استعمال میں لاناصحیح نہیں ہے اورجتنی رقم ذاتی کام میں استعمال ہوگی اگرچہ اس سے معطی کی زکوٰۃ اداہوجائیگی (کیونکہ سفیرفقراء کابھی وکیل ہوتاہے) لیکن سفیرمدرسہ کادَین دارہوگیااس

لئے چاہے تو وہ یہ قرضہ اپنے بینک کھاتہ سے ادا کرے یا کہیں اور سے بہر حال اسے مدرسہ کا حساب پورا کرنا لازم ہوگا۔

بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء .

(الدرالمختار مع الشامي ، كتاب الزكاة ، زكريا ديوبند٣/١٨٩، كراچی ٢/٢٧٠، البحرالرائق زكريا ٢/٣٦٩، كوئٹه٢/٢١١، المحيط البرهاني الزكاة، الفصل السادس تعجيل الزكاة، المجلس العلمي ٣/١٩٢، ١٩٣، رقم: ٢٧٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۵ھ

محصلین کا بطور قرض چندہ کی رقم لینا

سوال: [۶۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محصل چندہ رقوم غیر واجب التملیک کو اپنے سفر کے اخراجات اور ذاتی ضرورتوں میں بطور قرض صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر معطی کی اجازت ضروری ہو تو اس میں دشواری ہے، جواز کی صورت بیان فرمادیں؟

المستفتي: محمد شہید اللہ ہاوڑ وی، خادم مدرسہ اشرف العلوم کیتھن ، بردوان، مغربی بنگال۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر واجب التملیک پیسہ میں سے سفیر کے اپنے اخراجات اور ذاتی ضرورتوں میں صرف کرنیکی اجازت ہے، بشرطیکہ اس کا حساب بہت مضبوطی سے رکھے، اور مہتمم مدرسہ اپنے سفیر کو اپنی طرف سے وکیل بالتصرف بنا سکتا ہے یا استقراض کی اجازت دے سکتا ہے اور بوقت حساب تنخواہ اور مصارف سفر کو خرچ میں ڈال سکتا ہے۔

اگر شوریٰ کی طرف سے اجازت ہے تو بلا تردد تنخواہ لے سکتا ہے اور اگر شوریٰ کی طرف

سے اجازت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ضابطہ اور کوئی قانون ہے تو اس کی اجازت نہیں ہے۔

عن عبدالله بن عمر و بن عوف المزني عن أبيه ، عن جده، أن رسول الله ﷺ قال الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالا أوأحل حراماً.

(ترمذی شريف، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس ، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۶ھ

چندہ کرنے والے مدرس کا اسی رقم سے سفرخرچ اور تنخواہ لینا

سوال: [۴۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا رمضان المبارک کے مہینہ میں مدرس حضرات جو مدرسہ کے واسطے چندہ بابت زکوٰۃ وصول کرتے ہیں، تو اس زکوٰۃ کے روپیہ میں سے سفرخرچ کرنا یا مدرس کو اپنی تنخواہ لینا جائز ہے یا کس طرح مدرس کو اپنی تنخواہ لینا جائز ہے؟

المستفتي: محمد سیف اللہ صدیقی، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو مدرس حضرات چندہ کرنے کے لئے جاتے ہیں، وہ امین ہیں، اور زکوٰۃ وصدقات کا وصول کیا ہوا رقم ان کے پاس امانت ہے، لہٰذا بغیر کسی تملیک شرعی کے اس رقم سے سفرخرچ کرنا اور تنخواہ وغیرہ لینا قطعاً ناجائز ہے اگر اس رقم میں کسی طرح کا تصرف کئے تو سخت گنہگار رہوں گے، سفر کے اخراجات مدرسہ کے دفتر سے پہلے ہی لے لیا کریں یا اپنی جیب سے خرچ کر کے بعد میں دفتر مدرسہ سے وصول کرلیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱۶۲/۵، جدید زکریا ۷/ ۱۸۱، ۱۸۲، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۰۸، مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲۲)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (الدرالمختار على هامش رد

المحتار کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۱)

ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد ولا إلىٰ كفن ميت وقضاء دينه وتحته في الشامية قوله نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج وكل ما لاتمليك فيه . (الدر المختار مع الشامی، کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۱، فتاویٰ عالمگیری زکریا دیوبند ۱/ ۱۸۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رمحرم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۸۳)

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم اپنے خرچ میں لانا اور مدرسہ کا رجسٹرا اپنے نام کرانا

سوال: [۴۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید ایک مدرسہ فرضی دکھا کر چندہ وصول کرتا ہے، جسمیں زکوٰۃ وصدقہ وفطرہ وچرم قربانی وغیرہ سبھی وصول کرتا ہے، اور وصول کرکے سب اپنے خرچہ میں استعمال کرتا ہے، تو کیا صدقہ فطر زکوٰۃ قربانی سبھی ادا ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

(۲) ایک آراضی مدرسہ کے نام سے چندہ کی رقم سے لی مگر اس کا بیعنامہ اپنے نام کرادیا اور اس کو بیچ کر دوسری زمین زراعت کیلئے خرید کر اس میں زراعت شروع کردی دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس زمین کی پیداوار کھانا پینا یا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید سے کہا گیا کہ ہم اس کا فتویٰ منگائیں گے اس پر زید نے کہا یہ علماء تو میرے جوتے کے تلے کے برابر ہیں، جوتا ہاتھ میں لیکر یہ بات کہی کہ آدھے مسلمانوں کو تو یہ علماء دیوبند نے کافر کردیا اور آدھے مسلمانوں کو علماء بریلی نے کافر کردیا ایسے شخص کے بارے میں

شرعی کیا حکم ہے؟ وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: حافظ محمد یعقوب، باز ار سلیم پور گڈھی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر زکوٰۃ، صدقہ فطر، چرم قربانی کی رقم دینے والوں کو اس دھوکہ اور فریب کا علم نہیں ہے تو وہ گنہگار نہیں ہوں گے، اور ان کی طرف سے فریضہ ادا ہو جائیگا، مگر وصول کرنے والا سخت ترین گناہ کا مرتکب ہے ایسے شخص کو حدیث شریف میں ملعون اور مردو کہا ہے۔

عن أبي بكر الصديق قال قال رسول الله ﷺ ملعون من ضار مؤمنا أو مكر به. (ترمذی شریف، البر والصلة، باب ماجاء فی الخیانة والنقش، النسخة الهندية ۲/۱۵، دارالسلام رقم: ۱۹۴۱)

قال أبو حنيفة ومحمد إذ دفع الزكوٰة إلى رجل يظنه فقيراً ثم بان أنه غنى أو هاشمى أو كافر أو دفع فى ظلمة فبان أنه أبوه أو إبنه فلا إعادة عليه الخ.

(هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، اشرفيه ديوبند ۱/۲۰۷)

(۲) مدرسہ کی رقم سے اپنے نام زمین خریدنا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والا غاصب ہے علاقہ کے بااثر لوگوں کا فریضہ ہے کہ اس کو اس حرکت سے روک دیں اور اس پر لازم ہے کہ فوراً مذکورہ زمین مدرسہ کو واپس کردے، اور اگر مدرسہ نہیں ہے، اور فرضی نام دیکر چندہ کیا ہے تو چندہ دہندگان کو واپس کردے یا ان کی اجازت سے کسی معتبر مدرسہ میں دیدے، ایسے لوگوں کو حدیث شریف میں ملعون کہا ہے۔

ملعون من ضار مؤمناً أو مكر به الحديث لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعى الخ. (قواعد الفقه، اشرفی بکڈپو دیوبند/۱۱۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۱/۱۱۲، ۲۸/۲۶۴)

(۳) قائل اگر یہی سمجھتا ہے کہ آدھے مسلمان کو دیوبندی علماء نے اور آدھے کو

بریلوی علماء نے العیاذ باللہ کافر کردیا ہے تو کیا اب کوئی مسلمان ہے بھی؟ اور خود کیا ہے؟ علماء اور مفتیان کرام کا فتویٰ جو صحیح ہے اسکی توہین بھی موجب کفر ہے اس شخص پر لازم ہے کہ توبہ کرلے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/ ۳۵ جدید زکریا ۱/ ۱۹)

رجل عرض عليه خصمه فتوىٰ الأئمة فردّها وقال '' جه بار نامه فتوىٰ أورده " قيل: يكفر ؛ لأنه رد حكم الشرع ، وكذا لو لم يقل شيئاً ؛ لكن ألقىٰ الفتوىٰ على الأرض، وقال: إين جه شرع است كفر . (هنديه، الباب التاسع أحكام المرتدين زكرياديو بند ۲/ ۲۷۲ ، جديد زكريا ۲ / ۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱/ ۱۴۱۵ھ

وکیل کے پاس رقم آتے ہی موکل کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے

سوال: [۴۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی ذی ثروت آدمی نے اپنی زکوٰۃ نکالی ہوا ور وہ کسی صاحب نصاب عالم کو دیتا ہے، اور اس کو یہ ہدایت کرتا ہے، کہ مصارف زکوٰۃ میں صرف کردے، اب وہ عالم صاحب اسکو مصارف زکوٰۃ میں نہ خرچ کر کے کہیں اور خرچ کر دیتے ہیں، یا اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، تو کیا اس ذی ثروت کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟

المستفتي: عطاء اللہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: ایسی صورت میں صاحب ثروت آدمی کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی اور ساری کی ساری ذمہ داری مذکورہ صاحب نصاب عالم پر ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۹۷)

بلاتملیک چندہ کی رقم ذاتی استعمال میں لانا

سوال: [۴۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ (۱) زکوٰۃ کی رقم چندہ کر کے زید مدرسہ کیلئے لیکر آیا اسمیں سے کچھ رقم زید نے مدرسہ میں جمع کردی اور اکثر رقم اپنے پاس رکھ لی یہ کہکر کہ اس سے اپنے قرض کی ادائیگی کردی ہے اور وہ مدرسہ کا مقروض ہوگیا جس کو زید چار پانچ سال میں اپنی تنخواہ میں سے منہا کر کے جمع کرے گا، زید کا یہ عمل کیسا ہے؟ اور زید مدرسہ کا مقروض ہونے کیوجہ سے زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ لینے کا مستحق ہوگیا یا نہیں؟

(۲) زید صاحب نصاب نہیں ہے وہ زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں اگر وہ اہل نصاب ہوتا ہے تو اسکی تنخواہ پانے کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: حاجی قمرالدین انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زید کا یہ عمل کہ چندہ جمع کر کے اور تملیک ہوئے بغیر اس رقم سے اپنا قرضہ ادا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کی اصل رقم کا مالک ومصرف مدرسہ بھی نہیں ہے، بلکہ نادار طلباء فقراء اور مساکین ہیں، اسلئے تملیک ہوئے بغیر اس کو اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں بلکہ اس سے سخت گنہگار ہوگا اور شرعاً خائن سمجھا جائیگا، اسلئے ایسے عمل سے اجتناب لازم ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (الدرالمختار على هامش رد المحتار كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا ۳/ ۲۹۱)

ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (شامی، کراچی ۲/ ۲۷۰،

زکریا دیوبند۳/۱۸۹، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/۷۱۵)

(۲) معلم اگرچہ مسکین ومفلس اور غیر صاحب نصاب ہی کیوں نہ ہو تب بھی زکوٰۃ سے اسکو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ۴/۲۵۲)

ولونویٰ الزکوٰۃ بـمـا یـدفـع المعلم إلیٰ الخلیفة ولم یستأجرہٗ إن کـان الـخـلـیـفة بـحـال لـولـم یـدفـعه یعلم الصبیان أیضاً أجزأہٗ وإلا فلا وکـذامـا یـدفـعه إلی الخدم من الرجال والنساء فی الأعیاد وغیرها بنیة الزکوٰۃ کذافی معراج الدرایة . (عالمگیری زکریا دیوبند ۱/ ۱۹۰، قبیل فصل: ما یوضع فی بیت المال جدید زکریا ۱ /۲۵۲)

لایـصـرف مال الزکوٰۃ إلیٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار ، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا۳/۱ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رشعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۶۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۸/۳ھ

مدرسہ کے فنڈ میں جمع کئے بغیر تنخواہ وصول کرنا

سوال: [۴۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسین رمضان المبارک میں چندہ کرتے ہیں، اسمیں زکوٰۃ وعطیات ہرطرح کی رقمیں ہوتی ہیں، تو وہ رقمیں مدرسین اگلے پورے سال کی تنخواہوں کے طور پر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، مدرسہ کے فنڈ میں مدرسہ میں جمع نہیں کرتے تو ان کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ اور زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: حافظ شمیم احمد، مدرسہ اسلامیہ عربیہ صدیقیہ، اشاعت القرآن گلڑیا معافی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسین پر چندہ کی رقم مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرنا لازم ہے اس کے بعد مدرسہ کے فنڈ میں سے اپنا حق وصول کرسکتے ہیں، نیز زکوٰۃ کی رقم تو کسی بھی طرح سے اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے، یہ طریقہ نہایت غلط ہے اس طرح بے احتیاطی کی وجہ سے آج دینی مدارس اہل خیر حضرات کی نگاہوں میں بڑے بدنام ہوتے جارہے ہیں، اس خیانت کے بارے میں اگر لوگوں کو خبر ہوجائے تو کوئی بھی چندہ نہیں دیگا، ہاں البتہ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ان وکلاء کے ہاتھ پہونچنے کے بعد راجح قول کے مطابق ادا ہوجائیگی، اور ساری ذمہ داری انھیں لوگوں کے سر ہوگی۔ (تفصیل ایضاح النوادر ۲/ ۵۰)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

مکتب کے استاذ کا چندہ وصول کرکے اپنی تنخواہ لینا

سوال: [۴۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کیتو گرام مدرسہ کا استاذ ہوں اور زکوٰۃ فطرہ قربانی کا روپیہ وصول کرکے طلبہ سے حیلہ کرکے تنخواہ میں کاٹ لیتا ہوں، اس طرح کرکے تنخواہ کاٹ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور حیلہ کا ٹھیک طریقہ کیا ہے، تفصیل سے جواب دینا؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن مکاتب میں صرف ایک دو استاد کام کرتے ہوں محلّہ اور علاقہ کے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ مدامداد سے ان کی ضروریات پوری کریں اور ایک دو استاد کیلئے زکوٰۃ کی موٹی موٹی رقموں کو لاکر تملیک کی گنجائش نہیں، اس معاملہ میں نہایت بے احتیاطی ہوتی ہے، ہاں البتہ جہاں باضابطہ مدرسہ کی شکل ہے اور باہر کے طلبہ بھی رہتے ہیں، اور وہاں سے حفاظ بھی تیار ہوتے ہیں، اور

وہاں کے استادوں کی تنخواہیں کسی طرح پوری نہیں ہوتی ہیں، تو مجبوری کے تحت زکوٰۃ کی رقم میں تملیک کی گنجائش ہے۔

كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه ، أو لتمويه باطل فهي مكروهة ، وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلالٍ فهي حسنة . (هنديه، كتاب الحيل زكريا ديو بند٦/ ٣٩٠، جديد زكريا٦/ ٣٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۲۱ھ

مدرسین کا چندہ کی رقم بلا تملیک تنخواہ کے طور پر رکھنا

سوال: [۴۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کی واجب التملیک رقوم سفراء حضرات جو رمضان المبارک ودیگر فراہمی کے مواقع سے وصول کرتے ہیں، ان رقوم کو کچھ مدرسین حضرات جنکی تنخواہ باقی رہتی ہے وہ بلا تملیک رکھ لیتے ہیں، نیز جب مطالبہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تملیک کرا چکے ہیں، تو آیا ان کا تملیک کرانا درست ہے یا نہیں ان کی حیثیت کیا ہے؟

المستفتي: روح الامین المظاہری، دارالعلوم ارریہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سفراء حضرات کا مدرسہ کی واجب التملیک رقوم کو اپنے پاس بغیر تملیک کے تنخواہ کے طور پر رکھ لینا درست نہیں ہے، بلکہ ان کو جوں کا توں لاکر مدرسہ کے دفتر میں جمع کر دینا لازم اور ضروری ہے پھر اپنی تنخواہ مدرسہ کے فنڈ سے وصول کرے ان کیلئے مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرنے سے پہلے تملیک کرانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ،اشرفی دیوبند۴/ ۳۹۹، ایضاح النوادر۲/ ۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۰۲/۳۷)

تملیک سے قبل مدرس سفیر کا اپنی تنخواہ وصول کرنا

سوال: [۴۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر مدرسوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ مدرسین حضرات باجازت مہتمم مدرسہ کی رسیدیں لیکر نکل جاتے ہیں اور پورے رمضان شریف اندرون علاقہ و بیرون علاقہ سے چندہ فطرہ زکوٰۃ صدقات وصول کرکے لاتے ہیں، اور مدرسہ کھلنے پر وہ رقم کا حساب و کتاب مہتمم مدرسہ کو دکھاتے ہیں، تب مہتمم صاحب فرماتے ہیں، کہ اپنی بقیہ تنخواہ کاٹ کر بقیہ رقم جمع کردیں، مثلاً پندرہ سو روپیہ وصول ہوا ہے اور تنخواہ ایک ہزار روپیہ باقی ہے تو ایک ہزار روپیہ کاٹ کر پانچ سو روپیہ جمع کردیں، تو اس طرح مدرس کو اپنی تنخواہ لینا کیسا ہے کیا اس طرح تملیک کا مسئلہ حل ہوگیا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں چندہ لانیوالے پر لازم ہے کہ سبھی روپیہ مدرسہ کے فنڈ میں جمع کردے اس کے بعد مدرسہ کی طرف سے اسکی جو تنخواہ بنتی ہے وہ مہتمم ادا کرے اسلئے کہ زکوٰۃ، فطرہ، وغیرہ مدرسین کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲۵۲/۴، امداد الفتاویٰ ۵۲/۲، ایضاح المسائل/ ۱۸)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا ۲۹۱/۳، شامی، کراچی ۳٤٤/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۷۷۰/۳۳)

بغیر تملیک کے مدرس کا زکوٰۃ کی رقم اپنی تنخواہ میں وضع کرانا

سوال: [۴۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں جملہ مدارس میں زیادہ تر رقوم مدرسین کرام رمضان شریف میں زکوٰۃ صدقات کی رقم جمع کرتے ہیں حیلۂ تملیک بھی کرتے ہیں، مگر کچھ مدرسین کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ روپیہ جو چندہ کا وصول ہوا ہے بغیر تملیک اپنی تنخواہ میں وضع کراتے رہتے ہیں، خازن کے پاس تک وہ رقم نہیں جاتی جب ان مدرس صاحب سے معلوم کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ چونکہ میں خود غریب ہوں اور زکوٰۃ کا مستحق ہوں مجھے حیلۂ تملیک کرنے کی ضرورت نہیں اور بقایا رسیدات پورے سال وصول ہوتی رہتی ہیں اور بغیر حیلۂ تملیک مدرسین میں سے جو بھی وصول کر کے لایا خود اپنی تنخواہ میں وضع کر لیتا ہے اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۱) کیا زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ اس صورت میں ادا ہوئی یا نہیں؟

(۲) کیا معلومات کے باوجود ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم دی جائے یا روک لی جائے؟

(۳) اگر اسکی تشہیر کی جائے تو لوگ مدارس سے بدظن ہو جائیں گے کوئی معتدل راہ نکالی جائے اور وہ کیا طریقہ ہے؟

(۴) آٹھ دس سال سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ زکوٰۃ کا روپیہ اسی طرح خرچ ہو رہا ہے کیا اس مدرسہ کو چندہ دیا جائے یا نہ دیا جائے شریعت کا جو حکم ہو آگاہ کیا جائے، کیا ایسے حالات میں اپنی زکوٰۃ بیواؤں اور فقراء کو دینے لگیں، چونکہ زکوٰۃ کا صحیح مصرف بھی یہی ہیں۔

المستفتي: محمد شفیع، متولی مدنی مسجد، کھیڑا ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا مستحق فقیر ہوا کرتا ہے، اور فقیر کو بلا کسی عوض کے دینا واجب ہوتا ہے، اگر چندہ وصول کنندہ فقیر ہے تو اس کیلئے زکوٰۃ کو اپنے خرچ میں لینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر اس ملازم کو ایسی صورت میں مدرسہ سے دوبارہ تنخواہ بھی ملے گی اگر تنخواہ کے عوض ہی میں مجریٰ کیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسلئے ایسا ہرگز نہ کرے بلکہ زکوٰۃ کی پوری رقم اولاً مدرسہ میں

جمع کردیا کرے پھر مدرسہ سے اپنی تنخواہ وصول کی جائے، نیز ایسے مدرس کو زکوٰۃ دیں گے تو ادا نہ ہوگی، جبکہ زکوٰۃ دہندہ کو سب کچھ معلوم ہو۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة. (الدرالمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۱۶)

سفراء مدارس کا اپنی تنخواہ خود تملیک کر کے لینا

سوال: [۴۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے سفراء کو اپنی اجرت ازخود تملیک کرا کے وصول کر لینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیع اللہ قاسمی، ناظم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفراء کو اپنی اجرت خود تملیک کر کے وصول کر لینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، مکتبہ گلستاں، کتاب گھر/ ۴۴۲-۴۴۳، مکتبہ زکریا/ ۴۱۸-۶۵۹، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۱۷)

مستفادة من الفتاویٰ البزازیة الوکیل بأداء الزکوٰة إذا صرفه (قوله) لنفسه شیئاً. (بزازیه علی هامش الهندیة، کتاب الزکاة، الثانی فی المصرف زکریا دیوبند ٤/ ٨٦، جدید زکریا ١/ ٥٨، وهکذا فی الشامی زکریا دیوبند ٣/ ١٨٨، ١٨٩، کراچی ٢/ ٢٦٩)

فلا یجوز أن یمسک لنفسه شیئاً. (البحرالرائق، کوئٹه ٢/ ٢١١، زکریا دیوبند ٢/ ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۵)

سفیر کا زکوٰۃ کی رقم میں تبدیلی کرنا

سوال: [۴۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید رمضان میں ایک مدرسہ کی رقم فراہمی کی غرض سے ممبئی وغیرہ شہروں میں جاتا ہے، جسمیں اکثر رقم زکوٰۃ کی ہوتی ہے، قلیل مقدار میں عطیات نافلہ وغیرہ ہوتے ہیں، لیکن زید معطی کی رقم خاص کو کئی طریقوں پر متبدل کر لیتا ہے، مثلاً معطی کی رقم ریز گاری اور کھلے پیسوں کی شکل میں ہوتی ہے تو اپنی آسانی کے لئے ان کو کسی دوکان سے بڑے نوٹوں کی شکل میں کرالیتا ہے اسی طرح اپنے ذاتی اخراجات میں ان کو خرچ کر کے اپنے گھر آ کر پورا کر دیتا ہے، اسی طرح سفر کی مشکل سے بچنے کیلئے بینک میں یا معتمد شخص کو دیدیتا ہے وغیرہ اب سوال ہوتا ہے کہ آیا زید کو اس زکوٰۃ کی رقومات میں اس طرح تغیر وتبدل کرنا خاص کر اپنے ذاتی اخراجات میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کرنے سے معطی کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو فبہا ورنہ اسکے جواز کی جو شکلیں ہوں ان کو بالتفصیل لکھ کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتي: محمد مطلوب، باندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارس کے سفراء اور محصلین کو زکوٰۃ کی رقم میں تبدیلی کرنے کی اجازت نہیں ہے، بس صرف اتنی اجازت ہے کہ معتبر ذرائع سے مدرسہ تک پیسہ پہنچایا جائے، چاہے ڈرافٹ کے ذریعہ یا منی آرڈر کے ذریعہ یا معتمد شخص کے ذریعہ سے ،مگر اپنی ذاتی ضرورت پوری کرنے کیلئے تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا اگر ذاتی ضرورت میں خرچ کرے گا، تو وہ ضامن ہوگا۔

سئل البقالی عمن أعطی رجلاً دراهم لیتصدق بها عن زكاة الآمر

فتصدق المأمور بدراهم نفسه هل تقع الزكاة عن الآمر ؟ فقال: إذا تصدق بذلک علی نية الرجوع جاز، وسئل عنها الوبری ؟ فقال: هذا علی وجهين: إن كان صرف المال الذي دفعه الآمر في حاجته ثم دفعه من مال نفسه فهذا لا يجوز ؛ لأنه لما أنفقه صار مضموناً عليه فلا يبرأ إلا بالأداء إلیٰ المالک . (تاتارخانية ، كتاب الزكاة، الفصل التاسع كوئٹه ٢/٢٨٤، زكريا ديوبند٣/٢٢٨، رقم: ٤٢٠١)

ولو تصدق بدراهم نفسه أجزأ إن كان علی نية الرجوع وكانت دراهم الموكل قائمة ، وفی الشامی قوله ولو تصدق الخ .أي الوكيل بدفع الزكاة ، إذا أمسک دراهم الموكل ثم دفع من ماله ليرجع ببدلها فی دراهم الموكل صح بخلاف ما إذا أنفقها أولاً علی نفسه مثلا ثم دفع من ماله فهو متبرّع . (شامی، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند٣/١٨٩، كراچی ٢/٢٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹رشعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/ ۹۳۸۹)

چندہ کی رقم ذاتی رقم سے مخلوط ہوجائے تو کس طرح علیٰحدہ کریں؟

سوال: [۴۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ برز وعید الفطر صدقۂ فطر کی رسیدات کٹوانے والوں کی ہمہ ہمی میں بعجلت زید سے ایک رسید بغیر کاربن لگائے ہوئے کٹ گئی جس کا اعلان مدرسہ کے طلبہ سے نیز برزو جمعہ بوقت خطبہ مسجد میں مع حوالہ بک ورسید نمبر کے کیا گیا مگر اب تک پتہ نہ چلا کہ وہ رسید کس کے نام اور کتنے کی کٹ گئی چونکہ حقوق العباد کی بات ہے پھر مدرسہ کا معاملہ ہے زید اپنی جگہ بہت پریشان ہے اس بارے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد یعقوب، قصبہ پھول بہڑ، لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : چندہ کا پیسہ تو الگ رکھا جاتا ہے، ان پیسوں میں سے جتنا زائد ہے وہ اس رسید کا شمار ہوگا جو بغیر کاربن کے کٹ گئی ہے، اور اگر اپنے پیسوں سے مخلوط کر دیا تھا، جو کہ نہیں ہونا چاہئے تھا تو اتنا پیسہ اس رسید کے برابر شمار کر کے دیدے جس رسید میں سب سے زیادہ درج ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا ضرر ولا ضرار . (سنن ابن ماجه ، الأحكام ، باب من بنى فى حقه مايضر بجاره ، النسخةالهندية ١/ ١٦٩ ، دارالسلام رقم : ٢٣٤١ ، مسند أحمد بن حنبل ١/ ٣١٣، رقم: ٢٨٦٧ ، المعجم الكبير للطبراني دار احياء التراث العربي ٢/ ٨٦، رقم ١٣٨٧ ، ١١/ ٢٢٨ ، رقم: ١١٥٧٦ ، ١١/ ٣٠٢ ، رقم: ١١٨٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

موکل کا زکوٰۃ کی رقم ذاتی استعمال میں لا کر دوبارہ غریب کو دینا

سوال: [۴۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالد کو ایک ہزار روپئے زکوٰۃ کے دئے کہ کسی غریب یا مدرسہ والے کو یہ پیسے دیدینا، خالد نے وہ روپئے جیب میں رکھ لئے خالد کو اپنے کام میں خرچ کرنے کی اچانک ضرورت پڑی خالد نے وہ ایک ہزار روپئے اپنے کام میں خرچ کر دیا کہ گھر جا کر اپنے ایک ہزار روپئے نکال کر حسبِ حکم زید غریب یا مدرسہ کو دے دونگا، چنانچہ خالد نے ایسا ہی کیا معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا زید کی زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں اور خالد کا یہ عمل درست ہے؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : زید نے خالد کو اپنی طرف سے ایک ہزار روپیہ

زکوٰۃ میں ادا کرنے کا وکیل بنایا تو خالد کیلئے اس پیسے کو اپنی ذات پر خرچ کرنا کسی طرح جائز نہیں ،خالد زکوٰۃ ہی کے ادا کرنے کا وکیل اور امین ہے لیکن خالد نے جب اس پیسے کو اپنی ذات پر خرچ کیا تو خالد زید کیلئے ایک ہزار روپیہ کا ضامن بن گیا ،اب وکیل نہیں رہا۔ لہٰذا بعد میں اپنے مال سے ایک ہزار روپیہ زید کی طرف سے بطور تبرع ہو جائے گا ،اور زید کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہونے کیلئے یہ لازم ہے کہ خالد زید کو اطلاع کر دے کہ میں نے تمہاری دی ہوئی رقم اپنی ضرورت میں خرچ کر لی ہے ،اب میں تمہاری طرف سے اتنی ہی رقم وعدہ کے مطابق اپنے مال سے بطور زکوٰۃ دینا چاہتا ہوں تو اگر زید دوبارہ اجازت دیدے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی ورنہ نہیں۔ (مستفاد: محمود ڈابھیل ۹/۴۹۱)

ولو تصدق أی الوكيل بدفع الزكاة (إلى قوله) إذا أمسک دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها فی دراهم الموكل صح بخلاف ما إذا أنفقها أولا علی نفسه مثلاً ثم دفع من ماله فهو متبرع . (شامی، كتاب الزكاة، مطلب فی زكاة ثمن المبيع وفاء كراچی ۲/۲۶۹، زكريا۳/۱۸۹)

وفی العيون رجل دفع إلیٰ رجل عشرة دراهم ليتصدق بها فأنفق بها علی نفسه وتصدق بعشرة من مال نفسه عن الآمر لم يجز وفی الخانية : ويكون ضامناً للعشرة ولو كانت الدراهم عنده قائمة فلم يتصدق بها، وتصدق بغيرها جاز استحساناً وفی الخانية : ويكون العشرة له بعشرته . (تاتارخانية ، كتاب الوكالة، الفصل التاسع فی التوكيل بالإنفاق زكريا۱۲/۳۱۲، رقم المسئلة رقم:۱۷۵۹۳، هندية ، كتاب الوكالة ، الباب العاشر فی المتفرقات زكريا۳/۶۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۵ھ

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم اپنی ضروریات میں خرچ کر کے دوسرے روپیوں سے ادا کرنا

سوال: [۴۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر کو زکوٰۃ کی رقم دی کہ جا کر مدرسہ میں دیدینا مصرف میں خرچ کر دینا بکر سے وہ رقم یعنی دیئے ہوئے روپئے اپنی ضرورت میں خرچ ہو گئے بعد میں بکر نے وہ پیسہ زید کی دی ہوئی رقم کے مطابق اوراس کے حکم کے مطابق مدرسہ میں یا جو مصرف بتلایا تھا، اسمیں دیدی تو آیا زید کی زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

المستفتي: جمیل اختر عثمانی، مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ہاں البتہ اسطرح جائز ہوسکتا ہے، کہ اولاً اس نیت سے اپنی جیب سے مصرف زکوٰۃ میں ادا کر دے کہ بعد میں زید کے دیئے ہوئے روپئے میں وصول کرلیا جائیگا، اوراولاً زکوٰۃ کے پیسے میں سے خرچ کر کے بعد میں اس کو جمع کر دینے سے ادا نہیں ہوتی، لہٰذا زید کی دی ہوئی جو رقم بکر نے اپنی ضرورت میں خرچ کرڈالی ہے بکر اتنی کا ضامن ہوگا اور وکیل بمنزلہ امین ہوتا ہے، اور امانت کی رقم خرچ کرتے ہی امانت ختم ہوکر ضمانت بن چکی ہے اب زکوٰۃ ادا ہونیکی صرف یہ صورت ہوسکتی ہے، کہ بکر زید کو مطلع کر دے اور زید بکر کو دوبارہ وکیل بنا دے تو بکر اپنی جیب سے مذکورہ مقدار بنیت زکوٰۃ مصرف میں دے دیگا، تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا شروع ہی سے زید نے بکر کو خرچ کی اجازت دیدی ہو اور زید کی طرف سے اتنی مقدار زکوٰۃ فی الجملہ ادا کرنے کا حکم کیا ہو، تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی ورنہ نہیں۔ (بہشتی زیوراختری ۳/ ۲۹)

الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم الموكل ودفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم الموكل صح بخلاف ماإذا أنفقها أوّلاً على نفسه مثلاً ثم دفع من ماله فهو متبرع الخ. (شامی، کتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاء زكريا ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۶۹)

لأن الدراهم تتعين في الوكالة. (الدرالمختار، کراچی ۵/ ۵۳۴، زکریا

دیو بند۸/۲۷٦، بزازيه على الهندية زكريا ديوبند ٤/٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۶؍شعبان ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۰٦)

مدرس سے چور کے پیسہ چھین کر فرار ہونے کی صورت میں ضمان کا حکم

فدوی محمد مناظر عالم بن مولانا محمود عالم صاحب مدرس مدرسہ امدادیہ اشرفیہ آج یکم فروری کو آپ کے دیئے چیک نمبر ۶۱۳۵۰۱ کے ذریعہ ننانوے ہزار روپے بینک آف بڑودہ سے مدرسہ کے کھاتے میں سے برآمد کر کے لانے گیا تھا، اور میرے ساتھ مدرسہ کے منشی جناب مولانا جنید قاسمی صاحب بھی تھے، انھوں نے بھی دوسرے چیک کے ذریعہ رقم برآمد کیا تھا، دونوں آدمی بینک سے روپئے نکالنے کے بعد کچھ روپئے اپنی اپنی جیبوں میں اور مبلغ ۸۴۵۰۰؍روپئے ایک تھیلہ میں رکھ کر دونوں آدمی ساتھ ساتھ بینک سے باہر نکلے اور رکشہ پر بیٹھ کر مدرسہ واپس ہورہے تھے، کہ راستہ میں راجہ منڈی پٹی کے قریب رکشہ کے قریب دو موٹر سائیکل سوار ہمارے رکشہ کے قریب پہونچے اور موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھا ہوا آدمی پوری طاقت سے ہمارے ہاتھ سے روپیہ کی تھیلی چھین کر فرار ہوگیا ہم دونوں نے چور چور کہہ کر شور مچایا اور رکشہ چھوڑ کر اس کے پیچھے دوڑے لوگوں کے جمع ہوتے ہوئے موٹر سائیکل سوار روپئے لیکر فرار ہوگئے اور بھاگنے میں کامیاب رہے، صحیح صحیح واقعہ کی جناب والد کو اطلاع دے رہے ہیں، براہ کرم مناسب قانونی کاروئی کی جائے اور ہم کو بری الذمہ کیا جائے مہربانی ہوگی۔

محمد مناظر عالم قاسمی، محمد جنید قاسمی

سوال: [۴۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مذکورہ بالا مسئلہ کے بارے میں: کہ ان کو بری الذمہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ واقعہ کی تصدیق ہوچکی ہے اور تھانہ کو بھی اطلاع کی جاچکی ہے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، اس واقعہ کے بعد مزید دوسروں کیساتھ بھی یہی احوال پیش آئے۔

المستفتي: عبدالمنان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ رقم لیکر آتے وقت رقم لانے والوں کی طرف سے کوئی تعدی نہیں تھی چور چھپٹا مار کر پیسوں کی تھیلی لیکر بھاگے اور اس کی شہادت وتصدیق بھی مذکورہ تحریر میں موجود ہے اس لئے یہ پیسے شرعی طور پر امانت میں تعدی کے بغیر ضائع ہو چکے ہیں، لہٰذا اس کا ضمان اور تاوان لازم نہ ہوگا، بلکہ یہ نقصان مدرسہ ہی کو برداشت کرنا ہوگا۔

الوديعة أمانة في يد الوديع فإذا هلكت بلا تعد منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لايضمن. (شرح المجلة، اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/ ۴۳۱، مادة: ۷۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۸۰)

محصلین سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ رمضان المبارک میں نکالتا ہوں، میری زکوٰۃ نوے (۹۰) فیصد مدرسے والے لے جاتے ہیں، لیکن میرے ذہن میں مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ خلجان ہوتا ہے کہ نہ معلوم میری زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱) جو چندہ وصول کرنے آتے ہیں، ان میں بہت بڑی تعداد ۲۵ر فیصد یا ۳۰ر فیصد یا ۴۰ر فیصد پر چندہ کرنے والوں کی ہوتی ہے، اور وصول کرنے والے جو فیصد پر کام کرتے ہیں، ان میں کوئی مستحق زکوٰۃ نہیں ہوتا ہے، تو کیا ہماری یہ ۳۰ر فیصد زکوٰۃ مصرف میں پہونچتی ہے یا نہیں؟

(۲) سنا ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں استعمال نہیں کر سکتے تو ذمہ داران مدرسہ جو ہماری زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں استعمال کرتے ہیں، تو ہماری زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

(۳) زید یہ بھی سنا ہے کہ بغیر تملیک کے مدرسہ کے استادوں کو زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں لینا درست نہیں ہے، اور آجکل مدرسہ کے اکثر وبیشتر ذمہ داران یا تو تملیک کے بغیر ہی زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں استعمال کردیتے ہیں یا کرتے بھی ہیں، تو ناقص کرتے ہیں، کما حقہ نہیں کرتے ہیں، ایسی صورت میں ہماری زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

(۴) مدرسہ میں غریب مالدار دونوں طرح کے بچے پڑھتے ہیں، ۲۰ یا ۲۵ / فیصد بچے مالدار رہتے ہیں، ان پر بھی ہماری زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاتی ہے، تو ہماری زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ سے درخواست ہیکہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں؟

المستفتي: محمد عرفان، بنارس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زکوٰۃ دہندگان، مدارس کے سفراء یا ذمہ داران کے ہاتھ میں طلبہ اور مصرف پر خرچ کرنے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ دیدیتے ہیں، اسی وقت زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، اس کے بعد سفراء یا ذمہ داران کے ہاتھ سے خدانہ خواستہ دیانت کے خلاف کوئی عمل ہوتا ہے تو اس کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے، زکوٰۃ دہندگان نہیں ہوں گے، ان کی زکوٰۃ ادا ہوچکی ہے، اسی طرح اگر زکوٰۃ دہندگان نے اپنی زکوٰۃ سفراء یا ذمہ داران کے ہاتھ دیدی ہے اور راستہ میں وہ پیسہ سفراء یا ذمہ دار کے ہاتھ سے چوری ہوجائے یا ڈوب جائے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا، ان کا فریضہ ادا ہوچکا، یہی سارے سوالات کے جوابات کا حاصل ہے۔

إذا وكله الفقراء لأنه كلما قبض شيئاً ملكوه وصار خالطاً مالهم بعضهم ببعض ووقع زكوٰة عن الدافع. (شامي، كتاب الزكاة، كراچی ۲/۲۶۹، زكريا ۳/۱۸۸)

ولا یخرج عن العهدة بالعزل فلو ضاعت لاتسقط عنه الزكوٰة ولو مات كانت ميراثا عنه بخلاف ماإذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء . (شامی ،زکریا ۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۳۱ھ

چندہ کی رقم کھو جائے تو ضمان کا حکم

سوال: [۴۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مدرسہ میں مدرس ہوں، رمضان ودیگر مواقع پر مدرسہ کا چندہ کرتا ہوں، امسال چندہ کی غرض سے لکھنؤ ،بمبئی ، وغیرہ چندہ کیا جب میں بمبئی پہنچا تو راستہ میں کہیں پر مبلغ ۱۸۰۰ر سو روپئے میری جیب سے نکل گئے ، اکثر جب بمبئی جاتا ہوں تو ایک صاحب کے پاس بغرض حفاظت چندہ کی رقم جمع کردیتا ہوں، اس مرتبہ وہاں تک پہنچ نہ پایا تھا کہ راستہ میں یہ حادثہ پیش آ گیا جہاں تک ممکن ہوتا ہے چندہ کی رقم کی حفاظت کرتا ہوں ایسی صورت میں شرعاً اس رقم کا کیا حکم ہے؟ مدرسہ کی انتظامیہ میرے لئے ۱۸۰۰ر روپئے معاف کرتی ہو اور اگر معاف نہ کرکے میری تنخواہ سے وضع کرتی ہو تو دونوں صورتوں میں شرعاً کیا حکم ہے، جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: عارف حسین، مدرسہ عربیہ حسینیہ، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے مدرسہ کا قانون اور ضابطہ یہی ہے کہ چندہ وصول کنندگان جب تک مدرسہ کے دفتر میں جمع نہ کریں گے، اس وقت تک انکے پاس چندہ کی رقم بطور ضمانت ہے تو آپ پر لازم ہے کہ اپنی طرف سے وہ رقم مدرسہ میں جمع کردیں اور اگر چندہ وصول کنندگان کے پاس بطور امانت رہتی ہے تو آپ پر لازم نہیں

اسلئے کہ مدارس کے جوضوابط ہیں، ان کے مطابق عمل کرنا لازم ہے، اوراس حدیث سے مدارس کے ضوابط مستنبط ہیں۔

الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حراماً. الحديث:

(ترمذي شريف، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

سفیر سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدرسہ کا معلم ہے رمضان شریف میں چندہ کیا ساری رقم حفاظت سے گھر میں رکھی تھی، چوروں نے گھر کے تالے توڑ کر الماری توڑی اور ساری رقم جو پچاس ہزار کے قریب تھی لے گئے، معلوم یہ کرنا ہے کیا زید یہ رقم چوری شدہ اپنی جیب سے ادا کرنے کا ذمہ دار ہے یا مدرسہ والے معاف کرنے کا حق رکھتے ہیں، شرعاً کیا حکم ہے اور جن جن لوگوں کی زکوٰۃ اور فطرے تھے، کیا ان کی زکوٰۃ اور فطرے ادا ہوگئے

المستفتي: محمد اصغر، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چندہ دہندگان نے جب منجانب مدرسہ رقم وصول کنندہ کے قبضہ میں دیدیا تو اسی وقت ان کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، اس کے بعد مدرسہ کے دفتر میں جمع کرنے تک وصول کنندہ کے ذمہ میں لازم ہوگئی، اس کے بعد مدرسہ کے دفتر میں جمع کرنے کے بجائے اپنے گھر میں رکھنے کا حق نہیں ہے، جب اس نے اپنے گھر پر رکھا ہے تو

اس کی ضمانت میں داخل ہوگئی، اسلئے حفاظت کے باوجود چوری ہوجانے پر بھی اس کے اوپر پوری رقم مدرسہ کو ادا کرنا لازم ہوگا، اور مدرسہ والوں کو معاف کرنے کا حق نہیں۔

والوضع فی حرز غیره من غیر استئجار له إیداع حتی یضمن به.

(البحرالرائق، کتاب الودیعة، زکریا ۷/ ٤٦٦، کوئٹہ ۷/ ٤ ٢٧، تبیین الحقائق، مکتبہ امدادیه ملتان ٥/ ٧٧، زکریا دیو بند ٦/ ٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ شوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ

چندہ کرتے وقت زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجانے کا حکم

سوال: [۴۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ کی وصولیابی کے دوران کسی مدرس سے زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے تو اس صورت میں صاحب نصاب کی زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ اور پھر دونوں شکلوں میں چوری شدہ رقم کس کے ذمہ ہوگی آیا مدرس یا مدرسہ؟

المستفتي: امام وخطیب، مغلوں والی مسجد، کندرکی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ کے مہتمم اور ان کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے خواہ وہ سفیر ہوں، یا استاد، مدرسہ کے نادار طلبہ کے بھی وکیل ہوتے ہیں، اور زکوٰۃ دہندگان کے بھی وکیل ہوتے ہیں، لہٰذا یہ سفراء یا استاد جو زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور ہیں، جب زکوٰۃ دہندگان انکے ہاتھ میں زکوٰۃ کا پیسہ سونپ دیں گے تو طلبہ کے وکیل ہونے کی وجہ سے ان کی زکوٰۃ اسی وقت ادا ہوجاتی ہے، اسکے بعد زکوٰۃ وصول کنندہ کی ذمہ داری ہے کہ اہتمام کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے ہوئے مدرسہ کے دفتر میں جمع کردے، اور چوری ہوجانے کی دو شکلوں میں ایک شکل یہ ہے کہ راستہ میں

حفاظت کے باوجود چوری ہوجائے اورآج کل کے زمانہ میں ایسانہیں ہوتا ہےاس لئے کہ پورے ملک میں یہ انتظام ہے کہ فوری طور پر پیسہ بینک میں جمع کریں تو جمع کردہ رقم فوری طور پر مدرسہ کے کھاتے میں منتقل ہوجاتی ہے،اس لئے اگر بینک میں جمع کئے بغیر اپنی جیب میں رکھے ہوئے ہیں، اورکئی دن اسی طرح گذار دئے ہیں تو یہ تعدی میں شامل ہوجائیگا، دوسری صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کنندہ پیسہ کو مدرسہ میں جمع کئے بغیر پیسہ کو اپنے گھر یا اورکسی جگہ رکھدے اوراس میں اتنا وقت گذرجائے، کہ جس سے پیسہ چور کے ہاتھ لگ جائے،تو یہ بھی لاپرواہی اورتعدی میں شامل ہے،ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ وصول کنندہ پرجس کے ہاتھ سے پیسہ ضائع ہو چکا ہے،بطورضمان مدرسہ کے دفتر میں اپنی طرف سے جمع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۵۰، جواہر الفقہ ۴/ ۳۸۷،محمودیہ ڈابھیل ۹/۵۱۳، ۵۱۴، ۱۶/ ۵۵۳، امدادالفتاویٰ ۳/ ۳۱۵)

وظاهره أنه يجب حفظ كل شيئى فى حرز مثله . (شامی، کتاب الإيداع، زكريا ديوبند ۸/۴٦۸، کراچی ۵/٦۷۳)

يلزم حفظ الوديعة فى حرز مثلها ، فوضع مثل النقود والجوهرات فى أصطبل الدواب أو التبن تقصير فى الحفظ ، وبهذا الحال إذا ضاعت الوديعة أو هلكت لزم الضمان . (شرح المجلة ، اتحاد بكڈپو ديوبند ۱/۴۳۳، رقم المادة : ۷۸۲)

وإنما ضمن للتقصير فى الحفظ الخ. (شامی ، کراچی ۵/٦۷۳، زكريا۸/ ۴٦۹)

للمستودع أن يحفظ الوديعة فى المحل الذى يحفظ فيه ماله . (شرح المجلة ، اتحاد بكڈپود يوبند ۱/ ۴۳۲، رقم: ۷۸۱)

الوديعة يحفظها المستودع بنفسه أو يستحفظهاأمينه كمال نفسه فإذا هلكت فى يده أو عند أمينه بلا تعد ولا تقصير فلا ضمان عليه ولا على أمينه . (شرح المجلة ، اتحاد بكڈپو ديوبند ۴۳۲، رقم:۷۸۰)

وكذا يضمنها إذا سرقت فى الطريق وكذا إذا وقع حريق ولم ينقل

الـوديـعة إلـىٰ محل آخر مع قدرته على ذلک فاحترقت فإنه يضمن . (شرح المجلة ، اتحاد بکڈپو دیوبند ۱/۳۷ ٤، رقم: ۷۸۷)

ولـو قـال وضـعـت بين يدى فى دارى ،ثم قمت و نسيتها، فضاعت يـنظر: إن كانت الوديعة مالا يحفظ فى عرصة الدار و لا تعد حرزاً له كصرة الدراهم والذهب ونحوهما يضمن وإلا فلا. (هندية زكريا ديو بند٤/٣٤٣، كتاب الـوديـعة البـاب الـرابع فيما يكون تضييعاً للوديعة وما لا يكون جديد زكريا ٤/٣٥٥، هكذا فى الشامية زكريا٨/٤٦٨، کراچی ٥/٦٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۵۳۶)

باہر جاکر قرآن سنانے والے مدرس کو رمضان کی تنخواہ نہ دینے کا فیصلہ

سوال: [۴۵۵٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ ایک مدرسہ کا مدرس ہے اور تدریس کیساتھ امام مسجد بھی ہے ،تنخواہ ۱۲۰۰/روپیہ ماہوار ہے، رمضان المبارک میں بندہ بمبئ جاتا ہےقرآن کریم سنانے کے ساتھ مدرسہ کیلئے چندہ بھی فراہم کرتا ہے،بمبئ آمدورفت کا کرایہ خود ہی صرف کرتا ہے، البتہ بمبئ شہر میں سلسلہ فراہمی جوصرفہ ہوتا ہے، وہ مدرسہ سے وصول کرتا ہے، ارباب مدرسہ چندہ پر خوش ہوکر ایک ہزار روپیہ بطور انعام دیتے چلے آئے ہیں، اور یہ تقریباً پانچ سال سے دے رہے ہیں،امسال اہل مدرسہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جولوگ باہر جاکر قرآن سناتے ہیں، ان کو اب ایک ماہ رمضان کی تنخواہ نہیں دی جائے گی تو کیا یہ فیصلہ درست ہے اب جب کہ رمضان میں تعطیل کلاں ہوتی ہے،تو ہم تعطیل کلاں میں چندہ کی فراہمی کرتے ہیں،تو تنخواہ نہ دینے کا فیصلہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟ صرف اس بنا پر کہ قرآن سناتے ہیں لہذا مدرس کو تنخواہ دینے کے بارے

میں فیصلہ شرعی کیا ہے، مدلل ومفصل جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: العارض: محی الدین القاسمی،
مدرسہ مدینۃ العلوم، رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ذمہ داران مدرسہ کو یہ حق ہے کہ کسی مدرس سے تعطیل کلاں میں چندہ نہ کرائیں البتہ چندہ کرانے پر مجبور کرنے کا بھی حق نہیں، ہاں البتہ ڈبل تنخواہ یا آپس کے طے شدہ انعام وغیرہ پر چندہ یا کسی اور کام کیلئے معاملہ کرنا جائز ہے، اور اگر ایسا نہ ہو کہ مدرس سے نہ چندہ کرایا جائے اور نہ ہی دوسرا کام کرایا جائے بلکہ مدرس کو تعطیل کلاں کی رخصت مل جاتی ہے تو مدارس اسلامیہ کا عرف اور رواج یہ ہے کہ مدرس کو تعطیل رمضان کی تنخواہ ملتی ہے چاہے مدرس اس تعطیل میں اپنا ذاتی کوئی بھی کام کرتا ہو۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ۱۹/۴۱، ۲۲۰/۳۰، البنايه اشرفيه ديوبند ۹/۲۳۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/۲۶۱)

البتہ قرآن سنا کر اجرت لینا بہر حال ناجائز ہے ذمہ داران مدرسہ کو مصلحت کے طور پر اجرت لینے سے روکنے کا حق ہو سکتا ہے، کیوں کہ اس مدرسہ کی بھی بدنامی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵۰۴/۳۲)

چندہ کرنے والے مدرس کو تنخواہ سے زائد رقم دینا

سوال: [۴۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید دینی مدرسہ میں ملازمت کرتا ہے، اسی ملازمت کی وجہ سے وہ رمضان المبارک کے اندر مدرسہ کا چندہ کرتا ہے، حالانکہ زید کو رمضان المبارک کے مہینہ کی تنخواہ ملتی ہے، تنخواہ کے ملتے

ہوئے پھر بھی زید چندہ پر کمیشن لیتا ہے، کمیشن آدھا بھی لیا جاتا ہے اور آدھے سے کم بھی لیا جاتا ہے، اگر مدرسہ کی طرف سے کمیشن دیا جائیگا، تو کتنا دیا جاسکتا ہے، اور اس کیلئے کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں اگر شریعت نے اس کی مقدار متعین کی ہے تو کتنی ہے؟ تشفی بخش جواب دے کر ممنون فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد عمر، ادہم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص مدرسہ کا باضابطہ ملازم ہے، اور وہ چندہ میں اچھا کارنامہ انجام دیتا ہے، تو اس کو حسن کارکردگی کی وجہ سے شرح فیصد متعین کر کے بطور انعام مقررہ تنخواہ سے زائد دینا شرعاً جائز اور درست ہے، لیکن یہ انعام وصول شدہ چندہ کے نصف سے کم ہی ہونا چاہئے، اور نصف سے کم میں کوئی بھی مقدار حسب صوابدید متعین کی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵، امداد المفتیین ۲/ ۴۵۷، ۲/ ۴۶۱)

لکن لایزاد علی نصف مایقبضه . (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤۱، زکریا ۳/ ۲۸٦، ومثله فی الهندیة زکریا ۱/ ۱۸۸، هندیه ، جدید زکریا ۱/ ۲٤۹، البحر الرائق ، زکریا دیوبند ۲/ ٤۲۰، کوئٹه ۲/ ۲٤۱، تبیین الحقائق ، مکتبه امدادیه ملتان ۱/ ۲۹۷، زکریا دیوبند ۲/ ۱۱٤، مجمع الانهر مصری قدیم ۱/ ۲۲۰، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۲٦)

اور جو شخص مدرسہ کا باضابطہ ملازم نہ ہو تو پھر اجارۂ فاسدہ کی وجہ سے شرح فیصد متعین کر کے صرف انعام کو اجرت قرار دینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ اجارہ کے صحیح ہونے کیلئے اجرت کا متعین ہونا شرط ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵٦)

وشرطها کون الأجرة والمنفعة معلومتین لأن جهالتهما تفضی إلیٰ المنازعة . (الدر المختار کتاب الاجارة ، زکریا دیوبند ۹/ ۷، کراچی ٦/ ۵، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۱/ ۱۵۸، هدایه مکتبه اشرفیه دیوبند ۳/ ۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

مدرس کو حسن کارکردگی پر انعام دینا

سوال: [۴۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جن مدارس میں چندہ کیا جاتا ہے، تو ذمہ داران مدرسہ سفراء حضرات کو کچھ فیصد دیتے ہیں، کسی جگہ پر بیس اور کسی جگہ پر دس اور کسی جگہ پر پانچ فیصد دیتے ہیں، اوراسکے علاوہ سفراء کو سفرخرچ اور ماہانہ تنخواہ بھی دیتے ہیں، صورت مسئولہ کا شرعی حکم کیا ہے، اس طرح فراہمی چندہ پر فیصد لینا اور دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو فبہا ورنہ پھر مدارس کے ارباب حل وعقد حاملین شریعت علماء حضرات مدارس سے اس کا خاتمہ کیوں نہیں کرتے اور کچھ مدارس والے اسے فیصد کا نام نہ دیکر انعام کارکردگی کا نام دیتے ہیں، جبکہ یہ دونوں چیزیں ایک ہی سکے کے دورخ ہیں، جس طرح پاخانے کو حلوہ کہنے سے اس کی حقیقت نہیں بدل جاتی اسی طرح فیصد کو بھی انعام کہنے سے اس کا حکم نہیں بدلتا بہرحال اس کا شرعی حکم بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتي: خادم العلم والعلماء: ظہیر احمد، خادم: تدریس جامعہ مدینۃ العلوم مدینہ مسجد، کاردکھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باتنخواہ ملازمین کو حسن کارکردگی کی بناء پر مدرسہ کے فنڈ سے فیصد کے حساب سے انعام دینا شرعاً جائز ہے بے تنخواہ لوگوں کو دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵) پر اس کی تفصیل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۹/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۵۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۹/۱۴۱۹ھ

تنخواہ دار محصلین کو فیصد کے حساب سے رقم دینا

سوال: [۴۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک دینی ادارہ میں کچھ مدرسین تدریسی اوقات کے علاوہ اپنی ذاتی جدو جہد سے ادارے کا چندہ وصول کرتے ہیں، ان مدرسین کو مقررہ تدریسی اوقات کا معاوضہ دیا جاتا ہے، نہ کہ چندہ وصول کرنے کا جواب طلب امر یہ ہے کہ ادارہ ان مدرسین کو چندہ کی ہوئی رقم پر ان کی محنتانہ دینا چاہتا ہے، آیا محنتانہ دینا مناسب ہے یا نہیں اگر دے سکتے ہیں، تو رقوم کے تناسب سے کتنی رقم دے سکتے ہیں، واضح رہے کہ وصول کنندگان میں کچھ کا حلقہ بڑا ہے اور اچھے بڑے تعلقات کی وجہ سے زیادہ چندہ کرلیتے ہیں، اور کچھ کا حلقہ محدود ہے جو نسبتاً کم وصول کرپاتے ہیں۔

اگر کل رقم کا فیصد متعین کر کے (مثلاً سات فیصد) اسی میں کم وبیش کر کے بطور انعام دیدیا جائے تو کیا یہ درست ہوگا، یا پھر دور حاضر کے حساب سے کہاں تک دے سکتے ہیں، چندے کے متعلق اگر آپ اپنے ادارے کا ضابطہ بھی تحریر فرمادیں تو ہم ممنون ہوں گے، تاکہ اس کی روشنی میں ہم کچھ فیصلہ کرسکیں؟

المستفتي:عرفان الدین، ناظم: جامعۃ الطیبات سروے نمبر۷ ۹،طیب آباد، مالیگاؤں، ناسک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسن کارکردگی کی وجہ سے بطور انعام تنخواہ دار ملازمین اور مدرسین کو فیصد کے حساب سے کچھ دینا جائز اور درست ہے، اور ہمارے ادارہ میں کیا قانون ہے دفتر اہتمام سے رابطہ قائم کر کے معلومات فراہم کرلیں اس کا تعلق استفتاء سے نہیں ہے۔(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۶/۱۴۳۴ھ

مدرسین کو چندہ کا معاوضہ دینا

سوال: [۴۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس اسلامیہ میں حضرات مدرسین کو تنخواہ کے علاوہ چندہ کا بھی معاوضہ دیا جاتا ہے، بعض میں سو روپیہ پر دس بیس روپیہ حتیٰ کہ تیس پرسینٹ تک دینے کا رواج ہے، جبکہ مکمل سفر خرچ منجانب مدرسہ ہوتا ہے، اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تنخواہ دار ملازمین و مدرسین کو ان کے چندے کے سلسلہ میں حسن کارکردگی کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ دس بیس فیصد بطور انعام دینا جائز و درست ہے اس میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ چندے کا پیسہ مدرسہ کے دفتر میں جمع ہونے سے پہلے اس پیسے سے انعام نہ لیا جائے، بلکہ سارا کا سارا پیسہ مدرسہ میں جمع ہونا ضروری ہے، اس کے بعد جو کچھ بھی انعام حسن کارکردگی کی وجہ سے دیا جائے وہ مدرسہ کے دفتر سے دینا ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵، امداد المفتیین کراچی / ۴۵۷، ۴۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۹۱)

تنخواہ دار ملازم کو حسن کارکردگی کی بناء پر فیصدی انعام

سوال: [۴۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اگر کسی مدرسہ میں تدریسی یا تحریری کوئی کام بالکل نہ کرے بلکہ مدرسہ والوں سے اپنا مقدار

متعین سالانہ چندہ کی رقم دینے کی طے کرے اور مدرسہ سے ماہانہ اپنی تنخواہ طے کر لے اور چندہ پر مدرسہ سے کوئی انعام لے یا نہ لے تو یہ معاملہ ازروئے شرع کیسا ہے؟ کہ زید گھر بیٹھ کر مدرسہ سے تنخواہ لے لیا کرے، اور سالانہ متعین شدہ رقم چاہے ایک ماہ میں ہوجائے، چاہے ایک سال میں ہوجائے، دیدیا کرے، اور یہ اسلئے کہ آجکل مدارس میں ایسے حالات بن گئے ہیں، ہرآدمی کی کبھی یہ شکایت ہے کبھی وہ شکایت ہے دماغ ہر وقت الجھا ہوا ہے، کس کس کی برداشت کی جائے، دوسرے یہ کہ اپنی ذاتی پریشانیاں الگ ہوتی ہیں، اسلئے اس میں ایک قسم کی سہولت ہوجائیگی؟

المستفتي: عبداللہ محلّہ منہاران، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص مدرسہ کا مستقل ملازم ہے جس کو باقاعدہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے، وہ اگر چندہ کرتا ہے، اور وصولیابی میں اچھا کارنامہ انجام دیتا ہے، تو حسن کارکردگی کی وجہ سے حوصلہ افزائی کے واسطے تنخواہ کے علاوہ کچھ فیصد بطور انعام دیا جائے تو اسکی بھی گنجائش ہے، لیکن یہ فیصد وصول کردہ رقم کے نصف سے زیادہ نہ ہو۔

لکن لایزاد علی نصف ماقبضه کما یاتی . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، زکریا دیوبند۳/۲۸۶، کراچی ۲/۳٤۱)

لکن قید الحنفیة ذلک بأن لا یزاد علی نصف مایقبضه . (الفقه الإسلامی وأدلته، مکتبه هدی انٹر نیشنل دیوبند۲/۷۸۵)

فمذهب الحنفیة ...... وإن جاوزت کفایته نصف ماجمع من الزکاۃ، فلا یزاد علی النصف، لأن التنصیف عین الإنصاف . (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۹۲/۱۵، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/۷۲۰)

نیز سوالنامہ میں ذکر کردہ عمل گرچہ اصول وقواعد کی روسے شرعاً جائز ہے لیکن احتیاط کے خلاف ہے۔

لا تصح (أي الإجارة) حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة .

(هدایه کتاب الاجارة، اشرفیه دیوبند ۲۹۳/۳)

وتحته فی الشامیة : وشرطها کون الاجرة والمنفعة معلومتین .

(شامی، زکریا دیوبند ۷/۹، کراچی ۵/۶)

وشرطها ماتقدم من کون الأجرة والمنفعة معلومتین . (مجمع الأنهر قدیم ، ۳۶۹/۲، دارالکتب العلمیة بیروت ۵۱۲/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۰۵/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۲ھ

حسن کارکردگی کے عوض فیصدی انعام

سوال: [۴۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مدارس اسلامیہ میں مدرسین حضرات سے چندہ کراتے ہیں خاص کر رمضان المبارک میں زکوٰۃ صدقات عطیات وغیرہ وصول کرتے ہیں، اور یہ چندہ مدرسہ کے خارج اوقات میں بھی کرتے ہیں، اور اوقات مدرسہ میں بھی کرتے ہیں، مدرسہ کی مقررہ تنخواہ کے علاوہ فیصد کے حساب سے کمیشن (یاانعام دیتے ہیں) مثلاً سوروپئے پر دس روپیہ دیتے ہیں، یہ کمیشن یا اسطرح سے انعام دینا جائز ہے یانہیں؟

(۲) اسی طرح مدرسہ کا ناظم یا مدرسہ کا مہتمم بھی رمضان المبارک میں چندہ کرتا ہے، اس کا کام مدرسہ کا نظام چلانا وفراہمی چندہ ہے درس وتدریس اسکے ذمہ نہیں ہے مگر کبھی کبھی کسی مدرس کی عدم موجودگی میں درسگاہ میں بیٹھ جاتا ہے، وہ رمضان المبارک میں زکوٰۃ صدقات عطیات وصول کرتا ہے، وہ بھی فیصد کمیشن لیتا ہے فیصد انعام لیتا ہے، کیا یہ جائز ہے مع الدلائل جواب سے نوازیں، کوئی مثال سلف کی پیش کریں؟

المستفتي: منہاد الدین صدیقی، ۶۳ ۱۷/ر
اسلامیہ اسکول، منالائی، موانہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی مقررہ تنخواہ کے علاوہ حسن کارکردگی کی بنا پر مہتمم، مدرسین وملازمین سب کیلئے فیصد انعام لینا جائز ہے، بشرطیکہ وصول شدہ تمام رقم اولاً مدرسہ میں جمع کردیں اور بعد میں ذمہ داران مدرسہ کے ہاتھ سے انعام وصول کریں تاکہ حدیث قفیز طحان کی مخالفت لازم نہ آئے! (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۳۳۸)

اور جہاں کمیشن کو ناجائز کہا جاتا ہے، وہ اس صورت میں ہے کہ جب کوئی تنخواہ متعین نہ ہو اسلئے کہ معاملۂ اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا شرط ہے، اور یہاں اجرت مجہول ہے۔

وأما شرائطها (إلیٰ قوله) ومنها أن تکون الأجرة معلومة الخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الإجارة، زکریا دیوبند ٤/ ٤١١، جدید زکریا ٤/ ٤٤١)

وشرطها أن تکون الأجرة والمنفعة معلومتین ؛ لأن جهالتهما تفضی إلیٰ المنازعة. (تبیین الحقائق، مکتبه امدادیه ملتان ٥/ ١٠٥، زکریادیوبند ٦/ ٧٧، البحر الرائق، زکریا دیوبند ٧/ ٥٠٧، کوئٹه ٧/ ٢٩٧)

ورنہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی وغیرہ بڑے اداروں میں بھی تنخواہ دار ملازمین کو حسن کارکردگی پر فیصدی انعام دیا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۳۵)

سفراء وملازمین کو حسن کارکردگی پر فیصدی انعام

سوال: [۴۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں ملازمین وسفراء سے کمیشن پر جو کام لیا جاتا ہے، اور پیش نظر آمدنی میں اضافہ رہتا ہے، تو کیا اس صورت میں بطور انعام کچھ رقم فی صد کے اعتبار سے دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ

میں علماء کرام ومفتیان کرام کا فتویٰ کیا ہے، اور آپ کی رائے کیا ہے، نوازیں ممنون ہوں گا؟

چونکہ فتاویٰ کی کتابیں برائے نام ہی یہاں پر ہیں، اس لئے آپ کو زحمت دے رہاہوں، باقی سب خیریت ہے، مولوی شبیر احمد اور مولوی جلیل احمد صاحب وغیرہ کو سلام قبول ہو، غلطیوں کو درگذر فرمائیں؟

المستفتي: احقر اشتیاق احمد بہرائچی،
جامعہ رحمانیہ، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ملازمین وسفراء کی تنخواہ پہلے سے منجانب مدرسہ مقرر ہے، اور حسن کارکردگی کی وجہ سے فی صدی بطور انعام کچھ رقم دیدی جائے تو یہ شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ ملازمین وسفراء وصول شدہ رقم کا کل کا کل مدرسہ میں جمع کردیں، پھر مہتمم ذمہ دار کے ہاتھ سے فیصدی انعام وصول کرلیا کریں، ورنہ حدیث قفیز طحان کی مخالفت لازم آتی ہے، جو درست نہیں ہے، حضرات اکابر واہل فتویٰ کی رائے جواز پر ہے، اور راقم الحروف بھی جواز ہی پر جواب لکھا کرتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۹۸)

مدرسین کو رمضان المبارک میں چندہ کرنے پر انعام یا ڈبل تنخواہ دینا

سوال: [۴۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک دینی مدرسہ میں مدرسین سے رمضان میں چندہ وصولیابی کا کام لیا جاتا ہے، جو مدرس رمضان میں چندہ وصول کرتے ہیں، ان کو رمضان کی تنخواہ کے علاوہ کچھ متعین فیصد بطور انعام کے ملتا ہے، اور جو مدرس چندہ وصول نہیں کرتے ہیں، ان کو صرف ان کی رمضان المبارک کی تنخواہ ملتی ہے، تو کیا ان مدرسین کیلئے جو چندہ کرتے ہیں، بطور انعام کے فیصد لینا درست ہے؟

یا چندہ کے کام پر الگ سے تنخواہ متعین کی جائے، اور بطور انعام کے کچھ رقم لی جائے جواز اور عدم جواز کی صورت کو مدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد طاہر عفی عنہ، دارالعلوم رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اہل مدارس اپنے تنخواہ دار مدرس کو رمضان المبارک میں چندہ کرنے کی وجہ سے جو تنخواہ کے علاوہ بطور انعام کچھ رقم دیتے ہیں، یا چندہ کرنے کی الگ سے تنخواہ مقرر کر کے کچھ رقم دیتے ہیں، یہ دونوں صورتیں شرعاً جائز ہیں، لہٰذا ان مدرسین کیلئے اس رقم کا لینا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۲۳۱، ایضاح المسائل/۱۲۲)

وشرطها كون الأجرة و المنفعة معلومتين . (الدر المختار، كتاب الاجارة، زكريا ديوبند٩/٧، كراچی ٥/٦، الموسوعة الفقهية الكويتية١ ٣/ ١٥٨)

ولايصح حتى تكون المنافع معلومة و الأجرة معلومة . (هدايه، اشرفيه ديوبند ٣/ ٢٩٣)

ومنها أن تكون الأجرة معلومة . (هنديه، زكرياديوبند ٤/ ٤١١، جديد زكريا ٤/ ٤٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۴۴/۴۰)

چندہ کرنے والے مدرسین کو انعام دینا

سوال: [۴۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ جس کی شروعات ایک عامی آدمی اور ایک مولانا نے کی تھی پھر یہ آدمی اخراجات کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا، مولانا نے ہی محنت کر کے ادارہ کو چلایا پھر شعبان میں ایک کمیٹی بنائی اس

میں پورے سال کا خرچ وآمد سمجھائی ،مگر کچھ رقم مولانا نے اپنے پاس بچا کر رکھی اور کمیٹی کو نہیں بتایا، دریافت طلب بات یہ ہے کہ مولانا نے جب مدرس کا تقرر کیا تو یہ کہا کہ آپ چندہ کریں گے تو آپ کو اجرت زائدہ کے نام سے حوصلہ افزائی کے طور پر کچھ بڑھا کر پیسے دیئے جائیں گے، جب کمیٹی بنی تو اعتراض کیا کہ ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ کمیٹی جاہلوں کی ہے، مولانا نے یہ پیسے اسلئے بچا کر رکھے کہ مدرسہ کے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو عوام کے سامنے نہیں رکھے جاسکتے ہیں، تو مولانا ایسی جگہ خرچ کر دیتے ہیں، اسمیں کوئی شک نہیں کہ مولانا نہایت امانت دار اور دیانت دار آدمی ہیں، تو کیا چندہ کرنے والوں کو مولانا اس میں سے بطور انعام پیسے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حافظ محمد رضوان، جامعہ نور العلوم،
محلّہ بنجاران، نور پور، پوسٹ: خاص، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی کمیٹی میں علماء اور دیندار افراد شامل ہونے چاہئے، بہر حال جب حساب پیش کیا جائے تو مکمل حساب کرنا چاہئے، اور معاملہ فہم افراد جو کمیٹی میں ہوں ان کے سامنے سب باتیں رکھنی چاہئے، اور چندہ کرنے والے مدرسین کو بطور انعام زائد رقم دینا شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۸۹)

چندہ وصول کنندہ کو تنخواہ سے زائد رقم دینا

سوال: [۴۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مدرسہ اور مسجد یا ادارہ کے محصل یا چندہ وصول کنندہ کو تنخواہ پر مقرر کرنے کے بعد اسکی مزید وصولیابی وکارروائی پر کمیشن مقرر کرنا یا بطور انعام کچھ زیادہ دیدینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

اور دونوں کی صورت کیا ہوگی؟

المستفتي: امداد الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کمیشن پر چندہ کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کی حسن کارکردگی کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ فیصدی کمیشن بطور انعام دینا جائز ہے، لیکن زکوٰۃ کی رقم سے دینا جائز نہیں ہے، بلکہ ساری رقم مدرسہ میں آکر جمع کردے اسکے بعد آکر الگ سے مدرسہ کے فنڈ سے تنخواہ اور انعام حاصل کرسکتا ہے، اس طرح سے یہ فیصدی کمیشن جو بطور انعام دیا جاتا ہے، قفیز طحان کے تحت داخل نہ ہوگا، بلکہ بلاقباحت شرعاً درست رہے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ نظامیہ اوندرویہ ا/۳۸۰)

اور اگر تنخواہ دار ملازم نہیں ہے تو کمیشن پر چندہ اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲۲)

وفی الدر المختار : فکل ما أفسد البیع مما مر یفسد ها کجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل . (الدر المختار مع الشامی، کراچی ٦/٤٦، زکریا٩/٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦٢٩٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۷/۲۴ھ

مدرس سفیر کو ڈبل تنخواہ دینا

سوال: [۴۵٦٧]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے مدراس میں چندہ کرنے والے کو صرف ڈبل تنخواہ دیتے ہیں، جو اسکی مقرر رہے اس صورت میں کیا جواز ہے۔

المستفتي: محمد عارف انصاری،

پوربی تکیہ، گڈھی، نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعطیل کلاں کے موقع پر جس میں شعبان کا کچھ حصہ اور پورا رمضان داخل ہوتا ہے اس موقع پر مدرس وملازمین سے کام لیا جائے تو ڈبل تنخواہ دی جاتی ہے، لہٰذا اس زمانے میں مدرس وملازم چندہ کیلئے جائیں تو ان کو ڈبل تنخواہ دینا بلاشبہ جائز ہے اور مدارس اسلامیہ کے اصول وقوانین اس حدیث شریف کے ذریعہ ثابت ہیں۔

الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون علىٰ شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً . (ترمذی شریف، الأحکام ، باب ماذکر عن رسول اللہ ﷺ فی الصلح بین الناس ، النسخۃ الهندیة ۱ / ۲۵۱ ، دارالسلام رقم /۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۱۱/۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۳۱)

کمیشن پر چندہ کرنے سے متعلق چند سوالات

سوال: [۴۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مدرسہ ہذا میں رمضان المبارک کی مالی فراہمی پر پورے ماہ کی دوگنی تنخواہ دی جاتی ہے، بشرطیکہ کم ازکم ۲۰؍ یوم کی کارکردگی ہو۔

(۲) ۲۰؍ یوم سے کم کارکردگی کی صورت میں پورے ماہ کی دوگنی تنخواہ کے بجائے ایام کارکردگی کی دوگنی تنخواہ دی جاتی ہے، مقدار وصول کچھ طے نہیں ہے؟

(۳) تجربہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ الف: بعض حضرات کی فراہمی اتنے ہی دنوں میں لاکھ تک کے قریب ہوتی ہے، اور بعض کی دس بیس ہزار وغیرہ۔ ب: بعض حضرات کی وصولی اتنی قلیل ہوتی ہے، کہ ان کو دوگنی تنخواہ دینے کے بعد مدرسہ کو کچھ بچت

نہیں ہوتی ہے، بلکہ بعض مرتبہ مدرسہ کے خزانہ میں سے بھی تکمیل کرنی پڑتی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایام کارکردگی اور مقدار اصولی دونوں کی تعیین کی شرط کے ساتھ تنخواہ کے علاوہ دوسری تنخواہ ومعاوضہ کو مشروط کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض مرکزی مدارس کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہاں سالانہ رقم سفراء کو طے کردی جاتی ہے، مثلاً ایک لاکھ اس سے زائد وصولی پر ۲ر فیصد، ۵ر فیصد وغیرہ بھی دیا جاتا ہے، کیا یہ کمیشن کی صورت ہے یا نہیں؟ نہیں ہے تو ۴۰ر چالیس فیصد کمیشن کی شرط پر چندہ کرنے اور زائد وصولی پر دو چار فیصد ادا کرنے میں کیا فرق ہے، اور اس شکل کے جواز کی علت کیا ہے؟ اور کیا اس کو انعام کا نام دینے سے جواز کی حد میں داخل ہو جاتا ہے؟

ج: بعض مدارس میں ایسا بھی ہوتا ہے، کہ دوگنی تنخواہ کے علاوہ یہ بھی ترغیباً کرتے ہیں، کہ بیس ہزار کی وصولی پر سائیکل انعام مثلاً اس کا کیا حکم ہے؟

د: یہ بھی تجربہ کی بات ہے کہ کمیشن پر وصولی کرنیوالے سفراء بڑی محنت وتندہی سے کام کرتے ہیں، جبکہ بعض باتنخواہ سفراء ومحصلین پوری جدوجہد نہیں کرتے ہیں، بلکہ خانہ پری کرلیتے ہیں، جس سے ان کو دوہری تنخواہ مل جائے، کیا ناظم کسی کی اچھی کارکردگی پر امتیازی انعام بلا طے کئے ہوئے یا طے کرکے دے سکتا ہے، مختلف شہروں کے اعتبار سے مختلف معاوضہ طے کرسکتا ہے یا نہیں؟

اچھی کارکردگی والے کی حوصلہ افزائی اور دوسروں کی ترغیب کیلئے دوگنی تنخواہ کے علاوہ بھی رقم کسی طرح دی جاسکتی ہے، اگر یہ طے کردیا جائے کہ دس ہزار سے لیکر پچاس ہزار تک اور دس سے کم پر دوگنی اور پچاس سے پچھتر ہزار تک ڈھائی گنی اور ایک لاکھ یا اس زائد پر تین گنی تو کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟ دوگنی تنخواہ کیلئے یہ شرط لگادی جائے کہ کم ازکم دس ہزار کی وصولی پر ہی دوگنی تنخواہ دی جائیگی، ورنہ نہیں؟ اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: عبدالمنان، ناظم: مدرسہ امدادیہ اشرفیہ،

طیب نگر، راجو پٹی، سیتامڑھی۔ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا دارومدار حدیث پاک پر ہے۔

أن رسول اللہ ﷺ قال الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالاً وأحل حراماً والمسلمون علی شروطھم إلا شرطاً حرم حلالاً وأحل حراماً . (ترمذی شریف، الأحکام، باب ماذکر عن رسول اللہ ﷺ فی الصلح بین الناس، النسخۃ الھندیۃ ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲، ومعناہ فی المستدرک ، کتاب الأحکام قدیم ۴/ ۱۰۱،مکتبہ نزار مصطفی الباز۷/ ۲۵۲۳، رقم: ۷۰۵۹)

اس حدیث کے پیش نظر جوقوانین وضوابط مدرسہ کے اہل حل وعقد طے کریں گے، اسی کے مطابق عمل کرنا لازم ہے،لیکن کوئی شرط اصول شرعی کیخلاف نہ ہو، لہٰذا سوال نمبر (۱) میں بیس دن کی کارکردگی میں پورے مہینہ کی دوگنی تنخواہ کا قانون بنانا اصول شرع کے خلاف ہے، اسلئے کہ عدم کارکردگی کی دوگنی تنخواہ حلال نہیں اور بیس دن کی کارکردگی میں بیس دن کی دوگنی تنخواہ اور ایک مہینہ کی کارکردگی میں ایک مہینہ کی پوری تنخواہ یہ اصول شریعت کیمطابق ہے ،لہٰذا سوال نمبر (۲) میں جس ضابطہ کوذکر کیا گیا ہے، وہ ضابطہ اصول شریعت کے مطابق ہے کہ ایام کارکردگی کی دوگنی تنخواہ دی جائے۔

پورے مہینہ کی دوگنی تنخواہ درست نہ ہوگی۔

سوال نمبر (۳) میں یہ جو بات کہی گئی ہے کہ بعض حضرات کی فراہمی اتنے ہی دنوں میں لاکھ تک پہو نچ جاتی ہے، اور بعض کی فراہمی دس ہزار تک نہیں پہو نچتی تو اس پیچیدگی کے حل کیلئے بڑے مدارس میں یہ قانون بنایا ہے کہ مثلاً پچاس ہزار سے کم کی صورت میں دوگنی تنخواہ اور پچاس ہزار سے زیادہ میں دس فیصد انعام بھی دیا جائے گا ، یہ سلسلہ پچھتر ہزار تک رہتا ہے، اور پھر پچھتر ہزار سے زیادہ ہوتو پندرہ فیصد انعام دیا جائیگا، اس پیچیدگی

کا حل اس طریقہ سے کیا جا سکتا ہے، اور بعض مرکزی ادارہ کے حوالہ سے جو بات لکھی گئی ہے، یہ کمیشن کی صورت نہیں ہے بلکہ تنخواہ دار ملازم کے حسن کارکردگی پر فیصدی انعام ہے، اور فیصدی انعام کی شکل اتنی زیادہ نہ ہونی چاہئے ، کہ اہل مدارس اور علماء میں اس کو برا سمجھا جاتا ہو، لہٰذا پندرہ بیس فیصد سے اوپر انعام مقرر نہیں کرنا چاہئے ، اسلئے چالیس فیصد کمیشن کی بات کو انعام قرار دینا مدارس اور علماء کا ماحول قبول نہیں کرتا ہے، اسلئے کہ یہ انعام کہاں رہ جاتا ہے، یہ تو وصولیابی کی اصل بن جاتا ہے، اسلئے پندرہ بیس فیصد سے زائد انعام مقرر نہیں کرنا چاہئے ، اور سوال نمبر ج: میں یہ جو لکھا گیا ہے، کہ دوگنی تنخواہ کے ساتھ بیس ہزار کی وصولی میں سائیکل انعام میں دی جائیگی، یہ ضابطہ بھی درست ہے۔

اور سوال نمبر د: میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ کمیشن پر چندہ کرنے والے جدوجہد زیادہ کرتے ہیں، یہ بات بجا ہے لیکن تنخواہ مقرر کئے بغیر صرف کمیشن طے کرنا اصول شرع کے خلاف ہے، اس لئے کہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے، جو کہ جائز نہیں ہے البتہ تنخواہ دار ملازم کیلئے فیصدی انعام مقرر کیا جائے تو جائز ہے، مگر تنخواہ اور انعام دونوں ملا کر وصول شدہ چندہ کے نصف سے کم ہونا لازم ہے نصف سے زائد جائز نہیں !اور اس سے جدوجہد اور تندہی سے کام کرنے کا مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے، نیز یہ جو پوچھا گیا ہے کہ فیصدی انعام متعین نہیں ہے، لیکن حسن کارکردگی میں ناظم صاحب کسی کو امتیازی انعام دے سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر مدرسہ میں ایسا کوئی ضابطہ نہیں بنا ہے تو نہیں دے سکتا اور اگر ضابطہ بنا ہے تو دے سکتا ہے، نیز اگر ضابطہ بنا ہوا نہیں ہے اور دینا چاہتا ہے، تو فوری طور پر مجلس شوریٰ عاملہ کی میٹنگ میں یہ بات پاس کر لینے کے بعد دیا جاسکتا ہے، اور سوال میں یہ جو پوچھا گیا ہے، کہ مختلف شہروں کے اعتبار سے مختلف معاوضہ مقرر کیا جائے یہ بھی اس شرط کے ساتھ گنجائش ہے، جبکہ مدرسہ میں اس طرح کا ضابطہ بنا ہوا ہو کہ جس علاقہ میں فراہمی زیادہ ہوتی ہو، وہاں کے لئے زیادہ اور جہاں فراہمی کم ہوتی ہے وہاں کیلئے کم اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ دس ہزار سے لیکر پچاس ہزار سے کم پر دوگنی اور پچاس ہزار سے پچھتر ہزار تک ڈھائی گنی اس طرح تنخواہ مجہول

ہوجاتی ہے، بلکہ دوگنی تنخواہ کے علاوہ حسن کارکردگی پر پانچ فیصد یا دس فیصد انعام طے کرنے کی گنجائش ہے، اورآخر میں یہ جولکھا گیا ہے، کہ دس ہزار سے کم پر ایک ہی تنخواہ ملے گی اور دس ہزار سے زیادہ پر دوگنی تنخواہ ملے گی یہ بات درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں اجرت مجہول ہے، بلکہ یوں درست ہے، دس ہزار تک وصول کریں گے تو ایک ہی تنخواہ ملے گی، اس سے زیادہ کی صورت میں پانچ فیصد یا دس فیصد انعام مل سکتا ہے، یہ سارے احکام اسی حدیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں، جو ہم نے ترمذی شریف کے حوالے سے نقل کردی ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۶/ ۷۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/ ۱۴۲۳ھ

کمیشن پر چندہ

سوال: [۴۵۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس میں متعین شرح فیصد کمیشن دیا جاتا ہے، اس صورت میں خرچ کے تناسب کے مقابلہ میں آمد کا تناسب بہتر رہتا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟ اوراسے العاملین علیہا کے تحت داخل مانا جائیگا؟ اگر کمیشن کی صورت کو جائز قرار دیا جائے تو کیا شرح فیصد کے تعین کی کوئی خاص حد شرعاً ضروری ہے؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: اگر باتنخواہ ملازمین کو حسن کارکردگی کی بناء پر کچھ شرح فیصد متعین کرکے بطور انعام طے شدہ تنخواہ سے زائد دینا شرعاً جائز اور درست ہے، لیکن یہ انعام اور تنخواہ دونوں ملاکر وصول شدہ چندہ کے نصف سے کم ہی ہونا شرط ہے،

اورنصف سے کم میں کوئی بھی مقدار حسب صوابدید متعین کی جاسکتی ہے، اسلئے کہ نصف یا اس سے زائد امیر کی طرف سے مقرر کردہ عاملین کو دینا بھی جائز نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے ان الفاظ میں واضح کردیا ہے۔

لکن لایزاد علی نصف مایقبضه. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤۱، زکریادیوبند ۳/۲۸٦)

ترجمہ: لیکن وصول شدہ کے نصف سے زائدان کو نہ دیا جائے، اوراس کالحاظ بھی لازم ہوگا، کہ سفراءزکوۃ کی رقم وصول کرکے تملیک سے قبل اسمیں سے خرچ نہ کریں بلکہ خرچ کیلئے مدرسہ سے علی الحساب پیشگی رقم لے لیا کریں، اورزکوۃ کی وصول شدہ رقم اولاً مکمل مدرسہ میں جمع کردیں، پھرمدرسہ کے فنڈ سے اپنا حساب صاف کرلیا کریں، ورنہ تملیک فقراء کی شرط فوت ہوجاتی ہے، اورتملیک اداءزکوۃ کیلئے شرط ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً. (شامی، کراچی ۲/۳٤٤، زکریا دیوبند۳/۲۹۱)

ترجمہ: اداءزکوۃ کیلئے تملیک فقراءشرط ہے، اوراگر باتنخواہ ملازم نہیں ہے، تو اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ سے شرح فیصد متعین کرکے صرف کمیشن کو اجرت قرار دینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ صحت اجارہ کیلئے اجرت کا تعین شرط ہے، لہٰذا کمیشن کا یہ طریقہ جواز کے دائرہ میں نہیں آسکتا ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفیؒ درمختار میں تحریر فرماتے ہیں۔

وشرطها کون الأجرة والمنفعة معلومتین الخ. (شامی، کتاب الاجارۃ کراچی ٦/۳٤٤، زکریا دیوبند۳/۲۹۱)

ترجمہ: یعنی صحت اجارہ کیلئے منفعت اوراجرت دونوں کامتعین ہوناشرط ہے۔

صاحب ہدایہ ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

لا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة . (هداية ، جيسوري ۳/ ۲۷۷ ، اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۳) ترجمہ: یعنی اجارہ اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتا جب تک منفعت اور اجرۃ متعین نہ ہو۔

لہٰذا حاصل یہ نکلتا ہے، کہ باتنخواہ ملازم کیلئے بطور انعام کمیشن متعین کرنا جائز ہے اور بے تنخواہ کیلئے جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۵)

کمیشن لینے کے باوجود منکر کی امامت کا حکم

سوال: [۴۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان شریف میں رزوے کی حالت میں چندہ دینے والا شخص معلوم کرتا ہے کہ مولانا آپ کا اس میں کتنا کمیشن ہے یا فیصد کتنا لیتے ہو تو مولانا صاف انکار فرماتے ہیں، کہ اس میں ہمارا کوئی کمیشن نہیں ہے، اور وہ لیتے ہیں، اور مسجد میں امام بھی ہیں، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد عارف انصاری،
پور بی تکیہ گڑھی، نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارس کے چندہ کرنے والے سفراء کو حسن کارکردگی کی وجہ سے بطور انعام تنخواہ سے زائد جو پیسہ دیا جاتا ہے وہ بعینہ اسی چندہ کے پیسہ میں سے نہیں دیا جاتا ہے، جو ملازم چندہ کر کے لاتے ہیں، بلکہ اس کی شکل یہ ہوتی ہے، کہ ملازم جتنا چندہ کر کے لاتا ہے، وہ سب مدرسہ کے دفتر میں جمع ہوجاتا ہے، اور مدرسہ والے اس پیسہ کو حفاظت کیلئے بینک میں جمع کر دیتے ہیں، پھر رمضان کے بعد حساب کتاب

ہوتا ہے، پھر اس کے بعد مدرسہ والے اپنی طرف سے حسن کارکردگی کے اعتبار سے کسی کو زیادہ بطور انعام کچھ اضافی رقم دیتے ہیں، اس حساب سے چندہ کرنے والے مولانا صاحب کا یہ کہنا ہے کہ اسمیں سے ہمارا کوئی کمیشن نہیں ہے، جھوٹ نہیں ہے، چندہ کرنے والے کو جو انعام کے طور پر ملتا ہے، وہ بعینہ اسی پیسے میں سے نہیں ملتا ہے، بلکہ مدرسہ میں وہ پیسہ جمع ہو جانے کے ہفتوں بعد حساب وکتاب کے موقع پر دیا جاتا ہے، جس میں بعینہ اس پیسہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اگر مذکورہ مولانا صاحب حسن کارکردگی کا انعام لیتے بھی ہوں تو ان کی طرف سے جھوٹ کا ثبوت نہیں ہے، لہٰذا ان کے اوپر الزام لگا کر کے ان کی امامت کی صحت پر حملہ غیر مناسب بات ہے، اور اگر مذکورہ مولانا صاحب حسن کارکردگی کا انعام نہ لیتے ہوں تو ان کے تقویٰ کی بات ہے ان پر کسی قسم کی انگلی اٹھانے کا کسی کو حق نہیں ہے کیونکہ بہت سے علماء ایسے ہیں، جو چندہ کا پیسہ مدرسہ میں جمع کرنے کے نتیجے میں کوئی پیسہ نہیں لیتے ہیں، نہ انعام کے طور پر لیتے ہیں، اور نہ ہدیہ کے طور پر لیتے ہیں،

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ . فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ . فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ . (الأية: سورۂ صافات: ۸۸، ۸۹، ۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ / ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

کمیشن پر چندہ کی دو صورتیں

سوال: [۴۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) بعض حضرات جو مدارس میں چندہ کرنے کی ملازمت پر مامور ہیں، اور ان کی ماہوار تنخواہ بھی متعین رہتی ہے، اس کے باوجود وہ لوگ کمیشن طے کر کے چندہ کرتے ہیں، مثلاً سو روپئے میں سے دس روپئے دیں گے تو ہم اتنی اتنی رقم جمع کریں گے، اس صورت میں چندہ کروانے والے ذمہ داران مدارس کا یہ خیال ہوتا ہے، کہ اس ترکیب سے مدرسہ کو

مالی نفع زیادہ سے زیادہ ہوگا، اور روپیہ زکوٰۃ صدقات وغیرہ کا جمع ہوتا رہے گا اور چندہ کرنے والے اس رقم کو مدرسہ میں داخل کرنے سے پہلے کمیشن نکال کر بقیہ رقم مدرسہ میں دیتے ہیں۔ مدلل جواب سے نوازیں؟

(۲) دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ چندہ کرنیوالوں میں سے کسی نے مثلاً اگر ایک ہزار روپئے لے آیا تو مدرسہ والے بطور انعام اس چندہ کنندہ کو ہر ہزار پر سو روپئے دیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور دوسری صورت میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ تفصیل سے مدلل بحوالہ کتب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد ابرار الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمیشن پر چندہ کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) چندہ کرنے والے تنخواہ دار ملازم نہ ہوں، تو ایسی صورت میں کمیشن پر چندہ اجارہ فاسدہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، کیونکہ اجارہ میں اجرت کا معلوم ومتعین ہونا شرط ہے۔

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن استئجار الأجیر حتیٰ يبين له أجرة. الحديث: (مسند أحمد بن حنبل ۳/۵۹، رقم: ۱۱۵۸۶)

ومنها أن تكون الأجرة معلومة الخ. (عالمگیری، کتاب الإجارة زکریا دیوبند ۴/۴۱۱، الباب الأول فی تفسیر الإجارة الخ، جدید زکریا دیوبند ۴/۴۴۱)

(۲) چندہ کرنے والا تنخواہ دار ملازم ہو تو تنخواہ کے علاوہ کمیشن مقرر کرنا شرعاً جائز ہے، اور یہ شرعی طور پر انعام میں شمار ہوتا ہے، لیکن یہ کمیشن زکوٰۃ کے پیسہ سے دینا جائز نہیں ہے، نیز زکوٰۃ کی رقم میں سے کاٹ لینا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ اولاً مدرسہ میں زکوٰۃ کا پیسہ جمع کرنا چاہئے پھر مدرسہ اپنے امدادی فنڈ سے ادا کردے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲۲)

(۳) اگر پہلے سے طے نہیں کیا ہے، اور تنخواہ دار ملازم ہے تو حسن کارکردگی کی وجہ سے ہزار میں سو روپیہ دینا جائز ہے اور اگر تنخواہ دار نہیں ہے تو جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۱/۱۴۱۲ھ

تنخواہ دار ملازم کو فیصدی انعام دینا

سوال: [۴۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس دور میں ارباب مدارس رمضان میں محصلین کو علاوہ اخراجات سفر کے کچھ کمیشن دیتے ہیں ۲۰/ فیصد یا ۲۵/ فیصد کے حساب سے تو یہ باعتبار شرع لینا اور دینا کیسا ہے؟ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ کچھ حضرات نصف پر وصول کا کام کرتے ہیں، یعنی نصف مدرسہ کا اور نصف محصل کا اور اسی نصف میں اس کا تمام خرچہ بھی شامل ہوتا ہے، تو یہ رقوم محصلین کیلئے جائز ہوں گی یا نہیں؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، بھوجپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر محصل تنخواہ دار ملازم ہے تو اسکی حسن کارکردگی پر تنخواہ کے علاوہ اپنے امدادی فنڈ سے فیصدی انعام دینا درست ہے، لیکن حصول کردہ زکوٰۃ کی پوری رقم پہلے جمع کر لینی ہوگی اور اگر محصل تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، تو کمیشن پر چندہ اجارۂ فاسدہ کی وجہ سے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۳۳، فتاویٰ دارالعلوم ۱/۳۳۴)

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن استئجار الأجير حتىٰ يبين له أجرة. (المراسيل لأبي داؤد / ۱۰، رقم ۱۸۱)

لا يصح حتى تكون المنافع معلومةً والأجرةً معلومةً. (هدايه، كتاب الإجارة جيسوری ۳/ ۳۷۷، اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۳)

وشرطها أن تكون الأجرة والمنفعة معلومتين، لأن جهالتهما تفضى إلىٰ المنازعة. (البحر الرائق، زكريا ديوبند ۷/ ۵۰۷، كوئٹه ۷/ ۲۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۴۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۳ھ

زکوٰۃ کے پیسہ سے انعام کا لینا

سوال: [۴۵۷۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دینی مدرسہ میں مستحقین طلبہ کے خوردونوش کا بھی نظم ہے تو کیا مستقل مدرس رمضان کے مہینہ میں فراہمی چندہ کمیشن پر کرسکتا ہے؟ دوسرے یہ کہ کیا مہتمم وصول کردہ رقم سے اس کو انعام دے سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمیشن پر چندہ کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کی حسن کارکردگی کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ کچھ فیصدی انعام دینا جائز ہے، لیکن زکوٰۃ کے پیسہ سے دینا جائز نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ کا پیسہ مدرسہ میں جمع کرنا لازم ہے اور یہ انعام مدرسہ اپنے امدادی فنڈ سے دے سکتا ہے، اور اگر تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، تو کمیشن پر چندہ اجارۂ فاسدہ اور اجرت کے مجہول ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۷۶، ایضاح المسائل/۱۲۲)

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهى عن إستئجار الأجير حتىٰ يبين له أجرة. الحديث: (مسند أحمد بن حنبل ۵۹/۳، رقم: ۱۱۵۸۶)

وتفسد (الإجارة) بجهالة المسمّىٰ كله وبعضه . (الدر المختار، كتاب الإجارة، قبيل مطلب فی إجارة البناء كراچی ۴۸/۶، زكريا ديوبند۹/۶۶)

الإجارة تفسد بجهالة المسمىٰ كله أو بعضه . (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۵/۲۵۸)

ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه أو استاجر بغلا ليحمل طعامه ببعضه (إلىٰ قوله) فسدت فی الكل . (الدر مع الرد، زكريا ديوبند۹/۷۹، كراچی ۶/۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۲ھ

اجرت پر چندہ کرنا

سوال: [۴۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کسی مدرسہ کا ذمہ دار ہے اور وہ رمضان المبارک میں تقریباً ۳۵، ۳۰؍ ہزار روپئے وصول کر کے لاتا ہے، وصولیابی پر جو صحیح خرچ ہوتا ہے، اس کا مکمل حساب مدرسہ میں دیتا ہے، اسمیں کسی طرح کی خیانت نہیں کرتا ہے، لیکن وصول کی ہوئی پوری رقم کو مدرسہ کے ناظم کے پاس جمع کر دیتا ہے، پھر چار ہزار روپئے بطور انعام یا کمیشن کے لیتا ہے، اور خرچ کو رجسٹر پر درج کر دیتا ہے، اس میں پرسینٹ پر چندہ کرنیکی بات نہیں ہوتی ہے بلکہ کل رقم سے چار ہزار روپیہ لیتا ہے، باقی معاملین کو منتظمین پرسینٹ کے حساب سے دیتے ہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا عمل شرع کی روشنی میں کیسا ہے؟

المستفتي: محمد احمد، مدرسہ اسلامیہ بشیریہ، سکرھٹہ، کلاں، بھوجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زید کا رقم لینا جائز ہے، کیونکہ بطور تنخواہ کے ہے، لہٰذا رقم طے ہونے کی وجہ سے اجارہ صحیح ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲۲)

لا یصح حتی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة. (هدایه، کتاب الإجارة جیسوری ۳/ ۲۷۷، اشرفیه دیوبند ۳/ ۲۹۳)

باقی معاملین کو منتظمین کا پرسینٹ کے حساب سے دینا درست اور جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲۲، ہدایہ ۳/ ۲۷۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۵۲۴، ۱۴/ ۱۷۷، ۱۰/ ۲۲۳، ۴/ ۲۷۴، ۱۳/ ۱۰۱، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۲۸، ۱۵/ ۵۶۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۵/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۴/۶۲۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۶ھ

غیر ملازم کا نصفا نصفی کمیشن پر چندہ کرنا

سوال: [۴۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس اسلامیہ جنکے اخراجات عموماً چندہ کے ذریعہ جمع شدہ مختلف مدات کی رقومات سے پورے ہوتے ہیں، فراہمی مالیات کیلئے ایک طریقہ یہ بھی چل رہا ہے، کہ چندہ کرنے والا نہ ملازم ہے ادارہ کا اور نہ ہی ذمہ دار یا رکن، وہ اس طریقہ پر چندہ کرتا ہے کہ مثلاً ایک ماہ میں اس نے کام کیا جب جی چاہا اور جتنا جی چاہا اب موصولہ رقم میں سے زادِ راہ مصارف طعام کا خرچ نکال کر باقی ماندہ رقم نصف مدرسہ کو اور نصف اپنے حق اجرت (خدمت) میں رکھتا ہے یا رکھنا چاہتا ہے۔

مذکورہ صورت حال شرعی نقطہ نظر سے کس درجہ میں داخل ہے، جواز یا عدم جواز بصورت عدم جواز آپ کی نظر میں جواز کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے ایسے غیر تنخواہ دار ملازم کیلئے، مفصل بیان فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد عبد اللہ، ڈرھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں ذکردہ طریقہ سے کمیشن پر چندہ جائز نہیں ہے، اور جو آدمی تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، اس کے لئے فیصد کے حساب سے چندہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اجرت مجہول ہے، نیز ناجائز ہونے کے ساتھ ساتھ نصفا نصفی کی بات کرنا انتہائی غلط طریقہ ہے، چندہ دھندگان کو اس کا علم ہو جائے تو ایک پیسہ کا چندہ نہیں دیں گے اس لئے کہ چندہ دہندگان مدرسہ کیلئے چندہ دیتے ہیں، اور وصول کرنے والا اس کا آدھا لے جائے گا، تو مدرسہ کو کیا ملے گا اس میں چندہ دہندگان

کو سخت ترین دھوکہ میں رکھنا لازم آتا ہے، جو قطعی طور پر جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اس کے لئے صحیح طریقہ یہی ہے کہ چندہ وصول کرنے والا باضابطہ تنخواہ دار ملازم ہو اور سارا چندہ لاکر کے مدرسہ کے دفتر میں مکمل طور پر جمع کردے اس کے بعد دفتر سے اپنا سفرخرچ اور کھانے وغیرہ کا خرچ وصول کرلے اور مدرسہ حسن کارکردگی کی بناء پر پانچ فیصد، دس فیصد کے حساب سے بطور انعام دیدے تو اسکی گنجائش ہے اور ماہانہ متعین تنخواہ الگ سے ملتی رہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ٢٣١، ٢٣٢، محمودیہ میرٹھ ٣٢/ ٢١٩، امداد المفتیین کراچی / ٤٥٧ تا ٤٦١، فتاویٰ احیاء العلوم ١/ ٣٣٤)

عن أبی سعید الخدری رضی أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن استئجار الأجیر حتیٰ یبین له أجرة. الحدیث: (مسند أحمد بن حنبل ٣/ ٥٩، رقم: ١١٥٨٦)

وشرطها کون الأجرة ...... والمنفعة معلومتین. (شامی، کتاب الاجارة، زکریا دیوبند ٩/ ٧، کراچی ٦/ ٥)

لا یصح حتی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة . (هدایه، جیسوری ٣/ ٢٧٧، اشرفیه دیوبند ٣/ ٢٩٣، ومثله فی الهندیة ، زکریا دیو بند ٤/ ٤١١، جدید زکریا دیوبند ٤/ ٤٤١، مجمع الأنهر مصری قدیم ٢/ ٣٦٩، دارالکتب العلمیة بیروت ٣/ ٥١٢، زیلعی امداد یه ملتان ٥/ ١٠٥، زکریا دیوبند ٦/ ٧٧، البحرالرائق، زکریا دیوبند ٧/ ٥٠٧، کوئٹه ٧/ ٢٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١/ محرم الحرام ١٤٣٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١٤٠٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/ ١/ ١٤٣٥ھ

پرسینٹ پر چندہ کرنا

سوال: [٤٥٧٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چندہ

کرنے والے پرسینٹ لیتے ہیں، یامدرسہ والے دیتے ہیں، یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ جواب سےنوازیں کرم ہوگا؟

المستفتی: محمد اعلم، مدرسہ تعلیم القرآن، کندرکی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرسینٹ پر چندہ کرنے والے دوقسم پر ہیں۔

(۱) جومدرسہ کے باضابطہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہیں، توایسے شخص کا پرسینٹ پر چندہ کرنا یامدرسہ والوں کا پرسینٹ پر چندہ کرانا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے جس کی اجرت متعین نہیں ہوتی ہے، اوراجارہ میں اجرت کا متعین ہونا شرط ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين ، لأن جهالتهما تفضي إلىٰ المنازعة . (شامی، کتاب الاجارۃ کراچی ٦/٥، زکریا٩/٧)

(۲) مدرسہ کے باضابطہ تنخواہ دار ملازم ہو اس کوحسن کارکردگی کی بناپر پانچ یا دس پرسینٹ کے حساب سے انعام دیا جائے یہ شرعاً جائز اور درست ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۶/۸۰۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۴/۲۲ھ

غیر تنخواہ دار ملازم کا کمیشن پر چندہ کرنا

سوال: [۴۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مدرسہ میں باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہے،صرف کمیشن پر مدرسہ کا چندہ کرتا ہے،لیکن سفرخرچ کھانا خرچ اور کمیشن وغیرہ سب پہلے طے کرلیتا ہے،توکیا ایسا کرنا درست ہے یانہیں ؟ پھرایسے شخص کی امامت درست ہے یانہیں؟

المستفتي: اشہد، جامع مسجد ملنگا چک، پٹنہ، بھاگلپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، اسکا کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اسمیں اجرت متعین نہیں ہوتی ہے، اور اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا لازم ہوتا ہے، اس لئے یہ اجارۂ فاسدہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين الخ. (شامی، کتاب الاجارة، زکریا دیوبند ۹/۷، کراچی ۶/۵)

اورسوال میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ ایسے شخص کی امامت درست ہے یا نہیں؟ اس پر سوال یہ ہے کہ سائل نے ساتھ میں یہ کیوں نہیں پوچھا کہ مدرسہ کے جو ذمہ داران کمیشن پر چندہ کرواتے ہیں، ان کی امامت بھی درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ معاملہ فاسدہ اختیار کرنے میں دونوں طرف کے لوگ برابر کے شریک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

رسید کاٹنے والا انعام کا مستحق ہے

سوال: [۴۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے ایک استاذ ایک مقام پر سالانہ چندہ کیلئے جاتے ہیں، اس مقام کے ایک صاحب مدرسہ کا معائنہ کرنے کیلئے مدرسہ میں حاضر ہوئے اور مدرسہ کے مہتمم صاحب سے رشتہ داری بھی ہے ان کے کہنے سننے کا بھی اثر تھا، اور استاذ صاحب نے بھی مدرسہ کا مکمل تعارف کرایا تو انہوں نے رمضان میں مدرسہ کو موٹی رقم دینے کا وعدہ فرمایا، چنانچہ وہ استاذ جو سالانہ اس مقام پر چندہ کیلئے جاتے ہیں، وہ ان سے ملے، اورانھوں نے وہ رقم ان کو دیدی اور استاذ صاحب نے رسید بنا کر ان کے حوالے کردی اب اس رقم پر انعام واکرام کا استاذ مستحق ہے یا نہیں؟ تفصیلی جواب مرحمت فرمادیا جائے، نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالرحمٰن، ٹانڈہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مدرس یا ملازم نے رسید کاٹی ہے اسی کی کارکردگی شمار ہوگی مہتمم یا ذمہ دار کے تعلقات کی وجہ سے اس کی کارکردگی اور اس کا حلقہ متأثر نہیں ہوگا اور یہی بڑے بڑے مدارس میں عرف اور ضابطہ ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص . (رسم المفتی ، دارالکتاب دیوبند/ ۱۷٦)

عن ابن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً ، والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً . (ترمذی ، الأحكام ، باب ماذكر عن رسول الله ﷺ فی الصلح بين الناس ، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۳۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

پچاس فیصد کمیشن پر چندہ کرانے کا حکم

سوال: [۴۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس اسلامیہ پچیس یا پچاس فیصد کمیشن پر چندہ کراتے ہیں، اس کا جواز کہاں تک ہے؟

المستفتي: مولوی ظہیر احمد، مدرسہ انوار العلوم جویا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پچاس فیصد یا اس سے زائد شرح فیصد کمیشن پر چندہ کا معاملہ طے کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح جو تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، اس کو بھی

فیصد کمیشن پر چندہ کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ تنخواہ دار ملازم کو حسن کارکردگی کی وجہ سے فیصد متعین کرکے انعام دینا جائز ہے بشرطیکہ اس کی تنخواہ اور انعام دونوں ملاکر پچاس فیصد سے کم ہو۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۶، ایضاح المسائل/ ۱۲۲، فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۵۲۴)

لا يصح حتى تكون المنافع معلومة . (هدايه ٣/ ٢٧٧، اشرفى ديو بند٣/ ٢٩٣)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين . (الدر مع الرد، كتاب الاجارة كراچى ٦/ ٥، زكريا ديوبند ٩/ ٧)

فلا يزاد على النصف . (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف زكريا ١/ ١٨٨، جديد زكريا ديو بند ١/ ٢٤٩، ومثله فى الفقه الإسلامى وأدلته هدىٰ انٹرنيشنل ديو بند ٢/ ٧٨٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٥/ ٩٢، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دارالكتاب ديو بند/ ٧٢٠)

لكن لايزاد على نصف مايقبضه . (شامى، كراچى ٢/ ٣٤١، زكريا ديو بند٣/ ٢٨٦)

إلا إذا استغرقت كفايته الزكاة فلا يزاد على النصف ؛ لأن التنصيف عين الإنصاف . (البحرالرائق ، كوئٹه ٢/ ٢٤١، زكريا ٢/ ٤٢٠، تبيين الحقائق ، مكتبه امداديه ملتان ١/ ٢٩٧، زكريا ٢/ ١١٤، مجمع الأنهر مصرى قديم ١/ ٢٢٠، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ۶/ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

کمیشن یا انعام پر چندہ کرانے کا حکم

سوال: [۴۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سفراء سے کمیشن پر چندہ کرانا کیسا ہے؟ اس کے عدم جواز کی صورت میں چندہ کرنے

والوں کی محنت کوملحوظ رکھ کر انعام دینا جائز ہوگا یانہیں؟ دونوں شکلوں کی وضاحت فرما کر مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: مسعود احمد، متعلم دارالعلوم، دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جولوگ مدارس کے باتنخواہ ملازم نہیں ہیں، ان کا محض کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ معاملہ اجارہ ہے اور اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا لازم ہوتا ہے، ہاں البتہ جولوگ مدارس میں باتنخواہ ملازم ہیں، ان کو حسن کارکردگی کی بناپر بطور انعام فیصد کے حساب سے دینا جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر حصہ دوم ۲/ ۵۵، احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۷٦)

عن أبي سعيد الخدری ؓ قال: نهی عن عسيب الفحل، زاد عبيد الله وعن قفيز الطحان. (دار قطنی، كتاب البيوع دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ٤۲، رقم: ۲۹٦٦، السنن الكبریٰ للبيهقی، دار الفكر ۸/ ۲۵۰، رقم: ۱۱۰۰۸)

قال فی التنوير وشرحه ولو دفع غزلاً لينسجه بنصفه أی الغزل، أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه إلیٰ قوله. (فسدت فی الكل لأنه استأجره بجزء من عمله والأصل فی ذلک نهيهٔ صلی الله عليه وسلم: عن قفيز الطحان. (شامی، كتاب الاجارة، زكريا ۹/ ۷۹، كراچی ٦/ ۵۷)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين ...... (شامی، كراچی كتاب الإجارة ٦/ ۵، زكريا ۹/ ۷، هدايه جيسوری ۳/ ۲۷۷، اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۹۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۳/ ۱۴۳۱ھ

سال میں پچاس ہزار روپئے کے وصولیابی کی شرط پر سفیر کی تنخواہ مقرر کرنا

سوال: [۴۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ والوں نے ایک سفیر ملازم رکھا اس کا کوئی کمیشن نصف یا ثلث یا ربع تو متعین نہیں کیا مگر یہ کہا کہ آپ کی تنخواہ شہریہ ۳۵۰۰/ روپیہ ہوگی مگر رمضان میں آپ کو پچیس ہزار اور پچیس ہزار بقیہ سال میں گویا کہ پورے سال میں مدرسہ کو پچاس ہزار روپیہ موصول ہونا چاہئے، اگر رمضان میں رقم مذکورہ سے کم رہی تو بقیہ سال میں اسکو پورا کردے تو اس طرح تنخواہ پر سفیر کو رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اکبر علی، امام علی مسجد، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ میں چندہ کیلئے ایک سال میں پچاس ہزار روپیہ کی وصولیابی کی شرط پر سفیر کی تنخواہ مقرر کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر اس طرح کی شرط لگائی جائے کہ اگر پچاس ہزار روپیہ سے زیادہ لائے گا، تو اس پر حسن کارکردگی کا انعام دیا جائے گا، اور اگر کم لائے گا تو مقررہ تنخواہ دی جائیگی تو اس صورت میں گنجائش ہے۔

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع ...... يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة . (شامی، کتاب الإجارة، کراچی ٦/٤٦، زکریا دیوبند ۹/٦٤)

ولايصح حتىٰ تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة لما روينا لأن الجهالة فى المعقود عليه وفى بدله تفضى إلىٰ المنازعة كجهالة الثمن والمثمن فى البيع . (هدایه آخرین، جیسوری ۳/۲۷۷، اشرفیه دیوبند ۳/۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۰۹/۳۶)

آدھا آدھا چندہ تقسیم کرنے کی شرط پر چندہ کرانا

سوال: [۴۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ کے تنخواہ دار استاذ یا ملازم یا کسی اجنبی شخص کو اس شرط پر چندہ کیلئے بھیجنا کہ ہم مدرسہ کی طرف سے سفر خرچ دیں گے، (یعنی صرفہ کرایہ) دیں گے اور پھر اسکے بعد جو روپیہ تم چندہ کروگے وہ آدھا مدرسہ کا اور آدھا تمہارا ہوگا، کیا یہ صورت جائز ہے؟

المستفتي:عبدالقادر، مدرسہ قاسمیہ
پانچ گچھیہ رام گنج، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آدھا آدھا چندہ تقسیم کرنے کی شرط پر تنخواہ دار کو یا کسی بھی اجنبی شخص کو چندہ کیلئے بھیجنا جائز نہیں ہے، نیز اجنبی شخص کو کسی بھی طرح کمیشن پر چندہ کیلئے بھیجنا جائز نہیں ہے، البتہ مدرسہ کے تنخواہ دار استاذ یا ملازم کو اس شرط کے ساتھ چندہ کیلئے روانہ کرنا جائز ہے، کہ حسن کارکردگی کی صورت میں طے شدہ تنخواہ کے علاوہ دس فیصد، پندرہ فیصد یا زیادہ سے زیادہ بیس فیصد انعام دیا جائے گا، اور اس سے زیادہ انعام صرف منھ بولا انعام ہے، حقیقت میں وہ انعام نہیں ہے تو اس حدود کے دائرے میں رہ کر تنخواہ دار افراد کو چندہ کیلئے روانہ کرنا جائز ہے یاد رکھیں کہ تنخواہ اور انعام دونوں ملاکر نصف کے اندر اندر رہنا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۵۵)

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد ..... كجهالة مأجور أو أجرة أومدة أو عمل . (الدرمع الرد، كتاب الإجارة، زكريا ديوبند ٩/ ٦٤، كراچی ٦/ ٤٦)

لاتصح حتىٰ تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة . (هدايه ، جيسوری

۳/۲۷۷، اشرفیه دیوبند ۲۹۳/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷٦٦۰/۳٦)

چندہ کرنے والوں کو کمیشن دینا

سوال: [۴۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ یا مسجد کا چندہ کرنے والے نے کمیشن طے کیا جسمیں دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جو مدرسہ کے مدرس تھے، دوسرے محلّہ کے عام آدمی تھے، دونوں کیلئے کمیٹی نے چالیس فیصد کمیشن طے کیا تو کیا چندہ کرنے والوں کیلئے اس طرح کمیشن دینا جائز ہے ؟ اور کمیشن کتنے فیصد تک جائز ہوسکتا ہے؟

المستفتي: نصیرالدین، نور پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کیلئے کمیشن پر چندہ کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے، اور مدرسہ کیلئے ایسے آدمی کا کمیشن طے کرکے چندہ کرنا جائز نہیں ہے، جو مدرسہ کا پہلے سے ملازم نہیں ہے، کیونکہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے جس کی اجرت طے نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۵٦/۲، احسن الفتاویٰ ۲۷٦/۷)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين. (درمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الإجارة زكريا ۷/۹، كراچی ۵/٦، وهكذا فی الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۵۸/۳۱، مجمع الأنهر مصری قديم ۳٦۹/۲، دارالكتب العلمية بيروت ۵۱۲/۳)

ہاں البتہ اگر مدرسہ کا مستقل ملازم جس کو باقاعدہ مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے، وہ اگر چندہ کرتا ہے، اور وصولیابی میں اچھا کارنامہ انجام دیتا ہے، تو حسن کارکردگی کی وجہ سے حوصلہ افزائی کے واسطے تنخواہ کے علاوہ کچھ فیصد بطور انعام دے دیا جائے، تو اسکی گنجائش ہے۔

لكن لايزاد على نصف ماقبضه ، كما يأتي الخ. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریادیوبند۳/ ۲۸۵، کراچی ۲/ ۳٤۱، وهكذا في الهندية ۱/ ۱۸۸، جدید زکریا دیوبند۱/ ۲٤۹، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۲/۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۴۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۴ھ

کمیشن پر چندہ کرنے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال: [۴۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اہل مدارس کا کمیشن پر چندہ کرنا اور کرانا کیسا ہے؟ بعض سفراء جو سال بھر کمیشن پر ہی چندہ کرتے رہتے ہیں، اور اہل مدارس ان سے کمیشن پر چندہ کرواتے ہیں، مثلاً ایک ہزار روپئے پر سفیر کو ایک سو روپئے کمیشن، اگر صدقات کے ڈبے ہوں تو ایک ڈبے کے چار سو روپئے یا فی صد متعین ہوتے ہیں، اس صورت میں کیا اہل مدارس کے لیے یہ چندہ جائز ہے؟ اور سفراء کا کمیشن لینا صحیح ہے؟ نیز کمیشن پر اہل مدارس کو طلبہ فراہم کرنا کیسا ہے؟ مثلاً ایک طالب علم کو مدرسہ میں لاکر داخلہ کروانے پر ارباب مدارس ایک ہزار روپئے کمیشن فی طالب علم دیتے ہیں؟ ان ارباب مدارس کا اس طرح مدرسہ کے مال میں تصرف کرنا اور کمیشن پر داخلہ کروانے والے کا کمیشن لینا کیسا ہے؟

المستفتی: حافظ لئیق میرادگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو سفراء مدارس کے تنخواہ دار ملازم نہیں ہیں، صرف کمیشن پر ہی ان کو رکھا گیا ہے، تو صرف کمیشن پر چندہ کرنا اور کروانا جائز نہیں؛ اس لئے کہ یہ اجرت کا معاملہ ہے اور اجارہ میں اجرت کا متعین ہونا لازم ہوتا ہے؛ اس لئے یہ اجارۂ فاسدہ

ہے ایسی صورت میں کمیشن کا معاملہ فاسد ہونے کی وجہ سے طے شدہ کمیشن درست نہ ہوگا، بلکہ ان سفراء کو اجرت مثل دینا لازم ہوگا، اس کے برخلاف جو مدارس کے تنخواہ دار ملازم ہیں وہ چندہ کر کے لاتے ہیں، اور ان کو مدارس کی طرف سے دس فیصد بطور انعام دیا جاتا ہے، وہ جائز اور درست ہے وہ کمیشن نہیں ہوتا ہے بلکہ انعام ہوتا ہے، سوالنامہ میں ایک بات یہ پوچھی گئی ہے کہ کمیشن پر طلبہ فراہم کرنا کیسا ہے؟ مثلاً ایک بچہ کو مدرسہ میں داخل کرانے پر ارباب مدارس فی بچہ کمیشن کے طور پر کچھ رقم دیتے ہیں یہی عمل اسکولوں میں بھی ہوتا ہے، اصولی طور پر اس طرح کمیشن پر معاملہ جائز نہیں ہے، نیز اس میں تعامل ناس اور حاجت ناس بھی نہیں ہے، اس لئے یہ معاملہ جائز نہیں ہے۔

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع مما مر يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أومدة أوعمل وكشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار أو مغارمها وعشر أو خراج أو مؤنة رد، أشباه .

(شامی، کراچی ٦/٦٤، زکریا ٩/٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۹۷۴/۴۱)	۱۴۲۳/۴/۳ھ

زکوٰۃ کی رقم بنام انعام سفیر کو دینا

سوال: [۴۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مدرسہ کا ملازم نہیں تھا مہتمم مدرسہ اور زید کے درمیان یہ بات طے پائی کہ تم رمضان شریف میں ہمارے مدرسہ کا چندہ کرو کرایہ آمد ورفت تم کو مدرسہ کی طرف سے دیا جائیگا، اور انعام بھی ملیگا، زید نے رمضان شریف میں مدرسہ مذکورہ کا چندہ فراہم کیا تو مہتمم مدرسہ نے زید کو کرایہ آمدورفت اور ایک رقم بنام انعام بلا تملیک اسی رقم سے دی جو زید نے مہتمم مدرسہ کو

دی تھی، اور اس رقم میں زکوٰۃ امداد فطرہ سب شامل تھے، مروجہ کمیشن والی صورت طے نہیں ہوئی تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کیلئے اس رقم کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی اس رقم کو اگر زید نے خرچ کرلیا تو واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ زید کا یہ ارادہ ہے کہ اس رقم کو مدرسہ میں واپس کردے؟

المستفتي: عبدالقادر، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ معاملہ دو خرابیوں کی وجہ سے ناجائز ہے۔

(۱) یہ اجارۂ فاسدہ ہے، اسلئے کہ بنام انعام جو کچھ دینے کی بات ہوئی ہے وہ دراصل اجرت ہے چاہے اس کا نام انعام رکھا ہو اور اجارہ میں اجرت کی تعیین شرط ہے، جو یہاں مفقود ہے۔

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة الخ.

(هدايه، كتاب الاجارة، جيسوری ۳/ ۲۷۷، اشرفيه ديوبند۳/ ۲۹۳)

(۲) زکوٰۃ کی رقم کو اجرت میں دینا جائز نہیں، نیز بلا تملیک غیر مصرف کو دینے سے زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوتی اور لینے والے کو جب معلوم ہے کہ زکوٰۃ کی رقم بلا تملیک دی جارہی ہے، تو لینا بھی جائز نہیں ہے۔

وإن أعطاه الأجر وقبضه لايحل له ويجب عليه ردهٗ الخ. (زيلعى، كتاب الاجارة، باب الاجارة الفاسدة، امداديه ملتان۵/ ۱۲۵، زكريا ديوبند۶/ ۱۱۹، البحرالرائق، كوئٹه ۸/ ۲۰، زكريا ۸/ ۳۵، مجمع الانهر قديم ۲/ ۳۸٤، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۵۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۲۹)

کیا چندہ پر کمیشن لینا از روئے شرع درست ہے؟

سوال: [۴۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مدارس اسلامیہ میں رمضان شریف میں یا اس کے علاوہ مدرسین صاحبان جو چندہ فراہم کرتے ہیں، اس پر چندہ کرنے والے حضرات کہیں مدارس میں ۲۵؍ فیصد کہیں ۲۰؍ فیصد کہیں ۱۵؍ فیصد کمیشن مدرسہ سے لیتے ہیں، مقررہ تنخواہ کے علاوہ اور آمد ورفت طعام وغیرہ کا خرچہ منجانب مدرسہ رہتا ہے، کیا یہ کمیشن مدرس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عارف انصاری،
پوربی تکیہ گڈھی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: باتنخواہ ملازم کو حسن کارکردگی کی وجہ سے شرح فیصد متعین کر کے بطور انعام طے شدہ تنخواہ سے زائد دینا شرعاً درست ہے، لیکن اس کی تنخواہ اور انعام دونوں وصول شدہ چندہ کے نصف سے کم ہی ہونا شرط ہے اور نصف سے کم میں کوئی بھی مقدار حسب صوابدید متعین کی جا سکتی ہے، اس لئے کہ نصف سے زائد امیر کی طرف سے متعین کردہ عاملین کو دینا بھی جائز نہیں۔

لكن لايزاد على نصف مايقبضه. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/۲۸۶، کراچی ۲/۳٤۱)

نیز سفراء تملیک سے قبل اس میں سے خرچ نہ کریں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۲۳۱)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين. (الدر المختار، کتاب الاجارۃ کراچی ٦/٥، زکریا دیوبند ۹/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۱۴ھ

کمیشن پر چندہ اور فیصدی انعام

سوال: [۴۵۸۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) سفراء مدارس اسلامیہ جن کی مدرسے کی جانب سے کوئی تنخواہ مقرر نہیں ہے کمیشن پر چندہ کرتے ہیں، یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ:۔ چندے میں زکوۃ ،عطیہ،صدقہ سب مشترک ہوتے ہیں اس میں سے کمیشن لیتے ہیں۔

(۲) سفراء مدرسہ جب صرف چندہ کرنے کیلئے ملازمت کرتے ہیں، ان سے طے کرلیا جاتا ہے کہ سالانہ اتنی رقم پر اتنا انعام ملے گا ، اس طرح تعین رقم سفیر صاحب کو بتلادیا جاتا ہے، کہ جتنی رقم زیادہ اتنا انعام زیادہ ہوگا،لہذا یہ طریقہ جائز ہے، یانہیں؟

(۳) آپ مدرسہ شاہی کے دفتر سے معلوم فرما کر یہ بات کہ سفیر کی رقم پر جوانعام کے حساب سے رقم دی جاتی ہے، تنخواہ اس میں سے مجریٰ کی جاتی ہے یانہیں؟ اب اگر تنخواہ مجریٰ کر لی گئی تو سارا کام سفیر صاحب بوجہ انعام کرتے بوجہ تنخواہ نہیں کرتے تو یہ طریقہ جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) یہ معاملہ اجارہ ہے اوراجارہ میں اجرت کی تعیین ضروری ہے مثلاً یومیہ یاماہانہ یا سالانہ رقم کی تعداد متعین کردی جائے اور کمیشن کی صورت میں متعین نہیں ہوتی اسلئے جائز نہیں ہے۔

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين الخ. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الاجارة ، کوئٹہ ۳/۵، کراچی ۵/٦، زکریا دیوبند ۹/۷)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة الخ. (هدايه ، جیسوری ۳/۲۷۷، اشرفیه دیوبند ۳/۲۹۳، فتاویٰ عالمگیری زکریا ٤/٤١١، جدید زکریا دیوبند ٤/٤٤١، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۳۳٤)

(۲) یہ اجارہ نہیں بلکہ زیادہ کارکردگی پر انعام ہے اور انعام کی مقدار کی تعیین نہیں اسلئے جائز ہے۔ (مستفاد: احیاء العلوم ۱/ ۳۳۹)

(۳) معلوم کرلیا تنخواہ کا حساب بالکل علیٰحدہ رہتا ہے، انعام کا حساب الگ ہے جس سے معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۲۷)

رمضانی سفیر کا پورے سال کی تنخواہ لینا

سوال: [۴۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی صاحب مدرسہ کے ذمہ دار ہیں، وہ صاحب رمضان میں چندہ کرتے ہیں، اور گیارہ ماہ گھر میں رہتے ہیں، اور سبھی ماہ کی تنخواہ لیتے ہیں، اور مدرسہ کبھی کبھی آتے ہیں، وہ بھی کسی کام سے بلایا جاتا ہے، تب ہی آتے ہیں، ورنہ نہیں تو ان صاحب کیلئے پورے سال کی تنخواہ لینا کیسا ہے؟

المستفتي: ماسٹر محمد اسعد صاحب،
محلّہ قاضی ٹولہ، قصبہ: نرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص صرف رمضان میں چندہ کرتا ہو اور کبھی ضرورت پڑنے اور بلانے پر مدرسہ آتا ہو ایسے شخص کو پورے سال کی تنخواہ لینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ شرعاً یہ شخص اجیر خاص کے حکم میں ہے، اور اجیر خاص اس وقت تک اجرت کا مستحق نہیں ہوتا ہے، جب تک کہ وہ اس مدت میں اپنے آپ کو سپرد نہ کرے جسکی عقد میں تعیین ہو چکی ہو، چاہے وہ ذمہ دار ہو یا غیر ذمہ دار ہو۔

قال والأجیر الخاص هو من یعمل لواحد عملاً مؤقتاً بالتخصیص ویستحق الأجر بتسلیم نفسه فی المدة. (شامی، کتاب الإجارة، کراچی ٦/ ٦٩،

زکریا ۹/ ۹۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۴۵)

فیصد کے اعتبار سے چندہ کرنے پر انعام

سوال: [۴۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ادارہ میں سفیر حضرات پورے سال مدرسہ کے واسطے چندہ کرتے ہیں، اور ادارہ ان سفیر حضرات کو چندہ کی رقم میں سے ۴۰ یا ۵۰ فیصد رقم دیتا ہے تو کیا ایسے ادارہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

المستفتي: محمد سیف اللہ صدیقی، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ان سفیروں کی کوئی ماہانہ تنخواہ متعین نہیں ہے، اور صرف کمیشن پر معاملہ ہے تو اس طرح کا لین دین جائز نہیں، اور جن مدارس میں یہ طریقہ رائج ہو وہاں زکوٰۃ دینا بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ وہاں زکوٰۃ دینے سے بہت بڑا حصہ غیر مستحق پر خرچ ہو جاتا ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی خطرے میں پڑ جاتی ہے، نیز زکوٰۃ کی رقم غیر مستحقین کو پہونچنے کیساتھ ساتھ یہ اجارۂ فاسدہ بھی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۷۶، ایضاح النوادر ۲/ ۵۶، ایضاح المسائل/ ۱۲۲، مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۶۰۷، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/ ۳۳۴)

ولو دفع غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه أي بنصف الغزل أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه أو ثوراً ليطحن برّه ببعض دقيقه فسدت في الكل لأنه استأجر بجزء من عمله. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كراچی ۶/ ۵۶، زكريا ۹/ ۷۸، ۹/ ۷۹)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين الخ. (درمختار، كتاب

الإجارة، زکریا۹/۷، درمختار کراچی ۶/۵، وکذا فی الهدایة، جیسوری ۳/۲۷۷، اشرفیه دیو بند۳/۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۸۳/۳۶)

کمیشن پر چندہ اور سفراء کا تملیک سے قبل اپنی تنخواہ نکال لینا

سوال: [۴۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) بعض لوگ رمضان یا غیر رمضان میں مدرسہ کا چندہ کرتے ہیں، اور اس میں سے بغیر تملیک کے اپنی تنخواہ نکال کر بعد میں جمع کرتے ہیں شرعاً کیسا ہے؟

(۲) بعض جگہ مدرسوں میں چندہ وغیرہ میں انعام دیا جاتا ہے، یا کمیشن کہیں یہ کمیشن یا انعام دفتر میں جمع کرنے سے پہلے لے لینا کیسا ہے؟ یا پھر جمع کر کے کمیٹی سے لیا جاتا ہے تملیک کر کے لینا کیسا ہے؟ ان تینوں صورتوں میں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: شمشاد احمد، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل چندہ میں اکثر زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ کی رقم ہوا کرتی ہے، اسلئے تملیک سے قبل محصلین کا اسمیں سے اپنی تنخواہ کو مجریٰ کر لینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ اسمیں تملیک فقراء شرط ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة. (الدر مع الرد، کتاب الزکاة، باب المصارف، زکریا دیو بند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴)

(۳/۲) با تنخواہ ملازم کیلئے انعام حاصل کر لینا اگر چہ جائز ہے مگر حاصل شدہ رقم کو مدرسہ کے دفتر میں جمع کرنے کے بعد مدرسہ کے پیسہ سے لے سکتے ہیں، لہٰذا جمع کرنے سے قبل انعام

کا حصہ لے لینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ اسمیں بھی تملیک شرط ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠/ذیقعدہ ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/٢٢/٣٧٢٢)

چندے کی رقم سے تنخواہ کیساتھ ٢٠/٢٥/فیصد رقم لینا

سوال: [٤٥٩١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ادارہ میں مدرسین حضرات بعوض تعلیم ہر ماہ تنخواہ پاتے ہیں، اور ماہ رمضان کے چندے کی رقم میں سے ٢٠/٢٥/ فیصد رقم وصول کرتے ہیں یا ادارہ ان کو ٢٠/٢٥ فیصد رقم مع رمضان کی تنخواہ کے رقم کی ادائیگی کرتا ہے تو کیا مدرس حضرات کو یہ رقم لینا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسین اگر تمام چندہ کی آمدنی لاکر مدرسہ میں جمع کردیں اور پھر مدرسہ زکوٰۃ کی رقم سے نہیں بلکہ امدادی فنڈ سے ان کو حسن کارکردگی کی بنیاد پر تنخواہ کے علاوہ بطور انعام کچھ رقم الگ سے دے تو اسطرح انعامی رقم کا لین دین درست ہے، یہ کمیشن میں شامل نہیں ہے۔(مستفاد: ایضاح النوادر ٢/ ٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/١/٢٣ ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/٤٨٤ ٧)

کیا تنخواہ دار مدرس کا چندہ پر فیصدی انعام لینا درست ہے؟

سوال: [٤٥٩٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ فیض العلوم مچھرہٹہ کے ناظم قاری اسرار احمد صاحب لکھنؤ کے ایک مدرسہ ”تجوید القرآن“ کے مدرس و ملازم ہیں، مہینہ، پندرہ دن میں ایک دو دن کیلئے فیض العلوم

مچھرہٹہ آتے ہیں، ضروری ہدایات اپنے نائب صاحب کو یا مدرسین کو دیکر پھر چلے جاتے ہیں، یہ ناظم صاحب جتنے دنوں سال بھر میں فیض العلوم مچھرہٹہ حاضر ہوتے ہیں، ان ایام کی تنخواہ فیض العلوم سے حسب ضابطہ لے لیتے ہیں، ضابطہ یہ ہے کہ جتنے دن یہاں کی نگرانی میں یا یہاں کی ضرورتوں میں صرف ہوئے اتنے دنوں کی تنخواہ اتنی دی جائے گی جتنی تنخواہ ان کی اس مدرسہ میں کٹی ہے جہاں پر ملازم یا مدرس ہیں تو کیا شرعاً ناظم صاحب کیلئے اس طرح تنخواہ لینا جائز ہے، نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کیا ذمہ داران مدرسہ کا اس طرح کا ضابطہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ یا پھر ناظم صاحب کی تنخواہ مدرسہ فیض العلوم مچھرہٹہ سیتاپور کے گریڈ کے مطابق متعین کرلی جائے اور وہ جتنے دن مہینہ یا سال میں مدرسہ فیض العلوم کے کاموں کیلئے حاضر ہوں اتنے دنوں کی تنخواہ کا حساب لگاکر دیا جائے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) دوسری بات یہ دریافت کرنی ہے، کہ ناظم صاحب نے اپنی تعطیل کلاں یا دیگر تعطیلات یا جس مدرسہ میں ملازم ہیں وہاں کی ملازمت کے ساتھ ساتھ خارجی اوقات میں اہل خیر سے مدرسہ فیض العلوم کے لئے فراہمی کا کام کیا جس میں چار پانچ لاکھ روپئے کی فراہمی ہوئی، تو مدرسہ کے نائب صاحب وارا کین شوریٰ وعاملہ چاہتے ہیں، کہ حسب ضابطۂ مدرسہ جیسے دیگر مدرسین کو انعام دیا جاتا ہے، ناظم صاحب کو بھی اس رقم پر حسن کارکردگی یا انعام کے عنوان سے ۲۰؍ فیصد دے دیا جائے، ناظم صاحب پس وپیش میں ہیں، کہ یہ انعام قبول کریں یا نہ کریں؟ کیونکہ مدرسہ فیض العلوم کے باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہیں، حسبۃً للہ کام انجام دیتے ہیں، ہاں البتہ جن ایام کی تنخواہ ملازمت والے مدرسہ میں کٹ جاتی ہے، اتنی تنخواہ لیتے ہیں، تو کیا ان کے لئے فراہم کردہ رقم پر ۲۰؍ فیصد انعام قبول کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ کیا ناظم صاحب کی تنخواہ مدرسہ فیض العلوم کے گریڈ کے مطابق متعین کردی جائے اور جتنے دنوں اس مدرسہ کے کاموں میں صرف ہوں ان کی تنخواہ اتنے دنوں کی حساب

کر کے دی جائے تو وہ تنخواہ دار ملازم سمجھے جائیں گے؟ اور پھر ان کو فراہمی مالیہ پر حسب ضابطہ ۱۰/ فیصد یا ۱۵/فیصد، ۲۰/فیصد تک انعام یا حسن کارکردگی کے عنوان سے دیا جاسکتا ہے؟ یا پھر جو بھی جواز کی شکل ہوسکتی ہے، تحریر فرما دیں،نوازش ہوگی،تا کہ شریعت اسلامیہ کی خلاف ورزی نہ ہو اور ہم سب آخرت کی جواب دہی سے محفوظ رہ سکیں؟

المستفتي: سعید احمد قاسمی، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارس اسلامیہ کے اصول وضوابط ذیل کی حدیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں۔

أن رسول الله ﷺ، قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً. (ترمذی شريف، الأحكام، باب ماجاء عن رسول اللهﷺ فی الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲)

مدرسہ کے ذمہ داران آپس میں مشورہ سے جو بھی قانون اور ضابطہ طے کرلیں، وہ جائز اور درست ہے، بشرطیکہ اس میں حلال کو حرام کرنا یا حرام کو حلال کرنا لازم نہ آتا ہو، اور مذکورہ ناظم صاحب کے بارے میں جو ضابطہ مدرسہ نے بنایا ہے، وہ آپس کی رضامندی سے جائز اور درست ہے؛ لہٰذا ضابطہ کے مطابق مہینہ یا سال بھر میں مدرسہ فیض العلوم کے کاموں کے لئے جتنے ایام گزارتے ہوں، اتنے دنوں کی تنخواہ کا حساب لگا کر لینا اور دینا ضابطہ کے مطابق جائز اور درست ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے۔

(۲) سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ ناظم صاحب مدرسہ فیض العلوم کے جزئی تنخواہ دار ملازم ہیں، اور تنخواہ دار ملازم کیلئے حسن کارکردگی کی وجہ سے فیصدی انعام لینا فتویٰ کی رو سے درست ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے، لیکن اگر وہ نہیں لیتے ہیں، تو یہ ان

کے تقویٰ کی بات ہے، اور یہ ایک اچھی اور قابل تعریف بات ہے، کہ وہ اس پر انعام نہ لیں۔

وَالعاقِبَةُ للتقوىٰ. (الآية: طٰه: ۱۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

(۱۱) باب: مکاتب میں زکوٰۃ صرف کرنے کا حکم

مکتب میں زکوٰۃ

سوال: [۴۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا ایسے مدرسہ کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کیا جا سکتا ہے، جس میں بیرونی طلبہ تعلیم نہ پاتے ہوں اگر وصول کیا جائے تو اسکے استعمال کی کیا صورت ہوگی؟

(۲) اگر زکوٰۃ کا پیسہ وصول نہ کیا جائے تو خطرہ ہے کہ بستی کے بچے تعلیم سے محروم ہو جائیں گے، کیونکہ معلم کی تنخواہ کا معاملہ ہے جبکہ بستی کے لوگوں کی اتنی طاقت نہیں کہ وہ جیب سے معلم کی تنخواہ کا بندوبست کر سکیں، کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا اور وہ مدرسہ پر خرچ کرنا صحیح ہے؟

المستفتي: احقر محمد ارشاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (او۲) جس مکتب و مدرسہ میں زکوٰۃ کا مصرف موجود نہ ہو اور اس میں نادار طلبہ کو کھانا وغیرہ نہ کھلایا جاتا ہو اس مکتب کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا جائز نہیں۔ اس میں زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنے سے زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی، اگر کوئی ایسے مکتب کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرلے تو ایسی صورت میں جن سے وصول کیا ہے، انہی کو واپس کردے یا فقراء کو تقسیم کردے، یا جس مکتب میں زکوٰۃ کا مصرف ہو اسمیں دیدے، زکوٰۃ کے پیسہ سے معلم کی تنخواہ دینا بھی جائز نہیں ہے، اسلئے ایسے مکاتب کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول نہ کیا جائے، بلکہ صراحت کے ساتھ امدادی رقم وصول کی جائے، اور اسی امدادی فنڈ سے مکتب کو چلایا جائے، نیز مکتب کے ایک آدمی کی تنخواہ اتنی مشکل نہیں ہے، اگر اپنے محلّہ سے ضرورت پوری نہیں ہوتی تو دوسرے محلّہ اور دیگر مقامات سے امداد کا

چندہ کیا جا سکتا ہے، اسلئے یہ بہانا پیش نہ کیا جائے، کہ تعلیم بند ہو جائے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۳۶۰، جدید زکریا مطول ۶/۲۷۰، فتاویٰ دار العلوم ۶/۲۵۱)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (التوبه: ٦٠)

مصرف الزكاة والعشر هو الفقير . (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/٢٨٣، كراچی ٢/٢٨٣)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (شامی، كراچی ٢/٣٤٤، زكريا ٣/٢٩١)

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد – إلىٰ قوله– وكل مالا تمليك فيه . (هنديه، زكريا ١/١٨٨، جديد زكريا ديوبند ١/٢٥٠)

أما تفسيرها فهى تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمى ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله . (هنديه، زكريا ديو بند ١/١٧٠، جديد زكريا ديوبند ١/٢٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۸/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۳۴۷)

مکاتب میں زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

الف: ہمارے یہاں کی بستی میں بعض مدارس تو ایسے ہیں جن میں مدرسین بھی ایک معتد بہ مقدار میں پڑھاتے ہیں، اور بیرونی طلبہ بھی ان مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، جن کے قیام وطعام اور جملہ اخراجات کا مدرسہ کفیل ہے مطبخ کا انتظام بھی مدرسہ ہی میں ہے۔

ب: بعض مدارس اسلامیہ ایسے ہیں کہ ان میں مدرسین حضرات کی بھی معتد بہ جماعت ہے، بیرونی طلبہ بھی پڑھتے ہیں، بیرونی طلبہ کے اخراجات کا مدرسہ خود کفیل ہے مگر

کھانے پینے کا انتظام اراکین مدرسہ نے طلبہ کا گھروں میں کردیا ہے، ایک ایک طالب علم محلّہ میں الگ الگ کھانا کھاتا ہے، گویا کہ مدرسہ میں مطبخ کا انتظام نہیں؟

ج: بعض مدارس ایسے ہیں، کہ مسجد میں مکتب کی شکل میں ہیں، مسجد کا امام بچوں کو پڑھاتا ہے، امام کی معاونت کیلئے کسی ایک ماسٹر کا تقرر کرلیا جاتا ہے، محلّہ کے ہی بچے پڑھتے ہیں، بیرونی طلبہ نہیں پڑھتے ہیں، یہ لوگ بھی زکوٰۃ صدقات چرم قربانی اکٹھا کرکے اس مدرسہ میں خرچ کرتے ہیں؟

د: بعض مدارس اسلامیہ وہ ہیں جن میں بیرونی طلباء بھی نہیں مسجد کا امام ہی مسجد کی جگہ میں مدرسہ قائم کرکے تعلیم دیتا ہے، مزید مقامی طلبہ سے فیس بھی ماہانہ وصول کرتا ہے، ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ صدقات واجبہ چرم قربانی وصول کرنا کیسا ہے؟

ہ: بعض مدارس ایسے ہیں، جنکو سرکار سے تعاون ملتا ہے، ہر مہینہ گورنمنٹ سے رقم آتی ہے، بیرونی طلباء کا مدرسہ میں قیام وطعام کا قطعاً انتظام نہیں یہ لوگ بھی وقت پر بہت جوش وخروش سے وصول کرتے ہیں، مندرجہ بالا مدارس میں سے کس کس مدرسہ میں زکوٰۃ صدقات واجبہ لیکر خرچ کرنا جائز ہے؟ کس میں نہیں؟ اگر ان مذکورہ مدارس میں سے کسی میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں تو جن لوگوں نے زکوٰۃ دی ہے چرم قربانی دی ہے، ان کی زکوٰۃ وغیرہ ادا ہوگی یا نہیں ؟ ایسے مدارس کے منتظمین چندہ کرنے سے گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

المستفتي: محمد اقبال، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف، ب) ایسے مدارس میں کہ جن میں بیرونی طلباء پر قیام وطعام کی شکل میں پیسہ خرچ کیا جاتا ہے، ان میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کی رقم دینا جائز ہے اور (ج، د، ہ) ایسے مدارس کہ جن میں زکوۃ کا مصرف کسی طرح موجود نہیں ہے، ان میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی وغیرہ کی رقم دینا جائز نہیں اور نہ ان لوگوں کیلئے یہ رقم وصول کرنا جائز ہے، اور اگر کوئی صاحب مصرف زکوٰۃ نہ ہونے کو جانتے ہوئے ایسے مکاتب

میں اپنی زکوٰۃ وغیرہ کی رقم دیں گے تو ان کے ذمہ سے فریضہ ساقط نہ ہوگا۔

الأصل فيه إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (التوبه: ٦٠)

مصرف الزكوٰة والعشر هو فقير . (الدر المختار على هامش الشامي ، كتاب الزكاة ، باب المصرف كراچی ۲/ ۲۸۳، زكريا ۳/ ۲۸۳، هنديه ، زكريا ۱/ ۱۸۷، جديد زكريا ديو بند۱/ ۲٤۹)

أى إن تبين له أنه غير مصرف فلو لم يظهر له شيئى فهو على الجواز . (شامی، كراچی ۲/ ۳۵۳، زكريا۳/ ۳۰۳، هنديه زكريا ۱/ ۱۹۰، جديد زكريا ديو بند۱/ ۲۵۲، الباب السابع فى المصارف) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۵ھ

مکتب زکوٰۃ وصدقات کا مصرف نہیں

سوال: [۴۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے مکاتب جن میں مقامی طلباء کے سوا بیرونی طلباء نہ ہوں ان میں زکوٰۃ کی رقم دینی چاہئے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ کی رقم نہ دیں تو کیا صورت اختیار کی جائے۔

ہماری بستی کے امام عیدین مفتی محمد فاروق صاحب استاذ حیات العلوم مرادآباد نے عیدالفطر کی نماز سے قبل مجمع عام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اچھی بات ہے کہ چھوٹے مدارس کو امدادی رقم دی جائے لیکن نہیں دیتے ہیں، لہٰذا میں آپ حضرات سے کہتا ہوں کہ ان چھوٹے اداروں کو زکوٰۃ کی رقم دیں ورنہ یہ چھوٹے مدارس بند ہوجائیں گے اور وہ دن دور نہیں کہ دس بارہ سال بعد کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا بھی میسر نہ ہوگا؟

سائل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مفتی فاروق صاحب کے کہنے کے مطابق مکاتب کو زکوٰۃ

دینا درست ہے یا نہیں؟ ایسے چھوٹے مدارس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: قمرالدین قاسمی،
کھیڑا ٹانڈہ، تحصیل سوار، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن مکاتب میں مقامی طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ زکوٰۃ کے مصرف نہیں ہیں، ان مکاتب میں زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہیں ہے، اسلئے کہ ان میں زکوٰۃ کا مصرف ہے ہی نہیں، لہٰذا ایسے مکاتب کا خرچہ امدادی چندہ کے ذریعہ اور مقامی تعاون سے پورا کرنا چاہئے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبِهِمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. (سورۂ توبہ /۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۷۸۰)

کیا مکتب کے اخراجات کیلئے زکوٰۃ کی وصولیابی درست ہے؟

سوال: [۴۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مدارس عربیہ جہاں مطبخ اور دارالاقامہ کا نظم نہیں ہے، لیکن وہاں غریب بچے، بچیاں اور غریبوں کے نابالغ بچے بچیاں مکتب وعربی درجات میں زیر تعلیم ہیں، اور ان سے فیس بھی اتنی معمولی لیجاتی ہے، جس سے مدرسہ کے خرچ کا چوتھائی حصہ بھی پورا نہیں ہوتا ہے یعنی تنخواہ وغیرہ اور پڑھنے والے طلبہ طالبات میں اکثریت غریب طلبہ وطالبات کی ہے۔

توکیا ان غریب طلبہ طالبات کے تمام تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کیلئے وہ مدارس

زکوٰۃ فطرہ وصول کر سکتے ہیں، اوران مدارس کوزکوٰۃ دی جاسکتی ہے، یانہیں ؛ تاکہ اس کے ذریعہ فیس کی ادائیگی کے بعد جواخراجات بچیں وہ پورے کئے جاسکیں؟

اگرنہیں تو ان مدارس کے اخراجات کوزکوٰۃ کی مد سے پورا کرنے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یانہیں تحریرفرمائیں؟

(قبل ازیں مذکورہ استفتاء مدرسہ ریاض العلوم گورینی ضلع جونپور سے حاصل کیا گیا ہے جس کی ایک کاپی اس فتوی کے ساتھ ارسال کی جارہی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو آپ اس کی تصدیق کردیجئے ورنہ تحقیقی جواب دیکرممنون فرمائیں، کیونکہ رمضان المبارک میں بار بار عوام ان جیسے مسائل میں الجھتے ہیں، اوریہی نہیں بلکہ بعض مدارس کے نام نہاد مولوی عوام سے زکوٰۃ وصول کرکے اس کا بیجا استعمال کرتے ہیں)

المستفتي: شبیراحمد قاسمی ،قصبہ سنڈھیامئو،
تحصیل رام نگر، بارہ بنکی

دارالافتاء ریاض العلوم گورینی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستحق زکوٰۃ بچوں کی تعلیمی ضرورت، مدرسین وملازمین کی تنخواہ اورعمارت وغیرہ کیلئے جس قدراخراجات کی ضرورت ہوسکے بقدرزکوٰۃ وصدقات واجبہ وصول کرنا اور اس طرح کے مدارس میں زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز ہے خواہ دارالاقامہ کانظم ہویانہ ہو، مثلاً ایک مکتب میں سوبچے زیرتعلیم ہیں، پچاس مستحق زکوٰۃ ہیں، اور پچاس غیرمستحق زکوٰۃ اورمکتب کا سالانہ خرچہ چھ لاکھ ہے تو اس مکتب میں تین لاکھ زکوٰۃ صدقات واجبہ وصول کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

عبداللہ
ریاض العلوم گورینی جون پور

دارالافتاء مدرسہ شاہی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :جس مکتب میں مقامی بچوں کی تعلیم ہوتی ہے، اور بیرونی غریب بچوں کی تعلیم وقیام کا نظم نہیں ہے، اس مکتب میں مصرف زکوٰۃ نہیں ہے، اور جس مکتب میں مصرف زکوٰۃ نہ ہو اس مکتب کیلئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے، نیز زکوٰۃ دہندگان کو پتہ چل جائے کہ اس مکتب میں مستحقین زکوٰۃ طلبہ نہیں ہیں، تو وہ ہرگز ایسے مکتب میں چندہ نہیں دیں گے، لہٰذا گھما پھرا کر کے ایسے مکتب کیلئے چندہ وصول کرنا درپردہ چندہ دہندگان کو دھوکہ میں رکھنا ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں، نیز عمارت کی تعمیر کیلئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ عمارت کی تعمیر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے اور اہل خیر حضرات سے واضح طور پر بتلا دینا چاہئے کہ ہم عمارت کی تعمیر کے لئے چندہ وصول کررہے ہیں، لہٰذا امداد کا اور مصرف خیر کا پیسہ بطور چندہ آپ لوگ دیدیں تاکہ عمارت کی تعمیر ہوسکے اور اس کے برعکس چندہ دہندگان کو دھوکہ میں رکھ کر ان سے عمارت کی تعمیر کیلئے چندہ وصول کرنا درست نہیں ہے۔

قيل أراد ببعض الناس أبا حنيفةؒ والتشنيع عليه لأن مذهبه أن كل حيلة يتحيل بها أحد في إسقاط الزكوٰة فإثم ذلك عليه .... وقال محمد يكره لما فيه من القصد إليٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه وهو النصاب. (عمدة القاری ، کتاب الحیل ، دار احیاء التراث العربي ۲۴/۱۱۱، زکریا دیوبند ۱۶/۲۴۱، تحت رقم الحدیث:۶۹۵۶)

ولا يصرف إليٰ بناء مسجد وفي الشامي قوله نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات، وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل مالا تمليك فيه . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ،

کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا۳/ ۲۹۱، عالمگیری زکریا دیو بند ۱/ ۱۸۸، جدید زکریا دیو بند ۱/ ۲۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۱۰/ ۱۴۳۵ھ

محض مقامی طلبہ والے مدرسہ کے ذمہ داروں کا زکوٰۃ وصول کرنا

سوال: [۴۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ میں تقریباً ۱۵؍مقامی طلبہ زیر تعلیم ہیں، طلبہ روزانہ پڑھ کر اپنے گھر چلے جاتے ہیں، مدرسہ کے ذمہ داران لوگوں سے اسی مدرسہ کے نام پر زکوٰۃ وصدقات وصول کرتے ہیں، پھر کسی دوسرے مدرسہ میں اس مال زکوٰۃ کی تملیک کراتے ہیں، اور اپنے مدرسہ کی تعمیر اور اساتذہ کی تنخواہوں پر خرچ کرتے ہیں، کیا مدرسہ کے ذمہ داران کا یہ فعل شرعاً درست ہے؟ اور کیا کسی دوسرے میں تملیک کرانے سے اس مدرسہ میں وہ روپیہ استعمال کرنا جائز ہوجاتا ہے؟ کیا ایسے مدرسہ کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ نیز مدارس میں جو آج کل کسی طالب علم سے تملیک کرانے کا طریقہ رائج ہے اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟ اور تملیک کی بے غبار صورت کیا ہوسکتی ہے؟ از راہ کرم مفصل ومدلل جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: افضال احمد، چنڈی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس مدرسہ میں مطبخ اور بیرونی طلبہ نہ ہوں صرف مقامی طلبہ پڑھتے ہوں وہ مدرسہ نہیں ہے بلکہ مکتب ہے، اس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس مکتب میں مصرف زکوٰۃ نہیں ہے، نیز زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرکے دوسرے مدرسہ کے طلبہ کے ذریعہ سے تملیک کرانا زکوٰۃ دہندگان کو دھوکہ دینا ہے، شرعا ایسا عمل جائز نہیں ہے، نیز جائیداد کی خریداری اور تعمیر کیلئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے، اور اس کے

لئے حیلۂ تملیک کا راستہ اختیار کرنا بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے۔

عن أبی هريرةؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من حمل علينا السلاح فليس منا ومن غشنا فليس منا. (مسلم شريف، باب قول النبی صلى الله عليه وسلم من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/ ۷۰، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱، مشكوٰة شريف/ ۳۰۵)

عن أبی بكر الصديقؓ قال قال رسول الله ﷺ ملعون من ضار مؤمنا أو مكربه. (ترمذی، الأدب، ماجاء فی الخيانة والغش، النسخة الهندية ۲/ ۱۵، دارالسلام رقم: ۱۹٤۱، مشكوٰة شريف/ ٤۲۸)

قيل أراد ببعض الناس أبا حنيفةؓ والتشنيع عليه لأن مذهبه أن كل حيلة يتحيل بها أحد فی إسقاط الزكوٰة فأثم ذلك عليه .... وقال محمد: يكره لما فيه من القصد إلىٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه وهو النصاب. (عمدة القاری، كتاب الحيل، داراحياء التراث العربي ۲٤/ ۱۱۱، زكريا ديو بند ۱٦/ ۲٤۱، تحت رقم الحديث/ ٦۹٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۱۰/ ۱۴۳۵ھ

کس وقت مکتب کیلئے زکوٰۃ کی رقم وصول کرنا جائز ہے؟

سوال: [۴۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مکاتب میں پڑھنے والے نادار غریب بچوں کیلئے زکوٰۃ کے روپئے خرچ کئے جاسکتے ہیں، یا نہیں؟ مزید براں مدرسے میں جو فیس لی جاتی ہے انہیں زکوٰۃ کی رقم دے کر اسے بطور فیس وصول کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۲) زکوٰۃ کے مصرف ہونے کیلئے مدرسہ کا اقامتی ہونا تو ضروری نہیں اگر ضروری

نہیں تو پھر مکاتب میں اس مد کا استعمال کس طور پر ہوگا ؟

المستفتي: مولوی محمد وسیم،
وحافظ الطاف، پرتا پگڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن مکاتب میں قرآن کریم اور دینی تعلیم ہوتی ہو اور ان کے اساتذہ کی تنخواہیں زکوٰۃ کے پیسہ میں حیلہ تملیک کئے بغیر پوری نہیں ہو پاتی ہوں ،تو دینی ضرورت کی خاطر اساتذہ کی صرف تنخواہوں کیلئے زکوٰۃ کے پیسہ میں حیلہ تملیک کی گنجائش ہے، نیز جن بچوں سے فیس لی جاتی ہے، اگر وہ غریب بالغ بچے ہیں،تو ان کو زکوٰۃ کا پیسہ دیدیا جائے اور وہ اپنی فیس کے نام سے مدرسہ میں جمع کر دیں تو وہ پیسہ بھی اساتذہ کی تنخواہوں میں دیا جاسکتا ہے۔

أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ، کراچی ۲/ ۳۴۵، زکریا دیوبند۳/ ۲۹۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۶/ ۲۴۵، البحرالرائق، کوئٹه ۲/ ۲۴۳، زکریا ۲/ ۴۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۹۶)

مکتب میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں

سوال: [۴۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل مدارس کی تعداد بہت ہوچکی ہے،اور ان میں کثیر تعداد ان مدارس کی ہے، جہاں پر کوئی بچہ بیرونی، یتیم غریب نہیں ہے؟ صرف مقامی طلبہ ہی ان اداروں میں پڑھتے ہیں، اہل بستی کافی

تعداد میں متوسط آمدنی کے مالک ہیں، اگر وہ امداد سے چاہیں تو مدامداد سے مدرسہ کا چلانا کچھ مشکل نہیں ہے، مگر عوام دین سے بے رغبت اور بے توجہی کی وجہ سے ایسا کرنے سے عاجز ہیں، مجبوراً مد زکوٰۃ فطرہ چرم قربانی وغیرہ لیکر صورت تملیک سے مدرسے چلانے پڑ رہے ہیں، عوام کا کہنا ہے کہ جس مدرسہ میں بیرونی طلبہ نہیں ہیں، ایسے مدرسہ میں مدزکوٰۃ فطرہ چرم قربانی وغیرہ لگانا بالکل جائز نہیں، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتي: قاری تسلیم احمد، مدرسہ انوارالعلوم، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سب مقامی بچے ہیں اور مدرسہ میں کوئی مطبخ بھی نہیں ہے اور مقامی لوگ متوسط درجہ کے مالدار ہیں تو وہاں پر ایسے مدرسہ کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا مستحقین کا حق مارنا ہے، اسلئے جائز نہیں۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديو بند ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

اور جہاں کے لوگ اپنے خرچہ سے اپنے بچوں کو تعلیم دے سکتے ہیں، وہاں حیلۂ تملیک جائز نہیں ہے۔

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة الخ. (عالمگیری، کتاب الحیل، زکریا دیو بند ٦/ ۳۹۰، جدید زکریا دیو بند ٦/ ۳۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳٦٦۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

غیر مستحق غریب مکتب والوں کا زکوٰۃ وصول کرنا

سوال: [۴۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک چھوٹی سی بستی ہے وہاں پر معمولی قسم کے غریب لوگ رہتے ہیں جن کا گذارہ مزدوری پر ہوتا ہے ان کے اندر اتنی استطاعت نہیں کہ وہ کوئی مکتب وغیرہ قائم کرکے اپنے بچوں کو دینی تعلیم دے سکیں، اور قریب میں کوئی دینی مکتب بھی نہیں ہے، جس میں وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم کیلئے بھیج سکیں، چنانچہ ایک مولوی صاحب نے اس بستی میں ایک مکتب قائم کرادیا اور اسمیں زکوٰۃ کا چندہ آتا ہے، تو ایسے مکتب میں زکوٰۃ کا لینا اور دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز اس مکتب کے کارکنان نے ایک مولوی صاحب کے مشورہ سے یہ حیلہ اپنایا کہ اس مکتب کیلئے زکوٰۃ کا چندہ کرکے دوسرے مدرسہ میں جو زکوٰۃ کا استحقاق رکھتا ہے، وہاں زکوٰۃ کا لینا اور دینا جائز ہے اور زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، تو ایسے مدرسہ میں اس مکتب کے نام سے زکوٰۃ لیکر دوسرے بڑے مدرسہ میں دیکر اس مدرسہ کے امداد کی رقم لیکر مکتب والے مدرس کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں یعنی زکوٰۃ کی رقم بڑے مدرسہ میں دیکر اس مدرسہ کی امداد والی قسم سے تبادلہ جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: یہ بات واضح رہے کہ اس بستی کے لوگ اتنی بھی استطاعت نہیں رکھتے ہیں، کہ ایک مدرس کو تنخواہ دے سکیں اب اگر یہ صورت اختیار نہ کی جائے تو اس بستی کے مسلم بچے دینی تعلیم سے جاہل رہیں گے؟

المستفتي: عبداللہ، بہادرپور، بہرائچ، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ مکتب میں چونکہ زکوٰۃ کا مصرف موجود نہیں ہے، اسلئے اس مکتب کیلئے زکوٰۃ کی رقم وصول کرنا جائز نہیں اور نہ زکوٰۃ کی رقم کا دوسرے مدرسہ کی امدادی رقم سے تبادلہ جائز ہے، ہاں البتہ یہ شکل ہوسکتی ہے کہ جس ادارہ میں زکوٰۃ کا مصرف موجود ہے اس مکتب کو اس سے منسلک کردیا جائے، اور اسکی شاخ

بناد یا جائے ،اوراس مدرسہ کے منتظم حضرات امدادی فنڈ سے یہاں کے معلم کوتنخواہ دیں مد زکوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا بھی جائز نہیں ۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۵۱، کفایت المفتی ۴/ ۲۶۰،۳۶۳،۲۶۸، جدید زکریا مطول ۶)۲۷۱)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورۂ توبہ / ٦٠)

مصرف الزكوة والعشر هو الفقير ...... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة . (الدر المختار على الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٢/ ٣٤٤، زكريا ٣/ ٢٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۶/ ۱۴۲۰ھ

مقامی مدارس زکوٰۃ کے مستحق نہیں؟

سوال: [۴۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ ایک شہری ادارہ برائے طالبات چلارہا ہے، جس میں ۱۰۰/ طالبات زیر تعلیم ہیں، اور چار اساتذہ درس وتدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں، اورادارہ رجسٹریشن بھی ہے،اور ۱۱/ حضرات ادارہ کے ٹرسٹ بھی ہیں، اورادارہ باتعاون چرم قربانی ،زکوٰۃ ،عطیہ ،صدقہ وغیرہ سے چلتا ہے، اورادارہ کا سالانہ تخمینہ ایک لاکھ بیس ہزار ہے لیکن بعض حضرات کا کہنا ہے کہ چرم قربانی ،اورزکوٰۃ ،شہری ادارہ کودینا جائز نہیں؟ دراں حالیکہ ادارہ ان طالبات کو کپڑے اور دیگر ضروریات بھی فراہم کرتا ہے، اسی طرح بجلی اورادارہ کی دیگر ضروریات اور حضرات اساتذہ کرام کی تنخواہیں بھی اسی مصرف سے دی جاتی ہیں، لہذا:۔ حضرات مفتیان کرام سے گذارش ہیکہ وہ اس سوال کا کہ چرم قربانی ،اورزکوٰۃ ،شہری ادارہ کودینا جائز نہیں ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیلاً وتطویلاً جواب دیں، تو عین کرم ونوازش ہوگی؟

نوٹ: مذکورہ طالبات کا مدرسہ میں قیام وطعام کا کوئی نظم نہیں ہے۔

المستفتی: حافظ شیخ سلطان اشرفی، ناظم:
ادارہ ہذا۔وامام وخطیب مسجد افضل العلوم
وذمہ داران ادارہ، ناندیڑ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس ادارہ میں طلبہ اورطالبات کے قیام وطعام کا کوئی نظم نہیں ہے، اور پڑھ کر اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں، تو ایسے ادارہ میں زکوٰۃ کا کوئی مصرف نہیں ہے، اسی طرح چرم قربانی کے پیسے کا بھی مصرف نہیں ہے، اس لئے ایسے ادارہ کے ذمہ داروں کو زکوٰۃ وصول کرنے اور چرم قربانی کے پیسے جمع کرنے سے گریز کرنا چاہئے، اس لئے کہ زکاۃ کا مصرف فقراء ہیں، اور یہاں ایسے فقراء نہیں ہے، اسی طرح چرم قربانی کے پیسوں کے مستحق بھی فقراء ہیں، یہاں وہ بھی نہیں ہیں۔

مصرف الزكاة الفقير وهو من له أدنىٰ شيئى. والمسكين وهو من لاشيئى له. (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع ، في المصارف زكريا ديوبند ١/١٨٧، جديد زكريا ديو بند١/٢٤٩)

مصرف الزكاة هو فقير فلايجوز صرف الزكاة إلىٰ الغنى...... لقوله تعالىٰ : إنما الصدقات للفقراء والمساكين . إلى قوله : جعل الله تعالى الصدقات للأصناف المذكورين بحرف اللام وأنه للاختصاص فيقتضى اختصاصهم باستحقاقها ؛ فلو جاز صرفها إلىٰ غيرهم لبطل الاختصاص وهذا لايجوز . (بدائع الصنائع ، زكريا ديوبند ٢/١٤٩، ١٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۹ھ

کیا مقامی حفظ قرآن کے مدرسے زکوٰۃ کا مصرف ہیں

سوال: [۴۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ حفظ قرآن کا ایک مدرسہ چلاتا ہے، جس کے اندر شہر کے مقامی بچے حفظ وناظرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور یہ بچے بیشتر نابالغ ہیں، تو کیا ان بچوں کی تعلیم پر مدزکوٰۃ سے روپئے صرف کرنا درست اور جائز ہے؟

المستفتي: اسلم باری، ٹھٹھیرہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا پیسہ فقراء اور مساکین کا حق ہے اور غریب طلبہ بھی فقراء اور مساکین میں شامل ہیں، لیکن سوالنامہ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ مقامی بچے حفظ وناظرہ پڑھتے ہیں،، اور اس مدرسہ میں غریب بچوں کے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے، تو زکوٰۃ کا پیسہ وہاں کس پر خرچ کیا جائیگا، جب بچوں کا قیام وطعام اپنے گھر پر ہے اور آپ کے مدرسہ میں پڑھ کر چلے جاتے ہیں، تو اس صورت میں وہاں زکوٰۃ کا کوئی مصرف نظر نہیں آتا اور ان کی تپائیوں دریوں پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ تپائیوں اور دریوں کو مالک نہیں بنایا جاتا اور ادائے زکوٰۃ کے لئے مالک بنانا لازم ہے۔ ہاں البتہ قرآن کریم اور ناظرہ کے لئے پارے وغیرہ خرید کر مالک بنانا جائز ہوگا، اور ظاہر بات ہے کہ اس میں انتہائی مختصر سا خرچہ ہوگا، جس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، بلکہ شہر کا کوئی بھی سرمایہ دار مسلمان اپنی جیب خاص سے یہ خرچہ برداشت کرنے کیلئے تیار ہوسکتا ہے، نیز وہ نابالغ بچے جن کے ماں باپ مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں ان کو مدزکوٰۃ سے قرآن کریم اور پارہ خرید کر دینا بھی ممنوع ہے، اس لئے آپ کے مدرسہ میں مدزکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنے کی کوئی شکل نظر نہیں آتی ہے، لہٰذا آپ کو اس مدرسہ کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی اپنی زکوٰۃ خرچ کرنی چاہئے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۹/۶۰۴)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ إلىٰ آخر الآية . (سورة التوبة: ٦٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد .... وكل ما لا تمليك فيه . (شامي ، كتاب الزكاة ، باب المصرف كراچی ۲/٣٤٤، زکریا۳/ ۲۹۱)

الزكوة يجب فيها تمليك المال . (البحرالرائق ، زکریا ۲/ ۳۵۲، کوئٹہ۲/ ۲۰۱)

ولا يعطى منها غنيا ولا ولد غني إذا كان صغيراً . (الفتاوى التاتار خانية زكريا ٣/ ٢٠٩، برقم: ٤١٤٣)

وإنما منع من الدفع لطفل الغني لأنه يعدغنيا بغنى أبيه . (البحرالرائق ، زكريا ٢/ ٤٢٩، ٢/ ٢٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

غیر اقامتی مدارس ومکاتب میں صدقات واجبہ کی رقم دینا

سوال: [۴۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مدارس اسلامیہ یا مکاتب جن میں قرآن پاک اردو دینیات ہندی پرائمری پنجم کی تعلیم دیجاتی ہے اور جن کا خرچہ عوام وخواص سے وصول کی جانے والی زکوٰۃ وصدقات واجبہ وچرم قربانی سے پورا کیا جاتا ہے، بیرونی وغریب ونادار طلباء کا نام ہی نہیں اسلئے مطبخ وغیرہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، لہٰذا مذکورہ رقم صرف مقامی طلباء کی پڑھائی کیلئے ہی بعد از تملیک مدرسین حضرات کی تنخواہ میں یا تعمیر مدرسہ میں صرف کیجاتی ہے، مقامی طلباء میں: ۹۸/ طلباء کے والدین صاحب نصاب ہیں، تو سوال یہ ہے کہ اس طرز کے مدارس کو زکوٰۃ وغیرہ دینے سے ہماری زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔ دوبارہ ادا نہ کرنے کی صورت میں اس کا وبال اہل مدارس پر ہوگا یا

اہل زکوۃ پر؟ (یعنی زکوۃ دینے والوں پر)

المستفتي: محمد یونس، دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقات واجبہ کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے کہ ان کو مصارف فقراء وغیرہ پر بطور تملیک بلاعوض صرف کیا جائے، لہٰذا تنخواہ وتعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں اگر کارکنان مدرسہ بغیر شرعی حیلہ کے وہ رقم تنخواہ وتعمیر میں خرچ کردیں گے، تو زکوۃ وصدقات واجبہ کی ادائیگی نہ ہوگی اور یہ لوگ اصل معطی کے حق میں ضامن ہوں گے، لہٰذا زکوۃ وصدقات واجبہ ان مدارس کو دیئے جائیں جہاں غریب طلباء ہوں اور مطبخ کا نظم ہو۔

أو إلیٰ طالب علم وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر أفضل .

(الدر المختار مع الشامی ، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۵٤، زکریا دیوبند ۳/ ۳۰٤، هندیه زکریا ۱/ ۱۸۷، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۲٤۹،حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲، تبیین الحقائق ، مکتبه امدادیه ملتان ۱/ ۳۰۲، زکریا دیوبند ۲/ ۱۲٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۸/۱۴۲۰ھ

غیر اقامتی مدارس میں زکوۃ فطرہ صدقہ کی رقم دینا

سوال: [۴۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن مدارس میں بیرونی طلبہ نہیں ہیں، نہ ہی مطبخ ہے اور صرف گاؤں کے بچے تعلیم پاتے ہیں، اور وہ بچے اکثر صاحب نصاب لوگوں کے ہیں، اور بستی کے لوگ رمضان شریف اور غیر رمضان میں زکوۃ صدقات فطرہ وغیرہ اکٹھا کر کے ان بچوں پر خرچ کرتے ہیں، تو کیا ایسے

مدرسوں میں زکوٰۃ فطرہ صدقہ کا استعمال جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالدار کے نابالغ بچے کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔
ولا إلیٰ ولد غنی إذا کان صغیراً لأنه یعدُّ غنیاً بمال أبیه الخ. (هدایه، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، اشرفیه دیوبند ۱/۲۰۶)

نیز ایسا چھوٹا مدرسہ جس میں کوئی مطبخ اور بیرونی طلبہ نہیں ہیں، اسکی کفالت مقامی لوگوں پر ہوتی ہے، وہ امداد کے پیسہ سے اس کو چلایا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۲ھ

پرائمری درجات کے مدارس میں زکوٰۃ وصدقات دینا

سوال: [۴۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ میں ایک دینی مدرسہ ہے، جس میں قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اردو کے پرائمری درجات پانچویں تک قرآن پاک کی تعلیم پانیوالے بچوں میں کچھ یتیم اور نادار بچے بھی ہیں، لیکن مدرسہ ان کی کسی قسم کی کفالت نہیں کرتا ان کے لئے کھانا کپڑا دوائی وغیرہ کی کوئی سہولت مدرسہ کی جانب سے نہیں ہے، مدرسہ کی عمارت تعمیر ہو رہی ہے جس کیلئے چندہ کی ضرورت ہو رہی ہے، کیا اس مدرسہ میں زکوٰۃ وصدقات کا پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عمران انصاری
محلّہ شیخان، شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مدارس ومکاتب میں نادار طلبہ کی ضروریات کی ذمہ داری نہیں لی جاتی ہے! اور نہ ہی ان پر زکوٰۃ وصدقات کا پیسہ خرچ کیا

جا تا ہے، زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا پیسہ ان میں دینا درست نہیں ہے، اگر دیا جائے تو دینے والے کی زکوٰۃ وصدقۂ واجبہ ادا نہیں ہوگا، نیز زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم مدرسہ ومسجد کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کمامر لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد وفی الشامی، کبناء القناطر، والسقایات، وإصلاح الطرقات، وکري الأنهار، والحج والجهاد، وکل مالا تملیک فیه الخ.

(الدرالمختارمع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریادیوبند۳/۲۹۱، تبیین الحقائق، زکریا دیوبند۲/۱۲۰، مکتبه امدادیه ملتان ۱/۳۰۰، البنایه، اشرفیه دیوبند۳/٤٦٢، هندیه زکریا ۱/۱۸۸، جدید زکریا دیوبند ۱/۲۵۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳٦/۲٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲٦۸)

مقامی یتیم بچیوں والے مدرسے میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴٦۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ادارہ میں صرف لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں، اور اس ادارہ میں یتیم بچیاں مقامی داخل ہیں اور ان کا مکمل خرچہ کھانے پینے کا مدرسہ کے ذمہ ہے، لیکن مدرسہ میں مطبخ کا انتظام نہیں ہے، ہر مہینے کے خرچ کا روپیہ ان کے ورثاء کو دیدیا جاتا ہے، کیا ایسے ادارہ میں زکوٰۃ کا دینا جائز ہے؟ اس میں زکوٰۃ کا روپیہ لگانے کی کیا صورت ہے برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا جواب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں، جواب مع تفصیل دیں؟

المستفتي: محمد سیف اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مدرسہ میں یتیم بچیوں کے لئے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے اور وہ بچیاں بھی مقامی ہیں، تو ایسی صورت میں ان بچیوں کے نام سے زکوٰۃ کا پیسہ مدرسہ کے لئے وصول کرنے کا کوئی جواز نہیں ان کا انتظام ان کے سرپرست کریں گے، اور ایسا کوئی مدرسہ ہمارے علم میں نہیں ہے جس میں صرف یتیم بچیاں پڑھتی ہوں غیر یتیم بچیاں نہ پڑھتی ہوں، سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ مدرسہ میں صرف استاذوں کی تنخواہوں کا مسئلہ ہے اور تنخواہوں کیلئے سرمایہ دار لوگوں سے عام مدارس کی طرح تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے، یتیم بچیوں کے نام سے زکوٰۃ وصول کرنا اصل مقصد سے زائد ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورة التوبة: ٦٠)

ومصرف الزكوٰة – هو فقير – ومسكين . (الدرالمختار على هامش رد المحتار كتاب الزكاة كراچی ۲/ ۳۳۹، زكريا ۳/ ۲۸۳، فتاویٰ عالمگری، زكريا ديوبند ۱/ ۱۸۷، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲٤۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۱/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۸۳)

اپنے گھر میں جاری کردہ مدرسہ کیلئے صدقات واجبہ لینا

سوال: [۴۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے گھر میں مدرسہ قائم کیا ہے جس میں ہندی، انگلش کی بھی پڑھائی ہورہی ہے، اور یہ مدرسہ وقف کیا ہوا نہیں ہے، بیس روپیہ ماہ معاوضہ وصول کیا جاتا ہے، اور زکوٰۃ خیرات فطرہ چرم قربانی بھی وصول کی جاتی ہے، لہٰذا زکوٰۃ خیرات فطرہ اور قربانی کی کھالیں ایسے مدرسہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کیلئے یہ تمام چیزیں وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سالم، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ صدقات واجبہ اور چرم قربانی کا پیسہ غریب نادار طلبہ پر خرچ کرنا جائز ہے، غریب اور نادار طلبہ کے کھانے کیلئے ان کا خرچہ بطور چندہ وصول کرنا بھی جائز ہے، لیکن سوالنامہ میں جوشکل بتلائی گئی ہے، اس میں صرف کسی کے ذاتی مکان میں بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے، اگر اس ذاتی مکان میں اس کی فیملی بھی رہتی ہو تو ظاہر بات ہے کہ غریب طلبہ کا قیام وطعام اس مدرسہ میں نہ ہوگا، نیز سوالنامہ میں اس کا بھی ذکر ہے کہ طلبہ سے ماہانہ بیس روپیہ معاوضہ بھی وصول کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ اور چرم قربانی کا پیسہ وصول کر کے وہاں بطور مصرف خرچ کرنے کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳۴۴، زکریا۳/۲۹۱)

مصرف الزکاۃ والعشر ھو فقیر وھو من لہ أدنیٰ شیئی ومسکین. (شامی، کراچی ۲/۲۸۳، زکریا۳/۲۸۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۸/۱۴۳۱ھ

مکتب میں زکوٰۃ کی رقم لگانا

سوال: [۴۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں مدرسہ ہے جو کہ چھوٹا ہے اور فی الوقت گاؤں کے ہی بچے تعلیم پا رہے ہیں، اور خواہش ہے کہ مدرسہ کو ترقی دیں، اور عمارت وغیرہ وسیع کریں تا کہ بیرونی بچے تعلیم پائیں اس کیلئے گاؤں کے لوگ زکوٰۃ وغیرہ صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ اور صدقۂ فطر وغیرہ کی رقم مدرسہ کی تعمیر اور مدرسین کی تنخواہوں میں لگانا جائز نہیں ہے، امداد کی رقم سے تعمیر کا کام جائز ہوسکتا ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكري الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه الخ. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند ٢٩١/٣، كراچی ٣٤٤/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۶/۱۴۱۷ھ

مقامی مکتب میں زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے مدرسہ میں بیرونی طلبہ نہیں ہیں، مدرسہ کے ذریعہ کوئی خرچ طلبہ پر نہیں ہے، تو ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: قمر الاسلام انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن مکاتب ومدارس میں بیرونی طلبہ نہ ہوں ان میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، حضرت مفتی اعظم مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے فتاویٰ دارالعلوم میں ایسا ہی تحریر فرمایا ہے، ایسے مکاتب میں زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی، کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہاں مصرف زکوٰۃ نہیں ہے، اور زکوٰۃ وصول کرنے والے بھی گنہگار ہوں گے، ایسے مدارس ومکاتب آپس کے تعاون اور امدادی فنڈ سے چلائے جانے چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۲۵۱/۶)

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورة التوبة: ٦٠)

ومصرف الزكاة – وهو فقير – ومسكين. (الدر المختار، كتاب الزكاة ، باب المصرف كراچی ٢/ ٣٣٩، زكريا ٣/ ٢٨٣، هنديه زكريا ديوبند ١/ ١٨٧، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۸/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۸/۳ھ

بچوں سے فیس وصول کرنے والے مکتب میں زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: [۴۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں مٹھوارہ میں جو کہ ایک قریۂ کبیرہ ہے، یعنی بڑا گاؤں ہے، قصبہ نہیں ہے، جس میں خوشحال اور صاحب ثروت لوگوں کی تعداد زیادہ ہے، اس گاؤں میں تین چار سال سے مکتب کی شکل کا ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے، جس کا نام مدرسہ کے ذمہ دار نے اپنے والد کے نام سے منسوب کر کے جامعہ.........للبنات رکھا ہے، اس میں تقریباً ڈیڑھ پونے دوسو بچے اور بچیاں درجۂ اطفال اور اول درجہ میں پڑھتے ہیں، جس میں سات آٹھ بالغ بچیاں عربی کی کچھ کتابیں بھی پڑھتی ہیں، ان تمام طلباء وطالبات میں دس بارہ بچے ایسے بھی ہوں گے، جن کے والدین زکوٰۃ فطرہ کے مستحق ہیں، مگر مدرسہ میں دارالاقامہ اور بچوں کے قیام وطعام کا اب تک قطعاً کوئی نظم نہیں ہے، اس مدرسہ میں چار عورتیں اور دو آدمی تعلیم دیتے ہیں، تمام بچوں سے پچاس روپیہ لیکر ڈیڑھ سو روپیہ تک ماہوار فیس بھی لی جاتی ہے، اس مدرسہ کے ذمہ دار مدرس کی تنخواہ تو کسی کو نہیں معلوم، باقی ہر استاد یا استادنی کی تنخواہ کچھ کم وبیش پندرہ سو روپیہ ماہوار ہے، ذمہ دار مدرسہ لگ بھگ پورے سال ملک وبیرون، سعودیہ دبئی، دلی، ممبئی، گجرات، مدھیہ پردیش، اترپردیش وغیرہ کے بہت سارے صوبے، ضلعے، اور قصبات میں، اطراف اور

علاقوں میں صرف چندہ وصولی پر ہی رہتے ہیں بیرون ملک چندہ لینے اور چندہ کرانے والے علاقہ کے لوگوں کے سوال کرنے پر ذمہ دار مدرسہ کے جواب کے مطابق صرف سعودیہ اور دبئ ہی سے ہرسال تقریباً چھ سات لاکھ روپیہ جس میں تھوڑی بہت امداد کی رقم ہوتی ہے، باقی ساری رقم زکوٰۃ وفطرہ وغیرہ کی ہوتی ہے، یہ ذمہ دار مدرسہ وصول کرلاتے ہیں، کیونکہ رجب، شعبان، اور بالخصوص رمضان میں بیرون ملک بلکہ لگ بھگ ہرجگہ زکوٰۃ وغیرہ ہی کی رقم دینے کا معمول ہے، جبکہ بیرون ملک کے چندے کے علاوہ پورے سال انڈیا کے مختلف صوبوں اور ضلعوں کا چندہ اور پورے علاقے میں چرم قربانی اور دھان، گیہوں کی فصل پر وصولیابی کی رقم مزید برآں ہے، ذمہ دار مدرسہ سالانہ آمد و خرچ اور حساب وکتاب یا طلباء یا مدرسین کی تعداد وغیرہ کا گوشوارہ (چارٹ) کبھی بھی شائع نہیں کرتے، بیرون ملک میں رہنے والے لوگوں کے بیان کے مطابق ذمہ دار مدرسہ بیرون ملک لوگوں کو یہ بتاتے ہیں، کہ ہماری جامعہ میں دوڈھائی سو لڑکیاں دارالاقامہ میں ہیں، جن کے قیام وطعام کا نظم جامعہ کے ذمہ ہے، اورابھی مزید بڑھانے کا ارادہ ہے، (جبکہ یہ تمام باتیں سراسر جھوٹ ہیں) ذمہ دار مدرسہ نے اب تک اپنے چندہ کا زیادہ تر تعلق صرف ان لوگوں سے ہی رکھا ہے جنھوں نے ان کا مدرسہ کبھی دیکھا ہی نہیں۔ لیکن اس سال سے انھوں نے مقامی طور پر مٹھوارہ گاؤں میں بھی بھرپور طریقہ سے چرم قربانی کی وصولیابی شروع کردی ہے، اور حد یہاں تک ہوگئی کہ انھوں نے اپنے مکتب کے لئے زکوٰۃ فطرہ کی رقم دینے کا جواز کھینچ تان کر ثابت کرنے اور اپنے مدرسہ کو اس کا صحیح مصرف بتانے کیلئے نماز عید الأضحیٰ کے موقع پر (عیدگاہ) میں بلا اجازت ازخود کھڑے ہوکر بات کو گھما پھرا کر سوالیہ انداز میں لوگوں کو اس کیلئے توجہ بھی دلائی، پھر پانچ روز کے بعد ۲۰/اکتوبر کو گاؤں میں چھوٹا سا جلسہ بھی کیا جس میں اس مدرسہ کیلئے زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کی رقم کے جواز کو بتایا گیا، جس کی وجہ سے لوگوں میں کافی حیرت، تشویش اور ناراضگی پیدا ہوگئی ہے، اس لئے گاؤں کے ذمہ داران نے مشورہ کیا

کہ چونکہ زکوٰۃ فطرہ اور صدقات واجبہ کی رقم کی ادائیگی کا معاملہ بڑا اہم ہے، اس لئے اب اس سلسلہ میں پوری حقیقت لکھ کر فتویٰ منگوانا ضروری ہے، تاکہ حق واضح ہو سکے، اور اس سلسلہ میں ہر طرف کے دھوکہ وفراڈ سے بچا جا سکے۔

واضح رہے کہ ہمارے مٹھوارہ گاؤں کا سب سے پرانا قدیم مدرسہ مدرسہ قاسم العلوم کافی عرصہ سے گاؤں میں چل رہا ہے، جس میں درجہ اطفال، پرائمری اور درجہ حفظ سے لے کر ہائی اسکول تک درجات میں مقامی اور علاقائی کل طلباء چھ سو پچاس ہیں۔ جن میں تقریباً غریب نادار ساٹھ طلباء دارالاقامہ کے بھی ہیں، اور مدرسہ میں کل اساتذہ کی تعداد ۲۲ رہے چار پانچ سال پہلے یہ ذمہ دار مدرسہ بھی اسی مدرسہ قاسم العلوم میں پڑھاتے تھے، لیکن کافی رقم کا گھوٹالہ کرنے کی وجہ سے انہیں مدرسہ سے نکالا گیا، پھر مختلف موقعوں پر مسجد میں جمعہ کی تقریر میں اور گاؤں کے مختلف معاملات میں فتنہ وفساد برپا کرنے کی وجہ سے جس میں ایک ایک مہینہ پی اے سی تک بھی گاؤں میں لگ گئی، چنانچہ اس بنا پر لوگوں میں ان کی طرف سے سخت ناراضگی پیدا ہوگئی، پھر ایک موقع پر ایک بار ان کے جمعہ میں مسجد میں نہایت غیر ذمہ دارانہ تقریر کرنیکی وجہ سے کافی انتشار پیدا ہوگیا، جس میں یہ کافی رسوا وذلیل ہوئے اور بہت سارے لوگوں نے اس کے بعد ان کے پیچھے نماز جمعہ پڑھنا چھوڑ دیا، اور دوسری مسجد میں الگ سے دوسرا جمعہ قائم کرلیا، جو اب بھی ہو رہا ہے، اس پر بھی جب یہ باز نہ آئے تو بالآخر انہیں کچھ دنوں کے بعد عیدگاہ کی خطابت اور جمعہ کی امامت سے بھی ہٹا دیا گیا......تب اس کے بعد ہی انھوں نے اپنا پرسنل مدرسہ کھولا اور بذات خود اس کے مختار کل ذمہ دار بن گئے، اور چندہ میں آسانی کیلئے سرپرستی میں ایک معروف ومشہور عالم کا نام اپنے مدرسہ کے ساتھ جوڑ لیا انھوں نے جب سے اپنا مکتب قائم کیا ہے زکوٰۃ فطرہ کے چندہ سے گاؤں میں تھوڑی سی زمین خرید کر چھوٹے چھوٹے دو تین کمرے بنوائے اور پھر برابر چندہ شروع کردیا، ذمہ دار مدرسہ نے جب سے مدرسہ قائم کیا ہے تو گاؤں کے اندر کی مین مارکیٹ میں زمین خرید کر اپنی نجی دو دو کانیں بنوائیں اور تیسری دوکان متنازعہ زمین پر زبردستی بنوا رہے تھے، مگر کسان یونین

کے لوگوں نے اس کو روک دیا،......... واضح رہے کہ گھر کا معقول ذریعۂ آمدنی ان کے پاس مدرسہ کے علاوہ اور کچھ بھی ہرگز ایسا نہیں ہے جس کے بل بوتے دسیوں لاکھ روپیہ کی پراپرٹی بنائی جاسکے، ...... اسلئے ان سب حالات کے مدنظر گاؤں اوراطراف کے لوگوں کو زکوٰۃ فطرہ اورصدقات واجبہ وغیرہ کی رقم کا چندہ کرنے کے معاملہ میں ذمہ دار مدرسہ کی طرف سے کافی بےاطمینانی اورناراضگی ہے، اسلئے دریں صورت حال ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ فطرہ اور چرم قربانی وغیرہ یا عطیہ وغیرہ کی رقم دینا جائز ہے کہ نہیں؟ اور چندہ وصول کرنے کیلئے جھوٹ بولنا اور غلط بیانی کرنا کیسا ہے؟ بعض لوگوں نے ذمہ دار مدرسہ سے زکوٰۃ فطرہ کی وصولیابی پر اعتراض کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم زکوٰۃ فطرہ کی یہ رقم مدرسہ ریاض العلوم گورینی لے جاکر عطیہ اورامداد کی رقم سے بدل لاتے ہیں، اسلئے یہ سب جائز ہے،تو کیا زکوٰۃ ،فطرہ کی رقم کے ساتھ ایسی ہیرا پھیری اور کھلواڑ کرنا اور کرانا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اگر چند مالدار حضرات اپنی زکوٰۃ کی رقم کسی بڑے مدرسہ میں لے جاکر اسی طرح سے امداد اور عطیہ کی رقم سے بدل لائیں اور پھر تعمیر مسجد میں یا کسی بھی دینی کام میں مالدار لوگوں پر جس پر چاہیں خرچ کریں تو کیا ان لوگوں کیلئے بھی یہ جائز ہوگا؟

(۲) اگر اس طرح کے مکتب یا مدرسہ میں زکوٰۃ فطرہ وغیرہ صدقات واجبہ کی رقم خرچ کرنے کا جواز کسی طرح ہوتا بھی ہے تو سارے اساتذہ کی تنخواہ وغیرہ تمام اخراجات مدرسہ جوڑ کر بہت سے بہت زیادہ سے زیادہ ڈھائی تین لاکھ روپیہ ان کے مدرسہ کا خرچ ہوتا ہے جبکہ ان کی صدقات واجبہ کی وصولیابی اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے،اور عطیہ اور امداد کی رقم اس پر مزید برآں الگ ہے، کیونکہ وصولیابی چندہ پورے سال برابر جاری رہتی ہے،تو آخر ہر سال کی یہ سب بقیہ رقم جو بچتی ہے وہ کس کا حق ہے،اور کس مصرف میں لائی جائے؟ کیا ذمہ دار مدرسہ کا اس رقم کو اپنے مصرف میں لاکر اپنی نجی دوکانیں بنوانا یا اور کوئی پراپرٹی خریدنا جائز ہے؟ .... اگر اس طرح کے مکتب یا مدرسہ کیلئے زکوٰۃ وفطرہ وغیرہ وصول کرنا جائز ہے تو یہ سوال بھی اٹھتا ہے، کہ پھر جتنے مکاتب اور چھوٹے چھوٹے مدرسے گاؤں،

قریہ میں ہیں، جہاں یتیم نادار بچے نہیں ہیں، دارالاقامہ اوران کے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے، تو کیاان سب مکاتب اور مدارس کے ذمہ داران کو بھی زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کی رقم وصول کرنا جائز ہوگا؟ اگر ہوتا ہے تو کیا اس سے مستحقین غرباء ومساکین اور مستحق مدارس کی حق تلفی نہیں ہوگی؟

(۳) مکتب اور مدرسہ، اور جامعہ کسے کہتے ہیں؟ اور مذکورہ بالا یا اس طرح کے مکتب یا مدرسہ کو کیا جامعہ کہا جاسکتا ہے؟ یہ قوم کو دھوکہ دینا تو نہیں ہے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، کیونکہ اس مسئلے کے تحت ہم تمام اہل مٹھوارہ کافی تشویش میں مبتلا ہیں۔

المستفتي: جمال اختر خاں قاسمی، موضع مٹھوارہ،
تحصیل فتح پور، ضلع بارہ بنکی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ مذکورہ مکتب میں بچوں سے فیس لے کر تعلیم دی جاتی ہے، جب بچوں سے فیس لے کر تعلیم دی جاتی ہے، تو بچوں پر خرچ کرنے کے بجائے بچوں سے لیا جاتا ہے، لہٰذا ایسا مکتب زکاۃ وصدقات واجبہ اور چرم قربانی وغیرہ کے پیسہ کا قطعاً مستحق نہیں ہے، ایسے مکتب میں زکاۃ صدقات کی رقم جان بوجھ کر دینے سے انکی زکاۃ صدقات خطرہ میں پڑ جائیں گے، اس لئے چندہ دہندگان کو اس مکتب میں چندہ دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، اور چندہ وصولی کیلئے جھوٹ اور فریب سے کام لینا سخت دھوکہ دہی اور گناہ ہے، نیز ریاض العلوم گورینی کا نام لیا گیا ہے، یہ کہاں تک درست ہے تحقیق کے بغیر اس بات کو تسلیم کرنا مشکل ہے، اسلئے کہ کوئی بھی مدرسہ ایسا کام نہیں کرسکتا ہے کہ امداد کی رقم دیکر زکاۃ کا پیسہ وصول کرے۔

قال الله تعالىٰ: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ . (آل عمران: ٦١)

عن أبي هريرة – رضي الله عنه – عن النبي ﷺ قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن خان . (صحيح

البخاری ، الایمان ، باب علامة المنافق ، النسخةالهندیة ۱/ ۱۰، رقم: ۳۳)

وفی روایة مسلم وقال: آیة المنافق ثلاث: وإن صام وصلیٰ وزعم أنه مسلم . (صحیح مسلم ، الإیمان ، باب بیان خصال المنافق ، النسخة الهندیة ۱/ ۵٦، بیت الافکار رقم:۵۹)

عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ إیاکم والکذب ؛ فإن الکذب یهدي إلیٰ الفجور ، وإن الفجور یهدي إلیٰ النار، وما یزال الرجل یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند الله کذاباً .

(صحیح مسلم ، باب البر والصلة ، الأدب ، باب قبح الکذب وحسن الصدق ، فضله، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲۵، بیت الافکاررقم: ۲٦۰۷، مشکاة شریف۲/ ۴۱۲)

قال رسول الله ﷺ من غشنا فلیس منا. (مسلم شریف، باب قول النبی ﷺ من عشنافلیس منا ،النسخة الهندیة ۱/ ۷۰، بیت الافکار رقم: ۱۰۱، مشکاة شریف/۳۰۵)

قال المناوی : من غش أي خان ، والغش ستر حال الشيء ، فلیس منا أي من متابعینا، قال الطیبی لم یرد به نفیه عن الإسلام بل نفي خلقه عن أخلاق المسلمین أي لیس هو علی سنتنا أو طریقتنا فی منا صحة الإخوان .

(فیض القدیر ۱۱/ ۵۹۲٤، بحواله فتاویٰ محمودیه ڈابھیل ۴۸۲/۱۸)

قال رسول الله ﷺ: لا إیمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له......(المعجم الکبیر للطبرانی ، داراحیاء التراث العربي ۱۰/۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳، مسند البزار ، مکتبه العلوم والحکم۱۳/ ۴۳۹، رقم: ۷۱۹٦، مسند أحمد بن حنبل ۳/۱۵٤، رقم: ۱۲۵۹۵، مشکاة شریف۱/ ۱۵)

(۲) اگر یہ باتیں صحیح اور درست ہیں، کہ چندہ وصول کر کے اپنی نجی جائداداور عمارتیں تعمیر کی جارہی ہیں، تو یہ قوم کے ساتھ سخت دھوکہ دھڑی اورنا جائزعمل ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من غشنا فلیس منا . (مسلم

شریف ۱/ ۷۰، بیت الافکار رقم: ۱۰۱)

الـوديـعة لاتـودع ولا تـعـار ولا تـؤجـر ولا تـرهـن فإن فعل شيئاً منها ضمن. (هـنـديـه ، كتـاب الـوديـعة زكـريا يو بند۳/ ۳۰٤، جديد زكريا ديوبند ٤/ ۳٤۹، كـراچـی ۲/ ۲۵۳، ۲۵٤، هنديه ۱/ ۱۹۰، مجمع الأنهر مصری قديم ۱/ ۲۲٦، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳۳، ٤/ ۳۳۸)

كره نقلها إلا إلىٰ قرابة ...... أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين الخ. (شامی، كتا ب الزكاة، باب المصرف، كراچی ۲/ ۳۵٤، زكريا ديوبند۳/ ۳۰٤)

(۳) مکتب اس کو کہتے ہیں، جس میں قرآن کریم کی تعلیم اور ضرورت کے مطابق عربی اردو اور ہندی وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہو، اور مدرسہ اسکو کہتے ہیں، جس میں درجۂ حفظ اور فارسی سے لیکر متوسط درجہ تک عربی درجات کی تعلیم ہوتی ہو......، اور جامعہ اس مدرسہ کو کہا جاتا ہے، جس میں حدیث فقہ اور تفسیر وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہو، اور جس میں مختلف فنونات کے ساتھ ساتھ تکمیل افتاء تکمیل ادب اور تکمیل علوم وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی ہو، لہٰذا مکتب کو جامعہ کا نام دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۱ھ

مکتب میں بچوں سے فیس اور زکوٰۃ لینا

سوال: [۴۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں مکتب ہے جس میں مقامی و بیرونی بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں، مقامی بچوں سے تعلیم کی فیس لی جاتی ہے، اور بیرونی بچوں سے نہیں لیجاتی ہے جن کی تعداد ۱۰ ہے، ان کا کھانا بھی مدرسہ کے مطبخ سے جاری ہے، اور جن بچوں سے فیس لیجاتی ہے، وہ اس مقدار تک نہیں ہوتی ہے کہ اس سے مدرسین کو تنخواہ دی جاسکے تو اب سوال یہ ہے کہ فیس اور زکوٰۃ لینا جائز ہے جو بھی حکم ہو جواب دیں؟

المستفتی: محمد زبیر، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مکتب چلانے کیلئے کہیں سے کوئی تعاون یا چندہ نہیں آتا ہے، اور نہ کہیں سے چندہ لیا جاتا ہے، تو مدرس کی تنخواہ کیلئے بچوں کی فیس لینا جائز اور درست ہے اور اگر چندہ کے پیسہ سے تنخواہ کا انتظام ہے تو بچوں سے فیس لینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱۹/۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۴۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۶ھ

مکتب میں حیلۂ تملیک کا حکم

سوال: [۴۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک مدرسہ ہے جسمیں تین مدرسین پڑھاتے ہیں، ۱۵۰؍ بچے تعلیم پاتے ہیں، جس میں حفظ کا درجہ نمایاں کام کرتا ہے، کیا یہ مدرسہ فرضی کہلانے کا مستحق ہے۔

(۲) اور جس مدرسہ کا ذکر ہوا اس میں زکوٰۃ کی رقم بعد تملیک کے لگانا جائز ہے، یا نہیں اس میں بیرونی طلبہ نہیں ہیں، اور مقامی طلباء جو غریب مستحق زکوٰۃ ہیں، کثیر تعداد میں پڑھتے ہیں جنکا تعلیمی خرچ مدرسہ دیتا ہے، تاکہ وہ بچے علم سے محروم نہ رہیں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) ایک زمین خریدی گئی اور اس شرط کیساتھ خریدی گئی کہ مدرسہ والے اگر زمین کی رقم ادا کردیں گے، تو زمین مدرسہ کو دیدی جائے گی، لیکن مدرسہ والے زمین کی رقم ادا نہیں کرپاتے اور وہ مدرسہ ختم ہوجاتا ہے، تو یہ شخص جس نے زمین خریدی تھی، زمین فروخت کرکے اپنی رقم لے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد اسحاق، محلّہ انصاریان، سلیم پور گڑھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جس مدرسہ میں صرف مقامی بچے ہوتے ہیں، اس کو عرف میں مکتب کہا جاتا ہے، اگر چہ اس میں کچھ بچے حفظ بھی کرتے ہوں، لہٰذا آپ کا مدرسہ مکتب کہلائے گا اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا ہے، کہ فرضی مدرسہ ہے بلکہ مکتب ہے۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص الخ. (رسم المفتى /٩٥)

(۲) ایسے مکاتب کیلئے حیلۂ تملیک روانہیں ہے۔

وليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق . (عمده القارى، داراحياء التراث العربي ١٠٩/٢٤، زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث:٦٩٥٣)

(۳) جی ہاں جس نے زمین خریدی ہے، اس کو طے شدہ شرائط کے مطابق زمین فروخت کر کے اپنی رقم وصول کرنے کا حق ہے۔

المسلمون عند شروطهم الخ. (قواعد الفقه، اشرفيه، بكڈپو ديوبند/ ١٢١، رقم القاعد: ٣١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۰ھ

جس مکتب میں مستحق زکوٰۃ طلبہ نہ ہوں وہاں تملیک کا حکم

سوال: [۴۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں موضع مونڈھا ائمہ میں ایک مکتب قائم ہے جس میں اکثر طلبہ امیر گھرانوں کے تعلیم پاتے ہیں، اور غریب طلبہ کم ہیں، کیا ان طلبہ کی تعلیم پر فطرہ زکوٰۃ چرم قربانی وغیرہ کا پیسہ تملیک کر کے لگانا جائز ہے یا نہیں؟ تملیک کرا کر مدرسہ میں عمارت بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مرغوب حسین، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا مکتب جہاں غریب مستحق زکوٰۃ طلبہ کی کفالت

نہ کی جاتی ہو ایسے مکتب میں صدقۂ فطر زکوٰۃ چرم قربانی وغیرہ دینا جائز نہیں ہے۔

لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد (تحت قوله) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات، وكري الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليک فيه. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند ۳/۲۹۱، كراچی ۲/۳٤٤)

اور ایسے مکتب میں حیلۂ تملیک کی بھی گنجائش نہیں ہے بلکہ ایسے مکتبوں کو علاقہ کے لوگ اپنی امداد کے پیسہ سے چلایا کریں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۹۵)

مکتب کے محصلین کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مدارس جن میں مطبخ نہیں ہے، نہ بیرونی بچے ہیں، صرف پرائمری کی مع قرآن کریم ناظرہ کی تعلیم ہوتی ہے، کیا ان مدارس سے آنے والے محصلین کو اس مدرسہ کیلئے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، نیز بہت سے آنے والے محصلین یہ کہتے ہیں کہ ہم اسکو حیلہ کرکے استعمال کرتے ہیں، تو وہ کیا صورت ہے جس سے زکوٰۃ کی رقم کے لئے حیلہ کی جاتی ہے، اگر ان لوگوں کو زکوٰۃ دیدی جائے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، فقہی کتابوں کے حوالہ سے جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: ڈاکٹر عتیق احمد خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وہ مکاتب ومدارس کہ جن میں مستحق ونادار طلباء پر زکوٰۃ وصدقہ وغیرہ کی رقم خرچ نہ کی جاتی ہو ان میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم دینا جائز نہیں اور اگر کسی نے یہ رقم ان مدارس میں دی تو ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، نیز ایسے مکاتب میں تملیک

کرکے بھی زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقم صرف کرنا جائز نہیں ہے، ایسے مدارس ومکاتب میں امداد ہی کی رقم دینی چاہئے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورة التوبة: ٦٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد و كل مالا تمليك فيه. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٢/ ٣٤٤، زكريا ديوبند٣/ ٢٩١، هكذافي الهندية زكريا ١/ ١٨٨، ٦/ ٣٩٢، جديد زكريا ديو بند١/ ٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۲۵)

مکتب کی تعمیر کیلئے حیلۂ تملیک کرنے کی اجازت نہیں

سوال: [۴۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسے مدرسہ میں جس میں مطبخ نہیں ہے، مدرسہ کی کمیٹی کے لوگ زکوٰۃ کے مال کو کسی نابالغ غریب بچے یا لڑکے کو مال دے کر واپس لے لیں تملیک کے طور پر مدرسہ کے خرچ وغیرہ کیلئے تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: تنویر عالم، اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے مدارس جس میں مطبخ وغیرہ نہیں ہے، تعمیر میں لگانے کیلئے کمیٹی کے لوگوں کا مال زکوٰۃ کا حیلۂ تملیک کرنا ممنوع ہے، اور مستحقین کے حق کو ضائع کرنے کے مرادف ہے اور جن بڑے مدارس میں مدرسین کی تنخواہوں میں دینے کیلئے حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے، ان میں بھی نابالغ بچوں کے ذریعہ سے حیلہ تملیک کرانا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ وہ خود مکلّف نہیں ہے، ہاں بالغ غریب طلباء کے ذریعہ سے

حیلۂ تملیک کرانا جائز اور درست ہے۔

أما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان ، وقال النسفي في الكافي عن محمد بن الحسن قال: ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق . (عمدة القاری ، داراحیاء التراث العربي ٢٤/ ١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث: ٦٩٥٣)

وفي التمليك إشارة إلىٰ أنه لا يصرف إلىٰ مجنون وصبي غير مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب والوصي وغيرهما. (شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف ، كراچی ٢/ ٣٤٤، زكريا٣/ ٢٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸؍ شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۷۷)	۱۴۳۱/۱۰/۱۸ھ

مکتب کے بچوں کی کتاب وکاپی خریدنے کیلئے تملیک کی اجازت نہیں

سوال: [۴۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضلع ایٹہ یوپی کا ایک قصبہ علی گنج ہے دینی اعتبار سے نہایت پسماندہ اور پچھڑا ہوا ہے، قصبہ بالخصوص محلّہ میں اب تک دینی مدارس ومکاتب کا کوئی وجود نہیں تھا، محلّہ کے چند فکرمند حضرات کی جدوجہد سے ایک شاندار عمارت کے ساتھ مدرسہ وجود میں آ گیا اور مکتب کی شکل میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، چونکہ عوام دین کے نام پر خرچ کرنا نہیں چاہتی ہے اور نہ دینی تعلیم کے حصول کا کوئی شوق رکھتی ہے، لہٰذا تعلیمی نظام کی یہ ترتیب بنائی گئی کہ بچوں کی تعلیم مفت دی جائے، اور تعلیم سے متعلق کتاب وکاپی بھی مفت فراہم کی جائے، کہ بچوں کے والدین بخوشی اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے پر رضامند ہو جائیں، الحمد للہ مدرسہ ہذا میں بشکل مکتب تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری ہے، طلباء نادار و مالدار دونوں میں اکثریت ناداروں کی ہے، طلباء کیلئے کتاب وکاپی کی فراہمی کیلئے زکوٰۃ وصدقات بھی وصول کئے جاتے ہیں، اور عید

قربانی پر چرم قربانی بھی وصول ہوتے ہیں، اورحاصل شدہ رقومات کوحیلہ تملیک کے بعد مدرسہ کے جملہ مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں واضح ہو کہ مدرسہ میں دارالاقامہ قائم نہیں ہے؟

المستفتي: ابوحارث عثمانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب فکرمند لوگوں کے ذریعہ سے مذکورہ مکتب کے لئے شاندار عمارت تیار ہوگئی ہے تو اس میں پڑھنے والے بچوں کے لئے کتابیں وکاپی کے خرچہ کا انتظام کرنا کوئی مشکل نہیں ہوسکتا اس لئے کہ چھوٹے بچوں کی کتاب وکاپی کے خرچہ میں کوئی بہت موٹی رقم کی ضرورت نہیں، ایک مکتب میں پورے سال میں بھی بچوں کی کتاب وکاپی میں دس پندرہ ہزار روپیہ خرچ ہوسکتے ہیں، لہٰذا اس مختصر ضرورت کے لئے زکاۃ وچرم قربانی کے پیسوں میں تملیک کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، بلکہ فعال لوگوں کے تعاون کے ذریعہ سے یہ ضرورت پوری ہونی چاہیے۔

فذهب علماء نا إليه أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وفى العيون وفى الجامع الفتاوىٰ لا يسعه ذلک. (الفتاوى التاتارخانيه، زكريا ديوبند ۱۰/ ۳۱۱، رقم: ۱٤۸٤٥، هنديه زكريا ديوبند٦/ ۳۹۰، جديد زكريا ديوبند٦/ ۳۹۳)

أما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان وقال النسفى في الكافى عن محمد ابن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق . (عمدة القارى، دارا حياء التراث العربي لبنان ۲٤/ ۱۰۹، زكريا ١٦/ ۲۳۹،تحت رقم الحديث: ٦۹٥۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۳۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

مکتب میں بعد تملیک زکوٰۃ وصدقہ کی رقم صرف کرنا

سوال: [۴۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے مہینہ میں مدرسہ کی طرف سے سفیر بنا کر جن اشخاص کو بھیجا جاتا ہے، اور صدقہ وزکوٰۃ وفطرہ کا روپیہ اکٹھا کر کے کسی غریب یا کسی بیوہ کو دیکر اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس روپیہ کی تم ذمہ دار ہو چاہے اس کو تم رکھ لو اور چاہے مدرسہ میں دیدو اس طرح تملیک کرنا جائز ہے یا نہیں، جبکہ اس مدرسہ میں کوئی طالب علم باہر کا نہیں ہے، اور نہ کوئی بچہ یتیم ہے سب بچے گاؤں کے پڑھ رہے ہیں، تو مدرسہ کی عمارت میں اور مدرسین کی تنخواہ میں اس روپیہ کو صرف کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

المستفتي: حافظ دلشاد احمد،
مدرسہ مظہر العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مدارس میں زکوٰۃ صدقہ چرم قربانی کا پیسہ نہیں دینا چاہئے، جن میں بیرونی طلباء نہ ہوں اور نہ منجانب مدرسہ طلباء کو کھانا دیا جاتا ہو، بلکہ ایسے مدارس میں دینا چاہئے جن میں طلباء کو کھانا دیا جاتا ہے، اسلئے کہ جہاں صدقہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے، وہاں دینا ممنوع ہے اور ایسے چھوٹے مدارس کی کفالت خود علاقہ کے لوگوں کی امداد سے ہونی چاہئے۔

فذهب علماء نا إليه أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل، فهي مكروهة . (الفتاوی التاتارخانيه، كتاب الحيل، الفصل الأول في جواز الحيل ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/ ۴۲۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۱ھ

مکتب میں زکوٰۃ کی رقم تملیک یا بلا تملیک استعمال کرنے کا حکم

سوال: [۴۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) انبالہ شہر میں ایک مدرسہ کھولا گیا ہے، جس کا خرچ کچھ مسلمان بھائی آپس میں مل جل کر اٹھا رہے ہیں، اور اس مدرسہ میں قاعدہ، نورانی قاعدہ اور ناظرہ والے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور بیرونی طلبہ کوئی نہیں ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس مدرسہ میں زکوٰۃ صدقۂ فطر وغیرہ کا پیسہ لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر کسی سے زکوٰۃ وغیرہ کے پیسہ کی تملیک کرالی جائے اور پھر اس پیسہ کو مدرسہ میں لگایا جائے تو کیا حکم ہے؟

(۳) اور جو اس کے لئے صدقہ فطرہ وغیرہ کا پیسہ جمع کیا جا چکا ہے اس کا کیا کیا جائے۔

(۴) جن لوگوں نے یہ پیسہ دیا ہے کیا ان کا صدقۂ فطر ادا ہو گیا یا نہیں؟

المستفتي: نسیم احمد نہٹوری، انبالہ شہر، ہڑیارال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جس مدرسہ کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ مقامی بچوں کے لئے مکتب ہے جس میں نورانی قاعدہ اور ناظرہ وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے، اگر ان بچوں میں غریب نادار بچے ہیں، تو ان پر زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا پیسہ خرچ کرنا جائز ہے اور بچوں کو پڑھانے والا جو استاذ ہے اس کی تنخواہ اگر امداد کی رقم سے پوری ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ اس کی تنخواہ میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لئے تملیک کرنا جائز ہے ہاں البتہ اگر تنخواہیں پوری نہیں ہو پاتی ہیں، تو مجبوری میں مدرسین کی

تنخواہ میں دینے کے لئے شرعی تملیک کرنا جائز ہے، مگر زمین خریدنے کے لئے یا تعمیر کے لئے زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے پیسہ میں تملیک کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے فقراء کی حق تلفی لازم آتی ہے۔

وکذلک فی جمیع أبواب البر التی لایقع بها التملیک کعمارة المساجد وبناء القناطر والرباطات لایجوز صرف الزکاة إلیٰ هذه الوجوه.

(هندیه، کتاب الحیل، زکریا دیوبند ۶/۳۹۲، جدید زکریا دیوبند ۶/۳۹۵)

وقال محمد: یکره لمافیه من القصد إلیٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه. (عمدة القاری، کتاب الحیل، باب فی الزکاة، داراحیاء التراث العربی ۲۴/۱۱۱، زکریادیوبند ۱۶/۲۴۱، تحت رقم الحدیث: ۶۹۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۱/۱۴۳۰ھ

مکتب کے استاذ کو تملیک کے بعد زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام صاحب مسجد میں امامت کرتے ہیں، اور متصل جگہ میں مکتب نما مدرسہ ہے جس میں اسکول کے بچے اور کچھ مقامی بچے جو مستقل مدرسہ میں پڑھتے ہیں امام صاحب کی تنخواہ مسجد سے ایک ہزار روپئے اور مدرسہ سے تین ہزار روپئے ہے جو کہ زکوٰۃ ہے اہل کمیٹی کے لوگ تملیک کے بعد امام صاحب کو مدرسہ کی تنخواہ دیتے ہیں، جبکہ مدرسہ میں کوئی باہر کا بچہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں امام صاحب کے لئے وہ زکوٰۃ کی رقم تملیک شدہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر گنجائش کی صورت ہو تو تحریر فرمادیں؟

المستفتي: محمد انتخاب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محلّہ کی مسجد میں جو مکتب قائم ہوتا ہے، جس میں محلّہ کے بچے پڑھتے ہیں، اس کے استاذ کی تنخواہوں کی ذمہ داری محلّہ کے لوگوں پر ہوتی ہے اتنے مختصر کام کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا پھر اس کا امام کی تنخواہ میں دینے کیلئے تملیک کرانا مال زکوٰۃ کے بارے میں لاپرواہی کے مرادف ہونا ہے، اور فقراء کے حق کو باطل کرنا ہے، ہاں البتہ زکوٰۃ کے بغیر اگر مدرس کی تنخواہ محلّہ سے پوری نہیں ہوتی ہے، یا محلّہ والے اس میں تعاون کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں، اور علاقہ کے بچے دینی تعلیم سے محروم ہورہے ہیں، اور اس محلّہ کے لوگ انتہائی پسماندہ اور غریب ہیں، تو ایسی مجبوری کی صورت میں زکوٰۃ کے پیسہ میں تملیک کرکے اس مکتب کے استاذ کو تنخواہ میں دینے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان وقال النّسفي في الكافي: عن محمد بن الحسن قال: ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق. (عمدة القاری، کتاب الحيل، دار احياء التراث العربي ٢٤/ ١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث:٦٩٥٣)

الضرورات تبيح المحظورات. (قواعد الفقه اشرفی بکڈپو، دیوبند / ۱۷۰، قاعدہ/ ۱۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۷ھ

(۱۲) باب: اسکول میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا حکم

اسکول میں زکوٰۃ کی رقم لگانا

سوال: [۴۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد دنیاوی تعلیم کے اوپر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض جونیئر ہائی اسکول کے ماسٹران کو تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: شفیع احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کے لئے حیلۂ تملیک کرنا ہی شرعاً جائز نہیں ہے۔

كما في عمدة القارى الاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فى الإثم لا بأس به بل هو مندوب إليه، وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان. (عمدة القارى، كتاب الحيل، داراحياء التراث العربي بيروت ۲۴/۱۰۹، زكريا ۱۶/۲۳۹، تحت رقم الحديث /۶۹۵۳، وهكذا فى الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا ديوبند ۱۰/۳۱۱، رقم: ۱۴۸۴۵، هنديه زكريا ديو بند۶/۳۹۰، زكريا جديد ديوبند۶/۳۹۴)

لہٰذا جونیئر ہائی اسکول کیلئے حیلۂ تملیک کرنے والے سب لوگ گنہگار رہوں گے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۲/۲۳)

جونیئر ہائی اسکول میں زکوٰۃ کی رقم

سوال: [۴۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جونیر

ہائی اسکول کا قیام دینی مدرسہ کی عمارت میں نیز زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے حیلۂ تملیک کے بعد جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عمر صدیقی، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حیلۂ تملیک صرف ایسی ضروریات کے لئے جائز ہے، جن کے بغیر اسلامی شعار اور دینی علوم اور عبادات وغیرہ ضائع ہونے کا سخت خطرہ ہو، جونیئر ہائی اسکول دینی ضروریات سے خارج ہے، اسلئے نہ اسکا الحاق دینی مدارس کے ساتھ جائز ہے، اور نہ ہی اسپر چندہ یا مال زکوٰۃ مع حیلۂ تملیک کے جائز ہے۔

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان الخ. (عمدة القاری، کتاب الحیل، داراحیاء التراث العربي ۲۴/۱۰۹، زکریا دیوبند ۱۶/۲۳۹، تحت رقم الحدیث/۶۹۵۳، وهكذا فی الهندية زکریا ۶/۳۹۰، زکریا جدید دیو بند ۶/۳۹۴، الفتاویٰ التاتار خانية زکریا دیو بند ۱۰/۳۱۱، رقم: ۱۴۸۴۵)

لہٰذا جونیئر ہائی اسکول کے لئے حیلۂ تملیک کرنیوالے سب لوگ گنہگار رہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۳۸۵)

جونیئر اسکول میں حیلہ سے مال زکوٰۃ صرف کرنا

سوال: [۴۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ میں چونکہ اب تک لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم تھی، اب ارباب شوریٰ نے لڑکیوں کی تعلیم کیلئے استادنیاں رکھ کر تعلیم کا

نظم کیا ہے، لہٰذا اس عمارت میں جونیئر اسکول چلایا جاسکتا ہے، یانہیں؟ نیز ارباب شوریٰ کا باہمی اختلاف اس میں یہ ہیکہ جو پیسہ جونیئر کے لئے بالائی منزل پرخرچ ہوا ہے وہ مدرسہ عربیہ کے جونیئر کودلوایا جائے ،اور جونیئر مدرسہ کی عمارت سے الگ قائم کردیا جائے ،بعض لوگ یہ کہتے ہیں ، کہ اس عمارت میں جونیئر کو چلنے دیا جائے ،کونسی بات از روئے شرع مناسب ہے؟مفصل بیان فرما کرشکریہ کا موقع دیں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد یوسف قاسمی، جامعہ عربیہ
شمش العلوم ،محلّہ علی خان ،کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ شمس العلوم کی عمارت کی تیسری منزل پر جونیئر کی اجازت دینے میں آئندہ مدرسہ کو کافی نقصان پہونچ سکتا ہے، اس لئے اس میں جونیئر کی تعلیم کی اجازت نہ دی جائے ، نیز جونیئر کو تیسری منزل کے مذکورہ کمرہ کی قیمت ادا کردی جائے ، اور جونیئر علیٰحدہ اپنا انتظام کرے تاکہ دینی مدرسہ سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے!

كما استفاد من عبارة الأشباه: وإنما يقال لمريد ها أنفق واحبس العين إلىٰ استيفاء قيمة البناء أو ما أنفقته. (الاشباہ والنظائر قدیم ۱/۱۴۱، جدید زکریا ۱/۲۵۴)

(قوله) ومنها لو غصب أرضاً فبنىٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلاضمن له قيمتها الخ. (الاشباہ والنظائر قدیم /۱۴۴، جدید زکریا ۱/۲۸۵)

یعنی اگرکسی نے زمین غصب کرکے اسمیں عمارت بنائی یاباغ لگادیا تو اگرعمارت کی قیمت زیادہ ہوتو زمین کی قیمت ادا کرے گا،اگرزمین کی قیمت زیادہ ہےتو عمارت کواکھیڑ دیا جائے،حاصل

یہ ہے کہ جس کی قیمت کم ہو اسکی قیمت ادا کر کے علیحدہ کر دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۶)

کمیٹی کا مکتب میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا

سوال: [۴۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکتب ہے اس میں کچھ طلبہ دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور پڑھانے والے کو کمیٹی کی طرف سے تنخواہ دی جاتی ہے، تو اس مکتب میں زکوٰۃ یا چرم قربانی کا روپیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: انیس الرحمٰن، کٹھاری، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ و چرم قربانی کا روپیہ نادار، غیر سید فقیر یا نادار طلبہ جو سید نہ ہوں کو دینا ضروری ہے، مدرسہ کے مصارف میں بغیر حیلۂ شرعی صرف کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے ایسے مکتب میں زکوٰۃ نہ دینی چاہئے، جو کمیٹی کے تحت چل رہا ہو، اور وہاں باہر کے طلبہ کے لئے طعام و دیگر اخراجات کا انتظام نہ ہو۔

أما تفسيرها فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي و لا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ الخ. (عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها و شرائطها، زکریا دیوبند ۱/ ۱۷۰، جدید زکریا ۱/ ۲۳۲)

ولا يجوز أن يبنى بالزكوٰة المسجد (إلىٰ قوله) وكل مالا تمليك فيه الخ. (هندیه، الباب السابع فی المصارف ۱/ ۱۸۸، جدید زکریا ۱/ ۲۵۰، تبیین الحقائق، مکتبه امدادیه ملتان ۱/ ۳۰۰، زکریا دیوبند ۲/ ۱۲۴، شامی کراچی ۲/ ۳۴۴،

زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/۳٦ ۲٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۳/۲۴)

مخلوط تعلیم والے مدرسہ میں زکوٰۃ

سوال: [۴۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ جس میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے، درس قرآن کا ایک شعبہ ہے، درس قرآن کی تعلیم کیلئے تنخواہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کی رقم سے اس تعلیم کی تنخواہ دینا جائز ہے یانہیں؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: احقر محمد احمد، فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی رقم سے معلم کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے بلکہ غریب نادار کو بلاعوض مالک بنادینا واجب ہے۔

ويشترط ان يكون الصرف تمليكاً لاإباحة كمامر لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۹۶/۲۵)

مدرسہ کے نام پر چلنے والے اسکول میں زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل

کچھ مدارس اسلامیہ اس طرح کے ہیں، کہ ان میں دینی تعلیم کی جگہ دنیاوی تعلیم پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے، اور وہ بھی خاص کر انگریزی تعلیم پر اس کے علاوہ ان مدرسوں میں نہ تو حفظ کا ہی کوئی معقول انتظام ہے اور نہ ہی بیرونی یا مقامی نادار طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، بلکہ طلبہ سے ہر مہینہ ۱۰، ۱۵/ روپیہ ماہوار فیس وصول کی جاتی ہے، اگر تھوڑا بہت کچھ ہے تو صرف اتنا کہ جو بچے غریب ہوتے ہیں، انکی فیس معاف کردی جاتی ہے، یا کورس کی کتابیں دلا دی جاتی ہیں، تو کیا ایسے مدرسوں میں زکوٰۃ فطرہ چرم قربانی وغیرہ دینا درست ہے، جبکہ مہتمم حضرات مذکورہ مد کی رقم کو رسماً تملیک بھی کرا لیتے ہیں، تو ایسے مدرسوں میں زکوٰۃ صدقہ و چرم قربانی وغیرہ دی جائے تو کیا ادا ہو جائے گی؟

المستفتي: محمد مسلم، امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال میں مدارس اسلامیہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ صرف نام کے مدارس ہیں درحقیقت دنیوی اسکول ہیں، ان میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا خرچ کرنا جائز نہیں ہے، یہ اسکول طلبہ کی فیس وغیرہ کے ذریعہ چلا کرتے ہیں، اور تھوڑی بہت جو دینی تعلیم ہے وہ صرف ضمناً ہے اور دینی تعلیم کا نام لیکر چندہ حاصل کرنا اور دنیوی تعلیم جاری رکھنا مقصود ہوتا ہے، اسلئے ایسے اداروں میں صدقات واجبہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ عام اسکولوں میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے اور سوالنامہ میں اوپر ذکر کردہ جو مدارس ہیں، ان کی ضرورت کیلئے تملیک کرانا ہرگز جائز نہیں ہے، اسلئے کہ وہ درحقیقت اسکول ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ جدید ۱/ ۱۸۸، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۴/ ۲۹۷)

ایسی صورت میں ساری ذمہ داری وصول کنندہ کے سر ہوگی۔

كما يستفاد من عبارة البحر : رجلان دفع كل واحد منهما زكوٰة ماله إلىٰ رجل ليؤدى عنه فخلط مالهما ثم تصدق ضمن الوكيل وكذا

لو كان في يد رجل أوقاف مختلفة ، فخلط انزال الاوقات وكذلك البياع والسمار والطحان إلا في موضع يكون الطحان مأذونا بالخلط عرفا ... وبه يعلم حكم من يجمع للفقراء ومحله ماإذا لم يؤكلوه (إلىٰ قوله) فإذا ضمن في صورة الخلط لا تسقط الزكاة عن أربابها الخ. (البحر الرائق ، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۳٦۹، قديم كوئٹه۲/ ۲۱۰و ۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ

کیا زکوٰۃ کی رقم مشترکہ مدرسہ واسکول میں دینے سے ادا ہو جائے گی

سوال: [۴۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا جو لوگ زکوٰۃ وچرم قربانی صدقہ فطر مذکورہ بالا مدرسہ کو دیدیں گے تو ان کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟ اور جان بوجھ کر ایسا کرنے میں گنہگار تو نہیں ہوں گے؟ تینوں اجزاء کا جواب مکمل ومدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: انجمن فروغ اسلام،
قاضی باغ، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زکوٰۃ کی رقم مصرف اور مستحق تک نہ پہونچے تو ادائیگی نہ ہوگی، جبکہ مالک کو نہ پہونچنے کا علم ہو اور اگر کوئی مستحق تک پہونچانے کا وعدہ کر کے وصول کرتا ہے، اور پھر مستحق تک نہ پہونچائے یا جائز مصرف میں خرچ نہ کرے تو وصول کنندہ گنہگار ہوگا اور امانت میں خیانت کی سخت وعید آئی ہے، اور رکن کا ادا کرنا واجب ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ إِلىٰ اَهْلِهَا . (الاية: سورة ٥٨)

حدیث شریف میں ہے!

لا إیمان لمن لا أمانة له و لا دین لمن لاعهدله. (الحدیث، المجعم الکبیر ۱۰/۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳)

کل حقٍ لأحدٍ علی أحدٍ أمانةٌ ، یجب أداءهٗ لأهله الخ. (تفسیر مظهری ۲/۱۴۸، سورۂ نساء آیت:۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵ر۱۸۰۷)

زکوٰۃ کی رقم اسپتال واسکول میں لگانا

سوال: [۴۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید (ایک صاحب خیر) کے پاس کچھ رقم مدز کوٰۃ کی جمع ہے، زید ایک ٹرسٹ بنا کر اس رقم سے ایک زمین برائے اسپتال واسکول جس میں ہندی اردو اور انگریزی کی تعلیم کیساتھ بنیادی دینی تعلیم بھی دی جائیگی، خرید کر دینا چاہتا ہے کیا یہ مصرف جائز ہوگا، کیا اس طرح زید کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

المستفتي: عدیل احمد، محلّہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ اشیاء مصرف زکوٰۃ نہیں ہیں، ان کیلئے مد زکوٰۃ سے زمین خرید کر ڈال دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجدوتحته فی الشامیة کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد و کل مالا تملیک فیه الخ. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف زکریا دیوبند

۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۲٤٤، هندیه کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف ۱/ ۱۸۸، جدید زکریا ۱/ ۲٥۰، المحیط البرهاني، کتاب الزکاة، الفصل الثامن من توضع فیه الزکاة، المجلس العلمی بیروت ۳/ ۲۱۲، رقم: ۲۷۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رشعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم رشعبان ۱۴۱۱ھ

غیر سرکاری ہاسپٹل میں زکوٰۃ

سوال: [۴۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر سرکاری ہسپتال کی زکوٰۃ کے ذریعہ مدد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہسپتال میں زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہیں ہے۔ چاہے غیر سرکاری ہو یا سرکاری، اس لئے کہ غیر سرکاری امدادی ہسپتالوں میں جو نظام بنا ہوا ہے، اس نظام کے تحت باقاعدہ طور پر ہسپتال کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی مشکل ہے، ہاں البتہ کسی مستحق زکوٰۃ مریض کے ہاتھ میں زکوٰۃ کا پیسہ دیا جائے، پھر وہ اس پیسے سے ڈاکٹری فیس اور دواؤں کی قیمت ادا کرتا ہے تو جائز اور درست ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ ر ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۲۶ھ

زکوٰۃ اور چرم قربانی کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد اسکول میں صرف کرنا

سوال: [۴۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ اسلامیہ جونیئر ہائی اسکول قاضی باغ میں دو شعبے ہیں، دینیات جسمیں ایک حافظ صاحب پڑھاتے ہیں، دو چار بچے بھی بیرونی ہیں، جنکے کھانے کا نظم صرف محلّہ کی دعوتوں کی شکل میں رہتا ہے، دوسرا شعبہ ہائی اسکول ہے جس میں گورنمنٹ کے کورس کے مطابق تعلیم ہوتی ہے، ٹیچر سب مسلمان ہیں، دونوں شعبوں پر زکوٰۃ چرم قربانی صدقہ فطر کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد خرچ کی جاتی ہے؟

(۱) کیا حیلۂ تملیک دونوں شعبوں کیلئے جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کس شعبہ کیلئے۔

(۲) کیا جونیئر ہائی اسکول کو زکوٰۃ صدقات چرم قربانی کی رقم سے چلانا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: انجمن فروغ اسلامی
محلّہ قاضی باغ، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ وصدقہ فطر و چرم قربانی کی رقوم واجب اور فرض ہیں، ان کے اصل مستحق نادار اور مساکین ہیں، اہم ترین دینی ضرورت کے بغیر حیلۂ تملیک جائز نہیں ہے اور جونیئر ہائی اسکول کی تعلیم بھی دینی ضروریات میں داخل نہیں ہے اسلئے اس شعبہ میں صرف کرنے کیلئے حیلۂ تملیک ہرگز درست نہیں ہوسکتا ہے، جو لوگ شعبہ جونیئر ہائی اسکول کیلئے حیلۂ تملیک کریں گے وہ سب گنہگار ہونگے اور عنداللہ جواب دہ ہونگے اور جن شعبوں میں صرف دینی تعلیم ہوتی ہے، اور بغیر حیلۂ تملیک اس شعبہ کا باقی رہنا ممکن نہیں ہے، تو ان کے لئے بقدر ضرورت حیلۂ تملیک کی اجازت ہے۔

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع في الآثام لا بأس

به بل هو مندوب اليه ، وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان.

(عمدة القاری شرح البخاری ، داراحیاء التراث العربي بيروت ٢٤/ ١٠٩، زکریا دیو بند١٦/ ٢٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۵؍۱۸۰۷)

کسی کمیٹی کا انجمن کو زکاۃ کی رقم سے چلانا

سوال : [۴۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ زید نے ایک کمیٹی بنائی جس کا نام ناگوری تیلیان ویلفیر کمیٹی رکھا ، جس کے اغراض ومقاصد یوں ہیں؟

(۱) سماج کے غریب بے سہارا مظلوم ومعذور وبیمار افراد کے علاج ودوا خوراک، پہننے اور مالی حالات کو درست کرنے کیلئے مدد کرنا؟

(۲) معاشرہ میں مرد وعورت لڑکے لڑکیوں کو دینی ودنیاوی تعلیم حاصل کرنے کیلئے مالی امداد ودیگر اسباب مہیا کروانا؟

(۳) معاشرہ کے قابل ذہین لڑکے ولڑکیوں کو اونچی صنعتی تعلیم حاصل کرنے کیلئے مالی امداد وقرض حسنہ مہیا کروانا؟

(۴) سماج کے غریب بے سہارا لاورث، بیمار بچوں کا علاج کیلئے مدد کرنا، بنا فیس شفاخانہ کھولنے کی اسکیم عمل میں لانا؟

(۵) قوم کے مشکل مسائل کو اجاگر کرنا اوران کی مشکلات حل کرنا؟

(۶) قوم کے ضرورت مند لوگوں کو صوبائی حکومت کے ذریعہ دی جانے والی پنشن وبیوہ پنشن مجبوروں کی مدد، اپاہجوں کی پنشن دیگر سہولتوں کی جانکاری دے کر دلوانے کی ہر ممکن کوشش کرنا؟

(۷) سماج کیلئے قومی مکان کی جگہ صوبائی حکومت سے منظور کروانا، مندرجہ بالا مقاصد میں زکوٰۃ کا پیسہ لگ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالمجید کھوکھر، جنرل سکریٹری:
ناگوری تیلیان ویلفیر سوسائٹی، مدرسہ
رحمانیہ، پہلی منزل، نیا کنواں، بیکانیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کی کمیٹی اور انجمنوں کو زکوٰۃ کی رقم سے چلانا جائز نہیں ہے، ایسی انجمنوں اور کمیٹی میں زکوٰۃ کا پیسہ جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کا بیت المال ہے اور زکوٰۃ کا بیت المال حکومت اسلامیہ کے بغیر ہندوستان میں چلانے کی کوئی صورت نہیں، اسلئے ایسی انجمنوں اور کمیٹی کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا جائز نہیں، البتہ آپس میں امدادی رقوم جمع کرکے ایسی انجمنوں کو چلانا اور اس کے ذریعہ سوالنامہ میں ذکر کردہ مقاصد میں خرچ کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۳۰۶، جدید زکریا ۴/ ۳۲۶، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۶۵، جواہر الفقہ قدیم ۴/ ۳۷۶-۳۸۲، جدید زکریا ۳/ ۳۰۶،۳۱۳)

إن علی الإمام أن یجعل لکل نوع بیتا یخصه. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب العشر، مطلب في بیان بیت المال و مصارفها، کراچی ۲/۳۳۷، زکریا ۳/۲۸۱، هندیه زکریا ۱/۱۹۱، جدید زکریا ۱/۲۵۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۸۱)

زکوٰۃ کی رقم اسکول کی ماہانہ فیس وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: [۴۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو شرعاً مستحق زکوٰۃ ہے اسکے بچے کچھ بالغ کچھ نابالغ دنیاوی تعلیم حاصل کرتے ہیں

لیکن وہ اپنی غربت اور بیماری کے باعث بچوں کی ماہانہ فیس یا اسکول کی مقرر کردہ پوشاک یا کورس وغیرہ کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس شخص کے بچوں کی ماہانہ فیس پوشاک کورس دیناوی تعلیم کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے اس طرح ادا کرنا کہ ان بچوں کے والدین کو رقم کا مالک بنادیا جائے، پھر وہ والدین خود ماہ ماہ یا ایک ساتھ اسکول کی ماہانہ فیس ادا کرتے رہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

اگر ادا نہیں کر سکتے تو اس کا مدلل جواب مع حوالہ نیز عقلی کے ساتھ ساتھ نقلی دلیل بھی تحریر فرمائیں؟

المستفتي: سلیم اللہ قاسمی،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا پیسہ فقراء کی ضرورت پوری کرنے کیلئے ہے جن کے بچے اسکول میں پڑھتے ہیں، اگر وہ فقیر مستحق زکوٰۃ ہیں تو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز ہے، مگر اس بات کا خیال ضروری ہے، کہ اگر اسکولوں کی فیس ادا کرنے کیلئے پیسہ دیا جائے تو کس طرح دیا جائے بعض اسکولوں کی فیس بہت معمولی ہوتی ہے، اور پڑھائی بھی اچھی ہوتی ہے، جیسے کہ لڑکیوں کے اسکولوں میں جنت نشاں ہے، عبد السلام اسکول ہے مسلمہ اسکول ہے نہایت معمولی فیس ہوتی ہے اور پڑھائی بہت اچھی ہوتی ہے، خاص کر جنت نشاں کی تعلیم بہت اچھی ہوتی ہے، اور فیس مہینے میں سو روپیہ بھی نہیں ہے، ایسے ہی لڑکوں کے اسکول لاتعداد ہیں، جن کی فیس نہایت کم ہے اسکے برخلاف بعض اسکول وہ ہیں، جن کی سالانہ فیس کے ہزاروں روپئے بیٹھتے ہیں، تو مستحق زکوٰۃ شخص کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ بھیک مانگ کرا تنے مہنگے اسکولوں میں بچوں کو پڑھانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، یہ شرعی ضرورت میں داخل نہیں ہے، جس کے لئے زکوٰۃ کی بھیک مانگی جائے، ایسے غریبوں کیلئے کم فیس والے اسکول قائم ہیں، انہیں میں اپنے بچوں کو تعلیم دیں، لہٰذا اگر کسی کے پاس اتنی بھی گنجائش نہیں ہے، کہ کم سے کم فیس والے اسکول کو بھی فیس نہیں ادا کر سکتے ہو تو

ان کوزکوٰۃ کا پیسہ دیا جاسکتا ہے، کہ وہ اسی سے اپنے بچوں کی فیس ادا کریں، مگر مہنگے اسکولوں کی فیس ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من سأل الناس وله ما يغنيه جاء يوم القيمة ومسألته في وجهه خموش، أو خدوش، أو كدوح، الحديث: (سنن الترمذی، الزکاۃ، باب من تحل له الزکاۃ، النسخة الهندية ۱/ ۱۴۱، دارالسلام رقم / ۶۵۰، سنن الدارمی دارالمغنی ۲/ ۱۰۲۲، رقم: ۱۶۸۰، سنن أبي داؤد، الزکاۃ، باب من يعطى من الصدقة، وحد الغنى، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۶۲۶، مستدرك، كتاب الزكاة، قديم ۱/ ۴۰۷، مكتبه نزار مصطفى الباز، جديد ۲/ ۵۷۴، رقم: ۱۴۷۹، مشكوٰة شريف/ ۱۶۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۴۷/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۸ھ

زکوٰۃ کی رقم سے اسکولی غریب بچوں کی فیس جمع کرنا

سوال: [۴۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عصری تعلیمی ادارہ میں کچھ غریب اور نادار طلبہ اپنی فیس جمع کرانے سے قاصر ہیں، کیا اس ادارہ کے نظماء جو صاحب نصاب بھی ہیں، اپنی زکوٰۃ کی مد میں سے ان نادار طلبہ کی فیس نکال کر جمع کرا سکتے ہیں، تاکہ ان طلبہ کی فیس بھی جمع ہوجائے اور ادارہ کا نقصان بھی نہ ہو، نیز یہ بھی معلوم کرنا ہیکہ زکوٰۃ کا ایک فنڈ بنا کر اس میں سے اس طرح کے طلبہ کی تعلیمی اخراجات میں مدد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: زوار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: پرائیویٹ اسکولوں کی فیس کی مقدار اکثر خطیر

ہوا کرتی ہے اورزکوٰۃ فقراء ومساکین کا شرعی حق ہے، اس کے بالمقابل تعلیم دنیوی کیلئے سستے اور بالکل معمولی فیس والے اسکول غریب بچوں کے لئے ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں ، اور زکوٰۃ کا پیسہ بھیک مانگا ہوا پیسہ ہوتا ہے، اس لئے بھیک مانگ کر مہنگے اورکثیر فیس والے اسکولوں میں پڑھانے کی اجازت نہیں دیجاتی ،اسی طرح اس کام کیلئے باضابطہ فنڈ جمع کرنا بھی درست نہیں ہے، بلکہ زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ فقراء کو مالک بنا کر دینا لازم ہے، ہاں البتہ اتنا ہوسکتا ہے، کہ جن بچوں کے ماں باپ مستحق زکوٰۃ ہیں ، انہیں براہ راست زکوٰۃ کا پیسہ دیدیا جائے ، جسے وہ اپنی ضرورت میں خرچ کریں، اور وہ اس رقم کو اپنے بچوں کی تعلیم میں بھی خرچ کرسکتے ہیں ۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ . (التوبه: ٦٠)

الـزكـوٰة هي تمليك مال من فقير مسلم . (البحر الرائق ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، كوئٹه ٢/ ٢٠١ ، زكريا ديوبند ٢/ ٣٥٢)

مـصـرف الزكوٰة هو فقير. (شامي ، زكريا ٣/ ٢٨٣، كراچی ٢/ ٣٣٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍ ۱۰۳۱۳)	۱۴؍ ۳؍ ۱۴۳۲ھ

اسکول کے اساتذہ کی تنخواہ مد زکوٰۃ سے دینا

سوال: [۴۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس میں ہندی پرائمری پنجم تک کی تعلیم کا انتظام ہے اور پرائمری پنجم تک کی تعلیم کیلئے ماسٹر حضرات مقرر ہیں، اوراس بات کی بھی مکمل تحقیق ہے کہ اس سیکشن کے مدرسین کو زکوٰۃ، صدقہ فطرات سے تنخواہ دی جاتی ہے، اسلئے امداد کی رقم اتنی نہیں ہوپاتی کیونکہ پرائمری کے طلبہ سے فیس بھی نہیں لی جاتی ہے، تو کیا مذکورہ رقوم کا ان مدرسین کی تنخواہ میں دینا درست ہے یا نہیں؟

حیلہ کی صورت نکلتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: محی الدین مقیم مدینۃ العلوم، رام نگر، ضلع: نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہندی پرائمری اسکول کے ماسٹروں کی تنخواہ مدز کوٰۃ اور صدقۂ واجبہ سے دینا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی ان کی تنخواہ کیلئے حیلۂ تملیک جائز ہے، کیونکہ یہ اتنی بڑی شرعی ضرورت نہیں ہے، کہ جس کی وجہ سے حیلہ جیسی ممنوع چیز جائز ہوجائے۔

أما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان الخ. (عمدة القاری، كتاب الحيل، داراحياء التراث العربي ٢٤/١٠٩، زكريا ديوبند١٦/٢٣٩، تحت رقم الحديث: ٦٩٥٣، وهكذا فی الفتاویٰ التاتار خانية زكريا ديوبند ١١/٣١١، رقم ١٤٨٤٥، هنديه زكريا ٦/٣٩٢، جديد زكريا٦/٣٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۲ھ

زکوٰۃ کی رقم ہائی اسکول اور ماسٹروں کی تنخواہ میں دینا

سوال: [۴۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد دنیاوی تعلیم کے اوپر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی جونیئر ہائی اسکول کے ماسٹروں کو اس رقم میں سے تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اسکے لئے حیلۂ تملیک ہی کرنا شرعاً جائز نہیں، نیز حیلۂ ممنوع کر کے ماسٹروں کی تنخواہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔

الاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فی الآثام لا بأس

به بل هو مندوب إليه- وأما الاحتيال لإ بطال حق المسلم فإثم وعدوان الخ. (عمدة القاری، کتاب الحيل، داراحياء التراث العربي ٢٤/ ١٠٩، زكريا ديو بند١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث:٦٩٥٣)

كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتموية باطل فهى مكروهة. (هنديه، كتاب الحيل، الفصل الاول زكريا ديو بند٦/ ٣٩٠، جديد زكريا ٦/ ٣٩٣، الفتاوی التاتار خانية زكريا ديوبند ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥)

لہٰذا جونیئر ہائی اسکول یا اس کے علاوہ کے لئے حیلہ کرنے والے سب حضرات گنہ گار ہونگے ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۲۴)

حیلۂ تملیک کے بعد دینی مدرسہ کے پرائمری درجات کے ماسٹروں کو تنخواہ دینا

سوال: [۴۶۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ ہذا میں اردو میڈیم سے پرائمری درجات جیسا کہ حکومت سے منظور ہے، چلائے جائیں اور ترتیب بایں طور ہو کہ ہر درجہ کے طالب علم کو دو گھنٹہ قرآن حکیم کی تعلیم اور دو گھنٹہ اردو دینیات، تعلیم الاسلام، دینی تعلیم کے رسائل وتمرین اور صرف دو گھنٹہ پرائمری کی تعلیم میں صرف کریں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ دیگر مدرسین کی طرح ان ماسٹر عبدالوحید خاں صاحب کو تنخواہ مدرسہ کے اسی فنڈ سے جو کہ حیلۂ تملیک کے بعد خرچ کیا جاتا ہے، دینا درست ہے یا نہیں؟ جواب سے مستفیض فرمائیں؟

المستفتي: محمد شفیع قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس سلسلہ میں تین استفتاء کے جوابات یہاں

سے جا چکے ہیں، جن کے نمبر ذیل میں درج ہیں۔ (۱) ۲۳/۳۲۲۔ (۲) ۲۳/۳۲۴۔ مستفتی حضرات مولانا محمد شفیع صاحب ۔(۳) محمد عمر صدیقی ۲۳/۳۸۲ کہ میڈیم اور پرائمری درجات کی تعلیم حکومت کے نصاب اور حکومت کی منشاء کے مطابق ہے، تو وہاں جو دوادارے ہیں، (۱) جونیئر۔ (۲) مدرسہ عربیہ دینیہ تو مذکورہ میڈیم اور پرائمری بظاہر جونیئر ہائی اسکول کے تابع ہے نہ کہ مدرسہ عربیہ کے اس لئے ایسی پرائمری کے ماسٹروں کو تنخواہ لینی بھی جائز نہ ہوگی، البتہ پرائمری جو مدرسہ شاہی، امدادیہ، حیات العلوم، جامع الہدیٰ مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی وغیرہ میں ہیں، ان میں جائز ہے، کیونکہ ان سب میں پرائمری مدرسہ عربیہ کے تابع ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۴۰)

(١٣) باب العشر والخراج

عشر زکوٰۃ ہے یا امداد وصدقہ

سوال: [۴۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عشر زکوٰۃ ہے یا صدقہ یا امداد با حوالہ جواب دیں؟

المستفتی: عبدالقدوس، گیاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عشر زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ کے حکم میں ہے، اس کا مصرف بھی فقراء اور مساکین ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/۳۰۳، جدید ۴/۳۲۳، جدید زکریا مطول ۶/۲۹۷)

مصرف الزكاة والعشر ......**هو فقير** . (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف ، زكريا ديوبند ٣/ ٢٨٣، كراچی ٢/ ٣٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۹۶/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۰ھ

گنے کی قیمت پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کاشت کار ہوں گنا وغیرہ بوتا ہوں، میرا گنا مل فیکٹری پر جاتا ہے، اور روپیہ مجھکو ملتا ہے، اس سے زکوٰۃ کس طرح ادا کروں؟

المستفتی: عقیل خاں، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب ہیں تو

سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت گننے کی قیمت میں سے جو پیسہ بھی آپکے پاس ہوگا، اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

الزكاة واجبة فی عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب ...... وتعتبر القيمة عند حولان الحول بعد أن تكون قيمتها فی ابتداء الحول مأتي در هم من الدراهم الغالب عليها الفضة. (هنديه، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ١/ ١٧٩، جديد زكريا ١/ ٢٤١، الفصل الثانی فی العروض) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۲/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۳۶/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۲/۱۴۲۰ھ

زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زمین سے پیدا ہونے والے اناج پر زکوٰۃ کی مقدار کیا ہے؟ اور اس کیلئے بھی دیگر چیزوں کی طرح سال کا پورا ہونا ضروری ہے یانہیں؟ اگر اس میں کوئی تفصیل ہوتو وہ بھی واضح کریں؟ تشفی بخش جواب مطلوب ہے؟

المستفتی: محبّ اللہ، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زمینداری ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زمین عشری نہیں ہیں، اسلئے آراضی ہند کی پیداوار پر عشر لازم نہیں ہے، البتہ اگر کوئی احتیاطاً عشر نکالنا چاہے، تو اس کے اختیار کی بات ہے، شرعاً لازم نہیں، ہاں پیداوار کو فروخت کرنے کے بعد اس کے پیسے پر ہزار میں ۲۵/ روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح

النوادر۲/ ۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ ؍ ۶۴۱۳)

گنے کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ

سوال: [۴۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھیت میں جو گنا ہوتا ہے، اسکی زکوٰۃ نکالنے کا کیا طریقہ ہے؟

المستفتي: حافظ محمد طاہر، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کی پیداوار پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں البتہ گنا فروخت کرنے کے بعد اس کی جو آمدنی ہوتی ہے، اس کو سابقہ روپیہ یا سونا چاندی کے ساتھ ملا کر اسکی زکوٰۃ نکالی جائیگی، اور پیداوار پر زکوٰۃ وعشر اسلئے لازم نہیں ہوتا کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زمین کی عشریت بھی ختم ہوگئی ہے ۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ؍ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ ؍ ۶۳۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۷ھ

زرعی زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال: [۴۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زرعی زمین ہے لیکن اس پر زراعت نہیں ہو رہی ہے، بلکہ خالی پڑی ہے، اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اسی طرح اگر اس زمین پر درخت لگا دیا جائے تو دس بارہ سال کے بعد

درختوں کے ذریعہ ہونے والی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ زمین کے وقت کی خرید کی مالیت پر یا موجودہ وقت کی مالیت پر یا اس سے ہوئی آمدنی پر زکوٰۃ دینی واجب ہوتی ہے؟ واضح فرمائیں؟

المستفتي: عبیدالرحمٰن، پرنس روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زرعی زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ خالی پڑی ہو، نیز درخت لگانے کے بعد درختوں کے پھلوں کی قیمت پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی، باقی زرعی زمین کی قیمت پر کسی حال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

لا في ثياب البدن وأثاث المنزل وتحته في الشامية كثياب البدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۳/ ۱۸۲، كراچی ۲/ ۲٦٤)

ولو نوى التجارة فيما خرج من أرضه العشرية أو الخراجية أو المساجرة أو المستعارة لا زكوة عليه الخ. (الاشباه قديم/ ۳۹، جديد زكريا ۱/ ۷۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶؍ ۲۳۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍شعبان ۱۴۱۱ھ

آسام کی زمین عشری یا خراجی

سوال: [۴٦۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آسام کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

المستفتي: ریاض الدین، کالانی جولہ، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان کے اکثر علاقہ کی زمین نہ عشری ہے اور نہ خراجی مگر آسام کی زمین کی حیثیت کیا ہے، احقر کو معلوم نہیں وہاں کے علماء سے رابطہ قائم فرمائیں۔

فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (شامی، کراچی ۲/ ۳۲۰، زکریا دیو بند۳/ ۲۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

ہندوستان کی کونسی زمین میں عشر واجب ہے؟

سوال: [۴۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ ہندوستان کی زمین میں عشر نکالتے ہیں، اور کچھ لوگ عشر نہیں نکالتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

کون سی زمین میں عشر واجب ہے اور کون سی زمین میں نہیں بعض لوگ وسیع زمین کی کاشت کے مالک ہوتے ہیں، اور بعض لوگ قلیل زمین کے کہ گذر بسر کرنا مشکل ہوتا ہے، بعض بٹائی پر کاشت کرتے ہیں، اور بعض لوگ سالوں پر رہن لیکر کرتے ہیں، ایسی زمین اور اپنی ذاتی زمین میں کتنا عشر واجب ہے؟

المستفتي: محمد شرف الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں زمینداری ختم ہوجانے کے بعد ہندوستانی زمین عشری نہیں رہی ہے، اور عشری زمین ہی کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے،

لہٰذا موجودہ ہندوستان کی زمین پر عشر واجب نہیں ہے ہاں البتہ اگر کوئی مسلمان احتیاط کے طور پر نکالکر فقراء کو دیدیتا ہے، تو یہ مستحب ہے ۔(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۷، عزیز الفتاوی ۱/ ۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۲/ ۱۴۱۹ھ

ہندوستانی زمینیں عشری ہیں یا نہیں؟

سوال: [۴۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کی زمین عشری ہے یا غیر عشری؟ عشر نکالا جائے یا نہ نکالا جائے؟

المستفتی: محمد حنیف، نرکھیڑا، ڈاکخانہ: بیر پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستانی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کی قطعی سند نہ ہونے کی وجہ سے اکابر علماء ومفتیان نے ابھی تک کوئی قطعی حکم نہیں لگایا ہے، البتہ جو آراضی مسلمانوں کی ملکیت میں اسلامی زمانہ سے حکومت اسلام کے دینے سے یا خود مسلمان ہوکر اپنی آراضی پر مالک برقرار رہ کر اب تک چلی آرہی ہے، حتی کہ قائمہ زمینداری کے بعد بھی اپنی ہی ملکیت میں باقی ہے، کبھی غیر مسلم کے قبضہ میں نہیں گئی ہے تو وہ عشری ہے، اس میں حسب ضابطہ عشر واجب ہوگا، مذکورہ قیودات کے بغیر عشر واجب نہیں ہوگا، اور جس زمین کے بارے میں حالات معلوم نہیں ہیں، اس میں احتیاطاً عشر نکالنا مستحب ہوگا، اور نکال کر مصرف زکوٰۃ میں صرف کردیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۵۲)

موجودہ ہندوستانی زمین عشری ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب خبیر صاحب کی دو بیویاں تیرہ چودہ لڑکے لڑکیاں ہیں، اور رشتہ داروں کی بھی آمد ورفت ہوتی رہتی ہے، خبیر صاحب کی پچیس ایکڑ زمین ہے، جس میں دو چار ایکڑ خود کرتے ہیں، اور دو تین ایکڑ میں بانس گھاس ہے، بقیہ زمین بٹائی پر دی ہے کاشت اور بٹائی سے جو پیداوار آتی ہے، خبیر صاحب بمشکل اپنے بچوں کو چھ ماہ کھلا پاتے ہیں، اور پریشانی رہتی ہے، چھ ماہ لون قرض لیکر اور درخت زمین فروخت کر کے بچوں کا گذر بسر کرتے ہیں، خبیر صاحب کے کاشت اور بٹائی زمین سے غلہ جات وغیرہ پیدا ہوتا ہے، اس پر عشر واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ جواب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد خلیق عالم، بھوکراہا، پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موجودہ ہندوستان میں کوئی زمیں عشری نہ ہونے کی وجہ سے آراضی ہند کی پیداوار پر عشر واجب نہیں ہے۔

أما شرائط المحلية فأن تكون عشرية فلا عشر في الخارج من أرض الخراج الخ. (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب العشر زكريا ٢/٤١٣، ٢/٢٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹ / ۳۲۱۷)

کیا موجودہ ہندوستانی زمینیں عشری ہیں؟

سوال: [۴۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان

کی زمین عشری ہے یا نہیں؟ اور عشر کے نام پر وصول کر کے مدرسہ میں صرف کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد اشتیاق، فلاح دارین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان کے اکابر کا فتویٰ یہ ہے کہ زمینداری ختم ہو جانے کے بعد ہندوستان کی زمین عشری نہیں رہی ہے، لہٰذا عشر کے نام سے مدرسہ کیلئے کچھ وصول کرنا درست نہیں ہے، البتہ اگر کوئی اپنی رضامندی سے عشر نکالے تو یہ باعث اجر وثواب ہے اور اس رقم کو مدرسہ میں صرف کرنا بھی درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/ ۹۲، جدید ڈابھیل ۹/ ۴۵۶، ایضاح النوادر ۲/ ۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۷۶)

ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی

سوال: [۴۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کی زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے سلسلہ میں مختلف فتاویٰ کی کتابوں کو دیکھا تو مختلف فتاویٰ میں یہ تفصیل موجود ہے۔

(۱) بعض حضرات عشری کہتے ہیں، جیسے صاحب امداد الفتاویٰ۔

(۲) بعض حضرات کہتے ہیں، کہ عہد برطانیہ کے بعد ہندوستان دارالحرب ہے اسلئے اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی جیسے صاحب عزیز الفتاویٰ، امداد الاحکام، فتاویٰ محمودیہ وغیرہ بلکہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے فتاویٰ میں بھی عشری ہے، اور اس طرح کے بھی فتاویٰ ہیں کہ یہاں کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔

(۳) بعض حضرات نے لکھا ہے کہ عہد برطانیہ میں سب زمینوں کو ضبط کر لیا گیا تھا، بعد میں زمینیں لوگوں کو حکومت نے دی تھی اس صورت میں چونکہ زمین کافر سے مسلمانوں کو

ملی ہے اس وجہ سے عشری نہ رہی۔

(۴) بعض حضرات نے کہا کہ ہندوستان چونکہ دارالحرب ہے جیسا کہ محققین کی رائے ہے اسلئے ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں، نہ خراجی۔

(۵) بعض حضرات نے عشری زمینوں کو عشری ہی کہا ہے جیسے صاحب جواہر الفقہ، علم الفقہ، احسن الفتاویٰ۔

(۶) ہندوستان کی زمینوں میں کون سا خراج ہے اور کتنا ہے، ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے، تو کیا خراج ادا کرنا لازم ہے، اس وقت ہندوستان کی حیثیت کیا ہے، اور ہندوستان کی زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے سلسلہ میں مفتی بہ اور محقق قول کیا ہے؟

المستفتي: محمد اخلاق قاسمی، مدرس جامعہ قاسمیہ
جامع الہدیٰ، کھاری بجنور، (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس وقت ہندوستان کی حیثیت دارالامن اور دارالجمہوریہ کی ہے، اس کو دارالحرب کہنا درست نہیں کیونکہ آزادی کے بعد پارلیمانی قانون کی دفعات اور قراردادوں میں سیکولریزم کا پوری طرح لحاظ رکھتے ہوئے مسلم وغیر مسلم سب کو مشترکہ طور پر نظام حکومت میں دخل دینے اور الیکشن میں کھڑا ہو کر کلیدی عہدہ حاصل کرنے کا بلاتفریق حق حاصل ہے، اور ہر مسلمان کو اپنے شہری حقوق حاصل کرنے اور مسلم پرسنل لاء کی بقا و سالمیت کیلئے آواز اٹھانے کا ہر وقت حق حاصل ہے، اس میں کسی قسم کی رکاوٹ آزادی کے بعد سے اب تک پیش نہیں آئی، نیز اگر چہ غیر مسلم کی اکثریت کی وجہ سے ایوان بالا کے ممبران ان کے زیادہ ہیں، مگر اس کی وجہ سے جمہوریت اور سیکولرزم میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بأن يغلب أهل الحرب على دارمن دورنا وارتد أهل مصر وغلبوا وأجروا أحكام الكفر أونقض أهل الذمة العهد وتغلبوا على دارهم ففي كل

من هذه الصور لا تصير دار حرب . (شامی، کتاب الجهاد، باب المستامن ، مطلب فيما تصير به دار الاسلام دارحرب و بالعکس زکریا ٦/٢٨٨، کراچی ٤/١٧٤، هندیه ، کتاب السير الباب الخامس فی استبلاء الكفار ، زکریا دیوبند ٢/٢٣٢، جدید زکریا ٢/٢٤٨، ایضاح النوادر ١/ ٩٠)

اورزمین داری ختم ہوجانے کے بعد ہندوستانی زمینیں نہ عشری ہیں، اور نہ ہی خراجی اس لئے ہندوستانی زمین کی پیداوار سے نہ عشر نکالنا واجب ہے اور نہ ہی خراج یہی قول مفتی بہ اورمحقق ہے، ہاں البتہ کوئی کسان اپنی زمین کی پیداوار میں سے دسواں حصہ نکال کرغریبوں اورمسکینوں میں تقسیم کردے تو اس کی طرف سے یہ عمل مستحب اور کارثواب ہے، مگراس پر واجب نہیں۔(مستفاد: امدادالاحکام ۳/ ۳۸)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۴؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۱۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

ہندوستانی زمینوں کی عشری حیثیت

سوال: [۴۶۴۷]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) زید کے پاس کاشت کی زمین ہے،اس میں وہ بیج بوتاہے،اورسینچائی بھی کرتاہے،اورآج کل کھیتی میں بیماریاں زیادہ لگ رہی ہیں،جس کی وجہ سےاس میں بہت ادویات کا استعمال کرنا پڑتاہے،اورکھادبھی ڈالا جاتاہے،جسمیں بہت زیادہ خرچ ہوتاہے۔

آپ اس میں یہ وضاحت فرمائیں کہ زیدکوزمین کی پیداوارمیں عشرکا کونسا حصہ نکالنا ہےکیادوا کھادکاخرچ نکال کرعشرادا کرے۔

(۲)عمر ٹھیکے کی زمین میں کاشت کرتاہے، اس میں زمین مالک کوایک سال کی رقم بھی دیتاہے،مندرجہ بالاخرچ بھی کرتاہے،توکیااس زمین کی پیداوارمیں بھی عشرادا کریگا، اگرکرےگا توکیااس زمین مالک کوپیسہ دیاہوانکالکرعشرادا کرے۔

(۳) زمینی پیداوار میں عشر ادا کیا اور اس مال پر حولان حول گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

(۴) زکوٰۃ وعشر کن لوگوں پر خرچ کیا جائے، اور زیادہ اولیٰ کون ہیں، مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد صابر رضانگر، پوسٹ: تحصیل سوار، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ضلع رام پورصوبہ یوپی میں تقسیم ہند کے بعد کانگریس حکومت کے زمانہ میں سارے زمینداروں کی زمینداری ختم ہوچکی اور خاتمۂ زمینداری کے بعد زمین کی عشریت بھی ختم ہوگئی ہے، اور نواب رام پور کی بھی زمینداری ختم ہوگئی ہے، اور عشر کے واجب ہونے کے لئے زمین کا عشری ہونا لازم ہے اور خاتمہ زمینداری سے پہلے عشری زمین تھی اور زمینداری ختم ہونے کے بعد عشری نہیں رہی، لہٰذا ان زمینوں کے کاشت کاروں پر عشر واجب نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی زمین کی پیداوار میں سے دسواں یا بیسواں حصہ نکال کر غریبوں، فقیروں کو یا مدارس اسلامیہ میں دیتا ہے، تو افضل اور بہتر ہوگا، اس کے اوپر لازم یا واجب نہیں، اس سے آپ کے سارے اشکالات ختم ہوگئے ہوں گے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۷، جواہر الفقہ ۲/ ۲۶۰، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۴۵۳، کتاب المسائل ۲/ ۲۴۵)

یہاں چوں کہ مسئلہ عشر کا نہیں رہا ہے، البتہ زکوٰۃ کا مسئلہ ہے اور زکاۃ اپنے اوپر والوں کو یا نیچے والوں کو دینا جائز نہیں ہے، یعنی ماں باپ دادا دادی، وغیرہ اسی طرح بیٹے بیٹی اور ان کی اولادوں کو دینا جائز نہیں ہے، ان کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کو دینے سے زیادہ ثواب ملتا ہے، مثلاً بھائی بہن چچا پھوپھی ماموں خالہ وغیرہ اسی طرح غریب طالب علم اور غریب علماء کو دینا بھی زیادہ ثواب کا باعث ہوتا ہے، لہٰذا مدارس اسلامیہ میں غریب طلبہ ہوتے ہیں اس لئے مدارس کو دینے میں بھی زیادہ ثواب ملے گا۔

عن سلمان بن عامرؓ أن رسول اللہ ﷺ قال: إن الصدقة على المسكين صدقة وإنها على ذى الرحم اثنتان صدقة وصلة. (ترمذی شريف، كتاب الزكاة، باب ماجاء فی الصدقة على ذی القرابة، النسخة الهندية ۱/۱۴۲، رقم: ۶۵۸، شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت۳/۲۳۹، رقم: ۳۴۲۶)

ولا يصح دفعها لكافر – إلىٰ – وأصل المزكى وفرعه قال الطحطاوى: ومن سوى ماذكر يجوز الدفع إليهم كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء بل هم أولىٰ لما فيه من الصلة مع الصدقة. (طحطاوى على المراقى الفلاح، دارالكتاب ديوبند/ ۷۲۱)

التصدق علىٰ الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل. (هندية، زكريا ۱/۱۸۷، جديد زكريا ۱/۲۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۳۴ھ

ہندوستانی زمین کی پیداوار کا حکم

سوال: [۴۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کے زمانہ میں زمینوں میں پیدا ہونے والے غلوں وغیرہ پر جتنا خرچ ہوتا ہے، اس سے کم کبھی کبھی آمد ہوتی ہے، پہلے زمانہ میں کھیتوں کو سرکاری پانی وغیرہ سے بغیر خرچ کے سیراب کرتے تھے، تو عشر کا واجب ہونا سمجھ میں آتا ہے، لیکن آج کے دور میں عشر کا وجوب سمجھ میں نہیں آتا ہے، دریافت یہ کرنا ہے کیا آج بھی عشر واجب ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کیا کسی کے پاس کتنی بھی کثیر مقدار میں غلہ ہو اس پر بھی عشر واجب نہیں ہوگا؟

المستفتي: منشی محمد مختار، جویا، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں زمینداری ختم ہونے کے بعد زمین کی عشریت ختم ہوگئی ہے، اور سائل قصبہ جویا امروہہ سے متعلق ہے اور اس پورے علاقہ میں کوئی زمیندار باقی نہیں رہا ہے، اور ان علاقوں میں کہیں بھی عشری زمین باقی نہیں رہی ہے، اس لئے ان علاقوں کی زمین کی پیداوار پر شرعی ضابطہ میں عشر واجب نہیں ہے، چاہے غلہ کتنا ہی پیدا ہوجائے، شرعی ضابطہ میں عشر واجب نہیں ہے اور غلوں کو بیچ کر کے جو پیسہ ہاتھ آئے گا، اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی، ہاں البتہ کوئی شخص اپنی پیداوار میں سے دسواں حصہ یا بیسواں حصہ نکالکر کے کار خیر میں دیدے تو اس کا ثواب اسے ضرور ملے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈھابیل ۹/۴۵۵، ۴۵۷، جواہر الفقہ ۲/۲۴۳، ایضاح النوادر ۲/۱۷، کتاب المسائل ۲/۲۴۵)

هذا نوع ثالث: يعني لا عشرية ولا خراجية من الأراضي تسمى أراضي المملكة وأراضي الحوز. (شامی، کراچی ۴/۱۷۹، زکریا دیوبند ۶/۲۹۴)

ويحتمل أن يكون احتراز عما وجد في دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (شامی، کراچی ۲/۳۲۰، زکریا دیوبند ۳/۲۵۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍ ۱۱۳۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍ ۱۱؍ ۱۴۳۴ھ

مؤونت الخراج میں کب عشر اور کب نصف عشر واجب ہے؟

سوال: [۴۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ ضلع کوہاٹ کے علماء کی طرف سے ایک فقہی مجلس کا انعقاد کیا گیا تھا، اس کا پہلا اجلاس مؤونت عشر سے متعلق تھا، تمام شرکاء کے مقالات کا حاصل آپ

حضرات کے سامنے پیش خدمت ہے، امید ہے کہ آنجناب اس پر نظر ثانی اور اختلافی مسائل میں ایک جہت کی تعیین فرمائیں گے؟

(۱) یہ لفظ مؤ ونت اور مُؤ نت دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، اس کے لغوی معنیٰ مشقت اور بوجھ کے آتے ہیں۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک عشر کے باب میں مؤ ونت کا اطلاق مؤ ونت مالیہ اور بدنیہ دونوں پر ہوتا ہے؟

(۳) مؤ ونت کی کل پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ مؤ ونت السقی: کھیت کی سیرابی پر جو مؤ ونت آئے اس کو مؤ ونت السقی کہتے ہیں: ڈھول یا ٹیوب ویل کے ذریعے کھیت سیراب کرنا یا پانی خرید کر سیراب کرنا۔

۲۔ مؤ ونت الاصلاح: نہری زمینوں میں نہروں کے کھودنے، ان کی اصلاح اور عموماً دیہاتوں میں دور دراز نہروں سے جو چھوٹی چھوٹی نہریں کاشتکار اپنی زمین تک لاتے اور پھر ہر سال اس کی جو تعمیر نو کرتے ہیں اس پر جو مشقت اور اخراجات آتے ہیں، اس کو مؤ ونت الاصلاح کہتے ہیں؟

۳۔ مؤ ونت الخراج: مؤ ونت الخراج سے مراد وہ سالانہ آبیانہ ہے جو اصلاح نہر کے لئے حکومت کی جانب سے کاشتکاروں پر لاگو ہوتا ہے؟

۴۔ مؤ ونت العشر: مؤ ونت العشر سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص اپنی پیداوار کا عشر قیمتاً دینا چاہتا ہے، اس کی پیداوار کی قیمت ''اگر کوہاٹ میں فروخت کرے'' تو ۵۰/ ہزار روپئے ہے، اور اگر پشاور لے جاکر فروخت کرے تو اس کی قیمت ۸۰/ ہزار بنتی ہے، لیکن پشاور لے جانے کے لئے پیٹیوں اور کرایہ وغیرہ کا خرچہ دس ہزار آئے گا۔ ان اخراجات کو ''مؤ ونت العشر'' کہتے ہیں۔

۵۔ مؤ ونت الزرع: اس سے مراد وہ تمام اخراجات ہیں جو فصل بونے سے لیکر پیداوار حاصل ہونے تک آئیں۔ جیسے: کھاد، بیج، سپرے اور ٹریکٹر وغیرہ کا خرچہ۔

(۴) اتنی بات تو واضح ہے کہ عشر اور نصف عشر کا دارومدار مؤ ونت پر ہے، اور یہ بات بھی کتب فقہ میں بالکل صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے، کہ مطلقاً مؤ ونت مدار نصف عشر نہیں بلکہ کثرت مؤ ونت کا پایا جانا ضروری ہے، لیکن اس سے آگے کی تفصیلات کے متعلق کتب فقہ میں خاموشی پائی جاتی ہے، اور تصریح و تنقیح کے ساتھ یہ بحث کہیں نہیں ملتی کہ کس قسم کی مؤ ونت کا اعتبار کیا جائے گا، تاہم جزئیات اور فتاویٰ جات میں اختلاف آراء دیکھ کر اس سے دو نظریے اخذ کئے جاسکتے ہیں:

(۱) کھیت کو پانی دینے پر جو مشقت آئے صرف وہ مدار نصف عشر ہے، بالفاظ دیگر جس کھیت کو آلہ (رافعہ) کے ذریعے پانی دیا جائے یا پانی خرید کر سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہوگا، اس کے علاوہ کسی بھی قسم کی مؤ ونت مدار نصف عشر نہیں بن سکتی۔ (مستفاد: خیر الفتاویٰ ۱/ ۴۴۵، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/ ۱۶۴، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۸)

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ صرف سیرابی پر ہونے والی مؤ ونت مدار نصف عشر نہیں بلکہ اس کے مقدمات وممہدات پر ہونے والی مؤ ونت بھی مدار نصف عشر ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۳۳۶، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/ ۱۷۲، فتاویٰ فریدیہ ۳/ ۴۹۸)

ان آراء کو دیکھ کر مؤ ونت کے مذکورہ اقسام کے متعلق مندرجہ ذیل احکام ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) مؤ ونت السقی میں بالاتفاق نصف عشر ہوگا۔

(۲) مؤ ونت الزرع اور مؤ ونت العشر میں بالاتفاق عشر ہوگا۔

(۳) مؤ ونت الاصلاح اور مؤ ونت الخراج میں اختلاف ہے پہلی تعلیل کے مطابق اس میں عشر ہوگا، اور دوسری تعلیل کے مطابق اس میں نصف عشر ہوگا۔

شق نمبر۳ میں چونکہ اکابر رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس لئے مجلس میں طے پایا کہ اس بارے میں ملک کے مستند دالافتاء واکابر علمائے کرام سے رابطہ کر کے ان کی رائے معلوم کی جائے۔

لہٰذا آنجناب سے گذارش ہے کہ مذکورہ مسئلے میں اپنی رائے عالی سے اہل مجلس کو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتي: حفیظ الرحمٰن، المجلس الفقہی، کوہاٹ،
مدرس مدرسہ جامعہ حقانیہ سراجیہ، کالج ٹاؤن
بالمقابل ڈگری کالج پنڈی روڈ ضلع کوہاٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرات فقہاء نے عشر اور نصف عشر کا مدار اس بات پر رکھا ہے کہ جس زمین کی سیرابی اور سینچائی میں معتد بہ محنت اور خرچ ہو، اس زمین کی پیداوار میں شریعت نے نصف عشر واجب کیا ہے؟ لہٰذا جس کھیت کی ضرورت بارش کے پانی سے پوری ہوگئی ہو یا بہتی نہر کے پانی سے پوری ہوگئی ہو تو اس زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، اور جس زمین کی سیرابی وسینچائی کا خرچہ واخراجات جسمانی محنت کے ذریعہ سے ہوئی ہو اس زمین کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہوگا، اسی طرح اگر بہتی نہر کے پانی سے سیراب کرنے میں سرکار کو پانی وصول کرنے کی قیمت دینی پڑتی ہو تو اس صورت میں بھی نصف عشر واجب ہوگا، لہٰذا مؤونت الخراج کی صورت میں زمین کی پیداوار وجود میں آنے میں کاشت کار کا کافی پیسہ خرچ ہوتا ہے، اسلئے جن سالوں میں مؤونت الخراج کے بعد پیداوار وصول ہو تو اس میں نصف عشر واجب ہوگا، اور جن سالوں میں مؤونت الخراج کا بوجھ نہ برداشت کرنا پڑے ان سالوں میں عشر واجب ہوگا۔ فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۷۲، اور امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۸ کے مضمون کا حاصل بھی یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

ہندوستانی زمین کی پیداوار سے عشر نکالے بغیر فروخت کرنا

سوال: [۴۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس کے پاس دس بیگھہ زمین کے علاوہ کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے، اور اس کے تین لڑکے ہیں، اور وہ اپنی زمین کی پیداوار کا عشر نہ نکال کر تمام پیداوار بیچ کر اپنی اولاد پر خرچ کرنا چاہتی ہے، تو ایسا کرنا شریعت مطہرہ میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زمین داری ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زمین عشری نہیں رہی ہیں، لہٰذا ہندہ کیلئے زمین کی تمام پیداوار بیچ کر اپنی اولاد پر خرچ کرنا جائز ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۴۵، جدید ڈابھیل ۹/ ۴۵۵، ۴۵۷، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

مال عشر سے مکتب کے اساتذہ کو تنخواہ دینا

سوال: [۴۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی قریہ اور گاؤں میں عشر کا مال جمع ہوتا ہے، اور وہاں پر بیرونی بچے تعلیم نہیں پا رہے ہیں، بلکہ گاؤں ہی کے بچے تعلیم یافتہ ہیں، اور معلم کو اسی عشر کے مال سے تنخواہ دی جاتی ہے، کیا معلم کو عشر کے مال سے تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ایسی زمین کا عشر ہے، جو زمینداری ختم ہونے

کے بعد بھی مسلمان مالکوں کی ملکیت میں باقی ہے اور مسلمان بادشاہوں کے زمانہ سے آج تک اس کو ضبط نہیں کیا گیا تو اس کے عشر کے حقدار صرف فقراء ہیں، تنخواہوں میں دینا جائز نہیں اور جو زمین زمینداری ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں سے حکومت نے ضبط کرلی ہے، پھر کاشتکاروں میں تقسیم کردی ہے، اس میں عشر لازم نہیں اگر ایسی زمین کا عشر ہے، تو اس کو تنخواہوں میں دینا بھی جائز ہے، اب آپ خود ہی دیکھ لیں کہ کس کا عشر ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱۰/۲۶ھ

صدقہ اور عشر کے غلہ سے مدرسین کا کھانا کھانا

سوال: [۴۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عشر اور صدقہ کے غلہ سے مدرسین کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد القدوس، گیاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہندوستانی زمینیں اکثر عشری نہیں ہیں، اسلئے یہاں کی زمین کی پیداوار سے عشر نکالنا صرف مستحب ہے، لہٰذا اس غلہ سے مدرسین کا کھانا کھانا جائز ہوگا، البتہ جہاں کی زمین میں عشر واجب ہوتا ہے، وہاں کے عشر کے غلہ کو مدرسین کے کھانے میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، نیز صدقہ واجبہ کے غلہ کو بھی مدرسین کے کھانے میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبه: ٦٠)

مصرف الزكاة والعشر......... هو فقير وهو من له أدنى شيء أى دون نصاب. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ٣/ ٢٨٣، ٢٨٤،

کراچی ۲/ ۳٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۰ھ

عشر کی رقم سے ہتھیار خریدنا، محلّہ یا عیدگاہ کی سڑک بنانا یا کتابیں خریدنا

سوال: [۴۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غلہ یعنی گندم دھان وغیرہ کے عشر کی رقم سے اپنے اور عوام کی حفاظت کیلئے ہتھیار وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس رقم سے محلّہ یا عیدگا کی سڑک وراستہ بنایا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ یا ہندوستان کی زمین میں عشر ہے؟

عشر کے مال سے اگر کوئی شخص اپنے مطالعہ کیلئے جس سے عوام کو فائدہ پہونچایا جائے کتابیں خریدتا ہے یا اس کتاب سے عوام خود مطالعہ کے ذریعہ منتفع ہوتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زمین داری ختم ہونے کے بعد ہندوستان کی زمین عشری نہیں ہے، اسلئے عشر بھی لازم نہیں ہے، لیکن اگر کوئی عشر نکالتا ہے، تو یہ مستحب ہے، اس کو فقراء اور غرباء کے درمیان تقسیم کردیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۶۲/۶، ۱۶۵/۶)

فان أرضها ليست أرض خراج أو عشر الخ. (شامی، کراچی ۳۲۰/۲، زکریا دیوبند ۲۵۷/۳)

لہٰذا ہندوستانی زمین میں عشر کے نام سے وصول کئے ہوئے غلہ کی رقم سے ہتھیار خریدنا محلّہ یا عیدگاہ کیلئے سڑک بنانا اور مطالعہ کیلئے کتابیں خریدنا جائز ہے۔

جواب نمبر ا سے اس کا جواب واضح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ رشعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۱۱)

۱۲/ كتاب الصدقات

صدقہ نافلہ وواجبہ کی تعریف

سوال: [۴۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ نافلہ، صدقہ واجبہ کی تعریف لکھئے گا۔

المستفتي: عبدالرشید، تحویلدار، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقۂ نافلہ وہ ہے کہ جسکو اللہ تعالیٰ یا انسان نے خود اپنے اوپر لازم نہ کیا ہو، بلکہ اپنی خوشی سے کسی بھی وقت کوئی چیز فقیر کو دیدے، یا ذبح کر کے گوشت فقراء و مالدار اور خود بھی خوشی میں کھایا کرے، صدقۂ واجبہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بندہ پر واجب کر دیا ہے، جیسے زکوٰۃ صدقۂ فطر وغیرہ یا بندہ نے خود اپنے اوپر واجب کرلیا ہے، مثلاً اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو اللہ کے نام پر فلاں چیز صدقہ کرونگا، یا فقراء مساکین کو فلاں چیز کھلاؤنگا۔

الصدقة ج صدقات: العطية التي يبتغى بها الثواب عند الله تعالىٰ.

(معجم لغة الفقهاء كراچی /۲۷۲)

الصدقة: تطلق بمعنيين : الأول : ما أعطيته من المال قاصدابه وجه الله تعالىٰ ، فيشمل ماكان واجبا ، وهو الزكاة وماكان تطوعاً، الثاني: أن تكون بمعنى الزكاة، أي في الحق الواجب خاصة. (معجم المصطلحات

الألفاظ الفقهية دار الفضيلة ۲ / ۳٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍ ۸۸۸)

صدقہ واجبہ اور نافلہ کا مصرف

سوال: [۴۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو عام طور پر لوگ صدقہ کرتے ہیں، یا یہ کہ صدقہ کا لفظ بولتے ہیں، تو اس کا مصرف کیا ہے؟ بعض لوگ بیماری کا صدقہ نکالتے ہیں، اس کا مصرف کیا ہے، کوئی اگر یونہی بولے کہ یہ رقم صدقہ کی ہے تو اس رقم کو تعمیرات وغیرہ میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ بیماری کے صدقہ میں اور عام چیزوں کے صدقہ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ نیز جان کے بدلہ میں جان کا صدقہ نکالا جاتا ہے، اس کا بکرا ہونا ہی ضروری ہوتا ہے، یا مرغ وغیرہ پر بھی اس کا اطلاق ہوگا؟ واضح طور پر بیان فرمائیں؟

المستفتي: تمیز الدین، مدرسہ رحمانیہ محمود نگر،
سہاگ پور، شہڈول (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء کے یہاں عام طور پر صدقہ کا استعمال صدقہ نافلہ کیلئے ہوتا ہے، البتہ عوام صدقہ کا لفظ اکثر و بیشتر صدقہ واجبہ کیلئے استعمال کرتے ہیں، اور صدقہ واجبہ کا مصرف یہ ہے کہ اس کو فقراء اور مساکین کو دیکر مالک بنا دیا جائے۔

والغالب عند الفقهاء استعمال هذه الكلمة فى صدقة التطوع خاصة.

(الموسوعة الفقهية ٢٦/ ٣٢٣)

وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما فى القهستاني. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف

زکریا۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹)

بیماری کے صدقہ سے مراد اگر نذر رہے مثلاً یوں کہا کہ اگر میں بیماری سے شفا پا جاؤں تو ایک بکرا صدقہ کروں گا یا اتنا روپیہ صدقہ کروں گا تو اس صورت میں ان اشیاء کو فقراء پر صدقہ کرنا واجب ہے، اگر بیماری میں صدقہ کرتے ہیں، تو بکرا صدقہ کرنا درست نہیں، ہاں البتہ بکرے کی قیمت دینا درست ہے، اس کو ذبح کرکے اس کا خون بہانا جائز نہیں ہے۔

ولو قال إن برئت من مرضی هذا ذبحت شاة –إلیٰ– وأتصدق بلحمها فیلزمه . (الدر المختار مع الشامی، کتاب الأیمان، کراچی ۳/ ۷۳۹، ۷۴۰، زکریا دیوبند ۵/ ۵۲۳، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیو بند/ ۶۹۴)

اگر کوئی شخص یہ کہے یہ رقم صدقہ کی ہے اور مراد اس سے صدقہ واجبہ ہو تو اس کو تعمیرات میں لگانا جائز نہیں ہے۔

ولایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار . (شامی، زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴۴)

بیماری کا صدقہ اگر نذر کا ہو اسی طریقہ سے عام چیزوں کے صدقہ سے مراد صدقات واجبہ ہوں تو پھر اس کا فقراء اور مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر عام چیزوں کے صدقہ سے مراد صدقات نافلہ ہیں، تو پھر اس کو امیر وغریب ہر ایک کو دینا جائز ہے۔

واتفقوا علیٰ أنها تحل للغني لأن صدقة التطوع کالهبة فتصح للغني والفقیر . (الموسوعة الفقهیة ۲۶/ ۳۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

ماہ رمضان میں صدقہ وخیرات کا ثواب ستر گنا ملتا ہے

سوال: [۴۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض

چھوٹے مدارس ششماہی کے بعد اکثر مقروض ہوجاتے ہیں، اور ان کے لئے مدرسین کی تنخواہیں اور مطبخ چلانا مشکل ہوجاتا ہے، یا کوئی بہت ضروری تعمیر کرانے کی وجہ سے مقروض ہوگئے اب قرضہ کی ادائیگی بھی ضروری ہے اور مدرسہ کا جاری رکھنا بھی ضروری ہے، ایسے حالات میں اگر کسی اہل خیر سے زکوٰۃ یا عطیہ کی رقم کیلئے گذارش کی جاتی ہے، تو وہ اکثر یہ کہہ دیتے ہیں، کہ ''رمضان میں آیئے رمضان میں ایک کے ستر کا ثواب ملتا ہے، اہل خیر کی یہ بات حدیث کی روشنی میں درست اور صحیح ہے، اور ایک مؤمن کے نیکیوں کے خزانے کو جمع کرنے کا لالچ ہونا چاہئے، اسی جذبے کے پیش نظر ایسی باتیں کرتے ہیں۔

(۱) دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر کوئی اہل خیر مدارس کی سخت ضرورت پر رمضان کے علاوہ بیچ سال میں کوئی ضرورت پوری کردے، تو کیا اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ستر گنا سے زیادہ ثواب عطا فرمادے گا، کیا قرآن وحدیث میں ضرورت مند کی سخت ضرورت اور مدرسہ کو دینی تعلیمی نقصان سے بچانے پر ستر گنا سے زیادہ ثواب ملنے کی کوئی صراحت ملتی ہے۔

(۲) کیا خیر القرون میں حضرات صحابہ وغیرہم نے صرف رمضان ہی میں خرچ کرنے کا معمول بنا رکھا تھا، یا جب کوئی دینی ضرورت پیش آتی تھی ہر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے کا جذبہ رکھتے تھے، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تو آج کے لوگوں سے کہیں زیادہ نیکیوں کے کمانے میں حریص تھے، قرآن وحدیث میں اس سلسلہ میں کیا حکم ہے ضرورت پر خرچ کردینے میں جلدی کرنی چاہئے، یا رمضان کا انتظار کرنا چاہئے، امید کہ مزاج شریعت کے مطابق ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں گے؟

المستفتي: شکیل احمد قاسمی، خادم
مدرسہ قاسم العلوم فتح پور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات صحیح اور درست ہے کہ رمضان میں صدقہ وخیرات کا ثواب ستر گنا ملتا ہے، اسی طرح ہر عبادت کا ثواب ستر گنا ہوجاتا ہے، جیسا کہ

حدیث شریف میں موجود ہے۔

من أدى فريضة فيه كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه . (شعب الايمان ، باب فی الصيام ، فضائل شهر رمضان ، دارالكتب العلمية بيروت٣/٣٠٥، رقم: ٣٦٠٨، صحيح ابن خزيمه ، المكتب الاسلامی ٢/١٩١١، رقم: ١٨٨٧)

اب رہا سخت ضرورت کے موقع پر غیر رمضان میں صدقہ کرنے کا ثواب تو نصوص سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے، کہ جہاں ضرورت زیادہ ہو وہاں صدقہ وخیرات کرنے میں زیادہ ثواب ملتاہے، لیکن اس کی کوئی تحدید نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نیتوں کے اعتبار سے ثواب میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرتے جاتے ہیں۔

عن ابن عباس عن النبی ﷺ فيما يروى عن ربه قال: قال إن الله تعالىٰ كتب الحسنات والسيئات ثم بين ذلک فمن هم بحسنة فلم يعملها كتبها الله له عنده حسنة كاملة ، فإن هو هم بها فعملها كتبهاالله له بها عنده عشر حسنات إلىٰ سبع مائة ضعف إلىٰ أضعاف كثيرة . (بخاری شريف ، كتاب الرقاق ، باب من هم بحسنة أو بسيئة ، النسخة الهندية٢/٩٦١، رقم: ٦٢٤٢، ف: ٦٤٩١)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيْلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَةٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللهُ يُضٰعَفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ . (البقرة: ٢٦١)

اب رہی یہ بات کہ حضرات صحابہ کرام رمضان کے علاوہ میں بڑھ چڑھ کر خرچہ کرتے تھے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غزوہ تبوک رمضان میں پیش نہیں آیا ہے، بلکہ غیر رمضان میں پیش آیا ہے، یہ ایک ضرورت کا موقع تھا، اس لئے سب نے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر صدقہ وخیرات کرنے میں حصہ لیا ہے، جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے نمایاں ہے۔

عن زيد بن أسلم عن أبيه قال: سمعت عمربن الخطاب يقول أمرنا رسول اللهصلى الله عليه وسلم أن نتصدق ووافق ذلک عندي مالا

فقلت اليوم أسبق أبابكر إن سبقته يوماقال فجئت بنصف مالي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أبقيت لأهلک قلت مثله وأتىٰ أبوبكر بكل ما عنده فقال يا أبابكر ما أبقيت لأهلک فقال أبقيت لهم الله ورسوله قلت لا أسبقه إلىٰ شيء أبدا. (سنن الترمذی ، المناقب، النسخة الهندية ۲/۲۰۸، دارالسلام رقم: ۳٦۷٥، سنن أبي داؤد ، الزكاة، باب الرخصة فى ذلك ، النسخة الهندية ۱/۲۳٦،دارالسلام رقم: ١٦٧٨ ، مسند الدارمى ، دار المغني ۲/۱۰۳۳، رقم: ۱۷۰۱، المستدرك ،كتاب الزكاة، قديم ۱/٤١٤، مكتبه نزار مصطفى الباز۲/٥٨٤،رقم: ۱٥۱۰)

عن عبد الرحمن بن خباب قال شهدت النبى صلى الله عليه وسلم وهو يحث علىٰ جيش العسرة فقام عثمان بن عفان فقال يارسول الله ﷺ علي مائة بعير بأحلاسها و أقتابها فى سبيل الله ثم حض على الجيش فقام عثمان فقال يارسول الله صلى الله عليه و سلم ! علي مائتا بعير بأحلاسها وأقتابها فى سبيل الله ثم حض على الجيش ، فقام عثمان فقال: علي ثلاث مائة بعير بأحلاسها وأقتابها فى سبيل الله ﷺ، فأنا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ﷺ ينزل عن المنبر وهو يقول ما على عثمان ما عمل بعد هذه ماعلى عثمان ما عمل بعد هذه. (ترمذی شریف، المناقب ، النسخة الهندية ۲/۲۱۱، دارالسلام رقم: ۳۷۰۰)

اس لئے امید کی جاتی ہے کہ مسجد ومدارس وغیرہ کار خیر میں سخت ضرورت کے موقع پر خرچ کرنے میں انشاء اللہ زیادہ ثواب کی امید ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۰/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۸ھ

روزانہ صدقہ ضروری ہے یا اکھٹے کئی دنوں کا صدقہ کر سکتے ہیں؟

سوال: [۴۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنی جان اور مال کا صدقہ روز نکالتا ہے تو اس کو روزانہ ہی کسی کو دینا ضروری ہے یا ضرورت کے وقت اکھٹا کر کے بھی دے سکتا ہے، مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جان ومال کے صدقہ سے مراد اگر یہی ہے کہ صدقہ سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور اس نیت سے صدقہ نکالا جاتا ہے، کہ اللہ ہماری جان ومال کی حفاظت فرمائیں گے تو ایسے صدقہ کو موقع بموقع غریبوں اور فقیروں کو دیتے رہا کریں اختیار ہے کہ اکھٹا دیدیں یا تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف فقیروں کو دیتے رہا کریں اس بارے میں صاحبِ صدقہ کو اختیار ہے۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنه ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : إن الصدقة لتطفئ غضب الربّ و تدفع میتة السّوء . (جامع الترمذي، کتاب الزکاۃ باب في فضل الصدقة ۱/ ۱٤٤، دارالسلام رقم:٦٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۷/۲ھ

اہل قرابت کو بغیر بتائے صدقہ خیرات کا حکم

سوال: [۴۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جان کا صدقہ یا مال کا صدقہ یا نذر کا صدقہ اور صدقہ میں جو کچھ بھی ہو کپڑے یا کھانے پینے کا سامان یا پیسہ یا چیزیں بھائی بہن کو، بہن بھائی کو، بہن بہن کو چھوٹے ہوں یا بڑے صاحب استطاعت ہوں یا نہ ہوں بغیر بتائے ہوئے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل ومفصل

جواب سے نوازیں کرم ومہربانی ہوگی؟

المستفتي: عبدالرحمٰن،

جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بھائی بہن ایک ساتھ نہ رہتے ہوں ان کی الگ الگ فیملی ہوتو ان میں سے جو فقیر اور نادار ہوں ان کو صدقہ کر سکتے ہیں اور صدقہ نام ہے غریبوں اور فقیروں کی ضرورت پوری کرنے کا یا غریبوں اور فقیروں کو دینے کا لہٰذا صدقہ کا پیسہ مالدار اور سرمایہ دار کو دینا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۰۲/۴، جدید زکریا مطول ۲۹۵/۶)

الأصل أن الصدقة تعطى للفقراء والمحتاجين وهذا هو الأفضل كما صرح به الفقهاء وذلک لقوله تعالیٰ: ''أو مسكيناً ذامقربة''. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٣٢/٢٦)

لأن الهبة للفقير صدقة والصدقة يراد بها وجه الله تعالیٰ وهو واحد فلا يشوع لاالغنيين لأن الصدقة على الغني هبة فلا تصح للشيوع أي تملک حتى لو قسمها وسلمها صح الخ. (الدرالمختار مع الشامی، زكريا٥٠٣/٨، كراچی ٦٩٨/٥)

وما أخرجه للصدقة لايكون صدقة إلا بالدفع إلىٰ للفقير. (خانية على هامش الهندية، كتاب الهبة، فصل في الصدقة زكريا ٢٨٤/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۴/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۵۴/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۴/۱۴۱۳ھ

آمدنی کا چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر نکالنے کی نیت کی اس کا مصرف

سوال: [۴۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں

نے اپنے کاروبار میں یہ نیت کی کہ جو آمدنی ہوگی اس کا چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر نکالوں گا، اس پیسہ کا کیا کرنا ہے؟ اور کہاں خرچ کرنا افضل ہے؟

المستفتي: زاہد حسین، سیڈی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ صاحب نصاب نہیں ہیں تو کہیں بھی کار خیر میں دے سکتے ہیں، مثلاً مسجد کی ضروریات یا مدارس یا فقراء میں کہیں بھی خرچ کر سکتے ہیں اور اگر آپ صاحب نصاب ہیں تو چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ کے نکالکر فقیر مستحق زکوٰۃ کو دیدینا واجب ہے، اور اس طرح ہر سال ایک بار نکالنا واجب ہے، اور یہ رقم مسجد وغیرہ میں لگانا بھی جائز نہ ہوگا۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ . (التوبہ: ٦٠)

ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد . (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند٣/ ٢٩١، كراچی ٢/ ٣٤٤، تبيين زكريا٢/ ١٢٠، امداديه ملتان ١/ ٣٠٠، هنديه ١/ ١٨٨، جديد زكريا ١/ ٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۴/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۴/۱۴۱۳ھ

اصول وفروع کو کون سا صدقہ دے سکتے ہیں؟

سوال: [۵۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اصول وفروع کو زکوٰۃ تو نہیں دے سکتے کیا صدقہ بھی نہیں دے سکتے یا اس میں صدقۂ واجبہ نافلہ کی کوئی تفصیل ہے؟

المستفتي: زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ اصول وفروع کو دینا جائز نہیں ہے، البتہ صدقۂ نافلہ دیا جا سکتا ہے، بلکہ دینا بہتر ہے کیونکہ اس میں صلہ رحمی اور صدقہ دونوں کا ثواب ہے۔

ولا یصح دفعها لکافر وغنی یملک نصابا إلیٰ قوله وأصل المزکی وفرعه. (مراقی الفلاح علی حاشیة الطحطاوی، دارالکتاب دیوبند/ ٧٢٠)

قال ابو حنیفةؒ: لا تتأدی الزکاة بدفعها إلیٰ من له قرابة الأولاد أو الزوجیة وأما النافلة ففیها أجران أجر القرابة وأجر الصدقة . (العرف الشذی علی جامع الترمذی، النسخة الهندیة ١/ ١٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١ر رجب ١٤٢٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٩٣٧٢/٣٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٩/٧/٢١ھ

ضرورت مند سید کو نفلی صدقہ دینا

سوال: [٤٦٦١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سید اگر نہایت ضرورت مند ہو تو نفلی صدقات اس کو دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد اعجاز، محمد زبیر، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سید کو نفلی صدقہ وخیرات دینا (جس کو امداد کے نام سے تعبیر کرتے ہیں) مطلقاً جائز ہے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ٩/٦٤٣)

قوله وبنی هاشم قال المصنف فی الکافی وهذا فی الواجبات کالزکاة والنذر والعشر والکفارة أما التطوع والوقف فیجوز الصرف

إليهم. (البحرالرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند٢/٤٣٠، ٢/٢٤٦)

وانما تحرم على هؤلاء الصدقة الواجبة من العشور والنذر والكفارات فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس . (المحيط البرهاني ، كوئٹه٢/٤٣٤، المجلس العلمي بيورت٣/٢١٥، رقم: ٢٧٩٢، الفتاوىٰ التاتاخانية ٣/٢١٤، رقم: ٤١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨ ربیع الاول ١٤٣١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٩٩٢٦/٣٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣١/٣/٨ھ

امام کی تنخواہ کیلئے چندہ

سوال: [٤٦٦٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام کی تنخواہ کیلئے ماہانہ یا فصلانہ فی گھر یا فی شادی شدہ کچھ رقم یا اناج مقرر کر لینا اس میں بھی بلا امتیاز امیر وغریب وصول کرنا اگر کوئی نہ دے تو میٹنگ وغیرہ میں اس کا اعلان کرنا اسکے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: الطاف الرحمٰن،
مدرسہ اختر العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ماہانہ وفصلانا تنخواہ کیلئے اہل مسجد پر رقم مقرر کر دینا جائز ہے، تاکہ بآسانی مسجد کی ضرورت، امام ومؤذن کی تنخواہوں کا انتظام ہو سکے لیکن اس میں غریب ونادار لوگوں سے نہ لیا جائے، صرف صاحب حیثیت لوگوں پر ہی یہ بار برداشت کرنا ضروری ہے اور نہ ہی نادار شخص کو اس سلسلہ میں ذلیل کرنا جائز ہے۔

عن عمرو بن يحي المازني عن أبيه ان رسول الله صلى الله عليه

وسلم قال: لا ضرر ولا ضرار . (مؤطا امام مالك، النسخة الهندية / ۱ ۱ ۳)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۷۱۹)

پرانے کپڑوں کا مصرف

سوال: [۴۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ دور میں کوئی پیوند لگا ہوا کپڑا نہیں پہنتا پرانے کپڑوں کا مصرف کیا ہے، یہاں کوئی لینے والا نہیں، یہاں نئے نئے کپڑے بھی پھینک دیئے جاتے ہیں؟

المستفتي: شفیع احمد الاعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو پرانے کپڑے اور نئے نئے کپڑے پھینک دیئے جاتے ہیں، ان کے مصرف فقراء ہیں، آپ کے یہاں مصرف نہیں ہے، تو ہمارے یہاں ارسال کردیجئے یہاں نادار طلبہ بہت ہیں، نیز عوام فقراء بھی بہت ہیں۔

إنما الصدقات للفقراء والمساكين. (سورة التوبة: ٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۸۹)

نفلی صدقات کی رقم سے وکیل عالم دین کا کتابیں خریدنا

سوال: [۴۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی صاحب کسی عالم کو نفلی صدقات کے پیسے یہ کہہ کر دیں کہ آپ ان پیسوں کو کہیں بھی بہتر جگہ

لگاسکتے ہیں، کیا وہ عالم ان پیسوں کی کتابیں خرید کر اپنے پڑھنے کیلئے رکھ سکتا ہے؟

المستفتي: محمد ایوب، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نفلی صدقات کے پیسے عالم دین کو یہ کہہ کر دینا کہ کہیں بھی بہتر جگہ لگا سکتے ہیں تو ایسی صورت میں اس عالم کیلئے دینی کتابیں اپنے پڑھنے کیلئے خریدنا بھی جائز ہے، اوراس کے علاوہ کہیں بھی بہتر جگہ خرچ کرنے کی بھی اجازت ہے، وہ عالم دین چاہے مالدار ہو یا غریب ہر طرح سے جائز ہے۔

فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به وفي الفتاوىٰ العتابية: وكذلك يجوز النفل للغني. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الزكوٰة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، كوئٹه ٢/٢٧٥، زكريا ديوبند٣/٢١٤، رقم: ٤١٥٥)

ولو قال ضعها حيث شئت جاز وضعها في نفسه. (حاشية چلپى، كتاب الزكاة، باب المصرف، مكتبه امداديه ملتان ١/٣٠٥، زكريا ديوبند ٢/١٣٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۷۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱/۹ھ

چندہ کرنے والوں کا صدقہ کی رقم سے تیار کردہ کھانا خود کھانا کیسا ہے؟

سوال: [۴٦٦۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند لوگوں نے صدقہ کرنے کیلئے چندہ کیا اس چندہ کی رقم سے کچھ ماکولات تیار کیں تو یہ ماکولات چندہ کرنے والے حضرات کھا سکتے ہیں، یا سارا کا سارا مستحقین حضرات ہی کھائیں گے؟

المستفتي: عبداللہ، مقبرہ دوئم،

کیت والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریبوں کے نام سے چندہ کر کے خود کھانا یا مالدار کو کھلانا ہرگز جائز نہیں، اگر اس طریقہ سے کیا جاتا ہے تو اس عنوان سے چندہ کرنا بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا جس غرض کو بتا کر چندہ کیا ہے،، اسی غرض میں چندہ شدہ پیسہ خرچ کرنا لازم ہے، ورنہ چندہ کرنے والے گنہ گار ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۳۲۴)

ومنه أنه أمين فيما في يده كالمودع. (هنديه، زكريا ديوبند ٣/٥٦٧، جديد زكريا ٣/٤٨٢)

وقيام الوكيل مقام الموكل فيما وكله به. (هنديه، كتاب الوكالة زكريا ٣/٥٦٦، جديد زكريا ٣/٤٨٢، كتاب الوكالة) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ

ہندو کو صدقہ وخیرات دینا

سوال: [٤٦٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خیرات وصدقہ کیا ہندو کو دینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالواحد، چوراہا گلی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ہندو کو زکوٰۃ وعشر وخراج کے علاوہ صدقہ فطر اور دیگر نفلی خیرات صدقہ دینا درست ہے۔

ويدفع إليه ماسوى ذلک من الصدقة الخ. (هداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، المكتبة الأشرفية ١/٢٠٥، مكتبه بلال ١/٢٢٢)

وجاز دفع غيرها و غير العشر والخراج إليه أى الذمى ولو واجبا كنذر وكفارة وفطرة الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف مطلب فى الحوائج الاصلية زكريا ۳/۳۰۱، كراچی ۲/۳۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۳/۱۷ھ

کافر کو کون سا صدقہ دے سکتے ہیں؟

سوال: [۴۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقات میں کون سا صدقہ کافر کو دینا جائز ہے؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی، ستیاپور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کافر کو زکوٰۃ کے علاوہ تمام صدقات دے سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لايجوز دفع الزكوٰة إلى ذمي وصح دفع غير الزكوٰة من الصدقات إلى الذمي كصدقة الفطر والكفارات. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۲/۱۱۹، امدادیہ ملتان ۱/۳۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۴/۲/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۵ھ

فسادزدگان کیلئے جمع شدہ رقم کو دوسرے مد میں صرف کرنا

سوال: [۴۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر

مرادآباد سے چندنو جوانوں نے پچھلے فساد میں جب بجنور میں زبردست فساد ہوا تھا، اس وقت ۶۵/ ہزارروپیہ کی رقم جمع کی تھی، اس میں سے ۱۷/ ہزار کی رقم بجنور ریلیف فنڈ میں پہنچادی گئی اب باقی رقم دفاعی کام میں لگا سکتے ہیں، یا پھر کسی غریب لڑکی کی شادی میں یہ رقم لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جنھوں نے یہ رقم جمع کی تھی، ان کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: اشتیاق حسین، محلّہ مقبرہ دوئم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مد کیلئے چندہ کی رقم جمع کی گئی ہے، اسی مد میں خرچ کرنا لازم ہوگا، لہٰذا مذکورہ شکل سوالنامہ میں ذکر کردہ رقم لڑکی کی شادی میں خرچ کرنے کیلئے مالک رقم اور چندہ دہندگان سے اجازت لینا لازم ہوگا، بغیر اجازت جائز نہ ہوگا۔

استفید من عبارة الأشباه يبعث شمعا في شهر رمضان إلیٰ مسجد فاحترق وبقي معه ثلثه أو دونه ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذه بغير إذن الدافع الخ. (الاشباہ قدیم /۱۵۲، جدید زکریا / ۲۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/ رجب ۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۴۴/۲۹)

کسی شخص کا اللہ کے نام پر سوال کرنا

سوال: [۴۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص اللہ کے نام پر سوال کرتا ہے، حالانکہ اس کے پاس اتنا مال ہے، جو اس کے لئے اور اس کے اہل وعیال کیلئے ایک دوروز تک کافی ہوگا، یا عرصۂ دراز تک کافی ہوگا، تو کیا اس کا سوال کرنا اور ہمارا اس کو دینا باعث ثواب اور درست ہے؟

المستفتي: محمد رضوان بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دھتکار کر خالی ہاتھ واپس کردینا بھی ممنوع ہے، اسلئے ایسے مانگنے والے لوگ جن کے بارے میں معلوم ہے کہ ان کے پاس ضرورت کیلئے موجود ہے لیکن مانگنے کے عادی ہیں، ان کو دیتے وقت صدقہ خیرات کا ارادہ نہ کیا جائے، بلکہ ہبہ کی نیت سے انکو کچھ دیدیا جائے، مانگنے کا گناہ ان پر ہوگا، دینے والے پر نہیں اور اگر انکے حالات پر مکمل واقفیت نہیں ہے، تو صدقہ خیرات کے ارادہ سے جو چاہے دے سکتا ہے۔ (مستفاد: دارالعلوم ۶/ ۲۰۳)

وبالهبة للغني أو لمن لا يكون محتاجاً إليه لايكون آثما. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۳/ ۳۰٦، كراچى ۲/ ۳۵٥، البحر الرائق، قبيل باب صدقة الفطر زكريا ديو بند ۲/ ٤۳۷، كوئٹه ۲/ ۲٥۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ۶/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۷۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۶/ ۱۴۲۳ھ

پیشہ ور فقیر کا ایک دن کا رزق ہونے کے باوجود سوال کرنا

سوال: [۴۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیشہ ور فقیر جو گھر گھر جا کر مانگتے ہیں ان میں سے تقریباً ہر ایک کے پاس ایک دن کے بقدر رزق بھی ہوتا ہے، اور ان میں سے بہت سے تندرست بھی ہوتے ہیں، جو کما کر کھا سکتے ہیں، جبکہ حدیث شریف کے اندر ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کے پاس ایک دن کے بقدر رزق ہو اس کیلئے سوال کرنا درست نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف/ ۱۶۳)

اسی طرح درمختار زکریا ۳/ ۳۰۶ پر ہے کہ ایسے شخص کو دینے والا گنہگار ہوگا، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ پیشہ ور فقیر جن کے پاس ایک دن کے بقدر رزق ہوتا ہے، ان کا سوال کرنا کیسا ہے؟ اور ان کو دینے والے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اگر گنہگار ہوں

گے تو گھر والوں کو ان کو دینے سے منع کیا جائے گا یا نہیں؟ جبکہ ہمارے علاقہ میں تقریباً ہر گھر والے کچھ نہ کچھ دیتے ہیں۔

نیز حدیث کے اندر جو سوال کرنیکی ممانعت آئی ہے، اس کا تعلق صرف زکوٰۃ کے سوال کرنے سے ہے یا مطلقاً سوال کرنے کی ممانعت ہے؟

المستفتي: محمد ہاشم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دھتکار کر خالی ہاتھ واپس کر دینا بھی ممنوع ہے اسلئے ایسے مانگنے والے لوگ جن کے بارے میں معلومات ہے کہ ان کے پاس ضرورت کیلئے موجود ہے لیکن مانگنے کے عادی ہیں، ان کو دیتے وقت صدقہ خیرات کا ارادہ نہ کیا جائے بلکہ ہبہ کی نیت سے دیدیا جائے، اور مانگنے کا گناہ ان پر ہوگا، دینے والے پر نہیں اور اگر ان کے حالات پر مکمل واقفیت نہیں ہے، تو صدقہ خیرات کے ارادہ سے جو چاہے دے سکتے ہیں، اور حدیث شریف میں جو سوال کی ممانعت آئی ہے، وہ مطلق مانگنے کے متعلق ہے، زکوٰۃ کی قید نہیں۔ (مستفاد: دارالعلوم ۶/۲۰۳)

وبالهبة للغني أو لمن لايكون محتاجاً إليه لايكون اٰثما. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳۵۵، زكريا ۳/۳۰۶، البحرالرائق، قبيل باب صدقة الفطر زكريا ديوبند ۲/۴۳۷، كوئٹه ۲/۲۵۰)

حرم السؤال على من يملك مايغنيه عنها من مال أو قدرة على الكسب سواء كان مايسئله زكوٰة أو تطوعاً أو كفارة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۴/۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۶/۱۴۲۳ھ

طلبۂ علوم دینیہ پرخرچ کرنا صدقہ ہے جس سے رجوع جائز نہیں

سوال: [۴۶۷۱]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگرکسی آدمی نے مدرسہ دینیہ میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم پراپنی مرضی سے کچھ خرچ کیانیز خرچ کرنے والے نے طالب علم سے کہدیا تھا، کہ اگر کچھ ضرورت پیش آئے تو مجھے کہنا تواسی کے مطابق طالب علم نے اپنی ضرورت ظاہر کی اورخرچ کرنے والے نے کبھی کبھارتعاون کیا، لیکن بعدمیں دونوں کے درمیان کچھ ان بن ہوگئی، جس کی وجہ سے خرچ کرنے والے نے طالب علم پرعدالت میں مقدمہ دائرکردیا، جس میں اپنے دئے ہوئے روپیہ کو واپس دینے کا طالب علم سے مطالبہ کیا گیاہے، تو کیا خرچ کرنیوالے کے لئے خرچ شدہ روپیہ لینے کا اختیار ہے؟ اسلامی شریعت کی روسے کیاایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتي: محمداسلام، مقام کرنا،
پوسٹ: بال منڈور، گڈا۔ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدارس دینیہ کےطلبہ پرخرچ کرنابمنزلۂ صدقہ کے ہے، اورصدقہ میں رجوع شرعاً جائزنہیں ہے۔

إذا أعطى سائلاً أو محتاجاً على وجه الحاجة ولم ينص على الصدقة فلا رجوع فيه استحساناًالخ. (عالمگیری، کتاب الهبة، الباب الثانی عشر فی الصدقة، کوئٹه وزکریا ۴/ ۴۰۶، جدید زکریا ۴ /۴۳۵)

لارجوع فی الصدقة لأن المقصود هو الثواب وقد حصل.
(هدایه، اشرفی ۳ /۲۷۷)

(وقوله) وكذا إذا وهب لفقير لأن المقصود هو االثواب وقد حصل الخ. (هدایه، اشرفی بکڈپوردیوبند۳/ ۲۹۳، ۳/ ۲۷۷)

تو معلوم ہوا کہ اگر کچھ ہبہ بھی تھا تب بھی رجوع جائز نہیں ہے، کیونکہ فقیر پر ہبہ صدقہ کے حکم میں ہے، لہٰذا خرچ کرنے والے کا مذکورہ مطالبہ اور مقدمہ دائر کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۴۸)

نذر وغیرہ صدقات کے گوشت کو خریدنا

سوال: [۴۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ قیمت دیکر مدرسین نذر وغیرہ صدقات کے گوشت کو خرید کر اپنے گھریلو کام میں لگا سکتے ہیں؟

المستفتي: مولانا عبداللطیف صاحب، مدرسہ اسلامیہ، منشی ہاٹ، چاندی ہاوڑہ، ویسٹ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب طلبہ اور فقیر کو مالک بنانے کے بعد پھر ان کے ہاتھ قیمت دیکر خریدنے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة الخ. (الدرالمختار، زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۷۳)

کیا مسجد کیلئے استنجاء خانہ بنانا صدقہ جاریہ ہے؟

سوال: [۴۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

مسجد وغیرہ کیلئے استنجاء خانہ وغیرہ کا بنانا ایسی زمین پر جو مسجد کی نہیں ہے، صدقہ جاریہ میں شامل ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: محمد اویس، جامعہ ملیہ، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص کسی زمین کا مالک ہوا اور وہ اپنی ملکیت کی زمین میں مسجد کے قریب اس طرح استنجاء خانہ وغیرہ بنوائے کہ اس کی بدبو مسجد میں نہ جائے اور مصلیوں ومسافروں کو اس بیت الخلاء سے آسانی ہوجائے تو یہ صدقہ جاریہ ہوگا۔

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار - هذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة فأما التطوع فيجوز الصرف إليهم. (عالمگیری، باب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف زکریا وکوئٹہ ۱/۱۸۸، ۱/۱۸۸- ۱۸۹، جدید زکریا ۱/ ۲۵۰- ۲۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۸۰/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۲۳ھ

مظلومین کے لئے جمع شدہ رقم مسجد ومدرسہ میں دینا؟

سوال: [۴۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مظلومین میرٹھ کیلئے چندہ عام کر کے رقم جمع کی گئی تھی، جس میں مختلف مدات زکوٰۃ، فطرہ، امداد وغیرہ ہے، جب لوگ میرٹھ گئے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ رقم لے کر جوا کھیلتے ہیں، یا شراب نوشی یا ٹی وی لے آتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس جمع شدہ رقم کو بعد التملیک کسی مدرسہ میں جس میں علوم قرانیہ کی تعلیم ہوتی ہو، اس کے تعمیری کام میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بالتفصیل جواب

سے مطلع فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: عبداللہ، حیات نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ فطرہ وغیرہ صدقہ واجبہ میرٹھ جیسے بحرانی مظالم کیلئے دینا جائز نہیں کیونکہ ان میں بہت سے لوگ سادات میں سے ہونگے اور بہت سے غنی ہونگے جس کے پاس مثلاً دس لاکھ روپیہ ہو اور اسمیں سے پانچ یا نو لاکھ ہلاک ہوجائیں تو وہ مظلوم تو ہے لیکن فقیر غریب صاحب مصرف نہیں جسکا ثبوت سوال نامہ سے ظاہر ہورہا ہے، اس لئے وہاں صرف نفلی امداد دینا جائز ہوسکتا ہے، اسلئے جمع شدہ رقم میں سے جو رقم زکوٰۃ فطرہ و چرم قربانی وغیرہ کی ہو وہ فقراء اور نادار طلبہ کو دے دی جائے، یا تملیک صحیح کے بعد مدارس کی ضروریات میں صرف کی جائے اور جو امدادی رقم ہے وہ میرٹھ کے حقیقی مظالم پر تحقیق کر کے صرف کرنا ضروری ہے، کسی اور جگہ جائز نہ ہوگا۔

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبةٌ الخ. (شامی، کراچی ٤/٤٦٥، زکریا٦/٦٦٥)

معلوم ہوا کہ وہاں کے مظالم کے ویران مکانات کی تعمیر بڑی ذمہ داری اور انتظام کے ساتھ ہورہی ہے، اسلئے امدادی رقم وچندہ دہندگان کی غرض کے مطابق وہاں بھیجنا واجب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۸۸)

نفلی حج بدل سے بہتر تعمیر مدرسہ

سوال: [۴۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ والد صاحب مرحوم اپنی زندگی میں دو حج کر چکے تھے، امسال والد صاحب کا انتقال ہوگیا، میرے

چھوٹے بھائی کا ارادہ تھا کہ والد صاحب کی طرف سے حج بدل کرادے، اور میری اپنی رائے یہ ہے کہ اس رقم کو مدرسہ وغیرہ کی تعمیر میں صرف کردے یہ زیادہ بہتر ہے، تو یہ فرمائیں کہ افضل کیا امر ہے؟ اور اسمیں یہ بھی تحریر فرمائیں کہ مدرسہ کی تعمیر میں صرف افضل ہے یا مسجد کی؟

المستفتي: نواب علی، ہلدوانی، ضلع نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر والد صاحب مرحوم نے اپنی طرف سے نفلی حج کی وصیت کی ہے تو حج پہلے کر لینا افضل ہوگا، اور اگر کوئی وصیت نہیں کی ہے، تو دینی مدرسہ کی تعمیر میں والد صاحب کی طرف سے خرچ کرنا زیادہ افضل ہوگا، جو صدقۂ جاریہ ہے، کیونکہ میت کی طرف سے بلا وصیت نفلی حج ادا نہیں ہوگا، بلکہ صرف ثواب پہونچانے سے ثواب پہونچتا ہے۔

إذا مات الإنسان انقطع عمله إلا من ثلثة إلا من صدقة جارية الحديث: (مسلم شريف، النسخة الهنديه ۲/ ٤۱، رقم: ۱٦۳۱)

وفي المرقات: يجري نفعها فيدوم أجرها كالوقف في وجوه الخير (قوله) قال أكثرهم هي الوقف وشبهه مما يدوم نفعه الخ. (مرقات المفاتيح، كتاب العلم، الفصل الاول بيان العلم المنتفع به، مكتبه ۱/ ۲٦۹)

وكذلك الصدقة الجارية وهي الوقف الخ. (نووی، النسخة الهندية ۲/ ٤۱، بذل المجهود ٤/ ۱۰۰)

ويقع الحج المفروض الخ. أما النفل يقع عن المأمور اتفاقا وللآمر ثواب النفقة الخ. (شامی، كتاب الحج، باب الحج، عن الغير مطلب في الاستئجار على الحج زكريا ٤/ ۲۰، كراچی ۲/ ٦۰۲، كوئٹه ۲/ ۲٦۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۲/۲۴)

مرحوم والد کے نام سے صدقہ کرنے کی بہتر صورت

سوال: [۴۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے والد کا انتقال ہوا وہ شخص اپنے والد محترم کے نام سے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہے تو اس کی بہتر صورت کیا ہوگی، آیا وہ رشتہ داروں کو صدقہ دیدے یا مدارس پر یا کھانا پکا کر لوگوں کو کھلا دے تفصیل کے ساتھ جواب دیں؟

المستفتي: ایس کے بابر علی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقہ نام ہے فقراء اور مساکین کی ضرورت پوری کرنے کا اور آجکل کے زمانہ میں ضرورت پوری ہونے کی سب سے بہترین چیز پیسہ ہے، نیز اگر قریبی رشتہ داروں میں مفلس اور قلاش موجود ہیں، تو ان کو دینے میں زیادہ ثواب ملتا ہے، اگر قریبی رشتہ داروں میں محتاج فقیر نہیں ہیں، تو دوسرے لوگوں میں سب سے محتاج ترین لوگوں کو صدقہ کیا جائے، اور مدرسہ میں بھی اسکا مصرف ہوتا ہے، جو مدرسہ زیادہ غریب ہے، اس کو دینے میں زیادہ ثواب ملیگا۔

ويستحب أن يتصدق على الميت بعد الدفن إلىٰ سبعة أيام بشيء مما تيسر. (طحطاوی علی المراقی قدیم / ۳۳۹، دارالکتاب دیوبند/ ۶۱۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۰۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۲۹ھ

اولاد والدہ کا حج بدل کروائے یا اتنی رقم صدقات جاریہ میں لگادے؟

سوال: [۴۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک

عجوزہ معذورہ نصاب کی مالک نہیں ہے اور نہ ہی اس پر حج فرض ہے، اسکی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے بے حد مال دے رکھا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ اولاد اپنی ماں کا حج بدل کروائے یا اتنی رقم کسی مسجد یا مدرسہ میں صدقۂ جاریہ کی نیت سے لگادے دونوں میں افضل کیا ہے؟

المستفتي: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب ماں پر حج فرض نہیں ہے تو ماں کی طرف سے حج بدل کرانے کے مقابلہ میں افضل یہ ہے کہ اتنی رقم کسی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کردی جائے جو صدقہ جاریہ بن جائے اور برابر ثواب ملتا رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۴۲۹، جدید)

عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ سبع يجرى للعبد أجر هن من بعد موته وهو في قبره: من علم علما، أو كرىٰ نهر اً، او حفر بئرا، أو غرس نخلا، أو بنى مسجداً، أو ورث مصحفاً، أو ترك ولدا يستغفرله بعدموته.

(مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۳/۴۸۳، ۴۸٤، رقم:۷۲۸۹)

الصدقة أفضل من الحج تطوعاً كذا روى عن الإمام لكنه لماحج وعرف المشقة أفتى بأن الحج أفضل ...... قال الرحمتى و الحق التفصيل فما كانت الحاجة فيه أكثر و المنفعة فيه أشمل فهو الأفضل وكذا بناء الرباط إن كان محتاجاً إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل وإذا كان الفقير مضطراً أومن أهل الصلاح أو من آل بيت النبى صلى الله عليه وسلم فقد يكون إكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط. (شامى، كتاب الهدى، مطلب فى تفصيل الحج على الصدقة كراچى ۲/۶۲۱، زكريا ٤/٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۶۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۲۹ھ

منظوری نہ ملنے کے سبب حج بدل کی رقم کو صدقہ جاریہ میں لگانا

سوال: [۴۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر ایک عمر رسیدہ شخص ہے بسبب ضعف پیرانہ سالی قریب کا سفر بھی کرنے سے معذور ہے، چند سال قبل اپنے والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کرا چکا ہے تین سال سے کوشاں ہے کہ والدہ مرحومہ کی طرف سے بھی حج بدل ہو جائے، دوسال سے درخواست ڈلواتا ہے، لیکن حکم ربی نامنظور ہو جاتی ہے، اب عمر کی زیادتی کے سبب زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، اور جو رقم حج بدل کیلئے مخصوص کر چکا ہے ہوسکتا ہے بلکہ قوی امید ہے کہ بکر کی موت کے بعد وہ رقم خرد برد ہو جائے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رقم کو از روئے شرع حج بدل کے علاوہ کن کن شرعی کاموں میں صرف کیا جا سکتا ہے، جس سے کہ بکر کی والدہ مرحومہ کیلئے صدقہ جاریہ بن جائے شرعی تحقیق کے پیش نظر بالتفصیل جواب سے نوازیں؟ ممنون ہوں گا؟

المستفتي: حاجی محمد شاہ، محلّہ پٹی گھوسی پورہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی والدہ پر حج فرض نہیں تھا، اور نہ ہی انھوں نے آپ کو حج کی وصیت کی تھی اور آپ بخوشی اپنے پیسے سے والدین کو ثواب پہونچانے کی غرض سے ان کی طرف سے حج کرانے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں، اور تین سال سے مسلسل درخواست دینے کے باوجود منظوری نہیں آرہی ہے، اور آپ نے والدہ ہی کے ایصال ثواب کیلئے اس پیسے کو خرچ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تو اس کیلئے بہتر شکل یہی ہے کہ کسی مسجد کی تعمیر میں وہ پیسہ خرچ کردیں جن غریب علاقوں میں مسجد کی تعمیر رکی ہوئی ہے، اس میں مسجد کا لینٹر ڈلوادیں یا فرش بنوادیں اسی طرح کسی مدرسہ میں کوئی درسگاہ بنوادیں تو یہ ایصال ثواب اور صدقہ جاریہ کیلئے بہترین طریقہ ہے۔

عن ابي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: إذا مات الانسان إنقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح

یدعو لہ . (صحیح مسلم ، باب مایلحق حق الإنسان من الثواب بعد وفاتہ ، النسخۃالھندیۃ ۲ /۴۱ ، بیت الافکار رقم: ۱۶۳۱)

عن أنس قال: قال رسول اللہ ﷺ سبع یجری للعبد أجر ھن من بعد موتہ وھو في قبرہ: من علم علماً، أو کریٰ نھر اً ، أو حفر بئرًا، أو غرس نخلاً، أو بنی مسجداً، أو ورث مصحفاً، أو ترک ولداً یستغفر لہ بعد موتہ.

(مسند البزار، مکتبہ العلوم والحکم۱۳ /۴۸۳، ۴۸۴، رقم:۷۲۸۹)

کما استفید بعبارۃ رد المحتار أفتی بہ الإمام أبو شجاع والإمام الحلوانی وکفی بھما قدوۃ ولا سیما فی زما ننا فإن المسجد أو غیرہ من رباط أو حوض إذا لم ینقل یأخذ انقاضہ اللصوص والمتغلبون کما ھو مشاھد وکذلک أوقافہ یأکلھا النظار أو غیرھم ویلزم من عدم النقل خراب المسجد الآخر المحتاج إلیٰ النقل إلیہ . (شامی، کتاب الوقف ، مطلب فی نقل انقاض المسجد و نحوہ، کراچی ۴ /۳۶۰، زکریا۶ /۵۵۰)

فیجوز صرف الزائد إلیٰ إنشاء مدرسۃ ونشر علم ، وإن لم یکن من شرط الواقف وعبارۃ الخانیۃ فیہ صریحۃ ، وإن کان قید ھا صاحب المھدیۃ بغیر وقف المسجد الخ. (معارف السنن ، اشرفی بکڈپو دیو بند ۳ /۳۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۷۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۱؍۱۴۳۰ھ

جان کے بدلے جان کی نیت سے جانور ذبح کرنا

سوال: [۴۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/ ۱۱۸ پر درج ہے۔

عوام وخواص میں دستور رہے کہ بیماری کی صحت کی غرض سے بکرا ذبح کرتے ہیں، اور

بظاہران کی نیت فدیہ کی ہوتی ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا یہ جواب مندرجہ ذیل ہے۔

امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۰ پر ہے اگر کوئی بیمار ہوجائے یا کوئی حادثہ پیش آجائے تو بطور جان کا بدلہ جان جانور ذبح کرنے کو دفع مصائب کا سبب وذریعہ سمجھ کر جانور ذبح کر کے گوشت فقراء میں تقسیم کردیتے ہیں، حضرت تھانویؒ نے ایسے جانور کو ناجائز اورحرام لکھا ہے، غریبوں کیلئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، بظاہران دونوں قولوں میں تضاد سمجھ میں آرہا ہے، لہٰذا گزارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ تسلی بخش جواب مرحمت فرما کر مشکور ہوں۔

المستفتي: جمیل احمد قاسمی،

بازار پہاڑی، دروازہ، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں ہے کہ صدقہ سے بلائیں ٹلتی ہیں، اسی لئے مصیبت کے وقت صدقہ کردینا چاہئے، تاکہ بلاٹل جائے، اس میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ صدقہ کسے کہا جاتا ہے، تو شریعت میں صدقہ فقراءاور غریبوں کی ضرورت پوری کرنے کو کہا جاتا ہے، اور فقیر وغریب کی ضرورت سب سے زیادہ روپئے پیسے کے ذریعہ پوری ہوتی ہے، لہٰذا یہی اصل صدقہ ہے، جانور کے خون بہانے کا نام صدقہ نہیں ہے، اگر فقیر کو گوشت ہی کھلانا ہے، تو بکرے کا گوشت کھلانا کہاں سے سمجھا جاتا ہے، فقیر کیلئے تو سبزی ترکاری، دال، روٹی، ہی مشکل سے ملتی ہے، اور سرمایہ دار بھی بکرے کا گوشت مہنگائی کی وجہ سے نہیں کھاتے، غریب کو کٹرے کا گوشت بھی نہیں ملتا؛ بالفرض اگر گوشت ہی کھلانا ہے تو بازار سے لاکر ہانڈی پکا کر کھلا دیا جائے، اور دیکھنے میں یہ آتا ہے، کہ ہانڈی پکا کر نہیں کھلایا جاتا، بلکہ جو بکرے ذبح کرتے ہیں، وہ گوشت ہی تقسیم کرتے ہیں، ہانڈی نہیں پکاتے، اور خود بھی اس کا گوشت نہیں کھاتے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، کہ بیماری اور دفع بلاء کیلئے جو جانور ذبح کرتے ہیں، تو ذبح کرنے والے اسی جانور ذبح کرنے اور خون بہانے ہی کو دفع بلاء کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اگر یہی سمجھ

کر جانور ذبح کرتے ہیں، تو اس جانور کا گوشت فقیروں کیلئے بھی کھانا درست نہیں ہے، اسی کی طرف حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں اشارہ فرمایا ہے، اور فتاویٰ دارالعلوم میں جو جائز لکھا ہے وہ اس کیلئے جو دفع بلاء کی غرض سے کھانا کھلانا چاہتا ہے، اور اس میں جانور ذبح کرنے کو ضروری نہیں سمجھتا اور جانور ذبح کرنے ہی کو دفع بلا کا ذریعہ نہیں سمجھتا بلکہ وہ بلا تکلف بازار سے گوشت لاکر فقیروں کو دینے کو اور روپیہ دینے کو برابر سمجھتا ہے، دونوں فتاویٰ کے درمیان تطبیق کی شکل یہی ہے۔

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ **قال قال رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **إن الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع ميتة السوء.** (ترمذی شریف، کتاب الزکاة، باب ماجاء فی فضل الصدقة، النسخة الهندية ۱/۱٤٤، دارالسلام رقم: ٦٦٤، صحيح ابن حبان، دارالفکر البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۳/۱۹۲، رقم: ٦٦٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۹ھ

دفع مرض کیلئے صدقہ کرنا

سوال: [۴۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بیمار پڑ جاتا ہے، تو ہم یہ سمجھ کر صدقہ کرتے ہیں، کہ صدقہ بلا کو ٹال دیتا ہے یا بیماری کو دور کرتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، صدقہ سے اپنی بیماری کا علاج کرو، ہم بکرا ذبح کرتے ہیں، اور پھر وہ گوشت اس کے مصرف میں دیتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد خالد، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، مگر بیماری اور بلا ٹلنے کیلئے بکرا ذبح کرنے کا جو طریقہ رائج ہے، نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا اور نہ دور صحابہ میں

اور نہ سلف وخلف کے دور میں اس کا ثبوت ہے، اور نہ ہی بکرا ذبح کرنے کو صدقہ کہا گیا ہے، بلکہ صدقہ کہا جاتا ہے، جو فقیروں کے پیٹ بھرنے اور ضرورت پوری کرنے کیلئے دیا جائے اگر گوشت ہی کھلانا ہے، تو بازار سے گوشت خرید کر کھلایا جاسکتا ہے، اور کھانا تیار کر کے کھلا سکتے ہیں، اور صدقہ میں سب سے بہتر روپیہ دینا ہے، جس سے فقیر اپنی کوئی بھی ضرورت پوری کرسکتا ہے، اور بکرا ذبح کرنے اور خون بہانے کو دفع بلا کا ذریعہ سمجھنا غلط اور ناجائز ہے، حضرت تھانویؒ نے ایسے بکرے کے گوشت کو فقیروں کے واسطے بھی ناجائز لکھا ہے۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۱، ایضاح المسائل/ ۱۳۹)

وما ذبح على النصب...... حرم عليهم أكل هذه الذبائح التى فعلت عند النصب. (تفسير ابن كثير ۲/۱۸، تحت سورة مائدة آيت: ۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۶۰/۳۸)	۱۴۲۶/۶/۱۹ھ

طلباء کو بکری کا گوشت کھلانے کیلئے دی گئی رقم سے گائے کا گوشت خریدنا

سوال: [۴۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص یہ کہہ کر مدرسہ میں پانچ سو روپیہ صدقہ کرتا ہے، کہ اس کی بکری خرید کر طلبہ کو کھلانا ہے، اور بکری پانچ سو روپیہ میں نہیں آتی، اسلئے اہل مدرسہ بکری کے بجائے گائے کا گوشت خرید کر طلبہ کو کھلاتے ہیں، تاکہ تمام طلبہ کو کفایت کرجائے، تو آیا اس طرح اہل مدرسہ کیلئے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو ایسی صورت بتادیں کہ جس سے اہل مدرسہ بآسانی اس پیسہ کو طلبہ پر خرچ کرسکیں؟

المستفتي: شیخ عرفات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ میں پانچ سو روپیہ بکری خرید کر طلبہ کو کھلانے کیلئے جو دئے ہیں، ان میں اصل مقصد غریب طلبہ کو کھلانا ہے اور پانچ سو روپیہ میں بکری نہیں آتی ہے، اور نہ ہی پانچ سو روپے کا بکری کا گوشت کافی ہوسکتا ہے، ہاں البتہ اگر پانچ سو روپیہ کا گائے یا بیل بھینس کا گوشت خرید لیا جائے تو اس سے سب طلبہ کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے، تو انفع للفقراء کے پیش نظر ایسا عمل کرنا جائز ہے، اس لئے اگر اس پیسے سے گائے کا گوشت خرید کر کھلا دیا ہے تو یہ جائز اور درست ہے۔

التوكيل بالشراء إذا كان مقيداً يراعىٰ فيه القيد إجماعاً سواء كان القيد راجعاً إلى المشترى أو إلى الثمن حتى أنه إذا خالف يلزمه الشراء إلا أنه إذا كان خلافاً إلىٰ خير فيلزم الموكل. (هنديه، الوكالة، الباب الثاني في التوكيل بالشراء، زكريا كوئٹه۳/ ۵۷٤، جديد زكريا ۳/ ٤۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۴ھ

کیا بکرا ذبح کرنا ہی صدقہ ہے؟

سوال: [۴۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقات بلاؤں کے ختم کرنے کا ذریعہ ہیں بعض لوگ بکرا ذبح کرنا صدقہ سمجھتے ہیں، مفتی صاحب صدقہ کی حقیقی تعریف کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدق کے معنیٰ سچائی کے ہیں، غالباً صدقہ کا لفظ اسی سے ماخوذ ہے عندالشرع صدقہ ہر وہ عطیہ ہے جو بلا معاوضہ رضائے الٰہی کے لئے نادار فقیر اور محتاج ومسکین کو دیا جائے۔ (مستفاد: قاموس الفقہ ۴/ ۲۲۳)

بہت سے ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صدقہ بکرا ذبح کرنے کے ذریعہ ہوتا ہے، اور

کہتے ہیں، جان کے بدلہ جان ہے حالانکہ شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے کیونکہ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ذبح کرنے سے بلاء ومصیبت ٹل جاتی ہے جو قطعاً ناجائز ہے بلکہ صدقہ نام ہے، فقیروں کی ضرورت پوری کرنے کا اور فقیروں کے پیٹ بھرنے کا اور یہ روپیہ پیسہ کے ذریعہ ہی باآسانی پورا کیا جاسکتا ہے، اگر کھانا کھلانا ہے تو بازار سے گوشت خرید کرلایا جائے۔
(مستفاد: انوار رسالت/۴۷۷)

الصدقة ج صدقات، العطية التي يبتغى بها الثواب عند الله تعالىٰ. (لغة الفقهاء كراچى /۲۷۲)

الصدقة بفتح الدال لغة مايعطى على وجه التقرب إلى الله تعالىٰ لا على وجه الكرامة ويشمل هذا المعنى الزكوٰة وصدقة التطوع، وفى الاصطلاح تمليك فى الحياة بغير عوض على وجه القربة إلى الله تعالىٰ.
(الموسوعة الفقهيةالكويتية ۲۶/۳۲۳)

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ : تصدقوا وداووا مرضاكم بالصدقة ، فإن الصدقة تدفع عن الأعراض والأمراض وهى زيادة فى أعمالكم وحسناتكم . (شعب الإيمان ، باب فى الزكاة، فصل فيمن أتاه الله مالا من غير مسألة دارالكتب العلمية بيروت۳/۲۸۲، برقم: ۳۵۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۷۵/۴۰)

جان کے بدلے جان سمجھ کر مریض کی طرف سے بکرا ذبح کرنا

سوال: [۴۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بیمار ہوا اس نے اس نیت سے بکرا ذبح کیا کہ بکرے کا خون بہانے کی وجہ سے شفایابی

ہو جائے گی، جان کے بدلے جان تو ایسا بکرا حلال ہے یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے، حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں کیا لکھا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیماری سے شفاء یابی کے لئے اس نیت سے بکرا ذبح کرنا کہ جان کے بدلے جان ہے تو یہ ناجائز اور حرام ہے، حضرت تھانویؒ نے اسے غیر منصوص ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۳۹)

حضرت کی عبارت اس طرح ہے: اکثر مردماں دریں عمل نفس صدقہ را مقصود نافع نمی پندارند بلکہ خصوصیت ذبح و اراقہ دم را فدیۂ مریض می دانند و این امر غیر قیاسی است محتاج بنص و نص مفقود است، ودلیل برین اعتقاد راضی بنودن ایشاں است بر تصدّق بقدر قیمت جانور۔ (امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۳/۴۰)

عمارت کی بنیاد میں خون ڈالنے کیلئے بکرا ذبح کرنا

سوال: [۴۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمارت کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈال دیا جاتا ہے، تو اس غرض سے بکرا ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ذبح شدہ بکرا حلال ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمارت کی بنیاد میں بکرے کا خون ڈالنے کے لئے بکرا ذبح کرنا حرام ہے اور ذبح شدہ بکرا '' **وما احل لغیر اللّٰہ** '' کے حکم میں داخل ہو کر حرام ہے، اور غیروں کا طریقہ ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۳۹، احسن الفتاویٰ ۱/ ۴۸)

وما ذبح على النصب – حرم عليهم أكل هذه الذبائح التي فعلت عند النصب . (تفسير ابن كثير ٢/ ١٨، تحت سورة مائده، آيت:٣)

وماذبح على النصب يعنى حرم ماذبح على النصب . (تفسير خازن ١/ ٤٦٣، تحت سورة مائده آيت: ٣)

وما ذبح على النصب حجر كان ينصب فيعبد و نصب عليه دماء الذبائح – قال ابن زيد ماذبح على النصب وماأهل به لغير الله شيء واحد قال ابن عطية ماذبح على النصب جزء مما أهل به لغير الله . (احكام القرآن للقرطبى ٣/ ٤ ٢، تحت سورة مائدة آيت: ٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠/ رجب ١٤٣٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١١٩٨٥/٤١)

۱۳/ کتاب الصوم

۱/باب الصوم ومتعلقاته

رمضان کے روزہ کی فرضیت کب ہوئی؟

سوال: [۴۶۸۵]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے روزے کی فرضیت کب ہوئی کس سن میں ہوئی واضح کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: رمضان کے روزے کی فرضیت ہجرت کے آٹھارہ ماہ کے بعد دوسرے سال ماہِ شعبان میں ہوئی۔

صوم رمضان فرض فى السنة الثانية بعد الهجرة. (العرف الشذى ۱/۱٤۷، حاشيه ترمذى)

ثم كانت فرضية صوم رمضان بعد ماصرفت القبلة إلى الكعبة فى شعبان على رأس ثمانية عشر شهر من الهجرة . (مرقات المفاتيح ، مكتبه امداديه ملتان٤/۲۲۹، بذل المجهود ، جديد دارالبشائر الاسلامية۸/٤۲۳)

إن فرضية رمضان ونزلت علينا فى السنة الثانية من الهجرة فى شعبان. (اوجزالمسالك ، جديد دارالقلم دمشق٥/۱۰)

كانت فرضية بعد ما صرفت القبلة إلى الكعبة بشهر في شعبان على

رأس ثمانية عشر شهرا من الهجرة ، وسببه الشهر ، لأنه يضاف إليه . (شرح النقايه ، كتاب الصوم ، مكتبه اعزازيه ديوبند ۱ /۱٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۹۰)

روزہ کی نیت میں لفظ غدٍ پر اشکال وجواب

سوال: [۴٦٨٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو اشتہاروں کے اندر "**بصوم غد نويت من شهر رمضان**" لکھتے ہیں یہ کس حدیث یا قرآن کی کون سی آیت سے ثابت ہے، کیونکہ عربی ماہ کی تاریخ غروب آفتاب کے بعد بدل جاتی ہے، تو روزے دار یہ اوپر والی نیت کرتے ہیں غدٍ کے لفظ سے اعتراض ہوتا ہے، تو آپ صحیح طریقے سے وضاحت کردیں کرم ہوگا، کہ کل کا دن رات میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو غدٍ کیوں کہتے ہیں، مفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عطاء اللہ حیاتی،
پوسٹ: اوپ نگر، سہرسا (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ مذکورہ دعا اور نیت کے الفاظ کسی صحیح حدیث میں فقیر کی نظر سے نہیں گذرے، البتہ غدٍ کے لفظ سے کوئی اشکال نہ ہونا چاہئے، اسلئے کہ جب کوئی آدمی رات میں نیت کریگا تو غدٍ کا لفظ لانا صحیح و درست ہے، اسلئے کہ عربی میں غدٍ کہا جاتا ہے، آئندہ آنے والے کل کو اور رات میں جب نیت کرے گا، تو عرف کے اعتبار سے غدٍ (آنے والے کل) ہی کی نیت کریگا، اور یہ شرعاً جائز و درست ہے۔

فيجوز بنية من الليل وإن لم ينو حتى أصبح أجزأته النية مابينه وبين الزوال

الخ. (هـدایه ، کتاب الصوم، اشرفیه دیوبند ۱/ ۲۱۱، هکذا فی الهندیة قدیم زکریا ۱/ ۱۹۵، جدید ۱/ ۲۵۸، الفتاویٰ التاتارخانیة ، زکریا ۳/ ۳۶۸، رقم: ۴۵۹۱، شامی، کراچی ۲/ ۳۷۷، زکریا۳/ ۳۳۸– ۳۴۱، شرح النقایه ، اعزازیه دیوبند ۱/ ۱۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر شوال ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱۰/ ۱۴۱۱ھ

بصوم غد نویت الخ کا ثبوت کس حدیث سے ہے؟

سوال: [۴۶۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے روزے کی نیت کی جو دعا ہے، ’’بصوم غد نویت من شہر رمضان‘‘ یہ دعا کس حدیث سے ثابت ہے، میں نے رسالہ ندائے شاہی میں پڑھا تھا، کہ یہ دعا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور اس کے ترجمہ سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ یہ دعا کسی عجمی آدمی نے گھڑ لی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ کی نیت کی جو دعا سوالنامہ میں لکھی گئی ہے وہ کسی حدیث شریف میں ہم نے نہیں دیکھی اور نہ ہی ہم یہ دعا خود پڑھتے ہیں، اور نیت دعا پڑھنے کا نام نہیں ہے بلکہ دل سے نیت کرنے کا نام ہی نیت ہے۔

النیة معرفة بالقلب أنه یصوم . (الفتاویٰ التاتارخانیة ، کتاب الصوم ، الفصل الثالث فی النیة ، زکریا دیوبند۳/ ۳۶۸، رقم: ۴۵۹۰، هکذا فی الهندیة زکریا ۱/ ۱۹۵، شامی، زکریا ۳/ ۳۴۵، کراچی ۲/ ۳۸۰)

النیة عزم القلب علی الشیيء واصطلاحاً قصد الطاعة والتقرب إلی الله الخ. (شرح الحموی علی الاشباه قدیم /۲۹)

أنها شرط لاصحة کما فی الصلوة والزکاة والصوم والحج. (الاشباه

النظائر قدیم / ۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۵۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۶ھ

مرض کے بڑھنے کے اندیشے کی وجہ سے افطار کرنا

سوال: [۴۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی ہارٹ اٹیک کا مریض ہے پورے بدن میں بیحد کمزوری ہے، نمازیں بڑی مشکل سے ہوتی ہیں، اگر روزہ رکھ لیا جائے تو کمزوری بڑھنے کا مزید اندیشہ ہے، اور پھر نمازیں آگے پیچھے ہونے کا اندیشہ بلکہ چھوٹ جانے کا ڈر معلوم ہوتا ہے، ایسے مریض کیلئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: حاجی سردار خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ہارٹ اٹیک کا مریض تجربہ کار ماہر فن ڈاکٹر کے مشورہ پر عمل کرسکتا ہے، اگر ڈاکٹر روزہ رکھنے سے منع کرے تو روزہ موقوف کر سکتے ہیں، لیکن صحت یابی کے بعد روزہ رکھنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۷۷)

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقره ۱۸٤)

أو مريض خاف الزيادة لمرضه وصحيح خاف المرض ...... بغلبة الظن بأمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور (إلىٰ قوله) الفطر وقضوا لزوماً. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصوم، فصل فی العوارض، المبیحة العدم الصوم، زکریا ۳/ ٤٠٤، کراچی ۲/ ٤٢٢)

ومريض خاف زيادة مرضه، أو تأخره بأن غلب على ظنه ذلك، أو أخبره به طبيب حاذق عول. (شرح النقایة، اعزازیه دیوبند ۱/ ۱۷۷، وهكذا ی الهندية

زکریا ۱/۲۰۷، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا۳/۴۰۳،رقم: ٤٦٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱۲/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۲/۱۴۲۳ھ

کیا اسقاط حمل کے بعد خون نہ آئے تو نماز روزہ واجب ہے؟

سوال: [۴۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تین مہینہ کا حمل ساقط کرانے اور خون نہ آنے کی صورت میں نماز روزہ ادا کر سکتے ہیں؟

المستفتي: ابوفرمان، بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس صورت میں نماز روزہ ادا کرنا واجب رہیگا۔

كما في حاشية الهداية : فلو انقطع دم النفاس بعد الولادة ساعة ، يجب عليها أن تصوم وتصلي بعد الاغتسال . (حاشية هدايه ، كتاب الطهارة ، فصل في النفاس ، اشرفيه ديوبند ۱/۷۰، رقم الحاشية/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۱۴)

حالت نفاس میں روزہ کا حکم

سوال: [۴۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت ہے اور وہ رمضان المبارک سے دو چار روز قبل تک ۴ر مہینے کی حاملہ رہی اور رمضان سے ایک روز قبل کسی وزن دار چیز اٹھانے سے اس کا حمل اسپتال جا کر خرابی ہونے کی وجہ سے صاف کرادیا گیا صاف کرانے کے بعد ۴ر روز تک حیض کی طرح خون آتا رہا پھر دو دن بند

ہوگیا اور اب گلابی رنگ کا خون آتا ہے، اب وہ عورت نماز اور رمضان المبارک کا روزہ رکھنا چاہتی ہے، تو شرعاً کیا حکم ہے۔

المستفتی: اعجاز، محلّہ پیرزادہ،
تالاب والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چار ماہ کا حمل گرنے کے بعد خون آرہا ہے وہ نفاس کا خون ہے، اسلئے چار دن خون آنے کے بعد دو دن بند ہوکر پھر خون آرہا ہے، وہ بھی نفاس کا خون ہے، اس دروان روزہ رکھنا ممنوع ہے، بعد میں قضا لازم ہوگی۔

والسقط إن ظهر بعض خلقه من إصبع أو ظفر أوشعر ولد فتصير به نفساء ......فيما رأته بعدهٗ الخ. (عالمگیری، الفصل الثانی، فی النفاس زکریا ۱/۳۷، جدید ۱/۹۱)

السقط الذي استبان بعض خلقه ولد حتى تصير به نفساء . (هدايه، اشرفیه دیوبند ۱/۷۰)

اور جب خون بالکل بند ہوجائے تو روزہ رکھنا شروع کردے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۹/۱۴۱۲ھ

۲/باب رؤية الهلال

کیا رؤیت ہلال کے شرعی ضوابط پر عمل کرنا لازم ہے

سوال: [۴۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت مطہرہ نے رمضان اور غیر رمضان کے چاند کے ثبوت کے سلسلے میں جو ضوابط مقرر فرمائے ہیں علماء ومفتیان حضرات کو ان پر عمل کرنا لازم ہے یا عوامی رجحانات کے مطابق بھی فیصلہ کرنے کی گنجائش ہے؟

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت مطہرہ کے اصول وضوابط پر عمل کرنا لازم ہے، اسکے خلاف عوامی جذبات ورجحانات کے مطابق فیصلہ دینا جائز نہیں۔

عن عمران بن حصين قال: قال رسول الله ﷺ: لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق. (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۱۸/ ۱۷۰، رقم: ۳۸۱، مشكوٰة ۲/ ۳۲۱)

عن علي أن رسول الله ﷺ بعث جيشاً –إلىٰ– وقال: لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة فى المعروف. (صحيح مسلم، ، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية و تحريمها فى المعصية، النسخةالهندية ۲/ ۱۲۵، بيت الافكار رقم: ۱۸۴۰، وهكذا في صحيح البخارى، أخبار الآحاد باب ماجاء في إجازة خبر الواحد الصدوق، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۹۳، رقم: ۷۰۶۰، ف: ۷۲۵۷، سنن أبي داؤد، باب فى الطاعة، النسخة الهندية ۱/ ۳۵۳، دارالسلام رقم: ۲۶۲۵)

وقال لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة فى المعروف أى: فيما

یوافق الشرع لا فی المعصیة ، وإلقاء النفس فی النار بالقصد معصیة ، فلا طاعة فیها . (بذل المجهود ، کتاب الجهاد، باب فی الطاعة ، دارالبشائر الاسلامیه ۹/ ۲۲۰، تحت رقم الحدیث: ۲۶۲۵، قدیم ۳/ ٤٤٨)

قوله : وعلی أن نقول بالحق أینما کنا لا نخاف فی الله لومة لائم معناه نأمر بالمعروف وننهی عن المنکر في کل زمان ومکان –إلیٰ– ولا نخاف ولا نلتفت إلی الأئمة . (النووی علی هامش مسلم ۲/ ۱۲۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۴۹)

رؤیۃ الہلال کے شرعی اعلان پر عمل کرنا

سوال: [۴۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ہندوستان کی مرکزی ہلال کمیٹی رؤیت ہلال کا شرعی ثبوت حاصل کرکے خود یا اسکا کوئی نمائندہ رؤیت ہلال کے ثبوت کا اعلان کرے یا کروائے تو اس اعلان پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں اور روزہ وافطار کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد فاروق، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: جی ہاں مذکورہ شرائط کیساتھ شرعی اعلان پر عمل کرنا واجب ہے اور خلاف کرنیوالے گناہ گار رہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹)

ولو کانوا ببلدة لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلین (تحته فی الشامیة) والظاهر أن المراد به الوجوب . (الدرمع الرد ،کتاب الصوم ، قبیل مطلب: لا عبرة بقول المؤقتین فی الصوم زکریا دیوبند ۳/ ۳۵٤، کراچی ۲/ ۳۸٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۰۳)

کیا مستند علماء کا فیصلہ رؤیت ہلال کے بارے میں واجب العمل ہے؟

سوال: [۴۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ مستند علماء ومفتیان کی کمیٹی ضابطہ شریعت کے مطابق اگر چاند کے ثبوت کا فیصلہ کردے تو کیا عامۃ المسلمین (جن میں عیدگاہ کمیٹی کے افراد بھی شامل ہیں) کے ذمہ اس فیصلہ کو ماننا لازم ہے، یا انہیں اختیار رہے کہ فیصلہ علماء ومفتیان کے خلاف اپنی صوابدید پر عمل کریں؟

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہاں مسلم حاکم یا قاضی شرعی نہ ہوں، وہاں اگر علماء ومفتیان شرعی ثبوت کی بناء پر رؤیت کا فیصلہ کردیں، تو عیدگاہ کمیٹی کے افراد اور عامۃ المسلمین پر اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، خلاف کرنا معصیت ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹، کفایت المفتی قدیم ۴/ ۲۰۲، جدید زکریا ۴/ ۲۱۳، ۲۱۴، جدید زکریا مطول ۶/ ۳۰۸-۳۰۹)

ولو کانوا ببلدۃ لا حاکم فیها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلین (تحته فی الشامیة) والظاهر أن المراد به الوجوب. (الدر مع الرد، کتاب الصوم، قبیل مطلب: لا عبرة بقول المؤقتین فی الصوم زکریا دیوبند ۳/ ۳۵٤، کراچی ۲/ ۳۸٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۴۹)

کیا ہلال کمیٹی کا اعلان معتبر ہے؟

سوال: [۴۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امارت شرعیہ دہلی (ہلال کمیٹی) کی طرف سے رمضان المبارک یا عید الفطر کے متعلق جو اعلان ہوتا ہے، اس پر عمل لازم ہونا کسی محدود علاقہ کے ساتھ مقید ہے یا تمام مسلمانان ہند کا اس کے مطابق عمل کرنا لازم ہوگا؟

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں، کہ ہلال کمیٹی کے اعلان پر عمل کرنے سے اگر مہینہ ۲۹ یا ۳۱ کا نہ ہوجائے تو اس اعلان پر عمل شرعاً قابل تسلیم ہے۔ حضرت شرعاً قابل تسلیم کا یہ مطلب سمجھنا کہ عمل کرنا اس کے مطابق لازم ہے صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: محمد خدا بخش، گوبند پور، پھینسیہ ۲۴ر پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہلال کمیٹی کی جانب سے جب ثبوت ہوکر بطور استفاضہ اعلان ہوجائے تو وہ رؤیت تمام مسلمانوں کیلئے عام ہوکر قابل عمل ہوگی۔

متی ثبت رؤیة هلال رمضان فی محل لزم الصوم أهله الجائزین لشروط الوجوب وكذا يلزم الصوم جميع من كان فی بلد قريب من محل الرؤیادون أهل البلدالبعيد. (حاشیه شامی، زکریا ۳/۳٦۳)

شرعی ثبوت ہوجانے کے بعد اس کو معتبر مان کر شخصی طور پر عمل کرنا جائز ہے واجب نہیں، اسی طرح ریڈیو کا اعلان اتنی دور تک معتبر ہوسکتا ہے، کہ اس کے تسلیم کرنے سے آپ کے یہاں کبھی مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہوتا ہو اور اس رؤیت کے موقعہ پر آپ کے یہاں مطلع صاف نہ ہو ورنہ اس اعلان کا اعتبار نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۱۲۱، احسن الفتاویٰ ۴/۴۵٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۴۴۱)

دارالعلوم کی خبر پر روزہ توڑنا

سوال: [۴۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دارالعلوم دیوبند کے فیصلہ پر ہمارے یہاں کے ایک جم غفیر نے تیسواں روزہ توڑ دیا تو کیا اس روزہ کی قضا ہے؟ جبکہ دارالعلوم دیوبند پورے ہندوستان کیلئے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، اور اس کی وضاحت کریں، کہ دارالعلوم دیوبند پورے ہندوستان کیلئے مرکزی حیثیت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور کیا تیسواں روزہ توڑنے والا قابل جرم ہے۔

اور کیا روزہ کی قضا کرنی پڑے گی، اور کیا دارالعلوم کا فیصلہ ہمارے یہاں کیلئے قابل قبول نہیں ہے؟ اس سلسلہ میں ضرور وضاحت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دارالعلوم کی حیثیت تمام ہندوستان کیلئے مرکزی حیثیت ہے اسلئے وہاں کی معتبر خبر کے ذریعہ روزہ توڑ دینے کی گنجائش ہے، اور اس روزہ توڑنے پر قضا نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۹۵، میرٹھ ۱۵/ ۱۲۵، قدیم ۱۷/ ۱۵۱، جدید میرٹھ ۱۵/ ۱۲۹)

بخلاف الاستفاضه فإنها تفيد اليقين. (شامی، کتاب الصوم، کراچی ۲/ ۳۹۰، زکریا ۳/ ۳۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۶۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۲۱ھ

رؤیت ہلال کے مسئلہ میں کس کی خبر معتبر ہے؟

سوال: [۴۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امسال ماہ رمضان المبارک کا چاند سوموار کی رات کا تھا دس بجے ٹیلی فون سے خبر ملی کہ کلکتہ ناخدا مسجد میں چاند کا اعلان ہوگیا اس کے بعد احقر نے مختلف مقامات سے رابطہ کیا اور چاند

ہونے کا اعلان کردیا ہم لوگوں کی مسجد میں نماز تراویح میں تین سو آدمی آتے ہیں، چاند کی خبر سن کر تقریباً پچاس آدمی آگئے اور پوچھنے لگے کہ تراویح ہوگی یا نہیں میں اس کی تحقیق کرنے لگا، تو کوئی کہنے لگا ہاں کوئی نہیں اسی کشمکش میں تھا، کہ خبر ملی علاقہ کی تمام مسجدوں میں یہ اعلان ہوا کہ نماز تراویح کی جماعت نہ ہوگی، جس کو پڑھنی ہو انفرادی طور پر پڑھ لے، چنانچہ میں نے بھی ساڑھے گیارہ بجے کے بعد یہی اعلان کردیا، اب کچھ لوگ میرے اس عمل کو فتنہ کا روپ دے رہے ہیں، مہربانی کر کے اس کا جواب مدلل دیں؟

المستفتي: معراج احمد، گریڈیہی،
امام جامع مسجد مانگیر، کانگی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رؤیت ہلال وثبوت رمضان وعید کا مسئلہ انفرادی نہیں ہے، بلکہ اجتماعی ہے ایسے مسائل میں حکم حاکم کا انتظار لازم ہے، اور جن ملکوں میں حاکم مسلم نہیں ہے، وہاں پر ہر علاقہ کے ہلال کمیٹی یا علاقہ کے با اثر مقتدا علماء ان مسائل میں حاکم کا درجہ رکھتے ہیں، لہٰذا ہر علاقہ کی ہلال کمیٹی یا امارت شرعیہ یا علاقہ کے با اثر علماء کے فیصلہ کا انتظار کرنا ان کے حلقۂ اثر کے عوام پر لازم ہے، اور اسی طرح حلقۂ اثر کے آئمہ اور علماء کو بھی ان کے فیصلہ کا انتظار لازم ہے، ہر کسی کو اپنے طور پر اعلان کرنے کا حق نہیں نہ ہی آئمہ مساجد کو یہ حق ہے کہ اس سے عوام الناس میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، اسلئے آپ کو بھی اپنے علاقہ کے مقتدا ذمہ دار علماء یا ہلال کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہئے تھا محض عام لوگوں کی سنی سنائی باتوں پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به، لا لو شهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية. (الدر المختار، كتاب الصوم كراچی ۲/ ۳۹۰، زكريا ۳/ ۳۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲۰ھ

کتاب القاضی اِلی القاضی کے تحت رؤیت ہلال کا فیصلہ

سوال: [۴۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آ گرہ کی رؤیت ہلال کمیٹی نے جس میں علماء احناف شریک تھے ۵/اگست ۸۷ء بروز بدھ بقرعید منانے کا فیصلہ مندرجہ ذیل تحقیق کی روشنی میں کیا تھا، تو یہ فیصلہ مسلک احناف کی رو سے صحیح ہوا یا غلط؟

تحقیق یہ ہے کہ یکم اگست ۸۷ء بروز شنبہ جامع مسجد آ گرہ میں رؤیت ہلال کمیٹی آ گرہ کی ایک ہنگامی میٹنگ باشرکاء وعلماء وارکان کمیٹی منعقد ہوئی جس میں آ گرہ عیدگاہ کے قائم مقام پیش امام مولانا حبیب احمد صاحب مفتی دارالافتاء مظاہر العلوم نے مفتی دارالعلوم وقف کی تحریر کتاب القاضی اِلی القاضی کے تحت دوشاہد عدل فضلاء ومظاہر العلوم کے ذریعے مولانا حبیب کے پاس آئی تھی، وہ تحریر انہوں نے میٹنگ میں پیش کی جو ۲۹/ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ ۲۱/جولائی ۸۷ء کی رؤیت تھی، اس طرح مظاہر العلوم کا فیصلہ تو مفتیان مظاہر العلوم کے ۵/اگست ۸۷ء کو بقرعید منانے کا دیوبند کی رؤیت تسلیم کرتے ہوئے کیا تھا، جس میں مولانا حبیب صاحب مفتی مظاہر العلوم قائم مقام عیدگاہ آ گرہ شریک تھے، اپنی تحریر میں قلم بند کر کے میٹنگ میں پیش کر دی اسی طرح ایک تحریر کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کی تحریر جو مفتی مظاہر العلوم مظفر حسین ناظم مظاہر العلوم کے نام کتاب القاضی اِلی القاضی کی شکل میں بذریعہ دوشاہد عدل کی تصدیق نیچے تھی، جس میں ۲۹/ ذیقعدہ بروز یکشنبہ ۲۱/جولائی رؤیت کی شہادت تھی، دیوبند سے پہنچی اس کا فوٹو اسٹیٹ کاپی مفتی حبیب صاحب نے رؤیت ہلال کمیٹی آ گرہ کی میٹنگ میں پیش کی اسی طرح ایک تحریر جو مفتی عبدالعظیم صاحب مفتی فیروز آباد ضلع آ گرہ کے نام ۲۱/ذیقعدہ رؤیت ۲۹/جولائی ۸۷ء بروز یکشنبہ کی رؤیت دیوبند کی کتاب القاضی اِلی القاضی کی شکل میں دارالعلوم وقف سے کی گئی تھی، تحریر کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بذریعہ ایک باشرع آدمی مولانا عبدالعظیم صاحب مفتی فیروز آباد ضلع آ گرہ نے آ گرہ رؤیت ہلال کمیٹی کی میٹنگ میں

بھیجی ادھر روزنامہ قومی آواز دہلی اور روزنامہ فیصل دہلی میں دیوبند کی رؤیت برزو یکشنبہ ۲۶/جولائی ۲۹/ذیقعدہ کی تسلیم کرنے کی اطلاع تھی ، کہ ۲۹/ ذیقعدہ ، ۲۶/جولائی ۸۷ء بروز یکشنبہ کی رؤیت تسلیم کرکے یکم ذی الحجہ بروز شنبہ ۲۷/جولائی اور ۱۰/ذی الحجہ یوم بقرعید ۵/اگست ۸۷ء بروز بدھ منانے کا فیصلہ کیا اور اعلان کردیا، اور شہر آگرہ کے تمام علماء احناف وعوام نے ۵/اگست بروز بدھ بقرعید کی نماز ادا کی اور قربانیاں کیں ، مگر غیراحناف جوعدم تقلید کے قائل ایک فیصد مشکل سے ہوں گے، انھوں نے بروز جمعرات ۶/اگست کو بقرعید منائی ،تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہلال کمیٹی کا فیصلہ مسلک احناف کے مطابق صحیح تھا یانہیں ؟ جواب سے مشرف فرمائیں ؟

المستفتي:عبدالقیوم،کٹرہ تیل نالی منڈی،آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :اگرہلال کمیٹی کوخط کی شناخت اورواقعی ہونے پرغلبہ ظن حاصل ہوچکاہے،تووہ فیصلہ شرعی اورفقہ حنفی کے مطابق ہواہے۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۹۷)

وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا له الخ. (شامی، کتاب الصوم ، قبيل مطلب غيره يقول المؤقتين فى الصوم ،زكريا ديوبند۳/ ۳۵٤، کراچی ۲/۳۸٦، کوئٹہ ۲/۹۹)

نیز مدرسہ شاہی کے کاتب الحروف نے خود مع حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نائب مہتمم مدرسہ شاہی ومولانا محمد میثاق صاحب مدرس مدرسہ شاہی دیوبند جاکر تحقیق شہادت حاصل کرکے مرادآباد میں آکر عید کا اعلان کردیا تھا ، اسلئے ہلال کمیٹی کا فیصلہ صحیح ہونے میں شک نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۸/ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/ ۴۱۵)

امامت اور کتاب القاضی اِلی القاضی کے شرائط

سوال: [۴۶۹۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کسی مقام پر اگر قاضی نہ ہوتو وہاں کا امام شہر ہی قاضی کی جگہ مانا جائیگا یانہیں؟ اگر امام شہر قاضی کے حکم میں ہے اور امام شہر کسی کو اپنا نائب بنا کر رؤیت ہلال کی خبر حاصل کرنے کے لئے بھیجے تو نائب کے ذریعہ حاصل کردہ تحریر کتاب القاضی اِلی القاضی کے حکم میں ہوگی یانہیں؟

(۲) اگر امام شہر کسی ذمہ دار عالم کو اپنا نائب بنا کر بھیجدے اور اسکے ذریعہ رؤیت ہلال کی تحریر آجائے تو وہ کتاب القاضی اِلی القاضی کے حکم میں ہوگی یانہیں؟

(۳) ان شکلوں کے علاوہ اگر امام شہر اور نائب امام شہر اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کریں اور دیگر ذمہ دار علماء ومفتی حضرات اپنا نمائندہ بنا کر کسی دوسرے مقام سے رؤیت ہلال کی خبر کی تصدیق کرلیں، تو وہ کتاب القاضی الی القاضی کے حکم میں ہوگی یانہیں؟

المستفتي: مختار احمد، مدرس مدرسہ درویشان سلیم پور، مرادآباد
مولانا عبدالقدوس صاحب، سلیم پوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اولاً تو یہ بات ذہن نشین کرلیجئے کہ امامت کیلئے بہت شرائط ہیں، عدالت یعنی حکومت عفت شجاعت دینداری اور شرعی مسائل میں اجتہاد، تتبع، صحیح تدبیر کرنا آتا ہو۔

والشرائط الأمانة (إلىٰ قوله) العدل – ومنها الشجاعة والإجتهاد في المسائل والتدبير المصيب الخ. (نبراس شرح عقائد نسفی/۲ ۳۲)

اگر امام ان شرائط کا حامل ہے اور کہیں سے کتاب القاضی اِلی القاضی مع اپنی شرائط کے آجائے یعنی لانے والے دو عادل ہوں تو صحیح ہے، اور سوال نامہ مذکورہ صورت میں صرف ایک شخص ہے اس لئے یہ کتاب القاضی اِلی القاضی کے حکم سے خارج ہے، نیز اگر کہیں نااہل

کو وراثتی امامت مل جائے تو وہ امام کہلانے کے قابل نہیں ہے۔

بلکہ وہاں والوں کو آپس کی تراضی سے کسی بااہل کو شرعی امور کا ذمہ دار بنانا چاہئے، ورنہ وہاں کے مفتی اور بااثر علماء اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔

ذكر المحققون أنه إذا لم يوجد الإمام الموصوف بهٰذهٖ الصفات جاز نصب من لم يوصف ببعضها للضرورة الخ. (نبراس /۳۲۲)

(۲) نہیں ہوگی اسلئے کہ دو عادل شرط ہیں، جو یہاں مفقود ہیں۔

فنقول بقول الكتاب من القاضي شرائط منها البينة على أنه كتابه فتشهد الشهود على أن هذا الكتاب فلان القاضي ويذكروا اسمه ولقبه الخ. (بدائع الصنائع، كتاب أدب القاضي، فصل فى شرائط القضاء، كراچى ۷/۷، زكريا ديوبند۵/۴۴۶)

(۳) ایسے ذمہ دار مفتی وعلماء جن پر وہاں کے لوگ اعتماد رکھتے ہوں اور وہ لوگ اپنی ذمہ داری کو شرعی احکام کے مطابق انجام دیتے ہوں، تو کہیں سے مع شرائط کے کتاب القاضی إلی القاضی آجائے، اور اس کے مطابق فیصلہ دیں تو وہ کتاب القاضی إلی القاضی کے حکم میں ہوسکتی ہے، اور وہ ذمہ داران حکم میں قاضی کے سمجھے جائیں گے۔

كما استفيد من الشامي! وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلماً منهم الخ. (شامی، كتاب الالقضاء، قبيل مطلب فى حكم تولية القضاء فى بلاد تغلب عليهاالكفار، كراچى ۵/۳۶۹، زكرياديوبند۸/۴۳، وكذا قبيل باب العشر والخراج والجزية كراچى ۴/۱۷۵، زكرياديوبند۶/۲۸۹، باب الجمعه كراچى ۲/۱۴۴، زكريا۳/۱۴، هنديه زكريا۱/۱۴۶، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دارالكتاب ديوبند/۵۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳؍۴۴۲)

ایک جگہ کی رؤیت کا کتنی مسافت تک اعتبار ہوگا؟

سوال: [۴۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اللہ پاک کے فضل وکرم سے ہمارے یہاں پہلا روزہ منگل کے روز بتاریخ ۱۹/اپریل کو رکھا گیا، دوسری جگہ یعنی کیپٹاؤن، ڈربن، ناٹال ان سب جگہ بتاریخ ۱۸/کو پہلا روزہ رکھا گیا لیکن ہمارے ٹرانسوال ورکروں نے منگل کو روزہ رکھا، کلینڈر کے حساب کے مطابق چاند کی پیدائش تاریخ ۱۶/کو دو بجے رات کو ہوچکی تھی، تو اتوار کی شام کو چاند کی پیدائش تاریخ ۲۷/کلاک ہو چکے تھے بعد سورج چاند کی پیدائش ۱۸/کلاک ہونے کا نظریہ آتا ہے، اب اتوار کی شام کو چاند دیکھنا چاہئے تھا، تو سارے ٹرانسوال ورک کے اور ناٹال میں بادل اور بارش ہونیکی وجہ سے چاند نظر آیا نہیں، لیکن رات کو نو بجے کیپٹاؤن سے فون آیا کہ وہاں کی جامع مسجد کے امام صاحب نے تین گواہ کے ساتھ چاند دیکھا تو ناٹال وٹوریہ وغیرہ کے مسلمانوں نے اس خبر کو منظور رکھکر اتوار کی رات کو پہلی تراویح اور پیر کو پہلا روزہ رکھا، ٹرانسٹول کے مسلمانوں نے اس خبر کو منظور نہیں کیا اور پہلی تراویح پیر کی رات کو پڑھی اور پہلا روزہ منگل کو رکھا، اب کیپٹاؤن، دربن، ناٹال، جنس باغ، ٹرانسٹوال، یہ سب ضلع ساؤتھ افریقہ کے اندر ہیں یعنی ایک ہی علاقے میں کیپٹاؤن کا فاصلہ دربن سے پندرہ سو میل ہے، کیپٹاؤن اور جنس باغ کا فاصلہ ایک ہزار میل ہے، اور جنس باغ اور دربن کا فاصلہ پانچ سو میل ہے، اس حالت میں سارے ناٹال اور سارا ٹرانسٹوال بارش کے بادلوں سے بند ہونیکی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا، اس حالت میں کیپٹاؤن ورکروں نے چاند دیکھ کر ہمیں خبر دی اب ہم کو اسپر عمل کر کے تراویح وروزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ چاند کی پیدائش کو ۲۷/کلاک ہو چکے ہیں، کیپٹاؤن میں چاند نظر آیا اسکی خبر ہمیں مل چکی باوجود ہمارے ٹرانسوال ورکروں کے مسلمانوں نے کوئی غور نہ کرتے ہوئے اتوار کی رات کو نہ تراویح پڑھی نہ پیر کو روزہ رکھا، اس طرح ایک ہی کھنڈ میں نا اتفاقی کا دردناک قصہ ہوا، اب جو عید

۲۹/ چاند کی ہوئی تو منگل والوں کے صرف ۲۸/ روزے ہوں گے۔

جناب مفتی صاحب میں آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آپ برائے خدا اس چاند دیکھنے کی بابت اللہ اور رسول ﷺ کا کیا حکم ہے ! اور اس چاند دیکھنے اور نہ دیکھنے میں شریعت کا کیا حکم ہے! اور آج کے سائنس کے زمانہ میں چاند کی پیدائش کب ہوگی اور کتنے کلاک میں چاند دیکھ سکتے ہیں، وہ سب آج کے کلینڈر پر لکھا جاتا ہے، یہ سب مدنظر رکھتے ہوئے چاند دیکھنا یا نہ دیکھنا یا کتنے میل کے فاصلہ سے خبر ملے تو اسے منظور کر لینا یا نہ کر لینا مثلاً : دربن ہمارے جنیس باغ سے پانچ سو میل ہے اگر دربن سے چاند دیکھنے کی خبر ملے تو منظور کرنا یا نہ کرنا تراویح وروزہ رکھنا یا نہ رکھنا چاہئے، یہ سب ذرا برائے خدا خلاصہ لکھکر بھیجنا، آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا، اور امت میں نااتفاقی دو دو عید نہ ہوگی ، ہمارے یہاں ہر سال رمضان المبارک کے مہینہ میں چاند کی گڑ بڑی ہوتی ہے، اسلئے شریعت کا فیصلہ اس چاند دیکھنے یا دوسرے شہر سے خبر ملے تو اس کو منظور رکھنا یا نہ رکھنا شریعت کا کیا حکم ہے، آپ خلاصہ لکھکر بھیجنا آپکا بہت احسان ہوگا ؟

المستفتی: ایس،اے شیخ عبدالمعظم،۱۶۴/سنگورٹ،
اؤ تیراسٹل لنسا،۱۸۲/ پبلک اوف ساؤتھ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رؤیت ہلال کے بارے میں اتنی دور تک کی خبریں معتبر ہوسکتی ہیں، کہ وہاں کی رؤیت کوتسلیم کرنے کی وجہ سے آپکے یہاں مہینہ کسی بھی زمانہ میں ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہوتا ہو، لہٰذا ٹرانسوال، کیپٹاؤن ، دربن ، ناٹال جنیس باغ سب ایک ہی حکم میں ہونگے ، اور میلوں کے لحاظ سے مسافت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اسلئے بادل کے زمانہ میں اگر کیپٹاؤن سے فون اور خبریں آجائیں اور اسپر صدق کا ظن غالب ہوجائے ، تو ہلال رمضان کے بارے میں ان کو معتبر مان کر روزہ رکھ لینا اور ذمہ داران کا اپنے حلقے میں اعلان کردینا شرعاً درست ہوگا، اور ہلال رمضان کیلئے صدق کا ظن غالب ہونا کافی ہے۔

كما فی الشامی: والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان يعيد إذلايفعل مثل ذلك عادة فی ليلة الشک إلا لثبوت رمضان. (شامی، كتاب الصوم، قبيل: مطلب لاعبرة يقول المؤقتين فی الصوم، مطبوعه، كوئٹه ۲/۹۹، كراچی ۲/۳۸٦، زكريا ديوبند۳/۳٥٤)

اسلئے مذکورہ دلائل کی بناء پر سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں ٹرانسوال وناٹال کے باشندوں پر روزہ قضا کرنا واجب ہوگا، البتہ ہلال عید الفطر وعید الاضحیٰ کیلئے طریق موجب سے ثبوت لازم ہے، یعنی رؤیت کی شرعی شہادت یا شہادۃ علی الشہادۃ بالرؤیۃ، یا شہادت علی حکم حاکم یا استفاضہ ثابت ہو، اسکے بغیر نہیں، اسلئے فون وغیرہ کی ضعیف خبریں یہاں بالکل معتبر نہیں ہونگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۹۹)

سائنس اور کلینڈر کی تاریخیں حتمی نہیں ہوتیں بلکہ تخمینی ہوتی ہیں، اسپر شرعی طور پر حتمی اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ کبھی صحیح اور کبھی غلط بھی ہوجاتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴ر ۹۴۰)

کیا ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کی رؤیت کیلئے کافی ہے؟

سوال: [۴۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ کیلئے شرعاً کافی ہے یا اسمیں کچھ تفصیل ہے نیز جہاں رؤیت نہیں ہوئی اس شہر یا ضلع کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے ذمہ داران کن اصول کے شرعاً پابند ہیں۔

(۲) دوسری جگہ سے خبر آجانے کے بعد قاضی صاحب نے اعلان نہیں کیا جبکہ معتکفین حضرات وہاں کی خبر سن کر اعتکاف سے باہر آگئے تو ایسی صورت میں اعتکاف پورا ہوگا یا نہیں؟

اور قاضی صاحب کے اعلان نہ کرنے کی وجہ سے دوسرے دن عید کی نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

(۳) دوسری جگہ سے خبر ملنے پر امام مسجد نے اپنے مقتدیوں کو روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا اور جو لوگ روزہ دار تھے ان لوگوں کا توڑ وا دیا جبکہ اس شہر کے قاضی نے اعلان نہیں کیا تھا، اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے روزہ رکھا تو ان کا روزہ رکھنا حرام ہوگا؟ اور جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا ان کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: فاروق احمد، تلجا پوری، ضلع: عثمان آباد، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایک جگہ کی رؤیت دوسری جگہ معتبر ہونے کیلئے طریق موجب سے رؤیت موصول ہو جائے، اور طریق موجب کی چار صورتیں ہیں،

(۱) دو عادل شخص متبع شریعت حاکم مسلم یا ہلال کمیٹی کے پاس آ کر از خود چاند دیکھنے کی شہادت دیں اور دوسری جگہ کے لوگ بھی از خود آ کر شہادت دیں۔

(۲) دو عادل متبع شریعت افراد مذکورہ ذمہ داروں کے پاس آ کر اس بات کی شہادت دیں کہ فلاں شہر کے فلاں ذمہ دار کے سامنے فلاں تاریخ کی رؤیت کی شہادت دو عادل شخص نے دی ہے، یہ شہادت علی الشہادت کی شکل ہے۔

(۳) دو عادل متبع شریعت لوگوں نے آ کر یہ شہادت دی کہ فلاں شہر کے فلاں ذمہ دار نے ثبوت رؤیت کا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔

(۴) بطریق استفاضہ یعنی کسی علاقہ میں رؤیت ہو جانے کے بارے میں کثیر تعداد کے لوگ ہر طرف سے آ کر خبر دیں، یا متعدد اخبار، ٹیلیفون اور ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ سے مسلسل خبریں موصول ہوں جن سے خبر دینے والوں کی سچائی کا ظن پیدا ہو جائے ان چاروں صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے کسی دوسری جگہ کی خبر موصول ہو جائے تو آپ کے یہاں کے ذمہ دار قاضی یا ہلال کمیٹی کو رؤیت کا اعلان کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے، اس کی تفصیل ''انوار رحمت'' ص: ۴۹۸ تا ۵۱۲/ میں موجود ہے۔

بطريق موجب (تحته فی الشامية) كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهد اعلى حكم القاضی أو يستفيض الخبر . (شامی ، كتاب الصوم ، مطلب فی أحكام المطالع، كراچی ۲/ ۳۹٤، زكريا ديوبند۳/ ۳٦٤، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالكتاب ديو بند/ ٦٥٦)

تقبل فيما لا يسقط بالشبهة إن شهد رجلان علی شهادة شاهدين . (كنز الدقائق ، كتاب الشهادة ، باب الشهادة ، علی الشهادة ، مكتبه مجتبائی ديو بند ۱/ ۲۹٦، البحرالرائق، كراچی ۷/ ۱۲۰، زكريا ۷/ ۲۰۳، كوئٹه ۷/ ۱۲۰، تبيين الحقائق ، امداديه ملتان ٤/ ۲۳۷، زكريا ديوبند ٥/ ۲۱۰)

(۲) کسی جگہ رؤیت ہلال کا تحقق ہوجانے کے بعد اسکی اطلاع استفاضہ کے طور پر دوسری جگہ آجائے اوراس دوسری جگہ قاضی یا ہلال کمیٹی موجود ہے تو ان کی طرف سے اعلان کا انتظار کرنا بہتر ہے، اوران کے اعلان سے پہلے ہی معتکفین اعتکاف سے نکل جائیں تب بھی ان کا اعتکاف درست ہوجائے گا۔

أن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخریٰ يلزمهم حكم هذه البلدة . (شامی، كراچی ۲/ ۳۹۰، زكريا ۳/ ۳٥۹، المحيط البرهانی ، المجلس العلمي۳/ ۳٤۲، رقم: ۳۰٦٥، الفتاویٰ التاتار خانية قديم ۲/ ۳٥٥، زكرياديوبند۳/ ۳٦٦، رقم:٤٥۸۳ ، مجمع الأنهر مصری قديم ۱/ ۲۳۹، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳٥۲، منحة الخالق، كراچی ۲/ ۲۹۰، كوئٹه ۲/ ۲۷۰، زكريا۲/ ٤۷۱)

(۳) دوسری جگہ سے استفاضہ کے طور پر رؤیت کی اطلاعات آنے کے باوجود آپ کے یہاں کا قاضی رؤیت کا اعلان نہ کرے تو امام مسجد اورعوام الناس کواس کا چرچا واعلان کرکے عمل کا حق ہے، لہٰذا ایسی صورت میں امام مسجد کا قاضی کے اعلان کے بغیر اپنے مصلیوں کو روزہ نہ رکھنے کا حکم دینا اوراگلے دن جن لوگوں نے روزہ رکھا ہے ان کا روزہ تو ڑوانا ناجائز ہے، اورجن لوگوں نے قاضی کے اعلان نہ کرنے کی وجہ سے روزہ رکھا

توان کاروزہ رکھنا درست نہیں کیونکہ جب استفاضہ کے طور رخبر آجائے تواب دوبارہ قاضی کے فیصلہ کا انتظار لازم نہیں ہے۔

أن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين يلزمهم حكم أهل هذه البلدة. (الفتاویٰ التاتارخانية قديم ٢/٣٥٥، زكريا ديوبند ٣/٣٦٦، رقم: ٤٥٨٣، شامي، كراچی ٢/٣٩٠، زكريا ديوبند ٣/٣٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۷۰/۳۸)

اختلاف مطالع

سوال: [۴۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر مکہ میں چاند نظر آیا اور ہندوستان میں نظر نہیں آیا تو ہندوستان کے لوگوں پر ایک روزہ کی قضاء لازم ہے اور عید سعودیہ کے مطابق منائیں، اگر نہیں تو پھر دلائل ملاحظہ فرمائیں اور تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

(۱) درمختار جلد اول ۱۴۹، جو فقہ احناف کی مستند کتاب ہے، اس میں ہے کہ مطلع کے مختلف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر مغربی ممالک والے چاند دیکھ لیں تو مشرقی ممالک والوں کو اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

(۲) فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۳۸۵ و ۸۶ میں ہے۔

فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب وفصل الشامي ذلک الطريق الموجب فلينظر فيه.

(۳) کوکب دری شرح ترمذی شریف ۱/ ۳۳۶، میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ کلکتہ میں چاند جمعہ کی رات کو نظر آیا اور مکہ میں جمعرات کی رات کو اور کلکتہ والوں کو

پتہ نہ چل سکا کہ مکہ میں رمضان جمعرات سے شروع ہو چکا ہے، تو جب بھی ان کو پتہ چلے گا ان کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ عید مکہ والوں کے ساتھ منائیں اور پہلا روزہ قضاء کریں؟

المستفتي: محمد تحسین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اختلاف مطالع کے اعتبار ہونے اور نہ ہونے سے متعلق علماء کی دو جماعتیں ہیں، ایک جماعت یہ کہتی ہے، کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا اگر اہل مشرق نے چاند دیکھا ہے اور اہل مغرب نے نہیں دیکھا ہے اور طریق موجب کے ذریعہ سے اہل مغرب کو اہل مشرق کی رؤیت کا ثبوت ہو جائے تو اہل مغرب کو اہل مشرق کی رؤیت پر عمل کرنا لازم ہے، اس قول کو بغیر قیود وشرائط کے حضرت گنگوہیؒ نے لیا ہے، چنانچہ اسی سے فرمایا ہے کہ مکہ کی رؤیت طریق موجب سے ثابت ہو جائے تو اہل کلکتہ اور اہل ہند پر اس کا اعتبار کرنا لازم ہوگا جیسا کہ (الکوکب الدری، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الصوم بالشہادۃ، مکتبہ یحیٰ سہارنپور ا/۲۴۶) پر حضرت گنگوہیؒ کا یہ ارشاد موجود ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

رأى الهلال أهل كلكة في يوم الجمعة وأصحاب مكة يوم الخميس فعند رؤية أهل مكة لم يعلموا أهل كلكة حال رؤيتهم حتى يصوموا على حسب صيامهم ورؤيتهم ولكنهم إذا اطلعوا على رؤيتهم يجب لهم أن يقضوا صوم يوم الخميس وأيضا أن يعيدوا على حسب يوم الخميس لا علىٰ حساب يوم الجمعة .

اس میں اس بات کا خیال نہیں کیا گیا ہے، کہ مکہ میں ہندوستان سے ایک دن پہلے چاند پیدا ہوا کرتا ہے، یہ قول بظاہر قیود وشرائط کے بغیر فقہاء نے علی الاطلاق نقل فرمایا ہے، اور اسی قول پر ہر فقیہ کی عبارت میں وعلیہ الفتویٰ وھو ظاہر المذہب جیسے الفاظ ترجیح کی عبارت نقل کی گئی ہیں، اور اسی سے بہت سے علماء نے علی الاطلاق اسطرح کا مسئلہ لکھا ہے

کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، کہیں سے بھی طریق موجب سے ثبوت رؤیت کی بات آجائے اس پر عمل کرنا لازم ہوگا، لیکن حقیقت میں علی الاطلاق مسئلہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس میں قیود وشرائط بھی ہیں، جیسا کہ صاحب بدائع وغیرہ نے اسی قول کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ صاف الفاظ میں قیود شرائط کی صراحت فرمائی ہے، اور وہ یہ ہے کہ دو بلد اور دو ملکوں کے درمیان مسافت دو قسم پر ہے۔

(۱) مسافت قریبہ جس میں ایک کنارے کے لوگوں کی رؤیت پر عمل کرنے کی صورت میں دوسرے کنارے کے بلاد میں مہینہ کبھی بھی ۲۸ یا ۳۱ دن کا نہ ہوتا ہو بلکہ دونوں بلادوں میں مہینہ کا توازن باقی رہتا ہو تو ایسے دو بلاد اور دو ملکوں کے درمیان اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا امنی پور اور آسام کی رؤیت طریق موجب سے ثابت ہوجائے تو پنجاب کے لوگوں پر اسی رؤیت پر عمل کرنا لازم ہے، اسی طرح پنجاب کی رؤیت طریق موجب سے ثابت ہوجائے تو آسام وبنگال اور منی پور وغیرہ کے لوگوں پر بھی اس کے اوپر عمل کرنا لازم ہوجائے گا، اس لئے کہ دونوں قسم کے بلادوں میں مہینوں کا توازن باقی رہتا ہے۔

(۲) مسافت بعیدہ اور مسافت فاحشہ جس میں ہر دو بلاد اور ہر دو ملکوں میں سے کسی ایک کی رؤیت کا دوسرے بلاد اور دوسرے ممالک میں اعتبار کرنے کی صورت میں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ دن کا ہوجاتا ہو، اور دونوں بلادوں کے درمیان مہینوں کا توازن باقی نہ رہتا ہو، تو ایسے دو بلادوں کے درمیان اختلاف مطالع معتبر ہے، لہٰذا ایک کی رؤیت طریق موجب سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسرے میں معتبر نہ ہوگی، اسی وجہ سے مکۃ المکرّمہ اور عرب ممالک کی رؤیت کا برصغیر اور ہندوستان میں اعتبار نہ ہوگا، اور مکۃ المکرّمہ سے طریق موجب کے ساتھ ہندوستان میں رؤیت کا ثبوت ہوجائے تو ہندستان والے اس پر عمل نہیں کریں گے نہ روزے کی قضاء کریں گے، اور نہ ہندوستان والے عید منائیں گے جیسا کہ آج کے زمانہ میں ہر سال ہندوستان سے ایک دن پہلے مکہ اور مدینہ والے روزہ رکھتے ہیں، اور اسی طرح ایک دن پہلے وہاں والے عید مناتے ہیں، اور ان کا روزہ اور عید طریق موجب سے ثابت ہونے کے باوجود برصغیر کے لوگ اس پر عمل نہیں کرتے اس لئے کہ برصغیر اور عرب ممالک کے درمیان

جومسافت ہے وہ مسافت بعیدہ اورمسافت فاحشہ ہے،لہٰذا حضرت گنگوہیؒ کا وہ قول جو (الکوکب الدری۱/۲۴۶ پرموجود ہے،قابل عمل نہ ہوگا،بدائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وجه ظاهر الرواية أن المطالع لا تختلف إلا عند المسافة البعيدة الفاحشة . (بدائع الصنائع، ۲/۲۱)

هذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا تختلف فيها المطالع فأما إذا كانت بعيدة فلايلزم أحد البلدين حكم الأخر لأن مطلع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر فى أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر . (بدائع زكريا ۲/۲۲٤، كراچى ۲/۸۳، بيروت۲/۵۷۹)

اورعلماءکی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار اس وقت ہوگا، جب کہ دو بلادوں کے درمیان مسافت بعیدہ فاحشہ ہواوراگر مسافت بعیدہ فاحشہ نہیں ہے تو اختلاف مطالع مختلف شمارنہیں ہونگے، بلکہ مطالع ایک ہی شمار ہوں گے،لہٰذااس قول کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ آسام وکلکتہ کی رؤیت دہلی اور اترپردیش کے لوگوں کیلئے طریق موجب سے ثابت ہونے کے باوجود معتبر نہ ہوگی، بلکہ اس کا اعتبار کرکے اس پرعمل کرنا لازم ہوگا، ایسی صورت میں فقہاء کے دونوں قولوں کے درمیان تعارض بھی باقی نہیں رہتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۰ارمحرم الحرام۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/۱۰۵۸۰)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۳۳ھ

کہاں تک کی رؤیت کااعتبار ہوگا اوراختلاف مطالع سے کیا مراد ہے؟

سوال: [۴۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ثبوت رؤیت ہلال کا مسئلہ ہے مفتی صاحب سے سوال ہے کہ کہاں تک کی رؤیت کے ثبوت کا اعتبار ہےاوراختلاف مطالع سے کیا مراد ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ثبوت رؤیت ہلال میں اس جگہ کی رؤیت کے ثبوت کا اعتبار ہے جس جگہ کی معتبر خبر کو ماننے سے اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹/ دن سے کم یا ۳۰/ دن سے زیادہ کا لازم نہ آتا ہو، اور اختلاف مطالع کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے شہر یا دوسرے ملک کی رؤیت تسلیم کرنے سے اپنے یہاں کا مہینہ ۲۹/ دن سے کم یا ۳۰/دن سے زیادہ کا لازم آتا ہو، لہٰذا ایسی جگہ کی خبر تسلیم نہیں کی جائے گی، اسلئے کہ شریعت کی نظر میں کوئی مہینہ ۲۹/دن سے کم اور ۳۰/دن سے زیادہ کا نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ/۴۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۰۸، امداد المفتیین /۴۸۳، احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۷۴، جواہر الفقہ ۳/ ۴۸۲، جدید فقہی مسائل ۲/ ۳۳، انوار رحمت/ ۵۵۱، ایضاح المسائل/ ۷۹)

هذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا تختلف فيها المطالع فأما إذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر فى أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر. (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، إثبات الأهلة، كراچى ۲/ ۸۳، زكريا ۲/ ٢٢٤، بيروت ۲/ ٥٧٩)

إذا كان بين البلدتين تفاوت لايختلف المطالع لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرىٰ فأما إذا كانت تفاوت يختلف المطالع لم يلزم حكم إحدىٰ البلدتين البلدةالأخرىٰ. (تاتار خانية، زكريا ٣/ ٣٦٥، رقم: ٤٥٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱/ ۶/ ۱۴۳۵ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۲)

رمضان میں سعودیہ سے ہندوستان آنے والا شخص روزہ کب تک رکھے؟

سوال: [۴۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبداللہ

رمضان المبارک میں ایک بار وطن گیا شاید تیس بتیس روزے رکھنے پڑے تھے جو دو روزے زائد ہیں ان کو ترک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر سفر میں دو روزے چھوڑ دے تو کیا بعد میں قضاء رکھنا ضروری ہے، جبکہ تیس روزے پورے ہوگئے ہوں؟

المستفتي: شفیع احمد الاعظمی، الرفاع (بحرین)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو آدمی دور دراز علاقہ سے کسی دوسرے علاقہ میں پہونچ جاتا ہے، اس پر جہاں پہونچتا ہے وہاں کا حکم لاگو ہوجاتا ہے، لہٰذا سعودی عرب سے کوئی شخص ۳۰/ روزے رکھ کر ہندوستان آجاتا ہے، اور ہندوستان میں ابھی ۲۸/روزے ہوئے ہیں، تو ہندوستانیوں کی طرح اس پر بھی بقیہ روزے رکھنا لازم ہوجاتا ہے، لہٰذا اس پر مزید دو روزے لازم ہوجائیں گے، اگر اثناء سفر نہ رکھ سکے تو بعد میں قضاء رکھنا لازم ہوگا، اس مسئلہ کو احقر نے اپنی کتاب ایضاح المسائل/ ۳۸ میں بھی واضح کردیا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۱۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۵۳)

اختلاف مطالع کی وجہ سے ۳۲/روزے کی فرضیت کی ایک صورت

سوال: [۴۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی جب رمضان المبارک کے روزے شروع ہوئے تو وہ سعودیہ میں تھا، وہاں اسنے چاند دیکھ کر روزے شروع کردیئے پھر اثناء رمضان میں ہندوستان آگیا اور یہاں اسنے عید کا چاند دیکھ کر چونکہ یہاں رمضان بعد میں شروع ہوئے تھے، اسلئے اسکے ۳۲/ روزے ہوگئے تو اسکے یہ دو روزے کون سے شمار ہوں گے، اسی طرح ایک آدمی شروع رمضان المبارک میں ہندوستان میں تھا، سعودیہ جاکر اسنے عید کی اسکے اٹھائیس روزے

ہوئے تو اسکے دو روزوں کا کیا ہوگا۔مع دلائل تحریر فرمائیں؟

المستفتي:محمد سعید، پالنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:ملک اورتاریخ بدل جانیکی وجہ سے۳۲؍روزے ہونے کی صورت میں وہ سارے روزے فرض شمار ہوں گے،اورتیس روزے کے بعد بھی اس کیلئے روزہ چھوڑنا درست نہ ہوگا۔

لو صام رائي هلال رمضان وأكمل العدة لم يفطر إلا مع الإمام لقوله عليه السلام صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون . (شامی، کتاب الصوم ، زکریادیوبند۳/ ۳۵۱، کراچی ۲/ ۳۸٤، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ٦٥١)

عن أبي هريرة – رضى الله عنه – أن النبى صلى الله عليه وسلم قال فى هلال رمضان : إذا رأيتموه فصوموا ، ثم إذا رأيتموه فأفطروا فإن غم عليكم فأتموا ثلاثين صومكم يوم تصومون ، وفطركم يوم تفطرون ، الحديث: (مصنف عبد الرزاق ، باب الصيام ، المجلس العلمي ٤/١٥٥، رقم: ٧٣٠٤)

عن أبي هريرة – رضى الله عنه – عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: صومكم يوم تصومون ، وفطركم يوم تفطرون . (سنن الدار قطنی، کتاب الصيام ، قبيل باب فی وقت السحر ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٤٤، رقم: ٢١٦٠)

اوردوسری صورت میں یعنی ۲؍روزے رہ جانے کی صورت میں کوئی صریح جزئیہ تو نہیں ملا،البتہ اصول پرنظرڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے،کہ عدد روزہ میں اسی ملک کااعتبار ہوگا ،اگروہاں عیدکا چاند۲۹؍کوہوا ہے،تو ایک اور روزہ ہوگا اورتیس کا ہوا ہےتو دو روزے بعد میں قضا کرنے ہوں گے کیونکہ مہینہ ۲۹؍سے کم کانہیں ہوتا اس حکم کی نظیریں احسن الفتاویٰ ۴/۴۲۳ میں موجود ہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رشوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۱۱)

شرعی ثبوت کے بعد اختلاف کی وجہ سے عیدین کو مؤخر کرنا

سوال: [۴۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کن اعذار کی بناء پر وقت متعینہ سے مؤخر کی جاسکتی ہے، اگر علماء دیو بند کے مستند اعلان کو بریلوی تسلیم نہ کریں، تو کیا اتحاد عید کی خاطر عیدین کی نمازوں کو مؤخر کیا جاسکتا ہے، جبکہ بریلوی جماعت علماء دیوبند اوران کے ماننے والوں کو ایمان سے خارج کہتی ہے، تو کیا اس بنیادی اختلاف کے باوجود محض بریلویوں کی خوشنودی یا عیدگاہ میں مجمع بڑھانے کے لئے اہل حق عیدین کی نمازوں کو مؤخر کرسکتے ہیں، جبکہ الگ الگ دونوں کے عیدین کی نماز پڑھنے میں جھگڑے فساد کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، بارہا کا تجربہ ہے اور جیسا کہ الگ الگ عیدگاہوں ومسجدوں میں دونوں فرقے نماز پڑھتے ہیں، اور کوئی فساد یا قتل وقتال برپا نہیں ہوتا- ایک عالم دین فرماتے ہیں، کہ تاخیر عیدین کیلئے صرف وہ اعذار معتبر ہیں جو مانع صلوٰۃ ہوں اسلئے بالتفصیل جواب باصواب سے آگاہ فرمایا جائے۔

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: درج ذیل اعذار کی وجہ سے عیدین کی نمازیں مؤخر کی جاسکتی ہیں، مثلاً: (۱) بارش۔

(۲) بادل کی وجہ سے ۲۹ رکو چاند نظر نہیں آیا، اور ۳۰ رکو بعد الزوال یا قبل الزوال ایسے وقت رؤیت کا شرعی ثبوت حاصل ہو کہ لوگوں کا جمع ہوکر قبل الزوال نماز ادا کرنا ممکن نہ ہو۔

(۳) بادل کے روز نماز کے بعد معلوم ہوا کہ جس وقت نماز ادا کی گئی ہے اس وقت زوال ہو چکا تھا۔

(۴) امام نے بلا طہارت نماز پڑھائی اور ایسے وقت معلوم ہوا کہ زوال سے قبل لوٹانا ممکن نہ ہو۔

وتؤخر صلوٰة عيد الفطر بعذر كأن غم الهلال وشهدوا بعد الزوال أو صلوها فى غيم فظهر أنها كانت بعد الزوال فتؤخر إلىٰ الغدالخ. وفى الطحطاوى وكالمطر ونحوه كما فى السراج وكما لوصلى بالناس على غيرطهارة ولم يعلم إلا بعد الزوال كما فى الخانية وشهدوابعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن اجتما ع الناس الخ. (طحطاوى على مراقى الفلاح، باب العيدين قديم /۲۹۲، دارالكتاب ديو بند/۵۳۶، هنديه قديم ۱/۱۵۱، جديد ۱/۲۱۲، قاضيخان على الهنديه ۱/۱۸۵، جديد ۱/۱۱۶)

لہذا مذکورہ عالم دین کافرمان صحیح ہے، محض بریلویوں کی من چاہی کیلئے یا حکم کے خلاف من چاہت لوگوں کی من مانی میں اگر مجمع بڑھ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو ایسے مجمع کی ضرورت نہیں، اہل حق کو وقت کے مطابق سنت طریقے سے نماز ادا کر لینی چاہئے۔

عن عمران بن حصين قال: قال رسول الله ﷺ: لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق. (المعجم الكبير للطبرانى، داراحياء التراث العربي ۱۸/۱۷۰، رقم: ۳۸۱، مشكوٰة ۲/۳۲۱)

ایسے حالات میں عید الفطر یوم ثانی میں صحیح نہ ہوگی، اور عید الاضحیٰ کراہت تحریمی کیساتھ قضا ہوگی، ادا نہ ہوگی۔

وتكون القضاء لا أداء (إلىٰ قوله) بلاعذر مع الكراهة وفى الشامية أنها كراهة تحريم الخ. (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب العيدين، زكريا ديو بند ۳/۵۹، ۱/۶۱۸، كراچى ۲/۱۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۹/۲۳)

رمضان المبارک کی تاریخ میں اختلاف

سوال: [۴۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امسال کلکتہ میں ۱۳/ فروری سے رمضان المبارک کا روزہ رکھا گیا لیکن ہندوستان کے خطہ میں ۱۲/ فروری سے روزہ رکھنے کے سلسلہ میں تسلی بخش شہادت نہیں ملی ہے، عوام الناس نے مجھ سے ایک روزہ قضا رکھنے کا استفسار کیا ہے، تو میں نے کہا کہ اپنے مدرسہ مرادآباد کے جناب مفتی صاحب سے خط وکتابت کروں گا اس کے بعد بتاؤں گا، لہٰذا آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں رہبری فرمائیں، ۱۲/ فروری کو جو حضرات روزہ نہیں رکھ سکے تو کیا اس کا قضا روزہ رکھا جائے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی، جہانگیرآباد، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جمعہ کی رؤیت طریق موجب سے ثابت نہیں ہے اسلئے جنھوں نے ۲۹/ روزہ رکھے ہیں، ان پر ایک روزہ قضا کرنا لازم نہ ہوگا، اسلئے کہ قضا لازم ہونے کیلئے طریق موجب سے رؤیت کا ثبوت لازم ہوتا ہے۔ (مستفاد ایضاح المسائل /۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۷۷)

سوال بر جواب

سوال: [۴۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے آپ سے سوال کیا تھا، کہ اس سال عید الفطر کی نماز کب ہوئی منگل کو صحیح ہوئی یا

بدھ کوتو آپ نے جواب میں فرمایالکھنؤ وغیرہ میں رؤیت شرعی طور پر ثابت ہونے کی وجہ سے منگل کوعید صحیح ہوئی ہے، مگر میرا سوال یہ ہے کہ اگر آسمان صاف ہوتو بہت لوگوں کا چاند دیکھنا شرط ہے، مگراس دن بھارت میں کسی جگہ بادل نہیں تھا، توصرف لکھنؤ کے لوگوں کے چاند دیکھنے سے عید کیوں ہوئی؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پوری یوپی کے اندر مطلع صاف نہیں تھا بنگال میں صاف رہا ہوگا، آپ نے جولکھا ہے کہ پورے بھارت میں مطلع صاف رہا ہے، صحیح نہیں ہے، ہم نے لکھنؤ بلند شہر، بہار وغیرہ کی رؤیت کو شرعی ثبوت سے معتبر مان کر یہاں مرادآباد میں بھی اعلان کردیا اوراسی طرح کے ثبوت کی بناء پر دیوبند،سہارنپور، دہلی ان تمام مقامات میں ایک ساتھ اعلان کیا گیا، اسلئے ہمارے نزدیک یوپی بہار وغیرہ میں منگل کی عید ہی صحیح تھی، اس دن روزہ رکھنا جائز نہیں تھا، اسلئے اس سال کی عید منگل ہی کے روز صحیح سمجھی گئی ہے، اور چاندرات میں پنجاب یوپی بہاران تمام صوبوں میں مطلع ابرآلود تھا، صاف نہیں تھا، بنگال کا علم ہم کونہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۷۵)

عیدالفطر کی تاریخ میں اختلاف

سوال: [۴۷۰۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس سال عیدالفطر کب ہوئی کچھ جگہوں پر منگل کواور کچھ جگہوں پر بدھ کوتو کن لوگوں کی عید ٹھیک ہوئی؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں؟ کرم ہوگا؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہمارے یہاں لکھنؤ وغیرہ کی رؤیت شرعی طور پر ثابت ہونے کی وجہ سے منگل کو عید ہوئی ہے اور ہمارے علاقہ میں یہی عید صحیح ہوئی ہے، بعض اہل بدعت نے اپنی ضد سے بدھ کو بھی منائی جو خود ان کے درمیان اختلاف کا سبب رہا ہے، لکھنؤ کانپور بنارس رامپور مرادآباد دہلی دیوبند سہارنپور سب جگہ منگل کو ہوئی باقی جن علاقوں میں عمومی سطح پر بدھ کو ہوئی ہے وہاں کی باتیں وہاں کے علماء بہتر جانیں شاید ان کے پاس منگل کیلئے شرعی ثبوت نہیں پہونچا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۲۱)

ہلال کمیٹی غلط اعلان کردے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صوبہ بہار کا رہنے والا ہے، جس کی ہلال کمیٹی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ہے، بعض مرتبہ یہاں عید کرنے یا روزہ رکھنے کا اعلان کردیا جاتا ہے، جس میں چاند دیکھنے والے شاہدوں اور اس کی جگہ کی بھی تعیین کردی جاتی ہے، جبکہ اس کے خلاف پوری دنیا میں عدم رؤیت ہلال کا اعلان کیا جاتا ہے، تو اس صورت میں کیا بہار والوں کو عید منانی ہوگی یا رمضان کے روزے رکھنے ہوں گے، یا رمضان کے چاند اور عید کے متعلق کچھ تفصیل ہے جبکہ بعض مرتبہ اس اعلان پر عمل کرنے کی صورت میں اختلاف وانتشار بھی ہوجاتا ہے۔

المستفتي: محسن، تکمیل ادب، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امسال امارت شرعیہ بہار کی طرف سے رؤیت ہلال کا جو اعلان کیا گیا ہے، اس میں بڑا گھپلہ رہا ہے، کیونکہ جن شہادتوں کو بنیاد بنا کر

انھوں نے اعلان کیا تھا، ان کا جھوٹ ہونا بعد میں ظاہر ہو چکا تھا، اسلئے کہ ۳۱/ کا کوئی مہینہ ہونہیں سکتا اور ان شہادتوں کی عدالت کا بھی جائزہ لینا چاہئے، ورنہ اس قسم کا دھوکہ ہوسکتا ہے، البتہ ہلال کمیٹی جو حدود شرعیہ کے دائرے میں رہ کر کام کررہی ہے، اس کا اعلان معتبر ہوا کرتا ہے، اور اس اعلان کے مطابق عمل بھی ہونا چاہئے لیکن اگر اعلان اور فیصلہ میں مغالطہ اور خامی رہ جائے، تو اسکی تلافی بھی ہو جانی چاہئے، کیونکہ یہاں اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے نظم وانتظام مضبوط نہیں ہے، اسلئے شاہدوں کو یہ خطرہ نہیں ہوتا ہے کہ جھوٹ ظاہر ہو جانے کے بعد کوئی سزا مل سکتی ہے، ایسی صورت میں شہادت کی بنیاد پر اگر ہلال کمیٹی نے اعلان کردیا ہے، تو اس پر عمل کرنے والوں کا عمل شرعاً صحیح ہوگا، مگر اگلے ماہ اگر ۳۱/ یا ۲۸ کا ہو جاتا ہے، تو پچھلے ماہ کی رؤیت کو بنیاد بنانا صحیح نہ ہوگا، بلکہ اس ماہ کی رؤیت کا اعتبار مستقل طور پر کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۱۲۰، ۱۲۱، میرٹھ ۱۵/ ۱۰۶، ڈابھیل ۱۰/ ۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ۷/ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

شرعی شہادت کے باوجود سابقہ اجتماعی غلط فیصلہ برقرار رکھنا

سوال: [۴۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شہر کے دینی ذمہ دار لوگوں نے رؤیت کی شہادت پہنچنے کی بنا پر باہم طے کیا کہ عیدالاضحیٰ کی نماز جمعرات کو ہوگی پھر آٹھ ذی الحجہ کی شام کو شرعی شہادت موصول ہوئی کہ دسویں ذی الحجہ بدھ کو ہے اس شرعی شہادت کو نہ مان کر سابقہ اجتماعی فیصلہ کو باقی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

المستفتي: عبدالرحمٰن، عبدالحق قریشی، محمد کامل، عبدالوحید بشیر احمد محمد حنیف قریشی، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شرعی شہادت موصول ہوجائے یا طریق موجب سے رؤیت کا ثبوت ہوجائے تو اسپر عمل کرنا واجب ہے، اور خلاف کرنا معصیت ہے، لہٰذا سابقہ فیصلہ کو باقی رکھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۹۹)

وإذا ثبت في موضع لزم جميع الناس ولا اعتبار باختلاف المطالع حتى قالوا لو رأى أهل المغرب هلال رمضان يجب برؤيتهم على أهل المشرق إذا ثبت عندهم بطريق موجب . (مجمع الانهر، كتاب الصوم، قبيل باب موجب الفساد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۵۲، مصری قديم ۱/۲۳۹، هنديه زكريا ۱/۱۹۹، الدر مع الرد كراچی ۲/۳۹۴، زكريا ۳/۳٦٤، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالكتاب ديوبند/٦٥٦، البحرالرائق، كوئٹه ۲/۲۷۰، زكريا ديوبند ۲/۴۷۱)

ان مذکورہ کتابوں کی عبارت کا معنی یہ ہے کہ جب ایک جگہ چاند کا ثبوت ہوجائے تو تمام لوگوں پر واجب ہوگا، اور اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، حتی کہ فقہاء نے کہا کہ اہل مغرب نے رمضان کا چاند دیکھ لیا تو ان کے دیکھنے سے اہل مشرق پر لازم ہوگا، جبکہ ان کے پاس طریق موجب یعنی خود شہادت یا شہادت علی الشہادۃ یا کتاب القاضی اِلیٰ القاضی وغیرہ سے ثابت ہوجائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۱۸)

شرعی شہادت کے باوجود بلا عذر عید الاضحیٰ کو ایک دن مؤخر کرنا

سوال: [۴۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

رؤیت ہلال کی شرعی شہادت کے بعد نماز عید الاضحیٰ کو دوسرے دن کے لئے بلا عذر شرعی مؤخر کرنا کیسا ہے؟ کیا دوسرے دن نماز کی ادائیگی بلا کراہت درست ہوگی، اور اگر مع الکراہت ہے تو کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اس سلسلہ میں شہادت اور اخباری خبر دونوں کا حکم یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، عبدالحق قریشی، محمد کامل، عبدالوحید
بشیر احمد محمد حنیف قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی شہادت باطریق موجب سے رؤیت کا تحقق ہوجانے پر بلا عذر شرعی یوم اول سے مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

لأن تأخيرها لغير عذر من اليوم الأول مكروه. (البحرالرائق ۲/ ۱٦۳)

ويجوز تأخيرها إلىٰ آخر ثالث أيام النحر بلاعذر مع الكراهة وفى الشامية وبه يعلم أنها كراهة تحريم الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب العيدين كوئٹه ۱/ ٦۱۸، كراچی ۲/ ۱۷٦، زكريا ديوبند۳/ ۵۹)

اسی کے ہم معنی عبارت حسب ذیل کتابوں میں بھی ہے۔ (زیلعی ۱/۱۱۴، ہدایہ ۱/۱۷۴، اشرفی مجمع الانہر ۱/ ۱۷۵، بزازیہ مع الہندیہ زکریا ۴/ ۷۷، جدید زکریا دیوبند ۱/۵۲، سمیٹ/۱۰، ہندیہ زکریا ۱/۱۵۲، جدید زکریا دیوبند ۱/۲۱۲، النیرۃ ۱/۱۱۴، بدائع الصنائع کراچی ۱/ ۲۷٦، مراقی الفلاح قدیم/۲۹۳، غنیۃ المستملی قدیم/ ۵۲۸، صغیری مجتبائی دہلی/۲۸۴، شرح نقایہ، اعزازیہ دیوبند ۱/۱۳۰)

نیز شہادت اور اخباری خبروں میں فرق ہے شہادت پر عمل واجب ہے اور ضروری ہے، عمل نہ کرنے پر گنہ گار اور معصیت کا مرتکب ہوتا ہے۔

ركنها استعمال لفظ الشهادة وحكمها وجوب الحكم على القاضى بما ثبت الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۲۵۷، مصرى قديم ۲/ ۱۸۵)

چاہے شاہدوں نے خود آ کر شہادت دی ہو یا شہادت علی الشہادت یا کتاب القاضی اِلی القاضی سے ثابت ہو!

وشهدوا أنه شهد عند قاضي مصرٍ كذا شاهدان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى القاضي به (إلىٰ قوله) جاز لهٰذا القاضي (وفي الشامية أن المراد بالجواز الصحة فلا ينافي الوجوب تأمل) أن يحكم لشهادتهما لأن قضاء القاضي حجة الخ. (الدر المختار، کوئٹہ ۲/۱۰۲ کراچی ۲/۳۹۰، زکریا دیوبند۳/۳۵۸، ۳۵۹، فتاویٰ عالمگیری زکریا ۱/۱۹۹، جدید۱/۲۶۱)

محض اخباری خبروں پر بلا تحقیق عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

قد تشيع أخبار يتحدث بها سائر أهل البلدة (إلىٰ قوله) فمثل هذا لا ينبغي أن يسمع فضلاً عن أن يثبت به حكم . (شامی، کوئٹہ۲/۱۰۲، کراچی ۲/۳۹۰، زکریا دیوبند۳/۳۵۹)

اور اگر اخباری خبریں استفاضہ اور تواتر کو پہنچ جائیں تو طریق موجب کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے عمل کرنا لازم ہوگا، بشرطیکہ دونوں مقاموں کی تاریخ ہر زمانہ میں متحد ہو، لہٰذا سعودیہ کی رؤیت معتبر نہیں، کیونکہ وہاں رؤیت ماننے سے ہمارے یہاں کا مہینہ ۲۸/ کا بھی ہوجاتا ہے۔

لو استفاض الخبر في البلد الأخرى لزمهم على الصحيح الخ. (الدر المختار، کراچی ۲/۳۹۰، زکریا دیوبند۳/۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱۸/۲۳)

سعودی کی رؤیت پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اکابر کے فتاویٰ

دار العلوم دیوبند کا فتویٰ

آپ کی تحریر غور کے ساتھ پڑھی اس سے قبل یہاں سے لکھا جا چکا ہے کہ اپنے قریبی ملک مراکش کی رؤیت کی خبر کی بنیاد پر اپنے یہاں رؤیت کا اعلان کریں، بطریق موجب خبر آنے کا سال میں ایک مرتبہ انتظام کر لینا مناسب ہوگا، سہولت پسندی میں پڑ کر سعودی رؤیت کے مطابق اپنے یہاں رمضان اور عید کا اعلان کرنا درست نہیں، اگر کوئی فتویٰ بھی اس طرح کا حاصل کر لیا گیا ہے، تو یہ شرعی اصول کے خلاف ہے برطانیہ والوں کو سعودیہ کی رؤیت پر اپنے یہاں فیصلہ نہ کرنا چاہئے، آپ پوری قوت کے ساتھ مراکش کی رؤیت کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا رواج ڈالیں یہی اقرب إلی الصحۃ ہے۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ

الجواب الصحیح	الجواب الصحیح	الجواب الصحیح
کفیل الرحمٰن	ظفیر الدین	عبداللہ

مظاہر العلوم سہارنپور کی تائید

جواب صحیح اور قواعد شرعیہ کے مطابق ہے اپنے قریبی ممالک کا اعتبار ہونا چاہئے، جہاں طلوع وغیرہ میں زیادہ تفاوت نہ ہو۔

العبد محمد طاہر عفا اللہ عنہ　　　العبد: مقصود

جامعہ ڈابھیل کی تائید

احقر جواب بالا سے پورے طور پر متفق ہے۔

العبد: احمد خانپوری عفی عنہ

مفتی اعظم برطانیہ حضرت مولانا مفتی اسمٰعیل صاحب کچھولوی مدظلہ کا فتویٰ

آپ نے جو حالات وواقعات لکھے ہیں، اس کے پیش نظر ہم اہل برطانیہ کے لئے

سعودیہ کی رؤیت ہلال کے اعلان پر عمل کرنا درست نہیں، یکم محرم ۱۴۱۲ھ اور یکم رجب ۱۴۱۲ھ کے سعودیہ کے اعلان سے ثابت ہو گیا کہ ان کا اعلان بداہت کے بھی خلاف ہے کیونکہ دنیا میں ایک ہی سورج اور چاند ہے اور محرم کے اعلان کے وقت ہوائی جہاز میں اور رجب کے چاند کے اعلان کے وقت امریکہ میں سورج گرہن کی تصویر کی گئی، نیز احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ حکومت سعودیہ میں رؤیت ہلال کا فیصلہ مسلک حنفیہ کیخلاف ہونے کے علاوہ بداہت کے خلاف بھی ہوتا ہے اسلئے پاکستان کیلئے حجت نہیں، لہٰذا اہل برطانیہ کیلئے بھی اسے حجت قرار نہیں دیا جائے گا۔ اسمٰعیل کچھولوی

حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ، استاذ حدیث دارالعلوم، دیوبند کا فتویٰ

حامدا ومصلیا ومسلما، اما بعد: ضابطۂ شرعی یہ ہے کہ متحد المطلع ملک سے آئی ہوئی چاند کی شرعی شہادت یا خبر مقامی رؤیت ہلال کمیٹی منظور کرلے تو وہ معتبر ہوگی مگر شرط یہ ہے کہ جس ملک سے خبر آئی ہو وہاں رؤیت کا باقاعدہ نظام ہو اور شرعی اصول کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہو، اس اصول سے اگر مراکش میں باقاعدہ رؤیت کا نظام ہے تو وہاں سے آئی ہوئی شہادت یا خبر جب مقامی رؤیت کمیٹی قبول کرلے تو برطانیہ میں واجب العمل ہوگی، دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ مشرقی ملک کی خبر یا شہادت مغربی ممالک کیلئے حسب تفصیل حجت ہے مگر سعودیہ کی خبر کے بارے میں بہت سے لوگوں کو گمان یہ ہے کہ وہاں رؤیت پر فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ ''نیا چاند'' پیدا ہوتے ہی رؤیت مان لی جاتی ہے، اور اس بدگمانی کیلئے واضح قرائن ہیں اسلئے سعودیہ کی رؤیت کی خبر پر فیصلہ کرنا جائز نہیں، جہاں واقعی رؤیت پر فیصلہ ہوتا ہو اور برطانیہ سے اس کا مطلع متحد ہو یا وہ ملک برطانیہ سے مشرق میں واقع ہوتا ہو اور اس شہادت یا خبر کو مقامی رؤیت ہلال کمیٹی منظور کرلے تو اس کے فیصلہ پر عمل کرنا واجب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ: سعید احمد عفی عنہ پالنپوری،

خادم: دار العلوم دیوبند

سعودیہ عربیہ کی رؤیت ہلال کا فیصلہ معتبر یا غیر معتبر

سوال: [۴۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دار العلوم دیوبند، انڈیا کا فتویٰ مظاہر العلوم سہارنپور، انڈیا کی تائید جامعہ ڈابھیل گجرات، انڈیا کی تائید، (اس میں اہل برطانیہ کیلئے سعودی عربیہ کی رؤیت ہلال پر عمل کرنے کو فقہی اصول کیخلاف اور اس کے مقابلہ میں مراکش کی رؤیت کے قبول اور اس پر عمل کرنے کو اقرب إلی الصحۃ کہا گیا ہے) مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی کا فتویٰ اور مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب کا فتویٰ (دونوں فتاویٰ میں اہل برطانیہ کے لئے سعودی عرب کی رؤیت ہلال پر فیصلہ (عمل) کرنے کو ناجائز کہا گیا ہے، ان سب کی نقول اسی سوالنامہ کے ساتھ شامل ہے۔

ہم لوگ اپنے ان اکابر کے فتاویٰ کے پیش نظر رمضان شریف کے روزے کے بارے میں سعودی عرب کی رؤیت کے اعلان اور فیصلہ کو شرعی اصول وضوابط رؤیت کے خلاف ہونے کی بناء پر غیر معتبر سمجھکر اس پر عمل کو ناجائز سمجھتے ہیں، اور اس پر عمل بھی نہیں کرتے مگر دل میں ایک خلجان رہتا ہے کہ جس طرح رمضان کا روزہ رکھنا ارکان اسلام میں سے ایک رکن اور فرض ہے، اسی طرح حج بیت اللہ بھی ارکان اسلام میں سے ایک رکن اور فرض ہے، دونوں میں سے ہر ایک کی صحت اور حفاظت کا اہتمام یکساں طور پر مسلمان پر فرض ہے۔

(۱) سعودی عرب کی رؤیت ہلال غیر معتبر اور شرعی طریقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے فرض حج کے صحیح ہونے کی کیا تاویل وتوجیہ ہوگی؟

(۲) اپنے وقت کو ضائع کرنا اور اپنے مال کو ضائع کرنا شرعا حرام اور ناجائز ہے، سعودی عرب کی رؤیت ہلال کا اعلان وفیصلہ غیر معتبر اور غیر شرعی ہونے کی وجہ سے نفل حج کو جانا اپنے وقت اور مال کو ضائع کرنا ہے، اور نفل حج کو جانا کوئی مجبوری اور عذر نہیں، اس بنا پر

خود نفل حج کے لئے جانے سے بچنا اور اپنے ہم خیال لوگوں کو نفل حج سے بچنے کی ترغیب وتلقین واجب یا کم از کم افضل وبہتر ہے یا نہیں؟

(۳) رؤیت ہلال کے شرعی اصول وضوابط کی خلاف ورزی کی بناء پر سعودی عرب کی رؤیت کے اعلان وفیصلہ پر رمضان شریف کے روزہ کے بارے میں عمل جائز نہ ہوا ور حج فرض یا نفل کے بارے میں اس پر عمل جائز ہو تو دونوں میں فرق کی وجہ کیا ہے؟

(۴) مذکورہ بالا اکابر کے فتاویٰ کے مطابق سعودی عرب کی رؤیت کے فیصلہ او ر اعلان پر عمل نہ کرنے والا شخص رمضان شریف میں عمرہ کیلئے وہاں پہنچ گیا اب اسکو وہاں کی رؤیت کے مطابق روزہ کی ابتدا یا عید کرنا درست ہوگا؟ یا اس پر عید کے بعد ایک روزہ کی قضا لازم ہوگی؟

(۵) اقتداء کے صحیح ہونے کیلئے اقتداء کی نیت لازم اور ضروری ہے، مثلاً: میں آج فرض ظہر اس امام کے پیچھے پڑھ رہا ہوں وغیرہ حج اور عمرہ کو جانے والی عورتوں کو اپنے وطن میں نماز باجماعت کا اتفاق نہ ہونے کی بناء پر عموماً اقتداء کے مسائل کا علم نہیں ہوتا، لہٰذا حرمین شریفین کی نماز باجماعت میں کسی عورت نے مذکورہ بالا طور پر اقتداء کی نیت نہیں کی تو کیا اسکی اقتداء صحیح ہوجائیگی؟ یا اس نماز کا اعادہ واجب ہوگا؟ نماز باجماعت کی صف میں کھڑے ہوتے ہی مذکور نیت کو اقتداء کا قائم مقام قرار دیا جاسکتا ہے،؟ اور کیا یہ تأویل مردوں کے حق میں بھی صحیح قرار دی جاسکتی ہے؟ امید ہے کہ ان مذکورہ بالا امور کا مدلل اور تشفی بخش جواب دیکر ممنون ومشکور فرمائیں گے؟

المستفتي: عبداللہ ٹپیل، ڈیوز بری، یوکے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ میں جتنے گوشے لکھے گئے ہیں، ان سب کا اصل تعلق برطانیہ میں رؤیت ہلال کے حکم سے ہے، برطانیہ میں سعودیہ کی رؤیت کا اعتبار کیا جائے، یا مراکش کا؟ اس سلسلے میں ہم یہاں ہندوستان میں رہ کر کوئی فیصلہ کن بات

لکھنے سے قاصر ہیں، اور برطانیہ کے معتبر اور مقتدا علماء اور مفتیان کرام وہاں کے بارے میں صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں، بریں بناء ہم اس بارے میں کوئی حکم شرعی لکھنے سے اپنے آپ کو قاصر سمجھتے ہیں، لہٰذا اس سلسلے میں ہمیں معذور سمجھا جائے ،العذر عند کرام الناس مقبول۔

(۲) مقتدی کے لئے امام کے پیچھے اقتداء کے صحیح ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ جو بھی امام نماز پڑھا رہا ہو اس کے پیچھے اقتداء کی نیت کی جائے لیکن اقتداء کی نیت کی صحت کے لئے یہ لازم اور ضروری نہیں ہے، کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہی امام کی اقتداء کی نیت کی جائے ، بلکہ اتنا بھی کافی ہو جاتا ہے، کہ اپنی قیام گاہ سے چلتے وقت جماعت میں شرکت کی نیت کر لی جائے ، پھر تکبیر تحریمہ کے وقت امام کی اقتداء کی نیت ذہن میں نہ رہی ہو تب بھی اقتداء درست ہو جاتی ہے اسی طرح مسجد میں آکر جماعت کے انتظار میں بیٹھ جائے پھر جماعت کھڑی ہو جائے تو اقتداء کی نیت ذہن میں نہ رہی ہو بس لوگوں کے ساتھ جماعت میں یونہی شریک ہو جائے تب بھی اقتداء درست ہو جاتی ہے، اور اس طرح کی شرکت اقتداء کی نیت کے قائم مقام ہو جاتی ہے ،اور شریک ہونیوالے چاہے مرد ہوں یا عورت سب کیلئے یکساں حکم ہے، لہٰذا حرمین شریفین میں امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہونے والی عورتیں جس طرح بھی شریک ہو جائیں محض جماعت میں شرکت کا ارادہ ان کے لئے کافی ہے ،لہٰذا سوالنامہ میں جو شبہ ظاہر کیا گیا ہے، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلاشبہ تمام عورتوں کی نماز حرمین شریفین کے امام کے پیچھے درست ہو جائے گی۔

وفي البدائع: خرج من منزله يريد الجماعة، فلما انتهى إلى الإمام كبر ولم تحضره النية جاز. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصلاة،باب شروط الصلاة كراچی ۱/٤١٦، زكريا ۲/۹۳)

ومنهم من قال إذا انتظر تكبير الإمام ثم كبر بعده يصح شروعه فی صلوٰة الإمام ، كذا في الفتاویٰ يعني لو وجد منه الانتظار فقط من غير أن تحضره نية الاقتداء عند التكبير يصح الاقتداء ويقوم الانتظار مقام النية وهو حسن. (حلبی كبير ، مكتبه اشرفيه ديو بند/۱ ۲۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۱۰۱۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۸؍۱۴۳۱ھ

سعودیہ کی رؤیت ہندوستان کیلئے معتبر نہیں

سوال: [(الف)۴۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سعودیہ وغیرہ میں جب چاند ہوجائے تو بذریعہ خبر اسی دن ہندوستان میں بھی ماننا چاہئے کیونکہ بخاری کی حدیث اسی پر ناطق ہے، نیز اس سے اتحاد ثابت ہوگا، ہاں پہلے اتنے ذرائع نہ تھے اسلئے ممکن نہ تھا، اب تو ذرائع سبیہ ممکن ہی نہیں بلکہ اسہل ہوگئے ہیں۔

المستفتي: محمد حبیب اللہ، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودیہ کی رؤیت ہندوستان کیلئے معتبر نہیں ہے، بخاری کی کونسی حدیث ہے جس سے سعودیہ کی رؤیت پر ہندوستان میں ماننا لازم ہوتا ہے، تفصیل لکھیں؟ اعتبار ذرائع اور ثبوت کا نہیں ہے بلکہ دوری اور مطلع کا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۴۸۵)

کیا مکہ کی رؤیت ہندوستان میں معتبر ہے؟

سوال: [(ب) ۴۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں جمعہ کو رؤیت ہوئی بعد میں پتا چلا کہ سعودی عرب میں جمعرات کو رؤیت ہوچکی تھی، تو کیا ہندوستان والوں پر ضروری ہوگا کہ وہ سعودی عرب والوں کے ساتھ عید منائیں، اور

پہلا روزہ قضا کریں، نیز ان امور کو بالتفصیل شریعت مطہرہ کی روشنی میں حل فرمائیں۔

(الف) کیا شریعت میں حساب فلکی رؤیت کے باب میں کوئی شرعی ذریعہ نہیں؟

(ب) کیا ہلال رمضان کے لئے کسی ایسے ملک کے اعلان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہاں ''قواعد شرعیہ'' کے مطابق رؤیت ہلال کا فیصلہ ہوتا ہے، خواہ وہ ملک کتنی ہی دور کیوں نہ ہو؟

(ج) رؤیت ہلال کی پیروی کے لئے کیا ممالک بعیدہ کا اعتبار کیا جائے گا یا اپنے وطن کی رؤیت پر عمل کرنا ہوگا؟

برائے کرم ان چند سوالات کے جوابات میں شرعی رہنمائی فرمائیں کیونکہ ہمارے اپنے علاقے میں چند احباب نے اہل خیر کے نام سے پمفلٹ چھپوا کر لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کیا ہے، جس کے بعد لوگوں میں عجیب قسم کا انتشار پیدا ہوگیا ہے، اور اس پمفلٹ میں ائمۂ مجتہدین اور دیوبندی و بریلوی مکاتب فکر کے کے اکابر کی کتابوں کے حوالے بھی لکھے گئے ہیں ثبوت کے لئے مذکورہ پمفلٹ بھی سوال نامہ کے ساتھ ارسال کیا جارہا ہے، برائے کرم رہبری فرمائیں؟ والسلام

المستفتي: ابواحرار فاروقی

امت میں اختلاف کیوں؟

- سن ہجری کب اور کہاں طے ہوئی؟ اسلام کی بنیاد کہاں سے شروع ہوئی؟
- رمضان اور عیدین سے متعلق تمام مذاہب کے علماء کے فتاویٰ کیا ہیں؟
- حج اور عرفات کا میدان کہاں ہے، اسلام کا مرکز کہاں؟

اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو ایک نظام، نظام شمسی پر متعین کیا ہے، جس سے ساری کائنات کا نظام چلا آرہا ہے، دنیا کے جس حصے پر سورج کی روشنی پڑتی ہے، وہاں دن کہلاتا ہے، اور جس حصے پر سورج کی روشنی نہیں پڑتی وہاں رات کا سما ہوتا ہے، جبکہ قرآن

پاک کی سورۂ بقرہ: آیت نمبر ۱۸۹/ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الأَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ. ترجمہ: لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے (یہ لوگوں کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کیلئے ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتَابِ اللهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ. (سورہ توبہ: آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ: مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ ہے، اسی دن سے جب سے آسمان اور زمین کو پیدا کیا، اب ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مہینوں اور سال کی گنتی اللہ تعالیٰ نے کسی ایک ملک یا مقام کیلئے نہیں بنایا بلکہ ساری دنیا کیلئے بنایا۔

سورۂ بنی اسرائیل: آیت نمبر ۷۸/ اَقِمِ الصَّلوٰةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ.

ترجمہ : نماز کو قائم کرو، آفتاب کے ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی تک۔

زمین کی گردش کے اعتبار سے اس کا زمین کے جس حصے میں سورج کی روشنی کا پڑنا شروع ہوتا ہے، اس مقام کا طلوع آفتاب ہے، لیکن دن چوبیس گھنٹوں کا ایک ہی ہے، ایک مقام یا ملک سے دوسرے مقام میں وقت کی مسافت کا فرق ہوجاتا ہے، جیسا کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ ساری دنیا کے لوگ نہ ایک وقت سحری کر سکتے ہیں نہ افطار کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ سورۂ یونس آیت نمبر ۵/ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللهُ ذٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الآیٰتِ لِقَوْمٍ یَعْلَمُوْنَ.

ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو، اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں، وہ یہ دلائل ان کو صاف صاف بتلا رہا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔

مقامی وقت کے مطابق طلوع آفتاب سے غروب آفتاب رات کی تاریکی میں نماز کو قائم کریں، لیکن مہینوں اور سال کیلئے چاند کی منزلوں سے گنتی کی گئی ہے۔

سورۂ توبہ میں پھر فرمایا: آیت نمبر ۳۷/ **إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ.**

ترجمہ: مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا کفر کی زیادتی ہے۔

حدیث: سنن ابوداؤد کتاب العیدین کے احکام ومسائل میں: ابوعمیر بن انس اپنے چچاؤں سے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے بیان کرتے ہیں ایک قافلے والے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے شہادت دی کہ ہم نے کل شام کو ہلال چاند دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کو حکم دیا کہ اپنے روزے توڑ دیں (کیونکہ اب یہ دن یکم شوال ہوگیا) اور اگلے دن صبح کو عیدگاہ پہنچ جائیں۔ (چونکہ خبر تاخیر سے ملی تھی) مذکورہ حدیث صحابی حسن بصریؒ (مشہور تابعی) سے بھی مروی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ: رؤیت واحدہ سے متفق ہیں۔

(۱) حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ: بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا کاندھلویؒ کے استاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے الکوکب الدری شرح ترمذی میں فتویٰ جاری کیا ہے کہ: ہندوستان میں چاند جمعہ کی رات نظر آیا اور مکہ معظّمہ میں جمعرات کی رات چاند نظر آیا اور ہندوستان والوں کو پتہ نہ چل سکا کہ مکہ میں رمضان شروع ہو چکا ہے، تو جب بھی ان کو اس بات کا پتہ چلے ان کے لئے ضروری ہوگا کہ عید مکہ والوں کے ساتھ منائیں اور پہلا روزہ قضا کریں۔ (الکوکب الدری شرح ترمذی/۶ ۳۳)

(۲) امیر تبلیغی جماعت حضرت شیخ زکریاؒ: حضرت شیخ الحدیث اپنی کتاب میں لکھتے ہیں سعودی عرب میں رمضان، عید اور حج کے چاند کا اعلان باقاعدہ رؤیت شرعی کی بناء پر ہوتا ہے، اور سعودی کا طریقہ عین شرعی قرار دیتے ہیں، اور شبہ کی گنجائش نہیں اور یہ صحیح طریقہ ہے۔

(۳) اعلیٰ حضرت مولانا **احمد رضاخان صاحب بریلوی کا فتویٰ**:
ان کے نزدیک صحیح معتمد یہی ہے کہ ہلال رمضان وعید کے اختلاف مطالع کا کچھ اعتبار نہیں اگر مشرق میں رؤیت ہوتو مغرب پر حجت ہے اور اگر مغرب میں ہوتو مشرق پر۔ ثبوت شرعی ہو (در مختار) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فتاوی رضویہ جلد ۱۸ میں واضح ثبوت ہے کہ مکہ معظّمہ کی شرعی خبر ہندوستان امریکہ، یورپ یا کہیں بھی پہنچے مکہ کی رؤیت پر عمل کرنا ضروری ہے۔
منجانب: اہل خیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، لہٰذا ان کے نزدیک بلاد بعیدہ کی رؤیت طریق موجب سے حاصل ہو جائے تو اس پر عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار ہے لہٰذا بلاد بعیدہ کی خبر طریق موجب سے حاصل ہونے کے باوجود اس کا اعتبار نہیں، یہ ائمہ کے درمیان کا اختلاف ہے، اور حنفیہ کی کتابوں میں دو روایتیں ہیں ایک ظاہر الروایت جو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کی طرف منسوب ہے، اس روایت کے اعتبار سے مشرق کی خبر مغرب میں اور مغرب کی خبر مشرق میں طریق موجب سے حاصل ہو جائے، تو اس پر عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے، اسی روایت کو حضرت گنگوہیؒ نے الکوکب الدری ۱/۲۴۶ نسخہ قدیم میں واضح فرمایا ہے۔

حنفیہ کی دوسری روایت یہی ہے، کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ہے، لہٰذا بلاد بعیدہ کی خبر طریق موجب سے حاصل ہونے کے باوجود اس پر عمل کرنا درست نہیں ہوگا۔

اب اس تفصیل کے بعد حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر غور کرنا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا ہے، اس سلسلے میں چند روایات یہاں نقل کر دی جاتی ہیں، پھر اس کے بعد دونوں قولوں میں سے روایات کا مصداق کیا ہے واضح کیا جائے گا،

اس سلسلے میں ہم آپ کے سامنے چارروایتیں پیش کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

عن أبي هريرة يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم أو قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن أغمى عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين .(الصحیح البخاری ۱/۲۵٦، رقم: ۱۸۷۱، ف: ۱۹۰۸)

عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله عليه وسلم : "الشهر هكذا وهكذا وهكذا" ثلاث مرات بيده ثم قبض في الثالثة إبهامه ، فإن غم عليكم فأتموا ثلاثين .(السنن الکبری للبیهقی ۱۹٦/٦، رقم: ۸۰۲۱)

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إنا أمة أمية لانكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا يعني مرة تسعا وعشرين ومرة ثلاثين .(الصحیح البخاری۱/۲۵٦، رقم: ۱۸۷۵)

عن محمد بن سعد عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الشهر هكذا وهكذا عشرًا وعشراً وتسعا مرة .(الصحیح للمسلم ۱/۳٤۸، النسخة الهندیه)

اب ان روایات کی عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے، ان ساری روایات پر غور کرنے کے بعد یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے، کہ آپ ﷺ نے دوطرح سے ارشادفرمایا!

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " **صوموا لرؤيته و أفطروا لرؤيته**" چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو، یہ حدیث شریف مطلق ہے اسکا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ ہر ایک قوم اپنے علاقہ کی رؤیت کی مکلّف ہے اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پوری امت ایک رؤیت پر عمل کرے گی تو اس روایت کے اندر دو پہلو ہمارے سامنے آئے۔

ایک پہلو یہ ہے کہ ہر قوم اپنے اپنے خطہ اور علاقہ کی رؤیت کی مکلّف ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے سمجھا ہے، اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ دور دراز اور بلاد بعیدہ کی رؤیت کی بھی ہر قوم مکلّف ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے سمجھا ہے، اسی کو حضرت گنگوہیؒ

نے ”الکوکب الدری“ میں ذکر کیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پر عمل کیسے ہو، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ارشادات کو سامنے رکھ کر سمجھنا ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس ارشاد میں کیا ہے؟ تو اس بارے میں مؤخر الذکر تینوں روایتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں روایات میں صاف الفاظ کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا ہے: **الشهر هكذا وهكذا وهكذا ثلاث مرات بيده ثم قبض في الثالثة إبهامه فإن غم عليكم فأتموا ثلاثين**، اور بعض روایات میں دو مرتبہ عشرۃ کہا اور ایک مرتبہ تسع فرمایا ہے، سب کا حاصل یہ نکلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کر کے فرمایا کہ مہینہ انتیس یا تیس ہی دن کا ہوتا ہے، اٹھائیس یا اکتیس دن کا کوئی مہینہ نہیں ہوتا ہے، لہٰذا بلاد بعیدہ کی رؤیت کا اعتبار اس شرط کے ساتھ کیا جائے گا کہ آپ کے یہاں کسی بھی زمانہ میں ان بلاد بعیدہ کی رؤیت کا اعتبار کرنے کی صورت میں مہینہ اٹھائیس یا اکتیس کا ہونا لازم نہ آتا ہو، لہٰذا حنفیہ کی کتابوں میں ظاہر الروایہ جو نقل کیا گیا ہے جسمیں بلاد بعیدہ کی خبر کو معتبر مانا گیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے، کہ اتنی دور کی بلاد بعیدہ کی رؤیت معتبر ہوگی کہ وہاں کی رؤیت تسلیم کرنے کی صورت میں آپ کے یہاں کسی بھی زمانہ میں کبھی بھی (مہینہ) اٹھائیس یا اکتیس کا ہونا لازم نہ آتا ہو اور سعودیہ عربیہ مکۃ المکرّمہ کی رؤیت ہندوستان میں تسلیم کرنے کی صورت میں ہندوستان کا مہینہ اٹھائیس یا اکتیس دن کا ہونا لازم آتا ہے، اس لئے سعودی عرب کی رؤیت دونوں قسم کی روایتوں کے پیش نظر ہندوستان میں معتبر نہیں ہوگی، مگر آسام ومنی پور کی رؤیت پاکستان اور پشاور کے لئے، اسی طرح بنگلادیش کی رؤیت کراچی اور سندھ اور بلوچستان کے لئے یا اس کے برعکس صوبۂ سندھ کی رؤیت پورے ہندوستان کے لئے معتبر ہوگی، ایسا ہی جنوب شمال میں کشمیر کی رؤیت آندھرا اور تامل ناڈ اور بنگال وآسام کے لئے اسی طرح اس کے برعکس مشرق ہند اور جنوب ہند کی رؤیت شمال ہند کے لئے معتبر ہوگی اور یہ بھی ایک دوسرے کیلئے بلاد بعیدہ کی رؤیتیں ہیں مگر ان میں سے کسی ایک کی رؤیت تسلیم

کرنے کی صورت میں دوسری جگہ مہینہ اٹھائیس یا اکتیس دن کا ہونا لازم نہیں آتا یہی حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری روایات کا حاصل ہے، اور حضرات فقہاء کی ظاہر الروایہ میں جو مشرق کی رؤیت مغرب کے لئے اور مغرب کی مشرق کے لئے معتبر فرمایا گیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے، اور جن بزرگوں نے مکۃ المکرّمہ کی رؤیت کو ہندوستان والوں کے لئے لازم قرار دیا ہے، انہوں نے مشرق ومغرب کا مطلب واضح کرنے میں جو بات لکھی ہے، وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، لہٰذا جو تفصیل آپ کے سامنے لکھی گئی ہے، یہی صحیح اور معتبر ہے، اور اسی کو صاحب بدائع اور علامہ شامیؒ نے بھی نقل فرمایا ہے، علامہ زیلعیؒ کے حوالہ سے علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ”العرف الشذی“ میں بہت صاف الفاظ کے ساتھ اس مسئلہ کو واضح فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے ارشادات کی مراد اسی کو بتلایا ہے، جو ہم نے لکھا ہے، عبارت ملاحظہ فرمایئے:

هذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا تختلف فيها المطالع ، فأما إذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر؛ لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر فى أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر .(بدائع الصنائع ۲/ ۲۲٤- ۲۲٥، شامی، زكريا ۳/ ٣٦٤)

وقال الزيلعى شارح الكنز إن عدم عبرة اختلاف المطالع إنما هو فى البلاد المتقاربة لا البلاد النائية وقال كك فى تجريد القدورى وقال به الجرجاني ، أقول : لابد من تسليم قول الزيلعى وإلا فيلزم وقوع العيد يوم السابع والعشرين أو الثامن والعشرين أو يوم الحادى والثلاثين أو الثاني والثلاثين فإن هلال بلاد قسطنطنية ربما يتقدم على هلالنا بيومين فإذا صمنا على هلالنا ثم بلغنارؤية هلال بلا د قسطنطنية يلزم تقديم العيد أو يلزم تأخير العيد إذا صام رجل من بلاد قسطنطنية ثم جاء نا قبل العيد ومسألة هذا الرجل لم أجدها فى كتبنا وظنى أنه يمشى على رؤية من يتعيد ذلك

الرجل فيهم وقست هذه المسألة على ما فى كتب الشافعية من صلى الظهر ثم بلغ فى الفور بموضع لم يدخل فيه وقت الظهر إلى الآن أنه يصلى معهم أيضا والله أعلم وعلمه أتم، وكنت قطعت بما قال الزيلعي ثم رأيت فى قواعد ابن رشد إجماعا على اعتبار اختلاف المطالع فى البلد ان النائية، وأما تحديد القرب والنائى فمحمول إلى المبتلىٰ به ليس له حد معين وذكر الشافعية فى التحديد شيئاً . (العرف الشذى مع الترمذى، النسخة الهندية ١٤٩/١)

اور مذکورہ پمفلٹ میں یہ جواصول قائم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو ایک نظام شمسی پر قائم کیا ہے جس سے سارے کائنات کا نظام چل رہا ہے، ان کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے، اس لئے کہ صوم وافطار اور حج جیسی اہم ترین عبادت کا نظام، نظام قمری پر موقوف ہے، نظام شمسی پر نہیں ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ”**یسئلونک عن الأھلة، قل ھی مواقیت للناس والحج، الآیة** (سورۃ بقرۃ آیت:۱۸۹) میں واضح فرمایا ہے، کہ نظام قمری ہی پر اسلام کے اکثر امور کا مدار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۲۳۰۱/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱۲/۲۷ھ

نینی تال کے پہاڑوں کے اوپر سے دیکھے ہوئے چاند کا اعتبار

سوال: [۱۳۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کہ ”نینی تال“ کے پہاڑ کی چوٹی کے اوپر سے دیکھا ہوا چاند نیچے والوں کیلئے معتبر ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نینی تال کے پہاڑ کی چوٹی کے اوپر سے دیکھا ہوا چاند نیچے والوں کے لئے معتبر ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۵۲۴، کتاب المسائل ۱۲۵/۲، جدید فقہی مسائل ۲۴/۲)

فأما إذ كانت متغيمة أوجاء من خارج المصر أو كان في موضع مرتفع فإنه يقبل عندنا، وقوله عندنا يدل على أنه قول ائمتنا الثلاثة وقد جزم به في المحيط. (شامی، کتاب الصوم، زکریا ۳/۳۵۷، کراچی ۲/۳۸۸)

فإذا جاء من خارج المصر أو جاء من أعلى الأماكن في مصر ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادته -- وذكر الكرخي أنه تقبل وفي الأقضية صحح رواية الطحاوى واعتمد عليها. (تاتارخانية زكريا ۳/ ۳۵۹، رقم: ۴۵۶۳)

وأما إذاجاء من خارج المصر أوجاء من أعلى الأماكن في مصر ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادته . (مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۰)

ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر وكذا إذا كان على مكان مرتفع. (هنديه قديم، زكريا ۱/ ۱۹۸، هنديه جديد اتحاد ۱/ ۲۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۲ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۲/۴۰)

ہیلی کاپڑ اور ہوائی جہاز سے دیکھے ہوئے چاند کا اعتبار

سوال: [۴۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا ہیلی کاپڑ اور ہوائی جہاز سے دیکھا ہوا چاند زمین والوں کے لئے معتبر ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہوائی جہاز یا ہیلی کاپڑ سے معتبر اور ثقہ افراد بادلوں سے اتنی اونچائی سے چاند دیکھ کر آئیں جتنی اونچائی سے مطلع میں اختلاف پیدا نہ ہو تو شرعاً ان کی یہ رؤیت زمین والوں کیلئے معتبر ہوگی۔ (مستفاد: انوار رحمت/۵۲۴، کتاب المسائل ۲/ ۱۲۵، جدید فقہی مسائل ۲/۲۴)

وأما إذا جاء من خارج المصر أو جاء من أعلى الأماكن فى مصر ذكر الطحاوى إنه تقبل شهادته. (مجمع الأنهر، مكتبه فقيه الأمة ۱/ ۳۵۰)

فإذا جاء من خارج المصر أو جاء من أعلى الأماكن فى مصر ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادته -- وذكر الكرخى أنه تقبل وفى الأقضية صحح رواية الطحاوى واعتمد عليها. (تاتارخانية زكريا ۳/ ۳۵۹، رقم: ۴۵۶۳)

فأما إذ كانت متغيمة أو جاء من خارج المصر أو كان في موضع مرتفع فإنه يقبل عندنا وقوله عندنا يدل على أنه قول ائمتنا الثلاثة وقد جزم به فى المحيط. (شامي زكريا ۳/ ۳۵۷، شامى، كراچى ۲/ ۳۸۸)

ذكر الطحاوى أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر وكذا إذا كان على مكان مرتفع. (هنديه قديم، زكريا ۱/ ۱۹۸، هنديه جديد اتحاد ۱/ ۲۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۳/۴۰)

چشمہ لگا کر چاند دیکھنا

سوال: [۴۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن کی دور کی نگاہیں کمزور ہوتی ہیں، اگر وہ دوربین چشمہ لگا کر چاند دیکھیں تو شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ تشفی بخش جواب دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جائز اور معتبر ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ

۲/ ۱۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۴۹۵)

دوربین وخوردبین کی رؤیت کا حکم

سوال: [۴۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسی چھوٹی دوربین جو عام طور پر زمین پر سروے میں استعمال ہوتی ہو، اور جس سے روئے زمین پر ایک میل بھی صاف نظر نہیں آسکتا، کیا ایسی دوربین سے چاند دیکھنا معتبر نہیں ہے، وہ دوربین ایسی نہیں جو کئی میٹر لمبی اور خاص چوڑی ہوتی ہے، جو امریکہ وغیرہ کی رسدگاہوں میں نصب ہوتی ہے، اسلئے چھوٹی دوربین جس سے افق کے نیچے کی چیزیں ہرگز نظر نہیں آسکتیں اس کے ذریعہ چاند دیکھے جانے کا حکم کیا ہے؟

المستفتي: اختر الزماں، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہاء نے خوردبین اور دوربین کو عینک کا درجہ دیا ہے، لہٰذا اس سے رؤیت معتبر ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۴۹۵)

پاکستانی رؤیت ہلال کے شرعی اعلان پر ہندوستان میں عمل

سوال: [۴۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پاکستان کراچی میں رؤیت ہلال کمیٹی ہے اور وہ باقاعدہ شرعی ثبوت حاصل کرنے کے بعد ریڈیو سے رؤیت ہلال کے ثبوت کا اعلان کرتے ہیں، تو کیا اس اعلان پر ہندوستان والوں کو عمل کرنا

ضروری ہے یا نہیں؟ اور روزہ وافطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب سے نوازیں عند اللہ ماجور ہوں

المستفتي: محمد فاروق غفرلہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں مذکورہ شرائط کے ساتھ پاکستان یا اتنی دور سے اعلان ہو کہ اس کے تسلیم کرنے سے ہندوستان میں مہینہ کبھی ۲۸ یا ۳۱ دن کا نہ ہوتا ہوتو اس پر عمل کرنا واجب ہے، خلاف کرنا معصیت ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹، محمودیہ، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹، قدیم ۳/ ۱۲۱، و۳/ ۳۰۹، نظام الفتاویٰ/ ۲۳)

نیز اعلان کرنے والا شخص باشرع یا مسلم ہونا شرط نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۰/ ۸۲، قدیم ۳/ ۱۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۰۳)

ریڈیو کے ذریعے رؤیت ہلال کی خبر کا شرعی حکم

سوال: [۴۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان اور عید کے موقع پر ریڈیو سے جو خبریں اس طرح نشر ہوتی ہیں، کہ یہاں چاند دیکھا گیا ہے، فلاں جگہ چاند دیکھا گیا ہے، یا کل رمضان ہے یا عید ہے ایسی خبروں کا شرعاً کیا حکم ہے محض ان خبروں سے روزہ رکھنا یا عید کرنا درست ہے یا نہیں اس بارے میں رمضان وعید دونوں کا حکم یکساں ہے یا مختلف اگر ریڈیو کی خبروں سے رمضان کے ثبوت کا ظن غالب ہو جائے تو رزوہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد فاروق، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی خبروں پر صدق کا ظن غالب ہو جائے تو شرعاً

معتبر مان کر روزہ رکھنا اور روزہ کا اعلان کرنا درست ہے، عید وافطار کیلئے معتبر نہیں۔ (مستفاد: محمودیہ، جدید ڈابھیل ۱۰/۹۱، قدیم ۳/۱۲۹، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹، قدیم ۳/۱۲۱)

والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كماصرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد إذ لايفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان الخ. (شامی، کتاب الصوم، قبيل مطلب لا عبرة بقول الموقتين زكريا ٣/ ٣٥٤، كراچی ٢/ ٣٨٦، ٢/ ٩٩)

اور عید وافطار کیلئے یہ شرط ہے کہ رؤیت ہلال کا طریق موجب سے ثابت ہونے کے بعد اس طرح اعلان کرے کہ میں فلاں ذمہ دار ہوں شرعی طور پر مجھے رؤیت کا ثبوت مل گیا ہے، یا دوسرے آدمی سے اعلان کروائے وہ یہ اعلان کرے کہ فلاں ذمہ دار کی طرف سے بول رہا ہوں اور میں فلاں ہوں کہ فلاں ذمہ دار کو رؤیت کا شرعی ثبوت مل گیا ہے، لہٰذا فلاں دن نماز عید ادا کی جائے، تو معتبر مان کر افطار جائز ہے ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۹۹، محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹، قدیم ۳/۱۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۳/۲۴)

ریڈیو میں دلی سے اعلان

سوال: [۴۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک یا عید الفطر وغیرہ کے موقع پر اگر چاند نظر نہ آئے تو کیا ریڈیو میں دلی سے عبد اللہ بخاری اور ممبئی کلکتہ وغیرہ سے خبریں سن کر روزہ رکھ لینا یا عید کر لینا ہمارے لئے ضروری ہے اور کیا مطلع کے صاف ہونے اور نہ ہونے سے مسئلہ پر کوئی اثر پڑے گا؟

المستفتي: عبد القادر، مدرسہ قاسمیہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو اعلان ہوتا ہے وہ عام طور پر تحقیق کے بعد ہی ہوتا ہے، دلی میں تین جگہ سے اعلان ہوتا ہے۔

(۱) امارت شرعیہ ہند (دفتر جمعیۃ علماء ہند) یہاں باضابطہ ہلال کمیٹی قائم ہے۔

(۲) امام جامع مسجد دلی جو اس وقت مولانا احمد بخاری ہیں۔

(۳) مفتی مکرم فتحپوری، اگر ان تینوں جگہوں میں سے کسی ایک کی طرف سے اعلان ہو جائے تو جس علاقہ کے لوگ اسکے حلقہ اثر میں رہتے ہیں، ان کیلئے یہ اعلان صوم وافطار کیلئے کافی ہے، اگر مولانا احمد بخاری کے اعلان کے زیر اثر ہیں تو انکے اعلان کے مطابق عمل کریں اور اگر مفتی مکرم کے اعلان کے زیر اثر ہیں تو ان کے اعلان کے مطابق عمل کریں اور اگر امارت شرعیہ کے زیر اثر ہیں، تو ان کے اعلان کے مطابق عمل کرنا چاہیں تو عمل کریں۔ (مستفاد: جدید آلات اور چاند کا ثبوت) اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں دلی کلکتہ ممبئ وغیرہ میں ثبوت رؤیت کا جو فیصلہ ہوا ہے، اس فیصلہ کی اطلاع اس کے حلقہ اثر میں طریق موجب کے ساتھ پہونچنا لازم ہے، یعنی اتنے اخبار یا اتنے ریڈیو یا اتنے ٹیلیفون یا فیکس یا معتبر آدمی کے ذریعہ سے پہونچ جائے تو اس اطلاع پر عمل کرنا حلقہ اثر کے لوگوں پر لازم ہو جاتا ہے ،لہٰذا اگر آپ کا علاقہ دلی کلکتہ یا ممبئ کے حلقہ کے اثر میں ہے تو آپ کے یہاں اس طریقہ سے عمل کیا جا سکتا ہے، جو اوپر لکھا جا چکا۔ (مستفاد: جدید آلات اور چاند کا ثبوت) جواہر الفقہ، جدید ۳/ ۴۷۷، ۴۷۸، قدیم ۱/ ۳۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ۵/ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۲۸۰۷)

ریڈیو اسٹیشن کے اعلان پر اعلان کرنا

سوال: [۴۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ریڈیو

اسٹیشن پر مقرر ناشر اگر یوں خبر دے کہ فلاں جگہ فلاں شخص نے جو کہ قاضی شہر ہیں، یا رؤیت ہلال کمیٹی کے صدر ہیں، رؤیت ہلال کا اور عید کا اعلان کر دیا ہے، کیا مذکورہ بالا خبر کی بناء پر دوسری جگہوں پر صوم وافطار کا اعلان کرنا صحیح ہے، اور ناشر مذکور کی نمائندگی کی بھی تصریح نہیں ہے، اگر چہ رؤیت ہلال کے سلسلہ میں کتاب بھی تصنیف کی جا چکی ہیں، لیکن ہم مختصر اور واضح فتویٰ چاہتے ہیں، جس پر بغیر غور وفکر کئے ہوئے عمل کرنا آسان ہو اور باہم اختلاف نہ ہو کیونکہ مذکورہ کتب کی عبارات ومطالب کی افہام وتفہیم میں بسا اوقات علماء کے مابین اختلاف ہوجاتا ہے، جو عوام کی پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔

المستفتي: منصب علی قاسمی، ں انڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دو شرطوں کیساتھ یہ خبر واعلان معتبر ہوگا۔ (۱) ذمہ دار کی طرف سے جانا پہچانا نمائندہ ہو۔

(۲) اعلان کرانے والا باشرع ہو، اعلان میں ناشر کے الفاظ وآواز شرط نہیں ہے جبکہ یہ یقین ہوجائے کہ فلاں ذمہ دار کی طرف سے یہ اعلان ہے، بصورت دیگر اعلان افطار معتبر نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹ محمودیہ قدیم، ڈابھیل ۱۰/ ۶۹، ۳۰/ ۱۲۱ یا ۱۲۹)

نیز اعلان کرنے والے کا باشرع یا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ (محمودیہ ۳/ ۱۳۴، قدیم جدید ڈابھیل ۱۰/ ۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۰۲)

ریڈیو کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں

سوال: [۴۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رؤیت

ہلال کے سلسلہ میں ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں کیا ریڈیو کی خبر کو مدار بنا کر دوسری جگہ پر اعلان صوم وافطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: منصب علی قاسمی، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ریڈیو کی خبر پر صدق کا ظن غالب ہو جائے تو اتنی دور تک دوسری جگہوں پر اعلان صوم کیا جا سکتا ہے، کہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ کبھی ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہوتا ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ، جدید ڈابھیل ۱۰/۹۱، قدیم ۳/ ۱۲۹، قدیم ۳/۱۲۱، جدید ڈابھیل ۱۰/۶۹)

والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أو رؤيته القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كماصرحوا به واحتمال كون ذلك بغير رمضان بعيد إذ لايفعل مثل ذلك عادة فی ليلة الشک إلا لثبوت رمضان الخ. (شامی، كتاب الصوم، قبيل مطلب لا عبرة بقول الموقتين زكريا ۳/۳٥٤، كراچی ۲/۳۸٦، ۲/۹۹)

اور اعلان افطار وعید کیلئے شرط یہ ہے کہ باشرع حدود شرع سے واقف حاکم مسلم یا ہلال کمیٹی کے پاس رؤیت ہلال کا ثبوت شرعی ہو جانے کے بعد ریڈیو پر اس طرح خود اعلان کرے یا دوسرے سے کرائے کہ میں فلاں ذمہ دار ہوں یا فلاں ذمہ دار کی طرف سے ہوں اور یہ اعلان کر رہا ہوں کہ رؤیت کا شرعی ثبوت مجھکو یا فلاں ذمہ دار کو حاصل ہو چکا ہے، لھذا فلاں دن عید ہے اور یہ اعلان اتنی دور تک قابل تسلیم ہوگا کہ اسکے تسلیم کرنے سے وہاں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہوتا ہو، لہٰذا اہل یوپی کیلئے پاکستان وبنگلہ دیش و برما لنکا وغیرہ کا اعلان معتبر ہوگا الخ ۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹، قدیم ۳/۱۲۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۰۲)

تار، ٹیلفون اور ریڈیو کی خبر کا حکم

سوال: [۴۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رؤیت ہلال کے متعلق چاند کے ہونے اور نہ ہونے کی جو خبر ریڈیو کے ذریعہ نشر کی جاتی ہے، وہ شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کن شرائط کیساتھ اور نہیں ہے تو کیوں؟ کبھی کبھی خبر اس طرح نشر کی جاتی ہے کہ امام صاحب نے دہلی میں چاند کے ہونے کا اعلان کردیا یا دہلی میں کل روزہ ہے یا رؤیت ہلال ہوجانے کی وجہ سے کل دہلی میں عید ہے، اس طرح کبھی خبر پاکستان وبمبئی وبہار سے نشر کی جاتی ہے، واضح رہے کہ ریڈیو اسٹیشن سے کبھی مفتی یا عالم صاحب کے نام کے ساتھ خبر نشر کی جاتی ہے، اور کبھی بغیر اسم کی صراحت کے، ایسے وقت میں جب مختلف مقامات سے خبریں آرہی ہوں اور ہمارے شہر میں رؤیت نہ ہوئی ہو اور نہ ہی اطراف میں کوئی عینی شاہد ہے تو کیا یہاں کے ذمہ داران مدرسہ ان نشریات کو معتبر جان کر اپنے مدرسہ کی جانب سے اعلان کرادیں، اور قیاس بھی کہتا ہے کہ جب شرق وغرب بہار میں چاند ہوگیا تو درمیان میں کیا مانع، غبار، دھواں، بدلی کی وجہ سے نظر نہیں آیا ہوگا، البتہ رؤیت ہوگئی ہے، ورنہ کیسے فوراً دہلی، ممبئی، لکھنؤ سے رابطہ قائم کیا جائے، اور اگر رابطہ قائم ہو بھی جائے تب بھی ٹیلیفون کی سماعت خود ہی ایک مسئلہ ہے، ایسے موقع پر مدرسہ میں لوگوں کا ازدحام ہوتا ہے، کیا کیا جائے؟

المستفتي: محمد زید، سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہلال رمضان المبارک کیلئے شہادت ضروری نہیں ہے، محض خبر کافی ہے اس لئے اگر ریڈیو، ٹیلیفون اور تار وغیرہ سے خبریں آجائیں اور ایسی خبروں سے صدق کا ظن غالب ہوجائے، تو ان کو معتبر مان کر روزہ رکھ لینا ذمہ داران کا اپنے حلقہ میں اس کا اعلان کردینا شرعا درست ہوگا، نیز اتنی دور تک کی خبروں پر عمل کیا جاسکتا ہے، کہ وہاں کی رؤیت کو تسلیم کرنے کی وجہ سے آپ کے یہاں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ دن کا نہ ہوتا ہو، جس

میں پاکستان ہندوستان، بنگلہ دیش، برما شامل ہیں، سعودیہ وغیرہ کی خبر معتبر نہ ہوگی ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۹۱، قدیم ۳/ ۱۲۹، قدیم ۳/ ۱۲۱، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹)

والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أو رؤيته القناديل من المصر لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كماصرحوا به واحتمال كون ذلك بغير رمضان بعيد إذ لايفعل مثل ذلك عادة فى ليلة الشك إلا لثبوت رمضان الخ. (شامی، كتاب الصوم، قبيل مطلب لا عبرة بقول الموقتين زكريا ۳/ ۳٥٤، كراچی ۲/ ۳۸٦، ۲/ ۹۹)

اور ہلال عید الفطر واضحیٰ کے لئے طریق موجب سے ثبوت لازم ہے یعنی رؤیت کی شرعی شہادت یا "**شهادة على الشهادة بالرؤية**" یا شہادت علی حکم حاکم یا استفاضہ سے ثابت ہو اس کے بغیر معتبر نہیں، اسلئے تار یا ٹیلیفون کی خبریں یہاں بالکل معتبر نہ ہوں گی اور ریڈیو کی خبر اس شرط کے ساتھ معتبر ہوسکتی ہے، کہ حاکم مسلم یا رؤیت ہلال کمیٹی جس کے افراد حدود شرع سے واقف متبع شرع ہوں، ثبوت شرعی کے بعد ریڈیو پر اس طرح اعلان کرے، یا کرائے، کہ میں فلاں ہوں، فلاں ذمہ دار یا فلاں کمیٹی کی طرف سے اعلان کر رہا ہوں، کہ رؤیت ہلال کا شرعی ثبوت ہم کو مل گیا ہے فلاں دن نماز عید ادا کی جائے گی، یہ اعلان اتنی دور تک معتبر ہوگا، کہ اس کے تسلیم کرنے سے آپ کے یہاں مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا کبھی نہ ہوتا ہو، لهٰذا اہل یوپی کیلئے بصورت دیگر ریڈیو کا اعلان معتبر نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۹، محمودیہ قدیم ۳/ ۱۲۱، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۳/۲۴)

آبزرویڑی کی پیشن گوئی سے رؤیت ہلال کے ثبوت کا حکم

سوال: [۴۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یورپ اور برطانیہ میں کچھ عوام کے علاوہ ہم مسلک علماء کرام کی ایک مختصر سی جماعت

ہے جنکے عبادات کے سلسلہ میں محکمہ موسمیات آبزرویڑی کی نیومون اور چاند کی پیدائش کے متعلق ہمارے اسلاف امت کے عقائد کیخلاف حسب ذیل لکھے ہوئے کچھ عقائد ونظریات ہیں

عقیدہ: (۱) آبزرویڑی کی پیشن گوئی اوران کے حسابات قطعی اوراجماعی ہونیکی وجہ سے ثبوت ہلال رمضان وعیدین وغیرہ میں اسکے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

عقیدہ: (۲) آبزرویڑی (گرین وچ والوں) کی پیشن گوئی کیخلاف رؤیت وثبوت ہلال کے متعلق امکان رؤیت سے پہلے جو گواہی چاند دیکھے جانے کی ہوگی، وہ بلا تردد رد کردی جائے گی۔

عقیدہ: (۳) امکان رؤیت بھی وہ قابل اعتبار ہوگی جو آبزرویڑی والے بتلائیں گے؟

عقیدہ: (۴) چاند دیکھے جانے کی شہادت اور گواہی بھی وہی قابل اعتبار ہوگی جو (نیو مون کے حساب کے مطابق) امکان رؤیت کے بعد ہوگی وغیرہ- ماحصل اور خلاصہ یہ کہ ان کے یہاں عقائد کے اعتبار سے حتمی طور پر سائنسی تحقیقات جدیدہ (انسانوں کے ہاتھوں بنائے ہوئے) مشینی آلات اور فلکیاتی حسابی پیشن گوئی (نیومون) کو قطعی اور اجماعی تصور کرتے ہوئے اسے رؤیت ہلال اور ثبوت ہلال کے بارے میں معیار اور بنیاد بنا کر اس کے بتلائے ہوئے حسابات یا متعینہ گھنٹے سے پہلے عرب وعجم میں کہیں سے بھی چاند دیکھے جانے کا شرعی ثبوت مہیا ہوجائے یا مفتیان کرام کی جانب سے تصدیقی اعلانات ہوجائیں تب بھی یہ حضرات اسے تسلیم کرنے اور ماننے کیلئے قطعاً تیار نہیں بلکہ فلکیاتی پیشن گوئی سے پہلے چاند دیکھنے والے چاہے متعدد مستند علماء صلحاء یا مشائخ ہوں، یا دیندار مسلمانوں میں سے جم غفیر ہی کیوں مشاہدہ نہ کرلیں تب بھی یہ حضرات ان کی شہادتوں کو معاذ اللہ مردود وباطل اور غلط قرار دینے میں ذرہ برابر بھی جھجھک اور تردد محسوس نہیں کرتے۔

سوال یہ کہ: ان فلکیاتی علماء کرام کا ثبوت رؤیت ہلال کے سلسلہ میں مشینی آبزرویڑی کی حسابی پیشن گوئی کو عقیدتاً قطعی اجماعی تصور کرتے ہوئے اسے بنیاد ومعیار اور دین کا ایک جزء سمجھتے ہوئے اس کے مطابق عمل کرنا اور کرانے پر مصر ہونا یہ احداث فی

الدین میں داخل ہے یانہیں؟ اگر احداث فی الدین میں داخل ہے توانھیں ضال اور مضل کہا جائیگا یانہیں ؟ یا انہیں بدعتی کہا جائیگا ؟ مذکورہ عقائد رکھنے والے اہل علم کو بایں عقیدہ مساجد ومدارس وغیرہ کی خدمات پر برقرار رکھنا مناسب ہے یانہیں ؟ امید کہ تسلی بخش جواب تحریرفرما کرممنون ومشکور فرمائیں گے؟

المستفتي: محمد ایوب سوری عفی عنہ، باٹلی، برطانیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے اصل سوال کا جواب پیش کرنے سے پہلے برطانیہ میں ثبوت ہلال سے متعلق تھوڑی سی بات پیش کی جارہی ہے، کہ برطانیہ جیسے ممالک میں سال کے اکثر و بیشتر حصوں میں چاند دکھائی نہیں دیتاہے، وہاں والوں کیلئے شریعت کا بہترین حل یہ سمجھ میں آتاہے۔

(۱) معتبر ترین لوگوں کی ایک جماعت ہوائی جہاز کے ذریعہ بادلوں سے اوپر جاکر چاند کا معاینہ کرکے اور وہ لوگ ثبوت یانفی سے متعلق جوشہادت دیدیں متفقہ طور پر پورے ملک کے لوگ اس پرعمل کریں۔

(۲) اسلامی ممالک کی طرف سے معتبر ذرائع سے رؤیت کی اطلاع آجائے یا برطانیہ زمین کے جس خطہ پرواقع ہے اس کے محاذ اور برابر میں جن ممالک میں مطلع صاف رہتاہے وہاں سے شرعی اطلاع آجائے جیسا کہ مراکش اورالجزائر وغیرہ تو اس اطلاع کے مطابق پورے برطانیہ میں ہرمسلک کے لوگ متفق ہوکرعمل کریں ضرورت کی وجہ سے دوسرے ممالک کی خبروں اور وہاں کی اطلاعات پرعمل کرنا شرعاً جائز ہے، نیز برطانیہ میں حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری دامت برکاتہم کی زیرصدارت ۱۶؍جولائی ۱۹۷۸ء جمعیۃ علماء برطانیہ کی ہلال کمیٹی نے جواسی طرح کا فیصلہ دیاہے اس پر اہل برطانیہ کوعمل کرنا چاہئے۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۴۱۵، ۴۱۴)

اس کے بعد آپ کے اصل سوال کا جواب پیش ہے۔

فلکیاتی سائنس دانوں اور مشینی آبزرویٹری کے حساب وکتاب اور ان کی پیشن گوئی پرعمل کرنے کا شریعت نے امت کومکلّف نہیں بنایا ہے، بلکہ شریعت نے ثبوت ہلال کے بارے میں طریق موجب سے آئی ہوئی شہادتوں کا اعتبار کیا ہے، لہٰذا شرعی اطلاع اورشرعی شہادتوں کونہ مان کرمحض مشینی آبزویٹری اورفلکیاتی سائنس دانوں کی پیشن گوئی کو عمل کیلئے معیار بنالینا اوراس کوقطعی سمجھنے کاعقیدہ رکھنا حدیث رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور احداث فی الدین ہے اسلئے جولوگ ایسا عقیدہ رکھتے ان کی اصلاح کی ضرورت ہے اورانہیں توجہ دلائی جائے، اگر باز نہ آئیں تو ان کوگمراہ اور فاسق قرار دیا جاسکتا ہے، اور ایسے لوگوں کو دینی امور کا نمائندہ بنانا بھی درست نہ ہوگا، بلکہ صحیح العقیدہ دیندار مسلمانوں کو مساجد ومدارس جیسے دینی امور کا ذمہ دار بنانا چاہئے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:
آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشادفرمایا:

أنا أمة أمية لانكتب ولا نحسب الشهر هٰكذا وهٰكذا يعنى مرة تسعاً وعشرين ومرة ثلٰثين. (بخاری شریف، باب قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لانكتب ولا نحسب، النسخة الهندية ۱/۲۵٦، حديث: ۱۸۷۵، ف: ۱۹۱۳، ۲/۷۹۹، ۱۰۱۵، مسلم شریف، باب وجوب صوم رمضان لروية الهلال الخ، النسخة الهندية ۱/۳٤۷، بيت الافكار رقم: ۱۰۸۰)

فقہاء نے لکھاہے: **لاعبرة بقول المؤقتين ولو عد ولاً على المذهب وفى الشامية لا يعتبر قولهم بالإجماع ولايجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه فلايلزم بقول المؤقتين أنه أي الهلال يكون فى السماء ليلة كذا وإن كانوا عدولاً فى الصحيح.** (شامی، كتاب الصوم، مطلب لا عبرة بقول المؤقتين كراچی ۲/۳۸۷، زكريا ديوبند ۳/۳٥٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍ ۶۶۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍ ۴؍ ۱۴۲۱ھ

۳/ باب السحور والإفطار

منتہاءِ سحر اور صبح صادق سے قبل اذان فجر دینا

سوال: [۴۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(الف) منتہاءِ سحر ہی صبح صادق ہے یا کچھ درمیان میں وقفہ ہے۔

(ب) صبح صادق سے دو تین منٹ قبل اگر کسی نے کھایا پیا تو روزہ ہوگا یا نہیں؟

(ج) جس جگہ عوام اذان فجر پر سحری ختم کرتے ہوں تو کیا اذان فجر قبل صبح صادق دی جاسکتی ہے؟

(د) اگر صرف رمضان المبارک میں اذان فجر قبل صبح صادق دیدی جائے تاکہ لوگوں کے روزے ضائع نہ ہوں تو یہ عذر عندالشرع درجۂ جواز میں ہے یا نہیں؟

المستفتی: نورالعارفین، نولگڑھ راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (الف) منتہاءِ سحر ہی صبح صادق ہے سحری کے وقت اور صبح صادق کے درمیان میں کوئی وقفہ نہیں ہوتا۔

النهار عبارة عن زمان ممتد من طلوع الفجر الصادق إلىٰ غروب الشمس وهو قول أصحاب الفقه واللغة . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصوم، قديم /٣٤٦، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٦٣١)

(ب) جب تک صبح صادق نہ ہو اس وقت تک سحری کھا سکتے ہیں، اور روزہ درست ہو جائے گا، البتہ اتنی تاخیر نہ کریں کہ صبح صادق میں شک ہو جائے۔ (بہشتی زیور ۳/۱۴)

(ج-د) جو لوگ اذان فجر تک سحری کھاتے ہیں، اگر صبح صادق پر اذان ہوئی ہے تو ان لوگوں کے روزے صحیح نہیں ہونگے، اور ان کی وجہ سے اذان صبح صادق سے قبل نہیں دی

جاسکتی ہے اور یہ نہ ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے اذان صبح صادق سے پہلے دینے کی اجازت دی جاسکے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۰۵، احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۳۲)

تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لايجوز اتفاقاً وكذا في الصبح عند ابي حنيفةؒ ومحمدؒ وإن قدم يعاد في الوقت هكذا في شرح مجمع البحرين لابن الملك وعليه الفتوىٰ . (عالمگیری، زکریا ۱/ ۵۳، جدید زکریا ۱/ ۱۱۰، شامی، الباب الثاني في الأذان، الفصل الأول، کراچی ۱/ ۳۸۵، زکریا ۲/ ۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۸ھ

سحری کا وقت

سوال: [۴۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ ۲/ ۹۵ پر فرماتے ہیں کہ طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں اور اس کے تحت حاشیہ میں لکھا ہے کہ بعض موسم میں اس سے بھی زیادہ کی گنجائش ہے یہ احتیاطاً لکھدیا، اب دریافت کرنا چاہتے ہیں، کہ گنجائش کتنے منٹ کی ہے ہمارے یہاں ایک دائمی جنتری ہے تمام بنگال کی تمام مساجد و مدارس اور عوام وعلماء کرام اس پر عمل کرتے ہیں، رمضان ہذا میں حضرت مولانا کے معین کردہ ڈیڑھ گھنٹہ سے چار منٹ کا فرق ہورہا ہے، یعنی ایک گھنٹہ ۳۴ منٹ پر ہماری سحری کا وقت ختم ہوتا ہے اس صورت میں ہمارا عمل صحیح ہے یا غلط ہے؟ شرعی حیثیت سے جو حکم ہو جہاں تک ہوسکے جلدی روانہ فرمادیں؟

المستفتی: خدا بخش، گوند پور، ۲۴ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت مولانا تھانویؒ نے خود یہ قید لگادی ہے کہ

بعض موسموں میں ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ یا کم بھی ہوسکتا ہے، جس زمانہ میں حضرت تھانویؒ نے یہ فتویٰ جس وقت لکھا ہے اس زمانہ میں طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے ہوتا رہا ہوگا، اسلئے حضرت تھانویؒ نے احتیاط کی قید لگائی ہے، لہٰذا اگر آپ کے یہاں طلوع آفتاب سے ایک گھنٹہ ۳۴ منٹ پہلے طلوع صبح صادق ہوتی ہے، تو اسی کا اعتبار ہوگا، لھٰذا اہل بنگال کو وہاں کی حقیقی صبح صادق کا اعتبار کرنا چاہئے۔

عن ابي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ : إن للصلوٰة أولاً وآخراً –إلىٰ– وإن أول وقت الفجر حين يطلع الفجر وإن آخر وقتها حين تطلع الشمس . (سنن ترمذی، كتاب الصلوٰة ، باب مواقيت الصلوٰة ، النسخة الهندية ١/٣٩ ، دارالسلام رقم: ١٥١)

الفجر فجران – إلىٰ – والثاني هو البياض الذى يستطير ويعترض في الأفق، ولا يزال يزداد حتى ينتشر ، وسميٰ مستطيراً لذلک ، يثبت به أحكام النهار من حرمة الطعام والشراب للصائم وخروج وقت العشاء وجواز أداء الفجر. (الفتاوىٰ التاتا رخانية ، زكريا ٢/٤، رقم: ١٤٩٠)

أول وقت الفجر إذ طلع الفجر الثاني وهو المعترض في الأفق وآخر وقتها مالم تطلع الشمس . (هدايه ، اول اشرفی ديو بند/ ٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۶۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۰ھ

سحری کا آخری وقت اور حدیث ابوداؤد اذان کے وقت پانی پینے کا مطلب

سوال: [۴۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سحری کا آخری وقت کیا ہے، اگر کوئی شخص ختم سحری کے دو تین منٹ بعد تک کھا تا رہے یا فجر کی اذان اول وقت میں ہو رہی ہو، اس وقت پانی پیتا رہے، تو اس کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور حدیث

مندرجہ ذیل کا کیا مطلب ہے؟ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی فجر کی اذان کی آواز سنے اور اس کے ہاتھ میں پانی کا برتن ہو تو برتن کو اس وقت تک ہاتھ سے نہ رکھے جب تک اپنی ضرورت پورا نہ کرلے، یعنی پانی پینا ہو تو پی لے۔ (مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد شریف) حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے، کہ فجر کی اذان ہورہی ہو تب بھی کھانا پینا جائز ہے، جواب باصواب سے نواز کر عنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتی: محمد اسحٰق ندیاوی، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سحری کا آخری وقت صبح صادق کا طلوع ہے طلوع صبح صادق کے ایک منٹ بعد بھی کھانے پینے سے روزہ صحیح نہیں ہوسکتا ہے، جس حدیث شریف میں کھانے پینے کی بات آئی ہے، اس سے مراد رمضان المبارک میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وہ اذان ہے جو سونے والوں کو جگانے کی غرض سے دی جاتی تھی، وہ طلوع صبح صادق سے قبل ہوتی تھی، اس سے استدلال کر کے صبح صادق کے بعد کھانے پینے والوں کا روزہ صحیح نہیں ہوگا، ایسے روزہ کی قضا کرنا واجب ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۴۴۳، فتاویٰ دارالعلوم ۶/۳۴۵)

عن سمرة بن جندب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يغرنكم من سحوركم أذان بلال ولا بياض الأفق المستطيل هكذا يستطير هكذا وحكاه حماد بيديه قال: يعني معترضاً. (صحيح مسلم، كتاب الصوم، باب بيان أن الدخول في الصوم، النسخة الهندية ۱/ ۳۵۰، بيت الافكار رقم: ۱۰۹۴)

الفجر فجران، سمى الضرب الأول كاذباً—إلىٰ— والثاني: هو البياض الذي يستطير ويعترض في الأفق، ولا يزال يزداد حتى ينتشر، وسمىٰ مستطيراً لذلك، يثبت به أحكام النهار، من حرمة الطعام والشراب للصائم وخروج وقت العشاء وجواز أداء الفجر. (الفتاوىٰ التاتار

خانية زكريا ٢/٤، رقم: ١٤٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۷۰)

دوران سحری اذان ہونے پر کھانا کھائے یا رک جائے

سوال: [۴۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے مہینے میں خالد روزہ رکھ رہا تھا، اتفاق سے ایک روز آنکھ دیر سے کھلی یعنی جس وقت سحری کھا رہا تھا، آذان ہونے لگی اب خالد کھانے سے ہاتھ ہٹا لے یا اس پلیٹ کے کھانے کو صاف کردے؟ جواب دیں۔

المستفتي: محمد مختار عالم، سکٹھو نگلہ، ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سحری کھانے کے وقت اذان ہو رہی ہے، اور اذان طلوع فجر کے بعد ہی دی جارہی ہے تو روزہ فاسد ہو جائیگا اور پلیٹ کا بقیہ کھانا کھا لینا ہرگز درست نہیں ہوسکتا اسلئے کہ صبح صادق ہو چکی ہے۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ : الأية (البقرة : ١٨٧)

وإذا تسحر وهو يظن أن الفجر لم يطلع فإذا هو قد طلع (إلىٰ قوله) وعليه القضاء الخ. (هدايه، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة قديم ١/ ٢٠٥، جديد اشرفي ديوبند ١/ ٢٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

انتہاءِ سحر سے متعلق امداد الفتاویٰ کی عبارت کی توضیح

سوال: [۴۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ کتاب الصوم میں انتہاء سحر کے تعلق سے تحریر فرمایا ہے، کہ ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں اور فقہاء نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کل جتنا وقت ہے اس کو سات حصوں پر تقسیم کریں چھ حصے میں سحری کھا سکتے ہیں، اب اس عبارت کے تعلق سے خالد کہتا ہے، کہ حضرت تھانویؒ اس عبارت سے ختم سحری کا احتیاطی وقت بتانا چاہتے ہیں، زید کہتا ہے کہ غروب سے طلوع تک سات حصے کر کے ساتویں حصہ کی ابتدا صبح صادق ہے فوراً اذان کہہ کر نماز فجر پڑھی جاسکتی ہے، دونوں میں کس کا قول صحیح ہے اگر فروری میں غروب سے طلوع تک سات حصے کئے جائیں تو ساتواں صبح صادق والا حصہ پونے دو گھنٹہ سے زیادہ کا ہوتا ہے، جبکہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ طلوع آفتاب سے تخمیناً ڈیڑھ گھنٹہ قبل صبح کاذب ہوتی ہے، پھر صبح صادق ہوتی ہے (تعلیم الاسلام ۵۲/۳) پورے سال میں صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان زیادہ سے زیادہ کتنا فصل ہوتا ہے، اور کم از کم کتنا ہوتا ہے۔

المستفتي: حاجی عبداللہ، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حکم کا اصل مدار طلوع صادق پر ہے، اور طلوع صبح صادق کی تصدیق معتدل موسم میں صحت مند آدمی کے دیکھنے سے ہوتی ہے، اور جو دائمی جنتری بنائی گئی ہے، اس کی بنیاد سال بھر کے تجربہ پر ہے، اسلئے علماء اور مشائخ نے دائمی جنتریوں کو معتبر قرار دیکر ان پر عمل کیا ہے، حضرت تھانویؒ کا زمانہ بھی دائمی جنتریوں کی تحقیق کا زمانہ تھا، اور بعض زمانہ میں صبح صادق اور طلوع آفتاب میں فاصلہ زیادہ ہوتا ہے، اور بعض میں کم بھی ہوتا ہے، جو جنتری سے بھی پتہ چلتا ہے، اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی

بات یوں صحیح ہے کہ اکتوبر میں صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ کا فاصلہ ہوتا ہے، تو ڈیڑھ گھنٹہ قبل صبح کاذب ہوسکتی ہے، اور حضرت تھانویؒ کی بات اس طرح صحیح ہوسکتی ہے، کہ جولائی میں صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ایک گھنٹہ ۴۰ منٹ کا فاصلہ ہوتا ہے تو طلوع آفتاب سے دو گھنٹہ قبل سحری بند کردینا احتیاط کی بات ہے، نیز حضرت تھانویؒ کا معمول بھی ہمیشہ احتیاط پر رہتا تھا، ہم نے تحقیق کر کے دیکھا ہے کہ جولائی میں ایک گھنٹہ ۴۰ منٹ تک کا فاصلہ رہتا ہے اور اکتوبر میں ایک گھنٹہ ۲۴ منٹ اور دیگر مہینوں میں اس کے درمیان مختلف فاصلہ رہتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۲۰/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱۱/۱۴۱۵ھ

سحری سے قبل مسجدوں میں اٹھنے کا اعلان کرنا

سوال: [۴۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ رمضان کے اندر تین بجے سے مسجدوں میں اٹھنے کا اعلان کیا جاتا ہے، اس سے غیر مسلم بھائیوں کو تکلیف پہونچتی ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی، جہانگیر آباد، سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان المبارک میں خالص مسلمانوں کے محلوں میں سحری کے وقت سحری کیلئے صرف ایک مرتبہ آواز دیکر بیدار کرنیکی گنجائش ہے، بار بار اعلان کرنے میں ذکر وتلاوت اور نماز وعبادت میں خلل ہوتا ہے، اسلئے بار بار اعلان کرنا ممنوع ہے، اور غیر مسلم اکثریت والے محلے اور مخلوط محلوں میں اعلان کرنے میں غیر مسلموں کی نیند میں خلل پڑے گا، تو ایک مرتبہ بھی جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ بجائے مائک وغیرہ میں عام اعلان کرنے کے خصوصی طور پر کسی کو اس طرح بیدار کرنے میں کوئی

مضائقہ نہیں جس سے غیروں کو تکلیف نہ ہو۔

عن أبی هریرةؓ : أن رسول الله ﷺ قال: لا یدخل الجنة من لایأمن جاره بوائقه . (صحیح مسلم ، کتاب الإیمان ، باب بیان تحریم ایذاء الجار ، النسخة الهندیة ۱/ ۵۰، بیت الافکار رقم: ٤٦، المعجم الکبیر ۱۰ /۲۲۷، حدیث: ۱۰۵۵۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۵۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۱۱/۱۴۲۶ھ

سحری کیلئے لوگوں کو بیدار کرنا اور وقت بتانا

سوال: [۴۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں سحری کے وقت مسلمانوں کو بیدار کرنے اور وقت بتانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد ریحان اسرائیلی، نئی کالونی، کالا گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: رمضان المبارک میں سحری کیلئے مسلمانوں کو بیدار کرنا اور وقت بتانا جائز ہے، اور حدیث میں اس کا ثبوت بھی ہے، مگر لوگوں کو ایذا نہ ہو مثلاً خوب شور شرابہ ہو جائے کیونکہ حدیث پاک میں ایذاء ناس کی ممانعت آئی ہے۔

عن سالم عن ابیه أن النبی ﷺ قال إن بلالاً یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی تسمعوا تأذین إبن أم مکتوم . (ترمذی ، کتاب الصلوٰۃ ، باب ماجاء فی الأذان باللیل ، النسخة الهندیة ۱/ ۵۰)

قال الشیخ الأنور : بأن التکرار کان للتسحیر. (عرف الشذی ، حاشیة ترمذی ۱/ ٥٤)

عن أبی هریرةؓ : أن رسول الله ﷺ قال: لایدخل الجنة من لا یأمن

جاره بوائقه. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان تحريم ايذاء الجار، النسخةالهندية ١/ ٥٠، بيت الافكار رقم:٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۵۹۵۰)

سحری کیلئے بیدار کرنے کی غرض سے وقفہ وقفہ سے اعلان کرنا

سوال: [۴۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ رمضان المبارک میں ختم سحری سے ایک گھنٹہ قبل بذریعہ لاؤڈ اسپیکر تیز آواز میں قوالی اور نعت شریف کے ذریعہ لوگوں کو سحری کیلئے بیدار کرنا اور درمیان میں وقفہ، وقفہ سے سحری کا وقت بتانا کہاں تک جائز اور درست ہے؟ جب کہ پڑوسی اسکے اس عمل سے بیزار ہوں، عام لوگوں کو تہجد میں دیگر نفل نماز میں تلاوت قرآن میں ذکر وتسبیح میں کسی بیمار کی شدید بیماری کی حالت میں لاوڈ اسپیکر کی تیز آواز خلل ڈالتی ہو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے، نیز اس کا سنت طریقہ کیا ہے؟ صاحب لاؤڈ اسپیکر کا یہ کہنا ہے کہ ہم دین کا کام کررہے ہیں، کسی کو ہمیں روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، کہاں تک درست ہے؟

المستفتي: محمد احمد، فیل خانہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان جیسے مبارک مہینہ میں اور وہ بھی رات کے آخری حصہ میں ہم مسلمانوں میں ایک مصیبت اور بلا کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے کہ ختم سحری سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے مائک میں کیسٹ لگا کر قوالی، گانا اور نعت خوانی تسلسل کے ساتھ ہوتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے پڑوس کے لوگ نہ تلاوت کر سکتے ہیں، نہ ذکر کر سکتے ہیں، نہ نفل پڑھ سکتے ہیں، اور نہ ہی آرام کر سکتے ہیں، اس طرح ایذا رسانی حرام اور معصیت ہے اور ایسے ناجائز اور معصیت کے کام کو عبادت سمجھنا نہایت خطرناک گناہ ہے ہاں البتہ صرف

ایک آدھ دفعہ سحری کا اعلان کرنا جائز ہے، شروع میں ایک دفعہ اعلان کر دیا جائے اور پھر آخر میں ختم سحری سے پہلے اعلان کر دیا جائے یہی کافی ہے، اور کوئی ضرورت نہیں جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی توبہ کی آیت نازل ہوئی تھی ، اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خوش ہو کر اس کی اطلاع کی اجازت چاہی تو حضور ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ لوگوں کے آرام اور عبادت میں خلل پیدا ہوگا، اس لئے صبح کو اطلاع دی گئی۔

أخبرني عبد الرحمن بن عبد الله ابن كعب بن مالك عن أبيه قال: سمعت أبي كعب بن مالك وهو أحد الثلثة الذين تيب عليهم –إلى– فقال رسول الله ﷺ: يا أم سلمة! تيب علىٰ كعب قالت: أفلا أرسل إليه فأبشره قال: إذا يحطمكم الناس فيمنعونكم النوم سائر الليلة حتى إذا صلى رسول الله ﷺ صلوٰة الفجر آذن بتوبة الله علينا . (صحيح البخارى ، كتاب التفسير ، باب قوله وعلى الثلثة الذين خلفوا الخ ـ ٢/٦٧٥، رقم: ٤٤٩٠، ف: ٤٦٧٧)

قرآنی آیت کے اعلان کی بھی خلل کے اندیشہ سے اجازت نہیں ہوئی تو رمضان جیسے مبارک مہینہ میں قوالی اور نعت خوانی اور فلمی گانا تسلسل کیساتھ کرنا قطعاً جائز نہ ہوگا۔

عن ابى هريرة رضـ أن رسول الله ﷺ قال: لايدخل الجنة من لا يأمن جاره بوائقه . (صحيح مسلم ، كتاب الإيمان ، باب بيان تحريم ايذاء الجار ، النسخة الهندية ١/ ٥٠، بيت الافكار رقم: ٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۰۸/۳۵)

سحری وافطار کیلئے نقارہ بجانا

سوال: [۴۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سحری اور افطار کے اوقات میں نقارہ بجانا کیسا ہے؟ ہمارے شہر وشارم میں سحری کے اوقات سے پہلے یعنی نوجوان لوگ رات دو بجے سے سحری کے وقت ختم ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے تک

وقفہ وقفہ سے گلی گلی نقارہ بجاتے ہیں، (اس کی وجہ سے بیمار لوگ اور بوڑھے حضرات چھوٹے بچوں کو) اس کی آواز سے تکلیف ہوتی ہے، اورنو جوان نقارہ بنانے کیلئے مستقل چندہ کرتے ہیں، اوراس کے بچے ہوئے پیسے سے رات میں گپ شپ کرتے ہیں، اور رات بھر جاگ کر پورے علاقہ میں گھومتے ہیں، حالانکہ سحری کیلئے سائرن کا انتظام ہے شہر کے بعض لوگ فتاویٰ محمودیہ اور فتاویٰ رحیمیہ کے حوالہ سے کہتے ہیں، کہ نقارہ بجانا بلا کراہت درست ہے، اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ایذائے مسلم مال کا غلط استعمال اور رمضان کے مبارک اوقات کی ناقدری کرتے ہوئے وقفہ وقفہ سے نقارہ بجانا شرعاً کیسا ہے؟ جو بھی حکم ہو شریعت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں؟ کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد آصف، کنوینر، تنظیم العلماء میل وشارم، تمل ناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فتاویٰ محمودیہ اور فتاویٰ رحیمیہ میں ضرورت کی بنا پر نقارہ کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع کرنے کی بات لکھی ہے، اور جب سائرن وغیرہ کے ذریعہ سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے، تو نقارہ بجانے کی ضرورت نہیں، نیز فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۱۵۶، فتاویٰ رحیمیہ ۷/ ۲۴۱ میں نقارہ کی تیاری کے لئے چندہ کی اجازت نہیں لکھی ہے، لہٰذا نقارہ بجانے کی تیاری کیلئے چندہ کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اس لئے وہاں کے ذمہ دار لوگوں پر لازم ہے، کہ مذکورہ نوجوانوں کو اس کام کے لئے چندہ سے روکیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۵)

سحری اور افطار کی دعاء کا ثبوت

سوال: [۴۷۳۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں سحری وافطار کی دعاء جوتم حنفیوں کے یہاں پابندی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، وہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے تو حنفیوں کی یہاں کیوں پڑھی جاتی ہے یہ سحری وافطار کی دعاء کیا واقعی حدیث سے اسکا ثبوت نہیں ہے اور قابل ترک ہے؟

المستفتی: محمد عباس، ساکن سہور، تھانہ ٹانڈہ، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان المبارک میں افطار کی دعا صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے ابوداؤد شریف میں ہے:

عن معاذ بن زهرة أنه بلغه أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا أفطر قال اللّهم لک صمت وعلى رزقک أفطرت. (ابو داؤد شريف، كتاب الصيام، باب القول عند الأفطار، النسخة الهندية ۱/۳۲۲، دارالسلام رقم: ۲۳۵۸)

اورسحری میں جو "**نويت أن أصوم غدًا لله تعالىٰ من شهر رمضان**" وغیرہ پڑھتے ہیں، یہ حدیث شریف سے ثابت نہیں اسی وجہ سے کسی حنفی مفتی اور عالم نے اسکے سنت ہونے کا فتویٰ نہیں دیا، اور نہ ہی کسی حنفی کتاب میں اس کو سنت یا مستحب کہا گیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص دل کی نیت کے مطابق زبان سے الفاظ استعمال کرتا ہے، تو اسپر کوئی گناہ نہیں ہے، اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے اگر کوئی شخص خواہ حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی یا غیر مقلد کوئی ایسا کام کرتا ہے، جو حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے تو اس کا وہ عمل مسلک کیلئے مسئلہ نہیں بنتا یہ عوام کا اپنا عمل ہے۔ فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۴۷/۳۶)	۱۴۲۳/۳/۵ھ

لاؤڈ اسپیکر پر ختم سحری وطلوع آفتاب کا اعلان

سوال: [۴٧٣۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مقامات پر مساجد کے اندر لاؤڈ اسپیکر پر نماز فجر کا وقت ختم ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے، کیا اس طرح کے اعلان کا شریعت کے اندر کوئی ثبوت ہے اسی طرح رمضان المبارک میں سحری کے وقت لاؤڈ اسپیکر پر مساجد کے اندر بیدار کرنے کیلئے اعلان کیا جاتا ہے، کیا اس طرح کے اعلانات بدعت میں شامل نہیں ہیں، براہ کرم وضاحت کیساتھ شریعت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: شریف احمد، ضابطہ گنج، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلوع آفتاب کے وقت اسطرح کا اعلان صحابہ اور سلف صالحین کے زمانہ میں کہیں نہیں تھا اور اس دور میں طلوع آفتاب کے علم کے مختلف ذرائع مثلاً گھڑی وغیرہ موجود ہیں، اسلئے اب بدرجہ اولیٰ ممانعت ہونی چاہئے اور فقہی جزئیات سے یہی واضح ہوتا ہے، کہ اعلان نہ کیا جائے۔

سئل عن شمس الأئمة الحلوانی عن قوم کسالی عادتهم الصلوٰة وقت طلوع الشمس أيمنعون عن ذلک؟ قال : لا لأنهم لو منعوا لايصلون بعد ذلک. (الفتاوی التاتار خانية، کتاب الصلوٰة، الفصل الاول فی المواقيت، زکريا ۲/۱۵، رقم: ۱۵۱۸، قديم ۱/۴۰۸، بحرالرائق، زکريا ۱/۴۳۷، کوئٹہ ۱/۲۵۱)

البتہ رمضان المبارک میں سحری کیلئے بیدار کرنے کا اعلان جائز ہے مگر نصف لیل کے بعد مائک میں تلاوت نعت یا گانا وغیرہ لگانا جائز نہیں ہے، اس کا نام اعلان نہیں ہے، اس کی وجہ سے لوگ نہ عبادت کر سکتے ہیں، اور نہ آرام کر پاتے ہیں۔

وفی شرعة الإسلام استحباب الأذان للتسحير فی رمضان. (العرف الشذی علی الترمذی، کتاب الزکاة، باب ماجاء فی الأذان بالليل ۱/۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ جمادی الثانیہ ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٣٤٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/٦/١٧ھ

حالت جنابت میں سحری کھانا

سوال: [٤٧٣٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی سے جماع کیا اور اسی ناپاکی کی حالت میں سحری کھا کر روزہ رکھا کیا زید کا اور اس کی بیوی کا روزہ درست ہوگیا، اور جان بوجھ کر جنابت کی حالت میں سحری کھا کر روزہ رکھنا اور اکثر اس عمل کو کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد اللہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حالت جنابت میں منہ ہاتھ دھو کر سحری کھالینا جائز ہے، اسی حالت میں اگر اذان بھی ہوگئی ہو تب بھی روزہ صحیح ہوجاتا ہے، ہاں البتہ اس کا عادی بن جانا بہتر نہیں ہے۔

عن عبد الله بن سعد قال: سمعت النبي ﷺ عن مواكلة الحائض فقال: وأكلها، الحديث: (ترمذی، کتاب الطهارة، باب ماجاء في مواكلة الحائض والجنب، النسخة الهندية ١/ ٣٥، دارالسلام رقم: ١٣٣)

لو أصبح جنباً لايضره الخ. (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده كوئٹه ٢/ ٢٧٣، زكريا ٢/ ٤٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٤/ رمضان المبارک ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٤٣٥)

افطار کے وقت اذان دینا سنت ہے یا اعلان کرنا

سوال: [۴۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں افطار کے وقت اذان پڑھنا سنت ہے یا اعلان کرنا سنت ہے، جو طریقہ افضل ہو اسکا مفصل جواب مدلل ارشاد فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کے افطار کا مدار غروب آفتاب پر ہے، جونہی آفتاب غروب ہو جائے تو افطار کا حکم ہے اسی طرح مغرب کی اذان کا مدار بھی غروب آفتاب پر ہے، تو معلوم ہوا کہ افطار اور مغرب کی اذان دونوں کا وقت ایک ہی ہے، اسلئے جونہی سورج غروب ہو جائے تو مؤذن کسی مختصر چیز کے ذریعہ سے اپنا افطار کر کے فوراً اذان شروع کر دے یہی مسنون اور افضل طریقہ ہے، اور اذان کے ذریعہ سے دو چیزوں کا اعلان ہوتا ہے، (۱) وقت افطار کا۔ (۲) وقت نماز کا۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا أقبل الليل وأدبر النهار وغابت الشمس فقد أفطرت. (ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء إذا أقبل الليل وادبر النهار، النسخة الهندية ۱/۱۵۰، دارالسلام رقم: ۶۹۸)

ان تعجيل المغرب عقيب غروب الشمس مجمع عليه الخ. (اعلاء السنن، كتاب الصلوٰة، باب المواقيت كراهية التاخير فى المغرب، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۴۲)

أول وقت الصلوٰة المغرب إذا غربت الشمس بالإجماع. (حلبى كبيرى، الشرط الخامس، هو الوقت قديم /۲۲۷، جديد اشرفيه ديو بند/۲۲۸، صغيرى، مطبع مجتبائى دهلى /۱۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/۲/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۹۴/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۲/۱۴۲۳ھ

سائرن اور اذان میں وقفہ ہو یا اذان اور جماعت میں؟

سوال: [۴۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں ہمارے یہاں افطار کے وقت پہلے سائرن بجایا جاتا ہے، اس کے دس منٹ بعد اذان ہوتی ہے، پھر جماعت کھڑی ہوتی ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ سائرن اور اذان میں وقفہ کرنا چاہئے یا اذان اور جماعت میں وقفہ کرنا چاہئے کون سا عمل درست ہے، نیز یہ بھی واضح فرمادیجئے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کیا عمل تھا؟

المستفتی: محمد عقیل، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سائرن بجانے کا مقصد صرف وقت افطار کا اعلان ہے اس کا نماز سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور اذان دینے کا مقصد نماز کیلئے اعلان ہے اور جن جگہوں پر افطار کے واسطے سائرن بجانے کا سلسلہ نہیں ہے وہاں پر اذان ہی وقت افطار کے اعلان کے درجہ میں ہو جاتی ہے، لہٰذا ایسے مقامات میں اذان نماز کے اعلان کے ساتھ ساتھ وقت افطار کا بھی اعلان ہے، اسلئے ایسی جگہوں میں اذان اور جماعت کے درمیان میں ہی فاصلہ رکھنا چاہئے اور جن جگہوں میں سائرن کی آواز سے افطار کیا جاتا ہے ان جگہوں میں اختیار ہے چاہے سائرن بجتے ہی اذان دیدی جائے اور سائرن اور اذان کے بعد جماعت تک کا جو مناسب فاصلہ ہے وہ قائم رکھا جائے، یہی دستور ہمارے مرادآباد میں بھی ہے، اور اگر کسی جگہ ایسا معمول ہو چکا ہے کہ لوگ افطار کے لئے اذان کا انتظار نہیں کرتے ہیں، صرف سائرن کا انتظار کرتے ہیں، وہاں پر اذان کے بارے میں اختیار ہے چاہے اذان بعد میں دیدے، اور چاہے پہلے دیدے اور حضور ﷺ کے زمانہ میں چونکہ اذان ہی اعلان ہوتی تھی، اسلئے اذان اور جماعت کے درمیان میں کافی فاصلہ ہوتا تھا۔

الأذان في اللغة الإعلام وفي الشرع إعلام بدخول وقت الصلوٰة بذكر

مخصوص وهو مشروع للصلوٰة الخمس بالاجماع الخ. (حاشیہء ترمذی ۱/۴۸)

عن جابرؓ ان رسول الله ﷺ قال لبلال يابلال : اجعل بين أذانک وإقامتک قدر مايفرغ الآكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته الخ. (السنن الترمذی ، کتاب الصلوٰة ، باب ماجاء فی الترسل فی الأذان ، النسخة الهندية ۱/۴۸ ، دار السلام رقم: ۱۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱/۱۴۳۵ھ

حرام کمائی کرنے والے کی افطاری کا حکم

سوال: [۴۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں افطار کا رواج ہے افطاری کروانے والوں میں بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جن کی خالص آمدنی سودی کاروبار یا شراب کے کاروبار ہی کی ہوتی ہے، اس کے علاوہ حلال آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، تو اس صورت میں افطاری کرنا کیسا ہے؟ افطاری خواہ مسجد میں ہو یا گھر پر؟

المستفتي: زاہد علی قاسمی، سدھولی، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان المبارک کے مہینہ میں کوئی مسلمان اپنی حلال کمائی سے افطار کرائے تو اس کا ثواب حدیث شریف میں بہت زیادہ وارد ہوا ہے، لیکن جس کی آمدنی صرف سودی یا شراب کے کاروبار کی ہوتی ہے، اس کے علاوہ حلال آمدنی کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہیں ہے تو ایسے شخص کے یہاں سود یا شراب کے پیسہ کے افطار میں شرکت کیلئے کسی بھی مسلمان کیلئے جانا جائز نہیں ہے۔

آكل الربا وكاسب الحرام أهدى اليه أو اضافه إليه وغالب ماله حرام لايقبل ولايأكل. (هندیه ، کتاب الکراهية ، الباب الثانی عشر فی الهدايا

والضيافات زكريا ٥/٣٤٣، هنديه، جديد زكريا ديوبند٥/٣٩٧)

وكذا (أي لايجب) دعوة من كان غالب ماله من حرام . (هنديه، زكريا٥/٣٤٣، جديد مكتبه زكريا ٥/٣٩٧)

رجل أهدىٰ إلىٰ إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه . (الفتاوى التاتار خانية، زكريا ١٨/١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٥)

عن زيد بن خالد – رضى الله عنه – قال قال رسول الله ﷺ من فطر صائماً أوجهز غازياً فله مثل أجره . (شعب الإيمان للبيهقي ٣/٤١٨، رقم: ٣٩٥٣، مشكوٰة /١٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍ ۱۰۴۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۲۰ھ

ہندؤں کے یہاں افطار کرنے کا حکم

سوال: [۴۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان شریف میں روزہ افطار کرانے کا رواج ہے جس میں ہندو لوگ بھی افطار کراتے ہیں، اور مسلمان بھی اور وہ رشوت بھی لیتے ہیں، اور حرام وحلال میں پرہیز بھی نہیں کرتے ان کے یہاں رزوہ افطار کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: جرار احمد قاسمی، بھنڈریہ، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مسلم کے یہاں ان کے عقیدہ اور دھرم کے اعتبار سے شراب، رشوت، سود وغیرہ کا پیسہ حلال ہے اسلامی شریعت کے وہ پابند نہیں ہوتے، لہٰذا غیر مسلم کی ملکیت میں جو مال ہے وہ اگر غیر مسلم مسلمان کو تحفہ میں پیسے کی شکل میں دیدے یا کھانے کی شکل میں دیدے تو حلال اور جائز ہے، لہٰذا اگر غیر مسلم اپنے پیسے سے مسلمان کو افطار کرائے تو جائز ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ افطار کرنے کیلئے غیر مسلم کے گھر نہ جایا جائے

بلکہ افطار کے سامان کا انتظام کر کے وہ غیر مسلم مسلمان کے گھر بھیج دے۔

أن بلالا قال لعمر بن الخطاب رضی الله عنه إن عمالک یأخذون الخمر والخنازیر في الخراج فقال لا تأخذ وهامنهم ولکن ولوهم ببیعها وخذوا أنتم من الثمن. (اعلاء السنن، کتاب البیوع، باب حرمة بیع الخمر والمیتةوالخنزیروالأصنام، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۴/ ۱۳۴، کراچی ۱۴/ ۱۱۱-۱۱۲)

فهذا عمر قد أجاز لأهل الذمة بیع الخمر والخنازیر وأجاز للمسلمین أخذ أثمانهما فی الجزیة والخراج وذلک بمحضر من الصحابة ولم ینکر علیه منکر . (اعلاء السنن کراچی ۱۴/ ۱۱۲، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۴/ ۱۳۵)

اور اگر افطار کرانے والا مسلمان ہے اور وہ رشوت بھی لیتا ہے، تو دیکھا جائے اس کے یہاں حلال آمدنی زیادہ ہے یا حرام، یا حلال وحرام برابر ہے، اگر حرام آمدنی زیادہ ہے یا حلال کے برابر ہے تو اسکے یہاں افطار کیلئے نہ جائے، اور اگر حلال آمدنی زیادہ ہے تو اس کے یہاں افطار کیلئے جانا جائز ہے۔

آکل الربا و کاسب الحرام أهدیٰ إلیه أو أضافه وغالب ماله حرام لا یقبل ولا یأکل مالم یخبره أن ذلک المال أصله حلال، وإن کان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هدیته والأکل منه . (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایاوالضیافات، زکریا ۵/ ۳۴۳، جدید زکریا ۵/ ۳۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵؍محرم ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۶۳/۳۷)	۱۴۲۶/۱/۲۵ھ

غیر مسلموں کے یہاں روزہ افطار کرنے کا حکم

سوال: [۴۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی غیر مسلم رمضان المبارک میں بڑے اہتمام کے ساتھ روزہ داروں کا روزہ افطار کرائے تو کیا ہم لوگ وہاں جاکر روزہ افطار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر غیر مسلم کے یہاں جا کر روزہ افطار نہیں کرنا چاہئے تو اس کی وجہ وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: ظہیر احمد، وشال ٹیلر،
پیر کا بازار، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر یہ اندیشہ ہو کہ کل کو مسلمانوں کو غیر مسلموں کے مذہبی معاملہ میں شرکت کرنی پڑے گی اور ان کے مذہبی امور میں اعانت کرنی پڑے گی، تو وہاں افطار کرنے سے مسلمان اپنے کو باز رکھیں، اور اگر یہ بات نہیں ہے بلکہ غیر مسلم کار خیر سمجھکر افطار کا انتظام کرتا ہے، تو بلا کسی کراہت کے وہاں افطار کرنا جائز ہے، اور حلال ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۶۴، فتاویٰ دار العلوم ۶/۳۵۶، ۶/۴۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۱۱)

ہندو کی افطاری سے افطار کرنا

سوال: [۴۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک میں افطار کے وقت بہت سے ہندو لوگ مسجد میں روزہ کھولنے کی چیزیں مثلاً کیلا کھجور، انگور، سیب وغیرہ وغیرہ بھیجتے ہیں، تو روزہ دار کو ان کی بھیجی ہوئی چیزوں سے روزہ کی حالت میں لینا اور کھانا کیسا ہے؟ روزہ درست ہوا یا نہیں؟ یہاں کے علماء کہتے ہیں کہ ان کی بھیجی ہوئی چیزوں سے روزہ میں کھا سکتے ہیں، لہٰذا اس کا بھی جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: محمد خواجہ نیو جنتا،

ساميل اودگير، ضلع: لاتور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندو کی افطاری سے افطار کرنا مسلمان کیلئے جائز ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/۸۳،فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۲۷ھ

غیر مسلم کے یہاں افطاری کرنے والے کے روزہ کا حکم

سوال: [۴۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی ہندو کسی مسلمان کو افطار کرائے تو اس مسلمان کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: حافظ عبدالرشید، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ صحیح ہو جائے گا۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۴۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۳۴)

۴/ باب مایفسد الصوم ومالا یفسد

پائریا کے مریض کا خون پیٹ میں جانا

سوال: [۴۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو پائریا کی بیماری ہے اکثر اوقات مسوڑھوں سے اتنا خون نکلتا ہے، کہ خون تھوک پر غالب آجاتا ہے، اور روزے کی حالت میں پیٹ کے اندر بھی چلا جاتا ہے، تو زید کا رزوہ صحیح ہے یانہیں اور بیماری مسلسل رہنے کی وجہ سے قضاء کرنے میں بھی یہی صورت حال رہتی ہے، تو زید کس طرح روزہ رکھے اور رکھے گئے روزوں کے بارے میں کیا کرے؟ شریعت کی رو سے جواب دیکر ممنون فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: سلیم اللہ، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسوڑھوں سے غیر اختیاری طور پر خون نکلتا رہتا ہے، اور غیر اختیاری طور پر بے خیالی میں نگل بھی جاتا ہے، تو روزہ کی حالت میں اس طرح غیر اختیاری طور پر مسوڑھے کا خون پیٹ میں چلا جانا مفسد صوم نہیں ہے، نیز یہ چیزیں منھ کے باہر کی نہیں ہیں، بلکہ منھ کے اندر کی ہیں، ان کے پیٹ میں جانے کیوجہ سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/۱۰۹، جدید زکریا ۷/۲۵۹)

ومالیس بمقصود بالأکل ولا یمکن الا حتراز عنه کالزباب إذا وصل إلیٰ جوف الصائم لم یفطرهٗ – ولو دخل حلقه غبار الطاحونة أو طعم الأدویة أو غبار الهرس وأشباهه أو الدخان أو ماسطع من غبار التراب بالریح أو بحوافر الدواب وأشباه ذلک لم یفطره کذا فی السراج الوهاج الدموع إذا دخلت فم الصائم إن کان قلیلاً کالقطرة والقطرتین أو نحوها لایفسد صومه. (عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد

زکریا ۱/ ۲۰۳، جدید زکریا ۱/ ۲۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

روزہ میں تمباکو پاؤڈر سے تیارشدہ ٹوتھ پیسٹ کا استعمال

سوال: [۴۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اِپکُوْ Ipco تمباکو پاؤڈر سے تیارشدہ ٹوتھ پیسٹ ہے ایک شخص کی عادت اتنی مضبوط ہے کہ مذکورہ توتھ پیسٹ سے دانت صاف کئے بغیر پاخانہ صاف نہیں ہوتا، اگر استعمال ترک کردے تو قبض کی شکایت پیدا ہوتی ہے، مذکورہ ٹوتھ پیسٹ میں ذائقہ بھی ہوتا ہے، لیکن اس کے استعمال سے پیٹ کے معدہ میں اترنے کا امکان نہیں ہوتا ہاں اتنا ضرور ہے کہ جسمانی رگیں اسکے استعمال کی عادی ہوگئی ہیں، کہ اس سے دانت صاف کئے بغیر جسم میں چستی انبساط پیدا نہیں ہوتا، مذکورہ توتھ پیسٹ کا فارمولا والا کا غذ بھی ساتھ شامل ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا بحالت صوم استعمال ہوسکتا ہے؟ اگر استعمال کرے تو روزہ فاسد ہوجائیگا، جو بھی حکم ہو جواب ارسال فرمائیں۔ عین کرم ہوگا

المستفتی: ولی بن احمد فلاحی، ضلع: بھروچ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس کا اثر حلق سے نیچے اتر جاتا ہے، تو روزہ فاسد ہوجائیگا اور اگر حلق کے اندر داخل نہیں ہوتا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، مگر مکروہ ہوگا، لہٰذا روزہ کی حالت میں اس کا استعمال ممنوع ہی ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۲۹)

عن عطاء قال: ولا يمضغ العلك، فإن ازدرد ريق العلك لا أقول أنه يفطر، ولكنه ينهى عنه. (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ إذا توضأ فليستنشق بمنخره الماء ١/ ٢٥٩)

وكره له ذوق شيئ وكذا مضغه وفى الشامية الظاهر أن الكراهة في هذه الأشياء تنزيهية . (الدر المختار مع الشامي، كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم وما لايفسده ، مطلب فيما يكره للصائم كراچی ٤١٦/٢ ، زكريا ٣٩٥/٣، هنديه زكريا ١٩٩/١، جديد مكتبه زكريا ٢٦٦/١، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۸۹/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۱ھ

روزہ میں گل منجن کرنا

سوال: [۴۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزے کی حالت میں ایسے منجن کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ جو تمبا کو اور دیگر اشیاء سے ملا کر بنایا گیا ہو، جبکہ اس میں ایک قسم کی حدت اور تیزی ہونے کے ساتھ ساتھ قدرے نشہ بھی ہوتا ہے، جس کو نس اور گل سے تعبیر کرتے ہیں، ایک عالم صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا اس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ بات کہاں تک درست ہے، جواب باصواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: محمد اکبر، منگرول، پیرآ کولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزے کی حالت میں اس منجن کے استعمال کرنے سے متعلق قدرے تفصیل ہے، وہ یہ کہ منجن کرنے کی وجہ سے اس کے ذرات وغیرہ حلق میں نہ جائیں، تو ایسی صورت میں منجن ملنا صرف خلاف اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہے، چاہے منجن تیز ہو یا نہ ہو، لہٰذا مذکورہ عالم کا مکروہ تنزیہی کہنا صحیح اور درست ہے، ہاں البتہ اس منجن کے کرنے سے حلق میں کوئی ذرات نہ پہونچیں پھر بھی اس سے نشہ اور سکر پیدا ہوتا ہے، تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر کوئی ذرہ پیٹ میں چلا جائے، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

عن عطاء قال: ولا يمضغ العلك ، فإن ازدرد ريق العلك لا أقول أنه يفطر ، ولكنه ينهى عنه . (صحيح البخارى ، كتاب الصوم ، باب قول النبى ﷺ إذا توضأ فليستنشق بمنحره الماء ۱/۲۵۹)

وكره له ذوق شيئ وكذا مضغه بلا عذر وفى الشامية : إن الكراهة فى هذه الأشياء تنزيهية . (شامی، كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم ، ومالا يفسده كراچی ۲/۴۱٦، زكريا ۳/۳۹۵)

وكره مضغ علك أبيض ممضوغ ملتئم وفى الشامية : قال للقطع بأنه معلل بعدم الوصول ، فإن كان ممايصل عادة حكم بالفساد لأنه كالمتيقن . (شامی، كراچی ۲/۴۱٦، زكريا ۳/۳۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۷۲۹۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴ رجب ۱۴۲۷ھ

روزے میں انجکشن، گلوکوز اور خون چڑھانا

سوال: [۴۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(الف) کس قسم کے انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

(ب) گلوکوز اور خون چڑھوانے سے روزہ میں کوئی نقص تو نہیں آتا؟

المستفتي: محمد یونس، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۸۷، جدید ڈابھیل ۱۰/۱۵۳)

وأما ما وصل إلى الجوف أو الىٰ الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة، فإن داواها بدواء يابس لايفسد. (بدائع الصنائع ، كتاب الصوم ، فصل فى فساد الصوم ، زكريا ۲/۲۴۳، قديم ۲/۹۳)

(۲) گلوکوز اور خون چڑھوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، جبکہ براہ راست خون معدہ میں داخل نہ کیا جائے ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۱۴۳، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۱۴۸، ایضاح المسائل/۸۴)

وأكثر المشائخ اعتبروا الوصول إلىٰ الجوف فی الجائفة والآمة إن عرف أن اليابس وصل إلى جوف يفسد صومه بالاتفاق ، وإن لم يعرف أن الرطب لايصل إلىٰ الجوف لايفسد. (الفتاوی التاتار خانية ،زكريا ٣/٣٧٩، رقم: ٤٦٢٩)

(۳) روزہ دار اپنا خون نکلوا کر دیدے تو روزہ فاسد نہ ہوگا، ہاں البتہ اس سے سخت کمزوری کا خطرہ ہے تو مکروہ ہے ۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۲۵، ایضاح المسائل/ ۸۷، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۳۷۹، جدید زکریا ۳/ ۵۱۹)

عن ثابت البنانی قال: سئل أنس بن مالک أكنتم تكرهون الحجامة للصائم ؟ قال لا ، إلا من أجل الضعف. (صحيح البخاری ، الصوم باب الحجامة والقيئی للصائم ١/ ٢٦٠، رقم: ١٨٩٩، ف: ١٩٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۲۶/ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۱۹)

روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا اور گلوکوز چڑھوانا

سوال: [۴۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ نیز گلوکوز کی بوتل چڑھوانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبدالکریم، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انجکشن اورگلوکوز سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ۳/۱۴۳، جدید ڈابھیل۱۰/ ۱۴۸)

الموجود فی حلقه أثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ. (شامی، باب مایفسد الصوم وما لایفسد، مطلب یکره السر إذا خاف فوت الصبح، زکریا ۳/۳۶۷، کراچی ۲/۳۹۵، کوئٹه ۲/۱۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۰/۲۳)

روزہ دار کا انجکشن لگوانا یا خون نکلوانا

سوال: [۴۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر جسم سے ٹیسٹ کیلئے خون لیا جائے یا انجکشن لگایا جائے تو اس سے روزہ اور وضو میں تو کوئی اثر نہیں ہوگا، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مستفیض فرمائیں؟

المستفتي: محمد فرمان، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر انجکشن سے داخل کیا جائے تو روزہ اور وضو پر کوئی اثر نہیں ہوگا، روزہ اور وضو بدستور باقی رہیں گے۔

وأما وصل إلیٰ الجوف أو إلیٰ الدماغ عن غیر المخارق الأصلیة بأن داوی الجائفة والآمة فإن داواها بدواء یابس لایفسد لأنه لم یصل إلیٰ الجوف ولا إلیٰ الدماغ الخ. (بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل فی فساد الصوم، زکریا۲/۲٤۳، قدیم ۲/۹۳)

اور اگر خون بدن سے نکل جائے تو روزہ باقی رہے گا اور وضو ٹوٹ جائے گا۔

عن ثابت البنانی قال: سئل أنس بن مالک أکنتم تکرهون الحجامة

للصائم؟ قال: لا ، إلا من أجل الضعف. (صحيح البخاري، الصوم، باب الحجامة والقيئى للصائم ١/ ٢٦٠، رقم: ١٨٩٩، ف: ١٩٤٠)

عن ابن عباس أنه ذكر عنده الوضوء من الطعام، قال الأعمش مرة: الحجامة للصائم فقال: إنما الوضوء مما يخرج وليس مما يدخل، وإنما الفطر مما دخل وليس مما خرج. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ٦/ ٣١٢، رقم: ٨٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۲۱ھ

گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال: [۴۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ میں گلوکوز چڑھوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے؟ اگر نہیں ہوتا ہے تو اشکال کیا جارہا ہے کہ جب طاقت کا انجکشن جو معدہ اور دماغ میں براہ راست پہونچتا ہو نہ لگوانا چاہئے تو گلوکوز تو بدن کو پوری طاقت دیتا ہے، بلکہ خوراک کا پورا کام کرتا ہے، تو اس سے روزہ میں کیسے فساد نہیں آ سکتا بہت سے مریضوں کو تو خوراک کے بجائے گلوکوز کے سہارے ہی طاقت پہونچائی جاتی ہے؟

المستفتي: محمد ابراہم، صدر: منتظمہ کمیٹی، جامع مسجد احمد گڈھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گلوکوز نسوں کے ذریعہ سے چڑھایا جاتا ہے، اور معدہ میں براہ راست انجکشن لگا کر معدہ اور آنتوں میں دوا پہونچانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اور گلوکوز سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ براہ راست معدہ میں پہونچانے کی وجہ سے روزہ فاسد ہوتا ہے اور نسوں میں طاقت کی چیزیں پہونچنے سے روزہ

فاسد نہیں ہوتا ہے، دونوں میں فرق ہے، چاہے نسوں میں گلوکوز چڑھانے سے طاقت پہونچتی ہوا اور اس سے معدہ کو بھی قوت پہونچتی ہو۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۸۴)

قال في النهر: لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للا تفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لايفطر. (فتاویٰ شامی، کتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، ومالا يفسد کراچی ۲/۳۹۵، زکریا ۳/۳٦۷)

ومايدخل من مسام البدن من الدهن لايفطر. (هنديه، زکریا قديم ۱/۲۰۳، جديد ۱/۲٦٦)

والداخل من المسام لاينافي كما لو اغتسل بالماء البارد. (هدايه، اشرفي ديو بند ۱/۲۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۳۹۹)

بحالت صوم آنکھوں میں دوا ڈالنا

سوال: [۴۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بحالت صوم آدمی آنکھوں میں دوا ڈال سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالکریم، بردوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ڈال سکتا ہے، اس سے فاسد نہیں ہوگا۔

طعم الكحل أو الدهن (إلىٰ قوله) لا يفطر الخ. (هنديه، زكريا ۱/۱۹۹)

وأما إذا اكتحل أو أقطر بشيئ من الدواء في عينه لا يفسد الصوم

عندنا، وإن وجد طعم ذلک فی حلقہ. (الفتاوی التاتار خانية زکریا ۳۷۹/۳، رقم: ۴۶۳۰، هنديه زکریا ۲۰۳/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۰/۲۳)

روزہ کی حالت میں آنکھ میں دواڈالنا

سوال: [۴۷۵۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزے کی حالت میں آنکھ کے اندر دواڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یا مکروہ ہوجاتا ہے یا نہیں۔

المستفتي: احمد عامر فیضی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کی حالت میں آنکھ میں دواڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ ہی مکروہ ہوتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۸۵)

وأما إذا اكتحل أو أقطر بشيئ من الدواء في عينه لا يفسد الصوم عندنا وإن وجد طعم ذلک فی حلقه. (الفتاویٰ التاتار خانية، الفصل الرابع فی ما يفسد الصوم، زکریا ۳۷۹/۳، رقم: ۴۶۳۰)

ولو أقطر شيئا من الدواء في عينه لا يفطر صومه عندنا، وإن وجد طعمه في حلقه. (هنديه، زکریا ۲۰۳/۱، جديد مكتبه زکریا ۲۶۶/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۹/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۳۲/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۹/۱۴۱۳ھ

کیا کان میں دواڈالنا مفسد صوم ہے؟

سوال: [۴۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کان میں دواڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ جدید تحقیقات یوں کہتی ہے، کہ کان میں کوئی ایسا منفذ نہیں ہے، جس سے کان میں ڈالی ہوئی دوا جوف دماغ تک پہونچے تو کیا اب اس تحقیق کے مطابق یہ کہا جائے گا کہ کان میں دواڈالنا مفسد صوم نہیں ہے جبکہ قدیم فقہاء اس کو مفسد صوم کہتے ہیں۔

المستفتي: عمران بہاری، انکلیشور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کان میں تیل یا دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور جدید تحقیق سے جو روزہ کا نہ ٹوٹنا ثابت کیا جاتا ہے، اس کا اعتبار نہیں اور قدیم فقہاء کی محتاط رائے وہی ہے جو اوپر درج کی گئی ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲/۸۷)

ومن احتقن أو استعّط أو أقطر فی أذنه دهنا أفطر ولا كفارة عليه الخ. (هدايه ، كتاب الصوم ، باب مايوجب القضاء والكفارة ، اشرفی ديوبند ۱/ ۲۲۰، مكتبه بلال ديوبند ۱ /۴۳۷، مراقی الفلاح ، دارالكتاب ديوبند/ ۶۷۲، مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۶)

إذا استعّط أو أقطر فی أذنه إن كان شئيا يتعلق به صلاح البدن نحو الدهن والدواء يفسد صومه من غير كفارة ، وإن كان شيئاً لا يتعلق به صلاح البدن كالماء ، قال مشائخنا : ينبغی أن لايفسد صومه . (الفتاویٰ التاتارخانية، زكريا ۳/ ۳۷۷، ۴۶۲۰، الدر المختار مع الشامی ، كراچی ۲/ ۴۰۲، زكريا ۳/ ۳۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹ / ۱۰۵۶۴)

روزہ کی حالت میں خون دینا

سوال: [۴۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر میں روزہ دار ہوں اور روزہ کی حالت میں کسی کو خون نکلوا کر دوں تو میرا روزہ ٹوٹ جائے گا نہیں؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کی حالت میں خون نکلوانا مفسد نہیں البتہ اگر ایسے ضعف کا خطرہ ہو کہ روزہ کی طاقت نہ رہے گی، تو اس صورت میں مکروہ ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۲۵)

عن ابن عباس أنه ذكر عنده الوضوء من الطعام، قال الأعمش: مرة والحجامة للصائم فقال: إنما الوضوء مما يخرج وليس مما يدخل، وإنما الفطر مما دخل وليس مما خرج. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ٣١٢/٦، رقم: ٨٣٤٦)

عن ثابت البناني قال: سئل أنس بن مالك أكنتم تكرهون الحجامة للصائم؟ قال: لا، إلا من أجل الضعف. (صحيح البخاري، الصوم، باب الحجامة والقيئى للصائم ١/ ٢٦٠، رقم: ١٨٩٩، ف: ١٩٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۴/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۴/ ۶۰۷)

روزہ کی حالت میں بدن میں خون یا گلوکوز چڑھانا

سوال: [۴۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کی حالت میں خون چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح کمزوری کی وجہ سے گلوکوز چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں بدن میں خون چڑھوانا جائز ہے، اسی طرح گلوکوز چڑھوانا بھی جائز ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا کیوں کہ روزہ معدہ یا دماغ میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے اور بدن کے کسی راستے سے پیٹ میں کوئی چیز پہونچانے سے ٹوٹتا ہے، مثلاً: سبیلین سے یا منھ سے ناک سے کان سے کوئی چیز داخل کی جائے، تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اور بدن میں خون چڑھوانے سے خون دماغ یا معدہ میں داخل نہیں ہوتا ہے، بلکہ رگوں کے واسطے سے جسم میں پہنچتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۰/۱۴۶، میرٹھ ۱۵/۱۷۲، امداد الفتاویٰ ۲/۱۴۴، احسن الفتاویٰ ۴/۴۳۲)

وأما ماوصل إلى الجوف أو إلىٰ الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لايفسد – وإن داواها بدواء رطب يفسد عند أبي حنيفة وعندهما لا يفسد هما اعتبر المخارق الأصلية لأن الوصول إلىٰ الجوف من المخارق الأصلية متيقن به ومن غيرها، مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشک. (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، مفسداته زكريا ٢/٢٤٣)

هذا يدل على أن استقرار الداخل فى الجوف شرط فساد الصوم. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/٢٤٤)

ومايدخل من مسام البدن من الدهن لايفطر. (هنديه، زكريا ١/٢٠٣، جديد زكريا ديوبند ١/٢٦٦) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۹؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۴۵۴)

روزہ کی حالت میں انجکشن لگا کر ڈاڑھ نکالنا

سوال: [۴۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ

کی حالت میں ڈاڑھ نکلوانا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ ڈاڑھ نکالنے سے پہلے مسوڑھے میں انجکشن بھی لگاتے ہیں، اور جب ڈاڑھ نکل جاتی ہے، تو خون بھی نکلتا ہے؟

المستفتي: عبداللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں ڈاڑھ نکالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ خون حلق میں نہ گیا ہو، اور روزہ کی حالت میں انجکشن لگانا بھی جائز ہے، لہٰذا مسوڑھے میں جو انجکشن لگایا گیا ہے، اس کی وجہ سے روزہ میں کوئی فرق نہیں آیا، نیز خروج دم بھی ناقض صوم نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۱۴، ایضاح المسائل/ ۸۵، احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۳۷)

خرج الدم من بين أسنانه ودخل حلقه ومن هذا يعلم حكم من قلع ضرسه في رمضان ودخل الدم إلىٰ جوفه في النهار ولو نائماً فيجب عليه القضاء. (شامی، زکریا ۳/ ۳۶۸، کراچی ۲/ ۳۹۶)

الدم إذا خرج من الأسنان ودخل حلقه إن كانت الغلبة للبزاق لا يضره، وإن كانت الغلبة للدم يفسد صومه. (ہندیه زکریا ۱/ ۲۰۳، خانیه هامش الهندیه زکریا ۱/ ۲۰۸، هندیه جدید زکریا دیوبند ۱/ ۲۶۶)

وأما ما وصل إلىٰ الجوف أو إلى الدماغ من غير المخارق الأصلية - وإن داواها بدواء رطب يفسد عند أبي حنيفة وعندهما لا يفسد هما اعتبرا المخارق الأصلية لأن الوصول إلىٰ الجوف من المخارق الأصلية متيقن به وعن غيرهما مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشك. (بدائع الصنائع، زکریا ۲/ ۲۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۵)

روزے کی حالت میں آپریشن کرانا

سوال: [۴۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزے کی حالت میں آپریشن کرانے سے روزہ باقی رہے گا یا ختم ہوجائیگا، اوراس آپریشن میں اس کے منھ میں کوئی چیز نہیں گئی؟

المستفتي: ربیع الاسلام، ضلع جلپائی گڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزے کی حالت میں آپریشن کرانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیونکہ روزے میں معدے کے اندرکوئی چیز داخل ہونے سے روزہ ٹوٹتا ہے، اورآپریشن میں کوئی چیز معدے میں نہیں گئی ہے۔(مستفاد: محقق ومدلل جدید مسائل/۱۸۲)

ولوشد الطعام بخيط وأرسله فى حلقه وطرف الخيط في يده لا يفسد الصوم إلا إذا انفصل. (البحر الرائق، مكتبه زكريا۲/ ۴۸۷، البحرالرائق، كوئٹه ۲/ ۲۷۹)

وكذا لو ابتلع خشبة أي عودا من خشب إن غاب في حلقه أفطر وإلا فلا – مفاده – وهو أن مادخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار، وإن لم يغب بل بقي طرف منه فى الخارج أو كان متصلاً بشيئ خارج لا يفسد لعدم استقراره. (شامی، زكريا ۳/ ۳۶۹، كراچی ۲/ ۳۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۱۵/۴۱)

حالت صوم میں ڈائیلیسس کرانا

سوال: [۴۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کی حالت میں ڈائیلیسس کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ڈائیلیسس میں مشین کے ذریعہ سے

خون کی صفائی ہوتی ہے،کوئی خارجی چیز بدن میں اس طرح داخل نہیں کی جاتی ہے، جو بدن کے اندر رہ جائے یا اسکے ذریعہ سے روزہ دار کو کسی طرح کا غذائی فائدہ ہوتا ہو، اسلئے مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اسکے بارے میں حکم شرعی واضح فرمادیں؟

المستفتي: سمیع الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کی حالت میں ڈائیلیسس کرانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور ڈائیلیسس کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) ڈائلیسس کی ایک شکل یہ ہوتی ہے، کہ بدن کے اندر کا خون مشین اپنے اندر کھینچ کر لے لیتی ہے، پھر اسی خون کو صاف کرتی ہوئی دوسری طرف سے بدن کے اندر داخل کرتی جاتی ہے،اور یہی شکل عام طور پر رائج ہے۔

(۲) ڈائیلیسس کی دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ بدن کی کھال کاٹ کر اسکے اندر ایک تھیلی جیسی رکھدی جاتی ہے،اور تھیلی کے پائپ کا منھ بدن کے باہر ہوتا ہے،اور پائپ کے منھ کے ذریعہ سے اس تھیلی کے اندر کیمیکل ڈالدیا جاتا ہے، پھر بارہ گھنٹہ کے اندر یہ کیمیکل خون کے خراب مادہ کو اپنے اندر جذب کرتا جاتا ہے،اور بارہ گھنٹہ کے بعد یہ کیمیکل جس نے خراب مادہ کو اپنے اندر جذب کیا ہے،اسی پائپ کے راستہ سے نکال لیا جاتا ہے، پھر اسے نکالنے کے بعد نیا کیمیکل اس میں ڈالدیا جاتا ہے، اور یہ کیمیکل بارہ گھنٹہ میں اپنا کام کرلے گا،ڈائیلیسس کی یہ شکل بہت ہی کم رائج ہے، اسلئے کہ اس شکل میں بہت زیادہ پیسہ خرچ ہوتا ہے،ڈائیلیسس کی ان دونوں شکلوں پر غور کرنا ہے کہ ان میں مفسد صوم یعنی روزہ کو فاسد کرنے والا کوئی عمل پایا گیا یا نہیں؟ تو ظاہر بات ہے کہ بدن کے فطری راستہ میں سے کسی راستہ کے ذریعہ سے اندر کوئی چیز نہیں پہنچائی گئی، اسلئے ڈائیلیسس کی دونوں شکلیں روزہ کی حالت میں جائز ہیں، ان میں سے کوئی بھی شکل روزہ کی حالت میں اختیار کی جائے روزہ فاسد نہیں ہوگا، بدستور باقی رہے گا۔

وأما ما وصل إلىٰ الجوف أو الدماغ عن غير المخارق الأصلية بأن داوى الجائفة والآمة فإن داواها بدواء يابس لا يفسد لأنه لم يصل إلىٰ الجوف ولا إلىٰ الدماغ. (بدائع الصنائع، زكريا ۲/۲۴۳)

ومفاده أن استقرار الداخل فى الجوف شرط للفسادأى مفاد ماذكر متناو شرحاً وهو أن مادخل فى الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار وإن لم يغب بل بقى طرف منه فى الخارج أو كان متصلاً بشيئى خارج لايفسد لعدم استقراره. (شامی، زكريا ۳/۳۶۹، كراچی ۲/۳۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۴۵/۴۰)

بحالت صوم پتہ کا آپریشن

سوال: [۴۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کی حالت میں پتہ کا آپریشن کر کے پتہ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس سے روزہ ٹوٹے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ کی حالت میں پتہ کا آپریشن جائز ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ کیونکہ روزہ معدہ میں کسی چیز کے جانے سے ٹوٹتا ہے اور اس آپریشن میں معدہ میں کوئی چیز نہیں پہنچتی۔

وأكثر المشائخ اعتبروا الوصول إلىٰ الجوف فى الجائفة والآمة، إن عرف أن اليابس وصل إلىٰ الجوف يفسد صومه بالاتفاق، وإن لم يعرف أن الرطب لايصل إلىٰ الجوف لا يفسد. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۳/۳۷۹، رقم: ۴۶۲۹)

وفى دواء الجائفة والآمة أكثر المشائخ علىٰ أن العبرة للوصول إلىٰ

الجوف أو الدماغ لالكونه رطباً أو يابساً. (هنديه، زكريا١/٢٠٤، بدائع قديم ٢/٩٣، زكريا٢/٢٤٣، جديد مكتبه زكريا ١/٢٦٦، شامي زكريا٣/٣٧٦، كراچی ٢/٤٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۳/۴۰)

حالت صوم میں پھیپھڑے سے پانی نکالنا

سوال: [۴۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حالت صوم میں پھیپھڑے سے پانی نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ کی حالت میں پھیپھڑے سے پانی نکالنا جائز ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ روزہ معدہ میں کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے، اور پھیپھڑے سے پانی نکالنے میں معدہ کا کوئی واسطہ نہیں ہے، اور اس سے معدہ وپھیپھڑے میں کوئی چیز داخل نہیں ہوتی، بلکہ اس سے نکالی گئی ہے، اسلئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (مستفاد: محقق ومدلل جدید مسائل/۱۸۲)

لو ابتلع خشبة أو خيطاً ولو فيه لقمة مربوطة إلا أن ينفصل منها بشيئ ومفاده أن استقرار الداخل في الجوف شرط للفساد (تحته في الشامي) مفاده أى مفاد ذكر متنا وشرحا وهو أن مادخل في الجوف إن غاب فيه فسد وهو المراد بالاستقرار، وإن لم يغب بل بقي طرف منه في الخارج أوكان متصلاً بشيئ خارج لا يفسد لعدم استقراره. (شامي، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسد زكريا٣/٣٦٩، كراچی ٢/٣٩٧)

والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ. (شامي، زكريا ٣/٣٦٧، كراچی ٢/٣٩٥)

فساد الصوم متعلق بالدخول شرعاً . (بدائع الصنائع، زکریا۲/ ۲۴۲)

هـذا يـدل عـلـى أن استقرار الداخل في الجوف شرط فسادالصوم .

(بدائع الصنائع ، زكريا ٢/ ٢٤٤)

عـن ابـن عبـاس رضـی اللہ عـنـه أنه ذكر عنده الوضوء من الطعام قال الأعمش مرة : والـحـجـامة لـلصائم ،فقال: إنما الوضوء مما يخرج وليس مما يدخل و إنما الفطر مما دخل وليس مما خرج. (سنن كبرى بيهقى، دارالفكر بيروت٦/ ٢/ ٣١٢، رقم: ٨٣٤٦، مصنف ابن ابی شيبة ،موسسه علوم القرآن بيروت٤/ ٢١٦، رقم: ٩٤١١، مجمع الزوائد دارالكتب العلمية بيروت٣/ ١٦٧)

قـال ابـن عباس وعكرمة الفطر مما دخل وليس مما خرج وكان ابن عـمـر يحتجم وهو صائم . (صحيح البخارى ، كتا ب الصوم ، باب الحجامة والقيئ للصائم الخ ـ١/ ٢٦٠) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۴/۴۰)

روزہ کی حالت میں انہیلر کا استعمال

سوال: [۴۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں تنفس (دمہ) کا مریض ہوں تقریباً تیس (۳۰) سال سے مجھے یہ مرض لاحق ہے ابتداءً یہ ایک موسمی مرض تھا، یعنی صرف موسم سرما میں لاحق ہوتا تھا اور اثناء مرض دوا استعمال کرنے اور ٹھنڈی چیزوں سے پرہیز کرتے رہنے سے رفتہ رفتہ کم ہوجاتا تھا، حقیقت میں غذائی اشیاء میں بعض چیزیں طبیعت کے لئے ناموافق بن جانے سے غذا جز وبدن نہ بن کر بلغمی رطوبات بن جانے سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے۔

جوں جوں عمر بڑھتی جارہی ہے، اور قوت مدافعت کم ہوتی جارہی ہے، یہ مرض موسمی نہ

رہا بلکہ سال بھر وقتاً فوقتاً حملہ کرتا رہتا ہے، علاوہ ازیں اب کوئی دوا بھی مفید ثابت نہیں ہوتی ہے، بلکہ تنفس کم ہونے کیلئے دوا کھائی جاتی ہے، تو دوسری مختلف قسم کی بیماریاں مثلاً کھجلی وغیرہ پیدا ہوجاتی ہیں، اور نئے امراض کے دفعیہ کیلئے دوا کھاتا ہوں تو پھر تنفس غالب ہوجاتا ہے، اور طبیعت کا توازن ہی اب قائم نہ رہا۔

ایسی صورت میں صرف ایک دوا جس کو انگریزی میں (INHALER) اُنہیلر کہا جاتا ہے، کچھ وقتی فائدہ دیتی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ انگریزی دواؤں کا مرکب ایک ڈبہ میں رکھا ہوا ہے اور تنفس کے غلبہ کے وقت پمپ مارنے سے دوا ہوا بن کر منھ کے ذریعہ پھیپھڑے کو پہونچ جاتی ہے، اور بلغم ہٹ کر دم لینے میں سہولت ہوجاتی ہے، باقی اس سے معدہ کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اگر یہ دوا پمپ کے ذریعے نہ پہونچائی جائے تو معمولی نہیں بلکہ انتہائی تکلیف کے ساتھ سانس لینا پڑتا ہے۔

یہ تنفس روزہ کی حالت میں بھی جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح ہوتا ہے، حملہ کرتا ہے، اور روزہ کی حالت میں ایک دومرتبہ پمپ کے ذریعہ پھیپھڑے کو دوا نہ پہونچائی جائے تو روزہ میں بڑی دقت ہوتی ہے، بلکہ جان کا بھی خطرہ ہے، حقیقت میں یہ دوا معدہ تک نہیں جاتی بلکہ صرف پھیپھڑے کے اندر جاکر کام کرتی ہے، جیسا کہ اس سے ملحق کاغذ کے نقشہ سے پتہ چلتا ہے۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ مجھ جیسے مریض کیلئے روزہ کی حالت میں ایک دومرتبہ انتہائی مجبوری کے سبب پمپ کے ذریعہ دوا پہونچا کر روزہ کو مکمل کرنا جائز ہے یا اس طرح کرنے سے روزہ فاسد ہوکر مجبوری کے سبب سے فدیہ دیدینا کافی ہے؟

(۲) میری عمر تقریباً پچپن (۵۵) سال کی ہے، بلوغ کے بعد سے تقریباً اب تک غفلت یا مرض کے سبب بہت سے روزے فوت ہوگئے ہیں، اندازاً بیس سال کے روزوں کی قضا لازم ہے، ایسی صورت میں مجھ پر ان تمام کا فدیہ اب دینا لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ میں ایک اسکول میں بحیثیت ٹیچر ایک ملازم ہوں اور ماہانہ تقریباً پانچ ہزار روپئے کی آمدنی ہے۔

المستفتي: فضل الرحمٰن غفراللہ لہٗ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: انہیلر کے ذریعہ سے دمہ کے مرض میں پھیپھڑے سے سانس کے آنے جانے کی نالی کھل جاتی ہے، اورآسانی کے ساتھ اسکے ذریعہ سے سانس جاری ہوجاتا ہے، اور دمہ کے مریض کی اس کے استعمال کے بغیر خطر ناک حالت ہوجاتی ہے، اوراس کے استعمال کے بغیر روزہ رکھنا اسکے لئے ممکن نہیں ہے، تو ایسی مجبوری کی صورت میں اگر وہ صاحب استطاعت ہے، تو انہیلر کے استعمال کے ساتھ روزہ بھی رکھے اور احتیاطاً فدیہ بھی دیتا رہے، اوراگر صاحب استطاعت نہیں ہے، تو انہیلر کے استعمال کے ساتھ روزہ رکھتا رہیگا، اور روزہ ترک نہ کرے جیسا کہ سلسل البول اور انفلات ریح کی حالت میں مجبوری کی وجہ سے نماز پڑھنا جائز ہوجاتا ہے، حالانکہ خروج ریح اور خروج بول دونوں کی وجہ سے نماز اور وضو دونوں فاسد ہوجاتے ہیں، مگر مجبوری کی وجہ سے اس کے لئے جائز قرار دیئے گئے ہیں، اور انہیلر کا استعمال ایسا ہے، جیسا کہ تیز خوشبو کا استعمال ہے، جیسے تیز خوشبو دل ودماغ ہر جگہ محسوس ہوتی ہے، اور بعض دفعہ تیز خوشبو کے استعمال سے آدمی نزلہ کا مریض ہوجاتا ہے، مگراس کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا ایسا ہی انہیلر کا استعمال بھی ہے، کہ اس سے صرف سانس کی نالی کھل جاتی ہے، جوف معدہ سے اسکا تعلق نہیں ہوتا ہے، بلکہ صرف پھیپھڑے تک محدود رہتا ہے، اس لئے دمہ کے مریض کیلئے اسکے استعمال کے ساتھ روزہ رکھنے کی گنجائش ہے، اور بلوغ کے بعد سے جتنے روزہ غفلت یا مرض کی وجہ سے فوت ہوگئے ہیں، ان سب روزوں کی قضاء لازم ہے اوران روزوں کی قضاء کرتے ہوئے اگر انہیلر کے استعمال کی ضرورت پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔

وصاحب عذر من به سلس البول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لايجد فى جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلى فيه خالياً عن الحدث، وحكمه الوضوء لكل فرض ثم يصلى به فيه فرضاً ونفلاً. (شامی، کتاب الطهارة، باب الحيض،

کراچی ۱/۳۰۵، زکریا ۱/۵۰۴،۵۰۵)

وأما صاحب الجرح الذی لا یرقأ ومن به سلسل البول والمستحاضة وكذامن به الرعاف الدائم وانفلات الريح ، واستطلاق البطن يتوضأون لكل صلاة...... فيصلون بذلک الوضوء فی الوقت ماشاء وا من الفرائض والنوافل . (حلبی کبیر، اشرفیه یوبند/۱۳۳، مجمع الانهر ، دارالکتب العلمية بيروت ۱/۸٤)

مريض مجروح تحته ثياب نجسة إن كان بحال لا يبسط تحته إلا تنجس من ساعته له أن يصلی علیٰ حالهٖ. (شامی،کراچی ۱/۳۰۷، زکریا ۱/۵۰۷، سراجیه/۱۱٤)

إذا دخل الدخان أوالغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه لا يفسد صومه . (قاضی خان علی الهندية، كتاب الصوم ، الفصل الخامس فی مالا يفسد الصوم، زکریا۱/۲۰۸، جدید زکریا ۱/۱۳۰)

لايكره للصائم شمّ رائحة المسک والورد ونحوه ممالا يكون جوهراً متصلاً كالدخان . (مراقی الفلاح مع حاشية الطحاوی ، دارالکتاب دیوبند/٦٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۷۴)

بحالت صوم دمہ کے مریض کا انہیلر استعمال کرنا

سوال: [۴۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری عمر ستر سال ہے، اور میں دمہ کا مریض ہوں تو کیا میں روزہ کی حالت میں ''انہیلر'' استعمال کرسکتا ہوں یا نہیں؟ سوالنامہ کے ساتھ دوا کی تفصیلات منسلک ہیں؟

المستفتي: شفیع الدین، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوآدمی دمہ کا مریض ہے، اور مرض کا سلسلہ تسلسل کیساتھ جاری ہے اور مرض سے شفایاب ہوکر روزوں کا اطمینان کیساتھ صحت کی حالت میں قضا کرنے کی امید بھی نہیں ہے، اور آکسیجن استعمال کرنے سے سانس کی نالی کھل جاتی ہے، اور روزہ رکھنے کی قوت باقی رہتی ہے، تو ایسے لوگوں کیلئے آکسیجن استعمال کرنے کے ساتھ روزہ رکھنے کو احقر جائز سمجھتا ہے، اور جن لوگوں نے اس کو ناجائز کہا ہے، احقر کو ان کی رائے سے اتفاق نہیں ہے، اور احقر دووجہوں سے اس کو جائز سمجھتا ہے۔

(۱) اس آکسیجن کا استعمال کرنا اس تیز عطر کے استعمال کے مثل ہے جس عطر کے استعمال سے حساس آدمی کو نزلہ وکھانسی شروع ہو جاتی ہے، ایسا ہی آکسیجن کو استعمال کرنیکی وجہ سے سانس کی نالی کھول کر دل ودماغ میں ایسا تاثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ اس تیز عطر سے پیدا ہوتا ہے، اور تیز عطر کا سونگھنا روزہ کی حالت میں بلا عذر سب کے نزدیک جائز ہے، لہٰذا عذر کیوجہ سے اس آکسیجن کا استعمال بھی درست ہوگا۔

إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه لا يفسد صومه. (قاضی خان علی الهندية، كتاب الصوم، الفصل الخامس فی مالا يفسد الصوم، زکریا ۱/ ۲۰۸، جدید زکریا ۱/ ۱۳۰)

اور جواز کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خروج ریح پوری امت کے نزدیک ناقض وضو ہے اسی طرح خروج بول بھی پوری امت کے نزدیک ناقض وضو ہے مگر سلسل البول کے مریض اور انفلات ریح کے مریض کو شریعت نے اس کی خروج ریح کی حالت میں اور خروج بول کی حالت میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، ایسا ہی اگر کسی کے نزدیک آکسیجن کا استعمال کرنا ناقض صوم ہے، تو ''مرض دمہ'' کے عذر کی وجہ سے انفلات ریح اور سلسل البول والے کی طرح آکسیجن استعمال کر کے اس کیلئے روزہ رکھنا جائز ہوگا۔

وصاحب عذر من به سلس البول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو استحاضة إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لايجد فى جميع وقتها زمناً يتوضأ ويصلي فيه خالياً عن الحدث، وحكمه الوضوء لكل فرض ثم يصلي به فيه فرضاً ونفلاً. (شامی، کتاب الطهارة، باب الحيض، کراچی ۱/۳۰۵، زکریا ۱/۵۰۵)

وأما صاحب الجرح الذى لا يرقأ ومن به سلس البول والمستحاضة وكذامن به الرعاف الدائم وانفلات الريح، واستطلاق البطن يتوضأون لكل صلاة ...... فيصلون بذلك الوضوء فى الوقت ماشاء وا من الفرائض والنوافل. (حلبی کبیر، اشرفیه یوبند/۱۳۳، مجمع الانهر، دارالکتب العلمية بيروت ۱/۴۸)

مريض مجروح تحته ثبات نجسة إن كان بحال لا يبسط تحته إلا تنجس من ساعته له أن يصلي على حاله. (شامی،کراچی ۱/۳۰۷، زکریا ۱/۵۰۷، سراجیه/۱۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۹۹/۳۸)

کیا زبان کے نیچے دوا رکھنا مفسد صوم ہے؟

سوال: [۴۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی عمر ۲۷؍سال ہے اور طبیعت بھی خراب رہتی ہے، معمولاً دوا لینی پڑتی ہے بائیں جانب دل کے پاس روزانہ درد ہوتا ہے، اور کبھی کبھی سر میں بھی درد ہوتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر نے ایک زود اثر دوا تجویز کی ہے جسے زبان کے نیچے رکھا جاتا ہے، اور اس سے درد کو آرام مل جاتا ہے، اور دوا گھل کر اندر چلی جاتی ہے، اگر دوا نہ لی جائے تو درد میں شدت ہو جاتی ہے، اور عادۃً روزانہ کم از کم دو تین مرتبہ یہ کیفیت ہوتی ہے، اور دوا لینی پڑتی ہے، اس طرح روزہ

کی حالت میں دوا لینے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں دو عالموں کی دوا لگ الگ رائے ہیں ایک صاحب کہتے ہیں کہ روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اور دوسرے صاحب کی رائے یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اول الذکر عالم اسے قیاس کرتے ہیں، اس عورت کے اوپر جسے اپنے شوہر سے غیض وغضب کا اندیشہ ہوا سے روزے کی حالت میں نمک چکھ کر تھوک دینے کی اجازت ہے اور بچے کو چبا کر دینے کی اجازت پر قیاس کرتے ہیں، اور ثانی الذکر عالم اس قیاس کو قیاس مع الفارق قرار دیتے ہیں، اور فساد صوم کے قائل ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ جو بات شرعاً درست ہو مدلل و مفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد ناصر، پکا باغ، گلشہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ فاسد ہونے کیلئے لازم ہے، کہ انسان کے منفذ کے ذریعہ سے کوئی چیز پیٹ میں پہونچ جائے مثلاً: حلق، کان، یا ناک کے راستہ سے یا پیشاب پاخانہ کے راستہ سے اور ان کے علاوہ مسامات کے ذریعہ سے جو چیزیں بدن میں پھونچتی ہیں، ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے، چاہے مسامات کے واسطے سے نسوں میں پہونچ جائے اور اس سے انسان کو طاقت ملتی ہو روزہ نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ انجکشن اور گلوکوز کی بوتل کے ذریعہ سے دوا پہونچتی ہے، مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، اور منھ کے اندر کا حصہ شریعت میں روزہ کے مسئلہ میں باہر کا حکم رکھتا ہے، اسلئے پانی سے کلی کرنے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اسی طرح پپسی اور لیمن وغیرہ کے ذریعہ سے کلی کر کے پھینک دیا جائے تب بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا اور ٹھنڈے پانی سے کلی کرنے کی وجہ سے زبان ڈاڑھ اور پورے منھ میں ٹھنڈھک کا احساس ہوتا ہے، اور لیمن وغیرہ کے ذریعہ کلی کرنے کی وجہ سے اس کا پورا ذائقہ محسوس ہوتا ہے، مگر حلق کے اندر ان میں سے کوئی چیز نہیں پہونچتی تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا بس اس میں شرط یہ ہے کہ ان میں سے کوئی چیز حلق کے راستہ سے اندر کی طرف نہ پہونچنے پائے، اسی وجہ سے عورت کیلئے سالن کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا جائز ہے اس سے

روزہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا، لہٰذا اگر کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ آئندہ بالکل تندرست ہوکر روزہ کی قضاء کرنے کی امید نہیں ہے، مگر زبان کے نیچے دوا رکھ دی جائے تو اس کو روزہ کی طاقت ملتی ہے، اور اس کے بغیر روزہ رکھنا ممکن نہیں ہے اور حلق کے راستہ سے دوا کے اثرات پیٹ میں نہیں پہونچتے، تو ایسے شخص کیلئے زبان کے نیچے دوا رکھ کر روزہ کا فرض ادا کرنا شرعاً جائز ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ حلق کے راستہ سے دوا کا ذائقہ پیٹ میں نہ پہونچنے پائے بلکہ زبان کے مسامات کے ذریعہ سے اس کے بدن میں پھیلتا ہو، نیز خروج ریح کی وجہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے، مگر کوئی شخص ایسا ہے جو انفلات ریح کا مریض ہے تو اس کیلئے ہر نماز کے واسطے نیا وضو کر کے اسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے چاہے نماز کی حالت میں مسلسل خروج ریح ہوتا رہتا ہو، اسی طرح سلسل البول کا مریض ہے اور خروج بول ناقض وضو ہے، مگر اس شخص کیلئے اسی حالت میں نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ نماز کی حالت میں پیشاب کے قطرات مسلسل نکلتے رہتے ہوں، اسی طرح مذکورہ آدمی کیلئے زبان کے نیچے دوا رکھی ہوئی حالت میں روزہ کا فریضہ ادا کرنا بھی جائز ہے، جیسا کہ فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے واضح ہے۔

لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ. (شامی، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم، ومالا یفسد، کراچی ۲/۳۹۵، زکریا ۳/۳۶۷)

وما يدخل من مسام البدن من الدهن لايفطر. (هندیه، زکریا ۱/۲۰۳، جدید زکریا ۱/۲۶۶)

والداخل من المسام لامن المسالک فلا ينافيه. (البحرالرائق، زکریا دیو بند ۲/۴۷۶، کوئٹه ۲/۲۷۳)

والداخل من المسام لاينافي كمالو اغتسل بالماء البارد. (هدایه، اشرفی دیو بند ۱/۲۱۷)

لأن الفم له حكم الظاهر حتى لايفسد صومه بالمضمضة. (هدایه،

اشرفی دیو بند ۱/۲۱۸، مستفاد: فتاویٰ محمودیه جدید ۱۰/۱۴۹، کتاب الفتاویٰ ۳/۳۹۲)

إن كان زوجها سيئ الخلق ، بذى اللسان يضايقها فى ملوحة الطعام فلا بأس به . (الفتاوىٰ التاتار خانية ، زكريا ۳/۳۹٦، رقم: ٤٦٨٥)

اب اس وضاحت کے بعد ہم کو سوالنامہ میں پیش کردہ معارضہ میں اس عالم کی بات درست معلوم ہوتی ہے، جنھوں نے عورت کیلئے سالن کا نمک اور ذائقہ چکھنے کی اجازت کو استدلال میں پیش کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۸/۶ھ

کیا کانچ کو اندر داخل کرنے سے روزہ فاسد ہوجائیگا

سوال: [۴۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو ایک خاص بیماری ہے جس کو عامۃً کانچ کہتے ہیں، جو کہ پاخانہ کے مقام سے باہر آتی ہے، تو اب زید حاجت کے بعد اس کو پانی سے صاف کر کے اندر کرتا ہے تو کانچ سے لگا ہوا پانی اندر ہی رہ جاتا ہے، تو کیا اس سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟ اور یہ مرض بھی ایسا ہے کہ بغیر اندر کئے ہوئے اندر خود دخول ہی نہ ہوگا، اگر وہ پانی سے دھلتا نہیں تو غلاظت رہ جاتی ہے؟

المستفتي: محمد عبد اللہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس کو اولاً پانی سے صاف کرنے کے بعد ہاتھ سے پانی صاف کرلیا جائے، اسکے بعد اندر داخل کردیا جائے گا، تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه وإلا فلا لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن يصل إلىٰ الباطن بعود المقعدة الخ.

(شامی، کتاب الزکاۃ، باب مایفسد الصوم وما لا یفسد کراچی ۲/۳۹۷، زکریا ۳/۳٦۹)

وكذا لو استنجى رجل وبالغ حتى دخل الماء باطنه، والرجل إذا تثاقل، حتى خرج إسته في حالة الاستنجاء ثم عاد إلىٰ مكانه فسد صومه إلا أن يجفف قبل أن يقوم. (الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۳/ ۳۸۰، رقم: ٤٦٣٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۸۸)

بحالت صوم بواسیری مسے کو اندر داخل کرنا

سوال: [۴۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید کانچ کا دائمی مریض ہے، قضاء حاجت کے وقت کانچ باہر نکل آتی ہے، بعد فراغت وہ اس کو اندر داخل کرتا ہے، رمضان المبارک میں حالت روزہ میں بھی وہ یہی عمل یعنی کانچ کو دھل کر اندر داخل کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس کا روزہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کفارہ دینا ہوگا یا نہیں؟ اگر کفارہ نہیں بلکہ قضا ہے تو معلوم یہ کرنا ہے، کہ جب وہ دائمی مریض ہے تو پھر کس طرح قضا رکھے گا، کیا اس کو کانچ کسی کپڑے سے خشک کر کے اندر داخل کرنا چاہئے، تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر اسکو کپڑا میسر نہیں تو پھر کیا کرے کیا کپڑے سے خشک کرنا ضروری ہے جبکہ "**لا يكلف الله نفساً إلا وسعها**" موجود ہے۔

المستفتي: مولانا محمد سالم قاسمی،
مدرس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کانچ کی تری موضع حقنہ اور جوف معدہ تک نہیں پہونچتی ہے تو اس کے روزہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اور موضع حقنہ کچھ دوری پر

ہوتا ہے، جوآنتوں سے متصل ہوتا ہے،اسلئے اگر ہاتھ سے زائد پانی زائل کرلیا جائے پھر کانچ اور بواسیری مسے کواندر داخل کردیا جائے، تو تری کا اثر موضع حقنہ اور آنتوں تک نہیں پہونچتاہے، اسلئے کپڑے سے خشک کرنا لازم نہ ہوگا، بلکہ صرف ہاتھ سے زائد پانی کوزائل کردینا بھی کافی ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۴۵۹، جدیدزکریا/۴۳۵)

اور جومعمولی تری باقی رہ جاتی ہے، وہ کانچ کے اندر پہونچتے پہونچتے ختم ہوجاتی ہے،اسلئے مفسدصوم نہ ہوگا۔

وخرج سرمه فغسله إن نشفه قبل أن يقوم ويرجع لمحله لايفسد صومه لزوال الماء الذى اتصل به لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن الخ. (طحطاوى على المراقى ،كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء ، جديد دارالكتاب ديوبند /٦٧٦، قديم/ ٣٧٠)

والحد الذى يتعلق بالوصول إليه الفساد قدر المحقنة الخ. (فتح القدير ، كتا ب الصوم ، باب مايوجب القضاء والكفارة ، زكريا ٢ /٣٤٧، كراچى ٢ /٢٦٦، دارالفكر بيروت ٢ /٣٤٣، شامى، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم كراچى ٢ /٣٩٧، زكريا٣/ ٣٦٩)

خرج سرمه فغسله فإن قام قبل أن ينشفه فسدصومه ، وإلا فلا ؛ لأن الماء اتصل بظاهره ثم زال قبل أن يصل إلىٰ الباطن بعود المقعد . (شامى، كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم ، ومالا يفسد قبيل مطلب مهم المفتىٰ فى الوقائع ، كراچى ٢ /٣٩٧، زكريا٣/ ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۲/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳۲۶/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۲/۲/۱۴۱۴ھ

ناپاکی کی حالت میں روزہ رکھنے کا حکم

سوال: [۴۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کے روزہ کی نیت تھی غسل واجب ہوگیا صبح آنکھ تاخیر سے کھلی کیا روزہ رکھ لیا جائے، اب تک کچھ کھایا پیا نہیں ہے؟

المستفتي: قاضی اشرف حسین،
بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس سے روزہ رکھنے میں کوئی خلل نہیں ہوتا ہے، روزہ بلا کراہت درست ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۱۱)

عن عائشة وأم سلمة زوجي النبى صلى الله عليه وسلم أنهما قالتا: إن كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليصبح جنباً من جماع غير احتلام فى رمضان، ثم يصوم. (صحيح مسلم، كتاب الصيام باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، النسخة الهندية ۱/ ۳۵٤، رقم: ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، صحيح البخارى، كتاب الصوم، باب اغتسال الصائم۱ /۲۵۸، رقم: ۱۸۹۱،ف: ۱۹۳۱، سنن أبى داؤد، كتاب الصوم، باب فيمن أصبح جنبا وهو صائم، النسخة الهندية ۱/ ۳۲٤، دارالسلام رقم: ۲۳۸۹)

أو أصبح جنبا إلى قوله لم يفطر. (الدر المختار كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، ومالا يفسده مصرى۲/ ۱۳۸، كراچى ۲/ ٤۰۰،زكريا۳/ ۳۷۲)

وفى الخلاصة: إذا أصبح جنباً لايفسد صومه. (الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا۳/ ۳۸٤، رقم: ٤٦٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۵۹۹/۲۵)

روزہ کی حالت میں تھوک نگلنا

سوال: [۴۷۶۶]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب کوروزہ کی حالت میں باربارتھوک آتاہے، اوروہ اکثر اس کونگل جاتے ہیں، ایسا کرنے سے روزے میں نقص آئے گایانہیں؟ اسکے بارے میں کیافتویٰ ہے؟

المستفتي: انصارالدین صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تھوک نگلنے سے روزہ پرکوئی اثرنہیں پڑتا۔ (مستفاد: بہشتی زیور۳/۱۱)

لو جمع الريق قصداً ثم ابتلعه لايفسد صومه في أصح الوجهين.

(بزازیه علی الهندیة، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم، ومالا یفسد زکریا ۹۸/٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۰۸/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۹/۱۴۱۲ھ

بحالت روزہ اگربتی جلانا

سوال: [۴۷۶۷]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مچھر بہت ہیں اسلئے کچھوا چھاپ اگربتی جلائی جاتی ہے، جس سے مچھر بھاگ جاتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ روزے کی حالت میں اگربتی جلائی جائے توشرعی حکم کیاہے؟ مفصل اورمدلل بیان فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: انصارالدین صدیقی،
مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگرمچھروغیرہ کی تکلیف سے حفاظت کیلئے

اگر بتی وغیرہ جلائی جائے تو اسکی گنجائش ہے اور اس کی خوشبو محسوس ہو جانا روزہ کیلئے مضر نہیں ہے، لیکن اگر بالقصد اسکا دھواں منھ میں داخل کیا جائے تو روزہ فاسد ہو جائیگا، نیز مساجد میں محض خوشبو کیلئے اسکو جلانے سے پرہیز کرنا چاہئے ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۸۹، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۱۵۷)

أو دخل حلقه دخان بلا صنعه لعدم قدرته على الامتناع عنه (إلىٰ قوله) وأنه من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأي صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر، أوعود ، أوغيرهما. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى ، قديم /۳٦۱، جديددارالكتاب ديوبند/ ٦٦٠)

أودخل حلقه غبار أو ذباب أو دخان ولو ذاكرا استحسانا لعدم إمكان التحرز عنه، ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر ، أى دخان كان ولو عوداً أو عنبراً لو ذكراً لإمكان التحرز عنه . (شامى، كراچى ۲/ ۳۵۹،زكريا ۳/ ۳٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۰۸/۲۸)

حالت صوم میں اگر بتی اور دیگر دھوؤں کا حکم

سوال: [۴۷٦۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں رمضان میں جمعہ اور اس کے علاوہ ایام میں بھی اگر بتی مسجدوں میں جلادیا کرتے ہیں، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر بتی کا دھواں ناک اور اس کے واسطے سے منھ میں جانے سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ اسی طرح رمضان میں اگر عورت روزہ کی حالت میں بچوں کیلئے کھانا پکادے تو اسکے دھوئیں سے روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روزہ کی حالت میں اگربتی وغیرہ کا دھواں بالقصد سونگھنے سے روزہ فاسد ہوجائے گا، لیکن بلاقصد حلق میں چلے جانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، مگر پھر بھی بحالت روزہ مسجدوں وغیرہ میں اگربتی جلانے سے احتراز بہتر ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۸٦، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۹۰، ۱۳/ ۱۲۸)

أو نوىٰ الفطر ولم يفطر لعدم الفعل أو دخل حلقه دخان بلا صنعه لعدم قدرته على الامتناع عنه (إلىٰ قوله) وأنه من أدخل بصنعه دخانا حلقه بأى صورة كان الإدخال فسد صومه سواء كان دخان عنبر وعود أو غيرهما.

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی، كتاب الصوم، باب فی بيان مالا يفسد الصوم قديم /٣٦١، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٦٦٠، درمختار مع الشامی ، كراچی ٣٩٥/٢، زكريا ٣٦٦/٣)

اور یہی حکم اس روزہ دار عورت کا ہے، کہ جو اپنے بچوں کیلئے بوقت ضرورت کھانا تیار کرے کہ اس میں چونکہ دھواں حلق میں داخل کرنے کا قصد نہیں ہوتا اور اس سے بچنا بھی ممکن نہیں، اسلئے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

أو نوىٰ الفطر ولم يفطر لعدم الفعل أو دخل حلقه دخان بلاصنعه لعدم قدرته على الامتناع عنه فصار كبلل بقى فى فمه بعد المضمضة .

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی ، قديم /٣٦١، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٦٦٠، الدر المختار مع الشامی كراچی ٣٩٥/٢، زكريا٣/ ٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦/ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۸۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱٦/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

روزے کی حالت میں اگربتی جلانا

سوال: [۴۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ کے دن ایک صاحب روزے کی حالت میں اگربتی مسجد میں جلاتے ہیں جسکا دھواں باہر بہت کم جاتا ہے، اندر ہی اندر رہتا ہے، حالانکہ دھواں کے نکلنے کیلئے دو کھڑکی اور چار پانچ دروازے ہیں، مسجد ایک بڑے ہال پر مشتمل ہے جسمیں دوسو آدمی آتے ہیں، ایسی صورت میں روزہ داروں کے روزے میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے کہ نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتي: محمد عثمان، میاں سرائے، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی مسجد میں اگربتی سلگانے سے روزہ داروں کے روزے میں خلل نہیں آتا ہے، اگر اسکی خوشبو سے پوری مسجد معطر ہوجائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۱۲۶، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۱۵۷، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۳۷۹، جدید زکریا دیوبند ۳/ ۵۱۹)

وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه لايفسد صومه. (قاضی خان علی الهندية، كتاب الصوم، الفصل الخامس فيما لايفسد الصوم زكريا ۱/ ۲۰۸، جديد زكريا ۱/ ۱۳۰)

أو نوىٰ الفطر ولم يفطر لعدم الفعل أو دخل حلقه دخان بلاصنعه لعدم قدرته على الامتناع عنه فصار كبلل بقى فى فمه بعد المضمضة. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، قديم / ۱ ۳۶، جديد دارالكتاب ديوبند/ ۶۶۰، درمختار مع الشامی كراچی ۲/ ۳۹۵، زكريا ۳/ ۳۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ / رمضان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶ / ۱۹۴۳)

بحالت صوم مشت زنی

سوال: [۴۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید

نے روزہ رکھا روزہ کی حالت میں مشت زنی کی اور انزال ہوا تو روزہ فاسد ہوا یا نہیں؟

المستفتي: معین الدین، گڈاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کی حالت میں مشت زنی کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، جس کی قضاء واجب ہے، البتہ کفارہ لازم نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۴۷۱)

الصائم إذا عالج ذكره حتى أمنىٰ فعليه القضاء وهو المختار، وبه قال عامة المشائخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الرابع، فی ما یفسد وما لا یفسد زکریا ۱/۲۰۵، جدید زکریا ۱/۲۶۷، البحرالرائق، کوئٹہ ۲/۲۷۲، زکریا ۲/۴۷۵، فتاویٰ تاتار خانیة ۲/۲۷۰، زکریا ۳/۳۸۵، رقم: ۴۶۴۹، بنایہ، اشرفیہ دیوبند ۴/۳۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۴/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۴/۱۴۲۳ھ

حالت صوم میں انزال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے روزہ کی حالت میں کسی اجنبیہ عورت سے مذاق کیا اور اس شخص کو انزال ہوگیا تو کیا اس شخص کا روزہ فاسد ہوجائے گا یا باقی رہے گا، اور اگر روزہ فاسد ہوجاتا ہے، تو اسکی صرف قضا کافی ہے یا کفارہ بھی واجب ہوجائیگا، اور اگر کفارہ واجب ہوتا ہے، تو اسکی کیا مقدار ہے؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، غاری آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجنبیہ عورت سے نفسانی مذاق ناجائز اور حرام ہے،

اور انزال سے روزہ کی قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۲۵)

أو قبل ولو قبلة فاحشة بأن يدغدغ أو يمص شفتيها أو لمس ولو بحائل لايمنع الحرارة ...... فأنزل ...... قضى في الصور كلها فقط. (شامی، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، ومالايفسده، كراچی ٢/ ٤٠٤، زكريا ٣/ ٣٧٩)

ولو أنزل بقبلة أو لمس فعليه القضاء دون الكفارة. (هدايه، اشرفيه ديوبند ١/ ٢١٧، هنديه، زكريا ١/ ٢٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۲/ ۱۴۱۷ھ

بحالت صوم امرد کی تقبیل اور معانقہ سے انزال ہونا

سوال: [۴۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے جس کا نام عبداللہ ہے، بحالت صوم مع الشہوۃ ایک امرد لڑکے کی تقبیل کی اور عبداللہ نے اس امرد لڑکے سے معانقہ کیا جس سے عبداللہ کو روزہ کی حالت میں انزال ہو گیا۔

آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ عبداللہ کا روزہ ٹوٹا یا نہیں، اگر روزہ ٹوٹا تو صرف قضاء لازم ہوگی، یا کفارہ بھی اگر کفارہ بھی لازم آتا ہے، تو عرض یہ ہے کہ عبداللہ اتنا کمزور ہے کہ ساٹھ روزے لگاتار نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتا ہے، اور نہ ہی اتنا روپیہ عبداللہ کے پاس موجود ہے آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں، عبداللہ بہت ہی بے چین ہے، اور آخرت کا خوف اس کو بہت لاحق ہے، ازراہ کرم جواب جلد عنایت فرمائیں؟

المستفتي: مقبول اختر، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں عبداللہ کا روزہ ٹوٹ چکا ہے،

لیکن کفارہ اس پر واجب نہیں ہے، بلکہ صرف ایک روزہ قضاء کرنا لازم ہوگا۔

عن الهزهاز: أن ابن مسعود قال: في القبلة للصائم قولا شديداً، يعني يصوم مكانه وهذا عندنا فيه إذاقبل فأنزل. (السنن الكبریٰ للبيهقي، الصيام، باب وجوب القضاء على من قبل فأنزل، دارالفكر بيروت ٢٦١/٦، رقم: ١٨٩٨، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت، الصيام، باب الرفث واللمس وهو صائم ١١٢/٤، رقم: ٨٤٥٠، مصنف ابن أبي شيبه، مؤسسه علوم القرآن بيروت، الصيام، باب ماقالوا في الصائم، حين يمنى ٢٥٩/٦، رقم: ٩٥٧٢)

ولو أنزل بقبلة أولمس فعليه القضاء دون الكفارة الخ. (هدايه، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، اشرفی دیوبند ٢١٧/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷؍۲۳۹۳)

حالت صوم میں منھ کی بو مضر نہیں

سوال: [۴۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ضعیف العمر تقریباً اسی سال اس کی عمر ہے اس کی تمام داڑھیں نکل چکی ہیں، کچھ دانت بھی نکل چکے ہیں، اور کچھ دانت باقی ہیں، اوپر اور نیچے دونوں جانبوں کے ان دانتوں کی جڑیں خراب ہوگئی ہیں، جس کی وجہ سے جڑیں چھیدی ہوگئی ہیں، کھانا کھانے یا اور کوئی چیز کھانے میں انہیں دانتوں سے کام لیا جاتا ہے، لہٰذا ان کی جڑوں میں اور مسوڑھوں کی جڑوں میں کھانے کے ریزے یا اور جو چیز کھائی جاتی ہے، باقی رہ جاتی ہے، لہٰذا جہاں تک کوشش ہوتی ہے، خلال کے ذریعہ نکال دیئے جاتے ہیں، اس کے بعد اچھی طرح سے کلی کرکے ختم کردیئے جاتے ہیں، مگر کھانے کی جو بھی چیز کھائی جاتی ہے، اسکی بو باقی رہتی ہے، حتی کہ برش وغیرہ کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس کے باوجود بھی بو باقی رہتی ہے، اب

رمضان المبارک آرہا ہے، سحری میں جو بھی کھایا جاتا ہے، تو خلال اور برش وغیرہ استعمال کرکے روزہ رکھ لیا جاتا ہے، اب سحری کے کھانے کی بوکئی گھنٹے تک باقی رہتی ہے، اور وہ بوتھوک کے ساتھ حلق میں داخل ہوجاتی ہے، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس بو کے حلق کے اندر داخل ہونے سے روزے میں کسی طرح کا کوئی خلل تو واقع نہیں ہوتا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محض اس بو کے باقی رہنے کی وجہ سے روزہ میں کسی قسم کی خرابی لازم نہیں آتی بلاشبہ روزہ صحیح ہوجائیگا۔

أو دخل أثر طعم الأدوية فيه أي في حلقه لأنه لا يمكن الاحتراز عنها، فلا يفسد الصوم بدخولها وهو ذاكر لصومه الخ. (طحطاوی مراقی الفلاح، کتاب الصوم ، باب في بيان مالا يفسد الصوم قديم / ٣٦٢، جديد دارالكتاب ديوبند/ ٦٦١)

ولو دخل حلقه غبار الطاحونة أوطعم الأدوية أو غبار الهرس وأشباهه.......... لم يفطر هكذا في السراج الوهاج. (هنديه ، زكريا ١/ ٢٠٣، جديد زكريا ١/ ٢٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۴۲۱)

حالت صوم میں بیوی سے بوس وکنار

سوال: [۴۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حالت صوم میں بیوی کو بوس وکنار کرنا کیسا ہے، اس سے روزہ مکروہ یا فاسد ہوجاتا ہے، شرعاً جو حکم ہو تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد رضوان، مقام: فتح پور،

پوسٹ: کملاپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراپنے نفس پرقابواوراطمینان ہےتوکوئی حرج نہیں، اوراگرنفس پرقابونہ رہنےکااندیشہ ہے،تومکروہ تحریمی ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۴۱۲)

عن أبی هريرة: أن رجلا سأل النبی صلی اللّٰه عليه وسلم عن المباشرة للصائم؟ فرخص له، وأتاه آخر فسأله فنهاه، فإذا الذی رخص له شيخ، والذی نهاه شاب. (سنن أبی داؤد، الصوم، باب كراهيته للشاب الصائم، النسخةالهندية ١/٣٢٤، دارالسلام رقم: ٢٣٨٧، السنن الكبرى للبيهقی، الصيام، باب كراهية القبلة لمن حركت القبلة شهوته، دارالفكر بيروت٦/٢٥٥، رقم: ٨١٧٤، مصنف ابن أبی شيبة، الصيام، ماذكر فی المباشرة للصائم، مؤسسه علوم القرآن بيروت ٦/٢٤٧، رقم: ٩٥٢٧)

عن عطاء بن يسار أن ابن عباس سئل عن القبلة للصائم؟ فأرخص فيها للشيخ،وكرهها للشاب. (السنن الكبرىٰ للبيهقی الصيام، باب كراهية القبلة لمن حركت القبلة شهوته، دارالفكر بيروت٦/٢٥٦، رقم: ٨١٧٩)

ولا بأس بالقبلة إذا أمن على نفسه أی الجماع أوالإنزال ويكره إذا لم يأمن الخ. (هدايه، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، اشرفی ديوبند ١/٢١٧، حاشية الطحطاوی على المراقی الفلاح /٦٨٠، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا٣/٣٩٩، رقم: ٤٦٩٠)

لہٰذاجوان آدمی کواس سےاحترازبہترہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۹؍رمضان المبارک۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۷/۲۳۶۹)

بیوی کا تھوک نگلنے سے روزہ کا حکم

سوال: [۴۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کا تھوک چاٹ لیا اور چاٹ کر نگل گیا تو کیا حکم ہے؟ آیا اس کا روزہ ٹوٹا یا نہیں؟ اگر روزہ ٹوٹ گیا تو صرف روزہ کی قضا لازم ہوگی، یا قضا وکفارہ دونوں واجب ہوں گے؟ جواب سے نوازکر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: محمد ایوب، بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی کا تھوک چاٹ کر نگل جانے سے روزہ فاسد ہوگیا اور کفارہ بھی لازم ہوگا۔

ولو ابتلع بزاق غيره فسد صومه بغير كفارة إلا إذا كان بزاق صديقه فحينئذ تلزمه الكفارة، كذا في المحيط. (هنديه، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالا يفسد، زكريا ۲۰۳/۱)

ومنه أي من موجب الكفارة ابتلع بزاق زوجته أو بزاق صديقه لأنه يتلذذ به. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند/٦٦٧)

وإن ابتلع بزاق غيره فسد صومه بغير كفارة إلا إذا كان بزاق صديقه فحينئذ تلزمه الكفارة لأن الناس قلما يعافون ببزاق أصدقائهم. (الفتاوىٰ التاتارخانية، زكريا ۳۸۳/۳، رقم: ٤٦٤٠) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦٦٦٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۰ھ

روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا

سوال: [۴۷۷٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ

کی حالت میں میں نے خواہشات سے مغلوب ہوکر اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا تھا، ایک حافظ صاحب سے معلوم کرنے پر بتایا کہ روزہ بھی لازم اور کفارہ بھی، کیا مسئلہ درست ہے؟

المستفتی: محمد ظہیر کمیلا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر صرف بیوی کا بوسہ ہی لیا ہے، تو روزہ فاسد نہیں ہوا، لہٰذا آپ پر نہ قضاء ہے اور نہ کفارہ ہے اور حافظ صاحب کا بتایا ہوا مسئلہ درست نہیں ہے، البتہ روزہ کی حالت میں جوان مرد کو بیوی سے بوس وکنار ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۸۸، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۱۲، احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۴۱)

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ: أن رجلا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المباشرة للصائم؟ فرخص له، وأتاه آخر فسأله فنهاه، فإذا الذی رخص له شيخ، والذی نهاه شاب. (سنن أبی داؤد، الصوم، باب كراهيته للشاب، النسخةالهندية ۱/ ۳۲۴، دارالسلام رقم: ۲۳۸۷، السنن الكبری للبيهقی، الصيام، باب كراهية القبلة لمن حركت القبلة شهوته، دارالفكر بيروت ۶/ ۲۵۵، رقم: ۸۱۷۴)

عن عطاء بن يسار أن ابن عباس سئل عن القبلة للصائم؟ فأرخص فيها للشيخ، وكرهها للشاب. (السنن الكبریٰ للبيهقی الصيام، باب كراهية القبلة لمن حركت القبلة شهوته، دارالفكر بيروت ۶/ ۲۵۶، رقم: ۸۱۷۹)

وكره قبلة ومس ومعانقة ومباشرة فاحشة إن لم يأمن من المفسد وإن أمن لا بأس. (شامی، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، ومالا يفسده، كراچی ۲/ ۴۱۷، زكريا ۳/ ۳۹۶)

ولا بأس بالقبلة إذا أمن علی نفسه أی الجماع أو الإنزال ويكره إذا لم يأمن. (هدايه اشرفی ديوبند ۱/ ۲۱۷، حاشية الطحطاوی علی المراقی، دارالكتاب ديوبند/ ۶۸۰، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۳/ ۳۹۹، رقم: ۴۶۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۳۰/۳۵)

حالت صوم میں بیوی کو یاد کرنے سے انزال ہونا

سوال: [۴۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید رمضان میں تنہا رہتا ہے، اسکی زوجہ اپنے میکہ میں ہے دو پہر میں قیلولہ کیلئے زید لیٹا کہ بیوی یاد آنے لگی اور اس کے خیالات میں زید گھبرا رہا تھا، یہاں تک کہ اسکو انزال ہو گیا، جس میں اس کے فعل کا کوئی دخل نہیں تھا، تو کیا اس صورت میں اس کا روزہ فاسد ہوا یا نہیں، اگر فاسد ہو گیا تو قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضا سے کام چل سکتا ہے؟

المستفتي: عبدالرحیم، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان میں بیوی کو یاد کرنے اور اس کے سوچنے سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، البتہ ایسے خیالات دل میں جمانا اچھی بات نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۸۹)

وصار كالمتفكر إذاأمنىٰ. (هدايه) قال المحشىٰ يعني إذا فكر في امرأة حسناء فأنزل لا يفطر. (هدايه، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، اشرفي ديوبند ۱/ ۲۱۷)

إذا نظر إلىٰ امرأة بشهوة في وجهها أو فرجها كرر النظر أو لا لايفطر إذا أنزل، وكذا لا يفطر بالفكر إذا أمنىٰ هكذا في السراج الوهاج. (هنديه زكريا ۱/ ۲۰٤، جديد زكريا ۱/ ۲٦٦)

إذا نظر إلىٰ امرأته بشهوة فأمنىٰ، وفي الشامية، أو تفكر فأمنىٰ لايفسد. (الفتاویٰ التاتارخانية، زكريا ۳/ ۳۸٦، رقم: ٤٦٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۷۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۱۱ھ

روزہ دار کا مرتد ہوکر پھر اسلام لے آنا

سوال: [۴۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص روزہ دار تھا، تقریباً گیارہ بجے اس نے یہ کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا ہوں، پھر یہ کہا کہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے ہیں، اور فرشتے اسکی بیٹیاں ہیں، یہ کہنے کے بعد اس نے کہا کہ میں ایمان لایا اللہ پر اور کلمہ طیبہ پڑھا کیا وہ شخص کافر ہونے کے بعد ایمان لایا یا اپنی حالت پر برقرار رہا، وہ روزہ کی قضاء کرے گا یا نہیں؟

المستفتي: افسر علی، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سچے دل سے توبہ کرکے دوبارہ ایمان لایا ہے، اور اس نے موجب افطار کوئی چیز بھی استعمال نہیں کی ہے، اور زوال سے پہلے پہلے دوبارہ روزہ کی بھی نیت کرلی ہے، تو اس کا روزہ صحیح ہوگیا ہے، دوبارہ قضاء کی ضرورت نہیں ہے۔

إذا ارتد رجل عن الإسلام و العياذ بالله في أول اليوم من رمضان ثم رجع إلى الإسلام قبل الزوال فهو صائم ، وإن أفطر فعليه القضاء دون الكفارة الخ. (فتاویٰ قاضی خان على الهندية ، كتاب الصوم ، الفصل الثاني في النية ، زكريا ١/٢٠٢، عالمگیری ، زكريا ١/١٩٦، جديد ١/٢٥٨، بزازيه على الهندية، زكريا ٤/٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۱/۲۴)

غلطی سے وقت سے پہلے افطار کرنے کا حکم

سوال: [۴۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کو وقت افطار ۵ ربجکر ۳۱ رمنٹ پر تھا، وقت سے پہلے غلطی سے ۵ ربجکر ۲۵ رمنٹ پر گولا داغ دیا گیا، جس پر بستی کے بیشتر لوگوں نے افطار کرلیا دریافت یہ کرنا ہے کہ جن لوگوں نے گولے کی آواز پر دو یا تین منٹ پہلے افطار کرلیا، ان کا روزہ درست ہوا یا نہیں، یا جن لوگوں نے وقت سے پہلے افطار کیا ان کو اس روزہ کی قضاء کرنی پڑے گی؟

المستفتي: قاسم جھلرہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں جتنے لوگوں نے گولے کی آواز سنکر افطار کرلیا ہے ان سب پر روزہ قضاء کرنا لازم ہوگا، کفارہ لازم نہ ہوگا، نیز سورج غروب ہونے سے دو یا تین منٹ قبل افطار کرلیا ہے تو ان پر بھی ایک روزہ قضاء کرنا لازم ہوگا۔

أو تسحر ظنه ليلاً والفجر طالع أو أفطر كذلك والشمس حية أمسك يومه وقضىٰ ولم يكفر الخ. (كنز على البحر، كتاب الصوم، فصل في العوارض كوئٹه ۲/ ۲۹۱، زكريا ۲/ ۵۰۸)

وإذا تسحر وهو يظن أن الفجر لم يطلع فإذا هو قد طلع أو أفطر وهو يرىٰ أن الشمس قد غربت فإذا هي لم تغرب أمسك بقية يومه قضاء لحق الوقت بالقدر الممكن وعليه القضاء ...... ولا كفارة عليه. (هدايه اشرفي ديو بند ۱/ ۲۲۵) **فقط والله سبحانه وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ر رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۳۳)

۵/ باب القضاء والکفارة والفدیة

بغیر چاند دیکھے محض ریڈیو کی خبر پر ۳۰؍رمضان کوافطار کرنا

سوال: [۴۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے گاؤں میں ۲۹؍رمضان مکمل کر کے تیس رمضان صبح آٹھ بجے جموکشمیر سے بذریعہ ریڈیو خبر ملی کہ چاند دیکھا گیا، اور عید بھی جموکشمیر میں آج ہی منائی جارہی ہے، اس حال میں زید کے گاؤں کے اکثر افراد نے روزہ افطار کرلیا پھر بعد میں کافی تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ چاند نظر نہیں آیا ہے، اور روزے افطار کردہ حضرات نے بھی تیس کے بعد ایک تاریخ بدھ کے دن ہی عید منائی اب اس حال میں جو حضرات روزہ افطار کرلیتے ہیں، آیا ان پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوگا یا صرف قضاء واجب ہوگی؟

المستفتي: محمد اسرائیل، مقام: کرماٹانڈہ، کسکا، ضلع دھنباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں جن لوگوں نے روزہ افطار کیا ہے، ان پر صرف روزہ کی قضاء لازم ہے، کفارہ نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۱۵۷)

لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانين أنه يوم العيد وهو لغيره لم يكفروا الخ. (مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، مصري قديم ۱/ ۲۴۳، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۵۸، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح قديم/ ۳۶۹، دارالكتاب ديوبند/ ۶۷۵، شامي، كراچی ۲/ ۴۰۷، زكريا ديوبند ۳/ ۳۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۴۲)

اذان تک سحری کھانا

سوال: [۴۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے مہینہ میں سحری کھاتے کھاتے بسا اوقات مؤذن اذان دیدیتے ہیں، تو بعض اذان کی آواز سنتے ہی پانی پی کر فارغ ہو جاتے ہیں، لیکن بعض آدمی حی علی الصلوٰۃ کے ہونے کے بعد سحری کھاتے رہتے ہیں، تو کیا ان سب کا روزہ درست ہوگا یا بعد میں اس روزہ کی قضاء لازم ہوگی؟ جو بھی ہو مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: سعید اللہ، بیلا چاہی، سپول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اذان کی آواز تک اگر کھاتے رہے تو ایسی صورت میں اس دن کو روزہ کی طرح گذار دے اور بعد میں ایک روزہ کی قضاء کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤذن سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد صبح صادق شروع ہونے کے کچھ دیر بعد اذان دیا کرتا ہے، لہٰذا مؤذن کی آواز شروع ہونے کے وقت دن کی ابتداء ہو جاتی ہے، اس وجہ سے اس روزہ کی قضاء کرنا لازم ہے۔

ولو ظهر أنه أكل والفجر طالع يجب عليه القضاء ولا كفارة . (هنديه، زكريا ديوبند ۱/ ۱۹٤ كتاب الصوم ، الباب الأول في تعريفه إلى وشرطه – جديد ۱/ ۲۵٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۲ھ

جان بوجھ کر روزہ توڑ دینے کا حکم

سوال: [۴۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک

آدمی نے رات کو روزہ رکھنے کیلئے سحری کھائی اور روزے کی بھی نیت کی تھی ،جب سوکر اٹھا دن کے نو بجے دل میں سوچا کہ آج روزہ نہیں رکھوں گا،تو اس نے پانی پی لیا تو اسکے لئے قضاء کے ساتھ کفارہ بھی دینا ہوگا، یا نہیں؟

المستفتي:عبدالکریم، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :صورت مذکورہ میں قضاءوکفارہ دونوں واجب رہیں گے۔

كما في الدرالمختار وإن جامع المكلف آدميا مشتهىً في رمضان اداءً إلىٰ قوله أكل أو شرب غذاءً إلىٰ قوله عمداً قضىٰ في الصور كلها وكفر.

(الدر مع الرد، كتاب الصوم ، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد زكريا ديوبند ۳/۳۸۵ تا۳۸۸، کراچی ۲/۴۰۹ تا ۴۱۱، کوئٹہ ۲/۱۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/۲۳۹)

روزہ کا فدیہ ادا کرنے کا شرعی طریقہ

سوال:[۴۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدیۂ صوم کے ادا کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

المستفتي:حسب الرحمٰن شمسی،سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہر روزہ کے عوض میں ایک صدقۂ فطر یا اسکی قیمت ادا کردیا کرے۔(مستفاد:عزیز الفتاویٰ ۱/۳۹۰، کراچی)

عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ فی الذی یموت وعلیه رمضان ولم یقضه، قال یطعم عنه لکل یوم نصف صاع من بر . (السنن الکبریٰ للبیهقی ، الصیام ، باب من قال إذفرط فی القضاء بعد الإمکان حتی مات ، دارالفکر ٦/٣٩٩، رقم: ٨٣١٠، صحیح ابن خزیمه ،المکتب الاسلامی ٢/٩٨٨،رقم: ٢٠٥٦)

ویطعم لکل یوم مسکینا (إلیٰ قوله) لکل یوم مسکینا نصف صاع الخ. (هدایه ، اشرفیه دیو بند١/٢٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸؍۲۷۷۵)

روزہ کا فدیہ کن صورتوں میں ہے؟

سوال: [۴۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کا فدیہ کن کن صورتوں میں دیا جا سکتا ہے؟

المستفتي: حسب الرحمٰن شمسی،سیدی سرائے،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق :جب آدمی بوڑھا ہوجائے،اورروزہ رکھنے کی طاقت باقی نہ رہے تو روزہ کے بدلہ فدیہ دینے کی شرعی طور پراجازت ہے۔

عن عطاء سمع ابن عباس ، یقرأ وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین، قال ابن عباس : لیست بمنسوخة هوالشیخ الکبیر ، والمرأة الکبیرة لا یستطیعان أن یصوما، فیطعمان مکان کل یوم مسکینا. (صحیح البخاری ، التفسیر، باب ماجاء فی أیام معدودات...... ،النسخة الهندیة ٢/٦٤٧،رقم: ٤٣٢٠، ف: ٤٥٠٥)

وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوباً الخ. (الدر المختار ، کتاب الصوم ، باب مایفسد الصوم ومالا یفسده زکریا دیوبند٣/٤١٠، کراچی

۴۲۷/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۷۵)

فدیۂ صوم کے مستحق کون؟

سوال: [۴۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدیۂ صوم کے مستحق حضرات کون ہیں؟

المستفتي: حسب الرحمٰن شمسی، سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فدیہ کے مستحق وہ نادار فقیر ہیں، جو مستحق زکوٰۃ ہیں۔

عن ابن عمرؓ عن النبي ﷺ قال: من مات وعليه صيام شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسكيناً. (سنن الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی الکفارة، النسخة الهندية ۱۵۲/۱، دارالسلام رقم: ۷۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۷۵)

روزہ کا فدیہ کب اور کس کو دیا جائے؟ اور فدیہ کی مقدار

سوال: [۴۷۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید دل کا مریض ہے ڈاکٹروں کی ہدایت ہے کہ زید کے منہ میں ہر گھنٹہ دوا یا غذا میں سے کچھ نہ کچھ دینا ضروری ہے، اس صورت میں زید روزہ رکھنے کی قوت نہیں رکھتا ہے۔

(۲) نیز یہ بھی واضح فرمادیں کہ فدیۂ صوم کسی مدرسہ کو کتابوں کی شکل میں بھی دیا

جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اوراس کی وضاحت بھی فرمادیں کہ دورحاضر میں سیر کا رواج نہیں ہے بلکہ کلو کا حساب چل رہا ہے تو کلو کی مقدار کیا بنے گی؟

المستفتي: حسب الرحمٰن شمسی، سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگرآئندہ صحت یابی کی کوئی امید نہیں ہے، تو فدیہ دینے کی گنجائش ہے، لیکن اگرکسی زمانہ میں صحت یاب ہوجائے تو روزہ رکھنا لازم ہوگا۔

فَمَنْ كَانَ مِنكُمْ مَرِيْضاً اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرة: ١٨٤)

المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض الخ. (شامی، کتاب الصوم، باب مايفسد الصوم، وما لا يفسده كراچی ٢/٤٢٧، زكريا ٣/٤١٠)

فإن برئ المريض أو قدم المسافر وأدرك من الوقت بقدر مافاته فيلزمه قضاء جميع ما أدرك الخ. (هنديه ١/٢٠٧، جديد ١/٢٧٠، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار)

(۲) مدرسہ میں کتابیں خرید کردینے سے فدیہ ادانہ ہوگا، بلکہ فقیر کو مالک بنادینا شرط ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٢/٣٤٤، زكريا ٣/٢٩١)

(۳) فدیہ میں روزانہ ایک صدقہ یااسکی قیمت فقیر کو دینا ہےاورصدقۂ فطر کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷رگرام ۶۴۰رملی گرام گیہوں ہے۔

عن ابن عمرؓ، عن النبی ﷺ فی الذی یموت وعلیه رمضان ولم یقضه، قال: یطعم عنه لکل یوم نصف صاع من بر. (السنن الکبریٰ

لـلبيهـقـى، الـصيام، باب من قال إذا فرط فى القضاء .... دار الفكر ٦/٢٩٩، رقم: ٨٣١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۷۹/۲۸)

روزہ ونماز کا کفارہ

سوال: [۴۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نماز اور ایک روزہ کا کفارہ کتنا ہوگا۔

المستفتي: عبد القیوم، موضع ہتھیا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک نماز اور ایک روزہ کا فدیہ اور کفارہ ایک صدقۂ فطر ہے، جسکی مقدار موجودہ اوزان سے ڈیڑھ کلو ۴۷/گرام ۶۴۰/ ملی گرام گیہوں ہے، نیز مارکیٹ سے اس کی قیمت معلوم کر کے پیسہ بھی دے سکتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۹۰)

عن ابن عمرؓ، عن النبی ﷺ قال: من مات وعليه رمضان لم يقضه فليطعم عنه لكل يوم نصف صاع من بر. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الاسلامى ٢/٩٨٨، رقم: ٢٠٥٦)

أن عمر بن الخطابؓ قال: إذا مات الرجل، وعليه صيام رمضان آخر أطعم عنه من كل يوم نصف صاع من بر. (مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمى ٤/٢٣٩، رقم: ٧٦٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۸۵/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/رمضان ۱۴۱۴ھ

بچوں و جوان مسکینوں کو کفارہ کا کھانا کھلانا

سوال: [۴۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ وغیرہ کے کفارہ میں اگر مسکینوں کو کھانا کھلانے میں جوان فقیروں کے ساتھ کچھ نابالغ بچے ہیں وہ بھی کھانا کھا رہے ہیں، مثلاً تیس بالغ فقیر ہیں اور تیس نابالغ تو کیا یہ کفارہ ادا ہو گیا یا نہیں؟ کیا کھانا کھلانے میں بالغ و جوان ہونے کی شرط ہے یا نہیں؟ حالانکہ قرآن میں عام ہے یعنی ''ستین مسکیناً'' کے الفاظ آئے ہیں، جس میں بالغ نابالغ کی قید سمجھ میں نہیں آتی صحیح رہنمائی فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: قمر الحق، مودھا، ہمیر پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نابالغ بچے قریب البلوغ ہیں، اور سمجھدار ہیں، اور بڑوں کے برابر کھانا کھا لیتے ہیں، تو کفارہ ادا ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

'' ستین مسکیناً ولو حکماً ولا یجزئ غیر المراهق وتحته فی الشامیة ولو کان فیمن أطعمهم صبیٌ فطیم لم یجزه لأنه لا یستو فی کاملاً الخ. (شامی، کتاب الطلاق، باب الکفارة کراچی ۳/۴۷۸، زکریا ۵/۱۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۲۴ھ

بہشتی زیور کتاب الصوم کے ایک مسئلہ کی تشریح

سوال: [۴۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ بہشتی زیور دیکھ رہا تھا، اس میں ایک مسئلہ پر نظر پڑی جو باب الصوم سے متعلق ہے، بندہ کو اس مسئلہ میں کچھ خلجان ہے، لہٰذا اس مسئلہ کو بندہ آپ کے پاس تحریر کر کے بھیج رہا ہے، کسی نے بھولے سے

کچھ کھا پی لیا بعد میں معلوم ہوا کہ میرا روزہ تھا اور اس نے سمجھا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا پھر بعد میں قصداً کھا پی لیا یا بیوی سے جماع کرلیا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا اور صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں ،لیکن اگر مسئلہ معلوم تھا کہ میرا روزہ نہیں ٹوٹا پھر بھی قصداً کھا پی لیا تو صرف قضاء واجب ہے،لیکن اسی صورت میں قصداً جماع کرلیا،تو قضا کیساتھ کفارہ بھی واجب ہوگا،اور اس کے بعد مسئلہ میں تینوں چیزیں یعنی کھانے پینے اور جماع ہر ایک کا حکم ایک ہی بیان کیا گیا ہے اور وہ کفارہ کا واجب ہونا ہے،مسئلہ معلوم ہونے کی صورت میں (بہشتی زیور حصہ ۱۱/۱۰۴)

حالانکہ بہشتی زیور میں شامی کی جس عبارت کو حوالہ میں نقل کیا گیا ہے،اس عبارت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے،کہ کھانے اور پینے اور جماع ہر ایک کا حکم ایک ہی ہے،لیکن وہ یہ ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہوگا،خواہ مسئلہ معلوم ہو یا نہ ہو کیونکہ عدم وجوب کفارہ کی علت میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے اور وہ اختلاف تینوں چیزیں یعنی کھانے پینے اور جماع ہر ایک میں ہے،اور شامی کی عبارت یہ ہے۔

إلا فی مسئلة المتن وهو مالو أكل وكذا لو جامع أو شرب لأن علة عدم الكفارة خلاف مالك وخلافه فی الأكل والشرب والجماع ، كما فی الزيلعی . (شامی، کراچی ۲/ ۴۰۲، زکریا ۳/ ۳۷۵، مطلب جواز الافطار بالتحری)

لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ بہشتی زیور میں نقل مسئلہ میں تسامح ہوا ہے، یا بندہ کی سمجھ کا قصور ہے۔

نوٹ: بہشتی زیور کے نسخے میں عبارت مختلف نقل کی گئی ہے یعنی کسی نسخے میں درمختار اور شامی دونوں کی عبارت ہے اور کسی میں صرف درمختار کی عبارت ہے،میرے سامنے جو نسخہ ہے وہ کتب خانہ اختری متصل مظاہر علوم سہارنپور کا مطبوعہ ہے؟

المستفتي: محمد شاہد عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہشتی زیور کی عبارت مجمل ہے اس سے

حضرات فقہاء کی رائے کھل کر واضح نہیں ہو پاتی نیز حاشیہ میں جو شامی کی عبارت ذکر کی گئی ہے، اس سے بھی بات کھل کر واضح نہیں ہوتی اس مسئلہ کی پوری وضاحت فتاویٰ تا تارخانیہ میں موجود ہے۔

اصل میں پورا مسئلہ یوں ہے کہ اگر روزہ دار نے نسیاناً کچھ کھا پی لیا ہے پھر اس کے بعد اسکو یاد آ گیا کہ وہ روزہ دار ہے، پھر اس کے بعد یہ سمجھ کر دوبارہ قصداً کھا پی لیا ہے، کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے، تو ایسی صورت میں اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کفارہ لازم نہ ہوگا، صرف قضاء واجب ہوگی اس کے برخلاف اگر روزہ کی حالت میں نسیاناً اپنی بیوی سے جماع کرلیا کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے، تو ایسی صورت میں اسکا روزہ فاسد ہو جائے گا، کفارہ لازم نہ ہوگا، صرف قضا واجب ہوگی اسکے برخلاف اگر روزہ کی حالت میں نسیاناً اپنی بیوی سے جماع کرلیا بعد میں یاد آیا کہ میرا تو روزہ تھا، اس کے بعد دوبارہ قصداً جماع کرتا ہے، تو اسکی دوصورتیں ہیں، (۱) یہ شخص مسئلہ مسائل سے واقف نہیں اور یہ سمجھتا رہا کہ میرا روزہ تو ختم ہو چکا ہے، پھر اس کے بعد قصداً جماع کرلیا تو اس شخص پر بھی صرف قضا واجب ہے، کفارہ لازم نہیں ہے، اور اگر یہ شخص عالم اور فقیہ ہے مسائل سے واقف ہے پھر قصداً جماع کرلیتا ہے، تو ایسی صورت میں اس شخص پر قضاء بھی لازم ہے اور کفارہ بھی لازم ہوگا، اور بہشتی زیور کی عبارت میں اتنی قید موجود ہے کہ مسئلہ جاننے کی صورت میں جماع میں کفارہ لازم ہے چنانچہ عبارت یوں ہے اور اگر مسئلہ جانتا ہو پھر بھول کر ایسا کرنے کے بعد عمداً افطار کرلے تو جماع کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا، یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے، فتاویٰ تا تارخانیہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

إذا جامع امرأته في نهار رمضان ناسياً فتذكر وهو مخالطها فقام عنها أو جامع ليلاً فانفجر الصبح وهو مخالطها فقام عنها حتى لم يفسد صومه ثم عاد وهو ذاكر ذكر في بعض الكتب أن عليه الكفارة من قبل أنه عاد وهو على صومه وذكر في بعض الكتب عن محمد في وجوب الكفارة روايتان في

روایة قال تلزمه الکفارة لماقلنا وفی روایة قال إن کان الرجل فقیهایعلم أن الأول لم یفطره ثم عاد تلزمه الکفارة وإن کان جاهلاً لا تلزمه الکفارة، وهو نظیر ماإذا کان ناسیاً ثم أکل بعد ذلک متعمداً إن کان الرجل فقیها تلزمه الکفارة، وإن کان جاهلاً لا. (الفتاویٰ التاتار خانیة، کتاب الصوم، الفصل الخامس وجوب الکفارة، کوئٹه ۲/ ۲۷۷، زکریا ۳/ ۳۹۳، رقم: ٤٦٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۴/ ۱۴۲۵ھ

ماہواری کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء یا فدیہ

سوال: [۴۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب سے مجھ پر روزے فرض ہوئے ہیں، مجھے علم نہیں تھا کہ جو روزے حیض کے دوران چھوٹ گئے ہیں، ان کی ادائیگی ضروری ہے، اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ میں ان روزوں کا فدیہ دینا چاہتی ہوں میں قضاء روزے تو رکھنا چاہتی ہوں مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے چار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اور روزے تقریباً سو سے بھی زیادہ ہیں، جو کہ قضاء ہیں، ۱۹۹۹ء سے تو میں نے قضاء روزہ فوراً ادا کردیئے ہیں، ۲۰۰۰ء اور ۲۰۰۱ء کے بھی رکھ لئے ہیں، ۱۹۷۸ء سے ۱۹۹۸ء کے لگ بھگ ایک سو روزے قضاء ہیں، اور ان کی ادائیگی کرنا چاہتی ہوں، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، تو میں چاہتی ہوں کہ فدیہ ادا کردوں؟

المستفتیة: ساحرہ، لندن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ماہواری کی وجہ سے جو روزے ۱۹۷۸ء سے لیکر ۱۹۹۸ء تک قضاء ہوئے ہیں، ان کی ادائیگی ضروری ہے، ان کے بدلہ میں فدیہ دینا درست نہیں ہے، کیونکہ روزہ کے بدلہ میں فدیہ دینا ایسی عورتوں کیلئے ہے، جو کہ اسی نوے سال کی

عمر کو پہونچ کر ضعف و کمزوری کی وجہ سے روزہ رکھنے پر کسی طرح قادر نہ ہو، اور جن عورتوں کو ماہواری آتی ہے، وہ شریعت میں صحیح اور تندرست عورتیں شمار کی جاتی ہیں، لہٰذا آپ صحیح اور تندرست عورتوں میں شامل ہیں، اسلئے آپ کو قضاء میں روزہ ہی رکھنا لازم ہوگا، اور اسکی آسان شکل آپ کیلئے یہ ہے کہ سردیوں کے زمانہ میں، مہینہ میں دس دس پندرہ پندرہ روزے رکھ لیا کریں تو انشاء اللہ دوسال میں آپ کے تمام روزے مکمل ہوجائیں گے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۳۸۵)

وللشيخ الفاني وهو يفدي فقط وليست على غيره من المريض والمسافر والحامل والمرضع لعدم ورود نص فيهم ووروده في الشيخ الفاني. (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض ۲/۲۸۶، زكريا ۲/۵۰۱، هدايه، اشرفيه ديو بند ۱/ ۲۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۴/۱۴۲۳ھ

شوگر کے مریض کو فدیہ ادا کرنا

سوال: [۴۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوگر کے مریض کو روزہ رکھنے پر جان کا خطرہ ہے ہر گھنٹے اس کو پانی پینا لازم ہے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوگر کے مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، اگر مرض دائمی ہے، تو ہر روزے کا فدیہ دینا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ حقانیہ ۴/ ۱۹۵، آپ کے مسائل اور انکا حل ۴/ ۵۶۰)

المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع وإن خاف الزيادة وامتداده فكذلك عندنا وعليه القضاء إذا أفطر . (هنديه ، كتاب الصوم ، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار ، زكريا ۱/۲۰۷، جديد ۱/۲۶۹)

فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر وقد بينا أنه ليس المراد عين المرض فإن المريض الذى لايضره الصوم ليس له أن يفطر فكان ذكر المريض كناية عن أمريضر الصوم معه . (بدائع ،زكريا ۲/۲۵۰، وكذا في الفتاوى التاتار خانيةزكريا۳/۴۰۳، رقم:۴۶۹۷، الفقه على المذاهب الأربعة ، دارالفكر ۱/۵۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۱۶۱۶/۴۱)

بیماری کی وجہ سے چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ

سوال: [۴۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا جس کی عمر بوقت انتقال ۲۸؍سال تھی، اوراس نے جب سے روزہ فرض ہوا تھا بوجہ بیماری نہیں رکھا تھا، کتنے سال کے روزوں کا کفارہ ادا کرنا چاہئے اور کس حساب سے کل رقم ادا کرنی چاہئے ،اس بچے کا والد روزوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے؟

المستفتي: اقبال احمد، بندوق والے، بازارگنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر اولیاءکومرحوم کے بالغ ہونے کا وقت معلوم نہیں ہے،تو پندرہویں سال میں بالغ فرض کرے ۱۴؍سال کے ۴۲۰؍روزوں کا فدیہ ہرروزہ کے عوض میں ایک صدقۂ فطر یااس کی قیمت مرحوم کی طرف سے فقراءکو دیدی جائے ،تو انشاء

اللہ تعالیٰ عنداللہ مرحوم سے روزوں کا مؤاخذہ نہیں ہوگا، نیز معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ آج گیہوں کا بھاؤ فی کلو ۲/۸۰ پیسے ہیں، تو اس حساب سے کل فدیہ دو ہزار اٹھاون روپیہ ہوتا ہے۔

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من مات وعلیه صیام شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکینا. (سنن الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی الکفارة، النسخة الهندیة ۱/۱۵۲، دارالسلام رقم: ۷۱۸، صحیح ابن خزیمه ،المکتب الاسلامی ۲/۹۸۸، رقم: ۲۰۵۶)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ فی الذي یموت وعلیه رمضان ولم یقضه قال: یطعم عنه لکل یوم نصف صاع من بر. (السنن الکبریٰ للبیهقی، الصیام، باب من قال إذافرط فی القضاء بعد الإمکان حتی مات الخ...........دارالفکر ٦/٢٩٩،رقم: ٨٣١١)

وإن کان مریضاً وقت الإیجاب ولم یبرأ حتی مات فلا شیئی علیه فإذا لم یف به الثلث توقف الزائد علی إجازة الوارث فیعطی لصوم کل یوم طعام مسکین لقوله صلی اللہ علیه وسلم من مات وعلیه صوم شهر فلیطعم عنه مکان کل یوم مسکین الخ. (حاشیة الطحطاوی مع مراقی الفلاح، قدیم /٢٣٨، دارالکتاب دیوبند/٤٣٨)

وفدی لزوماً عنه أی عن المیت ولیه الذی یتصرف فی ماله الخ. (الدرالمختار، کراچی ٢/٤٢٤، زکریا دیو بند٣/٤٠٦)

فإن لم یوص ویتبرع عنه الورثة جاز الخ. (عالمگیری، کتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبیح الإفطار، جدید ١/٢٧٠، زکریا دیوبند ١/٢٩٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الأولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۹۱)

بیس سال کے روزوں اورانیس سال کی نمازوں کافدیہ

سوال: [۴۷۹۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب کا انتقال ہوا ہے جنکے ذمہ بیس سال کے رمضان کے روزے اور انیس سال کی نمازیں باقی ہیں، سوال طلب امر یہ ہے کہ مرحوم کے چھٹے ہوئے تمام روزوں اور نمازوں کا مجموعی فدیہ کتنا ہوگا؟ جلد جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی؟

المستفتي: مولانا محمد عمر صاحب، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر ہے اور ہر نماز کا فدیہ بھی ایک صدقۂ فطر ہے اور وتر کا فدیہ بھی لازم ہوتا ہے، تو بیس سال کے روزوں کا فدیہ ۹/نو کوئنٹل ۴۴/کلو ۴۸۷/گرام گیہوں ہوگا، اور انیس سال کی نمازوں کا فدیہ ۶۴۶/کوئنٹل ۲۳/کلو ۲۲۵/گرام ۶۰۰/ملی گرام گیہوں ہوگا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال: من مات وعليه رمضان لم يقضه فليطعم عنه لكل يوم نصف صاع من بر. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۹۸۸/۲، رقم: ۲۰۵۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/صفر ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۶۶/۲۵)

روزہ کا فدیہ کافر کو دینا

سوال: [۴۷۹۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ کا فدیہ کافروں کو دینا درست ہے یانہیں؟ اسی طریقہ سے صدقہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: سردار خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزہ کا فدیہ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۴۴۴)

وفی الشامیة تحت قوله ومصرفاً قال الرملی وفی الحاوی وإن أطعم فقراء أهل الذمة جاز وقال أبو یوسفؒ لایجوز وبه نأخذ قلت بل صرح في كافي الحاكم بأنه لایجوز ولم یذكر فیه خلافاً وبه علم أنه ظاهر الروایة عن الكل. (شامی ، کتاب الطلاق ، باب الکفارة کراچی۳/۴۷۹، زکریا ۵/۱٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۲/۲۳ھ

دائمی مرض اور صحت کی نا امیدی میں روزہ کا فدیہ

سوال: [۴۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دل کی بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر منع کرتے ہیں روزہ رکھنے کو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے تکلیف بڑھ جاتی ہے، اور روزہ اگر چھوڑ دیں تو بعد میں روزہ رکھنا ممکن ہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں کیا کریں؟

المستفتي: محمد فرقان، تمبا کو والے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دائمی مرض ہے اور صحت یابی سے بالکل نا امیدی ہے تو روزانہ کسی فقیر کو ایک صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں بطور فدیہ کے دیا کریں یا ایک صدقۂ فطر کی قیمت دیا کریں۔

كما فی الشامی، المریض إذا تحقق الیأس من الصحة فعلیه الفدیة لكل یوم من المرض الخ. (شامی ، کتاب الصوم، باب مالا یفسد کوئٹہ۲/۱٦۳،

کراچی ۲/۴۲۷، زکریا۳/۴۱۰)

اور اگر کسی وقت صحت یاب ہوجائے اور اللہ تعالیٰ روزہ رکھنے کے قابل بنادیں تو پھر اس وقت قضاء کرنا بھی واجب رہے گا۔

کمافی الدرالمختار ومتی قدر قضیٰ لأن استمرار العجز شرط الخليفة.

(الدر المختار مع الرد، کوئٹہ ۲/۱٦٤، کراچی۲/٤٢٧، زکریا دیوبند۳/٤١١)

عن عبادة بن نفسي رضؓ قال: قال النبي صلی الله عليه وسلم: من مرض في رمضان فلم يزل مريضاً، حتى مات لم يطعم عنه، وإن صح فلم يقضه، حتى مات أطعم عنه. (مصنف عبد الرزاق ،الصيام ، باب المرض فی رمضان، وقضاءه، المجلس العلمی ٤/٢٣٧، رقم: ٧٦٣٥)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ في الذي يموت وعليه رمضان ولم يقضه قال: يطعم عنه لكل يوم نصف صاع من بر. (السنن الکبریٰ للبیهقی ، الصيام ، باب من قال إذا فرط في القضاء بعد الإمكان ،دارالفكر ٦/٢٩٩، رقم: ٨٣١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶ / رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ	حفظ الرحمٰن
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۱۳)	۱۰/ ۱/ ۱۴۰۷ھ

دل کے مریض والے آدمی کا روزہ، امامت اور فدیہ کا حکم

سوال: [۴۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک شخص دل کا مریض ہے امامت کرتا ہے، دل کا مریض ہونے کی بناپر روزہ بھی نہیں رکھ سکتا ہے، ذرا بھی بھوک پیاس برداشت نہیں ہو پاتی ہے، کمزوری اتنی آجاتی ہے کہ اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہوجاتا ہے، دوسرے ڈاکٹر نے بھی منع کردیا ہے کہ روزہ رکھنے میں کمزوری آکر زیادہ پریشانی کا سبب ہوجائے گا، لہٰذا کیا شخص مذکور روزہ نہ رکھ کر رمضان میں

امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) شخص مذکور نے دل کے عارضہ کی وجہ سے رمضان میں روزے نہیں رکھے ہیں، تو کیا رمضان کے علاوہ میں امامت کرسکتا ہے؟

(۳) اور جیسا کہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے تو روزہ کی تلافی کے واسطے کیا صورت اختیار کی جائے؟

المستفتي: حافظ محمد انور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) روزہ نہ رکھنا اقتداء کے صحیح ہونے کیلئے مانع نہیں ہے، لہٰذا سوال میں مذکور شخص جو دل کا مریض ہے اور ذرا سی بھوک پیاس برداشت نہیں کرسکتا اور روزہ کی وجہ سے کمزوری آجاتی ہے وہ روزہ نہ رکھنے کے باوجود امامت کرسکتا ہے۔

المانع من الاقتداء ثلٰثة أشياء منها طريق عام يمر فيه العجلة والأوقار هكذا في شرح الطحاوي ثم قال ومنها نهر عظيم لايكن العبور منه إلا بالعلاج كالقنطرة وغيرها هكذا في شرح الطحاوى ثم قال ومنها صف تام من النساء هكذا في شرح الطحاوى. (عالمگیری ۱/۸۷، جدید زکریا ۱/۱۴۵)

لیکن اگر مقتدیوں کو نفرت ہو تو ایسے معذور آدمی کو امامت ترک کردینا چاہئے روزہ ایک فریضۂ اسلام ہونے کی وجہ سے ایسا معذور آدمی جو رمضان کا روزہ نہیں رکھ سکتا لوگ اس کی امامت کو پسند نہیں کریں گے اسلئے بضد ہو کر امامت پر قائم نہ رہنا چاہئے ازخود امامت ترک کردینا چاہئے، اور کسی صحیح تندرست متبع شریعت آدمی کو امام بنانا چاہئے۔

وأم قوما وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك تحريماً. (شامی، زکریا ۲/۲۹۷)

(۲) جب رمضان کے فرض روزے رکھنے کی طاقت نہیں اور روزہ نہیں رکھ پاتا تو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں امامت کی ذمہ داری کسی تندرست آدمی کو سونپ دینی

چاہئے تاکہ مقتدیوں میں اعتراض اوراورخلجان پیدا نہ ہو۔

وأم قوما وهم له كارهون إن الكراهة لفساد فيه أو لأنهم أحق بالإمامة منه كره له ذلك تحريماً. (شامی، زکریا ۲/۲۹۷)

(۳)اگرآئندہ بھی صحت یابی سے ناامید ہوجائے تو ہردن کے روزہ کے بدلہ میں فدیہ ادا کرے جس کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے، جوموجودہ اوزان کےاعتبار سے ڈیڑھ کلو۴۷رگرام،۶۴۰رملی گرام ہوتا ہے،اوراگراس کے بجائے اس کی قیمت دیناچاہےتو وہ بھی جائز ہے۔(مستفاد:ایضا المسائل/۹۰)

المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض. (شامی، زکریا ۳/ ۴۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۷۹۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۸ھ

روزہ رکھنے کی طاقت نہیں تو کیا کرے؟

سوال: [۴۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ضعیف عمرعورت ہوں تقریباً میری عمراس وقت ۶۵/۷۰سال کے قریب ہے، میں رمضان المبارک میں روزہ نہیں رکھ سکتی، روزہ رکھوں تو میری جان کا خطرہ ہے،تو میرے لئے کیا صورت ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد کامران،منجانب نانی صاحبہ،فیض گنج،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگرآپ ایسی کمزورہوچکی ہیں کہ جس سے روزہ رکھنے کی بالکل ہمت نہیں تو ہرروزے کے بدلے میں پونے دوسیر گیہوں یااسکی قیمت کسی فقیر یامسکین کوبطورفدیہ کے دیا کریں۔

عن عطاء سمع ابن عباس يقرأ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين قال ابن عباس : ليست بمنسوخة هوالشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما ، فيطعمان مكان كل يوم مسكينا . (صحيح البخارى ، التفسير، باب قوله وأياما معدو دات...... النسخة الهندية٢/٦٤٧، رقم: ٤٣٢٠، ف: ٤٥٠٥)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے!

فالشيخ الفاني الذى لا يقدر على الصيام يفطرويطعم لكل يوم مسكيناً. (هنديه ، زكريا ديوبند ١/٢٠٧، كتاب الصوم ، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار جديد ١/٢٧٠)

وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوباً. (شامى، كتاب الصوم ، باب مايفسد الصوم وما لايفسد زكريا ديوبند٣/٤١٠، كراچى ٢/٤٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۴۰۷/۸/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/۱۹۱)

مرض کے سبب روزہ رکھنے کی طاقت نہیں

سوال: [۴۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی آدمی لاغر بیمار ہو روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو، اور وہ روزہ نہ رکھے اسکے واسطے کیا مسئلہ ہے؟ فدیہ ادا کرنا ہو تو کس حساب سے ادا کرے؟

المستفتیه: ہمایوں بیگم، محلّہ مغل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مرض سے شفاء یاب ہونے کی امید ہو تو روزہ موقوف کردے اور جب شفایاب ہوجائیگا، تو جتنے روزے فوت ہوئے اتنے قضا کرلے،اور اگر شفایاب ہونے کی کوئی امید نہ ہو تو ہر روزہ کے بدلہ میں ایک صدقۂ فطر یا اسکی قیمت فقیر

کوصدقہ کردیا کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۶۶)

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرۃ: ۱۸۵)

عن عطاء سمع ابن عباس يقرأ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين قال ابن عباس : ليست بمنسوخة هوالشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما ، فيطعمان مكان كل يوم مسكينا. (صحيح البخاری ، التفسير، باب قوله وأياما معدو دات...... النسخة الهندية ۲/ ۶۴۷، رقم: ۴۳۲۰، ف: ۴۵۰۵)

فإن عجز عن الصوم لمرض لا يرجىٰ برؤه أو كبر أطعم أي ملك ستين مسكيناً ولو حكماً (قوله) كالفطرة قدراً ومصرفاً أو قيمة ذلك الخ. (الدر المختار ، كتاب الطلاق ، باب الكفارة ، كراچی ۳/ ۴۷۸، زكريا ديو بند۵/ ۱۴۳، كوئٹه ۲/ ۶۳۲، ۲/ ۱۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۵۶)

رمضان میں سخت بیماری میں مبتلاء مریض کیا کرے؟

سوال: [۴۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سانس کا مریض ہے، نیز وقفہ وقفہ سے اس کو منھ سے خون بھی آتا رہتا ہے، ایسے بیمار کیلئے روزہ کا کیا حکم ہے؟ اس حالت میں روزہ رکھے یا روزہ کا فدیہ ادا کرے، روزہ کا فدیہ کیا اور کتنا ہے؟ اگر کسی غریب مسکین کو صبح وشام کھانا کھلا دیا جائے تو کیا روزہ کا فدیہ ادا ہو جائے گا؟

المستفتي: محمد سلیم، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس مرض سے شفاء کی امید نہیں ہے، اوراس حالت میں روزہ پر طاقت نہیں ہے، اوروہ شیخ فانی ہے تو ایسی صورت میں فدیہ

دینے کی اجازت ہے اور فدیہ کی مقدار ایک روزہ کا ایک صدقۂ فطر یا اسکی قیمت ہے ۔
(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۴۶۲)

عن عطاء سمع ابن عباس يقرأ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين قال ابن عباس : ليست بمنسوخة هوالشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما ، فيطعمان مكان كل يوم مسكينا . (صحيح البخاري ، التفسير، باب قوله وأياما معدودات...... النسخة الهندية ٢/٦٤٧، رقم: ٤٣٢٠، ف: ٤٥٠٥)

اور اگر مذکورہ شخص شیخ فانی نہیں ہے، صرف بیمار ہے تو فدیہ دینا جائز نہ ہوگا، بلکہ فی الحال روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بعد میں قضا کرنا لازم ہوگا۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۴۶۲)

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرہ: ۱۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۸۵)

۵۵/سالہ آدمی شیخ فانی نہیں

سوال: [۴۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی ہے جس کی عمر تقریباً ۵۵/سال ہے کسی عذر کی بنا پر رمضان المبارک کے مہینے کا روزہ نہ رکھ سکے تو کیا اسکی طرف سے فدیہ یعنی مسکین کو کھانا کھلادے، تو ان کی طرف سے فرض ساقط ہوجائیگا، یا نہیں؟ یا یہ کہ رمضان المبارک کے بعد جب صحت یاب ہوجائے تو اسکی قضا کرنی پڑے گی، قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

نوٹ: اگر فدیہ دے تو کتنی مقدار دے؟

المستفتی: محمد نذیر الدین قاسمی، مونگیری،
امام مسجد انجیر والی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۵۵؍سال کا آدمی شرعاً وعرفاً شیخ فانی نہیں ہے، ایسا آدمی اگر کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دینے سے بری نہیں ہوسکتا بلکہ صحت یاب ہونے پر روزوں کا قضاء کرنا واجب ہے۔

وَمَنُ كَانَ مَرِيُضاً أَوْعَلٰى سَفرٍ فَعِدَّةٌ مِنُ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرة: ١٨٥)

أو مريض خاف الزيادة لمرضه وصحيح خاف المرض ...... الفطر وقضوا لزوماً ماقدروا بلا فدية الخ. (الدرالمختار، كتاب الصوم، فصل في العوارض، المبيحة لعدم الصوم زكريا ٣/٤٠٣ تا ٤٠٥، كراچی ٢/٤٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷؍۲۴۰۸)

سانس کی مریضہ کا روزہ میں مشین استعمال کرنا

سوال: [۴۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سانس کی مریضہ عرصہ سے ہوں، ڈاکٹری علاج چل رہا ہے، ڈاکٹر صاحب نے ایک مشین دی ہے، جو سانس کی زیادتی پر اسکے اندر ایک کیپسول جسمیں پاؤڈر بھرا ہوا ہے، رکھ کر مثل بیڑی سگریٹ کی طرح کھینچا جاتا ہے، وہ پھیپڑوں کو سکون دیتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہ مبارک آرہا ہے، روزہ کی حالت میں مشین استعمال کرسکتی ہوں یا نہیں؟ اگر روزہ قضا کرنا پڑے تو اس قضاء روزہ کا فدیہ کتنا دینا ہے؟

المستفتية: رقیہ خاتوں، زوجہ مقبول حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سانس کی مریضہ ہے، دوبارہ شفایابی کی امید ہے، تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس وقت روزہ موقوف رکھا جائے، اور جب صحت یابی ہوجائے

تو چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کرے، اوراگر دوبارہ شفایابی کی امید نہیں ہے، یاعمر ہی اس حدتک پہنچ چکی ہے، کہ ایسی عمر کےلوگ عام طور پر دوبارہ تندرست نہیں ہو پاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کوشریعت میں شیخ فانی کہتے ہیں، اورعورتوں کو عجوزۂ کبیرہ کہا جاتا ہے، تو ایسے لوگوں کیلئے شریعت میں اس بات کی گنجائش ہے کہ روزہ چھوڑ دیں اور ہر روزہ کے بدلے میں ایک صدقۂ فطر کے بقدر فدیہ دیا کریں اب آپ اپنے بارے میں خود دیکھ لیں آپ کس قسم میں داخل ہیں ؟ اور اگر تندرست آدمی ہے مگر دمہ کا مریض ہے، اور اس کا مرض ختم ہی نہیں ہوتا ہے، لیکن دواؤں کی مشین استعمال کرنے سے اسکے سانس ٹھکانے پر آجاتے ہوں اورروزہ رکھنے کی طاقت آجاتی ہو، تو ایسا آدمی مشین استعمال کرکے روزہ رکھا کریگا، اورساتھ ساتھ احتیاطاً فدیہ بھی ادا کرتا رہے، اوراس طرح کے تندرست آدمی کیلئے مشین استعمال کرکے روزہ رکھنے کا حکم اس لئے ہے کہ روزہ اللہ کا ایک اہم فریضہ ہے ایک طاقتور آدمی جو مشین استعمال کرنے کے بعد روزہ رکھ سکتا ہو، اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، جیسا کہ سلسل البول اورانفلات ریح کی حالت میں نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے، اسی حالت میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، اسی لئے مشین اورآلہ استعمال کرکے ایسا شخص روزہ رکھا کریگا، لیکن احتیاطاً ہر روزہ کیساتھ ایک صدقۂ فطر کی مقدار فدیہ بھی ادا کرتا رہے، اوراگر فدیہ دینے کے لئے پیسہ کا انتظام نہیں ہے، تو یوں ہی روزہ رکھتا رہے گا۔

عن عطاء سمع ابن عباس يقرأ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين قال ابن عباس : ليست بمنسوخة هوالشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لا يستطيعان أن يصوما ، فيطعمان مكان كل يوم مسكينا . (صحيح البخاري ، التفسير، باب قوله وأياما معلو دات، النسخة الهندية ٢/٦٤٧، رقم: ٤٣٢٠، ف: ٤٥٠٥)

وتتوضأ المستحاضة ومن به سلس البول أو استطلاق بطن أو انفلات ريح أو رعاف دائم أو جرح لايرقأ لوقت كل فرض ويصلون به فرضاً ونفلاً.

(تبيين الحقائق ، امداد يه ملتان ١/٦٤ ، زكريا ١/١٨٠، ١٨١ ، هنديه ١/٤١ ، جديد ١/٩٥ ،

كتاب الطهارة قبيل: الباب السابع فى النجاسة وأحكامها حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، دارالكتاب ديوبند/۱٤۹، الموسوعة الفقهية الكويتية۲٥/۱۸۸)

قال رحمه الله : لمن خاف زيادة المرض الفطر .(تبيين الحقائق ، امداديه ملتان ۱/۳۳۳، زكريا ۲/۱۸۹ ، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دارالكتاب ديوبند/٦۸٤)

قا ل رحمه الله : وللشيخ الفاني وهو يفدي فقط أى للشيخ الفاني الفطر . (تبيين الحقائق ، زكريا ۲/۱۹۸، امداديه ملتان ۱/۳۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/۱۰۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۳۱ھ

اسہال کی وجہ سے روزہ توڑنا

سوال: [۴۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ روزہ رکھنے کے بعد کئی اسہال ہو گئے مسلمان ڈاکٹر کی رائے سے دوا بھی کھائی اور گلوکوز بھی چڑھ رہا ہے، ڈاکٹر کہتا ہے، کہ دوا نہ کھائی تو حالت خراب ہو سکتی ہے، بلڈ پریشر ڈاؤن ہو گیا ہے، ایسی حالت میں روزہ توڑنے پر صرف رمضان کی قضاء ہوگی یا کفارہ بھی دینا ہوگا، اگر کفارہ بھی دینا ہے تو اسکی ادائیگی رقم میں کتنی ہوگی کیا کسی مدرسہ میں دیجا سکتی ہے، جواب کی تفصیل سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: ظفر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ کی درج شدہ صورت میں مسلمان مریض نے غیر فاسق ڈاکٹر کے بتلانے سے یا خود مریض کو مرض بڑھ جانے کا خطرہ ہونیکی وجہ سے روزہ توڑ دیا ہے، تو شرعاً کفارہ واجب نہیں ہوگا، بلکہ صرف قضاء واجب ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/۴۲۶)

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً أَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. (البقرہ: ۱۸۵)

أو مريض خاف الزيادة لمرضه بغلبة الظن بإمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور الخ. (الدرالمختار، كتاب الصوم، فصل فى العوارض المبيحة لعدم الصوم، زكريا ديوبند۳/۴۰۳، ۴۰۴، كراچی ۲/۴۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۱۴)

مرضعہ، حاملہ روزہ نہ رکھ سکے تو کیا کرے؟

سوال: [۴۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی مرضعہ اور حاملہ عورت کو رمضان میں روزہ رکھنے سے ضرر لاحق ہوجاتا ہے، تو کیا فدیہ دینے سے اس عورت کے اوپر سے روزہ ساقط ہوجائیگا یا روزہ کی قضاء کرے گی؟

المستفتي: محمد اختر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرضعہ یا حاملہ کو روزہ رکھنے سے ضرر لاحق ہونے کا ڈر ہو تو وہ بعد میں ان روزوں کی قضاء کرے گی فدیہ دینے سے قضاء ساقط نہیں ہوگی۔

وقال الحسن: وإبراهيم فى المرضعة والحامل إذا خافتا على أنفسهما أو ولدهما تفطران ثم تقضيان. (صحيح البخاري، كتاب التفسير ۲/۶۴۷، رقم: الباب ۲۵)

إذا خافت الحامل أو المرضعة على أنفسهما أو على ولدهما جاز الفطر وعليهما القضاء. (الفتاوىٰ التاتاخانية، كتاب الصوم، الفصل السابع فى الاسباب المبيحة للفطر قديم ۲/۳۸۴، زكريا ديوبند ۳/۴۰۴، رقم: ۴۶۹۹)

والفدية على الشيخ الفاني وليست على غيره من المريض والمسافر والحامل والمرضع لعدم ورود نص فيهم. (البحر الرائق، فصل فى العوارض

زکریا۲/ ۵۰۱، کوئٹه ۲/ ۲۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

۶/ باب الاعتکاف

اعتکاف سے متعلق چند سوالات

سوال: [۴۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(الف) اعتکاف کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(ب) شریعت کی نگاہ میں انفرادی اعتکاف پسندیدہ ہے یا اجتماعی؟

(ج) اعتکاف کیلئے اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر سفر کر کے دوسری جگہ اعتکاف کرنا کیسا ہے؟

(د) رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اعتکاف کیلئے اشتہار وغیرہ کے ذریعہ مجمع اکٹھا کیا جاتا ہے، جس میں یہ بھی اعلان ہوتا ہے، کہ ہمارے یہاں طعام کا بھی نظم ہے اور مجمع کی کثرت کی وجہ سے عبادتی رنگ کے بجائے مجلسی رنگ اور خورد ونوش کا پہلو غالب ہوتا ہے ایسا کرنا کیسا ہے؟

(ہ) اعتکاف کے اختتام پر بطور انعام نقد روپئے دیئے جاتے ہیں، تاکہ آئندہ لوگ اسی مسجد میں اعتکاف کریں، اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عارف، متعلم جامعہ عربیہ نورالاسلام، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔

وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان أي سنة كفاية كما في البرهان. (الدر المختار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، زكريا ديوبند۳/ ۴۳۰، كراچی ۴۴۲/۲، مجمع الأنهر قديم ۱/ ۲۵۵، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۷۶)

(ب) اگر بلا تداعی اعتکاف میں اجتماع کی شکل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں

ہے، جیسا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے یہاں لوگ تربیت حاصل کرنے کی غرض سے آتے تھے اور اجتماعی شکل ہوجاتی تھی ،مگر لوگوں کو مدعو کر کے اجتماع کرنا یا با قاعدہ تشہیر کرانا جائز نہیں ہے بلکہ ایسی عبادت میں اخفاء زیادہ مناسب ہے۔

التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره . (هندية ، كتاب الصلاة الباب الخامس في الإمامة ، جديد ١/ ١٤١ ، زكريا ١/ ٨٣، الدر المختار، زكريا ٢/ ٢٨٨، كراچی ٢/ ٤٨، ٤٩)

(ج) اعتکاف اپنی مسجد میں یا علاقہ کی جامع مسجد میں کرنا افضل ہے اعتکاف وعبادت کیلئے صرف چار قسم کی مساجد کا سفر کرنا مشروع ہے باقی کسی اور مسجد میں اعتکاف کیلئے سفر کرنا ثابت نہیں ہے (۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد اقصیٰ (۴) اپنے علاقہ کی جامع مسجد۔

لقوله عليه السلام: لاتشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد مسجد الحرام ، ومسجدي هذا، ومسجد الأقصىٰ. (ترمذی ، الصلاة، باب ماجاء فی أی المساجد أفضل ، النسخةالهندية ١/ ٧٥، دارالسلام رقم: ٣٢٦)

وأما الأفضل فأن يكون في المسجد الحرام ثم مسجد المدينة ، وهو مسجد رسول الله ﷺ ثم مسجد بيت المقدس ثم مسجد الجامع .

(البحرالرائق، كوئٹه ٢/ ٣٠١، زكريا ٢/ ٥٢٦)

(د) اپنے یہاں معتکفین کی تعداد بڑھانے کیلئے باقاعدہ اعلان اور اشتہار چسپاں کرانا جس سے اعتکاف کا مقصود فوت ہوجائے ،شریعت میں محمود نہیں بلکہ سخت ممنوع ہے کیونکہ یہ تداعی الی النوافل ہے جو مکروہ ہے، اسی طرح یہ اعلان کرانا کہ ہمارے یہاں قیام وطعام کا بھی نظم ہے تاکہ لوگ وہاں پہونچیں اور اعتکاف کریں درست نہیں البتہ جو لوگ اپنے شیخ کے یہاں محض بغرض اصلاح نفس اور تربیت حاصل کرنے ہی کیلئے آتے ہیں، اور اسی ضمن میں اعتکاف بھی کر لیتے ہیں، تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعي يكره . (هنديه

زکریا ۱/ ۸۳، الباب الخامس في الإمامة جدید ۱/ ۱٤۱)

(ہ) اعتکاف کے اختتام پر انعامات تقسیم کرنا تاکہ سال آئندہ بھی اعتکاف کیلئے یہیں پہونچیں اسلام میں ثابت نہیں بلکہ یہ خود ساختہ اور گھڑا ہوا عمل ہے اور خلوص وللّٰہیت سے دوری اور سمعہ وریا ہے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: ان الله لا ینظر إلیٰ صورکم وأموالکم، ولکن ینظر إلیٰ قلوبکم وأعمالکم. (صحیح البخاری، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم ظلم المسلم ......،النسخة الهندیة ۲/ ۳۱۷، بیت الأفکار رقم: ۲٥٦٤، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۸٥، رقم: ۷۸۱٤، ۲/ ٥۳۹، رقم: ۱۰۹۷۳، صحیح إبن حبان، دارالفکر ۱/ ۲۲۱، رقم: ۳۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۹ھ

کس مسجد میں اعتکاف مسنون ہے؟

سوال: [۴۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ پورے شہر میں اگر ایک مسجد میں اعتکاف کرلیا جائے تو کافی ہوگا یا نہیں؟ ہمارے یہاں اسٹیشن والی مسجد سے متصل مسلم آبادی نہیں ہے بلکہ فاصلے پر ہے، ایک دو گھر مسلمانوں کے ہیں، باقی بازار اور غیر مسلموں کے گھر ہیں، کیا ایسی صورت میں مسجد مذکور میں اعتکاف ضروری ہے؟

المستفتي: اسرار احمد، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مسجد میں تراویح کی نماز ہوتی ہے، اس مسجد میں اعتکاف بھی مسنون ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۹۸)

لہٰذا آپ کی مذکورہ مسجد میں بھی اعتکاف مسنون کا حکم ہوگا۔

وسنة مؤکدة في العشر الأخیر من رمضان وتحته فی الشامیة سنة

كفاية نظير ها إقامة التراويح بالجماعة فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين فلم يأثموا بالمواظبة على الترک بلاعذر الخ. (شامی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف زکریا۳/۴۳۰، کراچی ۲/۴۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۱۰/۱۴۱۹ھ

غیر شرعی مسجد میں اعتکاف کا حکم

سوال: [۴۸۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ اسلامیہ کی موقوفہ زمین پر مہتمم صاحب نے ایک مسجد بنائی ہے، جس کی نوعیت یہ ہے کہ مہتمم صاحب نے ایک عمارت تیار کی اور اسمیں مستقل جماعت کیساتھ نماز ادا کی جاتی ہے، اور تعلیم بھی ہوتی ہے، اور طلبہ کا بھی قیام ہے اور اوپری منزل جو کہ فی الحال زیر تعمیر ہے وہ مسجد ہے اور اسکی مسجد ہونے کی نیت بھی کی ہے، اور نچلی عمارت جو کہ جماعت خانہ ہے، مہتمم صاحب نے تعمیر کے وقت مسجد کی نیت نہیں کی ہے، تو کیا یہ نچلی منزل جس میں مستقل جماعت ہوتی ہے، مدرسہ کی موقوفہ زمین پر ہونے کی وجہ سے نیت نہ ہونے کے باوجود نماز پنجوقتہ ہونے کی وجہ سے شرعی مسجد کہلائی جاسکتی ہے؟ اور اس میں سنت واجب ونفل اعتکاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کا نچلا حصہ چونکہ مسجد کی نیت سے تعمیر نہیں کیا گیا ہے، اسلئے وہ شرعی مسجد کے دائرے میں داخل نہیں ہے، لہٰذا اس حصہ میں اعتکاف بھی صحیح نہ ہوگا، اور اوپر کا حصہ چونکہ مسجد کی نیت سے بنایا گیا ہے، اسلئے وہ شرعی مسجد کے دائرے میں داخل ہے، لہٰذا اس میں اعتکاف بھی صحیح ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۸۳)

لا اعتكاف إلا في مسجد جماعة وعن أبي حنيفةؒ أنه لا يصح إلا في مسجد يصلى فيه (وتحته في چلپی) مسجد الجماعة هو الذي يكون له

إمام ومؤذن أديت فيه الصلوٰة الخمس أولا . (هدايه مع العنايه ، كوئٹه ۲/ ۳۰۸)
وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أي المسجد جاز كمسجد القدس . الدر المختار مع الشامی ، كتاب الوقف ، زكريا ديو بند ۶/ ۵٤۷، كراچی ٤/ ۳۵۷، عالمگيری ، كتاب الوقف الباب الحادی عشر في المسجد جديد ۲/ ٤۰۸، زكريا ۲/ ٤۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۴۵/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۵۸/۲۹)

کیا اعتکاف کیلئے مسجد شرعی شرط ہے؟

سوال: [۴۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نا چیز نے فتاویٰ شامی ودیگر کتب فقہ کو دیکھا تو سمجھ میں یہ بات آئی کہ اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے جہاں اذان اور پنجوقتہ جماعت کا اہتمام ہو اور عربی کتب میں ہر جگہ مسجد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، تو کیا اس سے مسجد شرعی مراد ہے؟ یا پھر اعتکاف ایسی جگہ بھی درست ہو جاتا ہے، جو مسجد شرعی تو نہیں ہے، لیکن اس جگہ پنجوقتہ نماز با جماعت ہوتی ہے۔ (۲) معتکف جب غسل کرنے جائے تو ناپاک کپڑے کو دھونے کی کیا شرعاً اجازت ہے برائے مہربانی با حوالہ تحریر فرمائیں؟ مہربانی ہوگی؟

المستفتي: عتیق الرحمٰن، ناگپوری،
دار العلوم حسینیہ، باسم روڈ، اکولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) رجال کے اعتکاف کیلئے مسجد شرعی کا ہونا شرط ہے اس میں پانچوں وقت نماز با جماعت پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو۔

لا اعتكاف إلا في مسجد جماعة وعن أبي حنيفةؒ أنه لا يصح إلا في

مسجد يصلى فيه (وتحته في چلپي) مسجد الجماعة هو الذي يكون له إمام ومؤذن أديت فيه الصلوٰة الخمس أولا .(هدايه مع العنايه ،كوئٹه ۲/ ۳۰۸)

(۲) جس طرح بدن کی طہارت کیلئے نکلنا جائز ہے اسی طرح ناپاک کپڑے کی طہارت کیلئے بھی نکلنا جائز ہے، اس لئے کہ یہ بھی حاجت شرعی کے دائرہ میں داخل ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۸ھ

گاؤں کی مسجد چھوڑ کر دوسرے گاؤں کی مسجد میں اعتکاف

سوال: [۴۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غریب آدمی اپنے گاؤں کی مسجد میں اعتکاف کرتا تھا، مسجد کے ذمہ دار حضرات ان کے کھانے کا انتظام کرتے تھے، اتفاق سے آئندہ سال دوسرے گاؤں کے لوگوں نے اسکو یہ لالچ دیا کہ ہماری مسجد میں یا فلاں گاؤں کی مسجد میں جا کر اعتکاف کروگے تو آپ کو اعتکاف کے بعد عید میں کپڑا اور روپئے وغیرہ بھی دیا جائیگا، چنانچہ وہ غریب آدمی ہر سال اس لالچ میں اپنے گاؤں کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں کی مسجد میں رمضان کا اعتکاف کرتا ہے، تو اس غریب شخص کا اس طرح اعتکاف کرنا اور اعتکاف کے بعد کپڑا اور روپیہ وغیرہ لینا اور اس عمل کیلئے دوسرے شخص کا لالچ دلانا جائز ہے یا ناجائز؟ واضح رہے کہ جس گاؤں کی مسجد میں جا کر اعتکاف کرتا ہے، اس مسجد میں اس گاؤں کا کوئی آدمی اعتکاف کیلئے نہیں بیٹھتا ہے، تو کیا اس شخص کا اعتکاف اس گاؤں کے رہنے والے لوگوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا؟ جبکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ گاؤں کی مسجد میں اسی گاؤں کے ایک آدمی کا اعتکاف میں بیٹھنا ضروری ہے، ورنہ سب کے سب گنہگار ہونگے؟

المستفتي: محمد شفیق الرحمٰن، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آبادی میں ہر محلّہ میں کم ازکم ایک آدمی کا اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ ہے، جس کو سنت مؤکدہ علی الکفایہ کہا جاتا ہے، یہ ذمہ داری ہر اہل مسجد پر ہے ،لہٰذا محلّہ والوں میں سے ایک دو آدمی اعتکاف کرلیں تو سب کے اوپر سے یہ ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے،اور اعتکاف لیلۃ القدر کی تلاش اوراس میں عبادت کی غرض سے کیا جاتا ہے،جس میں نہایت اخلاص کی ضرورت ہے کپڑے یا کسی اور دنیوی اغراض ومقاصد کیلئے اعتکاف کیا جائے تو اس سے اعتکاف کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، اپنی مسجد کو چھوڑ کر دنیوی اغراض کیلئے دوسری مسجد میں اعتکاف کیلئے منتقل ہونا مناسب نہیں ہے، بلکہ اپنی ہی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہئے ،اوردوسری مسجد میں اعتکاف نہ کرنے کے خود اس محلّہ والے ذمہ دار ہیں ہاں البتہ دینی اغراض کی بناپر دوسری مسجد میں اعتکاف کے لئے منتقل ہوتو یہ جائز بھی ہے اور زیادہ فضیلت ہوگی ،مثلاً وہاں عوام کو وعظ اور دعوت وتبلیغ کرنا مقصود ہے تو ایسی صورت میں اعتکاف کیساتھ ساتھ دعوت وتبلیغ کا ثواب بھی ملے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۵۱۱)

وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان أي سنة كفاية(درمختار) فإذا قام بهاالبعض سقط الطلب عن الباقين فلم يأثموا. (شامی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف ، کراچی ۲/ ٤٤٤، زکریا ۳/ ٤٣٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شعبان ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۶۸/۳۶)

کیا نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے؟

سوال: [۴۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے ایک ساتھی تین دن کا نفلی اعتکاف کرنا چاہتے ہیں ، وہ ایسا کررہے ہیں، کہ منگل کے روز دو بجے سے اعتکاف شروع کریں گے،اور جمعہ کے دن دو بجے ختم کردیں گے، کیا یہ اعتکاف

درست ہے یا شام سے اعتکاف شروع کرنا ضروری ہے، جبکہ وہ روزہ بھی نہیں رکھتے ہیں؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں ذکر کردہ نفلی اعتکاف کی صورت شرعا درست ہے نفلی اعتکاف دن کے کسی بھی حصہ میں شروع کر سکتے ہیں، نیز اس کے لئے روزہ رکھنا بھی ضروری نہیں ہے۔

وأقل مدة اعتكاف النفل ساعة عند محمدؒ فى الأصل وليس الصوم شرطاً للنفل على ظاهر الرواية . (مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٧٧، مصرى قديم ١/ ٢٥٦)

وأقله نفلاً ساعة عند محمد وهو ظاهر الرواية عن الإمام . (شامی، كراچی ٢/ ٤٤٣، زكريا ٣/ ٤٣٣)

أن الصوم ليس بشرط فى التطوع وليس لأقله تقدير على الظاهر حتى لو دخل المسجد ونوى الاعتكاف إلىٰ أن يخرج منه صح . (هنديه ، كتاب الصوم ، الباب السابع في الاعتكاف، جديد ١/ ٢٧٤ زكريا ١/ ٢١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۶ھ

دوران اعتکاف انتقال ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۴۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اعتکاف میں بیٹھا اور اسی حالت میں یعنی اعتکاف کے ایام ہی میں اس دنیائے فانی کو خیر آباد کہہ دیا تو کیا اس شخص کا اعتکاف ہوا یا نہیں؟ اس شخص کی طرف سے کسی دوسرے شخص کو اس کے چھوٹے ہوئے ایام کو پورا کرنا پڑے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد ساجد، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اعتکاف کی حالت میں موت واقع ہوگئی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ قیامت کے دن اعتکاف ہی کی حالت میں اٹھایا جائے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی حج یا عمرہ کے سفر میں حالت احرام میں انتقال کر جائے قیامت کے دن احرام کی حالت میں تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھایا جائے گا، اور بقیہ ایام کا اعتکاف اگر دوسرے لوگ نائب بن کر کریں تو اس کی طرف سے ادا نہ ہوگا، اور نہ ہی بقیہ کا پورا کرنا لازم ہے۔

عن ابن عباسؓ قال: کنا مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم في سفر فرأی رجلا سقط عن بعیرہ فوقص فمات وھو محرم فقال رسول اللّٰہ ﷺ: اغسلوہ بماء وسدر، وکفنوہ فی ثوبیہ، ولا تخمروا رأسہ، فإنہ یبعث یوم القیامة یهل أو یلبی الحدیث: (ترمذی، الحج، باب ماجاء فی المحرم، یموت فی احرامه، النسخة الهندیة ۱/۱۸۸، دارالسلام رقم: ۹۵۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۵۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۵ھ

رمضان میں کتنے دن کا اعتکاف مسنون ہے؟

سوال: [۴۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے، یا ایک دن ورات اعتکاف کر لینے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی، یہاں بعض علماء کہتے ہیں، کہ ایک دن ورات اعتکاف کر لینے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی، مکمل دس ایام اعتکاف کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟

المستفتي: محمد رمضان، دارالعلوم، کالیکا پور، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان کے مکمل آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے،صرف ایک دن رات کا اعتکاف کر لینے سے یہ سنت ادانہیں ہوگی ،اور بعض علماء کا یہ کہنا کہ ایک دن ورات اعتکاف کر لینے سے سنت ادا ہو جائے گی ،مکمل دس ایام اعتکاف کرنے کی ضرورت نہیں ،ازروئے شرع صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ مکمل عشرہ اعتکاف کرنے سے ہی سنت ادا ہوگی ورنہ نہیں۔

وسنة مؤكدة علی الكفاية فی العشر الأخير من رمضان فلو أداه واحد من أهل المسجد كفی الكل وإلا أثموا وإن أفسده قبل الإتمام أحرز ثواب مااعتكف ولم يأت بالسنة . (معارف السنن ، كتاب الصوم ، باب ماجاء فی الاعتكاف ٥/٥١٣،٥١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رجمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۷/۸۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۱ھ

کیا عورت کے اعتکاف میں بیٹھنے سے سنت ادا ہو جائیگی؟

سوال: [۴۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کے اعتکاف میں ایک مرد اگر بیٹھتا ہے تو سنت کفایہ کے طور پر سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے،لیکن اگر ایک مرد کے بجائے دو عورتیں اعتکاف میں بیٹھ جائے اپنے اپنے گھروں میں تو کیا یہ سنت کفایہ ادا ہو جائے گی۔

المستفتي: محمد فرقان،خوش حال گنج، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں اگر مرد کے

بجائے صرف عورت اعتکاف میں بیٹھتی ہے، خواہ ایک ہو یا چند اور مرد معتکف نہ ہو تو عورت کا اعتکاف صحیح ہو جائیگا، لیکن اس کے اعتکاف سے مردوں کے ذمہ سے اعتکاف کی سنیت ادا نہ ہوگی، بلکہ ان کے اوپر اعتکاف کی ذمہ داری باقی رہے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/۱۵۱، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۲۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۲۱ھ

خانقاہی اعتکاف

سوال: [۴۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے آسام میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے خلیفہ اجل حضرت مولانا احمد علی شیخ الحدیث دارالعلوم بانسکنڈی مسجد میں اعتکاف کرتے رہے، جس کو وہ خانقاہی اعتکاف کے نام سے موسوم کرتے تھے، اور حضرت کے انتقال کے بعد خانقاہی اعتکاف کے نام سے مساجد میں ان کے خلفاء اعتکاف کررہے ہیں اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ارشادات کے مطابق ذکر تسبیح وتہلیل وغیرہ کی مشق کراتے ہیں، لیکن یہاں کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے (جن میں کئی مولوی بھی شریک ہیں) کہ خانقاہی اعتکاف مساجد میں جائز نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ اکابرین ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ، اور شیخ عبد الجبار صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شاہی، مرادآباد وغیرہم سے خانقاہی اعتکاف مساجد میں کرنے کا ثبوت ہے یا نہیں؟ نیز شریعت میں اس طرح خانقاہی اعتکاف کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبد الخالق قاسمی، ذمہ دار خانقاہ احمدیہ،

مدنیہ، کلکاسیہ، پریہٹا، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خانقاہی اعتکاف سے کیامراد ہے؟ اس سے اگر پورے مہینہ کا اعتکاف مراد ہے، تو یہ سلف سے ثابت نہیں اور اگر اس سے یہ مراد ہے کہ شیخ اپنے متعلقین کے ساتھ آخری عشرہ کا اعتکاف کرتا ہے، تو یہ حدیث سے ثابت ہے، اسلئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام کیساتھ آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، اور آپ کیساتھ صحابۂ کرام کی ایک بڑی تعداد اعتکاف میں شرکت فرماتی تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، کہ پہلے اور دوسرے عشرہ میں لیلۃ القدر کا نہ ہونا متعین ہو جانے کے بعد آپ نے صحابہ سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جولوگ پہلے میرے ساتھ اعتکاف کر چکے ہیں وہ اب چاہیں تو میرے ساتھ آخری عشرہ میں اعتکاف کرلیں۔

عن أبي سعيد الخدري قال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم اعتكف العشر الأول من رمضان ثم اعتكف العشر الأوسط ، في قبة تركية على سدتها حصير – إلىٰ قوله– فقال إني اعتكفت في العشر الأول ألتمس هذه الليلة ثم اعتكفت العشر الأوسط ثم أتيت فقيل لي إنها في العشر الأواخر فمن أحب منكم أن يعتكف فليعتكف فاعتكف الناس معه قال وإني أريتها إلى قوله وإذا هي ليلة إحدى وعشرين من العشر الأواخر.

الحديث: (مسلم شريف، كتاب الصيام ، باب فضل ليلة القدر، والحث على طلبها......،النسخة الهندية ١/ ٣٧٠، بيت الافكار رقم: ١١٦٧، مشكوٰة ١/ ٨٢، وهكذا في صحيح بابن خزيمه المكتب الاسلامي ٢/ ١٠٣٩، رقم: ٢١٧١)

سائل کا مقصد اگر یہی ہے کہ مولانا احمد علی نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد انکے خلفاء میں کوئی ایسا بھاری آدمی موجود ہے جو اپنے ماتحت اور متعلقین کیساتھ اس طرح آخری عشرہ کا اعتکاف کرتا ہے تو وہ حدیث رسول کے مطابق جائز ہے، اور حضرت گنگوہیؒ ، حضرت تھانویؒ ،

حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری بڑے حضرت رائپوری چھوٹے حضرت رائپوری، اور حضرت مولانا شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ ان تمام اکابر کا عمل بھی ایسا ہی تھا، نیز حضرت شیخ مولانا عبدالجبار صاحبؒ کا عمل بھی ایسا ہی تھا، لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا کریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا عمل پورے رمضان کا تھا، اوران کے اس عمل پر علماء کی طرف سے اعتراضات بھی ہوئے ہیں، اور ان اعتراضات کے جوابات بھی دئے گئے ہیں، کہ حضرت شیخ پورے مہینہ کا اعتکاف آخری عشرہ کی طرح سنت سمجھ کرنہیں کرتے تھے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۹۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۷ھ

آخری عشرہ میں ایک دو دن یا تین دن کا اعتکاف

سوال: [۴۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں لوگ رمضان کے آخری عشرہ میں ایک یا دو دن کا اعتکاف کرتے ہیں، اور اس کو سنت مؤکدہ کی ادائیگی سمجھتے ہیں، اور یہ سلسلہ کئی سالوں سے چلا آرہا ہے، کیا اس طرح آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے سے سنت مؤکدہ کی طرف سے ادا ہوجائیگا؟ اور ایسا کرنے والے گنہگار نہیں ہوں گے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب دے کر مشکور ہوں؟

المستفتي: محمد انس، سیتاپوری، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آخری عشرہ میں ایک یا دو دن کا اعتکاف کرنے سے نفلی اعتکاف بن جائیگا اس کا آخری عشرہ کے مسنون اعتکاف میں شمار نہیں کیا جائیگا، اور چونکہ نفل اعتکاف بھی ایک عبادت ہے، اور وہ بھی آخری عشرہ میں ہے تو یہ بھی ایک افضل ترین عمل ہے، مگر اس کو آخری عشرہ کا مسنون اعتکاف سمجھنا غلط ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵۱۰/۶، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۵۷/۱۵)

عن أبی هریرۃؓ قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یعتکف فی کل رمضان عشرۃ أیام الخ. (صحیح البخاری، الصوم ، باب الاعتکاف فی العشرالاوسط من رمضان ، النسخة الهندیة۱/ ۲۷٤، رقم: ۱۹۹۸، ف: ۲۰٤٤، ابو داؤد ، باب أین یکون الاعتکاف ،النسخة الهندیة ۱/ ۳۳٤،رقم: ۲٤٦٦)

وینقسم إلیٰ واجب وهو المنذور ...... وإلیٰ سنة مؤکدۃ وهو فی العشر الأخیر من رمضان وإلیٰ مستحب وهو ماسواهما هکذا فی فتح القدیر. (هندیه، کتاب الصوم ، الباب السابع في الإعتکاف ۱/ ۲۷٤، جدیدزکریا۱/ ۲۱۱، شامی، زکریا ۳/ ۱۳۰، شامی کراچی ۲/ ٤٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۰۱/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۳۵ھ

اعتکاف میں نیابت

سوال: [۴۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معتکف کو دوران اعتکاف کوئی ایسی ضرورت پیش آ ئی یا مریض ہوگیا جس کی وجہ سے مسجد سے نکلنا بہت ضروری ہوگیا، تو کیا اس کے بدلے میں جتنے دن اس کے ذمہ اعتکاف کے دن باقی ہیں، کسی کو اس کی جگہ پر بیٹھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالوحید، اصلاحی ضلع مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح اعتکاف میں بدل جائز نہیں ہے، لہٰذا نیابت درست نہ ہوگی ، بلکہ ہر ایک کا اپنی طرف سے الگ الگ نفل اعتکاف ہوسکتا ہے، اسلئے کہ عبادت بدنیہ میں نیابت جائز نہیں۔

ولا تجوز فی البدنیة المحضة کالصلوۃ والصوم والاعتکاف الخ.

(مجمع الأنهر ، كتاب الحج عن الغير ، مصرى قديم ١/ ٣٠٧، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۰/ ۱۴۲۰ھ

حالت حیض میں اعتکاف

سوال: [۴۸۱۶]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اس ماہ رمضان المبارک کے آخیر عشرہ کے ہفتہ میں اعتکاف میں بیٹھنا چاہتی ہوں، اور میری بہت زیادہ خواہش ہے اب ذراسی پریشانی یہ ہے کہ ہوسکتا ہے، رمضان کی ۲۹ یا ۳۰ تاریخ کو میری نماز قضا ہوجائے اگر خدا نہ کرے نماز قضا ہوجائے، تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے یا اس بات کی اجازت شرعاً ہے کہ دو تین دن کیلئے کوئی روکنے کی دوائی کھالی جائے، احتیاط کے طور پر تو گناہ یا خدانہ کرے شرک تو نہیں ہوگا؟

المستفتیه: شاہانہ، محلّہ طویلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کو روکنے کیلئے دوا نہ کھائی جائے بلکہ اگر وقت پورا ہونے سے پہلے خون جاری ہوجائے تو اعتکاف ختم کردیا جائے اور جتنے روز باقی رہ جائیں اتنے ایام کا اعتکاف مع روزہ کے بعد میں بطور قضا کے کرلیا جائے، اور اگر دوا استعمال کرکے روک لیا جائے، تو بھی آپ گنہگار نہیں ہونگی، لیکن یہ اچھا کام نہیں ہے اس سے صحت متأثر ہوجاتی ہے۔

لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبي يوسفؒ أما على قول غيره فيقضي اليوم الذي أفسده لاستقلال كل يوم بنفسه وإنما قلنا أي باقيه بناء على أن الشروع ملزم كالنذر وهو لو نذر العشر يلزمه كله متتابعاً ولو أفسد بعضه قضىٰ باقيه الخ.

(شامی، کتاب الصوم ،باب الاعتکاف ،زکریا دیوبند ۳/٤۳٤، کراچی ۲/٤٤٤، مصری ۲/۱۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷؍۲۳۷۳)

ایام حیض میں اعتکاف کرنا

سوال: [۴۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت اعتکاف میں بیٹھنا چاہتی ہے، رمضان میں اگر اس کو ماہواری آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازکر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: اعجاز حسین، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کیلئے ایام حیض میں اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے جن ایام میں پاک رہتی ہے، انہیں میں اعتکاف کرے۔

والشرط المسجد المخصوص (إلیٰ قوله) والطهارة من حيض ونفاس الخ. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب الأعتکاف قدیم /۳۸۲، جدید دارالکتاب دیوبند/۷۰۰)

والحائض والنفساء ليسا بأهل للصلاة أی فلا يصح اعتكافهما. (شامی، کراچی ۲/٤٤۱، زکریا ۳/٤۳۰)

ومنها أي (من شرائطها) الإسلام والعقل والطهارة عن الجنابة والحيض والنفاس. (هندیه، کتاب الصوم الباب السابع في الاعتکاف ،جدید ۱/۲۷٤، زکریا ۱/۲۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱٦۰/۳۱)

اعتکاف کی حالت میں قرآن سننے کیلئے دوسری مسجد جانا

سوال: [۴۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص رمضان المبارک میں کلام پاک سن رہا تھا، اسی دوران میں اعتکاف کا وقت آ جاتا ہے، پھر وہ شخص دوسری مسجد میں جا کر اعتکاف میں بیٹھ گیا اور اس مسجد میں سورۂ تراویح ہوتی ہے، کیا وہ شخص پہلی مسجد میں کلام پاک سننے جا سکتا ہے یا نہیں مدلل جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: نظام الدین، مدرسہ بدر العلوم گنگو، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اعتکاف میں بیٹھتے وقت دوسری مسجد میں قرآن پاک سننے کی نیت کرلے تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: دار العلوم ٦/۵۱۲)

ولو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلىٰ عيادة المريض وصلوة الجنازة وحضور مجلس العلمي يجوز ذلك. (الفتاویٰ التاتار خانية، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر، الاعتكاف كوئٹه ۲/۴۱۲، زكريا ديوبند۳/۴۴۵، رقم: ۴۸۰۸، عالمگيری، كتاب الصوم، الباب السابع في الإعتكاف، جديد ۱/۲۷٦، زكريا ديو بند ۱/۲۱۲، الدر المختار، زكريا ديوبند۳/۴۳۹، كراچی ۲/۴۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشوال ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴٦۴/۲۵)

جس کا اعتکاف ٹوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟

سوال: [۴۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص بلاضرورت اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نکل آیا تو اس کا اعتکاف ٹوٹ گیا، اب یہ شخص کیا کرے، دوبارہ اعتکاف کی نیت کرکے مسجد ہی میں رکے یا پھر روانہ ہوجائے؟ مفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: محمد علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شخص کا اعتکاف ٹوٹ جائے اس کو گھر آجانے کا اختیار رہے، دوبارہ نیت کرکے اعتکاف کرنا ضروری نہیں ہے، ہاں اگر اعتکاف نذر کا ہے تو اس کی قضا لازم ہے، اور اگر رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے تو اس کی قضا مستحب ہے، اور اگر نفلی اعتکاف ہے تو اس کی قضا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

وحرم عليه أي على المعتكف اعتكافا واجباً –إلىٰ– الخروج إلا لحاجة الإنسان –إلىٰ– فلو خرج ساعة بلا عذر فسد فيقضيه وفى الشامى أي لو واجباً بالنذر وأما التطوع لو قطعه قبل تمام اليوم فلا. (تنوير مع الدر، كتاب الصوم، باب الاعتكاف زكريا ديوبند۳/٤٣٤تا ٤٣٧، كراچى ٢/٤٤٤ تا٤٤٧)

قوله أما النفل أي الشامل للسنة المؤكدة .... ومقتضى النظر لو شرع فى المسنون أعني العشر الأواخر بنيته ثم أفسده أن يجب قضاءه تخريجاً على قول أبى يوسفؒ في الشروع في نفل الصلوٰة ناوياً أربعاً لا على قولهما .... والحاصل أن الوجه يقتضى لزوم كل يوم شرع فيما عندهما بناء على لزوم صومه بخلاف الباقى لأن كل يوم بمنزلة شفع من النافلة الرباعية وإن كان المسنون هو اعتكاف العشر بتمامه. (شامى،

زکریا۳/ ٤٣٤، ٤٣٥، کراچی ٢/ ٤٤٤، ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۷۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

کیا اعتکاف کی قضا لازم ہے؟

سوال: [۴۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اکیسویں شب میں اعتکاف میں بیٹھا دو دن کے بعد بلا ضرورت باہر نکل گیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوگیا، تو اب اعتکاف کی قضا کس طرح کرے اور کب کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف مسنون ہے، واجب یا فرض نہیں ہے، اور جب ایک یا دو دن بعد مسجد سے بلا ضرورت نکل گیا تو اعتکاف مسنون تو فاسد ہو کر نفل بن گیا، اس کے بعد بقیہ دنوں کا جو اعتکاف کرے گا، وہ بھی نفل بن جائے گا، اور فاسد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے، کہ دو تین دن کا جو اعتکاف کیا ہے، وہ بالکل ختم ہو جائے گا، بلکہ وہ نفل بن جائے گا، اسلئے کہ اس کی باضابطہ قضا کی بات کتب فقہ سے ثابت نہیں ہے۔

وترک الاعتكاف في شهر رمضان حتى اعتكف في العشر الأول من شوال وتحته في فتح الملهم قال عياض فعل ذلك قضاء قال يعني بالقضاء الإتيان بمثل الفائت استدراكاً لفضله لا القضاء حقيقة الخ. (فتح الملهم، قبيل باب الاجتهاد، في العشر الأواخر من شهر رمضان، اشرفيه ديوبند۳/ ١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۴۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۵ھ

بلاعذر شرعی اعتکاف کو فسخ کرنا

سوال: [۴۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص رمضان شریف کے اخیر عشرہ میں معتکف تھا، درمیان میں کسی عذر شرعی کی بنا پر اعتکاف فسخ کردیا، یا بغیر عذر شرعی کے اعتکاف فسخ کردیا تو کیا اس پر قضا یا کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں؟

المستفتي: فیاض احمد سیتامڑھی، متعلم شعبۂ افتاء، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف عذر شرعی یا بلاعذر شرعی کے جب فسخ کردیا، تو اس کی قضا یا کفارہ لازم نہیں ہے۔

فلا يلزم القضاء إلا في منذور أفسده قبل إتمامه الخ. (فتح القدير ۲ / ۳۹۳، شامی، زکریا ۳/۴۳۷، کتاب الصوم، باب الاعتکاف کراچی ۲/۴۴۷)

فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۰۱/۳۵)

معتکف کا وضو کرنے کیلئے مسجد سے باہر نکلنا اور بیڑی پینا

سوال: [۴۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا معتکف صرف باوضو رہنے کیلئے وضو کرنے کیلئے مسجد سے نکل سکتا ہے؟ اور معتکف مسجد کے آخری کنارہ پر بیڑی پیئے اور دھواں باہر پھینکے کیا اس کی اجازت ہے؟

المستفتی: جلیل احمد استاد جامع الہدیٰ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معتکف کیلئے مسجد کے اندر باوضو رہنا مستحب ہے، اسی طرح وضو کیلئے باہر نکلنا جائز اور درست ہے، چاہے فرض نماز کے لئے وضو ہو یا نوافل وتلاوت وذکر کیلئے یا صرف باوضو رہنے کیلئے سب کی گنجائش ہے، اور مسجد کے کنارے بیٹھ کر بیڑی پینا اور دھواں حدود مسجد سے باہر پھینکنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ حدود مسجد میں بیڑی سگریٹ کی بدبو کیساتھ داخل ہونا بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر بیڑی سگریٹ پئے بغیر طبیعت خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو رات کے وقت مغرب کے بعد یا عشاء کے بعد استنجاء وغیرہ سے فراغت کیلئے جب استنجاخانہ میں پہونچے تو یہ ضرورت بھی پوری کرلے اس کے بعد منھ اچھی طرح صاف کرکے مسجد میں داخل ہوجائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲۰۱/۵، جدید زکریا ۷/۲۷۷، احسن الفتاویٰ ۵۱۰/۴، ۵۱۲)

ويخرج أيضا لأمر لابدله منه ثم يرجع إلى المسجد بعد ما فرغ من ذلك الأمر سريعاً ويخرج للوضوء والاغتسال فرضاً كان أو نفلاً. (الفتاوىٰ التاتار خانية ، كتاب الصوم، الفصل الثانى عشر في الاعتكاف ، دار الإيمان ٢/ ١٣٤، زكريا ديو بند٣/٦ ٤ ٤ ،رقم: ٣ ١ ٨ ٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲/شوال ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۹۴/۳۹)	۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ

حالت اعتکاف میں لیڈی ٹیچر کا اسکول میں حاضری دینا

سوال: [۴۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لیڈی ٹیچر (اسکول کی معلّمہ) رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرنے کی خواہشمند ہے لیکن اسکول کے قاعدہ کے مطابق اسے دس روز کی چھٹی کے درمیان ایک دن صرف حاضر

ہوکر دستخط حاضری ضروری ہے، اس حاضری کی کوئی دوسری شکل بھی نہیں ہے، تو کیا یہ عورت دوران اعتکاف اپنے قریبی گاؤں سے اسکول حاضر ہوکر بلا کسی سے بات کرے ہوئے حاضری کے دستخط کر کے واپس اعتکاف میں جاسکتی ہے، اس عمل سے اس کا اعتکاف باقی رہے گا یا نہیں؟ اور کیا اس پر اس کی قضا لازم ہوگی یا نہیں؟ نیز عدم جواز کی صورت میں کوئی حیلہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اعتکاف بھی پورا ہوجائے اور دستخط حاضری بھی ہوجائے؟

المستفتي: محمد شریف، مدرس پرائمری اسکول جلگاؤں، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسکول میں حاضر ہوکر دستخط کرنا یہ کوئی عذر شرعی نہیں اسلئے اعتکاف کی حالت میں دستخط کیلئے اسکول جانے سے اعتکاف فاسد ہوجائیگا، البتہ قضا لازم نہیں ہے، اسلئے کہ یہ سنت اعتکاف ہے، اعتکاف واجب نہیں ہے، نیز بلا عذر شرعی کے حیلہ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم .... فلو خرج ولو ناسياً ساعة زمانية لا رملية كمامر بلا عذر فسد. (درمختار مع الشامي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، زكريا ديوبند ٣/٤٣٤ تا ٤٣٧، كراچی ٢/٤٤٤ تا ٤٤٧، هدايه اشرفيه ١/٢٣٠)

فلا يلزم القضاء إلا في منذور أفسد قبل إتمامه. (فتح القدير، زكريا ٢/٣٩٨، كوئٹه ٢/٣٠٨، دارالفكر مصرى ٢/٣٩٣)

كل حيلة يحتال الرجل لإبطال حق الغير أولإدخال شبهة فيه فهي مكروهة. (عالمگيرى، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل وعدم جوازها جديد ٦/٣٩٣، قديم ٦/٣٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍ ۶۵۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

حالت اعتکاف میں دوا کھا کر روزہ توڑ دینا

سوال: [۴۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اعتکاف کرنے والا مرد ہو یا عورت بوجہ بیماری روزہ کی قضا ہوگئی یا دن میں دوا کھالی ایسی صورت میں اعتکاف باقی رہا یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد پیرزادہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فاسد ہوگیا ہے۔

ولا يخفىٰ أن اعتكاف العشر الأخير مقدر فيكون الصوم شرطاً فيه الخ. (منحة الخالق على البحر الرائق، زكريا ۲/ ٥٢٤)

لہٰذا جس دن روزہ توڑ دیا ہے، اس دن کا اعتکاف مع روزہ کے بعد میں قضاء کرلینا لازم ہے، اور اگر پورے عشرہ کا اعتکاف مع روزہ کے قضاء کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦ ر رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۵٦)

خادم کی موجودگی میں پانی لانے کیلئے معتکف کا مسجد سے باہر جانا

سوال: [۴۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معتکف اگر حدود مسجد سے نکل کر نل سے پانی لیکر مسجد میں آ کر پی لے جبکہ دوسرا آدمی بھی مسجد میں اسکے لئے موجود ہے تو اعتکاف باقی رہا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پانی لا کر دینے والے کی موجودگی میں پانی کیلئے

نکلنا مفسد اعتکاف ہے۔

فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه . (البحرالرائق، كتاب الصوم، باب الاعتكاف كوئٹه ٣٠٣/٢، زكريا ديوبند٢/ ٥٣٠، مجمع الانهر قديم ٢٥٧/١، دارالكتب العلمية بيروت ٣٧٩/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ررمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۵۶)

غسل تبرید کیلئے مسجد سے باہر نکلنے کا حکم؟

سوال: [۴۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرمی کے زمانہ میں معتکف کیلئے غسل تبرید کرنے کی غرض سے مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں ہے، تو اسکی متبادل شکل کیا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گرمی کے زمانہ میں معتکف کیلئے غسل تبرید کی غرض سے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اسکی متبادل شکل یہ ہے کہ پائخانہ پیشاب کیلئے جب نکلے وہاں پر غسل خانہ بھی ہے اوراس میں ٹنکی لگی ہوئی ہے، یا کسی آدمی نے معتکف کے کہے بغیر ازخود پانی رکھدیا تو ایسی صورت میں قضاء حاجت سے واپسی میں ضمناً غسل کرلینا جائز ہے۔

(مستفاد: انوار رسالت/۲۱۱، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۰/۲۴۴، میرٹھ ۱۵/ ۲۷۹، دارالعلوم ۶/ ۵۰۴)

وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول أو غائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد فلو أمكنه من غير أن يتلوث المسجد فلا بأس به أي بأن كان فيه بركة ماء أو موضع معد للطهارة أو اغتسل فى إناء بحيث لايصيب المسجد الماء المستعمل .

(الدرالمختار مع الشامی، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، زكريا٣/ ٤٣٤، كراچی ٢/ ٤٤٥)

وإن غسلـه في الـمسجد في إناء لا بأس به لأنه ليس فيه تلويث الـمسجد. (خانيه على هامش الهندية، فصل في الإعتكاف ۱/۲۲۳، جديد زكريا ۱/۲۳۹)

وإن غسل رأسه في المسجد في إناء لاباس به إذا لم يلوث المسجد بالماء المستعمل . (بدائع الصنائع ، زكريا۲/ ۲۸٤)

ثـم إن أمكنـه الاغتسـال فـي الـمسجد من غير أن يتلوث المسجد فلابأس به وإلا فيخرج ويغتسل ويعود إلىٰ المسجد. (هنديه قديم ، زكريا الباب السابع فى الاعتكاف ۱/۲۱۳، جديد ۱/۲۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۱۹/۴۰)

جنبی معتکف غسل کیلئے مسجد سے باہر کیسے نکلے؟

سوال: [۴۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مسجد میں معتکف ہو اور غسل کی حاجت ہو جائے تو مسجد سے غسل کیلئے کیسے نکلے؟

المستفتي: ایس، اے، الاعظمی،
پوسٹ بکس نمبر ۲۸۲۰۲، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر معتکف جنبی ہو جائے تو تیمّم کرکے مسجد کی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے مسجد سے باہر نکل جائے اور جلد غسل کر کے واپس ہو جائے ۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۱۰۶، جدید زکریا ۳/۱۴۹، جدید زکریا مطول ۳/۴۰۴)

وإن احتلم في المسجد تيمم للخروج الخ. (شامی، كتاب الطهارة، باب

التیمم زکریا دیوبند ۱/ ۴۱۰، کراچی ۱/ ۲۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰؍ رجب ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۸۵)

میت کی تجہیز و تکفین کیلئے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا

سوال: [۴۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید حالت اعتکاف میں تھا، کہ اسی اثناء میں اس کی بیوی یا کسی گھر والے کا انتقال ہوگیا، زید تجہیز وتکفین کیلئے مسجد سے باہر نکل گیا تو کیا اس کا اعتکاف باقی رہے گا یا نہیں؟ اگر باقی نہیں رہے گا تو کیا اس کے نکلنے کی وجہ سے گاؤں والے بھی گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ نیز وہ اعتکاف کی قضاء کب کرے گا؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: سعید الرحمٰن، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے، اگر اعتکاف میں داخل ہوتے وقت مریض کی عیادت، میت کو تجہیز وتکفین کے لئے نکلنے کی نیت نہیں رہی ہے، تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تھوڑی دیر کیلئے بھی مسجد سے باہر نکلیں گے، تو اعتکاف فاسد ہوجائیگا، چاہے مریض کی عیادت یا نماز جنازہ وغیرہ کیلئے نکلنا ہوتا ہو، اس کے برخلاف حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک دن میں ایک دو گھنٹہ کیلئے اس طرح کی شدید ضرورت کی بناء پر مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، لہٰذا اپنے گھر کے لوگوں میں کسی کی موت ہوجائے جیسے بیوی یا ماں باپ یا اولاد یا حقیقی بھائی بہن میں سے جو ذو رحم محرم ہیں، ان کی موت پر حضرات صاحبین کے قول کے مطابق ایک دو گھنٹہ کیلئے نکلنے کی گنجائش ہوگی، اور اس قدر قریبی لوگوں کے علاوہ دیگر رشتہ دار دوست واحباب کی موت پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق تھوڑی دیر کیلئے بھی نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجائے

گا، لہٰذا مذکورہ واقعہ میں حضرات صاحبینؒ کے قول کے مطابق نکلنے اجازت ہوگی۔

فأما إذا خرج ساعة من المسجد فعلیٰ قول أبی حنیفةؒ یفسد اعتکافه وعند أبی یوسفؒ ومحمدؒ لایفسد مالم یخرج أکثر من نصف یوم وقول أبی حنیفةؒ أقیس، وقولهما أوسع قالا الیسیر من الخروج عفو لدفع الحاجة فإنه إذا خرج لحاجة الإنسان لایؤمر بأن یسرع المشي وله أن یمشي علی التؤدة فظهر أن القلیل من الخروج عفو، والکثیر لیس بعفو، فجعلنا الحد الفاصل أکثر من نصف یوم فإن الأقل تابع للأکثر فإذا کان فی أکثر الیوم في المسجد جعل کأنه فی جمیع الیوم فی المسجد . (المبسوط للسرخسی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، دارالکتب العلمية بیروت ۳/۱۱۸، ۱۱۹)

ولا یخرج المعتکف من معتکفه لیلاً ولا نهارا إلا بعذر وإن خرج من غیر عذر ساعة فسد اعتکافه فی قول أبی حنیفةؒ وقال أبی یوسفؒ ومحمدؒ لایفسد حتی یکون أکثر من نصف یوم . (محیط برهانی ۲/۵۸۴، کوئٹه المجلس العلمی جدید ۳/۳۷۹، رقم: ۳۱۷۹)

ولایخرج المعتکف من معتکفه لیلاً ولا نهارا إلا بعذرٍ، وإن خرج من غیر عذر ساعة فسد اعتکافه فی قول أبی حنیفةؒ وقال ابویوسفؒ ومحمدؒ لایفسد حتی یکون أکثر من نصف یوم . (الفتاوی التاتار خانية، زکریا ۳/۴۴۴، برقم: ۴۸۰۳)

فإن خرج ساعة من غیر حاجة فسد اعتکافه عند ابی حنیفةؒ قالا لایفسد حتی یکون أکثر من نصف النهار لأن القلیل عفو والکثیر لا، فجعلنا الحدالفاصل بینهما نصفاً لأن مافوقه کثیر . (الفتاوی الولوالجية ۱/۲۴۱، دارالإیمان) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۱۳ھ

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں نماز جنازہ کیلئے مسجد سے باہر نکلنا

سوال: [۴۸۲۹]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں نماز جنازہ کیلئے مسجد سے باہر نکلنا بعدہٗ فوراً مسجد میں واپس آجانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو یہ سد باب ہے یا نفس مسئلہ؟ اگر ناجائز بطور سد باب ہو تو کسی اہل اللہ کی نماز جنازہ میں شرکت کیلئے مسجد سے نکل کر بعدہٗ فوراً مسجد واپس آجانے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ چونکہ اکثر اردو فتاویٰ کی کتابوں میں اعتکاف کی تین اقسام لکھی ہیں اوران سب کا ایک ہی حکم بیان فرما کر خروج من المسجد بلا عذر کو حرام اور مفسد اعتکاف قرار دیا ہے، جیسا کہ ایضاح المسائل میں ہے، اعتکاف نذر اور عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں ضرورت شدیدہ کے بغیر مسجد سے باہر نکلنا حرام اور مفسد اعتکاف ہے۔ (۹۲ باب الاعتکاف ، کذا احسن الفتاویٰ ۴/ ۵۰۱، باب الاعتکاف ،امداد الفتاویٰ ۲/۱۵۳، باب الاعتکاف،عزیز الفتاویٰ باب الاعتکاف)

بعنوان عشرۂ اخیرہ رمضان کا واجب نہیں تو اس کی قضاء بھی واجب نہیں۔ (کفایت المفتی ۴/۲۳۳، اخیر سوال وجواب)

لیکن عربی فتاویٰ کی کتابوں میں اعتکاف کی تین اقسام اور ان کے دو احکام یعنی اعتکاف واجب کا ایک حکم اور سنت مؤکدہ ونفل کا ایک ہی حکم بیان فرما کر نفل وسنت اعتکاف میں خروج من المسجد بلا عذر کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ:

وحرم عليه أى على المعتكف اعتكافاً واجباً أما النفل فله الخروج لأنه منه له لامبطل كما مر قوله أما النفل أي الشامل للسنة المؤكدة. (رد المختار على الدرالمختار، فى باب الاعتكاف وكذا فى البحر الرائق فى باب الاعتكاف)

وفى الهندية: وهذا كله فى الاعتكاف الواجب أما في النفل فلا بأس بان يخرج بعذر وغيره فى ظاهر الرواية وفي التحفه لابأس فيه بأن يعود

المريض ويشهد الجنائز كذا فى النقاية الخ. (كتاب الصوم باب فى الاعتكاف)

وفي التاتارخانية لايخرج المعتكف إلىٰ قوله وهذا كله فى الاعتكاف الواجب وأما فى الاعتكاف النفل فلا بأس بأن يخرج بعذر وبغير عذرٍ وهذا على ظاهر الرواية ، فإن محمداً قال فى الأصل الخ. (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، كراچی ۱/۱۵۳، كتاب الصوم ۲/۴۱۳، باب الاعتكاف،وكذا فى الدر الاحكام على غرر الاحكام ۱/۲۱۴، باب الاعتكاف ، فتح المعين على شرح الكنز لمنلامبين ۱/۴۵۵، باب الاعتكاف)

المستفتي: محمد شاہ المظاہری،مقیم حال،املی والی مسجد،سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوالنامہ میں جوشبہات پیش کئے گئے ہیں،وہ سوالنامہ میں نقل کردہ جزئیات کی روشنی میں عالمانہ شان کے مطابق ہیں، اورواقعی عشرۂ اخیرہ کےاعتکاف کےاحکامات اور پابندیاں معلوم ہونے کے بعد ایسے ہی شبہات پیدا ہوسکتے ہیں،ہم جواب لکھنے سے پہلے نفلی اعتکاف اور واجب اعتکاف کی نوعیت کوواضح کردیتے ہیں،نفلی اعتکاف کی نوعیت یہ ہے،کہ جتنی دیرکیلئے چاہے کیا جاسکتا ہے، ایک گھنٹہ کیلئے یا ایک دن ،تین دن کیلئے جس طرح چاہے کیاجاسکتا ہے،اورجس کا دل چاہے کرلےاورجس کا دل چاہے نہ کرے،اختیار ہے، درمیان میں مسجد سے باہر نکلیں گے تو یہ جتنی دیرکیلئے مسجد میں رہا گیاہے، اتنی دیرکیلئے معتکف ہوگا،مفسد نہ ہوگا اسی لئے اس کی قضانہیں ہے، نیزنفلی اعتکاف کیلئے روزہ شرط نہیں ہے،اوراعتکاف واجب اورنذر کی نوعیت یہ ہے کہ جتنی دیرکیلئے اعتکاف کیاجائے اسکی مدت پوری کرنی لازم ہے، درمیان میں بلا عذرنکل جانا متمم نہیں ہے، بلکہ مفسد ہے اسلئے اس کی قضالازم ہے ، نیزاعتکاف واجب میں روزہ بھی شرط ہے، اب ہمیں اس کے بعدغورکرکے دیکھنا ہے کہ رمضان المبارک کےعشرۂ اُخیرہ کااعتکاف کس کےمشابہ ہے،توحقیقت یہ ہے کہ عشرۂاخیرہ کا

اعتکاف من وجہٍ نفل کے مشابہ ہے اور من وجہٍ اعتکاف واجب اور نذر کے مشابہ ہے، نفل کے مشابہ اس لئے ہے کہ جو لوگ عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف نہیں کرتے ہیں، ان کے اوپر کوئی داروگیر اور ملامت نہیں، اور جو کرنا چاہے اسے کرنے کا اختیار ہے لازم نہیں، اس لئے فقہاء ومحدثین کی بعض عبارات میں نفلی اعتکاف میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف جو سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اس کو بھی شامل کردیا ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں بھی اسی قسم کی عبارات نقل کی گئی ہیں، اور واجب اور نذر کے مشابہ اس لئے ہے، کہ اعتکاف عشرۂ اخیرہ سے بلا عذر نکلنا واجب ونذر کی طرح مفسد ہے، نفل کی طرح متمم نہیں ہے، اور نیز بقول امام ابو یوسفؒ پورے کی قضاء لازم ہے اور بقول طرفین وجمہور علماء صرف اسی دن کی قضاء لازم ہے، پورے عشرہ کی نہیں بہر حال فی الجملہ قضا لازم ہے، لہٰذا جس طرح اعتکاف نذر اور واجب اعتکاف میں نماز جنازہ اور عیادت مریض کیلئے نکلنا جائز نہیں اسی طرح سے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں بھی نماز جنازہ اور عیادت مریض کیلئے نکلنا جائز نہ ہوگا، فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

لو شرع في المسنون: أعنی العشر الأواخر بنيته ثم أفسده أن يجب قضاؤه تخريجا على قول أبی يوسفؒ إلى قوله: وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع، وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبی يوسفؒ، أما على قول غيره فيقضی اليوم الذي أفسده لا ستقلال كل يوم بنفسه، وإنما قلنا: أي باقيه بناء على الشروع ملزم كالنذر وهو لو نذر العشر يلزمه كله متتابعاً، ولو أفسد بعضه قضىٰ باقيه على مامر فی نذر صوم شهر معين. (شامی، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، كراچی ۲/٤٤٤)زكريا ۳/٤۳٤)

حاصل یہ نکلا کہ عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو ابتدا اور شروع کرنے کے اعتبار سے اختیاری ہونے کی وجہ سے نوافل کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے فقہاء ومحدثین نے نوافل کی

بحث میں اس کو بھی شامل فرمایا ہے، لیکن شروع کرنے کے بعد فی الجملہ لازم ہو جانے کے اعتبار سے اور اعتکاف نذر کی طرح روزہ شامل ہو جانے کی وجہ سے اعتکاف واجب کے مشابہ ہے، اس لئے اعتکاف نذر کی طرح بلاعذر شرعی نکلنا مفسد ہے، متمم نہیں ہے، نیز اگر کوئی شخص عشرۂ اخیرہ میں بغیر روزہ اعتکاف کریگا، تو عشرۂ اخیرہ کے مسنون اعتکاف کے دائرہ میں داخل نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/۱۷۳، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۲۱۹، امداد الفتاویٰ ۲/۱۵۴)

أن الصوم شرطاً أيضاً في الاعتكاف المسنون لأنه مقدر بالعشر الأخير حتى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أوسفر، ينبغي أن لا يصح عنه بل يكون نفلاً فلا تحصل به إقامة سنة الكفاية . (شامی، زکریا۳/ ۴۳۱، کراچی ۲/ ۴۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

وفیه استحباب الاعتکاف الخ کی وضاحت

سوال: [۴۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت آئندہ عبارت کا مطلب واضح فرمائیں۔

وفيه استحباب الاعتكاف في العشر الأواخر من رمضان وهو مجمع عليه استحباب مؤكداً . (عمدة القاری ۱۱/ ۱۴۳)

عبارت مذکورہ کا ایسا مطلب لینا صحیح ہے یا غلط ''اس حدیث میں دلیل ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کے مستحب ہونے پر اجماع ہوا ہے، اور اس کے استحباب کے مؤکدہ ہونے پر بھی'' صحیح مطلب اور فیصلہ حضرت کے ذمہ مفوض ہے؟

المستفتي: محمد خدا بخش، گوبند پور،
۲۴/ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عمدۃ القاری کی عبارت کا جو مطلب آپ نے سوال میں پوچھا ہے وہ درست ہے البتہ یہ اعتکاف سنت کفایہ ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے سب کی طرف سے ادا ہو جائیگا۔

والاعتكاف المطلوب شرعاً علىٰ ثلاثة أقسام .... وسنة كفاية مؤكدة في العشر الأخير من رمضان الخ. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مكتبه دار الكتاب ديوبند/ ۷۰۰)

وهو واجب بالنذر وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان أي سنة كفاية وتحته فى الشامية: نظير ها إقامة التراويح بالجماعة فإذا قام بهاالبعض سقط الطلب عن الباقين. (شامی، كتاب الصوم، باب الاعتكاف زكريا۳/ ۴۳۰، كراچی۲/ ۴۴۲، هنديه، كتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف زكريا ۱/ ۲۱۱، جديد ۱/ ۲۷۴، هدايه، اشرفيه ديوبند ۱/ ۲۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۲۰ھ

اعتکاف واجب اور نفل کے سلسلے میں عمدۃ القاری کی عبارت کی تشریح

سوال: [۴۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بخاری شریف کی شرح میں علامہ عینیؒ جز حادی عشر/ ۱۴۰ میں فرماتے ہیں:

وعند الحنفية الصوم شرط لصحة الواجب رواية واحدة ولصحة التطوع فيما روى الحسن عن ابى حنيفةؒ فلذلک قال أقله يوم والمراد به الاعتكاف مطلقاً عند أصحابنا لأن من شرط الاعتكاف الصوم مطلقاً.

عبارت بالا کے متعلق سوال ہے کہ اس کا صحیح مطلب کیا ہے، خصوصاً المراد بہ میں ہ ضمیر

سے کیا مراد ہے، اور الاعتکاف مطلقاً سے کون کون فرد مراد ہیں؟

المستفتي: محمد خدا بخش، ۲۴/ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اصل جواب سے قبل اعتکاف کے بارے میں حنفیہ کا موقف سمجھ لیا جائے، حنفیہ کے یہاں اعتکاف واجب ایک یوم سے کم مشروع نہیں ہے، لہٰذا اس میں بالاتفاق صوم بھی مشروط ہے اور اعتکاف نفل کے بارے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم کامل سے کم درست نہیں ہے، اسلئے کہ بلا صوم کے اعتکاف صحیح نہیں ہے، اور صوم کیلئے یوم کامل لازم ہے حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکثر یوم بھی اعتکاف نفل ہو سکتا ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک گھنٹہ کا بھی اعتکاف نفل صحیح ہے، لہٰذا ان دونوں کے نزدیک اعتکاف نفل کیلئے صوم شرط نہیں ہے، اب عمدۃ القاری کی عبارت کی وضاحت سنئے المراد بہ میں-ہ-ضمیر کا مرجع حدیث ابو داؤد لا اعتکاف الا بصوم الخ ہے اور الاعتکاف مطلقاً سے اعتکاف واجب اور اعتکاف نفل دونوں مراد ہیں، اسلئے کہ علامہ عینیؒ یہاں پر حضرت امام اعظمؒ کے قول کو پیش نظر رکھکر بحث فرما رہے ہیں، اس کی وضاحت البحر الرائق کی عبارت: **وروی عن الحسن أنه شرط واختلاف الرواية فيه مبنى على اختلاف الرواية في اعتكاف التطوع أنه مقدر بيوم أو غير مقدر الخ**. (البحر الرائق، کراچی ۳۰۱/۲، زکریا ۵۲۶/۲)

سے بھی واضح ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۹۳/۳۳)

قربت مشروعہ ومقصودہ سنت مؤکدہ ہے یا مستحب

سوال: [۴۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربت مشروعہ یا قربت مقصودہ سنت مؤکدہ یا مستحب میں سے کون سے درجہ میں ہے یا اس کے

علاوہ کوئی دوسرا حکم ہے؟

المستفتي: محمد خدا بخش، ۲۴؍ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سائل کی عبارت قربت مشروعہ یا قربت مقصودہ میں تسامح ہے اسلئے کہ قربت مشروعہ عبادات مقصودہ اور غیر مقصودہ دونوں کو عام ہے، صرف مقصودہ کے مرادف نہیں ہے، اور قربت مقصودہ اس کو کہتے ہیں، جو اصل کی حیثیت رکھتی ہے، جیسا کہ نماز عبادت مقصودہ ہے اسکی شرائط میں وضو، طہارتِ ثوب، طہارت مکان وغیرہ قربت مقصودہ میں سے ہیں۔

إن العبادات على قسمين .... مقصودة وغير مقصودة فالأول مالايكون وسيلة إلىٰ عبادة أخرىٰ وشرطاً لصحتها والثاني ماليس كذلك كشرائط الصلوة كالوضوء وطهارة الثوب والمكان. (حاشیه شرح وقایه، کتاب الطهارة، اشرفی دیوبند ۱/ ۶۲)

شاید سائل یوں پوچھنا چاہتا ہے، کہ قربت مقصودہ جس طرح فرائض میں ہوتی ہے، اسی طرح درجہ سنت یا مستحب میں بھی ہوتی ہے، یا نہیں؟ جواب یہ ہیکہ قربت مقصودہ سنت بھی ہوتی ہے، جیسا کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایۃ ہے، کسی دوسری عبادت کی شرط نہیں ہے، اسی طرح عمرہ کرنا سنت ہے جو کہ قربت مقصودہ ہے اسی طرح قربت مقصودہ میں مستحب بھی آ سکتا ہے، جیسا کہ ایام بیض کا روزہ رکھنا مستحب ہے، مگر دوسری عبادت کے متعلقات میں سے نہ ہونے کی وجہ سے قربت مقصودہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۹ھ

عمدۃ القاری کی عبارت ''الاعتکاف مطلقاً'' کی وضاحت

سوال: [۴۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) میں نے حضرت کی خدمت میں عمدۃ القاری کی آئندہ عبارت کو لکھا تھا، اور دریافت کیا تھا، کہ عبارت میں ''**الاعتکاف مطلقاً**'' سے کون کون فرد مراد ہیں، جواب ملا کہ ''**الاعتکاف مطلقاً**'' سے نفل اور واجب دونوں مراد ہیں، جواب کے متعلق بعض مولوی کہتے ہیں، کہ اسکی تین قسمیں یا تین افراد ہیں، لیکن ان میں سے دو مراد ہیں، اور مسنون خارج ہوگیا اسکی وجہ کیا ہے، حالانکہ مراد کی بناء اشتراط صوم اس میں بھی موجود ہے، لہٰذا عرض ہے کہ بتوضیح جواب سے آگاہ فرمائیں؟

(۲) شرح وقایہ میں:

وأقله يوم فيقضى من قطعه فيه أي إذا شرع الاعتكاف فقطعه قبل تمام يوم وليلة فعليه القضاء خلافا لمحمدؒ فإن أقله ساعة عنده وقد حصلت.

عبارت میں اقلہ کا مرجع مطلق اعتکاف ہے اور ارقام فرماویں پھر اختلاف ائمہؒ کا جو ذکر ہے وہ کس اعتکاف سے متعلق ہے، اگر نفل میں ہو تو نفل کی قضا تو نہیں ہے، اور اگر واجب میں ہو تو واجب کی اقل مدت بالاتفاق ایک روز ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک یہاں ایک ساعت کا ذکر ہے، یا اختلاف سنت مؤکدہ کے متعلق ہے، بہرحال جو بھی ہو خدا کے واسطے جواب شافی سے مطمئن فرمائیں؟

المستفتي: محمد خدا بخش، ۲۴ر پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اعتکاف نوافل میں اعتکاف مسنون بھی داخل ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں کیا جاتا ہے، وہ اعتکاف مسنون جب ہی ثابت ہوگا کہ جب آخری عشرہ مکمل ہوگا، لہٰذا اگر ایک یوم یا نصف یوم بعد میں شروع کیا جائے، یا پہلے ختم کردیا جائیگا، تو اعتکاف مسنون نہ ہوگا، اور بغیر صوم کے ان دنوں کا اعتکاف ہوتا ہی نہیں، کیونکہ ان ایام میں روزہ رکھنا اعتکاف سے بڑھ کر فرض ہے، عمدۃ القاری کی عبارت

سے مسنون خارج نہیں ہے، لفظ نفل کے اندر داخل ہے۔

(۲) اگر سائل کے خیال کے اعتبار سے مرجع ضمیر کو مطلق بھی مان لیا جائے تب بھی اشکال نہ ہونا چاہئے، اسلئے کہ مطلق کے افراد میں سے فرد نفل بھی شامل ہے، اس کا قرینہ امام محمدؒ کے قول کے استثناء سے واضح ہے، اصول ہے۔ ''المطلق ینتفی بانتفاء جمیع أفراده الخ'' شرح وقایہ میں موجودہ عبارت سے صرف نفلی اعتکاف میں اختلاف ظاہر کیا گیا ہے، دیگر اعتکاف یہاں مراد نہیں ہے، اور نفلی اعتکاف شروع کرنے کے بعد وقت پورا ہونے سے قبل توڑنے سے امام محمدؒ کے یہاں قضاء نہیں ہے، مگر امام ابوحنیفہ کے یوم کامل اور صوم کی شرط کے ساتھ شروع کرنے کے بعد توڑ دینے سے قضاء لازم ہو جاتی ہے، جیسا کہ (فتویٰ الف ۳۳/۵۵۹۳) میں عمدۃ القاری کی عبارت سے صوم کی شرط کے ساتھ وضاحت پیش کی جا چکی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۹ھ

سنت مؤکدہ، مستحب اور قربت مقصودہ

سوال: [۴۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب والا کا ارسال کردہ جواب الف ۳۳/۵۶۵۸ ہاتھ آیا مسائل سے واقفیت حاصل ہوئی مزید چند باتیں معلوم کرنی ہیں۔

(۱) جب کسی خاص امر دینی کے متعلق علماء حضرات میں سے بعض سنت مؤکدہ کے قائل ہو جائیں اور بعض استحباب کے اور بعض قربت مشروعہ کے تو اس حال میں ''قربة مشروعة'' سے کیا مطلب اور مراد ہوگی، وضاحت فرمائیں؟

(۲) علامہ شامی نفل کو مسنون کیساتھ شامل فرماتے ہیں، صدر مفتی دیوبند جناب مرحوم عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے فرمایا کہ نفل مسنون کیساتھ شامل ہے، (دارالعلوم) اور آپ

نے بھی جواب میں مسنون اعتکاف کونفل میں داخل فرمایا اس حال میں شرح وقایہ میں ’’اقلہ یوم‘‘ کے سلسلہ میں اختلاف ائمہ کی کیا وجہ صورت ہوگی؟ اس کی وضاحت تشفی بخش کردیں۔

(۳) عمدۃ القاری کی عبارت ’’**والمراد به عند أصحابنا الاعتكاف مطلقاً**‘‘ میں واجب نفل دونوں ’’اقلہ یوم‘‘ والے حکم کیساتھ داخل ہوئے اور مسنون بھی داخل ہوا لیکن اقلہ یوم کے حکم سے خالی ہوکر حالانکہ حضرت امام اعظمؒ کے قول ’’واقلہ یوم‘‘ کے پیش نظر علامہ عینی نے بحث کی ہے، بحث کی بنیاد واجب نفل اور مسنون سب کی ایک ہے، لیکن حکم میں مختلف ہوا صرف اعتکاف مسنون۔ اس کی وجہ اس عبارت سے کس طرح ثابت ہوتی ہے، واضح فرماکر مطمئن فرمادیں، عرض عاجزیہ کہ مزاج گرامی کو ناگواری کا باعث نہ ہو؟

(۴) بہت سے علماء حضرات اعتکاف کے استحباب کے قائل ہوگئے ہیں، صاحب قدوری زاہدی اور امام حضور کے اصحاب بغداد کے رہنے والے مزید براں مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی نے ابوداؤد کے حاشیہ میں امام نوویؒ سے استحباب کے متعلق مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: ’’**قال أجمع المسلمون على استحبابه الخ**‘‘ اب سنت مؤکدہ کو ترجیح ہوگی یا استحباب کو، پھر اس قول پر عمل کرنیوالے ازروئے شرع متین اساءت پر ہیں یا اس سے بری ہیں، ان پر کوئی گناہ وخطا نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنے والے صحت پر ہیں؟

المستفتي: محمد خدا بخش، ۲۴ر پرگنہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جب بعض حضرات سنت، بعض حضرات مستحب اور بعض حضرات قربت مشروعہ لکھتے ہیں، تو ان کے آپس میں کوئی تعارض نہیں، جنھوں نے قربت مشروعہ کا لفظ اختیار کیا ہے وہ مقسم کو استعمال کرتے ہیں، جس کے اندر واجب، سنت، نفل سب کی عمومیت ہوتی ہے، اور ایسا لفظ عام بول کر اس کے افراد میں سے کسی ایک فرد کو مراد لینا شائع وذائع ہے، ظاہر بات ہے کہ یہاں قربت مشروعہ سے اعتکاف سنت مراد ہے، اور

جنھوں نے لفظ سنت یا سنت مؤکدہ استعمال فرمایا ہے، انھوں نے قربت مشروعہ کے اجزاء میں سے وہ جزء استعمال کیا ہے، جو رمضان کے آخری عشرہ کیلئے سنت مؤکدہ کیساتھ موسوم ہے، اور جنھوں نے مستحب کا لفظ استعمال کیا ہے ، اس میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ استحباب کا لفظ سنن ہدیٰ اور سنن عادیہ دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، اور سنن ہدیٰ تو وہ ہے جس کو حضور ﷺ نے پسند فرمایا اور عبادت کے ارادہ سے عمل کیا ہے، اور سنن عادیہ وہ ہے جس میں عبادت کی نیت غالب نہیں ہوتی بلکہ عادت غالب ہوتی ہے، اب استحباب کا لفظ عام طور پر سنن عادیہ کیلئے بولا جاتا ہے، اور کبھی کبھی سنن ہدیٰ کیلئے بھی بولا جاتا ہے، اسی طرح سنت کا لفظ بھی سنن ہدیٰ اور سنن عادیہ دونوں کیلئے بولا جاتا ہے، مگر سنت کا لفظ سنن ہدیٰ کیلئے غالب رہتا ہے، اور استحباب کا لفظ سنن عادیہ کیلئے غالب رہتا ہے، مگر یہ لفظ ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال بھی ہوتا ہے، اور جہاں پر فقہاء نے رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کیلئے استحباب کا لفظ استعمال کیا ہے، وہاں استحباب سے سنن ہدیٰ مراد ہے، لہٰذا آنجناب نے فقہاء کی جن عبارات میں تعارض سمجھا ہے اس تعارض کا مدار مذکورہ امور کو الگ الگ مقسم قرار دینے کی صورت میں اور ایک کی جگہ دوسرے کے استعمال ہونیکی صورت میں ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے، شاید اس تقریر سے وضاحت سامنے آ گئی ہوگی۔

(۲) لفظ نفل کبھی فرض کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، جب فرض کے مقابلہ میں نفل کا لفظ آتا ہے، تو اس وقت نفل کے اندر سنت مؤکدہ اور سنت غیر مؤکدہ مستحب سب شامل ہوتے ہیں، علامہ شامی، اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی وغیرہ نے نفل بول کر وہی عموم مراد لیا ہے، جو فرض کے مقابل میں آتا ہے، اور شرح وقایہ وغیرہ کی عبارت کا جو آپ نے حوالہ پیش کیا ہے، اس میں یوم کی قید امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نفل اعتکاف کیلئے لگائی گئی ہے، اور مسنون اعتکاف سے جو مشہور ہے وہ رمضان کے آخری عشرہ میں مکمل دس دن کا اعتکاف مراد ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں کوئی تعارض کی بات نہیں ہونی چاہئے، کہ ایک دن کا اعتکاف جو مستحب ہوتا ہے، اس کو بھی لفظ نفل سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور رمضان

کے آخری عشرہ میں دس دن کے مسنون اعتکاف کو بھی لفظ نفل سے تعبیر کرنا جائز ہے، اسلئے کوئی تعارض کی بات نہیں ہونی چاہئے۔

(۳) اور عمدۃ القاری کی عبارت ''**المراد به عند اصحابنا الاعتكاف مطلقاً**'' میں اعتکاف واجب اور اعتکاف نفل دونوں شامل ہیں مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق شامل ہیں کہ ان کے نزدیک مکمل ایک دن سے کم اعتکاف مشروع نہیں کیونکہ ان کے یہاں اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے اور عمدۃ القاری کی اس عبارت میں صرف امام صاحب کے قول کے مطابق تینوں کو خارج کردیا ہے، اسلئے کہ ان کے نزدیک اعتکاف نفل کیلئے روزہ شرط نہیں ہے، اور اس بات کو آپ بار بار معلوم فرمارہے ہیں، براہ کرم مذکورہ اصول کے تحت آپ خود بھی غور فرمائیں گے، تو سمجھ میں آجائیگا۔

(۴) اگر آنجناب ان حضرات کی عبارت سے رمضان کے آخری عشرہ کے مسنون اعتکاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے سوال قائم فرمارہے ہیں، تب بھی کوئی اشکال نہیں اسلئے کہ پہلے ہم نے لکھدیا ہے کہ لفظ نفل مسنون اعتکاف کیلئے بھی شائع ہے، لہٰذا اس میں الجھنے کی ضرورت نہیں، امام قدوری، امام نووی اور مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ وغیرہ کی عبارات میں رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف کیلئے لفظ نفل استعمال ہوا ہے، تو کوئی تعارض کی بات نہیں ہے کیونکہ نفل کا لفظ سنت مؤکدہ کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۷۱۹)	۱۴؍۴؍۱۴۱۹ھ

اعتکاف کی قضا اور وقت

سوال: [۴۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چار سال ہوئے میں نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا تھا، اس سال دہلی میں فساد ہوا تھا اور اور کرفیو نافذ تھا، صرف اس کرفیو کی وجہ سے امام جامع مسجد دہلی نے خواہ مخواہ چاند

دیکھنے کا اعلان کردیا تھا (جوکہ غلط تھا) لوگوں کے روزے ٹوٹے عید غلط ہوئی، ہمارے یہاں بھی لوگ مصر ہوئے کہ شاہی امام کہہ رہا ہے، جھوٹ تھوڑا کہے گا، میری عقل پر بھی پتھر پڑ گئے اور اعتکاف سے نکل آیا اور اگلے دن غلط عید کی نماز پڑھ لی روزہ کی تو قضا کرلی لیکن اعتکاف کی قضا کا خیال اب آیا، اب آپ سے عرض ہے کہ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

(۱) کیا اعتکاف کی قضا ضروری ہے؟

(۲) رمضان المبارک میں ہی کی جاوے یا بلا رمضان دس یوم مع روزہ کے مسجد میں اعتکاف کرلیا جائے بہ نیت قضاء۔

المستفتي: مولانا حکیم عبد الجلیل، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اعتکاف کی قضا فرمالیجئے اور مکمل دس یوم کا اعتکاف فرمالیں رمضان میں کرسکتے ہیں، اور چاہے غیر رمضان میں کرلیں اور غیر رمضان میں روزہ رکھنا ہوگا۔

لوشرع فی المسنون أعني العشر الأواخر بنيته ثم أفسدهٗ أن يجب قضاءه تخريجاً على قول أبی يوسفؒ (إلیٰ قوله) يلزمه قضاء العشر. (شامی، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، زکریا دیوبند ۳/ ۴۳۴، کراچی ۲/ ۴۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۵/۱۴۱۵ھ

۷/ باب صوم التطوع

کیا نفلی روزہ رکھنے کیلئے بیوی کی اجازت ضروری ہے؟

سوال: [۶۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) بندہ ہر پیر اور جمعرات کو نفلی روزہ رکھنے کا اہتمام کرتا ہے، جس طرح مستورات کو نفلی روزہ میں شوہر کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، کیا اسی طرح مرد کو بھی عورت سے مشورہ یا اجازت ضروری ہے؟

(۲) فرض روزہ میں غلطی ہونے پر دو ماہ روزہ رکھنا یا مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، اگر کسی مجبوری کی وجہ سے نفل روزہ توڑنا پڑے تو کیا اس کا بھی کفارہ ہے؟

المستفتي: بشیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نفل روزہ رکھنے کیلئے مرد کو عورت سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے، اور مہمان کی خاطر تواضع کی بناء پر نفل روزہ توڑنے کی اجازت ہے، لیکن بعد میں اس کی قضا لازم ہے۔

عن عائشةؓ قالت: أهدى لي ولحفصة طعام، وكنا صائمتين فأفطرنا، ثم دخل رسول الله ﷺ، فقلنا له: يارسول الله! إنّا أهديت لنا هدية فاشتهينا ها فأفطرنا، فقال رسول الله ﷺ: لا عليكما، صوما مكانه يوما آخر. (سنن ابی داؤد، الصيام، باب من راى عليه القضاء، النسخة الهندية ۱/۳۳۳، دارالسلام رقم: ۲۴۵۷)

وللمتطوع بغير عذر في رواية ويقضي وظاهر الرواية أنه ليس له الفطر إلا من عذر وصححه في المحيط ثم اختلف المشائخ على ظاهر الرواية هل الضيافة عذر أولا، وفي الكافي والأظهر أنها عذر. (البحرالرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض، كوئٹہ۲/۲۸۷، زكريا ۲/۵۰۲)

والضيافة عذر للضيف والمضيف إن كان صاحبها ممن لا يرضىٰ بمجرد حضوره ويتأذى بترك الإفطار فيفطر الخ. (الدر المختار مع الشامی، کراچی ۲/۴۲۹، زکریا ۳/۴۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۴۹/۳۸)

شب برأت کی تعیین

سوال: [۴۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ ۱۴/۱۵؍کی درمیانی شب کو شب برأت کہتے ہیں، اور عمر کہتا ہے کہ ۱۵/۱۶؍کے درمیانی شب کو شب برأت کہتے ہیں، اور شب برأت کس تاریخ کو متعین کی گئی ہے، نیز شب برأت کی تاریخ کو متعین کر کے جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت میں ایام حج کے علاوہ بقیہ دنوں میں راتوں کو آنے والے دنوں کے تابع قرار دیا گیا ہے، اس لئے ۱۴؍ویں تاریخ کا دن گذر کر جو رات شروع ہوتی ہے، وہی شعبان کی پندرہویں شب ہے، اسی کو شب برأت کہتے ہیں۔

لان الليالى فى الحج فى حكم الأيام الماضية الخ. (غنیہ جدید/۱۸۲، انوار مناسک /۴۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۸۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۸ھ

لیلۃ القدر میں اجتماعی سورۂ یاسین پڑھ کر دعا کرنے کا حکم

سوال: [۴۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہر

سال شب برأت اور شب قدر کے اگلے جمعہ میں ان دونوں راتوں کے فضائل کو بیان کیا جاتا ہے، اوران دونوں راتوں کی مغرب کی نماز کے بعد مصلیان کرام مشورہ کر کےاس دن کی عشاء کے مقررہ وقت کوتبدیل کرتے ہیں، مثلاً پہلے عشاء کی نمازرات کوآٹھ بجے ہوتی تھی ، اس کونو بجے کردیتے ہیں، اب اس تبدیل شدہ وقت کومسجد کے مائک میں اس طرح اعلان کیاجاتاہے، ''کہ آج شب برأت یا شب قدر ہے،لہٰذاعشاء کی نماز نوبجے ہوگی ،اب عشاء کی نماز اس تبدیل شدہ وقت پر پڑھنے کے بعدتمام مصلی حضرات یہ مشورہ کرکے طے کرتے ہیں، کہ آخرشب یعنی سحری کھانے سے پہلے مثلاً رات کوڈھائی یاتین بجے سورۂ یاسین پڑھ کردعا ہوگی ، اس کے بعدتمام مصلی حضرات انفرادی طورپراپنی اپنی عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں، اور یہ بات واضح رہے کہ اس رات کوپنجگانہ نماز کے مقابلہ میں لوگ کئی گنابڑھ جاتے ہیں،لیکن مسجد میں جمع ہونے کیلئے کسی کو بلایانہیں جاتا ہے، پھرآخرشب یعنی اس طے شدہ وقت پرامام صاحب سورۂ یاسین شریف پڑھتے ہیں اورتمام مصلی حضرات سنتے ہیں، پھرسب ملکردعا کر کےاپنے اپنے گھرچلے جاتے ہیں،ان راتوں میں اس طرح مسجد میں جمع ہوکرعبادت کرنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: انیس الرحمٰن قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لیلۃ القدرکی عبادت کی فضیلت خودقرآن کریم میں بہت زیادہ آئی ہے، اوراحادیث شریفہ میں اس رات کی عبادت کی فضیلت بہت زیادہ واردہوئی ہے، اس ایک رات کی عبادت ہزارمہینے کی عبادت سے زیادہ ہے۔'' **لیلة القدر خیر من الف شهر**''. (سورۃ القدر) اورشب برأت کی عبادت کی فضیلت حدیث پاک میں آئی ہے، اگرچہ حدیث شریف کچھ کمزور ہے مگر باب فضائل میں معتبر ہے، اسلئے ان راتوں میں عبادت کی ترغیب مناسب اوربہتر ہے۔

ان اللّٰه تبارک وتعالیٰ ینزل لیلة النصف من شعبان الی سماء الدینا

فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب. الحديث: (ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان، النسخة الهندیة ۱/۱۵٦، دارالسلام رقم: ۷۳۹)

اور عشاء کی نماز کے وقت میں ترمیم وتاخیر انتظام سے متعلق ہے لہٰذا مسجد کے ذمہ داران کو اس کا اختیار رہے، اور ان راتوں کی خصوصیت کی وجہ سے ایسا کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں، نیز مسجد میں جمع ہوکر انفرادی عبادتوں میں مشغول ہونا بھی بلاتردد جائز ہے ہاں البتہ یہ طریقہ سلف سے ثابت نہیں، کہ ایک آدمی سورۂ یاسین زور سے پڑھے باقی سنتے رہیں، اسلئے بہتر یہی ہے کہ اپنے اپنے طور پر پڑھیں اور جو لوگ پڑھنے پر قادر نہیں ہیں، وہ سنتے رہیں، یا دوسری عبادت میں مشغول ہوجائیں، پھر سب اجتماعی دعاء میں شریک ہو جائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴؍شوال ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۳۲/۳۸)	۱۴/۱۰/۱۴۲۷ھ

شوال کے چھ روزے کی فضیلت

سوال: [۴۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان کے بعد جو چھ روزے رکھے جاتے ہیں، ان کے کیا کیا فضائل ہیں، اور کب تک رکھے جاسکتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں، کہ رمضان کے بعد چھ روزے رکھنے پر چھ شہیدوں کا ثواب ملتا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: طفیل احمد بستوی، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: چھ شہیدوں کے ثواب کے بارے میں فقیر کی نظر سے کوئی حدیث نہیں گذری، ہاں حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، کہ پورے رمضان کے روزے کا ثواب دس مہینوں کے روزوں کے ثواب کے برابر ہے، اور شوال کے چھ

روزوں کا ثواب دومہینوں کے روزوں کے برابر ہوگا، گویا یہ ۳۶/روزوں کا ثواب پورے سال روزہ رکھنے کے برابر ہے۔

کما فی الحدیث: عن ثوبان مولیٰ رسول الله ﷺ عن رسول الله ﷺ أنه قال: من صام ستة أيام بعد الفطر كان تمام السنة من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها. الحديث: (ابن ماجه شريف، كتاب الصوم ، باب صيام ستة أيام من شوال ،النسخة الهندية /۱۲۳ ، ترغيب وترهيب ۲/ ۱٤۲)

عن أيوب الانصاری ؓ أنه حدثه أن رسول الله ﷺ قال: من صام رمضان ثم أتبعه ستا من شوال كان كصيام الدهر ،الحديث: (مسلم شريف، كتاب الصوم ، باب استحباب صوم ستة من شوال، النسخة الهندية ۱/ ۳٦۹، بيت الافكار رقم: /۱۱٦٤ ، مشكوٰة شريف، ۱/ ۱۷۹)

الحسنة بعشر أمثالها فرمضان بعشر أشهر والستة بشهرين الخ. (نووی ۱/ ۳٦۹)

شوال کا روزہ عید کے بعد سے متفرق رکھنا زیادہ افضل ہے اور اگر پے در پے رکھا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

کما فی الدر المختار: وندب تفريق صوم الستة من شوال ولا يكره التتابع على المختار. (الدر المختار ، كراچی ۲/ ٤۳۵ ، زكريا ۳/ ٤۲۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۵۰)

نصف شعبان کے روزہ کی شرعی حیثیت

سوال: [۴۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مشکوٰۃ شریف جو موقوف علیہ میں نصاب درس ہے، اس کتاب سے استدلال درست

ہے یا نہیں؟ بکر جو عالم ہے وہ کہتا ہے، کہ مشکوٰۃ سے استدلال ایسے ہی کم علمی کی دلیل ہے، جیسے کوئی نورانی قاعدہ سے استدلال کرے، وضاحت فرمائیں کہ محدثین کے نزدیک مشکوٰۃ شریف کی کیا حیثیت ہے، اس سے استدلال درست ہے یا نہیں؟

(۲) زید جو عالم ہے ان کا کہنا ہے کہ ۱۵/شعبان کے روزے کا کوئی ثبوت نہیں، اسلئے صرف ۱۵/شعبان کا روزہ نہیں رکھنا چاہئے، اس کے ثبوت کیلئے چندسال قبل جب ۱۵/شعبان جمعہ کے دن تھا، توانھوں نے ممبر پر پانی پیا اور کہا کہ اس روزے کا ثبوت نہیں ہے، اس لئے میں روزہ سے نہیں ہوں، جس کی وجہ سے بہت سارے لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور اب اس روزہ سے گریز کرنے لگے، ازروئے شرع اس روزہ کو رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور امام کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتي: فردوس احمد نعمانی،
ناظم: جامعہ مظہریہ، آسنسول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پندرہ شعبان کیلئے خاص روزہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، اور صاحب مشکوٰۃ نے ابن ماجہ شریف کی جو حدیث نقل فرمائی ہے، وہ بہت ہی ضعیف اور موضوع کے درجہ کی ہے، اس کی سند میں ایک راوی ہے اس کا نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن ابی سبرۃ ہے، بعض محدثین نے کذاب تک کہا ہے، اسلئے اس حدیث کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے، لہٰذا پندرہ ہی کو خصوصیت کے ساتھ روزہ رکھنا مسنون نہیں سمجھنا چاہئے، ہاں البتہ ہر ماہ کے ایام بیض ۱۳/۱۴/۱۵ کا روزہ مسنون ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص شعبان میں بھی ایام بیض کے روزے رکھتا ہے، اور ان میں پندرہ شعبان کا روزہ بھی ہے، تو اس کو مسنون سمجھنا درست ہے، اس حدیث کو ابن ماجہ شریف ۱/ ۹۹ میں ملاحظہ فرمائیے، اور اس کی سند کی تحقیق فرمائیے، اب رہی مشکوٰۃ شریف سے استدلال کی بات تو مشکوٰۃ شریف میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع ہر طرح کی احادیث موجود ہے، اور اس میں جو موضوع روایات ہیں، ان سے استدلال کرنا درست نہیں ہے، اور فضائل میں ضعیف کی گنجائش اور

صحیح اور حسن سے احکام اور فضائل سب میں استدلال کرنا درست ہے، اور روزہ توڑنا بھی غلط بات ہے، اسلئے کہ نفل روزہ ہر زمانہ میں رکھنا جائز ہے، صرف عیدین اور ایام تشریق میں جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۱۰۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۱۰؍۱۴۳۱ھ

پندرھویں شعبان کولیکر دیوبندی، بریلوی اور غیر مقلدین میں اختلاف

سوال: [۴۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۵؍ویں شعبان کولیکر دیوبندی بریلوی اور اہل حدیث لوگوں کے درمیان کافی اختلاف برپا ہے، اور کوئی کسی کی سننے کو تیار نہیں ہے، ایسی حالت میں آپ مجھے برائے کرم ۱۵؍ویں شعبان کی رات کی فضیلت واعمال اور اس دن کے روزہ کے بارے میں ایسی احادیث تحریر فرمادیں جو کہ اہل حدیث کیلئے مسکت، بریلویوں کیلئے مشعل راہ اور دیوبندیوں کیلئے ہتھیار رہوں آپ کا یہ تعاون پوری امت مسلمہ کیلئے ہدایت اور آپ کیلئے مغفرت کا باعث ہوسکتا ہے؟

المستفتي: محمد فیاض قاسمی، رامپور،
وارث نگر، سمستی پور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: نصف شعبان میں دو چیزیں ہیں۔ (۱) روزہ رکھنا پندرہویں شعبان کو خاص طور پر اس دن میں روزہ رکھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، حضرت علیؓ کی طرف منسوب کرکے اس دن روزہ رکھنے کے متعلق جس روایت کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ روایت موضوع اور نا قابل اعتبار ہے، گویا کہ اس روایت کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے، کہ وہ روایت گڑھی ہوئی ہے، ثابت نہیں ہے، اس کی سند میں ایک راوی (ابن ابی سبرہ) ہے وہ متہم بالکذب ہے اس لئے خاص طور پر اس دن روزہ رکھنا حدیث سے ثابت

نہیں ہے ہاں البتہ پورے سال میں ایام منہیات کو چھوڑ کر کسی بھی دن روزہ رکھنا مستحب ہے، تو وہ دن بھی استحباب میں شامل ہوسکتا ہے، اسی طرح ہر مہینہ کے ایام بیض یعنی تیرہ چودہ پندرہ کو روزہ رکھنا مسنون ہے، اگر شعبان میں بھی ان دنوں کا روزہ رکھ لیا جائے جس میں پندرہویں تاریخ بھی شامل ہے تو مسنون ہوگا۔

(۲) پندرہویں شعبان کی رات کی فضیلت اور اس رات میں عبادت کرنا حدیث سے ثابت ہے اور متعدد صحابہ کرامؓ سے اس کی فضیلت سے متعلق روایات مروی ہیں، مثلاً خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ، حضرت کثیر بن مرہ حضرمیؒ، حضرت عثمان بن ابی العاصؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ ان تمام صحابہ سے نصف شعبان کی رات کی فضیلت کی روایات وارد ہیں، کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مغفرت کیلئے زمین والوں کی طرف متوجہ رہتے ہیں، مذکورہ سات صحابہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کی روایت کے بارے میں کٹر غیر مقلد عالم حمداء عبد المجید السلفی لکھتے ہیں:

روی الطبرانی والبیهقی من حدیث ابی بکر الصدیق بأسانید لا بأس به . (حاشیة المعجم الکبیر ۲۰/ ۱۰۸، رقم الحدیث: ۲۱۵)

اور حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت کی سند کو محمد حسن اسماعیل الشافعیؒ نے المعجم الاوسط کے حاشیہ میں اسنادہ حسن کہا ہے، ملاحظہ فرمائیے: (المعجم الاوسط جدید ۵/ ۱۱۹، رقم الحدیث: ۶۷۷۶ کا حاشیہ)

اور امام ابوبکر ہیثمیؒ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت جس کو معجم کبیر اور معجم الاوسط میں نقل کیا گیا ہے، اس کے بارے میں رجالہما ثقات کے الفاظ نقل فرمائے ہیں، اور ان دونوں کی روایات کے علاوہ دیگر صحابہ کی روایات کے بارے میں محدثین نے کم وبیش کلام کیا ہے، اور باب فضائل میں متکلم فیہ روایات جب متعدد طرق اور متعدد صحابہ سے ثابت ہوجائیں تو بلاشبہ معتبر ہوجاتی ہیں، اور یہاں غیر متکلم فیہ روایات بھی جو صحت کے درجہ میں ہیں موجود ہیں، اسی لئے خواہ مخواہ اس رات کی فضیلت اور عبادت کے

بارے میں لوگوں کو شکوک وشبہات میں ڈالنا انتہائی نامناسب بات ہے، جنکو تفصیلی روایات دیکھنا ہو حسب ذیل حوالوں میں تلاش کرلیں ۔(مجمع الزوائد ۸/ ۶۵، المعجم الکبیر ۲۰/ ۱۰۸، رقم الحدیث/ ۲۱۵، المعجم الاوسط جدید۵/ ۱۱۹، رقم الحدیث/ ۶۷۷۶، شعب الإیمان بیہقی ۳/ ۳۷۸، رقم الحدیث/۳۸۲۲ تا ص ۳۸۵ ،رقم / ۳۸۳۸، صحیح ابن حبان ، دارالفکر ۷/ ۳۵۰، رقم الحدیث/ ۵۶۷۵ ،مسند بزار ا/ ۱۵۷، رقم: ۸۰، مسند امام احمد بن حنبل ۶ / ۲۳۸، رقم الحدیث/ ۲۶۵۴۶، ابن ماجہ نسخہ ہندی/ ۹۹،نسخہ جدید رقم :۱۳۹۰)

یہ تفصیلی حوالے اس لئے دیئے گئے تاکہ باذوق لوگ ان حوالوں کے ذریعے سے حدیث کے مأخذوں کو براہ راست دیکھ کر مطمئن ہوجائیں، ان میں سے دوصحابی کی روایت غیر متکلم فیہ اور صحت کے درجہ میں ہے اور باقی صحابہ کی روایات میں کم وبیش کلام ہے لیکن تعدد طرق کی وجہ سے شک وشبہ دور ہوجاتا ہے، نیز صحت کے درجے کی روایات کی وجہ سے اس رات کی فضیلت کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی، لہٰذا اس رات میں جتنا ہوسکے زیادہ سے زیادہ اپنے آپ کو عبادت میں لگادینا چاہئے ۔(مستفاد: انوار رسالت /۱۷۱تا۱۷۷)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۴۱/۴۰)

پندرہ شعبان کے روزے کا حکم

سوال: [۴۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ شعبان کے پندرھویں دن کے روزہ کے بارے میں جو احادیث سے ثبوت ملتا ہے، اسکی حقیقت کیا ہے، آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا ہے یا نہیں؟ اسکے ثواب کے بارے میں کسی مستند حدیث سے ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ امید کہ حضرت والا مفصل ومدلل جواب دیں گے؟

المستفتي: عبداللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شعبان کی پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھنے کی الگ سے فضیلت کسی صحیح حدیث شریف سے ثابت نہیں، ابن ماجہ شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جو روایت ہے اس میں ایک راوی ابن ابی سبرہ ہے وہ متہم بالکذب ہے، اس کے اوپر جھوٹا ہونے کا الزام ہے، اس لئے اساطین امت کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لہٰذا ابن ماجہ کی اس روایت سے کوئی حکم شرعی الگ سے ثابت نہیں ہوتا ہے، ہاں البتہ صحیح حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر مہینے کے ایام بیض کے اعتبار سے شعبان میں بھی ان ایام کا روزہ رکھنا مسنون اور مستحب ہے، لہٰذا پندرھویں شعبان کے روزے کی فضیلت اسی درجہ کی ہے جس درجہ کی فضیلت ہر مہینہ کی پندرہ تاریخ کو روزہ رکھنے کی ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ قال أو صانی خلیلی صلی اللّٰہ علیه وسلم بثلث صیام ثلثة أیام من کل شهر . (بخاری شریف، کتاب الصوم، باب صیام البیض ۱/۲٦٦، رقم: ۱۹۳۹، ف:۱۹۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

کیا صوم عاشورہ منفرداً مکروہ ہے؟

سوال: [۴۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ مذہبی تقدس کو قائم رکھتے ہوئے رکھا لیکن صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی توجہ مبذول کرائی کہ اس دن یہود ونصاریٰ روزہ رکھتے ہیں، ان کے ساتھ تشابہ واشتراک ہوتا ہے، اور اسلام میں تشابہ واشتراک سے پرہیز کی ہدایت ہے تو کیا اس میں ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے، جس سے مشابہت ختم ہو جائے، حضور ﷺ نے فرمایا انشاء اللہ اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو بھی روزہ رکھیں گے، لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے

سے پہلے ہی حضور ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اس وقت دنیا میں جو یہود ونصاریٰ اسلام کے آغاز کے وقت تھے، ویسے اسوقت نہیں ہیں بلکہ یہود ونصاریٰ کی قوم تو باقی ہے لیکن یہودیت ونصرانیت کے اعمال وکردار ویسے نہیں رہے، بلکہ قمری ماہ کا نظام اعمال تو لگتا ہے، کہ ان قوموں میں مفقود ہوگیا ہے، تو کیا ایسی صورت میں عاشوراء کا صرف ایک روزہ رکھا جا سکتا ہے یا پھر عاشوراء سے قبل ایک عاشوراء سے بعد ایک روزہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق پہلے یا بعد میں ملانا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، صدر مدرس، مدرسه اسلامیہ چاپاسہ، مغربی سنگھ بھوم، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یوم عاشوراء سے پہلے یا بعد میں ایک روزہ کا ملانا لازم اور ضروری نہیں بلکہ صرف اولیٰ اور افضل ہے، اور حضرات فقہاء کے درمیان تنہا عاشوراء کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض فقہاء مکروہ تنزیہی کہتے ہیں، اور عامۃ الفقہاء اور اکثر ائمہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے، اسلئے کہ مسلمانوں کے ذہن میں تنہا عاشوراء کے دن روزہ رکھنے میں یہودیت کی مشابہت کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، لہٰذا جو شخص عاشوراء سے پہلے یا بعد میں ایک روزہ رکھنے کی ہمت رکھتا ہو تو وہ پہلے یا بعد میں ایک ایک روزہ ملا کر رکھے اور اولیت وافضلیت حاصل کرے اور جو ہمت نہیں رکھتا ہے وہ تنہا عاشوراء کا روزہ رکھے اس کو بھی عاشوراء کے روزے کا ثواب مل جائے گا، اور اس کا روزہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

وكره بعضهم صوم يوم عاشوراء وحده لمكان التشبه باليهود ولم يكرهه عامتهم لأنه من الأيام الفاضلة فيستحب استدراك فضيلتها بالصوم. (البدائع، كتاب الصوم، صوم الوصال، زكريا ۲/۲۱۸)

وقد عُد في الدر المختار صوم عاشوراء وحده من المكروه تنزيها

أی مفردا عن التاسع أو عن الحادی عشر ولکن قال صاحب البدائع وکره بعضهم صوم عاشوراء وحده لمکان التشبه بالیهود ولم یکرهه عامتهم لأنه من الأیام الفاضلة فیستحب استدراک فضیلتها بالصوم. (فتح الملهم، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء، اشرفیه دیوبند ۳/ ۱٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۸۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۱ھ

نویں ذی الحجہ کا روزہ کب رکھا جائے؟

سوال: [۴۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نویں ذی الحجہ کے روزہ کی فضیلت ثابت ہے یہ تو معلوم ہے لیکن دریافت یہ کرنا ہے، کہ نویں ذی الحجہ میں یہاں کی یعنی جس جگہ روزہ رکھنے والا رہ رہا ہے، وہاں کا اعتبار ہے یا سعودی کی تاریخ کا اعتبار ہے یعنی کس کی تاریخ کے اعتبار سے روزہ رکھنا ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، جویا، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں ہندوستان کی نویں ذی الحجہ میں روزہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی، سعودیہ عربیہ کی نویں ذی الحجہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

فأما إذا کانت بعیدة فلا یلزم أحد البلدین حکم الآخر لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فیعتبر فی أهل کل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر الخ. (بدائع بیروت ۲/ ۵۷۹، زکریا دیوبند ۲/ ۲۲٤، ۲۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۱/۴۰)

سنیچر، صرف عاشوراء اورنوروز کا روزہ کیوں مکروہ ہے؟

سوال: [۴۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تعلیم الاسلام میں روزہ سے متعلق ہے کہ کون کون سا روزہ مکروہ ہے جس میں۔

(۱) سنیچر کے دن کا روزہ لکھا ہے۔(۲) صرف عاشوراء یعنی دسویں تاریخ کا روزہ۔(۳) نوروز کے دن کا روزہ یہ کس وجہ سے مکروہ ہیں، تحریر فرمادیں؟

المستفتي: عبدالمعید، انعام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سنیچر کے دن کو یہودیوں کے یہاں وہی مقام حاصل ہے جو مسلمانوں کے یہاں جمعہ کے دن کو حاصل ہے اسلئے اگرخاص کرصرف سنیچر کے دن روزہ رکھا جائیگا تو یہودیوں سے مشابہت لازم آئیگی اسلئے مکروہ ہے، اوراسلام سے پہلے یہودی خاص طورپر عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے، اسلئے کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کوفرعون سے نجات ملی تھی ، پھر اسلام میں بھی رمضان کا روزہ فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ رکھا جاتا تھا، اوررمضان کا روزہ فرض ہوجانے کے بعد عاشوراء کے روزہ کا وجوب ختم ہوگیا، مگراس کی سنیت باقی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی رکھا ہے اورامت کوترغیب بھی دی ہے لیکن صرف تنہا عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کی صورت میں یہودیوں سے مشابہت پائی جاتی ہے، اسلئے اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد روزہ ملاکر رکھنا مستحب ہے ورنہ یہودیوں کی مشابہت لازم آئیگی جس میں ایک قسم کی کراہت ہے اسی طرح نوروز کا دن مجوسیوں کی عید کا دن ہے، اسلئے مکروہ ہے۔

والمكروه تنزيهاً كعاشوراء وحدهٗ وسبت وحده ونيروز ومهرجان إن تعمده وفي الشامي: قوله وعاشوراء وحدهٗ أى مفرداً عن التاسع أوعن الحادى عشر لأنه تشبه باليهود وسبت وحدهٗ للتشبه باليهود وقوله

ونیروز ومهرجان ...... وهذان اليومان عيد ان للفرس لأنه يشبه تعظيم اليوم وأنه حرام . (شامی، كتاب الصوم، كراچی ۲/ ۳۷۵، زكريا۳/ ۳۳۶، عمدة القاری، كتا ب الصوم، باب صوم يوم عاشوراء، داراحياء التراث العربی بيروت ۱۱/ ۱۱۷،۱۱۸، زكريا۸/ ۲۳۲، ۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۴/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۴/۱۴۲۹ھ

نفلی روزوں میں رمضان کے قضا روزوں کی نیت

سوال: [۴۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ذمہ کچھ رمضان کے روزے باقی ہیں، اگر زید وہ روزے عشرہ ذی الحجہ یا یوم عاشوراء یا شب برأت سے اگلے دن، ان دنوں میں اگر بجائے نفلی روزوں کے رمضان شریف کے قضا روزے رکھ لے تو کیا رمضان کے قضا روزوں کی ادائیگی ساتھ ساتھ نفلی روزوں کا ثواب بھی مل جائے گا، ان دنوں میں رمضان کے روزوں کی قضا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: انیس احمد قاسمی، نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عشرۂ ذی الحجہ یا عاشوراء کے ایام میں رمضان کے قضا روزے رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن ان دنوں میں جو روزے رمضان کے قضا کے رکھے جائیں گے ان کے بارے میں فتاویٰ دار العلوم میں لکھا ہے، کہ وہ رمضان کے روزے ہی شمار ہوں گے، اور ان روزوں پر نفل روزوں کا ثواب نہیں ملے گا، لیکن فقہاء کے ایک ضابطہ سے امید کی جاسکتی ہے، کہ ان دنوں کے روزے کا بھی ثواب مل جائیگا، وہ ضابطہ یہ ہے

کہ کوئی شخص وضوکر کے فوراً مسجد میں داخل ہوکر فجر کی دو سنتیں پڑھتا ہے اور اس میں تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی بھی نیت کرتا ہے، تو اس کو تین قسم کا ثواب ملتا ہے، فجر کی سنت تحیۃ الوضو اورتحیۃ المسجد۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۹۵)

فقہاء کی عبارت ملاحظہ ہو: **وأما إذا نوى نافلتين كما إذا نوى بركعتي الفجر التحية والسنة أجزأت عنهما.** (الاشباہ/ ۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۳۲/ ۹۷)

یوم الشک میں روزہ رکھنا

سوال: [۴۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یوم الشک کسے کہتے ہیں، اس کی کتنی شکلیں ہیں، وہ کونسی شکل ہے جس میں روزہ رکھنا حرام ہے، بعض جگہ سے اطلاع ملی چاند ہو گیا، بعض جگہ سے اطلاع ملی نہیں ہوا، یا بعض جگہ سے اطلاع ہی نہیں ہے، مثلاً دہلی ریڈیو نے بتایا چاند ہو گیا، لکھنؤ بمبئی نے کہا کہ ابھی تک چاند کی کوئی اطلاع نہیں ہے، تو کیا آنے والا دن یوم الشک کہلائے گا، جس میں روزہ حرام و نا جائز ہے؟

المستفتي: محمد زید سنبھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یوم الشک میں روزہ رکھنا کسی بھی صورت میں حرام نہیں ہے، البتہ بلا رؤیت ہلال کے شک وتردد کے ساتھ ۳۰/ شعبان کو یکم رمضان سمجھ کر روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

وكره فيه أي يوم الشك كل صوم من فرض وواجب إلا صوم نفل جزم به بلا ترديد بينه وبين صوم آخر الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، قديم / ٣٥٥، دار الكتاب ديوبند/ ٦٤٧)

وكره الصوم تنزيها إن نوىٰ يوم الشک واجبا سواء كان ذلک الواجب رمضان أو غيره لكن كراهة رمضان أشد من كراهة غيره . (شرح النقايه ، اعزازيه ديوبند/ ۱۷۰، وهكذا فى الهندية قديم ۱/ ۲۰۰، ۲۰۱، جديد زكريا ۱/ ۲۶۲، فتاوىٰ قاضيخان على هامش الهندية ، زكريا ۱/ ۲۰٦، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۱۲۹)

اگر دہلی ریڈیو پر صدق کاظن غالب ہے اور لکھنؤ ، بمبئی پر نہیں ہے، تو یوم الشک نہیں ہے، روزہ ضروری ہے، اور اگر لکھنؤ ، بمبئی ریڈیو کے اعلان پر اعتماد ہے اور دہلی ریڈیو پر نہیں ہے۔ تو یوم الشک ہے، روزہ مکروہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۳/۲۴)

۸/ باب صدقة الفطر

صدقۂ فطر سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال: [۴۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) صدقۂ فطر کا نصاب کیا ہے، نیز اس کے نصاب اور زکاۃ کے نصاب میں بنیادی فرق کیا ہے؟

(۲) کیا شوہر کے ذمہ بیوی اور بالغ اپاہج اولاد کی جانب سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے، نیز کیا آدمی کے لئے اپنی بیوی اور بالغ اولاد کی جانب سے بدون ان کی اجازت کے نکالنا جائز ہے؟

(۳) صدقۂ فطر کی مقدار موجودہ اوزان سے کتنی ہے؟ کیا صاحب وسعت کے لئے کشمش یا کھجور سے صدقۂ فطر نکالنا افضل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ کا نصاب دوسودرہم چاندی یا اس کی قیمت ہے، اور بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے اس کی مقدار ساڑھے باون تولہ ہے، اور آج کل کے گراموں کے حساب سے ۶۱۲ رگرام اور ۳۶۰ رملی گرام اس کا وزن ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۱۲)

اور زکوٰۃ کا جو نصاب ہے وہی نصاب صدقۂ فطر کا بھی ہے مگر دو چیزوں میں صدقۂ فطر اور زکوٰۃ میں فرق ہے۔

(۱) وجوب صدقۂ فطر کے لئے مال نامی یعنی مال تجارت یا سونا چاندی روپیہ پیسہ کا ہونا لازم نہیں بلکہ حوائج اصلیہ سے زائد گھر کے سامان مثلاً برتن اور گھر میں رکھے کھانے غلہ اور ضرورت سے زائد کپڑے وغیرہ کی بھی قیمت لگے گی اور وجوب زکوٰۃ کے لئے ان چیزوں

کی قیمت نہیں لگتی۔

(۲) زکوۃ کے واجب ہونے کے لئے حولان حول لازم ہے، یعنی جس مالِ نامی کا مالک ہے پہلی مرتبہ اس کے اوپر سال گذرنا ضروری ہے، یعنی جو شخص اب تک مال نصاب کا مالک نہیں ہوا ہے، وہ مالک ہوجانے کے بعد اس نصاب پر سال گذرنا بھی ضروری ہے بعد کے سالوں میں جس مال کا اضافہ ہوتا رہے گا، اس پر سال گذرنا لازم نہیں ہے، بلکہ اداء زکوۃ کے وقت جتنا مال موجود ہوا تنے مال میں سے زکوۃ نکالنا واجب ہوجاتا ہے، اور صدقۂ فطر کے واجب ہونے کیلئے نصاب کے اوپر سال گذرنا لازم نہیں ہے۔

تجب في كل مأتي درهم خمسة دراهم. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب، زكريا ۱/ ۱۷۸، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲٤۰)

ومنها كون النصاب ناميا ومنها حولان الحول. (هنديه، زكريا ۱/ ۱۷٤، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۳۵)

صدقة الفطر تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته وإن لم يحل عليه الحول – إلىٰ قوله– ولم يكن للتجارة. (مراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند/ ۷۲۳)

لأنّه يشترط في الزكاة الحول والنصاب النامي– إلىٰ قوله– وليس شيىء من ذلك شرطاً هنا. (شامي، زكريا ۳/ ۳۲۵، كراچی ۲/ ۳٦۹)

(۲) شوہر کے ذمہ بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب نہیں ہے، اسی طرح اپنی بالغ اولاد کی طرف سے نکالنا واجب نہیں ہے، بلکہ اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے نکالنا واجب ہے، ہاں البتہ اگر شوہر اپنی خوشی سے بیوی کی طرف سے صدقۂ فطر نکالے یا بالغ اولاد کی طرف سے نکالنا چاہے ان کی اجازت سے نکالے یا ان کی اجازت کے بغیر نکالے دونوں صورتوں میں راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق ان کی طرف سے صدقۂ فطر ادا ہوجاتا ہے، یہی بالغ اپاہج اولاد کا بھی حکم ہے۔

عن ابن عمر أنه كان يعطى صدقة الفطر عن جميع أهله ، صغيرهم وكبيرهم ،عمن يعول ، الحديث. (سنن الدار قطنی ، زكاة الفطر ، دارالكتب العلميه بيروت ٢/١٢٣، رقم: ٢٠٦٠)

لو أعطىٰ صدقة الفطر عن زوجته وأولاده الكبار الذين هم فى عياله أجزأه ، وإن لم يأمروه ذلک ، وفى الخانية: وعليه الفتوىٰ . (الفتاوىٰ التاتارخانيه ، قديم ٢/٤٢٤، جديد زكريا ٣/٤٦١، رقم: ٤٨٥١)

وإذا أدى عن الزوجة والولد الكبير بغير إذنهما جاز وظاهر الظهيرية: أنه لو أدى عمن فى عياله بغير أمره جاز مطلقا . (البحر الرائق ، زكريا ٢/٤٤٠، كراچی ٢/٢٥٢)

ولاتجب على الرجل صدقة الفطر عن أولاده الكبار –إلىٰ– سواء كان أصحاء أو زمناء فى ظاهر الرواية . (الفتاوىٰ التاتار خانية قديم ٢/٤٢٢، جديد زكريا ٣/٤٥٩، رقم: ٤٨٤٦)

وتجب عن نفسه وطفله الفقير الخ. (هنديه ، زكريا ١/١٩٢، جديد زكريا ديوبند ١/)

(۳) صدقۂ فطر کی مقدار ڈیڑھ کلو ۴ے ر گرام ۶۴۰ ر ملی گرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۰۱)

اور یہ مقدار گیہوں یا آٹا یا اس کی قیمت کے حساب سے ہے، اور کشمش یا کھجور سے نکالیں گے تو اس مقدار کے دو گنے ہوں گے، اگر سر مایہ دار کشمش یا کھجور سے صدقۂ فطر نکالیں گے تو ان کے لئے افضل بھی ہوگا، اور ثواب بھی زیادہ ملیگا، اسلئے کہ اس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہے۔

أخرج أبو دؤد عن ابن عباس رضـ قال: فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه الصدقة صاعاً من تمر أو شعير أو نصف صاع من قمح على كل حرأو مملوک ذكر أو أنثى صغير أو كبير الخ. (ابو داؤد، كتاب الزكاة ، باب من ردى نصف صاع من قمح، النسخة الهندية ١/٢٢٩، دارالسلام رقم ١٦٢٢، نسائی ، كتاب الزكاة، باب التمر فى زكاة الفطر الحنطة، النسخة الهندية ١/٢٧٠، دار السلام رقم: ٢٥١٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۵۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۱ھ

کیا غریب شخص پر بھی صدقۃ الفطر ادا کرنا لازم ہے؟

سوال: [۴۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا غریب لوگوں پر بھی صدقۂ الفطر ادا کرنا واجب ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ صدقۃ الفطر کے بغیر روزہ ناقص رہ جاتا ہے، چاہے آدمی غریب ہی کیوں نہ ہو کیا یہ بات درست ہے؟

المستفتي: محمد قاسم، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صدقۂ الفطر صاحب نصاب پر واجب ہے غریب کے ذمہ اس کی ادائیگی واجب نہیں ہے، اور رمضان کے روزے صدقۃ الفطر کی ادائیگی کے بغیر صحیح ہوجاتے ہیں، البتہ صدقۃ الفطر روزہ میں کوتاہی کا کفارہ بن جاتا ہے، اسلئے اس فضیلت کو غرباء بھی حاصل کرسکتے ہیں۔

تجب موسعا فی العمر عند أصحابنا وهو الصحيح على كل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الأصلية، وإن لم ينم. (تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر کراچی ۳۵۸/۲، زکریا ۳/ ۳۱۰تا ۳۱۳)

عن بن عباس رضی الله تعالیٰ عنه، قال فرض رسول الله صلی الله عليه وسلم زكاة الفطر طهرة للصيام من اللغو الرفث وطعمة للمساكين ومن أداها قبل الصلوٰة فهی زكاة مقبولة ومن أداها بعد الصلوٰة فهی صدقة من الصدقات. (مستدرک، کتاب الزکاۃ، قدیم ۵٦٨/١، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، بیروت ۵۷۷/۲، رقم: ۱۴۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی، قدیم ۱٦٣/٤، دارالفکر ۹۸/٦، رقم: ۷۷٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۷/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۲/۳۶ ۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۲۳ھ

صدقۂ فطر

سوال: [۴۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر کتنا دینا چاہیئے ،نصف صاع کا وزن کیا ہے؟ بعض لوگ دو کلو ۴۱/ گرام کے قائل ہیں،اور بعض ایک کلو ۶۶۶/ گرام کے قائل ہیں، اب یہ بتائیں نصف صاع کا وزن آپ کے نزدیک کیا ہے؟ مع دلائل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد سلطان احمد کشمیری، گاؤں: نیراپان، ڈاکخانہ،ہابڑا، ضلع: پونچھ، جموکشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نصف صاع کا وزن بغیر کمی زیادتی کے ہمارے حساب سے ۱۳۵/ تولہ کا ہوتا ہے، اور ایک سو ۱۳۵ تولہ ۱۵۷۴۶۴۰ ملی گرام کا ہوتا ہے اور ۱۵۷۴۶۴۰ ملی گرام = ۱۵۷۴/ گرام اور ۶۴۰/ ملی گرام کے ہوتے ہیں، = ڈیڑھ کلو ۷۴/ گرام، ۶۴۰/ ملی گرام کا ہوتا ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ نصف صاع کا وزن ڈیڑھ کلو ۷۴ گرام ۶۴۰/ ملی گرام کا ہوتا ہے ۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۵۸/۲۵)

فطرہ کی مقدار

سوال: [۴۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فطرہ کے کتنے کلو گیہوں ہوتے ہیں، روپے کتنے ہوتے ہیں؟

المستفتي: حافظ سلامت جان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں جو موجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۴۷رگرام ، ۶۴۰رملی گرام گیہوں ہوتے ہیں، احتیاطاً ڈیڑھ کلو۴۵رگرام دیا جائے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: صدقة الفطر عن كل صغير وكبير، ، ذكرو أنثى إلىٰ قوله نصف صاع من بر أوصاع من تمر أوصاع من شعير. (سنن الدارقطني ، زكاة الفطر ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣١، رقم: ٢١٠٠)

وهي نصف صاع من بر أو دقيقة أو زبيب أو صاع تمر أوشعير. (تنوير الابصار مع الدرالمختار ، کراچی ٢/ ٣٦٤، زکریا ٣/ ٣١٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۲ ررمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۷۴)

صدقۂ فطر کی مقدار

سوال: [۴۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر کی مقدار شرعاً نصف صاع ہے دور حاضر میں گندم اور دیگر اشیاء خوردنی کیل وصاع سے فروخت نہیں ہوتیں بلکہ تول اور وزن سے کام لیا جاتا ہے، تو موجودہ دور کے لحاظ اور کلوگرام کے حساب سے صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے؟ صحیح حساب لگا کر جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: فرید احمد قاسمی، جلال پور، ضلع: لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نصف صاع کا وزن ۱۳۵رتولہ کا ہوتا ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۴۲۸، جدید زکریا ۳/ ۴۱۱، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۳۰۵، ۶/ ۳۳۷)

اور ۱۲/ ماشہ کا ایک تولہ گیارہ گرام ۶۶۴ /ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا نصف صاع کا وزن موجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۴ ے/ گرام ، ۶۴۰ /ملی گرام ہوتا ہے، یہ حساب بلا کسی کمی زیادتی کے لگایا گیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲/ ۲۰۰)

صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے؟

سوال: [۴۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فطرہ کی مقدار کیا ہے؟ آجکل کے حساب سے، بعض لوگ کہتے ہیں، کہ تین کلو ہے اسکی صحیح مقدار کیا ہے؟ حدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث میں صدقۂ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں آئی ہے، جس کو خلفائے راشدین، ائمہ مذاہب نے اختیار کیا ہے۔

قال رسول الله ﷺ أدّوا زكوٰة الفطر صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير أو نصف صاع من بر، الحديث: (طحاوی شریف، المکتبة الاشرفيه ديو بند ۱/ ۳۵۰)

وقد روى عن أبى بكر أيضاً وعن عثمان بن عفان فى صدقة الفطر أنها من الحنطة نصف صاع ، الحديث: (طحاوی شریف، المکتبة الاشرفيه ديوبند ۱/ ۳۵۰)

اور نصف صاع کا وزن ۱۲/ ماشہ کے تولے سے ۱۳۵ تولہ ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۲۲۴، جدید زکریا ۳/ ۴۱۱)

اور بارہ ماشہ ایک تولہ گیارہ گرام ۶۶ /ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا نصف صاع کا وزن گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴ ے/، گرام ۶۴۰ /ملی گرام ہوگا، جس کی قیمت آج کے بازار میں ۶۰/ ۴ فی کلو کے حساب سے ۳۰/ ے پیسے بنتی ہے، اس مرتبہ مدرسہ شاہی نے احتیاطاً

ساڑھے سات روپیہ کا اعلان کردیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۴۲/۳۱)

تعداد صدقۂ فطر

سوال: [۴۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر ایک آدمی پر کتنا ہوتا ہے، صاف حساب کرکے عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد ارقم، امام سڑک والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک آدمی کا صدقۂ فطر نصف صاع گیہوں ہے جس کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام، ۶۴۰/ ملی گرام گیہوں ہوتی ہے، آپ احتیاطاً ڈیڑھ کلو ۴۰ رگرام نکال دیجئے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/۴۲۲، جدید زکریا ۳/۴۱۱، فتاویٰ دار العلوم ۶/۳۰۵)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: صدقة الفطر عن كل صغير وكبير، ذكر و أنثى إلىٰ قوله نصف صاع من بر أوصاع من تمر أوصاع من شعير. (سنن الدارقطني، زكاة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۳۱، رقم: ۲۱۰۰)

وهي نصف صاع من بر أو دقيقة أو سويقة أو زبيب أو صاع من تمر أو شعير. (تنوير الابصار مع الدرالمختار، كراچی ۲/۳٦٤، زكريا ۳/۳۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ر رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۷۰/۲۶)

صدقۃ الفطر کا وزن

سوال: [٤٨٥٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر کے بارے میں یہاں خاص طور پر جنوبی ہند میں ہر سال صدقۂ فطر کی مقدار کے سلسلہ میں اختلاف ہوتا ہے، مختلف پرچوں، اشتہاروں، کارڈوں میں مختلف مقدار صدقۂ فطر کی لکھی جاتی ہے، کسی میں پونے دوکلو، کسی میں دوکلو، کسی میں سوادوکلو، کسی میں ڈھائی کلو، کسی میں پونے تین کلوتک کی مقدار لکھی ہوئی ہوتی ہے، اوراس کی بنیاد کتابوں میں جولکھی ہوئی مقدار پونے دوسیر ہے، چونکہ یہاں مختلف علاقوں میں سیر کا وزن بھی الگ الگ ہوتا ہے، کسی علاقے میں ایک سیر کا وزن ڈیڑھ کلو کے برابر ہوتا ہے، کسی علاقے میں ایک سیر دوکلو کے برابر ہوتا ہے، کسی علاقے میں ایک سیر سوادوکلو کے برابر ہوتا ہے، اس علاقہ میں سیر کا زون کلو سے بڑھا ہوا ہے، اسلئے ہر علاقہ والا اپنے علاقہ کے سیر کا حساب لگا کر صدقۂ فطر کی مقدار یا اس کی قیمت طے کرتا ہے، اور لکھتا ہے جس کی وجہ سے ہر سال صدقۂ فطر کی مقدار میں بہت زیادہ فرق ہوجاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خود ہمارے اکابرین کی کتابوں اوران کے فتاویٰ میں مختلف مقدار لکھی ہوئی ہے۔ (اکابرین کی رائے اوران کے فتاویٰ کی نقل بھی دوسرے پرچے میں منسلک ہے) جس کی وجہ سے کسی ایک مقدار پر مسئلہ بتلانا مشکل ہوجاتا ہے، اس لئے گذارش ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق صحیح مقدار کیا ہے؟ اورآج کے دور میں جواوزان رائج ہیں، یعنی کلوگرام ایک فطرہ کا وزن کے حساب سے صحیح کتنا ہوتا ہے، مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں؟

اکابرین کے اقوال لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، صحیح مقدار جوکلو سے بنتی ہے، اس کو تحریر فرمائیں؟ تاکہ سائل کو جواب دینے میں آسانی ہو؟

المستفتی: عبدالعزیز قاسمی، مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم،
بائی پاس روڈ، اننت پور (اے پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل کے کلوگرام کے حساب سے صدقۂ فطر کی

مقدار گیہوں اور آٹے سے ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام، اور ۶۴۰ رملی گرام ہے اور کھجور اور کشمش سے کوئی ادا کرنا چاہتا ہے، تو اس کا دوگنا وزن ہو گا، ۳ رکلو ۱۴۹ رگرام اور ۲۸۰ رملی گرام صدقۂ فطر بنے گا، اب اس کی جو بھی قیمت آپ کے علاقے میں بنتی ہے وہی ادا کریں۔ (مستفاد: ایضاح الطحاوی ۳/ ۱۷۷، ایضاح المسائل/ ۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰ر ۱۰۸۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

صدقۂ فطر کی مقدار کے بارے میں اکابرین علماء کی رائے اور ان کے فتاوے

(۱) ایک کلو پانچ سو چوہتر گرام چھ سو چالیس ملی گرام صدقۂ فطر کی مقدار ہوتی ہے۔ (مستفاد: جدید فقہی مسائل ۱/ ۲۲۷، مولانا محمد خالد سیف اللہ رحمانی صاحب)

(۲) پونے دوسیر یا پونے دو کلو صدقۂ فطر کی مقدار ہے، احتیاط کے طور پر پورے دوسیر یا زیادہ دیدینا چاہئے، (مستفاد: مسائل روزہ مولانا محمد رفعت صاحب/ ۳۱۳)

(۳) نصف صاع کا وزن اسی روپئے بھر کے سیر سے تقریباً پونے دوسیر ہوتا ہے، پس صدقۂ فطر میں گیہوں (اسی روپئے بھر کے سیر سے) پونے دوسیر دینے چاہئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/ ۳۱۱، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب)

(۴) پونے دوسیر گندم فطرہ میں دینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۳۰۴، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب)

(۵) صدقۂ فطر میں اسی تولے کے سیر سے پونے دوسیر گیہوں دینا چاہئے، نصف صاع کے ایک کلو پانچ سو پچھتر گرام ہوتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۷/ ۱۹۷)

(۶) صدقہ ہر شخص کی طرف سے پونے دوسیر گندم یا اس کی قیمت دے سکتا ہے۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۴۱۵، مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی)

(۷) پونے دوسیر گندم یا اس کی قیمت دینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ عثمانی ۲/ ۷۷)

(۸) صدقۂ فطر دوکلو سے بھی زائد دینا چاہئے ۔(مستفاد: احسن الفاوی ۴/۴۱۶، مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

(۹) انگریزی سیر کے حساب سے سوا دوسیر نوتولہ سات ماشہ کی مقدار صدقۂ فطر ہوتا ہے، یایوں کہا جائے کہ پانچ ماشہ کم دوسیر ڈیڑھ پاؤ ہوتا ہے، اِلیٰ آخر صدقۂ فطر کی مقدار دوسیر ایک پاؤ نوتولے سات ماشہ ہوتی ہے ۔(مستفاد: علم الفقہ ۴/۴۸۶، مولانا عبدالشکور صاحب)

(۱۰) اسی تولے کے حساب سے نصف صاع پونے دوسیر ہوتا ہے، مگر احتیاطاً پورے دوسیر ادا کرنا چاہئے ۔(مستفاد: امداد الاحکام ۳/۴۲، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی)

موجودہ اوزان کے اعتبار سے صدقۃ الفطر کی مقدار

سوال: [۴۸۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کا روزہ یا نماز سخت بیماری کی وجہ سے چھوٹ جائے اور انتقال ہو جائے تو ایک نماز اور ایک روزہ کا کتنا فدیہ ادا کرنا ہوگا ؟

المستفتي: منظور علی شمسی، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہر ایک روزہ کا ایک فدیہ ہوتا ہے، اور ہر نماز کا ایک فدیہ ہوتا ہے، اور روزانہ چھ نمازوں کے فدیہ ہونگے اسلئے کہ وتر کا بھی فدیہ لازم ہوتا ہے، اور ایک فدیہ کی مقدار ایک صدقۂ فطر ہے اور ایک صدقہ فطر موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام ۶۴۰ رملی گرام گیہوں ہے، قیمت ادا کرنا ہو تو بازار سے معلوم کرلیا جائے یہ نصف صاع کی مقدار ہے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: صدقة الفطر عن كل صغير وكبير، ذكرو أنثى إلىٰ قوله نصف صاع من بر أوصاع من تمر أوصاع من شعير. (سنن الدارقطنی ، زكاة الفطر ، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۳۱، رقم: ۲۱۰۰)

لصلوٰة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر لأنه فرض عملي عندالإمام (قوله) أنه لكل صلوٰة فدية هي نصف صاع من بر أو دقيقة الخ. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي قديم /٢٣٨، جديد دارالكتاب ديو بند/٤ ٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/محرم الحرام ١٤٢٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/ ٥٩٤٠)

صدقۂ فطر ایک مسکین کو دیا جائے یا متعدد کو؟

سوال: [٤٨٥٧]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فتاویٰ عالمگیری میں صدقۂ فطر کے متعلق تبیین کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک شخص کا صدقۂ فکر دو یا زیادہ مساکین کو دینا جائز ہے، عبارت یوں ہے؟

يجب دفع صدقة الفطر كل شخص إلى مسكين حتى لو فرقه على مسكينين أو أكثر لم يجز الخ. (عالمگيري، باب صدقه فطر، ١/ ١٩٣)

لیکن قاضی خان اور بہشتی زیور میں شرح تنویر کے حوالہ سے لکھا ہیکہ جائز ہے تو صحیح کیا ہے؟ مسئلہ کی تحقیق سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: محمد رمضان، کٹیا، ضلع: ندیا، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: واقعی تبیین کے حوالہ سے عالمگیری میں ایسا ہی نقل کیا ہے، لیکن وہ مفتی بہ قول نہیں ہے، مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ ایک شخص کا فطرہ متعدد افراد کو دینا جائز ہے اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ٢/ ٧٦)

وفي التنوير وجاز دفع كل شخص فطرته إلىٰ مسكين أو مسكين على المذهب كما جاز دفع صدقة جماعة إلىٰ مسكين واحد بلاخلاف

الخ. (تنویر الابصار مع الدر، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر، مصری ۲/۱۰۷، کراچی ۲/۳٦٧، زکریا ۳/۳۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۹۳)

مقررین صدقۂ فطر میں کھجور کا نصاب کیوں نہیں بیان کرتے؟

سوال: [۴۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر جو ہندوستان میں عام طور پر ادا کیا جاتا ہے، وہ گیہوں یا جو یا ان دونوں کی قیمت ہے جبکہ کھجور بھی صدقۂ فطر کی قسم میں داخل ہے، جیسا کہ کھجور ایک صاع، جو ایک صاع، گیہوں نصف صاع تو خود کھجور یا کھجور کی قیمت کیوں نہیں بیان کرتے ہیں، صرف گیہوں یا جو یا ان دونوں کی قیمت بیان کردیتے ہیں، آخر ایسا کیوں ہے؟ کھجور بھی تو انہی اوزان میں داخل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صدقۂ فطر کی ادائیگی میں گیہوں یا جو یا ان دونوں کی قیمت بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگوں کیلئے آسانی ہے، کیونکہ گیہوں ہندوستان کی غالب خوراک ہے، اور بغیر کسی پریشانی کے مہیا ہوجاتی ہے، برخلاف کھجور کے کہ یہ ہندوستان کی غالب خوراک نہیں ہے، اسلئے آسانی کے پیش نظر اس کو بیان کیا جاتا ہے، لیکن کوئی شخص خوشی سے کھجور یا اس کی قیمت ادا کرتا ہے تو بھی جائز اور درست ہے۔

وکان الفقیه أبو جعفر دفع الحنطة أفضل فی الأحوال کلها. (الفتاویٰ التاتار خانیة، کتاب الصوم، الفصل الثالث عشر فی صدقة الفطر، قدیم ۲/٤۲۰، جدید زکریا۳/٤٥٥، رقم: ٤٨٣٨، شامی کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر، زکریا ۳/۳۲۲، کراچی۳/۳٦٦)

وهو من غالب قوت المخرج عنه وأفضل الأقوات البر. (الفقه علی المذاهب الأربعة ۱/٦۲۹)

وینبغي أن تکون الحنطة أولیٰ إذا کان فی موضع یشترون الأشیاء

بالحنطة. (خانيه على الهندية،زكريا ۱/ ۲۳۱، جديد ۱/ ۱٤٤)

وذكر المنصوص عليه للتيسير لأنهم كانو يتبايعون بذلك. (البدائع الصنائع بيروت ۲/ ۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۴۵)

مالدار مسافر پر صدقۂ فطر لازم ہونے میں کہاں کے مال کا اعتبار؟

سوال: [۴۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص سفر عمرہ پر گیا ہوا ہے، اس کے پاس حالت سفر میں بقدر نصاب مال یعنی روپیہ پیسہ وغیرہ موجود ہے اور یہ مال اسکی حوائج اصلیہ سے زائد ہے، نیز اسکے گھر پر بھی حوائج اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال موجود ہے، تو اب اسپر صدقۂ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟ اور نصاب میں اس مال کا اعتبار ہوگا جو اسکی جیب میں موجود ہے یا اس مال کا جو اس کے گھر پر ہے کہاں پر حوائج اصلیہ سے زائد مال کا اعتبار ہوگا، جس کی وجہ سے اسکے اوپر صدقۂ فطر واجب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس شخص کے پاس بحالت سفر بقدر نصاب مال موجود ہے اور وہ اس کی حوائج اصلیہ سے زائد ہے تو اسپر صدقۂ فطر واجب ہے، اور صدقۂ فطر واجب ہونے میں اس مال کا اعتبار ہوگا جو اس کے پاس بحالت سفر موجود ہے۔

هي واجبة على الحر المسلم المالك لنصاب فاضل عن حوائجه الأصلية فتجب علىٰ مسافر وصبي ومجنون ويعتبر ہ مكانه لنفسه. (مجمع الانهر، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳٤)

فاختلف التصحيح كما ترىٰ فوجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع إليها والمنقول في النهاية معزيا إلى المبسوط أن العبرة لمكان

من تجب عليه لابمكان المخرج عنه موافقاً لتصحيح المحيط فكان هو المذهب ولهذا اختاره قاضيخان فی فتاواه مقتصراً عليه . (البحرالرائق، کراچی ۲/۲۵۰، زکریا۲/۴۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱۱/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۱/۴۰)

وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا جہاں سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے

سوال: [۴۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید رمضان میں عمرہ کرنے کیلئے سعودی عرب گیا ہوا ہے، وہاں پر اسکے پاس نصاب سے زائد پیسہ موجود ہے، تو اب اس کے اوپر صدقۂ فطر لازم ہے، اس نے ہندوستان میں اپنی بیوی کو فون کیا کہ میرا بھی صدقۂ فطر ادا کردینا تو ایسی صورت میں اب بیوی ہندوستانی کی قیمت کے اعتبار سے صدقۂ فطرہ ادا کرے گی یا سعودیہ کی قیمت کے اعتبار سے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :صدقۂ فطر کی ادائیگی میں وجوب ادا یعنی جہاں ادا کیا جارہا ہے، وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا، سبب وجوب یعنی جہاں مالک ہے وہاں کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندوستان کے گیہوں وغیرہ کی قیمت کے اعتبار سے زید کا صدقۂ فطر ادا کرے گی۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶۲۲/۹، محمودیہ میرٹھ ۳۷۴/۱۴)

وتعتبر القيمة يو م الوجوب وقالا يوم الأداء –إلیٰ –ويقوم في البلد الذي المال فيه . (شامی ،کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ الغنم ،زکریا۳/۲۱۱، کراچی ۲/۲۸۶)

ويقومها المالک في البلد الذي فيه المال حتیٰ لو بعث عبداً للتجارة إلیٰ بلد آخر فحال الحول تعتبر قيمته فی ذلک البلد.(ھندیہ ،زکریا ۱/۱۸۰، جدید۱/۲۴۱)

ويقوم العرض بالمصر الذي هو فيه حتی لو بعث عبداً للتجارة فی بلد آخر يقوم فی ذلک الذي فيه العبد.(البحرالرائق ، زکریا ۲/۴۰۰، کراچی ۲/۲۲۹)

وإن كان المولىٰ بعث عبده إلىٰ مصر آخر لحاجته تعتبر قيمة العبد في المصر الذى فيه العبد ، وإن كان العبد في المفازة تعتبر قيمته فى أقرب الأمصار إلىٰ ذلک الموضع . (الفتاویٰ التاتار خانية، زكريا٣/١٦٥، رقم: ٤٠٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱۱/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۲/۴۰)

فطرہ کی رقم کنٹرول ریٹ سے لگائی جائے یا بازار ریٹ سے؟

سوال: [۴۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فطرہ کی جو صحیح رقم ہے وہ کنٹرول ریٹ سے لگائی جائے، یا بازار ریٹ سے، جو بھی مسئلہ ہو وضاحت فرما کر جواب سے مطلع فرمائیں، عنایت ہوگی؟

المستفتي: نثار احمد، محلّہ سرائے گلزاری مل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت اسلامی میں قیمت لگانے میں بازاری بھاؤ کا اعتبار ہوتا ہے، کنٹرول ریٹ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

القيمة الثمن الذي يقدره المقوّمون للسلعة أو الشيىء الخ. (لغة الفقهاء كراچی/٣٧٤، قواعد الفقه /٤٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۱۰/۲۷)

صدقۂ فطر میں کہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال: [٤٨٦٢]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہندوستانی شخص جو دبئی میں سروس کرتے ہیں، وہ اپنے رشتہ داروں سے کہتے ہیں، کہ میری جانب سے صدقہ فطرادا کردینا۔

اگر وہاں کی کرنسی کے حساب سے ادا کیا جائے تو ایک سوبیس روپے ہوتے ہیں، آیا وہ ہندوستانی رشتہ دار ہندوستانی کرنسی کے اعتبار سے ادا کریں یا دبئی کی کرنسی کے حساب سے ادا کریں؟ اور اگر اس شخص کی جانب سے پونے دوکلو گیہوں ادا کردئے جائیں تو کافی ہوگا یا نہیں یا وہاں کی کرنسی کے حساب سے ادا کرنا لازم ہوگا؟

المستفتي: عبدالاحد، لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقۂ فطرادا کرنے کیلئے اس طرح وکیل بنانا جائز ہے، اور وکیل جہاں کے مال سے فطرہ ادا کریگا وہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور ایک صدقۂ فطر کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ٤٧ رگرام ٦٤٠ رملی گرام گیہوں یا اس کی قیمت جو چاہے ادا کرسکتا ہے اور اس میں ہندوستانی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ٦/ ٣٠٦)

وجاز دفع القيمة أنها تعتبر يوم الوجوب (إلىٰ قوله) ويقوم في البلد الذي المال فيه الخ. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ٢/ ٢٩٩، زکریا٣/ ٢٢٩،هندیه زکریا ١/ ١٨٠، جدید ١/ ٢٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
١٠ رذی الحجہ ١٤١٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٨/ ٢٨٤١)

صدقۃ الفطر کی ادائے گی میں کس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہے

سوال: [۴۸۶۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب دوسرے ملک میں مقیم ہیں جہاں وہ کام کرنے کی نیت سے گئے ہوئے ہیں، بموقع عیدالفطر وہ اپنے اہل خانہ کو بذریعہ فون یہ حکم دیتے ہیں، کہ میرا صدقۂ فطر آپ ہی ادا کردینا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگران کے اہل خانہ ہندوستان میں ان کا صدقۂ فطر ادا کردیں تو کس ملک کی قیمت کے اعتبار سے ادا کریں؟ ہندوستان کی؟ یا جہاں وہ صاحب مقیم ہیں، اسی طرح اگر وہ لوگ گیہوں وغیرہ کے ذریعہ صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہیں، تو کس طرح کریں، کہاں کا اعتبار کیا جائے گا؟

المستفتي: محمد خالد قاسمی، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے ملک میں جوآدمی مقیم ہے اس کی طرف سے ہندوستان میں صدقۂ فطر ادا کرنا جائز اور درست ہے، اور اگر صدقۂ فطر گیہوں سے ادا کیا جاتا ہے، تو نصف صاع گیہوں ادا کریں گے اس لئے کہ یہ منصوص ہے اور اگر قیمت کے ذریعہ صدقۂ فطر ادا کیا جائے، تو جس ملک میں صدقۂ فطر ادا کیا جارہا ہے، اس ملک کی قیمت کا اعتبار ہے، لہٰذا ہندوستان کی قیمت کے اعتبار سے صدقۂ فطر ادا کیا جائیگا۔

لا عن زوجته وولده الكبير العاقل ولو أدى عنهما بلا إذن أجزأه استحسانا للإذن عادة الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب صدقة الفطر کراچی ۲/۳۶۳، زکریا ۳/۳۱۷، الفتاوی التاتارخانیہ، کتاب الصوم، باب صدقة الفطر زکریا۳/ ٤٦١، رقم: ٤٨٥١، هدایه، اشرفی دیوبند۱/ ۲۰۹)

مَنْ أَوْسَطَ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ. (مائدہ: ۸۹۱)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء ويقوم في البلد الذي المال فيه. (شامی، زکریا ۳/۲۱۱، کراچی ۲/۲۸٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹۹/۴۰)

صدقہ فطر کن کن چیزوں سے ادا کر سکتے ہیں؟

سوال: [۴۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر صرف گیہوں یا آٹا یا اسکی قیمت ہی سے دینا چاہئے یا کھجور وغیرہ دینا بھی احادیث سے ثابت ہے، اگر ثابت ہے تو اس کی کیا مقدار واجب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گیہوں اور آٹا کے علاوہ کھجور اور انگور یا اس کی قیمت دینا بھی درست ہے، مگر ایسی صورت میں مکمل ایک صاع یا ایک صاع کی قیمت ادا کرے اور ایک صاع کی مقدار موجودہ اوزان کے اعتبار سے تین کلو ۱۴۹ گرام، ۲۸۰ ملی گرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۹۸)

عن ابن عمر قال: فرض رسول اللہ ﷺ زكاة الفطر صاعاً من تمر أو صاعا من شعير الحديث: (صحيح البخاری، كتاب الزكاة، باب فرض صدقة الفطر، النسخة الهندية ١/ ٢٠٤، رقم: ١٤٨١، ف: ١٥٠٣، صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر النسخة الهندية ١/ ٣١٨، بيت الافكار رقم: ٩٨٤)

نصف صاع من بر أو دقيقة إلىٰ قوله أوصاع تمر أو شعير. (تنوير الابصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة باب صدقة الفطر كراچی ٢/ ٣٦٤، زكريا ٣/ ٣١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۷۹/۳۵)

صحابۂ کرام کا کشمش اور کھجور سے صدقۂ فطر ادا کرنا

سوال: [۴۸۶۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خلفائے راشدین میں سے کسی سے یا اجلۂ صحابہ میں سے کھجور یا کشمش سے صدقۂ فطر ادا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حدیث شریف مع حوالہ تحریر فرمائیں؟

المستفي: ذاکر اللہ، آندھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے صدقۂ فطر میں کھجور و کشمش ادا کرنا ثابت ہے۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال: کنا نخرج الصدقة صاعاً من شعیر. (بخاری شریف، کتا ب الزکاۃ ، باب فرض الصدقة الفطر ۱/۲۰٤، رقم: ۱٤۸۳، ف:۱۵۰۵)

عن عیاض بن عبد اللّٰہ بن سعد بن أبی سرحٍ العامري أنه سمع أباسعید الخدریؓ یقول کنا نخرج زکوٰۃ الفطر صاعاً من طعام أو صاعاً من شعیرٍ أو صاعاً من تمرٍ أو صاعاً من أقطٍ أو صاعاً من زبیب. (بخاری ۱/۲۰٤، رقم: ۱٤۸٤، ۲/۱۳۱، رقم:۱۵۰٦، باب صدقة الفطر صاعا من تمر ف: ۱۵۰٦)

عن نافع عن ابن عمرؓ قال: فرض رسول اللّٰہ ﷺ صدقة الفطر صاعاً من تمر أو صاعامن شعیر – فکان ابن عمر یعطی التمر فأعوز أهل المدینة من التمر فأعطیٰ شعیراً. (بخاری ۱/۲۰۵، رقم: ۱٤۸۹، ف:۱۵۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۸۵/۴۰)

چاول کے ذریعہ سے صدقۂ فطر ادا کرنا

سوال: [۴۸٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر میں گیہوں یا جو یا کھجور یا ان اشیاء کی قیمت دی جاتی ہے، لیکن اگر یہ چیزیں کسی کے پاس نہ ہوں اور ان کے عوض میں کوئی اور چیز مثلاً چاول یا چنا وغیرہ دینا چاہیں تو کیا ان کی مقدار اسی نص کے مطابق ہوگی یا کم زیادہ ہوگی، اگر کم زیادہ نہ ہوں تو گیہوں، جو، کھجور، میں سے کس کے بقدر دی جائیگی، گیہوں کے یا جو، کھجور کے؟

المستفتي: محمد سعید دیوریاوی، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقۂ فطر میں اگر گیہوں، جو وغیرہ کے بجائے نصف صاع گندم کی قیمت کے بقدر چاول دیا جائے یا اس کی قیمت دی جائے جو نصف صاع کی قیمت کے برابر ہے، تو جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم قدیم ٦/۳۲۲)

ومالم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر زكريا ۳/۳۱۹، كراچی ۲/۳٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹؍ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸؍۲۸۹۱)

صدقۂ فطر کے روپیہ سے کپڑا دینا

سوال: [۴۸٦۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے صدقۂ فطر کے روپیہ سے کپڑا خریدا اور اس کپڑے کو مستحق صدقہ کو دیدیا اب آیا کہ زید کا صدقۂ فطر ادا ہوا یا نہیں! مہربانی فرما کر جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا؟

المستفتي: مجیب الرحمٰن ندیاوی، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادا ہو جائے گا!

”کما استفاده من الدر المختار “وجاز دفع القيمة فی زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الإعتاق الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم کراچی ۲/ ۲۸۵، زکریا ۳/ ۲۱۰، حاشية الطحطاوی، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۴۶)

صدقۂ فطر کی رقم دوسری جگہ ارسال کرنا

سوال: [۴۸٦۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس سال صدقۂ فطر میں نے ساتھی کے کہنے پر بیس رمضان المبارک کو بمبئی ایک مستحق عورت کیلئے ارسال کر دیا جبکہ فی الحال یہاں پر بھی مستحق لوگ تھے، تو کیا میرا صدقۂ فطر ادا ہوا یا نہیں؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج، سعودیہ عربیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ اپنا صدقہ فطر مستحق تک پہو نچا چکے تو آپ ذمہ سے بری ہو گئے، لیکن زکوٰۃ صدقۂ فطر وغیرہ کی ادائیگی کے وقت پہلے اپنے رشتہ دار پڑوسیوں وغیرہ پر نظر ڈالنی چاہئے، اس کے بعد دوسری جانب توجہ کریں، تو یہ افضل ہے۔

عن سلمان ابن عامر يبلغ به النبی ﷺ قال: إذا أفطر أحدكم فليفطر على تمر – إلىٰ– وقال: الصدقة على المسكين صدقة وهی على ذی الرحم ثنتان صدقة وصلة. (كتاب الزكاة، باب ماجاء فی الصدقة على ذی القرابة، النسخة الهندية ۱/ ۱٤۲، دارالسلام رقم: ٦٥۸)

لأن فيه رعاية حق الجوار فكان أولىٰ. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳۵۳، زکریا ۳/۳۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍۶۹۹۰)

صدقۂ فطر و چرم قربانی کی رقم مدرسہ کی تعمیر میں لگانا

سوال: [۴۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں مکتب مدرسہ ہے اسکے مدرس کی تنخواہ یا عمارت میں اپنی بستی کا فطرہ وصول کر کے لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور چرم قربانی کی قیمت اور زکوٰۃ کا پیسہ لگانا اور اس سے مدرس کی تنخواہ دینا یا مدرسہ کی عمارت بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: حاجی علاؤ الدین، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور چرم قربانی کی رقم مدرسین کی تنخواہ اور عمارت میں لگانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۸)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱؍۳۶۴۳)

کیا فطرہ کی رقم مکتب میں صرف کرنا درست ہے؟

سوال: [۴۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کمیٹی

کے لوگ عیدگاہ میں تمام نمازیوں سے صدقۃ الفطر وصول کرتے ہیں، اور فقیر وغیرہ سے تملیک کرا کر اس رقم کو مکتب میں مدرس کی تنخواہ میں دیتے ہیں، جبکہ مکتب کی بہت سی کھیتی وغیرہ بھی ہے، جو لوگوں نے وقف کی تھی، تو کیا فطرہ کا پیسہ مکتب میں لگانا جائز ہے؟ مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرمائیں کہ معاملہ واضح ہو جائے؟

المستفتي: محمد قاسم،
متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صدقۂ فطر کا پیسہ مدرس کی تنخواہ میں اور مکتب کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں ہے، لہٰذا کمیٹی والوں کو مدرس کی تنخواہ کیلئے تملیک کا حیلہ اختیار کر کے صدقۃ الفطر وصول نہ کرنا چاہئے، بلکہ مکتب کے وقف کی آمدنی یا صدقات نافلہ سے تنخواہ دی جائے، اور اگر مدرس کی تنخواہ کی فراہمی کی کوئی شکل نہیں ہے، جس کی وجہ سے مدرس کے چلے جانے کا خطرہ ہے، تو ضرورت شدیدہ کی وجہ سے مدرس کی تنخواہ کے لئے حیلۂ تملیک اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة لا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد …… **وكل مالا تمليك فيه.** (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا ۳/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸/۷/۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۶۲)	۱۸/۷/۱۴۲۳ھ

غیر مالک نصاب شخص کو صدقۃ الفطر و چرم قربانی کی رقم دینا

سوال: [۴۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مالک نصاب نہ ہو تو اس کو صدقۃ الفطر یا چرم قربانی کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ تشفی

بخش جواب مطلوب ہے، جواب دیکر ممنون فرمائیں؟

المستفتي:سعید احمد دیوریاوی،
متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:جی ہاں مالک نصاب نہ ہو یا نصاب کے بقدر اشیاء غلہ وغیرہ کا مالک نہ ہو اس کیلئے صدقہ فطر اور چرم قربانی اور ان کی رقم دینا جائز ہے اور حلال ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا ، الآية: (سورة التوبة: ٦٠١)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من لهٗ أدنى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام الخ. و تحته فى الشامية وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا٣/٢٨٣، كراچی ٢/٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ذیقعدہ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/۲۸۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۱/۱۴۱۲ھ

صدقۂ فطر کی رقم دوسرے ملک میں بھیجنا

سوال: [۴۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقۂ فطر کی رقم ایک ملک سے دوسرے ملک میں بھیجنا کیسا ہے؟ ایک یتیم لڑکی کی شادی کے نام پر کچھ رقم جمع ہے اس رقم میں سے کسی اور مد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآنی دلائل سے دونوں باتوں کا جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس ملک سے بھیجی جائے اگر وہاں زیادہ ضرورتمند نہیں ہے، تو وہاں سے اس ملک میں بھیجنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، جہاں زیادہ ضرورت مند لوگ ہیں، یا زیادہ متقی اور ضرورت مند علماء اور طلبہ ہیں، یا قریبی رشتہ دار ہیں، ورنہ منتقل کرنا مکروہ ہوتا ہے۔

وكره نقلها إلا إلىٰ قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين (إلىٰ قوله) أو إلىٰ طالب علم الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا۳/۳۰٤، كراچی ۲/۳۵۳)

اور نابالغ کے مال میں تصرف جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اس کے بالغ ہوجانے کے بعد وہ اگر بخوشی اجازت دیدے تب جائز ہوسکتا ہے؟

لايملك التصرف في المال الخ. (هدايه، كتاب النكاح، باب الأولياء والاكفاء، اشرفی ديوبند۲/۳۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۱۶)

کیا غیر مالک نصاب ملازم صدقہ کا مصرف ہے؟

سوال: [۴۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مدرسہ میں ملازم ہے، اور مدرسہ سے اس کی تنخواہ متعین ہے، مدرسہ سے کھانا وغیرہ نہیں ہے، ایسے شخص کیلئے صدقہ کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ ایسا شخص صدقہ کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب صحیح سے نوازیں؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی، گرام مہولیہ ضلع سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مال نصاب کا مالک نہیں ہے تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

إِنَّمَا الصَّدُقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا، (سورة التوبة: ٦٠١)

وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۳۳۹/۲، مصری ۷۹/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳؍۵۱۱)

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۳)

المجلد الثالث العشر

بقية النكاح

الى باب المهر

۵۳۴۹ ——— ۵۹۴۳

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الھند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

١٥/ بقیة كتاب النكاح

١٠/ باب الشهود والتوكيل في النكاح

١١/ فون،انٹرنیٹ اور کورٹ میرج کا نکاح

١٢/ باب النكاح الصحيح

۱۳/باب من یحل نکاحه

۱۴/باب نکاح الحاملة والمزنية

۱۵/ باب من لا یحل نکاحه

١٦/ باب استبراء الرحم

۱۷/ باب المحرمات

۱۸/ باب المحرمات بالصهرية

۱۹/باب الجمع بین المحارم

۲۰/ باب النكاح الفاسد والباطل

۲۱/ باب نكاح منكوحة الغير

۲۲/ باب نکاح المعتدة

۲۲/ باب نکاح المطلقہ

۲۴/ باب الولایۃ والکفاءۃ

۲۴/باب خیار البلوغ

۲۵/ باب المهر

❍❖❍

۱۵/ بقیۃ کتاب النکاح

(۱۰) باب الشھود والتوکیل في النکاح

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِم

کراماً کاتبین کو گواہ بنا کر نکاح کرنا

۸ سوال [۵۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مثلاً ہندہ ہے جو کہ عاقلہ، بالغہ اور تعلیم یافتہ ہے اور زید یہ بھی بالغ عاقل اور تعلیم یافتہ ہے، دونوں ایک ہی خاندان کے ہیں اور ایک ہی محلّہ میں رہتے ہیں، ہندہ نے بغیر اپنے والدین اور دیگر گھر والوں کی اجازت کے زید سے اپنا نکاح اپنی پسند اور مرضی سے کرلیا یعنی ہندہ اور زید نے چھپے طور سے بغیر اپنے والدین اور دیگر گھر والوں کی اجازت سے اپنے اپنے پسند اور خوشی سے نکاح کر لئے اور حق زوجیت بھی کرنے لگے اور اس نکاح کو قریب قریب دو ماہ ہوگئے ہیں اور ابھی تک ان دونوں کے گھر والوں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ زید اور ہندہ دونوں میں زوجیت کا رشتہ قائم ہوگیا۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ نکاح درست ہوا کہ نہیں اور گواہ کراماً کاتبین جو دو فرشتے ہیں، ان کو مقرر کئے ہیں یعنی کراماً کاتبین جو دو فرشتے ہیں، ان کو گواہ بنا کر زید اور ہندہ نے اپنا نکاح کیا ہے، تو آیا کراماً کاتبین فرشتوں کو گواہ بنا کر نکاح کرنا درست ہے کہ نہیں؟ چونکہ یہ مسئلہ بہت سنگین اور پیچیدہ ہے۔ اور نیپال میں واقع ہوا ہے؛ اس لئے اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل ومدلل مع تفصیل اور حوالے کے جلد از

جلد جواب دینے کی زحمت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد قاسم آزاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کراماً کاتبین (دوفرشتوں) کو گواہ بنا کر جو نکاح منعقد کیا گیا ہے، وہ شرعاً باطل ہے، وہ دونوں شرعاً میاں بیوی نہیں کہلائیں گے، دونوں کا ساتھ رہنا حرام کاری ہوگا۔ نکاح کے صحیح ہونے کیلئے دو مسلمان مرد یا ایک مسلمان مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا شرط ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸۵/۷)

اور اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں، اس کے باوجود اللہ کو گواہ بنا کر نکاح کیا جائے، تو درست نہیں ہے؛ بلکہ ایمان کا خطرہ ہے۔

تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله لم يجز؛ بل قيل يكفر الخ.

(در المختار، كراچي ٣/ ٢١، زكريا ٤/ ٨٧)

وشرط حضور شاهدين (إلى قوله) مسلمين لنكاح مسلمة الخ.

(الدر المختار، كراچي ٣/ ٢١ زكريا ٤/ ٨٧-٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۱۴۸/۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۳/۴ھ

کیا صحت نکاح کے لئے شرعی نصاب شہادت لازم ہے؟

سوال [۵۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی نے دو گواہوں کے سامنے نکاح نہیں کیا؛ بلکہ جس لڑکی سے ایجاب وقبول کیا اس کے علاوہ دو بالغہ لڑکیاں موجود تھیں انہوں نے سنا؟ اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟

المستفتی: عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح صحیح ہونے کے لئے دومسلمان مرد یاایک مسلمان مرد اور دومسلمان عورتوں کا بطور گواہ موجود ہونا لازم ہے، لڑکا لڑکی کے علاوہ صرف دوعورتیں یادو بالغ لڑکیاں موجود ہوں، تو اس سے نصاب شہادت پورانہیں ہوتا؛ اس لئے مسئولہ صورت میں نکاح صحیح نہیں ہوا۔

عن عمران بن الحصين رضـ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لانكاح إلا بولي، وشاهدي عدل. (مصنف عبد الرزاق، النكاح، باب النكاح بغير ولي، المجلس العلمي ٦/١٩٥، رقم: ١٠٤٧٣، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٤٢/١٨، رقم: ٢٩٩)

عن عائشة رضـ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا نكاح إلا بولي، وشاهدي عدل، وماكان من نكاح على غير ذلك، فهو باطل. الحديث (صحيح ابن حبان، باب الولي، ذكر نفي إجازة عقد النكاح بغير ولي شاهدي عدل، دار الفكر ٤/٣١٠، رقم:٤٠٧٧، المعجم الأوسط، دار الفكر ٤٢٨/٦، رقم: ٩٢٩١، سنن الدار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ١٥٥/٣، رقم: ٣٤٨١)

ولاينعقد بشهادة المرأتين بغير رجل. (عالمگيري، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسير النكاح شرعاً......زكريا ديوبند ٢٦٧/١، ٢٦٨، زكريا جديد ٣٣٢/١)

وفي التاتارخانية: وفي الخانية: ولاينعقد بشهادة امرأتين بغير رجل، والخنثيين إذا لم يكن معهما رجل الخ (تاتارخانية، كوئٹہ ٦٠٨/٢، زكريا ديوبند ٣٧/٤، رقم:٥٤٥٤، قاضيخان على هامش، الهندية ٣٣١/١، زكرياجديد ٢٠٢/١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۵۳/۳۸)	۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

نکاح میں قاضی کے علاوہ دو گواہوں کا ہونا شرط ہے

سوال [۵۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح اگر دولہن کے والد نے پڑھایا اور نکاح میں گواہ میں صرف دو آدمی ہوں، ایک گواہ دولہن کے والد جس نے نکاح پڑھایا اور دوسرا گواہ دولہا کے والد تو کیا، وہ نکاح صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دولہا اور دولہن کے والد کا گواہ بننا شرعاً جائز ہے، ان دونوں کی گواہی کے ساتھ نکاح درست ہوجائے گا؛ جبکہ نکاح خواں ان کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی ہو۔ سوال نامہ میں نکاح خواں ہے اور نکاح خواہ کے علاوہ صرف ایک آدمی موجود ہے؛ لہٰذا دو گواہوں کا ثبوت نہ ہوسکا؛ بلکہ ایک ہی گواہ کی موجودگی میں نکاح ہوا ہے؛ اس لئے نکاح درست نہ ہوگا۔

ومن أمر رجلاً بأن يزوج ابنته الصغيرة، فزوجها والأب حاضر بشهادة رجل واحد سواهما جاز النكاح. (هداية، كتاب النكاح، المكتبة الأشرفية ٣٠٧/٢، الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، زكريا ٩٤/٤، كراچي ٣٤/٣، هندية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره الخ، زكريا ٢٦٨/١، زكريا جديد ٣٣٣/١)

ويشترط العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد. (هندية، زكريا ٢٦٧/١، زكريا جديد ٣٣٢/١)

(۲) سوال نامہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امام صاحب نے نکاح پڑھایا دولہا اور دولہن کے والد گواہ ہیں، تو ایسی صورت میں نصاب شہادت پورا ہوچکا ہے؛ لہٰذا نکاح جائز اور درست ہے۔

وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين، مكلفين، سامعين قولهما معًا على الأصح فاهمين مسلمين. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، زكريا

٤/٨٧تا٢ ٩، كراچي ٣/ ٢١تا٣ ٢، هداية، المكتبة الأشرفية ٢/ ٣٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۰۱۲/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۲۱ھ

بغیر گواہ کے نکاح کی ایک صورت

سوال [۵۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سنی صحیح العقیدہ ہے، اس نے اس طرح نکاح کیا کہ ایک تحریر جس پر یہ مضمون رقم ہے۔

''میں (زید کا نام) ابن (باپ کا نام) نے (لڑکی کا نام مع باپ کا نام درج ہے) سے اتنے مہر کے عوض اپنے نکاح میں قبول کیا، کیا تم نے بھی قبول کیا؟ لڑکی نے کہا ہاں! میں نے بھی قبول کیا۔ اس کے بعد لڑکی نے اس لڑکے سے کہا میں اتنے مہر کے عوض میں تمہارے نکاح میں آئی، تم نے قبول کیا؟ لڑکے نے کہا ہاں! میں نے بھی قبول کیا۔

اس طرح دونوں نے ایجاب وقبول بغیر گواہان کے کیا، اس نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ ایجاب وقبول کے بعد زید نے یہ تحریر سنی قاضی کو دے کر نکاح کی رسید حاصل کر لی۔ عرض یہ کرنا تھا کہ اس نکاح میں کوئی گواہ نہیں تھا، صرف لڑکا اور لڑکی نے ایجاب وقبول کیا، کوئی تیسرا نہیں تھا حتی کہ قاضی صاحب بھی نہیں تھے، اس تحریر کے نیچے لڑکے اور لڑکی نے دستخط کر کے قاضی کو یہ تحریر دے دی، قاضی صاحب نے ان کو نکاح کی رسید دیکر نکاح ہوجانے کی تصدیق کر دی۔ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہوا یا نہیں؟ ارشاد فرمائیں اور شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: انتخاب عارف صدیقی، قادری امروہہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال لڑکے اور لڑکی نے آپسی رضا مندی سے بغیر گواہان کے جو نکاح کیا ہے، وہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوا؛ اس لئے کہ نکاح کے

صحیح ہونے کے لئے کم سے کم دو مسلمان مرد یا ایک مسلمان مرد اور عورتوں کا ہونا وجوبی شرط ہے، اس شرط کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا؛ لہٰذا مذکورہ نکاح جو لڑکے اور لڑکی نے بغیر گواہوں کے آپسی رضامندی سے کرلیا ہے، وہ منعقد ہی نہیں ہوا، دونوں آپس میں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں، دونوں کا ساتھ میں رہنا حرام کاری اور بدکاری ہے اور محض ان دونوں کے دستخط سے قاضی صاحب نے جو نکاح کی رسید دی ہے، اس کا شرعًا کوئی اعتبار نہیں۔

ولاینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین، عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین. (هداية، ۲/ ۳۰۶، شامی کراچي ۳/ ۲۱- ۲۲، البحر الرائق ۳/ ۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۱۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۷/ ۱۴۳۶ھ

قاضی وگواہوں کے انتقال کی وجہ سے نکاح کا حکم

سوال [۵۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ اور زید دونوں آپس میں میاں بیوی کی طرح زندگی بسر کررہے ہیں، لوگوں نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کا نکاح کس نے پڑھایا اور گواہ کون ہے؟ تو دونوں یہ بتلاتے ہیں کہ قاضی اور گواہان کا انتقال ہوگیا، واقعہ کے مطابق یہ بتائیے کہ ان دونوں کے کہنے سے نکاح کا وجود ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح کا وجود نہیں ہوا تو دوبارہ نکاح کرنے کے لئے ہندہ پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مسرور عالم، پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندہ اور زید کا اگر واقعۃً گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہوا تھا جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے، تو قاضی اور گواہوں کے انتقال کی وجہ سے

ان کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ نیز گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہونے کا دونوں طرف سے ایک ساتھ اقرار کافی ہے۔

ولو أقرت المرأة في صحة، أو مرض بأنها تزوجت فلاناً بكذا، ثم جحدته فإن صدقها الزوج في حياتها يثبت النكاح. (عالمگيري، الباب السادس عشر في الإقرار بالنكاح و الطلاق ٤/ ٢٠٧، ٢٠٦، زكريا جديد ٤/ ٢١٢)

ولوأقرت المرأة في صحة، أو مرض، أنها تزوجت فلانًا بكذا، ثم جحدته، فإن صدقها الزوج في حياتها يثبت النكاح لما بينا أن جحودها بعد الإقرار باطل. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٨/ ١٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۸ھ

عاقدین اور دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا حکم

سوال [۵۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا لڑکی اور دو گواہ ایک ساتھ بیٹھے، ان میں سے ایک گواہ نے لڑکی کا نام مع ولدیت پتہ بتلا کر لڑکے سے کہا کیا تم نے لڑکی کے ساتھ نکاح قبول کیا، لڑکے نے تین مرتبہ قبول کیا، ایسے ہی لڑکے کا نام مع ولدیت پتہ بتلا کر لڑکی سے کہا کیا تم نے لڑکے کے ساتھ نکاح قبول کیا، لڑکی نے بھی تین مرتبہ قبول کیا وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: عبد اللہ، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس شکل میں اگر کوئی مانع عقد موجود نہیں ہے، تو نکاح شرعی طور پر درست ہو چکا ہے؛ اس لئے کہ لڑکا لڑکی مجلس میں موجود ہیں اور ان کے علاوہ دو مسلمان گواہ بھی اسی مجلس میں موجود ہیں اور نکاح کے درست ہونے کے لئے اتنا کافی ہے۔

ولو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جاز، إن كانت ابنته حاضرة؛ لأنها تجعل عاقدة. قال الشامي: كونها بنته غير قيد فإنها لو وكلت رجلا غيره فكذلك. (شامي، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام، كراچي ۳/۲۵، زكريا ٤/۹٥)

امرأة وكلت رجلا بأن يزوجها رجلاً فزوجها بحضرة امرأتين والموكلة حاضرة، قال الإمام نجم الدين يجوز النكاح. (هندية، كتاب النكاح، الباب الاول، زكريا ۱/۲٦۹، زكريا جديد ۱/۳۳٤)

لو وكلت امرأة رجلاً أن يتزوجها فعقد بحضرة رجل، أو امرأتين جاز، إن كانت حاضرة. (تبيين الحقائق، مكتبه امدادية ملتان ۲/۱۰۰، زكريا ديوبند ۲/٤٥۸، هكذا في الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٤۲، رقم: ٥٤۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۸۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

زوجین کا دو گوہوں کی موجودگی میں نکاح کرنا

سوال [۵۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو بلایا اور کہا کہ یہ لڑکی دو جگہ سے طلاق شدہ ہے، پہلے شوہر سے ایک لڑکی ہے جو بیمار رہے، بعد کو دوسرا نکاح کیا اس نے بھی طلاق دیدی، اب یہ محنت مزدوری کرتی ہے میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، آپ شہر امام معصوم علی صاحب کو لاکر میرا نکاح کرادیں شخص مذکور نے کہا کہ قانونی طلاق نامہ ہے یا نہیں؟ جواب ملا کہ قانونی ڈر سے قانونی طلاق نامہ تحریر نہیں کیا، نہ اس کے والدین ہیں، نہ حمایتی، شخص مذکور نے کہا کہ اگر یہ معاملہ شرعاً پاک وصاف ہے تو شرعاً نکاح کرلو، جب قانوناً طلاق نامہ حاصل ہوجائے،

تو پھر قانوناً نکاح کرلینا، شرعاً نکاح کا طریقہ یہ ہے، آپ دونوں میں سے ایک دوسرے سے کہہ دیں کہ میں نے اپنا نکاح تمہارے ساتھ بالعوض دین مہر مبلغ اتنے کیا، دوسرا یہ کہہ دے کہ قبول کیا میں نے اس کو اس ایجاب وقبول کے سننے والے دوگواہ ہوں۔ اس طرح سے آپ شرعاً میاں بیوی ہوجائیں۔ بعدہ عدالت سے فسخ نکاح کا فیصلہ حاصل کرکے قانوناً نکاح کرلینا، شخص اول نے ایک صاحب کو بلالیا، دونوں کی موجودگی میں لڑکے نے لڑکی سے کہا کہ میں نے اپنا نکاح بالعوض دین مہر مبلغ پانچ ہزارروپیہ معجّل تمہارے ساتھ کیا، لڑکی نے کہا کہ قبول کیا میں نے اس کو، لڑکی کے والد والدہ بھائی کوئی نہیں ہے۔

(۱) سوال یہ ہے کہ نکاح شرعاً درست ہوگیا یا نہیں۔

(۲) لڑکا پٹھان برادری کا ہے، لڑکی ترک برادری کی؛ لہٰذا کفو میں نکاح درست ہوگیا یا نہیں؟

المستفتی: سرتاج احمد، محلّہ قاضی ٹولہ، دیوان بازار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دوگواہوں کے سامنے مرد وعورت نے باقاعدہ ایجاب وقبول سے نکاح کرلیا ہے، تو شرعاً نکاح معتبر ہوچکا ہے، بشرطیکہ اس سے قبل جس کے نکاح میں تھی اس نے طلاق دیدی ہو اور عدت بھی گذر گئی ہو۔

النکاح ینعقد بالإیجاب والقبول (وقوله) ولاینعقد نکاح المسلمین إلا بحضرة شاهدین حرین مسلمین بالغین الخ. (الجوهرة النیرة، کتاب النکاح، امدادیة ملتان ۲/۶۶، دارالکتاب دیو بند ۲/۶۴، ۶۵)

اور کفو کا اعتبار یوں ہوتا ہے کہ اونچی ذات کی عورت، نیچی ذات کے مرد کے نکاح میں ولی کی مرضی کے بغیر نہ جائے اور یہاں پر پٹھان اونچی برادری سمجھی جاتی ہے اور ترک اس سے نیچے سمجھی جاتی ہے؛ اس لئے اس نکاح میں کفو کا اشکال بھی نہ ہوگا۔

الکفاءة معتبرة...... من جانبه أي الرجل؛ لأن الشریفة تأبي أن تکون فراشاً للدني، ولذا لاتعتبر من جانبها؛ لأن الزوج مستفرش فلا تغیظه دناءة

الفراش الخ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، زكريا ديوبند ٤/٢٠٦، ٢٠٧، كراچي ٣/٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۱۳ھ

کیا مجلس نکاح میں رجسٹرڈ گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟

سوال [۵۳۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا ایسے گواہوں کی گواہی پر جنہوں نے لڑکی سے ذاتی طور پر رابطہ قائم نہ کیا ہو اور اس کے نکاح اور دین مہر کے متعلق رائے نہ لی ہو، کیا ان حالات میں نکاح ہو جائے گا؟

المستفتی: محمد نعیم الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجلس نکاح میں اگر عورت کا وکیل یا ولی مثلاً باپ وغیرہ موجود ہو، تو خود عورت کا مجلس میں حاضر ہونا یا گواہوں کا جا کر اس سے رابطہ قائم کر کے رائے لینا ضروری نہیں، گواہوں کو صرف نفس عقد کا علم ہو جانا کافی ہے۔

و إن كانت غائبة و لم يسمعوا كلامها بأن عقدلها و كيلها، فإن كان الشهود يعرفونها كفىٰ ذكر اسمها إذا علموا أنه أرادها وإن لم يعرفوها لا بد من ذكر اسمها، واسم أبيها وجدها. (شامي، كتاب النكاح، مطلب الخصاف كبير في العلم يجوز الإقتداء، زكريا ديو بند٤/ ٩٠، كراچي ٣/٢٧)

رجل زوج ابنته من رجل في بيت و قوم في بيت آخر يسمعون ولم يشهدهم، إن كان من هذا البيت إلى ذلك البيت كوة رأوا الأب منها تقبل شهادتهم......وقبل عن الزوج واحد من القوم، لايصح النكاح.

وقیل: یصح، وهو الصحیح و علیه الفتوی. (هندية، كتاب النكاح، الباب الأول، زكريا ديوبند ١/٢٦٨، زكريا جديد ١/٣٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۰۱۶/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۶ھ

گواہوں کو متعین کئے بغیر مجمع عام میں نکاح پڑھانا

سوال [۵۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح ہوا اور زید کے نکاح کے وقت زید کے گھر والے بھی موجود تھے اور زید خود بھی موجود تھا اور لڑکی کے گھر والے بھی موجود تھے اور مولوی صاحب نے گواہ بنائے بغیر زید کا نکاح پڑھا دیا اور بعد میں بھی کوئی گواہ نہیں بنایا، تو کیا نکاح درست ہوگیا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیا نکاح کے درست ہونے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نور الدین، دیوریاوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پوری مجلس اور مجمع میں سے لڑکی اور لڑکے کو پہچاننے والے کم از کم دو آدمی ہیں اور نکاح کے الفاظ بھی سنے ہیں، تو نکاح صحیح اور درست ہو چکا ہے، گواہ کے لئے مجمع میں دو آدمی کو نامزد کرنا نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط نہیں ہے۔

ولایخفیٰ أنه إذا کان الشهود کثیرین لا یلزم معرفة الکل؛ بل إذا ذکر اسمها وعرفها اثنان منهم کفیٰ الخ. (شامي، كراچي ٣/٢٢، زكريا ديوبند ٤/٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹۸۷/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۱۸ھ

اجازت کے بعد مجمع عام میں رجسٹرڈ گواہوں اور وکیلوں کی عدم موجودگی میں نکاح

سوال [۵۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر وکیل وگواہ نے لڑکی سے اجازت لے کر نکاح خواں کے سامنے گواہی دیدی، پھر مہر پر جھگڑا ہوگیا، وکیل وگواہ دوبارہ لڑکی کے ولی کے پاس چلے گئے نکاح خواں نے وکیل وگواہ کی عدم موجودگی میں نکاح پڑھا دیا، تو کیا یہ نکاح درست ہے؟ جبکہ لڑکی نکاح کی اجازت دے چکی ہے۔

المستفتی: عبدالسمیع نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس وقت نکاح خواں نکاح پڑھ رہا تھا، اس وقت وہاں پر اگر لوگوں کا مجمع موجود رہا ہے اور مجمع میں سے دو یا دو سے زائد لوگوں نے ایجاب وقبول کے الفاظ سن لئے ہیں بس صرف نامزد گواہوں نے نہیں سنا ہے، تو ایسی صورت میں بھی نکاح صحیح اور درست ہوجاتا ہے۔

ولایخفیٰ أنه إذا کان الشهود کثیرین لا یلزم معرفة الکل؛ بل إذا ذکر اسمها وعرفها اثنان منهم کفیٰ الخ. (شامي، کتاب النکاح، مطلب الخصاف کبیر في العلم یجوز الإقتداء به، زکریا دیوبند ٤/ ٩٠، کراچي ٣/ ٢٢)

ولو بعث مرید النکاح أقواماً للخطبة، فزوجها الأب، أو الولي بحضرتهم صح، فیجعل المتکلم فقط خاطباً والباقي شهودا به یفتیٰ. (الدر مع الرد، کراچي ٣/ ٢٧، زکریا دیوبند ٤/ ٩٧، ٩٨)

وفي الفتاوی بعث أقواماً للخطبة فزوجها الأب بحضرتهم، فالصحیح الصحة وعلیه الفتوی؛ لأنه لا ضرورة في جعل الکل خاطبین، فیجعل المتکلم خاطباً فقط والباقي شهوداً. (مجمع الأنهر، قبیل باب المحرمات،

مصري قديم ١/٣٢٢، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۷۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۶ھ

گواہوں کی تعیین کئے بغیر مجلس کے نکاح کا حکم

سوال [۵۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قاضی صاحب نے زید کا نکاح حاضرین مجلس کے سامنے بغیر دو گواہوں کو متعین کئے لڑکی کے والد کی اجازت سے صرف حاضرین کو گواہ بنا کر پڑھا دیا۔

(۲) قاضی صاحب نے زید سے کہا کہ فلانہ بنت فلاں تمہاری زوجیت میں آنا چاہتی ہے۔ کیا تم نے قبول کیا زید نے کہا کہ میں نے قبول کیا، تو کیا مذکورہ نکاح اور صرف حاضرین مجلس کو گواہ بنا کر نکاح پڑھا دینے سے نکاح ہوگیا یا نہیں؟ نیز بوقت نکاح لڑکا ولڑکی دونوں بالغ تھے۔

المستفتی: محمد قربان علی، مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہی، عربی ہفتم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب قاضی صاحب نے دو گواہوں کو متعین کئے بغیر حاضرین مجلس کو گواہ بنا کر زید کا نکاح پڑھا دیا، تو عقد نکاح منعقد ہوگیا۔ اب دوبارہ نکاح پڑھانے کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لئے گواہوں کو نامزد کرنا شرط نہیں ہے؛ بلکہ دو مسلمانوں کا جانبین کے ایجاب وقبول کے الفاظ کا سننا لازم ہے۔ اور جب حاضرین مجلس میں سے جانبین کے ایجاب وقبول کے الفاظ دو یا دو سے زائد افراد نے سن لیا ہے، تو سننے والے خود بخود گواہ ثابت ہوگئے نامزد کر کے متعین کرنا لازم نہیں؛ بلکہ صرف آسانی کے لئے نامزد کیا جاتا ہے۔

لايخفىٰ أنه إذا كان الشهود كثيرين لا يلزم معرفة الكل؛ بل إذا ذكر اسمها وعرفها اثنان منهم كفىٰ. (فتاوى شامي، كتاب النكاح، مطلب الخصاف كبير في العلم يجوز الإقتداء به، كراچي۳/ ۲۲، زكريا٤/ ۹۰)

(۲) ''آنا چاہتی ہے'' اس لفظ کا استعمال دوطریقے سے ہوسکتا ہے۔

(۱) مجلس نکاح سے باہر تو ایسی صورت میں یہ الفاظ الفاظ ایجاب وقبول کے قابل نہیں ہوں گے؛ اس لئے اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

(۲) مجلس نکاح میں ایجاب وقبول کے وقت میں ایجاب وقبول کی جگہ پر یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور پھر لڑکے نے انہیں الفاظ کو ایجاب سمجھ کر قبول کرلیا، تو نکاح صحیح ہوجائے گا؛ اس لئے کہ نکاح میں آنا چاہتی ہے یہ استقبال کا صیغہ ہے اور مجلس نکاح میں ایجاب کی جگہ پر استقبال کے صیغہ کا استعمال درست ہے؛ اس لئے کہ استقبال کا صیغہ حال کے معنی میں ہوتا ہے اور یہاں بھی ''آنا چاہتی ہے'' اگرچہ استقبال ہے؛ لیکن ایجاب کی جگہ پر حال بن سکتا ہے۔

ينعقد النكاح بلفظ يصلح للحال، والاستقبال مثل أتزوجک وأنكحک. (فتاوى تاتارخانية، كوئٹه ۲/ ۵۸۰، زكريا ديوبند ٤/ ٥، رقم: ٥٣٦٣، حاشية چلپي، مكتبه امداديه ملتان ۲/ ۹٦، زكريا ۲/ ٤٤٨)

فإذا قال في المجلس زوجت، أو قبلت......والثاني المضارع المبدوء بهمزة، أو نون، أو تاء وفي الشامي تحت قوله المبدوء بهمزة كأتزوجک بفتح الكاف وكسرها. (الدر المختار مع الشامي، زكريا٤/ ۷۰، تا۷۲، كراچي ۳/ ۱۰، ۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۱۶ھ

زید نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا تو میری بیوی اورلڑکی نے کہا تو میرا شوہر ہے

سوال [۵۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید وہندہ نے قسم کھائی زید نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر یوں کہا تو میری بیوی ہے اور ہندہ نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر یوں کہا کہ تم میرے شوہر ہو، دونوں نے یہ قسم کھائی اور زید نے کہا میں نکاح میں ۲۵؍ ہزار روپیہ ادا کروں گا اور ہندہ نے اس بات کو قبول کرلیا اور اس کے ساتھ ساتھ دو گواہ بھی موجود تھے، ان دونوں کے سامنے یہ بات چیت طے ہوئی۔ اب ہندہ کی شادی ان کے والد نے خالد سے جبراً کیا لڑکی بالکل راضی نہیں ہے، ان کے والد نے دھمکی دے کر وہاں کروائی، اب بھی لڑکی راضی نہیں ہے۔

اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ خالد سے نکاح ہوا یا نہیں؟ اور ہندہ اور زید نے جو قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مسرت حسین، نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سائل کا بیان سچا ہے اور بوقت ایجاب وقبول دو گواہ بھی موجود تھے یا ایک مرد اور دو عورتیں موجود تھیں، تو زید کے ساتھ ہندہ کا نکاح شرعی طور پر صحیح اور درست ہو چکا ہے؛ جبکہ ہندہ اور زید دونوں ایک ہی برادری کے ہوں اور اس کے بعد ہندہ کے والد نے خالد کے ساتھ جو نکاح کیا ہے، وہ شرعاً صحیح نہ ہوگا؛ اس لئے کہ ہندہ زید کی بیوی ہو چکی ہے شرعاً بالغہ کا نکاح ہم برادری میں ولی کی اجازت کے بغیر بھی صحیح ہو جاتا ہے۔

عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: الأيم أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها، وإذنها صماتها، قال: نعم!.

(صحيح مسلم، النكاح، باب استئذان الثيب في النكاح......النسخة الهندية ١/٤٥٥، بيت الأفكار، رقم: ١٤٢١، مسند الدارمي دار المغني ٣/١٣٩٨، رقم: ٢٢٣٤)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي الخ. (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/١٥٥، كراچي ٣/٥٥، هندية، زكريا ديوبند ١/٢٨٧، زكريا جديد ١/٣٥٣، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت١/٤٨٨، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٢/١١٧، زكريا٢/٤٩٣، البحر الرائق، كوئٹه ٣/١٠٩، زكريا٣/١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۱۴ھ

بغیر گواہ کے نکاح

سوال [۵۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مرد اور ایک عورت آبادی سے بہت دور جنگل میں خلوت نشیں ہیں اور آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں اور گواہ وہاں موجود نہیں ہیں، اگر گواہ تلاش کیا جائے، تو زنا میں ملوث ہونے کا یقینی خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مولانا محمد اطہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دو گواہوں کی موجودگی کے بغیر ان دونوں کا آپس میں نکاح قطعاً درست نہیں ہوگا چاہے زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ کیوں نہ ہو، اگر نکاح ہی کرنا ہے تو کہیں سے بھی دو گواہ فراہم کر کے ان کی موجودگی میں نکاح کر لیں ورنہ زناکاری ہوگی، اس کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں۔

عن ابن عباسؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸۲/۱۲، رقم:۱۲۸۲۷، سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ماجاء لا نكاح إلا ببينة، النسخة الهندية ۲۱۰/۱، دارالسلام رقم:۱۱۰۳، السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر ۳۲۹/۱۰، رقم:۱۴۰۲۲)

عن عمران بن حصين، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لانكاح إلا بولي، وشاهدي عدل. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۴۲/۱۸، رقم:۲۹۹، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ۱۹۵/۶، رقم:۱۰۴۷۳)

ولاينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل، و امرأ تين. (هداية، كتاب النكاح اشرفيه ديوبند ۳۰۶/۲)

عن ابن عباسؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة. (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ماجاء لانكاح إلا ببينة، النسخة الهندية ۲۱۰/۱، دارالسلام رقم:۱۱۰۳، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸۲/۱۲، رقم:۱۲۸۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۸۲/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۲۳ھ

محض ایک عورت کی موجودگی میں عقد نکاح

سوال [۵۳۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بالغ لڑکے نے ایک بالغ لڑکی سے بہ خوشی ایک مہذب عورت کی موجودگی میں کہا کہ کیا تو نے مجھے بحیثیت شوہر قبول کیا، اس پر لڑکی نے بخوشی جواباً کہا ہاں میں نے قبول کیا، اس طرح تین بار اقرار کیا گیا، تو کیا اس طرح شرعاً لڑکی لڑکا شوہر

اور بیوی ہو گئے؟ اور کیا اس طرح سے قبول کر لینے کے بعد لڑکی اگر کسی اور سے شادی کرنا چاہے، تو کیا اس کو اجازت ہے یا پہلے والے لڑکے سے طلاق لینی ہوگی؟ ان دونوں کے درمیان جسمانی رشتہ زنا کاری کہلائے گا یا نہیں؟

المستفتی: انوار احمد، حافظ بنے کی پلیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقد نکاح کے صحیح ہونے کے لئے اس طرح ایجاب وقبول کے وقت میں عاقل، بالغ، دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا لازم ہے اور صورت مذکورہ میں صرف ایک ہی عورت موجود ہے، اس لئے یہ نکاح منعقد نہیں ہوا، اس سے دونوں کا ساتھ رہنا زنا کاری ہوگی لڑکی اپنی مرضی سے جب چاہے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ نیز اس لڑکے کے ساتھ بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین ٢/٥٢١)

عن أبي الزبيرؓ، أن عمر أتي برجل في نكاح لم يشهد عليه، إلا رجل، وامرأة، فقال عمر: هذا نكاح السر، ولانجيزه، ولوكنت تقدمت فيه لرجمت، قال محمد: وبهذا نأخذ؛ لأن النكاح لايجوز في أقل من شاهدين وإنما شهد على هذا الذي رده عمر رجل وامرأة، فهذا نكاح السر؛ لأن الشهادة لم تكمل، ولو كملت الشهادة برجلين، أو رجل وامرأتين كان نكاحاً جائزاً.

(مؤطا إمام محمد، كتاب النكاح، باب نكاح السر، اشرفي بكڈپو ٢٤٦، رقم: ٥٣٤)

وشرط حضور شاهدين (أي يشهد ان على العقد) حرين أو حر، وحرتين مكلفين سامعين قولهما معًا على الأصح الخ. (در مختار مع رد المحتار، كتاب النكاح، كراچي ٣/٢١، ٢٢، زكريا ٤/٨٧تا٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١/ جمادی الثانیہ ١٤٢٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٤/ ٦١٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٠/٦/٢ھ

نکاح میں دوعورتوں کو گواہ بنانا

سوال [۵۳۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے عمر کی لڑکی کو دھمکی دے کر عمر کی غیر موجودگی میں اور سب گھر والوں کی غیر موجودگی میں؛ جبکہ عمر وعمر کی اہلیہ و بڑا لڑکا، عزیز واقارب سب حیات ہیں، زید کہتا ہے کہ میں نے عمر کی لڑکی سے چھپ کر نکاح کیا ہے اور دوعورتیں گواہ ہیں، زید کہتا ہے کہ میں نے ایک لاکھ روپئے کے مہر بندھوائے ہیں؛ جبکہ زید کی مالی حالت دس ہزار روپیہ کی بھی نہیں ہے، زید کے حالات سے سب گاؤں والے عزیز واقارب واقف ہیں کہ زید ایک جھوٹا، مکار، فریبی انسان ہے اور عیاش ہے، زید کی بیوی اور پانچ بچے موجود ہیں اور پریشان حال ہیں، زید کا باپ اس ضعیفی کے عالم میں زید کی بیوی، بچوں کا خرچ بڑی پریشانی سے برداشت کررہا ہے، زید نے اس قسم کے حالات کئی جگہ کئے ہیں، زید کی ان حرکتوں سے زید کے گھر والے بہت پریشان ہیں آیا عمر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہ مشکوک ہے زید ہم کفو بھی نہیں ہے۔

المستفتی: حامد حسین فاروقی، باب کاٹیہ جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف دوعورتوں کی شہادت سے نکاح صحیح نہیں ہوتا؛ بلکہ نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دوعورتوں کی شہادت لازم ہے؛ اس لئے مذکورہ نکاح صحیح نہیں ہوا، مہر چاہے کتنا ہی زیادہ باندھا ہو۔

عن أبي الزبير، أن عمر أتي برجل في نكاح لم يشهد عليه، إلا رجل وامرأة، فقال عمر: هذا نكاح السر ولانجيزه، ولو كنت تقدمت فيه لرجمت، قال محمد: وبهذا نأخذ؛ لأن النكاح لايجوز في أقل من شاهدين وإنما شهد على هذا الذي رده عمر رجل وامرأة، فهذا نكاح السر لأن الشهادة

لم تكمل، ولو كملت الشهادة برجلين، أو رجل وامرأتين كان نكاحاً جائزاً. (مؤطا إمام محمد، كتاب النكاح، باب نكاح السر، اشرفي بكڈپو ٢٤٦، رقم: ٥٣٤، هداية اشرفية ديوبند ٢/٣٠٦)

وشرط حضور شاهدين حرين أو حر، و حرتين الخ (در مختار، كتاب النكاح، زكريا ديوبند ٤/٨٧، ٨٩، كراچي ٣/٢٢)

ولاينعقد بشهادة المرأتين بغير رجل. (هندية، الباب الأول في تفسير النكاح......زكريا ديوبند ١/٢٦٧، ٢٦٨، زكريا جديد ١/٣٣٢)

ولاينعقد بشهادة امرأتين بغير رجل. (قاضي خان على هامش الهندية، زكريا ديوبند ١/٣٣١، زكريا جديد ١/٢٠٢، هداية، اشرفيه ديوبند ٢/٣٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۱۰۸)

بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول کرنے سے نکاح کا حکم

سوال [۵۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بالغ لڑکے نے بالغ لڑکی سے بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول کیا، کیا ایسی صورت میں نکاح عنداللہ ہوگیا؟ اگر ہوگیا ہو تو وطی جائز ہوگی؟

المستفتی: شکیل احمد، قصبہ نہٹور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر گواہ کے محض لڑکے اور لڑکی کے ایجاب وقبول کرنے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا نہ عنداللہ اور نہ ہی عندالناس؛ اس لئے کہ نکاح کے منعقد ہونے کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا شرط ہے۔

عن ابن عباسؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ماجاء لانكاح إلابيينة، النسخة الهندية ١/٢١٠، دارالسلام رقم: ١١٠٣، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٢/١٨٢، رقم: ١٢٨٢٧)

وشرط حضور شاهدين حرين أو حر و حرتين. (در مختار، كتاب النكاح، زكريا ديوبند ٤/٨٦تا٩١، كراچي ٣/٢١،٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲۶۸/۲۹)

بلا نکاح فرضی رسید کا حکم

سوال[۵۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کی نکاح کی رسید تیار کی گئی ہے، جس پر میرے فرضی دستخط بنائے گئے ہیں، نکاح میں میری اجازت بھی شامل نہیں ہے، نکاح کے گواہ کا کہنا ہے کہ میرے سامنے کوئی نکاح نہیں ہوا ہے کیا نکاح جائز ہے؟

المستفتیة: حسین بانو ولد محمد اسلم، پیرزادہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب لڑکی نے نکاح کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی گواہوں کے سامنے یہ نکاح ہوا ہے، تو محض فرضی اور جعلی دستخط سے کسی کا نکاح درست نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے اگر سوال نامہ میں جو کچھ لکھا ہوا ہے، وہ صحیح اور درست ہے، تو حسین بانو کا نکاح فرضی دستخط سے منعقد نہیں ہوا۔

عن جابرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لانكاح إلا بولي، وشاهدي عدل. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/١٥٩، رقم: ٥٥٦٤)

عن أبي هريرةؓ، عن النبي صلی اللہ علیه وسلم قال: لانكاح إلا بولي، وشاهدي عدل. (المعجم الأوسط، دار الفكر ٤/٣٩٦، رقم: ٦٣٦٦)

عن عائشةؓ، قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: لانكاح إلابولي، وشاهدي عدل. (المعم الأوسط، دار الفكر ٦/٤٢٨، ٤٢٩، رقم: ٩٢٩١)

وشرط حضور شاهدين أي يشهدان على العقد. (الدر مع الرد، كتاب النكاح، كراچي ٣/٢١، زكريا ٤/٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۵۶/۳۸)

کیا نکاح کے گواہ باپ اور بھائی بن سکتے ہیں؟

سوال [۵۳۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح کے گواہ باپ اور بھائی بن سکتے ہیں؟

المستفتی: عبدالرشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کے گواہ باپ اور بھائی بھی بن سکتے ہے۔

وكذا أي جاز النكاح لو زوجت المرأة نفسها بشهادة أبيها، وشاهد آخر. (خانية على الهندية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح ١/٣٣٣، زكريا جديد ١/٢٠٣)

ولو زوج بنتهُ العاقلة البالغة بمحضر شاهد واحد جاز، إن كانت ابنتهُ حاضرة؛ لأنها تجعل عاقدة وإلا لا. (شامي، زكريا ٤/٩٥، كراچي ٣/٢٥، المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ١٩/٣٢، البناية اشرفية ديوبند ٥/١٩، هداية، اشرفية ديوبند ٢/٣٠٧)

والأصل أن كل من صلح أن يكون ولياً فيه بولاية نفسه صلح أن يكون شاهداً فيه...... فإن الأب يصلح شاهداً. (شامي، كراچي ٣/ ٢٤، زكريا ديوبند ٤/ ٩٤ - ٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰/ ۴۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۳۲ھ

زید نکاح کا منکر اور ہندہ مدعیہ ہو تو کس کا قول معتبر؟

سوال [۵۳٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ہندہ سے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہوا، مگر زید حلفیہ کہتا ہے کہ میرا نکاح ہندہ کے ساتھ نہیں ہوا اور ہندہ کا حلفیہ دعویٰ ہے کہ میرا نکاح زید کے ساتھ ہوا اور زید نے میرے ساتھ تین راتیں بحیثیت شوہر گذاری بھی ہیں، اس صورت میں کیا زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ثابت ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو اس صورت میں دوسرا نکاح ہونے کی صورت کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد مشرف لال مسجد روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہندہ اپنا نکاح زید کے ساتھ ہونے پر دو گواہ پیش کر دے، تو شرعاً ہندہ زید کی بیوی ثابت ہوگی، دونوں کا میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا درست ہوگا۔

ومن ادعت عليه امرأة أنه تزوجها، وأقامت بينةً فجعلها القاضي امرأته ولم يكن تزوجها وسعها المقام معه الخ. (هداية، كتاب النكاح،

فصل في بيان المحرمات، اشرفية ديوبند ٣١٣/٢، هندية القسم التاسع المحرمات بالطلقات، زكرياديوبند ٢٨٣/١، جديد زكريا ٣٤٨/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦ ربیع الاول ١٤١٢ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٧/٤ ٢٦٠)

دولہن سے اجازت لیتے وقت گواہوں کی موجودگی

سوال [٥٣٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دولہن سے اجازت لیتے وقت گواہوں کا سامنے موجود ہونا ضروری ہے یا صرف ایجاب وقبول کے وقت ان کی موجودگی کافی ہے؟ ہمارے علاقہ میں دولہن سے اجازت لیتے وقت گواہوں کے موجود ہونے کا رواج ہے شریعت کی رو سے اس کا حکم بیان فرمائیں۔

المستفتی: محمد سالم، محلّہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دولہن سے اجازت لیتے وقت گواہوں کی موجودگی ضروری نہیں؛ البتہ گواہوں کا سامنے رہنا مستحسن ہے تاکہ بعد میں انکار کا کوئی راستہ باقی نہ رہے، ہاں مجلس نکاح میں نکاح خواں کے سامنے گواہوں کا موجود ہونا اور ایجاب وقبول کا سننا بھی لازم ہے۔

واعلم أنه لا يشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح؛ بل على عقد الوكيل وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة إذا خيف جحد الموكل إياها.

(فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها، زكريا ديوبند٣/٣٠١، دارالفكر مصري قديم ٣/٣١٢، ٣١٣، كوئٹه ٣/٢٠١، ٢٠٢، شامي، مطلب في الوكيل والفضولي في النكاح، زكريا ديوبند ٤/٢٢١، ٢٢٢، كراچي ٣/٩٥)

ویصح التوکیل بالنکاح، وإن لم یحضره الشهود، وإنما یکون الشهود شرطاً في حال مخاطبة الوکیل المرأة. (الفتاوی التاتارخانیة، الفصل السادس عشر في الوکالة بالنکاح، زکریادیوبند ٤/ ١٤٦، رقم: ٥٧٨٠)

یصح التوکیل بالنکاح وإن لم یحضره الشهود. (هندیة، الباب السادس في الوکالة بالنکاح وغیرها، زکریا ١/ ٢٩٤، زکریا جدید ١/ ٣٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۰۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍ ۵؍ ۱۴۲۲ھ

کیا لڑکی سے اجازت لیتے وقت گواہوں کا سامنے ہونا ضروری ہے؟

سوال [۵۳۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بہن کا نکاح کرانا چاہتا ہے، زید نے اپنی بہن سے اجازت لی کہ میں بحیثیت وکیل فلاں شخص سے اتنے مہر پر آپ کا نکاح کرانے جارہا ہوں، تو کیا آپ اجازت دیتی ہیں، انہوں نے اجازت دیدی؛ لیکن اس وقت کوئی گواہ موجود نہیں تھا، لوگوں کا کہنا ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں اجازت لینا ضروری ہے، اس کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا، زید کا کہنا ہے کہ لڑکی کی طرف سے انکار کا اندیشہ بھی نہیں ہے، پھر غیر محرم کا بحیثیت گواہ گھر جانا اور لڑکی کی باتیں سننا بہتر اور مناسب نہیں، اسی کو حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ اجنبی اور نامحرم گواہوں کا لڑکی کے پاس اجازت کے لئے جانا خلاف غیرت ہے، معلوم نہیں لوگ اس خلافِ غیرت رسم کو کیوں سینہ سے چمٹائے ہوئے ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، کتاب النکاح ۵؍ ۵۶) آیا اس صورت میں از روئے شریعت گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟ کیا زید کا مذکورہ موقف شریعت کی نظر میں درست ہے؟

المستفتی: محمد فیروز عالم، ندوی خیرآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کی صحت کے لئے کم سے کم دو گواہوں کا ہونا شرط ہے اوران دونوں گواہوں کا مجلس نکاح میں موجود ہونا لازم ہوتا ہے، مگرلڑکی سے اجازت کے وقت ان دونوں گواہوں کا موجود ہونا لازم نہیں ہے، گواہوں کے بغیر بھی اجازت درست ہوجاتی ہے اور گواہوں کے سامنے اجازت لینا بہتر ہے اور ان گواہوں کا محرم ہونا ضروری ہے، غیرمحرم کا اجازت کے وقت وہاں موجود رہنا انتہائی بے غیرتی اور بے شرمی ہے اور گناہ بھی ہے؛ اس لئے اجازت کے وقت اگر گواہوں کوساتھ میں لے جانا ہے، تو ان گواہوں کامحرم ہونا ضروری ہے۔

ويصح التوكيل بالعبارة، أو الكتابة، ولايشترط بالاتفاق الإشهاد عند صدور التوكيل، وإن كان يستحسن للتوكيل أن يشهد على التوكيل للاحتياط خوفاً من الإنكار عند النزاع. (الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، المبحث الثالث: الوكالة في الزواج قديم٩/٦٧٢٦، هدیٰ انٹرنیشنل دیوبند ٧/٢١٩، البحرالرائق، زكريا ديوبند ٣/١٤٦، كوئٹه ٣/٨٢، هندية، زكريا ديوبند ١/٢٩٤، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/١٤٦، رقم: ٥٧٨٠، شامي، زكريا٤/٢٢١-٢٢٢، كراچي ٣/٩٥، فتح القدير، زكريا٣/٣٠١، كوئٹه ٣/٢٠١، ٢٠٢، دار الفكر مصري قديم٣/٣١٢، ٣١٣)

إن السنة في الاستئذان أن يرسل إليها نسوة ثقات ينظرن ما في نفسها والأم بذٰلک أولىٰ؛ لأنها تطلع على مالايطلع عليه غيرها الخ. (شامي، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ٣/٥٨، ٥٩، زكرياديوبند ٤/١٥٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/٢٦٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ رجب المرجب ١٤٣٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١١٢٠٥/٤٠)

لڑکی نے کہا ابا جی مالک ہیں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی نواب الدین اور موسیٰ گجر حقیقی بھائی ہیں، موسیٰ کا لڑکا عالمگیر شادی شدہ ہے اور حاجی نواب الدین کی لڑکی جوان ہے عمر ۲۰/سال کنواری ہے، حاجی صاحب نے ایک دن یہ خیال کیا کہ میں اپنی لڑکی سائرہ خاتون کا نکاح اپنے بھتیجے عالمگیر سے کرادوں گا؛ لیکن حاجی نواب الدین کے بڑے لڑکے نے اعتراض کیا کہ عالمگیر شادی شدہ ہے، ہم اپنی بہن سائرہ کا نکاح اس سے نہیں کراتے عمر بھر اس کو رونہ ہے؛ لیکن حاجی صاحب اپنے بڑے لڑکے سے چوری چوری ایک ملا کو اپنی لڑکی کا نکاح عالم گیر کے ساتھ کرانے کے لئے بلایا اور پوری حقیقت گم شدہ کی اور پھر ملا نے لڑکی کو عالم گیر کے بڑے بھائی کے گھر بلا کر پوچھا کہ سائرہ خاتون تمہارے ابا عالم گیر سے نکاح کر رہے ہیں، کیا تمہاری مرضی ہے عالمگیر سے نکاح کرنے کی؟ پہلے تو لڑکی خاموش رہی پھر غصہ میں آکر کہا کہ ابا جانیں، اس وقت عالمگیر کا بڑا بھائی نور عالم اور نور عالم کی بیوی موجود تھی، لڑکی سائرہ خاتون اپنے پڑوسی کے گھر میں چلی گئی، ملا نے حاجی نواب الدین سے کہا کہ میں نے تمہاری لڑکی سائرہ کے نکاح کی اجازت لے لی، تب حاجی صاحب نے کہا کہ ملا جی میری لڑکی کا عالمگیر سے نکاح کردو، ملا نے عالمگیر کو اس کے بڑے بھائی نور عالم اور لڑکا، باپ حاجی نواب الدین ملا نے یہ چار آدمی یعنی عالمگیر، اس کا بڑا بھائی نور عالم، حاجی صاحب اور قاضی صاحب یہ چار آدمی تھے، حاجی صاحب نے اجازت دی عالمگیر نے قبول کرلیا، نکاح کرادیا ملا نے، مگر اس میں نہ تو عالمگیر نے مہر بتایا نہ حاجی صاحب نے اپنی لڑکی کا مہر مانگا، اس بات کا ۳/دن کے بعد گھر میں حاجی صاحب کے بڑے لڑکے کو پتہ چلا، دونوں باپ بیٹے لڑ پڑے، تب لڑکی سائرہ کو پتہ چلا لڑکی پریشان ہوئی؛ کیونکہ اس سے پہلے کسی نے سائرہ کو پتہ نہ دیا تھا نکاح کا، سائرہ

نے فوراً کہا کہ ابا نے بہت غلط کیا ایسا نہ کرنا تھا، میں اپنے بڑے بھائی کی مرضی پر چلوں گی، تب بڑے بھائی نے سائرہ خاتون کے لئے اپنی بہن کا نکاح دوسرے لڑکے محمد امین جو کہ عالمگیر کا بھانجہ ہے، اس سے نکاح کر دیا؛ جبکہ وداعی اور تنہائی ابھی عالمگیر سے نہیں ہوئی تھی، لڑکی کہتی ہے ملا جھوٹ بولتا ہے کہ میں نے لڑکی سے اجازت مانگ لی ہے، ملا کہتا ہے نور عالم اور اس کی بیوی موجود تھی، میں نے اجازت لی؛ لیکن لڑکی نے ملا کو کئی آدمیوں میں جھوٹا کہہ دیا ملا نے جو گواہی پیش کی وہ بھی لڑکی نے توڑ دی اس کی گواہی میں نہیں مانتی یہ تو عالمگیر کا بھائی ہے۔ اب سائرہ خاتون ۲/سال سے اپنے والدین کے یہاں بیٹھی ہے، اس انتظار میں کہ میرا نکاح کونسا صحیح ہے، جو ابا نے کرایا یا بڑے بھائی نے محمد امین سے کرایا؛ لیکن لڑکی کی مرضی محمد امین کے ساتھ ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب فرمائیں سائرہ کا نکاح عالمگیر سے ہے یا محمد امین سے؟

المستفتی: محمد معروف، ضلع نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عالمگیر کی طرف سے سائرہ کی اجازت پر شرعی گواہ پیش کئے جائیں یعنی دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں اس بات کی شہادت دیں کہ سائرہ نے نکاح کی اجازت دی ہے، تو سائرہ شرعاً عالمگیر کی بیوی ہوگئی ہے اور اگر اس طرح شرعی گواہ نہ ہوں اور سائرہ عدم اجازت پر حلفیہ بیان دے تو عالمگیر کے ساتھ نکاح نہیں ہوا؛ بلکہ محمد امین کے ساتھ جو نکاح بعد میں ہوا ہے وہی صحیح ہے۔

وماسوی ذلک من الحقوق یقبل فیہ رجلان، أو رجل، وامرأتان سواء کان الحق مالاً أو غیر مالٍ مثل النکاح، والعتاق، والطلاق. (الجوهرة النيرة، کتاب الشهادت، مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۲۶، دارالکتاب دیوبند ۲/ ۳۰۹)

قال الزوج: للبکر البالغة بلغک النکاح، فسکت وقالت: رددت النکاح، ولابینة لهما علی ذلک ولم یکن دخل بها طوعا في الأصح،

فالقول قولها بيمينها على المفتىٰ به. (الدر مع الرد، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/١٦٧، ١٦٨، كراچي ٣/٦٣، ٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۳۲۵)

کیا نکاح میں وکیل اور گواہ کو عاقدین کا علم ہونا ضروری ہے؟

سوال [۵۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شادی شدہ ہے بیوی بچے بھی ہیں، اسی دوران زید کو کسی غیر عورت سے محبت ہوگئی، وہ ایک بیوہ عورت ہے، اگر اس کو چھوڑتا ہے تو بے سہارا ہوجاتی ہے، اسی دوران زید کو اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ جو کچھ ہورہا ہے یہ گناہ ہے کھل کر شادی نہیں کرسکتا؛ کیونکہ زید کی بیوی نہیں چاہتی ہے کہ میرے پاس کوئی سوکن ہو، ایک دن اس بیوہ کی لڑکی کی شادی تھی زید اس بیوہ سے پہلے طے کرتا ہے کہ جب میں نکاح پڑھانے آوں گا، تو تم لڑکی کے پاس رہنا جو مہر تمہاری بیٹی کی ہوگی وہی مہر تمہاری ہوگی، وکیل گواہ سامنے ہوں گے، تو جب زید نکاح پڑھانے لگا، تو لڑکی سے کہا تمہارا نکاح فلاں ابن فلاں سے اتنے دین مہر کے ساتھ کیا جاتا ہے، لڑکی نے کہا منظور ہے اس کے بعد ساتھ میں اس بیوہ سے پوچھا کہ تمہیں بھی منظور ہے اس نے کہا منظور ہے؛ چونکہ پہلے سے طے تھا، مگر وکیل وگواہ کو پتہ نہیں تھا کہ زید بھی اپنا نکاح بیوہ کے ساتھ کررہا ہے، مگر ہاں سب کے سامنے کہلوایا۔ تو جواب دیں زید کا نکاح بیوہ سے ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد خورشید عالم، مدرسہ مفید الاسلام، اندراچوک، گنگانگر (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کا نکاح بیوہ کے ساتھ

منعقد نہیں ہوا ہے؛ کیونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوہ کے نکاح سے متعلق نہ وکیل کو کچھ خبر ہے، نہ ہی گواہوں کو کچھ علم ہے؛ حالانکہ نکاح منعقد ہونے کے لئے گواہ اور وکیل دونوں کو یہ علم ہونا ضروری ہے کہ فلاں لڑکی کا نکاح فلاں لڑکے کے ساتھ کیا جارہا ہے؛ لہٰذا اس کو بیوی کی طرح رکھنا زنا کاری ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۱۰۱)

وشرط حضور شاهدين حرين، أو حر وحرتين، مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح فاهمين، أنه نكاح على المذهب الخ. (شامي، زكريا ٤/٨٧، تا٩٢، كراچي ٣/ ٢١،٢٢، البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۳۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۱۸ھ

ولی، گواہ اور نکاح خواں کے بغیر نکاح کرنا

سوال [۵۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور ہندہ بغیر والدین کی اجازت کے بغیر کسی گواہ کے بغیر کسی مولوی کے نکاح کر سکتے ہیں مثلاً لڑکی نے کہا کہ میں اتنے مہر کے بدلے اپنا نفس بخش دیتی ہوں، لڑکے نے کہا مجھے قبول ہے، حکم خدا کے اور رسول کے قول امام اعظم کے اتنے مہر میں مجھے قبول ہے، اسی طرح لڑکی بھی کہتی ہے کہ حکم خدا اور رسول کے قول امام اعظم صاحب کے میں نے اتنے مہر کے بدلہ میں اپنا نفس بخش دیا ہے۔ کیا اس طرح نکاح ہوجاتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

المستفتی: محمد ماسٹر غلام قادر، ہنڈ ر پونچھ، کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہیں اور دونوں کی برادری بھی ایک ہے اور دو بالغ مرد یا ایک بالغ مرد اور دو بالغہ عورتوں کی موجودگی میں اس

طرح نکاح کرلیں کہ لڑکی کہیکہ میں اتنے مہر میں اپنا نفس بخش دیتی ہوں۔ لڑکا کہتا ہے کہ میں نے قبول کرلیا تو شرعی طور پر نکاح صحیح اور درست ہو جائے گا؟ (اور حکم خدا اور رسول کے قول امام اعظم کے)وغیرہ الفاظ بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔

وشرط حضور شاهدين حرين أو حرّ وحرّتين مكلفين سامعين قولهما معاً الخ. (در مختار، كراچي ٣/ ٢١، زكريا ٤/ ٨٧، ٩١)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي الخ. (در مختار، كراچي٣/ ٥٥، زكريا ٤/ ١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ رشوال المکرّم ١٤١٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣١/ ٣٦٤٧)

کیا صحت نکاح کے لئے وکیل اور قاضی کا ہونا لازم ہے؟

سوال [٥٣٧٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا رشتہ چاندبی سے تقریباً آٹھ ماہ پہلے ہوا تھا، رشتہ کے بعد لڑکی کے والدین نے مجھے اپنے گھر بجنور بلایا اور مجھ میں اور لڑکی میں فون پر برابر رابطہ رہا؛ لیکن اس طرح نکاح کے بغیر فون پر بات کرنا اور گھر پر جانا مجھے قطعاً مناسب نہ لگا؛ اس لئے میں نے یہی بہتر سمجھا کہ جلد از جلد نکاح ہو جائے؛ چنانچہ ہم دونوں نے آپس کے مشورہ سے دو گواہوں۔ ١. حافظ صلاح الدین۔ ٢. ندیم عابد کی موجودگی میں آپس میں ایجاب وقبول کیا اور میں نے چاندبی سے اس طرح کہا کہ میں تمہیں ایک ہزار روپئے مہر کے عوض اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہوں، تو چاندبی نے کہا میں نے قبول کیا۔ واضح ہو کہ بوقت ایجاب وقبول مذکورہ دو گواہ ہی تھے، نہ قاضی تھا، نہ وکیل، تو کیا اس طرح میرا نکاح ہو گیا یا نہیں؟ لڑکی کے والد کا کہنا ہے کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، جس کی بنا پر وہ لڑکی کو بھیجنے پر راضی نہیں ہیں۔

المستفتی: ریاست علی، منڈی دھنورہ، جے پی نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کے صحیح ہونے کے لئے وکیل اور قاضی کا ہونا لازم نہیں؛ بلکہ صرف دو مردوں کا گواہ کے طور پر موجود ہونا کافی ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو شکل لکھی گئی ہے، اس سے نکاح صحیح اور درست ہوگیا ہے۔

اب شرعی طور پر ریاست علی اور چاندبی دونوں میاں بیوی بن چکے ہیں۔

النکاح ینعقد بالإیجاب و القبول (إلی قوله) بحضور شاهدین الخ.

(هدایة، کتاب النکاح، اشرفیة دیوبند ۲/ ۳۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۰۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍ ۷؍ ۱۴۲۷ھ

نکاح میں وکیل اور گواہ

سوال [۵۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح میں لڑکی کی جانب سے ایک وکیل طے ہوتا ہے اور نوشہ کی جانب سے دو گواہ طے ہوتے ہیں۔ اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم کرن کھیر، اکولہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوقت نکاح لڑکی کی جانب سے ایک وکیل جو لڑکی سے اجازت لے کر کے آتا ہے، پھر اس کی اجازت سے نکاح خواہ نکاح پڑھا دیتا ہے، یہ جائز اور صحیح طریقہ ہے اور جہاں تک دولہے کی طرف سے دو گواہوں کی بات ہے، تو مجلس نکاح میں دو گواہوں کا ہونا صحت نکاح کے لئے شرط ہے اور یہ دو گواہ دولہے کی جانب سے بھی ہوسکتے ہیں اور دولہن کی جانب سے بھی ہوسکتے ہیں؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ دولہن کے رشتہ داروں میں سے دو گواہ ہوں اور ان گواہوں کے سامنے دولہن کا وکیل دولہن

سے اجازت لے کر کے آجائے، پھر انہی کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہو جائے، جیسا کہ ہمارے اترپردیش میں یہی دستور ہے۔

وشرط حضور شاهدين حرين، أو حر و حرتين، مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح. (الدر المختار مع الرد، زكريا ٤/٨٧تا٩٢، كراچي ٣/٢١-٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱رذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۱۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۴ھ

نکاح میں وکیل باپ سے مراد کون ہیں اور وکیل محرم ہونا ضروری ہے؟

سوال [۵۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح کے رجسٹر میں جہاں لڑکا لڑکی اور گوہوں کے دستخط ہوتے ہیں اسی میں وکیل کا بھی دستخط ہوتا ہے، تو پوچھنا یہ ہے کہ اس وکیل سے کون سا وکیل مراد ہے؟ آیا جو لڑکا یا لڑکی کے گھر شادی کا پیغام لے کر جاتا ہے، وہی مراد ہے یا کوئی دوسرا؟ کیونکہ بعض علاقوں میں ایسا ہوتا ہے کہ نکاح پڑھانے کے وقت جب دو گواہ لڑکا اور لڑکی کے پاس جاتے ہیں، تو اس وقت ایک فرضی وکیل بنالیا جاتا ہے، اور دونوں گواہوں کے ساتھ ساتھ وہ بھی لڑکا اور لڑکی کے پاس نکاح کے وقت موجود رہتا ہے، اس سے زیادہ اس کا اور کوئی کام نہیں ہوتا ہے، اسی کا دستخط نکاح رجسٹر میں ہوتا ہے، اس وکیل کو لڑکا یعنی دولہا میاں سسر کے درجہ تک مانتا اور عزت کرتا ہے اور عرف میں اس کو وکیل باپ یا وکیل سسر کے نام سے یاد کرتے ہیں اور لڑکی یعنی دولہن بھی اس کو باپ کے درجہ میں مانتی ہے اور ادب واحترام کرتی ہے اور باپ کا درجہ دے کر اس سے بول چال بھی کرتی ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے اس طرح کا وکیل بنانا اور اس کو سسر کے درجہ تک سمجھنا یا لڑکی کا اس کو باپ کے درجہ تک سمجھ کر بول چال کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسرار الحق، مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کے رجسٹر میں جن گواہوں اور وکیل کا نام لکھا جاتا ہے، اس سے وہ گواہ اور وکیل مراد ہیں، جو بوقت نکاح مجلس نکاح میں شریک ہوں، ان گواہان اور وکیل کا لڑکی کے لئے محرم ہونا ضروری ہے، نامحرم اجنبی مردوں کے لئے لڑکی سے اجازت لینے کے لئے جانا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْاَلُوْهُنَّ مِنْ وَرَآءِ حِجَابٍ . [الأحزاب :٥٣]

والنظر إلى الأجنبيات حرام. (هندية، زكريا ٣٢٩/٥، جديد زكريا ٣٨٢/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۳۷۵/۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۵ھ

قاضی کا انشاء پر دلالت کرنے والے حال کے صیغہ سے نکاح پڑھانا

سوال [۵۳۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقہ کی عبارت نکاح کے سلسلہ میں یہ ہے۔

النكاح ينعقد بالإيجاب و القبول بلفظين يعبر بهما عن الماضي، أويعبر بأحدهما عن الماضي، والأخر عن المستقبل.

لیکن ناکح صاحب نے اس طریقہ سے ایجاب وقبول کروایا کہ تمہارا نکاح فلاں ابن فلاں سے بعوض مہر کیا جارہا ہے یا کیا جاتا ہے، تو مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ جو کیا جارہا ہے یا کیا جاتا ہے یہ کون سے صیغے ہوئے اور ان سے نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو نکاح کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد سلیم سینڈا، متعلم مدرسہ اشاعت العلوم خیرآباد، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انعقاد نکاح کے لئے ماضی کا صیغہ استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے؛ لیکن ایسے حال کے صیغوں سے جو انشاء پر دلالت کرتے ہیں، ان سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صیغہ کو ایجاب وقبول کے موقع پر استعمال کرنے سے نکاح منعقد ہوجائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۲۳۴)

ینعقد النکاح بلفظ یصلح للحال و الاستقبال مثل أتزوجک وأنکحک.

(الفتاوی التاتارخانیة، کتاب النکاح، الفصل الأول، زکریا دیوبند ٤/٥، رقم: ٥٣٦٣، حاشیة چلپي، مکتبه امدادیة ملتان ٢/٩٦، زکریا ٢/٤٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۳۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۲/۱۴۱۶ھ

حال کے صیغہ سے ایجاب وقبول کا حکم

سوال [۵۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح خواں نے نکاح پڑھانے میں ایجاب وقبول کے وقت حال کا صیغہ استعمال کیا، یعنی لڑکے سے کہا فلاں کی لڑکی کا نکاح اتنے مہر میں آپ کے ساتھ کیا جارہا ہے، تو نکاح صحیح ہوا کہ نہیں؟ جبکہ نکاح خواں کو یہ معلوم نہیں کہ حال کا صیغہ استعمال کرنے سے نکاح نہیں ہوگا، تو ایسی شکل میں اس کے پڑھائے ہوئے نکاح کا اعادہ کیا جائے یا کونسی شکل اختیار کی جائے؟

المستفتی: عبد الوحید، مہراج گنج (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح خواں کے صیغۂ حال کے مذکورہ جملہ کے بعد لڑکے نے اگر قبول کرلیا تھا، تو نکاح منعقد ہوگیا۔ اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وينعقد أيضاً بلفظين وضع أحدهما للمضي والأخر للاستقبال، أوللحال، فالأول الأمر كزوجني- والثاني المضارع (إلى قوله) إذا لم ينو الاستقبال. وفي الشامي لو قال بالمضارع ذي الهمزة أتزوجک، فقالت: زوجت نفسي انعقد. (شامي، زكريا ٤/٦٩-٧٢، كراچي ٣/١٠-١١)

ينعقد النكاح بلفظ يصلح للحال والاستقبال مثل أتزوجک، وأنكحک.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/٥، رقم:٣/٣٦ ٥، حاشية چلپي على تبيين الحقائق، زكريا ديوبند ٢/٨ ٤٤، مكتبه امداديه ملتان ٢/٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۰۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۹ھ

قاضی کے پوچھنے پر زوجین کا راضی ہوں کہنا

سوال [۵۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر شرعی دو گواہوں کی موجودگی میں قاضی نے لڑکی سے صرف اتنا پوچھا کہ تم فلاں کے ساتھ نکاح کرنے کے لئے راضی ہو، لڑکی نے جواب میں کہا ہاں! میں راضی ہوں پھر لڑکے سے پوچھا تم راضی ہو، تو اس نے بھی جواب میں کہا ہاں میں راضی ہوں؛ لیکن لڑکے نے یہ نہیں کہا کہ میں نے قبول کرلیا۔

اب سوال یہ ہے کہ بغیر لفظ قبول کے صرف زوجین کا راضی ہوں، اتنا کہنے سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد منصور علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں قاضی کے پوچھنے پر زوجین کا صرف راضی ہوں، کہنا ایجاب وقبول نہیں ہے؛ بلکہ محض نکاح کرنے پر رضامندی کا

اظہار ہے اور اظہار رضا نکاح کا معاہدہ ہے، عقد نکاح نہیں ہے عقد نکاح کے لئے پھر سے ایجاب وقبول کرنا ضروری ہوگا۔

ولاينعقد بلفظ الإجارة في الصحيح والإعارة، والإباحة، والاحلال، والتمتع والإجازة والرضا ونحوها الخ. (عالمگيري، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقدبه النكاح وما لاينعقدبه، زكريا ديوبند ١/٢٧٢، جديد زكريا ١/٣٣٧، تبيين الحقائق، مكتبه امدادية ملتان ٢/٩٨، زكريا ديوبند ٢/٤٥٢)

وينعقد بإيجاب و قبول. (تنوير الأبصار مع الرد، زكريا ٤/٦٨، ٦٩، كراچي ٣/١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ / ۴۰۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۶/۱۴۱۵ھ

نکاح خواں اور اولیاء کی غیر موجودگی میں نکاح کرنا

سوال [۵۳۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک خاتون بنام سعیدہ بی اس کا میرے ساتھ تعلق ہوگیا، اس نے مجھے پسند کیا اور میں نے اس کو پسند، کلیر شریف کے درگاہ میں میرے اور اس کے درمیان نکاح ہوا اور نکاح کے وقت سید آل علی دوسرے مہتاب حسن اور میری سعیدہ بی کی سہیلی زہرہ کی موجودگی میں یہ نکاح عمل میں آیا، میں نے اس سے کہا کہ میں تمہیں اپنی بیوی تسلیم کرتا ہوں اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں بھی آپ کو پسند کرتی ہوں اور ان تینمسلمان گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہوا اور میں بریلی کا رہنے والا ہوں؛ جبکہ سعیدہ بی ضلع ہردوار موضع گڑگاؤں کی رہنے والی ہے، وہ مجھے اپنے گھر لے گئی تو آپ بتائے کہ ہمارا یہ نکاح شرعی طور پر صحیح ہوا یا نہیں؟ میں اس کو اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں اور وہ بھی میرے گھر آنا چاہتی ہے۔

المستفتی: معشوق حسین، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا بیان واقعی صحیح ہے اور معشوق حسین اور سعیدہ بی کے درمیان نکاح کے لئے جو ایجاب وقبول کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان کو سوال نامہ میں ذکر کردہ دونوں مرد گواہوں اور عورت نے سنا ہے، تو شرعی طور پر یہ نکاح درست ہو چکا ہے۔سعیدہ بی معشوق حسین کی بیوی بن گئی اور معشوق حسین پر سعیدہ بی کے لئے مہر بھی لازم ہو جائے گا۔اب چونکہ سوال نامہ میں مہر کا ذکر نہیں ہے؛ اس لئے سعیدہ بی کے لئے مہر مثل واجب ہو جائے گا۔اور اس مہر کے بارے میں سعیدہ بی سے معاملہ طے کرلے۔

وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر، ليتحقق رضاهما، وشرط حضور شاهدين حرين، أو حر و حرتين، مكلفين سامعين قولهما معاً. (الدرالمختار، كتاب النكاح، زكريا ديوبند ٤/٨٦تا ٩١، كراچي ٣/٢١تا ٢٢، وهكذا في مجمع الأنهر مصري قديم١/ ٣٢٠، دارالكتب العملية بيروت ١/ ٤٧١، ٤٧٢، هندية، زكريا١/٢٦٧، جديد زكريا ١/٣٣٢)

وكذا يجب مهر المثل فيما إذا لم يسم مهراً. (كتاب النكاح، باب المهر، شامي كراچي ٣/١٠٨، زكريا ديوبند ٤/٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ؍ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۸۰۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۴/۳۰ھ

قاضی اور مہر کی وضاحت کے بغیر نکاح کا حکم

سوال [۵۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پڑوس میں ایک لڑکا محمد سلیم بن کالو قریشی میری لڑکی روبینہ خانم کو بہکا کر ساتھ لے کر فرار ہوگیا۔اب تک کوئی پتہ نہیں چل سکا ہے کہ دونوں کہاں ہیں، ان دونوں کے

فرضی نکاح کی رسید چاند پور تھانہ میں آئی ہے، جس کی ایک نقل آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اس رسید میں نہ یہ تذکرہ ہے کہ نکاح کہاں ہوا اور نہ قاضی کا پتہ ہے، نہ اس کی مہر ہے برائے مہربانی آپ واضح فرمائیں کہ کیا اس طرح کا نکاح شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟ اور لڑکی کے ماں باپ کو ان حالات میں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: خلیق احمد ہاشمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر لڑکا لڑکی دونوں ہم کفو ہیں اور دونوں بالغ ہیں اور دو مسلمان گواہوں کے سامنے دونوں کا نکاح ہوگیا ہے، تو شرعی طور پر یہ نکاح درست ہو چکا ہے اور اگر دونوں ہم کفو نہیں ہیں، تو لڑکی کے ماں باپ کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہے۔

عن ابن عباسؓ، **قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الأيم أحق بنفسها من وليها. الحديث.** (مسند أحمد بن حنبل ١/٢١٩، رقم:١٨٨٨، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٦/١٤٢، رقم: ١٠٢٨٢، مسلم، كتاب النكاح، باب استئذان الشيب في النكاح...... النسخة الهندية ١/٤٥٥، بيت الأفكار، رقم: ١٤٢١)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلارضیٰ ولي...... وله أي للولي...... الاعتراض في غير الكفء. (شامي، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ٣/٥٥، زكريا ٤/١٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٥ رجب المرجب ١٤٣١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٩/١٠١٤٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٥/٧/١٤٣١ھ

والد کے اجازت لینے کی صورت میں وکیل اور گواہ کا حکم

سوال [٥٣٨١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگرلڑکی کے والدخودلڑکی سے نکاح کی اجازت لے لیتے ہیں، تو وکیل اورگواہ کی ضرورت باقی رہتی ہے یانہیں؟

المستفتی: حمد الٰہی، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دومجلس الگ الگ ہوتی ہیں۔

(۱) مجلس اجازت جہاں پرلڑکی سے اجازت لی جاتی ہے، وہاں پراجازت کے وقت گواہوں کا ہونا لازم نہیں ہاں البتہ احتیاط کےطور پرگواہوں کو لے جایاجا تاہےتا کہ بعد میں لڑکی اجازت کاانکارنہ کرسکے۔

يصح التوكيل بالنكاح، وإن لم يحضره الشهود. (هندية، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها، زكريا ديوبند ١/٢٩٤، زكريا جديد ١/٣٦٠)

اعلم أنه لاتشترط الشهادة على الوكالة بالنكاح؛ بل على عقد الوكيل، وإنما ينبغي أن يشهد على الوكالة إذا خيف جحد الموكل إياها. (فتح القدير، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها، زكريا ٣/٣٠١، كوئٹه ٣/٢٠١، ٢٠٢)

فإن استأذنها هو أي الولي وهو السنة الخ. (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ٣/٥٨، زكريا ديوبند ٤/١٥٩)

(۲) مجلس عقد جہاں قاضی ایجاب وقبول کراتا ہے، وہاں پرصرف ولی یاوکیل کا ہونا کافی نہیں؛ بلکہ گواہ کا ہونا بھی لازم ہے؛ لہٰذا خودلڑکی کے والدکواجازت لیتے وقت گواہوں کوساتھ میں رکھنا واجب نہیں صرف احتیاط ہے۔

أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته. (شامي، كتاب النكاح، زكريا ديوبند ٤/٨٧، ٨٩، كراچي ٣/٢١، البحرالرائق، كوئٹه ٣/٨٢، زكريا ٣/١٤٦، الفتاوى تاتارخانية، زكريا ديوبند٤/١٤٦، رقم: ٥٧٨٠)

و شرط حضور شاهدين حرين، أو حر و حرتين الخ. (در مختار، زكريا٤/٨٧، كراچي ٣/٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۳۷۶/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۷/۱۴ھ

مجبوری میں دی گئی اجازت کا حکم

سوال [۵۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صالحہ ایک عقل منداور بالغ لڑکی ہے، جس کا نکاح اس کے باپ نے زبردستی زید کے ساتھ کردیا اور رخصتی نہیں ہوئی ہے اور بوقت نکاح لڑکی نے مجبوراً اجازت دی تھی، اب جب لڑکی کو اس لڑکے کے بارے میں جان کاری ملی ہے کہ وہ لڑکا دماغی اعتبار سے درست نہیں ہے اور نہ ہی صحت کے اعتبار سے تو کیا لڑکی اپنے گھر والوں کی مرضی سے اس سے جدائی کا فیصلہ لے سکتی ہے، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے لڑکی گنہگار ہوگی یا نہیں؟

المستفتیہ: صالحہ پروین بنت محمد ظہیر چکر کی ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کے وقت جب لڑکی نے نکاح کی اجازت دی ہے اور اجازت کے بعد زید کے ساتھ عقد نکاح ہو چکا ہے، تو شرعی طور پر صالحہ کا نکاح زید کے ساتھ صحیح ہو چکا ہے اور بعد میں دماغی اعتبار سے اور صحت کے اعتبار سے زید کی کمزوری سامنے آنے کی وجہ سے لڑکی اس کے پاس جانے پر راضی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں صرف لڑکی کے راضی نہ ہونے کی وجہ سے نکاح ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ نکاح بدستور باقی رہے گا اور جب تک زید اس کو طلاق نہ دے گا اس وقت تک لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جائز نہ ہوگا۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۱/۱۷۴، فتاوی رحیمیہ زکریا ۸/۲۲۳)

النكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز وإن ردته بطل.
(هندية، زكريا ١/٢٨٧، زكريا جديد ١/٣٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۷۳/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۳ھ

لڑکی سے نکاح کی اجازت کون کون لے سکتا ہے؟

سوال [۵۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی سے نکاح کے وقت اکثر غیر محرم اجازت لینے کے لئے جاتے ہیں اور لڑکی کی آواز سنتے ہیں اور اس کا محرم نمازی یا پرہیز گار نہیں ہے، ایسے وقت میں نمازی یا کوئی پرہیز گار دیکھ کر غیر محرم کو نکاح کی اجازت کے لئے بھیج دیا جاتا ہے، ایسی حالت کا کیا حکم ہے اور اگر محرم ہے؛ لیکن وہ نمازی یا پرہیز گار نہیں ہے، تو اس کی اجازت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کو مدلل واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد اہل ککرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محرم کی موجودگی میں غیر محرم کو اجازت کے لئے بھیج دینا جائز نہیں ہے چاہے، محرم نمازی پرہیز گار نہ ہو تب بھی غیر محرم پرہیز گار کے مقابلہ میں حقدار رہے۔ نیز جو غیر محرم اجنبیہ کے پاس جائے گا وہ کہاں پرہیز گار رہا، حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

عن عقبة بن عامر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم والدخول على النساء الحديث. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم، والدخول على المغيبة، النسخة الهندية ٧٨٧/٢، رقم: ٥٠٣٦،

ف:۵۲۳۲، مشکوٰۃ،۲/۲۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۰۶۳/۳۲)

غیر محرم کا وکیل بن کر اجازت لینے کا حکم

سوال [۵۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ برادری کے معزز لوگوں نے ایک صاحب اولاد نمازی ایماندار باشرع کو نکاح میں وکالت کے لئے منتخب کیا، وکیل صاحب مع دو گواہوں کے لڑکی کے مکان پر جاتے ہیں اور اجازت لے کر گھر میں داخل ہوتے ہیں، قریش برادری میں دولہن سے نکاح کی اجازت لیتے وقت بے پردہ ہوتی ہے اور دیگر لڑکیاں بھی بے پردہ ہوتی ہیں، وکیل صاحب لڑکی سے نکاح کی اجازت لے کر نیچی نظروں سے باہر آ کر نکاح خواں کو آگاہ کرتے ہیں، وکیل صاحب کا یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محمد حنیف، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پوری برادری کے لئے ایک ہی شخص کو وکیل مقرر کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ وہ ہر عورت کا محرم نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا مرد کے لئے غیر محرم عورتوں کے مجمع میں جاکر غیر محرم عورت سے بات چیت کرنا جائز نہیں، ایسا شخص شرعاً فاسق ہے؛ اس لئے اجازت کے لئے جب تک محرم مرد موجود ہو غیر محرم مرد کا وکیل بن کر اجازت لینے کے لئے عورتوں کے مجمع میں جانا جائز نہیں؛ لہٰذا لڑکی کا محرم مرد ہی اجازت لینے کے لئے جایا کرے۔

عن ابن عباسؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يخلون رجل بامرأة، إلا مع ذی محرم. الحديث (صحيح البخاري، كتاب النكاح،

باب لایخلون رجل بامرأة إلا مع ذو محرم، والدخول على المغيبة، النسخة الهندية ۲/۷۸۷، رقم:۵۰۳۷، ف:۵۲۳۳)

فإن خاف الشهوة، أوشک امتنع نظرهٔ إلی وجهها، فحل النظر مقيد بعدم الشهوة، وإلا فحرام وهذا في زمانهم، وأما في زماننا، فمنع من الشابة إلا النظر لا المس لحاجة كقاض،وشاهد يحكم ويشهد عليها لا لتتحمل الشهادة في الأصح. و في الشامية: لأنه يوجد من لا يشتهي فلا ضرورة.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، زكريا ديوبند ۹/۵۳۲، كراچي ۶/ ۳۷۰، وهكذا في البحر الرائق، كوئٹه ۸/۱۹۲، زكريا ديوبند ۸/۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۱۹ھ

لڑکی کا قبول کرنے کے بعد اس سے انکار کرنا

سوال [۵۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح کرنے کے باوجود لڑکی نے جھوٹی قسم کھائی کہ میں نے نکاح قبول نہ کیا، تو نکاح ہوجائے گا یا نہیں؟ اور گواہ موجود ہوں، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اور اگر گواہ نہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: نعیم الدین، ریتی محلّہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی قبولیت نکاح کا انکار کررہی ہے؛ جبکہ دوسری طرف شوہر کے پاس بینہ موجود ہے، تو ایسی صورت میں شوہر کا قول قبول کیا جائے گا۔ اور اگر گواہ موجود نہ ہوں اور دخول بھی نہ ہوا ہو تو عورت کا قول قسم کے ساتھ قبول کرلیا جائے گا۔

ولو قال الزوج بلغک النكاح، فسكت. وقالت: رددت ولا بينة

لهما، ولم يكن دخل بها، فالقول قولها–أيّهما أقام البينة قبلت بينته.

(البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، كوئٹه ۳/۱۱۷، زكريا ديوبند ۳/۲۰۶)

قال الزوج للبكر البالغة بلغك النكاح فسكت. وقالت رددت النكاح، ولا بينة لهما على ذلك، ولم يكن دخل بها طوعاً في الأصح، فالقول قولها بيمينها على المفتىٰ به وتقبل بينته على سكوتها. (الدر مع الرد، باب الولي، كراچي ۳/۶۳، ۶۴، زكريا ديوبند ۴/۱۶۷، وهكذا في مجمع الأنهر مصري قديم ۱/۳۳۵، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۴۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ ؍۶۰۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۶ھ

اجازت کے وقت بالغہ لڑکی کا کھلکھلا کر ہنسنا

سوال [۵۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بالغہ لڑکی سے نکاح کے قبول کے وقت اجازت کے لئے جاوے، تو اس وقت لڑکی استہزاء کے طور پر کھلکھلا کر ہنس دے تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبد الملک، آسامی، متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبول کے وقت لڑکی کے بطور استہزاء کھلکھلا کر ہنسنے کی صورت میں یہ اجازت شمار نہیں ہوگی؛ بلکہ یہ عدم رضا پر دلالت کرتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

إذا ضحكت مستهزئة، فإنه لايكون إذناً وعليه الفتوىٰ، وضحك الاستهزاء لا يخفي على من يحضرهٗ؛ لأن الضحك إنما جعل إذناً لدلالته

علی الرضا، فإذا لم یدل علی الرضا، لم یکن إذناً. (البحر الرائق، کتاب النکاح، باب الأولیاء والاکفاء، کوئٹه ۱۱۲/۳، زکریا ۱۹۸/۳، وهکذا في الشامي، کراچي ۵۹/۳، زکریا دیوبند ۱٦۰/٤)

إذا ضحکت کالمستهزئة لایکون رضا، وضحک الاستهزاء لایخفي علی من یحضرهٗ. (فتح القدیر، دار الفکر مصري قدیم ۲٦٤/۳، زکریا دیوبند ۲۵٦/۳، کوئٹه ۱٦٤/۳، وهکذا في مجمع الأنهر، مصري قدیم ۳۳۳/۱، دار الکتب العلمیة بیروت ٤۹۱/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۵۰۲)

مریضہ کو اجازت دینا یاد ہے تو کیا حکم؟

سوال [۵۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۲؍فروری ۲۰۱۴ء بروز بدھ کو میری شادی ہوئی تھی، چھ فروری کو گھر میں معمولی بات پر کہا سنی ہوئی، جس کی وجہ سے میری طبیعت خراب ہوگئی یعنی الجھن، درد، بے چینی ہوگئی اور گھر والوں کو بولنا شروع کردیا نیند غائب ہوگئی۔

شادی سے دو دن قبل حالت زیادہ خراب ہوئی، نہ چاہتے ہوئے بھی بول رہی تھی گھر والوں پر غصہ کر رہی تھی، ڈاکٹر کو دکھایا گیا، اس نے کہا بس تھوڑی سی پریشانی ہوگئی ہے، پاگل نہیں ہے ٹھیک ہو جائے گی؛ لیکن دوا سے آرام نہیں ملا، میں نے اپنی زبان سے بھی کہنا شروع کیا کہ فلاں فلاں نے جادو کیا، عین ۱۲؍تاریخ کی صبح میں ایک عامل کے پاس لے جایا گیا، عامل نے زبردست اثر بتایا، عمل کے علاج کے مطابق نہلایا گیا، نہلانے کے فوراً بعد میں گہری نیند میں سوگئی، نکاح کے وقت اٹھایا گیا۔

یہ بات مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے چچا کہہ رہے تھے کہ بیٹا تمہارا نکاح ہوا ہے، میں نے کہا ہاں میں راضی ہوں، عربی زبان میں بھی قبلت رضیت جیسے الفاظ ادا کئے، میرے چچا نے کہا دستخط کرو، میں نے کہا دستخط کی کیا ضرورت ہے؟ بس ہاں کہہ دینا کافی ہے؛ لیکن میرے چچا نے میرے ہاتھ میں قلم تھما دیا نیند کا غلبہ اور کمزوری کے باعث ٹھیک طرح دستخط نہیں کر پائی، پھر میں سوگئی ایک گھنٹے کے بعد اٹھایا گیا، اب میں بالکل خاموش تھی خیر اسی حالت میں رخصتی کر دی گئی؛ لیکن دوران سفر پھر میں نے بولنا شروع کیا سسرال پہونچتے ہی میں نے سامان پھینکا، وہاں بھی کچھ دیر خاموش رہی، کبھی قرآن کی آیت تلاوت کرتی، کبھی عمدہ اشعار پڑھتی اپنی خوبیوں اور برائیوں کا ذکر کیا میری حالت پہلے سے مختلف ہوگئی۔

بہر حال شادی سے دو دن قبل طبیعت زیادہ ناساز گار ہوئی، جو بول رہی تھی غصہ میں صحیح صحیح بول بول رہی تھی جائز ناجائز کی تمیز تھی، سب کو پہچان رہی تھی اور کبھی کبھی کچھ دیر کے لئے خاموش ہو جاتی گھر والوں کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میں ہوش وحواس کے ساتھ بول رہی ہوں، میری ہر خواہش پوری کی جارہی تھی اور میں یہ بھی کہہ رہی تھی کہ میں وہاں خاموش رہوں گی، بس مجھے اس گھر سے نکال دو؛ لیکن طبیعت ٹھیک ہو جانے کے بعد میں نے غور کیا تو کچھ باتیں یاد نہیں ہیں اور کچھ یاد ہیں (ایسا لگتا ہے کہ کبھی کبھی میرا دماغ ٹھیک طرح سے کام کرنے لگتا)

اب موجودہ صورت حال میں نکاح درست ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں تسلی بخش جواب دیں۔

نوٹ: قبل نکاح رضامندی تھی، وقت نکاح زبان سے جو الفاظ ادا کئے وہ یاد ہیں۔

- حالت صحت میں بھی رضامند تھی۔
- نکاح سے ایک دن قبل ڈاکٹر کو دکھایا گیا، ڈاکٹر نے پاگل نہیں بتایا۔
- حالت بیماری میں کبھی بے ہوش نہیں ہوئی۔
- زندگی میں اس طرح کا کبھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔

○ 10,11,12,13 تاریخ کی بہت سی باتیں ابھی بھی یاد ہیں۔

سوال: کیا لڑکی سے اذن لیتے وقت لڑکے والوں کی طرف سے گواہ کا ہونا ضروری ہے؟

المستفتیہ: زینت خاتون بنت مولانا غریب اللہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا کہ نکاح کی اجازت لیتے وقت لڑکی کے ہوش وحواس درست تھے، وہ خود لکھ رہی ہے کہ اجازت دینا مجھے خود یاد ہے، اور زبانی اجازت دیدی ہے اور دستخط بھی جیسے تیسے کی ہوں وہ یاد ہے، نکاح منعقد ہونے کے لئے اتنا ہوش وحواس کافی ہے؛ اس لئے مذکورہ واقعہ میں لڑکی کی طرف سے اجازت صحیح ہوگئی اور نکاح بھی درست ہوگیا اور میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق بھی جائز اور حلال طریقہ سے قائم ہوا ہے۔

وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها. وقوله ووجه الجواز أنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة مميزة. (هداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء اشرفي بكڈپو ديوبند ۲/۳۱۳-۳۱۴)

(۲) لڑکی سے اجازت لیتے وقت گواہوں کا وہاں موجود ہونا لازم نہیں ہے اور لڑکے والوں کی طرف سے گواہوں کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ غیر محرموں کا گواہ بن کر جانا شرعی طور پر بے حیائی اور بے پردگی کی وجہ سے ناجائز ہے، ہاں البتہ نکاح کی مجلس میں ایجاب وقبول کے وقت گواہوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ جدید ۸/۱۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۰۱۸)

مذاق میں ایجاب وقبول

سوال [۵۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ محمد زید نے دو گواہوں کی موجودگی میں آسیہ خانم سے کہا کہ میں محمد زید بن عقیل احمد نے آسیہ خانم ولد ریاضت علی مرحوم خانم کو اپنے نکاح میں قبول کیا، اس پر آسیہ خانم نے کہا میں نے قبول کیا، میں نے قبول کیا، میں نے قبول کیا؛ زید آسیہ اور دونوں گواہ سب بالغ ہیں اور ایک مجلس میں ہی ایجاب وقبول ہوا ہے، مگر لڑکی کہتی ہے کہ وہ میں نے مذاق میں کہا تھا، تو کیا نکاح منعقد ہوگیا؟ اور اب طلاق دیئے بغیر لڑکی دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی؟ لڑکی پٹھان برادری کی ہے اور لڑکا شیخ عثمانی برادری کا ہے۔

المستفتی: محمد زید چندوسی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں محمد زید (شیخ عثمانی) نے دو بالغ مسلمان گواہوں کی موجودگی میں آسیہ خانم بنت ریاضت علی مرحوم (پٹھان) کے ساتھ مذاق میں ایجاب وقبول کیا ہے اور دونوں ہم کفو بھی ہیں، تو ایسی صورت میں مذاق میں کیا ہوا نکاح صحیح اور درست ہوگیا؛ لہٰذا طلاق دیئے بغیر لڑکی دوسری جگہ اپنا نکاح نہیں کرسکتی۔
(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۶/۷۵)

عن أبي هريرةؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال ثلث جدهن جد، وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة. (ترمذي، كتاب الطلاق، باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق ۱/۲۲۵، رقم:۱۱۸٤)

قال أبوحنيفة: في نكاح اللعب والهزل أنه جائز كما يجوز نكاح الجد.
(اعلاء السنن، مطبع عباس احمد الباز، مكة المكرمه ۱۱/۱۵۲، كوئٹه ۱۱/۱۳۳)

حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل.
(شامي، زكريا٤/٨٦، كراچي ٣/٢١)

وفي الظهيرية: الأصل أن النكاح يصح مع الهزل. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/١٨٥، رقم: ٥٩١٥، الأشباه والنظائر، القاعده الأولى قديم ٤٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢/٢٨٠)

الحرة العاقلة البالغة إذا زوجت نفسها من رجل هو كفء لها بكرا كانت أو ثيباً نفذ النكاح في ظاهر رواية أبي حنيفةؒ: إلا أن الزوج إذا لم يكن كفء فللأولياء حق الاعتراض. (تاتارخانية، ٤/ ١٠٠، رقم:٥٦٤٤)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي......والاعتراض في غير الكفء أي في تزويجها نفسها من غير كفء. (در مختار مع الشامي، زكريا ٤/ ١٥٤، ١٥٥، كراچي ٣/ ٥٥، ٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۶۶)

لڑکی کا نکاح میں ایجاب وقبول کے بجائے دستخط کرنا

سوال [۵۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سے بوقت نکاح قاضی صاحب نے ایجاب وقبول کرالیا؛ لیکن ہندہ سے جس سے زید کا نکاح ہورہا تھا قبول زبانی نہیں کرایا گیا؛ بلکہ ہندہ نے نکاح کی رسید پر اپنی رضامندی سے دستخط کردئے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں نکاح ہی نہیں ہوا زبان سے قبول کرانا ضروری تھا وہی نہیں ہوا ہے۔

المستفتی: محمد شریف نئ آبادی، جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہوگیا اور جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ نکاح نہیں ہوا صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ جب قاضی نے وکیل کی اجازت سے وکیل کی موجودگی میں ایجاب کیا اور شوہر نے قبول کرلیا اور عورت نے منع بھی نہیں کیا؛ بلکہ رضامندی سے دستخط کردئے تو ایجاب وقبول پائے جانے کی بناپر نکاح صحیح ہوگیا۔

عن ابن عباسؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الثيب أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأمر، وإذنها سكوتها. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استئذان الثيب في النكاح بالنطق......النسخة الهندية ١/٤٥٥، بيت الأفكار رقم:١٤٢١)

فإن استاذنها هو أي الولي، أو وكيله، أو رسوله، أو زوجها وليها وأخبرها رسوله، أو فضولي عدل فسكتت عن رده مختارة......فهو أذن.

(الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/١٥٩ تا ١٦١، كراچي ٣/٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳ر رجب المرجب ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۴۶)	۱۳/۷/۱۴۱۶ھ

عورت نے شرعی گواہوں کی موجودگی میں کسی کو اختیار دیا اور اس نے قبول کرلیا

سوال [۵۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی عورت نے کسی مرد سے دو مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں کہا کہ میں تم سے نکاح کروں گی میں نے تم کو اپنے نفس کا اختیار دیا مرد نے کہا میں نے قبول کرلیا، تو کیا یہ نکاح درست ہوا اور مرد کا اس عورت سے وصل جائز ہے یا نہیں؟ اور دونوں کے درمیان مہر کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا صرف حویلی کا تذکرہ ہوا عورت نے ایجاب میں حویلی لینے کا تذکرہ کیا مرد نے حویلی دیتے ہوئے کہا قبول کیا۔

المستفتی: حکیم محبوب احمد، اغوان پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نکاح منعقد ہو چکا ہے، دونوں کا میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا جائز ہے، جس حویلی کے لین دین کا تذکرہ ہوا ہے وہی مہر قرار پائے گا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۵۵، ایضاً ۸/۲۶۲)

ینعقد بلفظ النکاح والتزویج کان علی وجه الخبر علی الماضي نحو أن تقول المرأة زوجت نفسي منک بکذا بمحضر من الشهود فیقول الرجل قبلت، أو یکون علی وجه الاستقبال بأن یقول الرجل للمرأة أتزوجک علی کذا، فتقول المرأة قبلت. (فتاوی خانیة علی الهندیة، کتاب النکاح، الفصل الأول في الالفاظ التي ینعقدبها النکاح، زکریا ۱/۳۲۱، زکریا جدید ۱/۱۹۶)

(وتجب) العشرة (إن سماها أو دونها) ویجب (الأکثر منها إن سمی) الأکثر. (الدر المختار، کتاب النکاح، باب المهر، زکریا دیوبند ۴/۲۳۳، کراچي ۳/۱۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۷؍۱۴۱۶ھ

بوقت نکاح لڑکی کے نام کی تبدیلی

سوال [۵۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دولڑکیاں ہیں نازمین، یاسمین ان میں سے بڑی یعنی نازمین کی شادی کرنی تھی۔ اب بوقت نکاح نکاح خواں کے نکاح پڑھاتے وقت وکیل سے نام لینے میں غلطی ہوگئی، انہوں نے بڑی لڑکی کا نام نہ لے کر چھوٹی کا لے لیا، اس وقت کسی کو اس کا احساس نہ ہوا؛ لیکن رخصتی میں وہی لڑکی سسرال گئی، جس سے شادی طے تھی، اگلے دن جب شوہر اس لڑکی سے مل چکا تو تحقیق سے معلوم ہوا کہ نکاح چھوٹی لڑکی سے ہوا ہے نہ کہ بڑی سے؛ کیونکہ چھوٹی ہی کا نام لیا گیا تھا، اب ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ اس کو طلاق دے کر بڑی لڑکی کا نکاح دوبارہ پڑھواؤ، ہم نے ان کی ہدایت کے مطابق ایسا

کرلیا، تو کیا یہ درست ہے، اب چھوٹی لڑکی پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ اوراس کی عدت میں فوراً نکاح درست ہوا یا نہیں؟

المستفتی: خالد ضمیر ایڈوکیٹ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی صراحت کے مطابق جو مسئلہ مولوی صاحب نے بتایا ہے وہ درست ہے؛ کیونکہ جب چھوٹی لڑکی کا نام مجلس نکاح میں شوہر کے سامنے ذکر کیا گیا، تو شوہر نے اسی کو نکاح میں قبول کیا؛ لہٰذا بڑی لڑکی کا نکاح اصلاً نہ ہوا اور چھوٹی کے ساتھ درست ہو گیا۔

ولـولـه بـنتـان أراد تزويج الكبرىٰ فغلط فسماها باسم الصغرىٰ صح للصغرىٰ خانية. (در مختار على الشامي، زكريا ٤/ ٩٧، كراچي ٣/ ٢٦)

اب بڑی کو رکھنے کے لئے چھوٹی کو طلاق دینا ضروری ہے اور چونکہ اس چھوٹی سے خلوت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوئی تو اس پر عدت وغیرہ کچھ بھی لازم نہیں اوراس کو طلاق کے فوراً بعد بڑی سے نکاح درست ہے۔

لايـجـب الـعـدة علها-لو طلقها قبل الخلوة. (خانية على هندية، زكريا ١/ ٥٤٩، زكريا جديد ١/ ٣٤٧، هكذا في در مختار على الشامي، زكريا ٥/ ١٨٠، كراچي ٣/ ٥٠٤)

لیکن بڑی لڑکی کے ساتھ جو رخصتی اور ہمبستری ہوئی ہے، وہ شرعاً ناجائز ہوئی ہے؛ اس لئے دونوں اس فعل میں اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور جن لوگوں نے اس غلط طریقہ پر رخصت کرایا ہے، ان کو بھی اپنی غلطی پر توبہ کر لینا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۶۵۵۲)	۱۴۲۱/۳/۱۸ھ

نکاح کی رسید میں لڑکی ،لڑکا کا نام بدلا ہوا ہوتو کیا حکم؟

سوال [۵۳۹۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا جوعلی گڑھ کا رہنے والا ہے، اس نے اپنے ماں باپ کی بلا مرضی کے ایک لڑکی کے ساتھ نکاح کرلیاہے، جبکہ لڑکی کا نام بتایا جاتا ہے کہ ثانیہ ہےاورنکاح کے کاغذ میں اس کا نام سنیلہ ہے،لڑکے کا نام فضیل ہےاور نکاح کےکاغذ میں لڑکے کا نام محمد فضل ہے، آپ سے یہ فتوی لینا چاہتے ہیں کہ یہ نکاح ہوا یا ہیں، اس کاڈپلیکیٹ کا غذ بھی ہم اس خط کے ذریعہ بھیج رہے ہیں، آپ مہربانی کر کےفتوی کے ذریعہ خط کے ساتھ میرے پاس بھیج دیں، آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

المستفتی: قاری محمد میاں، جان نوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کی رسید بھی دیکھ لی گئی ہے،نکاح کی رسید میں بھی لڑکے کا نام فضل نہیں ہے؛ بلکہ فضیل ہےاورواقع میں بھی اس کا نام فضیل ہی ہے؛ البتہ لڑکی کا نام نکاح کی رسید میں سنیلہ ہے؛ جبکہ حقیقت میں اس کا نام ثانیہ ہے، تو ایسی صورت میں جس وقت نکاح ہورہا تھا،اس وقت لڑکی اگر بنفس نفیس موجود تھی تو نام غلط ہونے کی باوجود اس کا نکاح صحیح ہو چکا ہےاوراگرنکاح کی مجلس میں لڑکی موجود نہیں رہی ہےاورنکاح خواں نے اپنی زبان سے صحیح نام لے کر کے نکاح پڑھایا ہےاوررسید میں غلط لکھا گیا ہے،تب بھی نکاح درست ہو چکا ہے، ہاں البتہ اکر بوقت نکاح نکاح کی مجلس میں یا جہاں نکاح ہورہا تھا، وہاں پرلڑکی موجود نہیں تھی اوراس کے نام ثانیہ کے بجائے اس کا سنیلہ نام لیا ہے،اورلڑکی کے ماں باپ کا نام بھی نہیں لیا گیا ہے،تو ایسی صورت میں ثانیہ کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوا؛ اس لئے کہ اس شکل میں لڑکی متعین نہیں

ہوئی اور نکاح کے اندرلڑکی کا متعین ہونا لازم ہوتا ہے۔

لابد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها، وإن كانت معروفة عند الشهو على قول ابن الفضل وعل قول غيره: يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم وإلا فلا (وقوله) لو زوجه بنته ولم يسمها وله بنتان لم يصح للجهالة، بخلاف ما إذا كانت له بنت واحدة إلا إذا سماها بغير اسمها ولم يشر إليها فإنه لا يصح. (شامي، زكريا ٤/٩٠، كراچي ٣/٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۱۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۳۶ھ

بیوی کا نام بوقت نکاح شاہین سلطانہ کے بجائے شاہین پروین لینا

سوال [۵۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح ۲۰۰۹ء میں ہوا، اور میں مدرسہ مدینۃ العلوم بیدر کرناٹک میں شعبہ حفظ میں مدرس ہوں، نکاح کے بعد میں مدرسہ کی خدمت میں مصروف تھا دومہینہ کے کچھ ہی دنوں بعد حمل کی خوشی بھی نصیب ہوئی، مگر اہلیہ کے کچھ پیٹ کے عارضہ کی وجہ حمل گرا اور کئی مرتبہ سال میں گرا، اس کے بعد ازدواجی زندگی کے موڑ بدل گئے اور مجھے مدرسہ سے زبردستی دوسری طرف لے گئے سسرال والے، اور شرط رکھی کہ مدرسہ چھوڑو ورنہ بیوی کو چھوڑو میں مدرسہ کو چھوڑ کر دوسرے طرف جو سسرال کے قریب تھا وہاں چلا گیا ان کے ساتھ بدرجہ مجبوری وہاں سے دوسری طرف رکھا گیا مجھے، اور سسرال والے بھی ایک دینی مدرسہ کے ذمہ دار ہیں جو میرے ماموخسر بھی لگتے ہیں، مجھے اور بیوی کو الگ کر دیا گیا، مدرسہ میں تنخواہ بھی رکوائی میری اور مدرسہ سے جبراً ہٹا دیا گیا اور دوسرے کسی مدرسہ کی جگہ جاتا تو وہاں بھی منع کرتے تقریباً ایسا دو سال پریشان کر کے بیوی کو بھی نہیں بھیجا ہمارے پاس، کہ تھوڑی تنخواہ میں

مدرسہ کے تم پال نہیں سکو گے اور تم کچھ بیوی کا خیال نہیں کرسکو گے، دوسال سے تین سال بیوی سے الگ رکھا، والدین کو ہمارے دھمکاتے تھے، میں مدرسہ کی خدمت سے بھی دور اور بیوی سے بھی دور کردیا گیا، مجھے تقریباً تین سال تک اس کے بعد خلع کے لئے بلایا گیا، مجھے اور قاضی صاحب کے پاس بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق بائینہ خلع دو گواہوں کے سامنے زبردستی کر کے بیوی کا نام شاہین سلطانہ ہے تو شاہین پروین کہہ کر بلوایا گیا، میری نیت بھی نہیں تھی اور نام بیوی کا بدلا ہوا تھا، شاہین سلطانہ تھا تو شاہین پروین تحریر کیا گیا، جو بعد میں غلط ثابت کر کے پریشان بھی کر سکتے ہیں، شادی کے فارم اور اسکول فہرست میں شاہین سلطانہ ہے، خلع کے وقت شاہین پروین تحریر کر کے طلاق بائنہ و خلع بلوایا گیا، بیوی کی غیر موجودگی میں اور نام بھی بدلا تھا، میری نیت بھی نہیں تھی۔

نوٹ: بعد میں قاضی کے پاس میری اہلیہ سے میری غیر موجودگی میں دستخط کرایا ہے، ماموخسر جو دینی مدرسہ کے ذمہ دار بھی ہیں۔ جواب چاہتا ہوں کے طلاق بائنہ و خلع بغیر نیت شوہر کے اور نام بدل کے ہوتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ معز، وجۓ نگر، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا نام شاہین سلطانہ کے بجائے شاہین پروین لکھنے کی وجہ سے نام کے تعین میں کوئی فرق نہیں آتا؛ اس لئے کہ صرف شاہین لکھنا بھی تعین کے لئے کافی ہے۔ اب رہی خلع نامہ پر دستخط کرنے کی بات تو اگر شوہر نے خلع نامہ خود نہیں تیار کرایا ہے اور نہ ہی اس پر بخوشی دستخط کیے ہیں؛ بلکہ جبر و اکراہ کی وجہ سے دستخط کیے ہیں؛ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور شوہر کی طرف سے خلع بھی درست نہ ہوگا اور اگر جبر و اکراہ کے ساتھ دستخط نہ کرتا تو شوہر کے اوپر کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا، پھر بھی شوہر نے خلع نامہ پڑھ کر دستخط کر دیئے ہیں، تو خلع اور طلاق بائن صحیح ہوگئی اور اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، وقوع طلاق کے لئے نیت شرط نہیں ہے؛

بلکہ بخوشی لکھنے اور تحریر پر بلانیت دستخط کردینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

الکتابة علی نوعین: إن کانت مرسومة یقع الطلاق نوی أو لم ینو. (هندية، كتاب الطلاق، باب في ايقاع الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، زكريا ١/٣٧٨، جديد زكريا ١/٤٤٥، خانية على الهندية زكريا ١/٤٧١، زكريا جديد ١/٢٨٧)

رجل أکره بالضرب والحبس علی أن یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان، فکتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لاتطلق امرأته؛ لأن الکتابة أقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة ههنا. (خانية على الهندية ١/٤٧٢، زكريا جديد ١/٢٨٧، هندية زكريا ١/٣٧٩، زكريا جديد ١/٤٤٦)

وحکمه أي الخلع وقوع الطلاق البائن. (هندية، زكريا ١/٤٨٨، زكريا جديد ١/٥٤٨، شامي، كراچي ٣/٤٤٤، زكريا ٥/٩١-٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۱۶۴/۴۱)	۱۴۳۶/۲/۲۳ھ

قاضی نے چھوٹی بہن کے بجائے شادی شدہ بڑی بہن کے نام سے نکاح پڑھا دیا

سوال [۵۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ وکیلہ کی شادی زید کے ساتھ تقریباً چار سال پہلے ہوچکی ہے، پھر عقیلہ کی شادی جو وکیلہ کی چھوٹی بہن ہے، بکر کے ساتھ ہوئی، بکر کا پیغام نکاح عقیلہ سے طے ہوا، مگر قبولیت نکاح کے وقت بجائے عقیلہ کے نام کے وکیلہ کے نام سے قبولیت ہوئی اور رجسٹر نکاح پر بھی وکیلہ کا نام درج ہوا اور بعد نکاح رخصتی عقیلہ کی ہوئی جس سے بکر کا پیغام نکاح طے تھا؛ لہٰذا اس نکاح کا حکم شرعی مطلوب ہے۔

(۲) کچھ عرصہ کے بعد عقیلہ کا شوہر بکر کہتا ہے کہ میرا نکاح تجھ سے نہیں ہوا؛ بلکہ وکیلہ

سے ہوا ہے اور میں تجھے طلاق دے چکا اور جا تو آزاد ہے، صورت مذکورہ کا شرعی حکم کیا ہے اور اب دونوں کی باہم زندگی گذارنے کی کوئی شکل ہے؟

المستفتی: صلاح الدین، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بکر کا نکاح نہ وکیلہ سے ہوا ہے اور نہ ہی عقیلہ سے ہوا ہے، وکیلہ کے ساتھ تو اس لئے نہیں ہوا کہ وہ دوسرے مرد کے نکاح میں ہے، عقیلہ کے ساتھ اس لئے نہیں ہوا ہے کہ بوقت نکاح اس کا نام نہیں لیا گیا اور نہ ہی رجسٹر نکاح میں اس کا نام ہے۔

ولـولـه بنتان أراد تزويج الكبرىٰ، فغلط فسماها باسم الصغرىٰ صح للصغرىٰ. (درمختار، كراچي ٣/٢٦، زكريا ٤/٩٧)

لہٰذا اس کے بعد بکر نے جو عقیلہ کو طلاق دی ہے وہ شرعاً واقع نہیں ہوئی اور اب اگر ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو شرعی طریقہ سے نکاح کر کے رہ سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۳/۲۱۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ / ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۱۵ھ

قاضی نے لڑکی کا نام بدل دیا تو نکاح ہوا یا نہیں؟

سوال [۵۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بڑی لڑکی محمد النساء کی شادی کی، نکاح کا وقت جب آیا تو وکیل اور گواہوں نے اذن محمد النساء سے لیا اور لڑکی نے اذن دیدیا، لیکن وکیل اور گواہوں نے قاضی سے مہر النساء چھوٹی لڑکی کا نام بتادیا اور قاضی صاحب نے چھوٹی لڑکی مہر النساء کے نام

سے ایجاب وقبول بھی کرادیا اور رخصتی بڑی لڑکی محمد النساء کے ساتھ ہوئی کئی روز میں پتہ چلا کہ چھوٹی لڑکی مہر النساء کا نام رجسٹر میں ہے، اس حالت میں اب کیا کریں؟

المستفتی: سراج الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بوقت عقد نکاح قاضی نے شوہر کے سامنے بڑی لڑکی محمد النساء کا نام نہیں لیا، تو محمد النساء کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوا؛ لہٰذا محمد النساء کو شوہر کے ساتھ بیوی بن کر رہنا جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ مذکورہ عقد نکاح میں جب چھوٹی لڑکی مہر النساء کا نام لیا ہے اور شوہر نے اسی کو قبول کرلیا ہے، تو اس کا نکاح صحیح ہوگیا ہے۔

اب محمد النساء کا نکاح صحیح ہونے کے لئے یہ صورت ہوسکتی ہے کہ دوبارہ محمد النساء کے ساتھ عقد نکاح کرلیا جائے یا محمد النساء کو چھوڑ کر مہر النساء کو رخصت کرادیں؛ اس لئے کہ شادی میں سگائی وغیرہ کے ذریعہ سے لڑکی کی اصل تعیین نہیں ہوتی؛ بلکہ بوقت نکاح صریح الفاظ سے نام ذکر کرنے سے اصل تعیین ثابت ہوتی ہے۔

إذا وقعت الخطبة على إحداهما ووقت العقد عقدا باسم الأخرىٰ خطأً، فإنه يصح على التي سمياها وذلك لأن مقدمات الخطبة قرينة معينة إذا لم يعارضها صريح والتصريح بذلك الأخرىٰ صريح فلاتعمل معه القرينة الخ.

(منحة الخالق، كتاب النكاح، زكريا ٣/ ١٥٠، كراچي ٣/ ٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۷۳۷)	۱۴۱۴/۱۲/۴ھ

قاضی نے دو بہنوں کے نکاح میں ایک کا نام دوسری کی جگہ لے لیا

سوال [۵۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ دو بہنوں کا ایک ساتھ نکاح ہوا ہندہ کا رشتہ خالد کے ساتھ اور زینب کا رشتہ بکر کے ساتھ ہوا اور وکیل نے لڑکیوں سے اجازت بھی اسی طرح لیا (ہندہ سے خالد سے نکاح کے لئے اجازت لی اور زینب سے بکر سے نکاح کے لئے) اس کے بعد بوقت نکاح نکاح خواں نے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ اور زینب کا نکاح خالد کے ساتھ کردیا، معاملہ بالکل الٹا ہوگیا، پھر اس کے سابقہ طے شدہ رشتہ کے اعتبار سے ہندہ کی رخصتی خالد کے ساتھ اور زینب کی رخصتی بکر کے ساتھ کردی اور ہمبستری بھی ہوگئی، اس کے بعد علماء سے مسئلہ معلوم کیا، تو پتہ چلا کہ ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ اور زینب کا نکاح بکر کے ساتھ ہوا ہی نہیں ہے۔

اب اس کے تحت مفتی صاحب سے دو باتیں معلوم کرنی ہیں۔

(۱) اس مسئلہ کا حل کیا ہوگا اور ہندہ کے خالد کی زوجہ بننے اور زینب کے بکر کی زوجہ بننے کی کیا شکل ہوگی؟

(۲) اس رخصتی میں جو ہمبستری ہوئی ہے، یہ ہمبستری زنا کے مرادف ہے یا وطی بالشبہ ہے، اگر وطی بالشبہ ہوئی ہے، تو اس سے علیحدگی کی صورت میں عدت گزارنا لازم ہوگی یا نہیں؟ اگر استقرار حمل ہوگیا ہے تو ثبوت نسب کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شعیب احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دو بہنوں کا نکاح ایک مجلس میں ہونے لگے، تو وکیل اور نکاح خواں کو انتہائی بیداری اور سمجھداری سے نکاح کا ایجاب وقبول کرانا چاہئے ورنہ ادل بدل ہوکر کے ایسا ہی خطرناک واقعہ پیش آسکتا ہے جیسا کہ سوال نامہ میں ہوا ہے۔

اب مذکورہ واقعہ میں خالد کا نکاح ہندہ کیساتھ اور زینب کا نکاح بکر کے ساتھ نہیں ہوا ہے؛ بلکہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہوکر ہندہ بکر کی زوجیت میں آگئی اور زینب کا نکاح خالد سے ہونے کی وجہ سے زینب خالد کی زوجیت میں آگئی، مگر رخصتی اس کے برخلاف ہوئی ہے کہ بکر کی بیوی ہندہ خالد کے ساتھ رخصت کردی گئی اور خالد کی بیوی زینب بکر کے ساتھ

رخصت کر دی گئی اور دونوں کی شب باشی شرعی طور پر ناجائز ہوئی ہے؛ اس لئے فوری طور پر ہندہ کو بکر کے حوالہ کر دیا جائے اور زینب کو خالد کے حوالہ کر دیا جائے اور مذکورہ رخصتی میں جو ہمبستری ہوئی ہے اس سے توبہ کر لیں اور اگر یہی چاہتے ہیں کہ سابقہ طے شدہ رشتہ کے مطابق ہندہ خالد کی زوجیت میں دی جائے، تو زینب خالد کے نکاح سے فوری طور پر الگ ہو جائے اور عدت گذارنے کی ضرورت نہیں کہ وہ خالد کی مدخولہ نہیں ہے، پھر زینب کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا جائے، اسی طرح بکر ہندہ کو طلاق دیدے اور ہندہ چونکہ بکر کی مدخولہ نہیں ہے؛ اس لئے اس پر بھی عدت گزارنا لازم نہیں، پھر ہندہ کا نکاح خالد کے ساتھ کر دیں، اس کے بعد جیسے رخصتی کی ہے، اسی طرح رخصتی صحیح ہو جائے گی۔ اس تحریر کے ذریعہ سوال کے ہر پہلو کا جواب واضح ہو چکا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۱/۳۹)

اس کے جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

وكان أبو حنيفةؒ في وليمة في الكوفة وفيها العلماء، والأشراف وقد زوج صاحبها ابنيه من اختين فغلطت النساء فزفت كل بنت إلى غير زوجها ودخل بها فأفتى سفيانؒ بقضاء عليؓ على كل منهما المهر، وترجع كل زوجها فسئل الإمام فقال علي بالغلامين فأتىٰ بهما، فقال: أيحب كل منكما أن يكون المصاب عنده قالا نعم! فقال لكل منهما: طلق التي عند أخيك، ففعل، ثم أمر بتجديد النكاح فقام سفيان فقبل بين عينيه. (الإشباه والنظائر، الفن السابع الحكايات والمرسلات ۲/۳۲٤)

حكي في المبسوط أن رجلاً زوج ابنيه بنتين فأدخل النساء زوجة كل أخ على أخيه فأجابها العلماء بأن كل واحد يجتنب التي أصابها وتعتد لتعود إلى زوجها، وأجاب أبو حنيفةؒ بأنه إذا رضي كل واحد بموطوءته يطلق كل واحدٍ زوجته ويعقد على موطوءته ويدخل عليها للحال؛ لأنه صاحب العدة، ففعلا كذلك ورجع العلماء إلى جوابه.

(شامي، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب:حكاية أبي حنيفة في الموطوئة بشبهة، كراچي ۳/۵۰۷، زكريا ۵/۱۸۳، ۱۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۷۶۱)

دو بہنوں کے نکاح میں قاضی نے نام بدل دیا

سوال [۵۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دو لڑکیاں ہیں، ایک کا نام ثاقبہ، دوسری کا نام شگوفہ-شگوفہ کا نکاح خالد سے ہونا طے تھا، بارات زید کے گھر آئی نکاح پڑھا گیا، ایجاب وقبول کراتے وقت قاضی نے خالد کے سامنے بجائے شگوفہ کا نام لینے کے ثاقبہ کا نام لیا، لوگوں کے توجہ دلانے پر بھی دوبارہ ثاقبہ ہی کا نام لیا؛ جبکہ شوہر خالد نے دونوں مرتبہ خاموشی اختیار کی اور زبان سے کلمہ قبول نہیں نکالا، اس کے بعد رخصتی شگوفہ کے ساتھ ہوگئی۔

اب سوال یہ ہے کہ خالد کا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اگر منعقد ہوا تو شگوفہ سے ہوا یا ثاقبہ سے، اسی واقعہ کے بعد ثاقبہ کا نکاح دوسرے شخص سے ہو چکا ہے، فی الحال شگوفہ خالد کے ساتھ رخصت ہوکر خالد ہی کے گھر پر ہے، جواب سے مشکور فرمائیں۔

المستفتی: امداد اللہ، پنتھر فیض آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں خالد کا نکاح شرعاً شگوفہ اور ثاقبہ میں سے کسی کے ساتھ بھی صحیح نہیں ہوا، شگوفہ کے ساتھ اس لئے صحیح نہیں ہوا کہ بوقت عقد نام نہیں لیا گیا، جوکہ ضروری تھا اور ثاقبہ کے ساتھ اس لئے نہیں ہوا کہ خالد نے قبول نہیں کیا اور انعقاد نکاح میں پیغام نکاح اور سگائی کا اعتبار نہیں ہوتا؛ بلکہ بوقت عقد جس کا نام آجائے اسی کے ساتھ منعقد ہوجاتا ہے۔

إذا وقعت الخطبة على إحداهما ووقعت العقد عقداً باسم الأخرىٰ خطأً، فإنه يصح على التي سمياها و ذلک؛ لأن مقدمات الخطبة قرينة معينة إذا لم يعارضها صريح و التصريح بذلک الأخرىٰ صريح، فلاتعمل معه الخ (منحة الخالق على هامش البحرالرائق، كتاب النكاح، زكريا ديوبند۳/ ۱۵۰، كراچي ۳/ ۸٤)

وينعقد بإيجاب وقبول. (البحرالرائق، کوئٹہ ۳/ ۸۱، زكريا۳/ ۱٤٤، هندية، زكريا۱/ ۲٦۷، جديد زكريا ۱/ ۳۳٥)

لہٰذا شگوفہ کو نکاح میں رکھنے کے لئے خالد پر ضروری ہے کہ دوبارہ دوگواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرے، اس کے بغیر شگوفہ کو رکھنا جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ حرام ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۲؍۱۴۱۱ھ

قاضی نے لڑکی کا نام بدل کر نکاح پڑھایا

سوال [۵۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دولڑکیاں ہیں ایک نام ثاقبہ ہے۔ دوسری کا نام شگوفہ، شگوفہ کا نکاح سعود سے ہونا طے تھا، بارات زید کی گھر آئی نکاح پڑھایا گیا، ایجاب وقبول کراتے وقت قاضی نے سعود کے سامنے بجائے شگوفہ کا نام لینے کے ثاقبہ کا نام لیا، لوگوں کے توجہ دلانے پر بھی دوبارہ ثاقبہ ہی کا نام لیا، سعود نے بالآخر اسی پر قبول کرلیا بعد میں اس کے رخصتی شگوفہ کے ساتھ ہوگئی۔

اب سوال یہ ہے کہ سعود کا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اگر منعقد ہوا تو شگوفہ کے ساتھ

یا ثاقبہ کے ساتھ فی الحال شگوفہ سعود ہی کے ساتھ ہے، اس واقعہ کے بعد ثاقبہ کا نکاح دوسرے شخص سے ہو چکا ہے، یہ دونوں لڑکیاں بالغہ ہیں۔

المستفتی: امداد اللہ، پنتھر فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کا جواب ۱۸رصفر المظفر ۱۴۱۱ھ کو دیا جا چکا ہے؛ البتہ دونوں سوالات کی نوعیت میں قدر فرق ہے؛ اس لئے از سر نو جواب لکھا جاتا ہے کہ صورت مسئولہ میں سعود کا نکاح شرعاً شگوفہ اور ثاقبہ میں سے کسی کے ساتھ منعقد نہیں ہوا ہے، شگوفہ کے ساتھ اس لئے صحیح نہیں ہوا کہ بوقت عقد مسنون اس کا نام نہیں لیا گیا، جو کہ ضروری تھا اور انعقاد نکاح میں سگائی اور پیغام نکاح کا اعتبار نہیں ہوا کرتا؛ بلکہ بوقت عقد مسنون جس کا نام آ جائے یا جس کی طرف اشارہ کیا جائے، اس کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

إذا وقعت الخطبة على إحداهما ووقعت العقد عقداً باسم الأخرىٰ خطأً، فإنه يصح على التي سمياها وذلك؛لأن مقدمات الخطبة قرينة معينة إذا لم يعارضها صريح والتصريح بذلك الأخرىٰ صريح، فلاتعمل معه الخ

(منحة الخالق على هامش، البحرالرائق، كتاب النكاح، زكريا ديوبند٣/ ١٥٠، كراچي ٣/ ٨٤)

اور ثاقبہ کے ساتھ اس لئے منعقد نہیں ہوا کہ نکاح خواں (قاضی) سعود کے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل شگوفہ کی طرف سے تھا، ثاقبہ کی طرف سے سعود کے ساتھ نکاح کا وکیل نہیں بنایا گیا ہے اور وکیل جب حکم موکل کے خلاف کرتا ہے تو فعل وکیل نافذ نہیں ہوا کرتا۔

كما لو أمره بمعينة أو بحرة، أو بأمة فخالف أو أمرته بتزويجها ولم تعين فزوجها غير كفء لم يجر اتفاقاً. وتحته في الشامي: وفي كل موضع لاينفذ فعل الوكيل، فالعقد موقوف على إجازة الموكل وحكم الرسول كحكم الوكيل الخ (الدر المختار مع الشامي، كراچي ٣/ ٩٥، زكريا ديوبند ٤/ ٢٢٢، ٢٢٣)

لہٰذا اسعود کا شگوفہ کو نکاح میں رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ دو گواہوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرے اس کے بغیر شگوفہ کے ساتھ ازدواجی زندگی جائز نہیں ہوگی۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۱۸۲)

قاضی نے لڑکی کا نام بدل دیا

سوال [۵۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالدہ راشدہ دو بہنیں ہیں خالدہ بڑی ہے اور راشدہ چھوٹی ہے، خالدہ کا نکاح قریب پانچ سال قبل ہو چکا ہے اور اب راشدہ کا نکاح ہو رہا ہے، نکاح پڑھا نے والے نے بجائے راشدہ کے خالدہ کا نام لیا، تو اس صورت میں راشدہ کے عقد میں کچھ خرابی واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: جلیل احمد، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں خالدہ کے ساتھ عقد اس لئے صحیح نہیں ہوا کہ اس کا نکاح پہلے سے دوسرے کے ساتھ ہو چکا ہے اور راشدہ کا عقد اس لئے صحیح نہیں ہوا کہ بوقت عقد اس کے نام سے عقد نہیں ہوا ہے؛ لہٰذا راشدہ کا عقد دوبارہ کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۱۱۲)

غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح للجهالة، وكذا لو غلط في اسم بنته الخ (در مختار مع الشامي، كتاب النكاح، مصري ۲/۳۷۸، كراچي ۳/۲۶، زكريا ديوبند ٤/۹٦، ۹۷، وكذا في قاضيخان على

ھامش الهندية ١/ ٣٢٤، جديد زكريا ١/ ١٩٧، البحرالرائق، زكريا ديوبند ٣/ ١٥٠، كوئٹه ٣/ ٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۵۶۰/۳۲)

عقد نکاح کے وقت ولدیت بدل جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد وصی خاں ولد جناب محمد شفیع خاں مرحوم کا نکاح تبسم افشاں بنت ریاض الاسلام کے ساتھ ہوا۔ اور تبسم افشاں کی والدہ کا نکاح اولاً حکیم ضیاء الاسلام صاحب کے ساتھ ہوا تھا، مگر حکیم ضیاء الاسلام نے ان کو طلاق دے دیا تھا، پھر عدت کے بعد ان کے بھائی ریاض الاسلام نے نکاح کرلیا اور انہیں سے تبسم افشاں پیدا ہوئیں اور میرے نکاح کے وقت تبسم افشاں کی ولدیت بجائے ریاض الاسلام کے لکھنے کے ضیاء الاسلام لکھا گیا، تو کیا اس کی وجہ سے میرے نکاح میں کوئی فرق آیا۔

المستفتی: محمد وصی خاں ولد محمد شفیع خاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بوقت نکاح لڑکی کا نام لیا گیا ہے اور لڑکی متعین تھی تو نکاح صحیح اور درست ہو چکا ہے، اس میں کوئی شک وشبہ کی ضرورت نہیں ہے، ہاں البتہ باپ کو چھوڑ کر کے غیر کی طرف جو ولدیت کی نسبت کی گئی ہے، اس کی وجہ سے ایسا کرنیوالے گنہگار رہوں گے۔ حدیث پاک میں اس طرح کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔

خطبنا علي بن أبي طالب ......وفيها قال النبي صلى الله عليه وسلم......ومن ادعىٰ إلى غير أبيه، أو انتمىٰ إلى غير مواليه، فعيله لعنة الله

والملائكة والناس أجمعين، لايقبل الله منه يوم القيامة صرفاً، ولاعدلاً.

(مسلم شريف، كتاب العتق، النسخة الهندية ١/٤٩٨، بيت الأفكار رقم: ١٣٧٠، سنن الترمذي، أبواب الولاء والهبة، باب ما جاء فيمن تولىٰ غير مواليه، أوادعى إلى غير أبيه، النسخة الهندية ٢/٣٢، دارالسلام رقم: ٢١٢٧، مسند أحمد بن حنبل ١/٨١، رقم: ٦١٥، سنن أبي داؤد الأدب، باب في الرجل ينتمي إلى غير مواليه، النسخةالهندية ٢/٦٩٧، رقم: ٥١١٣، ٥١١٤)

وقال العلامة ابن عابدينؒ وتقدم أنه إذا عرفها الشهود يكفي ذكر اسمها.

(شامي، كتاب النكاح، زكريا ٤/٩٦، شامي، كراچي ٣/٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۵؍۱۴۳۱ھ

مجلس نکاح میں نکاح پڑھاتے وقت ولدیت کا بدل جانا

سوال [۵۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نکاح پڑھانے والے نے نکاح کی مجلس میں اس طرح نکاح پڑھایا کہ ’’مسرت جہاں بنت مشتاق حسین کا نکاح (لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے) آپ کے ساتھ کیا، آپ نے قبول کیا‘‘ اس پر لڑکے نے قبول کرلیا؛ لیکن لڑکے کی ولدیت نکاح کے رجسٹر میں بدل گئی تھی تو کیا نکاح منعقد ہوگیا؟

المستفتی: اقبال حسین، چکر کی ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح پڑھانے والے نے ایجاب وقبول کرتے ہوئے لڑکی کا نام اور لڑکی کے باپ کا نام صحیح لیا فلاں بنت فلاں کا نکاح یہ کہہ کر لڑکے کو مخاطب کرکے ایجاب کیا کہ میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح تمہارے ساتھ کردیا ہے، تم نے اس کو

قبول کرلیا، پھر لڑکے نے قبول کرلیا، تو ایسی صورت میں نکاح درست ہوگیا ہے، اگرچہ نکاح کے رجسٹر میں لڑکے کے باپ کے نام کے بجائے کسی اور کا نام لکھا گیا ہو اس لئے کہ مجلس نکاح میں لڑکا خود موجود تھا، باپ کا نام لئے بغیر نکاح درست ہوجاتا ہے۔ اور اب رجسٹر میں بعد میں نام درست کیا جاسکتا ہے۔

لو كانت مشاراً إليها وغلط في اسم أبيها، أو اسمها لايضر؛ لأن تعريف الإشارة الحسية اقوىٰ من التسمية. (شامي، كتاب النكاح، زكريا ديوبند ٤/٩٧، كراچي ٣/٢٦، الموسوعة الفقهية الكوتية ٩١/١٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۲۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۲۴ھ

کیا نکاح نامہ میں حقیقی باپ کا نام لکھنا لازم ہے؟

سوال[۵۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بچی کو گود لی اور اس کی پرورش کی جس نے گود لی وہ اپنے نام کو باپ کے خانہ پر ڈلوا کر نکاح کر دیتا ہے تو کیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیا صورت ہے؟

المستفتی: اعجاز احمد، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نکاح اس لئے صحیح ہوگیا کہ جب اس لڑکے کے سامنے نکاح کے وقت فلانی بنت فلاں کہا گیا، تو اس سے وہی گود لی گئی لڑکی مراد لی گئی ہے اور گواہ قاضی شوہر سب ہی نے اسی کو سمجھا ہے؛ لہٰذا لڑکی کے متعین ہونے کی وجہ سے نکاح تو منعقد ہوگیا، مگر حقیقی باپ کو چھوڑ کر نقلی باپ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے، اس کا بہت بڑا گناہ ہوگا۔

نیز نکاح نامہ میں حقیقی باپ کا نام منتقل کردینا چاہئے اور اس نسبت کی وجہ سے توبہ کرلینا چاہئے۔ حدیث شریف میں اس کی بڑی مذمت آئی ہے۔

عن أبي ذرؓ، أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لیس من رجل ادعی لغیر أبیه وهو یعلمه إلا کفر، ومن ادعی مالیس له فلیس منا، ولیتبوأمقعده من النار. الحدیث (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان حال إیمان من رغب عن أبیه وهو یعلم، النسخة الهندية ۱/۵۷، بیت الأفکار رقم: ۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۵۰۲۸)

کیا ولدیت کی جگہ حقیقی باپ کا نام لکھنا لازم ہے؟

سوال [الف: ۵۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت جو کہ طلاق شدہ ہے اور اس کے ایک بچہ ہے، اب اس نے کسی دوسرے مرد سے شادی کرلی ہے، بچہ ساتھ میں رہتا ہے۔ اب اس کے نکاح کے وقت پہلے باپ کا نام لکھا جائے گا یا اب وہ جس کے نکاح میں ہے اس کا نام لکھا جائے گا؟

المستفتی: سید سرتاج علی طباقیان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکے کے جو حقیقی والد ہیں ولدیت کی جگہ پر اس حقیقی والد کا نام لکھنا لازم ہے، ماں کے شوہر کا نام صرف سرپرست کی جگہ لکھا جاسکتا ہے ’’کہ سرپرست فلاں‘‘

أدعوهم لِاٰبآئهم هو اقسط عنداللہ وعلم من الآیة أنه لایجوز انتساب الشخص إلی غیر أبیه. (روح المعاني، زکریا ۱۲/۲۲۶)

عن سعد قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم: يقول من ادعىٰ إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه حرام. (بخاري شريف، كتاب الفرائض، باب من ادعىٰ إلى غير أبيه، النسخة الهندية ٢/١٠٠١، رقم: ٦٥٠٩، ف:٦٧٦٦، صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، النسخة الهندية ١/٥٧، بيبت الأفكار رقم:٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۷/۸۳۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۰ھ

جھوٹے اقرار اور جھوٹی خبر سے انعقاد نکاح کا حکم

سوال [ب:۵۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک معشوقہ اپنے عاشق کو لے کر اپنی سہیلیوں کے گھر گئی تو گھر والوں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو معشوقہ نے کہا کہ میرا شوہر ہے،جس وقت یہ کہا اس وقت تین عورتیں ایک مرد موجود تھے، اس وقت موجود مرد نے عاشق سے کہا کہ تم اس کے شوہر ہو تو اس نے بھی جھوٹی تسلی کے لئے کہا کہ ہاں میں اس کا شوہر ہوں ،تو اس صورت میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں مدرسہ چلہ امروہہ کے مفتیان کرام نے یہ لکھا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوا اور مدرسہ جامع مسجد امروہہ کے مفتیان کرام نے یہ لکھا ہے کہ نکاح منعقد ہوگیا، حضرت مفتی صاحب آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس سلسلہ میں ہماری صحیح اور مدلل رہنمائی فرمائیں اور اس استفتاء کے ساتھ دونوں فتوؤں کی فوٹو کاپی منسلک ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

جامع مسجد امروہہ کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نکاح ہوگیا؛ اس لئے کہ جب

دونوں نے گواہوں کی موجودگی میں میاں بیوی ہونے کا اقرار کیا، تو اس اقرار کو انشاء کا درجہ دیا جائے گا اور انعقاد نکاح کا حکم لگایا جائے گا۔

فلا ينعقد بالإقرار على المختار وقيل إن كان بمحضر من الشهود صح كما يصح بلفظ الجعل وجعل الإقرار إنشاء وهو الأصح، وقال في الفتح: قال قاضي خان وينبغي أن يكون الجواب على التفصيل إن أقرا بعقد ماض ولم يكن بينهما عقد لا يكون نكاحًا وإن أقر الرجل أنه زوجها وهي أنه زوجته يكون إنكاحًا ويتضمن إقرارهما الإنشاء.

(درمختار مع الشامي ٤/ ٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح: ریاست علی رام پوری غفرلہ
جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ
۲۰؍محرم الحرام؍ ۱۴۳۷ھ

کتبہ: محمد منصف بدایونی غفرلہ
جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ
۲۰؍۱؍ ۱۴۳۷ھ

دارالعلوم چلّہ امروہہ کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا۔

لا بقولهما عند الشهود مازن وشوئيم أي لا يصح النكاح بالإقرار عند الشهود بالزوجية بدون لفظ يدل على إنشاء بالعقد؛ لأن الإقرار إظهار لما هو ثابت وليس بإنشاء وفي فتاوى قاضيخان إن أقر لعقد ماض ولم يكن بينهما عقد لا يكون نكاحًا لأنه كذب.

(شرح وقاية ثاني مع حاشية ص:٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: عزیز الرحمٰن عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح: عبد القادر غفرلہ
۱۸؍۱؍ ۱۴۳۷ھ

دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جامع مسجد امروہہ کی طرف سے ۲۰؍محرم الحرام ۱۴۳۷ھ کا لکھا ہوا جواب، اسی طرح دار العلوم چلہ امروہہ کی طرف سے ۱۸؍محرم الحرام ۱۴۳۷ھ کا لکھا ہوا جواب دیکھا گیا ہے اور دونوں کے دلائل پر بھی غور کیا گیا، اس کے بعد کتب فقہیہ کی مراجعت کر کے اس مسئلے سے متعلق تمام عبارات پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ مذکورہ واقعہ میں جھوٹے اقرار کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا ہے اور نہ ہی یہ جھوٹا اقرار انشاء کے حکم میں ہوگا۔

اب اس مسئلہ سے متعلق دو باتوں پر توجہ دینا انتہائی ضروری ہے۔

(۱) سوال نامہ کی عبارت اور اصل واقعہ پر غور کرنے کی سخت ضرورت ہے گھر والوں نے عاشق لڑکے کے بارے میں معشوقہ لڑکی سے پوچھا تھا کہ یہ کون ہے؟ تو لڑکی نے جھوٹی خبر دیتے ہوئے کہا کہ میرا شوہر ہے اور لڑکے سے معشوقہ کے بارے میں پوچھنے پر اس نے بھی جھوٹی خبر دیتے ہوئے کہا کہ یہ میری بیوی ہے دونوں نے ایسی جھوٹی خبر دی ہے جس کا ماضی میں کوئی وجود نہیں ہے؛ اس لئے عام لوگوں کے سامنے اس طرح کی جھوٹی خبر اور جھوٹا اقرار کو انشاء مان کر نکاح کا حکم نہیں لگایا جائے گا؛ ہاں البتہ قاضی کے سامنے انشاء کے حکم میں قرار دیا جاتا ہے، فتاوی محمودیہ میں بھی اس مسئلے کا تفصیلی جواب لکھا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۰/۶۶۷، میرٹھ ۱۶/۲۱۲)

اب جزئیات ملاحظہ فرمایئے: **البحر الرائق** میں ہے۔

فلو قال بحضرة الشهود هي امرأتي وأنا زوجها وقالت: هو زوجي وأنا امرأته لم ينعقد النكاح لأن الإقرار إظهار لما هو ثابت وليس بإنشاء الخ. (البحرالرائق زكريا ٣/ ١٤٩، كوئٹه ٣/ ٨٤)

محیط برہانی اور تاتارخانیہ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

إذا قال لامرأة هذه امرأتي وقالت المرأة: هذا زوجي وكان ذلك بمحضر من الشهود لا يكون نكاحًا وكذا لو قال بالفارسية زنِ وشوئيم لايكون ذلك نكاحًا وفي فتاوى النسفي إن فيه اختلف المشايخ قال ثمه ولو قضىٰ قاض بصحة هذا النكاح ينفذ القضاء ويصح النكاح ودلت المسئلة على أن قضاء القاضي في مثل هذه المجتهدات صحيح الخ.

(المحيط البرهاني ٤/ ١٠، رقم:٣٤٨٣، الفتاوى التاتار خانية ٤/ ١٤، رقم:٥٣٨٣)

فتح القدیر کی عبارت اور بھی واضح ہے ملاحظہ فرمایئے:

رجل وامرأة أقرا بالنكاح بحضرة الشهود قال: هي امرأتي وأنا زوجها وقالت: هو زوجي وأنا امرأته وقال الآخر نعم لاينعقد النكاح بينهما لأن الإقرار إظهار لما هو ثابت فهو فرع سبق الثبوت الخ. (فتح القدير زكريا واشرفية ٣/ ١٨٥، مطبع كوئٹه ٣/ ١٠٤)

اور خلاصۃ الفتاوی کی عبارت بھی بہت واضح ہے ملاحظہ فرمایئے:

وفي الفتاوى رجل وامرأة أقرًا بالنكاح بين يدي الشهود وقالا بالفارسية مأزن وشوئيم لا ينعقد النكاح بينهما هو المختار، ولو قال: اين زن من است بمحضر من الشهود فقالت المرأة إين شوى من است ولم يكن بينهما نكاح اختلف المشايخ فيه والصحيح أنه لا ينعقد النكاح.

(خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، مكتبة اشرفية ٢/ ٤)

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلے میں صحت نکاح سے متعلق شامی کی جو عبارت نقل کی جاتی ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ عبارت یہ ہے:

وينبعي أن يكون الجواب على التفصيل إن أقرا بعقد ماض ولم يكن بينهما عقد لايكون نكاحًا وإن أقر الرجل أنه زوجها وهي أنها زوجته يكون

إنكاحًا يتضمن إقرارهما الإنشاء بخلاف إقرارهما بماض لأنه كذب الخ.

(شامي، زكريا ٤/٧٤، كراچي ٣/١٣)

اب اس عبارت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ جہاں اقرار کوانشاء کے حکم میں مانا گیا ہے، وہاں پر **یکون نکاحًا** کے الفاظ نہیں ہیں؛ بلکہ **انکاحًا** کے الفاظ ہیں اور جہاں خلاف واقعہ اقرار ماضی سے عدم انعقاد اور عدم انشاء کی بات ثابت کی گئی ہے وہاں **یکون انکاحًا** کے الفاظ نہیں بلکہ **لایکون نکاحًا** کے الفاظ ہیں اور **یکون انکاحًا** کے معنی ہیں نکاح کردینا جوقاضی کے ذریعہ سے ہی ثابت ہوتا ہے اور **لایکون نکاحًا** کے معنی ہیں نکاح نہیں ہوا، اب اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ عام لوگوں کے سامنے جھوٹے اقرار سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس کو انشاء کے حکم میں قرار دیا جاتا ہے اور قاضی کے سامنے جب جھوٹا اقرار کرے اور قاضی تسلیم کرکے فیصلہ کردے تو اس سے قاضی کی طرف سے نکاح کردینا ثابت ہوجاتا ہے جیسا کہ تاتارخانیہ اور محیط برہانی کی مذکورہ عبارات سے واضح ہوچکا ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں ذکر کردہ واقعہ میں جھوٹے اقرار اور جھوٹی خبر سے نکاح منعقد نہیں ہوا اور دونوں ایک دوسرے کے لئے میاں بیوی نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۶۲؍۱۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۲؍۱۴۲۷ھ

(۱۱) فون، انٹرنیٹ اور کورٹ میرج کا نکاح

کورٹ میرج

سوال [۵۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غیر مسلم شادی شدہ لڑکی نے ایک مسلم لڑکے کے ساتھ اسلام قبول کرنے کے بعد آج سے تقریباً آٹھ ماہ قبل کورٹ میرج کرلیا، پھر لڑکی کے ماں باپ نے زور دے کر غیر مسلم کے پاس لڑکی کو بھیج دیا اور لڑکی وہاں پر تقریباً ایک ماہ تک رہی اور اس کی غیر مسلم لڑکے سے ملاقات نہیں ہوئی اور لڑکی کسی طرح وہاں سے بھاگ کر دوبارہ مسلم لڑکے کے پاس آگئی اور اب دونوں تقریباً ایک ماہ سے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اور لڑکی نے کلمے بھی یاد کر لئے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتی ہے، تو کیا کورٹ میرج کی شادی معتبر ہے یا نہیں؟ اور کورٹ میرج کے بعد ہندو کے پاس جا کر آئی ہے، تو اس کی وجہ سے اگر شادی ہوئی تھی تو باقی ہے یا شادی ختم ہوگئی؟ اور ساتھ رہنے کے لئے اب نکاح کرنا لازم ہے؟ شریعت کے مطابق ساتھ رہنے کی صحیح صورت کیا ہے؟ اس سے مطلع فرمادیجئے۔

المستفتی: پرویز عالم، محلّہ موہن میکسن، لکھنؤ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کورٹ میرج میں دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہو چکا ہے، تب تو کورٹ میرج میں نکاح منعقد ہوگیا؛ لیکن اگر دو مسلمان گواہوں کے سامنے کورٹ میرج میں ایجاب وقبول نہیں ہوا ہے، تو نکاح نہیں ہوا۔ اور جب غیر مسلم کے پاس جا کر واپس آگئی ہے، تو دونوں کے درمیان میں باضابطہ شرعی نکاح ہوجانا لازم ہے اور شرعی نکاح یہی ہے کہ مسلمان مردوں کی موجودگی یا ایک مسلمان مرد اور دو

عورتوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہو جائے، اس کے بعد ساتھ رہ سکتے ہیں اس کے بغیر نہیں۔

ولاینعقد نکاح مسلمین إلا بحضور شاهدین حرین، عاقلین، بالغین مسلمین الخ. (هداية، كتاب النكاح، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۰۶)

ولاعدة على المهاجرة في قول حنيفة وقالا تجب و معنى المسألة الحربية إذا هاجرت إلى دارالاسلام مسلمة. وفي الخلاصة الخانية: حتى تزوجت بزوج آخر جاز نكاحها في قول أبي حنيفة: فإن كانت حاملاً، فعن أبي حنيفة روايتان: روي أبو يوسف عنه أنه يجوز النكاح ولايطأها حتي تضع حملها وهو اختيار الكرخي. (تاتارخانية، زكريا ۵/ ۲۳۲، رقم: ۷۷۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۶۰/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۵ھ

کورٹ سے نکاح کرنا

سوال [۵۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کورٹ سے نکاح کرنے کی کیا حیثیت ہے؟

المستفتی: ابوالکلام، ردر پور، لالپور کلاں، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کورٹ میں اگر حاکم مسلم ہے اور دو مسلمان گواہ کے سامنے حاکم نے ایجاب وقبول کرادیا ہے اور لڑکا لڑکی ہم کفو اور بالغ ہیں تو نکاح صحیح اور درست ہوجاتا ہے اور اگر حاکم مسلم نہیں اور دو مسلمان گواہ بھی نہیں ہیں، تو کورٹ کا نکاح درست نہیں ہے؛ ہاں البتہ اگر کورٹ سے الگ دو مسلم گواہ کے سامنے ایجاب وقبول کے ساتھ نکاح کرلیا ہے، پھر قانون کے دائرے میں مضبوط کرنے کے لئے کورٹ میرج کرلیتے

ہیں تو درست ہے؛ اس لئے کہ کورٹ میرج کے لئے حاکم مسلم ہونا شرط نہیں ہے اور اصل نکاح اسلامی شرائط کے مطابق کورٹ سے الگ ہو چکا ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل اضافہ شدہ ۱۶۳، فتاوی رحیمیہ قدیم ۲۵۴/۵، جدید زکریا ۱۵۰/۸)

شرط حضور شاهدين حرين، أوحر وحرتين، مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح. (الدر المختار على الشامي، زكريا ٨٧/٤، كراچي ٩١/٣)

النكاح......ينعقد بإيجاب و قبول عند حرين، أو حُرٍّ وحرتين عاقلين بالغين مسلمين. (كنزالدقائق قديم ١٥٠/٨ ص:٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۶۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۳۰ھ

کورٹ میرج اور عدالتی طلاق کا حکم

سوال [۵۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے ملک کی غیر مسلم عدالتوں کے ذریعہ نکاح اور طلاق صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لڑکا لڑکی پیار ومحبت کے بعد شرعی طریقہ سے نکاح کرنے کے بجائے عدالت میں جاکر کورٹ میرج کر لیتے ہیں، اسی طرح کبھی میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہونے پر لڑکی لڑکے کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور لڑکا طلاق نہیں دیتا، تو لڑکی عدالت میں جاکر لڑکے کے خلاف مقدمہ کرتی ہے اور طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، جس کی وجہ سے عدالت خود لڑکے کی طرف سے طلاق دیدیتی ہے، تو کیا اس طرح کورٹ میرج اور عدالت کی طلاق کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد صغیر الدین، چالیس گاؤں ضلع دھولیہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم عدالت کے ذریعہ کورٹ میرج کر لینے سے

شرعی طور پر نکاح صحیح نہیں ہوتا اور ایسی حالت میں میاں بیوی والا معاملہ کرنا حرام کاری ہوگی؛ البتہ اگر بوقت ایجاب وقبول دو مسلم گواہ موجود ہوں تو نکاح صحیح ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۶۳، فتاوی رحیمیہ قدیم ۲۵۴/۵، جدید زکریا ۱۵۰/۸)

وشرط حضور شاهدين مسلمين لنكاح مسلمة ولو فاسقين. (شامي، زكريا ٤/٩٢، ٨٧-٩٢، كراچي ٣/٢١-٢٢)

اگر غیر اسلامی حکومت کی جانب سے کسی مسلمان کو جج بنایا گیا ہے اور وہ حدود شرع کی رعایت کرتے ہوئے طلاق کا فیصلہ دیدے تو شرعی طور پر اس کا فیصلہ صحیح اور معتبر ہوگا اور اگر مسلم جج فیصلہ میں حدود شرعیہ کی رعایت نہیں رکھتا تو طلاق معتبر نہ ہوگی۔ نیز اگر غیر مسلم جج طلاق وغیرہ کے متعلق فیصلہ دیتا ہے، تو شرعی طور پر اس کا فیصلہ صحیح اور معتبر نہ ہوگا اور اس کی وجہ سے بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۶۴، کفایت المفتی قدیم ۲۱۴/۲، جدید زکریا ۲۶۱/۲)

إذا ولي الكافر عليهم قاضياً ورضيه المسلمون صحت توليته بلاشبهة. (شامي، كراچي ٥/٣٦٩، زكريا ٨/٤٤)

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم وينفذ للمسلم على الذمي. (شامي، كراچي ٥/٤٢٨، زكريا ٨/١٢٦)

إن الكافر لايلي على المسلمة وولده المسلم. لقوله تعالىٰ ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا. (شامي، كراچي ٣/٧٧، زكريا ٤/١٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۹۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۰ھ

فون پر نکاح

سوال [۵۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ ایک لڑکا اور لڑکی نے فون پر بلا کسی گواہ کے بات کرتے ہوئے آپس میں یہ الفاظ کہے کہ کیا تم نے بغیر کسی زور زبردستی بغیر کسی دباؤ کے میرے ساتھ نکاح قبول کیا، لڑکی نے جواباً تین بار کہا میں نے قبول کیا، ایسے ہی لڑکی نے لڑکے سے کہا اور لڑکے نے تین بار قبول کیا۔

المستفتی: عبداللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فون پر محض ایجاب وقبول سے نکاح کا انعقاد نہیں ہوتا؛ کیونکہ مسئولہ صورت میں نکاح کی دو اہم شرطیں عاقدین کا یا ان کے وکیل کا ایک مجلس میں موجود ہونا اور دو گواہوں کا مجلس عقد میں موجود ہونا مفقود ہیں۔

ومن شرائط الإيجاب و القبول اتحاد المجلس. (شامي، زكريا ٤/٧٦، كراچي ٣/١٤)

وشرائط الإيجاب و القبول فمنها اتحاد المجلس، إذا كان الشخصان حاضرين، فلو اختلف المجلس لم ينعقد. (البحر الرائق، كراچي ٣/٨٣، زكريا٣/١٤٨)

وشرط حضور شاهدين حرين أو حر و حرتين مكلفين سامعين قولهما معاً. (تنوير مع الشامي، زكريا ٤/٨٧، ٩١، كراچي ٣/٢١، ٢٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

ٹیلیفون پر نکاح

سوال [۵۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ٹیلیفون کے ذریعہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ مثلاً لڑکا دہلی میں رہتا ہے اورلڑکی ممبئی میں تو اب ان دونوں کے درمیان ٹیلیفون کے ذریعہ نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ اگر درست ہےتو مہربانی فرما کر صورت درستگی تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نظرالاسلام، تریپورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ٹیلیفون پر نکاح جائز نہیں ہے؛ کیونکہ نکاح کی صحت کے لئے مجلس عقد اور حضور شاہدین شرط ہے، جو ٹیلیفون کی صورت میں ممکن نہیں ہے، اس لئے ٹیلیفون پر نکاح نہ ہوگا؛ البتہ ٹیلیفون پر نکاح کے لئے یہ صورت ہوسکتی ہے کہ ٹیلیفون کے ذریعہ لڑکا یا لڑکی کی جانب سے کسی متعارف آدمی کو وکیل بنادیا جائے، پھر وہ متعارف شخص دو گواہوں کے سامنے لڑکا یا لڑکی یا ان کے اولیاء سے ایک مجلس میں ایجاب وقبول کرلے، پھر اس کی اطلاع ٹیلیفون پر دوسرے کو دیدی جائے، تو اس طرح نکاح صحیح ہوسکتا ہے۔

(مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۳/ ۳۳۲، ۳/ ۱۳۲، جدید زکریا ۸/ ۱۸۳، محمود یہ قدیم ۱۱/ ۱۶۲، ڈابھیل ۱۰/ ۶۸۰)

ومن شرائط الإيجاب و القبول اتحاد المجلس. (در مختار، كراچي ٣/ ١٤، زكريا ٤/ ٧٦)

وشرط حضور شاهدين الخ. (الدر المختار مع رد المحتار، زكريا ٤/ ٨٧، كراچي ٣/ ٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

کیا ٹیلی فون پر نکاح ہوجائے گا؟

سوال [۵۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ ٹیلی فون پر نکاح ہوسکتا ہے یانہیں؟ گواہی اور ایجاب وقبول کی کیا صورت ہوگی؟ قاضی لڑکے کے پاس یالڑکی کے پاس نکاح پڑھائے گا؟ جواب عالی سے نواز کرعنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد انعام احمد ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ٹیلی فون پر نکاح ہوسکتا ہے،اس کی شکل یہ ہے کہ جوشخص نکاح کرنا چاہتا ہے، وہ بذریعۂ ٹیلی فون یا دیگر ذرائع سےلڑکے والے لڑکی کے یہاں کسی کو وکیل بنادیں یا لڑکی والے لڑکے کے یہاں کسی کو وکیل بنادیں، پھر یہ وکیل دوگواہوں کے سامنے اپنے موکل کی طرف سے نکاح کا ایجاب یا قبول کرلے،اس کے بعد پھراس نکاح کی اطلاع ٹیلی فون پر اپنے موکل کو کردے،تواس طریقہ سے ٹیلی فون پر نکاح ہوسکتا ہے؛لیکن ٹیلی فون پراس طرح نکاح جائزنہیں ہے کہ ایک طرف سے ایک کہے کہ میں تمہارے ساتھ نکاح کرتا ہوں اور دوسری طرف سے یہ کہے کہ میں قبول کرتی ہوں چاہے ٹیلی فون کی آواز متعدد لوگوں کو سنائی دیتی ہو؛اس لئے کہ مجلس ایک نہیں ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/۱۶۳،جدید ڈابھیل ۱۰/۶۸۰)

ويصح النكاح بالوكالة......لأنه عقد ينعقد بالرضا والإنابة .

(تاتاخانية، کوئٹه ٣/٤ ٥، زکریا ٤/ ١٢٦، رقم: ٥٧٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱رصفرالمظفر ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۴/۶۴۸۴)	۱۴۲۱/۲/۱۱ھ

فون پرنکاح کی شرعی حیثیت

سوال [۵۴۱۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ٹیلی فون پر نکاح کے بارے میں فتاوی عثمانی ۲/۳۰۴ر میں ناجائز لکھا ہے، مگر خیر الفتاوی ۴/۳۰۷، مطبوعہ الحق ممبئی بعنوان ’’فون پر ایجاب وقبول کا حکم و جواب مذکور پر موصول ہونے والی تحریر کا جواب‘‘ میں ہے۔

الجواب: دراصل فون دو طرح کے ہیں:

ایک وہ کہ اس کی آواز صرف وہی شخص سن سکتا ہے جس نے فون اٹھایا ہو۔

دوسرا وہ فون ہے: جس کی آواز سب حاضرین کو سنائی دیتی ہے۔

پہلی قسم کے فون پر نکاح منعقد نہ ہوگا؛ کیونکہ ایجاب وقبول کو معاً دونوں گواہوں کا سننا شرعاً ضروری ہے، اس فون پر معاً سننا نہ ہوگا؛ بلکہ علی التعاقب ہوگا۔ درمختار میں ہے:

وشرط حضور شاهدين حرين، أو حر وحرتين، مكلفين سامعين قولهما معاً. (شامي، كراچي ۳/ ۲۱-۲۲، زكريا ٤/ ۸۷-۹۱)

چونکہ عموماً فون ایسے ہی ہیں؛ اس لئے نکاح کے عدم انعقاد کا قول کہا گیا ہے، دوسری قسم کے فون میں چونکہ مذکورہ شرط پائی جائے گی؛ اس لئے نکاح منعقد ہو جائے گا، فون کے ذریعہ جو براہ راست آواز آتی ہے، اسے رسول کے پیغام ایجاب یا خط کے مضمون کے اعادہ کی طرح قرار دیں گے؟ اس بارے میں مفتیانِ شاہی کی کیا رائے ہے؟ امید کہ مدلل جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد ابراہیم، تری پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تحریر کردہ صورت میں صحیح شرعی حکم یہ ہے کہ فون پر ایجاب وقبول کی صورت میں مطلقاً نکاح منعقد نہ ہوگا، خواہ فون پر صرف قبول کرنے والے نے پہلے کا ایجاب سنا ہو یا اسپیکر کھول کر ساتھ میں گواہوں نے بھی ایجاب کرنے والے کا کلام سنا ہو۔ بہر صورت نکاح منعقد نہ ہوگا؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ نکاح کے انعقاد کے لئے شرعاً دو شرطیں لازم ہیں:

اول: یہ کہ عاقدین ایک مجلس میں موجود ہوں۔

دوم: یہ کہ گواہان ایک ساتھ عاقدین کے کلام کو سنیں اور فون کا اسپیکر کھول کر گواہوں کے بیک وقت جانبین سے ایجاب وقبول سننے کی صورت میں اگرچہ دوسری شرط (گواہان کا ایک ساتھ عاقدین کے کلام کو سننا) پائی جارہی ہے؛ لیکن شرط اول (عاقدین کی مجلس کا اتحاد) مفقود ہے؛ لہٰذا اس طرح نکاح منعقد نہ ہوگا اور زیر بحث مسئلہ میں فون کی آواز کو قاصد اور رسول کے پیغام پر قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ کیونکہ قاصد کی حیثیت شرعاً وکیل کی سی ہے؛ لہٰذا وکیل کے کلام کی طرح اس کے پیغام کو ایجاب قرار دیا جائے گا۔ اور فون کی آواز لامحالہ ایجاب کرنے والے کی طرف منسوب مانی جائے گی؛ کیونکہ فون ایک آلۂ غیر مختار ہے۔ بریں بناء فون پر ایجاب وقبول کرنے کی صورت میں اتحاد مجلس کی شرط فوت ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔

ومن شرائط الإيجاب والقبول اتحاد المجلس لو حاضرين وإن طال. (شامي، زكريا٤/٧٦، كراچي ٣/١٤)

فمنها اتحاد المجلس إذا كان الشخصان حاضرين، فلو اختلف المجلس لم ينعقد. (البحر الرائق، كوئٹه ٣/٨٣، زكريا٣/١٤٨)

وشرط حضور شاهدين......سامعين قولهما معاً ـ (شامي، زكريا٤/٨٧، ٩١، كراچي ٣/٢١-٢٢)

وحكم رسول كوكيل. (شامي، زكريا٤/٤٩٩، كراچي٣/١٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۳۳۰)

ٹیلی فون پر لڑکی سے اجازت لینا

سوال [۵۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شادی میری نظر میں عجیب طرح سے ہورہی ہے کہ لڑکی کندرکی میں ہے اورلڑکا دہلی میں رہتا ہے او ردہلی میں اجتماع ہورہا ہے، یہاں سے چند آدمی اجازت لےکر دہلی چلے گئے ہیں اورشادی آج اجتماع میں ہوگی اس حالت میں شادی ہوسکتی ہے یانہیں؟ آپ لکھت میں بتلائیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اورکیا فون پرلڑکی سےاجازت لےکر نکاح ہوسکتا ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد عارف زیدی ریلوے گارڈ، کندرکی،مرادآباد(یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکی سے مذکورہ افراد باقاعدہ اجازت لینے کے بعد تبلیغی اجتماع میں پہونچ کر وہاں کے امیر کونکاح پڑھانے کی اجازت دیدیں اورامیر مجمع عام میں نکاح پڑھا دے،تو شرعی طور پرایسا نکاح بلاتردد جائز ہے،اسی طرح اگر لڑکی سے ٹیلیفون پراجازت لے لی جائے،اس کے بعداس کا نکاح اجتماع میں کردیا جائے، تو یہ نکاح بھی بلاتردد جائز اوردرست ہوجائے گا۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/۱۶۲، جدید ڈابھیل ۱۰/۶۸۰ ،فتاوی رحیمیہ قدیم ۵/۲۶۶، جدید زکریا ۸/۲۴۳)

ولو صرح بالتوكيل فقال وكلتك بأن تزوجني نفسك مني، فقالت: زوجت صح النكاح. (شامي، كتاب النكاح، كراچي ۳/۱۰، زكريا ٤/ ۷۰)

ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب. (شامي، زكريا ٤/ ۷۳، كراچي ۳/ ۱۲)

ويتولّىٰ طرفي النكاح واحد بإيجاب يقوم مقام القبول. (در مختار، كتاب النكاح، باب الكفاءة، كراچي ۳/ ۹٦، زكريا ٤/ ۲۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

فون پر نکاح کی جائز شکل

سوال [۵۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد ندیم نے ایک لڑکی شاہین جہاں سے نکاح کیا، نکاح کی صورت یہ پیش آئی کہ امام صاحب نے فون کر کے لڑکی سے اجازت لی پھر لڑکے محمد ندیم کے تین دوستوں کی موجودگی میں مسجد کے کمرہ میں نکاح پڑھادیا، اس نکاح کے بعد بیوی شاہین سے ریسٹورنٹ وغیرہ میں ملاقاتیں ہوئیں؛ لیکن تنہائی میں باقاعدہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی، اس نکاح کے آٹھ ماہ بعد محمد ندیم نے اپنی بیوی کو بعض حالات کی بناپر تین طلاق دیدی، پھر آٹھ نو ماہ بعد بغیر حلالہ کے اسی لڑکی شاہین سے نکاح کرلیا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ پہلا نکاح صحیح ہوا یا نہیں اور پھر طلاق کے بعد بغیر حلالۂ شرعی جو دوسرا نکاح کرلیا وہ صحیح ہوا یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد ندیم اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے کو بلاکر پوری تفصیل زبانی معلوم کرلی گئی ہے اور واقعہ کے مطابق سوال لکھوایا گیا ہے۔ اب اسی کے مطابق جواب لکھا جارہا ہے، پہلے نکاح میں امام صاحب نے لڑکی سے فون کر کے نکاح کی اجازت لی ہے، پھر تین آدمی کی موجودگی میں کمرہ میں نکاح پڑھایا گیا ہے اور لڑکی نکاح کی اجازت دینے کا اقرار کرتی ہوتو شرعی طور پر وہ نکاح درست ہوگیا ہے، پھر اس کے بعد سال بھر تک رخصتی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی خلوت صحیحہ ہوئی ہے، صرف کھانے کے ہوٹلوں میں ملاقات ہوئی ہے، ایسی صورت میں شرعاً وہ لڑکی غیر مدخول بہا اور غیر رخصت شدہ ہے، ایسے میں اس نے اسے تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس کی دوشکلیں ہے:

(۱) تین طلاقیں زبانی الگ الگ دی ہیں یا تحریری الگ الگ تین مرتبہ طلاقیں لکھ

دی ہیں، تو ایسی صورت میں پہلی ایک طلاق معتبر ہوگی اس سے لڑکی پر ایک طلاق بائن واقع ہوکر لڑکی نکاح سے الگ ہوگئی ہے اور باقی دو طلاقیں لغو ہوگئی ہیں؛ اس لئے کہ پہلی طلاق واقع ہوتے ہی لڑکی غیر مدخولہ نکاح سے الگ ہوجاتی ہے اور محل طلاق نہیں رہتی۔ اور اس کے اوپر کسی بھی مرد سے نکاح کرنے کے لئے عدت گذارنا لازم نہیں ہوتا اور نہ ہی حلالہ کی ضرورت ہوتی ہے؛ لہٰذا اگر یہی شکل پیش آئی ہے، تو بعد میں جو بغیر حلالہ کے شاہین کا نکاح جو اس کے ساتھ ہوا ہے وہ نکاح درست ہوگیا ہے۔

(۲) اور اگر ایک ہی لفظ میں یہ کہہ دیا ہو کہ میں نے اس کو تین طلاق دیدی یا اس طرح لکھدیا ہو کہ میں نے اس کو تین طلاق دی، تو پھر بغیر حلالہ کے بعد والا نکاح درست نہیں ہوا اور جامعہ نعیمیہ سے جو جواب لکھوایا گیا ہے، اس میں سوال واقعہ کے مطابق نہیں ہے۔

لو قال لزوجته غير المدخول بها أنت طالق ثلاثاً وقعن لما تقرر أنه متى ذكر العدد كان الوقوع به، وإن فرق بانت بالأولىٰ لا إلى عدة ولذا لم تقع الثانية. (شامي مع در مختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/۲۸٤، زكريا ٤/ ٥٠٩، ٥١٢)

إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوىٰ. (شامي مع در مختار، كراچي ۳/ ۲٤٦، زكريا ٤/ ٤٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ر ۱۰۹۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵ر۱ر۱۴۳۴ھ

فون اور انٹرنیٹ پر نکاح سے متعلق ایک جامع فتویٰ

سوال [۵۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کے زمانہ میں لوگ فون پر نکاح کرتے ہیں خصوصاً کالج کے طلبہ اسی

طرح انٹرنیٹ پر بھی نکاح کا سلسلہ جاری ہونے لگا ہے، حضور والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ فون یا انٹرنیٹ پر نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کے جواز کی کوئی شکل نکل سکتی ہو تو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبیداللہ، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی شریعت میں نکاح کے صحیح ہونے کے لئے بہت سی شرطیں ہیں، ان میں سے دو شرطیں نہایت بنیادی اور لازمی ہیں۔ ان دونوں شرطوں کے بغیر نکاح کا وجود نہیں ہوسکتا، اگر ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی شرط نہیں ہے، تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

(۱) **ومن شرائط الإیجاب والقبول اتحاد المجلس.** (الدر المختار مع الشامي، کتاب النکاح، کراچي ۳/ ۱٤، زکریا ٤/ ۷٦)

نکاح میں ایجاب وقبول کے صحیح ہونے کے لئے جانبین کی مجلس کا ایک ہونا لازمی شرط ہے؛ لہٰذا اگر مجلس نکاح میں جانبین میں سے ایک بنفس نفیس موجود ہے یا اس کا وکیل موجود ہے اور دوسری جانب سے نہ خود بنفس نفیس موجود ہے نہ اس کا وکیل موجود ہے؛ بلکہ دوسری جگہ سے ٹیلی فون پر ایجاب وقبول کرتا ہے، تو شرعی طور پر یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اور اس سے میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوگا اور نہ ہی ایک دوسرے کے لئے حلال ہوں گے۔

(۲) **وشرط حضور شاهدين.** (الدر المختار، کراچي ۳/ ۲۱، زکریا ٤/ ۸۷)

مجلس نکاح میں دو گواہوں کا ایک ساتھ موجود ہونا شرط ہے۔ اور دونوں گواہوں کا اسی مجلس میں ہونا عاقدین کی باتوں کا ایک ساتھ سننا بھی شرط ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ نکاح میں ایجاب وقبول کرنے والے دونوں بنفس نفیس یا ان دونوں کے وکیل اسی مجلس میں موجود ہوں؛ لہٰذا اگر میاں بیوی میں سے ایک بنفس نفیس یا اس کا وکیل اسی مجلس میں موجود ہے اور دونوں گواہوں نے ایک ساتھ اس کی بات براہ راست سنی ہے۔ اور دوسرا بنفس نفیس یا اس

کا وکیل مجلس میں موجو نہیں ہے؛ بلکہ اس کی آواز ٹیلی فون سے سنی جارہی ہے، تو دونوں گواہوں کا اس ٹیلی فون میں سننے کا اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ دوسری جانب سے بھی بنفس نفیس یا اس کے وکیل کا مجلس نکاح میں موجود ہوکر ایجاب وقبول کرنا اور دونوں گواہوں کا اس مجلس میں سننا شرط ہے؛ اس لئے یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ ان دونوں شرطوں کے علاوہ نکاح کے صحیح ہونے کے لئے اور بھی شرطیں ہیں؛ لیکن یہ دونوں شرطیں ایسی بنیادی شرطیں ہیں، جو نہایت اہمیت کی حامل ہیں اور ٹیلی فون میں ایجاب وقبول کی صورت میں یہ دونوں شرطیں پائی نہیں جاتیں؛ لہٰذا ٹیلی فون میں ایجاب وقبول شرعی طور پر معتبر نہیں ہوگا۔

دوسرے ملک یا دوسرے علاقہ میں رہ کر ٹیلیفون کو واسطہ بنا کر نکاح کے درست ہونے کے لئے چند متبادل شکلیں ہیں، جن کو اختیار کرکے نکاح کیا جاسکتا ہے۔

(۱) لڑکے کی طرف سے ٹیلی فون میں جہاں لڑکی رہتی ہے وہاں کے کسی معتبر آدمی کو وکیل بنا دے اور ٹیلی فون میں وکیل بنانا جائز اور درست ہے، پھر جہاں لڑکی ہے وہاں مجلس نکاح قائم ہوجائے اور جیسا کہ ہمارے ملک میں لڑکی سے اجازت لے کر جہاں لڑکی ہے وہاں سے ہٹ کر مجلس قائم ہوتی ہے، اب بھی ایسی ہی مجلس قائم ہوجائے اور لڑکی کی طرف سے قاضی لڑکے کے وکیل سے گواہوں کی موجودگی میں لڑکے کی طرف سے مقرر کردہ وکیل کو مخاطب کر کے یوں کہے کہ میں نے فلاں لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر آپ کے موکل فلاں لڑکے کے ساتھ کردیا ہے، آپ نے اپنے موکل کی طرف سے اس کو قبول کرلیا؟ تو لڑکے کا وکیل اس طرح قبول کرے کہ میں نے فلاں لڑکی کو اپنے موکل کے نکاح میں قبول کرلیا، تو یہ نکاح درست ہوجائے گا۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ لڑکی والے لڑکی سے نکاح کی اجازت لے کر ٹیلی فون پر براہ راست لڑکے کو اطلاع کردیں کہ اتنے مہر پر فلانی لڑکی کا نکاح تمہارے ساتھ کرنیکی اجازت مل گئی ہے میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ اپنے یہاں نکاح کی مجلس قائم کرلو اور دو

گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلو۔اب وہ لڑکا تین آدمیوں کو جمع کر کے ان میں سے دو کو گواہ بنائے، ایک کو لڑکی کی طرف سے وکیل بنا دے، پھر اس طرح ایجاب وقبول ہو جائے کہ لڑکی کا وکیل یہ کہے کہ میں نے فلاں لڑکی کا نکاح اتنے مہر پر آپ کے ساتھ کر دیا ہے اور لڑکا یہ کہے کہ میں نے قبول کرلیا،تو اس طرح نکاح منعقد ہو جائے گا۔اب وہ لڑکی اس کی بیوی بن گئی، اب اس کا نکاح کسی دوسری جگہ جائز نہیں ہوگا۔

(۳) لڑکی سے اجازت لے کر لڑکی کا وکیل جہاں لڑکا رہتا ہے وہاں کے کسی معتبر آدمی کو ٹیلی فون پر وکیل بنادے، پھر وہ وکیل نکاح کی مجلس قائم کرے، دو گواہوں کی موجودگی میں لڑکے کو مخاطب کر کے کہے کہ میں نے فلانی لڑکی جو فلاں جگہ رہتی ہے، اس کا نکاح اتنے مہر پر تمہارے ساتھ کر دیا ہے،تو لڑکا کہے کہ میں نے اس کو اپنے نکاح میں قبول کرلیا، تو اب شرعی طوپر نکاح منعقد ہوگیا۔ وہ لڑکی اس لڑکے کی بیوی بن گئی، اب اس لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ جائز نہیں ہوگا۔

یہ ٹیلی فون پر نکاح کے لئے متبادل شکلیں ہیں، جن کو اختیار کر کے دوسری جگہ کے لڑکے یا دوسری جگہ کی لڑکی کے ساتھ عقد نکاح عمل میں آسکتا ہے۔

انٹرنیٹ پر نکاح: انٹرنیٹ پر آدمی کی تصویر نظر آتی ہے،آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ جس لڑکے یا لڑکی کے ساتھ انٹرنیٹ پر نکاح کیا جا رہا ہے وہ مجلس نکاح میں موجود ہیں، ادھر سے جب قاضی مجلس نکاح میں ایجاب کرتا ہے،تو لڑکا یا لڑکی کی تصویر انٹرنیٹ پر آواز کے ساتھ بولتی ہے اور قبول کرنے کے الفاظ استعمال کرتی ہے،اس سے کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ نکاح کی ساری شرطیں یہاں موجود ہیں۔ یہ محض ایک دھوکہ ہے، اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لئے ایجاب وقبول کرنے والے عاقدین کا بنفس نفیس یا دونوں کے وکیل کا بنفس نفیس مجلس نکاح میں موجود ہونا شرط ہے اور انٹرنیٹ پر جو نظر آتا ہے وہ اصل آدمی نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ تصویر ہوتی ہے، اس کی مثال

یوں سمجھو کہ انٹرنیٹ پر جو تصویر اور آواز آرہی ہے، وہ محفوظ رہ جائے اور جو اصل آدمی ہے اس کی موت واقع ہو جائے اور وہ قبر میں دفن بھی ہو جائے تب بھی انٹرنیٹ پر اس کی وہی تصویر اور وہی آواز باقی رہتی ہے؛ جبکہ اصل آدمی زندہ بھی نہیں ہے؛ اس لئے تصویر کا سامنے موجود ہونا شرعی طور پر اصل آدمی کے موجود ہونے کے قائم مقام نہیں ہوگا؛ لہٰذا انٹرنیٹ پر بھی جانبین سے ایجاب وقبول اسی طرح معتبر نہیں ہے، جس طرح ٹیلی فون پر معتبر نہیں ہوتا ہے، ہاں البتہ انٹرنیٹ پر نکاح کے صحیح ہونے کے لئے وہی متبادل شکلیں اختیار کی جاسکتی ہیں، جو ٹیلی فون میں اختیار کرنی جائز ہیں کہ انٹرنیٹ پر لڑکے کی طرف سے وکیل بنادیا جائے، پھر وہ وکیل جہاں لڑکی ہے وہاں مجلس نکاح قائم کرے یا اس کے برعکس لڑکی کی طرف سے انٹرنیٹ پر وکیل بنادیا جائے، پھر وہ وکیل جہاں لڑکا ہے وہاں مجلس نکاح قائم کرے، پھر مجلس نکاح میں ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد ٹیلی فون یا انٹرنیٹ سے دوسرے کو اطلاع کردی جائے کہ تمہارے شرائط کے مطابق یہاں نکاح ہو چکا ہے، یہ سب شکلیں ایسی ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت نجاشی نے حضرت ام المؤمنین ام حبیبہؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ کے ساتھ وکیل بن کر کردیا تھا۔

اسی طرح وکالت کے جواز کی دلیل یہ بھی ہے کہ شرعاً خط وکتابت کے ذریعہ وکیل بنانا جائز ہے اور دور نبوت، دور صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین اور فقہاء کے دور میں خط وکتابت ہی ایک ذریعہ تھا، ٹیلی فون، فیکس، ٹیلی ویژن کے چینل، انٹرنیٹ وغیرہ جدید ذرائع مواصلات کا اس زمانہ میں تصور اور وہم وگمان بھی نہ تھا، آج کے دور میں جب جانے پہچانے آدمی سے فون پر جو بات ہو جاتی ہے وہ رجسٹری خط اور دو آدمی کے ذریعہ لائے ہوئے خط سے بھی کہیں زیادہ معتبر اور قابل اعتماد ہوتی ہے۔

ہمارے ہندوستانی تاجروں کا یورپ وامریکہ سے تجارتی کاروبار ہے، صرف ایک فون یا فیکس پر اعتماد کر کے کروڑوں کا مال روانہ کردیا جاتا ہے اور ادھر سے بھی ایک فون یا

انٹرنیٹ پر اعتماد کرکے کروڑوں روپیہ روانہ کردیا جاتا ہے، مگر رجسٹری خط پر اتنا زیادہ اعتماد نہیں ہوتا؛ لہٰذا جانے پہچانے آدمی سے فون یا انٹرنیٹ پر بات کرنا رجسٹری خط اور دو آدمی کے لائے ہوئے خط سے کم درجہ کا نہیں؛ اس لئے فون یا انٹرینیٹ پر وکیل بناکر مذکورہ تینوں طریقوں سے نکاح جائز اور درست ہے۔

فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) وكذا ما يكتب الناس فيما بينهم يجب أن يكون حجة للعرف الخ (شامي، كتاب القاضي، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، زكريا ۸/۱۳٦، كراچي ٥/٤۳٦)

اور ایسے ہی جو تحریر لوگ اپنے مابین لکھتے ہیں وہ لازمی طور پر حجت شرعی ہے، لوگوں کے درمیان متعارف ہونے کی وجہ سے۔

(۲) أجاز أبو يوسف، ومحمد العمل بالخط في الشاهد، والقاضي الراوي آدمي إذا رأى خطه–والفتوىٰ على قولهما إذا تيقن أنه خطه سواء كان في القضاء، أو الرواية، أوالشهادة –وقوله و قلما يشتبه الخط من كل وجه فإذا تيقن جاز الاعتماد عليه توسعةً على الناس. (شامي، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، زكريا ۸/۱۳۸، كراچي ٥/٤۳۷، البحرالرائق زكريا ۷/ ۱۲۱، كوئٹه ۷/ ۷۲)

حضرت اما ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے شاہد اور قاضی اور راوی کے متعلق خط پر عمل کرنا جائز قرار دیا ہے، جب خط کو دیکھ لے، اور فتویٰ ان دونوں کے قول پر ہے، جب اس بات کا یقین ہوجائے کہ وہ خط اس کا ہے، چاہے یہ خط فیصلہ سے متعلق ہو یا روایت سے یا دستاویز پر شہادت سے متعلق ہو اور کلی طور پر دوسرے کے خط سے بہت کم مشابہ ہوتا ہے؛ لہٰذا جب یقین پیدا ہوجائے تو لوگوں کے اوپر آسانی کے واسطے اس پر اعتماد بھی جائز ہوسکتا ہے۔

(۳) إذا وكلت المرأة رجلا أن يزوجها، أو أجازت ما صنع فأوصیٰ الوكيل إلی رجل أن يزوجها، ثم مات الوكيل كان للوصي أن يزوجها. (هندية، زكريا ۳/ ۶۱۰، جديد زكريا ۳/۵۱۷)

جب عورت کسی مرد کو اس بات کا وکیل بنادے کہ وہ مرد اس عورت کا نکاح کسی سے کردے یا اس بات کی اجازت دیدے کہ وکالت میں جو چاہے عمل کرے تو وکیل نے کسی دوسرے آدمی کو اس عورت کے نکاح کی وصیت کی، پھر وکیل مرجائے تو وصی کے لئے جائز ہے کہ اس عورت کا نکاح کسی کے ساتھ کردے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍۳۶۳؍۱۴ھ

بذریعۂ انٹرنیٹ نکاح کا حکم

سوال [۵۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا امریکہ میں اور لڑکی مرادآباد میں ہے یا لڑکا سعودی عرب میں ہے اور لڑکی دہلی میں ہے، ان کا نکاح جو کہ انٹرنیٹ پر کیا جاتا ہے، جو کہ نئی ایجاد ہے، تو کیا یہ نکاح جائز ہے؟

المستفتی: منیر احمد کوکرپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر انٹرنیٹ میں نکاح کی یہ شکل ہوتی ہے کہ لڑکے کی تصویر یہاں انٹرنیٹ پر نظر آرہی ہے اور یہیں پر نکاح کی مجلس قائم کرکے دو گواہوں کے سامنے قاضی ایجاب کے الفاظ استعمال کرتا ہے اور لڑکے کی تصویر میں سے قبول کرنے کی آواز آتی ہے، تو ایسا نکاح شریعت میں معتبر نہیں ہے؛ اس لئے کہ نکاح کے لئے ایجاب

وقبول کی مجلس میں بنفس نفیس ایجاب کرنے والے اور قبول کرنے والے کا موجود ہونا شرط ہے، کسی ایک کا فوٹو موجود ہونا اور فوٹو میں سے آواز سنائی دینا کافی نہیں ہے؛ اس لئے ایسا نکاح جو انٹرنیٹ پر ہوتا ہے معتبر نہیں ہے، اس طرح نکاح سے میاں بیوی نہیں بن سکتے ہیں۔

و من شرائط الإيجاب و القبول اتحاد المجلس. (در مختار مع شامي، زكريا ٤/ ٧٦، كراچي ٣/ ١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۰۴۷)	۱۴۲۴/۵/۲۱ھ

انٹرنیٹ وموبائیل کے ذریعہ کئے گئے نکاح کا حکم

سوال [۵۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ E.mail, Internet, Telephone کے ذریعہ ایجاب وقبول کیا گیا نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد ادریس جامعہ ملیہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: براہ راست ایجاب وقبول ٹیلی فون، موبائل، انٹرنیٹ میں صحیح نہیں ہوسکتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے ایجاب وقبول کے وقت میں دو ایسے گواہوں کا ہونا ضروری ہے، جو دونوں ایجاب وقبول سن سکیں اور ایجاب وقبول کرنے والوں کو دیکھیں اور پہچانیں یہ بات مذکورہ آلات کے ذریعہ سے ثابت نہیں ہو پاتی، ہاں البتہ ان آلات کے ذریعہ سے نکاح درست ہونے کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ لڑکی سے اجازت لے کر اس کا وکیل یا لڑکی براہ راست ٹیلی فون میں، جہاں پر لڑکا ہے وہاں پر ٹیلی فون موبائل یا انٹرنیٹ کے ذریعہ سے کسی کو اپنا وکیل بنادے، پھر وہ وکیل لڑکے کی موجودگی میں نکاح کی

مجلس میں دوگواہوں کے سامنےلڑکی کی جانب سے ایجاب کرےاورلڑکا قبول کرے یا لڑکا ایجاب کرے اور یہ وکیل لڑکی کی طرف سے قبول کرے، اس کے بعد وہ وکیل لڑکی والوں کو فون پر نکاح ہوجانے کی اطلاع کردے، تو اس طرح نکاح منعقد ہوجائے گا، اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ جہاں پرلڑکی ہے وہاں پر کسی آدمی کوٹیلیفون وغیرہ پرلڑکا اپنا وکیل بنادے پھر نکاح کی مجلس قائم ہوجائے اورلڑکے کا وکیل مجلس نکاح میں لڑکے کی طرف سے ایجاب وقبول کی وکالت کرے، پھر جانبین سے ایجاب وقبول ہوجانے کے بعد نکاح منعقد ہوجائے گا، اس کے بعد لڑکے کا وکیل ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ سےلڑکے کو اطلاع کردے، تو اس طرح سے نکاح شرعی طور سے منعقد ہوجائے گا۔

ولو أرسل إليها رسولاً، أو كتب إليها بذلك كتاباً، فقبلت بحضرة شاهدين سمعا كلام الرسول وقراءة الكتاب جاز لاتحاد المجلس من حيث المعنى. (عالمگیر، زکریا۱/ ۲۶۹، زکریا جدید ۱/ ۳۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱/ ۱۴۲۳ھ

انٹرنیٹ اور موبائل کے ویڈیو کانفرنس میں نکاح باطل

سوال [۵۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انٹرنیٹ اور موبائل کے ویڈیو کانفرنس پر نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً نکاح کے صحیح ہونے کیلئے ایجاب وقبول کی مجلس میں جانبین میں سے دونوں کا بنفس نفیس یا ان کے وکیل کا موجود ہونا شرط اور ضروری ہے

نیز مجلس نکاح میں دو گواہوں کا ایک ساتھ موجود ہونا اور دونوں گواہوں کا اسی مجلس میں عاقدین کی باتوں کا سننا بھی شرط ہے، انٹرنیٹ اور موبائل وغیرہ سے ویڈیو کانفرنس کے ذریعہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں نکاح کی دونوں شرطیں مفقود ہیں۔ (مستفاد: جدید فقہی مسائل ۱/۲۸۸، فتاوی عثمانی ۲/۳۰۴، انوار نبوت ۶۲۲)

شرط حضور شاهدين مكلفين سامعين قولهما معاً. (شامي، كراچي ٣/ ١٤، زكريا ٤/ ٨٧)

من شرائط الإيجاب والقبول اتحاد المجلس. (شامي، كراچي ٣/ ١٤، زكريا ٤/ ٧٦)

شرائط الإيجاب والقبول فمنها اتحاد المجلس إذا كان الشخصان حاضرين، فلو اختلف المجلس لم ينعقد. (البحر الرائق، زكريا٣/ ١٤٨، كراچي ٣/ ٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۱۷)

(۱۲) باب النكاح الصحيح

رسمی نکاح

سوال [۵۴۱۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی نے میری مرضی کے بغیر دوسرے لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا ہے، جس کو چار ماہ کا عرصہ گذر گیا ہے، لڑکی کی برادری انصاری اور لڑکے کی برادری روغن گر ہے، مجلس نکاح میں لڑکی اور لڑکا دونوں میں سے کسی کے والدین نکاح کے وقت موجود نہیں تھے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور اگر دونوں کے والدین اب دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو ایسا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: اشرف حسن، محلّہ جامع مسجد، وارثی نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب لڑکا لڑکی دونوں نے اپنی مرضی سے نکاح کرلیا ہے اور بعد میں ماں باپ عزت نفس کی وجہ سے دوبارہ رسمی نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

وإذا تزوجها بألف درهم، ثم جدد العقد بألفي درهم، فعلىٰ قول أبي حنيفة، وأبي يوسف لاتثبت الزيادة، ويكون مهرها ألف درهم وعلى قول محمد تثبت ويكون مهرها ألفي درهم. وفي الظهيرية: قال بعض مشايخنا: المختار عندنا أن تلزمه الألف الثانية. (فتاوى تاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل السابع عشر في المهر ٤/ ١٨٤، ١٨٥، رقم: ٥٩١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۱۵ھ

نکاح ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کرنا

سوال [۵۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرادآباد کا ایک لڑکا بھوالی ضلع نینی تال میں کام کررہا تھا اس کا ناجائز تعلق ایک لڑکی سے ہوگیا، وہ لڑکی اس کے پاس لگاتار تین گھنٹہ رہی گھر والوں میں کھلبلی مچ گئی کہ لڑکی کہاں ہے اتنے میں لڑکے نے شرافت دکھاتے ہوئے لڑکی کے گھر والوں کوفون کیا کہ آپ کی لڑکی میرے پاس ہے اسے لے جائیے۔ اتنے میں لڑکی کے اہل خانہ وہاں پہونچے اور وہاں سے دونوں کو گاڑی میں بٹھا کر ہلدوانی لے آئے، پھر لڑکی والوں نے لڑکے والوں کوفون کیا کہ آپ کا بھائی ہماری لڑکی سے ناجائز تعلق رکھتا تھا؛ اس لئے ہم دونوں کو ہلدوانی لے آئے تاکہ ہم ان کا نکاح کریں لڑکے والوں نے کہا کہ ہمارا انتظار کرو ہم آرہے ہیں لڑکی والوں نے انتظار کئے بغیر ان کا نکاح کردیا اور لڑکے کے دو رشتہ دار ہلدوانی کے نکاح میں شامل تھے۔

اب جب لڑکے والے آئے تو انہوں نے کہا کہ پندرہ دن کے بعد ہم دوبارہ نکاح کریں گے اور مہر بھی دوبارہ باندھیں گے، تو کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے کہ دوبارہ نکاح ہو اور دوبارہ مہر بندھے؟ وکیل نے لڑکی سے صرف دستخط کرائے نہ کہ لڑکے کا نام لیا کہ کس کے ساتھ نکاح ہورہا ہے کتنے مہر ہیں، کچھ بھی نہیں کہا، کیا یہ نکاح دوبارہ پڑھا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد انصاری، لائن ۱۷، آزادنگر ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عاقل بالغ لڑکے اور لڑکی نے گواہوں کی موجودگی میں شرعی اصول کے مطابق جو نکاح کیا وہ نکاح منعقد ہوگیا، پھر دونوں طرف کے خاندان کے لوگ باضابطہ طور پر دوبارہ نکاح کرکے کے باعزت طریقہ سے دوبارہ رخصت کرنا چاہتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ایسا کرنا بھی جائز ہے اور دوبارہ مہر مقرر کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

وإذا تـزوجها بألف درهم، ثم جدد العقد بألفي درهم، فعلىٰ قول أبي حنيفةؒ، وأبـي يـوسفؒ لاتثبـت الـزيادة، ويكون مهرها ألف درهم وعلى قول محمدؒ تثبـت ويـكـون مهـرهـا ألـفـي درهـم. وفـي الـظهيرية: قال بعض مشايخنا: الـمـختـار عندنا أن تلزمه الألف الثانية. (فتـاوى تـاتـارخانية، كتاب النكاح، الفصل السابع عشر في المهر، زكريا٤/١٨٤، ١٨٥، رقم:٤ ٥٩١)

وفي الكافي: جدد النكاح بزيادة ألف لزمه ألفان على الظاهر (تحته في الشامية) حـاصل عبارةالكافي: تزوجها في السر بألف، ثم في العلانية بألفين ظـاهـر المنصوص في الأصل أنه يلزم الألفان ويكون زيادة في المهر. وعند أبـي يـوسفؒ المهر هو الأول؛لأن العقد الثاني لغو، فيلغو مافيه، وعند الإمام أن الثـانـي، وإن لـغـا لايلغو مافيه من الزيادة. (الـدرمع الرد، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/١١٢، زكرياديوبند ٤/٢٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۵ھ

کیا عزت نفس کی خاطر دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں؟

سوال [۵۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی اور لڑکے نے دوسرے شہر میں کالج میں پڑھتے ہوئے پڑھائی کے دوران تقریباً تین ماہ قبل اپنے والدین کی مرضی کے بغیر نکاح کرلیا۔ اب لڑکی کے والدین خاندان اور معاشرہ میں اپنی عزت قائم رکھنے کے لئے دوبارہ باقاعدہ نکاح کی تقریب کرنا چاہتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا شرعاً صحیح اور جائز ہوگا؟ لڑکی ابھی کالج میں پڑھ رہی ہے اپنی رائے دے کر رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: صفدر حسین سعید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عاقل بالغ لڑکے لڑکی نے شرعی طریقہ پر جب اپنی مرضی سے عقد نکاح کرلیا ہے، تو شرعاً وہ نکاح معتبر ہے اورلڑکی کے نکاح کی تقریب میں لڑکی والوں کی لاج اورعزت کی رعایت کی گئی ہے؛ اس لئے ان کو ہم کفواور مہر کے انتخاب کا اختیار دیا گیا ہے؛ لہٰذا یہ لوگ اپنی لاج رکھنے کے لئے باقاعدہ عزت کے ساتھ لڑکی کو شرعی طریقہ پر رخصت کرسکتے ہیں؛ لیکن عقد نکاح پہلے ہو چکا ہے؛ اس لئے دوبارہ عقد نکاح کی ضرورت نہیں ہے، اگرعقد نکاح کر لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

والکفاءۃ هي حق الولي لاحقها الخ . (در مختار، کتاب النکاح باب الکفاءۃ، زکریا٤/٢٠٧، کراچي ٣/٨٥)

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکی کے والدین کو اپنی لاج اورعزت کو باقی رکھنے کے لئے بہت سے حقوق دیئے گئے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۳۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۷ھ

والد کے انتقال کی وجہ سے شادی کی تاریخ کو مؤخر کرنا

سوال [۵۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فاطمہ کی شادی کا دن طے ہوگیا، ۳؍تاریخ طے ہوئی اتفاق سے ایک تاریخ کو اس کے والد صاحب انتقال کر گئے۔ غور طلب یہ بات ہے کہ طے شدہ دن کو ہٹا دینا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: رضاء الکریم، مرشد آبادی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی کی طے شدہ تاریخ کو نہ بدلنے سے گناہ

تو نہ ہوگا؛ البتہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ تاریخ بدل دی جائے تاکہ سب لوگ میت کی تجہیز وتکفین میں شامل ہوجائیں۔

الأفضل أن يعجل بتجهيزه كله من حين يموت الخ. (شامي، كراچي ۲/۲۳۲، زكريا۳/۱۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۷۰۴/۳۲)

گاؤں والوں کا بالغین کا نکاح کروانا

سوال [۵۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں باہر کی بستی سے لڑکا اور لڑکی آجاتے ہیں، ہمارے گاؤں میں ان کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار رہتا ہے، ان کے کہنے پر ہم بستی والے ان دونوں کا نکاح کردیتے ہیں، وہ واپس اپنی بستی کو چلے جاتے ہیں، اس لڑکے اور لڑکی کے رشتہ دار کوئی بھی نہیں رہتے، پھر بھی ہم یہ نکاح کر کے بھیج دیتے ہیں؟ کیا ایسا نکاح کرنا جائز ہے؟

المستفتی: محمد عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر لڑکا لڑکی دونوں ہم کفو اور ہم برادری ہیں، تو شرعاً نکاح صحیح ہوجائے گا۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي الخ (الدر المختار، كراچي ۳/۵۵، زكريا٤/۱۵۵)

لیکن آپ لوگ ایسا سلسلہ جاری نہ کریں؛ کیوں کہ یہ فتنہ کا زمانہ ہے؛ اس لئے احتیاط کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴۰۵/۲۷)

دس بیگھہ زمین نام کرنے کی شرط پر میکہ سے واپس آنا

سوال [۵۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی دینی مزاج نہیں رکھتی تقریباً دو ماہ سے میکہ میں ہے، میرے پاس اس شرط پر آنے کو کہتی ہے کہ دس بیگھہ زمین اس کے نام کرادوں، تو کیا اس کا یہ مطالبہ درست ہے؟

(۲) کیا میں ان حالات میں شرعاً دوسری شادی کرسکتا ہوں؟

المستفتی: شیرالدین، مصطفیٰ پور، بڑھرا، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بیوی کے ساتھ ہمدردی اور رواداری کرنا شوہر پر لازم ہے شوہر کے گھر پر بیوی کو کسی قسم کی وحشت اور اجنبیت محسوس نہ ہونے دینا شوہر پر واجبی فریضہ ہے اور بیوی کے لئے شوہر سے بے جا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اب سائل کے یہاں کیا معاملہ ہے وہ خود زیادہ جان سکتا ہے اور رہا دس بیگھہ زمین کا مطالبہ، اگر اس طرح کی کوئی شرط نکاح کے وقت رکھی گئی تھی یا مہر میں دینے کے لئے بات رکھی گئی تھی، تو اس کا مطالبہ درست ہے، ورنہ درست نہیں۔

عن سليمان بن عمرو بن الأحوص، قال حدثني أبي أنه شهد حجة الوداع مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر في الحديث قصة فقال: ألا واستوصوا بالنساء خيراً، فإنما هن عوان عندكم ليس تملكون منهن شيئاً غير ذلك إلا أن يأتين بفاحشة مبينة الخ (ترمذي، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، النسخة الهندية ١/٢٢٠، دارالسلام رقم:١١٦٣)

ومن السحت مايؤخذ على كل مباح. وقال الشامي تحته: ومن السحت ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان بطلبه يرجع الختن به. (شامي، كراچي ٦/٤٢٤، زكريا٩/٦٠٧)

(۲) مرد کے لئے دوسری شادی کرنا جائز ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ بیویوں کے درمیان برابری کا معاملہ کرنا لازم ہے ورنہ گنہگار ہوگا۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ. [سورۃ السناء:۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۹۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۴/۱۴۳۱ھ

نکاح بالکتابہ کی ایک صورت

سوال [۵۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باکرہ بالغہ ہندہ اپنے استاذ کے حسن سلوک سے متأثر ہوکر ایک دن ایک کاغذ پر یوں لکھا کہ میں نے آپ سے نکاح کیا اور اپنے استاذ کے پاس بھیج دیا، استاد نے اس کاغذ کے ساتھ جواب میں یہ لکھ کر بھیجد یا کہ اس میں تو مہر کا ذکر نہیں ہے، پھر بھی مہر مثل ان صورتوں میں متعین ہوجاتا ہے۔

اب تم اگر چاہو تو وضاحت کردو کہ مہر مثل کروگی یا مہر فاطمی کروگی یا اور کچھ تمہاری باتیں جو تم نے لکھا ہے مجھے بہت پسند ہیں، اسے میں نے قبول کیا اور تم کو جو بھی مہر ہو اس پر میں نے اپنے نکاح میں داخل کرلیا۔

وہ نوشتہ کسی طرح اس کے یعنی ہندہ کے بڑے بھائی کے ہاتھ میں پڑ گیا اور وہ اسے اپنے والدین اور خالو کی موجودگی میں پڑھ کر سنایا، اس کو سن کر سب غصہ میں بھر گئے اور ہندہ پر سختی اور زیادتی کرنے لگے اور جبریہ اس کا نکاح بکر سے مہر فاطمی کے عوض تمام برادری کی موجودگی میں جیسا کہ عام دستور ہے کردیا اور روانہ کردیا۔ اب دل میں یہ شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ کہیں زید کے ساتھ کاغذی ایجاب وقبول سے نکاح واقع نہ ہوگیا ہو، دل میں طرح طرح

کے وساوس پیدا ہوتے ہیں؛ لہٰذا آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ واضح فرمادیں کہ وہ پہلا زید سے مراسلہ والا نکاح کہیں واقع نہ ہوگیا ہو، اگر واقع ہوگیا تو دوسرا بکر کے ساتھ والا نکاح درست ہوگیا یا نہیں؟ برائے کرم جلد مطلع فرمائیں بہت تشویش ہے۔ بینوا توجروا.

المستفتی: محمد سالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید وہندہ دونوں ہم کفو ہیں اور ہندہ کی تحریر پہونچتے ہی زید نے دو گواہوں کے سامنے مرسلہ تحریر پڑھ کر سنایا ہے اور ساتھ ساتھ گواہوں کے سامنے قبول بھی کیا ہے تو ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ صحیح اور درست ہو چکا ہے اور ہندہ زید ہی کی بیوی ہوگی اور بکر کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ہے اور اگر دونوں ہم کفو نہیں ہیں یا زید نے دو گواہ کے سامنے پڑھ کر نہیں سنایا ہے؛ بلکہ صرف اپنے طور پر ہندہ کو جواب لکھ کر بھیجدیا ہے، تو زید کے ساتھ نکاح نہیں ہوا اور بکر کے ساتھ نکاح درست ہو چکا ہے۔ اب ان باتوں کی تحقیق آپ خود کیجئے۔

ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب وصورته أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود و قرأته عليهم. وقالت زوجت نفسي منه، أو تقول أن فلانا كتب إلى يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه، أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لاينعقد الخ. (شامي، زكريا ٧٣/٤، كراچي ١٢/٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٠٩/٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۲۸۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۰/۲۴ھ

شادی کا خرچ اولاد کے ذمہ ہے یا والد کے؟

سوال [۵۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر والد صاحب حیثیت ہے اور اولاد کے پاس بھی پیسہ ہے؛ لیکن شادی میں خرچ ہونے والی رقم سے کم ہے اور اس پر بھی اگر والد اولاد کی شادی میں پیسہ خرچ نہ کرے؛ بلکہ اولاد سے خرچ کرائے تو دینی اعتبار سے یہ کیسا ہے؟ اور اس کی کیا کیا وعید ہے؟ اور کیا کیا تدارک ہے؟

(۲) اور اگر اولاد کے پاس شادی میں خرچ ہونے کی مقدار میں پیسہ ہے یا اس سے زیادہ ہے، تو بھی یہ دینی اعتبار سے کیسا ہے؟

(۳) والد اور اولاد ایک ہی فرم میں شریک ہیں؛ لیکن جو بھی خرچ کرتے ہیں وہ اپنے اپنے نام میں ڈلواتے ہیں اوپر کے سوال کے فتویٰ پر روشنی بھی دیں۔

المستفتی: محمد جلیس اقبال، کالا پیادہ، سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اولاد باپ کی فیملی سے الگ ہے اور اس کی آمدنی بھی الگ ہے اور کمانے پر قدرت بھی رکھتی ہے، اس کے پاس پیسہ بھی ہے گرچہ کم ہو، تو ایسی اولاد کی شادی کا خرچہ باپ کے اوپر لازم نہیں، ہاں البتہ باپ اگر خرچ کردے گا تو یہ محض اس کی طرف سے تبرع ہوگا اور خرچ نہ کرنے پر باپ پر کوئی وعید نہ ہوگی اور اگر اولاد باپ کی فیملی میں ہے، کھانا پینا بھی ایک ساتھ ہے، مگر آمدنی اور منافع دونوں کے الگ الگ ہیں اولاد اپنی آمدنی کل کی کل باپ کے حوالہ نہیں کرتی ہے، تو اگرچہ باپ کی فیملی میں کیوں نہ ہو، ایسی بالغ اولاد کی شادی کا خرچہ باپ کے اوپر لازم نہیں ہے؛ بلکہ اولاد اپنی شادی میں خود اپنی طرف سے خرچ کرے گی اور خرچ نہ کرنے پر باپ پر کوئی وعید نہیں اور اگر اولاد باپ کی فیملی میں ہے اور شادی کے لائق بھی ہوچکی ہے اور اپنی کمائی اور آمدنی سب لاکر باپ کے حوالہ کردیتی ہے اور اپنے پاس کچھ نہیں رکھتی، تو ایسی اولاد کی شادی کا خرچ باپ کے اوپر لازم ہے خرچ نہ کرنے پر باپ عند اللہ ماخوذ ہوگا؛ لیکن سوال نامہ میں جس اولاد کا ذکر ہے وہ ایسی نہیں ہے؛ بلکہ کمائی اور آمدنی وہ خود اپنے پاس الگ رکھتی ہے؛ اس لئے ایسی اولاد کی شادی

میں خرچ کرنا باپ کے اوپر لازم نہیں ہے اور خرچ نہ کرنے پر باپ پر کوئی وعید بھی نہیں، ہاں البتہ باپ اگر بخوشی خرچ کرتا ہے، تو یہ باپ کی طرف سے محض تبرع ہے۔

وإن كانوا ذكوراً بالغين لم يجبر الأب على الإنفاق عليهم لقدرتهم على الكسب، إلا من كان منهم زمنًا، أو أعمىٰ، أومقعداً، أو أشل اليدين لاينتفع بهما، أو مفلوجاً، أو معتوها، فحينئذ تجب النفقة على الولد لعجز المنفق عليه عن الكسب، وهذا إذا لم يكن للولد مال فإذا كان للولد مال فنفقته في ماله لأنه موسر غير محتاج. (مبسوط سرخسي،دارالكتب العلمية بيروت ٥/٢٢٣)

وإذا كان الابن قادراً على الكسب لاتجب نفقته على الأب.

(البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا٤/ ٣٥٠، كوئٹه ٤/٢٠٦)

وقال عليه السلام من ولد له ولد، فليحسن اسمه وأدبه، فإذا بلغ فليزوجهُ فإن بلغ (و هو فقير) ولم يزوجه فأصاب إثماً فإنما إثمه علىٰ أبيه.

(شعب الإيمان للبيهقي، باب في حقوق الاولاد والأهلين، درالكتب العلمية بيروت ٦/٤٠١، مرقات ٣/٤١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۲۷ھ

مرد کا ۴۵/ سال کی عمر میں دوسری شادی کرنا

سوال [۵۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی کی بیوی گذشتہ سال مرچکی ہیں، اور میرے بھائی کی عمر اس وقت پینتالیس سال ہے۔ اب وہ دوبارہ شادی کرنے کے خواہش مند ہیں؛ جبکہ اہل محلّہ اوران کے خود کے بچے آڑے آرہے ہیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی بھی جوان ہے، دو جوان

لڑکیوں کی شادی ہو چکی ہے، چار پانچ چھوٹے بچے ابھی اور ہیں سب سے چھوٹے لڑکے کی عمر پانچ سال ہے، میرے بھائی کی مالی حالت اچھی ہے دو مکان ہیں اور تیس بیگھہ زمین ہے، لڑکا اور خود بھی سارے سال کماتے رہتے ہیں، اب آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کا کیا حل ہے، وہ بتائیں یعنی ان کو شادی کر لینی چاہئے یا نہیں؟ جواب سے جلد نوازیں۔

المستفتی: محمد قاری اسلام الدین، ماسٹر پرائمری اسکول سہسپور بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ان کو شادی کرنے کی خواہش ہے، تو ضرور جلد از جلد شادی کر لینی چاہئے شرعاً ان کے لئے شادی کر لینا مسنون ہے اور جو لوگ آڑے آرہے ہیں وہ سب گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۴۴)

قوله تعالیٰ: فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ. [سورة النساء الآية:۳]

مات امرأته له التزوج بأختها بعد يوم من موتها الخ. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۳۸، زكريا ۴/۱۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۶۷۹)

۴۵؍سالہ بیوہ سے نکاح پر لوگوں کا اعتراض

سوال [۵۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرد ۵۸؍سال اور عورت ۴۵؍سال کی بیوہ عورت ہے جس کی اولاد شادی شدہ ہے، مرد اور عورت پر لوگ اعتراض کر رہے ہیں اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، بڑھاپے میں نکاح کی سوجھی ہے، ایسے خیالات اولاد اور دیگر حضرات کے بارے میں

قرآن وحدیث کے حکم سے صاف صاف آگاہ فرمایئے گا، اخراجات اور مرد وعورت دونوں کو نکاح کی طاقت مالی وجسمانی اللہ رب العزت کی طرف سے عطا ہے اور بیوہ سے نکاح کرنے میں کتنا ثواب ہے۔ اور جو اس کار خیر میں شریک ہو اس کو کتنا کتنا ثواب ملے گا؟

المستفتی: مولانا محمد مصطفیٰ خاں ھ، سنبھل روڈ حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب عورت بیوہ ہے اور مرد کے پاس بھی بیوی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں بیوہ عورت سے شادی کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے؛ بلکہ جائز ہونے کے ساتھ ساتھ عرف میں اس کا رواج عام ہونا چاہئے۔ اور اس کو معیوب سمجھنے کا عقیدہ ونظریہ ختم ہونا چاہئے، ایسی عورت سے شادی کرنا کارثواب ہے؛ لہٰذا لعن طعن واعتراض کرنے والوں کا اعتراض جہالت پر مبنی ہے، ایسے لوگ شرعاً گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، ان کو لعن طعن سے باز آکر توبہ کرنی چاہئے اس طرح نکاح کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ نیز اس بدعقیدگی اور جہالت کو ختم کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے ستاون اٹھاون سال کے بعد سات آٹھ نکاح فرمائے۔

وَاَنْكِحُوْا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ. [سورہ نور الآیۃ:۳۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۹۵۶/۳۵)

شادی شدہ نہ ہونے کی شرط پر نکاح

سوال [۵۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد نے زینب کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا زینب نے کہا کہ میں خالد سے

اس شرط پر نکاح کے لئے تیار ہوں کہ خالد شادی شدہ نہ ہو، نکاح ہوگیا؛ لیکن نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ خالد نے پہلے ایک نکاح کیا تھا؛ لیکن اس کو طلاق دیدی تھی، اب اس کے نکاح میں کوئی عورت نہیں ہے، تو کیا یہ نکاح درست ہوگیا یا نہیں؟ جبکہ شرط نہیں پائی گئی ہے یا شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے نکاح نہیں ہوا۔ مدلل جواب تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ نکاح درست ہے؛ کیونکہ شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ نکاح میں شرط فاسد خود ہی باطل ہوجاتی ہے اور نکاح درست ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام زکریا دیوبند ۲۰۵/۳، محمودیہ میرٹھ ۸۹/۱۶، محمودیہ ڈابھیل ۵۲۶/۱۰)

النكاح لايصح تعليقه بالشرط ويبطل الشرط دون النكاح. (مجمع الأنهر، نسخۀ جديد ۱/ ٤٨٩)

ولو شرط شرطاً فاسداً كما لو تزوجته على أن لايطأها، فإنه يصح النكاح ويفسد الشرط. (شامي، مطلب في النكاح الفاسد كراچي۳/ ۱۳۱، شامي زكريا٤/ ۲۷٤)

النكاح لايبطل بالشروط الفاسدة. (هداية، نعيمية ديو بند ۲/ ۳۳٤، هداية ياسر نديم ۲/۳۱۳)

لأن النكاح لايبطل بالشروط الفاسدة؛ بل تبطل هي ويصح النكاح. (فتح القدير، كوئٹه ۳/ ۱۵۲، زكريا۳/ ۲٤۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۲۴/۴۰)

طلاق کی نیت سے نکاح

سوال [۵۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ طلاق کی نیت سے نکاح کرنا جیسا کہ حلالہ کرنے والا کرتا ہے،تو اس طرح نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شان علم،گلشہید ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس نیت سے نکاح کرنا کہ کچھ دنوں کے بعد طلاق دیدیں گے فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق جائز ہے اور اس طرح کا کیا ہوا نکاح درست ہوجاتا ہے اور مردوعورت باقاعدہ میاں بیوی بن جاتے ہیں؛ لیکن شریعت میں نکاح کورشتہ قائم رکھنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے؛اس لئے ایسا نکاح منعقد ہونے کے باوجود مکروہ ہے اور ایسا کرنے والے گنہگار بھی ہوں گے۔

قال في الفتح: أمالو تزوج وفي نيته أن يطلقها بعد مدة نواها صح. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، دارالفكر بيروت ٣/٢٤٩، كوئٹه ٣/١٥٢، زكريا٣/٢٤٠)

وفي الدر: وليس منه (أي المتعة والنكاح الموقت) ما لونكحها على أن يطلقها بعد شهر، أو نوىٰ مكثه معها مدة معينة. (شامي، كراچي ٣/٥١، زكريا٤/١٤٦)

صرح الحنفية والشافعية: بأنه لو تزوج وفي نيته أن يطقلها بعد مدة نواها صح زواجه. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢/٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۴؍ ۶۱۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۸ھ

قرناء عورت سے شادی کا حکم

سوال[۵۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جس کا تعلق خنثیٰ مؤنث سے ہے،اس کی عمر تقریباً ۳۰؍سال ہے،

عورت کے مانند اس کے پستان بھی بڑے ہیں اور حیض بھی آتا ہے آواز بھی نسوانی ہے، تعلق اتنا قریبی اور گہرا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونا نہیں چاہتے، مرد کہتا ہے کہ میں کسی عورت سے نکاح کرلیتا ہوں اور تجھے بھی اپنے گھر رکھ لوں گا بیوی کی طرح رہنا؛ لیکن مخنث کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا تم کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کرسکتے اور اس کو اتنی محبت ہے کہ اس کے ساتھ شادی کرنے کے لئے وہ مخنث اپنا سب کچھ مکان وغیرہ چھوڑنے کو تیار ہے، مگر صرف مخنث کی پیشاب گاہ میں ایک ہڈی ہے، جس کا علاج کیا گیا، مگر کامیاب نہیں رہا اور ڈاکٹروں نے مشورہ دیا ہے کہ اگر اس کا علاج کرایا جائے، تو اس کا علاج ساؤتھ افریقہ میں ہوسکتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے خنثیٰ مؤنث سے کسی غیر مخنث مرد کا نکاح درست ہے کہ نہیں یا خنثیٰ مذکر کا خنثیٰ مؤنث سے نکاح کرنا درست ہے؟

المستفتی: محمد حسیب محمد حسین، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں جس عورت کا ذکر کیا گیا ہے وہ خنثیٰ نہیں ہے؛ بلکہ وہ ایسی عورت ہے، جس کے ساتھ عقد نکاح صحیح ہوسکتا ہے، بس صحیح طریقے سے اس کا علاج کرنے کی ضروت ہے، شرعی طور پر اس کے ساتھ نکاح صحیح ہوجائے گا، ایسی عورت کو قرناء کہا جاتا ہے۔

لا یوجب خیار الفسخ حتی لا یسقط بالموت شيئ من مهرها، أطلق العیب، فشمل الجذام، والبرص، والجنون، والرتق والقرن الخ. (البحرالرائق، قبیل باب العدة، کوئٹه ٤/١٢٦، زکریا٤/٢١٣)

وإذا کان بالزوجة عیب فلاخیار للزوج. وقال الشافعيؒ: یرد بالعیوب الخمسة: وهي الجذام، والبرص، والجنون، والرتق والقرن؛ لأنها تمنع الاستیفاء حسًا و طبعًا–ولنا أن فوت الاستیفاء أصلا بالموت لایوجب الفسخ فاختلاله بهذه العیوب أولی وهذا لأن الاستیفاء

من الثمرات والمستحق هو التمكن وهو حاصل. (هداية، باب العنين وغيره، اشرفي ديو بند ۲/ ۴۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۷۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/۱۴۱۷ھ

جس لڑکی میں زنانہ حیثیت مکمل نہیں اس سے نکاح

سوال [۵۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے کا نکاح باقاعدہ رسومات کے ساتھ ایک لڑکی کے ہمراہ ہوا اور لڑکی اپنے میکہ سے رخصت ہوکر اپنے شوہر کے ساتھ اس کے گھر آ گئی؛ لیکن جب لڑکا رات کو اپنی منکوحہ سے ہمبستری کے لئے رجوع ہوا، تو اس کا مقام فرج غیر فطری تھا، اس پر لڑکی نے کہا کہ آپ پیچھے کے مقام سے اپنی ضرورت حل کرلیں؛ چونکہ لڑکے کی نظر میں یہ فعل غیر شرعی تھا اور اس نے یہ کام نہیں کیا، تو ایسی صورت میں طلاق کی نوبت ہے، مگر لڑکی والے مہر کی رقم کی مانگ کررہے ہیں، لڑکے والوں کی نظر میں کیونکہ وہ لڑکی ثابت نہیں ہے، تو کیا یہ نکاح ہوا یا نہیں ہوا۔ براہ کرم شریعت مطہرہ کی رو سے یہ نکاح ہوا کہ نہیں اور لڑکے والوں پر مہر کی ادائے گی واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اظہر الاسلام، پیتل نگری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال ایسی لڑکی جس کے اندر زنانہ حیثیت مکمل نہیں ہے اور جس سے ہمبستری کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا، تو اس سے نکاح تو درست ہوگیا؛ لیکن اس کے ساتھ خلوت جماع کے حکم میں نہیں؛ اس لئے اس خلوت سے پورا مہر لازم نہ ہوگا؛ بلکہ طلاق کی صورت میں نصف مہر کی ادائے گی ضروری ہوگی۔
(مستفاد: امدادالفتاوی ۲/۲۹۶، محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۱۰۵)

ومن الموانع من الخلوة أن تكون المرأة رتقاء، أو قرناء، أو عفلاء، أو شعراء. (هندية، زكريا ١/ ٣٠٥، زكريا جديد ١/ ٣٧١)

والخلوة الفاسدة أن لا يتمكن من الوطء حقيقة كالمريض المدنف الذي لايتمكن من الوطء ومرضها، ومرضه سواء هو الصحيح أما المريض فالمراد به ما يمنع الجماع. (هندية، زكريا ١/ ٣٠٤، زكرياجديد ١/ ٣٧٠)

والرتق يمنع الخلوة؛ لأنه يمنع الجماع، وذكر في كتاب الطلاق، الأصل أن العدة تجب على الرتقاء ولها نصف المهر. (قاضيخان على الهندية، زكريا ١/ ٣٩٨، زكريا جديد ١/ ٢٣٨، هكذا في التاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/ ٢١٨، رقم: ٦٠١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۵/ ۱۴۳۳ھ

اندام نہانی بند والی عورت سے نکاح کا حکم

سوال [۵۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح ہوا اور رخصتی ہوئی، شب عروسی کو ظاہر ہوا کہ دولہن قدرتی طور پر حق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہے، اندام نہانی بند ہے، یعنی دولہن کی اس جسمانی کمی کا علم والدین واقرباء کو بخوبی تھا؛ لیکن باوجود اس کے شادی اور رخصتی کر دی گئی۔ کیا ایسی صورت میں زید کا نکاح صحیح ہے یا باطل ہے، یعنی دولہن زید کی زوجہ منکوحہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: ساجد حسین والد حاجی عبد الواجد، محلہ کسرول، مرادآباد (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عورت کی اندام نہانی بند ہے یا ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے عورت ہمبستری کے لائق نہیں، مگر وہ خنثیٰ مشکل نہیں ہے، تو اس کے ساتھ

شرعی طور پر نکاح درست ہو چکا؛ اس لئے کہ شرعی طور پر نکاح درست ہونے کے لئے صرف عورت ہونا کافی ہے وہ شرعاً زید کی منکوحہ ہے؛ لیکن ایسی صورت میں شوہر کے اوپر پورا مہر ادا کرنا لازم نہیں ہوتا؛ بلکہ نصف مہر ادا کرنا لازم ہوتا ہے اور طلاق دینے کی صورت میں عورت کے اوپر عدت بھی لازم ہوجائے گی۔

والخلوة بالرتقاء ليست بخلوة. قيل: هو على الخلاف والأصح أنه يمنع صحة الخلوة بالإجماع. وفي الخانية: أن العدة تجب على الرتقاء ولها نصف المهر. (تاتاخانية، زكريا٤/٢١٨، رقم:٦٠١٤)

والرتق يمنع الخلوة؛ لأنه يمنع الجماع، وذكر في كتاب الطلاق، الأصل أن العدة تجب على الرتقاء ولها نصف المهر. (قاضيخان على الهندية، زكريا١/٣٩٨، زكريا جديد ١/٢٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۸۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۷ھ

کیا احکام شرعیہ سے ناواقف عورت کا نکاح صحیح نہیں؟

سوال [۵۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے مسلمان گھرانے کی لڑکی سے شادی کی تھی چند ماہ گذرے، تو معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ عورت کلمہ وغیرہ سے بالکل ہی ناواقف ہے اور انکار کرتی ہے کہ نماز وکلمہ اور مذہب غسل وغیرہ میں کچھ نہیں جانتی اور کسی بات کے کرنے کے بعد انکار کردیتی ہے کہ ہم نے نہیں کیا، ان حالات میں زید کا نکاح اس کی مذکورہ بیوی سے باقی رہتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شفیق، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ اللہ کو ایک کہتی ہے اور حضور ﷺ کو اللہ کا رسول کہتی ہے اور اپنے آپ کو مسلمان جانتی ہے، تو وہ مسلمان ہے نکاح صحیح ہو چکا ہے، اس کو با قاعدہ کلمہ نماز وغیرہ سکھایا جائے، حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک صحابی پر ایک مسلمان غلام آزاد کرنا لازم ہوگیا تھا، تو حضور ﷺ نے ان کی ایسی باندی کو آزاد کرنے کی اجازت دی ہے، جو اللہ کا ایک ہونا اور آپ ﷺ کو اللہ کا رسول جانتی تھی۔

عن عمرو بن الحكم رضـ قال: أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقلت: يا رسول الله إن جارية كانت لي ترعىٰ غنما لي، فجئتها وقد فقدت منها شاة من الغنم، فسألتها عنها، فقالت: أكلها الذئب فأسفت عليها، وكنت من بني آدم فلطمت وجهها وعليَّ رقبة أفأعتقها، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم أين الله؟ فقالت: في السماء! فقال: فمن أنا؟ فقالت: أنت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: اعتقها. الحديث (مؤطا إمام مالك، كتاب العتق، مايجوز من العتق في الرقاب الواجبة، اشرفي ديوبند ٢٢٦، مشكوة شريف ٢/٢٨٥)

ولما كان الإيمان شرطاً في الكفارة امتحن رسول الله صلى الله عليه وسلم إيمانها وسألها أين الله؟. (حاشية مشكوة، ٢/٢٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ

دھوکہ دے کر بیمار عورت سے نکاح کرا دینا

سوال [۵۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح عمر مرحوم کی بیٹی سے ہوا، عمر مرحوم کے خاندان کے لوگ

بہت متقی پرہیزگار، دیندار ہیں، اس وجہ سے لڑکی کے سلسلہ میں زیادہ چھان بین نہیں کی گئی، مگر نکاح کے بعد پتہ چلا کہ عمر مرحوم کے اہل خانہ نے دھوکہ دے کر اپنی بیمار زمن وجع المفاصل (گھٹیا) کی مریض لڑکی سے زید کا نکاح کردیا مختلف ڈاکٹروں سے رجوع کیا مختلف ٹیسٹ کرائے، ڈاکٹر صاحبان کی رائے متفقہ ہے کہ مرض لاعلاج ہے تا زندگی دوا کھانی ہوگی، ٹھنڈ سے پرہیز کرنا ہوگا، حمل سے پرہیز کرنا ہوگا، اولاد میں بھی یہ مرض پیدا ہوسکتا ہے، زید عرب ممالک میں ایک اچھے عہدہ پر فائز ہے، وہاں ایرکنڈیشن کے بغیر گذارہ نہیں ہے اور زید کی بیوی یہاں نہ پنکھے میں سوسکتی ہے نہ کولر میں، اس وجہ سے وہ زید کے ساتھ نہیں جاسکتی اور زید کس طرح ازدواجی زندگی گذارے؟ ان حالات کو مدنظر رکھ کر مندرجہ ذیل معاملات پیدا ہورہے ہیں۔

(۱) کیا زید عمر مرحوم کی بیٹی کو طلاق دیدے؟

(۲) کیا زید کو دوسری شادی کرلینی چاہئے؟

(۳) کیا دوسری شادی کے لئے زید کی پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟

(۴) اگر پہلی بیوی کو طلاق نہ دی جائے اور دوسری شادی کرلی جائے، تو دونوں بیویوں کے درمیان انصاف کس طرح ممکن ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد سلطان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید کو اختیار ہے چاہے طلاق دے کر الگ کردے یا طلاق نہ دے کر اس کی ضروریات کی کفالت اپنے اوپر رکھے۔

بأن الطلاق مشروع في ذاته (إلى قوله) وإنما كان الأصل فيه الحظر (إلى قوله) لكن جهة الحظر تندفع بالحاجة ككبر أو ريبة، أو دمامة خلقه، أو تنافر طباع بينهما، أو إرادة تأديب، أو عدم قدرة على الإقامة بحقوق النكاح. (منحة الخالق، کوئٹہ ۳/۲۳۷، زکریا دیوبند ۳/۴۱۳)

(۲) زید کو ایسی حالت میں دوسری شادی کا اختیار ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ. [النساء:۳]

(۳) جی نہیں پہلی بیوی سے اجازت لازم نہیں۔

ولوأراد فقالت امرأته أقتل نفسي لايمتنع؛ لأنه مشروع الخ. (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۴۸، زكريا ۴/۱۳۸)

له امرأة، أو جارية، فأراد أن يتزوج أخرىٰ، فقالت: أقتل نفسي، له أن ياخذ ولايمتنع؛ لأنه مشروع، قال الله تعالى: لم تحرم ما احل الله لك تبتغي مرضاة أزواجك، والله غفور رحيم. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية، زكريا ۴/۱۵۵، جديد زكريا ۱/۱۰۱)

(۴) اگر پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرلیتا ہے، تو دونوں میں برابری کرنا لازم ہوگا۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [سورة النساء الآية:۳]

اگر پہلی بیوی کے حقوق زوجیت ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے اور توالد وتناسل کے حقوق پر پوری طرح قادر نہ ہونے کی وجہ سے دوسری بیوی کو غیر مما لک لے جا کر ساتھ رکھتا ہے، تو ایسی صورت میں شب باشی میں برابری لازم نہیں، مگر خرچ میں برابری لازم ہوگی۔

لاتحتسب على الزوج السفر يعني إذا سافر بإحدىٰ المرأتين شهراً مثلا ولايؤمر أن يكون عند الأخرىٰ شهراً آخر؛ بل يسوى بينهما في الحضر الخ. (بناية، كتاب النكاح، باب القسم، اشرفية ديوبند ۵/۲۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۶۴۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۰ھ

(۱۳) باب من یحل نکاحه

سوتیلی ماں کی حقیقی بہن سے نکاح

سوال[۵۴۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سوتیلی ماں کی حقیقی بہن سے نکاح جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد آفتاب عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سگی خالہ سے نکاح حرام ہے،مگرسوتیلی ماں کی حقیقی بہن سے نکاح جائز ہے۔(مستفاد:فتاوی محمودیہ جدید میرٹھ ۳۸۹/۱۶)

قال الله تعالىٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . [سورة النساء: ٢٤]

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ يعني ماسوىٰ المحرمات المذكورات في الأيات السابقة. (تفسير مظهري، زكريا ديوبند ٢/ ٦٦)

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أي ورآء ماحرمه الله تعالىٰ. (بدائع الصنائع، زكريا٢/ ٥٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۵/ذی الحجہ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر:الف۱۰۲۳۵/۳۹)

الجواب صحیح:
احقرمحمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۲/۲۵ھ

عورت اوراس کی سوتیلی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۴۳۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک صاحب دوعورتوں کولائے،ایک ماں ایک اس کی

سوتیلی لڑکی یعنی یہ لڑکی اس کے شوہر کی تھی، جو اس عورت کے پیٹ سے نہیں پیدا ہوئی تھی اوران دونوں عورتوں سے بیک وقت نکاح کرلیا گیا، اس شخص کا اس عورت اور اس کی سوتیلی لڑکی دونوں سے نکاح درست ہے؟ ہمارے علاقہ میں اس طرح کے بہت سے واقعات پیش آرہے ہیں؟

المستفتی: باشندگان ملک مقیم پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں جو ماں لکھا ہے، وہ درست ہے؛ بلکہ ایک عورت اور اس کی سوتیلی لڑکی جو اس کے شوہر کی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوئی ہے، اس کے درمیان جمع کی بات چل رہی ہے؛ لہٰذا اس عورت اور اس کی سوتیلی لڑکی دونوں عورتوں سے بیک وقت نکاح کرلینا یا آگے پیچھے کرکے نکاح کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ ایک دوسرے کے محرم کسی بھی جانب سے نہیں ہیں۔

عن ابن عباسؓ، حرم من النسب سبع ومن الصهر سبع، ثم قرأ حرمت عليكم أمهاتكم الآية وجمع عبد الله بن جعفر بين ابنة علي وامرأة علي. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب مايحل من النساء ومايحرم ٢/٧٦٥، رقم الباب: ٢٥)

فجاز الجمع بين امرأته وبنت زوجها. (الدر المختار شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٣٩، زكريا ٤/١١٧)

ويجوز الجمع بين امرأة وبنت زوج كان لها من قبل......لأنه لارحم بينهما فلم يوجد الجمع بين ذواتي رحم. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/٥٤٠)

جاز نكاح إحداهما على تقدير مثل المرأة وبنت زوجها، أو امرأة ابنها، فإنه يجوز الجمع بينهما عند الأئمة الأربعة. (البحرالرائق، زكريا٣/١٧٣، كوئٹه ٣/٩٨)

ویحرم الجمع بین امرأتین لو فرضت إحداهما ذکراً تحرم علیه الأخریٰ......بخلاف الجمع بین امرأة و بنت زوجها، فإنه یجوز؛ لأنه لوفرضت المرأة ذکراً جازله أن یتزوج بنت الزوج؛ لأنها بنت رجل أجنبي. (مجمع الأنهر جدید دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۴۸۰، قدیم ۱/۳۲٦)

ولابأس بأن یجمع بین امرأة وبنت زوج کان لها من قبل؛ لأنه لا قرابة بینهما و لا رضاع. (هدایة مع الفتح، زکریا۳/۲۰۹، کوئٹه ۳/۱۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۳۲/ ۹۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱/۹ھ

دو حقیقی بھائیوں کا الگ الگ ماں اور بیٹی سے نکاح کرنا

سوال [۵۴۳٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو حقیقی بھائیوں نے الگ الگ طور پر ماں اور بیٹی سے نکاح کرلیا ہے۔ کیا ان دونوں کو الگ الگ طور پر دو حقیقی بھائیوں کا نکاح میں جمع کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد الیاس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ نکاح شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کوئی وجہ حرمت نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ – وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ .
[سورة النساء الآیة: ۲۳، ۲۴]

قال الخیر الرملي ولاتحرم بنت زوج الأم، ولاأمه، ولاأم زوجة الأب، ولا بنتها. (شامي، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، کراچي ۳/ ۳۱، زکریا ۴/ ۱۰۵)

ولابأس بأن یتزوج الرجل امرأة ویتزوج ابنه ابنتها، أو أمها. کذا في محیط

السرخسي. (هندية، زكريا ١/٢٧٧، زكريا جديد ١/٣٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۷۹۰)

ماں کی خالہ زاد بہن سے نکاح

سوال [۵۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ساجدہ اور ماجدہ دونوں آپس میں خالہ زاد بہن ہیں، ساجدہ شادی شدہ مگر ماجدہ کنواری ہے۔ اب ساجدہ کا لڑکا زید اپنی ماں کی خالہ زاد بہن ماجدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا زید کا نکاح اپنی ماں کی خالہ زاد بہن ماجدہ سے درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عامر سادات پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی ماں کی حقیقی خالہ زاد بہن اور زید کے درمیان شرعی طور پر کسی قسم کی محرم اور حرمت کا علاقہ اور رشتہ نہیں ہے؛ اس لئے زید اپنی ماں کی حقیقی خالہ زاد بہن سے بلا تردد نکاح کرسکتا ہے، اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ . [سورة النساء:٢٤]

هو كل امرأتين أيتهما فرضت ذكراً لم تحل أخرىٰ. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/ ٤٠، زكريا ديوبند ٤/ ١١٩)

ويحرم الجمع بين المرأتين لو فرضت إحداهما ذكراً تحرم عليه الأخرىٰ. (مجمع الأنهر قديم ١/٣٢٦، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱/۱۴۲۶ھ

پچیری خالہ سے نکاح

سوال [۵۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا ہے جس کا نام رمضان ہے، اس کا نکاح ایک ایسی لڑکی سے ہونے جارہا ہے، جو اس لڑکے کی والدہ کی چچازاد بہن ہے اور اس لڑکے کی پچیری خالہ ہوتی ہے۔ تو کیا ان دونوں کے درمیان رشتۂ نکاح قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد برہان، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی لڑکی جو رشتہ میں لڑکے کی پچیری خالہ ہوتی ہے، اس سے نکاح درست ہے؛ کیونکہ وجہ حرمت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۳۰۰)

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ. [سورة النساء: ٢٤]

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ يعني ماسوى المحرمات المذكورات في الاٰيات السابقة. (تفسير مظهري، زكريا ٢/ ٦٦)

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أي ماوراء ماحرمه الله تعالىٰ. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٥٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۲۶ھ

نانا کی خالہ زاد بہن کے لڑکے یا پچیرے بھائی کے پوتے کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک لڑکی مسماۃ زینب کا نکاح اس کے نانا کی خالہ زاد بہن کے لڑکے سے درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص مسمیٰ چندا کے پوتے کا نکاح ان کے چچیرے بھائی نظام الدین کے پوتے کی لڑکی سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حنیف، سید نگلی حسنپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں بلاشبہ نکاح صحیح ہوسکتا ہے یہ محرمات کے دائرہ میں شامل نہیں ہے۔

وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ . [سورة النساء: ٢٤]

(۲) یہ نکاح بھی بلاتردد جائز اور درست ہے۔

فروع أجداده وجداته؛ لبطن واحد الخ (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، دارالفكر بيروت ٢٠٨/٣، كوئٹه ١١٧/٣،زكريا ١٩٩/٣، شامي، كراچي ٢٨/٣، زكريا ٩٩/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲۷۳/۲۹)

خالہ کی سوتن کی لڑکی کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنی خالہ کی سوتن کی لڑکی کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: تمیم اقبال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالہ کی سوتن کی لڑکی کی لڑکی میں حرمت کا کوئی علاقہ نہیں ہے؛ اس لئے اس کے ساتھ بلاتردد شادی کرنا جائز ہے۔

وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ . [سورة النساء: ٢٤]

تحل بنات العمات، والأعمام، والخالات، والأخوال. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/ ۲۸، زکریا ٤/ ۹۹، فتح القدير، دارالفكر بيروت ۳/ ۲۰۸، کوئٹه ۳/ ۱۱۷، زکریا ۳/ ۱۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۱۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۸ھ

ماں کی حقیقی چچیری بہن سے نکاح

سوال [۵۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری والدہ محترمہ کی سگی چچیری بہن سے رشتہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ہماری والدہ کے بڑے لڑکے اور والدہ محترمہ کی سگی چچیری بہن سے رشتہ ہوسکتا ہے نکاح جائز ہے یا نا جائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کی چچا زاد بہن کا نکاح عورت کے بیٹے کے ساتھ جائز اور درست ہے، یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کا نکاح حضور ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ہوا تھا۔

قال اللّٰه تعالىٰ: وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . [سورة النساء: ٢٤]

أي ماعدا من ذكرنا من المحارم هن لكم حلال. (تفسير ابن كثير ١/ ٤٧٤)

وقال القرطبي: فكأنه قال أحلت لكم ماورآء ما ذكرنا في الكتاب وماورآء ما أكملت به البيان على لسان محمد صلى اللّٰه عليه وسلم. (تفسير قرطبي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۳۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۸ھ

ماں کی ماموں زاد بہن سے نکاح

سوال [۵۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت اپنے لڑکے کے لئے اپنی ماموں زاد بہن سے شادی کرنے کی تمنا رکھتی ہے؛ لہٰذا یہ رشتہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالعزیز، برتن بازار، متصل شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جائز ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . [سورة النساء:٢٤]

کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۱۷۳، امداد الفتاوی ۲/۲۴۲)

وأحل لكم ماورآء ذلكم يعني ماسوى المحرمات المذكورات في الآيات السابقة. (تفسير مظهري، زكريا ديوبند ٢/ ٦٦)

تحل بنات العمات، والأعمام، والخالات، والأخوال. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/ ٢٨، زكريا ٤/ ٩٩، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٣/ ٢٠٨، كوئٹه ٣/ ١١٧، زكريا ٣/ ١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۶۵۰)

باپ کی چچازاد بہن سے نکاح

سوال [۵۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نعیم احمد اپنے حقیقی دادا محمد اسماعیل کے باپ شریک چھوٹے بھائی محمد خلیل کی حقیقی لڑکی آمنہ خاتون سے نکاح کرنا چاہتا ہے، جو قرابت میں نعیم کی پھوپھی ہوتی ہے۔

تو کیا اس سے نکاح نعیم کے لئے جائز ہے؟ اور کیا یہ ہدایہ میں مذکور **و لا بعمته الخ** کے تحت داخل ہے یا نہیں؟ وضاحت کیساتھ بیان فرمائیں۔

المستفتی: محمد عتیق سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی چچازاد بہن سے نکاح کرنا شرعاً درست ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں نعیم احمد اپنا نکاح اپنے دادا محمد اسماعیل کے بھائی محمد خلیل کی حقیقی لڑکی آمنہ خاتون سے کرسکتا ہے؛ کیونکہ یہ باپ کی حقیقی بہن نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے۔

فروع أجداده وجداته؛ لبطن واحد، فلهذا تحرم العمات، والخالات، وتحل بنات العمات، والأعمام، والخالات، والأخوال. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، دار الفكر بيروت ٣/٢٠٨، كوئٹه ٣/١١٧، زكريا ٣/١٩٩، شامي، كراچي ٣/٢٨، زكريا ٤/٩٩)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دادا کے فروع کی حرمت صرف ایک بطن (یعنی دادا کی لڑکی یعنی حقیقی پھوپھی) تک محدود ہے اس کے آگے حرمت نہیں اور باپ کی چچازاد بہن بطن ثانی سے ہیں بطن اول (یعنی دادا کی لڑکی) سے نہیں ہیں؛ لہٰذا یہ **أحل لکم ماورآء ذٰلکم.** [سورة النساء:٢٤] کی وجہ سے حلال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۲۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۲ھ

باپ کی ربیبہ سے نکاح

سوال [۵۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی پہلی بیوی کا انتقال ہوچکا ہے زید نے دوسری شادی کی ہے، زید کی

دوسری بیوی کے ساتھ ایک لڑکی آئی ہے اور زید کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے۔ اب وہ لڑکا اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، تو کیا ان دونوں کا آپس میں نکاح جائز ہے؟

المستفتی: نسیم احمد، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا لڑکا اگر زید کی زوجۂ ثانیہ کے ساتھ آئی ہوئی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، تو ان دونوں کا نکاح باہم درست ہے۔

ولابأس أن یتزوج الرجل امرأة ویتزوج ابنه أمها، أو بنتها؛ لأنه لامانع وقد تزوج محمد بن الحنفیة امرأة وزوج ابنه بنتها. (البحرالرائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، زکریا ۳/۱۷۳، کوئٹہ ۳/۹۸)

قال الخیر الرملي: ولاتحرم بنت زوج الأم، ولاأمه، ولاأم زوجة الأب، ولابنتها. (شامي، کراچي ۳/۳۱، زکریا ٤/۱۰۵)

ولابأس بأن یتزوج الرجل امرأة ویتزوج ابنه ابنتها، أو أمها. کذا في محیط السرخسي. (هندیة، زکریا ۱/۲۷۷، زکریا جدید ۱/۳٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍ ۴۷۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍۴؍۱۴۱۷ھ

قبل الدخول طلاق دینے کے بعد بیٹی سے جواز نکاح اور ماں سے عدم جواز

سوال [۵۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ہندہ سے عقد نکاح کرلیا، مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی، تو اب زید کے لئے ہندہ کو طلاق دے کر اس کے فروع مثلاً اس کی بیٹی وغیرہ سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کے اصول یعنی ماں وغیرہ سے نکاح کیوں جائز نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے ہندہ سے عقد نکاح کرنے کے بعد اسے قبل الدخول طلاق دیدی، تو اب اس کی بیٹی سے نکاح جائز ہے؛ کیونکہ قرآن کریم میں بیٹی سے نکاح کی حرمت کو اس کی ماں کے ساتھ دخول پر معلق کیا ہے اور صورت مسئولہ میں جب دخول نہیں پایا گیا، تو زید کے لئے ہندہ کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے؛ البتہ زید کے لئے ہندہ کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ ماں کی حرمت اس کی بیٹی سے محض عقد نکاح کر لینے سے ثابت ہوجاتی ہے، قرآن کریم میں ماں کی حرمت کو اس کی بیٹی کے ساتھ دخول پر معلق نہیں کیا گیا ہے۔

وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ اللّٰاتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِسَآئِكُمُ اللّٰاتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ. [سورة النساء:۲۳]

يحرم على الرجل......أم امرأته مطلقاً......أي لم يقيد بشرط الدخول بالمرأة؛ بل تحرم بنفس العقد الصحيح. لقوله تعالىٰ: [وأمهات نسآء كم] وبنت امرأة دخل بها، فإن لم يدخل حتى حرمت عليه حل له تزوج الربيب. لقوله تعالىٰ: وَرَبَآئِبُكُمُ اللّٰاتِىْ فِىْ حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِسَآئِكُمُ اللّٰاتِىْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ. (سورة النساء: ۲۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۴۷۷)

قال الجمهور: أن بين نكاح الأم، والبنت فرقا يشترط الدخول في إحداهما لا في أخراهما. (العرف الشذي على هامش الترمذي، النسخة الهندية ۱/۲۱۳)

لايحل للرجل أن يتزوج بأم امرأته اللتي دخل بابنتها، أو لم يدخل. لقوله تعالىٰ: (وأمهات نسآء كم) من غير قيد الدخول، ولابنت امرأته التي دخل بها لثبوت قيد الدخول بالنص. (هداية، مكتبة ياسرنديم ۲/۳۰۸)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم،

قال أيما رجل نكح امرأة فدخل بها، فلايحل له نكاح ابنتها، فإن لم يكن دخل بها، فلينكح ابنتها، وأيما رجل نكح امرأة فدخل بها، أو لم يدخل فلايحل له نكاح أمها. (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ماجاء فيمن يتزوج المرأة، ثم يطلقها، النسخة الهندية ۱/۲۱۲، دارالسلام رقم:۱۱۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۷٦)

پہلی بیوی کے لڑکوں کا دوسری بیوی کی لڑکیوں سے نکاح

سوال [۵۴۴٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی فی الحال دو بیویاں ہیں، جس میں سے پہلی بیوی سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں جو کہ زید سے ہی ہیں اور دوسری بیوی کے دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں، جو کہ زید سے نہیں؛ بلکہ دوسری بیوی کے پہلے شوہر سے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلی بیوی کے لڑکوں کا دوسری بیوی کی لڑکیوں سے نکاح درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسرار خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں اس بات کی وضاحت ہے کہ زید کی پہلی بیوی سے زید کے جو لڑکے ہیں، ان لڑکوں کا نکاح دوسری بیوی کے پہلے شوہر کی لڑکیوں سے جائز ہے یا نہیں؟ تو شرعی حکم یہ ہے کہ دوسری بیوی کے بطن سے پہلے شوہر کی جو لڑکیاں ہیں، ان کا نکاح زید کی پہلی بیوی کے بطن سے جو زید کے لڑکے ہیں ان کے ساتھ جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ ان دونوں قسم کے لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان نسبی، سببی اور رضاعی حرمت کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔

لا بأس بأن يتزوج الرجل امرأةً...... ويتزوج ابنه ابنتها. . (هندية،

كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات قبيل القسم الثالث المحرمات بالرضاع، زكريا قديم ١/٢٧٧، زكريا جديد ١/٣٤٢)

فلذا جاز التزويج بأم زوجة الابن، وبنتها، وجاز للابن التزوج بأم زوجة الأب وبنتها. (فتح القدير، دارالفكر بيروت ٣/٢١١، كوئٹه ٣/١٢٠، زكريا٣/٢٠١)

ولاتحرم بنت زوج الأم، ولاأمه، ولاأم زوجة الأب، ولابنتها. (شامي، كراچي ٣/٣١، زكريا٤/١٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۵۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۲۳ھ

دوسرے شوہر کی اولاد سے نکاح کرنا

سوال [۵۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی حاملہ بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دی تھیں، بعد وضع حمل کے رضا مندی سے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح ہوا قبل نکاح طرفین کو بتلا دیا تھا کہ بغیر دوسرے کے ساتھ نکاح بعدہٗ رضا مندی طلاق کے پہلے شخص سے نکاح جائز نہیں، جس شخص کے ساتھ نکاح ہوا ہے قبل نکاح اس کو واقعہ اور مسئلہ صاف صاف بتلا دیا یہ بھی بتلا دیا کہ نکاح کے بعد صحبت کرنا ضروری ہے اور طلاق بھی رضا مندی سے دوگے، جب پہلے شوہر کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے، نکاح میں طلاق دینے کی کوئی شرط نہیں بعدہ' حلالہ ہوا بعد نکاح وصحبت تین طلاق بیک وقت دیدیں اتفاق سے اس صحبت سے حمل قرار نہیں پایا بعد تین حیض سابقہ شوہر کے ساتھ نکاح ہوا، اللہ تعالیٰ نے کئی لڑکیاں اور کئی لڑکے عطاء فرمائے۔

اب اصل سوال یہ ہے کہ اس عورت کی اولاد کا نکاح اس شخص کی اولاد سے جائز ہے

یانہیں؟ جس کے ساتھ حلالہ ہوا تھا خواہ اس کے لڑکی ہو یا لڑکا (عورت کا)

المستفتی: عبدالعزیز بازار شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۹۱/۷، احسن الفتاوی ۷۴/۵)

لابأس بأن يتزوج الرجل امرأة ويتزوج ابنه ابنتها، أو أمها الخ. (فتاوى عالمگيري، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات قبيل القسم الثالث المحرمات بالرضاع، زكريا ۲۷۷/۱، زكريا جديد ۳٤۲/۱)

ولاتحرم بنت زوج الأم، ولاأمه، ولاأم زوجة الأب و لابنتها. (شامي، كراچي ۳۱/۳، زكريا ۱۰٥/٤)

وكما استفاد من الشامي: ويحل لأصول المزنى وفروعه أصول المزني بها، وفروعها. (شامي، زكريا ۱۰۷/٤، كراچي ۳۲/۳، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر بيروت ٦٥/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۲۲/۲۴)

خالہ کی نواسی سے نکاح

سوال [۵۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو بہنیں راشدہ اور مرشدہ ہیں، راشدہ کے ایک لڑکا راشد اور مرشدہ کے ایک لڑکی آمنہ ہے، پھر آمنہ کے بھی ایک لڑکی عامرہ ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ راشدہ کی شادی عامرہ سے ہو سکتی ہے یا نہیں

المستفتی: حکیم شمیم الدین صاحب، جھبو کا نالہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عامرہ راشد کی خالہ کی نواسی ہے اور راشد کے لئے خالہ کی نسل کی کسی بھی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے؛ لہٰذا جس طرح خالہ کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح خالہ کی نواسی کے ساتھ نکاح کرنا بھی بلاشبہ جائز ہے؛ اس لئے کہ ان کے درمیان حرمت کا کوئی سبب ثابت نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ. [سورۃ النساء: ٢٤]

وقال في الدر: وأما عمة أمه وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته، وخاله وخالته. (در مختار مع الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٣٠، زكريا ٤/١٠٣)

فروع أجداده وجداته لبطن واحد، فلهذا تحرم العمات، والخالات، وتحل بنات العمات، والأعمام، والخالات، والأخوال. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، دارالفكر بيروت ٣/٢٠٨، كوئٹه ٣/١١٧، زكريا ٣/١٩٩، شامي، كراچي ٣/٢٨، زكريا ٤/٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹٦۹۵)

چچا کے انتقال کے بعد چچی سے نکاح

سوال [۵۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر دو بھائی تھے، دونوں کے ایک ایک لڑکا پیدا ہوا، اتفاق سے زید اور بکر دونوں کا انتقال ہوگیا، دونوں کے انتقال کے بعد زید کی بیوہ بیوی سے بکر کے لڑکے نے نکاح کرلیا جو کہ اس کی حقیقی چچی تھی، بکر کے لڑکے کوئی رشتہ اپنی چچی سے دوسرا ایسا نہیں ہے، جس سے دونوں کا نکاح آپس میں حرام ہو، اس صورت میں زید کی بیوہ بیوی سے بکر کے

لڑکے کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: علیم الدین گوجر، جھولو جنگل، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً یہ نکاح درست ہے؛ کیونکہ وجہ حرمت نہیں پائی گئی۔

جو **وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ** . [النساء: ٢٤] کے تحت داخل ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۱۷۵)

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ يعني ماسوى المحرمات المذكورات في الآيات السابقة. (تفسير مظهري، زكريا ديو بند ٢/٦٦)

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أي ماوراء ماحرمه الله تعالىٰ. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٥٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۴۷۲)

چچا اور بھتیجی کا آپس میں نکاح

سوال [۵۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب کا تعلیم یافتہ بالغ لڑکا جو کہ دین سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا ہے، دوسرے صاحب اس کے چچازاد بھائی ہیں، تو اس تعلیم یافتہ بالغ لڑکے کا نکاح اس کے چچازاد بھائی کی لڑکی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

آپس میں دونوں شادی کرنے کے لئے بضد ہیں، ایسی صورت میں ان دونوں کا شادی کرنا یا نکاح کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ممتاز حسین، چوکی حسن خاں، انڈے والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں ان دونوں کے درمیان شادی کرنے میں کوئی مانع شرعی نہیں ہے؛ اس لئے ان دونوں کا نکاح جائز ہے، جس طریقہ سے اس لڑکے کے لئے اپنی چچازاد بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح چچازاد بھائی اور چچازاد بہن کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز اور درست ہے۔

حضرت علیؓ کا نکاح حقیقی تایازاد بھائی کی بیٹی کے ساتھ ہوا ہے، حضور ﷺ حضرت علیؓ کے حقیقی تایازاد بھائی ہیں، حضور ﷺ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کا نکاح ہوا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ "في تفسير المظهري" يعني ماسوىٰ المحرمات المذكورات في الآيات السابقة. (تفسیري مظهري، زكريا ديوبند ٢/٦٦)

وقال العلامة الآلوسيؒ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ إشارة إلى ماتقدم من المحرمات أي أحل لكم نكاح ماسواهن انفراداً وجمعاً. (روح المعاني، زكريا ديوبند ٤/٦)

وعن عكرمةؓ قال: لما زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم: عليا فاطمةؓ......وفي رواية عن عليؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما زوج فاطمة بعث معها بخملة ووسادة أدم حشوها ليف، ورحائين، وسقاء، وجرتين. (الطبقات الكبرىٰ ٨/١٩، بحواله انوار نبوت ٦٨٠تا٦٨٢)

عن أنسؓ ولما زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم عليا رضي الله عنه فاطمة رضي الله عنها دخل البيت. (اعلاء السنن، مكتبه عباس أحمد الباز، مكة المكرمة ١١/١٠، ١١/٦، رقم: ٣٠٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۵۶/۳۸)

چچازاد بہن کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ببو اور دلشاد حسین دونوں حقیقی بھائی ہیں، ببو کا ایک لڑکا سعید احمد ہے اور دلشاد کی ایک لڑکی آل جہاں ہے اور آل جہاں کی ایک لڑکی حنا ہے، تو کیا آل جہاں کے چچازاد بھائی سعید کے ساتھ آل جہاں کی لڑکی حنا کا نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی دولہا خاں، پیرغیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعید احمد اپنی چچازاد بہن آل جہاں کی لڑکی حنا سے نکاح کرسکتا ہے، یہ رشتہ ایسا نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے نکاح حرام ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۱۶۱، جدید ڈابھیل ۱۱/۲۶۴، فتاوی دارالعلوم ۷/۳۲۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . [سورۃ النساء: ٢٤]

وأما عمة أمه وخالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته، وخاله وخالته. (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/ ٣٠، زكريا ٤/ ١٠٣)

فروع أجداده وجداته لبطن واحد، فلهذا تحرم العمات، والخالات، وتحل بنات العمات، والأعمام، والخالات، والأخوال.

(فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، دارالفكر بيروت ٣/ ٢٠٨، كوئٹه ٣/ ١١٧، زكريا ٣/ ١٩٩، شامي، كراچي ٣/ ٢٨، زكريا ٤/ ٩٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۲۸)

چچازاد پھوپھی سے نکاح

سوال [۵۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شادی شدہ شخص جن کی اہلیہ اب بھی ان کے نکاح میں برقرار ہے، ان کی چچا زاد پھوپھی ہے جو بیوہ ہے اور وہ شخص اپنی اس چچازاد پھوپھی سے شادی کرنا چاہتا ہے، ان کی اہلیہ اوران کی چچازاد پھوپھی کی بھی مرضی ہے، تو کیا ان کا اپنی چچازاد پھوپھی سے نکاح کرنا جائز ہے یانہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب دے کرممنون فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد عرفان، چاندپور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چچازاد پھوپھی جوکہ باپ کی چچازاد بہن ہوتی ہے، اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز اورحلال ہے؛ اس لئے کہ یہ محرمات کے دائرہ میں داخل نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . [سورة النساء: ٢٤]

وبنات الأعمام، والعمات، والأخوال، والخالات لم يذكرن في المحرمات، فكن ماورآء ذلك فكن محللات الخ (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة، زكريا ديوبند ٢/ ٥٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۱ ۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/۱۴۲۱ھ

چچازاد بھائی کے بیٹے سے نکاح

سوال [۵۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عمر دو حقیقی بھائی ہیں، تو کیا زید کی لڑکی کا عقد نکاح عمر کے پوتے

کے ساتھ درست ہے؟ اگر شریعت مقدسہ کے اندر ایسا عقد کرنا درست ہے تو تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: نبی الدین، امام چھوٹی مسجد قصبہ جراری، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی لڑکی کا عقد زید کے حقیقی بھائی عمر کے پوتے کے ساتھ کرنا شرعاً درست ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ .[سورة النساء:٢٤]

وأما عمة أمه وخالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته.

(درمختار مع الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٣٠، زكريا ٤/١٠٣)

تحرم العمات، والخالات، وتحل بنات العمات، والأعمام، والخالات، والأخوال. (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، دارالفكر بيروت ٣/٢٠٨، كوئٹه ٣/١١٧، زكريا ٣/١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۹۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۲۳ھ

چچازاد بہن کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے چچا کی لڑکی کی لڑکی سے میرا نکاح ہونا ہے تو شرعاً نکاح کرنا جائز ہوگا؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: ارشاد جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لئے اپنی چچازاد بہن کی لڑکی سے

نکاح بلاشبہ جائز ہے؛ اس لئے کہ آیت قرآنی ''وأحل لک ماوراء ذٰلکم'' میں وہ بھی شامل ہے، حضرت علیؓ حضور ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور حضرت سید الکونین علیہ الصلوۃ والسلام کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب اور آپ ﷺ کے چچا ابوطالب یہ دونوں بھائی تھے، حضرت علی ابوطالب کے بیٹے تھے اور حضور ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، حضرت علیؓ کے لئے حضرت فاطمہؓ چچازاد بھائی کی بیٹی تھیں، ان سے حضرت علیؓ کا نکاح ہوا ہے؛ لہٰذا آپ کے لئے اپنی چچازاد بہن کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۳۷۹/۱۶)

عن عليؓ قال زوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم ابنته فاطمةؓ الخ
(مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٢٨٣/٤، نسائي، كتاب النكاح، نحلة الخلوة، النسخة الهندية ٧٢/٢-٧٦، دارالسلام رقم: ٣٣٧٧، مرقاة المفاتيح، كتاب المناقب، باب مناقب عليؓ، امداديه ملتان ١١/ ٣٥٠، مشكوة المصابيح٥٦٥، مسند أبو يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢٤/١، رقم: ٤٦٦)

خالة أبيه حلال، كبنت عمه وعمته، وخاله وخالته. لقوله تعالىٰ: وأحل لكم ماوراء ذٰلكم. (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/ ٣٠، زكريا ٤/ ١٠٣، ١٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۶۸/۴۰)

چچازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنے چچازاد بھائی کی لڑکی سے شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد تسلیم، محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد، ۱۸/فروری ۱۹۸۸ء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چچازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح جائزاور درست ہے، یہ اللہ کے قول ''**وأحل لکم ماوراء ذالکم.** [النساء:٢٤] میں داخل ہے۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۳۲۲/۷، امداد الفتاوی ۲۴۲/۲)

عن عليؓ قال: زوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم ابنته فاطمة.

الحديث (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٢٨٣/٤، سنن السنائي، كتاب النكاح، نحلة الخلوة، النسخة الهندية ٧٦/٢، دارالسلام رقم:٣٣٧٧، مسند أبو يعلى الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢٤/١، رقم: ٦٦١ ٤، مشكوة المصابيح ٥٦٥)

خالة أبيه حلال، كبنت عمه وعمته، وخاله وخالته. لقوله تعالىٰ: وأحل لكم ماوراء ذٰلكم. (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣٠/٣، زكريا ١٠٣/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۷۷/۲۴)

عدت مکمل ہونے کے بعد چچازاد بھائی کی مطلقہ سے نکاح

سوال [۵۴۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چچازاد دو بھائی ہیں، دونوں شادی شدہ ہیں، اب کسی بناء پر چھوٹے بھائی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، بڑا بھائی یہ سمجھ کر کہ گھر کی عزت گھر ہی میں رہ جائے، باہر نہ جائے یعنی بڑا بھائی چھوٹے بھائی کی بیوی سے شادی کرلے، تو کیا نکاح جائز ہوگا؟ امید ہے کہ حضور والا قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب واضح فرمائیں گے۔

المستفتی: شرف الدین خاں سیتاپوری، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت گذر جانے کے بعد بڑے بھائی کے ساتھ نکاح جائز اور درست ہے یہ **وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ.** [النساء: ٢٤] میں داخل ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۱۹۲، ۲۰۶)

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ يعني ماسوىٰ المحرمات المذكورات في الآيات السابقة. (تفسير مظهري، زكريا ديوبند ٢/ ٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۸۱۷)

متوفی چھوٹے بھائی کی بیوی سے نکاح

سوال [۵۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو بھائی ہیں چھوٹے بھائی کا انتقال ہوگیا ہے دو بچے چھوڑ کر گئے ہیں، بڑے بھائی کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے بڑے بھائی کے ساتھ اس چھوٹے بھائی کی بیوی کا نکاح ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں! چھوٹے بھائی کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ کے ساتھ بڑے بھائی کا نکاح شرعی طور پر جائز اور درست ہے؛ کیونکہ **وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ** . [النساء الآية: ٢٤] میں داخل ہے۔ **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ شوال المکرم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۴۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۰/ ۱۴۱۸ھ

بھائی کے انتقال کے بعد بھابھی سے نکاح

سوال [۵۴۵۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ۷؍ بچے جوان اور چار بچے نابالغ ہیں، زید کا انتقال ہوگیا۔ اب دیگر رشتہ دار یہ چاہتے ہیں کہ بکران سب کی ذمہ داری قبول کرلے سب رشتہ دار اس کے لئے مصر ہیں، تو کیا یہ مناسب ہے کہ بکر اپنے مرحوم بھائی زید کی بیوہ سے شادی کرلے اوران سب بچوں کی ذمہ داری اٹھائے؟ براہ کرم اس مسئلہ میں حکم شرعی واضح فرمائیں؟

المستفتی: محمد آصف بھٹی محلّہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں! بکر کے لئے یہ جائز ہے کہ مرحوم بھائی کی بیوہ سے عدت گذرنے کے بعد نکاح کر کے بچوں کو اپنی کفالت میں لے لے شرعی طور پر یہ بہت اچھا عمل ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/ ۱۹۲، فتاوی محمودیہ جدید ۱۱/ ۲۶۴، قدیم ۷/ ۳۷۹)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . [سورۃ النساء: ٢٤]

أي ماعدا من ذكر من المحارم هن لكم حلال. (تفسیرابن کثیر ١/ ٤٧٤)

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ يعني ماسوى المحرمات المذكورات في الآيات السابقة. (تفسيري مظهري، زكريا ديوبند ٢/ ٦٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۵/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

اپنے بھائی کے سالے کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۴۵۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کا بھائی اپنے بھائی کے سالے کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے یانہیں؟ اورزید خود بھی سالے کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے یانہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھائی کے سالے کی لڑکی شرعاً غیرمحرم لڑکی ہے اوراللہ تعالیٰ کافرمان ”وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . [سورة النساء: ٢٤] کے دائرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کرنا بلاتردد جائزاوردرست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۵۳۳)

بیٹے کا نکاح سالی سے کرنا

سوال [۶۰ ۵۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالدہ سے نکاح کیا اس سے ایک لڑکا عمر پیدا ہوا، پھر خالدہ کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد زید نے دوسرا نکاح ایک اجنبیہ (رشیدہ) سے کیا، رشیدہ کی ایک بہن حمیدہ ہے تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ حمیدہ کا نکاح زید کے لڑکے عمر سے جائز ہے یانہیں؟

(۲) اگرنکاح جائز ہے تو زید اپنی بہو (سالی حمیدہ) سے پردہ کرے گا یانہیں؟

المستفتی: محمد نعیم اختر اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کالڑکا جوخالدہ کے بطن سے پیدا ہوا ہے، اس کے ساتھ حمیدہ کا کسی قسم کا رشتہ محرم ہونے کا نہیں ہے؛ اس لئے عمر کا نکاح رشیدہ کی بہن حمیدہ کے ساتھ شرعی طور پر جائز اور درست ہوجائے گا اورحمیدہ جب زید کے بیٹے عمر کی بیوی ہوجائے گی، تو زید کے لئے حمیدہ بجائے سالی کے بیٹی بن جائے گی۔اب اس کے ساتھ کوئی پردہ لازم نہ ہوگا؛ کیونکہ زید کی محرم بن چکی ہے۔

وحرم زوجة أصله، وفرعه و في الشامية: وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاؤُكُمْ. وقوله تعالىٰ: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ. الآية. (شامي، كراچي ۳/۳۱، زكريا ٤/١٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۶۰۴)

چچازاد ماموں سے نکاح کرنے کا حکم

سوال [۵۴۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے سر جمیل حسن پانچ بھائی ہیں، پانچویں بھائی اشرف حسین ہیں، اشرف حسین کے لڑکے ناصر حسین سے میری لڑکی شرینہ پروین کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ناصر حسین ہمارے سر کا بھتیجہ ہوتا ہے اور میری لڑکی کا چچازاد ماموں ہوتا ہے، تو کیا اس لڑکے سے نکاح کی گنجائش ہے؟

المستفتی: محمد عثمان، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال کا حاصل یہ ہے کہ لڑکی کی ماں کے حقیقی چچازاد بھائی کے ساتھ لڑکی کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ تو حکم شرعی یہی ہے کہ ماں کے چچازاد بھائی کی لڑکی کے ساتھ اس کا نکاح جائز ہے، عوام کے عرف میں اس شخص کو چچازاد ماموں کہتے ہیں، یہ ایسا ہے جیسا کہ حضرت فاطمہ کا نکاح حضور ﷺ کے چچا کے لڑکے حضرت علیؓ سے ہوا تھا۔

قال الله تعالىٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ. [سورة النساء: ٢٤]

أي ماعدا من ذكر من المحارم هن لكم حلال. (تفسيرابن كثير ١/٤٧٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۲۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۱۳ھ

سگے ماموں کی نواسی سے نکاح

سوال [۵۴۶۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے سگے ماموں ہیں، ان کی لڑکی کی لڑکی سے کیا میں شادی کرسکتا ہوں؛ جبکہ مطلوبہ لڑکی کا سگا ماموں میرا دودھ شریک بھائی ہے، لڑکی کے سگے ماموں نے میری ماں سے دودھ پیا ہے؛ لیکن میں نے نہ لڑکی کی ماں سے دودھ پیا ہے، نہ اس کی دادی، نانی سے، تو ایسی صورت میں میرا نکاح لڑکی سے صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: احساس احمد کانٹھ کی پلیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنے سگے ماموں کی نواسی کے ساتھ شرعی طور پر نکاح کر سکتے ہیں اور لڑکی کے ماموں نے اگر آپ کی ماں سے دودھ پیا ہے تو اس کے لئے آپ کی بہنوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور آپ کے لئے اس کی بہن اور اس کی بھانجی وغیرہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ آپ اس کے خاندان میں داخل ہوچکے ہیں۔

إذا نسب الحل لها بأن يقال يحل لها أبو أخيها، وأخو ابنها، وجد ابنها، وأبو عمها، وأبو خالها، وخال ولدها، وابن خالة ولدها (إلى قوله) لأنهما لايحرمان الخ (شامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ٢١٦/٣، زكريا ديو بند ٤٠٨/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۳۰۳)

دو سگی بہنوں کی اولادوں کے آپس میں نکاح کا شرعی حکم

سوال [۵۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو حقیقی بہنوں کی اولادوں کے درمیان نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً روشن جہاں کا لڑکا ہے اور خورشیدہ کی نواسی ہے، تو ان دونوں کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیا صحابہ میں اس طرح نکاح ہوا ہے؟

المستفتی: نقی انور، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دو سگی بہنوں کی اولاد کے درمیان نکاح جائز ہے، ایک کا بیٹا دوسری کی بیٹی کے درمیان، اسی طرح بھائی اور بہن کی اولاد کے درمیان ایک کا بیٹا اور دوسری کی بیٹی کے درمیان، اسی طرح دو حقیقی بھائیوں کی اولاد کے درمیان ایک کا بیٹا، دوسرے کی بیٹی کے درمیان جائز ہے، اور اس طرح حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نکاح ہوچکا ہے۔

حضور ﷺ کا نکاح اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ ہوا ہے، حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی ام سلمہ بنت ابی امیہ کا نکاح حضور ﷺ کے ساتھ ہوا اور امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی ام سلمہ بنت ابی امیہ کا نکاح حضور ﷺ کے ساتھ ہوا ہے، ان کا نکاح آسمانوں میں ہوا ہے، قرآن کریم میں اس کا ذکر موجود ہے، اسی طرح حقیقی چچازاد بھائی کی بیٹی کے ساتھ نکاح جائز ہے، جیسا کہ حضور ﷺ اور حضرت علیؓ آپس میں حقیقی چچازاد اور تایازاد بھائی ہیں، حضور ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا نکاح اپنے حقیقی چچازاد بھائی حضرت علی سے کیا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم بنت علی کا نکاح حضرت عمر کے ساتھ کیا تھا اور حضرت عمر کی شہادت کے بعد اپنے حقیقی بھتیجے عوف بن جعفر بن ابی طالب کے ساتھ کیا ہے اور اپنی دوسری بیٹی حضرت زینب بنت علی بن ابی طالب کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر کے

ساتھ کیا، اسی طرح حضرت حسن بن حسین بن علی کا نکاح حضرت محمد بن علی کی بیٹی اور حضرت عمر بن حسین بن علی کا نکاح حضرت محمد بن علی کی بیٹی اور حضرت عمر بن علی کی بیٹی کے ساتھ کردیا، اسی طرح حضرت اروی بنت المقوم بن عبد المطلب الہاشمیہ کا نکاح ابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب کے ساتھ کیا...... دونوں آپس میں چچازاد بھائی بہن ہیں؛ چنانچہ صحابہ کرامؓ میں اس طرح کے نکاح بکثرت پیش آئے ہیں اور اس طرح کے نکاح کو ناجائز سمجھنا غیر مسلموں اور ہندوانہ عقیدہ ہے۔

(۱) أم سلمة أم المؤمنين بنت أبي أمية فكانت قبل رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت أبي سلمة فلما مات أبو سلمة سنة أربع وقيل سنة ثلث تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم، في ليال بقين من شوال:

(الاكمال في اسماء الرجل ص:٥٩٩)

(٢) زينب بنت جحش زوج النبي صلى الله عليه وسلم أخت عبد الله بن جحش وهي أسدية من أسد بن خزيمة وأمها أميمة بنت عبد المطلب عمة النبي صلى الله عليه وسلم، عن أنس بن مالكؓ، قال كانت زينب بنت جحش تفخر على نساء النبي صلى الله عليه وسلم وتقول: زوجني الله من السماء وأولم عليها رسول الله صلى الله عليه وسلم بخبز ولحم. (أسد الغابة٦/١٢٥-١٢٦)

أروى بنت المقوم بن عبد المطلب الهاشميه ابنة عم رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت زوج ابن عمها أبي سفيان بن الحارث بن عبد المطلب الهاشمية سبطة رسول الله صلى الله عليه وسلم أمها فاطمة الزهراء. قال ابن الأثير: أنها ولدت في حياة النبي صلى الله عليه وسلم، وكانت عاقلة لبيبة جزلة زوجها أبوها ابن أخيه عبد الله بن جعفر. (الاصابه في تمييز الصحابة، دار المعرفة بيروت٤/٢٥٢٦، رقم:١١٢٥٨)

أم كلثوم بنت علي بن أبي طالب الهاشمية......ذكر أبو بشر الدولابي في الذرّية الطاهرة من طريق إلي اسحاق عن الحسن بن الحسن بن عليؓ قال: لما أيّمت أم كلثوم بنت علي عن عمر......فتزوجها عوف بن جعفر بن أبي طالب. (الاصابة دار المعرفة ٢٧٤٦/٤، رقم: ١٢٢٢٩)

عبد الرزاق عن ابن جريج قال أخبرني عمر بن دينار أن حسن بن محمدا أخبره أن حسن بن حسين بن علي نكح في ليلة واحدة بنت محمد بن علي وابنة عمر بن علي بن أبي طالب فجمع ابنتي عم وأن محمد بن علي قال: هو أحب إلينا الخ. (المصنف لعبد الرزاق المجلس العلمي ٢٦٤/٦، رقم: ١٠٧٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۰۸۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۱۱ھ

بھائی کی اولاد سے اپنی اولاد کا نکاح

سوال [۵۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح زینب سے ۲۵؍ سال قبل ہوا تھا، اس کے بطن سے دو لڑکے حسن، حسین اور ایک لڑکی فاطمہ ہے، دو سال قبل اپنے بھائی کے انتقال کے بعد میں نے بھائی کی بیوی زاہدہ سے عدت کے بعد نکاح کیا، اس مرحوم بھائی کی بیوی زاہدہ کے بطن سے ان کی تین اولاد، ساجدہ، عائشہ اور خالد ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میری پہلی بیوی زینب سے جو اولاد ہیں (حسن، حسین اور فاطمہ ان کا نکاح بھائی کی اولاد جو زاہدہ کے بطن سے ہیں ساجدہ عائشہ اور خالد) سے کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیا میرے بھائی کی بیوی زاہدہ سے نکاح کرنے کی وجہ سے

پہلی بیوی زینب کی اولاد اور بھائی کی اولاد میں حرمت آئے گی؟

المستفتی: اسرار اللہ حسینی، حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھائی کی اولادیں جو زاہدہ کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں ان کا نکاح آپ کی ان اولاد کے ساتھ جائز اور درست ہے جو اولاد آپ کی بیوی زینب کے بطن سے پیدا ہوئی ہے، اور بھائی کے انتقال کے بعد زاہدہ کے ساتھ آپ کے نکاح کر لینے کی وجہ سے ان بچوں کے درمیان حرمت نہیں آئی ہے؛ بلکہ ان کے درمیان جواز نکاح کا سلسلہ بدستور باقی رہے گا، ہاں البتہ زاہدہ کے بطن سے جو اولاد آپ کی پیدا ہوگی، ان میں حرمت کا سلسلہ جاری ہوجائے گا۔

وأما بنت زوجة أبيه، أو ابنه فحلال، وكذا بنت ابنها قال الخير الرملي: و لاتحرم بنت زوج الأم وأمه و لاأم زوجة الأب، ولا بنتها ولا أم زوجة الابن و لابنتها ولازوجة الربيب ولا زوجة الراب. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/ ۳۱، زكريا ۴/ ۱۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۵ھ

ایک بھائی کے لڑکے کا دوسرے بھائی کی پوتی سے نکاح

سوال [۵۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور خالد ایک باپ اور دو ماں سے ہیں، زید کی پوتی اور خالد کے لڑکے میں آیا ان دونوں کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جو رشتہ میں چچا اور بھتیجی ہوتے ہیں۔

المستفتی: مامون رشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں ان دونوں کے درمیان عقد نکاح شرعاً صحیح ہوجائے گا۔

قال الله تعالىٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . [سورة النساء: ٢٤]

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ يعني ماسوىٰ المحرمات المذكورات في الآيات السابقة. (تفسيري مظهري، زكريا ديوبند ٢/ ٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨/ رمضان المبارک ١٤٠٧ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٣/ ٢٤٤)

سوتیلے بھائیوں کی اولاد کا باہم نکاح

سوال [٥٤٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گل بہار کے چار بیوی ہیں، پہلی بیوی حیرامن اور آخری بیوی سکینہ ہے اور درمیان کی دو بیوی کے نام معلوم نہیں۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ حیرامن کا بیٹا اکبر اور سکینہ کا بیٹا محی الدین ہے، یہ دونوں آپس میں سوتیلے بھائی ہیں، اب اکبر کے بیٹے بر جہاں ہیں اور بر جہاں کے بیٹے اسلم ہیں اور محی الدین کی بیٹی رخسانہ ہے، ان دونوں یعنی اسلم اور رخسانہ کا آپس میں نکاح کرنا کیسا ہے؟ جبکہ ان دونوں کا رشتہ پھوپھی اور بھتیجہ کا ہے؟

المستفتی: محمد شمس الدین، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں اکبر اور محی الدین آپس میں سوتیلے ...... بھائی ہیں؛ لہٰذا محی الدین کی بیٹی رخسانہ کا نکاح اکبر کے بیٹے بر جہاں کے ساتھ بھی جائز ہے اور اکبر کے پوتے اسلم کے ساتھ بھی جائز ہے، ان کے درمیان کوئی وجہ حرمت نہیں ہے۔

وأما عمة أمه، وخالة خالة أبيه حلال كبنت عمه وعمته وخاله وخالته الخ. (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۳۱، زكريا ٤/۱۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۳۴/۳۸)

بھانجی کے لڑکے سے نکاح

سوال [۵۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی لڑکی کی شادی بھانجی کے لڑکے کے ساتھ کرنا چاہتا ہے، تو نکاح درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالصمد، بلاسپور گیٹ، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں زید کا اپنی لڑکی کی شادی بھانجی کے لڑکے کے ساتھ کرنا اللہ تعالیٰ کے قول:

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ. [سورة النساء: ٢٤]

کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے جائز اور درست ہوگا۔

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أي ما ورآء ماحرمه الله تعالىٰ. (بدائع الصنائع، زكريا ۲/٥٤۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵۷۹/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ

پھوپھی زاد بہن کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۴۶۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی پھوپھی زاد بہن کی لڑکی ہے یعنی بھانجی ہے، کیا اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: شکیل احمد، محلّہ مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے لئے پھوپھی زاد بہن کی لڑکی کے ساتھ نکاح شرعاً جائز اور درست ہے کہ جس طرح پھوپھی زاد بہن کے ساتھ جائز ہے، اسی طرح اس کی لڑکی کے ساتھ بھی جائز ہے، اس میں کوئی حرمت کی علت نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد **واحل لکم ماورآء ذٰلکم**. [سورۃ النساء:۲٤] کے اندر داخل ہے۔

وأحل لكم ماورآء ذلكم أي ماعدا من ذكرنا من المحارم هن لكم حلال.
(تفسير ابن كثير ١/ ٤٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷

متوفی بیوی کی بھانجی سے نکاح

سوال [۵۴۶۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقبول احمد کی بیوی کا انتقال ہوگیا، بیوی کی بھانجی ہے، سسرال والے اس کے ساتھ مقبول احمد کی شادی کرر ہے ہیں، کیا یہ شادی درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی کا انتقال ہو چکا ہے، تو بیوی کے انتقال کے بعد بیوی کی بھانجی کے ساتھ شادی کرنا مقبول احمد کے لئے جائز اور درست ہے۔

كما استفيد من عبارة الشامي: ماتت امرأته له التزوج بأختها بعد يوم من موتها. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۲۸، زكريا ٤/١١٦)

ألا ترى أنها إذا ماتت فله أن يتزوج بأختها بدون انتظار. (الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر بيروت ٤/٥١٤)

وليس للرجل أن يغسل أحداً من النساء وإن كانت امرأته؛ لأن بموتها انقطعت الزوجية؛ ولهٰذا حل له التزوج بأختها، وأربع سواها من ساعته. (حاشية چلپي على التبيين، باب الجنائز، امداديه ملتان ١/٢٣٥، زكريا ١/٥٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۲۶۹/۳۲)

سمدھن کے ساتھ نکاح

سوال [۵۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد زاہد نے اپنے لڑکے خالد کا نکاح ریحانہ کی بیٹی فرزانہ سے کیا، ریحانہ بیوہ ہے، محمد زاہد اپنے بیٹے کی بیوی کی ماں ریحانہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا ان دونوں کے درمیان یہ نکاح درست ہے؟

المستفتی: فہیم الدین، برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے لڑکے کی بیوی کی ماں (سمدھن) کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ . [سورة النساء: ٢٤]

ولاتحرم أم زوجة الابن. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٣١، زكريا ٤/١٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۱۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۲۶ھ

داماد کی والدہ سے نکاح

سوال [۵۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی لڑکی کا نکاح ایسے لڑکے سے کرتا ہے، جس کی والدہ بیوہ ہیں اور کچھ زمانہ گذرنے کے بعد زید اپنے داماد کی بیوہ والدہ سے نکاح کرکے اپنے گھر لے آتا ہے، تو کیا زید کا یہ عمل درست ہے؟

المستفتی: فہیم احمد، برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی لڑکی کی ساس جوکہ داماد کی والدہ ہے (سمدھن) اس کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۷؍۳۰۳)

أما بنت زوجة أبيه، أو ابنه فحلال. (در مختار على الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٣١، زكريا ٤/١٠٥)

لابأس بأن يتزوج الرجل المرأة، ويتزوج ابنه ابنتها، أو أمها. (هندية، زكريا ١/٢٧٧، زكريا جديد ١/٣٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۱۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۲۶ھ

استاذ کی بیوی سے نکاح

سوال [۵۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ استاذ کی بیوی سے جبکہ بیوہ ہوچکی ہو اور اس کے بچے بھی ہوں اور شاگرد کا پہلے سے اس سے کوئی رشتہ بھی نہیں ہے، تو استاذ کی بیوہ بیوی سے نکاح کرنا شرعاً کیسا ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: دلشاد، محلّہ انو پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: استاذ کی بیوہ سے پہلے سے اگر کوئی خونی رشتہ نہیں ہے، تو بلاتردد اس کے ساتھ شاگرد کے لئے نکاح کرنا جائز ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ. [سورة النساء:٢٤]

فكن وماوراء ذلک فكن محللات. (بدائع زكريا ٢/٥٣١)

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ يعني ماسوىٰ المحرمات المذكورات في الآيات السابقة. (تفسيري مظهري، زكريا ديوبند ٢/٦٦)

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أي ماعدا من ذكرنا من المحارم هن لكم حلال. (تفسير ابن كثير ١/٤٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۷۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۴/۱۴۲۱ھ

غیر مختون سے نکاح

سوال [۵۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ

ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بارات آئی اور اس وقت معلوم ہوا کہ ابھی تو زید کا ختنہ بھی نہیں ہوا، نکاح ہو گیا، تو یہ نکاح کیسا ہوا؟ اور اس کے لئے نکاح کے بعد میں کیا شکل ہونی چاہئے آیا ختنہ دوبارہ ہوگا؟

المستفتی: محمد عمیم لکھیم پوری، مدرسہ اسلامیہ قصبہ، ککرالہ، بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مختون آدمی کا نکاح بلا کراہت صحیح اور درست ہے؛ لہٰذا جو نکاح ہوا ہے، وہ بلا تردد صحیح ہو گیا ہے، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے اور نکاح کے بعد اس کا دوبارہ ختنہ کرانا لازم نہیں ہے، دل چاہے تو کرالے، ورنہ لازم نہیں ہے؛ البتہ بچپن میں نہ کرنے کی وجہ سے وہ ایک اہم سنت سے محروم ہو گیا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ٢٩٤/٢، جدید زکریا دیوبند ٢٤/٢، فتاوی محمودیہ قدیم ٢٠٤/١٣، جدید ڈابھیل ٥٠٢/١٠)

عن أبي هريرةؓ قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: الفطرة خمس: الختان، والاستحداد، وقص الشارب، وتقليم الأظفار، ونتف الإبط.

(صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب تقليم الاظفار ٨٧٥/٢، رقم: ٥٦٢٢، ف: ٥٨٩٠)

قيل في ختان الكبير إذا أمكن أن يختن نفسه فعل وإلا لم يفعل إلا أن يمكنه أن يتزوج أو يشتري ختانة فتختنه. (هندية، كتاب الكراهيته، باب التاسع عشر في الختان، زكريا ديوبند ٣٥٧/٥، زكريا جديد ٤١٢/٥)

إن الاختتان ليس بضرورة يمكن أن يتزوج امرأة، أو يشتري أمة تختنه، إن لم يمكنه أن يختن نفسه-لأن الختان سنة للرجال من جملة الفطرة لايمكن تركها. (شامي، كراچي ٣٧١/٦، زكريا ٥٣٣/٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩ / ربیع الاول ١٤١٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤٣٧٠/٣٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٩/٣/١٤١٦ھ

اجنبیہ کو بہن کہنے کے بعد اسی سے نکاح

سوال [۵۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا جس نے ایک لڑکی کو بہن کہا اور کہا بھائی بھی میں ہوں اور باپ بھی میں ہوں اور اس کے بعد نکاح کر لیا ہے، تو کیا یہ نکاح ٹھیک ہے؟

المستفتی: نعیم احمد کمبل کا تعزیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح سے قبل اجنبیہ لڑکی کو بہن کہنے سے وہ حقیقی بہن کے حکم میں نہیں ہوتی، اسی طرح اجنبی مرد کو بھائی یا باپ کہنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا، اس طرح کہنے کی وجہ سے وہ لڑکی نکاح سے مانع نہیں ہوئی؛ لہٰذا اس لڑکے کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے، وہ شرعاً جائز اور درست ہے، یہ لڑکی اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ**. [النساء: ٢٤] کے اندر داخل ہو کر اس کے ساتھ حلال ہے۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ یعني ماسویٰ المحرمات المذکورات في الآیات السابقة. (تفسیري مظهري، زکریا دیوبند ٢/ ٦٦)

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ أي ماعدا من ذکرنا من المحارم هن لکم حلال. (تفسیر ابن کثیر ١/ ٤٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۵/ ۱۴۱۸ھ

کسی کو سگی بہن یا بھانجہ کہنے کے بعد اس سے نکاح

سوال [۵۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے اپنی زوجۂ ثانی کے بھائی یعنی اپنے سالے اور اپنی زوجۂ اول کے بطن سے تولد اپنی بیٹی کے درمیان غلط آشنائی دیکھ کر ایک موقع پر جہاں زوجۂ ثانی کے اعزہ و دیگر افراد کثیر تعداد میں موجود تھے غلط معاملات کو ختم کرنے کی غرض سے اپنے سالے سے اپنی بیٹی کا نام واضح طور پر کہلوا کر سب کے سامنے یہ کہلوایا کہ وہ میرے لئے مثل سگی بھانجی کے ہے اور جس طرح میری سگی بہن مجھ پر حرام ہیں، اسی طرح (پھر نام لے کر) وہ بھی مجھ پر حرام ہے۔

واقعہ مندرجہ بالا کے بعد مذکورہ دونوں نے راہ فرار اختیار کر کے کہیں جا کر نکاح کر لیا، جس میں مذکورہ بیٹی کا والد یا اس کی جانب سے کوئی ولی مقرر نہیں تھا، والد نے صرف سنا کہ انہوں نے نکاح کر لیا ہے، والد نے اپنی بیٹی و اپنے مذکورہ سالے سے قطع تعلق کر لیا، مدت طویل گذر گئی کبھی والد اس پر رضا مند نہیں ہوا کہ تعلقات بحال کر لے، اب بھی زید پر اس کی زوجۂ ثانی کے اعزہ کی جانب سے کافی دباؤ ہے کہ وہ تعلقات بحال کر لیں؛ لیکن زید یہ سمجھتا ہے کہ وہ نکاح ہی درست نہیں ہوا اور کسی طرح بھی تعلقات بحال کرنے پر رضا مند نہیں ہے۔ مذکورہ حالات کی نوعیت پر حکم شرعی کیا ہے وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: ذبیح الرحمٰن، چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس میں نکاح سے پہلے کسی غیر محرم کو سگی بھانجی یا سگی بہن کی طرح کہنے سے وہ نہ ہی سگی بھانجی کے حکم میں ہوئی ہے اور نہ ہی سگی بہن کے حکم میں ہوتی ہے، اس کے ساتھ شرعی طور پر نکاح کرنا بلا شبہ جائز ہے اور لڑکی کے باپ کی دوسری بیوی کا جو بھائی ہے، وہ لڑکی کا حقیقی ماموں نہیں ہوتا ہے، اس کے ساتھ بلا تردد نکاح جائز ہو جاتا ہے، حتی کہ باپ کی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا شدہ لڑکا جو اس بیوی کے دوسرے شوہر سے پیدا ہوا ہے، اس کے ساتھ بھی نکاح جائز ہو جاتا ہے، اگر دونوں کے درمیان شریعت کے ضابطہ کے مطابق گواہوں کے روبرو نکاح ہوا ہے، تو اس نکاح کے صحیح ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں۔

لہٰذا زید کا اس نکاح کو باطل سمجھ کر قطع تعلق کرنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ اگر مہر مثل سے کم مہر باندھا ہو تو زید کو اعتراض کا حق ہے۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآئَكُمْ اَبْنَآئَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ . [احزاب:٤]

أما بنت زوجة أبيه، فحلال، وكذا بنت ابنها بحر. (در مختار مع الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/ ٣١، زكريا ٤/ ١٠٥)

وإذا تزوجت المرأة ونقصت عن مهر مثلها فللأولياء الاعتراض عليها عند أبي حنيفة حتى يتم لها مهر مثلها، أو يفارقها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۹۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍ ۱۲؍ ۱۴۳۳ھ

سوتیلی سالی سے نکاح

سوال [۵۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کے بعد میری بیوی کے دو اولاد پیدا ہوئیں، اس کے بعد ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوگئی، میں نے اپنی بیوی کا علاج بڑے ماہر ڈاکٹروں سے کرایا، مگر سب ڈاکٹروں نے ایک ہی فیصلہ دیا کہ یہ مرض کبھی اچھا نہیں ہوگا، نہ ہی یہ بھاری کام کاج کرسکتی ہے؛ بلکہ بیوی اجسامی حقوق سے بھی ہمیشہ کے لئے بیکار ہوگئی، اگر کبھی اجسامی رابطہ قائم کیا گیا تو بھاری نقصان ہوگا؛ لہٰذا اس کا بیوی رہنا یا نہ رہنا دونوں برابر ہے، آخر کار مجبوراً ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ دوبارہ شادی کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے، تو ہم نے بستی کے معزز لوگوں سے مشورہ کیا کہ جو سوتیلی سالی ہے، اسی سے نکاح کیا جائے۔

(۲) آخر کار بستی والوں کی مدد سے میرا نکاح ہوگیا، نکاح کے چار مہینے کے بعد

اچانک گاؤں والوں نے جو سوتیلی سالی سے نکاح کرایا تھا، اس کے بارے میں یہ کہا کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا؛ کیونکہ ایک ساتھ دو بہنوں کا رکھنا درست نہیں ہے، تب ہم نے علاقے کے اچھے آدمیوں سے ملنا شروع کیا اور دونوں بیویوں کی پوری حقیقت سنائی، ان لوگوں نے بھی یہی رائے دی کہ بستی والوں نے جو کہا ہے ٹھیک ہی کہا ہے، انہوں نے کہا کہ جو پہلی بیوی ہر طرح سے بیکار ہے، اس کو تم طلاق دیدو، تو ہم نے گھر میں آکر مشورہ کیا اور پہلی بیوی کو طلاق دیدی، خسر کو بھی بتادیا کہ ہم نے آپ کی بڑی بیٹی کو طلاق دیدی ہے؛ اس لئے کے پانچ مہینے کے بعد پھر پتہ چلا کہ سوتیلی سالی سے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا، تبھی نکاح جائز ہوگا، اس کے بعد ہم لوگ بکھڑا مدرسہ میں پہونچے اور مفتی صاحب سے دونوں بیویوں کا پورا قصہ سنایا تب مفتی صاحب نے پوچھا کہ آپ نے دل سے نیت کرکے زبان سے طلاق دی ہے، تو ہم نے کہا کہ ہم کئی مرتبہ طلاق دے چکے ہیں، تو مفتی صاحب نے کہا کہ طلاق دیدی طلاق دینے کا عرصہ بہت لمبا ہوگیا ہے اور عدت بھی پار ہوگئی ہے؛ لہٰذا دوبارہ پوری مجلس میں طلاق دینا ہوگا اور بات کو ظاہر کردینا ہوگا اور سالی سے دوبارہ نکاح پڑھوانا ہوگا، تو لوگوں نے یہ کہا کہ آپ گاؤں آکر طلاق بھی دلوادیجئے اور نکاح بھی پڑھوادیجئے، تو مفتی صاحب اس بات پر راضی ہوگئے، ایک دن آکر مفتی صاحب نے حدیث کے مطابق طلاق دلواکر دوبارہ نکاح پڑھوادیا، پھر ہم نے مفتی صاحب سے کہا جس کو ہم نے طلاق دی وہ تو مرض میں مبتلا ہے اور ہم نے مجبوری کی وجہ سے اس کو طلاق بھی دی ہے، ایسے حالات میں وہ کہیں دوسری جگہ نکاح کے لائق بھی نہیں ہے، تو وہ میرے بچوں کے ساتھ گھر پر رہے، یا میکہ میں رہے کوئی فرق نہیں پڑتا دونوں برابر ہے، اگر میکے میں رہے تو پھر بھی ہم وقتاً فوقتاً سسرال جائیں گے، تو کیا ہم اس کے ساتھ کبھی بھی کھانا پینا کرسکتے ہیں یا تھوڑی بہت بات چیت بھی کرسکتے ہیں یا علاج وغیرہ کراسکتے ہیں یا نہیں؟ تو مفتی صاحب نے گاؤں والوں سے جانچ پڑتال کرکے کہا کہ آپ کو پردہ کرنا لازم ہوگا اور خاص طور پر آپ کے یہاں رہنے سے تو بعینہ سگی بہن کی طرح آپ کو باعزت رکھنا ہوگا، تب آپ ان کے ساتھ وقتاً فوقتاً کھانا پینا بات چیت کرنا یا علاج وغیرہ

کرا سکتے ہیں، یہ بات مفتی صاحب نے پوری مجلس کے سامنے کہہ سنائی، مفتی صاحب کی بات لوگوں نے مان لی، کچھ دن کے بعد ١٩٨٥ء میں ایک جلسہ ہوا، جس میں دو عالم اور بستی کے معزز حضرات شریک جلسہ ہوئے اور رانی پور کے ماسٹر صاحب وغیرہ نے شرکت کی جلسہ تمام ہوجانے پر ہم لوگ سب نے مل کر کے یہی فیصلہ جو مفتی صاحب نے میرے حق میں دیا تھا اس کا ذکر کیا، ساتھ ہی پھلواری شریف پٹنہ بہار اڑیسہ کا ایک فتویٰ بھی دکھایا گیا، جس میں مفتی محمد ہارون صاحب قاسمی کا فیصلہ کافی تائید کیا ہوا تھا برحق قرار دیا اور مجلس کے سامنے اس الجھن کو رفع دفع کر دیا، اس واقعہ کے بعد ہم آج دس سال سے آرام سے زندگی گذار رہے تھے، اس درمیان جو ہم نے سوتیلی سالی سے نکاح کیا تھا، اس کے بطن سے تین لڑکی بھی پیدا ہوگئیں ہیں اور جس کو ہم نے طلاق دی تھی، فی الحال اس کی حالت پہلے سے اور بدتر ہے، اس کے لڑکے کی عمر بھی اکیس سال ہوچکی ہے، اس بیچ زمین جائیداد کا تھوڑا بہت گھریلو جھگڑا ہونے کی بناء پر کچھ لوگوں نے پھر کہنا شروع کیا کہ مفتی صاحب نے جو فیصلہ دیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، ایسی حالت پر سماج کے ساتھ میرا زندگی گذارنا دوبھر ہورہا ہے۔

نوٹ: اس داستان کو بغور مطالعہ فرما کر جو بھی فیصلہ ہو تحریر فرمائیں، اگر مذکورہ مفتی صاحب کا جواب ٹھیک ہے، تو وہی جواب لکھ کر بھیج دیں اور اگر مفتی ہارون صاحب قاسمی کا فیصلہ اور جواب غلط ہے تو وہ بھی جلد از جلد جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: ابراہیم، رانی پور ضلع: پرلیا (مغربی بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس بیوی کو طلاق دی گئی ہے، اس کو الگ رکھنا شرعاً واجب ہے، اگر آپ اپنے پاس رکھ کر اس کا خرچہ برداشت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کو الگ مکان میں رکھیں ایک مکان میں ساتھ رکھنا جائز نہیں ہوگا، اگرچہ وہ بالکل بیکار کیوں نہ ہوگئی ہو، ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ الگ پردہ میں ہوکر اس کی ضرورت کے متعلق دینی بہن ہونے کے اعتبار سے حالات معلوم کر سکتے ہیں؛

کیونکہ اب آپ کے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہا ہے۔ نیز پہلی بیوی کو اولاً جو طلاق دی گئی تھی وہ شرعاً معتبر ہے اور اس کے بعد عدت گذرنے کے بعد سوتیلی بہن سے جو نکاح کیا گیا ہے، وہ شرعاً صحیح اور درست ہے، اس پر اعتراض کرنے والے گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۴۳۷)

وحرم الجمع بين المحارم نكاحاً أي عقدا صحيحاً، ولو من طلاق بائن وتحته في الشامية: وأشار إلى أن من طلق الأربع لا يجوز له أن يتزوج امرأة قبل انقضاء عدتهن، فإن انقضت عدة الكل معا جاز له تزوج أربع، وإن واحدة فواحدة الخ. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا ٤/١١٦، كراچي ٣/٣٨، مصري ٢/٣٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۲۹)

(۱۴) باب نکاح الحاملة والمزنية

حاملہ سے نکاح

سوال [۵۴۷۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے فرزند علی کی شادی ۲۸ر مئی ۱۹۹۰ء کو ہوئی تھی، جس کو چار ماہ آٹھ دن کا عرصہ ہوگیاہے؛ لیکن چھ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں بہوکولڑکی پیدا ہوئی، کیا ایسی حالت میں میرے لڑکا کا نکاح ہوا تھا، یا نہیں برائے کرم الجھن میں ہوں جواب سے آگاہ کریں۔

المستفتی: مہندی حسن مقرب پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لڑکے فرزند علی کا نکاح باقی ہے، اس نکاح میں کوئی فرق نہیں آیاہے؛ البتہ لڑکی نے جوحرکت اور معصیت کر کے اپنامنہ کالا کیا ہے، اس کا گناہ اس کو ہوگا، اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ واستغفار ضروری ہے۔

وصح نكاح حبلیٰ من زنیٰ الخ (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۴۸/۳، زكريا ۱۴۱/۴)

وقال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ: يجوز أن يتزوج إمرأة حاملاً من الزنا ولايطؤها حتى تضع. وقال أبو يوسفؒ لايصح والفتویٰ علیٰ قولهما. (هندية، زكريا ۲۸۰/۱، زكريا جديد ۳۴۶/۱)

وصح نكاح حبلیٰ من زنا عند الطرفين، وعليه الفتویٰ لدخولها تحت النص. (مجمع الأنهر، باب المحرمات، دارالكتب العلمية بيروت ۴۸۵/۱)

وان تزوج حبلیٰ من زنا جاز النكاح ولا يطؤها حتى تضع

حملها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/٢١٢، قاضي خان على الهندية، زكريا ديوبند١/٣٦٦، جديد ١/٢٢١، البحرالرائق، زكريا ٣/١٨٧، كوئٹه ٣/١٠٦، تاتار خانية، زكريا ٤/٦٧، رقم:٥٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۲۱۶۹)

حمل والی عورت سے نکاح

سوال [۵۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی کو ہوئے عرصہ چھ ماہ گذرا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس حالت میں شرع شریف کا حکم بروایت فتاوی جاری فرمائیں، لڑکی یہ حمل دوسرے شخص کا بتاتی ہے۔ اب بیان کریں کہ نکاح درست وقائم ہے یا کیا صورت ہے؟ نکاح دوبارہ کیا جائے یا شرعاً کیا عمل کیا جائے گا؟ جواب کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا ہے۔

المستفتی: مقصود علی، مڈیہ پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زنا سے حاملہ عورت سے شرعاً نکاح جائز ہے اور جب بوقت نکاح زنا کا ثبوت نہیں تھا اور نہ ہی حمل ظاہر ہوا تھا اور اب نکاح ورخصتی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تو وہ شرعاً اسی موجودہ شوہر کا بچہ ہے، اس کے اوپر حرامی کا الزام ناجائز ہے اور دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

وصح نكاح حبلىٰ من زنىٰ الخ (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا٤/١٤١، كراچي ٣/٤٨)

وان تزوج حبلىٰ من زنا جاز النكاح. (هداية اشرفي ديوبند ٢/٣١٢)

وإن جاء ت بـه بستة أشهـر فصاعداً يثبت نسبه منه إعترف به الزوج، أوسكت؛ لأن الفراش قائم والمدة تامة الخ (هداية، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب اشرفی دیوبند ۲/ ۴۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۹۷۲)

اپنی چھ ماہ کی حاملہ مزنیہ سے نکاح

سوال [۵۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد سمیر ولد ایوب تمباکو والان مراد آباد کا نکاح ۳/ جون ۲۰۱۰ء کو روشنی بنت اکشن قائم کی بیریاں مراد آباد سے ہوا، اس سے چھ مہینے قبل لڑکے اور لڑکی نے صحبت کر لی تھی جس سے حمل ٹھہر گیا، نکاح چھ مہینہ کے بعد ہوا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اطہر تمباکو والان، مراد آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد سمیر اور روشنی کے درمیان ناجائز تعلقات قائم ہو جانے کے بعد جو عقد نکاح ہوا ہے وہ شرعاً جائز ہے اور اب ان دونوں کے لئے میاں بیوی کی طرح ایک ساتھ رہنا بلا کسی کراہت کے اس لئے جائز ہے کہ لڑکی کا نکاح اسی زانی کے ساتھ ہوا ہے اور نکاح سے پہلے آپس میں جو بدکاری کی گئی ہے یہ گناہ عظیم ہے، اس گناہ سے دونوں کو سچے دل سے توبہ کر لینا لازم ہے۔

عن ابن عباسؓ في رجل وإمرأة أصاب كل واحد منهما من الأخر حداً، ثم أراد أن يتزوجها، قال: لابأس، أوله سفاح، وآخره نكاح. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب النكاح، في الرجل يفجر بالمرأة، ثم يتزوجها، رخص فيه، مؤسسه علوم القرآن

۹/ ۲۲۳، رقم:۱۷۰٤٦، سنن سعيد بن منصور، كتاب النكاح، باب في الرجل يفجر بالمرأة، ثم يتزوجها، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۲٤، رقم:۸۸٦)

لو نحكها الزاني حل له وطؤها اتفاقا والولد له، ولزمه النفقة. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات كراچي ۳/ ٤٩، زكريا ٤/ ١٤٢)

رأي المرأة تزني فتزوجها جاز، وللزوج أن يطأها بغير استبراء على الخلاف المذكور. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ٤٨٥)

إذا تزوج امرأة قد زنى هوبها وظهر بها حبل فالنكاح جائز عند الكل وله أن يطأها عند الكل وتستحق النفقة عند الكل كذا في الذخيرة. (هندية زكريا ۱/ ۲۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۱۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۴ھ

حبلیٰ من الزنا سے نکاح

سوال [۵۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ایک ماہ قبل ہوئی، ۲۰ / روز کے بعد زید کو ڈاکٹری معائنہ سے معلوم ہوا کہ اس کی بیوی ثمینہ حاملہ ہے، اب عمر کہتا ہے کہ تمہارا نکاح ٹوٹ گیا؛ کیونکہ تمہیں فریب میں رکھ کر یہ شادی رچائی گئی تھی آیا عمر اپنے قول میں درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: انوار الحق صدیقی، جامع مسجد لچھن گڈھ، سیکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیس روز میں عورت حاملہ ہوسکتی ہے اور اگر کئی ماہ

سے حاملہ ہے تو زنا سے حمل شدہ عورت کے ساتھ شرعی طور پر نکاح صحیح اور درست ہے اور عمر کا یہ کہنا غلط ہے کہ نکاح ٹوٹ گیا ہے۔

وصح نكاح حبلىٰ من زنىٰ الخ (درمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا٤/١٤١، كراچي ٣/٤٨)

وصح نكاح حبلىٰ من زنا عند الطرفين، وعليه الفتوىٰ لدخولها تحت النص. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٥)

وان تزوج حبلىٰ من زنا جاز النكاح ولا يطؤها حتى تضع حملها. (هداية اشرفي ديو بند ٢/٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۹۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۳؍۱۴۱۵ھ

حالت حمل میں نکاح اور طلاق کا حکم

سوال [۵۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حالت حمل میں نکاح پڑھانا جائز ہے کہ نہیں؟ ایک عورت جو مدت دراز سے کافروں کے قبضہ میں تھی؛ لہٰذا وہ کسی صورت سے کافروں کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں میں آگئی اور وہ جب عرصۂ دراز تک کفار میں رہی تو یقیناً وہ صحبت شدہ ہے ظاہر ہے کہ اس کو کچھ مہینے ہیں، وہ کسی حال سے ہے بقول عورت کے علم ہوا؛ لہٰذا اس صورت میں جو قاضی نکاح پڑھائے اس کا کیا حکم ہے؟ اس قاضی کے ساتھ کیا برتاؤ رکھنا چاہئے؟ کیا اس قاضی کی اقتداء جائز ہے کہ نہیں وہ لائق امامت ہے یا نہیں؟

(۲) حالت حمل میں طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) حالت حمل میں نکاح ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں معقول جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عرفان الحق، امام مسجد خورد دھنوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلموں کے پاس رہ کر جو حمل ہوا ہے، وہ ولد الزنا ہوگا اور زنا سے حمل والی عورت کا نکاح شرعی طور پر جائز اور درست ہے؛ لہٰذا نکاح پڑھانے والے قاضی پر شرعاً کوئی الزام نہیں اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۸۱/۷، فتاوی محمودیہ قدیم ۲۰۳/۱۲، جدید ڈابھیل ۱۱۴/۱۱)

يجوز نكاح الحامل من الزنا ولايقربها زوجها حتى تلد. (قاضي خان علـى الهـنـدية، كتـاب النكاح، باب في المحرمات، زكريا ۱/ ٦٦، زكريا جديد ۱/ ۲۲۱، الهـنـدية، زكـريا ۱/ ۲۸۰، جديد ۱/ ۳٤٦، رد المختار على الدر المحتار، كراچي ۳/ ٤۸، زكـريـا ٤/ ۱٤۱، البحـرالـرائـق، زكـريــا ۳/ ۱۸۷، كوئٹه ۳/ ۱۰٦، الهداية، اشـرفـی ديو بند ۲/ ۳۱۲، التاتار خانية قديم ۳/ ٦، جديد زكريا ٤/ ٦۷، رقم: ٥٥٤۸)

(۲) حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. [طلاق: ٤]

وصـح طلاقهن بعد الوطء. (البحـرالرائق، كوئٹه ۳/ ۲٤۱، زكريا ۳/ ٤۲۱، هيئة كبار العلماء ۲/ ۷۰۳، فتاوى عثيمين ۲/ ۷۹۸)

(۳) حالت حمل میں بھی عورت کا نکاح صحیح اور درست ہوجاتا ہے؛ جبکہ اس کا کوئی جائز شوہر نہ ہو۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۲۰۳/۱۲، جدید ڈابھیل ۱۱۴/۱۱، فتاوی دارالعلوم ۱۸۱/۷، ۱۹۱/۷)

وصـح نـكـاح حبلیٰ من زنا. (الـدر الـمـختار، كراچي ۳/ ٤۸، زكريا ٤/ ۱٤۱، البـحـرالرائق، كوئٹه ۳/ ۱۰٦، زكريا ۳/ ۱۸۷، الهندية، زكريا ۱/ ۲۸۰،

زکریا جدید ۱/ ۳٤٦، هداية، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۱۲، التاتارخانية قديم ۳/ ٦،
جدید زکریا ٤/ ٦٧، رقم: ٥٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۲۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۸ھ

زانیہ حاملہ سے نکاح

سوال[۵۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناصرہ حمل سے ہے اور ابھی شادی بھی نہیں ہوئی ہے، اس کے والدین نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ناصرہ کا نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: صغیر الدین، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ناصرہ کا نکاح اگر اسی لڑکے سے ہو رہا ہے، جس سے حاملہ ہوئی ہے تو نکاح اور وطی دونوں درست ہے اور اگر دوسرے لڑکے سے شادی ہو رہی ہے، تو نکاح صحیح ہے؛ لیکن وضع حمل تک وطی حرام ہے۔

عن ابن عباسؓ في رجل وإمرأة أصاب كل واحد منهما من الأخر حداً، ثم أراد أن يتزوجها، قال: لابأس، أوله سفاح، وآخره نكاح. (مصنف لإبن أبي شيبه، كتاب النكاح، في الرجل يفجر بالمرأة، ثم يتزوجها، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۹/ ۲۲۳، رقم: ۱۷۰٤٦)

قال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: يجوز أن يتزوج إمرأة حاملاً من الزنا، ولايطؤها، حتى تضع. وقال أبو يوسفؒ لايصح والفتوىٰ علىٰ قولهما...... إذا تزوج امرأة قد زنىٰ هوبها وظهربها حبل، فالنكاح جائز عند الكل، وله أن يطأها عند الكل، وتستحق النفقة عند الكل. (هندية، كتاب النكاح، الباب الثالث في المحرمات، القسم السادس، زكريا ديوبند ۱/ ۲۸۰، جديد ۱/ ۳٤٦)

وصح نكاح حبلیٰ من زنا...... وان حرم وطؤها حتیٰ تضع لونكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقاً. (شامي، زكريا٤/١٤١، كراچي ٣/٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۰۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۳ھ

حاملہ مزنیہ سے نکاح

سوال [۵۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد صاحب نے رینا عرف کوثر جہاں کے ساتھ رشتہ قائم کیا، اسی دوران میرے پاس فون آیا کہ رینا کے ساتھ میری شادی ہوچکی ہے، میں نے اپنے والد صاحب کو بتایا میرے والداور والدہ وغیرہ رینا کے گھر پر گئے، رینا کی والدہ سے یہ بات کہی تو رینا کی ماں نے کہا رینا سے پوچھو، گھر والوں نے سب لوگوں کی موجودگی میں رینا سے پوچھا کہ بیٹی یہ شادی کی بات سچ ہے یا غلط، تو رینا نے قرآن کی قسم کھاتے ہوئے منع کیا، تب لوگ قرآن کی قسم پر ایمان لے آئے، پھر رینا کی شادی کی تاریخ رینا کی ماں نے پکی کردی اور شادی طے ہوگئی۔

بتاریخ ۱۸؍جولائی ۲۰۱۲ء کو کوثر جہاں عرف رینا دختر صفدر حسین کی شادی میرے ساتھ ہوگئی، کچھ دنوں بعد کوثر جہاں عرف رینا کے پیٹ میں درد ہوا دوائی دلوادی گئی، دوسرے روز رات میں پھر درد اٹھا صبح کو پاس پڑوس کی عورتوں کے کہنے پر دائی کو بلوایا گیا، تو دائی بولی اس کے پیٹ میں تو بڑی گانٹھ ہے، آپ لوگ اس کا الٹرا ساؤنڈ کرالو، تو اچھا ہوگا، ہم نے ڈاکٹرنی کو بلا کر الٹرا ساؤنڈ ۲۳؍اگست ۲۰۱۲ء کو کرایا، اس میں ۱۸؍ہفتہ کا بچہ نکلا، ہم لوگ دنگ رہ گئے یہ کیا ہوا، ہمارے بڑوں نے رینا کی ماں سے بات کی تو رینا کی ماں بولی بچے کو ختم کرائے دیتے ہیں، رینا کی ماں میرے گھر جمیلہ ڈاکٹرنی کو لے کر پہونچی رات میں

ڈاکٹرنی نے ۱۵۰۰۰/روپیہ کی مانگ کی اسی دوران ہمارے ماں باپ نے پوچھا کہ یہ کس کی اولاد ہے اور وہ کون لڑکا ہے رینا نے بتایا میں ساحل نام کے لڑکے سے ملا کرتی تھی اسی کی یہ اولاد ہے اور ہمیں سارے واقعہ کو لکھ کر بھی دیا اور اس بچہ کی ماں بھی بن گئی، ایسی صورت میں میرا نکاح ناجائز تعلقات ہونے کی بناپر منعقد ہوا یا نہیں؟

المستفتی: نظام میاں عرف آشا، وارثی نگر گلی نمبر ۵/جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زنا سے حمل شدہ عورت کے ساتھ نکاح درست ہوجاتا ہے؛ اس لئے کوثر جہاں کے ساتھ آپ کا نکاح درست ہوگیا۔

وصح نکاح حبلیٰ من زنا لامن غیرہ. تحته في الشامیة: أي عندهما. وقال أبویوسفؒ لایصح. والفتویٰ علی قولهما. (شامي مع الدر، کتاب نکاح، فصل في المحرمات، کراچي ۴۸/۳، زکریا ۱۴۱/۴،ونحوذٰلك في العالمگیریة، زکریا ۲۸۰/۱، زکریا جدید ۳۴۶/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۵۳/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۱۵ھ

حبلیٰ من الزنا سے نکاح

سوال [۵۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے کی شادی کنواری لڑکی سے چند ماہ قبل ہوئی تھی، قبل ازوقت تقریباً چار ماہ کے بعد ہسپتال سنبھل میں اس کے ایک بچی کی ولادت ہوئی، اس حالت میں لڑکا یہ سوال کرتا ہے کہ وہ میری بیوی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں رہی تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہے؟ مسئلہ کا حل فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حبیب اللہ، سرسی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زانیہ عورت کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے، وہ شرعی طور پر صحیح اور درست ہے؛ لہٰذا وقت سے قبل بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، نکاح اپنی جگہ پر بدستور باقی ہے؛ البتہ عورت پر اس فعل شنیع کا گناہ ہوگا۔

وصح نكاح حبلىٰ من زنا الخ (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا٤/١٤١، كراچي ٣/٤٨)

وصح نكاح حبلىٰ من زنا عند الطرفين، وعليه الفتوىٰ لدخولها تحت النص. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٥، هندية، زكريا١/٢٨٠، جديد ١/٣٤٦، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣١٢، قاضي خان على الهندية، زكريا١/٣٦٦، جديد ١/٢٢١، البحرالرائق، زكريا٣/١٨٧، كوئٹه ٣/١٠٦، تاتارخانية، زكريا٤/٦٧، رقم:٥٥٠٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۲۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۱۳ھ

دومہینہ کی حاملہ سے نکاح

سوال [۵۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کی شادی ہوئی اور وہ شادی سے قبل دو مہینے کے حمل سے تھی اور شادی کے ایک مہینہ بعد اس نے اپنا حمل ساقط کرا دیا، تو ایسی صورت میں اس لڑکی سے نکاح صحیح ہوا تھا یا نہیں؟

المستفتی: شاکر حسین، دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہوگیا اور جب لڑکی نے حمل ساقط کرادیا، تو اس سے استمتاع بھی جائز ہوگیا۔

وفي الفتاوى الهنديه يجوز أن يتزوج إمرأة حاملاً من الزنا، ولايطؤها حتى تضع. (عالمگيري، كتاب النكاح، الباب الثالث في المحرمات القسم السادس، زكريا ١/ ٢٨٠، جديد ١/ ٣٤٦، مجمع الأنهر، دارالكتب العلميه بيروت ١/ ٤٨٥، هداية اشرفى ديوبند ٢/ ٣١٢، قاضي خان على الهندية، زكريا ١/ ٣٦٦، جديد ١/ ٢٢١، البحرالرائق، زكريا ٣/ ١٨٧، كوئٹه ٣/ ١٠٦، تاتارخانية، زكريا ٤/ ٦٧، رقم: ٥٥٠٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴۱۳/۲۹)

شادی کے دو ماہ کے بعد تین ماہ کی حاملہ

سوال [۵۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنے لڑکے پرویز عالم کا رشتہ بتاریخ ۲؍ ستمبر کو محلّہ پیرزادہ، تالاب والی مسجد کے رہنے والے حافظ زاہد کی لڑکی، خدیجہ بی سےکیا، شادی کے تیرہ دن بعد لڑکی والوں نے دعوت کی اس میں لڑکی کی والدہ نے ہمیں یہ بتایا کہ ہم آپ کو ایک خوش خبری سناتے ہیں کہ لڑکی حاملہ ہے، ان کی اس خوش خبری میں ہم بھی خوش ہوگئے؛ لہٰذا لڑکی کو رخصت کردیا، ہم اس کو اپنے گھر لے آئے۔

اب ڈیڑھ مہینے بعد اس کی ہمارے یہاں طبیعت خراب ہوئی، اس کو ہم ہسپتال لے گئے، وہاں ڈاکٹر نے بتایا کہ یہ ۳؍ مہینے اور بیس دن کے حمل سے ہے، اس کی ہم نے جانچ کرائی تو اس میں نہیں آیا؛ جبکہ شادی کو ۲؍ مہینہ ہوئے تھے، لڑکی کے بھائی نے کہا کہ ہماری والدہ نے شادی سے ۱۰؍ دن پہلے ڈاکٹر کو دکھایا تھا، یہ بات لڑکی کا بھائی بتارہا تھا، اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے انہوں نے لڑکی کا نکاح کردیا، کیا اس حالت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

اس کے بعد لڑکی والوں نے بتایا کہ یہ کم سنتی ہے، اس کے بعد ڈاکٹر کو دکھایا تو ڈاکٹر نے بتایا کہ یہ پیدائشی بہری ہے۔

المستفتی: عبدالستار، کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈاکٹر کے بتانے اور جانچ میں قطعی بات نہیں ہوتی ہے، کچھ آگے پیچھے بھی ہوسکتی ہے اور شادی کو دو مہینے ہوئے، بچہ بجائے تین مہینے کے دو ماہ کا بھی ہوسکتا ہے؛ اس لئے بلا کسی ثبوت شرعی کے الزام قائم کرنا درست نہ ہوگا؛ لہٰذا اگر بچہ شادی کے بعد چھ مہینہ کی مدت سے پہلے زندہ اور صحیح سالم پیدا ہوتا ہے تب توالزام درست سمجھا جائے گا اور اگر شادی کے چھ مہینے مکمل ہونے کے بعد پیدا ہوتا ہے تو بچہ کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہوگا اور لڑکی کے اوپر الزام لگانا درست نہ ہوگا اور نکاح بہرحال درست ہو چکا ہے، اس میں کوئی تردد نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَاِثْمًا مُبِيْنًا. [الاحزاب:۵۸]

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: وأربى الربا استطالة الرجل في عرض أخيه. (الجامع الصغير ۲/۲۲، أبوداؤد شريف، كتاب الأدب، باب في الغيبة، النسخة الهندية ۲/۶۶۹، دارالسلام رقم: ۴۸۷۶)

وصح نكاح حبلىٰ من زنا، لاحبلىٰ من غيره. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۴۸، زكريا ۴/۱۴۱، هندية، زكريا قديم ۱/۲۸۰، زكريا جديد ۱/۳۴۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۳۰؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۶۰/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۱/۱۴۳۶ھ

نکاح کے تین ماہ بعد ولادت ہونے والا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

سوال [۵۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد رفیع کی شادی ایک عورت سے ہوئی اور شادی کے تین ماہ بعد اس عورت سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، تو محمد رفیع کا نکاح اس حاملہ عورت سے ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد رفیع، سرائے کھجور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی کے تین ماہ بعد محمد رفیع کی بیوی سے جو مکمل بچہ پیدا ہوا ہے، وہ محمد رفیع کا بچہ نہیں ہے، اس بچہ کو اس کی ماں کی طرف منسوب کر دیا جائے گا، محمد رفیع اس کا باپ نہیں ہے؛ لیکن محمد رفیع کا نکاح اس عورت کے ساتھ صحیح اور درست ہے، اس کو بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ حالت حمل میں بھی بے شوہر کی عورت کا نکاح درست ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۱۹۰، محمودیہ ۱۳/۱۹۰)

وصح نكاح حبلىٰ من زنا لا حبلى من غيره أي الزنا وان حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع؛ لئلا يسقي ماءه زرع غيره. (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٤٨، زكريا ٤/١٤١، هندية، زكريا قديم ١/٢٨٠، زكريا جديد ١/٣٤٦، قاضي خان على الهندية، زكريا قديم ١/٣٦٦، زكريا جديد ١/٢٢١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣١٢، البحرالرائق، كوئٹه ٣/١٠٦، زكريا ٣/١٨٧، تاتارخانية، زكريا ٤/٦٧، رقم: ٥٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۷۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۲۳ھ

لاعلمی میں تین ماہ کی حاملہ سے نکاح

سوال [۵۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا عقد زید کی لاعلمی میں تین ماہ کی حاملہ لڑکی سے کردیا گیا ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا بچہ سے فارغ ہونے پر دوسرا عقد کرانے کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: جہانگیر بیگ، سنبھل محلّہ موسیٰ خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا، تو وہ شرعًا موجودہ شوہر ہی کا بچہ ہوگا، اس پر کسی طرح کی تہمت درست نہیں ہے اور اگر چھ ماہ سے پہلے پیدا ہوجائے، تو وہ بچہ نہ موجودہ شوہر کا ہوگا اور نہ شرعاً کسی دوسرے کا؛ بلکہ ماں کی طرف منسوب کردیا جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۱/۴۲)

عن الحسن أن امرأة ولدت لستة أشهر فأتي بها، عمر بن الخطاب رضي الله عنه فهم برجمها. فقال له عليؓ: ليس ذالک لک، إن الله عزوجل يقول في كتابه: "وحمله وفصاله ثلثون شهراً" فقد يكون في البطن ستة أشهر، والرضاع أربعة وعشرين شهراً، فذالک تمام ماقال الله: ثلثون شهراً، فخلى عنها عمر. (سنن سعيد بن منصور، كتاب النكاح، باب المرأة تلد لستة أشهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٦٦، رقم:٢٠٧٤)

فولدت لنصف حول منذ نكحها لزمه نسبه لتصور الوطئ حالة العقد، ولو ولدت لأقل منه لم يثبت. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في ثبوت النسب من الصغيرة، كراچي ٣/٥٧٤، زكريا ٥/٢٤١)

وإن جاء ت به بستة أشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج، أوسكت؛ لأن الفراش قائم والمدة تامة الخ (هداية، اشرفي دوبند ٢/٤٣٢)

نکاح جائز اور درست ہے، وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔
(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۵۰۴)

وصح نكاح الحبلیٰ من زنا الخ (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۴۸، زكريا٤/۱٤۱، كذا في الهندية ، زكريا قديم ۱/ ۲۸۰، زكريا جديد ۱/۳٤٦، قاضي خان على الهندية، زكريا ۱/۳٦٦، جديد ۱/ ۲۲۱، هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۱۲، تاتارخانية، زكريا٤/٦٧، رقم: ٤٨ ٥٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ٤٨٥، البحرالرائق، كوئٹه ۳/۱۰٦، زكريا ۳/۱۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۵۶۵)

مزنیہ حاملہ سے نکاح اور وطی کا حکم

سوال [۵۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مناظر کا نکاح ہوا بیوی ناجائز تعلقات کی وجہ سے پانچ ماہ کی حاملہ تھی، پھر اس حمل کو ساقط کرادیا گیا، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اور حمل کی صفائی کے بعد دونوں میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلیم کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح صحیح ہوجاتا ہے؛ البتہ زنا کی حاملہ سے ہمبستری ممنوع ہوتی ہے اور حمل کی صفائی فی نفسہ گناہ کا کام ہے؛ لیکن صفائی ہوجانے کے بعد جس مرد کے ساتھ نکاح ہوا ہے، اس کے ساتھ ہمبستری جائز اور درست ہے اور دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گذار سکتے ہیں، بس صرف ناپاکی کے زمانہ میں ہمبستری سے پرہیز ضروری ہوتا ہے۔

وصح نكاح حبلىٰ من زنا لا حبلى من غيره- عندهما وقال أبويوسفؒ لايصح، والفتوىٰ على قولهما كما في القهستاني: و إن حرم وطؤها، ودواعيه حتى تضع لئلا يسقي ماؤه زرع غيره، إذا الشعرينبت منه.
(شامي مع الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/ ٤٨، زكريا٤/ ١٤١، كذا في الهندية، زكريا ١/ ٢٨٠، جديد ١/ ٣٤٦، وكذا قاضي خان على الهندية، زكريا ١/ ٣٦٦، جديد ١/ ٢٢١، وكذا مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨٥، وكذا هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣١٢، وكذا في البحرالرائق، كوئٹه ٣/ ١٠٦، زكريا ٣/ ١٨٧، وكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/ ٦٧، رقم: ٥٥٤٨)

العلاج لاسقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر، والظفر ونحوهما لايجوز. (فتاوى عالمگيري، زكريا ٥/ ٣٥٦، جديد ٥/ ٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۱۷۴)

حبلیٰ من الزنا کا نکاح اور نکاح پڑھانے والے کا حکم

سوال [۵۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جو قریب سات مہینہ کے حمل سے ہے، لڑکی کے عزیز اسی محلّہ کے ایک لڑکے پر الزام رکھ کر زبردستی نکاح کرادیتے ہیں کچھ ہی دن کے بعد قریب ایک مہینہ کے لڑکی کے شکم سے ایک لڑکی پیدا ہوتی ہے جو کہ موجود ہے، شرع کی رو سے یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ نکاح پڑھانے والا اسی محلّہ کی مسجد کا امام بھی ہے، اگر نکاح نہیں ہوا تو اس امام مسجد کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ جواب سے آگاہ کیجئے۔

المستفتی: اشفاق احمد، محلّہ گنوری سرسی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں شرعاً نکاح صحیح ہو چکا ہے، نکاح پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز درست ہے؛ البتہ جولڑکی پیدا ہوئی ہے، اس کا نسب شوہر سے ثابت نہ ہوگا؛ بلکہ ماں کی طرف منسوب کردی جائے گی، اس لڑکی کی پرورش کا خرچہ بھی شوہر پر واجب نہیں ہوگا۔

عن الحسن أن امرأة ولدت لستة أشهر فأتى بها، عمر بن الخطاب رضي الله عنه فهم برجمها. فقال له عليؓ: ليس ذالك لك، إن الله عزوجل يقول في كتابه: ''وحمله وفصاله ثلثون شهراً'' فقد يكون في البطن ستة أشهر، والرضاع أربعة وعشرين شهراً، فذالك تمام ماقال الله: ثلثون شهراً، فخلى عنها عمر. (سنن سعيد بن منصور، كتاب النكاح، باب المرأة تلد لستة أشهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٦٦، رقم: ٢٠٧٤)

وصح نكاح حبلىٰ من زنا لاحبلى من غيره الخ (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٤٨، زكريا ٤/١٤١، الهندية، زكريا ١/٢٨٠، جديد ١/٣٤٦، قاضي خان على الهندية، زكريا ١/٣٦٦، جديد ١/٢٢١، تاتار خانية، زكريا ٤/٦٧، رقم:٥٥٤٨) هدايه اشرفي ديوبند ٢/٣١٢، البحر الرائق كوئٹه ٣/١٠٦، زكريا ٣/١٨٧، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٥)

فولدت لنصف حول منذ نكحها لزمه نسبه لتصور الوطئ حالة العقد، ولو ولدت لأقل منه لم يثبت. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في ثبوت النسب من الصغيرة، كراچي ٣/٤٧، زكريا٥/١/٢٤١)

إذا تزوج الرجل إمرأة فجاءت بالولد لأقل من ستة أشهر، منذ تزوجها لم يثبت نسبه الخ (عالمگيري، زكريا ١/٥٣٦، جديد ١/٥٨٨، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۸۰۶)

حبلیٰ من الزنا سے شادی اوراس کا مہر

سوال [۵۴۹۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کو زنا کے ذریعہ حمل ٹھہر گیا جو ۵/مہینہ کا ہے،اس کے بعد اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ ہوا؛ لیکن شادی کے وقت حمل کا پتہ نہیں چلا تھا،اب یہ نکاح صحیح ہوایا نہیں؟

مذکورہ صورت میں یہ لڑکی اس لڑکے ساتھ ۵/دن رہی اور یہ لڑکا اسے چھوڑ ناچاہتا ہے، اب اس کا دین مہر واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سرفراز،عیدگاہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زنا سے حمل شدہ لڑکی کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ صحیح اور درست ہوگیا ہے،مگر بچہ پیدا ہوجانے تک اس سے ہمبستری جائز نہیں اور بچہ ہوجانے کے بعد ہمبستری جائز ہوسکتی ہے۔

وصح نكاح حبلى من زنىٰ لاحبلى من غيره......وان حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع الخ (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۴۸/۳، زكريا ۱۴۱/۴)

وقال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: يجوز أن يتزوج إمرأة حاملاً من الزنا ولايطؤها حتى تضع. وقال أبو يوسفؒ لايصح. والفتوىٰ علىٰ قولهما. (الهندية، زكريا ۲۸۰/۱، جديد ۳۴۶/۱، هدايه اشرفي ديوبند ۳۱۲/۲)

(۲) اس کو چھوڑنا لازم نہیں ہے؛ لیکن اگر چھوڑ دے گا تو پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔

ثم رأه منقولا عن الخصاف أن الخلوة لم تقم مقام الوطء إلا في حق تكميل المهر، ووجوب العدة-إلى-وفي تأكد المهرأي في خلوة النكاح الصحيح. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في أحكام الخلوة،

کراچي ۱۱۸/۳، زکریا ٤ /٢٥٥، هندیة، زکریا ۱ /۳۰۳، جدید ۱ /۳۷۰، جدید ۱ /۳۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳ ؍ ۵۳۰۷)

حبلی من الزنا سے نکاح اور مہر وغیرہ کا حکم

سوال [۵۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے نکاح کیا ہندہ سے اور نکاح کے وقت ہندہ کو حمل تھا، اب زید کا کہنا ہے کہ میرا نکاح نہیں ہوا؛ کیونکہ ہندہ حمل سے ہے اور حمل سے ہونے کا علم زید کو دو ماہ بعد ہوا، تو آیا زید کا یہ کہنا کہ ہندہ سے میرا نکاح نہیں ہوا یہ صحیح ہے، اور زید نے چار افراد کے سامنے تحریری طلاق نامہ بھی دیا اور مہر ادا نہیں کیا، آیا مہر زید کے ذمہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: مختار احمد، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زنا سے حمل شدہ عورت کا عقد نکاح غیر زانی کے ساتھ بھی صحیح ودرست ہو جاتا ہے اور اس پر نکاح کے لوازمات مہر وغیرہ بھی لازم ہو جاتے ہیں۔

وصح نكاح حبلیٰ من زنیٰ الخ (در مختار، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، زکریا ٤ /١٤١، کراچي ٤٨/٣، وکذا في الهندیة، زکریا ۱ /۲۸۰، جدید ۱ /٣٤٦، هدایه اشرفي دیوبند ۲ /۳۱۲، قاضي خان علی الهندیة، زکریا ۱ /٣٦٦، جدید ۱ /۲۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ ؍ ۳۷۶۰)

کیا سات ماہ کی حاملہ سے نکاح صحیح ہے؟

سوال [۵۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کو تقریباً سات ماہ کا حمل ہے، کیا اس کا نکاح اس وقت ہوسکتا ہے، جس لڑکے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حمل اس لڑکے کا ہے، وہ لڑکا حلفیہ کہتا ہے کہ یہ میرا نہیں ہے اور لڑکی حلفیہ کہتی ہے کہ یہ حمل اسی کا ہے، ایسی صورت میں کس کا قول تسلیم کیا جائے؟ اور اس وقت اس لڑکی کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ لڑکی کے پاس اس لڑکے کی تحریر بھی موجود ہے اور کچھ ثبوت بھی ملتے ہیں۔

المستفتی: محمد حنیف ولد عبد المجید، محلّہ گجراتیان، جسپور، ادھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس لڑکی کا نکاح تو بہرحال صحیح ہے۔

اب اگر حمل اسی لڑکے کا ہے جو کہ اس لڑکی اور لڑکے کو ہی معلوم ہوسکتا ہے، تو دونوں کے لئے نکاح کے بعد ہمبستری بھی جائز ہے اور حمل اس کا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ وہ دونوں ہی کر سکتے ہیں اور اگر حمل اس لڑکے کا نہیں ہے، تو صرف لڑکی کا نکاح جائز ہے اور بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہمبستری جائز نہیں۔ بچہ کی پیدائش کے بعد ہمبستری جائز ہوگی۔

وصح نكاح حبلىٰ من زنا لا حبلى من غيره –وان حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع ، لو نكح الزاني حل له وطؤها اتفاقاً. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/ ٤٨، زكريا ٤/ ١٤١، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/ ٦٧، رقم: ٥٥٤٨، البحرالرائق، كوئٹه ٣/ ١٠٦، زكريا ٣/ ١٨٧، هداية اشرفى ديوبند ٢/ ٣١٢، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨٥، هندية، زكريا ١/ ٢٨٠، جديد ١/ ٣٤٦، قاضي خان على الهندية،

زکریا ۱/۳٦٦، جدید ۱/۲۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۲۶۵/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۸ھ

مزنیہ سے زانی کا نکاح

سوال [۵۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ورزش سکھلانے سے قبل خالد سے کچھ وعدے کروائے، خالد نے مسجد میں وعدہ کیا کہ میں آپ کو (زید) کوکسی طرح کی دغا نہیں دوں گا، میں آپ کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا، میں آپ کا ہر کہنا مانوں گا، ورزش سیکھنے کے دوران خالد نے زید کی لڑکی سے چار پانچ مرتبہ زنا کیا زید کو پتہ چلنے پر زید نے خالد سے کہا کہ لڑکی سے نکاح کرلو، خالد نے مسجد میں وعدہ کیا کہ میں آپ کی لڑکی سے نکاح کروں گا یا جب تک آپ کی لڑکی کا نکاح نہ ہوگا میں کہیں نکاح نہ کروں گا، ان وعدوں کے بعد خالد نے زید سے کہا کہ میں نے جو وعدے کئے ہیں سب سے آزاد کردو، ورنہ میں تم کو گولی ماردوں گا، زید کو خالد سے گھبراہٹ ہوگئی کہ خالد کبھی بھی گولی مار سکتا ہے، زید نے خالد سے زبانی کہا کہ میں نے تم کو آزاد کردیا، زید کا کہنا ہے کہ میں نے زبان سے کہا ہے دل سے آزاد نہیں کیا، تو صورت مذکورہ میں خالد اپنے وعدوں سے آزاد ہوا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) خالد نے زید سے مسجد میں وعدے کرائے زید نے خالد سے کہا کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح انشاء اللہ تم سے ہی کروں گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کو اپنی لڑکی کا نکاح خالد سے کرانا ضروری ہے یا نکاح کہیں بھی کراسکتا ہے؟ اگر زید نے اپنی لڑکی کا نکاح خالد سے نہ کرتے ہوئے بکر سے کردیا تو کیا شرعاً وعدہ کے خلاف کرنے والا کہا جائے گا؟

(۳) خالد نے زید کی لڑکی سے چار پانچ مرتبہ زنا کیا، زید کو پتہ چلنے پر زید نے خالد

سے کہا کہ لڑکی سے نکاح کرلو، خالد نکاح کرنے کو تیار ہے خالد کا کہنا ہے کہ میرے والدین فی الحال کرنے کو تیار نہیں، وہ کچھ عرصہ کے بعد کرنے کو تیار ہیں، خالد کا کہنا ہے کہ فی الحال والدین کو اطلاع دیئے بغیر دو چار خاص آدمیوں کے سامنے نکاح ہو جائے اور اس بات کو پوشیدہ رکھا جائے، جب والدین شادی کریں گے، پھر دوبارہ علانیہ طور پر نکاح ہو جائے گا، تو اس طرح کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: سعید احمد، پان فروش، لکڑی منڈی چورا ہہ، جسپور (ادھم سنگھ نگر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ تمام معاملات فاسد اور خلاف شریعت ہیں، وعدہ خلافی کرنا بڑا گناہ ہے اور زنا کرنا گناہ عظیم اور مستحق لعنت اور عنداللہ سخت ترین عذاب کا خطرہ ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو دونوں پر سوسو کوڑے لگائے جاتے، دونوں پر خالص توبہ کرنا لازم ہے، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ خالد کو اور زید کی لڑکی کو ملامت اور غیرت دلائیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم جدید ۱۲/۱۸۰)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَقۡرَبُوۡا الزِّنَا اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً. [بني اسرائيل: ۳۲]

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِيۡ فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِنۡهُمَا مِئَةَ جَلۡدَةٍ. [سورة النور:۲]

عن أبي هريرة رضی اللّٰہ عنہ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: آية المنافق ثلث إذا حدث كذب، وإذا وعد اخلف، وإذا اؤتمن خان. (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، النسخة الهندية ۱/۱۰، رقم:۳۳)

خالد کے لئے زید کی مذکورہ لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

وصح نكاح حبلیٰ من زنا. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۴۸، زكريا ۴/۱۴۱، هندية، زكريا ۱/۲۸۰، جديد ۱/۳۴۶) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۳ رشوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۳ھ

اپنی مزنیہ سے نکاح

سوال [۵۴۹٦]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ایک لڑکی سے ناجائز تعلق تھا، جس کے نتیجہ میں اس لڑکی کو حمل ٹھہر گیا۔ اب دونوں نکاح کرنا چاہتے ہیں، ایسی حالت میں وہ نکاح جائز ہوگا یا ناجائز؟ اور اولاد جائز ٹھہرے گی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمود حسین، محلّہ سارے شیخ محمود، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید ہی اس لڑکی سے نکاح کرتا ہے، تو نکاح صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ ہمبستری فوراً جائز اور درست ہے اور جو بچہ پیدا ہوگا وہ ثابت النسب ہوگا اور نان نفقہ زید پر واجب ہوگا۔

ونكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقاً، والولد له ولزمه النفقه الخ

(الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٤٩، زكريا ٤/١٤٢)

رأى امرأة تزني فتزوجها جاز، وللزوج أن يطأها بغير استبراء على الخلاف المذكور. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٥)

إذا تزوج امرأة قد زنىٰ هوبها وظهر بها حبل، فالنكاح جائز عند الكل، وله أن يطأها عند الكل، وتستحق النفقة عند الكل، كذا في الذخيرة.

(هندية، زكريا ١/٢٨٠، جديد ١/٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۹۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷؍۱۲؍۱۴۱۲ھ

زانی کا اپنی مزنیہ سے نکاح

سوال [۵۴۹۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیازانی کا نکاح اپنی مزنیہ سے جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: احمد بادشاہ، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں! زانی کا نکاح اپنی مزنیہ عورت کے ساتھ جائز اور درست ہے اور اگر زنا سے عورت حاملہ بھی ہوگی ہے، تب بھی جائز ہے اور زانی شوہر کے ساتھ فوراً رخصت بھی ہوسکتی ہے۔

وصح نكاح حبلىٰ من زنا (إلى قوله) لو نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقاً والولد له ولزمه النفقة الخ (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/ ۴۹، زكريا ۴/ ۱۴۱، كذا في الهندية، زكريا ۱/ ۲۸۰، جديد ۱/ ۳۴۶، وكذا في مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۵۰)

اپنی مزنیہ سے حالت حمل میں نکاح

سوال [۵۴۹۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکے لڑکی کو آپس میں اسقدر پیار ومحبت تھی کہ وہ ہوش وحواس کھوکر ہمبستر ہوگئے، جس کی وجہ سے حمل قرار پا گیا اور چار ماہ بعد آپس میں شادی ہوگئی، شادی کے پانچ ماہ بعد ایک لڑکا پیدا ہو، جو تین ماہ کی عمر میں وفات پا گیا۔

مندرجہ بالا حالات پر غور کرتے ہوئے ایسی ہی حالت میں نکاح جائز ہے یانہیں؟

اگر یہ ناجائز ہےتو ان کا آپس میں نکاح دوبارہ کن حالات میں ہونا چاہئے؟ جبکہ موجودہ حالات میں دونوں شوہر بیوی کے رشتہ سے بخوشی زندگی بسر کررہے ہیں۔

المستفتی: محمد صماد احمد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں نکاح شرعاً درست ہوگیا، دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

وصحَّ نكاح حبلىٰ من زنا لاحبلى من غيره الخ (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۴۸، زكريا ٤/ ١٤١، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/ ٦٧، رقم:٥٥٤٨، هندية، زكريا١/ ٢٨٠، جديد ١/ ٣٤٦، قاضي خان على الهندية، زكريا ١/ ٣٦٦، جديد ١/ ٢٢١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨٥، هدايه اشرفي ديوبند ٢/ ٣١٢، البحر الرائق كوئٹه ٣/ ١٠٦، زكريا ٣/ ١٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۹۴۱)

اپنی مزنیہ حاملہ سے نکاح

سوال [۵۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زیب النساء غیر شادی شدہ لڑکی ہے؛ لیکن زیب النساء کو حمل قرار پا گیا، جس کی مدت چار ماہ کو پہونچ گئی۔ اب زیب النساء اس حمل کی نسبت محمد زاہد کی طرف کرتی ہے کہ میرا تعلق صرف محمد زاہد سے تھا اور کسی سے کوئی تعلق نہیں رہا اور محمد زاہد کے جماع کرنے سے ہی یہ حمل قرار پایا ہے، اب محمد زاہد سے پوچھا گیا کہ زینب النساء اپنے قول مذکورہ میں صادقہ ہے یا کاذبہ؟ محمد زاہد نے زیب النساء کے قول کی تصدیق کی کہ زیب النساء صادقہ ہے

اورحمل مذکور مجھ سے ہی قرار پایا ہے۔ اب زیب النساء کا نکاح محمد زاہد سے کرادیا گیا، یہ نکاح صحیح ہوایانہیں؟ نیز وضع حمل کے قبل محمد زاہد کو زیب النساء سے وطی کرنا جائز ہے یانہیں؟ بحوالہ قلمبند فرما کر تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد خالد قاسمی، نماز کمیٹی جماعۃ المسلمین ممبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زیب النساء کا نکاح محمد زاہد کے ساتھ شرعی طور پر صحیح ودرست ہو چکا ہے اور محمد زاہد کے لئے زیب النساء کے ساتھ وضع حمل سے پہلے ہمبستری بھی جائز ہوگی اور بچہ جو زیب النساء کے بطن میں ہے، وہ محمد زاہد کا ہوگا اور محمد زاہد پر زیب النساء کے حقوق زوجیت اور نفقہ ادا کرنا بھی لازم ہوگا۔

وصح نكاح حبلىٰ من زنىٰ......(وقوله) لونكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقاً والولدله ولزمه النفقة الخ (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/ ۴۸، زكريا ۴/ ۱۴۲)

إذا تـزوج امـرأة قد زنىٰ هوبها وظهربها حبل، فالنكاح جائز عند الـكـل، ولـه أن يطـأهـا عـنـد الكل، وتستحق النفقة عند الكل. كذا في الذخيرة. (هندية، زكريا ۱/ ۲۸۰، زكريا جديد ۱/ ۳۴۶، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۶۱)

زانی کا اس کی مزنیہ سے نکاح

سوال [۵۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ گرام راجہ کا تاج پور، ڈاکخانہ خاص، ضلع بجنور میں ایک واقعہ ابھی حال ہی میں رونما ہوا ہے، جس میں فتوی کی ضرورت درپیش آئی ہے؛ لہٰذا برائے کرم تکلیف گوارہ کرتے ہوئے عنایت فرمائیں۔

ایک لڑکے کا ایک لڑکی سے ناجائز تعلق تھا، اسی تعلق کے دوران لڑکے سے اس لڑکی کے حمل ٹھہر گیا، لڑکی بغیر نکاح کے کنواری ہے، اور لڑکا شادی شدہ بچوں دار ہے اور جو حمل لڑکی کے ٹھہرا ہوا ہے وہ بھی اسی لڑکے کا ہے جب ان دونوں کی بابت عام پبلک میں چرچا ہوگیا، تو برادری کی ایک میٹنگ ہوئی اور اس میں پنچایت نے یہ طے کیا کہ لڑکا کچھ روپیہ بطور جرمانہ لڑکی کے نام ڈاک خانہ یا بینک میں جمع کردے، پھر پنچایت کی اجازت سے لڑکے کا نکاح اس لڑکی سے کرادیا گیا ہے؛ لہٰذا دوران حمل میں جو نکاح ہوا ہے وہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتی: مظفرحسین ولد عبدالعزیز انصاری، گرام راجہ کا تاج پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوران حمل کنواری لڑکی کا نکاح زانی مرد کے ساتھ صحیح اور درست ہے اور نکاح چونکہ زانی کے ساتھ ہوا ہے؛ اس لئے ہمبستری بھی جائز ہے۔

وصح نكاح حبلىٰ من زنا (إلى قوله) لو نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقاً، والولد له ولزمه النفقة الخ (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٤٨، زكريا ٤/١٤٢)

رأى امرأة تزني فتزوجها، وللزوج أن يطأها بغير استبراء على الخلاف المذكور. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٥، هندية، زكريا قديم ١/٢٨٠، زكريا جديد ١/٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۱۲/۲۷)

اپنی مزنیہ سے نکاح اور وطی

سوال [۵۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک لڑکی سے پیار ومحبت کی، اس کے بعد فعل حرام کا ارتکاب کر بیٹھا، تو اب اپنی مزنیہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ببلو، گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زانی اور مزنیہ دونوں عنداللہ سخت ترین گناہ اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے اللہ تعالیٰ سے اپنے فعل شنیع سے خالص توبہ کرنا لازم ہوگا۔ اور اب دونوں کا آپس میں نکاح کر لینا اور نکاح کے بعد ہمبستر ہونا جائز ہوگا۔

وصح نكاح حبلیٰ من زنیٰ (إلى قوله) لو نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقًا الخ (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٤٩، زكريا ٤/١٤٢، هندية، زكريا ١/٢٨٠، جديد ١/٣٤٦، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۵۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۱۹ھ

ناجائز تعلقات کے بعد باہم نکاح اور اولاد کا حکم

سوال [۵۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً ۳۰ر سال ہے لڑکے کا نام جہانگیر عالم ایک لڑکی مہرین جہاں سے پیار کرنے لگا، اسی درمیان لڑکا لڑکی ایک دوسرے سے قریب ہوگئے

اور ہمبستر ہو گئے، کچھ دنوں کے بعد ان دونوں کی شادی کرادی گئی، شادی کے چھ مہینہ کے بعد اس کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی تو اس بچی کو اس کے رشتہ دار یہ کہتے ہیں کہ یہ بچی حرام کی ہے، تو قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ حرام کی ہے یا حلال کی اور یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد فاروق، بارہ دری بڑا کنواں گلی نمبر ۳/، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس لڑکے اور لڑکی کے درمیان ناجائز تعلق ہو جائے، ان کے درمیان آپس کا نکاح شرعی طور پر جائز اور درست ہے؛ لہٰذا مذکورہ نکاح صحیح اور درست ہوا اور حمل کی مدت کم سے کم چھ مہینہ ہوتی ہے اور نکاح کے چھ مہینہ پورے ہونے کے بعد جو بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ نکاح کے بعد کے حمل کا شمار ہوتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں جو بچہ پیدا ہوا ہے، وہ شرعی طور پر نکاح اور حلال کا ہے؛ اس لئے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں کرنا جائز نہیں ہے۔

وإذا تزوج الرجل امرأة فجاء ت بالولد لأقل من ستة أشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه، وإن جاء ت به لستة أشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج، أو سكت. (تاتارخانية، قديم ٤/٧٧، زكريا جديد ٤/٣١١)

وقد اجمع أهل الفتوىٰ من الأمصار على أنه لايحرم على الزاني تزوج على من زنىٰ بها. (فتح الباري، كتاب النكاح، باب مايحل من السناء وما يحرم تحت رقم:٥١٠٥، دار الفكر بيروت ٩/١٥٧، اشرفية ديوبند ٩/١٩٠)

لونكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقاً، والولد له أي إن جاء ت بعد النكاح لستة أشهر. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٤٩، زكريا ٤/١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۶ھ

کیا زنا سے حمل شدہ لڑکی کا نکاح زانی سے درست ہے؟

سوال [۵۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے اور ایک لڑکی میں عشق ہوگیا پھر دونوں نے زنا کرلیا، اس سے حمل قرار پا گیا، تو کچھ لوگوں نے ان دونوں کا نکاح آپس میں کردیا، تو شرعاً یہ نکاح ہوگیا یا نہیں؟ اگر نکاح ہوگیا تو دونوں ایک ساتھ رہ سکتے ہیں اور ہمبستری جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: یوسف علی، جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی طور پر زنا سے حمل شدہ لڑکی کا نکاح زانی مرد کے ساتھ جائز اور درست ہے اور جب اسی مرد سے حمل ٹھہرا ہے، تو نکاح کے بعد دونوں کا ایک ساتھ رہنا اور ہمبستر ہونا جائز ہے۔

وصح نكاح حبلیٰ من زنیٰ لا حبلیٰ من غيره (إلى قوله) **لو نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقاً والولد له ولزمه النفقة.** (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۴۹، زكريا ۴/۱۴۱)

إذا تزوج امرأة قد زنیٰ هو بها وظهر بها حبل، فالنكاح جائز عند الكل، وله أن يطأها عند الكل، وتستحق النفقة عند الكل. (هندية، زكريا ۱/۲۸۰، جديد ۱/۳۴۶، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۴۸۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۰۷۲/۳۳)

ولد الزنا سے نکاح

سوال [۵۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابھی چند روز قبل میں نے اپنی لڑکی کا رشتہ طے کیا ہے، لڑکا خوبصورت برسر روزگار، تعلیم یافتہ فی الحال پنجوقتہ نمازی ہے میری لڑکی بھی دین ودنیا کی تعلیم سے آراستہ اور نمازی ہے؛ لیکن اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ لڑکے کے لڑکی کے ساتھ والدین کے شادی کرنے سے پہلے تعلقات تھے اور یہ بچہ نکاح سے پہلے پیدا ہوا تھا، یہ سن کر میں بہت پریشان ہوں، ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ میری لڑکی کا نکاح اس لڑکے سے درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبید اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکی راضی ہے تو باپ کی مرضی کے مطابق مذکورہ لڑکے کے ساتھ نکاح جائز اور صحیح ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸/۲۱۶)

بعدم جوازه وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد، فلا يفيد الرضا بعده، وأما إذا لم يكن لها ولي، فهو صحيح نافذ مطلقاً اتفاقاً. (شامي، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ۳/۵۷، زكريا ٤/١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۲۶۰/۳۲)

زانی اور مزنیہ کے بیٹے اور بیٹی کا آپس میں نکاح

سوال [۵۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زانی کے بیٹے اور مزنیہ کی بیٹی کا یا اس کے برعکس مزنیہ کے بیٹے اور زانی کی

بیٹی کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سمیع اللہ میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زانی کے بیٹے اور مزنیہ کی بیٹی کا اور اسی طرح مزنیہ کے بیٹے اور زانی کی بیٹی کا نکاح آپس میں جائز ہے۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۴۲۳/۱۶، ڈابھیل ۲۷/۸/۱۱، فتاوی حقانیہ ۴۱۲/۴، کتاب الفتاوی ۳۴۹/۴)

ویحل لأصول الزاني، وفروعه أصول المزني بها وفروعها. (شامي، زكريا٤/١٠٧، كراچي ٣/٣٢، البحر الرائق، زكريا٣/١٧٩، كراچي ٣/١٠١)

ولابأس بأن يتزوج الرجل امرأة، ويتزوج إبنه أمها، أو بنتها. (مجمع الأنهر ١/٤٨١، فقيه الأمت هندية١/٢٧٧، زكريا هندية اتحاد ١/٣٤٢)

ولاتحرم أصولها، وفروعها على ابن الواطي وأبيه كما في المحيط السرخسي. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۷۷/۴۰)

زانیہ وزانی کی اولاد کا باہم نکاح

سوال [۵۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ناجائز تعلقات زاہدہ سے تھے، زید اور زاہدہ دونوں شادی شدہ تھے، دونوں صاحب اولاد بھی ہیں، پھر زید کے لڑکے خالد کے تعلقات زاہدہ کی لڑکی فرزانہ سے ہو گئے، خالد نے چپکے سے گواہان کی موجودگی میں فرزانہ سے نکاح کرلیا۔

اب یہ دریافت کرنا ہے کہ لڑکی سے نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ خالد کے والد کے ناجائز تعلقات فرزانہ کی والدہ سے تھے ہوسکتا ہے کہ یہ انہیں کے نطفہ

سے ہو؛ اس لئے نکاح درست نہیں تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عرفان، امروہہ، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زانیہ کی اولاد کی دو شکلیں ہیں:

(۱) زانیہ غیر شادی شدہ ہے اور اسی زمانہ میں بدکاری کے ذریعہ سے بچہ پیدا ہوا، تو اب اس بچہ کا نکاح زانی کی اولاد کے ساتھ جائز نہیں ہے، اسی طرح زانیہ شادی شدہ ہے، مگر زانیہ کا شوہر سالوں سے گھر سے غائب ہے اور اسی درمیان میں زنا کے نطفہ سے زانیہ سے بچہ پیدا ہوا تو شرعی طور پر یہ بچہ زانیہ کے شوہر کا شمار ہوگا؛ لیکن زنا کے نطفہ سے پیدا ہونے کا یقین ہے؛ اس لئے اس بچہ کا نکاح بھی زانی کی اولاد کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ زانیہ شادی شدہ ہے اور شوہر ہی کے ساتھ رہتی ہے، اسی اثنا میں غیر مرد کے ساتھ ناجائز تعلق کا سلسلہ بھی ہے، تو ایسی صورت میں زانیہ کا بچہ ہر اعتبار سے شوہر ہی کا شمار ہوتا ہے، محض زانی کے نطفہ ہونے کے شبہ کا اعتبار نہیں ہے، تو ایسی صورت میں زانیہ کے لڑکے کا نکاح زانی کی لڑکی سے اسی طرح زانیہ کی لڑکی کا نکاح زانی کے لڑکے کے ساتھ جائز اور درست ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو صورت ہے وہ یہی صورت ہے؛ اس لئے خالد کا نکاح زاہدہ کی لڑکی فرزانہ کے ساتھ شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۳۴۸، ۳۴۹، امداد الاحکام ۳/۲۴۶، احسن الفتاوی ۵/۴۷)

ويحل لأصول الزاني وفروعه، أصول المزني بها و فروعها. (شامي، كراچي ٣/٣٢، زكريا ٤/١٠٧، هكذا في البحرالرائق، زكريا٣/١٧٩، كوئٹه ٣/١٠١)

ولاتحرم أصولها وفروعها على ابن الواطي وأبيه. (الموسوعة الفقهية الكويتيه٦ ٣/٢١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۶۰)

زانی کی اولاد کا مزنیہ کی اولاد سے نکاح

سوال [۵۵۰۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زاہد نے عابد کی بیوی سے زنا کیا، زانی اور مزنیہ دونوں شادی شدہ ہیں دونوں کی اولادیں ہیں۔ اب زانی اپنے لڑکے کی شادی مزنیہ کی لڑکی سے کرنا چاہتا ہے، تو اس طرح نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فیاض احمد، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زانی اپنے لڑکے کی شادی مزنیہ کی لڑکی سے کرنا چاہے تو شرعاً جائز ہے۔

ویحل لأصول الزاني وفروعه، أصول المزني بها و فروعها. (البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، کوئٹہ ۳/ ۱۰۱، زکریا ۳/ ۱۷۹، شامي، زکریا ٤/ ۱۰۷، کراچي ۳/ ۳۲)

ولاتحرم أصولها و فروعها علی ابن الواطي وأبیه. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٦/ ٢١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۰ھ

زانی اور مزنیہ کے فروع کا نکاح

سوال [۵۵۰۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے ایک بالغہ لڑکی کی پستان کو بہ شہوت چھوا یعنی مس کیا جماع نہیں کیا، اس کی لڑکی کا نکاح بکر کے فرزند سے جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم کانکی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستفتی کے توجہ دلانے کا بہت بہت ممنون اوراحسان ہے۔ ۲۹/ذی الحجہ۱۴۳۰ھ کے لکھے ہوئے جواب میں احقر کومغالطہ ہوا ہے؛ اس لئے نئے سرے سے دوبارہ جواب لکھا جارہا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ زانی اور زانیہ اورلامس اورممسوسہ کی حرمت مصاہرت کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ زانی اورلامس کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں، اسی طرح زانیہ اورممسوسہ کے لئے زانی اورلامس کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں؛ لیکن ان دونوں کا آپس میں نکاح جائز ہے اورلامس اورزانی کی دوسری بیوی کے بطن کی اولاد کے لئے زانیہ اورممسوسہ کے بطن کی دوسرے شوہر کی اولادوں کے درمیان حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی؛ بلکہ ان کے درمیان آپس میں مناکحت جائزاوردرست ہے۔

حتی لوزنا بامرأة حرمت عليه أصولها، و فروعها، وحرمت المزنية على أصوله وفروعه، ولاتحرم أصولها و فروعها على ابن الواطي وأبيه. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، درالكتب العلمية بيروت ٤٨١/١، قديم ٣٢٦/١)

وفي تجنيس خواهرزاده: ولايحرم على ولد الواطي، ولا على أبيه ولد الموطؤة، ولا أمهاتها. (تاتاخانية، زكريا ٤٩/٤، رقم:٥٤٨٩)

ويحل لأصول الزاني وفروعه، أصول المزني بها وفروعها. (شامي، زكريا ١٠٧/٤، كراچي ٣٢/٣، البحرالرائق، كوئٹه ١٠١/٣، زكريا٣/ ١٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۱۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۵ھ

کیا زانی مزنیہ کے فروع کا آپس میں نکاح درست ہے؟

سوال [۵۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ خالدہ نے شاکر کے نکاح میں رہتے ہوئے زید سے ناجائز تعلقات کر لئے، جس کے نتیجے میں ایک لڑکی پیدا ہوئی، جب یہ لڑکی بڑی ہوئی تو زید نے جو زانی ہے اپنے لڑکے سے اس مزنیہ خالدہ کی اس زنا سے پیدا شدہ لڑکی سے نکاح کر دیا معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ نکاح درست ہے؛ جبکہ شاکر منع کرتا ہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے، اگرچہ خالدہ میرے نکاح میں ہے اور خالدہ بھی یہی کہتی ہے کہ اس ناجائز زید سے تعلقات کی وجہ سے یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے، ان حالات میں خالدہ مزنیہ منکوحہ کی لڑکی کا نکاح زید زانی کے لڑکے سے درست ہے؟

(۲) زنا سے پیدا شدہ بچہ کا نسب جبکہ مزنیہ شادی شدہ ہے، کس سے ثابت ہوگا۔

(۳) شاکر جب اپنی بیوی سے پیدا شدہ بچہ کا انکار کرتا ہے، تو کیا لعان کا حکم ہوگا اور کیا ہندوستان میں لعان ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد محسن نہٹور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) خالدہ اور زید کے درمیان میں بدکاری کا جو واقعہ پیش آیا ہے، جس کے دونوں اقراری بھی ہیں، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو دونوں کو سنگسار کر کے جان سے مارنے کا حکم دیدیا جاتا اور یہ واقعہ خالدہ کے شاکر کے نکاح میں رہنے کے درمیان میں پیش آیا ہے؛ اس لئے خالدہ سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ شرعاً شاکر ہی کی لڑکی ہوگی اور زید کا جو لڑکا اس کی بیوی سے پیدا ہوا ہے اس کا نکاح خالدہ کی مذکورہ لڑکی کے ساتھ شرعاً جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ زانی اور مزنیہ کی اولادوں کے درمیان حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی اور ان کا آپس میں نکاح جائز ہے، ہاں البتہ خود زانی کے لئے مزنیہ کے اصول وفروع اور اسی طرح مزنیہ کے لئے زانی کے اصول وفروع حرام ہیں۔

وفي تجنيس خواهرزاده: ولايحرم على ولد الواطي، ولا على أبيه

ولد الموطؤة، ولا أمهاتها. (تاتار خانية، جديد زكريا ٤/٤٩، رقم:٥٤٨٩، الفصل السابع في اسباب التحريم، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨١)

حتى لوزنا بامرأة حرمت عليه أصولها، و فروعها، وحرمت المزنية على أصوله وفروعه، ولاتحرم أصولها و فروعها على ابن الواطي وأبيه. (مجمع الأنهر، قديم ١/٣٢٦)

ويحل لأصول الزاني وفروعه، أصول المزني بها وفروعها. (شامي، زكريا ديوبند ٤/١٠٧، كراچي ٣/٣٢)

(۲) اگر مزنیہ سے شادی کے چھ مہینے کے بعد مذکورہ بچہ پیدا ہوا ہے تو شرعاً وہ بچہ اسی شوہر کا شمار ہوگا، اسی سے اس کا نسب ثابت ہوگا۔

عن عائشةؓ كان عتبة عهد إلى أخيه سعد أن ابن وليدة زمعة مني فاقبضه إليك، فلما كان عام الفتح أخذه سعد قال: ابن أخي عهد إلي فيه فقام عبد بن زمعة، فقال اخي و ابن وليدة أبي ولد على فراشه، فتساوقا إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال النبي صلى الله عليه وسلم هولك يا عبد بن زمعة الولد للفراش، وللعاهر الحجر. (بخاري، كتاب الفرائض، باب الولد للفراش ٢/٩٩٩، رقم:٦٤٩٢، ف:٦٧٤٩)

(۳) لعان کے جاری کرنے کے لئے بہت سی شرائط ہیں، جن میں سے ایک اہم شرط دار الاسلام کا ہونا ہے؛ لہٰذا ہندوستان جیسے ملک میں لعان کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔

ويشترط في القاذف خاصة –إلى قوله– وكونه في دار الإسلام. (شامي، كتاب الطلاق، باب اللعان، كراچي ٣/٤٨٣، زكريا ٥/١٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۳۲/۳۹)	۱۴۳۱/۷/۸ھ

ممسوسہ کی لڑکی سے اپنے لڑکے کا نکاح کرنا

سوال [۵۵۱۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر اور ہندہ کے درمیان ناجائز تعلق قائم تو نہیں ہوا، مگر بکر ہندہ کے جسم سے لطف اندوز ہوا، بوس وکنار کیا۔ اب بکر یہ چاہتا ہے کہ اپنے بیٹے کا نکاح ہندہ کی لڑکی سے کردے، تو کیا یہ نکاح درست ہے یا غلط؟

المستفتی: افتخار احمد، ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکر کے ہندہ کے جسم سے لطف اندوز ہونے اور بوس وکنار ہونے کے نتیجے میں بکر کے لئے ہندہ کے اصول وفروع اور ہندہ کے لئے بکر کے اصول وفروع تو حرام ہوگئے؛ لیکن بکر کے بیٹے کا نکاح ہندہ کی لڑکی کے ساتھ جائز اور درست ہے۔

في الشامية: ويحل لأصول الزاني وفروعه، أصول المزني بها وفروعها. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات كراچي ۳۲/۳، زكريا ۱۰۷/٤)

ولايحرم على ولد الواطي، ولا على أبيه ولد الموطؤة، ولا أمهاتها. (تاتاخانية، زكريا ٤/٤٩، رقم: ٥٤٨٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤٨١/١، البحرالرائق كوئٹه ١٠١/٣، زكريا ١٧٩/٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١٤/٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۱۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۶ھ

زانیہ بیوی کو رکھنے اور اس کے حمل و اسقاط کا حکم

سوال [۱۱۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کا کسی غیر آدمی سے ناجائز تعلق ہوگیا ہے، زید نے اپنی بیوی کو اس غیر آدمی کے ساتھ سینما میں بیٹھے ہوئے دیکھا زید نے اپنی بیوی سے اس غیر آدمی کے ساتھ تعلق کے بارے میں پوچھا تب بیوی نے بھی تعلق ہونے کا اقرار کیا، زید اور اس کی بیوی کو غیر آدمی کے حمل ہونے کا امکان ہے، ایسی صورت میں زید اپنی بیوی کو اپنے نکاح اور اپنے ساتھ رکھ کر از روئے شرع گنہگار تو نہیں ہوگا؟

(۲) مندرجہ بالا حمل کو ضائع کرنا چاہئے یا نہیں جو کہ یقینی غیر شخص کا ہے؟

المستفتی: ریاست حسین خاں، محلّہ جمنی، قصبہ اسلام نگر، بدایوں (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے اوپر لازم تھا کہ بیوی کو سینما جانے سے روکے بیوی کو اس طرح آزاد چھوڑنے کی وجہ سے زید بھی گنہگار ہوگا۔

مذکورہ حالات میں زید اپنی بیوی کو شرعاً اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے، جو اولاد پیدا ہوگی، وہ شرعاً زید کی ہوگی حدیث میں آتا ہے۔

عن عائشةؓ ـ قال النبي صلى الله عليه وسلم: ......هولك يا عبد بن زمعة، الولد للفراش، وللعاهر الحجر. الحديث (بخاري ۲/۹۹- ٦٤٩٢، ف: ٦٧٤٩)

لہٰذا زید پر بیوی کا نان ونفقہ واجب رہے گا اور جو بچہ پیدا ہوگا اس کی پرورش کا انتظام بھی اس پر واجب ہوگا، وہ شرعاً زید ہی کا بچہ ہے۔

(۲) حمل کا ضائع کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴/۱۹۵)

يكره أن تسقي لإسقاط حملها (إلى قوله) قبل التصور وبعده. (شامي، كتاب الحظر و الإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٩، زكريا ٩/٦١٥)

العلاج لا سقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر، و الظفر و نحوهما لا يجوز. (هندية، زكريا ٥/٣٥٦، جديد ٥/٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المعظم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۲۸۶)

مزنیہ سالی کی لڑکی سے زانی کے لڑکے کا نکاح

سوال [۵۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے اپنی سالی سے تعلق کی وجہ سے ایک لڑکا ہوا ہے، تو کیا زید اپنی حقیقی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے کرسکتا ہے؟

دوسرے رشتہ داروں کو چونکہ یہ معلوم نہیں کہ یہ لڑکا اور لڑکی ایک مرد کے نطفہ سے ہیں؛ اس لئے ان کو اسی رشتہ پر اصرار ہے؛ جبکہ زید اور اس کی سالی حقیقت سے واقف ہیں؛ اس لئے وہ اس شادی سے راضی نہیں؛ لیکن رشتہ داروں اور بڑوں کے دباؤ سے اس رشتہ پر مجبور ہیں۔ کیا شرعاً یہ رشتہ درست ہے؟

المستفتی: محمد وسیم کانکی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے اپنی سالی سے جوزنا کیا اس سے جو لڑکا پیدا ہوا ہے، اس لڑکے کا نکاح زید کی حقیقی بیٹی سے درست ہے۔

إن البنت من الزنا لا تحرم على عم الزاني، وخاله –إلى قوله– وأما التحريم على آباء الزاني، وأولاده، فلاعتبار الجزئية، ولاجزئية بينها و بين العم، والخال. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٢٩، زكريا ٤/١٠٣)

ولا یحرم علی الواطي ولا علی أبیه ولد الموطوءة ولا أمهاتها الخ. (تاتار خانیة، جدید ۹/٤ ٤، رقم:٥٤٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۱۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۵ھ

مکرہ علی الزنا سے نکاح

سوال [۵۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً ۱۶/۱۷ سال ہوگی، اس سے ایک بات سرزد ہوگئی (زنا بالجبر) کیا ایسی عورت کے ساتھ نکاح درست ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کا حمل گرا دیا گیا کیا ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں؟ اس کا جواب مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: قاری محمد میاں جان القاسمی، گھوسیاں توپ خانہ روڈ، گھوسی والی مسجد، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس عورت سے نکاح شرعاً درست اور صحیح ہے۔

وصح نکاح حبلیٰ من زنا لاحبلیٰ من غیرہ. (در مختار، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، کراچي۳/٤٨، زکریا٤/١٤١)

وصح نکاح حبلیٰ من زنا، عند الطرفین وعلیه الفتویٰ لدخولها تحت النص. (مجمع الأنهر، باب المحرمات، دارالکتب العلمیة بیروت ١/٤٨٥)

وان تزوج حبلیٰ من زنا جاز النکاح. (هدایة، اشرفي دیوبند ٢/٣١٢، هندیة، زکریاقدیم ١/٢٨٠، زکریا جدید ١/٣٤٦، قاضي خان علی الهندیة، زکریا١/٣٦٦، جدید ١/٢٢١، البحرالرائق، کوئٹه ٣/١٠٦،

زکریا۳/۱۸۷،تاتارخانیة، زکریا ٤/٦٧، رقم:٥٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر:الف۲۴؍۹۱۳)

بہنوئی سے حاملہ سالی کا بھائی سے نکاح

سوال [۵۵۱۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی کی بہن فاطمہ سے صحبت کر لیتا ہے،اور فاطمہ کواس صحبت سے حمل ٹھہر جاتا ہے، پھر زید اپنی سالی فاطمہ کا نکاح اپنے بھائی بکر سے کر دیتا ہے،تو کیااس طرح سے فاطمہ کا نکاح بکر سے درست ہے؟

المستفتی: محمد مرتضی اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر فاطمہ کوزنا سے حمل ٹھہر گیاہے،تواس حال میں بکر کے ساتھ شرعاً نکاح درست ہوگا؛البتہ وضع حمل سے پہلے پہلے بکر کے لئے فاطمہ کے ساتھ وطی کرنا جائزنہیں ہوگا۔

وصح نكاح حبلىٰ من زنا لاحبلىٰ من غيرہ–إلى الزاني لثبوت نسبه الخ

(در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي٣/٤٨، زكريا٤/١٤١)

وصح نكاح حبلىٰ من زنا، عند الطرفين وعليه الفتوىٰ لدخولها تحت النص. (مجمع الأنهر، باب المحرمات، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٥)

وان تزوج حبلىٰ من زنا جاز النكاح، ولايطأها حتى تضع حملها.

(هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣١٢، هندية، زكريا ١/٢٨٠، جديد ١/٣٤٦، قاضي خان على الهندية، زكريا١/٣٦٦، جديد ١/٢٢١، الفتاوى تاتارخانية، زكريا٤/٦٧،

رقم:٥٥٤٨، البحرالرائق، کوئٹه ٣/١٠٦، زکریا٣/١٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۷۱۰/۲۵)

حالت حیض میں نکاح

سوال [۵۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حیض کی حالت میں نکاح کرانا درست ہے یا نہیں؟ حیض کی حالت معلوم ہو یا نہ ہو بہر دوصورت جو مسئلہ ہو جواب سے سرفراز فرمائیں۔

المستفتی: عابد حسین، محلّہ نیو بستی انصار کلاں، قصبہ نرولی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حیض کی حالت میں بلا کراہت اور بلاشبہ نکاح منعقد ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ حیض صرف مانع جماع ہے، مانع نکاح نہیں ہے۔

فَاعْتَزِلُوْا النِّسَآءَ فِيْ الْمَحِيْضِ . [بقرہ:٢٢٢]

عن المسور بن مخرمة أن سبيعة الأسلمية نفست بعد وفاة زوجها بليال، فجاء ت النبي صلى الله عليه وسلم، فاستأذنته أن تنكح، فأذن لها فنكحت. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب واولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن، النسخة الهندية ٢/٨٠٢، رقم:٥١١٩، ف:٥٣٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۰۱۷/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۱ھ

حیض کی حالت میں نکاح

سوال [۵۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک لڑکی کے منع کرنے پر کہ ابھی نکاح کی یہ تاریخ مت رکھئے؛ کیونکہ اس کو ایم سی ہورہی ہے، اس کی والدہ نے وہی تاریخ رکھدی اور دوران ایم سی اس کا نکاح پڑھا دیا گیا، کیا نکاح ہوگیا یا نہیں یا اب کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد شاہنواز، چندوسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایم سی سے مراد حیض اور ماہواری ہے، تو حالت حیض میں عقد نکاح کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۷۸/۳، جدید ڈابھیل ۱۱/۱۱۶)

عن المسور بن مخرمة أن سبيعة الأسلمية نفست بعد وفاة زوجها بليال، فجاءت النبي صلى الله عليه وسلم، فاستأذنته أن تنكح، فأذن لها فنكحت. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب واولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن، النسخة الهندية ٢/ ٨٠٢، رقم: ٥١١٩، ف: ٥٣٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱۸۵/۲۸)

(۱۵) باب من لا یحل نکاحه

غیر مقلد کے ساتھ حنفی لڑکی کا نکاح

سوال [۵۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جولوگ پہلے سے غیر مقلد ہیں یعنی بیوی والے غیر مقلدین ہیں اور جن سے شرعی وفروعی مسائل میں بہت سخت اختلافات ہوتے رہتے ہیں، ان کے ساتھ رشتے ناطے منگنی بیاہ وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ اس طرح خواہش نفس کے تابع ہوکر مسلک کی تبدیلی جائز ہے یانہیں؟ مفصل جواب مع دلائل مطلوب ہے۔

المستفتی: لیاقت علی ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر ملقدین کے ساتھ حنفی لڑکی کا نکاح نہیں کرنا چاہئے ورنہ بعد میں مختلف پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں اور وہ حنفی کے ہم کفونہیں ہے، اس طرح خواہش نفس کے تابع ہوکر غیر مقلد بن جانا شریعت کا مذاق اڑانا ہے، یہ زبردست گناہ عظیم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۹۸/۵)

لیس للمقلد الرجوع عن مذهبه. (شامي، كتاب الطلاق، باب التعليق، كراچي ۳/ ۳٤۸، زكريا٤/ ٥۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۰۲۹/۲۸)

غیر مقلد عورت سے نکاح

سوال[۵۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ غیر مقلدین کی عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد آفتاب عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر ایمان والی عورت سے نکاح درست ہے اور غیر مقلد عورت سے بھی نکاح کرنا جائز ہے؛ لیکن شریعت نے آپس میں جو کفو کا اعتبار کیا ہے، وہ آپس میں نبھاؤ کے پیش نظر ہے؛ اس لئے مقلد کے گھر میں غیر مقلد عورت کا نبھاؤ ہو سکے گا یا نہیں خود صاحب معاملہ اس سلسلہ میں سوچ لیں۔

عن عائشةؓ، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تخيروا لنطفكم وانكحوا الأكفاء، وانكحوا إليهم. (ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الأكفاء، النسخة الهندية ١/١٤١، دارالسلام رقم:١٩٦٨، المستدرك، كتب النكاح، قديم٢/١٦٣، مكتبه نزار مصطفیٰ رقم:٢٦٨٧)

عن جابرؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إن المرأة تنكح على دينها، ومالها، وجمالها، فعليك بذات الدين تربت يداك. (ترمذي، كتاب النكاح، باب ماجاء أن المرأة تنكح على ثلاث خصال، النسخة الهندية ١/٢٠٧، دارالسلام رقم:١٠٨٦، مسند الدارمي، دارالمغني ١٣٨٧/٣، رقم:٢٢١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۳۵/۳۹)

حنفی المسلک کا شیعہ سے نکاح

سوال [۵۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زینب مذہباً اہل سنت وحنفی المسلک ہے، اس نے ایک شیعہ اثنا عشریہ شخص

مسمی محمود سے مطابق مذہب اہل سنت نکاح کرلیا۔ اور لکھنؤ کے مطبوعہ نکاح نامہ مصدقہ فرنگی محل کی خانہ پوری کر کے دونوں نے اس پر دستخط کر دیئے تھے، پھر ایک سال تک تعلقات زن وشوہر قائم رہے، اس دوران مسماۃ زینب کو خلفاء ثلاثہ کے خلاف کتب شیعہ محمود لا کر دیتا رہا اور پڑھنے کی ہدایت کرتا رہا اور کچھ نہیں کہتا، مسماۃ زینب کو محمود کی یہ باتیں سخت ناگوار ہوتیں، اسی دوران جب ایک عالم صاحب سے معلوم ہوا کہ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ شیعہ اسلام سے خارج ہے، تو مسماۃ زینب نے محمود سے قطع تعلق کرلیا اور اپنے شوہر محمود سے طلاق لینے کی کوشش کرتی رہی، مگر محمود طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہو رہا ہے، اس قطع تعلق کا عرصہ تین سال کا ہوگیا ہے؛ اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسماۃ زینب سنی المذہب کا نکاح مسمی محمود کے ساتھ جو ہوا تھا، وہ شرعاً منعقد ہوا یا نہیں اور اگر شرعاً منعقد ہوا، تو فسخ نکاح کے لئے کسی شرعی عدالت میں مسماۃ زینب رجوع کرے، تو شرعی عدالت کو اس نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر مسماۃ زینب کا محمود کے ساتھ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا، تو کیا بدون فسخ نکاح وخلع وطلاق حاصل کئے بغیر کسی دوسرے سنی المذہب سے نکاح کرلے، تو وہ نکاح عند اللہ جائز اور صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف معرفت کیمرج مشن ہائی اسکول، کنگھی والی نخاص لکھنؤ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیعہ اثنا عشریہ باجماع امت کافر اور مرتد ہیں؛ اس لئے زینب سنیہ کا نکاح شیعہ محمود کے ساتھ شرعاً منعقد نہ ہوا؛ لہٰذا زینب بدون طلاق وخلع حاصل کئے دوسرے سنی لڑکے سے نکاح کرسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۱۷۲، فتاوی رشیدیہ قدیم ۴۶۹، جدید زکریا ۴۴۵، امداد الفتاوی ۲/۲۲۷)

مگر فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے عدالت میں جا کر نکاح فسخ کرایا جائے تاکہ آئندہ کسی قسم کے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہی نہ رہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/۱۶، جدید زکریا ۹/۱۷۱، امداد الفتاوی ۲/۲۲۹)

أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في على أوأن حبرئيل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديقؓ، أو يقذف السيدة الصديقة، فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة. (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٤٦، زكريا ٤/١٣٥)

نعم لا شک في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها، أو أنكر صحبة الصديقؓ، أواعتقد الألوهيه في علي أو أن جبرئيل غلط في الوحي، أو نحو ذلک من الكفر الصريح المخالف للقرآن. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، كراچي ٤/٢٣٧، زكريا ٦/٣٧٨، هندية، زكريا ٢/٢٦٤، جديد ٢/٢٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۳۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۶/ ۱۴۱۸ھ

سنی لڑکے اور شیعہ لڑکی کا نکاح

سوال [۵۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا سنی ہے اور ایک لڑکی شیعہ ہے، ان دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے یا نہیں؟ کیا دونوں کو اپنی اپنی حالت پر رہتے ہوئے ازدواجی زندگی گذارنا جائز ہے یا شیعہ لڑکی کو سنی بننا پڑے گا؟

المستفتی: عبد المجید مشتاق منزل کپور کمپنی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے ہندوستان میں جتنے شیعہ ورافضی رہتے ہیں، وہ سب کے سب غالی شیعہ ورافضی کہلاتے ہیں، ان کے عقائد باطلہ کی بناپر ان کوفرقہ

ضالہ میں شمار کیا گیا؛ اس لئے اہل سنت والجماعت کے اکثر فقہائے نے ان کے عقائد باطلہ کی بنا پر ان کے ساتھ رشتے ناطے اور ان کے ساتھ نکاح کو ناجائز اور فاسد لکھا ہے؛ اس لئے شیعہ لڑکی کے ساتھ سنی لڑکے کا نکاح اس وقت تک درست نہ ہوگا؛ جب تک کہ وہ شیعہ لڑکی سنی نہ بن جائے اور سنی بننے کے بعد آپس میں نکاح درست ہوجائے گا۔

الرافضي إذا كان يسب الشيخين، ويلعنهما ''العياذ بالله'' فهو كافر الخ ويجب إكفار الروافض في قولهم برجعة الاموات إلى الدنيا إلى آخره، وهولاء القوم خارجون عن ملة الإسلام، وأحكامهم وأحكام المرتدين.

(عالمگيري، كتاب السير، التاسع في أحكام المرتدين، مطلب موجبات الكفر أنواع، زكريا ٢/ ٢٦٤، جديد ٢/ ٢٧٦-٢٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۰۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۱۳ھ

شیعہ لڑکی کو سنی سمجھ کر نکاح کرنا

سوال [۵۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد ناصر نے ایک سال قبل دوران ملازمت دہلی میں ایک لڑکی سے سنی مسلمان سمجھتے ہوئے نکاح کیا اور اس سال ماہ محرم میں پتہ چلا کہ وہ شیعہ ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ناصر کا اس لڑکی سے نکاح درست ہوا یا نہیں؟'' اور اب محمد ناصر اس لڑکی کے ساتھ رہ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: معظم علی چاندوالی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس لڑکی سے آپ نے سنی مسلمان سمجھ کر

نکاح کیا تھا، وہ اگر شیعہ تفضیلی ہے، تو اس سے نکاح درست ہو گیا؛ لیکن اگر وہ شیعہ غالی ہے یعنی حضرت علیؓ کی الوہیت، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم پر سب وشتم اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگاتی ہے، تو اس سے نکاح ہی نہیں ہوا، اس کے ساتھ رہنا درست نہیں ہے؛ لہٰذا اس سے فوراً علیحدگی حاصل کر لی جائے۔

وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي، أوأن جبرئيل غلط في الوحي، أو كان ينكر صحبة الصديق، أويقذف السيدة الصديقة، فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة بخلاف ما إذا كان يفضل علياً ويسب الصحابة، فإنه مبتدع لا كافر. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٤٦، زكريا ٤/١٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۸۳)	۱۱/۵/۱۴۳۵ھ

سنی لڑکے کا جبراً غالی شیعہ کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال [۵۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سنی لڑکے کا نکاح شیعہ اثناء عشری لڑکی کے ساتھ کر دیا گیا؛ حالانکہ نکاح کے موقع پر لڑکے کے والدین موجود نہ تھے اور نہ ہی انہیں کسی بات کا علم تھا اور نہ ہی انہیں بلوایا گیا، لڑکی کے ورثاء نے اپنی مرضی سے نکاح کر دیا، تو کیا یہ نکاح از روئے شرع ہوا یا نہیں؟ مسئلہ کی شرعی وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں فرما دیں۔

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شیعہ غالی اثناعشریہ ہیں، جو حضرت صدیق اکبرؓ

اور حضرت عمرؓ پر لعن طعن کریں اور ان دونوں کی صحابیت کا انکار کریں اور حضرت عائشہؓ پر تہمت کے قائل ہوں، تو یہ عملاً نص قطعی کا بھی انکار ہے، جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج ہیں، ان کی لڑکیوں کے ساتھ مسلمان سنی لڑکے کا نکاح درست نہیں ہے؛ لہٰذا اگر وہ لڑکی شیعیت سے توبہ کر کے سنیت میں داخل ہوجاتی ہے، تو اس کے بعد نکاح درست ہوسکتا ہے، اس کے بغیر اس لڑکی کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے؛ لہٰذا اس لڑکے کو اس لڑکی کے ساتھ رہنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۱/۴۵۶)

نعم لاشک في تکفیر من قذف السیدة عائشةؓ، أو أنکر صحبة الصدیقؓ، أو اعتقد الألوهیة في عليؓ، أو أن جبرئیلؑ غلط في الوحي، أو نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن. (شامي، کتاب الجهاد، باب المرتد، کراچي ٤/٢٣٧، زکریا ٦/٣٧٨)

أن الرافضي إذا کان یسب الشیخین و یلعنهما فهو کافر. (شامي، کراچي، ٤/٢٣٧، زکریا٦/ ٣٧٧)

ولا یجوز للمرتد أن یتزوج مرتدة ولا مسلمة، ولا کافرة أصلیة، وکذا لایجوز نکاح المرتد مع أحد. (هندیة، زکریا قدیم ١/ ٢٨٢، زکریا جدید ١/ ٣٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۵ھ

کیا شیعہ سے سنی کا نکاح ہوسکتا ہے؟

سوال [۵۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا موجودہ دور کے شیعہ حضرات سے اپنی لڑکی اور اپنا لڑکا یا شیعہ لڑکا کا سنی لڑکی کا ازدواجی رشتہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نجم الحسن، ڈبل پھاٹک، رامپور روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شیعوں کے جن فرقوں کے عقائد کفریہ ہیں مثلاً حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی تکفیر کا عقیدہ یا حضرت عائشہؓ پر تہمت کو سچا سمجھنا یا حضرت جبرئیلؑ کے بارے میں وحی لانے کے بارے میں غلطی کا اعتقاد رکھنا وغیرہ کفریہ عقائد تو ایسے شیعہ بلا شبہ کافر ہیں اوران سے سنی لڑکے لڑکی کا نکاح جائز نہیں ہے اوراگر عقائد کفریہ نہ ہوں؛ بلکہ ضلالت وگمراہی کی حد تک ہوں، جیسے حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ،عمرؓ سے افضل سمجھنا وغیرہ عقائد تو ایسا شیعہ کافر نہیں؛ بلکہ فاسق وگمراہ ہے اورایسے شیعہ کے ساتھ مسلمان سنی لڑکے لڑکی کا نکاح منعقد ہوجاتا ہے؛ لیکن نکاح کرتے وقت رشتہ میں دینداری کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے اورشریعت نے آپس میں جو کفوٴ کا مسئلہ رکھا ہے، وہ آپس میں نبھاوٴ کے پیش نظر رکھا ہے؛ اس لئے اگر نبھاوٴ نہ ہونے کا خطرہ ہو تو ہم مسلک لوگوں ہی میں اولاد کا رشتہ کرنا چاہئے۔

أن الرافضي إذا كان يسب الشيخين و يلعنهما فهو كافر. (شامي، كتاب الجهاد، باب المرتد، كراچي، ٤/ ٢٣٧، زكريا ٦/ ٣٧٧)

نعم لاشک في تكفير من قذف السيدة عائشةؓ، أو أنكر صحبة الصديقؓ، أو اعتقد الألوهية في عليؓ، أوأن جبرئيلؑ غلط في الوحي، أو نحو ذلک من الكفر الصريح المخالف للقرآن. (شامي، كراچي ٤/ ٢٣٧، زكريا ٧/ ٣٧٨)

ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، فلايجوز إنكاح المسلمة الكافرة. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٥٥٤، دارالكتب العلمية بيروت، ٣/ ٤٦٥)

لايجوز للمسلم أن ينكح المشركة. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٥٥٢، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٦٨)

الكفاء ة معتبرة في باب النكاح......والخامس: التقوىٰ، و الحسب حتى لايكون الفاسق كفواً للعدل عند أبي حنيفة. (الفتاوى التاتارخانية ٤/ ١٣١-١٣٧، رقم: ٥٧٣٣، ٥٧٥٣)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تخيروا لنطفكم، فانكحوا الأكفاء وانكحوا إليهم. (ابن ماجة، كتاب النكاح، باب الأكفاء، النسخة الهندية ١/ ١٤١، دارالسلام رقم: ١٩٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۸۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۱۷ھ

شیعہ عورت سے نکاح، اس سے پیدا شدہ بچوں کے نسب اور وراثت کا حکم

سوال [۵۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا شیعہ عورت سے نکاح جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو اس سے پیدا شدہ بچوں کا کیا حکم ہے؟ اور جس صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت سے وہ بچے پیدا ہوئے ہیں، اس کے مال میں ان کا حق ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں جتنے شیعہ رہتے ہیں وہ سب شیعہ غالی اور تبرائی ہیں، جو حضرات شیخینؓ کو مرتد کہتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک) اور گالیاں دیتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت کے قائل ہیں، جس سے قرآن کریم کی نص قطعی کا انکار لازم آتا ہے اور یہ شیعہ اثناء عشریہ ہیں، جو غالی تبرائی ہیں، ان کے ساتھ سنی مرد وعورت کا نکاح فاسد ہو جاتا ہے؛ لیکن ان سے جو اولاد ہوتی ہے وہ شرعاً ثابت النسب ہوتی ہے اور وہ اولاد سنی باپ کے تابع ہو جائے گی؛ اس لئے کہ اولاد خیر الابوین کے تابع ہوتی ہے، اگر مرد شیعہ ہے اور عورت سنی ہے، تو پھر اولاد ماں کے تابع ہو جائے گی اور یہ اولاد سنی ماں باپ کی وارث بھی ہو جائے گی۔ (مستفاد: باقیات فتاوی رشیدیہ ۲۴۴)

نعم لاشك في تكفير من قذف السيدة عائشةؓ، أو أنكر صحبة الصديقؓ،

أو نحو ذلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن. (شامي، کتاب الجهاد، باب المرتد، کراچي ٤/ ٢٣٧، زکریا٦/ ٣٧٨)

بخلاف ما إذا کان یفضل علیاً أو یسب الصحابةؓ، فإنه مبتدع لا کافر. (شامي، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، کراچي٣/ ٤٦، زکریا دیوبند ٤/ ١٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۹۶)

قادیانی کا سنی عورت سے نکاح اور اولاد کا حکم

سوال [۵۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ اگر مرد قادیانی ہے اور عورت قادیانی نہیں ہے، تو ان کا نکاح آپس میں درست ہے یا نہیں؟

(۲) نیز ان سے پیدا شدہ اولاد کیسی ہے؟

(۳) اگر ان سے پیدا شدہ لڑکا یہ کہے کہ میں قادیانی نہیں ہوں؛ لیکن اپنے باپ سے میل جول رکھے اور ان کے قادیانی ہونے کی وجہ سے ان سے قطع تعلق نہ رکھے؛ بلکہ کھانے پینے، رہنے سہنے، کاروبار سب میں شریک رہے، تو آیا اس لڑکے کی بات مانی جائے گی یا نہیں؟

(۴) اور اگر اس لڑکے سے کسی سنی لڑکی کی شادی کی جائے تو نکاح درست ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد ارشد القاسمی، مدرسہ رحمانیہ مسجد سرائے پختہ فیض آباد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) قادیانی اہل سنت وجماعت کے فتوی کے

مطابق اسلام سے خارج ہے؛ اس لئے قادیانی کا نکاح سنی عورت کے ساتھ منعقد نہیں ہوتا ہے؛ لیکن اس سے جو بچہ پیدا ہوا ہے، وہ اگر صحیح العقیدہ ہے جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ مذکورہ لڑکا صحیح العقیدہ مسلمان ہے؛ اس لئے اس کا نکاح سنی لڑکی کے ساتھ صحیح ہوجائے گا۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/۳۳۰، جدید ڈابھیل ۱۱/۴۶۰)

(۲) لڑکا جب یہ کہہ رہا ہے کہ میں قادیانی نہیں ہوں، تو اس کی بات معتبر مانی جائے گی اگرچہ باپ کے ساتھ مذکورہ امور میں شریک کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/۳۳۰، جدید ڈابھیل ۱۱/۴۶۰)

(۳) سنی لڑکی کا اس صحیح العقیدہ لڑکے سے نکاح صحیح ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/۳۳۰، جدید ڈابھیل ۱۱/۴۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۲/۱۴۱۴ھ

اہل قرآن کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ماں اپنے لڑکے کا نکاح ایک اہل قرآن صاحب کی لڑکی سے کرانا چاہتی ہیں، لڑکے کو ماں کی بات ماننی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: رئیسہ بیگم، محلّہ کٹارشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت میں ماں کی بات ماننا اور ماں کو راضی رکھنا لڑکے پر ضروری ہوتا ہے؛ لیکن بعض معاملات میں شریعت نے ماں کی بات پر لڑکے کی مرضی کو فوقیت دی ہے، ان میں سے ایک نکاح بھی ہے کہ اگر کوئی لڑکی ماں کو پسند ہے اور لڑکے

کو پسند نہیں ہے، تو لڑکے کی پسند کو فوقیت دی جائے گی اور ماں کی پسند کو رد کر دیا جائے گا۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:
فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ [سورة النساء۳:]
مرد اپنی پسند سے شادی کرے گا اور حدیث میں آیا ہے مرد لڑکی کو خود دیکھ کر پسند کر سکتا ہے۔
عن المغيرة بن شعبة رضؓ**، أنه خطب امرأة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أنظر إليها، فإنه أحرىٰ أن يؤدم بينكما.** (سنن الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء في النظر إلى المخطوبة، النسخة الهندية ۱/۲۰۷، دارالسلام رقم: ۱۰۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۶۹)

عیسائی رسم ورواج کے مطابق شادی کرنا

سوال [۵۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید میری بیوی کا بھائی (سالا) ہے جو کہ پیشہ کے لحاظ سے ایک ڈاکٹر ہے اور سردست سعودی عربیہ میں نوکری کرتا ہے، سال گذشتہ ممبئی میں ایک عیسائی لڑکی (کرسچن) کو مسلمان کرانے کے بعد مولانا منصور صاحب کے ذریعہ سے نکاح پڑھوایا، پھر دو چار روز کے بعد ہی اسی کرسچن لڑکی سے (شاید لڑکی کے والدین کی خوشی کے خاطر) دوبارہ عیسائی رسم و رواج وطور وطریقہ سے شادی ہوئی۔ اب اس صورت میں کیا وہ دونوں مسلمان کہے جا سکتے ہیں؟ اور کیا ان کا نکاح قائم ہے؟ اور اب ان کے تعلقات کس نوعیت کے ہوں گے؟ اور اگر ان سے کوئی اولاد ہوئی، تو کیا کہا جائے گا؟ نیز ایسی حالت میں ہم میاں بیوی زید اور ان کے منکوحہ سے رشتہ داری برقرار رکھے یا نہیں؟

جواب باصواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں وعندالناس مشکور ہوں۔

المستفتی: محمد حبیب ولد حاجی محمد ایوب نیا گودام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ لڑکی حالت اسلام میں شرعی نکاح ہو جانے کے بعد مرتد ہو کر عیسائی نہ ہوئی ہو اور نہ ہی زید مرتد ہو کر عیسائی ہوا ہے؛ بلکہ صرف لڑکی کے عیسائی والدین کو خوش کرنے کے لئے عیسائی طریقہ پر نکاح کو اختیار کیا ہے، تو دونوں شرعاً مسلمان ہیں اور دونوں کا شرعی نکاح بھی باقی ہے، ان سے دینی اور عرفی رابطہ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۸۳/۹، جدید ڈابھیل ۵۸۰/۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۳/۴ھ

شیعہ سے رشتۂ مناکحت قائم کرنا

سوال [۵۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ اہل سنت والجماعت کی لڑکی کا عقد نکاح کسی شیعہ جو تینوں خلفاء (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) کی خلافت کا منکر ہے اس سے جائز ہے؟

(۲) اسی طرح ان کی لڑکی سے اہل سنت والجماعت لڑکے کا عقد نکاح ہوسکتا ہے یانہیں؟ نیز اس کے عذاب وثواب سے بھی آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: شیخ علاء الدین، کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) ہندوستان میں جو شیعہ رہتے ہیں، وہ

سب غالی شیعہ ہیں اور شیعہ غالی کے ساتھ سنی لڑکی کا عقد نکاح صحیح نہیں ہوتا، اسی طرح ان کی لڑکی کے ساتھ سنی لڑکے کا عقد نکاح توبہ کے بغیر جائز نہیں ہے، اس کے عذاب وثواب کے بارے میں تمام علماء امت نے ان کو کافر کہا ہے، اگر نکاح جان بوجھ کر کیا جائے گا تو سخت عذاب کا مستحق ہوگا ہمیشہ حرام کاری ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم جدید ۲۳۳/۸، ۲۴۱/۸، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۴۵۶/۱۱)

ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، فلا يجوز إنكاح المؤمنة للكافر. لقوله تعالىٰ: ولاتنكحوا المشركين حتى يؤمنوا.
(بدائع الصنائع، كتاب النكاح، اسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، زكريا ۲/ ٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹ر شوال المکرم ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۱۱)	۱۴۱۹/۱۰/۳۰ھ

نومسلمہ کا اسلام لانے کے بعد نکاح

سوال [۵۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہندو لڑکی ہے، جو مسلمان ہوگئی ہے؛ لیکن وہ اپنے ہندو ماں باپ کے ساتھ رہتی ہے، وہ کسی طرح نماز، روزہ، کلمہ وغیرہ چھپ کر ادا کرتی ہے، میرے ذریعہ اس لڑکی نے اسلام کو دل سے قبول کیا ہے، ہم دونوں میں محبت بھی ہے؛ لیکن وہ صرف مسلمان میرے لئے نہیں ہوئی ہے۔ اب جبکہ وہ مسلمان ہوگئی ہے تو اس کی شادی کسی مسلمان شخص سے ہوسکتی ہے؟ اور اگر کسی سے اس کی شادی نہ ہوسکے تو کیا میرا اس لڑکی سے شادی کرنا لازم ہے؟ ورنہ اس کا مسلمان رہنا بہت مشکل ہو جائے گا، لڑکی کے ماں باپ اس کی محبت سے واقف ہیں، وہ مسلمانوں میں صرف مجھ سے ہی اپنی لڑکی کی شادی کرنے کے لئے راضی ہیں۔

کیااب میرے لئے اس سے شادی کرنا ضروری ہے؟ اس میں شرعی حکم کیا ہے وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: محمد شارق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکورہ لڑکی نے سائل کے ہاتھ پر ایمان قبول کرلیا ہے اور وہ سائل سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اس پر ماں باپ بھی راضی ہیں، تو سائل کو اس سے نکاح کرلینا چاہئے، یہ نکاح بہت بڑے اجر وثواب کا باعث ہوگا۔ اللہ رب العزت کا پاک ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان. [مائدہ:۲]

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَاهُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَآتُوْهُمْ مَا اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ. [الممتحنة:۱۰]

لیکن احتیاطی تدابیر لازم ہیں؛ اس لئے نکاح سے پہلے دیوانی عدالت سے لڑکی کی خودمختاری حاصل کرلی جائے، جس کو کورٹ میریج بھی کہا جاتا ہے تاکہ بعد میں کسی قسم کی قانونی گرفت میں آنے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۱۹ھ

نومسلمہ شادی کے لئے کتنے حیض گزارے گی؟

سوال [۵۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسئلہ بہشتی زیور مکمل ومدلل مکتبہ تھانوی ۵۵/۴ پر لکھا ہے کہ اگر عورت مسلمان ہوگئی اور مرد نہیں ہوا، تو اب جب تک پورے تین حیض نہ آویں دوسرے مرد سے نکاح درست نہیں؟

اس مسئلہ کو دیکھ کر بندہ نے ایک ضرورتمند سائل کو یہ جواب دیدیا کہ نومسلمہ سے آپ حیض گذرنے پر نکاح کر سکتے ہیں، اس کے بعد مزید تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں دیکھیں۔

فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۴۱، فتاوی محمودیہ ۳/ ۲۱۹، فتاوی دارالعلوم ۷/ ۱۹۲، تو معلوم ہوا کہ چھ حیض گذارنا ضروری ہے امید کہ رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: اسرار احمد، نجیب آبادی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نومسلمہ سے نکاح کرنے کی کئی صورتیں نکل سکتی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ عورت قید ہوکر دارالحرب سے دارالاسلام آئی ہو، تو ایسی صورت میں بالاتفاق عدت گذارے بغیر نکاح جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کافرہ دارالحرب سے دارالاسلام ہجرت کر کے آئی ہو، تو بلاعدت گذارے اس سے نکاح جائز ہے اوراس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دارالحرب میں رہتے ہوئے کوئی عورت مسلمان ہوجائے اور اس کا شوہر مسلمان نہ ہو، تو تین حیض گذرنے کے بعد وہ عورت بائنہ ہوگی اور بائنہ ہوتے ہی بلاعدت کے کسی مسلمان سے اس کا نکاح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درست ہے؛ لیکن صاحبین کے نزدیک بائنہ ہونے کے بعد مزید تین حیض گذارنا ضروری ہے۔ اس سے پہلے کسی مسلمان سے ان کا نکاح صحیح نہ ہوگا، گویا صاحبین کے نزدیک چھ حیض گذارنا ضروری ہے اور صاحب بحرالرائق وغیرہ نے صاحبین کے قول کو اختیار کیا ہے۔ نیز فتاوی دارالعلوم ۸/ ۱۳۸ اور فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۰/ ۱۱/ ۵ رمیں اسی پر فتوی دیا گیا ہے اور حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے جو تین حیض گذرنے پر نکاح کو صحیح قرار دیا ہے وہ شاید اسی وجہ سے ہے کہ حضرت کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح ہوگا۔

ومن هاجرت إلينا مسلمة، أو ذمية حاملاً بانت بلاعدة، فيحصل

تزوجها أما الحامل فحتى تضع على الأظهر. (شامي، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، كراچي ٣/١٩٣، زكريا ٤/٣٦٥)

ولو أسلم أحدهما ثمة أي في دار الحرب لم تبن حتى تحيض ثلاثا قبل إسلام الآخر (وفي الشامية) وهل تجب العدة بعد مضى هذه المدة، فإن كانت المرأة حربية، فلا لأنه لا عدة على الحربية، وإن كانت هي المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض هنا، فكذلك عند أبي حنيفةؒ خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة عليها عنده خلافاً لهما بدائع، هداية، وجزم الطحطاوي بوجوبها ......وينبغي حمله على اختيار قولهما. (شامي، كراچي ٣/١٩١، ١٩٢، زكريا ٤/٣٦٢ تا ٣٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۱۸ھ

نومسلمہ کنواری لڑکی کا نکاح فوری طور پر کرنا

سوال [۵۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نومسلمہ کنواری لڑکی ہے اور مسلمانوں کے پاس آ گئی ہے، تو اب اس کو مسلم لڑکے سے شادی کے واسطے کتنے حیض گزارنے لازم ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو نومسلمہ کنواری لڑکی مسلمانوں کے پاس آ گئی اور اب کسی مسلم لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہے تو اس کو شادی کے لئے کوئی حیض گذارنا لازم نہیں بغیر استبراء رحم کے اس کے لئے نکاح کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲۰۲ محمودیہ میرٹھ ۱۶/ ۳۶۵)

ليست بعدة لدخول غير المدخول بها. (در مختار مع الشامي، زكريا٤/٣٦٣، كراچي٣/١٩١)

وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم وماجرى مجراه من موت، أو خلوة أي صحيحة فلا عدة بخلوة الرتقاء وشرطها الفرقة. (در مختار، زكريا٥/١٨٠، كراچي مع الشامي٣/٥٠٤)

تجب العدة على المرأة بالفرقة بين الزوجين بعد الدخول بسبب الطلاق، أو الموت، أو الفسخ،أو اللعان كما تجب بالموت قبل الدخول وبعد عقد النكاح الصحيح. (الموسوعة الفقهية الكويتية٢٩/٣٠٦)

والعدة تجب على المطلقة وكذا بالفرقة بالنكاح الفاسد، وكذلك بالوطئ بشبهة النكاح، أو بالخلوة الصحيحة. (تاتارخانية، زكرياه/٢٢٦، رقم: ٧٧٢٢)

وإنما تجب هذه العدة لاستبراء الرحم وتعرف براء تها عن الشغل بالولد؛ لأنها لو لم تجب و يحتمل أنها حملت من الزوج الأول فتزوج بزوج آخر وهي حامل من الأول فيطأها الثاني فيصير ساقيا ماءه زرع غيره وقد نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك بقوله صلى الله عليه وسلم من كان يؤمن بالله واليوم الأخر فلا يسقين ماءه زرع غيره. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/٣٠٢، كراچي ٣/١٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۳۰)

نومسلمہ نکاح کے لئے تین حیض گزارے یا چھ حیض؟

سوال [۵۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک نومسلمہ عورت دارالحرب سے اسلام لاکر مسلمانوں کے پاس آگئی۔ اب اس کے لئے مسلم لڑکے سے شادی کے واسطے کتنے حیض گزارنا لازم ہیں اور یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ عورت شادی شدہ تھی؟

المستفتی: محمد شعیب، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوشادی شدہ نومسلمہ عورت اسلام لاکر مسلمانوں کے پاس آگئی اوراب وہ کسی مسلم لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہے، تو اس کوشادی کے واسطے ۶ رحیض گزارنے لازم ہیں۔ تین حیض شوہر سے جدائیگی کے اور تین حیض عدت کے؛ لہٰذا جب تک چھ حیض نہ گزارے اس وقت تک وہ کسی مسلم سے شادی نہیں کرسکتی۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزہ ۱۸۲، جواہر الفقہ ، زکریا ۲/ ۲۹۰، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۰/ ۵۱۲، فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۶/ ۳۶۷، امداد الفتاوی ۲/ ۲۰۲)

اوراگر مسلمانوں کے پاس بغیر شوہر کے اتنی لمبی مدت گزارنے میں فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق صرف ۳ رحیض گزارنے کے بعد مسلم مرد کے ساتھ نکاح کرنیکی گنجائش ہے۔

ومنها إسلام أحد الزوجين في دار الحرب؛ لكن لا تقع الفرقة في الحال؛ بل تقف على مضى ثلاث حيض إن كانت ممن تحيض –وإذا وقعت الفرقة بعد مضى هذه المدة هل تجب العدة بعد مضيها بأن كانت المرأة هي المسلمة فخرجت إلى دار الإسلام فتمت الحيض في دار الإسلام لا عدة عليها عند أبي حنيفة وعندهما عليها العدة. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٦٥٦-٦٥٧، كراچي ٢/ ٣٣٨)

ولو أسلم أحدهما ثمة لم تبن حتى تحيض ثلاثة فإذا حاضت ثلاثاً بان؛ لأن الإسلام ليس سببا للفرقة والعرض على الإسلام متعذر

تصور الولاية، ولابد من الفرقة دفعاً للفساد فأقمنا شرطها وهي مضى الحيض مقام السبب. (البحرالرائق، كوئٹه ٣/ ٢٧٠، زكريا٣/ ٣٧٠، هداية، اشرفي بكڈپو و ديوبند ٢/٣٦٦)

إذا أسلم أحد الزوجين و تختلف الآخر حتى انقضت عدة المرأة انفسخ النكاح في قول عامة العلماء. (المغني، مكتبه دارالفكر بيروت ١١٨/٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨/ صفر المظفر ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤٠/ ١١٤٣١)

غیر مسلم بیوہ یا مطلقہ کا اسلام لانے کے بعد مسلمان سے فوراً نکاح

سوال [الف: ٥٥٣٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غیر مسلم بیوہ عورت ہے، اس کو اس کے رسم و رواج کے اعتبار سے طلاق دیدی گئی ہے اور وہ بیوہ ہونے کے یا طلاق کے کئی سال بعد مسلمان ہوگئی۔

اب نکاح کرنے کے لئے استبراء رحم کرنا اور عدت گذارنا لازم ہے یا استبراء رحم کے بغیر نکاح درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو عورت حالت کفر میں بیوہ ہوگئی اور بیوہ ہونے کے بعد عدت کا زمانہ بھی گذر گیا ہے یا طلاق کے بعد چندسال گذار چکی ہے، تو اب اس کے اسلام لانے کے بعد اس سے نکاح کرنے کے لئے ازسرنو عدت گذارنا لازم نہیں ہے؛ بلکہ اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد اس سے نکاح درست ہے؛ کیونکہ اس کا استبراء رحم ہو چکا ہے۔

عن أبي يوسف قال: إذا تيقن فراغ رحمها من ماء البائع، فليس عليه

فيها استبراءٌ واجبٌ؛ لأن الاستبراء كاسمه تبين فراغ الرحم وقاس بالمطلقة قبل الدخول؛ أنه لايلزمها العدة؛ لأن المقصود من العدة في حال الدخول تبين فراغ الرحم. (مبسوط سرخي، دارالكتب العلمية بيروت١٣/١٤٦)

فإن مات عنها زوجها واعتدت عدة الوفاة ولم تحض ولابأس بأن يطأها لما بينا أن العدة أقوىٰ من الاستبراء فعند ظهور العدة لايظهر حكم الاستبراء. (مبسوط سرخي، دارالكتب العلمية بيروت١٣/١٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف۴۰؍۱۱۴۲۹)

غیر مسلم کے ساتھ رہ کر تین بچے بھی ہوگئے ان کے نسب کا کیا حکم؟

سوال [ب: ۵۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان لڑکی ایک غیر مسلم لڑکے کے ساتھ فرار ہوگئی چند سال اس کے ساتھ رہی ۳؍ بچے بھی ہوگئے اب وہ لڑکا ایمان قبول کرتا ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ تین بچے جو اس مسلمان لڑکی کے اس غیر مسلم لڑکے سے کفر کی حالت میں ہوئے ہیں کیا ان بچوں کا نسب اس لڑکے سے ثابت ہوگا؟ اور یہ وارث اس لڑکے کے ہوں گے، شرعًا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی، سیڑھا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمان لڑکی کا غیر مسلم لڑکے کے ساتھ فرار ہوجانے کے بعد اسی کے ساتھ رہ جانے کی وجہ سے اس مسلمان لڑکی سے جو تین بچے ہوگئے ہیں، ان کا نسب اس غیر مسلم لڑکے کے ایمان قبول کرلینے کے بعد اس سے ثابت نہیں ہوگا؛ بلکہ یہ سب بچے بدکاری کے بچے شمار ہوں گے اور نہ ہی اس نومسلم شخص کے وارث بنیں گے۔

نـكـاح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه و لا تجب العدة؛ لأنه نكاح باطل. (شامي، زكريا ٥/٢٥٢، كراچي ٣/٥٥٥)

ذهـب جـمهور الفقهاء إلى أنه لا يثبت النسب بالزنا مطلقا فلم يثبت رسول الله صلى الله عليه وسلم و لا أحد من أهل العلم بالزنا نسبًا. (الموسوعة الفقهية ٤/٢٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۲۳۳۱)

زانیہ کے ساتھ نکاح اور چھ ماہ سے قبل ولادت کا حکم

سوال [ج: ۵۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زانی نے زانیہ سے نکاح کرلیا اور نکاح سے چھ مہینے پہلے ہی بچہ پیدا ہوگیا اور زانی یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہی ہے، کیا شرعًا اس بچہ کا نسب اس زانی سے ثابت ہوگا؟ اس کے اقرار کرنے کی وجہ سے یا بچہ حرامی ہی کہلائے گا اور کیا یہ بچہ اس زانی کی میراث کا مستحق ہوسکتا ہے؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی، سیڑھا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زانی نے زانیہ سے نکاح کرلیا ہے اور نکاح سے چھ مہینے پہلے ہی بچہ پیدا ہوگیا ہے اور یہ زانی اس بات کا اقرار بھی کرتا ہے کہ یہ بچہ اسی کا ہے تو ایسی صورت میں اس بچے کا نسب اسی زانی سے ثابت ہوجائے گا اور یہ بچہ اس کا وارث بھی بنے گا۔

رجل زنى بامرأة وحبلت منه فلما استبان حملها تزوجها الذي زنى بها فالنكاح جائز ......وإن جاء ت به أي الولد لأقل من ستة أشهر لا يثبت

النسب ولا يرث منه إلا أن يقول هذا الولد منى ولم يقل من الزنا. (الفتاوى التاتارخانية ٤/٣١٥، رقم: ٦٢٨٥، المحيط البرهاني ٤/١٧٢-١٧٣، رقم: ٣٩٥٦)

لو زنى بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت إن جاء ت به لستة أشهر فصاعدًا ثبت نسبه وإن جاء ت به لأقل من ستة أشهر لم يثبت نسبه إلا أن يدعيه. (الهندية، قديم زكريا ١/٥٤٠، زكريا جديد ١/٥٩١)

رجل زنى بامرأة فحبلت منه فلما استبان حملها تزوجها الزاني ولم يطأها حتى ولدت......وإن جاء ت بولد لأقل من ستة أشهر من وقت النكاح لا يثبت ولايرث منه إلا أن يقول الرجل هذا الولد مني ولا يقول من الزنا. (خانية على الهندية زكريا ١/٣٧١، جديد ١/٢٢٤، شامي كراچي ٣/٤٩، زكريا ٤/١٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۱۲۳۳۲)

غیر مسلم شادی شدہ عورت سے ناجائز تعلقات اور بچوں کا حکم

سوال [د:۵۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک غیر مسلم شادی شدہ عورت سے ناجائز تعلقات بنا کر رہنا سہنا شروع کر دیا، اس غیر مسلم عورت کا شوہر باہر رہتا ہے کبھی کبھار آتا ہے زید سے اس عورت کے اسی حالت میں دو بچے بھی ہو گئے، کسی نے دونوں کو سمجھایا کہ یہ عورت اگر مسلمان ہو جائے تو تم زنا کے گناہ سے بچ جاؤ گے، وہ عورت مسلمان ہوگئی، اب کیا زید اس کے مسلمان ہوتے ہی نکاح کرسکتا ہے یا اس حالت میں بھی یہ عورت عدت گذار کر ہی نکاح کرے گی؟ جبکہ کفر کی حالت میں بھی زید کے ساتھ رہ رہی تھی اور جو دو بچے زید کے ساتھ رہتے ہوئے کفر کی حالت میں اس عورت سے ہوئے ہیں کیا وہ دو بچے زید کے کہلائیں گے یا اس غیر مسلم مرد ہی کے کہلائیں گے؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی، سیڑھا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے اسلام لانے سے پہلے ناجائز تعلقات کے ذریعہ سے جو دو بچے ہو چکے ہیں، وہ دونوں بچے اس عورت کے غیر مسلم شوہر کے ہی شمار ہوں گے ان کا نسب زید سے ثابت نہ ہوگا اور اس عورت کے اسلام لانے کے بعد زید کے ساتھ نکاح کے لئے عدت گذارنا لازم ہے اور عدت کی شکل ہندوستان جیسے ممالک میں یہی ہے کہ اسلام لانے کے بعد تین ماہواری گذر جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عدت پوری ہوتی ہے اور صاحبین کے نزدیک تین ماہواری کے ذریعہ سے فرقت ثابت ہوتی ہے، پھر اس کے بعد مزید تین ماہواری عدت کے نام سے گذارنا لازم ہے اور پہلی تین ماہواری مسلمان قاضی کے سامنے شوہر کے اباء اسلام کے قائم مقام ہے، دوسری تین ماہواری عدت کے لئے ہے، احتیاط صاحبین کے قول پر ہے؛ لیکن امام صاحبؒ کے قول پر بھی عمل کرنا جائز ہے اور مذکورہ مسئلے میں اس وقت تک دونوں قولوں کے اعتبار سے اس نومسلمہ کا نکاح زید کے ساتھ درست نہیں ہوگا جب تک کہ مسلمان ہونے کے بعد مستقل طور پر تین ماہواری کے ساتھ عدت نہ گذر جائے۔

وإذا أسلمت المرأة في دار الحرب وزوجها كافر أوأسلم الحربي وتحته مجوسية لم تقع الفرقة عليها حتى تحيض ثلاث حيض، ثم تبين من زوجها...... وإذا وقعت الفرقة والمرأة حربية فلا عدة عليها، وإن كانت هي المسلمة فكذلک عند أبي حنيفةؒ خلافًا لهما قال ابن الهمام: فالحاصل أنه لا عدة بعد البينونة عند أبي حنيفةؒ في الصورتين وعند هما إذا كانت هي المسلمة فعليها العدة وهكذا ذكر شمس الأئمة وكأنه أخذه من قول محمد في السير فيما إذا أسلمت المرأة في دار الحرب بعد أن ذكر الفرقة بشرطها وعليها ثلاث حيض أخرى بعد الثلاث الأول وهي فرقة بطلاق ويقع طلاقه عليها مادامت في العدة في الثلاث الحيض الأواخر.

(فتح القدير، زكريا ۳/۳۹۸-۳۹۹)

ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يثبت النسب بالزنا مطلقاً فلم يثبت رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أحد من أهل العلم بالزنا نسبًا. (الموسوعة الفقهية ٤/٢٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۲۳۳۳)

غیر مسلم کنواری لڑکی سے ناجائز تعلقات اور چار ماہ حمل کی حالت میں نکاح

سوال [۱۳: ۵۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان لڑکے نے ایک غیر مسلم کنواری لڑکی سے کالج کی تعلیم کے دوران ناجائز تعلقات بنا کر زنا کاری شروع کردی، اس وقت لڑکی چار ماہ کی حاملہ ہے دونوں فرار ہیں، لڑکی نے ایمان قبول کرلیا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس غیر مسلم لڑکی سے جو حاملہ ہے یہ مسلمان لڑکا لڑکی کے قبول ایمان کے فورا بعد نکاح کرسکتا ہے اور یہ بچہ جو ہوگا حالانکہ اسی لڑکے کا ہے اور نکاح ہونے سے چھ ماہ پہلے ہی ہوگا تو کیا یہ بچہ اسی لڑکے کا کہلائے گا یا حرامی ہوگا؟ اور نسب اس سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ اگر اجازت ہو تو نکاح کرادیں؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کالج کے زمانے میں مسلمان لڑکے اور غیر مسلم کنواری لڑکی کے درمیان ناجائز تعلقات قائم ہونے کے بعد حمل کی حالت میں لڑکی نے اسلام قبول کرلیا ہے، تو اسلام قبول کرنے کے فورا بعد اس لڑکے کا نکاح اس نومسلمہ لڑکی کے ساتھ فورا درست ہوگیا ہے؛ اس لئے کہ حبلیٰ من الزنا سے زانی کا نکاح درست ہوجاتا ہے اور نکاح کے چھ مہینے سے پہلے اگر بچہ پیدا ہوتا ہے اور مسلم لڑکا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہ

بچہ اسی کا ہے، تو ایسی صورت میں اس بچے کا نسب اسی مسلم لڑکے سے ثابت ہو جائے گا اور وہ بچہ اس مسلم لڑکے کا وارث بھی بن جائے گا۔

رجل زنى بامرأة وحبلت منه فلما استبان حملها تزوجها الذي زنى بها فالنكاح جائز ...... وإن جاء ت به أي الولد لأقل من ستة أشهر لا يثبت النسب ولا يرث منه إلا أن يقول هذا الولد منى ولم يقل من الزنا. (الفتاوى التاتارخانية ٤/٥ ٣١، رقم: ٦٢٨٥، المحيط البرهاني ٤/١٧٢-١٧٣، رقم: ٣٩٥٦)

لو زنى بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت إن جاء ت به لستة أشهر فصاعدًا ثبت نسبه وإن جاء ت به لأقل من ستة أشهر لم يثبت نسبه إلا أن يدعيه. (الهندية زكريا ١/٠ ٥٤، جديد ١/١ ٥٩)

رجل زنى بامرأة فحبلت منه فلما استبان حملها تزوجها الزاني ولم يطأها حتى ولدت...... وإن جاء ت بولد لأقل من ستة أشهر من وقت النكاح لا يثبت ولا يرث منه إلا أن يقول الرجل هذا الولد مني ولا يقول من الزنا. (خانية على الهندية زكريا ١/٣٧١، جديد ١/٢٢٤، شامي كراچي ٣/٤٩، زكريا ٤/١٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۴۱ ۱۲۳۳۴)

شادی شدہ غیر مسلمہ عورت کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان سے نکاح کے لئے عدت

سوال [۵۵۳۳:و]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شادی شدہ غیر مسلم عورت نے اپنے شوہر کی مرضی کے بغیر اسلام قبول کرلیا؛ جبکہ یہ عورت حاملہ نہیں ہے کیا نکاح ایمان قبول کرتے ہی فوراً کرسکتی ہے یا اس کو بھی ۳ر حیض عدت گذار کر نکاح کرنا چاہیئے؟ ہمارے یہاں ایک عورت شادی شدہ غیر مسلم ایمان

قبول کر کے فوراً ایک مسلمان سے نکاح کر کے رہنے لگی دو بچے بھی ہوگئے ،اب ایک صاحب نے کہا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا عدت گذارنا ضروری تھا، آپ سے معلوم کر رہے ہیں اب کیا کریں جبکہ دو بچے بھی ہو چکے ہیں، اگر نکاح نہیں ہوا تو دوبارہ نکاح کریں اور یہ بچے کیا ولدالزنا کہلائیں گے؟ میراث کے مستحق ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شادی شدہ عورت نے ایمان قبول کرلیا تو اس کے لئے مسلمان مرد سے نکاح کرنے کے واسطے تین حیض گذارنا لازم ہے اور غیر مسلم حکومت میں تین حیض گذرنے کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزید استبراء رحم کے بغیر مسلمان مرد سے نکاح کرنا جائز ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تین حیض گذارنے کے بعد پھر سے استبراء رحم بھی لازم ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں اس عورت نے فورا مسلمان مرد سے جو نکاح کرلیا ہے، وہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوا؛ بلکہ فاسد ہوا، اور نکاح فاسد میں ہم بستری کے بعد جو اولاد پیدا ہوتی ہے، وہ وطی بالشبہ کے درجہ میں ہوکر ثابت النسب ہوتی ہے اور یہ دونوں بچے اسی مسلمان مرد کے کہلائیں گے اور اس کے وارث بھی بن جائیں گے، مگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد ان دونوں کے درمیان دوبارہ شرعی طریقے پر نکاح کردینا لازم ہے۔

وإذا أسلمت المرأة في دار الحرب وزوجها كافر......لم تقع الفرقة عليها حتى تحيض ثلاث حيض، ثم تبين من زوجها...... وإذا وقعت الفرقة والمرأة حربية فلا عدة عليها، وإن كانت هي مسلمة فكذلك عند أبي حنيفةؒ خلافًا لهما وتحته في فتح القدير: فالحاصل أنه لا عدة بعد البينونة عند أبي حنيفةؒ في الصورتين وعندهما إذا كانت هي المسلمة فعليها العدة.

(فتح القدير، زكريا ٣/٢٩٨-٣٩٩)

لو أسلم أحدهما ثمة أي في دار الحرب لم تبن حتى تحيض ثلاثًا

قبل إسلام الآخر إقامة لشرط الفرقة مقام السبب (در مختار) قال الشامي: وهو مضى هذه المدة مقام السبب وهو الإباء؛ لأن الإباء لا يعرف إلا بالعرض وقد عدم العرض –لانعدام الولاية، ومست الحاجة إلى التفريق لأن المشرك لا يصلح للمسلم و إقامة الشرط عند تعذر العلة جائز فإذا مضت هذه المدة صار مضيها بمنزلة تفريق القاضي. (شامي، زكريا ٤/٣٦٢-٣٦٣، كراچي ٣/١٩١)

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الوطء بشبهة يثبت النسب لأن ثبوت النسب هنا إنما جاء من جهة ظن الواطي. (الموسوعة الفقهية ٤/٢٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥ر محرم الحرام ١٤٣٧ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١٢٣٣٥/٤١)

غیر مسلم کنواری لڑکی کے قبول اسلام کے بعد بغیر استبراء رحم کے نکاح

سوال [ز: ٥٥٣٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غیر مسلم نوجوان کنواری لڑکی نے اسلام قبول کیا ایک ہفتہ بعد ایک مسلمان نے اس سے نکاح کرلیا کیا یہ نکاح درست ہے یا اس لڑکی کو ایمان قبول کرنے کے بعد ٣ر حیض انتظار کر کے پھر نکاح کرنا چاہئے؟ اگر ایسا ہے تو جو نکاح کرلیا گیا وہ کالعدم ہوگا۔

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس غیر مسلم کنواری لڑکی نے ایمان قبول کرلیا ہے، اس کے لئے کسی مسلمان لڑکے سے نکاح کے لئے عدت یا استبراء رحم کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ استبراء رحم شادی شدہ عورت پر ضروری ہوتا ہے اور یہاں یہ کنواری لڑکی شادی شدہ نہیں ہے؛ اس لئے اس کا نکاح بغیر استبراء رحم کے درست ہوگیا۔

لا يجب الاستبراء لأن الاستبراء طلب براءة الرحم وفراغها عما يشغلها ورحم البكر برية فارغة عن الشغل فلا معنى لطلب البراءة والفراغ. (بدائع الصنائع زكريا ۵۱۳/۳)

فإن أسلمت قبل الدخول ثبت النكاح في الحال ولها التزوج (وقوله) هذا الاختلاف إنما هو في المدخول بها فإن كانت غير المدخول بها فلا نعلم اختلافا في انقطاع العصمة بينهما إذ لا عدة عليها. (الجامع لاحكام القرآن للقرطبي، دار إحياء التراث العربي ۶۵/۱۸-۶۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/محرم الحرام ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۳۳۳/۴۱/۶)

دورِ حاضر میں باندی کے ساتھ بیوی جیسا سلوک

سوال [۵۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا اس دور میں باندی کے ساتھ اپنی بیوی جیسا سلوک کر سکتے ہیں یا حرام ہے؟

المستفتی: عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس دور میں باندی کا کہیں وجود نہیں ہے؛ اس لئے اس کے ساتھ بیوی جیسا سلوک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جس عورت کو بھی اس طرح رکھا جائے گا وہ اجنبیہ ہوگی اور اجنبیہ کے ساتھ تنہائی جائز نہیں۔

الخلوة بالأجنبية حرام الخ. (در مختار مع الشامي كراچي ۳۶۸/۶، زكريا ۵۲۹/۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۵۲۴/۳۳)

باندی سے نکاح کرنے کا حکم

سوال[۵۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ بیوی اور باندی کے علاوہ دوسری جگہ شہوت پوری کرنا جائز نہیں۔ کیا باندی سے نکاح کیا جائے گا اور اس کی کیا صورت ہے؟ پہلے باندی سے نکاح کیا جاتا تھا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باندیوں سے نکاح کرنے اور باندی کے نام سے کسی عورت کو رکھنے کی اس زمانہ میں کوئی صورت باقی نہیں ہے؛ اس لئے اس زمانہ میں تمام انسان آزاد ہیں کوئی بھی غلام اور باندی نہیں ہے؛ البتہ پہلے زمانہ میں جبکہ باندیاں موجود تھیں تو نکاح کیا جاتا تھا وہ دوسرے کی باندی سے کیا جاتا تھا اور یہ جائز تھا۔ اپنی باندی سے نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی؛ بلکہ بغیر نکاح کے اس سے وہی کام کرنا جائز تھا، جو نکاح کے بعد جائز ہوتا ہے جس کی صراحت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ. [سورة المؤمنون:٥-٦] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۵۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۴/۱۴۲۱ھ

(۱٦) باب استبراء الرحم

کنواری باندی سے ہمبستری کے لئے استبراء رحم لازم نہیں؟

سوال [٥٥٣٦]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت علیؓ نے حضرت خالد بن ولید کے اکٹھا کئے ہوئے مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد ایک باندی اپنے لئے منتخب کرلی تھی اور رات ہی میں اس کے ساتھ ہمبستری بھی کرلی، تو اب سوال یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد ان کو باندی لینے کا حق تھا؛ لیکن بغیر استبراء رحم کے اس کے ساتھ ہمبستری کرنا کیسے جائز ہوگیا؟ اور وہ باندی کنواری تھی تو کیا کنواری باندی سے ہمبستری کے لئے استبراء رحم لازم نہیں ہوتا ہے؟

المستفتی: محمد توفیق، منگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو باندی کنواری ہو اور اس کے رحم کے خالی ہونے کا پورا یقین ہو، تو اس کے ساتھ ہمبستری کے لئے استبراء رحم لازم نہیں؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں حضرت علیؓ نے جو کنواری باندی لی اور بغیر استبراء رحم کے اس کے ساتھ ہمبستری کی تو ان کا یہ عمل جائز اور درست ہے۔

عن أبي يوسف قال: إذا تيقن فراغ رحمها من ماء البائع، فليس عليه فيها استبراء واجب؛ لأن الاستبراء كاسمه تبين فراغ الرحم وقاس بالمطلقة قبل الدخول، أنه لا يلزمها العدة؛ لأن

المقصود من العدة في حال الدخول تبين فراغ الرحم. (المبسوط، دارالکتب العلمية بيروت ۱۳/۱٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۴۱/۴۰)

کیا ہندو رسم ورواج کے مطابق شادی کر سکتے ہیں؟

سوال [۷۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے کی عمر ۲۳؍سال ہے، اس نے ایک غیر مسلمہ لڑکی کے ساتھ جس کی عمر ۱۸؍سال کی ہے، مسلمان بناکے ایک مستند عالم دین کے ذریعہ نکاح کرلیا ہے اور سول میرج بھی احتیاطاً کر لی ہے بعد نکاح اسلامی طریقہ سے تقریباً ایک ماہ سے ساتھ ہی رہائش پذیر ہیں اور فیصلہ پر قائم ہیں، لڑکی کے والدین ایک باعزت اور سماج میں اہم مقام کے حامل ہیں، اپنی لڑکی کے مذہب کو جو اس نے قبول کرلیا ہے بخوشی منظور کرتے ہیں؛ لیکن اپنے عزیز واقارب کی نگاہوں سے گرنا بھی نہیں چاہتے؛ اس لئے ان کی تجویز ہے کہ تقریب منعقد کر کے ہندو طریقہ پر شادی اپنے اقارب کے سامنے کردی جائے تو کیا یہ لڑکا ان کی منظور شدہ مرضی کے مطابق ہندو طریقہ پر شادی کرسکتا ہے؟ کیا اسلام میں ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتی: رئیس احمد، محلّہ کسرول، نیا کنواں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اسلامی طریقہ سے باقاعدہ نکاح ہو چکا ہے، تو دونوں شرعی طور پر میاں بیوی ہو چکے ہیں، اس کے بعد ہندوانہ طریقہ پر سادھو کے ہاتھ سے شادی کرنے میں کفر اور اغیار کی اہم مشابہت لازم آئے گی؛ اس لئے دوبارہ ہندو طریقہ پر شادی کرنا جائز نہ ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (ابوداؤد شريف، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ٥٥٩/٢، دارالسلام رقم: ٤٠٣١، مسند أحمد بن حنبل ٥١/٢، رقم: ٥١١٤، ٥١١٥، ٥٦٦٧، المصنف لإبن أبي شيبة، كتاب فضل الجهاد، مؤسسه علوم القرآن بيروت ٢٧٢/١٠، رقم:١٩٤٠٧، ١٩٧٨٣، ٥٢٤/١٧، رقم: ٣٣٦٨٧، المعجم الأوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت ١٥١/٦، رقم:٨٣٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۳۰۳)	۱۴۱۶/۱/۲۲ھ

ارتداد کی صورت میں نکاح اور مہر کا حکم

سوال [۵۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان عورت ہندہ کا مسلمان مرد بکر سے نکاح ہوا، کچھ دنوں کے بعد وہ عورت ایک غیر مسلم مرد کے ساتھ فرار ہوگئی اور سابقہ شوہر سے الگ ہوکر اس غیر مسلم مرد کے ساتھ بیوی بن کر رہنے لگی، اس درمیان اس عورت کو پنڈت کے یہاں لے جا کر وہ تمام افعال کرائے جو ہندو سماج میں نکاح کے وقت ہوتے ہیں اور وہ ہندوانہ رسم ورواج کے ساتھ آٹھ نو ماہ تک زندگی گذارتی رہی، عورت سے معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کا پھر سے اپنے پرانے مذہب اسلام پر آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اور وہ سمجھتی تھی کہ اب وہ ایسی ہی رہتی سہتی رہے گی، اس درمیان اس کو حمل بھی قرار پا گیا، اتفاق ایسا ہوا کہ وہاں ایک موت ہوگئی، اور اس کو جلا دیا گیا یہ منظر دیکھ کر اس پر ہیبت سوار ہوگئی اس کے بعد اس نے دوبارہ مذہب اسلام کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا اور موقع پا کر وہ مسلمانوں میں آ گئی۔ اور اس کو ایک بزرگ کے ذریعہ باقاعدہ مسلمان کیا گیا، اس کے بعد اس کے سابقہ شوہر سے

اس کے نکاح کی پیش کش کی گئی، اس نے جواب دیا کہ میں اس کو کسی قیمت پر نہیں رکھوں گا، اس کے بعد اس کے بچہ کی پیدائش کے ۴۰/دن کے بعد اس کا نکاح ایک مسلمان مرد کے ساتھ کردیا گیا، صورت مذکورہ میں اس عورت پر سابقہ شوہر کا کوئی حق یا حق زوجیت اسی طرح اس عورت کا سابقہ شوہر کے ذمہ کوئی حق یعنی مہر باقی ہے یا نہیں؟ اور دوسرا نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اوران کو بہشتی زیور، درمختار اور بہار شریعت وغیرہ کے حوالہ دیئے جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ کتابیں ضعیف ہوچکی ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: علیم الدین، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ حالت سے واضح ہوتا ہے کہ عورت مرتد ہوکر اسلام سے خارج ہوچکی تھی، اور جب دین اسلام چھوڑ کر ہندو بن گئی تو اس کا نکاح مسلمان شوہر سے ختم ہو چکا تھا؛ جبکہ شوہر نے مفارقت کے الفاظ بھی کہے تھے بعد میں اسلام پر لوٹ آنے سے ختم شدہ نکاح لوٹ کر نہیں آسکتا؛ البتہ اگر شوہر اول سے شروع ہی میں ہمبستری ہوئی تھی تو مرتدہ عورت کا پورا مہر ادا کرنا واجب ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲۲۹، فتاوی دارالعلوم ۸/ ۳۷۰، ۸/ ۳۷۴)

إذا ارتد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت البينونه بينهما (إلى قوله) وإن كانت ارتدت بعد الدخول فلها جميع المهر. (الجوهرة النيرة ٢/ ٩٣، هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٤٨، فتاوى عالمگيري، زكريا ١/ ٣٣٩، جديد ١/ ٤٠٥، البحرالرائق كوئٹه ٣/ ٢١٤، زكريا ٣/ ٣٧٣)

لہٰذا بعد میں اسلام قبول کرنے پر شوہر اول نکاح کے لئے راضی نہیں ہے، تو عورت کا کسی دوسرے مسلمان مرد سے نکاح کرلینا شرعاً درست ہے۔ نیز بہشتی زیور، درمختار، بہار شریعت وغیرہ کو

ضعیف پرانی کہہ کر نہ ماننا موجب فسق ہے؛ لہٰذا توبہ کرلینا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۷۱)

غیر مسلم کے ساتھ فرار ہونے والی لڑکی کے احکام

سوال [۵۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان لڑکی غیر مسلم لڑکے کے ساتھ فرار ہوگئی دو سال سے رہ رہی ہے، بچہ بھی غیر مسلم سے پیدا ہوا ہے؛ لیکن چند مسلمانوں نے فکر کر کے اس مسلمان لڑکی کو اس غیر مسلم گھرانے سے نکال لیا ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ بچہ ہندو ہے یا مسلمان؟ اس ہندو لڑکے کا ہے یا مسلم لڑکی کا؟ اب اس فرار شدہ لڑکی کا ایک مسلمان لڑکے سے نکاح کرنا چاہ رہے ہیں۔ کیا اس لڑکی کو عدت گذارنا ضروری ہے یا فوراً نکاح کردیں اور دو سال غیر مسلم کے یہاں رہنے کی وجہ سے کیا اس لڑکی کا ایمان باقی رہا یا تجدید ایمان ضروری ہے؟

المستفتی: شمشاد احمد خاں، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال ایک مسلمان لڑکی کا غیر مسلم لڑکے کے ساتھ دو سال میاں بیوی کی طرح رہنا زنا کاری اور حرام کاری ہے، لڑکی پر سچے دل سے توبہ واستغفار لازم ہے، دونوں میں علیحدگی کرا دینے کے بعد بچہ ماں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ماں کو دیدیا جائے گا اور مسلمان کہلائے گا؛ البتہ اب کسی مسلمان لڑکے سے نکاح کرنے کے لئے اس لڑکی پر عدت گذارنا لازم نہیں ہے؛ بلکہ علیحدگی کے بعد جب چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

أجمع العماء على أنه لا يحل للمسلمة أن تتزوج غير المسلم سواء

كان مشركا، أو من اهل الكتاب. (فقه السنة ٢/ ٩٨)

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أيما رجل عاهر بحرة، أو أمة فالولد ولد الزنا. (ترمذی، أبواب الفرائض، باب ما جاء في الرجل يسلم على يدى الرجل، النسخة الهندية ٢/ ٣١، ٣٢، دار السلام رقم: ٢١١٣)

الزنا حرام وهو من أكبر الكبائر بعد الشرك و القتل. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٤/ ١٩)

لاعدة من الزنا. (شامي، كراچي ٤/ ٢٣، زكريا ٦/ ٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷ر ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۲۵)	۱۸/ ۴/ ۱۴۳۱ھ

کیا غیر مسلم کے ساتھ بھاگنے والی عورت کا نکاح ختم ہوجاتا ہے؟

سوال [۵۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان شادی شدہ عورت اپنے ایک غیر مسلم نوکر کے ساتھ فرار ہوگئی، پولیس نے ایک مہینہ کے بعد اس کو برآمد کرلیا معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس شادی شدہ عورت کا نکاح اپنے شوہر سے قائم ہے یا غیر مسلم کے ساتھ بھاگ جانے کی وجہ سے نکاح ختم ہوگیا؟ کیا تجدید ایمان وتجدید نکاح ضروری ہے؟

المستفتی: شمشاد احمد خاں، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی شدہ مسلمان عورت غیر مسلم نوکر کے ساتھ بھاگ جانے کے بعد جتنے دن اس کے ساتھ رہی ہے اتنے دن زنا کاری اور بدکاری ہوئی ہے اور زنا کی وجہ سے نکاح اپنے شوہر سے ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ بدستور باقی رہتا ہے؛ البتہ

اگر اسلامی حکومت ہوتی تو سنگسار کر کے انہیں ختم کر دیا جاتا؛ لیکن یہاں چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے؛ اس لئے ان پر یہ سزا عائد نہیں کی جاسکتی ہے؛ اس لئے عورت پر لازم ہے کہ سچے اور خالص دل سے توبہ کر کے اپنی اس حرکت پر نادم ہو اور تجدید ایمان کی بات اس وقت تک نہیں کہی جاسکتی جب تک کہ اس عورت کی طرف سے کسی کفریہ عمل کی بات واضح نہ ہو جائے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنَا اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا. [بني اسرائيل:۳۲]

والمزني بها لاتحرم على زوجها. (شامي، زكريا ٤/ ١٤٤، كراچي ٣/ ٥٠)

لو زنت امرأة رجل لم تحرم عليه وجاز له وطؤها عقب الزنا. (شامي، كراچي ٣/ ٣٤، زكريا ٤/ ١٠٩)

عن أبي ذر رضي الله عنه قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم: وعليه ثوب أبيض وهو نائم، ثم أتيته وقد استيقظ، فقال: ما من عبد قال لااله الاالله، ثم مات على ذلک إلادخل الجنة قلت وإن زنیٰ، وإن سرق، قال وإن زنیٰ، وإن سرق (قالها ثلاثاً). (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب الثياب البيض، النسخة الهندية، ٢/ ٨٦٧، رقم: ٥٥٩٨، ف: ٥٨٢٧، مشكوة ١/ ١٤، مستفاد: فتاوی دارالعلوم قدیم ٧/ ٥٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۸ھ

غیر مسلم کے ساتھ فرار ہونے والی لڑکی کے نکاح کا حکم

سوال [۱۵۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی ایک لڑکی جس کا نام وحیدہ خاتون بنت حاجی محمد تقی ہے، ممبئی شہر میں بھونڈی میں اپنے والدین کے ساتھ رہتی تھی، اس لڑکی کی عمر سترہ سال اور شادی شدہ

ہے، وحیدہ خاتون کے والدین اور پڑوسی غیر مسلم میں کچھ جھگڑا ہوگیا، جس کی وجہ سے دونوں فریق کو چوٹ لگ گئی۔ اور پولیس کیس قائم ہوا، غیر مسلم پڑوسی کو کیس ختم کرانے کے لئے اچھی خاصی رقم -/15000 روپیہ پولیس والوں کو دینا پڑا اس کا بدلہ لینے کے لئے ان لوگوں نے حاجی محمد تقی صاحب اوران کے گھر والوں سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور وحیدہ خاتون اوران کے والدین اور گھر کے دیگر افراد سے تعلقات خوب خوشگوار ہو گئے۔ اور ظاہراً پرانی عداوت قصۂ پارینہ بن کر ختم ہوگئی اور دل میں بسی ہوئی پرانی عدوات بغض کی شکل میں ظاہر ہوئی؛ چنانچہ غیر مسلم پڑوسی نے اپنے لڑکے کوآمادہ کیا کہ وحیدہ خاتون یا حاجی محمد تقی صاحب کے کسی لڑکے یا لڑکی کواغوا کر کے لا پتہ کردیا جائے؛ چنانچہ پورے گھر والوں نے وحیدہ خاتون کے اغوا کرنے میں اہم رول ادا کیا اس کے لئے پولیس والوں کو رقم دی گئی، محلّہ کے اوباش غنڈوں کا سہارا لیا گیا مزید ایک اور لڑکی کو ساتھ دینے کی غرض سے رقم دی گئی؛ چنانچہ تین چار ماہ تک لڑکی غائب رہی، غیر مسلم پڑوسی کا لڑکا بڑودہ کے دیہی جنگلات میں لے کر فرار ہوگیا اور تین چار ماہ مسلسل اپنی ہوس کا شکار بناتا رہا، ایک دو ماہ میں وہ لڑکا اس لڑکی کوفروخت کرنے والا تھا کہ قدرت کی مشیت وہ لڑکی مل گئی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے (۱) کہ وحیدہ خاتون ایک شادی شدہ لڑکی ہے اور دوبارہ اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتی ہے، ایسی صورت میں شرعی شکل کیا ہوگی؟ تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا کوئی اور شکل ہے؟

(۲) اگراس لڑکی نے اپنی مرضی سے غیر مسلم لڑکے کے ساتھ فرار کی راہ اختیار کرلی، جیسا کہ بعض معاندین کا کہنا ہے کہ لڑکی اور لڑکا دونوں اپنی مرضی اور خوشی سے بھاگ گئے تھے؛ جبکہ گھر والے مندرجہ بالا تفصیلات بتارہے ہیں، بہر حال اگر برضا یہ معاملہ ہوا ہو، تو شرعی شکل کیا ہے؟ کیا ایسی شکل میں کلمہ وغیرہ پھر سے پڑھنا ضروری ہے؟

(۳) غیر مسلم لڑکا اگر اسلام قبول کرتا ہے، تو اس سے رشتہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۴) حاجی محمد تقی اوران کے اہل خانہ پر بھی کچھ شرعی مؤاخذہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) وحیدہ خاتون غیر کے ساتھ خواہ مرضی سے بھاگی ہو یا زبردستی دونوں صورتوں میں وحیدہ خاتون پہلے شوہر کی بیوی رہے گی اور جس کے ساتھ بھاگی ہے اس سے بدکاری ہوئی ہے، اسے اپنے اصل شوہر کے ساتھ رہ کر زوجیت کے حقوق ادا کرنا چاہئے۔

والمزني بها لاتحرم علی زوجها. (شامي، کراچي۳/ ۵۰، زکریا ٤/ ١٤٤، جدید ١/ ٣٤٦)

(۳) اور جس غیر مسلم کے ساتھ بھاگی ہے، وہ اسلام لے آئے تب بھی اس کی بیوی نہیں بنے گی۔

لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره. (عالمگیري، زکریا ١/ ٢٨٠)

(۴) وحیدہ خاتون کے والدین کو شرعاً دیوث کہا جائے گا؛ اس لئے کہ انہوں نے اپنی لڑکی کو غیر محرم کے ساتھ اختلاط میں آزادی دی ہے، ایسوں کو حدیث میں دیوث کہا گیا ہے؛ لہٰذا ان کو بھی توبہ کرنا لازم ہے۔

عن عمار بن یاسر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: إلی قوله امامد من الخمر فقد عرفناه فما الدیوث من الرجال قال الذي لایبالي من دخل علی أهله. الحدیث (شعب الإیمان، باب في الغیرة والمذاء، دارالکتب العلمیة بیروت ٧/ ٤١٢، رقم: ١٠٨٠٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۲۸/۳۷)

مسلمان لڑکے کا ہندو لڑکی سے شادی کرنا

سوال [۵۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلم لڑکے نے ایک ہندو لڑکی سے شادی کرلی اور ہم لوگوں کو شادی کے کئی دنوں کے بعد پتہ چلا کہ اس نے یہاں پر شادی کر لی ہے اور وہ لڑکا شادی کے بعد اس کے گھر میں چار، پانچ سال رہا، تو کیا وہ لڑکا مسلمان رہا یا نہیں؟

المستفتی: محمد مجاہد عالم، ٹھٹیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہندو کی مذکورہ لڑکی نے اندرونی طور پر اسلام قبول کرلیا ہے، تو نکاح صحیح ہوگیا ہے اور اگر اس نے اسلام قبول نہیں کیا ہے اور اسی حالت میں مسلمان لڑکے نے اس کے ساتھ نکاح کرلیا ہے، تو شرعی طور پر نکاح منعقد نہیں ہوا ہے، وہ آپس میں میاں بیوی نہیں ہیں اور اس لڑکے نے اگر اسلام کو نہیں چھوڑا ہے باقاعدہ ایمان و اسلام پر باقی ہے، بس صرف ہندو لڑکی سے نکاح کرلیا ہے، تو اسلام سے خارج نہیں ہوگا؛ البتہ فعل حرام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ. [البقرہ:۲۲۱]

وحرم نكاح الوثنية بالإجماع. وفي الشامية: نسبة إلى عبادة الوثن.

(درمختار مع الشامي، كراچي ۳/۴۵، زكريا ۴/۱۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶۵۹/۳۱)

مسلم لڑکے کا کافرہ لڑکی سے نکاح

سوال [۵۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ میرا لڑکا ڈاکٹر ہے ہندو لڑکی اس سے شادی کرنا چاہتی ہے، کہتی ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤنگی، میرا لڑکا کہتا ہے کہ میری ماں کی مرضی نہیں ہے، جب تک وہ راضی نہیں ہوں گی میں شادی نہیں کروں گا لڑکی کا نام شلپی ہے، اس کے ماں باپ اس کے مسلمان ہونے پر راضی ہیں، اس روشنی میں آپ فتوی دے کر کے مجھے بتائیں کہ یہ رشتہ مناسب ہے یا نہیں؟ میرا دل اس بات پر نہیں ٹھہر رہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی چال ہو، جو پوشیدہ ہے، ایسی بات سے ڈر لگتا ہے، آپ سے درخواست ہے کہ آپ فتوی دے کر کے مجھے بتائیں کہ کیا کرنا چاہئے اس لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شیرین سہیل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم لڑکے کا نکاح غیر مسلمہ سے جائز نہیں؛ البتہ اگر لڑکی مشرف باسلام ہو جائے تو اس سے نکاح بلاشبہ جائز اور درست ہو جائے گا۔ اور اس سے نکاح مناسب ہے یا نہیں؟ تو یہ آپ کا گھریلو اور ذاتی معاملہ ہے، جس میں ہم کو رائے دینے کا کوئی حق نہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ . [البقرۃ:۲۲۱]

ومنها: أن لا تكون المرأة مشركة إذا كان الرجل مسلماً فلايجوز للمسلم أن ينكح المشركة. (بدائع الصنائع، زکریا۲/ ۵۵۲، کراچی۲/ ۲۷۰)

إذا جاء كم المؤمنات مهاجرات إلى قوله فلا ترجعوهن إلى الكفار–فلا ”ترجعوهن“قوله وإذا خرجت المرأة إلينا مهاجرة أي تاركة الدار إلى أخرىٰ على عزم عدم العود وذلك بأن تخرج مسلمة. (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب نکاح اهل المشرك کوئٹہ۳/ ۲۹۴، زکریا۳/ ۴۰۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۵؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۱۷۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۵ھ

مرتد کا نکاح کسی سے منعقد نہیں ہوتا

سوال[۵۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی غیر مسلم ہے وہ ایک مسلم لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہے لڑکی نے اس کو غیر مسلم بنا کر شادی ہندوانی رواج کے مطابق کرلی، پھر چار سال کے بعد دونوں مسلمان ہو گئے، تو اب نکاح دوبارہ ہوگا یا وہی نکاح برقرار رہے گا؟

المستفتی: محمد احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندو دھرم اختیار کرنے کی وجہ سے مسلم لڑکا مرتد بن گیا تھا اور مرتد کا نکاح کسی سے بھی نہیں ہوسکتا؛ اس لئے پہلا والا نکاح شرعاً ہوا ہی نہیں۔ اب مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ نکاح ضروری ہے۔

ولا يصلح أن ينكح مرتد، أو مرتدة أحدا من الناس مطلقاً أي مسلماً، أو كافراً، أو مرتداً. (در مختار مع الشامي، زكريا ٤/٣٧٦، كراچي ٣/٢٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۰۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۵ھ

(۱۷) باب المحرمات

کن کن عورتوں سے نکاح حرام ہے؟

سوال [۵۵۴۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کن کن عورتوں سے نکاح حرام ہے؟ تفصیل مطلوب ہے تا کہ بآسانی سمجھا جاسکے کہ یہ عورت فلاں مرد پر حرام ہے۔

المستفتی: شمشاد احمد الاعظمی، چندن پورہ، کوپاگنج، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد کے لئے مندرجہ ذیل عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے۔

(۱) اپنے اصول سے یعنی ماں، دادی، پردادی، اوپر تک۔

(۲) اپنے فروع سے یعنی بیٹی، پوتی، پڑپوتی وغیرہ نیچے تک۔

(۳) اپنے اصول قریب کی فروع مؤنث مثلاً بہن، بھتیجی، بھانجی اور بھتیجے، بھانجے کی لڑکی۔

(۴) اپنے اصول بعید کی فروع قریب مثلاً پھوپھی، خالہ۔

(۵) موطوءہ بیوی کی اصول اوراس کی فروع۔

(۶) اپنے اصول وفروع کی بیوی۔

(۷) رضاعی ماں کے اصول وفروع۔

(۸) مذکورہ عورتوں سے جس طرح نسبی رشتہ کی صورت میں نکاح جائز نہیں، اسی طرح اگر رضاعی رشتہ ہوتب بھی ان عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ اس کے علاوہ مزید (مزنیہ وغیرہ کی اصول وفروع سے متعلق) دیکھنا ہوتو کتب فقہ سے مراجعت فرمائیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ

وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمُ اللّٰاتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ اللّٰاتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِسَآئِكُمُ اللّٰاتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا . [سورة النساء:۲۳]

حرم تزوج أمه، و بنته، وإن بعد تا وأخته، وبنتها، وبنت أخيه، وعمته، وخالته، وأم امرأته، و بنتها، إن دخل بها، و امرأة أبيه، وابنه، وإن بعدتا والكل رضاعاً. (كنز الدقائق، كتاب النكاح، مكتبه مجتبائي ديوبند۹۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رمحرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱ھ

بیٹے کی مطلقہ سے نکاح

سوال [۶۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باپ اپنے بیٹے کی مطلقہ عورت سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ باحوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبد الرحمٰن، محلّہ لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: باپ کے لئے اپنے نسلی بیٹے کی مطلقہ عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، اگر کرلیا تو نکاح منعقد ہی نہ ہوگا اور کسی بھی حالت میں اس کی بیوی نہ ہوگی۔

قال اللّٰه تعالیٰ: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ . [النساء: ۲۳]

عن عبد الرزاق عن ابن جريج قال : قلت لعطاء وحلائل أبنائكم الرجل ينكح المرأة لايراها حتى يطلقها أتحل لأبيه؟ قال هي مرسلة وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم. (مصنف عبد الرزاق، كتاب النكاح، باب وحلائل أبنائكم، المجلس العلمي ٦/ ٢٨٠، رقم:١٠٨٣٧)

حدثنا وكيع ابن جراح عن ابن طاؤس عن أبيه قال :إذا تزوج الابن لم تحل للأب دخل بها، أولم يدخل. الحديث (مصنف ابن أبي شيبه، كتاب النكاح، في الرجل يملك عقد المرأة، أتحل لأبيه إذا لم يدخل بها؟مؤسسه علوم القرآن ٩/ ٩٤، رقم:١٦٤٦٦)

وزوجة أصله، و فرعه مطلقاً ولو بعيداً دخل بها، أو لا. (در مختار مع الشامي، زكريا ٤/ ١٠٥، كراچي ٣/ ٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۸۹۰/۳۸)

باپ کی منکوحہ سے نکاح

سوال[۵۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بشیر احمد جس کی عمر تقریباً ۷۵؍سال ہے، مسجد کا متولی ہے، مسجد میں نماز پڑھنے بھی آتا ہے، اس کے نکاح میں جو عورت ہے، وہ اس کے باپ کی منکوحہ وموطوءہ ہے بایں طور کہ بشیر احمد کے باپ نے اس عورت سے نکاح کیا اور کچھ دن تک اس کے ساتھ میاں بیوی کی طرح زندگی گذاری، پھر بشیر احمد کے والد کا انتقال ہوگیا، پھر کچھ دن کے بعد بشیر احمد نے باپ کی اس بیوی سے نکاح کرلیا۔ اور آج تک یہ دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گذار رہے ہیں، ان کے ایک لڑکا اور لڑکی بھی ہے، جو دونوں شادی شدہ ہیں اور ایک پوتی کی شادی بھی ہوچکی ہے۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ باپ کی منکوحہ یا موطوٴہ سے نکاح کرنا جائز ہے؟ اگر درست نہیں ہے، تو کیا اب بھی ان دونوں کے درمیان تفریق ضروری ہے؟ کیا اتنا کافی ہے کہ بشیر احمد اس عورت سے بیوی والا تعلق ختم کردے اور جس گھر میں اس وقت رہ رہے ہیں، اس میں ہی ایک ساتھ رہتے رہیں یا دونوں کا بالکل الگ الگ رہنا ضروری ہے؟ ان دونوں کا لڑکا انہی کے قریب اپنا الگ گھر بنا کر رہتا ہے، یہ عورت بشیر احمد سے جدا ہوکر اپنے اس لڑکے کے گھر میں رہ سکتی ہے؟ اگر یہ دونوں مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی علیحدگی اختیار نہ کریں تو کیا ان سے اور ان دونوں کا ساتھ دینے والوں سے قطع تعلق ضروری ہے؟ اور مسجد میں نماز پڑھنے آنے سے بشیر احمد کو روک سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرم، خوشحال پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بشیر احمد نے جو اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کیا ہے، وہ نکاح باطل اور حرام ہوا اور اس کے ساتھ ہمبستری زنا کاری کے مرادف ہے؛ لہٰذا فوری طور پر ان کو الگ کردینا لازم ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَآءِ. [النساء: ۲۲]

عن البراءؓ قال مرّبي خالي أبي بريرة ابن نيار و معه لواء فقلت: اين تريد؟ فقال: بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلي رجل تزوج امرأة أبيه، أن آتيه برأسه. (ترمذي، باب فيمن تزوج امرأة أبيه، النسخة الهندية ۲۵۲/۱، دارالسلام رقم: ۱۳۶۲)

اور اگر عورت کو کہیں رہنے کے لئے سہارا نہیں ہے، تو وہ اپنے بیٹے کے گھر میں رہ سکتی ہے اور بشیر احمد کو مسجد میں آنے سے تو نہیں روکا جائے گا؛ البتہ اس کے ذمہ سے مسجد کی تولیت ختم کردینا لازم ہے؛ اس لئے کہ وہ شخص شرعاً فاسق اور خائن ہے۔ اور کسی متبع شریعت باشرع مسلمان کو متولی بنانا ضروری ہے یا باشرع لوگوں کی کمیٹی کے زیر تحت مسجد کا نظام چلانا

ضروری ہے اور اگر مسئلہ معلوم ہونے کے بعد بھی دونوں ساتھ رہتے ہیں اور لوگوں کے ہر طرف سے نرمی اور سختی سے سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتے ہیں تو علاقہ کے لوگوں کو چاہئے کہ ان سے قطع تعلق کردیں بول چال، لین دین، میل جول سب بند کردیں قرآن میں ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ. [هود:۱۱۳] **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۷۷۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۲۳ھ

قبل الدخول طلاق شدہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کا عدم جواز

سوال [۵۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر زید ہندہ کو قبل الدخول طلاق دیدے، تو طلاق کے بعد زید کے بیٹے کے لئے ہندہ سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کے بیٹے کے لئے ہندہ سے نکاح کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ باپ کی منکوحہ بیٹے پر محض عقد ہی سے حرام ہوجاتی ہے۔

ولا بامرأة أبيه وأجداده. لقوله تعالىٰ: ولا تنكحوا ما نكح ابائكم من النساء، اعلم أن امراة الأب والأجداد تحرم بمجرد العقد عليها. (فتح القدير اشرفيه ٣/ ٢٠٢)

أما حليلة الأب. فقوله تعالىٰ: ولا تنكحوا ما نكح آبائكم من النساء......فتحرم بمجرد العقد عليها. (البحر الرائق، زكريا ٣/ ١٦٦، كوئٹه ٣/ ٩٤)

أما منكوحة الأب فتحرم بالنص وهو قوله: ولا تنكحوا ما نكح

آبائكم من النساء والنكاح يذكر ويراد به القعد، وسواء كان الأب دخل بها، أولا لأن اسم النكاح يقع على العقد والوطء فتحرم بكل واحد منهما.
(بدائع الصنائع، زکریا ۲/۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۴۷)

باپ کی سوتیلی بہن سے نکاح

سوال [۵۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی دو بیوی ہیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکا اور دوسری بیوی سے ایک لڑکی، پہلی بیوی کا لڑکا شادی شدہ ہے اور ایک لڑکے کا باپ ہے، جو سن بلوغ کو پہونچ گیا، شخص مذکور کی دوسری بیوی سے ایک لڑکی اور پیدا ہوئی وہ بھی بالغ ہوگئی۔ اب اس شخص کا پوتا اپنی اس بالغ ہونے والی پھوپھی سے پیار کرتا ہے، وہ بھی پیار کرتی ہے اور دونوں آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو کیا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عارف، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی سوتیلی (یعنی علاتی) بہن سے نکاح شرعاً ناجائز اور حرام ہے؛ کیونکہ وہ حقیقی پھوپھی کے درجہ میں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ . [النساء: ۲۳]
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۷۰۲۶)

خالہ سے نکاح

سوال [۵۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بھانجے نے اپنی حقیقی خالہ سے نکاح کیا، اس نکاح کے نتیجہ میں جو اولاد پیدا ہوئی جو کہ نیک اور دینی مزاج رکھتی ہے، اس اولاد سے تعلقات رکھنے اور اس کے گھر کے کھانے پینے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ براہ کرم آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد فرمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالہ سے نکاح کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوئی ہے وہ ناجائز ہے؛ لیکن اس اولاد سے تعلقات رکھنے اور ان کے گھر کا کھانے اور پینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ ان اولادوں کے ناجائز اولاد ہونے میں خود کوئی ان کا قصور نہیں ہے وہ مسلمان ہیں، اہل ایمان میں سے ہیں سارا گناہ ان دونوں کے سر ہوگا، اگر آج بھی یہ دونوں زندہ ہیں تو محلے اور علاقے کے لوگوں پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ فوری طور پر ان دونوں کو الگ کردیں، بشرطیکہ خالہ سے مراد حقیقی خالہ ہو، اگر حقیقی خالہ نہیں ہے تو اس کا حکم دوسرا ہوگا اور بچے ہر حال میں مسلمان ہیں۔

حرم على المتزوج ذكرا كان أو أنثىٰ نكاح أصله، وفروعه، أو نزل ....وعمته، وخالته، فهذه السبعة مذكورة في الآية حرمت عليكم أمهاتكم، وبنتكم، وأخوٰتكم، وعمتكم، و خلتكم. (شامي، زكريا ٤/ ١٠٠، ١٠٣، كراچي ٣/ ٢٨، ٢٩، ٣٠)

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه، أو ينصرانه. (أبو داؤد، ٢/ ٦٤٨، باب في ذراري المشركين، رقم: ٤٧١٤)

قلت يظهر لي الحكم بالإسلام للحديث الصحيح كل مولود يولد على الفطرة، قالوا إنه جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة، فإذا لم يتفقا بقي على الفطرة. (شامي، زكريا ٤/٣٧١، كراچي ٣/١٩٧)

عن أبي هريرةؓ قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم فليأ كل من طعامه، و لايسأل، ويشرب، من شرابه ولايسأل. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٦٧، رقم: ٥٨٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۸۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۱۴ھ

سگی خالہ سے نکاح

سوال [۱۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے ساجد وشال جو کہ مرکزی سرکار میں اچھے عہدہ پر ہے، میری سگی سالی یعنی اپنی خالہ گوہر سے نکاح کرلیا ہے، جس میں کسی عزیز کو بھی معلوم نہیں ہوا اور کافی عرصہ کے بعد پتہ چلا، اس میں شریعت کیا کہتی ہے؟ اس کی روشنی میں جواب دیں۔ لڑکے کی عمر ۲۸ر سال ہے اور لڑکی کی عمر قریب ۴۰ر سال ہے۔

المستفتی: محمد خالد وشال، دھام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے لڑکے ساجد وشال نے اپنی سگی خالہ گوہر کے ساتھ جو نکاح کیا ہے، وہ قرآن وحدیث کی رو سے قطعی طور پر حرام ہے۔ دونوں کو ساتھ رہنا ہرگز جائز نہیں ہے، یہ نکاح ہوا ہی نہیں، یہ ہمیشہ کے لئے زنا کاری ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ .
[سورة النساء: ٢٣]

ترجمہ: تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہوئی ہیں۔ (ترجمہ شیخ الہند ۱۰۴)

وحرم على المتزوج ذكرا كان أو انثىٰ نكاح أصله، وفروعه، أو نزل وبنت أخيه، وأخته وبنتها، ولو من زنى و عماته، وخالاته. (در مختار مع الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا٤/ ١٠٠، هندية، زكريا ١/ ٢٧٣، البحرالرائق كوئٹه ٣/ ٩٣، زكريا٣/ ١٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۸۰۹؍)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۹ھ

کیا خوشدامن اور خسر کی والدہ محرمات میں سے ہیں؟

سوال [۵۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خوشدامن کی والدہ صاحبہ اور خسر کی والدہ صاحبہ محرمات میں داخل ہیں یا نہیں؟ اگر محرمات میں داخل ہیں تو آیا حرمت مؤبدہ یا موقتہ میں؟

المستفتی: عارف حسین، پالوگنج، پرتا بگڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خوشدامن کی والدہ اور خسر کی والدہ دونوں شرعی محرمات میں داخل ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهَاتُكُمُ اللّٰاتِيْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ. [النساء: ٢٣]

وأم امرأته. لقوله تعالیٰ: وَاُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ و يدخل في لفظ الأمهات جداتها من قبل أبيها، وأمها و إن علون الخ (البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا۳/۱٦٥، كوئٹه ۳/۹۳، شامي، زكريا ٤/١٠٤، كراچي ۳/۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۵۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۲۲ھ

خالو اور پھوپھا محرم ہیں یا غیر محرم؟

سوال [۵۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالہ، بھانجی، پھوپھی، بھتیجی ایک شخص کے نکاح میں جمع بیک وقت نہیں ہوسکتی ہیں کیا ہندہ کے لئے ہندہ کے خالو اور پھوپھا محرم ہیں یا غیر محرم؟

المستفتی: رشید احمد سیڑھا، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تک ہندہ کی خالہ، خالو اور پھوپھی پھوپھا کے نکاح میں رہیں گی اس وقت تک ہندہ کے خالو اور پھوپھا اس کے محرم رہیں گے اور خالہ اور پھوپھی کے نکاح سے نکل جانے کے بعد یا وفات پا جانے کے بعد اختتام عدت پر ہندہ کا نکاح خالو یا پھوپھا کے ساتھ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۲۴۹)

عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتنكح المرأة على عمتها، ولا على خالتها. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم الجمع بين المرأة و عمتها، أو خالتها في النكاح، النسخة الهندية ۱/۴۵۲، بيت الأفكار رقم: ۱۴۰۸، صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لاتنكح المرأة على عمتها، النسخة الهندية ۲/۷٦٦، رقم: ٤٩١٧، ف: ٥١٠٨)

وحرم الجمع بين المحارم نكاحاً أي عقداً صحيحاً وعدةً ولو من طلاق بائن - لحديث مسلم "لاتنكح المرأة علىٰ عمتها" وهو مشهور يصلح مخصصاً للكتاب. (در مختار مع الشامي، زكريا ٤/١١٥، كراچي ٣/٣٨، ٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۲۰۸)

بیوی کی خالہ اور پھوپھی محرم ہیں یا غیر محرم؟

سوال [۵۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کی خالہ اور پھوپھی محرم ہیں یا نامحرم ہیں؟

المستفتی: محمد امین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیوی کی خالہ اور پھوپھی غیر محرم ہیں؛ لیکن بیوی کے ہوتے ہوئے خالہ اور پھوپھی کو نکاح میں نہیں لا سکتے۔

حرمة موقتة نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يتزوج الرجل المرأة على العمة، أو على الخالة. (روائع البيان في تفسير آيات الأحكام ١/٥٦)

عن الشعبي سمع جابراً قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم: أن تنكح المرأة على عمتها، أو خالتها. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لاتنكح المرأة على عمتها، النسخة الهندية ٢/٧٦٦، رقم:٤٩١٧، ف:٥١٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۴۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۵ھ

بھانجی اور چچازاد بہن سے نکاح

سوال[۵۵۵۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپا کی لڑکی سے نکاح کرنا درست ہے یانہیں؟ یعنی سگی بہن کی لڑکی سے اور چچی زاد بہن کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یانہیں؟ یہاں پر عرف ورواج کے لحاظ سے تایا کی لڑکی سے نکاح کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے، یہاں پر بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر تایا کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے،تو آپا کی لڑکی سے بھی جائز ہونا چاہئے، اگر تایا اور چچا کی لڑکی سے جائز ہےاور آپا کی لڑکی سے ناجائز تو پھر اس کی کیا وجہ ہے؟

المستفتی: محمد ہاشم قاسمی، چیرولی، ضلع کھمم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سگی بہن کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ حقیقی بھانجی ہے اور حقیقی بھانجی شرعی طور پر محرم ہوتی ہے اور محرم کے ساتھ نکاح کرنے سے قرآن وحدیث میں ممانعت آئی ہے اور چچا زاد بہن کی لڑکی محرم نہیں ہے؛ اس لئے اس کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ نیز چچایا تایا کی لڑکی بھی محرم نہیں ہوتی؛ اس لئے اس کے ساتھ بھی نکاح کرنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے اور دونوں میں محرم اور غیر محرم کا فرق ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ......وَبَنَاتُ الْاَخِ وَبَنَاتُ الْاُخْتِ .

[النساء:۲۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳۹۵/۳۲)

دور کے ماموں، بھانجی اور خالہ بھانجے کا نکاح

سوال [٥٥٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عابدہ پیدا ہوئی اس کے بعد زید کی بیوی خالدہ کا انتقال ہوگیا، زید نے دوسری عورت سامیہ سے نکاح ثانی کرلیا، زید کی لڑکی عابدہ زوجہ اول سے ہے، اس کا نکاح زید کی زوجہ تائب کے بھائی ساجد سے کرادیا گیا، شرعاً اس نکاح کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: اس مسئلہ میں یہ دونوں میاں بیوی ساجد اور عابدہ آپس میں ماموں بھانجہ کا رشتہ رکھتے ہیں؛ لیکن حقیقی ماموں، بھانجی اس کے علاوہ جس رشتہ کے بھی قرار دئے جاویں، ان دونوں کا بہت پہلے نکاح ہوچکا ہے، اس نکاح کے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟ اب اس کے بعد زید کی پہلی بیوی خالدہ سے جو لڑکی عابدہ ہے، اس کے لڑکے مسمی بکر کا نکاح زید کی لڑکی مسماۃ شاہدہ کے ساتھ جو دوسری بیوی ساجدہ سے ہے کردیا جائے تو شرعاً اس نکاح کا کیا حکم ہے؟

نوٹ: یہ مسئلہ پہلے ہی مسئلہ کی شاخ ہے، اس دوسرے مسئلہ میں لڑکا اور لڑکی آپس میں خالہ اور بھانجہ ہونے کا رشتہ رکھتے ہیں، اس میں بھی یہ ظاہر ہے کہ دونوں میں حقیقی خالہ اور بھانجے کا رشتہ نہیں ہے، اس کے علاوہ جس رشتہ کے بھی قرار دئے جائیں، ان دونوں کا آپس میں نکاح کردیا جائے تو کیا شرعی طور پر جائز ہے یا ناجائز؟ کسی قدر وضاحت سے دونوں مسئلوں کا جواب بالصواب سے مطلع فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد ایوب، آزادنگر، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (١) مذکورہ صورت میں شرعی طور پر شاہدا اور عابدہ کے درمیان محرمیت کا رشتہ نہیں ہے، اس لئے دونوں کا نکاح شرعاً صحیح اور درست ہے؛ اس لئے کہ یہ آیت کریمہ۔ **احل لکم ماوراء ذلکم**. [النساء: ٢٤] میں داخل ہے۔

(۲) اس صورت میں عابدہ اورشاہدہ دونوں علاتی باب شریک بہن ہیں اس لئے عابدہ کےلڑکے بکر کا نکاح عابدہ کی علاتی بہن شاہدہ کے ساتھ ناجائز اور باطل ہوگا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ. [النساء:۲۳]

لايحل للرجل أن يتزوج بأمه (إلى قوله) **ولا بخالته؛ لأن حرمتهن منصوص عليها في هذه الآية و تدخل فيها العمات الخ** (هداية، كتاب النكاح، اشرفي بكڈپو ۲/۳۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۶۸۲/۲۵)

علاتی بھائی بہن کا نکاح

سوال [۵۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو ماں اور ایک باپ کی دو اولاد لڑکی لڑکے کا عقد درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد اللہ، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں باپ شریک بھائی بہن کا آپس میں نکاح کرنا ہمیشہ ہمیش حرام ہے۔

وفي الهندية: هن الأمهات والبنات، والأخوات، والعمات، والخالات، وبنات الأخ، فالأخت لأب وأم، والأخت لأب، والأخت لأم.

(عالمگيري، زكريا ديوبند ۱/۲۷۳، جديد ۱/۳۳۹ هكذا في البحر الرائق، كوئٹه ۳/۹۳، زكريا ديوبند ۳/۱۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳۵۷/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۱۳ھ

لاعلمی میں اپنی محرم عورت سے نکاح

سوال [۵۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنی محرم سے نکاح کرلیا، تو یہ نکاح نکاح باطل ہے یا فاسد؟ نکاح باطل اور فاسد کے درمیان فرق واضح فرما دیں؟ اور اس نکاح سے جو بچہ پیدا ہوا ہے، وہ بچہ ثابت النسب ہے یا نہیں؟ اگر ثابت النسب ہے تو والدین کے ترکے کا وارث ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: افتخار احمد، ارریا (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لاعلمی کی وجہ سے اپنی محرم عورت سے جو نکاح ہوگیا وہ شرعاً باطل نہیں ہے؛ بلکہ فاسد ہے اور اس سے جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ ثابت النسب ہے، اس بچے اور ماں باپ کے درمیان وراثت بھی جاری ہو جائے گی اور نہ ہی اس بچہ کو حرامی کا بچہ کہا جائے گا۔ اور نکاح باطل میں بچہ ثابت النسب نہیں ہوتا ہے، یہی نکاح فاسد و باطل میں فرق ہے۔

نیز نکاح فاسد سے فرقت کے بعد عدۃ گذارنا لازم ہوتا ہے اور نکاح باطل پر عدت گذارنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/۴۵)

وعدة المنكوحة نكاحاً فاسداً هي المنكوحة بغير شهود ونكاح امرأة الغير بلا علم بأنها متزوجة، ونكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافاً لهما (إلى قوله) لأنه نكاح باطل أي فالوطئ فيه زنا لايثبت به النسب بخلاف الفاسد، فإنه وطئ بشبهة، فيثبت به النسب، ولذا تكون بالفاسد فراشاً لا بالباطل. (شامي،

کراچي ٣/٥١٦، زکریا ٥/١٩٦، ١٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۳۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۲۶ھ

لاعلمی میں محرم عورت سے نکاح

سوال [۵۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے قرآن پاک میں مذکورہ ممنوعہ عورتوں میں سے ایک سے نکاح کرلیا، چند سال گذرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس عورت سے شادی کرنا مجھ پر حرام تھا؛ لہٰذا اب وہ شخص کیا کرے، اس کا نکاح برقرار رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد الیاس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بھی جس وقت معلوم ہوجائے علیحدہ ہوجانا واجب ہے برقرار رہنا ہرگز جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۳۲۰)

قال اللہ تعالیٰ: اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا.
[النساء:٢٣] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸رشعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷۹۰/۳۸)

بھانجی سے شادی کرنے والے کی عورت کا پکایا ہوا کھانا کھانے کا حکم

سوال [۵۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ بھانجی سے کسی شخص نے شادی کرلی، اب اس کے لئے یا دوسروں کے لئے اس عورت کا بنایا ہوا کھانا کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد ہاشم، گونڈا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فی نفسہ اس عورت کا پکایا ہوا کھانا درست ہے، اگر حقیقی بھانجی ہے، تو اس شخص پر ضروری ہے کہ وہ بھانجی کو اپنے نکاح سے الگ کردے، اگر وہ الگ نہ کرے تو تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ زبردستی بھانجی کو اس کے نکاح سے الگ کروا دیں ورنہ سب گنہگار رہوں گے۔

حرمت عليكم ......وبنات الأخت. [النساء: ۲۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۰۱۱)	۲۸؍۱؍۱۴۲۰ھ

بغیر نکاح کے عورت کو ساتھ رکھنا

سوال [الف: ۵۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے یہاں بے نکاح عورت رہ رہی ہے اور اس عورت کی اماں بھی اسی عورت کے پاس رہتی تھی؛ لیکن اب اس عورت کی اماں کا انتقال ہوگیا ہے، تو اس کی فاتحہ اور جو کچھ بھی کرنا ہے وہی شخص کرے گا کہ جس شخص کے گھر میں وہ بے نکاح عورت رہ رہی ہے۔ اور ایک شخص اس کے ساتھ ایسا بھی شریک ہے، جو کہ شرع کا پابند ہے، وہ دونوں مل کر کے یہ کام کرانا چاہتے ہیں یعنی خدا اور رسول کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، تو ایسے شخص کے یہاں کھانا کھانا اور خدا اور اس کے رسول کا ذکر کرنا کیسا ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: سعید احمد، ہینگر پور، پوسٹ: ڈلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص بے نکاحی عورت رکھتا ہے، وہ زنا کاری میں مبتلا ہے، سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ فوراً علیحدہ کروادیں، اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے سب لوگ بائیکاٹ کرلیں اور میت کے فاتحہ کی رسم ورواج قابل ترک ہے، اور محلّہ کے لوگ اس سے حقہ پانی بند کردیں، اس کے یہاں کسی تقریب میں شرکت نہ کریں۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: **وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَالَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ.** [هود: ۱۱۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۷۸ ۲۷)

دو جڑواں لڑکی جن کے سر ایک دوسرے سے چسپاں ہیں ان کے نکاح کا حکم

سوال [ب: ۵۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو بہنیں جڑواں پیدا ہوئیں؛ لیکن خدا کی قدرت سے ان دونوں کے سر آپس میں ملے ہوئے ہیں اور سر کے علاوہ جسم کے تمام اعضاء جدا جدا ہیں اور وہ دونوں حد بلوغ کو پہونچ چکی ہیں جن کی اب شادی ہونی ہے، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی شادی کی کیا شکل ہوگی؟

الف: آیا ان دونوں کو ایک شمار کر کے ایک ہی مرد سے شادی کردی جائے۔

ب: یا دونوں کو الگ الگ شمار کر کے الگلگ دو مردوں سے شادی کرائی جائے۔

قرآن وحدیث اور فقہ کی جزئیات کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: حافظ عظیم الدین، کشن گنج (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ دونوں بہنیں دو الگ الگ لڑکیاں ہیں، ان کا دھڑ الگ الگ ہے سارے اعضاء الگ الگ ہیں، پیشاب یا پاخانہ بھی الگ الگ ہوتے ہیں اور صرف دونوں کے سر ایک دوسرے سے چسپاں ہیں تو ایسی صورت میں جب تک آپریشن وغیرہ کے ذریعہ سے دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا کسی ایک مرد کے ساتھ ان دونوں کا نکاح جائز نہیں ہوگا۔ قرآن مقدس کی آیت شریفہ:

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ. [النساء: ۲۳]

نص قطعی سے اس کی حرمت ثابت ہے؛ لہٰذا قرآن کے حکم کے مطابق دونوں کی ایک ساتھ شادی نہ کی جائے اور چونکہ آپریشن سے پہلے علیحدہ نہیں ہوسکتیں؛ اس لئے شوہر کو اس کے ساتھ استمتاع ممکن نہیں ہے؛ جبکہ نکاح کا مقصد استمتاع ہے اور وہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم جدید ۵۰۱/۷)

هو عند الفقهاء عقد يفيد ملك المتعة أي حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي. (الدر المختار مع رد المحتار زكريا ٤/٥٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۳۲۷/۴۱)

(۱۸) باب المحرمات بالصهرية

حرمت صاہرت کے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۵۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زوج کا اپنی منکوحہ کی فرع سے فعل موجب حرمت مصاہرت سرزد ہوجانے کی صورت میں مندرجہ ذیل مسائل کا حکم کیا ہوگا:

(۱) تفریق بین الزوجین ضروری ہوگی یا اس میں کچھ مستثنیات ہیں؟

(۲) اس تفریق کے لئے قضائے قاضی یا متارکت الزوج ضروری ہے یا نفس فعل ہی سے تفریق ہوجائے گی؟

(۳) یہ تفریق فسخ نکاح ہوگی یا طلاق، نیز علی التابید ہوگی یا نہیں؟

(۴) عدت واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو زوجہ کے علم میں آنے کے بعد سے شمار ہوگی یا ثبوت حرمت کے معاً بعد سے؟

(۵) کیا بعد التفریق مجامعت موجب حد زنا ہوگی، نیز کیا یہ از سرِنو موجب مہر ہوگی؟

(۶) کیا ما بین علاقۂ زوجیت کلاً مرتفع ہوجائے گی یا مسائل ذیل متفرع ہوں گے:

(الف) نفقہ وسکنی کی ذمہ داری باقی رہے گی یا نہیں؟

(ب) فلانہ زوجہ فلاں کا اطلاق صحیح ہوگا یا نہیں؟

(ج) آپس میں پردہ ضروری ہوگا یا نہیں؟

(د) زوج سے مخصوص خدمت مثلاً استنجاء، غسل وغیرہ لینا درست رہے گا یا نہیں؟ آئسہ معذورہ کے لئے کوئی گنجائش ہوگی؟

(۶) توارث منقطع ہوجائے گا یا باقی رہے گا؟

(۷) اس فرع کا کن رشتہ داروں سے نکاح درست نہیں ہوگا؟

(۸) کیا اس فرع کا جس کے ساتھ یہ فعل ہوا ہے صحت نکاح کے لئے کوئی چیز شرط ہے، مثلاً قضائے عدت وغیرہ ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید امان اللہ حسینی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد میاں بیوی میں سے ہر ایک پر ضروری ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کرائیں، اور ان دونوں کے درمیان تفریق قاضی کرائے یا شوہر خود ہی متارکت کرلے اور تفریق کا اعتبار بھی قضاء قاضی یا شوہر کے متارکت کے وقت سے ہوگا، اور نفس فعل سے حرمت تو ثابت ہوتی ہے، مگر تفریق ثابت نہیں ہوتی۔

ولکل واحد منهما، فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه دخل بها، أولا في الأصح خروجاً عن المعصية فلاينافي وجوبه. (شامي، زکريا ٤/٢٧٥، کراچي ٣/١٣٢، ١٣٣)

وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة و انقضاء العدة. (شامي، زکريا٤/١١٤، کراچي ٣/٣٧، هندية ١/٢٧٧ جديد زکريا ١/٣٤٢)

(۳) اور یہ تفریق حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد یا قضاء قاضی کے ذریعہ سے جو تفریق ہوتی ہے یہ تفریق فسخ نکاح ہوگی طلاق نہیں، نیز یہ تفریق علی التابید اور ہمیشہ ہمیش کے لئے ہوگی۔

وأسباب التحريم أنواع قرابة، مصاهرة، ورضاع. (درمختار)

وفي الشامية: وهذه الثلاثة محرمة على التأبيد. (شامي، فصل في المحرمات، زکريا٤/٩٩، ١٠٠، کراچي ٣/٢٨)

(۴) اگرعورت مدخول بہا ہےتو عدت واجب ہوگی اور یہ عدت متارکت یا قضاء قاضی کےوقت سےشروع ہوگی۔

وتجب العدة......من وقت التفريق، أو متاركة الزوج. (شامي، زكريا ٤/٢٧٦، كراچي ٣/١٣٣)

(۵) حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد متارکت یا قضاء قاضی سے پہلے اگر مجامعت ہوئی ہے، تو یہ وطی بالشبہ کے درجہ میں ہوگی، اس کی وجہ سے حد زنا لازم نہیں ہوگی اوراس مجامعت کی وجہ سےازسرنو مہرمثل لازم ہوجائے گا۔

الوطء الكائن في هذه الحرمة قبل التفريق، والمتاركة لايكون زنا وعليه مهر المثل بوطئها بعد الحرمة ولاحد عليه ويثبت النسب. (شامي، زكريا ٤/١١٤، كراچي ٣/٣٧)

(٦/الف) حرمت مصاہرت کا سبب اگر شوہر بنا ہے یا میاں بیوی کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی بنا ہے یا خود بیوی بنی ہے، مگر بیوی کی طرف سے معصیت نہیں تھی، تو ان تمام صورتوں میں متارکت کے بعد دوران عدت نفقہ اور سکنی دونوں ملے گا اور اگر بیوی ہی حرمت مصاہرت کا سبب بنی ہے اوراس کی طرف سے معصیت کی وجہ سےحرمت مصاہرت کا ثبوت ہوا ہے، تو بیوی کوعدت کے دوران صرف سکنی ملے گا، نفقہ نہیں ملے گا۔اورمتارکت یا قضاء قاضی سے پہلے نفقہ اور سکنی دونوں ہر حالت میں ملیں گے؛ اس لئے کہ متارکت میں تاخیرشوہرکی وجہ سے ہے۔

وكذلك الفرقة بغير طلاق إذا كانت من قبله، فلها النفقة، والسكنىٰ سواء كانت بسبب مباح كخيار البلوغ، أو بسبب محظور كالردة ووطوء أمها أو تقبيلهما بشهوة بعد أن يكون بعد الدخول بها لقيام السبب وهو حق الحبس للزوج عليها بسبب النكاح، وإذا كانت من قبل المرأة، فإن كانت بسبب مباح كخيار الإدراك، أوخيار العتق،

وخيار عدم الكفاء ة، فكذلک لها النفقة والسكنیٰ، وإن كانت بسبب محظور بأن ارتدت أو طاوعت ابن زوجها، أو أباه، أو لمسته بشهوة، فلا نفقة لها استحساناً ولها السكنیٰ، وإن كانت مستكرهة. (بدائع الصنائع، زكريا۳/ ٤١٩، كراچي ٤/ ١٦، ١٧)

(ب) جب وہ متارکت کے بعد بیوی ہی نہیں رہی ہے، تو زوجۂ فلاں کہنا صحیح نہ ہوگا؛ البتہ زوجۂ سابقہ کہنا صحیح ہوسکتا ہے۔

فخرج المجوسية، والمكاتبة، والمشركة، ومنكوحة الغير، والمحرمة برضاع، أو مصاهرة فحكمها كالأجنبية. (شامي، زكريا۹/ ٥٢٧، كراچي ٦/ ٣٦٦)

(ج) حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے، اس کے ساتھ کسی بھی حالت میں نکاح جائز نہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاشرہ اور رہن سہن میں بھی ماں بہن کی طرح بن گئی ہو؛ بلکہ رہن سہن کے معاملہ میں ایک دوسرے کے لئے مکمل اجنبی بن گئے، جیسے اجنبی مردوں سے مکمل پردہ ہے، اسی طرح اس شوہر سے مکمل پردہ کرنا عورت پر لازم ہے اور مرد پر بھی لازم ہے کہ اجنبی عورتوں کی طرح سے اس سے دور رہے۔

فخرج المجوسية، والمكاتبة، والمشركة، ومنكوحة الغير والمحرمة برضاع، أو مصاهرة، فحكمها كالأجنبية. (شامي، زكريا۹/ ٥٢٧، كراچي ٦/ ٣٦٦)

(د) حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد خواہ تفریق اور متارکت سے پہلے ہو یا اس کے بعد استنجاء اور غسل وغیرہ میں ایک دوسرے سے تعاون لینا جائز نہ ہوگا؛ اس لئے کہ اب وہ عورت مرد کے حق میں اجنبیہ کی طرح ہوگئی ہے اور اس سے مکمل پردہ لازم ہے۔

فخرج المجوسية، والمكاتبة، والمشركة، ومنكوحة الغير، والمحرمة برضاع، أو مصاهرة، فحكمها كالأجنبية. (شامي، زكريا۹/ ٥٢٧، كراچي ٦/ ٣٦٦)

(ہ) قاضی کی تفریق یا شوہر کے متارکت کے بعد میاں بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال ہوجائے ، تو اگر حرمت کا سبب شوہر بنا ہے، تو بیوی اس کی وارث بنے گی اور اگر حرمت کا سبب بیوی خود بنی ہے یا شوہر کے علاوہ کوئی اور شخص بنا ہے، تو اس صورت میں بھی بیوی شوہر کی وارث نہیں بنے گی۔

الفرقة لو وقعت بتقبيل ابن الزوج لاترث مطاوعة كانت أو مكرهةً، أما الأولى فلرضاها بإبطال حقها، وأما الثاني فلم يوجد من الزوج إبطال حقها المتعلق بالإرث لوقوع الفرقة بغيره. (شامي، زكريا ٥/٨، كراچي ٣/٣٨٧)

وكذلك إذا وقعت الفرقة بمعنىً من قبلها فلاميراث لها. (تاتارخانية، كراچي ٣/٥٧٧، زكريا ديوبند ٥/١٢١، رقم:٧٤٣٤)

(۷/۸) شوہر نے اگر بیوی کے جزء کے ساتھ حرکت کی ہے، جس کے نتیجہ میں حرمت مصاہرت ثابت ہوئی ہے، یا بیوی کے شوہر کی فرع اور جزء کے ساتھ حرکت کی وجہ سے حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوا ہے، تو اس فرع کے لئے بیوی کے اصول وفروع اور شوہر کے اصول وفروع جو پہلے حرام نہیں تھے اب حرام ہوجائیں گے اور جو پہلے سے حرام تھے وہ اب بھی حرام ہیں۔

وحرم أيضاً بالصهرية، أصل ممسوسته بشهوة، وأصل ماسته، وفروعهن مطلقاً. وفي الشامية: قوله مطلقاً يرجع إلى الأصول، والفروع أي وإن علون وإن سفلن. (شامي، زكريا ٤/١٠٧، كراچي ٣/٣٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۶۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۱۸ھ

کیا حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد بیوی کو ساتھ رکھنے کی کوئی شکل ہے؟

سوال [۵۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسمیٰ (زید جو کچھ ٹوٹا پھوٹا لکھ پڑھ سکتا ہے) نے ایک دن اپنی لڑکی (جس کی عمر ساڑھے گیارہ سال ہے) کا ہاتھ بری نیت سے پکڑ کر اپنے عضو تناسل پر اور اپنا ہاتھ لڑکی کی شرمگاہ پر رکھ دیا، لڑکی کو غصہ آیا اور خوف بھی محسوس ہوا، اس نے صورت واقعہ کی جانکاری اپنی ماں کو دی، ماں نے ایک مولوی صاحب سے اس بارے میں مسئلہ معلوم کیا تو انہوں نے فرمایا کہ: لڑکی کی ماں زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہے اور اب اسے لڑکی کی ماں کو طلاق دیدینی چاہئے اور زید نے اس کو تین طلاق دیدی۔

مندرجہ بالا صورت میں زید کی بیوی کو کیا کرنا چاہئے؟ ویسے وہ فی الوقت اپنے میکہ میں ہے، ساتھ میں چار چھوٹے بچے ہیں، زید کی بیوی نے ابھی کسی کو صورت حال کی جانکاری نہیں دی ہے، میکہ میں زیادہ دن ٹھہرنا مشکل ہے؛ لہٰذا شریعت کا جو حکم ہے، اس سے جلد از جلد مطلع فرما کر ماجور ہوں۔

زید کے بارے میں شاید یہ بتا دینا بھی کارآمد ہو کہ وہ ذہنی طور پر نارمل نہیں ہے، اس کے والدین نے اس کو پڑھانے کی بہت کچھ کوشش کی؛ لیکن وہ درجہ پنجم سے آگے نہ بڑھ سکا، چائے کی دوکان اور دوسرے کام کاج میں اس کو ڈالا گیا؛ لیکن اپنی عدم صلاحیت کی بنا پر وہ کسی میں بھی کامیاب نہ ہوسکا، گاہکوں کو سامان کے ساتھ زیادہ پیسے واپس کر دینا، بازار سے چار سامان خریدنا، دو لانا دو وہیں چھوڑ آنا وغیرہ اس کا روز کا معمول ہے، اپنی عقل وسمجھ سے کوئی کام نہیں کرسکتا، حساب کتاب نہیں کرسکتا جو بھی کوئی کہہ دے اسی کو مان لیتا ہے، کوئی کام کروانے والا ہو، تو موٹے کام مثلاً مٹی گارے وغیرہ کے کرسکتا ہے۔

نوٹ: جو بھی حکم شریعت مطہرہ کا ہو واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسماعیل خادم مدرسہ قاسم العلوم، سنت کبیر نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جوصورت حال بیان کی گئی ہے، اگر واقعۃً صحیح ہے، تو زید کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہے اورفوری طور پر میاں بیوی کے درمیان تفریق کرانا یا شوہر کی طرف سے متارکت کرنا لازم تھا اور بغیر متارکت بیوی کے لئے دوسری جگہ شادی کرنا بھی جائز نہیں تھا؛ لیکن سوال نامہ میں صاف لفظوں میں وضاحت ہے کہ زید نے اپنے بیوی کو تین طلاق دیدی ہے لہٰذا تین طلاق سے متارکت بھی ہوگئی اورطلاق مغلظہ بھی ہوگئی۔

اب یہ بیوی شوہر کے پاس حلالہ کے بعد بھی نہیں آسکتی ہے؛ اس لئے کہ ہمیشہ کی حرمت ثابت ہوگئی ہے اور جس وقت طلاق دی ہے، اس وقت سے تین ماہواری گزرجانے کے بعد اس کی بیوی کی عدت پوری ہوجائے گی ،اس کے بعد کسی دوسری جگہ وہ اپنی مرضی سے شادی کرسکتی ہے اور بچوں کا نان ونفقہ زید کے اوپر لازم رہے گا اور بیوی کی عدت کا خرچہ بھی اس پر لازم ہے؛ اس لئے کہ بیوی مظلومہ ہے اورآئندہ دونوں کے ساتھ رہنے کی شرعاً کوئی شکل نہیں ہے اورشوہر کی دماغی حالت جو پیش کی گئی ہے، وہ ایسی نہیں ہے جوحقوق زوجیت اداکرنے میں مخل ہواورجنسی تعلقات کوسمجھنے میں ناکام ہو؛ بلکہ اس معاملہ میں اس کا دل ودماغ شرعاً درست ہے،اس کی دلیل کے لئے یہی کافی ہے کہ اسی کے نطفہ سے چار بچے پیدا ہوئے ہیں۔

إن النظر إلی فرج ابنته بشهوة یوجب حرمة امرأته، وکذا لو فزعت فدخلت فراش أبیها عریانة، فانتشر لها أبوها تحرم علیه أمها. (درمختار)

وفي الشامیة: قوله دخلت فراش أبیها کنیٰ به عن المس و إلا فمجرد الدخول بغیر مس لایعتبر. (شامي، کتاب النکاح، زکریا٤/١١٤، کراچي٣/٣٧)

وبنت تسع فصاعداً مشتهاة اتفاقاً. (شامي، زکریا٤/١١٤، کراچي٣/٣٧، الموسوعة الفقهیة الکویتیة٣/٢١٣)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد. (عالمگيري، زكريا١/ ٥٦٠، جديد زكريا١/ ٦٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۱۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰؍۱؍۱۴۲۸ھ

محرمات ابدیہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہونے کا ثمرہ

سوال [۵۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو عورتیں محرمات ابدیہ میں سے ہیں مثلاً خالہ، پھوپھی، ماں، بیٹی وغیرہ اگر ان میں سے کسی سے مس بالشہوت یا تقبیل وغیرہ دھوکہ سے یا جان بوجھ کر ہو جائے، تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے معلوم یہ کرنا ہے کہ جب یہ عورتیں پہلے ہی سے محرمات ابدیہ میں سے ہیں، تو اس حرمت مصاہرت کا ثمرہ اور فائدہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد عتیق سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو عورتیں محرمات ابدیہ میں سے ہیں مثلاً خالہ، پھوپھی، ماں، بیٹی، وغیرہ ان سے حرمت مصاہرت کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر مثلاً کسی نے اپنی خالہ یا پھوپھی کو شہوت کے ساتھ چھو دیا یا بوسہ لے لیا خواہ دھوکہ سے ہو یا جان بوجھ کر بہر دو صورت ان کی تمام فروعات یعنی لڑکی وغیرہ اس پر حرام ہو جائیں گی۔ اور اس کے لئے ان لڑکیوں سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا اور حرمت مصاہرت کے ثبوت سے پہلے ان کی اولاد سے نکاح جائز تھا اور اسی طرح اگر ماں کے ساتھ کسی بیٹے نے اس خلاف فطرت عمل کا ارتکاب کیا، تو اس کی ماں اپنے شوہر (اس کے باپ) پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی حیا سے عاری باپ نے اپنی بیٹی کے ساتھ اس حیا سوز عمل کا ارتکاب کیا خواہ دھوکہ سے ہو یا جان بوجھ

کرتو بیٹی کی ماں اپنے شوہر (اس کے باپ) پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہوجاتی ہے؛ جبکہ اس عمل سے قبل ایسا نہیں تھا۔

حرم أيضاً بالصهرية......أصل ممسوسته بشهوة......وفروعهن مطلقاً......ولافرق بين عمد و نسيان، خطأ وإكراه. (شامي، زكريا٤/١٠٧، تا ١١٢/٤، كراچي ٣/٣٢ تا ٣٥)

في القبلة يفتىٰ بها أي بالحرمة. (شامي، زكريا٤/١١٣، كراچي ٣/٣٦، هندية ١/٢٧٦ جديد زكريا ١/٣٤١)

فلو أيقظ زوجته، أو أيقظته هي لجماعها، فمست يده بنتها المشتهاة، أو يدها ابنه حرمت الأم أبداً. (شامي، زكريا٤/١١٢، كراچي٣/٣٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۷۲۲۱)	۱۴۲۲/۵/۱۰ھ

اجنبیہ منکوحہ سے حرمت مصاہرت کا کیا فائدہ؟

سوال [۵۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو عورتیں مثلاً چچی، ممانی، بھابھی یا دیگر اجنبیات کسی کے نکاح میں ہوں، اگر ان میں سے کسی کے ساتھ مس بالشہوۃ یا بوس وکنار وغیرہ ہوجائے، تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ حرمت مصاہرت تو محللات میں ثابت ہوتی ہے، تو مذکورہ عورتیں دوسرے کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے پہلے ہی سے اس پر حرام ہے، پھر حرمت مصاہرت کا کیا فائدہ؟

فقہی جزئیات کی روشنی میں مسئلہ حل فرمائیں۔

المستفتی: محمد عتیق سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوعورتیں پہلے سے کسی کے نکاح میں ہیں مثلاً چچی، ممانی، یا دیگر اجنبیات ان سے حرمت مصاہرت کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر اس طرح کی عورتوں سے مس بالشہوۃ یا تقبیل وغیرہ ہو جائے، توان کے اصول وفروع اس شخص پر حرام ہو جاتے ہیں، ان سے یہ نکاح نہیں کرسکتا؛ جبکہ اس عمل سے قبل ان کے اصول وفروع اس کے لئے حلال تھے۔

نیز حرمت مصاہرت کے ذریعہ حرمت مبتلا بہ عورت میں نہیں آئی جیسا کہ سائل سمجھ رہا ہے؛ بلکہ حرمت اصول وفروع میں آتی ہے، اسی طرح حرمت مصاہرت اسباب حرمت کے ارتکاب سے صرف محللات ہی سے ثابت نہیں ہوتی؛ بلکہ محللات ومحرمات سب سے ثابت ہوتی ہے، مثلاً کسی شخص نے اپنی ماں کو شہوت کے ساتھ چھودیا یا بوسہ لے لیا، تواس عمل سے اس کی ماں اپنے شوہر (اس کے باپ) پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور کسی اجنبیہ کے ساتھ ایسا عمل ہونے سے اس کے اصول وفروع اس شخص پر حرام ہو جاتے ہیں؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ حرمت مصاہرت حرمت اسباب کے ذریعے محللات ومحرمات دونوں میں ثابت ہوتی ہے۔

حرم أیضاً بالصهرية أصل ممسوسته بشهوة وفروعهن مطلقاً، ولا فرق بين عمد و نسيان، وخطأ وإكراه. (شامي، زکریا٤/١٠٧تا ٤/١١٢، کراچي ٣/٣٢تا ٣٥)

فلو أيقظته هي لجماعها، فمست .....يدها ابنه حرمت الأم أبداً.

(شامي، زکریا ٤/١١٢، کراچي ٣/٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۲۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۴ھ

کیا شرعی شہادت کے بغیر محض عورت کے دعویٰ سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی؟

سوال [٥٥٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جمیل احمد کے لڑکے کی بیوی مسماۃ عائشہ رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر اوپر چھت پر ہوا میں لیٹ گئی، کچھ دیر کے بعد اس کی آنکھ لگ گئی، ہوا سے اس کے سر کے بال اڑ اڑ کر اس کے منھ پر آ گئے، اسی حالت میں اس کا سسر جمیل احمد اس کے پاس آیا وہ اکیلی تھی، اس کے پاس بیٹھ کر اس کے منھ ماتھے پر اس طرح ہاتھ پھیرا کہ جیسے بالوں کو ہٹا کر سر کی طرف کو سیدھا کرر ہا ہو، تین بار اس نے ایسا کیا، لڑکی کو محسوس ہوا کہ کوئی اس کے منھ پر ہاتھ پھیر رہا ہے، وہ ابھی نیند سے پوری طرح جاگی نہیں تھی کہ یہ شخص فوراً اس کے پاس سے ہٹ کر کسی طرف کو اس طرح لیٹ گیا کہ جیسے سو رہا ہو، آنکھوں پر ہاتھ بھی رکھ لیا، لڑکی عائشہ نے آنکھیں کھولیں سوچا کہ کون میرے پاس آیا ہوگا اور کس نے منھ پر ہاتھ پھیرا ہوگا، اس نے اٹھ کر گھر میں اِدھر اُدھر دیکھا اور نیچے بھی دیکھا کہ شاید اس کا شوہر آیا ہو؛ لیکن اس کا شوہر بھی ابھی تک نہیں آیا تھا، وہ پھر وہیں لیٹ گئی اور اس کی آنکھ لگ گئی۔

اب یہ سسر جمیل احمد اٹھ کر دوبارہ اس کے پاس پہونچ کر زبان سے بول بول کر ناجائز پیار محبت کی باتیں کرنے لگا کہ تو تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے، تجھے پیار کرنے کو میرا جی چاہتا ہے اور میں تجھ سے ایک بات کہوں اگر تو کسی سے نہ کہے، یہ آوازیں جب اس کے کان سے ٹکرائیں تو اس نے غور کیا کہ یہ آواز تو میرے سسر کی جیسی ہے، تو آنکھیں کھولیں تو واقعی سسر ہی تھا، یہ اٹھی اور غصہ میں سسر کے ہاتھ پکڑ لئے اور اسے بہت کچھ کہہ ڈالا اور ابھی کچھ دیر پہلے تو نے ہی میرے منھ پر ہاتھ پھیرا تھا، تیرے اوپر چپل پھیرونگی، تو نے مجھے اپنی بڑی بہو کی طرح سمجھا ہے، اس کے ساتھ جیسے تو نے بدمعاشی کر رکھی ہے، تو میرے ساتھ بھی وہی کرنا چاہتا ہے، سسر نے کہا دیکھ کسی سے اس بات کا ذکر مت کرنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اوپر ہی اس کا شوہر بھی آ گیا، تو عورت نے شوہر کو نیچے لے جا کر اس کے باپ جمیل احمد کی یہ ساری شکایت کر دی، شوہر نے کہا اس بڈھے کو صبح ہی گھر سے نکال دینا اور کسی سے اس بات کا ذکر مت کرنا لڑکی خاموش رہی اس کا سسر گھر سے چلا گیا اور اس نے کہا اس بات کا تو اس سے بدلہ لینا ہے یعنی عائشہ سے کچھ دن کے بعد عائشہ کا شوہر گھر سے چلا گیا

کسی کام سے، پھر عورت کا سسر آ گیا اور اس کی نند اور شوہر آ جاتے ہیں، سسر اور نند نے عائشہ کے شوہر کو بہت ورغلایا کہ تیری بیوی عائشہ کا کرایہ دار سے ناجائز تعلق ہے وہ اس سے ملی ہوئی ہے (اس کے مکان میں اوپر کے ایک حصہ میں کرایہ دار بھی رہتا ہے) یہ بے بنیاد الزام اور بہتان عائشہ پر رکھ کر اس کے شوہر سے اس کو پٹوایا، شوہر نے اس کو لوہے کے پائپ سے مارا، اس کے پیٹ میں بہت سخت ضرب آ گئی شاید وہ اس کو جان سے ہی مارنا چاہتا تھا، یہ بھاگ کر گھر سے نکلی تو پڑوس والوں نے اسے پناہ دی اور اس کی جان بچائی، پڑوسی اور محلّہ والے اس کے گواہ ہیں، اس نے پھر بعد میں بھی یہ بات کہی ہے کہ اسے جان سے ماروں گا، اس کے میکے والے پڑوس میں سے اس کو لے گئے، اس کو ہسپتال میں بھرتی کر دیا گیا، تب عورت نے یہ بیان دیا کہ میرے آدمی نے جو مجھے مارا ہے، تو میرے سسر اور نند نے مجھ کو پٹوایا ہے، سسر نے مجھ سے اپنی اسی بات کا بدلہ لیا ہے، تب اس نے اپنے سسر کی ساری بات بیان کی جو مکان کی چھت پر اکیلے میں سسر نے عائشہ کے ساتھ کی تھی، سسر کا یہ کہنا ہے کہ یہ مجھ پر بے بنیاد الزام اور بہتان لگا رہی ہے اور عورت حلفیہ اس بات کو کہہ رہی ہے کہ بد نیتی کے ساتھ اس نے میرے منھ پر اور رخساروں پر ہاتھ پھیرا، وہ مجھ سے غلط کام کرنا چاہتا تھا؛ اسی لئے دوبارہ میرے پاس آیا اور ناجائز پیار ومحبت کی باتیں کہنے لگا۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسی صورت میں یہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام اور اس کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں؟ اور آئندہ اس کے ساتھ رہنے کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟ یہ فرمائیں کہ اس بات کے ثبوت کے لئے کیا عورت کا حلفیہ بیان کافی ہے؛ کیونکہ عورت کی طرف سے اس بات کا کوئی گواہ نہیں ہے، تو بلا گواہ کے صرف اس کے حلفیہ بیان سے یہ بات ثابت مانی جائے گی یا نہیں؟ اور سسر کا دوبارہ اس کے پاس جا کر ناجائز پیار و محبت کی باتیں کرنا کیا اس بات کا قوی قرینہ مانا جا سکتا ہے کہ پہلی بار سسر نے بدنیتی کے ساتھ ہی اس کے منھ پر ہاتھ پھیرا ہے؛ جبکہ اس نے عائشہ سے یہ بھی کہا کہ دیکھ اس بات کو کسی سے

مت کہنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا، اس مسئلہ کے جواب باصواب سے مشرف فرمائیں۔

المستفتی: صوفی محمد اسماعیل، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صرف عائشہ کے اقرار کرنے کی وجہ سے وہ اپنے شوہر پر حرام نہ ہوگی اور نہ اس کے نکاح سے خارج ہوگی۔

و إن ادعت الشهوة في تقبيله، أو تقبيلها ابنه، وأنكرها الرجل فهو مصدق، وفي الشامية: إن ادعت الزوجة أنه قبل أحد أصولها وفروعها بشهوة، أوأن أحد أصولها وفروعها قبله بشهوة الخ قوله فهو مصدق؛ لأنه ينكر ثبوت الحرمة. (شامي، زكريا٤/١١٤، كراچي ٣/٣٧)

وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بأخر إلا بعد المتاركة انقضاء العدة. (شامي، زكريا٤/١١٤، كراچي٣/٣٧، هندية ١/٢٧٧ جديد زكريا١/٣٤٢)

سوال نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں عورت کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے اور نہ ہی خسر اس بات کا اقرار کررہا ہے اور نہ ہی شوہر نے لوگوں کے سامنے باپ کو جھٹلا کر عورت کی تصدیق کی ہے؛ اس لئے عائشہ کا حلفیہ بیان کرنا کہ میرے خسر نے شہوت کے ساتھ میرے رخسار پر ہاتھ پھیرا ہے ثبوت حرمت کے لئے کافی نہیں ہے۔

وفي المس لا تحرم مالم تعلم الشهوة؛ لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس. (در مختار مع الشامي ٤/١١٣، كراچي ٣/٣٥، هندية، زكريا١/٢٧٦ جديد١/٣٤١)

نیز بہو کے بارے میں غیر مرد سے بغیر شرعی ثبوت کے تعلق کا الزام لگانا جائز نہیں ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۱۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۴؍۱۴۲۰ھ

کیا تنہا عورت کی گواہی حرمت مصاہرت کے لئے کافی ہے؟

سوال [۵۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی کو دو سال کا عرصہ ہوا چار یا پانچ مہینہ بمشکل اپنی سسرال میں رہی، سسرال میں رہنے کے دوران میرے خسر کے معاملات میرے ساتھ بہت زیادہ گندے تھے، مثلاً ایک دفعہ میرے کمرے میں آگئے تھے اور ایک دفعہ میرے شوہر اور اپنے آپ کو یہ کہہ رہے تھے کہ دو دوست سمجھنا اور ایک دفعہ اپنے اوپر کو گرا بھی لیا تھا اور نماز میں گال، منھ میں بھرتے تھے، گندی کتاب اور فلم دکھایا کرتے تھے، پکڑا کرتے اور آنکھ مارا کرتے تھے، میں اپنے شوہر سے ان باتوں کا تذکرہ کرتی تھی تو وہ اس کو جھوٹ بتاتے اور انکار کرتے اور بھی کئی ایسی باتیں ہیں، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ میرے خسر کی نظر میرے اوپر گندی ہے، مسئولہ صورت میں میرے لئے کیا حکم شرعی ہے؟

نیز سسرال سے واپس آکر فوراً ہی میں نے میکہ میں ان باتوں کو بیان کیا تھا اور اپنی ماں سے لپٹ کر روئی تھی اور کہا تھا کہ میرا نکاح شوہر سے کیا ہے یا خسر سے کیا ہے، اس کے باوجود سمجھا کر دوبارہ بھیج دیا گیا تھا، پھر بھی اسی طرح کے واقعات پیش آئے اس لئے میکہ آگئی تھی۔

المستفتیه: ایک مسلم بہن، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں لکھی ہوئی باتیں صرف ایک جانب کی ہیں، دوسری جانب سے کیا بیان ہے وہ ہمارے سامنے نہیں ہے، عورت کے مذکورہ بیان کے مطابق اگر اس کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں اور شوہر اس کی باتوں کی تصدیق نہیں کر رہا ہے اور نہ ہی خسر ان میں سے کسی بات کا اقرار کر رہا ہے، تو قاضی یا پنچایت کے سامنے اس کی بات معتبر نہ ہوگی؛ لیکن بینہا و بین اللہ اصل حقیقت کیا ہے، وہ اللہ اور اس کے درمیان کا مسئلہ ہے، ایسی صورت میں اگر واقعی عورت کو اس طرح کی

باتوں کا یقین ہے، تو ایسی صورت میں خلع وغیرہ کے ذریعہ شوہر سے علیحدگی کی کوشش کرنا عورت کے ذمہ ہے۔ (الحیلۃ الناجزہ ۵/۴/۱۵، ۳۰۵/، ۳۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۷۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۳ھ

خسر سے حرمت کے ثبوت کے شرائط

سوال [۵۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح اب سے چار سال پہلے محمد عمر صاحب کے صاحب زادہ عظمت علی صاحب سے ہوا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میرے شوہر کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور میں گھر پر اپنے کمرہ میں سوئی ہوئی تھی، رات کو تقریباً بارہ بجے میرے خسر میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑا چاقو ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اور مجھ کو دھمکی دی کہ اگر شور وغل مچایا تو مار ڈالوں گا؛ لیکن میں نے اپنی عصمت کی خاطر شور مچادیا تو میرے منہ پر ہاتھ رکھا تو میں جھٹک دیا، جب میرے شوہر باہر سے آئے تو میں نے ان کو سب کچھ بتایا، مگر انہوں نے مجھ کو جھوٹا بتا کر مارا پیٹا، پھر والد صاحب مجھ کو اپنے گھر بلا لائے، اس کے بعد تقریباً چار سال مقدمہ چلا جس کو ہم نے جیت لیا۔

اب میرے شوہر کی جانب سے ایک پرچہ آیا ہے، جس میں مجھ کو بیکار اور ناکارہ بتا کر لکھا ہے کہ ہم ایسی لڑکی کو ہرگز نہیں رکھنا چاہتے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ مذکورہ صورت میں مجھ کو کیا کرنا چاہئے اور شوہر طلاق دینا نہیں معافی چاہتا ہے، میرے شوہر نے جو بات لکھی اس کے شرعی گواہ بھی موجود ہیں اور میرے خسر نے میرے ساتھ جو کرنا چاہا، اس کا وہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ **بینوا بالدلیل توجروا عند الله أجراً جزیلاً.**

المستفتیہ: پھول جہاں، قصبہ رام نگر، ضلع: نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرمت ثابت ہونے کے لئے دوعادل پابند شریعت گواہ یا شوہر کی تصدیق شرط ہے، اورصورت مذکورہ میں آپ کے پاس خسر کے فعل پر عینی گواہ شرعی موجودنہیں ہیں، اورنہ ہی شوہر آپ کی تصدیق کررہا ہے،تو ایسے حالات میں آپ اپنے شوہر پرحرام نہیں ہوئیں، اگرچہ خسر بھی اقرار کرے؛ بلکہ آپ کے ساتھ شوہر کا نکاح بدستور باقی ہے۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۳۳۶)

رجل قبل امرأة ابيه بشهوة ، أو قبل الأب امرأة ابنه بشهوة، وهي مكرهة وأنكر الزوج أن يكون بشهوة، فالقول قول الزوج. (فتاوى عالمگيري، القسم الثاني المحرمات بالصهرية، زكريا ١/٢٧٦)

وإن ادعت الشهوة في تقبيله، أو تقبيلها ابنه، وأنكرها الرجل، فهو مصدق لاهي. (الدرالمختار، كراچي ٣/٣٧، زكريا ٤/١١٤، ١١٥)

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها (إلى قوله) ولاتحرم على أبيه وإبنه إلا أن يصدقاه، أو يغلب على ظنهما صدقه (شامي، زكريا ٤/١٠٨، كراچي ٣/٣٣)

اورشوہر کا یہ لکھنا کہ ہم ایسی لڑکی کو ہرگزنہیں رکھنا چاہتے ہیں، اگرشوہر نے طلاق کی نیت نہیں کی ہے،تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی ، آپ بدستور شوہر کے نکاح میں برقرار ہیں اورشوہر لے جانا چاہے تو آپ کو جانا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۲۰۱)

شرعی گواہ نہ ہونے کی صورت میں زنا کا اقرار کرے یا نہ کرے؟

سوال [۵۵۶۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے شادی کی فاطمہ سے فاطمہ سے دولڑکے یعنی عمر،بکر پیدا ہوئے،اس کے بعد فاطمہ انتقال کرگئی، پھر زید نے دوسری شادی کی خالدہ سے،عمر نے خالدہ سے زنا کرلیا،اس زنا کا علم بکر کو ہو گیا،مگر زید کو زنا کا علم نہیں ہے،عمر کے زنا کرنے کے بعد زید سے دو تین بچے بھی پیدا ہوئے،مگر بکر نے اس راز کو کھولا نہیں وہ اپنے دل میں کہتا ہے کہ،اگر میں راز کو کھولوں تو ہمارے خاندان والوں کی بدنامی ہوگی اور یہ بھی سوچتا ہے کہ اگر میں اس راز کو نہیں کھولتا ہوں،تو میری آخرت میں پکڑ ہوگی۔

المستفتی: منظر عالم، جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کے اظہار کے لئے شرعی گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے، ورنہ بکر خود مجرم ثابت ہوگا۔ نیز اگر گواہ نہیں ہیں اور زید اس پر یقین نہ کرے اور عمر اور خالدہ اقرار نہ کریں تو شرعاً اس عمل کا ثبوت نہ ہوگا اور اگر یہ لوگ خود اقرار کریں اور زید بھی تصدیق کرے،تو خالدہ زید پر حرام ہو جائے گی اور شرعی گواہ نہ ہونے کی وجہ سے بکر اس کو ظاہر نہ کریگا،تو گنہگار نہ ہوگا۔

لاتحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه، أويغلب على ظنهما صدقه الخ

(شامي، كراچي ۳/۳۳، زكريا ٤/١٠٨)

حرمة المرأة على أصول الزاني، وفروعه الخ (شامي، كراچي ۳/۳۳، زكريا ٨/١٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۴۵۸/۳۲)

کیا محض افواہ سے بیوی شوہر پر حرام ہوجائے گی؟

سوال [۵۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے اوپر یہ الزام ہے کہ اس کے لڑکے عمرو کی بیوی آسیہ سے ناجائز تعلقات تھے، زید کا پچھلے سال انتقال ہو چکا ہے، زید کی زندگی میں یہ مسئلہ کسی مصلحت اور مجبوری کی وجہ سے نہیں اٹھایا گیا تھا، زید کے انتقال کے بعد پریوار کے لوگوں نے یہ مسئلہ اٹھایا، اس سلسلے میں زید کی بیوی عامرہ نے اپنے شوہر زید اور بہو آسیہ کے خلاف افواہیں پھیلائیں، زید کی لڑکی سعدیہ نے بھی ایسی باتیں کہی ہیں اور کچھ پریوار کی عورتیں ایسی باتیں کر رہی ہیں، چشم دید گواہ کوئی نہیں ہے، زید کا لڑکا عمرو کسی کے سامنے کہتا ہے کہ ایسے تعلق تھے اور کسی کے سامنے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سب غلط ہے، پریوار اور برادری کے لوگوں نے زید کے یہاں کھانا پینا بند کر دیا ہے اور زید کے گھر کے ہر فرد کے لئے دوسرے کے کھانے پینے کی ممانعت کر دی ہے، یہ کہا جا رہا ہے کہ عمرو کی بیوی آسیہ عمرو کی ماں ہوگئی جو کہ ہمیشہ کے لئے عمرو پر حرام ہوگئی، کیا اس طرح سے حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوگا؟ بالفرض اگر زید نے آسیہ سے صحبت نہ کی ہو؛ بلکہ بوس وکنار کیا ہو تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوگی؟ زید اور عمرو کے یہاں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر زید کو عمرو کی بیوی کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹے دیکھا جائے تو کیا اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی؟ بینوا و توجروا.

المستفتی: حبیب احمد، نئی مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عمرو انکار کرتا ہے اور اس کے لئے کوئی شرعی ثبوت اور گواہ نہیں ہے، تو محض افواہیں اڑانے والوں کی باتوں سے عمرو پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی، اسی طرح بوس وکنار وغیرہ کے لئے بھی شرعی گواہ لازم ہے، اس کے بغیر محض

عورتوں کی باتوں سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا؛ جبکہ شوہر غلط ثابت کرر ہاہے۔

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها (إلى قوله) لاتحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقاه. (شامي، كراچي ۳/۳۳، زكريا ۴/۱۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۲۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۱۱ھ

نابالغ بچی سے زنا کے نتیجے میں حرمت مصاہرت کا حکم

سوال [۵۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نابالغ بچی تھی بالکل ناسمجھ کچھ جانتی بھی نہ تھی آٹھ نو سال کے درمیان اس کی عمر ہوگی، زید بالغ تھا زید نے ہندہ سے زنا کیا، زید کے بیان کے مطابق زید نے خود جان کر دخول نہیں کیا اس وجہ سے کہ وہ بچی ہے، وقت گذر گیا زید کا نکاح کسی اور جگہ ہوگیا، ہندہ کے بالغ ہونے پر ہندہ کا بھی نکاح ہوگیا، تو اب ہندہ کی لڑکی کا نکاح زید کے لڑکے سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد اللہ قاسمی، معصوم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نابالغ لڑکی سے زنا کرنے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا زید کے لڑکے کا نکاح ہندہ کی لڑکی سے جائز اور درست ہے۔

أما غيرها يعني الميتة، وصغيرة لم تشته فلا تثبت الحرمة بها أصلاً.

وفي الشامية: تحت قوله أصلاً أي سواء كان بشهوة أو لا أنزل أولا.

(الدر المختار مع الشامي، زكريا ۴/۱۱۰، كراچي ۳/۳۴)

ویشترط و طؤها في حال کونها مشتهاة. (شامي، زکریا ٤/١٠٤، کراچي ٣/٣٠)

ووطء الصغیرة التي لا تشتهي لا یوجب حرمة المصاهرة في قول أبي حنیفةؒ، و محمدؒ. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة، زکریا ١/٣٦٠، جدید١/٢١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۶؍۷۴۱۹)

بحالت نابالغ اپنی لڑکی کو شہوت سے چھونا

سوال[۵۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تین چار سالہ لڑکی ایک جگہ پر لیٹی تھی اور شوہر اپنی بیوی کو جماع کے لئے جگانے کے لئے ہاتھ اٹھا کر ہاتھ دیا، مگر ہاتھ لڑکی کے بدن پر پڑ گیا، تو کیا اب بیوی شوہر پر حرام ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد مصطفیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ۳؍۴؍سال کی بچی مشتہاۃ نہیں ہوتی ہے، اس کے شہوت کا ہاتھ لگنے سے حرمت کا ثبوت نہیں ہوتا۔

دون تسع لیست بمشتهاةبه یفتیٰ و تحته في الشامیة: و الأصح أنها لا تثبت الحرمة الخ (در مختار، زکریا ٤/١١٤، کراچي ٣/٣٧، هندیة، زکریا ١/٣٤٤، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٧/ ٣١٢، جدید١/٤١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۳؍۵۵۹۴)

دس گیارہ سال کی بیٹی کو چھونے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟

سوال [۵۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بچپن ہی سے بیمار ہے ان میں سے ایک بیماری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی آنکھ سے سامنے کی چیز یا آدمی بڑی مشکل سے پہچان پاتے ہیں، آنکھ کی بینائی بالکل کم ہے، ایک رات کا واقعہ ہے کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آئے گھر میں بھی بہت کم روشنی جل رہی تھی؛ اس لئے یہ نہیں دیکھا کہ وہ ان کی لڑکی ہے، جو عمر میں اس وقت گیارہ سال کی ہوگی کمسن ہے نابالغہ ہے، وہ لڑکی اپنی ماں کی جگہ سو رہی تھی، زید نے اپنی بیوی سمجھ کر بوسہ دینے کے لئے لڑکی کے رخسار پر ہاتھ پھیرا فوراً اطلاع ملی کہ وہ اس کی لڑکی ہے، فوراً ہاتھ ہٹا لیا اور دل دل میں بہت شرمندہ ہوئے آیا اس سے زید کی بیوی زید پر حرام ہوگئی یا نہیں؟ عقد نکاح میں کوئی خلل ہوا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالجلیل، چارکھوٹی، جنتا میڈیکل ہال، نوگاؤں (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واقعہ میں لڑکی نابالغ ہونے کے ساتھ ساتھ اس طرح کمسن معلوم ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر مردوں کی نگاہ شہوت نہیں پڑسکتی ہے اور دیکھنے میں مراہق اور مشتہاۃ نہیں ہے، چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے دس گیارہ سال میں مراہق اور مشتہاۃ نہیں ہوئی ہے، تو ایسی صورت میں زید کی بیوی زید پر حرام نہ ہوگی اور اگر لڑکی دس گیارہ سال میں مشتہاۃ اور مراہق ہوچکی ہے، دیکھنے میں مردوں کی نگاہ شہوت پڑسکتی ہے تو نابالغہ ہونے کے باوجود زید پر ایسی صورت میں بیوی حرام ہوجائے گی۔ آپ خود ہی صورت حال کا جائزہ لیجئے۔

فلو أيقظ زوجته، أو أيقظته هي لجماعها، فمست يده بنتها المشتهاة، أو يدها ابنه حرمت الأم ابداً. وفي الشامية: لابد في كل منهما من سن

المراهقة وأقله للأنثیٰ تسع و للذكر اثناعشر ؛ لأن ذلک أقل مدة يمكن فيها البلوغ الخ (در مختار مع شامي، كراچي ۳/ ۵ ۳، زكريا ٤/ ۱۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۰۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

کیا بارہ سال بعد حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوگا؟

سوال [۵۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ساجدہ کی شادی ۱۲ سال پہلے ہوئی تھی، چند مہینے کے بعد ساجدہ کے سسر نے ساجدہ کے ساتھ صحبت کر لی؛ لیکن ساجدہ نے نہ اپنے شوہر سے بتلایا نہ ہی اپنے میکہ میں کسی سے بتلایا، نہ بتلانے کی وجہ یہ تھی کہ ساجدہ کے ماں باپ انتہائی غریب ہیں بڑی مشکل سے شادی کی تھی۔ اب ۱۲ سال کے بعد جبکہ ۲ بچے بھی ہیں، ساجدہ میں کچھ دینداری آئی تو اس نے اس بات کو بتلایا، ساجدہ نے اپنی ساس سے تذکرہ کیا تھا، اب ساس بھی وفات پا چکی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اب ۱۲ سال کے بعد ساجدہ کے اس واقعہ کو بتلانے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

المستفتی: ساکنان، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض ساجدہ کے بتلانے سے کہ سسر نے اس کے ساتھ صحبت کی ہے، حرمت مصاہرت کا ثبوت نہیں ہوگا؛ جب تک سسر خود بھی اس کا اقرار نہ کر لے یا شوہر اس کی تصدیق کرے کہ یہ بات صحیح ہے، تو ساجدہ اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔

وإن ادعت الشهوة في تقبيله، أو تقبيلها ابنه وأنكرها الرجل، فهو مصدق لا هي. (شامي، زكريا ٤/ ۱۱٤، كراچي ۳/ ۳۷)

تزوج بكرا فوجدها ثيباً، وقالت أبوك فضني، إن صدقها بانت بلا مهر وإلا لا. (در مختار، زكريا٤/ ١٠٦، كراچي ٣/ ٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ر ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۲۶۸)

لمس بالید سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال [۵۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی پھوپھی شبنم کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ شبنم نے ایک دن زید کو پان دیا، پان پکڑتے وقت زید کی انگلیوں کے اگلے پوروؤں کا اگلا حصہ (سرا) شبنم کے اگلے پوروؤں سے ٹچ ہوگیا، اس وقت زید کو شبنم کے پوروؤں کی گرمی (حرارت) تو ضرور محسوس ہوئی اور پان پکڑنے کا وقت تقریباً ایک یا دو سکنڈ تھے، مگر زید اس امر میں متشکک ہے کہ اس وقت زید کو شہوت تھی یا نہیں اور عضو مخصوص میں انتشار تھا یا نہیں؟ تو اب مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا صورت مذکورہ ''لمس بالید'' میں داخل ہے یا نہیں؟ اور زید اپنی پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

نیز اس بات کی وضاحت ضرور کر دیں کہ ''لمس بالید'' کے سلسلہ میں مفتی بہ قول کیا ہے اور حرمت مصاہرت کے ثبوت میں فتوی کس امام کے کس قول پر ہے؟

المستفتی: محمد عتیق الرحمٰن القاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں لمس بالید جو شرعی طور پر ممنوع اور حرام ہے، وہ ثابت نہیں ہے؛ اس لئے کہ لمس بالید سے اس حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لئے شہوت کا یقین ہونا شرط اور لازم ہے اور یہاں شہوت کا یقین سے ہونا ثابت نہیں ہے؛

اس لئے شبنم کی لڑکی سے آپ کا نکاح کرنا بلاشبہ جائز ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے۔

وأصل ماسته أي بشهوة قال في الفتح و ثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ويقع في أكبر رأيه صدقها. (شامي، زكريا ٤/ ١٠٨، كراچي ٣/ ٣٣)

اليقين لا يزول بالشک. (الاشباه والنظائر قديم ١٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۵۶۶)

اپنی لڑکی یا سالی سے زنا کرنے سے کیا بیوی حرام ہوجائے گی؟

سوال [۵۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی نے اپنی لڑکی سے زنا کیا، تو اس صورت میں کیا اس کا نکاح اپنی اہلیہ سے باقی رہیگا یا نہیں؟

(۲) اگر کسی نے اپنی سالی سے بیوی کی موجودگی میں نکاح کرلیا یا زنا کا صدور ہوگیا، تو اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی سے زنا کرنے سے اس کی ماں حرام ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اس پر ضروری ہے کہ اس سے جدائی اختیار کرلے۔

كما استفيد من هذه العبارة حتى لو وطئ أم امرأته أو بنتها حرمت عليه امرأته الخ (بزازيه على الهندية، زكريا ٤/ ١١٢، جديد ١/ ٧٦، هكذا في الشامي، كراچي ٣/ ٣٥، زكريا ٤/ ١١٢، هندية، زكريا ١/ ٢٧٤، جديد ١/ ٣٣٩)

البتہ لفظ متارکت (طلاق دیا یا چھوڑ دیا وغیرہ) استعمال کرنا ضروری ہے۔

وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة. (شامي، كراچي ٣/٣٧، زكريا ٤/١١٤)

(۲) دونوں صورتوں میں نکاح باقی ہے اور بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح کرنے میں سالی کا نکاح باطل ہے۔

ان تزوجهما بعقدتين ونسي الأول فلو علم فهو الصحيح، والثاني باطل. (شامي، كراچي ٣/٤٠، زكريا ٤/١١٩)

وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه امرأته الخ (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/٣٤، زكريا ٤/١٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱۲۵/۳۱)	۱۴۱۵/۷/۱۷ھ

چچی کا بوسہ لینے کا حکم

سوال [۵۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بہوش وحواس شہوت کے ساتھ ہندہ کے رخسار کا جو اس کی چچی ہوتی ہے بوسہ لیا، حالت بیداری وحالت خواب میں، کیا ایسی صورت میں زید اس کی لڑکی سے جو اس زید کی چچازاد بہن ہے عقد کرسکتا ہے یا نہیں؟ بصورت ثانی کوئی امکانی صورت بھی نکل سکتی ہے جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزہ'' میں مذہب غیر پر عمل کے بارے میں جواز لکھا ہے، یعنی میری مراد یہ ہے کہ میں حنفی مسلک ہوں اس صورت میں کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرنے کی گنجائش نکل سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مسئلہ ختم اور اگر کوئی جواز کی صورت نکل سکتی ہے جیسا کہ ''الحیلۃ الناجزہ کے ہی ص: ۳۰۲ر پر تلفیق کے جواز کے بارے میں معتمد عالم سے رجوع کرکے ان کی اصول

فتویٰ پر عمل کو کہا ہے، تو اب صرف پوچھنا یہ ہے کہ کیا مذکورہ صورت میں جواز کی کوئی شکل آپ کے نزدیک نکل سکتی ہے؟

المستفتی: محمد خالد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حرمت مصاہرت کے ثبوت میں حالت خواب کا اعتبار نہیں، صرف بیداری کی حالت کا اعتبار ہے؛ لہٰذا اگر زید نے بیداری کی حالت میں شہوت کے ساتھ اپنی چچی کا بوسہ لیا ہے، تو ان کی بیٹی سے نکاح کرنا اس کے لئے جائز نہیں ہے اور مذہب غیر پر عمل کا جواز صرف اجتماعی ضرورت شرعی کے وقت یا خطرناک فتنہ سے حفاظت کی غرض سے ہے۔ اور پیش آمدہ صورت ان میں سے کسی ضرورت کے دائرہ میں داخل نہیں؛ لہٰذا سائل کو یہاں کا ارادہ ترک کر کے دوسری جگہ شادی کی کوشش کرنی چاہئے۔

كما تثبت هذه الحرمة بالوطئ تثبت بالمس، والتقبيل. (هندية، زكريا ۱/ ۲۷٤)

ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه أمها، وبنتها. (هداية، زكريا اشرفيه ديو بند ۲/ ۳۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۳۰۳)

کیا مذاق میں بھی مس، تقبیل وغیرہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے؟

سوال [۵۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مرد نے کسی اجنبیہ عورت یا لڑکی کو مذاق میں شہوت کے ساتھ چھوا، یا بوسہ لیا یا اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھا یا کسی اجنبیہ عورت یا لڑکی نے یہ فعل کسی اجنبی لڑکے یا مرد کے ساتھ کیا، تو کیا اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی؟ اور ہر ایک کے اصول

وفروع اولاد ایک دوسرے پر حرام ہوجائے گی؟ اگر یہ شخص اپنی اولاد کا اس عورت یا اس کی لڑکی سے نکاح کرانا چاہے تو کراسکتا ہے یا نہیں؟

نیز اگر ایسا شخص بعد میں مذکورہ حرکات کی صورت میں شہوت کا انکار کرے تو اس کی بات مانی جائے گی یا نہیں؟ سوال مذکور کا تسلی بخش جواب مع دلائل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد افضل حلیمی، بھاگلپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شخص نے کسی اجنبیہ کو یا کسی عورت نے کسی اجنبی مرد کو شہوت کے ساتھ چھودیا، یا بوسہ لیا یا شرمگاہ کی جانب دیکھ لیا، تو ان تمام صورتوں میں حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔ اور دونوں کے اصول وفروع ایک دوسرے پر حرام ہوجاتے ہیں۔

حرم بالصهرية أصل مزنيته، وأصل ممسوسته—وفروعهن مطلقاً.

(درمختار، زكريا ٤/ ١٠٧، كراچي ٣/ ٣٢)

اس شخص کی اولاد کا اس عورت سے نکاح درست نہیں؛ البتہ اس کی لڑکی سے اپنے لڑکے کا نکاح کرسکتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/ ۴۷)

ويحل لأصول الزاني،وفروعه أصول المزني بها، وفروعها. (شامي، زكريا ٤/ ١٧، كراچي ٣/ ٣٢)

اگر مذکورہ حرکت کا مرتکب شہوت کا انکار کرے، تو نظر اور مس میں اس کی بات تسلیم کی جاسکتی ہے، اس وقت حرمت مصاہرت کا حکم نہیں لگے گا؛ لیکن تقبیل میں اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی؛ کیونکہ عموماً بوقت تقبیل شہوت کا وجود ہوتا ہے۔

إذا قبلها، أو لمسها، أو نظر إلى فرجها، ثم قال لم يكن عن شهوة ذكر الصدر الشهيد، أنه في القبلة يفتىٰ بالحرمة وفي اللمس، والنظر لا؛ لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس، والنظر.

(شامي، زكريا ٤/ ١١٢، كراچي ٣/ ٣٥، هندية، زكريا ١/ ٢٧٦، جديد ١/ ٣٤١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵ر۷۰۳۱)

عورت کو شہوت سے ہاتھ لگانے کا حکم

سوال [۵۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہشتی زیور حصہ چہارم میں جن لوگوں سے نکاح حرام ہے، ان کے اس مسئلہ کا بیان ۱۸ر۱۹ پر ہے کسی عورت نے جوانی کی خواہش کے ساتھ بد نیتی سے کسی مرد کو ہاتھ لگایا، تو اب اسی عورت کی ماں اور اولاد کو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں، اسی طرح اگر کسی مرد نے کسی عورت پر ہاتھ ڈالا وہ مرد اس کی ماں اور اولاد پر حرام ہو گیا۔ ۱۱ر پر ہے رات اپنی بیوی کو جگانے کے لئے اٹھا مگر غلطی سے لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا یا ساس پر ہاتھ پڑ گیا اور بیوی سمجھ کر جوانی کی خواہش کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا، تو وہ مرد اپنی بیوی پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گیا۔

اب کوئی صورت جائز ہونے کی نہیں اور لازم ہے کہ یہ مرد اب اس عورت کو طلاق دیدے؛ جبکہ یہ مسئلہ سہواً پیش آ گیا، تو قصداً اس کے برعکس اگر لڑکے کی بیوی پر ہاتھ وغیرہ لگ گیا یا کسی موقع پر خدمت کرتے کراتے اعضاء مس ہو جائیں اور خدانخواستہ دل میں کوئی بات یعنی غلط تصور ہو تو کیا حکم ہے؟ اس پر فتن دور میں خسر بہو کے ناجائز تعلقات کا پتہ چلتا ہے، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ اور اس قسم کے گھروں میں اختلاط تو ہوتا ہے، سب ایک ہی جگہ رہتے سہتے ہیں اور چیزوں کا لین دین بھی ہوتا ہے، تو مذکورہ معاملہ کا کیا حکم ہے؟ جوابات سے نوازکر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد یونس، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں! شہوت سے ہاتھ لگانے میں حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے اور اگر غلطی سے بیوی سمجھ کرلڑکی یا ساس یا بہو پر شہوت سے ہاتھ لگ گیا ہے، تب بھی حرمت ثابت ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر جسمانی خدمت یعنی پیر وغیرہ دباتے وقت شہوت ابھر جائے اور نیت خراب ہوجائے ،تو بھی حرمت ثابت ہوجائے گی؛ اس لئے ساتھ رہنے میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

فلو أيقظ زوجته، أو أيقظته هي لجماعها، فمست يده بنتها المشتهاة، أو يدها ابنه حرمت الأم أبداً. (در مختار، کراچي ۳/ ۳۵، زکریا٤/ ١١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۱۹)

عورت کے پاس شرعی گواہ ہونے کی صورت میں حرمت مصاہرت

سوال [۵۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر زید کے والد نے کہا کہ میں تجھ سے صحبت کروں گا اور لے جانے لگے، زید کی بیوی راضی نہ ہوئی اور ہاتھ چھڑا لیا، ایسی صورت میں زید کے لئے بیوی حلال ہے یا شریعت کا اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟ اس صورت میں زید اگر اپنی بیوی کو چھوڑتا ہے،تو بیوی خودکشی کرنے کو کہتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر زید اپنی بیوی کو چھوڑتا ہے تو زید کو اپنے والد کی بدنامی کا اندیشہ ہے، دوسرے زید کی بھی اس میں بدنامی ہے کہ بیوی کو چھوڑتا ہے اور گھر والوں کی بھی بدنامی ہے اور بیوی سے زید نے چھوڑنے کو کہا تو زید کی بیوی نے کہا کہ اس میں

ہماری کیا گستاخی ہے، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا اور میں اللہ کے خوف اور اپنی آبرو کے ڈر سے ہاتھ چھڑا کر چلی آئی، اس میں میری کوئی گستاخی نہیں میری بسی بسائی زندگی کو کیوں کہ اجاڑا جارہا ہے؟

المستفتی: محمد شہزاد، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں صرف بیوی کا بیان لکھا گیا ہے، خسر اور شوہر کا بیان نہیں؛ لہٰذا خسر اس دعویٰ کا انکار کرتا ہے اور زید اپنے باپ کی تصدیق کرتا ہے اور زید کی بیوی کے پاس عینی گواہ بھی نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں یہ زید کی بدستور بیوی رہے گی۔

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان يصدقها، ويقع في أكبر رأيه صدقها. (شامي، كراچي ۳/۳۳، زكريا ٤/١٠٨، البحر الرائق، كوئٹه ۳/۱۰۰، زكريا ۳/۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۶۰)	۱۴۱۹/۳/۹ھ

بہو سے زنا بالجبر پر کوئی گواہ نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی سے جبراً زنا کرلیا، تو اب بیٹے کے لئے وہ بیوی حلال ہے یا نہیں؛ جبکہ بیٹا اس بات سے انکار کرتا ہے کہ میرا باپ اس طرح نہیں کرسکتا ہے، شریعت کی روشنی میں حکم عنایت فرمائیں۔

المستفتی: شمیم اختر متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیٹا صاف کہہ رہا ہے کہ میرا باپ اس طرح

نہیں کرسکتا ہے اور عورت کے پاس شرعی گواہ بھی نہیں، تو ایسی صورت میں حرمت مصاہرت کا ثبوت نہ ہوگا۔ اور باپ پر اس الزام کا شرعاً اعتبار نہ ہوگا۔

رجل قبل امرأة ابنه بشهوة، وهي مكرهة، وأنكر الزوج، فالقول قول الزوج. (هندية، زكريا ١/٢٧٦، البحرالرائق، كوئٹه٣/١٠٠، زكريا٣/١٧٧، جديد١/٣٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۰۱۳)

خسر منکر اور عورت کے پاس شرعی گواہ نہیں ہے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ مبینہ جو کہ محمد ابراہیم کے نکاح میں ہے، ابراہیم کے والد محمد نبیہ جو کہ گھوڑے پر سوار ہے کہیں باہر سے آئے اور مسماۃ مبینہ سے کہا کہ یہ چھوٹا سا بچہ گھوڑے پر بیٹھا ہے، اس کو اتارلو، جب بچہ کو اتارلیا تو کہا کہ یہ جو سامان ہے اس کو بھی اتروادو؛ جب سامان اتارنے لگی تو محمد نبیہ جو کہ میرے سسر ہوتے ہیں، انہوں نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا پھر مبینہ مکان کے اندر چلی گئی، تو محمد نبیہ نے اس کو مکان کے اندر گھیرا لڑکی نے شور کیا، محمد نبیہ چلا گیا لڑکی نے فوراً اس کے پڑوس والوں سے شکایت کی، مکان میں دوسرا کوئی اس واقعہ کا گواہ نہیں، سسر کی نیت کے بارے میں لڑکی کہتی ہے کہ اس کی نیت اچھی نہیں تھی، کیا اس شکل میں وہ لڑکی محمد ابراہیم کے نکاح میں باقی رہی یا نہیں؟ مبینہ بحلف بیان کرتی ہے، تو ایسی صورت میں کیا شرعی فیصلہ ہے؟ مطلع فرمائیں نیز محمد نبیہ بحلف بیان میں واقعہ مذکورہ سے انکار کرتا ہے۔

المستفتی: مولوی منصب علی، مدرس مدرسہ اشرف المدارس، دونکپوری ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر عورت کے دعویٰ میں دو عادل گواہ موجود نہیں ہیں،

نیز خسر انکار کررہا ہے، تو شرعاً خسر سچا ہے اور ابراہیم پر مبینہ حرام نہ ہوگی۔

و في المس لاتحرم مالم تعلم الشهوة (وقوله) وادعت الشهوة وانكرها الرجل فهو مصدق لاهي. (تنوير الأبصار مع الدر المختار و الشامي، كراچی ۲/ ۳۷، زکریا٤/ ١١٤، هندية، ١/ ٢٧٦ جديد١/ ٣٤١، البحرالرائق، كوئٹه ٣/ ١٠٠، زكريا٣/ ١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۳۸۳)

عورت کے دعویٰ اور خسر واہل محلّہ کے انکار سے حرمت مصاہرت کا حکم

سوال [۵۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی کو تقریباً چودہ پندرہ سال گذر گئے، زید کی شادی ایسے وقت ہوئی کہ زید کی والدہ مرچکی تھی، زید کے باپ نے شادی نہیں کی، چند سال گذرنے کے بعد زید کے باپ نے شادی کرلی شادی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کو تقریباً ۳؍ ساڑھے تین سال ہوگئے، پھر خدا نے لڑکا دیا، جس کو چند ماہ ہوئے ہیں؛ چونکہ زید کے باپ کو اب تک زید کے علاوہ کوئی دوسری مذکر ومؤنث اولاد نہیں ہوئی تھی، تمام تر جائیداد کا مالک تنہا زید تھا۔

اب چند سال ہوئے زید کے باپ کی شادی کرنے کی وجہ سے دو اولاد مذکر ومؤنث ہونے پر زید کی بیوی نے زید کے باپ پر الزام لگایا کہ آج سے دس سال قبل زید کے باپ نے مجھ سے دو مرتبہ زنا کیا ہے، فوری طور پر زید کو اپنی بیوی پر اعتماد ہوگیا؛ جبکہ زید کا باپ حلف اٹھانے کو تیار تھا۔ اب جبکہ پوری بستی اور تمام رشتہ دار کو یہ یقین ہے کہ زید کی بیوی زید کے باپ پر اس سے ہونے والے بچوں پر حسد کی وجہ سے الزام لگا رہی ہے، تو اب زید کو بھی بستی والے اور رشتہ داروں کے کہنے کی وجہ سے اعتماد کلی ہے کہ واقعی میری بیوی میرے باپ پر

الزام لگارہی ہے کیوں کہ میرا باپ ایسا نہیں۔ زید کی بیوی ہندہ کے پاس کوئی شہادت بھی نہیں اور زید کا باپ مسجد میں حلف اٹھانے کو تیار ہے کہ ایسی غلطی مجھ سے نہیں ہوئی ہے۔ نیز محلّہ کے کسی بھی آدمی کو اس بات کا یقین نہیں کہ زید کے باپ نے ایسا کیا ہوگا۔ از روئے شرع زید کی بیوی زید پر حلال ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد الیاس صدیقی، محلّہ فتح اللہ گنج مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہندہ کے پاس شرعی شہادت نہیں ہے اور شوہر ہندہ کی تکذیب کررہا ہے اور باپ کی تصدیق کررہا ہے تو زید پر مذکورہ حالات میں بیوی حرام نہ ہوگی، نکاح بدستور باقی ہے؛ کیونکہ اس طرح کے واقعہ میں بیوی کے حرام ہونے کے لئے شوہر کی تصدیق لازم ہوتی ہے۔

ثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها، ويقع في أكبر رأيه صدقها.

(البحرالرائق، کوئٹہ۳/ ۱۰۰، زکریا ۳/۱۷۷، شامي، کراچي ۳/ ۳۳، زکریا ٤/ ۱۰۸)

لاتحرم على أبيه وابنه إلا أن يصدقها، أو يغلب على ظنه صدقها.

(البحرالرائق، کوئٹہ۳/ ۱۰۰، زکریا ۳/۱۷۷، شامي، کراچي ۳/ ۳۳، زکریا٤/ ۱۰۸، هندية ۱/ ۲۷۹، جدید ۱/ ۳۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۲/۲۴)

خسر کا بہو سے بدفعلی کا ارادہ کرنا

سوال [۵۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد بیمار تھا ڈاکٹر نے اندر مکان میں بند رہنے کی ہدایت کررکھی تھی، زینب خالد کی زوجہ برآمدہ میں تھی اور اسی برآمدہ میں زینب کے خسر سو رہے تھے، زینب

کا کہنا ہے کہ رات کے کسی وقت میرے خسر نے میری چارپائی پر آکر مجھے اٹھایا اور بدفعلی کا ارادہ کیا، میں چھوٹ کر بیت الخلا چلی گئی باقی رات وہیں گزاری یہ باتیں پنچایت میں آئیں، خسر نے بالکل انکار کیا کہ ایسا نہیں ہوا، زینب اصرار کرتی ہے کہ واقعی ایسا ہی ہوا ہے، ایسے حالات میں کس کا قول معتبر ہے؟ اور پھر کیا حکم ہے کہ وہ اپنے شوہر پر حرام ہوگی یا نہیں؟ اور دوسرے سے کس طرح نکاح کرسکتی ہے؛ البتہ شوہر یہ کہتا ہے کہ میرا باپ ایسا نہیں کرسکتا ہے۔ بینوا تو جروا.

المستفتی: عزیز الرحمٰن، شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عورت کے پاس آنکھ دیکھے دو عادل گواہ نہیں ہیں، تو عورت کا قول شرعاً معتبر نہیں ہوگا؛ بلکہ شرعاً خسر کا قول معتبر ہوگا خاص طور پر جب شوہر یہی کہہ رہا ہے کہ باپ ایسا نہیں کرسکتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں عورت شوہر پر حرام نہیں ہوگی، دونوں کا نکاح باقی ہے۔

وان ادعت الشهوة في تقبيله، أو تقبيلها، وأنكرها الرجل، فهو مصدق لاهي. (الدرالمختار، كراچي ٢/ ٣٧، زكريا ٤/ ١١٤، هندية، ١/ ٢٧٦ جديد ١/ ٣٤٢، البحرالرائق كوئٹه ٣/ ١٠٠، زكريا ٣/ ١٧٧)

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها. (شامي، كراچي ٣/ ٣٣، زكريا ٤/ ١٠٨، البحرالرائق، كوئٹه ٣/ ١٠٠، زكريا ٣/ ١٧٧)

وماسوى ذلک من الحقوق تقبل فيه رجلان، أورجل، وامرأتان، سواء كان الحق مالا، أوغيرمال مثلا النكاح، والعتاق، والطلاق. (الجوهرة النيرة، امدادية ملتان ٢/ ٣٢٦، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٣٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۸۶۶)

شوہر پر بہو سے ہمبستری کرنے کا الزام لگانا

سوال[۵۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد علیم کی بیوی کے ساتھ محمد علیم کے باپ نے ہمبستری کی، یہ بیان محمد علیم کی ماں کا ہے، باپ اور محمد علیم کی بیوی اس بات کا انکار کررہے ہیں اور ساس کے علاوہ اور کوئی گواہ نہیں ہے، تو کیا ساس کے کہنے پر بیوی محمد علیم پر حرام ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہارون، بستی کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض ساس کے الزام سے خسر کا بیٹے کی بیوی کے ساتھ ہمبستری کا ثبوت نہیں ہوگا اور اس الزام سے بیٹے محمد علیم پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی؛ ہاں البتہ اگر محمد علیم اس کی تصدیق کرے اور باپ اقرار کرے، تب حرام ہوسکتی ہے، اس کے بغیر نہیں۔

لاتحرم علی أبیه وابنه إلا أن یصدقاه، أو یغلب علی ظنهما صدقه الخ

(شامي، کراچي ۳/۳۳، زکریا۴/۱۰۸، البحر الرائق، کوئٹه ۳/۱۰۰، زکریا ۳/۱۷۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۲۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۱۱ھ

بہو نے خسر پر زنا کا الزام لگایا

سوال[۵۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی نے اپنے خسر پر زنا کا الزام لگایا کہ خسر نے میرے ساتھ زنا

کیا ہے، اس پر پنچایت ہوئی، تو لوگوں سے خسر نے کہا یہ مجھ پر جھوٹا الزام ہے اور خسر نے قرآن کریم اٹھا کر قسم کھالی، خسر مذکور نیک اور پابند شرع ہے، لڑکا بھی اپنے باپ کے بارے میں نیک گمان کرتا ہے، اسے یقین نہیں ہے، تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ دونوں میں تفریق کرادی جائے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد وسیم، رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر شہادت معتبرہ کے صرف عورت کا قول معتبر نہ ہوگا؛ جب تک کہ شوہر عورت کی تصدیق نہ کردے اور صورت مسئولہ میں نہ خسر اقرار کررہا ہے اور شوہر بھی عورت کی تصدیق نہیں کررہا ہے؛ اس لئے عورت شوہر پر حرام نہیں ہوگی۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/ ۳۴۶، احسن الفتاوی ۵/ ۷۱)

رجل قبل امرأة أبيه بشهوة، أو قبل الأب امرأة إبنه بشهوة، وهي مكرهة وأنكر الزوج أن يكون بشهوة، فالقول قول الزوج. (عالمگيري، زكريا ١/ ٢٧٦، جديد ١/ ٣٤٢، شامي، كراچي ٣/ ٣٧، زكريا ٤/ ١١٤، البحرائق كوئٹه ٣/ ١٠٠، زكريا ٣/ ١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴۸۱/۲۹)

بہو کا سسر پر زنا بالجبر کا الزام لگانا

سوال [۵۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ عرشا بی بی زوجہ فاروق نے اپنے حقیقی سسر مسمیٰ عبد السلام پر زنا بالجبر کا الزام لگایا؛ لیکن کما حقہ ثبوت جرم کے لئے مطلوبہ گواہ نہ پیش کرسکی

اور سسر مذکورہ جرم مذکور سے منکر ہے۔

(۱) مذکورہ عورت کا شوہر مذکور، مذکورہ پر خوش گمان ہے اور باپ کو پاکدامن خیال کرتا ہے، جس سے لگتا ہے کہ مذکورہ محض نجات کے لئے ایسا کرتی ہے؛ کیونکہ ایک پنچایت میں مذکورہ کے سسر مذکور کو بعد از غسل وضو حلف بھی دلایا گیا، اور مذکور حلف اٹھا کر الزام سے منحرف ہوگیا؛ لیکن مذکورہ نہیں مانتی تاہم متعدد مرتبہ پھر ملامت کررہی ہے۔

(۲) کیا ایسی صورت میں جبکہ شرعی ثبوت بصورت گواہ بھی نہیں اور خاوند مذکور بھی خوش گمان ہے اور ملزم اپنے الزام پر جامع مسجد شریف میں حلف بھی کر چکا ہے، حرمت مصاہرت لازم آتی ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مولانا محمد الیاس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خسر نے باقاعدہ حلفیہ بیان دیا کہ اس نے ایسی حرکت نہیں کی اور شوہر کو بھی باپ کے پاک ہونے پر یقین ہے اور بیوی کے پاس شرعی گواہ بھی نہیں ہیں، تو محض اس کے کہنے اور بے ثبوت الزام سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوگی، نکاح بدستور باقی ہے، بہت ممکن ہے کہ جان چھڑانے کی راہ تلاش کررہی ہو۔

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ،ويقع في أكبر رأيه صدقها، وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لاتحرم على أبيه و ابنه إلا أن يصدقاه، أو يغلب على ظنهما صدقه. (شامي، كراچي ۳/۳۳، زكريا٤/۱۰۸، البحرالرائق، كوئٹه۳/۱۰۰، زكريا۳/۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۱۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۱۸ھ

۷۰/سالہ خسر پر بہو کا زنا کا الزام لگانا

سوال [۵۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی عمر ۷۰/سال ہے، آنکھوں سے کمزور ہے، داڑھ دانت بیکار ہے، زید پر اس کی بہو نے زنا کا الزام لگایا، زید نہایت متقی پرہیزگار ہے، نمازی ہے، حلفیہ بیان دیتا ہے کہ میں نے زنا نہیں کیا، لڑکے نے باپ کے ہاتھوں پر قرآن پاک رکھدیا اور کہا قسم کھاؤ مسجد میں چل کر، تو باپ نے کہا مسجد تو کیا خانہ کعبہ میں جا کر قسم کھا سکتا ہوں۔ اس پر بھی لڑکے کو یقین نہیں ہوا، کچھ اور آدمی اور عورتیں بھی عورت کی بات پر یقین کر رہے ہیں، اس شکل میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۱) زید کی بات کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

(۲) باپ کی خدمت نہ کرنے پر لڑکے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۳) کیا لڑکا اس عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا اس سے خدمت لے سکتا ہے یا بچوں کی دیکھ بھال کے لئے رکھ سکتا ہے یا لڑکا اس عورت کو ہاتھ لگا سکتا ہے؟

(۴) جولوگ عورت کی بات پر یقین کر رہے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۵) عورت حاملہ ہے اگر وہ عدت کرتی ہے تو کب سے کب تک کرے گی؟

المستفتی: عبدالحکیم، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر لڑکا باپ کو جھوٹا سمجھ رہا ہے اور اس کو اپنی بیوی کی سچائی کا یقین ہے تو ایسی صورت میں بیوی شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی۔ اب نکاح میں لانے کے لئے کوئی شکل نہیں ہے اور نہ ہی اس بیوی کو اپنے پاس رکھنا اور اس سے کسی قسم کی جسمانی خدمت لینا جائز ہوگا، اس کو اپنے سے الگ کردینا لازم ہوگا۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۸)

ثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها، ويقع في أكبر رأيه صدقها .

(شامي، كراچي ۳/ ۳۳، زكريا ٤/ ١٠٨، البحرالرائق، كوئٹه۳/ ۱۰۰، زكريا۳/ ۱۷۷)

۲. باپ کی خدمت بیٹے پر بہر حال واجب ہے. ۲. نہیں رکھ سکتا. ۴. عورت کی بات پر یقین کرنے سے عورت حرام ہو جاتی ہے۔ ۵۔شوہر کی متارکت اور وضع حمل کے بعد عدت ختم ہو سکتی ہے۔ نیز شوہر کے چھوڑ دینے کے بعد سے عدت شمار ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۴۳۵)

بہو کا سسر پر سینہ پر ہاتھ لگانے کا دعویٰ کرنا

سوال [۵۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے اوپر اس کی بہو یہ الزام لگا رہی ہے کہ زید نے اپنی بہو کے سینہ پر ہاتھ بشہوت لگایا؛ لیکن زید اس بات کا منکر ہے، ساتھ ہی زید کا کہنا ہے کہ اس کی بہو مسلسل دعوت دیا کرتی تھی؛ لیکن زید نے کبھی بھی اس کو ہاتھ تک نہیں لگایا غلط نیت سے؛ جبکہ ساس (زید کی بیوی) اپنی بہو کو یہ نصیحت کرتی تھی کہ وہ زید سے زیادہ تعلق نہ رکھے؛ لیکن بہو پھر بھی زید سے بے تکلفانہ انداز میں ملتی تھی اور بلا جھجک سسر زید کے قریب بیٹھتی تھی اور باتیں کرتی تھی، اس مسئلہ کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: نور جہاں، بیجا پور، کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی بہو کا صرف اپنا دعویٰ ہے اور اس دعویٰ پر کوئی شرعی گواہ اور ثبوت نہیں ہے، اور خسر اس کا صاف انکار کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر زید کی بہو کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔

نیز شہوت کے ساتھ چھونے میں حرمت مصاہرت کے لئے یہ شرط ہے کہ ایک دوسرے کے بدن کی حرارت جانبین کو محسوس ہو۔اور یہاں پر اس بات کا ثبوت بھی نہیں۔

ثم المس إنما يوجب حرمة المصاهرة إذا لم يكن بينهما ثوب، أما إذا كان بينهما ثوب فإن كان صفيقاً لايجد الماس حرارة الممسوس لا تثبت حرمة المصاهرة، وإن كان رقيقا بحيث تصل حرارة الممسوس إلى يده تثبت. (فتاوى عالمگيري، زكريا ١/ ٢٧٥، جديد ١/ ٣٤٠، هكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/ ٥٣، رقم: ٥٥٠٣)

والفرق اشتراكهما في لذة المس كالمشتركين في لذة الجماع. (شامي، زكريا ٤/ ١١٣، كراچي ٣/ ٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۵۲)

لڑکے کو والد کی طرف سے زنا یا دواعی زنا کا یقین ہے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ زید اپنے لڑکے کی بیوی سے گھریلو کام کاج کراتا ہے، لڑکے کی بیوی اپنے باپ کے برابر سمجھتے ہوئے کام کردیتی ہے، سسر لڑکے کی بیوی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اپنی شہوت کو ظاہر کرتا ہے اور اس نے جبراً زنا بھی کرلیا، جب لڑکے کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے باپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا، جب لوگوں کو معلوم ہوا تو اس معاملہ کو ٹھنڈا کردیا گیا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس عورت کو طلاق دے کر علیحدہ کردیا جائے۔

(۲) اب غور طلب امر یہ ہے کہ اگر جماع ثابت نہ ہو تو لڑکے کی بیوی سے پاؤں دبوانا، مالش کرانا وغیرہ وغیرہ کی خدمت سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں؟

(۳) اس عورت کو علیحدہ کرنے کے لئے طلاق دی جائے گی یا نہیں؟
(۴) وہ عورت اس لڑکے کے لئے حرام ہوکر اس کے والد کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟
(۵) آج کل عمومی طور پر سسر، نندوئی، دیور، وغیرہ سے پردہ نہیں کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں، مفصل ومدلل حکم صادر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: ڈاکٹر مشرف حسین انصاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر لڑکے کو زنا یا دواعی زنا کا یقین ہوگیا ہے، اور اس وجہ سے باپ کے قتل کو تیار ہے، تو بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہے۔ (مستفاد فتاوی دارالعلوم ۷/۳۴۳)

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ،ويقع في أكبر رأيهٖ صدقها(إلى قوله) و في الجوهرة لو مس، أوقبل، وقال لم اشته صدق إلا إذا كان اللمس على الفرج، والتقبيل في الفم الخ (البحرالرائق، كوئٹه ۳/ ۱۰۰، زكريا ۳/ ۱۷۷، كراچي ۳/ ۳۳، زكريا ٤/ ۱۰۸)

(۲) اگر دونوں میں سے ایک میں شرعی ثبوت سے شہوت ثابت ہو جائے، تو بیوی لڑکے پر حرام ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

وتكفيٰ الشهوة من أحدهما، هذا إنما يظهر في المس الخ (الدرالمختار، كراچي ۳/ ۳۷، زكريا٤/ ۱۱٤)

وفي المس لاتحرم مالم تعلم الشهوة؛ لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس الخ (الدرالمختار، كراچي ۳/ ۳۷، زكريا ٤/ ۱۱٤)

خسر کو بہو کے ہاتھ سے پیر دبوانے سے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۳) طلاق یا شرعی تفریق کے بغیر عورت دوسری جگہ اپنا نکاح نہیں کرسکتی۔

وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا تحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة الخ (الدر المختار، مطبوعه كراچي ۳/ ۳۷، زكريا ٤/ ۱۱٤)

(۴) لڑکے کی مدخولہ بیوی باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، چاہے لڑکے پر حرام ہو جائے یا لڑکے کا انتقال ہو جائے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۳۳۰)

قال الله تعالیٰ: وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ . [النساء:۲۳]

(۵) دیور سے شرعاً پردہ ہے، خسر سے شرعاً پردہ لازم نہیں؛ لیکن نا قابل اطمینان خسر سے احتیاط لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(رجسٹر خاص)

زوجین خسر سے زنا کے ثبوت کے اقراری ہوں تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی ہندہ اور زید کا باپ (ہندہ کا سسر) تینوں ایک ہی حویلی میں رہتے تھے، زید گاہے گاہے اپنے کاروبار کے لئے سفر بھی کرتا رہا۔ اب جبکہ ہندہ کے سات بچے ہو چکے ہیں ہندہ اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ تمہارے باپ نے میرے دو بچے ہونے کے بعد یہ دھونس دے کر کہا اگر تم نے اس بات کو ظاہر کیا تو گھر سے نکال دوں گا، دو مرتبہ مجھ سے زنا کیا ہے، میں ڈر کی وجہ سے ظاہر نہ کر سکی۔ اب جبکہ ہندہ کے پانچ بچے اور ہو چکے ہیں، اس بات کو ظاہر کرتی ہے، ہندہ مدعیہ کے پاس کوئی شہادت نہیں، زید کے باپ (مدعی علیہ) سے جب معلوم کیا گیا، کیا تم نے ایسا کیا ہے (مدعی علیہ) زید کا باپ انکار کرتا ہے اور حلف اٹھانے کے لئے تیار ہے؛ جبکہ زید کو اپنی بیوی ہندہ کا یقین ہے کہ میری بیوی بالکل سچ بولتی ہے لہٰذا مسئلہ مذکورہ کے مطابق ہندہ اپنے شوہر کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ از روئے شرع حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیے۔

المستفتی: محمد فاروق، فتح اللہ گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر کواس بات کا یقین ہے کہ بیوی اس معاملہ میں سچ بول رہی ہے اور باپ کواس میں کاذب سمجھتا ہے اور باپ سے ایسا فعل صادر ہونے کا ظن غالب بھی ہے، تو شوہر پر بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہے اور چونکہ اب تک شوہر کواس کا علم نہیں تھا؛ اس لئے بعد کی ازدواجی زندگی میں شوہر گنہگار نہیں ہوگا اور درمیان میں جواولاد پیدا ہوگئی ہے اس کا نسب بھی شوہر سے ثابت ہوگا، ان کوحرامی کہنا جائز نہ ہوگا اوراگر آئندہ بیوی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے، تو شوہر سے اولاً متارکت حاصل کر کے عدت گذارنی ہوگی، اس کے بعد دوسری جگہ نکاح درست ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۱/۴۴)

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها، ويقع في أكبر رأيه صدقها. (شامي، كراچي ۳/۳۳، زكريا۴/۱۰۸)

و في البحر الرائق: لا تحرم على أبيه وإبنه إلا أن يصدقها، أو يغلب على ظنه صدقها (البحر الرائق، كوئٹه۳/۱۰۰، زكريا۳/۱۷۷)

و إن صدقها الزوج وقعت الفرقة الخ (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ۱/۲۷۶، زكريا جديد ۱/۳۴۲)

لأن النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد، وبالوطئ عن شبهة. (البحرالرائق، كوئٹه ۴/۱۶۵، زكريا ۴/۲۷۹)

والنسب يحتال لا ثباته مهما أمكن والامكان هنا بسبق التزوج الخ (شامي مصري، ۲/۸۶۴، كراچي ۳/۵۴۷، زكرياه/۲۴۰)

لايرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة. (شامي، زكريا۴/۱۱۴، كراچي ۳/۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۱۱۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۰۹/۲/۱۸ھ

خسر کا شہوت کے ساتھ بہو کا ہاتھ پکڑنا

سوال [۵۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خسر نے اپنے لڑکے کی بیوی کے ہاتھ کو رات کی تنہائی میں بہو کے بستر پر پہونچ کر پکڑ لیا، اور زبان سے زنا کی فرمائش کی، مگر لڑکی کسی طرح سے بھاگ کر باہر آ گئی، دوسرے دن اپنے شوہر کو بتایا کہ رات کو ایسا معاملہ ہوا ہے، جب لڑکے نے باپ سے پوچھا، تو باپ نے کہا کہ میں نشے کی حالت میں تھا، لڑکے نے باپ کو مارا، مگر بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلق برقرار رکھا مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے؛ لیکن یہ بات اس کے دل میں کھٹکتی رہی کہ مسئلہ معلوم کروں۔

غرض یہ مسئلہ درپیش ہے، بیوی اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اور بیوی اپنے میکے ہے؛ لیکن بیوی یتیم ہے، اس کے ماں باپ نہیں ہے، اس بنا پر لڑکا، اس کو دل سے نہیں نکال رہا ہے، اگر کوئی مسئلہ ہو رکھنے کی صورت میں تو پیش کرو اور اگر نا جائز ہو، تو بھی درپیش کرو۔

المستفتی: حافظ نذیر احمد، سنت کبیر نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکورہ صورت کے اندر خسر نے اپنے لڑکے کی بیوی یعنی بہو کا ہاتھ شہوت سے جب پکڑ لیا ہے اور اس کا ارادہ بھی زنا کا ہے تو چاہے نشے کی حالت میں ہو یا غیر نشہ کی حالت میں، اگر لڑکے کو اس بات کا یقین ہے کہ واقعۃً میرے باپ نے بدکاری کے ارادہ سے میری بیوی کو پکڑا ہے تو بیوی لڑکے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہے اور اگر لڑکے کو یقین نہیں ہے کہ میرے باپ ایسا کر سکتے ہیں، تو ایسی صورت میں بیوی حرام نہیں ہوگی۔

وعلى هذا ينبغي أن يقال في منعه إياها لا تحرم على أبيه، وابنه إلا أن

یصدقها، أو یغلب علی ظنه صدقها، ثم رأیت عن أبي یوسفؒ ما یفید ذلک.

(البحرالرائق، کوئٹه ۳/ ۱۰۰، زکریا۳/ ۱۷۷)

ومراهق ومجنون، وسکران کالبالغ (درمختار) وفي الشامیة: قبل المجنون أم امرأته بشهوة، أوالسکران بنته تحرم أي تحرم امرأته. (شامي، زکریا٤/ ۱۱٤، کراچي۳/ ۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۶۲۶۳۵/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۴/ ۱۴۲۱ھ

خسر کا شہوت کے ساتھ بہو کو چھونا

سوال [۵۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بہو کو خسر نے بارادۂ بدکاری ہاتھ لگا دیا ہو یا پکڑ لیا ہو، تو یہ بہو اپنے شوہر کے لئے حرام ہے یا حلال؟

(۲) اور طلاق بائنہ پڑی یا مغلظہ یا اور کوئی؟

(۳) اس واقعہ کے ۳؍ ماہ بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے، آیا عدت گذری یا نہیں؟

(۴) یہ بہو اپنا نکاح ثانی دوسرے شوہر سے کرسکتی ہے یا نہیں؟

نیز یہ بھی واضح رہے کہ اس لڑکی کا اپنے شوہر سے کوئی بگاڑ نہیں تھا اور یہ حمل لڑکی کے شوہر ہی کا تھا۔ توضحوا بینوا.

المستفتی: ماسٹر عبدالرشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر بدکاری کے ارادہ سے بشہوت پکڑا ہے اور شوہر بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ واقعی اس کے باپ نے یہ حرکت کی ہے، تو بیوی شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔ اور اگر شوہر تصدیق نہ کرے اور دو عادل عینی شاہد موجود

نہ ہوں، تومحض بیوی کے کہنے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/۱۷، فتاوی دارالعلوم دیو بند۴/۳۳۵)

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها ،ويقع في أكبر رأيه صدقهاعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لاتحرم على أبيه و إبنه إلا أن يصدقها، أو يغلب على ظنه صدقها. (البحر الرائق، كوئٹه ٣/١٠٠، زكريا٣/١٧٧، شامي، كراچي ٣/٣٣، زكريا ٤/١٠٨)

(۲)اس سے شوہر پر بیوی حرام تو ہو جاتی ہے؛ لیکن جب تک شوہر قولی متارکت یا شرعی تفریق نہ کردے تو نکاح سے باہر نہیں ہوگی اور نہ عورت اس کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۳۲۳)

وبحرمة المصاهرة لايرتفع النكاح حتى لايحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة الخ (الدر المختار، كراچي٣/٣٧، زكريا ٤/١١٤)

(۳)شوہر کی صریح متارکت یا شرعی تفریق سے قبل وضع حمل سے عدت پوری نہیں ہوسکتی ہے۔

ولا تحقق المتاركة إلا بالقول بأن يقول تاركتك، أو خليت سبيلك، أو خليتها، أوتركتها الخ (فتح القدير بيروت٣/٣٦٦، زكريا٣/٣٤٩، كوئٹه ٣/٢٤٥)

(۴)عورت کے لئے اس وقت تک دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا، جب تک شوہر سے متارکت اور تفریق حاصل نہ کرلے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۳۴۵، جدید ڈابھیل ۱۱/۳۹۲، امداد الفتاوی ۲/۳۲۳)

أما لو تركها و مضى على ذلك سنون لم تكن لها أن تتزوج بآخر الخ (فتح القدير، زكريا٣/٣٤٩، كوئٹه٣/٢٤٥، دارالفكر بيروت٣/٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۱۰۵۴)

خسر کا بہو سے زنا کرنا

سوال [۵۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے لڑکے کی بیوی سے زنا کیا؛ کیونکہ لڑکی کا شوہر گھر پر نہیں تھا کئی مرتبہ لڑکی اپنے میکہ چلی گئی، اس کی وجہ معلوم کرنے پر لڑکی کے ماں باپ نے بار بار اس سے دریافت کیا لڑکی نے مجبور ہو کر بتایا کہ یہاں پر میرا کوئی سننے والا نہیں ہے سسر نے میرے ساتھ زنا کیا، لڑکی کے چچا عبدالغنی نے بھی لڑکی سے دریافت کیا اور گاؤں کے امام مولوی محمد اور لڑکے کے چچا ٹیلر ماسٹر غلام رسول خواجہ عبدالعزیز درزی، ان چاروں آدمیوں نے لڑکی سے الگ الگ بیان لئے لڑکی نے سب سے یہی کہا کہ سسر نے میرے ساتھ منھ کالا کیا، یہاں پر میرا کوئی سننے والا نہیں ہے، یہ چاروں آدمی صوم وصلوۃ کے پابند ہیں اور چند آدمیوں نے مل کر جبراً یہ فیصلہ کیا اور ان فیصلہ کرنے والوں نے یہ بھی کہا اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا اور لڑکی کو اپنے شوہر کے گھر بھیج دیا اور نہ ہی لڑکی سے کوئی بیان لے سکتا ہے؛ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں فیصلہ صادر فرمائیں نکاح درست رہا یا فسخ ہوگیا اور فیصلہ کرنے والوں کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: خواجہ محمد بشیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شرعی شہادتوں سے زنا ثابت ہو جائے یا لڑکی کا شوہر خود لڑکی کی بات کی تصدیق کرتا ہے، تو لڑکی لڑکے پر حرام ہو جائے گی جدائیگی حاصل کرنا لازم ہے اور اگر شرعی شہادت نہیں ہے اور نہ ہی لڑکا تصدیق کر رہا ہے، تو محض لڑکی کے کہنے سے زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور خسر پر الزام لاگو نہ ہوگا۔

حرمة المرأة على أصول الزاني و فروعه نسباً ورضاعا، وحرمة أصولها و فروعها على الزاني نسباً و رضاعاً (الى قوله) وثبوت الحرمة

بلمسها مشروط بأن يصدقها. (شامي، كراچي ٣/ ٣٢، ٣/ ٣٣، زكريا ٤/ ١٠٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ر ۲۹۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱۱/۱۴۱۲ھ

خسر کا بہو کے ساتھ زنا بالجبر کرنے کا حکم

سوال [۵۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے بیٹے بکر کی بیوی ہندہ سے جبراً زنا کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے کمرے میں اپنے بیٹے کی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر چارپائی پر گرا کر زنا کرنے کی کوشش کی؛ لیکن لڑکی ہندہ نے اپنی طاقت سے وہاں تک بات پہونچنے نہیں دی کہ زید اس سے اپنی خواہش پوری کرتا، زید نے اپنے لڑکے کی بیوی ہندہ کا رخسار اور پستان پکڑا، جس سے قصداً زنا ثابت ہوگیا۔

اب بکر کا نکاح اپنی بیوی ہندہ کے ساتھ باقی رہا یا فاسد ہوگیا؛ جبکہ بکر کے باپ زید نے اپنے لڑکے کی بیوی ہندہ کیساتھ ایسا معاملہ کیا جو اوپر ذکر ہے۔ اب زید کے متعلق لڑکی نے اپنے والدین سے ذکر کیا، میرے سسر زید نے میرے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے، زید اس بات سے انکار کرتا ہے، اور لڑکی حلفیہ قسم کھانے کے لئے تیار ہے کہ میرے سسر نے میرے ساتھ ایسا کیا ہے اور مجھ سے زنا کرنا چاہتا تھا۔ اب شرعی اعتبار سے بکر کی بیوی ہندہ کا کیا کیا جائے کیا بکر کے باپ کی قسم کا اعتبار ہوگا اور قسم قرآن کی کھائی جائے یا اللہ کی؟

المستفتی: جاوید انور، ٹنڈولہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بکر اپنے باپ زید کی تصدیق کرتا ہے اور بیوی کے بیان کی تصدیق نہیں کرتا ہے، تو بکر کا نکاح اپنی بیوی کے ساتھ بدستور باقی ہے۔

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها، ويقع في أكبر رأيه صدقها وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لاتحرم على أبيه، وابنه إلاأن يصدقاه، أو يغلب على ظنهما، ثم رأيت على أبي يوسف ما يفيد ذلک .

(شامي، کراچي ۳/۳۳، زکریا ٤/۱۰۸، البحرالرائق کوئٹه ۳/۱۰۰، زکریا۳/۱۷۷)

اوراگرشوہر بیوی کی تصدیق کرتا ہےتو بیوی حرام ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍صفرالمظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ ؍ ۳۸۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹ ؍ ۲ ؍ ۱۴۱۵ھ

کیا خسر کے بہو سے زنا کرنے سے بیوی شوہر پر حرام ہو جائے گی؟

سوال [۵۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رابعہ کہتی ہے مجھ سے میرے سسر حافظ شفیع نے غلط کاری کرنے کی کوشش کی، مگر میں اپنی طاقت کی وجہ سے سسر کی گرفت سے آزاد ہوکر بھاگ گئی، پنچایت نے رابعہ کے سسر اور رابعہ کے شوہر سے حلفیہ بیان لیا، دونوں حضرات معاملہ کا قطعاً انکار کرتے ہیں، رابعہ کہتی ہے کہ میں نے اس معاملۂ بد کا تذکرہ اپنے شوہر سے کردیا تھا، شوہر اس تذکرہ کرنے کا بھی انکار کرتا ہے، رابعہ کہتی ہے میں نے جٹھانی سے بھی دوسرے تیسرے روز ذکر کیا تھا یہ صحیح ہے، مگر جٹھانی نے رابعہ کو اس پر ڈانٹا اور اس کو سمجھایا کہ میں خود بہو بن کر اور نیز کئی اور بہوئیں اس گھر میں عرصہ سے رہتی آئی ہیں، ہم نے اپنے سسر کی کوئی ناشائستہ حرکت نہیں دیکھی، وہ بہت صاف نیت آدمی ہیں، رابعہ آٹھ ماہ پہلے کا یہ واقعہ بتاتی ہے۔ واضح رہے کہ رابعہ جس مکان اور جس دن کا یہ واقعہ بتلاتی ہے، اس روز سبھی گھر والے جاگے ہوئے تھے؛ کیونکہ ہلدوانی میں ایک عزیز کی میت ہوگئی تھی جو حافظ شفیع کے حقیقی برادرنسبتی (سالے) تھے، اس کی نعش کے ٹانڈہ آنے کا انتظار تھا اور خود رابعہ کے

شوہر موجود تھے۔ نیز رابعہ کے سسر حافظ شفیع کی عمر ۷۷؍ سال ہے۔

اب وضاحت طلب ہے کہ لڑکی مدعی ہے اور لڑکی کے سسر اور شوہر حلفیہ طور پر منکر ہیں، تو دونوں فریقوں میں سے کس کی بات کا شرعاً اعتبار کیا جائے گا؟

لڑکی شوہر کے لئے حرام ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد یونس، عبد الجلیل، عبد الشکور، ٹانڈہ رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی درج شدہ صورت میں جبکہ شوہر نے رابعہ کی تکذیب کی ہے، تو رابعہ اپنے دعویٰ میں شرعاً جھوٹی ہے؛ لہٰذا شوہر اور رابعہ کے درمیان حرمت ثابت نہ ہوگی اور دونوں کا نکاح بدستور باقی ہے۔

وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها. (شامي، کراچي ۳/ ۳۳، زکریا ٤/ ۱۰۸، البحر الرائق، کوئٹه ۳/ ۱۰۰، زکریا ۳/ ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ربیع الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۱۵ھ

کیا بیٹی سے جماع کرنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے؟

سوال [۵۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کے ساتھ جماع کیا، خواہشات کے ساتھ اب اس کی بیوی موجود ہے تو لڑکی کا کیا ہوگا اور بیوی کیا ہوگی؟ اگر لڑکی کو حمل ہوجائے تو کیا کیا جائے؟ لڑکی کی شادی بھی نہیں ہوئی ہے، اس کی عمر ۱۶/۱۷؍ سال کی ہے، مہربانی سے مع دلائل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبد الغفور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی بیٹی سے زنا کرنے کی وجہ سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہے۔اب تا حیات بیوی بنا کر رکھنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔اگر بیٹی سے کوئی بچہ پیدا ہو جائے، تو ولد الزنا ہوگا، بچہ کو بیٹی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

حرمة المرأة علی أصول الزاني، وفروعه نسباً، ورضاعاً وحرمة أصولها، وفروعها علی الزاني نسباً ورضاعاً الخ (شامي، کراچي ۳/ ۳۲، زکریا ٤/ ۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۹۹۳)

ربیبہ سے زنا کرنے کا حکم

سوال [۵۵۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا ہے، ہندہ کے ساتھ ایک لڑکی اس کے پہلے شوہر سے ساتھ آئی تھی، ہندہ کی زید سے اولاد ہوئی، زید نے ہندہ کی اس لڑکی سے جو پہلے شوہر کی تھی زنا کیا، جس کے نتیجہ میں لڑکا پیدا ہوا۔اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ:

(۱) ہندہ کا نکاح زید سے باقی رہا یا نہیں؟

(۲) اگر حرام ہوگئی تو کیا دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے؟

(۳) کیا زید اس لڑکی سے جو شوہر اول کی ہے نکاح کرسکتا ہے؟

(۴) زید کے ساتھ اس کے اعزہ اقرباء ترک موالات کریں یا اس سے میل جول قائم رکھیں؛ جبکہ وہ اس گناہ پر مصر ہے؟

المستفتی: محمد عمران انصاری، شیخان، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر واقعہ صحیح ہے تو زید کے اپنی بیوی کی صلبی لڑکی سے زنا کرنے کی وجہ سے بیوی ہمیشہ کے لئے زید پر حرام ہوگئی ہے۔

نیز زید کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح بھی ہمیشہ کے لئے صحیح نہ ہوگا، اب زید ماں بیٹی میں سے کسی ایک سے بھی کبھی نکاح نہیں کرسکتا۔

ومن زنا بامرأة حرمت عليه أمها، وبنتها الخ (هداية، اشرفی بکڈپو دیوبند ۲/ ۲۰۹)

اور اس کو شرعی حکم بتلا دیا جائے، اگر باز آجائے تو ترک موالات نہ کیا جائے اور باز نہ آئے تو ترک تعلق کیا جاسکتا ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [سورة الهود: ۱۱۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲۸۲/۲۰)

ممسوسہ بالشہوہ کی بیٹی سے نکاح

سوال [۵۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگاتا ہے یا عورت مرد کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگاتی ہے، تو ایسی صورت میں اس عورت کی بیٹی کا نکاح اس زید کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد نے کسی عورت کو یا عورت نے مرد کو بلا کسی

حائل کے شہوت کے ساتھ چھودیا، تو ایسی صورت میں دونوں پر ایک دوسرے کی اولاد حرام ہوجاتی ہے یعنی نہ وہ مرد اس عورت کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے اور نہ یہ عورت اس مرد کی اولاد سے نکاح کرسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۳۴۴)

ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها، وابنتها. قال في الفتح: قوله بشهوة أي بدون حائل. (فتح القدير قديم زكريا ٣/٢١٣، كوئٹه ٣/١٢٩، كراچي ٣/٣٣، زكريا ٤/١٠٨، فتاوى عالمگيري، زكريا ١/٢٧٤، جديد ١/٣٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رشعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۷۷/۴۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۸/۹ھ

موطؤہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہے

سوال [۵۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ہندہ سے کافی عرصہ ناجائز تعلق رہا اور وہ حاملہ بھی ہوگئی، بعد میں وہ حمل زید نے ضائع کرادیا، دریں اثنا ہندہ اپنے موسیقی پروگرام کے تحت مہینوں ملک و بیرون ملک سفر کرتی رہی جو اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے، ہندہ کی لڑکی جس کا نام مریم عرف شبانہ ہے، جو اس کے ساتھ رہتی تھی ہندہ کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر زید نے جس کا نام نورالزماں عرف گوہر عالم ہے، ہندہ کی لڑکی سے بھی ناجائز تعلق قائم کرلئے یہاں تک کہ ہندہ کی لڑکی کا بھی دوبار حمل ضائع کراچکا ہے، زید جس کی ناراضگی زید کے والد سے ہوگئی، اس ناراضگی کے سبب زید نے اپنے والد کے اوپر نہایت بدسلوکی کر کے ہاتھ اٹھایا اور نہایت بداخلاقی کے ساتھ ماں بہن کی گالی گلوج بھی کی، ہندہ کے گھر واپسی پر جب ہندہ کو حالات کا علم ہوا تو دونوں میں نہایت بدتمیزی کے ساتھ جھگڑا ہوگیا، ہندہ بالآخر اپنی لڑکی کا نکاح زید سے ہی

اس کے وطن جا کر کرادیتی ہے، یہ نکاح کہاں تک درست ہے؟ ازروئے شرع جواب سے نوازیں۔ اور جو اولاد زید کے ذریعہ ہندہ کی لڑکی سے ہوگی وہ کیسی ہوگی؟

المستفتی: محمود حسین ،مکھیوں والا، پھاٹک سول لائن بنگلہ گاؤں، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جب ہندہ سے زنا کیا تو ہندہ کی لڑکی مریم عرف شبانہ زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی تھی؛ اس لئے زید کا نکاح مریم عرف شبانہ کے ساتھ جائز نہ ہوگا۔ اور اس سے جو اولاد ہوگی وہ حرام کی اولاد ہوگی۔

إذا فجر الرجل بامرأة، ثم تاب يكون محرماً لابنتها؛ لأنه حرم عليه نكاح ابنتها على التأبيد. (البحر الرائق ۳/۱۰۱، زکریا۳/۱۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۹۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۲ھ

زانی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور ثناء ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے ہیں، وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر بھی نہیں رہ سکتے ہیں، دونوں ایک دوسرے سے جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتے ہیں، دونوں کے گھر والے ان کی شادی بھی بہت جلد کردینا چاہتے ہیں؛ لیکن معاملہ یہ ہیکہ زید نے ثناء کی امی سے کبھی جذبات میں آکر زنا کرلیا تھا، اس وقت زید اور ثناء کی امی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ زید اور ثناء کی شادی ہوگی۔ اب زید توبہ کرچکا ہے اور آئندہ مستقبل میں گناہ نہ کرنے کا عہد کرچکا ہے، وہ ایسے گناہ کا تصور بھی نہیں کرے گا، اللہ پاک نے اس کی توبہ قبول کرلی ہوگی؛ کیونکہ اللہ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے۔

علماءِ دین سے درخواست ہے کہ زید کی ثناء سے شادی کا شرعی مسئلہ بیان فرمائیں؟

(۱) کیا ان دونوں کی شادی ہوسکتی ہے؟

(۲) اگر نہیں ہوسکتی ہے تو کیا زید اپنے ماں باپ کی نافرمانی کرسکتا ہے؛ کیونکہ اس کے ماں باپ ثناء کیساتھ اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں؟

(۳) اگر زید کے ماں باپ موت کے وقت ثناء سے شادی کرنے کی وصیت کر جائیں تو کیا اس وقت بھی زید ان کی نافرمانی کرسکتا ہے؛ جبکہ موت کے وقت کی وصیت واجب ہوتی ہے؟

(۴) اگر یہ دونوں شادی کرلیں تو کیا ساری زندگی زنا کاری میں لکھی جائے گی؟

(۵) اگر زید ثناء سے کہدے کہ وہ اس سے شادی نہیں کرے گا اور ثناء اس بات کو برداشت نہ کرسکے اور خودکشی کرلے تو کیا خدا کے گھر زید کی پکڑ نہیں ہوگی؟

(۶) کیا ایک مؤمن کی جان بچانے کے لئے بھی ایسے عالم میں شادی نہیں کرسکتا ہے؟

(۷) کیا حنفی شافعی مسلک کے مطابق شادی نہیں کرسکتا ہے؟

المستفتی: محمد وسیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے ثناء کی ماں کے ساتھ بدکاری کرلی ہے، تو اب زید کیلئے زندگی بھر ثناء کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہے، ایسے حالات میں زید اگر ثناء سے شادی نہ کرے اور وہ خودکشی کے لئے تیار ہوجائے تو زید اس کا مکلّف نہیں، ایک لڑکی سے شادی کرنے کے لئے حنفی مسلک کا آدمی، شافعی بن جائے یا شافعی مسلک کا آدمی حنفی بن جائے یہ انتہائی درجہ کی بے دینی اور ایمان کی کمزوری ہے؛ اس لئے اس کا خیال بھی نہیں کرنا چاہئے اور ان دونوں کو الگ الگ جائز طریقہ سے دوسری جگہوں میں شادی کرلینی چاہئے، تمام سوالات کے جوابات اسی میں آگئے ہیں۔

حـرم أيضـاً بـالـصهـرية أصـل مـزنية –إلـى قوله–وفروعهن مطلقاً.

(درمختار مع الشامي، زكريا ٤/١٠٧، ١٠٨، كراچي ٣/٣٢-٣٣)

وفـي الهداية: ومن زنىٰ بامرأة حرمت عليه أمها وبنتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۹۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۳ھ

مزنیہ کی فروع سے زانی کا نکاح

سوال [۵۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مولوی صاحب نے ایک عورت کے ساتھ زنا کرلیا اور کرنے کے بعد اللہ سے بہت توبہ واستغفار کیا؛ بلکہ اللہ سے بہت معافی مانگی ہے اور رویا بہت کیونکہ توبہ واستغفار کے ذریعہ بڑے بڑے گناہ بھی اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں؛ کیونکہ گناہ کرتے وقت یہ بات ذہن میں نہیں رہتی ہے بلکہ یوں ہی گناہ ہوجاتا ہے۔

اب عرصہ کے بعد اس عورت کی ایک لڑکی ہے، اس اپنی لڑکی کے ساتھ بطریق جائز رشتہ وشادی کرانا چاہتے ہیں، اور زنا کے متعلق نہ اپنے رشتہ داروں کو اور نہ اس عورت کے میاں کو بھی اس واقعہ کا پتہ ہے اور نہ لڑکے کی طرف کسی کو پتہ ہے، اب اس مولوی کے خاندان میں عالم مولوی ہیں زیادہ تر اب لڑکی والے دیکھ رہے ہیں کہ اس گاؤں میں کوئی عالم مولوی نہیں ہے؛ اس لئے لڑکی والے بھی زیادہ زور پہ ہیں صرف یہی نہیں دونوں جانب زور ہے۔اب لڑکا اس انتظار میں ہے کہ یہ شادی جائز ہے یا ناجائز؟ لڑکی والوں کو اس بات کی وجہ سے اب تک کوئی جواب نہیں دیا ،مگر دونوں طرف سے جلدی کررہے ہیں، مان نہیں رہے ہیں؛ کیونکہ مولوی لوگوں کی نظر اس گاؤں پر ہے کہ گاؤں کے لوگوں کو ایک سدھارنے کا

ذریعہ بن جائے گا یہ ایک اچھا موقع ہے؛ کیونکہ لڑکی والوں کی بات اس گاؤں میں چلتی ہے اوراس مولوی کا بھی گاؤں والے بہت عزت واحترام کرتے ہیں، دراں حالیکہ گاؤں کے لوگ گمراہی کی طرف جھک رہے ہیں، اسی بات کی وجہ سے لوگوں کی زیادہ کوشش بھی ہے کہ انہیں لوگوں کے یہاں رشتہ ہو جائے؟

المستفتی: ابودرداء، امام مسجد بہادر علی خاں، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مولوی صاحب کا اپنی مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کرنا کسی صورت میں جائز نہ ہوگا؛ کیونکہ زنا کرنے کی وجہ سے حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوگیا۔ اب زانی کے اصول وفروع زانیہ کے لئے اورزانیہ کے اصول وفروع زانی کے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئے اورسوالنامہ میں جواعذار ہیں اس کی وجہ سے حلال نہ ہوگی۔

حرمة المرأة على أصول الزاني، وفروعه نسباً، ورضاعاً، وحرمة أصولها، وفروعها على الزاني نسباً، ورضاعاً كما في الوطء الحلال. (شامي، زكريا ٤/١٠٧، كراچي ٣/٣٢، هداية اشرفی بكڈپو ديو بند ٢/٣٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۷۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/۱۴۱۹ھ

اپنی مزنیہ کی بیٹی سے نکاح

سوال [۵۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ہندہ سے کافی عرصہ ناجائز تعلق رہا اوروہ حاملہ ہوگئی، اس کے بعد اب زید اسی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح کرنے پر مصر ہے؛ چنانچہ ہندہ کی لڑکی سے زید کا نکاح بھی ہوگیا، تو ایسی صورت میں شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتی: محمود حسین ملک، کٹھنیوں والا، پھاٹک سول لائن ۲۸، نزد بنگلہ گاؤں چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرسوال نامہ میں لکھی ہوئی باتیں واقع کے مطابق صحیح ہیں اور زید نے ہندہ سے منھ کالا کر رکھا تھا، تو ایسی صورت میں زید کے ساتھ ہندہ کی لڑکی کا نکاح درست نہیں ہوگا، اگر نکاح ہو بھی جائے تو وہ باطل ہوگا اور دونوں کے درمیان علیحدگی لازم اور ضروری ہے، ورنہ ہمیشہ حرام کاری اور زنا کاری کی زندگی میں مبتلا رہیں گے۔

وحرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيته أراد بالزنا الوطئ الحرام (إلى قوله) وفروعهن مطلقاً. (الدر المختار مع الشامي، زكريا ٤/١٠٧، كراچي ٣/٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۴۸۷)

باپ کی مزنیہ سے نکاح کا عدم جواز

سوال [۵۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیٹے کا باپ کی مزنیہ کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح باپ کا بیٹے کی مزنیہ سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عظمت علی آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی مزنیہ کے ساتھ بیٹے کا نکاح اور بیٹے کی مزنیہ کے ساتھ باپ کا نکاح جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی حقانیہ ۴/۳۵۳)

وكذا الأب إذا وطئ امرأة حراماً، كان أو حلالاً فإنها حرام على الابن-وذكر في الظهيرية أصلاً مضبوطاً فقال: تحرم الموطوءة على أصول الواطي وفروعه. (تاتار خانية، زكريا ٤/٩٤، رقم: ٥٤٨٩)

وكـذا تحرم المزني بها على آباء الزاني، وأجدادهٖ وإن علوا، وأبناءهٖ وإن سفلوا. (هندية، زكريا ١/ ٢٧٤، جديد١ /٣٣٩)

والـزنـا يـوجـب حـرمة المصاهرة– حتى لو زنىٰ بامرأة حرمت عليه أصـولهـا وفـروعهـا، وحـرمت المزنية على أصولهٖ و فروعهٖ. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨١)

وحـرم أيـضـاً بـالـصـهـرية أصـل مزنيتهٖ. و تحته في الشامية: حرمة المرأة عـلـى أصـول الزاني وفروعهٖ نسباً و رضاعاً. (شامي، زكريا ٤/ ١٠٧، كراچي ٣/ ٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۷۴)

زانی کا مزنیہ کی ماں یا بیٹی کے ساتھ نکاح کا فساد

سوال [۵۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زانی کا مزنیہ کی بیٹی کے ساتھ یا اس کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم، رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زانی کا اپنی مزنیہ کی بیٹی کے ساتھ یا اس کی ماں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۶/ ۴۱۸، ڈابھیل ۱۱/ ۴۱۲)

من زنىٰ بامرأة حرمت عليه بنتها وأمها. (هداية، اشرفی بکڈپو دیوبند ٢/ ٣٠٩)

فـمـن زنـىٰ بـامـرأة حرمت عليه أمها وإن علت، وابنتها وإن سلفت. (هندية قديم، زكريا ١/ ٢٧٤، هندية، جديد اتحاد ١/ ٣٣٩)

والـزنـا يـوجـب حـرمة الـمـصـاهرة حتى لو زنىٰ بامرأة حرمت عليه

أصولها وفروعها. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨١)

وحرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيته. وتحته في الشامية: قال في البحر: أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع، حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسباً ورضاعاً. وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسباً ورضاعاً كما في الوطء الحلال. (شامي، زكريا ٤/١٠٧، كراچي ٣/٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۷)

مزنیہ کی لڑکی سے نکاح کرنے والے کے یہاں کھانا کھانا

سوال [۵۶۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غیر مسلمہ سے زنا کیا اور اب اس کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرلیا، تو یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟

(۲) اور ایسے شخص کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جس شخص نے اس کے یہاں کھانا کھایا ہو، وہ امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: طاہر علی، سرکڑا خاص، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) مزنیہ کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں ہے؛ کیونکہ حرمت مصاہرت جس طرح نسب سے ثابت ہوتی ہے، اسی طرح زنا سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

حرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيته وفروعه. (شامي، كراچي ٣/ ٣٢، ٣٣، زكريا ٤/ ١٠٧، ١٠٨)

(۲) اگر اس کے یہاں کھانا کھانا سے اس کی اصلاح کی امید ہو، تو ایسے شخص کے

یہاں کھانا کھانا جائز ہے۔ اور کھانے والے کی امامت میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے۔
(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۲/۳۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ر ۴۱۶۷/۷)

باپ کا لڑکے کی مطلقہ سے نکاح

سوال [۵۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنے لڑکے کی بیوی سے طلاق ہوجانے بعد نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: مقصود احمد، ساکن: بھینسیہ، کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے کی بیوی ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہوجاتی ہے، چاہے لڑکا طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے، کسی بھی طرح جائز نہیں۔

وحرم بالمصاهرة إلى قوله وزوجة أصله وفرعه. وفي الشامية: **وحلائل أبناء كم الذين من أصلابكم الخ وقوله لالإحلال حليلة الإبن رضاعاً، فإنها تحرم كالنسب**. (الدر المختار مع الشامي، كوئٹه ۲/۲۱ ۳، كراچي ۳/ ۳۱، زكريا ٤/ ١٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۶/۲۳)

بیٹے کا باپ کی ممسوسہ سے نکاح

سوال [۵۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی عمر اس وقت تقریباً ۱۴/ یا ۱۵/ سال کی ہے اور اب سے تقریباً چار سال قبل اس کی منگنی ایک لڑکا بنام زید سے ہوگئی تھی اور منگنی کے وقت اس لڑکی کی عمر تقریباً ۹/ یا ۱۰/ سال تھی اور آثار بلوغ بالکل ظاہر نہ تھے، اس کے بعد یہ ہوا کہ منگنی سے دس بیس روز بعد زید کے باپ نے اس لڑکی کو اپنی گود میں زانو پر بٹھایا اور سر پر ہاتھ رکھا، جس کی وجہ سے شہوۃ پیدا ہوگئی، تو اس کو گود سے فوراً اتار دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ لڑکی سے زید کی شادی کرنا درست ہے؟ اگر اس لڑکی سے درست نہیں ہے تو اس لڑکی کی بہن سے زید کی شادی کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: قاری عبدالرحمٰن، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس لڑکی سے زید کی شادی درست نہیں ہوگی؛ البتہ اس لڑکی کی بہن کیساتھ زید کی شادی درست اور جائز ہوجائے گی۔

ولافرق فيما ذكر بين اللمس، والنظر بشهوة بين عمد ونسيان وخطأ وإكراه وتحته في الشامية: وسن المراهقة، واقله للأنثىٰ تسع.

(شامي، كراچي ۳/ ۳٥، زكريا ٤/ ۱۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۶۱)

بیٹے کا ماں کو شہوت کے ساتھ چھونے کا حکم

سوال [۵۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے شہوت کے ساتھ بلا حائل اپنی حقیقی ماں کے پستان وشرمگاہ پر ہاتھ پھیرا؛ جبکہ ماں کو یہ بتایا کہ جادو اتارنے والے نے اس طرح ناپنے کا حکم دیا ہے، تو کیا اس طرح بیٹے کے عمل سے اس کی ماں اپنے شوہر پر حرام ہوگئی یا نہیں؟

اگرحرام ہوگئی تو حلال ہونے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

(۲) اگرحرمت کی بات اس لڑکے سے کہی جاتی ہے، تو یہ خودکشی کرلے گا اوراس کی ماں بھی خودکشی کرلے گی، گھر میں نوجوان لڑکیاں ہیں، ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ عرضیکہ پورا گھر سخت خطرہ میں ہے، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

(۳) کیا یہ مردوعورت یعنی اس لڑکے کے ماں باپ جماع سے مکمل بچاؤ کے ساتھ ایک مکان میں رہ سکتے ہیں اور کیا یہ دونوں حج کے لئے ایک ساتھ جاسکتے ہیں؟

المستفتی: عبدالمتین، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعۃً اس شخص نے شہوت ہی کے ساتھ ماں کی پستان اور شرمگاہ پر ہاتھ پھیرا ہو، تو اس کی ماں اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے شرعاً حرام ہوگئی، حلال کی کوئی صورت نہیں ہے، شرعی حکم یہی ہے خواہ لڑکا اور اس کی ماں کتنے ہی خطرہ میں ہوں اور اس لڑکے کے ماں باپ سخت پردہ اور علیحدگی کی پابندی کے ساتھ ایک مکان میں رہنا چاہیں، تو رہ سکتے ہیں اور دونوں ایک ساتھ حج کو نہیں جاسکتے۔

وکذا المقبلات، أوالممسوسات بشهوة لأصوله، أوفروعه. (شامي، زكريا٤/ ١٠٠، كراچي٣/ ٢٨)

لأن حرمة المصاهرة إذا ثبتت لا تسقط أبداً. (شامي زكريا ٤/ ١٠٩، كراچي ٣/ ٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۴۳۹)

حقیقی بہن سے صحبت کرنے کی وجہ سے کیا بیوی حرام ہوجاتی ہے؟

سوال [۵۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے اپنی سگی بہن کے ساتھ صحبت کی، اب شرعی حکم کیا ہے کیا میرے نکاح میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

المستفتی: جابر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس سے آپ کے یا آپ کے باپ کے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا؛ لیکن زبردست گناہ عظیم کا ارتکاب ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنے گناہ سے نادم ہوکر گریا وزاری کے ساتھ توبہ کرنا لازم ہوگا، آئندہ آپ کی اولاد اور اس بہن کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز نہ ہوگا، جس بہن کے ساتھ منھ کالا کیا گیا ہے؛ کیونکہ دونوں کی اولاد سوتیلے بھائی بہن کے درجہ میں ہوجائیں گی۔

لا يحل للرجل أن يتزوج بأمة (ألى قوله) ولابأخته الخ (هداية اشرفي بکڈپو ۲/ ۳۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦/ صفر المظفر ۱۴۱٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۳۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱٦/۲/۲٦ھ

ساس کی شرم گاہ کو دیکھنا

سوال [۵٦۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی خالدہ ہے اور صدیقہ خالدہ کی ماں ہے اور زید نے صدیقہ کی شرمگاہ کو دیکھ لیا، تو ایسی حالت میں خالدہ زید کی نکاح میں رہی یا نہیں؟

(۱) زید نے صدیقہ کی شرمگاہ کو دیکھ کر نیت بری کی، تو ائمہ کی متفق رائے بتائیں؟

(۲) اگر زید نے شرمگاہ کو دیکھا اور نیت بری نہیں کی تو بھی متفق رائے بتائیں؟

المستفتی: محمد عظیم الدین، عرف عملیہ، بھاگل پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے صدیقہ کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ کو شہوت کے ساتھ دیکھ لیا ہے، تو خالدہ زید پر ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہوگئی۔

والمنظور الی فرجها المدور الداخل الخ (الدر المختار، کوئٹہ ۲/ ۳۸۵، زکریا٤/ ۱۰۸، کراچي ۳/ ۳۳)

اوراگر شہوت سے نہیں دیکھا ہے؛ بلکہ اچانک کسی وجہ سے نظر پڑ گئی ہے اور بعد میں شہوت ہوگئی ہو یا نہیں! تو خالدہ اور زید کے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئی۔

والعبرة للشهوة عند المس، والنظر لابعدهما الخ (الدر المختار ۲/ ۳۸۵، زکریا٤/ ۱۰۸، کراچي۳/ ۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦ ر صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۷ ۵)

شہوت کے ساتھ ساس کو مس کرنا اور بوسہ لینا

سوال [۵٦۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ داماد نے اپنی ساس کو شہوت کے ساتھ مس کیا اور بوسہ لیا، تو کیا اس شخص پر اس کی بیوی حرام ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ناصر حسین رامپوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داماد نے اپنی ساس کا بوسہ لیا، تو اس پر اس کی بیوی ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام ہوگئی۔

حرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيته وأصل ممسوسته بشهوة (إلى أن قوله) وفروعهن. (در مختار مع الشامي، کراچي ۳/ ۳۲، زکریا ٤/ ۱۰۷، ۱۰۸)

وفي الهداية: ومن مسته امرأة بشهوة حرمت عليها أمها وابنتها. (هداية، اشرفي بکڈپو ۲/ ۳۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۷۷)

دھوکے سے داماد کا ساس کو بحالتِ شہوت چھونا

سوال [۵۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک شادی شدہ مرد ہے وہ اپنی سسرال گیا ہوا تھا، رات کو جب چارپائی پر سویا، تو اس کی بیوی کی چارپائی اور اس کی ساس کی چارپائی اور خود اس کی چارپائی برابر میں پڑی ہوئی تھی، رات کو اتفاق سے زید بیدار ہوا، اس نے اپنی بیوی کے دھوکہ میں بحالت شہوت اپنی ساس کو ہاتھ لگادیا، جب اس نے دیکھا کہ یہ میری بیوی نہیں ہے؛ بلکہ یہ میری ساس ہے اس نے فوراً ہاتھ ہٹالیا اتفاق سے ساس اور بیوی ایک ہی رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھیں۔ مسئلہ کی صورت کے مطابق مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد وسیم رام پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دھوکہ میں بھی بحالت شہوت اپنی ساس کو ہاتھ لگادیا ہے، تو بھی بیوی ہمیشہ کے لئے شوہر پر حرام ہوگئی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند ۷/ ۳۷۶)

ولافرق فيما ذكر بين اللمس، والنظر بشهوة بين عمد ونسيان وخطأ وإكراه، فلو أيقظ زوجته، أو أيقظته هي لجماعها، فمست يده بنتها المشتهاة أويد ها ابنه حرمت الأم أبداً. (الدرالمختار مع الشامي، کراچي ۳/ ۳۵، زکریا ٤/ ۱۱۲)

وفي الهندية: ثم لا فرق في ثبوت الحرمة بالمس بين كونه عامداً، أو ناسياً، أومكرهاً، أومخطِأً، أو نائماً. (فتاوى عالمگيري، زكريا ١/ ٢٧٤، جديد١/ ٣٤٠)

وأيضاً في الهندية: ولو مس شعرها بشهوة إن مس ما اتصل برأسها ثبت الخ (عالمگيري، ١/٢٧٤، جديد١/ ٣٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۲۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۷/۱۹ھ

صحبت کے ارادے سے ساس کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانا

سوال [۵۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی اپنی ماں کے قریب زید کے گھر سو رہی تھا، زید نماز پڑھ کر رات میں دیر سے گھر آیا زید اپنی خواب گاہ پر گیا اور صحبت کے ارادے سے اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے اپنی ساس کا ہاتھ پکڑ کر ہلایا، ہلانے کی حرکت سے جب ساس نے کروٹ بدلی تو زید کو ساس کا چہرہ نظر آیا جس سے شرمندہ ہو کر واپس چلا آیا؛ لیکن ہاتھ پکڑ کر ہلانے کی حرکت ساس کو آخر تک نہیں ہوئی۔ اب معلوم کرنا یہ ہے کہ زید کی بیوی کیا زید پر حرام ہوگئی؟ اگر حرام ہوگئی تو شریعت مطہرہ میں اس کا کوئی حل ہے یا نہیں؟

المستفتی: سمیع الدین، بسواں سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب صحبت کے ارادہ سے اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے اپنی ساس کو پکڑ کر ہلایا تھا، اس وقت اگر زید شہوت کی حالت میں تھا تو زید کی بیوی زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، چاہے ساس کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی ہو، اب اس بیوی

کو چھوڑ کے دوسری عورت سے شرعی طریقہ سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارنے کے علاوہ کوئی دوسرا حل نہیں۔

و لا فرق بين اللمس، والنظر بشهوة بين عمدٍ ونسيانٍ و خطأ وإكراه، فلو أيقظ زوجته، أوأيقظته هي لجماعها فمست يده بنتها المشتهاة، أو يدها ابنه حرمت الأم أبداً الخ (الدر المختار مع الشامي، كراچي ۳/ ۳۵، زكريا ٤/ ١١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۸۴۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۷ھ

شہوت کے ساتھ ساس کو چھونے سے کیا بیوی حرام ہو جائے گی

سوال [۵۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی کی شادی ہوئی اور رخصتی ابھی نہیں ہوئی ہے کہ وہ آدمی اپنی سسرال گیا اور وہ رات میں اٹھا اپنی بیوی کے پاس جانے کے لئے؛ لیکن اچانک اس کا ہاتھ اپنی ساس پر پڑ گیا اور کیا کچھ نہیں بس ہاتھ پڑ گیا، تو کیا یہ نکاح ٹوٹ گیا؟ اور اس کی محبت اپنی بیوی سے بے حد ہے، اس کا کہنا ہے کہ اگر ایسا ہوا تو ہم اپنی جان دیدیں گے اور مر جائیں گے زندہ رہنا دنیا میں گوارہ نہیں، تو اس کے بارے میں حضور بہت جلد تحریر فرمائیں؛ کیونکہ ہم نے دین کی باتوں میں دیکھا ہے، تو اس میں لکھا ہے کہ اگر ہاتھ لڑکی یا ساس پر پڑ گیا، تو بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی اور لازم ہے کہ وہ آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔

المستفتی: محمد حنیف قاسمی، مدرس مدرسہ جامعہ ککرالہ بدایوں (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ساس پر ہاتھ لگاتے وقت شہوت بھری حالت

میں رہا ہے اور ساس کے بدن پر کپڑا نہیں تھا یا ہلکا اور باریک کپڑا تھا کہ اوپر سے اندر کی گرمی محسوس ہو رہی ہے، تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکی ہے اور اگر شہوت بھری حالت میں نہیں تھا، تو بیوی حرام نہ ہوگی نکاح بدستور باقی ہے۔

قبل أم امرأة حرمت عليه امرأته مالم يظهر عدم الشهوة (إلى قوله) في المس لاتحرم مالم تعلم الشهوة؛ لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس الخ (تنوير الابصار مع الدر كراچي ٣/٣٦، زكريا ٤/١١٣)

خودکشی کرنا بہت بڑا گناہ عظیم ہے، جس شئ سے خودکشی کریگا، اسی چیز سے جہنم میں ہمیشہ عذاب ہوتا رہے گا۔

عن أبي هريرةؓ أراه رفعه قال: من قتل نفسه بحديدة جاء يوم القيٰمة وحديدته في يده يتوجأبها بطنه في نارجهنم خالداً مخلداً أبداً، ومن قتل نفسه بسم فسمه في يده يتحساه في نار جهنم خالداً مخلداً أبداً.

(ترمذي شريف، باب ماجاء فيمن قتل نفسه بسم، أو غيره، النسخة الهندية ٢/٢٥، دار السلام رقم: ٢٠٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۳۰۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۹ھ

خوش دامن سے مجامعت کرنے کا حکم

سوال [۵۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بیوی کے ہوتے ہوئے خوش دامن سے دھوکے میں یا جان کر مجامعت کر بیٹھا، تو اس صورت میں زید کی بیوی زید کے نکاح میں رہی یا نکل گئی؟

المستفتی: محی الدین احمد، قصبہ سہسپور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خوش دامن سے مجامعت کرنا شرعی شہادتوں سے ثابت ہے یا خود زید نے اس کا اقرار کرلیا، تو زید پر بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوچکی ہے، زید پر لازم ہے کہ فوراً علیحدہ کردے۔

قيل له مافعلت بأم امرأتك، فقال جامعتها تثبت الحرمة ولايصدق أنه كذب ولوهازلا. (الدر المختار، کوئٹه٢/ ٣٩٠، کراچي٣/٣٨، زكريا٤/ ١١٥، هنديه زكريا١/٢٧٦، جديد١/ ٢٧٦)

مذکورہ شرائط کے بغیر حرام نہیں ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳۶۸/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۴/۲۳)

کیا سالی سے زنا کرنے کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال [۵۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی نے نسبتی ہمشیرہ جس کو عرف عام میں سالی کہتے ہیں یعنی بیوی کی سگی بہن سے زنا کرلیا اور کرتا رہتا ہے، تو کیا ایسی حالت میں بیوی سے نکاح باقی رہتا ہے یا باطل ہوجاتا ہے؟ دلائل کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: نسیم احمد، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں بیوی کے ساتھ نکاح تو بدستور باقی ہے، مگر سالی کے ساتھ جو حرکت ہوتی ہے، وہ گناہ عظیم کا سبب ہے، دونوں پر سخت پابندی لگائی جانی چاہئے اور دونوں پر لازم ہے کہ اپنے اس فعل شنیع سے خالص توبہ کرلیں۔

وطئ أخت امرأته لاتحرم عليه امرأته الخ (در مختار، كتاب النكاح،

فصل في المحرمات، کراچي ۳/ ۳٤، زکریا٤/ ۱۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۱۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۹ھ

کیا سالی سے زنا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا؟

سوال [۵۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمیل نے اپنی بیوی کی چھوٹی بہن سے ناجائز تعلق پیدا کر لئے، اب اس کی بیوی کی بہن حاملہ ہے، ایسی صورت میں جمیل کا نکاح قائم رہا یا فسخ ہوگیا؟ بہت سارے لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ جمیل کا نکاح ٹوٹ گیا۔

المستفتی: جمیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں جمیل کی بیوی کا نکاح جمیل کے ساتھ بدستور باقی ہے؛ البتہ جمیل اور زانیہ سالی دونوں گناہ عظیم کے مرتکب ہونے کی وجہ سے ان پر خالص توبہ لازم ہے اور سالی اگر شادی شدہ نہیں ہے، تو بچہ کا نسب بھی ثابت نہیں ہوگا ولد الزنا ہوگا۔

وطئ أخت امرأته لاتحرم علیه امرأته الخ (در مختار، کتاب النکاح، فصل في المحرمات، کراچي ۳/ ۳٤، زکریا ٤/ ۱۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۸۴۱)

سالی سے بدکاری کے بعد بیوی نکاح میں رہے گی یا نہیں؟

سوال[۵۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی نے اپنی سالی کے ساتھ صحبت کرلی یا اس سے نکاح کرلیا، ان دونوں حالتوں میں منکوحہ عورت نکاح میں رہے گی یا مطلقہ ہوجائے گی، ان دونوں کے بارے میں کیا احکام ہیں؟

المستفتی: عفیف احمد، ہری چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی سالی سے زنا کرنے سے بیوی کے نکاح میں شرعاً کوئی فرق نہیں پڑتا، نکاح بحالہ قائم رہتا ہے؛ البتہ سالی اور خود گناہ کبیرہ کے مرتکب اور مردود بارگاہ ہوں گے۔ نیز بیوی کی موجودگی میں سالی کے ساتھ نکاح شرعاً باطل ہوتا ہے۔ اور حرام کاری کی زندگی میں مبتلا رہیں گے، اور بیوی کے نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

وطئ أخت امرأته لاتحرم عليه امرأته الخ (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا ٤/١٠٩، كراچي ٣/٣٤)

إذا تزوجهما على التعاقب، وكان نكاح الأولى صحيحاً، فإن نكاح الثانية، والحالة هذه باطل قطعاً. (شامي، كراچي ٣/٣٨، زكريا ٤/١١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۶۱۸)

منکوحہ اپنے بہنوئی سے زنا کرائے تو شوہر پر حرام ہوگی یا نہیں؟

سوال[۵۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میری شادی محسنہ خاتون سے ۲۴؍مئی ۱۹۸۸ء کو نگینہ ضلع بجنور سے ہوئی، اور محسنہ خاتون اپنے بہنوئی سے زنا کرائی ہے اور زنا کے دو حمل گروا چکی ہے اور ایک سال سے زائد کا لڑکا اس کے پاس موجود ہے اور میری بیوی محسنہ کو دو مہینے کا مجھ سے حمل ہے اور محسنہ کی بڑی بہن تنظیم فاطمہ میرے گھر آئی، تو اس کو بلا کر اپنے شوہر کے پاس لے گئی اور محسنہ بھی وہی ہے، وہ اپنے بہنوئی تنظیم کے شوہر سے زنا کراتی ہے اور جب میں اپنی بیوی محسنہ خاتون کو بلانے گیا، تو اس کی بڑی بہن اور بہنوئی نے منع کر دیا، اور آنے نہیں دیا اور بہنوئی دونوں بہنوں کو اپنے گھر میں رکھ رہا ہے (تنظیم فاطمہ اور محسنہ کو) اب اگر میری بیوی محسنہ میرے گھر میں آجائے، تو میں اس کو اپنے گھر رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟ اور اس عورت کا میدان حشر میں اور قبر میں کیا حال ہوگا، جو اپنے شوہر کو چھوڑ کر بہنوئی سے زنا کراتی ہے؛ لہٰذا اس مسئلہ میں قرآن وحدیث سے جواب دیا جائے اور اس کا بھی جواب دیں کہ بیوی میری نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سالی کو ناجائز تعلق کے لئے گھر میں رکھنا حرام اور غضب الٰہی کے تسلط کا خطرہ ہے، علاقہ کے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس شخص کو اس نازیبا حرکت سے روک دیں، اگر نہ مانے تو برادری کے لوگ اس سے بائیکاٹ کر دیں، ورنہ سب لوگ گنہگار رہوں گے۔

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ. [الهود: ۱۱۳]

نیز محسنہ اس حرکت کی وجہ سے اپنے شوہر کے نکاح سے باہر نہیں ہوئی؛ بلکہ بدستور شوہر کے نکاح میں برقرار رہے گی؛ لہٰذا محمد اقبال شوہر اپنی بیوی محسنہ کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں ہے؛ بلکہ محسنہ اور اس کے بہنوئی گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں ان تو بہ کر کے باز آجانا لازم ہے۔

لـوزنت امـرأة رجـل لـم تـحـرم عـلـيـه وجـازلـه وطـؤها عقب الزنا. (شامي، كراچي ۳/ ۳۴ز كريا ٤/ ١٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۱۱۱۴)

سالی سے وطی کرنے سے بیوی حرام ہوگی یا نہیں؟

سوال [۵۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو نکاح میں رکھتے ہوئے اپنی سالی سے وطی کرلیا، تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اپنی سالی سے زنا کرنے کی صورت میں زید پر اس کی بیوی حرام نہیں ہوئی بلکہ نکاح بدستور باقی ہے لیکن زید اور زانیہ سالی دونوں پر اس فعل بد سے توبہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔

وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه امرأته. (درمختار كتاب النكاح، فصل فى المحرمات كراچى ۳/ ۳٤، زكريا ٤/ ١٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۷۶۶)

مزنیہ کی بہن سے نکاح اور سالی سے زنا کا حکم

سوال[۵۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ **لوان زيد زنى بامرأة فتزوج بأختها الصغيرة، أو الكبيرة،**

أوتزوج بامرأة، ثم زنیٰ بأختها صغیرة کانت أو کبیرة فسد النکاح أم لا؟

المستفتی: ارشدخان شاہد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زنا شریعت میں نہایت ہی قبیح شئ ہے۔قرآن وحدیث میں اس کی بڑی وعیدیں آئی ہیں،تاہم مزنیہ کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے اور بیوی کی بہن (سالی) سے زنا کرنے سے نکاح فاسد نہیں ہوتا،مگر مزنیہ کو ایک حیض آنے تک زانی کا اپنی بیوی سے الگ رہنا واجب ہے۔

في الخلاصة وطئ أخت امرأته لاتحرم عليه امرأته (درمختار) وفي الدراية: عن الكامل ولوزنیٰ باحدیٰ الأختين لاتقرب الأخریٰ حتی تحيض الأخریٰ حيضةً. قال الشامي تحت قوله لاتحرم: فالمعنیٰ لاتحرم حرمة مؤبدة وإلا فتحرم إلى انقضاء عدة الموطؤة. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ۳/۳٤، زكريا ٤/١٠٩، امداد المفتيين ٢/٤٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۴ھ

سالی کو اٹھا کر لے جا کر اپنے ساتھ رکھنے سے کیا نکاح ٹوٹ جائے گا؟

سوال [۵۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر کے نکاح میں ہندہ ہے اور اس سے ایک لڑکی بھی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ بکر اپنی سالی یعنی بیوی کی چھوٹی بہن کو زبردستی اس کے گھر سے رات کو اٹھا لے گیا،جس کی عمر ۱۳/سال ہے اور اس کو چھ سات دن اپنے پاس رکھا اس کے بعد لڑکی کے والد اپنی لڑکی کو تلاش کر کے پھر واپس لے آئے تو، بکر کا نکاح فسخ ہو گیا یا نکاح باقی ہے؟

(۲) اگر نکاح ٹوٹ گیا تو دوبارہ ہندہ کا نکاح بکر سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوالحسن، چھارچھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) سالی کو اٹھالے جانے اور ساتھ رکھنے سے بکر سخت گنہگار رہوا ہے، اسے اس گناہ سے فوراً توبہ کرنا لازم ہے؛ لیکن بکر اور ہندہ کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا، ہندہ بکر کے نکاح میں بدستور باقی ہے۔

وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه امرأته الخ (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا ٤/١٠٩، كراچي ٣/٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۵۰۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۱۱/ ۱۴۱۷ھ

کیا مزنیہ کے اصول وفروع زانی پر حرام ہیں؟

سوال [۵۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور عمرو دونوں ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں، زید کی شادی ہندہ سے ہوگئی، پھر ہندہ کے ناجائز تعلقات عمرو سے ہوگئے، پھر ہندہ سے ایک لڑکا بکر پیدا ہوا، جس کی شکل وصورت ڈیل ڈال سب کچھ عمر جیسا ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد زید کو اپنی بیوی ہندہ اور عمرو کے تعلقات کا پتہ چلا، تو زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدی اور بکر کو اپنے پاس رکھ لیا، پھر جب بکر بڑا ہوا، تو زید نے اس کی شادی کردی، پھر بکر کے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی اور پھر ہندہ مطلقہ سے عمرو نے باقاعدہ نکاح کرلیا، اور ہندہ عمرو کے نکاح میں کئی برس رہ کر انتقال کرگئی، پھر عمرو نے دوسرا نکاح کیا رشیدہ سے ایک لڑکا خالد پیدا ہوا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ عمرو اپنے لڑکے خالد کی شادی بکر کی لڑکی خالدہ سے کرانا چاہتا ہے،

قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: شکیل احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہندہ اور عمرو کے درمیان بکر کی پیدائش سے قبل ہی شرعی طور پر حرمت مصاہرت ثابت ہوچکی تھی، تو بکر کی لڑکی کا نکاح عمرو کے لڑکے کے ساتھ جائز نہیں ہے اور ایسی صورت میں مسئلہ ربیبہ کا اشکال نہ ہوگا۔

ولذا تحرم عليه ربيبة المولودة بعد طلاقه أمها وزوجة أبيه من الرضاع المطلقة قبل ارتضاعه. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٣٢، زكريا ٤/١٠٦)

وحرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيته وفروعهن الخ (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/٣٢، زكريا ٤/١٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۱۹/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱۴ھ

سالی کے سینے کو چھونے کا حکم

سوال [۵۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی زوجہ کی بہن کو غلط ارادہ سے دیکھا اور اس کے سینہ کو چھوا، اس کے بعد یہ حرکت نہیں کی تو میری بیوی کے نکاح میں تو کوئی نقص نہیں آیا؟

المستفتی: محمد مشرف علی، جگر کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سالی کے ساتھ غلط فعل کرنے اور بدنیتی سے اس کو چھونے سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔

وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه امرأته الخ (در مختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا ٤/١٠٩، كراچي ٣/٣٤)

البتہ اگر خدانخواستہ ساس کو بدنیتی سے چھودیا جائے گا تو بیوی حرام ہوجائے گی۔

قال في الذخيرة: وإذا قبلها، أولمسها، أونظر إلى فرجها، ثم قال:لم يكن عن شهوة ذكر الصدر الشهيد، أنه في القبلة يفتىٰ بالحرمة، مالم يتبين أنه بلاشهوة، و في المس والنظر لا إلا أن يتبين أنه بشهوة؛ لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس والنظر. (شامي، كراچي ٣/٣٥، زكريا ٤/١١٢، هندية، زكريا ١/٢٧٦ جديد ١/٣٤١)

لو قبل الرجل امرأته تثبت الحرمة مالم يظهر أنه قبلها بغير شهوة وفي المس مالم يعلم أنه كان عن الشهوة لاتثبت الحرمة. (قاضي خان على الهندية، زكريا ١/٣٦١ جديد ١/٢١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۳۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۲۶ھ

سالی سے زنا کرنے کا حکم

سوال [۵۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی سالی سے زنا کیا؛ جبکہ اس کی بیوی اس کے نکاح میں موجود ہے، تو کیا اس سے نکاح میں کوئی اثر پڑا یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ نکاح ٹوٹ گیا اور کچھ اس کے خلاف بات کہتے ہیں، آپ اس سلسلہ میں شرعی فیصلہ فرمائیں۔

المستفتی: کمال الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سالی سے زنا کرنے سے بیوی کا نکاح ختم نہیں

ہوتا؛ بلکہ وہ علیٰ حالہ باقی رہتا ہے؛ البتہ سالی کو ایک حیض آنے تک بیوی سے وطی کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ سالی سے زنا کرنے سے بیوی کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، ان کی بات صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۹/۵، جدید زکریا ۳۳/۵، امداد المفتین ۵۵۳/۲)

وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه(درمختار) وتحته في الشامية لا تحرم حرمة مؤبدة – وفي الدراية: عن الكامل لو زنىٰ بإحدى الأختين لا يقرب الأخرىٰ حتى تحيض الأخرىٰ حيضة. (درمختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣٤/٣، زكريا ١٠٩/٤، البحر الرائق، كوئٹه ٩٦/٣، زكريا ١٧٠/٣، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٢١٤/٣، كوئٹه ١٢٣/٣، زكريا ٢٠٥/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۶۷/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۱۸ھ

بیوی کی بہن سے زنا کرنا

سوال [۵۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص شادی شدہ ہے، جو پانچ بچوں کا باپ ہے، اس نے اپنی بیوی کی بہن، جو غیر شادی شدہ تھی، اس سے ہمبستری کر لی ہے۔ اب وہ اپنی موجود بیوی کو نکاح میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ممکن نہ ہو تو کیا کرے؟

المستفتی: جمال اختر، کٹگھر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں بیوی کے نکاح پر تو کوئی اثر نہیں ہوا، بیوی بدستور نکاح میں باقی ہے۔

في الخلاصة وطئ أخت امرأته لاتحرم عليه امرأته (درمختار مع الشامي، زكريا ١٠٩/٤)

اور جب تک سالی مزنیہ کو ایک حیض نہ آچکے اس وقت تک اپنی منکوحہ سے ہمبستری جائز نہیں، اور جب ایک حیض گذر جائے تب ہمبستری جائز ہے۔(مستفاد: امداد المفتیین ۵۵۳/۲، امداد الاحکام ۳۹۷/۴)

ولوزنیٰ بإحدى الأختين لايقرب الأخرىٰ حتى تحيض الأخرىٰ بحيضة. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المحرمات قديم ۳۲۵/۱، جديد دار الكتب العلمية بيروت ۴۷۹/۱، كراچي ۳۴/۳، زكريا ۱۰۹/۴)

البتہ سالی سے منہ کالا کیا ہے، اس کا بہت سخت گناہ ہوگا، اس سے توبہ واستغفار لازم ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۳۷۹/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۴۲۸/۳۴)

سالی سے زنا کرلے تو حرمت مصاہرت کا حکم

سوال [۵۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا حقیقی بہنوئی اپنی چھوٹی سالی کو بےعزتی کرانے کی غرض سے گھر سے کہیں دوسری جگہ لے گیا، تقریباً پندرہ روز اس نے اپنے پاس رکھا، اس نے زنا کیا یا نہ کیا، لیکن زید کو پورا پورا یقین ہے کہ اس نے زنا لازمی کیا ہے، اس کے بعد پولس کے ذریعہ اپنی سالی کو اپنی سسرال بھیج دیا؛ لہٰذا ایسے شخص کو کونسی سزا دینی چاہئے کیا اسے قتل کیا جائے یا زندگی بھر کے لئے جو بہن اس کے گھر ہے، اس سے یعنی بہنوئی سے قطع تعلق کرلے؟

المستفتی: محمد عاشق حسین، نورانی مسجد، مقبرہ، درگاہ، رمرا دآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کی جو بہن بہنوئی کے نکاح میں ہے، اس کا نکاح شوہر کے ساتھ بدستور قائم ہے۔

وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه الخ (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، زكريا٤/ ١٠٩، كراچي ٣/ ٣٤)

اور جب تک شرعی طور پر چار گواہوں سے زنا کا ثبوت نہ ہوجائے، اس کی شرعی سزا مرتب نہیں ہوتی ہے؛ البتہ بھگا کر لے جانے کی وجہ سے حاکم اپنی مصلحت سے مناسب سزادے سکتا ہے، وہ بھی اسلامی حکومت میں ہوسکتا ہے اور ہندوستان جیسے مما لک میں برادری پنچایت اس کو توبہ پر مجبور کراسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۹ھ

سالی کے ساتھ زنا کرنا اور اپنے لڑکے کا اس کی لڑکی سے نکاح کرنا

سوال [۵۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی سالی سے منھ کالا کرلیا، تو کیا اس کے نکاح پر کچھ فرق پڑے گا؟ نیز کیا اب سالی کی لڑکی سے اپنے لڑکے کا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب متعلم دورۂ حدیث مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کی موجودگی میں سالی سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوگی؛ بلکہ بیوی تو بدستور نکاح میں باقی رہے گی؛ البتہ سالی سے منھ کالا کرنے کا سخت گناہ ہوگا، اس سے توبہ واستغفار لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۵/ ۱۶، امدادالاحکام ۳/ ۷۹)

وفي الخلاصة: وطئ أخت امرأته لا تحرم عليه امرأته. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/ ٣٤، زكريا٤/ ١٠٩)

لیکن سالی کو ایک حیض آنے تک بیوی سے وطی کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/۵۵۵)

ولوزنیٰ بإحدی الأختین لایقرب الأخریٰ حتی تحیض الأخریٰ بحیضة. (مجمع الأنهر قدیم ۱/ ۳۲۵، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ٤٧٩)

زید کے لئے تو اس لڑکی سے نکاح حلال نہیں؛ لیکن زید کے لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۳۴۹)

ویحل أصول الزاني وفروعه أصول المزني بها وفروعها. (البحر الرائق، کوئٹه ۳/ ۱۰۱، زکریا ۳/ ۱۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۱۸۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

کیا نامحرم سے ناجائز تعلقات کی وجہ سے بیوی حرام ہوجاتی ہے؟

سوال [۵۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی زبیدہ سے ہوئی، دونوں میں ہنسی وخوشی زندگی گذر رہی ہے، زید کے تین چار بچے ہیں، زید پر شیطان سوار ہوا اور اس نے باوجود بیوی بچوں کے ہوتے ہوئے کسی نامحرم عورت سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے۔ اور وہ عورت تین چار شوہروں کو چھوڑ کر زید کے ساتھ آ گئی، ان شوہروں میں سے کسی نے طلاق نہیں دی؛ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ پھر ہمارے پاس آجائے، ایسی صورت میں زبیدہ زید کے نکاح میں ہے یا نکاح سے نکل گئی؟

المستفتی: محی الدین احمد، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا غیر محرم عورت سے ناجائز تعلق حرام ہے

مجامعت زنا سے غضب الٰہی کا سخت خطرہ ہے، وہ عورت اس شخص کی بیوی ہے، جس کے ساتھ پہلے نکاح شرعی ہوا ہے، اور جب اس نے نہ طلاق دی اور نہ شرعی تفریق ہوئی تو بعد کے تمام نکاح باطل یا فاسد ہیں۔

وأما نكاح منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً الخ (در المختار، باب العدة، مطلب في النكاح الفاسد والباطل، كراچي ٣/٥١٦، زكريا ٥/١٩٧، البحر الرائق، زكريا ٤/٢٤٢، كوئٹه ٤/١٤٤)

لو تزوج بامرأة الغير عالماً بذلك ودخل بها لا تجب العدة عليها حتى لا تحرم على الزوج وطؤها و به يفتى لأنه زنىٰ والمزني بها لاتحرم على زوجها. (شامي، كراچي ٣/٥٠، زكريا ٤/١٤٤)

زید کی بیوی زبیدہ کا نکاح زید کے ساتھ شرعاً قائم ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں آئی۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۴۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۵۹۴)

اجنبی کے ساتھ غلط تعلقات کا نکاح پر اثر

سوال [۵۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شادی شدہ عورت نے ایک سال قبل دوسرے مرد سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے، پھر اس کے بعد اپنے شوہر کے پاس رہنے لگی؛ جبکہ اس کے شوہر نے طلاق بھی نہیں دی، اس کے بارے میں مفتیان دین کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: عبد الغالب شمسی، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر مرد کے ساتھ غلط تعلق قائم کر کے اس کے ساتھ چلے جانے کی وجہ سے شوہر کے نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا، شوہر کا نکاح اس عورت کے ساتھ بدستور باقی ہے؛ اس لئے بعد میں شوہر کے ساتھ بغیر نکاح ثانی بھی رہنا جائز ہے اور بدکاری کا گناہ عورت اور اس دوسرے مرد کے سر رہے گا۔

لو تزوج بامرأة الغير عالماً بذلك ودخل بها لا تجب العدة عليها حتى لا تحرم على الزوج وطؤها وبه يفتى لأنه زنىٰ والمزني بها لاتحرم على زوجها. (شامي، كراچي٣/٥٠، زكريا٤/١٤٤)

أنه زنىٰ والمزني بها لاتحرم على زوجها. (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي٣/٥٠، زكريا٤/١٤٤)

وأما نكاح منكوحة الغير و معتدة فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنها للغير: لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً.

(شامي، كراچي ٣/٥١٦، زكريا٥/١٩٧، البحرالرائق، كوئٹه٤/١٤٤، زكريا٤/٢٤٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤ ربیع الثانی ١٤١٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٩/٣٤٢٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٤/٤/١٤١٤ھ

(۱۹) باب الجمع بين المحارم

دو علاتی بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال [۵۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دولڑکی جن کی والدہ الگ الگ، والد ایک ہیں تو کیا دونوں لڑکیوں کا ایک وقت میں ایک شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ذبیح الرحمٰن، ۲۴ر پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ دونوں لڑکیاں آپس میں علاتی بہن ہیں، ان دونوں کو بیک وقت ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ دونوں آپس میں محارم ہیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُم..... وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ . [النساء:۲۳]

وحرم الجمع بين المحارم نكاحاً أي عقداً صحيحاً الخ (در مختار، كراچي ۳/۳۸، زكريا ٤/١١٥، ١١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۳۲۲/۳۱)

بیوی کی موجودگی میں بیوی کی سگی بہن سے نکاح

سوال [۵۶۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے بیوی کی موجودگی میں اپنی سالی سے زنا کیا، اس کے بعد اس سے نکاح کرلیا، دراں حالیکہ اس کی بیوی اس کے نکاح میں اب بھی موجود ہے، تو کیا اس کی سابق بیوی اس کے نکاح میں باقی رہے گی یا نہیں؟

المستفتی: مظفر حسین، دملوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح کرنا حرام ہے اور نکاح باطل ہے، پہلی بیوی ہی اس کے نکاح میں ہے اور سالی کو فوراً الگ کردینا واجب ہے، ورنہ اس کے ساتھ زنا کاری ہوتی رہے گی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ . [النساء: ۲۳]

وحرم الجمع بين المحارم نكاحاً أي عقداً صحيحاً (تحت قوله) ولا فيما إذا تزوجها على التعاقب، وكان نكاح الأولىٰ صحيحاً، فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل قطعاً. (شامي، كراچي ۳۸/۳، زكريا ۱۱۵/٤، ۱۱٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۱۶ھ

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال [۵۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا بیک وقت دو سگی بہنوں کو زید اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے؟

(۲) اگر زید نے لاعلمی میں دو سگی بہنوں سے نکاح کرلیا، تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

(۳) زید کا نکاح ایک بہن سے پانچ سال قبل ہوا اور دوسری بہن سے لگ بھگ

پانچ ماہ قبل ہوا، تو کس کا نکاح فاسد ہوگا، پہلی کا یا دوسری کا؟

المستفتی: آصف احمد، سرسید نگر میاں کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جس بہن سے پہلے نکاح کیا ہے، وہ اس کی بیوی ہے اور دوسری بہن سے جو بعد میں نکاح کیا ہے، وہ نکاح باطل اور فاسد ہے، اس نکاح سے دوسری بہن اس کی بیوی نہیں بنی ہے، اس کے ساتھ بدکاری اور زنا کاری ہورہی ہے فوری طور پر اس کو زید سے الگ کردینا لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ. [النساء: ٢٣]

وحرم الجمع بين المحارم نكاحاً وعدةً. (شامي، كراچي ٣/ ٣٨، زكريا٤/ ١١٥، ١١٦)

وإن تزوّجهما في عقدتين فنكاح الأخيرة فاسدة. (هندية زكريا ديوبند ١/ ٢٧٧ جديد ١/ ٣٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ ذی الحجہ ١٤٣٣ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤٠/ ١٠٨٧٧)

بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح

سوال [٥٦٣٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب کے چار بچے ہیں، ان صاحب نے چاروں بچوں کے بعد اپنی بیوی کی بہن یعنی اپنی سالی سے نکاح کرلیا۔ اب دونوں بہنیں یعنی ان صاحب کی دونوں بیویاں ایک مکان میں ساتھ ساتھ رہتی ہیں، انہیں بہنوں میں سے پہلی والی کے ایک بیٹے کا رشتہ میری بیٹی کے ساتھ آیا ہے، کیا میں اپنی بیٹی کی شادی اس لڑکے سے کرسکتا ہوں؟

(۱) اس میں شریعت کی رو سے کوئی رکاوٹ تو نہیں ہے؟
(۲) کیا ان حالات میں مجھے نکاح کے لئے کوئی شرط رکھنی چاہئے؟

المستفتی: فخر عالم، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں پہلی بیوی کا نکاح شرعی طور پر صحیح اور درست ہے، اس کی ساری اولادیں بھی حلال اور ثابت النسب ہیں؛ لہٰذا اس کے چاروں بیٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ آپ کی بیٹی کا نکاح بلا شبہ جائز اور درست ہے؛ ہاں البتہ اس شخص نے بیوی کی بہن سے جو نکاح کیا ہے، وہ نکاح شرعی طور پر صحیح نہیں ہوا ہے، اس کے ساتھ مسلسل زنا اور بدکاری ہو رہی ہے؛ اس لئے اس بدکار شخص سے یہ شرط لگانا آپ کے لئے بہتر ہے کہ تم سالی کے ساتھ نکاح کے نام سے جو بدکاری کرتے ہو، اس کو پہلے چھوڑ دو، اس کے بعد اپنے بیٹے کے نکاح کے لئے ہمارے پاس پیغام بھیجو۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۱۶/۱۳۷)

وأحل لكم ماوراء ذلكم: أي ماعدا ماذكرن من المحارم هن لكم حلال. (تفسير ابن كثير بيروت ۱/۳۷٤)

"وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ. الآية" أي وحرم عليكم الجمع بين الأختين معاً في التزويج. (تفسير ابن كثير بيروت ۱/۳۷۳)

وأجمعت الأمّة على منع جمعهما في عقد واحد من النكاح بهذه الآية. (قرطبي بيروت ٥/۷۷)

لايجمع بين أختين بنكاح، ولابوطئ بملك يمين سواء كانتا أختين من النسب، أو من الرضاع – إلى قوله– وإن تزوجهما في عقدتين فنكاح الأخيرة فاسد ويجب عليه أن يفرقها. (هندية، زكريا ۱/۲۷۷ جديد ۱/۳٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۶۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۹ھ

بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح

سوال [۵۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے رہتے ہوئے اپنی بیوی کی حقیقی بہن سے عدالت میں شادی کرلی ہے، اس کے بعد وہ شخص نکاح پڑھوانے کے لئے مسجد کے امام صاحب کے پاس گیا؛ لیکن امام صاحب نے نکاح پڑھانے سے یہ دلیل دیتے ہوئے انکار کردیا کہ دو حقیقی بہنیں ایک ساتھ کسی ایک شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتی ہیں۔ مذکورہ شخص کا یہ کہنا ہے کہ اس کو اس طرح کے مسئلہ کی معلومات نہیں تھی، اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس نے اپنی سسرال والوں سے مذکورہ لڑکی کو واپس اس کے میکے بھیجنے کی بات کہی تھی؛ لیکن وہ لوگ واپس لے جانے کو تیار نہیں ہیں، مذکورہ شخص مسجد میں بڑھئی کا کام کررہا ہے۔

مندرجہ بالا حالات کی وجہ سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسے شخص سے مسجد میں کام نہیں کرانا چاہئے۔ اب مذکورہ شخص کو دوسری بیوی کے بارے میں کیا کرنا چاہئے اور مذکورہ شخص سے مسجد میں کام کرانے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

المستفتی: اسرار احمد، محلّہ ملکیان سیور ہارہ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے نکاح میں موجود ہوتے ہوئے بیوی کی حقیقی بہن سے نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے، سالی کو رکھنا حرام کاری ہے؛ اس لئے فوراً سالی کو اس کے والدین کے حوالہ کردینا لازم ہوگا۔

وحرم الجمع بین المحارم نکاحاً الخ (در مختار، کراچي ۳/۳۸، زکریا ٤/۱۱۵، ۱۱٦)

وکان نکاح الأول صحیحاً، فإن نکاح الثانیة والحالة هذه باطل قطعًا.

(شامي، کراچي ۳/۳۸، زکریا ٤/۱۱٦)

وہ آدمی خود تو معصیت میں مبتلا ہے، مگر اس کا مسجد کی تعمیری کام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ ہاں البتہ اگر اس سے کام نہ لئے جانے کی صورت میں فعل حرام سے باز آنے کی امید ہے، تو کام نہ لینا بہتر ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۳۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۲ھ

دو سگی بہنوں کا ایک ساتھ نکاح میں رکھنا

سوال [۵۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کے گھر میں دو سگی بہنیں ہیں، تقریباً دس سال ہوچکے ہیں، مگر وہ کاروبار پیتل کا کرتا ہے، پیتل کے عدد بناتا ہے؛ لہٰذا وہ شخص مسجد میں ہتھی کا نل لگوانا چاہتا ہے۔ اب شرع وسنت کی روشنی میں بتائیں کیا اس کے روپیہ کا نل لگانا جائز ہے؟

المستفتی: امان علی، سرائے گلزاری مل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس بہن کے ساتھ بعد میں نکاح کیا ہے وہ شرعاً صحیح نہیں ہوا، اس کے ساتھ حرام کاری اور زنا کاری ہورہی ہے، تمام محلہ والوں پر لازم ہے کہ فوراً ان میں علیحدگی پیدا کردیں ورنہ سب لوگ غضب الٰہی کے مستحق ہوں گے اور اگر شخص مذکور اپنے اس فعل شنیع سے باز نہ آئے، تو سب مسلمان اس سے بائیکاٹ کرلیں اور اس کا حقہ پانی بند کردیں اور اس کا کوئی پیسہ مسجد میں نہ لگائیں، ہاں البتہ اگر وہ اس فعل سے باز آکر توبہ کرلیتا ہے، تو اس کا پیسہ مسجد وغیرہ کے لئے قبول کیا جائے ورنہ نہیں۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لا تُنْصَرُوْنَ . [سوره هود:۱۱۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۷۷)

دو سگی بہنوں کے ایک نکاح میں اجتماع کا عدم جواز

سوال [۵۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے ایک کاروباری پارٹنر کی دو بیویاں ہیں اور دونوں سگی بہنیں ہے، ایک ہی مکان میں رہتی ہیں اور ان دونوں سے بچے بھی ہیں، اس کا علم ہمیں ان صاحب سے تعلق ہونے کے بعد اورلوگوں سے ہوا، اب معلوم یہ کرنا ہیکہ ایسے شخص کے ساتھ کاروبار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تعلق رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور ان کے گھر کے کھانے کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: محمد نسیم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دو سگی بہنوں میں سے ایک کا نکاح بعد میں ہوا ہے شرعاً وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا ہے، اس شخص پر لازم ہے کہ فوری طور پر بعد والی کو اپنے سے علیحدہ کردے، اس کے ساتھ رہنا زنا ہے اور غضب الٰہی کا سخت خطرہ ہے۔ برادری کے لوگوں پر لازم ہے کہ اس کو سمجھائیں اگر نہ مانے تو اس سے بائیکاٹ کرلیں، اس کے ساتھ رہن سہن، کاروبار، کھانا پینا سب ترک کردیں۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ (الى قوله) وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ . [سورة النساء: ۲۳]

وحرم الجمع بين المحارم الخ (در مختار، كراچي ۳/۳۸، زكريا ٤/۱۱٦،۱۱٥)

جب سائل کواس کاعلم بعد میں ہوا ہے،تو سائل کوچاہئے کہ شریک کارکواس حرام کاری کے ترک پر ہرطرح سمجھاویں،اگر باز نہ آویں تو حتی الامکان اپنا کاروباراس شخص سے علیحدہ کرے۔

قوله تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ . [سوره هود:۱۱۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱رشوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۲۵/۱۴۴۷)

بیوی کی بہن سے زنا اور نکاح کرنے کا حکم

سوال [۵۶۳۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کی حیات میں سگی سالی سے زنا کرلیا ہے، یااس سے نکاح کرلیاہے، کیااس صورت میں اس کی بیوی حرام ہوگی یا طلاق واقع ہوگی یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس نے بیوی کی موجودگی میں سالی سے زنا کیا ہے، تواس سے بیوی حرام نہ ہوگی؛ بلکہ بیوی بدستور نکاح میں باقی ہے؛ البتہ سالی سے منھ کالا کرنے کا سخت گناہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱۹/۵،امداد الاحکام ۷۹/۳)

وفي الخلاصة وطئ اخت امرأته لاتحرم عليه امرأته. (شامي، زكريا٤/١٠٩، كراچي ٣/٣٤)

لیکن سالی کوایک حیض آنے تک بیوی سے وطی کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۵۵۳/۲)

ولوزنىٰ بإحدى الأختين لايقرب الأخرىٰ حتى تحيض الأخرىٰ بحيضة. (مجمع الأنهر قديم ١/٣٢٥، درالكتب العلمية بيروت ١/٤٧٩)

اسی طرح اگر بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح کیا، تو یہ نکاح باطل ہے۔

إذ لو علمت بطل نكاح الثانية. (الدر المنتقى قديم ١/٣٢٥، درالكتب العلمية بيروت ١/٤٧٩)

لیکن بیوی بدستور نکاح میں باقی ہے اور اگر اس شخص نے سالی سے نکاح کرنے کے بعد وطی بھی کرلی تو، بیوی سے سالی کو ایک حیض آنے تک وطی کرنا جائز نہیں۔

ولو زنىٰ بإحدى الأختين لا يقرب الأخرىٰ حتى تحيض الأخرى بحيضة. (شامي، زكريا ٤/١٠٩، كراچي ٣/٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۴۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱/۱۴۲۱ھ

بیوی کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کی بہن سے شادی کرنا

سوال [۵۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک ہی وقت میں دو سگی بہنیں رہ سکتی ہیں، کیا پہلی بیوی کا نکاح باقی رہا ہے اور دوسری کا نکاح باقی ہے یا سرے سے ہوا ہی نہیں ہے اور دوسری بیوی کے وکیل گواہ وغیرہ اور قاضی کا کیا فیصلہ ہے، اس نکاح کے گواہ وغیرہ سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ میں نے مفتی صاحب سے معلوم کرلیا ہے اور کیا کریں دوسرے نکاح کے بارے میں پہلی بیوی بہت زیادہ پریشان ہے، چھوٹے چھوٹے بچے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حاجی ضمیر، تحصیل اسکول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے نکاح میں موجود ہوتے ہوئے بیوی کی

حقیقی بہن سے جونکاح ہوا ہے،وہ شرعی طور پر نکاح ہی نہیں ہوا ہے، وہ سرے سے باطل ہے، اس کے ساتھ جتنے دن رہنا ہوا ہے،آپس میں زنا کاری اور بدکاری ہوئی ہے،محلّہ اور کنبہ کے لوگوں پر لازم ہے کہ فوری طور پر دونوں کو علیحدہ کردیں اور سالی بہنوئی کے درمیان کبھی ملاقات اور دعا سلام بھی نہ ہوسکے، ورنہ اللہ کا عذاب اور ادبار آنے کا خطرہ ہےاور جو بیوی شوہر کے نکاح میں پہلے سے موجود ہے،اس کا نکاح بدستور باقی ہے بعد میں جس بہن سے نکاح کیا ہے وہی باطل ہے،اورسرے سے ہوا ہی نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ (الآية) وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ . [سورة النساء:۲۳]

وحرم الجمع بين المحارم نكاحاً: أي عقداً صحيحاً. وتحته في الشامية: فإن تزوجهما على التعاقب وكان نكاح الأولىٰ صحيحاً، فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطلة قطعاً. (شامي، كراچي ۳/۳۸، زكريا ٤/١١٥، ١١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۲۲/۳۸)	۱۴۲۸/۶/۴ھ

سالی سے نکاح

سوال [۵۶۴۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر نے اپنی سالی یعنی میری چھوٹی بہن سے نکاح کرلیا ہے،تو اس کا نکاح جائز ہے یانہیں؟ پھر سب کی رائے پرانہوں نے اس کو چھوڑ دیا،بہرحال معلوم یہ کرنا ہے کہ نکاح جائز ہے یانہیں؟ اسے تین بول بولنے پڑیں گے یانہیں؟ اور میں ابھی بھی انہیں کے نکاح میں ہوں،تو کیا اب مجھے دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا یانہیں؟ اور میری بہن کی ایک

بیٹی بھی ہے، اور کیا میرے شوہر اس کو طلاق دینے کے بعد میری بہن سے بات کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتیه: وریشہ خاتون، کرولا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح کرنا قطعاً حرام اور باطل ہے؛ لہٰذا آپ کے شوہر نے آپ کی موجودگی میں جو آپ کی بہن سے نکاح کیا ہے وہ نکاح ہوا ہی نہیں، اس کے ساتھ جتنے دن رہی ہے، اتنے دن اس کے ساتھ زناکاری اور بدکاری ہوئی ہے؛ لہٰذا فوراً علیحدگی ضروری ہے، اس کو طلاق دینے کے لئے تین بول بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ سے آپ کے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑے گا، آپ کا نکاح بدستور آپ کے شوہر کے ساتھ باقی ہے اور آپ کے شوہر کے نطفہ سے آپ کی بہن سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے، اس کا نسب آپ کے شوہر سے ثابت نہیں مانا جائے گا اور آپ کے شوہر کے لئے آپ کی بہن سے بات کرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے، اگر بات کرنے کی ضرورت ہی ہو تو کسی تیسرے شخص کو رابطہ بنا کر گفتگو ہو سکتی ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُم –الی قوله– وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ. [سورة النساء: ۲۳]

ولایجمع بین الأختین نکاحاً، لقوله علیه السلام: من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الأخر فلایجمعن ماءه في رحم أختین. (هدایة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۲/ ۳۰۸)

ولو تزوج أختین في عقدتین ولم تعلم الأولیٰ......إذ علمت لبطل نكاح الثانية. (حاشیه مجمع الأنهر قدیم ۱/ ۳۲۵، سکب الأنهر قدیم ۱/ ۳۲۵، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۴۷۹)

وحرم الجمع بین المحارم نکاحاً. وفي الشامية: ولافیما إذا تزوجهما

علی التعاقب و کان نکاح الأولیٰ صحیحاً، فإن نکاح الثانیة ......باطل قطعاً.

(شامي، زکریا ٤/١١٥، ١١٦، کراچي ٣/٣٨)

وطئ أخت امرأته لا تحرم علیه امرأته. (شامي، زکریا ٤/١٠٩، کراچي ٣/٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۴۱۳)

سگی سالی سے نکاح

سوال [۵۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی سالی سے بیوی کی موجودگی میں شادی کرلی تو اس کی سالی کا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا جیسا کہ آپ کے مسائل اور ان کے حل میں بیان کیا گیا ؛لیکن شادی کرنے والا اس فعل کو جائز سمجھ کر کررہا ہے، تو اس کی پہلی بیوی نکاح سے خارج ہوجائے گی، تو نکاح سے خارج ہونے کے بعد اس کا وارثت میں کتنا حصہ رہے گا ؟

المستفتی: ربیع الدین، جھبو کا نالہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کے نکاح میں پہلے سے ایک بہن موجود ہے، تو اس کے ہوتے ہوئے سگی سالی سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے، سالی سے جو نکاح کیا گیا ہے، وہ منعقد ہی نہیں ہوا؛ بلکہ باطل ہے؛ اس لئے سالی کو بیوی بنا کر رکھنا زید کے لئے قطعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ زید پر لازم ہے کہ فوراً سالی کو الگ کردے اور اگر مسئلہ جانتے ہوئے بھی زید اس فعل کو جائز سمجھتا ہے، تو یہ گناہ کبیرہ بلکہ ایمان کا بھی خطرہ ہے؛ کیونکہ اس کی حرمت قرآن پاک میں بھی مذکور ہے؛ لہٰذا زید پر توبہ کرنا بھی لازم ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/ ۱۸، ۱۹، جدید زکریا ۵/ ۳۳)

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ. [سورة النساء: ۲۳]

وتحريم الجمع بين الأختين، ومن في معناهما. (هندية، زكريا ۱/ ۲۷۸ جديد ۱/ ۳٤۳، هكذا في الهداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۵۴)

بیوی کی موجودگی میں سگی سالی سے نکاح

سوال [۶۴۳ ۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معراج سنبھلی کی شادی آج سے تقریباً سات سال پہلے میری بڑی بیٹی سے ہوئی تھی، جو ابھی حیات اور اسی کے گھر میں ہے، اس سے چار پانچ بچے بھی ہیں، داماد ہونے کی وجہ سے برابر میرے یہاں آنا جانا ہوتا تھا؛ لیکن وہ ایک نازیبا حرکت کر بیٹھا کہ ہماری چھوٹی لڑکی کو اغوا کر کے لے گیا، لڑکی کو بہت تلاش کیا؛ لیکن پتہ نہیں چلا۔

تقریباً سال بھر کے بعد پتہ چلا تو وہاں سے دستیاب کیا اور لے آیا کچھ عرصہ کے بعد اس کی شادی کر دی ہے۔ اب معراج نے نوٹس جاری کیا ہے کہ اس سے میں نے شادی کر لی ہے، وہ میری بیوی ہے، تو زیرِ غور یہ بات ہے کہ پہلی بیوی بڑی بہن موجود ہے، تو دوسری چھوٹی سگی بہن سے نکاح کیسے درست ہو سکتا ہے؟

المستفتی: محمد مستقیم، مان پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی بیوی جو بڑی بہن ہے، اس کی موجودگی میں اس کی حقیقی چھوٹی بہن کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوا، چھوٹی بہن کو بیوی بنا کر رکھنا زنا کاری ہے، بڑی بہن ہی اس کی بیوی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی حرمت موجود ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُم (الی قوله) وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ. [سورة النساء: ۲۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۰۲/۳۳)

بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح اور اولاد کا حکم

سوال [۵۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی بہن سے اگر کوئی شخص شادی کرے اور اس سے اولاد پیدا ہو، تو یہ اولاد اس باپ سے ثابت النسب ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد برہان مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے نکاح میں ہوتے ہوئے، اس کی بہن سے نکاح کرنا نکاح فاسد ہے؛ لہٰذا اس کو نکاح سے فوراً الگ کردینا لازم اور واجب ہے؛ لیکن اس نکاح سے جو بچے پیدا ہوئے وہ ثابت النسب ہوں گے۔

أن نكاح المحارم مع العلم لعدم الحل فاسد–إلى قوله–وتقدم في باب المهر أن الدخول في النكاح الفاسد موجب للعدة، وثبوت النسب.

(شامي، زكريا٥/١٩٧، كراچي٣/٥١٦)

وإن تزوجهما في عقدتين، فنكاح الأخيرة فاسد ويجب عليه أن يفارقها–إلى قوله–وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب الأقل من المسمىٰ ومن مهر المثل و عليها العدة ويثبت النسب.

(عالمگيري، زكريا ١/٢٧٧ جديد ١/٣٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۴۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۱۱ھ

دو بہنیں ایک مرد کے نکاح میں اوران کی اولاد کا نکاح

سوال [۵۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں ہیں دونوں کی اولاد ہے، بڑی بیوی کے لڑکے کے نکاح میں ہمارے قریب کے رشتہ دار کی بیٹی ہے، اس لڑکے کا کاروبار علیحدہ ہے؛ لیکن کھانا پینا سب کا مشترک ہے مفتی صاحب سے سوال یہ ہے کہ ہم اپنے رشتہ دار کی لڑکی اوراس کے شوہر سے تعلقات برقرار رکھیں یا منقطع کرلیں؟

المستفتی: محمد جاوید، پنڈت نگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس لڑکے کے نکاح میں آپ کی قریبی رشتہ دار کی بیٹی ہے، وہ لڑکی اوراس کا شوہر والد کے گناہ میں شریک نہیں ہیں تاہم اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے والد کو اس حرام کام سے منع کرے؛ کیونکہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور دونوں بہنوں میں سے جس سے بعد میں نکاح ہوا ہے وہ نکاح صحیح نہیں ہوا ہے، ہمیشہ کے لئے بدکاری ہورہی ہے، ان کو فوری طور پر الگ کردینا لازم ہے؛ لیکن قریبی رشتہ دار کی بیٹی اوراس کے شوہر سے تعلقات قائم رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرَى. [بنی اسرائیل:۱۵]

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ. [سورة النساء:۲۳]

ولا فيما إذا تزوجهما على التعاقب، وكان نكاح الأولىٰ صحيحاً، فإن نكاح الثانية والحالة هذه باطل قطعاً. (شامي، زكريا ۱۱٦/٤، كراچي ۳۸/۳)

عن أبي وهب الجيشاني أنه سمع ابن فيروز الديلمي يحدث عن

أبيه، قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم إني أسلمت وتحتي أختان، فقال رسول الله اختر أيتهما شئت.

(ترمذي ۱/ ۲۱٤، رقم: ۱۱۳۹، ابن ماجه، ۱٤۰، رقم: ۱۹۵۱، أبو داؤد ۱/ ۳۰۵، رقم: ۲۲٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر شعبان ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۱۵)

دو بہنوں سے الگ الگ نکاح اور ان سے پیدا شدہ اولاد کا حکم

سوال [۵۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے سلمٰی سے شادی کی اور کچھ سالوں کے بعد سلمٰی کی حقیقی بہن حمیرہ سے شادی کرلی اور دونوں بہنیں زید کے نکاح میں بدستور موجود ہیں، اسی اثنا حمیرہ کے بطن سے کئی اولاد ہوئیں آیا حمیرہ کی لڑکیوں اور لڑکوں کا نکاح دوسری جگہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز رشتہ کرانے والے پر کوئی گناہ تو نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم جیسر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے سلمٰی کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کی حقیقی بہن حمیرہ سے جو نکاح کیا ہے شرعاً وہ نکاح ہوا ہی نہیں، اہل محلّہ اور کنبہ کے لوگوں پر لازم ہے کہ فوری طور پر دونوں کو علیحدہ کردیں؛ البتہ اس درمیان میں حمیرہ کے بطن سے زید کی جو اولادیں ہوئی ہیں، ان کا نسب زید ہی سے ثابت ہوگا۔ اور زید کے لئے ان کا نکاح کردینا بلاتردد جائز ہوگا۔ نیز ان کا رشتہ کرانے والے اور نکاح کرانے والے گنہگار نہیں ہوں گے۔

وإن تزوجهما في عقدتين فنكاح الأخيرة فاسد ويجب عليه أن يفارقها،

وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر و عليها العدة ويثبت النسب. (هندية، زكريا ١/ ٢٧٧ جديد ١/ ٣٤٣)

نكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد والدخول في النكاح الفاسد موجب للعدة و ثبوت النسب ومثله في البحر بتزوج الأختين معاً، أو الأخت في عدة الأخت. (شامي، زكريا ٥/ ١٩٧، كراچي ٣/ ٥١٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ / ۹۶۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۸ھ

پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال [۵۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کی بھتیجی سے شادی کی ہے، یعنی پھوپھی اور بھتیجی ایک ہی شوہر کے گھر میں رہتی ہیں، اس میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی بیوی کی جو بھتیجی ہے وہ سوتیلے بھائی کی لڑکی ہے، اس سوتیلے بھائی کی صرف ماں دوسری ہے باپ ایک ہے، دونوں بیویوں کے بچے بھی ہیں؛ لہٰذا ہمارے سوال کا جواب عنایت فرمادیں تاکہ اگر ناجائز ہے تو کس کو طلاق دی جائے؟ شکریہ۔

المستفتی: حاجی ضیاء الدین منصوری، کندرکی، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بھتیجی سے نکاح حرام اور فاسد ہے واجب الفسخ ہے فوراً بھتیجی کو نکاح سے الگ کردیں۔ نیز مہر مسمیٰ اور مہر مثل میں جو کم مقدار ہے وہ ادا کرنا واجب ہے اور بھتیجی کو علیحدگی پر عدت گذارنا بھی واجب ہے اور اس عدت کے دوران بیوی سے جماع بھی ناجائز ہے۔ بھتیجی کی عدت کے بعد جماع

جائز ہوگا اور بھتیجی کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ ثابت النسب ہے، ان پر ولد الزنا کا الزام بھی موجب فسق ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی زکریا ۲/۳۱۶)

ومنها الجمع بين ذوات رحم محرم لا يجوز له أن يتزوج امرأة على عمتها، ولا على خالتها، ولاعلى ابنة اختها، ولا على ابنة اخيها. (فتاوى قاضي خان مع الهندية، كتاب النكاح، باب المحرمات، زكريا ١/٣٦٥ جديد ١/٢٢١)

وإن تزوجهما في عقدتين،فنكاح الأخيرة فاسدة ويجب عليه أن يفارقها (إلى قوله) وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر ويجب الأقل من المسمىٰ، ومهر المثل وعليها العدة، ويثبت النسب، ويعتزل عن امرأته حتى تنقضي عدة أختها. (فتاوى عالمگيري، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم السابع المحرمات بالجمع، زكريا ١/٢٧٧ جديد ١/٣٤٣)

وبألفاظ مختلفة. (الدر المختار ٢/٢٠٨، البحرالرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات،زكريا ٣/١٧٢، كراچي٣/١٧، مجمع الأنهر شرح ملتقي الأبحر، كتاب النكاح، باب المحرمات، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٠، ١/٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۷۸)

ماں بیٹی کو نکاح میں جمع کرنا

سوال [۵۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نے زید سے نکاح کیا ایک لڑکی خالدہ پیدا ہوئی، ہندہ کے شوہر زید کا انتقال ہوگیا، ہندہ کی لڑکی خالدہ بالغ ہوگئی، حامد نے ہندہ کی عدت گذر جانے کے بعد ہندہ سے اور ہندہ کی لڑکی خالدہ دونوں سے نکاح کرلیا اور دونوں ماں، بیٹی حامد کی زوجیت میں رہنے لگیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ہندہ اور خالدہ کا نکاح حامد سے صحیح ہوگیا؟

(۲) اگر حامد نے ہندہ سے نکاح تو کرلیا، مگر صحبت نہیں کی، تو کیا ہندہ کی کسی بھی بالغ لڑکی سے نکاح اور صحبت حامد کرسکتا ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ اللّٰاتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِسَآئِكُمُ اللّٰاتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی: باشندگان ملک مقیم پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہندہ اور خالدہ ماں، بیٹی ہیں، ان دونوں کو کسی ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا قطعاً حرام اور ناجائز ہے۔ قرآن کریم کے اندر اس کی حرمت نازل ہوئی ہے، اگر دونوں سے ایک ساتھ نکاح کیا ہے، تو کسی کے ساتھ بھی نکاح درست نہیں ہوا ہے۔

والجمع بين المرأة وعمتها، وبنتها، وبين خالتها ماقدحرمه الله تعالىٰ على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم. (بدائع الصنائع، كراچي٢/٢٦٣، زكريا٢/٥٤٠، دارالكتب العلمية بيروت٣/٤٣٧)

(۲) اگر ہندہ سے صرف عقد نکاح کیا ہے اور رخصتی اور ہمبستری سے پہلے اس کو طلاق دے دی ہے، تو ایسی صورت میں ہندہ کی کسی بھی بالغ لڑکی سے نکاح کرنا اور صحبت کرنا جائز ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ اللّٰاتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِنْ نِسَآئِكُمُ اللّٰاتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ. [النساء:٢٣]

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أيما رجل نكح امرأة فدخل بها، فلا يحل له نكاح ابنتها، وإن لم تكن دخل بها، فلينكح ابنتها. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب

ماجاء فیمن یتزوج المرأة، ثم یطلقها قبل أن یدخل بها هل یتزوج ابنتها أم لا، النسخة الهندیة ۱/۲۱۲، دارالسلام رقم: ۱۱۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۳۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱/۱۴۳۰ھ

خالہ، بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا

سوال [۵۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ہندہ سے شادی کی پھر اسی حال میں یعنی ہندہ کے زید کے نکاح میں برقرار رہتے ہوئے زید نے دوسری شادی اپنے ساڑھو کی لڑکی سے کرلی، بعدازیں زید نے ہندہ کو اس کے میکے پہونچادیا، پھر کچھ ایام گذرنے کے بعد زید نے اپنی سابق بیوی ہندہ کو لوٹالیا، زید نے ہندہ کو نہ طلاق صریحی اور نہ طلاق کنائی دی تھی اور دونوں بیوں کو ساتھ رکھنے لگا، تو ایسی صورت میں ہندہ زید کے نکاح میں برقرار رہی یا نہیں؟ اگر ہندہ زید کے نکاح میں برقرار رہی، تو ساڑھو کی لڑکی زید کے لئے مباح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد رضی، متعلم مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ساڑھو کی لڑکی اس کی دوسری بیوی کی بطن کی لڑکی ہے تو وہ ہندہ کی بھانجی نہیں ہے، ایسی صورت میں دونوں کی شادی درست ہے اور اگر ساڑھو کی لڑکی سے ہندہ کی حقیقی بھانجی مراد ہے تو زید کا نکاح اس لڑکی کے ساتھ شرعاً نہیں ہوا، اس کو پاس رکھنا حرام کاری اور زنا کاری ہوگی اور ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بدستور باقی ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ ......وَبَنَاتُ الْأُخْتِ . [النساء: ۲۳]

لاتنکح المرأة علی عمتها. وتحته في الشامیة: ولا علی خالتها،

ولاعلى ابنة أخيها، ولاعلى ابنة أختها الخ (در مختار مع الشامي، كراچي ۳/۳۹، زكريا ٤/۱۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۲۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۲ھ

بیوی اور اس کی بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا

سوال [۵٦٥۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شکیل ٹیلر ماسٹر بارہ دری سنہری مارکیٹ کے سامنے سرائے ترین سنبھل کا رہنے والا ہوں، میری بیوی منی کی طبیعت خراب تھی، میری بیوی کی سگی بھتیجی شمائلہ پروین اس درمیان میرے گھر رہ رہی تھی، بیماری کی وجہ سے قریب دو مہینہ تک میرے گھر پر رہی، اسی درمیان شمائلہ پروین کے میرے ساتھ جسمانی تعلقات ہوگئے، قریب ہر رات شمائلہ پروین سے صحبت کرتا رہا یہ بات میری بیوی منی کو معلوم ہوگئی اور شمائلہ کے گھر والوں کو بھی پتہ چل گیا۔ اب میں شمائلہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں کیا یہ نکاح جائز ہوسکتا ہے؟

المستفتی: شکیل ٹیلر سنہری، مارکیٹ بارہ دری، سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: منی بیوی کو اپنی زوجیت میں برقرار رکھتے ہوئے شمائلہ پروین جو اس کی حقیقی بھتیجی ہے، اس سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا؛ ہاں البتہ بیوی کو طلاق ہوجائے، تو عدت گذرنے کے بعد اس کی حقیقی بھتیجی سے نکاح ہوسکتا ہے اور اب تک شمائلہ پروین سے جو بدکاری ہوئی ہے، اس کی وجہ سے عذاب الٰہی کا سخت خطرہ ہے؛ اس لئے اس کو اپنے گھر سے فوراً روانہ کردے، وہ اپنے ماں باپ کے یہاں پہونچ جائے۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷؍۴۴۰)

عن الشعبي سمع جابراً رضي الله عنه، قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم: أن تنكح المرأة على عمتها، أو خالتها. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب لاتنكح المرأة على عمتها، النسخة الهندية ٢/٧٦٦، رقم:٤٩١٧، ف:٥١٠٨)

ان من تزوج عمة، ثم بنت أخيها، أو خالة، ثم بنت أختها لا يجوز. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/٥٣٩، كراچي ٢/٢٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۴۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۵ھ

بیوی کے رہتے ہوئے اس کی حقیقی بھانجی سے نکاح

سوال [۵۶۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ طاہرہ خاتون کی شادی محمد نعیم ولد عبد العزیز ساکن کانٹھ، مرادآباد کے ساتھ ہوئی تھی، قریب ایک سال گذرنے کے بعد محمد نعیم نے طاہرہ خاتون کی حقیقی بھانجی مسماۃ حسن آرا بنت اکبر حسین کو اپنے نکاح میں داخل کرلیا۔ اوراب وہ مستقل کانٹھ میں اپنے ہونے والے شوہر محمد نعیم کے ساتھ رہ رہی ہے؛ جبکہ طاہرہ خاتون کو یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میری حقیقی بھانجی کے ساتھ میرے شوہر محمد نعیم نے نکاح کرلیا ہے اپنے والدین کے پاس محلّہ کچا باغ میں رہ رہی ہے، تو محمد نعیم کا یہ نکاح جائز ہے یانہیں؟ اوراگر جائز نہیں ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی کیا سزا ہے اور طاہرہ خاتون کو اس کی سگی بھانجی کے ساتھ دوسری بیوی بناکر رکھ سکتا ہے یانہیں؟

المستفتی: جاوید ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طاہرہ خاتون کے محمد نعیم کے نکاح میں رہتے ہوئے اس کی حقیقی بھانجی حسن آراء کے ساتھ محمد نعیم کا نکاح باطل ہے اور حسن آراء کو اس حالت میں بیوی بنا کر رکھنا زنا کاری اور حرام کاری ہے، حسن آراء کو محمد نعیم کے پاس سے جدا کردینا لازم ہے۔ شرعی طور پر محمد نعیم کی بیوی طاہرہ خاتون ہے، حسن آراء بیوی نہیں ہے۔

وحرم الجمع بين المحارم نكاحًا أي عقداً صحيحاً الخ (در مختار، کراچي ۳/۳۸، زکریا ٤/١١٥، ١١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شوال المکرّم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۱۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۱۰/ ۱۴۱۵ھ

بیوی کی ماں شریک اخیافی بہن سے نکاح

سوال [۵۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد چھوٹے نے تقریباً تیس سال پہلے نفیسہ سے شادی کی، کچھ عرصہ کے بعد نفیسہ کی ماں شریک ودودھ شریک بہن جمیلہ سے بھی محمد چھوٹے نے شادی کرلی۔ اب دونوں بیویوں سے بچے ہیں اور تقریباً سب جوان ہیں، بچوں کو دینی شعور آیا اور ان کو اپنے والد کے اس عمل سے آگاہی ہوئی تو فکر مند ہوئے، محمد چھوٹے اور ان کی پہلی بیوی نفیسہ کا کہنا ہے کہ ہم میں طلاق بھی نہیں ہوئی ہے، یعنی طلاق کا دونوں انکار کرتے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچے کیا کریں اور دونوں بیویوں میں اصل چھوٹے کی بیوی کون سی ہے یا دونوں بیوی شمار ہوں گی اور چھوٹے کے وارث کون سی بیوی کے بچے ہوں گے؟

المستفتی: افسر، شاہ آباد، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نفیسہ کے ساتھ شرعی نکاح ہو جانے کے بعد پھر اس کے نکاح کے باقی رہنے کی حالت میں نفیسہ کی ماں شریک اخیافی بہن جمیلہ سے جو نکاح کیا گیا ہے، وہ نکاح صحیح نہیں ہوا ہے اور چھوٹے پر لازم ہے کہ فوری طور پر جمیلہ کو اپنے سے جدا کردے؛ لیکن ساتھ ہی یہ بات واضح کردینا ضروری ہے کہ اب تک جمیلہ کے بطن سے جو اولادیں اس درمیان میں پیدا ہوئی ہیں ان سب کا نسب چھوٹے سے ثابت ہوگا اور وہ سب بچے چھوٹے کے وارث بھی ہوں گے؛ لہٰذا چھوٹے پر لازم ہے کہ نفیسہ سے پیدا شدہ اولاد کے ساتھ جو حقوق ادا کریں گے وہی حقوق جمیلہ سے پیدا شدہ اولادوں کے ساتھ بھی کرنا لازم اور واجب ہے اور جمیلہ کو نکاح سے الگ کرنے کے بعد اس کو عدت گذارنا بھی لازم ہے، تین ماہواری عدت گذرنے کے بعد وہ دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے اور جمیلہ کا مہر ادا کرنا بھی چھوٹے پر لازم ہوگا۔ نیز جب تک جمیلہ کی عدت پوری نہ ہوجائے، اس وقت تک نفیسہ کے ساتھ ہمبستری سے دور رہنا بھی چھوٹے پر لازم ہے۔

ولايجمع بين الأختين نكاحا، ولا بملك يمين وطأ. لقوله تعالىٰ: وان تجمعوا بين الأختين. ولقوله عليه السلام: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يجمعن ماء ه في رحم أختين. (هداية، اشرفيه ديوبند ٢/ ٣٠٨، بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٥٤٢، كراچي ٢/ ٢٦٤)

وان تزوجهما في عقدتين، فنكاح الأخيرة فاسد ويجب عليه أن يفارقها......فإن فارقها قبل الدخول لا يثبت شئ من الأحكام، وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر، ويجب الأقل من المسمىٰ ومن مهر المثل وعليها العدة،ويثبت النسب و يعتزل عن امرأته حتى تنقضي عدة أختها.

(هندية زكريا ١/ ٢٧٧،جديد١/ ٣٤٣، بدائع الصنائع، زكريا٢/ ٥٤٠، كراچي ٢/٢٦٣، شامي زكريا ٤/ ٢٧٤، كراچي ٣/١٣١)

إذا ثبت حرمة المصاهرة بين الزوجين،ثم حدث بينهما ولد، ثم مات الأب (إلى قوله) **وقال الشيخ أبو الحسن السعديؒ يرث؛ لأنه ثابت النسب منه؛ لأن هذه الحرمة مختلف فيها،ومثل هذه الحرمة لايمنع ثبوت النسب ألا ترىٰ أن من قال إن تزوجت فلانة فهي طالق ثلاثاً، فتزوجها حتى طلقت ثلاث تطليقات و جاءت بولد يثبت النسب منه وإن حرمت عليه، ولم يبق بينهما نكاح ولاعدة لها كانت الحرمة مختلف فيها كذا هنا والولد الذي هوثابت النسب من الأب يرث لا محالة.** (الفتاوى التاتارخانية ۲۰/ ۳۵۰، رقم: ۳۳٤۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۴۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۲/۲۰ھ

(۲۰) باب النکاح الفاسد والباطل

نکاح فاسد کی وضاحت

سوال [۵۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح فاسد اور نکاح باطل کے درمیان کیا فرق ہے؟ کتب فقہ میں جس نکاح کو باطل کہا ہے، اسی کو بعض دوسروں نے فاسد کہا ہے، ہم اس میں امتیاز کیسے کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح فاسد اور باطل کے درمیان فرق یہ ہے کہ باطل میں محل نکاح ہی باقی نہیں رہتا؛ بلکہ نکاح غیر محل میں ہوتا ہے، جیسا کہ غیر کی منکوحہ سے جان بوجھ کر نکاح کرنا باطل ہے؛ اس لئے کہ یہ عورت جب تک کسی مرد کے نکاح میں رہے گی، دوسرے کے لئے یہ محل نکاح ہی نہیں ہے۔

نکاح فاسد: اس کو کہتے ہیں کہ اس میں محل نکاح باقی رہتا ہے؛ لیکن شرائط نکاح مفقود ہوتے ہیں جیسے بغیر گواہوں کے نکاح کرنا اور اسی طرح غیر محل میں ناواقفیت اور عدم علم کیوجہ سے نکاح ہوگیا؛ لہٰذا جس نکاح کو بعض کتب فقہ میں فاسد کہا ہے اور اسی کو دوسرے نے باطل کہا ہے، تو ایسی عبارتوں میں علم اور عدم علم کی قید ملحوظ رکھی جائے گی۔

المراد بالنكاح الفاسد النكاح الذي لم تجتمع شرائطه كتزوج الأختين معاً، والنكاح بغير شهود ونكاح الأخت في عدة الأخت ونكاح المعتدة. (البحرالرائق، کوئٹه٣/١٦٩، زکریا٣/٢٩٤)

ويجب مهر مثل في نكاح فاسد وهو الذي فقد شرطا من شرائط الصحة كشهود، ومثله تزوج الأختين معاً، ونكاح الأخت في عدة الأخت،

ونكاح المعتدة. (شامي، زكريا٤/ ٢٧٤، كراچي ٣/ ١٣١)

أن المراد بالباطل ما وجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب، ولا العدة في نكاح المحارم. (شامي، زكريا ٤/٢٧٤، كراچي ٣/١٣٢)

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة. (شامي، زكريا٤/ ٢٧٤، كراچي٣/١٣٣)

ويتفقون كذلك على وجوب العدة وثبوت النسب في النكاح المجمع على فساده بالوطء كنكاح المعتدة وزوجة الغير والمحارم إذا كانت هناك شبهة تسقط الحد بأن كان لا يعلم بالحرمة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٨/ ١٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف۴۰/ ۱۱۳۹۰)

نکاح فاسد وباطل کی تحقیق سے متعلق ایک جامع فتویٰ

سوال [۵۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ ایک مسئلہ میں بہت الجھے ہوئے ہیں، بحث ومباحثہ کے بعد بھی ابھی تک کوئی حل نہیں نکل رہا ہے، وہ یہ ہے کہ نکاح فاسد اور باطل میں کیا فرق ہے؟ براہ کرم مثال سے اس کی تعریف کو واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد مسعود احمد، آندھرا پردیش، متعلم افتاء دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح فاسد اور نکاح باطل میں حد امتیاز قائم کرنے میں کتب فقہ کے جزئیات مختلف انداز سے ملتے ہیں، جن سے آسانی کے ساتھ کھل کر

بات واضح نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے مختصر انداز سے اس طرح سے سمجھنے کی ضرورت ہے، جس سے زیادہ الجھاؤ اور گنجلک پیدا نہ ہو؛ لہٰذا اس کو یوں سمجھیں کہ اس میں تین درجات ہوں گے:

(۱) نکاح باطل مجمع علیہ. (۲) نکاح فاسد مجمع علیہ. (۳) مختلف فیہ بعض وجوہ سے باطل ہے اور بعض وجوہ سے فاسد ہے؛ اس لئے اس شکل کو بعض لوگوں نے باطل کہا ہے اور باطل کا حکم لاگو کیا ہے۔ اور بعض لوگوں نے اس کو فاسد کہا ہے؛ اس لئے فاسد کا حکم جاری کیا ہے۔

اب ہر ایک کی مختصر وضاحت یہ ہے:

(۱) نکاح باطل مجمع علیہ: وہ ہے جس میں رکن نکاح اور محل نکاح ہی مفقود ہو مثلاً کسی کی منکوحہ عورت ہے، جب تک اس کے نکاح میں رہے گی، وہ دنیا کے کسی بھی مرد کے لئے محل نکاح نہیں رہے گی، اس سے جان بوجھ کر نکاح کرنے سے نکاح باطل ہے، اس کی اولادیں اس مرد سے ثابت نہ ہوں گی، اور نہ ہی اس مرد پر مہر واجب ہوگا اور نہ ہی اس عورت پر عدت واجب ہوگی؛ بلکہ وہ بدستور اپنے پہلے شوہر کی بیوی ہے اور واطی کے اوپر حد شرعی جاری ہو جائے گی- اسی طرح غیر کی معتدہ ہے، اس سے جان بوجھ کر نکاح کیا ہو، تو اس پر بھی وہی احکام جاری ہو جائیں گے- اسی طرح حقیقی محرم عورت کے ساتھ جان بوجھ کر نکاح کرلے تو یہ نکاح بھی مجمع علیہ باطل ہے؛ اس کے اوپر بھی وہی سارے احکام جاری ہو جائیں گے جو اوپر ذکر کئے گئے، اسی طرح مسلمہ عورت کے ساتھ کسی کافر کا نکاح ہو جائے، تو یہ نکاح بھی باطل ہوگا، اس کافر سے اولاد کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر مہر لازم ہوگا، اس کے لئے یہ چند عبارات بطور نظیر پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) **أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة، إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً، قال: فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة، ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة؛ لأنه زنىٰ.** (شامي، زكريا ٤/ ٢٧٤، شامي، زكريا ٥/ ١٩٧، كراچي ٣/ ٥١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ١٤٤، زكريا ٤/ ٢٤٢)

(۲) إن نكاح المحارم باطل، أو فاسد والظاهر أن المراد بالباطل ماوجوده كعدمه، ولذا لا يثبت النسب ولاالعدة في نكاح المحارم أيضاً. (شامي، زكريا٤/ ٢٧٤، كراچي٣/ ١٣٢)

(٣) أما إذا لم تكن هناك شبهة تسقط الحد، بأن كان عالماً بالحرمة، فلايلحق به الولدعند الجمهور، وكذلك عند بعض مشائخ الحنفية؛ لأنه حيث وجب الحد فلا يثبت النسب. (الموسوعة الفقهية الكويتية٨/ ١٢٤)

(٤) نكح كافر مسلمة فولدت منه لا يثبت النسب منه، ولاتجب العدة؛ لأنه نكاح باطل. (شامي، زكريا٤/ ٢٧٤، كراچي ٣/ ١٣٢)

(۲) نکاح فاسد مجمع علیہ: یہ ایسا نکاح ہے جس میں عورت محل نکاح ہے؛ لیکن شرائط نکاح مفقود ہیں، مثلاً نصاب شہادت پورا نہیں ہے، تو ایسی صورت میں بالاتفاق یہ نکاح فاسد ہے، اس سے مرد کے اوپر مہر بھی واجب ہوتا ہے، اور علیحدگی کی صورت میں عدت بھی واجب ہوجاتی ہے، اور اولاد کا نسب بھی مرد سے ثابت ہوتا ہے اور اس مرد کے اوپر حد جاری نہیں ہوگی- اسی طرح دو بہنوں سے ایک ساتھ ایک عقد میں نکاح کیا- یا بیوی کو طلاق دی اور اس کی عدت کی حالت میں اس کی بہن سے نکاح کرلیا- یا چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دی اور اس کی عدت کی حالت میں پانچویں سے نکاح کرلیا، ان صورتوں میں جو دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کیا ہے وہ نکاح فاسد ہے، اور فساد کی علت معیت فی العقد ہے؛ لہٰذا اگر آگے پیچھے نکاح کرے گا، تو پہلا والا صحیح اور دوسرا والا باطل ہوکر پہلی شکل میں شامل ہوجائے گا۔

والحاصل أنه لا فرق بينهما في غير العدة، أما فيها فالفرق ثابت، وعلى هذا فيقيد قول البحرهنا: ونكاح المعتدة بما إذا لم يعلم بأنها معتده؛ لكن يرد على ما في المجتبىٰ، مثل نكاح الأختين معاً، فإن الظاهر أنه لم يقل أحد بجوازه؛ ولكن لينظر وجه التقييد بالمعية، والظاهر أن المعية في العقد

لا في ملک المتعة، إذ لو تأخر أحدهما عن الآخر فالمتأخر باطل قطعاً.
(شامي، زكريا ٤ / ٢٧٤، كراچي ٣ / ١٣٢)

یا اپنی بیوی کوطلاق دی اوراس کی عدت کی حالت میں اس کی بہن سے نکاح کرلیا، تو یہ نکاح بھی فاسد ہے، محیط سرخسی کے حوالہ سے ہندیہ میں جوعبارت لکھی گئی ہے، اس کا یہی حاصل ہوسکتا ہے؛ اس لئے کہ اس عبارت کا آخری حصہ اسی کی طرف اشارہ کررہا ہے اوراس عبارت کا پہلا حصہ مشتبہ ہے۔

وإن تزوجهما في عقدتين، فنكاح الأخيرة فاسد، ويجب عليه أن يفارقها، ولو علم القاضي بذلک يفرق بينهما، فإن فارقها قبل الدخول لا يثبت شيئ من الأحكام، وإن فارقها بعد الدخول فلها المهر، ويجب الأقل من المسمىٰ، ومن مهر المثل وعليها العدة، ويثبت النسب، ويعتزل عن امرأته حتى تنقضي عدة أختها، كذا في محيط السرخسي.
(هندية، زكريا ١ /٢٧٧-٢٧٨ جديد ١ /٣٤٣)

چار بیویوں میں سے ایک بیوی کوطلاق دینے کی صورت میں پانچویں بیوی سے جونکاح کیا ہے وہ نکاح فاسد ہے باطل نہیں ہے؛ لہٰذا چار کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح کرے گا،تو پانچویں کا نکاح باطل ہوکر پہلی شکل میں داخل ہوجائے گا، اس لئے کہ چار بیویوں کی موجودگی میں اس مرد کے لئے مزید دنیا کی کوئی عورت محل نکاح نہیں رہتی ہے۔ اورچوتھی کی عدت کی حالت میں محل نکاح مشتبہ ہوجاتا ہے۔

اب چند جزئیات بطورنظیر پیش کئے جارہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(١) ويجب مهر المثل في نكاح فاسد،وهو الذي فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود (در مختار) وتحته في الشامية: ومثله تزوج الأختين معاً، ونكاح الأخت في عدة الأخت، ونكاح المعتدة، والخامسة في عدة الرابعة،والأمة على الحرة. (شامي، زكريا ٤ / ٢٧٤، كراچي ٣ / ١٣١)

(۲) ويتفقون كذلك على وجوب العدة، وثبوت النسب في النكاح المجمع على فساده بالوطء كنكاح المعتدة، وزوجة الغير والمحارم إذا كانت هناك شبهة تسقط الحد، بأن كان لا يعلم بالحرمة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۸/۱۲۳)

(۳) والصحيح أنها شبهة عقد، لأنه روي عن محمدؒ أنه قال: سقوط الحد عنه لشبهة حكمية فيثبت النسب، وهكذا ذكر في المنية، وهذا صريح بأن الشبهة في المحل و فيها يثبت النسب. (شامي، زكريا٦/٣٤، كراچي٤/٢٤)

(٤) والمراد بالنكاح الفاسد: النكاح الذي لم تجتمع شرائطه كتزوج الأختين معاً، والنكاح بغير شهود، ونكاح الأخت في عدة الأخت، ونكاح المعتدة، والخامسة في عدة الرابعة، و الأمة على الحرة. (البحرالرائق، كوئٹه ۳/۱٦۹، زكريا۳/۲۹٤)

(۳) مختلف فیہ: یہ تیسری شکل کوئی مستقل شکل نہیں ہے؛ بلکہ پہلی اور دوسری شکل کا اختلاط ہے، پہلی شکل کو جان بوجھ کر کرنے کی صورت میں نکاح باطل ہے اور عدم علم کی صورت میں نکاح فاسد ہے؛ اس لئے فقہاء کی عبارتیں اس سلسلے میں مخلوط ہوگئی ہیں، کہیں تو ایسا کہہ دیا گیا ہے کہ معتدۃ الغیر سے نکاح کرنا اور محرم سے نکاح کرنا نکاح فاسد ہے۔ اور کہیں ایسا کہہ دیا گیا ہے کہ منکوحۃ الغیر سے نکاح کرنا، یا معتدۃ الغیر سے نکاح کرنا نکاح باطل ہے اور باطل اور فاسد کے لئے جو قیودات ہیں ان کو واضح نہیں کیا گیا؛ اس لئے ان عبارات میں اشتباہ پیدا ہوگیا؛ چنانچہ بعض لوگوں نے یہی کہا ہے کہ:

حكم الباطل والفاسد واحد في الغالب. (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة، دارالفكر بيروت ٤/١١٨)

اس اشتباہ کی اصل وجہ یہ ہے کہ قیودات وشرائط کا ذکر نہیں کیا جاتا؛ اس لئے یہ کوئی مستقل قسم نہیں اور اسی وجہ سے ایسی مشتبہ بات بھی لکھی ہے کہ فیصلہ کرنا بھی واجب ہوتا ہے، نسب بھی ثابت ہوتا ہے، اور عدت بھی واجب ہوتی ہے؛ لیکن اس اشتباہ کی وجہ سے لکھ دیا کہ

مہر واجب ہے، نسب ثابت ہے؛ لیکن عدت واجب نہیں جیسا کہ کتاب الفقہ کی عبارت ہے:

النكاح الفاسد قسمان: قسم يوجب المهر، وثبت به نسب، ولاتجب به عدة، ويقال له باطل، وذلك كما تزوج محرماً من محارمه، فإن العقد على واحدة منهن، وجوده كعدمه، مثله العقد على متزوجة، أومعتدة إن علم أنهاللغير، فهذا العقد كعدمه، وهو عقد باطل يوجب الوطء به الحد، إن كان عالماً بالحرمة. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة،دارالفكر بيروت ٤/ ١١٦)

اس عبارت میں جو ''**يوجب به المهر ويثبت به نسب**'' لکھا ہے یہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہ نکاح باطل ہے اور اس میں نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی مہر واجب ہوتا ہے؛ بلکہ حد جاری ہوتی ہے، اس میں مہر واجب نہیں ہوتا اور یہاں پر حد بھی جاری کر رہے ہیں اور مہر بھی واجب کر رہے ہیں؛ اس لئے اس عبارت میں مسامحت ہے اور اس کی عبارتوں کی وجہ سے ناظرین کو شبہ پیدا ہوتا ہے؛ اس لئے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اس طرح کی عبارتیں معتبر نہیں؛ لہٰذا جن طلباء میں لمبی لمبی بحثوں کے باوجود مسئلہ حل نہیں ہو رہا ہے، وہ اسی قسم کی عبارتوں سے ہے؛ اس لئے اس قسم کی عبارتوں کا اعتبار نہ کیا جائے؛ بلکہ اس بات کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے اور بحث کا حاصل اس کو سمجھ لیا جائے کہ محل نکاح میں جو نکاح ہوا ہو وہ شرائط کے مفقود ہونے کی صورت میں فاسد ہوتا ہے اور غیر محل نکاح میں ناواقفیت اور عدم علم کی وجہ سے جو نکاح کیا جاتا ہے، وہ بھی نکاح فاسد ہے اور غیر محل میں جان بوجھ کر جو نکاح کیا جاتا ہے وہ نکاح باطل ہے، اور نکاح فاسد میں احکام نکاح جاری ہوجاتے ہیں، مثلاً مہر، نسب اور عدت- اور نکاح باطل میں احکام نکاح جاری نہیں ہوتے؛ لہٰذا مہر، عدت اور نسب میں سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوگی، خدا کرے اس تفصیل سے شبہات کا ازالہ ہوجائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۳۲)	۲۱/ ۴/ ۱۴۳۱ھ

کیا دو مردوں کے درمیان بھی نکاح ہونے لگا؟

سوال [۵۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے دو گواہوں کے سامنے اپنے نکاح کی اجازت مہر فاطمی پر دی، عمرو نے اس کو قبول کرلیا اور کہا قبول کی میں نے، تو نکاح ہوگیا یا نہیں؟

المستفتی: محمد صدیق، دھام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ظاہر ہے کہ زید وعمرو دونوں مرد ہیں، تو کیا دو مردوں کے درمیان بھی نکاح ہونے لگا ہے؟ ان میں بیوی کا فریضہ کون انجام دیتا ہوگا۔ اور شوہر کی ذمہ داری کون ادا کرتا ہوگا، پھر استقرار حمل کا مسئلہ کیا ہوتا ہوگا، بہت خوب پہلے اس معمہ کو واضح فرمائیں، اس کے بعد جواب ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۶۰)

عنین اور خنثیٰ مشکل کسے کہتے ہیں؟

سوال [۵۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عنین کسے کہتے ہیں اور خنثیٰ مشکل کسے کہتے ہیں دونوں کی واضح تعریف کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عنین ایسے شخص کو کہتے ہیں جو جماع کرنے پر قادر نہ ہو، خواہ یہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے ہو یا سحر وغیرہ کی وجہ سے ہو۔

خنثیٰ مشکل: جس شخص میں مردانہ یا زنانہ علامات میں سے کوئی علامت ظاہر

وغالب نہ ہو، تو فقہاء اس کو خنثیٰ مشکل سے تعبیر کرتے ہیں؛ البتہ مردانہ یا زنانہ علامت ظاہر وغالب ہو، تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائیگا۔ (مستفاد: قاموس الفقہ ۳/۳۷۷)

العنين بكسر العين والنون المشددة العاجز عن الوطء: أي من عجز عن الوطء لعدم انتصاب ذكره لعاهة. (لغة الفقهاء ٣٢٣)

أو عنينا وهو الذي في آلتهٔ فتورٌ. (حاشية چلپي ٢/ ٥٥٠، زكريا ٢/ ١٥٥، قديم ملتان ٢/ ١٤٣)

ولو وجدته عنيناً هو من لا يصل إلى النساء لمرض أو كبر أو سحر هذا معنا لغة أما معناه الشرعي المرادهنا فهو من لايقدر على جماع فرج زوجته مع قيام الآلة لمرض به يحدث في خصوص الآلة مع صحة الجسد. (شامي، زكرياه/ ١٦٩، كراچي٣/ ٤٩٦)

الخنشىٰ: هو الذي له ذكر و فرج امرأة أو ثقب في مكان الفرج يخرج منه البول، وينقسم إلى مشكل وغير مشكل فالذي يتبين فيه علامات الذكورية، أوالأنوثية، فيعلم أنه رجل، أوامرأة، فليس بمشكل وإنما هو رجل فيه خلقة زائدة أو امرأة فيها خلقة زائدة و حكمه من إرثه وسائر أحكامه حكم ما ظهرت علاماته فيه. (المغني، دارالفكر ٦/ ٢٢١، رقم: ٤٩١٠)

الخنشىٰ: هو الذي لايعلم؛ أنه ذكر، أو أنثىٰ بأن يكون له آلة الرجال، والنساء. (تاتارخانية، زكريا ٢٠/ ٣٥٢، رقم: ٣٣٤٣٤، لغة الفقهاء، كراچي ٢٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۷۷)

خنثیٰ سے نکاح

سوال [۵۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جسم میں زنانہ پن نہیں ہے اور نسوانیت بھی بالکل نہیں ہے؟

(۲) یہ کہ سینہ کے درمیان میں بال بھی موجود ہے؟

(۳) یہ کہ پیدائشی عورت بالکل نہیں ہے؟

(۴) یہ کہ اس کے پیدائشی فرج اور اندام نہانی بھی بالکل نہیں ہے؟

(۵) نہ کہ دیکھنے سے معلوم ہو کہ یہ پیدائشی ہجڑا ہے؟

(۶) اس کے پیشاب کے مقام کو اوپر کی جانب کو چیرا گیا ہے؟

(۷) یہ کہ اس کی پیشاب کی جگہ کو تراشا گیا ہے، بشکل کرتے کا گلا جیسا کٹا ہوا ہے؟

(۸) یہ شوہر کی حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل بالکل نہیں ہے؟

(۹) یہ پوری طرح سے بالکل بیکار ہے؟

(۱۰) یہ کہ کیا ان حالات میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

مفصل و مدلل جواب سے نوازیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: جمیل احمد سلطان کٹرہ، دھولی مل دوکان، چوڑی والان (دہلی-۶)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی عورت کے مخرج کی طرح مخرج نہیں ہے اور نہ ہی قطعاً ہمبستری کی گنجائش ہے، تو وہ خنثیٰ (ہجڑا) ہے، اس کے ساتھ شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوا ہے، خلوت سے شوہر پر اس کا خرچ اور مہر وغیرہ ادا کرنا لازم نہیں ہوا ہے۔

محله امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي، فخرج الذكر للذكر والخنثیٰ مطلقاً الخ (شامي، كوئٹه۲/۲۸۱، كراچي۳/۴۰۳، زكريا۴/۶۱۰۵۹)

والخلوة...... كا الوطء بلا مانع حسى، وطبعي وشرعي. (الدر المختار، كوئٹه۲/۳۶۷، كراچي۳/۱۱۴، زكريا۴/۲۴۹، ۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶/شوال المکرم ۱۴۱۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۰۱۴)	۲۶/۱۰/۱۴۱۰ھ

(۲۱) باب نکاح منکوحة الغیر

لاپتہ شوہر کی بیوی کا دوسرا نکاح

سوال [۵۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہوگئی، دو سال بحسن وخوبی طے پائے زید کی بیوی کے بچہ پیدا ہوا، اس کے بعد زید اپنی بیوی کو چھوڑ کر پردیس چلا گیا اور پھر صورت حال یہ ہے کہ تقریباً پانچ سال بیت گئے؛ لیکن زید کا کوئی پتہ نہیں کہ وہ رہ کہاں رہا ہے؟ زید کی بیوی اپنے میکہ میں رہ رہی ہے، اب وہ اپنی دوسری شادی کرنا چاہتی ہے، تو کیا وہ اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ حدیث وقرآن کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد عظمت اللہ عثمانی، کھائی کھیڑی، کمال پور، پوسٹ: گجرولہ، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لاپتہ شوہر کی بیوی کے لئے شرعی تفریق واقع ہونے سے پہلے دوسرا نکاح کر لینا جائز نہیں ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷)

ومنها أن لا تكون منكوحة الغير لقوله تعالىٰ: والمحصنات من النساء وهن ذوات الأزواج الخ (بدائع الصنائع، كراچي ۲/۲٦۸، زكريا ۲/۵٤۸، دارالكتب العلمية بيروت ۳/٤۵۱)

اسباب التحريم أنواع (إلى قوله) وتعلق حق الغير بنكاح أوعدة. (الدرالمختار، كراچي ۳/۲۸، زكريا ٤/۹۹، ۱۰۰)

البتہ زید کی بیوی اپنا معاملہ شرعی پنچایت میں پیش کردے، تو وہ تحقیق کر کے فیصلہ دے سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۱۲۷۷)

شوہر کی موجودگی میں دوسرے سے کورٹ میرج کرنا

سوال [۵۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی ہندہ کسی غیر مرد کے ساتھ فرار ہوگئی، اور کسی شہر میں جا کر کچھ ایام کے لئے قیام کیا اور کچھ ایام کے بعد وہ دونوں یعنی ہندہ اور غیر مرد کورٹ میرج کرا کر اپنے وطن اصلی پہنچ گئے اور ہندہ کے پہلے شوہر زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق نہیں دی اور نہ ہی تا حیات طلاق دینے کا ارادہ ہے، ایسی صورت میں کیا ہندہ غیر مرد کے ساتھ شوہر اصلی سمجھ کر شب و روز گذار سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد اللہ حساس، گلی-۳، مینا نگر صدیقی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہندہ کا شوہر موجود ہے اور اس نے کوئی طلاق نہیں دی ہے اور اسی حالت میں دوسرے مرد کے ساتھ کورٹ میرج یا کسی اور طریقہ سے نکاح کر لیتی ہے، تو اس کا نکاح باطل اور نا قابل اعتبار رہوگا اور دونوں کا ساتھ رہنا زنا کاری اور بدکاری ہوگی۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. قال فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة؛ ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنا.

(شامي، زكريا ديوبند٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي٣/١٣٢، ٥١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا٤/٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۳۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۲ھ

شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسرے سے نکاح

سوال [۵۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن کی شادی قریب ۱۲/ سال ہوئے ہوئی تھی، جن کے دو لڑکے ۱۱/ سال اور ۹/ سال کی عمر کے ہیں، آٹھ سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا میاں بیوی میں جھگڑا ہوا اور میری بہن واپس آگئیں، جب سے کوشش کے باوجود بھی صلح نہ ہوسکی اور نہ ہی بچے اور بہن کے خرچہ کے لئے بہنوئی نے کچھ دیا، دو یا تین جگہ سے بہن کے لئے رشتے آرہے ہیں، ان کو طلاق نہیں ہوئی ہے کیا وہ عقد ثانی کرسکتی ہیں؟

المستفتی: محمد اکرام بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک شوہر طلاق نہ دیدے، اس وقت تک عورت کو دوسرے سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا؛ لہٰذا آپ کی بہن کے لئے شوہر سے طلاق لئے بغیر کسی دوسرے سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره. (هندية، زكريا١/٢٨٠، جديد زكريا١/٣٤٦)

ومنها أن لا تكون منكوحة الغير . (بدائع الصنائع، زكريا٢/٥٤٨، كراچي ٢/٢٦٨، دارالكتب العلمية بيروت٣/٤٥١)

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة

إن علـم أنهـا لـلـغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً؛ ولهذا يجب الـحـد مـع الـعـلـم بالحرمة لأنـه زنا. (شـامـي، كـراچي ۳/۱۳۲، ٥١٦، زكريا ديوبند ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ / ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ / ۹۹۶۱)

ایک کے نکاح میں رہتے ہوئے دوسرے سے نکاح

سوال [۵۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو دس مہینہ پہلے دو بار طلاق طلاق کا لفظ استعمال کیا تھا، پھر میاں بیوی کی طرح رہتے رہے، اس کے بعد میری بیوی نے ایک دوسرے لڑکے سے نکاح کرلیا، اس لڑکے کے ساتھ ایک مہینہ کے قریب رہتی رہی۔ اب وہ دوبارہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے، تو کیا اسے رکھ سکتا ہوں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن، شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دوطلاق کے بعد میاں بیوی کی طرح رہنے کی وجہ سے رجعت ہوگئی ہے اور بیوی بدستور شوہر کے نکاح میں باقی ہے اور اسی درمیان دوسرے لڑکے کے ساتھ جو نکاح کرلیا ہے، اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر دوسرے لڑکے کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ دوسرے کی بیوی ہے تو نکاح فاسد ہوا ہے، اب اصل شوہر کے پاس جانے کے لئے تین ماہواری گذار کر کے جانا ضروری ہے؛ لیکن پہلے شوہر کے ساتھ رہنے کے لئے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر یہ بات معلوم ہونے کے باوجود دوسرے مرد نے اس کے ساتھ نکاح کرلیا ہے کہ وہ دوسرے کی بیوی ہے تو یہ نکاح باطل ہوا ہے، اور ان دونوں کے درمیان بدکاری ہوتی رہی ہے اور بیوی کو پہلے شوہر کے پاس جانے کے لئے عدت گذارنے کی بھی

ضرورت نہیں اور اسے فوری طور پر پہلے شوہر کے پاس چلے جانا چاہئے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. قال: فعلى هذا يفرق بين فاسده وباطله في العدة؛ ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة؛ لأنه زنا، كما في القنية وغيرها. (شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢)

وأما النكاح الفاسد فلاحكم له قبل الدخول، وأما بعد الدخول، فيتعلق به أحكام منها ثبوت النسب، ومنها وجوب العدة وهو حكم الدخول في الحقيقة الخ (بدائع الصنائع، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٦١٥، كراچي ٢/٣٣٥، زكريا ٢/٦٥١، أيضاً شامي، زكريا ٥/١٩٧، كراچي ٣/٥١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱ر ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۴۴/۱۰۸)	۱۴۳۳/۱۱/۲۱ھ

دوسرے کی بیوی سے نکاح

سوال [۵۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح سلمہ سے اس کے والدین نے کرایا اس حال میں کہ نہ زید نے سلمہ کو دیکھا اور نہ سلمہ نے زید کو دیکھا، نکاح ہونے کے بعد کسی طرح کی خلوت نہیں ہوئی کہ زید روزگاری کی غرض سے باہر گیا، آج تقریباً پانچ سال ہوگئے گھر واپس نہیں آیا اور ان پانچ سالوں کے درمیان دونوں میاں بیوی میں سے کسی طرح کا سلام کلام بھی نہیں ہوا، زید کے گھر والوں سے فون پر بات ہوئی، تو زید کہتا ہے کہ اس سال جاؤں گا، اس سال جاؤں گا، اس طرح ٹال مٹول کرتے ہوئے اتنے دن گذر گئے۔

آج ۲۶؍شوال المکرّم ۱۴۲۶ھ سے تین مہینہ قبل خبر ملی کہ اس نے زاہدہ سے ناجائز تعلق قائم کر کے زاہدہ کو لے کر فرار ہو گیا، اب سلمہ کے والدین کا کہنا ہے کہ ہم اپنی بیٹی سلمہ کا نکاح عمر سے کریں گے، آپ بتائیے کہ اس صورت میں سلمہ کا نکاح عمر سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: امام مسجد گلاب باڑی، کٹگھر مرادآباد (یو پی)

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک زید سلمہ کو طلاق نہ دے گا یا شرعی تفریق حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک سلمہ کا نکاح عمر کے ساتھ صحیح نہ ہوگا، چاہے نکاح کے بعد زید اور سلمہ کے درمیان آپس میں ملاقات اور بات چیت بھی نہ ہوئی ہو؛ لہٰذا زید سے شرعی طور پر علیحدگی حاصل کرنے سے قبل عمر کے ساتھ یا کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوگا بدکاری ہوتی رہے گی۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيها لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ۴/۲۷۴، ۵/۱۹۷، البحر الرائق، كوئٹه ۴/۱۴۴، زكريا ۴/۲۴۲)

منكوحة الغير أو معتدة الغير، فإنها محرمة عليه إلى غاية وهي انقضاء العدة يثبت ذلک بقوله تعالیٰ: والمحصنات من النساء. (مبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ۳۰/۲۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸؍شوال المکرّم ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۴۷/۳۸)	۱۴۲۶/۱۰/۲۸ھ

دوسرے کی منکوحہ سے نکاح

سوال [۵۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد نسیم ولد آفتاب احمد کی شادی مسماۃ نسرین بنت مجید حسین کے ساتھ

بروز ہفتہ ۲۷/جولائی ۱۹۹۱ء کو ہوئی تھی، نکاح کی رسید ساتھ لگی ہے، ہم دونوں کے بیچ نکاح اپنی مرضی و پسند سے ہوا تھا، نکاح کے ۱۵/یوم کے بعد کچھ قانونی کاروائی کے تحت لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی میں نے حقوق زوجیت کا مقدمہ قائم کررکھا ہے، لڑکی کے ماں باپ نے ۹۳-۸-۱۴ کو کسی دیگر شخص محمد شاہد حسین ولد جناب رفیق احمد صاحب نزدیک آزادنگر لائن-۱۶ ہلدوانی ضلع نینی تال کے ساتھ نکاح کردیا؛ جبکہ میں نے اسکو طلاق نہیں دی ہے، میرے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، جولکھا ہے صحیح لکھا ہے غلط بیانی سے کام نہیں لیا ہے، خدا میری مدد کرے۔

المستفتی: محمد نسیم مشتاق، بلڈنگ اسٹیشن روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر محمد نسیم نے اپنی بیوی نسرین کو طلاق نہیں دی ہے اور نہ ہی کسی شرعی محکمہ اور شرعی عدالت سے تفریق حاصل کی ہے اور اسی حالت میں محمد شاہد حسین کے ساتھ دوسرا نکاح کرلیا ہے، تو شرعی طور پر نسرین کا نکاح محمد شاہد کے ساتھ صحیح نہیں ہوا ہے اور دونوں کا تعلق زناکاری اور حرام کاری میں شامل ہوگا۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢)

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نسرین بدستور محمد نسیم ولد آفتاب احمد کی بیوی ہے اور محمد نسیم کو اپنی بیوی نسرین کو اپنے پاس لے جانے کا ہر وقت حق ہے اور شاہد کے یہاں سے الگ کرنے کے بعد عدت گذارنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۳۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۲/۱۴۱۴ھ

دوسرے کی منکوحہ سے نکاح کی شرعی حیثیت

سوال [۵۶۶۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کی شادی کردی تھی،لڑکی کی سسرال والوں سے اورشوہر سے لڑائی ہوگئی تھی، لڑکی اپنے گھر بیٹھ گئی پہلے والے شوہر نے طلاق نہیں دی تھی،لڑکی نے عدالت سے طلاق لینا چاہا،اس کو طلاق نہیں مل سکی وہ سمجھی کہ طلاق ہوگئی؛لیکن طلاق نہیں ہوسکی تھی،لڑکی کی دوسری جگہ شادی کردی۔اب پہلا شوہرلڑکی کولانا چاہتاہےاوردوسراوالانہیں لے جانا چاہتا،تو لڑکی کو کون سے شوہر کے گھر جانا شرعاً جائز ہے؟

المستفتی: محمد اکرام مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پہلے شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ جونکاح ہواہے،اس میں اگر نکاح کرنیوالے مردکو یہ علم نہیں ہے کہ پہلے شوہر سے طلاق نہیں ہوئی ہےاوراس نے اس بات کی لاعلمی میں نکاح کیاہےاور بعدمیں اس کو پتہ چلاہے،تو یہ دوسرا نکاح فاسد ہوا، وہ بدستور پہلے شوہر کی بیوی ہے، اس کا نکاح بدستور باقی ہے۔ دوسرے شوہر کو جب معلوم ہوگیاہے کہ دوسرے کی بیوی ہےاوراس نے طلاق نہیں دی ہے، تو فوراً اپنے پاس سے الگ کردینا واجب ہے اسے لے جانے کا حق پہلے شوہر کو ہے، دوسرے کو لے جانے کا حق نہیں ہے،اور چونکہ دوسرے شوہر کے ساتھ دھوکہ میں نکاح ہوا ہے،ہمبستری بھی ہوچکی ہے،تو اس میں لڑکی اورلڑکے والے دونوں گنہگار ہوں گے، دوسرے شوہراوراس کے متعلقین گنہگار نہیں ہوں گے؛البتہ دوسرے شوہر پرمہراداکرنا لازم ہوگا؛جبکہ اس کے ساتھ صحبت کرلی ہو؛لیکن جومہر طے ہواہے وہ اگر مہر مثل سے کم ہےتو طے شدہ مہر واجب ہوگا اوراگر مہر مثل سے زیادہ ہے تو مہر مثل واجب ہوگا، پہلے کے پاس جانے کے لئےلڑکی کوعدت گذارنی بھی لازم ہوگی۔

قال: بشبهة الملک أو العقد بأن زفت إلیه غیر امرأته، فوطئها، أوتزوج منکوحة الغیر ولم یعلم بحالها وأنت خبیر بأن هذا یقتضي الاستغناء عن المنکوحة فاسداً. (شامي، زکریاه/۱۹۸، کراچي۳/۵۱٦)

فإن دخل بها فلها مهر مثلها ولایزاد علی المسمیٰ عندنا. (هدایة، اشرفي بکڈپو دیوبند ۲/۳۳۲)

إن الدخول في النکاح الفاسد موجب للعدة وثبوت النسب. (شامي، زکریاه/۱۹۷، کراچي۳/۵۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر صفر المظفر ۱۴۲٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۰۱/۳۷)

کسی کی منکوحہ سے نکاح

سوال [۵٦٦۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زہرہ خاتون زید کی بیوی ہے، اب کسی نے لڑکی سے یہ کہہ دیا کہ تم اس کے پاس مت رہو، میرے ساتھ چلو، میں تم سے نکاح کروں گا، اس بیچ وہ آدمی اس لڑکی کو لے کر بھاگ گیا، اور دوسری جگہ جاکر اس لڑکی سے نکاح کرلیا؛ جبکہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے، اس صورت میں اس نے لڑکی سے نکاح کرلیا، پھر ایک ماہ کے بعد لڑکی سابق شوہر کے پاس آگئی، تو اس صورت میں شوہر اول کے لئے کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا.

المستفتی: ولی محمد، فقیر پور، کپور کمپنی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے معلوم ہورہا ہے کہ دوسرے شخص کو معلوم تھا کہ زہرہ خاتون زید کی بیوی ہے، تو دوسرے شخص کو زہرہ خاتون کو دوسری جگہ لے جاکر

نکاح کرلینا شرعاً نکاح باطل ہے، وہ زید ہی کی بیوی رہی ہے، اب جب بیوی آگئی ہے، تو زید زن وشوہر کی طرح زندگی گزار سکتے ہیں۔ نیز عدت گذارنا اور نکاح کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كوئٹه ۲/ ۳۸۰، كراچي ۳/ ۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ۴/ ۲۷۴، ۵/ ۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ۴/ ۱۴۴، زكريا ۴/ ۲۴۲، وهكذا في الهندية، زكريا ۱/ ۲۸۰، جديد زكريا ۱/ ۳۴۶، مبسوط دارالكتب العلمية بيروت ۳۰/ ۲۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۵۳)

منکوحۃ الغیر کا دوسری جگہ شادی کرنا

سوال [۵۶۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو تقریباً آٹھ سال کا عرصہ ہوگیا، ۶/ سال تک میرے شوہر کی کوئی آمدنی نہیں ہوئی، میں اپنے روپیوں سے اخراجات کرتی رہی، پھر جب ان کی آمدنی ہونے لگی تو آمدنی ہوتے ہی عورتوں سے عشق بازی کرنے لگا، عشق بازی کے پرچے ان کی جیبوں میں بارہا میں نے پائے اور اسی طرح سے مجھ پر جادوٹونہ بھی کیا گیا، اس کی دلیل یہ کہ ہے کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ میرے سر کے بال نوچا ٹونہ کرنے کے لئے اور ننگے ہوکر مسلسل چالیس دن تک اگربتیوں کا جلانا ان کا معمول رہا۔

اب عید کے بعد سے گھر سے غائب ہے اور میرے شوہر کا ایک بھتیجہ جو میری شادی کے شروع ہی دن سے میرے ہی پاس رہتا ہے، اس کے بھی کل اخراجات میں ہی اٹھاتی ہوں، اب مجھے پتہ چلا ہے کہ میرے شوہر جس لڑکی سے پیار کرتے تھے اس سے نکاح

کرلیا ہے، میری عمر اس وقت ۳۴ر سال ہے میں اپنی زندگی کس طرح گذار سکتی ہوں، شوہر سے الگ ہونے کا طریقہ کیا ہوگا؟

میری کوئی اولاد بھی نہیں ہے کہ اس کے سہارے پر زندگی گذاروں، اب میں دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ رکھتی ہوں، اس کی کیا شکل ہوگی آیا مجھے عدت گذارنی ہوگی یا نہیں؟

المستفتیه: ثریا محفوظ، لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر سے شرعی تفریق حاصل کئے بغیر آپ کے لئے دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا اور ابھی تک آپ اسی شوہر کے نکاح میں ہیں۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ۳/ ۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ۴/ ۲۷۴، ۵/ ۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ۴/ ۱۴۴، زكريا ۴/ ۲۴۲، بدائع الصنائع، كراچي ۲/ ۲۶۸، زكريا۲/ ۵۴۸، دارالكتب العلمية بيروت۳/ ۴۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۲۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۲/ ۱۴۱۵ھ

منکوحۃ الغیر کی کسی دوسرے شخص سے شادی کرنا

سوال [۵۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام نزاکت حسین ہے، ساکن گڑھی سلیم پور کانٹھ، مرادآباد ۲۱ر مئی ۱۹۹۲ء کو میرا نکاح شرعاً چاند بی بی دختر کلوا ساکن سہسپور ضلع بجنور سے ہوا تھا، میری بیوی سے دو بچے ہیں، میری بیوی کی والدہ سعیداً اور میرے سالے انتظار اور استخار نے پیسوں کے لالچ میں مجھ سے طلاق لئے بغیر میری بیوی کا نکاح بھینسوں والی عمری تھانہ کوتوالی

دیہات ضلع بجنور میں مفیض احمد ولد ادریس احمد سے کردیا تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے میری بیوی میکے رہنے کے لئے گئی تھی، اسی درمیان میری بیوی کا نکاح مجھ سے طلاق لئے بغیر دوسرے سے کردیا فتوی ارسال فرمائیں۔

المستفتی: لیاقت حسین، ساکن گڑھی سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ سے طلاق لئے بغیر آپ کی بیوی کا میکے والوں نے مفیض احمد سے جو نکاح کردیا ہے، وہ شرعاً باطل ہے، وہ نکاح نہیں ہوا ہے، اس کے ساتھ حرام کاری اور زنا کاری ہورہی ہے، وہ اب بھی بدستور آپ کی بیوی ہے، آپ کو حق ہے کہ آپ اسے اپنے پاس لاکر بیوی بنا کر رکھیں۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۳/۲۵۸، فتاوی دارالعلوم ۷/۴۶۶)

وأما منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة إن علم أنها للغیر؛ لأنه لم یقل أحد بجوازه فلم ینعقد أصلاً. (شامي، کراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، شامي، زکریا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، کوئٹه ٤/۱٤٤، زکریا٤/۲٤۲)

لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة کذا في السراج الوهاج سواء کانت العدة عن طلاق، أووفاة. (فتاوی عالمگیري، زکریا ۱/۲۸۰ جدید زکریا۱/۳٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۴۸۹)

منکوحۃ الغیر اور معتدہ سے نکاح

سوال [۵٦٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر محمد سمیع فیض کو طلاق دیتا ہے اور فراست یہ چاہتا ہے کہ فیض عدت نہ

گذارے اور میں فیض سے نکاح کرلوں، کیا اس طرح نکاح جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: محمد شفیق اندرا چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک فیض سمیع کے نکاح میں ہے، فراست کے لئے فیض سے نکاح جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے؛ اس لئے کہ فیض سمیع کی منکوحہ ہے اور منکوحۃ الغیر سے نکاح حرام ہے باطل ہے، فراست اگر فیض سے نکاح کر کے اسی حالت میں اپنے پاس رکھ لے تو ہمیشہ بدکاری اور زناکاری ہوتی رہے گی۔

اسی طرح سمیع کے فیض کو طلاق دینے کے بعد عدت پوری ہونے سے پہلے فراست کے لئے فیض سے نکاح حرام ہے، اگر نکاح کرتا ہے تو نکاح باطل ہوجائے گا اور بیوی بنا کر رکھنا بدکاری اور حرام کاری ہوتی رہے گی۔

وأما نكاح منكوحة الغير (إلى قوله) لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (ردمختار، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢، بدائع الصنائع، كراچي ٢/٢٦٨، زكريا ٢/٥٤٨، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٤٥١)

"والمحصنت من النساء" عطف على أمهاتكم يعني حرمت عليكم المحصنت من النساء: أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها، أو يطلقها، وتنقضي عدتها من الوفاة، أو الطلاق. (تفسير مظهري ٢/٦٤)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة. (هندية، زكريا ١/٢٨٠ جديد زكريا ١/٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/۱۴۳۵ھ

منکوحۃ الغیر کا دوسرے مرد سے نکاح

سوال [۵٦٦٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں بنام علی محمد کشمیر کا رہنے والا ہوں، میں مع اہل وعیال کے ضلع مرادآباد میں سروس کرتا ہوں، واقعہ یہ پیش آیا کہ میں نے اپنی لڑکی مسماۃ خدیجہ بانو کا نکاح کشمیر میں ایک لڑکے مسمیٰ مشتاق احمد کشمیری سے کردیا تھا؛ لیکن میں ایک ضرورت کے تحت کشمیر چلا گیا اور میری اہلیہ یہیں رہ گئی، اسی درمیان میری لڑکی (شادی شدہ) مرادآباد آئی اور میری بیوی نے اس کا دوسرا نکاح ایک دوسرے شخص سے بغیر پہلے شوہر سے طلاق لئے ہوئے کردیا، اب جبکہ میرے علم میں یہ بات آئی ہے، تو صورت مذکورہ میں شرع کے مطابق جواب چاہتا ہوں کہ نکاح ثانی منعقد ہوا کہ نہیں؟

المستفتی: محمد علی، ورپاش تھانہ گانڈربل سری نگر کشمیر

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر اول مسمیٰ مشتاق احمد کشمیری سے طلاق حاصل کئے بغیر آپ کی لڑکی خدیجہ بانو کا دوسرا نکاح شرعاً باطل ہے، ان دونوں کا ساتھ رہنا حرام اور زنا کاری ہے، آپ پر اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ فوراً دونوں کو علیحدہ کردیں اور لڑکی کو پہلے شوہر کے پاس بھیجدیں ورنہ سب لوگ گنہگار رہوں گے۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، شامي، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/۱٤٤، زكريا ٤/۲٤۲)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج سواء كانت العدة عن طلاق، أووفاة. (فتاوى عالمگيري،

زکریا ۱/ ۲۸۰ جدید زکریا ۱/۶ ٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍ ۱۵۰۳)

منکوحۃ الغیر کے نکاح سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۵٦٧٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باہر سے آئی ہوئی ایک آوارہ عورت کو کسی شخص نے پکڑ لیا، جب اس سے پوچھا گیا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آئی ہے، تب اس نے جواب دیا کہ میں ایک پریشان عورت ہوں، میرا کوئی مددگار نہیں ہے، میں کہیں اپنا ٹھکانہ چاہتی ہوں، جب اس سے پوچھا گیا کہ تیری شادی ہوگئی ہے یا نہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ میری بہن نے ایک ایسے آدمی سے میرا نکاح کرادیا، جس کی ایک ٹانگ پولیوستائی ہوئی ہے، میں یہاں رہ کر کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرنا چاہتی ہوں، اب میں اس کے گھر نہیں جاؤں گی پوچھنے پر بھی اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس کا نکاح کہاں اور کس کے ساتھ ہوا ہے، تب یہ سوچا کہ نہ جانے یہ کہاں جائے گی ہوسکتا ہے کہ کسی غیر مسلم کے ہاتھ لگ جائے؛ اس لئے اس کا نکاح ایک مسلمان بالغ مرد کے ساتھ پڑھا دیا گیا ہے، آپ بتلائیں کہ اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

(۲) اس کے علاوہ جن لوگوں نے نکاح پڑھانے میں یا نکاح کے بعد مٹھائی لینے میں یا کھانا کھانے میں شریک ہوئے ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اور ایسا نکاح کرنے والوں کے گھر کھانا کھانا یا کھلانا کیسا ہے؟

(۳) جن لوگوں نے اس نکاح میں کسی طرح بھی شرکت کی ان کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں ان کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: مولانا عتیق احمد بی بی مصطفیٰ پور

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صورت مسئولہ میں جب تک شوہر اول طلاق نہ دیدے اور عدت طلاق نہ گذر جائے، مذکورہ عورت کے لئے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے اور نکاح ثانی باطل ہے اور زوج ثانی کا وطی کرنا زنا ہے، جو شرعاً موجب حد ہے، مذکورہ عورت نے زوج اول سے طلاق حاصل کئے بغیر اور عدت گذارے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کرکے گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے، اگر مذکورہ عورت زوج اول کو پسند نہیں کرتی تو وہ اس سے طلاق یا خلع کے ذریعہ تفریق کرا سکتی ہے؛ لیکن بدون طلاق یا تفریق دوسرے شخص سے نکاح ہرگز نہیں ہوسکتا؛ اس لئے عورت پر لازم ہے کہ وہ زوج ثانی سے فوراً علیحدگی اختیار کرے۔

قال في الشامي: أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً؛ ولهذا يجب العدة مع العلم بالحرمة لأنه زنا كما في القنية وغيرها. (شامي، زكريا٤ /٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا٤ /٢٤٢)

(۲) جو لوگ نکاح پڑھانے میں یا نکاح کے بعد مٹھائی لینے میں کھانا کھانے میں یا کھانا کھلانے میں شریک ہوئے ہیں وہ سب کے سب عاصی وگنہگار وفاسق ہیں، ان سب پر توبہ واستغفار لازم ہے، ان لوگوں کو چاہئے کہ اس بات کا اعلان کردیں کہ نکاح ثانی صحیح نہیں ہوا، مذکورہ عورت بدستور زوج اول کی بیوی ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۴۶۲/۴۶۳، امداد الاحکام ۳/۲۵۸)

(۳) جن لوگوں نے نکاح میں شرکت کی ان کا نکاح بہر حال بدستور باقی ہے، ہاں البتہ اپنے اس عمل سے یہ لوگ شرعاً گنہگار ہیں، جس سے ان پر توبہ واستغفار لازم ہے؛

البتہ جن لوگوں کو پہلی شادی کا علم نہیں تھا، وہ لوگ عاصی اور گنہگار نہیں ہوں گے۔

(مستفاد: عزیز الفتاوی ۲۶۴، امداد الاحکام ۲۵۸/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۲۳۶/۳۵)

منکوحۃ الغیر سے نکاح کے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۵۶۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا داماد قریب دوسال ہوئے ایک شادی شدہ لڑکی کو بھگا کر لے گیا تھا، جس کا مقدمہ چلا اور وہ چھوٹ گیا، پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی تھی، صرف عورت نے جج کے سامنے یہ بیان دیا کہ اب میں نے اس سے نکاح کرلیا ہے اور اب اس کے ساتھ رہوں گی، اس پر شرعاً کیا حکم بنتا ہے؟

(۲) جو اس لڑکے کے رشتے دار رہتے ہیں اور اس لڑکے سے واسطہ رکھے ہوئے ہیں ان پر شرعاً کیا حکم بنتا ہے؟

(۳) میری لڑکی میرے گھر پر ہے اور اس حالت میں اس جگہ جانے کے لئے تیار نہیں ہے اور تین سال کا لڑکا بھی ہے، اب میری لڑکی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) جو شخص یہ کہے کہ شرع کے خلاف کام کرلو، اس پر کیا حکم ہے؟

المستفتی: بدرالدین ولد محمد یسین، باغیچہ سرائے ترین، سنبھل روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) دوسرے کی بیوی کو بہکا کر لے جانا اور اس کے ساتھ بیوی جیسا تعلق رکھنا حرام کاری اور سخت ترین غضب الٰہی مسلط ہونے کا خطرہ ہے اور عدالت میں غیر شوہر سے نکاح ثابت کرنا یا شوہر سے طلاق

حاصل کئے بغیر غیر مرد کا اس سے نکاح کرنا شرعاً باطل ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱۶، شامي، زكريا ۴/۲۷۴، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ۴/۱۴۴، زكريا ۴/۲۴۲)

(۲) جو لوگ مذکورہ ناجائز تعلق رکھنے والے کا ساتھ دیں گے، وہ شرعاً تعاون علی المعصیۃ کی وجہ سے سخت گنہگار ہوں گے۔

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [سورہ مائدہ:۲]

(۳) آپ کی لڑکی کے لئے ایسے شوہر کے ساتھ رہنا جائز ہے، اس سے آپ کی لڑکی گنہگار نہ ہوگی؛ بلکہ شوہر گنہگار رہوگا، ہاں البتہ اگر اب اس شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی گذارنا ناگزیر ہو، تو اس سے طلاق یا خلع وغیرہ کے ذریعہ علیحدگی حاصل کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

ولا يجب على الزوج تطليق الفاجرة (تحته في الشامية) ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا والفجور يعم الزنا وغيره الخ (شامي، كراچي ۶/۴۲۷، زكريا ۹/۶۱۱)

(۴) شرع کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے اور اس کا حکم کرنے والا سخت گنہگار رہوگا۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۶۲)

منکوحۃ الغیر کا شرعی تفریق کے بغیر نکاح

سوال [۵۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ خالد نے ہندہ سے نکاح کیا اور میاں بیوی ہوگئے، کچھ دنوں کے بعد میاں بیوی میں جھگڑا ہوگیا اور ہندہ بھاگ کر اپنے میکے چلی گئی، چار سال تک خالد ہندہ کو لینے نہیں گیا، چار سال کے بعد گیا، ہندہ نے ساتھ رہنے سے انکار کردیا اور کہا مجھے طلاق دیدو، خالد نے طلاق دینے سے انکار کردیا اور دوسری شادی کرلی اور ہندہ نے بغیر طلاق لئے دوسرے شوہر بکر سے نکاح کرلیا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ بغیر طلاق لئے خالد سے ہندہ کے لئے بکر سے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو بچہ ہندہ کے پیٹ سے پیدا ہوا حلالی ہے یا حرامی؟ ان دونوں مسئلوں کا جواب دلیل وحوالہ کے ساتھ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد ادریس، امام مسجد کاچھی کھیڑی، راج گڑھ (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندہ کا اپنے شوہر خالد سے طلاق لئے بغیر بکر کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً باطل ہے اور دونوں کا میاں بیوی جیسا ساتھ میں رہ کر زندگی گذارنا زنا کاری اور بدکاری ہے، اڑوس پڑوس کے لوگوں پر لازم ہے کہ متفق ہوکر ان دونوں میں علیحدگی کروادیں۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيها لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً.

(شامي، كراچي ٣/ ١٣٢، ٥١٦، زكريا ٤/ ٢٧٤، ٥/ ١٩٧، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ١٤٤، زكريا ٤/ ٢٤٢)

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره الخ. (عالمگيري، زكريا ١/ ٢٨٠ جديد زكريا ١/ ٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۳۱ھ

شرعی تفریق حاصل کئے بغیر منکوحۃ الغیر کا دوسری جگہ نکاح

سوال [۵۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نے اپنی لڑکی جس کی عمر۱۴؍سال کی تھی، اس کی سسرال کے کچھ لوگوں نے مجبور کیا کہ زید اپنی لڑکی کی شادی اسلم کے ساتھ کردے، سب نے زید کو سمجھا بجھا کر اور سبز باغ دکھا کر زید کی لڑکی کا نکاح اسلم ولد ایوب پاکستانی کے ساتھ کردیا اور جب یہ لوگ پاکستان جانے لگے تو یہ کہہ گئے کہ ایک سال کے اندر اندر رخصتی کروالیں گے، آج تین سال کا عرصہ گذر چکا ہے، اب زید کی لڑکی کی عمر اٹھارویں سال میں ہے۔

ہندہ کی لڑکی کے نکاح کے موقع پر صرف چار جوڑے کپڑے جو بہت معمولی تھے، وہی دئے تھے، ہندہ کا شوہر بھی ۱۲؍۱۳ سال قبل انتقال کرگیا، اب لڑکی یتیم ہے، ہندہ کے پاس نہ کوئی خط آیا اور نہ کوئی روپیہ خرچہ وغیرہ آیا، اب ہندہ اپنی لڑکی کو پاکستان نہیں بھیجنا چاہتی ہے، اب کیا شکل علیحدگی کی ہے؟

المستفتیه: اختر جہاں، محلّہ کولہار ملیح آباد، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ۱۴؍سال کی عمر میں لڑکی بالغ ہوچکی تھی اور مذکورہ نکاح پر لڑکی راضی بھی رہی ہے، تو ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوچکا ہے، اب اس پاکستانی شوہر سے تفریق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ شادی کرنا جائز نہ ہوگا، کسی طرح پاکستانی شوہر سے جدائی حاصل کرلی جائے، اس کے بعد ہی دوسری جگہ شادی ہوسکتی ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير (إلى قوله) لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ۴/۲۷۴، ۵/۱۹۷،

البحر الرائق، کوئٹہ ٤/ ١٤٤، زکریا ٤/ ٢٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۳۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۲/۱۴۱۶ھ

منکوحۃ الغیر کا دوسرے مرد سے شادی کرنا

سوال [۵۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح آج سے ۱۹؍سال پہلے مجمل کے ساتھ بلند شہر میں ہوا تھا، میرے پانچ بچے ہیں، چار بیٹی اور ایک بیٹا بڑی بیٹی کی عمر ۱۸؍سال ہے اور سب سے چھوٹی کی عمر ۸؍سال ہے، میرے میاں کی دو بیویاں ہیں، دوسری بیوی بلند شہر میں ہے، آج سے پانچ سال پہلے میرے میاں دوسری بیوی کے پاس بلند شہر چلے گئے تھے، اپنے بچوں کو پالنے کے لئے گھروں میں جا کر کے جھاڑو برتن کا کام کرتی تھی، اسی دوران میری ملاقات ایک شادی شدہ نوجوان سے ہوئی، دو سال تک ہمارا ملنا جلنا چلتا رہا، اس کے بعد ہم دونوں نے نکاح کرلیا، جب میرے میاں کو معلوم ہوا کہ میں نے کسی نوجوان سے نکاح کرلیا ہے، تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آئے، جب میں نے جانے سے منع کردیا، تو وہ بہت روئے، آج تک میرے پہلے میاں نے طلاق نہیں دی ہے اور نہ ہی میرے رشتہ داروں نے ان سے طلاق مانگی؛ کیونکہ وہ طلاق دینے کو منع کرتے ہیں، میرے دوسرے نکاح کرنے سے میری بہنیں اور بھائی ناراض ہیں اس وجہ سے وہ میرے گھر بہت کم آتے ہیں، اس صورت حال میں کیا میرا دوسرا نکاح جائز ہے یا حرام کاری ہورہی ہے، اگر میں غلط ہوں تو آگے میں گناہ سے بچ سکوں اور کوئی غلط کام نہ ہو، اس کے لئے مجھے لکھ کر کے فتوی دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی شخص کے نکاح میں رہتی ہوئی عورت کا

دوسرے مرد سے جو نکاح ہوا ہے، وہ نکاح شرعی طور پر ہوا ہی نہیں ہے اور اب تک اس دوسرے مرد کے ساتھ جو رہنا ہوا ہے، اس میں حرام کاری اور بدکاری ہوتی رہی ہے اور سائلہ اب بھی پہلے مرد کی بیوی ہے اور فوری طور پر اس کے پاس جانا لازم ہے اور اس دوسرے مرد کو چھوڑ دینا بھی لازم ہے ورنہ آخرت کے عذاب عظیم سے دونوں بچ نہیں سکتے اور دنیا میں بھی اس نحوست کے وبال میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلًا.

(شامي، كراچي ۳/ ۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/ ۲۷٤، ۵/ ۱۹۷، البحر الرائق، كوئٹه ٤/ ۱٤٤، زكريا ٤/ ۲٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ار شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹٦۸٦)

منکوحہ کا تفریق سے قبل دوسرے شخص سے نکاح

سوال [۵٦۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناصرہ کی شادی اسلام کے ساتھ ہوئی، اس سے ایک لڑکا بھی ہے اور اسلام کا فعل لڑکی کے حساب سے زیادہ غلط ہے، بایں وجہ لڑکی اس کے یہاں نہیں جانا چاہتی ہے اور اسلام طلاق دینا بھی نہیں چاہتا ہے، کیا اس حالت میں لڑکی دوسری شادی کر سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر لڑکی اپنے شوہر اسلام کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی ہے اور دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، تو لڑکی ناصرہ کو اس وقت تک دوسری

جگہ نکاح کرنے کا اختیار نہ ہوگا، جب تک شوہرا سلام سے شرعی طلاق حاصل نہ کرلے گی یا خلع وغیرہ کے ذریعہ تفریق حاصل نہ کرے گی؛ لہٰذا اگر شوہر سے طلاق حاصل کرنے سے پہلے دوسری جگہ نکاح کرلیتی ہے، تو وہ نکاح صحیح نہ ہوگا اور دوسرے شوہر کے ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ . (شامي، كراچي ۱۳۲/۳، ۵۱۶، زكريا ۲۷٤/٤، ۱۹۷/۵، البحرالرائق، كوئٹه ١٤٤/٤، زكريا ٢٤٢/٤، وهكذا في الهندية ٢٨٠/١ جديد زكريا ٣٤٦/١، مبسوط دارالكتب العلمية بيروت ٢٨٩/٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱۰۰/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۲۰ھ

منکوحۃ الغیر سے نکاح اور اس کی دعوت قبول کرنے کا حکم

سوال [۵۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا، جس کا پہلا شوہر زندہ ہے اور اس نے اس عورت کو ابھی تک طلاق نہیں دیا، جیسا کہ بزرگوں نے بتایا ہے، ایسی حالت میں نکاح حرام ہوتا ہے اور اس عورت کے شکم سے دوسرے شوہر سے بچے بھی پیدا ہوئے ہیں اور اس شخص کے ماں، باپ، بھائی وغیرہ بھی اس کیساتھ زنا کرنے سے خوش ہیں، کیا اس سے اور اس کے ماں باپ بھائی وغیرہ سے بولنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا اس شخص اور اس کے ماں باپ، بھائی کے یہاں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفی: محمد خالد

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر غیر آدمی کی بیوی جانتے ہوئے بغیر طلاق وعدت کے اس سے نکاح کیا ہے، تو نکاح بالکل باطل ہے، شوہر اول ہی کی بیوی ہے پہلے شوہر کو ہر وقت لے جانے کا حق ہے عدت ضروری نہیں اور اگر علم نہ تھا تو نکاح فاسد ہے، اب بھی فوراً علیحدگی ضروری ہے؛ لیکن شوہر اول کے یہاں عدت گذار کر جانا ہوگا۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً، قال فعلى هذا يفرق بين فاسد وباطله. (شامي، كوئٹه ۲/ ۳۸۰، کراچي ۳/ ۱۳۲، ۵۱٦، زکريا ۴/ ۲۷۴، ۵/ ۱۹۷، البحرالرائق، کوئٹه ۴/ ۱۴۴، زکريا ۴/ ۲۴۲)

(۲) ان کے یہاں سے خورد ونوش وغیرہ میل جول توبہ کرکے باز نہ آنے تک ختم کردینا ضروری ہے، اگر عورت کو علیحدہ کرکے توبہ واستغفار کرلیں، تو پھر معاشرہ بحال رکھا جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [هود:۱۱۳] (فتاوی احیاء العلوم ۷۰/ ۸٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۹۴)

کیا منکوحۃ الغیر سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا

سوال [۵٦۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آسیہ کا نکاح عبد اللہ سے ہوا اور چند اولاد بھی ہیں، آسیہ عبد اللہ کی منکوحہ بیوی ہوتے ہوئے ایک شادی شدہ مرد یعنی زید سے نکاح کرکے ایک ساتھ رہ رہے ہیں اور اس سے ایک لڑکی بھی ہوگئی ہے، اس کے بعد آسیہ کے شوہر اول عبد اللہ کا انتقال ہوگیا۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ آسیہ اور زید کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اب بھی یہ دونوں ایک ساتھ زندگی گذارنا چاہتے ہیں، کچھ علماء کہتے ہیں کہ زید اور آسیہ کے درمیان تجدید نکاح کی کوئی ضرورت نہیں نیز شوہر ثانی زید سے جو ایک لڑکی پیدا ہوئی ہے اس کا نسب کس سے ہوگا؟ فی الحال آپ حضرات کے جواب کے انتظار میں ہیں۔

المستفتی: عبداللہ، کمل پور، ڈھلائی، تریپورہ، ہند

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبداللہ کے نکاح میں رہتے ہوئے آسیہ کا زید سے جسمانی تعلق قائم کرنا سخت ترین گناہ اور انتہائی قابل مذمت فعل ہے اور ان دونوں میں فوری طور پر تفریق اور ندامت کے ساتھ توبہ اور استغفار لازم ہے۔

اب حسب تحریر سوال چونکہ شوہر عبداللہ کا انتقال ہو چکا ہے، تو اس کی عدت چار ماہ دس دن گذرنے کے بعد آسیہ اور زید آپس میں نکاح کر کے باعفت زندگی گذار سکتے ہیں، جو پہلے نکاح کیا تھا اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اور رہ گئی اس دوران پیدا شدہ بچی کے نسب کی بات تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر زید کو آسیہ سے تعلق کرتے وقت یہ بات معلوم تھی کہ وہ عبداللہ کی منکوحہ ہے، تو اس بچی کا نسب زید سے نہیں؛ بلکہ شوہر اول عبداللہ ہی سے ثابت ہوگا اور اگر زید کو عبداللہ کی منکوحہ ہونے کی خبر نہیں تھی گویا اس کو دھوکہ دے کر نکاح کیا گیا، تو اس صورت میں یہ وطی بالشبہ کے درجہ میں ہوگی اور بچی کا نسب زید سے ثابت ہوگا۔

ولو تزوج بمنكوحة الغير وهو لا يعلم أنها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة، وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير لا تجب حتى لا يحرم على الزوج وطؤها. (هندية، زكريا ۱/ ۲۸۰ جديد زكريا ۱/ ۳٤٦)

الأصل في هذا أن كل امرأة.... .إلا إذا علم يقيناً أنه منه وهو أن يجيء لأقل من ستة أشهر، وكل امرأة وجبت عليها العدة، فإن نسب ولدها يثبت من الزوج الخ (هندية، زكريا ۱/ ۵۳۷ جديد زكريا ۱/ ۵۳۷)

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۶۹۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۰ھ

کیا منکوحۃ الغیر سے نکاح کرنا حرام ہے؟

سوال [۵۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سید نوشاد علی ولد سید راشد علی کا نکاح صائمہ بیگم بنت سید محمد اظہر علی محلّہ کوٹ غربی، انار والی مسجد سنبھل کے ہمراہ ۱۴؍ مارچ ۲۰۰۰ء کو ہوا تھا، ہم میاں بیوی خوش وخرم رہ رہے تھے، ہمارا ابا ہمی کوئی تنازع نہیں ہے اور نہ ہی ہم نے اپنی بیوی صائمہ بیگم کو کوئی طلاق دی ہے، ہماری بیوی ایک سیدھی سادی عورت ہے، ہماری ساس نہایت تیز طرار ہیں، وہ اور ہمارے سالے ہمارا گھر بگاڑنے پر آمادہ ہیں اور میری بیوی کا نکاح زبردستی کسی دوسرے سے کرنا چاہتے ہیں اور اس ارادہ سے میری ساس اور میرے سالے میری بیوی اور میرے دو لڑکوں کو زبردستی لے کر ممبئی چلے گئے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے طلاق دیئے بغیر میری بیوی کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کسی بھی صورت میں ہوسکتا ہے۔ نیز میں نے چند معزز افراد کو لے کر اس کے متعلق سالے سے گفتگو کی قرآن کا حوالہ دیا، تو وہ بدتمیزی سے پیش آئے اور کہا کہ ہم قرآن کی بات نہیں مانتے ہیں، ہم اس کا دوسری جگہ نکاح کریں گے۔

نیز جو قرآن کی بات کا منکر ہو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے گواہ حاجی محمد اقبال مجیب الرحمٰن ببوخاں وغیرہ ہیں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: سید نوشاد علی، سرائے کشن لال، مراد آباد

دارالافتاء جامع الہدیٰ کا جواب

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرنا بالکل جائز نہیں ہے، اگر کردیا تو حرام ہے، زوجین کے مرتکب زنا ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، زكريا ٥/١٩٧، ٤/٢٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد لقمان القاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح: عبدالرؤف قاسمی غفرلہ
دارالعلوم جامع الہدیٰ، مرادآباد	مفتی دارالعلوم جامع الہدیٰ، مرادآباد
۱۳ر رجب ۱۴۲۵ھ	۱۳ر رجب ۱۴۲۵ھ

دارالافتاء مدرسہ شاہی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صائمہ بیگم کے شوہر نوشادی علی نے جب اپنی بیوی کو کسی قسم کی طلاق نہیں دی ہے یا شرعی تفریق نہیں ہوئی، تو صائمہ بیگم بدستور نوشاد علی کے نکاح میں باقی ہے، اس حالت میں کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس کا نکاح قطعاً حرام اور باطل ہے اور دوسرے شخص کے ساتھ بدکاری اور زنا کاری ہوتی رہے گی، اولاد بدکاری کی سمجھی جائے گی۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته......لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، زكريا ٥/١٩٧، ٤/٢٧٤، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢) نوشاد علی کے سالے کا یہ کہنا کہ میں قرآن کی بات نہیں مانتا (العیاذ باللہ) یہ کفریہ کلمہ ہے، اس کے اوپر تجدید ایمان اور توبہ کرنا لازم اور واجب ہے۔

إذا أنكرالرجل آية من القرآن أوتسخربآيةمن القرآن اوفى الخزانية: أوعاب كفر. (هنديه زكريا٢/ ٢٦٦، جديد زكريا٢/ ٢٧٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/ ۱۴۲۵ھ

منکوحۃ الغیر سے قصداً نکاح کرنا

سوال [۵۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فیروزہ کا نکاح جناب بابو کے ساتھ ہوا تھا، اتفاق سے فیروزہ اپنی بہن رئیسہ کے یہاں اپنے بھانجے کی ختنہ کی تقریب میں گئی تھی کہ وہاں اس کے بہنوئی پیر بخش نے فیروزہ کا نکاح اپنے بہنوئی سلیم سے زبردستی کرا دیا اور پھر فیروزہ وہیں رہنے لگی، پھر فیروزہ ۱۲/۱۳/سال کے عرصہ کے بعد وہاں سے شوہر اول جناب بابو کے پاس آ گئی، اس دوران شوہر ثانی سے کئی بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ فیروزہ شوہر اول جناب بابو کے نکاح میں باقی ہے یا نہیں جبکہ اس نے فیروزہ کو طلاق بھی نہیں دی تھی یا محض اس دوسرے زبردستی نکاح سے جناب بابو کے نکاح سے باہر ہو گئی؟ اور اب اس کو اپنے پاس رکھنے سے گنہگار تو نہیں ہوگا؟ شریعت کے مطابق جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: بلاط حسین، چندوسی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر اول بابو نے فیروزہ کو طلاق نہیں دی تھی اور نہ ہی دونوں کے درمیان شرعی تفریق ہوئی تھی اور سلیم کو اس کا علم بھی تھا کہ بابو نے فیروزہ کو

طلاق نہیں دی ہے، تو سلیم کے ساتھ فیروزہ کا جو نکاح ہوا تھا وہ شرعاً باطل تھا، ساتھ کی زندگی حرام کاری کی رہی ہے۔ فیروزہ شرعاً بابو کی ہی بیوی ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/ ۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ٤/ ۲۷٤، ۵/ ۱۹۷، البحر الرائق، كوئٹه ٤/ ١٤٤، زكرياديوبند ٤/ ٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۲۹)

منکوحۃ الغیر کا نکاح

سوال [۵۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آمنہ خاتون کی شادی ایک لڑکے کے ساتھ ہوئی تھی، شادی کے بعد میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر ناراضگی ہوگئی، آمنہ کا شوہر ناراض ہوکر دہلی چلا گیا اور دہلی گئے ہوئے پانچ سال گذر گئے، لڑکا لڑکی کو بلانے کے لئے بھی نہیں آیا، اس دوران لڑکی نے دوسرے لڑکے سے محبت کرلی اور لڑکا لڑکی دونوں اپنے اپنے گھروں سے بھاگ گئے، لڑکی کے ماں باپ کو جب پتہ چلا تو پھر آمنہ کے شوہر کو اطلاع دی، مگر وہ پھر بھی بلانے نہیں آیا آمنہ غیر آدمی کے ساتھ رہنے لگی بغیر نکاح کے اور اس مرد سے تین بچے بھی بغیر نکاح کئے ہوچکے ہیں؛ جبکہ آمنہ کے شوہر نے اس کو طلاق بھی نہیں دی تھی، آیا جس مرد کے ساتھ رہ رہی ہے بغیر شوہر کے طلاق دیئے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: جمیل احمد، دلپت پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شوہر کے طلاق دئے بغیر دوسرے لڑکے سے نکاح

کرنا یا بغیر نکاح کے رہنا مطلقاً حرام اور صریح زنا ہے، آمنہ بدستور شوہر کے نکاح ہی میں ہے۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۱۳۲/۳، ۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۱۹۷/۵، البحرالرائق، كوئٹه ٤/۱٤٤، زكريا٤/۲٤۲)

دوسرے لڑکے کے ساتھ رہتے ہوئے، آمنہ سے جو بچے پیدا ہوئے ان کا نسب شوہر ہی سے ثابت ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴۵۳/۵)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش، وللعاهر الحجر. (بخاري شريف، كتاب البيوع ۲۷٦/۱، رقم: ۲۰۰۷)

والولد لصاحب الفراش لاينتفي عنه أبداً بدعوىٰ غيره ولابوجه من الوجوه إلا باللعان. (أوجز المسالك، كتاب الاقضية قديم ۳۰۱/۵، فيض الباري، كتاب البيوع، باب تفسير المتشابهات ۱۸۹/۳، بدائع الصنائع، كتاب النكاح، باب ثبوت النسب، زكريا ۲۳۸/۵، كراچي ۳۳۱/۲، ٦۰۷/۳، مطبع بيروت العالمگيرية، كتاب الطلاق، للباب الخامس عشر في ثبوت النسب، زكريا ۵۳٦/۱ جديد زكريا ۵۹۱/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
۱۴۲۳/۴/۱۱ھ	(فتویٰ نمبر: الف ۷۵۹۱/۳۶)

منکوحۃ الغیر کا نکاح کرنا

سوال [۵۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا کہنا ہے کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح ہوا، لڑکی کے والد نے نکاح کی اجازت دی، گواہوں کے سامنے حاضرین مجلس میں نکاح ہوا اور پہلے والے شوہر کے طلاق دیئے بغیر اسی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا، تو دوسرا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

جس شخص نے دوسرا نکاح پڑھایا اسے بھی معلوم تھا کہ لڑکی کو پہلی جگہ سے ابھی طلاق نہیں ہوئی، تو نکاح ثانی پڑھانے والے کے پیچھے نماز ہوگی؟

المستفتی: محمد حسن فتحپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دوسرا نکاح شرعی طور پر منعقد نہیں ہوا، دوسرے کے ساتھ رہنا اس لڑکی پر حرام ہے؛ بلکہ وہ پہلے شوہر کی بیوی ہے۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ۴/۲۷۴، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ۴/۱۴۴، زكريا ۴/۲۴۲)

اگر نکاح خواں کو پوری طرح معلوم نہیں رہا ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور اگر جان بوجھ کر بالقصد نکاح پڑھایا ہے، تو اس پر توبہ کرنا لازم ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. [المائدہ: ۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۷۲)

شرعی تفریق حاصل کئے بغیر منکوحہ کا دوسری جگہ نکاح

سوال [۵۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی نفیسہ کا نکاح جمیل احمد کے ساتھ ہوا تھا بعد میں نفیسہ کی ماں نے ایک دوسرے شخص (چھوٹے) سے نکاح کرادیا، اب لڑکی نفیسہ اپنے پہلے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے، تو کیا شرعاً اس کا پہلا نکاح باقی ہے اور پہلے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے؟

المستفتی: محمد دلبر، ساہونگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ پہلا نکاح شریعت کے مطابق ہوکر لڑکی کئی سال تک اس شوہر کے ساتھ رہ چکی ہے اور اس سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح ہوا ہے، ایسی صورت میں دوسرا نکاح شرعاً باطل اور فاسد ہے، دوسرے کے ساتھ رہنا لڑکی کے لئے حرام کاری ہوگی، وہ پہلے شوہر کی بیوی ہے، اس کو پہلے ہی شوہر کے ساتھ رہنا لازم ہے اور پہلے کے پاس جانے کے لئے دوبارہ نکاح وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/ ۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ديوبند ٤/ ۲۷٤، ۵/ ۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ۱٤٤، زكريا ٤/ ۲٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱۲/۲۷ھ

منکوحۃ الغیر کی دوسرے سے شادی اور اولاد کا حکم

سوال [۵۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے طلاق نہیں دی، بیوی نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا، دوسرے شوہر کے پاس دس سال سے ہے اور اس دوران دوسرے شوہر سے تین بچے ہوئے، ان بچوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اس بیوی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد نوشاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال شوہر سے طلاق حاصل کئے

بغیر دوسرے مرد سے کیا ہوا نکاح شرعاً منعقد ونافذ نہیں ہوا، اب تک اس کے ساتھ رہنا حرام کاری وزنا کاری ہوئی اور اس سے پیدا شدہ بچے بھی حرام کی اولاد ہیں، با اثر لوگوں کو چاہئے کہ دونوں کے درمیان تفریق کرا کر پہلے شوہر کے یہاں بھیجدیں یا پہلے شوہر سے طلاق حاصل کرلیں، اس کے بعد دوسرے سے نکاح جائز ہوسکتا ہے۔

أما نكاح منكوحة الغير –لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً.

(شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا٤/٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۰۸۲)

منکوحۃ الغیر سے نکاح اور اولاد کا حکم

سوال [۵۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی ایک غیر مسلم مرد کے ساتھ بھاگ کر چلی گئی، جس غیر مسلم کے ساتھ بھاگی تھی وہ مسلمان ہوگیا اور زید کی بیوی سے نکاح کرلیا؛ حالانکہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی، تو اس نو مسلم کا نکاح اس عورت سے صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور جو لڑکے یا لڑکیاں اس نو مسلم کے نکاح کے بعد اس عورت سے پیدا ہوئیں ان سے شادی کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد الیاس، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نو مسلم نے جو زید کی عورت سے منکوحہ ہونے کی حالت میں نکاح کیا ہے جائز نہیں اور نہ ہی نکاح منعقد ہوا اس صورت میں اس سے جو بچے پیدا ہوئے، ولد الزنا کہلائیں گے اور دونوں کا اس طرح زندگی گذارنا حرام کاری ہے؛ البتہ

اس حرام کاری میں بچوں کا کوئی دخل نہیں ہے؛ لہٰذا ان کے ساتھ شرعی طور پر نکاح کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۱۶/۹، ۲۰۳/۷، احسن الفتاویٰ ۱۶/۵)

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، البحر الرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢)

ويحل لأصول الزاني و فروعه أصول المزني بها وفروعها. (شامي، زكريا ٤/١٠٧، كراچي ٣/٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۵ھ

منکوحۃ الغیر کے دوسرے سے نکاح کے بعد مہر اور پیدا شدہ بچہ کا حکم

سوال [۵۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خادم کا نکاح مسماۃ مزمل جہاں سے ۴/ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو ہوا تھا، اس کے متعلق شریعت کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات کی درخواست ہے تاکہ عمل کرسکوں۔

(۱) مزمل جہاں سے میرے پانچ بچے ہوشیار ہیں، بڑی لڑکی ۱۷/ سال کی ہے، ۲۹/ نومبر ۱۹۹۹ء کو دوسرا نکاح میرے بغیر علم میں لائے ہوئے اور طلاق لئے بغیر بیوی نے کرلیا ہے، تو اب وہ میرے نکاح میں رہے گی؟

(۲) مجھے اس کو طلاق دیدینا چاہئے یا نہیں؟

(۳) اس کے نکاح میں دس ہزار دین مہر کل معجّل بصورت مکان رجسٹری شدہ 278-7/3 اس حالت میں دینا چاہئے یا نہیں؟

(۴) اس کے نکاح کرنے سے جواب تین لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں، وہ اس حالت میں جائز ہیں یا ناجائز؟

المستفتی: زاہد حسین ولد حامد حسین، سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر زاہد حسین نے اپنی بیوی مزمل جہاں کو نہ طلاق دی ہے اور نہ کسی طرح سے شرعی تفریق اختیار کر کے اپنے نکاح سے الگ کیا ہے، جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے، تو مزمل جہاں اپنے اصل شوہر زاہد حسین ولد حامد حسین کے نکاح میں بدستور باقی ہے، شرعی طور پر زاہد حسین ہی کی بیوی ہے؛ اس لئے مزمل جہاں کا اصل شوہر کی موجودگی میں دوسرے مرد سے نکاح کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہے اور دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر کے رہنا بدکاری اور زنا کاری کی زندگی ہے اور جو اولاد ہوگی وہ بدکاری اور حرامی کی اولاد ہوگی؛ لہٰذا مزمل جہاں کے لئے اس دوسرے مرد سے بات چیت میل جول سب قطعی طور پر ناجائز اور حرام ہے، اصل شوہر زاہد حسین کے ساتھ بیوی بن کر رہنا لازم ہے، ایسے حالات میں شوہر سے مکان کا مطالبہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے اور نہ شوہر سے مہر کا مطالبہ کرنے کی اجازت ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. قال فعلى هذا يفرق بين فاسد وباطل في العدة؛ ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة ؛ لأنه زنا كما في القنية وغيرها. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا٤/٢٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۴۸/۳۷)

منکوحۃ الغیر سے نکاح اور اس سے پیدا شدہ بچہ کا نسب

سوال [٥٦٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امیر جہاں کی شادی منجار احمد سے ہوئی، تین چار ماہ اس کے پاس رہی، پھر آپس میں نزاع ہوگیا اور پہلے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سلیم احمد سے نکاح کرلیا، سلیم احمد سے دو بچے بھی ہیں، اب منجار احمد نے بھی طلاق دیدی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ سلیم احمد سے نکاح صحیح ہوا تھا یا نہیں اور بچوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اب دوبارہ نکاح ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: سلیم احمد اسلام نگر بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امیر جہاں کا شوہر منجار احمد سے طلاق لئے بغیر دوسرے مرد سلیم احمد سے نکاح ناجائز اور صریح زنا ہے، امیر جہاں بدستور شوہر منجار احمد کے نکاح ہی میں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۷/۳۷۷)

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢)

اور دوسرے مرد سلیم احمد سے جو بچے پیدا ہوئے ہیں، ان کا نسب شوہر منجار احمد ہی سے ثابت ہوگا اور وہ منجار احمد ہی کی اولاد شمار ہوگی؛ جبکہ منجار احمد کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی انکار اور ردِ عمل نہ ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/۴۵۳)

عن عائشة رضي الله عنها، قالت: ...... قال النبي صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر الحديث. (بخاري شريف، كتاب البيوع، باب تفسير المشتبهات، النسخة الهندية ١/٢٧٦، رقم: ٢٠٠٧، ف: ٢٠٥٣)

والولد لصاحب الفراش لاينتفي عنه أبداً بدعوىٰ غيره ولابوجه من الوجوه إلا باللعان. (أوجز المسالك قديم۱/۵۳٦)

منجار احمد کے طلاق دینے کے بعد اب اگر سلیم احمد کے پاس رہنا چاہے، تو باضابطہ عدت گذارنے کے بعد شرعی طریقہ سے سلیم احمد کے ساتھ نکاح ہونا لازم ہے؛ نکاح کے بغیر سلیم احمد کے ساتھ رہنا زنا کاری اور حرام کاری ہوگی، جیسا کہ اب تک کی زندگی اس کے ساتھ زنا کاری میں گذری۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/ ۷٦۴٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۱٦ھ

منکوحۂ غیر کو اپنے پاس رکھنا

سوال [۵٦۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک اجنبیہ خالدہ سے اس کی سسرال سے واپسی کے بعد میکے آنے پر اس سے زنا کاری کی اور اجنبیہ منکوحہ خالدہ کا شوہر خلوت صحیحہ بھی کر چکا تھا، اب پھر دوبارہ خالدہ اپنے شوہر کے گھر گئی، پھر وہاں سے اپنے میکے آئی تو اس کے حمل ظاہر ہوا، حمل ظاہر ہونے کے بعد زید نے یہ کہا کہ یہ حمل میرا ہے، اور میں اس سے شادی کروں گا؛ حالانکہ خالدہ کے شوہر نے ابھی تک خالدہ کو طلاق نہیں دی، اب خالدہ کے رشتہ داروں نے خالدہ کو زید کے گھر رکھوا دیا اور اب شوہر کے طلاق کے بعد اپنے گھر رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ حمل کس کا ہوگا زید کا یا شوہر کا؟ **بینوا توجروا.**

المستفتی: محمد رستم علی، مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کی طلاق یا شرعی تفریق اور عدت کے بغیر

نکاح باطل ہے، یوں ہی رکھ لینا زنا کاری اور غضبِ الٰہی کا سخت خطرہ ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي' كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ۴/۲۷۴، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، کوئٹہ ۴/۱۴۴، زكريا ۴/۲۴۲، كذا في الهندية ۱/۲۸۰)

حمل شرعاً شوہر ہی کا ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها، قالت:...... قال النبي صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش، وللعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب تفسير المشتبهات، النسخة الهندية ۱/۲۷۶، رقم: ۲۰۰۷، ف: ۲۰۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۳۲۱)

دوسرے کی بیوی کو اغوا کر کے نکاح کرنا

سوال [۵۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک عورت کا اغوا کیا ہے اور اس کے ساتھ نکاح کرلیا ہے، معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ عورت زید کے ساتھ اغوا ہونے سے قبل تین جگہ نکاح کر چکی ہے اور ہر جگہ سے دوسری جگہ بھاگنے کی صورت میں سرکاری عدالت میں جا کر کورٹ میرج کرالی ہے۔ بہر حال اس وقت وہ زید کے نکاح میں ہے؛ جبکہ زید سے پہلے شوہر محمد انتخاب کے نکاح میں تھی؛ جبکہ رسید بھی نکاح کی موجود ہے اور خود محمد انتخاب بھی موجود ہے اور انتخاب سے اسی عورت کے بطن سے تین بچے بھی ہیں، برادری کی پنچایت نے زید پر زور ڈالا کہ یہ عورت تیرے لئے حلال نہیں حرام ہے؛ لہٰذا اس کو چھوڑ دے، زید نے چھوڑنے سے انکار کردیا، پنچایت نے پھر زور ڈالا تو زید نے بھری پنچایت میں

یوں کہا کہ میں ہندو ہوجاؤں گا کافر ہوجاؤں گا، ایمان بدل دوں گا، مذہب بدل دوں گا، مگراس کونہیں چھوڑ وں گا۔

اب اس حال میں زید کی پہلی بیوی جو ابھی تک زید کے نکاح میں تھی، اس کے نکاح میں تو کوئی نقص نہیں آیا؟ اگر نقص آیا ہے، تو پھراس کے نکاح کی تجدید کس طرح کریں یا عدت گذارے یا حلالہ کرے، بکر کا کہنا ہے کہ زید نے کافر ہونے کو کہا ہے کافر ہوا تو نہیں؟ تو اس حال میں اس کی پہلی بیوی کے نکاح میں کیا نقص ہوسکتا ہے؟ مگر اس کے ساتھ ہی عبدالقدیر کا بیان ہے کہ اس طرح بھری پنچایت میں زید ظاہراً نہیں کہہ سکتا؛ جبکہ اسے حرام کام سے باز رہنے کو کہا ہے اور اس عورت کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں؛ اس لئے ظاہراً نہیں بلکہ باطنی طور پر ہی کہا ہے، ان سارے حالات میں زید کی بیوی کے ساتھ کیا عمل کریں؟ اور ایک بات بکر کی یہ ہے کہ زید بھی کافر اور پوری پنچایت کافر اور پنچایت والوں کا نکاح بھی فسخ ہوگیا۔

المستفتی: حاجی قمرالدین، موضع: لکڑاا پرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے انتخاب کی بیوی بھگا کر لے جاکر جو نکاح کیا ہے، وہ شرعی طور پر نکاح نہیں ہوا، زید کے لئے اس عورت کو بیوی بنا کر رکھنا زنا کاری ہے، علاقہ کے بااثر لوگوں پر لازم ہے کہ فوراً زید سے اس عورت کو الگ کردیں۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/۱٤٤، زكريا ٤/۲٤۲)

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ وہ انتخاب ہی کی بیوی ہے، علاقہ کے لوگ اس عورت کو فوراً زید سے الگ کر کے انتخاب کے حوالہ کردیں اور زید کا حرام کام اور زنا کاری کو اسلام وایمان پر ترجیح دیکر کافر ہونے کو کہنا سخت خطرناک بات اور موجب کفر ہے فوراً

توبہ کرلینی چاہئے اور تجدید ایمان بھی کرلینا چاہئے اور پہلی بیوی جو جائز طور پر زید کے نکاح میں ہے اس کے ساتھ بھی تجدید نکاح کرلے۔

ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار، والتوبة، وتجديد النكاح الخ.

(شامي، كراچي ٤/٢٤٧، زكريا٦/ ٣٩٠، ٣٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ / رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۱۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

منکوحہ کی اجازت کے بغیر چوری چھپے دوسرے مرد سے نکاح کردینے کا حکم

سوال [۵۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زوجین میں اختلاف کسی قریبی واہم رشتہ دار کے گھر جانے کے بابت ہوا، جس پر اس کے شوہر نے اس کی پٹائی کی اور اس کے والدین اپنی صاحب زادی کو بطور نصیحت گھر لے آئے، چند ایام گذرے تھے کہ لڑکے والے مقدمہ کے لئے تیار ہوگئے، اس معلومات پر لڑکی والوں نے پہل کردی، تقریباً ایک سال کے بعد بغیر لڑکی کی اجازت کے مخصوص معزز حضرات وناکح جنہوں نے پہلے نکاح میں شرکت کی تھی، ان لوگوں نے خفیہ وچوری سے رات کی تاریکی میں دوسرے گاؤں میں نکاح کردیا، اول وثانی نکاح کا قاضی بھی ایک رہا؛ جبکہ وہ لڑکی اسی شوہر کے نکاح میں ہے، اگر صلح کرلی جائے تو لڑکی کا گذر بسر شرعاً کیسے ہوگا؟ اگر نہیں تو فسخ نکاح کی کوئی ایسی سبیل بتائیں جس سے اس کا نکاح دوسرے سے کیا جاسکے؟ وضاحت فرمائیں اور ان معزز حضرات وناکح کا فعل شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اسرار انصاری، قصبہ: گولا، کھیری (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب تک پہلے شوہر سے باضابطہ صراحت کے

ساتھ طلاق لے کر کے عدت نہ گذر جائے، اس وقت تک لڑکی کا نکاح کسی بھی دوسرے مرد کے ساتھ صحیح نہیں ہوگا، لہٰذا جن لوگوں نے لڑکی کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ نکاح کردیا ہے وہ نکاح درست نہیں ہوا، اگر لڑکی نے اجازت دیدی ہوتی تب بھی یہ نکاح منعقد نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ وہ بدستور پہلے شوہر کی بیوی ہے اور جن لوگوں نے لڑکی کے دوسرے نکاح میں شرکت کی ہے، وہ سب گنہگار رہوں گے، ان کو توبہ کرنا لازم ہے۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي٣/١٣٢، ٥١٦، البحر الرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا٤/٢٤٢)

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة. (فتاوى عالمگيري، زكريا١/ ٢٨٠ جديد زكريا١/٣٤٦)

اور اگر سوال نامہ کا مطلب یہ ہے کہ لڑکے نے دوسری جگہ خفیہ طور پر دوسری لڑکی سے نکاح کیا ہے، جس میں پہلے نکاح میں شرکت کرنے والوں نے شرکت کی ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ مرد کے لئے پہلی بیوی کے نکاح میں موجود ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کرنا جائز اور درست ہے۔

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ. [النساء:٣]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱۱ھ

شادی شدہ عورت کا نامحرم مرد کے ساتھ بھاگ جانا

سوال [۵۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شادی شدہ عورت اپنے شوہر اور بچوں کو چھوڑ کر ایک غیر مرد نامحرم کے ساتھ غیر شرعی طور پر چلی گئی، چند یوم اس نامحرم کے ساتھ گذارنے کے بعد واپس اپنے شوہر اور بچے میں آکر بقیہ زندگی گذارنا چاہتی ہے، محلّہ کے لوگوں کے اصرار پر اگر اس کا شوہر گھر میں دوبارہ رکھنے پر راضی ہو جائے تو دین کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: منجانب: اہل محلّہ باڑہ شاہ صفا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شادی شدہ عورت غیر مرد کے ساتھ کیوں بھاگ گئی، اگر اس غیر مرد کے ساتھ عورت کے تعلق پیدا ہونے میں شوہر کی طرف سے ڈھیل اور کمزوری کا دخل ہے، تو عورت کی بدکاری کے گناہ میں شوہر بھی شامل ہوگا اور ایسے شوہر کو شریعت نے دیوث کہا ہے، جو اپنی بیوی کے پاس غیر مرد کو آنے جانے کا موقع دیتا ہو، عورت تو گناہ عظیم کی مرتکب ہو ہی گئی، اس گناہ سے توبہ کرنا عورت پر لازم ہے اور ایسی صورت میں شوہر پر بھی توبہ کرنا لازم اور واجب ہے؛ اس لئے کہ اسی نے بیوی کو یہ موقع دیا ہے۔ حدیث شریف میں ایسے شوہر کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ثلاثة لايدخلون الجنة أبداً. الديوث من الرجال، والرجلة من النساء، ومدمن الخمر، فقالوا يا رسول الله! أما مدمن الخمر فقد عرفناه، فما الديوث من الرجال؟ قال الذي لايبالي من دخل على أهله. (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٤١٢/٧، رقم: ١٠٨٠٠)

اب رہی یہ بات کہ شوہر کے لئے اس بیوی کو دوبارہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو شرعاً شوہر اس بیوی کو اپنے پاس بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے اور آئندہ بیوی کے اوپر کڑی نگاہ رکھنا شوہر کی ذمہ داری ہے اور شوہر کی طرف سے سخت پابندی کے باوجود اگر بیوی غیر مرد کے ساتھ ملوث

ہوجاتی ہے، تو شوہر گنہگار نہ ہوگا اور سارا گناہ بیوی کے سر ہوگا؛ لیکن اس کے باوجود بیوی شوہر کے نکاح سے باہر نہیں ہوگی اور نہ ہی بیوی شوہر پر حرام ہوگی؛ بلکہ نکاح بدستور باقی رہے گا۔

لو زنت امرأة رجل لم تحرم عليه، وجازله وطؤها عقب الزنا الخ.

(شامي، كراچي ٣/ ٣٤، نعمانية ٢/ ٢٨١، زكريا٤/ ١٠٩)

والمزني بها لاتحرم على زوجها. (شامي، كراچي ٣/ ٥٠، زكريا ٤/ ١٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۵۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۵ھ

دوسرے کی بیوی کو بھگا کر اس سے نکاح

سوال [۵۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی کا نکاح ۱۴/ مئی کو دلشاد احمد کے ساتھ ہوا، اور ۱۴/ جولائی کو لڑکی کا بنایا ہوا ماما اسے بھگا کر ممبئی لے جا کر اس سے کورٹ میرج کرلیا، لڑکی ایک مہینہ تک اس کے پاس بیوی بن کر رہی لڑکی کو ای میل کے ذریعہ اس کے والد کی طبیعت خراب ہونے کی اطلاع ملی، تو وہ موقع پا کر وہاں سے آ گئی اور اس وقت لڑکی اپنے ماں باپ کے پاس ہی ہے، برادری کے کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس لڑکی کے ہاتھ کا پانی بھی حرام ہے اور لڑکی جس گھر میں رہ رہی ہے، اس گھر کا کھانا پینا حرام ہے، ان کی یہ بات کہاں تک درست ہے؟ شرعاً یہ کس کی بیوی ہے پہلے شوہر کی یا بعد والے کس کی کے پاس رہنا چاہئے؟

المستفتی: ابرار احمد، کرولہ، زاہد نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برادری کے لوگوں کا یہ کہنا کہ اس لڑکی کے ہاتھ کا

پانی بھی حرام ہے درست نہیں، مسئولہ صورت میں لڑکی پہلے ہی شوہر کی بیوی ہے اور اسے پہلے ہی شوہر کے پاس رہنا ہوگا، دوسرے شوہر سے نکاح ہی منعقد نہیں ہوا؛ اس لئے کہ منکوحۃ الغیر سے نکاح حرام ہے اور دوسرے شوہر کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا حرام کاری اور زنا کاری ہوئی، عذاب الٰہی کا سخت خطرہ ہے۔

أما نكاح منكوحة الغير –إلى قوله– لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/۱٤٤، زكريا٤/۲٤۲)

أسباب التحريم أنواع.........وتعلق حق الغير بنكاح . (شامي، كراچي ۳/۲۸، زكريا ٤/۹۹، ۱۰۰)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة. (هندية، زكريا ۱/۲۸۰ جديد زكريا ۱/۳٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۹۱/۴۰)	۱۴۳۴/۱۱/۹ھ

لڑکی کے گھر والوں کا لڑکے کو طلاق پر مجبور کرنا، نیز دوسری جگہ شادی کرنا

سوال [۵٦۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا اور لڑکی دونوں میں راضی خوشی سے نکاح ہوا اور ان کے ساتھ ساتھ عدالت کے مطابق کورٹ میرج بھی ہوا اور لڑکے کے پاس ڈیڑھ سال زندگی بھی گزاری، ان سے اولاد بھی ہوئی؛ لیکن اولاد موجود نہ رہی وہ انتقال کرگئی۔

اب لڑکی کے والدین اور اس کے ایک بہنوئی وغیرہ لڑکے کے اوپر دباؤ ڈالتے ہیں کہ آپ لڑکی کو طلاق دیدیں نہیں تو ہم اس کی شادی دوسری جگہ کردیں گے اور لڑکا طلاق دینا نہیں چاہتا ہے، اس وقت لڑکی اپنے والدین کے پاس ہے، ان لوگوں نے یعنی

والدین اور بہنوئی نے لڑکی کومجبور کررکھا ہے اور لڑکی مجبور ہے کچھ کہہ نہیں پاتی ہے۔ اب ہم اگر طلاق نہ دیں تو لڑکی کی شادی والدین اور بہنوئی دوسری جگہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ لیکن لڑکی کے والدین اور بہنوئی کا کہنا ہے کہ لڑکی اسی شرط پر جائے گی کہ لڑکی کے نام سے ایک مکان کریں یا پھر دو ڈیڑھ لاکھ روپیہ اس کے نام سے جمع کریں۔ اور ہم اس کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہم اتنی حیثیت رکھتے ہیں۔

المستفتی: سجاد حسین، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکا لڑکی کو طلاق دینا نہیں چاہتا ہے، تو ایسے حالات میں نہ بہنوئی کو حق ہے اور نہ ہی لڑکی والے کو حق ہے کہ لڑکے کو طلاق دینے پر مجبور کریں اور وہ بدستور اسی شوہر کی بیوی ہے، دوسری جگہ نکاح کردینے سے اس کا نکاح صحیح نہیں ہوگا، زندگی بھر زنا کاری ہوتی رہے گی۔

نیز یہ شرط لگانے کا بھی حق نہیں ہے کہ لڑکی کے نام مکان یا ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ کردیں، یہ ناجائز شرط ہے بلا کسی شرط کے شوہر کے پاس جاکر حقوق ادا کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۳/ ۲۵۸، فتاوی دارالعلوم ۷/ ۴۶۶)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج سواء كانت المعتدة عن طلاق، أو وفاة. (عالمگيري، زكريا ١/ ٢٨٠ جديد زكريا ١/ ٣٤٦)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لاتظلموا ألا لايحل مال امرئٍ إلابطيب نفس منه. (شعب الإيمان، للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت بيروت ٤/ ٣٨٧ رقم: ٥٤٩٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۵۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۵ھ

منکوحہ کوفروخت کرنا

سوال [۵۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت بیرون ملک سے بذریعہ نکاح لائی گئی، کچھ عرصہ گذارنے کے بعد اس کا شوہر اس کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے اور طلاق بھی دیدیتا ہے، عورت اپنی عدت کس طرح پوری کرے؛ جبکہ اس کا کوئی بھی وارث ماں باپ، بھائی وغیرہ نہ یہاں پر ہے اور نہ بیرون ملک میں کرنا چاہتا ہے اس کا نکاح اس کے ساتھ بغیر عدت پوری کیئے ہوسکتا ہے یا نہیں عدت اس کی کون پوری کرائے پہلا شوہر یا ثانی؟

(۲) خریدار کا اس سے نکاح پڑھانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) اس طرح اس کا نکاح پڑھانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۴) اگر کسی نے بغیر معلومات نکاح پڑھا دیا، تو نکاح جائز ہوگا یا ناجائز؟ کیونکہ نکاح پڑھانے والے کو تفصیل نہیں بتائی گئی پڑھانے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: رشید احمد، پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس عورت کو نکاح کرکے لایا گیا ہے، اس کو فروخت کرنا اور فروختگی کا پیسہ حاصل کرنا ناجائز اور حرام ہے؛ البتہ نکاح کے لئے مہر قرار دیا جا سکتا ہے، جو عورت کا حق ہوگا اور اب جبکہ شوہر اول نے طلاق دیدی ہے، تو عدت اسی کے گھر میں گذارنا لازم ہوگا اور جب عدت پوری ہوجائے گی تب دوسرا آدمی اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں اور عدت کے دوران کا خرچہ بھی شوہر اول پر لازم ہے۔

وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه الخ. (درمختار، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحد، كراچي ۳/۵۳۶، زكريا ۵/۲۲۵)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقه، والسكنىٰ في عدتها الخ. (هداية، اشرفي بكڈپو ۲/ ٤٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۴/ ۱۴۱۴ھ

رجعت کردہ بیوی کا دوسری جگہ نکاح

سوال [۵٦۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی اور پھر اس کے بعد وہ میرے پاس رہتی رہی اور اب بھی مجھ سے ملتی رہتی ہے، ایسے حالات میں اس کے ماں اور باپ لڑکی سے کہتے ہیں کہ دوسری شادی کردیں گے، ایسی حالت میں گناہ کس کے اوپر ہوگا اور لڑکی کا نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: غضنفر اللہ، لال مسجد، باڑہ شاہ صفا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید نے ایک طلاق رجعی دے کر رجعت کرلی ہے؛ اس لئے مطلقہ رجعیہ اس کی بیوی ہوگئی ہے، اب اگر لڑکی کے والدین دوسرے سے اس لڑکی کا نکاح کرانا چاہتے ہیں، تو فعل حرام کے مرتکب ہوں گے؛ کیونکہ غیر کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام ہے اور اگر نکاح کر بھی دیا، تو نکاح جائز نہ ہوگا؛ بلکہ باطل وحرام ہوگا اور اس کا گناہ لڑکی کے والدین پر ہوگا اور وہ فاسق شمار ہوں گے اور جو اس لڑکی سے نکاح کرے گا وہ زانی سمجھا جائے گا اور نکاح پڑھانے والا بھی سخت گنہگار رہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت تحریم **حرمت عليكم** کے ذیل میں فرمایا:

”**وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ**“[النساء: ٢٤]

یعنی تمہارے لئے دوسروں کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

كذا في الشامي: أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً.

(شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، البحر الرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢، بدائع الصنائع، زكريا ٢/٥٤٨، كراچي ٢/٢٦٨، دارالكتب العلمية بيروت ٤٥١، مبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ٣٠/٢٨٩، هندية، زكريا ١/٢٨٠ جديد زكريا ١/٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ / ۶۱۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶ / ۵ / ۱۴۲۰ھ

غیر کی منکوحہ سے نکاح اور اس کی سزا

سوال [۵۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص عمر رسیدہ شادی شدہ، جس کی بیوی موجود ہو منکوحہ سے اپنی طلاق دیئے بغیر ترک تعلق کرے اور ایک عورت عمر رسیدہ شادی شدہ کثیر العیال کہ شوہر جس کا موجود ہو؛ لیکن شوہر سے بدخوئی سے پیش آتی ہو اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے مذکورہ دونوں آپس میں تعلقات میاں بیوی کے قائم کرلیں اور سال دو سال پوشیدہ طور سے بصورت مذکورہ گذار دیں، پھر جب واقعہ کی تشہیر ہو تو کہیں کہ ہم نے تو نکاح کرلیا ہے، کیا ایسی صورت میں ان کا نکاح بقول ان کے درست مانا جا سکتا ہے؟ اگر مذکورہ بالا صورت میں ان کا نکاح درست نہیں ہے تو شرعی طور سے ان کے تعلقات کی کیا نوعیت ہے؟ وہ کتنے خطا وار ہیں اور اسلامی قانون کے مطابق ان کی کیا سزا ہے؟

(۲) بعد تشہیر واقعہ کوئی شوہر سے عورت کے کہے کہ وہ طلاق دیدے کہ فعل بد ہو رہا ہے

یاشوہرخود ہی اس طرح سوچے تو کیا شوہر کے طلاق دینے سے ان کے تعلقات اور بقول ان کے ان کا نکاح درست مان لیا جائیگا اوران کا فعل بدنہ رہے گا۔

(۳) شوہر کے طلاق دینے کے بعد عورت عدت نہ کرے اور مذکورہ شخص سے برابر ملتی رہے یعنی تعلقات حسب سابق قائم رکھے، ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۴) شوہر کے طلاق کے بعد دونوں حسب سابق ملتے رہے، عورت نے عدت نہیں کی کچھ عرصہ گذر جانے کے بعد وہ دونوں یہ سوچیں کہ ہم اب پھر نکاح کرلیں، کیا ایسی صورت میں ان کا نکاح ہوجائے گا؟

(۵) طلاق کے بعد فوراً عورت نے عدت نہیں کی شخص مذکورہ کے سامنے آگئی اس سے بات کرلی، اب کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد وہ عورت عدت میں بیٹھ جائے اور عدت پوری کرے، پھر وہ دونوں نکاح کریں، کیا ایسی صورت میں ان کا نکاح ہو جائے گا؛ جبکہ طلاق سے پہلے اورطلاق کے بعد مذکورہ دونوں کا تعلق میاں بیوی جیسا رہا ہے؟

المستفتی: وہاج العابدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسی صورت میں ان کا نکاح صحیح نہیں ہوا، دونوں کا آپس میں ساتھ رہنا زناکاری اور حرام کاری رہی ہے، عذاب الٰہی کا سخت خطرہ ہے، اگر اسلامی قانون کے مطابق حکومت رہتی تو دونوں کو پتھر مار مار کر جان سے ختم کردیا جاتا۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/۱٤٤، زكريا ٤/۲٤۲)

(۲) فعل بد جو ہوا ہے وہ فعل بد ہی رہے گا؛ البتہ شوہر کے طلاق دینے کے بعد تین ماہواری تک عدت گذارنا لازم ہے اور عدت ختم ہوجانے کے بعد ہی غیر مرد سے نکاح صحیح ہوسکتا ہے، اس سے پہلے نہیں جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہو چکا ہے۔

(۳) عدت مکمل ہونے سے قبل ان کے تعلقات زنا کاری ہیں۔

(۴) اگر طلاق کے بعد تین ماہواری گذر گئی ہیں، تو اب جو نکاح کریگا وہ جائز ہو جائے گا؛ لیکن اگر تین ماہواری سے قبل یہ حرکت ہوتی ہے، تو نکاح جائز نہ ہوگا۔

(۵) جب عدت کی مدت پوری ہو جائے گی، تو اس کے بعد نکاح شرعی طور پر صحیح ہو جائیگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹۹۳/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۱ھ

شرعی تفریق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح کرنے والی سے متعلق چند سوالات

سوال [۵۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ابراہیم کا نکاح زینب کے ساتھ ہوا تھا؛ لیکن اتفاق سے ابراہیم اپنے والد کے ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے، چند غنڈے ابراہیم کی بیوی زینب کو اغوا کر کے لے گئے اور زنا بالجبر کیا اور پھر ہائی کورٹ میں لے جا کر زبردستی اس مجبور لڑکی سے نکاح کر لیا اور لڑکی سے یہ بیان دلوایا کہ ''میں اپنی مرضی سے آئی ہوں اور بنیامین کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں'' پھر ہائی کورٹ نے نکاح کا فیصلہ صادر کر دیا اور اب بنیامین میری بہو کو رکھے ہوئے ہے، ہائی کورٹ میں ہم نے فریاد بھی کی اور تمام ثبوت نکاح نامہ اور شادی کے فوٹو وغیرہ دکھایا؛ لیکن کوئی سنوائی نہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ:

(۱) کیا ہائی کورٹ کا فیصلہ شرعی قانون کے اعتبار سے ٹھیک ہے؟

(۲) کیا اس فیصلہ سے مسلم پرسنل لاء کے اوپر اٹیک نہیں ہے؟

(۳) کیا ہائی کورٹ کے اس فیصلہ سے لڑکی زینب خاتون ابراہیم کے نکاح سے خارج ہو کر بنیامین کے نکاح میں داخل ہوگئی؛ جبکہ ابھی تک ابراہیم نے زینب کو طلاق نہیں دی ہے؟

(۴) زانی اوراس کی مدد کرنے والوں کے لئے اسلام کا کیا حکم ہے؟

(۵) کیا یہ لوگ بلا فیصلہ پوری برادری کے ساتھ رہنے کے لائق ہیں یا ان سے قطع تعلق کیا جائے؟

(۶) میری بہو زینب خاتون کے لئے اسلام کا کیا حکم ہے؛ جبکہ بنیامین پہلے سے شادی شدہ اور ایک بچہ کا باپ ہے؟ شریعت کے حکم کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں۔

المستفتی: محمد علی ہما چل پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ابراہیم نے طلاق نہیں دی ہے اور اس کی بیوی زینب کو کوئی اغوا کر کے لے گیا ہے یا زینب نے اپنی مرضی سے جا کر بنیامین سے بذریعہ ہائی کورٹ نکاح کرلیا ہے، تو شرعی طور پر وہ نکاح باطل اور ناجائز ہے اور ہائی کورٹ نے جو نکاح کر دیا ہے، وہ اسلامی شریعت کے ساتھ مذاق ہے اور شریعت اسلامی کے قانون کے مطابق اب بھی زینب بدستور ابراہیم کی بیوی ہے اور بنیامین کے ساتھ رہنا زنا کاری ہوگی، اس کو فوراً اپنے شوہر ابراہیم کے پاس آجانا چاہئے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحر الرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢)

(۲) یہ مسئلہ مسلم پرسنل لاء سے متعلق ہے اور عدالت ہائی کورٹ کا مذکورہ فیصلہ مسلم پرسنل لاء کے خلاف ہے؛ اس لئے یہ فصلہ واپس لینا ضروری ہے۔

(۳) شریعت اسلامی کے خلاف ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کی وجہ سے ابراہیم کی بیوی زینب ابراہیم کے نکاح سے الگ نہیں ہوئی؛ بلکہ بدستور ابراہیم کے نکاح میں باقی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۵۲)

(۴) زانی اور اس کی مدد کرنیوالوں کو اپنے فعل شنیع سے توبہ کرلینا لازم ہے۔

عن ابن مسعودؓ، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: التائب من الذنب کمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، باب ذکر التوبه، النسخة الهندیة ۱/۳۱۳، دارالسلام رقم: ۴۲۵۰، المعجم الکبیر للطبراني، دارإحیاء التراث العربي ۱۰/ ۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱، مشکوٰة شریف ۱/۲۰۶)

(۵) اگر یہ لوگ توبہ کرلیتے ہیں، تو ان سے قطع تعلق کی ضرورت نہیں اور نہ ہی ان کے عیب کو بار بار ذکر کرنا جائز ہوگا۔

(۶) زینب خاتون کے لئے اسلام کا حکم یہی ہے کہ فوراً توبہ کرکے اپنے شوہر ابراہیم کے پاس آکر حقوق زوجیت ادا کیا کرے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: فأما حقکم علی نساء کم، فلا یؤطین فرشکم من تکرهون ولا یأذن في بیوتکم لمن تکرهون الحدیث (ترمذي شریف مع العرف الشذي، النخسة الهندیة ۱/ ۲۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۱ھ

شوہر کے طلاق دیئے بغیر دوسرے کے ساتھ کورٹ میرج

سوال [۵۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی لڑکر کئی بار چلی گئی، اب پھر آگئی ہے میں نے اس کو طلاق نہیں دی ہے؛ لیکن اس کی ماں نے کسی کے ساتھ کورٹ میرج کرادی تھی؛ لہٰذا وہ اب چار سال میں لوٹ کر آئی ہے، اب میں اس کو رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفور، جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: شوہر نے جب طلاق نہیں دی، تو محض عورت

کے لڑ جھگڑ کر بھاگ جانے اور کسی دوسرے مرد سے کورٹ میرج کر لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا وہ عورت ہر حال میں اپنے سابق شوہر کے نکاح میں ہی رہے گی اور صورت مسئولہ میں چونکہ سابق شوہر اس عورت کو رکھنا چاہتا ہے؛ لہٰذا بغیر نکاح کے رکھ سکتا ہے، نکاح ثانی کی ضرورت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۷/۴۶۷)

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته............لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا٤/٢٤٢، شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي٣/١٣٢، ٥١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴۹۹/۳۱)

شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسرے سے نکاح

سوال [۵۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح جمیل احمد ولد ننھے خان، ساکن: محلّہ خالصہ مرادآباد ۱۹۶۵ء میں ہوا تھا، آپسی تنازع کی وجہ سے ان کو چھوڑ کر چلی گئی اور بغیر ان سے طلاق لئے ان کی زندگی میں ظہیر احمد ولد کامل حسین کے ساتھ حق زوجیت ادا کرتی رہی، تقریباً دو سال ہوئے مجھے یہ معلوم ہوا کہ نکاح قطعی ناجائز ہے، جب ہی سے میں نے ظہیر احمد سے علیحدگی اختیار کرلی، میرے پہلے شوہر جمیل احمد کے بھائی کا بھی انتقال ہوگیا، اس کو بھی پانچ چھ سال ہو چکے ہیں۔ براہ کرم اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ نکاح ناجائز ہے، اس دن سے توبہ تلاّ کر رہی ہوں، اب میں کسی دیگر شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہوں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جاننا چاہتی ہوں۔

المستفتیہ: زہرا بیگم، موضع: کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمیل احمد سے طلاق لئے بغیر کسی کے ساتھ جو نکاح کیا گیا ہے وہ شرعاً باطل ہے، اس کے ساتھ رہنا حرام کاری ہے۔

نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ٣/ ١٣٢، ٣/ ٥١٦، زكريا ٤/ ٢٧٤، ٥/ ١٩٧، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ١٤٤، زكريا ٤/ ٢/ ٢٤٢)

اور اب جب جمیل احمد اصل شوہر کا انتقال ہو چکا ہے اور انتقال کے چھ سال ہو چکے ہیں، تو عدت بھی گذر چکی ہے؛ اس لئے اب کسی کے ساتھ بھی نکاح کرنا شرعی طور پر جائز ہو جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ / ۲۸۰۴)

شوہر اول سے شرعی تفریق کے بغیر دوسرے سے نکاح

سوال [۵٦٩٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کی شادی تیرہ برس پہلے ہوئی تھی اور دو برس کے بعد اس کے شوہر نے اس کو میکہ پہونچا دیا، اس واقعہ کو تقریباً نو برس گذر چکے ہیں اور اس کا شوہر اس لڑکی کو نہ تو رخصتی کرا کر لے جاتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس لڑکی کے والدین اس کی شادی سابق شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دوسری جگہ شادی کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: حافظ عبد اللہ، چڑیا ٹھیر، کندرکی، مراد آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ۳/ ۱۳۲، ۳/ ۵۱٦، زكريا ٤/ ۲۷٤، ۵/ ۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ۱٤٤، زكريا ٤/ ۲٤۲)

البتہ اتنا کرسکتی ہے کہ کسی شرعی محکمہ یا پنچایت میں اپنا مقدمہ دائر کردے اور پنچایت ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں درج شدہ اصول کے مطابق فیصلہ کردے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۷٦)

شوہر اول سے طلاق لئے بغیر دوسرے کے پاس رہنا

سوال [۵۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت اپنے شوہر سے بلا طلاق لئے ہوئے دوسرے شوہر کے پاس رہتی ہے، اس شوہر سے اس کے بچے بھی ہیں، اب وہ آدمی ان بچوں کا رسم عقیقہ کرنا چاہتا ہے اور برادری کو کھانا بھی دینا چاہتا ہے، مہربانی فرماکر بتائیں کہ کھانا کھانا چاہئے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کو کس طریقہ سے صحیح کیا جائے؛ کیونکہ عورت کو اپنے پہلے شوہر سے بآسانی طلاق بھی مل سکتی ہے۔

المستفتی: عبدالغفار، قریشی، منجانب: کمیٹی برادران قریش، گڑھی سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے شوہر کے ساتھ شوہر اول سے

طلاق لئے بغیر نکاح کیا ہے، وہ شرعاً فاسد ہے بشرطیکہ شوہر ثانی کو شوہر اول کا طلاق نہ دینا معلوم نہ ہوا اور اگر معلوم تھا تو نکاح ثانی شرعاً بالکل باطل ہے، ساتھ رہنا زنا ہے، اس کے بچوں کے عقیقہ میں علم رہتے ہوئے شرکت کرنا ناجائز ہوگا۔ سب لوگوں پر ضروری ہے کہ ایسے شخص سے بائیکاٹ کرلیں۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ.

(شامي، كراچي ٣/ ١٣٢، ٥١٦، زكريا ٤/ ٢٧٤، ٥/ ١٩٧، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ١٤٤، زكريا ٤/ ٢٤٢)

قوله تعالىٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [هود: ١١٣]

(فتاوى إحياء العلوم ٧٠/ ٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍ ۱۴۷۳)

شوہر اول سے طلاق کے بغیر دوسرے سے نکاح

سوال [۵۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بہن کے اس کو شوہر نے مار پیٹ کر نکال دیا ہے، بغیر طلاق دیئے اوراس نے دوسری شادی بھی کر لی ہے، ۵؍ سال ہوگئے ہیں گھر سے نکالے ہوئے، اس عرصہ میں اس نے اپنی بیوی کا کوئی خرچہ نہیں اٹھایا۔ اب ہم اپنی بہن کا دوسرا نکاح کرانا چاہتے ہیں، کیا میری بہن اب بھی سکندر کے نکاح میں ہے یا نہیں؟ اگر سکندر طلاق دیدے تو کیا عدت لازم ہے؟ حدیث اس بارے میں کیا کہتی ہے، دوسرا نکاح کس شکل میں کریں؟

المستفتی: اختر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سکندر آپ کی بہن کو طلاق دیدے تو عدت گذار کے دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے لیکن طلاق یا شرعی تفریق کے بغیر دوسری جگہ نکاح صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ آپ کی بہن ابھی شرعی طور پر سکندر کی بیوی ہے۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ.

(شامي، كراچي ۳/ ۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ٤/ ۲۷٤، ۵/ ۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ۱٤٤، زكريا ٤/ ۲٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۲۷ھ

موجودہ شوہر سے خلاصی حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح

سوال [۵۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جو کسی کے نکاح میں ہے؛ لیکن عرصہ تقریباً تین سال سے شوہر سے علیحدہ ہے اور شوہر کے ساتھ نہیں جانا چاہتی ہے اور دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے؛ جبکہ شوہر طلاق دینے پر راضی نہیں ہے، ایک دوسرا لڑکا اس سے نکاح کرنے کے لئے آرزومند ہے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: احمد جان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ لڑکی بدستور شوہر کے نکاح میں ہے، اگرچہ سالہا سال تک شوہر سے الگ رہتی ہو، کسی دوسرے کے لئے اس وقت تک نکاح جائز نہیں جب تک موجودہ شوہر سے طلاق حاصل نہ کرے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۳/۵۱۶، زكريا ۴/۲۷۴، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ۴/۱۴۴، زكريا ۴/۲۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۱۶ھ

بغیر طلاق دوسری جگہ نکاح

سوال [۵۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بھانجی جس کا نام شہناز جہاں ہے، میں نے اس کی شادی ۱۹۹۵ء میں کی تھی، اس کا شوہر شمیم اختر ۱۹۹۶ء میں چھوڑ کر پاکستان چلا گیا ہے اور آج تک واپس نہیں آیا ہے، اس نے وہاں اپنی شادی بھی کرلی ہے اور یہ لڑکی قریب دس سال سے میرے پاس رہ رہی ہے، میں چاہتی ہوں کہ اس کی شادی دوسری جگہ کردوں، آپ بتائیں شادی کس طرح کروں اس کے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے کیا بغیر طلاق اس کی شادی ہوسکتی ہے؟

المستفتیہ: رئیسہ بیگم، جامع مسجد، وارثی نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک شہناز جہاں کے شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق نہ ہو، اس وقت تک شہناز جہاں کا دوسرا نکاح جائز نہیں ہوگا، چاہے دونوں کے درمیان علیحدگی کا زمانہ کتنا ہی لمبا ہوجائے کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ لہٰذا کسی بھی طریقہ سے شہناز جہاں اپنے شوہر سے تفریق شرعی حاصل کرلے تب ہی دوسرا نکاح ہوسکتا ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً.

(شامي، كراچي ٣/ ١٣٢، ٥١٦، زكريا ٤/ ٢٧٤، ٥/ ١٩٧، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ١٤٤، زكريا ٤/ ٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۰۶/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۱۶ھ

بغیر طلاق وشرعی تفریق کے نکاح ثانی

سوال [۵۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے ۲۵ رسال قبل میں نے دار العلوم سے ایک فتوی لیا تھا، جس میں اپنی لڑکی کے طلاق لینے کی بابت سوال درج تھا اور جواب یہ تھا کہ شرعی کمیٹی سے طلاق لے کر پھر کسی جگہ نکاح کر دو، اس وقت مجھے کوئی شرعی کمیٹی نہیں ملی، تو میں نے خود طلاق قرار دے کر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا تھا۔ اب اس کی اولاد میں چار لڑکے تین لڑکیاں ہیں، محلّہ اور برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ ان اولادوں کا نکاح کسی سے جائز نہیں؛ لہٰذا بتایا جائے کہ شرعاً ان کے نکاح کر دینے کا کیا حکم ہے؟ محلّہ اور برادری کا شوہر کے یہاں کھانا اور پینا درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ اور عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: امیر حسن، ساکن: مقصود پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر اول کی طلاق یا شرعی تفریق کے بغیر جو نکاح کیا گیا ہے، وہ شرعاً صحیح نہیں ہے۔

كما في الشامي: وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد

أصلاًالخ. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/۱٤٤، زكريا ٤/۲٤۲)

لہٰذا جب تک پہلے شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل نہ ہوجائے موجودہ شوہر سے شرعی نکاح نہ کرے، محلّہ اور برادری کے لوگوں کو مقاطعہ رکھنے کی گنجائش ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ . [سورة الهود:۱۱۳]

اس عورت کی اولاد کا نکاح کسی بھی برادری میں اولیاء اور بالغ لڑکے کی رضامندی سے اور بالغہ لڑکی کی رضامندی سے درست ہوجائے۔

وإنما الخلاف بين أبي حنيفةؒ وصاحبيهؒ فيما إذا زوجها من رجل (إلى قوله) فعند أبي حنيفةؒ يجوز. (هندية، زكريا ۱/۲۹۱ جديد زكريا ۱/۳۵۰)

لہٰذا جب نکاح صحیح ہے تو محلّہ اور برادری والوں کو اس لڑکے اور لڑکی کے نکاح میں شرکت کرنے میں کوئی احتراز نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ گنہگار ماں باپ ہیں ماں باپ کے معاملہ میں شرعی نکاح تک مقاطعہ جاری رکھا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ رشوال المکرّم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷۸/۲۳)

شرعی تفریق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح

سوال [۵۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالواحد کی بیوی جس کا نام شہناز ہے، وہ حاجی محمد رفیق مرچوں والے کے ساتھ بھاگ گئی اور بچوں کو گھر پر ہی چھوڑ گئی اور عبدالواحد نے طلاق بھی نہیں دی اور شہناز نے حاجی محمد رفیق کے ساتھ کورٹ میرج کرلیا ہے اور حاجی کے ساتھ رہتی ہے؛ لہٰذا سوال یہ ہے

کہ کیا اس کا نکاح ہوا یا نہیں اور حج بیت اللہ کے لئے شہناز کو ساتھ لے جانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالواحد، کرولہ اسلام نگر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عبدالواحد نے اپنی بیوی شہناز کو طلاق دے کر نکاح سے الگ نہیں کیا ہے تو محمد رفیق کے ساتھ اس کا نکاح شرعی طور پر صحیح نہیں ہوا، وہ بدستور عبدالواحد کی بیوی ہے اور محمد رفیق کے ساتھ رہنا زنا کاری ہوگی، اس کو فوراً عبدالواحد کے پاس آجانا چاہئے اور ایسے حالات میں محمد رفیق کے ساتھ حج کو جانا عبادت نہیں؛ بلکہ سخت ترین معصیت اور حرام کاری ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/۱٤٤، زكريا٤/۲٤۲)

اور دنیاوی عدالت کی کورٹ میرج شریعت میں معتبر نہیں ہے، نہ وہاں کا نکاح صحیح ہے اور نہ ہی طلاق معتبر ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوار ۲/۱۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱-۲۱-۳۷)

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ نکاح کا عدم جواز

سوال [۵۷۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریف احمد نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور آزاد کئے ہوئے تقریباً ۲ رسال ہوگئے۔ اب شریف احمد کی بیوی چاہتی ہے کہ میں شریف احمد سے اپنا نکاح کرلوں مفتی ہند سے گذارش ہے کہ اب شریف احمد صاحب کو نکاح کرلینا چاہئے یا نہیں؟

یا حلالہ ہونے کے بعد ہوگا؟ اور حلالہ ہونے کے بعد دوران عدت بھی نکاح ہوسکتا ہے یانہیں؟ اگر کوئی صورت حال ہوتو فرمایا جائے؟ نیز شریف احمد نے روبرو مجمع عام کے ۳؍مرتبہ طلاق دی اور تحریری کتابت بھی ہوئی۔

المستفتی: سمیع اللہ، جواہر نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دوسال قبل طلاق دی تھی تو اس دوران بیوی کی عدت بھی شرعاً گذر چکی ہے اور تین ۳؍طلاق شرعاً طلاق مغلظہ ہے؛ اس لئے بلا حلالہ نکاح درست نہیں ہوگا؛ لہٰذا فی الحال بیوی کسی دوسرے کے ساتھ شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے پھر شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دیدے، تو دوبارہ عدت گذار کر شریف احمد شوہر اول کے ساتھ نکاح درست ہوسکتا ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(فتاوى عالمگيري، زكريا ١/٤٧٣ جديد زكريا ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۶۱۱)

مطلقہ ثلاثہ سے اس کی عدت میں نکاح اور نسب کا حکم

سوال [۵۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، ابھی وہ عدت میں ہے اور اسے ایک یا دو حیض آچکے ہیں اس کے بعد عدت ہی کے اندر جان بوجھ کر کے دوسرے مرد نے اس سے نکاح کرلیا، ایسی صورت میں آپ لکھیں گے کہ نکاح باطل ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایک یا دوحیض گزرنے کے بعد پہلی رات میں استقرار حمل ہوگیا اور بچہ بھی پیدا ہوگیا، تو اس بچہ کا نسب پہلے شوہر سے ثابت ہوگا جس کی عدت میں ہے، یا دوسرے مرد سے، یا کیا حکم ہے؟ اوراب احساس پیدا ہوا کہ جائز طریقے سے نکاح ہوجانا چاہئے، اب جائز طریقے پر نکاح کی کیا صورت ہوگی؟ وضع حمل کے بعد دوبارہ عدت گذارنی ہوگا یا فوراً نکاح جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق مغلظہ کی عدت میں ایک یا دوحیض گذرنے کے بعد دوسرے مرد نے جان بوجھ کراس سے نکاح کیا اوراستقرار حمل ہوگیا، تو اس بچہ کا نسب نہ تو دوسرے شوہر سے ثابت ہوگا؛ کیوں کہ نکاح باطل ہے اور نکاح باطل میں احکام نکاح مثلاً مہر ونسب وغیرہ ثابت نہیں ہوتے اور نہ ہی پہلے شوہر سے ان بچوں کا نسب ثابت ہوگا؛ کیونکہ عدت میں حیض آنے کی وجہ سے استبراء رحم ہو چکا ہے اوراب دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کا جائز طریقہ وضع حمل کے فوراً بعد کا ہے دوبارہ عدت کا گزارنا لازم نہ ہوگا۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢)

الظاهر أن المراد بالباطل ما وجوده كعدمه، ولذا لا يثبت النسب. (شامي، زكريا ٤/٢٧٤، كراچي ٣/١٣٢)

أما إذا لم تكن هناك شبهة تسقط الحد، بأن كان عالماً بالحرمة فلا يلحق به الولد عند الجمهور، وكذلك عند بعض مشائخ الحنفية؛ لأنه حيث وجب الحد فلا يثبت النسب. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٨/١٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ ؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۳۸۳)

مطلقہ کی عدت میں جان بوجھ کر دوسرے شخص کا نکاح باطل ہے

سوال [۵۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، ابھی وہ عدت میں ہے اور اسے ایک یا دو حیض آچکے ہیں، اس کے بعد عدت ہی کے اندر جان بوجھ کر کے دوسرے مرد نے اس سے نکاح کرلیا اور پہلی ہی رات میں استقرار حمل ہوگیا، تو وضع حمل کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح بغیر حلالہ کے درست ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اسی کی عدت میں استقرار حمل ہوا ہے۔

المستفتی: عبداللہ، الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ نکاح چونکہ عدت کے دوران جان بوجھ کر کیا گیا ہے اس لئے شرعاً یہ نکاح باطل ہے، اس نکاح کے بعد کی ہمبستری کے ذریعہ جو حمل قرار پایا ہے اس کے وضع حمل کے بعد بغیر حلالہ کے شوہر اول سے نکاح درست نہ ہوگا؛ اس لئے کہ حلالہ کے لئے نکاح صحیح شرط ہے اور یہ نکاح باطل ہے؛ لہٰذا حلالہ کا تحقق نہ ہوا۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۴۸۵)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة..........لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، ۱/۴۷۳، زكريا جديد زكريا۱/۵۳۵)

وإذا وطئها إنسان بالزنا، أو بشبهة لا تحل لزوجها. (هندية ۱/۴۷۳، زكريا جديد زكريا ۱/۵۳۵)

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد

أصلاً، فعلیٰ هذا یفرق بین فاسده، وباطله في العدة. (شامي، کراچي ۳/۱۳۲، زکریا ٤/۲۷٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۳۸۴)

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح

سوال [۵۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بہنوئی نے میری بہن کو تین طلاق دیدی ہے؛ جبکہ میری بہن حمل سے ہے، اب دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔

المستفتی: علی حسین، افضل گڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین طلاق دیدی اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں تو بغیر حلالۂ شرعی کے آپس میں نکاح بھی درست نہ ہوگا، شرعی حلالہ کی شکل یہ ہے کہ عدت گذر جانے کے بعد عورت کا شرعی نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہوجائے، پھر اس شخص کے ساتھ ہمبستری ہوجائے، اس کے بعد وہ شخص طلاق دیدے، پھر عدت یعنی تین ماہواری گذر جانے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

وإن کان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجًا غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (هندیة، زکریا ۱/٤۷۳ جدید زکریا ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷-۸۶۲۱)

زانیہ بیوی کا بغیر طلاق کے زانی سے نکاح

سوال [۵۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے شادی کی اور شادی کے چند دن بعد معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہے، اب لڑکی بھی زید کو نہیں چاہتی وہ اپنے پہلے والے لڑکے کی خواہشمند ہے، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ اور لڑکی ہر وقت بد اخلاقی سے بات کرتی اور جھگڑتی رہتی ہے۔

المستفتی: نسیم احمد، محلہ اڑپورہ، کٹھگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا نکاح زانیہ حاملہ عورت کے ساتھ ہو چکا ہے؛ لیکن پیدائش سے پہلے اس کے ساتھ ہمبستری کرنا زید کے لئے جائز نہیں ہے اور زید سے طلاق حاصل کئے بغیر زانی کے ساتھ نکاح جائز نہ ہوگا۔

صح نکاح حبلیٰ من زنا...... و ان حرم وطؤها حتی تضع الخ.

(الدر المختار، کراچي ۳/ ۴۸، زکریا ۴/ ۱۴۱، ۱۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۶۷۸۷)

تین طلاق کے بعد بلا حلالہ نکاح ثانی

سوال [۵۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ راقم سطور نے تین سال قبل بیوی پروین ولد امیر حسین ساکن: عیدگاہ روڈ مرادآباد سے شادی کی تھی بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بدکار اور بدچلن عورت ہے، وہ ہر وقت لڑتی جھگڑتی تھی، جھوٹے الزامات لگا کر رپورٹ کرا دیتی تھی، آئے دن گھر سے بھاگ جاتی تھی، تمام عزیز و اقارب اور خصوصاً سسر و ساس سے

تعلقات بالکل منقطع کر لیتی تھی، میرے ہزار سمجھانے پر بھی وہ باز نہ آئی؛ بلکہ الٹا طلاق کا مطالبہ کرنے لگی، میں اس امید پر اس کی زیادتیاں برداشت کرتا رہا کہ ممکن ہے کہ وہ سدھر جائے؛ لیکن جب وہ تین سال گذرنے پر بھی نہیں سدھری اور میرا گھر جہنم بن گیا، تو میں نے بارہ ۱۲/ جولائی ۱۹۹۴ء کو دو گواہ محمد ناصر ولد محمود حسین لودھی سرائے، محمد رئیس ولد عبد العزیز لودھی سرائے کی موجودگی میں بہت سوچ سمجھ کر بحالت سنجیدگی بیوی پروین کے مطالبہ پر اسے تین بار طلاق دے کر علیحدگی اختیار کرلی۔

اب شہر انتظامیہ دوبارہ مجھے مطلقہ کے ساتھ رہنے پر مجبور کر رہی ہے میں پابند شریعت آدمی ہو، تو کیا اس صورت میں مجھے مسماۃ مذکورہ کے ساتھ دوبارہ رشتہ ازدواج قائم کرنے کی اجازت ہے؟ حالانکہ مجھے اس کی قطعاً خواہش نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں آنجناب مجھے مفصل جواب سے نوازیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صلہ دے۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن، ساکن: دیپا سرائے سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی پروین کو تین طلاق دیدی ہے تو اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور وہ عورت آپ پر بالکل حرام ہوچکی ہے اور اب اس کے ساتھ بلاحلالہ نکاح کرنا بھی جائز نہ ہوگا اور اس حالت میں اس سے نکاح کرنا اور اس کو بیوی بنا کر رکھنا حرامکاری اور زناکاری ہوگی؛ لہٰذا اس عورت کو رکھنا اس حالت میں آپ کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها الخ.

(فتاوی عالمگيري، زكريا ۱/ ٤٧٣، جديد زكريا ۱/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۶/ ۱۴۱۵ھ

سسر کا اپنی بیٹی کے شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال [۵۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے گھر سے مرادآباد آیا اور وہ یہاں کام کرنے لگا، اس دوران بکر نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تمہاری شادی ہوچکی ہے، جس پر زید نے بکر سے کہا کہ میری شادی ابھی نہیں ہوئی ہے، تو بکر نے زید کی شادی اپنی لڑکی فاطمہ سے کردی، پھر چار سال کے بعد جب زید کے والد آئے تو اس کے ذریعہ پتہ چلا کہ زید کی شادی تو اس کے گھر پر ہوچکی ہے اور پھر زید نے اپنی بیوی فاطمہ سے اجازت لی اور والد کے ساتھ گھر چلا گیا؛ لیکن اتفاق کی بات ہے کہ زید کے گھر کا پتہ بھی معلوم نہیں ہے اور نہ ہی اس نے بتایا۔ اب اس کو گھر گئے ہوئے سات ماہ ہوچکے ہیں؛ لیکن واپس پھر بھی نہیں آیا، تو کیا فاطمہ کی دوسری شادی ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

المستفتی: شفیع الرحمٰن، مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل کئے بغیر فاطمہ کا نکاح دوسری جگہ جائز نہیں ہے، اگر زید کا پتہ نہیں ہے تو اس کے دوست واحباب سے معلومات فراہم کی جائے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو شرعی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کردے اور شرعی محکمہ تحقیق کے بعد شرعی فیصلہ کردے گا۔

أما نكاح منكوحة الغير ......لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً.

(شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦، البحرالرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا٤/٢٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۶۰ ۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۹/۴/۱۴۱۷ھ

بغیر شرعی تفریق کے دوسری جگہ نکاح کا حکم

سوال [۵۷۱۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی، ہندہ اپنی سسرال شادی کے موقع پر ہی گئی تھی، کہ زید نے ہندہ کیساتھ مار پٹائی کی پھر ہندہ اپنے میکہ آگئی۔اب ہندہ زید کے گھر جانے سے انکار کرتی ہے، مگر زید کئی مرتبہ آیا، مگر ہندہ نہیں گئی اور بالکل انکار کردیا تو زید نے دوسری شادی کرلی اور زید ہندہ کو طلاق بھی نہیں دے رہا ہے، زید کا کہنا ہے کہ میں طلاق نہیں دوں گا تمہیں بھی رکھنا ہے، مگر ہندہ جانا نہیں چاہتی ہے، اس صورت میں ہندہ کیا کرے گی؟ دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ کوئی گنجائش ہے یا نہیں شرعاً جواز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مجیب الدین، مقام: بھرنا، سہرسہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بغیر طلاق اور شرعی تفریق کے دوسری جگہ نکاح درست نہیں ہوگا۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ۴/۲۷۴، ۵/۱۹۷، البحر الرائق، كوئٹه ۴/۱۴۴، زكريا ديوبند ۴/۲۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۵۵۷)

طلاق یا شرعی تفریق کے بغیر دوسری جگہ نکاح

سوال [۵۷۱۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ مسماۃ رضوانہ خاتون کا نکاح اس کے والد ابصار احمد نے منصور عالم موضع دوتائی کے ساتھ اس شرط پر کیا کہ میری لڑکی رضوانہ خاتون کا شوہر منصور عالم میرے گھر ہی رہے گا؛ کیونکہ ابصار احمد کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہے، صرف یہ لڑکی ہے، یہ شرط منظور کر لی گئی، ایک ڈیڑھ سال کے بعد لڑکے کے اس شرط کے پورا نہ کرنے کی وجہ سے آپس میں ان بن ہوگئی؛ چنانچہ رضوانہ خاتون کو ان کا باپ ابصار احمد اپنے یہاں لے آیا؛ دراں حالانکہ لڑکی کا سامان بھی سب لڑکے نے اپنے یہاں روک لیا اور لڑکی کو باپ کے ساتھ اس کے گھر بھیجدیا، بعد میں اس لڑکے نے دعویٰ دائر کردیا کہ میری بیوی رضوانہ میرا سب سامان لے کر اپنے گھر بھاگ گئی؛ چنانچہ کچہری میں یہ مقدمہ چلا اور لڑکی مقدمہ جیت گئی شوہر ہار گیا۔ اب لڑکا منصور عالم لڑکی کی زمین کے لالچ میں لڑکی رضوانہ کو اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے اور لڑکی بالکل جانا نہیں چاہتی اور لڑکی کا باپ بھی اب بالکل بھیجنا نہیں چاہتا، لڑکی کو اپنے باپ کے گھر رہتے ہوئے ساڑھے تین سال ہوچکے ہیں، اب لڑکی کا باپ ابصار احمد یہ چاہتا ہے کہ میں اپنی لڑکی رضوانہ خاتون کا نکاح دوسری جگہ کردوں؛ لہٰذا بتلایئے شرعاً یہ اس کے مجاز ہیں یا نہیں؟

نوٹ: اسی مضمون کا یہ فتویٰ جو اس سے متعلق ہے اس کے جواب کو بھی ملاحظہ فرما کر اس کی پشت پر اس کی تصحیح وتغلیط جو ہو فرما دیجئے۔

المستفتی: ابصار احمد، بانسکہ کلاں، مرادآباد

جواب منجانب درسگاہ اسلامی مراد پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ ہٰذا کا جواب مندرجہ بالا سطور کے مطابق تو یہی ہے کہ منصور عالم سے بات کرلی جائے کہ وہ طلاق دیدے اور لڑکی کو اس کا مہر ونان ونفقہ دینے پر راضی ہوجائے؛ لیکن اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو یہ حکم ایلاء ہوگا۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآئُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ ۞ وَاِنْ عَزَمُوْا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ . [بقرہ:۲۲۷، ۲۲۶]

یعنی جولوگ ناراضی میں اپنی بیویوں سے جدائی اختیار کر لیتے ہیں، تو یہ قسم جدائی صرف چار ماہ تک رہے گی یا تو چار ماہ کے اندر اندر وہ فیصلہ کرلیں ورنہ اس کی مدت چار مہینہ گذرنے کے بعد طلاق بائن کا حکم ہوگا اور لڑکا اس صورت میں حق مہر اور عدت کا خرچہ وغیرہ دینے کا پابند ہوگا۔

كما هو قول الحضرات عمر، وعلي، وعبدالله بن عباس، وعبدالله ابن عمر، وعثمان بن عفان، وعبدالله بن مسعود، زيدبن ثابت وغيرهم من الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين. وهو قول الأوزاعي وسفيان الثوري وعامة فقهاء الحنفية رحمة الله عليهم. (بداية المجتهد جلد ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد الفقیر الی اللہ
محمد انظار الحق الندوی
۱۳؍نومبر ۱۹۹۰ء

منجانب دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رضوانہ خاتون کا نکاح دوسری جگہ موجودہ شوہر سے طلاق یا اور کسی طریقہ سے شرعی تفریق حاصل کئے بغیر شرعاً جائز نہیں ہوگا اور موجودہ شوہر منصور عالم سے تفریق شرعی حاصل کئے بغیر اگر دوسری جگہ نکاح کیا جائے، تو وہ شرعاً باطل ہوگا۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) إن علم أنها للغير؛ لأنه

لـم يـقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱۶، زكريا ۴/۲۷۴، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ۴/۱۴۴، زكريا ۴/۲۴۲)

لہٰذا اگر نبھاؤ ممکن نہیں ہے تو شوہر سے خلع وغیرہ کے ذریعہ جدائی حاصل کی جائے، اس کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے اور جس نے مذکورہ واقعہ کو ایلاء ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ ایلاء کا مفہوم نہیں سمجھا اور نہ ہی آیت ایلاء کا اس واقعہ سے کوئی تعلق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۲۸)

بغیر طلاق نکاح ثانی کا حکم

سوال [۵۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کا نکاح بغیر اس کی رضامندی کے کردیا گیا، بعد نکاح کے وہ اپنے شوہر کے گھر چلی گئی اس کے بعد ایک بچہ بھی پیدا ہوا اس کے بعد اس لڑکی کے والدین نے پہلے شوہر کے طلاق دیئے بغیر کسی دوسرے آدمی سے نکاح کردیا، تو امر مطلوب یہ ہے کہ یہ دوسرا نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ نیز نکاح پڑھانے والے کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور بوقت نکاح ثانی حاضرین کا نکاح باقی رہیگا یا نہیں؟

المستفتی: کمال پورہ چندوسی، روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نکاح ثانی شرعاً درست نہیں ہوا ہے، مذکورہ لڑکی شرعاً شوہر اول کی بیوی ہے اور شوہر ثانی سے فوراً الگ ہوجانا لازم ہے۔ اور یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ شوہر اول نے طلاق نہیں دی ہے، دوسرے شخص سے نکاح میں

شرکت کرنیوالے اور نکاح پڑھانے والے سب گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے، سب پر توبہ لازم ہے اور نکاح پڑھانے والا امام جب تک اپنی غلطی سے توبہ نہ کرلے اس وقت تک فاسق رہے گا اور اس وقت تک اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/ ۲۷٤، ٥/ ۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/ ١٤٤، زكريا ٤/ ٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۸۵)

بغیر شرعی تفریق کے نکاح ثانی کا حکم

سوال [۵۷۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معراج بانو کی شادی ایک نومسلم کے ساتھ ۱۴ر فروری ۱۹۷۱ء کو ہوئی تھی، پہلے اس کا نام جارج تھا بعد میں اعجاز رکھا گیا، ایک سال تک معراج بانو کے ساتھ رہا، ایک سال کے بعد وہ اپنے پرانے مذہب میں چلا گیا، معراج بانو میکے میں رہتی رہی، جب وہ ان کو لینے نہیں آیا تو انہوں نے مقدمہ کیا، اس پر جارج نے اسلام لانے سے انکار کردیا، عدالت نے معراج بانو کو اجازت دیدی کہ جہاں چاہیں وہ اپنا نکاح کرلیں، معراج بانو نے اپنا نکاح صغیر احمد کے ساتھ ۲۴ر ستمبر ۱۹۷۷ء کو کرلیا اور ابھی تک انہیں کے ساتھ رہتی رہی اور تین اولادیں بھی ہوئیں، کچھ دن پہلے ایک اسرار نامی شخص نے معراج بانو سے کہا کہ تمہارا نکاح صغیر احمد کے ساتھ صحیح نہیں ہوا؛ کیونکہ پرانے شوہر جارج نے تم کو طلاق نہیں دی تھی، یہ کہہ کر اس نے اپنا نکاح معراج بانو کے ساتھ ۱٦ر اگست ۱۹۹۱ء کو کرلیا اور اب انہیں کے ساتھ رہتی ہے، تو صغیر احمد کے نکاح کے لئے جارج کا طلاق دینا ضروری تھا؛ جبکہ وہ ابھی تک موجود ہے اور عیسائی ہے۔

اس حالت میں صغیر احمد کا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور صغیر احمد کے بغیر طلاق دئے ہوئے اسرار احمد کا نکاح ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مولانا شمس الدین کیراف ایس، آر، نصرت صاحب، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معراج بانو کا نکاح نومسلم شوہر کے ساتھ شریعت محمدیہ کی روشنی میں صحیح ہوگیا تھا اور جب نومسلم شوہر دین اسلام سے پھر کر مرتد ہو چکا ہے، تو اسلامی شریعت کے مطابق معراج بانو کا نکاح نومسلم اعجاز کے ساتھ بالکل باقی نہیں رہا ہے، شرعاً نکاح فسخ ہو چکا ہے اور خود بخود بغیر حکم حاکم کے معراج بانو بالکل آزاد ہو چکی ہے۔

لہٰذا ۱۹۷۱ء میں صغیر احمد کے ساتھ جو نکاح کیا ہے، وہ اسلامی شریعت کے مطابق صحیح ہو چکا ہے اور جب صغیر احمد نے طلاق نہیں دی ہے تو بغیر طلاق حاصل کئے اسرار احمد سے جو نکاح ہوا ہے شرعاً باطل ہے۔

بارتداد زوجها، فلها التزوج بآخر بعد العدة الخ (در مختار، كراچي ٤/ ٢٥٢، زكريا٦/ ٣٩٩، الحيلة الناجزه:٩٧)

معراج بانو اب بھی صغیر احمد کی بیوی ہے فوراً اسرار احمد سے الگ ہو کر صغیر احمد کے پاس آجانا لازم اور ضروری ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي٣/ ١٣٢، ٥١٦، زكريا ٤/ ٢٧٤، ٥/ ١٩٧، البحر الرائق، كوئٹه ٤/ ١٤٤، زكريا٤/ ٢٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍ ۲۵۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍ ۳؍ ۱۴۱۲ھ

بغیر طلاق اور شرعی تفریق کے نکاح ثانی کا حکم

سوال [۷۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی، اس کے بعد زید کو ٹی وی کی بیماری ہوگئی زید نے مکمل طور سے علاج کرایا، مگر صحیح نہیں ہوا تقریباً چار سال ہوگئے، اس کے بعد زید کے والد نے جھوٹ بولا کہ میرا لڑکا صحیح ہوگیا؛ لہٰذا اب رخصتی کردو، تو ہندہ کے والدین نے رخصتی کردی، جب ہندہ اپنی سسرال گئی تو تقریباً بائیس دن رہی، مگر زید ہندہ سے نہیں ملا اور زید نے کہا کہ میں صحیح نہیں ہوا ہوں میں تمہارے لائق نہیں ہوں؛ لہٰذا تم چلی جاؤ بہتر ہوگا، تو ہندہ اپنے میکے چلی گئی۔ اب ہندہ کے والدین زید سے طلاق لینے گئے تو زید کے والد زید کو دہلی لیکر چلے گئے ہیں اور ہندہ کے والدین بہت ہی غریب ہیں اور اب ہندہ بھی زید کے گھر جانا نہیں چاہتی ہے، اس صورت میں ہندہ کیا کرے گی؟ کیا ہندہ بغیر طلاق کے نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ کیا شرعاً جواز ہے مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: حافظ مجیب الدین، مقام: بھرنا، سہرسہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر طلاق یا شرعی تفریق کے ہندہ کے لئے دوسری جگہ شادی کرنا شرعاً جائز نہیں ہوگا، شرعی طور پر جدائی حاصل کرنے کے بعد ہی نکاح ثانی کرسکتی ہے اس کے بغیر نہیں۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ۴/۲۷۴، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ۴/۱۴۴، زكريا ۴/۲۴۲)

اگر زید کسی طرح طلاق نہیں دیتا ہے تو ہندہ محکمۂ شرعیہ میں اپنا معاملہ پیش کردے

اور محکمہ تحقیق کرکے فیصلہ کردے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۵۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰؍۲؍۱۴۱۲ھ

شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال [۵۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں از روئے حلف بیان کرتی ہوں کہ میری شادی کو قریب قریب ایک سال سات ماہ کا عرصہ ہوگیا ہے، میری شادی محمد شکیل ولد لیاقت حسین محلّہ پنی گران سرائے ترین میں ہوئی تھی، میرے شوہر اور میرے سسر کافی عرصہ سے بغرض کاروبار کافی وقت سے ممبئی رہتے ہیں؛ جبکہ میں اپنی والدہ کے یہاں سے رخصت ہوکر اپنی سسرال پہونچی تھی، میرے سسرال پہونچنے پر میرے شوہر نے گھر پر آنا قطعی بند کردیا تھا، اس کے بعد میں دو ماہ سسرال میں رہ کر اپنے میکے سرائے ترین آگئی؛ جبکہ دو ماہ کا عرصہ ہوا، تو میرے شوہر محمد شکیل ممبئی سے آئے اور میری والدہ کے گھر پر والدہ سے کہا کہ اس کو بھیجدو، میری والدہ نے منع کردیا، اس کے بعد دو ماہ کے بعد کچھ بااثر ذمہ دار لوگ مع میرے سسر کے گھر پر آئے اور میری والدہ نے چند شکایتیں ان ذمہ دار حضرات کے سامنے تفصیل سے رکھی تھیں، ذمہ دار حضرات نے اور میرے سسر نے یہ جواب دیا کہ میں اور یہ سب آدمی جو کہ میرے اور تمہارے رشتہ دار ہیں سب ذمہ دار ہیں، اب میں کوئی بھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا، اب تم اس کو میرے ہمراہ ممبئی بھیجدو، میری والدہ نے بھروسہ کرکے مجھ کو سسر کے ساتھ ممبئی روانہ کردیا، جب میں ممبئی پہونچی تو میرے شوہر نے ہمبستری کرنے سے قبل رات کو مجھ سے یہ کہا کہ میری شادی تمہارے ساتھ والدین کی مرضی سے ہوئی تھی، میری مرضی سے نہیں ہوئی تھی اس کے بعد ہمبستری ہوئی اس کے صرف ایک منٹ کے بعد میں سوگئی، صبح اٹھ کر غسل کیا اور نماز پڑھی دو

پہر کو کھانا کھایا قریب تین بجے سرائے ترین کے رہنے والے کچھ کاروباری لوگ جو کہ اپنے کاروبار کی غرض سے کافی ٹائم سے ممبئی میں مقیم ہیں، وہ لوگ آئے اوران کے سامنے میرے شوہر اور سسر نے میرے جہیز کا سارا سامان مکان کے اندر سے لاکر صحن میں رکھا اور مبلغ ۲۰ر ہزار روپیہ نقد بھی رکھا میری والدہ موجود تھیں، ان سے کہا کہ تم اپنی بیٹی کو اپنے ہمراہ لیجاؤ اور جہیز کا سامان بھی لیجاؤ اور اپنا روپیہ جو کہ تم نے فرنیچر کے لئے دیا تھا وہ بھی لیجاؤ، مجھے آپ کی لڑکی کو بیوی بنا کر کسی بھی قیمت پر رکھنا ہی نہیں ہے، یہ الفاظ میرے شوہر نے کئی بار میری والدہ سے دہرائے تھے؛ لیکن مجھ کو طلاق نہیں دی ہے، سامان اور روپیہ لے کر میں والدہ کے ہمراہ اپنے میکہ آگئی ہوں، ایک ماہ کا عرصہ ہوا کہ میرے سسر آئے تھے لیاقت حسین، تو ان سے میری والدہ نے کہا تھا اور دوسرے حضرات سے بھی کہلوا کر بھیجا تھا کہ اس معاملہ کو ختم کردو، تو لیاقت حسین نے جواب دیا کہ میں ممبئی سے لڑکے سے طلاق نامہ لکھوا کر بھیج دوں گا، یہ بھی معلوم ہوا کہ محمد شکیل سعودی عرب گیا ہے، محمد شکیل اسمگلنگ افیم اور ہیروئن کا کاروبار کرتا ہے۔ گذارش ہے کہ اس مسئلہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ اپنا معاملہ محکمۂ شرعیہ کے سامنے رکھیں، وہ تحقیق کر کے کوئی شرعی حل بتلائیں گے؛ کیونکہ اس شوہر سے طلاق یا خلع یا کسی طرح کی شرعی تفریق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً الخ. (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، كوئٹه ٤/۱٤٤، زكريا ٤/۲٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۱۲۶)

شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر عدالت مجاز سے نکاح فسخ کرا کر دوسرے سے نکاح

سوال [۵۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کا نکاح رشید سے ہوا تھا، پھر اس سے طلاق حاصل کئے بغیر عدالت مجاز سے فسخ نکاح کرا کر مجید سے نکاح کروا دیا گیا، تو دوسرا نکاح جو مجید سے ہوا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالواحد، کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی عدالت مجاز سے عورتوں کا اپنا نکاح فسخ کرانا شرعی طور پر معتبر نہیں ہے؛ لہٰذا ہندہ شرعی طور پر اب بھی رشید ہی کی بیوی ہے۔ دوسرا نکاح جو مجید کے ساتھ ہوا ہے وہ شرعی طور پر معتبر نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۵۲)

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا. [النساء: ۱٤۱]

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم الخ (شامي، كتاب القضاء، باب التحكيم، زكريا ۸/۱۲٦، كراچي ٥/٤۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۳۹/۳۲)

شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح

سوال [۵۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہار النساء کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور اس شوہر سے اس کے بطن سے ایک بچہ بھی ہے۔ اب عدت گذر جانے کے بعد اس نے اپنے دیور سے اپنے والدین کی غیر موجودگی میں نکاح کر لیا آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

(۲) اب شوہر ثانی میں ان بن ہوگئی بہار النساء اپنے میکے چلی گئی میکے والے اس کا تیسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں؛ جبکہ شوہر ثانی نے ابھی ان کو طلاق بھی نہیں دی ہے؛ لہٰذا یہ تیسرا نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

(۳) شوہر ثانی کو دھمکیاں دے کر یا مار توڑ کر اس سے طلاق لینا چاہتے ہیں، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد اکرم سرائے ترین سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بہار النساء نے عدت گذر جانے پر والدین کی عدم موجودگی میں اپنے دیور سے جو نکاح کیا ہے، وہ نکاح شرعاً منعقد ہوگیا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/۳۹)

ولاية ندب على المكلفة ولوبكراً (إلى قوله) لامكلفة فنفذ نكاح حرة مكلفة بلارضا ولي الخ (شامي، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ۳/۵۵، زكريا ٤/١٥٤)

(۲) شوہر ثانی سے طلاق لینے سے پہلے بہار النساء کے لئے دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے۔

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره. (علمگيري ١/٢٨٠، جديد زكريا ١/٣٤٦)

(۳) طلاق کے لئے زبردستی کرنا شرعاً جائز نہیں ہے اور مار توڑ کی دھمکیاں دے کر طلاق حاصل کرنے والے گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/۱۲۲)

ويجب لو فات الإمساك بالمعروف ويحرم لو بدعيا و من محاسنه التخلص به من المكاره الخ. (شامي، ٣/٢٢٩، زكريا ٤/٤٢٨، ٤/٤٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱۵ھ

عدالت کی طلاق کے بعد دوسری جگہ نکاح

سوال [۵۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری ہمشیرہ تقریباً ڈھائی سال سے اپنے میکہ میں رہ رہی ہے، ان کے شوہر ڈھائی سال پہلے انہیں پہونچا کر واپس نہیں آئے، کئی مرتبہ ذمہ دار سے جوان کے وکیل اور ذمہ دار تھے، بات چیت بھی کی اور ان پر زور بھی دیا کہ وہ آکر ہمشیرہ کو لے جائیں یا اگر ہمشیرہ کے شوہر نہیں چاہتے ہیں تو انہیں چھوڑ دیں، مگر وہ اس پر بھی راضی نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ وہ اس کو اسی طرح لٹکائے رکھیں گے، نہ تو طلاق ہی دیں گے اور نہ لے کر جائیں گے، ہمشیرہ کی گود میں تقریباً تین سال کا ایک بچہ بھی ہے؛ لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ ہمشیرہ کی دوسری شادی کیلئے خلع یا طلاق کی کوئی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہم عدالت کے ذریعہ طلاق لے لیں، تو دوسری شادی جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: معراج احمد بٹواری، امروہہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل نہ ہوجائے، دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں اور عدالت کی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں؛ بلکہ ایسی صورت میں اولاً شوہر کو کسی طرح خلع پر راضی کرلیا جائے، اگر اس پر بھی وہ تیار نہ ہو تو عورت اپنا معاملہ محکمہ شرعیہ یا شرعی پنچایت میں پیش کردے، وہاں سے تفریق حاصل ہونے کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزہ ۶۱، کفایت المفتی قدیم ۹۳/۶، جدید زکریا ۱۱۸/۶، احسن الفتاوی، زکریا ۴۱۲/۵)

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ . [النساء: ۱۴۱] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۳۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۱۷ھ

شوہر سے تفریق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنے کا حکم

سوال [۵۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۹ رسال پہلے میری بیٹی کا نکاح ہوا تھا؛ لیکن آج تک اس کی رخصتی نہیں ہوئی ہے، مجبوری کے حالات میں اس کا نکاح ہوا تھا، اب یہ پتہ چلا کہ وہ لڑکا شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے، اس وجہ سے میری لڑکی وہاں جانا نہیں چاہتی وہ کہتی ہے، اگر مجھے اس کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا گیا تو میں زہر کھا کر یا آگ لگا کر اپنی جان ختم کرلوں گی، اس طرح میری لڑکی کی عمر بڑھتی جارہی ہے اور اس کے چھوٹے بھائی بہن کی بھی؟ کیا ایسے حالات میں میں اپنی بیٹی کا نکاح کسی دوسری جگہ کرسکتی ہوں؟ کیا شریعت اس بات کا حکم دیتی ہے؟

المستفتیه: جمیلہ خاتون، کرولہ سرسید نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ شرعی ضابطہ کے مطابق وہ نکاح درست ہو چکا ہے؛ اس لئے وہ نکاح بہرحال صحیح اور معتبر ہوچکا‘ شریعت میں شرابی، کبابی کا نکاح بھی درست ہوجاتا ہے؛ اس لئے جب تک وہ شخص طلاق نہیں دیتا ہے، اس وقت تک آپ اپنی بیٹی کا نکاح دوسری جگہ نہیں کرسکتی ہیں۔ اور اگر آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ شرابی، کبابی ہونے کی وجہ سے لڑکی کے ساتھ نبھاؤ نہیں ہوسکے گا اور خلع وطلاق علی المال پر بھی وہ تیار نہیں ہے، تو قریب کے محاکمۂ شرعیہ میں درخواست دیدیں، وہ شرعی ضابطہ کے مطابق کوئی فیصلہ کریں گے۔

لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره. (هندیة، زکریا ۱/ ۲۸۰ جدید زکریا ۱/ ۳۴٦، بدائع الصنائع، زکریا ۲/ ۵٤۸، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ٤۵۱، کراچی ۲/ ۲٦۸، شامی، کراچی ۳/ ۱۳۲، ۵۱٦، زکریا ٤/ ۲۷٤، ۵/ ۱۹۷، البحرالرائق کوئٹه ٤/ ۱٤٤، زکریا ٤/ ۲٤۲، مبسوط دارالکتب العلمیة بیروت ۳۰/ ۲۸۹)

والمحصنت من النساء عطف علیٰ أمهاتکم: یعني حرمت علیکم المحصنات من النساء أي ذوات الأزواج لایحل للغیر نکاحهن ما لم یمت زوجها، أو یطلقتها، وتنقضي عدتها من الوفاة، أو الطلاق. (تفسیر مظهري، زکریا۲/ ۲۷۳- ۲۷٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۱۴ھ

بغیر تفریق کے نکاح

سوال [۵۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور کچھ مدت تک دونوں ایک ساتھ رہے اور زید حق زوجیت ادا کرتا رہا، کچھ مدت کے بعد یعنی چار پانچ مہینہ کے بعد ہندہ کے گھر والوں نے ہندہ کا نکاح بکر سے کرا دیا، زید کے طلاق دیئے بغیر، تو یہ بکر کا نکاح ہندہ سے درست ہے یا نہیں؟ اور ہندہ زید کے نکاح میں رہنا چاہتی ہے اور زید بھی ہندہ کو اپنی زوجیت میں رکھنا چاہتا ہے، تو کیا ہندہ کو بکر سے طلاق لینی پڑے گی اور زید کو تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا پہلا نکاح کافی ہے؟

المستفتی: محمد شہاب رضا، محلّہ ڈیریا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق نہیں دی اور کوئی وجہ تفریق بھی نہیں ہوئی اور ایسی حالت میں ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہوا، تو وہ نکاح باطل اور بکر کی ہندہ کے ساتھ زنا کاری رہی ہے۔ اور ہندہ بدستور زید ہی کی بیوی ہے، زید کو ہر وقت یہ حق حاصل ہے کہ ہندہ کو اپنے پاس لاکر بیوی بنا کر رکھے، اس میں تجدید نکاح کی بھی

ضرورت نہیں اور نہ ہی بکر سے طلاق لینے کی ضرورت؛ کیونکہ وہ زید ہی کی بیوی ہے۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً (وقوله) ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة؛ لأنه زنا الخ. (شامي، كراچي ۱۳۲/۳، ۵۱٦/۳، زكريا ۲۷٤/٤، ۱۹۷/۵، البحرالرائق، كوئٹه ۱٤٤/٤، زكريا٤ /۲٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۷۰)

طلاق لئے بغیر منکوحہ کا دوسری جگہ نکاح

سوال [۵۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ ایک ایسی لڑکی ہے جس کا حالت نابالغی کمسنی میں والدین نے آٹھ سال قبل نکاح کردیا تھا، بالغ ہونے تک والدین کے گھر رہی، اس عرصہ میں ہندہ کے شوہر نے کوئی خبر نہ لی اور نہ ہی لینے آیا، آٹھ سال کی مدت گزرنے کے بعد ہندہ کا نکاح ثانی دوسری جگہ کسی صورت میں جائز ہے؟ اگر طلاق لئے بغیر اس کا نکاح کرادیا گیا ہو تو کیا یہ جائز ہے؟

(۲) امام مسجد نے اپنے طور سے یہ نکاح ان کے گھر جاکر پڑھایا؛ اور امام صاحب کو نکاح اول بھی بتایا گیا؛ مگر امام صاحب سے انہوں نے اخفاء کیا، بعدہ تحقیق ہوئی کہ یہ نکاح ثانی ہے، کیا ان امام صاحب کی امامت مکروہ ہے؟

(۳) چند افراد نے ان کے اس فعل کو برا سمجھ کر ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی، کیا انہوں نے شرعاً جائز کام کیا؟ بینوا وتوجروا.

المستفتی: امتیاز احمد، مدرسہ رحمت العلوم، قصبہ ناگل سوتی، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جب لڑکی کا نکاح نابالغی میں والدین نے کرادیا، تو بالغ ہونے کے بعد لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔

فإن زوجهما الأب، والجد أي الصغير والصغيرة، فلاخيار لهما بعد بلوغهما. (هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند۲/ ۳۱۷)

اوراس لڑکی کا دوسری جگہ بغیر طلاق لیئے نکاح کرنا جائز نہیں۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى أن قال) لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي۳/ ۱۳۲، زكريا ٤/ ۲۷٤)

لہٰذا بغیر طلاق لیئے ہوئے اگر نکاح کردیا گیا تو نکاح بالکل جائز نہیں ہوگا، اگر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو شوہر کو کچھ لالچ دے کر اس سے طلاق لے لی جائے اور پھر دوسری جگہ نکاح کردیں تو جائز ہوگا۔

وان تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعل ذلك وقع بالخلع تطليقة بائنة. (هداية اشرفى ديوبند ۲/ ٤٠٤)

(۲،۳) اگر امام صاحب کو نکاح اول کا علم تھا، اس کے باوجود نکاح ثانی پڑھادیا، تو یہ امام صاحب کا فعل حرام ہے، اب اگر امام صاحب اپنے اس فعل شنیع سے توبہ کر لیتے ہیں، تو ان کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، التائب من الذنب كمن لاذنب له. (مشكوة شريف ۱/ ۲۰٦)

اور اگر امام صاحب اپنے اس فعل شنیع سے توبہ نہ کریں اور اسی پر مصر ہیں تو ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۳/ ۱۴۹)

ويكره إمامة فاسق (وفي الشامية) أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه؛

بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته شرعاً (إلى ان قال) **أن كراهة تقديمه كراهة تحريم.** (درمختار مع الشامي، كراچي ۱/ ۵٦۰، زكريا ۲/ ۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲۹۳/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱/۲۹ھ

شوہر سے تفریق حاصل کئے بغیر بیوی کا دوسرا نکاح کرلینا

سوال [۵۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زینت بیگم دختر جناب انوار حسین، ساکن محلہ راج چندوسی مراد آباد کی شادی یامین ساکن رحمٰن سرائے علی گڑھ سے ہوئی تھی، دوسال ساتھ ساتھ رہے ایک لڑکا نعیم پیدا ہوا، یامین اپنی بیوی زینت بیگم اور لڑکے نعیم کو ماں کے گھر چندوسی پہونچا کر لاپتہ ہوگیا، تقریباً ۲۲؍سال بیوی ماں کے گھر رہتی ہے، دوسال پہلے عبدالقدیر ولد عبدالعزیز محلہ گڑھی قصبہ سرولی، بریلی نے ان سے نکاح کرلیا، تقریباً ۲۴؍سال کے بعد ان کا پہلا شوہر یامین گھر واپس آگیا، وہ اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے، گھر پر آنے کے بعد تقریباً ۴؍ماہ زندہ رہے، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے، زینت بیگم اب بھی عبدالقدیر ولد عبدالعزیز کے گھر رہ رہی ہے، اب عبدالقدیر ولد عبدالعزیز زینت بیگم کے ساتھ کیا معاملہ کرے؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالعزیز، سرولی، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زینت بیگم کو جب اس کے شوہر یامین نے طلاق نہیں دی تھی اور ایک عرصۂ دراز تک غائب رہا، تو اس کی وجہ سے وہ اس کی زوجیت سے نہیں نکلی؛ بلکہ اسی کی بیوی رہی؛ لہٰذا عبدالقدیر نے جو زینت بیگم سے شرعی تفریق حاصل کئے

بغیر نکاح کرلیا تھا، وہ نکاح ہی نہیں ہوا اور زینت بیگم بدستور پہلے شوہر کی بیوی رہی؛ لہٰذا اس کے واپس آنے پر زینت کو اسی کے ساتھ چلے جانا لازم تھا اور جب پہلا شوہر یامین کا انتقال ہوگیا ہے، تو زینت بیگم پر عدت وفات چار مہینہ دس دن گذارنا لازم ہے، اس کے بعد عبدالقدیر کے ساتھ نکاح درست ہوجائے گا۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزہ ۱۲۳-۱۲۵)

عن المغيرة بن شعبةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة المفقود امراته حتى يأتيها الخبر. (سنن الدارقطني، كتاب النكاح، دارالكتب العلميه بيروت ۲۱۷/۳، رقم: ۳۸۰۴)

أما حكمه ماذكر محمدؒ في الكتاب، أنه يعتبر حياً في حق نفسه حتى لايقسم ماله بين ورثته ولاتتزوج نساؤه. (تاتار خانية، زكريا ۴۴۸/۷، رقم: ۱۰۸۵۵)

ولو تزوج بمنكوحة الغير، وهو لايعلم أنها منكوحة الغير، فوطئها تجب العدة، وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير لاتجب الخ.

(عالمگري، زكريا ۱/ ۲۸۰ جديد ۱/ ۳۴۶)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا. [البقرہ: ۲۳۴] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۱۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰؍۷؍۱۴۳۴ھ

پہلے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح

سوال [۵۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر رئیس اور بیوی شاہین میں جھگڑا ہوا، اس کے بعد بیوی شاہین اپنے میکہ چلی گئی اور اس دوران شوہر رئیس اپنی بیوی کو کچھ خرچہ بھی دیتا رہا، اس کے بعد ایک عورت نے

شاہین کو بہلا پھسلا کر شاہین کا نکاح دوسرے مرد سے کردیا اور شاہین کے پہلے شوہر نے ابھی شاہین کو طلاق بھی نہیں دی ہے، تو شاہین کا دوسرے مرد کلو کے ساتھ نکاح کرنا صحیح ہوگا یا نہیں اور شاہین کے پہلے نکاح کا کیا ہوگا؟

المستفتی: محمد رئیس، بغدادی مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شاہین کے پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے، تو اس سے طلاق لئے بغیر شاہین کا نکاح جو دوسرے مرد کے ساتھ ہوا ہے، وہ نکاح باطل ہے اور دوسرے مرد کے ساتھ رہنا حرام کاری اور زنا کاری ہے اور شاہین بدستور پہلے شوہر کے نکاح میں باقی ہے۔

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره. (فتاوی عالمگیري، زکریا ۱/ ۲۸۰، جدید ۱/ ۳٤٦)

أما نكاح معتدة الغير ومنكوحته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، زکریا ٤/ ۲۷٤، ۵/ ۱۹۷، کراچي ۳/ ۱۳۲، ۵۱٦، البحرالرائق، کوئٹه ٤/ ۱٤٤، زکریا ٤/ ۲٤۲) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۵۲/۴۰)	۱۴۳۴/۶/۲۳ھ

مطلقہ حلالہ سے منع کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد حنیف ولد محمد خلیل صاحب مرحوم محلّہ نئی بستی کو بڑا نیم مرادآباد زوجہ کا نام فرمیدہ بیگم ولد یامین صاحب مرحوم محلّہ چھپروالی مسجد عیدگاہ روڈ، ان دونوں کی شادی کا عرصہ

تقریباً ۲۶/سال ہوگیا تھا، ۲۶/سال کے بعد دونوں میاں بیوی میں اسقدر جھگڑا ہوا کہ محمد حنیف نے اپنی بیوی فرمیدہ بیگم کو طلاق دے دی، طلاق کے بعد فرمیدہ بیگم اپنے والد مرحوم کے گھر آ گئی اور طلاق کی عدت ۳/ماہ ۱۰/دن کی پوری کرلی گئی، مگر فرمیدہ بیگم کہتی ہے کہ میں دوسرا نکاح نہیں کروں گی اور نہ میں حلالہ کروں گی اور میں پہلے شوہر محمد حنیف کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، میں دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں کروں گی، باربار یہی کہتی ہے، میرے بچے جوان ہیں اورلڑکی بھی جوان ہے، اب آپ بتایئے شریعت کیا کہتی ہے؟

المستفتی: محمد حنیف، نیابستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرشوہر نے دوران جھگڑا بیوی کو تین طلاق دے دی ہوں تو پہلے شوہر کے پاس بغیر حلالہ شرعی کے نکاح کر کے بھی جانا جائز نہیں، اگر پہلے شوہر کے پاس رہنا ہے تو شرعی حلالہ کے بعد ہی جاسکتی ہے اورشرعی حلالہ کی شکل یہ ہے کہ تین ماہواری گذر جانے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، پھراس مرد سے ہمبستری ہوجانے کے بعد وہ مرد مر جائے یا طلاق دے دے، پھراس کے بعد تین ماہواری گذر جانے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ شرعی نکاح کر کے میاں بیوی والی زندگی گذار سکتے ہیں، اس کے بغیر پہلے شوہر کے پاس جانے کی کوئی شکل نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۲۰۹)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(فتاوى عالمگيري، زكريا ۱/ ٤٧٣ جديد ۱/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۸۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۶ھ

حمل کی حالت میں طلاق کے بغیر دوسرے سے نکاح اور بچہ کا ثبوت

سوال [۵۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معتصم بن عبدالغفور کا نکاح لحاظاً بنت عنایت علی سے ہوا، اور وہ امید سے ہوگئی اس کے تین ماہ بعد لحاظا کا نکاح بغیر طلاق کے بشارت بن عبدالودود سے ہوگیا، اب اس لڑکی سے پیدا ہونے والا لڑکا ہے اور اتفاق کہ معتصم اور بشارت دونوں کا انتقال ہوگیا ہے، اب موجودہ بچہ کا نسب کون سے شوہر سے جڑے گا اور ترکہ دونوں سے ملے گا یا کسی ایک سے؟

المستفتی: محمد عمران، تنکار، بھاگل پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو شکل لکھی گئی ہے، اس میں لحاظاً بنت عنایت علی کا نکاح محمد معتصم بن عبدالغفور کے ساتھ صحیح ہوگیا اور اس سے طلاق لئے بغیر بشارت ابن عبدالودود کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے، وہ درست نہیں ہوا، بشارت کے ساتھ بدکاری ہوئی ہے اور لحاظاً سے جو لڑکا پیدا ہوا ہے، وہ معتصم ہی کا ہے بشارت کا نہیں ہے اور آگے سلسلہ نسب اور وراثت وغیرہ کی بات معتصم ہی کے ساتھ جاری ہوگی۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر .

(بخاري شريف، كتاب البيوع، باب تفسير المشبهات، النسخة الهندية ١/٢٧٦، رقم:٢٠٠٧، ف:٢٠٥٣)

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً؛ ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى. (شامي، كراچي ٣/٥١٦، ٣/١٣٢، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحرالرائق، زكريا ٤/٢٤٢، كوئٹه ٤/١٤٤)

لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیرہ. (هندیة، زکریا ۱/ ۲۸۰ جدید ۱/ ۳٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۳۹/۳۸)

شوہر سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال [۵۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عوت جس کا نام شائستہ عشرت بنت نگار بیگم ہے، شائستہ کا نکاح اول ۹-۷-۱۹۷۸ء میں ہوا تھا، کچھ ٹائم کے بعد میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہوگیا تھا، شائستہ بنا طلاق کے اپنے والد کے گھر پر آ گئی، جس میں بیچ میں کچھ لوگوں نے بات چیت کرا کر شوہر کو بھی ان کے والد کے مکان پر رکھوا دیا؛ لیکن پھر بھی حالات سازگار نہ ہو سکے، نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکا اپنے گھر شائستہ اپنے والد کے گھر بلا طلاق کے رہتی رہی، اسی بیچ ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی، بچہ کی پیدائش کے بعد اس آدمی نے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی؛ لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اسی طرح سے ۱۷؍سال کا گذر گئے، ۱۷؍سال کے بعد اس عورت نے دوسرا نکاح کرلیا ہے، نہ تو پہلے شوہر سے طلاق لی، نہ عدت گذاری، نہ کوئی مہر جہیز واپس لیا، بچہ کا ۱۷؍سال کا خرچ بھی نہیں لیا ہے، تو دوسرا نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز ہے اور ہم فتوی لے چکے ہیں، دوسرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، تو وہاں پر وہ اپنا حق مانگ رہی ہیں۔

المستفتی: مسعود اقبال، گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں شوہر اول سے طلاق لئے

بغیر نکاح ثانی صحیح اور درست نہیں ہوا؛ بلکہ باطل ہوا ہے، اس نکاح کے ذریعہ دوسرے شوہر کے ساتھ زنا کاری و بدکاری رہی ہے اور اس دوسرے نکاح کو جو لوگ جائز کہہ رہے ہیں وہ غلط اور بے بنیاد ہے، اگر انہوں نے کہیں سے جواز کا فتوی لیا ہے، تو وہ ہمارے پاس بھیجئے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۹۴/۷)

وأما نكاح منكوحة الغير –لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً. (شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ١٩٧/٥، كراچي ١٣٢/٣، ٥١٦/٣، وهكذا في البدائع، زكريا ٥٤٨/٢، كراچي ٢٦٨/٢، درالكتب العلمية بيروت ٤٥١/٣)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره. (هندية، زكريا ٢٨٠/١، جديد ٣٤٦/١)

اور دوسرا شخص جس سے ناجائز نکاح ہوا ہے، اس کے انتقال کے بعد یہ عورت اس کے ترکہ سے وراثت پانے کی مستحق نہیں ہے؛ بلکہ یہ آج بھی پہلے شوہر کی بیوی ہے۔

لأن الإرث ثبت بالنص على خلاف القياس في النكاح الصحيح مطلقاً، فيقتصر عليه. (در مختار على الشامي، زكريا ٣٥١/٤، كراچي ١٨٦/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۵۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۱۲ھ

کورٹ کی طلاق کے بعد دوسری جگہ نکاح کا حکم

سوال [۵۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر اپنے گھر سے باہر چلے جاتے ہیں اور ایک دوسال باہر رہتے ہیں، گھر میں بیوی کے لئے کوئی خرچہ پانی نہیں بھیجتے ہیں اور بیوی کو خبر پہنچتی ہے کہ آپ کے شوہر زندہ ہیں اور اب زندگی بسر کرنے کے لئے کوئی ذریعہ معاش نہیں، نہایت غریب ہے،

دوسروں کے گھروں میں جاکر کام کر کے روزی روزگار حاصل کرتی ہے اور لڑکی جوان ہے، ناجائز کام میں پھنسنے کا ڈر ہے؛ لہٰذا اب یہ لڑکی سرکاری کورٹ میں جا کر ڈائی پیش کر دیتی ہے (نکاح کو توڑتی ہے) اور دوسرے آدمی سے نکاح کر لیتی ہے، تو کیا دوسرا نکاح ہو جائے گا یا نہیں اور شوہر اول کے گھر آنے سے بیوی کس کی ہوگی؟

المستفتی: نورالزماں، آسامی، جامعہ اسلامیہ محمودیہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی اور بال بچوں کا نان ونفقہ شوہر کے ذمہ ہے، اگر وہ نہیں دیتا ہے تو عورت کو شوہر کے خلاف عدالت شرعیہ یا محکمۂ شرعیہ میں مقدمہ دائر کر کے اپنے نفقہ کے مطالبہ کا حق ہے؛ لیکن نفقہ نہ دینے کی وجہ سے غیر مسلم عدالت میں جا کر نکاح ختم کرنے کے لئے چارہ جوئی کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی غیر مسلم عدالت کا شوہر سے نکاح ختم کرنے اور طلاق دینے کا فیصلہ کرنا شرعاً معتبر ہے؛ لہٰذا غیر مسلم عدالت سے نکاح ختم کر کے دوسری جگہ جو نکاح کرتی ہے شرعاً وہ نکاح باطل ہے اور اس کے ساتھ زناکاری ہوگی اور بیوی بدستور اپنے سابقہ شوہر کے نکاح میں باقی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۵۲)

لـم يـنـفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي الخ

(شامي، كراچي ٥/٤٢٨، زكريا ٨/١٢٦)

وأما نكاح منكوحة الغير –لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً.

(شامي، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، كراچي ٣/١٣٢، ٣/٥١٦، البحر الرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۲۲ھ

(۲۲) باب نكاح المعتدة

معتدہ کونکاح کا پیغام دینا

سوال [۵۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اب سے بارہ سال قبل اپنے بڑے بھائی کی بیوی سے ناجائز جنسی تعلقات قائم کئے اور کئی سال تک زنا کاری کرتا رہا، جب ان ناجائز تعلقات کا علم رشتہ داروں کو ہوگیا، تو وہ اپنی محبوبہ کو لے کر فرار ہوگیا اور آج بھی اس کے ساتھ رہتا ہے، کچھ عرصہ گذارنے کے بعد زید کے سگے بھتیجے کا مشتبہ حالات میں انتقال ہوگیا اور اس نے اپنے پیچھے جوان العمر بیوہ اور تین نابالغ بچے چھوڑے، مرحوم کی زندگی میں کچھ حالات اس طرح کے پیش آئے جن سے اندازہ ہوا کہ زید نے مرحوم کی زندگی میں ہی اس کی مسماۃ سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے تھے، ان تعلقات کا علم اس وقت ہوا؛ جبکہ ان کی آپسی گفتگو سنی گئی اور ٹیپ کر لی گئی، جو ثبوت کے طور پر محفوظ ہے ان کی گفتگو اور یہ باور کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ زید اور بیوہ مذکورہ نے راستہ کا کانٹا دور کرانے کے لئے مرحوم کو زہر دے کر ہلاک کیا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں زید اور مسماۃ مذکورہ کے لئے فتوی صادر فرمائیں۔

المستفتی: ظہیر عالم ڈانگ، بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم ومغفور کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی بات اس وقت تک شرعی طور پر معتبر نہ ہوگی، جب تک دو شرعی گواہوں کے خود دیکھنے پر شہادت نہ ہو یا خود وہ لوگ اقرار نہ کریں، جن کا ایسے فعل شنیع میں دخل دینے کا شبہ ہے، اس کے بغیر محض شکوک وشبہات اور فون پر گفتگو اس کے ثبوت پر حجت نہیں ہوسکتی ہے؛ اس لئے شرعی طور پر

زیداور بیوہ مذکورہ پر کوئی سزا نہیں ہے؛ البتہ اگران دونوں نے بےحیائی کی بات کی ہے تو ان پر بےحیائی کا گناہ ہوگا، توبہ کرنی چاہئے اورعدت گذرنے کے بعد دوسرے مرد سے شادی کی گفتگو کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے بلکہ جائز اور درست ہے؛ البتہ نکاح سے قبل باقاعدہ فحش اور بےحیائی کی بات کرنا گناہ ہے؛ اس لئے اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ عدت میں تھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس عدت ختم ہوتے ہی اگر کوئی نکاح کا پیغام آئے گا، تو مجھے بتلا دینا؛ چنانچہ اس کے بعد حضرت معاویہؓ اورابوالجہم کی طرف سے دو پیغام آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ معاویہ تو فقیر ہے اور ابوالجہم عورتوں پر بہت سخت ہے، تم اسامہ بن زید کے ساتھ نکاح کرلو؛ چنانچہ عدت کے بعد ہی حضرت اسامہ کے ساتھ نکاح ہوگیا۔

حدیث شریف کی عبارت حسب ذیل ہے:

فإذا انقضت عدتك فجاء أحد يخطبك، فأتيني، فلما انقضت عدتي خطبني أبو جهم، ومعاوية، قالت: فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له، فقال: أما معاوية فرجل لا مال له، وأما أبو جهم فرجل شديد على النساء، قالت: فخطبني أسامة بن زيد، فتزوجني. فبارك الله لي في أسامة. (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ما جاء أن لا يخطب الرجل على خطبة أخيه، النسخة الهندية ۱/۲۱۵، دار السلام رقم: ۱۱۳۵)

اور محض نکاح کے ارادہ سے عاشقانہ گفتگو سے زہر کا گمان کرنا قرآنی حکم سے منع ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوْا. [سوره حجرات: ۱۲] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۶۳۱)

دوران عدت دوسرے سے نکاح

سوال[۵۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، بیوی ابھی عدت میں تھی تقریباً ایک یا دو حیض گذرنے کے بعد اس نے جان بوجھ کر دوسرے مرد سے شادی کرلی، تو ایسی صورت میں یہ نکاح باطل ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلی ہی رات میں استقرار حمل ہوگیا، تو اس بچہ کا نسب پہلے مرد سے ثابت ہوگا یا دوسرے سے جبکہ اسی حمل سے یہ بچہ پیدا ہوا۔ اب احساس ہوا کہ جائز طریقہ سے نکاح ہونا چاہئے، تو کیا اب نکاح کرنے کے لئے دوبارہ عدت گذارنی ہوگی یا وضع حمل کے فوراً بعد نکاح جائز ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اس بچہ کا نسب نہ پہلے شوہر سے ثابت ہوگا اور نہ ہی دوسرے سے ثابت ہوگا، اس بچہ کو اس کی ماں کی طرف منسوب کردیا جائے گا، پہلے شوہر سے نسب ثابت اس لئے نہ ہوگا کہ شوہر ثانی نے ایک یا دو حیض گذرنے کے بعد اس سے نکاح کیا ہے اور حیض کا آنا رحم کے خالی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرے شوہر سے اس لئے ثابت نہ ہوگا کہ یہ نکاح باطل ہے اور نکاح باطل میں نسب کا ثبوت نہیں ہوتا اور وضع حمل کے بعد عدت پوری ہوگئی ہے، صحیح طریقہ سے نکاح کرنے کے لئے دوبارہ عدت گذارنا لازم نہیں؛ لہٰذا فوراً نکاح کرنا جائز ہے۔

أما منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً قال فعلى هذا يفرق بين فساده و باطله في العدة؛ ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنىٰ.

(شامي، زكريا٤/٢٧٤، كراچي٣/١٣٢، زكريا٥/١٩٧، كراچي٣/٥١٦، البحرالرائق، زكريا٤/٢٤٢، كوئٹه ٤/١٤٤)

والظاهر أن المراد بالباطل ماوجوده كعدمه ولذا لا يثبت النسب ولا العدة في نكاح المحارم أيضاً. (شامي، زكريا٤/٢٧٤، كراچي٣/١٣٢)

أما إذا لم تكن هناك شبهة تسقط الحد بأن كان عالما بالحرمة فلا يلحق به الولد عند الجمهور، وكذلك عند بعض مشائخ الحنفية؛ لأنه حيث وجب الحد فلا يثبت النسب. (الموسوعة الفقهية الكويتية٨/١٢٤)

الحيضة الواحدة: لتعريف براءة الرحم، والثانية: لحرمة النكاح، والثالثة: لفضيلة الحرية. (مبسوط، دارالكتب العلمية بيروت٦/٤٢)

أي عدة هولاء ثلاث حيض في الحرة التي تحيض وإنما كان كذلك لأنها وجبت لتعرف براءة الرحم لالقضاء حق النكاح. (البحرالرائق، زكريا٤/٢٣٥، كوئٹه٤/١٣٨)

العدة لاتجب إلا في نكاح صحيح كذا في السراج الوهاج. (هندية، زكريا١/٥٢٨، جديد ١/٥٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۸۵/۴۰)

مطلقہ کا عدت کی تکمیل سے قبل دوسرا نکاح کرنا

سوال [۵۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت کو تین طلاق دیدی گئی اور دوسرے ہی دن اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے پڑھادیا گیا، وہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالصمد قاسمی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت پوری ہونے سے قبل جو نکاح ہوا ہے، وہ شرعاً باطل ہوا ہے، اس نکاح سے وہ عورت اس دوسرے شخص کی بیوی نہیں ہوئی، ان کا ایک ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی۔

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ. [البقرہ:۲۳۵]

وأما نكاح منكوحة الغير و معتدته (إلى قوله) لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي۳/۱۳۲، ۵۱۶،زكريا ۴/۲۷۴، ۱۹۷/۵،البحرالرائق، كوئٹه۴/۱۴۴، زكريا۴/۲۴۲)

ومنه أن لا تكون معتدة الغير. (بدائع الصنائع،كراچي۲/۲۶۸، زكريا۲/۵۴۹، دارالكتب العلمية بيروت۳/۴۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۸۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۵ھ

تکمیل عدت سے قبل دوسرا نکاح کرنا

سوال [۵۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا انتقال ہوگیا، اب اس کی بیوی ہندہ نے عدت پوری ہونے سے پہلے ہی دوسرے سے نکاح کرلیا، اس صورت میں اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد اختر، حافظ بننے کی پلیہ، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ کا درج شدہ بیان صحیح ہے، تو ہندہ

کا دوسرا نکاح شرعاً درست نہیں ہے، اگر دوسرے شوہر کو عدت پوری نہ ہونے کا علم ہے، تو نکاح بالکل باطل ہے اور اگر علم نہیں ہے تو نکاح فاسد ہے، بہرحال مذکورہ نکاح صحیح نہیں ہے۔

أما نكاح الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة، إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً، قال فعلى هذا يفرق بين فساده وباطله في العدة الخ. (شامي، كراچي ٣/١٣٢، ٣/٥١٦، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحر الرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢،هكذا في المبسوط،دارالكتب العلمية بيروت ٣/٢٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۳۹۰)

کیا مطلقہ دوران عدت نکاح کرسکتی ہے؟

سوال [۵۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے طلاق دیدی ہے اور تقریباً دس گیارہ دن گذر گئے ہیں، تو اس اثناء عدت میں وہ عورت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ابراہیم شاہ، پیت پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پوری عدت تین حیض گذرنے سے پہلے دوسرے مرد سے نکاح شرعاً جائز نہیں ہے، اگر نکاح کیا جائے تو وہ شرعاً صحیح نہیں ہوگا، اور یہ دونوں میاں بیوی نہیں کہلائیں گے۔

أما نكاح الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة، إن علم أنها للغير؛ لأنها لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ٣/١٣٢

،٣/٥١٦، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحر الرائق، كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢، هكذا في البدائع، كراچي ٢/٢٦٨، زكريا٢/٥٤٩، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٢٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۸۱۲/۲۵)

بحالت عدت مطلقہ کا دوسرا نکاح کرنا

سوال [۵۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مطلقہ عورت حالت عدت میں نکاح ثانی دوسرے سے کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کرلے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محفوظ الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مطلقہ عورت حالت عدت میں ازروئے شرع دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی، اگر حالت عدت میں نکاح کرلے تو شرعاً یہ نکاح باطل ہے اور ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی۔

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذالک المعتدة سواء كانت العدة عن طلاق، أووفاة. (فتاوى عالمگيري، زكريا ١/٢٨٠ جديد ١/٢٤٦، وهكذا في الشامي، كراچي٣/١٣٢، ٣/٥١٦، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحر الرائق كوئٹه٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۴۸۰/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۲/۱۴۲۱ھ

درمیان عدت نکاح کا حکم

سوال [۵۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عدت کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور مطلقہ عورت کی عدت کتنی ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: عزیز اللہ خاں، اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی شخص کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے یا شوہر کا انتقال ہوجائے اور بیوی ابھی عدت کے اندر رہے، تو اس حالت میں دوسرے مرد کے ساتھ نکاح درست نہیں ہوتا ہے، اگر جان بوجھ کر عدت کے اندر دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کیا جائے گا، تو وہ نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ زندگی گذارنا زنا کاری اور بدکاری ہوگی اور مطلقہ عورت کی عدت تین ماہواری ہے۔

ومنها أن لاتكون معتدة الغير. لقوله تعالىٰ: ولاتعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله أي ماكتب عليها من التربص. (بدائع الصنائع، زكريا۲/ ۵٤۹، كراچي۲/ ۲٦۸، دارالكتب العلمية بيروت۳/ ٤۵۱)

وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع، ومنع غيره فيها لاشتباه النسب. (در مختار مع الشامي، زكريا۵/ ٤۰، كراچي ۳/ ٤۰۹)

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً، أورجعياً، أووقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثةأقراء الخ. (هداية اشرفى ۲/ ٤۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۹۱)

دوران عدت نکاح کرنا

سوال [۵۷۳۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی طلاق کوایک ماہ ہو چکا ہےاوروہ لڑکی کسی دوسرے شخص کے گھر پر رہتی ہے، اس لڑکی کے نہ ہی ماں باپ ہیں اور نہ ہی بھائی بہن میں سے کوئی موجود ہے، اب اس لڑکی کا نکاح ایک دوسرے لڑکے کے ساتھ ہونے جارہا ہے؛ جبکہ اس لڑکی نے عدت طلاق نہیں گذاری ہے، تو اس لڑکی کا نکاح ثانی ہوسکتا ہے یانہیں؟ کم ازکم کتنا وقت گذرنا چاہئے؟

المستفتی: عبدالحفیظ، مغل پورہ، لال اسکول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق ہوئے ابھی صرف ایک مہینہ گذرا ہے اورطلاق کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے لئے حکم شرعی اورشرط یہی ہیکہ طلاق کی عدت یعنی تین ماہواری گذرجائیں، اس کے بعد کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح جائز ہے؛ لہٰذا تین ماہواری گذرنے سے پہلے پہلے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح درست نہیں؛ لہٰذا مکمل تین ماہواری گذرنے کا انتظار کیا جائے، اس کے بعد دوسرا نکاح کیا جائے۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامي، كراچي ٣/١٣٢، ٣/٥١٦، زكريا ٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحرالرائق، زكريا ٤/٢٤٢، كوئٹه ٤/١٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۹۰۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۱۵ھ

دوران عدت نکاح کرنا

سوال [۵۷۳۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے تین سال قبل اپنی لڑکی کا رشتہ طے کیا اس کے بعد چھان بین پر معلوم ہوا کہ لڑکی کا ہونے والا شوہر دین سے قطعی غافل اور شرابی اوباش ہے، جب زید نے یہ شکایتیں کیں تو لڑکے کی بہن ودیگر رشتہ دار اور اس رشتہ کرانے میں معاون (درمیانی فرد) نے قسم کھا کر یقین دلایا، یقین ہونے پر زید نے اپنی لڑکی سے نکاح کردیا، شادی ورخصتی کے دو یوم کے بعد لڑکی کے آنے پر معلوم ہوا کہ لڑکا واقعی طرح طرح کے نشوں میں ملوث ہے اور یہ کہ زید کی لڑکی کے سسرال والوں نے جہیز کا نام رکھتے ہوئے طعنہ زنی کی، جب زید نے ذمہ داران سے شکایت کی تو شوہر مذکور نے ان ہی ذمہ داران کو گالیاں بکیں اور مار پیٹ کی، تب ہی ذمہ داران زید کے پاس آکر اپنی ذمہ داری سے سبکدوشی ظاہر کر کے چلے گئے، زید نے اپنی لڑکی کو روک لیا اور کسی بڑے ذمہ دار اور بااثر شخصیت کو لانے کیلئے شوہر مذکور سے کہا، جس پر لڑکے نے کہا کہ میری بیوی ہے میں جانوں؛ جبکہ بیوی مذکورہ جانے سے انکار کرتی رہی، اس پر لڑکے نے اس امر کا کہ میری بیوی ایک لاکھ روپیہ وزیور لے کر فرار ہوگئی اپنے شہر میں دعویٰ کردیا، درمیان مقدمہ لڑکی کی نند (شوہر مذکور کی بہن) نے آکر کہا کہ لڑکا اپنی بیوی کو اپنے یہاں رکھے گا بھی نہیں اور طلاق بھی نہیں دے گا؛ بلکہ لڑکی کو اسی طرح بوڑھا کردے گا، اس کے بعد تب ہی سے زید طلاق حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا لگ بھگ ڈھائی سال کی متواتر کوشش اور دعاؤں کے بعد زید نے ذمہ داران اور اچھی شخصیتوں کے ذریعہ اس ظالم سے اپنی لڑکی مذکورہ کو آزاد کرالیا، لڑکی کے آزاد ہوتے ہی اللہ کے کرم سے فوراً ایک رشتہ آ گیا، دوسرے رشتہ کرنے والے کہتے ہیں کہ ہم لوگ رشتہ فوراً کر کے جانا چاہتے ہیں؛ کیونکہ ہمارے پاسپورٹ کے ویزے میں وقت نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ ہم لوگ

نکاح کی رسید دکھا کر لڑکی مذکورہ کا پاسپورٹ بنوائیں گے، لڑکا نمازی ہے بفضل الٰہی زید کو بتایا جائے؛ کیونکہ طلاق کے بعد لڑکی مذکورہ کے لئے ایک منزل عدت کی ہے۔

مندرجہ بالا حالات میں عدت کے لئے کیا حکم دین ہے؛ تاکہ زید اپنی لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرا کے اپنی ذمہ داری اور فرض سے سبکدوش ہوسکے؟

نوٹ: طلاق ۲۵ /اپریل ۱۹۹۲ء کو ہوئی ہے اور لڑکی مذکورہ نے اپنے تمام مطالبات مہر وغیرہ بروقت طلاق معاف کر دیئے ہیں۔

المستفتی: محمد رفیق شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی طور پر طلاق ہونے کے بعد عدت پوری ہونے سے پہلے دوسری جگہ نکاح ناجائز اور حرام ہے، اگر عدت کے دوران نکاح کردیا جائے، تو شرعاً نکاح صحیح نہ ہوگا؛ اس لئے ہرگز ایسا ارادہ نہ کیا جائے۔

وأما منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) **لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً؛ ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى.** (شامي، كراچي ۳/۱۳۲، ۳/۵۱٦، زكريا ٤/۲۷٤، ۵/۱۹۷، البحرالرائق، زكريا ٤/۲٤۲، كوئٹه ٤/۱٤٤، وهكذا في الهندية ۱/۲۸۰، جديد ۱/۳٤٦ بدائع الصنائع، كراچي ۲/۲٦۸، زكريا ۲/۵٤۹، دارالكتب العلمية بيروت ۳/٤۵۱، مبسوط دارالكتب العلمية بيروت ۳۰/۲۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رشوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۸۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۰/۲۴ھ

دوران عدت نکاح کا حکم شرعی

سوال [۵۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہماری بستی میں ایک عورت کوطلاق مغلظہ ہوئی، ابھی طلاق دئے ہوئے بیس دن ہوئے تھے کہ عورت نے دوسرا نکاح کرلیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دوسرا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد ایوب، نئی بستی، ہلدوانی، شاہی چکن بریانی سینٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے بیس دن بعد دوسرے مرد سے جونکاح ہوا ہے، اگر جانبین میں سے دونوں نے جان بوجھ کر یہ نکاح کیا ہے، تو وہ نکاح باطل ہوا ہے، اب دوسرے شوہر کے ساتھ جو ہمبستری ہوگی وہ بدکاری اور حرام کاری ہوگی؛ اس لئے فوری طور پر دونوں کے درمیان تفریق لازم ہے۔

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامي، كراچي ٣/١٣٢، ٥١٦/٣، زكريا ٤/٢٧٤، ١٩٧/٥، البحر الرائق، زكريا ٤/٢٤٢، كوئٹه ٤/١٤٤، قاضي خان ١/٣٦٦، جديد١/ ٢٢١ هندية ١/ ٢٨٠ جديدز كريا ١/٣٤٦)

واتفقوا على التوبة من جميع المعاصي واجبة، وإنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها سواء كانت صغيرة أو كبيرة. (شرح النووي ٣/٣٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۶۷۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۲۸ھ

عدت سے قبل بغیر حلالہ کے شوہر کا مطلقہ سے نکاح کرنا

سوال [۵۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دی اور مکمل عدت سے قبل بغیر حلالہ کے شوہر نے اس مطلقہ بیوی سے نکاح کرلیا، تقریباً ساڑھے تین سال سے یونہی زندگی بسر کررہا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے جو اس مطلقہ بیوی سے تکمیل عدت سے قبل نکاح کرکے مجامعت وغیرہ کی اور پھر اس سے اولاد پیدا ہوئی، تو ان جملہ اشیاء مذکورہ کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ نیز اس عورت کے ساتھ زندگی گذارنے کی کوئی جواز کی صورت ہو، تو تشفی بخش جواب سے نوازیں؟

المستفتی: ضیاء الدین، بیر بھومی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے مطلقہ ثلاثہ سے حلالہ کے بغیر جو نکاح کیا ہے، یہ زنا اور حرام کاری ہے، اگر شریعت اسلامی ہوتی تو دونوں کو سنگسار کردیا جاتا؛ لہٰذا اب مرد اور عورت دونوں کے لئے لازم ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے فوراً علیحدہ ہوجائیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۵۱۳)

أما المطلقة ثلاثاً إذا جامعها زوجها في العدة مع علمه أنها حرام عليه ومع إقراره بالحرمة لاتستأنف العدة؛ ولكن يرجم الزوج والمرأة.

(فتاوی عالمگیري،زکریا ۱/۵۳۲ جدید ۱/۵۸۵)

اگر دونوں ایک ساتھ رہنا چاہیں تو جواز کی صورت یہ ہے کہ عورت کسی شخص سے باقاعدہ نکاح کرے اور وہ شخص ہمبستری کے بعد طلاق دیدے یا مرجائے اس کے بعد عدت گذار کر پھر آپس میں نکاح درست ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ٥. [البقرة:۲۲۹]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۷۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

عدت گذارے بغیر نکاح

سوال [۵۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ایسی عورت جو کہ حاملہ تھی کسی وجہ سے حمل گر گیا اور ڈاکٹرنی کی رائے کے مطابق پیٹ بالکل صاف ہو گیا، پورا یقین ہے کہ وہ اب حاملہ نہیں ہے، بعدہ فوراً طلاق کی نوبت پہونچی اور کسی بھی وقت شوہر سے تنہائی نہیں ہوئی۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ حالات میں عدت کے بغیر نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: سلطان احمد، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حمل کے گر جانے کے بعد اگر طلاق کی نوبت آگئی اور کسی بھی وقت شوہر سے تنہائی نہیں ہوئی، تب بھی عورت پر تین حیض تک عدت گذارنا واجب ہے اور بغیر عدت گذارے دوسرا نکاح کرنا کسی بھی حال میں درست نہیں ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴۰۲/۶، جدید زکریا ۴۲۰/۶)

وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَه. [البقرة: ٢٣٥]

إذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً، أو رجعياً –إلى ما قال– و هي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (عالمگيري زكريا ٥٢٦/١، جديد١/ ٥٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۴۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۶ھ

معتدہ کا دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال [۵۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدی ہے اور ہندہ چاہتی ہے کہ وہ دوسری شادی جلدی ہی کرے عدت سے قبل تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسری شادی کرے؟

المستفتی: جابر حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت کی حالت میں عورت کا دوسرے شوہر سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، تین حیض گذرنے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/۳۳۱)

وهي في حق حرة تحيض لطلاق، أو فسخ بعد الدخول حقيقةً، أوحكماً ثلاث حيض كوامل. (در مختار مع الشامي، زكريا ٥/ ١٨١، كراچي ٣/ ٥٠٤، ٥٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵؍ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۸۳۲/۳۵)	۱۵؍۷؍۱۴۲۱ھ

طلاق نامہ پر انگوٹھا لگوانے سے طلاق اور عدت کے اندر نکاح

سوال [۵۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا نواب جان جو کہ بالغ ہے، جس کے والدین نہایت شریف ہیں لڑکا بے نمازی بے ادب بدتمیز ہے ناکارہ ہے، آئے دن اس کی یہ شکایتیں ملتی ہیں کہ اس نے فلاں کی لڑکی کو پکڑ لیا، عزت دار ماں باپ نے کئی جگہ سے رشتہ چلانے کی کوشش کی؛ لیکن درمیانی لوگوں نے رشتہ نہیں ہونے دیا مجبوراً ایک ایسی لڑکی سے جس کے ماں باپ نہایت غریب ہیں اور یہ لڑکی ایک سال سے چھوٹی ہوئی ہے اپنے والدین کے گھر پر تھی لڑکی اور لڑکے کے والدین نے آپس میں مشورہ کر کے پہلے شوہر کا انگوٹھا لے کر لڑکی کو آزاد کرالیا

اور مجبوری کے تحت ایک ماہ گیارہ دن کے بعد دوسرے لڑکے نواب جان سے نکاح کردیا، حالات کی مجبوری کو سامنے رکھتے ہوئے کیا یہ نکاح درست ہے؟ اور اس نکاح میں شامل ہونے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی: قمرالدین، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انگوٹھا لگانے کا مطلب اگر طلاق دلوانا ہے اور زبانی یا تحریری طلاق ہی دینا مراد ہے تو اگر چہ شوہر سے طلاق ہوگئی ہے، مگر ایک ماہ گیارہ دن میں عدت پوری نہیں ہوسکتی؛ اس لئے دوسرا نکاح جو نواب جان کے ساتھ ہوا ہے، وہ شرعی طور پر نہیں ہوا ہے دونوں میں فوراً علیحدگی لازم ہے، وہ نواب جان کی بیوی نہیں ہوئی۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً؛ ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنى. (شامي، كراچي ۳/۵۱٦، ۳/۱۳۲، زكريا ٤/۲۷٤، ٥/۱۹۷، البحرالرائق، زكريا ٤/۲٤۲، كوئٹه ٤/۱٤٤)

اور جو لوگ اس دوسرے نکاح میں شریک ہوئے ہیں ان کو توبہ کرلینی چاہئے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۰۷)

(۲۳) باب نکاح المطلقة

مطلقہ مغلظہ کا بعد العدۃ دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال [۵۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈھائی سال کا عرصہ ہوا، جب میری شادی ہوئی تھی، میرے شوہر آگ میں جل کر ختم ہوگئے تھے، پھر میرا نکاح دیور سے ہوگیا تھا، اس نے بھی کچھ عرصہ بعد تین طلاق دیدی تھی، اب میں پھر تیسرے آدمی سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ کیا شرعاً اجازت ہے میرا نکاح ہوسکتا ہے؟ میرا کوئی دوسرا سہارا نہیں ہے مجبوراً نکاح کرنا چاہتی ہوں۔

المستفتی: ساجدہ بی، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت واقعہ جب شوہر نے طلاق مغلظہ دیدی اور دوسال کا عرصہ گذر گیا، تو اس کی عدت مکمل ہوگئی اب تیسرے شخص سے نکاح کرنا جائز اور درست ہے۔

وكذا لو قالت امرأته لرجل طلقني زوجي وانقضت عدتي لابأس أن ينكحها. (در مختار، كتاب الطلاق، باب العدة،، زكريا ۵/۲۱۵، كراچي ۳/۵۲۹)

يجوز لها أن تتزوج بآخر إن كان قد طلقها. (عالمگيري، زكريا ۱/۵۲۸ جديد ۱/۵۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۵۸)

طلاق کے ڈھائی ماہ بعد دوسرا نکاح کرنا

سوال[۵۷۴۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی لڑکی شکیلہ کی شادی کی تو شکیلہ بعد الدخول اپنے میکہ چلی آئی اورشوہر کے گھر نہ جانے کا ارادہ کرلیا، تو زید نے شوہر سے طلاق لے کراس کی دوسری شادی کردی؛ جبکہ میاں بیوی کی فرقت پانچ ماہ رہی اور طلاق کی مدت ڈھائی ماہ رہی۔ کیا اس کی دوسری شادی شریعت کے مطابق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: ظفرالہدیٰ، چمپارنی متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلاق ہوجانے کے بعد ڈھائی ماہ کے درمیان میں تین مرتبہ ماہواری آچکی ہے، تو دوسرا نکاح صحیح اور درست ہو چکا ہے اور اگر ڈھائی ماہ میں مرتبہ ماہواری نہیں آئی، تو دوسرا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

عن مسروق في التي تزوجت في عدتها، قال: فرق عمر رضي الله عنه بينهما، وقال: كان النكاح حراما فجعل الصداق حراماً، فجعل الصداق في بيت المال. (سنن سعيد ابن منصور، باب المرأة تزوج في عدتها، دارالكتب العلمية بيروت ١/١٨٨، رقم: ٦٩٤)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلک المعتدة، كذا في السراج الوهاج سواء كانت العدة عن طلاق، أووفاة. (هندية، كتاب النكاح، الباب الثالث في المحرمات القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير، زكريا ١/ ٢٨٠، جديد ١/٣٤٦)

إذا طلق الرجل امرأته (إلى قوله) وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلثة قروء. (هداية، اشرفي ديو بند٢/ ٤٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳۰/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۴۳۴)

مطلقہ مرتدہ سے دوبارہ نکاح

سوال [۵۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انوار احمد نے اپنی بیوی نور جہاں کو اس کی آوارگی کی بناء پر طلاق دے کر گھر سے نکال دیا اور نور جہاں گھر سے چلی گئی اور مرتد ہوکر کسی غیر مسلم سے شادی کر لی اس کے بعد کسی مسلمان کو اس کا علم ہوا کہ نور جہاں مسلمان ہیں، تو اس مسلمان نے نور جہاں کو ہندو کے گھر سے نکال کر نور جہاں سے نکاح کر لیا، اس کے بعد نور جہاں کے غلط چال چلن کو دیکھ کر اس بندۂ خدا نے بھی نور جہاں کو طلاق دے دی۔

نیز نور جہاں نے بھی پھر مرتد ہوکر کسی غیر مسلم سے شادی کر لی اور ہندو کے گھر میں رہنے لگی، جہاں نور جہاں رہتی تھی وہ قصبہ انوار کے گاؤں کے قریب تھا، اس کا پتہ سابق شوہر انوار احمد کو چل گیا اور دوسرے لوگوں نے انوار سے کہا کہ یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ نور جہاں ہمارے قریب ہی ہندو کے گھر میں رہ رہی ہے، تو انوار احمد اس غیرت کی وجہ سے موقع پا کر نور جہاں کو ہندو کے گھر سے نکال لایا اور مسلمان کر کے نور جہاں کو گھر میں رکھنے لگا، تو نور جہاں نے کہا یا تو مجھ سے نکاح کر و ورنہ میں موقع پا کر بھاگ جاؤں گی اور مرتد ہو جاؤں گی۔ آیا ان حالات کے پیش نظر اس سے کس شکل میں نکاح کرے اور نور جہاں کو آئے ہوئے تقریباً آٹھ ماہ ہو چکے ہیں اور وہ حاملہ بھی نہیں ہے؟ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ ان حالات کو سمجھ کر جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد اسلام قاسمی، خادم مدرسہ خازن العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: انوار احمد نے نور جہاں کو اگرچہ تین طلاق دیدی تھی، پھر بھی انوار احمد کے لئے نور جہاں کے ساتھ نکاح درست ہو جائے گا؛ کیونکہ انوار احمد کے طلاق دینے کے بعد نور جہاں کسی مسلمان شخص سے نکاح ثانی کر چکی ہے اور اگر تین طلاق

نہیں دی تھی تب تو ہر حال میں نکاح جائز ہے۔

قال اللہ تبارک و تعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [البقرہ: ۲۳۰]

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها.

(فتاوی عالمگیري، زکریا ۱/ ۴۷۳، جدید ۱/ ۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۸۶۹)

مطلقہ مرتدہ کا پہلے شوہر سے نکاح

سوال [۵۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت نور جہاں اپنے شوہر کے پاس سے غیر آدمیوں کے ساتھ فرار ہوگئی، اس کا کوئی پتہ نہیں کہ کہاں ہے، اس کے شوہر نے اس کو طلاق دیکر دوسری شادی کر لی، تقریباً چار سال کے بعد نور جہاں کا پتہ چلا کہ وہ کسی غیر مسلم کے ساتھ ہے اور خود بھی کافر ہوگئی ہے، اس کے کافر ہونے کی شہادت موجود ہے، کافر ہونے کے پتہ ہونے کے بعد اس کے شوہر کو لوگوں نے برا بھلا کہا کہ تیری عورت غیر مسلم کے ساتھ ہے اس کو پہلے وہاں سے بلالے، نور جہاں سے کہا گیا تو نور جہاں اس شرط پر راضی ہوئی کہ میں اپنے پہلے مسلمان شوہر کے ساتھ مسلمان ہوکر نکاح کرسکتی ہوں ورنہ ہندو ہی رہوں گی، تو اس کا شوہر اس صورت میں نکاح کرسکتا ہے؟ نور جہاں کو مسلمان کرنے کے بعد حلالہ کرنا پڑے گا یا بغیر حلالہ کے نکاح ہوسکتا ہے یا کوئی اور صورت ہے؟

مفصل جواب تحریر کردیں مسئلہ بہت نازک صورت اختیار کر چکا ہے، مہربانی فرماکر

جواب جلد تحریر کردیں ورنہ کوئی اور بات ہوسکتی ہے جو زیادہ پریشان کرنے والی ہے۔

المستفتی: محمد الیاس قاسمی، مدرس مدرسہ فیض العلوم، افضل گڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نورجہاں کا مسئلہ اس سے پہلے یہاں آچکا ہے، اس کا جواب ۱۴/رجب ۱۴۱۰ھ کو جاچکا ہے موجودہ سوال میں اور اس سے قبل والے سوال میں فرق ہے، جناب مولانا محمد اسلام قاسمی مدرس مدرسہ خازن العلوم دڑیال نے سوال یوں لکھا ہے، انوار احمد نے اپنی بیوی نورجہاں کو طلاق دے کر نکال دیا اور نورجہاں نے مرتد ہوکر کسی غیر مسلم سے شادی کرلی، تو مسلمان کو علم ہونے پر ایک مسلمان شخص نے اس سے شرعی نکاح کرلیا، پھر اس نے بھی طلاق دیدی تو پھر مرتد ہوکر غیر مسلم کے یہاں چلی گئی، تو اب انوار احمد دوبارہ نورجہاں سے شادی کرنا چاہتا ہے، اگر ایسا ہی ہے تو انوار کے لئے نورجہاں کے ساتھ نکاح ہر صورت میں جائز ہے اور اگر ایسا نہیں ہے؛ بلکہ شوہر اول نے ہی طلاق دی ہے اور تین طلاق سے کم یعنی دو یا ایک دی تھی، تو بھی شوہر کے لئے دوبارہ نورجہاں سے شادی کرنے کی اجازت ہے، ہندو کے یہاں سے فوراً علیحدہ کرلیا جائے اور ہندو کی عدت بھی ضروری نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۱۹۱۹)

مطلقہ ثلاثہ کا طلاق کے گیارہ ماہ بعد دوسرا نکاح کرنا

سوال [۵۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے داماد نے میری لڑکی کو تین طلاق دیدی ہیں، تقریباً گیارہ ماہ کا عرصہ ہوگیا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اور اب دوسری جگہ نکاح کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شجاعت خاں، محلّہ لال باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں آپ کی لڑکی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اور طلاق دیئے ہوئے گیارہ ماہ گذر چکے ہیں؛ لہٰذا عدت بھی گذر چکی ہے، اب جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے اور پہلے شوہر کے ساتھ بغیر حلالہ شرعیہ نکاح جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۲۹/۵، فتاوی دارالعلوم ۹۱/۹)

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [سورة البقرة: ۲۳۰]

عن عائشة رضـ، قالت: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن رجل طلق امرأته فتزوجت زوجاً غيره فدخل بها، ثم يطلقها قبل أن يواقعها أ تحل لزوجها الأول؟ قالت: قال البنى صلى الله عليه وسلم: لا تحل للأول حتى تذوق عسيلة الأخر ويذوق عسيلتها. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب المبتوتة لايرجع إليها زوجها حتى تنكح زوجاً غيره، النسخة الهندية ۳۱٦/۱، دارالسلام رقم: ۲۳۰۹)

يجوز لها أن تتزوج بآخر إن كان قد طلقها. (هندية، زكريا ۵۲۸/۱، جديد ۵۸۱/۱)

لو قالت امرأته لرجل: طلقني زوجي وانقضت عدتي لابأس أن ينكحها. (در مختار، كراچي ۵۲۹/۳، زكريا ۲۱۵/٤)

وإذا قال لإمرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (هندية، زكريا ۳۵۵/۱، جديد ٤۲۳/۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۸۳۳/۳۴)

حلالہ کے بعد نکاح کرنا اور اہل بستی کا اس کو حرام کہنا

سوال[۵۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ذاکر حسین ولد امیر حسن کا نکاح مسماۃ بی بی مکھاں کے ساتھ ہوا تھا اور ان سے ایک بچی ہے اور ذاکر حسین کی بہن بی بی فاطمہ کا نکاح برکت علی کے ساتھ ہوا تھا، جو بی بی مکھاں کے بھائی ہیں یعنی آپس میں بٹہ کی رشتہ داری تھی ذاکر حسین اور بی بی مکھاں کے درمیان اچھی زندگی گذر رہی تھی اور برکت علی بی بی فاطمہ کو نہیں بسانا چاہتا تھا، بی بی مکھاں کے بھائی برکت علی اور اس کی ماں نے ذاکر حسین سے زبردستی طلاق لینا چاہی بی بی مکھاں تیار نہیں تھی، اس کے بعد برکت علی اور برادری والوں نے زبردستی ذاکر حسین سے تین طلاق لے لی، چار ماہ کے بعد برکت علی اپنی بیوی مکھاں کا نکاح دوسری جگہ کرنے لگے، وہ بھاگ کر ذاکر حسین کے گھر آ گئی لیکن چونکہ تین طلاق تھی اس لئے حلالہ کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا تھا چنانچہ ذاکر حسین کے چھوٹے بھائی طالب حسین کے ساتھ بی بی مکھاں کا نکاح کردیا، نکاح کے دس دن بعد طالب حسین نے طلاق دیدی، بی بی مکھاں نے ذاکر حسین کی والدہ کے پاس تین ماہ دس دن عدت گذارنے کے بعد بی بی مکھاں کا نکاح پہلے شوہر ذاکر حسین سے کردیا اور نکاح شریعت کے مطابق ہوا ہے، تو برادری والے نے ذاکر حسین اور اس کے والد حاجی امیر حسین کو بستی سے باہر نکالنے لگے کہ تم حرام کار ہو؛ جبکہ وہ اکیلا ہے، تو برادری والوں کا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور نکاح درست ہوا یا نہیں؟

المستفتی: قمرالدین، قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذاکر حسین کا حلالہ شرعیہ کے بعد مسماۃ بی بی مکھاں کے ساتھ نکاح کرنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، بستی کے لوگوں کے لئے یہ جائز

نہیں ہے کہ اس کوحرام کار کہہ کر بستی سے باہر نکالدیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة،وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها .

(هندية، زكريا ١/٤٧٣،جديد١/٥٣٥ تاتار خانية، زكريا ديوبند٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣)

عن أنس بن مالكؓ، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتباغضوا ولاتدابروا وكونوا عباد الله اخوانا. (مسلم شريف، كتاب البر والصلة، باب تحريم التحاسد والتباغض والتدابر، النسخة الهندية٢/٣١٥، بيت الأفكار رقم:٢٥٥٩)

عن واثلة بن الأسقعؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتظهر الشماتة لأخيك فيرحمه الله ويبتليك. (سنن الترمذي، أبواب صفة القيامة، باب بلاترجمة، النسخة الهندية٢/٧٧، دارالسلام رقم:٢٥٠٦، مشكاة٢/٤١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۹۶)

خلع شدہ عورت سے بلاحلالہ نکاح

سوال [۱۵۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت دو سال قبل خلع حاصل کر کے شوہر سے الگ ہوگئی تھی، اس کے بعد سے کسی سے نکاح نہیں کیا، اس طویل عرصہ کے بعد اب اسی شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی گذارنی چاہتی ہے، اس صورت میں تجدید نکاح کافی ہے یا حلالہ کرانا ضروری ہے؟

المستفتی: محمد عبدالحکیم حسینی قاسمی، حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں عورت نے خلع لینے کے بعد دو

سال کے عرصہ میں کسی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کیا ہے، تو اگر خلع کے وقت عورت حاملہ تھی اور وضع حمل ہوگیا ہے، یا دو سال کے عرصہ میں تین حیض مکمل ہو چکے ہیں، تو عورت نکاح سے بالکل باہر ہوگئی ہے، عورت کو اب پہلے شوہر کے ساتھ رہنے کے لئے صرف دوبارہ نکاح کر لینا کافی ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۶۰/۳، معارف القرآن ۵۰۶/۱)

اور یہ حکم اس وقت ہے؛ جبکہ شوہر نے خلع کے وقت زبانی تین طلاق نہ دی ہوں۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ .

[البقرہ: ۲۲۹] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳۴۲/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۲۰ھ

کیا طلاق کے بعد بیوی دوسری شادی کرسکتی ہے؟

سوال [۵۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر بار بار بھائیوں سے پیسے لانے پر مجبور کرتے تھے، ایک بار ایسا ہوا کہ میرے شوہر کے پیسے مانگنے پر میرے بھائی نے ۳۵۰۰۰/ روپئے دیدیئے کاروبار کرنے کے لئے؛ لیکن وہ رقم کاروبار میں نہ لگا کر سٹہ میں لگادی، اس بات کو لے کر آپس میں کچھ بات بڑھی تو میرے شوہر نے تین بار طلاق دیدی۔

طلاق کے الفاظ یہ ہیں: طلاق، طلاق، طلاق میں نے تجھے آزاد کیا، یہ واقعہ چار سال قبل کا ہے اس بات کو میں حلفیہ کہتی ہوں یہ الفاظ میں نے اور میری دو بیٹیوں نے اپنے کانوں سے سنے ہیں، اس واقعہ کا علم جب میرے بھائی اور خالو کو ہوا، تو ان کے معلوم کرنے پر میرے شوہر نے اقرار کیا کہ ہاں دو مرتبہ طلاق دی ہے؛ لیکن اب وہ انکار کرتا ہے کہ میں نے

کوئی طلاق نہیں دی ہے، جب سے میں اپنی ماں کے گھر رہتی ہوں، ان دونوں صورتوں میں طلاق وعدت ہوچکی ہو،تو کیا میں دوسرا نکاح کرسکتی ہوں؟

المستفتی: عرشی خاں، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال کا حاصل یہ ہے کہ بیوی اس بات کی مدعیہ ہے کہ شوہر نے تین طلاقیں دیدی تھیں اور ایک بار آزاد کردیا کا لفظ استعمال کیا تھا اور آزاد کردیا کا لفظ بھی ہمارے عرف میں طلاق صریح کے لئے استعمال ہوتا ہے،تو بیوی کے دعویٰ کے مطابق تین طلاق واقع ہوگئی اور ایک طلاق لغو ہوگئی ، ایسی صورت میں بیوی شوہر کے لئے قطعی طور پرحرام ہوچکی ہے اور بیوی کے لئے شوہر کے پاس جانا اوراس کو قابو دینا قطعی طور پر جائز نہیں ہے اورشوہر کی طرف سے دو باتیں سامنے آئی ہیں کہ بیوی کے بھائی اوراس کے خالو کے سامنے اس نے دو طلاقوں کا اقرار کرلیا تھا اوراس واقعہ کے زمانہ سے بیوی شوہر سے بالکل الگ رہی ہے،تو ایسی صورت میں بعد میں شوہر کہتا ہے کہ میں نے کوئی طلاق نہیں دی، تو شوہر کے اس انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ دو گواہوں کے سامنے طلاق کا اقرار کر چکا ہے؛ لہٰذا اگر طلاق کے واقعہ کے بعد سے میاں بیوی کے درمیان ملاقات نہیں ہوئی ہے،تو چار سال کی مدت میں اس کے اقرار کے مطابق دو طلاق واقع ہوکر بیوی بائنہ ہوچکی ہے اور اس مدت میں عدت بھی پوری ہوگئی ہے؛ لہٰذا اب عورت کہیں بھی دوسرے شخص سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارسکتی ہے۔

ان من أقر بطلاق سابق یکون ذٰلک ایقاعاً منه في الحال. (المبسوط للسرخسي، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۰۹/٤)

ونصابها لغیرها من الحقوق سواء کان الحق مالاً، أو غیره کنکاح وطلاق......رجلان......أو رجل وامرأتان. (شامي، کتاب الشهادات، زکریا ۱۷۸/۸ ٥ شامی کراچی/٤٦٥، هندیة، زکریا۳/٤٥١، جدید۳/۳۸۸،

المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ١٣/ ١٤٦، رقم: ١٤٨٧٤، كوئٹه ١٠/ ١٧٦، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٤/ ٢٠٩، زكريا ٥/ ١٥١، البحرالرائق ٧/ ١٠٣، هداية ،مكتبة البشرىٰ ٥/ ٤٠٢)

وابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق وفي الوفاة عقيب الوفاة، فإن لم تعلم بالطلاق، أو الوفاة حتى مضت مدة العدة، فقد انقضت عدتها.

(هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٢٥، هندية زكريا ١/ ٥٣٢، جديد ١/ ٥٨٤)

وتنقطع الرجعة إن حكم بخروجها من الحيضة الثالثة، إن كانت حرة.

(هندية، زكريا ١/ ٤٧١، جديد ١/ ٥٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۸۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۷/۱۴۳۴ھ

شوہر ثانی سے طلاق کے بعد شوہر اول سے نکاح

سوال [۵۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی، عدت کے بعد میری بیوی نے دوسرے مرد سے نکاح کرلیا تھا، ایک دومہینہ وہ دونوں میاں بیوی کی طرح ساتھ رہے، پھر اس دوسرے شوہر نے طلاق دیدی۔ اب میں اسے رکھنا چاہتا ہوں، تو حلال طریقہ سے رکھنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد نور الٰہی، محلّہ نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل سے زبانی معلوم ہوا ہے کہ دوسرے شوہر سے طلاق کے بعد بغیر عدت اور بغیر نکاح کے شوہر اول نے اپنے پاس رکھا ہے اور اس میں سال بھر سے بھی زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، تبلیغی جماعت میں جانے کے بعد سائل کو اس طرح

حرام کاری پر احساس پیدا ہوا، اب وہ حلال طریقہ سے رکھنا چاہتا ہے، تو حلال طریقہ سے رکھنے کے لئے دوسرے شوہر کی عدت کے بعد نکاح کر کے رکھنا جائز ہے اور چونکہ دوسرے شوہر کی طلاق کو سال بھر سے بھی زیادہ ہو چکا ہے؛ لہٰذا اس مدت کے اندر عدت بھی پوری ہو چکی ہے، اب دونوں بلا تاخیر آپس میں نکاح کر کے حلال طریقہ سے رہ سکتے ہیں اور اب تک جو ساتھ میں رہے ہیں، وہ ناجائز طریقہ سے رہنا ہوا ہے؛ اس لئے اس کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں ندامت اور شرمندگی کے ساتھ سچی توبہ کر کے اللہ سے گناہوں کی معافی مانگیں۔

ومبدأ العدة بعد الطلاق، وبعد الموت على الفور، وتنقضي العدة، وإن جهلت المرأة بهما......لأنها أجل فلا يشترط العلم بمضيه سواء اعترف بالطلاق، أو أنكر. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة، كراچي٣/٥٢٠، زكريا٥/٢٠٢)

وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها كذافي الهدايه. (فتاوى عالمگيري، زكريا ١/٤٧٣، جديد١/٥٣٥)

وصح نكاح حبلىٰ من زنا لامن غيره، وإن حرم وطؤها حتى تضع......لونكحها الزاني حل له وطؤها إتفاقاً والولد له. (شامي، كراچي ٣/٤٩، زكريا ٤/١٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

تیسرا شوہر طلاق دیدے تو اول وثانی شوہر کے لئے نکاح کا حکم

سوال [۵۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، پھر اس عورت نے دوسرے

مرد سے عدت کے بعد شادی کرلی؛ لیکن اس نے بھی جماع سے پہلے اس کو تین طلاق دی، پھر اس نے تیسرے مرد سے شادی کرلی، اس نے اس سے جماع بھی کیا؛ لیکن پھر طلاق دیدی تو اب یہ عورت کس شوہر کے لئے حلال ہوگی؟ آیا پہلے والے شوہر کے لئے یا دوسرے والے شوہر کے لئے حلال ہوگی؟

المستفتی: شاداب حسین، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تیسرے شوہر نے جماع اور ہمبستری کے بعد طلاق دی ہے، تو عدت گذرنے کے بعد پہلے یا دوسرے شوہر سے کسی کے ساتھ بھی نکاح کرنا اس کے لئے جائز اور درست ہو جائے گا۔

وإذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، فتزوجت بزوج آخر، وطلقها الزوج الثاني ثلاثاً قبل الدخول بها، تزوجت بثالث ودخل بها، حلت للزوجين الأولين فأيهما تزوج صح، كذا في المحيط. (هندية، زكريا ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٦، الفتاوى التاتار خانية ٥/١٥٠، رقم: ٧٥١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۸۵۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۰ھ

عدت گزرنے کے بعد دوسرا نکاح

سوال [۵۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد وہاج الدین نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی اور اس کے بعد تین ماہواری بھی گذر گئی ہے، تو اب دوسرے سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد شاکر، لالہ پور پیپل سانہ، سرجن نگر، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال اگر طلاق کے بعد تین ماہواری کے ساتھ عدت پوری ہو چکی ہے، تو اب اس عورت کے لئے اپنی مرضی کے مطابق دوسرے مرد سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارنا جائز ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرہ:۲۲۸]

عن عائشة قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (سنن ابن ماجه الطلاق، باب خيار الأمة إذا أعتقت، النسخة الهندية ١/١٥٠، دارالسلام رقم:٢٠٧٧)

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً، أو رجعياً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلثة أقراء. (هداية، كتاب الطلاق، باب العدة، اشرفي ديو بند ٢/٤٢٢)

يجوز لها أن تتزوج بآخر إن كان قد طلقها. (هندية، زكريا ١/٥٢٨، جديد ١/٥٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شوال ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۹۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۰/۱۴۲۱ھ

مطلقہ بائنہ سے نکاح کرنا

سوال [۵۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی کے بعد زید کی بیوی صرف ایک دن زید کے گھر رہ کر میکہ چلی گئی، اپنی بیوی کے ساتھ زید بھی سسرال چلا گیا، سسرال میں زید کی بیوی بہت بدتمیزی سے پیش آئی، زید کی بیوی اپنے میکہ میں تھی زید بار بار وہاں جایا کرتا تھا، مگر زید کی بیوی کوئی بات چیت نہیں کرتی تھی، اس غصے میں آ کر زید نے اپنے والدین سے کہا کہ اگر میری بیوی سسرال آ کر میکہ چلی جائے گی تو طلاق ہو جائے گی پھر دوسری مرتبہ آ کر اپنے والدین سے بولا کہ

اگر میری بیوی سسرال آ کر میکہ چلی جائے گی تو طلاق ہو جائیگی زید کی بیوی زید کی موجودگی میں سسرال آئی ہے، کچھ دن زید اپنی بیوی کے ساتھ رہا ہے، اس کے بعد زید پردیس چلا جاتا ہے اور کچھ دن بعد بیوی بھی میکہ چلی جاتی ہے اور زید کی غیر موجودگی میں بیوی کبھی میکہ کبھی سسرال آتی جاتی رہتی ہے۔

اب زید تین ماہ تین دن کے بعد پردیس سے گھر جاتا ہے، گھر میں جا کر کسی عالم سے معلوم کیا تو وہ بتاتے ہیں کہ اس بات کا فتوی مفتیان کرام دیں گے، تو وہاں کوئی مفتی نہ ملنے کی وجہ سے زید بغیر مسئلہ معلوم کئے اپنی بیوی سے دوسری مرتبہ نکاح پڑھوالیتا ہے، تو کیا اس طرح نکاح ہوا کہ نہیں دوسرے نکاح کے بعد پھر زید پردیس چلا گیا۔

المستفتی: مصورالاسلام، داداولی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب زید کی بیوی سسرال آ کر میکہ چلی گئی تو اس پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، اگر زید کے واپس آنے سے پہلے پہلے اس درمیان بیوی کو تین مرتبہ ماہواری آچکی ہے، تو عدت بھی پوری ہوگئی اور اس درمیان زید نے رجعت نہیں کی؛ اس لئے اب دونوں طلاق رجعی بائنہ ہوگئیں؛ لہٰذا اب زید بیوی کو دوبارہ رکھنا چاہے تو رکھنے کے لئے دوبارہ نکاح کرنا لازم ہے؛ اس لئے بعد میں آ کر زید کا نکاح کر لینا درست ہوگیا اور دو طلاق اس صورت میں ہے کہ جب زید نے دوبارآ کر والدین سے یہ کہا کہ اگر بیوی میکہ جائیگی تو اسے طلاق، یہ پہلی مرتبہ کی خبر نہ ہو، اگر پہلی مرتبہ کی خبر اور تاکید مراد لی ہے تو صرف ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۳۷۰)

عن الحسن فلا تعضلوهن، قال حدثني معقل بن يسار أنها نزلت فيه، قال زوجت أختالي من رجل، وفطلقها حتى إذا انقضت عدتها جاء يخطبها، فقلت له زوجتک، وفرشتک، وأكرمتک، فطلقها، ثم جئت تخطبها؟ لاوالله لاتعود إليک أبداً، وكان رجلا لا بأس به، وكانت المرأة تريد أن

ترجع إليه، فأنزل الله هذه الآية "فلا تعضلوهن"، فقلت الأن أفعل يا رسول الله! قال: فزوجها إياه. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب من قال لا نكاح الا بولي ۲/ ۷۷۰، رقم:۴۹۳۷، ف:۵۱۳۰)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضاءها. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۵/ ۱۴۸، رقم:۷۵۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ ؍ ۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۱ھ

مطلقہ غیر مدخول بہا کا عدت گزارے بغیر نکاح

سوال [۵۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جہانہ خاتون بنت منیر الدین صاحب مرحوم مقام و پوسٹ: جنگل پور، وایا: گوبند پور ضلع دھنباد کی شادی محمد اللہ شیخ ابن حسین بخش مقام شیام پور ڈاکخانہ کانگڑا سرائے، ضلع: امروہہ سے ۱۹۹۹/۳/۲۰ءکو ہوئی، محمد اللہ شیخ کے ہمراہ حافظ محمد صابر اوران کی بیوی نوری خاتون بھی آئی تھی، یہ سبھی لوگ نکاح کے بعد ایک ہی ساتھ دھنباد سے امروہہ بذریعہ ٹرین روانہ ہوگئے، اس دوران جہانہ خاتون پورے سفر میں روتی رہی، حافظ صابر کے پوچھنے پر جہانہ خاتون نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا کہ اسے شوہر محمد اللہ شیخ پسند نہیں ہے؛ اس لئے حافظ صابر نے امروہہ پہونچنے سے پہلے مرادآباد پر محمد اللہ سے طلاق کا مطالبہ کیا اور شوہر محمد اللہ شیخ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید آئندہ نباہ مشکل ہو نہایت راز داری کے ساتھ ۱۹۹۹/۳/۲۲ء کو جہانہ خاتون کو طلاق دیدی۔

واضح رہے کہ اس درمیان ان دونوں کے درمیان خلوت بھی نہیں ہوئی ، پھر کچھ دنوں بعد حافظ محمد صابر نے غیر مدخول بہا جہانہ خاتون کا نکاح ایک دوسرے لڑکے محمد یونس ٹیلرس کے ساتھ اس کی رضامندی سے عدت گذارے بغیر کر دیا؛ چونکہ یونس کو جہانہ کے پہلے نکاح کا قطعی علم نہ تھا؛ اس لئے دونوں آپس میں میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنے لگے اور اب جہانہ خاتون دو ماہ کی حمل سے ہے؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا جہانہ خاتون کا نکاح ثانی محمد یونس ٹیلرس کے ساتھ بغیر عدت گذارے درست ہے یا نہیں؟ عندالشرع جو بھی حکم ہو دلائل کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: محمد جمیل اختر ، مقام و پوسٹ : جنگل پور، دھنباد (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ سوال نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں میں خلوت نہیں ہوئی ہے اور خلوت سے پہلے پہلے مرادآباد اسٹیشن پر ہی طلاق دیدی گئی ہے، جس سے جہانہ خاتون پر طلاق بائن پڑگئی؛ اس لئے دوسری جگہ جو اس کا نکاح ہوا ہے بالکل درست ہے؛ کیونکہ مطلقہ غیر مدخول بہا پر عدت واجب نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا. [الاحزاب:٤٩]

وفي الظهيرية: ولو كان النكاح فاسداً، ففرق القاضي بينهما، إن فرق قبل الدخول لاتجب العدة. (الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٥/ ٢٢٦، رقم: ٧٧٢٣)

وفي الخانية: وكذا "لاعدة" لو طلقها قبل الخلوة. (قاضيخان على هامش الهندية، زكريا ١/ ٥٤٩، جديد ١/ ٣٤٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۲۸)

مطلقہ مغلظہ کا بعد العدۃ دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال [۵۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی عرصہ ڈیڑھ سال قبل علاء الدین صاحب سے ہوئی تھی، شادی کے فوراً بعد وہ مجھے مارنے پیٹنے لگے اور گندی گندی گالیاں دیتے تھے اور کئی بار مجھ سے کہا کہ ریشمہ میں نے تجھے طلاق دی اور پھر ۹۴/۸/۵ء کو علاء الدین نے مجھے مارا اور مجھ سے پانچ چھ بار کہا کہ ریشمہ میں نے تجھے طلاق دی، ریشمہ میں نے تجھے طلاق دی، جس کو میں نے منظور کرلیا اور علاء الدین مجھے میرے میکہ میں چھوڑ آئے، پھر میں نے ان سے کوئی واسطہ نہیں رکھا اور نہ وہ لینے آئے۔

مؤرخہ ۹۴/۱۲/۲۳ء کو دوسرا نکاح میں نے کرلیا اور میری طلاق اور نکاح کے بیچ میرے کپڑے تین بار گندے ہو چکے تھے، اب آپ بتائیں مجھے طلاق ہوئی اور نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

المستفتیہ: ریشمی پروین، رحمت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائلہ کا بیان صحیح ہے تو سائلہ پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اور نکاح اور طلاق کے درمیان تین مرتبہ کپڑے گندے ہونے سے مراد تین مرتبہ ماہواری ہے، تو ایسی صورت میں عدت پوری ہونے کے بعد دوسرا نکاح کرنا ثابت ہوگا اور عدت پوری ہو جانے کے بعد دوسری جگہ اپنی مرضی سے نکاح شرعاً جائز اور درست ہے؛ اس لئے دوسرا نکاح بھی شرعاً جائز اور درست ہو چکا ہے۔

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً (إلی قوله) وهي حرة ممن تحيض

فعدتها ثلثة أقراء. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۴۲۲)

لو قالت امرأته لرجل: طلقني زوجي وانقضت عدتي، لابأس أن ينكحها.

(در مختار، كراچي۳/۵۲۹، زكريا٤/۲۱۵)

يجوزلها أن تتزوج بآخر إن كان قد طلقها. (هندية، زكريا۱/۵۲۸، جديد۱/۵۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۲۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍۱۱؍۱۴۱۵ھ

عدت گذرنے کے بعد نکاح کرنا

سوال [۵۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تھی، تین لڑکے تولد ہوئے، سوء اتفاق ۲۵؍۱۰؍۹۴ءکو بھاگل پور ہندو مسلم فساد میں زید کی اہلیہ مع تینوں بچوں کے شہید ہوگئی، قانون ہند کے مطابق ان کو پورا پورا معاوضہ بھی ملا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد زید کے خسر صاحب نے زید کو تسلی دیتے ہوئے اپنی چھوٹی لڑکی کے ساتھ نکاح کی پیش کش کی زید چونکہ حادثہ عظیمہ کی وجہ سے دماغی الجھنوں میں تھا، کبھی اثبات میں اور کبھی نفی میں جواب دیتا رہا، بالآخر بہت زیادہ اصرار پر نکاح کے لئے تیار ہوگیا اور شہید ہندہ کی چھوٹی بہن سے نکاح کرلیا، جس کی عمر نکاح کے وقت ۱۴؍سال تھی، بعد نکاح ازدواجی زندگی میں مصروف ہوگئے، کچھ دنوں کے بعد زید اور ان کے خسر صاحب کے درمیان کسی بنا پر کشیدگی ہوگئی اور زید نے اپنی دوسری بیوی رابعہ کو دو طلاق دیدی، جس کے دو چار گواہ بھی ہیں؛ لیکن زید کا خسر کہتا ہے کہ تین طلاق دی ہے؛ لہٰذا میں لڑکی کو کسی بھی حال میں نہیں بھیجوں گا۔

پنچایت کے اصرار پر خسر نے کہا کہ تین سال کے بعد نکاح ثانی زید سے کردوں گا،

ادھر زید کی پریشانی میں اضافہ ہوگیا، قیام وطعام کی پریشانی کی وجہ سے زید نے کہا ہم اتنی لمبی مدت انتظار نہیں کریں گے اور پھر کچھ دنوں کے بعد نہایت غریب لڑکی سے نکاح کرلیا۔

اب رابعہ مطلقہ بائن کے والد کے قول کے مطابق تین سال کا عرصہ پورا ہوگیا اور دفعہ ہند کے قانون کے مطابق اس کی عمر ۱۸/سال ہوجاتی ہے، زید چاہتا ہے کہ میں رابعہ کو بھی اصول شرع کے مطابق اپنی زوجیت میں لےلوں، اب اس کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: محمد فاروق، محلّہ: مہیشی ملک پور، بھاگلپور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے رابعہ کو صرف دو طلاق دے رکھی ہے، تو ایسی صورت میں چونکہ اس درمیان میں عدت بھی گذر چکی ہے؛ اس لئے دو طلاق بائنہ ثابت ہوگئی ہے۔ اب بلاحلالہ محض نکاح کرلینا کافی ہے شریعت کے مطابق عقد نکاح کرکے زوجیت میں رکھ سکتا ہے۔

عن الحسن فلا تعضلوهن، قال حدثني معقل بن يسار أنها نزلت فيه، قال زوجت أختالي من رجل، وفطلقها حتى إذا انقضت عدتها جاء يخطبها، فقلت له زوجتک، وفرشتک، واكرمتک، فطقلها، ثم جئت تخطبها؟ لاوالله لاتعود إليک أبداً، وكان رجلا لا بأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه، فأنزل الله هذه الآية "فلا تعضلوهن"، فقلت الأن أفعل يا رسول الله! قال: فزوجها إياه. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب من قال لا نكاح الا بولي ٢/٧٧٠، رقم:٤٩٣٧، ف: ٥١٣٠، سنن الترمذي، التفسير سورة البقره، النسخة الهندية ٢/١٢٧، دارالسلام رقم:٢٩٨١)

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضاءها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، الفتاوى التاتار خانية، زكرياه/١٤٨،

رقم: ٧٥٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۱/۱۴۱۵ھ

طلاق ثلاثہ کے بعد ڈھائی سال تک شوہر کے ساتھ رہ کر دوسرے سے شادی کرنا

سوال [۵۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رسیدہ بنت حاجی محمد یسین کے شوہر ابوبکر ولد مستری محمد وجیہ نے اپنے بیان حلفی میں وضاحت کی کہ میں نے اپنی بیوی رشیدہ کو چھ سال پہلے تین طلاق دیدی تھی؛ لیکن طلاق کے بعد ڈھائی سال تک وہ میرے مکان میں بغیر نکاح کے رہتی رہی، ڈھائی سال بعد رشیدہ میرے مکان سے فرار ہوگئی، گھر سے فرار ہونے کے سترہ دن بعد اس نے اختر علی ولد اشرف علی سے نکاح کرلیا، ابوبکر کے بیان کی روشنی میں رشیدہ کا نکاح اختر علی سے صحیح ہوا یا نہیں؟

(۲) کچھ لوگ اس نکاح کو جائز نہیں کہتے، ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مظفر حسین ولد صابر علی، ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر ابوبکر نے اپنی بیوی رشیدہ کو چھ سال قبل تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اسی وقت اس کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ شوہر کے نکاح سے بالکل الگ ہوچکی تھی اور تین طلاق کے بعد ڈھائی سال تک جو ابوبکر کے پاس رہی ہے اس دوران دونوں کے درمیان زنا کاری اور حرام کاری ہوتی رہی ہے اور اس درمیان رشیدہ کی عدت بھی خود بخود پوری ہوچکی تھی اور اس کے ڈھائی سال بعد فرار ہوکر

اختر علی سے جو نکاح کیا ہے، وہ نکاح شرعی طور پر درست ہو گیا ہے؛ اس لئے کہ فرار ہونے سے پہلے ہی رشیدہ کی عدت پوری ہو چکی تھی۔

وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هندية، زكريا ١/٤٧٣ جديد ١/٥٣٥)

ولو طلقها ثلاثاً وهو يقيم معها، فان كان مقراً بالطلاق تنقضي العدة، وإن كان منكرا تجب العدة من وقت الإقرار زجراً لهما هو المختار. (هندية، زكريا ١/٥٣٢ جديد ١/٥٨٤)

واما المطلقة ثلاثاً إذا جامعها زوجها في العدة مع علمه أنها حرام عليه ومع إقراره بالحرمة لاتستأنف العدة. (هندية، زكريا ١/٥٣٢، جديد ١/٥٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۲۹ھ

(۲۴) باب الولایة والکفاءة

والدین میں سے حق ولایت کس کو حاصل ہے؟

سوال [۵۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی جاہلہ نافرمان اور گستاخ ہے، وہ لڑکی کی شادی اپنی مرضی کے مطابق کررہی ہے، تجویز شدہ لڑکا معمولی دنیوی تعلیم رکھتا ہے، اس کے اندر دینی تعلیم نہیں ہے اس کو قرآن پاک یاد نہیں ہے، وہ پابند صوم وصلوۃ نہیں ہے، اہل مال ہے زید کی رائے کے مطابق لڑکا عالم یا حافظ قرآن اور دیندار اور پابند صوم وصلوۃ ہونا چاہئے، اگر چہ اس کی مالی حیثیت (توکلت علی اللہ) معمولی ہو، زید کی منشاء ہے کہ لڑکی کو فروعی اور فالتو سامان دے کر اس کی مالی مدد کر کے کسی حد تک اپنا اطمینان کرلیا جائے، تو وہ بہتر ہے (**واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب**) زید کا منشاء ہے کہ بیوی کو اس کا حکم اور نیک خیال تسلیم کرنا چاہئے یا مطمئن کرنا چاہئے؟ زید کی بیوی خود بھی شوہر کے ساتھ گستاخانہ اور نافرمانی کا عمل پیش کررہی ہے اور اپنی اولاد لڑکے لڑکیوں کو بھی باپ کے خلاف گستاخی اور بے ادبی پر اور نافرمانی پر اکسارہی ہے، ایسی صورت میں زید بیوی بچوں کے مقابلہ میں زور وزبردستی کرے یا راہ فرار اختیار کرے، شرعاً کیا کرے ایسی سرکش اور گستاخ بیوی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟

المستفتی: اظہار خاں، پیپل سانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی کی شادی میں رشتہ پسند کرنے کا اختیار باپ کو ہوتا ہے ماں کو نہیں؛ لہٰذا اگر ماں جس کو پسند کرتی ہے، اس کو باپ پسند نہ کرے تو ماں کو کوئی اختیار

نہیں ہے کہ باپ کی مرضی کے بغیر رشتہ کردے؛ لہٰذا باپ جس کو پسند کریگا، اسی کے ساتھ لڑکی کا نکاح ہونا چاہئے، اس معاملہ میں شرعی طور پر سارے اختیارات باپ کو حاصل ہیں ماں کو نہیں؛ لہٰذا باپ ماں کی مرضی کے خلاف اور اپنی مرضی کے مطابق رشتہ کرنے پر زور دے سکتا ہے۔

ولا ولاية...... بغير العصبات من الأقارب، ولاية التزويج عند أبي حنيفةؒ الخ. (هداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، اشرفي ديوبند ٢/٣١٨)

وليس بغير العصبات من الأقارب ولاية التزويج. (تبيين الحقائق،مكتبة امدادية ملتان ٢/١٢٦، زكريا٢/٥١٣)

و في القهستاني: وعندهما، وفي رواية عن الإمام لاولاية لغير العصبات وعليه الفتوى (مجمع الأنهر، مصري قديم ١/٣٣٨، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٩٨، الموسوعة الفقهية الكويتية٤١/٢٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۶۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۳۰ھ

محض والد کی ناراضگی سے مناسب رشتہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال [۵۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۲؍سالہ ایک لڑکی ہے چار پانچ سال سے اس لڑکی کے رشتہ کی بات چیت چل رہی تھی اور وہ رشتہ پختہ بھی ہوگیا تھا، زبانی اس کے ماں باپ سے عہد و پیمان ہو چکا تھا، آنا جانا ہوتا رہا اب میں نے تاریخ ودن مقرر کرنے کو کہا کہ کس دن نکاح ہونا ہے، کس تاریخ میں بارات لے کر آئیں، تو اب اس لڑکی کے باپ نے کہا کہ میں تمہارے وہاں نکاح نہیں کروں گا، میری ان کی اونچ نیچ کی باتیں بھی ہوئیں، لڑکی ان باتوں کو اندر سے سن رہی تھی، لڑکی نے کہا کہ میری بارات اسی جگہ سے آئے گی جہاں بات ہوچکی ہے۔ دوسری جگہ

شادی نہیں کروں گی، آئندہ چل کر میں اس طعن کو برداشت نہیں کروں گی کہ وہاں سے ہٹا کر میرے والد صاحب مجھے دوسری جگہ کریں، کل کو جٹھانی وغیرہ سے کوئی جھگڑا ہوتا ہے اور ہو ہی جاتا ہے، کل وہ مجھے طعنہ دیں گی کہ ایسی تھی جبھی تو چار پانچ سال کی منگنی چھوٹی تھی اور ہمارے گھر آئی مجھے اللہ نے عقل دی ہے، میں اپنے حالات کو خوب جانتی ہوں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا میں وہیں جاؤں گی، جہاں میری پہلے بات ہو چکی ہے، باپ کا اصرار برابر یہی ہے کہ میں تیری شادی وہاں نہیں کروں گا، لڑکی کا اصرار ہے کہ وہیں کروں گی۔

اب لڑکی اپنے دادا، چچا وغیرہ کے ذریعہ اپنا نکاح پہلی ہی جگہ یعنی جہاں سے اس کی بات تھی کرلیتی ہے، تو اس کا یہ نکاح ہوگا؟ اور لڑکی کی بات شرعاً درست ہوگی یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد محمود حسن، بشن پور اغوانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر رشتہ قابل اطمینان ہے اور شرعاً اس میں کوئی ضرر نہیں اور باپ نے مذکورہ جگہ مطمئن ہوکر ہی رشتہ کیا تھا اور بعد میں کسی ذاتی رنجش کی بنا پر باپ وہاں سے انکار کر رہا ہے؛ جبکہ لڑکی اور گھر کے دیگر افراد دادا، چچا وغیرہ سب اس رشتہ پر رضامند ہیں تو لڑکی کو ان تمام اعزاء واقرباء کی رضامندی کے ساتھ اس جگہ شرعاً نکاح کرلینا جائز ہے۔

فرضا البعض من الأولياء قبل العقد، أو بعده كالكل لثبوته لكل.

(در مختار على الشامي، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ٣/٥٧، زكريا ديوبند ٤/١٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۲۳۱)

مناسب رشتہ ملنے پر باپ کی ناراضگی کے ساتھ نکاح

سوال [۶۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی سالی کا رشتہ طے کیا، جس پر لڑکی اور تمام گھر والے رضا مند ہیں، لڑکی عاقل بالغ ہے اور اس رشتہ کو پسند کرتی ہے؛ لیکن لڑکی کا باپ تنہا اس رشتہ کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور مقصد صرف گھر والوں کو پریشان کرنا ہے، لڑکی کا باپ آوارہ آدمی ہے، جس کو نہ کمانے سے کوئی مطلب تمام وقت بازاروں میں شریروں اور آوارہ لوگوں کے ساتھ گذارتا ہے، گھر کی اچھائی، برائی سے اس کو کوئی مطلب نہیں ہے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ جب باپ کی مذکورہ حالت ہے اور وہ محض گھر والوں کو پریشان کرنے کی وجہ سے رشتہ کو ختم کرے؛ جبکہ خود لڑکی اور اس کے تمام گھر والے اس رشتہ پر رضا مند ہیں، تو اگر باپ کی رضا حاصل کئے بغیر تمام گھر والے لڑکی کی پسندیدہ جگہ شادی کردیں تو نکاح میں کوئی خلل تو نہیں آئے گا؟

المستفتی: صادق علی، کبیرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جبکہ لڑکی اور تمام گھر والے اس رشتہ پر رضا مند ہیں، تو باپ کو بلا وجہ شرعی ناراض نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ راضی ہوکر اس اہم فریضہ کی ادائے گی میں شریک ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بچہ بالغ ہوجائے اور پسندیدہ رشتہ مل جائے، تو پھر ماں باپ کو اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ خدانخواستہ اس درمیان اگر بچہ کسی گناہ میں ملوث ہوجائے تو اس کے گناہ کا بار باپ پر ہی پڑے گا؛ اس لئے باپ کو راضی ہوکر اس اہم ذمہ داری سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے۔

بالفرض اگر باپ کی رضا حاصل کئے بغیر لڑکی کی پسندیدہ جگہ اس کی اجازت سے نکاح کردیا گیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوجائے گا۔

عن أبي سعيد وابن عباسؓ، قالا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ولد له ولد، فليحسن اسمه، وأدبه، فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه. (شعب الإيمان للبيهقي،باب في حقوق الأولاد، والأهلين، دارالكتب العلمية بيروت٦/ ٤٠١، رقم:٨٦٦٦، مشكوٰة ٢٧١)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا خطب إليكم من ترضون دينه، وخلقه، فزوجوه، إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض، وفساد عريض. (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ماجاء إذا جاء كم من ترضون دينه فزوجوه، النسخة الهندية ١/ ٢٠٧، دارالسلام رقم:١٠٨٤، مشكوٰة شريف ٢٦٧)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي (در مختار) وفي الشامية: ما باشرته من غير كفء. (شامي، كتاب النكاح، باب الولي كراچي ٣/٥٥، زكريا٤/ ١٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۱۵۳ھ)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

اولیاء کی رضامندی کی صورت میں کفو یا غیر کفو میں نکاح کا حکم

سوال [۵۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کے رشتے کے متعلق اس کے بھائی نے استخارہ کیا تو استخارہ میں جس لڑکے کا انتخاب ہوا، تو اس لڑکے کے متعلق تقریباً دس آدمیوں نے تحقیق کی تو لڑکا بالکل صحیح نہیں نکلا؛ اور لڑکی کے اولیاء اس لڑکے سے رشتہ کرنا نہیں چاہتے ہیں جبکہ لڑکی کے بھائی کو اصرار ہے کہ ہم نے استخارہ سے انتخاب کیا ہے؛ اس لئے شادی وہیں سے ہوگی، تو اس مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد شعیب، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرلڑکی بالغہ ہےاوروہ مذکورلڑکے کےساتھ نکاح پسندنہیں کرتی،تو وہاں نکاح نہیں کرنا چاہئےلڑکی کی رضاء پر بھائی کے استخارےکوترجیح نہیں ہوگی۔اوراگرلڑکی اسی لڑکے کےساتھ نکاح کرناچاہتی ہے،تواسی کےساتھ زیادہ اولیٰ رہےگااوراگرلڑکی اوراس کےاولیاءوہاں نکاح کرناپسندنہ کریں،تب بھی بھائی کےاستخارہ کا اعتبارنہ ہوگااورلڑکی اوراس کےاولیاءکےمنشاءکی مطابق لڑکےکاانتخاب کرناہوگا۔حاصل یہ ہےکہ اگرلڑکی کی مرضی نہ ہو،توکسی کےانتخاب کااعتبارنہ ہوگااوراگرلڑکی کی مرضی ہے،توکسی کےاعتراض وانتخاب وناگواری کااعتبارنہ ہوگا۔(مستفاد:بہشتی زیور۶/۴)

اوراگرلڑکاغیرکفوہےتواولیاءکی رضاءمندی کےبغیرنکاح درست نہ ہوگا۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي (در مختار) ويفتى في غير الكفوء بعدم جوازه أصلاً . وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكرياديوبند٤/١٥٥، ١٥٦، كراچي٣/٥٥،٥٦، هندية زكريا١/٢٩٢، جديد ١/٣٥٨)

نفذ نكاح حرة مكلفة بلاولي؛ لأنها تصرف في خالص حقها، وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة. (مجمع الأنهر،دارالكتب العلمية بيروت١/٤٨٨، مصري قديم ١/٣٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۰/ربیع الاول۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف۲۵/۱۸/۱۷)

والدکی موجودگی میں بھائی کاغیرکفومیں بہن کانکاح کرانا

سوال[۵۷۶۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ سلطانہ خاتون بنت سید محمد اصغر علی کا نکاح سلطانہ کے ایک بھائی بنام سید پرویز علی نے ایک پٹھان شخص محمد عارف ولد حمید خاں کے ساتھ (جبکہ باپ سید محمد اصغر علی صاحب خود وہاں موجود تھے) لڑکی کے باپ سے خفیہ طور پر بغیر اجازت کے غیر کفو میں نکاح کر دیا ہے، تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اور باپ اب بھی ناراض ہے اور لڑکی کو ہرگز بھیجنا نہیں چاہتا، تو شریعت کی روشنی میں یہ نکاح صحیح سمجھا جا سکتا ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔ نیز ابھی لڑکی کی رخصتی نہیں ہوئی۔

المستفتی: سید محمد اصغر علی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کی موجودگی میں باپ کے بغیر اجازت اور بغیر رضامندی سید زادی کا نکاح غیر کفو (خاں صاحب) کے ساتھ شرعاً صحیح نہیں ہوا ہے اور باپ کی موجودگی میں بھائی کی ولایت شرعاً معتبر نہیں ہے؛ اس لئے سطانہ خاتون کا نکاح محمد عارف خاں کے ساتھ درست نہیں ہوا ہے اور سلطانہ خاتون کا نکاح آئندہ دوسرے شخص کے ساتھ درست ہو جائے گا اور جب رخصتی نہیں ہوئی تو عدت گذارنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۲۱۳، ۷/۲۱۲)

ویفتی في غیر الکفء بعدم جوازہ اصلاً. وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان، فلاتحل مطلقة ثلاثا نکحت غیر کفء بلارضا ولي (وقولہ) لو استووا في الدرجة وإلا فللأ قرب منھم حق الفسخ. وفي الشامي: وھذا إذا کان لھا ولي لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضا بعدہ الخ (الدر الختار مع الشامي، کتاب النکاح، باب الولي، زکریا دیوبند ٤/١٥٧، ١٥٨، کراچي ٣/٥٦، ھکذا في البحر الرائق، کوئٹہ ٣/١١٠، زکریا دیوبند٣/١٩٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۰۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۲۳ھ

والدہ کی مرضی کے بغیر اپنی پسند سے نکاح کرنا

سوال [۵۷۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری عمر ۴۵؍سال ہے، اب تک شادی نہیں کی، اب شادی کرنا چاہتی ہوں؛ لیکن جب بھی کوئی رشتہ والدہ کو دکھایا جاتا ہے، تو وہ ان کو پسند نہیں آتا ہے؛ لہٰذا اگر میں ان کی اجازت کے بغیر شادی کرلوں اور شادی کے بعد والدہ کہہ دے کہ میں ان سے راضی نہیں ہوں، تو آخرت میں کوئی پکڑ تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: آر آر شمسی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنا نکاح خود اپنی پسند سے کرسکتی ہیں صحت نکاح کے لئے والدہ کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔

وشرط صحة نكاح الصغير (إلى قوله) لا مكلفة، فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل ان كل من تصرف في مالي تصرف في نفسه ومالا فلا. (شامي، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/ ١٥٥، كراچي ٣/ ٥٥، كذا في الهندية، زكريا ١/ ٢٨٧، ومجمع الأنهر مصري قديم ١/ ٣٣٣، دارالكتب العلمية ١/ ٤٨٨ بيروت ، تبيين الحقائق، مكتبة امداديه ملتان ٢/ ١١٧، زكريا ٢/ ٤٩٢، البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ١٠٩، زكريا ديوبند ٣/ ١٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

والدین کا لڑکے کی پسند کے خلاف دوسری جگہ نکاح کرانا

سوال [۵۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ ایک لڑکا مسلمان ہے، وہ اپنی ہی برادری کی لڑکی سے محبت کرتا ہے، مگر اس لڑکے کے گھر والے اس لڑکی کو نہیں چاہتے ہیں، گھر والوں نے اس لڑکے کے سامنے تمام مجبوریاں رکھ کر زبردستی رشتہ دوسری جگہ طے کرادیا ہے، لڑکا کسی بھی قیمت پر تیار نہیں ہے، جب گھر میں اس مضمون پر بہت تکرار ہوئی، تو اس لڑکے نے یہ بات کہدی کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر شادی کروں گا، تو اپنی پسند کی لڑکی سے کروں گا، زندگی میں کسی اور لڑکی کے ساتھ شادی نہیں کروں گا؛ حالانکہ لڑکے کے گھر کے سارے افراد لڑکے کی پسند پر ناراض ہیں؛ لیکن لڑکا یہی چاہتا ہے کہ وہ اپنی پسند کی لڑکی کے ساتھ شادی کرے، لڑکا آج بھی اس بات پر اٹل ہے کہ شادی کرے، تو اپنی پسند کی کریگا۔ مہربانی کر کے اس کا جواب دیں؛ کیونکہ گھر والے دوسری طے کر چکے ہیں، اس کے ساتھ شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب کیا ہوگا؟

المستفتی: محمد قاسم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں گھر والوں کا لڑکے کو اس کی مرضی کے خلاف دوسری جگہ شادی کرنے پر مجبور کرنا صحیح نہیں ہے، جہاں وہ چاہتا ہے وہیں شادی کردینی چاہئے۔

ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ (در مختار) وفي الشامية ولا الحر البالغ. (شامي، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ٣/٥٨، زكريا ٤/١٥٩، مستفاد البحر الرائق، كوئٹه ٣/١١٠، زكريا٣/١٩٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١/٤٩٠، هداية اشرفي ديوبند٢/٣١٤)

لڑکے کو مجبور کر کے اس کی مرضی کے خلاف نکاح کرادیا جائے اور لڑکا بوقت نکاح زبان سے قبول کرلے تو وہ نکاح بھی صحیح ہوجائے گا۔

وصح نكاحه، وطلاقه، وعتقه، لو بالقول لا بالفعل. (در مختار مع الشامي، كراچي٦/١٣٧، زكريا ٩/١٨٩)

لیکن لڑکے نے جو قسم کھائی ہے، اس کا ایک کفارہ بھی ادا کرنا لازم ہوگا اور قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا ہے اور اس کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے، جو دس صدقہ ٔ فطر بنتے ہیں۔ (بہشتی زیور ۳/۵۳)

وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ. [المائده:٨٩]

وكفارته تحرير رقبة، أواطعام عشرة مساكين كما مر في الظهار، أوكسوتهم بما يصلح للأوساط. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/٧٢٥، ٧٢٦، زكريا ٥/٥٠٣، تبيين الحقائق، مكتبه امدادية ملتان ٣/١١٢، زكريا ديوبند ٣/٤١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۷۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۶/۱۴۱۹ھ

والدین کا بالغ لڑکے کو نکاح پر مجبور کرنا

سوال [۵۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکے کا رشتہ ہوئے ڈیڑھ سال سے زائد ہو چکا ہے، جب لڑکے کا رشتہ کیا تھا، تو لڑکے نے پرزور انکار کیا تھا اور اب بھی کہتا یہی ہے کہ یہ رشتہ مجھے قبول نہیں، اگر آپ نے شادی کر بھی دی، تو میں فوراً طلاق دیدوں گا، لڑکے کی عمر اس وقت تقریباً اکیس سال ہے اور عید کے بعد شادی کا یہ پروگرام طے ہونا ہے۔

نوٹ: ہر شخص یعنی ماں باپ، بھائی، بہن، عزیز واقارب اور دوست واحباب بھی

لڑکے کو سمجھا چکے اور لڑکا لڑکی کو بھی دیکھ چکا ہے۔ اب آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ تحریر کریں کہ ہم یہ شادی زبردستی کرادیں، تو شریعت کے مطابق جائز ہوگی یا ناجائز؟

المستفتی: عبدالرشید، محلّہ: یوسف چوک ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بالغ لڑکے کو نکاح پر مجبور کرنا والدین اور اعزاء کے لئے شرعاً جائز نہیں ہے۔

كما في الدر المختار ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ. في الشامية: ولاتجبر البالغةولا الحر البالغ. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، مصري ٢/ ٤١٠، كراچي ٣/ ٥٨، زكريا٤/ ١٥٩)

بلکہ لڑکے کی رضامندی شرعاً ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲۰/۲۳)

اولیاء کی اجازت کے بغیر نابالغہ کے نکاح کا حکم

سوال [۵۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری ۱۱؍سال کی نابالغ لڑکی بشریٰ خاتون لیاقت حسین کے گھر اس کی لڑکی سے پڑھنے جاتی تھی، لیاقت حسین خود شادی شدہ ہے، اس کے بھی ۱۱؍سال کا ایک لڑکا اور ۱۳؍سال کی لڑکی ہے، بشریٰ خاتون کی عمر بھی ۱۱؍سال سے کچھ اوپر تھی، لیاقت حسین نے آج سے تقریباً دو ماہ پہلے میری لڑکی بشریٰ کے بارے میں میرے بہنوئی کو حیدرآباد بذریعہ خط اطلاع دی کہ میں نے جبار کی لڑکی بشریٰ سے نکاح کیا ہے، اس وقت لڑکی اور میں لڑکی کا باپ بھی حیدرآباد مقیم تھا؛ اس لئے اسی وقت اس نکاح کے بارے میں مجھے معلوم ہوا اور اسی

خط سے لڑکی کو بھی معلوم ہوا، اس سے پہلے اس نکاح کے بارے میں بالکل علم نہیں تھا، لیاقت حسین نے نکاح کی دو رسیدیں تیار کروائی ہیں، ایک رسید ۱۷/ اپریل ۱۹۹۸ء کی دوسری رسید ۱۹/ ۹۸/۶ ء کی ہے، دونوں رسیدوں میں بھی تقریباً دو ماہ کا فرق ہے، دونوں رسیدوں کی تیاری کے وقت لڑکی نابالغ تھی۔

دریافت یہ کرنا ہے اس طرح جعلی رسیدیں تیار کر کے؛ جبکہ لڑکی اور اس کے باپ کے دستخط بھی جعلی ہیں، گواہ اور وکیل بھی خود لیاقت حسین کے دوست اور نوکر ہیں اور لڑکی کے باپ کو نکاح کے بارے میں کوئی علم نہیں، لڑکی اب بھی انکار کرتی ہے تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالجبار، محلہ لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن تاریخوں میں نکاح کی رسیدیں بنائی گئی تھیں، ان تاریخوں میں بشریٰ خاتون نابالغ تھی اور نابالغ لڑکی کا نکاح باپ کی زندگی میں باپ کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں بشریٰ خاتون کا نکاح مذکورہ مرد کے ساتھ شرعی طور پر صحیح نہیں ہوا ہے، اس نکاح کی بناء پر بشری خاتون کو اس آدمی کے پاس بھیجنا جائز نہ ہوگا۔

عن عائشةؓ، قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما امرأة نكحت بغير إذن مواليها، فنكاحها باطل، ثلاث مرات الحديث. (سنن أبي داؤد، النكاح، باب في الولي، النسخة الهندية، ۱/۲۸۴، دارالسلام رقم: ۲۰۸۳)

وهو أي الولي شرط صحة نكاح صغير، ومجنون، ورقيق. (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ۳/۵۵، زكريا ٤/۱۵۵)

والولي في النكاح العصبة بنفسه بلا توسط أنثىٰ على ترتيب الإرث والحجب. (در مختار مع الشامي، زكريا ٤/۱۹۰، كراچي ۳/۷٦،

الموسوعة الفقهية الكويتية ١ ٤/٥ ٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۱ ۵۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲ھ

بالغہ کا جبراً نکاح کرنا

سوال [۵۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہندہ کے والدین نے ہندہ کی بغیر رضامندی کے کردیا ہے، ہندہ بالغہ ہے اور نکاح کے بعد زید کے گھر گئی ہے، دونوں یکجا رہے؛ لیکن زید کو اپنے قریب نہیں لگنے دیا اور نہ صحبت کرنے دی، ہندہ کہتی ہے کہ میرے والدین نے زبردستی میرا نکاح کیا اور انگوٹھا یا دستخط لگوایا ہے، گواہان بھی کہتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح زبردستی اس کے والدین نے زید کے ساتھ کیا اور ہندہ انکار کرتی تھی، تقریباً ایک سال ہوگیا ہے؛ لیکن اب بھی ہندہ وہاں جانے سے انکار کرتی ہے، اس کو نکاح نہیں مانتی اور اگر مجھ کو زبردستی وہاں پر بھیجا گیا تو میں زید کے گھر نہیں بسونگی۔ تو کیا یہ نکاح ہوگیا ہے یا نہیں؟ اگر یہ نکاح ہوگیا ہے تو اب ہندہ کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے؛ جبکہ ہندہ وہاں پر جانے کو رضامند نہیں؟

المستفتی: محمد رفیق مالیر کوٹلہ (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہندہ کا نکاح والدین نے جبراً کردیا اور اب تک وہ رضامند نہیں ہوئی۔ نیز بلا رضامندی ہی شوہر کے گھر گئی اور شوہر کو اپنے قریب نہیں ہونے دیا، تو اس کا نکاح منعقد نہیں ہوا، والدین پر ضروری ہے کہ لڑکی کی رضامندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے دوسری شادی کردیں۔

عن خنساء بنت خذام الأنصارية، أن أباها زوجها وهي ثيب،

فكرهت ذلك، فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب إذا زوج ابنته وهي كارهة، فنكاحه مردود،النسخة الهندية۲/ ۷۷۱،رقم:٤٩٤٥، ف:٥١٣٨)

ولو زوجها وليها فقالت: لا أرضي (إلى قوله) لم يجز. (هندية، كتاب النكاح،الباب الرابع في الأولياء في النكاح، زكريا۱/ ۲۸۸، جديد ۱/ ۳٥٤)

إذا دخل بها وهي مكرهة، فحينئذ لايثبت الرضا. (هندية، زكريا۱/ ۲۸۹، جديد ۱/ ۳٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۱۴۵)

اولیاء کا جبراً بالغہ کا نکاح کرنا

سوال [۵۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کا نکاح ۵/ جون جمعرات ۲۰۰۸ء کو اپنی چچازاد بہن رقیہ نامی لڑکی سے ہوا، نیز رخصتی ۴/ اکتوبر بروز ہفتہ بعد نماز عشاء عمل میں آئی، بندہ جب شب زفاف میں بیوی سے ملاقات کی غرض سے حجرۂ عروسی میں گیا اور بیوی سے سلام ودعاء کے بعد جب صحبت کا ارادہ کیا، تو اس نے سختی سے انکار کردیا، کافی بحث ومباحثہ کے بعد اس سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے نکاح پر راضی نہیں تھی، اس کے والدین نے زبردستی اس کا نکاح بندہ کے ساتھ کردیا؛ چنانچہ پھر بندہ نے اس سے سوال کیا جب تم راضی نہیں تھی، تو نکاح نامہ پر دستخط کیوں کئے، تو اس نے جواب دیا کہ دستخط میں نے نہیں کئے؛ بلکہ بڑی بہن نے کئے ہیں، یاد رہے کہ رقیہ خاتون نے نکاح نامہ پر دستخط لیتے وقت سوائے رونے اور چلانے کے نہ دستخط کئے اور نہ ہی زبان سے نکاح پر اپنی رضامندی کا اقرار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تقریباً

ڈیڑھ دوسال کا عرصہ گذر گیا اب تک صحبت نہیں کرنے دی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں بندہ کا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا ہے تو مہر کتنا لازم ہوگا ؟

المستفتی: وصی احمد، سنت کبیر نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال مسئولہ صورت میں بالغہ لڑکی کے بیان کے مطابق نہ تو اس نے آپ سے نکاح پر رضامندی ظاہر کی تھی اور نہ ہی نکاح نامہ پر دستخط کئے تھے؛ بلکہ باپ نے بدون اس کی رضا واجازت کے بہن کے جعلی دستخط کے ساتھ اس کا نکاح آپ سے کر دیا اور نہ ہی اس نے شب عروسی میں آپ کو ہاتھ لگانے دیا، بلکہ اسی وقت صاف انکار کر دیا میں نے نہ تو نکاح کی اجازت دی ہے اور نہ ہی نکاح قبول کیا ہے، تو ایسی صورت میں نکاح منعقد نہیں ہوا اور اگر آپ نے اس مدت میں اپنی چچازاد بہن سے صحبت نہیں کی ہے (جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے) تو آپ پر مہر بھی واجب نہیں ہے؛ البتہ اس لڑکی سے علیحدگی لازم ہے۔

عن خنساء بنت خذام الأنصارية، أن أباها زوجها وهي ثيب، فكرهت ذلك، فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب إذا زوج ابنته وهي كارهة، فنكاحه مردود،النسخة الهندية ٢/ ٧٧١،رقم:٤٩٤٥، ف:٥١٣٨)

والصحيح أن البكاء–إلى قوله– إن كان مع الصوت، والصياح لايكون رضا. كذا في فتاوى قاضيخان وهو الأوجه وعليه الفتوىٰ. (هندية، الباب الرابع في الأولياء في النكاح ١/ ٢٨٧، جديد زكريا ١/ ٣٥٣، كذا في الشامي، زكريا٤/ ١٦٠- ١٦١، كراچي٣/ ٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۲۱ھ

لڑکی کو بتائے بغیر اس کی شادی کر دینا

سوال[۵۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک لڑکی خالدہ سے شادی کا خواہشمند تھا اور خالدہ بھی اس کے ساتھ بخوشی شادی کے لئے رضا مند تھی، خالدہ کے والدین نے ایک اور لڑکے سے شادی طے کردی، جب اس بات کا علم خالدہ کو ہوا، تو اس نے صراحۃ کہدیا کہ میں زید کے علاوہ کسی اور سے شادی کے لئے رضا مند نہیں، باوجود خالدہ کے انکار کرنے کے والدین نے دوسری جگہ شادی کردی، نکاح کے وقت خالدہ سے معلوم بھی نہیں کیا گیا، خالدہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر مجھ سے نکاح کے بارے میں کہا جاتا تو میں انکار کردیتی، میری شادی زبردستی کی گئی ہے، میں اس پر راضی نہیں اسی بلا اجازت ومرضی کے بعد خالدہ کو شوہر کے یہاں رخصت کیا اور وہ ماں باپ کی عزت کی خاطر بادل ناخواستہ رخصت ہوکر شوہر کے یہاں آئی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ یہ نکاح اگر نہیں ہوا تو یہ رشتہ برقرار رکھنے کی کیا صورت ہے؛ جبکہ خالدہ نکاح کے لئے تیار نہیں ہے؟

المستفتی: محفوظ الرحمٰن، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر رخصتی کے بعد لڑکی شوہر کے ساتھ ہمبستری ہوچکی ہے اور شوہر کو مجامعت پر قدرت دیدی ہے، تو شرعاً نکاح صحیح ہو چکا ہے اور اگر شوہر کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی ہے اور نہ مجامعت ہوئی ہے تو نکاح صحیح نہیں ہوا ہے۔

عن خنساء بنت خذام الأنصارية، أن أباها زوجها وهي ثيب، فكرهت ذلك، فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها.

(صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب إذا زوج ابنته وهي كارهة، فنكاحه مردود، النسخة الهندية ٢/ ٧٧١، رقم: ٤٩٤٥، ف: ٥١٣٨)

اورنکاح کو برقرار رکھنے کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ شوہراس لڑکی کے ساتھ اس کی رضا مندی سے صحبت کرلے۔

عن ابن عباسؓ، أن جارية بكر أتت النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت أن أباها زوجها وهي كارهة، فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم.
(سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في البكر يزوجها أبوها و لايستامرها، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۵، دارالسلام رقم:۲۰۹٦)

لأن رضاهما يكون بالدلالة كما ذكره بقوله أو ماهو في معناه من فعل يدل على الرضا كطلب مهرها، ونفقتها، وتمكينها من الوطء. (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/ ١٦٤، ١٦٥، كراچي٣/٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۲۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۱/۳۰ھ

لڑکی کی اجازت کے بغیر والد کی اجازت سے نکاح پڑھانا

سوال [۵۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قاضی صاحب نے مجلس نکاح میں مجمع کثیر کے اندر لڑکی کے والد اوراسی کے گاؤں کے ایک دوسرے شخص کی موجودگی میں لڑکی کے والد کی اجازت سے لڑکے کے گاؤں میں نکاح پڑھایا؛ لیکن لڑکا اورلڑکی کے گاؤں کے درمیان کافی دوری کی وجہ سے قاضی صاحب نے نکاح پڑھاتے وقت لڑکی سے اجازت نہیں لی، جس کی وجہ سے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نکاح نہیں ہوا؛ لہٰذا دوبارہ نکاح پڑھایا جائے، تو کیا نکاح اول درست ہے یا نہیں؟ یا دوبارہ نکاح پڑھایا جائے، اس مسئلہ کا شرعی حکم کیا ہے؟ نکاح کے وقت لڑکی بالغ تھی اورلڑکا بھی بالغ تھا۔

المستفتی: قربان علی، مدھوبنی، متعلم درجہ ہفتم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراس طرح نکاح ہوجانے کے بعدلڑکی کو جب اطلاع ہوئی اوراس نے اس کورد نہیں کیا؛ بلکہ صراحتاًیا دلالۃً اجازت دی یا رضا مندی ظاہرکی توشرعاًمذکورہ نکاح صحیح اوردرست ہو چکاہے۔

زوجها وليها، وأخبرها رسوله، أوفضولي عدل، فسكتت عن رده مختارة، أوضحكت غير مستهزئة، أو تبسمت، أوبكت بلاصوت فهو إذن الخ.

(الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديو بند ٤/١٥٩، ١٦٠، كراچي ٣/٥٩، الموسوعة الفقهية الكويتية٤١/ ٢٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۰رمحرم الحرام۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۶/۷۴۳۸)

نکاح میں زوجین کی رضا مندی کالحاظ

سوال [۵۷۷۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اولاد کے اوپر اللہ تعالیٰ نے یہ لازم قرار دیاہے کہ وہ اپنے والدین کو خوش رکھےاوران کے حقوق کالحاظ رکھے،تو کیا کہیں والدین پر بھی اولاد کے بارے میں یہ حکم ہے کہ وہ بھی اولاد کی خوشی اور رضا مندی کا خیال رکھیں اورجس کام پراولادراضی ہواسی کام پر والدین بھی رضامندی کا اظہار کریں،اگرصرف اولاد ہی کے اوپران کے حقوق کالحاظ لازم ہے،تو پھر بوقت نکاح لڑکایالڑکی سے کیوں اجازت طلب کرتے ہیں؟

المستفتی: محمد ناصرالدین کرولہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین کوخوش رکھنے کا مسئلہ اپنی جگہ اہم اورمستقل مسئلہ ہےاورکسی لڑکی سے نکاح کا مسئلہ اس سے الگ مستقل دوسرا مسئلہ ہے۔

شریعت نے دونوں کا حکم مستقل طور پر بیان کیا ہے اولاد پر لازم ہے کہ والدین کو خوش رکھیں اور والدین پر لازم ہے کہ نکاح کے معاملہ میں لڑکے اور لڑکی کی مرضی کا لحاظ رکھے، اور ان کی مرضی کے بغیر والدین کی طرف سے دباؤ ڈال کر کے ان کا نکاح کر دینا جائز نہیں، اس میں والدین گنہگار رہوں گے؛ اس لئے نکاح کے معاملہ میں والدین کو اولاد کی رضا مندی کا لحاظ رکھنا لازم ہے، جہاں لڑکا یا لڑکی نکاح کرنا پسند کریں، اگرچہ والدین کو وہ جگہ پسند نہ ہو، تب بھی والدین کو اولاد کی مرضی کے مطابق نکاح کے معاملہ میں رضامند ہونا لازم ہے۔

عن ابن عباسؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الثيب أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأمر، وإذنه سكوتها. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت،النسخة الهندية ١/ ٤٥٥، بيت الأفكار رقم: ١٤٢١)

ومنها رضا المرأة إذا كانت بالغة بكراً، كانت أوثيباً، فلا يملك الولي إجبارها على النكاح عندنا. (فتاوى عالمگيري، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره الخ، زكريا ١/٢٦٩، جديد ١/٣٢٢، فتاوى قضيخان على هامش الهندية، زكريا ١/٣٣٥، جديد ١/ ٢٠٤)

ولا يزوج البكر البالغة أبوها على كره منها. (فتاوى تاتار خانية، زكريا ٤/ ٩١، رقم: ٥٦١٨، كوئٹه ٣/ ٢٣)

لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب، أو سلطان بغير إذنها بكراً كانت أو ثيباً. (فتاوى هندية، زكريا ١/ ٢٨٧، جديد ١/ ٣٥٣)

عن المغيرة بن شعبة قال خطبت امرأة قال: فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم نظرت إليها قلت لا، قال فانظر إليها، فإنه أحرىٰ ان يؤدم بينكما. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب النكاح، باب نظر الرجل إلى المرأة يريد تزوجها، دارالفكر ١٠/ ٢٤٨، ٢٤٩، رقم: ١٣٧٧٥، قديم ٧/ ٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۶۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۴/ ۱۴۲۳ھ

کیا بالغہ لڑکی کا اپنی مرضی سے کیا ہوا نکاح درست ہے؟

سوال [۵۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر شادی شدہ ہے، اب دوسرا نکاح کیا ہے، جس لڑکی سے نکاح کیا ہے، اس کے باپ کے کہنے کے مطابق ۱۷ر سال کی ہے، نکاح باپ کی اجازت کے بغیر لیکن ماں کی مرضی سے ہوا ہے اور لڑکی سے گواہوں کے سامنے تین مرتبہ پوچھا گیا، لڑکی نے جواب میں ہاں کہا اور نکاح نامہ پر دستخط بھی کئے، لڑکی انصاری ہے اور لڑکا میمن ہے اور دونوں دیوبندی خیالات کے ہیں، لڑکی ابھی باپ کے گھر میں ہی ہے، باپ کو پتہ نہیں ہے کہ میری لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے۔ صورت مسئولہ میں معلوم یہ کرنا ہے کہ:

(۱) باپ کی اجازت کے بغیر نکاح ہوا یا نہیں؟

(۲) کیا باپ کو فسخ نکاح کا اختیار ہے؟

المستفتی: محمد اقبال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے کی برادری عرف ورواج کے اعتبار سے لڑکی کی برادری سے کمزور نہ ہونی چاہئے اور لوگوں سے معلوم ہوا کہ میمن برادری انصاری برادری سے کمزور نہیں ہے؛ اس لئے عاقل بالغ لڑکی کا نکاح باپ کی مرضی کے بغیر منعقد ہو چکا ہے؛ البتہ اگر مہر مثل سے کم پر نکاح ہوا ہے تو باپ کو اعتراض کا حق ہے یہی ظاہر روایت کے مطابق ہے۔

عن ابن عباسؓ أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: الأیم أحق بنفسها من ولیها، والبکر تستأذن في نفسها، وإذنها صماتها. قال: نعم! (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استیذان الثیب في النکاح بالنطق والبکر بالسکوت، النسخة الهندیة ۱/ ۴۵۵، بیت الأفکار رقم: ۱۴۲۱)

ولا تجبر البالغة البكر على النكاح؛ لانقطاع الولاية بالبلوغ الخ.
(در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/١٥٩، كراچي ٣/٥٨)

الكفاءة هي حق الولي لاحقها. (در مختار، كراچي ٣/٨٥، زكريا ديوبند ٤/٢٠٧)

وإذا تزوجت المرأة ونقصت عن مهر مثلها، فللأولياء الاعتراض عليها. عند أبي حنيفةؒ حتى يتم لها مهر مثلها، أو يفارقها. (هداية، اشرفيه ديوبند ٢/٣٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۹۵/۴۰)

کیا لڑکی ولی یا اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتی؟

سوال [۵۷۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی اس کے دوستوں نے ہندہ سے کرادی؛ جبکہ زید اور ہندہ کے ماں باپ یا کوئی بھی رشتہ دار قطعی طور پر شادی کے لئے راضی نہ تھے صرف یہی دونوں راضی تھے، دوستوں نے باہر لے جاکر دونوں کا نکاح بغیر گھر والوں کو خبر کرائے کردیا؛ لیکن دونوں کے درمیان نکاح کے بعد بھی ہمبستری یا جسمانی تعلقات قائم نہیں ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ شادی شریعت کے مطابق جائز ہے کہ نہیں؟ کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوئی بھی لڑکی بغیر ولی کے یا اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتی ہے؟ جواب کتاب وسنت سے تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد خالد ملک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عاقلہ بالغہ لڑکی کا اپنے کفو اور برادری میں مناسب مہر کے ساتھ نکاح کرلینے سے شرعی طور پر نکاح صحیح اور درست ہوجاتا ہے، اگرچہ اس

کا ولی موجود نہ ہو یا ولی راضی نہ ہو، ہاں البتہ اگر غیر کفو اور غیر برادری میں نکاح کرلیا ہے یا کفو میں ،اس کے معیار سے بہت کم مہر باندھا ہے،تو اس کے ولی کی اجازت یا حاضری کے بغیر صحیح اور درست نہیں ہے۔

و لا يصح النكاح من غير كفء، أو بغبن فاحش أصلاً (إلى قوله) **وإن كان من كفوء وبمهر المثل صح الخ** (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/١٧٣، ١٧٤، كراچي ٣/٦٨)

اور جس حدیث شریف میں ولی کی اجازت کا حکم آیا ہے اور بغیر اجازت نکاح باطل ہونے کو کہا گیا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ غیر کفو اور قلیل مہر کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے؛ لیکن یہ حدیث شریف کفو اور مثل سے نکاح کرنے کے خلاف نہیں ہے، ورنہ حدیث میں عورت کا اپنے نکاح میں ولی سے زیادہ حقدار ہونے کا ذکر بھی آیا ہے۔

الثيب أحق بنفسها من وليها، والبكر يستأذنها أبوها في نفسها. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، النسخة الهندية ١/٤٥٥، بيت الأفكار رقم: ١٤٢١، مشكوٰة شريف ٢/٢٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍ ۳۴۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۱۰ھ

عاقل بالغ لڑکی کا گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرنا

سوال [۵۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زیبہ فردوس نامی لڑکی نے جو کہ نہٹور کی رہنے والی ہے، بذریعہ رقعہ ہٰذا جو ساتھ میں منسلک ہے، ذوالفقار صاحب کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا، ذوالفقار صاحب نے

حسب وکالت دو گواہان کی موجودگی میں مذکورہ عورت کا نکاح پڑھوادیا، جس کی رسید بھی ساتھ میں روانہ کی جارہی ہے، دریں صورت کیا یہ نکاح درست ہے اور شریعت کے اعتبار سے وہ لڑکی محمد یونس کی زوجہ ہے اور حق زوجیت وصول کرسکتی ہے؟ تمام کاغذات اور رقعہ ہذا کا بغور مطالعہ کرکے شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد زاہد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عاقل بالغ لڑکی جب اپنی مرضی سے برادری کے لڑکے کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں مناسب مہر کے عوض میں نکاح کرے تو شرعاً وہ نکاح درست ہوجاتا ہے اور مذکورہ نکاح میں مہر فاطمی باندھا گیا ہے، جو مناسب مہر ہے؛ لہٰذا مذکورہ نکاح اگر لڑکی کی مرضی اور خوشی سے ہوا ہے، تو صحیح اور درست ہو چکا اور یہ لڑکی محمد یونس کی شرعی بیوی بن گئی ہے۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه ومالا فلا. (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ٣/ ٥٥،٥٦، زكريا ديوبند٤/ ١٥٥، كذا في الهندية، زكريا١/ ٢٨٧، جديد ١/ ٣٥٣، ومجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٨٨، مصري قديم ١/ ٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰؍شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۷۶)	۱۴۲۴/۱۱/۳ھ

اولیاء کے علاوہ دیگر لوگوں کی موجودگی میں عاقل بالغ لڑکے لڑکی کا نکاح

سوال [۵۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی نے اپنے ماں باپ کی غیر موجودگی میں اپنے ہوش وحواس کے ساتھ بنا

کسی ڈریا دباؤ کے ایک وکیل اور دو گواہ کے درمیان اقرار کیا اور نکاح کی اجازت دی، اس کے بعد معتبر قاضی نے تقریباً دس آدمیوں کی موجودگی میں سنت طریقہ سے نکاح پڑھایا، لڑکا لڑکی دونوں پٹھان ہیں، لڑکی کی عمر ۲۲ر سال لڑکے کی عمر ۳۳ر سال ہے اور دونوں کنوارے ہیں۔

المستفتی: حافظ محمد اختر خان شہباز پور کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب لڑکے اور لڑکی دونوں عاقل و بالغ ہوشیار ہیں اور دونوں ہم کفو اور ایک برادری سے متعلق ہیں، تو ایسی صورت میں ولی اور ماں باپ کی غیر موجودگی میں بلا اجازت شرعی گواہوں اور مسلمانوں کی موجودگی میں دونوں کا نکاح صحیح اور درست ہے۔

عن ابن عباسؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الأيم أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق و البكر بالسكوت،النسخة الهندية ١/٤٥٥، بيت الأفكار رقم:١٤٢١)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي. (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكرياديو بند٤/١٥٥، كراچي ٣/٥٥، تبيين الحقائق، مكتبه امدادية ملتان ٢/١١٧، زكريا٢/٤٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۶۲/۳۷)

بالغ لڑکی کا والدین کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا

سوال [۵۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی ساجدہ جو کسی اسکول میں تعلیم حاصل کرتی تھی روز اسکول جاتی آتی

تھی، کچھ دنوں کے بعد ایک لڑکے نے جو اس کے پڑوس ہی میں رہتا تھا، ایک خط دیا جس میں اظہار محبت کے بارے میں لکھا تھا، جب اس لڑکی نے خط پڑھا تو غصہ ہوگئی، تو اس لڑکے نے بہت سمجھایا بجھایا، تو تیار ہوگئی، جب لڑکی اسکول جاتی آتی تھی، تو ایک روز وہ لڑکا کہیں لے گیا، جہاں اس نے دوست اور اس کے سگے بھائی بھی موجود تھے، وہاں ایک اور آدمی شادی شدہ تھا کل دس آدمی تھے، ہمارا کوئی رشتہ دار وہاں نہیں تھا، تو ہم سے پوچھا گیا کہ تم تیار ہو تو میں نے کہہ دیا کہ میں تیار ہوں، تو میری شادی ہوگئی، میں نے قبول کرلیا اور اس رجسٹر میں میں نے تین جگہ دستخط بھی کیا اس کے بعد میں گھر آ گئی، اسی دس میں سے ایک نے وہاں پر میرا نکاح پڑھایا جب میں گھر آ گئی تو کچھ دنوں کے بعد میری والدہ کو پتہ چل گیا، تو میرا اسکول جانا بند کردیا، لڑکی کی امی نے ان سے قسم لی کہ تم قرآن پاک ہاتھ میں لے کر قسم کھاؤ کہ تم نے فلاں لڑکے سے شادی کی ہے یا نہیں؟ تو اس لڑکی نے کلام پاک اٹھا کر قسم کھائی کہ میری شادی نہیں ہوئی ہے اور لڑکے نے یہ کہلایا تھا کہ چاہے تمہاری گردن پر تلوار رکھ دے، تو تم شادی کے بارے میں مت بتانا؛ اس لئے اس نے قرآن اٹھا کر قسم کھالی، اس کے بعد سے اس کی والدہ یعنی لڑکی کی والدہ نے اسکول جانے کے لئے اجازت دیدی، کچھ دنوں کے بعد لڑکا لڑکی کو لے کر کہیں چلا گیا، دو روز لڑکی لڑکے کے پاس رہی اور تیسرے روز اپنی والدہ کے گھر آ گئی، ان دنوں میں لڑکی سے لڑکے نے دخول بھی کیا ہے۔ اب لڑکی اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور لڑکی کی والدہ بھائی وغیرہ اس بات کو ناگوار سمجھ رہے ہیں کہ ہماری بیٹی اس لڑکے کے گھر جائے، تو اس صورت میں کیا ہوگا نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح ہوگیا ہے، تو دوسری شادی کرانے کے لئے کوئی صورت ہو تو قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد صابر کٹیہاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر لڑکا لڑکی دونوں ایک ہی کفو اور ایک ہی

برادری سے متعلق ہیں، تو دونوں کے درمیان مذکورہ نکاح صحیح ہو چکا ہے، اب دوسری جگہ اس لڑکی کا نکاح درست نہ ہوگا اور سابق نکاح ہی کے ساتھ اسی لڑکے کے ساتھ میاں بیوی کی زندگی گذارنا جائز ہوگا۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل ان كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه وقوله ويفتىٰ في غير الكفء بعدم جوازه أصلاً وهو المختار. (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/١٥٥-١٥٦، كراچي ٣/٥٦، وكذا في البحرالرائق، كوئٹه ٣/١٠٩-١١٠، زكريا٣/١٩٢-١٩٤)

لو زوجت الحرة البالغة العاقلة نفسها جاز. (الموسوعة الفقهية الكويتية٧/ ٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۰۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۳؍۱۴۲۰ھ

والدین کی اجازت کے بغیر بالغہ لڑکی کا نکاح

سوال [۵۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور ہندہ نے کافی دنوں سے پیار ومحبت سے متاثر ہو کر آپس میں ایک مستحکم عہد و پیمان کی روشنی میں نہایت خوشی کے ساتھ والدین سے بغاوت کر کے بلا اجازت نکاح شرعی کرلیا ہے، نکاح کے بعد قانونی زد سے بچاؤ کے لئے کورٹ میرج بھی کرلیا ہے، جب والدین کو اس بات کا پتہ چلا تو انتہائی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے نکاح سے نفرت کرتے ہیں، لڑکی فی الحال والدین کے زیر نگرانی ہے اور والدین چاہتے ہیں کہ ہم اپنی مرضی سے نکاح کرائیں۔ اب ایسی صورت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتائیں کہ نکاح جائز ہوا ہے یا نہیں؟ ہندہ کو اپنی مرضی سے نکاح کرنے کا شرعی اختیار حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد خلیل رحمت نگر گلی-۴؍سرسید نگر، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی اگر بالغہ ہے اور جس لڑکے سے نکاح کیا ہے، وہ لڑکی کی ہی برادری میں سے ہے یا ایسی برادری میں سے ہے، جس کو معاشرہ اور ماحول میں عمدہ جانا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں ہندہ کا ماں باپ کی اجازت کے بغیر نکاح کرلینا شرعاً درست ہے اور یہ نکاح شرعی طور پر منعقد ہو چکا ہے۔ اب ہندہ زید کی ہی بیوی ہے، اسی حالت میں ہندہ کے ماں باپ کے لئے دوسرے مرد سے نکاح کرانا شرعاً درست نہیں ہے؛ بلکہ وہ نکاح باطل ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۸/۲۳)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضي ولي. (در مختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/ ١٥٥، كراچي ٣/ ٥٥)

قال رحمه الله نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي، وهذا عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسف في ظاهر الرواية. (تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان ٢/ ١١٧، زكريا ٢/ ١١٧، هندية ١/ ٢٨٧)

أما نكاح منكوحة الغير فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ٣/ ١٣٢، زكريا ديوبند ٤/ ٢٧٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۴۳۸/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۸ھ

گھر والوں کی رضامندی کے بغیر لڑکی کا نکاح

سوال [۵۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا لڑکی بالغ اور عاقل ہیں دونوں نے قاضی وکیل اور گواہ کے سامنے نکاح کرلیا، مگر لڑکی کے گھر والے راضی نہیں ہیں اور انہوں نے لڑکی کا دوسرا نکاح طے کردیا

تو معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا دوسرا نکاح صحیح ہوگا شریعت کا حکم بیان فرمائیں؟

المستفتی: محمد ناصر مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ لڑکا لڑکی بالغ ہیں اور لڑکی نے اپنے کفو میں نکاح کیا ہے، تو یہ نکاح شرعاً درست ہے، یہ دونوں آپس میں میاں بیوی ہو چکے؛ لہٰذا اس شوہر سے طلاق یا تفریق حاصل کئے بغیر جو نکاح طے کیا جا رہا ہے وہ قطعاً درست نہیں ہے، اگر اس طرح نکاح کر کے دوسرے شوہر کے پاس بھیج دیا گیا تو یہ حرام کاری وزنا کاری ہوگی۔

فنفذ نكاح حرة بلا رضا ولي. (الدر مع الرد، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند٤/١٥٥، كراچي٣/٥٥، ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر مصري قديم ١/٣٣٢، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٨)

أما منكوحة الغير فلم ينعقد أصلا ؛لانه لم يقل احد بجوازه. (شامی زكريا٤/٢٧٤ كراچی٣/١٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۸ھ

بالغان کا والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنا

سوال [۵۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ واسق سرور ایک لڑکا ترنم پروین سے محبت کرتا تھا دونوں کے گھر والے نکاح کرنے پر راضی نہیں تھے؛ اس لئے میں نے ترنم کو اپنے یہاں سے قریب ایک گاؤں میں لے جا کر نکاح پڑھوا لیا اور نکاح کے وقت سات آٹھ آدمی بھی موجود تھے، لڑکی کی عمر ۱۶/ سال اور میری عمر ۲۲/ سال ہے میں شیخ زادہ ہوں اور لڑکی رنگریز برادری سے تعلق رکھتی ہے تو شرعاً میرا نکاح ہو گیا یا نہیں؟

(۲) اگر میرا نکاح ہوگیا ہے تو لڑکی والوں کو رخصتی کردینا ضروری ہے یا نہیں؟ اور نکاح کے بعد طلاق کا مطالبہ شرعاً کیسا ہے اور لڑکی کو تقریباً ۵/ یا ۶/ ماہ میں اپنے ساتھ بھی رکھ چکا ہوں؛ لیکن جب لڑکی والوں کو علم ہوگیا، تو اب لڑکی میکہ میں ہے، اب وہ لوگ بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور لڑکی کو حمل بھی ہوگیا تھا، جسے لڑکی والوں نے گروادیا ہے شرعی حکم تحریر فرمادیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: واسق سرور، محلّہ: افغانان، شیرکورٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ صورت میں آپ کا نکاح ترنم پروین سے صحیح ہوگیا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۸/۲۰۶)

الكفاءة معتبرة من جانبه أي الرجل (إلى قوله) لاتعتبر من جانبها؛ لأن الزوج مستفرش، فلا تغيظه دناءة الفراش–وقال الشامي: في رد المختار ان نكاح الشريف الوضعية لازم فلا اعتراض للولي. (شامي، كتاب النكاح، باب الكفاءة، كراچي ۳/۸۳، ۸۵، زكريا ٤/٢٠٧)

فالكفاءة تعتبر للنساء لا للرجال على معنى أنه تعتبر الكفاءة في جانب الرجال للنساء ولا تعتبر في جانب النساء للرجال؛ لأن النصوص وردت بالاعتبار في جانب الرجال خاصة. (بدائع الصنائع، كراچي ٢/٣٢٠، زكريا٢/٦٢٩)

(۲) چونکہ یہ نکاح لڑکی نے اپنے سے اعلیٰ کفو میں کیا ہے؛ اس لئے صحیح اور درست ہے؛ لہٰذا اولیاء اور والدین پر لازم ہے کہ موجودہ شوہر کے ساتھ رخصت کردیں۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي. (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ٣/٥٥، زكريا ديوبند٤/١٥٥، سكب الأنهر مع مجمع الأنهر مصري قديم ١/٣٣٢، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٩)

عن ابن عباسؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الأيم أحق بنفسها من وليها. الحديث (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت،النسخة الهندية ۱/ ٤٥٥، بيت الأفكار رقم: ١٤٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۳۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۶/ ۱۴۱۸ھ

عاقل بالغ لڑکی کا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح

سوال [۵۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر ایک پندرہ سال کی لڑکی جس کو حیض آتا ہو، اپنی مرضی سے اپنی برادری کے برابر برادری والے مسلم لڑکے سے نکاح کر لیتی ہے، تو وہ نکاح ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ واضح رہے کہ لڑکی کی عمر لڑکی کے گھر والوں کی طرف سے پندرہ سال لکھائی گئی تھی؛ جبکہ Medical Legal Report میں تقریباً انیس سال کی عمر بتائی گئی تھی اور یہ معاملہ گیارہ سال پہلے کا ہے، اس دوران ایک بچہ کی پیدائش ہوئی ہے۔

المستفتی: افضال احمد معرفت محبوب احمد، محلّہ: حیات نگر گلی -۳، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت میں پندرہ سال کی لڑکی کو بالغ شمار کیا جاتا ہے اور سوال نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ پندرہ سال تو صرف کاغذوں میں ہے؛ جبکہ حقیقت میں لڑکی ۱۹ر سال کی ہے، تو ایسی صورت میں سرکاری قانون کے مطابق بھی وہ لڑکی بالغ تھی؛ لہٰذا اس کا نکاح شرعی طور پر اپنی برادری کے برابر برادری والے لڑکے کے ساتھ جائز اور درست ہو چکا تھا، اگرچہ ماں باپ کی مرضی کے بغیر نکاح ہوا ہو تب بھی وہ نکاح معتبر تھا

اورجو بچی پیدا ہوئی ہے، وہ بہر حال ماں باپ دونوں کی وارث بنے گی۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل ۶/۱۱۲-۱۱۳، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۰/ ۵۳۶-۵۵۲)

نفذ نکاح حرة مكلفة بلا ولي؛ لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله؛ لكونها عاقلة بالغة- وروي الحسن عن الإمام أنه إن كان الزوج كفواً نفذ نكاحها، وإلا فلم ينعقد. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والاء كفاء، زكريا ٣/ ١٩٢، كوئٹه ٣/ ١٠٩ هداية اشرفية ديوبند ٢م٣١٣، شامي، كراچي ٣/ ٥٥-٥٦، زكريا ديوبند ٤/ ١٥٥-١٥٦)

قال أبو جعفر: و إذا تزوجت المرأة البالغة الصحيحة العقل بغير أمر وليها، فالنكاح جائز، وإن كان كفوا لها لم يكن للأولياء أن يفرقوا بينهما، وإن كان غير كفولها كان لوليها أن يفرقوا بينهما. (شرح مختصر الطحطاوي جديد ٤/ ٢٥٥-٢٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۲۲/۴۰)

ولی کی اجازت کے بغیر عاقل، بالغ لڑکی کا نکاح

سوال [۵۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی چچازاد بہن سے دو مسلمان گواہوں کے سامنے ایک نکاح خواں کے ذریعہ نکاح کرلیا، لڑکی کی عمر ۱۶ر سال ہے، یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

سوال یہ ہے کہ گواہوں نے نکاح کے رجسٹر میں اپنا صحیح نام درج نہیں کیا تو کیا اس سے نکاح پر کچھ اثر پڑیگا؟

المستفتی: محمد عادل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا اپنی چچازاد بہن سے نکاح شرعاً درست ہے؛ اس لئے کہ دونوں عاقل بالغ اور شرعی احکام کے مکلّف ہیں اور ان کا اولیاء کی اجازت کے بغیر بھی نکاح درست ہوجائے گا؛ لیکن گواہوں کا موجود ہونا اور سننا شرط ہے، دستخط شرط نہیں ہے؛ لہٰذا رجسٹر پر غلط نام درج کرنے سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ولاینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین، عاقلین، بالغین مسلمین رجلین، أورجل و امرأتین عدو لا کانوا أو غیر عدول. (هدایة، کتاب النکاح اشرفیة دیوبند ۲/۳۲۶)

ینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة بر ضاها أي بعقدها الدال علی رضاها. (العنایة، اشرفیة دیوبند ۳/۲۴۷، الکفایة، اشرفیة دیوبند ۳/۴۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۰۶/۴۰)

بالغ لڑکے اور لڑکی کا والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنا

سوال [۵۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہیں اور عقلمند وسمجھدار ہیں اور دونوں کی عمر تقریباً ۲۰؍۲۱؍سال ہے، ان دونوں نے اپنی مرضی سے گواہ اور وکیل کی موجودگی میں قاضی کے روبرو اپنا نکاح کرلیا ہے، مگر لڑکی کے ماں باپ رشتہ دار وغیرہ راضی نہیں ہیں اور انہوں نے لڑکی کا دوسرا نکاح کسی اور مقام پر لے جاکر زبردستی کسی کے ساتھ کرادیا ہے۔ کیا یہ دوسرا نکاح جائز اور صحیح ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو اس دوسرے نکاح کے گواہ وکیل جن لوگوں کے علم میں یہ بات ہے کہ لڑکی کا

پہلے نکاح ہو چکا ہے اسلام کے کس زمرے میں آتے ہیں؟ دونوں نے نکاح کی رسید بھی حاصل کرلی ہے، دونوں کی برادری بھی ایک ہی ہے۔

المستفتی: محمد مرسلین ولد مستقیم، محلّہ: سرائے شیخ محمود، تھانہ: کوتوالی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکا لڑکی دونوں ہم کفو وہم برادری ہیں اور دونوں عاقل بالغ ہیں تو دونوں کا اپنی مرضی سے گواہوں کے سامنے نکاح کرلینا شرعاً صحیح اور درست ہے۔ اب دونوں آپس میں میاں بیوی ہیں؛ لہٰذا اس شوہر سے شرعی طلاق یا تفریق حاصل کرنے سے قبل دوسری جگہ جو نکاح ہوا ہے، وہ شرعاً صحیح نہیں ہوا، اس دوسرے شخص کے ساتھ رہنا زناکاری ہوگی۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي. (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/١٥٥، كراچي٣/٥٥، هداية اشرفية ديوبند٢/٣١٣)

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنها للغير، فإنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً الخ (شامي، زكريا ديوبند٤/٢٧٤، كراچي ٣/١٣٢، البحر الرائق، زكريا ديوبند ٤/٢٤٢، كوئٹه ٤/١٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۱ھ

ولی کا لڑکی کی اجازت کے بغیر، اور لڑکی کا ولی کے اجازت کے بغیر نکاح کرنا

سوال[۵۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ کیا ولی بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کرسکتا ہے؟

(۲) کیا بالغہ لڑکی اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) ولی کون کون لوگ ہو سکتے ہیں بالترتیب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد فاروق، محلّہ: اشراف ٹولہ، سندیلہ، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بالغہ باکرہ کے نکاح کے لئے اس کی دلالۃً یا صراحۃً اجازت ضروری ہے، اس کی اجازت کے بغیر نکاح شرعاً منعقد نہ ہوگا۔

عن ابن عباسؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الأيم أحق بنفسها من وليها، والبكر تستأذن في نفسها، وإذنها صماتها. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استيذان الثيب في النكاح بالنطق والبكر بالسكوت، النسخة الهندية ١/٤٥٥، بيت الأفكار رقم: ١٤٢١)

عن ابن عباس أن جارية بكراً أتت النبي صلى الله عليه وسلم، فذكرت أن أباها زوجها وهي كارهة، فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم. (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في البكر زوجها أوبها ولا يستئامرها، النسخة الهندية ١/٢٨٥، دارالسلام رقم: ٢٠٩٦)

لا ينفذ عقد الولي بغير رضاها عندنا. (البحرالرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والاكفاء، كوئٹه ٣/١١٠، زكريا ٣/١٩٤)

لاينفذ عقد الولي بغير استئمار–توقف على رضاها. (شامي، زكريا ٤/١٥٩، كراچي ٣/٥٨)

(۲) بالغہ باکرہ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر اگر کفو میں نکاح کرے تو منعقد ہو جائے گا اور اگر غیر کفو میں نکاح کرتی ہے، تو مفتی بہ قول کے مطابق منعقد ہی نہ ہوگا۔

عن بحرية بنت هاني بن قبيحة، قالت: زوجت نفسي القعقاع بن شور، وبات عندي ليلة، وجاء أبي من الأعراب؛ فاستعدي عليا،

وجاء ت رسله فانطلقوا به إليه، فقال: أدخلت بها؟ قال: نعم! فأجاز النكاح.
(سنن الدارقطني، كتاب النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ۳/۲۲۳، رقم: ۳۸۳۷۰)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي (در مختار) ويفتى في غير الكفء بعدم جوازه. وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان. (درمختار على شامي، زكريا ٤/١٥٥ تا١٥٧، كراچي ٣/٥٥-٥٦، هندية، زكريا ١/٢٨٧، بدائع الصنائع، زكريا ٢/٥١٦)

(۳) باب نکاح میں ولی سے مراد عصبہ بنفسہ ہے یعنی بیٹا، پوتا، باپ، دادا، تایا، چچا، بھائی وغیرہ ہیں۔

اي للولي إذا كان عصبة أي بنفسه. (درمختار، زكريا٤/١٥٦، كراچي ٣/٥٦)

ثم الولي بترتيب عصوبة الإ نكاح. (شامي، زكريا٣/١٢١، كراچي ٢/٢٢٠، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، درالكتاب ديوبند ٥٨٩، هكذا في البدائع، زكريا ٢/٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۲۱ھ

بالغہ لڑکی اور لڑکے کا اپنا نکاح خود کرنا

سوال [۵۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے اور لڑکی نے دو گواہوں کی موجودگی میں شرعی طور پر نکاح کرلیا اور اس کے بعد دونوں میں ازدواجی تعلقات بھی قائم ہوگئے؛ لیکن بوقت نکاح لڑکی کے والدین کو علم نہیں تھا؛ بلکہ بعد میں علم ہوا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہوا ہے یا نہیں؟ جبکہ طرفین بالغ ہیں، لڑکا اور لڑکی انصاری برادری سے متعلق ہیں اور مہر پچاس ہزار روپیہ طے پایا ہے۔

نوٹ: لڑکے کی عمر ۲۸؍ سال اور لڑکی کی عمر ۲۷؍ سال ہے۔

المستفتی: رئیس احمد، دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ لڑکا ۲۸؍ سال کا ہے اور لڑکی ۲۷؍ سال کی ہے اور دونوں ایک ہی برادری سے متعلق ہیں اور مہر بھی پچاس ہزار روپیہ معقول ہے اور دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں عقد نکاح کیا گیا ہے، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر یہ نکاح منعقد ہو چکا ہے، اور دونوں شریعت کے نزدیک میاں بیوی ہیں اور ایسے نکاح میں کسی کے لئے اعتراض کا حق بھی نہیں رہتا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۱؍۲۵۲)

عن معمر قال: سألت الزهري، عن امرأة تزوج بغير ولي؟ فقال: إن كان كفوءا جاز. (المصنف لإبن أبي شيبة، كتاب النكاح، باب من أجازه بغير ولي ولم يفرق، مؤسسه علوم القرآن جديد٩/ ٤١، رقم:١٦٩٩٩)

الحرة العاقلة البالغة إذا زوجت نفسها من رجل هو كفو لها بكرا كانت أو ثيباً، نفذ النكاح في ظاهر رواية أبي حنيفةؒ الا أن الزوج إذا لم يكن كفوا فللأولياء حق الاعتراض. (تاتارخانية، زكريا٤/ ١٠٠، رقم:٥٦٤٤)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي......والاعتراض في غير الكفء أي في تزويجها نفسها من غير كفء. (در مختار مع الشامي، زكريا٤/ ١٥٥-١٥٦، كراچي٣/ ٥٥-٥٦)

فإذا أذنت المرأة للرجل أن يزوجها من نفسه فعقد بحضرة شاهدين جاز. (هداية اشرفيه ديو بند ٢/ ٣٢٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۶۷۲)

والدین کی اجازت کے بغیر بالغ لڑکے اورلڑکی کا نکاح کرنا

سوال [۵۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نکاح ۱۲/نومبر ۱۹۹۳ءکو ہوا، جس میں لڑکا اورلڑکی دونوں بالغ ہیں لڑکے کی عمر ۲۷/سال اورلڑکی کی عمر ۲۰/سال ہے، دونوں سمجھ دار عاقل ہیں، اپنی مرضی سے نکاح کیا ہے، جس میں نکاح کے سب کاغذات موجود ہیں اور گواہ حضرات بھی موجود ہیں اوراس کے بعد کچھ لوگوں نے زبردستی دوسری جگہ لڑکی کی شادی کردی ہے، پہلے نکاح سے کوئی بھی طلاق نہ ہوئی اور نکاح پر نکاح کردیا ہے۔ اب جس امام نے نکاح پڑھا یااور جواس میں شریک تھے اور گواہ حضرات ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ کیاان لوگوں کا نکاح ٹوٹا یانہیں؟ اور بطور ثبوت رسید حاضر ہے،لڑکی اور لڑکا بالغ عاقل اور کسی ڈر یا خوف کے بغیر اپنے نفع اور نقصان کوسوچ کر اپنا نکاح کر سکتے ہیں؟ اوروہ دونوں کسی ولی کے بغیر خود ولی ہوسکتے ہیں یانہیں؟

المستفتی: محمد حفیظ اللہ شاہ پونچھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پہلا نکاح جولڑکی نے اپنی مرضی سے کیا ہے اورلڑکا لڑکی دونوں ہم کفو اور ہم برادری ہیں تو شرعی طور پر وہ نکاح صحیح ہو چکا ہے اور بعد والا نکاح جو لڑکی کی مرضی کے خلاف کردیا گیا ہے صحیح نہیں ہوا،اس کے پاس جانا لڑکی کے لئے حرام ہوگا۔

عن اسماعيل بن سالم عن الشعبي قال: إن كان كفئا جاز.

(المصنف لإبن شيبه، كتاب النكاح، باب من أجازه بغير ولي ولم يفرق مؤسسه علوم القرآن ٩/ ٤١، رقم: ١٦٢٠٠)

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة،

إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً .

(شامي، كتاب النكاح، باب المهر مطلب في النكاح الفاسد، زكريا ديوبند ٤/٢٧٤، كراچي ٣/١٣٢، البحرالرائق، باب العدة كوئٹه ٤/١٤٤، زكريا ٤/٢٤٢)

اور نکاح نامہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑکا سید ہے اور لڑکی قریشی؛ اس لئے بلاشبہ ان کا نکاح صحیح ہو چکا ہے؛ اس لئے دوسرا نکاح باطل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۱ھ

پچیس سالہ لڑکی کا بذات خود کفو میں نکاح کرنا

سوال [۵۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جو بالغ ہے، جس کی عمر تقریباً ۲۴/ یا ۲۵/ سال ہے اور یہ لڑکی ایک لڑکے کو بار بار شوہر تسلیم کرتی ہے اور تحریر بھی دیتی ہے کہ آپ میرے شوہر ہیں اور وہ لڑکا بھی بالغ اور عاقل ہے اور اس لڑکی کو بیوی تسلیم کرتا ہے اور بار بار تحریر میں بھی بیوی لکھتا ہے کہ آپ میری بیوی ہیں، اور لڑکی نے دو گواہوں کے سامنے لڑکے سے کہا کہ میں آپ سے نکاح کرتی ہوں اور لڑکے نے ان دونوں گواہوں کے سامنے کہا کہ میں قبول کرتا ہوں۔ شریعت مطہرہ کی روشنی میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد اسلام، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ بالکل صحیح ہے اور لڑکا، لڑکی دونوں ایک ہی کفو اور برادری کے ہیں، تو نکاح صحیح ہو چکا ہے اور اگر برادری اور کفو میں نہیں ہیں، تو لڑکی کے باپ بھائی کی اجازت کے بغیر مذکورہ نکاح صحیح نہیں ہوسکتا۔

ویفتی في غیر الکفء بعدم جوازہ أصلاً. وھو المختار للفتوی. (الدرالمختار ، کتاب النکاح، باب الولي، زکریادیو بند ٤/١٥٥، کراچي٣/٥٥، وھکذا في الھندیة، زکریا ١/٢٩٢، جدید ١/٣٥٨، البحرالرائق، کوئٹه ٣/١١٠، زکریا دیوبند ٣/١٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۷۰۲)

بالغہ لڑکی کا والدین کی رضامندی کے بغیر کفو میں نکاح

سوال [۵۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا جس کی عمر ۱۸؍۱۹ سال ہوگی اور ایک لڑکی جس کی عمر ۱۶؍۱۷ سال کی ہوگی دونوں میں محبت ہوگئی ہے، جب لڑکے کے والد کو معلوم ہوا، تو لڑکے کو سمجھایا اور ڈانٹا بھی پھر بھی لڑکا نہیں مانا اور لڑکے نے لڑکی کے والد کے پاس کئی بار پیغام بھیجا، مگر لڑکی کے گھر والوں نے انکار کردیا، اس کے بعد لڑکی اپنے بہنوئی کے یہاں گئی ہوئی تھی، وہ وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوگئی اور اکیلے ہی بھاگ کر ایک دوسرے گاؤں میں اس لڑکے کے پاس آگئی، اس گاؤں کے پڑھے لکھے لوگوں نے نکاح پر زور اور دباؤ ڈالا تو شرعی گواہوں کی موجودگی میں ہم برادری لڑکا اور لڑکی کے درمیان عقد نکاح ہوگیا؛ لیکن جیسے ہی لڑکی والوں کو نکاح کا علم ہوا، تو انہوں نے پولیس کیس کردیا اور لڑکی کی عمر ۱۳؍۱۴ سال تحریر کرائی، اس کے بعد لڑکی والے چند بڑے آدمیوں کے فیصلے پر راضی ہوگئے کہ لڑکی مجھے واپس دیدے، تو میں پولیس کیس واپس لے لوں گا، لڑکے سے زبردستی دباؤ ڈال کر انگوٹھے کا نشان لگوایا گیا ہے اور زبان سے الفاظ طلاق نہیں کہے۔ اور نہ ہی کوئی تحریر دی ہے یہ لڑکے کا حلفیہ بیان ہے، صورت

مذکورہ میں بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ ابھی شوہر کے نکاح میں باقی ہے یا نہیں؟

المستفتی: اعجاز حسین، کمال پور فتح آباد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ لڑکی اپنی مرضی اور خوشی سے نکاح پر آمادہ ہوئی ہے اور لڑکی بالغ ہوچکی ہے، شریعت اسلامی میں جب بالغ لڑکی اپنے والدین کی مرضی کے بغیر ہم برادری اور ہم کفو میں نکاح کر لیتی ہے، تو وہ صحیح اور معتبر ہو جاتا ہے؛ لہٰذا صورت مذکورہ میں شرعی طور پر نکاح صحیح ہو چکا ہے۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي. (الدر المختار، كراچي ٣/٥٥، زكريا ٤/١٥٥)

اور لڑکے سے پولیس کیس اور دباؤ کے ذریعہ سے طلاق نامہ پر جو انگوٹھا لیا گیا ہے، اس سے شرعی طور پر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے؛ جبکہ لڑکے نے اپنی زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے ہیں؛ لہٰذا صورت مذکورہ میں لڑکا، لڑکی دونوں کا نکاح شرعاً بدستور باقی ہے اور دونوں شرعاً میاں بیوی ہیں؛ لہٰذا لڑکے سے شرعی طلاق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ لڑکی کا نکاح ناجائز اور باطل ہوگا۔

وكذلك كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه الخ (فتاوى التاتار خانية، كتاب الطلاق، الفصل السابع، زكريا ٤/٥٣١، ٥٣٢، كوئٹه ٣/٣٨٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٤/٤٨٦، رقم: ٤٩٢٩، هندية، زكريا ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/١٧٦، شامي، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦)

یعنی جس خط کو شوہر نے از خود نہیں لکھا اور نہ ہی اس کو اپنی مرضی سے لکھوایا اس سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۳۳۰)

بالغہ لڑکی کا والدین کی رضامندی کے بغیر مناسب مہر پر کفو میں نکاح کرنا

سوال [۵۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بالغ لڑکا، لڑکی جو ذات کے اعتبار سے ایک ہیں، اپنے والدین کی غیر رضامندی سے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کر لیتے ہیں، تو کیا ان دونوں کا نکاح شرعی حیثیت سے جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شکیل محلّہ: کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مناسب مہر کے ساتھ کفو اور برادری میں والدین کی بغیر رضامندی کے نکاح کیا ہے، تو شرعاً نکاح صحیح اور جائز ہے۔

عن معمرؓ، قال: سألت الزهري، عن امرأة تزوج بغير ولي؟ فقال: إن كان كفؤا جاز. (المصنف لإبن أبي شيبة، كتاب النكاح، باب من أجازه بغير ولي ولم يفرق، مؤسسه علوم القرآن ۹/۴۱، رقم: ۱۶۱۹۹)

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي الخ. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ۴/۱۵۵، كراچي ۳/۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۳۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۸/۱۴۱۱ھ

بیس سالہ لڑکی کا والدین کی رضامندی کے بغیر کفو میں نکاح کرنا

سوال [۵۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ناز خاں نے اپنے حقیقی ماموں کی بیٹی صفیہ خاتون سے جس کی عمر تقریباً بیس

سال ہے، دو گواہوں کی موجودگی میں ایک لاکھ روپیہ مہر کے عوض نکاح کرلیا ہے، لڑکی کے والدین اس نکاح سے راضی نہیں ہیں اور وہ ناز خان سے بغیر طلاق حاصل کئے اپنی لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا ہے، صفیہ خاتون ناز خان کے ساتھ رہنے پر بضد ہے اور کسی بھی طرح دوسری جگہ نکاح کے لئے تیار نہیں ہے، ایسی صورت میں ناز خان سے بغیر طلاق لئے صفیہ خاتون کا نکاح دوسری جگہ درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقدوس، سہارن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیس سال کی لڑکی عاقلہ بالغہ ہوتی ہے، اس نے جو اپنی مرضی سے اپنی برادری کے آدمی ناز خان کے ساتھ ولی کی مرضی کے بغیر نکاح کرلیا ہے، وہ شرعی طور پر معتبر اور صحیح ہے اور ایک لاکھ روپیہ مہر بہت زیادہ ہے، شرعی طور پر کم نہیں ہے؛ اس لئے صفیہ خاتون ناز خان کی بیوی ہے، اس سے شرعی تفریق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ صفیہ خاتون کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي الخ. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ٤/١٥٥، كراچي ٣/٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۵۰۳۲)

اولیاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح

سوال [۵۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (الف) ایک مرد ہے ہندو (ب) ایک عورت ہے مسلمان (الف) ہندو

گھرانہ میں پیدا ہوا، اس کی شادی ایک ہندو عورت کے ساتھ ہندو رسم ورواج کے مطابق ہوئی، شادی کے چند سال بعد (الف) اپنی بیوی کے ساتھ مہاراشٹر کے ایک چھوٹے سے شہر کی ایک کمپنی میں ملازم کی حیثیت سے آتا ہے، اس کو کمپنی کی طرف سے رہائش کے لئے مکان ملتا ہے، جہاں دونوں میاں بیوی رہتے ہیں۔ الف کے مکان کے پڑوس میں ایک مسلمان فیملی کا مکان ہے یہ مسلمان فیملی ممبئ رہتی ہے، مگر سال میں ایک دو مرتبہ اپنے اس مکان میں بغرض تفریح جاتی ہے، پڑوسی ہونے کے ناطے اس مسلمان فیملی کا اس ہندو فیملی سے رابطہ قائم ہوتا ہے ایک دوسرے کے گھروں میں آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، مسلمان فیملی کی ایک تعلیم یافتہ بی اے پاس لڑکی اس ہندو آفیسر کے یعنی الف کے عشق میں پھنس جاتی ہے، دونوں ایک دوسرے سے چھپ کر ملتے ہیں یہ سلسلہ سالوں تک چلتا رہتا ہے۔ الف جا کر ایک مسجد میں مسلمان ہوتا ہے، پھر ''ب'' کے ساتھ نکاح شریعت کے مطابق کرتا ہے، دونوں کچھ دنوں تک میاں بیوی کی طرح چھپ کر زندگی گذارتے ہیں، دھیرے دھیرے یہ خبر لڑکی کے والدین کو مل جاتی ہے، گھر میں ایک کہرام برپا ہوتا ہے، لڑکی کے والدین اس شادی کو کسی بھی طرح قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں اور لڑکی کو اس نکاح سے دست بردار کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، مگر لڑکی کسی کی بات نہیں مانتی لڑکی کے والدین تھک ہار کر ایک چال چلتے ہیں لڑکی کو کہتے ہیں کہ جب تم اس کے ساتھ رہنا ہی چاہتی ہو، تو تم اس کو اپنے گھر بلالو احباب رشتہ داروں کے سامنے ایک چھوٹی سی تقریب کر کے تمہارے نکاح کی اور تصدیق کردی جائے، لڑکی اپنے شوہر کو اپنے گھر پر بلاتی ہے، مگر لڑکی کے والدین تصدیق کے بجائے بند کمرہ میں اس لڑکے کے ساتھ نازیبا حرکت کرتے ہیں، ڈانٹتے ہیں پھٹکارتے ہیں زدوکوب کرتے ہیں اور لڑکے سے ایک طلاق نامہ جو پہلے سے تیار تھا، اس پر دستخط لیتے ہیں۔ اب والدین اپنی لڑکی کو کہتے ہیں کہ تمہاری طلاق ہوگئی ہے، مگر لڑکی مانتی نہیں ہے اور آج بھی الف کے ساتھ ملتی ہے، لڑکی کے والدین کہتے ہیں تم حلالہ کرلو، مگر لڑکی کہتی ہے کہ میرے کو طلاق

ہوئی ہی نہیں ہے؛ اس لئے حلالہ کا سوال ہی نہیں اٹھتا لڑکی سمجھتی ہے کہ اس کے والدین کی یہ دوسری چال ہے۔ برائے کرم آپ شریعت کے مطابق بتائیے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ لڑکا مسلمان ہوگیا ہے اور آج بھی مسلمان ہے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ آج بھی ملتے ہیں دونوں نے نکاح کے علاوہ کورٹ میں بھی شادی کرلی ہے۔

المستفتی: الطاف کریم، خطیب مسجد جماعت جمہوریہ، کالونی بازار روڈ ممبئی- ۵۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدم کفو کی وجہ سے ''ب'' کا نکاح الف کے ساتھ اولیاء کی مرضی کے خلاف صحیح قول کے مطابق منعقد ہی نہیں ہوا۔

ویفتی في غیر الکفء لعدم جوازہ أصلاً، وهو المختار للفتویٰ لفساد الزمان. (الدر المختار، کتاب النکاح، باب الولي، زکریا دیوبند ٤/١٥٧، ١٥٨، کراچي ٣/٥٦، البحرالرائق کوئٹہ٣/١١٠، زکریا دیوبند٣/١٩٤، کراچي٣/١٢٨، منحة الخالق، زکریا ٣/١٩٤، کوئٹہ٣/١١٠، کراچي ٣/١٢٨، هندیة، زکریا ١/٢٩٢، جدید ١/٣٥٨)

لیکن اگر بچہ پیدا ہوگیا ہے یا حمل ظاہر ہو چکا ہے تو نکاح کو برقرار رکھ کر حق کفائت مسقوط ہوگا۔ **حتی تلد منه لئلا یضع الولد.** (در المختار، ٢/٣٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۴۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۰۷/۱۲/۲۲ھ

ولی کی اجازت کے بغیر ایک ہی خاندان کے لڑکی ولڑکے کا نکاح

سوال [۵۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حارث ولد حاجی فہیم ساکن: جامع مسجد نے اپنی چچازاد بہن زکیہ بنت

محمد عظیم ساکن: محلّہ جامع مسجد کے ساتھ بتاریخ ۱۴؍ مارچ ۲۰۱۴ء بروز جمعہ تقریباً ۱۲؍ بجے محلّہ جامع مسجد کے پاس ایک مکان میں نکاح کرلیا ہے، نکاح میں مہر ۱۵؍ ہزار روپیہ طے ہوئے ہیں۔اسلام کے مطابق یہ بتانے کی زحمت کریں کہ اس نکاح میں کوئی خامی تو نہیں ہے؟

المستفتی: حارث ولد حاجی فہیم، ساکن محلّہ جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بالغ لڑکا اور بالغہ لڑکی نے آپس کی رضا مندی سے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرلیا ہے اور دونوں ایک برادری اور ایک ہی خاندان کے ہیں، تو بلا شبہ یہ نکاح منعقد ہو کر صحیح ہوگیا ،شرعی طور پر دونوں میاں بیوی ہیں۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي. (شامي،كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ۳/۵۵، زكريا ٤/١٥٥)

وعلى هذا ينبني الحرة البالغة العاقلة إذا زوجت نفسها من رجل...... جاز ......فهو أنها لما بلغت عن عقل وحرية فقد صارت ولية نفسها في النكاح، فلا تبقي موليا عليها كالصبي العاقل إذا بلغ. (بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ٣/٥١٣، كراچي ٢/٢٤٧، البناية اشرفيه ديوبند٥/٧٠، الموسوعة الفقهية الكويتية٧/٨٠)

نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي......لأنها تصرف في خالص حقها، وهي من أهله. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۹۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۳۵ھ

اسلام میں کفاءت اور مساوات کا حکم

سوال [۵۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (اسلام میں برابری کا اعتبار رہے) جبکہ بہشتی زیور کے چوتھے حصے ص:۱۹۳ر مسئلہ نمبر۶ر پر تحریر ہے کہ مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار فقط مغل پٹھان وغیرہ اور قوموں میں ہے، شیخ سید، علوی اور انصاری میں اس کا اعتبار نہیں، اس کا کیا مطلب ہے، آگے تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص خود مسلمان ہو اور باپ کافر تھا، وہ اس شخص کے برابر کا نہیں جو خود بھی مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان تھا اور جو شخص خود مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان ہے؛ لیکن اس کا دادا مسلمان نہیں وہ اس عورت کے برابر کا نہیں جس کا دادا بھی مسلمان ہے، اسلام نے سب کو برابری کا حق دیا ہے۔ فرمان رسول ہے نہ کسی گورے کو کالے، نہ کسی عربی کو عجمی پر فوقیت حاصل ہے؛ بلکہ بہتر وہی ہے جو تقویٰ والا ہے؛ لہٰذا اس کی بھی وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: حاجی اسلام قمر، جنگل پورہ ایکسٹنشن مسجد روڈ، بھوگنئی (دہلی-۱۱)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں سائل نے جو سوال لکھا ہے، اس میں بہشتی زیور کی عبارت صحیح طور پر نقل نہیں کی؛ بلکہ بہشتی زیور کی صحیح عبارت یہ ہے جو ہم لکھ رہے ہیں کہ مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار فقط مغل، پٹھان وغیرہ اور قوموں میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان میں شیخوں، سیدوں، علویوں اور انصاریوں کے علاوہ باقی تمام قومیں جن میں مغل پٹھان وغیرہ بھی شامل ہیں، سب کے سب حضرت محمد بن قاسم کے ذریعہ سے سندھ اور ہندوستان کے فتح ہونے کے بعد اسلام لانے والوں میں شامل ہیں۔

انہیں میں لگ بھگ نوے ہزار انسان خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھوں پر اسلام لائے، پھر حضرت نظام الدین اولیاء کے ہاتھوں پر لاکھوں نے اسلام قبول کیا، پھر حضرت مجدد الف ثانی کے ذریعہ لاکھوں نے اسلام قبول کیا، اسی طرح شدہ شدہ اسلام میں داخل

ہونے کا سلسلہ انگریزی دور حکومت تک مسلسل جاری رہا ہے، اس کے بعد بہت ہی کم تعداد میں سلسلہ باقی ہے اوران ہی میں ہندوستان کی ساری قومیں شامل ہیں، حضرت تھانویؒ نے مختصر عبارت میں یہی بات لکھی ہے کہ مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار فقط مغل پٹھان وغیرہ اورقوموں میں ہے، اس عبارت میں یہ ساری قومیں شامل ہوگئیں، اس کے بعد جو آگے لکھتے ہیں کہ شیخوں، سیدوں، علویوں اور انصاریوں میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اور انصاریوں سے مراد شیخ انصاری ہیں، جو حضرت ابوایوب انصاریؓ کی طرف منسوب ہیں، یہ سب کے سب عربی النسل ہیں وہ اصلی ہندوستانی نہیں ہے، ان سب میں آپس میں برابری کا اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ سب ہم کفو ہیں اوراس کے بعد جو آگے کی عبارت ہے، اس کو سمجھانے کے لئے بطور تمہید کے یہ عبارت لکھی گئی تھی اور آگے کی عبارت یہ ہے کہ جو شخص خود نو مسلم ہے، وہ اس شخص کے برابر نہیں سمجھا جاتا، جس کا باپ مسلمان تھا یا اس کا دادا مسلمان تھا اوراس عدم برابری کی علت یہ ہے کہ جس کا باپ یا دادا مسلمان تھا اس کا معاشرہ مسلمانوں کے معاشرہ سے ہم آہنگ اور ملتا جلتا ہو چکا ہوتا ہے، اس کی لڑکیاں پرانے مسلمانوں کے معاشرہ میں گھل مل چکی ہوتی ہیں اور جو شخص خود نو مسلم ہے، اس کا معاشرہ رہن سہن پرانے مسلمانوں کے معاشرہ اور رہن سہن سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا۔ بہرحال کچھ نہ کچھ فرق ہوگا جس کے نتیجہ میں پرانے مسلمان کی لڑکی کا اس نو مسلم کے پاس رہ کر کے ہم مزاج بن کر نبھاؤ مشکل ہوجائے گا، اوراگر پرانے مسلمان کے لڑکے کے یہاں ہوگی تو نبھاؤ میں آسانی ہوگی اور جہاں نبھاؤ آسانی سے ہوجاتا ہے، وہاں گھر چل جاتا ہے اور جہاں نبھاؤ مشکل ہوتا ہے، وہاں طلاق اور تفریق کی نوبت آجاتی ہے، جس کی وجہ سے گھر برباد ہوجاتا ہے، اس حکمت کی وجہ سے شریعت نے برابری کو کچھ حیثیت دے رکھی ہے، ورنہ اللہ کے یہاں کوئی فرق نہیں ہے؛ بلکہ اس کے یہاں برتری کا سارا مدار تقویٰ پر ہے، یہی بہشتی زیور کی مذکورہ مختصر عبارت کا مطلب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۲۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۵ھ

مقصد کفاءت

سوال [۵۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی دیوبندی لڑکا کسی غیر مقلد کی لڑکی سے شادی کرتا ہے تو اس کا کیا جواب ہے، اور اگر کوئی دیوبندی آدمی اپنی لڑکی کی شادی کسی غیر مقلد کے یہاں کرے تو اس کا کیا جواب ہے؟ اگر کسی دیوبندی نے اپنی لڑکی کی شادی غیر مقلد کے یہاں کردی اور وہ لڑکی اپنے مسلک کو اختیار کرتی ہے، تو لڑکا منع کرتا ہے کہ تم میرے مسلک پر چلو اور وہ نہیں چلتی، تو لڑکا اسے دھمکی دے کر اپنے گھر سے بے گھر کردیتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ اگر تو میرے مسلک کو نہیں اختیار کرے گی، تو اپنے گھر ہمیشہ کے لئے چلی جا، تو کیا اس سے طلاق لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر لے سکتے ہیں تو اس کا جواب تسلی بخش تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد ہاشم گونڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں شادی کے لئے ہم کفو تلاش کرنے کی اس لئے ترغیب دی گئی ہے کہ اگر غیر کفو میں شادی ہو جاتی ہے، تو نبھاؤ دشوار ہو جاتا ہے، اور جب پہلے ہی سے یہ بات معلوم ہے کہ حنفی کا غیر مقلد کے ساتھ نبھاؤ ہونا دشوار ہے، تو اس لئے حنفی لوگوں کو غیر مقلدین کے یہاں کا رشتہ قبول نہیں کرنا چاہئے؛ تاکہ بعد میں گھر برباد نہ ہو اور سوال میں یہ بات بھی پوچھی گئی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان نزاع اور اختلاف ہونے کی وجہ سے علیحدگی کی نوبت آجائے، تو ایسی صورت میں دونوں طرف کے لوگوں کو سنجیدہ ہوکر خوبصورت طریقہ سے علیحدگی اختیار کرنی چاہئے، جیسا کہ قرآن مقدس میں اس کا ذکر ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُرِيْدَا اِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا .

[النساء: ۳۵] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰/ ۱۰۸۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

لڑکی کے والدین کی رضامندی شرط ہے نہ کہ لڑکے کے والدین کی

سوال [۵۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلے میں پڑوسی لڑکے اور لڑکی میں تعلقات تھے، بار ہا سمجھایا گیا؛ لیکن بے اثر ثابت ہوا، ایک رات دونوں کو بات چیت کرتے دیکھ کر دریافت کرنے پر نکاح کی رضامندی ظاہر کی، تو اسی وقت محلّہ والے مسجد کے امام ومؤذن کو طلب کر کے رات کے تقریباً ۲/ بجے نکاح خوانی کر کے لڑکی کو گھر روانہ کیا؛ کیونکہ لڑکے کے والدین اس نکاح سے متفق نہ تھے اور محلّہ والوں کو برا بھلا کہتے ہیں، اس قسم کا نکاح جو رات ۲/ بجے والدین کی ناراضی کے ساتھ کیا گیا ٹھیک ہے؟ اور یہ نکاح درست ہے؟ ان دونوں لڑکے اور لڑکی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد قاسم جھلارہ ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکی کے والدین راضی ہیں تو نکاح ہر حال میں صحیح اور درست ہے، لڑکے کے والدین کا راضی ہونا شرط نہیں ہے اور اگر لڑکی کے والدین راضی نہیں ہیں اور لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ہی کفو اور برادری کے بھی نہیں ہے، تو یہ نکاح درست نہیں ہوگا اور اگر دونوں کی برادری اور کفو ایک ہے، تو لڑکی کے والدین کی بغیر رضا

مندی کے بھی نکاح صحیح اور درست ہوجائے گا۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي (إلى قوله) ويفتى في غير الكفء بعدم جوازه أصلاً. وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان.

(الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ٣/٥٥،٥٦، زكريا ٤/١٥٥، ١٥٦، وهكذا في البحر الرائق، كوئٹه ٣/١٠٩، ١١٠، زكريا ديوبند ٣/١٩٢،١٩٤، هندية زكريا١/٢٨٧، جديد ١/٣٥٣، ٢٩٢، جديد ١/٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١٧١٤/)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤//ھ

غیر کفو میں نکاح سے متعلق مختلف مقام کے فتاوی

سوال [٥٧٩٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری لڑکی نے خفیہ طور پر گھر سے فرار ہوکر محلّہ کے ایک ایسے لڑکے سے شادی کرلی، جو کسی بھی اعتبار سے ہم لوگوں کا کفو نہیں ہے، جس پر والدین اور اہل خاندان بے حد ناراض ہیں؛ لہٰذا الحیلۃ النا جزہ ۸۴/ باب خیار کفاءت کے تحت اجازت ولی کے بغیر مذکورہ نکاح کالعدم ہونے کی وجہ سے معصیت اور حرامکاری ہے، اور اگر یہ صحیح ہے تو اہل خاندان اور اہل محلّہ کو کیا کرنا چاہئے؟

(۲) واضح رہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ کے تعلق سے دوسری جگہ سے فتویٰ لیا جاچکا ہے (جس کی نقل ہمرشتہ ہے) جس کا لڑکے اور لڑکی دونوں نے انکار کردیا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ علماء اور مفتیان کے فتوی کے منکر کا کیا حکم ہے؟ گذارش ہے کہ شرعی نصوص کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتیه: عطیہ خاتون

جواب منجانب: مفتی شفقت اللہ صاحب مفتی اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر لڑکی ولی (باپ) کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح غیر کفو میں کسی شخص سے کرلے، تو وہ نکاح منعقد نہ ہوگا اور لڑکی کا ناجائز طریقہ پر رہنا قرار دیا جائے گا اور دونوں مرد وعورت سخت گنہگار رہوں گے؛ لہٰذا لڑکی کو سمجھایا جائے اور اس کو حکم شرعی بتلایا جائے تاکہ لڑکی اس سے تعلق ختم کرلے اور گناہ سے محفوظ رہے؛ لیکن اگر اس کے باوجود لڑکی تعلق ختم کرنے پر آمادہ نہ ہو، تو گناہ سے بچانے کے خیال سے ولی کو اجازت دیدینا چاہئے۔

وفي الدر المختار: والكفاءة هي حق الولي لاحقها. وفي الشامية: فإن حاصله أن المرأة إذا زوجت نفسها من كفء لزم على الأولياء وإن زوجت من غير كفؤ لا يلزم ولايصح. (شامي، زكريا ٤/ ٢٠٧، كراچي ٣/٨٣- ٨٤)

وقال الله تعالىٰ في القرآن المجيد: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَان. [پ:٦/ ع:٥] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: شفقت اللہ
خادم التدریس والافتاء اشرف المدارس ہردوئی (یوپی)
۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح:
محمد افضال الرحمٰن غفرلہ
خادم اشرف المدارس ہردوئی (یوپی)

جواب منجانب: مولانا مفتی امام علی صاحب دانش، ادارہ محمودیہ محمدی لکھیم پور کھیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: **فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي وله أي للولي إذا كان عصبة، ولو غير محرم كابن عم في الأصح. خانية: وخرج ذو الأرحام والأم، وللقاضي الاعتراض في غير الكفء مالم تلد منه**

(حتى قال) ويفتى في غير الكفء بعدم جوازه أصلاً. وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان الخ. (وفي الدرالمختار بهامش رد المختار۲/۲۹٤)

وينعقد نكاح الحرة البالغة برضاها، وإن لم يعقد عليها ولي بكراً كانت أوثيباً (إلى) وعن أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ أنه لا يجوز في غير الكفو. (الهدايه ۲/۱۹۳)

ان فقہی روایات کی بناپر اکثر مشائخ نے اسی قول پرفتویٰ دیا ہے کہ بالغہ کا نکاح غیر کفو میں بلااجازت ولی صحیح نہیں ہوتا۔ (امدادالفتاوی۲۲۲/۴، واحسن الفتاوی، کتاب النکاح ۹۶/۵)

لہٰذا اہل خاندان کو چاہئے کہ مسئلہ کو واضح کرکے سمجھائیں اور نہ ماننے پر قطع تعلق کریں یا یہ کہ اگر مناسب سمجھیں تو ولی سے اجازت دلوادیں اور نکاح صحیح کرادیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: امام علی عفی عنہ
صدرالمدرسین ادارہ محمودیہ محمدی لکھیم پور
۳؍ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

دارالافتاء مدرسہ شاہی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ اور دوسری جگہ کے جوابات کو بغور دیکھا جاچکا، سوال نامہ میں محض یہ لکھا ہے کہ یہ نکاح ہر اعتبار سے غیر کفو میں ہوا ہے، مگر غیر کفو کی وضاحت نہیں کی گئی تاکہ شرعی طور پر کہاں تک غیر کفو ہے، شریعت اس کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے، غور کیا جاسکتا؛ اس لئے سوال کو مجمل سمجھا گیا تاہم اگر ایسے غیر کفو میں لڑکی نے نکاح کیا جس میں ہر اعتبار سے لڑکی والے لڑکے والوں کے مقابلہ میں اعلیٰ نسب سمجھے جاتے ہوں، تو حکم شرعی حسب ذیل ہے کہ ایسی صورت میں متأخرین نے حسن بن زیادؒ کے قول پر زجر وانتظام کے طور پر یہ فتویٰ دیا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ لیکن ظاہر الروایۃ اور جمہور فقہاء کی رائے کے مطابق نکاح منعقد ہوچکا ہے اور اولیاء کو صرف

اعتراض کا حق ہے؛ لہٰذا قاضی شرعی اور مسلم حاکم کے پاس فسخ نکاح کی اپیل کا حق حاصل ہے اور فسخ نکاح سے قبل دونوں کا ساتھ رہنا زنا کاری شمار نہ ہوگا۔

احقر کو اس مسئلہ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے اس فتوی سے اتفاق ہے، جو کفایت المفتی ۵/۲۰۶ میں موجود ہے۔

الکفاء ۃ معتبرۃ . وفي الشامیة: جاز للولي الفسخ، وھذا بناء علی ظاھر الروایة من أن العقد صحیح، وللولي الاعتراض أما علی روایة الحسن. وھو المختار للفتویٰ من أنه لا یصح. (شامي، کراچي ۳/ ۸٤، زکریا ٤/ ۲۰٦)

یفتی في غیر الکفء بعدم جوازہ أصلاً، وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان. (در مختار، کراچي ۳/۵٦، زکریادیوبند ٤/ ۱۵٦)

لہٰذا اگر کسی نے عدم جواز اور عدم صحت نکاح کے فتوی کا انکار کیا ہے، تو اس کے سامنے ظاہر الروایۃ والا فتوی ہوگا؛ اس لئے اس پر شرعی طور پر کوئی الزام نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/ ۵۸۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱/ ۱۴۲۴ھ

اعلیٰ خاندان بتا کر اعلیٰ نسب کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسمیٰ زید نے جو کنجڑوں کے خاندان سے ہے، ایک حسب ونسب والی لڑکی مسماۃ ہندہ سے جو کہ نسب کے اعتبار سے اعلیٰ سمجھی جاتی ہے، اپنے نسب کو چھپا کر اپنے کو پٹھان ظاہر کر کے پچیس ہزار روپیہ مہر پر نکاح کیا یہ بتا کر کہ پہلی بیوی کو طلاق ہوگئی ہے اور اپنے کو پونے دس ہزار روپیہ کا ملازم بتلایا، لڑکی کے اولیاء میں ایک حقیقی بھائی ہے،

جو بالکل بے عقل ہے اور ایک سوتیلا بھائی ہے، جو لڑکی سے سخت ناراض ہے، اس نکاح کا کسی کو علم نہ ہوا باہر لے جا کر ایک جگہ نکاح پڑھوانا چاہا، مگر وہاں کے حالات مساعد نہ ہونے کی بناء پر وہاں سے دوسرے قصبہ میں اپنی کسی عزیزہ کے مکان پر ایک مسجد کے امام کو بلا کر نکاح پڑھوا یا گیا، اب تک بھی نہ لڑکی کو علم ہے اور نہ ہی اس کے اولیاء اور خاندان میں کسی کو علم ہے کہ نکاح غیر کفو میں ہوا، تو اس کا جواب مرحمت فرمائیں کہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

کنجن صحیح النسب کا کفو نہیں سمجھا جاتا۔ فتاوی محمودیہ جلد ۱۰؍ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نکاح ہی درست نہیں ہوا، اگر نکاح درست ہوگیا اور طلاق ہوجائے تو مہر واجب ہوگا یا نہیں؟ جبکہ خلوت ہوچکی ہے اور طلاق کی عدت ہوگی یا نہیں؟ اگر بچہ کی پیدائش ہوگئی کیونکہ ایک ہفتہ اس کے یہاں رہ چکی ہے تو ثابت النسب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ مفصل جواب مرحمت فرمانے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اعلیٰ نسب کی لڑکی ہے اور کسی نیچے درجے کے مرد نے اپنے آپ کو ہم کفو اور اعلیٰ نسب کا بتلا کر اس کے ساتھ نکاح کرلیا ہے اور بعد میں مرد کا غیر کفو اور دھوکہ بازی کا علم ہوجائے تو لڑکی اور لڑکی کے اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کردینے کا حق ہے۔

لو انتسب الزوج لها نسباً غير نسبه، فإن ظهر دونه وهو ليس بكفء فحق الفسخ ثابت للكل الخ (شامي، كتاب النكاح، باب الكفاءة، كراچي ۳/۸۵، ۵۰۱/۳، زكريا ٤/۲۰۸، ۱۷٦/۵، هندية زكريا ۱/۲۹۳، جديد ۱/۳۸٦، البحرالرائق، كوئٹه ۳/۱۲٦، زكريا ۳/۲۲٦)

نیز حضرت حسن بن زیادؒ کے قول پر ہی فتوی ہے؛ لہٰذا جب مذکورہ مسئلہ میں شوہر کا غیر کفو ہونا ظاہر ہوچکا ہے تو سوتیلے بھائی کی مرضی نہ ہونے کی وجہ سے وہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوا۔

ويفتى في غير الكفء بعدم جوازه أصلاً . وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان. (در مختار، زكريا ٤/ ١٥٦، كراچي ٣/ ٥٦)

اور اگر ایسے نکاح میں اولاد پیدا ہوجائے تو حق اولاد کی وجہ سے نکاح کو معتبر تسلیم کرلیا جاتا ہے، پھر اولاد بھی ثابت النسب شمار ہوجاتی ہے۔

كما في التنوير الاعتراض في غير الكفء مالم يسكت حتى تلد منه لئلا يضيع الولد. وتحته في الشامية: أي بالتفريق بين أبويه، فإن بقاهما مجتمعين على تربيته احفظ له بلا شبهة فافهم الخ (در مختار، زكريا ٤/ ١٥٦، كراچي ٣/ ٥٦)

نیز اگر جماع ہو چکا ہے اور اس کے بعد طلاق ہوجائے تو مہر اور عدت دونوں واجب ہوجائیں گی۔

فإن كان قد دخل بها فلها الأقل مما سمى لها ومن مهر المثل......وتجب العدة ويعتبر في الجماع في القبل الخ (تاتارخانية، كوئٹه ٣/ ١١، زكريا ديوبند ٤/ ٧٧، رقم: ٥٥٧٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٤/ ١٦٨، رقم: ٣٩٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۵۸۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۷/ ۱۴۱۹ھ

غیر برادری میں عالم سے نکاح کرنا

سوال [۵۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عالم ہے وہ ایک گاؤں کے مدرسہ میں تعلیم دیتا تھا اور جو مدرسہ کے صدر تھے وہ دین دار اور شریف تھے اور شیخ برادری سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک لڑکی جوان ہے اور وہ لڑکی مدرسہ میں درجہ حفظ میں پڑھنے والی دو لڑکیوں کا پارہ سبق اور آموختہ بھی سن

لیا کرتی تھی، تو زید نے شریف گھرانا دیکھ کرغائبانہ طور پرلڑکی کوشادی کا پیغام دیا، تو اس لڑکی نے تحریری طور پر رضامندی کا اظہار کیا اور اس رضامندی کا علم اس لڑکی کی پھوپھی زاد بہن کوبھی تھا، جو عاقلہ و بالغہ تھی زید نے مطالبہ کیا کہ آپ اس رضامندی کوتحریری شکل میں پیش کریں، تو زیادہ معتبر ہوگا کہ میں نے آپ کے ساتھ شادی کی یا نکاح کیا، تو اس لڑکی نے یہ الفاظ تحریر کئے کہ ''میں نے آپ کے ساتھ شادی کی'' شادی کی، شادی کی، تو اس لڑکی کی تحریر پر زید نے دو گواہ بنالئے اور زید نے لڑکی کے پاس فون کیا اور یہ لفظ کہا کہ میں نے قبول کرلیا اور پھر اسی وقت زید نے لڑکی سے کہا کہ میں نے آپ کے ساتھ نکاح کیا تو اس لڑکی نے ہاں کردیا، جب ان تمام باتوں کا علم لڑکی کے والدین کو ہوا، تو انہوں نے کہا یہ تو بہت غلط ہوا، اوران کے خاندان اور دیگر اعزاء واقرباء طعن وتشنیع کرنے لگے کہ زید غیر برادری کا ہے، تو کیا اس لڑکی کے والدین کا اور خاندان اور دیگر اعزاء اقرباء کا غصہ کرنا اور طعن وتشنیع کرنا اوراس کو معیوب سمجھنا نکاح کے نافذ ہونے میں دخل انداز ہوگا یانہیں؟ اور کیا اس کا عالم ہونا شیخ زادی لڑکی کے لئے کفو بن سکتا ہے یانہیں؟

المستفتی: حافظ طفیل احمد، بھا گووالا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نوجوان لڑکی کے یہ الفاظ تحریر کرنے کی وجہ سے کہ میں نے شادی کی، شادی کی، شادی کی، اوراس پر زید کے دو گواہ بنانے کی وجہ سے نکاح ہوجائے گا۔

ینعقد النکاح بالکتاب کما ینعقد بالخطاب وصورته أن یکتب إلیها یخطبها فإذا بلغها الکتاب احضرت الشهود وقرأته علیهم. وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول إن فلانا کتب إلي یخطبني فاشهدوا عني أني زوجت نفسي منه. (شامي، کتاب النکاح، زکریا ۴/۷۳، کراچي ۳/۱۲، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۱/۲۴۱، فتح القدیر، دارالفکر مصري ۳/۱۹۷، زکریا ۳/۱۸۹، کوئٹه ۳/۱۹۷)

عالم بڑی سے بڑی برادری کا کفو بن سکتا ہے، اس کے بعد والدین اعزاء واقرباء ودیگر خاندان کے لوگوں کا طعن وتشنیع کرنا اوراس کو معیوب سمجھنا نکاح کے نافذ ہونے میں دخل انداز نہ ہوگا۔

والسلطان، والعالم كان كفوا وان لم يملك ما ينفق. (تاتارخانية، كوئٹه ٣/ ٦٠، زكريا٤/ ١٣٤، رقم: ٥٧٤٠)

وان بالعالم فكفء لأن شرف العلم فوق شرف النسب، والمال كما جزم به البزازى وارتضاه الكمال وغيرهم والوجه فيه ظاهر، ولذا قيل أي لكون شرف العلم أقوىٰ ان عائشةؓ أفضل من فاطمةؓ. (شامي، زكريا ديوبند٤ /٨ ٢١، كراچي ٣/ ٩٢، البنايه اشرفية ديوبند٥/ ١١٤، مجمع الأنهر مصري قديم ١/ ٣٤٠، دارالكتب العلمية بيروت١/ ٥٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۹ھ

دیوبندی لڑکی کا بریلوی لڑکے سے نکاح کرنا

سوال [۵۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں الحمد للہ علماء دیوبند سے تعلق رکھتا ہوں اور جہاں میری بیٹی کا رشتہ طے ہو رہا ہے، وہ اعلیٰ حضرت کے ماننے والے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ شرعی اعتبار سے ایسا کرنے میں کوئی عذر تو نہیں ہے؟ حضرت سے درخواست ہے کہ جواب دے کر احسان فرمائیں۔

المستفتی: بدر القمر، تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماں باپ اور اولیاء کی رضا مندی سے بیٹی

کا نکاح کسی بھی ایمان والے کے ساتھ درست ہے؛ لیکن شریعت میں ہم کفو اور برابری کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے؛ تاکہ بعد میں کہیں نبھاؤ نہ ہو سکے، اب یہ نکاح لڑکی کے حق میں کہاں تک بہتر رہے گا وہ آپ کو خود سوچنا ہے، اگر نبھاؤ نہ ہونے کا خطرہ ہو تو ہم مسلک لڑکے کے ساتھ لڑکی کی شادی کرنی چاہئے۔

ولـزم الـنـكـاح ...... ولو بغير كفء إن كان الولي المزوج بنفسه أبا، أو جداً. (شامي، كتاب النكاح، باب الكفاءة، كراچي۳/ ٦٧، زكريا٤/ ١٧١)

الـكـفـاءة معتبـرة فـي بـاب الـنـكـاح، ثـم اعتبـارهـا من وجوه-إلى قـولـه-الـخـامـس التـقـوىٰ، والـحـسـب حتى لاتكون الفاسق كفوا للعدل.

(الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/ ١٣١ تا ١٣٧، رقم: ٥٧٣٣/٥٧٥٣)

قـال رسـول الله صـلـى الله عـلـيـه وسـلـم تـخـيـروا لنطفكم وانكحوا الأكـفـاء، وانكحوا إليهم. (سـنـن ابـن مـاجـه، كتاب النكاح، باب الاكفاء، النسخة الهـنـدية١/ ١٣١، دارالسـلام رقـم: ١٩٦٨، المستدرك للحاكم، كتاب النكاح، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز ٣/ ١٠١١، رقم: ٢٦٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۲/۲ھ

پٹھان مرد کا انصاری لڑکی سے نکاح

سوال [۵۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے پرویز کے نکاح کی بات چیت ایک انصاری گھرانے میں لگی ہے، پورا گھر اس رشتہ کے لئے تیار ہے؛ لیکن میری بیوی اس رشتہ کے لئے تیار نہیں ہے، اس کا کہنا ہے کہ میں دوسری قوموں کے یہاں رشتہ نہیں کروں گی، وہ کسی بھی حالت میں ماننے کو تیار

نہیں ہے، میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ مسلمانوں میں قوم کا کوئی سوال نہیں ہے، آپ سے گذارش ہے کہ شریعت کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: میاں جان، گھیر پیپل والا، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برادری کفو کا شریعت میں جو اعتبار ہے، وہ صرف لڑکی والوں کی طرف سے ہے، لڑکوں کی طرف سے ان کے اولیاء اور وارثین کو کسی قسم کے اعتراض اور لڑکی والوں میں خامی اور کمی نکالنے کا حق نہیں ہے؛ اس لئے آپ کی بیوی کا لڑکی والوں میں خامی اور کمی نکالنا قطعاً جائز نہیں، پٹھان مرد کے لئے انصاری لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا بلا شبہ و بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

الكفاءة معتبرة من جانبه أي الرجل؛ لأن الشريفة تأبي أن تكون فراشا للدني ولذا لا تعتبر من جانبها؛ لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش، وهذا عند الكل في الصحيح. (شامي، كتاب النكاح، باب الكفاءة، كراچي ٣/٨٣، ٨٤، زكريا ديوبند ٤/٢٠٧، وهكذا في بدائع الصنائع، كراچي ٢/٣٣٠، زكريا ديوبند ٢/٦٢٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۳۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۲ھ

کیا انصاری درزیوں کے ہم کفو ہیں؟

سوال [۵۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا یہ کہنا کہ جولاہے درزیوں کے جوڑ کے نہیں ہیں، گناہ ہے یا یہ صحیح بات ہے؟

المستفتی: تحسین خان سکندرآباد، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سید اور شیخ کے علاوہ شادی میں ہندوستانی تمام باشندے نسب کے اعتبار شرعاً برابر ہیں، وہ آپس میں ہم کفو اور ہم جوڑ ہیں شادی بیاہ کے لئے برابر ہیں، اب رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کس کا مرتبہ اور کس کا درجہ بڑھا ہوا ہے، تو اس کو اللہ تعالیٰ نے خود ہی قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

قال الله تعالیٰ: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ . [الحجرات:۱۳]

اللہ تعالیٰ کے یہاں تم میں سب سے افضل سب سے اونچے مرتبہ کا وہ ہے، جو متقی پرہیز گار ہے، اللہ تعالیٰ سید، شیخ، جولاہہ، درزی کو نہیں دیکھتا؛ بلکہ تقویٰ ہی کو دیکھتا ہے؛ اس لئے نسب کا فخر کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب الناس يوم فتح مكة، فقال: يأيها الناس: إن الله قد أذهب عنكم عبية الجاهلية، وتعاظمها بآبائها، فالناس رجلان: برتقي كريم على الله، وفاجر شقي هين على الله. الحديث (ترمذي، كتاب التفسير، باب ومن سورة الحجرات، النسخة الهندية۲/ ۱۶۲، دارالسلام رقم: ۳۲۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۲۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۴/ ۱۴۱۸ھ

بالغہ پٹھان لڑکی کا نیلگر لڑکے کے ساتھ نکاح

سوال [۵۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی عمر تقریباً ۳۵؍ سال ہے اور جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے اور دماغی طور پر پوری طرح سے صحت مند ہے، اس نے ایک لڑکا جس کی عمر تقریباً ۳۶؍

سال ہے اور جو دماغی طور پر صحت مند ہے اور جو الگ الگ برادریوں سے تعلق رکھتے ہیں، اب سے دو سال قبل والدین کی اجازت کے بغیر شرعی طور پر نکاح کرلیا ہے اور رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے ہیں، لڑکی والدین کے ساتھ رہتی ہے؛ لیکن وقتاً فوقتاً موقعہ ملنے پر لڑکا اور لڑکی لطف زوجیت بھی اٹھاتے ہیں۔

اب لڑکی کے والدین کو اس نکاح کا علم ہوگیا ہے اور وہ اس نکاح کو ناجائز سمجھتے ہیں اور رخصتی سے انکار کررہے ہیں، لڑکی پٹھان برادری اور لڑکا نیلگر برادری سے ہے۔

(١) قرآن وسنت کی روشنی میں یہ نکاح جائز ہے؟

(٢) ہندوستان جیسے ملک میں جبکہ پوری قوم اختلافات کا شکار ہو اسلام میں ذات برادری کا کیا تصور موجود ہے؟

المستفتی: نوشاد احمد، سہارن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیس پینتیس سالہ لڑکی جب اس کی دماغی حالت صحیح ہے اور اب تک اس کا نکاح نہیں ہوسکا، اور پھر اس نے اولیاء کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے ایسے خاندان کے لڑکے سے نکاح کرلیا ہے کہ عام طور پر ان میں مناکحت نہ ہوتی ہو اور عار سمجھی جاتی ہو، تو امام حسن بن زیادؒ کے قول کے مطابق نکاح منعقد نہیں ہوتا اور جائز نہیں ہوتا؛ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک نکاح اس طور پر جائز ہوتا ہے کہ اولیاء کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل رہتا ہے اور انہیں کے قول کو ظاہر الروایۃ سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی باپ اور بھائی وغیرہ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ قاضی کی عدالت سے اس نکاح کو فسخ کرادیں۔ اور جہاں قاضی شرعی نہ ہو اور محکمۂ شرعیہ یا شرعی پنچایت موجود ہو وہاں جاکر نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوتا ہے اور اگر پنچایت بھی نہ ہو تو سرکاری عدالت میں جہاں مسلم جج ہو، اس کے ذریعہ نکاح فسخ

کرانے کا حق حاصل ہوتا ہے اور نکاح فسخ کرانے کا فیصلہ حاصل کرنے سے پہلے پہلے دونوں کے درمیان جنسی تعلق کو زنا کا ارتکاب نہیں قرار دیا جا سکتا۔

حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے کفایت المفتی قدیم ۵/۶ ۲۰، جدید زکریا ۵/۷ ۱۹ میں نہایت اعتدال سے ایک فتوی لکھا ہے، جس میں انہوں نے فقہاء کی عبارت کی وضاحت فرمائی ہے کہ متأخرین نے جو حسن بن زیادؒ کے قول پر فتوی دیا ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، وہ معلول بعلت فساد زمانہ ہے، جو خود بتاتا ہے کہ یہ ایک زجر وانتظام کا فتوی ہے نہ یہ کہ حلت وحرمت کی بنیاد اس پر قائم کی جا سکتی ہے؛ لہٰذا اگر لڑکی کے والدین اس نکاح کو باقی رکھنا نہیں چاہتے ہیں تو ان کو مقامی شرعی پنچایت یا محکمۂ شرعیہ یا مسلم جج کے ذریعہ سے پہلے نکاح کو فسخ کرانا پڑے گا یا لڑکا خود طلاق دیدے، اس کے بعد عدت گزرنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتے ہیں۔ یہی امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کا قول ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/۶ ۲۰، جدید زکریا ۵/۷ ۱۹)

ثـم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفء صح النكاح في ظاهر الـرواية. والـمـختار في زماننا للفتوىٰ رواية الحسن. وقوله في البزازيه ذكـر بـرهان الأئمة أن الفتوى في جواز النكاح بكراً كانت أو ثيباً على قـول الإمـام الأعـظـم، وهـذا إذا كان لها ولي، فإن لم يكن صح النكاح اتـفـاقـاً بينهما. (عـالـمـگيـري، كتـاب الـنـكـاح، البـاب الخامس في الأكفاء في النكاح،زكريا ١/ ٢٩٢، جديد ١/ ٣٨٥)

ولا يكون التفريق بذلك إلا عند القاضي، يريد به أنه ينبغي للولي أن يـرفـع إلي الـقـاضي ليفسخ العقد بينهما، أما بدون فسخ القاضي لاينفسخ النكاح بينهما. (تاتارخانية، كوئٹه ٣/ ٦٤، زكريا ديو بند٤/ ١٤٠، رقم: ٥٧٦٠)

ولـه أي لـلـولـي إذا كـان عـصبة الاعتراض في غير الكفء فيفسخه ويتـجـدد النكاح (در مختار) و في الشامية: والظاهر أنه لاخلاف في صحة

العقد، وإن هذا القول المفتى به خاص بغير الكفء كما أشار إليه الشارح. (شامي، زكريا ٤/١٥٦، كراچي٣/٥٦)

وله أي لكل من الأولياء إذا لم يرض واحد منهم الاعتراض أي ولاية المرافعة إلى القاضي ليفسخ. (مجمع الأنهر، مصري قديم١/٣٣٣، دار الكتب العلمية بيروت ١/٤٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۴۲/۳۸)

سیفی برادری لڑکے کا انصاری برادری لڑکی کیساتھ نکاح

سوال [۵۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نوید عامر سیفی ولد ابرار حسین مرحوم وشاہانہ پروین انصاری بنت صابر حسین انصاری نے اپنی مرضی سے ۲۶ / فروری ۱۹۹۴ء بروز پیر کو شرعی طور پر نکاح کر لیا تھا کچھ وقت گذرنے کے بعد جب اس نکاح کا دونوں فریقین کے گھر کے افراد کو علم ہوا، تو وہ لوگ کافی فکرمند اور پریشان ہو گئے، دونوں فریقین کے متعلقین نے اس نکاح کی تصدیق ہونے پر کچھ ذمہ دار افراد کو بیچ میں ڈال کر اس سلسلہ میں بات چیت کرائی، مگر کوئی حل نہ نکل سکا اور دونوں فریقین کے گھر والوں میں ٹکراؤ اور جھگڑے کی نوبت آپہونچی لڑکی کے والد کو کافی سمجھایا گیا کہ بہتر ہوگا کہ لڑکی کی رخصتی کر دیں، مگر وہ راضی نہیں ہوئے ان کا کہنا تھا کہ ایک تو غلط قدم اور پھر برادری بھی الگ ہے، میں ایسا نہیں کروں گا، آخر کار متعلقین نے یہ طے کیا کچھ وقت خاموشی اختیار کر لی جائے، حالات سازگار ہونے کے بعد ہی کچھ کیا جائے گا، وقت گذرتا گیا اور دونوں کو ایک ساتھ زندگی گذارنے کا کوئی موقع نہیں ملا، آخر کار ۲۰ / مارچ ۲۰۰۰ء کو لڑکی کے بھائی محمد سلیم ومحمد فہیم کی موجودگی میں بر مکان اختر حسین پکا باغ مراد آباد نوید عامر نے

گواہان اختر کمال ندیم ولڑکی کے بھائیوں کی موجودگی میں شاہانہ پروین کو اپنی زوجیت سے بذریعہ فون پر آزاد کردیا، جس کو خود شاہانہ پروین نے اپنے کانوں سے سنا، اس کی تصدیق لڑکی کے بھائی محمد فہیم نے کی شاہانہ پروین ہی فون پر موجود تھی کوئی دوسرا نہیں؟

المستفتی: محمد محبوب عالم، دیندار پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سیفی اور انصاری اگرچہ الگ الگ برادری سمجھی جاتی ہیں؛ لیکن شریعت کے نزدیک یہ دونوں برادری ایک دوسرے کی ہم کفو بن سکتی ہیں؛ اس لئے بالغ لڑکے اور لڑکی نے گواہوں کی موجودگی میں جو نکاح کیا ہے، وہ شریعت کے نزدیک درست ہوگیا، بشرطیکہ مہر بھی مناسب انداز میں باندھا گیا ہو اور اس نکاح کے بعد دونوں نے کسی بھی طریقہ سے آپس میں جنسی تعلق قائم کرلیا تھا اور اس کے بعد خاندانی اختلافات کے دوران لڑکے نے لڑکی کو فون پر سوال نامہ میں مذکورہ طریقہ سے آزادی دیدی ہے، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔

فإذا قال: رهاكردم أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية وماذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، قبيل مطلب لا اعتبار بالإعراب هنا، كراچي ٢٩٩/٣، زكريا٤/ ٥٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ربیع الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۱۴/۳۸)

سیفی برادری لڑکے کا فقیر برادری لڑکی کے ساتھ نکاح

سوال [٥٨٠٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک لڑکی جو عاقل بالغ ہے اور اپنے اچھے برے سے بخوبی واقف ہے، لڑکی کا ننہال شیخ برادری سے تعلق رکھتا ہے؛ جبکہ لڑکی کا ددہال فقیر برادری یعنی میاں صاحب ہے؛ لیکن والد اپنے آپ کو سید کہلواتے ہیں اور والدہ بھی جو کہ غلط اور دھوکہ ہے، لڑکی نے اپنی مرضی سے ایک لڑکا جو کہ سیفی برادری سے تعلق رکھتا ہے سے نکاح کر رکھا ہے اور آئین ملک نے بھی ان کے نکاح کو منظوری دے رکھی ہے اور دونوں فریقین خوشی خوشی ازدواجی زندگی گذار رہے ہیں اور لڑکی حق زوجیت بھی ادا کر رہی ہے؛ لیکن لڑکی کی والدہ والد اس نکاح کو غلط اور ناجائز کہتے ہیں؛ جبکہ لڑکی کی چھوٹی بہن کی شادی بنجارہ برادری میں کی گئی ہے؛ لہٰذا اس مسئلہ میں شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں نوازش ہوگی۔

نوٹ: لڑکی کے عزیز دار مختلف برادریوں میں شادی کر چکے ہیں ماموں چچا وغیرہ شیخ، پٹھان، بنجارے وغیرہ۔

المستفتی: محمد نعیم سیفی، کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سیفی برادری، فقیر برادری سے نیچی اور کمتر نہیں ہے؛ اس لئے کہ فقیر خاندان کی لڑکی جو عاقل بالغ ہے، اس کا اپنی مرضی سے سیفی خاندان کے لڑکے کے ساتھ نکاح کرنا مسئلہ کفو کے خلاف نہیں ہے؛ اس لئے نکاح درست ہے؛ جبکہ اس کا مہر اس کی دوسری بہنوں سے کم نہ ہو۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي والاعتراض في غير الكفء الخ. وفي الشامية: وكذا له الاعتراض في تزويجها نفسها باقل من مهر مثلها حتى يتم مهر المثل الخ (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ٤/ ١٥٥، ١٥٦، كراچي ٣/ ٥٥، ٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۸۰/۳۸)

سلمانی برادری کا قریشی میں نکاح کرنا

سوال [۵۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک لڑکے سے پیار کرتی ہوں ایک دن مسجد میں جا کر ہم دونوں نے خدا کو حاضر و ناظر مان کر قرآن وحدیث کی روشنی میں بنا کسی خطبہ نکاح کے دو گواہوں کے سامنے جس لڑکے سے میں پیار کرتی ہوں اس نے مجھے اپنی بیوی قبول کرلیا ہے، اور مجھ سے بھی کہا کہ آپ بھی کہو تو میں نے ہاں کہہ دیا یعنی میں نے بھی اسے اپنا شوہر تسلیم کرلیا، خوشی خوشی موجودہ دونوں گواہوں کے سامنے بعد میں میں نے کہا کہ اس میں میرے والدین خوش نہیں ہیں، میں چاہتی ہوں کہ والدین بھی خوش ہوں، تو اچھا ہوتا کہ ہمارا نکاح دنیا کی نظر میں صحیح ہو، یہ بات جب تک والدین خوش نہ ہوں صحیح نہیں ہے، مگر میں نے تو دو گواہوں کے سامنے ہاں کہہ دیا ہے، تو کیا یہ ہمارا نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ جیسا کہ ہم دونوں کا مذہب ایک ہی ہے، یعنی اسلام تو کیا میرا دوسرے سے نکاح جائز ہوگا؟

نوٹ: میری برادری قریشی ہے اور میرے شوہر کی برادری سلمانی ہے، ہم دونوں ہم پیشہ ہیں، پولس ڈپارمنٹ میں کام کرتے ہیں میرے شوہر کا نام محمد نسیم ہے۔

المستفتية: نور سحر، ایس پی آفس، جی، آر، پی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عجم میں نسب کا اعتبار نہیں؛ بلکہ پیشہ کا اعتبا ہے، اور قریشی کا خاندانی پیشہ قصابی ہے اور سلمانی کا خاندانی پیشہ حلاقی ہے اور دونوں قریب قریب ایک درجہ کے پیشے ہیں؛ اس لئے دونوں ہم کفو ہیں؛ لہٰذا نور سحر نے والدین کی مرضی کے بغیر اپنی خوشی سے محمد نسیم کے ساتھ جو نکاح کیا ہے، وہ شرعی طور پر صحیح ہوگیا۔ اب نور سحر کے لئے دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا، اگر دوسرے مرد سے نکاح کرلے گی تو وہ زنا کاری

ہوتی رہے گی؛ لہٰذا نور سحر کو اپنے حقیقی شوہر محمد نسیم کے ساتھ رہنا لازم ہے۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه الخ (در مختار، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا٤/ ١٥٥، كراچي ٣/ ٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۲۸۲/۳۲)

(٢٥) باب خيار البلوغ

نابالغی کی حالت میں والدین کا نکاح کرانا

سوال [٥٨٠٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی لڑکی کی بلوغت کی عمر سے کافی قبل بچپن ہی میں اس کے ماں باپ نے نکاح کر دیا ہو اور وہ لڑکی اس نکاح کو ناپسند کرتی ہے، تو کیا صورت ہوگی کہ وہ اپنے نکاح کو فسخ کر سکے اور کتنی عمر کے بعد؟

المستفتی: تسلیم احمد اکبر پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نابالغی میں باپ نے نکاح کر دیا ہے، تو بالغ ہونے کے بعد نکاح پسند نہ ہونے کی وجہ سے اس نکاح کو ختم کرنے کا حق نہ ہوگا اور اسی نکاح پر قائم رہنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ٦/ ١٥٦)

لو فعل الأب، أو الجد عند عدم الأب لايكون للصغير والصغيرة حق الفسخ بعد البلوغ الخ (شامي، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ٤/ ١٧٤، كراچي ٣/ ٦٨، مصري ٢/ ٤٢٠)

بخلاف ما إذا زوجهما الأب، والجد، فإنه لا خيار لهما بعد بلوغهما. (البحرالرائق، باب الأولياء والأكفاء، كوئٹه ٣/ ١٢٠، زكريا ديوبند ٣/ ٢١١)

وللولي نكاح المجنونة والصغير والصغيرة ولوثيباً، فإن كان أبا، أوجدا لزم. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، دالاراالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٩٤)

وفي سكب الأنهر: ولاخيار لهم بعد البلوغ. (سكب الأنهر، دار الكتب

العلمية بيروت ١/ ٤٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۱۴)

نابالغی کی حالت میں والدین کا کرایا ہوا نکاح لازم ہے

سوال [۵۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی شادی نابالغی میں اس کے والدین نے کردی تھی، شادی ہوئے تقریباً ۴/ سال ہو چکے ہیں۔ اب لڑکی کے والدین اس کو شوہر کے گھر نہیں بھیجنا چاہتے ہیں، واضح رہے کہ اس لڑکی کی رخصتی بھی اب تک نہیں ہوئی ہے، اس وقت لڑکی سن بلوغ کو پہونچنے والی ہے؛ چونکہ لڑکی کے والدین صورت حال یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری لڑکی کا نباہ نہیں ہوسکتا ہے؛ اس لئے رشتہ ختم کرنا چاہتے ہیں، صورت مسئولہ میں کیا رشتہ ختم کرنے کی اجازت ہے، مگر لڑکے والے چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں؟

المستفتی: محمد طیب مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغی کی حالت میں جب لڑکی کے والد نے نکاح کرادیا تھا، تو نکاح لازم ومنعقد ہوگیا؛ لہٰذا بغیر شوہر کے طلاق یا خلع کے تفریق نہیں ہوسکتی اور نہ ہی شوہر سے شرعی طریقے سے تفریق حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح جائز ہوسکتا ہے، وہ بدستور شوہر کی بیوی رہے گی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۱۲۸)

وأما نكاح الصغير والصغيرة جبراً، ولو ثيباً، ولزم النكاح، ولوبغبن فاحش.

(تنوير الأبصار مع الشامي، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/ ١٧٠، ١٧١، كراچي ٣/ ٦٥، هكذا في تبيين الحقائق، زكريا ديوبند ٢/ ٥٠٥، مكتبة امداديه ملتان ٢/ ١٢٢)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل. (درمختار مع الشامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، والنكاح والعتاق، زكريا ديوبند ٤٣٨/٤، كراچي ٢٣٥/٣، هندية ٣٥٣/١، جديد زكريا ٤٢٠/١، مجمع الأنهر قديم ٣٨٤/١، دارالكتب العلمية بيروت ٨٠٧/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رشعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۶۹)

دادادادی کا تیرہ سال کے لڑکے کا زبردستی نکاح کرنا

سوال [۵۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ محمد عارف ابن حاجی انصار کی شادی تیرہ سال کی عمر میں زبردستی یعنی ناپسندگی کے باوجود ریشمہ بنت حاجی شبیر کی لڑکی سے کردی (ہندوستانی قانون کے اعتبار سے بالغ ہونے سے پہلے کی شادی کو نہیں مانا جاتا ہے) یہ شادی دادا، دادی نے کرائی تھی، والدین بھی شریک تھے، دادا، دادی نے قسم کھائی تھی اگر لڑکی خوبصورت اور خوب سیرت نہ ہو، تو چھوڑ دینا، بندہ محمد عارف نے جب اپنی بیوی ریشمہ کو دیکھا تو ناپسند ہونے کا اظہار کردیا، محمد عارف نے بالغ ہونے کے بعد والدین اور سسر صاحب اور دیگر رشتہ داروں کی موجودگی میں تین طلاق دیدی، پھر جس مجلس میں بھی طلاق کا تذکرہ کرتا تو یونہی کہتا رہا میں تین طلاق دے چکا ہوں۔

اب معاملہ یہاں تک پہونچ چکا ہے کہ سسر صاحب کا کہنا ہے کہ اگر تو نے لڑکی کو نہ رکھا تو تیرا مڈر ہو جائے گا، دیگر رشتہ دار اور سسر صاحب بھی کہتے ہیں ہم طلاق کو نہیں مانتے لڑکی کو کسی بھی حال میں رکھنا پڑیگا نہیں تو پٹائی بھی ہوگی جھوٹے کیس میں بھی الجھادیں گے، کبھی قتل کی دھمکی دیتے ہیں؛ اس لئے چند سوالات مطلوب ہیں۔

(۱) یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟

(۲) محمد عارف نے بالغ ہونے کے بعد والدین اور سسر کے سامنے تین طلاقیں دی اور ہر مجلس میں کہتا ہے کہ میں طلاق دے چکا ہوں، تین طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۳) کیا بندہ محمد عارف ریشمہ کو اپنے نکاح میں طلاق کے بعد بغیر نکاح کے یا بغیر حلالہ کے رکھ سکتا ہے؟

(۴) اگر عارف طلاق دینے کے بعد بغیر نکاح کے ریشمہ کو اپنے نکاح میں رکھتا ہے تو حرام کاری ہوگی یا نہیں؟ اور جو اولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی یا نہیں؟

(۵) ریشمہ کو لڑکے کے گھر لانے میں جن لوگوں نے سسر صاحب کا ساتھ دیا، وہ سب اور ساس سسر اور والد صاحب اس حرام کاری کے گناہ میں شریک ہوں گے یا نہیں؟

(۶) جو لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم طلاق کو نہیں مانتے طلاق نہیں پڑی تجھے تو ہر حال میں رکھنا ہی ہے، تو ایسے لوگ مسلمان رہے یا نہیں؟

المستفتی: عارف خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں بلوغیت کا اصل مدار سالوں پر نہیں؛ بلکہ اس کے آثار وعلامات پر ہے، مثلاً داڑھی، زیر ناف، بغل کے بال، مونچھ وغیرہ میں سے کوئی ایک نکل آئے یا احتلام ہو جائے اور تیرہ سال کے لڑکے میں ان میں سے کسی علامت کے ظاہر ہونے سے وہ بالغ شمار ہو جائے گا۔ اب سائل خود دیکھ لے کہ شادی کے وقت شرعی طور پر بالغ ہوا تھا یا نہیں اور اگر سائل نابالغ تھا، تو باپ اور دادا کی مرضی سے جو نکاح ہوا تھا، وہ شرعی طور پر صحیح ہو چکا تھا، اور بعد میں جب تین طلاق دی، تو اس سے طلاف مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ کے دوبارہ اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہ ہوگا اور بغیر حلالہ شرعی کے میاں بیوی کی طرح رہنا زنا کاری اور حرام کاری ہوتی رہے گی۔ اور بغیر حلالہ رکھنے پر زور دینے والے سب گنہگار رہوں گے سب پر توبہ لازم ہوگی؛ البتہ اس درمیان جو اولاد پیدا ہوئی وہ ثابت النسب شمار ہوگی، آئندہ یوں ہی بغیر حلالہ رکھنا حرامکاری کا سلسلہ رہے گا۔

فإن زوجهما الأب، أو الجد: يعني الصغير، والصغيرة فلاخيار لهما بعد بلوغهما الخ. (هداية، كتاب النكاح، باب الولي، اشرفية ديوبند في الأولياء والأكفاء، ۲/ ۳۱۷)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحا صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها. (عالمگيري، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقه وما يتصل له، زكريا ديوبند ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵)

المبتوتة بالثلاث إذاوطئها الزوج بشبهة كانت شبهة الفعل. قوله بأن وطئها المطلقة بالثلاث، أو على مال لم تتمحض للفعل؛ بل هي شبهة عقد أيضاً فلاتناقض أن لا ثبوت النسب لوجود الشبهه العقد (إلى قوله) **وان النسب يثبت إذاا دعاه.** (شامي، مطلب في ثبوت النسب من المطلقة، زكريا ديوبند ۵/ ۲۳۲، كراچي ۳/ ۵۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۳۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱/۱۴۲۹ھ

نابالغی میں والدین کے کرائے ہوئے نکاح میں خیار کا حکم

سوال [۵۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری عمر چار سال کی تھی میرے والد نے میرا نکاح نابالغ لڑکے سے کردیا تھا، اب میں خود بالغ ہو چکی ہوں اپنا نکاح اپنی مرضی سے دوسرا کرنا چاہتی ہوں، اس وقت میرے والد صاحب کے دماغ میں کمی تھی صحیح نہیں تھا، اس کے بارے میں علماء دین کی کیا رائے ہے، ایک حدیث لکھ رہی ہوں جو میں نے علماء دین سے سنی ہے حدیث یہ ہے کہ ایک بالغ لڑکی اللہ کے رسول کے پاس آئی، اللہ کے رسول سے کہنے لگی کہ میرے والد نے میرا

نکاح نابالغی میں کردیا تھا جب میری چار سال کی عمر تھی، اب میں خود بالغ ہوں وہاں پر جانا نہیں چاہتی ہوں، نہ مجھ کو وہ آدمی پسند ہے اس کے بارے میں مجھ کو فرمایئے میں کیا کروں، اللہ کے رسول نے فرمایا تمہاری ناپسندیدگی کے باوجود تمہارے والد نے تمہارا نکاح نابالغی میں کردیا تھا، اب تمہارے والد تمہارا نکاح تمہاری مرضی کے بغیر نہیں کرسکتے ہیں، تمہاری مرضی ہے اس نکاح کو قائم رکھو یا توڑ سکتی ہو اور اپنی مرضی سے دوسری شادی کرسکتی ہو۔

اس حدیث کو صحابی رسول عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں یہ مجھے یاد نہیں رہا کہ کونسی حدیث سے ثابت ہے، اس حدیث کو پوری لکھیں، اللہ کے رسول نے عربی میں کس طرح بیان کی اردو میں ترجمہ کس طرح ہے پرچے کے پیچھے اس کا جواب لکھیں اور اجازت دیں تاکہ جواب آنے پر اپنا نکاح کرلوں، لڑکا اپنی مرضی سے پسند کرلیا ہے دین دار ہے، جواب کا انتظار ہے، اللہ تعالیٰ بزرگان دین کے سائے میں مجھ کو نیک توفیق دیں۔ آمین

خدا حافظ جواب آنے پر اپنا قدم آگے بڑھاؤں گی۔

المستفتیۃ: شاہدہ بانو، خورشید احمد پینٹر، کوٹھی ۱۷ ارسیکٹر اے- ۲۸، چندی گڑھ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بحالت نابالغی آپ کے والد نے آپ کا جو نکاح کردیا ہے وہ شرعاً لازم ہو چکا ہے، آپ کو اسی شوہر کے ساتھ زندگی گذارنا لازم ہے، اس شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل کئے بغیر کسی دوسرے کے ساتھ شرعاً آپ کا نکاح صحیح نہیں ہوگا، ہمیشہ حرام کاری میں مبتلا سمجھا جائے گا۔

فإن زوجهما الأب، أو الجد: يعني الصغير، والصغيرة فلاخيار لهما بعد بلوغهما؛ لأنهما كاملا الرأي وافرا الشفقة، فيلزم العقد بمباشرتهما كما إذا باشراه برضاء هما بعد البلوغ الخ. (هداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، اشرفية ديوبند ٢/ ٣١٧، الدر المختار مع الشامي، كوئٹه ٢/ ٣٣٠، كراچي ٣/ ٦٥، زكريا ديوبند ٤/ ١٧٠، ١٧١، فتاوى عالمگيري، زكريا ١/ ٢٨٥، جديد ١/ ٣٥١)

آپ نے جس حدیث شریف کے بارے میں لکھا ہے، اس میں اس لڑکی کا واقعہ ہے جو باپ کے نکاح کراتے وقت بالغ ہوچکی تھی اور بوقت نکاح آپ نابالغہ تھیں۔

عن ابن عباسؓ قال أن جارية بكرا أتت النبي صلى الله عليه وسلم، فذكرت أن أباها زوجها وهي كارهة، فخيرها النبي صلى الله عليه وسلم.

(سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في البكر يزوجها أبوها ولايستأمرها، النسخة الهندية ۱/۲۸۵، دارالسلام رقم:۲۰۹۶، مشكوٰة ۲/۲۷۱، وعلى هامش المشكاة)

وهي كارهة فيه أنه لاخيا للولي على البالغة ولو كانت بكراً(وقوله) لو كانت صغيرة لما اعتبر كراهتها. (حاشية مشكوٰة ۲/۲۷۱)

آپ کے والد کی دماغی حالت میں کیا کمی تھی، اس کی شرعی شہادتوں کے ساتھ تفصیلی ثبوت کے بعد غور کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۸۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۰۸/۹/۹ھ

نابالغی میں نکاح ہوجانے کے بعد والدین کا اس کو فسخ کرنا

سوال [۵۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا اور لڑکی دونوں نابالغ ہیں اور ان کے والدین نے اسی حالت میں ان کا نکاح کردیا۔ اب کسی بنا پر ان دونوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے والدین نے نکاح فسخ کردیا یا ان کے بالغ ہونے کے بعد رخصتی سے پہلے ان کے والدین نے نکاح فسخ کردیا، آیا ان دونوں شکلوں میں والدین کے ایسا کرنے سے نکاح فسخ ہوا یا نہیں؟ یا کسی ایک شکل میں؟ وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: محمد مصطفیٰ، چاندکھیڑی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح نابالغی کی حالت میں ہوجانے کے بعد (ولی اقرب) والدین کو بلوغیت سے قبل یا بعد دونوں حالتوں میں فسخ کا اختیار نہیں بالغ ہونے سے پہلے اس لئے اختیار نہیں کہ فسخ کے لئے شرعی وجہ اور قضاء قاضی لازم ہے کہ قاضی کے فیصلہ کے بغیر محض والدین کو یہ حق حاصل نہیں۔

أما الطلاق فلا يتكمن منه أب الزوج، ولاالقاضي. وأما الفسخ فلايجوز إلا بسبب. (تاتار خانية، كتاب الطلاق، الفصل الثالث، كوئٹه۳/ ۲۵۵، زكريا٤/ ۳۹۳، رقم:٦٥٠٦)

اور بالغ ہونے کے بعد بھی والدین کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہے اور لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہے، جس کے لئے قضاء قاضی بھی لازم ہے، اس میں والدین کا کوئی اختیار نہیں۔

اختيار الصغير أو الصغيرة بعد البلوغ في خيار البلوغ. وهذه الفرقة لاتقع إلا بتفريق القاضي. (بدائع الصنائع، كراچي۲ /۳۳٦، زكريا ديوبند ۲/ ٦٥۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۰۴)

حالت صغر میں کیا ہوا نکاح کب فسخ ہوسکتا ہے؟

سوال [۵۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عاقلہ کا نکاح اس کے ولی نے بکر کے ساتھ کم سنی میں کر دیا تھا، اب عاقلہ نا اتفاقی کی بنناء پر بکر سے طلاق چاہتی ہے، مگر بکر طلاق اس وجہ سے نہیں دیتا ہے کہ میری بہن عاقلہ کے بھائی کی زوجیت میں ہے، میں طلاق نہیں دوں گا، بکر کے ساتھ خط

کتابت بھی ہوئی اور لوگ جا کر اس معاملہ میں ملے بھی؛ لیکن وہ طلاق دینے کے لئے راضی نہیں ہے اور زوجیت میں رکھنے کے حق میں تھا ابھی تک حیات ہے۔

المستفتی: محمد یعقوب، مالیرکوٹلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر باپ یا دادا نے نابالغی میں نکاح کر دیا تھا، تو وہ لازم ہو چکا ہے، اس کا فسخ ہرگز جائز نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر باپ، دادا کے علاوہ کسی اور نے نکاح کر دیا تھا، تو بالغ ہونے پر فسخ بھی جائز اور بعد فسخ نکاح بھی زید کے ساتھ صحیح اور درست ہوگا۔

عن عطاء أنه إذا أنكح الرجل ابنه الصغير فنكاحه جائز، ولا طلاق له. (السنن الكبریٰ للبيهقي، كتاب النكاح، باب الأب يزوج ابنه الصغير، دارالفكر ١٠/ ٣٦٥، رقم:١٤١٢٦)

عن سلم بن أبي الذيال رضـ، قال كتب عمر بن عبد العزيز في اليتيمين إذا تزّوجها وهما صغيران، أنهما بالخيار. (المصنف لإبن شيبة، كتاب النكاح، اليتيمة تزوج وهي صغيرة، مؤسسه علوم القرآن٩/ ٥٧، رقم: ١٦٢٥٢)

فإن زوجها الأب أو الجد فلا خيار بعد البلوغ (وقوله) وإن زوجها غير الأب، والجد فلكل واحد منهما الخيار إن شاء أقام على النكاح وإن شاء فسخ. (الجوهرة النيرة، كتاب النكاح، مكتبة امدادية ملتان٢/ ٧٤، دارالكتاب ديو بند٢/ ٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۱۲۰۳)

بچپن میں کئے ہوئے رشتہ کو جوانی میں ختم کرنا

سوال [۵۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر کسی لڑکی کے والدین نے بچپن میں کسی سے کہہ دیا کہ تیری لڑکی میرے لڑکے کے لئے حالانکہ بچپن میں اس طرح کرنا صحیح نہیں ہے، مگر لڑکا جوانی میں اب اس لڑکی سے نکاح کرنا نہیں چاہتا ہے والدین زبردستی کررہے ہیں، ایسی صورت میں کیا کیا جائے کیا اپنی پسند کی کریں؟ یا والدین کی بات کو ترجیح دیں؟

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر منتخب شدہ لڑکی پسند نہیں ہے، اور اس کے ساتھ اب تک نکاح شرعی نہیں ہوا ہے اور حدود اللہ کو قائم رکھ کر اس کے ساتھ زندگی گذارنا دشوار نظر آرہا ہے، تو والدین کی مرضی کے خلاف جو لڑکی پسند آجائے اس سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارنا جائز ہے اور یہ نافرمانی میں داخل نہیں ہوگا۔

قولہ تعالیٰ: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ. [النساء:۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۱۸۵۱)

نابالغی میں اہل محلّہ کے کئے ہوئے نکاح کو بلوغ کے بعد ختم کرنا

سوال [۵۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قیصر کا بحالت نابالغی بعمر ۱۲؍سال اہلیان محلّہ نے نکاح کرادیا تھا، نکاح کی اجازت قیصر کے نابالغ بھائی بعمر ۸؍سال سے دلادی گئی تھی، قیصر کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا، ان ایام میں عدت گذار رہی تھی، اب جبکہ قیصر بالغہ ہو چکی ہے، وہ اس نکاح کو منظور نہیں کرتی، نکاح ہونے کے بعد سے تادم تحریر وہ اپنے سسرال میں بھی نہیں گئی ہے، کیا ازروئے شرع قیصر جہاں بالغہ ہونے کے بعد اپنے نابالغی میں ہوئے نکاح کو فسخ کرسکتی ہے؟

امید ہے کہ آں محترم اپنے خدا داد علم نیز قرآن وسنت کی روشنی میں مکمل ومفصل جواب مع حوالہ وسند عنایت فرما کر عنداللہ ماجوراور عندالناس مشکور ہوں گے، ناگوارطبع نہ ہو تو بوقت جواب شرح وقایہ جلد ثانی کتاب النکاح، حدیث ابی سلمہ بنی عبدالرحمٰن ومثل ذلک پیش نظر رہے تو مناسب ہوگا۔

المستفتی: مولوی محمد احمد خاں سلیم، نجیب آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر قیصر جہاں نے بالغ ہوتے وقت فوراً ہی یابالغ ہونے کے بعد نکاح کے علم ہوتے ہی اہل محلّہ کے کیے ہوئے نکاح کو فسخ کرنے کا اظہار کردیا ہے،تو مذکورہ نکاح فسخ کرکے دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے؛ لیکن اگر بوقت بلوغ سکوت اختیار کیا تھا، اب بعد میں عدم رضا کا اظہار کررہی ہے،تو موجودہ نکاح شوہر کے طلاق کے بغیر ختم نہیں ہوسکتا۔ نیز فسخ نکاح عدالت شرعیہ کے ذریعہ سے کرنا ہوگا؛ اس کے بغیر دوسری جگہ نکاح صحیح نہیں ہوسکتا۔

عن سلم بن أبي الذيال، قال: كتب عمر بن عبد العزيز في اليتيمين إذا تزّوجهاوهما صغيران، أنهما بالخيار. (المصنف لإبن شيبة، كتاب النكاح، اليتيمة تزوج وهي صغيرة، مؤسسه علوم القرآن۹/۵۷، رقم: ۱٦٢٥٢)

إذا كان المزوج للصغير والصغيرة غير الأب، والجد فهما الخيار بالبلوغ، أوالعلم به، فإن اختار الفسخ لا يثبت الفسخ إلا بشرط القضاء.

(شامي، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ديوبند ٤/١٧٦، كراچي ٣/٧٠، هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/٣١٧، شرح وقايه، مكتبه بلال٢/ ٢١تا ٢/٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۴/ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۶/۲۴)

(۲۶) باب المہر

چار قسم کے مہروں کی تفصیل

سوال [۵۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جوانوں کی شادی اسلامی مقصود ومطلوب ہوا کرتی ہے، بعض احباب کا کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا ہے، آپ دونوں کی عمر ومہر فاطمی کی صحیح مقدار معلوم کرائی جائے؛ تاکہ یہ سنت نبویہ ﷺ زندگی میں ہر ایماندار اپنائے یہ مہر فاطمی پر عمل سنت ہی ہوگا، تو ارشاد واشاعت چاہئے، غالباً آپ شاہی مسجد یا مدنی مسجد میں قرآن پاک کی تفسیر وترجمہ کرتے ہوں گے۔

قرآن الفجر آپ کو آواز دیتا ہوگا یہ پیغام مدینہ منورہ گر قبول افتد زہے عز وشرف

المستفتی: محمد قاسم مدینہ منورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں چار قسم کے مہر کا بیان ملتا ہے، ان میں سے حسب حیثیت جس کو اختیار کیا جائے گا وہ خلاف سنت وخلاف شریعت نہ ہوگا۔

(۱) اقل مہر مہر اُم سلمہ'' غریب مزدور، رکشہ، ٹھیلہ والوں کا مہر جو اقل مہر کہلاتا ہے (یعنی سب سے کم) مہر کی اقل مقدار دس درہم ہے، اس سے کم مہر نہیں ہوتا؛ لہٰذا غریب ترین لوگ دس درہم سے لے کر حسب استطاعت جتنے چاہیں مہر باندھ سکتے ہیں؛ لیکن اتنا ہو کہ جتنا بسہولت ادا کر سکیں، ایسے غریب لوگوں کے لئے مہر فاطمی مسنون نہ ہوگا؛ اس لئے کہ مہر فاطمی کی قیمت اس وقت گیارہ بارہ ہزار روپئے ہے، جس کا ادا کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

عن أبي العجفاء السلمي، قال: خطبنا عمر فقال: ألا لا تغالوا بصدق النساء، فإنها لو كانت مكرمة في الدنيا، أو تقوىٰ عند الله، كان أولاكم بها النبي صلى الله عليه وسلم. (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية ١/ ٢٨٧، دارالسلام رقم: ٢١٠٦، سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ماجاء في مهر النساء، باب منه ،النسخة الهندية ١/ ٢١١، دارالسلام رقم: ١١١٤، سنن ابن ماجه، باب صداق النساء، النسخة الهندية ١/ ١٣٥، دار السلام رقم: ١٨٨٧، مسند الدارمي ، دار المغني ٣/ ١٤١١، رقم: ٢٢٤٦)

دس درہم میں ساڑھے سات ماشے چاندی ہوتی ہے، جس کا وزن موجودہ گرام کے حساب سے تین تولہ ۶۱۸ ملی گرام ہوتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹، جواہر الفقہ ۱/ ۴۲۴)

عن جابرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صداق دون عشرة دراهم. (سنن دار قطني، كتاب النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٧٣، رقم: ٣٥٦٠)

ولو سمىٰ أقل من عشرة فلها العشرة عندنا. (هداية، كتاب النكاح ، باب المهر اشرفي ديو بند ٢/ ٣٢٤)

(۲) مہر فاطمی یہ ان لوگوں کے لئے ہے کہ جو بسہولت مہر فاطمی کی مقدار ادا کر سکتے ہیں جیسے کہ دس بیس پچاس ہزار کے مالک لوگ ہیں؛ اس لئے کہ خود مہر فاطمی کی قیمت اس وقت گیارہ ہزار روپئے ہے، اور حدیث میں مہر فاطمی کی مقدار پانچ سو درہم ہے، جس کا وزن موجودہ گرام کے حساب سے ۱۵۳ تولہ ۹۰۰ ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۶/ ۴۲، ۴/ ۱۲، ایضاح المسائل ۱۲۹، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۴۲۴، جدید زکریا ۳/ ۴۰۸، حاشیہ امداد الفتاوی ۲/ ۳۰۷، محمودیہ قدیم ۳/ ۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۲۷، فتاوی دارالعلوم ۸/ ۲۷، تنظیم الاشتات ۳/ ۲۲۳)

عن أبي سلمة قالت: سألتُ عائشة كم كان صداق نساء النبي صلى الله عليه وسلم، قالت: كان صداقه في أزواجه اثنتى عشرة أوقية ونشاً هل تدري ماالنشّ؟ هو نصف اوقية وذلك خمس مائة درهم (وفي رواية)

ما اصدق امرأ ة من نسائه ولاأصدقت امرأة من بناته أكثر من أثنتى عشرة اوقية. (ابن ماجه، كتاب النكاح، باب صداق النساء، النسخة الهندية ١/١٣٣، دارالسلام رقم:١٨٨٦، معناه في صحيح مسلم، النكاح باب الصداق ......النسخة الهندية١/٤٥٨، بيت الأفكار رقم:١٤٢٦، سنن النسائي، كتاب النكاح القسط في الأصدقة، النسخة الهندية ٢/٧٢، سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية ١/٢٨٧، دارالسلام رقم:٢١٠٥، ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب مهر النساء، النسخة الهندية١/٢١١، دارالسلام رقم:١١١٤، مشكاة٢/٢٧٧)

(۳) مہر ام حبیبہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے کہ جو مذکورہ حیثیت سے زیادہ وسعت رکھتے ہیں اوراس قسم کا مہرادا کرنا مالی اعتبار سے ان پرگراں نہیں گزرے گا، ایسے لوگوں کے لئے اس قسم کا مہر متعین کرنا خلاف سنت یا خلاف شریعت نہ ہوگا --- جیسے کہ لکھ پتی لوگ ہیں، جوشادی کے موقع پر دیگر اخراجات کے علاوہ صرف شادی ہال میں ستر اسی ہزار روپئے خرچ کر دیتے ہیں، مہر ام حبیبہؓ کی مقدار ابوداؤد،نسائی وغیرہ کی روایت کے مطابق چار ہزار درہم ہے، اس وقت اس کی قیمت ۸۸ یا ۹۰ ہزار روپئے ہے، جوشخص شادی ہال میں ستر اسی ہزار روپئے خرچ کرسکتا ہے اس کے لئے مہر ام حبیبہؓ ادا کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے، جولڑکی کا اہم ترین حق ہے۔ نیز مشورۃً یہ بات ہے کہ شادی ہال وغیرہ میں اتنا روپیہ خرچ نہیں کرنا چاہئے۔

عن أم حبيبة أنها كانت تحت عبيد الله بن جحش فمات بأرض الحبشة فزوجها النجاشي النبي صلى الله عليه وسلم، فأمهرها عنه أربعة آلاف (وفي رواية) أربعة آلاف درهم. (ابوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية ١/٢٨٧، دارالسلام رقم:٢١٠٧، سنن النسائي الصغرى، كتاب النكاح، القسط في الأصدقة، النسخة الهندية٢/٧٢، دارالسلام رقم:٣٣٥٢، السنن الكبرىٰ للبيهقي التزويج على أربعة آلاف،دارالكتب العلمية بيروت٣/٣١٥، رقم:٥٥١٢، مشكاة١/٢٧٧)

(۴) مہر ام کلثومؓ: یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو مذکورہ حیثیت سے بھی اوپر کے مالک ہیں جیسے امراء، سلاطین، بادشاہ اور ان جیسے لوگ، ان لوگوں کے لئے یہ مہر خلاف

شریعت نہیں اور نہ خلاف سنت؛ بلکہ اتنا مہر اپنی حیثیت کے مطابق اختیار کرنا سنت کے مطابق ہوگا، مہر ام کلثومؓ کی مقدار احادیث شریفہ میں بیان کے مطابق چالیس ہزار درہم ہے، جو حضرت عمر فاروقؓ نے ادا فرمائی ہے۔

أن عمر بن الخطابؓ أصدق أم كلثوم بنت علي أربعين ألف درهم.

(المصنف لإبن شيبة، كتاب النكاح، من تزوج على المال الكثير وزوج به موسسه علوم القرآن ٩/١٣٩، رقم: ١٦٦٤٤، السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر ١١/٦، رقم: ١٤٦٩٠، اسد الغابه ٦/٣٨٧، الأصابة ٨/٤٦٦)

یہ بات ہرگز نہیں کہی جاسکتی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے مذکورہ مقدار کر کے خلاف سنت یا خلاف شریعت عمل کیا ہے۔

(۲) حضرت فاطمہؓ کی عمر بوقت نکاح پندرہ سال پانچ ماہ اور حضرت علیؓ کی عمر اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ (مستفاد بہشتی زیور ۶/۴۲، سیرت طیبہ ۲۳۳، سیرۃ النبیؐ ۲/۴۳۲)

وتزوجها وهي ابنت خمس عشر سنة وخمسة أشهر -وسنة يومئذ إحدى وعشرون سنة وخمسة أشهر. (زرقانی ۲/۳۵۸، اسد الغابه ۶/۲۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۱۵۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۲۸ھ

دور نبوت کی مہریں

سوال [۵۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دور نبوت میں جن مہروں کی مقدار ثابت ہے تحریر فرمادیں چاہے حضور ﷺ کی بیویوں کا مہر ہو یا بیٹیوں کا؟

المستفتی: محمد اعلم جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورنبوت اوردورصحابہؓ میں چارقسم کے مہروں کا ثبوت ملتا ہے اور یہ چاروں قسمیں آدمی کی مالی حیثیت کے اعتبار سے ہیں۔

(۱) مہر ام سلمۃ: یہ حضرت ام المؤمنین ام سلمۃؓ کا مہر ہے، جو حضورﷺ نے بطور مہر کے حضرت ام سلمۃؓ کو عطا فرمائے ہیں۔ جس کا وزن موجودہ گراموں کے اعتبار سے ۳۰؍گرام ۶۱۸، ملی گرام چاندی ہے یعنی دس گرام کے تولہ سے تین تولہ اور ۶۱۸؍ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کی جائے۔ (مستفاد: انوار نبوت ۶۵۱)

(۲) مہر فاطمی: اس کی مقدار صحیح قول کے مطابق ۵۰۰ درہم ہے، جس کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو تیس گرام ۹۰۰؍ملی گرام چاندی ہے۔ (انوار نبوت ۶۵۲)

(۳) مہر ام حبیبہ: اس کی مقدار چار ہزار درہم ہے، جو مہر فاطمی کے ۸؍گنا ہے، جس کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۱۲؍کلو ۲۴۴؍گرام ۹۴۴؍ملی گرام ہے، اس کی قیمت بھی بازار سے معلوم کرلیں۔ (انوار نبوت ۶۵۳)

(٤) مہر ام کلثومؓ: حضورﷺ کی نواسی، حضرت علی وفاطمہ کی بیٹی، حضرت ام کلثومؓ کیساتھ حضرت عمرؓ نے چالیس ہزار درہم کے عوض میں نکاح فرمایا ہے، جس کی مقدار مہر فاطمی کے اسی گنا اور مہر ام حبیبہؓ کے دس گنا ہوتی ہے۔ (انوار نبوت ۶۵۵)

تزوج عمر أم کلثومؓ علی مهر أربعین ألفاً. (الاصابة، دار الکتب العلمية بيروت ٨/ ٤٦٦)

أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أصدق أم كلثوم بنت علي أربعين ألف درهم. (السنن الكبرىٰ جديد ١١/ ٦، نسخة قديم ٧/ ٢٣٣، رقم: ١٤٦٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۸۹۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۸؍۱۴۲۶ھ

دور نبوت وصحابہ رضی اللہ عنہ کے مہر

سوال[۵۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کی کتاب ایضاح المسائل میں دوطرح کے مہر کی تفصیل ہے، ایک دس درہم، دوسرے پانچ سو درہم، ہر زمانہ کے حساب سے صحیح وضاحت ہے، ان کے علاوہ جو اورمہر ہیں، ان کی بھی اسی طرح وضاحت چاہتے ہیں، جو ہر زمانہ میں اس وقت کے حساب سے حساب لگایا جاسکے؛ کیونکہ کئی سال پہلے آپ کا تحریر کردہ چارطرح کے مہر کے بارے میں اڈیشن ندائے شاہی میں پڑھا تھا، وہ ذہن سے نکل گیا اور کسی کتاب میں مل نہ سکا؛ لہٰذا حضرت والا اپنی مصروفیات میں سے قیمتی وقت لگا کر جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: اصغرعلی امام مسجد ابوبکر صدیقؓ، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر کی چار قسمیں ہیں جو دور نبوت اور دور صحابہؓ سے ثابت ہیں، ان کو احقر نے انوار نبوت میں حوالوں کے ساتھ نقل کردیا ہے، یہاں اختصار کے ساتھ لکھا جارہا ہے تفصیل دیکھنا ہو تو انوار نبوت میں دیکھ لیں۔

(۱) اقل مہر اور مہر ام سلمہؓ: جس سے کم مہر معتبر ہی نہیں، اس کی مقدار دس درہم ہے، جس میں بارہ ماشہ کے حساب سے دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے، موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے تیس گرام چھ سو اٹھارہ ملی گرام ۳۰ گرام ۶۱۸ ملی گرام ہوتا ہے۔

(مستفاد ایضاح الطحاوی ۱۹۳/۳، ایضاح المسائل ۱۲۹، انوار نبوت ۶۵۰)

(۲) مہر فاطمی: راجح اور مفتی بہ قول کے اعتبار سے پانچ سو درہم ہے، اس کا وزن بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۱۳۱/ تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو تیس گرام نو سو ملی گرام ۳۰ چاندی ہے۔ (مستفاد انوار نبوت ۶۵۲، ایضاح الطحاوی ۱۹۳/۳)

(۳) مہر ام حبیبہؓ: ابوداؤد، نسائی وغیرہ کی روایات کے مطابق چار ہزار درہم ہے، جو

مہر فاطمی کے آٹھ گنا ہے؛ چنانچہ موجودہ زمانہ کے گرام کے حساب سے ۱۲۲۴۴، گرام ۹۴۴ ر ملی گرام ہوتا ہے، یعنی بارہ کلو ۲۴۴ ر گرام ۹۴۴ ر ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت ہے۔

(۴) مہر ام کلثومؓ ہے، اس کی مقدار السنن الکبری للبیہقی کی روایت کے مطابق چالیس ہزار درہم ہے جو مہر فاطمی کے اسی گناہ ہوتا ہے اور مہر ام حبیبہؓ کے دس گناہ ہے انوارنبوت ۶۵۰ تا ۶۵۵ الاصابہ دارلکتب العلمیۃ بیروت ۶۶/۸ ۴سنن کبری دارالفکر بیروت ۱۱/۶ حدیث رقم: ۱۴۶۹ ۹۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ر شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ ر ۱۰۱۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۲۲ھ

جملہ بنات رسول ﷺ کا مہر کتنا تھا

سوال [۵۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جملہ بنات رسول ﷺ کا مہر کتنا تھا وضاحت کے ساتھ ہر ایک کا مہر تحریر فرمادیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد مطیع الرحمٰن، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جملہ بنات رسول ﷺ کے مہروں کی تفصیل الگ الگ کسی معتبر وصحیح روایت میں نظر سے نہیں گذری، البتہ اتنا ملتا ہے کہ تمام صاحبزادیوں کے مہر ساڑھے بارہ اوقیہ ہے اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو کل پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲۹۵/۲)

جو بارہ ماشہ کے تولہ سے ۱۳۱ ر تولہ ۳ ر ماشہ چاندی ہوتی ہے اور موجودہ دور کے دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۱۵۳ ر تولہ ۹۰۰ ر ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ / ۳۱۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۵/۱ھ

امہات المؤمنینؓ کا مہر کتنا تھا؟

سوال [۵۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جملہ امہات المؤمنینؓ کا مہر کتنا تھا ازراہ کرام ہر ایک کا مہر الگ الگ مع حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرما کر شکرگذاری کا موقع دیں۔

المستفتی: مطیع الرحمٰن، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: امہات المؤمنینؓ کے مہروں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/ ۲۸۷، مطبع اشرفی، بہشتی زیور ۶/ ۴۴)

(۲) حضرت سودہؓ کا مہر چار سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/ ۲۹۳)

(۳) حضرت عائشہؓ کا مہر چار سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/ ۲۹۳، علم الفقہ ۶/ ۷۷)

(۴) حضرت حفصہؓ کا مہر چار سو درہم تھا۔ (علم الفقہ ۶/ ۷۸)

(۵) حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/ ۳۰۴)

(۶) حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہؓ کا مہر دس درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/ ۳۰۶، علم الفقہ ۶/ ۷۸)

(۷) حضرت زینب بنت جحشؓ کا مہر دس درہم تھا۔ (۳/ ۳۱۷، علم الفقہ ۶/ ۷۸)

(۸) حضرت جویریہ بنت الحارثؓ کا مہر چار سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/ ۳۳۹، علم الفقہ ۶/ ۷۹)

(۹) حضرت ام حبیبہؓ کا مہر چار سو دینار تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/ ۳۳۲، علم الفقہ ۶/ ۷۹، بہشتی زیور ۶/ ۴۴)

(۱۰) حضرت میمونہؓ کا مہر پانچ سو درہم تھا۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/۳۴۸)

(۱۱) حضرت صفیہ بنت حییؓ کا مہر درہم یا دینار نہیں تھا؛ بلکہ ان کو حضور ﷺ نے ایک باندی مہر میں عطا فرمائی تھی، جس کا نام رزینہ تھا یہ باندی حضور ﷺ کی خادمہ تھی اور حضرت صفیہؓ نے بعد میں حضرت رزینہ کو آزاد کر دیا تھا۔

روي أن النبي صلى الله عليه وسلم، لما تزوج صفية بنت حيي أمهرها خادماً وهي رزينة. الحديث (اسد الغابة، دارالفکر بیروت ٦/ ١١٠، ومعناه في زوائد الهيثمی بحواله طبراني و أبو يعلىٰ، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٩/ ٢٥١، المعجم الكبير للطبراني، دارإحياء التراث العربي بيروت ٢٤/ ٢٧٧، رقم: ٧٠٥، السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ١٠/ ٣٣٥، رقم: ١٤٠٤٥)

اور بعض روایات میں اس کا ذکر ہے کہ ان کی آزادی کو ان کے لئے مہر قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

قال: وكره بعض أهل العلم أن يجعل عتقها صداقها حتى يجعل لها مهراً سوى العتق والقول الأول أصح. (فتح الباری، دارالفكر بيروت ٩/ ١٢٩، دارالريان للتراث العربي بيروت ٩/ ٣٢، اشرفيه ديوبند تحت رقم الحديث: ٥٠٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۶۹)

مہر کے سلسلے میں عرب وعجم کا حکم یکساں ہے یا الگ الگ؟

سوال [۵۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرب میں لڑکے کی شادی ہوتی ہے، لڑکے والا ایک اچھی رقم لڑکی والوں کو مہر

کے نام پر دیتا ہے کیا یہ دین میں ہے؟ اگر ہے تو ہمارے ملک میں ایسا کیوں نہیں ہوتا یا ہمارے ملک میں اسلامی قانون کچھ اور ہے؟

المستفتی: دلشاد حسین، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت کا حکم عرب اور عجم ہر جگہ کے لئے یکساں ہے، مہر کی ادائیگی لڑکے کے اوپر ہر حال میں لازم ہوتی ہے چاہے مہر کو ادھار کردے یا چاہے نکاح کے وقت مکمل ادا کردے ان دونوں شکلوں میں پہلے ادا کرنے والی شکل زیادہ بہتر ہے، عرب میں پہلے ہی مہر کی ادائیگی کردینے کا دستور ہے اور یہی شریعت میں زیادہ افضل اور پسندیدہ ہے اور ہمارے ہندوستان میں مہر کی ادائیگی میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے پہلے یا فوری کرنے کا دستور بہت ہی کم ہے؛ بلکہ عام طور پر شوہر اپنی بیوی کا مقروض رہتا ہے اور اگر ادائیگی پر قدرت ہوجانے کے باوجود مہر کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے، تو یہ شوہر کی طرف سے ایک قسم کی غفلت ہے، جو شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔ نیز جو لوگ ادائیگی پر قدرت ہوتے ہوئے عمر کی آخری مدت تک پہنچ جاتے ہیں اور ادا نہیں کرتے ہیں یا حیلہ بہانہ کرکے اور دباؤ ڈال کر کے بیوی سے معاف کروا لیتے ہیں ایسے لوگ گناہ گار ہوتے ہیں۔

هو حكم العقد فإن المهر يجب بالعقد أو بالتسمية. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر، دار الكتب العلمية ١/٥٠٨)

أقول: لا أدري لم خص مهر المثل بالذكر والحال أن وجوب المهر مطلقاً مسمىٰ كان أو مهر المثل من أحكام النكاح، فكان الأولى هو الإجراء على العموم. (كفاية مع فتح القدير زكريا ٣/٣٠٤)

قال الكاساني: لو لم يجب المهر بنفس العقد لايبالي الزوج عن إزالة هذا الملك بأدنى خشونة تحدث بينهما؛ لأنه لا يشق عليه إزالته لما لم يخف لزوم المهر فلا تحصل المقاصد المطلوبة من النكاح، ولأن

مصالح النكاح و مقاصده لا تحصل إلا بالموافقة و لا تحصل الموافقة إليها إلا إذا كانت المرأة عزيزة مكرمة عند الزوج، و لا عزة إلا بانسداد طريق الوصول إلا بمال له خطر عنده. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٩/١٥٢-١٥٣)

لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير السبب الشرعي. (شامي، كتاب الحدود، باب التعزير زكريا ٦/١٠٦، كراچي ٤/٦١، هندية، كتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف والتعزير زكريا ٢/١٦٧ جديد زكريا ١/١٨٨)

ليس لأحد أن يأخذ مال غير بلا سبب شرعي. (شرح المجلة رستم باز مكتبة اتحاد بك ڈپو ١/٩٢، رقم المادة:٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۲۰۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲ھ

مہر سے متعلق چند سوالات

سوال [۵۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں: کہ مقرر شدہ مہر کو اپنی شوہر مرضی سے بڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح عورت مقرر شدہ مہر کو کم کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مہر معجّل طے شدہ میں تاجیل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) شوہر کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ میں سے مہر کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟ اگر بیوی اپنا مہر معاف کردے یا باپ بھائی وغیرہ کو اختیار دیدے تو وہ معاف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) معاشرہ کا دستور یہ ہوگیا ہے کہ نکاح کے وقت مہر متعین ہوجاتا ہے، مگر زندگی میں شوہر اس کی ادائیگی نہیں کرتا اور نہ عموماً اس کی ادائے گی کی فکر ہوتی ہے اور اگر شوہر مہر ادا بھی کرنا چاہے تو عورت کہتی ہے کہ میں کیا کروں گی، ہاں البتہ اگر طلاق ہوجائے تو مہر کا

مطالبہ ہوتا ہے یا شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت سے کہتے ہیں کہ تو معاف کردے وہ معاف کر دیتی ہے؛ اس لئے دریافت طلب بات یہ ہے کہ زندگی میں اگر شوہر کے لئے عورت اس معاشرہ میں مہر معاف کردے تو وہ معافی سمجھی جائے گی یا نہیں؟

واضح رہے کہ عورتیں اس جذبہ کے تحت معاف کرتی ہیں کہ اگر معاف نہیں کیا تو شوہر پریشان کرے گا یا اس لئے کہ مہر لے لینا ایک نئی سی بات ہوگی اور ایسی عورت کو معاشرہ میں اچھا نہیں سمجھا جائے گا، اسی طرح شوہر کے انتقال کے بعد کی معافی شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟ اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو اس کے مہر کی رقم کے حقدار کون ہیں؟

المستفتی: محمد جاوید، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نکاح کے بعد شوہر اپنی مرضی کے مطابق بیوی کے مقررہ مہر میں جتنا چاہے حسب منشاء اضافہ کرسکتا ہے، اسی طرح بیوی کو بھی شریعت نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے مہر میں کمی کرسکتی ہے۔

فإن زادها في المهر بعد العقد لزمته الزيادة. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفيه ديوبند ۲/۳۲۵، شامي، كراچي ۳/۱۱۱، زكريا ۴/۲۴۶)

وإن حطت عنه من مهرها صح الحط. (هداية، اشرفی ديوبند۲/۳۲۵، شامي، كراچي۳/۱۱۳، زكريا۴/۲۴۸)

(۲) مہر معجّل کو زوجہ کی اجازت سے مؤجل کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۸/۲۶۴، ۸/۲۸۲)

(۳) شوہر کے انتقال کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے اس کی بیوی کا مہر ادا کرنا لازم ہے۔

أما الأول فلأن المسمىٰ دين في ذمته وقد تأكد بالموت، فيقضي من تركته. (هداية، اشرفي ديوبند۲/۳۳۷)

نیز بیوی کے مہر معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے اور اگر اپنے باپ یا بھائی کو اس کا اختیار دیدے، تو ان کے معاف کرنے سے بھی مہر معاف ہو جائیگا۔

وصح حطها لكله أوبعضه عنه وقيد بحطها؛ لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرة ولو كبيرة توقف على إجازتها ولا بد من رضاها. (شامي، كراچي ٣/١١٣، زكريا٤/٢٤٨، هداية، اشرفي ديو بند٢/٣٢٥، عزيز الفتاویٰ٤٤٩)

(۴) جوشخص نکاح کے بعد مہر متعین ادا کرنے کی نیت نہ رکھے اور نہ اس کی فکر کرے تو ایسا شخص سخت گنہگار رہے۔ حدیث شریف میں ایسے شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

عن ميمون الكردي عن أبيه، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم لامرة ولامرتين ولاثلاثة حتى بلغ عشر مرار: أيما رجل تزوج امرأة بما قل من المهر، أو كثر ليس في نفسه أن يؤدي إليها حقها خدعها، فمات ولم يودإليها حقها لقي الله يوم القيامة، وهوزان. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر، بيروت ١/٥٠١، رقم:١٨٥١)

اور شوہر کے انتقال کے بعد بھی عورت مہر معاف کردے، تو بھی معاف ہوجائے گا؛ لیکن عورتوں پر دباؤ ڈال کر اور معاف نہ کرنے پر بعد میں پریشان کرنا سراسر ظلم اور ناانصافی ہے، اسی طرح زبردستی دباؤ ڈال کر مہر معاف کرایا جائے، تو مہر معاف نہیں ہوتا علی حالہ باقی رہے گا۔

وصح حطها لكله، أوبعضه عنه. (شامي، كراچي ٣/١١٣، زكريا ديو بند٤/٢٤٨)

ولابد في صحة حطها من الرضا حتى لوكانت مكرهة لم يصح. (هندية، زكريا ١/٣١٣، جديد زكريا ١/٣٨٠)

نیز ابھی بیوی کا مہر ادا نہ ہوا تھا اور وہ انتقال کرگئی تو اس کے مرنے کے بعد مہر اس کا وارثوں کا حق بن جائے گا اور ان میں شرعی اعتبار سے تقسیم ہوگا، اس میں شوہر اس کی اولادیں اور والدین سب شامل ہوں گے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۴۴۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۸۱۹/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۱۶ھ

مہر سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال[۵۸۲۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت کے مطابق کتنے طرح کے مہر باندھے جاتے ہیں؟

نیز یہ بھی واضح فرمادیں کہ موجودہ وقت کے حساب سے چاندی کی قیمت سے مہر فاطمی اورشرع پیغمبری کی رقم کتنی بنتی ہے؟

(۲) مہر کی رقم ادا کرنا چاہے توکس مقام پرادا کرنی ہوگی اورکتنی رقم ادا کرنی ہوگی؟

المستفتی: نبی جان سیفی، محلّہ گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کے مطابق مہر باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کی حیثیت کے مطابق مہر باندھا جائے، جس کو شوہر آسانی کے ساتھ ادا کرسکے اورمہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلوتیس گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت ادائیگی کے وقت میں صرافہ سے معلوم کرلیں اورمہر کی ادائیگی کا مقام وہی ہے، جہاں پر بیوی موجود ہواوراسی دن کی قیمت کا اعتبار ہے، جس دن مہر ادا کیا جائے، مہر شرع پیغمبری کی کوئی اصطلاح شریعت سے ثابت نہیں ہے، عوام میں اس نام سے ایک مہر مشہور ہے، بعض علاقوں میں اس سے مراد اقل مہر ہوتا ہے اوربعض جگہ اس سے مہر فاطمی مراد لیتے ہیں؛ اس لئے اس کی کوئی خاص مقدار ہم متعین کرکے بیان نہیں کرسکتے؛ بلکہ مہر باندھنے والے اسی وقت اپنی مرادظاہر کردیا کریں کہ اس سے کون سا مہر مراد لیتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

ویعتبر قیمة یوم الوجوب وقالا: یوم الأداء وتحته في الشامیة: وفي المحیط یعتبر یوم الأداء بالإجماع وهو الأصح، ویقوم في البلد الذي المال فیه. (شامي، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، کراچي ۲/۲۸۶، زکریا ۳/۲۱۱، الدر المنتقي، دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۳۰۱، البحر الرائق،

کوئٹہ ۲/۲۲۱، زکریا ۲/۳۸۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۱۹۳)

مہر سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۵۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض جگہوں پر رواج ہے کہ ناکح امیر ہو یا غریب، معزز قسم کا آدمی ہو یا عام آدمی، اسی طرح منکوحہ کسی رئیس گھرانہ کی لڑکی ہو یا غریب ومتوسط گھرانے کی فرد ہو بوقت نکاح مہر کی تعیین میں کوئی فرق نہیں ہوتا، دونوں کا مہر یکساں ہوتا ہے مثلاً ۲۲؍ ہزار روپیہ مہر کا ماحول چل رہا ہے، تو امیر وغریب دونوں طرح کی لڑکیوں کا مہر رواج کے تحت ایک ہی متعین کیا جاتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مہر کی رقم شرعاً یکساں ہے یا اس میں حیثیت کے مطابق تفاوت وفرق ہے؟ اگر فرق ہے تو مہر کی تعیین کے وقت لڑکی کی مالی حیثیت کا اعتبار ہوگا یا لڑکے کی حیثیت ملحوظ رکھی جائے گی؟

(۲) ہندوستانی روپیہ کی شکل میں اقل مہر اور مہر فاطمی کی تعیین فرمائیں اسی کے ساتھ مہروں کی زیادتی پسند کرنے کے ماحول میں مہر فاطمی متعین کرنا کیسا ہے؟ رسم ورواج کے مطابق مہر کی تعیین بہتر ہے یا مہر فاطمی؟

(۳) مہر کے متعلق عام تصور یہ ہے کہ مہر دینا تو ہے نہیں یہ تو صرف ایک رسمی چیز ہے؛ لہٰذا جتنا بھی متعین ہو جائے کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، اگر دیا بھی تو عند الطلاق وہ بھی پنچایت کم تعداد میں فیصلہ کر دے گی۔

تحقیق طلب امر یہ ہے کہ عند النکاح مہر کے متعلق یہ خیال کرنا کیسا ہے؟ نیز شرعی طور

پر اس کا کیا حکم ہے؟ تحقیقی و تفصیلی جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مولوی ریاض الحسن، مدرسہ ارشاد العلوم، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) تمام لوگوں کے لئے مہر کی ایک خاص مقدار متعین کر کے اسی پر پابندی کرنا جائز نہیں ہے، ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مہر کی مقدار متعین کرسکتا ہے، اس میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ نیز شوہر ہی مہر ادا کرنے والا ہے؛ اس لئے اسی کی حیثیت کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۲۴۶، جدید ڈابھیل۱۲/ ۳۴)

(۲) مہر کی اقل مقدار دس درہم ہے، موجودہ زمانہ میں گراموں کے حساب سے ۳۰/گرام ۶۱۸/ملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت خود صرافہ سے معلوم کر لیجئے اور مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلو۳۰/گرام ۹۰۰/ملی گرام چاندی ہے،اس کی قیمت بھی صراف سے معلوم کر لیجئے کتنے روپئے بنتے ہیں۔(مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

نیز اگر حیثیت ہو تو مہر فاطمی مقرر کرنا بھی بہتر ہے؛ لیکن اگر کوئی غریب ہے تو اس کے لئے کم سے کم بہتر ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۲۴۶، جدید ڈابھیل۱۲/ ۳۴)

(۳) اگر مقرر کرتے وقت مہر ادا کرنے کی نیت نہیں رہی ہو تب بھی مہر لازم ہو جاتا ہے، غلط نیت کا گناہ اس کے سر پر ہوگا، مگر ادا کرنا ہر حال میں لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸/ ۳۰۲)

وما يفعله بعض أهل الجفاء، والخيلاء، والرياء من تكثير المهر للرياء، والفخر وهم لايقصدون أخذه من الزوج وهو ينوى أن لا يعطيهم إياه؛ فهذه منكر قبيح مخالف للسنة خارج عن الشريعة الخ (فتاوى ابن تيميه ٣٢/ ١٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۱۲۴)

استطاعت سے زائد مہر باندھنا

سوال [۵۸۲۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شرعاً مہر کتنا ہونا چاہئے اور جو آج کل لوگ اتنا زیادہ مہر کردیتے ہیں، جس کو آدمی ادانہیں کرسکتا ہے، تو کیا یہ درست ہے اور اس کو کتنا مہر ادا کرنا چاہئے ؟

المستفتی: فہیم احمد، نگینوی مدرسہ اشرف المدارس، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً مہر کی مقدار دس درہم ہے، اس سے کم نہ ہونا چاہئے، اگر دس درہم سے کم مہر باندھا ہے تب بھی دس درہم لازم ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸/۲۶۵، ایضاح المسائل ۱۲۹)

وأقل المهر عشرة دراهم–ولو سمیأقل من العشرة فلها العشرة.

(هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفية ديوبند ۲/۳۲٤)

اورزیادتی کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے اوسط درجہ کے صاحب حیثیت لوگوں کے لئے مہر فاطمی باندھنا بہتر ہے، جوآسانی سے مہر فاطمی ادا کرسکیں اور جو کمزور غریب لوگ ہیں جو روز کی کمائی پر گذارہ کرتے ہیں، ان کے لئے مہر فاطمی مسنون نہیں؛ اس لئے کہ وہ مہر فاطمی ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے لئے اتنی مقدار باندھنا مسنون ہے، جتنی مقدار وہ آسانی سے ادا کرسکیں؛ لیکن دس درہم سے کم بھی نہ ہونا چاہئے۔ اور جو لوگ کروڑ پتی اورارب پتی ہیں، ان کے لئے مہر ام حبیبہؓ باندھنا زیادہ بہتر ہے؛ البتہ اتنا زیادہ مہر مقرر کرنا کہ ادا نہ کیا جاسکے یہ ناجائز ہے۔

عن أبي العجفاء السلميؓ، قال: خطبنا عمر فقال: ألا لا تغالوا بصدق النساء. (أبو داؤد شريف، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية ۱/۲۸۷، دارالسلام رقم:۲۱۰٦)

لیکن جتنا مہر عقد نکاح کے وقت متعین کر دیا گیا اور شوہر نے اسے تسلیم کر لیا، تو اس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

وتجب العشرة إن سماها أو دونها ويجب الأكثر منها إن سمىٰ الأكثر. (در مختار، كراچي ٣/١٠٢، زكريا٤/٢٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵ ؍ ۶۶۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴ ؍ ۴ ؍ ۱۴۲۱ھ

لڑکے پر زور ڈال کر اس کی حیثیت سے زیادہ مہر باندھنا

سوال [۵۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح ہونے جا رہا تھا، لڑکی والوں نے مہر فاطمی مقرر کرنا چاہا تو اس نے اس کو اپنی حیثیت سے زیادہ بتایا، پھر کہا گیا کہ سوا سات ہزار مقرر کرو، تو اس کو بھی حیثیت سے زیادہ بتایا بالآخر پھر مہر فاطمی کے بارے میں کہا گیا کہ مہر فاطمی مقرر کرو ورنہ بارات واپس لیجاؤ، تو زید نے کہا کہ ٹھیک ہے، مہر فاطمی مقرر کرو ہم طلاق ہی نہیں دیں گے، تو مہر کیا لیں گے، اس طرح نکاح ہوگیا اور رسید پر بھی مہر فاطمی لکھا ہے، تو شرعاً یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ جبکہ مہر نہ دینے کی نیت شوہر کی ہے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبد الکریم، کانٹھ، معرفت مولانا تنویر احمد تاسپوری، مدرسہ فیض العلوم کانٹھ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر نہ دینے کی نیت سے زید گنہگار ہوگا توبہ کرلے اور بوقت نکاح چونکہ مہر فاطمی طے ہوا ہے اور وہی رسید میں بھی لکھا گیا ہے؛ اس لئے مہر فاطمی ہی شرعاً مقرر ہو چکا ہے۔ نیز نکاح بھی بلاشبہ صحیح اور درست ہو چکا ہے۔

وما فرض بتراضيهما، أو بفرض قاض مهر المثل (إلى قوله) أوزيد على ما سمىٰ فإنها تلزمه بشرط قبولها في المجلس، أو قبول ولي الصغيرة

ومعرفة قدرها، وبقاء الزوجية على الظاهر الخ (در مختار، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۳/۱۱۲، زكريا ٤/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۲۰ھ

جبراً مہر مثل سے زیادہ مہر لوگوں نے مقرر کردیا تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح میں لڑکے کی مرضی کے بغیر زبردستی ۲۰/ ہزار روپیہ اور نصف بیگھہ زمین مہر میں متعین کردیا گیا ہے اتنا بھاری مہر پر لڑکا نہ بوقت نکاح راضی تھا اور نہ ہی اب راضی ہے۔ نیز لڑکی کا مہر مثل بھی اتنا نہیں ہے، اس کی خاندانی عورتوں کا اس سے بہت ہی کم ہوتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ اس طرح زبردستی باندھے ہوئے مہر کا ادا کرنا لڑکے پر واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ لڑکے نے بوقت نکاح صراحت سے انکار کردیا تھا کہ میرے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اتنا بھاری مہر ادا کرسکوں، جواب مدلل مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد رفاقت حسین، بھاگلپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر پر مذکورہ متعین کیا ہوا بھاری مہر ادا کرنا واجب نہیں ہوگا، صرف مہر مثل ادا کرنا لازم ہوگا، اس سے زیادہ ادا کرنا اس پر لازم نہیں ہے، مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کی دوسری بہن، اور پھوپھی وغیرہ کے مہر کی جو مقدار ہے وہ مہر مثل ہے، اس شوہر پر بھی اتنی مقدار مہر ادا کرنا لازم ہوگا اور جو زائد ہے وہ اس پر واجب نہیں ہوگا۔

وإن أكره على النكاح جاز العقد، فإن كان المسمىٰ مثل مهر المثل، أو أقل جاز (إلى قوله) وإن كان أكثر من مهر المثل فالزيادة باطلة. (الجوهرة النيرة،

كتاب الإكراه، امداديه ملتان ٢/٥٥ ٣، دارالكتاب ديوبند٢/٣٣٧، هكذافى شامي، كراچي ٦/ ١٣٧، زكريا٩/ ١٨٩)

فإن كان المسمىٰ أكثر من مهر المثل فالزياده باطلة، ويجب مقدار مهر المثل؛ لأنه فات الرضا في الزيادة بالإكراه الخ (البحرالرائق، زكريا٨/ ١٣٦، كوئٹه٨/ ٧٥، هكذا في هندية، زكريا ١/ ٣٠٣، جديدزكريا ١/ ٣٦٩' قاضي خان على الهندية، زكريا ١/ ٣٨٣، جديدزكريا١/ ٢٤٠ مبسوط السرخسي، دارالكتب العلمية ٥/ ٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۱۱۸۹)

اقل مہر اور اکثر مہر کی مقدار

سوال [۵۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر کی کم سے کم مقدار وزیادہ سے زیادہ مقدار کتنی ہے؟ شرعاً مفصل طور پر روشناس فرمائیں؟

المستفتی: محمد افضال، اڑپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی شریعت میں مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، اور دس درہم میں دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے اور یہ موجودہ گراموں کے حساب سے تیس گرام چھ سو اٹھارہ ملی گرام چاندی ہوتی ہے اور شریعت میں مہر کی زیادہ مقدار کی کوئی تعیین نہیں ہر ایک اپنی حیثیت کے مطابق جو تعیین کر لے گا وہی اس کے اوپر لازم ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

عن جابرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاصداق دون عشرة دراهم. (سنن دار قطني، النكاح ٣/ ١٧٣، رقم: ٣٥٦٠)

أقله عشرة دراهم لحديث البيهقي وغيره لا مهر أقل من عشرة دراهم......ويجب الأكثر أي بالغاً ما بلغ منها إن سمىٰ الأكثر. (در مختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/ ١٠١- ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٠-٢٣٣، هداية، اشرفي ديو بند ٢/ ٣٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۶۸۷)

مہر کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار

سوال [۵۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کتنی مقدار ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ایم، اے، خان، محلّہ تالی ٹھا کردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کم سے کم مقدار دس درہم چاندی یا اس کی قیمت ہے اور زیادتی کی کوئی مقدار نہیں جتنا متعین کیا جائے اتنا ادا کرنا واجب ہوگا۔

وأقله عشرة دراهم (وقوله) ويجب الأكثر منها إن سمىٰ الأكثر.

وفي الشامي: أي بالغاً ما بلغ. (تنوير مع الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/ ١٠١- ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٠-٢٣٣، كوئٹه ٢/ ٣٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۸۱۲)

اقل مہر کی مقدار

سوال [۵۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دورحاضر میں موجودہ اوزان کے اعتبار سے مہر کی اقل مقدار کیا ہے؟

المستفتی: قاری محمد اظہر اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اقل مہر کی مقدار بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے دوتولہ ساڑھے سات ماشہ ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۴۲۳)

اورموجودہ گراموں کے حساب سے ۳۰/گرام ۶۱۸/ملی گرام ہےاوردس گرام کے تولہ کے حساب سے تین تولہ ۶۱۸/ملی گرام چاندی ہے، اس سے کم شریعت میں کوئی مہر نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص:۱۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا/جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۸/۲۷)

دس درہم کی مقدار تولہ اور پیسوں کے حساب سے

سوال [۵۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقل مہر دس دراہم ہیں؛ لیکن درایں زمانہ مہر میں دراہم کا رواج نہیں، تو دس دراہم کے لئے تولے کتنے ہوں گے یا اگر پیسوں سے ادائیگیٔ مہر کی جائے تو کتنی رقم دس دراہم کے برابر ہوگی؟

المستفتی: فرید احمد، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دس درہم کا وزن موجودہ گراموں کے اعتبار سے ۳۰/گرام ۶۱۸/ملی گرام چاندی ہوتی ہے اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۳/تولہ

۶۱۸ ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ (ایضاح المسائل ۱۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۶۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۶ھ

دورِ حاضر کے اوزان کے اعتبار سے دس درہم کی مقدار

سوال [۵۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دین مہر نکاح میں کم سے کم کتنا باندھنا چاہئے، دس درہم مہر کا آج کے دور کے اعتبار سے کتنا روپیہ بنتا ہے؟ اگر بغیر مہر کے نکاح پڑھا دیا جائے تو کتنا مہر ادا کرنا پڑے گا؟ مہر کا باندھنا نکاح میں شرعی طور پر کیا درجہ رکھتا ہے۔

لا مهر أقل من عشر دراهم کا مطلب کیا ہے شرع محمدی مہر کتنا کہلائے گا، مہر فاطمی کا کتنا روپیہ بنتا ہے؟

المستفتی: قطب الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دس درہم کی مقدار اوزان کے حساب سے ۳۰ گرام ۶۱۸ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کر لیجئے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

(۱) مہر کا باندھنا نکاح میں شرعی طور پر لازم اور واجب ہے کم سے کم اتنا باندھنا لازم ہے، جو اوپر لکھا گیا ہے، اگر مہر باندھا نہیں ہے تو مہر مثل لازم ہوگا۔

(۲) مہر شرعی محمدی کی کوئی اصطلاح شریعت میں نہیں ہے، اگر اس سے عوام مہر فاطمی مراد لیتے ہیں، تو اس سے مہر فاطمی لازم ہوگا اور اگر اقل مہر مراد لیتے ہیں، تو اس سے اقل مہر لازم ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

(۳) مہر فاطمی ۱۲/ماشہ کے تولہ سے ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ چاندی ہے گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۳۰/گرام ۹۹۰/ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کر لی جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۰۹۹)

مہر میں پانچ روپئے مقرر کئے تو نکاح ہو گیا؟

سوال [۵۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی لڑکی کے نکاح میں پانچ روپیہ مہر بندھوایا ہے، تو کیا نکاح ہو گیا یا نہیں ہوا؟ اگر نکاح ہو گیا تو اس کو مہر میں کتنے روپئے ادا کرنے پڑیں گے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: امیر حسین، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح ہو گیا اور شوہر پر دس درہم جو دو تولے سات ماشے چار رتی چاندی کے برابر ہے یا اس کی قیمت شوہر پر لازم ہوئی درمختار میں ہے۔

وتجب العشرة إن سماها أو دونها. (درمختار، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۱۰۲/۳، زكريا ۲۳۳/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ الفقیر محمد ایوب نعیمی
دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد
۲۱/اگست ۱۹۹۱ء

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۵۵۳)

دس درہم سے کم مہر مقرر کرنا

سوال [۵۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مہر کی اقل مقدار سے کم مہر باندھا جائے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اطہر، محلّہ: اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تین تولہ ۶۱۸ ملی گرام چاندی سے کم مہر باندھا جائے تو شرعاً تین تولہ ۶۱۸ ملی گرام چاندی واجب ہوگی۔

ولو سمیٰ أقل من عشرة فلها العشرة. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر، اشرفي ديوبند۲/۳۲٤)

وتجب العشرة إن سماها أو دونها. (درمختار، كراچي۳/۱۰۲، زكريا٤/۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۷۲۸)

مہر فاطمی، مہر ام حبیبہؓ اور اقل مہر کی تفصیل

سوال [۵۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کا کیا مہر متعین کیا تھا اور آپ ﷺ نے اپنی جو شادیاں کی تھیں، ان کا کیا کیا مہر تھا اور اب موجودہ زمانہ میں کم سے کم مہر کی مقدار کیا ہے کہ جس سے نکاح جائز ہوجائے؟ درہم ودنانیر کی مقدار بھی اور اب اس زمانہ میں ان کے کتنے روپئے ہوتے ہیں؟ مذکورہ تمام مہروں کے متعلق تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبد العزیز بھرت نگر، دہلی- ۶۵

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: راجح اور صحیح قول کے مطابق حضرت فاطمہؓ کا مہر ۵۰۰/ درہم تھا اور اسے مہر فاطمی کہتے ہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲۹۵/ ایضاح المسائل ۲۱۹)

حضرت ام حبیبہؓ کے علاوہ تمام ازواج مطہرات کا مہر ۵۰۰/ درہم تھا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن أبي سلمة بن عبد الرحمنؓ، قال: سألت عائشة زوجة النبي صلى الله عليه وسلم: كم كان صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم: قالت كان صداقه لأزواجه ثنتى عشرة أوقية ونشاً. قالت: أتدري ما النش؟ قال: قلت: لا، قالت: نصف أوقية، فتلك خمس مائة درهم؛ فهذا صداق رسول الله صلى الله عليه سلم لأزواجه. (مسلم شريف، كتاب النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن الخ ، النسخة الهندية ١/ ٤٥٨، دارالسلام رقم: ١٤٢٦)

حضرت ام حبیبہؓ کا مہر ۴۰۰۰/ درہم تھا، جو نجاشی نے متعین کیا تھا۔

عن الزهري أن النجاشي زوج أم حبيبة بنت أبي سفيان من رسول الله صلى الله عليه وسلم على صداق أربعة آلاف درهم وكتب بذلك إلي رسول الله صلى الله عليه وسلم فتقبل. (ابوداؤد، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية ١/ ٢٨٧، دارالسلام رقم: ٥١٠٨)

مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے، اس سے کم مہر نہیں ہوتا۔

أقله عشرة دراهم. (در مختار، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤/ ٢٣٠، كراچي ٣/ ١٠١)

موجودہ اوزان کے اعتبار سے اقل مہر کی مقدار ۳۰/ گرام ۶۱۸/ ملی گرام چاندی ہے یا جو اتنی چاندی کی قیمت ہو۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

اور مہر فاطمی کی مقدار موجودہ اوزان سے ڈیڑھ کلو ۳۰/ گرام ۹۰۰/ ملی گرام چاندی

یااس کی قیمت ہے۔(مستفاد:ایضاح المسائل ١٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
٢٣؍محرم الحرام ١٤١٧ھ
(فتویٰ نمبر:الف ٣٢/ ٤٦٢٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٤/١/١٤١٧ھ

اقل مہر اور مہر فاطمی کی مقدار

سوال[٦ ٥٨٣]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر کی کم سے کم مقدار موجودہ سکۂ رائج الوقت کے حساب سے کتنی ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

نیز مہر فاطمی کی موجودہ اوزان کے اعتبار سے کیا مقدار ہے؟

المستفتی: ابوطاہر، بھدائی، پوسٹ: جھکڑا، بردوان (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (١) شریعت اسلامی میں مہر کی کم سے کم مقدار حنفی مذہب کے مطابق قدیم اوزان کے اعتبار سے دوتولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے۔

(مستفاد: جواہرالفقہ قدیم ٢/ ٤٢٣، جدید زکریا ٣/ ٤٠٩)

اور موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے تین تولہ ٦١٨ رملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے۔

(٢) مہر فاطمی کی مقدار ١٢؍ماشہ کے تولہ کے حساب سے ١٣١؍تولہ ٣؍ماشہ ہے اور اس کی مقدار موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ٣٠؍گرام ٩٠٠؍ملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے۔(مستفاد:ایضاح المسائل:٢١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
١٢؍شعبان المعظم ١٤١١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٦/ ٢٣٤٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٢/٨/١٤١١ھ

حضور ﷺ کے زمانہ کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار

سوال [۵۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی کی کیا مقدار ہے؟ حضور ﷺ کے مبارک زمانہ کے رائج سکوں اور وزن کے اعتبار سے اس کی کیا مقدار تھی؟ اور اب ہمارے موجودہ ہندی رائج سکوں اور وزن کے اعتبار سے اس کی کیا مقدار بنے گی؟ تولہ، ماشہ، رتی کے حساب سے کتنی اور کلو، گرام کے حساب سے کتنی درہم، دینار، مثقال، اوقیہ ان عربی اوزان کی ہمارے ہندی اوزان کے اعتبار سے (یعنی تولہ ماشہ رتی یا کلوگرام کے اعتبار سے) کتنی کتنی مقدار ہے؟

المستفتی: محمد عباس، ہلدوانی، لائن-۷

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: مہر فاطمی کی مقدار حضور ﷺ کے مبارک زمانہ کے رائج سکوں اور وزن کے اعتبار سے ۵۰۰/درہم اور تولہ کے حساب سے ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ چاندی تھی اور موجودہ ہندی رائج سکوں اور وزن کے اعتبار سے اس کی مقدار ڈیڑھ کلو ۳۰/گرام ۹۰۰/ملی گرام چاندی ہے۔ اور ایک درہم کی مقدار ہندی مروجہ وزن کے حساب سے ۳/گرام ۳۰۲/ملی گرام چاندی ہے اور ایک دینار کی مقدار ۴/گرام ۳۷۴/ملی گرام سونا ہے۔

مثقال اور دینار کا وزن ایک ہی ہے یعنی مثقال بھی ۴/گرام ۳۷۴/ملی گرام کا ہوتا ہے، صرف یہ فرق ہے کہ دینار سونے کا ایک سکہ ہے اور مثقال ایک وزن کا نام ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۲۱۹)

كما في الرعاية مثقال هو لغة ما يؤذن به شرعاً إسم للمقدار المعين الذي يقدر به الذهب ونحوه وهو الدينار الواحد؛ لأن الدينار إسم للقعة المضروبة المقدرة. (الرعاية ۱/۲۲۹)

اور ایک اوقیہ ۱۲۲ رگرام ۴۷ ۲ رملی گرام چاندی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ ر ۵۹۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵ ر۱ ر۱۴۲۰ھ

مہر فاطمی کی مقدار

سوال [۵۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی کی مقدار کتنی ہے تحریر فرما دیں؟

المستفتی: گلفام حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلو ۳۰ رگرام ۹۰۰ رملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت ۷ رروپیہ فی گرام کے حساب سے دس ہزار سات سو سولہ روپیہ تیس پیسہ ہوں گے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ ر ۴۲۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲ ر۱۲ ر۱۴۱۵ھ

مہر فاطمی کی مقدار

سوال [۵۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی یعنی مہر شرع پیغمبری کی کیا مقدار ہے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: بشیر احمد، محلّہ: پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہر فاطمی ۵۰۰ ر درہم ہے، اس کا وزن گراموں

کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۵۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہے، آج اس کی قیمت گیارہ ہزار چھ سو اٹھائیس روپیہ ہے۔ مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۳۰ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۶۱۸)

مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟

سوال [۵۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟

المستفتی: محمد اکرام، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحیح اور راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق مہر فاطمی کی مقدار ۵۰۰؍ درہم جس میں ۱۲؍ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۱۳۱؍ تولہ ۳؍ ماشہ ہوتا ہے، یعنی ڈیڑھ کلو ۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہے اور دس گرام کے تولہ سے ۱۵۳؍ تولہ ۹۰۰؍ ملی گرام چاندی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۰)

اور آج دس گرام کی قیمت ۷۲؍ روپیہ ہے، تو اس کے حساب سے آج کے دن مہر فاطمی کی قیمت گیارہ ہزار بائیس روپیہ ۴۸؍ پیسہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍ ۴۴۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۸ھ

مہر فاطمی کے دونوں قولوں کا حدیث سے ثبوت

سوال [۵۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مہر فاطمی کے بارے میں جو دو قول ہیں ۴۸۰/درہم اور ۵۰۰/درہم یہ دونوں روایت حدیث کی کس کتاب میں ہیں؟ حوالہ درج فرمائیں۔ نیز یہ فرمائیں کہ ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ اور ۱۵۰/تولہ کی جو مقدار ہے، تو کیا ۴۸۰/درہم کے حساب سے ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ ہوتا ہے اور ۵۰۰/درہم کے حساب سے ۱۵۰/تولہ تحقیقی جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ابوالکلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہر فاطمی کے بارے میں ۴۸۰/اور ۵۰۰/درہم کے سلسلہ میں جو دو قول مروی ہیں، ان دونوں کا ثبوت کتب حدیث میں موجود ہے؛ چنانچہ ۵۰۰/درہم والی روایت ابن ماجہ شریف ۱۳۷، ابوداؤد شریف ۱/۲۸۷/حاشیہ مشکوۃ شریف ۱/۲۷۷/پر مذکور ہے۔

اور ۵۰۰/درہم کے حساب سے ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ چاندی ہوتی ہے اور ۱۵۰/تولہ کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/۴۲۴، جدید زکریا ۳/۴۰۹، ۴۱۰، محمودیہ قدیم ۳/۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۲/۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۳۴۴۷/۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۴ھ

مہر فاطمی ومہر شرعی پیغمبری کی مقدار

سوال [۵۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمیؓ کی مقدار کیا ہے؟ مہر شرع پیغمبری کی مقدار کیا ہے؟

المستفتی: محمد قاسم جھلرہ، بجنور (یوپی)

جواب منجانب: مدرسہ حبیبہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صورت مسئولہ میں مہر فاطمی ۵۰۰/درہم ہے، ماشہ کے حساب سے ۱۷۵۰/ماشہ ہے،تولہ کے حساب سے ۲/سوساڑھے بیالیس تولہ ہے۔

(۲) مہر شرعی کم سے کم دس درہم ہے، ماشہ کے حساب سے ۳۵/ماشہ ہے۔ یعنی ایک ماشہ کم ۳/تولہ۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:اشتیاق حسین عفا اللہ عنہ
۹/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

جواب منجانب: مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مہر فاطمی کی مقدار ۵۰۰/درہم چاندی ہے اور بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی ہوتی ہے۔ اور موجودہ گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۳۰/گرام ۹۰/ملی گرام چاندی ہے اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۱۵۳ تولہ ۹۰۰/ملی گرام ہوتی ہے۔(مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۴۲۴)

(۲) اگر مہر شرع پیغمبری سے اقل مہر مراد ہے، تو اقل مہر دس درہم ہیں اور ۱۲/ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۲/تولہ ساڑھے سات ماشہ ہے۔(مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/۴۲۳، جدید زکریا ۳/۴۰۹-۴۱۰)

اور موجودہ گراموں کے حساب سے ۳۰/گرام ۶۱۸/ملی گرام ہے اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے تین تولہ ۶۱۸/ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۴۸۰)

مہر فاطمی کی مقدار پر تحقیقی جواب

سوال [۵۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤرخہ ۲۷/نومبر ۱۹۸۸ء بروز اتوار محمد ارشد امروہوی کا نکاح شگفتہ ساکن: محلّہ کسرول مرادآباد کے ساتھ آپ نے پڑھایا تھا، اس وقت مہر فاطمی کا تذکرہ چلا آپ نے اس کی تعداد ۱۳۱/تولے چاندی سکہ تسلیم کی، دوران گفتگو میں یہ بندہ احقر بھی داخل ہوگیا تھا، میں نے ۱۵۰/تولہ چاندی بتلائی تھی، آپ نے پیچھے مڑکر دیکھا اور جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے یہ غلط ہے یہ آپ کا جواب تھا' اس جواب کے بجائے اگر مجھ سے اس کا حوالہ طلب فرمالیتے تو پتہ ہوجاتا؛ لہٰذا دیوبندی ہی مکتب فکر کی کتاب ''ایک عالمی تاریخ''، جس کے مصنف مولانا محمد عثمان معروفی اعظم گڈھ یوپی ص: ۳۳۳/ سے مہر فاطمی تحریر کرتا ہوں۔

(۱) ۵۰۰/درہم، ایک سوساڑھے ستاون روپیہ بھر چاندی۔

(۲) ۴۸۰/درہم ۱۵۱/روپیہ بھر اور دو ماشہ چاندی۔

(۳) ۴۰۰/درہم=۱۲۶/روپیہ بھر چاندی۔

(۴) ۴۰۰/مثقال ۱۸۰/روپیہ بھر چاندی یا ۱۵۰/تولہ۔

نوٹ: ملا علی قاری نے چوتھے قول کو راجح کہا ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ) آپ جواب ضرور دیں!

المستفتی: توفیق احمد قادری، چشتی، مالک نیشنل بکڈپو امروہہ ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کا ارسال کردہ خط پڑھ کر جواب نہ دینے اور خاموشی اختیار کرنے کا ارادہ کرلیا تھا؛ کیونکہ خاکسار نے اپنے لئے یہ طریقہ بنالیا ہے کہ اگر کوئی کچھ کہہ دے تو فوراً دل میں یہ سوچ لیتا ہے کہ اگر واقعی کہنے والے نے صحیح کہا ہے تو اس

کو اپنے لئے باعث اصلاح سمجھ لیتا ہے اور اگر کہنے والے نے غلط کہا ہے، تو اپنے آپ کو یہ تسلی دیدیتا ہے کہ کہنے والے نے جو کچھ کہا ہے، تو اس کا کچھ اثر خاکسار پر نہیں پڑسکتا، کہنے دو لیکن آپ نے اپنی تحریر میں جواب دینے پر زور دیا ہے، اس لئے جواب لکھنے پر مجبور ہو رہا ہے اولاً آپ کو ۲۷/نومبر کی گفتگو کے دوران جو باتیں ہوئی تھیں، ان کی ایک ایک کر کے یاددہانی کرانی مناسب سمجھتا ہے، بوقت نکاح خوانی بعض احباب نے احقر سے مہر فاطمی کی مقدار معلوم کی تھی، تو احقر نے اس کی مقدار ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ چاندی بتلائی تھی، اس پر آپ نے علم الفقہ کے حوالہ سے ۱۵۲/تولہ چاندی بیان کی تھی نہ کہ ۱۵۰/تولہ، بقول آپ کے آپ قوی الحافظہ ہیں؛ اس لئے آپ کو ایک ایک جملہ یاد ہوگا اور احقر نے علم الفقہ میں ۱۵۲/تولہ ہونے کا انکار کیا تھا۔

نیز احقر نے یہ بھی کہا تھا کہ ۱۵۲/تولہ اگر آپ نے کسی کتاب میں دیکھا ہے، تو وہ نصاب زکوۃ کے سلسلہ میں ہوگا، آپ کو اشتباہ ہو رہا ہے، پھر آپ کے اصرار پر احقر نے کہا تھا کہ اگر علم الفقہ میں ۱۵۲/تولہ لکھا ہے تو وہ غلط ہوگا، اس پر آپ نے خط کے ذریعہ سے علم الفقہ کا حوالہ پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا، تو احقر نے کہا تھا کہ علم الفقہ مدرسہ شاہی میں بھی ہے، تب اس وقت بعض احباب نے یہ کہا تھا کہ توفیق احمد صاحب بہت کتابیں رکھنے والے آدمی ہیں، تو احقر نے کہا تھا کہ شاہی تشریف لائیں، وہاں بھی بہت ساری کتابیں ہیں، اب آپ پر تعجب ہے کہ اتنا حافظہ ہونے کے باوجود زیر بحث کتاب بھول گئے اور ۱۵۲/تولہ کے بجائے ۱۵۰/تولہ یاد رہا- تاہم علم الفقہ کے حوالہ کے دعوی کا تو آپ شاید انکار نہ فرمائیں گے، تو عرض ہے کہ علم الفقہ میں نہ تو ۱۵۲/تولہ کا ذکر ہے اور نہ ہی ۱۵۰/تولہ کا؛ بلکہ اس میں تو ۱۰۴/تولہ ۲/ماشہ کا ذکر ہے ملاحظہ ہو علم الفقہ ۸۱/۶۔

مہر فاطمی کی تعیین کے سلسلہ میں بہت اقوال ہیں، ان میں سے مشہورترین ۱۰/اقوال معتبرترین کتب حدیث وفقہ سے پیش کئے جاتے ہیں۔

نمبر ۱: ۵۰۰/درہم ساڑھے ایک سوستاون روپیہ، ۱۳۱/تولہ ۳/ماشہ چاندی۔

(مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/۴۲۴، جدید زکریا ۳/۴۰۸، ۴۰۹، حاشیہ امداد الفتاوی مطبوعہ دیوبند ۲/۳۰۷، حاشیہ فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۲/۳۰، بحوالہ اوزان شرعیہ وحاشیہ بہشتی زیور ۴/۱۲، حاشیہ فتاوی دارالعلوم ۸/۲۷۷، تنظیم الاشتات شرح مشکوۃ ۳/۳۲۳، ایک عالمی تاریخ ۳۳ رقول اول)

نمبر ۲: ۴۸۰ ردرہم ۱۵۱/ روپیہ ۲/ ماشہ ۱۲۶ / تولہ چاندی۔ (ترمذی شریف، کتاب النکاح، باب مہر النساء، النسخۃ الہندیۃ ۱/۲۱۱، دارالسلام رقم: ۱۱۱۴، سنن أبي داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، النسخۃ الہندیۃ ۱/۲۸۷، دارالسلام رقم: ۲۱۰۵، ابن ماجہ شریف، کتاب النکاح، باب صداق النساء، النسخۃ الہندیۃ قدیم ۱/۱۳۳، دارالسلام رقم: ۱۸۸۶، مشکوۃ ۲/۲۷۷، مرقاۃ، کتاب النکاح، باب الصداق، امدادیہ ملتان ۶/۲۴۶، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی بیروت ۶/۱۷۷، رقم: ۱۰۴۰۷، احسن الفتاوی ۵/۳۱، ایک عالمی تاریخ ۳۳ رقول ثانی)

نمبر ۳: ۴۰۰ ردرہم ۱۲۶/ روپیہ ۱۰۵/ تولہ چاندی۔ (ایک عالمی تاریخ ۳۳ رقول ثالث)

(عمدة القاري، كتاب النكاح، باب قول الله تعالیٰ: وآتوا النساء صدقاتهن نحلة. (دار إحيار التراث العربي بيروت ٢٠/١٣٧، زكريا ١٤/١٠٢، شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/١٠١، زكريا ٤/٢٣١، فتح القدير، درا الفكر بيروت ٣/٣١٨، كوئٹه ٣/٢٠٦، زكريا ٣/٣٠٦، اشعة اللمعات ٣/١٢٦)

نمبر ٤: ۴۰۰ رمثقال ۱۸۰/ روپیہ، ۱۵۰/ تولہ چاندی۔ (مرقاۃ ملتانی، امدادیہ ملتان ۶/۲۴۶، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/۲۴۴، جدید زکریا ۸/۲۳۱، فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۲۱۵، جدید ڈابھیل ۱۲/۲۷، احسن الفتاوی ۵/۳۱، ایک عالمی تاریخ ۳۳ رقول رابع)

نمبر ۵: ۵۰۰ ردرہم، ۱۴۵/ تولہ دس ماشہ۔ (امداد المفتین ۳/۲۰۱، جدید نسخہ ۵۶۴)

نمبر ٦: ۵۰۰ ردرہم، ۱۳۲/ تولہ کے قریب۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۲/۳۰، فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/۲۴۵، جدید زکریا ۸/۲۳۲، نظام الفتاوی ۱/۳۹۵)

نمبر ۷: ۴۰۰ رمثقال، ۱۰۴ تولہ، ۲/ ماشہ۔ (علم الفقہ ۶/۸۰)

نمبر ۸: ۵۰۰ ردرہم، ۱۳۵/ روپیہ کچھ پیسے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی دیوبند

۲/۷ ۳۰، مطبوعہ، کراچی ۲/۲۹۵)

نمبر ۹: ۵۰۰/درہم، ۱۴۰/تولہ چاندی کے برابر ہے۔(نظام الفتاوی ۱/۳۹۵)

نمبر ۱۰: ۱۹/مثقال سونا۔(مرقاۃ، امدیہ ملتان ۶/۲۴۶، یہ قول علماء کے نزدیک مردود ہے)

حضرت ملا علی قاری کی عبارت میں قول رابع کے لئے وجہ ترجیح کا کوئی لفظ نہیں ہے؛ بلکہ حضرت مولانا عثمان صاحب معروفی مدظلہ نے مفہوم مخالف سے ترجیح کا مطلب نکالا ہے۔ حضرت ملا علی قاریؒ کی عبارت ذیل میں درج ہے۔

ثم ذكر السيد جمال الدين المحدث في روضة الأحباب: أن صداق فاطمة كان أربع مأئة مثقال فضة، والجمع أن عشرة دراهم سبعة مثاقيل مع عدم اعتبار الكسور؛ لكن يشكل نقل ابن الهمام أن صداق فاطمة كان أربع مأئة درهم وعلى كل فما اشتهر بين أهل مكة من أن مهرها تسعة عشرة مثقالاً من الذهب فلا أصل له. (مرقاة، امديه ملتان ٦/٢٤٦)

حضرت کی عبارت میں کہیں بھی الفاظ ترجیح میں سے کوئی بھی لفظ نہیں ہے؛ بلکہ ۱۹/ مثقال سونا مہر فاطمی ہونے پر رد فرمایا ہے، اور مذکورہ اقوال میں سے ۱۹/مثقال سونے کا قول علمائے محققین میں سے کسی نے بھی نہیں لیا ہے، اور نہ ہی حضرات اکابر اہل فتاوی میں سے کسی نے اس قول کو نقل فرمایا ہے اور حضرت ملا علی قاری نے سارے اقوال نقل بھی نہیں فرمائے ہیں اور مختلف اقوال میں سے کسی ایک قول کو ترجیح دینے کے لئے حضرات فقہاء کے یہاں کچھ الفاظ مخصوص ہیں، ان میں سے سولہ الفاظ جو مشہور ہیں ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

١. عليه الفتوىٰ. ٢. وبه يفتى. ٣. وبه نأخذ ٤. وعليه الاعتماد. ٥. وعليه عمل اليوم. ٦. وعليه عمل الأمة. ٧. وهو الصحيح. ٨. وهو الأصح. ٩. وهو الأظهر. ١٠. وهو لمختار في زماننا. ١١. وفتوى مشائخنا. ١٢. وهو الأشبه. ١٣. وهو الأوجه. ١٤. وهو الأحوط. ١٥. هو الأولىٰ. ١٦. وهو الأرفق (عقود رسم المفتى معرىٰ: ٣٢، محشىٰ: ٨٦)

ان میں سے کسی بھی لفظ سے حضرت ملا علی قاریؒ نے وجہ ترجیح بیان نہیں فرمائی ہے؛

بلکہ حضرت نے صرف علامہ جمال الدین محدث اور صاحب مواہب کی عبارت نقل فرما کر ١٩/ مثقال سونے کے قول پر رد فرمایا ہے، جو اوپر نقل کردہ اقوال میں سے قول ١٠/ ہے، اس سے آگے وجہ ترجیح کے سلسلہ میں کچھ نہیں فرمایا؛ لہٰذا حضرت اقدس مولانا عثمان صاحب معروفی دامت برکاتہم نے جو وجہ ترجیح ملا علی قاریؒ کی طرف منسوب فرمائی ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

نیز حضرت ملا علی قاریؒ خود اس مقام پر آکر الجھ گئے ہیں؛ چنانچہ انہوں نے مہر فاطمی کے بارے میں دو قول نقل فرمائے ہیں۔قول اول: ٤٨٠/ درہم. قول ثانی: ٤٠٠/ مثقال. پھر دونوں میں تطبیق دینے کے لئے فرمایا کہ اگر دس درہم کو سات مثقال کے برابر قرار دیا جائے تو ٤٨٠/ درہم اور ٤٠٠/ مثقال کا وزن برابر ہو جاتا ہے؛ حالانکہ دس درہم کو سات مثقال کے برابر قرار دیا جائے تو ٤٨٠/ درہم ٤٠٠/ مثقال کے برابر نہیں ہوتے ہیں؛ بلکہ ٤٨٠/ درہم کا وزن ٣٣٦/ مثقال کے برابر ہوتا ہے؛ اس لئے اہل فتاوی اور اکابر مفتیان کی تحقیقات پر عمل کرنا لازم ہوگا؛ چنانچہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی تحقیق ٥٠٠/ درہم کی ہے، امداد الفتاوی، کراچی ٢/ ٢٩٥ مطبوعہ دیو بند ٢/ ٣٠٧، جو کہ ١٣١/ تولہ ٣/ ماشہ کے برابر ہوتا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی اعظم دار العلوم دیو بند نے شروع میں امداد المفتین میں ١٤٥/ تولہ ١٠/ ماشہ کا فتوی دیا تھا، امداد المفتین ٣/ ٢٠١، پھر بعد میں غایت درجہ کی تحقیق کے بعد رسالہ اوزان شرعیہ لکھا اور اس میں ١٣١/ تولہ ٣/ ماشہ چاندی پر فتوی دیا اور آخر تک اسی پر قائم رہے۔(مستفاد: جواہر الفقہ ١/ ٤٢٤)

اسی طرح حضرت مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم نے کسی زمانہ میں ١٥٠/ تولہ چاندی پر فتوی دیا تھا، پھر بعد میں ١٣/ ربیع الاول ١٣٩١ھ میں ١٣٢/ تولہ کے قریب چاندی پر فتوی دیا ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ٣/ ٢٢٦، جدید ڈابھیل ١٢/ ٣٠)

اور اس کے حاشیہ میں ١٣٢/ تولہ کے قریب کا مطلب جواہر الفقہ کے اندر اوزان شرعیہ نام کا

رسالہ مراد ہے کے حوالہ سے ١٣١ر تولہ ٣ر ماشہ واضح فرمادیا ہے، نظام الفتاوی میں بھی ١٣٢ر کے قریب کہنے کا یہی مطلب ہے؛ لہٰذا راجح یہی ہے کہ مہر فاطمی ٥٠٠ر درہم ہے موجودہ گراموں کے حساب ڈیڑھ کیلو ٣٠ر گرام اور ٩٠٠ر ملی گرام چاندی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤ر جمادی الاولیٰ ١٤٠٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٤ر ١٢٣٧)

مہر کی ادائیگی کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

سوال [٥٨٤٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مہر کی ادائیگی کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

المستفتی: محمد انس قاسمی، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر کی ادئیگی معجّل (نقد) ہونے کی صورت میں شوہر پر فی الفور واجب ہے اور موٴجل (ادھار) ہونے کی صورت میں تاخیر کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کا ادا کرنا شوہر پر بہرصورت لازم اور ضروری ہے، حتی کہ مہر ادا کئے بغیر شوہر کے انتقال کرجانے کی صورت میں تجہیز وتکفین کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے اولاً بیوی کا مہر ادا کیا جائے گا۔

ثم عرف المهر في العناية اسم للمال الذي يجب في عقد النكاح على الزوج في مقابلة البضع. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/ ١٠٠، زكريا ٤/ ٢٣٠)

موجب النكاح عند الإطلاق لتسليم المهر، أولا عيناً، أو ديناً. (حاشية سعدي، چلبي مع فتح القدير، كوئٹه ٣/ ٢٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠ر ربیع الاول ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤٠ر ١١٤٦٩)

مہر معجّل اولیٰ ہے یا مؤجل؟

سوال [۵۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بوقت عقد یا بعد العقد شرعاً وعقلاً مہر معجّل اولیٰ وافضل ہے یا مہر مؤجل؟

المستفتی: مظاہر حسین، بلاس پور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً وعقلاً ہر اعتبار سے مہر معجّل افضل اور اولیٰ ہے۔

لأن المعجل خیر من المؤجل. (هداية، كتاب الصلح، باب الصلح في الدين، اشرفی دیوبند ۳/ ۲۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۶۴۳/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۷ھ

مہر معجّل، مؤجل اور مہر عند الطلب کسے کہتے ہیں؟

سوال [۵۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر مؤجل کیا اور مہر معجّل کسے کہتے ہیں؟

(۱) مہر معجّل کس وقت ادا کیا جائے اور مہر مؤجل کس وقت ادا کرنا چاہئے؟

(۳) نیز مہر عند الطلب کسے کہتے ہیں؟

المستفتی: چودھری عبد الباری، محلّہ: اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر مؤجل وہ ہے جو بعد میں ادا کرنا طے پایا ہو اور مہر معجّل وہ ہے جو فی الحال ادا کرنا طے پایا ہو۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲۴۹/۸)

(۲) مہر معجّل ہمبستری ہوتے ہی ادا کرنا شوہر پر لازم ہوتا ہے اور مہر مؤجل کے لئے

اگر کوئی وقت مقرر نہیں کیا گیا ہے، تو موت یا طلاق کے وقت ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اس سے قبل لازم نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۸/۲۸۵، ۸/۲۷۴)

ولم يذكر الوقت للمؤجل (إلى قوله) ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالموت، أو بالطلاق. (فتاوى عالمگيري، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الحادي عشر، زكريا ١/٣١٨، جديد زكريا ١/٣٨٤ الموسوعة الفقهية ٣٩/١٦٦)

(۳) مہر عند الطلب جس کے بارے میں یہ طے کر لیا جائے کہ عورت جب مطالبہ کرے گی اس وقت ادا کرنا ہوگا۔

والذي عليه العادة في مثل هذا التأخير إلى اختيار المطالبة. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤/٢٩٢، كراچي ٣/١٤٥-٢/٤٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ر ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۵۸۳)

مہر مؤجل و معجّل کا حدیث سے ثبوت

سوال [۵۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر معجّل و مہر مؤجل کیا یہ آپ کے زمانے سے ثابت ہے؟ اس بارے میں اگر کوئی صریح حدیث ہو، تو رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مہر معجّل کا مطلب یہ ہے کہ نقد اور فوری ادا کیا جائے، اور مہر مؤجل کا مطلب یہ ہے کہ ادھار مقرر کیا جائے، دور صحابہؓ میں مہر معجّل کا دستور تھا، پہلے ہی ادا کرنے کا رواج تھا اور یہی دستور آج تک جزیرۃ العرب میں جاری ہے، وہاں نکاح سے پہلے پہلے مہر ادا کر دیا جاتا ہے کم از کم عقد نکاح کے وقت ادائیگی

ضروری سمجھی جاتی ہے؛ لیکن مہر عورت کا ایک واجبی حق ہے جو مرد کے اوپر لازم ہوتا ہے اورانسان کے ساتھ مجبوریاں لاحق ہوتی ہیں؛ لہٰذا اگر شوہر فوری ادا کرنے پر قادر نہیں ہے، تو شریعت نے ادھار کی گنجائش رکھی ہے۔

قال اللہ تعالی: وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ. [بقرہ: ۲۸۰]

اگر فوری ادا کرنے پر قادر نہیں ہے تو قدرت کے وقت تک کے لئے مہلت دینے کی گنجائش ہے اور حضرات فقہاء نے اس کی بھی تصریح کردی ہے کہ ادھار کی مدت اگر متعین نہیں کی گئی ہے، تو صحیح ہے یا نہیں؟ تو قول راجح کے مطابق صحیح اور درست ہے؛ البتہ صریح حدیث شریف میں ادھار کا ذکر صراحت کے ساتھ دستیاب نہ ہوسکا۔

فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیں:

ثم لا خلاف لأحد أن تأجيل المهر إذا كان إلى غاية معلومة نحو شهر، أو سنة، إنه صحيح وإن كان لا إلي غاية معلومة، فقد اختلف المشائخ فيه بعضهم قالوا: لا يصح. وبعضهم قالوا: يصح وهو الصحيح. (تاتار خانية، زكريا، كتاب النكاح، فصل في المهر ٤/ ١٩١، رقم: ٥٩٣٠)

ولو قال نصفه معجل و نصفه مؤجل كما جرت العادة في ديارنا، ولم يذكر الوقت للمؤجل اختلف المشائخ فيه قال بعضهم: لا يجوز الأجل ويجب حالاً، كما إذا قال: تزوجتكِ على ألف مؤجلة. وقال بعضهم: يجوز ويقع ذلك على وقت وقوع الفرقة بالطلاق، أو الموت.

(بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٥٨٠، كوئٹه ٢/ ٢٨٨، بيروت ٣/ ٥١٥، كراچي ٢/ ٢٨٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۸۴)

مہر معجّل ومؤجل میں فرق

سوال [۵۸۴۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بروقت نکاح جومہر مقرر کیا جاتا ہے، اس میں مہر معجّل وغیر معجّل یعنی مؤجل میں کیا فرق ہے؟ تفصیل کے ساتھ وضاحت فرمائی جائے۔

المستفتی: حاجی صداقت حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر مؤجل اس کو کہا جاتا ہے، جس کوفوری دینے کی شرط نہیں ہے اوراس کو ادھار مہر بھی کہا جاتا ہے اور مہر معجّل اس کو کہتے ہیں، جس مہر کی فوری ادائے گی کا شوہر نے وعدہ کیا ہو یا عرف میں جتنی مقدار کو علی الفور دینا ضروری سمجھا جاتا ہو اور اگر فوری ادا نہیں کیا ہے، تو عورت کے مطالبہ پر فوری ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور ادا نہ کرنے کی صورت میں عورت کو یہ حق پہونچتا ہے کہ شوہر کے پاس نہ جائے۔

ولها منعه من الوطء......لأخذ ما بين تعجيله، أو أخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفاً. (تنوير الأبصار، كراچي ۳/۱٤۳، زكريا٤/ ۲۹۰- ۲۹۱)

فإن كان قد شرط تعجيل كله، فلها الامتناع حتى تستوفيه كله. (الموسوعة الفقهية۳۹/ ۱٦٦)

وإن فرض الصداق مؤجلاً، أو فرض بعضه مؤجلاً إلى وقت معلوم، أو إلى أوقات كل جزء منه إلى وقت معلوم صح. (الموسوعة الفقهية ۲۹/ ۱٦۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۸۹۴)

مہر مؤجل ومعجّل کی ادئیگی کا طریقہ

سوال[۵۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر معجّل کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟ اور غیر معجّل کی ادائیگی کا طریقہ کیا ہوگا؟

المستفتی: حاجی صداقت حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مہر معجّل کی ادائیگی عورت کے مطالبہ پر فوری لازم ہوجاتی ہے اور ہر مؤجل کی ادائیگی مطالبہ پر لازم نہیں ہوتی؛ بلکہ شوہر اپنی سہولت اورآسانی سے ادا کرتا رہے گا۔

وإن فرض الصداق مؤجلاً، أو فرض بعضه مؤجلاً إلى وقت معلوم، أو إلى أوقات كل جزء منه إلى وقت معلوم صح، وهو إلى أجله وإن أجل الصداق ولم يذكر محل الأجل صح و محله فرقة البائنة. (الموسوعة الفقهية ۳۹/ ۱۶۸)

فإن كا ن قد شرط تأجيل كله، فلها الامتناع حتى تستوفيه كله. (الموسوعة الفقهية ۳۹/ ۱۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

مہر میں اشرفی کی جگہ روپئے، پیسے دینا

سوال[۵۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے مہر میں تین اشرفی متعین کی اشرفی کا دور ختم ہونے کی وجہ سے

شوہراپنی بیوی کواختیار دیتا ہے کہ بتاؤ بعوض اشرفی تم کتنے روپئے لوگی، اگر بیوی تین یاپانچ یادس ہزارروپئے پرراضی ہوجائے، تو مہرادا ہوگی یانہیں؟ اشرفی کی قیمت اوراس کی مقدار بتائیں؟

المستفتی: محمد جہانگیر، محلّہ: شیام نگر، میرٹھ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک اشرفی کاوزن ایک مثقال کے برابر ہے اورایک مثقال میں چارگرام ۳۷۴ ملی گرام ہوتا ہے؛ لہٰذا ۳/۱۳ اشرفی کی مقدار ۱۳/ ہزارایک سو بائیس، ملی گرام ہوا، جس میں ایک تولہ تین گرام ایک سو بائیس ملی گرام بنتا ہے، اس کی قیمت آج کے زمانہ میں تیس ہزار روپیہ سے اوپر ہی ہوگی اور بیوی تین اشرفی کی قیمت کی مستحق ہے جو۳۰-۳۱/ ہزارروپیہ کی بنتی ہے، وہی ادا کرنا شوہر پرلازم ہے اور دھوکہ دے کر کم ادا کرنے سے بقیہ ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل۱۲/۴۰، فتاوی دارالعلوم ۸/۲۵۴، جواہرالفقہ قدیم ۱/۴۲۳، جدیدزکریا۳/۴۰۹)

المثقال هو الدينار عشرون قيراطاً، والدرهم أربعة عشر قيراطاً، والقيراط خمس شعيرات. (هندية، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة، زكريا۱/۱۷۹، جديد زكريا۱/۲٤٠)

فلو كسدت وصار النقدغيرها، فعليه قيمتها يوم كسدت على المختار. (شامي، كراچي ۳/۱۰۲، زكريا٤/۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۶۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۲۵ھ

شب زفاف میں بیوی کو بطور گفٹ کوئی چیز دینا

سوال[۵۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح میں مہر مؤجل یعنی ادھار ہے، تو جب بیوی کے پاس جائے اگر اس

وقت گفتگو کرنے سے قبل کوئی سامان بطور گفٹ دیدے، تو اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اور بیوی سے کچھ دئے بغیر ملاقت کرنا کیسا ہے؟ حدیث سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح میں مہر مؤجل ہونے کی صورت میں جب بیوی کے پاس جائے، تو گفتگو کرنے سے قبل کوئی سامان بطور گفٹ دیدیا، تو یہ بہتر ہے تاکہ بیوی مانوس ہوجائے؛ البتہ کچھ دیئے بغیر گفتگو کرنا بھی درست ہے۔ حدیث شریف میں دونوں طرح کا حکم ثابت ہے۔

عن ابن عباس قال: لما تزوج عليٌّ فاطمة، قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعطها شيئاً. قال: ما عندي شيئ؟ قال: أين درعک الحطمية. (ابو داؤد شريف، كتاب النكاح، باب في الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۹، دارالسلام رقم:۲۱۲۵)

أعطها شيأ ولعله صلى الله عليه وسلم أمره بذلک أن يعطيها بطريق المهر المعجل تأنيسالها وجبرا لخاطرها. (بذل المجهود، قديم سهارنپور ۳/ ۲٤۷، جديد دارالبشائر الإسلامية ۸/ ٥٤)

عن عائشة قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أدخل امرأة على زوجها قبل أن يعطيها شيئًا. (ابوداؤد شريف، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۰، دارالسلام رقم:۲۱۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۵۱)

شب عروسی میں مہر کا تذکرہ کیسے کریں؟

سوال [۵۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ نکاح ہونے کے بعد شب عروسی میں مہر کا تذکرہ کیسے لایا جائے، مثلاً مہر اس قدر ہے کہ اس کو لڑکا فی الوقت ادا نہیں کرسکتا ہے یا مہر تو کم ہے؛ لیکن لڑکے کے پاس کچھ نہیں ہے، اس کا کیا طریقہ ہوگا؟

المستفتی: محمد فیض خاں، مفتاحی دہلوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پورا مہر مؤجل اور ادھار ہے تو شب عروسی میں تذکرہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر معجّل اور فوری ادا کرنے کی شرط ہے، تو مہر کا تذکرہ کرنا چاہئے، اگر فوری ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے، تو بیوی سے مہلت لے لے اور اگر اکٹھا ادا کرنے کی کسی طرح ہمت نہیں ہے، تو قسطوار ادا کرنے کے لئے حسب گنجائش طے کرلیا جائے اور اسی کے مطابق ادا کرتا رہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸/۳۲۳)

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ. [بقرہ: ۲۸۰] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۴/ ۱۴۱۳ھ

مہر ہمبستری سے پہلے دی جائے یا بعد میں؟

سوال [۵۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کے ساتھ ہمبستری ہونے سے پہلے مہر ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور ہمبستری ہونے کے بعد مہر ادا کیا تو مہر ادا ہوگا یہ نہیں؟

المستفتی: انور میاں، محلّہ: اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مہر معجّل مقرر ہوا ہے، تو ہمبستری سے پہلے ادا کرنا واجب ہے یہاں تک کہ مہر ادا نہ کرنے کی صورت میں بیوی کو اختیار رہوگا کہ جب تک

مہر ادا نہ کرے شوہر کو اپنے پاس نہ آنے دے۔

نیز ہمبستری کے بعد ادا کرنے سے بھی مہر شرعاً ادا ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۸/ ۲۴۸)

عن ابن عباس قال: لما تزوج عليٌّ فاطمة، قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعطها شيئًا. قال: ما عندي شيئ؟ قال: أين درعک الحطمية. (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها، النسخة الهندية ١/ ٢٨٩، دارالسلام رقم: ٢١٢٥)

للمرأة منع نفسها من وطء الزوج وإخراجها من بلادها حتى يوفيها مهرها الخ. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، كوئٹه ٣/ ١٧٦، زكريا ٣/ ٣٠٨، فتاوى شامي، كراچي ٣/ ١٤٣، مصري٤/ ٤٩٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٩/ ١٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۵۵)

ادائیگی مہر سے قبل بیوی سے ہمبستری کرنا

سوال [۵۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بغیر مہر ادا کئے بیوی سے ملنا کیسا ہے، اگرچہ بعد میں مہر ادا کرنے کی نیت ہو؟

(۲) اور اگر مہر ادا کرنیکی نیت نہ ہو تو اس صورت میں بیوی سے ملنا کیسا ہے؟ بالتفصیل باحوالہ تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد وثیق الرحمٰن پورنوی، مقام اینچا لہ، پوسٹ: محمد یہ، وایا: قصبہ، پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بغیر مہر ادا کئے بیوی سے ہمبستری کرنا جائز

ہے؛ البتہ بیوی کومہر کی بناء پر ہمبستری سے شوہر کومنع کرنے کا حق حاصل ہے، اگر مہر معجّل باندھا گیا ہے۔

ولها منعه من الوطء ودواعيه (إلى قوله) لأخذ مابين تعجيله .

(الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/١٤٣، زكريا٤/ ٢٩٠)

(۲) اگر مہرادا کرنے کی نیت نہ ہواورادانہ کرے تواس کا گناہ شوہر پر ہوگا؛ لیکن ہمبستری ناجائز نہ ہوگی؛ کیونکہ ہمبستری کے جواز کے لئے صرف نکاح شرط ہے اور نکاح ہو چکا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۵۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۲۸ھ

مہر معجّل میں برضا قدرت دینے کے بعد دوبارہ منع کرنے کا حق نہیں

سوال [۵۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ہندہ کے ساتھ پانچ ہزار روپیہ سکۂ رائج الوقت کے عوض نکاح ہوا، مذکورہ مہر معجّل مقرر کیا گیا، ایک صورت یہ ہے کہ شب زفاف میں ہندہ اپنے آپ کو برضا ورغبت بغیر مطالبہ بھی زید کے سپرد کردیتی ہے اس شکل میں واقع ہونے والی وطی درست ہے یا ناجائز؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مہر معجّل ہونے کی بنیاد پر ہندہ اپنے اوپر زید کا تصرف ہونے سے روکتی ہے اور پھر مہر معجّل کا مطالبہ کرتی ہے، مگر زید قوی ہونے کی وجہ سے جبراً اس پر غلبہ پالیتا ہے اور چاروناچار وطی واقع ہوجاتی ہے، صورت مذکورہ میں یہ وطی جائز قرار پائے گی یا ناجائز یا حرام؟ بحوالہ کتاب نقل فرمائیں۔

المستفتی: مختار حسین، سہس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: درست اور حلال ہے، نیز جب برضا ورغبت شوہر کو وطی پر قدرت دی ہے، تو آئندہ وطی سے ممانعت نہیں کرسکتی۔

الخلاف فيما إذا كان الدخول برضاها الخ. (هداية، اشرفی ديوبند ٢/ ٣٣٤)

وتحته في البنايه: فعند أبي حنيفة إذا منعت نفسها بعد الدخول لاتسقط نفقتها؛ لأن المنع بحق وعندهما لانفقه لها. وقال فخر الإسلام بزدوي في شرح الجامع الصغير كان أبو القاسم الصفاد يفتى في المنع بقول أبي يوسفؒ و محمدؒ. وفي السفر بقول أبي حنيفةؒ وقال هذا أحسن في الفتيا يعنى بعد الدخول لا تمنع نفسها لطلب المهر، فإذا امتنعت لاتسقط نفقتها. (شرح هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفيه ديوبند ٥/ ١٨٩-١٩٠، وهكذا في الهندية، زكريا ١/ ٣١٧، جديد زكريا ١/ ٣٨٣)

البتہ مہر کا مطالبہ ہمیشہ کرسکتی ہے۔

(۲) اکراہ اور زبردستی کرنا ناجائز ہے؛ البتہ نفس وطی حلال ہے حرام نہیں؛ البتہ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانے اور آئندہ وطی سے روکنے اور شوہر کے گھر نہ رہنے کا حق رہے گا، مہر وصول ہوجانے کے بعد ہر طرح تابعدار ہوجانا لازم ہے۔

لو أرادت أن تمنع نفسها لإستيفاء المعجل–إلى–وكذا إذا دخل بها وهى صغيرة،أو مكرهة. (هندية، زكريا ١/ ٣١٧، جديد زكريا ١/ ٣٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۵۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۰۸/۲/۱۶ھ

چارسو مثقال چاندی کا وزن

سوال[۵۸۵۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیٹی عرفانہ پروین کا مہر شرع پیغمبری یعنی چارسو مثقال نقرہ (چاندی) معجّل قرار پائی ہے موجودہ دور کے حساب سے کتنے وزن کی چاندی ہوگی۔

المستفتی: محمد خورشید، تمباکو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۴۰۰/مثقال چاندی کا وزن گراموں کے حساب سے ایک کیلو ۷۴۹، گرام ۶۰۰/ملی گرام ہوتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۰۷۴)

مہر کی ادائیگی میں تاخیر کرنے یا نہ دینے کا حکم

سوال[۵۸۵۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مہر ادا کرنے میں کوتاہی کرے یا ادا ہی نہ کرے، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ جواب کی مفصل وعام فہم زبان میں وضاحت فرمائی جائے نوازش ہوگی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

المستفتی: حاجی صداقت حسین، ٹمبر مرچنٹ، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کے بعد اصل حکم یہ ہے کہ جلد از جلد

عورت کا مہر ادا کردیا جائے، مہر کی ادائیگی میں شوہر کو کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، مہر نہ دینے کا ارادہ رکھنے والا شخص سخت گنہگار ہوگا۔ احادیث میں ایسے شخص کے بارے میں شدید وعیدیں آئی ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: آتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ آتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا. [النساء: ٤]

عن عائشةؓ "نحلة" قالت واجبة. (الدر المنثور، دارالکتب العلمية بيروت ٢/٢١٢)

ولما كان الصداق عطية من الله تعالىٰ على النساء صارت فريضة وحقا لهن على الأزواج. (تفسير مظهري، زكريا٢/٢٢١)

عن زيد بن أسلم قال: سمعته يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من نكح امرأة وهو يريد أن يذهب بمهرها، فهو عندالله زان يوم القيٰمة.

(مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت٩/٤٠٦، رقم: ١٧٦٩٩، الدر المنثور ٢/٢١٢، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية،بيروت ٤/١٣٢، المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت١/٥٠١، رقم:١٨٥١، مصنف عبد الرزاق، رقم:١٤٤٣)

عن عائشة وأم سلمة قالتا: ليس شيئ أشد من مهر امرأة، أو أجر أجير. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت٩/٤٠٦، رقم:١٧٧٠٠، الدر المنثور٢/٢١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١ رصفر المظفر ١٤٣١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٩٨٩٤/٣٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣١/٢/٢١ھ

دین مہر کی مالک بیوی ہے

سوال [٥٨٥٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے تین شادیاں کیں، پہلی بیوی سے دولڑکےاور دوسری بیوی سے تین لڑکیاں اور تیسری بیوی سے دولڑکیاں، دولڑکے ہیں، زید کے پاس دومکان ہیں، جن میں سے ایک مکان جوسہ منزلہ ہے، پہلی اور دوسری بیوی کی مہر میں نصف نصف دیدیا اور تیسری بیوی کی مہر میں ایک مکان جوٹین سیٹ ہے دیدیا، اس کے بعد زید ہی کی حیات میں دوسری بیوی کا انتقال ہوگیا، پھر زید کے انتقال کے بعد دوسری بیوی کی اولاد کی نگہداشت تیسری بیوی نے کی دوسری بیوی کی بچیوں کی شادیاں کرنے کے بعد پہلی بیوی کی اولاد تیسری بیوی کو اس مکان سے نکالنا چاہتی ہیں اوران تینوں بچیوں کی کفالت ایک دوکان جواسی مکان میں ہے کے کرایہ سے چل رہی ہے، ان کووہ لڑکے نہ تو مکان ہی دینا چاہتے ہیں اورنہ ہی وہ دوکان دینا چاہتی ہے۔ جواب طلب یہ ہے کہ ان تینوں بیویوں کی اولاد کے درمیان میراث کس طرح تقسیم ہوگی؟ کیاان لڑکوں کا مکان خالی کرنے کو کہنا درست ہے؟ اور ان بچیوں کومحروم کرنا کہاں تک درست ہے؟ واضح رہے کہ زید نے اپنے انتقال کے وقت اورکوئی چیز ترکہ میں ان دونوں مکانوں کے علاوہ نہیں چھوڑا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تینوں بیویوں کے دین مہر میں جس مکان کا جتنا حصہ دیا گیا ہے، اتنا اتنا حصہ اسی بیوی کی ملکیت ہےاور تیسری بیوی کو الگ سے ٹین سیٹ کا جومکان دیا ہے، وہ اسی کی ملکیت ہے، کسی ایک کی اولاد کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کی اولاد کواس کے متعینہ حصہ سے نکالے اور جس بیوی کے حصہ میں دوکان آئی ہے، وہ دوکان بھی اسی بیوی کی ملکیت ہوگی۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، دارالكتب العلمية بيروت ٣٨٧/٤، رقم: ٥٤٩٢)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه ١١٠، هندية، زكريا ٢/١٦٧)

باقی سوال نامہ میں یہ بات صاف طور پر واضح نہیں ہے کہ تیسری بیوی یا دوسری بیوی کی لڑکیوں کوکس مکان سے نکالا جارہا ہے، تین منزلہ مکان کے نصف حصہ سے نکالا جارہاہے یا دوسرے مکان ٹین سیٹ سے نکالا جارہا ہے، جو تیسری بیوی کے دین مہر میں ہے یہ بات واضح نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤ر جمادی الثانیہ ١٤٢٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٧/ ٨١٠٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٥/ ٦/ ١٤٢٤ھ

کیا مہر کی ادائیگی کے بعد بیوی میکہ نہیں جاسکتی؟

سوال [٥٨٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نقد مہر دینے کے بعد بیوی اپنے میکہ میں نہیں رہ سکتی، اگر رات کو یا اور دو چار رات دن رکنا ہو،تو خاوند کے ساتھ رک سکتی ہے، ورنہ خاوند کے ساتھ جانا اور واپس آنا ضروری ہے،تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مہر پورا نہ دیا جائے، اگر پورا مہر دیا جائے تو بیوی اپنے میکہ میں نہیں جانے کو پائے گی آیا یہ صحیح ہے یہ نہیں؟

المستفتی: عبد الصمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نقد مہر دینے کے بعد شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی اپنے میکہ میں نہیں جاسکتی؛ البتہ اگر شوہر نے اجازت دیدی تو جانے کی اجازت ہے، پھر بھی زیادہ دن تک نہ رہے زیادہ دن رہنے سے جانبین سے فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ٢/ ١٧٢)

فإن في كثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصاً إذا كانت شابة والزوج من ذوى الهيئات. (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ٤/٣٥٨، كوئٹہ ٤/٢٠٨، دارالفكر بيروت ٤/٣٩٨، مستفاد: امداد الفتاوی ٢/١٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۷ ۴۸۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ربیع الثانی/ ۱۴۱۶ھ

کیا مہر کے ساتھ جوڑے کی رقم کا بھی مطالبہ درست ہے؟

سوال [۵۸۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ بوقت نکاح لڑکی والوں سے جہیز کے ساتھ جوڑے کی رقم بھی لیتے ہیں، پھر اگر کسی وجہ سے زوجین کے درمیان علیحدگی ہو جائے، تو لڑکی والے اپنے ساز وسامان کے ساتھ جوڑے کی رقم بھی واپس لے لیتے ہیں؛ لیکن اگر علیحدگی کے بعد شوہر کا انتقال ہو جائے، تو لڑکی والوں کو یہ حق رہے گا کہ وہ شوہر کے ترکہ سے جوڑے کی رقم کا مطالبہ کرے؟ جیسا کہ مہر کے مطالبہ کا حق رہتا ہے اور کیا اس کو بھی قرض کے زمرے میں شامل کر کے بعد ادائیگی قرض ترکہ کی تقسیم عمل میں آئے گی؟

المستفتی: محمد رضوان، امداد العلوم، حیدر آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جوڑے کی رقم سے مراد وہ رقم ہے جو دولہے کا جوڑا بنانے کے لئے بھیجی گئی ہے اور اس رقم سے دولہے کا جوڑا بنا دیا گیا ہے اور جوڑا بنا کر اس نے پہن لیا ہے، تو ایسی صورت میں وہ رقم لڑکی کے شوہر کے لئے بطور تحفہ ہے؛ اس لئے اس رقم کی واپسی کا مطالبہ درست نہیں ہے؛ لہٰذا علیحدگی کے موقع پر نہ اس کا مطالبہ شوہر سے درست ہوگا اور نہ شوہر کی موت کے بعد اس کے ترکہ سے لینے کا حق ہوگا۔

بعثت الصهرة إلى بيت الختن ثياباً لارجوع لها بعده ولو قائمة، ثم سئل، فقال لها الرجوع لو قائماً. قال الزاهدي: والتوفيق أن البعث الأول قبل الزفاف، ثم حصل اللزفاف، فهو كالهبة بشرط العوض وقد حصل فلا ترجع، والثاني بعد اللزفاف فترجع الخ (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۳/۱۵۵، زكريا ٤/٣٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۴/۱۱۰۱)

بیوی کے انتقال کے بعد مہر کس کو ملے گا؟

سوال [۵۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت انتقال کر گئی، اس عورت کے شوہر نے مہر ادا نہیں کئے، وہ ادا کرنا چاہتا ہے، اس عورت کے بچے بھی ہیں اب اس عورت کے بھائی مہر ادا کرنے سے متعلق زور دے رہے ہیں، تو وہ مہر کس کو دینا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ عورت کی اولاد میں سے کوئی لڑکا بھی ہے، تو عورت کا بھائی عورت کے ترکہ کے کسی جز کا بھی حقدار نہ ہوگا؛ البتہ مہر کو ۴ سہام میں تقسیم کرکے ایک خود شوہر کو ملے گا اور بقیہ بچوں کو ملیں گے۔

الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة أعني، أو لهم بالميراث جزء الميت أي البنون. (سراجي ١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۲/۱۴۱۵ھ

عورت کے انتقال کے بعد بھی مہر کی ادائیگی واجب ہے

سوال [۵۸۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت کا انتقال ہوا اوران کے شوہر کے ذمہ ابھی مہر باقی ہے اورعورت نے مرتے وقت کچھ کہا بھی نہیں تو اس صورت میں اس عورت کے مہر کو کیا کیا جائے گا ؟

المستفتی: عبدالکریم ،محلّہ: کٹگھر ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگرعورت نے بصراحت دین مہر معاف نہیں کیا ہے،تو موت کے بعد ورثاء کے درمیان بقدر حصص وراثت تقسیم ہوگی اورخود شوہر بھی وارثین میں داخل ہے، اگرعورت کی کوئی اولاد نہ ہو،تو شوہر کونصف ملے گا بقیہ نصف دوسرے ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا اوراگرعورت کی اولاد موجود ہے،تو شوہر کوایک چوتھائی ملے گا بقیہ تین چوتھائی دوسرے ورثاء کے درمیان تقسیم ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲۵۸/۸)

واما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد، وولد الابن وإن سفل والربع مع الولد وولد الابن وإن سفل الخ (سراجي: ۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۸۵/۲۴)

متوفی بیوی کا مہر کس طرح ادا کریں؟

سوال[۵۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، جس کے مہر مبلغ ۲۵/ ہزار کے لکھے

ہوئے ہیں، جن کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے اور لڑکی کے ماں باپ بھی موجود ہیں، اب اس کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟

المستفتی: سرتاج احمد، نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی کی کوئی اولاد نہیں ہے، تو بیوی کا مہر اور جہیز کا سامان سب چھ سہام میں تقسیم ہوکر ۳/ سہام شوہر کو ملیں گے اور ۲/ سہام باپ کو اور ایک سہام ماں کو ملے گا۔ نیز پورا مہر ادا کرنا لازم ہے، مگر پورے میں سے نصف خود شوہر کو ملے گا۔

زوج وأبوين للزوج النصف، وللأم ثلث ما بقي فيكون المسئلة من ستة. (سراجي: ۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۷۶)

بیوی مہر کا مطالبہ کس سے کرے؟

سوال [۵۸۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق دی اور عدت گذر چکی، عدت زید کے گھر میں ہی گذاری زید لگ بھگ ایک سال کے عرصہ سے زیادہ سعودی عرب میں رہتا ہے وہیں سے زید نے بذریعہ ٹیلی فون کے طلاق دی، لڑکی کے وارثین چاہتے ہیں کہ اب دوسری جگہ پر اس لڑکی کا نکاح کردیں، زید نے مہر ادا کئے یا نہیں یہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہاں پر اس کی ایسی کوئی ملکیت ہے اور سعودی عرب میں بھی قرضدار ہے اور والدین بھی زید کے خوشحال نہیں ہیں، ایسی حالت میں لڑکی کے وارثین اگر زید کے وارثین سے مہر طلب کریں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں یا زید ہی ذمہ دار ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر کا ذمہ دار شوہر ہی ہوتا ہے؛ لہٰذا مطلقہ بیوی کو اپنے شوہر ہی سے اس حق کے مطالبہ کا حق ہے، شوہر کے والدین اور وارثین پر اس کی ادائیگی لازم نہیں ہے؛ اس لئے وارثین سے مطالبہ کا حق بھی نہیں ہے۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً. [النساء:٢٤]

وإذا خلا الرجل بامرأته وليس هناك مانع من الوطئ، ثم طلقها فلها كمال المهر. (هداية، اشرفي ديوبند ٣٢٥/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۲۰ھ

دین مہر کی ادائیگی مرحوم کے ترکہ سے کی جائے گی؟

سوال [۵۸۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرحوم کی بیوی کے مہر پچیس ہزار روپئے تھے، شادی کے موقعہ پر مرحوم نے اپنی بیوی کو چاندی سونے کے زیورات وغیرہ چڑھائے تھے، جو ابھی موجود ہیں، اب دین مہر کی ادائیگی کیسے ہو؟ ادائیگی کی ذمہ داری مرحوم پر تھی یا مجھ پر یعنی لڑکے کے باپ پر؟

المستفتی: عبد الباری، پوڑی والے، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر کی ادائیگی مرحوم کے ترکہ سے ہوگی، جو زیور چڑھایا تھا، اس کو دیتے وقت اگر ملکیت یا عدم ملکیت کی صراحت نہیں کی ہے، تو برادری کے رواج وعرف کے مطابق حکم ہوگا، اگر برادری کا رواج مالک بنانے کا ہے، تو وہ مرحوم کی

بیوی کا ہوگا۔ اور اگر مالک بنانے کا نہیں ہے، تو وہ مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگا۔

إذا بعث الزوج إلی أهل زوجته أشیاء عند زفافها منها دیباج فلما زفت إلیه أراد أن یستود من المرأة الدیباج لیس له ذلک إذا بعث إلیها علی جهة التملیک. (هندیة قدیم زکریا ۱/۳۲۷، جدید زکریا ۱/۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/ ۱۴۱۶ھ

بیوی کی اجازت کے بغیر شوہر کا مہر میں تصرف کرنا

سوال [۵۸۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی ملکیت میں دو مکان ہیں، ایک مکان میں زید مع اہل وعیال رہتا ہے، دوسرے مکان میں زید کے تایا زاد بھائی اور ان کے بچے ہیں، وہ اس مکان پر عرصہ سے قابض اور دخیل ہیں۔ پہلا مکان جس میں زید اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہتا ہے، وہ زید کی بیوی کے مہر میں لکھا ہوا ہے، یہ مکان بہت خستہ حالت میں ہے، اس میں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے، اسی میں زید مع اہل وعیال کے گذارا کرتا ہے، زید کے اہل وعیال میں بیوی، چار لڑکیاں، ایک لڑکا ہے، دو لڑکیاں جوان ہیں، فوری طور پر شادی کرنے کے قابل ہیں، زید کی مالی حالت کمزور ہے، جس کی بنا پر اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر اپنے پڑوسی ابوالحسن کے ہاتھ اس کے پختہ لینٹر والے مکان سے جو کہ چھوٹا ہے کے مکان سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ کے عوض زید نے اپنے اس مکان سے جو کہ اس کی بیوی کے مہر میں لکھا ہوا ہے بدل لیا ہے رجسٹری ہوچکی ہے؛ لیکن زید کی بیوی مکان بدلنے کے لئے تیار نہیں ہے اور فریق ثانی جس سے مکان بدلہ ہے وہ رجسٹری کی واپسی کو تیار نہیں ہے اور جرمانہ کے طور پر دوہری رجسٹری

اور اوپر کے خرچ کے لئے زید کے پاس رقم نہیں ہے، زید کا دوسرا مکان جس پر زید کے تایازاد بھائی قابض ہیں، ان کے دخل کی وجہ سے کوئی بھی خریدار معقول رقم اس مکان کی دینے کو تیار نہیں ہوتا، جس سے لڑکیوں کی شادی اور رجسٹری واپسی کا خرچ پورا ہو سکے۔ اب زید پریشان ہے کیا کرے، رہائشی مکان بدلنے پر بیوی بیحد ناراض ہے، دوسرے مکان پر بھائیوں کا قبضہ ہے، زید کے لئے اس حالت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: رحمت اللہ پینٹر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ مکان بیوی کو مہر میں دیا جا چکا ہے، تو وہ اسی کی ملکیت میں ہوگا، اس کی اجازت اور مرضی کے بغیر شوہر کو اس میں تصرف اور ترمیم کی اجازت نہیں ہے؛ لہٰذا جو عقد مبادلہ ہوا ہے، اس کے صحیح ہونے کے لئے اس کی رضامندی لازم ہے ورنہ واپسی لازم ہوگی اور اگر وہ راضی ہو جائے تو تبادلہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ جو مل رہا ہے، وہ بیوی ہی کی ملکیت ہوگی وہ اگر نہ دے تو لڑکیوں کی شادی میں خرچ کرنا شوہر کے لئے جائز نہ ہوگا۔

لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک الغیر بغیر إذنه الخ. (قواعد الفقه ۱۱۰، شرح المجلة إتحاد دیو بند ۱/ ۶۱، رقم المادہ: ۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۱ھ

لڑکے کا باپ کی طرف سے ماں کا مہر ادا کرنا

سوال [۵۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد نے اپنی زندگی میں میری والدہ کا مہر ادا نہیں کیا اور نہ ہی کچھ مال چھوڑا جس سے مہر ادا کیا جا سکے؛ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنے مال سے اپنے والد کی طرف

سے اپنی والدہ کا مہر ادا کروں، تو کیا میرے لئے ایسا کرنا درست ہے؟ اور کیا اس طرح مہر ادا ہو جائے گا یا کوئی اور شکل ہو تو تحریر فرمائیں؟

المستفتی: احمد سعید، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی والدہ کا مہر والد کے اوپر مالی قرضہ ہے، جب ادا کئے بغیر والد دنیا سے فوت ہو گئے، تو والد کی طرف سے مہر کا قرضہ ادا کر دینا اولاد کی خوش نصیبی ہے اور والد کے لئے نجات کا باعث ہے؛ اس لئے آپ کے والد کی طرف سے مہر کا قرضہ ادا کرنا بلا تردد جائز ہے اور والد کے لئے عذاب سے نجات پانے کا ذریعہ ہوگا۔ اور خود آپ کے لئے باعث خوش نصیبی ہوگی۔

عن ابن عباسؓ، أن رجلاً قال یا رسول اللہ إن أمه توفیت أفینفعها ان تصدقت عنها، فقال: نعم! قال: فإن لی مخرفا وأشهدک انی تصدقت به عنها. (مسند أحمد ۱/ ۳۷۰، رقم: ۳۵۰٤، بخاري شریف، کتاب الوصایا، باب مایستحب لمن توفي فجأة أن یتصدقوا عنه، النسخة الهندیة ۱/۳۸٦، رقم: ۲٦۷۹، ف: ۲۷٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۷/۹ھ

شوہر کی وفات کے بعد اس کے والد سے مہر کا مطالبہ کرنا

سوال [۵۸٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے یونس کی شادی زینب بنت یونس کے ساتھ ہوئی تھی، میرا لڑکا چوڑی کی کٹائی پر مزدوری کا کام کرتا تھا، شادی سے پہلے تو صحت مند تھا کوئی بیماری نہیں تھی،

اچانک بعد شادی بخار آیا کچھ پیلیا جیسا بڑے ڈاکٹروں کو دکھلانے پر پتہ چلا کہ اس کے گردے میں خرابی آگئی ہے، ہم نے اس کا بھی علاج کرایا، میں ایک مزدور ہوں رکشہ چلاتا ہوں اور مکھن وغیرہ لاتا ہوں، پریشانی کی حالت میں میں نے لڑکی والے کو اطلاع دی کہ لڑکا بیمار ہے اور پوری تفصیل میں نے انہیں بتادی، اس کے باوجود بھی ان لوگوں نے کوئی مشورہ نہیں دیا؛ بلکہ لڑکی کو اپنے گھر لے گئے یہ کہہ کر کہ ہمیں لڑکی کا علاج کرانا ہے،لڑکی کے نہ آنے پر لڑکے کی حالت اور بگڑتی گئی، انہوں نے درمیان والے کو بھیج کر یہ کہلوایا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دے دو اور جو سامان ہم نے تمہیں دیا ہے، اسے واپس کردو، پھر بھی ہم نے کئی بار لڑکی کو بلایا؛ لیکن لڑکی نہیں آئی، ہم نے ان سے کہا کہ فتوی منگالو، اسی کے مطابق کام کریں گے، اچانک وہ ایک دن چھ سات لوگوں کو لے کر آئے ، پھر ایک دن آٹھ دس لوگوں کو لے کر آئے اور شادی سے پہلے کی عیب نکالنے لگے کہ لڑکا پہلے سے ہی بیمار تھا دھوکہ دے کر شادی کرالی گئی ہے، اس کا صدمہ لڑکے کو ہوا جس کے سبب اس کی موت ۳۱ رمئی ۲۰۰۷ء کو یعنی شادی کے سات ماہ بعد ہوئی ،میت کی ہم نے انہیں اطلاع بھی دی؛ لیکن وہ لوگ نہیں آئے اور ہم سے مہر وسامان کا مطالبہ کرتے ہیں،تو ہم سامان واپس کرنے کو تیار ہیں۔آپ یہ بتائیں کہ مہر کی ادائیگی کس پر واجب ہے؛ جبکہ لڑکا ادائیگی مہر سے پہلے ہی گزر چکا اور والدین اس لائق نہیں کہ مہر ادا کریں؛ کیونکہ خود ہی مجبور ہیں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد شفیق عالم،محلّہ: چکر کی ملک،مرادآباد(یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکے کا کچھ مال اس کے والد کے پاس ہے، تو اسی مال کے ذریعہ بیوی کا مہر ادا کرنا ضروری ہے؛ لیکن اگر لڑکے نے مرتے وقت کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے،تو مہر کا مطالبہ اس کے والد سے کرنا درست نہیں ہے؛ ہاں البتہ اگر لڑکی

معاف کردے تو لڑکا قیامت کے حساب وکتاب سے محفوظ ہو جائے گا اور جو کچھ بھی جہیز کا سامان ہے اور جو زیورات اس کے ماں باپ کے دئے ہوئے ہوں یا اس کی ملکیت میں دیگر زیورات ہوں وہ سب لڑکی کا حق شرعی ہے اور مہر جو ادا ہو چکا ہے وہ بھی لڑکی کا شرعی حق ہے اور جو ادا کرنے سے باقی رہ گیا ہو، وہ بھی لڑکی کا حق ہے۔

ولایطالب الأب؛ لأن المهر مال یلزم ذمة الزوج ولا یلزم الأب بالعقد إذ لو لزمه لما أفاد الضمان شیئاً. (شامي، کتاب النکاح، باب المهر، کراچي ۳/۱۴۱، زکریا ۴/۲۸۷)

ثم ذکر أن المهر لایلزم أبا الفقیر بلا ضمان. (شامي، کراجي ۳/۱۴۲، زکریا ۴/۲۸۸)

بل کل أحد یعلم أن الجهاز للمرأة. (شامي، کراچي ۳/۱۵۸، زکریا ۴/۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۳۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۱۵ھ

شوہر مہر ادا نہ کرے تو باپ پر ادا کرنا لازم ہے؟

سوال [۵۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ راشدہ خاتون بنت شمس احمد اصالت پورہ کا عقد انور علی پسر حاجی عبد السلام صاحب پیرزادہ کے ساتھ ہوا ہے، ۲۳؍ اگست ۱۹۸۶ء کو انور علی کا انتقال ہو گیا، شوہر اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا، جو کچھ کماتا تھا باپ کے حوالہ کر دیتا تھا؛ اس لئے اپنا کوئی ترکہ نہیں چھوڑ سکا، راشدہ خاتون کا دین مہر ۱۵؍ ہزار ہے اور راشدہ خاتون کو والدین جہیز میں اتنا سونے کا زیور، بندے، ۱؍ تولہ ٹیکہ، آدھا تولے چوڑی ۲؍ عدد، ۱؍ تولے نتھن چار

آنے بھر، انگوٹھی ۶ ؍آنے بھر کل وزن ۳؍تولے۲؍آنے بھر چاندی ایک جوڑا توڑے بجھوائے وزن ۱۵؍تولے دیا۔ اب سوال طلب یہ ہے کہ راشدہ خاتون کے دین مہر اورسامان جہیزاور زیورات کا شرعاً کیا فیصلہ ہے؟ شوہر کے یہاں کا زیورسونا، جھومر۳؍ تولے، چوڑی ۶ ؍عدد۳؍تولے،کنگن ۲؍عدد۲؍تولے،ایک سیٹ (ہار، بندے، انگوٹھی) ۵؍ تولے، شوق بند ۵؍تولے چاندی کا وزن ۵۰؍تولے سونے کا کل وزن ۱۸؍تولے۔ اوردونوں بچے والدہ کےساتھ نانی کے گھرپررہتے ہیں۔

المستفتی: شمس احمد،اصالت پورہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرراشدہ خاتون کےشوہرانورعلی نے ذاتی طورپر کوئی ترکہ نہیں چھوڑا ہے،تواس کا دین مہرشوہر کے والدعبدالسلام پرادا کرنا لازم نہیں ہے،اگر وہ تبرعاً ادا کرنا چاہےتووہ اس کی مرضی ہے،اگر باپ نےادائیگی کی ذمہ داری نہیں لی تھی۔

نیزشوہرکی طرف سے جوزیورات دیئے گئے ہیں،اگرلڑکی کی صراحۃ ان کی مالک بنائی گئی ہے،تووہ بھی لڑکی کی ملکیت میں ہوں گےاوراگرکوئی صراحت نہیں تھی تواگرآپ کے یہاں کاعرف لڑکی کے مالک ہوجانے کا ہے،توبھی لڑکی ہی ان کی مالک ہوگی ورنہ نہیں۔ اورراشدہ خاتون کےتمام وہ زیورات وسامان جہیز جواس کےوالدین نے دیئے ہیں،ان سب کی حقدارراشدہ خاتون ہے،ان میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔(مستفاد:فتاوی دارالعلوم ۸/۳۴۷)

لأن المهر مال يلزم ذمة الزوج، ولا يلزم الأب بالعقد. (شامي، كراچي ۳/۱٤۱، زكريا٤/۲۸۷)

جهز إبنته، ثم مات فطلب بقية الورثة القسمة (إلى قوله) فهو لها خاصة. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا٤/۳۰۹، كراچي۳/۱۵۷)

اورانورعلی کےدونوں بچوں کےاخراجات انورعلی کے باپ پرواجب ہونگے۔

والنفقة لكل ذي رحم محرم إذا كان صغيرا فقيراً (قوله) لأن الصلة

في القرابة القريبة واجبة. (هداية، اشرفي ديوبند۲/٤٤٦)

ونفقة الأولاد الصغار (إلى قوله) إذا لم يكن له أب (وقوله) وإن كان له جد (إلى قوله) وروي الحسن عن أبي حنيفة أنها على الجد وحده لجعله كالأب الخ. (فتح القدير، كوئٹه٤/٢١٧، زكريا٤/٣٧١-٣٧٢، درالفكر بيروت٤/٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۳۴)

برائے حلالہ نکاح میں مہر کی مقدار ومعافی کا حکم

سوال [۵۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرانے کی شکل میں مہر کتنا مقرر ہونا چاہئے، وہ بھی تحریر فرمادیں؛ چونکہ یہ دوسرا نکاح صرف حلالہ کے لئے کیا جائے گا اور جس کے ساتھ یہ نکاح ہوگا اس شخص کو یہ مہر دینا ہوگا یا معاف کرانے سے معاف ہوجائے گا حلالہ کی شرط کیا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس کی رضامندی سے جتنا چاہے مہر باندھ سکتا ہے؛ لیکن دس گرام کے تولہ سے تین تولہ ۶۱۸ رملی گرام چاندی یا اس کی قیمت سے کم نہ ہو۔

نیز بیوی اگر اپنی خوشی سے مہر معاف کردیتی ہے، تو معاف ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸/ ۲۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۶/۱۱ھ

شادی سے قبل زنا کرانے والی عورت کا مہر

سوال [۵۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو چار مہینے ہو گئے، مجھے لوگوں نے دھوکہ دے کر شادی کروادی، شادی سے پہلے اس لڑکی کا تعلق کسی دوسرے شخص سے تھا، جو ان سے کئی بار ہمبستری کر چکا ہے، اس کا پتہ مجھے پہلی رات میں ہو چکا ہے کہ اس کا پردہ بکارت زائل ہو گیا ہے، پھر بھی مجھ پر بیس ہزار روپیہ کا مہر مقرر کر دیا گیا۔ کیا مجھ پر مہر دینا واجب ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ شادی کے بعد بھی اس نے اپنی اولاد کو زائل کر دیا۔

المستفتی: محمد عظیم، جامع مسجد، وارثی نگر، گلی نمبر ۴ر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شادی ہو کر بیوی کے ساتھ باضابطہ ہمبستری ہو چکی ہے، تو پورے مہر کی ادائیگی شوہر کے اوپر لازم ہو گئی، چاہے شادی سے پہلے بیوی کا پردۂ بکارت العیاذ باللہ بدکاری کے ذریعہ سے ختم ہو چکا ہو؛ اس لئے کہ پورا مہر ادا کرنا جو واجب ہوتا ہے، وہ پردۂ بکارت کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ ہمبستری کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہاں شوہر نے بیوی کے ساتھ باضابطہ ہمبستری کر لی ہے؛ اس لئے شوہر طلاق دے گا تو پورے مہر ۲۰ ر ہزار روپئے کی ادائیگی لازم ہے۔

ولو شرط البكارة فوجدها ثيباً لزمه الكل؛ لأن المهر إنما شرع لمجرد الاستمتاع دون البكارة. (درمختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۳/۱۲۶، زكريا ٤/۲٦٦)

ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر ويتأكد عند وطء، أو خلوة صحت من الزوج. وفي الشامية: إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه.

(در مختار مع الشامي، کراچي ۳/ ۱۰۲، زکریا ٤/ ۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۲۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۲۵ھ

موجودہ وقت کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار

سوال [۵۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی کی سکۂ رائج الوقت کے حساب سے کتنی رقم بنتی ہے؟ پکی چاندی کا بھاؤ اکٹھی یعنی ۱۰۰؍ یا ۵۰؍ تولہ لینے پر ۸۰؍ روپیہ تولہ ہے۔

المستفتی: شاہ زماں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہر فاطمی پانچ سو درہم چاندی ہے، جس کا وزن بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۱۳۱؍ تولہ تین ماشہ ہے اور موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۱۵۳۰ گرام ۹۰۰؍ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت صراف سے معلوم کر لیجئے؛ چونکہ قیمت بدلتی رہتی ہے؛ اس لئے ہم قیمت نہیں لکھتے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۴۴۹/۳۶)

رائج الوقت کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار

سوال [۵۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی کی شرعی مقدار کیا ہے؟ سکۂ رائج الوقت کے اعتبار سے اس کی کتنی رقم بنتی ہے؟

المستفتی: عبد المطلب، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر فاطمی کی شرعی مقدار پانچ سو درہم چاندی ہے، جس کا وزن بارہ ماشہ کے تولہ کے حساب سے ۱۳۱؍ تولہ تین ماشہ ہے اور موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۱۵۳۰؍ گرام ۹۰۰؍ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت صراف سے معلوم کرلیجئے؛ چونکہ قیمت بدلتی رہتی ہے؛ اس لئے ہم قیمت نہیں لکھتے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۰، جواہر الفقہ قدیم ۱؍۴۲۴، جدید زکریا ۳؍۴۰۸-۴۰۹، اوزان شرعیہ ۴۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۷۴۵۷)

رائج الوقت سکہ کے مطابق مہر فاطمی کی مقدار

سوال [۵۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی کی کتنی مقدار ہے؟ سکۂ رائج الوقت کے مطابق خلاصہ فرمائیں؟

المستفتی: رکن الدین خاں، ٹانڈہ کوٹھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کیلو، ۵۳۰؍ گرام ۹۰۰؍ ملی گرام چاندی ہے، اس کی کیا قیمت بیٹھتی ہے؟ صرافہ سے معلوم کرلیا جائے، ہم اس لئے لکھ نہیں سکتے کہ قیمت روز گھٹی بڑھتی رہتی ہے اور جس دن ادا کیا جائے اس دن کی قیمت کا اعتبار ہے۔ (مستفاد: ایضاالمسائل ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۹۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۶؍ ۱۴۳۱ھ

موجودہ اوزان کے اعتبار سے مہر فاطمی کی مقدار

سوال [۵۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟ موجودہ اوزان کے اعتبار سے تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد ندیم نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر فاطمی کی مقدار پانچ سو درہم ہے، موجودہ گراموں کے حساب سے اس کا وزن ڈیڑھ کیلو تیس گرام نو سو ملی گرام چاندی ہے، یعنی پندرہ سو تیس گرام اور ۹۰۰ر سو ملی گرام چاندی۔ (مستفاد: انوار نبوت ۶۵۲)

عن أبي سلمةؓ، سألت عائشةؓ عن صداق رسول الله صلى الله عيله وسلم، فقالت: ثنتا عشرة أوقية ونش فقلت ومانش؟ قالت: نصف أوقية.

(ابو داؤد شريف، كتاب النكاح، باب الصداق، النسخة الهندية ١/٢٨٧، درالسلام رقم:٢١٠٥)

وفي النسائي وذٰلک خمس مائة درهم. (نسائي شريف، باب التزويج على سور من القرآن، القسط في الأصدقة، النسخة الهندية ٢/٧٢، درالسلام رقم:٣٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر صفر المظفر ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۴۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۲/۱۹ھ

مہر شرعی پیغمبری

سوال [۵۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی عرفانہ پروین کے مہر شرعی پیغمبری یعنی چار سو مثقال نقرہ چاندی معجّل قرار پائے تھے، اس کو اس کے شوہر نے طلاق دی ہے، عرفانہ پروین مہر پانے

کی حقدار ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: خورشید، تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۴۰۰؍ مثقال کا وزن ایک کیلو ۴۹۷؍ گرام ۶۰۰؍ ملی گرام ہے، جب شوہر نے عرفانہ پروین کو طلاق دی ہے تو ایسی صورت میں شوہر کے اوپر مکمل مہر ادا کرنا واجب ہوگا۔

إن المهر وجب بنفس العقد (إلى قوله) **وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء و نحوه.** (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۳/۱۰۲، زكريا ۴/۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۳۵۶)

مہر پیغمبری کیا ہے؟

سوال [۵۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر پیغمبری (شرع پیغمبری) کیا ہے اور اس کی موجودہ رقم کیا بنتی ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر شرع پیغمبری کی اصطلاح شریعت میں نہیں ہے، کتاب وسنت میں اس کا ثبوت نہیں ہے؛ لیکن عوام کے درمیان اس نام کا مہر مشہور ہے، بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ، اس سے اقل مہر مراد ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اس سے شریعت محمدی میں مہر کی آخری حد مراد ہوگی اور شریعت میں مہر کی آخری حد دس درہم ہے، جو ۱۲؍ ماشہ کے تولہ سے دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے اور موجودہ گراموں کے حساب سے ۳۰؍ گرام ۶۱۸؍ ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

اس کی قیمت صرافہ سے معلوم کرلی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۸/۱۰ھ

مہر شرع پیغمبری کی تعریف ومقدار

سوال [۵۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر شرع پیغمبری کیا ہے اور کتنا ہے؟

المستفتی: محمد سرتاج کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہر شرع پیغمبری کی کوئی اصطلاح شریعت سے ثابت نہیں ہے، دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض عوام اس سے مہر فاطمی مراد لیتے ہیں اور مہر فاطمی کی مقدار پانچ سو درہم ہے، ۵۰۰/ درہم ۱۲/ ماشہ کے تولہ سے ۱۳۱/ تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور موجودزمانہ کے گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کیلوتیس گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلیں۔ (ایضاح المسائل ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۱۶ھ

مہر فاطمی ومہر شرع پیغمبری

سوال [۵۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟ مہر شرع پیغمبری کی حقیقت کیا ہے؟

المستفتی: فخر عالم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مہر فاطمی کی مقدار موجوہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کیلو ۳۰ رگرام ۹۰۰ رملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت صرافہ سے معلوم کر لی جائے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

مہر پیغمبری کی کوئی اصطلاح شریعت سے ثابت نہیں، بعض لوگ اس سے اقل مہر مراد لیتے ہیں اور اس سے اکثر لوگ مہر فاطمی مراد لیتے ہیں؛ لہٰذا مہر فاطمی اور مہر شرع پیغمبری میں کوئی فرق نہیں رہا دونوں ایک ہی چیز کے نام ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۶۶)

مہر شرع پیغمبری اور مہر فاطمی کی مقدار

سوال [۵۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر شرع پیغمبری اور مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟ زمانہ نبوت میں کیا تھی اور زمانہ موجودہ میں اس کی مقدار کیا ہوسکتی ہے؟

المستفتی: حاجی صداقت حسین، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مہر شرع پیغمبری کی کوئی اصطلاح شریعت میں نہیں ہے؛ لیکن عوام کے درمیان اس سے شریعت محمدی میں اقل مہر یعنی مہر کی آخری حد مراد ہوتی ہے، جو دس گرام کے تولہ سے ۳ رتولہ ۶۱۸ رملی گرام چاندی یا اس کی قیمت ہے، جو مروجہ اوزان سے ۳۰ رگرام ۶۱۸ رملی گرام چاندی بنتی ہے۔

وأقل المهر عشرة دراهم. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر، اشرفي

دیو بند ۲/ ۳۲٤)

وكان مهر بعض أزواج النبي صلى الله عليه وسلم كأم سلمةؓ ما يساوي عشرة دراهم. (حاشية ابوداؤد، كتاب النكاح، باب الصداق، رقم الحاشية ١، هندي نسخة ١/ ٢٨٧)

اوراگرعوام میں مہر شرع پیغمبری سے مہر فاطمی مراد ہو، توجو حکم مہر فاطمی کا ہے وہی حکم اس کا بھی ہے، مہر فاطمی کی مقدار دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۱۵۳؍تولہ ۹۰۰؍ملی گرام چاندی یااس کی قیمت ہے، مہر شرع پیغمبری اور مہر فاطمی کی مقدار موجودہ زمانہ میں باعتبار وزن کے اسی قدر ہے جس قدر زمانۂ نبوت میں تھی۔

عن أبي سلمةؓ، قال: سألت عائشة عن صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ثنتا عشرة أوقية ونش الخ. (ابوداؤد، النخسة الهندية ١/ ٢٨٧، دارالسلام رقم:٢١٠٥)

وفي النسائي وذٰلک خمس مائة درهم. (نسائي شريف، باب التزويج على سور من القرآن، القسط في الأصدقة، النسخة الهندية٢/ ٧٢، درالسلام رقم: ٣٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۸۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

مہر شرع پیغمبری کی تحقیق

سوال [۵۸۸۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کے کچھ مقامات میں یہ بات رائج ہے کہ عورتوں کے نکاح میں مہر مہر شرع پیغمبری طے کیا جاتا ہے، کیا مہر شرع پیغمبری کا وجود ہے یا عوام میں غلط رائج ہوگیا ہے، اس کی مقدار شرعاً کیا ہے؟ موجودہ زمانہ میں ہندوستان میں اس کی کتنی رقم بنتی ہے۔

المستفتی: اظہار الحق، حسن گڈھ، گونڈا علی گڑھ (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر شرع پیغمبری کی کوئی اصطلاح شریعت میں نہیں ہے اور نہ ام المؤمنین میں سے کسی کا مہر ہے؛ لیکن عوام کے درمیان اس نام کا مہر مشہور ہے، اس سے کہیں اقل مہر مراد ہوتا ہے اور کہیں مہر فاطمی مراد ہوتا ہے، اگر مہر شرع پیغمبری سے اقل مہر مراد ہو تو وہاں پر اس سے دس درہم چاندی یا اس کی قیمت مراد ہوگی، اس کا وزن موجوہ زمانہ کے اعتبار سے ۳۰/گرام ۶۱۸/ملی گرام ہوتا ہے اور دس گرام کے تولہ سے ۳/تولہ ۶۱۸/ملی گرام چاندی ہوتی ہے اور جہاں مہر فاطمی مراد لیا جاتا ہے، وہاں پر ۵۰۰/درہم مراد ہوتا ہے۔ اور موجودہ گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کیلو ۳۰/گرام ۹۰۰/ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت ہے؛ اس لئے جہاں شرع پیغمبری مہر لکھواتے ہیں وہاں پر اقل مہر مراد ہے یا مہر فاطمی صراحت کے ساتھ اس کی وضاحت کردینا لازم ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۴۲۴/۱، جدید زکریا ۴۰۹/۳، ایضاح المسائل ۱۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۹۷)

مہر فاطمی اور شرع پیغمبری میں فرق

سوال [۵۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کے دور میں مہر فاطمی کی اصل صورت کیا ہے اور شرع پیغمبری میں کیا فرق ہے، موجودہ زمانہ میں دونوں کی کیا رقم ہوگی؟

المستفتی: محمد حسن خاں، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر فاطمی کا وزن ۱۲/ ماشہ کے تولہ سے ۱۳۱/ تولہ ۳/ ماشہ چاندی ہے اور موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کیلو ۳۰/ گرام ۹۰۰/ ملی گرام چاندی ہے اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۱۵۳/ تولہ ۹۰۰/ ملی گرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۰)

اور مہر شرع پیغمبری کے نام سے کوئی اصطلاح شریعت میں نہیں ہے، مگر عوام کے درمیان اس نام کا مہر مشہور ہے، اگر اس سے اقل مہر اور آخری حد مراد ہوتی ہے، تو ۱۲/ ماشہ کے تولہ سے ساڑھے سات ماشہ چاندی مراد ہوگی اور گراموں کے حساب سے ۳۰/ گرام ۶۱۸/ ملی گرام چاندی ہوگی۔ اور اگر اس سے مہر فاطمی مراد ہے تو ڈیڑھ کیلو ۳۰/ گرام ۹۰۰/ ملی گرام چاندی مراد ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

اور روپیہ کے حساب سے کتنا ہوتا ہے صراف سے معلوم کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۵۰۴۳)

مہر شرع پیغمبری کی مقدار کیا ہے؟

سوال [۵۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسمّیٰ محمد اکرام ولد امانت اللہ قوم سیفی ساکن: محلّہ بقاباد، قصبہ: بچھراؤں کا عقد بہ ہمراہ مسماۃ منی خاتون بنت منشی احمد قوم سیفی، ساکن جیتھو لی، مؤرخہ ۸/ جون ۱۹۸۸ء ہوا، مہر شرع پیغمبری طے ہوا۔ ۷/ جون ۱۹۸۹ء کو مسمّیٰ محمد اکرام نے اپنی زوجہ کو اپنے نکاح سے طلاق دے کر علیحدہ کردیا۔

اب شرعی نقطۂ نظر سے محمد اکرام کو کتنا روپیہ مہر کا ادا کرنا چاہئے؟ نکاح نامہ کی فوٹو اسٹیٹ پشت پر ہے، دونوں فریقین نے مجھے اپنے تصفیہ کے لئے سرپنچ مقرر کیا ہے؛ اس لئے

شرعاً کتنا مہر ادا کرایا جاوے۔

المستفتی: علیم الدین، سابق چیرمین حسن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مہر شرع پیغمبری سے حضور ﷺ کا مہر مراد ہے، جو آپ نے ازواج مطہرات کو دیا ہے، تو اس کی مقدار پانچ سو درہم یعنی ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی یا اس کی قیمت ہے، بازار سے بھاؤ معلوم کر کے قیمت لگائی جائے۔

عن أبي سلمةؓ، قالت: سألت عائشةؓ كم كان صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقالت: كان صداقه لأزواجه ثنتي عشرة أوقية ونش، فقلت: تدري ما النش؟ قلت: نصف أوقية، فتلك خمس مائة درهم.

(مشكوة شريف، ٢/ ٢٧٧)

اور اگر اس سے مہر کی کم سے کم مقدار مراد ہے تو شریعت میں کم سے کم مقدار دس درہم ہے، جس میں دو تولہ ساڑھے سات ماشہ ہوتا ہے اور ایک تولہ میں ۸/ ماشہ ہوتا ہے۔

(مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۱/۴۲۳، جدید زکریا ۳/۴۰۸)

وأقل المهر عشرة دراهم. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر، اشرفي ديوبند٢/ ٣٢٤)

اور اگر عوام میں مہر شرع پیغمبری کی مقدار اور مصداق میں اختلاف ہے، تو جن لوگوں کا قول لڑکی کے مہر مثل کے قریب ہو اتنا دینا ہوگا۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو علی الإطلاق لڑکی کا مہر مثل لڑکی کو دیدینا شوہر پر واجب ہوگا، مہر مثل سے مراد وہ مہر ہے جو اس جیسی لڑکیوں کے لئے عام طور پر باندھا جاتا ہے، مثلاً اس کی بہن، پھوپھی وغیرہ۔

اختلفا في المهر فالقول قول المرأة إلى تمام مهر مثلها، والقول قول الزوج فيما زاد على مهر المثل. (هداية، اشرفي ديوبند٢/ ٣٣٥، هكذا في الدر المختار، كراچي٣/ ١٤٨، زكريا٤/ ٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۵۶۱)

مہر فاطمی اور مہر پیغمبری کی مقدار کیا ہے؟

سوال [۵۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مہر کی مقررہ رقم اور مہر شرع فاطمی مہر شرع پیغمبری کی کتنی رقم سکۂ رائج الوقت بنتی ہے، تفصیل کے ساتھ شرع فاطمی شرع پیغمبری بتلایئے کون سا مہر باعث ثواب ہے؟

المستفتی: حاجی میاں جان، محلّہ: دولت باغ، مسجد گلا کاٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہر فاطمی کی مقدار قدیم اوزان سے ۱۳۱/ تولہ ۳/ ماشہ چاندی ہے اور موجودہ اوزان سے دس گرام کے تولہ کے حساب سے ڈیڑھ کیلو تیس گرام ۹۰۰/ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت صرافے سے معلوم کرلی جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۰)

اور مہر شرع پیغمبری کی کوئی اصطلاح شریعت محمد میں نہیں ہے؛ لیکن عوام کے درمیان اس نام کا مہر مشہور ہے، اس سے اقل مہر مراد لیا جاتا ہے اور اقل مہر دس گرام کے تولہ سے ۳/ تولہ ۶۱۸/ ملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت بھی صرافے سے معلوم کرلی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۰۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

شوہر کو مہر فاطمی کی مقدار معلوم نہ ہونے پر مہر مثل کا وجوب

سوال [۵۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر زید کا نکاح مہر فاطمی پر ہوا اور زید کو مہر فاطمی کا علم نہیں تھا کہ مہر فاطمی

کتنے کو کہتے ہیں؟ اور نکاح ہو جانے کے بعد زید کو مہر فاطمی کا علم ہوا کہ مہر فاطمی اتنے روپیہ کو کہا جاتا ہے اوراب زید مہر فاطمی دینا نہیں چاہتا اورلڑکی کچھ مہر کے بارے میں نہیں کہہ رہی ہے، تو کیا زید کےاوپر مہر فاطمی دیناواجب ہوگا یا کوئی مہر دیناواجب ہوگا ؟

المستفتی: نورالعین، دیوریاوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرزید کومہر فاطمی کی مقدار بالکل معلوم نہیں رہی ہے، نہ اجمالاً اور نہ ہی تفصیلاً اور بعد میں معلوم ہونے پر طاقت سے باہر کہہ رہاہے، تو ایسی صورت میں زید پر اپنی بیوی کے لئے مہر مثل واجب ہوگا اور مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کی بہن، پھوپی وغیرہ کا جومہر باندھا گیاہے، وہی لازم ہوگا۔

وإذا تزوجها على مثل هذا الزنبيل حنطة، أو بوزن هذا الحجر ذهباً، أو على قدر مهر فلانة أوقيمة هذا العبد أو قيمة عبد يجب مهر المثل ولا يزاد على المسمىٰ. (هندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الخامس في المهر، زكريا ١/ ٣١٠، جديد زكريا ١/ ٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۲۹۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۱؍۱۴۱۳ھ

سکۂ رائج الوقت سے کیا مراد ہے؟

سوال [٥٨٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح کے وقت جوقاضی حضرات سکۂ رائج الوقت مہروں کے ساتھ بولتے ہیں، تو سکۂ رائج الوقت سے کیا مراد ہے، ہمارے علاقہ میں بولتے ہیں، دس ہزار روپئے مہر سکۂ رائج الوقت یا مہر فاطمی سکۂ رائج الوقت ،تو سکہ رائج الوقت سے کیا مراد ہے؟

المستفتی: عبدالرشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بوقت نکاح قاضی حضرات مہروں کیساتھ جوسکہ رائج الوقت بولتے ہیں، اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ مہر کی ادائیگی کے وقت ملک کے اندر جو روپیہ رائج ہوتا ہے، اسی کی ادئیگی مراد ہوتی ہے؛ لہٰذا دس ہزار مہر سکۂ رائج الوقت سے مراد ادائیگی کے وقت میں جو روپیہ رائج اور عام ہو، اسی کا دس ہزار روپیہ مراد ہوتا ہے۔

إذا اشترىٰ من آخر شيئاً بألف درهم، ولم يسم شيئًا؛ فهذا على وجهين. الأول: أن يكون في البلد نقد واحد معروف. وفي هذا الوجه جاز العقد، ويتصرف إلى نقد البلد بحكم العرف؛ لأن المعروف كالمشروط. (تاتارخانية، زكريا۸/۲۷۳، رقم:۱۱۸۹۱)

فالذي ينبغي أن لا يعدل عنه اعتبار زمن الواقف إن عرف......(قال الشامي) **قلت: وفي زماننا وقبله بمدة مديدة ترک الناس التعامل بلفظ الدرهم، وإنما يذكرون لفظ القرش وهو اسم لأربعين نصف فضة، وهذا يختلف باختلاف الزمان، فينظر إلى قرش زمن الواقف أيضاً.** (شامي، كتاب البيوع، باب المتفرقات، مطلب فيما ينصرف إليه الدرهم، كراچي۵/۲۳۲-۲۳۳، زكريا۷/۴۸۶-۴۸۷)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء وهو الأصح. (در مختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، كراچي۲/۲۸۶، زكريا۳/۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۱۰ھ

مہر فاطمی کی نقدی قیمت

سوال [۵۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نئے وزن کے حساب سے جو مہر فاطمی کی مقدار ۱۵۳؍ تولہ ۹۰۰؍ ملی

گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی کل قیمت کیا ہوگی یہاں کئی جگہ دوکانوں پر چاندی کی قیمت معلوم کی گئی اکثروں نے ۱۰۰؍روپیہ فی تولہ بتایا، اگر سوروپیہ ہی قیمت لگائی جائے تو مذکورہ مقدار کی کل کتنی رقم بنے گی؟

المستفتی: عطاء الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر فاطمی کی مقدار ۱۵۳۰؍گرام ۹۰۰؍ملی گرام چاندی ہے، جس میں دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۱۵۳؍تولہ ۹۰۰؍ملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت مارکیٹ میں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور بعض دفعہ تو دوسرے تیسرے دن بڑھنے گھٹنے کا اخبار میں اعلان آتا رہتا ہے؛ اس لئے قیمت لکھنا مناسب نہیں؛ بلکہ جس دن اس کی ادائیگی کی ضرورت پیش آئے اس دن مارکیٹ سے معلوم کرلیا جائے، اس دن کے بھاؤ کے اعتبار سے ادا کرنا ہوتا ہے۔

يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح، فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما وعليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، كراچي ۲/۲۸۶، زكريا ۳/۲۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۴۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۵ھ

مہر فاطمی کس قیمت سے ادا کی جائے گی؟

سوال [۵۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دس سال پہلے زید کے ذمہ مہر فاطمی تھا، اب ادا کررہا ہے، مگر چاندی

کے ریٹ بہت بڑھ گئے ہیں، کیا زید کی بیوی چاندی کا ریٹ کم لگا کر مہر فاطمی کے پیسے پہلے ریٹ پر لے سکتی ہے؟ مہر ادا ہو جائے گا؟

المستفتی: عبدالرشید

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کیلو تیس گرام نوسو ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

اور اس کی قیمت اس دن کے ریٹ کے حساب سے لگائی جاتی ہے، جس دن مہر ادا کیا جاتا ہے؛ لہٰذا دس سال پہلے مہر فاطمی باندھا ہے اور آج ادا کرنا ہے، تو پہلے ہی کے ریٹ کے حساب سے قیمت لگانا جائز نہیں ہے۔

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء وهو الأصح (درمختار) وفي الشامية: إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب وقيل يوم الأداء. وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، كراچي ۲/۲۸٦، زكريا ۳/۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۱۰ھ

مہر کی ادائے گی میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال [۵۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح ۱۲/ ربیع الاوّل ۱۴۲۴ھ مطابق ۷/ دسمبر ۲۰۰۳ء کو ہوا اس وقت جو زید کے نکاح میں مہر مقرر ہوا مہر فاطمی، جس کی قیمت اس وقت ساڑھے ۱۲/ ہزار روپیہ تھی، جو نکاح کے وقت رسید میں لکھ دی گئی تھی۔ اب کیا اس کو اُس وقت کی رقم دینی ہے یا اِس وقت کی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: مشاہد حسین اشرفی، سرائے سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رسید میں مہر کی صراحت دیکھی گئی ہے، اس میں مہر فاطمی لکھا ہوا ہے، جس کی قیمت بوقت عقد ساڑھے بارہ ہزار روپیہ تھی، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مہر کی ادائیگی جس وقت کی جائے، اسی وقت کی قیمت کا اعتبار ہے اور عقد کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہیں ہے اور مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کیلو ۳۰/گرام ۹۰۰/ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت ادائیگی کے دن بازار سے معلوم کر کے ادا کردیں۔ (ایضاح المسائل ۱۳۰)

وإن كان دينا كان للزوج أن يحبسه ولايدفع غيره؛ لأن الدراهم والدنانير لاتتعينان لعقود المعاوضات وإن عينت إلا إذا كانت نقرة، أوتبراً، أو ذهباً، أو فضةً؛ فإنها تتعين إذا عينت وإذا ورد الطلاق قبل الدخول لها، ففي كل موضعٍ كان للرجل أن يعطيها غيره. (تاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل السابع عشر، زكريا٤/١٦٣، رقم:٥٨٤٣)

وعندهما في الفصلين جميعاً يؤدي قيمتها يوم الأداء في النقصان درهمين، ونصفاً. وفي الزيادة عشرة هما يقولان: الواجب جزء من النصاب وغير المنصوص عليه حق لله تعالىٰ غير أن الشرع أثبت له ولاية أداء القيمة اما تيسرا عليه وأما نفلا للحق والتسير له في الأداء دون الواجب. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في التصرف في مال الزكاة قديم ٢/٢٣، جديد زكريا٢/١١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۹۲۰)	۱۴۳۱/۳/۳ھ

مہر فاطمی میں چاندی کی قیمت دی جائے تو کونسی قیمت معتبر ہوگی؟

سوال [۵۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی میں چاندی کا وزن ایک کلو سے زائد ہوتا ہے، اگر کوئی شخص چاندی کے بجائے اس کی قیمت ادا کرے تو کونسی قیمت لگائی جائے گی؛ اس لئے کہ صراف کی دوکان میں الگ بھاؤ ہوتا ہے اور سرکاری بھاؤ الگ ہوتا ہے اور دونوں بھاؤ میں تقریباً دوڈھائی ہزار روپیہ فی کیلو کا تفاوت ہوجاتا ہے۔

فریقین میں اختلاف ہوگیا لڑکی والے صراف کی دوکان کے حساب سے قیمت لگاتے ہیں اور لڑکے والے سرکاری بھاؤ کے حساب سے لگاتے ہیں؛ کیونکہ روپئے پیسے کا مول سرکاری ہے یعنی پبلک نہیں؟ آپ محقق ومدلل جواب عنایت فرمائیں کہ کس حساب سے حساب لگایا جائے گا؟

(۲) نیز ماشہ، تولہ، بھری، ان تینوں میں کیا فرق ہے؟ تینوں ہم وزن ہیں یا ان کے مابین فرق ہے؟

المستفتی: ارشد خاں شاہد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب فریقین کے درمیان اختلاف ہوگیا، اور چاندی کا بھاؤ صراف کی دوکان اور سرکاری دوکان میں الگ الگ ہے، تو ادائیگی کے دن کی خریداری کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا، دونوں فریق ادائیگی کے دن بازار میں جاکر قیمت معلوم کرلیں، اس روز جو قیمت بازار میں ہوگی وہی ادا کی جائے گی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۳۸)

عند أبي حنيفةؒ في الزيادة والنقصان جميعاً يؤدي قيمتها يوم الحول. وعندهما في الفصلين جميعاً يؤدي قيمتها يوم الأداء. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في اموال التجارة في الزكاة، كراچي۲/۲۳، جديد زكريا ۲/۱۱۵)

وقال ذٰلک والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا الخ.

(بدائع الصنائع ۲/۲۲، جدید زکریا۲/۱۱٤)

(۲) تولہ اور ماشہ میں فرق یہ ہے، ۸؍رتی کا ایک ماشہ ہوتا اور ۱۲؍ماشہ کا ایک تولہ۔

(مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۰، ایضاح الطحاوی ۳؍۱۹۳)

بھری کے بارے میں ہم کو معلومات نہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۱۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶؍۶؍۱۴۲۰ھ

ایک زمانہ کے بعد مہر کی ادائیگی کا حکم

سوال [۵۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دریافت طلب امر یہ ہے کہ میری شادی ۱۹۴۵ء میں ہوئی تھی، اس وقت انگریزی سکہ چاندی کا روپیہ تھا تعداد مہر میں مبلغ ۳۵؍روپیہ ۱۰؍آنہ چھ پائی مقرر ہوئی تھی؛ لیکن احقر آج تک اس کو ادا نہ کر سکا اہلیہ کا انتقال بھی ہوگیا۔احقر اب اس کی ادائیگی کرنا چاہتا ہے، اب اس کی تعداد کیا ہوگی اور اس کا قاعدہ کیا ہوگا؟ جس سے احقر اپنے قرض سے بری ہوجائے، اہلیہ کے بھتیجے بھی ہیں اور پانچ لڑکے ایک لڑکی ہے۔تفصیل سے نوازیں ایک صاحب کہتے ہیں ۳۵؍روپیہ دس آنہ چھ پائی کے بقدر چاندی موجودہ اوزان کے اعتبار سے دو سوننانوے، دوسوساڑھے چون ملی گرام ہوتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس زمانہ میں جب آپ کی شادی ہوئی تھی، چاندی کا سکہ چلتا تھا تو آج آپ کی اہلیہ کا مہر چاندی کے ۳۵؍روپیہ ۱۰؍آنہ چھ پائی کا حساب لگا کر ادا کیا جائے گا اور اس کا وزن اور قیمت صرافہ سے جا کر معلوم کیا جائے کہ آج سے ۵۸؍

سال پہلے چاندی کا جوسکہ چلتا تھا، اس کا وزن کتنا ہوتا تھا؟

استقرض من الفلوس الرائجة فعليه مثلها كاسدة ولا يغرم قيمتها. قال الشامي: أي إذا هلك وإلا فيرد عينها اتفاقاً. (درمختار مع الشامي، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، كراچي ١٦٢/٥، زكريا٧/ ٣٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۹۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۳ھ

مہر فاطمی کی قیمت نکاح کے وقت کے اعتبار سے دی جائے گی یا طلاق کے؟

سوال [۵۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن کا تقریباً پانچ سال پہلے مہر فاطمی کے عوض نکاح ہوا تھا، اب اس کو طلاق ہوگئی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کا مہر کس حساب سے ادا ہوگا، نکاح کے وقت کا اعتبار رہوگا یا طلاق کے وقت کا؟ جو بھی ہو حکم شرعی سے مطلع فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد رضی، محلّہ: چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہر فاطمی کا وزن ڈیڑھ کلو تیس گرام نوسو ملی گرام چاندی ہے، جس دن وہ مہر ادا کیا جائے گا، اسی دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/ ۱۲۸، جدید زکریا ۵/ ۱۲۷، محمود یہ ڈابھیل ۱۲/ ۵۸، کتاب الفتاوی ۴/ ۴۹۰)

الزوج مخير في تسلميه و تسليم قيمته......وإنما يتقرر مهراً بالتسليم، فتعتبر قيمته يوم التسليم. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ادنى المهر، زكريا ٢/ ٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۶۰/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۸/۹ھ

مہر فاطمی کی مقدار اور مہر کس ریٹ سے ادا کریں؟

سوال[۵۸۹۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟

(۲) مہر کی ادائیگی کے وقت کون سے ریٹ سے مہر ادا کئے جائیں، مارکیٹ ریٹ سے ادا کریں یا اخبار میں جو ریٹ چھپتے ہیں، ان کے حساب سے ادا کریں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد یونس سیوہارا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر فاطمی کی مقدار موجودہ گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۳۰ رگرام ۹۰۰ رملی گرام چاندی ہے اور مہر کی ادائیگی کے وقت میں آپ کے شہر اور علاقہ کی مارکیٹ اور بھاؤ کا اعتبار ہوگا؛ لہٰذا اس مارکیٹ میں چاندی کی جو بھی قیمت ہوگی، اسی کے اعتبار سے مہر ادا کیا جائے گا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب. وقالا: يوم الأداء (درمختار) وتحته في الشامية: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، كراچي ۲/۲۸٦، زكريا ديوبند ۳/۲۱۱، الدر المنتقي، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۰۱، البحرالرائق، كوئٹه ۲/۲۲۱، زكريا۲/۳۸٦)

ويقوم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة ويقومها ففي أقرب الأمصار إليه المالک في البلد الذي فيه المال، ولو كان في مفازة تعتبر قيمته في أقرب الأمصار إلى ذلک الموضع. (در مختار زكريا ۳/۲۱۱، كراچي ۲/۲۸٦، فتاوى عالمگيري، زكريا ۱/۱۸۰، جديد ۱/۲٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ر ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ ر ۱۰۵۶۵)

مہر میں قیمت کا اعتبار عقد کے وقت کا ہوگا یا ادائیگی کے وقت کا؟

سوال [۵۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ۲۰۰۲ء میں ہوئی اور مہر فاطمی مہر میں طے ہوا، زید اپنا مہر اس وقت ادا نہیں کر سکا اور اس وقت چاندی کی قیمت ۸۰/روپیہ گرام تھی اور اس وقت مہر ادا کرنا چاہتا ہے، اس وقت چاندی کی قیمت ۱۰۰/روپیہ گرام ہے۔ اب زید موجودہ قیمت ادا کرے گا یا ۲۰۰۲ء کی قیمت ادا کرے گا۔

نوٹ: ندائے شاہی ماہ فروری ص: ۴۴/ پر مہر کی ادنی مقدار دس درہم یا اس کے بقدر قیمت ہے، قیمت کا اعتبار عقد کے وقت کا ہوگا، ادائیگی کے وقت کا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مہر فاطمی متعین ہوا ہے، تو اصلاً مہر فاطمی ہی دینا چاہئے اور وہ پانچ سو درہم چاندی ہیں، موجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۳۰/گرام ۹۰۰/ملی گرام ہے، بیوی کو اسی مہر کے مطالبہ کا حق بدستور باقی رہتا ہے، ہاں البتہ شریعت نے ادائیگی کی آسانی کے لئے مہر کا بدل قیمت دینے کی بھی اجازت دی ہے۔

رسالہ ندائے شاہی کی عبارت دیکھی گئی، اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ادائیگی کے وقت کیا بیوی کو مہر فاطمی کے مطالبہ کا حق نہیں رہتا ہے؟ اگر شوہر یوم العقد کی قیمت دینا چاہے اور بیوی قیمت کے بجائے اصل مہر فاطمی کا مطالبہ کرے تو کیا فیصلہ ہونا چاہئے؟ ظاہر بات ہے کہ بیوی کو اپنا بعینہ مہر فاطمی کے مطالبہ کا حق حاصل ہے، تو بدل کی صورت میں اس وقت کی قیمت کے مطالبہ کا بھی حق ہوگا اور رسالہ ندائے شاہی میں جو یوم العقد کی قیمت کا اعتبار لکھا ہوا ہے اور وہی موضوع بحث بھی بنا ہوا ہے، تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ قیمت لگانے کے بارے میں فقہاء کے جزئیات دو طرح ہیں:

(۱) وہ جزئیات جس میں یوم العقد کی قیمت کے اعتبار کرنے کو لکھا گیا ہے۔

(۲) وہ جزئیات ہیں جس میں یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار کیا گیا ہے، رسالہ ندائے شاہی کے مضمون نگار نے پہلی قسم کی جزئیات کو دیکھ کر یوم العقد کی قیمت کا اعتبار لکھا ہے، جو راجح اور مفتی بہ قول نہیں ہے؛ بلکہ راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا؛ البتہ یوم العقد کی قیمت کے اعتبار کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ عقد کے وقت مہر فاطمی کی قیمت بھی اسی وقت لگا کر نکاح کی رسید میں صراحت کردی گئی ہو، تو ایسی صورت میں اصل مہر چاندی نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا بدل جو عقد کے وقت میں بنا تھا وہی اصل مہر بن جائے گا، مثلاً نکاح کی رسید میں اس طرح صراحت کردے کہ مہر فاطمی ہے، جس کی قیمت آج فلاں تاریخ کو اتنے روپئے بنتے ہیں، تو یوم العقد میں قیمت لگا کر اگر روپیہ کی صراحت کردی گئی ہے، تو پھر یوم العقد کا اعتبار درست ہے، ورنہ یوم الاداء کا اعتبار کرنا ضروری ہوگا۔

ولا يجوز دفع غيره من غير رضاها، فكان مستقراً مهراً بنفسه في ذمته، فتعتبر قيمته يوم الاستقرار وهو يوم العقد فأما الثوب و إن وصف فلم يتقرر مهراً في الذمة بنفسه؛ بل الزوج مخير في تسليمه وتسليم قيمته في إحدى الروايتين على ما نذكر إن شاء الله، وإنما يتقرر مهراً بالتسليم فتعتبر قيمته يوم التسليم. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان أدنى المهر، زكريا ٢/ ٥٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۴ھ

شوہر کا مہر دینے سے انکار کرنا

سوال [۵۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ محمد زید نے رقیہ کو چار آدمی کی موجودگی میں تین طلاقیں دیدیں۔

اب محمد زید رقیہ کو مہر دینے کو منع کرر ہا ہے؛ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ میں شریعت کیا کہتی ہے؟ آپ اس کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمادیں۔

المستفتی: محمد سراج الدین، رحمت نگر، گلی نمبر ا/مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مہر کے ذمہ میں واجب ہوجانے کے بعد اس کو ادا کرنا لازم ہوتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جب شوہر نے بیوی کو طلاق دیدی اور مہر اس کے ذمہ لازم ہو چکا تھا، تو اس مہر کو ادا کرنا ضروری ہوگا، شوہر کا مہر ادا کرنے سے منع کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، مہر کا ادا کرنا اس پر بہر حال واجب ہے۔

والمهر يتأكد بإحدى معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين...... حتى لا يسقط منه شيئٌ بعد ذلك. (هندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكدبه المهر، زكريا قديم ۱/۳۰۳، زكريا جديد ۱/۳۷۰)

فحاصله أن المهر يجب بالعقد و يتأكد بإحدى معان ثلاث الدخول، والخلوة الصحيحة. (البحر الرائق، كوئٹه ۳/۱۴۳، زكريا ۳/ ۲۵۱، ۲۵۲)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (إلى قوله) ألا لاتظلموا، ألا لاتظلموا، ألا لاتظلموا، أنه لا يحل مال امرئٍ الا بطيب نفس منه. (مسند إمام أحمد بن حنبل ۵/ ۷۳، رقم: ۲۰۹۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱/۱۴۳۳ھ

شوہر بیوی کو طلاق دے کر مہر نہ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور ہندہ دونوں میاں بیوی ہیں، ان دونوں میں کچھ نا اتفاقی ہوئی، زید ہندہ کو طلاق دینا چاہتا ہے؛ لیکن وہ مہر دینے پر تیار نہیں ہے، ہندہ کہتی ہے کہ مجھے میرا مہر دیجئے اور طلاق دیجئے، مہر دس ہزار روپیہ اور موجودہ زیور ہے از روئے شرع مطلع فرمائیں کہ لڑکی اپنے حق کی حقدار ہوئی یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں زید پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

المستفتی: عبدالحی، بھوجپوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دینے کا حق شوہر کا ہے، اس پر کوئی جبر نہیں ہے، اگر وہ اپنے اختیار سے طلاق دیدے گا تو شوہر کے اوپر پورا مہر ادا کرنا اور سامان جہیز کا واپس کر دینا واجب ہوگا۔

أن تأجيل المهر إلى غاية معلومة نحو شهر، أو سنة صحيح، وإن كان لا إلى غاية معلومة (إلي قوله) قال بعضهم يصح وهو الصحيح وهذا لأن الغاية معلومة في نفسها وهو الطلاق، أوموت الخ. (فتاوى عالمگيري، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الحادي عشر في منع المرأة نفسها، زكرياقديم ۱/۳۱۸، زكريا جديد ۱/۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۱۱۹۷)

نا قابل جماع عورت کا مہر

سوال [۵۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی کی شادی آج سے تقریباً آٹھ ماہ قبل محمد عالم کے ساتھ ہوئی تھی، نکاح کے بعد رخصتی ہوئی، رات جب دونوں ایک جگہ ہوئے تو میری لڑکی حق زوجیت ادا نہ کرسکی؛ کیونکہ اس کی شرمگاہ بند تھی، اس کے بعد بھی وہ تین بار اپنے شوہر کے پاس گئی؛ لیکن حق زوجیت ادا نہ کرسکی، اب میرے گھر پر ہے اور اس کو طلاق ہورہی ہے، ان حالات کے مدنظر میری لڑکی کو مہر نکاح لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: سراج الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ بات تحقیق سے ثابت ہوچکی ہے کہ لڑکی کی شرمگاہ تنگ ہونے کی وجہ سے وہ قابل مجامعت نہیں ہے اور اس کی ڈاکٹری جانچ بھی ہوچکی ہے اور لڑکی والے بھی اس بات کا اقرار کر رہے ہیں، تو ایسی صورت میں میاں بیوی کے درمیان جو تنہائی ہوئی ہے، شرعی طور پر یہ تنہائی معتبر نہیں ہے؛ اس لئے اب اگر طلاق ہوجاتی ہے، تو یہ قبل الدخول طلاق کے حکم میں ہے، تو ایسی صورت میں شوہر پر صرف نصف مہر ادا کرنا واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا فرزانہ آدھا مہر مانگنے کا حق رکھتی ہے، پورا مہر اس کو نہیں ملے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۶۸/۳، جدید ڈابھیل ۱۰۳/۱۲، عزیز الفتاوی ۴۴۰/۱)

وإن طلقها قبل الدخول، والخلوة، فلها نصف المسمیٰ. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفي ديو بند ۳۲٤/۲)

ومن الموانع لصحة الخلوة أن تكون المرأة رتقاء، أو قرناء، أو عفلاء أوشعراء، كذا في التبيين. (عـالـمـگيـري، زكريا قديم كتاب النكاح، الباب السابع في المهر الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر والمتعة، قديم ۳۰۳/۱ جديد ۳۷۱/۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۱۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۴/۱۴۲۳ھ

رتقاء کو طلاق دینے پر نصف مہر لازم

سوال [۵۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بھائی کی شادی آٹھ ماہ پہلے ہوئی تھی، لڑکی اس قابل نہیں ہے کہ حق زوجیت ادا کر سکے اس کی شرمگاہ بند ہے، اس وجہ سے لڑکی حق زوجیت ادا نہیں کر سکتی ہے، ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق اس کا علاج امریکہ میں ہوسکتا ہے، دوران علاج جان کا بھی خطرہ ہے، علاج کے لئے اتنا خرچ نہ لڑکی والے کر سکتے ہیں اور نہ لڑکے والے۔ اوراس مرض کا علم لڑکی والوں کو پہلے سے تھا، لڑکے والوں کو دھوکہ دے کر رکھا گیا، یہ پتہ چلا ہے کہ وہ اپنی لڑکی کو دولہن دیکھنا چاہتے تھے، لڑکی سسرال میں تین دن رہ چکی ہے، تینوں مرتبہ حق زوجیت ادا نہ کرسکی۔

اب لڑکی اپنے گھر رک گئی ہے طلاق کی نوبت آگئی ہے، لڑکی کے والدین مہر کا مطالبہ کررہے ہیں، ان حالات میں لڑکے پر مہر ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عتیق، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس عورت کی شرم گاہ اس طرح بند ہو کہ حق زوجیت پورا نہ ہو سکے، تو جب اس کا شوہر اسے طلاق دیدے، تو اس کا نصف مہر شوہر کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔

کما في الهداية: فليست الخلوة صحيحة حتى لو طلقها كان لها نصف المهر؛ لأن هذه الأشياء موانع. وفي الفتح: ومن فصل الموانع ذكر منها الرتق، والقرن، والعفل. (فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ۳/ ۳۲۰،

کوئٹہ ۳/۲۱۷، دارالفکر بیروت۳/۳۳۲، تنویر الأبصار مع الشامية، کراچي ۳/۱۱٤، زکریا٤/ ٢٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۷۸۱/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۴/۱۴۱۷ھ

رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کی ادائیگی کا حکم

سوال [۵۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ میرے بڑوں نے میرا رشتہ طے کردیا، ۱۵/۲۰ دن کے بعد میرے دل میں والدہ کو حج پر لے جانے امنگ پیدا ہوئی ہے، سوچا کہ اگر نکاح ہوتا تو میں ان کا بھی فارم بھر کر تینوں لوگ ساتھ چلیں گے، پھر ایسا ہوگیا کہ اس لڑکی سے میرا نکاح ہوگیا، میں نے پاسپورٹ کی تیاری شروع کردی، کچھ ٹائم کے بعد مجھے پتہ چلا کہ جس لڑکی سے میرا رشتہ یعنی نکاح ہوا ہے، وہ لڑکی کریکٹر کی غلط ہے، اس پر میں نے غور وفکر شروع کردی سچائی سامنے آتی چلی گئی میں نے اس لڑکی سے فون پر بات کرکے سب کچھ بتا دیا، جس کے میں نے ثبوت حاصل بھی کئے، مجھے نفرت تو ہوئی پھر بھی میں نے سوچا کہ اسے نبھانے کی کوشش کرلیں گے، مگر نکاح کے بعد بھی اس نے کسی لڑکے سے اپنا گندہ تعلق بنانے کی پوری کوشش کی؛ جوکہ نہایت گندگی بھری کیسٹ ہے، جوکہ میں نے حاصل کرلی۔

اب مجھے پوری طرح نفرت ہوگئی، اور میں نے اس سے فون پر ہی تین بار طلاق لفظ کہہ کر اپنے معاملے کو پاک صاف کرلیا، اب وہ بھی اپنے میکے میں ہے، رخصت نہیں ہوئی تھی، رخصتی عید پر ہوگی، صرف نکاح ہوا تھا۔ اب مجھے برائے مہربانی بتائیں شریعت کی رو سے اس کا میرے اوپر کیا حق بنتا ہے اور کیا مجھے دینا ہے، اس کے مہر ۵۰/ ہزار

روپیہ بندھے تھے، کیا مہر دینا ہے اور کتنا دینا ہے؟ مجھے آگاہ کریں تاکہ اس قرض کو ادا کر کے میں سبکدوش ہوجاؤں۔

المستفتی: پیرغیب، کھنی گلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس لڑکی سے پچاس ہزار روپیہ مہر پر عقد نکاح کیا، پھر رخصتی سے پہلے اس کو تین طلاق دیدی ہے، تو وہ زوجیت سے خارج ہوچکی ہے۔ اوراس طرح رخصتی سے پہلے طلاق دینے سے شرعاً نصف مہر ادا کرنا لازم ہوجاتا ہے؛ لہٰذا پچاس ہزار روپیہ مہر میں سے پچیس ہزار روپیہ ادا کرنا لازم ہوگا،اس کے علاوہ اور کسی چیز کے مطالبہ کا حق باقی نہیں رہے گا۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ. [البقرہ:۲۳۷]

وللمطلقة قبل الدخول نصف المفروض. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ٢٢٠، رقم: ٦٠٢٢)

ويجب نصفه: أي نصف المهر بطلاقٍ قبل وطء، أو خلوةٍ. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/ ١٠٤، زكريا ٤/ ٢٣٥)

وإن طلقها قبل الدخول، والخلوة، فلها نصف المسمىٰ. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۴۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۲۹ھ

ہمبستری سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کا حکم

سوال [۵۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے نکاح کیا اور نکاح کے بعد بغیر ہمبستری کے ممبئی چلا گیا، وہاں سے اس کو تین طلاق دیدی، اس صورت میں مہر کتنا مقرر ہوگا؛ جبکہ فاطمی مہر مقرر کیا گیا تھا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: شیخ جسیم الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شوہر کے گھر آنے کے بعد شوہر زید اور لڑکی دونوں ایک کمرہ میں تنہائی اختیار کر چکے ہیں، تو ایسی صورت میں اگر چہ ہمبستری نہیں کی ہے، پھر بھی پورا مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔

وإن طلقها قبل الدخول، والخلوة، فلها نصف المسمىٰ (وقوله) وشرط أن يكون قبل الخلوة؛ لأنها كالدخول. (هداية، كتا ب النكاح، باب المهر اشرفي ديو بند ۲/ ۳۲٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۱۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۲۶ھ

خلوت سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کا حکم

سوال [۵۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے محمد زبیر ولد نعمت اللہ نے ایک نکاح بغیر میرے یا کسی عزیز کے علم میں لائے کر لیا اور مہر فاطمی مقرر ہوئے؛ لیکن دونوں کے درمیان حق زوجیت قائم نہیں ہوا۔ اب کسی وجہ سے لڑکے نے کئی لوگوں کی موجودگی میں تین مرتبہ طلاقیں دیدیں؛ لہٰذا لڑکے کے ذمہ مہر کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: نعمت اللہ قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکے نے اپنی منکوحہ کو رخصتی سے پہلے تین طلاق دیدی ہے، تو اس سے اس کی منکوحہ بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اور رخصتی اورخلوت سے پہلے طلاق دینے سے نصف مہر واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا جومہر فاطمی مقرر ہوا ہے، اس کا نصف ادا کرنا لازم ہوجائے گا۔

وإن طلقها قبل الدخول بها، والخلوة، فلها نصف المسمیٰ؛ لقوله تعالیٰ: وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن. الآية (هداية، كتاب النكاح، باب المهر، اشرفي ديوبند۲/ ۳۲٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۹۶)

خلوت صحیحہ سے قبل طلاق کی صورت میں مہر کا حکم

سوال [۵۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی زینب کے ساتھ مہر متعینہ سے ہوئی چھ سات مہینہ گذر گئے، مگر ابھی تک میاں بیوی نے نہ کبھی خلوت اختیار کی اور نہ ہی کسی طرح کی بات چیت کی، ایک دن مجلس بلائی گئی اور زید کو زینب کی طرف آمادہ کیا گیا، مگر وہ اس کی طرف مائل ہونے کے بجائے حاضرین کے سامنے اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی۔

اب ایسی صورت میں زید پر زینب کو کیا کیا چیز دینا فرض، واجب اور سنت ہے؟ مدلل اور مفصل جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: عبدالباری، مسکونہ مہتری، ڈاکخانہ: پھرکیہ، پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرنابالغ شوہرنے اپنی بیوی کوخلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی ہے،تو شوہر پرنصف مہرادا کرناواجب ہے،متعہ وغیرہ واجب نہیں ہے۔

ويجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة. وفي الشامي: أي نصف المهر المذكورة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤/٢٣٥، كراچي ٣/١٠٤)

وتستحب المتعة عن سواها: أي المفوضة إلا من سمىٰ لها مهر وطلقت قبل وطء، فلا تستحب لها. (الدر المختار، باب المهر، كراچي ٣/١١١، زكريا ٤/٢٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۲۵ر۱۵۶۸)

خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہو جائے تو کتنا مہر ملے گا؟

سوال [۵۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب مختار احمد کا عقد نکاح ہمراہ مسماۃ شاہجہاں بیگم عرف بدھو سے بالعوض مبلغ ایک ہزار روپیہ نصف معجّل اور نصف مؤجل عمل آیا اور نکاح نامہ کی خانہ کیفیت میں مبلغ پانچ سو روپیہ حقیقت سے وصول پائے تحریر ہوئے۔

قدرتی معذوری اور ڈاکٹری مشورہ کی وجہ سے مسماۃ شاہجہاں بیگم مذکورہ کی رخصتی عمل میں نہیں آئی اور مسماۃ شاہجہاں بیگم مذکورہ نے بعوض مبلغ پانچ سو روپیہ اپنے شوہر مختار احمد سے خلع کرلیا اور مابین زوجین طلاق زبانی عمل میں آگئی،تو دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ بالا تفصیل کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے شاہجہاں نے طلاق لے لی،تو کل مہر ایک ہزار میں سے کتنے کی حقدار تھی؟

المستفتی: محمد وکیل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شاہجہاں بیگم نے خلوت صحیحہ سے قبل بعوض مہر پانچ سو رروپیہ کی جائیدا پر قبضہ کر کے اپنے شوہر سے اس پر خلع کر لیا،تو اب شاہجہاں بیگم کا مہر مکمل طریقہ پر ادا ہوگیا؛ اس لئے کہ خلوت صحیحہ سے قبل طلاق دینے پر نصف مہر واجب ہوتا ہےاور اس پر شاہجہاں نے قبضہ کر کے خلع کرلیا۔اب وہ بقیہ پانچ سو روپیہ کی مستحق نہیں ہے۔

فإن طلقها قبل الدخول بها، فلها نصف. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفي ديو بند۲/ ۳۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان المعظم۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۵۵۰/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۸/۵ھ

طلاق قبل الدخول کی صورت میں مہر اور نکاح کے خرچہ کا حکم

سوال [۵۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح رقیہ سے ہوا (رخصتی نہیں ہوئی) مہر دس ہزار نصف معجّل اور نصف غیر معجّل تھے۔زید اپنی مردانی کمزوری کی وجہ سے رخصتی کرنے کو تیار نہیں ہےاور رقیہ کے عزیز بھی ان حالات میں یہی بہتر سمجھ رہے ہیں کہ رخصتی نہ کی جائے۔

(۱) سوال یہ ہے کہ اگر زید رقیہ کو طلاق دیتا ہے،تو رقیہ مہر کی حقدار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کتنے مہر کی؟

(۲) نکاح کے موقع پر رقیہ کے والدین کا قریب چار ہزار روپئے خرچہ ہوا، وہ روپئے ان کو زید سے لینا چاہئے یا نہیں؟ اور کتنا لینا چاہئے۔جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد انصار علی،مغل پورہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) قبل رخصتی طلاق دینے سے نصف مہر دینا شوہر کے ذمہ لازم ہے۔

وإن طلقها قبل الدخول،والخلوة، فلها نصف المسمیٰ. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفي ديوبند ۲/ ۳۲٤، فتاوی عالمگيري ، جديد ۱/ ۳۷٤، قديم زكريا ۱/ ۳۰۸، زيلعی امدايه ملتان ۲/ ۱۳۸، زكريا ۲/ ۵۳۹)

(۲) نکاح کے موقع پر رقیہ کے والدین نے جو خرچ کیا ہے زید سے اس کا مطالبہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۲۸/۳، جدید زکریا ۴۰۷/۸)

لارجوع فيما تبرع عن الغير. (قواعد الفقه، اشرفی ديوبند ۱۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۷۷۱/۲۵)

طلاق ثلاثہ کے بعد دین مہر اور جہیز کا حکم

سوال [۵۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طلاق ثلاثہ کے بعد لڑکی کا مہر لڑکے کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ اور جو لڑکی کے باپ نے سامان جہیز دیا ہے، وہ لڑکے کے گھر موجود ہے، وہ بھی واپس ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس لڑکی کے دو بچے ہیں ایک لڑکا اور ایک لڑکی، لڑکی کی عمر ۴/ سال، لڑکا ۵/ ماہ کا ہے، لڑکی اپنے بچوں کو لے کر اپنے باپ کے گھر آ گئی ہے بچوں کا کیا ہوگا؟

مندرجہ ذیل سوالوں کا جواب مطلوب ہے۔

(۱) میری مطلقہ ثلاثہ لڑکی کا دین مہر لڑکے (شوہر) کے ذمہ موجود ہے، تو کیا اس کو دینا ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ لڑکے نے تینوں طلاقیں دیدی ہیں؟

(۲) لڑکی کا سامان جہیز بھی لڑکے کے یہاں ہے، تو کیا لڑکے پر اس کا واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) لڑکی کے دو بچے ہیں، ایک لڑکی ۴؍سال اور لڑکا ۵؍ ماہ کا ہے، ان کا حق پرورش کس کو ہے اور پرورش کے خرچ کا ذمہ دار کون ہوگا لڑکی یا لڑکا؟

المستفتی: گوچھن بیگ، محلہ: اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر کی طرف سے شرعی طلاق سے تفریق ہوگئی ہے، تو شوہر پر پورے دین مہر ادا کرنا واجب ہے اور بیوی کے سامان جہیز اس کو واپس کر دینا واجب ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸؍۳۵۷)

اور لڑکا ۷؍سال کی عمر تک اور لڑکی بالغ ہونے تک بیوی اپنی پرورش میں رکھ سکتی ہے، اس عرصہ میں بچوں کے اخراجات شوہر پر لازم رہیں گے۔

فعليه المسمىٰ إن دخل بها، أو مات عنها؛ لأنه بالدخول يتحقق تسليم المبدل وبه يتأكد البدل و بالموت ينتهي النكاح نهايته (إلى قوله) فيتقرر بجميع مواجبه. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفي ديوبند ٢/٣٢٤)

والحاضنة أمّاً، أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتىٰ (إلى قوله) أحق بها بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ في ظاهر الرواية. (الدر المختار، باب الحضانة، كراچي ٣/٥٦٦، زكرياه ٥/٢٦٧)

ونفقة أولاد الصغار على الأب. (هداية، اشرفي ٢/٤٤٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۸۹۱)

خلوت صحیحہ کے بعد مہر اور عدت کا حکم

سوال [۵۹۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ رقیہ کا نکاح زید سے ہوا، نکاح کے وقت رقیہ نے زبان سے اقرار نہیں کیا؛ بلکہ دستخط کر دیئے، پھر رخصتی ہوکر سسرال چلی آئی، رات میں پہلی ملاقات رقیہ کی زید سے ہوئی، تو رقیہ زید کو دیکھتے ہی چیخ ما کر بیہوش ہو جاتی ہے، اتنے میں زید نے امی کو آواز دی، پھر رقیہ کو باہر لایا گیا، رقیہ صبح اپنے میکہ آجاتی ہے، رقیہ کے بیہوش ہونے کی وجہ یہ تھی کہ پہلے سن چکی تھی کہ لڑکے کی عمر زیادہ ہے، مگر اس کو یقین نہ آیا، یقین اس وقت آیا جبکہ پہلی ملاقات ہوئی، رقیہ بتارہی ہے کہ لڑکے کی عمر تقریباً ۵۵؍سال ہے؛ جبکہ لڑکی کی عمر ۲۲؍سال ہے، بہر حال تمام حالات اپنے میکے والوں کو بتادئے لڑکی والوں نے لڑکے سے طلاق دلوادی۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ لڑکی پر عدت واجب ہے یا کفارہ ادا کرنا ہوگا، کیوں کہ رقیہ بتارہی ہے کہ زید کا میرے جسم پر ہاتھ تو درکنار سلام وکلام تک نہیں ہوا۔ اور یہ بتائیں مہر ادا کرنا ہوگا یا نہیں؟ اگر ادا کرنا ہوگا تو کتنا لڑکی والوں کو یا لڑکے والوں کو؟ حدیث کی روشنی میں حوالوں کے ساتھ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: شہناز بیگم، پرنس روڈ-۶؍مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب میاں بیوی میں خلوت صحیحہ ہوگئی ہے، تو پوری طرح مدخول بہا کا حکم وجوب مہر اور وجوب عدت کے بارے میں لگ جائے گا؛ لہٰذا رقیہ پر عدت گذارنا واجب ہوگا اور اگر رقیہ نے مہر معاف نہیں کیا ہے اور نہ ہی خلع وغیرہ کیا ہے، تو زید پر پورا مہر ادا کرنا لازم ہوگا اور مہر شوہر ہی پر واجب ہوا کرتا ہے۔

وإذا خلا الرجل بامرأته وليس هناك مانع من الوطئ، ثم طلقها، فلها كمال المهر......وعليها العدة في جميع هذه المسائل. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفي ديوبند ۲/ ۳۲۵-۲/ ۳۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۷۹)

خلوت صحیحہ کے بعد کتنا مہر لازم ہے؟

سوال [۵۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل کی شادی ۱۰ر دسمبر ۲۰۰۴ء کو انجام پذیر ہوئی، شب عروسی میں جب میں دولہن کے کمرے میں گیا، تو وہ دیوانوں جیسی حرکتیں کرنے لگی کہ میرے قریب مت آنا میں تیری صورت سے نفرت کرتی ہوں، میں تیرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، تو نے اگر میرا جسم چھونے کی کوشش کی تو میں چھت پر سے نیچے کود جاؤں گی، میں نے ذرا سختی اختیار کی تو وہ فورا کمرہ سے باہر چلی گئی اور اپنی چوڑیاں توڑ ڈالیں اور خودکشی کرنے پر آمادہ ہوگئی اور گھر کی عورتوں کے سامنے بھی دیوانگی کی حرکتیں کیں، دو ماہ سے وہ اپنے ماں باپ کے گھر ہے، اس حالت میں اگر اس کو طلاق دیتا ہوں تو کیا یہ میرا عمل شریعت کی رو سے جائز ہوگا یا نہیں اور چونکہ میں حق زوجیت ادا کرنے میں ناکام رہا، تو کیا اس کے مہر کی رقم ادا کرنا مجھ پر لازم ہوگا؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب میاں بیوی دونوں نے ایک کمرہ میں تنہائی اختیار کرلی اور کمرہ کا دروازہ بند کرکے تنہائی حاصل ہوگئی۔ نیز شوہر کا خود اس بات کا اقرار کرنا کہ میں نے اس سے ہمبستری پر سختی اختیار کی تو معلوم ہوا کہ اس خلوت میں آگے بھی کچھ کام ہوا ہے اور مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ شوہر نے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ لڑکی کے بغل کے بال کافی لمبے لمبے تھے، اس نے اس کو صاف نہیں کیا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں خلوت صحیحہ پائی گئی؛ اس لئے اب اگر شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے گا تو پورا مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان عن النبي صلی الله علیه وسلم مرسلا: من کشف خمار امرأة ونظر إلیها، فقد وجب الصداق دخل بها، أولم یدخل. (السنن الکبریٰ للبیهقي، کتاب الصداق، دارالفکر بیروت ۱۱/ ۵۱، رقم: ۱٤۸٥۰)

وروي عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، أنه قال من کشف خمار امرأته ونظر إلیها وجب الصداق دخل بها، أو لم یدخل وهذا نص في الباب.

(بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل و أما بیان مایتأکد به المهر، کراچي ۲/ ۲۹۲، جدید زکریا ۲/ ٥۸٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۳۲/۳۷)

مطلقہ مدخولہ کا مہر کتنا ہے، نصف یا کامل؟

سوال [۵۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی شادی کو تقریباً پونے دو سال گذر گئے ہیں، وہ اپنے شوہر کے ساتھ، شوہر کے ماں باپ و بھائی بہن کے ساتھ راضی خوشی سے رہ رہی ہے اور اس کا ایک ۵/ ماہ کا بیٹا بھی ہے، ایک دن اچانک صبح ۱۱/ بجے اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں ساس ونند سے چھپ کر اپنے اس بچے کو ساتھ لے کر اپنی سسرال سے بھاگ کر اپنے والدین کے گھر چلی گئی ہے، شوہر کو جب اس بات کا پتہ چلا تو شوہر نے اپنے ایک عزیز کو اس کے والدین کے گھر دیکھنے کے لئے بھیجا، اس شخص کے معلوم کرنے پر اس نے بتایا کہ میں اپنی سسرال والوں کو دھوکہ دے کر اپنے والدین کے گھر آ گئی ہوں۔

اب میں وہاں نہیں جاؤں گی، میں اپنے والدین کے گھر رہ کر اپنا مستقبل بناؤں گی یا مجھے میرے شوہر کے والدین سے علیحدہ مکان لے کر دیدو، اس کا یہ بیان ہے کہ میرا

شوہر پانچ روپیہ کا بھی آدمی نہیں ہے، مجھے شوہر نہیں چاہئے، مجھے اس بچے کے لئے باپ کا نام چاہئے، اس کے گھر سے بھاگ جانے اور اس کی اس بیان بازی سے اس کا شوہر سخت ناراض ہے اور وہ بھی اس لڑکی کو جو ابھی تک اس کی بیوی ہے، اپنے گھر میں یا اپنے دل میں کوئی جگہ دینا نہیں چاہتا؛ لہٰذا میں مسئلہ یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان حالات میں اور لڑکی کے اس طرح کے بیان سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ کیا لڑکی اپنے اس شوہر سے طلاق چاہتی ہے؛ جبکہ وہ اپنی زبان سے طلاق کا لفظ ادا کرنا نہیں چاہتی، کیا اس طرح گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کو شوہر اگر اپنی طرف سے طلاق دے، تو کیا لڑکی اپنے اس مہر کی حقدار ہے، جو حق مہر شوہر کی طرف واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: تحسین جمال،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ حالت میں طلاق واقع ہو جائے تو بھی شوہر کے ذمہ مہر کی ادائیگی لازم رہے گی بغیر ادا کئے ساقط نہ ہوگا خواہ بیوی کا قصور ہو۔

وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك، وإن كانت الفرقة من قبلها. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۳/۱۰۲، زكريا ٤/۲۳۳)

إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه. (شامي، كراچي ۳/۱۰۲، زكريا ٤/۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۴۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۵ھ

بدکارہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد مہر کا حکم

سوال [۵۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک موبائل برآمد کیا، جو میں نے اپنی بیوی کو نہیں دیا تھا، جب میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا کہ کہاں سے ملا، تو وہ لڑنے لگی اورزورزور سے شور مچانے لگی اور میرے اوپر طلاق دینے کے لئے دباؤ ڈالنے لگی اور مجھ سے جھگڑا کر کے بچوں کو روتا ہوا چھوڑ کر گھر سے نکل گئی اور جب میں اسے ڈھونڈتا ہوا جامع مسجد پارک کے سامنے ایک دوکان پر پہونچا جہاں پر مجھے اس کے ہونے کا شک تھا، تو وہاں پر ایک شخص کے ساتھ موجود تھی، مجھے دیکھ کر وہ زورزور سے چیخنے لگی کہ مجھے طلاق دے، میں نے اسے وہیں پر تین طلاق دیدی اور وہ اس شخص کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چلی گئی۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ مہر دینا ہے یا نہیں؟ طلاق ہوئی یا نہیں طلاق کا اقرار بھی کرتی ہے؟

المستفتی: ریاض الدین، فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو طلاق مغلظہ وقع ہوکر بیوی قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، اب آپ کے لئے اس کو بیوی بنا کر اپنے پاس رکھنا قطعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس سے علیحدگی لازم ہے۔ نیز آپ کے ذمہ مقررہ مہر کی ادائے گی بہرحال لازم اور ضروری ہے۔

ولو قال لزوجته: أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثاً. (الأشباہ، قدیم مطبع دیوبند ۲۱۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أو ثنتين في الأمة، لايحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها ثم يطلقها، أو يموت عنها. (تاتار خانية، زكريا ۵/۱٤۷، رقم:۷۵۰۳، ومثله في الفتاوى العالمگيري، زكريا ۱/٤۷۳، جديد ۱/۵۳۵)

ويتأكد عند وطء، أو خلوة صحت من الزوج، أو موت أحدهما (درمختار) وتحته في الشامية: إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه.

(شامي، كراچي ٣/ ١٠٢، زكريا٤/ ٢٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۸۹)

شوہر پر دباؤ ڈال کر طلاق لینے کی صورت میں مہر اور جہیز کا حکم

سوال [۵۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد انیس عرف گڈو کی بیوی کے گھر والے طلاق لینا چاہتے ہیں؛ حالانکہ کئی پنچایت ہوئیں اور اس میں محمد انیس نے پنچایت کی جانب سے لڑکی والوں کی ساری شرائط کو منظور کرتے ہوئے اپنی بیوی کو رکھنا چاہا اور اپنا گھر بسانا چاہا، سارے فیصلے اور پنچایت کے سارے شرائط ماننے کے باوجود لڑکی والے لڑکے سے طلاق لینا چاہتے ہیں، کیا اس صورت میں مہر اور سامان کو واپس کرنا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے مدلل جواب دیں۔

المستفتی: محمد انیس عرف گڈو، خلوئی بستی گلی-۶ ر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب لڑکا لڑکی والوں کی تمام شرائط ماننے کو تیار ہے، تو اس پر بلا وجہ طلاق کا دباؤ ڈالنا صحیح نہیں ہے، تاہم اگر وہ طلاق دینے پر تیار ہو جائے تو دو شکلیں ہے:

(۱) اگر بلا کسی شرط کے طلاق دے گا تو مہر اور سامان سب واپس کرنا لازم ہوگا۔

(۲) اگر اس شرط پر طلاق دے کہ میں مہر نہیں دوں گا، تو ایسی صورت میں طلاق کے بعد مہر دینا اس پر واجب نہ ہوگا اور سامان اگر ایسا ہے کہ جو خالص لڑکی کی ملک ہے، مثلاً وہ چیز جو لڑکی والوں کی طرف سے اپنی لڑکی کو دی گئی ہے، تو اس کی واپسی بہر حال لازم ہے، خواہ وہ جس حال میں ہو اور لڑکے والوں کی طرف سے دیئے گئے سامان کے بارے

میں برادری کے عرف کو دیکھا جائے گا، اگر واپسی کا عرف ہوگا، تو واپسی لازم ہوگی اور اگر واپسی کا رواج نہ ہوگا تو واپسی لازم نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی احیاء العلوم ۱/۲۹۲، کفایت المفتی قدیم ۵/۱۲۳، جدید زکریا ۵/۱۲۳)

ویسقط المهر عنه في الخلع؛ لأنه مسقط. (طحطاوي علی الدر، کوئٹه ۲/۱۸۸)

فإن خفتم ان لا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به على ما إذا كان النشوز منها سواء كان منه نشوزاً أيضاً أولا. (طحطاوي على الدر، كوئٹه ۱۸۸)

لو جهز ابنته بجهاز أوسلمها ذلک ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذلک في صحته؛ بل تختص به ويفتىٰ. (شامي زكريا ٤/٣٠٦، كتاب النكاح، باب المهر كراچي ٣/١٥٥، فتاوى عالمگيري، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر الفصل السادس عشر في جهاز البنت زكريا قديم ١/٣٢٧، جديد ١/٣٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۵۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۶ھ

طلاق ثلاثہ کے بعد لڑکی والوں کا مہر اور جہیز کا مطالبہ کرنا

سوال [۵۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد سلیمان عرف مسلم نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں اور اب لڑکی والے بوقت نکاح جہیز میں دیئے گئے سامان اور مہر کا مطالبہ کررہے ہیں، تو ان کا یہ مطالبہ شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: عبد الغنی، بارہ دری، سرائے؛ حسینی بیگم کھجور والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب محمد سلیمان نے اپنی بیوی کو تین طلاق

دیدیں، تو طلاقیں واقع ہوکر بیوی محمد سلیمان پر حرام ہوگئی، اب بغیر شرعی حلالہ کے بیوی محمد سلیمان کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة –لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالميگري، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة الخ، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

والدین کی طرف سے شادی کے موقع پر لڑکی کو جو چیزیں جہیز میں دی گئیں، وہ اس کی ملکیت ہیں، وہ کسی کا حق نہیں؛ اس لئے اب طلاق کے بعد شوہر سے جہیز اور اپنے مہر کے مطالبہ کا حق لڑکی کو حاصل ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۴۴۵)

بل كل أحد يعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/١٥٨، زكريا ٤/٣١١)

لو جهز إبنته وسلمه إليها ليس له في الاستحسان استرداده منها وعليه الفتوى. (فتاوى عالمگيري، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت زكريا قديم ١/٣٢٧، جديد ١/٣٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۴۲۴)

کیا مطلقہ مغلظہ کا مہر اور عدت کا نفقہ شوہر پر لازم ہے؟

سوال [۵۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کا نکاح تقریباً ایک سال قبل ہوا تھا، اس دوران لڑکی اپنی سسرال آتی جاتی رہی، اب آکر لڑکی غیر محرم کے ساتھ فرار ہوگئی، دوسرے دن لڑکی کے

سسرال والے اس کو برآمد کر کے میکہ لے آئے اور شوہر کو بلا کر تین دفعہ طلاق دلا دی؛ جبکہ شوہر نے ابھی تک مہر ادا نہیں کیا ہے، اب بعد طلاق اس منکوحہ مطلقہ کا مہر شوہر پر ادا کرنا اور عدت کا خرچہ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے چونکہ بلاشرط معافی مہر طلاق دی ہے؛ اس لئے اس پر پورا مہر ادا کرنا لازم ہے اور ناشزہ نافرمان بیوی کے لئے عدت کا خرچہ شوہر پر لازم نہیں ہوتا اور جب بیوی شوہر کو چھوڑ کر کے دوسرے مرد کے ساتھ فرار ہوگئی ہے، تو اس کا ناشزہ اور نافرمان ہونا واضح ہوگیا ہے۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين سواء كان مسمىٰ، أو مهر المثل حتى لا يسقط شيئ منه بعد ذلک إلا بالإبراء من صاحب الحق. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل واما بيان مايتأكد به المهر، زكريا ٢/ ٥٨٤، هندية، زكريا ١/ ٣٠٣،جديد ١/ ٣٧٠، شامي، كراچي ٣/ ١٠٢، زكريا٤/ ٢٣٣)

جاءت من قبل المرأة بمعصية مثل الردة وتقبل ابن الزوج فلا نفقة لها؛ لأنها صارت حابسة نفسها بغير حق، فصارت كما إذا كانت ناشزة. (هداية ياسر نديم واشرفى ديوبند ٢/ ٤٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱/ ۱۴۳۵ھ

بیوی کا طلاق وعدت کے بعد مہر کا مطالبہ کرنا

سوال[۵۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نشہ کی حالت میں شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی انیس دن کے بعد بچہ پیدا ہوا، اس کا خرچ سب شوہر نے اٹھایا بائیس دن کے بعد اپنے میکہ چلی آئی ،تو اب ازروئے شرع کیا بیوی کو مہر اور عدت کے خرچ میں سے کون سا مطالبہ دینا لازم ہوگا؟؛ لہٰذا سوال کا جواب شریعت کی رو سے عنایت فرمائیں۔

المستفتی: حاجی محمد یامین، لالباغ نئی آبادی، گلی-۱، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا بچہ کی ولادت سے ۱۹/ دن پہلے شوہر نے جو تین طلاق دی ہیں، اس کی وجہ سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے اور ولادت کا خرچہ برداشت کرنا شوہر کے اوپر ہر حال میں لازم ہوتا ہے، اس نے جو خرچہ برداشت کیا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہے اور بیوی کا اپنے میکہ چلی جانا؛ اس لئے درست ہے کہ اب وہ اس کی بیوی نہیں رہی ہے اور بیوی کا اپنے مہر اور جہیز کا مطالبہ کرنا درست ہے، وہ سب ادا کرنا شوہر کے اوپر لازم ہے۔

قال في البدائع: وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذٰلک، وإن كانت الفرقة من قبلها؛ لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا٤/ ٢٣٣، كراچي ٣/ ١٠٢)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة، والسكنىٰ، كان الطلاق رجعياً، أو بائناً، أوثلاثا، حاملا كانت المرأة، أو لم تكن. (هندية، زكريا ١/ ٥٥٧، جديد ١م ٦٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۷۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۲ھ

کیا طلاق مغلظہ کے بعد اسی سے نکاح کی صورت میں دوبارہ مہر واجب ہوگا؟

سوال [۵۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ افضل نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیا اور مہر بھی ادا کر دیا، پھر افضل نے اسی عورت سے شادی کی ازسرنو (دوبارہ) مہر واجب ہوگا یا نہیں؟ سوال مذکور کا مدلل جواب دیں۔

المستفتی: محمد معین الدین، گڈاوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب افضل نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی ہے، تو اب بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ ازسرنو نکاح کرنا جائز نہیں۔ اور اگر حلالہ کے بعد ازسرنو نکاح ہوا ہے، تو مہر ادا کرنا واجب ہوگا اور مہر کی مقدار وہی ہوگی جو اس میں طرفین کی رضامندی سے متعین ہوگی۔

إذا تزوج المرأة ودخل بها، ثم طلقها بائناً، ثم تزوجها — كان عليه مهر بالنكاح الأول، ومهر كامل بالنكاح الثاني. (فتاوى عالمگيري، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثالث عشر في تكرار المهر، زكريا ۱/۳۲۳، جديد ۱/۳۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۱۲/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۲۴ھ

نفقۂ واجبہ کے ذریعہ ادائے مہر کی نیت کرنا

سوال [۵۹۱۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح ہوااورمہر میں ۱۵ر ہزار روپیہ مقرر ہوا؛ لیکن زید کی حالت خستہ ہونے کی وجہ سے وہ مہر ادا کرنے پر قادرنہیں ہے۔

نیز زید کواتنی قوت حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو بیس روپیہ روزانہ گذارے کے لئے دے سکتا ہے؛ لیکن وہ چالیس روپیہ روزانہ کے حساب سے مانگتی ہے، اسی طرح وہ سال میں تین جوڑے کپڑے اور جوتی وغیرہ کا مطالبہ کرتی ہے جو کہ قوت سے زائد ہے، تو ایسی صورت میں ان چیزوں کو لیتے ہوئے ادائیگی مہر کی نیت کرلے، تو درست ہوگا یانہیں؟

المستفتی: محمد خالد حسین، بھٹی اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کپڑا جوتا اور بیوی کے گذارے کے لئے دی جانے والی رقوم میں جو کہ شوہر پر شرعاً واجب ہے ادائیگی مہر کی نیت کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ مہر کی ادائیگی مستقل طور پر ہونا ضروری ہے، جس کا عورت کو بھی علم ہونا لازم ہے۔

وذكر فقيه أبو الليث أن القول قوله في متاع لم يكن واجباً على الزوج كالخف والملاء ة ونحوه، وفي متاع كان واجباً عليه كالخمار، والدرع، ومتاع كالخف ليل، فليس له أين يحتسب من المهر. كذا في المحيط السرخسي. (هندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر الفصل الثاني عشر في اختلاف الزوجين في المهر، زكريا ۱/ ۳۲۲، جديد ۱/ ۳۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۱۲)

شوہر کی جانب سے مہر کے ارادے سے دیئے گئے زیورات کا حکم

سوال [۵۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے شادی میں زیور لڑکے کی دولہن کو مہر کی نیت سے چڑھایا ہے؛ لیکن نکاح کے وقت رسید میں لکھوانے کا دھیان نہیں رہا، وزن زیور ۹/تولے کا ہے، اس وقت سونے کا بھاؤ چھ ہزار روپیہ تولہ کا تھا، یہ زیور مہر کی رقم میں ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ طلاق ہونے پر زیور لڑکے والوں کو واپس ہوجاتا ہے اور جہیز لڑکی والوں کو واپس ہوجاتا ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر کی نیت سے جو زیورات چڑھائے گئے ہیں، ان کو مہر میں شمار کرکے واضح کرسکتے ہیں، اگر اس وقت رسید میں چڑھانے کا دھیان نہیں رہا، تو بعد میں اس بات کو واضح کرسکتے ہیں کہ جو زیور ہم نے چڑھایا ہے، وہ مہر میں شمار ہوگا۔

نیز آپ کی برادری میں چونکہ تفریق کے وقت لڑکے کی جانب سے چڑھائے گئے زیورات واپس کردیئے جاتے ہیں، تو اگر مذکورہ زیور مہر کی نیت سے نہ چڑھایا ہوتا تب بھی اس کو مہر میں شمار کرکے واضح کرنا درست ہے۔

ومن بعث إلى امرأته شيئاً، فقالت: هو هدية، وقال الزوج هو من المهر، فالقول قوله لأنه هو المملك، فكان أعرف بجهة التمليك كيف وإن الظاهر أنه يسعىٰ في إسقاط الواجب. وفي الحاشية تحت هذه العبارة؛ لأن ذٰلك شيئ في ذمته، فالظاهر من حاله أنه يريد إبراء ذمته. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفی دیوبند ۲/ ۳۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۳۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۲۵ھ

مہر میں زیور دینا

سوال [۵۹۱۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مہر میں نقد رقم کے بجائے بیوی کو دینے کے لئے زیور طے کرے، تو مہر کی ادائیگی ہوجائے گی اور ایسا کرنا جائز ہے یا نقد رقم مہر میں طے ہوئی، پھراتنی رقم کا زیور دیدے یا زیادہ قیمت کا زیور دیدے، تواس طرح مہر ادا ہوجائے گا، اس سلسلہ میں شریعت کی رہنمائی درکار ہے۔

المستفتی: جلیل حسن، نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہرایسی چیز کا مہر مقرر کرنا صحیح ہے، جوعرف میں مال سمجھی جاتی ہو؛ لہٰذا زیور کا مہر مقرر کرنا بلاشبہ درست ہے اور مہر میں رقم مقرر کر کے اس کے بدلے میں اگراسی قیمت یا زیادہ کا زیور وغیرہ دیدیا جائے تواس سے بھی مہر ادا ہوجائے گا۔

المهر لا يكون إلا ما هو مال، أو مايوجب تسليم مال. (تاتارخانية، ١٥٩/٤، رقم: ٥٨٣٤)

المهر لا يخلو إما أن يكون ديناً، أوعينا، ونعني بالعين العروض، والحيوان، والعقار، والمكيل، والموزون إذا كانا بأعيانهما، ونعني بالدين الدراهم، والدنانير، أما إذا كان المهر عينا، فليس للزوج أن يدفع إليها غيره، وإن كان دينا كان للزوج أن يحبسه ويدفع غيره. (تاتارخانية، ١٦٣/٤، رقم: ٥٨٤٣)

ومن بعث إلى إمرأته شيئًا، فقالت: هو هدية وقال هو من المهر فالقول قوله، من غير المهيا للأكل؛ لأنه المملك، فكان أعرف بجهة التمليك الخ. (تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المهر، امداديه ملتان ٥٨١/٢، زكريا ٥٨١/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۷ ۱۰۲۸)

بیوی کو مہر میں زیور دینا

سوال [۵۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مندرجہ ذیل عبارت صحیح ہے یا غلط مثبت یا منفی جو فیصلہ ہو وہ باعث ازالہ نزاع ہوگا عبارت یہ ہے، جو زیور بیوی کو دیا گیا ہے، اگر اس کے بارے میں یہ بات پہلے سے طے ہو چکی تھی کہ مہر میں زیور دیا جائے گا تب تو مہر میں زیور دینا درست ہے اور اگر یہ بات طے نہیں ہوئی تھی؛ بلکہ یہ زیور اسی طرح بیوی کو دیا گیا ہے، جس طرح معاشرہ اور سماج میں دلہنوں کو دیا جاتا ہے اور بعد میں اس طرح کے زیور کو مہر کہہ دیا جائے، تو یہ درست نہیں ہے؟ مہر کی وہ رقم جو قاضی کے نکاح نامہ میں تحریر کی گئی ہے، وہ دینی لازمی ہے الا یہ کہ بیوی اپنا مہر خود ہی معاف کردے، تو معاف ہو جائے گا۔ جواب جلد از جلد عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبد اللہ، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ تحریر میں جو مسئلہ لکھا گیا ہے، وہ صحیح اور درست ہے۔

ومن بعث إلى امرأته شيئافقالت هو هدية وقال الزوج هومن المهر فالقول قوله لأنه هو المملك فكان أعرف بجهةالتمليك ألخ. (هدايه، كتاب النكاح، باب المهر اشرفی دیوبند ۲/۳۳۷)

وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك...... لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع.

(شامي، باب المهر زكريا ٤/٣٣٣، كراچي ٣/١٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲ / ۴۲۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۱/۱۴۱۶ھ

بیوی کو دیئے ہوئے سامان میں سالوں بعد مہر کی نیت کرنے کا حکم

سوال [۵۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو نو سال سے کچھ زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، جب میں نے شادی کی تھی، تو مہر فاطمی کے عوض شادی کی تھی، اس وقت مہر کچھ نہیں دیا تھا؛ لیکن بہت سارا سامان میں نے اپنی بیوی کو دیدیا تھا، اس وقت کچھ نیت نہیں کی تھی، اب میں نیت کرتا ہوں کہ جو کچھ دیا تھا وہی مہر کے بدلہ میں ہوجائے تو کیا وہی کافی ہے یا الگ سے دینا پڑے گا؛ حالانکہ اب میرے پاس مہر کے بقدر پیسہ نہیں ہیں؛ کیونکہ میں اس وقت ایک ملازم ہوں۔

المستفتی: نوید حسین، کالا پیادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو سامان آپ نے بغیر مہر کی نیت کے دیا ہے اور اب نو سال کے بعد ان سامانوں کے بارے میں جو بغیر مہر کی نیت کے دیئے ہیں اور نہ ہی بیوی کو اس سلسلہ میں بتلایا ہے کہ شادی کے بعد مہر دیتے رہے ہیں، مہر کی نیت کرنے سے مہر ادا نہ ہوگا؛ بلکہ مہر کا قرضہ بدستور لازم رہے گا اور جب شادی کے وقت مہر فاطمی طے ہوا ہے، تو جس وقت ادا کیا جائے گا اس وقت کے بازار کی قیمت کا اعتبار کر کے مہر ادا کرنا لازم ہوگا اور مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کیلو تیس گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے۔

وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج، فلما

زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التمليك. (هندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل السادس عشر في جهاز البنت، زكريا ۱/۳۲۷، جديد زكريا ۱/۳۹۳)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء (درمختار) وفي الشامية: يعتبر يوم الأداء وهو الأصح. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، كراچي ۲/۲۸٦، زكريا۳/۲۱۱، الدر المنتقي، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۰۱، البحر الرائق، كوئٹه ۲/۲۲۱، زكريا ۲/۳٦۸، جديد زكريا ۱/۳۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰٦۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۷ھ

مہر میں نصف کی جگہ قاضی غلطی سے پورا مکان لکھدے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شمس الحق ولد عبدالحق، ساکن: محلہ اصالت پورہ مرادآباد کا نکاح نازیہ انجم بنت محمد اعظم صاحب محلہ اصالت پورہ مرادآباد سے تاریخ ۱۸؍فروری ۲۰۰۴ء بروز اتوار کو ہوا تھا، میری شادی میں جو مہر طے ہوا تھا، نکاح کی رسید میں قاضی جی نے لکھا تھا وہ مہر فاطمی ایک سو اکتیس تولہ چاندی اور ایک مکان؛ لیکن قاضی جی نے غلطی سے مکان کے نصف حصہ کے بجائے ایک مکان لکھ دیا نصف حصہ مکان کا دین مہر میری امی نے بحق میری زوجہ بیع نامہ رجسٹری کرادیا تھا۔ اب نوبت الگ ہونے کی آگئی اور میری ایک بیٹی بھی ہے، جس کی عمر ایک ماہ ہے یہ بتائیں کہ قاضی جی نے جو غلطی سے نکاح نامہ میں ایک مکان لکھا ہے وہ دیا جائے گا یا وہ جس کا نصف حصہ مکان طے پایا تھا جس کی رجسٹری ہوئی تھی اور اس میں میری بیٹی کا کتنا حصہ بنتا ہے اور اگر میری زوجہ مجھ سے الگ ہوکر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے تب بھی وہ

اس جائیداد کی مالک رہے گی؛ لیکن میں اپنی زوجہ کو الگ کرنا نہیں چاہتا؛ لیکن میری زوجہ کے ماں باپ الگ کرنا چاہتے ہیں۔

المستفتی: شمس الحق ولد عبدالحق، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مکان کا نصف حصہ مہر میں دینے کی بات چیت ہوئی تھی اور جانبین میں یہی طے ہوا تھا اور اسی کی بنیاد پر نصف حصہ بیع نامہ رجسٹری کر کے زوجہ کے نام مستقل کر دیا گیا ہے، تو نکاح نامہ میں جو غلطی سے ایک مکان لکھا گیا ہے، وہ نصف مکان ہی ایک مکان شمار ہوگا؛ لہٰذا مذکورہ مکان کو نصف حصہ کر کے دیوار کھینچ دی جائے، تو دو مکان خود بخود ہو جائیں گے۔

نیز نکاح نامہ میں یہ بھی متعین نہیں ہے کہ ایک مکان کتنے گز کا ہے اور کس محلّہ کا ہے؛ اس لئے مکان سے نصف مکان مراد ہوسکتا ہے؛ لہٰذا طلاق دینے کے بعد مہر فاطمی کے ساتھ رجسٹری شدہ نصف مکان بھی مہر میں آپ کی بیوی کو مل جائے گا، نیز طلاق دینے کے بعد جب عورت کا نکاح دوسرے مرد کے ساتھ ہو جائے تب بھی مہر میں ملا ہوا مکان اسی کا ہوگا، دوسری جگہ نکاح کر لینے کی وجہ سے اس کا حق باطل نہ ہوگا۔

أن المسمیٰ تأكد بالتسمية، والعقد جميعا، فلتأكده لا يسقط كله لا بالطلاق، ولا بالموت. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٥/٦٤)

أن الحق متى ثبت واستقر لا يسقط إلا بإسقاطه. (هداية، باب طلب الشفعه، اشرفي ٤/٣٩٤)

بیوی کے دین مہر میں بیٹی کا کوئی حصہ نہیں ہے، ہاں البتہ بیوی کی موت کے بعد اگر باقی ہے، تو بطور وراثت اس کا حصہ بن سکتا ہے، نیز اگر آپ اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں چاہتے ہیں اور زوجہ کے ماں باپ الگ کرنا چاہتے ہیں، تو اس کی کیا وجہ ہے، اگر آپ کی طرف سے ظلم و زیادتی ہو رہی ہے، تو ان کا علیحدگی چاہنا درست ہے اور اگر آپ کی طرف

سے کسی قسم کی ظلم وزیادتی نہیں ہے اور حق زوجیت صحیح طریقہ سے ادا ہورہا ہے، اس کے باوجود زوجہ کے ماں باپ علیحدگی چاہتے ہیں، تو وہ لوگ گنہگار ہوں گے۔

وقال صلى الله عليه وسلم أيما امرأة اختلعت من زوجها من نشوز فعليها لعنة الله، والملائكة والناس اجميعن؛ ولأن فيه كفران النعمة. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت٦/٢)

عن ثوبانؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما امرأة سألت زوجها طلاقاً في غير مابأس فحرام عليها رائحة الجنة. (ابوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في الخلع، النسخة الهندية ١/٣٠٣، دارالسلام رقم:٢٢٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۹۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۸ھ

یہ دوسو گز کا مکان ہے اس کو بیچ کر مہر لو کہنے سے مہر کی ادائیگی

سوال [۵۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی شادی ہوئی تھی، نکاح میں مہر فاطمی مقرر ہوا تھا، ابھی مہر ادا نہیں کیا تھا کہ بیوی نے ایک دن مہر کا مطالبہ کیا، تو شوہر نے کہا یہ دوسو گز کا مکان ہے، اس کو بیچ کر مہر لے لو، تو کیا اس طرح سے مہر ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد واصف، امروہہ، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا یہ کہنا کہ یہ دوسو گز کا مکان ہے، اس کو بیچ کر مہر لے لو محض اس طرح کہنے سے مہر ادا نہیں ہوگا؛ بلکہ شوہر پر لازم ہے کہ یا تو مکان بیوی

کے نام کردے یا بیوی اس مکان کو بیچ کر اپنا دین مہر وصول کرکے بقیہ رقم شوہر کو لوٹا دے۔

کان للزوج أن یحبسه ویدفع غیره؛ لأن الدراهم، والدنانیر لا تتعینان لعقود المعاوضات. (الفتاوی التاتارخانیة ٤/١٦٣، رقم:٥٨٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۱۰/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۱۵ھ

مہر کے روپیوں کے عوض زمین خرید کر دینا

سوال [۵۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے نکاح کیا فاطمہ سے اور مہر مقرر رہوا ساٹھ ہزار روپئے، زید نے اب تک مہر ادا نہیں کیا، اب زید مہر کے عوض سوگز زمین فاطمہ کے نام کرانا چاہتا ہے، جس کی قیمت ایک لاکھ پچھتر ہزار روپئے ہے۔ اور فاطمہ اس پر راضی ہے تو کیا مہر ادا ہوجائے گا یا ساٹھ ہزار روپئے بھی ادا کرنے ہوں گے؟

المستفتی: ظہیر احمد، اغوان پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ سے معلوم ہوا کہ فاطمہ کا مہر ساٹھ ہزار روپیہ ہے، جو زید کے اوپر واجب الاداء ہے اور زید کی سوگز زمین جس کی قیمت ایک لاکھ پچھتر ہزار روپیہ ہوسکتی ہے، اس کے بارے میں زید کو اختیار ہے کہ ساٹھ ہزار روپیہ مہر کے عوض میں بیوی کے نام فروخت کردے اور مالک کو اختیار رہوتا ہے کہ اپنی ملکیت کی چیز جتنے میں چاہے فروخت کرے اور اس طرح زید کی طرف سے فاطمہ کا مہر ادا ہوجائے گا۔

لأن الملک ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص.

(شامي، کتاب البیوع، زکریا ۷/۱۰، کراچي ٤/٥٠٢، الموسوعة الفقهیة

الکویتیة ۱۴/۲۹، ۴/۵۰۲)

ولـو بعث إلی امرأته شیئًا ولم یذکر جهة عند الدفع غیر جهة المهر (إلی قوله) وقال هو من المهر فالقول له. (شامي، کتاب النکاح، باب المهر، کراچي ۳/۱۵۱، زکریا ۴/۳۰۱، هدایة اشرفی دیوبند ۲/۳۳۷، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۹/۲۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۰۹۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۵ھ

چیک کے ذریعہ مہر ادا کرنا

سوال [۵۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک دوست کی شادی ہونے والی ہے اور وہ مہر کی رقم چیک کے ذریعہ دینا چاہتا ہے، چیک لڑکی کے نام ہوگا، دور اندیشی کے لئے دوسرا بہانہ نہ ہو سکے یہ چیک قاضی کے سامنے دیا جائے گا یا جب لڑکی سے ملاقات کی جائے اس وقت یعنی شادی والے دن سے چار پانچ روز کے بعد رقم لڑکی کے خاتے میں جمع ہوگی؟ لہٰذا اس مسئلہ کا جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد نسیم کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر کی رقم کو چیک کے ذریعہ سے دینا جائز اور درست ہے۔ نیز اس میں رقم کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے؛ جبکہ شوہر کے کھاتے میں رقم موجود ہو اور مہر کی رقم کا چیک رقم ہی کے قائم مقام ہوتی ہے۔

الصک کتاب الإقرار بالمال وغیره. (لغة الفقهاء، کراچي ۲۷۵)

وغير الدراهم يقوم مقامها باعتبار القيمة وقت العقد في ظاهر الرواية. (هندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر الفصل الاول، زكريا ۱/۳۰۲، جديد ۱/۳۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۲ھ

ساس کا بیٹی کے دین مہر کو داماد کے قرضہ میں مجری کرنا

سوال [۵۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی شادی ہوئی اس کی والدہ نے اس کی بہو کو شہر میں رکھنے سے انکار کیا، خود سب لوگ شہر میں رہتے تھے، بہو کو کرولہ پر بھیجنے کو کہا اور کہا کہ اگر شہر میں رکھنا ہو، تو کہیں دوسری جگہ انتظام کرلو؛ چنانچہ سسرال والوں نے داماد کو اپنے یہاں رکھا، تو داماد نے ٹین وغیرہ ڈال کر رہنا شروع کر دیا، پھر داماد نے کہا میں اس پر لینٹر ڈال کر اسے اچھا بنانا چاہتا ہوں، ساس نے منع کیا، پھر چار پانچ ہزار خرچہ کی اجازت دی، مگر جب اس نے بنایا تو تیرہ ہزار کا حساب ساس پر یا مکان پر آگیا، ساس پہلے ہی زیادہ مکان میں لگانے سے منع کر رہی تھی، مگر داماد ہونے کے ناطے تیرہ ہزار کا کاغذ پر اقرار کرلیا اور تین ہزار روپیہ تقریباً ڈیڑھ ماہ ہوئے دیدیا، دس بقایا لکھ دیئے، اس کے داماد نے ایک ماہ بعد لڑکی کو تین بار طلاق دیدی، تو اب مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ دس ہزار کا داماد کا جو مطالبہ ہے، وہ اپنی بیوی کا حساب مہر وغیرہ کا ہے، اس میں انہوں نے مجریٰ کر دیا کہ تم اپنی بیٹی کو دیدو، ساس کا کہنا ہے کہ آٹھ سال کا میرا کرایہ ملنا چاہئے؛ کیونکہ اب میرا ان کا رشتہ ختم ہوگیا، تو داماد کو دس ہزار ملنا چاہئے یا ساس کو کرایہ ملنا چاہئے؟

المستفتی: زوجہ حکیم اکرام الٰہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مکان میں اس کا دس ہزار روپیہ باقی ہے اور مکان ساس کے قبضہ میں ہے اور دس ہزار روپیہ داماد کا حق ہے، تو دین مہر اس میں سے ساس کے توسط سے بیوی کو منتقل کرنا درست ہے یا داماد کو دس ہزار ادا کردے، پھر داماد بیوی کو مہر میں ادا کردے اور تعمیرات کا مسئلہ ایسا ہے کہ شروع میں کم معلوم ہوتا ہے بعد میں خرچ بڑھتا جاتا ہے؛ لہٰذا جب ساس نے شروع میں اجازت دی ہے، پھر درمیان میں خرچ بڑھتا جارہا تھا، اس وقت نہ روکنا اجازت ہے۔

أمور المسلمين على السراد، حتى يظهر غيره. (قواعد الفقه، اشرفي ديو بند ٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۵۰۹/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۷ھ

مہر فاطمی قسطوار ادا کرنا

سوال [۵۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زاہد کی شادی خالدہ سے ہوئی اور نکاح میں مہر فاطمی مقرر ہوا اور کچھ نہیں، اب زاہد اپنی زوجہ کو مہر کی رقم ادا کرنا چاہتا ہے؛ لیکن بیک وقت نہیں تھوڑا تھوڑا، اب زاہد کس طرح ادا کریگا؟

(۲) مہر فاطمی کی رقم کتنی ہوگی؟

(۳) اگر کچھ رقم امسال ادا کرے، پھر آئندہ سال ادا کرنا چاہتا ہے یعنی قسطوار؛ لیکن گذشتہ سال چاندی کی قیمت کم تھی اور آئندہ سال بڑھ گئی، تو چاندی کی قیمت بدلنے سے مہر کی قیمت بڑھتی رہے گی؟ مثال کے طور پر مہر فاطمی تھا پانچ ہزار روپئے اور زاہد نے ایک ہزار روپیہ ادا کردیا اور آئندہ سال چاندی کی قیمت بڑھنے کی وجہ سے پانچ ہزار ہوگئی، تو کیا زاہد کو

اب چار ہزار روپئے ادا کرنا ہوگا یا پانچ ہزار روپئے؟

المستفتی: محمد مختار عالم، سکٹھونگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر زاہد کے پاس بیک وقت مہر فاطمی ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے، تو قسطوار ادا کرنا جائز اور درست ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ: **وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ.** [البقرہ: ۲۸۰]

(۲) مہر فاطمی کی مقدار قدیم تولہ کے حساب سے ۱۳۱؍ تولہ تین ماشہ چاندی ہے اور موجودہ گراموں کے حساب سے دس گرام کے تولہ سے ۱۵۳؍ تولہ ۹۰۰؍ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت صراف سے معلوم کرلی جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۰)

(۳) ہر سال قیمت میں فرق آجاتا ہے، تو ہر سال جتنی چاندی کی قیمت ادا ہوتی رہے گی، اس کی قیمت ادائیگی کے سال کے اعتبار سے ہوگی۔

فیعتبر قیمتها یوم الأداء. (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل واماصفة الواجب في أموال التجارة، امدادیه ملتان ۲/ ۲۲، جدید زکریا ۲/ ۱۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۳۰۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍ ۳؍ ۱۴۱۳ھ

حسب حیثیت تھوڑا تھوڑا مہر ادا کرنا

سوال [۵۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی کو اس کی عادت واخلاق کے غلط ہونے کی وجہ سے طلاق دیتا ہے، اب اس کے رشتہ دار زید سے مہر فی الفور اکھٹا ایک ساتھ مانگتے ہیں، زید کا مہر مہر فاطمی ہے، زید فی الفور اتنے مہر کی وسعت نہیں رکھتا ہے، زید اپنی بیوی کے رشتہ دار سے کہتا ہے حسب

حیثیت میں تھوڑا تھوڑا کر کے اس کا دین مہر ادا کروں گا؛ لیکن رشتہ دار اس بات پر راضی نہیں ہوتے ہیں، تو بتائیں کہ شریعت میں کیا زید کے لئے حسب حیثیت تھوڑا تھوڑا مہر ادا کرنے کی کوئی گنجائش ہے یا کسی طرح دین مہر اکھٹا ہی جس طرح بھی ہو ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: فیاض، مقام: ڈھمرا، پوسٹ: چریا، بھاگل پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر زید کے اندر پورا مہر ایک دفعہ ادا کرنے کی وسعت نہیں ہے، تو لڑکی اور لڑکی والوں پر لازم ہے کہ حسب حیثیت زید پر قسط مقرر کردیں یا زید کے اندر اکھٹا ادا کرنے کی وسعت پیدا ہونے تک زید کو مہلت دیدیں، وسعت نہ ہونے کی صورت میں اکھٹا ادا کرنا زید پر شرعاً واجب نہیں ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. [البقرہ: ۲۸۰] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۳۹۷)

مہر میں دیئے گئے مکان میں وراثت کا حکم؟

سوال [۵۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی پر میرے والدین نے ایک مکان میری بیوی کے حق مہر میں دیدیا تھا، میں اور میری بیوی پاکستان بننے پر پاکستان چلے گئی، میری والدہ محترمہ اس مکان میں رہتی رہیں، والد صاحب کا انتقال میرے سامنے ہو گیا تھا؛ لہٰذا میں اور میری بیوی والدہ صاحبہ کے پاس آتے جاتے رہے، درمیان میں مجھے والدہ صاحبہ سے ملنے آنے میں کچھ زیادہ عرصہ ہوا؛ لیکن جب میں آیا تو والدہ صاحبہ بیمار چل رہی تھیں، میرے آنے پر والدہ صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ یہ مکان تمہاری بیوی کے مہر میں ہے، میں آج تک اس کی حفاظت کرتی رہی

ہوں۔اب میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے کہ کب وقت پورا ہوجائے؛ لہٰذا اب تم آگئے ہوتم جو چاہو اس کا کرو میں نے والدہ صاحبہ سے کہا یہ مہر کا مسئلہ ہے، میں اپنی بیوی کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا اور اس وقت بیوی پاکستان میں ہے اور حکومت کے قانون کے مطابق تو وہ مالک نہیں ہے،تو والدہ صاحبہ نے کہا کہ میں قرآن وسنت کے قانون پر عمل کررہی ہوں اورقرآن وسنت کا قانون پوری دنیا میں ایک ہے؛ لہٰذا یہ مکان تمہاری بیوی کے حق مہر کا ہے اوروہ اس کی مالک ہے؛ لہٰذا قرآن وسنت کی روشنی میں معلوم یہ کرنا ہے کہ والدہ صاحبہ کا انتقال ہو چکا ہے، میری بیوی حق مہر چھوڑنے کو تیار نہیں ہے، میری سگی دو ہمشیرہ ہیں؛ لہٰذا یہ مکان صرف میری بیوی کا ہے یادونوں ہمشیرہ کا؟

برائے کرم اس مسئلہ کا حل تحریرفرمائیں،مندرجہ بالا بیان میرا حلفیہ بیان ہے، غلط بیانی اس میں بالکل نہیں خدا گواہ ہے۔

المستفتی: عبدالباری،محلّہ: سرائے ترین، مرکز والی مسجد،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرسائل کا تحریر کردہ بیان صحیح ہے،تومذکورہ مکان صرف سائل کی بیوی کی ملکیت میں ہے،اس میں سائل کی ہمشیراں وغیرہ کسی کا کوئی حق وابستہ نہیں ہےاورسائل کی ہمشیراں کے لئے اس میں اپنے حق کا دعویٰ کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

لا یجوز أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقہ، اشرفي دیوبند ۱۱۰)

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي. (شامي، کتاب الحدود، باب التعزیر، کراچي ٤/٦١، زکریا٦/١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۲۸/۲۹۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱/۱۴۱۳ھ

کیا لڑکی کے مطالبۂ طلاق کی وجہ سے مہر معاف ہوجاتا ہے؟

سوال [۵۹۲۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی مجیب عالم کا نکاح تقریباً پانچ ماہ پہلے یاسمین بنت شفیق احمد ضلع: رامپور کے ساتھ ہوا تھا، مجیب پہلے ہی کان سے کم سنتا تھا اور زبان میں کچھ ہکلاہٹ تھی جوشادی سے پہلے کچھ نہیں چھپایا گیا، اب پانچ ماہ کے بعد یاسمین بنت شفیق احمد، مجیب عالم کے گھر میں رہنے سے انکار کررہی ہے، کافی کوشش کے باوجود بھی آنے کو تیار نہیں ہے اوروہ طلاق مانگ رہی ہے، اس صورت میں ہم کیا کریں طلاق دیں یا نہیں؟ اور اگر طلاق دی جائے تو مہر واجب ہوگا یا نہیں کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اگر لڑکی اپنی مرضی سے طلاق لے رہی ہے، تو مہر نہیں دیا جائے گا؟

المستفتی: مظہر عالم، نزد مسلم انٹر مسلم کالج دھوبی گھاٹ، کٹگھر ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جبکہ خود بیوی طلاق کا مطالبہ کررہی ہے، تو شوہر مہر کی معافی پر طلاق دینے کی شرط لگا سکتا ہے، اگر بیوی اس شرط کے ساتھ طلاق لینے پر راضی ہوتو یہ خلع کی شکل ہوجائیگی اور بیوی کومہر اور نفقہ نہیں ملے گا؛ البتہ جہیز وغیرہ کا جوسامان ہے، وہ اسے واپس لینے کی حقدار ہوجائے گی۔

ويسقط الخلع في نكاح صحيح، والمباراة: أي الإبراء من الجانبين كل حق لكل منهما على الآخر مما يتعلق بذلك النكاح (تنوير الابصار) وفي الشامية: قوله كل حق شمل المهر، والنفقة. (شامي، كتاب الطلاق، باب الخلع، كراچي ۳/۴۵۲، زكريا ۵/۱۰٤)

بل كل أحد يعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي،

کراچي ۳/ ۱۵۸، زکریا٤/ ۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۵۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۱۸ھ

مہر معاف کرنے کے بعد مہر کا مطالبہ کرنا

سوال [۵۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پنچایت بلائی گئی، جس میں اقبال اور اس کی بیوی ہندہ بھی موجود تھی، اقبال نے اپنی بیوی ہندہ کی طلب پر پنچایت کے روبرو تین مرتبہ طلاق دی اور ہندہ نے پنچایت کے روبرو تین مرتبہ مہر معاف کر دیا، جہیز وغیرہ کا بھی لین دین ہو چکا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ بیوی نے جو مہر معاف کیا ہے، کیا وہ واجب الاداء ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ہندہ نے پہلی رات میں بھی بلا کسی دباؤ کے مہر معاف کر دیا تھا اور آج طلاق لیتے وقت بھی پنچایت کے روبرو معاف کیا اس صورت میں حکم شریعت کیا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: اقبال حسین، محلّہ: ٹھاکران، بلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ہندہ نے بلا کسی جبر اور دباؤ کے پہلے ہی مہر معاف کر دیا تھا اور پھر طلاق کے وقت بھی بخوشی معاف کیا، جس پر پوری پنچایت گواہ موجود ہے، تو اب اس معافی کے بعد عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

وصح حطها لكله، أوبعضه قبل أولا. (درمختار علی الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۳/ ۱۱۳، زکریا ٤/ ۲٤۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۲۹۹/۳۵)

بیوی مہر واپس کرنے کے بعد ثواب کی مستحق ہوگی؟

سوال[۵۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت اپنے شوہر کو مہر معاف کر رہی ہے، اپنی خوشی سے جب کہ شوہر مہر کو ادا کر رہا ہے، عورت اس رقم کو لوٹا رہی ہے، اس صورت میں عورت ثواب کی مستحق ہے یا نہیں؟ اس صورت میں مہر ادا ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال شمسی ہاؤس، طویلہ اسٹریٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر کی ادائیگی کی یہ شکل ہے کہ شوہر مہر کی رقم عورت کے حوالہ کردے، پھر عورت اپنی مرضی سے وہ رقم شوہر کو ہبہ کردے، تو شوہر کی طرف سے مہر بھی ادا ہو جائے گا اور بیوی کو انفاق علی ذوی القربیٰ کا ثواب بھی ملے گا اور اگر بیوی مہر پر قبضہ کرنے سے پہلے بحالات صحت ورضا مہر معاف کردے، تو شوہر کی طرف سے مہر ادا نہیں ہوگا؛ البتہ ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/۲۴۴، جدید ڈابھیل ۱۲/۷۰)

للمرأة أن تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها، أولم يدخل وليس لأحد من أوليائها أب و لاغيره الاعتراض عليها. (عالمگيري، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل العاشر في هبة المهر، زكريا ۱/۳۱٦، جديد ۱م۳۸۲)

وصح حطها لكله، أو بعضه (عنه). (درمختار مع الشامي، كراچي ۳/۱۱۳، زكريا ٤/۲٤۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۷۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

مہر کس کا حق ہے؟

سوال [۵۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادیوں میں جو مہر باندھے جاتے ہیں ۲۰/ ہزار ۲۵/ ہزار تو جب وہ لڑکا مہر ادا کرے، تو وہ مہر کس کو دے، لڑکی کو یا اس کے والدین کو؟

المستفتی: امداد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مہر بیوی کا حق ہے؛ لہٰذا بیوی ہی کو دینا ضروری ہے، وہ اپنا حق جو چاہے کرے۔

نفذ تصرف المرأة في الكل لبقاء ملكها. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۳/ ۱۰۵، زكريا ٤/ ۲۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۹ھ

مہر کی ادائیگی کی صورت

سوال [۵۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بوقت نکاح جو مہر باندھا جاتا ہے، اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ اور شوہر کو وہ مہر کتنی مدت میں ادا کر دینا چاہئے عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا، مہر اس وقت تک ادا نہیں کیا اور نہ ہی بیوی نے معاف کیا شوہر کے انتقال کے بعد اس کی بیوی اگر مہر معاف کرے تو کیا مہر معاف ہوجائے گا؟

المستفتی: عطاء الرحمٰن، کوری روانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ بیوی کا مہر جلد از جلد ادا کردیا جائے؛ لیکن جب شوہر نے ادا نہیں کیا یہاں تک کہ شوہر کا انتقال بھی ہوگیا، تو اب شوہر کے ترکہ سے بیوی کو مہر دیا جائے گا، اب اگر بیوی اپنا حق مہر معاف کردے، تو معاف بھی ہو جائے گا۔

ولنا أن المهر وجوبا حق الشرع على ما مر وإنما يصير حقا لها في حالة البقاء، فتملك الإبراء دون النفي. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر، اشرفي ديو بند ۲/ ٣٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۶۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۹ھ

مہر معاف کرنا

سوال [۵۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پہلی رات میں لڑکے نے لڑکی سے کہا کہ آپ اپنا مہر ابھی لیں گی یا معاف کریں گی، تین مرتبہ پوچھنے پر لڑکی نے کہا یہ مہر میں نے اور میرے اللہ نے معاف کیا، اس کا کیا مسئلہ ہے؟ لکھئے عنایت ہوگی۔

المستفتی: شاہنواز، چندوسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکی نے بغیر دباؤ اور مجبوری کے بخوشی مہر معاف کردیا ہے اور سوال نامہ کے درج شدہ الفاظ کو بخوشی کہا ہے، تو ایسی صورت میں مہر معاف ہو چکا ہے اور شوہر کے ذمہ سے مہر ساقط ہو چکا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۲۶۶/۸)

وان حطت عنه من مهرها صح الحط؛ لأن المهر حقها. (هداية، كتاب النكاح، باب المهر اشرفي ديو بند ۲/۳۲۵)

وصح حطها لكله، أو بعضه عنه قبل أو لا. (در مختار، كراچي ۳/۱۱۳، زكريا ۴/۲۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۸۵)

بیوی مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں؟

سوال [۵۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبید اللہ، بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر بیوی کی اپنی ذاتی ملکیت ہے، اس کو اپنی ذاتی ملکیت میں ہر طرح کے تصرف کا حق ہے بغیر کسی دباؤ کے بیوی غریب شوہر کے اوپر سے مہر معاف کر دے، تو اس کو اختیار ہے۔

واتفق العلماء على أن المرأة المالكة لأمر نفسها إذا وهبت صداقها لزوجها نفذ ذلك عليها ولا رجوع لها فيه. (تفسير قرطبي، سورة النساء: ۴، دارالكتب العلمية بيروت ۵/۱۸)

وصح حطها لكله، أو بعضه عنه قبل أو لا. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۳/۱۱۳، زكريا ۴/۲۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۱۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۳۴ھ

مہر معاف کرانے یا عورت کے خود معاف کرنے کا حکم

سوال [۵۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عورت اپنے شوہر کے کہنے پر مہر معاف کردے، تو کیا معاف ہوجاتا ہے؟

(۲) اور اگر عورت خود سے معاف کردے، تو معاف ہوجاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وثیق الرحمٰن، پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر شوہر نے صرف معاف کرنے کو کہا اور کسی قسم کی دباؤ اور جبر کی شکل اختیار نہیں کی ہے اور شوہر کے کہنے پر بیوی نے اپنی خوشی سے معاف کردیا ہے، تو شرعاً معاف ہوجائے گا۔

وصح حطها لكله، أو بعضه. (در مختار، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا٤/٢٤٨، كراچي٣/١١٣)

ولابد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح. (عالمگيري، زكريا١/٣١٣، جديد ١/٣٨٠)

(۲) جی ہاں معاف ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍۲۵۶۴)

بیوی نے پہلی رات مہر لینے سے انکار کردیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[۵۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر شادی کی پہلی رات شوہر بیوی کو نقد حق مہر ادا کرے اور بیوی لینے سے انکار

کردے، تو بعد میں اگر طلاق واقع ہو جائے، تو شوہر پر کیا لازم ہوگا؟ وہ حق مہر ادا کرے یا نہیں؟

نوٹ: بیوی نے انکار میں لفظ معاف اپنی زبان سے نہیں ادا کیا ہے۔

المستفتی: امجد حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی لینے سے انکار کردے اور معاف کردے، تو طلاق واقع ہونے کے بعد مطالبہ کا حق نہ ہوگا، اگرچہ بوقت انکار معافی کا لفظ استعمال نہ کیا ہو؛ اس لئے کہ عرف میں مہر کے لینے سے انکار معافی کے لئے مستعمل ہے۔

الثابت بالعرف کالثابت بالنص. (رسم المفتی قدیم ۹۵) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ

۲۵/ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۴۹۶)

شب زفاف میں مہر کی معافی کرانا

سوال [۵۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ شرع کے مطابق ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتے ہیں؛ کیونکہ ہم اس سے ناواقف ہیں، جس کے سبب دماغ بھٹک رہا ہے، کئی لوگوں سے دریافت کیا؛ لیکن کوئی بھی تشفی بخش جواب نہ دے سکا؛ لہٰذا التماس ہے کہ مہربانی فرما کر اس کی بابت صحیح مسئلہ اور وجہ بتانے کی زحمت کریں عین نوازش ہوگی۔

مسئلہ: شادی کی پہلی رات میں اپنی بیوی سے مہر معاف کرائے جاتے ہیں، تو کیا وہ مہر اگر بیوی معاف کردے، تو ہمیشہ کے لئے معاف ہو جاتے ہیں یا کہ اگر خدانخواستہ طلاق ہو جائے، تو وہ مہر کے روپئے شوہر کو ادا کرنا ہوتے ہیں، اگر طلاق کے بعد وہ روپئے شوہر کو ادا کرنا لازمی ہیں، تو پھر شادی کی پہلی رات میں بیوی کے قول کے مطابق وہ معاف کیوں نہیں ہوتے؟

المستفتی: حافظ محمد طاہر حسین کیراف عبدالرحمٰن چکی والے، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی پہلی رات میں بلاکسی جبرودباؤ کے بخوشی ورضاء اپنا مہر معاف کردیتی ہے، تو معاف ہوجائے گا، پھر آئندہ کبھی مطالبہ کا حق نہیں ہوگا اوراگر جبرودباؤ سے معاف کرایا جاتا ہے، تو معاف نہیں ہوگا بعد میں مطالبہ کا حق باقی رہے گا۔ (مستفاد: بہشتی زیور اختری ۴/۱۴، دارالعلوم ۸/۳۰۵)

وصح حطها لكله، أو بعضه عنه قبل أولا. (الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤/٢٤٨، كراچي ٣/١١٣، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٢٥)

وحط المرأة من مهرها؛ لأن المهر في حالة البقاء حقها. (البحرالرائق كوئٹه٣/١٥٠، زكريا ٣/٢٦٣)

عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولا ضرار. الحديث (مسند أحمد بن حنبل ١/٣١٣، رقم:٢٨٦٧، الاشباه و النظائر قديم مطبع ديوبند ١٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۸۲۳/۲۶)

شب زفاف میں معاف کیے ہوئے مہر کی حیثیت

سوال [۵۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادی کے بعد شب زفاف میں شوہر بیوی سے مہر معاف کراتا ہے اور بیوی بھی کہہ دیتی ہے کہ میں نے معاف کیا، میرے اللہ نے معاف کیا، تو ایسی صورت میں مہر معاف ہوجائے گا یا نہیں؟ اس کے بعد اگر بیوی مہر کا مطالبہ کرے تو کرسکتی ہے یا نہیں؟ اوراگر مطالبہ نہیں کرتی تو شوہر بری الذمہ ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: انیس احمد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شب زفاف میں شوہر کے مطالبہ پر بیوی کا مہر معاف کردینا ایک قابل غور بات ہے؛ اس لئے کہ مہر کی معافی صحیح طور پر اسی وقت ممکن ہے جب بیوی طیب نفس اور خوشی سے اپنا مہر معاف کردے اور شب زفاف میں جب شوہر نے مہر کی معافی کا مطالبہ کردیا تو بیوی کے لئے بدمزگی سے بچنے کے لئے اور خوشی کے ماحول کو خراب ہونے سے بچانے کے واسطے اس کے علاوہ کوئی دوسری شکل نہیں ہے کہ شوہر کے مطالبہ پر مہر معاف کردے، اس طرح سے مہر معاف کرنا قطعی طور پر طیب نفس اور خوشی سے نہیں ہوتا؛ اس لئے حضرت تھانویؒ نے طیب نفس سے معاف کرنے کا ضابطہ یوں بیان فرمایا ہے کہ مہر کی رقم بیوی کے حوالہ کردی جائے اور اس کے بعد وہ اپنی خوشی ومرضی سے بغیر کسی دباؤ کے شوہر کو واپس کردے؛ لہٰذا شب زفاف میں مہر کے معاف کرانے میں طیب نفس کی کوئی شکل نہیں پائی جاتی؛ اس لئے شب زفاف میں معاف کرانے کے باوجود مہر معاف نہیں ہوگا، بعد میں بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق بدستور باقی رہے گا اور شوہر اس معافی کی وجہ سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔ (مستفاد: معارف القرآن ۲/۱۶۹، سورۃ النساء: ۴ کے ذیل میں)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لاتظلموا ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفسه منه.

(مشکوۃشریف ۲۵۵، شعب الايمان، دارالكتب العلمية بيروت ۳۸۷/٤، رقم: ۵٤۹۲)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، كتاب الحدود، باب التعزير، زكريا ٦/١٠٦، كراچي ٤/٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۱۴ھ

مہر معاف کردوں گی کہنے سے مہر کا حکم

سوال [۵۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کا انتقال ہونے کے قریب ہے، دو چار دن پہلے زید اور بیوی میں مہر کے متعلق بات ہوئی تو زید کی بیوی نے زید سے کہا کہ میں مہر وغیرہ سب معاف کردوں گی، تم کو قرض دار نہیں چھوڑوں گی؛ لیکن میری ماں، بھائی کو آنے دو، اسی اثناء میں زید کی بیوی کا انتقال ہوجاتا ہے۔

اب بیوی کا مہر معاف سمجھا جائے گا یا شوہر کو مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر ادا کرنا ہو، تو اس کی کیا صورت ہے؟ اب یہ زید کس کو مہر کی قیمت دے گا؟ جبکہ زید کے سسرال والوں میں کوئی بھی مہر وغیرہ طلب نہیں کرتا اس کا صحیح طریقہ تحریر فرمائیے۔ جواب بہت جلد عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: مولوی خلیل احمد، شوپوری، پوسٹ: پیغمبر پور، سوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی نے مذکورہ الفاظ سے مہر معاف کرنے کا صرف وعدہ کیا تھا معاف نہیں کیا ہے؛ اس لئے شوہر کے اوپر شرعاً مہر کی ادائیگی واجب ہوگی اور یہ مہر بیوی کا ترکہ شمار ہوگا، اس میں بیوی کے تمام شرعی ورثاء حقدار ہوں گے؛ لہٰذا اگر بیوی کی اولاد نہیں ہے، تو شوہر کو کل مہر کا نصف ملے گا اور اگر بیوی کی اولاد موجود ہے، تو شوہر کو کل مال کا ربع ملے گا بقیہ دوسرے ورثاء کو ملے گا بقیہ اگر ورثاء کی تعداد ونام درج کردیا جاتا تو سب کے لئے سہام بھی بنادیئے جاتے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۷۲/۲۴)

زبردستی دین مہر معاف کروانا

سوال [۵۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا تھا جس کا نام اورنگ زیب تھا اس کی شادی کو تقریباً ڈیڑھ سال ہوئے تھے، اس کا اب انتقال ہو گیا، شادی میں لڑکی کے گھر والوں نے چالیس ہزار روپئے کا سامان دیا تھا، چالیس ہزار میں لڑکی کا جہیز بھی شامل تھا اور لڑکے کے کپڑے وغیرہ سب اس میں شامل تھے اور لڑکی کو کچھ زیورات ان کے گھر والوں نے دیئے تھے (یعنی لڑکی کے گھر والوں نے) اور نکاح میں دین مہر دس ہزار روپئے اور پانچ اشرفی باندھا گیا تھا، اورنگ زیب کے انتقال کے دو گھنٹے بعد لڑکی کے پاس ایک مولانا صاحب گئے اور کچھ عورتیں گئیں، لڑکی سے کہا کہ دین مہر معاف کردو، تو اس لڑکی نے دین مہر معاف کر دیا۔

اب تین مہینے کے بعد لڑکی کہتی ہے کہ میں نے دین مہر معاف نہیں کیا، تو اس کا شرعی حکم کیا ہے، کیا دین مہر معاف ہوا یا نہیں؟

(۲) اور چالیس ہزار روپئے بھی مانگ رہی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے اور اگر دیا جائے گا، تو کون ادا کرے گا؟

(۳) دوسرے بھائی نے اس کے رہنے کے لئے مکان بھی دلوایا تھا اور کاروبار کے لئے پچیس ہزار روپئے بھی دیئے تھے اور گھر کا ضروری سامان بھی دیا تھا، اورنگ زیب کی والدہ نے بھی کچھ زیورات دیئے تھے، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۴) مرحوم کے گھر میں چار مشینیں ہیں ایک سلائی مشین تین کڑھائی مشین اور مرحوم کا بینک میں تقریباً دس ہزار روپیہ ہے تو یہ کس کو ملے گا؟

(۵) اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اس کی بیوی نے چار مہینہ کا حمل بھی گرا دیا اپنے ماں باپ کے کہنے پر حالانکہ یہ لوگ اب بھی اسے رکھنے کے لئے تیار ہیں حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

المستفتی: طفیل احمد مہار اشٹری، ایس کے بہلو ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اورنگ زیب کے انتقال کے دو تین گھنٹہ کے بعد کچھ عورتیں اور مولانا صاحب کے لڑکی کے پاس جانے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اورنگ زیب کا جنازہ روانہ بھی نہیں ہوا ہوگا، تو ایسی حالت میں اس طرح لوگوں کا جاکر کے بیوی پر مہر معاف کرنے سے متعلق اصرار کر کے دباؤ ڈالنا اور ایسی حالت میں مجبور ہوکر کے اس کا مہر معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا؛ بلکہ بطیّبِ خاطر اور خوشی ومرضی سے معاف کرنے سے معاف ہوتا ہے اور یہاں کوئی خوشی اور مرضی نہیں تھی؛ اس لئے مذکورہ صورت میں مہر معاف نہیں ہوا۔

ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح. (عالمگيري، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل السابع في الزيادة في المهر، زكريا ١/٣١٣، جديد ١/٣٨٠)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئٍ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، مسند أبي يعلىٰ الموصلي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٩١، رقم: ١٥٦٧، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٢٦٥، مستدرك حاكم قديم ١/٩٣، جديد مكتبه نزار مصطفىٰ الباز بيروت ١/١٣٧، رقم: ٣١٨، بالفاظ ديگر جامع الاحاديث رقم: ٢٦٧٥٩، مسند إمام أحمد بن حنبل ٥/٧٢، رقم: ٢١١٤٠)

(۲) چالیس ہزار روپئے مانگنے کی بات بظاہر سوال نامہ میں غلط ہے؛ البتہ ایسا ممکن ہے کہ چالیس ہزار روپئے لے کر جانبین کی مرضی کے مطابق سامان خریدا گیا ہو؛ اس لئے کہ سوال نامہ خود ہی بتا رہا ہے کہ ان روپیوں کے اندر جہیز کا سامان بھی شامل ہے؛ اس لئے اصل واقعہ اور سوال کی حقیقت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ چالیس ہزار روپئے کے مختلف سامان ہیں، تو لڑکی کو وہ تمام سامان واپس لینے کا حق ہے؛ لیکن وہ سامان جس حالت میں ہے، اسی حالت

میں لینے کا حق ہے پرانے ہوگئے ہوں تو پرانی حالت میں ٹوٹ گئے ہوں تو ٹوٹی ہوئی حالت میں صحیح سالم اور نئے ہیں تو اسی حالت میں الغرض جو سامان جس حالت میں ہے، اسی حالت میں لینے کا حق ہے، چالیس ہزار روپئے نقد مانگنے کا حق نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا. [النساء:۵۸]

ومنها وجوب الأداء إلى المالك؛ لأن الله تعاليأمر بأداء الأمانات إلى أهلها، وأهلهامالكها. (بدائع الصنائع، كتاب الوديعة، فصل واما بيان حال الوديعة، زكريا ٥/٣١٣)

واما حكمها فوجوب الحفظ على المودع و صيرورة المال أمانة في يده وجوب أدائه عند طلب مالكه. (عالمگيري،زكريا٤/٣٣٨جديد ١/٣٤٩)

وهي أمانة هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب .

(درمختار مع شامي، كراچي ٥/٦٦٤، زكريا٨/٤٥٥)

(۳) اورنگ زیب کے بھائیوں نے اس کو رہنے کیلئے جو گھر دیا تھا اور کاروبار کے لئے پچیس ہزار روپئے اور گھر کا ضروری سامان دیئے تھے، اگر یہ تمام چیزیں امانت کے طور پر دی تھیں، تو یہ تمام چیزیں اورنگ زیب کی ملکیت ہیں اور اس کی وفات کے بعد ترکہ میں شامل ہوں گی اور اورنگ زیب کی والدہ نے جو زیورات اپنی بہو کو دئے تھے اس میں عرف کا اعتبار ہوگا، اگر عرف میں ساس کی جانب سے بہو کو اس جیسے زیورات کا مالک بنایا جاتا ہے، تو عورت اس کی مالک ہوجائیگی اور اگر عاریت اور استعمال کے طور پر دیا تھا، تو وہ زیورات عاریت میں شمار ہوں گے، اسے لینے کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/۱۳۱-۱۲۳، جدید زکریا ۵/۱۳۰-۱۳۲، فتاوی دارالعلوم ۸/۳۶۳)

فلووهب لذى رحم محرم منه نسباً، ولو ذميًا، أو مستأمنا لايرجع.

(شامي، كتاب الهبة، باب للرجوع في الهبة، كراجي٥/٧٠٤، زكريا٨/٥١٢)

بعث إلى امرأة ابنه متاعاً، ثم ادعىٰ أنه بعث أمانة صدق. (تاتارخانية، زكريا٤/٢١٠، رقم:٥٩٩١)

(۴) یہ سارا سامان مشینیں یہ سب کی سب اورنگ زیب کے ترکہ میں شمار ہوں گے اوران کو چار حصہ کر کے ایک حصہ اورنگ زیب کی بیوی کا حق ہے؛ اس لئے کہ اولاد کی عدم موجودگی میں بیوی کو چوتھا حصہ ملتا ہے۔

ویقسم الباقي بعد ذٰلک بین ورثته أي الذین ثبت إرثهم بالکتاب، أوالسنة. (شامي، کتاب الفرائض، کراچي ٦/ ٧٦١، زکریا ١٠/ ٤٩٧، السراجي في المیراث ٥)

أما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عندم عدم الولد وولد الابن وإن سفل. (السراجي في المیراث ١٢)

فیفرض للزوجة فصاعداً الثمن مع ولد، أو ولد ابن وإن سفل، والربع لها عند عدمها. (تنویر الأبصار مع الشامي٦/ ٧٦٩، ٧٧٠، زکریا ١٠/ ٥١٢)

(۵) بلا عذر شرعی جان بوجھ کر حمل کا گرا دینا گناہ کبیرہ ہے، حمل گرانے میں جن کا مشورہ شامل ہے بیوی کے ساتھ وہ بھی گنہگار رہوں گے، سب کے اوپر توبہ لازم ہے۔

عن أبي عبیدة بن عبد الله عن أبیه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: التائب من الذنب کمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذکر التوبة،النخسة الهندیة٣١٣، دارالسلام رقم: ٤٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۱۸ھ

شوہر کے انتقال کے بعد مہر معاف کروانا

سوال [۵۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کے شوہر کا وہ انتقال ہوگیا اور اس نے مہر ادا نہیں کیا تھا، تو پڑوس کے

لوگ کہتے ہیں کہ تو اپنے شوہر کا مہر معاف کردے، جو اس نے ادا نہیں کیا ہے، تو عورت ان کے اصرار کرنے پر معاف کردیتی ہے آیا یہ معاف کرنا اور کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: نظام الدین، بھوپالی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر نے اپنی زندگی میں بیوی کا مہر ادا نہیں کیا تھا، تو شوہر کے انتقال کے بعد ترکہ میں سے بیوی کا مہر ادا کرنا لازم ہے، پڑوس کے لوگوں کا بیوی پر اصرار کرتے ہوئے یہ کہنا کہ مہر معاف کردے درست نہیں ہے اور عورت مجبور ہوکر شرم و حیاء کی وجہ سے مہر معاف کردے، تو یہ معافی معتبر نہیں سمجھی جائے گی؛ بلکہ عورت کا مہر شوہر کے ذمہ علی حالہ باقی رہے گا، شوہر کے ترکہ میں سے بیوی کا مہر ادا کرنا لازم اور ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/۱۱۱، جدید زکریا ۵/۱۱۲)

ولا بد في صحة حطها من الرضا حتى لو كانت مكرهة لم يصح.

(هندية، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل السابع في الزيادة في المهر، زكريا ۱/۳۱۳، جديد زكريا ۱/۳۸۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۱۹ھ

میت کے کان میں مہر معاف کرنا

سوال [۵۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک رواج ہے، جب کسی کے گھر میت ہوجاتی ہے، تو اس کی قریبی عورت اور خاندان اور پڑوس کی عورتیں اپنے اپنے گھر سے گیہوں، چاول، دال، آٹا،

مرچ وغیرہ میت کے گھر پہونچاتی ہیں اور پھر وہ سارا راشن کسی غریب کو دیدیا جاتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ کیا طریقہ ہے، اس طرح سے میت کے گھر پر چیزیں پہونچانی درست ہیں؟ اگر درست نہیں تو عوام کو اس سے کس طرح سے منع کریں اور سمجھائیں، ایسے ہی اگر شوہر کا انتقال ہوتا ہے، تو اس کی عورت کو دیگر عورتیں مجبور کرتی ہیں کہ اپنے شوہر کے کان میں کہہ دے کہ میں نے مہر معاف کردیا۔ کیا اس طرح مہر معاف کرانے سے مہر معاف ہوجائے گا یا اس عدم ادائیگی کا وبال شوہر پر رہے گا؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے گھر آٹا، گیہوں وغیرہ راشن پہونچانے کے متعلق کسی حدیث وفقہ کی عبارت نظر سے نہیں گذری، یہ عوام کی ایجاد کردہ ہے۔ نیز غریب وفقیر کو صدقہ کرنا فی نفسہ نیک کام ہے، مگر جس کو دینا ہے وہ اپنے گھر سے دے سکتا ہے، میت کے گھر لے جانے کی ضرورت نہیں۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. [سورة النحل:۱۲۵]

کے طریقہ سے سمجھایا جائے؛ البتہ تیار شدہ کھانا میت کے پسماندگان کے لئے بھیجنا حدیث شریف سے ثابت ہے؛ کیونکہ وہ لوگ اپنی مشغولیت وغم کی وجہ سے کھانا تیار نہ کرسکیں گے۔

ویستحب لجیران أهل المیت والأقرباء الأباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم. لقوله صلی الله علیه وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاماً، فقد جاء هم مایشغلهم الخ. (شامي، کتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، زکریا۳/۱۴۸، کراچي ۲/۲۴۰، هکذا هندیة، زکریا۵/۳۴۴،جدید ۵/۳۹۸ قاضیخان علی الهندیة، زکریا۳/۴۰۵،جدید۳/۲۹۲)

اور موت کے بعد کان میں مہر معاف کرنے کی بات کسی صحیح روایت یا فقہ کی عبارت میں دیکھنے میں نہیں آئی؛ ہاں البتہ مہر معاف کردینے سے معاف ہوجاتا ہے۔

إن المرأ يعامل في حق نفسه كما أقربه الخ. (قواعد الفقه اشرفي ١٤)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍ ۳۴۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍۴؍۱۴۱۴ھ

مجبور ہوکر طلاق دینے کی صورت میں مہر کا حکم

سوال [۵۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بیوی شوہر کو چھوڑ کر چلی جائے اور باوجود کوشش کے نہ آئے، مجبور ہوکر طلاق دینی پڑے، تو کیا ایسی صورت میں طلاق دینے کے بعد شوہر کے ذمہ دین مہر کی ادائے گی لازم ہے؟

المستفتی: عبدالجبار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر طلاق دینے سے قبل بیوی سے طلاق علی المال یا خلع بعوض مہر کا معاملہ نہیں کیا گیا، تو ایسی صورت میں آپ کے ذمہ مہر کی ادائیگی لازم ہے۔
(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸؍۲۴۹)

وتجب العشرة إن سماها، أو دونها ويجب الأكثر منها إن سمىٰ الأكثر ويتأكد عند وطء، أو خلوة صحت من الزوج، أو موت أحدهما. (درمختار، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/ ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۷۰۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍۱؍۱۴۲۲ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی
خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ
مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۴)

المجلد الرابع عشر

الرضاع، الطلاق
إلی باب الكناية

۵۹۴۴ ــــــــ ۶۴۶۲

ناشر
مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند
01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

بحق صاحبِ فتاوی شبیر احمد القاسمی 09412552294

بحق مالک مکتبہ اشرفیہ دیوبند 09358001571

01336-223082 08810383186

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

فہرست مضامین

۱۶/ کتاب الرضاع

۱۷/ کتاب الطلاق

۱/ باب صفة الطلاق و من أحق به

۲/ باب إباحة الطلاق

۳/ باب مطالبة الطلاق

۴/ باب وقوع الطلاق

۵/ باب طلاق الحامل والحائض

۶/ باب طلاق الهازل والغاضب

۷/ باب طلاق السکران والجنون

۸/ باب طلاق المکرہ

۹/باب الطلاق بالألفاظ المصحفة

۱۰/ باب عدم وقوع الطلاق

۱۱/ باب وعد الطلاق

۱۲/ باب الطلاق الصریح

۱۳/ باب الکنایة

○❖○

۱۶/ کتاب الرضاع

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

ثبوت رضاعت کیلئے شرعی شہادت

سوال [۵۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ثبوت رضاعت کے لئے حنفیہ کے یہاں دومرد یا ایک مرد اور دوعورتوں کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ ہے:

لاتقبل في الرضاع شهادة النساء منفردات، وإنما يثبت بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين.

اس عبارت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ثبوت رضاعت میں عورت کی گواہی کالعدم قرار دیدی گئی ہے، اس صورت کو سامنے رکھتے ہوئے زید کی والدہ حلفیہ بیان دیتی ہے کہ میں نے احمدی بانو کو مدت رضاعت میں دودھ پلایا ہے؛ لیکن موصوف کی والدہ کے پاس کوئی شرعی گواہ نہیں ہے۔ اب زید کی شادی احمدی بانو کی لڑکی سے ہوجاتی ہے، تو کیا یہ نکاح جو شرعی گواہ کی عدم موجودگی میں ہوا ہے، وہ ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ حضرت تھانویؒ نے اپنی کتاب بہشتی زیور میں ثقہ عادل مرد کا ہونا لازمی قرار دیا ہے اور مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی اپنی مشہور کتاب جواہر الفقہ میں عادل مرد کا ہونا ضروری قرار دیا ہے، ان سب کتابوں پر قدرے نگاہ رکھتے ہوئے نکاح ہونے کے جواز وعدم جواز پر شرعی روشنی ڈالی جائے۔

المستفتی: قطب الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کی والدہ کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں تو محض زید کی والدہ کے بیان کی وجہ سے احمدی بیگم کو دودھ پلانے کا ثبوت شرعاً ثابت نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا زید کے ساتھ احمدی بیگم کی لڑکی کی شادی کرنا شرعاً درست ہوجائے گا۔

أن عمر بن الخطابؓ أتي في امرأة شهدت على رجل وامرأته أنها أرضعتهما، فقال: لا، حتى يشهد رجلان أو رجل، وامرأتان.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الرضاع، باب شهادة النساء في الرضاع ١١/ ٤٦٩، رقم: ١٦١٠١-١٦١٠٠)

لايفرق بينهما بعد النكاح، و لاتثبت الحرمة بشهادتهن، فكذلك قبل النكاح إذا أراد الرجل أن يخطب امرأة، فشهدت امرأة قبل النكاح أنها أرضعتهما كان في سعة من تكذيبها، كما لو شهدت بعد النكاح .

(البحر الرائق، كتاب الرضاع، زكريا٣/٤٠٥، كوئٹه ٣/ ٢٣٢)

ولا يقبل في الرضاع إلا شهادة رجلين، أورجل، وامرأتين عدول.

(هندية، زكريا ١/٣٤٧، جديد زكريا ديوبند ١/٤١٣)

ولا تقبل في الرضاع إلا شهادة رجلين، أو شهادة رجل، وامرأتين عدول......وفيها إذا أراد الرجل أن يخطب امرأة فشهدت امرأة قبل النكاح، أنها أرضعتهما كان في سعة من تكذيبها، كما لو شهدت بعد النكاح.

(الفتاوى التارتارخانية، زكريا ٤/ ٣٧٥، رقم: ٦٤٦٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
٢٢/ ذی قعدہ ١۴١٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵٩٢٢/٣۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١۴٢٩/١١/٢۴ھ

کیا حرمت رضاعت کے لئے دودھ کا اترنا لازم ہے؟

سوال [۵۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے لڑکے کا نکاح اپنے سالے کی لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اور ایام رضاعت میں سالے کی بیوی نے اپنا پستان اپنے بھانجے کے منھ میں رکھ دیا تھا، اور اس سے تین ماہ قبل اس عورت کے مردہ بچہ کی پیدائش ہوئی تھی اور عورت یہ بھی کہتی ہے کہ میرا دودھ بالکل سوکھ گیا تھا، اگر میں اس کو مستقل دس پندرہ دن پلاتی رہتی تب تو بہر صورت نکل آتا، صرف ایک مرتبہ میں نے اپنا پستان اس بچہ کے منھ میں داخل کیا تھا اور اس نے فوراً ہٹالیا اور مجھے بھی کچھ مزہ نہیں آیا، گھن سا محسوس ہوا، تو کیا اس صورت میں ان دونوں کا باہمی عقد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: فضل احمد، نیا پورہ، پوسٹ: گواری، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر عورت یقین کے ساتھ یہ بات کہتی ہے کہ اس کے پستان میں اس وقت دودھ بالکل نہیں تھا، اور یوں ہی منھ میں ڈال دیا تھا، تو اس سے شرعاً حرمت رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ حرمت کے ثبوت کے لئے بچہ کے حلق میں دودھ پہونچنا لازم ہے۔

امرأة كانت تعطي ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم، ثم تقول لم يكن في ثديي لبن حين ألقمتها ثديي، ولم يعلم ذلك إلا من جهتها جاز لإبنها أن يتزوج بهذهِ الصبية. (شامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ۳/۲۱۲، زكريا ديوبند ٤/٤٠١)

إن المراد وصول اللبن إلي جوفه من فمه أو أنفه، فلا فرق بين

المص، والصب، والسعوط، هذا إذا علم أن اللبن وصل إليه، وإلا لم تثبت الحرمة؛ لأن في المانع شكا كما في أكثر الكتب. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية، بيروت ۱/ ۵۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۴ھ

دودھ پیٹ میں نہ جانے کی صورت میں رضاعت کا حکم

سوال [۵۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے نانی کا دودھ اس حالت میں پیا کہ نانی کو دودھ اچھی طرح آتا تھا اور ہندہ جو زید کی نانی کی حقیقی پوتی ہے، اس نے جب دودھ پیا تو دودھ بالکل خشک ہو چکا تھا؛ لیکن سینہ میں منھ لگایا اور دونوں کی مدت رضاعت میں تقریباً دس سال کا فاصلہ ہے۔ اب کیا زید کا نکاح ہندہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بصورت دیگر زید کے بھائی عمر کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: مقبول احمد قاسمی، بھیلا گاؤں، پوسٹ: ملہی پور، شراوستی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید نے مدت رضاعت میں اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے، تو زید کے لئے نانی کی اولادوں میں سے کسی کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں ہے، چاہے نانی کی پوتیاں ہوں یا نواسیاں، ہاں البتہ زید کے دوسرے بھائی جنہوں نے نانی کا دودھ نہیں پیا ہے، ان کے لئے نانی کی پوتی اور نواسی کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے، ان سے شرعی طور پر شادی کرنا منع نہیں ہے؛ لہٰذا ہندہ نے جس زمانے میں نانی کا پستان منھ میں لیا تھا، اگر اس زمانے میں نانی کے پستان میں دودھ نہیں رہا ہے اور یقین سے معلوم ہے کہ نانی کا دودھ ہندہ

کے پیٹ میں نہیں پہونچا، تو ہندہ کا زید کے بھائی عمر کے ساتھ نکاح جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ حرمت رضاعت کے ثبوت کے لئے مدت رضاعت میں دودھ کا پیٹ میں جانا شرط ہے اور ہندہ کے پیٹ میں دودھ نہیں پہونچا ہے۔

في الشامية: ولا رضاع إن لم يصل إلى الجوف وعكساً......المراد بالمص الوصول إلى الجوف من المنفذين. (شامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ۳/۲۰۹، زكريا ٤/۳۹۲)

ولا يتزوج المرضعة أحدًا من ولد التي أرضعته......ويجوز أن يتزوج الرجل بأخت أخيه من الرضاع؛ لأنه يجوز أن يتزوج بأخت أخيه من النسب. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۵۱، زكريا ۱/۳٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۶۷)	۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

لے پالک کو حقیقی بہن، بھتیجی یا بھانجی کا دودھ پلانا

سوال [۵۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت جس کو ایک بچہ لے پالک بنانا ہے، مگر اس بات کے پیش نظر کہ لے پالک بچہ جب بڑا ہوجاتا ہے، تو محرم اور غیر محرم کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے، تو اس عورت نے اس شیر خوار بچہ کو اپنی بھانجی یا بھتیجی سے دودھ پلوایا؛ تاکہ وہ مرضعہ کی پھوپھی یا خالہ بن جائے، تو کیا وہ عورت رضیع (دودھ پینے والے) بچہ کے محرم میں شامل ہوجائے گی یا نہیں؟ مرضعہ کی اصل بعید کی فرع کا رضیع کے لئے محرم یا غیر محرم ہونا فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں صراحۃً ذکر نہیں آیا تو مزید کتابوں کی عبارت سے واضح فرمائیں۔

المستفتی: نثار احمد، محمد حنیف سندھی، محلہ: محمدی، گودھرا (، گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر عورت بانجھ ہے اوراس سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی ہے اور اس کے پستان سے دودھ بھی نہیں اترتا ہے، تو ایسی صورت میں لے پالک بچے کو محرم بنانے کے لئے بہتر شکل یہی ہے کہ وہ عورت اپنی حقیقی بھتیجی یا حقیقی بھانجی کا اس بچے کو شیر خوارگی کے زمانے میں دودھ پلائے یا عورت اپنی ماں کا دودھ پلائے، یعنی ہر ایسی عورت سے دودھ پلائے جس عورت کی اولاد سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں وہ بچہ جس عورت کا دودھ پیا گیا ہے اس کے لئے اور اس کے اصول وفروع کے لئے اور پرورش کرنے والی عورت کے لئے بھی محرم ہوجائے گا، اب یہ بچہ بالغ ہونے کے بعد حرمت رضاعت کی وجہ سے گھر میں آنے جانے میں رکاوٹ کا باعث نہیں بنے گا؛ اس لئے کہ یہ بچہ پرورش کرنے والی عورت کا بھانجہ یا بھائی یا بھانجی کی اولاد ہے، جس کے گھر میں آنے جانے میں کسی قسم کی شرعی رکاوٹ نہیں رہتی ہے اور سوال نامہ میں ایک بات یہ پوچھی گئی ہے کہ مرضعہ کے اصل بعید کی فرع کا رضیع کے لئے محرم یا غیر محرم ہونے کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ دودھ پلانے والی کے اصل بعید کی فرع مثلاً پھوپھی اور خالہ وغیرہ کی رضیع نہ مرضعہ کے لئے حرام ہے اور نہ ہی مرضعہ نے جس کو دودھ پلایا ہے اس کے لئے حرام ہے؛ اس لئے کہ خالہ زاد اور پھوپھی زاد بھائی بہنوں سے نکاح شرعی طور پر جائز ہے۔

الأصل أن كل من يحرم بسبب القرابة من الفرق السبع الذين ذكرهم الله عز وجل في كتابه الكريم نصاً أو دلالةً على ما ذكرنا في كتاب النكاح يحرم بسبب الرضاعة. (بدائع الصنائع، كتاب الرضاع، زكريا ٣/٣٩٦، بيروت ٥/٦٢)

عن عائشةؓ، قالت: استأذن عليَّ أفلح فلم آذن له، فقال: أتحتجبين منّي وأنا عمك، فقلت: وكيف ذلك؟ فقال: أرضعتك امرأة أخي بلبن أخي، فقالت: سألت ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: صدق أفلح،

ائذني له. (صحيح البخاري، كتاب الشهادة على الانساب والرضاع ١/ ٣٦٠، رقم: ٢٥٧٠، ف: ٢٦٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۰۴۶)

دودھ پلانے کی صورت میں دودھ نہ نکلنے سے رضاعت کا حکم

سوال [۵۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت نے اپنی پڑوسی کی لڑکی کو دودھ پلایا؛ لیکن دودھ نہیں نکلا، بہت کوشش کی اب وہی عورت اپنے لڑکے کا اس لڑکی سے رشتہ کرنا چاہتی ہے؛ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتية: فاکہہ پروین، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں اگر واقعتاً دودھ نہیں نکلا ہے تو اس عورت کے لئے اپنے لڑکے سے اس لڑکی کا نکاح درست ہے؛ کیونکہ دونوں کے درمیان رضاعت کا تعلق قائم نہیں ہوا۔

امرأة كانت تعطي ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم، ثم تقول: لم يكن في ثديي لبن حين ألقمتها ثديي، ولم يعلم ذلك إلا من جهتها جاز لابنها أن يتزوج بهذه الصبية. (شامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ٣/ ٢١٢، زكريا ديوبند ٤/ ٤٠١)

إن المراد وصول اللبن إلي جوفه من فمه، أو أنفه، فلا فرق بين المص، والصب، والسعوط، هذا إذا علم أن اللبن وصل إليه، وإلا لم تثبت

الحرمة؛ لأن في المانع شكًا كما في أكثر الكتب. (مجمع الأنهر، دارالكتب العليمة، بيروت ۱/ ۵۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷؍۱۸۲۳۵)

مدت رضاعت میں ایک دو مرتبہ دودھ پینے کا حکم

سوال [۵۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غالباً ۱۰؍نومبر ۱۹۸۷ء کو پاکستان ریڈیو کی نشریات میں فتوی کے سوال وجواب میں کسی مفتیٔ دین نے فرمایا کہ اگر کسی عورت کا دودھ دو یا چار دن کسی دوسری عورت کے لڑکے نے پی لیا ہو، تو دودھ پلانے والی عورت کی لڑکی سے دودھ پینے والے لڑکے کا نکاح ہوسکتا ہے۔

سائل نے کسی عالم دین سے حکم شرعی دریافت کیا کہ کیا دودھ شریک لڑکی اور لڑکا رضاعی بہن بھائی بن جاتے ہیں اور دونوں کا رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا قطعاً غیر شرعی اور ناجائز ہے۔ براہ کرم صحیح حکم سے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: ڈاکٹر معین الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب اس کا یقین ہو جائے کہ مدت رضاعت میں بچہ کے پیٹ میں دودھ جا چکا ہے، تو شرعاً اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، چاہے ایک دن پیا ہو یا زیادہ، ایک دفعہ پیا ہو یا زیادہ، ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو، بہر صورت حرمت ثابت ہو جائے گی، اس بچہ کے لئے دودھ پلانے والی عورت کی لڑکی کے ساتھ عقد نکاح ہرگز جائز نہیں۔

أن علياً و ابن مسعودؓ، كانا يقولان يحرم من الرضاع قليله وكثيره. (سنن النسائي، كتاب النكاح، باب القدر الذي يحرم من الرضاع، النسخة الهندية۲/۶، رقم: ۳۳۱۳)

قليل الرضاع وكثيره سواء، إذا حصل في مدة الرضاع يتعلق به التحريم. (هداية، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۵۰، فتاوی عالمگيري، زكريا۱/ ۳۴۲، زكريا جديد ديوبند ۱/ ۴۰۹، البحر الرائق، كوئٹه ۳/ ۲۲۲، زكريا۳/ ۳۸۸، الجوهرة النيره، زكريا۲/ ۹۲، امداديه ملتان ۲/ ۹۵، ملتقي الأبحر، قديم۱/ ۳۷۵، جديد دارالكتب العلمية بيروت۱/ ۵۵۱-۵۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۵۸۷)

بہن کا اپنے شیر خوار بھائی کو دودھ پلانا

سوال [۵۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہن اپنے شیر خوار سگے بھائی کو بلا عذر یا بعذر اپنا دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید اشرف علی، شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہن اپنے شیر خوار سگے بھائی کو بلا ضرورت دودھ نہ پلائے؛ البتہ اگر کوئی ایسی شدید ضرورت پیش آجائے کہ وہاں بہن کے علاوہ اور کوئی دودھ پلانے والی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی چیز ہے، جس کو کھلا کر بچہ کو بچایا جا سکے، تو ایسی صورت میں بہن کے لئے اپنا دودھ پلا کر بھائی کی حفاظت کی گنجائش ہے۔

والواجب على النساء أن لا يرضعن كل صبي من غير ضرورة. (هندية، كتاب الرضاع، زكريا۱/ ۳۴۵، زكريا جديد ديوبند ۱/ ۴۱۱، حاشية چلپي

علی التبیین، امدادیہ ملتان۲/ ۱۸۱، زکریا۲/ ٦٣٠، شامي، کراچي۳/ ۲۱۲، زکریا٤/ ٤٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۷۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

خطاً دودھ پلانے سے حرمت رضاعت کا حکم

سوال [۵۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی عائشہ شام کو سو رہی تھی اور اس کی چھوٹی لڑکی بھی قریب میں سو رہی تھی اور قریب ہی میں زینب کا لڑکا عمر سو رہا تھا، عائشہ نے رات میں زینب کے لڑکے عمر کو اپنی لڑکی سمجھ کر دودھ پلا دیا، مگر جب دیکھا تو وہ زینب کا لڑکا عمر تھا، مگر عائشہ نے دودھ غلطی سے پلایا ہے؛ البتہ وہ اقرار کرتی ہے کہ میں نے دودھ پلایا ہے اور اس کے گواہ بھی موجود ہیں جس میں دو عورتیں ایک مرد ہے؛ لہٰذا عائشہ کے اقرار کرنے سے رضاعت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: مشیر عالم، لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عائشہ اقرار کر رہی ہے، جس پر شرعی گواہ (دو عورتیں ایک مرد) گواہی دے رہے ہیں، تو غلطی سے دودھ پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے؛ لہٰذا عائشہ کی ساری اولادیں زینب کے لڑکے عمر کے لئے حرام ہو جائیں گی، کسی بھی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں ہوگا، اسی طرح عائشہ کی بہن کے ساتھ بھی درست نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۳/ ٦١٦)

وإن أخطأت أو أرادت الخير بأن خافت على الرضيع الهلاك

من الرجوع لا يرجع عليها. (تاتارخانية، زكريا٤/ ٣٧٠، رقم:٦٤٤٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٤/ ٩٩، رقم:٣٧٣٩، رشيديه كوئٹه٣/ ١٩٢)

قليل الرضاع و كثيره سواء عندنا...... كما يحصل الرضاع بالمص من الشدي يحصل بالصب والسعوط. (قاضي خان على الهندية، باب الرضاع، زكريا ١/ ٤١٧، زكريا جديد ديوبند ١/ ٢٤٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۲۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۷ھ

بچے کا رضاعی باپ کون ہے؟ سابقہ شوہر یا موجودہ شوہر

سوال [۵۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حاملہ عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دی، وہ عورت قریب الولادت تھی، طلاق کے چند دن کے بعد ہی ولادت ہوگئی، اس کے بعد اس عورت نے بچہ کی مدت رضاعت ہی میں دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، تو اس بچہ کا رضاعی باپ کون ہوگا، اس عورت کا سابق شوہر جس سے اس کا دودھ آیا ہوا ہے، یا موجود شوہر جس کے زیر تربیت ابھی یہ رضیع ہے؟ صورت مسئلہ سے باحوالہ آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: راشد فتحپوری، متعلم معراج العلوم، چیتا کیمپ (ممبئی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں اس بچہ کا حقیقی باپ اور رضاعی باپ پہلا شوہر ہی ہے؛ کیونکہ اس کی ماں کے پستان سے جو دودھ اترا ہے وہ پہلے شوہر کے نطفہ کی وجہ سے اترا ہے اور اس دودھ کے اترنے میں دوسرے شوہر کی ہمبستری کا کوئی دخل نہیں ہے

اور دوسرا شوہر اس بچہ کا سوتیلا باپ ہے، رضاعی باپ نہیں ہے اور شوہر ثانی کی دوسری بیوی سے جو اولادیں ہوں، ان کا نکاح اس بچے کے ساتھ جائز اور درست ہے۔

ويثبت أبوة زوج مرضعة إذا كان لبنها منه له، وإلا لا كما سيجي: أي في قوله "طلق ذات لبن". (شامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ۳/۳ ۲۱، زكريا ۴/۲ ۰ ۴)

طلق ذات لبن (تحته في الشامية) أي منه بأن ولدت منه؛ لأنه لو تزوج امرأة ولم تلد منه قط ونزل لها لبن وأرضعت ولداً لا يكون الزوج أبا للولد؛ لأن نسبته إليه بسبب الولادة منه، وإذا انتفت انتفت النسبة، فكان لبن البكر؛ ولهذا لو ولدت للزوج، فنزل لها لبن فأرضعت به، ثم جف لبنها، ثم در فأرضعته صبية، فإن لابن زوج المرضعة التزوج بهذه الصبية، ولو كان صبيًا كان له التزوج بأولاد هذا الرجل من غير المرضعة بحر عن الخانية. (شامي، كراچي ۳/ ۲۲۱، زكريا ۴/ ۶ ۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

رضاعی بہن کی علاتی بہن سے نکاح کا حکم

سوال [۵۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بشیر اور خالد دو حقیقی بھائی ہیں دونوں شادی شدہ ہیں، بشیر کی بیوی خالدہ ہے، خالد کی بیوی صفیہ ہے، بشیر کی بیوی خالدہ سے ایک لڑکی رابعہ ہوئی، پھر خالدہ کا انتقال ہو گیا، پھر بشیر نے دوسری شادی کی راشدہ سے، دو لڑکیاں ہوئیں، ایک لڑکی کا نام زینب، دوسری کا نام طاہرہ ہے، اب خالد کی بیوی صفیہ نے بشیر کی دوسری لڑکی طاہرہ کو دودھ پلایا، تو اب خالد

اپنے لڑکے شکیل کی شادی بشیر کی بڑی لڑکی رابعہ سے کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: شکیل احمد، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بشیر کی بیوی راشدہ کی لڑکی طاہرہ کو خالد کی بیوی صفیہ نے دودھ پلایا ہے، تو خالد کی بیوی صفیہ کا لڑکا شکیل کے لئے بشیر کی بیوی خالدہ کی لڑکی رابعہ حرام نہیں ہوگی، ان دونوں میں علت حرمت نہیں ہے؛ اس لئے شکیل کا نکاح رابعہ کے ساتھ جائز اور حلال ہے؛ بلکہ صرف طاہرہ کے لئے صفیہ کے سب لڑکے حرام ہیں، طاہرہ کی دوسری بہنیں حرام نہیں ہیں۔

وكان لإخوته أن يتزوجوا بنات الأخرىٰ إلا الابنة التي أرضعتها أمهم وجدها؛ لأنها أختهم من الرضاعة. (شامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ٣/٢١٧، زكريا ٤/٤١١)

وجاز لإخوته أن يتزوجوا بنات تلك المرأة إلا البنت التي أرضعتها أمهم. (تاتارخانية، زكريا ٤/٣٦٥، رقم: ٦٤٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۸۹۹/۲۶)

آٹھ ماہ بعد دوسرا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں پہلے بچہ کو دودھ پلانے کا حکم

سوال [۵۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بچہ کی مدت رضاعت میں دوسرا بچہ پیدا ہوجاتا ہے، یعنی بچہ کی عمر آٹھ یا نو ماہ ہے، کیا دوسرے بچہ کے دودھ میں سے شرعاً پہلے بچہ کو دودھ پلا سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ دوسرا بچہ خوب سیر ہوکر دودھ پیتا ہے اور پھر بھی کافی مقدار میں دودھ بچ جاتا ہے، کیا یہ دودھ اس بچہ کو

پلایا جاسکتا ہے؟ جس کی عمر ابھی آٹھ نو ماہ ہے۔

المستفتی: محمد صدیق، امام مسجد،، مالیرکوٹلہ (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں پہلے بچہ کو بلا کراہت دودھ پلانا جائز ہوگا؛ کیونکہ ۹/۱۰/ ماہ کا بچہ شرعاً دودھ پی سکتا ہے، دوسرے بچہ کے ساتھ عورت مدت رضاعت کے اندر اندر اپنے بچہ اور غیر کے بچہ کو دودھ پلاسکتی ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

ووقت الرضاع في قول أبي حنيفةؒ قدر بثلاثين شهراً. (قاضي خان علی هامش الهندية ٣/٤١٧، خانية جديد زكريا ديوبند ١/٢٤٩، هندية، زكريا ١/٣٤٢، جديد زكريا ديوبند ١/٤٠٩، وكذا في درمختار كراچي ٣/٢٠٩، زكريا ٤/٣٩٣)

وقوله تعالیٰ: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ. [سورة البقره:٢٣٣]

عن ابن عباسؓ قال: ماكان في الحولين فإنه يحرم وإن كان مصة، وإن كان بعد الحولين، فليس بشيئ.

وعن ابن عمرؓ قال: سمعت عمرؓ يقول: لا رضاع إلا في الحولين في الصغر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ١١/٤٦٦، رقم: ١٦٠٩٢-١٦٠٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۹۵)

بیوی کا دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال [۵۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ(۱) ایک عورت آٹا گوندھ رہی تھی، اور آٹا گوندھنے میں اس کی چھاتی پر اتنا زور پڑا کہ چھاتی سے دودھ نکل کر آٹا میں گرگیا اور اس کی روٹیاں پکالیں، ان روٹیوں کو گھر میں سب نے کھایا اور اس عورت کے شوہر نے بھی کھایا، تو اس کا نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا؟

(۲) شوہر نے اپنی بیوی کے پستان کو منھ میں دبایا پیار میں یا جماع کے جوش میں یا جان بوجھ کر، ایسا کیا اور اپنی بیوی کے پستان کو خوب چوسا اس سے دودھ بھی نکلا، اس دودھ کو اس نے نگل لیا یا زمین پر اگلا تو شرعاً کیا حکم ہے، نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا؟

المستفتی: فصاحت حسین، مدرسہ بدر العلوم حسین پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بیوی کا دودھ بالغ شوہر کے پیٹ میں چلا جانا حرمت نکاح کا سبب نہیں ہے، حرمت نکاح کے لئے ڈھائی سال سے کم عمر کا شوہر ہونا شرط ہے۔ نیز روٹی کے ساتھ پک جانے کی وجہ سے ڈھائی سال کے بچہ کے حق میں بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

وإن اختلط بالطعام لم يتعلق به التحريم الخ. (هداية، كتاب الرضاع، اشرفي ديوبند ٢/٣٥٢)

وإذا صنع لبن امرأة في طعام فأكله صبي، فإن كانت النار قلمسته ونضجت الطعام حتى تغير لا تثبت الحرمة. وفي الهداية: في قولهم جميعاً سواء كان اللبن غالباً أو مغلوباً، وفي الخانية: ولو مسته نار وغيرته أو جعل جبناً، أو أقطا، أو كيحا، أو مصلا لاتثبت اتفاقاً؛ لأنه صار طعاماً آخر.

(تاتارخانية، زكريا٤/٩ ٣٦، رقم:٦٤٤٢)

(۲) جی ہاں نکاح بدستور باقی ہے، اس سے نکاح میں کوئی حرمت ثابت نہیں ہوتی؛ اس لئے کہ ڈھائی سال کی عمر کے بعد حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی؛ البتہ اس نے ایک گندی حرکت کی ہے۔

ومدة الرضاع ثلاثون شهراً عند أبي حنيفةؒ. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵۰)

مص رجل ثدي زوجته لم تحرم. (در مختار، كراچي ۳/ ۲۲۵، زكريا٤/ ٤٢١)

إذا مص الرجل ثدي امرأته وشرب لبنها لم تحرم عليه امرأته لما قلنا: إنه لا رضاع بعد الفصال. (خانية على هامش الهندية، زكريا ۱/ ٤١٧، جديد زكريا ۱/ ۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

بیوی کے پستان کو چوسنے سے نکاح کا حکم

سوال [۵۹۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کی چھاتی کو منھ میں ڈال کر چوسا، تو کیا نکاح باقی رہے گا یا نہیں یا اگر صرف منھ میں ڈالا ہے، تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: ایوب عالم، چودھر پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کا اپنی بیوی کی چھاتی کو منھ میں ڈال کر چوسنا یا صرف منھ میں ڈالنا اس کی وجہ سے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آتی ہے، اسی طرح اگر دودھ منھ میں آ گیا یا وہ حلق میں چلا گیا تو اس صورت میں بھی نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، ہاں البتہ اس کو فوراً نکال دینا ضروری تھا، اس نے گندہ فعل کیا ہے؛ اس لئے آئندہ وہ اس طرح کی حرکت کہ جس سے دودھ حلق میں چلا جائے نہ کرنے کا عہد کرے اور اللہ سے توبہ کرے۔

مص رجل ثدي زوجته لم تحرم. (در مختار مع الشامي، كراچي ۳/ ۲۲۵، زكريا٤/ ٤٢١)

عن جابرؓ أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: لا رضاع بعد فصال، ولا یتم بعد احتلام. الحدیث (مسند أبي داؤد الطیالسي، دارالکتب العلمیة بیروت ۷/۲۴۳، رقم:۱۷۶۷)

عن عليؓ قال: لا رضاع بعد فصال. (السنن الکبریٰ للبیهقي، کتاب الرضاع، باب رضاع الکبیر، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۱/۴۶۴، رقم:۱۶۰۸۲)

إذا مص الرجل ثدي امرأته وشرب لبنها لم تحرم علیه امرأته لما قلنا: إنه لا رضاع بعد الفصال. (خانیة علی هامش الهندیة، کتاب النکاح، باب الرضاع، زکریا ۱/۴۱۷، جدید زکریا ۱/۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۴۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۶ھ

اہلیہ کا دودھ پینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال[۵۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی کا دودھ پی لے، تو وہ اس کے نکاح میں رہی یا نہیں؟ اور دودھ پینا کیسا ہے، اس مسئلہ کو حل کرکے شکریہ کا موقع دیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد عطاء الرحمٰن، مسجد تاج والی، منڈی بانس، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شہوت کے جوش میں پستان منہ میں لینے پر مجبور ہو جائے تو گناہ نہ ہوگا، مگر دودھ پینا حرام ہے؛ البتہ اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اور نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا، دودھ اگر منہ میں آجائے تو کلی کرکے منہ صاف کرلینا چاہئے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا رضاع بعد فصال، ولا يتم بعد احتلام. الحديث (مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ٧/٢٤٣، رقم:١١٦٧)

عن علي رضی اللہ عنہ قال: لا رضاع بعد فصال. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الرضاع، باب رضاع الكبير، دارالفكر بيروت ١١/٤٦٤، رقم:١٦٠٨٢)

وإذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم، لقوله عليه السلام: لا رضاع بعد الفصال الخ. (هداية، كتاب الرضاع، اشرفي ديوبد ٢/٣٥٠)

إذا مص الرجل ثدي امرأته وشرب لبنها لم تحرم عليه امرأته لما قلنا: إنه لا رضاع بعد الفصال. (خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، باب الرضاع، زكريا ١/٤١٧، جديد زكريا ديوبند ١/٢٥٠)

مص رجل ثدي زوجته لم تحرم. (در مختارمع الشامي، كراچي ٣/٢٢٥، زكريا٤/٤٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۷۸۳)

رضاعی بھائی کے دیگر بھائیوں سے نکاح کا حکم

سوال [۵۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے اپنی خالہ کا دودھ پیا ہے، تو صرف ہم سے ان کی لڑکی کی شادی جائز نہیں ہوگی یا ہمارے چھوٹے یا بڑے بھائیوں سے بھی شادی جائز نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد طیب فرخ آبادی، متعلم درجۂ افتاء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صرف آپ کا اس خالہ کی لڑکی سیشادی کرنا ناجائز ہے،

جس کا آپ نے دودھ پیا ہے اور آپ کے بھائیوں کے ساتھ اس خالہ کی لڑکی سے نکاح جائز ہے، جنہوں نے اس خالہ کا دودھ نہیں پیا ہے۔

ولاحل بين الرضيعة وولد مرضعتها أي التي أرضعتها الخ.
(الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الرضاع، زكريا ٤/ ٤١٠، كراچي ٣/٢١٧)

لاحل بين رضيع وولد مرضعته. (مجمع الأنهر، دارالكتب العمية بيروت ١/٥٥٤)

ولايتزوج المرضعة أحداً من ولد التي أرضعت؛ لأنه أخوها. (هداية، اشرفي ديو بند ٢/ ٣٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رشوال المکرّم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۱۸۷۵)

رضاعی لڑکی کا نکاح مرضعہ کے کسی بھی لڑکے سے جائز نہیں

سوال [۵۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسگی بہنیں ہیں، ایک کی لڑکی ایک کا لڑکا ہے دودھ پینے کے زمانہ میں لڑکی کو لڑکے کی ماں نے مجبوراً ایک بار دودھ پلا دیا تھا۔ اب حکم شرعی کیا ہے کہ دونوں بہنیں آپس میں لڑکے اور لڑکی کی شادی کرسکتی ہیں یا نہیں؟ لڑکا چھ سال بڑا ہے۔

المستفتی: اشفاق اللہ حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں جب لڑکے کی ماں نے لڑکی کو دودھ پلا دیا، تو اس لڑکی کا نکاح دودھ پلانے والی عورت کے کسی بھی لڑکے سے جائز ودرست نہیں؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں لڑکے کا نکاح لڑکی سے جائز نہیں۔

ولاحل بين الرضيعة وولد مرضعتها أي التي أرضعتها الخ.
(الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الرضاع، زكريا ٤/ ٤١٠، كراچي ٣/٢١٧)

لاحل بين رضيع وولد مرضعته. (مجمع الأنهر، دارالكتب العمية بيروت ۵۵٤/۱)

ولايتزوج المرضعة أحداً من ولد التي أرضعت؛ لأنه أخوها. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۱۴۳)

رضیع کا مرضعہ کی کسی بھی اولاد سے نکاح جائز نہیں

سوال [۵۹۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے فاطمہ کی ماں کا فاطمہ کے ساتھ دودھ پیا تو فاطمہ کے علاوہ فاطمہ کی حقیقی بہنوں سے شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد کرامت علی قاسمی، چوبیس پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کا فاطمہ کی بہنوں میں سے کسی سے بھی نکاح جائز نہیں ہوگا۔

ولاحل بين الرضيعة وولد مرضعتها أي التي أرضعتها الخ. (الدرالمختارمع الشامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ۳/۲۱۷، زكريا ٤/٤١٠)

لاحل بين رضيع وولد مرضعته. (مجمع الأنهر، دارالكتب العمية بيروت ۵۵٤/۱)

ولايتزوج المرضعة أحداً من ولد التي أرضعت؛ لأنه أخوها. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵۱)

إذا مص الرجل ثدي امرأته وشرب لبنها لم تحرم عليه امرأته لما قلنا: إنه لا رضاع بعد الفصال. (خانية على هامش الهندية، كتاب النكاح، باب الرضاع، زكريا ۱/٤١٧، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۲۵۰)

مص رجل ثدي زوجته لم تحرم. (در مختار مع الشامي، کراچي ۳/۲۲۵، زکریا ۴/۴۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷۲۹/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱۱/۱۴۱۴ھ

مرضعہ کا اپنی بیٹی کا نکاح رضاعی بیٹے سے کرنا

سوال [۵۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نے اپنی نند کے بیٹے کو اپنا دودھ پلایا کسی مجبوری میں صرف ایک دو منٹ اور اب ہندہ اپنی چھوٹی بیٹی کا رشتہ اپنی اسی نند کے بیٹے سے کرنا چاہتی ہے، جس کے بیٹے کو اس نے اپنا دودھ پلایا تھا؛ لہٰذا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟

نوٹ: ہندہ اپنی بیٹی کا نکاح نند کے اسی بیٹے سے کرنا چاہتی ہے، جس کو ہندہ نے دودھ پلایا تھا۔

المستفتی: شکیل احمد، قاضی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندہ نے نند کے جس لڑکے کو دودھ پلایا ہے، وہ ہندہ کا رضاعی بیٹا ہوگیا؛ اس لئے اس کا نکاح ہندہ کی کسی بھی لڑکی سے جائز نہیں ہے؛ البتہ نند کے دوسرے لڑکے جن کو ہندہ نے دودھ نہیں پلایا ہے، ان سے ہندہ کی لڑکیوں کا نکاح جائز ہے۔

يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعاً الخ. (هندية، كتاب الرضاع، زكريا ۱/۳٤۳، جديد زكريا ديوبند ۱/٤۰۹)

إذا ثبت بالرضاع تتعدي إلي أصول المرضعة وفروعها. (خانية على الهندية، زكريا ۱/٤۱٦، جديد زكريا ديوبند ۱/۲٤۹)

وأخواتكم من الرضاعة، فقد أثبت سبحانه وتعالیٰ الحرمة والأخوة

بين بنات المرضعة وبين الرضيع مطلقاً من غير فصل بين أخت وأخت.
(الموسوعة الفقهية ٢٢/ ٢٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦ رمحرم الحرام ١۴٣١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٨ / ٩٨٦٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٦/١/١۴٣١ھ

رضیع کے بھائی کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح

سوال [٥٩٦٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی ایک خالہ زاد بہن ہے، جس کے ساتھ زید کا رشتہ ہونا ہے؛ لیکن زید کی عمر جس وقت ۵ ر سال کی تھی اس وقت زید کا ایک چھوٹا بھائی جو دودھ پی رہا تھا، اس دوران زید کی خالہ زاد بہن بھی چھوٹی تھی اور وہ اپنی ماں کا دودھ پی رہی تھی، ایک مرتبہ اچانک دھوکے سے لڑکی کی ماں نے زید کے بھائی کو اپنی لڑکی سمجھ کر دودھ پلا دیا اور جوں ہی پہچانا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے فوراً ہٹا دیا، تو اس حالت میں زید کی شادی اپنی خالہ زاد بہن کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد غفران قاسمی، جمیعۃ بلڈنگ ۴ ۵ ر کچہری روڈ، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کی شادی اپنی خالہ زاد بہن کے ساتھ درست ہے؛ اس لئے کہ خالہ کا زید نے دودھ نہیں پیا ہے؛ بلکہ زید کے بھائی نے پیا ہے؛ لہٰذا زید کے بھائی کے ساتھ خالہ کی لڑکی کا نکاح جائز نہ ہوگا، مگر زید نے دودھ نہیں پیا ہے؛ اس لئے زید کے ساتھ حرمت کا ثبوت نہیں ہوگا اور اس کے ساتھ نکاح بلاتردد درست ہو جائے گا۔

وتحل أخت أخيه رضاعاً، يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية. (شامي، كتاب االكناح، باب الرضاع، كراچي ٣/ ٢١٧، زكريا ٤/ ٤١٠)

وتحل أخت أخيه رضاعاً كما تحل نسباً. (هندية، زكريا ۱/۳٤۳، جديد زكريا ديوبند ۱/٤۰۹، ملتقي الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/٥٥٤)

ويجوز أن يتزوج الرجل بأخت أخيه من الرضاع؛ لأنه يجوز أن يتزوج بأخت أخيه من النسب. (هداية، اشرفي ديوبند۲/۳٥۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۴۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۲ھ

رضاعی بھائی کے دیگر بھائیوں کا مرضعہ کی لڑکی سے نکاح

سوال [۵۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تانا اور ریحانہ دو سگی بہنیں تھیں، تانا بڑی اور ریحانہ چھوٹی، ایک دن تانا بڑی بہن نے ریحانہ کے ایک ڈیڑھ ماہ کے بیٹے آصف کو کئی بار دودھ پلادیا، اس کے بعد اس سال ابھی عیدالفطر کے بعد ریحانہ ہی کے بڑے بیٹے محمد صادق سے تانا کی لڑکی کا نکاح ہوا ہے، تو سوال یہ ہے کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں اور یہ بات دھیان رہے کہ دودھ تانا نے محمد صادق کو نہیں پلایا تھا؛ بلکہ اس کے چھوٹے سگے بھائی آصف کو پلایا تھا

المستفتی: مشاہد حسین، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تانا کا ریحانہ کے بیٹے آصف نے دودھ پیا ہے، لہٰذا آصف کے لئے تانا کی کسی بھی لڑکی کیساتھ نکاح درست نہ ہوگا؛ لیکن آصف کے علاوہ ریحانہ کے دوسرے بیٹوں کا نکاح تانا کی کسی بھی لڑکی کے ساتھ جائز اور درست رہے گا؛ اس لئے کہ ریحانہ کے دوسرے لڑکوں کا تعلق تانا کے ساتھ خالہ ہونے کا ہے، رضاعی ماں ہونے کا نہیں ہے؛ لہٰذا آصف کے دوسرے بھائی صادق کا نکاح تانا کی لڑکی کے ساتھ بلا شبہ جائز اور درست ہے۔

ولو أن امرأتين لإحداهما بنون وللأخرىٰ بنات، فأرضعت التي له البنات ابناً واحدا من بني المرأة الأخرىٰ لم يجز؛ لذلک الابن أن يتزوج بتلک المرأة التي أرضعته ولا واحدة من بناتها ويجوز لسائر البنين أن يتزوجوا تلک المرأة وبناتها أيتهن شاء وا. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/ ٣٦٤، رقم: ٦٤٣٠)

ويجوز أن يتزوج الرجل بأخت أخيه من الرضاع. (هداية، اشرفي يوبند ٢/ ٣٥١)

وتحل أخت أخيه رضاعاً كما تحل نسباً. (هندية، زكريا ١/ ٣٤٣، جديد زكريا ١/ ٤٠٩، ملتقي الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت١/ ٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۷ھ

رضاعی بھائی بہن کی اولادوں کا باہم نکاح

سوال [۵۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حسیب النساء نے اور نصر النساء دونوں حقیقی بہن ہیں، دونوں بہنوں کی عمروں میں کافی تفاوت ہے، حسیب النساء نے اپنی حقیقی بہن نصر النساء کو دودھ پلایا جس سے حسیب النساء کے لڑکے لڑکیاں سب اپنی حقیقی خالہ نصر النساء کے رضاعی بھائی بہن بن گئے اور حسیب النساء کا لڑکا مطیع عالم جو نصر النساء کا رضاعی بھائی ہے، اس کی ایک لڑکی سلمیٰ خانم کا نکاح نصر النساء کے لڑکے جمال الدین کے ساتھ شرعی طور پر صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: انصار الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مطیع عالم اور نصر النساء دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں اور شرعی طور پر رضاعی بھائی بہن کی اولاد کے درمیان نکاح جائز اور درست ہے کہ جس طرح حقیقی بھائی بہن کی اولاد کے درمیان درست ہوتا ہے؛ لہٰذا سلمیٰ خانم کا نکاح رضاعی پھوپھی

کے لڑکے جمال الدین کے ساتھ جائز اور درست ہو جائے گا۔

أما بنت عمة نفسه فإنها حلال نسباً ورضاعاً. (شامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ٣/٢١٦، زكريا ٤/٤٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۹۱)

رضاعی ماموں سے نکاح

سوال [۵۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور فاطمہ دونوں پھوپھی زاد بھائی اور بہن ہیں، زید کو فاطمہ کی نانی نے دودھ پلایا ہے۔ اب زید کے والدین زید کا نکاح فاطمہ سے کرنا چاہتے ہیں، شریعت کی رو سے یہ نکاح مباح ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد ذکی اللہ رحمانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس طرح نسبی ماموں سے بھانجی کا نکاح جائز نہیں ہے، اسی طرح رضاعی ماموں سے بھی بھانجی کا نکاح درست نہیں ہے اور مسئولہ صورت میں زید فاطمہ کا رضاعی ماموں ہو گیا ہے؛ اس لئے ان دونوں کا آپس میں نکاح جائز نہیں ہے۔

عن عائشة رضـ أنها أخبرته أن عمّها من الرضاعة يسمىٰ أفلح استأذن عليها، فحجبته، فأخبرت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال لها: لاتحتجبي منه، فإنه يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب. (مسلم شريف، كتاب الرضاع، النسخة الهندية ١/٤٦٧، بيت الأفكار رقم: ١٤٥٥)

عن علي رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم من الرضاعة ماحرم من النسب. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ماجاء يحرم من

الرضاع ما يحرم من النسب،النسخة الهندية ١/ ٢١٧، دارالسلام رقم: ١١٥٦)

إذا تزوج صغيرة فأرضعتها أمه من النسب، أو من الرضاع حرمت عليه؛ لأنها صارت أختاله من الرضاع، فتحرم عليه كما في النسب، وكذا إذا أرضعتها أخته، أو بنته من النسب، أو من الرضاع؛ لأنها صارت بنت أخته، أو بنت بنته من الرضاعة، وأنها تحرم من الرضاع كما تحرم من النسب. (بدائع الصنائع، كتاب الرضاع، فصل صفة الرضاع المحرم، كراچي ٤/ ١١، زكريا٣/ ٤١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۷۶)

رضاعی بھتیجی سے نکاح

سوال [۵۹۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بچپن میں ہی میری والدہ کا انتقال ہوگیا تھا، والدہ کے انتقال کے بعد میرے والد صاحب نے میری حقیقی خالہ کے ساتھ نکاح کیا، جوتادم تحریر حیات ہیں، میری حقیقی مرحومہ والدہ سے ہم تین بھائی بہن ہیں، میرا ایک لڑکا حافظ عمران ہے، اس کا رشتہ میرے حقیقی بھائی کی لڑکی (حقیقی بھتیجی) نور جہاں سے طے ہوا ہے۔ اب یہ بات ہمیں معلوم ہوئی ہے کہ میرے لڑکے حافظ عمران کو میری مذکورہ خالہ جو حقیقت میں والدہ ہیں) نے دودھ پلایا ہے، تو کیا اس سے رضاعت ثابت ہوگی؟ اور عمران اور نور جہاں کے درمیان نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: حسن، بھڑکودروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حافظ عمران نے جب اپنی سوتیلی دادی سے مدت رضاعت یعنی ڈھائی سال کے اندر اندر دودھ پی لیا ہے، تو حافظ عمران سوتیلی دادی کا رضاعی

بیٹا بن گیا ہے اور نور جہاں کا رضاعی چچا بن گیا ہے اور نور جہاں حافظ عمران کی رضاعی بھتیجی بن گئی ہے اور جس طرح نسبی بھتیجی سے نکاح درست نہیں ویسا ہی رضاعی بھتیجی سے نکاح درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ٧/٤١٨)

وأصله يحرم من الرضاع مايحرم من النسب. (شامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ٣/٢١٣، زكريا ٤/٤٠٤)

عن عائشةؓ أنها أخبرته أن عمّها من الرضاعة يسمىٰ أفلح استأذن عليها، فحجبته، فأخبرت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال لها: لاتحتجبي منه، فإنه يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب. (مسلم شريف، كتاب الرضاع، النسخة الهندية ١/٤٦٧، بيت الأفكار رقم: ١٤٥٥)

عن عليؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم من الرضاع ماحرم من النسب. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ماجاء يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب، النسخة الهندية ١/٢١٧، دارالسلام رقم: ١١٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣ر رجب المرجب ١٤٢٧ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٨/ ٩٠٤٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢/٧/١٤٢٧ھ

حقیقی ماموں کی سوتیلی ماں کا دودھ پینے سے رضاعت کا حکم

سوال [٥٩٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (١) غلام مصطفیٰ ماسٹر کا حقیقی بھانجہ روشن الدین نے ماسٹر مصطفیٰ کی سوتیلی ماں مسماۃ درپائی کا دودھ پیا، مسماۃ مذکورہ روشن الدین کی سوتیلی نانی بھی ہے۔ اب اگر روشن الدین غلام مصطفیٰ کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح شرعاً ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(٢) بکر نے زید کو پالا اور بکر کی بیوی کا دودھ بھی پیا ہے، زید کے حقیقی ماں باپ فوت ہوگئے

تھے، اس لئے زید کو بکر نے پالا اور بکر کی بیوی نے اپنے دودھ سے زید کو پالا اور پال کر فوت ہوگئی، بکر نے دوسری ایک عورت سے نکاح کرلیا۔ اب بکر کی سابقہ بیوی کے بطن سے بکر کی لڑکیاں پیدا ہوئی ہیں، ان لڑکیوں سے زید کا نکاح ہوسکتا ہے یانہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ہارون رشید، مقرب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ مذکورہ میں اگر درپائی کا دودھ غلام مصطفیٰ کے والد کے وطی کیوجہ سے اترا ہے، تو غلام مصطفیٰ کی لڑکی کے ساتھ روشن الدین کا عقد نکاح صحیح نہ رہے گا؛ کیونکہ غلام مصطفیٰ روشن الدین کا رضاعی علاتی بھائی ہوگیا اور رضاعی علاتی بھائی کی لڑکی سے نکاح درست نہیں ہے۔

کما في العالمگیریة: یحرم علی الرضیع أبواہ من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعاً ؛ حتی أن المرضعة لو ولدت من هذا الرجل، أو غیرہ قبل هذا الإرضاع، أو بعدهٗ، أو أرضعت رضیعاً، أوولد لهذا الرجل من غیر هذهٖ المرأة قبل هذا الإرضاع، أو بعدهٗ، أوأرضعت امرأة من لبنه رضیعاً، فالکل إخوة الرضیع و أخواته وأولادهم أولاد إخوته و أخواته. (عالمگیري، کتاب الرضاع، زکریا ۱/۳٤۳، جدید زکریا دیوبند ۱/٤۰۹)

اور اگر درپائی سے بچہ پیدا نہ ہوا مصطفیٰ کے باپ سے، تو روشن الدین کا نکاح غلام مصطفیٰ کی لڑکی سے درست رہے گا۔

رجل تزوج امرأة ولم تلد منه قط، ثم نزل لها لبن فأرضعت صبیاً، کان الرضاع من المرأة دون زوجها حتی لایحرم علی الصبي أولاد هذا الرجل من غیر هذهٖ المرأة. (عالمگیري، زکریا ۱/۳٤۳،جدید زکریا دیوبند ۱/٤۱۰، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا٤/۳٦۳، رقم:٦٤۲٦)

(۲) درست نہیں، جیسا کہ اوپر کے دلائل سے واضح ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/۲۰۴)

مرضعہ کا اپنے بیٹے کا نکاح رضاعی بیٹے کی بہن سے کرنا

سوال [۵۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پھوپھی نے اپنے بھتیجے کو دودھ پلایا، تو وہ اپنے بھتیجے کی بہن کو اپنے کسی لڑکے کے نکاح میں لاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: شمشاد حسین، بچھرایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف اس بھتیجے کے ساتھ پھوپھی کی اولاد کی شادی ناجائز ہے، جس کو پھوپھی نے دودھ پلایا ہے، اور اس بھتیجے کے جن بھائی بہن کو دودھ نہیں پلایا ہے، ان کے ساتھ جائز ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں اس کی بہن کے ساتھ پھوپھی اپنے لڑکے کی شادی کرسکتی ہے، ان میں کوئی حرمت نہیں ہے۔

ویجوز أن یتزوج الرجل بأخت أخیه من الرضاع. (هداية، كتاب الرضاع، اشرفي ديوبند ۲/۳۵۱)

وتحل أخت أخيه رضاعاً كما تحل نسباً. (هندية، زكريا ۱/۳۴۳، ملتقي الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۵۵٤)

وتحل أخت أخيه رضاعاً، يصح اتصاله بالمضاف، كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية. (شامي، كراچي ۳/۲۱۷، زكريا ٤/٤١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۴/۳ھ

والدین کا بالجبر رضاعی بہن سے نکاح کرانا

سوال [۵۹۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کے والدین بالجبر رضاعی بہن سے شادی کرائیں، تو ایسی صورت میں لڑکا کیا کرے؟ والدین کی اطاعت کرتے ہوئے شادی کرلے، یا شادی سے انکار کر کے عدم اطاعت کا ثبوت دے؟

المستفتی: ایم زید، شاہد خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی کے والدین رضاعی بہن سے نکاح پر مجبور کریں تو اس سلسلہ میں بیٹے کو باپ کی اطاعت لازم نہیں ہے؛ بلکہ باپ کی بات کو رد کرنا لازم اور ضروری ہے؛ کیونکہ رضاعی بہن کے ساتھ نکاح کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ حقیقی بہن سے نکاح کرنا جو قطعاً ناجائز اور حرام ہے؛ اس لئے بیٹے کو باپ کی بات رد کرنا لازم ہے، اس سے وہ نافرمان اور گنہگار نہ ہوگا؛ کیونکہ خدا کی نافرمانی میں باپ کی اطاعت لازم نہیں ہے۔

عن علي رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث جيشاً وأمر عليهم -إلى- وقال للآخرين قولاً حسنا، وقال: لاطاعة في معصية الله، وإنما الطاعة في المعروف. الحديث (مسلم شريف، كتاب الامارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، النسخة الهندية۲/ ۱۲۵، بيت الأفكار رقم: ۱۸۴۰)

عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: السمع والطاعة على المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية، فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة. (صحيح البخاري، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية۲/ ۱۰۵۷، رقم: ۶۸۶۱، ف: ۷۱۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۴۳)

رضاعی بہن سے نکاح کے بعد تفریق کی شکل

سوال [۵۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فہمیدہ کے پاس تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، چاروں کی شادی ہوگئی ہے، سبھی کے بچے بھی ہوئے، چھوٹی لڑکی راشدہ کے ایک ہی لڑکی ہوئی تھی، دو تین مہینہ بعد راشدہ کا انتقال ہوگیا، تب اس بچی کو اس کی نانی فہمیدہ پالنے لگی اور فہمیدہ بچی کو چپ کرنے کے لئے اپنا پستان اس کے منھ میں ڈالنے لگی، فہمیدہ کے بوڑھی ہونے کی وجہ سے دودھ نہیں ہوتا تھا؛ لیکن ایسا کرتے کرتے دودھ اتر آیا، بچی دودھ پی کر پلنے لگی، بچی کے بالغ ہونے پر نانی فہمیدہ نے اپنی بڑی لڑکی کے لڑکے سے اس لاوارث بچی کی شادی کردی، جس سے تین بچے بھی ہوگئے ہیں، تو یہ شادی صحیح ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو صحیح ہونے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

المستفتی: نثار احمد بستوی، بستی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب فہمیدہ نے راشدہ کی بچی کو اپنا دودھ پلا دیا، تو وہ بچی اس کی رضاعی بیٹی ہوگئی اور فہمیدہ کی بڑی لڑکی کی بچی کی رضاعی بہن ہوگئی؛ لہٰذا رضاعی بہن کی اولاد سے نکاح جائز نہیں ہوا۔

ولا حل بين الرضيعة وولد مرضعتها وولد ولدها. (تنوير الأبصار على الشامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ۳/۲۱۷، زكريا ۴/۴۱۰)

ولا حل بين رضيع وولد مرضعته. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ۱/۵۵۴، فتاوى دارالعلوم ۷/۳۹۸)

اب نکاح صحیح ہونے کی کوئی صورت نہیں؛ بلکہ متارکت کے ذریعہ دونوں میاں بیوی کے مابین

علیحدگی کرنا ضروری ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً شوہر یہ کہہ دے کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا، تو دونوں میں علیحدگی ہوجائے گی۔

إن النكاح لا يرتفع بحرمة المصاهرة والرضاع (إلى قوله) إلا بعد تفريق القاضي، أوبعد المتاركة الخ (شامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچي ٣/٣٧، زكريا ٤/١١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣ رجمادی الاولیٰ ١٤١٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣١/٢٠١٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٣/٥/١٤١٥ھ

رضاعی بھائی بہن کا آپس میں نکاح کرنا

سوال [٥٩٧١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالدہ کے بھانجے زید نے شیر خوارگی کے زمانہ میں اپنی خالہ خالدہ کا چار پانچ مرتبہ دودھ پیا، ضرورت شدیدہ کی بناء پر عجلت میں یہ عمل پیش آیا، آج سے تقریباً ٢٠ ر سال سے مسائل سے واقفیت نہیں تھی کہ حرمت رضاعت سے چند رشتے حرام ہیں، جیسے حرمت نسبی سے؛ چونکہ زید کی والدہ فاطمہ بیمار تھی اور پستان پر ورم بھی آگیا تھا اور اسوقت زید کی عمر صرف ایک ماہ کی تھی، دودھ پلانے کے بعد زمانہ گذرتا گیا، دودھ پلانے کا علم کوئی خیال ذہن میں نہیں رہا، تقریباً ٢٠ ر سال گذرنے کے بعد خالدہ کی بھانجی نسیمہ سے نکاح ہوگیا۔ اب جبکہ شادی ہوگئی اور ٧ ر سال گذر گئے اور نسیمہ کے دو بچے بھی ہیں ازدواجی زندگی کے بندھن میں پوری طرح جکڑ چکی ہے، حرمت رضاعت کا مسئلہ درپیش ہے اس صورت میں کیا کیا جائے؟ کیا ایام جاہلیت کی طرح اس بے دین کفر والحاد، مشرکانہ تہذیب وتمدن میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے شریعت مطہرہ میں کچھ گنجائش نکل سکتی ہے؟ کیونکہ حرمت رضاعت کے سبب اب دونوں میں تعلقات ختم کرنا اور دو بچوں کے نسب نامے میں بہت بڑا خلل

اوران کی آئندہ زندگی میں طرح طرح کے اندیشے پائے جاتے ہیں؛ لہٰذا سماج میں ان بچوں کا اور میاں بیوی کا کوئی وقار یا اثر نہیں رہے گا؛ لہٰذا برائے کرم شریعت مطہرہ میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے تو وضاحت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: عبدالواجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اور فاطمہ آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں؛ اس لئے فوراً دونوں میں علاحدگی لازم ہے اور انجانی میں نکاح کے نتیجہ میں جو اولاد ہوئی ہیں، وہ سب حلال اور ثابت النسب ہیں، ان کے بارے میں غلط الفاظ کہنے والے سخت گناہ گار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۴۲۵)

ویثبت نسب الولد المولود في النکاح الفاسد، وتعتبر مدۃ النسب من وقت الدخول عند محمدؒ وعلیه الفتویٰ. (هندية، كتاب النكاح، الباب الثامن في النكاح الفاسد وأحكامه، زكريا ۱/ ۳۳۰،جديد زكريا ديوبند ۱/ ۳۹۶)

وإذا فرق القاضي بين الزوجين في النكاح الفاسد......ویثبت نسب ولدها؛ لأن النسب يحتاط في إثباته إحياء للولد، فيترتب على الثابت من وجه، و تعتبر مدۃ النسب من وقت الدخول عند محمدؒ. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۳۲- ۳۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۸۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۹/۱۹ھ

رضاعی بھائی بہنوں کے آپس میں نکاح کا حکم

سوال [۵۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ساجدہ اور باکرہ دو عورتیں ہیں، ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کے

چھوٹے بچے کو دودھ پلایا، تو کیا ان دونوں کے چھوٹے بچوں کے علاوہ ان کے بڑے بچوں کا آپس میں نکاح ایک دوسرے سے ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں ہوسکتا ہے، تو کیوں اور اگر ہوسکتا ہے تو کس بناء پر؟

المستفتی: ریاض احمد، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باکرہ کے جس بچہ نے ساجدہ سے دودھ پیا ہے، وہ ساجدہ ہی کے بچہ کے حکم میں ہو چکا ہے، اس بچہ کا نکاح ساجدہ کی کسی بھی بچی کے ساتھ صحیح نہ ہوگا اور اس بچہ کے دوسرے بھائی بہن کے ساتھ ساجدہ کے بچوں کا نکاح جائز ہے؛ کیونکہ ان بچوں میں ساجدہ کا کوئی جزء منتقل نہیں ہوا، اسی طرح ساجدہ کے جس بچہ نے باکرہ سے دودھ پیا ہے وہ باکرہ کا بچہ بھی ہوگیا؛ اس لئے اس بچہ کا نکاح باکرہ کی کسی لڑکی سے جائز نہیں ہوگا؛ البتہ اس بچہ کے دوسرے بھائی کا نکاح باکرہ کی لڑکی سے ہوسکتا ہے؛ کیونکہ یہ بچہ باکرہ کا جزء بن گیا ہے اور اس کا بھائی باکرہ کا کچھ بھی نہیں بنا؛ لہٰذا مذکورہ سوال نامہ کے مطابق صرف ساجدہ کا چھوٹا لڑکا جس نے باکرہ کا دودھ پیا ہے، اس کا نکاح باکرہ کی کسی بھی لڑکی سے جائز نہیں ہوگا اور باکرہ کا چھوٹا بچہ جس نے ساجدہ کا دودھ پیا ہے، اس کا نکاح ساجدہ کی کسی بھی لڑکی سے جائز نہ ہوگا؛ البتہ باکرہ کے دوسرے بچوں کا نکاح ساجدہ کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ جائز ہوگا، اسی طرح ساجدہ کے دوسرے لڑکوں کا نکاح باکرہ کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ جائز ہو جائے گا۔

عن عقبة بن الحارثؓ قال: وقد سمعته من عقبة؛ لكني لحديث عبيد أحفظ، قال: تزوجت امرأة، فجائتنا امرأة سوداء، فقالت: قد أرضعتكما، فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم، فقلت: تزوجت فلانة بنت فلان، فجائتنا امرأة سوداء، فقالت لي: إني قد أرضعتكما وهي كاذبة فأعرض عني، فأتيت من قبل وجهه، قلت: إنها كاذبة، قال: كيف بها؟ وقد زعمت

أنها قد أرضعتكما، دعها عنك. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب شهادة المرضعة٢/ ٧٦٤، رقم: ٤٩١٣، ف:٥١٠٤)

وكل صبيين اجتمعا على ثدي امرأة واحدة لم يجز لأحدهما أن يتزوج بالأخرىٰ، هذا هو الأصل؛ لأن أمهما واحدة فهما أخ و أخت الخ.
(هداية، كتاب الرضاع، اشرفي ديوبند ٣/ ٣٥١)

وكل صبيين اجتمعا على ثدي واحد لم يجز لأحدهما أن يتزوج بالأخرىٰ. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٦٤، رقم:٦٤٢٨)

ولا حل بين رضيعي ثدي و تحته: أي بين من اجتمعا على الارتضاع من ثدي في وقت مخصوص لأنهما أخوان من الرضاع. (ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت١/ ٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۴۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

رضاعی بہن سے نکاح

سوال [۵۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو سگی بہنیں ہیں، ایک کا نام سعیدہ، دوسری کا نام شمیمہ ہے، سعیدہ کا آپریشن ہوا، اس کی ایک لڑکی چھ ماہ کی تھی شمیمہ یعنی لڑکی کی خالہ اس بچی کی پریشانی کی وجہ سے صرف ایک دن کے لئے اپنے گھر لے آئی بچی رات کو رونے لگی، تو شمیمہ نے اس بچی کو اپنا دودھ پلادیا، اب شمیمہ چاہتی ہے کہ میں اس لڑکی یعنی بھانجی کے ساتھ اپنے لڑکے کا عقد کرادوں کیا یہ عقد جائز ہے؟

المستفتی: عظمت اللہ، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدت رضاعت میں دودھ پینے اور پلانے سے رشتۂ رضاعت قائم ہوجاتا ہے؛ لہٰذا جب شمیمہ نے اپنی بہن کی شیر خوار بچی کو دودھ پلایا ہے، تو وہ اس کی رضاعی بیٹی اور اس کے لڑکے کی رضاعی بہن بن گئی ہے؛ اس لئے شمیمہ کے لڑکے کے ساتھ اس بچی کا نکاح درست نہیں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے:

عن عليؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم من الرضاعة ماحرم من النسب. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب،النسخة الهندية ۱/۲۱۷، دارالسلام رقم:۱۱۵٦، مشكوة ۲/۲۷۳)

عن عائشةؓ، أنها أخبرته أن عمّها من الرضاعة يسمىٰ أفلح استأذن عليها، فحجبته، فأخبرت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال لها: لاتحتجبي منه، فإنه يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب. (صحيح مسلم، كتاب الرضاع، النسخة الهندية ۱/٤٦٧،بيت الأفكار رقم:۱٤۵۵)

ولا يتزوج المرضعة أحداً من ولد التي أرضعت؛ لأنه أخوها. (هداية، كتاب الرضاع، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۹۳۰/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۷/۲ھ

رضاعی بھائی بہن کا نکاح

سوال [۵۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی نکہت نے ایک عورت فرحت کا دودھ پیا تھا، اب اس کی شادی ہورہی ہے، تو نکہت کی شادی فرحت کے اس لڑکے کے ساتھ جس کے ساتھ دودھ پیا ہے، ہوسکتی ہے

یا نہیں؟ اسی طرح اس لڑکے کے علاوہ مذکورہ عورت کے کسی دوسرے لڑکوں میں سے کسی دیگر لڑکے سے نکہت کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی رضاعی ماں کے تمام لڑکے نکہت کے لئے حرام ہیں یا صرف وہ لڑکا جس کے ساتھ نکہت نے دودھ پیا ہے؟

المستفتی: ایم زاہد خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صوت میں نکہت کا فرحت کے کسی بھی لڑکے کے ساتھ نکاح جائز نہیں، نہ اس کے ساتھ کہ جس کے ساتھ دودھ پیا ہے اور نہ اس لڑکے سے جس کے ساتھ دودھ نہیں پیا؛ کیونکہ نکہت فرحت کے تمام لڑکوں کی رضاعی بہن ہے، جس کے ساتھ نکاح ناجائز اور حرام ہے۔

یحرم علي الرضیع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعاً. (هندیة، کتاب الرضاع، زکریا ۱/۳۴۳، جدید زکریا دیوبند ۱/۴۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۷۲۴۳)

کیا رضاعی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں؟

سوال [۵۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ہندہ کا دودھ پیا جو کہ زید کی نانی ہے اور حلیمہ نے بھی ہندہ کا دودھ پیا جو ہندہ کی لڑکی ہے، اب حلیمہ کی ایک لڑکی سلمیٰ ہے، جو زید کی رضاعی بہن کی لڑکی ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ سلمیٰ اور زید کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ حلیمہ اور زید کا آپس میں رشتہ خالہ اور بھانجہ کا ہے؟

المستفتی: محمد قاسم، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید جو ہندہ کا نواسہ ہے، اس نے اپنی نانی کا دودھ پیا ہے اور حلیمہ ہندہ کی بیٹی ہے؛ لہٰذا ہندہ زید کی نانی ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی ماں ہے، اور حلیمہ زید کی خالہ ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بہن ہے۔ اور حلیمہ کی بیٹی سلمیٰ زید کی رضاعی بھانجی ہے اور رضاعی بھانجی سے شرعی طور پر نکاح درست نہیں ہوتا، وہ ایک دوسرے کے لئے حلال نہیں۔

عن عقبة بن الحارثؓ قال: وقد سمعته من عقبة؛ لكني لحديث عبيد أحفظ، قال: تزوجت امرأة، فجاء تنا امرأة سوداء، فقالت: قد أرضعتكما، فأتيت النبي صلى الله عليه وسلم، فقلت: تزوجت فلانة بنت فلان، فجاء تنا امرأة سوداء، فقالت لي: إني قد أرضعتكما وهي كاذبة، فأعرض عني، فأتيت من قبل وجهه، قلت: إنها كاذبة، قال: كيف بها؟ وقد زعمت أنها قد أرضعتكما دعها عنك. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب شهادة المرضعة ۲/ ۷٦٤، رقم: ٤۹۱۳، ف:٥۱۰٤، سنن الترمذي، كتاب الرضاع، باب في شهادة المرضعة في الرضاع، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۸، دار السلام رقم: ۱۱٦۱)

وكل صبيين اجتمعا على ثدي امرأة واحدة لم يجز لأحدهما أن يتزوج بالأخرىٰ، هذا هو الأصل؛ لأن أمهما واحدة فهما أخ و أخت الخ. (هداية، كتاب الرضاع، اشرفي ديوبند ۳/ ۳٥۱)

والأصل في ذلک أن كل اثنين اجتمعا على ثدي واحد، صارا أخوين، أو أختين، أو أخا، وأختا من الرضاعة، فلا يجوز لأحدهما أن يتزوج بالآخر، ولا بولده، كما في النسب. (بدائع الصنائع، زكريا ۳/ ۳۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۱۴۵)

دودھ شریک بھائی سے نکاح درست نہیں

سوال [۵۹۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی کی عمر ایک سال تھی اور میری بڑی بہن کے لڑکے کی عمر بھی ایک سال تھی، ہم دونوں بہنیں ایک جگہ بیٹھے تھے، میری نند کا لڑکا باہر سے آیا اور میری گود میں سے لڑکی کو لے کر باہر چلا گیا، تھوڑی دیر کے بعد دوسرا لڑکا آیا اور وہ میری بہن کے لڑکے کو باہر لے گیا اور باہر جا کر دونوں بچہ بدل لئے اور میری گود میں بڑی بہن کے لڑکے کو دیدیا، میں نے اپنی لڑکی سمجھ کر دھوکے سے اس لڑکے کو لے کر دودھ پلا دیا؛ کیونکہ میرا گھونگھٹ نکلا ہوا تھا، اب میں اپنی چھوٹی لڑکی کی شادی اس لڑکے کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں، اب آپ بتائیں یہ شادی جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب حلفیہ ہے۔

المستفتیة: اختر بیگم، نئی آبادی، لال باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے اس لڑکے کو اپنا دودھ پلایا ہے، تو آپ کی کسی بھی لڑکی کے ساتھ اس لڑکے کی شادی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ہدایہ)

ولا يتزوج المرضعة أحداً من ولد التي أرضعت؛ لأنه أخوها. (هداية، كتاب الرضاع، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲۱۲/۲۹)

رضاعی بھائی بہن کا نکاح اور اس سے پیدا شدہ اولاد کا حکم

سوال [۵۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر رضاعی بھائی بہن کا نکاح ساتھ میں ہوجائے یہاں تک کہ اس عورت کے کئی بچے بھی پیدا ہوجائیں اور بعد میں پتہ چلے کہ رضاعی بھائی بہن کا نکاح درست نہیں، تو آیا دونوں کو ساتھ میں رہنے کی کوئی صورت نکل سکتی ہے کہ یا نہیں؟

المستفتی: ثناءاللہ، پرتاب گڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رضاعی بھائی بہن کا نکاح شرعاً صحیح نہیں ہوتا ہے، اب اگر نکاح ہو چکا ہے، اور شرعی شہادتوں سے دونوں کا رضاعی بھائی بہن ہونا ثابت ہو چکا ہے، تو دونوں میں تفریق کر کے نکاح سے علیحدہ کر دینا واجب ہے۔ اور اس درمیان میں جو اولاد پیدا ہوئی ہے وہ شرعاً اولاد الزنا نہ ہوگی؛ بلکہ وہ حلال اور صحیح النسب بچے ہوں گے اور ان بچوں اور ماں باپ کے بارے میں لب کشائی کرنے والے سخت گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۶۲۶)

رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن بأولاد يثبت نسب الأولاد عند أبي حنيفة. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، زكريا ١/ ٥٤٠، جديد زكريا ١/ ٥٩١)

ويثبت نسب ولدها؛ لأن النسب يحتاط في إثباته إحياءً للولد. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٣٣)

ويثبت لكل واحد منهما فسخه، ولو بغير محضر عن صاحبه و دخل بها، أو لا في الأصح خروجاً عن المعصية فلا ينافي وجوبه؛ بل يجب على القاضي التفريق بينهما. (در مختار، كراچي ٣/ ١٣٢، زكريا ٤/ ٢٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۶/ ۱۴۱۲ھ

رضاعی بہن سے نکاح اوراس سے پیدا شدہ بچہ کا نسب

سوال [۵۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱)شکیل احمداورعمرانہ کے درمیان رضاعت ثابت ہےاورشکیل احمد نے عمرانہ کی ماں کادودھ پیاہے،توشکیل کی شادی عمرانہ کی چھوٹی بہن سے ہوسکتی ہے یانہیں؟

(۲)شکیل احمد کی شادی عمرانہ کی چھوٹی بہن زینب سے ہوگئی ہے،توکیا نکاح کوفسخ کیاجائے گایانہیں؟اوردونوں سے بچہ پیداہواہے،بچہ کولڑکے یالڑکی کے حوالہ کیاجائے گا؟

المستفتی: مولوی عبدالحفیظ، بیلاستوہر،سپول(بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)جب شکیل احمد نے عمرانہ کی ماں کادودھ پیاہے،توشکیل احمد عمرانہ کی ماں کارضاعی بیٹابن گیااوررضاعی بیٹے کاحکم حقیقی بیٹے کی طرح ہے؛لہٰذا عمرانہ کی تمام بہنیں شکیل احمد کے لئے حقیقی بہن کی طرح حرام ہوگئی ہیں؛اس لئے عمرانہ کی ماں کی کسی بھی لڑکی سے شکیل احمد کا نکاح جائز نہ ہوگا؛ہاں البتہ شکیل احمد کے دوسرے بھائیوں کا نکاح جائز ہوسکتا ہے۔

لو كانت أم البنات أرضعت أحد البنين، وأم البنين أرضعت إحدى البنات لم يكن للابن المرتضع من أم البنات أن يتزوج واحدة منهن.

(شامي، زكريا٤/ ٤١٠، كراچي ٣/٢١٧، باب الرضاع)

ولو أن امرأتين لإحداهما بنون وللأخرىٰ بنات، فأرضعت التي له البنات ابنا واحدًا من بني المرأة الأخرىٰ لم يجز لذلك الابن أن يتزوج بتلك المرأة التي أرضعته ولا بواحدة من بناتها.

(تاتارخانية، زكريا ٤ /٣٦٤، رقم: ٦٤٣٠)

(۲) شکیل احمد نے عمرانہ کی چھوٹی بہن سے نکاح کرلیاہے،تو یہ نکاح شرعی طور پر باطل

ہوگیا ہے؛ اس لئے کہ زینب شکیل احمد کی رضاعی بہن ہے؛ اس لئے دونوں کے درمیان فوراً علیحدگی لازم ہے اوراس نکاح کے ذریعہ سے جولڑکا پیدا ہوا ہے، وہ مسئلہ نہ جاننے کی بناء پر نکاح کے ذریعہ پیدا ہوا ہے؛ اس لئے وطی بالشبہ کے درجہ میں رکھ کر بچہ کو ثابت النسب قرار دیا جائے گا، یعنی بچہ کا نسب شکیل احمد سے ثابت ہوگا۔

بخلاف الفاسد فإنه وطئ بالشبهة، فيثبت به النسب. (شامي، قبيل باب الحضانة، كراچي ۳/۵۵۵، زكريا ۵/۲۵۲)

ويثبت لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه دخل بها أولا في الأصح خروجاً عن المعصية، فلا ينافي وجوبه؛ بل يجب على القاضي التفريق بينهما. (در مختار، كتاب النكاح، باب المهر مطلب في النكاح الفاسد، زكريا ٤/۲۷۵، كراچي ۳/۱۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۲۹ھ

رضاعی بہن کی بہن سے نکاح کرنا

سوال [۵۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور ہندہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہیں، تو کیا زید کے لئے ہندہ کی چھوٹی یا بڑی بہن سے شادی کرنا جائز ہے؟ اسی طرح زید کا ماموں یا چچا ہندہ کی چھوٹی یا بڑی بہن سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: سید ضمیر الدین، دورۂ حدیث

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر ہندہ نے زید کی ماں کا دودھ پیا ہے، تو ایسی صورت میں ہندہ اور اس کی تمام بہنیں زید کے خاندان میں داخل ہوکر زید کے

لئے حرام ہوجائیں گی اور اگر زید نے ہندہ کی ماں سے دودھ پیا ہے،تو صرف زید ہندہ کے خاندان میں داخل ہوا ہے، زید کے دوسرے بہن بھائی اور ماموں، چچا وغیرہ ہندہ کے خاندان میں داخل نہیں ہوں گے۔ استفتاء میں سوال واضح نہیں ہے کہ زید نے ہندہ کی ماں سے دودھ پیا تھا یا ہندہ نے زید کی ماں سے دودھ پیا تھا، اس کی وضاحت ضروری تھی۔

(مستفاد: امداد الاحکام ۴/۴۱۵، کفایت المفتی قدیم ۵/۱۷۰، جدید زکریا ۵/۱۶۵-۱۶۶، محمودیہ قدیم ۳/۲۲۴، جدید ڈابھیل ۱۱/۳۳۶)

وتحل أخت أخيه رضاعاً و نسباً، ولا حل بين رضيعي امرأة؛ لكونهما أخوين وإن اختلف الزمن والأب (در مختار) قال الشامي: لو كانت أم البنات أرضعت أحد البنين، وأم البنين أرضعت إحدىٰ البنات لم يكن للابن المرتضع من أم البنات أن يتزوج واحدة منهن وكان لإخوته أن يتزوجوا بنات الأخرىٰ. (شامي، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچي ۳/۲۱۷، زكريا ٤/ ٤١٠)

ولو أن امرأتين لإحداهما بنون وللأخرىٰ بنات، فأرضعت التى له البنات ابنا واحدًا من بني المرأة الأخرىٰ لم يجز لذلک الابن أن يتزوج بتلک المرأة التي أرضعته ولا بواحدة من بناتها، ويجوز لسائر البنين أن يتزوجوا تلک المرأة وبناتها أيتهن شاء وا. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٦٤، رقم: ٦٤٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۷/ ۱۴۲۵ھ

رضاعی بھائی بہن کا لاعلمی میں نکاح کرنا

سوال [۵۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے ہندہ سے رات میں نکاح کیا، صبح میں معلوم ہوا کہ ہندہ کو زید کی ماں نے دودھ پلایا ہے، اس کے بعد محلّہ کے چند لوگوں کو خبر ملی تو دونوں کو بلایا گیا اور سب کے سامنے پوچھا گیا تو سب کے سامنے یہی بولی کہ میں نے ہندہ کو واقعۃً دودھ پلایا ہے، تو شرعاً یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ، برپاہی بازار سہرسا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید کا نکاح ہندہ سے شرعاً درست ہی نہیں ہوا؛ اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے رضاعی بھائی بہن ہیں جو حقیقی بھائی بہن کے درجہ میں ہوتے ہیں اور اگر دونوں کے درمیان رات میں ہمبستری ہوئی ہے تو یہ وطی بالشبہ ہوئی ہے؛ اس لئے ہندہ پر دوسری جگہ نکاح کرنے سے پہلے کم از کم ایک ماہواری عدت گزارنا لازم ہے، اور ماہواری سے فارغ ہونے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اس سے پہلے نہیں۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۱/۳۴۳)

قال اللّٰہ تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا. (سورة النساء: ٢٣)

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة. (ابو داؤد شريف، باب يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب النسخة الهنديه ١/٢٨٠، دارالسلام رقم: ٢٠٥٥)

كل امرأة حرمت من النسب حرم مثلها من الرضاع، وهن الأمهات والأخوات والبنات الخ. (اعلاء السنن كراچى ١١/١٢٣، دار الكتب العلمية ١١/٣٢)

ولا حل بين رضيع وولد مرضعته. (ملتقى الابحر على مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٥٥٤/١)

عدة المنكوحة نكاحاً فاسداً والموطوءة بشبهة الخ، الحيض للموت وغيره أي كفرقة أو متاركة لأن عدة هؤلاء لتعرف براءة الرحم وهو بالحيض أى لأجل أن يعرف أن الرحم غير مشغول لا لقضاء حق النكاح إذلا نكاح صحيح والحيض هو المعرف. (در مختار مع الشامی، کراچی ٥١٦/٣، ٥١٧، زکریا ١٩٦/٥-٢٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۶۶۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۴/۱۹ھ

ڈھائی سال کے بعد دودھ پلانے والی مرضعہ کی بیٹی کا رضیع سے نکاح

سوال [۵۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص ڈھائی سال کے بعد اپنی خالہ کا دودھ پی لے تو کیا خالہ کی لڑکی سے اس شخص کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حسنین سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں ڈھائی برس ہوجانے کے بعد جب خالہ کا دودھ پیا ہے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی؛ اس لئے خالہ کی لڑکی سے نکاح کرنا صحیح اور درست ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ص:۵۵۲، احسن الفتاویٰ ۱۲۸/۵)

وهو حولان ونصف عنده وحولان عندهما وهو الأصح. (شامی، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچی ٢٠٩/٣، زكريا ٣٩٣/٤)

وهى أى مدته حولان ونصف أى ثلاثون شهراً من وقت الولادة

عند الإمام، وعندهما حولان وهو قول الشافعي وعليه الفتوىٰ، كما في المواهب، وبه أخذ الطحاوي. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلميه بيروت ۵۵۲/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۲۳۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۲۸ھ

رضیع کے چھوٹے بھائی کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح

سوال [۵۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مغفور خاں کے چار لڑکے ہیں، سب سے بڑا لڑکا افتخار ہے، اس نے اپنی ممانی سے دودھ پیا ہے اور افتخار نے اپنی جس ممانی سے دودھ پیا ہے اس کی لڑکی سے افتخار کے چھوٹے بھائی کا نکاح جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد العظیم، امام بڑی مسجد چاند پور مرزا، وایا سکندر راؤ علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: افتخار کے چھوٹے بھائی کا نکاح اس کی ممانی کی لڑکی سے ہو سکتا ہے؛ کیونکہ ممانی کا دودھ پینے کی وجہ سے صرف افتخار ہی ممانی کا رضاعی بیٹا بنا؛ اس لئے اس کے دوسرے کسی بھی بھائی کا نکاح ممانی کی لڑکی سے جائز ہے۔

وتحل أخت أخيه رضاعاً. (شامی، كتاب النكاح، باب الرضاع، كراچی ۲۱۷/۳، زكريا ۴۱۰/۴، هنديه كتاب الرضاع، زكريا ۳۴۳/۱، جديد زكريا ديوبند ۴۰۹/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۱۹/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۱ھ

رضیع کے دوسرے بھائی کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح

سوال [۵۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچے نے پھوپھی کا دودھ پیا تو اس بچے کے بھائی یا بہن کا نکاح پھوپھی کے کسی لڑکے یا لڑکی سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد امداد اللہ، کملائی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جس بچہ نے پھوپھی کا دودھ پیا ہے صرف اسی بچہ کا نکاح جائز نہیں ہے، باقی اس بچہ کے تمام بھائی بہنوں کا نکاح درست ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷۵/۵)

وتحل أخت أخيه رضاعاً، يصح اتصاله بالمضاف كأن يكون له أخ نسبيٌّ له أخت رضاعية. (شامی، کتاب النکاح، باب الرضاع، کراچی ۲۱۷/۳، زکریا ۴۱۰/٤، بدائع الصنائع، زکریا ۴۰۰/۳، هندیه زکریا ۳٤۳/۱، جدید زکریا دیوبند ۴۰۹/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۵۷/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲۷ھ

رضاعت متحقق نہ ہونے کی وجہ سے پھوپھی زاد بھائی سے نکاح

سوال [۵۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شبانہ نام کی لڑکی مدت رضاعت میں اپنی والدہ کا دودھ پیتی تھی؛ لیکن کبھی کبھی اپنی دادی کے پستان منہ میں لے لیتی تھی؛ جبکہ دادی کی عمر اس وقت پچاس سال سے

بھی زیادہ تھی، دادی اپنی زندگی میں یہ کہا کرتی تھی کہ میں بہلانے کے لئے اس بچی کے منھ میں پستان دے دیتی ہوں؛ مگر دودھ نہیں اترتا تھا، اس دودھ نہ اترنے کے دو مرد اور دو عورتیں گواہ بھی ہیں، جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) رشید احمد شبانہ کے دادا (۲) امیر احمد شبانہ کے والد (۳) شبانہ کی والدہ ریحانہ (۴) سکینہ شبانہ کے باپ کی چچی، تو کیا اس شبانہ کا نکاح اس کی دادی کے نواسہ سے ہوسکتا ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد کیف، بڑادربار امروہہ جے پی نگر یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دادی اپنے پستان سے دودھ کے نہ اترنے کا بذات خود انکار کر رہی ہے اور اس پر شرعی گواہ بھی موجود ہیں تو محض چھاتی بچہ کے منھ میں ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوئی؛ لہٰذا شبانہ کا نکاح اپنی دادی کے نواسہ سے جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/۲۳۸، جدید ڈابھیل ۱۳/۶۱۹، احسن الفتاویٰ ۵/۱۲۷)

وفی القنیة: امرأة كانت تعطی ثديها صبية واشتهر ذٰلک بينهم، ثم تقول: لم يكن فی ثديي لبن حين ألقمتها ثديي ولم يعلم ذٰلک إلا من جهتها جاز لابنها أن يتزوج بهٰذه الصبية. (شامی، کتاب النکاح، باب الرضاع، کراچی ۳/۲۱۲، زکریا ٤/٤٠١، ٤/٤٠٢، البحر الرائق زکریا ٣/٣٨٧، کوئٹہ ٣/٢٢٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۷/ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۳۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

مدت رضاعت کے بعد دودھ پینے اور اس سے نکاح کا حکم

سوال [۵۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ حامد نے کسی غیر محرم لڑکی کی چھاتی منہ میں ڈال کر چوسا، تو حامد کے لئے اس لڑکی سے نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: ایوب عالم، چودھر پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حامد نے جس غیر محرم لڑکی کی چھاتی منہ میں ڈال کر چوسا ہے، یہ حرکت اس کے لئے داعی زنا ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے، اس سے توبہ کرنا لازم وضروری ہے؛ لیکن اس حرکت کی وجہ سے اس لڑکی سے نکاح کرنے میں کوئی حرمت لازم نہیں آئے گی؛ اس لئے کہ دو یا ڈھائی سال کی عمر سے پہلے کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اور یہاں پر حامد بڑی عمر کا آدمی ہے۔

وإذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم. (عالمگیر، کتاب الرضاع، زکریا ۱/۳۴۳، جدید زکریا دیوبند ۱/۴۰۹)

هو مص الرضيع من ثدي الأدمية في وقت مخصوص وتحته: واحترز بمصّ الرضيع عن مص غيره كما إذا وقع بعد الفطام، وبقوله من ثدى الأدمية عما إذا مص عن غيره، وأراد بقوله في وقت مخصوص احترازاً عن المص في غيره، فإنه لا تحرم. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/۵۵۱)

وإذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم لقوله عليه السلام: لا رضاع بعد الفصال، لأن الحرمة باعتبار النشو وذٰلك في المدة، إذ الكبير لا يتربى به. (هداية، اشرفی دیوبند ۲/۳۵۰، ۳۵۱) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/رجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۴۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۶ھ

دو رضاعی بھائی میں سے ایک کی بیٹی اور دوسرے کے پوتے سے نکاح

سوال [۵۹۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انور اور انظر دونوں آپس میں دودھ شریک بھائی ہیں، انور کی بیٹی اور انظر کا پوتا ہے، اب ان دونوں کا رشتہ آپس میں ہوسکتا ہے کہ نہیں، یعنی شادی ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد آصف، محلّہ ڈیریہ دیوان بازار مسجد امام باڑہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انور اور انظر دونوں رضاعی بھائی ہیں، دونوں میں سے ایک کی بیٹی اور دوسرے کے پوتے کے درمیان شرعاً نکاح جائز اور درست ہے اور دو حقیقی بھائی کی اولادوں کے درمیان بھی نکاح جائز ہو جاتا ہے؛ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد خواجہ عبد اللہ اور چچا خواجہ ابو طالب کے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہؓ کے درمیان نکاح ہوا ہے اور یہ **وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ** .(النساء: ٢٤) میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ يعنی ما سوی المحرمات المذکورات فی الآيات السابقة. (تفسير مظهری زكريا ديوبند ٦٦/٢)

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ أی وراء ما حرمه الله تعالىٰ. (بدائع الصنائع زكريا ٥٤٠/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۲۸)

رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا

سوال [۵۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید نے زینب سے شادی کی اور پھر کچھ دنوں کے بعد طلاق دے دی، اس کی عدت گزر چکی، پھر زینب نے پندرہ مہینہ کے لڑکے سے نکاح کیا اور زینب نے پھر اس کو دودھ پلا دیا، تو کیا زینب پھر پہلے والے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں؟

المستفتی: شفیع الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زینب کے پستان میں جو دودھ اترا ہے وہ اگر زید کے جماع کے نتیجہ میں اترا ہے اور طلاق کے بعد شیر خوار بچہ سے نکاح کر کے اس کو وہی دودھ پلا دیا ہے تو ایسی صورت میں وہ بچہ زید کا رضاعی بیٹا بن گیا ہے اور زینب رضاعی بیٹے کی بیوی ہوگی اور رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا آئندہ زینب کا نکاح زید کے ساتھ کبھی بھی نہ ہوگا۔

طلق امرأته تطليقتين ولها منه لبن فا عتدت فنكحت صغيرًا فأرضعته، فحرمت عليه فنكحت آخر فدخل بها فهل تعود للأول بواحد أم بثلاث؟ الجواب لا تعود إليه أبداً لصيرورتها حليلة ابنه رضاعا.

(الدر المختار مع الرد المختار، كتاب النكاح، فصل فی المحرمات، کراچی ۳/ ۳۱، ۳۲، زكريا ٤/ ١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاول ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۴۱)

اپنے بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح کرنا

سوال [۵۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرفان علی کی شادی گلشن کے ساتھ ہوئی، شادی کے بعد گلشن کے لڑکا پیدا ہوا اور گلشن

لڑکا پیدا ہوتے ہی انتقال کرگئی، لڑکے کو دودھ گلشن کی والدہ یعنی لڑکے کی نانی نے پلایا اور لڑکے کی پرورش بھی نانی کے یہاں ہوئی، اب عرفان گلشن کی سگی بہن چمن سے نکاح کرنا چاہتا ہے، مندرجہ بالا حالات میں عرفان کا نکاح چمن سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال مرادآبادیوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عرفان کے لڑکے نے اگر اپنی نانی سے دودھ پیا ہے، تو گلشن کی بہن چمن میں حرمت کی علت ثابت نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے چمن کے ساتھ عرفان کے لئے نکاح کرنا درست اور جائز ہوگا؛ اگر چہ چمن عرفان کے لڑکے کی رضاعی بہن کیوں نہ ہو۔

ويجوز تزوج أخت ابنه من الرضاع. (هداية، كتاب النكاح، باب الرضاع، اشرفی دیوبند ۲/ ۳٥۱)

ويجوز له أن يتزوج أخت ابنه من الرضاع. (بدائع الصنائع كراچی ٤/٤، جديد زكريا ۳/ ۳۹۹)

لا يجوز للرجل أن يتزوج أخت ابنه من النسب، ويجوز في الرضاع؛ لأن أخت ابنه من النسب إن كانت منه فهي ابنته وإن لم تكن منه فهي ربيبته، وهٰذا المعنى لا يتأتى في الرضاع. (هنديه زكريا ۱/ ۳٤۳، جديد زكريا ديوبند ۱/ ٤۰۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٦/ ۲۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۸ھ

❐ ❖ ❐

۱۷/ كتاب الطلاق

(۱) باب صفة الطلاق و من أحق به

طلاق کا مسنون طریقہ

سوال [۵۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طلاق کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ **بینوا بالبرهان تو جروا عند الرحمن.**

المستفتی: محمد عین الحق، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پاکی کی حالت میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے۔ نیز اس طہر میں ہمبستری بھی نہ کی ہو۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ما يستحب من طلاق وكيف هو؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ۵۱۲/۹، رقم: ۱۸۰۴۰، مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب وجه الطلاق، وهو طلاق العدة والسنة، المجلس العلمي بيروت ۳۰۲/٦، رقم: ۱۰۹۲٦)

فالأحسن أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه ويتركها حتى تنقضي عدتها. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديوبند ۳۵٤/۲)

أما الأحسن: أن يطلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي العدة، وروي عن إبراهيم أن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يستحبون

أن لا يزاد في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم من أن يطلق الرجل امرأته ثلاثاً عند كل طهر تطليقة. (تاتارخانية، زكريا٤/ ٣٧٨، رقم: ٦٤٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۶۷)

طلاق بدعی

سوال [۵۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ تینوں طلاق دے دے، تو تینوں طلاق واقع ہوجائیں گی یا ایک طلاق ہوگی؟

المستفتی: محمد عین الحق، متعلم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ایک ہی دفعہ تین طلاق دیتا ہے، تو تینوں طلاق واقع ہوجائیں گی؛ لیکن ساتھ ساتھ شوہر گنہگار بھی ہوگا۔

عن محمود بن لبيد قال: أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً، فقام غضباناً، ثم قال: أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم حتى قام رجل وقال: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم! ألا أقتله. (سنن النسائي، كتاب الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، النسخة الهندية٢/ ٨٢، دار السلام رقم: ٣٤٣٠)

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدة (إلى قوله) وقع الطلاق وكان عاصياً. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة اشرفي ديوبند ٢/ ٣٥٥)

وأما البدعي: فنوعان......فالذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثاً في

طهر واحد بكلمة واحدة، أو بكلمات متفرقة......وفي الهداية: فإذا فعل ذلک وقع الطلاق،وكان عاصياً. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٨١، رقم: ٦٤٧٦، هندية، زكريا ١/ ٣٤٩، جديد زكريا ديوبند ١/ ٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۶۷)

طلاق کا حق دار کون ہے؟ اور بیوی کا طلاق کے بعد شوہر لکھنا

سوال [۵۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت میں طلاق دینے کا حکم شوہر کو ہے یا بیوی کو ہے؟ طلاق ہونے کے بعد بھی کیا عورت کو حق ہے کہ وہ شوہر کو اپنا شوہر کہے یا لکھے؟

المستفتی: شہاب عالم ولد حاجی محمد رئیس، اندرا چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شریعت نے طلاق دینے کا حق صرف شوہر کو دے رکھا ہے ،عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے؛ لہٰذا جب شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں، تو شوہر کے نکاح سے وہ خارج ہو کر قطعی طور پر شوہر پر حرام ہوگئی ہے، اب دونوں میاں بیوی نہیں رہے اور اس کے بعد بیوی کو اس کا اپنا شوہر کہنا اور اپنا شوہر سمجھنا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباسؓ قال:......فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال:......إنما الطلاق لمن أخذ بالساق. (سنن ابن ماجه شريف، كتاب الطلاق، باب طلاق العبد، النسخة الهندية، ١٥١، دارالسلام رقم: ٢٠٨١، شامي، كتاب الطلاق، مطلب في تعريف السكران وحكمه، زكريا ٤/ ٤٥٠، كراچي ٣/ ٢٤٢)

إن الذي يملك الطلاق إنما هو الزوج.....ولا تملكه الزوجة

...... **جعل الطلاق بيد الزوج لا بيد الزوجة.** (الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹر نيشنل ديو بند، ۷/۳٤۷-۳۵۵)

لأن الطلاق لايكون من النساء. (شامي، كراچي۳/ ۱۹۰، زكريا٤/ ۳٦۱)

ومحله المنكوحة وأهله زوج عاقل بالغ مستيقظ. (در مختار كراچي۳/ ۲۳۰، زكريا ٤/ ٤۳۱، هندية، زكريا۱/ ۳٤۸-۳۵۳، جديد زكريا ديوبند ۱/ ٤۲۰، سكب الأنهر۲/ ٤، دارالكتب العلمية بيروت، منتخبات نظام الفتاوی ۲/ ۱٦۳، فتاوی محموديه ميرٹھ۸/ ۹۹/۱)

الطلاق هو رفع القيد الثابت شرعاً بالنكاح. (البحر الرائق، زكريا۳/ ٤۱۰، كوئٹه۳/ ۲۳۵)

وأما حكم الطلاق فزوال الملک عن المحل......وزوال حل العقد متى تم ثلاثاً. (تاتارخانية، زكريا٤/ ۳۷۷، رقم: ٦٤۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۶۶)

شوہر کے علاوہ کی طلاق غیر معتبر ہے

سوال [۵۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری کچھ آپس میں نا اتفاقی سے جھگڑا ہوگیا تھا، جس میں لڑکی والوں نے قانونی کاروائی کردی، انہوں نے ہمیں کچھ ایسا کردیا تھا کہ ہمیں جیل جانا پڑجاتا، تو اس کی وجہ سے میرے گھر والوں نے میری بغیر اجازت کے ایک درخواست لگادی لڑکی والوں کے نام جس میں انہوں نے یہ لکھوادیا کہ ہم اس کو طلاق دے چکے، یہ قانونی کارروائی کرائی تھی؛ اس لئے کہ ہم جیل جانے والے تھے اور ہم اس کو جہیز بھی دے چکے، اسی وقت وہ سب کچھ لے گئی تھی؟

المستفتی: محمد شمشاد، محلّہ: کٹار شہید، نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی شریعت میں شوہر کے علاوہ کسی اور کی طلاق یا طلاق کی تحریر معتبر نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں محمد شمشاد کی عدم موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر والوں نے جو طلاق کی تحریر لکھوائی ہے، وہ شریعت کی نظر میں غلط اور نا قابل اعتبار ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

عن ابن عباسؓ قال:...... فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال:...... إنما الطلاق لمن أخذ بالساق. (سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق العبد، النسخة الهندية، ١٥١، دارالسلام رقم: ٢٠٨١)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل. (الدر المختار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، زكريا ٤/٤٣٨، كراچي ٣/٢٣٥)

الطلاق لمن أخذ بالساق. (الدر المختار، كراچي ٣/٢٤٢، زكريا ٤/٤٥٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۵۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۱۳ھ

شوہر کے طلاق دیئے بغیر لڑکی والوں کا طلاق کی شہرت دینے کا حکم

سوال [۵۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کے نکاح کو عرصہ چار برس کا گذرا، ہندہ اور زید کے درمیان شادی کے ۲؍سال بعد آپس میں نا اتفاقی پیدا ہوئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ دو سال سے ہندہ اپنے باپ کے گھر ہے، اس کے باپ ایک یا دو مرتبہ ۱۰؍ پندرہ آدمیوں کو لے کر زید کے مکان پر گئے، لڑکی کو باعزت بلانے کے لئے تیار نہیں ہوئے، بے عزتی کے لئے تیار ہیں، پنچایت میں یہ

بات طے پائی تھی کہ ہم دو چار آدمی لڑکی کو بلانے آئیں گے؛ لیکن جب زید بلانے کے لئے آیا تو بغیر سواری کے آیا اور دیگر لوگ بھی آئے؛ جبکہ پنچایت میں مع سواری آنا طے ہوا تھا، ہندہ یہ بیان دیتی ہے کہ میرا شوہر مجھ کو طلاق دے چکا ہے اور لڑکی کے والد والدہ بھی کہتے ہیں کہ وہ طلاق دے چکا ہے؛ لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی گواہ نہیں ہے، عرصہ دو سال سے نہ وہ نان ونفقہ دیتا ہے اور نہ ہندہ کی کوئی خبر گیری کرتا ہے اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ اپنے باپ سے یا تو ایک مکان بنوا کر دے، یا ایک انجن لے کر دے یا بھینس دلوا ورنہ میں تجھے اپنے گھر نہیں رکھوں گا اور جو کوئی آدمی زید سے یہ کہتا ہے کہ اپنی بیوی کو لا کر کیوں نہیں بلاتے، تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ میں ہندہ کو نہیں رکھوں گا؛ لہٰذا مہربانی فرما کر شرعی احکام سے مستفیض فرمایئے کہ عقد ثانی کرسکتی ہے یا نہیں اور اس کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز نکاح پڑھانے والے پر کوئی شریعت کی طرف سے قباحت تو نہیں؟

المستفتی: رفیع الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر محض لڑکی اور اس کے والدین نے اپنی طرف سے طلاق کی شہرت دی ہے، اس کے ثبوت کے لئے شرعی گواہ پیش نہیں کرتے ہیں اور لڑکا طلاق کا انکار کررہا ہے، تو شرعاً لڑکی پر طلاق کا حکم نہیں لگے گا، نکاح بدستور باقی ہوگا اور لڑکے نے محض دھمکی دینے کے لئے اگر (نہیں رکھوں گا) کہہ دیا ہے، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ لہٰذا ان حالات میں موجودہ شوہر سے شرعی طلاق حاصل کئے بغیر اگر دوسری جگہ لڑکی کا عقد نکاح کیا جائے، تو نکاح شرعاً باطل ہوگا اور ہمیشہ حرام کاری ہوگی اور اس نکاح میں شرکت کرنے والے اور اس کے گواہ بننے والے اور نکاح پڑھانے والے سب خدائی لعنت اور غضب الٰہی اور سخت عذاب کے مستحق ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/۴۶۶)

والمحصنٰت من النساء عطف علیٰ أمهاتکم یعني حرمت علیکم

المحصنٰت من النساء أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها، أو يطلقها وتنقضي عدتها من الوفاة أو الطلاق. (تفسيرمظهري، سورة النساء تحت رقم الآية:٢٤، زكريا ديوبند٢/٦٤)

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته–إلى قوله– لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد، كراچي٣/١٣٢، زكريا٤/٢٧٤)

ولايجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير. (قاضي خان على الهندية، جديد زكريا ديوبند ١/٢٢١، باب المحرمات زكريا١/٣٦٦)

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة. (هندية زكريا١/٢٨٠، كتاب النكاح القسم السادس، المحرمات التي يتعلق بها حق الغير جديد زكريا ديوبند ١/٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۲۳۳۴)

بیوی نے طلاق دے کر پردہ کرلیا

سوال [۵۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا اور میری بیوی کا ایک شادی کی تقریب میں جانے پر جھگڑا ہوگیا، وہ مجھ پر بہت بگڑی اور میں بھی اس پر بہت بری طرح برس پڑا، بیوی غصہ میں بھر گئی اور مجھ سے کہا کہ ”میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی“ تین طلاق دے کر وہ پردہ میں چلی گئی اور مجھ سے کہا کہ اب تمہارا یہاں کوئی کام نہیں جاؤ، آج سے تم میرے لئے محرم ہو، اس جھگڑے کے وقت محلّہ پڑوس کی دو عورتیں بھی آ گئی تھیں اور میرے بڑے بھائی پہلے سے موجود تھے ان تینوں کے سامنے میری بیوی نے تین بار مجھ کو طلاق دی اور پردہ کرلیا، پڑوس کی عورتوں اور میرے بھائی نے بیوی سے کہا کہ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے، اس پر میری

بیوی نے کہا کہ یہ غلط ہے، میں نے قرآن میں سورۃ النساء پڑھی اور سورۂ بقرہ پڑھی ہے، اس میں جو حقوق دیے گئے ہیں وہ واضح ہیں، اس میں لفظ نوع انسانی استعمال ہوا ہے، میں بھی نوع انسان سے ہوں؛ اس لئے قرآن مرد اور عورتوں کو برابر کے حقوق ادا کرتا ہے۔ قرآن میں عورت اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے؛ لہٰذا نوع انسان ہونے کے ناطے عورت برابر کا حق رکھتی ہے؛ اس لئے مرد کی طرح طلاق لینے کا حق بھی رکھتی ہے؛ لہٰذا شریعت کی روشنی میں بتایا جائے کہ مجھ کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

نیز یہ بھی بتایا جائے کہ اگر مجھ کو طلاق ہوگئی تو کیا عورت کی طرح گھر میں بیٹھ کر عدت پوری کرنی پڑے گی؟ اور میری عدت کی مدت کیا ہوگی؟ اور بتایا جائے کہ کیا مجھ کو بھی عورت کی طرح نان ونفقہ ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: شریف احمد، نہٹوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی بیوی کا دعوی اور دلیل دونوں غلط! اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے طلاق دینے کا حق شوہر کو دیا ہے اور عدت گذارنے کی ذمہ دار بیوی کو بنایا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

عن ابن المسيبؓ قال: الطلاق بالرجال والعدة بالنساء. (مصنف عبد الرزق، كتاب الطلاق، باب طلاق الحرة، الملجس العلمي ٧/٢٣٦، رقم:١٢٩٥١)

عن عبد الله بن مسعودؓ قال: الطلاق بالرجال والعدة بالنساء.

(المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٩/٣٣٧، رقم:٩٦٩٧)

الطلاق بالرجال والعدة بالنساء......وقوله فإنه حينئذٍ أنسب من أن يراد به الإيقاع بالرجال؛ ولأنه معلوم من قوله تعالىٰ فطلقوهن. الآية.

(مرقات، شرح المشكوة، باب الخلع و الطلاق، البحث على أن العبرة في العدة بالمرأة، امداديه ملتان ٦/٢٩٠)

(المراد به) أن قيام الطلاق بالرجال الخ. (مرقات، امدادیه ملتان ٦/٢٩١)

إن الذي يملك الطلاق إنما هو الزوج...... ولا تملكه الزوجة، جعل الطلاق بيد الزوج، لا بيد الزوجة. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٧/٣٤٧٠، ٣٥٥)

لأن الطلاق لا يكون من النساء. (شامي، كراچي ٣/١٩٠، زكريا ٤/٣٦١)

لہٰذا وہ آپ کی بیوی ہے، آپ کو بیوی کی طرح رکھنے کا حق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۲۵)

شوہر کو طلاق کی تعداد یاد نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مظفر حسین نے اپنی بیوی کو طلاق دی، مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے کتنی بار طلاق دی؛ کیونکہ اس وقت بیٹے سے لڑائی ہو رہی تھی، غصہ کی حالت میں مجھے کچھ پتہ نہیں رہا، مگر اس وقت میری بیوی اور ایک بیٹی اور ایک بیٹا موجود تھے، اس کے بعد جب ساتھیوں کو پتہ ہوا کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے، تو قریب چھ یا سات ماہ کے بعد دو عورتوں کو معلومات کے لئے بھیجا گیا، تو اس وقت بیوی نے کہا کہ میں نے کچھ نہیں سنا؛ کیونکہ دونوں باپ بیٹے میں لڑائی ہو رہی تھی، اس کے بعد لڑکی سے پوچھا تو اس نے بھی یہی کہا کہ میں نے کچھ نہیں سنا؛ لیکن اس وقت لڑکا گھر پر موجود نہیں تھا، اس سے پوچھ تاچھ نہ ہو سکی، کچھ دن بعد لڑکے سے معلوم کیا گیا، تو اس نے کہا کہ انہوں نے دو بار طلاق وہیں کمرے میں دی اس کے بعد جب وہ غسل خانہ میں نہانے گئے تو ایک بار پھر کہا میں مظفر حسین کا کہنا ہے کہ اس کے بعد میں کسی سے بولا نہیں یہ بات بالکل غلط ہے، جب یہ فتویٰ نہیں مانا، تو اب پھر چار آدمی دوبارہ معلوم کرنے

گئیے، بیٹی کا کہنا ہے کہ میں تجھے کہیں کا نہیں چھوڑوں گا، میں نے طلاق دی، اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں سنا۔اوراب بیٹے کا کہنا ہے کہ میں نے تین بارسنااوراب بیوی کا بھی کہنا ہے کہ میں نے تین بارسنا۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: مظفرحسین حسنپوری،محلّہ: کنکروالا کنواں، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پورے واقعہ سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ بیٹے نے پہلے بیان کے اندر یہ بتایا کہ دوطلاق سنا ہے، پھر غسل خانہ میں جاتے وقت سنا ہے۔اوراب آخری بار بھی یہی کہہ رہا ہے کہ میں نے تین بارسنا ہے،تو اس کی بات کل ملا کر ایک ہی جیسی ہے کہ تین ہی باراس نے سنا اور بیوی کی بات میں تضاد ہے،اس کا پہلا بیان ہے کہ اس نے کچھ نہیں سنا ہے اور دوسرا بیان ہے کہ تین بارسنا ہے اور مظفرحسین خودطلاق کا اقرار کررہا ہے،مگر کتنی بار کہا ہے اس کی تعین نہیں کرپارہا ہے،تو ایسی صورت میں اگر مظفرحسین کو بیٹے کی بات پر یقین ہے کہ تین مرتبہ یا اس سے زائد کہا ہے،تو فوراً بیوی کو اپنے سے الگ کردینا اس پر لازم ہے اور بیوی کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اگر واقعی اس نے تین بار اپنے کان سے سنا ہے اور تین بار طلاق دینے کا اس کو یقین ہو چکا ہے،تو اس کے لئے اس شوہر کے پاس جانا قطعاً جائز نہیں ہے، اگر شوہر تین طلاق کا انکار کرے،تو خلع وغیرہ کے ذریعہ سے شوہر سے علیحدگی اختیار کرلے،اوراس کے پاس نہ جائے۔

وإذا قال: أنت طالق، طالق، طالق، وقال: إنما أردت به التكرار صدق ديانة لا قضاءً، فإن القاضي مأمور باتباع الظاهر، والله يتولي السرائر، والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك، أو علمت به؛ لأنها لا تعلم إلا الظاهر. (تبيين الحقائق، زكريا۳/۸۲، امداديه ملتان۲/۲۱۸، هندية، زكريا ۱/۳۵٤، جديد زكريا ديوبند ۱/٤۲۲)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه،

والفتویٰ علی أنه لیس لها قتله و لاتقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمالٍ، أوتهرب. (شامي، زکریا ٤/٤٦٣، کراچي ٣/٢٥١، البحرالرائق، کوئٹہ ٣/٢٥٧، زکریا٣/٤٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۳۵/۴۰)

عورت حنفی اور شوہر غیر مقلد ہوتو طلاق میں کن کا اعتبار ہوگا؟

سوال [٥٩٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی غیر مقلد شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے؛ جبکہ اس کی بیوی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی متبع ہے اور وہ شوہر جو غیر مقلد ہے، وہ ایک مجلس میں تین طلاق دیتا ہے، اور پھر بیوی کو اپنے گھر لے جانے کے لئے آتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمارے مذہب میں ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے اور لڑکی والے کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں۔ اب ایسی صورت میں کیا کیا جائے، طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ لڑکی کو شوہر کے گھر بھیجا جائے یا نہیں؟ جیسا بھی ہو قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: کلیم اللہ بستوی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب حنفی مذہب کی عورت پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، تو اس پر مذہب حنفی کے مطابق اپنے کو شوہر پر حرام سمجھنا اور اس شوہر سے علیحدہ ہوجانا لازم ہے اور میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں جب بیوی کو اپنے مذہب کے مطابق تین طلاق کا علم ہوجائے، تو اپنی علیحدگی میں خود مختار ہوجایا کرتی ہے؛ لہٰذا عورت کے لئے اب شوہر کے یہاں جانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥١، البحرالرائق، كوئٹه٣/٢٥٧، زكريا٣/٤٤٨)

والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك، أو علمت به؛ لأنها لا تعلم إلا الظاهر. (تبيين الحقائق، امداديه، ملتان، ٢/٢١٨، زكريا ٣/٨٢)

والمرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك، أو شهدبه شاهد عدل عندها. (هندية، زكريا ١/٣٥٤، جديد زكريا ديوبند ١/٣٢٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۱۶ھ

بے قصور طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال [۵۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر شوہر بلا وجہ بلا قصور لڑکی کو طلاق دیتا ہے؛ جبکہ لڑکی کا کوئی قصور نہ ہو تو طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ادریس، محلّہ: پٹھان، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بے قصور طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ البتہ ایسی صورت میں شوہر گنہگار ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أبغض الحلال إلى الله الطلاق. (أبوداود شريف، كتاب الطلاق، باب كراهية الطلاق،

النسخة الهندية ١/٢٩٦، دارالسلام رقم:٢١٧٨، سنن ابن ماجه أبواب الطلاق، النسخة الهندية ١٤٥، دارالسلام رقم:٢٠١٨، مشكوة شريف ص:٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۶۸۵)

بیوی کو ڈرانے کے لئے طلاق دینے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

سوال [۵۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر رہا ہو کہ اس کو مسائل سے کچھ واقفیت نہ ہو اور اس نے اپنی بیوی کو ڈرانے کے لئے کہ ”میں تم کو تین طلاق دے رہا ہوں“ یا اس نے ایک بار کہا، پھر کچھ دنوں کے بعد کہا لیکن اس کو معلوم نہیں تھا، تو کیا کرے؟ حلالہ بھی نہیں کرانا چاہتا، تو ایسی صورت میں کیا کرے؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: کلیم خاں گورکھپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ معلوم نہ ہونے کی حالت میں ڈرانے کے لئے (بیوی کو) طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اگر ہر شخص کو مسئلہ معلوم ہوتا تو دارالافتاء میں مفتی خالی بیٹھا رہتا۔ نیز طلاق صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہوتی، بلا نیت ڈرانے کے لئے کہا ہو یا کسی اور غرض سے کہا ہو ہر صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اگر تین طلاق کہا ہے، تو تینوں طلاقیں واقع ہو کر مغلظہ ہوگئی اور اگر ایک طلاق یا ایک بار لفظ طلاق کہا ہے، تو ایک طلاق واقع ہوگئی اور اگر بعد میں دو طلاق کہا ہے، یا تین طلاق کہا ہے تو سب ملا کر تین طلاق واقع ہوجائیں گی۔

إن الصريح لايحتاج إلى النية. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦١، كراچي ٣/ ٢٥٠)

لأن الصريح موضوع للطلاق شرعاً، فكان حقيقة فيه فاستغني عن النية، حتى لو نوى بشيئ من ذلک الطلاق من القيد لا يصدق قضاءً الخ.
(مجمع الأنهر قديم، ۱/۳۸٦، جديد درالكتب العلمية بيروت ۲/۱۱)

الطلاق على ضربين: صريح، وكناية، فالصريح: قوله أنت طالق، مطلقة، وطلقتک، فهذا يقع به الطلاق الرجعي......ولا يفتقر إلي النية؛ لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال. (هداية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، اشرفي ديو بند ۲/۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۱٦۷)

نکاح کی حرص دلا کر طلاق حاصل کرنا

سوال [۵۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی کی ایک بیوہ تھی، جونو سال سے بیوہ تھی، کچھ دن ہوئے اس نے ایک انصاری برادری کے آدمی کے ساتھ نکاح کرلیا، جب وہ اپنے شوہر کے وہاں سے واپس آئی اور بچوں کو لینے کے لئے آئی تو بچوں نے وہاں جانے سے انکار کردیا، وہ بچے جانے کے لئے تیار نہ تھے، ایک بچے کی عمر تقریباً ساڑھے دس سال اور دوسرے کی نو سال ہے، جب وہ بچوں کی وجہ سے بہت روئی، تو میں نے اس سے اپنے نکاح میں لانے کا وعدہ کیا اور اس نے اس آدمی سے آزادی لے لی، اس نے اس کو طلاق دیدی؛ لیکن میری ماں اور میرے بہن بھائی اور میرے خاندان والے اس نکاح کو کرانے یا اس کے ساتھ نکاح میں لانے کو تیار نہیں ہیں، میری ماں اس سے پہلے سے ہی ناراض رہتی ہے؛ کیونکہ اس نے ان کی شان میں بدتمیزی کے الفاظ بولے تھے، اس معاملہ میں جبکہ میری ماں اس سے ناراض ہے اور ایک طرف اس

نے میرے وعدے کے مطابق اس سے طلاق لے لی ہے۔ آپ کا اس معاملہ میں کیا فتوی ہے؟ اب اس کی عدت بھی ختم ہوچکی ہے؟

المستفتی: عبدالقدیر، بڑی مسجد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کی حرص دلاکر شوہر سے طلاق حاصل کروانا سخت گناہ ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرلینا ضروری ہے، عدت ختم ہونے کے بعد آپ کو اختیار ہے، چاہے اپنے نکاح میں لائیں یا نہ لائیں اور والدہ کو راضی کرنا بھی ضروری ہے۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. [النساء:۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍ ۱۷۳۷۸)

ان بری باتوں پر لوگوں نے طلاق دیدی ہیں کہنا

سوال [۶۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنی والدہ کی طبیعت خراب ہونے پر اپنی اہلیہ کو سسرال سے بلا لایا، یہاں آکر میری اہلیہ ناراض ہوئی اور جھگڑا شروع کردیا، میں نے اپنی اہلیہ کو سمجھانے کے لئے ان الفاظ کو ادا کیا ''بتا رہا ہوں تجھے ان بُری باتوں پر لوگوں نے طلاق دیدی ہیں'' کیا اس طرح سمجھانے کی وجہ سے طلاق ہوجاتی ہے؟

المستفتی: محمد عرفان، محلّہ: ڈیریہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح لوگوں کے واقعات کی طرف توجہ دلانے کی

غرض سے بیوی کومخاطب کرکے کہنے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

كما يستفاد من الأشباه والنظائر: لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها، ويقول في كل مرة أنت طالق لم يقع. (الأشباه والنظائر قديم ص:٤٥)

لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها، أو كتب ناقلا من كتاب امرأتي طالق مع التلفظ، أو حكى يمين غيره، فإنه لا يقع أصلا مالم يقصد زوجته. (شامي، كراچي ٣/ ٢٥٠، زكريا ٤/ ٤٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۳۹۶)

مرتد کی طلاق

سوال [۶۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص محمد ولد حاجی مقبول احمد ساکن محلّہ: بیگم سرائے امروہہ تقریباً پانچ سال سے مرتد چلا آرہا ہے اور صرف مرتد ہونے کی وجہ سے احمد رضا خاں کے ترجمہ کو پڑھتا ہے، زمانہ ارتداد میں ہی اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ اب یہ شخص بہت ہی پریشان ہے اور اکثر نو مسلم ہونا چاہتا ہے، اس کی بیوی کو کئی سال گذرے نسبندی کرائے ہوئے، تجدید ایمان کے بعد تجدید نکاح بھی کرنا ہوگا؟ اگر ہوگا تو کس طرح؟ کیا عدت وغیرہ بھی کرنی ہوگی؟ کیا مرتد کی طلاق کا اعتبار ہے؟

المستفتی: سلطان احمد، انصاری، بیگم سرائے کلاں، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص پر محض احمد رضا خاں صاحب کا ترجمہ پڑھنے کی وجہ سے حکم ارتداد کس طرح لگایا گیا، اس کی وضاحت لازم تھی، تاہم اگر کوئی واقعۃً مرتد

ہوجاتا ہے اور عدت کے اندر اندر بیوی کو طلاق دیتا ہے، تو طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اگر تین طلاق دی ہیں، تو حلالہ اور تجدید اسلام کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں اور دوسرے شوہر کے طلاق دینے کے بعد عدت گذار کر ہی نکاح ہوسکتا ہے۔

إن الطلاق الصريح يلحق المرتدة في عدتها، وإن كانت فرقتها فسخاً؛ لأن الحرمة بالردة غير متأبّدة لارتفاعها بالإسلام، فيقع طلاقه عليها في العدة مستتبعا فائدته من حرمتها عليها بعد الثلاث حرمة مغياة بوطء زوج آخر.

(شامي، كتاب النكاح، باب الولي، كراچي ٣/٧٠، زكريا ٤/١٧٦، وقبيل باب التفويض، شامي، كراچي ٣/٣١٣، زكريا ٤/٥٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ر رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۹۰۷۸)

غیر مسلم عدالت میں مسلم جج کے طلاق کے فیصلہ کا حکم

سوال [۲۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابرار خاں بن تقدیر خاں کی شادی ناصرینہ بنت ابراہیم خاں سے ہوئے پانچ چھ سال ہوگئے، لڑکی تقریباً چھ ماہ شوہر کے ساتھ رہی اور کسی بات پر ناراض ہوکر میکے چلی گئی، اس کے بعد سے وہ آئی ہی نہیں، اسی درمیان اس نے عدالت میں دعویٰ دائر کردیا اور نفقہ متعین کروالیا جو ابرار خاں ہر ماہ چار سو روپیہ کے حساب سے دے رہا ہے، اب پتہ چلا کہ لڑکی نے عدالت سے طلاق بھی لے لی ہے اور اب وہ مہر کا دعویٰ کر رہی ہے، تو اب جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا لڑکی کے عدالت سے طلاق لے لینے سے طلاق واقع ہوجائے گی؟ جبکہ شوہر موجود ہے، اس کو بلایا بھی نہیں گیا ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی ہے؛ بلکہ وہ تو اب بھی رکھنا چاہتا ہے، دوسری چیز جب تک اس کی دوسری جگہ شادی نہیں ہوجائیگی اس وقت

تک ابرار سے ماہانہ نفقہ لیتے رہنا؛ جبکہ وہ اپنے میکہ میں ہے اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا ابرار پر لازم ہے کہ اس کو اس طرح نفقہ دیتا رہے؟

المستفتی: تقدیر خاں، وارڈ: ارسہاگ پور، شہڈول (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم عدالت میں مسلم جج کا طلاق کے معاملہ میں وہ فیصلہ معتبر ہوتا ہے، جو شریعت کے مطابق ہو اور شریعت کے مطابق فیصلے کا طریقہ یہ ہے کہ عدالت میں شوہر کو بلا کر کے اس سے بھی بیان لیا جائے اور ضرورت پڑے تو اسی سے طلاق دلائی جائے اور غیر مسلم عدالت میں غیر مسلم جج کا طلاق کا فیصلہ دینا؛ جبکہ شوہر نے خود طلاق نہ دی ہو شرعاً معتبر نہیں ہے، طلاق واقع ہونے کے لئے شوہر کا از خود طلاق دینا لازم ہے اور جب شوہر نے خود طلاق نہیں دی، تو ایسی صورت میں بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، وہ شرعی طور پر بدستور اسی شوہر کے نکاح میں باقی ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۵۲)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا. [النساء:۱٤۱]

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي. (شامي، كتاب القضاء، باب التحكيم، زكريا ۸/۱۲٦، كراچي ٥/٤٢٨)

نیز جو عورت شوہر کی مرضی کے بغیر میکہ جا کر بیٹھ جائے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے وہ شرعی طور پر نان ونفقہ کی مستحق نہیں ہوتی؛ اس لئے ایسی صورت میں شوہر پر نان ونفقہ لازم نہیں۔

لا نفقة لأحد عشر: وخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، كراچي ۳/٥٧٩، زكريا ٥/٢٨٦)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتی تعود إلی منزله. (هداية، اشرفي ديو بند٢/ ٤٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۱۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۳۰ھ

عدالت کی طلاق کا حکم

سوال [۶۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیٹی ریشما بانو کی شادی تقریباً ۱۳؍برس قبل عاشق علی ساکن شاہجہاں پور مقیم حال دہلی سے ہوئی تھی ،شادی کے تقریباً ۵؍سال تک لڑکی وشوہر کے تعلقات ٹھیک رہے اس کے بعد کچھ تعلقات خراب ہونے لگے، تعلقات خراب ہونے پر عدالت سے رجوع ہونا پڑا، جب پھر بھی معاملہ صحیح نہ ہوا، تو مجبوراً عدالت سے یک طرفہ طلاق دلوادی، طلاق کے تقریباً ۳؍برس کے بعد عدالت کے باہر آپس میں تحریری صلح کرلی، اس شرط کے ساتھ کہ اب ہم لڑکی کو اپنے ساتھ رکھیں گے اور کوئی تکلیف وغیرہ نہیں دیں گے، تو پھر ہم لوگوں نے لڑکی کو سسرال بھیج دیا؛ لیکن پھر کچھ ہی دن بعد تعلقات خراب ہوگئے، پھر لڑکے نے لڑکی کو ہمارے گھر بھیج دیا، اس وقت سے آج تک لڑکی گھر پر ہے، لڑکی کے ایک لڑکا اور لڑکی بھی ہے، لڑکا باپ کے پاس اور لڑکی ماں کے پاس ہے، جب کافی انتظار کے بعد لڑکے سے اس بارے میں بات کی گئی ،تو اس نے جواب دیا کہ میری طلاق تو عدالت میں ہوچکی ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا عدالت کے ذریعہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو اس کی طلاق کی کیا صورت ہوگی؛ تاکہ ہم اپنی بیٹی کی دوسری جگہ شادی کرسکیں اور لڑکے والے اگر کوئی قانونی کارروائی کریں، تو ہم لوگوں کو کوئی دشواری نہ ہو، دوسری جگہ شادی کرنے میں، اور اگر عدالت کے ذریعہ طلاق کو شرعی حیثیت حاصل نہیں ہے تو کوئی شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: عبدالباری، اشراف ٹولہ، ہردوئی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے سلسلہ میں عدالت کا فیصلہ معتبر ہونے اور نہ ہونے میں دو شکلیں ہے:

(۱) کسی مسلمان اور عادل جج نے حدود شرع کی رعایت کرتے ہوئے طلاق کا فیصلہ بصورت مجبوری نافذ کیا، تو ایسی صورت میں اس کا فیصلۂ طلاق صحیح ہوگا اور عورت پر طلاق واقع ہوجائے گی۔

(۲) طلاق کا فیصلہ کرنے والا اگر غیر مسلم شخص تھا، تو ایسی صورت میں اس کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا اور عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی، اس بارے میں صاحب معاملہ خود دیکھ لے کہ عدالت سے جو طلاق حاصل ہوئی تھی، اس طلاق کا فیصلہ مسلم جج نے حدود شرع کی رعایت کرتے ہوئے کیا تھا یا غیر مسلم جج کا فیصلہ تھا، اگر مسلم جج کا فیصلہ تھا، تو تفریق صحیح ہوگئی تھی؛ لہٰذا عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرنا صحیح ہے، مگر ایسی صورت میں شوہر نے جو دوبارہ اپنے ساتھ رکھا تھا وہ ناجائز ہوگا اور اگر مسلم جج نہیں تھا؛ بلکہ غیر مسلم جج نے فیصلہ صادر کیا تھا، تو طلاق واقع نہیں ہوئی تھی، اس کا بعد میں شوہر کے ساتھ رہنا درست ہوا۔ اب شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل کئے بغیر اس لڑکی کا نکاح درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۵۱)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا. [النساء:١٤١]

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي.
(شامي، كتاب القضاء، باب التحكيم، زكريا ٨/١٢٦، كراچي٥/٤٢٨)

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره. (هندية، زكريا ١/ ٢٨٠، جديد زكريا ديوبند ١/٣٤٦)

و لا يجوز نكاح منكوحة الغير و معتدة الغير. (خانية على الهندية،

زكريا ١/٣٦٦، جديد زكريا ديوبند ١/٢٢١، شامي، كراچي ٣/١٣٢، زكريا ٤/٢٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۷ ۹۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۱۶ھ

غیر مسلم عدالت کی طلاق کے فیصلہ کا حکم

سوال [۷۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ مہذب گھر کی ایک غریب لڑکی ہے والد کا سایہ بچپن ہی میں اٹھ گیا تھا، والدہ کافی بوڑھی ضعیف ہے، اس کے ساتھ ایک چھوٹا بھائی اور بہن بھی ہے، زمین وجائیداد وغیرہ کچھ بھی نہیں، اس ہندہ کا نکاح اہل ثروت زید سے ہوگیا، نکاح کے بعد زید ریاض چلا گیا، عرصۂ دراز کے بعد ہندوستان واپسی ہوئی زید نے زوجہ کی محبت میں زوجہ کے نام کافی رقم بینک میں جمع کردی اور زید پھر ملک ریاض چلا گیا، مدت ہوگئی، تب زید پھر ہندوستان واپس آیا اور زوجہ سے پیار ومحبت کی باتیں کرکے سابقہ بینک بیلنس واپس لے لیا، پھر زید ملک ریاض چلا گیا اور نفرتی خط وکتابت کرنے لگا، ہندہ افسوس کا ہاتھ مل کر رہ گئی، زید کو جب یہ علم ہوا کہ میری بیوی میکہ میں رہتی ہے، تو پھر ہندوستان آیا اور گاؤں کی ایک طائفہ لڑکی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا اور قرب وجوار میں مشہور کردیا کہ اب میں نے دوسرا نکاح کیا ہے اور حقیقت میں نکاح پڑھانے والا معلوم ہے، جب یہ علم ہندہ کو ہوا، تو ہندہ اپنے شوہر زید کے گھر گئی اور کہنے لگی، آپ نے مجھ کو چھوڑ کر طائفہ لڑکی سے نکاح کیسے کرلیا؟ تو زید نے ہندہ کو جواب دیا کہ اب میں تجھ کو نہیں رکھوں گا اور نہ طلاق دوں گا، یہ سن کر ہندہ کافی پریشان ہوئی اور اب تقریباً پانچ سال سے میکہ میں بیٹھی ہوئی ہے، اس درمیان ہندہ کے شوہر نے ہندہ کے

گھر میں آگ لگوادی اور مخبروں کے ذریعہ کہلوایا کہ ہندہ کی جان خطرہ میں ہے، تو ہندہ نے اپنی حفاظت کے لئے عدالتی مقدمہ شروع کردیا، مقدمہ اب تک چل رہا ہے، جب مقدمہ ہندہ کے حق میں ہوجاتا ہے، تو زید رشوت دے کر وکیلوں کو اپنا لیتا ہے، وکیل مقدمہ فائنل ہونے سے روک دیتا ہے، ہندہ کی زندگی کانٹوں میں بسر ہورہی ہے، مقدمہ بازی سے عاجز و پریشان ہوکر اب شرعی دارالافتاء سے رابطہ قائم کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر عدالت ہندہ کے حق میں فیصلہ کردے، تو اس کو ماننا کیسا ہے؟ یا عدالت ہندہ کے مسئلہ کو معلق رکھے، تو ہندہ کب تک معلق رہے گی؟ یا ہندہ بغیر عدالتی فیصلہ کے نکاح ثانی کرسکتی ہے؟

المستفتی: محمد ہارون مظاہری، خادم العلوم، سہارنپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم عدالت کے غیر مسلم جج کی طلاق کا فیصلہ شرعی طور پر معتبر نہیں ہوتا؛ اس لئے اگر ہندہ کے بارے میں عدالت تفریق کا فیصلہ کردے گی، تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا اور دوسری جگہ نکاح کرنا ہندہ کے لئے جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۵۲)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا. [النساء: ١٤١]

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي.

(شامي، كتاب القضاء، باب التحكيم، زكريا ٨/١٢٦، كراچي ٥/٤٢٨)

لہٰذا تفریق تب ہی ہوسکتی ہے کہ جب شوہر طلاق یا خلع وغیرہ سے علیحدہ کردے یا شرعی عدالت یا شرعی محکمہ تفریق کردے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۱۷۹)

ہندوستانی عدالت کی طلاق کی شرعی حیثیت

سوال [۶۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قریب عرصہ چار سال پہلے میری لڑکی نازینہ پروین کی شادی شاہد علی کے ساتھ ہوئی تھی، اس دن سے میاں بیوی کے مزاج آپس میں نہیں ملے، اس چار سال کے عرصہ میں میری لڑکی ساڑھے تین سال میرے یہاں رہی۔ اب دو سال سے مسلسل میرے یہاں رہ رہی ہے، اس کا اپنا کوئی مکان نہیں ہے کبھی کبھی جو میری لڑکی اس کے یہاں رہی تو اس نے مختلف جگہوں پر اسے رکھا، جب میری لڑکی ہر جگہ ذلیل ہوئی تو میں نے پانچ ہزار روپیہ پیشگی دے کر مکان کرایہ پر دلوایا، وہ اس میں بھی نہیں رہا، کرایہ بھی میں نے ادا کیا اور میری لڑکی کا سامان خرد برد کر کے کہیں چلا گیا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی بازاری عورت کے ساتھ رہتا ہے، رکشا چلاتا ہے اور روز شراب پیتا ہے، شراب پی کر میری لڑکی کو مارتا تھا، اس عرصہ میں اس نے میری لڑکی کا کوئی خرچ نہیں اُٹھایا، کپڑے وغیرہ میں نے ہی بنائے، مجبور ہوکر میں نے کچھ لوگوں کو جمع کیا اور اس سے کہا کہ جب تو میری لڑکی کا خرچ نہیں اُٹھاسکتا تو میری لڑکی کو آزاد کردے، تو اس نے کہا کہ زندگی بھر ایسے ہی بٹھائے رکھوں گا اور آزاد نہیں کروں گا، اب میں کیا کروں؟ میری لڑکی کی عمر بیس سال ہے، وہ اس طرح کب تک بیٹھی رہ سکتی ہے، میرے حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ میں اس کا خرچ برداشت کرسکوں۔

اب میری لڑکی کسی بھی شکل میں اس کے گھر میں رہنا نہیں چاہتی، میں سمجھا سمجھا کر ہار گئی ہوں، مجبور ہوکر میں نے مرادآباد کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہے۔

المستفتیة: پھول بیگم، رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں عدالت دنیاوی سے جو طلاق حاصل کی

جاتی ہے، وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے لڑکی کا معاملہ شرعی محکمہ میں پیش کردیں شاید وہاں سے کوئی حل نکل آئے گا۔

قال الله تبارک و تعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا [النساء: ١٤١]

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم وينفذ للمسلم على الذمي. (شامي، كتاب القضاء، باب التحكيم، زكريا ١٢٦/٨، كراچي ٤٢٨/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۲۷۱)	۱۴۱۸/۴/۳۰ھ

بیوی کا کورٹ سے طلاق لینا

سوال [٦٠٠٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سید محمد جاوید آفتاب ولد سید آفتاب علی مرحوم ساکن مولوی گنج بھیڑ منڈی لکھنؤ ہوں، میرا نکاح شہناز فاطمہ عرف رضوی بنت سید واحد علی مرحوم سے ۲۵؍ رمضان المبارک مطابق ۱۴ مارچ ؍ ۱۹۹۳ء کو ہوا تھا، میں نکاح کے ایک ماہ کے بعد نوکری کی غرض سے ممبئی چلا گیا اور سال میں دو تین مرتبہ اپنی بیوی کی خیریت کے لئے لکھنؤ آتا اور جب بھی آیا میں نے دس پانچ ہزار روپیہ ان کو دیا، میری بیوی ٹیچر ہیں، سرکاری ملازمہ ہیں انہوں نے مجھ سے بار بار کہا کہ نوکری چھوڑ کر ممبئی سے چلے آؤ، لکھنؤ ہی میں میرے مکان میں میرے ساتھ رہو؛ چنانچہ میں ۲۰؍ مارچ ۲۰۰۰ء کو اپنا سب کچھ ختم کر کے نوکری چھوڑ کر چلا آیا اور اپنی بیوی کے ہمراہ انہیں کے مکان میں رہنے لگا۔ دوران رہائش سخت بیمار ہوا۔ اور دل کا مریض ہو گیا پیسہ ہونے کے باوجود انہوں نے میری طرف کوئی دھیان نہیں دیا؛ جبکہ ممبئی سے واپسی پر کافی پیسہ ساتھ لایا تھا، جتنا پیسہ میرے پاس تھا، وہ سب

انہیں کے گھر پر ختم ہوگیا؛ بلکہ پیسہ کے لئے مزید مجھے تنگ کرتی رہیں، ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ میں ان کے مکان میں ایک نوکر کی طرح پڑا رہوں، تقریباً دو سال ہم لوگ اس کشمکش میں رہتے رہے، ان کا حال یہ تھا کہ مجھے گھر پر تنہا چھوڑ کر ایک ایک ماہ کے لئے گھر سے غائب ہوجایا کرتی تھیں۔ بالآخر انہوں نے ۷/ اکتوبر ۲۰۰۲ء کو پولیس کے ذریعہ مجھے گھر سے نکلوا دیا اور میرے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کرا دیا اور سخت دفعات لگوا دیں اور اب کورٹ سے طلاق کا مطالبہ کررہی ہیں اور میں طلاق دینا نہیں چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی کی طرح ایک دوسرے کا خیال کرتے ہوئے زندگی گذاریں؛ لہٰذا درخواست ہے درج ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

(۱) کیا شہناز فاطمہ کا کورٹ سے طلاق مانگنا درست ہے؟

(۲) جب میں پورے طور پر ان کے حقوق کی رعایت کے ساتھ اپنی بیوی بنا کر رکھنا چاہتا ہوں، تو ان کا مجھ سے طلاق مانگنا ازروئے شرع کیسا ہے؟

(۳) چونکہ وہ مجھ سے پندرہ سال بڑی ہیں، مجھے بوجھ محسوس کررہی ہیں، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

(۴) بارہا انہوں نے فون کے ذریعہ میرے ملنے والوں سے کہا کہ میرا اور جاوید کا کوئی تعلق نہیں، میں نے ان سے چھٹکارا لے لیا ہے، کیا وہ واقعی کورٹ سے میرے طلاق دیئے بغیر چھٹکارا حاصل کرنے کی حق دار ہیں؟

المستفتی: سید جاوید آفتاب، مولوی گنج، بھیڑی منڈی، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہناز فاطمہ کا بغیر عذر شرعی کے کورٹ سے طلاق کا مطالبہ کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر وہ کورٹ سے طلاق نامہ حاصل کر بھی لیتی ہے، تو غیر مسلم جج کا طلاق کا فیصلہ کرنا شرعی طور پر معتبر اور صحیح نہیں ہوگا اور اس سے بیوی پر طلاق نہیں ہوگی۔ نیز جبکہ شوہر بیوی کو اس کے تمام حقوق کے ساتھ اپنی زوجہ بنا کر رکھنا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں شہناز فاطمہ کا طلاق کا مطالبہ کرنا شرعی طور پر درست نہیں ہے، بیوی کو چاہئے اپنے شوہر

جاوید کے ساتھ زن وشوہر کی زندگی گذارے اور شوہر کو بوجھ محسوس نہ کرے؛ بلکہ دونوں ایک دوسرے کے تمام حقوق کی رعایت کریں، اس کے باوجود اگر وہ طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، تو شوہر کو اختیار ہے کہ مہر کی معافی کی شرط لگا کر طلاق دے، اور بلا وجہ شرعی طلاق کا مطالبہ کرنے کی وجہ سے عورت گنہگار ہوگی۔

قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا. [النساء:١٤١]

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي.
(شامي، كتاب القضاء، باب التحكيم، زكريا ١٢٦/٨، كراچي ٤٢٨/٥)

فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا. [البقرة:٢٢٩]

عن ثوبانؓ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أيما امرأة سئلت زوجها الطلاق من غير بأس حرم اللّٰه عليها أن تريح رائحة الجنة. (مستدرك للحاكم، نزار مصطفىٰ الباز رياض ١٠٦٠/٣، رقم: ٢٨٠٩، سنن كبرىٰ، دارالفكر بيروت ١٨٤/١١، قديم ٣١٦/٧، رقم: ١٥٢٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۵۸/۳۷)

غیر مسلم جج سے طلاق لینے کے بعد شوہر کے پاس واپس آنا

سوال [۷۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا بیوی سے جھگڑا چلتا رہتا تھا، تین چار سال چلا اور اس بیچ ہمبستر بھی نہیں ہوئے، اسی درمیان وہ ایک ماسٹر کیساتھ بچوں کو لے کر بھاگ گئی اور اس نے عدالت سے

طلاق بھی چکے سے چار سو بیسی سے لے لی۔اب وہ آنا چاہتی ہے، مجھ کو رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ طلاق عدالت سے ایک غیر مسلم جج سے لی ہے۔

المستفتی: محمد اسلم، کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپسی جھگڑے کی وجہ سے تین چار سال تک بیوی سے ہمبستر نہ ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا؛ بلکہ بیوی شوہر کے نکاح میں بدستور باقی ہے اور جو غیر مسلم جج نے طلاق کے متعلق فیصلہ دیا ہے، وہ شرعی طور پر معتبر نہیں ہے اور نہ ہی بیوی کو آزادی حاصل ہوگئی ہے۔اب اگر وہ دونوں ایک ساتھ رہنا چاہیں تو بلاشبہ رہ سکتے ہیں۔

قال الله تبارک وتعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا. [النساء:١٤١]

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي. (شامي، كتاب القضاء، باب التحكيم، زكريا ٨/١٢٦، كراچي ٥/٤٢٨، ايضاح النوادر٢/١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۵۷۶)

ہندوستانی عدلیہ کے جج کی طلاق، تفریق اور فسخ کا حکم

سوال [۶۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو کہ پاکستان کا باشندہ ہے، وہ ہندوستان میں ہندہ سے نکاح کرنے کے چار یوم بعد پاکستان چلا گیا، جس کو قریب پانچ سال کا عرصہ ہوگیا، ہندہ کے پاکستان

جانے کی کوئی صورت نہیں ہے اور وہاں ہندہ کے شوہر زید نے دوسری شادی کرلی، ہندہ نے مجبور ہوکر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا عدالت سے طلاق ہوگئی، زید باوجود سمن وصول ہونے کے نہیں آیا، کیا یہ عدالتی طلاق شرعی طور پر کافی ہے؟ لڑکی جدائی اختیار کرنے کے لئے کیا صورت اختیار کرے؟

المستفتی: شیر محمد، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی عدالت میں غیر مسلم کا طلاق یا تفریق اور فسخ وغیرہ کردینا شرعی طور پر معتبر نہیں ہے، اسی طرح مسلم جج جو مسائل شرعیہ کے خلاف تفریق کردے، تو وہ بھی شرعاً معتبر نہیں ہے، لڑکی کے لئے شوہر سے تفریق شرعی حاصل کئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں ہے۔

قد اتفق أئمة الحنفية، والشافعية على أنه يشترط لصحة الحكم واعتباره في حقوق العباد، الدعوى الصحيحة، وأنه لا بد في ذلك من الخصومة الشرعية. (شامي، كتاب القضاء،مطلب في الحكم الفعلي، زكريا ٨/٢٣، كوئٹه ٤/٣٣٢، كراچي ٥/٣٥٤، تبيين الحقائق امدايه ملتان ٤/١٩٣، زكريا ديوبند ٥/١١٨)

اور لڑکی کے لئے جدائی اختیار کرنے میں شوہر سے تفریق حاصل کئے بغیر یا کسی شرعی محکمہ سے فیصلہ لئے بغیر کوئی راستہ نہیں ہے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں لڑکی کسی محکمۂ شرعیہ میں اپنی شکایات پیش کردے، محکمۂ شرعیہ الحیلۃ الناجزہ کے اصول کے مطابق فیصلہ کردے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع اول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۶۸۷)

کورٹ سے طلاق حاصل کرکے نکاح کرنے کا حکم

سوال [۶۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ منصور کی بیوی ریحانہ نے منصور سے کہا کہ میں فلانی کے گھر جارہی ہوں، بچی کی فیس جمع کرنے کے لئے اور ایک ہفتہ کے بعد آؤں گی، ریحانہ کے شوہر منصور نے ریحانہ سے کہا کہ تم اپنی بہن کے گھر مت جانا، ریحانہ ملانی کے گھر نہ جا کر اپنی بہن کے گھر چلی گئی، ریحانہ کی بہن ریحانہ کو اور امیر حسن ایک لڑکا کو لے کر اجمیر شریف گئی اور اجمیر شریف میں ہی عدالت سے طلاق دلوا کر عدالت میں ہی امیر حسن کے ساتھ کورٹ میرج کروادیا، ریحانہ کا کہنا ہے کہ منصور نے مجھے طلاق دیدی ہے؛ جبکہ ریحانہ کا شوہر منصور کا کہنا ہے کہ ہم نے ریحانہ کو طلاق نہیں دی ہے، ریحانہ کے قول کے مطابق کس کا قول معتبر ہوگا، عدالت سے جو طلاق لی گئی یہ طلاق شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

نیز عدالت سے ہی کورٹ میرج کروایا ہے، یہ بھی شرعاً نکاح جائز ہے یا نہیں؟ ریحانہ شوہر اول کے گھر جانا نہیں چاہتی ہے، اس کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ ہر ایک مسئلہ کا تفصیل کے ساتھ جواب دیں، ریحانہ منصور کے نکاح میں ہے یا نہیں؟ شوہر ثانی ریحانہ کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحفیظ خاں، پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر منصور طلاق کا منکر ہے تو ریحانہ کا قول طلاق کے بارے میں شرعاً معتبر نہیں ہے، عدالت سے جو طلاق حاصل کی گئی ہے، وہ شرعاً معتبر نہیں ہے؛ جبکہ حاکم غیر مسلم ہو۔

لم ینفذ حکم الکافر علی المسلم. (شامي، کوئٹه ٤/٣٨٦، زکریا ٨/١٢٦)

اور امیر حسن کے ساتھ ریحانہ کا نکاح شرعاً صحیح نہیں ہوا ہے، ریحانہ شرعی طور سے منصور کی بیوی ہے، ریحانہ پر لازم ہے کہ فوراً امیر حسن سے الگ ہوجائے، امیر حسن کے ساتھ رہنا حرام کاری ہے، غضب الٰہی کا سخت خطرہ ہے۔

أما نکاح منکوحة الغیر، ومعتدته، فالدخول فیه لایوجب العدة،

إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد، كراچي ۳/۱۳۲، زكريا ٤/۲۷٤)

ولا يجوز نكاح منكوحة الغير ومعتدة الغير. (خانية على الهندية، زكريا ۱/۳٦٦، جديد زكريا ديوبند ۱/۲۲۱)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة. (هندية، زكريا ۱/۲۸۰، جديد زكريا ديوبند ۱/۳٤٦)

والمحصنت من النساء عطف على أمهاتكم يعني حرمت عليكم المحصنٰت من النساء: أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها، أو يطلقها و تنقضي عدتها من الوفاة أو الطلاق. (تفسير مظهري، سورة النساء تحت رقم الآية: ٢٤، زكريا ديوبند ۲/۲۷۳-۲۷٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۱۷۶)

کورٹ کی طلاق

سوال [۶۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیٹی فرزانہ کی شادی اطہر الاسلام (بارہ دری) کے ہمراہ ۴؍ اکتوبر کو کی اور ہم نے حسب حیثیت مال وزر دیا اور مہر ۲۵؍ ہزار روپئے طے کئے گئے، وہ اپنی بہن کے مکان میں رہتا ہے، اس نے شادی کی رات کو ہی لڑکی کو بتایا تھا کہ میں شادی کے لائق نہیں تھا، میرے بھائیوں نے زبردستی میری شادی کرادی تھیں، تمہیں مجھ سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور وہی ہوا کہ شادی کے بعد وہ لڑنے جھگڑنے لگا، وہ کسی بھی بات کو لے کر رات رات بھر لڑتا اور وہ اپنے بہنوئی اور بھائیوں سے پٹواتا، ہم نے لوگوں کو اکٹھا کیا، ان دونوں کو سمجھا بجھا کر پھر

بھیج دیا، وہ پھر لڑتا پھر لوگ سمجھاتے پھر بھیج دیتے، چار پانچ مرتبہ ایسا ہوا ایک دن وہ خود لڑکی کو ہمارے یہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ اور اس نے آنا جانا بند کر دیا، ہم نے رشتہ داروں کے ذریعہ بات کرائی، تو اس نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں اسے رکھنا نہیں چاہتا، مالک مکان لڑکے کی بہن اس کا جہیز تو رکھنا چاہتی ہے، مگر لڑکی کو گھر میں نہیں رہنے دیتی اور وہ الگ مکان بھی نہیں لیتا، لڑکی نے بتایا کہ اس کا شوہر میڈیکل انفٹ ہے؛ یعنی وہ مرد نہیں ہے، لڑکا اسے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا کہ اس کو مہر دینے پڑیں گے، ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ کیا ہم اس سے مہر مانگ سکتے ہیں؟ اس صورت میں اگر ہم لڑکی کو طلاق دلا کر کسی اور جگہ شادی کرادیں، تو کوئی گناہ تو نہیں؟ اس کا شوہر اس کو کوئی خرچ نہیں دیتا اور نہ اسے رکھنا چاہتا ہے اور نہ خود طلاق دیتا ہے، لڑکی کو ہمارے یہاں پورے تین سال ہو گئے، دونوں نے ایک دوسرے کی صورت بھی نہیں دیکھی اور نہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

برائے کرم فتوی صادر فرمادیجئے کہ ہم اس لڑکی کو آزاد کرالیں، تو کوئی گناہ ہم پر واجب تو نہیں ہوگا لڑکی لڑکے کو نہیں چاہتی۔

المستفتی: ضمیر حسن، کہنہ مغلپورہ، نئی سڑک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدالت مجاز سے طلاق دلانے سے طلاق نہیں ہوتی؛ لہٰذا جب تک شوہر طلاق نہ دے یا اس سے شرعی تفریق نہ کرائی جائے، دوسری جگہ لڑکی کی شادی جائز نہیں ہوگی؛ ہاں البتہ محکمۂ شرعیہ کے ذریعہ سے تفریق کرائیں گے، تو جائز ہو سکتی ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا.﴾ [النساء:۱٤۱]

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمي.

(شامي، كتاب القضاء، باب التحكيم، زكريا ۸/۱۲٦، كراچي ٥/٤۲۸،

ایضاح النوادر ۲/ ۱۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۶۱)

مروجہ عدالت کے ذریعہ طلاق

سوال [۶۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کی شادی کو کچھ عرصہ ہوگیا ہے، دونوں میاں بیوی میں نباہ نہ ہوسکا، میاں نے دوسری شادی کرلی ہے، ہندہ بھی کورٹ یعنی سرکاری عدالت کے ذریعہ طلاق لے چکی ہے، شوہر نے طلاق نہیں دی ہے، تو کیا ہندہ کا نکاح دوسرے سے کردیں، جائز ہوگا یا نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: صلاح الدین، سنگھئی گھاٹ، پوسٹ: کنکٹا کالا، سہرسہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر شرعی عدالت سے لی ہوئی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہے، اس سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا؛ بلکہ بدستور باقی رہتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/ ۲۲۶، جدید زکریا ۶/ ۲۵۲، جدید زکریا مطول ۸/ ۴۸۹)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: **وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا.** [النساء: ۱٤۱]

لم ینفذ حکم الکافر علی المسلم. (شامي، کتاب القضاء، باب التحکیم، کراچي ٥/ ٤٢٨، زکریا ٨/ ١٢٦، کوئٹہ ٤/ ٣٨)

لہٰذا جب تک باقاعدہ تفریق شوہر سے حاصل نہ کرے گی، اس وقت تک دوسرا نکاح درست نہیں ہوسکتا۔

أما نكاح منكوحة الغير، ومعتدته، فالدخول فيه لايوجب العدة، إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد، زكريا ٤/٢٧٤، كراچي ٣/١٣٢)

لا يجوز نكاح منكوحة الغير، ومعتدة الغير. (خانية على الهندية، زكريا قديم ١/٣٦٦، زكريا جديد ١/٢٢١، هندية، زكريا قديم ١/٢٨٠، زكريا جديد ديوبند ١/٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍ ۲۰۴۳)

غیر مسلم عدالت کی طلاق معتبر نہیں

سوال [۶۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باغ گلاب رائے کی ایک لڑکی جس کا نام نرگس ہے، شب برأت کے دوسرے دن جامع مسجد کے نیچے ٹاٹ کالونی میں اس کا میکہ ہے، دو دن کے بعد میں اچانک یہ خبر ملی کہ اس کو کوئی لڑکا بہکا کر بھگا لے گیا ہے، جو خود بھی شادی شدہ ہے اور تین بچے ہیں نہایت جواری شرابی اور بدمعاش قسم کے لوگ ہیں، اس سے پہلے تین لڑکیوں کی زندگی برباد کر چکے ہیں، یہ لڑکی نرگس گھر سے ہنسی خوشی گئی تھی اور کوئی بھی رنجش نہیں تھی، ۱۳؍ دن کے بعد ان دونوں کو تھانہ مغل پورہ میں لایا گیا تھا اور اس کے بعد یہ لڑکی اپنی بڑی بہن کے گھر پر ہے۔ اب اس کا شوہر اس کو اپنے گھر میں کسی بھی قیمت میں رکھنے کو تیار نہیں ہے، لڑکی کا شوہر یہ بھی کہتا ہے کہ اپنی مرضی سے گئی تھی، اپنی مرضی سے آجاتی؛ لیکن ڈر کے مارے برا حال ہے؛ لیکن میں رکھوں گا نہیں اس لڑکی نے نکاح کر لیا تھا اور عدالت سے طلاق بھی لے لی تھی، تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

المستفتی: میر صاحب، باغ گلاب رائے، نئی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدالتی طلاق شرعاً معتبر نہیں؛ جبکہ شوہر نے طلاق نہیں دی اور غیر مرد کے ساتھ بھاگنے کی وجہ سے آپ کے نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ کا نکاح شرعاً بدستور باقی ہے اور آپ کی بیوی اور بھگا کر لیجانے والا مرد دونوں سخت ترین گنہگار ہوں گے، ان دونوں کو خالص دل سے توبہ کرنا لازم ہے، آئندہ کبھی اس طرح گناہ کبیرہ کا ارادہ بھی نہ کریں اور آپ کو بیوی بنا کر رکھنے میں عدت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

والمحصنٰت من النساء عطف علیٰ أمهاتكم يعني حرمت عليكم المحصنٰت من النساء أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها، أو يطلقها وتنقضي عدتها من الوفاة أو الطلاق. (تفسيرمظهري، سورة النساء تحت رقم الآية:٢٤، زكريا ديوبند٢/ ٢٧٣- ٢٧٤)

ولايجوز نكاح منكوحة الغير، ومعتدة الغير. (خانية على الهندية، زكريا١/ ٣٦٦، جديد زكريا ديوبند ١/ ٢٢١)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة. (هندية، زكريا١/ ٢٨٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۳۶۴)

مسلمہ عورت کا غیر شرعی عدالت سے طلاق حاصل کرنا

سوال [۶۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلم عورت عدالت (غیر شرعیہ) سے طلاق حاصل کر سکتی ہے؟ اور اس طرح حاصل کی گئی طلاق کو شرعی طور پر طلاق تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

(۲) کیا عدالت (غیر شرعی عدالت) کے ذریعہ حاصل کی گئی طلاق کے بعد عورت شرعاً عدت میں بیٹھ سکتی ہے اور عدت کی مدت کا خرچ شرعاً اپنے شوہر سے طلب کرنے کی حقدار ہے؟

المستفتی: جاوید مشتاق، کٹگھر بیچ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) عدالت غیر شرعی میں غیر مسلم جج یا مسلم جج جو احکام شرعیہ کے خلاف تفریق کر دیتے ہیں، اس سے شرعی طور پر کوئی طلاق یا تفریق شرعاً واقع نہیں ہوتی ہے، اور نہ اس طلاق کو شرعی طور پر تسلیم کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عورت پر عدت لازم ہوگی اور نہ ہی شوہر پر عدت کا خرچ واجب ہوگا۔ اور عورت شوہر سے عدت کا خرچ طلب کرنے کی حقدار ہرگز نہیں ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۲۶/۶، جدید زکریا ۲۵۲/۶، جدید زکریا مطول ۴۹۵/۸)

قد اتفق أئمة الحنفية، والشافعية على أنه يشترط لصحة الحكم واعتباره في حقوق العباد الدعوى الصحيحة، وأنه لا بد في ذلک من الخصومة الشرعية. (شامي، كتاب القضاء، مطلب في الحكم الفعلي، كراچي ٥/٣٥٤، زكريا ٨/٢٣، كوئٹه ٤/٣٣٢، تبيين الحقائق، زكريا ديوبند ٥/١١٨، امدايه ملتان ٤/١٩٣)

قال الله تبارک وتعالیٰ: قال الله تبارک وتعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا. [النساء:١٤١]

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم. (شامي، كتاب القضاء، باب التحكيم، كراچي ٥/٤٢٨، زكريا ٨/١٢٦، كوئٹه ٤/٣٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۶۵۰/۲۵)

شوہر کی طلاق کا اعتبار ہے یا پنچایت کی؟

سوال [۶۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کی شادی ہوئی جب لڑکی دوسری تیسری مرتبہ سسرال گئی تو لڑکی اور اس کے شوہر کے درمیان ان بن ہوگئی، لڑکے نے غصہ کی حالت میں طلاق دیدی'' کہا جا تجھے طلاق دیدی'' تو لڑکی نے کہا کہ کیا کہہ رہے ہو؟ تو اس نے کہا کہ تو میرے لائق نہیں ہے، تجھے تین بار طلاق دی، یہ لڑکی کا بیان ہے لڑکی ایک سوا سال رکی رہی، اب پنچایت کے ذریعہ سے عوام کے سامنے بھی طلاق ہوگئی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شوہر کی طلاق کا اعتبار ہوگا یا پنچایت کی طلاق کا؟ لہٰذا جس کی بھی طلاق کا اعتبار ہو ایک سوا سال گذرنے کے بعد عدت کرے گی یا نہیں؟ یا وہ بغیر عدت کے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے؟

المستفتی: محمد شاکر، بیرپور تھان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دینے میں شوہر کا اعتبار ہوتا ہے، نہ کہ پنچایت کا اور شوہر پہلے ہی تین بار طلاق دے چکا ہے اور پنچایت میں ہندی میں جو طلاق نامہ لکھا گیا ہے، اس میں بھی تین بار کا ذکر ہے؛ اس لئے طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر حرام ہوچکی ہے، بغیر حلالۂ شرعیہ کے دوبارہ آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے اور چونکہ طلاق واقع ہوئے ایک سوا سال ہوگیا ہے؛ اس لئے عورت کی عدت پوری ہوچکی ہے؛ لہٰذا اگر وہ دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔

عن عائشةؓ، أن امرأة رفاعة القرظي جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يارسول الله! إن رفاعة طلقني، فبتَّ طلاقي وإني نكحت بعده عبد الرحمٰن بن زبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله

صلى الله عليه وسلم: لعلک تريدين أن ترجعي إلي رفاعة؟ لا حتى يذوق عسيلتک وتذوقي عسيلته. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰٦۱، ف: ۵۲٦۰)

إن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرہٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد زكريا ۱/ ۵۳۵، تاتارخانية، زكريا ۵/ ۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳، هداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹)

وابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق......فإن لم تعلم بالطلاق، أو الوفاة، حتى مضت مدة العدة، فقد انقضت عدتها. (هداية، اشرفي ۲/ ۴۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۱۰۴)	۲۳؍ ۶؍ ۱۴۳۱ھ

طلاق کے بارے میں کمیٹی کا فیصلہ معتبر ہے یا نہیں؟

سوال [۶۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اب سے تقریباً چار سال پہلے مسمیٰ رئیس احمد کی شادی شریعت کے مطابق مسماۃ محمودہ خاتون کے ہمراہ ہوئی تھی، مسماۃ ہنسی خوشی اپنے شوہر مذکور کے یہاں تقریباً ایک سال رہی، اسی اثنا میں مسماۃ کے گھر میکہ آنے پر مسماۃ کے طلائی ونقرئی زیورات کی چوری ہوگئی، مسمیٰ رئیس احمد اپنی اہلیہ سے برابر زیورات کی مانگ کرتا رہا، مسمیٰ نے مسماۃ کو مارنا پیٹنا اور تنگ کرنا شروع کیا، مسمیٰ مسماۃ کو اپنے ہمراہ لے کر اپنی سسرال آگیا جہاں پر مسماۃ کو کچھ دنوں کے لئے روک لیا گیا، مسمیٰ اپنے گھر چلا آیا، کچھ مدت کے بعد مسمیٰ اپنی بیوی کو لانے کے لئے سسرال پہونچا تو اس کے خسر نے لڑکی بھیجنے سے انکار کر دیا۔ اب

سے تقریباً چھ ماہ پہلے مسماۃ کے والد کی طرف سے مسلم قوم کی فلاح وبہبود کے لئے بنائی گئی ''انجمن اصلاح الانصار'' کمیٹی رجسٹرڈ قصبہ قاسم پور گڑھی ضلع بجنور میں ایک درخواست پیش کی، جس میں مسماۃ کے والد نے اپنی دختر کی طرف سے لڑکی کو تنگ کرنے کی شکایات اورلڑکی کو نہ لیجانے کے لئے کمیٹی ہذا میں پیش کی، کمیٹی کے عہدیداران نے مسمیٰ رئیس احمد کو روبرو اجلاس کمیٹی حاضر کرلیا اور دونوں فریقین کے تحریری اور زبانی بیانات لے کر مندرجہ ذیل شرائط میں پابند کرلیا۔

مسمیٰ رئیس احمد کی طرف سے کمیٹی نے اقرار لیا ہے کہ کمیٹی جو بھی حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ دے گی میں اس کا بہرصورت پابند رہوں گا اور خلاف ورزی کرنے پر روبرو برادری مجرم قرار ہونے کے ساتھ میری بیوی پر میری جانب سے تین طلاق مغلظہ پڑ جائیں گی، مسماۃ کے والد نے یہ اقرار لیا ہے کہ کمیٹی ہذا کو میری جانب سے کلی اختیار ہے کہ حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر کے ہمارے معاملات درست کرادے، اگر میں یا میری لڑکی اس فیصلہ کی خلاف ورزی کرے گی، تو اپنے جائز زیور جو بوقت شادی لڑکی کو دیا گیا ہے، جس کا ثبوت رسید نکاح سے ثابت ہے، اس کے علاوہ مبلغ دس ہزار روپئے دینے کے علاوہ جرمانہ جو بھی کیا جائے گا خسر اپنے داماد پر کسی طرح کا کوئی مطالبہ باقی نہ رکھے، دینے کا حق دار رہے گا۔ کمیٹی نے ذیل میں فیصلہ دیا۔

مسمیٰ رئیس احمد کو اپنی بیوی مسماۃ محمودہ خاتون کے خوف کو دور کرنے کے لئے اور اپنی حق زوجیت کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے ایک ماہ کے لئے اپنی سسرال موضع دولہا پور میں رہنا ہوگا اور مسماۃ کے والد کو مسمیٰ کے قیام کے لئے ایک بلا کرایہ کا کمرہ اپنے سے علیحدہ دینا ہوگا، اس ماہ کا پورا خرچہ مثلاً کھانے پینے کا جملہ خرچہ مسمیٰ اور مسماۃ کے رہنے کا ذمہ لینا ہوگا، جس کے لئے فی الوقت مسماۃ کے والد کو مبلغ ایک ہزار روپئے بطور خرچہ مسمی اور اپنی دختر کے لئے کمیٹی ہذا میں جمع کرنا ہوگا اور جو جائز مطالبہ زیور وغیرہ کا ان پر واجب ہے، اس میں سے بھی اس دوران کم از کم دو چیزیں تیار کرا کر دینی ہوں گی۔ اور اس فیصلہ کے مطابق رئیس احمد

اپنی سسرال میں قیام کرنے کے بعد اپنے حالات کے صحیح ہونے کی اطلاع کمیٹی میں دے کر اپنی زوجہ کو اپنے گھر سہسپور لیجا سکتے ہیں۔ مسماۃ کے والد کو کسی طرح روکنے کا حق حاصل نہ ہوگا اور مسمیٰ کا جو بھی جائز مطالبہ جورو برو کمیٹی ہو چکا ہے، مسماۃ کے والد کو ایک سال میں پورا ادا کرنا ہوگا، اگر مسمیٰ نے اس فیصلہ کی خلاف ورزی کی تو مسماۃ کا پورا جائز مہر کے ساتھ ساتھ مکمل جہیز دینا ہوگا، مسماۃ کے والد اس فیصلہ کی خلاف ورزی کریں گے، تو مہر سے معافی مبلغ دس ہزار روپئے اور مسمیٰ کو رضا مند کرنے کے لئے روپئے دینے ہوں گے۔

مندرجہ بالا فیصلہ پر عمل کرانے کے لئے کمیٹی کے دو آدمیوں کو چنا گیا، جنہوں نے مسمیٰ رئیس احمد سے یہ کہا کہ آپ موضع دولہا پور میں ہوٹل میں جا کر رہیں گے اور کسی اور جگہ نہیں جائیں گے، ہم کمیٹی والے دوپہر گیارہ بجے تک متعین جگہ پر پہونچ جائیں گے؛ لیکن کسی وجہ سے یہ کمیٹی کے آدمی نہیں پہونچ سکے؛ جبکہ مسمیٰ وقت مقررہ اور متعین جگہ پہونچ کر گیارہ بجے سے ساڑھے تین بجے تک انتظار کر کے اپنے گھر واپس چلا آیا۔

کمیٹی کے چنیدہ افراد کی کوتاہی کے سبب پندرہ دن کے بعد کمیٹی کے دوسرے منتخب کئے گئے افراد مسمیٰ کو لے کر مسمیٰ کے گھر پہونچے، مسماۃ کے والد و دیگر معزز حضرات کی سپردگی میں دے کر اور شرائط کے مطابق مسماۃ کے والد کو یہ ہدایت کر کے کہ آپ نے مسمیٰ اور مسماۃ کے رہنے کے لئے الگ کمرہ کا بندوبست کھانے پینے کا انتظام کرنے کے لئے کہا تھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ سبھی مکمل انتظام ہے، کمیٹی کے یہ چنیدہ افراد مسمیٰ کو ان کی سسرال چھوڑ کر اپنے گھر چلے آئے، مسماۃ کے والد نے مسمیٰ اور مسماۃ کو الگ الگ کمروں میں رکھا تنہا کمرہ کا بندوبست نہیں کیا، دوسری صبح مسماۃ کے والد نے مسمیٰ کو یہ تسلی دی کہ چار دن کے بعد اپنی بیوی کو لے جانا، چار دن کے بعد مسمیٰ پہنچے؛ لیکن مسماۃ کے والد نہ ملے، وہاں سے کمیٹی ہذا میں پیش ہوا اور کہا میں نے کمیٹی کی ہدایت کے مطابق عمل کیا۔

تیسری بار مسمیٰ کو مسماۃ کے میکہ میں حسب شرائط ذمہ دار افراد کی ذمہ داری میں مسمی رئیس احمد کو عمل کرانے کا ذمہ دیا گیا، مسمیٰ اپنی سسرال پہونچا، شرائط کے مطابق ان کے یعنی مسمی او

رمسماۃ کے تعلق استوار کرنے کا موقع پھر سے نہیں کرایا گیا، شرائط کے مطابق عمل پیرا نہ ہونے کی اطلاع مسمیٰ رئیس احمد نے کمیٹی میں دی۔
مندرجہ بالا مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات میں دینے کی زحمت گوارہ کریں، ہم بہت ہی منتظر ہیں
(۱) مندرجہ بالا مکمل تفصیلات کے مطابق کسی طرح کی طلاق پڑ گئی ہے یا نہیں پڑی ہے؟
(۲) کسی بھی ازدواجی معاملات کو حل کرنے یا منسوخ کرنے کے لئے طلاق مغلظہ کی شرائط لگانا کہاں تک مناسب ہے؟
(۳) اگر کوئی عالم کسی مسمیٰ کو طلاق مغلظہ کے تحت پابند کر لیتا ہے؛ جبکہ مسمیٰ کو طلاق مغلظہ کا علم نہ ہو، تو ایسے عالم پر شریعت کا کیا حکم ہے؟
(۴) اگر کوئی ذمہ دار آدمی اپنی ہٹ دھرمی سے ناانصافی کا فیصلہ کر دیتا ہے، تو ایسی صورت میں گناہ کا مرتکب وہی آدمی ہوگا یا پوری کمیٹی یا پورا اجلاس؟

المستفتی: معراج عالم خزانچی انجمن اصلاح الانصار (کمیٹی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ کی تفصیل سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ شوہر رئیس احمد نے اس پر عائد کردہ تمام شرائط کا احترام کرتے ہوئے ان پر پابندی کی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں رئیس احمد کی بیوی پر کسی قسم کی کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

كما استفيد من عبارة الهداية: وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط. (هداية، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، اشرفي ديوبند ۲/۳۸۵)

(۲) بیک وقت تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں، اور تین طلاق کی شرط لگانے سے شرط بھی صحیح ہو جاتی ہے؛ لیکن طلاق مغلظہ واقع ہونے کے ساتھ ساتھ شوہر سخت گناہ گار ہو جاتا ہے، اسی طرح شوہر پر تین طلاق کی شرط لگانا بھی خلاف شریعت ہے اور شرط لگانے والے گنہگار ہوں گے۔

عن محمود بن لبيد قال: أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً، فقام غضباناً، ثم قال: أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم حتى قام رجل وقال: يارسول الله! ألا أقتله.
(سنن النسائي، كتاب الطلاق، باب الثلاث المجموعة و ما فيه من التغليظ، النسخة الهندية ۸۲/۲، دارالسلام رقم:۳۳۹۸)

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثًا بكلمة واحدة-إلى-وقع الطلاق وكان عاصياً. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة اشرفي ديوبند ۳۵۵/۲)

وبدعي يأثم به الخ. (در مختار، كراچي۳/ ۲۳۰، زكريا ٤/ ٤٣١)

أما البدعي (إلى قوله) فإذا فعل ذٰلک وقع الطلاق وكان عاصياً الخ.
(عالمگيري، زكريا۱/ ۳٤۹، جديد زكريا ۱/ ٤۱٦)

(۳) طلاق مغلظہ کے تحت شرائط متعین کرنے سے شرائط صحیح ہوجاتی ہیں؛ لیکن اس طرح طلاق مغلظہ کی شرط لگانا باعث گناہ اور معصیت ہے۔

(۴) اگر ایک شخص ناانصافی کا فیصلہ کرتا ہے، تو وہی گنہگار ہوگا اور اگر کمیٹی ناانصافی کا معاملہ کرتی ہے، تو کمیٹی کے تمام افراد گنہگار رہوں گے؛ اس لئے کہ یہ اتباع ہوی ہے، جو شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔

إن المجتهد والمقلد لا يحل لهما الحكم والإفتاء بغير الراجح؛ لأنه اتباع للهوىٰ، وهو حرام إجماعاً. (عقود رسم المفتي قديم ص: ۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ ؍ ۳۰۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰ ؍ ۳ ؍ ۱۴۱۳ھ

ٹیلیفون پر طلاق دینا

سوال [۶۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ اگر ایک ہی شہر میں فون پر طلاق دی جائے، تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ گواہ ہونے چاہئیں یا نہیں، طلاق معتبر ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: نیاز الحسن، محلّہ: دہریا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ٹیلیفون پر بھی طلاق معتبر ہے؛ جبکہ اس بات میں شک نہ رہے کہ شوہر ہی طلاق دے رہا ہے، چاہے شوہر بیوی کے شہر میں رہ کر طلاق دے رہا ہو یا دوسرے شہر سے اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے گواہوں کی بھی ضرورت نہیں ہے؛ جبکہ شوہر اقرار کرتا ہو۔

عدم الشک من الزوج في الطلاق وهو شرط الحکم بوقوع الطلاق.

(بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل في الرسالة، زکریا ۱۹۹/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۶۶۰/۳۵)

فون کی طلاق کا حکم

سوال [۷۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے موبائل فون پر زوجہ کے بھائی سے بات چیت کے دوران اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں تین طلاقیں دیدیں، اس پوری بات چیت کو بعینہ موبائل میں محفوظ کرلیا گیا، بعد میں شوہر سے پوچھے جانے پر وہ کہتا ہے کہ میں نے صرف دو طلاقیں دی ہیں اور وہ اس پر مصر ہے اور جب اسے موبائل میں ریکارڈ کیا ہوا کلام سنایا گیا، تو اس نے صاف انکار کردیا کہ یہ میری آواز نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے کی آواز ہے؛ جبکہ خود لڑکے کے باپ اور بہنوئی اس کے خلاف اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہ لڑکے کی ہی آواز ہے، مگر لڑکا پھر بھی

انکار کر رہا ہے اور لڑکی کے بھائی کو بھی پورا یقین ہے کہ یہ لڑکے کی ہی آواز ہے؛ کیونکہ اس نے خود بات چیت کے دوران یہ ریکارڈ کیا تھا اور لڑکے نے ریکارڈ کئے ہوئے کلام کے مطابق تین طلاقیں دی ہیں۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا شوہر کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے صرف دو ہی طلاقیں ہوں گی یا موبائل پر ہوئی بات چیت کے مطابق (جو کہ محفوظ ہے) تین طلاقیں ہوں گی؟ جبکہ لڑکی کے بھائی کو پورا یقین ہے کہ اگر شوہر کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے (کہ اس نے صرف دو ہی طلاقیں دی ہیں) لڑکی کو رخصت کر دیا، تو آگے زن وشوہر کے مابین ہونے والے تعلقات زنا میں شمار کئے جائیں گے؟ دونوں صورتوں میں سے جو بھی صورت واقع اور حکم شرع کے موافق ہو اس کو دلیل سے واضح فرما کر ممنون ومشکور ہوں۔

المستفتی: مرغوب الرحمٰن، ساکن وپوسٹ: سمریا، ضلع چترا (جھارکھنڈ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب موبائل فون پر شوہر کی آواز محفوظ کر لی گئی ہے اور اس کی آواز کو پہچاننے والے اس کے باپ، اس کے بھائی اور اس کے بہنوئی سب اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ یہ اسی کی آواز ہے اور تین طلاق اس میں ریکارڈ ہیں؛ اس کے باوجود اس کا دو طلاق دینے کا اقرار اور تین کا انکار معتبر نہیں اور موبائل کا ریکارڈ خود دستاویز کے طور پر اس کے خلاف ہے اور اس کے باپ اور اس کے بہنوئی سب اس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں، تو ایسی صورت میں اس کی طرف سے تین طلاقیں معتبر ہوں گی اور بیوی اس پر حرام ہو گئی۔ بغیر حلالہ کے ان کے درمیان ازدواجی تعلقات جائز نہیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٤)

لـو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم مطبوعة ديوبند ۱/ ۲۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۱۶۳)

فون پر طلاق دینے سے طلاق کا حکم

سوال [۲۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک سال سے اپنے شوہر کی شراب کی لت اور گالی گلوج کی عادت کی وجہ سے اپنے میکہ میں رہ رہی تھی، بدھ کے دن رات میں سوا بجے میرے شوہر نے مجھے فون کر کے کہا کہ میرے جھگڑے میں چوٹ لگ گئی ہے فوراً گھر آجائیں میں اپنی والدہ سے پوچھنے لگی، تو اس نے فون پر ہی مجھے گالیاں بکنی شروع کر دیں اور کہنے لگے میں تجھے فون پر ہی طلاق دے رہا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق تین بار اس نے ایسا کہہ کر فون کاٹ دیا، اس وقت وہاں پر کچھ اور لوگ بھی موجود تھے، ان لوگوں نے بتایا کہ ہاں اس نے ہمارے سامنے ایسا کہا تھا، آپ اس کا جواب مرحمت فرمایئے مہربانی ہوگی۔

بیان گواہان: ہم لوگوں کے سامنے اور موجودگی میں خالد ولد ذوالفقار علی ساکن محلّہ بروالان کٹگھر مرادآباد نے اپنی بیوی شاہین قمر کو ٹیلیفون پر تین بار طلاق دی ہے۔

المستفتية: شاہین قمر، محلّہ کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فون پر طلاق ہو جاتی ہے اور جب فون پر تین طلاق دینے کے گواہان بھی موجود ہیں اور بیوی نے اپنے کان سے سن بھی لیا ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور شوہر پر بالکل حرام ہو چکی ہے۔

ولـوقال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثًا. (الأشباه والنظائر قديم مطبوعه ديوبند ص: ۲۱۹)

لـو كـرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۲۹۳/۳، زكريا ٥٢١/٤، قاضي خاں على هامش الهندية زكريا ٤٥٤/١)

نوٹ: گواہوں سے زبانی شہادت بھی حاصل ہوئی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ر)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۵ھ

ٹیلیفون پر دی گئی طلاق کا شرعی حکم

سوال [۶۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائلہ کی شادی ۱۹۸۰ء میں مولانا محمد احمد صاحب کے ساتھ ہوئی تھی، اس ۲۳؍سالہ ازدواجی زندگی میں دس بچے پیدا ہوئے، جن میں چھ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، جن کی عمریں بالترتیب ۲۲؍سال ۲۰؍سال ۱۸؍سال ۱۵؍سال ۱۳؍سال ۱۰؍سال ۸؍سال ۶؍سال ۵؍سال ۳؍سال ہیں اس طویل عرصہ میں بچوں کی پیدائش اور پرورش میں سخت فطری دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کے ساتھ شوہر کی سخت مزاجی کی وجہ سے زندگی میں تلخی رہی، حقیقی خوشی نصیب نہیں ہوئی، اس کے باوجود بھی بچوں کی پرورش کی خاطر سب سخت مزاجی برداشت کرتی رہی، جب منہ کھولنے کی کوشش کی تو چھوڑ دینے کی اور سبق سکھا دینے اور گھر بھیج دینے کی دھمکی ملتی رہی، بچوں پر نصیحت کے نام پر غصہ کرنا، ۹؍فروری ۲۰۰۳ء کو میرے شوہر نے میرے بھائی کو فون پر بتایا کہ میں نے ۲۵؍نومبر ۲۰۰۲ء کو طلاق دے دی ہے اور میں مہر کا انتظام کر رہا ہوں۔ ۱۸؍اپریل ۲۰۰۳ء کو میرے بھائی رہائش علی گڑھ آئے، مولانا سے بات کرنے کی کوشش کی؛ لیکن میرے شوہر کسی طرح اس مسئلہ پر بات کرنے کو راضی نہ ہوئے۔ اس دس ماہ

میں نہ بچوں کی کفالت کی ہے، نہ میری طرف کوئی توجہ کی ہے، ایسی حالت میں کیا طلاق ہو جائے گی اور ان بچوں کا کیا ہوگا؟ اگر طلاق واقع ہوگئی،تو مہر اور دوران عدت کے مصارف اور بچوں کی گذر بسر کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: تبسم، آفتاب منزل شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے شوہر نے ٹیلیفون پر طلاق کی اطلاع دی اور بعد میں اس کا اقرار بھی کیا ہے،تو شوہر نے جتنی طلاقیں دیں اتنی ہی واقع ہوگئی ہیں، اس سوال نامہ میں طلاق کی تعداد اور نوعیت کے بارے میں کوئی صراحت نہیں ہے، شوہر سے معلوم کیا جائے کہ کتنی طلاقیں دی ہیں، اگر وہ تین طلاق کا اقرار کرے تو تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور آپ اپنے شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہیں۔ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا اور اگر تین طلاق نہیں دی ہے؛ بلکہ ایک یا دو طلاق دی ہے،تو طلاق رجعی واقع ہوگئی؛ لیکن سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس طلاق کے بعد دونوں کے درمیان آپس میں ملاقات نہیں ہوئی اور تین ماہواری گذرنے تک دونوں الگ رہے ہیں،تو ایسی صورت میں عدت بھی گذر گئی۔ اور اب اگر شوہر بیوی بنانا چاہے تو بغیر حلالہ کے نکاح کر کے رکھ سکتا ہے،تو طلاق کی کون سی صورت پیش آئی ہے، اس بارے میں شوہر سے وضاحت طلب کی جائے، شوہر جس قسم کی طلاق کا اقرار کرے گا، اسی طرح کی طلاق واقع ہوگی، یہ بات یاد رکھیں کہ اگر تین طلاق کا اقرار کرتا ہے،تو بغیر حلالہ کے ساتھ رہنے کی کوئی صورت نہیں اور بچوں کی پرورش کا خرچہ باپ کے اوپر لازم ہے اور بالغ لڑکیوں کی شادی کا ذمہ دار بھی باپ ہی ہوگا اور اگر آپ شوہر کی اجازت سے میکہ گئی ہیں،تو عدت کا خرچہ بھی شوہر پر لازم ہے اور اس خرچہ کی مقدار آپس کی بات چیت سے طے کی جائے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرہ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، زكريا ١/٤٧٣، جديد زكريا ديوبند ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ديوبند ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٤، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد. كما لا يشاركه في نفقة الزوجة الخ. (هداية ثاني، اشرفي ديوبند ٤٤٤)

وإذا طلق الرجل امرأته، فلها النفقة، والسكنىٰ في عدتها رجعياً كان، أو بائناً. (هدايه ثاني، اشرفي ديوبند ٤٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۷۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۳ھ

طلاق کے معنی جانے بغیر طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں تین مرتبہ طلاق دیدی، مجھے طلاق کے معنی وغیرہ کا پتہ نہیں تھا، تو ایسی صورت میں بھی طلاق ہوجاتی یا نہیں؟ اور اگر اب ساتھ رہنا چاہیں تو کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: ندیم انور، محلّہ: خلو چار مینار والی مسجد لال باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اب اگر رکھنا چاہے تو شرعی حلالہ لازم ہوگا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ بیوی کو تین مرتبہ ماہواری ہوجانے کے بعد وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے ہمبستر ہوجائے، اس کے بعد وہ مرد اپنی مرضی سے طلاق دے دے، تو پھر تین ماہواری گذرنے کے بعد آپ نکاح کر سکتے ہیں۔

عن عائشةؓ، أن امرأة رفاعة القرظي جاء ت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يارسول الله! إن رفاعة طلقني، فبت طلاقي وإني نكحت بعده عبد الرحمٰن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعلك أن تريدين أن ترجعي إلي رفاعة؟ لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث ۲/۷۹۱، رقم:۵۰٦۱، ف:۵۲٦۰)

إن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد زكريا ديوبند ۱/۵۳۵، تاتارخانية، زكريا ديوبند ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۴، هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۳۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۳؍۱۴۱۴ھ

❍ ❖ ❍

(۲) باب إباحة الطلاق

شرعاً طلاق کب دے سکتے ہیں؟

سوال [۶۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح آج سے آٹھ سال قبل ایک طلاق شدہ عورت سے ہوا تھا، اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے، میں نے ہر ممکن کوشش کرلی، میرے گھر دو ماہ رہتی ہے اور میکہ میں دس ماہ رہتی ہے، کیا میں اس کو آزاد کرسکتا ہوں شریعت کی روشنی میں؟ اور دوسرا نکاح کرسکتا ہوں؛ کیونکہ میری آمدنی اتنی نہیں ہے کہ ایک وقت میں دو بیویوں کے حقوق ادا کرسکوں۔

المستفتی: شاہ عالم، ٹانڈہ، کاشی پور، اودھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا وجہ شرعی عورت کو طلاق دے کر تکلیف دینا موجب گناہ ہے، اگر واقعۃً اس کا دماغی توازن درست نہیں ہے اور اس سے کچھ اولاد بھی حاصل ہوچکی، تو بجائے طلاق کے آپ اس کا علاج کرا کے اس کے مرض کو دور کرنے کی کوشش کریں؛ لیکن اگر دماغی توازن میں کمی کے باوجود وہ آپ کے حقوق ادا کرسکتی ہے اور آپ کے ساتھ رہتی ہے، تو آپ کو طلاق نہیں دینا چاہئے، ہاں اگر آپ کے حقوق ادا نہ کر کے ضد میں زیادہ وقت میکہ میں گزارتی ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں صراحت ہے، تو چونکہ یہ آپ کی نافرمان ہے؛ اس لئے آپ کو طلاق دینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۴۰/۳، جدید زکریا ۲۵۷/۸، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۶۶/۱۲، فتاوی دارالعلوم ۴۱۵/۸)

ویجب (أي الطلاق) لو فات الإمساک بمعروف. (در مختار علی الشامي، کتاب الطلاق، کراچي ۲۲۹/۳، زکریا ۴۲۹/٤)

ویکون واجباً إذا فات الإمساک بالمعروف کما في امرأة المجبوب والعنین بعد الطلب، ولذا قالوا: إذا فاته الإمساک بالمعروف ناب القاضي منابه، فوجب التسریح بالإحسان. (البحر الرائق، کوئٹہ ۳/۲۳۷، زکریا۳/٤١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ٦٥٦٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲ھ

شرعاً طلاق دینا کب جائز ہے؟

سوال [٦٠٢٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۱۹۸۲ء میں راجستھان کے ایک قصبہ میں تیسرا نکاح کیا ۱۹۸۹ء تک زندگی اچھی گذری ۱۹۹۰ء میں میری بیوی جو (بی اے) پاس ہے، اپنے میکہ گئی، واپسی میں دلی میں کسی کے یہاں رک گئی، میں بہت پریشان ہوا، دوڑ کر سسرال گیا، وہاں سے سالا آیا اور بیوی کو کھوج کر میرے پاس پہونچا دیا۔ ۱۹۹۱ء تک رہی میں نے خوشی خوشی اپنی بیوی کو میکہ کے لئے سوار کرا دیا، وہاں جا کر بیوی نے جھوٹ اور من گھڑت کہانی بنا کر خاندانی عدالت میں میرے خلاف مقدمہ درج کرا دیا، عدالت سے تین سو روپیہ نان ونفقہ طے ہوا، وہیں بھیجتا رہا، تقریباً ڈیڑھ سال ہم نے خط وکتابت کیا، بیوی کے بھائیوں نے کہا کہ آپ یہ لکھ دیں کہ ان کو لے جا کر مار پیٹ نہیں کروں گا، نہ کچھ لکھواؤں گا، میں تیار ہو گیا؛ کیونکہ مار پیٹ گالی گلوج کرنا میری عادت نہیں، مگر میری بیوی کے چچازاد بھائی جو وکیل ہیں مجھ سے لمبے چوڑے ٹائپ شدہ اسٹامپ پر دستخط دھوکہ دے کر اور دباؤ ڈال کر کرائے، جس کو اس نے بیان حلفی کی شکل دلوائی، اس اسٹامپ میں مجھے قانونی طور پر باندھنے کی کوشش کی گئی تھی، میری بیوی کے بھائیوں نے میری بیوی کو ساتھ بھیج دیا، مگر مجھ پر پابندی لگا دی کہ آئندہ ہمارے گھر پر قدم نہ رکھیں۔

میں ۲۴؍ اکتوبر ۱۹۹۲ء کے بعد اپنی سسرال نہیں جاسکا؛ چونکہ پابندی لگا دی تھی اور نہ ہی کوئی خط وکتابت ہے، یہاں تک کہ مرنے جینے اور غم میں بھی شرکت ناممکن ہے۔
اسی دوران پچھلے ایک سال سے میری بیوی کو ایسی بیماری ہے کہ ہمبستری کے لائق نہیں، علی گڑھ، مرادآباد علاج بھی ہوا، مگر بیوی نے مستقل لگ کر علاج نہیں کرایا اس کی وجہ وہی جانتی ہوں گی، پچھلے ایک سال میں ہم دونوں نے ایک بار ہمبستری کی وہ بھی نامکمل رہا، پیشاب کے راستے میں کوئی خاص خرابی ہے، اسی چپقلش میں ہم لوگ زندگی گزار رہے ہیں، بیوی نے مزید علاج کرانے کو منع کر دیا ہے، مجھے جب نفسانی خواہش ہوتی ہے، تو بیوی سے کہتا ہوں، وہ کہتی ہیں میں کیا کروں، آپ مجھے طلاق دے دیجئے اور نکاح کر لیجئے، پچھلے سال میں کم از کم دو بار طلاق کی نوبت بھی آئی؛ لیکن بات رفع دفع ہوگئی، برائے مہربانی یہ بتلائے کہ مجھے مہر کتنا ادا کرنا ہے؟ شادی سے پہلے پنچ لوگوں نے گیارہ ہزار مہر طے کئے تھے، شادی کے دن نکاح سے ایک گھنٹہ پہلے پندرہ ہزار مہر طے کئے، نکاح کے وقت قاضی اور گواہان اکیس ہزار مہر طے کر کے لائے؛ لیکن جب مجھے نکاح کی رسید دی گئی، تو پچیس ہزار مہر لکھے تھے، اس میں آدھے مؤجل اور آدھے معجّل ہیں، یہ بھی فرمائیں کہ عدت کا خرچ کتنے دن کا اور کتنا دینا ہے۔

بیوی کا بیان: محترم جناب مفتی صاحب، میرے شوہر جناب اظہار الحسن صاحب نے جو لکھا ہے ہم دونوں کے باہمی مشورہ سے لکھا گیا ہے صحیح ہے، برائے مہربانی جلد جواب ارسال کیجئے گا، نوازش ہوگی۔

المستفتیہ: ناصرہ خاتون، عرف سلمیٰ بانو زوجہ اظہار الحسن، سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بہتر شکل تو یہ ہے کہ آپ اسی بیوی کے ساتھ نبھاؤ کریں، طلاق نہ دیں؛ لیکن اگر نبھاؤ نہیں ہو رہا ہے، حقوق زوجیت ادا نہیں ہو رہے ہیں، تو آپ کو

طلاق دینے کا حق ہے، قاضی اور گواہوں کی موجودگی میں نکاح کے وقت جو اکیس ہزار روپیہ مہر طے کیا گیا تھا وہی دینا لازم ہوگا ،اس کے علاوہ کا اعتبار نہ ہوگا

أو الأكثر منها إن سماه، والمتبادر التسمية وقت العقد. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ١٠٤/٣، زكريا ٢٣٥/٤)

مطلقہ بیوی کے نان ونفقہ کی ذمہ داری عدت کے گزارنے اور ختم ہونے تک ہے، اگر حائضہ ہے تو تین حیض آنے تک اور اگر بیوی کو حیض نہیں آتا، تو طلاق کے بعد تین ماہ مکمل ہونے تک ہے۔

وتلزمهٔ النفقة حتى تحيض ثلاثاً، أو تبلغ سن اليأس، وتمضي بعدهٔ ثلاثة أشهر. (شامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، كراچي ٦١٠/٣، زكريا ٣٣٤/٥)

نان ونفقہ کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے؛ بلکہ آپ کی آمدنی کی جو حیثیت ہے، اس کے اعتبار سے نہ آپ پر زور پڑے اور نہ اس کے خرچہ میں دقت پیش آئے اور اس درمیان میں صرف کھانے کا خرچہ دیا جائے گا، کپڑا بیماری وغیرہ کا خرچہ نہیں دیا جائے گا۔

ويعتبر في هذه النفقة ما يكفيها وهو الوسط من الكفاية وهي غير مقدرة؛ لأن هذه النفقة نظير نفقة النكاح، فيعتبر فيها ما يعتبر في نفقة النكاح. (هندية، زكريا ٥٥٨/١، جديد زكريا ديو بند ٦٠٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۶۶/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۳ھ

عدم نبھاؤ کی شکل میں طلاق کا طریقہ

سوال [۶۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جلیس نامی شخص کی شادی اب سے تقریباً تین ماہ قبل بڑے اہتمام کے

ساتھ ہوئی، لڑکی بھی پہلی بار دو تین روز اپنی سسرال میں رہی، لڑکی کے جانے کے بعد اگلے روز جلیس جو اس لڑکی کا شوہر ہے، اس کی طبیعت کی عجیب وغریب کیفیت ہوگئی، مثلاً دل کا بے انتہا دھڑکنا اور ادھر اُدھر کے عجیب وغریب خیالات کا پیدا ہونا اور بڑبڑانا، مثلاً ''شہناز کو ہم تیرے پاس نہیں چھوڑیں گے، اس کو طلاق دیدیں؛ کیونکہ وہ میری بیوی ہے ورنہ تجھ کو ماردیں گے'' جلیس یہ گفتگو اس وقت کرتا تھا؛ جبکہ اس کے اوپر دورہ پڑتا تھا، جلیس کی اس گفتگو کو یہ سمجھ کر کہ شاید ذہنی ٹینشن کا شکار ہو، جس کی وجہ سے اس طرح بڑبڑارہا ہے، دل ودماغ کے اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کو دکھلایا گیا؛ لیکن ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق سب کچھ نارمل اور صحیح نکلا؛ لیکن طبیعت صحیح ہونے کے بجائے مزید بگڑتی ہی گئی، مثلاً کمر میں بے حد درد کا ہونا اور ایسا محسوس ہونا کہ شاید کوئی کمر توڑ رہا ہو، لیٹرین میں نہایت تکلیف کے ساتھ خون کا آنا، بار بار گھر چھوڑ کر پاگلوں کی حالت میں کئی کئی روز کے لئے گھر سے باہر بھاگ جانا وغیرہ؛ اس لئے ڈاکٹروں کو دکھلانے کے بعد عاملوں کو دکھایا گیا، عاملوں میں بھی ان عاملوں کو جو پیشہ ور نہیں؛ بلکہ اپنے فن کے ماہر ہیں اور لوجہ اللہ کام کرتے ہیں، مثلاً لکھنؤ، دیوبند، مرادآباد، چاندپور اور اس کے علاوہ دیگر متعدد مقامات پر دکھلایا، وقتی طور پر کچھ فائدہ ہوا، اس کے بعد مزید تکلیف دہ دورہ پڑنے شروع ہوجاتے، تقریباً زیادہ تر عاملوں نے اپنے علاج کی مدت پوری کرنے کے بعد اور مرض قابو میں نہ آنے کے بعد یہی بات کہی کہ ہمارے مؤکل نے یہ بات کہی ہے کہ ''جو جن جلیس پر سوار ہے، اس کا یہ کہنا ہے کہ جلیس شہناز کو طلاق دےدے، ہم سلیمان علیہ السلام کی قسم کھاتے ہیں کہ جلیس سے ہم کچھ نہیں کہیں گے، ورنہ ہم اس کو ختم کردیں گے'' اور عاملوں نے یہ بات بھی کہی کہ ''جلیس پر عامل جن ہے، جب جب علاج ہوتا ہے وہ اس کی کاٹ کردیتا ہے''

واضح رہے کہ جلیس کے گھر والوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ شہناز کو طلاق دلوانا ہے؛ بلکہ یہی کوشش کی کہ گھر آباد ہوجائے، اور جلیس کی طبیعت صحیح ہوجائے اور لڑکی کو بلوالیا جائے؛ لیکن کوئی تدبیر بھی کارگر اور مفید ثابت نہیں ہوئی؛ بلکہ تکلیف اور پریشانی بڑھتی ہی گئی؛ اس

لئے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا مجبوری کی حالت میں جلیس کا اپنی بیوی شہناز کو طلاق دینا جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالغفار، سوار رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میاں بیوی میں اگر نباہ نہ ہوسکے، تو شرعاً طلاق دینے کی گنجائش ہے؛ لیکن اس بات کا خیال ضرور رہے کہ تین طلاق ہرگز نہ دے؛ بلکہ ضرورت کی وجہ سے صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے؛ اس لئے کہ ایک طلاق سے بھی بیوی کو آزادی مل جاتی ہے، عدت گزرنے کے بعد جہاں چاہے وہاں نکاح کرسکتی ہے اور یہ بھی گنجائش باقی رہتی ہے کہ سابقہ شوہر سے بھی نکاح ہوجائے۔

وأما وصفه فهو أنه محظور نظراً إلى الأصل، و مباح نظراً إلى الحاجة، كذا في الكافي. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل الاول، زكريا ١/٣٤٨، جديد زكريا ديوبند ١/٤١٥)

وأما الطلاق: فإن الأصل فيه الحظر بمعنىٰ أنه محظور إلا لعارض يبيحه، وهو معنىٰ قولهم: الأصل فيه الحظر والإباحة للحاجة إلى الخلاص. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب طلاق الدور، زكريا ديوبند ٤/٤٢٨، كراچي٣/٢٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ ؍ ۹۰۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۶؍۱۴۲۷ھ

نبھاؤ کی شکل مشکل ہو تو علیحدگی حاصل کرلیں

سوال [۶۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زوجین میں نااتفاقی کی وجہ سے اختلاف ہوتا رہتا ہے حتی کہ مار پیٹ بھی ہوگئی، اب

بیوی اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کر رہی ہے اور طلاق بھی مانگ رہی ہے اور شوہر طلاق دینے سے انکار کر رہا ہے؛ حالانکہ مہر کی بھی ادائیگی ہوچکی ہے؛ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ وضاحت کریں کہ طلاق کی کیا صورت ہوگی، اور مہر کا کیا مسئلہ ہوگا؟

المستفتی: ممتاز حسین، چوراہا جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً میاں بیوی میں نبھاؤ کی شکل نکالنے کی کوشش کریں، اگر نبھاؤ کی کوئی شکل نہ نکل سکے تو معتبر لوگوں کو بیچ میں ڈال کر اچھے انداز سے علیحدگی کی شکل اختیار کرلیں، اگر طلاق دیں تو صرف ایک طلاق دیں تین طلاق نہ دیں، ایک طلاق کے بعد جب عدت پوری ہوجائے گی، تو عورت خود بخود آزاد ہوجائے گی اور جہاں چاہے دوسرا نکاح کرسکتی ہے، آپس کی رضامندی سے پہلے شوہر سے بھی دوبارہ نکاح کرسکتی ہے اور اگر شوہر طلاق سے انکار کرے اور نباہ کی گنجائش نہ ہو تو مالی فدیہ دے کر خلع حاصل کرلیں۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ما يستحب من طلاق و كيف هو؟ مؤسسة علوم القرآن بيروت ٩/٥١٢، رقم: ١٨٠٤٠، مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب وجه الطلاق وهو طلاق العدة و السنة، المجلس العلمي بيروت ٦/٣٠٢، رقم: ١٠٩٢٦)

الأحسن أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه، ويتركها حتى تنقضي عدتها. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، ٢/٣٥٤، هندية، زكريا ١/٣٤٨)

طلقة رجعية فقط في طهر لا وطء فيه، وتركها حتى تمضي عدتها أحسن. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/٢٣١، زكريا ٤/٤٣٢)

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ. الآیة
[البقرہ:۲۲۹]

وإن تشاقا الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلابأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها. (هداية، اشرفي ديوبند۲/۴۰۴، هندية، زكريا ۱/۴۸۸، جديد زكريا ديوبند ۱/۵۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۱۰۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۴/۱۴۳۱ھ

والدین کے ساتھ مار پیٹ کرنے والی لڑکی کو طلاق دینا کیسا ہے؟

سوال [۶۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی منکوحہ لڑکی اپنے باپ کو مار لگاتی ہو، تو اس لڑکی کے لئے شرعی سزا کیا ہے، اس کا یہ فعل بیجا دیگر تمام مذاہب کے نزدیک بھی قابل جرم ہے، اور پھر مذہب اسلام میں تو شرعی سزا بھی؟

(۲) اگر اس کا شوہر اس فعل بیجا سے نفرت کر کے طلاق دے دے تو کیا حکم ہے علماء دین کا؛ کیونکہ کوئی شریف آدمی یا تعلیم یافتہ مسلم گھرانا اسے رکھنا قطعی پسند نہیں کرتا۔

(۳) اگر ایسی لڑکی کسی اولاد کی تربیت کرے، تو وہ بھی غلط ہوگا؛ کیونکہ اپنی اولاد کو بھی یہی سکھائے گی، تو وہ بھی اپنے باپ کو مارے گا، گولی، بارود کی تعلیم وتربیت دے گی، کیا فرماتے ہیں علمائے دین؟

المستفتی: محمد عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ماں باپ کی عزت کرنا اولاد پر فرض ہے، ان کو

مارنا تو درکنار ان کے ساتھ بدتمیزی اور بدکلامی بھی گناہ کبیرہ کا باعث ہے۔ احادیث میں اس کی سخت وعید آئی ہے، ایسی لڑکی سخت گنہگار ہے؛ تاوقتیکہ وہ اپنے والد سے معافی نہ مانگ لے،سلطنت اسلامی ہوتی تو حاکم وقت ایسی لڑکی کو تعزیراً سخت سزا دیتا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۲/۲۶۴)

عن عبد الرحمن بن أبي بكرة عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أحدثكم بأكبر الكبائر؟ قالوا: بلىٰ يا رسول الله! قال: الإشراك بالله وعقوق الوالدين الخ. (ترمذي شريف، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في الوالدين، النسخة الهندية ۲/ ۱۲، دارالسلام رقم:۱۹۰۱)

وعن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من الكبائر أن يشتم الرجل والديه. (ترمذي شريف، النسخة الهندية ۲/ ۱۲، دارالسلام رقم:۱۹۰۲)

(۲) ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی گذارنا مشکل ہو اور آپسی تعلقات میں رنجش آگئی ہو، تو اس کو طلاق دینا مباح ہے؛ لیکن اس کو طلاق دینے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق دے دے کہ اگر دوران عدت وہ اپنے گناہ پر نادم ہوکر توبہ کرلیتی ہے تو رجوع کرنے کا حق باقی رہے۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ما يستحب من طلاق و كيف هو؟ جديد مؤسسة علوم القرآن بيروت۹/ ۵۱۲، رقم: ۱۸۰۴۰، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/ ۳۰۲، رقم:۱۰۹۲٦)

أحسن الطلاق في ذوات القرء أن يطلقها طلقة واحدة رجعية في طهر لا جماع فيه ولا طلاق ولا في حيضة طلاق ولا جماع ويتركها حتى تنقضي عدتها ثلاث حيضات. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، زكريا ۳/ ۱٤۰)

فالأحسن أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه، ويتركها حتى تنقضي عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳٥٤)

أما الأحسن: أن يطلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي العدة. وروي عن إبراهيم أن أصحاب النبيﷺ كانوا يستحبون أن لا يزاد في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند٤ /٣٧٨، رقم:٦٤٧٢)

(۳) اگر اولاد کو ایسی عورت کی تربیت میں دینے سے ان کے مذہب یا اخلاق پر اثر پڑ سکتا ہو، تو ان کو اس عورت کی تربیت میں نہ دے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۱/۱۰۷)

إن الحاضنة إن كانت فاسقة فسقاً يلزم منه ضياع الولد عندها سقط حقها.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الحضانة، زكريا ٥/ ٢٥٤، كراچي ٣/ ٥٥٧، البحر الرائق، كوئٹه ٤/ ١٦٧، زكريا ٤/ ٢٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۷/ ۱۴۱۷ھ

کیا پاگل بیوی کو طلاق دے سکتے ہیں؟

سوال [۶۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی محمد طاہر کی کچھ عرصہ پہلے شادی ہوئی تھی، کچھ وقت بعد پتہ چلا کہ وہ ذہنی طور سے پاگل ہے، علاج وغیرہ کرایا گیا، کچھ خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوا، اب وہ اپنے گھر میکہ میں رہ رہی ہے، میرا بھائی اس کو طلاق دینا چاہتا ہے، کیا ایسے میں طلاق دی جا سکتی ہے؟

المستفتی: غلام محمد، بارہ دری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس بات کا قوی امکان ہے کہ ذہنی طور پر بیوی کے پاگل ہونے کی وجہ سے شوہر کا اپنی اہلیہ کے ساتھ رہنا انتہائی مشکل ہے۔ نیز ان حالات میں صحیح طور پر جانبین سے حقوق زوجیت کی ادائیگی بھی نہیں ہو سکتی ہے، تو ایسی صورت میں شوہر

محمد طاہر کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر اپنی زوجیت سے آزاد کردے، تاکہ مزید اختلاف وانتشار پیدا نہ ہو۔

ومنها أي من محاسنه جعله بيد الرجال دون النساء لاختصاصهن بنقصان العقل وغلبة الهوىٰ ونقصان الدين. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في طلاق الدور، كراچي ۳/۲۲۹، زكريا ٤/٤٢٩)

وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر بمعنىٰ أنه محظور إلا لعارض يبيحه......وإن أراد الخلاص عند الحاجة إليه فهو المطلوب. (در مختار مع الشامي، كراچي ۳/۲۲۸، زكريا ٤/٤٢٨)

إذا طلق المخاطب المكلف امرأته وقع الطلاق كالعاقل البالغ. (تاتار خانية ٤/٣٩٢، رقم: ٦٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۵۷۶/۳۹)	۱۴۳۳/۱/۸ھ

بے نمازی بیوی کو طلاق دینا

سوال [۷۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص کی بیوی ہے اور وہ نماز ادا نہیں کرتی یعنی نماز کی پابند نہیں، تو کیا اس کو طلاق دے سکتے ہیں اور اس کو اس حالت میں طلاق دینا ثواب کی چیز ہے؟ یعنی اس کو طلاق دے دیں تو بہت ثواب ملے گا؟

المستفتی: پیش امام، جامع مسجد، مدھیہ پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بے نمازی بیوی کو اولاً سمجھائے اور اس کو نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ کرے، اگر سمجھانے سے بھی راہ راست پر نہ آئے، تو بھی اسے طلاق دینا ضروری نہیں

ہے؛ البتہ اگر بلا زوجہ صبر کرسکتا ہے اور ادائے مہر کی بھی قدرت ہے، تو بہتر ہے کہ طلاق دیدے، ورنہ طلاق نہ دے، فقہاء نے وجوب کی نفی فرمائی ہے۔

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء، زکریا ۹/ ۶۱۱، کراچي ۶/ ۴۲۷)

إذا اعتادت الزوجة الفسق علیه الأمر بالمعروف والنهي عن المنکر والضرب فیما یجوز فیه، فإن لم تنزجر لا یجب التطلیق علیه؛ لأن الزوج قد أدی حقه والإثم علیه، هذا مااقتضاه الشرع، وأما مقتضي غایة التقویٰ، فهو أن یطلقها؛ لکن جواز الطلاق إنما هو إذا قدر علی أداء المهر وإلا فلا یطلقها. (نفع المفتي و السائل ص:۱۱۸)

نیز اگر بے نمازی بیوی سے اولاد موجود ہے، تو اس کو طلاق دینا بہتر نہیں ہے؛ اس لئے کہ طلاق فی نفسہ امر مبغوض بھی ہے۔

عن ابن عمر أن النبي صلی الله علیه قال: أبغض الحلال إلی الله الطلاق. (سنن أبي داؤد، کتاب الطلاق، باب کراهیة الطلاق، النسخة الهندیة ۱/ ۲۹۶، دارالسلام رقم:۲۱۷۸، سنن ابن ماجه، أبواب الطلاق، النسخة الهندیة ص:۱۴۵، دارالسلام رقم:۲۰۱۸، مشکوة ۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۸/۶ھ

حقوق زوجیت ادا نہ کرنے والی عورت سے نبھاؤ

سوال [۲۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکے نے شادی کی، جب وہ اپنی بیوی سے ملنے کے لئے گیا، تو لڑکی نے رونا چلانا اور شوہر سے جھگڑنا شروع کردیا۔

الغرض شوہر اپنی مرضی سے اپنی خواہش پوری کرنے سے عاجز ہے، نیز جب چاہتی ہے بلا اجازت شوہر میکہ چلی جاتی ہے اور جب چاہتی ہے کسی کو اطلاع دیئے بغیر واپس آجاتی ہے، تو کیا ایسی صورت حال میں لڑکی کو طلاق دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کیا صورت اختیار کریں؟

المستفتی: محمد موسیٰ، محلّہ: قریشی امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً ایسی عورت ناشزہ اور نافرمان ہے، اس کو سمجھایا جائے اور زوجین کے حقوق کیا ہیں اس سے مطلع کیا جائے، تاکہ کسی طرح نبھاؤ ہوجائے، پھر بھی اگر یکجا بود و باش اور باہمی اتحاد کی کوئی شکل نہ نکلے تو مرد بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، اس معاملہ میں اس کے ذمہ کچھ گناہ نہیں؛ بلکہ یہی شکل بہتر ہے، مگر تین طلاق نہ دے؛ بلکہ ایک دے دے، تین دینا گناہ ہے ورنہ بعد میں پریشانی بھی ہوتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/۴۰، ایضاً ۹/۳۴)

إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما، فإن لم يصطلحا جاز الطلاق، والخلع. (شامي، كتاب الطلاق، باب الخلع، زكريا ديوبند ٥/٨٧، كراچي ٣/٤٤١)

وطلاق البدعة: أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدةٍ –إلى– وقع الطلاق وكان عاصياً. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٥٥)

وفي شرح الطحاوي: إذا وقع بينهما اختلاف فالسنة أن يجتمع أهل الرجل والمرأة ليصلحا بينهما، فإن لم يصلحا جازله الطلاق والخلع. (مجمع الأنهر قديم ١/٤٤٦، جديد دارالكتب العلمية ديوبند ٢/١٠٢، تاتارخانية، زكريا ٥/٥، رقم: ٨٠٧٢)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا دعا الرجل

امرأته إلى فراشه فأبت فبات غضبان لعنتها الملائكة حتى تصبح. (صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم آمين والملائكة في السماء آمين، النسخة الهندية ۱/ ۴۵۹، رقم:۳۱۳۳، ف: ۳۲۳۷، مشکوۃ شریف ص: ۲۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۳۶/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۹ھ

بیوی پسند نہ آنے پر طلاق

سوال [۶۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو اپنی بیوی پسند نہیں ہے، اسی وجہ سے دونوں کے درمیان بہت زیادہ نااتفاقی بھی رہتی ہے، زید اسی بناء پر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے، تو کیا شریعت میں مذکورہ وجہ کی بناء پر زید کو طلاق دینے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالجبار، دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے یا بیوی پسند نہ آنے کی وجہ سے بیوی کا حق ادا نہیں ہو رہا ہے اور آئندہ بھی حالات بہتر ہونے کی صورت نظر نہیں آرہی ہے، تو ایسے حالات میں اس کے زیورات، مہر، سامان جہیز سب چیز دے کر عزت کے ساتھ ایک طلاق دے کر الگ کر دینے کی گنجائش ہے تاکہ عدت کے اندر رجعت کی گنجائش ہو اور عدت کے بعد نکاح کی گنجائش ہو اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو لڑکی بھی کسی دوسری جگہ نکاح کر کے باعصمت زندگی گذار سکے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: **وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيُ ذٰلِكَ اِنُ اَرَادُوُا اِصُلَاحًا. الآية** [سورة البقرة: ۲۲۸]

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۹/ ۵۱۲، رقم: ۱۸۰۴۰، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/ ٣٠٢، رقم: ١٠٩٢٦)

أما الأحسن: أن يطلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي العدة، وروي عن إبراهيم أن أصحاب النبي كانوا يستحبون أن لا يزاد في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٧٨، رقم: ٦٤٧٢، هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۵۷۸)

بدفعلی کے شبہ پر طلاق

سوال [۶۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی گونگی بہری ہے نہ سن سکتی ہے نہ بول سکتی ہے وہ غصہ میں گھر سے چلی گئی، ہم نے اس کو بہت تلاش کیا، تلاش کرنے پر ۲۲؍روز میں پتہ چلا ہم وہاں گئے، وہ وہاں پر تھی، انہوں نے بتایا کہ ۲۲؍روز سے ہمارے گھر پر ہے، ہم نے اس کو اپنی لڑکی بنا کر رکھا ہے اوران کے لڑکے نے بتایا کہ ہم نے اس کو اپنی بہن بنالیا ہے، ہم اس کو اپنے گھر لے آئے، صبح ۹؍بجے کے قریب گھر سے نکلی تھی، اور دوپہر ۳؍بجے وہاں پہونچ گئی اور میں امامت کرتا ہوں۔ تو اب آپ بتائیں کہ میں امامت کروں یا نہ کروں؟ اس کو رکھوں یا نہ رکھوں؟ نا تو وہ کسی کے ساتھ گئی تھی، نہ وہ بدچلن ہے، نہ اور کوئی بات ہے، بس ایسے لوگوں کو غصہ زیادہ ہوتا ہے، وہ غصہ میں چلی گئی، جس دن گھر سے گئی اسی دن وہاں پہونچ گئی تھی، اسکے پاس دو

بچے ہیں، ایک لڑکا ایک لڑکی، چھوٹے لڑکے کو ساتھ لے گئی تھی۔

المستفتی: حافظ شمشاد حسین، سیوہارہ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی بدچلن نہیں اور گھر سے تقریباً ۲۲؍روز غائب رہی اس کو پناہ دینے والے نے اسے بیٹی اور بہن بنا کر رکھا، تو ایسی صورت میں بیوی پر بدفعلی کا شبہ نہ کرنا چاہئے، خصوصاً جبکہ بیوی نیک پارسا بھی ہے؛ لہٰذا اس کو طلاق نہ دے؛ اس لئے کہ فاجرہ بیوی کو بھی طلاق دینا لازم نہیں ہے اور اس کو رکھنے سے آپ کی امامت میں کسی قسم کی کوئی خرابی بھی لازم نہیں آئیگی۔

لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ و لاعلیھا تسریح الفاجر، إلا إذا خافا أن لا یقیما حدود اللّٰہ فلا بأس أن یتفرقا (مجتبیٰ) والفجور یعم الزنا وغیرہ. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء، فصل في البیع، کراچي ٦/٤٢٧، زکریا دیوبند ٩/٦١١)

لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ، ولا علیھا تسریح الفاجر، إلا إذا خافا أن لا یقیما حدود اللّٰہ فلا بأس أن یتفرقا. (البحر الرائق، کوئٹہ ٣/١٠٧، زکریا ٣/١٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۰۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍۳؍۱۴۲۰ھ

پھوپھی کی عادت خراب ہونے کی وجہ سے بھتیجی کو طلاق دینا

سوال [۶۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنے لڑکے آصف کی شادی ۵؍سال کی عمر میں اپنے بھائی یونس کے سالے کی لڑکی سے کیا تھا، ابھی آصف کی عمر ۹؍سال ہے، ہم دونوں بھائی ساتھ ہیں کاروبار

قیام و طعام سب ایک ہی جگہ ہے، یونس کی زوجہ زبان دراز بد اخلاق ثابت ہوئی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا اور گالی گلوج کرنا گویا اس کی فطرت ثانیہ ہے، جس سے سب پریشان اور ذہنی الجھن میں پھنسے ہیں۔ مزید یہ عورت بار بار یہ بھی کہتی ہے کہ میری بھتیجی کا رشتہ ختم کرنا چاہو تو ختم کر دو، اس عورت کے چال چلن اور بداخلاقی کو دیکھ کر ہم نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس رشتہ کو ختم کر دیں؛ اس لئے کہ اس بچی کی پھوپھی کے جب ایسے عادت واطوار ہیں تو اس کی بھی بڑے ہو کر ایسی ہی عادتیں ہو جائیں گی، ہر چھوٹا اپنے بڑے کے نقش قدم پر چلتا ہے، تو آپ تحریر فرمائیں کیا یہ رشتہ ختم ہوسکتا ہے؛ جبکہ لڑکے کی عمر ۹ر سال ہے، اور کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

المستفتی: عثمان غنی (رجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ ضروری نہیں ہے کہ بھتیجی کی عادت پھوپھی کی طرح ہو؛ اس لئے محض اندیشہ کی وجہ سے عقد نکاح ختم کر دینا کسی طرح مناسب نہیں ہے، بعض دفعہ پھوپھی بھتیجی میں بھی تعلقات باقی نہیں رہتے۔

عن عمرو بن یحییٰ المازني عن أبیه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لا ضرر و لا ضرار. (مؤطا امام مالك، کتاب الاقضیة، القضاء في المرفق، اشرفي دیوبند ۱ ؍ ۳۱)

لا ضرر و لا ضرار. (الأشباہ، قدیم مطبع دارالعلوم دیوبند ۱۳۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹ ؍ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ ؍ ۳۸۵۷)	۹ ؍ ۲ ؍ ۱۴۱۵ھ

شوہر کی جان لینے کے درپے ہونے والی بیوی کو طلاق دینا

سوال [۶۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میری بیوی کے ناجائز تعلقات ایک لڑکے شبو سے ہوگئے ہیں، میں نے اسے اپنے گھر آنے سے منع کیا، تو میرے اوپر پستول کے ذریعہ فائر کردیا اور وہ میرے قتل کے در پے ہے، میری بیوی بھی اسی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، میری دشمن ہے، وہ کسی وقت بھی مجھے مروا سکتی ہے، اس معاملہ کے محلّہ کے لوگ بھی گواہ ہیں، تو اس طرح غیر مرد سے بیوی کو تعلقات رکھنا شرعاً کیسا ہے؟ اور ایسی عورت کو رکھنا چاہئے یا چھوڑ دینا چاہئے شرعی حکم کیا ہے؟ میرے پانچ بچے بھی ہیں۔

المستفتی: سلیم خاں، محلّہ: کنور صاحب والی گلی، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی بد دین عورت کو طلاق دینے کی شرعاً اجازت ہے، مگر صرف ایک طلاق دے، تین طلاق نہ دے۔

لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة و لاعليها تسريح الفاجر، إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا، والفجور يعم الزنا وغيره.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي٦/٤٢٧، زكريا ديوبند ٩/٦١١، البحر الرائق، كوئٹه ٣/١٠٧، زكريا ٣/١٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۷۶/۳۳)

نافرمان بیوی کو طلاق

سوال [۶۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی بیوی نافرمان ہے، حقوق زوجیت ادا نہیں کرتی ہے، تو ایسی صورت میں وہ بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟ حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی: محمد قاسم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بیوی شوہر کی نافرمان ہو، حقوق زوجیت ادا نہ کرتی ہو اور تمام شرعی تنبیہات کے بعد بھی اپنی بری عادتوں کو بدلنے کے لئے تیار نہ ہو، تو ایسی عورت کو طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں اور صرف ایک طلاق دی جائے؛ اس لئے کہ صرف ایک طلاق سے بھی فرقت واقع ہوجاتی ہے اور بعد میں تعلقات صحیح ہو جائیں تو نکاح کرنا بھی آسان ہوجائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۹/۳۸، محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۱۶۶، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۸/۴۱)

وإیقاعه مباح عند العامة لإطلاق الآیات...... بل یستحب لو مؤذیة، أو تارکة صلاة (وتحته) لو موذیة أطلقه، فشمل المؤذیة له، أو لغیره بقولها أو بفعلها، أو تارکة صلاة:-مفاده أي مفاد استحباب طلاقها. (شامي، کتاب الطلاق، زکریا ٤/٤٢٨، کراچي ٣/٢٢٧، البحرا الرائق، کوئٹه ٣/٢٣٧، زکریا ٣/٤١٤)

حکمًا من أهله وحکما من أهلها ویؤکل الزوج حکمه في طلاق وقبول عوض علیه. (جلالین ص:٧٦)

قال سعید بن جبیر: الحکم أن یعظها أولا، فإن قبلت وإلا هجرها، فإن هي قبلت وإلا ضربها، فإن هي قبلت وإلا بعث الحاکم حکماً من أهله وحکما من أهلها، فینظران ممّن الضرر و عند ذلک یکون الخلع. (تفسیر قرطبي بیروت ٥/١١٥، تحت سورة النساء، الآیة:٣٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۶۰)

نافرمان بیوی کو طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو اپنی بیوی پر بدکاری کا شبہ ہے، اور قرائن اس طرح کے ہیں کہ بالکل حقیقت

ہے ادھر بڑے بیٹے کا حال جو دنیاوی اعلیٰ تعلیم حاصل کررہا ہے یہ ہے کہ باپ کو بندوق کی گولی مارنے کی دھمکی دے رہا ہے، اسی طرح ایک جوان لڑکی ہے، جو پابند صوم وصلوۃ وذکر ہے؛ لیکن اس نے ایک روز بیمار باپ کا گلا دبایا، بیوی اورلڑکا بھی مارنے پر آمادہ ہوگئے، اب زید کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ کہیں موقع پاکر بیوی اور بچے اس کو قتل نہ کردیں یا کسی اورطرح سے اس کو ہلاک نہ کردیں ایسی صورت میں کیا بیوی کو طلاق دینا ضروری ہے یا صرف علیحدہ دوسری جگہ منتقل کردینا بھی کافی ہے اورلڑکے کو وصیت وغیرہ کے ذریعہ عاق کردینا کیسا ہے، اسی طرح ایسی نافرمان لڑکی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر سید احمد، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگرواقعتاً بیوی اوراولادنافرمانی پر اتری ہوئی ہیں، تو ایسی صورت میں نافرمان بیوی کوطلاق دینے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۱۴۰/۳، جدید زکریا ۲۵۷/۸، فتاوی محمودیہ قدیم ۴۲۹/۱۱، جدید ڈابھیل ۱۶۶/۱۲، فتاوی دارالعلوم ۴۱۵/۸)

ویجب أي الطلاق لوفات الإمساک. (در مختار علی الشامي، کتاب الطلاق کراچي ۲۲۹/۳، زکریا ٤۲۹٤)

اسی طرح نافرمان بچوں کواپنی جائیداداور مال ودولت سے محروم کرنے کاارادہ ہے، تواس کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ اپنی جائیداد اپنی فرماں برداراولاد کے نام ہبہ کرکے قبضہ دے دیں اور مرتے وقت اپنی ملکیت میں کچھ بھی باقی نہ رکھیں، تو ایسی صورت میں نافرمان اولاد مرنے کے بعد محروم ہوجائے گی۔ (مستفاد: امدادالمفتیین ۱۰۳۹)

وتتم الهبة بالقبض الکامل. وفي الشامية: یشترط قبل الموت.

(در مختار علی الشامي، کتاب الهبة، کراچي ٦۹۰/٥، زکریا ٤۹۳/۸)

لا بـأس بـأن يعطي من أولاده من كان عالماً متأدبًا و لا يعطي منهم مـن كان فاسقاً فاجراً . (مـجـمع الأنهر، قديم ۲ /۳۵۸، جديد دارالكتب العلمية بيروت و مكتبه فقيه الأمت ديو بند ۳ /۴۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۷۲۵۲)

نافرمان، بدتمیز بیوی کوطلاق دینا

سوال [۶۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی مسماۃ خوش نصیب عرف مسیبہ میری مرضی کے بغیر ادھر اُدھر آنا جانا رکھتی ہے اور منع کرنے کے باوجود نہیں مانتی۔ نیز گھر میں گالم گلوچ اور لڑائی جھگڑا ہمیشہ کرتی رہتی ہے بڑوں چھوٹوں کا بھی کوئی خیال نہیں رکھتی ہے؛ بلکہ بڑوں کی بےعزتی پر بھی اتر آتی ہے اور میری بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتی ہے اور نہ کہنا مانتی ہے اور بچوں کیساتھ میں بھی بہت برا سلوک اور مار پیٹ کرتی ہے اور گھر کا سامان بھی اپنے ماں باپ کو اور روپئے وغیرہ بھی بغیر مجھ سے اجازت کے دے دیتی ہے اور منع کرنے پر اڑ جاتی ہے، میری کسی بات کو اور کسی حکم کو نہیں مانتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس بیوی کو ہم طلاق دینا چاہتے ہیں اور بیوی کہتی ہے کہ ابھی میں حمل سے ہوں، تو طلاق دینے کے لئے اور اس سے ساتھ چھڑانے کے لئے کس طرح طلاق دی جائے اور کون سی؟ حالت حمل میں یا اس کے بعد؟ اور مجھے اس کے حمل کے بارے میں شک ہے؛ کیونکہ بظاہر حمل کے اثرات نظر نہیں آرہے ہیں، تو اب کیا صورت ہوگی؟ طلاق کے بعد مہر اور نفقۂ عدت کے لئے میں تیار ہوں۔

المستفتی: قمر ریاض، بارہ دری، سرائے حسین بیگم، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں شوہر کو طلاق دینے کا اختیار ہے؛ البتہ بہتر یہی ہے کہ مزید کچھ دن عورت کو اور سمجھاتا رہے مگر پھر بھی اگر نبھاؤ کی کوئی شکل نظر نہ آئے، تو طلاق دے کر اپنے نکاح سے علیحدہ کر دینا مستحب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۹/۳۶)

قوله الأصل فيه الحظر معناه أن الشارع ترك هذا الأصل فأباحه؛ بل يستحب لو مؤذية، أو تاركة صلوة. (الدر المختار، كتاب الطلاق، كراچي ٣/٢٢٧، زكريا ٤/٤٢٨، مطبوعه كوئٹه ٢/٤٥١)

ولا يجب على الزوج تطليق الفاجرة و لاعليها تسريح الفاجر، إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. (الدر المختار، كراچي ٦/٤٢٧، زكريا ٩/٦١١، مطبوعة كوئٹه ٢/٣١٨)

اگر طلاق دینا ہو تو ایک طلاق دے کر چھوڑ دیں یہی مستحسن ہے۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٩/٥١٢، رقم: ١٨٠٤٠، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/٣٠٢، رقم: ١٠٩٢٦)

أما الأحسن: أن يطلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي العدة. وروي عن إبراهيم أن اصحاب النبيؐ كانوا يستحبون أن لا يزاد في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم من أن يطلق الرجل امرأته ثلاثاً عند كل طهر تطليقة. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/٣٧٨، رقم: ٦٤٧٢)

فالأحسن: أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه، ويتركها حتى تنقضي عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٥٤)

حالت حمل میں طلاق دینا مناسب نہیں ہے؛ لیکن اگر طلاق دے گا تو واقع ہوجائے گی۔

وطلاق الحامل یجوز عقیب الجماع. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۵۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳ ر ۶۶۴)

کیا نافرمان بیوی کو طلاق دے سکتے ہیں؟

سوال [۶۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی ریشمہ رانی جس کے بطن سے میرے پانچ بچے ہیں، جن میں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، سب سے چھوٹی بیٹی کی عمر دس سال ہے اور بڑے لڑکے کی عمر چودہ سال ہوگئی ہے، شروع ہی سے ریشمہ رانی روزہ نماز سے بہت دور ہے، بار بار کہنے پر بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ میرے نماز اور روزہ کا کوئی احترام کرتی ہے، گھر میں ٹیلی ویژن چل رہا تھا، میں نے کہا میں نماز پڑھ رہا ہوں اس کی آواز آہستہ کردو، اس نے اس کی آواز کو اور تیز کردیا۔

اب عرصہ تقریباً آٹھ سال سے وہ بہت بگڑ گئی ہے، نافرمانی حد سے تجاوز کر چکی ہے، میری اجازت کے بغیر جہاں اس کا جی چاہے جاتی ہے، جیسے ہی میں گھر سے باہر نکلتا ہوں فوراً وہ گھر میں تالا ڈال کر چلی جاتی ہے اور دن بھر غائب رہتی ہے، معلوم کرنے پر منھ زوری کرتی اور گندی گندی گالیاں سناتی ہے، غیر مردوں سے اس کے ناجائز تعلقات ہوگئے ہیں اور اب اس کے پاس موبائل بھی موجود ہے، کس نے دیا کہاں سے آیا نہیں معلوم، باپ کو غریب بتاتی ہے، وہ بھی بردہ فروش ہے، جہاں موبائل کی گھنٹی بجی اس نے تیاری شروع کردی اور اب میری موجودگی کی پرواہ کئے بغیر برقع اوڑھ کر چلی جاتی ہے، معلوم کرنے پر

گندی گندی گالیاں سناتی ہے اور کہتی ہے جس وقت میں چاہوں گی تجھے جان سے ختم کروادوں گی ،بس میرے بیچ مت بولنا اس کے ماں باپ سے شکایت کرنے سے کچھ نتیجہ نہیں وہ جو کچھ کررہی ہے وہ ان کی عین مرضی کے مطابق ہے، میرے پڑوس کا ایک نوجوان لڑکا جس کا نام اشرف ہے، اس سے ریشمہ کے ناجائز تعلقات ہیں، جس مکان میں میں رہتا ہوں،اس کی چھت ٹوٹنے کے سبب ٹپک رہی تھی، جس کی وجہ سے میرے گھر کے قریب مسجد میں میں بچوں کو لے کر سوجایا کرتا تھا، ایک دن اچانک رات کے بارہ بجے میں کسی ضرورت سے گھر میں گیا، تو وہاں اشرف کو اس کے پاس موجود پایا، وہ دیکھ کر دیوار کے سہارے اتر کر اپنے کارخانے میں چلا گیا، یہ تو بہت بعد میں اس کی آوارگی کے ثبوت مجھے آٹھ سال پہلے ہی مل چکے ہیں، جس دن سے مجھے اس کی حرام کاری، زنا کاری کا یقین ہوا ہے، اس دن سے ہی میں نے اس سے جنسی تعلق بالکل ختم کر دیا ہے، بچوں کو بغیر گالی کے آواز نہیں دیتی ہے، صبح کے دس بجے سو کر اٹھتی ہے، گھر کا کوئی کام دلچسپی سے نہیں کرتی، دیر سے اٹھنے کی وجہ سے بچوں کا اسکول جانا بھی ختم ہو گیا ہے، اس کی حرام کاریوں کے اثرات سے میرا کاروبار بھی ختم ہو گیا ہے، فاقہ کشی کی شکایت دنیا بھر میں کرتی پھر رہی ہے، چیخ چیخ کر بولنا ننگا پن دکھانا اس کی فطرت بن چکی ہے، ایسی صورت میں اگر میں گھر سے نکالنے کی بات کرتا ہوں، تو وہ پولس کی دھونس دیتی ہے اور کہتی ہے کہ میں تیرے خلاف کیس بنادوں گی ،ایسی عورت کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، بعد طلاق کے کیا اس کا نان ونفقہ مجھ پر واجب ہے یا نہیں؟

(۲) اس کی آوارگی کے پیش نظر کیا وہ کسی بچے کو اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ چھوٹی لڑکی کی عمر دس سال، دوسری لڑکی کی عمر گیارہ سال ہے۔

المستفتی: محمد شمیم، محلّہ: بھٹی، مسجد بڑھ والی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نافرمان اور گنہگار بیوی کو طلاق دینا شریعت میں لازم

نہیں؛ لہٰذا شرعی اعتبار سے آپ کو اپنے حالات کے مناسب فیصلہ کرنے کا مکمل حق حاصل ہے، اگر نبھاؤ کی شکل نہ ہو، تو طلاق دینے کی گنجائش ہے اور ازخود طلاق دینے کی صورت میں عدت کا خرچہ (تین ماہواری گذرنے تک کا نان ونفقہ) ادا کرنا لازم ہوگا اور بچوں کے اس کے ساتھ رکھنے کی صورت میں اگر ان کے بگڑ جانے کا خطرہ ہو، تو آپ بچوں کو اس سے علیحدہ کرسکتے ہیں۔

لایجب على الزوج تطليق الفاجرة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء، فصل في البيع، زكريا٩/ ٦١١، كراچي٦/٤٢٧)

وأما الطلاق......سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالىٰ. (شامي، زكريا ٤/٤٢٨، كراچي ٣/٢٢٨)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة، والسكنى في عدتها رجعياً، كان أو بائناً. (هدية، اشرفي ديوبند ٢/٤٤٣)

تثبت للأم إلا أن تكون فاجرة فجورا يضيع الولد به، وتحته في الشامية: لاشتغال الأم عن الولد بالخروج من المنزل ونحوه. (شامي، باب الحضانة، كراچي ٣/٥٥٦، زكريا٥/٢٥٣)

أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة غير مأمونة. (هندية قديم زكريا ١/٥٤١، الباب السادس عشر في الحضانة، جديد زكريا ديوبند ١/٥٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۳۰۲/۳۹)

کیانافرمان اور بدتمیز بیوی کو طلاق دے سکتے ہیں؟

سوال [۶۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی کو ہمبستری سے دور ہوئے قریب ۱۲-۱۳/ سال ہوچکے ہیں، کبھی کوشش بھی کرتا ہوں تو گالیاں دیتی ہے اور بدکلامی سے پیش آتی ہے، نہ کھانا دیتی ہے نہ پانی، شروع سے ہی صبح کو چائے بنانا، بچوں کو اسکول بھیجنا میرا ہی کام رہا، دس گیارہ بجے سو کر اٹھتی ہے، ٹی وی ایک بجے تک دیکھتی ہے، بغیر اجازت آنا جانا کرتی ہے، جب سے آئی ہے زندگی میں طوفان آ گیا ہے، بزنس ختم ہوگیا ہے، میرے خلاف بچوں کو ابھارتی ہے، میں اس سے تنگ آچکا ہوں، تو کیا ایسی عورت کو طلاق دیدوں؟ آپ ہمیں فتویٰ تحریر کردیں، شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد سلیمان خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے اور بیوی کے درمیان نبھاؤ کی کوئی شکل نہیں ہے اور ایک گھر میں رہتے ہوئے بارہ تیرہ سال سے مستقل علیحدگی کی شکل ہے اور بیوی کسی طرح شوہر کا حق ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، تو ایسی صورت میں اس بیوی کو طلاق دینے کی گنجائش ہے اور بہتر ہے کہ تین طلاق نہ دیں، صرف ایک طلاق یا زیادہ سے زیادہ دو طلاق دے دیں؛ اس لئے کہ ایک طلاق سے بھی علیحدگی حاصل ہوجاتی ہے اور اس کے بعد دوسرا نکاح کر کے باعصمت زندگی گزار سکتے ہیں۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ. [سورة البقرة: ۲۲۹]

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى

تـحيض ثلاث حيض. (مـصـنف ابـن أبـي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٩/ ٥١٢، رقم: ١٨٠٤٠، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/ ٣٠٢، رقم: ١٠٩٢٦)

الأحسـن: أن يـطـلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي الـعـدة. وروي عن إبراهيم أن أصحاب النبي كانوا يستحبون أن لا يزاد في الـطـلاق عـلى واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم. (التـاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/ ٣٧٨، رقم: ٦٤٧٢)

فالأحسن: أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه، ويتركها حتى تنقضي عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/ ربیع الثانی ١۴٣۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴٠/ ١١۴٩٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٠/ ۴/ ١۴٣۵ھ

حقوقِ زوجیت ادا نہ کرنے والی کو طلاق

سـوال [٦٠٣٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر دولہن کے گھر والوں نے اس کی دماغی بیماری کو چھپا کر دھوکہ دے کر شادی کی ہو، تو یہ شادی کیسی مانی جائے اور بیوی دماغی بیماری کے علاج کی دوائی لے کر اپنے میکہ میں ایک سال سے زیادہ وقت سے مسلسل رہ رہی ہو اور شوہر کے ساتھ آنے سے صاف انکار کرتی ہو، تو اس صورت حال میں شوہر کو کیا حقوق حاصل ہیں؟ کیا ایسی صورت میں طلاق دی جاسکتی ہے اور وہ طلاق مانی جاسکتی ہے؟

المستفتی: نفیس احمد ولد ضیاء اللہ، ساکن: رحمت نگر، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: اگر بیوی سے حقوق زوجیت ادا نہیں ہو پا رہے ہیں اور

شوہر کے پاس نہیں رہ رہی ہے اور آنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے، تو ایسی صورت میں شوہر کو حق ہے کہ اس کو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے الگ کردے اور دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو جائیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۶/۱۱۸)

ومن محاسنه أي الطلاق التخلص به من المكاره أي الدينية والدنيوية، أي كأن عجز عن إقامة حقوق الزوج أو كان لا يشتهيها.

(شامي، كتاب الطلاق، كراچي ۳/۲۲۹، زكريا ٤/٤٢٩)

وأما محاسنه فالتخلص به من المكاره الدينية، والدنيوية.

(البحر الرائق، كوئٹه ۳/۲۳۸، زكريا۳/٤١٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۰۳/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۲۲ھ

بدتمیزی اور مار پیٹ کرنے والی بیوی کو طلاق

سوال [۶۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت کے بارے میں جو اپنے شوہر سے بدتمیزی بداخلاقی مار پیٹ گالی گلوچ کرتی ہو، گھر میں جھگڑا فساد پھیلاتی ہو، اپنی عزت وناموس کی حفاظت نہ کرسکتی ہو، شوہر کو جان سے مارنے کیلئے لڑکوں کو اکساتی ہو، تو کیا ایسی عورت کو طلاق دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عاشق حسین، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس عورت کے ساتھ شوہر کو اپنی عزت وآبرو اور جان کا خطرہ ہو، تو ایسی عورت کو طلاق دے کر اپنے نکاح سے الگ کردینے کی اجازت ہے اور ایسی

ناگزیر حالت میں بیوی کو طلاق دینے میں شوہر گنہگار نہ ہوگا، بس صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔

فالأحسن: أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه، ويتركها حتى تنقضي عدتها. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديو بند ٢/٣٥٤)

أحسن الطلاق في ذوات القرء أن يطلقها طلقة واحدة رجعية في طهر لا جماع فيه ولا طلاق ولا في حيضة طلاق ولا جماع ويتركها حتى تنقضي عدتها ثلاث حيضات. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، زكريا ٣/١٤٠)

طلقة رجعية فقط في طهر لا وطء فيه، وتركها حتى تمضي عدتها أحسن. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/٢٣١، زكريا٤/٤٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۶۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۴ھ

فاحشہ اور ناشزہ کو طلاق دینا

سوال [۶۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح ۱۹۹۵ء میں سعیدہ بنت محمد فاروق سے ہوا تھا، جس سے میرے تین بچے بھی ہیں، مگر صورت حال یہ ہے کہ ڈیڑھ سال سے میری بیوی کے غلط تعلقات ایک اجنبی مرد سے قائم ہیں جو کہ شادی شدہ ہے، دونوں رات دن فون پر بات کرتے رہتے ہیں، ایک دوسرے کو میسیج بھی کرتے رہتے ہیں، سمجھانے کے جو تین طریقہ قرآن کریم نے ذکر کئے ہیں، وہ سب اپنا لئے ہیں، مگر یہ سب کرنے کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آرہی ہے؛ بلکہ الٹا مجھے قتل کروانے کی دو مرتبہ دھمکی بھی دے چکی ہے،

جو میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے، وہ اجنبی مرد بھی مجھے قتل کی دھمکی دے چکا ہے، اس وقت بیوی ڈیڑھ سال سے اپنے میکہ میں ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی غلط حرکت کرنے سے بیوی نکاح میں رہتی ہے یا نہیں؟ اگر رہتی ہے تو ایسی بیوی کو رکھنا از روئے شرع کیسا ہے؛ جبکہ اس سے میری جان کو خطرہ ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: فخر الحسن ابن محمد صدیق مظاہری، 24/306 مسجد گلی نصیر خاں، نئی بستی، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی نافرمان بیوی جو کسی اجنبی مرد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اوپر سے قتل کی دھمکی دیتی ہے، تو وہ فاحشہ اور ناشزہ عورت ہے، شوہر کو اختیار ہے چاہے اس کو اسی حالت میں اپنے پاس رکھے یا اس کو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے خارج کر کے اس کے جھگڑے سے یکسوئی حاصل کر لے اور دوسری پاک دامن عورت سے شادی کر کے عزت وعفت کی زندگی گذارے۔

قوله: لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة و لا عليها تسريح الفاجر، إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء، فصل في البيع، زكريا ديوبند ٩/ ٦١١، كراچي ٦/ ٤٢٧)

لا يجب التطليق عليه؛ لأن الزوج قد أدى حقه والإثم عليها، هذا ما اقتضاه الشرع، وأما مقتضي غاية التقوىٰ فهو أن يطلقها. (نفع المفتي والسائل ص: ١٦٣، بحواله محمود يه ڈابهيل ١٢/ ١٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۰۹۵۷)	۱۴۳۴/۲/۳ھ

فاجرہ کوطلاق دینا

سوال [۶۰۴۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح خیر النساء سے تقریباً آٹھ سال پہلے ہوا ہے، اس عرصہ میں مسمیٰ خیرالنساء اپنے میکہ اور میرے یہاں کبھی دو ماہ رہی اور کبھی ایک ماہ رہی، اس طرح اس نے میرے گھر پر تقریباً ڈھائی سال بتائے ہیں، اس اثنا میں ایک لڑکا مسماۃ خیر النساء کے میکہ ہی میں پیدا ہوا، ہم کہتے تھے کہ بچہ ہمارے گھر ہی پیدا ہو، اس سلسلہ میں ہم نے مسماۃ کو اپنے گھر لے جانے کی کوشش بھی کی، اس دوران مسماۃ خیر النساء نے مجھ سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ نکاح کرلیا۔

اب لڑکی میرے ہمراہ جانے کو تیار ہے؛ لیکن میں اس کو لے جانے پر راضی نہیں ہوں اور طلاق دینا چاہتا ہوں؛ لیکن مندرجہ بالا حالات میں شریعت نے کن کن چیزوں کو واجب کیا ہے، تحریر فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں، لڑکے کی عمر تقریباً چھ سال ہے، لڑکا شریعت کے اعتبار سے کس کے پاس رہنا چاہیے؟

المستفتی: رشید احمد خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے فاجرہ فاسقہ ہونے کی وجہ سے آئندہ دونوں کے درمیان خوش گوار زندگی اور نباہ کی کوئی صورت نظر نہ آئے، تو شوہر پر واجب ہے کہ طلاق دے کر علیحدہ کردے۔

ویجب أي الطلاق لو فات الإمساک بالمعروف. (شامي، کتاب الطلاق، کراچي ۳/۲۲۹، زکریا ٤/٤٢٩، مصري ٢/٤٣٣، فتاوی دارالعلوم ٩/٨٦)

لیکن شوہر پر مدخولہ بیوی کا پورا مہر ادا کرنا لازم ہے۔

وإنما یتأکد لزوم تمامه أي المهر بالوطء-إلی قوله-إذا تأکد المهر

بما ذكر لا يسقط بعد ذٰلک وإن كانت الفرقة من قبلها. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا٤/ ٢٣٣، كراچي٣/ ١٠٢)

اگر ہر ماہ کے خرچ کی مقدار دونوں کے درمیان متعین نہیں ہوئی تھی، تو زمانۂ سابق کا کوئی خرچ شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہے۔

النفقة لا يصير ديناً إلا بالقضاء أو الرضا. (الدر المختار، باب النفقة، زكريا٥/ ٣١١، كراچي٣/ ٥٩٤، كوئٹه٢/ ٧١٥)

نیز بچہ کا گذشتہ خرچ بھی واجب نہیں ہے۔

وقضى بنفقة غير الزوجة زاد الزيلعي والصغير ومضت مدة، أي شهر فأكثر سقطت لحصول الاستغناء. وفي الشامية: لأن نفقة الأقارب لا تصير دينا بالقضاء؛ بل تسقط بمضى المدة. (در مختار، كراچي، ٣/ ٦٣٣، زكريا٥/ ٣٦٩- ٣٧٠، كوئٹه ٢/ ٧٤٤)

سات سال تک ماں کو اپنے پاس لے جانے کا حق ہے، اس کے بعد باپ کو لے جانے کا حق ہے، جب بچہ کی عمر چھ سال ہے، تو آئندہ مزید ایک سال کا خرچ باپ کو دینا پڑے گا۔

والحاضنة أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء، وقدر بسبع وبه يفتى. (در مختار، باب الحضانة، زكريا٥/ ٢٦٧، كراچي٣/ ٥٦٦، كوئٹه ٢/ ٦٩٥)

اور طلاق کی عدت گذرنے کے بعد نان نفقہ کا شرعاً مطالبہ نہیں کرسکتی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۵۵)

کیا فاجر بیوی کو طلاق دے دینا چاہئے؟

سوال [۶۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میری بیوی ۱۶؍جون ۲۰۱۲ء کی صبح چھ بجے ۵ مہینے کی لڑکی کو چھوڑ کر بنا بتائے کہیں چلی گئی ہے، کچھ دن پہلے روبینہ نام کی لڑکی نے میری بیوی کو ایک غیر لڑکے کے ساتھ لال کنواں ریلوے اسٹیشن پر گھومتے ہوئے دیکھا ہے، یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ ۱۶/۶/۲۰۱۲ء سے پہلے بھی میری بیوی بنا بتائے دو بار گھر سے جا چکی ہے؛ لیکن سسرالیوں کے سمجھانے بجھانے پر میں نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا تھا؛ لیکن اب اس کا ۱۶/۶/۲۰۱۲ء سے آج تک کوئی پتہ نہیں چل رہا ہے، مجھے اب کیا کرنا چاہئے؟ میری پانچ مہینہ کی بچی بھی ہے، جس کی پرورش میں بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

المستفتی: محمد وسیم، مغلپورہ، سقہ اول، عباسیوں والی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی بیوی جو معصوم بچی اور شوہر کو چھوڑ کر آزاد پھرتی ہو وہ عنداللہ گنہگار اور مستحق لعنت ہے، اس پر لازم ہے کہ شوہر کے پاس رہ کر اپنا گھر بسائے اور سابقہ حرکتوں سے سچی توبہ کرے، اپنے گناہوں کے بارے میں اللہ سے معافی مانگے اور شوہر کے اوپر ایسی آزاد عورت کو طلاق دینا لازم نہیں۔

لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء، زكريا ديوبند ٩/ ٦١١، كراچي ٦/ ٤٢٧)

ولا يجب على الزوج تطليق الفاجرة و لا عليها تسريح الفاجر، إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. (البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ١٠٧، زكريا ٣/ ١٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱۰/۱۴۳۳ھ

فاجرہ عورت کوطلاق دینالازم نہیں

سوال[۶۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مدت تک حامد کے گھر میں رہا، اسی دوران حامد کی بیوی سے اس کا غلط تعلق ہوگیا، بالآخر دونوں گھر سے بھاگ گئے اور نکاح کر لئے، جب کہ اس عورت کی جانب سے حامد کے تین لڑکے، تین لڑکیاں اور تین نواسیاں ہیں، نکاح پر کافی ایام گذر گئے حال ہی میں زید نے ایک سودخور سرکاری قاضی سے حامد کے نام جعلی طلاق نامہ حاصل کرلیا؛ حالانکہ حامد نے اب تک اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی اور نہ ہی وہ طلاق دینے اور خلع کرنے پر راضی ہے؛ بلکہ وہ اب بھی امیدوار ہے کہ اس کی بیوی اگر واپس آئے، تو اسی سے وہ اپنا گھر بسائے۔اب سوال یہ کہ چونکہ زید اور حامد کی بیوی غلط کاری میں مبتلا ہیں، تو حامد طلاق نہ دینے کی وجہ سے کیا عنداللہ ماخوذ اور گنہگار رہوگا؟

المستفتی: محمد ابوریحان، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے حامد کی عورت سے جو نکاح کیا ہے، وہ نکاح ہوا ہی نہیں؛ بلکہ دونوں حرام کاری اور زنا میں مبتلا ہیں اور جعلی طلاق نامہ سے حرمت حلت میں تبدیل نہیں ہوتی اور حامد نے اگر اس کو سمجھایا بجھایا؛ لیکن اس کے باوجود نہیں مان رہی ہے اور حامد بچوں وبچیوں کی وجہ سے طلاق نہیں دے رہا ہے، تو ایسی صورت میں حامد گنہگار نہیں ہے؛ بلکہ صرف عورت ہی گنہگار ہے اور عورت کا خاندان اگر موجود ہے، تو خاندان والوں پر لازم ہے کہ عورت کو شوہر کے پاس بھیج دیں۔

لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء، فصل في البيع، كراچي ٦/٤٢٧، زكريا ٩/٦١١، البحر الرائق، كوئٹه ٣/١٠٧، ٣/١٨٨)

إذا اعتادت الزوجة الفسق عليه الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والضرب فيما يجوز فيه، فإذا لم تنزجر لا يجب التطليق عليه؛ لأن الزوج قد أدى حقه والإثم عليها، هذا مااقتضاه الشرع. (نفع المفتي والسائل ص:۱۱۸، مستفاد: فتاوی محمودیه میرٹھ۱۸/۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۹ھ

فاجرہ بیوی کو طلاق دینا

سوال [۶۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی بدفعلی میں مبتلا ہے، شوہر کو گندے جواب دیتی ہے، بغیر اجازت غیر مردوں سے تعلقات رکھتی ہے، سمجھانے پر بھی غلط اور گندے الفاظ سے نوازتی ہے، تو اس صورت حال میں طلاق دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: بابوعبداللطیف، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ بیوی کو آپ طلاق دے سکتے ہیں، طلاق دینے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ایسے پاکی کے زمانہ میں جس میں عورت سے صحبت نہ کی ہو ایک طلاق دے کر اسے چھوڑ دیا جائے؛ تاکہ اس کی عدت گذر جائے۔

وأما الطلاق: فإن الأصل فيه الحظر بمعنیٰ أنه محظور إلا لعارض يبيحه، وهو معنیٰ قولهم: الأصل فيه الحظر، والإباحة للحاجة إلى الخلاص. (شامي، كتاب الطلاق، كراچي ۳/۲۲۸، زكريا ٤/٤٢٨)

وأما وصفه فهو أنه محظور نظرًا إلى الاصل، ومباح نظراً إلى الحاجة،

كذا في الكافي. (هندية، زكريا ۱/ ۳٤۸، جديد ۱/ ٤۱٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۰۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۷/ ۱۴۲۷ھ

فاجرہ، زانیہ، گمراہ بیوی کو طلاق دینا

سوال [۶۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کی زندگی سے وابستہ واقعات کا خلاصہ بہ حلف تحریر ہے کہ میرا نکاح مؤرخہ: ۳۰؍اپریل ۱۹۷۸ء کو مسماۃ برجیس بنت شفیع، ساکن: دلی کے ساتھ بالعوض دین مہر مبلغ پانچ ہزار روپیہ عمل میں آیا تھا، جس کے نتیجہ میں میری زوجہ مذکورہ کے بطن سے پہلی لڑکی سلیمہ ہاجرہ مؤرخہ: ۱۳؍فروری ۱۹۷۹ء کو اور دوسری لڑکی سلیمہ عامرہ ۲؍جون ۱۹۸۰ء کو تولد ہوئیں، جن کی پیدائش کے بعد برجیس نے میری محبت اور قربانیوں کو نظر انداز کر کے بددیانتی اور خباثت سے میرے ملازم مسمیٰ کاجل ادھیکاری اہل ہنود سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے، جس کا علم ہونے پر میں نے کاجل ادھیکاری کو ملازمت سے برطرف کر کے برجیس کو سمجھایا، جس کے باوجود برجیس میری کاروباری مصروفیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کاجل ادھیکاری کے ساتھ رنگ فلیٹ واقع ڈی ڈی اے کالکاجی نیو دہلی اور اس کے دیگر ٹھکانوں پر مل کر کاجل ادھیکاری کے ساتھ رنگ رلیاں منائیں، میری دولت کو پانی کی طرح بہاتی رہی اور میرے دفتر میں آجانے کے بعد شام تک واپس ہونے سے پہلے زیادہ تر گھر سے فرار رہنے لگی، جس کی بابت جب میں نے برجیس کے بھائی سے معلومات کی تو اس کا علم ہونے کے بعد برجیس میری کافی رقم اور قیمتی زیورات لے کر کاجل ادھیکاری کے ساتھ گھر سے فرار ہوگئی، جس کا علم ہونے پر میں نے مؤرخہ: ۲۸؍جون ۱۹۹۱ء کو برجیس اور کاجل ادھیکاری کے خلاف تھانہ میں رپورٹ درج کرا کر دیگر قانونی چارہ جوئی کی اور اس کے عزیز واقارب سے

بھی شکایت کی، جنہوں نے برجیس کو تلاش کر کے میرے اوپر اس کو معاف کر دینے کی بابت زور ڈالا اور برجیس نے بھی متعلقہ عزیزوں کے روبرو خدا اور رسول اور کلام پاک کی قسمیں کھا کر دست بستہ معافی مانگی اور اقرار کیا کہ میں اب کاجل ادھیکاری سے کبھی نہیں ملوں گی، جس پر میں نے اس کی مکارانہ جھوٹی قسموں پر اعتبار کر کے آسائش اور مستقبل کے پیش نظر اس کو معاف کر دیا، اور اس کی جانب سے مطمئن ہو کر اپنے کاروبار میں مصروف ہو گیا؛ لیکن برجیس اپنی ناجائز حرکات سے باز نہیں آئی، اس پر کاجل ادھیکاری کے عشق کا بھوت سوار تھا اور وہ اپنی جنسی پیاس کی تسکین کے واسطہ میری عدم موجودگی میں برابر زنا کاری اور میری کمائی مٹانے میں مصروف رہی، گذشتہ دنوں میں ایک پارٹی کی بطور امانت آئی ہوئی کثیر رقم سیف میں رکھ کر باہر چلا گیا اور جب واپس آ کر اس کی معلومات کی تو برجیس نے بغیر کوئی جواب دیئے یہ کہہ کر چلی گئی کہ تمہاری رقم لا کر دیتی ہوں اور دوسرے دن متعلق تھانہ چترنجن پارک نیو دہلی پر جا کر میرے خلاف اپنے ہاتھ کی تحریر کردہ رپورٹ شری عقیل احمد ایس ایچ او کو دے کر زبانی کہا کہ میں اپنے شوہر کی حرکتوں سے تنگ آ کر ان کے ساتھ (یعنی کاجل ادھیکاری) کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں، مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے، انکوائری کر کے میری جان کی حفاظت کی جائے، جس پر ایس ایچ او موصوف نے کہا کہ مسلمان اور یہ ہندو، اپنے شوہر سے طلاق لئے بغیر اس کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہے، جس پر برجیس نے کہا میری چھوٹی بہن تا جو بنت شفیع نے ست پرکاش شرما کے ساتھ کراؤ کر لیا ہے، کیا ہندو انسان نہیں ہوتے، جس پر ایس ایچ او موصوف نے لاجواب ہو کر مجھے فون سے اطلاع دی اور جب میں تھانہ پہونچا تو وہ دونوں تھانہ سے واپس جا چکے تھے، آپ سے دریافت ہے کہ اب مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر مجھ کو برجیس کے ساتھ کیا عمل کرنا چاہئے؟ کیا ازروئے شرع برجیس کو طلاق دے دینا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو صورت حال سوال نامہ میں درج ہے، اس سے بظاہر بیوی کی نافرمانی اور گمراہی کی وجہ سے ایک اچھے شوہر کے ساتھ نبھاؤ بہت مشکل نظر آتا ہے اور

ایسی نافرمان اور گمراہ عورت کوطلاق دے کر نکاح سے الگ کردینا شوہر کے لئے شریعت اسلامیہ میں بلاتردد جائز اور درست ہے، مگر صرف ایک طلاق دے کر الگ کردے اور اگر اس سے زیادہ دینا ہے تو دوطلاق سے زائد نہ دے، تین طلاق دینے سے شوہر گنہگار ہوگا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

قوله تبارک وتعالیٰ: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَان. [سورة البقرہ: ۲۲۹]

فالأحسن: أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه، ويتركها حتى تنقضي عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۷۹)

نافرمان بیوی کوطلاق دینا

سوال [۶۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو تین سال کا عرصہ ہونے جارہا ہے، ہم دونوں میاں بیوی میں بعض حالات کی بناء پر نااتفاقی رہنے لگی، بیوی چاہتی ہے کہ میں ماں باپ کو چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ رہوں ؛لیکن میں ماں باپ کو کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتا، اسی وجہ سے تقریباً پانچ ماہ سے میری بیوی میکہ میں رہ رہی ہے، ہمارے ماں باپ سے لڑ کی لڑتی جھگڑتی رہتی ہے اور خودکشی کی دھمکی دیتی ہے، تو کیا ان حالات سے مجبور ہوکر میں اپنی بیوی کوطلاق دیدوں؟ کیا شرعاً میں گنہگار تو نہیں ہوں گا؟

المستفتی: اعجاز احمد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی حالات اس طرح ہیں تو ایسی عورت کو طلاق دینا گناہ نہیں؛ بلکہ مستحب ہے۔

وإيقاعه مباح وقيل: الأصح حظره إلا لحاجة كريبة وكبر؛ بل يستحب لو مؤذية. قوله: أطلقه فشمل المؤذية له أو لغيره بقولها أو بفعلها.

(شامي، كتاب الطلاق، كراچي ۳/ ۲۲۷، زكريا ٤/ ٤٢٧ تا ٤/ ٤٢٩)

يستحب طلاقها إذا كانت سليطة مؤذية أو تاركة للصلوة لا تقيم حدود الله. (البحر الرائق، كوئٹه ۳/ ۲۳۷، زكريا ۳/ ٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۷۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۴ھ

فاجرہ عورت کو طلاق دینا ضروری نہیں ہے

سوال [۷۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی ہندہ سے تین بچے ہیں، جن میں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، بڑی لڑکی کی عمر تقریباً سات سال ہے، لڑکے کی عمر تقریباً پانچ سال ہے، چھوٹی لڑکی تقریباً تین سال کی ہے، زید کی شادی ۱۸؍ جولائی ۱۹۹۲ء میں ہوئی تھی، زید ۱۹۹۸ء میں کاروباری حالات خستہ ہونے کی وجہ سے اپنے بیوی بچوں کو سسرال میں اپنے ساس سسر کے پاس چھوڑ کر کچھ عرصہ کے لئے اپنے حالات سدھارنے کے لئے لکھنؤ چلا گیا تھا، تقریباً لکھنؤ میں چھ ماہ رہا، اس درمیان اپنی شریک حیات سے بذریعۂ فون برابر بات چیت ہوتی رہی، جب چھ مہینہ میں زید اپنے بچوں کے پاس سسرال آیا تو معلوم ہوا کہ زید کے بیوی بچے اپنی چھوٹی بہن بہنوئی کے پاس رہتے ہیں، زید نے اس بات کی تحقیق اپنے ساس سسر سے کی تو معلوم ہوا کہ زید کی بیوی

اپنے والدین سے جھگڑا کر کے اپنی چھوٹی بہن بہنوئی کے پاس رہتی ہے، زید نے اپنی بیوی سے والدین کے گھر نہ رہنے کی وجہ پوچھی تو بیوی نے جواب دیا کہ میرے والدین مجھ سے لڑتے جھگڑتے تھے اور بچوں کو تنگ رکھتے تھے؛ اس لئے میں چھوٹی بہن بہنوئی کے پاس آ کر رہ رہی ہوں، پھر محلّہ کے معزز حضرات نے بتایا کہ آپ کی بیوی کے چھوٹے بہنوئی سے ناجائز تعلقات ہوگئے ہیں، تو میں نے بیوی کو سمجھایا اور اپنے ساتھ رہنے کے لئے کہا، تو بیوی نے ساتھ رہنے سے انکار کردیا، زید نے اس کی شکایت ساس سسر سے کی، تو جواب ملا کہ تمہاری بیوی ہمارے قبضے سے باہر ہے، پھر ساڑھو کو سمجھایا کہ یہ بات اچھی نہیں ہے، پھر زید کی بیوی زید کے گھر رہنے لگی، ابھی آئے ہوئے دو روز ہوئے تھے کہ زید سے بغیر پوچھے اپنی مرضی سے بہنوئی کے پاس چلی گئی، اس طرح کی کئی بار اس نے حرکتیں کی ہیں، پھر زید بیوی اور ساڑھو کو سمجھا کر بیوی کو لایا، زید کی بیوی ہفتہ میں دو روز شوہر زید کے پاس رہتی ہے اور پانچ روز بہوئی کے پاس رہنا پسند کرتی ہے، جب زید نے اس پر اعتراض کیا، تو بیوی نے کہا کہ ساری دنیا اور آپ کو چھوڑ سکتی ہوں؛ لیکن بہن بہنوئی کو نہیں چھوڑوں گی، اس شرط پر اگر آپ مجھے رکھنا چاہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ مجھے طلاق دیدیجئے؛ لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ ازروئے شرع بتائیں کہ میرے تینوں بچوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور بعد طلاق بچوں کا حقدار کون ہے، اور کن کن شرائط پر طلاق ہوگی؟

المستفتی: محمد نیر عالم، ہرتھلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فاسقہ اور فاجرہ عورت کو طلاق دینا ضروری نہیں ہے؛ لیکن جب میاں بیوی کے درمیان نباہ ناممکن ہوجائے، تو طلاق یا خلع سے الگ ہوجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة و لا عليها تسريح الفاجر، إلا

إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. (در مختار مع الشامي، كتاب النكاح، كراچي ۳/ ٥٠، زكريا ٤/ ١٤٤، البحر الرائق، كوئٹه ۳/ ۱۰۷، زكريا ۳/ ۱۸۸)

عورت نے طلاق کا مطالبہ کیا ہے، تو شوہر مہر وغیرہ کے ساقط کرنے کی شرط لگا کر بھی طلاق دینے اور خلع کرنے کا حق دار ہے۔

امرأة سألت زوجها، فقال الزوج: أبرئيني عن كل حق لك عليّ حتى أطلقك؟ فقالت: أبرأتك عن كل حق يكون للنساء على الرجال، فقال في فور ذلك: طلقتك واحدة وهي مدخول بها يقع بائناً. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٥/ ٢٣، رقم: ٧١٢٩، وهكذا في البزازية مع الهندية، زكريا ٤/ ٢١٠، جديد زكريا ديوبند ج: ١ سيٹ ١٠/ ١٣٧)

بعد طلاق بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے، لڑکا ہے تو سات سال تک اور لڑکی ہے تو بالغ ہونے تک، اس کے بعد باپ حقدار ہوگا۔

والحاضنة أماً، أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء، وقدر بسبع وبه يفتى. (در مختار مع الشامي، باب الحضانة، كراچي ۳/ ٥٦٦، زكريا ٥/ ٢٦٧)

والأم والجدة أحق بالصغيرة حتى تشتهي فيأخذها الأب. (البحر الرائق ٤/ ١٧٠، دار الكتاب ديوبند ٤/ ٢٨٨، وكذا في الدر المختار مع الشامي، زكريا ٥/ ٢٦٨، كراچي ۳/ ٥٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۰۵)

ناشزہ عورت کو طلاق دینا

سوال [۶۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید کی شادی تقریباً ۲۵؍سال پہلے ہوئی تھی اور زید کی بیوی ۲۲؍سال سے لگاتار اپنے میکہ میں رہتی ہے، اور آنے کے لئے تیار ہی نہیں ہے؛ جبکہ متعدد بار اس کو لانے کی کوشش بھی کی گئی، پنچایت کا بھی سہارا لیا گیا، مگر ہر مرتبہ ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا، جس کے نتیجہ میں اس کا بیٹا جو اپنے ننہال میں رہ رہا ہے بالکل آوارہ ہو چکا ہے؛ اس لئے اتنے لمبے عرصہ کے انتظار کے بعد زید چاہتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے خلاصی حاصل کرے، تو کیا ایسے معاملہ میں شریعت نے اس کو جو حق طلاق دیا ہے، اس کو استعمال کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ جس سے زید شریعت کی نگاہ میں معتوب بھی نہ ہو اور اس کو روزمرہ کی تکلیف سے چھٹکارا بھی مل جائے۔ نیز یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ کیا ایسے مسائل میں امارت شرعیہ سے رجوع کر کے مسئلہ کو حل کیا جاسکتا ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: خورشید عالم، پکاباغ، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی نافرمان بیوی کو جو مدتوں سے شوہر سے الگ رہ رہی ہے اور واسطہ بلاواسطہ بلانے پر شوہر کے پاس نہیں آتی ہے، ایسی بیوی کو طلاق دے کر نجات حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ اور طلاق دیتے وقت یہ خیال رکھے کہ تین طلاق نہ دی جائے؛ بلکہ صرف ایک طلاق یا زیادہ سے زیادہ دو طلاق دے کر چھوڑ دے۔ اور عدت گذرنے کے بعد عورت اپنے طور پر کسی سے بھی نکاح کر سکے گی اور جب شوہر کو خود طلاق دینے کا حق حاصل ہے تو امارت شرعیہ اور محکمۂ شرعیہ سے چارہ جوئی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة و لاعليها تسريح الفاجر، إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. قال الشامي: تحت قوله إلا إذا خافا؛ لأن التفريق حينئذٍ مندوب بقرينة قوله فلا بأس إلى ماقال:

إنـه يستحب لـو مؤذية، أو تـاركة صلاة، ويجب لو فات الإمساك بالمعروف. (شامي، كتاب النكاح، كراچي ٣/ ٥٠، زكريا ٤/ ١٤٤، البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ١٠٧، زكريا ٣/ ١٨٨)

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ٩/ ٥١٢، رقم: ١٨٠٤٠)

أما الأحسن: أن يطلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي العدة، وروي عن إبراهيم أن أصحاب النبي ﷺ كانوا يستحبون أن لا يزاد في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم.
(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٧٨، رقم: ٦٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ / جمادی الثانیہ ١۴٢۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٧/ ٨١٠١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/ ٦/ ١۴٢۴ھ

(۳) باب مطالبۃ الطلاق

بغیر شرعی وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال [۶۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عطاء الرحمٰن شمسی ساکن مرادآباد نے ۷؍جنوری ۲۰۰۳ء کو آنولہ ضلع بریلی کی ایک خاتون مسماۃ رعنا زریں بعمر ۳۵؍سال سے عقد ثانی کیا تھا، اور اچھی طرح سے وضاحت کر کے عطاء الرحمٰن نے اپنی سابقہ بیوی کی اولاد جن میں تین شادی شدہ دولڑکے کنوارے ہیں، بخوبی واضح کر دیا تھا اور خود والدین ہمشیرہ رعنا زرین کے عطاء الرحمٰن کی رہائش گاہ پر آکر دیکھ بھال کر گئے اور تقریباً تین ماہ کا عرصہ نکاح سے قبل اچھی طرح سوچ بچار کا ملا؛ لیکن رخصتی کے بعد سے عطاء الرحمٰن اور اس کے متعلقین پر طرح طرح کے بے بنیاد بہتان اور الزام تراشی کی بوچھار ہونے لگی، جس کو عطاء الرحمٰن صبر وتحمل سے برداشت کرتا رہا ہے، واضح رہے اس عرصہ چار ماہ میں رعنا زرین اپنے شوہر عطاء الرحمٰن کے گھر پہلی بار چار دن اور دوسری بار چھ دن کل دس یوم رہی، اتنے قلیل عرصہ رہنے پر بھی وہ اپنے شوہر سے اس قدر بدظن ہوگئی ہے کہ تین ماہ سے اپنے میکہ میں رہ رہی ہے؛ جبکہ اس اثنا میں عطاء الرحمٰن نے کئی معزز ہستیوں کو درمیان میں ڈال کر افہام وتفہیم کی کوشش کی اور ہر طرح سے اس رشتہ کو نبھانے کی کوشش میں ہے؛ لیکن رعنا زرین اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اس قدر ڈٹی ہے کہ شوہر سے علیحدگی اور طلاق لینے پر آمادہ ہو رہی ہیں، اس شکل میں اگر عطاء الرحمٰن کو بجبوری اور بادل ناخواستہ طلاق دینی پڑ جائے، تو دین مہر وغیرہ کی ادائیگی شوہر پر عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عطاء الرحمٰن، شمسی، بازار شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب رعنا زرین اور اس کے والدین اور متعلقین کو عطاء الرحمٰن کی مرحومہ پہلی بیوی کی اولاد کے بارے میں پہلے سے وضاحت کردی گئی تھی، نیز شادی کے بعد صرف دس یوم شوہر کے پاس اس نے گذارے ہیں، تو اتنی قلیل مدت میں شوہر کی طرف سے ظلم وزیادتی کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی، پھر رعنا زرین کا شوہر سے بغیر ظلم وزیادتی اور بغیر شرعی وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، یہ ناجائز مطالبہ ہے، اس مطالبہ کی وجہ سے بیوی اور اس معاملہ میں بیوی کا تعاون کرنے والے سخت گنہگار ہوں گے، تاہم اگر شوہر کو طلاق دینے پر مجبور ہونا پڑ جائے، تو اس کے لئے یہ شرط لگانا جائز ہوگا کہ پہلے مہر معاف کردے، اس کے بعد طلاق دی جائے گی۔

نیز ایسی صورت میں شوہر پر طلاق دینا شرعی طور پر لازم نہیں ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ایسی حالت میں طلاق کا مطالبہ کرنے والی بیوی پر جنت بھی حرام اور جنت کی بو تک حرام ہے۔

عن ثوبانؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أيما امرأة سألت زوجها طلاقا من غير بأس، فحرام عليها رائحة الجنة. (السنن الكبرى للبيهقي ٧/ ٣١٦، جديد دارالفكر بيروت ١١/ ١٨٤، رقم: ١٥٢٣٠، ترمذي شريف، باب ما جاء في المختلعات، النسخة الهندية ١/ ٢٢٦)

عن ثوبانؓ قال: قال رسول الله النبي صلى الله عليه وسلم: أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير بأس، حرّم الله عليها أن تريح رائحة الجنة. (المستدرك على الصحيحين، نزار مصطفىٰ الباز، ٣/ ٢١٨، رقم: ٢٨٠٩) مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ١٠/ ٢٠٩، رقم: ١٩٦٠٣، المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر بيروت ٤/ ١٣٣، رقم: ٥٤٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۷۹۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۷ھ

طلاق کے مطالبہ پرشوہر کا مجبوراً طلاق دینا

سوال [۶۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی کوتقریباً چار ماہ گذر چکے ہیں، جس دن سے رخصتی ہوکر آئی ہے، توسہاگ رات کومیں جب اپنی بیوی کے پاس گیا، تو میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ میں دوسرے کی امانت ہوں، میرے پاس آنے کی کوشش مت کرنا، تومیں نے اس سے کہا کہ میں نے جوشادی پرخرچہ کیا ہے، اس کا میں اپنے دوستوں اور عزیز واقارب کو کیا جواب دوں گا؛ لہٰذا میں نے اس کے ساتھ زبردستی کی اور جبراً صحبت کی، تواس نے مجھ کو جان سے مرجانے کی اور خودکشی کرنے کی دھمکی دی، مزاج میرے اور اس کے ناخوش گوار شروع ہی دن سے رہے، اسی ٹائم میں اس کوحمل بھی رہ گیا، اس کواس نے میکہ میں جاکر ڈاکٹرنی سے مل کرساقط بھی کرادیا اور مجھ سے بدکلامی، بداخلاقی سے پیش آتی ہے، اور طلاق لینے کو برابر کہتی ہے اور اس کا مہر مبلغ ۵۰۰۰۰/ ہزار روپیہ ہیں، ایک دن جب مجھ سے برداشت نہ ہوسکا تومیں نے کہا کہ آج تیرے میکہ والوں کے سامنے یہ تیراڈرامہ رکھوں گا، تو یہ مجھ سے خوشامد کرنے لگی اور قسم کھا کر بولی کہ تم میرے گھر والوں کومت بلانا، میں آج سے تمہارا کہنا مانوں گی، اس بات کے دوسرے دن میرے گھر کے برابر خالہ کا گھر ہے یہ کہہ کر چلی گئی کہ میں خالہ کے گھر جارہی ہوں اور یہ وہاں ہوکر اپنے میکہ چلی گئی، جب ہم کومعلوم ہوا کہ یہ میکہ چلی گئی، میں نے سسر صاحب کوفون کیا کہ میری بات سن لو، انہوں نے میری بات نہ سن کر برابر لڑکی کے فیور کی بات کہی کہ مجھے بہت مارا ہے اور مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا ہے اور وہ ہماری بات سننے کو تیار نہیں ہے اور لڑکی والے بھی اس کو بھیجنا نہیں چاہتے، اس صورت میں مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟ کیا اس کومہر کی رقم کی ادائے گی کرنی ہوگی یا نہیں اور وہ طلاق لینے کے لئے آمادہ ہیں، ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

المستفتی: بابو ولد محمد یوسف، مقبرہ دوئم، متصل حسینی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی رات میں بیوی کا شوہر سے یہ کہنا کہ میں دوسرے کی امانت ہوں، یہ گناہ عظیم پر اصرار ہے غیر مرد کے ساتھ بغیر نکاح کے ناجائز تعلقات قائم ہوجانے کے بعد پھر اس تعلق کو اس کی امانت کہہ کر حقیقی وشرعی شوہر کے سامنے سخت مداہنت اور معصیت پر جرأت مندانہ حرکت ہے اور ڈاکٹر کے ذریعہ سے حمل گرادینا یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ مزید شوہر کو خالہ کے گھر کے نام سے دھوکہ دے کر میکہ میں جاکر شوہر کے خلاف محاذ قائم کرنا یہ بھی بدترین حرکت اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے اور پھر طلاق کے مطالبہ پر مصر ہوجانا، یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے؛ اس لئے ایسے برے حالات پیدا کر کے طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت اور پھر اس کے ساتھ دینے والے معاونین عنداللہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، ایسے حالات میں اگر مجبوراً طلاق دینی پڑے تو شوہر کو یہ حق ہے کہ وہ مہر معاف کردینے کی شرط لگائے اور اسی شرط کے مطابق طلاق دے۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا. [البقرہ:۲۲۹]

عن ثوبانؓ قال: قال رسول الله النبي صلى الله عليه وسلم : أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير بأس، حرم الله عليها أن تريح رائحة الجنة.

(المستدرك حاكم، نزار مصطفىٰ الباز بيروت ۲۱۸/۳، رقم: ۲۸۰۹، سنن كبرىٰ للبيهقي قديم ۳۱٦/۷، جديد دارالفكر بيروت ۱۸٤/۱۱، رقم: ۱۵۲۳۰، مصنف ابن أبي شيبة مؤسسة علوم القرآن بيروت ۲۰۹/۱۰، رقم: ۱۹٦۰۳، المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر بيروت ۱۳۳/٤، رقم: ٥٤٦۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۷ھ

دوسری شادی کی بناء پر طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال [۱۵۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے دوسری شادی کرلی ہے؛ اس لئے پہلی بیوی اور اس کے ورثاء طلاق مانگتے ہیں اور مہر بھی مانگتے ہیں، میں دونوں بیویوں کو رکھنا چاہتا ہوں طلاق نہیں دینا چاہتا، تو کیا پہلی بیوی کو شرعاً طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق ہے؟ جبکہ شوہر دونوں بیویوں میں برابری کرنے کا عزم رکھتا ہو، اس سلسلہ میں شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) پہلی بیوی سے ایک بچہ ایک سال کا ہے، وہ کس کے پاس رہے گا اور اس کے خرچہ وغیرہ کا کون ذمہ دار ہوگا؟ شرعی حکم لکھ دیں۔

المستفتی: معراج انور، کنور صاحب کی گلی بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مسلمان مرد کے لئے شریعت اسلامیہ میں دو بیوی کرنے کی اجازت ہے اور اس میں کسی بھی بیوی کو دوسری بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ نیز اگر دونوں کو برابر کر کے رکھتا ہے اور کسی کے حق میں کمی زیادتی نہیں کرتا ہے، تو کسی بیوی کو اپنی طلاق کا مطالبہ بھی جائز نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ . [النساء:۳]

عن أبي هريرة رضي الله عنه، يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسأل المرأة طلاق أختها لتكفئ ما في إنائها. (ترمذي، كتاب الطلاق، باب ماجاء لاتسأل المرأة طلاق أختها، النسخة الهندية ۱/۲۲٦، دارالسلام رقم: ۱۱۹۰، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم الجمع بين المرأة وعمتها، النسخة الهندية ۱/٤٥۳، بيت الأفكار رقم: ۱٤۰۸، صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب لا يبيع على بيع أخيه، النسخة الهندية ۱/۲۸۷، رقم: ۲۰۹۳، ف: ۲۱٤۰)

عن ثوبانؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أيما امرأة سألت زوجها طلاقًا من غير بأس، فحرام عليها رائحة الجنة. (سنن ترمذي، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في المختلعات، النسخة الهندية ١/٢٢٦، دارالسلام رقم:١١٨٧، المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر بيروت ٤/١٣٣، رقم: ٥٤٦٩)

ونفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد الخ . (هداية، اشرفي ديوبند٢/٤٤٤)

(۲) بچے کو سات سال تک ماں کو رکھنے کا حق ہے، پھر باپ کو لینے کا حق ہے اوراس کا خرچ بچے کے باپ پر لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۹۰۹)

بیوی کا بلا کسی وجہ معقول کے طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال [۲۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت محمدی کے مطابق مسلم بیوی کو اپنے شوہر سے بغیر کسی معقول وجہ کے طلاق مانگنے کا حق حاصل ہے؟

المستفتی: محمد عروج خاں نعیمی، کالا پیادہ، سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر کسی عذر معقول کے بیوی کا شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، حدیث میں اس پر وعید آئی ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن ثوبانؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أيما امرأة سألت زوجها طلاقا من غير بأس، فحرام عليها رائحة الجنة. (ترمذي شريف، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في المختلعات، النسخة الهندية ١/٢٢٦، دارالسلام رقم:١١٨٧،

المستدرك علی الصحیحین للحاكم، مكتبه نزار مصطفیٰ الباز بیروت ۲/ ۲۱۸، رقم: ۲۸۰۹، سنن كبریٰ للبیهقي قدیم ۳۱٦/۷، مؤسسه علوم القرآن بیروت ۲۰۹/۱۰، رقم:۱۹۰۳، المعجم الأوسط لطبراني، دارالفكر بیروت ٤ /۱۳۳، رقم: ٥٤٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی القعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۴۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۱ھ

بیوی کا بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال [۷۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا جس کی شادی کو لگ بھگ چار سال ہوگئے اور دو بچے ہیں، ایک بچے کی عمر دو سال ہے اور دوسرے کی عمر دس بارہ دن ہے، شوہر اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے، مگر وہ اپنے شوہر کو پسند نہیں کرتی اور طلاق مانگتی ہے، لڑکا طلاق دینا نہیں چاہتا، اسی وجہ سے زندگی کا سکون درہم برہم ہے، اب اگر لڑکا مجبور ہوکر طلاق دیدے، تو لڑکے کو مہر دینا چاہئے یا نہیں؟ دوسری بات لڑکا کہتا ہے کہ اگر تم طلاق چاہتی ہو، تو میں بچے تم کو نہیں دوں گا، تو بچے کس عمر تک ماں کے پاس رہیں گے؟

المستفتی: عبد اللطیف، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مذکورہ میں جب شوہر کی طرف سے کسی قسم کی زیادتی نہیں ہے، تو اس صورت میں بیوی کا طلاق کا مطالبہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اور نہ ہی شوہر پر طلاق دینا واجب ہے؛ بلکہ بیوی پر واجب ہے کہ ایک فرمانبردار بیوی بن کر شوہر کے حقوق کی ادائے گی کرتی رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: حلال چیزوں میں سب سے مبغوض شئ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق ہے۔

عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أبغض الحلال إلى الله عزو جل "الطلاق". (أبو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب كراهة الطلاق، النسخة الهندية ۱/۲۹٦، دارالسلام رقم: ۲۱۷۸، سنن ابن ماجه، أبواب الطلاق، النسخة الهندية ۱٤۵، دارالسلام رقم: ۲۰۱۸)

على المرأة من التعفف وطاعة الزوج وبذل الطاقة في مصالح المنزل. (حجة الله البالغة ۱/٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۹۹۶)

شرعی وجہ کے بغیر عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے سلیم میاں کی شادی مفتی ٹولہ باغ والی مسجد کے نزدیک بنے خاں کی لڑکی ریشمہ سے ۲۸؍جون ۲۰۰۳ء کو ہوئی تھی، شادی کے گیارہ ماہ بعد میاں بیوی دونوں میں کچھ ناراضگی شروع ہوگئی اور اسی ناراضگی میں ریشمہ اپنے میکہ میں رک گئی، کچھ دن بعد ریشمہ کا بھائی آیا اور سلیم کو سمجھا کر چلا گیا، پھر سلیم اپنی بیوی کو لے آیا، چار پانچ روز کے بعد بیوی نے کہا مجھے گھر پہونچا دو سلیم نے منع کیا، تو ریشمہ نے کہا میں اسی وجہ سے آنا نہیں چاہتی تم لے کر نہیں جاتے، تو سلیم نے کہا اتنی جلدی جلدی جانے کے لئے کیوں آتی ہو؟ اس پر ریشمہ نے کہا کہ میرے مہر کے پیسے دیدو، میں بالکل نہیں آؤں گی، پھر وہ بھائی کو بلا کر شوہر کی بغیر اجازت کے میکہ چلی گئی، دس پندرہ روز کے بعد کچھ لوگ آئے اور آپس میں تصفیہ کرادیا، اب پھر محرم والے دن اس کا بھائی لے گیا اور وہ آزادی چاہتی ہے اور مہر کی رقم پوری لینا چاہتی ہے، تو سلیم نے کہا میرے پاس رقم نہیں ہے، تو اس نے کہا یہ رقم قسطوں پر لے لوں

گی، اس مسئلہ کو بتائیں مہر پورا دیا جائے یا آدھا دیا جائے یا بالکل نہیں دیا جائے گا؟

المستفتی: محمد وسیم، سرسید نگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وجہ شرعی کے بغیر عورت کا طلاق کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے، پھر بھی اگر شوہر اپنی طرف سے طلاق دے دے گا، تو مکمل مہر ادا کرنا شوہر پر واجب ہوجائے گا، ہاں البتہ اگر بیوی خلع پر تیار ہوجائے تو مہر کی معافی کی شرط کے ساتھ خلع والی طلاق کی گنجائش ہوجاتی ہے اور مہر کو بدل خلع قرار دینا جائز ہے، تو ایسی صورت میں مہر دینا شوہر پر واجب نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهِ. [سورة البقرہ:۲۲۹]

وإن تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، لقوله تعالىٰ عز و جل: فلا جناح عليهما فيما افتدت به. (الهداية، باب الخلع، اشرفي ديوبند۲/ ۴۰۴، هندية زكريا ۱/ ۴۸۸، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۵۴۸، تاتارخانية، زكريا۵/ ۵، رقم:۷۰۷۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۵۸)

زیادہ عمر کے لڑکے سے شادی کرنے کی بناء پر والدین کا اس کے شوہر کو پریشان کرنا

سوال [۶۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ درخواستی نے بتاریخ: ۴؍ فروری ۲۰۱۱ء کو لبنیٰ صدیقی عمر ۲۷؍ سال سے نکاح کیا تھا، اس نکاح سے لبنیٰ کے والدین ناراض تھے اور اسی ناراضگی کے سبب لبنیٰ کے والدین نے لبنیٰ کو

عاق کر دیا تھا؛ لہٰذا لبنیٰ نے اپنے والدین سے ملے بغیر ایک سال چھ مہینہ تک درخواستی کے گھر رہ کر حق زوجیت بخوبی نبھائے؛ لیکن لبنیٰ کے والدین مسلسل درخواستی و لبنیٰ سے انتقام لینے کے لئے طرح طرح کے جانی و مالی نقصانات پہونچاتے رہے، اخیر میں لبنیٰ کی والدہ عذرا قمر نے فون کے ذریعہ لبنیٰ سے رابطہ قائم کیا اور لبنیٰ کو بہلا پھسلا کر درخواستی کے گھر میں جھگڑا کرانے شروع کر دیئے؛ جبکہ لبنیٰ و درخواستی آپس میں بے انتہا محبت کرتے تھے، ایک دن بتاریخ: ۶/ جولائی ۲۰۱۲ء کو لبنیٰ بغیر موضوع کے جھگڑا کر کے درخواستی کی منھ بولی بہن کے گھر لالباغ چلی گئی، درخواستی نے بہن کے گھر جا کر اپنی بیوی کو واپس گھر لانے کی بہت کوشش کی، مگر لبنیٰ نے کہا کہ اس نے اپنے چاچا شرافت حسین کو بلایا ہے، ان کے آنے کے بعد وہ گھر چلے گی، شرافت حسین نے وہاں آکر درخواستی سے بات چیت کی اور کہا اب تم گھر جاؤ میں تھوڑی دیر میں لبنیٰ کو راضی کر کے تمہارے گھر لا رہا ہوں، درخواستی اپنی بہن کے گھر سے واپس اپنے گھر آ گیا، شام تک لبنیٰ کے گھر نہ پہونچنے پر جب درخواستی نے اپنی بہن کے گھر فون کیا، تو انہوں نے بتایا کہ لبنیٰ تو اسی وقت شرافت حسین کے ساتھ چلی گئی تھی، جب درخواستی نے شرافت حسین سے لبنیٰ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے لبنیٰ کے والدین کو بلا کر لبنیٰ کو ان کے حوالہ کر دیا ہے، لبنیٰ کے والدین اور شرافت حسین آپس میں ہم ساز ہو کر لبنیٰ کو کسی نامعلوم مقام پر پہونچا کر درخواستی پر یہ دباؤ ڈالنے لگے کہ تم لبنیٰ کو طلاق دیدو؛ کیونکہ لبنیٰ کی عمر اور تمہاری عمر میں ۱۲/ سال کا فرق ہے، ہم لبنیٰ کو کسی حالت میں بھی نہیں بھیجیں گے؛ جبکہ درخواستی اپنی بیوی سے آج بھی بے انتہا محبت کرتا ہے اور طلاق دینا نہیں چاہتا، درخواستی کو آج تک یہ بھی پتہ نہیں چل سکا ہے کہ لبنیٰ کے والدین نے درخواستی کی بیوی کو کہاں چھپا کر رکھا ہے، کیا لبنیٰ کے والدین کا یہ عمل صحیح ہے اور ان حالات میں درخواستی کو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد عروج خاں ولد تجمل الحسن، کالا پیادہ، سنبھلی گیٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ سوال میں جو حالات لکھے گئے ہیں، اس پر غور

کیا گیا ہے اور مستفتی سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ لڑکے اور لڑکی والوں کے درمیان پہلے سے رشتہ داری بھی ہے، صرف عمر کی کمی وزیادتی کی وجہ سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آتا ہے، جیسا کہ صحابہ کرام میں ایسی شادیاں بہت ہوئی ہیں۔

أن عمر بن الخطابؓ خطب إلی علی رضي اللہ عنہ أم کلثومؓ، فقال: انکحنیھا، فقال علي: إني أرصدھا لابن أخي عبد اللہ بن جعفر، فقال عمر: انکحنیھا فواللہ ما من الناس احد یرصد من أمرھا ما أرصدہ فأنحکہ علي، فأتي عمرؓ المھاجرین، فقال: ألا تھنوني؟ فقالوا: بمن یا أمیر المؤمنین! فقال: بأم کلثوم بنت علي وابنۃ فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

(مستدرك حاکم، جدید ۲/۱۷٦۲، قدیم ۳/۱۵۳، رقم: ٤٦٨٤، انوار نبوت ٤٢)

لبنیٰ درخواستی کے نکاح میں بدستور باقی ہے؛ جب تک درخواستی سے طلاق حاصل نہیں کی جائے گی، اس وقت تک لبنیٰ کا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ جائز نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۸۱۲)

شوہر کی عمر زیادہ ہونے پر طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال [٦٠٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح ۳۱؍ مئی ۲۰۱۱ء کو مشکور خان سے ہوا تھا، ان کی عمر ساٹھ سال ہے، میری عمر ۲۴؍ سال ہے، میں ان کے ساتھ دس گیارہ دن رہ چکی ہوں؛ لیکن میں اب ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہوں، ان سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہوں، تو طلاق نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ فتوی معلوم کرلو اگر مفتیان کرام لکھدیں تو میں طلاق دیدوں گا، انہوں نے نکاح سے آٹھ دن پہلے

میرے نام ایک مکان کا بیع نامہ کروایا تھا اور مہر میں پچیس ہزار روپئے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا میں اپنے شوہر سے خلع کر سکتی ہوں؟ یعنی مہر و مکان کے بدلے میں طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہوں؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتیة: روحی ریاض، کالا پیادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں شوہر کی عمر بیوی کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو شوہر سے علیحدگی اختیار کرنے کا حق نہیں ہوتا؛ ہاں البتہ اگر شوہر بیوی کا حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو یا شوہر عنین اور نامرد ہو، تو اب علیحدگی کے مطالبہ کا حق ہوتا ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، تو طلاق کے مطالبہ کا حق نہیں ہوتا اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی بیٹی حضرت ام کلثوم سے نکاح کیا اور اس وقت حضرت فاطمہؓ کے بطن سے پیدا شدہ حضرت ام کلثوم بنت علیؓ پندرہ سال سے کم کی تھیں؛ جبکہ حضرت عمرؓ کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی، دونوں میں نکاح ہوا اور اولادیں پیدا ہوئیں، پھر چند سال میں جب حضرت عمرؓ کی شہادت ہوگئی، تو حضرت ام کلثوم بنت علیؓ کا نکاح حضرت جعفرؓ کے بیٹے حضرت عون بن جعفرؓ سے ہوا (الی آخرہ) وغیرہ ایسی مثالیں دور صحابہ میں سیکڑوں کی تعداد میں ملیں گی؛ لہٰذا عمر کی زیادتی علیحدگی کے مطالبہ کا سبب نہیں بن سکتی۔ نیز عمر کا تفاوت شادی سے پہلے بھی تو معلوم ہوا ہوگا؟

تزوج عمرؓ، أم كلثوم على مهر أربعين ألفاً، وقال الزبير: ولدت لعمر ابنيه: زيداً ورقية، وماتت أم كلثوم وولدها في يوم واحد. (الاصابة في تمييز الصحابة، درالكتب العلمية بيروت ٨/٤٦٥)

عن الحسن بن عليؓ قال: لما تأيمت أم كلثوم بنت عليؓ عن عمرؓ –إلى قوله– فتزوجها عون بن جعفرؓ بن أبي طالب……وذكرها الدار قطني في كتاب الآخرة، أن عونا مات عنها، فتزوجها أخوه محمد، ثم مات عنها، فتزوجها أخوه عبد الله بن جعفرؓ فماتت عنده. (الاصابة٨/٤٦٥)

خطبها عمر بن الخطابؓ إلى أبيها عليؓ، فقال: إنها صغيرة، فقال عمر: زوجنيها يا أبا الحسن فإني ارصد من كرامتها مالا: يرصده أحد-إلى قوله- وقالت له: بعثتني إلى شيخ سوء قال: يا بنية إنه زوجک......ولما قتل عنها عمرؓ تزوجها عون بن جعفرؓ (اسد الغابة ۳۸۷/۶، دارالفکر بیروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۵۴۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۲۷ھ

شوہر پر طلاق کا دباؤ ڈالنا

سوال [۷۰۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی اپنے بھائی کی شادی میں گئی اور شادی کے چند دن کے بعد زید اپنی بیوی کو بلوانے کے لئے گیا، تو انہوں نے کہا کہ پہلے اپنی عادت کا علاج کرلو، وہ شراب پیتا تھا، پھر زید نے اپنی ساری برادری کے سامنے اس گناہ عظیم سے توبہ کی اور اس کے بعد زید نے نماز شروع کردی اور اس کے بعد برابر آدمی وہاں جاتے رہے، مگر وہ آج کل پر ٹال مٹول کرتے رہے اور بغیر لڑکی اور لڑکے کی مرضی کے وہ طلاق کا مطالبہ کررہے ہیں، تو وہ لڑکی مہر کی حقدار ہے یا نہیں؟ اور زید کی سسرال والوں نے زید پر لواطت کا الزام لگایا بیوی کے ساتھ اور زید نے امام صاحب کے ساتھ قسم کھا کر منع کردیا، زید کی دو لڑکیاں ہیں، مگر زید طلاق دینے سے انکار کررہا ہے اور زید کی بیوی کی بھی مرضی نہیں تو جو لوگ زبردستی طلاق کا مطالبہ کررہے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ مذکورہ میں جب شوہر نے شراب سے توبہ کرلی ہے

اورلواطت کا جوالزام لگایا گیا ہے، اس کا زید نے حلفیہ انکار کردیا ہے، توجب تک شرعی ثبوت نہ ہوجائے زید کا انکار ہی معتبر ہوگا اور جب شراب سے توبہ کرلی ہے، تو توبہ کے بعد اس کا تذکرہ درست نہیں اور زید اور اس کی بیوی جب طلاق پر راضی نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں دوسرے لوگوں کا زید پر طلاق کا دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۲/۱۴۱، جدید زکریا ۸/۲۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۵۸۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۷/۱۴۱۹ھ

لڑکے کی جسمانی کمزوری کی وجہ سے لڑکی کا طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال [۶۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیٹی شہیرا مسرور جس کی شادی مؤرخہ: ۲۸؍اکتوبر ۲۰۰۶ء کو بمقام امروہہ میں عمل میں آئی تھی، ماہ مئی ۲۰۰۷ء تک میری بیٹی اپنی سسرال میں شوہر کے ساتھ رہتی رہی؛ لیکن ماہ جون ۲۰۰۷ء سے لڑکی شوہر کے گھر نہیں گئی، میکہ میں ہی اپنے والد کے گھر پر قیام پذیر ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ لڑکا جسمانی طور پر شادی کے لائق نہیں تھا، اور حق زوجیت ادا کرنے میں پوری طرح ناکام رہا، پھر بھی میری بیٹی ذاتی طور پر معاملات کو نبھاتی رہی اور Adj ust کرنے کی پوری کوشش کی۔ اور اس کے علاج معالجے کے لئے بھی کوشاں رہی، سسرال والے بھی لڑکے کا خود علاج کراتے رہے ہیں، لڑکے نے خود اس بات کا انکشاف کیا ہے، لڑکی اور لڑکے کے درمیان جو بات چیت ہوئی، اس میں لڑکے نے قسم کھا کر اپنے نااہل ہونے کا اقرار کیا، لڑکے کے والدین اور عزیز واقارب بھی اس کی اس کمی سے واقف ہیں اور سب کچھ جانتے ہیں۔ ایسی صورت میں میری بیٹی اپنی سسرال لڑکے کے پاس جانے کے لئے قطعی رضامند نہیں ہے اور علیحدگی چاہتی ہے، ہمارا مقصد یہ ہے کہ

لڑکے کے ذریعہ حق زوجیت ادا نہ کرنے کی وجہ سے لڑکی کا سسرال میں رہنے سے کیا فائدہ جب کہ اس کے شوہر کا علاج وغیرہ بھی ہوا ہے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ معلوم ہو کہ لڑکی کی عمر ۲۲؍سال ہے، دین اسلام کی روشنی میں ایسی صورت حال ہونے پر کیا شرعی حیثیت ہے اور علماء دین کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: مسرور احسن خاں، محلّہ: قریشیان، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکے کی جسمانی کمزوری کی وجہ سے لڑکی لڑکے کے پاس رہنا نہیں چاہتی ہے، تو ایسی صورت میں لڑکے سے طلاق لینے کی کوشش کی جائے، اگر لڑکا طلاق دے دیتا ہے، تو تین ماہواری گذار کر کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق حاصل ہو جائے گا اور اگر طلاق پر راضی نہیں، تو خلع پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے، یعنی مہر وغیرہ معاف کرا کے کچھ دے دلا کر چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

وقوله تعالیٰ: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ. [سورة البقرة:۲۲۹]

وفي الهداية: وإن تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلع به. لقوله تعالیٰ: فلا جناح عليهما فيما افتدت به، فإذا فعل ذٰلک وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال، ......وإن طلقها علی مال، فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال.

(هداية، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی دیوبند ۲/۴۰۴، هندية، زكريا ۱/۴۸۸، جديد زكريا ۱/۵۴۸، تاتارخانية، زكريا ۵/۵، رقم: ۷۰۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۱۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۲ھ

بیوی کا شب وروز طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال[۶۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری اہلیہ شب وروز طلاق کا مطالبہ کرتی ہے؛ جبکہ میں ایسا کرنے سے قاصر ہوں، ایسی صورت میں میں کیا کروں؟ شرعی فتوی صادر فرمایا جائے۔

المستفتی: اقبال بھارتی، فدا منزل، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صوت میں آپ کو اختیار ہے کہ چاہے آپ طلاق دیں یا نہ دیں، آپ پر کوئی جبر نہیں ہے۔ نیز طلاق کے معاملہ میں عورت کو جبر کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۶۰/۸)

قال الله تعالىٰ: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ. [سورة النساء:٣٤]

عن ابن عباسؓ، قال: ......فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إنما الطلاق لمن أخذ بالساق. (سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق العبد، النسخة الهندية ١٥١، دارالسلام رقم:٢٠٨١)

إن الذي يملك الطلاق، إنما هو الزوج......ولا تملكه الزوجة. جعل الطلاق بيد الزوج لا بيد الزوجة. (الفقة الإسلامي وأدله، هدىٰ انٹرنيشنل ديو بند ٣٤٧/٧، ٣٥٥)

ومحله المنكوحة وأهله زوج. (درمختار، زكريا ٤٣١/٤، كراچي ٢٣٠/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۸۸/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۶ھ

رخصتی سے قبل طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال[۶۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح ۲۰۰۹ء کو رئیس احمد بن محمد مقبول سرائے کشن لال مرادآباد سے ہوا تھا؛ لیکن ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی، جس کی وجہ یہ ہوئی کہ لڑکے کے معاملات اچھے نہیں ہیں، میں اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، میں اس سے ہر حالت میں علیحدگی چاہتی ہوں۔

المستفتیۃ: فرح ناز، بنت سبحان علی، سرائے کشن لال، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ساتھ رہنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ لڑکا بھی طلاق دینے کے لئے تیار ہے، تو دونوں طرف کے ذمہ دار لوگ آپس میں بیٹھ کر علیحدگی کی مناسب صورت اختیار کرلیں تو بہتر ہے اور علیحدگی میں لڑکے سے صرف ایک طلاق کہلوانا کافی ہے، اس سے طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور رخصتی سے پہلے طلاق کی صورت میں نصف مہر ادا کرنا لازم ہوتا ہے؛ لیکن چونکہ اس طلاق کا مطالبہ لڑکی کی طرف سے ہے؛ اس لئے لڑکا اس بات کی شرط لگا سکتا ہے کہ مہر کی معافی پر طلاق دے گا اور رخصتی سے پہلے طلاق کے بعد لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کرنے کے لئے عدت گزارنا لازم نہیں ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُرِيْدَا اِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا. [النساء:۳۵]

ومن محاسنه التخلص به من المكاره الدينية، والدنيوية. بحر، أي كأن عجز عن إقامة حقوق الزوجة، أو كان لا يشتهيها. (شامي، كتاب الطلاق، كراچي ۳/۲۲۹، زكريا ۴/۴۲۸، البحرالرائق، زكريا ۳/۴۱۵، كوئٹه ۳/۲۳۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/۳)

في الكنز: هو رفع القيد الثابت شرعاً بالنكاح –إلى– وأما سببه فهو الحاجة المحوجة إلى الطلاق من المشاجرة وعدم الموافقة. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٣٧٧، رقم: ٦٤٧١)

إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعن عليها، فإن فرق الطلاق بانت بالأولىٰ، ولم تقع الثانية، والثالثة وذٰلك مثل أن يقول: أنت طالق، طالق، طالق، وكذا إذا قال أنت طالق واحدة، وواحدة، وقعت واحدة، كذا في الهداية. (هندية، زكريا ١/٣٧٣، جديد زكريا ديوبند ١/٤٤٠)

ولزم نصفه أي المسمىٰ بالطلاق قبل الدخول، وقبل الخلوة الصحيحة. (مجمع الأنهر، قديم١/٣٤٦، جديد دارالكتب العلمية بيروت، ومكتبه فقيه الأمت ديوبند ١/٥٠٩-٢٣٦، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٢٤، شامي، كراچي ٣/١٠٤، زكريا٤/٢٣٥، البحر الرائق، كوئٹه٣/١٤٤، زكريا٣/٢٥٣)

إن طلقها على مال، فقبلت وقع الطلاق، ولزمها المال، وكان الطلاق بائناً. (هندية، زكريا ١/٤٩٥، جديد زكريا ديوبند ١/٥٥٤، الفصل الثالث: في الطلاق على المال)

رجل خلع امرأته بمالها عليه من المهر –إلى– كان الخلع بمهرها، إن كان المهر على الزوج يسقط. (هندية، زكريا١/٤٩٨، جديد ١/٥٥٧، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت٢/١٠٣)

وكل خلوة لايمكن معها الوطئ كخلوة المريض –إلى– فلا عدة، وفي الخانية: وكذا لو طلقها قبل خلوة. (الفتاوى التاتارخانية ٥/٢٣٢، رقم: ٧٧٣٤ قاضي خان على هامش الهندية، زكريا ١/٥٤٩، جديد زكريا ديوبند ١/٣٤٧، البحر الرائق، زكريا ٤/٢١٦، كوئٹه ٤/١٢٨) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۳۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍۱۱؍۱۴۳۴ھ

مرض کی بناء پر طلاق یا خلع کا مطالبہ

سوال [٦٠٦١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی شادی شدہ ہے، اور وہ اپنی سسرال تین مرتبہ جا چکی ہے اور اب وہ کہتی ہے کہ میں اس گھر میں نہیں جاؤں گی؛ اس لئے کہ اس لڑکے کو ٹی بی کی بیماری ہے۔ اب لڑکے کے والدین یہ کہتے ہیں کہ چلئے ڈاکٹر کے پاس، اگر ڈاکٹر نے کہہ دیا کہ اس کو ٹی بی کی بیماری ہے، تو ہم طلاق دلوادیں گے، ورنہ رخصتی کرنی ہوگی، اس پر دونوں طرف سے منظوری ہوگئی۔ اب لڑکے والے نہ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں اور نہ طلاق دلواتے ہیں، تو اب ایسی صورت میں کیا فیصلہ ہوگا؟

المستفتی: محمد اسرائیل، سپولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محض شوہر کی بیماری کی وجہ سے جبکہ شوہر مکمل طریقہ پر حقوق زوجیت ادا کرتا ہو، بیوی کو فسخ نکاح طلاق خلع وغیرہ کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

عن الثوري في رجل يحدث به بلا: لا يفرق بينهما، هو بمنزلة المرأة، لا يرد الرجل ولا ترد المرأة. (مصنف عبد الرزاق، باب مارد من النكاح، المجلس العلمي بيروت ٦/٢٤٩، رقم: ١٠٧٠٠)

وإذا كان بالزوج جنون، أو جذام، أو برص فلا خيار للمرأة عند أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ. (مختصر القدوري، كتاب النكاح، امداديه ديوبند ١٦٥، البحر الرائق، زكريا ٤/٢١٣، كوئٹه ٤/١٢٦، شامي، كراچي ٣/٥٠١، زكريا ٥/١٧٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨ ؍ جمادی الاولیٰ ١٤١٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٩/٣٤٦٥)

شوہر کی بدکاریوں کی وجہ سے بیوی کو طلاق کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں؟

سوال [٦٠٦٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح ۸۷/۵/۲ء کو فراست حسین کے ساتھ ہوا تھا، جو لاہور کے رہنے والے ہیں، نکاح کے کچھ دن بعد فراست اپنے گھر لاہور واپس چلے گئے، لاہور کچھ دن رہنے کے بعد وہ امریکہ چلے گئے، امریکہ جا کر انہوں نے کچھ ایسی بدکاریاں کیں، جس کا مجھے علم ہو گیا اور کچھ لوگوں نے بھی مجھ سے ان ناجائز حرکتوں کا ذکر کیا اور ان کی کئی حرکتوں کے ثبوت مجھے ملے، جس کی وجہ سے میں ان سے طلاق چاہتی ہوں، میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ میری مدد کر کے مجھے ان سے طلاق دلوا دیجئے۔

درخواست دہندہ مدعیہ ہندوستان میں ہے، مدعی علیہ کا مکان پاکستان ہے اور مستقل سکونت امریکہ میں ہے، کیا ایسے کیس کی سماعت ممکن ہے؟

المستفتی: حفظ الرحمٰن، جنرل سکریٹری محکمہ شرعیہ، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدالت شرعیہ کو فیصلہ کے لئے جن شرائط کی پابندی ضروری ہے، ان کی پابندی کرتے ہوئے، اگر مقدمہ کی سماعت ہو سکتی ہے، تو ایسے کیس کی سماعت بھی ممکن ہے؛ لیکن مذکورہ دعویٰ میں شرعاً نہ عورت کو طلاق کے مطالبہ کا حق ہے، نہ محکمہ کو فیصلہ دینے کا۔ نیز اگر شوہر کی بدکاریاں شرعی شہادتوں سے بھی ثابت ہو جائیں، تب بھی تفریق لازم نہیں ہے۔

نیز ہندوستان میں شدید ضرورت کے وقت مالکیہ کے مذہب پر محکمہ کو فیصلہ کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

ولا يجب على الزوج تطليق الفاجرة و لا عليها تسريح الفاجر.

(شامي، كتاب الحظر و الإباحة، باب الإستبراء، فصل في لبيع، كراچي٦/٤٢٧، زكريا ٩/٦١١)

لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة و لاعليها تسريح الفاجر، إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. (البحر الرائق، کوئٹه ۱۰۷/۳، زکریا ۱۸۸/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۳۱/۲۴)

لواطت کرنے والے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حکم

سوال [۶۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنی بیوی کو غلط طریقے سے استعمال کرتا ہے (قوم لوط کا طریقہ) لڑکی اس فعل سے ناخوش ہے، لڑکی نے لڑکے سے بارہا منع کیا یہ فعل کرنے کو؛ لیکن لڑکے نے یہ کہا کہ تو اگر مجھ کو اس طریقے سے خوش نہیں کرے گی تو میں تجھ کو طلاق دیدوں گا، اگر اس فعل سے لڑکی طلاق خود لینا چاہے، تو مہر کی کیا شرائط ہوں گی، لڑکی حمل سے ہے، تو طلاق کس صورت میں ہوگی؟ لڑکے کے اس فعل کی شریعت میں کیا سزا ہے؟

المستفتی: سجاد حسین، بارہ دری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی بیوی کے ساتھ ایسا فعل شنیع کا ارتکاب کرنا گناہ عظیم ہے، کسی بھی وقت خدا کا عذاب آ سکتا ہے، اگر کوئی اس کو جائز سمجھ کر کرے گا، تو ایمان سے خارج ہوجائے گا؛ اس لئے بہر حال شوہر پر لازم ہے کہ سچی توبہ کرلے۔

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم: من أتى حائضاً، أوامرأةً في دبرها، أو كاهناً، فقد كفر بما أنزل على محمد. الحديث.

(ترمذي، كتاب الطهارة، باب ماجاء في اتيان الحائض، النسخة الهندية، ۳۵/۱، دار السلام رقم: ۱۳۵)

لہٰذا اگر کوئی شوہر اس فعل شنیع سے توبہ کر کے باز نہ آئے، تو بیوی کو طلاق کے مطالبہ کا حق ہوگا اور شوہر کو پورا مہر ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر شوہر نے اس فعل سے نادم ہوکر سچی توبہ کرلی ہے، تو طلاق کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے، پھر اگر طلاق پر مصر ہے، تو شوہر کو طلاق پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے؛ البتہ مہر معاف کر کے خلع پر شوہر کو راضی کرنے کی زحمت ہوسکتی ہے۔

حمل کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، ولادت تک عدت کا سلسلہ جاری رہے گا اور ولادت کے بعد عدت ختم ہوجائے گی۔

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع. (هداية، كتاب الطلاق، باب ايقاع الطلاق، النسخة الهندية، اشرفي ديو بند۲/ ۳۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۹/۲۷ھ

عورت کا مکان کی تبدیلی نہ کرنے پر طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال [۶۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد عمر کی شادی ہمراہ معظّمہ خاتون سے مبلغ پندرہ ہزار روپیہ مہر کے ہوئی، شادی کے بعد دو مہینہ تک دونوں مل کر ازدواجی زندگی گذارتے رہے، ایک دن لڑکی کے والد بہانہ بنا کر سارے زیور کے ساتھ (جو زیور لڑکی کے والد نے دیا تھا اور محمد عمر نے شادی کے موقعہ پر دیا تھا) لے کر اپنے گھر چلے گئے، چند روز کے بعد جب محمد عمر اپنی بیوی معظّمہ خاتون کو بلانے گیا، تو ان کے والد نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ تم لوگوں سے کچھ بات چیت کروں گا؛ اس لئے اپنے ذمہ دار کو ساتھ لے کر آؤ۔ جب محمد عمر دوبارہ چند حضرات کو لے کر گئے تو انہوں نے یہ کہا کہ لڑکی وہاں (یعنی گلاب باڑی جو محمد عمر کا مکان ہے اور وہیں پر کاروبار کرتے ہیں) نہیں جائیگی، محمد عمر اپنا مکان اور کاروبار چھوڑنے کو تیار نہیں، اس مسئلہ کو قریب دو سال گذر گئے،

اب لڑکی والے طلاق مانگ رہے ہیں، محمد عمر طلاق دینے کو تیار نہیں۔

المستفتی: محمد عمر گلاب باڑی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئلہ مذکورہ میں اگر شوہر ازخود طلاق دینے کے لئے تیار نہیں اور لڑکی والے طلاق مانگ رہے ہیں، تو ایسی صورت میں بلا ظلم و زیادتی کے محض رہائشی مکان کی تبدیلی کی ضد پر شوہر کے اوپر دباؤ ڈالنا اور پھر طلاق کا مطالبہ کرنا بیوی کے لئے جائز نہیں ہے، ہاں البتہ وہاں رہنے میں اس کے اوپر ظلم و زیادتی یا عصمت دری کا خطرہ ہو رہا ہو، تو تب تبدیلی مکان کا مطالبہ جائز ہوسکتا ہے اور مذکورہ صورت میں بلا کسی خاص وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرنا بیوی کے لئے جائز نہیں ہے، اب اگر پھر بھی طلاق لینے پر بضد ہے، تو شوہر پر طلاق دینا لازم نہیں ہے اور بیوی اپنا مہر معاف کرکے خلع کرسکتی ہے۔

وإن تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعل ذٰلک وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال. (هداية، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفى ديوبند ٢/ ٤٠٤، هندية، زكريا ١/ ٤٨٨، جديد زكريا الباب الثاني في الخلع ١/ ٥٤٨، تاتارخانية، زكريا ٥/ ٥، رقم: ٧٠٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۷۶۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۲ھ

پہلی بیوی کا دوسری بیوی کو طلاق دینے پر اصرار کرنا

سوال [۶۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی تقریباً چار سال قبل ہندہ کے ساتھ ہوئی تھی، اب زید نے دوسری

شادی چند ماہ قبل خالدہ سے بھی کر لی ہے، زید کا کہنا یہ ہے کہ اسلام میں عدل وانصاف کے ساتھ دو بیویوں کو رکھنا جائز ہے؛ لہٰذا میں دونوں بیویوں کو رکھنا چاہتاہوں اور دونوں کے درمیان برابری کروں گا انشاء اللہ۔

ہندہ اور ہندہ کے میکہ والوں کا کہنا یہ ہے کہ زید جب تک خالدہ کو طلاق نہ دے دے تب تک ہندہ گھر میں واپس نہیں آئے گی، زید کا کہنا یہ ہے کہ میں خالدہ کو بلا وجہ طلاق نہیں دوں گا؛ کیونکہ شرعاً وہ میری بیوی ہے اور شرعاً کسی کو بھی اس طرح طلاق کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔

اب ہندہ کے میکہ والے بضد ہیں کہ اگر زید خالدہ کو طلاق نہیں دیتا ہے، تو ہماری بیٹی ہندہ کو طلاق دیدے؛ جبکہ زید ہر حال میں ہندہ کو اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہے اور ہندہ کے والد نے کچھ اخراجات زید پر اپنی مرضی سے کئے تھے، اب وہ طلاق کے ساتھ ان اخراجات کی واپسی بھی چاہتے ہیں، جو کہ بنا کسی شرط کے کئے تھے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ چونکہ ہندہ اور ہندہ کے میکہ والے خود طلاق چاہتے ہیں، یا پھر خالدہ کی طلاق کی فاسد شرط لگا رہے ہیں، تو زید ہندہ کا مہر اور عدت کا خرچ ہندہ کو نہ دے، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو اخراجات سسر نے بغیر کسی شرط کے زید پر کئے تھے، ان اخراجات کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ زید کو واپس کرنے ہوں گے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازکر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: نظام الدین، مقبرہ دوئم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر مکمل حقوق زوجیت ادا کرنے کے ساتھ ہندہ کو اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار ہے اور ہندہ دوسری بیوی خالدہ کو طلاق دیئے بغیر شوہر کے پاس رہنے کے لئے تیار نہیں ہے اور ہر صورت میں طلاق لینے پر بضد ہے، تو زید کو اس بات کا حق ہے کہ شرط لگادے کہ مہر اور عدت کے خرچہ کی معافی کی شرط پر طلاق دے گا، اس کے بغیر

طلاق نہ دے گا اور شریعت اسلامی میں ایک ساتھ دو بیوں کو رکھنے کی اجازت دی گئی ہے؛ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ دونوں بیوی کے درمیان برابری کا معاملہ کرے کسی کے حق کی ادائے گی میں کوتاہی نہ کرے۔

وإن طلقها على مال، فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال؛ لأن الزوج يستبد بالطلاق تنجيزاً وتعليقًا وقد علقه بقبولها، والمرأة تملك التزام المال لولايتها على نفسها، وملك النكاح مما يجوز الاعتياض عنه وإن لم يكن مالاً كالقصاص، وكان الطلاق بائناً. (هداية، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٠٥، هندية، زكريا ١/ ٤٩٥، جديد زكريا ١/ ٥٥٤)

عن ثوبانؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير بأس، فحرام عليها رائحة الجنة. (مسند أحمد ٥/ ٢٧٧، رقم:٢٢٧٣٨، ٥/ ٢٨٣، رقم: ٢٢٨٠٤، سنن الترمذي، أبواب الطلاق، واللعان، باب ما جاء في المختلعات، النسخة الهندية ١/ ٢٢٦، دارالسلام رقم: ١١٨٧، المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر بيروت ٤/ ١٣٣، رقم:٥٤٦٩)

خسر نے داماد کے مطالبہ کے بغیر جو کچھ بھی داماد کے اوپر اپنی طرف سے خرچ کیا ہے، وہ منجانب خسر تبرع ہے، وہ قرض نہیں ہے کہ جس کی ادائے گی داماد پر لازم ہو۔

فإن كفل بلا أمره أي المكفول عنه لا يرجع الكفيل عليه أي المكفول عنه بما أدىٰ عنه؛ لأنه متبرع بأدائه بغير رجوع. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ١٨٥، ملتقي الأبحر ٣/ ١٨٤، در المنتقي ٣/ ١٨٤)

لأن الكفالة بغير أمر تبرع إبتدأ و انتهاءً، فبدعواه أحدهما لايقضي له بالآخر. (هداية، كتاب الكفالة، اشرفى ديوبند ٣/ ١٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۱۱۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۵ھ

لڑکی کا طلاق پر مجبور کرنا

سوال [۲۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا طلاق نہیں دینا چاہتا اور لڑکی طلاق پر مجبور کررہی ہے، تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: نعیم الدین، ریتی محلّہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محض مطالبۂ طلاق سے طلاق واقع نہ ہوگی؛ جب تک کہ شوہر طلاق نہ دے اور عورت کے مطالبہ کرنے سے شوہر پر طلاق دینا لازم نہیں ہے؛ البتہ اگر زوجین کے درمیان نبھاؤ کی کوئی صورت نہ ہو اور شوہر طلاق بھی نہ دے، تو عورت کو خلع کا اختیار ہے کہ شوہر کو کسی مال پر راضی کر کے نکاح فسخ کرالے۔

ولابأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق. وفي الشامية: السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما، فإن لم يصطلحا جازالطلاق، والخلع. (شامي، كتاب الطلاق، باب الخلع، كراچي ۳/۴۴۱، زكريا ۵/۸۷)

وإن تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعهابه، لقوله تعالىٰ: فلا جناح عليهما فيما افتدت به. (سورة البقره،۲۹۹، هداية، ديو بند۲/۴۰۴، هندية زكريا ۱/۴۸۸، جديد زكريا ۱/۵۴۸، تاتارخانية، زكرياه/۵، رقم:۷۰۷۱)

ثم الاختلاف إذا وقع بين الزوجين فالسنة فيه أن يجتمع أهل الرجل، وأهل المرأة ليصلحا بينهما، فإن لم يجتمعا على الصلح فليس إلى الحكمين التفريق بينهما، فإن طلقهاجاز، وإن خلعها أيضاً جاز. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۵/۵، رقم: ۸۰۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۰۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۶ھ

لڑکی کی خواہش پر طلاق

سوال[۶۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کو کس کس مجبوری پر طلاق دی جاتی ہے؟ اگر عورت کی مرضی طلاق کی ہے، تو اس مرضی پر طلاق دے دی جائے یا نہیں، کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: محمد افضل حسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو وجہ آپ کے یہاں پیش آئی ہے، اس کو تحریر فرمائیں اس کا جواب مل جائے گا، عورت کی مرضی پر طلاق دینا شوہر پر لازم نہیں ہے اور نہ ہی شوہر اس کا پابند ہے؛ بلکہ شریعت اسلامیہ نے طلاق کا اختیار شوہر کو دیا ہے۔

ویقع طلاق کل زوج إذا کان عاقلاً بالغاً. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديو بند ۲/۳۵۸)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل. (درمختار مع الشامي، كراچي۳/۲۳۵، زكريا٤/٤٣٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸، هندية، زكريا ۱/۳۵۳، جديد زكريا ۱/٤۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شوال المکرّم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۱۹۸۷)

طلاق کے مطالبہ پر یوں ہی طلاق کے الفاظ کہنا

سوال [۶۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صغیر احمد کی بیوی ریشماں پروین ناراض ہوکر اپنے میکہ چلی گئی اور اس نے اور اس کی ماں نے ضد کی کہ اس کو طلاق دو، صغیر نے کہا میں کہیں سے کہیں تک اسے

طلاق نہ دوں گا، مگر انہوں نے کہا تم یوں ہی کہہ دو؛ لہٰذا میں نے یوں ہی تین مرتبہ طلاق دے دی، کیا طلاق ہوگئی؟

المستفتی: صغیر احمد، اصات پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے مطالبہ کے وقت یوں ہی طلاق کے الفاظ ادا کرنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب آپ نے تین دفعہ طلاق کہہ دیا ہے، تو آپ کی بیوی پر تین طلاق، طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب بغیر حلالہ دوبارہ اس کے ساتھ نکاح بھی جائز نہیں۔

عن عائشةؓ، أن امرأة رفاعة القرظي جاء ت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يارسول الله! إن رفاعة طلقني، فبت طلاقي وإني نكحت بعده عبد الرحمٰن بن الزبير القرظي، وإنما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعلك تريدين أن ترجعي إلي رفاعة؟ لا، حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰٦۱، ف: ۵۲٦۰)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره؛ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا ۱/ ٤٧٣، جديد زكريا ۱/ ٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ديوبند ٥/ ١٤٨، رقم: ٧٥٠٤، هداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱ر ربیع الاول ۱۴۲٦ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/ ۷۹۴۵)	۱۴۲٦/۳/۱ھ

بیوی کے مطالبہ پر کتنی طلاق دی جائے؟

سوال [۲۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میری بیوی کے میکہ والے اور میری بیوی طلاق مانگ رہی ہے اور مہر چھوڑ رہی ہے؛ لیکن جہیز کا سامان مانگ رہی ہے، کچھ سامان ٹوٹ پھوٹ گیا، تو سامان دیا جائے گا یا نہیں اور طلاق کتنی دینی چاہئے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد نسیم بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی اور بیوی کے میکہ والوں کے طلاق مانگنے اور مہر چھوڑنے پر طلاق دینا جائز ہے اور اس صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ نیز جہیز کا جو سامان بچا ہوا ہے، وہ بیوی کا حق ہے، اس کا حق جس حالت میں بھی ہو، اس حالت میں اس کو واپس کرنا ضروری ہے اور طلاق صرف ایک دی جائے، ایک سے زیادہ طلاق دینا شریعت میں ممنوع ہے۔

وإن طلقها على مال، فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال. (هداية، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی دیوبند ۲/ ٤٠٥، هندية، زكريا ١/ ٤٩٥، جديد زكريا ١/ ٥٥٤)

إن طلقها على مالٍ، فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال، وكان الطلاق بائناً. (هندية، زكريا ١/ ٤٩٥، جديد زكريا ١/ ٥٥٤)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، كراچي ٣/ ١٥٨، زكريا ٤/ ٣١١)

وكذا يسترد مابعث هدية وهو قائم دون الهلاك والمستهلك؛ لأنه في معنىٰ الهبة (الدر المختار) وفي الشامي الهلاك والاستهلاك مانع من الرجوع بها. (شامي، زكريا ٤/ ٣٠٤، كراچي ٣/ ١٥٣)

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٩/ ٥١٢، رقم: ١٨٠٤٠، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/ ٣٠٢، رقم: ١٠٩٢٦)

فالأحسن: أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه، ويتركها حتى تنقضي عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٥٤)

فالأحسن: أن يطلق امرأته واحدة رجعية في طهر لم يجامعها فيه، ثم يتركها حتى تنقضي عدتها. (هندية، زكريا ۱/ ۳٤۸، جديد زكريا ۱/ ٤۱٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۳/۶ھ

ایک لڑکی کی طلاق سے دوسری لڑکیوں کی طلاق کا مطالبہ

سوال [۶۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے اطراف میں بچے اور بچیوں کا نکاح بچپنے میں والدین کر دیتے ہیں، بالغ ہونے کے بعد حسب دستور ان کی رخصتی کر دی جاتی ہے؛ لیکن اس وقت ایک شدید مشکل پیش نظر ہے، ہوا یہ کہ ہماری ایک لڑکی زرینہ بیگم کا نکاح ظفر اللہ سے ہوا تھا، زرینہ کے اس وقت ایک لڑکی بھی ہے، بغیر وجہ کے جس کا اعتراف خود ظفر اللہ کو بھی ہے، زرینہ کے نام طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا اور اس کو شرعی طلاق ہو بھی گئی۔

اب صورت حال یہ ہے کہ زرینہ کی دوسری قریبی عزیزہ دو بہنیں ظفر اللہ کے سگے دو بھائیوں کے نکاح میں ہیں، ان کا نکاح بھی حسب رواج والدین نے بچپنے میں کر دیا تھا، جس کو لگ بھگ ۲۰/ سال ہو گئے، مگر ابھی تک ان بچیوں کی رخصتی نہیں کی ہے، زرینہ کے معاملہ کے پیش نظر اس کی ان دو بہنوں اور دوسرے عزیزوں بشمول ان کے والدین کو یہ احساس ہے کہ ہماری ان دو لڑکیوں کو بھی اگر رخصت کر دیا گیا، تو ان کے ساتھ بھی یہ لوگ زیادتی کریں گے، اب خود لڑکیاں بھی کسی قیمت پر جانے کے لئے تیار نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے ہم زندگی اسی طرح گذاریں گے، مگر نہیں جائیں گے، ادھر لڑکے یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی قیمت پر ان کو طلاق نہیں دیں گے؛ جبکہ لڑکی والے چاہتے ہیں کہ ہم طلاق لے لیں، اس صورت کے اندر شرعی نوعیت کیا ہے؟ ان دو بچیوں کا حل کیا ہے؟ فسخ نکاح کی جو شکل ممکن ہو اس سے مطلع

کریں، ہم کولڑکوں سے کسی طرح کی خیر کی توقع نہیں ہے؛ جبکہ وہ لوگ بہت حد تک اپنے اس اقدام پر شرمندہ بھی ہیں کہ ہم نے زرینہ کے ساتھ اچھا معاملہ نہیں کیا، مگر ہم ان کی اس بات سے بالکل مطمئن نہیں ہیں۔

نوٹ: معاملہ چونکہ طرفین میں بہت آگے بڑھ چکا ہے، خطرہ اس بات کا ہے کہ کہیں خوں ریزی نہ ہوجائے، اس وجہ سے ایسا جواب تحریر فرمائیں جو دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد علی، احمد آباد، جمال پور،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نہایت مجبوری کے وقت جب نباہ بالکل مشکل ہو، تو ضرورۃً دینے کی گنجائش ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق بہت بری چیز ہے۔

عن ابن عمرؓ، أن النبي صلی اللّٰہ علیہ قال: أبغض الحلال إلی اللّٰہ الطلاق.

(سنن أبي داؤد، کتاب الطلاق، باب کراهية الطلاق، النسخة الهندية ۱/۲۹۶، دارالسلام رقم:۲۱۷۸، سنن ابن ماجه، أبو اب الطلاق، النسخة الهندية ۱۴۵، دارالسلام رقم:۲۰۱۸)

بلا وجہ شرعی طلاق دینے والا شرعاً ظالم، اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا؛ لیکن ایک بھائی نے اگر اپنی بیوی کے ساتھ ظالمانہ حرکت کی ہے، تو اس پر یہ دوسرے بھائی کو بھی قیاس کرلینا اور اس کا احساس دل میں جمالینا شرعاً مفید نہیں ہے، خاص کر جب وہ لوگ خاندان کے ایک فرد کے فعل شنیع پر نادم بھی ہوں؛ اس لئے دونوں خاندان پر لازم ہے کہ آپس میں ملاپ کرلیں اور لڑکیوں کو رخصت کردیں تاکہ وہ لوگ باعصمت زندگی گذار سکیں، شرعاً لڑکیوں کو شوہروں کے پاس نہ جانے کا حق نہیں؛ بلکہ رخصت پر تیار ہونا لازم ہے؛ جبکہ شوہر حقوق زوجیت ادا کرنے پر آمادہ ہے، لڑکیوں کو روکنے والے اور ان کو شوہروں کے خلاف بدظن کرنے والے سب گناہ گار ہوں گے، شرعاً لڑکیاں رخصت کرائی جانے پر مجبور کی جائیں گی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم دیوبند ۱/۱۲۰)

لڑکی والے رخصت کرنے پر راضی ہوجائیں گے، تو انشاء اللہ سارا جھگڑا ختم ہوجائے گا اور شوہروں پر لازم ہے کہ بیویوں کے ساتھ میل محبت اور مودت کا معاملہ کریں اوران پر ظلم نہ کریں جیسا کہ قرآن کریم کی آیت: **إمساک بمعروف** .[البقرۃ:۲۲۹] سے مستفاد ہورہا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۱۳؍۲۳)

بیوی شوہر کے پاس نہ جائے تو کیا کریں؟

سوال [۷۱۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی لڑکی کی شادی قرض لے کر ۲۰۰۵ء کو کی، اس کے چار دن بعد جہیز کی مانگ شروع کی گئی کہ یہ دیا وہ نہیں دیا اور لڑکی کو طعنے دیئے گئے، اب لڑکی گھر پر آگئی اور اب ہماری لڑکی جانے کے لئے تیار نہیں ہے؛ اسے ہم نے ہر طرح سمجھا لیا، مگر وہ پھر بھی جانے کو تیار نہیں ہے، وہ بس یہی کہہ رہی ہے کہ مجھے وہاں جانا نہیں ہے، چاہے کچھ بھی ہوجائے دو دن کے بعد لڑکے کے چھوٹے بھائی سے پتہ چلا کہ لڑکے کا ایک ڈیڑھ مہینہ پہلے علاج چل رہا تھا، اس بات کے تین گواہ ہیں، لڑکی کو اس بارے میں بھی سمجھا کر دیکھ لیا کہ علاج سے لوگ ٹھیک ہوجاتے ہیں؛ لیکن وہ پھر بھی تیار نہیں ہے اور لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ تم اپنی لڑکی کو سمجھاؤ اور اسے بھیجنے کی کوشش کرو۔ آپ یہ بتایئے کہ ہم نے بہت سمجھایا؛ لیکن جب وہ جانے کے لئے تیار نہیں ہے، تو ہم کیا کریں ہماری بیٹی کی زندگی کا سوال ہے، آپ یہ بتائیں ہم اس رشتہ کو ختم کریں یا نہیں؟ اور اس وقت مہر فاطمی کے کتنے روپئے ہورہے ہیں؟

المستفتی: افضال حسین، کچا باغ، باغ بہادر گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کسی اندرونی بیماری کا شکار ہے، جس کی بنا پر لڑکی جانے کے لئے راضی نہیں ہے، اگر علاج وغیرہ سے صحت یابی کی امید ہو، تو جلد بازی سے کام نہ لیں؛ بلکہ بہتر ہے کہ علاج کے لئے کچھ عرصہ موقع دیا جائے اور لڑکی کو سمجھا بجھا کر بھیج دیا جائے، یہی زیادہ مناسب ہے اور اگر اس کے بعد بھی شوہر کی بیماری بدستور باقی رہتی ہے، تو عدالت شرعیہ میں اپنا مقدمہ دائر کرا کے فیصلہ کرالیں۔

عن عبداللّٰہؓ قال: يؤجل العنين سنة، فإن وصل إليها، وإلا فرق بينهما، ولها الصداق. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ٣٤٣/٩، رقم: ٩٧٠٦، سنن الدار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ٢١١/٣، رقم: ٣٧٦٩، السنن الكبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ٥٢٨/١٠، رقم: ١٤٦٣١)

وإذا وجدت المرأة زوجها عنينًا، فلهاالخيار إن شاء ت أقامت معه، وإن شاء ت خاصمته عند القاضي وطلبت الفرقة ، فإن خاصمت فالقاضي يؤجله سنة. (تاتارخانية، زكريا ٢٢٠/٥، رقم: ٧٧٠٤)

وإذا كان الزوج عنينًا أجله الحاكم سنة، فإن وصل إليها فبها وإلافرق بينهما إذا طلبت المرأة ذٰلک. (هداية، كتاب الطلاق، باب العنين اشرفي ديو بند ٤٢٠/٢)

(۲) مہر فاطمی موجودہ اوزان اور دس گرام کے حساب سے ۱۵۳ر تولہ ۹۰۰ر ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازاری ریٹ سے معلوم کرلیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۱۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۳۳/۳۷)

بیٹی، داماد کا سوتیلی ساس کی برائیاں بتا کر سسر سے طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال [۶۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری پہلی اہلیہ کا انتقال ہوگیا تھا، ۱۹۸۹ء میں، میں نے ۱۹۹۴ء میں عقد ثانی کیا اور عقد ثانی سے پہلے اپنی تین بیٹیوں کی نکاح کی ذمہ داری بفضلہ تعالیٰ انجام دے چکا ہوں اور ایک لڑکے کی بھی شادی سے فارغ ہو چکا ہوں۔ اب میری شادی کو تقریباً چھ سال سے زائد ہو چکے، میرے داماد میری اہلیہ ثانی جو کہ میرے داماد کی سوتیلی ساس ہیں کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بدتمیز ہے اور بدکار ہے اور ان کا مزاج چوری کرنے کا ہے، غیر مردوں سے اس کے تعلقات ہیں، میرے بڑے داماد کو یہ شکایت ہیں، اس حالت میں وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیدوں، ورنہ بھیانک انجام ہوگا، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس بیوی کو طلاق دلوا کر اور عورت سے نکاح کرادیں گے، وہ بیوی کو گوارہ نہیں کرتے؛ بلکہ اس سے بہت ہی عداوت رکھتے ہیں۔ اب بتائیں کہ مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینا جائز ہوگا کہ نہیں اور مجھے اپنی اولاد، داماد سے کس طرح کے معاملات رکھنا چاہئے؟ کیونکہ میں بڑی مشکل میں ہوں، میری دوسری بیوی سے کوئی بھی اولاد نہیں ہے اور پہلی بیوی کی چار اولادوں کے نکاح کی ذمہ داری الحمدللہ ادا ہو چکی ہے۔

المستفتی: محمد حنیف، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ کو اپنی بیوی سے ذاتی طور پر کوئی شکایت نہیں ہے اور وہ آپ کے حقوق میں کوئی کوتاہی نہیں کررہی ہے، تو اس صورت میں محض داماد اور بیٹیوں کے الزام تراشی کی وجہ سے موجودہ بیوی کو طلاق دیں، یہ آپ کے لئے جائز نہیں ہے، اگر آپ طلاق دیں گے تو سخت گنہگار ہوں گے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ آپ کی موجودہ

بیوی بچوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے اور داماد اور بیٹیوں کا فرض ہے کہ ان کے ساتھ عزت کا معاملہ کریں۔

نیز داماد اور بیٹیوں کا طلاق کا مطالبہ کرنا قطعاً جائز نہیں، اس طرح کے مطالبات سے وہ لوگ گنہگار رہوں گے۔

وأما الطلاق، فإن الأصل فيه الحظر بمعنیٰ أنه محظور إلا لعارض يبيحه وهو معنى قولهم الأصل فيه الحظر. (شامي، زكريا ٤/٤٣٨، كراچي ٣/٢٢٨)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولاتحسسوا، ولاتجسسوا، ولاتناجشوا، ولاتحاسدوا، ولاتباغضوا ولاتدابروا وكونوا عباد الله إخوانا.

(مسلم شريف، كتاب البر ولصلة، باب تحريم الظن والتجسس والتنافس الخ۔ النسخة الهندية ٢/٣١٦، بيت الأفكار رقم:٢٥٦٤، بخاري شريف، كتاب الأدب، باب ماينهیٰ عن التحاسد والتدابر، النسخة الهندية ٢/٨٩٦، رقم:٥٨٢٩، ف:٦٠٦٤، مشکوٰة شريف ٤٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۷۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۶/۱۴۲۱ھ

طلاق کے مطالبہ پر بیوی کو مہر دینا لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۶۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بیٹے کی شادی ۱۸؍جولائی ۱۹۹۸ء کو ہوئی تھی، افسوس میرا لڑکا شادی کے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا، جس کی وجہ سے اس کی اہلیہ اپنے میکہ میں رک گئی، اس کو رکے ہوئے تقریباً ۳؍ماہ ہوگئے ہیں، اس دوران میں نے اپنے بیٹے کا علاج کرلیا، جس سے وہ

ٹھیک ہوگیا ہے، جن صاحب نے علاج کیا ہے، وہ بھی کہتے ہیں کہ اب آپ کا لڑکا ٹھیک ہے؛ لیکن لڑکی کی والدہ اپنی بیٹی کو بھیجنے کو راضی نہیں ہیں اور طلاق چاہتی ہیں، میرے بیٹے کا مہر معجّل تیس ہزار روپیہ ہے اور ہم لڑکی کو رکھنے کو تیار ہیں۔ اب آپ یہ بتائیں کہ ایسی شکل میں اگر لڑکی خود طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، تو مہر کے روپئے دینے ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: سید منور علی، جامع مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکے کی کمی دور ہوگئی ہے، تو لڑکی پر لازم ہے کہ اپنے شوہر کے پاس آکر حق زوجیت ادا کرے؛ لیکن اگر لڑکی از خود شوہر کے پاس رہنے کے لئے تیار نہیں ہے، تو مہر معاف کر کے خلع کے لئے پیشکش کی جا سکتی ہے اور لڑکے کو مہر معاف کرنے کی شرط لگانے کا حق ہے۔

وإن تشاق الزوجان و خافا أن لا يقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعهابه. (هداية، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفی دیوبند۲/٤٠٤، هندية، زكريا ١/٤٨٨، جديد زكريا ١/٥٤٨، تاتارخانية، زكريا٥/٥، رقم: ٧٠٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر شوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۱۲ھ

نامرد شوہر سے طلاق و مہر کا مطالبہ کرنا

سوال [۶۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی کو تقریباً دو سال ہو چکے ہیں؛ لیکن ابھی تک صحبت میں پوری کامیابی نہیں ہوئی ہے، اور زید علاج بھی کافی کرا چکا ہے، مگر ناکام رہا، اب بیوی طلاق مانگ رہی ہے اور اپنے مہر کا مطالبہ بھی کر رہی ہے۔ رہا سوال یہ کہ زید کو طلاق دینا ضروری ہے یا نہیں؟ اب

اسی کے ساتھ ساتھ کیا مہر پورا دینا پڑے گا اور غربت کی وجہ سے مہر ادا کرنے کی زید طاقت نہیں رکھتا، دیگر کا کہنا یہ ہے کہ عدت بھی ضروری ہوگی؟ جبکہ مباشرت نہیں ہوئی ہے۔

المستفتی: میاں سرائے، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں لکھا ہے کہ شادی کو دو سال ہو چکے، مگر ابھی تک صحبت میں پوری کامیابی نہیں ہوئی، شوہر سے زبانی معلوم کیا گیا کہ بیوی جب سے میکے گئی تھی، اس کے بعد ملاقات نہیں ہوئی، ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ شوہر کو ایک سال تک حاکم مسلم یا اس کے نائب پنچایت کی نگرانی میں علاج کا موقع دیا جائے اور اس درمیان بیوی کو شوہر کے پاس ہی رہنا لازم ہے اور علاج بھی ہوتا رہے، اور دونوں میں بار بار ملاقات بھی ہوتی رہے، اگر ایک بار بھی صحبت پر قادر ہو جائے تو بیوی کو جدائیگی کے مطالبہ کا حق نہیں اور مذکورہ صورت میں بیوی علاج کے زمانہ میں شوہر کے پاس نہیں رہی؛ اس لئے طلاق اور مہر دونوں کا مطالبہ درست نہیں، ہاں البتہ مہر معاف کر کے شوہر کو خلع پر آمادہ کر لیا جائے تو درست ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۳۶/۶، جدید زکریا ۱۶۷/۶، جدید زکریا مطول ۳۹۹/۸)

عن عبداللّٰہ ﷺ قال: یؤجل العنین سنة، فإن وصل إلیها فبها، وإلا فرق بینهما، ولها الصداق. (المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي بیروت ۳۴۳/۹، رقم: ۹۷۰۶، سنن الدار قطني، دارالکتب العلمیة بیروت ۲۱۱/۳، رقم: ۳۷۶۹، السنن الکبریٰ للبیهقي، دارالفکر بیروت ۵۲۸/۱۰، رقم: ۱۴۶۳۱)

وإذا وجدت المرأة زوجها عنینًا، فلها الخیار إن شاء تأقامت معه، وإن شاءت خاصمته عند القاضي وطلبت الفرقة، فإن خاصمت فالقاضي یؤجله سنة. (تاتارخانیة، زکریا ۲۲۰/۵، رقم: ۷۷۰۴)

إذا رفعت المرأة زوجها إلي القاضي وادعت أنه عنین وطلبت الفرقة،

فـإن القاضي يسأله هل وصل إليها أو لم يصل؟ فإن أقر أنه لم يصل أجله سنة سواء كانت المرأة بكرا أم ثيبا. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۵۲۲، جديد زكريا ۱/ ۵۷٦)

اور خلع کے بعد عدت بھی لازم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۹ھ

بیوی کے مطالبۂ طلاق پر ’’ہاں ہاں جا دیدوں گا‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۷۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بقرعید میں ہم دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا، تو بیوی نے کہا کہ ’’مجھے میرے شوہر نے ڈھائی سال پہلے طلاق دینے کے الفاظ دوبار کہے اور دوعورتیں بھی کہتی ہیں کہ ہمارے سامنے جب دونوں میں جھگڑا ہورہا تھا، تب مرد نے دوبار طلاق کے الفاظ کہے تھے، مگر شوہر کہتا ہے کہ جب بیوی طلاق مانگ رہی تھی، تو میں نے کہا تھا، ’’ہاں ہاں جا دیدوں گا‘‘ اور یہ بات یہاں پر ختم ہوگئی؛ لیکن اب ۲۰۱۰/۱۰/۱ء جمعہ کو شوہر کسی عدالتی کام سے الہ آباد گیا تھا، تو بیوی ۲۰۱۰/۱۰/۴ء کو اپنے شوہر سے فون پر پوچھ کر میکہ چلی گئی، جب شوہر واپس آیا اور اپنی بیوی کو لینے گیا، تو بیوی نے آج کل کہہ کر ٹال دیا اور پھر وہی ساڑھے تین سال پرانی بات دہرانے لگی کہ مجھے دوعورتوں کے سامنے دوبار طلاق کیلئے کہا ہے، ۲۰۰۷/۸/۱۷ء کو یہ عورتیں بھی کہتی ہیں کہ ہمارے سامنے دوبار طلاق کے الفاظ کہے تھے، ان دوعورتوں کے علاوہ اور کوئی نہیں کہتا، شوہر باربار منع ہی کرتا ہے اور جن آدمیوں کے سامنے بیوی نے پہلے منع کیا تھا، ان ۲۰ یا ۲۵؍ آدمیوں میں سے ان تین آدمیوں کی گواہی ہے کہ ہمارے سامنے منع کیا تھا، ان تینوں گواہوں کے نام ۱-شمیم احمد ۲-نواب خاں ۳-رئیس احمد ان دوعورتوں کے نام ۱-بھوری ۲-آسو۔

المستفتی: شجاع الدین بن حاجی حسین الدین، اشرف پور روڈ دہلی، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں بیوی کا بیان متضاد ہے، کبھی کہتی ہے کہ مجھے طلاق دی، کبھی کہتی ہے کہ طلاق نہیں دی ہے اور میں نے غصہ میں طلاق کا دعویٰ کیا ہے، اس لئے بیوی کی باتوں کا اعتبار نہیں اور شوہر کا دعویٰ یہ ہے کہ جھگڑے کے دوران طلاق دیدوں گا کہا تھا، یہ وعدۂ طلاق ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور صرف دو عورتوں کی شہادت سے طلاق کا ثبوت نہیں ہوتا اور اگر بالفرض دو طلاق مان بھی لی جائیں، تو اس واقعہ کے بعد دونوں میاں بیوی ساتھ رہے بھی ہیں، اس سے رجعت ہوچکی ہے، لہٰذا دونوں کا نکاح بدستور باقی ہے اور بیوی کا کبھی بھی شوہر سے ناراض ہوکر گھر جا کر بیٹھ جانا درست نہیں۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢)

أنت طالق، أنت طالق فيقع رجعيتان، إذا كانت مدخولا بها. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/ ١٣)

لو قال أطلقك لم يقع. (الدر المنتقي على هامش مجمع الأنهر قديم ١/ ٣٨٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٤)

فقال الزوج: أطلق أطلق طلاق مى كنم "طلاق كنم" وكرر ثلاثا، طلقت ثلاثا، بخلاف قوله: سأطلق " كنم" لأنه استقبال، فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك. (هندية، زكريا ١/ ٣٨٤، جديد زكريا ١/ ٤٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۱۸ھ

بیوی کے مطالبہ پر دومرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد سجاد زیدی نے جھگڑے کے دوران بیوی کے طلاق مانگنے پر کہا جا طلاق دی، جا طلاق دی، تیسری دفعہ کہنے سے قبل ماں نے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور منھ بند کر دیا، تو کون سی طلاق ہوئی؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: سجاد زیدی، محلّہ دربارکلاں، امروہہ، جیوتی باپھولے نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف دوبار کہہ پایا تھا، جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے، تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عورت سے عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲۵۲، زكريا ٤/٤٦٣)

أنت طالق، أنت طالق، فيقع رجعيتان، إذا كانت مدخولا بها. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۴۴۲)

زوجین میں نباہ نہ ہونے کی صورت میں بیوی کا مطالبۂ طلاق

سوال [۶۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی کو تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہو چکا ہے، زید کی بیوی زید کے

ساتھ ازدواجی زندگی گذارنا نہیں چاہتی، زید کی بیوی جب بھی میکہ جاتی ہے طلاق مانگتی ہے، آج بھی میکہ میں ہے اور طلاق مانگ رہی ہے، زید طلاق دینا نہیں چاہتا، اپنی بیوی کو زید لانا چاہتا ہے، زید کی بیوی کسی قیمت پر آنے کو تیار نہیں ہے اور طلاق مانگ رہی ہے، اس عرصہ میں زید کے گھر کسی بھی قسم کا جھگڑا نہیں ہے، جب جب میکہ جاتی ہے، وہاں پر رک جاتی ہے اور آنا نہیں چاہتی ہے، کئی مرتبہ طلاق مانگ چکی ہے، ایسے حالات میں طلاق کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: اکبر علی، سابق چیر مین، ٹاؤن ایریا، بھوج پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی صورت میں لڑکی اور لڑکے کے والدین ان اسباب وجوہ پر غور کریں جن کی بنا پر لڑکی طلاق کی طالب ہے، اگر لڑکی کے پاس اس مسئلہ کے سلسلہ میں کوئی معقول وجہ اور شکایت ہو، تو اس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر لڑکے کی طرف سے کسی طرح کی کمی اور شکایت کی بات نہیں ہے، تو ایسی صورت میں لڑکے کو اس بات کا حق ہے کہ وہ اس کو طلاق نہ دے اور لڑکی کے والدین پر ضروری ہے کہ وہ لڑکی کو سمجھائیں اور اس کو شوہر کے پاس بھیج دیں، اگر سسرال میں لڑکی کا دل نہیں لگتا ہے، تو دل لگانے کی کوشش کرے اور جلدی جلدی میکہ نہ جائے، زیادہ وقت شوہر کے ساتھ گذارے، اس طرح انشاء اللہ تعلقات اور محبت میں اضافہ ہوگا۔

لايجب على الزوج تطليق الفاجرة. وفي الشامية: الفجور: العصيان كما في المغرب، إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله. (شامي، زكريا ٤/ ١٤٣-١٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۲۲ھ

(۴) باب وقوع الطلاق

کتاب الطلاق کے چند مقامات سے عدم اتفاق کی رائے

مع تصدیقات علماء مدرسہ شاہی مرادآباد

سوال[۶۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے پہلے کتاب النکاح، کتاب الہبہ، کتاب الوصیۃ آپ حضرات کی خدمتوں میں جا چکی ہیں، کتاب النکاح پر تو آپ حضرات کی رائیں آئیں؛ اس لئے چند مہینوں سے کتاب النکاح کے سلسلہ میں کوئی خط موصول نہیں ہوا ہے؛ لیکن کتاب الہبہ، کتاب الوصیۃ سے متعلق آراء اب تک آرہی ہیں، گرچہ ان کی رفتار بہت سست ہے، اس وقت آپ کی خدمت میں کتاب الطلاق ارسال کی جارہی ہے، کتاب الطلاق میں بھی متعدد مسائل ایسے آئے ہیں، جن میں ضرورت اور مقتضائے وقت نے ہمیں سابقہ فیصلوں سے کچھ ہٹنے پر مجبور کیا ہے، جب اس کا مطالعہ فرمائیں گے ساری چیزیں آپ کے سامنے آجائیں گی، میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ کتاب الطلاق پر بھی آپ اسی توجہ کے ساتھ اپنی قیمتی رائے سے سرفراز فرمائیں، جس طرح آپ نے کتاب النکاح میں اپنے مشوروں سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا ہے، ساتھ ہی ساتھ دعا بھی فرماتے رہیں کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس اہم کام کو ہمارے کمزور ہاتھوں کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہونچائے۔

المستفتی: (حضرت مولانا) منت اللہ غفرلہ (صاحب مدظلہ العالی)

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ خانقاہ، مونگیر (بہار)

دارالافتاء مدرسہ شاہی کی جانب سے جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت اقدس جناب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ خانقاہ مونگیر دامت فیوضکم رزقنا اللہ وأیاکم مایحب ویرضی.

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کا ارسال کردہ رسالہ کتاب الطلاق از اول تا آخر حرف بحرف بغور مطالعہ کیا گیا اور مسائل کے ہر پہلو پر غور وخوض کر کے سوچا گیا، کام فی نفسہ قابل احترام ہے؛ البتہ چند مسائل ایسے آ گئے ہیں جن پر بار بار غور کیا گیا، حسب استطاعت کتابوں کی طرف مراجعت بھی کی گئی بالآخر ہم کو ان مسائل کے بارے میں عدم اتفاق کا اظہار کرنا پڑا، جن کو مع دلائل درج کر دیا جا رہا ہے۔

(۱) صفحہ ۳-۴ میں طلاق سکران کے سلسلہ میں قول مفتی بہ اور فقہاء کے اجماع کو چھوڑ کر علی الاطلاق عدم وقوع طلاق کو اختیار کرنے میں ہم کو اتفاق نہیں ہے؛ بلکہ عام فقہاء اور اہل فتاوی کے ترجیح شدہ دلائل سے اتفاق ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۱۷، ڈابھیل ۱۲/۲۸۵، میرٹھ ۱۸/۱۲۶، فتاوی دارالعلوم ۱۰/۱۴۹-۱۶۰، أحسن الفتاوی ۵/۱۸۲، کفایت المفتي قدیم ۶/۲-۷۳)

المختار في زماننا لزوم الحد ووقوع الطلاق (إلی قوله) ان الخلاف مقید بما إذا شربه للتداوي فلو للهو والطرب فيقع بالاجماع الخ. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في تعريف السكران وحكمه زكريا ٤/٤٤٤، كوئٹه ٢/٤٦٠)

فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابة رضي الله عنهم الخ. (بدائع الصنائع زكريا ٣/١٥٨-٣/٩٨)

وطلاق الكسران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ وهو مذهب

أصـحـابـنا رحمهم الله تعالیٰ (إلی قوله) وعليه الفتوى في زماننا الخ. (هندية، كتـاب الـطـلاق، فـصـل فيـمـن يـقـع طـلاقه وفيمن لا يقع قديم١/٣٥٣، جديد ١/ ٤٢٠، البـحـرالـرائـق زكـريـا ٣/ ، كراچي ٣/٢٤٨، بزازية على هامش الهندية زكريا ٤/١٧١، تبيين الحقائق، كوئٹه ٢/١٩٤، زكريا ٣/٣٤، حاشية چلپي على التبيين كوئٹه ٢/١٩٤، زكـريـا ٣/٣٧، كتـاب الـفـقة على المذاهب الأربعة ٤/٢٨٢، ملتقي الأبحر مع الدر المنتقي قديم ١/٣٨٤، بيروت ٢/٨، ومثله في المجمع٢/٨)

نیز مسائل منقولہ غیر منقولہ میں غیر مجتہد کے لئے تبدیل وترمیم جائز نہیں ہے؛ بلکہ بطریق حکایت نقل کرنا واجب ہے۔

لـمـا الـقـطـع المفتي المجتهد في زماننا ولم يبق إلا المقلد المحض وجب علينا اتباع التفصيل الخ. (عقود رسم المفتي جديد ٧٢)

وتـرجيـحـاتهـم وتـصـحيحاتهم باقية فعلينا اتباع الراجح والعمل له كما لو افتوا في حياتهم الخ. (رسم المفتي جديد٧١)

وإن لـم يـكن من أهل الاجتهاد لا يحل له ان يفتي إلا بطريق الحكاية فيحكي ما يحفظ من أقوال الفقهاء الخ. (رسم المفتي جديد ٧٩)

اسی طرح مقلد کے لئے قول راجح کو چھوڑ کر غیر راجح کو اختیار کرنا حرام ہے۔

ان مـا اتـفـق عـلـيـه ائـمـتـنا لايجوز لمجتهد في مذهبهم أن يعدل عنه برأيه؛ لأن رأيهم أصح الخ. (رسم المفتي ٦٩)

وكـلام القرا في دال على أن المتجهد والمقلد لا يحل لهما الحكم، والإفتاء بغير الراجح؛ لأنه اتباع للهوىٰ وهو حرام اجماعاً الخ. (عقود رسم المفتي ٢٧)

(۲) صفحہ۴ر حاشیہ۲-۳ر صفحہ۵ر حاشیہ۱ر کا حوالہ تعزیری سرا کے بارے میں شامی اور ہدایہ علی فتح القدیر وغیرہ میں ہم کو نہیں ملا۔

(۳) صفحہ۴ر میں شرط بلوغ شرط میں انزال واحتلام کے ساتھ پندرہ سال عمر کی قید مسامحت سے خالی نہیں ہے۔

وبلوغ الغلام بالاحتلام والا حبال والانزال، والجارية بالاحتلام، والحيض، والحبل، فان لم يوجد فيهما شيئ فحتي يتم لكل منهما خمس عشر سنة به يفتیٰ الخ. (الدر المختار ۵/۱۰۷)

(۴) صفحہ ۲۱۲ر میں شوہر کا قول مدخول بہا کے بارے میں ''تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے'' ایک مجلس میں تین جملوں کے ساتھ قضاء اور دیانۃً دونوں صورتوں میں ایک طلاق ثابت کرنے میں ہم کو اتفاق نہیں؛ بلکہ ہم تمام فقہاء اور اہل فتاوی کی طرح اس کو تین طلاق سمجھتے ہیں، جو ذیل کے دلائل سے ثابت ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/۲۹۲، محمودیہ قدیم ۴/۵۲، کفایت المفتي قدیم ۶/۷۵)

التأسيس خير من التاكيد فإذا دار اللفظ بينهما تعين الحمل على التأسيس؛ ولذا قال اصحابنا: ولو قال لزوجته أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثًا، فإن قال أردت التاكيد صدق ديانةً لا قضاءً الخ. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹)

متىٰ كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواؤ يتعدد الطلاق الخ. (فتاوى عالمگيري، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول، زكريا ديوبند ۱/۳۵۶، قاضيخان على هامش الهندية، زكريا ۱/۴۵۴، شامي، زكريا ۴/۵۲۱، كراچي ۳/۲۹۳)

ولو كرر لفظ الطلاق ولم ينو الاستيناف ولا التأكيد وقع الكل أوالتأكيد فواحدة ديانةً والكل قضاءً. (الأشباه والنظائر قديم ۹۷)

ولو كرر لفظ الطلاق ولم ينو الاستيناف ولا التأكيد يقع الكل قضاءً؛ لأنه يجعل تأسيساً لا تأكيداً؛ لأنه خير من التأكيد. (حموي، على الأشباه، قديم ۹۷)

بان لم ينو استينافا ولا تاكيداً؛ لأن الأصل عدم التأكيد. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، زكريا ۴/۵۲۲)

نیزا گرایسی صورت میں قاضی ایک طلاق کا حکم لگادے یا مفتی ایک طلاق ہی کا فتوی دیدے تو نافذ نہیں گا؛ کیونکہ یہ جدیداور نئے مسائل نہیں ہیں؛ بلکہ فقہاء کے ساتوں طبقات کی نظر سے گذرے ہوئے مسائل ہیں اور زمانہ اور حالات کا دخل بھی ایسے مسائل میں نہیں ہے حتی کہ علامہ بن ہمامؒ جیسی شخصیت کی رائے کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا، خودان کے شاگرد نے ان کی تردید کردی تھی۔

ليس للقاضي ولا للمفتى العدول عن قول الإمام الا إذا صرح أحد من المشائخ بأن الفتوى على قول غيره فليس للقاضي أن يحكم بقول غير ماض الخ. (عقود رسم المفتي ٧٣)

ان المحقق ابن الهمام من أهل الترجيح حيث قال عنه أنه أهل النظر في الدليل وحِ قلنا اتباعه فيما يحققه ويرجحه من الروايات والأقوال ما لم يخرج عن المذاهب فان له اختيارا خالف فيها المذهب فلا يتابع عليها كما قاله تلميذه العلامة قاسمؒ الخ. (رسم المفتي جديد ٧٦)

(۵) دفعہ ۲۳؍ میں لفظ چھوڑ دیا وغیرہ سے ہر حال میں نیت طلاق بائن واقع ہونے میں ہم کو اتفاق نہیں ہے؛ بلکہ اس سے طلاق صریح رجعی ہی واقع ہوا کرتی ہے، جو یہاں کا عرف بھی ہے اور فقہاء اور اہل فتاوی نے اس کی صراحت بھی کردی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۶/۴، امداد الفتاوی جدید ۲/۳/۴۷۳، احسن الفتاوی ۱۶۶/۵)

كما في الشامي: فإذا رها كردم أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضًا. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات زكريا ٤/ ٥٣٠، كوئٹه ٢/ ٥٠٣)

وفي البزازية: أو رها كردم ففي هذا يقع بلانية الخ. (بزازية على هامش الهندية زكريا ٤/ ٢٠٠)

یہاں کے عرف میں لفظ چھوڑ دیا بیوی کے لئے طلاق ہی کی غرض سے بولا جاتا ہے، جس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص الخ. (رسم المفتي ٩٤)

تترک الحقیقة بدلالة الاستعمال و العادة الخ. (رسم المفتي ۹۵، الأشباه والنظائر ۱۵۰)

(۶) دفعہ ۳۶؍ میں جمہور کے قول کو چھوڑ کر حضرت امام زفرؒ کے قول کو اختیار کرنے میں ہم کو اتفاق نہیں ہے؛ کیونکہ جب تک کہ اہل ترجیح امام زفر کے قول کو ترجیح نہ دیں تو جمہور کے قول کو چھوڑ کر امام زفرؒ کے قول کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے، نیز مسئلہ بھی جدید حوادثات میں نہیں ہے۔

لیس للقاضي ولا للمفتي العدول عن قول الإمام الا إذا صرح أحد من المشائخ بأن الفتوی علی قول غیره الخ. (عقود رسم المفتي ۷۳)

چنانچہ زیر بحث مسئلہ قسم میں عمدۃ المتأخرین علامہ علاء الدین حصکفیؒ نقل فرماتے ہیں۔

والله لیصعدن السماء أو لیقلبن هذا الحجر ذهبا حنث للحال لامكان البر حقيقة، ثم يحنث للعجز عادةً الخ. (الدر المختار کوئٹه ۳/ ۱۱۱، هکذا بنایه عیني شرح هدایة ۲/ ۶۱۰، ۶۱۰۱)

(۷) دفعہ ۷۱؍ میں بالغہ عاقلہ کے غیر کفو میں ولی کی بغیر مرضی کے نکاح کر لینے میں ولی عصبہ کو حق تفریق دیا گیا ہے، جس سے انعقاد نکاح کا اثبات ظاہر ہوتا ہے؛ حالانکہ مفتی بہ قول یہی ہے کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا ہے اور علیحدہ ہونے کے لئے قضاء قاضی کی بھی ضرورت نہیں ہے؛ اس لئے دفعہ ۷۱؍ سے بھی اتفاق نہیں ہے۔

(۸) دفعہ ۸۷؍ میں کہا گیا ہے کہ اگر زوجین میں سے کوئی بھی اسلام سے منحرف ہو جائے تو نکاح ختم ہو جائے گا، اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے؛ کیونکہ اہل فتاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ شوہر کے ارتداد سے تو نکاح ختم ہوتا ہے؛ البتہ بیوی کے ارتداد سے نکاح ختم نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ بدستور باقی رہتا ہے اگر چہ تجدید اسلام کے بعد جماع جماع واستمتاع کے لئے احتیاطاً تجدید نکاح بھی لازم ہے۔

مذکورہ مقامات کے علاوہ باقی مسائل جن کو موصوف دامت برکاتہم نے قلم برداشتہ تحریر فرمایا

ہے وہ صحیح ہیں ان سے ہم کو اتفاق ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۷۹۰)

کیا طلاق واقع ہونے کے لئے تحریر ضروری ہے؟

سوال [۶۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ملکہ صبا بنت شیخ عبداللہ پتہ ۲۸؍ ۲۷؍ ۲ نئی کھڑکی ایروڈا پونا-۶ ؍میرا نکاح ناصر خاں بن محبوب خان کے ساتھ ۱۵؍ اگست ۱۹۸۶ء کو ہوا، کچھ عرصہ بعد جب میرے شوہر بے روز گار ہوگئے، توانہوں نے شراب پینی شروع کر دی اور بات بات پر جھگڑا کرنا گالی، گلوچ کرنا، روپیوں کا تقاضہ کرنا، روپئے نہ ہونے کی صورت میں مار پیٹ کرنا ان کا شیوہ بن گیا، یکم نومبر ۱۹۹۳ء کو بھی انہوں نے مجھ سے روپیوں کا تقاضہ کیا، میرے انکار پر انہوں نے زدوکوب کیا اور میرے بچہ کو میرے حوالہ کر کے مجھے گھر سے نکال دیا اور یہ کہا کہ جا تو مجھے روپیہ لاکر نہیں دیتی، تو تین طلاق دے کر اس گھر سے نکال دیتا ہوں اور یہ گھر میں نے کرایہ پر دیدیا ہے، ان سے روپیہ لے لوں گا، اور اس وقت یہ کہا کہ جا میں نے تجھے تین طلاق دی، طلاق، طلاق، طلاق، اس واقعہ کے گواہ شیخ افسر عبداللہ (میرے بھائی) ۲۔ شیخ عزیز عبدالقادر (ماموں) ۳۔ شیخ شاہین عبداللہ (بہن) ۴۔ شیخ امین نور محمد (بھائی کے دوست) ہیں، میں نے انہی گواہوں کے سامنے اپنی مرضی اور راضی خوشی سے اس وقت اپنا مہر ناصر خاں کو معاف کر دیا اور اس کی دی ہوئی طلاق کو قبول کرلیا؛ چونکہ اس نے مجھے طلاق دینے کے بعد یکم نومبر ۱۹۹۳ء کو گھر سے نکال ہی دیا تھا، تو میں اس وقت سے آج تک اس سے بالکل علیحدہ رہ رہی ہوں، اس کے بعد بھی ناصر خاں مجھ پر اپنا حق جتاتے رہے، کبھی روپیوں کا تقاضہ کرنا، مار پیٹ کرنا گالی گلوچ کرنا،

ذہنی طور سے مجھے پریشان کرتے رہے، کبھی اخبار میں بے سروپا باتیں نکلوا دیتے، اسی بناء پر کورٹ میں میں نے ان پر کچھ کیس کیئے ہیں،

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ ناصرخاں نے یکم نومبر۱۹۹۳ء کو جو مجھے طلاق زبانی دی ہے، جس کا میں مہر معاف کر چکی ہوں، گواہ ہونے کی صورت میں وہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ کیا شرعاً ثبوت طلاق کے لئے شوہر کی جانب سے طلاق کی تحریر ملنا ضروری ہے یا زبانی طلاق، جس کا میں مہر معاف کر چکی ہوں گواہ ہونے کی صورت میں کافی ہے؟

میری عدت کی مدت کیا ہے، میری عدت کب سے شمار ہوگی ، اگر عدت کی مدت ختم ہوگئی، تو کیا اپنا دوسرا نکاح کہیں کرسکتی ہوں یا نہیں؟

المستفتیه: ملکہ صبا بنت شیخ عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق واقع ہونے کے لئے شوہر کا زبان سے کہنا کافی ہے، تحریری شکل میں ہونا ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲۸۰/۹، جدید ڈابھیل ۴۵۵/۱۲)

وإن كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (در مختار على هامش در المختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير لمدخول بها، كراچي ۲۹۳/۳، زكريا ۵۲۱/٤، هندية، زكريا ۳۵٦/۱، جديد زكريا ٤۲۳/۱، قاضيخان على هامش الهندية ٤۵٤/۱، جديد زكريا ج۱ سيٹ ۲۷۳/۷)

مطلقہ مدخول بہا کی عدت تین حیض ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرة:۲۲۸]

وهي في حق حرة تحيض لطلاق ثلاث حيض كوامل. (در مختار مع الشامي كراچي ۵۰٤/۳، زكريا ۱۸۱/۵)

شوہر نے جس وقت طلاق دی ہے، اسی وقت سے عدت شروع ہوگئی اور تین ماہواری پوری ہونے پر عدت ختم ہوگئی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۲۹۲/۱۰)

هي أي العدة انتظار مدة معلومة يلزم المرأة بعد زوال النكاح.

(عالمگیري، الباب الثالث عشر في العدة، زكريا ١/٥٢٦، جديد زكريا ١/٥٧٩)

وابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق......فإن لم تعلم بالطلاق، أو الوفاة حتى مضت المدة فقد انقضت عدتها. (هداية، اشرفی بکڈپو دیوبند٢/٤٢٥)

ومبتدأ العدة بعد الطلاق وبعد الموت على الفور، وتنقضي العدة وإن جهلت المرأة بهما. (الدر مع الرد، كراچي٣/٥٢٠، زكريا٥/٢٠٢)

مطلقہ عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے؛ لہٰذا مطلقہ مذکورہ کوشرعاً دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/۲۹۰)

لو قالت امرأته لرجل طلقني زوجي وانقضت عدتي، لا بأس أن ينكحها.

(درمختار على هامش رد المحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في المنعي إليها زوجها، زكريا ديوبند ٥/٢١٥، كراچي٣/٥٢٩، جديد زكريا ١/٣٦١، هندية، زكريا٥/٣١٣، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت٥/١٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۰۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۴/۲۶ھ

مسئلہ معلوم نہ ہو کے کی صورت میں طلاق کا حکم

سوال [۶۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مختار احمد نے اپنی بیوی کوشدید غصے کی حالت میں طلاق دی، غصہ اس حد تک تھا کہ عقل جاتی رہی تھی، عورت حیض کی حالت میں تھی، صبح ۶/ بجے پیر کے دن شوہر نے بیوی کے روبرو ہوکر تین بار چیخ چیخ کر طلاق، طلاق، طلاق کہا؛ حالانکہ شوہر کا ارادہ طلاق دینے کا نہیں تھا اور نہ شوہر کو یہ معلوم ہے کہ اس طرح طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟ واضح رہے کہ شوہر کو اپنی طلاق کے الفاظ خوب یاد ہیں۔

المستفتی: مختار احمد، ساکن: ریلوے اسٹیشن باج پور، نینی تال (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں مختار احمد کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی مغلظہ ہوگئی ؛ جبکہ مختار احمد کو طلاق کے الفاظ خوب یاد ہیں۔ نیز طلاق واقع ہونے کے لئے لفظ تجھے طلاق دیدی وغیرہ کا حقیقۃً ذکر کرنا لازم نہیں ہے، اسی طرح حالت حیض میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

متىٰ كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق الخ. (فتاوى عالمگيري، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول، زكريا ديوبند ۱/۳۵٦، جديد زكريا ۱/۴۲۳، قاضيخان على هامش الهندية، زكريا ۱/۴۵٤، شامي، زكريا ٤/۵۲۱، كراچي ۳/۲۹۳)

ولو كرر لفظ الطلاق ولم ينو الاستئناف ولا التأكيد يقع الكل قضاءً؛ لأنه يجعل تأسيساً لا تأكيداً؛لأنه خير من التأكيد. (حموي على الأشباه، قديم۹۷)

ولايلزم كون الإضافة صريحة في كلامه (و قوله) لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لابطلاق غيرها . (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب (سن بوش) يقع به الرجعي، كوئٹه۲/٤٦٦، كراچي۳/۲٤۸، زكريا ديوبند ٤/٤۵۸)

ولا يفتقر إلى النية؛ لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال. (هداية، باب إيقاع الطلاق اشرفي بك ڈپو ۲/۳۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۷۸۶)

وقوع طلاق کے لئے شوہر کا اقرار کافی ہے

سوال [۶۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دیدی، پھر میں نیچے اتر کر آیا، تو محلّہ میں بہت شور ہورہا تھا، وہ میرے ساتھ نیچے اتر آئی، اس سے میں نے کہا کہ میں تجھے لے کر نہیں جاؤں گا اور کافی لوگ اکھٹے ہوگئے، شور شرابہ ہونے لگا، پھر میں نے دو بار طلاق طلاق کہا، دونوں ہی بار لوگوں نے میرے منھ پر ہاتھ رکھ دیا، جس کی وجہ سے میری آواز دب گئی اور اس نے کہا کہ میں نے نیچے نہیں سنا؟

المستفتی: محمد اکرام محلّہ: بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر خود اس بات کا قرار کر رہا ہے کہ ایک طلاق دے کر نیچے آیا، پھر نیچے دو بار طلاق دی، اس سے کل تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے عورت کا اپنے کان سے سننا لازم نہیں، صرف شوہر کا اقرار کافی ہے؛ لہٰذا دونوں کے درمیان زوجیت کا تعلق ختم ہو چکا ہے، بدون حلالہ کے بیوی شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

من أقر بطلاق سابق یکون ذٰلک إیقاعاً منه في الحال. (مبسوط سرخسي، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۳۳/٦)

اذا قال لامرأته أنت طالق، وطالق، وطالق ولم یعلقه بالشرط، إن کانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (هندیة، زکریا۱/۳۵۵، جدید زکریا ۱/٤۲۳، الأشباه والنظائر، زکریا۲۱۹)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها. (هندیة، زکریا ۱/٤۷۳، جدید زکریا ۱/٥۳٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۰۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۲ھ

طلاق کا جھوٹا اقرار کرنا

سوال [۶۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد عمر ولد بابو اپنی بیوی کو اپنے ساڑھو یعنی بیوی کے بہنوئی سے ملنے کو منع کرتا تھا؛ چونکہ میرے ساڑھو مجھ سے نہیں ملتے تھے، صرف اتنی ہی بات تھی اور کوئی شک وغیرہ نہیں تھا؛ لیکن میری بیوی میرے منع کرنے پر بھی میرے پیچھے اپنے بہنوئی سے خیریت وغیرہ معلوم کرلیا کرتی تھی، مجھے اس بات پر بہت غصہ رہتا تھا، ایک دن میرے ساڑھو میرے پیچھے میرے گھر آئے اور میری بیوی نے ان سے خیرت وغیرہ معلوم کی، میں نے جب اپنی بیوی سے پوچھا کہ تم اپنے بہنوئی سے ملیں تھیں، تو انہوں نے مجھ سے منع کردیا اور جھوٹ بولا، تو مجھے غصہ آگیا اور میں نے اپنی بیوی کو مارا اور مارتے مارتے میں نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیدی، یہ جملہ میں نے ایک ہی بار کہا تھا، اور یہ جملہ کہتے ہوئے ایک طمانچہ کنپٹی پر مارا، تبھی میری بیوی بے ہوش ہوکر گر گئی، تو میں بھی گھبرا کر اس کے قریب آیا، اٹھا کر دیکھا تو وہ بے ہوش تھی، میں نے اسے وہیں چھوڑ دیا، اس کے بعد مجھ سے میرے گھر والوں نے معلوم کیا کہ تو نے یہ جملہ کتنی بار کہا ہے، تو میں نے بتایا کہ ایک ہی بار کہا ہے، پھر دوسرے دن ہمارے سسر صاحب آئے اور الٹی سیدھی بکنے لگے، یہ کردوں گا، وہ کردوں گا، پھر کہا تم نے کتنی بار کہا ہے؟ تو میں نے بھی غصہ میں ان کو جواب دینے کے لئے جھوٹ میں کہا کہ تین بار کہا ہے، جو تم سے کرنا ہو کرلو؛ حالانکہ طلاق میں نے ایک ہی بار دی تھی، اور خسر اور میرے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے، اس میں بیوی کو طلاق دینے کا کوئی مقصد نہیں، صرف خسر کو غصہ کا جواب جھوٹ میں دینا مقصد تھا، تو ایسی صورت میں میری بیوی پر کتنی طلاق ہوئیں اور میں نے دوران گفتگو طلاق کا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا ہے، تب سسر صاحب نے اپنی بیٹی سے پوچھا تو اس نے کہا ایک ہی بار کہا ہے اور گھر والوں نے بھی ان کو یہی بتایا تھا کہ ایک بار طلاق دی ہے۔

حضور والا مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں کیا میری بیوی کو طلاق پڑگئی اور کونسی طلاق پڑی برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ بتانے کی تکلیف فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد عمر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب واقع میں صرف ایک طلاق دی ہے، بعد میں خسر کو چھیڑنے کے لئے جھوٹ میں تین کا اقرار کیا ہے اور واقع میں ایک طلاق دینا ثابت ہے، تو صرف ایک طلاق کا اعتبار ہوگا؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں ایک طلاق ہوئی ہے۔

ولو أقر بالطلاق هازلاً أو كاذباً، وقع قضاءً (إلى قوله) لو أرادبه الخبر عن الماضي كذباً لايقع ديانة، وإن أشهد قبل ذٰلك لا يقع قضاءً.

(شامي، كتاب الطلاق، زكريا ٤/٤٤٣، كراچي ٣/٢٣٨،بزازيه على هامش الهندية، زكريا٤/١٧٨، جديد زكريا ١/١١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۹۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۱؍۱۴۱۳ھ

شوہر کا طلاق دینے کے بعد انکار کرنا

سوال [۶۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صغیر نامی لڑکے نے اپنی بیوی کو پانچ طلاقیں دیں اور لڑکے کی عمر ۲۸؍سال کی ہے، اور دو اولادیں بھی ہیں، آیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اور دوسروں کے پاس کہہ رہا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔

المستفتی: محمد پیشکار (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرلڑکی کوپانچ بار یا تین بار طلاق دینے کا یقین ہے، یا اس نے اپنے کان سے سنا ہے اور شوہر طلاق کا منکر ہے اور بیوی کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں عورت شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے؛ بلکہ خلع وغیرہ کے ذریعہ علیحد گی اختیار کرلے اور اگر شوہر اس پر راضی نہیں ہے، تو فرار اختیار کرکے عدت گذار کر کہیں جا کر دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر ان میں سے کوئی شکل نہ ہوسکے اور شوہر طلاق نہ دینے پر قسم کھالیتا ہے، تو قضاء بیوی کو شوہر کے ساتھ جانا لازم ہوجائے گا اور ایسی صورت میں شوہر گنہگار رہوگا بیوی پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

المرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لايحل لها تمكينه، والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولاتقتل نفسها؛ بل تفتدي نفسها بمالٍ، أوتهرب -إلى قوله- ترفع الأمر فإن حلف ولا بينة لها، فالإثم عليه.

(شامی، کتاب الطلاق، باب الصریح، زکریا ٤/٤٦٣، کراچی ٣/٢٥١، البحر الرائق، کوئٹہ ٣/٢٥٧، زکریا ٣/٤٣٩، هندية، زکريا ١/٣٥٤، جديد زكريا ١/٤٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۳۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۶ھ

فرضی راضی نامہ سے طلاق کا حکم

سوال [۲۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیٹی شہناز تبسم کا نکاح مؤرخہ: ۱۰؍ ستمبر ۲۰۰۵ء کو ہمراہ ریحان اسلامی رسم و رواج سے ہوا تھا، مگر مؤرخہ: ۳۰؍ مارچ ۲۰۰۸ء کی رات کو ریحان خان اور اس کی ماں، بہنوئی

نے شہناز تبسم کو جلا کر مار ڈالنے کی کوشش کی ،کسی طرح شہناز تبسم کی جان بچ گئی اور وہ اپنے میکے آگئی، جس کا مقدمہ زیر عدالت ہے۔

اس درمیان ریحان خان نے ایک جھوٹا راضی نامہ ،طلاق نامہ ٹائپ کرا کے (جو اس درخواست کے ساتھ منسلک ہے) اور اس کے نیچے اپنے دستخط کر کے ڈاک سے شہناز تبسم کے گھر بھیج دیا؛ جبکہ اس فرضی راضی نامہ پر نہ شہناز تبسم کے دستخط ہیں، نہ کسی گواہ کے اور نہ میرے۔

سوال: اس فرضی راضی نامہ سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ ریحان کے دستخط اصلی ہیں اور ریحان کا کہنا ہے کہ میں نے کوئی طلاق ولاق نہیں دی۔

المستفتی: محمد ظفر، محلہ مفتی، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ یا راضی نامہ تحریر کی شکل میں لڑکی یا لڑکی کے باپ کو جو وصول ہوا ہے اور اس کے بارے میں لڑکا انکار کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں چند معزز آدمیوں کے ذریعہ سے ریحان خان سے بات کرنی چاہئے کہ اس تحریر پر جو دستخط ہیں، وہ اسی کے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ دستخط کا سرے سے انکار کردے اور دستخط اس کی تحریر سے ملتا نہیں ہے، تو اس تحریر کا اعتبار نہیں، اگر دستخط کا انکار نہ کرے اور اس کی تحریر سے اس کے دستخط کی تحریر ملتی ہے، تو ایسی صورت میں اس کی تحریر سے متعلق تحقیق کی جائے ، اگر ثابت ہو جاتا ہے یا اقرار کر لیتا ہے، تو اس سے جتنی طلاق دی ہے، اتنی ہی واقع ہو جائے گی اور راضی نامہ کا اعتبار نہ ہوگا، رضامندی کا اعتبار لڑکی کے اوپر ہے، راضی نامہ کی جو باتیں لکھی گئی ہیں، وہ لڑکی کے حق میں کسی طرح معتبر نہیں ہیں؛ البتہ طلاق کے حق میں معتبر ہیں۔

لو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها، وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها، وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦، ٢٤٧، هندية، زكريا ١/٣٧٩، جديد زكريا ١/٤٤٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١،

رقم: ٦٨٤٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤ ٣/ ١٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۶۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۷/۲۵ھ

دل میں سوچی ہوئی طلاق کو زبان سے ادا کرنا

سوال [۱۰۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی وہ اس طرح سے کہ ماں اور اس کی بیوی میں تکرار ہورہی تھی، تو زید نے اپنی ماں سے کہا کہ تم اس سے جھگڑا کیوں کررہی ہو؟ میں نے تو اس کو دل میں طلاق دے دی ہے، اس کے بعد زید نے طلاق طلاق طلاق کہا، اس سے اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۲) بعض علماء کا کہنا ہے کہ دل میں طلاق دینے کے معنی دل میں سوچنے سے طلاق نہیں پڑتی؛ اس لئے اس سوچنے سے طلاق نہیں پڑی، پھر اسی دل میں سوچے ہوئے طلاق کی تشریح طلاق طلاق طلاق سے کی ہے؛ لہٰذا اس سے بھی کوئی طلاق نہیں پڑی، دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب سے آگاہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۳) یہ کہ اگر طلاق واقع ہوگئی ہو، تو پھر سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا چاہیں، تو کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: محمد اصغر علی صدیقی، ۸/۲۲۷، چمن گنج، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، مگر الفاظ طلاق زبان سے ادا کرنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، زید نے زبان سے الفاظ طلاق ادا کئے ہیں؛ اس لئے زید کی بیوی مذکورہ صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی ہے۔

وأما الطلاق، والعتاق، فلا يقعان بالنية؛ بل لا بد من التلفظ الخ.
(الأشباه والنظائر قديم ۸۹)

ركنه أي ركن الطلاق لفظ مخصوص (در مختار) وهو ما جعل دلالة على معنىٰ الطلاق من صريح أو كناية (إلى قوله) وأراد اللفظ ولو حكماً.
(شامي، كتاب الطلاق، زكريا ديوبند ٤/٤٣١، كراچي ٣/٢٣٠، مطبوعه كوئٹه ٢/٤٥٣، مصري ٢/٥٤٧، هكذا عالمگيري، زكريا ١/٣٤٨، جديد زكريا ١/٤١٥)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، وهكذا في العالمگيري ١/٣٥٦، جديد زكريا ١/٤٢٣، الأشباه حموي ٩٧)

(۳) دوبارہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے حلالۂ شرعیہ ضروری ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ عدت گذار کر دوسرے مرد سے نکاح کرے اور ہمبستر ہونے کے بعد وہ مرد طلاق دیدے، یا انتقال کر جائے، پھر عدت گذار کر زوج اول سے نکاح کرے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(عالمگيري، زكريا ١/٤٧٣، جديد زكريا ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۸۶۷)

شوہر کے طلاق دینے پر بیوی کا قبول نہ کرنا

سوال [۶۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دلشاد حسین نے اپنی زوجہ منکوحہ کو معمولی تکرار میں بآواز بلند کہا کہ ”میں نے تمہیں طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی“، جس کو زوجہ نے باسماعت اپنی سنا؛ لیکن طلاق کو قبول

یا نا قبول نہیں کیا؛ بلکہ خاموشی اختیار کی، ایسی صورت میں کیا طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: حاجی اشتیاق حسین، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دلشاد نے اپنی زوجہ منکوحہ کو تین مرتبہ ان الفاظ سے طلاق دی ہے، جو سوال نامہ میں مذکور ہیں، تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں ہے اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا یا قبول کرنا لازم نہیں ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [البقرہ:۲۳۰]

الطلاق، والخلع يصح دون علم الآخر. (الفقه الإسلامي وأدلته، مكتبه هدیٰ انٹرنیشنل دیوبند۹/ ۲۹۱)

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قدیم ص:۲۱۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا ۱/ ۴۷۳، جديد زكريا ۱/ ۵۳۵، هداية، اشرفي ۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۵۸/۳۸)

بیوی کا نام لئے بغیر طلاق دینا

سوال [۶۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر اور بیوی میں کسی بات کے اوپر جھگڑا ہوگیا، تو شوہر نے بیوی کے ایک تمانچہ مارا، تو بیوی نے غلط باتیں کیں، تو شوہر نے تین بار ''طلاق، طلاق، طلاق'' کہا، اس

میں شوہر نے کسی کا نام نہیں لیا۔

المستفتی: عابد حسین، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر نے تین بار ''طلاق، طلاق، طلاق'' کہا، تو اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور وہ اس پر حرام ہوگئی، اگرچہ شوہر نے کسی کا نام نہ لیا ہو؛ کیونکہ بیوی ہی سے جھگڑا ہو رہا ہے؛ اس لئے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أو ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هداية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة، اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري، مكتبه امدايه ديوبند ١٧٨، هندية، زكريا ١/٤٧٣، جديد زكريا ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۵۶۸)

ایک طلاق کے بعد دوسروں کے سوال کے جواب میں طلاق کی خبر دینا

سوال [۲۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی اہلیہ کو ایک طلاق دی اور دونوں نے بعد میں رجعت کرلی، پھر ۱۵؍دن کے بعد دونوں کے مابین جھگڑا ہوا، زید کے گھر کچھ لوگ جمع ہوگئے، ان میں سے ایک نے پوچھا ''کچھ کہا تو نہیں''؟ زید نے جھوٹ بولا کہ کہہ چکا ہوں؛ حالانکہ کہا کچھ نہیں تھا، دوسرے نے پھر پوچھا کہ تم نے طلاق دیدی، تو اس کے جواب میں زید نے کہا کہ میں تم سے کہہ رہا ہوں، میں نے اس کو طلاق دیدی، پھر کسی تیسرے نے پوچھا کہ کیا تم نے طلاق دیدی، تو اس

کے جواب میں بھی زید نے وہی جملہ کہا یعنی میں تم سے کہہ رہا ہوں، میں نے اس کو طلاق دی، ارادہ دل میں پہلے ہی سے طلاق ہی کا تھا، پھر پنچایت والوں نے زید سے پوچھا کہ طلاق تو ہوگئی، تو اس کے جواب میں زید نے کہا ہاں طلاق تو ہو ہی گئی ہے، ان چاروں جملوں میں زید نے طلاق کی مقدار متعین نہیں کی، ایک دی یا دو دی، یا تین دی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلے جو طلاق رجعی دی تھی، وہ طلاق بعد رجعت کے باقی رہے گی یا ختم ہو جائے گی؟

دوسری بات قابل دریافت یہ ہے کہ مذکورہ چاروں جملوں سے زید کی بیوی، زید کے نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو زید کی بیوی پر طلاق رجعی پڑی یا مغلظہ یا بائنہ، اگر زید دوبارہ نکاح میں لانا چاہے، تو اس کی کیا شکل ہوگی؟ واضح رہے کہ زید کی بیوی ڈیڑھ ماہ کی حاملہ بھی ہے۔

المستفتی: محمد شاہد، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اول ایک طلاق دے کر رجعت کرنے کے پندرہ روز بعد جب دوسرے کے سوال کے جواب میں کہا کہ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں نے اس کو طلاق دی، تو اگر اس جملہ سے پندرہ روز قبل والی طلاق کی خبر دینا مقصود نہیں ہے، تو اس جملہ سے دوسری طلاق واقع ہوگئی اور رجعت کر کے رکھ سکتا ہے اور اگر خبر دینا مقصود ہے، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور تیسرے کے سوال کے جواب میں خبر دینا واضح ہے؛ اس لئے اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ولو قال لامرأته: أنت طالق، فقال له رجل: ماقلت؟ فقال: طلقتها، أو قال قلت: هي طالق، فهي واحدة في القضاء؛ لأن كلامه انصرف إلى الإخبار بقرينة الاستخبار. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل النية في طلاق الكناية، زكريا ۳/۱٦۳، كراچي ۳/۱۰۲، فتاوى عالمگيري،

زکریا ۱/ ۳۵۵، جدید زکریا ۱/ ۴۲۳، بزازیه علی هامش الهندية، زکریا ٤/ ۱۸۱، جدید زکریا ۱/ ۱۱۸، قاضي خان علی هامش الهندية، زکریا ۱/ ٤٥٢، جدید زکریا ۱/ ۲۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۵۱۴/۲۵)

سسر سے کہا کہ تیری لڑکی کو طلاق

سوال [۲۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی سسرال میں آکر اپنی زوجہ کو اپنے سسر سے کہا کہ بڈھے میں نے تیری لڑکی کو طلاق کئی بار کہا، بڑی سلج نے سنا، ساس اور چھوٹی سلج نے، زوجہ طلاق دینے کی جگہ سے قریب بیس پچیس گز دور تھیں اور کھانا کھانے کی مشغولیت میں غور سے نہ سنا، نہ سمجھ میں آیا۔

المستفتی: حاجی شاہنواز، گرام بکمیاں معافی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق واقع ہونے کے لئے شوہر کے الفاظ کا بیوی یا کسی اور کا سننا مشروط نہیں۔

الطلاق والخلع يصح دون علم الآخر. (الفقة الإسلامي وأدلته، تعريف الفسخ لغة واصطلاحًا، هدى انٹرنیشنل دیوبند ۹/ ۲۹۱)

اور کئی بار میں لڑکی کو طلاق کہنا وضاحت طلب ہے شوہر اس سے طلاق دی کہنا چاہتا تھا یا طلاق دیدوں گا کہنا چاہتا تھا، شوہر اپنا ارادہ اور مراد ظاہر کردے، اس کے بعد حکم شرعی لکھا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۴۲/۲۶)

بیوی کی عدم موجودگی میں طلاق کا حکم

سوال [۶۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر اور مجھ میں کوئی ناراضگی نہیں تھی، لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ کے شوہر نے آپ کو طلاق دیدی؛ لیکن میں نے سنا نہیں تھا، یہ بات میرے پھوپی زاد بھائی نے بتائی کہ طلاق واقعی دیدی ہے اور اس وقت میں ساڑھے تین مہینہ کا حمل تھا، اب اس وقت میں اپنے ماں، باپ کے گھر ہوں اور میں چاہتی ہوں کہ دوبارہ اپنے گھر چلی جاؤں اور میرے شوہر بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں ان کے گھر رہوں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتیہ: نعیمہ خاتون

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی اور مجھ میں کوئی ناراضگی نہیں تھی، ایک دن میرے پھوپھی زاد سالے ہمارے گھر آئے اور مجھے بے حد گالی بکنے لگے اور گالی بک بک کر کہ تم نعیمہ خاتون کو طلاق دیدو، میں نے اپنا ہوش و حواس کھودیا اور میں نے بے شمار طلاق کہہ دیا؛ لیکن یہ آواز میری بیوی نے نہیں سنی، میری بیوی کو اس وقت ساڑھے تین ماہ کا حمل تھا۔ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد انظار الحسین، محلّہ: لال پور بستور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کو لفظ طلاق کا سننا طلاق واقع ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، بیوی کی عدم موجودگی میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اگر تین مرتبہ یا اس سے زائد بوقت مطالبہ لفظ طلاق کہا ہے، تو بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں ہیں۔ اب دوبارہ بلا حلالہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا، بلا حلالہ نہ بیوی شوہر کے پاس جاسکتی ہے اور نہ ہی شوہر کے لئے لانا جائز ہوسکتا ہے۔

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٥٨، كراچي ٣/٢٤٧، كوئٹه)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص:٢١٩)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا ١/٣٥٦، جديد زكريا ١/٤٢٣، قاضي خان على هامش الهندية، زكريا ١/٤٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۶/ ۱۴۰۹ھ

وقوعِ طلاق کے لئے عورت کی موجودگی، سماع اور اس سے خطاب ضروری نہیں

سوال [۶۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کی عدم موجودگی میں چند افراد کے سامنے طلاق دی، اور ان موجودہ حضرات نے اس بات کی اطلاع ہندہ کو دیدی کہ تمہارے شوہر زید نے ہماری موجودگی میں تم کو طلاق دیدی ہے، عورت کی عدم موجودگی میں طلاق مانی جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمر صدیق، آزاد پرنٹنگ پریس لائن - ۱/ آزاد نگر، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق شرعی واقع ہونے کے لئے عورت کا سامنے ہونا یا سننا یا نام لے کر خطاب کرنا شرط نہیں ہے؛ بلکہ عدم موجودگی میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ولايلزم كون الإضافة صريحة في كلامه، كما في البحر: لو قال طالق فقيل له من عنيت، فقال: امرأتي طلقت امرأته. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح،

مصری ۲/ ۵۹۰، کوئٹہ۲/ ٤٦٦، کراچي ۳/ ۲٤۸، زکریا٤/ ٤٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۸۴۱)

وقوع طلاق کے لئے بیوی کے سماع کی شرعی حیثیت

سوال [۶۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ محمد جاوید خاں کی شادی تقریباً ڈھائی سال قبل صوبہ پنجاب میں ہوئی تھی، شادی کے چھ سات ماہ تک ہم دونوں میاں بیوی باہم خوشگوار زندگی گذارتے رہے، اس کے بعد میرے سسر نے مجھ سے یہ کہا کہ تم اپنا آبائی وطن مرادآباد چھوڑ کر مستقل پنجاب رہائش اختیار کرلو، میں اپنی گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے وہاں رہنے کے لئے تیار نہیں ہوا، پھر ایک موقع پر میرے سسر میری بیوی کو چند ایام کے لئے پنجاب بلا کر لے گئے اور کسی طرح کی کوئی بات بھی ایسی نہیں ہوئی کہ جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ اب دوبارہ وہ اپنی لڑکی مرادآباد میرے گھر نہیں بھیجیں گے، میں جب پنجاب اپنی بیوی کو بلانے کے لئے گیا، تو میرے سسر نے صاف صاف یہ کہہ دیا کہ اگر پنجاب میں رہنا ہے، تو ٹھیک ہے، ورنہ میں مرادآباد لڑکی کو نہیں بھیجوں گا اور اس کے بعد میرے خلاف طرح طرح کے جھوٹے مقدمات عدالت میں پیش کردیئے، میں ان مقدمات میں الجھا رہا اور ہر ممکن کوشش اپنا گھر بسانے کی کرتا رہا؛ لیکن اپنے سسر کی شاطرانہ چالوں کی وجہ سے ناکام رہا۔ اب میں نے حالات سے تنگ آکر اپنی بیوی شہناز بی کو اس کی عدم موجودگی میں تین طلاق دیدی ہیں؛ جبکہ میری بیوی نے میرے طلاق کے الفاظ کو سنا بھی نہیں ہے، عرض یہ ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے کیا میری بیوی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد جاوید خاں، پکا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا طلاق کے الفاظ کو سننا ضروری نہیں ہے، نیز بیوی کی عدم موجودگی میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب آپ نے آپسی جھگڑے اور حالات سے تنگ آکر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، تو ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ پر قطعی طور پر حرام ہوچکی اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ آپ کا نکاح بھی نہیں ہوسکتا ہے۔

الطلاق، والعتاق يصح دون علم الآخر. (الفقه الإسلامي وأدلته، مكتبه هدیٰ انٹرنیشنل ۹/ ۲۹۱)

ولايلزم كون الإضافة صريحة في كلامه (إلى قوله) لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/ ۲٤۸، زكريا ٤/ ٤٥۸)

ولايلزم كون الإضافة صريحة في كلامه، كما في البحر: لو قال طالق فقيل له من عنيت، فقال: امرأتي طلقت امرأته، ويؤيده ما في البحر: لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأة ثلاثاً، وقال لم أعن امرأتي يصدق يفهم منه، أنه لو لم يقل ذٰلک تطلق امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/ ۲٤۷، زكريا ٤/ ٤٥۸)

في الخانية: رجل قال لامرأته: طالق، ولم يسم وله امرأة معروفة طلقت امرأته استحساناً. (تاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/ ٤۲۱، رقم: ٦٥۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۸۵/۴۰)	۱۴۳۴/۵/۴ھ

حاملہ طلاق کے الفاظ نہ سنے تو طلاق کا حکم

سوال [۶۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اختر نے اپنی بیوی شاکرہ خانم کو تین طلاق دیدیں، بیوی حمل سے ہے، بیوی کہتی ہے کہ میں نے سنا نہیں؛ لہٰذا دریافت یہ کرنا ہے کہ اب میاں بیوی ایک ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں؟ شرعاً کیا صورت ہے؟

المستفتی: حاجی نبن، دیوان بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں۔

الطلاق، والعتاق يصح دون علم الآخر. (الفقه الإسلامي وأدلته، مكتبه هدىٰ انٹرنیشنل دیو بند ۹/ ۲۹۱)

اور حالت حمل میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

وطلاق الحامل يجوز. (هداية، اشرفي ديو بند ۲/ ۳۵۶)

جب اختر نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہے، تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب اگر ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو حلالہ کے بغیر ساتھ رہنا جائز نہیں ہوگا۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ . [البقرة: ۲۳۰]

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. كذا في الهداية. (هندية، زكريا ۱/ ۴۷۳، جديد زكريا ۱/ ۵۳۵، هداية، اشرفي ديو بند ۲/ ۳۹۹، قدوري امداديه ديو بند ۱۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۶۴)

کیا طلاق کے وقوع کے لئے بیوی کا سننا ضروری ہے؟

سوال [۶۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر مشرف ساکن محمود پور معافی نے اپنی بیوی کو جو سسرال میں ہی تھی، وہاں سے بلانے کو گئے تھے؛ لیکن آپس کی نااتفاقی کی بناء پر غصہ میں نہ بھیجنے پر اس طرح کے الفاظ زبان سے نکل گئے کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، پھر بیوی خاموش رہی اور بیوی آڑ سے ایک طرف کھڑی تھی؛ لیکن شوہر نے دیکھا بھی نہیں، ساس کے مجبور کرنے سے طلاق طلاق طلاق، اس طرح کہا ہے اور بیوی نے اپنے بیان کے مطابق سنا ہے، ایک صاحب ڈاکٹر ہیں وہ گھر میں آتے جاتے رہتے ہیں، اس وقت وہ گھر میں موجود تھے، انہوں نے بھی یہ الفاظ سنے ہیں، اب یہ چاہتے ہیں کہ کوئی طریقہ ہے جو اسلام کی رو سے میری بیوی میرے گھر آجائے، میں پریشان ہوں، میں نہیں چاہتا کہ بیوی نہ آئے، میں نے ڈرانے کے لئے ساس سے اس طرح کہا ہے، شریعت کی رو سے مسئلہ واضح فرمائیں تاکہ بطور ثبوت پیش کر کے میرے بچے میرے گھر آجائیں۔

نوٹ: بیوی دو ماہ کے حمل سے ہے۔

المستفتی: محمد یسین محمود پور معافی، وایا: سرسی، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا آمنے سامنے ہونا لازم نہیں ہے اور نہ ہی بیوی کا سننا لازم ہے؛ بلکہ صرف بیوی کی طرف منسوب کرنا کافی ہوتا ہے، اور بیوی کی طرف نسبت بھی صراحۃً ضروری نہیں ہے؛ بلکہ قرائن کافی ہیں اور سوال نامہ میں جھگڑا قرینہ کے لئے کافی ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوچکی ہے۔

ولا یلزم کون الإضافة صریحة في کلامه (إلی قوله) لأن العادة أن من له

امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲۴۸، زكريا ٤/٤٥٨)

اور جب تین مرتبہ طلاق کا لفظ دہرایا ہے، تو اس سے تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۳۴۶)

وقوع طلاق کے لئے عورت کا سننا لازم نہیں

سوال [۶۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام محمد معراج ولد ضمیر احمد محلّہ گنیا باغ میں نے اپنی بیوی کو سامنے بیٹھا کر اپنی بیوی کے کان میں خوب زور سے یوں کہا کہ ”میں نے تجھے اپنے نکاح سے آزاد کیا، میں نے تجھے طلاق دی، تین بار کہا اس کے بعد میری بیوی نے شور مچایا اور کہنے لگی کہ ”مجھے طلاق دے دی“ کچھ دور میری بیوی کے ماموں کھڑے تھے، میری بیوی نے ان سے جا کر کہا کہ مجھے طلاق دے دی، تو میری بیوی کے ماموں نے میری بیوی کو خاموش کر دیا، اس کے بعد میری بیوی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ جو کچھ تم نے کہا میں نے کچھ نہیں سنا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد معراج ولد ضمیر احمد، محلّہ گنیا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے وقوع کے لئے بیوی کا سننا شرط نہیں ہے، جب شوہر خود تین طلاق دینے کا اقرار کر رہا ہے، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو کر شوہر کے

لئے قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ اب حلالہ شرعیہ کے بغیر دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔(مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ۱۳/ ۳۰۲)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه و النظائر قديم ۲۱۹)

ولو أقر بالطلاق كاذباً أو هازلاً، وقع في القضاء. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه، كراچي ۳/ ۲۰۳، زكريا ٤/ ٤٤٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا ۱/ ٤٧٣، هداية، جديد زكريا ۱/ ٥٣٥، اشرفي ۲/ ۳۹۹، قلوري، امدادية ديوبند ۱۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا رمحرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۷۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۱ھ

وقوع طلاق کے لئے بیوی کا سننا یا سامنے ہونا لازم نہیں

سوال [۶۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک سال پہلے اپنی بیوی کو موبائل پر بات کرتے ہوئے یہ کہا کہ ”میں نے تجھے طلاق، طلاق، طلاق دی“؛ لیکن بیوی نے فوراً فون بند کر دیا، تو مذکورہ صورت میں میری بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ اور اب میری بیوی دوبارہ میرے پاس آنا چاہتی ہے، تو کیا میں اپنی بیوی کو دوبارہ لا سکتا ہوں؟ حکم شرعی بیان فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد سراج الدین، ککھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق کے واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں ہے

اور نہ ہی بیوی کا سامنے ہونا ضروری ہے، نیز بیوی کا قبول کرنا بھی شرط نہیں ہے؛ بلکہ شوہر کی زبان سے بیوی کے واسطے طلاق کے جملے نکل جانا کافی ہے اور جب شوہر تین بار یا اس سے زائد طلاق کے الفاظ بیوی کے حق میں کہنے کا اقرار کر رہا ہے، تو یہی وقوع طلاق کے لئے کافی ہے؛ لہٰذا آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر آپ کے لئے قطعی طور پر حرام ہو گئی ہے۔ اب اگر دوبارہ دونوں ساتھ رہنا چاہیں، تو بغیر حلالۂ شرعی اور تجدید نکاح کے جائز نہ ہوگا۔

ولو أقر الزوج بالطلاق كاذباً أو هازلاً وقع. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه، كراچي ٣/٣٠٣، زكريا ٤/٤٤٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا ١/٤٧٣، جديد زكريا ١/٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۴۹/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱/۱۴۳۶ھ

وقوع طلاق کے لئے عورت کا سننا اور پاک ہونا لازم نہیں

سوال [۶۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غصے کی حالت میں اپنی بیوی کو ۳؍ بار یا ۷؍ بار طلاق دی، طلاق کی حالت میں لڑکی بحالت غسل تھی اور طلاق کے وقت کوئی گواہ موجود نہیں تھا، بیوی اندر دوری پر تھی، لڑکی کا کہنا ہے کہ مجھ کو بالکل آواز نہیں آئی، اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟ فتویٰ صادر فرمائیں، شافعی مسلک کے مطابق مسئلہ میں طلاق نہیں ہوئی، لڑکی غریب ہے، ۳؍ بچے ہیں، دونوں اپنے غصے کی غلطی پر نادم ہیں۔

المستفتی: علیم الدین، امیر خاں، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی ہے۔

متیٰ کرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق الخ. (فتاوی عالمگیري، زکریا دیوبند ۱/۳۵٦، جدید زکریا ۱/٤۲۳، قاضیخان علی هامش الهندیة، زکریا ۱/٤٥٤، جدید زکریا ۱/۲۷۳، شامي، زکریا ٤/٥۲۱، کراچي ۳/۲۹۳)

لہٰذا اب بلاحلالہ کے دوبارہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا، طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا ضروری نہیں ہے۔ نیز حالت جنابت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ شافعی مسلک کی وہ کتاب ہمارے پاس لیتے آیئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۳۹۵)

وقوع طلاق کے لئے بیوی کا طلاق کے الفاظ سننا لازم نہیں

سوال [۶۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد ظفر نے اپنی بیوی عظمت کو تھانہ مغل پورہ میں کچھ لوگوں کی موجودگی میں یہ الفاظ کہے ”میں نے تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی“ پھر یہی الفاظ دوبارہ بلند آواز سے کہے میں نے تجھ کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی؛ لیکن لڑکی کچھ فاصلہ پر بیٹھی ہوئی تھی، لڑکی کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق کے الفاظ نہیں سنے، لڑکی کو دھوکہ سے تھانہ بلایا گیا اور اچانک یہ واقعہ پیش آ گیا، کچھ لوگ دوبارہ اپنے کام سے گئے ہوئے تھے، انہوں نے سنا ہے وہ حضرات مندرجہ ذیل ہیں۔

مولانا ریاست علی، حاجی محمد جاوید، اچھے میاں، محمد آصف، منظور احمد، حافظ محمد عمر، حاجی امیر

خاں مذکورہ صورت حال میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرما کر کرم فرمائیں۔

المستفتی: حاجی محمد حبیب خاں، محلّہ فیض گنج شوکت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں ہے، اس کے سنے بغیر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور متعدد افراد کے سامنے شوہر نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دی ہے، اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، آئندہ دونوں کے درمیان بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۴۲۵، فتاوی دارالعلوم ۹/۴۲، آپ کے مسائل اوران کاحل ۶/۶۳)

الطلاق، والخلع يصح دون علم الآخر. (الفقه الإسلامي وأدلته، مكتبه هدىٰ انٹرنيشنل ۹/۲۹۱)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (الهندية، زكريا ۱/۴۷۳، جديد زكريا ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، قلوري، امداديه ديوبند ۱۸۷)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۶۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۲۰ھ

''نانی اماں ایک دو تین'' کہنے کا حکم

سوال [۶۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میری بیوی کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے، پچھلے دس ماہ سے اس کے دماغی مرض کی دوائیں چل رہی تھیں، میری بیوی نے پچھلے چھ ماہ سے دوائی لینا بند کر دیا تھا، اس دوران ایک دن میرے نانا کی اچانک طبیعت ناساز ہوگئی، جو میری بیوی کے بھی نانا ہوتے ہیں، تو میں ان کی دوا کے کام میں پورے دن مصروف ومشغول رہا، اس درمیان میں جب گھر آیا تو میری بیوی نے دماغ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ لڑنا شروع کر دیا اور کہنے لگی ''دوسروں کے کام میں کیوں دخل اندازی کر رہے ہو؟ جس کا ہوگا وہ دیکھ لے گا'' یہ کہہ کر میرے ساتھ جھگڑا کرنا شروع کر دیا، اس دوران میں سیڑھی سے نیچے اترا۔ اور میں نے غصہ کی حالت میں کہا کہ نانی اماں! ''ایک، دو، تین'' اور دوسری بار اسی وقت میں نے میرے نانا کو بھی آواز لگا کر کہا کہ '' ایک، دو، تین'' تو سوال یہ ہے کہ اس سے میری بیوی کو طلاق پڑے گی یا نہیں؟ اگر طلاق پڑے گی تو کتنی؟

المستفتی: اشرف گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان لڑائی کے بعد جب شوہر نے اپنی نانی اور نانا کو مخاطب کر کے یہ کہا ''ایک، دو، تین'' تو ظاہری حالت کے تقاضہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بیوی ہی کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں؛ لہٰذا اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں مغلظہ واقع ہو کر شوہر کے لئے وہ قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے۔ اب حلالۂ شرعیہ کے بغیر ازدواجی تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ واضح رہے کہ یہاں پر لفظ ''ایک، دو، تین'' الفاظ کنائی میں سے ہیں اور یہ اصول ہے کہ الفاظ کنائی سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے؛ لہٰذا قاعدہ کے اعتبار سے ایک کہتے ہی ایک طلاق بائن واقع ہو جانی چاہئے تھی، جس کے نتیجہ میں بعد کے دو الفاظ یعنی ''دو'' اور ''تین'' **البائن لایلحق البائن** کے اصول کے مطابق لغو ہو جاتے؛ لیکن چونکہ فقہاء کرام نے اس اصول سے کچھ الفاظ مستثنیٰ کئے ہیں، اس میں سے ''أنت واحدۃ'' بھی ہے؛ اگرچہ یہ کنائی ہے؛ لیکن فقہاء کرام نے اسے

صریح کے درجہ میں قرار دیا ہے اور اس سے طلاق رجعی ہونے کی صراحت کی ہے کہ جس طرح طلاق صریح میں تین لفظ سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، اسی طرح یہاں پر بھی تین لفظ سے تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، تحقیق سے معلوم ہوا کہ شہر گودھرا میں ایک دو تین کے الفاظ بیوی کے حق میں طلاق ہی کے لئے مستعمل ہیں؛ اس لئے اس وجہ سے بھی طلاق صریح مراد لی جاسکتی ہے، جیسا کہ فتاوی رحیمیہ میں گودھرا والوں کے بارے میں یہ وضاحت موجود ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۲۹۶/۸، محمودیہ ڈابھیل ۴۶۳/۱۲)

وأما الكنايات الرواجع كاعتدي واستبرئي رحمك، وأنت واحدة، وما ألحق بها، فإنها وإن كانت تحلق البائن في ظاهر الرواية بشرط النية؛ لكنها لما وقع بها الرجعي أنت في معنى الصريح كما في البدائع: أي فهي ملحقة بالصريح في حكم اللحاق للبائن. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات مطلب: الصريح يلحق الصريح والبائن، زكريا ٤/ ٥٤٠، كراچي ٣٠٦/٣، الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، زكريا ٤/ ٤٧٢، رقم: ٦٦٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱؍ رجب المرجب ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۰۲۲/۴۱)	۱/۷/۱۴۳۶ھ

آپسی نزاع کے درمیان ''آپ کی بہن کو چھوڑ دیا، آزاد کر دیا'' کہنا

سوال [۶۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤرخہ ۳۱؍ دسمبر ۲۰۱۴ء بوقت صبح زوجین کے درمیان باہم کسی نازیبا حرکت کو لے کر جھگڑا ہوگیا، محلّہ کے بااثر لوگ اور بیوی کے بھائی آگئے، نزاع کم ہونے کے بجائے طول پکڑتا رہا کہ بیوی کے بھائی یعنی میرے ہم نسبتی بھائی محمد قاسم نے کہا کہ جب سے ہم نے اپنی

بہن کی شادی کی ہے، میری بہن گوشت کو ترس گئی، تو شوہر محمد علی نے جواب دیا کہ آپ کو اپنی بہن کو لے جانا چاہئے تھا، آپ کی بہن میرے پاس کیوں رہ رہی ہے؟ اس نے کہا کہ میری بہن تمہارے پاس نہیں رہ رہی ہے؛ بلکہ تم میری بہن کے پاس رہ رہے ہو، تم مکان سے نکل جاؤ اور بہن کو چھوڑ دو، تو میں محمد علی نے غصہ میں کہہ دیا کہ مکان اپنے پاس رکھو اور اپنی بہن کو رکھو اور دوکان بچوں کو دے کر جا رہا ہوں، ''میں نے تمہاری بہن کو آزاد کیا، چھوڑ دیا'' یہ الفاظ تین سے زائد مرتبہ کہے یہ بات ملحوظ رہے کہ مکان بیوی کا ہے اور میری بیوی اپنا مہر زیور وغیرہ سب بہت پہلے وصول کر چکی ہے اور اس رقم سے اس نے مکان خرید کر اپنے نام کر لیا تھا، اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، بڑا لڑکا ۱۶/ سال کا اور چھوٹا لڑکا ۱۳/ سال کا اور لڑکی ۷/ سال کی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بیوی پر طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ تمہاری بیوی پر طلاق پڑ گئی، اگر طلاق واقع ہوگئی ہے، تو اب دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر عورت دوبارہ نکاح کرنے کے لئے تیار نہ ہو، تو بچے کس کے پاس رہیں گے؟ میں اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

نوٹ: اس وقت محمد شمیم، محمد اسلام، حاجی محمد اسرار، شبیر بھائی، اور میری بیوی کے بھائی محمد قاسم، حافظ محمد شاکر اور محمد طاہر و دیگر لوگ موجود تھے، جب ہمارے سالوں نے مجھ سے یہ الفاظ کہلوائے تو یہ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

المستفتی: محمد علی، میاں کالونی، نورا ین مسجد گلی نمبر ۳، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پورے سوال نامہ پر غور کیا گیا ہے آپسی جھگڑے اور نزاع کے درمیان شوہر نے اپنے سالہ کو مخاطب کر کے کہنا کہ ''میں نے آپ کی بہن کو آزاد کر دیا اور چھوڑ دیا'' کے الفاظ تین سے زائد مرتبہ استعمال کئے گئے ہیں، جس سے بیوی کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ آزاد کر دیا اور چھوڑ دیا کے الفاظ طلاق صریح کے

معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور تین سے زائد مرتبہ کہنے سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں؛ اس لئے حلالہ کے بغیر دونوں کے درمیان نکاح درست نہیں ہوگا۔

إن كـان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به زكريا ١/٤٧٣، جديد زكريا ديوبند ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩،بدائع الصنائع، زكريا٣/٢٩٥)

فإذا قال: ”رها كردم“ أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وما ذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق. (شامي، زكريا٤/٥٣٠، كراچي٣/٢٩٩)

اورسوال نامہ میں یہ پوچھا گیا ہے کہ بچے کس کے پاس رہیں؟ ایک لڑکا ۱۶؍سال اور دوسرا لڑکا ۱۲؍سال کا ہے،لڑکوں کی عمر ۷؍سال پورا ہوجانے کے بعد باپ کواپنے پاس رکھنے کا حق ہوتا ہے،لڑکی کے بالغ ہونے تک ماں کواپنے پاس رکھنے کا حق ہوتا ہے اوراس معاملہ میں سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ آپسی صلح ورضامندی سے بچوں کو رکھا جائے اور ماں باپ دونوں سے ملنے کی اجازت دیدیں۔

والأم، والجدة أحق بالغلام حتى يستغني، وقدر بسبع سنين، وقال القدوري: حتى يأكل وحده، ويشرب وحده، ويستنجي وحده، وقدره أبو بكر الرازي بتسع سنين. والفتوى على الأول. والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض، وفي نوادر ابن هشام عن محمدؒ: إذا بلغت حد الشهوة فالأب أحق. (الفتاوى العالمگيرية، الباب السادس عشر: في الحضانة قديم زكريا ١/٥٤٢، جديد زكريا ديوبند ١/٥٩٣، ١/٤٥٢، البحر الرائق ٤/٢٨٧، شامي، زكرياه/٢٦٧-٢٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۱۹۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۳؍۱۴۳۶ھ

''تیری بہن کوطلاق ہوگئی، اس کی خیر خبر لے لو'' کہنے کا حکم

سوال[۶۲۰۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص سعودیہ میں رہتا ہے اور وہ کافی دنوں کے بعد گھر آتا ہے اور جب وہ گھر آتا ہے، تو وہ بیوی کے پاس بہت ہی کم دن گذارتا ہے، ادھر ادھر گھومتا رہتا ہے ایک دن غصہ میں بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں تو بیوہ عورت کی طرح ہوں، آپ سعودی سے یہاں آکر بھی میرے پاس نہیں رہتے اور یہ کہہ کر اپنے زیورات نکال کر شوہر کے ہاتھ میں دیدیئے، اس کے بعد شوہر نے اپنے سالہ کوفون کر کے کہا کہ تیری بہن کو تو طلاق ہوگئی، اس کی خیر خبر لے لو، تو کیا یہ کہنے سے اس عورت کوطلاق ہو جائے گی؟ برائے کرم جواب بحوالہ عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شہادت بردوانی، مغربی بنگال (الہند)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر نے اپنے سالے کو یہ بتلایا کہ تمہاری بہن پر طلاق ہوگئی ہے، اس کی خبر گیری کرلو اور حالت یہ ہے کہ اس سے پہلے طلاق نہیں دی گئی ہے؛ کیونکہ یہ شوہر کی طرف سے اقرار طلاق ہے؛ اس لئے اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے ساتھ میں رکھنے کی گنجائش ہے۔

ولو أقر بالطلاق وهو كاذب وقع في القضاء. وصرح في البزازية: بأن له في الديانة إمساكها إذا قال: أردت به الخبر عن الماضي كذباً، وإن لم يرد به الخبر عن الماضي أو أراد به الكذب، أو الهزل وقع قضاءً وديانة. (البحر الرائق، زکریا ۳/۴۲۸)

وفي الصغرىٰ: في امالى أبي يوسفؒ: إذا قال لها: قد طلقتک، أو قال لها:

”أنت طالق“ وأراد الخبر عما مضی کذباً وسعه فیما بینه وبین الله تعالیٰ أن یمسکها، وإن لم یرد الخبر عما مضی وأراد الکذب فهي طالق في القضاء، وفیما بینه وبین ربه، وکذا إذا أراد الهزل طلقت قضاء ودیانة. (تاتارخانیة، کتاب الطلاق، الفصل الرابع فیما یرجع إلي صریح الطلاق، زکریا ٤/ ٤٠١، رقم: ٦٥٢٥)

وإذا طلق الرجل امرأته تطلیقةً رجعیةً، أوتطلیقتین، فله أن یراجعها في عدتها، رضیت بذلک أو لم ترض. (هدایة، کتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفیه ٢/ ٣٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۰۵۸/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲۶ھ

”طلاق دیدوں گا، نبھاؤ نہیں ہوسکتا ایک دو تین“ کا حکم

سوال [۶۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی کے درمیان تکرار ہونے لگا اور دوران تکرار زید نے بیوی سے کہا کہ ”میں تمہیں طلاق دیدوں گا“ پھر اس کے دس پندرہ منٹ بعد زید نے بیوی سے کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان نبھاؤ نہیں ہوسکتا، پھر زید نے کہا ایک، دو، تین“ تو مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اس واقعہ میں زید کی بیوی پر کوئی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اکابر کے فتاوی اور فقہاء کے جزئیات سے مدلل کرکے جواب تحریر فرما دیجئے۔

المستفتی: عبید اللہ، بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: زید اور بیوی کے درمیان جو گفتگو ہو رہی ہے، اس گفتگو میں تین جملے ہیں، پہلا جملہ ہے ”میں تمہیں طلاق دیدونگا“ یہ مذاکرۂ طلاق ہے اور دوسرا جملہ

ہے، میرے اور تمہارے درمیان نبھاؤ نہیں ہوسکتا اور تیسرا جملہ ہے ایک، دو، تین'' اور مذاکرۂ طلاق میں ایک، دو، تین کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے؛ کیونکہ یہ ایسا کنائی لفظ ہے جس سے صریح طلاق واقع ہوتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کی بیوی پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئیں۔ فتاوی محمودیہ میں اسی موضوع سے متعلق دو فتاوی ہیں ان دونوں کا حاصل بھی یہی ہے؛ لہٰذا بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ترتیب جامعہ فاروقیہ کراچی ڈابھیل ۱۲/ ۶۲۴ تا ۶۴۴، میرٹھ ۱۸/ ۳۸۴ تا ۳۸۷)

ولو قال: أنت مني ثلاثاً طلقت إن نوى، أو كان في مذاكرة الطلاق. إلى قوله: فيفيد العلم بعدد الطلاق المقدر الذي نواه المتكلم، كما أن قوله بثلاث دل على عدد طلاق مقدر نواه المتكلم، ولا فرق بينهما إلا من جهة أن العدد في أحدهما صريح وفي الآخر غير صريح، وهذا الفرق غير مؤثر بدليل أنه لا فرق بين قوله: أنت طالق، هكذا مشيرًا إلى الأصابع الثلاث، وبين قوله: أنت طالق بثلاث. (شامي مع الدر، كتاب الطلاق، باب الصريح تحت مطلب في قول الإمام: إيماني كإيماني جبرئيل، كراچي ۳/ ۲۷۵تا۲۷٦، زكريا ٤/ ٤٩٧تا٤٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۹۴۳/۴۱)	۱۴۳۶/۲/۲۹ھ

کیا پاگل بیوی کو طلاق دینے سے واقع ہوجائے گی؟

سوال [۶۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی بیوی پاگل ہوگئی ہے، اگر وہ شخص پاگل بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ مع حوالہ جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: بدر الزماں، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے واقع ہونے کے لئے شوہر کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے اور شوہر کے ہوش وحواس درست ہونا لازم ہے، بیوی کا عاقل بالغ یا ہوش وحواس درست ہونا لازم نہیں؛ لہٰذا شوہر کا جب دل و دماغ درست ہے، تو اس کے لئے اپنی پاگل بیوی کو طلاق دینا درست ہے اور پاگل بیوی پر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں شوہر اپنی پاگل بیوی کو طلاق دیدے گا، تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل. (التنویر مع الدر٤/٤٣٨)

أما الشرط فمن الزوج كونه عاقلاً بالغاً، ومن المرأة كونها في نكاحه، أوعدته التي تصلح محلاً للطلاق. (الفتاوى التاتارخانية، ٤/٣٧٧، رقم: ٦٤٧١، كنزمع البحر الرائق،زكريا٣/٤٢٤، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/٧-٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۰۶۹/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲ھ

○❖○

(۵) باب طلاق الحامل و الحائض

حالت حمل کی طلاق

سوال [۶۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی حاملہ بیوی کو تین طلاق دیں، پھر اسی کے ساتھ زن وشوہر والا رشتہ قائم کئے ہوئے ہے، زید کا خیال یہ ہے کہ حمل کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔

المستفتی: حافظ محمد سرفراز عالم، موضع غوث پور، باغپت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت حمل میں بھی بلا شبہ طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب زید نے اپنی بیوی کو حالت حمل میں تین طلاق دیدی ہیں، تو اس سے تینوں طلاق واقع ہوکر بیوی زید پر بالکل حرام ہوگئی، آئندہ بغیر حلالہ کے آپس میں نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/۴۶، زکریا جدید ۶/۸۲، جدید زکریا مطول ۷/۵۵۱، نظام الفتاوی ۲/۵۹)

عن الحسن أنه كان يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، وهي حامل، فلها عليه النفقة حرة كانت أو أمة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ما قالوا فيه إذا طلقها وهي حامل؟......مؤسسه علوم القرآن جديد ١٠/ ٨٣، رقم:١٨٩٩٧)

وفي الدر: وحل طلاقهن أي الآيسة والصغيرة والحامل. (در مختار، كتاب الطلاق، كراچي ٣/ ٢٣٢، زكريا ٤/ ٤٣٤)

وفي الهداية: وطلاق الحامل يجوز. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفى ديوبند ٢/ ٣٥٦، قدوري، مكتبه امداديه ديوبند ١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۶۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۷/۱۴۲۹ھ

حمل کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال [۶۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد راشد ولد شہزاد نے اپنی بیوی عرشی کو حالت حمل میں تین بار طلاق دی ہے، تو ایسی صورت میں کونسی طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: محمد راشد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ لہٰذا جب آپ نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دے دی ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر شوہر پر وہ قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے۔ اب بغیر حلالۂ شرعیہ اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/ ۹۲، فتاوی عثمانیہ ۲/ ۳۱۸)

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع؛ لأنه لايؤدي إلي اشتباه وجه العدة. (هداية، كتاب الطلاق، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵٦، قدوري، امداديه ديوبند ۱۷۱، ونحو ذالك في فتاوى هندية، زكرياقديم ۱/ ۳٤۹، زكريا جديد ۱/ ٤۱۷)

عن هشام عن الحسن، ومحمد قالا: إذا كانت حاملاً طلقها متى شاء. (المصنف لابن أبي شبية، كتاب الطلاق، ما قالوا في الحامل كيف تطلق؟ مؤسسة علوم القرآن، جديد ۹/ ۵۱۳، رقم ۱۸۰٤۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا/ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱ھ

حاملہ کو طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میں نے اپنی بیوی شمع بنت خورشید احمد جہانگیر پوری دہلی کو ۱۷/۱۰/ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو بہت زیادہ لڑائی جھگڑے کی وجہ سے تین طلاق دیدی تھیں، اس وقت بیوی حاملہ تھی، تو کیا اس پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عثمان، نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر خود ہی اقرار کر رہا ہے کہ ۱۷/۱۰/ اکتوبر ۲۰۰۵ء کو لڑائی کے دوران اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہیں، تو اس کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة......فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصياً. (هداية، كتاب الطلاق، اشرفي ٣٥٦/٢، قدوري، امداديه ديوبند ١٧١)

وحلَّ طلاقهن أي الآئسة، والصغيرة، والحامل. (شامي، كتاب الطلاق، كراچي ٢٣٢/٣، زكريا ٤٣٤/٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۲۰/۳۸)

کیا حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میری دختر فرحانہ کفیل عرف رانی کو اس کے شوہر نوید الرحمٰن ولد حبیب الرحمٰن نے بذریعہ تحریر اپنے ہوش وحواس کا حوالہ دے کر تین مرتبہ طلاق دی ہے، مگر لڑکی تقریباً دو ماہ کی حاملہ ہے۔

(۲) مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا دوران حمل طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ یا ایسی طلاق ولادت کے بعد خود بخود واقع ہو جائے گی؟

(۳) فی الحال لڑکی ابھی سسرال میں ہے اس کا شوہر تحریر دے کر کہیں باہر چلا گیا ہے، ایسی صورت میں لڑکی کو کہاں رکھنا مناسب ہے؟ برائے کرم شرع کی روشنی میں تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد کفیل، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں تین مرتبہ تحریری طلاق دینے سے فرحانہ کفیل پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہو چکی ہے، بلاحلالہ شرعیہ اس شوہر سے نکاح بھی جائز نہیں ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحًا. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد زكريا۱/۵۳۵، هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، قدوري، امداية ديوبند۱۷۸)

(۲) حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع۔ (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۵٦)

(۳) معتدہ کو عدت گذارنا اس گھر میں ضروری ہے جہاں طلاق ہوئی ہے، اور اگر وہاں عدت گذارنا دشوار ہے، تو میکہ میں عورت پوری عدت گذار سکتی ہے۔

وعلى المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة، والموت. (هداية، اشرفى ديوبند۲/۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۵۰۲۶)

حالت حمل میں دوطلاق

سوال [۶۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو غصے کی حالت میں دوبار طلاق، طلاق، کہہ دیا اور وہ چار ماہ کی حاملہ ہے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ ہوگئی تو کونسی طلاق ہوئی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد سالم، سرائے ترین سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب اس حالت میں شوہر دوبار طلاق کہہ دیا ہے، تو اس سے دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، ولادت سے پہلے رجعت کرنے کی گنجائش ہے اور رجعت کی صورت یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ ہمبستری کرلی جائے یا زبان سے کہہ دیا جائے کہ میں نے تمہارے ساتھ رجعت کرلی اور ولادت کے بعد رجعت کا حق ختم ہوجائے گا، اور باضابطہ نکاح کرنے کی گنجائش ہے۔

طلاق الحامل یجوز عقیب الجماع. (هداية، اشرفي ٢/٣٥٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٤٩، زكرياجديد ١/٤١٧)

وحل طلاقهن أي الآيسة، والصغيرة، والحامل؛ لأن كراهة الطلاق في طهر جامع فيه ذوات الحيض لتوهم الحبل، فيشتبه وجه العدة أنها بالحيض أوبالوضع. (شامي، زكريا ٤/٤٣٤، كراچي ٣/٢٣٢)

وإذا أراد الرجل أن يراجع امرأته فالأحسن أن يراجعها بالقول لا بالفعل والرجعة بالقول أن يقول: رجعتک أو راجعتک أو رددتک، أمسكتک في الحضرة أو الغيبة. (تاتارخانية، زكريا ٥/١٣٨، رقم: ٧٤٧٨)

ولو ولدت بعد الطلاق تنقضي العدة بالولادة، فلا تتصور الرجعة.
(تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٠، رقم: ٧٨٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۶۱/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۳۰ھ

حالت حمل میں تین طلاق کا حکم

سوال[۶۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کی شادی دس سال پہلے ہوئی، اب اس کی چار اولا دیں ہیں، لڑکی کا شوہر دہلی میں کام کرتا ہے، چار پانچ مہینے کے بعد گھر آتا ہے؛ لیکن اب اس نے دہلی میں دوسری شادی کر لی، شادی کرنے کے بعد سے جب بھی پہلی بیوی کے پاس آتا ہے، تو اس پہلی بیوی کو پریشان کرتا ہے، اسی دوران پہلی بیوی کو پانچ مہینے کے لئے گھر پر چھوڑ کر چلا گیا، پھر جب شوہر گھر پر لوٹ آیا، تو کچھ ہی دیر بعد دو عورتوں کے سامنے پہلی بیوی کو تین طلاق دے کر چلا گیا، اب اس وقت عورت حاملہ ہے، تو کیا اس عورت پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: افتخار خاں، نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور جب شوہر نے تین طلاق دیدی، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ شوہر پر بالکل حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ کے آئندہ اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع. (هداية، اشرفي ديوبند ٣٥٦/٢، قدوري، امداية ديوبند ١٧١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحًا ويدخل بها، ثم يطلقها

أو يموت عنها. (هندية ، زكريا قديم١ /٤٧٣، زكريا جديد ١ /٥٣٥، هداية، اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، قدوري، امداية ديو بند١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷ /۸۶۵۳)

حالت حمل میں تین طلاق، نیز وضع حمل کے بعد پھر طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرفراز احمد نے اپنی بیوی کو پہلے تین طلاق دیدی تھیں، ان کی بیوی کسی حال سے تھی، تو ہم نے اپنی بیٹی کو بھیج دیا تھا اور اب وہ فارغ ہوگئی ہے، تو اس کے شوہر سرفراز احمد نے پھر سے طلاق دیدی ہے، تین بار کہا ہے دو گواہوں کے بیچ میں ان کے نام یہ ہیں رابعہ خاتون، رحمت جہاں۔

المستفتی: اختر حسین، کیت والی مسجد، مقبرہ دوئم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حالت حمل میں طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا سرفراز احمد نے اپنی بیوی کو حمل کی حالت میں جو تین طلاقیں دی ہیں، وہ واقع ہوچکی ہیں، اور اسی وقت سے بیوی شوہر کے لئے قطعی حرام ہوچکی ہے، اور بچہ ہونے کے بعد عدت پوری ہوچکی ہے اور اس کے بعد چونکہ مطلقہ شوہر کی بیوی نہیں رہی ہے؛ اس لئے بعد میں جو طلاقیں دی گئی ہیں، وہ محل طلاق نہ ہونے کی وجہ سے لغو ہیں۔

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. [الطلاق:٤]

أخرج عبد الرزاق عن الشعبي في طلاق الحامل. قال: يطلق عند الأهلة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق الحامل، المجلس العلمي ٦/٣٠٤، رقم:١٠٩٣٣)

ولو قال لامرأته الحامل: أنت طالق للسنة تقع في الحال واحدة، وبعد شهر أخرىٰ، وبعد شهر أخرىٰ، كما في ذوات الأشهر. (تاتارخانية، زكريا٤/ ٣٨٥، رقم:٦٤٨٥)

وتنقضي العدة وإن جهلت المرأة. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة، زكريا٥/ ٢٠٢، كراچي٣/ ٥٢٠، هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ /ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

حاملہ بیوی کو تین طلاق دینا

سوال [۶۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) تجھے طلاق دیدی، تین مرتبہ کہہ دیا، اس حالت میں بیوی حاملہ بھی ہے، لہٰذا اب حکم شرعی کیا ہے؟

(۲) اور عورت نے مرد کو مار دیا، آپسی جھگڑے میں، تو کیا اس عورت کی بدتمیزی سے طلاق کے واقع ہونے میں کوئی فرق پڑے گا؟ جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد گلفام، پیتل نگری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کی بدتمیزی یا عورت کے حاملہ ہونے کی وجہ سے طلاق کے واقع ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے؛ لہٰذا آپسی کے جھگڑے کے درمیان جب گلفام نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے۔ اب آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

وطلاق الحامل يجوز. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٥٦، قدوري، امداية ديوبند ١٧١)

ولـو قـال لـزوجتـه: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحًا، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/٤٧٣، زكريا جديد ۱/٥٣٥، هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ۲/۳۹۹، قدوري، امداية ديوبند۱۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الاول ۱۴۲٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۸۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/۴/۲۴ھ

جھگڑے کے دوران حالت حمل میں پانچ مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد شاہنواز نے اپنی بیوی کو لڑائی جھگڑے کے دوران پانچ بار طلاق دیدی، بیس پچیس لوگ موجود تھے، اس کے بطن سے ایک لڑکی ہے اور چار ماہ کا حمل ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اب اگر اس کو رکھنا چاہیں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شاہنواز، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شاہنواز نے اپنی بیوی کو جھگڑے کے دوران جب پانچ مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اب دونوں ساتھ رہنا چاہیں، تو حلالۂ شرعیہ کے بعد نکاح کرنے کی گنجائش ہے؛ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح درست نہیں ہوگا۔

وحلَّ طلاقهن أي الآئسة، والصغيرة، والحامل. (شامي، كتاب الطلاق، كراچي ۳/۲۳۲، زكريا٤/٤۳٤)

عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدرقطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم:٣٩٣٢، مجمع الزوائد٤/٣٤٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحًا ويدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكرياجديد ١/٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، قلوري، امدادية ديوبند١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۲۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۱/۲۵ھ

حمل میں طلاق اور عدت کا حکم

سوال [۶۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد وسیم نے اپنی بیوی شائستہ پروین کو مار پیٹ اور گالی گلوچ کرتے ہوئے، تین مرتبہ طلاق دیدیتھی، طلاق کو بھی تقریباً دس سال گذر چکے ہیں، تو کیا عدت گذر چکی ہے؟ اور میں اس وقت حمل سے تھی، تو حمل میں بھی طلاق واقع ہوگئی تھی یا نہیں؟ شوہر بھی اب لاپتہ ہے، تو ہمارے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہوں یا نہیں؟ طلاق کے گواہان بھی موجود ہیں، منسلک کاغذ میں ان کے دستخط موجود ہیں۔

گواہان: عرفان، ریاست حسین، محمد آصف، محمد جاوید، محمد عزیر، محمد جنید۔

المستفتیہ: شائستہ پروین، نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے شوہر محمد وسیم نے آپ کو حالت حمل

میں تین طلاق دی تھیں، تو آپ پر طلاق مغلظہ اسی وقت واقع ہوچکی تھی، اور شریعت میں حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور آپ کی عدت اسی وقت پوری ہوگئی تھی، جس وقت بچہ کی ولادت ہوچکی تھی؛ لہٰذا آپ کو بچہ کی ولادت کے بعد نفاس سے فارغ ہوکر کسی بھی مرد سے شادی کر کے باعصمت زندگی گذارنے کی شرعی طور پر اجازت حاصل ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص:۲۱۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحًا ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۴۷۳/۱، زكريا جديد ۵۳۵/۱، تاتارخانية، زكريا ۱۴۷/۵، رقم: ۷۵۰۳، هداية، اشرفي ديوبند ۳۹۹/۲)

والعدة في حق الحامل وضع حملها. (در مختار، زكريا۵/ ۱۹۰، كراچي ۵۱۱/۳، تاتارخانية، زكريا ۲۲۸/۵، رقم:۷۷۲۷)

وعدة الحامل أن تضع حملها......وليس للمعتدة بالحمل مدة سواء ولدت بعد الطلاق، أو الموت بيوم أو أقل. (هندية، زكريا قديم۱/ ۵۲۸، زكريا جديد ۵۸۱/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۵۶۷/۳۹)

حالت حمل کی طلاق، بچہ کی پرورش، مہر اور جہیز کا حکم

سوال [۶۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتانے کی زحمت فرمائیں کہ کیا دوران حمل طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ طلاق دی جاسکتی ہے؟ شرعی طور پر فتوی دیں، طلاق ایک ہوتی ہے، اس کا کیا طریقہ ہے؟

(۲) حاملہ کی طلاق کے بعد بچہ پیدا ہونے کی صورت میں اس کی پرورش کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

(۳) طلاق کے بعد مہر جہیز ولادت کا خرچ اور عدت کا خرچ طلاق دینے والا کچھ بھی ادا نہ کرے صرف طلاق ہی دیدے، تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا طلاق شدہ بیوی بالکل ہی بے سہارا ہو جائے گی؟

المستفتی: شمشاد حسین، سرجن نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق (۱) شرعی طور پر حالت حمل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے اور شوہر اپنی بیوی کو حالت حمل میں طلاق دے سکتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹۲/۹)

وطلاق الحامل یجوز عقیب الجماع. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق، السنة، اشرفي ديوبند ۳۵٦/۲، قلوري، امداية ديوبند ۱۷۱، شامي، مصري ۵۷٦/۲، كراچي ۲۳۲/۳، زكريا ٤۳٤/٤)

(۲) زوجین کے مابین جدائیگی کے بعد پرورش کا سب سے زیادہ حق ماں کو حاصل ہوتا ہے اور اس کا خرچہ بچہ کے باپ کے ذمہ واجب ہے۔

وإذا وقعت الفرقة بين الزوجين، فالأم أحق بالولد (إلى قوله) والنفقة على الأب على ماذكر ...... (هداية، اشرفي ديوبند ٤۳٤/۲)

(۳) شوہر پر مہر ادا کرنا اسی طرح جہیز واپس کرنا اور بچہ کی ولادت کا خرچہ دینا لازم ہے، نہ دینے کی صورت میں سخت گنہگار رہوگا۔

وَاِنْ كُنَّ اُوْلَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُن. [الطلاق:٦]

وفيه أجرة القابلة على من استأجرها من زوجة، أو زوج ولو جاءت بلا استئجار، قيل: عليه، وقيل: عليها، قوله قيل: عليه عبارة البحر عن الخلاصة: فلقائل أن يقول: عليه؛ لأنه مؤنة الجماع، ولقائل أن يقول عليها كأجرة

الطبيب (إلى قوله) ويظهر لي ترجيح الأول. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ٥/٢٩١، ٢٩٢، كراچي ٣/٥٧٩، ٥٨٠، مصري ٢/٨٩٣)

نیز مطلقہ کی عدت کا خرچہ بھی شوہر پر لازم ہے، نہ دینے کی صورت میں گنہگار رہوگا۔

عن أبي اسحاقؒ، قال: كنت مع الأسود بن يزيد جالساً في المسجد الأعظم-إلى-لها السكنىٰ، والنفقة، قال الله عزوجل: لاتخرجوهن من بيوتهن ولايخرجن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة. (صحيح مسلم، باب المطلقة ثلاثاً لا نفقة لها، النسخة الهندية ١/٤٨٥، بيت الأفكار رقم: ١٤٨٠)

وإذا طلق الرجل امرأته، فلها النفقة، والسكنىٰ في عدتها، رجعيًا كان أو بائناً. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٤٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۷۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۳۰ھ

حالت حمل میں طلاق سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۶۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت شادی شدہ ہے، جو اپنے شوہر سے الگ رہتی ہے؛ لیکن نکاح میں ہے، اس کا تعلق ایک دوسرے مرد سے ہوگیا اور اس کے ساتھ صحبت بھی ہوئی، دوران صحبت دوسرے مرد سے عورت حاملہ ہوجاتی ہے، اس کے بعد وہ دونوں نکاح کرنے کا فیصلہ کرلیتے ہیں؛ جبکہ دوسرا مرد غیر شادی شدہ ہے اور عورت کے پہلے شوہر نے اسے تحریری اور زبانی تین طلاق گواہوں کے سامنے دیدی ہیں۔

(۱) کیا حمل میں ہوتے ہوئے طلاق ہوئی یا نہیں؟

(۲) کیا یہ حمل حرام ہوا ہے یا نہیں؟ کیا ہونے والا بچہ حرام کا ہوگا؟

(۳) اگر طلاق ہوئی تو اس معاملہ میں عورت کو عدت کرنی ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ حمل اس کے دوسرے شوہر سے ہے۔

(۴) اگر عدت کرنی ضروری ہے، تو کیا وہ اپنے دوسرے شوہر کے ساتھ رہ کر عدت پوری کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتی ہے تو کس طرح؟

المستفتی: محمد احتشام، گوکل داس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حالت حمل میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، مذکورہ صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵۶، قلوري، امداية ديوبند ۱۷۱)

(۲) اس حمل سے جو بچہ پیدا ہوگا، وہ پہلے شوہر کا ہوگا حرامی نہ ہوگا اگرچہ دوسرے مرد نے زنا کیا ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا ۵/ ۴۵۳)

عن أبي هريرةؓ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الولد للفراش، وللعاهر الحجر. (نسائي شريف، باب إلحاق الولد بالفراش إذا لم ينفه صاحب الفراش، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۰، دارالسلام رقم: ۳۴۸۲)

(۳) اس عورت پر عدت گذارنا ضروری ہے اور عدت وضع حمل ہے۔

وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. [الطلاق: ٤]

وفي حق الحامل مطلقاً، ولو أمة أو كتابية أو من زنا بأن تزوج حبلىٰ من زنا ودخل بها، ثم مات أو طلقها تعتد بالوضع ...... وضع جميع حملها.

(درمختار، كتاب الطلاق، باب العدة، زكريا ۵/ ۱۸۹، ۱۹۰، كراچي ۳/ ۵۱۱)

(۴) دوسرے مرد کے ساتھ رہ کر عدت گذارنا جائز نہیں ہے اور عدت کی حالت میں نکاح بھی جائز نہیں ہے، عدت اسی جگہ گذارنا ضروری ہے، جہاں اس کو طلاق دی ہے، وہاں نہ ہوسکے تو میکہ میں گذارنا لازم ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته...... لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر زكريا ٤/ ٢٧٤)

قال اللّٰہ تعالیٰ: لَا تُخرِجُوهُنَّ مِنۡ بُيُوۡتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ اِلَّا اَنۡ يَّأۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ. [الطلاق:۱]

وعلى المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت. (هداية، اشرفي ديوبند ٤٢٨/٢، شامي، زكرياه ٢٢٥/٥، كراچي ٥٣٦/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۱۷ھ

حالت حیض میں طلاق

سوال [۶۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق کا لفظ تین مرتبہ بول دے، تو اس حالت میں طلاق صحیح ہوگئی؟ یا کسی صورت سے کوئی گنجائش نکلتی ہے، بایں طور کہ اس کا کوئی کفارہ ادا کردیا جائے اور یہ بات ملحوظ رہے کہ طلاق تین بار غصہ میں ایک دیندار عورت کے سامنے دی ہے، اس کے بعد جاکر اپنی بہن سے بھی کہا کہ میں آج طلاق دے آیا ہوں، جس وقت طلاق دی ہے، بیوی حیض کی حالت میں تھی، اب یہ بتائیے کہ حیض کی حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرام علی، محلّہ کھاری کنواں، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت حیض میں طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لیکن شوہر سخت ترین گنہگار رہوگا۔

عن عبداللّٰہ بن عمرؓ أنه طلق امرأته وهي حائض على عهد رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم، فسأل عمر بن الخطاب رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم عن ذلک، فقال رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم: مره فليراجعها. الحديث

(صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب قول الله تعالىٰ: يأيها النبي إذا طلقتم النساء...... النسخة الهندية ٢/ ٧٩٠، رقم: ٥٠٥٥، ف: ٥٢٥١)

وإذا طلق الرجل امرأته في حالة الحيض وقع الطلاق. (هداية، كتاب الطلاق، اشرفي ديو بند ٢/ ٣٥٧)

اور جب شوہر نے حالت حیض میں تین بار لفظ طلاق اپنی بیوی کے لئے استعمال کیا ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ شوہر پر بالکل حرام ہو چکی ہے، اب اگر بیوی بنا کر رکھنا چاہتا ہے، تواس کے لئے حلالہ شرعیہ لازم ہے نیز غصہ کی حالت میں بھی طلاق وقع ہوجاتی ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحًا ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، زكرياجديد ١/ ٥٣٥، هداية، اشرفي ديو بند ٢/ ٣٩٩، قدوري امدادية ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ررمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷ر ۲۳۵۹)

حالت حیض میں طلاق دینے سے طلاق کا حکم

سوال [۷۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رئیس اعظم نے ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کی، دوسری بیوی کے ساتھ چند دن رہنے کے بعد جب وہ پہلی بیوی کے پاس آیا، تو جب اس کو دوسری شادی کے بارے میں علم ہوا، تو فوراً اس نے رئیس اعظم سے دوسری بیوی کو تین طلاقیں دلوائیں، پھر رئیس اعظم نے طلاق کے تین دن بعد دوسری جگہ اس کا نکاح کرادیا، پھر نکاح کرانے کے ایک ہفتہ بعد رئیس اعظم اس کو پھر بھگا کر اپنے گھر لے آیا، اور اپنے ساتھ رکھنے لگا، جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تم نے تو اپنی بیوی کو

طلاق دیدی تھی، پھر اسے اپنے ساتھ کیوں رکھتے ہو؟ تو اس نے یہ جواب دیا کہ میری بیوی گندگی (حیض) کی حالت میں تھی؛ اس لئے اس پر طلاق واقع نہیں ہوئی، تو کیا گندگی کی حالت میں رئیس اعظم کی بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں اور اپنی بیوی کو طلاق دے کر تین دن کے بعد ہی دوسری جگہ اس کی شادی کرانا، پھر شادی کے ایک ہفتہ بعد اپنے پاس رکھنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد انوار، رامپور دوراہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ناپاکی یعنی ماہواری کی حالت میں بھی طلاق ہوجاتی ہے، جب رئیس اعظم نے اپنی دوسری بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، تو اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ شوہر پر بالکل حرام ہوگئی۔ بغیر حلالۂ شرعی کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا بھی درست نہیں ہوگا؛ لہٰذا طلاق کے تین دن کے بعد دوسری جگہ جو نکاح ہوا ہے، وہ نکاح بھی درست نہیں ہوا، یہ دوسرے آدمی کے ساتھ بدکاری ہوئی ہے، اور پھر ایک ہفتہ کے بعد اپنے گھر لاکر کے رکھنا یہ بھی ناجائز اور حرام ہے اور اس کے ساتھ ہمبستری زناکاری کے مترادف ہے، اگر وہ دوبارہ اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، تو شرعی حلالہ لازم ہے، اور اس کی شکل یہ ہے کہ تین ماہواری گذر جانے کے بعد دوسرے مرد کے ساتھ عورت کا نکاح ہوجائے، پھر اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ مرد طلاق دے دے اور پھر اس طلاق کے بعد تین ماہواری گذر جانے کے بعد رئیس اعظم کے لئے اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کی گنجائش ہے اور اب جس حالت میں رکھا ہے یہ قطعاً جائز نہیں ہے، سراسر حرام کاری اور بدکاری ہے۔

عبد الرحمن بن أيمن مولیٰ عزة، يسأل ابن عمر، وأبو الزبير يسمع، كيف ترى في رجل طلق امرأته حائضاً، فقال: طلق ابن عمر امرأته وهي حائض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسأل عمر

رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أن عبدالله بن عمر طلق امرأته وهي حائض، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم ليراجعها فردها. الحديث. (صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها، النسخة الهندية ١/٤٧٦، بيت الأفكار رقم:١٤٧١)

والبدعي من حيث الوقت: أن يطلق المدخول بها، وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض أو في طهر جامعها فيه، وكان الطلاق واقعاً. (عالمگيري، زكريا ١/٣٤٩، زكريا جديد ١/٤١٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحًا، ويدخل بها، ثم يطلقها أويموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكرياجديد ١/٥٣٥، هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري، امداية ديوبند١٧٨)

أما نكاح منحكوحة الغير، ومعتدته، فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي٣/١٣٢-٥١٦، زكريا٤/٢٧٤، ٥/١٩٧، البحر الرائق، زكريا٣/٢٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣ ربیع الاول ١٤٢٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٨٣٠١/٣٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٥/٣/٢٣ھ

حیض ونفاس کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال [٦١١٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی اس وقت ہسپتال میں ہے، کسی بات پر لڑائی ہوئی، انہوں نے اسی دوران یہ کہا کہ اپنی صورت دفن کرلو، مجھے غصہ آیا، تو میں نے کہا، میں نے تجھے طلاق دی، پانچ چھ بار کہہ دیا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ بیوی اس وقت ناپاکی کی حالت میں

ہے، بچہ آپریشن سے ہوا ہے، تو کیا اس حالت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمادیں، آپریشن کے بعد طلاق کا واقعہ پیش آیا ہے۔

المستفتی: ریاض احمد، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپریشن کے ذریعہ سے بچہ کی پیدائش ہوئی ہے، اور نفاس اور ناپاکی کی حالت میں شوہر نے بیوی کو طلاق دیدی ہے، اور شرعی طور پر حیض ونفاس کی حالت میں طلاق دینے سے شوہر گنہگار بھی ہوتا ہے اور طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں جب پانچ چھ مرتبہ ''طلاق دی'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ آئندہ بلا حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

وإذا طلق الرجل امرأته في حالة الحيض وقع الطلاق. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، زكريا ٢/٣٥٧)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحًا ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري، امداية ديوبند١٧٨)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص:٢١٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۷۶۵/۳۹)

(۶) باب طلاق الهازل والغاضب

مذاق میں طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام عارفہ ہے، میرا نکاح میری مرضی کے بغیر میرے والدین کے دباؤ میں آکر ہو گیا تھا، جس کے بعد میرے تین بچے ہو گئے تھے، اب میرے والدین کا انتقال ہو چکا ہے، اور سسرال والے مجھے بہت پریشان کرتے ہیں، میری طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہے۔ اب شوہر نے تین مرتبہ انگلش میں لکھ کر ایک کاغذ میں طلاق دیدی ہے، الفاظ یہ لکھے ہیں ''آئی گیو ٹو یو ڈائیورس'' (میں تمہیں طلاق دیتا ہوں) مجھ سے بھی کہہ دیا ہے کہ ہم آپ الگ ہیں۔ اب کہتے ہیں کہ طلاق نہیں دی، میں مذاق میں کہہ رہا تھا، قبل الطلاق پانچ مہینہ اور بعد الطلاق تین مہینہ سے ہم دونوں الگ الگ سو رہے ہیں، تو ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور ہوئی تو کتنی طلاق ہوئی؟

المستفتیة: عارفہ، لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب شوہر نے تین طلاق واضح طور پر انگلش میں لکھ کر دیدی ہیں اور آپ کے سامنے اس طلاق کا اقرار بھی کیا ہے، تو اس کی وجہ سے آپ پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اب دونوں کے لئے الگ الگ رہنا ضروری ہے اور شوہر کا بعد میں یہ کہنا کہ میں نے مذاق میں ایسا کہا تھا، تو شریعت میں مذاق کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

كتب الطلاق إن مستبيناً على نحو لوح وقع إن نوىٰ وقيل مطلقاً.
(در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٥-٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦)

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوىٰ أو لم ينو. (شامي، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦)

وأما الطلقات الثلاث، فحكمها الأصلي هو زوال الملك، وزوال حل المحلية أيضاً من بعد حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر. لقوله عزوجل: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.
(بدائع الصنائع، كراچي ٣/١٨٧، زكريا ٣/٢٩٥، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٤٠٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة.........حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥)

عن أبي هريرةؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثلاث جدهن جد، وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والعتاق. الحديث (أبوداؤد، كتاب الطلاق، باب في الطلاق على الهزل، النسخة الهندية ١/٢٩٨، دارالسلام رقم:٢١٩٤)

وطلاق اللاعب والهازل به واقع. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٣، زكريا جديد ١/٤٢٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۴۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۹ھ

مذاق اور حمل میں طلاق کا حکم

سوال [۶۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو جس کے دو نام تھے، اس کے دونوں نام لے کر تین تین مرتبہ طلاق دی یعنی چھ مرتبہ، اس وقت شوہر اور بیوی کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں تھا، صرف دونوں ہی تھے، ان کی بیوی نے کہا یہ کیا الفاظ کہہ رہے ہو؟ تو شوہر نے جواب میں کہا، میں تو مذاق کر رہا ہوں اور دوسروں سے سنی ہوئی یہ بات کہی کہ بغیر گواہوں کے طلاق نہیں ہوتی اور اس وقت وہ عورت دو یا تین ماہ کے حمل سے تھی، آج وہ بچی تین سال کی ہو چکی ہے، اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: وسیم احمد، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذاق میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور حمل کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور دوسروں سے غلط مسئلہ معلوم ہونے کی وجہ سے یا اصل مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے طلاق کے واقع ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر وہ شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے۔ اب آئندہ بغیر حلالۂ شرعیہ کے دونوں کا نکاح بھی درست نہیں ہو سکے گا۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث جدهن جد، وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة. (سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب من طلق، أونكح، أو رجع لاعبا، النسخة الهندية ١/١٤٧، دارالسلام رقم:٢٠٤٣٩)

فيقع طلاق الهازل بالطلاق، واللاعب، لما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ثلاث جدهن، هزلهن جد، النكاح، والطلاق، والعتاق. (بدائع الصنائع، كراچي٣/١٠٠، دارالكتب العلمية بيروت٤/٢١٥، زكريا ديوبند٣/١٦٠، ونحو في الدر المختار، زكريا٤/٤٤٣، كراچي ٣/٢٣٨، وهندية، زكريا ١/٣٥٣)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لايحل لها تمكينه.

(شامي، كراچي۳/ ۲۵۱، زكريا ٤/ ٤٦٣، تبيين الحقائق، زكريا۳/ ٤١، امداديه ملتان۲/ ۸۹۸، عالمگيري ۱/ ۳٥٤)

ولو قال لامرأته الحامل: أنت طالق للسنة تقع في الحال واحدة، وبعد شهر أخرىٰ، وبعد شهر أخرىٰ، كما في ذوات الأشهر. (تاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/ ۳۸٥، رقم:٦٤۸٥)

أخرج عبد الرزاق عن الشعبي في طلاق الحامل قال: يطلق عند الأهلة. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق الحامل، المجلس العلمي٦/ ۳۰٤، رقم:۱۰۹۳۳)

وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ . [الطلاق:٤]

وإن جهلت به لتفرغها للعلم (وتحته في الشامية) أي لأنها تتفرغ لمعرفة أحكام الشرع والدار دار العلم، فلم تعذر بالجهل. (شامي، زكريا٤/ ۱۸۹، كراچي۳/ ۷٥)

أو تلفظ به غير عالم بمعناه (أي طلقت). (شامي، زكريا٤/ ٤٤۹، كراچي۳/ ۲٤۱)

والعدة ......في حق الحامل مطلقًا سواء كان عن طلاق أو وفاة أو متاركة......وضع حملها. (شامي، زكريا ٥/ ۱۸۸–۱۸۹، كراچي۳/ ٥۱۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۵ھ

مذاق میں بیوی کو ’’طلاق دیدوں گا یا دیدی‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۶۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر کوئی شخص جاہل ہوا وراس جگہ مسئلہ نہ پہونچا ہو کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تو بیخاً کہا ہو کہ ”میں تم کو طلاق دے دوں گا“ یا دیدی مذاق میں، اوراس کے پیٹ سے بچہ بھی پیدا ہو جائے، تو اس کو کیا کہیں گے؟ اور اس کو کچھ کرنا ہوگا یا نہیں؟ یعنی جب معلوم ہوا ہو تو کیا کرے؟

المستفتی: کلیم الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلاق دے دوں گا کہا ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لو قال: أطلقک لم يقع. (الدر المنتقي شرح ملتقي الأبحر قديم ۱/۳۸۷، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱٤)

اوراگر دیدی کہا ہے اگر چہ مذاق میں ہی کہا ہے، تو اس سے طلاق واقع ہوگئی ہے، اگر مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اب تک تین طلاق شدہ بیوی کو اپنے پاس رکھا ہے، تو اب مسئلہ معلوم ہوتے ہی فوراً بیوی سے الگ ہو جائے اور جو اولاد پیدا ہوئی ہے، شوہر کے دعویٰ کے ساتھ وہ اس کی نسل سے حلال اور ثابت النسب کے حکم میں ہوگی۔

لأن النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد وبالوطئ عن شبهة. (البناية، اشرفيه ديوبند ٥/٦٤٣، البحر الرائق، كوئٹه٤/١٦٥، زكريا٤/٢٧٩، شامي، كراچي٣/٥٤٩، زكريا ٥/٢٤٣)

بأن النسب يحتاط في إثباته الخ. (شامي، مصري ٢/٨٦٤)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة. (سنن الترمذي، كتاب الطلاق، باب ما جاء في الجد والهزل في النكاح، ، النسخة الهندية ١/٢٢٥، دارالسلام رقم:١١٨٤)

وبشبهة الفعل وإن ظن حلة العبرة لدعوى الظن –إلى– لافي الثانية

أي شبهة الفعل لتمحضه زنا إلا في المطلقة ثلاثاً بشرطه بأن تلد لأقل من سنتين لا لأكثر إلا بدعوة (وتحته في الشامية) قلت: وتحصل من هذا أنه إذا ادعیٰ الولد يثبت النسب سواء ولدت لأقل من سنتين أولأكثر. (الدر مع الرد، كتاب الحدود، مطلب الحكم المذكور في بابه أولیٰ من الذكورفي باب غيره، كراچي ٤/ ٢١تا٢٣، زكريا٦/ ٢٩تا٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۱٦۸)

مذاق میں طلاق دینا

سوال [٦١٢٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادی کے دوسال بعد اگر شوہر اپنی بیوی کو مذاق میں رات کو۱۲/ یا ۱/ بجے دوطلاق دیدے اوراس کا کوئی گواہ نہ ہو، تو شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، رجعت کرکے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق أنت طالق الخ. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/ ٤٦٣، كراچي٣/ ٢٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳٦۷٦)

غصے اور مذاق کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال [۶۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں ایک ہی وقت میں کئی دفعہ طلاق کا لفظ کہہ دے یا مذاق کی حالت میں کئی دفعہ کہہ دے، تو طلاق پڑ جائے گی یا نہیں؟ یا اپنی بیوی کو کہہ دے کہ تو میری لڑکی ہے اور میں تمہارا باپ ہوں، یا یہ کہہ دے کہ تم اپنی ماں کے گھر میں رہتی ہو، تو اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: انظر عالم، کشن گنج، صدیق منزل: ۱۵، ہتھورا باندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غصہ اور مذاق دونوں حالتوں میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں شوہر نے جو طلاقیں دی ہیں، ان میں کئی دفعہ سے تین مرتبہ یا اس سے زیادہ مراد ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی، بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہے۔

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث جدهن جد، وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة. (سنن الترمذي، كتاب الطلاق، باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق، النسخة الهندية ١/٢٢٥، دارالسلام رقم: ١١٨٤)

لو طلقها هازلاً يقع قضاءً وديانة. (الأشباه والنظائر قديم ٤٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ديوبند ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري، امدادية ديوبند ١٧٨)

اورتو میری لڑکی یا میں تیرا باپ ہوں، ان الفاظ سے اگر طلاق یا ظہار کی نیت نہیں ہے، تو یہ الفاظ صرف ڈانٹ ڈپٹ پر محمول ہوں گے؛ لیکن ایسے الفاظ کہنا مکروہ ہے۔

يكره قوله أنت أمي، ويا ابنتي، ويا أختي، ونحوه. قال الشامي: وينبغي أن يكون مكروهاً. (در مختار مع الشامي، زكريا٥/١٣١، كراچي٣/٤٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ ر رجب المرجب ١٤٢٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٧/ ٨٤٦٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٨/ ٧/ ١٤٢٥ھ

شوہر کا غصہ کی حالت میں طلاق دینا

سوال [٦١٢٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اجمل نے اپنی بیوی شبینہ کو تین چار مرتبہ طلاق دیدی ہے، مگر طلاق کا جب واقعہ پیش آیا ہے، اس وقت وہاں میاں بیوی کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں تھا، اور اجمل نے آپسی گفتگو کے دوران غصہ کی حالت میں طلاق دی ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غصہ کی حالت میں غیر آدمی کی عدم موجودگی میں بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں اور دوسرا نکاح کرنے کے لئے کیا شرط ہے؟ یعنی کتنا ٹائم گذرنے کے بعد دوسرا نکاح جائز ہوسکتا ہے؟

المستفتی: عارف حسین، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اجمل نے اپنی بیوی شبینہ کو تین طلاقیں دیدی ہیں، تو شبینہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر اپنے شوہر کے لئے حرام ہوگئی چاہے طلاق دیتے وقت وہاں پر کوئی موجود رہا ہو یا نہ رہا ہو۔

نیز غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اب بغیر حلالۂ شرعی کے شبینہ کا نکاح اجمل

کے ساتھ نہیں ہوسکتا اور حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ شبینہ اپنی عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے سے نکاح کرلے اور ہمبستری کے بعد وہ شوہر طلاق دیدے، پھر عدت گزرنے کے بعد اجمل کے ساتھ نکاح درست ہوسکتا ہے، عدت گذارنے سے پہلے دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہ ہوگا اور عدت گذارنے کے بعد کسی بھی مرد سے شرعی طریقہ سے نکاح درست ہوسکتا ہے۔

الطلاق، الخلع يصح دون علم الآخر. (الفقه الإسلامي وأدلته، تعريف الفسخ لغة وإصلاحاً، مكتبه هدىٰ انٹر نيشنل ديوبند ۹/ ۲۹۱)

ويقع طلاق من غضب. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق، مطلب في طلاق المدهوش، كراچي ۳/ ۲٤٤، زكريا ديوبند ٤/ ٤٥٢)

قال أصحابنا: لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۲۱۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (فتاوىٰ عالمگيري، زكريا قديم ديوبند ۱/ ٤٧٣، زكريا جديد ۱/ ٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹، قدوري، امدادية ديوبند ۱۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۸۴۰)

غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال [۶۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ زید اپنی والدہ سے اپنی بیوی کے بارے میں شکایت کررہا تھا کہ وہ اپنی بڑی بچی کے اسکول جانے کے سلسلے میں کوئی حکم دے رہا ہے تو وہ نہیں مان رہی

ہے،اس پر والدہ نے پوچھا کہ آخر وہ ایسا کیوں کررہی ہے،اس بات کو لے کر زید اور اس کی والدہ کے بیچ تکرار جاری تھی کہ زید کی بیوی بھی وہاں آگئی اور کہنے لگی کہ حقیقتاً جو بات ہوئی تھی، اسے وہ بھی عرض کرنا چاہتی ہے،زید کی بیوی نے اپنے بیان کے دوران جو کچھ کہا،اس سے زید کو یہ لگا کہ بیوی کے بیان کے مطابق وہ اپنی والدہ سے سراسر جھوٹ واقعہ بیان کررہا ہے، زید کی باتیں اور اس کی بیوی کی باتیں سن کر زید کی والدہ نے بھی زید کو ہی ڈانٹنا پھٹکارنا شروع کردیا اور کہنے لگیں کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اتنی سختی سے کیوں پیش آتا ہے؟ اور ہمیشہ اپنی بیوی سے کیوں جھگڑتا رہتا ہے،ان باتوں سے زید کو یہ لگا کہ اس کی بات نہیں سنی جارہی ہے اور والدہ بھی اس کی بیوی کی ہی طرف داری کررہی ہیں، ان باتوں کا زید کے دل ودماغ پر بہت غلط اثر پڑا اور اس نے اپنا آپا کھودیا اور اس کا ذہنی توازن بھی برقرار نہیں رہا اور شدید غصہ میں اور تقریباً جنون کی حالت میں وہ اٹھ کھڑا ہوا، اور اپنی والدہ سے کہا کہ بس میں دے رہا ہوں، ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ پھر اس کی والدہ اور بھابھی نے زید کے منھ پر ہاتھ رکھنا چاہا،تو پھر طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ کہہ دیئے، یہاں پر یہ واضح رہے کہ زید نے طلاق کے الفاظ ادا کرتے وقت نہ تو اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر اسے مخاطب کیا تھا اور نہ ہی اس کا نام لیا تھا؛ بلکہ اس کے برعکس جب زید غصہ اور جنون کی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا تھا،تو اس کی بیوی مار کھانے کے ڈر سے اس جگہ سے بھاگ کر اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

یہاں پر یہ بھی واضح کردینا مناسب ہوگا کہ زید اپنے بچپن سے ہی حد درجہ کا غصہ کرنے والا ہے اور بات بات پر فوری طور پر اپنا ذہنی توازن کھودیتا ہے اور اس دوران وہ کچھ بھی عول فول بک جاتا ہے، جس کا بعد میں اسے بیحد افسوس بھی ہوتا ہے اور اس کی تلافی کے لئے سب سے معافی بھی مانگتا ہے، اس کے علاوہ ابھی حال ہی میں زید کی ناک کا آپریشن ہوا ہے اور وہ ابھی بھی زیر علاج ہے، انگریزی دواؤں کے استعمال سے اس کے دماغ پر شدید درجہ گرمی وخشکی کا اثر ہوا ہے اور وہ ہمیشہ شدت کی جلن اور چڑچڑاپن کا شکار رہتا ہے،

اس وجہ سے بھی اسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر فوری طور پر طیش آجاتا ہے، علاوہ ازیں زید کی چھٹیاں ختم ہورہی ہیں اور اسے واپس اپنے کام پر قطر جانا ہے، اس وجہ سے بھی علاج کے سلسلہ میں اور گھریلو مسئلوں کے بابت وقت کی کمی کے باعث اسے ہمیشہ چڑچڑاپن محسوس ہوتا ہے اور ہمیشہ ذہنی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے؛ کیونکہ زید کو اپنی آنکھوں کے علاج کے سلسلے میں ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق چنئی بھی جانے کا وقت نہیں مل پارہا ہے اور وہ کوئی فیصلہ نہیں کرپارہا ہے کہ اتنے کم وقت میں وہ اتنا لمبا سفر کیسے طے کرے اور وقت کے اندر واپس اپنے کام پر قطر کیسے پہنچ سکے؟ نیز اس سلسلہ میں بھی فیصلہ نہیں کر پارہا ہے؛ لہٰذا وہ اس وجہ سے بھی ذہنی الجھن میں مبتلا رہتا ہے۔

اوپر بتائے گئے حالات اور پریشانیوں کے مدنظر زید کافی دنوں سے ذہنی الجھن اور کشمکش کا شکار رہتا تھا اور ان سب حالات کا اس کے ذہن پر بہت گہرہ اثر تھا، جس کے تحت اس نے چھوٹے سے جھگڑے کے دوران غصہ وطیش کی حالت میں جنونی ڈھنگ سے طلاق کا لفظ استعمال کیا، زید نے اپنی والدہ کو پریشان کرنے کے لئے ان کے سامنے جتلاتے ہوئے ایسا کیا تاکہ انہیں بھی ذہنی تکلیف ہو، اور طلاق کا لفظ کہنے کے بعد والدہ کو ہی قصوروار بھی ٹھہرایا کہ اس کی ذمہ دار آپ ہیں، جس کا بعد میں زید کو افسوس ہوا۔

اس واقعہ کے بعد زید نے فوراً مسجد جاکر دو رکعت صلاۃ التوبہ ادا کی اور اللہ کی بارگاہ میں بہت ہی ندامت ظاہر کی اور توبہ کی، زید کو اپنی بیوی سے کوئی شکایت وشکوہ نہیں ہے، اور یہ احساس کیا اور گھر والوں کو بھی بتایا کہ اس سارے واقعات میں زید کی ہی غلطی ہے اور اس کی بیوی کی غلطی نہیں ہے؛ بلکہ یہ بھی احساس کیا کہ زید نے اپنی بیوی کے اوپر ظلم کیا ہے، زید کی بیوی نے زید کی خدمت کا حق ادا کیا ہے، زید کو یہ احساس ہے کہ آئندہ قطعی ناراض نہیں ہوگا اور اسے حددرجہ پسند کرتا ہے۔ اور اس واقعے کے لئے تصدیق کرنے والے دو (witness) کے نام بھی درج ذیل ہیں۔

(۱) میں مسعود عالم انصاری یہ تصدیق کرتا ہوں کہ زید (محفوظ عالم میرا بھائی) ہمیشہ غصے کی حالت میں آکر بالکل جنون میں (تقریباً مجنوں) آجاتا ہے اوراس کی کیفیت جنونی ہو جاتی ہے۔ **گواہ:** مسعود عالم

(۲) میں مقبول عالم انصاری بھی تصدیق کرتا ہوں کہ زید میرا بھائی ہے اوراس کی کیفیت غصے میں واقعی جنونی ہوجاتی ہے۔ **گواہ:** مقبول عالم

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی تفصیل سامنے آئی ہے، کوئی آدمی خوشی میں طلاق نہیں دیتا ہے، غصے ہی کی حالت میں طلاق دیتا ہے، اور غصہ کی حالت میں آدمی اعتدال پر نہیں رہتا ہے اور بے اعتدالی کی حالت میں آکر طلاق دے دیتا ہے، چاہے ماں پر غصہ ہوکر طلاق دے رہا ہو، یا بیوی پر غصہ ہوکر طلاق دے رہا ہو اور طلاق دینے کے بعد اس کو جو افسوس ہوا اور ۲؍رکعت صلاۃ التوبہ ادا کی، تو توبہ سے گناہ تو معاف ہو جائے گا، مگر طلاق کی جدائیگی ختم نہیں ہوئی ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، اور میاں بیوی کے درمیان اب حلالۂ شرعیہ کے بغیر نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ويقع في حالة الغضب والمذاكرة بلا نية. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، مطلب لا إعتبار بالإعراب هنا، زكريا ديوبند ٤/٥٣٣، كراچي ٣/٣٠١)

ورده ابن السيد: فقال: لو كان كذلک، لم يقع على أحد طلاق؛ لأن أحداً لا يطلق حتى يغضب. (بذل المجهود، مطبوعة مركز الشيخ الندوی اعظم گڑھ ٨/١٧٩)

ولو جاز عدم وقوع طلاق الغضبان، لكان لكل أحد أن يقول فيما جناه: كنت غضباناً. (فتح البارى، كتاب الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق

......اشرفیه دیوبند ۹/۴۹۷، تحت رقم الحدیث: ۵۲۷۲، دارالفکر۹/۳۸۹، ارشاد الساري، دار الفکر ۱۲/۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ / ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۴۵/۳۸)

کیا غصہ میں طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شوہر عبادالرحمٰن نے غصے کی حالت میں تین بار بیوی سے طلاق کا لفظ کہہ دیا، کہنے کے بعد فوراً شوہر نے اللہ سے بے حد توبہ کی اور معافی مانگی اور آج تک یہی عالم ہے؛ کیونکہ نہ تو شوہر ہی بیوی سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتا ہے اور نہ ہی بیوی، دونوں بے حد پریشان ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایک ساتھ رہیں، کیا وہ بغیر حلالہ کے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں، ان کے دوبارہ نکاح کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: عبادالرحمٰن، محلّہ چوبان جسپور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب شوہر کی زبان سے تین بار بیوی کے لئے طلاق کا لفظ نکلا ہے، تو اس سے شرعی طور پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔ اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح درست نہیں ہوگا۔

ویقع طلاق من غضب. (شامي، کتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زکریا دیوبند ٤/٤٥٢، کراچي ٣/٢٤٤)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها.

(عـالمگيري، زكريا قديم ديوبند ۱/۴۷۳، زكريا جديد ۱/ ۵۳۵، هداية، اشرفيه ديوبند ۲/ ۳۹۹، قدوري، امداديه ديوبند ۱۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۷۵)

غصہ کی حالت میں بیوی کا نام لئے بغیر طلاق دینا

سوال [۶۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے بہت غصہ میں بیوی کا نام لئے بغیر ایک سانس میں چار چھ لوگوں کے سامنے بیوی کو تین مرتبہ لفظ طلاق کہا، مگر بیوی نے نہیں سنا، تو کیا یہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اس کو ہم پھر رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نزاکت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غصہ کی حالت میں بھی طلاق پڑ جاتی ہے، اور طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سامنے ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی بیوی کا سننا ضروری ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے، بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ويقع طلاق من غضب. (شـامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا ديوبند ٤/ ٤٥٢، كراچي ٣/ ٢٤٤)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ ولو مكرهًا. (علمگيري، زكريا ١/ ٣٥٣، جديد ١/ ٤٢٠)

وإن كـان الطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجـاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هندية، زکریا قدیم دیوبند ۱/ ٤۷۳، زکریا جدید ۱/ ٥۳٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۷۲/۳۸)

حالت غضب میں دو طلاق

سوال [۶۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادیب الرحمٰن نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں دو مرتبہ طلاق دیدی، یہ لڑکے کا حلفیہ بیان ہے، لڑکے کی ماں بھی موقع پر موجود تھی، وہ بھی دو مرتبہ طلاق دینے کی گواہی دیتی ہے؛ لیکن ادیب الرحمٰن کی بیوی کا بیان ہے چار مرتبہ طلاق دی ہے۔ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا اور کتنی طلاق ہوئی؟ کیا بیوی کو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: مشاہد، لالباغ نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دو ہی مرتبہ طلاق کے الفاظ استعمال کئے ہیں، تو اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں اور عدت کے اندر رجعت کی گنجائش ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ديوبند٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢)

اور بیوی کا چار مرتبہ کا دعویٰ بغیر شرعی گواہ کے معتبر نہیں۔

وما سوىٰ ذٰلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل، وامرأتين سواء كان الحق مالا، أو غير مالٍ، مثل النكاح، والطلاق. (هداية، اشرفي ديوبند٣/ ١٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۸۶۸/۳۶)

غصہ میں طلاق دی مگر کتنی بار دی یاد نہیں

سوال [۶۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی میں جھگڑا ہوگیا، ہندہ نے اپنے لڑکوں کو لے کر زید پر حملہ کردیا اور اس قدر ہندہ اور اس کے لڑکوں نے مارا کہ زید نے شدت غضب کی حالت میں ہندہ کو طلاق دے دی؛ لیکن زید کو نہیں یاد کہ لفظ طلاق کتنی بار کہا؟

المستفتی: منظور علی، مقام وپوسٹ: ہنسور، فیض آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کو کتنی بار طلاق دی یاد نہیں ہے، اور دوسرے لوگوں نے سنا ہے، تو اگر ان کے قول پر اعتماد ہے، تو اتنی طلاق شمار ہوں گی، جتنی وہاں موجود معتبر حضرات بتلائیں۔

سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس کے بالغ لڑکے موجود ہیں اور اگر وہاں معتبر گواہ موجود نہیں ہیں، تو جتنی بار اس کو یاد ہے، اتنی کا اعتبار ہوگا۔

وإن كان بحال لو غضب يجري على لسانه مالا يحفظه بعده جاز له الاعتماد على قول شاهدين. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، مصري ٢/٢٨٧، كراچي ٣/٢٤٤، زكريا ديوبند ٤/٤٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۵۳۳/۲۵)

بحالت غضب تین طلاق جبکہ بیوی حاملہ بھی ہو

سوال [۶۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد تسلیم نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین بار سے زائد طلاق دیدی اور بیوی

حاملہ ہے، تو عرض یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی؟؛ جبکہ بیوی حمل سے ہے اور کونسی طلاق واقع ہوگی؟

المستفتی: محمد تسلیم دیوان کا بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غصہ کی حالت میں طلاق ہوجاتی ہے، اور طلاق غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا محمد تسلیم نے جب اپنی بیوی کو غصہ میں تین طلاقیں دیدی ہیں، تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی۔ بغیر حلالہ شرعیہ کے دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ويقع طلاق من غضب. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، كراچي ٣/٢٤٤، زكريا٤/٤٥٢)

وحل طلاقهن أي الآيسة، والصغيرة، والحامل. (شامي، زكريا ٤/٤٣٤، كراچي٣/٢٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها، والأصل فيه قوله تعالىٰ: فإن طلقها فلاتحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره. (هداية، باب الرجعة اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، قلوري، امدادية ديوبند ١٧٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۰۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۲۷ھ

غصہ میں تین طلاق دینا

سوال [۶۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے غصے میں اپنی بیوی سے ایک ہی سانس میں اس طرح کہہ دیا کہ میں نے

تجھے طلاق دی، ایک ہی سانس میں تینوں بار کہہ دیا، اس وقت میرے کمرہ میں میری بیوی کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا، نہ ہماری ان باتوں کو کسی نے سنا ہے۔ علمائے کرام کی کیا رائے ہے؟ میری بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ یا نکاح میں گنجائش ہے؟

المستفتی: مزمل نبی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو حالات مذکور ہیں اور طلاق کا جو واقعہ نقل کیا گیا ہے، اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے اور طلاق کے واقع ہونے کے بعد جو چار پانچ دن ساتھ میں رہنا ہوا ہے، وہ بدکاری ہوئی ہے، دونوں کو اس بدکاری سے توبہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔ اب اگر دونوں ایک ساتھ میں رہنا چاہیں تو بغیر حلالۂ شرعی اور تجدید نکاح کے جائز نہیں ہوگا۔

لو قال لزوجتہ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم ص:۲۱۹)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرۃ، وثنتین في الأمۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً، ویدخل بھا، ثم یطلقھا، أو یموت عنھا.

(ھندیۃ، زکریا قدیم دیوبند ۱/۴۷۳، زکریا جدید ۱/۵۳۵، ھدایۃ، اشرفی دیوبند ۲/۳۹۹، قدوري، مکتبہ امدادیۃ دیوبند ۱۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۷۸۳)	۱۴۲۶/۴/۲۷ھ

حالت غضب میں آٹھ، نو مرتبہ ’’میں تمہیں طلاق دیتا ہوں‘‘ کہنا

سوال [۶۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں آٹھ یا نو مرتبہ ان الفاظ میں طلاق دی کہ ’’میں

تمہیں طلاق دیتا ہوں‘‘تو اب سوال یہ ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی تو کتنی طلاقیں ہوئیں اور دوبارہ ایک ساتھ ازدواجی تعلق قائم ہونے کی کیا صورت ہے؟

المستفتی: نسرین، کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غصہ کی حالت میں جن الفاظ کے ساتھ آپ نے طلاق دی ہے، ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۱۳۶)

ويقع طلاق من غضب خلافاً لابن القيم. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا ٤/ ٤٥٢، كراچي ٣/ ٢٤٤)

اورسوال نامہ میں مذکورہ صورت میں شروع کی تین طلاقوں کے ذریعہ بیوی مطلقہ ثلاثہ ہوکر شوہر کے لئے حرام ہو چکی ہے اور بقیہ طلاقیں لغو ہیں، اب بغیر حلالۂ شرعی کے اس کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنا حرام ہے۔

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، زكريا ٤/ ٥٢١، كراچي ٣/ ٢٩٣، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٦، زكريا جديد ١/ ٤٢٣، الأشباه والنظائر قديم ٢١٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، والأصل فيه قوله تعالىٰ: فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيرهٗ. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفی ديوبند ٢/ ٣٩٩، وهكذا في العالمگيرية، زكريا ١/ ٤٧٣، زكريا جديد ١/ ٥٣٥، قدوري، امدادية ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

(۷) باب طلاق السکران والجنون

حمل اور نشہ میں طلاق کا حکم

سوال [۶۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نشہ کی حالت میں گھر میں داخل ہوا، تو ان کی بیوی ان کو اور ساتھ ہی ان کی والدہ کو برا بھلا کہنے لگی، تو زید نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی سے یہ کہہ دیا کہ اگر زیادہ بات کروگی تو طلاق دیدوں گا، پھر بھی ان کی بیوی نہیں مانی تو زید نے اپنی بیوی کو کہہ دیا دومرتبہ طلاق، طلاق، اور یہ بات زید نے دو آدمیوں کے سامنے کہی اور زید کی بیوی ۹/ ماہ کے حمل سے ہے، طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محبوب خاں، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نشہ کی حالت میں اور حمل کی حالت میں دونوں میں شوہر کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بر تقدیر صحت واقعہ زید کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر رجعت کرکے رہ سکتے ہیں۔

عن عبداللہ بن مقسمؓ قال: سمعت سلیمان بن یسار، یقول: إن رجلا من آل البختري طلق امرأته وهو سكران، فضربه عمر الحد، وأجاز عليه طلاقه. (سنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في طلاق، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۷۰، رقم:۱۱۰۶)

عن الشعبي في طلاق الحامل يطلق عند الأهلة. (مصنف عبدالرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق الحامل، المجلس العلمي ۶/ ۳۰۳، رقم:۱۰۹۳۳)

لو مدخولا بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲۵۲، زكريا ديو بند ٤/٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۲۰۴/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۱۵ھ

نشہ اور حمل کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال [۶۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے شراب کے نشہ میں اپنے آپے سے باہر ہوکر پہلے تو اپنی بیوی کو مارا بعد ازاں غصہ میں بھر کر یوں کہا ''تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' تو کیا اس صورت میں بیوی بالکل نکاح سے نکل گئی؟ یا کوئی صورت رجوع کی ہوسکتی ہے؟ بعض لوگ کہہ رہے ہیں کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور اسی طرح حالت حمل میں طلاق نہیں پڑتی، صحیح حقیقت وضاحت کے ساتھ مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد حنیف، آزاد نگر، سرسید نگر، کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق ہوجاتی ہے، اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہیں، حسب تحریر جب شوہر نے بیوی کو نشہ کی حالت میں تین طلاق دیدی ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر پر وہ قطعی طور پر حرام ہوچکی۔ اب آئندہ بغیر حلالۂ شرعیہ کے اس عورت کے ساتھ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔

عن مالك رضي الله عنه أنه بلغهٗ أن سعيد بن المسيب وسليمان بن يسار سئلا عن طلاق السكران؟ فقالا: إذا طلق السكران جاز طلاقه وإن قتل قتل به. (الموطا للإمام مالك، كتاب الطلاق، باب جامع الطلاق، النسخة الهندية ۳۷۲، رقم:۸۲، تخريج فوائدعبد الله الباقي ۲۱۸۵، تخريج الأعظمى)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو تقديراً. بدائع: ليدخل السكران (إلى قوله) أوسكران ولوبنبيذ أوحشيش أوأفيون أوبنج زجراً به يفتي وفي الشامية: يقع زجراً وعليه الفتوىٰ، وتمامه في النهر. (شامي مع الدر المختار، كتاب الطلاق، زكريا ديوبند٤/٣٨ ٤ تا ٦ ٤٤، كراچي ٣/٥ ٢٣ تا ٠ ٢٤، ونحو ذٰلك في التاتارخانية، زكريا ٤/٤ ٣٩، رقم: ٩ ٠ ٦٥، الدر المنتقىٰ دار الكتب العلمية بيروت٢/ ١٠)

ولو قال لامرأتهٖ الحامل: أنت طالق للسنة تقع في الحال واحدة، وبعد شهر أخرىٰ، وبعد شهر أخرىٰ. (تاتارخانية، زكريا٤/ ٣٨٥، رقم: ٦٤٨٥)

عن الحسن قال: سئل جابرؓ عن حامل كيف تطلق؟ فقال: يطلقها واحدة، ثم يدعها حتى تضع. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ما قالوا في الحامل كيف تطلق؟ مؤسسة علوم القرآن جديد٩/٢ ١ ٥، رقم: ٤٣ ١٨٠)

لو قال لزوجتهٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثا. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۱۲۵)

شرابی کے ''اس کو طلاق دی'' کہنے کا حکم

سوال [۶۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موقع پر بیوی نہیں تھی نہ ہی کوئی جھگڑا اور نہ ہی کوئی کہا سنی ہوئی، طلاق دینے والا شخص عبدالغنی شراب کے نشہ میں دھت تھا اور وہ اپنی بہن کے گھر تھا، بہن نے اسے سمجھایا کہ تو شراب مت پیا کر، اس بات کو لے کر اس نے طلاق کا لفظ کہا ہے، کس کو دی بیوی کو یا شراب کو معلوم نہیں، صبح جب ہوش میں آنے کے بعد اس کو رات کا واقعہ بتایا گیا، تو اس نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا، اور طلاق دینے سے منع کر رہا ہے۔

(۱) گواہ حافظ سعید کہتے ہیں کہ عبدالغنی نے کہا کہ میں نے اس کو طلاق دی، کسی کا نام نہیں لیا، تین بار طلاق دی۔
(۲) گواہ نفیسہ بیگم کہتی ہے کہ میں نے طلاق دی تین بار کہا کسی کا نام نہیں لیا۔

المستفتی: حافظ سعید، رام نگر منڈی، نینی تال، اترا کھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر طلاق دینے سے پہلے بیوی کا ذکر ہوا ہے، تو اس کے یہ کہنے سے میں نے اس کو طلاق دی، اس کی بیوی پر یقیناً طلاق واقع ہوگئی ہے، اور اگر نشہ میں بالکل مدہوش تھا اور طلاق سے قبل نہ تو بیوی کا ذکر ہوا، نہ بیوی سامنے موجود تھی؛ بلکہ بیوی اس گھر میں موجود ہی نہیں تھی، وہ دوسری جگہ تھی اور اسی حالت میں اس نے بیوی کا نام لئے بغیر طلاق کے الفاظ کہے اور اسے ہوش آنے کے بعد ان الفاظ کا کہنا یاد بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ وقوع طلاق کے لئے یا تو بیوی کا سامنے ہونا ضروری ہے یا غائب ہونے کی صورت میں ایسا لفظ بولا جائے جس سے بیوی کی طرف اشارہ مقصود ہو اور مسئولہ صورت میں ایسا اشارہ موجود نہیں ہے۔

ویؤیده ما في البحر لو قال: امرأة طالق، أوقال: طلقت امرأة ثلاثاً، وقال: لم أعن امرأتي يصدق، ويفهم منه أنه لو لم يقل ذٰلک تطلق امرأته؛ لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقوله إني حلفت بالطلاق ينصرف إليها مالم يرد غيرها؛ لأنه يحتمله كلامه. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب سن بوش يقع به الرجعي، زكريا ٤/٤٥٨، كراچي ٣/٢٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۵۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۵ھ

کیا نشہ کی طلاق معتبر ہے؟

سوال[۶۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو نشہ کی حالت میں طلاق دی، پھر جب اس کی بیوی اوردو عورتوں نے گواہی دی کہ آپ نے اپنی بیوی کوطلاق دی ہے،تو اس شخص نے انکار کردیا کہ میں نے طلاق نہیں دی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: نظام الدین ندوی استاذ انجمن معاون الاسلام، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لیکن سوال نامہ میں کتنی طلاقیں دی ہیں، اس کی صراحت نہیں ہے اگر ایک یا دوطلاق دی ہے تو شوہر کورجعت کا حق ہے اور اگر تین طلاق دی ہیں تو شوہر کورجعت کا حق نہیں ہے اور اگر شوہر سرے سے طلاق کا ہی انکار کررہا ہے اور عورت کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں، صرف عورتوں کی شہادت ہے، مگر بیوی نے خود اپنے کان سے سنا ہے، تو ایسی صورت میں اس کا اس شوہر کے پاس رہنا قطعاً جائز نہیں، خلع کی شکل میں کچھ مال وغیرہ دے کر جان چھڑانے کی کوشش کرے۔

عن ابن جريج قال: أجاز عمر بن عبد العزيز إذا كان عاملاً على المدينة طلاق السكران، فقال عبيد الله بن أيمن: طلق رجل امرأته رملة ابنة طارق، فأجازه معاوية عليه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق السكران، المجلس العلمى۷/۸۳، رقم: ۱۲۳۰۱)

وفي هذا الزمان إذا سكر من البنج والأفيون يقع زجراً وعليه الفتوى.

(الدر المنتقي، كتاب الطلاق، قبيل باب إيقاع الطلاق، قديم ۱/۳۸٤، جديد ۲/۱۰)

أما السكران إذا طلق امرأته، فإن كان سكره بسبب محظور بأن

شرب الخمر أو النبيذ طوعاً حتى سكر وزال عقله، فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابة رضی اللہ عنہم. (بداء الصنائع، كراچي ٣/ ٩٩، زكريا٣/ ١٥٨)

حتى إذا شهد بالطلاق رجل وامرأة، أو شهد به أربع نسوة ليس معهن رجل لا تقبل؛ لأن الطلاق مما يطلع عليه الرجال. (المبسوط السرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ١٥٠)

المرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه. والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمالٍ أو تهرب.

(شامي، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥١، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٤، زكريا جديد ١/ ٤٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱/ ۱۴۳۴ھ

کیا نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

سوال [۶۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طلاق کا ایک مسئلہ الجھا ہوا ہے، براہ کرم پوری صورت واقعہ کو ملاحظہ فرما کر حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔ زید جو کہ ادھیڑ عمر کا شخص ہے اور عام حالات میں نماز وغیرہ کا پابند ہے؛ لیکن کبھی کبھی شراب پیتا ہے، اسی حالت میں دو بار پہلے اپنی بیوی ہندہ کو ایک ایک طلاق دے چکا ہے اور اس کو بتلایا جا چکا ہے کہ اب اس کے پاس صرف ایک طلاق کا اختیار باقی بچا ہے، اگر ایک طلاق بھی دیدی، تو بیوی حرام ہو جائے گی، ادھر تقریباً ایک ماہ قبل زید پانچ سو روپئے لے کر صبح گھر سے نکلا اور شام کے وقت اس حال میں گھر لوٹا کہ بری طرح نشہ میں مست تھا؛ بلکہ ہوش وحواس بھی غائب تھے، کپڑے کیچڑ میں لت پت، راستہ میں جماعت

سے وابستہ دو جوان ملے، توان کوگالیاں بھی دیں، رکشہ والے سے بھی گالی گلوچ کیا؛ جبکہ ہوش وحواس میں ایسا کرنا زید سے بہت مستبعد ہے، گھر پہونچنے پر بچے سنبھال کراوپر لے گئے، کپڑے اتروا کرغسل کرنے میں مدد دی، پھر ہندہ نے کھانا دیا، زید کھانا کھا کرایک کمرہ میں لیٹ گیا، ہندہ اوراس کے دوجوان العمرلڑکے دوسرے کمرے میں چلے گئے،تقریباًدس بجے شب میں زید نے ہندہ کواپنے کمرہ میں بلایا،تھوڑی دیر کے بعد ہندہ وہاں سے حواس باختہ بچوں کے پاس لوٹ کرآئی اوراس نے بتلایا کہ زید نے اس کوطلاق دیدی اور یوں کہا کہ طلاق دی کام ختم۔

یہی جملہ ہندہ نے اورایک دو رشتہ داروں کے سامنے دھرایا، ایک مقامی عالم سے مسئلہ معلوم کرکے زید و ہندہ میں علیحدگی کرادی گئی، زید یہ کہتا ہے کہ مجھے ہوش دودن بعدآیا، مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں نے اس دن ہندہ سے کیا کہا تھا، نہ اس کوطلاق دینے کا اقرار ہے نہ انکار۔

اب زید بہت پریشان ہے، اس کا کہنا ہے کہ میری ہندہ سے نہ کوئی لڑائی تھی نہ طلاق دینے کا ارادہ تھا۔ نیز یہ کہ ہندہ کچھ کا کچھ سن لیتی ہے؛ لہٰذااس سے اچھی طرح پوچھا جائے کہ میں نے کیا کہا تھا؛چنانچہ واقعہ کے دوہفتہ کے بعد ہندہ سے استفسار کیا گیا کہ زید نے اس رات کیا کہا تھا،تو بعض رشتہ داروں کے سامنےتو وہی جملہ دہرایا کہ طلاق دی کام ختم،بعض سے کہا کہ طلاق لوجاؤ،بعض سے کہاایک بچی ہے، وہ بھی لے کرجاؤ۔اب اس صورت میں کیاحالت نشہ میں طلاق واقع ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا؟ جبکہ زید نشہ میں ہوش وحواس کھوچکا تھا،اسے طلاق کا نہ اقرار ہے نہ انکاراورکوئی گواہ بھی موجودنہیں ہے، جوبھی حکم ہوآگاہ فرمایا جائے۔

المستفتی: عبدالقوی،مکان B17/90 تل بھنڈیشور پارک،وارانسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے،اگرواقعی اس نے یہ لفظ کہا ہے کہ طلاق دی کام ختم،توایسی صورت میں بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی

ہے اور شوہر چونکہ نشہ کی حالت میں تھا، اسے کوئی خبر نہیں ہے؛ اس لئے حکم شرعی کا سارا مدار بیوی کے سننے پر ہے، اگر بیوی نے اپنے کان سے سن رکھا ہے تو طلاق واقع ہو چکی ہے، اس کے لئے اس شوہر کے پاس رہنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

عن عمر بن عبد العزيز يقول: طلاق السكران والمكره جائز. (شرح معانی الأثار، للطحاوي، كتاب الطلاق، باب طلاق المكره، دارالكتب العلمية بيروت٢/٤٦٧، رقم:٤٥٥٧)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أوالنبيذ وهو مذهب أصحابنا. (المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، الفصل الثالث، المجلس العلمي ٤/٣٩١، رقم:٦٥٠٩، هندية، زكريا١/٣٥٣ جديدزكريا ١/٤٢٣)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ ولو مكرهاً، أوكان الزوج سكران زائل العقل، فإن طلاقه واقع. (مجمع الأنهر قديم ١/٣٨٤، جديد دار الكتب العلميه بيروت ٢٦/٨)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أوأخبرها عدل لا يحل لها تمكينه. والفتویٰ على أنه ليس لها قتله، ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمالٍ، أوتهرب (قوله) أنها ترفع الأمر للقاضي، فإن حلف ولا بنية لها، فلإنه ثم عليه. (شامي، كراچي٣/٢٥١، زكريا٤/٤٦٣، البحر الرائق، كوئٹه ٣/٢٥٧، زكريا ٣/٤٣٩، تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان٢/٢١٨، زكريا٣/٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۱۰۰۰۳)

نشہ کی حالت میں طلاق دی؛ لیکن گواہ ندارد اور شوہر منکر ہے

سوال [۶۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میں نے جھگڑے کے درمیان حالت نشہ میں بیوی سے کہا کہ تم کو طلاق دیدوں گا، تو ایک دوسرے آدمی نے میرے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور میری بیوی برابر کے دوسرے گھر میں چلی گئی اور میں جا کر سو گیا، ایک مرد طلاق کا اظہار کرتا ہے؛ لیکن تردد کے ساتھ کہتا ہے کہ دی کہا تھا کہ دیتا ہوں کہا تھا؛ لیکن قطعی طور پر کوئی بات نہیں بیان کر رہا اور ایک عورت کہتی ہے کہ تین طلاق دی، تو اس صورت میں میری بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی تو کتنی طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: مجید خاں، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت نشہ میں بھی طلاق دینے سے شرعاً طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لیکن اس میں شوہر کا اقرار یا دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شرعی شہادت شرط ہے۔

مذکورہ صورت میں یہ شرط مفقود ہے، اس لئے شرعاً طلاق واقع ہوجانے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

وماسوی ذلک من الحقوق یقبل فیہ رجلان، أو رجل وامرأتان سواء کان الحق مالاً، أوغیر مال، مثل النکاح، والعتاق، والطلاق. (قلوري، کتاب الشهادة، مکتبة امدادية ديوبند ص٢٤٦ تا ٢٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۶۸۳/۲۵)

نشہ کی حالت میں طلاق دینا

سوال [۶۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن جس کی شادی تقریباً ۸؍سال قبل محمد نفیس ولد حاجی رئیس احمد مغل پورہ کے

ہمراہ ہوئی تھی اور مبلغ دس ہزار معجّل مہر قرار پائے تھے، شادی کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکا بد فعل ہے یہاں تک کہ شراب پیتا ہے، یہ اس کی پرانی عادت تھی، جس کا علم ہم کو شادی کے وقت نہ تھا، اس درمیان اس کے تین بچے ہوئے، دو لڑکے اور ایک لڑکی جس میں لڑکا بڑا ہے، شادی کے چند سال بعد اس کی بدفعلی میں اضافہ ہوتا گیا اور روزمرہ شراب پینے لگا اور بہن کو طرح طرح سے تکالیف پہونچانے لگا، کبھی بہن سے کہتا ہے کہ گھر سے پیسے لے کر آ، جس قابل ہم تھے حتی الامکان کوشش کی اور لگ بھگ آٹھ یا دس ہزار روپیہ سے مدد بھی کی؛ لیکن وہ اپنی عادت سے باز نہیں آیا اور برائیاں بڑھتی ہی چلی گئیں، اور لوگوں سے اس نے دھوکہ دھڑی سے روپیہ لینا شروع کردیا، جس سے وہ بہت زیادہ قرض دار ہو گیا، اس کے بگڑتے ہوئے حالات کو دیکھ کر تنبیہ کی نیت سے ہم نے بہن کو روک لیا کہ بیوی بچوں کی محبت میں اس کو سمجھ آجائے اور اپنے آپ کو سدھار لے؛ لیکن وہ روزانہ شراب پی کر گھر آجاتا اور ہم سب لوگوں کو گالیاں بکتا، دو چار روز جب یہی حالات چلتے رہے، تو ہم نے اس کے عزیز واقارب یعنی اس کی والدہ اس کے بڑے بھائی کو بلا کر یہ حالات بتائے، وہ بھی اس وقت موجود تھا اور وہ بدتمیزی میں بہت آگے بڑھ گیا اور اس نے کہا کہ اس کو ابھی طلاق دیتا ہوں، سامان کی لسٹ نکالو اور اپنا دیا ہوا مال واپس لے لو، اس وقت اس کے ماموں اور بڑے بھائی نے اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے خاموش کردیا اور ہم سے کہا کہ وہ شراب پئے ہوئے تھا، آپ اس کی باتوں پر نہ جاؤ اور دو چار دن کے بعد پھر وہ شراب پی کر آگیا اور یہ بات کہی کہ ’’میں اس کو طلاق دے چکا‘‘ میرے بچے مجھے واپس دیدو، محلّہ کے کچھ لوگ آگئے اور اس کو وہاں سے واپس بھیج دیا، پھر کچھ دن بعد آیا اور میری بہن پر آوارگی کا الزام لگایا اور یہ کہا کہ بڑا لڑکا میرا ہے اور دو چھوٹے بچے ہیں، یہ میرے نہیں ہیں، اس کی بدتمیزی پر ہم نے اسے مار بھگایا، میرے چچا کے یہاں گیا اور ان سے کہا تمہاری بھتیجی بہت آوارہ ہے اور ’’میں نے اسے طلاق دیدی‘‘ اور اب میں اس کو نہیں رکھوں گا، ہم لوگ گھر پر موجود نہیں تھے، نماز پڑھنے گئے تھے، ہمارے پیچھے آیا اور پھر گھر والوں کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آیا اور یہ کہا

کہ میں اسے نہیں رکھوں گا اور ''نہ ہی طلاق دوں گا'' اور اس کو یہیں پر سڑادوں گا، ہم نے جو اس کے بڑوں سے شکایت کی ان لوگوں نے اس پر یہ صفائی پیش کی کہ آپ شرابی کی باتوں پر نہ جائیں، شراب سے تو آدمی میں ہوش ہی نہیں رہتا، ہم نے کہا کہ وہ شراب میں نجاست میں منھ کیوں نہیں ڈالتا یا اپنی ماں بہن سے بدتمیزی کیوں نہیں کرتا، کچھ دنوں کے بعد اس کے گھر والوں نے اس کو دہلی رہا کردیا، جس کو آج لگ بھگ تین سال ہو چکے ہیں، اس درمیان نہ وہ ہمارے یہاں آیا اور نہ بیوی بچوں سے ملا اور نہ ہی خرچ بھیجا، اس درمیان میاں بیوی نے ایک دوسرے کی صورت بھی نہیں دیکھی۔

اب ہم نے ان کو خرچ کا نوٹس بھیجا تو اس کے گھر والوں نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ وہ یہاں سے بھاگ گیا، ہم اس کے گھر والوں سے بھائی اور والدہ سے کئی بار ملے اور ان سے کہا کہ ہماری بہن کو آزادی دلادو؛ کیونکہ اب اس کے ساتھ کیسے نباہ ہوسکتا ہے۔ اب وہ لوگ ہم کو پریشان کررہے ہیں کہ وہ دہلی سے آجائے یا ہم کو مل جائے تو ہم تمہاری بہن کو آزادی دلوادیں گے (حالانکہ ان کو علم ہے کہ وہ کہاں ہے) اب سے پانچ ماہ قبل میرے دوست نواب کو وہ دہلی کی جامع مسجد کے نزدیک ملا، اس سے کہا کہ میں نے اس کو طلاق دیدی ہے۔ اب میں کسی دن آکر اس کا سامان واپس کردوں گا، اس تین برس کے عرصے میں اس نے رجوع کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔

(۱) موجودہ حالات کے پیش نظر شریعت اسلام کا حکم طلاق کے متعلق کیا ہے؟

(۲) اس میں حدود طلاق کی شرائط پوری ہوگئیں یا نہیں؟

(۳) ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: اختر حسین، اندرا چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفی مذہب میں شرابی کے نشہ کی حالت میں طلاق دینے

سے شرعی طور پر طلاق واقع ہوجاتی ہے اور صورت مذکورہ میں محمد نفیس نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق دی ہے؛ لہٰذا نفیس کی بیوی پر دو طلاق واقع ہوچکی ہیں۔

عن أيوبؓ عن الحسن و ابن سيرين سمعهما يقولان: يجوز طلاق السكران، ويجلد جلداً. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق السكران، المجلس العلمي ۷/۸۲، رقم: ۱۲۹۹۷)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أوالنبيذ وهو مذهب أصحابنا. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۵۳ زكريا جديد ۱/۴۲۳، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۴/۳۹۱، رقم: ۴۶۳۴، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۴/۳۹۴، رقم: ۶۵۰۹، شامي، زكريا ۴/۴۴۶، كراچي ۳/۲۴۰)

نیز سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد میاں بیوی کے درمیان ہم بستری نہیں ہوئی ہے اور باقی رجعت بھی نہیں کی ہے اس لئے محمد نفیس کی بیوی پر دو طلاق بائن کا ثبوت ہوکر بیوی شوہر سے آزاد ہوچکی ہے دوبارہ آزادی لینے کی ضرورت نہیں ہوگی اور طلاق کے بعد عدت بھی گزرچکی ہے۔

وانقضت العدة فقال كنت راجعتها فى العدة فصدقته فهي رجعية وإن كذبته فالقول قولها (هدایه، اشرفی دیوبند ۲/۳۹۵، قدوری، امدادیه دیو بند ۱۷۷، الموسوعة الفقهية ۴۱/۱۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ر)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۱۴ھ

نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال [۶۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک شخص نے مجلس واحد میں نشہ کی حالت میں اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دیں، رات کا وقت تھا، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا رات تم نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، میں نے کہا مجھ کو کچھ پتہ نہیں، نہ میرا بیوی سے کوئی جھگڑا ہے، جب مجھ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو میں بہت رویا اس کے بعد میری بیوی اور بچوں کو بھی سسرال والے اپنے گھر واپس لے گئے، دس مہینہ کا عرصہ گذر چکا ہے، اب وہ شخص اس فعل بد سے توبہ کر چکا ہے، پانچوں وقت کی نماز بھی پڑھتا ہے، اس کے بیوی بچہ نہایت پریشان وغمگین ہیں؛ لہٰذا مہربانی فرما کر صرف قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمادیجئے گا۔

المستفتی: محمد سعید محلّہ: تحصیل اسکول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اگرچہ شدت نشہ میں اس کو خیال بھی نہ رہا ہو، طلاق بہرحال واقع ہوچکی ہے۔

عن ابن المسيب قال: يجوز طلاق السكران. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق السكران، المجلس العلمي ۸۳/۷، رقم:۱۲۳۰۳)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهومذهب أصحابنا.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيته، والأفيون، والبيخ، زكريا۴۴۸/۴، كراچي۲۴۱/۳)

اور جب تین طلاق دی ہیں، تو طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اب بلاحلالہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۴۷۳/۱، زكريا جديد ۵۳۵/۱، هداية، اشرفي ديوبند ۳۹۹/۲، قدوري، مكتبه امدادية ديوبند ۱۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۴۲۳/۳۳)

حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق کا حکم

سوال [۶۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ریشمہ خاتون ہوں، میری شادی آٹھ سال پہلے اختر عرف منا سے ہوئی تھی، میرے دو بچے بھی ہوئے، ایک لڑکا ایک لڑکی میں خوش تھی، مگر قریب چار سال پہلے میرے شوہر نے شراب کے نشہ میں کئی بار طلاق دی، مگر جب نشہ اتر تا تھا، تو وہ کہتا تھا کہ میں نے تجھے طلاق نہیں دی، کئی بار یہی سلسلہ چلا، مگر پھر میں نے خود ظاہر میں طلاق مانگی، مگر میرے شوہر نے منع کر دیا، یہاں تک کہ میں عدالت میں طلاق کے لئے گئی، مگر میرے شوہر نے طلاق دینے سے انکار کر دیا، میں پھر اپنے باپ کے گھر آ کر رک گئی اور لڑکی کو ساتھ لے کر آ گئی اور کچھ وقت کے بعد میں نے دوسرا نکاح کر لیا، اور میں اپنے دوسرے شوہر چاند کے ساتھ رہنے لگی اور اسی دوران میرے ایک لڑکی دوسرے شوہر سے ہوئی، جو چاند کی ہے، چاند شادی شدہ ہے، جس کی پہلی بیوی بھی ہے، مجھے یہ معلوم تھا کہ چاند پہلے سے شادی شدہ ہے؛ لیکن میں اس پر بھی خوش تھی، مگر دو سال پہلے ہم میاں بیوی میں تکرار ہونے لگی اور میرا شوہر زیادہ وقت اپنی پہلی بیوی کے ساتھ گذارنے لگا اور اب میں اگر اس سے کہتی ہوں کہ اگر مجھے نہیں رکھا جا رہا ہے، تو طلاق دیدو، تو وہ کہتا ہے کہ طلاق کیسی مجھ سے تیرا نکاح ہی نہیں ہوا ہے؛ کیونکہ پہلے شوہر سے طلاق نہیں ہوئی تھی، تو میرا نکاح کیسے ہوا؟ آپ سے گذارش ہے کہ آپ مجھے اس مسئلہ میں معلومات کرائیں اور بتائیں کہ میں کیا کروں؟

المستفتی: نبی احمد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر اول کی حالت نشہ میں دی ہوئی طلاق واقع ہوگئی ہے، دوسرا نکاح جو چاند سے ہوا ہے، وہ نکاح صحیح ہے، اگر آپ کا شوہر چاند آپ کو نہیں رکھنا

چاہتا ہے، تو طلاق ضروری ہے، آپ کے شوہر کا یہ سمجھنا کہ پہلے شوہر کے نکاح سے نہیں نکلی ہے درست نہیں ہے؛ بلکہ پہلے شوہر کے نکاح سے نشہ کی حالت میں تین مرتبہ طلاق کے بعد آپ مکمل طور پر نکل گئی ہیں۔

اب اس طلاق کے بعد اگر اس کے ساتھ رہی ہیں، تو حرام کاری ہوئی ہے اور تین ماہواری گذرنے کے بعد جب آپ نے دوسرا نکاح کیا ہے، تو شرعی طور پر یہ نکاح ہو چکا ہے، آپ دوسرے شوہر ہی کی بیوی ہیں۔

عن سعيد بن المسيب قال: طلاق السكران جائز. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من أجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ٩/٥٥، رقم:١٨٢٦٣)

أوسكر ولو بنبيذ (وتحته في الشامية) أي سواء كان سكره من الخمر أوالأشربة الأربعة المحرمة أوغيرها إلى قوله: المختار فى زماننا لزوم الحد ووقوع الطلاق. (الدر المختار، كتاب الطلاق، مطلب في تعريف السكران وحكمه، زكريا ديوبند٤/٤٤٤، كراچي٣/٢٣٩)

أما السكران إذا طلق امرأته، فإن كان سكره بسبب محظور بأن شرب الخمر أوالنبيذ طوعاً حتى سكر وزال عقله فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابة ﷺ. (بدائع الصنائع، فصل في شرائط ركن الطلاق، وبعضها يرجع إلى الزوج، كراچي٣/٩٩، زكريا ديوبند ٣/١٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۶۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۶ھ

ٹیلیفون سے حالت نشہ میں طلاق دینا

سوال [۶۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک شخص شراب کا عادی ہے، اس کی شادی کو تقریباً چار سال ہوگئے، شادی کے دو چار مہینے کے بعد ہی سے وہ دس بیس بار اس بات کو کہہ چکا ہے کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، برابر دھمکی بھی دیتا رہا کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، اس نے ۵؍رمضان کو اس کی چھوٹی بہن سے فون پر کہا کہ تمہاری بہن کو طلاق دیدوں گا، اس کے بعد اس نے ۲۶؍رمضان کو فون کیا، فون اس کی بیوی نے اٹھایا، اس نے اس سے کہا کہ ''میں نے تجھے طلاق دی'' یہ جملے اس نے سات آٹھ بار کہے، اس کے اگلے دن اس نے پھر فون کیا، اگلے دن فون پر لڑکی کے بڑے بھائی سے یہی بات کہی کہ میں نے تمہاری بہن کو طلاق دیدی، لڑکی کے گھر والوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ وہ دونوں دفعہ نشہ کی حالت میں تھا۔

المستفتی: محمد یامین، شاہجہاں پور، (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر فون پر طلاق کا انکار نہ کرے اور مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ شوہر اقرار کررہا ہے، تو ایسی صورت میں فون پر دی گئی طلاق معتبر ہوگئی اور جب تین سے زائد بار طلاق دیدی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر پر بیوی بالکل حرام ہوگئی ہے۔ اب بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا اور نشہ کی حالت میں بھی طلاق ہوجاتی ہے۔

كما استفيد من هذه العبارة وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها، فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا٤/ ٤٥٦، كراچي٣/ ٢٤٧، هندية، زكريا قديم١/ ٣٧٩، جديد١/ ٤٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٤/ ١٧٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/ ٥٣١، رقم:١٦٨٤٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣ جديد زكريا ١/ ٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، قدوري، مكتبه امداديه ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ شوال المکرّم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍ ۷۸۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶؍ ۱۰؍ ۱۴۲۳ھ

نشہ کی حالت میں طلاق

سوال [۶۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے سالے نے شراب پی کر نشہ کی حالت میں اپنی اہلیہ کو طلاق دیدی ہے اور اہلیہ بھی قبول کررہی ہے، اور کم از کم اس نے الفاظ طلاق کو چار پانچ مرتبہ دہرایا ہے، تو مذکورہ صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے؛ کیونکہ نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو حلالہ شرعیہ لازم ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ اس طلاق کی عدت گذارنے کے بعد عورت کسی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کرے اور اس کے ساتھ ہمبستری ہو اور ہمبستری کے بعد وہ دوسرا شوہر اس کو طلاق دیدے، اس کے بعد پھر عورت کی عدت گذر جائے، تو پہلا شوہر اس عورت سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔

عن أبي لبيد أن عمرؓ أجاز طلاق السكران بشهادة نسوة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من أجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ٩/ ٥٥٦، رقم: ١٨٢٧٠)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا. (المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، الفصل الثالث، المجلس العلمي ٤/٣٩١، رقم: ٦٥٠٩، هندية، زكريا ١/٣٥٣)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص: ٢١٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا ١/٤٧٣، جديد زكريا ١/٥٣٥ هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري، مكتبه امدايه ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۲۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۸ھ

نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۴؍اپریل جمعرات کے دن میں نے شراب پی رکھی تھی، جس کی وجہ سے میں بہت نشہ میں تھا، مجھے خود اپنا ہوش نہیں تھا، جب میں گھر پہونچا تو میری بیوی گھر پر نہیں تھی میری لڑکی گھر پر تھی، میں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ امی ترکاری لینے گئی ہیں، میں نشہ میں تھا ہی لیٹ گیا، مجھے نیند آگئی سو گیا، جب ۲-۳ گھنٹہ کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں نے پوچھا کہاں گئی تھی، اس نے جواب دیا ترکاری لینے گئی تھی، میں نے کہا اتنی دیر کیوں ہوگئی، تو اس نے کہا کہ امی کے گھر بیٹھ گئی تھی، میں نے کہا کیوں بیٹھ گئی؟ صبح میں نہار منھ ڈیوٹی پر گیا تھا، تجھے کچھ کھانا بنا کر رکھنا تھا، تو وہ بولی کیا ہوا بنا تو رہی ہوں، اس پر میں نے نشہ کی حالت میں

اس سے کہا، تو یہاں سے نکل جا اس پر اس نے کہا میں ایسے نہیں جاؤں گی، اس پر میں نے اس کے ایک چپت لگا کر کہا، جاؤ اپنی امی کے گھر جاؤ، اس نے کہا پہلے مجھے طلاق دو جب جاؤں گی، میں نے اسے تین بار ''طلاق، طلاق، طلاق'' لفظ کہا، تو کیا یہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ مجھے اسے اپنے گھر میں رکھنے کا حق ہے یا نہیں؟ وہ میرے نکاح میں رہی یا نہیں؟ موقع کا کوئی گواہ ہے یا نہیں؟ میں نشہ کی حالت میں تھا، مجھے اپنا ہوش نہ تھا مجھے معلوم نہیں۔

المستفتی: محمد عزیز ولد کریم اللہ، بشن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ اس لئے آپ کی بیوی کو تین طلاقیں ہوگئیں، اس کے ساتھ دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، عدت گذارنے کے بعد یہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر پہلے ہی شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے، تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ حلالہ شرعیہ کرالے، اس کے بغیر پہلے شوہر کے ساتھ رہنے کی گنجائش نہیں ہے۔

عن عبد الرحمن بن عنبسة، أن عمر بن عبد العزيز أجاز طلاق السكران وجلده. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من أجاز طلاق السكران۔ (مؤسسة علوم القرآن۹/ ۵۵۵، رقم:۱۸۲٦٤)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولوعبدا أومكرها أوهازلاً أوسفيهاً أوسكران، ولو بنبيذ أي سواء كان سكره من الخمر، أوالأشربة الأربعة المحرمة، أو غيرها من الأشربة إلى أن قال: المختار في زماننا لزوم الحد ووقوع طلاق. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، ملطب قي تعريف السكران وحكمه، زكريا٤/ ٤٤٤، كراچي٣/ ٢٣٩)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ وهومذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٣٥٣، زكرياجديد

دیوبند ۱/۴۲۰، الفتاوی التاتارخانیة، کوئٹه۳/۲۵۶، زکریا دیوبند ۴/۳۹۴، رقم:۶۵۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۶ھ

نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر شراب پیتے ہیں اور دوسرے نشہ بھی کرتے ہیں، نشے میں مجھ سے لڑتے ہیں اور مجھے مارتے بھی ہیں، ایک دن وہ کسی عورت سے ملنے گئے تھے، اس بات کا مجھے پتہ چل گیا، تو جب وہ آئے تو میں نے ان پر غصہ کیا، تو اس بات پر انہوں نے مجھے بہت مارا اور کہا کہ ”تجھے طلاق دوں؟“ پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ جا ”میں نے تجھے طلاق دی“ اور انہوں نے مجھے تین یا چار مرتبہ طلاق نہیں کہا؛ بلکہ ۲۰/۱۵ر بار طلاق کہا، کہ جا میں نے تجھے طلاق دی، دو تین سال پہلے بھی میرے شوہر مجھے طلاق دے چکے ہیں، مگر میرے سسرال والوں نے مجھ سے یہ کہا ہم نے فتوی نکلوالیا ہے کہ نشے میں طلاق نہیں ہوئی، مگر آگے ذہن میں رکھنا۔

یہ واقعہ تیسری مرتبہ ہوا ہے، اب جب انہوں نے مجھے طلاق دی، تو میں نے اپنی امی کو فون کیا، تو میری والدہ نے مجھ سے کہا، ان کے پاس سے الگ ہو جاؤ، مگر میرے پاس ان سے الگ ہونے کی کوئی جگہ نہیں تھی؛ کیونکہ میں اس وقت ان کے ساتھ کرناٹک میں تھی اور وہاں کا سفر دو دن دو رات ہے، جس کی بناء پر میں وہاں سے نہیں آسکی اور میرے والد صاحب اس وقت آسام میں تھے، وہ نہیں آسکتے تھے، مجھے لے نے کے لئے اور میرا کوئی بڑا بھائی بھی نہیں ہے، پھر میں نے ہی کوشش کی اور وہاں کے مولانا سے اس بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ تمہیں طلاق ہوگئی ہے۔

میرا یہ واقعہ مارچ کے مہینہ کا ہے اور ان کے پاس پانچ مہینہ گذار کر مراد آباد آئی ہوں۔ اب آپ سے یہ درخواست ہے کہ مہربانی کر کے مجھے یہ بتا دیجئے کہ کیا مجھے اب عدت کرنی چاہئے یا نہیں؟ مہربانی کر کے میرے حق میں جو صحیح ہے، وہ فتویٰ دے دیجئے اور یہ بھی بتا دیجئے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟

المستفتیہ: صبیحہ خاتون، جامع مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ۱۴-۱۵ر طلاق دی ہیں، تو ان میں سے صرف تین طلاق واقع ہوں گی، اور باقی لغو ہو جائیں گی، اور اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو کر بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی۔ اب آئندہ دونوں کے درمیان نکاح بھی بغیر حلالہ کے درست نہ ہوگا اور اس طلاق کے بعد دونوں میاں بیوی جو ساتھ رہے ہیں، اس سے حرام کاری ہوتی رہی ہے، سچے دل سے توبہ کرلیں اور دونوں کا فوری طور پر الگ ہونا لازم ہے۔

لو قال: أنت طالق مراراً، أو ألوفاً، أو لا قليل و لا كثير فثلاث، هو المختار كما في الجوهرة (تحته في الشامية) أي فيقع به الثلاث يلغو الزائد. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ديوبند ٤/ ٥٠٤، كراچي ٣/ ٢٨٠)

عن داؤد بن عبادة بن الصامت قال: طلق جدي امرأة له ألف تطليقة، فانطلق أبي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم: فذكر ذلك له، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أما اتقى الله جدك، أما ثلاث فله له، وأما تسع مئة وتسعة وتسعون فعدوان وظلم، إن شاء الله تعالىٰ عذبه، وإن شاء غفر له.
(مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب المطلق ثلاثاً، المجلس العلمي ٦/ ٣٩٣، رقم: ١١٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر شوال المکرم ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۷۹۷/۳۹)

نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم

سوال [۵۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام چاندنی ہے، میرے شوہر کا نام کلیم قمر ہے، تین مہینہ سے بہت جھگڑے چل رہے ہیں، آپسی جھگڑوں کی وجہ سے کلیم نے ۱۵/نشہ کی گولیاں کھالیں، اس نشہ کی حالت میں اور زیادہ جھگڑے کئے، بہت پریشان کیا اور اسی نشہ کی حالت میں سب محلّہ والوں کے سامنے چاندنی کو دو بار طلاق کہا اور چاندنی وہاں موجود تھی، دو بار چاندنی کے سامنے کہا اور تیسری بار محلّہ والوں نے سنا تھا اور اب کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی کہہ رہا ہے کہ مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ کب میں نے کیا کہہ دیا اور چاندنی کے تین لڑکے ہیں، ایک لڑکا آٹھ سال کا ہے اور دوسرا چھ سال کا ہے اور تیسرا چار سال کا ہے۔ اب آپ یہ بتایئے کہ اس میں کہاں تک گنجائش ہے؟ چاندنی بچوں کی وجہ سے بہت پریشان ہے، وہ بلند شہر کا رہنے والا ہے اور بچوں کو اپنے ساتھ لے گیا ہے، اب آپ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتایئے کہ ہم کیا کریں؟ جیسا آپ کہیں گے ہم ویسا کریں گے۔

المستفتیة: چاندنی، محلّہ پیر غیب، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اگرچہ نشہ کی مستی کی وجہ سے یاد بھی نہ رہا ہو تب بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، چاندنی کے سامنے جو دو طلاق دی ہیں، ان سے دو طلاق واقع ہوگئیں اور تیسری بار جو محلّہ والوں نے سنا ہے، وہ اگر پہلی دونوں طلاق کی خبر نہیں ہے، تو اس سے بھی ایک طلاق واقع ہوگئی طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا ضروری نہیں صورت مسئولہ میں تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی؛ لیکن سوال نامہ میں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ بیوی کے سامنے

کس طرح طلاق دی اور محلّہ والوں کے سامنے کب دی اور کس طرح دی؟ یہ بات واضح ہونی ضروری تھی۔

عن عطاء قال :یجوز طلاق السكران ،إنه ليس كالمريض المغلوب على عقله ،إنما أتى ما أتى ،وهو يعلم أنه يقول مالا يصلح ويعلمه. (مصنف عبدالرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق السكران، المجلس العلمي٧/٨٢، رقم:١٢٢٩٦)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أوالنبيذ، وهومذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (شامي، كتاب الطلاق، زكريا٤/٤٤٨، كراچي٣/٢٤١، هندية، زكريا ديوبند ١/٣٥٣)

وأما السكران إذا طلق امرأته، فإن كان سكره بسبب محظور بأن شرب الخمر، أوالنبيذ طوعاً حتى سكر وزال عقله، فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابةؓ. (بدائع الصنائع، زكريا٣/١٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹؍جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۳۰/۳۷)	۱۴۲۵/۶/۲۸ھ

نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق کہدی اور تین دفعہ کہا، تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی اور میری بیوی میرے ساتھ رہنے پر راضی ہے، ایسی صورت میں میں کیا کروں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: آصف علی ولد صابر علی، ساکن کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے اور جب نشے کی حالت میں تین طلاق دیدیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، وہ شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے۔

عن الحسنؒ وابن سيرين سمعهما يقولان: يجوز طلاق السكران، ويجلد جلداً. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق السكران، المجلس العلمي ٧/٨٢، رقم: ١٢٢٩٧)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (شامي، كراچي ٣/٢٤١، زكريا ٤/٤٤٨، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٣٩٤، رقم: ٦٥٠٩، وهكذا في الدر المنتقي قديم ١/٣٨٤، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا ١/٤٧٣، جديد زكريا ١/٥٣٥ هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري، مكتبه امدادية ديوبند ١٧٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۲۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۲/۱۴۲۵ھ

نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد فیضان نے نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کا نام لے کر تین مرتبہ طلاق

دی، ایسی صورت میں محمد فیضان کی بیوی نکہت جہاں پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور دوبارہ نکاح میں رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: محمد عظیم اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی شرعاً طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب محمد فیضان نے اپنی بیوی نکہت جہاں کو نشہ کی حالت میں تین مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے لئے وہ قطعی طور حرام ہوگئی ہے، اگر دوبارہ ساتھ رہنا چاہے، تو حلالۂ شرعیہ کے بغیر جائز نہ ہوگا اور شرعی حلالہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ شوہر کی طلاق کے بعد تین ماہواری گذارنے کے ذریعہ عدت پوری کرلے، اس کے بعد کسی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کرکے ہمبستر ہوجائے، پھر دوسرا شوہر طلاق دیدے، پھر تین ماہواری کے ذریعہ عدت گذرجائے، پھر اس کے بعد محمد فیضان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا، اس کے علاوہ کوئی دوسری شکل نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ۱۲/۲۸۴-۲۸۶)

طلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (هندية، زكريا ۱/۳۵۳، جديد زكريا ۱/۴۲۰ تاتار خانية، زكريا ۴/۳۹۴، رقم: ۶۵۰۹)

طلاق المكره والسكران وخلعهما وإعتاقهما واقع. (تاتارخانية، زكريا ۴/۳۹۵، رقم: ۶۵۱۲)

ومن سكر من البنج يقع طلاقه، ويحد لفشو هذا الفعل بين الناس وعليه الفتوى في زماننا. (هندية، ۱/۳۵۳ جديد زكريا ۱/۴۲۱)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ ولو مكرهاً، أو كان الزوج سكران زائل العقل، فإن طلاقه واقع. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلميهة ۲/۸)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص ۲۱۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(الفتاوى العالمگيرية، زكريا ۱/٤۷۳،جديد زكريا۱/۵۳۵، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۵/۱٤۷، رقم:۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۷ھ

نشہ کی حالت میں طلاق معلق دینا

سوال [۶۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حامد کی دو بیویاں ہیں، ایک دن اس نے شراب کے نشہ میں چور ہوکر ایک بیوی سے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ اگر تو نے اپنی ماں سے بات چیت کی تو تجھے تین طلاقیں، بعد میں اس نے کہا کہ میری اسی دن بات چیت سے روکنے کی نیت تھی، دوبارہ پوچھنے پر اس نے کہا کہ تین ماہ تیرہ دن بات چیت سے روکنے کی نیت سے میں نے منع کیا تھا، لڑکی کی ماں اکثر بیمار رہتی ہے اور اس کے سوا ماں کا کوئی سہارا نہیں؛ لہٰذا کوئی حل کتاب وسنت کی روشنی میں تحریر فرمائیے۔

المستفتی: غیاث صدیقی، کلینک نوپ شہر روڈ جمال پور، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص نے شراب پی کر گناہ عظیم کا ارتکاب کیا ہے؛ لہٰذا اس پر صدق دل سے توبہ کرنا لازم ہے، تاہم اگر حامد کی بیوی نے حامد کے مذکورہ الفاظ کہنے کے بعد اپنی ماں سے بات کی تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی، حامد کی نیت کا اعتبار نہیں ہے۔ اب طلاق سے بچنے کے لئے صرف دو ہی صورتیں ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ ماں کی خدمت کرتی رہے بات نہ کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک طلاق لے کر اس سے بے تعلق ہو جائے، جب عدت تین حیض ختم ہو جائے تو حامد کی بیوی اپنی ماں سے بات کرسکتی ہے۔ نیز اب اگر حامد دوبارہ اپنی بیوی سے نکاح کر لیتا ہے، تو اب بیوی کا اپنی ماں سے بات چیت کرنے سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ اس شرط کا تحقق ایسی حالت میں ہوا کہ وہ بیوی محل طلاق نہیں رہی؛ بلکہ مطلقہ ہوکر انقضاء عدت کے بعد اجنبیہ بن گئی۔

فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة، ثم بعد العدة تدخلها، فتنحل اليمين فينكحها. (الدر مع الرد، زكريا، كتاب الطلاق، باب التعليق، مطلب مهمة الإضافة للتعريف لا للتقييد، زكريا ٤/ ٦٠٩، كراچي ٣/ ٣٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ رجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۲۵ھ

شراب کے نشہ میں طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بروز جمعہ شراب کے نشہ میں حویلی کے ایک معزز آدمی کو بلاکر اور کچھ عورتیں بھی موجود تھیں، اپنی بیوی سے کہا ”میں نے آپ کو طلاق، طلاق، طلاق دی“ بیوی گیارہ بچوں کی ماں ہے، بعد میں بیوی کے بھائی کی دوکان پر جاکر کہا میں نے تمہاری بہن کو طلاق دیدی ہے، وہاں بھی چند لوگ جمع تھے، یہ سلسلہ دودن ہوا فتوی دیں کون سی طلاق واقع ہوئی؟

المستفتی: غلام حسین، فقیر پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شراب کے نشہ میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی

ہے؛ لہٰذا جب زید نے اپنی بیوی سے کہا ''میں نے طلاق، طلاق، طلاق دی'' تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور اپنے شوہر کے لئے بالکلیہ حرام ہوگئی۔

عن سعيد بن المسيب قال: طلاق السكران جائز. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من أجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ۹/۵۵، رقم:۱۸۲۶۳)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ، كذا في المحيط. (عالمگيري، زكريا ديوبند ۱/۳۵۳ جديد زكريا ۱/۴۲۰، المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، الفصل الثالث، المجلس العلمي ۴/۳۹۱، رقم:۴۶۳۴)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۶۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۶ھ

نشہ کی حالت میں دو طلاق دینا

سوال [۶۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو نشہ کی حالت میں دو طلاق دیدیں، بیوی کا بیان بھی یہی ہے کہ دو مرتبہ طلاق دی، اب تقریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ ہو چکا ہے، اب دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں کہ طلاق ہوئی تو کونسی ہوئی؟

المستفتی: محمد رئیس، محلہ چوک محمد سعید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلاق صرف دو مرتبہ دی ہے، تو اس سے دو طلاق

واقع ہوچکی ہیں اوراس واقعہ کی مدت چونکہ ڈیڑھ سال تک ہوچکی ہے؛ اس لئے اس درمیان میں عدت بھی پوری ہوچکی ہے؛ اس لئے اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں تو دوبارہ نکاح کر کے ہی رہ سکتے ہیں۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢)

ومبدأ العدة بعد الطلاق وبعد الموت على الفور، وتنقضي العدة وإن جهلت المرأة بهما. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب العدة، كراچي ٣/٥٢٠، زكريا٥/٢٠٢، كذا في الهداية، اشرفي ديو بند٢/٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۳۲۴۷)

شراب کے نشہ میں تین طلاق دینا

سوال [۶۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی شاداب جہاں کی شادی انور حسین ساکن بروالان میں ۴؍سال پہلے ہوئی تھی، اس سے ایک لڑکی بھی ہے، انور حسین روزانہ شراب پیتا ہے اور گھر میں مار پیٹ کرتا ہے، عید میلاد النبی کے دن لڑکی اپنے میکہ آئی ہوئی تھی، وہ شراب پی کر آیا اور گالیاں دینے لگا اور تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ کر چلا گیا، اور کہا میں نے تجھ کو طلاق دیدی، اس بات کو کرایہ دارا اور دیگر لوگوں نے بھی سنا ہے۔

المستفتی: عبد القیوم، وارثی نگر، جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں شوہر انور حسین نے واقعۃً اگر اپنی

بیوی شاداب جہاں کو تین بار طلاق، طلاق، طلاق کا لفظ کہا ہو، تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب عدت گذرنے کے بعد حلالہ شرعیہ کے بغیر میاں بیوی جیسی زندگی گذارنا جائز نہیں ہے اور نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

عن عبد الرحمن بن حرملة قال: طلق جار لي سكران، فأمرني أن أسأل سعيد بن المسيب؟ فقال: إن أصيب فيه الحق، فرق بينه وبين امرأته، وضرب ثمانين. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من أجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن۹/ ۵۵۵، رقم:۱۸۲٦٥)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ۲/۳۹۹، عالمگيري، زكريا ۱/٤۷۳ جديدزكريا ۱/۵۳۵، قدوري، مكتبه امدادية ديوبند ۱۷۸)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (عالمگيري ۱/۳۵۳، زكريا جديد ۱/٤۲۰، الفتاوى التاتارخانية، كوئٹه ۳/ ۲۵٦، زكريا ٤/۳۹٤، رقم:٦۵۰۹، المحيط البرهاني، كوئٹه ۳/۳٤۸، المجلس العلمي ٤/۳۹۱، رقم:٤٦۳٤)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ ولو مكرهاً، أو كان الزوج سكران زائل العقل، فإن طلاقه واقع. (هندية، زكريا ۱/۳۵۳ جديدزكريا ۱/٤۲۰ مجمع الانهر دارالكتب العلمية ۲/۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۹۷۰)

بحالت نشہ تین طلاق دینا

سوال [۶۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نادر نشہ کی حالت میں گھر آیا، گھر میں بیوی سے ملاقات نہ ہونے پر خفا ہوکر لیٹ گیا، پھر کچھ دیر بعد بیوی گھر آگئی، تھوڑی دیر گفت وشنید کے بعد نادر نے بیوی سے کہا، بھاگ جاؤ، ہماری نظر سے دور ہو جاؤ، اس کے آگے نادر کا کہنا ہے کہ میں نے کیا کہا؟ مجھے پتہ نہیں؛ کیونکہ میں نشہ کی حالت میں تھا؛ جبکہ بیوی کا کہنا ہے کہ نادر نے (بیوی کی) بے تکی پٹائی کی اور جب بالکل عاجز آ گئی، تو میں (بیوی) نے کہا روز روز کے مارنے سے ایک ہی دن ختم کردو، تو پھر نادر نے فوراً ہی تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کا لفظ اسی جگہ یعنی گھر میں استعمال کیا، پھر بیوی گھر سے باہر آکر دروازہ پر آکر کھڑی ہوگئی، تو نادر نے دروازہ بند کرلیا اور پانچ منٹ کے وقفہ وقفہ سے دومرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا، پھر دین مہر ادا کرنے کی دھمکی دی، تو مذکورہ حالات کے تحت نادر کے لئے بیوی حلال ہے یا نہیں؟

المستفتی: نادر، بشن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ تو جب نشہ کی حالت میں طلاق دینے کا عورت دعویٰ کر رہی ہے اور شوہر انکار بھی نہیں کر رہا ہے تو عورت پر تین طلاق واقع ہوجائیں گی اور بیوی نادر کے لئے حلال نہیں رہے گی، بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہے۔

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ، كذا في المحيط. (عالمگيري، زكريا ۱/۳۵۳ جديد زكريا ۱/ ۴۲۰)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل، ولو عبدًا أو هازلاً أو مكرها أو سفيهاً

أوسكران ولو بنبيذ. قال الشامي: سواء كان سكره من الخمر أوالأشربة المتخذة من الحبوب و العسل عند محمد. (شامي على الدرالمختار، زكريا٤/ ٤٤٤، كراچي٣/ ٢٣٩)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۳/ ۱۴۲۴ھ

نشہ کی حالت میں بیوی کو تین طلاق دینا

سوال [۶۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وسیم نے چند آدمیوں کے سامنے حالت نشہ میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں؛ لہٰذا وسیم کے لئے اس کی بیوی حرام ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران انصاری، کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، لہذا جب شوہر نے بیوی کو نشہ کی حالت میں تین طلاقیں دے دی ہیں، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، اب آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہے۔

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو تقديراً. بدائع؛ ليدخل الكسران (إلى قوله) أوسكران ولوبنبيذ أوحشيش أوأفيون أوبنج زجراً يفتى به تصحيح القدوري. (شامي مع الدر المختار ٤/ ٤٣٨ - ٤٤٦،

کراچي ۳/ ۲۳۵- ۲٤۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۹۴/۴۰)

نشہ کی حالت میں طلاق مغلظہ دینا

سوال [۶۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے شراب پی کر نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ (تین طلاق صریح) دے دیں ایک دیگر شخص کی موجودگی میں، تو کیا اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی؟

المستفتی: محبوب خاں، نواب پورہ، مسجد حاجی نیک، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حالت نشہ میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ اس لئے جب مذکورہ شخص نے تین طلاق دے دی ہیں، تو اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہیں۔ اب بلا حلالۂ شرعیہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں۔

وطلاق السكران واقع. (هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ۲/ ۳۵۸)

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (در مختار، زكريا ٤/ ٥۲۱)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ۲/ ۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۵۳/۳۷)

نشہ میں طلاق مغلظہ دینے کا حکم

سوال [٦١٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی شبنم کو شراب کے نشہ کی حالت میں تین سے زیادہ مرتبہ طلاق دے دی ہے۔ اب اسے دوبارہ اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا ہوں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: سلیم احمد، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی آپ کے اوپر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

أما السكران إذا طلق امرأته فإن كان سكره بسبب محظور بأن شرب الخمر أوالنبيذ طوعاً حتى سكر وزال عقله فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابةرضـ. (بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ٣/١٥٨، كراچي ٣/٩٩)

وفي هذا الزمان إذا سكر من البنج والأفيون يقع زجراً وعليه الفتویٰ. (الدر المنتقي قديم ١/٣٨٤، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٠، شامي، زكريا ٤/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۸۰۶)

بحالت نشہ تین طلاق دینا

سوال [٦١٥٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ہندہ کی شادی تقریباً بیس سال قبل زید کے ساتھ ہوئی تھی، ایک دن زید نشہ کی حالت میں رات کے وقت گھر آیا ٹیلی ویژن چل رہا تھا، زید نے ہندہ سے کہا ٹیلی ویژن کی آواز کم کردو، ہندہ سے غلطی سے آواز تیز ہوگئی، اس پر زید بھڑک اٹھا اور بقول ہندہ کے زید نے تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کا لفظ کہہ دیا، ہندہ نے گھر والوں کو یہ صورت حال بتلائی، تو گھر والوں نے اس کو گھر بلا لیا، اب صبح کو زید کو ہوش آنے پر زید یہ کہتا ہے کہ میں نے بالکل طلاق نہیں دی ہے، ہوسکتا ہے میں نے دھوکہ سے ایک مرتبہ کہہ دیا ہو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: گلزار احمد، شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب زید نے نشہ کی حالت میں بیوی کو تین مرتبہ طلاق دے دی ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں اور زید کے انکار کا اعتبار نہیں؛ جبکہ بیوی نے اپنے کان سے تین مرتبہ طلاق سنا ہے اور بیوی کے لئے بغیر حلالہ اس کے پاس جانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

أخرج الإمام مالک في الموطأ: أنه بلغه أن سعيد ابن المسيب وسيلمان بن يسار سئلا عن طلاق السكر، فقالا: إذا طلق السكران جاز طلاقه.
(موطأ مالك، النسخة الهندية، زكريا ٢١٦، رقم: ٨٢)

وطلاق السكران واقع. (هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/٣٥٨)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أوأخبرها عدل لا يحل لها تمكينه......بل تفدي نفسها بمالٍ، أوتهرب. (شامي، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥١، البحر الرائق، كوئٹه ٣/٢٥٧، زكريا ٣/٤٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۹۳)

نشہ کی حالت میں ایک ہی سانس میں طلاق مغلظہ دینا

سوال [۶۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد سبحان نے اپنی بیوی کو شراب پی کر نشہ کی حالت میں تین مرتبہ طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، کہا تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی یا نہیں اور ایک ہی سانس میں کہا ہے، بیوی اس وقت حاملہ ہے۔

المستفتی: محمد اسلام، محلّہ: اصالت پورہ، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں جب محمد سبحان نے شراب پی کر اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دیدیں، تو بیوی پر طلاق مغظلہ واقع ہوگئی؛ اس لئے کہ نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق پڑ جاتی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص ۲۱۹)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا. (شامي، كراچي ۳/ ۲٤۱، زكريا ٤/ ٤٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ر ۳۴۶۳)

نشہ کی حالت میں تین مرتبہ سے زائد طلاق دینا

سوال [۶۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں طاہر خان یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں اپنے گھریلو ٹینشن کی وجہ سے نشہ کی گولیاں کھاتا ہوں، اس دن بھی میں نشہ میں تھا، اسی دوران میرا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوگیا،

جھگڑا اتنا بڑھ گیا کہ میں اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھا، اسی دوران میں نے اپنی بیوی کو پانچ یا چھ بار طلاق کا لفظ کہہ دیا، میرے کمرے میں میں اور میری بیوی ہی تھی۔ قرآن وحدیث کی روسے بتائیں کیا یہ طلاق ہوگئی؟ مجھ کو اس کا فتوی دیں۔

المستفتی: طاہر خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت نشہ میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ اس لئے جب مذکورہ شخص نے اپنی بیوی پر تین سے زائد مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا تو اس سے اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ نکاح بھی درست نہیں۔

وفي التاتارخانية: طلاق السكران واقع إذا سكر من النبيذ أو الخمر وهو مذهب أصحابنا. (شامي، زكريا ٤/٤٤٨، كراچي ٣/٢٤١، الفتاوى التاتارخانية، زركيا ٤/٣٩٤، رقم: ٦٥٠٩)

ولو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١، هندية، زكريا ١/٣٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۹۵۵/۳۶)

نشہ کی حالت میں تین سے زائد مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص ظریف حسین نے شراب پی کر اپنی بیوی کو تین سے زائد مرتبہ طلاق دیدی۔ اب لڑکی اسی شوہر کے پاس رہنا چاہتی ہے، شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتی: جمعہ شاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ظریف حسین نے اپنی بیوی کو شراب پی کر نشے کی حالت میں تین سے زائد طلاقیں دیدیں، تو عورت شوہر پر حرام ہوگئی۔

طلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر، أو النبيذ وهومذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (شامي، كراچي ٣/ ٢٤١، زكريا ٤/ ٤٤٨)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص ٢١٩)

اب اگر بیوی دوبارہ شوہر کے پاس رہنا چاہتی ہے، تو حلالۂ شرعی لازم ہوگا اور اس کی شکل یہ ہے کہ عورت عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے مراہق یا بالغ مرد سے نکاح کرکے ہمبستری بھی کرے اور پھر وہ شخص آخر اپنے اختیار سے طلاق دیدے، تو پھر عدت گذارنے کے بعد نکاح کرسکتی ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا ١/ ٤٧٣ جديدزكريا ١/ ٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، قدوري، مكتبه امداديه ص: ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۷۹)

نشہ کی حالت میں چار پانچ مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شرافت حسین نے اپنی بیوی کو نشے کی حالت میں چار پانچ مرتبہ طلاق دی، ''طلاق دی'' کہا، شرعاً کونسی طلاق ہوئی؟

المستفتی: محمد ابراہیم، محلّہ: اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور جب تین مرتبہ سے زائد طلاق دیدی ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔

طلاق السکران واقع إذا سکر من الخمر أو النبیذ وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالیٰ. (شامي، کراچي ۳/۲۴۱، زکریا ٤/٤٤٨، هندیة، قدیم ۱/۳٥۳، جدید زکریا ۱/٤۲۰ المحیط البرهاني، المجلس العلمي ٤/۳۹۱، رقم: ٤٦۳٤، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ٤/۳۹٤، رقم: ٦٥۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۲۷۰)

بیوی کو حالت نشہ میں چھ، سات بار ”میں نے تجھے طلاق دی“ کہنا

سوال [۶۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد یسین گھر کے اندر شراب پی کر آیا، رات کے قریب آٹھ بجے تھے، اس کی بیوی محمد یسین کے چچا کے گھر موجود تھی، اس نے اپنی بیوی سے کہا ”میں نے تجھے طلاق دی“ اس نے یہ الفاظ کئی مرتبہ کہے گھر کے اندر اس وقت جو لوگ موجود تھے، ان کی شہادت ہے کہ اس نے یہ الفاظ چھ سات مرتبہ کہے، شہادت دینے والوں میں دلشاد حسین، خورشید بیگم، محمد قدیر، نبی حسین موجود تھے، ان کی شہادت سے معلوم ہوا کہ چھ سات مرتبہ طلاق کا لفظ کہا گیا، اور اس کی بیوی کا کہنا بھی یہی ہے، کہ انہوں نے چھ سات مرتبہ کہا، آپ سے گذارش ہے کہ اس کا فتوی دیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبد القدیر، درگاہ، نبی حسن، اڑ پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین مرتبہ سے زائد طلاق کے الفاظ استعمال کر چکا

ہے، تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی اس کے ساتھ صحیح نہ ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هندية، زكريا ١/٤٧٣ جديد زكريا ١/٥٣٥، هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري، مكتبه امدادية ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۷۲۵۵)

حالت نشہ میں کئی بار لفظ طلاق استعمال کرنا

سوال [۶۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں آپ کی خدمت میں ایک مسئلہ لے کر حاضر خدمت ہوں، میری پریشانی اس طرح ہے کہ میں نے ایک سال پہلے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، ہم کو معلوم نہیں تھا کہ وہ شخص شرابی ہے، میری بیٹی ہر پریشانی برداشت کرتی رہی، اب اس کی صبح وشام میں ڈیلیوری ہونے والی ہے، کل رات اسی کے شوہر نے خوب شراب پی کر رات کے ۱۱؍ بجے اس کو طلاق دیدی، میری بیٹی نے ۶ یا ۷ بار اپنے کان سے سنا، پھر وہ برابر میں پڑوسی کے یہاں بیٹھ گئی، تو وہاں پر بھی طلاق کی آواز آتی رہی، وہ شخص میری بیٹی کو صحیح نہیں رکھتا ہے، لگ بھگ اس نے ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک طلاق دی، تو میری بیٹی کو اس حالت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ میری بیٹی کی ساس اکثر اس کو طلاق دلوانے کی دھمکی دیتی رہتی تھی۔

المستفتی: سرتاج بیگم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور شوہر نے

کئی مرتبہ طلاق کے الفاظ استعمال کئے؛ لہٰذا آپ کی بیٹی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہ ہوگا۔

طلاق السکران واقع إذا سکر من الخمر أوالنبیذ، وهومذهب أصحابنا رحمهم الله تعالیٰ. (شامي، کراچي۳/ ۲٤۱، زکریا٤/ ٤٤۸)

کرر لفظ الطلاق وقع الکل. (درمختار، کراچي۳/ ۲۹۳، زکریا٤/ ۲٥۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۶۵۵)

نشہ کی حالت میں کئی مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بدھ کے دن صبح ساڑھے نو بجے میں چرس اور سلفا کے نشہ میں تھا، نشہ مجھے بہت زبردست تھا، مجھ میں اور میری بیوی میں تکرار ہوئی اور گالی گلوج ہوئی اور نشہ کی حالت میں میں نے اپنی بیوی کو کئی مرتبہ یہ طلاق کے الفاظ کہے، اس وقت مجھے بالکل ہوش نہیں تھا، پھر میری ماں بیوی کو اپنے کمرہ میں لے گئی اور اپنے کمرہ میں لے جاکر اسے کھانا کھلایا اور کپڑے دھلوائے، پھر لڑکی اپنے گھر کو چلی گئی اور میری بیوی میری ماں کے یہاں آتی جاتی ہے، وہ اپنے شوہر کے کمرہ میں نہیں جارہی ہے، اور وہ اس طلاق کو نہیں مان رہی ہے۔ اب آپ بتائیے کہ کیا نشہ کی حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور مجھے نہیں پتہ میں نے کتنی مرتبہ طلاق کا لفظ کہا۔

نوٹ: البتہ لفظ طلاق تین مرتبہ سے زیادہ کہا۔

المستفتی: محمد احمد، نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے، یہاں پر

تین طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ اب بیوی بغیر حلالہ کے اس کے لئے حلال نہ ہوگی اور بیوی کے لئے بغیر شرعی حلالہ کے شوہر کے گھر میں آنا جانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/۸۹)

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه. [البقرة: ۲۳۰]

طلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهومذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (شامي، زكريا ديوبند ٤/٤٤٨، كراچي ٣/٢٤١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، كذا في الهندية، زكريا ١/٤٧٣ جديدزكريا ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۴۲۶/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۴ھ

طلاق سکران کا تحقیقی جائزہ

شراب کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ شراب ام الفواحش اورام الخبائث اورام الکبائر، تینوں برائیوں کی جڑ ہے۔ (المعجم الکبیر رقم:۱۱۳۷۲، المعجم الاوسط رقم:۲٦٦۷)

ہزاروں مسلمان مرد شراب کی نحوست اور مستی میں آکر بیوی کو طلاق دے کر گھر اجاڑ دیتے ہے؛ اس لئے اس موضوع پر مدلل مضمون اور مقالہ کی ضرورت تھی؛ چنانچہ دیوبند میں ہندوستان بھر کے علماء ومفتیانِ کرام کا اس موضوع پر ایک فقہی اجتماع ہوا، اس موقع پر اس سیاہ کار نے جو مقالہ پیش کیا تھا اور تمام علماء ومفتیان کرام نے اس سے اتفاق کرلیا تھا، وہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ. [سورہ مائدہ: ۹۰- ۹۱]

اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور بت پرستی اور جوے کے تیرے یہ سب شیطان کے گندے اور ناپاک کام ہیں؛ اس لئے ان چیزوں سے بالکل الگ دور رہو تاکہ ان کے دینی اور دنیوی مضرتوں سے نجات پاکر فلاح وکامیابی سے ہم کنار ہوسکو، یقیناً شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان آپس میں عداوت اور دلوں میں

بغض پیدا کر دے، اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز جیسی عبادت سے روک دے، جب ایسی بری چیز ہے، تو بتلاؤ کہ اب بھی تم باز آؤ گے یا نہیں؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جتنی مخلوق پیدا فرمائی ان میں انسان کو دوسری تمام مخلوق سے الگ ایک امتیازی شان عطاء فرمائی اور عقل وشعور عطا فرمایا، مگر دوسری کسی بھی مخلوق کو انسانی عقل کا گرد و غبار تک حاصل نہیں، یہی وہ انسان ہے جس نے اپنی عقل وشعور سے ہوائی جہاز کے پرزے تیار کیے، میزائل اور راکٹ تیار کیے، یہی وہ انسان ہے، جس کی عقل نے آج ایسا ہوائی جہاز تیار کیا ہے، جو بغیر پائلیٹ کے دنیا کے ذرہ ذرہ کا پتہ لگاتا ہے، مگر دوسری کسی بھی مخلوق کو ایسی عقل اور فراست کا ہزارواں حصہ بھی حاصل نہیں، اس عقل کے ذریعہ سے ہر چیز کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت ہے؛ لیکن جب یہی دانشمند اور عقل وشعور کے اعلی درجہ کا انسان شراب جیسی ناپاک چیز پر منہ لگالیتا ہے، تو عقل وشعور سے محروم ہو کر جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے، پھر اسے یہاں تک بھی امتیاز نہیں رہتا ہے کہ باپ کون ہے؟ بیٹا کون ہے؟ ماں کون ہے؟ بیوی کون ہے؟ اپنا اور غیر کا فرق تک باقی نہیں رہتا، چوپاؤں اور جانوروں میں اتنا تو شعور ہوتا ہے کہ اپنا کون ہے غیر کون ہے؛ لیکن شراب پینے کے بعد انسان میں اتنا بھی شعور باقی نہیں رہتا، وہ ایٹمی دماغ وہ برقی صلاحیت سب کچھ خاک میں مل جاتی ہے۔

پوری کائنات میں انسان کا سب سے بڑا دشمن ابلیس لعین ہے، وہ کبھی گوارا نہیں کرسکتا کہ انسان میں عقل وشعور کا توازن باقی رہے، ہر طرف سے انسانی دماغ پر حملہ کرتا ہے، دماغی توازن کا سب سے بڑا زہریلا سبب شراب ہے؛ اس لئے ابلیس لعین ہر وقت یہی کوشش کرتا ہے کہ انسان میں اس خبیث ترین ناپاک چیز کی رغبت پیدا کر کے گمراہی کا شکار بنا دے؛ چنانچہ ہزار حیلہ سازی اور خیالی منافع کے دھوکہ میں ڈالتا ہے، جس سے انسان شیطان کے فریب میں مبتلا ہو کر پیشاب سے بھی ناپاک اور گندی چیز جو کہ شراب ہے منہ میں لے لیتا ہے، پھر اس کے بعد عقل وفراست ہوش وحواس سب چیزوں سے محروم ہو کر لڑائی جھگڑے کا

شکار ہوجاتا ہے؛ اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالی نے مذکورہ آیت کریمہ میں شراب اور خمر کو شیطان کا ناپاک عمل قرار دیا ہے، پھراس کے بعد شیطان انسان کو چار قسم کے نقصانات سے دوچار کرتا ہے۔

(۱) أن یوقع بینکم العداوۃ: شراب کے ذریعہ سے آپس میں دشمنی اور عداوت پیدا کرتا ہے۔

(۲) والبغضاء: دلوں کے اندر بغض وعناد اور تعصب پیدا کرتا ہے۔

(۳) ویصدکم عن ذکر اللہ: انسان کو خدا کی یاد سے روک کر غفلت اور لاپرواہی میں مبتلا کردیتا ہے۔

(۴) وعن الصلوۃ: نماز جیسی اہم ترین عبادت سے روک دیتا ہے۔

پھر انسان پر نماز کے بارے میں لاپرواہی اور غفلت سوار ہوجاتی ہے؛ اس لئے دنیا نے کسی بھی شرابی کو ذکر خدا میں مشغول نہیں دیکھا ہوگا اور نہ ہی کسی بھی شرابی کو نماز کی جماعت اور عبادت میں مشغول دیکھا ہوگا، شیطان نے ہر طرف سے اس کو خدا کی خوبیوں پر پردہ ڈال کر فتنے کے شکنجے میں پھانس رکھا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں شراب کو شیطانی عمل اور آپس میں عدوات اور دشمنی اور فتنہ وفساد لڑائی جھگڑے کا ذریعہ بتایا ہے، شراب پینے کے بعد شرابی ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے، پھر نہیں سوچتا کہ کیا کرنا ہے اور کیا ہونا ہے؟ اگر شرابی شادی شدہ ہے، تو اس کی بیوی پر روزانہ ایک مصیبت کھڑی رہتی ہے، ایک تو شراب کی بدبو اس طرح خطرناک ہوتی ہے کہ ہر انسان برداشت نہیں کرسکتا، دوسرے شراب کی حالت میں بیوی کو مغلظات بکتا ہے اور آگے بڑھ کر مار دھاڑ میں بھی کمی نہیں کرتا۔ الغرض بیوی کے حق میں شرابی سراپا ظالم ہوتا ہے اور بیوی سراپا مظلوم رہتی ہے؛ لیکن یہ مظلومہ عورت کہاں تک برداشت کرے آخر کار اس کو شرابی کی باتوں کا جواب دینا پڑجاتا ہے،

پھرلڑائی کا سلسلہ بڑھ جاتا ہے، آخرکارمنٹوں میں طلاق کی نوبت آجاتی ہے، بے حیاء بے غیرت شرابی کوذراسی بھی شرم نہیں آتی کہ شراب پی کر خاندان کے سامنے ننگے ناچ ناچتا ہے، میاں بیوی کی خوش گوارزندگی کو تباہ کرڈالتا ہے اور طلاق کے نتیجہ میں دونوں کا گھر برباد ہوجاتا ہے، اور بچے ماں باپ کے زندہ ہونے کے باوجود یتیموں کی طرح بے سہارا ہوجاتے ہیں، بیوی اور بچوں کو گھر سے بے گھر ہوجانا پڑتا ہے، ملک میں جتنے طلاق کے واقعات پیش آتے ہیں ان میں کم ازکم چالیس فیصد شرابیوں کے واقعات ہوتے ہیں اور شرابی کی طلاق معتبر مانی جاتی ہے، طلاق کا واقعہ پیش آنے کے بعد فتوی بازی کا سلسلہ شروع کرتا ہے اور مارامارا پھرتا ہے اور بے غیرتی سے کہتا ہے کہ شراب کی حالت میں ہوش وحواس باقی نہیں رہا پتہ نہیں کیا ہوا، اور کتنی بار کہا؟ مفتی صاحب! کوئی گنجائش نکال دیجئے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ مسئلے مسائل مفتی صاحب کے گھر کی چیز ہیں وہ بے چارے کہاں سے بتائیں گے، وہ تو وہی بتائیں گے جو شریعت کا حکم ہے، اسی وجہ سے مخبر صادق امین علیہ الصلوۃ والسلام نے شراب کو ہر شراور فتنہ کا ذریعہ اور کنجی بتلایا ہے اور کنجی کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے ذریعہ سے ہر فتنہ کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عباسؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليهو سلم: اجتنبوا الخمر فإنها مفتاح كل شر. (المستدرك للحاكم جديد مصطفىٰ الباز، مكة المكرمة، الرياض ٧/ ٢٥٨١، رقم:٧٢٣١، قديم ٤/ ١٦٢)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم شراب سے اپنے آپ کو دور رکھا کرو؛ اس لئے کہ شراب ہر شراور فتنہ کی کنجی ہے۔

ایک اور حدیث میں شراب کو ام الفواحش بے حیائی کی جڑ اور ام الکبائر کبیرہ گناہوں کی جڑ بتلایا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے۔

عن ابن عباسؓ قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: الخمر أم الفواحش وأكبر الكبائر، من شربها وقع على أمه وخالته وعمته.

(المعجم الكبير للطبراني، دارا أحياء التراث العربي ١٣٢/١١، رقم:١١٣٧٢، المعجم الاوسط للطبراني، دارالكتب العلمية بيروت٢/٢٣٩، رقم:٣١٣٤)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شراب بے حیائی کی جڑ ہے، اور بڑے بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے، جو شراب پی لیتا ہے وہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرسکتا ہے، اور اپنی خالہ اور پھوپھی کے ساتھ بھی منہ کالا کرسکتا ہے۔

ایک حدیث پاک میں شراب کو ام الخبائث گندگیوں اور خبیث اور ناپاک چیزوں کی جڑ بتلایا ہے۔حدث شریف ملاحظہ فرمایئے۔

عن عبد الله بن عمرو بن العاصؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الخمر أم الخبائث، فمن شربها لم تقبل منه صلاته أربعين يوماً، فإن مات وهي في بطنه مات ميتةً جاهلية. (المعجم الأوسط للطبراني،دارالكتب العلمية بيروت٢/٤٠٦، رقم:٣٦٦٧)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شراب ہر خبیث اور گندی چیزوں کی جڑ ہے؛ لہٰذا جو پی لے گا اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوں گی، پھر اگر اس حال میں مرتا ہے کہ اس کے پیٹ میں شراب کے اثرات موجود ہوں تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

اللهم احفظنا من الفواحش والخبائث والكبائر

○❖○

طلاق سکران

الحمد لله الذي جعل الخمر رجسًا وحراماً وجعل الحلال بينًا والحرام بينًا وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد و على آله وأصحابه وسائر المتقين الكرام أجمعين.

طلاق سکران سے متعلق آقائے نامدار ﷺ سے وقوع یا عدم قوع سے متعلق براہ راست کوئی روایت ثابت نہیں ہے، اوراس مسئلہ کا سلسلہ سرور کائنات ﷺ کے زمانہ کے بعد صحابہ کرام کے زمانہ سے شروع ہوا کہ طلاق سکران واقع ہوگی یا نہیں؟ اس لئے اس مسئلہ سے متعلق وقوع یا عدم وقوع میں کوئی مرفوع روایت ہم نقل نہیں کرسکیں گے؛ لہٰذا ہم گفتگو حضرات صحابہؓ سے شروع کرتے ہیں چنانچہ!

طلاق سکران سے متعلق حضرات صحابہؓ، تابعین ائمہ مجتہدین اور مسلک حنفیہ کے مفتیٰ بہ قول سے متعلق حدیث وفقہ کی کتابوں کا احاطہ کرنے سے تحقیقی طور پر ہمارے سامنے پانچ باتیں آتی ہیں جو یہاں پیش کرنی ہیں۔

(۱) حضرات صحابۂ کرام کی رائے۔

(۲) اجلۂ تابعین کی رائے۔

(۳) ائمۂ اربعہ کی رائے۔

(۴) فقہاء احناف کی رائے۔

(۵) حنفیہ کا قول مفتیٰ بہ۔

حضرات صحابہ کی رائے

حدیث کی کتابوں میں حضرات صحابہ میں سے صرف تین صحابی سے اس موضوع میں صراحت کے ساتھ قول یا عمل ملتا ہے، ان کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام کا قول حدیث میں صراحت کے

ساتھ نہیں ملتا؛ بلکہ کتب فقہ اور شروح حدیث میں دیگر صحابہ کے اقوال بھی ملتے ہیں اور تین صحابی جن کا قول واضح الفاظ میں ملتا ہے حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱ صحابی: حضرت عثمانؓ: حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوگی، جس کو حدیث کی کتابوں میں اس قسم کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے۔

عن أبان بن عثمان عن عثمانؓ، قال: كان لا يجيز طلاق السكران، والمجنون. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب من كان لايرىٰ طلاق السكران جائزاً، مؤسسة علوم القرآن۹/٥٥٦رقم١٨٢٧٥)

اس کو امام بخاری نے ترجمۃ الباب کے تحت اور امام بیہقیؒ نے سنن کبری میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

وقال عثمان: ليس لمجنون ولا لسكران طلاق. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب الطلاق في الاغلاق والكره والسكران الخ، النسخة الهندية٢/٧٩٣، رقم الباب ١١، السنن الكبرىٰ للبيهقي جديد دارالفكر بيروت١١/٢٦٨، رقم: ١٥٤٩٧، قديم ٧/٣٥٩، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٧/٨٤، رقم: ١٢٣٠٨)

نمبر ۲ صحابی: حضرت عبداللہ بن عباسؓ: ان کے نزدیک بھی طلاق سکران واقع نہیں ہوتی، اس کو حضرت امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب کے تحت ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

وقال ابن عباسؓ: طلاق السكران والمستكره ليس بجائز. (كتاب الطلاق، باب الطلاق، في الغلاق والكره السكران، النسخة الهندية ٢/٧٣٩، رقم: الباب ١١)

ان دونوں صحابہؓ سے یہی ثابت ہوا کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

نمبر ۳ صحابی: حضرت معاویہؓ: ان کی رائے یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی؛ چنانچہ اس کے مطابق انہوں نے رملہ بنت طارق کے شوہر کی طلاق کو حالت نشہ میں واقع قرار دیا تھا، اور میاں بیوی کے درمیان تفریق کردی تھی، اس کو مصنف عبد الرزاق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

فقال عبيد الله بن أيمن طلق رجل امرأته رملة بنت طارق فأجازه معاوية عليه. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الطلاق، المجلس العلمي ۸۳/۷، رقم:۱۲۳۰۱)

اب ہمارے سامنے کل تین صحابہ کی آراء آتی ہیں، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ۔ ان میں سے اول الذکر دونوں صحابہؓ کے نزدیک طلاق سکران واقع نہیں ہوتی اور مؤخر الذکر صحابی یعنی حضرت معاویہؓ کے نزدیک طلاق سکرن واقع ہوجاتی ہے، اوپر ذکر کردہ تینوں صحابۂ کرام کے علاوہ دیگر صحابۂ کرام کا قول حدیث کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ ہم کو نہیں مل سکا؛ لیکن علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ نے ہدایۃ کی شرح بنایہ میں اور علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے المغنی میں کچھ فرق کے ساتھ ملے جلے انداز میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیر کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ (المغنی لابن قدامۃ، کتاب الطلاق، دارالفکر بیروت ۲۸۹/۷، بنایہ شرح ہدایۃ، مکتبہ امدادیۃ مکۃ المکرّمۃ ۲۲۵/۲، المکتبۃ الأشرفیۃ ۳۰۰/۵)

نیز المغنی میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی قول نقل کیا ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لیکن ابن عباسؓ کی طرف اس قول کو منسوب کرنے میں ہمیں تردد ہے؛ اس لئے کہ حدیث کی کتابوں میں ان کا یہ قول نہیں ملتا۔ (المغنی لابن قدامۃ، کتاب الطلاق، دارالفکر بیروت ۲۸۹/۷)

لہٰذا علامہ بدرالدین عینی اور موفق الدین ابن قدامہ کو حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت زبیرؓ کی روایت یا ان کا قول اگر کسی حدیث کی کتاب میں مل گیا ہے، تو کہا جاسکتا ہے کہ صحابہؓ میں سے ایک بڑی جماعت کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

۲/ حضرات اجلۂ تابعین کی رائے

حضرات اجلۂ تابعین جن کے اوپر ہمارے فقہ وحدیث اور پورے دین کا مدار ہے، ان کے

درمیان میں بھی نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں اختلاف رہا ہے؛ چنانچہ حضرات تابعین کی دو جماعتیں ہوگئیں۔

ایک جماعت حضرت عثمان اور ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق عدم وقوع طلاق کی قائل ہے، اور دوسری جماعت حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ وغیرہم کی رائے کے مطابق نشہ کی حالت میں وقوع طلاق کی قائل ہے۔

اب دونوں فریق کی الگ الگ فہرست ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

عدم وقوع طلاق کے قائلین

حضرات اجلہء تابعین میں سے ایک بڑی جماعت حضرت عثمانؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی رائے کے مطابق عدم وقوع طلاق کی قائل ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوگی، اس کے قائلین میں علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اور ہدایہ کی شرح بنایہ میں اور علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے المغنی لابن قدامہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں، علامہ ابن حزم ظاہریؒ نے المحلی بالآثار میں ملے جلے طور پر حضرات تابعین اور تبع تابعین میں دس افراد ایسے نقل فرمائے ہیں کہ ان سب حضرات نے ان تابعین کے اقوال مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق سے زیادہ نقل فرمائے ہیں۔

(۱) عطاء بن أبي رباح: عن عطاء أنه كان لا يجيز طلاق السكران.

(المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب من كان لا يري طلاق السكران جائزاً، مؤسسة علوم القرآن ۹/ ۵۵۷، رقم: ۱۸۲۷۸، قديم ۵/ ۳۷)

(۲) جابر بن زيد:

(۳) عكرمة:

(۴) طاؤس بن كيسان: عن جابر بن زيد وعكرمة وعطاء وطاؤس

قالوا ليس بجائز. (المنصف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب من كان لا يرىٰ طلاق السكران جائزاً، مؤسسة علوم القرآن۹/۵۵۷، رقم:۱۸۲۷٦، قديم۵/۳۹)

(۵) قاسم بن محمد.

(٦) عمر بن عبد العزيز: أن القاسم وعمر بن عبد العزيز كانا لا يجيزان طلاق السكران. (المصنف لعبدالرزاق، كتاب الطلاق، المجلس العلمي۷/۸٤، رقم:۱۲۳۰۷)

عن القاسم بن محمد أنه كان يقول لايجوز طلاق السكران. (المنصف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب من كان لا يرىٰ طلاق السكران جائزًا، مؤسسة علوم القرآن۹/۵۵۷، رقم:۱۸۲۷۷، قديم۵/۳۹)

(۷) ربیعۃ الرائے۔

(۸) لیث بن سعد۔

(۹) اسحاق بن راہویہؒ۔

(۱۰) امام مزنیؒ۔

علامہ بدرالدین عینیؒ نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وأما طلاق السكران؛ هل يقع أم لا فإن الناس اختلفوا فيه، وممن قال إنه لا يقع عثمان بن عفانؓ، وجابر بن زيدؓ، وعطاء وطاؤسؓ، وعكرمةؓ، والقاسمؓ، وعمر بن عبد العزيزؓ، ذكره ابن أبي شيبةؓ،وزاد ابن المنذر عن ابن عباسؓ، وربيعةؓ، وليثؓ، وإسحقؓ، والمزني ،واختاره الطحاوي . (عمدة القاري، كتاب الطلاق، اختلاف العلماء في طلاق السكران، دارإحياء التراث العربي ۲۰/۲۵۱، جديد زكريا ديوبند ۱٤/۲٦۰، بنايه شرح هداية، قديم المكتبة الامدادية، مكةالمكرمة۲/۲۲۵، المكتبة الأشرفيه ديوبند ۵/۳۰۰، المغني لابن قدامة، دارالفكر بيروت ۷/۲۸۹، المحلي بالآثار، دارالكتب العلمية بيروت ۹/٤۷۱تا٤۷٦، فتح الباري، كتاب الطلاق، تحت بات الطلاق في الإغلاق والكره والسكران، دارالفكر بيروت ۹/۳۹۱، دارالإيمان للتراث ۹/۳۰۳، اشرفيه ۹/٤۸۹)

وقوع طلاق کے قائلین

حضرات اجلہء تابعین اور تبع تابعین میں سے ایک بڑی جماعت حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی رائے کے موافق اس بات کی قائل ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جائے گی؛ چنانچہ علامہ بدر الدین عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح بخاری، بنایہ شرح ہدایہ میں، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں، علامہ موفق الدین ابن قدامہؒ نے المغنی لابن قدامہ میں، علامہ ابن حزم ظاہریؒ نے المحلی بالآثار میں ملے جلے طور پر اجلہء تابعین اور تبع تابعین میں سے بیس افراد ایسے نقل کئے ہیں، جن کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق سے ان حضرات کے اقوال نقل کرنے میں استفادہ کیا ہے۔

(۱) امام حسن بصریؒ۔

(۲) امام محمد بن سیرین: عن الحسن وابن سيرين سمعهما يقولان يجوز طلاق السكران. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الطلاق، المجلس العلمي ۷/ ۸۲، رقم: ۱۲۲۹۷، المصنف لأبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن ۹/ ۵۵٤، رقم: ۱۸۲٦۱)

(۳) امام سعید بن المسیب: عن سعيد بن المسيب قال: طلاق السكران جائز. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ۹/ ۵۵۵، رقم: ۱۸۲٦۳، قديم ۵/ ۳۷)

(۴) امام عامر شعبیؒ۔

(۵) امام ابراهيم نخعیؒ: عن إبراهيم قال: يجوز طلاقه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ۹/ ۵۵۵، رقم: ۱۸۲٦٦، المصنف لعبد الرزاق ۷/ ۸۳، رقم: ۱۲۳۰۲)

(٦) امام مجاهد بن جبرؒ: عن مجاهد قال: طلاق السكران جائز. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ٥٥٤/٩، رقم:١٨٢٥٨، المصنف عبد الرزاق٨٣/٧، رقم:١٢٣٠٤)

(٧) حميد بن عبد الرحمن: عن حميد بن عبد الرحمن قال: يجوز طلاق السكران. (مصنف لابن أبى شيبه كتاب الطلاق باب من أجازطلاق السكران المجلس العلمى ٥٥٥/٩رقم١٨٢٦٨)

(٨) عبد الرحمن بن أبي ليلىٰؒ: وقال ابن أبي ليلىٰ يجوز نكاحه وطلاقه. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الطلاق، المجلس العلمي ٨٣/٧، رقم: ١٢٣١٠)

(٩) ابن شبرمةؓ: عن ابن شبرمةؓ قال: يجوز الطلاق للسكران. (المصنف لعبدالرزاق ،كتاب الطلاق المجلس العلمى ٨٣/٧، رقم ١٢٣١٠)

(١٠) امام ابن شهاب زهريؒ: عن ابن شهاب قال: يجوز الطلاق للسكران؛ لأنه يشرب الخمر وقد نهي الله عنها. (مصنف عبدالرزاق المجلس العلمى ٨٢/٧رقم ١٢٣٠٠)

(١١) حضرت عمر بن عبد العزيزؒ: عن عمر بن عبد العزيز يقول: طلاق السكران والمكره جائز. (شرح معاني الآثار للطحاويقديم، مطبع آصفيه ٥٨/٢،جديد٤٦٧/٢ رقم:٤٥٥٧)

أن عمر بن عبد العزيز أجاز طلاق السكران. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من أجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ٥٥٥/٩، رقم:١٨٢٦٤، قديم ٣٧/٥)

(١٢) سليمان بن يسارؒ: أن سليمان بن يسار وسعيد بن المسيب قالا: طلاقه جائز. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من أجاز طلاق السكران، المؤسسة علوم القرآن ٥٥٥/٩، رقم:١٨٢٦٩، قديم ٣٨/٥)

(۱۳) میمون بن مہران.: عن میمون قال: یجوز طلاقه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من اجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ۹/۵۵۵، رقم: ۱۸۲٦۷)

(۱۴) إمام شریح بن هانی.: عن شریح قال: طلاق السكران جائز. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من أجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ۹/۵٥٦، رقم: ۱۸۲۷٤، قديم ۵/۳۸)

(۱۵) سالم بن عبد اللہ:

(۱٦) امام قتادہؒ:

(۱۷) حسن بن حمید.:

(۱۸) امام حکم.: عن الحكم: من طلق فی سکر من الشیطان فطلاقه جائز. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، من اجاز طلاق السكران، مؤسسة علوم القرآن ۹/۵٥٦، رقم: ۱۸۲۷۳، قديم ۵/۳۸)

(۱۹) عطاء بن أبی رباح: عن عطاء قال: یجوز طلاق السكران أنه ليس كالمريض المغلوب على عقله. (المصنف لعبد الرزاق كتاب الطلاق، طلاق السكران، المجلس العلمي ۷/۸۲، رقم: ۱۲۲۹٦)

(۲۰) سلیمان بن حرب:

علامہ بدرالدین عینی نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

ومعظم العلماء صاروا إلى وقوع طلاق السكران، وفي المغني وهو قول سعيد بن المسيب، ومجاهد، وعطاء، والحسن البصري، وإبراهيم النخعي، وميمون بن مهران، والحكم وشريح، وسليمان بن يسار، ومحمد بن سيرين وابن شبرمة، وسليمان بن حرب، وابن عمر، وعلى و ابن عباس، ومعاوية رضي الله عنهم، وبه قال قتادة وحميد وجابر بن زيد وابن أبي ليلىٰ،

وعمر بن عبد العزيز، والحسن بن حميد. (بنايه شرح هدايه لطلاق الا ردويه مكه مكرمه ٢/٢٢٥ اشرفيه ديوبند ٥/٣٠٠، المغني لابن قدامة، دارالفكر بيروت٧/٢٨٩، المحلي بالآثار، دارالكتب العلمية ٩/٤٧١، رقم: ١٩٦٤، عمدة القاري، داراحياء التراث بيروت ٢٠/ ٢٥١، زكريا ديوبند ١٤/ ٢٦٠)

اس تقریر کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی اور اس کے قائلین کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ علامہ ابن حزم ظاہریؒ نے ان اجلہء تابعین میں سے تین کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے وقوع طلاق کے قول سے رجوع کرلیا ہے۔

(۱) امام ابن شہاب زہریؒ:

(۲) عمر بن عبد العزیزؒ:

(۳) عطاء بن ابی رباحؒ:

جس کو ابن حزم ظاہریؒ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

وقد روينا رجوع الزهري، وعمر بن عبد العزيز إلى هذا.

ومن طريق وكيع عن رباح بن ابي معروف عن عطاء بن أبي رباح قال: طلاق السكران لايجوز. (المحلي بالآثار، كتاب الطلاق، درالكتب العلمية ٩/٤٧٣)

وقوع طلاق کے قائلین کی ترجیح

ابن حزم ظاہریؒ کی یہ بات قریب قریب درست معلوم ہوتی ہے؛ اس لئے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح اور عمر بن عبد العزیزؒ سے دونوں طرح کی روایتیں دستیاب ہوتی ہیں، مگر امام زہریؒ کی طرف سے ہم کو صرف وقوع طلاق کی روایت ملی ہے، عدم وقوع طلاق کی روایت ہم کو دستیاب نہیں ہوئی۔

لیکن پھر بھی اگر ان تینوں حضرات کو وقوع طلاق کے قائلین میں سے مستثنیٰ کردیا جائے، تو پھر بھی اجلہء تابعین میں سے جن کو جبال علم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، ایسے سترہ افراد کی تائید اس

سلسلہ میں ملتی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، جس کو ہم نے نام بنام اوپر کی فہرست میں ذکر کردیا ہے۔

اور عدم وقوع طلاق کے قائلین صرف دس گیارہ کی تعداد میں ہیں، تو معلوم ہوا کہ حضرات تابعین میں سے اکثر تابعین اس بات کے قائل ہیں کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ اس لئے امت کو اسی پر عمل کرنا چاہئے۔

ائمہ اربعہ کی رائے

علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اور علامہ عبدالرحمٰن الجزیری نے کتاب الفقہ میں نقل فرمایا کہ: ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ (عمدۃ القاری، کتاب الطلاق، اختلاف العلماء فی طلاق السکران، دار احیاء التراث العربی ۲۰/۲۵۱، زکریا دیوبند ۱۴/۲۶۰، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، مکتبہ عباس احمد الباز ۴/۲۸۲ تا ۲۸۴)

عمدۃ القاری اور فتح الباری اور المغنی لابن قدامہ اور بنایہ شرح ہدایہ میں حضرت امام شافعیؒ کی طرف سے دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔

ایک روایت کے مطابق نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اور دوسری روایت کے مطابق نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری، کتاب الطلاق، اختلاف العلماء فی طلاق السکران، دار احیاء التراث العربی ۲۰/۲۵۱، زکریا دیوبند ۱۴/۲۶۰، بنایہ شرح ہدایہ، مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمۃ ۲/۲۲۵، اشرفیہ دیوبند ۵/۳۰۰، المغنی لابن قدامۃ، دار الفکر بیروت ۷/۲۸۹)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں وقوع طلاق کے قول کو زیادہ راجح قرار دیا ہے۔

وعن الشافعي قولان الصحيح منهما وقوعه. (فتح الباري، كتاب الطلاق،

باب الطلاق في الإغلاق، والكره، والسكران، دار الفكر۹/ ۳۹۱)

اورحضرت امام احمد بن حنبلؒ کی طرف سے تین روایتیں مروی ہیں۔ایک روایت کے مطابق طلاق واقع ہوجائے گی۔ دوسری روایت کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اورتیسری روایت کے مطابق وقوع یاعدم وقوع سے توقف اختیار کیا جائے کوئی جواب نہ دیا جائے۔(المغنی لابن قدامۃ، کتاب الطلاق، دارالفکر بیروت ۷/۲۸۹)

لیکن ان کے نزدیک عدم وقوع کی بات زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔

یہ ائمہ اربعہ کے اقوال ہیں کہ ان میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ ایک بات کے قائل ہیں کہ طلاق واقع ہوجائے گی۔ اور امام شافعیؒ کا راجح قول یہی ہے کہ طلاق واقع ہوجائے گی۔صرف امام احمد بن حنبل کی طرف سے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جاسکتی ؛لیکن پھر بھی چاروں اماموں میں سے تین کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

نیز ائمۂ مجتہدین میں سے امام سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک بھی نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا وقوع طلاق کے قائلین کو ہر اعتبار سے زیادہ قوت اورتائید حاصل ہے؛ اس لئے امت پر لازم ہے کہ اس بات کو تسلیم کرلے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجائے گی۔

اس کو علامہ بدرالدین عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

وذهب مجاهد إلى أن طلاقه يقع –إلى قوله– كذلك قاله الأوزاعي، والثوري، وهو قول مالك،وأبي حنيفة، واختلف فيه قول الشافعي فأجازه مرة،ومنعه أخرىٰ، وألزمه مالك الطلاق والقود من الجراح.

(عمدة القاري، كتاب الطلاق، اختلاف العلماء في طلاق السكران، دار احياء التراث ۲۰/ ۲۵۱، زكريا ديوبند ۱٤/ ۲٦۰)

اورعلامہ عینی نے بنایہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

وطلاق السكران واقع ،وبه قال الشافعي في المنصوص والأصح: وهو قول الثوري، مالک، وأحمد في رواية-إلى قوله- وفي جوامع الفقه عن أبي حنيفة: يقع وبه أخذ شداد. (المغني لابن قدامة، كتاب الطلاق، دارالفكر بيروت۷/ ۲۸۹ بنايه شرح هدايه ۵/ ۳۰۰ مكتبه اشرفيه ديوبند)

اس کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

وقال بوقوعه طائفة من التابعين ،كسعيد بن المسيب، والحسن، وإبراهيم، والزهري، والشعبي ،وبه قال الأوزاعي، والثوري، ومالک، وأبوحنيفة ،وعن الشافعي قولان الصحيح منهما وقوعه، والخلاف عند الحنابلة؛ لكن الترجيح بالعكس. (فتح البارى، كتاب الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره والسكران، دارالفكر۹/ ۳۹۱، المكتبة اشرفيه ديوبند۹/ ٤٨٩)

حضرات محدثین اور فقہاء کی ان تمام فقہی جزئیات اور احادیث شریفہ اور اقوال صحابہ سے استنباط کردہ اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہ ہونے کے قائلین کی تعداد بہت کم ہے۔

اور ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک یا تو کلی طور پر نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں یا فی الجملہ وقوع طلاق کے قائل ہیں، جیسا کہ اوپر کی عبارات سے واضح ہو چکا ہے۔

فقہاء احناف کی رائے

فقہاء احناف میں دو قسم کی رائے ملتی ہیں، ایک رائے یہ ملتی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور دوسری رائے یہ ملتی ہے کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے، ان دونوں اقوال کو ہم الگ الگ پیش کرتے ہیں۔

ا. حنفیہ میں سے عدم وقوع طلاق کے قائلین

حنفیہ میں سے حضرت امام ابوجعفر طحاویؒ، امام ابوالحسن کرخیؒ، امام محمد بن سلمہؒ، اور امام زفر بن ہذیلؒ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی - ان چاروں حضرات نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو اس مسئلہ میں پیش نظر نہیں رکھا؛ بلکہ براہ راست قول صحابہؓ سے استدلال کیا ہے، اور اقوال صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ کے قول کو پیش نظر رکھ کر ان لوگوں نے عدم وقوع طلاق کا قول کیا ہے، اپنے دعویٰ پر استدلال میں حضرت عثمانؓ کے قول کو پیش کیا ہے؛ اس لئے ان حضرات کے اس قول کو امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ میں سے کسی کی طرف منسوب کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت کو اختیار کیا ہے؛ بلکہ اس مسئلے سے متعلق ان لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کا اعتبار نہیں کیا۔

نیز فقہاء احناف نے اس موقع پر یہ لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اس میں فقہاء احناف نے امام شافعیؒ کا قول راجح نقل نہیں کیا ہے؛ بلکہ یہ امام شافعیؒ کا قول مرجوح ہے؛ اس لئے کہ شافعی المسلک کے ترجمان حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا قول راجح اور قول صحیح یہی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ان لوگوں کے قول کو فتاوی بزازیہ اور البحر الرائق میں اس طرح کے الفاظ سے نقل گیا فرمایا ہے۔

وقال أمير المؤمنين عثمان رضي الله عنه: لا يقع طلاق السكران وبه أخذ الشافعي، والطحاوي، والكرخي، ومحمد بن سلام. (الفتاوى البزازية، كتاب الطلاق، الفصل الاول ي صريح الطلاق، زكريا جديد ١/٢١١، البزازيه على هامش الهندية ٤/ ١٧١، البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ٢٤٧، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣)

اس کو صاحب درمختارؒ اور علامہ شامیؒ ان الفاظ کے ساتھ نقل فرماتے ہیں۔

ولم يوقع الشافعي طلاق السكران واختاره الطحاوي، والكرخي، وتحته في الشامية: وكذا محمد بن سلمة وهو قول زفر. (الدر المختار مع الشامي، كراجي ۳/ ۲٤۱، زكريا ديوبند٤/ ٤٤٨)

اس کو علامہ عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

وعن عثمانؓ أنه لا يقع طلاقه، وبه قال طاؤس –إلى قوله– وزفر بن هذيل، وأبو جعفر الطحاوي، وأبو الحسن الكرخي. (بنايه شرح هدايه، مكتبة امداديه، مكة المكرمة۲/ ۲۲۵، مكتبه اشرفيه ديوبند٥/ ۳۰۰، فتح القدير بيروت ۳/ ٤۹۰، كوئٹه ۳/ ۳٤۳، زكريا ۳/ ٤۷۲)

ان عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلک احناف کے ان چار بزرگوں نے جو عدم وقوع طلاق کا قول کیا ہے، اس کا مدار امام ابوحنیفہ کے مسلک پر نہیں ہے؛ بلکہ صرف حضرت عثمان کی رائے پر ہے، جیسا کہ مذکورہ عبارات سے واضح ہو چکا۔

۲. حنفیہ میں سے وقوع طلاق کے قائلین

مسلک احناف کے بانی اول حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، ان حضرات نے حضرت عثمان کے قول کو ترجیح نہیں دی ہے؛ بلکہ اس کے خلاف حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے کو بنیاد بنایا ہے اور ان ہی کے ساتھ ائمہ مجتہدین میں سے جبال علم حضرت امام سفیان ثوری، امام اوزاعی اور امام مالک وغیرہ نے متفقہ طور پر اس بات کی تائید فرمائی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جائے گی؛ لہٰذا ثابت ہوا کہ مسلک حنفی کے بانیین کے نزدیک نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور حنفی مسلک کے تمام لوگ انہیں کے مقلد ہیں؛ اس لئے طلاق سکران کے مسئلہ میں سب کو متفق ہو کر امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کو اختیار کرنا لازم ہوگا۔

اس کو المغنی لابن قدامۃ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

يقع طلاقه، اختارها أبو بكر الخلال –إلى قوله– ومالك والثوري، والأوزاعي، والشافعي في أحد قوليه وابن شبرمة، وأبي حنيفة، وصاحبيه إلى آخره. (المغني لابن قدامة، كتاب الطلاق، دارالفكر بيروت ٢٨٩/٧)

حنفیہ کا قول مفتی بہ

اب اس کی پوری تفصیل کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حنفیہ کے اصل مسلک کے مطابق نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے جو کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ کا متفقہ مسلک ہے؛ اس لئے امام زفرؒ، امام طحاویؒ، امام کرخیؒ، اور محمد بن سلمہؒ کی رائے کو ان حضرات کے مسلک پر ترجیح نہیں دی جاسکتی؛ بلکہ حنفیہ کا اصل مسلک عمل کے لئے معیار ہوگا اور اس کو تمام فقہاء نے قول راجح اور قول مفتی بہ قرار دیا ہے؛ اس لئے ہمارے علمائے ثلاثہ کے قول کے مطابق فتوی دینا اور مسلک حنفی کے تمام لوگوں پر عمل کرنا لازم اور واجب ہوگا اور مفتی بہ قول سے فاسق وفاجر اور شرابی کا ساتھ دینے کے لئے صرف نظر کرنا اور اس کو ترک کرنا جائز نہیں ہوگا، یہ کسی طرح کی ضرورت اور مصلحت نہیں ہے کہ شرابی کا ساتھ دیا جائے اور اس کا ساتھ دے کر اصل مسلک کو چھوڑ دیا جائے۔ کیا شراب پینا ایسی دینی ضروریات میں سے ہے کہ اس کی رعایت کے لئے مسلک کے اصل مذہب کو چھوڑ کر قول ضعیف اختیار کیا جائے؟

قول مفتی بہ کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:

(١) وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الثالث، باب من يقع طلاقه ومن لا يقع جديد زكريا ديوبند ٣٩٤/٤، رقم: ٦٥٠٩، قديم ٢٥٦/٣، مثله في الشامية، كراچي

۳/ ۲۴۱، زکریا ٤/ ٤٤٨)
(۲) مجمع الانہر اور الدر المنتقی نیز شامی میں اس قسم کے الفاظ سے بھی قول مفتی بہ نقل فرمایا ہے۔

وفي هذا الزمان إذا سكر من البنج والأفيون يقع زجراً وعليه الفتوى. (الدر المنتقي، كتاب الطلاق، مكتبة عباس أحمد الباز، جديد ٢/ ١٠،قديم ١/ ٣٨٤، مجمع الأنهر، مكتبة عباس أحمد الباز بيروت جديد ٢/ ١٠،قديم ١/ ٣٨٥، شامي، زكريا ديوبند ٤/ ٤٤٦، كراچي ٣/ ٢٤٠)

اور اس کو صاحب بدائع نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

(۳) أما السكران إذا طلق امرأته، فإن كان سكره بسبب محظور بأن شرب الخمر أو النبيذ، طوعاً حتى سكر وزال عقله فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابة ؓ. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، زكريا ديوبند ٣/ ١٥٨، بيروت ٤/ ٢١٣، كراچي ٣/ ٩٩)

(۴) اور شرح السیر الکبیر میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

لأن السكر لا يمنع وقوع الطلاق. (شرح السير الكبير قديم ٤/ ٢١٥)

(۵) اور فتاوی بزازیہ میں ہے:

وكذا المختار وقوع الطلاق. (الفتاوى البزازية، كتاب الطلاق، الفصل الاول في صريح الطلاق، جديد زكريا ديوبند ١/ ١١٢، بزازيه على هامش الهندية ١/ ١٧١)

(٦) اور البحر الرائق میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

المختار: في زماننا لزوم الحد؛ لأن الفساق يجتمعون عليه، وكذا المختار وقوع الطلاق. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، كوئٹه ٣/ ٢٤٨، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٢)

ان تمام فقہی جزئیات سے مجموعی طور پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نشہ کی حالت میں طلاق واقع

ہوجاتی ہے، چاہے انگور اور کھجور کی شراب سے نشہ آیا ہو یا شہد کی شراب سے یا دیگر اناج اور پھل فروٹ کی شراب سے، یا ہمارے ہندوستان میں گنا اور سبزیوں کی شراب سے نشہ آیا ہو، قول مفتی بہ یہی ہے کہ ہر قسم کے نشہ میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

اشیاء مخدرہ

اب تک جتنی تفصیل پیش کی گئی ہے، ان سب میں ایک مجموعی انداز سے مطلق حکم بیان کیا گیا ہے کہ طلاق سکران ہمارے علماء ثلاثہ کے نزدیک واقع ہوجاتی ہے؛ لیکن اشیاء مخدرہ کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل ہے کہ اگر کسی نے شراب پی لی ہے یا نشہ لانے والی نبیذ پی لی ہے، مثلاً کھجور، کشمش وغیرہ کی نشہ آور نبیذ پی لی ہے، تو ایسی صورت میں چاہے اس نے بے خیالی میں پی ہو یا شدید ضرورت میں پی ہو، یا اپنی مرضی اور خوشی سے پی ہو، جس سے اس کو نشہ آ گیا ہو، تو ایسی صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسف، امام محمدؒ تینوں کے نزدیک اگر بیوی کو طلاق دیدی ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

اس کو بنایہ شرح ہدایہ میں اس قسم کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

طلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ، فلو أكره على الشرب فسكر أو شرب للضروة فذهب عقله يقع طلاقه. (بنايه شرح هداية، كتاب الطلاق، مكتبة امداديه مكة المكرمة ٢/ ٢٢٥، مكتبه اشرفية ديوبند ٥/ ٣٠٠، فتاى قاضيخان، زكريا ديوبند جديد ١/ ٢٨٦، على هامش الهندية ١/ ٤٧٠)

اور اگر بھنگ یا گانجہ وغیرہ پی لیا ہے اور پیتے وقت اس کو معلوم ہے کہ یہ چیز نشہ پیدا کرے گی، تو ایسی صورت میں اگر نشہ آ گیا ہے، اور اسی حالت میں بیوی کو طلاق دیدی ہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی، ہاں البتہ اگر اس کو پیتے وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ چیز نشہ پیدا کرسکتی ہے، بے خیالی میں پی لیا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

قال سئل أبو حنيفةؒ و سفيان الثوريؒ عن رجل شرب البنج، فارتفع إلى رأسه فطلق قالا إن كان يعلم حين شرب ما هو؟ يقع وإلالا يقع. (بنايه شرح هداية، كتاب الطلاق، مكتبة امداديه مكة المكرمة ۲/ ۲۲٦، مكتبه اشرفية ديوبند ۵/ ۳۰۰)

اوراگرشہد یاکسی اناج سے نبیذ بنالی گئی ہے، پھراس نبیذ کے پینے کے بعدنشہ آگیا ہےاورنشہ کی حالت میں طلاق دیتاہے،توایسی صورت میں ہمارے علماء ثلاثہ کےدرمیان اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک طلاق واقع ہوجائے گی۔

اس کو بنایہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایاہے:

ولو سكر من الأنبذة المتخذة من الحبوب والعسل لا يقع طلاقه عندهما، وعند محمد يقع. (بنايه شرح هداية، كتاب الطلاق، المكتبة امدادية، مكة المكرمة ۲/ ۲۲٦، اشرفية ديوبند۵/ ۳۰۰)

اوراس کوتاتارخانیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایاہے۔

فلو شرب من الأشربة التي تتخذ من الحبوب أو العسل أو الشهد وسكر فطلق امرأته لا يقع طلاقه عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ خلافاً لمحمدؒ. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا جديد ٤/ ۳۹۵، رقم: ٦۵۱۱، قديم۳/ ۲۵۷)

لیکن اس مسئلہ میں شیخینؒ اورامام محمد کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہےفتوی کس پر ہوگا؟ تو بزازیہ اورالبحرالرائق میں لکھاہے کہ امام محمدؒ کا قول قول مختار ہےاوراسی پرفتوی ہوگا، اس کوان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا گیاہے۔

ولو من الأشربة المتخذة من الحبوب والعسل فسكر، المختار في زماننا لزوم الحد؛ لأن الفساق يجتمعون عليه، وكذا المختار وقوع الطلاق.

(الفتاوى البزازية، كتلب الطلاق، الفصل الاول في صريح الطلاق جديد زكريا ۱/ ۱۱۱،

علی هامش الهندية۷/۱۷۱)

وفي البحر وفتح القدير: ويفتىٰ بقول محمد. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، كوئٹه۳/ ۲٤۸، زكريا ديوبند۳/ ٤۳۱، فتح القدير بيروت ۳/ ٤۹۲، كوئٹه ۳/ ۳٤۸، زكريا ديوبند۳/ ٤۷۲)

اب پوری تفصیل کا حاصل یہی ہے کہ اگر شرابی نشہ کی مستی اور مدہوشی کی حالت میں طلاق دیتا ہے جو بعد میں اس کو یاد بھی نہ ہو تب بھی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی اور یہی قول مشہور و معمول بہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

واللّٰه الموفق والمعين اللّٰهم وفقنا لما تحب وترضىٰ وأعذنا من خزى الدنيا والأخرة وصلى اللّٰه تعالىٰ على ما انزل عليه الفرقان بين الحلال والحرام، وعلى آله واصحابه وسائر المؤمنين والمؤمنات أجمعين

❁❁❁

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللّٰهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

(مفتی) شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد (یو-پی)

۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

پاگل کی طلاق

سوال [۶۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے شریف احمد کی دماغی حالت بھی خراب ہے، اسے یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ گھر میں کس طرح رہنا ہے؟ رکشہ چلانے میں دماغی حالت اس درجہ خراب ہوگئی ہے کہ اسے اپنے تن کا ہوش نہیں رہتا، ان حالات میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، طلاق کے الفاظ اس نے اس طرح سے ادا کیے، ''یہاں سے چل نکل تجھے میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' اس جملہ میں علماء کرام شریعت کے مطابق کیا فیصلہ دیتے ہیں؟ شریف احمد کی دماغی حالت میں اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ثاقب دربھنگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریف احمد کو دارالافتاء حاضر کر کے اکابر شاہی کے سامنے لاکر مشاہدہ کیا گیا، وہ بالکل مجنون و پاگل تو نہیں ہے؛ لیکن معتوہ اور مبرسم کے درجے میں ہونا ظاہری حالت بتارہی ہے، تو اگر واقعی مختل العقل کی حالت میں طلاق دی ہے، تو فقہاء کی تصریحات کے مطابق اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

عن قتادةؓ قال: الجنون جنونان، فإن كان لا يفيق لم يجز له طلاق، وإن كان يفيق فطلق في حال إفاقته لزمه ذلك. (المصنف لابن أبي شبية، كتاب الطلاق، ماقالوا في الذي به الموتة تطلق، مؤسسة علوم القرآن ۹/۵۴۹، رقم: ۱۸۲۲۹)

عن سعيد بن المسيب قال: طلاق المعتوه المغلوب على عقله ليس بشيءٍ، طلاقة إلى وليه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ماقالوا في المجنون، والمعتوه...... مؤسسة علوم القرآن ۹/۵۵۰، رقم: ۱۸۲۳۲)

أخرج البخاري تعليقات وقال علي: وكل الطلاق جائز، إلا طلاق المعتوه. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق...... النسخة الهندية ۲/۷۹۴)

ولا يقع طلاق المولى على امرأة عبده، والمجنون، والصبي، والمعتوه، وهو اختلال في العقل، والمبرسم الخ. (تنوير الأبصار مع الدر، كتاب الطلاق، زكريا ٤/ ٤٤٩- ٤٥١ كراچی ٣/ ٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ارجمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۹۹)

پاگل پن کا دورہ پڑنے والے کی طلاق

سوال [۶۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھے کبھی کبھی غصہ میں پاگل پن کا سا دورہ پڑ جاتا ہے، یہ پتہ نہیں چلتا کہ میں کیا کررہا ہوں، اسی دوران بچوں کو بے دردی سے مارنے لگتا ہوں، مارتے وقت بیوی کو بلا وجہ کہہ دیا کہ میں نے طلاق دی طلاق دی طلاق دی بیوی وہاں موجود نہیں تھی مجھے کچھ یاد نہیں ہے البتہ میرا لڑکا کہتا ہے کہ میں نے تین بار طلاق دی اور لڑکے کے اس بیان پر مجھے یقین ہے، لڑکا میرے حق میں غلط بیانی نہیں کرے گا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ میری بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے۔

المستفتی: شکیل احمد، آزادنگر، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اس لڑکے کے ساتھ کسی دوسرے نے بھی شہادت دی ہے، تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی؛ جبکہ شوہر کو ان کی شہادت پر یقین ہو؛ لیکن اگر صرف ایک لڑکا شہادت دے رہا ہے اور کوئی شہادت میں شامل نہیں ہے، تو ایسی صورت میں بیوی پر طلاق کا اعتبار نہ ہوگا، بدستور ساتھ رہ سکتے ہیں۔

لو طلق فشهد عنده اثنان أنك استثنيت، وهو غير ذاكر إن كان بحيث إذا غضب لا يدرى ما يقول وسعه الأخذ بشهادتهما وإلا لا الخ

(وقوله) إكان بحال لو غضب يجري على لسانه مالايحفظه بعده جاز له الاعتماد على قول الشاهدين. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا ديوبند ٤/٣ ٤٥، كراچي ٣/٤ ٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶ /۷۸۸۷)

کبھی ہوش اور کبھی جنون طاری ہونے والے کی طلاق

سوال [۶۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دماغ کی حالت یہ ہے کہ کسی وقت عقل رہتی ہے، کسی وقت اس کی حالت مجنونہ کی سی ہوجاتی ہے، عمر ۸۰ر سال کی ہورہی ہے، اور یہ حالت جوانی میں تھی مگر کم، وس وقت عروج پر ہے، زید کا بیان ہے کہ میں کہتا کچھ ہوں اور زبان سے کچھ نکلتا ہے۔

(۲) مذکورہ بالاصفات کے حامل زید نے ایک دن تنہائی میں اپنی بیوی ہندہ کوتین طلاق دیدی ہیں، کچھ عرصہ گذرنے کے بعد زید اپنی مذکورہ بیوی سے کہتا ہے کہ تم کو میں تین طلاقیں دے چکا ہوں، ہندہ نے جواباً کہا کہ اب تو ہمیں تم سے پردہ کرنا چاہئے اور اب میں تمہارا کوئی کام نہیں کروں گی، زید نے کہا کہ ہمارا سب کام کرو اور ہماری خدمت کرو اور روٹی پکاؤ وغیرہ وغیرہ، ہم نے طلاق روٹی پکانے وغیرہ سے نہیں دی ہے؛ بلکہ ایک فعل مخصوص ومعروف سے رکنے کی دی ہے یعنی جماع سے مزید براں کہتا ہے کہ جوانی میں پردہ نہیں اور سیکڑوں عورتیں پردہ نہیں کرتی، تو تم کیسے پردہ کروگی؟ اس قسم کی لغویات زید بکتا ہے، صورت مسئولہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ زید کو مرفوع الفعل سمجھا جائے گا یا نہیں؟ زید کا شمار مجنون میں ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب مطلوب ہے۔

(۳) اگر طلاق پڑگئی تو پردہ کرانے کی کیا صورت ہوگی جبکہ بوڑھا ہے، میاں کی دیکھ بھال ہونی مشکل ہے، کیا عدم پردہ کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ اجیبوا توجروا۔

المستفتی: محمد عظیم، محلہ اسلام گنج، ناگرانی بستی، ہردوئی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں زید کا اپنی بیوی سے آکر یوں کہہ دینا کہ تم کو میں نے تین طلاقیں دے چکا ہوں، یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ جس وقت طلاق دی ہے، اس وقت حالت جنون میں نہیں تھا؛ بلکہ عاقل باہوش مند تھا اور عاقل اور ہوشمند کی طلاق کا واقع ہوجانا واضح ہے۔

عن قتادة قال الجنون جنونان، فإن كان لا يفيق لم يجزله طلاق، وإن كان يفيق، فطلق في حال إفاقته لزمه ذلك. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ماقالوا في الذي به الموتة تطلق، مؤسسة علوم القرآن ۹/۵٤۹، رقم:۱۸۲۲۹)

اور جب عدد تین ذکر کردیا، تو تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی مغلظہ ہوگئی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص:۲۱۹، زكريا ص:۳۷٦)

اور زید کا لغو بات بکنا عدم عقل کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ عدم علم کی وجہ سے ہے، جو عذر شرعی نہیں۔

(۲) جب طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، تو اب پردہ شرعی بھی واجب رہے گا، جس کمرہ میں بیوی رہے، اس میں شوہر نہ پہونچے؛ کیونکہ بالکل اجنبیت ثابت ہوچکی ہے، ہاں حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کرے تو پردہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۸/۲۳)

مجنون کو طلاق دینا یاد رہے

سوال [٦١٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی تقریباً ۱۹؍سال پہلے حسن پور میں نواب خان ولد حمید خاں سے ہوئی تھی، کچھ سال خیرو عافیت کے ساتھ گذرنے کے بعد ازدواجی زندگی کے حالات بد سے بدتر ہوگئے، اب سے تقریباً تین سال پہلے میرے شوہر نے رات دو بجے سوتے ہوئے میرے اوپر چاقو سے حملہ کیا اور میری گردن کافی حد تک کٹ چکی تھی، خدا کی طرف سے زندگی تھی فوری طور سے صحیح علاج ہونے پر مجھے نئی زندگی مل گئی، میرے پانچ بچے بھی ہیں، اس حملہ کی وجہ سے میرے بچے بھی اپنے باپ سے خوف زدہ رہتے ہیں اور اپنے باپ کے پاس جانے سے بھی ڈرتے ہیں، بڑی بیٹی جس کی عمر ۱۴؍سال ہے، وہ اپنے تایا کے یہاں رہتی ہے، مجھے ہر وقت ستاتے رہتے ہیں اور پوری رات جگاتے رہتے ہیں، جس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہتی ہوں اور آج بتاریخ ۳۱؍مئی حسب معمول فجر کی نماز کے بعد قرآن شریف پڑھ رہی تھی، اسی وقت میرا چھوٹا بیٹا جس کی عمر ۵؍سال ہے وہ چائے کی ضد کرنے لگا، میرے شوہر نے مجھ سے چائے کے لئے کہا میں نے قرآن شریف پڑھنے کے بعد چائے کے لئے کہا، اس پر اسی وقت انہوں نے اپنی بڑی بھابھی اور بھتیجے کے سامنے مجھے تین طلاق دیدیں، اس کے بعد میرے شوہر نے ہمارے گھر والوں کو مرادآباد فون پر بھی کہدیا کہ میں نے آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے، اسے آکر یہاں سے لے جایئے، ہمارے شوہر کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ شدید گرمی کی وجہ سے دماغی حالت خراب ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ ایسا کرتے ہیں، ان کے دماغ کا دہلی کے ڈاکٹر کا علاج بھی ہورہا ہے؛ لیکن وہ علاج پوری طرح سے نہیں کرپاتے، اب میری اور میرے بچوں کی زندگی اجیرن ہوگئی ہے؛ اس لئے آپ سے میری گذارش ہے کہ آپ میری صحیح رہنمائی فرماتے ہوئے تحریری طور سے مفید مشوروں اور دعاؤں سے نوازیں؛ جبکہ ان کے گھر والوں کا کہنا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی،

اس مسئلہ پر آپ کے جواب کی منتظر ہوں، شوہر کو طلاق دینا یاد ہے، اسی وجہ سے اس نے بیوی کے میکہ والوں کو طلاق کی اطلاع دی۔

المستفتیہ: طاہری بی، حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں صاف طور پر وضاحت موجود ہے کہ اس نے بیوی کو طلاق دینے کے بعد سسرال کو فون کر کے بتلایا ہے کہ میں نے آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے، اسے آکر یہاں سے لے جاؤ اور سوال نامہ میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ شوہر کو طلاق دینا یاد ہے، تو اس قدر ہوش وحواس کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے؛ لہٰذا سوال نامہ کی ان باتوں سے وقوع طلاق میں کوئی اثر نہیں پڑے گا جن میں اس کے دماغی حالات خراب ہونے کی بات لکھی گئی ہے، ہاں البتہ حالات ایسے خراب ہو جائیں کہ اسے طلاق دینا یاد نہ ہو، تو اس کا حکم دوسرا ہوتا ہے، جب شوہر نے اس حالت میں تین بار طلاق دی ہے، تو طلاق مغلظہ واقع ہو کر بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے، آئندہ بغیر حلالۂ شرعیہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۴/ ۱۴۳)

عن الشعبي قال: ماکان في إفاقة المجنون من طلاق، أوعتاقه، أوقذف، فهو جائز و ماصنع وهو يجف، فليس بشيئٍ. (المصنف لعبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب المجنون و الموسوس، المجلس العلمي٧/٧٨، رقم: ١٢٢٨٢، سنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في طلاق السكران، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٧٣، رقم: ١١٢٠-١١٢٢)

عن قتادةؓ قال: الجنون جنونان، فإن كان لا يفيق لم يجزله طلاق، وإن كان يفيق فطلق في حال إفاقته لزمه ذلک. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ماقالوا في الذي به الموتة تطلق، مؤسسة علوم القرآن٩/٥٤٩، رقم:١٨٢٢٩)

لـو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر زكرياص:٣٧٦، قديم ٢١٩)

إن كـان الـطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها، كذا في الهداية. (عـالـمـگيـري، كتـاب الطلاق الباب السادس فصل فيما تحل به الـمـطـلقة ومايتصل به جديد ١/٥٣٥ زكريا ١/٤٧٣، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري، مكتبه امدادية ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۱۹٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۷/۱۴۳۴ھ

مجنون کو طلاق دینا یاد ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [٦١٦٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گلزار احمد نے اپنی بیوی ستارہ کو بلایا، جب نہیں سنا تو زور سے ڈانٹ کر بلایا اور رخسار احمد ولد خلیل احمد کو بھی آواز دے کر خوب زور سے بلایا اور اس کو گواہ بنا کر تین مرتبہ طلاق دی، پھر گلزار احمد کے بھائی سردار نے معلوم کیا، یہ سب کیا معمہ ہے؟ تو گلزار احمد نے کہا بات کو ایک ہفتہ ہو گیا ہے؛ جبکہ کل صبح آٹھ بجے کی بات ہے، سردار احمد نے یہ اندازہ کیا کہ دماغی توازن خراب ہے؛ لیکن طلاق دینے کی بات یاد ہے۔

المستفتی: گلزار احمد، لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب گلزار احمد کو طلاق دینا اچھی طرح یاد ہے، تو شرعاً اس کی طلاق کا اعتبار ہوگا اور جب تین مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

عن قتادةؓ قال: الجنون جنونان، فإن كان لا يفيق لم يجز له طلاق، وإن كان يفيق فطلق في حال إفاقته لزمه ذلك. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ماقالوا في الذي به الموتة تطلق، مؤسسة علوم القرآن ٥٤٩/٩، رقم: ١٨٢٢٩)

عن إبراهيم وغير واحد من أصحابنا عن الشعبي، قال: طلاق المجنون في إفاقته جائز، وإذا طلق في غير إفاقته لم يجز. (سنن سعيد بن منصور، كتاب الطلاق، باب ماجاء في طلاق السكران، دارالكتب العلمية بيروت ٢٧٣/١، رقم: ١١٢٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا ٤٧٣/١، كتاب الطلاق، الباب السادس فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به جديد١ /٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٣٩٩/٢، قدوري، مكتبه امداديه ديوبند ص: ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۴۰۴)

دماغی مرض میں مبتلا شخص کی طلاق

سوال [۶۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری عقل مختل ہوچکی ہے، دماغی ہوش وحواس خراب ہوچکے ہیں، جس کی وجہ سے کچھ پتہ نہیں چل پاتا ہے، میری حالت خراب تھی، میرا کاروبار وغیرہ بھی خراب ہے، میں نے اپنا ٹی وی بھی توڑ دیا ہے، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے مجھ سے کہا میں نے تین بار طلاق طلاق طلاق کا لفظ کہا، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی چیز میری زبان سے نکلی ہو، مجھے

پتہ نہیں چلا کہ میں نے کیا کہا، یہ الفاظ بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے جاری ہوئے، جو بھی شرعی حکم ہو آپ نافذ فرمادیں۔

المستفتی: چراغ الٰہی، محلہ بھٹی، گلی انجیر والی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سائل کو احقر نے خود بھی دیکھا اور باشرع واقف لوگوں سے بھی معلوم ہوا، نیز ڈاکٹری معائنہ بھی کرایا گیا، ان سب وجوہات سے ثابت ہوا کہ واقعی سائل بدحواسی اختلال عقل اور سخت دماغی مرض میں مبتلا ہے، ایسے شخص کی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/۱۰۱)

عن عمروؓ قال: سئل جابر عن رجل طلق امراته، وهو مجنون حين أخذه جنونه؟ قال: لايجوز. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ما قالوا في طلاق المجنون، مؤسسة علوم القرآن ۹/٥٤٦، رقم: ۱۸۲۱۱)

عن الشعبي قال: لايجوز طلاق المغلوب على عقله. (سنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في طلاق السكران، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۷۳، رقم: ۱۱۲٤)

وكذا يقال فيمن اختل عقله لكبر أو لمرض أو لمصيبة فاجأته، فمادام في حال غلبة الخلل في الأقوال والأفعال لا تعتبر أقواله وإن كان يعلمها ويريدها؛ لأن هذه المعرفة والإرادة، غير معتبرة لعدم حصولها عن إدراك صحيح كما لا تعتبر من الصبي العاقل الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق المدهوش، كراچي ۳/۲٤٤، زكريا ديوبند ٤/٤٥۳ كوئٹه ۲/٤٦۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۲۴/۸۷)

حالت جنون میں تین طلاق دینا

سوال[۶۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے پاگل پن کی حالت میں جس کا دماغی توازن تقریباً چار ماہ سے ڈاکٹری سارٹیفکٹ کے مطابق خراب ہے، اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں اوراسی حالت میں اور دوسرے کے سوال کرنے کے جواب میں اس نے کہا کہ میں نے دی اوراس کی حالت یہ ہے کہ مارتوڑ کررہا ہے، کسی کے قبضہ میں نہیں آرہا ہےاوراپنے جسم میں چھری کانٹے، جو کچھ ہاتھ میں آتا ہے مارلیتاہےاوراپنے جسم کوزخمی بھی کرلیا ہے، توکیا ایسی حالت میں اس کی بیوی پرطلاق واقع ہوگی یانہیں؟

المستفتی: ابن جاوید علی، کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرواقعی مذکورہ شخص پرجنون طاری ہوچکا ہےاوراس طرح جنون ومدہوشی میں طلاق دیدی ہےاوراس نے جوسوال کے جواب میں ''میں نے دی'' کہا ہے محض ضداورجنون میں کہہ رہا ہے، توایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی ہے؛ لیکن اگردماغی توازن درست ہوجانے کے بعداقرارکرے گا، توطلاق صحیح مان لی جائے گی۔

عن الشعبي قال: لايجوز طلاق المجنون إذا طلق في جنونه، وإذا عقل فطلاقه جائز. (سنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في طلاق السكران، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۷۳، رقم: ۱۱۲۰)

عن الزهري قال: لا يجوز طلاق المجنون إذا أخذبه، فإذا صح فهو جائز. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، ماقالوا في طلاق المجنون، مؤسسة علوم القرآن ۹/۵۴۶-۵۴۷، رقم: ۱۸۲۱۲ ولايقع طلاق المولى على امرأة عبده والمجنون الخ تنوير الابصار على الدرالمختار مع الشامى كراچى ۳/۲۴۲، زكريا ۴/۴۴۹-۴۵۰) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۵۶)

بے ہوشی میں طلاق کا حکم

سوال [۶۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی میں آپسی تنازع ہوا، درآں حالیکہ شوہر صاحب کا بچی کے انتقال کے سبب دماغ صحیح نہیں چل رہا تھا، اس تنازع کے درمیان بیوی نے اپنے پورے جہیز اور طلاق کا مطالبہ کیا، تو جب تک شوہر صاحب اپنے ہوش وحواس میں تھے، تب تک انہوں نے کوئی طلاق نہیں دی ہے، جب ہوش میں نہ رہے تو ان کی پھوپھی اور ایک بہن کا کہنا ہے کہ ان کی زبان سے تین مرتبہ طلاق کے الفاظ نکلے ہیں اور بیوی کا کہنا ہے کہ ایک مرتبہ اور شوہر کا کہنا ہے کہ اسے کوئی خبر نہیں ہے کیا کہا اور کس کو کہا ہے، اور یہ اپنی اس بات پر قسم کھانے کو تیار ہیں، تو سوال یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں شرعاً طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

المستفتی: محمد رمضان، مرزاپور، پرتاپ گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بے ہوشی سے افاقہ کے بعد شوہر کہتا ہے کہ مجھے کچھ خبر نہیں کہ کیا کہا ہے اور کس کو کہا ہے اور وہ اس پر قسم کھانے کو تیار ہے۔ نیز اس کی پھوپھی بہن وغیرہ بھی اس کی بے ہوشی کی قائل ہیں، تو اس بے ہوشی کی حالت میں بیوی کو طلاق نہیں پڑے گی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۴۰۷، احسن الفتاوی ۵/ ۱۶۲)

ولا يقع طلاق المولیٰ على امرأة عبده والمجنون والصبي والمعتوه والمبرسم، والمغمیٰ عليه والمدهوش. (تنوير الأبصار مع الدر، كتاب الطلاق، زكريا ٤/ ٤٤٩ تا ٤٥٢، كراچي ٣/ ٢٤٢، ٢٤٣)

الثاني أن يبلغ النهاية فلا يعلم ما يقول ولايريده، فهذا لاريب أنه لاينفذ شيئ من أقواله. (شامي، زكريا ٤/٤٥٢، كراچي٣/٢٤٤، الموسوعة الفقهية الكويتية١٨/٢٩)

ولاطلاق صبي ومجنون وكذا المغميٰ عليه والمبرسم، والملهوش.

(ملتقي الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٠، فتاوى هندية، كتاب الطلاق فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لايقع طلاقه جديد١/٤٢٠ زكريا ١/٣٥٣)

سئل نظماً فيمن طلق زوجته ثلاثاً في مجلس القاضي، وهو مغتاظ مدهوش، فأجاب نظماً أيضاً بأن الدهش من أقسام الجنون فلا يقع، وإذا كان يعتاده بان عرف منه الدهش مرة يصدق بلا برهان (شامي، زكريا٤/٤٥٢، كراچي٣/٢٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۷۵۰)

بے ہوشی کی حالت میں طلاق دینا

سوال [۶۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا میاں بیوی کا جھگڑا او مار پیٹ ہوئی، بہت کچھ تکرار ہوگیا اور یہاں تک کہ میں بے ہوش ہوگیا اور اسی غفلت کی حالت میں میرے منھ سے لفظ طلاق نکل گیا، جس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے، مگر وہاں پر موجودہ لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ میں غفلت کے عالم میں کئی مرتبہ لفظ طلاق اپنے منھ سے ادا کرچکا ہوں، جس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے، اب آپ سے گذارش ہے کہ میرے اس معاملہ پر آپ صاحبان فیصلہ دے کر احسان فرمائیں۔

المستفتی: محمد مقبول حسین، مقرب پور، نزدیک دم دمے کی کوٹھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ اپنے بیان میں سچے ہیں اور حلفیہ بیان دے

سکتے ہیں اور جو لوگ آپ کو زبانی بتلا رہے ہیں، ان میں سے دو عادل باشرع مقبول الشہادۃ گواہ موجود نہیں ہیں، تو آپ کی بیوی پر شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی اور اگر عادل باشرع مقبول الشہادۃ مرد آپ کو بتلا رہے ہیں تو ان کی شہادت معتبر ہوگی اور آپ کی بیوی پر اتنی طلاقیں واقع ہو جائیں گی جتنی کی وہ لوگ شہادت دیتے ہوں؛ البتہ تین سے زائد میں تین ہی واقع ہوگی۔

والثاني أن يبلغ النهاية فلا يعلم ما يقول ولايريده، فهذا لاريب أنه لاينفذ شيئ من أقواله (وقوله) ثم رأيت ما يؤيد ذلك الجواب هو أنه قال في الولوالجية إن كان بحال لو غضب يجري على لسانه ما لايحفظه بعده جاز له الاعتماد على قول الشاهدين الخ. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، كوئٹه ۲/۴۶۳، كراچي ۳/۲۴۴، زكريا۴/۴۵۲، وهكذا في الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۸۴۹)

بے ہوشی کی حالت میں طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی کو بلانے کے لئے گیا راستے میں اس کی مخالف پارٹی نے گھر جانے نہیں دیا، مار پیٹ کر اس کو بے ہوش کر دیا، اس نے بے ہوشی میں طلاق دی، طلاق دی، کئی بار کہا مگر اس کو معلوم نہیں، مخالف پارٹی نے شور مچایا، طلاق دی، طلاق دی بیوی اس طلاق کو نہیں مان رہی ہے، بیوی اپنے میاں کے گھر آنے کو تیار ہے؛ لہٰذا اس کی طلاق ہونے میں گنجائش ہے یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالغنی، محلّہ نالہ پار قصبہ شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غصہ کی حالت میں بیوی کے سنے اور مانے بغیر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اگر کئی مرتبہ کہنے سے مراد تین بار یا اس سے زائد ہے اور شوہر کو لوگوں کے بیان پر اعتماد بھی ہے، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، دوبارہ بلا حلالہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

إن كان بحال لو غضب يجري على لسانه مالايحفظه بعده جاز له الاعتماد على قول الشاهدين. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا ٤/٤٥٣، كراچي٣/٢٤٤)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (فتاوى عالمگيري، زكريا ١/٣٥٦ كتاب الطلاق الباب الثانى فى ايقاع الطلاق جديد١/٤٢٣)

اور اگر کئی مرتبہ سے مراد صرف دو مرتبہ ہے، اس سے زائد نہیں ہے یا شوہر کو لوگوں کے بیان پر اعتماد نہیں ہے، تو یقیناً طلاق قضاء واقع نہیں ہوگی۔ ۲؍طلاق کی صورت میں رجعت کر کے اور عدم اعتماد کی صورت میں یونہی بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے۔ اب میاں بیوی خود ہی سوچ لیں! اگر غلط سوال کر کے کسی مفتی سے واقعہ کے خلاف فتویٰ حاصل کرلیا جائے تو حرام چیز حلال نہیں ہوگی۔ نیز مفتی پر کوئی الزام بھی نہیں ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا١/٤٧٠ كتاب الطلاق الباب السادس فى الرجعةالخ جديد١/٥٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۲۲۳)

آسیب زدہ شخص کا دوران جنون طلاق دینا

سوال [۶۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید پر جنات وسحر وغیرہ کا اثر ہے، جس کی وجہ سے دماغی حالت اچھی نہیں ہے اور اپنی عقل کھوئے رہتا ہے، جو زبان پر آتا ہے کہہ دیتا ہے، اسے اس حالت کا بھی ہوش نہیں ہے، اس کا کام کاج گھر والے انجام دیتے ہیں، عاملوں کے زیر علاج ہیں، جنہوں نے جنات وغیرہ کا اثر تجویز کیا ہے، تقریباً یہ کیفیت ۱۴/۱۵؍سال سے ہے۔

ایک روز شام یہ واقعہ پیش آیا، عامل کی بتائی ہوئی چراغی لے رکھی تھی، رات کا وقت تھا بیوی سوئی ہوئی تھی، اس نے چراغی پر بیٹھے بیٹھے چھوڑ دی، چھوڑ دی، چھوڑ دی، چھوڑ دی، کا لفظ استعمال کیا، یہ لفظ اس کی بیٹی اور ماں نے سنے، قبل اس کے اس کی اور اس کی بیوی میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں تھا، اس کا کہنا ہے کہ یہ لفظ میں نے خود نہیں کہے ہیں؛ بلکہ جنات وغیرہ نے دباؤ دے کر کہلوائے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان حالات میں اس کی بیوی پر ان الفاظ سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد حنیف قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو صورت لکھی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص بسا اوقات ہوش میں نہیں رہتا ہے، اور جب اس کے اوپر جن سوار ہوجاتا ہے، تو اس کو معلوم نہیں رہتا ہے کہ وہ کیا بک رہا ہے، اور جو واقعہ پیش آیا ہے، وہ اسی طرح کی حالت میں پیش آیا ہے، اور اس واقعہ سے پہلے بیوی سے کوئی لڑائی وغیرہ نہیں

رہی ہے؛ بلکہ بیوی اپنی جگہ سورہی ہے، شوہر کے سامنے مخاطب بھی نہیں ہے، تو ایسے موقع پر چراغی کرتے ہوئے اس کا چھوڑ دی، چھوڑ دی، چھوڑ دی کے الفاظ زبان سے نکالنا اور یہ کہنا کہ میں نے خودنہیں کہا ہے؛ بلکہ مجھ سے کہلوایا گیا ہے، تو اس میں شوہر نہ بیوی سے مخاطب ہے اور نہ اس کی مراد بیوی ہے، تو ایسی صورت میں ان الفاظ کے ذریعہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ لفظ طلاق کے ساتھ بھی ایسے موقع پر بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ کیونکہ وقوع طلاق کے لئے الفاظ طلاق بولتے وقت اس میں بیوی مراد ہونا یا مخاطب ہونا لازم ہوتا ہے اور یہاں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔

إن الصريح لا يحتاج إلى النية؛ ولكن لا بد في وقوعه قضاءً وديانةً من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه......لو لقنته لفظ الطلاق، فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع أصلا على ما أفتى به مشايخ أوزجند صيانة عن التلبيس. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٥٠، زكريا٤/ ٤٦١)

الأصل أن الطلاق إنما يقع لوجود لفظ الإيقاع من مخاطب في ملكه......وحكى عن القاضي الإمام محمود الأوزجندي أنه سئل عمن لقنته امرأته طلاقاً، فطلقها وهو لا يعلم بذلك؟ قال: وقعت هذه المسئلة باوزجند، فقال: شاورت أصحابي في ذلك واتفقت آراؤنا أنه لا يفتى بوقوع الطلاق صيانة لأموال الناس عن الإبطال بنوع تلبيس. (تاتارخانية، زكريا ديوبند٤/ ٣٩٢، ٣٩٨، رقم: ٦٥١٨، تاتارخانية قديم ٣/ ٢٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۷۲۲/۴۱)

آسیب زدہ شخص کا بیوی کو طلاق دینا

سوال[۶۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا چچازاد بھائی "عبدالرحمٰن خاں عرف نواب خان" عاملوں نے اس پر جن اور سحر کے اثرات بتائے ہیں، جب اس پر سحر اور جنی اثرات کا دورہ طاری ہوتا ہے تو وہ قابو سے باہر ہوجاتا ہے، بیوی پر شک کرتا ہے، خوب گالی گلوچ کرتا ہے، بے تحاشہ مارتا ہے، خودکشی کرنے کو بھی کہتا ہے،، ماں باپ بھائی بہنوں کو گالیاں دیتا ہے، جب اس پر یہ دورہ طاری ہوتا ہے، تو دانت پیستا ہے، آنکھیں بڑی بڑی اور لال ہوجاتی ہیں، ایسی حالت میں اس نے بیوی کو تین طلاق دی ہیں، اب کہتا ہے کہ میں نے ایسا کیوں کیا مجھے بھی معلوم نہیں اور پچھتا رہا ہے، کیا شریعت کی روشنی میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حاجی اظہر امر جنرل میڈیکل بارسی ٹاکلی، اکولہ (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال میں ذکر کردہ صورت واقع کے مطابق ہے اور مذکورہ شخص پر واقعی جن سوار ہوجاتا ہے، اور اس وقت کیا بول رہا ہے، ہوش آنے کے بعد اس کو یاد نہیں رہتا ہے، تو ایسی صورت میں مذکورہ حالت میں وہ خود نہیں بولتا ہے؛ بلکہ اس پر سوار ہونے والا جن بولتا ہے، اس حالت میں دی گئی طلاق شرعاً معتبر نہ ہوگی، بیوی اس کے لئے بدستور حلال رہے گی۔

ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل، والمجنون والنائم والمبرسم والمغمىٰ عليه والملهوش. (هندية، كتاب الطلاق فصل فيمن يقع طلاقه الخ جديد ۱/ ۴۲۰ زكريا ۱/ ۳۵۳)

طلاق الصبي غير واقع، وكذلك طلاق المجنون والمعتوه كذلك المغمىٰ عليه والمعتوه، والمدهوش. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۴/ ۳۹۲، رقم: ۶۵۰۵، درمختار مع الشامي، زكريا ۴/ ۴۵۱-۴۵۲، كراچي ۳/ ۲۴۲، ۲۴۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۱۶۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶؍ ۱۱؍ ۱۴۳۵ھ

ہارٹ اٹیک کے دورے کے دوران طلاق دینا

سوال [۶۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو اس کی زبان درازی ونافرمانی پر اپنے لڑکے کے کہنے پر طلاق، طلاق، طلاق کے الفاظ ۳؍ بار ایک سانس میں کہہ دئیے جس وقت میں نے یہ الفاظ کہے تھے نہ میں نے بیوی کی طرف کو مخاطب ہو کر کہے، نہ وہ موجود تھی، کیا اب دوبارہ ہم دونوں ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں؟

ہوش آنے پر مجھے پتہ چلا تو میں اپنی غلطی پر نادم ہوا اور آپ سے معلوم کرتا ہوں تاکہ کوئی سہولت نکل سکے۔

المستفتی: رئیس احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر کو اتنا ہوش باقی ہے کہ اس نے ایک سانس میں تین طلاق دی ہیں اور اس کو یاد بھی ہیں، تو شرعی طور پر بے ہوش نہیں ہے، اس کی دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس فصل فيما تحل به المطلقة الخ زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، زكريا جديد ديوبند ۱/ ٥٣٥ هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹، قدوري، امدادية ديوبند ۱۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۶۶/۳۳)

ڈرانے کے ارادے سے طلاق دینا

سوال [۶۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبداللہ کی عمر ۵۵؍سال ہے اور سال میں دو تین مرتبہ اس کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے، وہ خود کہتا ہے کہ میرے اوپر آسیب ہے، اس حالت میں کسی کو بھی مارنا ہر کسی سے بلاوجہ جھگڑا کر لینا۔ نیز الٹی سیدھی حرکتیں کرنا شامل ہے، اب ایک روز عبداللہ کی یہی حالت تھی کہ پہلے تو اس نے اپنی بیوی کو خوب مارا اور پھر اپنے لڑکے اور اس کے لڑکے کے دو ساتھیوں کے سامنے کہنے لگا کہ میں نے تمہاری ماں کو طلاق دیدی اور یہ بات کہ طلاق دیدی تین بار کہی ہے، اگرچہ اس وقت اس کی بیوی نے اس کی بات سنی نہیں؛ کیونکہ وہ وہاں موجود نہیں تھی، بعد میں جب اس کی حالت ٹھیک ہوئی، تو اس سے کہا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا کہ میں نے تو یوں ہی ڈرانے کے لئے کہا تھا اور میرا ارادہ ہرگز طلاق دینے کا نہیں تھا حتی کہ وہ ہاتھ جوڑنے لگا کہ اگر تم اسے میری غلطی سمجھتے ہو تو مجھے معاف کردو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کی عورت کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ذکی بن ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اتنے ہوش میں طلاق کے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ بعد میں حالت بالکل صحیح ہونے کے بعد یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے ڈرانے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے اور طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا، اس طرح کی حالت مدہوش یا بے ہوشی میں شامل نہیں ہوتی ہے اور اس حالت کی طلاق کا اعتبار کیا جاتا ہے؛ لہٰذا جب اس حالت میں بیٹے

سے آکر کہہ دیا کہ تمہاری ماں کو طلاق دیدی تو یہ طلاق دینے کی خبر اور اقرار ہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے اور اگر دوسری اور تیسری مرتبہ میں پہلی بار کی خبر دینا مقصود ہے، نئے سرے سے طلاق دینا مقصد نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی اور اگر دوسری اور تیسری بار سے بھی طلاق واقع کرنا مقصود تھا، تو تین طلاقیں پڑجائیں گی اور ڈرانے کے ارادے سے بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اب اس شخص سے معلوم کرلیا جائے کہ دوسری اور تیسری بار سے طلاق کا ارادہ کیا تھا یا پہلی بار کی خبر دینا چاہتا تھا اور طلاق رجعی کی صورت میں عدت کے اندر رجعت کی گنجائش ہے اور تین طلاق واقع ہونے کی صورت میں رجعت کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔

ولـو أقر بالطلاق كاذباً أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التى تصح مع الإكراه، كراچي ۳/ ۲۳٦، زكريا ٤/ ٤٤٠)

والـذي يـظهـر لـى أن كلا من المدهوش والغضبان لايلزم فيه أن يكـون بـحيث لا يعلم ما يقول؛ بل يكتفى فيه بغلبة الهذيان واختلاط الـجـد بـالهـزل كما هو المفتى به في السكران على مامر...... والعاقل من يستقيم كلامه وأفعاله إلانادراً. (شامي، مطب فى طلاق المدهوش، زكريا ٤/ ٤٥٢-٤٥٣، كراچي٤ ٤ ٢،) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۴۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۸ھ

(۸) باب طلاق المکرہ

طلاق بالجبر کا حکم

سوال [۶۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو اس کی سسرال والوں نے اپنے یہاں بلا کر زبردستی تین طلاقیں کہلوا لیں؛ جبکہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینے پر رضا مند نہیں تھا، تو کیا اس صورت مذکورہ میں طلاقیں واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاقیں ہوگئیں تو دوبارہ اس کو اپنے پاس رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟ وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: صغیر احمد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زبردستی ڈرا دھمکا کر طلاق دلوانے کی صورت میں اگر زبان سے تین مرتبہ شوہر نے طلاق کا لفظ کہہ دیا ہے، تو اگرچہ وہ طلاق دینے پر رضامند نہ رہا ہو، پھر بھی زبان سے کہنے کی وجہ سے طلاق ہو جاتی ہے؛ لہٰذا جب زبان سے تین مرتبہ طلاق کا لفظ کہہ دیا ہے، تو اس سے بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو کر شوہر پر وہ بالکل حرام ہوگئی۔ اب اگر دوبارہ رکھنے کا ارادہ ہو تو بغیر حلالہ کے رکھنا جائز نہیں ہے۔

عن صفوان بن عمر الطائي أن رجلاً كان نائماً مع امرأته، فقامت: فأخذت سكيناً، فجلست على صدره، ووضعت السكين على حلقه وقالت: لتطلقني ثلاثاً البتة، وإلا ذبحتک، فناشدها الله فأبت عليه فطلقها ثلاثاً فذكر ذلک لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: لاقيلولة في الطلاق. (سنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في طلاق المكره، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۷۵، رقم: ۱۱۳۰-۱۱۳۱)

وفي الكافي: وطلاق المكره والسكران وخلعهما وإعتاقهما واقع.

(تاتارخانية، زكريا٤/ ٣٩٥، رقم:٢ ٦٥١)

وطلاق المكره واقع. (هداية، اشرفي ديو بند ٢/ ٣٥٨)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها .

(عالمگيري، زكريا ١/ ٤٧٣ كتاب الطلاق الباب السادس فصل فيما تحل به المطلقة الخ جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۴۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍ ۶؍ ۱۴۲۵ھ

مکرہ کی تحریری اور زبانی طلاق کا حکم

سوال [۶۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی فرماں بردار نہیں ہے، اور میری بات کو نہیں سنتی اور مجھے بہت پریشان کرتی ہے، ایک دن میں نے اس کو ڈرانے کے لئے ایک پرچے پر تین بار تلاک لکھ کر بھیج دیں، تاکہ وہ میری فرماں بردار ہوجائے اور ڈر جائے، آپ سے گذارش ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتادیجئے کہ کیا یہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر طلاق نہیں ہوئی اور اس کے گھر والے اس کا نکاح دوسری جگہ کرتے ہیں تو کیا یہ نکاح جائز ہوگا یا ناجائز؟ میں نے پرچے پر تلاک بددلی سے صرف اس کو ڈرانے کے لئے لکھا تھا۔

المستفتی: محمد محسن، محلہ ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ڈرانے اور دھمکانے کی غرض سے جو طلاک زبانی طور پر یا تحریری طور پر دی جائے وہ واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب آپ نے تین بار طلاک لکھ کر بھیج دی

ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور عدت گذنے کے بعد وہ کہیں بھی نکاح کرسکتی ہے اور آپ کے ساتھ بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

ویقع بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح، ويدخل نحو طلاع، وتلاخ، طلاک، وتلاک...... بلا فرق بين عالم و جاهل، وإن قال تعمدته تخويفاً لم يصدق قضاءً إلا إذا أشهد عليه قبله، به يفتىٰ. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲۴۹، زكريا ٤/٤٥٩)

قال في الهندية: الكتاب على نوعين مرسومة وغير مرسومة (إلى قوله) وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوىٰ أو لم ينو. (شامي، كراچي ۳/۲٤٦، زكريا ديوبند٤/٤٥٥، ٤٥٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، عالمگيري، زكريا ١/٤٧٣ كتاب الطلاق الباب السادس فصل فيما تحل به المطلقة الخ جديد ١/٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري، مكتبه امدادية ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۲۴۳)

زور زبردستی زبانی طلاق دلوانے کا حکم

سوال [۶۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری سسرال کے لوگوں نے مجھ سے عدالت میں زبردستی سے زبانی طور پر طلاق کا لفظ کہلوایا اور میں نے تین دفعہ طلاق دے دی تھیں، اب میری بیوی کی عدت بھی پوری ہوچکی ہے، وہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے، تو کیا شرعاً اسے ساتھ رکھ سکتے ہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبدالماجد، لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر سے زور زبردستی کر کے اور جبراً زبانی طور پر طلاق کے الفاظ کہلوا دیئے اور شوہر نے بھی زبان سے تین مرتبہ طلاق کے الفاظ کہہ دیئے ہیں، تو ایسی صورت میں اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب حلالہ شرعیہ کے بغیر دونوں کے لئے ایک ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۸/۱۷۱)

عن ابن عمرؓ قال: طلاق الکره جائز. (مصنف عبدالرزاق، المجلس لعلمي بيروت ٦/٤١٠)

ويقع طلاق كل زوج إذا كان بالغاً عاقلاً سواء كان حراً أوعبداً أو طائعاً أومكرهاً. (هندية، كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع، زكريا قديم ١/٣٥٣، زكريا جديد ديوبند ١/٤٢٠، الجوهرة النيرة، امدادية ملتان٢/١٠٢، دارالكتاب ديوبند ٢/٩٨-٩٩)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ ولومكرهاً الخ فإنه طلاقه صحيح. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت٢/٧-٨، در مختار مع الشامي، كراچي٣/٢٣٥، زكريا٤/٤٣٨)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ لصدوره من أهله في محله، ولومكرهاً، أي ولو كان الزوج مكرهاً على إنشاء الطلاق لفظاً. (البحرالرائق، زكريا٣/٤٢٦-٤٢٨، كوئٹه٣/٢٤٤-٢٤٥)

وطلاق المكره واقع؛ لأنه عرف الشرين واختار أهونهما، وهذا آية القصد والاختيار؛ إلا أنه غير راض بحكمه، وذلك غير مخل به. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة٢/٣٥٨)

طلاق المكره واقع. (تاتارخانية، زكريا٤/٣٩٥، رقم:٦٥١٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۵۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۱/۱۴۳۲ھ

بحالت اکراہ دی ہوئی طلاق کا حکم

سوال [۶۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی کو پورے دوسال ہوگئے اور جب زید اپنی سسرال گیا تو زید کی سسرال والے اسے کچہری لے کر آگئے اور وکیل کے سامنے زبردستی زید سے کہا کہ تم طلاق دو، ایک بار کہا، زید نے طلاق نہیں دی، دوسری بار پھر زید کی سسرال والوں نے کہا کہ تم طلاق دو، پھر بھی زید نے طلاق نہیں دی، تیسری بار زید کے سسرال والوں نے بندوق دکھائی کہ اگر طلاق نہیں دوگے، تو گولی ماردیں گے، تو زید نے صرف ایک بار طلاق دی، تو کیا اس صورت میں طلاق ہوگئی؟

المستفتی: عبدالغفار، بھٹ پورہ اسمولی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی عدت کے اندر اگر چاہے تو وہ لوٹا سکتا ہے، طلاق بالجبر بغیر عذر شرع کے لینا اگرچہ حرام ہے مگر واقع ہوجاتی ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاکٌ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌ بِإِحۡسَان. [البقرہ:۲۲۹]

عن عمر بن عبد العزيز يقول: طلاق السكران والمكره جائز .

(شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الطلاق، باب طلاق المكره، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۴٦۷، رقم:۴۵۵۷)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو مكرهاً، فإن طلاقه صحيح.

(درمختار مع الشامي، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، كراچي ۳/۲۳۵، زكريا ۴/۴۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۴۱۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۵ھ

زبردستی لی ہوئی طلاق کا حکم

سوال [۶۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی مسماۃ حمیدہ سے کئی سال قبل ہوئی تھی، شادی کے بعد کچھ ابتدائی زمانہ خیریت کے ساتھ گذرا، مگر کچھ ہی زمانہ کے بعد زید اپنی سستی کاہلی بداطواری بداخلاقی اور سٹے بازی کی وجہ سے معاش سے بیٹھ گیا اور خود اپنے نان ونفقہ کے لئے اس نے لڑکی کا وہ سامان جس کو وہ بطور جہیز کے والدین کے یہاں سے اپنے ساتھ لائی تھی اس کو فروخت کرنا شروع کردیا۔

ثانیاً مسماۃ حمیدہ کو مجبور کیا کہ وہ نان ونفقہ کے لئے اپنے والدین سے پیسہ وصول کرے، والدین نے ایک عرصہ تک اس کو برداشت کیا، مگر جب معذرت کی تو فون اور غیر فون پر دھمکیاں دینا شروع کیں، مسماۃ حمیدہ کو زدوکوب کرنا شروع کیا حتی کہ سگریٹ کے ذریعہ جسم کو داغنا، چہرے پر مارنا، نشانات کی ضرب لگانا اس کا مستقل عمل بن گیا، کبھی کبھی نوبت یہاں تک پہونچی کہ اہل محلّہ نے آکر مسماۃ حمیدہ کو بچایا نوبت بایں جارسید کہ والدین اور مسماۃ حمیدہ کے بھائیوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا، نصیحت فہمائش کی ساری منزلیں طے کرنے کے بعد جب کچھ حاصل نہ ہوا، تب مسماۃ حمیدہ کے اہل تعلق اور برادران نے زید مذکور سے زبانی طور پر جبراً تین بار طلاق لے لیں، اب جبکہ شوہر چہرے پر مار، ایک ہی مقام پر بار بار مار، نشان ڈالنے والی مار، چمڑا پھاڑنے والی مار، ہاتھ اور ڈنڈے کے استعمال کا مرتکب ہے، اور اہل محلّہ اس کے گواہ ہیں اور ہمارے ہندوستان کے موجود ماحول میں جبکہ مقتدر قوت ہمارے پاس نہیں جو ایسے لوگوں کی سرزنش کرسکے تو ایسے ماحول میں اگر اس طرح جبراً طلاق لی جائے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: خلیق احمد، دیپا سرائے، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ پڑھ کران چیزوں سے واقفیت ہوئی جن پرنشان دہی کی گئی ہے، جبراً طلاق لینے میں اگر زبان سے طلاق کے الفاظ کہلوائے جائیں تو شرعاً طلاق واقع ہوجاتی ہے اوراگر زبان سے نہ کہلوا کرصرف تحریر لی گئی ہے، یا طلاق نامہ پر دستخط کرالئے گئے، تو طلاق نہیں ہوتی؛ لہٰذا سوال نامہ میں اگر جبراً طلاق لینے میں شوہر نے زبان سے طلاق کے الفاظ استعمال کئے ہیں، تو طلاق ہوچکی ہے ورنہ نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/۳۷)

عن صفوان بن عمر الطائی: أن رجلاً کان نائما مع امرأته، فقامت: فأخذت سكيناً، فجلست على صدره، ووضعت السكين على حلقه، وقالت: لتطلقني ثلاثاً البتة وإلا ذبحتك، فناشدها الله فأبت عليه فطلقها ثلاثاً، فذكر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: لاقيلو لة في الطلاق.

(سنن سعيد بن منصور، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۷۵، رقم: ۱۱۳۰-۱۱۳۱)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل-ولو عبداً أومكرهاً، فإن طلاقه صحيح (در مختار) وفي الشامية: هذا، وفي البحر: أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لاتطلق. (در مختار مع شامي، كتاب الطلاق،مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، كراچي ۳/۲۳۵، ۲۳۶، زكريا ٤/٤٣٨، ٤٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۶۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۲۱/۲۶ھ

دباؤ میں آ کر زبانی طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میں نے ایک عاقل بالغ لڑکی سے تقریباً دو ماہ قبل اپنی مرضی سے نکاح کر لیا تھا، لڑکی منصوری برادری سے تعلق رکھتی ہے اور میں صدیقی برادری سے۔ اب لڑکی کے والدین نے اس نکاح کی اطلاع ملنے پر ناراضگی کا اظہار کیا اور لڑکی کے والد کچھ لوگوں کے ہمراہ میرے گھر آئے اور عزت کا حوالہ دیتے ہوئے طلاق دینے کے لئے مجبور کرنے لگے اور دھمکی دی گئی کہ اگر تم نے طلاق نہ دی تو لڑکی کو جان سے مار دیں گے اور مجھے مارا پیٹا گیا، ان کے دباؤ میں آکر میں نے ان لوگوں کے سامنے لڑکی کو تین طلاق دے دیں؛ جبکہ میری دل سے طلاق دینے کی مرضی نہیں تھی اور نہ ہی لڑکی کے روبرو طلاق دی گئی، نہ ہی لڑکی کی مرضی مجھے چھوڑنے کی تھی، جواب طلب مسئلہ یہ ہے کیا اس طرح کے دباؤ اور دھمکی دے کر طلاق لینے سے طلاق ہوگئی اور اگر میں اسے پھر سے اپنانا چاہوں تو کوئی گنجائش ہے؟

المستفتی: انعام علی ولد صفدر علی، لاکڑی والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ڈرانے دھمکانے کے دباؤ میں آکر زبانی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اس طرح زبانی طلاق کے واقع ہونے میں لڑکی کا سامنے ہونا لازم نہیں ہے اور نہ لڑکی کا سننا لازم ہے۔ نیز زبانی طلاق دینے میں بغیر ارادے اور بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوکر لڑکی شوہر کے اوپر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ اب آئندہ بغیر حلالۂ شرعیہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

عن ابن عمرؓ قال: طلاق الکرہ جائز. (مصنف عبدالرزاق، کتاب الطلاق، باب طلاق الکرہ، المجلس العلمي بیروت ٦/ ٤١٠، رقم: ١١٤٢١)

وفي الکافي: وطلاق المکرہ والسکران وخلعهما وإعتاقهما واقع. (تاتارخانیة، ٤/ ٣٩٥، رقم: ٦٥١٢)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی

تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها، كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا ۱/۴۷۳، كتاب الطلاق، الباب السادس فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱۱/۱۴۳۳ھ

طلاق دینے پر جبر کرنے کی صورت میں سر سے اشارہ کرنا

سوال [۶۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے لڑکی کے والد سے کہا تھا کہ میں شادی کر کے آپ کی لڑکی کو مرادآباد لے جاؤں گا اور اس کو وہیں رکھوں گا، تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے، اس کے بعد شادی کر کے میں اپنے گھر چلا گیا اور لڑکی کو اس کے باپ کے گھر چھوڑ دیا، چند دنوں کے بعد مرادآباد آنے کے لئے اس کے گھر گیا اور لڑکی کو لے کر بس اڈے تک آیا، لڑکی خود اپنی مرضی سے آئی، اس کے بعد بس پر سوار نہیں ہو رہی تھی، بہانہ کیا کہ سر میں درد ہے؛ اس لئے ابھی نہیں جاؤں گی، دو چار ماہ کے بعد جب آپ آئیں گے تب چلوں گی، اس کے بعد میں نے سوچا دو چار دن کے بعد جب طبیعت صحیح ہو جائے گی تب لے کر جاؤں گا، پھر اسی رات تمام لوگ جمع ہوئے، لڑکی کا باپ بھی موجود تھا، ان لوگوں نے کہا تم لڑکی کو طلاق دے دو، تو میں نے کہا میرا سامان واپس کر دو، تو ان لوگوں نے میرا سارا سامان واپس کر دیا، اس کے بعد لڑکی کے باپ نے مجھ سے اپنا سامان طلب کیا، تو میں نے صرف انگوٹھی نکال کر دے دی، بقیہ سامان نہیں دیا، اس کے بعد ان لوگوں نے طلاق دینے پر مجبور کر دیا، اس کے باوجود میں آدھا گھنٹہ رکا رہا، جب میرے اوپر خطرہ زیادہ آ گیا، تو میں نے زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے؛ بلکہ سر کا اشارہ کیا؛ لیکن میرے دل میں طلاق کا

ارادہ نہیں تھا اور سر بھی ایک مرتبہ ہلایا اور نہ طلاق کی نیت تھی لیکن عوام یہ سمجھی کہ طلاق دیدی اور نہ اس کے ساتھ ہمبستری کی تھی۔ یہ صورت حال پیش آنے کے بعد دوبارہ پھر نکاح ہو تو کیا وہ لڑکی میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسبحان، بھاگل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لوگوں کے کہنے کے باوجود طلاق کے لئے محض سر سے اشارہ کیا اور زبان سے تلفظ نہیں کیا تو محض اشارہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، اگرچہ لوگوں نے اسے طلاق سمجھا ہو اور دوبارہ نکاح کی ضرورت بھی نہیں ہے، وہ بدستور آپ کی بیوی ہے، آپ کے نکاح سے نہیں نکلی۔

إمرأة قالت لزوجها: طلقني، فأشار إليها بثلاثة أصابع ونوىٰ به ثلاث تطليقات لا تطلق مالم يتلفظ به. (خانية على هامش الهندية، كتاب الطلاق، زكريا ١/٤٦٣ جديد زكريا ١/ ٢٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۳ھ

جان کے خوف سے بیوی کو طلاق دینا

سوال [۶۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو مجبور کیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو، ورنہ میں جان سے ماردوں گا، اس شخص نے ڈر کے مارے طلاق دیدی، کیا اس طرح طلاق پڑ جاتی ہے؟

المستفتی: سلیم مسجد چوہان بانگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زبردستی اور خوف کی وجہ سے الفاظ طلاق زبان سے

ادا کردیے، تو طلاق واقع ہوگئی؛ لیکن اگر ایک طلاق دی ہے، تو رجعت کی بھی گنجائش ہے۔
(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/ ۱۳۳)

عن صفوان بن عمر الطائي: أن رجلاً كان نائماً مع امرأته، فقامت: فأخذت سكيناً، فجلست على صدره ووضعت السكين على حلقه، وقالت: لتطلقني ثلاثاً البتة وإلا ذبحتک، فناشدها الله، فأبت عليه فطلقها ثلاثاً، فذكر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: لاقيلولة في الطلاق. (سنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في طلاق المكره، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۲۷۵، رقم: ۱۱۳۰-۱۱۳۱)

فإن طلاقه أي طلاق المكره صحيح، وفي البحر: أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق. (در مختار، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، كراچي ۳/ ۲۳۵، ۲۳۶، زكريا ۴/ ۴۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۲۲ھ

مار ڈالنے کی دھمکی دے کر زبردستی طلاق دلوانا

سوال [۶۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی اور لڑکے مابین محبت تھی، دونوں نے خفیہ طور پر نکاح کرلیا، چند دن کے بعد لڑکی کے گھر والوں کو معلوم ہوا، انہوں نے لڑکے کو دھمکا کر اسے مار ڈالنے کی دھمکی دی اور اس سے زبردستی طلاق دلوائی، لڑکے نے لڑکی کو طلاق لڑکی کے والد کے سامنے دی، اس کے والد نے لڑکی سے کہا، اس نے تجھے طلاق دیدی۔ اب بتائیے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ طلاق تین مرتبہ دی تھی۔

المستفتی: امیر احمد، کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ڈرانے اور دھمکانے پر طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: طلاق الكره جائز. (مصنف عبدالرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق الكره، المجلس العلمي بيروت ٦/ ٤١٠، رقم: ١١٤٢١)

وان أكره على طلاق امرأته، أوعتق عبده، ففعل وقع ما أكره عليه عندنا. (هداية، كتاب الاكراه، فصل وفي إكره على أن ياكل الميتة، اشرفي ديوبند ٣/ ٣٥٠)

لہٰذا جب تین مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو مذکورہ لڑکی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ص: ٢١٩، زكريا ٣٧٦)

ولو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/ ٢٩٣، زكريا ٤/ ٥٢١، خانية على هامش الهندية، ١/ ٤٥٤، هندية، كتاب الطلاق الباب الثاني في ايقاع الطلاق زكريا قديم ١/ ٣٥٦، زكريا ديوبند جديد ١/ ٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹ ؍۳۲۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍ ۲؍ ۱۴۱۴ھ

دباؤ میں آکر طلاق دینا

سوال [۶۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھ میں اور میری بیوی میں کوئی ناراضگی نہیں تھی، نہ آج تک ہے؛ لیکن میرے والد کسی وجہ سے میری دوسری بیوی سے کافی دن سے ناراض تھے ایک دن میری بیوی جب اپنے

میکے گئی ہوئی تھی میرے والد نے میری بیوی کی غیر موجودگی میں مجھ پر دباؤ دیا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دوں، میں نے والد صاحب کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر وہ اپنے فیصلے سے نہیں ہٹے، میرے سمجھانے کی کوشش کے نتیجے میں مجھے مارنے کو تیار ہوگئے، اس درمیان گاؤں کے چند معزز آدمی جمع ہوگئے اور انہوں نے بھی والد صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی، جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں اپنے لڑکے سے اس کی بیوی کو طلاق دلوا رہا ہوں، یہ کام میں زبردستی کراؤں گا، گاؤں کے لوگوں نے پھر بھی والد صاحب کو بے حد سمجھانے کی کوشش کی کہ ایسا مت کرو؛ لیکن وہ اپنے فیصلہ پر اٹل رہے اور مجھ سے جبراً کئی مرتبہ طلاق کے الفاظ کہلوا لیے، جو میں نے بیوی کی غیر موجودگی میں بیوی کی عرفیت سے بغیر ارادے اور نیت کے ادا کئے، یہ آج سے ایک ہفتہ قبل کا واقعہ ہے۔

میری اس مجبوری کے کئی گواہ ہیں اور میں اور میری بیوی ساتھ رہنے کو تیار ہیں؛ لہٰذا جناب عالی سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں میری رہنمائی فرمائیں۔

نوٹ: میں نے طلاق کے الفاظ جو دہرائے، وہ اس طرح ہیں ''میں نے منو کو طلاق دی'' جبکہ میری بیوی کا نام جو نکاح میں بھی درج ہے مہرالنساء ہے۔

المستفتی: اقبال حسین، ملک پٹھانوں والی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دباؤ میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اگر تین مرتبہ سے زائد یا تین بار کہا ہے تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہوگا۔

عن عمر بن عبد العزيز يقول: طلاق السكران والمكره جائز. (شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الطلاق، باب طلاق المكره، دارالكتب العلمية بيروت ۲/٤٦٧، رقم:٤٥٥٧)

وإن أكره على طلاق امرأته............ففعل وقع ماأكره عليه. (هداية، كتاب الإكراه، فصل وإن إكره أن يا كل الميتة، اشرفي ديوبند ٣/ ٣٥٠، جيسوري ٤/ ٣٣٤)

اور طلاق میں اصل نام لینالازم نہیں ہے؛ بلکہ منو بیوی کا عرفی نام ہے اور اس نام سے لوگ آپ کی بیوی کو جانتے ہیں، تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

إنما الأيمان مبنية على العرف والألفاظ. (بنايه) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱/۲۷ھ

کیا جبراً طلاق کے الفاظ کہلوانے سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

سوال [۶۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھ میں اور میری بیوی میں کوئی ناراضگی نہیں تھی، نہ آج تک ہے؛ لیکن میرے والد کسی وجہ سے میری دوسری بیوی سے کافی دن سے ناراض تھے، ایک دن میری بیوی جب اپنے میکے گئی ہوئی تھی، میرے والد نے میری بیوی کی غیر موجودگی مجھ پر دباؤ دیا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیدوں، میں نے والد صاحب کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر وہ اپنے فیصلہ سے نہیں ہٹے، میرے سمجھانے کی کوشش کے نتیجہ میں مجھے مارنے کو تیار ہو گئے، اس درمیان گاؤں کے چند معزز آدمی جمع ہو گئے اور انہوں نے بھی والد صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی جس کے جواب میں انہوں نے کہا میں اپنے لڑکے سے اس کی بیوی کو طلاق دلوا رہا ہوں اور یہ کام میں زبردستی کراؤں گا، گاؤں والوں نے پھر بھی والد صاحب کو بے حد سمجھانے کی کوشش کی کہ ایسا مت کرو؛ لیکن وہ اپنے فیصلہ پر اٹل رہے اور مجھ سے جبراً کئی مرتبہ طلاق کے الفاظ کہلوا لیے، جو میں نے بیوی کی غیر موجودگی میں بیوی کی عرفیت سے بغیر ارادے اور نیت کے ادا کئے، یہ آج سے ایک ہفتہ قبل کا واقعہ ہے، میری اس مجبوری کے کئی گواہ ہیں اور میں اور میری بیوی ساتھ رہنے کو

تیار ہیں؛ لہٰذا جناب عالی سے گذارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دباؤ طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اگر تین مرتبہ سے زائد یا تین بار کہا ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بغیر حلالہ کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہوگا۔

عن صفوان بن عمر الطائي: أن رجلاً كان نائماً مع امرأته، فقامت: فأخذت سكيناً، فجلست على صدره، ووضعت السكين على حلقه، وقالت: لتطلقني ثلاثاً البتة، وإلا ذبحتك، فناشدها الله، فأبت عليه فطلقها ثلاثاً، فذكر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: لاقيلولة في الطلاق. (سنن سعيد بن منصور، باب ماجاء في طلاق المكره، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٧٥، رقم: ١١٣٠-١١٣١)

وإن أكره على طلاق امرأته............ففعل وقع ماأكره عليه. (هداية، كتاب الإكراه، فصل وإن إكره أن ياكل الميتة، اشرفي ديوبند٣/٣٥٠، جيسوري٤/٣٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ر)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱/۱۴۱۴ھ

حالت اکراہ میں دو طلاق

سوال [۶۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رسالت حسین کا نکاح نعیمہ خاتون سے ہوا تھا، کسی بات پر نعیمہ خاتون کے رشتہ داروں نے رسالت حسین سے زبردستی دھمکا کر طلاق لی اور رسالت حسین نے خوف کی وجہ

سے اپنی زبان سے صرف دودفعہ طلاق کا لفظ کہا، یہ واقعہ بیس تیس آدمیوں کے درمیان میں ہوا، تو شرعاً کتنی طلاق واقع ہوں گی، رسالت حسین کے لئے بیوی کو رکھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف، امام جامع مسجد، دیسہ معان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر رسالت حسین نے اپنی زبان سے صرف دو ہی مرتبہ طلاق کا لفظ نکالا ہے، تو بیوی پر دوطلاق رجعی پڑ گئی ہیں، تین حیض گذرنے سے پہلے پہلے رجعت کر کے بلا نکاح بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے اور رجعت کر لینے کے بعد بیوی کا نکاح کسی دوسری جگہ صحیح اور درست نہیں ہوگا اور رجعت میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کر لی۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها كقوله أنت طالق أنت طالق الخ

(الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أولم ترض (وقوله) والرجعة أن يقول راجعتك أوراجعت امرأتي. (هداية، باب الرجعة اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۹؍ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۵۵۳)

زبردستی لفظ تلاک سے طلاق کا حکم

سوال [۶۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد مسلم الدین قاسمی کے دیئے ہوئے فتوی کے بارے میں کہ منکوحہ شاکرہ بیوی محمد مسلم الدین استاذ حدیث وتفسیر وعالم تجوید کا نکاح چاند محمد کے ساتھ ایک بہت بڑی جماعت

نے دنیاوی فائدہ کی غرض سے کر دیا، تو شاکرہ کا یہ دوسرا نکاح نہیں ہوا؛ لیکن شاکرہ چاند محمد کے یہاں رہتی رہی، پھر ایک بچہ پیدا ہوا، اس کے بعد ایک دن موقعہ پا کر مسلم الدین کو پکڑ کر کمرہ میں بند کر کے قتل کی دھمکی دے کر لکھے ہوئے اور بغیر لکھے ہوئے کاغذ پر دستخط کرا لیے، زبانی طلاق پر مجبور کرنے سے محمد مسلم الدین اپنی حکمت سے سیاسی کھیل کھیل کر نکل گیا، یعنی بلا طلاق کی نیت کے فضول لفظ جس کو شارع علیہ السلام نے نکاح ٹوٹنے کے لئے وضع نہیں کیا، یعنی ''تلاک'' ہے کہہ دیا، اس بات کی طرف دھیان رکھتے ہوئے کہ میری بیوی شاکرہ پر طلاق بھی نہ پڑے اور میری جان بھی بچ جائے؛ اس لئے وہ بولا تھا کہ ''میں نے تلاک دی، میں نے تلاک دی، میں نے تلاک دی''، تو ایسے فضول بے موضوع لفظ کو بولنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

قرآن کریم کے ۲۴/ پارہ سورۃ المؤمن کی آیت :۱۵، میں لفظ تلاق آیا ہے، اس کے معنی ہیں ملاقات، حرفوں کی تبدیلی سے لفظ کی ادائیگی میں تبدیلی آتی ہے اور معنی میں بھی فرق آجاتا ہے، ایک لفظ قرآن وحدیث میں آیا ہے طلاق، معنی نکاح ٹوٹنے کا، ایک لفظ آیا ہے تلاک بمعنیٰ ملاقات، لفظ تلاک کو نکاح ٹوٹنے کیلئے وضع نہیں کیا گیا، جیسے موسیٰ ابن عیسیٰ نے اپنی بیوی کو لفظ صریح سے طلاق دی تھی، اپنی بیوی سے کہا تھا، اگر تمہاری فوقیت چاند پر نہ ہوئی، تو تم پر تین طلاق رہی، اس لفظ صریح کی وجہ سے تمام اماموں نے فتویٰ دیا کہ موسیٰ ابن عیسیٰ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، یہ واقعہ خلیفہ جعفر ابو منصور کی خلافت کے وقت کا ہے، خلیفہ کے ساتھ موسیٰ ابن عیسیٰ کی بڑی دوستی تھی اور مسئلہ کا حل خلیفہ کے دربار میں ہو رہا تھا، اس مجلس میں امام ابوحنیفہؒ کے ایک شاگرد بھی تھے، انہوں نے فتوی دیا، موسیٰ ابن عیسیٰ کی بیوی پر طلاق نہیں ہوئی یہ غلط بات ہے کہ لفظ صریح سے طلاق ہو ہی جاتی ہے، لفظ صریح سے بھی مقتضاء حال کے مطابق طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اور اس واقعہ میں سورۃ تین کی دلیل پکڑ کر بتایا کہ موسیٰ ابن عیسیٰ کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی لفظ صریح سے، تو محمد مسلم الدین کی بیوی شاکرہ پر کیسے طلاق واقع ہوگئی؟ لفظ فضول سے معلوم یہ ہوا کہ ''تلاک'' کے لفظ سے نکاح نہیں ٹوٹتا؛ اس لئے شاکرہ اس وقت بھی مسلم الدین کی بیوی ہے۔

اورتلاک بالجبر کا واقعہ 14/06/95 کو ہوا تھا،اس تاریخ کے بعد پھر دوبارہ تین ماہ ۱۳/ دن کے بعد چاند محمد کے ساتھ شاکرہ کا نکاح پڑھایا گیا،شرعاً دونوں مرتبہ چاند محمد کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ہے،نکاح جب تک مسلم الدین کے ساتھ شاکرہ کا باقی ہے،تب تک چاند محمد کے ساتھ ہزار مرتبہ نکاح پڑھانے سے بھی شاکرہ چاند محمد کی بیوی نہیں بن سکتی ہے اور چاند محمد کے نطفہ سے شاکرہ نے جتنی اولاد جنی ہیں، وہ سب بچوں کا بھی شرعاً باپ نہیں بنے گا۔ **الولد للفراش** مذکورہ دنیاوی فائدہ کے تحت محمد مسلم الدین کے دشمنوں کی گواہی شرعاً مقبول نہیں۔ دلیل:

لا تقبل شهادة عدو بسبب الدنيا.

نوٹ: جواب مطلوب ہے کہ شاکرہ کا اس وقت کون شوہر ہے؟

(۲) چاند محمد کے نطفہ سے جو اولاد ہوئی اس کا مالک چاند محمد کیوں نہیں؟

(۳) مذکورہ مسلم الدین کے دشمنوں کی گواہی شرعاً مقبول کیوں نہیں؟

(۴) شاکرہ کو پاک ہونے کے لئے کیا کرنا پڑے گا؟

المستفتی: شاکرہ بیگم، آنیر پار، مالدہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) محمد مسلم الدین (مکرہ) نے بطور حیلہ کے تین مرتبہ جو لفظ ''تلاک'' استعمال کیا ہے، اس کا شاکرہ بیوی کے ساتھ نکاح ختم ہوگیا اور شاکرہ پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں؛ اس لئے اس واقعۂ طلاق سے قبل شاکرہ کا اجنبی مرد چاند محمد کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے، وہ صحیح نہیں تھا اور جب واقعۂ طلاق وعدت کے بعد اس مرد سے دوبارہ نکاح ہوا، وہ حلال وجائز طریقے پر ہوا؛ لہٰذا اس وقت شاکرہ مسلم الدین کی نہیں؛ بلکہ چاند محمد کی زوجہ ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: طلاق الكره جائز. (مصنف عبدالرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق الكره، المجلس العلمي بيروت ٦/ ٤١٠، رقم: ١١٤٢١)

طلاق المکره واقع الخ. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۷۷، جيسوري۲/۳۵۸، شامي، کراچي ۳/۲۳۵ زکريا ۴/۴۳۸، البحرالرائق، کوئٹه۳/۲۴۴، زکريا۳/۴۲۶)

ويدخل فيه نحو طلاکو تلاک. (در مختار مع رد المختار، کراچي ۳/۲۴۹، زکريا۴/۴۵۹، البحرالرائق، زکريا۳/۴۳۹، کوئٹه۳/۲۵۲)

(۲) زوج اول محمد مسلم الدین کے طلاق دینے کے بعد اور شاکرہ کے عدت گذارنے کے بعد زوج ثانی چاند محمد کے نطفہ سے پیدا ہونے والی اولاد چاند محمد کی ہوگی اور اسی کی جانب منسوب ہوگی اور طلاق سے پہلے جو چاند محمد سے اولاد ہوئی ہے، وہ زنا کاری سے حاصل شدہ اولاد ہے؛ لہٰذا وہ چاند محمد کی نہیں؛ بلکہ محمد مسلم الدین کی جانب منسوب ہوگی، چاند محمد ان کا باپ نہ ہوگا۔

عن محمد بن زياد قال: سمعت أباهريرةؓ قال النبي صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش، وللعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب المحاربين، باب للعاهر الحجر، النسخة الهندية ۲/۱۰۰۷، رقم: ۶۵۶۰، ف: ۸۶۱۸، مشکوۃ ۲۸۷، در مختار مع الشامي، باب العدة، زکريا ۵/۲۴۸، کراچي۳/۵۵۲)

وفي الهندية: لو زنیٰ بامرأة فحملت، ثم تزوجها فولدت إن جاء ت به لستة أشهر فصاعداً ثبت نسبه وإن جاء ت به لأقل من ستة أشهر لم يثبت نسبه. (الفتاوى الهندية، زکريا۱/۵۴۰) كتاب الطلاق قبيل الباب السادس عشر في الحضانة جديد ۱/۵۹۱

(۳) جب طلاق بالجبر کے واقعہ کا منکر کوئی نہیں، تو پھر کسی قسم کی گواہی کی کوئی ضرورت نہیں۔

لو أكره على طلاق فطلق وقع الطلاق. (عالمگيري، کتاب الاکراه الباب الثاني، زکريا قديم ۵/۴۲، زکريا جديد ۵/۵۱)

(۴) شاکرہ نے مسلم الدین سے طلاق حاصل کرنے سے قبل چاند محمد کے ساتھ رہ کر جو وقت

گذارا ہے، اس کا بدکاری اور زناکاری میں شمار ہوگا، اس گناہ عظیم سے پاک ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ندامت کے ساتھ توبہ کرنے کی ضرورت ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو وہ سنگسار کرکے پاک کی جاتی۔

أما نكاح منكوحة الغير......فلم ينعقد أصلاً؛ ولهذا يجب الحد مع العلم بالحرمة؛ لكونها زنا. (رد المختار، كراچي ۳/۵۱٦، زكريا ۱۹۷/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۷۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۴/ ۱۴۱۷ھ

مکرہ کی طلاق اور نکاح ثانی کی صحت

سوال [٦١٩٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی کو دو سال ہوئے تھے، مگر رخصتی نہ ہونے کی وجہ سے خلوت نہ کرسکا تھا کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو بھیجا اور کہلا دیا کہ اگر زید اپنی منکوحہ کو طلاق نہ دے گا تو میں زید کو جان سے مار دوں گا؛ لہٰذا زید نے بہت سے آدمیوں کے سامنے زبانی بھی اور تحریری بھی اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی، جب عدت پوری ہوگئی، تو اس شخص نے اس عورت کا نکاح عمرو کے ساتھ پڑھا دیا، قاضی جی کو طلاق نامہ دکھا دیا تھا؛ لہٰذا سترہ اٹھارہ سال کے بعد عمرو کو ایک آدمی نے بتایا کہ تیری جو بیوی ہے اس کی طلاق جبریہ لی گئی تھی اور جبریہ کی طلاق جائز نہیں ہوتی، تیرا نکاح بھی ناجائز ہوا، یہ سن کر عمرو زید کے پاس پہونچا اور پوچھا کہ کیا تم نے طلاق جبراً دی تھی، تو زید نے بتایا کہ مجھے طلاق دینے کے لئے ایک آدمی نے اور اس عورت نے مجبور کیا تھا، تو میں نے اسے آزاد کردیا تھا، عمرو نے کہا کہ اب خوش دلی سے دوبارہ طلاق دے دو؛ لہٰذا زید نے بہت آدمیوں کے سامنے زبانی بھی اور تحریری بھی طلاق دے دی، میں نے یہ مسئلہ مفتی عبد الرب صاحب دین منگر پوری کو لکھا تھا، انہوں نے جواب میں لکھا کہ

جبر یہ طلاق ہوجاتی ہے، طلاق ہوگئی نکاح بھی برقرار رہا اور بچے بھی صحیح ہوئے؛ لیکن مفتی صاحب نے کوئی وجہ نہ بتائی کہ جبریہ کی طلاق کیوں اور کیسے جائز ہوتی ہے؟ نہ کوئی مثال دے کر سمجھایا ہے اور شامی عالمگیری کا حوالہ دیا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں بالتفصیل لکھئے اور حوالہ مع جلد اور صفحہ کے لکھئے اور اگر وہ جبریہ والی طلاق ناجائز نکلی، تو وہ نکاح بھی فسخ ہوگیا یا برقرار رہا اور جو بچے اس دور میں پیدا ہوئے وہ جائز ہوئے یا ناجائز؟ جو طلاق خوشی سے ہوتی ہے، اس کے بعد بھی عورت عدت کرے گی یا نہیں؟ میری یہ تحریر جواب کے ساتھ واپس آنا ضروری ہے، آپ کی مہر بھی ضروری ہے۔

نوٹ: عمرو کو آج تک یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کی بیوی کی طلاق جبریہ لی گئی یا راضی سے۔

المستفتی: نواب جان، ہاشم پورہ، گوپال، پوسٹ: پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مفتی عبدالرب صاحب کا فتویٰ صحیح ہے کہ جبریہ طلاق جو زبان سے دی جائے وہ شرعاً واقع ہوجاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت میں کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جن میں دلی ارادہ اور نیت شرط نہیں ہے بلکہ زبان سے کسی بھی طرح سے تلفظ ہوجائے اس پر حکم لگ جاتا ہے؛ البتہ جبر کرنے والے ضرور گناہ گار ہوں گے۔

عن عمر بن عبد العزيز يقول: طلاق السكران والمكره جائز. (طحاوي شريف، كتاب الطلاق، باب طلاق المكره، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٧، رقم: ٤٥٥٧)

وإن أكره على طلاق امرأته أو عتق عبده، ففعل وقع ماأكره عليه عندنا. (هداية، كتاب الإكراه، فصل وإن إكره أن ياكل الميتة، اشرفي ديوبند ٣/ ٣٥٠، جيسوري ٤/ ٣٣٤، هكذا البدائع الصنائع، قديم ٧/ ١٨٢، جديد زكريا ٦/ ١٩٣، شامي، كراچي ٣/ ٢٣٥، زكريا ٤/ ٤٣٨، بنايه ٣/ ٧٧٦)

اور مسئلہ شرعیہ میں فقہ کی عبارت کافی ہے، وجہ بیان کرنا لازم نہیں؛ لہٰذا جبریہ طلاق معتبر ہونے

کی بناپر نکاح صحیح ہو چکا تھا اور بعد میں خوشی سے جو طلاق لی گئی ہے وہ معتبر نہیں اور نہ اس کے بعد عدت کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۶۴۵)

کسی کے مجبور کرنے پر طلاق دینا

سوال [۶۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو جبراً اس کے گھر والوں نے مار پیٹ اور دھمکا کر طلاق دینے پر آمادہ کیا، اسی وجہ سے اس شخص نے یہ الفاظ استعمال کئے، طلاق دی، دی، دی۔ صورت مسئولہ میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عقیل احمد، سہس پور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شخص مذکور کو جبراً اس کے گھر والوں نے مار پیٹ کر دھمکا کر طلاق دینے پر مجبور کیا اور اسی حالت میں اس نے طلاق دی، دی، دی کے الفاظ استعمال کئے ہیں، ظاہر بات ہے کہ اس کا ارادہ طلاق دینے کا نہیں رہا ہے اور مجبوراً اس نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں، تو ایسی صورت میں طلاق دی کے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، اس کے بعد دو مرتبہ ’’دی، دی‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے، اس میں چونکہ طلاق کی نیت نہیں کی ہے اور سامنے والوں کو سنانے کے لئے بطور تاکید استعمال کیا ہے، تو ایسی صورت میں ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ بلکہ ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوئی ہے اور اگر ان الفاظ سے بھی اس نے طلاق کی نیت کی تھی، تو تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ اب شوہر سے معلوم کیا جائے کہ اس کی نیت کیا رہی ہے؟ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳۷۲/۶، جدید زکریا ۳۹۰/۶)

قال في الدر: كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التأكيد دين. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، زكريا ٤/ ٥٢١، كراچي ٣/٢٩٣)

وفي الأشباه: لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً، فإن قال: أردت به التأكيد صدق ديانة لا قضاءً ذكره الزيلعي في الكنايات. (الأشباه قديم ١/٩ ٢١، زكريا٦ ٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۸ھ

بیوی کے بھائیوں کا جبراً بہنوئی سے طلاق دلوانا

سوال [۶۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہارون سے اس کی بیوی شبانہ کے بھائیوں نے زبردستی دھمکا کر مجبور کر کے اس کی بیوی کو تین طلاقیں دلوادیں، تو کیا اس طرح طلاق واقع ہوگئیں یا اس کی بیوی کا ماننا اقرار کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ اس کی بیوی شبانہ کہتی ہے کہ ہارون میرا شوہر ہے، مجھے طلاق نہیں ہوئی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کو حل فرمائیں۔

المستفتی: محمد ہارون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شبانہ کے بھائیوں نے شبانہ کے شوہر محمد ہارون سے زبردستی اور جبراً زبانی طور پر طلاق کے الفاظ کہلوادیئے اور شوہر نے بھی زبان سے تین مرتبہ طلاق کے الفاظ کہہ دیئے ہیں، تو ایسی صورت میں محمد ہارون کی بیوی شبانہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے شبانہ کا تسلیم کرنا اور ماننا ضروری نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۸/ ۱۷۱)

ویـقـع طـلاق کـل زوج إذا کـان بـالغاً عاقلاً سواء کان حراً أوعبداً، أوطـائعاً أومکرهاً. (هـنـدیة، زکـریـا۱/۳۵۳کتاب الطلاق فصل فیمن یقع طلاقه الخ جدید۱/۴۲۰، الجوهرة النیرة، امدادیة ملتان۲/۱۰۲، دارالکتب دیوبند۲/۹۸)

ویـقـع طـلاق کل زوج عاقل بالغ ولومکرهاً الخ فإن طلاقه صحیح. (مـلتـقـي الأبـحـر مـع مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۸، در مختار مع الشامي، زکریا۴/۴۳۸، کراچي۳/۲۳۵)

ویـقـع طـلاق کـل زوج عـاقـل بـالـغ لـصـدورہٖ من أهلـہٖ في محلـه، ولـومکرهاً، أي ولو کان الزوج مکرهاً علی إنشاء الطلاق لفظاً. (البحرالرائق، زکریا۳/۴۲۶-۴۲۸، کوئٹه۳/۲۴۴-۲۴۵)

عن ابن عمرؓ قال: طلاق الکره جائز. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي بیروت۶/۴۱۰، رقم:۱۱۴۲۱)

طلاق المکره واقع. (الفتاوی التاتارخانیة، زکریا۴/۳۹۵، رقم:۶۵۱۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۵۷۴)

(۹) باب الطلاق بالألفاظ المصحفة

ایسی زبان میں طلاق جس کو شوہر نہیں سمجھتا

سوال [۶۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص یوپی کا رہنے والا ہے، اس نے تمل ناڈ کی رہنے والی ایک عورت سے شادی کی، وہ تمل زبان بالکل نہیں جانتا ہے، ایک دن اس کی اپنی بیوی سے لڑائی ہوئی، بیوی نے تمل زبان میں شوہر سے طلاق کے الفاظ کہلوائے، جس کے معنی شوہر بالکل نہیں جانتا۔ نیز اس کی نیت بھی بیوی کو طلاق دینے کی نہ تھی، تو کیا ان کلمات سے بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد سمیع الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں شوہر چونکہ تمل زبان سے بالکل ناواقف ہے اور بیوی کے کہلوائے ہوئے کلمات کے معنی نہ تو اس کو معلوم ہیں اور نہ ان کا محل واستعمال پتہ ہے؛ اس لئے مفتی بہ قول کے مطابق اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۱۸۷، میرٹھ ۱۸/۵۹)

لو لقنته لفظ الطلاق، فتلفظ به غير عالم بمعناه، فلايقع أصلاً على ما أفتىٰ به مشائخ أوزجند صيانةً عن التلبيس. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب فی قول البحر: إن الصريح يحتاج...... زكريا ٤/ ٤٦١ ،شامي، كراچي ٣/ ٢٥٠، هكذا في التاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٩٨، رقم: ٦٥١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۷۸)

لفظ تلاق سے وقوعِ طلاق کا حکم

سوال [۶۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک ہی مجلس میں لفظ طلاق ط سے نہیں؛ بلکہ تلاق ت سے تین مرتبہ کہا ہے، مزید زید کا کسی طرح کا طلاق دینے کا ارادہ بھی نہیں تھا، پہلی بیوی اور اس سے متعلق بچوں کے ورغلانے اور بہکانے کی بنا پر ایک طلاق کے الفاظ منھ سے نکل گئے اور اس بات کو واضح فرماتے ہوئے تحریر فرمائیں کہ لفظ طلاق کے معنی ہیں جدائی کا واقع ہونا اور لفظ ت سے جو تلاق ہے، ان دونوں لفظوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: ضمیر الدین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر ارادہ کے اور کسی کے ورغلانے اور بہکانے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور بگڑے ہوئے الفاظ سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اس میں عالم اور جاہل کا کوئی فرق نہیں ہے، ہر صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب زید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین مرتبہ ’’تلاق، تلاق، تلاق‘‘ کہا ہے، تو اس سے بھی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ اب آئندہ زید کا اس بیوی کے ساتھ بغیر شرعی حلالہ کے نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہے اور مجتہدین کرام وفقہاء عظام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ لفظ تلاق (جوت سے ہے) سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ويقع بها أي بهذه الألفاظ و مابمعناها من الصريح، و يدخل نحو طلاغ، وتلاغ، وطلاک، وتلاک أو (ط،ل،ق) أوطلاق باش بلا فرق بين عالم وجاهل...... به يفتى (وتحته في الشاميه) قال في البحر: ومنه الألفاظ المصحفة وهي خمسة: فزاد على ماهنا تلاق الخ. (رد المحتار على الدر

المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب من الصريح الألفاظ المصحفة، کراچی ۳/ ۲۴۸، ۲۴۹، زکریا ٤/ ٤٥٩)

ومنه الألفاظ المصحفة وهى خمسة: تلاق، وتلاغ، وطلاک، وتلاک فيقع قضاءً (إلى قوله) ولافرق بين العالم والجاهل، وعليه الفتوى.

(البحر الرائق، کوئٹہ ۳/ ۲۵۲، زکریا ٤٣٩)

صريحه مالم يستعمل إلا فيه ولو بالفارسية (إلى قوله) وإن قال تعمدته تخويفاً لم يصدق قضاءً......وإن نوىٰ خلافها، أو لم ينو شيئاً (في الشامية) وعرفه في التحرير بما يثبت حكمه الشرعى بلا نية. (شامي مع در مختار، كراچي ٣/ ٢٤٧ تا ٢٥٠، زكريا٤/ ٤٥٧ - ٤٦١)

عن سهل بن سعدؓ فى هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(ابوداؤ شريف، كتاب الطلاق، باب اللعان، النسخة الهندية ١/ ٣٠٦، رقم: ٢٢٥٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱/۱۴۳۴ھ

جان بچانے کے خوف سے بلا نیت طلاق ’’تلاک دیتا ہوں‘‘ کہا

سوال [۶۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں عظیم الدین کی شادی بی بی زینت سے ہوئی، کچھ مدت کے بعد بی بی زینت کے گھر والوں سے لڑائی وفساد ہوگیا، عظیم الدین کو راستہ چلتے تن تنہا پا کر زینت کے خاندان والوں میں سے کچھ بدمعاشوں نے کہا کہ تم اس لڑکی کو طلاق دیدو، ورنہ ابھی جان سے ختم کر دیں گے، عظیم الدین طلاق دینے سے انکار کرنے لگے؛ لیکن بندوق دکھا کر بولے کہ دیکھتے ہو

ابھی ماروں گا، اگر تم خیریت چاہتے ہو تو ابھی طلاق دو، عظیم الدین نے جان کے خطرہ سے بچنے کے لئے یہ چال چلی کہ طلاق کے کلمات کے بجائے تلاک، تلاک، تلاک تین بار کہا، یعنی یہ کہا کہ لو میں اپنی بی بی کو ”تلاک دیتا ہوں، تلاک دیتا ہوں، تلاک دیتا ہوں“ یہ کلمات کہہ کر کسی طرح سے اپنی جان بچائی؛ لیکن دل میں اپنی بیوی کو چھوڑنے کی ذرا سی بھی نیت نہ تھی؛ بلکہ جان بچانے کے لئے کسی بھی طرح چھٹکارا پا کر وہاں سے گھر آ گیا۔

مذکورہ بالا صورتوں میں بیوی زینت کے اوپر طلاق پڑی یا نہیں؟ اور وہ اب عظیم الدین کے نکاح میں رہی یا ان کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی؟ مفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد عظیم الدین قاسمی، بھاگل پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بحالت جبر محض جان بچانے کی غرض سے بلا نیت طلاق کے الفاظ ادا کرنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح لفظ تلاک سے بھی شرعاً طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ مستفاد فتاوی دار العلوم ۹/۸۰

عن ابن عمرؓ قال: طلاق الكره جائز. (مصنف عبدالرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق الكره، المجلس العلمي بيروت ٦/٤١٠، رقم: ١١٤٢١)

ولو أكره على طلاق أو عتاق، فاعتق أوطلق وقع العتق والطلاق. (عالمگيري، كتاب الاكراه، الباب الثاني فيما يحل للمكره أن يفعل ومالا يحل، زكريا ٥/٤٢، جديد ٥/٥١، هكذا في الدر المختار مع الشامي، كراچي ٣/٢٣٥، زكريا ٤/٤٣٨)

ويقع بها أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح، فيدخل نحو طلاغ، وطلاک، وتلاغ، وتلاک. (الدر المختار مع رد المحتار، كراچي ٣/٢٤٩، زكريا ٤/٤٥٩، البحر الرائق، كوئٹه ٣/٢٥٢، زكريا ٣/٤٣٩، الأشباه والنظائر قديم ٤٥، حموي ٤٦)

لہٰذا مذکورہ صورت میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی، اب دوبارہ بلا حلالہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية كتاب الطلاق الباب السادس فصل فيما تحل به المطلقةالخ زكريا جديد ۱/۵۳۵، قديم زكريا ۱/۴۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۶۹۲)

لفظ طراق طراق سے طلاق کا حکم

سوال [۶۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ سبھی لوگوں کی طرح بہت اچھی زندگی گذار رہا تھا، اچانک ہم دونوں میاں بیوی میں کسی بات پر بحث وتکرار ہوگئی، میں نے اپنی بیوی کو ڈرانے کی غرض سے دومرتبہ لفظ طلاق نہ کہہ کر دومرتبہ طراق طراق کہدیا، اتنا سن کر میری بیوی یہ سمجھ کر کہ مجھے طلاق دیدی ہے، وہ فوراً برقعہ اوڑھ کر اپنے باپ کے گھر چلی گئی، جس وقت میں نے یہ عمل کیا تھا، اس وقت ہم دونوں میاں بیوی کے علاوہ ایک میری چودہ مہینہ کی بیٹی تھی، اس وقت میری بیوی حاملہ ہے، ان حالات میں شریعت کی روشنی میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ کیونکہ میں اپنی بیوی کو پہلے کی طرح اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں، صاف صاف لفظوں میں جواب دینے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: عبد الرزاق، مولانا آزاد نگر ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے، اور لفظ طراق طراق

سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ یہ الفاظ طلاق کے لئے استعمال نہیں ہوتے اور اگر شوہر کی زبان سے طلاق کے بجائے طراق ہی نکلتا ہے، تو دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، بیوی کے وضع حمل سے پہلے پہلے عدت کے اندر رجعت کر کے پہلے کی طرح میاں بیوی والی زندگی گذارنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها كقوله أنت طالق، أنت طالق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢)

وفي الولوالجية: رجل قال لامرأته بعد الدخول بها" أنت طالق، طالق" تقع ثنتان. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٤٢٩، رقم: ٦٥٩٥)

وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُن. [الطلاق: ٤]

وفي الحامل عدتها ان تضع حملها، الحرة والأمة والمطلقة والمتوفي عنها زوجها. (تاتارخانية، زكريا ٥/٢٢٨، رقم: ٧٧٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۳۰۰)

لفظ طباق سے کوئی طلاق نہیں

سوال [۶۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زوجہ کو فون پر دو مرتبہ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، اور تیسری مرتبہ جان بوجھ کر تجھے طباق ہے (لفظ محرف) استعمال کیا، بیوی کا کہنا ہے کہ جب اس نے فون پر طلاق کو سنا تو ہوش کھو بیٹی؛ البتہ اتنا دھیان ہے کہ تین بار کہا ہے، دو مرتبہ طلاق تیسری کا معلوم نہیں۔ اب شریعت کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرما کر ممنون و مشکور ہوں اور ہمیں کیا کرنا ہے، حکم فرما دیجئے۔

المستفتی: محمد اسلم سلمانی، قاسم پور گڑھی، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے پہلے دو مرتبہ لفظ طلاق کہہ دیا ہے، تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئی اور تیسری مرتبہ جو اس نے لفظ طباق استعمال کیا ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ اس لئے کہ لفظ طباق نہ تو صراحۃً اور نہ ہی کنایۃً طلاق کے لئے استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا دو طلاق کی وجہ سے عدت کے اندر اندر رجعت کی گنجائش ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أولم ترض. (هداية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، زكريا ١/ ٤٧٠، هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤)

وركنه لفظ مخصوص هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية، وبه ظهر من تشاجر مع زوجته ولم يذكر لفظاً لا صريحاً وكنايةً لا يقع عليه. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق الدور، زكريا٤/ ٤٣١، كراچي ٣/ ٢٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۶۲۴/۴۱)

لفظِ ''تڑاق'' سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسلم کا اپنی بیوی تبسم سے نزاع ہوا، اور اسلم آپے سے باہر ہوگیا، اور شدید غصہ کی حالت میں اسلم کی زبان بھی لڑکھڑا رہی تھی، اپنی بیوی تبسم سے تین مرتبہ طلاق کہا، بعد میں اسلم کی بھابھی اور بھابھی کی بہن نے جو اس وقت اسلم کے یہاں آئی ہوئی تھیں، کہا کہ اسلم نے لفظ طلاق نہیں کہا تھا؛ بلکہ تڑاق کہا تھا، پھر دوبارہ گھر والوں نے جب اسلم سے وہ الفاظ

دوہرانے کو کہا تو گھر والوں نے کہا کہ تم اب بھی تڑاق ہی کہہ رہے ہو، اسلم کا کہنا ہے کہ مجھے نہیں پتہ کہ میں نے غصہ میں کیا کہد یا طلاق یا تڑاق میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور اسلم کی بیوی تبسم تین ماہ کے حمل سے ہے، اسلم کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم، چھوٹی منڈی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بگڑے ہوئے لفظ سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس نے طلاق ہی دی ہے، سننے والوں نے خواہ تڑاق سنا ہو یا کچھ بھی، لہٰذا جب اسلم نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق کہد یا، تو اس پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں۔ اب بلا حلالہ کئے اس سے رشتۂ زوجیت قائم کرنا حرام ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية كتاب الطلاق الباب السادس فصل فيما تحل به المطلقة الخ زكريا جديد ١/٥٣٥، زكريا قديم ١/٤٧٣)

ويقع بها أي بهذه الألفاظ و مابمعناها من الصريح و يدخل نحو طلاغ، وتلاغ، وطلاک، وتلاک...... بلا فرق بين عالم وجاهل. وفي الشاميه: ومنه الألفاظ المصحفة. (الدر المختار مع الشامي، زكريا ٤/٤٥٩، كراچي ٣/٢٤٩، بحرالرائق، كوئٹه ٣/٢٥٢، زكريا٣/٤٣٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۵/صفر المظفر ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۳۹/۳۸)

وسوسہ کو دور کرنے کے لئے تجھے کرلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک شخص کو وسوسہ آیا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دوں، اس نے بہت ٹالا، مگر وسوسہ زیادہ ہوتا گیا، تو اس شخص نے اپنے دل کو دھوکہ دینے کیلئے طلاق کی نیت کے بغیر اپنی زبان سے یوں کہا کہ ’’میں تجھ کو کرلاق دیتا ہوں‘‘ جبکہ بیوی اس وقت مخاطب نہیں تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ دل کو دھوکہ دے کر وسوسہ بھی ختم کردوں اور طلاق سے بھی بچ جاؤں اور یہ صورت کئی مرتبہ پیش آئی، ہر مرتبہ اسی طرح دل کو سمجھایا۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اس صورت میں طلاق تو نہیں ہوئی؟

المستفتی: محمد فرقان، دھام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں ’’تجھ کو کرلاق دیتا ہوں‘‘ سے شخص مذکور کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، بلکہ اپنے شوہر کے لئے بدستور حلال رہے گی، کیونکہ مذکورہ لفظ طلاق کے معنی میں غیر مستعمل ہے اور اس کو بولنے سے ذہن طلاق کی طرف بھی منتقل نہیں ہوتا ہے، لہٰذا طلاق کے وقوع کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، تاہم ایسے شکی اور وہمی آدمی کو اپنے شک اور وہم کا علاج کسی صاحب شریعت ہوشیار قسم کے عالم کے پاس جاکر کروالینا چاہئے۔

لو قال: امرأته طارق، وأدغم الراء، وأخفاها حتى لا يفهم ذلك من يسمع خلفه لا يلزمه بذلك شيء، فلا تطلق امرأته؛ لأن طارقاً ليس بطالق.

(حاشية، الأشباه للحموي، زكريا ص ٩١)

لوقال: أنت طالاً لا يقع شيء وإن نوى لو أن أعجميا قال ذلك بالفارسية، وحذف الحرف الأخير لا يقع وإن نوى، لأنه غير معتاد عن العجم. (تاتارخانية، زكريا ٤/٤١٣، رقم المسئلة: ٦٥٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۷۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱۱/۱۴۳۵ھ

(۱۰) باب عدم وقوع الطلاق

قبل النکاح خیالی طلاق دینا

سوال [۶۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد اسجد کی شادی نجمہ سے ہونی طے ہے، لیکن ابھی صرف بات چیت ہوئی ہے، نکاح وغیرہ نہیں ہوا، اب اسجد نے یہ تصور کیا کہ گویا ہم دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گذار رہے ہیں، اس کے بعد اسی تصور میں اس نے اپنی ہونے والی بیوی کو طلاق دیدی اور خیال میں یہ کہا کہ میں نے اسے طلاق دی، دی دی زبان سے کچھ نہیں کہا، تو اب نکاح ہوجانے کے بعد کیا پہلی تصوری اور خیالی طلاق کا شرعاً اعتبار ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سلیم سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کے بعد اس خیالی طلاق کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ طلاق کے لئے ملک نکاح کا قیام اور بیوی کی جانب صراحۃً یا دلالۃً اضافت و نسبت شرط اور ضروری ہے اور مسئولہ صورت میں ملک نکاح ہی حاصل نہیں ہے، لہٰذا اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

ومحله المنكوحة. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق الدور، كراچي ۳/ ۲۳۰، زكريا ٤/ ٤٣١)

ومنها الإضافة إلى المرأة. (بدائع الصنائع، زكريا۳/ ۲۲۲، الأشباه، قديم ٥/ ٤٥، شامي، كراچي۳/ ۲۷۲، زكريا٤/ ٤٩٣، تاتارخانية قديم ۳/ ۲۷۹،

جدید زکریا٤/٤١٩، رقم:٦٥٧٥، بزازیہ علی الهندیة، زکریا٤/١٧١، جدید زکریا١/١١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۸ھ

دل میں طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں دل ہی میں یوں کہا کہ تم کو تینوں طلاق، مگر زبان سے کچھ نہیں کہا؛ بلکہ خاموش رہا، تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ نیز اگر زبان سے لفظ طلاق بولا، مگر اتنا آہستہ بولا کہ ان الفاظ کو خود بھی سن نہ سکا، تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عبد الودود، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ یہ سب وساوس اور خیالات وہمیہ ہیں اور شریعت میں ایسے خیالات ووساوس کا کچھ اعتبار نہیں۔

نیز زبان سے لفظ طلاق ادا کرنا اور اتنا آہستہ بولنا کہ خود متکلم بھی نہ سن سکے یہ بھی لغو ہے، وقوع طلاق کے لئے الفاظ طلاق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کم از کم اس کا خود سننا بھی شرط ہے، لہٰذا مذکورہ صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰۹/۸، جدید ڈابھیل ۲۴۹/۱۲، فتاوی دارالعلوم ۴۱/۹، ۱۰۰/۷)

عن أبي هريرةؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله عزوجل تجاوز لأمتي عما حدثت به أنفسها مالم تعمل، أو تكلم به.

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان تجاوز الله عن حديث النفس، النسخة الهندية ۱/۷۸، بيت الأفكار رقم:۱۲۷)

لو أجرى الطلاق على قلبه وحرك لسانه من غير تلفظ يسمع لا يقع وإن صحح الحروف. (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، امدادية ملتان۱۱۹، دارالكتاب ديوبند ۲۱۹)

وأدني الجهر إسماع غيره، وأدني المخافتة إسماع نفسه و من يقربه......ويجرىٰ ذلک المذكور في كل مايتعلق بنطق، كتسمية على ذبيحة ووجوب سجدة تلاوة، وعتاق، وطلاق، واستثناء وغيرها، فلو طلق أواستثنىٰ ولم يسمع نفسه لم يصح في الأصح. (در مختار مع الشامي، زكريا۲/۲۵۳، كراچي۱/۵۳۴، ۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر:الف۳۵/۷۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۶ھ

دل ہی دل میں طلاق دینا

سوال [۶۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ساتھ کوئی بڑا معاملہ پیش آتا ہے، تو حقیقتاً پاگل ہوجاتا ہے، یہ مرض تقریباً آٹھ سال سے مختلف موقعوں پر پیش آتا رہتا ہے، غالباً یہ کیفیت ذکر کی وجہ سے پیدا ہوئی، بندہ فقیہ الامت نوراللہ مرقدہ سے بیعت ہونے سے قبل ہی ذکر جہری بہت زیادہ کیا کرتا تھا، جب ہی سے یہ کیفیت شروع ہوگئی، اس طرح تین مرتبہ وہ پاگل ہو چکا ہے اور جب جب زید پاگل ہوتا ہے، تب تب اس کے ساتھ مستقل یہ کیفیت رہتی ہے کہ کوئی اس کے دل میں اس سے بات کرتا رہتا ہے اور وہ بات کرنے والا کہتا ہے کہ میں اللہ تم سے بات کرر ہا ہوں، لیکن

یہ کیفیت ختم ہونے کے بعد پھر دل میں بات کرنے والے نے کہا کہ اپنی بیوی کو تین طلاق دیدو، تو زید نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، پھر دل میں بات کرنے والے نے کہا کہ قسم کلی کھاؤ یعنی جتنی شادیاں میں کروں سب کو تین طلاق، تو زید نے یہ بھی کہہ دیا کہ میں جتنی شادیاں کروں سب کو تین طلاق، لیکن زید کو یہ تمیز نہیں کہ بات شیطان کی طرف سے دل میں آئی یا اللہ کی طرف سے، اب زید پریشان ہے اور غالب گمان ہے کہ اگر شادی نہیں کریگا، تو گناہوں میں ملوث ہوجائے گا، یا پاگل ہوجائے گا، اب زید کیا کرے بیوی کو رکھے یا دوسری شادی کرنے کی کوئی شکل ہو، تو اس سے مطلع کیا جائے اور زید کی زندگی کو گناہوں اور جنون سے بچایا جائے۔

المستفتی: عبدالودود، سیتا مڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دل میں بات کرنے والے کے کہنے کی وجہ سے دل ہی دل میں طلاق دی ہے اور اسی طرح دل ہی دل میں یہ بھی کہا ہے، کہ جتنی شادیاں کریں گے، سب کو تین طلاق تو صرف دل ہی دل میں کہنے کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، طلاق کے واقع ہونے کے لئے زبان سے کہنا لازم ہے اور اگر زبان سے کہا ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، جبکہ یہ سب کچھ یاد ہو۔

فلو طلق غافلاً أو ساهياً أو مخطأً وقع (إلى قوله) إن الصريح لا يحتاج إلى النية الخ. (الأشباه قديم مطلع ديوبند ٤٥، جديد زكريا ١/ ٩٠)

وأما الطلاق والعتاق فلا يقعان بالنية، بل لا بد من التلفظ. (الأشباه جديد زكريا ١/ ١٦٥، قديم ص٨٩)

لو طلق أو استثنىٰ ولم يسمع نفسه لم يصح في الأصح. (درمختار مع الشامي، زكريا ٢/ ٢٥٣، كراچي ١/ ٥٣٤، ٥٣٥)

لو أجرىٰ الطلاق على قلبه وحرك لسانه من غير تلفظ يسمع لا يقع

وإن صحح الحروف. (مراقي الفلاح، كتاب الصلوة، باب شروط الصلوة، امدادية ملتان ص:۱۱۹، دارالكتاب ديوبند ص:۲۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۱۰۹)

طلاق دینے میں شک ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد امیر الاعظم نے اپنی بیوی عشرت جہاں کو گھریلو جھگڑے میں بحالت غصہ مارا اور پیٹا اور یہ بھی طالق کو معلوم نہیں ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو کیا کہا اور دیگر جو مستورات اس وقت گھر میں موجود تھیں وہ بھی کہتی ہیں کہ ہم نے محمد امیر الاعظم کی زبان سے بکواس تو سنی، لیکن ہمیں بھی طلاق سنائی نہیں دی، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد امیر الاعظم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر طلاق دینا یقین سے ثابت نہیں ہے، تو شرعاً طلاق کا حکم نہ ہوگا۔

منها: شك هل طلق أم لا لم يقع. (الأشباه قديم مطبع دارالعلوم ديوبند ص ۱۰۸، جديد زكريا ۱/۱۹۶)

عدم الشك من الزوج في الطلاق وهو شرط الحكم بوقوع الطلاق حتى لو شك فيه لا يحكم بوقوعه. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في الرسالة قديم ۳/۱۲۶، زكرياجديد ۳/۱۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۴۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸؍۴؍۱۴۱۴ھ

شوہر کا طلاق کو اپنی طرف منسوب کرنا

سوال [۶۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے کہا مجھ سے قسم طلاق ہے، اگر میں تجھ سے بولوں بیوی سے۔ جھگڑے کے دوران کہا تھا، کیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: مبارک حسین، پتی خالصہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر نے طلاق کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے، تو ایسی صورت میں کوئی طلاق شرعی طور پر واقع نہ ہوگی؛ اس لئے کہ شوہر محل طلاق نہیں ہے اور غیر محل کی طرف نسبت کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوا کرتی ہے۔

أنا منک طالق أو بريء ليس بشيئ، ولو نویٰ به الطلاق. وتحته في الشامية: لأن محلية الطلاق قائمة بها لا به فالإضافة إليه إضافة إلى غير محله فيلغو. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٩٣، كراچي ٣/٢٧٢)

لو أضاف الزوج صريح الطلاق إلى نفسه بأن قال: أنا منک طالق لا يقع الطلاق وإن نویٰ. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/٢٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۶/۲۴ھ

دفع وساوس کے لئے بھاگ، یا چل بھاگ کہنے پر بیوی کا خیال آنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میں ایک مرتبہ غسل خانہ میں کپڑے دھل رہا تھا، میرا ذہن منتشر ہورہا تھا، مختلف قسم کے وساوس اور شبہات ذہن میں آرہے تھے، ان وساوس سے پریشان ہوکر جھنجھلا کر میں نے یہ لفظ کہا ’’بھاگ‘‘ یا ’’چل بھاگ‘‘، یعنی صحیح یاد نہیں کہ بھاگ کہا یا چل بھاگ کہا، اس جملہ کو کہتے وقت خطاب نفس وشیطان کی طرف تھا کہ نفس وشیطان ہی خواہ مخواہ ادھر ادھر کے وساوس اور شکوک ذہن میں پیدا کررہے ہیں اور اپنی طرف بھی کہ جلدی سے فارغ ہوکر بھاگ جاؤں یعنی غسل خانہ سے باہر نکل جاؤں، بہرکیف اس جملہ کو استعمال کرنے کے ساتھ ہی فوراً ذہن اپنی بیوی کی طرف چلا گیا، اور دل ودماغ میں یہ بات گھومنے لگی کہ ہوسکتا ہے بھاگ یا چل بھاگ کا جملہ میں نے اپنی بیوی کے لئے استعمال کرلیا ہو اور اس جملہ کو کہتے وقت دھیان بیوی کی طرف چلا گیا ہو، اب اسی وقت سے ذہن میں زبردست انتشار ہورہا ہے کہ اس طرح کے حالات میں جو اوپر مذکور ہوئے، اس قسم کے جملے استعمال کرنے سے کہیں طلاق تو واقع نہیں ہوگئی؟ بیوی وہاں موجود نہیں تھی۔ مذکورہ صورت حال کی وجہ سے ذہن کافی منتشر ہے اور بار بار یہ خیال آتا رہا کہ ہوسکتا ہے کہ اس جملہ بھاگ یا چل بھاگ کے استعمال کی وجہ سے کسی قسم کی کوئی کمی پیدا ہوگئی ہو، تو دوبارہ نکاح کرلوں اور اگر دوبارہ نکاح پڑھوالیا، تو پہلے نکاح پر کوئی اثر تو نہیں پڑا؟

المستفتی: رئیس الدین، اندرانگر، رام نگر، مغربی چمپارن (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطاب نفس اور شیطان کے لئے چل بھاگ کہنے کے ساتھ بیوی کا دھیان آنے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ نیز یہ جملہ براہ راست بیوی کو مخاطب کرکے کہنے سے بھی کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی؛ جبکہ طلاق دینے کا ارادہ اور نیت نہ ہو اور نہ ہی اس کا مذاکرہ ہو، نیز دوبارہ سہ بارہ نکاح کی بات کرنا بھی دماغی فتور ہے۔

أخرجي اذهبي تلزم النية الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/٥٣٤، كراچی ٣/٣٠٢)

أمّا النوع الأول، فهو كل لفظ يستعمل في الطلاق، ويستعمل في غيره نحو قوله أنت بائن......أنت حرة، قومي، اخرجي، اغربي، انطلقي......وإذا احتملت هذه الألفاظ الطلاق وغير الطلاق، فقد استتر المراد منها عند السامع، فافتقرت إلى النية لتعيين المراد. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/١٦٧-١٦٩)

وحاصل ما في الخانية: أن من الكنايات ثلاث عشرة لا يعتبر فيها دلالة الحال ولا تقع إلا بالنية: حبلك على غاربك......اخرجي، اذهبي، انتقلي، انطلقي. (البحرالرائق، زكريا ٣/٥٢٦، کوئٹہ ٣/٣٠٢-٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۲۴۷)

عورت کا جھوٹی طلاق کا دعویٰ کرنا

سوال [۶۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور سلمٰی دونوں شوہر بیوی تھے، پھر آپس میں لڑائی ہوگئی، تو سلمٰی نے اپنے گھر جا کر کہا کہ زید نے مجھے طلاق دیدی ہے، لیکن زید کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، پھر سلمٰی نے دوسرے مرد سے نکاح کرلیا، تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا۔ نیز سلمٰی کی اس حرکت کے بعد اس سے کلام اور اس کے یہاں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر خود اس بات کو کہہ رہا ہے کہ اس نے طلاق نہیں دی اور عورت نے خواہ مخواہ گھر جا کر طلاق کی افواہ پھیلادی اور عورت کے پاس اپنے دعویٰ پر شرعی گواہ بھی نہیں ہیں، تو عورت کے اس دعویٰ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، وہ بدستور شوہر کے نکاح

میں باقی ہے، ایسی صورت میں جو دوسرا نکاح عورت نے کیا ہے، وہ منعقد ہی نہیں ہوا اور دوسرے شخص کے پاس رہنا حرام کاری زنا کاری اور بدکاری ہوگی، اس کو فوراً علیحدہ ہو کر اپنے شوہر کے پاس چلے آنا چاہئے، اور اس عمل بد سے توبہ واستغفار کرلینی چاہئے، جب تک یہ توبہ و استغفار نہ کرے، تو اس سے اصلاح اعمال کی خاطر تعلقات کو منقطع کرنا اور اس کے یہاں کا کھانا وغیرہ نہ کھانا درست ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرہ:۲۸۲]

وماسویٰ ذٰلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أورجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً، أوغير مال مثل النكاح، والطلاق. (هداية، كتاب الشهادة، اشرفي ديوبند۳/۱۵٤، در مختار، كراچي٥/٤٦٥، زكريا٨/١٧٨، عالمگيري، زكريا٣/٤٥١، جديد زكريا ٣/٣٨٨)

وبغيرها رجلان، أورجل وامرأتان للآية، أطلقه فشمل المال وغيرها كالنكاح، والطلاق. (البحر الرائق، كوئٹه ٧/٦٢، زكريا٧/١٠٤)

وأما نكاح منكوحة الغير، لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي٣/١٣٢، زكريا٤/٢٧٤، تاتارخانية، زكريا٤/٦٦، رقم:٥٥٤٤، خانية على الهندية، زكريا ١/٣٦٦، قاضي خان جديد زكريا ١/٢٢١ عالمگيري، زكريا ١/٢٨٠، جديد زكريا ١/٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۸۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۷/۱۴۲۲ھ

کیا لڑکی کے اقرار سے طلاق واقع ہوجائے گی؟

سوال [۶۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک عورت اپنی سسرال سے میکے چلی گئی اور کہتی ہے کہ مجھے طلاق ہوگئی ہے، اور شوہرا نکار کرر ہاہے، تو آپ تحریر فرمائیں کیا لڑکی پر طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں؟

اورلڑکی کے نانا یہ کہتے ہیں کہ اگرلڑکی طلاق کے بعد دس قدم چل دے، تو عدت گذر جاتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: عبداللطیف، محلّہ اصالت پورہ، بڑی مسجد، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض لڑکی کے کہنے کی وجہ سے شرعاً طلاق کا ثبوت نہیں ہوگا، جب تک دو گواہوں سے ثابت نہ کردے یا شوہر اقرار نہ کرلے۔

اورلڑکی کے نانا کا یہ کہنا کہ دس قدم چلنے سے عدت گذر جاتی ہے، محض لغو اور بے اصل بات ہے؛ بلکہ عدت گذرنے کے لئے تین ماہواری شرط ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرہ:۲۸۲]

وماسویٰ ذٰلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أورجل، وامرأتین سواء کان الحق مالاً، أوغیر مال مثل النکاح، والطلاق.

(هداية، کتاب الشهادة، اشرفي دیوبند ۳/۱۵۴، در مختارمع الشامي، کراچي ۵/۴۶۵، زکریا ۸/۱۷۸، هندية، زکریا۳/۴۵۱، جدید زکریا ۳/۳۸۸، البحر الرائق، کوئٹه ۷/۶۲، زکریا ۷/۱۰۴)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [سورة البقرہ:۲۲۸]

عن عائشة قالت: أمرت بریرة أن تعتد بثلاث حیض. (سنن ابن ماجة، کتاب الطلاق، باب خیار لأمة إذا أعتقت، النسخة الهندية ۱۵۰، دارالسلام رقم:۲۰۷۷)

وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثةأقراء. (هداية، باب العدة، اشرفي ديو بند۲/ ۴۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۲۲۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۳؍۷؍۱۴۱۱ھ

بیوی کے جھوٹ بولنے سے کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟

سوال [۶۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا سالہ میری بیوی کو لینے آیا، میں نے اپنی بعض پریشانیوں کی بنا پر منع کردیا، تو میری ساس آئی اور میری بیوی کو لے گئی اور گھر کا جہیز وغیرہ کا سامان بھی لے گئی، اوراب کہتی ہے کہ میرے شوہر نے طلاق دیدی، حالانکہ میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے کوئی طلاق نہیں دی، میری بیوی جھوٹ بول رہی ہے، تو کیا بیوی کے کہنے سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ میں نے طلاق کا کبھی ذکر بھی نہیں کیا؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد عرفان، کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ نے طلاق نہیں دی ہے، تو محض بیوی کے کہنے کی وجہ سے طلاق شمار نہ ہوگی اور وہ بیوی آپ کے نکاح سے خارج نہ ہوگی، نکاح بدستور باقی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرة: ۲۸۲]

وماسوىٰ ذٰلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أورجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً، أوغير مال مثل النكاح، والطلاق. (هداية، كتاب الشهادة، اشرفي ديو بند۳/ ۱۵۴)

ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالاً أو غيره كنكاح وطلاق......رجلان......أورجل وامرأتان. (در مختارمع الشامي، كراچي ٥/٤٦٥، زكريا ٨/١٧٨، هندية، زكريا٣/ ٤٥١، جديد زكريا ديو بند ٣/٣٨٨، البحر الرائق، كوئٹه ٧/٦٢، زكريا٧/ ١٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۵۰۴۶)

محض بیوی کے طلاق کا دعویٰ کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کی شادی تقریباً دو سال ہوئے بکر سے ہوئی تھی اور وہ دونوں خوش وخرم رہ رہے تھے، ہندہ سے ایک لڑکی بھی ہے، اچانک ہندہ کا چھوٹا بھائی ہندہ کو بلانے کے لئے آیا، تو ہندہ نے اپنے شوہر یعنی بکر سے میکے جانے کے لئے بھائی کے ساتھ کہا، تو بکر نے منع کیا، اس پر دونوں میاں بیوی میں کچھ تکرار ہوئی، ہندہ کا بھائی ہندہ کو چھوڑ کر واپس چلا گیا، پھر میکے والے دوبارہ لینے آئے، تو والد وغیرہ کے ساتھ میکے کو بھیج دیا، میکہ جاکر ہندہ نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی اور مجھ سے چھ دفعہ کہا'' تجھے طلاق ہے، طلاق ہے'' اس معاملہ کا کوئی گواہ نہیں ہے، جب ہندہ کے شوہر کو بلا کر پوچھا گیا، دو چار آدمیوں کے سامنے تو وہ منع کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں نے نہیں کہا، نہ ہی میں نے طلاق دی ہے اس صورت میں ہندہ کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: ضیاء الدین، محلّہ: پنجابیان، چندوسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال صحیح ہے اور شوہر طلاق کا منکر ہے، تو بغیر شہادت شرعیہ کے محض بیوی کے طلاق کا دعویٰ کرنے سے شرعاً طلاق کا حکم جاری نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ فَإِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتَانِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . [البقرہ:۲۸۲]

وماسوىٰ ذٰلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أورجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً، أوغير مال مثل النكاح، والطلاق. (هداية، كتاب الشهادة، اشرفي ديوبند۳/ ۱۵۴)

ومنها الشهادة بغير الحدود، والقصاص، وما يطلع عليه الرجال، وشرط فيها شهادة رجلين، أورجل، وامرأتين سواء كان الحق مالاً، أو غير مال كالنكاح، والطلاق. (هندية، زكريا ۳/ ۴۵۱، جديد زكريا ديوبند ۳/ ۳۸۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۷۴)

بیوی طلاق کا دعویٰ کرے اور شوہر انکار کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کہتی ہے مجھے طلاق دی ہے، لیکن زید کہتا ہے کہ میں حافظ قرآن ہوں، چاہے جیسی قسم لے لیں، میں نے طلاق نہیں دی ہے، حضرت کیا عورت کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: دلشاد حسین، ملک گواہر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی بیوی مطلقاً طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اور کتنی طلاق دی ہیں، اس کی بھی صراحت نہیں کرتی ہے، اور زید کی بیوی کے پاس اس دعویٰ کے ثبوت میں کوئی گواہ بھی نہیں ہے اور زید سرے سے طلاق کا انکار کررہا ہے اور وہ اس بات پر قسم کھانے کو تیار ہے کہ اس نے طلاق نہیں دی ہے، تو ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ عورت کا دعویٰ معتبر

نہ ہوگا اورشوہر کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، لہٰذا مذکورہ صورت میں شرعی طور پر طلاق کا حکم لاگو نہ ہوگا، اس لئے بیوی کوشوہر کے پاس رہ کر ازدواجی زندگی گذارنی چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرہ:۲۸۲]

وماسویٰ ذٰلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أورجل، وامرأتین سواء کان الحق مالاً، أوغیر مال مثل النکاح، والطلاق. (هداية، کتاب الشهادة، اشرفي ديوبند۳/ ۱۵٤)

ونصابها لغیرها من الحقوق سواء کان الحق مالاً، أو غیره کنکاح وطلاق- إلی ماقال -رجلان، أورجل وامرأتان. (شامي، کراچي٥ /٤٦٥، زکریا۸/ ۱۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۱۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۴ھ

سسرال والوں کا یہ کہنا کہ لڑکی کوطلاق ہوگئی ہے

سوال [۶۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی ڈیڑھ مہینہ کی حاملہ تھی، اب ڈیڑھ مہینہ کے بعد اپنے میکہ چلی گئی اور پورے سات مہینہ اپنے میکہ میں رہی، اس کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ اب اس کی سسرال کے لوگ کہتے ہیں کہ لڑکی کوطلاق ہوگئی، حالانکہ لڑکی کے شوہر نے طلاق کا لفظ تک نہیں بولا ہے، تو کیا ایسی حالت میں لڑکی کوطلاق واقع ہوگئی ہے؟

المستفتی: محمد شکیل مقرب پور، گلی نمبر۵، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے زبانی یا تحریری کسی قسم کی طلاق نہیں دی

ہے، تو محض سسرال والوں کے کہنے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، بلکہ خود شوہر کا طلاق دینا ضروری ہے۔

عن ابن عباسؓ قال:......فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فقال:......إنما الطلاق لمن أخذ بالساق. الحديث (سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق العبد، النسخة الهندية ١٥١، دارالسلام رقم: ٢٠٨١)

إن الذى يملك الطلاق إنما هو الزوج. (الفقه الإسلامي وأدلته هدىٰ انٹرنیشنل دیو بند ٧/ ٣٥٥٠)

وأهله زوج عاقل بالغ مستيقظ. (درمختار، كراچی ٣/ ٢٣٠، زكريا ٤/ ٤٣١، سكب الانهر دار الكتب لعلمية بيروت ٢/ ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۲۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۲/ ۱۴ھ

سسرال والوں کے طلاق کے مطالبہ پر زور دینے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل کا لڑکا محمد علی اپنی سسرال گیا، وہاں پر اس کی اپنی سسرال والوں سے کچھ گرما گرمی ہوگئی اور سسرال والوں نے اس کو ڈانٹ ڈپٹ کر مارا، گھر سے کافی دور آنے کے بعد اس نے بدحواسی کے عالم میں لوگوں سے کہا کہ میرے سسرال والے مجھ سے طلاق کو کہہ رہے تھے، یہی بات اس نے گھر آکر کہی، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ سائل کے لڑکے کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد حمید عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کے لڑکے نے زبانی یا تحریری کسی طرح طلاق

نہیں دی ہے، تو محض سسرال والوں یا دوسرے لوگوں کے طلاق کہنے سے یا طلاق کے مطالبہ پر زور دینے سے طلاق نہیں ہوتی، لہٰذا مذکورہ صورت میں کوئی طلاق نہیں ہوئی۔

عن ابن عباسؓ قال:...... فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فقال:...... إنما الطلاق لمن أخذ بالساق، وتحته في الحاشية: كناية عن الجماع أي إنما يملك الطلاق من يملك الجماع. (سنن ابن ماجه مع حاشية، كتاب الطلاق، باب طلاق العبد، النسخة الهندية ١٥١، دار السلام رقم: ٢٠٨١)

إن الذى يملك الطلاق إنما هو الزوج متى كان بالغاً عاقلاً. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدیٰ انٹرنیشنل دیوبند ۳۵۵/۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۴۴)

کیا آئسہ پر طلاق واقع ہوجاتی ہے

سوال [۶۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو جو کہ سن ایاس کو پہونچ چکی ہے، عمر ۵۴/ سال ہے، آپسی نزاع کی بنا پر طلاق مغلظہ دیدی ہے، زید خود اقرار کر رہا ہے، اور اس کے دو بچے بھی گواہ ہیں، تو اس صورت میں ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۲) اب بعد طلاق زید چاہتا ہے کہ پھر اسی ہندہ سے نکاح کرے اور اس کی واپسی کی راہ تلاش کر رہا ہے کہ کس طرح ہندہ کو واپس پھر اپنی زوجیت میں لائے شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: شیخ ممتاز، محلّہ سانٹھو، کٹک (اڑیسہ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق مغلظہ دیدی ہے اور

زید خود اقرار بھی کررہا ہے، تو ایسی صورت میں ہندہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، اگر دوبارہ ساتھ رہنا چاہیں، تو حلالۂ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا اور جس عورت کو حیض آنا بند ہوگیا ہو، اس کی عدت مہینوں کے حساب سے ہوتی ہے؛ لہٰذا تین مہینہ میں اس کی عدت پوری ہوجاتی ہے، اس لئے شرعی حلالہ کی شکل یہ ہوگی کہ شوہر کی طلاق کے بعد جب تین مہینہ گذر جائیں، تو کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے ہمبستر ہوجائے، اس کے بعد وہ طلاق دیدے، تو دوبارہ تین مہینہ عدت میں گذارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح درست ہوجائے گا۔

قال الله تعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ. [البقرة: ۲۳۰]

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه و النظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا ديوبند ۱/۴۷۳، جديد زكريا ۱/۵۳۵، تاتارخانية ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳)

والعدة لمن لم تحض لصغر أو كبر أو بلغت بالسن ولم تحض ثلاثة أشهر. (هندية، زكريا ۱/۵۲۶، جديد زكريا ۱/۵۸۰)

وإن كانت لا تحيض لكبر، أو لصغر، أو بلغت بالسن ولم تحض، فعدتها ثلاثة أشهر بالأيام. (مجمع الأنهر مع الدر المنتقىٰ، دارالكتب العلمية بيروت۲/۱۴۳)

والعدة في حق من لم تحض لصغر بأن لم تبلغ تسعاً، أو كبر بأن بلغت سن الأياس، أو بلغت بالسن ولم تحض ثلاثة أشهر. (در مختار، زكرياه/۱۸۴-۱۸۷، كراچي۳/۵۰۷)

إذا تحقق اليأس تحقق حكمه، وإذا تحقق الحيض تحقق حكمه.

(شامي، زکریا ۵/ ۱۹۵، کراچي۳/ ۵۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۲۲ھ

حق زوجیت ادا نہ کرنے کی بنا پر طلاق کا حکم

سوال [۶۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص محمد ادریس ہلدوانی میں کام کرتا ہے اور مہینے دو مہینے میں مراد آباد آتا ہے، لیکن بیوی سے باقاعدہ ملاقات نہیں کرتا ہے، نہ ہی حقوق زوجیت ادا کرتا ہے اور محلّہ کے لوگ یا بیوی لے جانے کے لئے کہتی ہے تو کہتا ہے ابھی لیجانے کے لئے حالت نہیں ہے، بہت جلد لے جاؤں گا، تو اس سے طلاق تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: شان عالم، محلّہ بحیرہ کٹ گھر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر حق زوجیت ادا نہیں کرتا اور دو تین مہینہ میں آکر وعدہ کر کے چلا جاتا ہے، کہ جلد ہی میں لیجاؤں گا، مگر بیوی کے حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا، اس سے دونوں کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، دونوں کا نکاح بدستور باقی رہے گا۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/ ۸۸، جدید زکریا ۶/ ۱۱۲، جدید زکریا مطول ۷/ ۵۷، فتاوی دار العلوم ۷/ ۴۷)

ورکنه (الطلاق) لفظ مخصوص، هو ماجعل دلالة علی معنی الطلاق من صریح، أو کنایة. (شامي، کتاب الطلاق، کراچي ۳/ ۲۳۰، زکریا ۴/ ۴۳۱)

لأن الامتناع عن قربانها في أکثر المدة بلا مانع، وبمثله لا یثبت حکم الطلاق فیه. (هدایة، اشرفي دیوبند ۲/ ۴۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۰ھ

جب بھی کوئی ناراضگی کی بات ہوتی ہے تو تم یہی کہتی ہو طلاق، طلاق، طلاق

سوال [۶۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی اپنی بیوی سے کچھ نا اتفاقی تھی، اسی بیچ بیوی ناراضگی میں گھر سے اپنی والدہ کے گھر چلی گئی، اس کے پیچھے سے زید بھی وہاں پہونچ گیا، زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ گھر چلئے، تو بیوی کی والدہ نے جواب دیا کہ اب میں اس کو نہیں بھیجوں گی، اب تو صبح کو اس کی طلاق لوں گی، تو زید نے بطور اعتراض کہا، کیا میں اس کو طلاق دینے آیا ہوں، جب بھی کوئی بات ہوتی ہے ناراضگی کی تو تم یہی کہتی ہو کہ ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ اس کے فوراً بعد زید گھر آ گیا، تو کیا ان الفاظ سے اور اس طریقہ سے لفظ طلاق ادا کرنے سے طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟

نوٹ: مخالفت کی بنا پر میکے والوں نے اس خبر کو عام کر دیا کہ زید نے تین طلاقیں دے دیں اور بیوی واپس زید کے گھر آ گئی ہے۔

المستفتی: افسر علی، کنور، نا نکار، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی زید کو حق ہے کہ اس کو اپنے گھر لے آئے۔

کرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته ويقول أنت طالق، ولا ينوی لا تطلق. (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب طلاق الصریح، کوئٹہ ۲۵۸/۳، زکریا ۴۵۱/۳)

لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها، أو كتب ناقلاً من كتاب: امرأتي طالق مع التلفظ، أو حكى يمين غيرها، فإنه لايقع أصلاً مالم يقصد زوجته. (شامي، کراچی ۲۵۰/۳، زکریا ۴۶۱/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۷۴)

تجھے میں رکھیل بنا کر رکھوں گا کہنے کا حکم

سوال [۶۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص عادتاً بدزبان ہے، اپنی اس بدزبانی سے وہ خود بھی پریشان ہے، اسی بدزبانی کی وجہ سے اکثر اس کا اس کی اہلیہ سے جھگڑا رہتا ہے، اور اگر وہ اپنی اہلیہ کو جھگڑتے وقت یہ کہدیتا ہے کہ تجھے تو میں رکھیل بنا کر رکھوں گا، لیکن اس میں اس کا دل سے کوئی مطلب نہیں، عام اوقات اپنی بیوی کے ساتھ نہایت ہی شریفانہ انداز میں رہتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس طرح کے جملے نکاح پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، تو کیا مسئلہ ذیل میں کسی طرح کا کوئی کفارہ لازم ہوگا؟

المستفتی: اقبال احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی سے کہنا کہ ''تجھے میں رکھیل بنا کر رکھوں گا'' اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی اور نہ کفارہ لازم آتا ہے۔

كل لفظ لا يحتمل الطلاق لا يقع به الطلاق. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل الخامس، في الكنايات، زكريا ١/٣٧٦، جديد زكريا ١/٤٤٤)

وكذا كل لفظ لا يحتمل الطلاق لا يقع به الطلاق وإن نوىٰ. (بدائع الصنائع قديم ٣/١٠٨، زكريا٣/١٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۲ھ

''تجھ سے صحبت کروں تو ماں سے صحبت کروں'' کہنے کا حکم

سوال [۶۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر خاوند اپنی زوجہ سے کہے کہ اگر میں تجھ کو رکھوں، تو اپنی ماں کو رکھوں، اگر تجھ سے صحبت کروں تو گویا اپنی ماں سے کروں، تو آیا اس صورت میں بیوی شوہر کے لئے حرام ہوجائے گی؟

المستفتی: محمد منیر سیتاپوری، دارالعلوم جامع الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ الفاظ محض دھونس اور مہمل اور بیہودہ کلام ہیں، ان سے نہ طلاق ہوتی ہے اور نہ ہی ظہار؛ بلکہ لغو ہیں، بیوی شوہر پر حرام نہ ہوگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/۴۲۱، جدید زکریا مطول ۶/۸/۴۰، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/۲۸۷، جدید ڈابھیل ۱۳/۳۲۶)

ولو قال إن وطئتک وطئت أمي، فلا شيء عليه۔ (هندية، كتاب الطلاق، باب الظهار، زكريا ١/٥٠٧، جديد زكريا ١/٥٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۵۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۶ھ

مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ دو سال قبل راج بی بی بنت بشیر احمد کا عقد نکاح مطابق سنت نبی کریمؐ لطیف احمد بن محمد حسین (ساکن نروال جموں) کے ساتھ ہوا، لیکن شادی کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لطیف احمد نے اپنی بیوی کو مارنا شروع کردیا، لطیف احمد اکثر شراب نوشی کا عادی ہے اور نشے کی حالت میں اپنی بیوی پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا ہے، عرصہ ایک سال بعد لطیف کی بیوی کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا اور کچھ دن بعد لطیف نے بیوی کو بچے کو ہمراہ لاکر میکے میں چھوڑ دیا اس کے بعد اور دوسرے تیسرے دن لطیف اپنی بیوی کے میکے جاتا ہے اور بچے کو چھین کرلے جاتا ہے

اور بہت سے لوگوں کے سامنے یہ کہہ جاتا ہے کہ مجھے اپنی بیوی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کو مجھے نہیں رکھنا ہے، مجھے اپنے بچے کی ضرورت ہے، اسے میں لے جا رہا ہوں۔

لیکن برادری نے کوشش کی کہ کسی صورت سے یہ گھر بس جائے اور راج بیوی کو ایک بار پھر سسرال لے جا کر چھوڑ دیا، لیکن اس کے بعد بھی راج بی بی پر ظلم وستم جاری رہا، بلکہ اس میں اور بھی اضافہ ہوا، جب وہ حد سے زیادہ مجبور ہوگئی، تو لطیف احمد نے اس کو پھر لا کر میکے چھوڑ دیا اور کچھ عرصہ گذرنے کے بعد لطیف احمد آتا ہے اور اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ میرے ساتھ چلو، تو اس کی بیوی نے جواباً کہا کہ میرا آپ کے ساتھ گذر بسر نہیں ہوسکتا، برائے مہربانی آپ مجھے طلاق دے دیں اور میں کسی طرح سے گذر بسر کرلوں گی، بعد از لطیف احمد نے کہا کہ مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں آپ کو رکھنا چاہتا ہوں، چاہے جہاں جا کر اپنا منھ کالا کرو، مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تم جا کر چاہے اپنے ماموں کے ساتھ رہو، مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی میں آپ کو اپنے گھر لے جاؤں گا، تجھے کاٹ کر یہاں ہی ڈال دوں گا اور اپنے بچے کو لے جاؤں گا۔

نوٹ: دریافت طلب مسائل میں عورت مذکورہ الفاظ کا اقرار کرتی ہے، عورت اور مرد کی اس گفتگو پر مندرجہ ذیل گواہ موجود ہیں، جبکہ شوہر منکر ہے، وضاحت فرمائیں کہ بات کس کی معتبر ہوگی اور اس واقعہ کے بعد عورت کو اپنے شوہر سے الگ رہتے ہوئے تقریباً چار مہینے کا عرصہ ہوا مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ ان الفاظ کے کہنے سے طلاق واقع ہوئی کہ نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

گواہ: ۱/غلام نبی ابن میر حسین، سنبھل چوراہا۔ ۲/محمد قاسم ابن میر حسین، سنبھل چوراہا۔ ۳/ اللہ رکھی بنت رحم علی، پاگاہ۔ ۴/شیر محمد، سنبھل چوراہا۔

المستفتية: راج بی بی بنت بشیر احمد، پاگاہ، تحصیل ریاسی، ضلع اُدھم پور (جموں وکشمیر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں آپس میں جھگڑے اور تکرار کی جو شکل لکھی

ہے، تو اس میں ایک ایک لفظ قابل توجہ ہے کہ شوہر طلاق کے مطالبے پر یہ کہتا ہے کہ مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ لفظ کئی مرتبہ کہا ہے اور ضرورت نہیں کا لفظ، نہ الفاظ صریح میں سے ہے اور نہ الفاظ کنایہ میں سے۔ حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ کے بارے میں حکم شرعی یہی لکھا ہے کہ نیت کے باوجود اس طرح کے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس لفظ سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور شوہر کا یہ کہنا کہ مجھے آپ کو نہیں رکھنا ہے، اس لفظ سے بھی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ کیونکہ یہ لفظ بھی الفاظ کنایہ یا الفاظ صریح میں شامل نہیں ہے، اسی طرح اپنے گھر نہیں لیجاؤں گا، تجھے کاٹ کر وہیں ڈالدوں گا، یہ سارے الفاظ آپس کی لڑائی جھگڑے کے الفاظ ہیں، اس طرح کے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا سوالنامہ میں درج کئے گئے کسی بھی لفظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے دونوں کے درمیان نکاح بدستور باقی ہے۔

قد اتفقوا جميعاً أنه لو قال: والله ما أنت لي بامرأة، أو لست والله لي بامرأة فإنه لا يقع شئ وإن نوىٰ، ولو قال: لا حاجة لي فيك ينوى الطلاق فليس بطلاق (هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، زكريا ۱/ ۳۷۵، جديد زكريا ۱/ ٤٤٣)

ولو قال: لا حاجة لي فيك لا يقع الطلاق وإن نوىٰ؛ لأن عدم الحاجة لا يدل على عدم الزوجية. (بدائع الصنائع، زكريا۳/ ۱۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۹۴)

کیا لعنت بھیجنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے اوپر بحث ومباحثہ کے دوران لعنت بھیجے اور کہے کہ تجھ پر لعنت ہو، تو کیا اس کے لعنت بھیجنے سے ان کے رشتۂ نکاح میں کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟

المستفتی: الطاف علی، نا گپور (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لعنت اور غضب کے جملے استعمال کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ اس لئے کہ یہ محض گالی گلوچ کے الفاظ ہوتے ہیں اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے طلاق صریح یا طلاق کنائی کے الفاظ کا ہونا لازم ہے اور لعنت کے الفاظ نہ الفاظ صریح میں داخل ہیں اور نہ ہی الفاظ کنائی میں، اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی۔

ركن الطلاق هو اللفظ الذي جعل دلالة على معنى الطلاق لغة، وهو التخلية والارسال و رفع القيد في الصريح، وقطع الوصلة ونحوه فيا لكناية. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل بيان ركن الطلاق، زكريا ١٥٧/٣، كوئٹه ٩٨/٣)

وركنه لفظ مخصوص هو ماجعل دلالة على معنى الطلاق من صريح، أو كناية. (شامي، زكريا٤/ ٤٣١، كراچي ٣/ ٢٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸ رمحرم الحرام ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۷۲/۳۷)	۱۴۲۶/۱/۲۸ھ

شوہر کا اپنے کو شیطان کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو شخص اپنے کو شیطان کہتا ہے، اس کی بیوی کی طلاق کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ہارون رشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا اپنے کو شیطان کہنے سے بیوی پر کوئی طلاق نہ ہوگی، اس سے بیوی کو دھونس دکھانا یا کسرِ نفسی مراد ہے۔

وكذا كل لفظ لايحتمل الطلاق لا يقع به الطلاق. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، زكريا ١/٣٧٦، جديد زكريا ١/٤٤٤، بدائع الصنائع قديم ٣/١٠٨، زكريا ٣/١٧٢)

وركنه (الطلاق) لفظ مخصوص، هو ماجعل دلالة على معنى الطلاق من صريح، أو كناية. (شامي، كتاب الطلاق، كراچي ٣/٢٣٠، زكريا ٤/٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۱۰/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۱۶ھ

معاف کردو کے جواب میں دیدی، کہنے کا حکم

سوال [۶۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو کسی بات پر مارا اور بہت مارا، ایک دن پہلے بھی ہم دونوں میں جھگڑا ہوا تھا، تو اس نے مجھ سے آزاد کرنے کو کہا تھا، لیکن میں نے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی میرے دل میں یہ بات تھی، دوسرے دن پھر ہم دونوں میں کسی بات پر جھگڑا ہوا، تو وہاں پر دو تین آدمی بیٹھے تھے، میں نے ان کے سامنے پھر مارنے کا ارادہ کیا، لیکن ان لوگوں نے کہا، اس کو آزاد مت کرنا اور نہ ہی میرے دل میں یہ بات تھی، میں یہ بات مسجد میں بیٹھ کر کہہ سکتا ہوں، لیکن لوگوں نے سمجھا کہ اس کو آزاد کرنا چاہتا ہے، جیسے ہی میں نے اس کو مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا، تو اس نے میرے آگے ہاتھ جوڑے اور تین بار کہا کہ مجھ کو معافی دیدو، اب مت مارو

میرے منھ سے یہ بات نکلی کہ میں نے دی، یعنی معافی دی، لیکن لفظ معافی میرے منھ سے نہیں نکلا اور میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہہ رہا ہوں کہ میں نے اس کو تین بار یہ کہا تھا کہ میں نے دی، لیکن معافی کا ارادہ تھا اور لفظ زبان سے یہی نکلا۔

المستفتی: محمد مناظر حسین، ساکن موڈھا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں جبکہ بیوی نے ان الفاظ سے معافی کا مطالبہ کیا کہ ''مجھے معاف کردو'' اور شوہر نے اس کے جواب میں ''دیدی'' کہا تو لفظ ''دیدی'' کا تعلق معافی سے ہے، طلاق سے نہیں؛ اس لئے کہ آپسی جھگڑے میں طلاق کا تذکرہ نہیں معافی کا تذکرہ ہے، ایسی صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور نکاح بدستور باقی رہے گا، لیکن اس کا بات خیال رکھنا چاہئے کہ شوہر کے لئے اس ماردھاڑ کے ذریعہ بیوی پر ظلم کرنا جائز نہیں ہے۔

عن عائشةؓ، عن النبي صلى الله عليه وسلم: أما يستحي أحدكم أن يضرب امرأته كما يضرب العبد يضربها أول النهار ثم يجامعها آخره.

(مصنف عبد الرزاق، باب ضرب النساء والخدام، المجس العلمي بيروت ٩/٤٤٢، رقم: ١٧٩٤٤، روح المعاني، سورة النساء، تحت تفسير الأية:٣٤، مطبوعه، زكريا٤/٣٨)

كل لفظ لا يحتمل الطلاق لا يقع به الطلاق وإن نوىٰ. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، زكريا ١/٣٧٦،جديد زكريا ١/٤٤٤، بدائع الصنائع قديم ٣/١٠٨، جديد زكريا٣/١٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۸۱۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۱ھ

زبان سے سلام کی جگہ طلاق نکل جائے تو کیا حکم؟

سوال [۶۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی سے ''تجھے سلام، سلام، سلام'' کہنا چاہ رہا ہے، لیکن اس کے منھ سے ''تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' نکل گیا، اس نے فقہ کی کتاب میں دیکھا، تو اس میں فقط قضاءً واقع ہورہی ہے، تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ عدالت میں نہ جائے اور دیانۃً مطمئن ہونے کی وجہ سے اپنی بیوی کو رکھ لے، تو کیا عنداللہ قابل مؤاخذہ نہیں ہوگا؟

المستفتی: محمد عمران، لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی زبان سے اپنی بیوی کو ''سلام، سلام، سلام'' کہتے ہوئے ''طلاق، طلاق، طلاق'' کا لفظ نکل گیا، تو دیانۃً طلاق نہ ہوگی، وہ اپنی بیوی کو دوبارہ بلا نکاح کے رکھ سکتا ہے، اس لئے کہ اس نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا ہے اور طلاق صریح میں دیانۃً وقوع طلاق کے لئے نیت کا وجود ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/۱۶۹)

إن طلاق المخطئ واقع قضاءً لا ديانةً، فظهر، لهذا أن الصريح لا يحتاج إليها قضاءً ويحتاج إليها ديانة. (الأشباه والنظائر قديم مطبوعه ديوبند ١/٤٦، جديد زكريا ١/٩٢)

من أراد أن يقول: زينب طالق فجرى على لسانه عمرة ففي القضاء تطلق التي سمى وفيما بينه وبين الله تعالىٰ لا تطلق واحدة منهما. (هندية، زكريا ١/٣٥٣، جديد زكريا ١/٤٢٠)

نیز دیانۃً عدم وقوع کا مطلب ہی یہی ہے کہ بیوی نکاح میں باقی ہے، اس کے رکھنے میں عنداللہ کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

وفي التعريفات الفقهية: الديانة هي إسم لجميع ما يتعبد به لله تعالىٰ

وعند الفقهاء هي والتنزه وما بينه وبين الله مترادفة. (التعريفات الفقهية مع قواعد الفقه، اشرفي ديو بند ص۲۹۵)

وفي الشامية: تحت قوله المفتي يفتي با لد يا نة مثلا إذا قال رجل قلت لزوجتي أنت طالق قاصد بذلک الإ خبار كاذباً فإن بعدم الوقوع.

(شامي، كراچي ٥/٣٦٥، زكريا٨/٣٩)

اورزید کواس بات کی آ گاہی دی جاتی ہے کہ مفتی سے اس طرح اگر چہ سوال کر کے فتویٰ لے لیا ہے، لیکن اگر واقعہ میں زید نے غلط بیانی سے کام لیا ہے، تو زندگی بھر حرام کاری ہوگی اس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۹۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۵ھ

''تجھے تو طلاق ہو جائے گی'' سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے داماد نے میری بیٹی سے غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ تجھے تو طلاق ہو جائے گی اور یہ کہہ کر لفظ طلاق تین سے زیادہ بار کہا، تو کیا اس طرح سے طلاق ہوگئی؟ اس کے علاوہ بھی جب بھی وہ غصہ میں ہوتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ تجھے تو طلاق ہو جائے گی یا طلاق ہوگی، وہ ہمیشہ ہوگی یا ہو جائے گی لفظ استعمال کرتے ہیں، یہ کبھی نہیں کہا کہ میں تجھے طلاق دے رہا ہوں، اسلام میں طلاق دینے کا جو طریقہ ہے، اس طرح کبھی نہیں کہا ہے، ان سب باتوں سے میری بیٹی کا دماغ بہت زیادہ پریشان رہتا ہے، وہ ڈرتی ہے کہ کہیں وہ اس گھر میں رہ کر گناہ تو نہیں کر رہی ہے؟

المستفتی: محمد جنید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل سے زبانی بھی یہ معلوم ہوا کہ شوہر ہمیشہ یہ کہتا

رہتا ہے کہ تجھے طلاق ہوجائے گی یا تجھے طلاق ہوگی اور مذکورہ واقعہ کے بعد بھی اس نے بیوی سے یہی کہا کہ تجھے طلاق ہوجائے گی اور کبھی کوستا بھی رہتا ہے کہ یا اللہ اسے طلاق ہوجائے، تو اس طرح گفتگو کے درمیان جو اس نے کہا ہے کہ ''تجھے طلاق ہوگی ہی طلاق، طلاق،طلاق''

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طلاق کے لفظوں کے بعد حکم استقبال کا لگے گا یا ماضی کا، چونکہ اس کی عادت استقبال کا حکم لگانے کی ہے اور اس واقعہ کے بعد بھی اس نے استقبال کا صیغہ استعمال کیا، اس لئے ان الفاظ کے بعد بھی حکم استقبال ہی کا ثابت ہوگا، جس میں اس کی نیت وقوع طلاق کی نہیں ہوتی ہے، بلکہ وعدۂ طلاق کی ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ جملہ سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

بخلاف کنم لأنهاستقبال فلم یکن تحقیقاً بالتشکیک. وفي المحیط: لو قال بالعربیة: أطلق لایکون طلاقًا. (هندیة، کتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق، بالألفاظ الفارسیة، زکریا ۱/ ۳۸٤، جدید زکریا ۱/ ٤٥۲)

أو أنا أطلق نفسي لم یقع، لأنه وعد. (در مختار، زکریا ٤/ ٥٥۹، کراچي ۳/ ۳۱۹)

ولو قال: أطلقک لم یقع. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ١٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ٦٦ ٦٧)	۱۸/ ٦/ ۱۴۲۱ھ

بس اب تم ختم سمجھو، رشتہ ختم ہوجائے گا وغیر کہنے کا حکم

سوال [٦۲۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ (۱) پہلی بار مجھ سے ۱۶/ جولائی کو فون پر میرے شوہر نے مجھ سے کہا کہ جس طرح سے چار آدمیوں کے سامنے رشتہ ہوا تھا، بالکل اسی طرح ختم بھی ہوسکتا ہے۔

(۲) اس نے دوسری بار ۳۰/ جولائی کو مجھ سے اوکھلا ہڈ پر کہا ”بس اب تم ختم سمجھو“ اور سمجھ لینا کہ کوئی خواب دیکھا تھا، پھر اس نے کہا کہ اب تم ایک شرط پر میرے ساتھ رہ سکتی ہو کہ اب تم اپنی ماں کے گھر نہیں جاؤ گی۔

(۳) پھر اس نے مجھ سے نگینہ میں ۲۹/ دسمبر کو کہا کہ ”اب اگر تم اس بار اپنی ماں کے گھر گئی تو ہمارا رشتہ ختم ہو جائے گا“ اور کہا تھا کہ بس اب بہت ہو چکا ہے، اب اگر اس رشتہ کو برقرار رکھنا چاہتی ہو، تو تم اب کبھی وہاں نہیں جاؤ گی۔

(۴) ۶/ نومبر کو فون پر کہا تھا کہ ”اب تم اپنے کو علیحدہ سمجھو“ کیوں کہ میں بغیر اجازت اپنے میکہ آگئی تھی، جب میں نے ان سے پوچھا کہ میرا زیور کھو گیا ہے، تو جواب میں کہا کہ مجھے کوئی مطلب نہیں ہے، مذکورہ بالا عبارات اور جملوں سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: حنا دختر صلاح الدین، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جتنے الفاظ نقل کئے گئے ہیں اور تاریخ وار جو واقعات پیش کئے ہیں وہ سب دھمکی کے لئے ہیں، ان سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور ختم سمجھو اور علیحدہ سمجھو کے الفاظ کے بعد یہ کہنا کہ اب تم اس شرط کے ساتھ میرے ساتھ رہ سکتی ہو کہ ماں کے گھر نہیں جاؤ گی طلاق کی نیت نہ ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا ان الفاظ سے کوئی طلاق ابھی تک واقع نہیں ہوئی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم جدید ۹/ ۴۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شوال المکرم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۰/ ۱۴۱۹ھ

”طلاق دیدو“ کے جواب میں ہاں کہنے کا حکم

سوال [۶۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی اور شوہر کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا تھا، اور بیوی شوہر کے گھر سے اپنے میکہ چلی گئی اور اس کے بعد اس کے شوہر نے اس کو لینے بھی بھیجا لیکن وہ نہیں آئی اور منع کردیا اور اسی موقع پر کسی کہنے والے نے اس سے کہا کہ تو اپنے سسرال جائے گی یا نہیں؟ تو وہ بولی تھی کہ میں نہیں جاؤں گی، پھر اس کے بعد لڑکی کے باپ اور چچا اچانک لڑکے والے کے گھر آتے ہیں اور لڑکے سے کہتے ہیں کہ تم میری لڑکی کو چھوڑ دو، جب لڑکی والے گھر سے چھڑوانے یعنی طلاق لینے آئے تھے، تو لڑکی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ لوگ میری جدائی کرانے گئے ہیں اور جس وقت لڑکی کے گھر والے طلاق لینے آئے تھے، تو ان کے ساتھ گاؤں کے اور کئی لوگ مجلس میں موجود تھے، ان سب کے سامنے لڑکی کے گھر والوں نے کہا کہ تم میری لڑکی کو چھوڑ دو، اس پر لڑکا خاموش رہا، اس نے کچھ نہیں کہا لیکن دوسرے لوگوں نے لڑکے سے کہا کہ ہاں کہدو، تو لڑکے نے ہاں کہدیا اور لڑکی والوں نے تین جگہ تین بار اس لڑکے سے کہا کہ تم میری لڑکی کو چھوڑ دو اور لڑکا اس بات پر خاموش رہا، تو دوسرے لوگوں نے اس سے ہاں کہلوایا، جس پر اس نے تین مرتبہ ہاں کہا ہے، تو کیا اس صورت میں لڑکی پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: عین الدین، بڑا منورہ، اتر دیناج پور (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ بغور پڑھا گیا لڑکے سے ”طلاق دیدو“ اور چھوڑ دو کہنے کے جواب میں اس نے صرف ”ہاں“ کہدیا، اسی طرح دوسرے لوگوں کے ہاں کہنے کے حکم کرنے سے بھی اس نے صرف ”ہاں“ ہی کہا ہے، تو اس سے طلاق واقع نہیں

ہوئی، اس لئے کہ اس کو جو طلاق دینے کا حکم کیا گیا ہے، وہ صیغۂ استقبال ہے، اس کے جواب میں لفظ ''ہاں'' بھی زیادہ سے زیادہ استقبال میں طلاق کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے اور ہاں کا دوسرا مطلب انکار بھی ہوسکتا ہے، اس لئے لفظ ہاں سے کوئی طلاق نہیں ہوئی، لہٰذا دونوں کے درمیان نکاح بدستور باقی ہے۔

ولو قالت: أنا طالق، فقال: نعم! طلقت ولو قاله في جواب طلقني لاتطلق، وإن نویٰ. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل الاول في طلاق الصريح، زكريا ١/٣٥٦، جديد زكريا ١/٤٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۱۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۸ھ

امی تم چاہتی ہو، تو میں طلاق دے دیتا ہوں سے طلاق

سوال [۶۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں عورتوں میں لڑائیوں کی وجہ سے میری ماں نے مجھ سے شکایت کی کہ تمہاری بیوی کی وجہ سے میری ہر جگہ بے عزتی ہوتی ہے، تم اسے سمجھاتے نہیں ہو، تو میں نے کہا کہ میں اسے سمجھاتا ہوں، بہوؤں کے درمیان سمجھانا آپ کا کام ہے، اس پر میری ماں نے پھر کہا کہ اس کی وجہ سے میری ہر جگہ بے عزتی ہوتی ہے، اس پر میں نے کہا کہ اگر اس کی وجہ سے آپ کی بے عزتی ہوتی ہے، تو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، اگر آپ چاہیں، پھر میں نے کہا کہ اگر ہر جگہ آپ کو تکلیف ہوتی ہے، تو میں اسے طلاق دید یتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ اگر ہر جگہ آپ کو تکلیف ہوتی ہے، تو میں اسے طلاق دیتا ہوں، اس پر میری ماں نے کہا کہ میں یہ نہیں چاہتی ہوں، میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اسے سمجھاتے رہو۔ آپ سے درخواست ہے کہ شرعی حکم سے نوازیں۔

المستفتی: محمد اشفاق رحمت نگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں دوران گفتگو طلاق دینے کے جو الفاظ نقل کیے گئے ہیں، یہ سوال وجواب استقبالیہ نشان کے ساتھ ہے، تو اس نے ماں کے سامنے سوالیہ طور پر ماں کی چاہت پر معلق کر کے "طلاق دیتا ہوں" کہا اور ماں نے یہ کہدیا کہ میں نہیں چاہتی، تو یہ بات صاف واضح ہے کہ اگر ماں چاہے تو طلاق دینا ہے اور ماں کا نہ چاہنا اسی مجلس میں واضح ہو گیا ہے، اس لئے طلاق دے دیتا ہوں کے الفاظ صرف استقبال پر محمول اور ماں کی چاہت پر معلق ہیں، اس لئے مذکورہ شکل میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ولو قال: أطلقک لم یقع. (مجمع الأنہر قدیم ۱/۳۸۷، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۱۴، ہندیة، زکریا ۱/۳۸۴، جدید زکریا ۱/۴۵۲)

قال لامرأته: أنت طالق إن شئت فذاک إلیها مادامت في مجلسها. (تاتارخانیة، زکریا ۴/۵۱۲، رقم: ۶۷۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۸۸۷۹)

منظوری طلاق سے عدم طلاق کا ثبوت

سوال [۶۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طلاق کے سلسلہ میں ایک شرعی مسئلہ قابل دریافت ہے، جس کی نوعیت حسب ذیل تحریر ہے، برائے کرم اس سلسلہ میں غور فرما کر جواب تحریر فرمائیں مشکور ہوں گا۔

فرض کیجئے زید کی خدیجہ سے شادی ہوئی، کچھ عرصہ خدیجہ اپنے شوہر زید کے گھر رہی، نا قابل برداشت حالات کے پیش نظر خدیجہ نے فیصلہ کیا کہ میرا نباہ شوہر کے ساتھ نہ ہو سکے گا اور وہ اپنی ماں کے گھر چلی آئی اور خلع کے لئے شوہر سے کوشش کرتی رہی، اس میں کامیاب نہ

ہونے پر سرکاری عدالت سے رجوع کرنا پڑا اور شوہر کی عدم حاضری کی بنا پر سرکاری عدالت نے عورت کے حق میں یک طرفہ ڈگری دیدی، اس درمیان شوہر نے ایک معزز ہستی کی معرفت یہ خواہش ظاہر کی کہ ایک بار اس کی اپنی بیوی سے علیحدگی میں بات کرادی جائے، اگر وہ، میرے ساتھ رہنے پر مطمئن نہ ہوئی تو میں بات چیت کے بعد طلاق دے کر آزاد کردوں گا، چنانچہ جو صاحب درمیان میں پڑے تھے، انہوں نے خدیجہ کے والد کے ذریعہ زید کو اپنی بیوی سے علیحدگی میں بات کرنے کا انتظام کردیا اور بات چیت کرادی، شوہر بیوی کو مطمئن اور راضی نہیں کرسکا اور شوہر یعنی مذکورہ زید نے ان ثالث صاحب کے سامنے اقرار کیا کہ بیوی مجھ سے مطمئن نہیں ہوئی اور میرے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہے، پھر شوہر سے سوال کیا گیا کہ جیسا کہ آپ نے اس ملاقات سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں ان کو مطمئن نہ کرسکا تو میں ملاقات کے بعد طلاق دیدوں گا، تو اب آپ کو علیحدگی یعنی طلاق منظور ہے؟

جواب میں انہوں نے کہا کہ جی ہاں مجھ کو منظور ہے اور بیوی کے والد سے پوچھا کہ آپ کو بھی منظور ہے؟ والد نے بھی کہا کہ جی ہاں مجھ کو منظور ہے اور مزید لڑکی سے بھی معلوم کرلیتا ہوں، چنانچہ لڑکی سے بھی والد نے معلوم کیا اور لڑکی نے بھی کہا کہ مجھے بھی منظور ہے، اس کے بعد مذکورہ ثالث صاحب کے ذریعہ یہ بھی طے ہوگیا کہ سامان کی واپسی کس طرح ہوگی؟ اور یہ بھی طے ہوگیا کہ دونوں کی جو ایک شیر خوار بچی ہے، وہ ماں کے پاس رہے گی، اور یہ بھی طے ہوگیا کہ ایک تحریری درخواست لکھ کر اگلے دن سرکاری عدالت میں دونوں کے دستخط ہو کر داخل کرادی جائے گی کہ ہم دونوں کے معاملات طے ہوگئے اور علیحدگی ہوگئی ہے تاکہ قانونی چھٹکارا بھی ہوسکے، یہاں تک اگلے دن صبح کو لڑکی کے والد کے مکان پر زید آئے اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ میں آپ کے وکیل صاحب کے پاس پہونچ رہا ہوں، آپ بھی وہاں آجائیں اور درخواست لکھوا کر دونوں کے دستخط ہو کر عدالت میں داخل کرادی جائیں یہ کہہ کر وہ گئے۔ مسودہ وکیل صاحب سے لکھوایا اور یہ کہہ کر کہ اپنے وکیل کو بھی ذرا دکھادوں، ابھی

واپس آکر دستخط کردوں گا، پھر واپس نہیں آئے اور کچھ دنوں کے بعد پھر قانونی کاروائی چالو کردی، اس ساری تفصیل کی روشنی میں جناب سے یہ معلوم کرنا ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ انہوں نے طلاق منظور کرلی تھی، دو معزز گواہوں کی موجودگی میں بعد میں چاہے وہ منحرف ہوئے ہوں اپنے اقرار سے یا اپنے وکیل کے مشورہ پر قانون سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ہو۔

(۱) بہر حال ایسی صورت میں جب زبانی طلاق انہوں نے دو گواہوں کے سامنے منظور کرلی تھی، صرف دستخط نہیں ہوسکے تھے، شرعی طور پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

(۲) شرعی حیثیت سے زبانی اقرار کے بعد دستخط کی تکمیل ضروری اور اقرار کا جزء ہے یا نہیں؟ جیسا کہ نکاح کے وقت دو گواہوں کے سامنے زبانی اقرار یا منظوری ضروری ہوتیہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ جناب اس مسئلہ پر غور فرما کر شرعی فتویٰ تحریر فرما کر مشکور کریں گے۔

المستفتی: احقر وصی اللہ، محلّہ قدوائی نگر، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شوہر بیوی، بیوی کے والد کا طلاق کی منظوری کا اظہار انشاء طلاق کو مثبت نہیں ہے، بلکہ تینوں کا طلاق پر رضامندی کا اظہار ہے، اور محض رضا سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اس لئے مذکورہ الفاظ سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی ہے اور وکیل سے جو مسودہ لکھوایا ہے، اس وقت اگر شوہر نے اپنی زبان سے طلاق کا تلفظ نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس پر پڑھ کر یا سن کر دستخط کیا ہے، تو اس سے بھی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔

(۲) مذکورہ صورت میں طلاق دے چکنے کا اقرار نہیں ہے، بلکہ دینے کا وعدہ ہے اور محض وعدہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

أنـا أطلق نفسي لم يقع، لأنه وعد. (در مختار، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، كراچي ۳/ ۳۱۹، زكريا ٤/ ٥٥٩)

لو قال: أطلقك لم يقع. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢ /١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۴۴۲)

حکایت طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال [۶۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر زید اپنی بیوی ہندہ سے یوں کہے عورت چاہے جتنا بھی کہتی رہے کہ میں نے تم کو طلاق دی، تو طلاق نہیں ہوگی، لیکن اگر بکر نے یہ کہہ دیا کہ تجھے طلاق اور یہ الفاظ تین مرتبہ کہے، تو بکر کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، تو اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کے ان الفاظ کے کہنے سے ہندہ کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ مدلل بیان فرمائیں۔

المستفتی: معشوق علی خاں، موضع کھٹیار، شاہجہاں پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس حکایت سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

كما في الهندية: حكي يمين رجل فلما بلغ إلى ذكر الطلاق خطر بباله لامرأته (إلى قوله) وإن لم ينو شيًا لا يقع، لأنه محمول على الحكاية.

(كتاب الطلاق، فصل فيمن يقع طلاقه، وفيمن لا يقع طلاقه، زكريا ١/٣٥٣، جديد زكريا ١/٤٢٠)

أو كتب ناقلاً من كتاب: امرأتي طالق مع التلفظ، أو حكي يمين غيره، فإنه لايقع أصلاً مالم يقصد زوجته. (شامي، كراچي ٣/٢٥٠، زكريا ٤/٤٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۲۱۵)

مسئلہ بتانے کی غرض سے لفظ طلاق کہنے کا حکم

سوال [۶۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی نے کسی بات پر کہا مجھے چھوڑ دو (مزاقاً) زید خاموش رہا اور کچھ جواب نہ دیا، زید کی بیوی کے دل میں یہ نہیں تھا، کہ وہ مجھے طلاق دیں گے، پھر زید نے ایک قلم اٹھایا جو نہیں چلتا تھا، روشنائی نہیں تھی، اس قلم سے اس نے ایسے ہی کاغذ پر گھس کر کہا یہ لو، تو اس کی بیوی کہتی ہے کہ منھ سے کہو، تو طلاق، ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، تو زید نے محض بتانے کی غرض سے کہا طلاق ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق؟ طلاق ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق لاکھوں مرتبہ صرف کہہ دینے سے طلاق نہیں ہوتی، اگر مجھے طلاق دینی ہوتی، تو میں کہتا کہ تم کو یا تجھے لگا کر کہتا اور اس کی بیوی بھی کہتی ہے، مجھے یہ لفظ طلاق محض بتانے کی غرض سے کہا ہے، تو کیا اس لفظ طلاق سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

المستفتی: عمرو احمد، کالاجھار، کٹھی کونڈ، دمکا (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے مزاقاً طلاق کا مطالبہ کرنے کے وقت شوہر نے مسئلہ بتانے کی غرض سے طلاق ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے اس کا مقصد بیوی کو طلاق دینا نہیں ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، اگر تو زن منی یک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق۔

قومی واخرجی من عندي وهو يزعم أنه لم يرد به الطلاق فا لقول قوله، قال: قال شيخ الإمام ابو الليث لانه لم يضف الطلاق إلى المرأة ولم يذكر الإيقاع. (فتاوى تاتارخانيه، زكريا ٤/٤١٩، رقم: ٦٥٧٥)

وفي الشامية: أن الصريح لا يحتاج إلى النية؛ ولكن لا بد في وقوعه

قضاءً وديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالماً بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله. (شامي، كراچي ۳/ ۲۵۰، زكريا ٤/ ٤٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ر رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۸۱۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۷/۴ھ

دوران درس استاد کا اعتدی، استبرئی، کے تذکرہ کے وقت دل میں طلاق کا تصور کرنا

سوال [۶۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غائبانہ اعتدی، استبرئی وغیرہ وغیرہ لفظ کہا اور یہ محض تلفظ تھا، مگر ان الفاظ کیساتھ ساتھ اپنی غائب بیوی کا تصور کیا، تو کیا اس تصور سے نسبت کا تحقق ہو سکے گا؟

(۲) زید مدرس نے بچوں کو کنائی کے انواع ثلثہ کو بتلاتے ہوئے کہا کہ اول یہ ہے کہ جو محتمل الرد والسبب ہو اور وہ اعتدی، واستبرئی وغیرہ وغیرہ ہے اور ان کے احصاء کے وقت اپنی بیوی غائبہ کی جانب نسبت کا تصور کرے، تو نسبت کا تصور ہوگا، اگر ہوگا تو ارادہ کے وقت کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

المستفتی: التفات احمد اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۲/۱) استاد کے اعتدی، استبرئی کے تذکرہ کے وقت طلاق کے محض دل میں تصور کر لینے سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی، جیسا کہ خود سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد نے بیوی پر طلاق دینے کی نیت سے اس کو نہیں کہا، بلکہ طلباء کو سمجھانے کے لئے کہا ہے۔

لا بد من القصد بالخطاب بلفظ الطلاق عالما بمعناه، أو النسبة إلى الغائبة كما يفيد فروع؛ هو أنه لو كرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته،

ویقول: أنت طالق و لاینوی طلاقاً لا تطلق. (فتح القدیر، کتاب الطلاق، باب في إیقاع الطلاق، کوئٹہ۳/۳۵۱، زکریا۴/۴، البحرالرائق، کوئٹہ ۳/۲۵۸، ۲۵۹، زکریا۳/۴۵۱)

أما الکنائي فلا یقع به الطلاق إلا مع النیة. (الموسوعة الفقهیة۲۹/۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۹۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۲۹ھ

کیا طلاق کے مسائل کے تکرار سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہوں، کیا طلاق پڑ جائے گی، پھر میں نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا ہوں، اس کے بعد ایک دو دفعہ یہ لفظ استعمال کیا ہو کہ کیا طلاق پڑ جاوے گی؟ اور دل میں یہ بھی کہا کہ طلاق نہیں پڑے گی، پھر میں نے دل میں یہ سوچا کہ اگر آدمی ہنس کر بھی طلاق دیتا ہے، تو طلاق واقع ہوجاتی ہے، تو کہیں یہ طلاق بھی واقع تو نہیں ہوگئی اتنا جملہ میں نے سوچا ہے۔

اور یہ ساری باتیں بلانیت ثواب وغیر اختیاری طور پر حالت سفر وتنہائی ٹرین میں پیش آئی تو حالات مذکورہ کی وجہ سے ذہن میں تشویش بڑھنے کے سبب بندہ نے حضرات مفتیان کرام کی جانب رجوع کیا، لہٰذا استفتاء کا جواب واضح اور صاف مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد رفیق اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ محض تخیلات ہیں اگر اس طرح کی باتیں تنہائی کی حالت

میں زبان سے بھی نکل جائیں تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ مسائل طلاق کے سمجھنے سمجھانے اور تکرار کے درجہ میں ہیں، اس کی وجہ سے شبہات میں نہ پڑیں۔

لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها، ويقول: في كل مرة أنت طالق لم يقع.

(الأشباه والنظائر قديم مطبع ديوبندص ٤٥، جديدزكريا ١/ ٩١)

لو كرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته، ويقول أنت طالق، ولا ينوي لا تطلق. (البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ٢٥٨، زكريا ٣/ ٤٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ / ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳ / ۵۲۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۱۶ھ

انشاء اللہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی کہنے کا حکم

سوال [۶۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو اس طرح سے طلاق دی ہے، طلاق کے الفاظ ہیں انشاء اللہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، چار بار یہ الفاظ کہے ہیں، اور ایک ہی سانس میں کہے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ میری بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی تو کونسی؟

المستفتی: اکبر حسین، سرجن نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور انشاء اللہ متصلاً کہا ہے، تو سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں مفتی بہ قول میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، زن و شوہر کی طرح زندگی گذار سکتے ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/ ۶۶، جدید زکریا ۶/ ۸۶، جدید زکریا مطول ۸/ ۳۴۵)

عن ابن عباسؓ قال: من قال لامرأته: أنت طالق إن شاء الله، أوغلامه: أنت حر إن شاء الله، أو عليه المشي إلى بيت الله إن شاء الله فلا شيء عليه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الطلاق، باب الاستثناء في الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ۲۷۲/۱۱، رقم:۱۵۵۰۹)

لو قال: إن شاء الله أنت طالق لا تطلق في قول أبي يوسفؒ و تطلق في قول محمدؒ والفتوىٰ على قول أبي يوسفؒ الخ . (البحر الرائق، كتاب الطلاق، بلب التعليق، كوئٹه ۳۹/٤، زكريا ٦٥/٤، مجمع الأنهر قديم ٤٢٦/١، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٧٠/٢-٧١)

و في الهداية: وإذا قال لامرأته: أنت طالق إن شاء الله تعالىٰ متصلاً لم يقع الطلاق. (هداية، اشرفي ديوبند ۳۸۹/۲، هكذا في العالمگيرية، زكريا ٤٥٤/١، جديد زكريا ٥٢٠/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۵۳۶۷)

’’طلاق، طلاق، طلاق ان شاء اللہ‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۶۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شاہد حسین نے اپنی بیوی سے جھگڑے کے دوران یہ کہا ’’طلاق، طلاق، طلاق انشاء اللہ‘‘ تین بار یہ الفاظ کہے، کیا ان الفاظ سے بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: شاہد حسین، سہوارہ، بجنور (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب طلاق کے ساتھ انشاء اللہ کہا جاتا ہے، تو طلاق واقع

نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔

عن ابن عباسؓ قال: من قال لامرأته: أنت طالق إن شاء الله، أوغلامه: أنت حر إن شاء الله، أو عليه المشي إلى بيت الله إن شاء الله، فلا شيء عليه.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الطلاق، باب الاستثناء في الطلاق، دارالفكر بيروت ۲۷۲/۱۱، رقم:۱۵۵۰۹)

إذا قال لامرأته أنت طالق إن شاء الله تعالىٰ متصلاً به لم يقع الطلاق.

(فتاوى عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الرابع في الاستثناء، زكريا۱/۴۵٤،جديد زكريا ۱/۵۲۰، هداية، اشرفي ديوبند ۳۸۹/۲)

لو قال: إن شاء الله أنت طالق لا تطلق في قول أبي يوسفؒ و تطلق في قول محمدؒ، والفتوىٰ على قول أبي يوسفؒ. (البحرالرائق، كوئٹه ۳۹/٤، زكريا٦٥/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶۵۱/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۱۸ھ

طلاق کی نسبت بیوی کی طرف نہ ہوتو؟

سوال [۶۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بچی کا عقیقہ کیا، اس تقریب سے فراغت کے بعد لڑکے کی ماں نے اپنے بیٹے سے خرچ کے بارے میں تنازع کیا، پس لڑکا غصہ میں آکر گھر چھوڑ کر جارہا تھا، تو لڑکے کے احباب نے اس کو روک لیا، اس پر لڑکے نے ”طلاق، طلاق، طلاق“ بول دیا؛ جبکہ لڑکے کی بیوی موقع پر موجود نہ تھی؛ بلکہ دوسرے کمرے میں تھی اور نہ ہی لڑکے کا بیوی سے کسی قسم کا اختلاف ہوا اور نہ کوئی ناراضگی اور نہ ہی بیوی کو ماں بیٹے کی لڑائی کا علم ہے، آیا

صورت مذکورہ میں بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ جبکہ لڑکا معلوم کرنے پر یہ بھی کہتا ہے کہ بیوی کا تو میرے ذہن میں خیال تک نہیں تھا۔

المستفتی: محمد حماد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورتِ مذکورہ میں اگر شوہر قسم کھا کر کہے کہ مذکورہ الفاظ بولتے ہوئے میں نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہ کیا تھا، تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ یہاں طلاق کی نسبت بیوی کی طرف نہیں ہے، جو وقوع طلاق کے لئے شرط ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، زکریا ۶/۵۴، جدید زکریا مطول ۸/۱۹۰ محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۲۷۳، فتاوی محمودیہ میرٹھ ۱۸/۱۰۱)

لو قال: إن خرجت يقع الطلاق أو لا تخرجي إلا بإذني فإني حلفت بالطلاق، فخرجت لم يقع لتركه الإضافة إليها—فإنها الشرط والخطاب من الإضافة المعنوية، وكذا الإشارة نحو هذه طالق، وكذا نحو امرأتي طالق و زينب طالق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٥٨، كراچي ٣/٢٤٨)

ويؤيده مافي البحر لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأةً ثلاثاً، وقال: لم أعنامرأتى يصدّق. (شامي، زكريا ٤/٤٥٨، كراچي ٣/٢٤٨)

رجل قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأة ثلاثاً، وقال: لم أعن به امرأتي يصدق. (فتاوى قاضى خان على هامش الهندية، زكريا ١/٤٦٥، قاضى خان جديد زكريا ١/٢٨٢، كذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٤٢١، رقم: ٦٥٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۲۵/۴۰)

بیوی کی طرف نسبت کئے بغیر لفظ طلاق کہنا

سوال[۶۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے لکھی عبارت طلاق یا زبانی بغیر نسبت کے تلفظ کیا اور ڈر گیا کہ اب تو واقع ہوگئی، جس کے نتیجہ میں خود سے کہا کہ میں نے واقع طلاق سے رجوع کیا، تو کیا اس قول سے طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: التفات احمد اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے لفظ طلاق کو لکھا یا زبان سے تلفظ کیا اور اس وقت اس کی کوئی نیت نہیں تھی، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور بعد کے الفاظ محض وسوسہ ہیں، کیونکہ اس نے طلاق کی نیت نہیں کی اور مزید ایسا لگتا ہے کہ زید شکی آدمی ہے، اسے ہر طرح کے شک کے مرض کو دور کرنے کی کوشش اور مشق کرنی چاہئے۔

لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها، أو كتب ناقلاً من كتاب: امرأتي طالق مع التلفظ، أو حكى يمين غيره، فإنه لايقع أصلاً مالم يقصد زوجته.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦١، كراچي ٣/ ٢٥٠)

فإن وجدت قرينة تدل على عدم قصده الطلاق صدق قضاءً، ولم يقع به عليه طلاق. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩/ ٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۳۰ھ

بیوی کو طلاق لکھ کر دینے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک پرچہ میں طلاق کے الفاظ بگاڑ کر لکھے، بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لئے طلاق دینے کا ارادہ بالکل نہیں تھا، جو پرچہ میں نے لکھا تھا، وہ بھی منسلک ہے، شرعی حکم سے مطلع فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ الفاظ اس طرح لکھے تھے "طیق، طلع...... یہ الفاظ کاغذ میں بیوی کی عدم موجودگی میں لکھے، پھر بیوی کو دیا اور فوراً اس سے لے لیا تھا۔

المستفتی: الطاف الرحمٰن، بھٹی محلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب طلاق کا پرچہ لکھ کر کسی دوسرے کے ہاتھ سے بیوی کو نہیں دیا، بلکہ خود لکھ کر خود ہی اپنے ہاتھ سے بیوی کو دے کر واپس لے لیا، اور زبان سے کوئی جملہ اس بارے میں نہیں کہا، حالانکہ زبان سے طلاق کا تلفظ نکالنے میں کسی قسم کی رکاوٹ بھی نہیں تھی، تو ایسی صورت میں صرف لکھ کر بیوی کو دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/۲۷۰، جدید ڈابھیل ۱۲/۶۳۹)

إن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر۔ (شامي، كتاب الخنثیٰ، کراچي ٦/٧٣٧، زكريا ١٠/ ٤٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/۱۴۲۰ھ

بیوی کی طرف اضافت کئے بغیر طلاق دینا

سوال [۶۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ہم اپنے سسر کے بھانجے حبیب بھائی کے گھر موجود تھے، ہمارے سسر ساس اور حبیب بھائی کے ایک دوست جاوید بھی تھے، جاوید نے مجھ سے کہا کہ اپنی بیوی کو طلاق دو، ورنہ بند کرادیں گے، اس وقت بیوی بھی وہاں آ گئی، تو میں نے جاوید بھائی کو مخاطب کرکے کہا آپ کو آزاد کیا، تین مرتبہ کہا، اور بیوی کو طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور نہ اب تک ہے، تو کیا اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: مسعود، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وقوع طلاق کے لئے صراحۃً یا دلالۃً بیوی کی طرف اضافت ضروری ہے اور سوال نامہ سے ظاہر ہے کہ آپ نے بیوی کا نام نہیں لیا ہے اور اپنے لفظ ’’آپ کو آزاد کیا‘‘ سے آپ نے بیوی کو مخاطب بھی نہیں بنایا ہے؛ اس لئے مذکورہ الفاظ سے کسی بھی اعتبار سے بیوی کی طرف اضافت نہیں ہے، بلکہ دباؤ ڈالنے والے کو مخاطب کر کے اپنے کو بچالیا ہے، اس سے کسی قسم کی کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، لہٰذا نکاح بدستور باقی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/۱۹۹، کفایت المفتی قدیم ٦/۴۲، جدید، زکریا ٦/۵۸، جدید زکریا مطول ۸/٦۳)

والمفهوم من تعليل الشارح تبعاً للبحر عدم الوقوع أصلاً لفقد شرط الإضافة– إلى قوله – لو قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأة ثلاثاً، وقال لم أعن امرأتي يصدق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲٤۸، زكريا ٤/٤٥۸، البحر الرائق، كوئٹه۳/۲٥۳، زكريا۳/٤٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳٦/ ۷۷۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ٦/ ۱۴۲۳ھ

بیوی کی طرف اضافت کے بغیر زبان سے طلاق، طلاق، کہنے کا حکم

سوال [۶۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید محض خیالی طور پر اپنی بیوی کے بارے میں سوچ رہا ہے اور سوچتے سوچتے اس کی زبان سے فقط لفظ ''طلاق، طلاق، طلاق'' نکل گیا، حالانکہ نہ اس کی بیوی موجود ہے اور نہ ہی کوئی طلاق کا ارادہ ونیت، اور لفظ طلاق تجھے یا میری بیوی کو یا ان جیسے تمام الفاظ سے خالی ہے اور بیوی سے معاملات بھی خوشگوار ہیں، اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران، لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض خیالی اور بلا قصد وارادہ کے الفاظ طلاق نکل جائیں خصوصاً جبکہ بیوی کی جانب اضافت ونسبت بھی نہ ہو، تو اس سے طلاق نہیں ہوتی۔ نیز طلاق کے اندر بیوی کی جانب صراحۃً یا دلالۃً اضافت ونسبت شرط اور ضروری ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں زید کی زبان سے خیالی طور پر بلا اضافت الفاظ طلاق نکلنے سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/۲۱، جدید زکریا ۶/۳۲، جدید زکریا مطول ۸/۱۶۰ فتاوی محمودیہ قدیم ۸/۶۴، جدید میرٹھ ۱۸/۴۰۷، فتاوی دار العلوم ۹/۱۹۸-۱۹۹)

ولكن لا بد أن يقصدها باللفظ. (الأشباه قديم ٤٥، جديد زكريا ٩١/١)

لا يقع من غير إضافة إليها. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٢٧٣/٣، زكريا ٤٩٣/٤)

ومنها الإضافة إلى المرأة في صريح الطلاق حتى لو أضاف الزوج صريح الطلاق إلى نفسه بأن قال: أنا منك طالق لايقع. (بدائع الصنائع،

زکریا۳/۲۲۲، هكذا في البحر، زكريا۳/۴۴۲، کوئٹه۳/۲۵۳، بزازیه علی الهندیة، زكريا ۱۷۱/٤،مكتبه زكريا جديد ١١٢/١، تاتارخانية، قديم ٢٧٩/٣، جديد زكريا٤١٩/٤، رقم:٦٥٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ /جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۵۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۶ھ

محض جدا رہنے سے نکاح ختم نہیں ہوتا اور سوکن کا الگ مکان کا مطالبہ کرنا

سوال [۶۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر کے نکاح میں دو بیویاں ہیں، پہلی بیوی خالہ زاد بہن تھی، وہ کچھ دنوں ساتھ رہی، پھر بعض الزامات لگا کر میکہ چلی گئی تھی، تقریباً تیرہ سال میکہ میں رہی، اس درمیان میرے شوہر نے مجھ سے نکاح کیا، میں دس سال سے ساتھ رہ رہی تھی، اب میرے شوہر کی والدہ یعنی میری ساس پہلی بیوی کو لے آئیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا میری مرضی اور اجازت کے بغیر پہلی بیوی کو میرے شوہر رکھ سکتے ہیں؟ میں ان کی پہلی بیوی کے ساتھ ہرگز رہنا نہیں چاہتی، کیا ان کا نکاح پہلی بیوی سے باقی ہے؛ جبکہ تیرہ سال شوہر سے الگ رہی ہے؟

(۲) کیا میں اپنے شوہر سے الگ رہائش اور مکان کا مطالبہ کرسکتی ہوں؟ جبکہ میرے شوہر صاحب حیثیت ہیں الگ رہائش کا انتظام کر سکتے ہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتیہ: نعیمہ زوجہ محمد عظمت، اصالت پورہ، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر آپ کے شوہر نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے، تو اس کے ۱۳/سال کی لمبی مدت تک میکہ میں رہنے کے باوجود نکاح ختم نہیں ہوا؛ بلکہ

اس کا نکاح بدستور باقی ہے؛ لہٰذا اگر آپ کے شوہر اس کو رکھنا چاہیں، تو شرعاً آپ کی اجازت ضروری نہیں ہے، آپ کی مرضی کے بغیر بھی وہ اپنی پہلی بیوی کو ساتھ میں رکھ سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/۱۷۸، ۱۲/۲۵۱، جدید ڈابھیل ۱۱/۶۸، ۱۳/۱۹۱)

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ. [النساء:۳]

وصح نكاح أربع من الحرائر والإماء فقط للحر لا أكثر. (در مختار مع الشامي، كتاب النكاح، كراچي ۳/۷٤۸، زكريا٤/۱۳۸)

وركنه لفظ مخصوص خال عن الاستثناء وتحته في الشامية: هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح، أو كناية. (در مختار مع الشامي، كراچي ۳/۲۳۰، زكريا٤/٤۳۱)

لأن الامتناع عن قربانها في أكثر المدة بلا مانع وبملثه لا يثبت حكم الطلاق فيه. (هداية، اشرفي ديو بند۲/٤۰۲)

(۲) جب آپ اپنی سوکن کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہیں اور آپ کے شوہر صاحب حیثیت بھی ہیں، تو آپ کو شرعاً اپنے شوہر سے الگ مکان اور رہائش کے مطالبہ کرنے کا حق ہے، شوہر پر لازم ہے کہ وہ آپ کے لئے پہلی بیوی سے الگ مکان کا انتظام کریں یا پہلی بیوی کے لئے آپ سے الگ انتظام کریں اور اگر سرمایہ دار نہیں ہیں، ایک ہی مکان ہے، تو آپ کے شوہر پر لازم ہے کہ اسی مکان کو دو حصہ کر کے آپ کا کمرہ رہائش اور چولہا بالکل الگ کر دیں اور آپ کی سوکن کا کمرہ رہائش اور چولہا بالکل جداگانہ کر دیں اور پھر دونوں کو خرچہ بلا تفریق برابر کر کے دیا کریں، کھانے کی اشیاء کپڑا لتہ ضرورت کی چیزیں سب دونوں کو برابر دیا کریں، اگر وہ اس طریقہ سے برابری کا معاملہ کرتے ہیں، تو نہ آپ کو کوئی اعتراض کرنے کا حق ہوگا اور نہ ہی آپ کی سوکن کو۔

يشترط أن لا يكون في الدار أحد من أحماء الزوج يؤذيها، نقل المصنف عن الملتقط، كفايته مع الأحماء لا مع الضرائر، فلكل من زوجتيه

مطالبته ببيت من دار على حدة وتحته في الشامية: وفرق في الملتقط لصدر الإسلام بين ما إذا جمع بين امرأتين في دار وأسكن كلا في بيت له غلق على حدة لكل منهما أن تطالب ببيت في دار على حدة؛ لأنه لا يتوفر على كل منهما حقها إلا إذا كان لها دار على حدة بخلاف المرأة مع الأحماء، فإن المنافرة في الضرائر أوفر. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، كراچي ۳/ ۶۰۰، ۶۰۱، زكريا ۵/ ۳۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
۱۴۲۹/۶/۱۸ھ	(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۶۳۶)

کیا شوہر کے گھر نہ جا کر میکہ میں رہنے سے طلاق ہو جاتی ہے؟

سوال [۶۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن کی شادی مارچ ۱۹۸۱ء میں ہوئی تھی، مگر جون ۱۹۸۲ء سے وہ اپنے والدین کے پاس ہی رہ رہی ہے؛ کیونکہ شوہر نے گھر سے نکال دیا تھا، تب سے دونوں فریق نے حالات سنبھالنے کی کوشش کی، مگر بہن کے شوہر کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے معاملہ سلجھ نہ سکا، تب سے وہ اپنے والدین کے گھر پر ہی ہے، اس دوران نہ تو اس کی اپنے شوہر سے ملاقات ہوئی، نہ ہی کوئی جسمانی تعلق ہوا ابھی بھی وہ اپنے والدین کے گھر پر ہی ہے، اس وقفہ میں بہن کے شوہر نے دوسری شادی کر لی، تو کیا ان حالات میں میری بہن کو طلاق ہو چکی یا نہیں؟

المستفتی: شکیل انور کسرول، دیوان خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے طلاق نہیں دی ہے، تو پوری عمر بھی یوں ہی بیٹھی رہے گی، تو بھی طلاق نہ ہوگی۔

وركنه (أي الطلاق) لفظ مخصوص، هو ما جعل دلالة على معنى

الطلاق من صريح، أو كناية. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق الدور، كراچي ۳/ ۲۳۰، زكريا٤/ ٤٣١)

لأن الامتناع عن قربانها في أكثر المدة بلا مانع وبمثله لا يثبت حكم الطلاق فيه. (هداية، اشرفي ديوبند۲/ ٤٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۸/۴ھ

زیادہ عرصہ تک الگ رہنے کی بناء پر طلاق کا حکم

سوال [۶۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۷؍سال پہلے میرے اور میری بیوی کے بیچ کچھ غلط فہمی کی وجہ سے جھگڑا ہوگیا، اور میری بیوی بچوں کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی، دو بچے ایک لڑکا اور ایک لڑکی میرے پاس رہے، اس دوران کبھی کبھی میں اپنے بچوں سے ملنے مرادآباد جاتا رہتا تھا، تب بیوی سے بات چیت ہوجاتی تھی، میں نے ناراضگی کے بعد اپنے بچاؤ میں عدالتی نوٹس بھی دیئے دوران مقدمہ بیوی کے بھائیوں نے فیصلہ کے طور پر مجھ سے ۱۷۰۰۰؍روپیئے لے لئے، یہ سب کام کچہری میں ہوا، مگر میں نے کبھی بھی اپنی زبان سے طلاق کے تین بول نہیں بولے۔

اب ہمارے بچے ماشاء اللہ جوانی کی طرف بڑھ رہے ہیں، ہم دونوں میاں بیوی ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو کیا دوبارہ ایک ساتھ گھر بسا کر رہ سکتے ہیں؟

المستفتی: نعیم شمسی، بلاس پور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زبان سے کوئی طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا اور نہ ہی نوٹس میں طلاق کے الفاظ لکھے ہیں، تو ایسی صورت میں بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور محض زیادہ عرصہ تک الگ رہنے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ لہٰذا سائل کے بیان کے

مطابق دونوں کا نکاح بدستور باقی ہے؛ اس لئے دونوں کا ساتھ رہنا بلاتردد جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۴۸۱)

فإذا نویٰ التلفظ بالطلاق، ثم لم يتلفظ به لم يقع بالاتفاق لانعدام اللفظ أصلاً. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/۲۳)

لأن الامتناع عن قربانها في أكثر المدة بلا مانع وبمثله لا يثبت حكم الطلاق فيه. (هداية، اشرفي ديو بند ۲/۴۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۴ھ

مسلسل پانچ سال تک شوہر سے علیحدگی کی بناء پر طلاق کا حکم

سوال [۶۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۵/ سال قبل شادی کی تھی، میری بیوی دو تین دفعہ آئی، ایک ہفتہ ساتھ رہی، پھر اس کے والدین نے اسے روک لیا، اب میرے پاس آنے نہیں دیتے، میں نے اس درمیان اس کا نفقہ نہیں دیا اور نہ ابھی تک مہر دیا ہے، اور طلاق بھی نہیں دی ہے، پانچ سال بیوی کو علیحدہ رہتے ہوئے ہوگئے، تو کیا بغیر طلاق دیئے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اور ایسے حالات میں جبکہ میری بیوی میرے پاس نہیں آتی میری کیا ذمہ داری ہے؟ کیا مہر نان ونفقہ نہ دینے کی وجہ سے مجھ سے آخرت میں باز پرس ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد، چاند پوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسلسل پانچ سال تک شوہر سے الگ رہنے کی وجہ سے بیوی پر طلاق نہیں ہوتی۔ نیز اگر پوری زندگی شوہر سے الگ رہے گی، تب بھی طلاق واقع نہیں ہوگی، بدستور وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح میں باقی رہے گی، اور جب تک خود طلاق نہ

دے، اس وقت تک شریعت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور لوگوں کا اس بات کو شہرت دینا کہ طلاق ہوگئی ہے ناجائز اور گناہ کا ارتکاب ہے، اس طرح شہرت دینے والے لوگوں کو اپنے گناہ سے توبہ کرنا چاہئے اور شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کا اپنے میکہ میں پڑے رہنا نافرمانی ہے، ایسی عورت گنہگار ہوگی اور ایسے حالات میں جبکہ شوہر کی مرضی کے بغیر میکہ میں پڑی رہے نان نفقہ دینا شوہر کے ذمہ لازم نہیں ہے، جب شوہر کے گھر میں آکر رہنے لگے تب نان نفقہ دینا اوراس کے حقوق ادا کرنا شوہر پر لازم ہوجائے گا اور مہر ایک شرعی ذمہ داری ہے، وہ شوہر پر بہرحال لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۷/۴۸۱)

عن ابن عباسؓ قال:......فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فقال:......إنما الطلاق لمن أخذ بالساق، وتحته في الحاشية: كناية عن الجماع أي إنما يملك الطلاق من يملك الجماع. (سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق العبد، النسخة الهندية ١٥١، دارالسلام رقم: ٢٠٨١)

لأن الطلاق لا يقع من النساء. (شامي، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، كراچي ٣/ ١٩٠، زكريا ٤/ ٣٦١)

عن ثوبانؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير بأس حرم الله عليها أن تريح الجنة. (مستدرك حاكم، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز بيروت ٢/ ٢١٨، رقم: ٢٨٠٩، السنن الكبرىٰ للبيهقي، قديم ٧/ ٣١٦، جديد، دارالفكر بيروت ١١/ ١٨٤، رقم: ١٥٢٣٠)

لا نفقة لخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/ ٥٧٩، زكريا ٥/ ٢٨٦)

ويتأكد (المهر) عند وطء، أوخلوة صحت من الزوج، أوموت أحدهما. (درمختار مع شامي، كراچي ٣/ ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۹۰)	۱۵/ ۶/ ۱۴۲۴ھ

کیا بیوی سے پانچ سال تک دور رہنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ۱۹۸۴ء میں ہوئی اور ایک سال تک اس کے پاس رہی، ایک سال بعد اس کو یعنی ہندہ کو میکہ میں پہونچا کر آ گیا ہے، اور اس کی غیر موجودگی میں پانچ ماہ بعد اس سے ایک لڑکی بھی ہوگئی ہے اور زید نہ ہندہ کو خرچ دیتا ہے اور نہ لے کر جاتا ہے، پانچ سال ہوگئے، اس صورت میں طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں

المستفتی: محمد صدیق، موضع بستی کلاں، تحصیل حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر سے پانچ سال تک الگ رہنے کی وجہ سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی طلاق واقع ہونے کے لئے شوہر کا الفاظ طلاق استعمال کرنا یا شرعی تفریق لازم ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔

الطلاق لغة رفع القيد......وشرعاً رفع قيد النكاح في الحال بالبائن، أو المآل بالرجعي بلفظ مخصوص، وهو ما اشتمل على الطلاق.

(الدر المختار، كتاب الطلاق، كراچي ۳/۲۲٦، ۲۲۷، زكريا ٤/٤٢٣، ٤٢٤)

أما تفسيره شرعاً فهو رفع قيد النكاح حالاً أو مآلاً بلفظ مخصوص.

(هندية، زكريا ١/٣٤٨، جديد زكريا ١/٤١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۲۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۱۲ھ

گیارہ سال تک بیوی سے قطع تعلق کی بناء پر طلاق کا حکم

سوال [۶۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اور اس کی زوجہ کے درمیان نا اتفاقی ہوئی اور نوبت طلاق ہو جانے تک آ گئی، مگر طلاق دی نہیں گئی، مگر اس شخص نے اپنی زوجہ سے تعلق منقطع کر لیا، اور کسی بھی طرح کا کوئی تعلق اپنی زوجہ سے نہیں رکھا، یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ زوجہ اپنے شوہر ہی کے گھر میں ہے، مگر شوہر اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا بھی نہیں ہے اور اسی طرح عرصہ گیارہ سال کا گذر گیا اور اس درمیان شوہر کئی مرتبہ طلاق دینے کا ارادہ بھی کر چکا ہے۔ مندرجہ بالا حالات کی صورت میں کیا نکاح قائم ہے؟

المستفتی: افضال حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپس کے جھگڑے اور ناراضگی کی وجہ سے گیارہ سال تک بیوی سے بول چال نہ ہونے اور ہمبستر نہ ہونے سے نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، دونوں کا نکاح اپنی جگہ بدستور باقی ہے؛ لہٰذا اگر دونوں ایک ساتھ رہنا چاہیں تو ساتھ رہنا بلا تردد جائز ہے اور بیوی کے لئے دوسری جگہ نکاح کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

لأن الامتناع عن قربانها في أكثر المدة بلا مانع وبمثله لا يثبت حكم الطلاق فيه. (هداية، كتاب الطلاق، باب الايلاء، اشرفي ديوبند۲/ ۴۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷ ؍ ۸۵۷۴)

نامردگی کی بناء پر علیحدگی سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میں نے اپنی لڑکی کا عقد کاشی پور کے ایک نوجوان لڑکے کے ہمراہ ۷/جنوری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کیا تھا اور یہ دونوں خوشی بہ خوشی چند دن رہے، مگر بعد میں دونوں کے درمیان ان بن ہوگئی اور دونوں علیحدہ ہونے کے لئے بضد ہوگئے، سبب اس کا یہ پتہ چلا کہ لڑکا مردانگی کے حساب سے بالکل فیل ہے، اور وہ سہاگ رات کو بھی ہمبستری نہ کرسکا، بقول لڑکی، لڑکی سے کسی طرح کا سیکس کا سلسلہ نہ کرسکا۔ آپ سے یہ جاننے کی کوشش کررہا ہوں کہ لڑکی پر عدت واجب ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: منور علی خاں، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ شکل میں شوہر کی مردانہ کمزوری کی بنا پر خود بخود علاحدگی نہیں ہوتی؛ بلکہ شوہر جب تک باضابطہ طور پر طلاق نہیں دے گا، اس وقت تک شرعاً ان کے درمیان علیحدگی نہیں ہوگی اور شوہر کے طلاق دینے کے بعد عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کے لئے عدت گذارنا بھی لازم ہے۔ بغیر عدت گذارے عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہ ہوگا۔

ورکنه (أي الطلاق) لفظ مخصوص، هو ماجعل دلالة على معنى الطلاق من صريح، أو كناية. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق الدور، كراچي ۳/ ۲۳۰، زكريا ٤/ ٤٣١)

ولها كمال المهر إن خلابها، فإن خلوة العنين صحيحة، ويجب العدة. (فتح القدير، كوئٹه ٤/ ١٣٠، زكريا ٤/ ٢٧٠)

وبنفس الانقطاع في الحيضة الثالثة يبطل الرجعة (إلى قوله) ويجوزلها، أن تتزوج بآخر إن كان قدطلقها. (هندية، زكريا ١/ ٥٢٨، جديد زكريا ١/ ٥٨١)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة سواء كانت

العدة عن طلاق. (هندية، زكريا ١/ ٢٨٠، جديد زكريا ١/ ٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۲۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۱۲ھ

’’آئندہ بھانجی کے رشتہ سے ملئے گا، ہم جملوں کا استعمال کریں گے‘‘ کہنا

سوال [۶۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو میکہ جاتے وقت غصہ میں اپنی ماں سے ہندہ کے متعلق یہ کہا کہ ’’آئندہ بھانجی کے رشتہ سے ملئے گا‘‘ اور ہندہ رشتہ میں زید کی ماں کی بھانجی لگتی ہے، اسی طرح زید نے ہندہ سے کہا کہ اگر تم نے کسی کو بھی فون کیا، تو ’’ہم جملوں کا استعمال کریں گے‘‘ تو مندرجہ جملوں سے کونسی طلاق واقع ہوئی؟ مدلل جواب مرحمت فرمادیں۔

نوٹ: یہ تفصیلی استفتاء کا ماحصل ہے۔

المستفتی: محمد ظفر عالم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’آئندہ بھانجی کے رشتہ سے ملئے گا‘‘ کے الفاظ اسی طرح اگر تم نے کسی کو بھی فون کیا، تو ’’ہم جملوں کا استعمال کریں گے‘‘ کے الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی دونوں کے درمیان نکاح بدستور باقی ہے؛ اس لئے کہ یہ دونوں قسم کے الفاظ نہ کنائی میں سے ہیں نہ صریح میں سے۔

ركنه أي الطلاق لفظ مخصوص، هو ماجعل دلالة على معنى الطلاق من صريح، أو كناية. (شامي مع الدر المختار، كراچي ٣/ ٢٣٠، هندية، زكريا ١/ ٣٤٨، جديد زكريا ١/ ٤١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۹۹/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۳ھ

’’تیری طلاق سے راضی ہوں‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۶۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے درمیان نوک جھونک اور تکرار کے دوران شوہر نے یہ کہدیا کہ تیری طلاق سے راضی ہوں، تو اس لفظ سے شرعاً کوئی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: محمد مہتاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس میں نوک جھونک اور تکرار کے دوران شوہر نے جو یہ جملہ استعمال کیا ہے کہ میں ’’تیری طلاق سے راضی ہوں‘‘ اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، یہ صرف دھونس اور ڈرانے پر محمول ہے؛ اس لئے نکاح بدستور باقی ہے۔

ولو قال: هويت طلاقك، رضيت طلاقك، أحببت طلاقك، لاتطلق، وإن نوىٰ. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الرابع فيما يرجع إلى صريح الطلاق ٤/ ٤٠٩، رقم: ٦٥٤٩)

ولو قال: أحببت طلاقك، أو رضيت طلاقك، أو أردت طلاقك لا تطلق وإن نوىٰ. (الفتاوى الهندية، زكريا جديد ١/ ٤٢٦، قديم ١/ ٣٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۲۰۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۵/۱۷ھ

(۱۱) باب وعد الطلاق

صیغۂ استقبال سے طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نوید اختر بیوی سے لڑائی اور تکرار کے دوران دھمکی کے طور پر کئی بار ”طلاق دیدوں گا“ کے الفاظ ادا کئے، میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، صرف دھمکی کے طور پر کہا تھا۔ اب بیوی تقریباً ساڑھے تین ماہ سے میکہ میں ہے اور فتوی طلب کرتی ہے۔ حضرت والا تحریر فرمائیں کیا بیوی کو ان الفاظ سے طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: نوید اختر، پیراماؤنٹ کالونی، لودھی پور، کنواں، دہلی روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دوں گا اور طلاق دے دوں گا کے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور مذکورہ صورت میں شوہر اور بیوی دونوں کے بیان میں طلاق دیدوں گا کے الفاظ ہیں؛ اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی، نکاح بدستور باقی ہے۔

ولو قال: أطلقک لم یقع. (الدر المنتقي، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق، قدیم۱/۳۸۷، دارالکتب العملیة بیروت جدید۲/۱٤)

لو قال بالعربیة: أطلق لایکون طلاقاً. (هندیة، زکریا ۱/۳۸٤، کتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسیة، جدید زکریا ۱/٤٥۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۶۱)

صیغۂ حال سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی اپنے شوہر کی غلط حرکتوں اور نان نفقہ کی عدم ادائیگی اور دین واسلام سے قطعی طور پر ناآشنا ہونے اور ناحق مطالبات کرنے کی وجہ سے طلاق لینا چاہتی ہے، اور لڑکی تقریباً چھ سال سے اپنے ماں باپ کے ساتھ میکہ میں رہ رہی ہے اور اس سلسلہ میں مقدمہ بھی چل رہا ہے اور لڑکا اپنی زبان سے کچہری میں اور دیگر جگہوں پر لڑکی سے بارہا ان الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔

(۱) میں ابھی طلاق دیتا ہوں، بس ابھی طلاق دیتا ہوں۔

(۲) مجھ کو تو بس تین بول بولنے ہیں، بس ابھی طلاق دیتا ہوں۔

(۳) میں ابھی منھ کالا کرتا ہوں اور ان الفاظ کا استعمال بیسیوں دفعہ کر چکا ہے، تو کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں طلاق سے متعلق جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ سب استقبال کے لئے ہیں اور صیغۂ مستقبل سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ اس لئے ان الفاظ سے مذکورہ واقعہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا نکاح بدستور باقی ہے۔

ولو قال: أطلقک لم یقع إلا إذا غلب. (الدر المنتقیٰ، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق قدیم ۱/۳۸۷، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۱٤)

بخلاف کنم؛ لأنه استقبال فلم یکن تحقیقاً بالتشکیک......لو قال بالعربیة: أطلق لایکون طلاقاً. (هندیة، زکریا ۱/۳۸٤، کتاب الطلاق، الفصل السابع

في الطلاق بالألفاظ الفارسية،جديد زكريا ١/٤٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ؍شعبان المعظم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۴۸)

طلاق دے دوں گا سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کے متعلق اپنی مادری زبان میں ایسا لفظ استعمال کیا، جو کہ آئندہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے، یعنی اگر ایسا ہوا، تو تجھے طلاق دیدوں گا۔ نیز کسی نے اپنی بیوی سے ایسی شرط کیساتھ یوں کہا کہ ابھی تجھے مارنا ہے، اگر کسی نے تجھے چھڑایا تو طلاق ہے، مگر اس وقت اس نے بیوی کو مارا ہی نہیں کچھ دنوں کے بعد مارا جب کسی نے چھڑایا، کیا ان دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہوگی؟

المستفتی: محمد عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق دیدوں گا کے لفظ سے طلاق نہ ہوگی، اگر چہ شرط بھی پائی جائے؛ کیونکہ یہ ایقاع طلاق نہیں؛ بلکہ وعدۂ طلاق ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۰/ ۴۳-۵۱)

أنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (شامي، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، كراچي ٣/ ٣١٩، زكريا ٤/ ٥٥٩)

بخلاف کنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك......لو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً. (هندية، زكريا ١/ ٣٨٤، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية،جديد زكريا ١/ ٤٥٢)

اسی طرح تجھے ابھی مارنا ہے سے طلاق نہیں ہوتی؛ کیونکہ ابھی مارنے کی شرط لگائی تھی اور شرط نہیں پائی گئی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۰/۴۹)

إذا وجد الشرط يقع الطلاق وإلا فلا. (بدائع الصنائع، زکریا ۳/ ۲۰۰)

ولو قال: أطلقک لم يقع. (سکب الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۲/ ٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۴۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

تجھے طلاق دیدوں گا کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، اس صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ یہ الفاظ بولنے سے وہ اس کی بیوی رہی یا نہیں؟

المستفتی: دلشاد حسین، ملک گوہر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا اپنی بیوی سے تجھے طلاق دیدوں گا کہنے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ ’’تجھے طلاق دیدوں گا‘‘ کہہ کر ہمارے عرف میں مستقبل ہی مراد لیا جاتا ہے نہ کہ حال؛ اس لئے مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، بیوی بدستور شوہر کے نکاح میں باقی ہے۔

بخلاف کنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك. وفي المحيط لو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقاً. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا ۱/ ۳۸٤، جديد زكريا ۱/ ٤٥۲)

أنـا أطـلـق نـفسـي لـم يـقع؛ لأنـه وعد. (در مختـار، كـراچي ٣١٩/٣، زكريا ٥٥٩/٤)

لو قال: أطلقک لم يقع. (سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١٤/٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۱۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۴ھ

طلاق دیدوں گا کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد پرویز عالم اپنی بیوی کو سات آٹھ مرتبہ غصے سے یہ کہہ چکا ہوں کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، شک وشبہ کی بناء پر، مگر میں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیدی اس بارے میں مفتیان کیا فرماتے ہیں کہ میں اب اپنی بیوی کو گھر رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟ اور میرے پانچ بچے ہیں، ان میں بڑی لڑکی ۱۴؍سال کی دوسری لڑکی ۱۲؍سال کی، تیسری لڑکی ۹؍سال کی اور ایک لڑکا سات سال کا، دوسرا لڑکا چھ مہینے کا، یہ سب باتیں مدنظر رکھتے ہوئے ،اس کا فتوی چاہتے ہیں۔

نوٹ: میں شبنم پروین میرے شوہر نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، یہی کہا کہ میں دے دوں گا۔

المستفتی: محمد پرویز دستخط شبنم پروین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دے دوں گا کے لفظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اور جب میاں بیوی دونوں اس بیان میں متفق ہیں کہ شوہر نے صرف یہ کہا تھا کہ طلاق

دے دوں گا اور دیدی کا لفظ نہیں کہا ہے، تو ایسی صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا دونوں بدستور میاں بیوی والی زندگی گذار سکتے ہیں۔

بخلاف قوله" كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك . وفي المحيط: لو قال بالعربية أطلق لايكون طلاقًا. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا ١/٣٨٤، جديد زكريا ١/٤٥٢)

لو قال: أطلقك لم يقع. (سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۴۳/۳۷)

بیوی سے محض تجھ کو طلاق دیدوں گا کہنا

سوال [۶۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انیس احمد کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوتا دیکھ کر محلہ کے کئی لوگ وہاں آپہونچے، بات بڑھ کر یہاں تک آپہونچی کہ انیس احمد نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے باپ کے گھر چلی جاورنہ میں تجھے طلاق دیدوں گا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر یہ کہا کہ اپنے باپ کے گھر چلی جاورنہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، تیسری بار ۱۵؍ منٹ کے بعد کہا، اس موقع پر چار آدمی موجود تھے، جن کا نام درج ذیل ہے۔

۱. مناخاں ۲. مشرف حسین ۳. ذاکر حسین ۴. محمد گلفام۔ ان چار آدمیوں کی موجودگی میں سارا واقعہ پیش آیا ہے، اس مسئلہ کے بارے میں علماء کرام سے درخواست ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

نوٹ: یہی بیان لڑکی کا بھی ہے، لڑکی کے بھی مذکورہ چار گواہ ہیں۔

المستفتی: محمد انیس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انیس احمد کا اپنی بیوی سے صرف یہ کہنا کہ تجھ کوطلاق دیدوں گا، اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا انیس احمد کی بیوی پر ایک بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

بخلاف قوله كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك. وفي المحيط: لوقال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقاً. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا ١/٣٨٤، جديد زكريا ١/٤٥٢)

وأنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (الدر المختار مع الشامي، كراچي ٣/٣١٩، زكريا٤/٥٥٩)

لو قال: أطلقك لم يقع. (سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۳۱۹)

طلاق دیدوں گا کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سلیم احمد اپنی بیوی شہناز کو ساتھ لے کر شادی میں شرکت کے لئے سسرال گئے ہوئے تھے، وہاں سلیم احمد کے سالے کلو سے کسی بات پر ناراضگی ہوگئی، سلیم احمد نے اپنی بیوی سے کہا اپنے گھر چلو شہناز جانے سے انکار کر رہی تھی، اس پر سلیم احمد نے کہا کہ تو اگر نہیں جائے گی، تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، یہ کہہ کر سلیم احمد اپنے گھر آ گئے، شہناز کے میکے میں یہ

بات پھیل گئی کہ سلیم نے طلاق دے دی ہے۔ دوسرے دن صبح میں سلیم احمد کے بڑے بھائی نے دس آدمیوں کو ساتھ لے کر سلیم احمد کو سسرال بھیجا، وہاں معلوم کیا تو سلیم کی بیوی شہناز اور ایک گواہ نے بھی کہا کہ طلاق دے دی ہے؛ جبکہ سلیم احمد خدا کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، صرف میں نے یہ کہا تھا کہ اگر تو نہیں جائے گی تو میں طلاق دیدوں گا، شہناز اپنے میکے میں ہے، اس کے میکے والے شہناز کو نہیں بھیج رہے ہیں؛ لہٰذا درخواست ہے کہ اس مسئلہ کو واضح کریں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: سلیم احمد، مقام بھنیسا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی یہی بات ہے کہ شوہر نے صرف یہی کہا تھا کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، تو یہ وعدۂ طلاق ہے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، ایسی صورت میں نکاح بدستور باقی رہے گا۔

لو قال: أطلقک لم یقع. (سکب الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱٤)

بخلاف کنم؛ لأنه استقبال فلم یکن تحقیقاً بالتشکیک......لو قال بالعربیة: أطلق لایکون طلاقاً. (هندیة، زکریا ۱/ ۳۸٤، کتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسیة، جدید زکریا ۱/ ٤٥۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۸۱۲)	۱۴۲۶/۵/۲۰ھ

انور میاں کو بلاؤ ہم طلاق دیں گے کہنے کا حکم

سوال [۶۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد جمال کی شادی بیوی بدر النساء سے ہوئی ہے۔

(۱) محمد جمال نے لڑائی جھگڑے کے درمیان میں اپنی بیوی بدرالنساء کو کہا کہ اپنے باپ انور میاں کو بلاؤ ہم طلاق دیں گے۔
(۲) جب انور میاں نے گاؤں کے پنچوں کو بلایا اور دریافت کیا، تو لڑکے جمال نے بتایا کہ انور میاں کو بلاؤ ہم طلاق دیں گے کہا ہے۔لڑکی کا بیان گاؤں اور پنچوں کے سامنے یہ ہے کہ لڑکی بدرالنساء نے پوچھنے پر یہ بتایا کہ انور کی بیٹی کو تینوں طلاق انور کی بیٹی کو تینوں طلاق۔
(۳) جب گواہ روبینہ بیوی سے پوچھا، جو اس کی مامی ہے، تو اس نے بتایا انور کی بیٹی کو تینوں طلاق۔
(۴) گواہ ابراہیم نے بتایا کہ انور کی بیٹی کو تینوں طلاق، ایک بار یہ گواہ ابراہیم جب کہ دوسو گز کی دوری پر نزوا کا چاک لگا رہا تھا، اتنی دوری سے اس نے سنا۔
(۵) گواہ راجیند ر نے بتایا کہ انور کو بلاؤ ہم تینوں طلاق دے دینگے، یہ گواہ غیر مسلم ہے۔اب اس میں کیا ہوا طلاق ہوئی یا نہیں؟ آپ جواب صاف صاف کر کے جلد سے جلد دیں۔

المستفتی: حافظ محمد منیرالدین، پوسٹ: کھٹنائی، وایا: پنگاوارا، بھاگل پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم راجندر کی شہادت مردود اور غیر مقبول ہے، روبینہ اور ابراہیم سے نصاب شہادت پورا نہیں ہوا ہے اور نصاب شہادت دو عادل مرد ہوں یا ایک عادل مرد اور دو عورتیں ہوں؛ اس لئے ان کی شہادت بھی مقبول نہیں، شوہر مستقبل کا صیغہ بتلا رہا ہے اور عورت ماضی کا صیغہ۔اور صیغۂ استقبال سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔اور عورت کے پاس دو شرعی گواہ نہیں ہیں؛ اس لئے مذکورہ صورت میں قضاءً طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لو قال: أطلقک لم یقع. (ملتقي الأبحر، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق، قدیم ۱/ ۳۸۷، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱٤)

قال اللّٰہ تعالیٰ: **وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ** . [البقرہ: ۲۸۲]

وماسوىٰ ذٰلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أورجل، وامرأتين سواء كان الحق مالاً، أوغير مال مثل النكاح، والطلاق. (هداية، كتاب الشهادة، اشرفي ديوبند٣/١٥٤)

ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالاً، أوغيرهٗ، رجلان،أورجل وامرأتان. (درمختار، كراچي ٥/٤٦٥، زكريا ٨/١٧٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ر جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۷۲۵)

تیرا معاملہ صاف کردوں گا سے عدم وقوع طلاق

سوال [۶۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی کو پہلے یہ کہا کہ میں تیرا معاملہ صاف کردوں گا، پھر دومرتبہ طلاق دیدی، اس کے فوراً بعد میں باہر چلا گیا، ایک بچہ دودھ پی رہا ہے دس مہینے کا، اور روبینہ کا کچھ اور ارادہ ہے۔

المستفتی: سرتاج حسین، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیرا معاملہ صاف کردوں گا کے لفظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور بعد میں جب دومرتبہ طلاق دیدی ہے، تو اس سے دوطلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کرکے رکھنے کی گنجائش ہے۔

وقعتا رجعتين لو مدخولاً بها. لقوله أنت طالق، أنت طالق. (درمختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٦٣، كراچي٣/٢٥٢)

رجل قال: لامرأته بعد الدخول بها، أنت طالق طالق تقع ثنتان.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/ ٤٢٩، رقم: ٦٥٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍ ۴۷۳۵)

’’میں تجھے طلاق دے دوں گا‘‘ سے طلاق

سوال [۶۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی خانہ آبادی دسمبر ۸۵ء کو ہوئی تھی، نکاح کے تین یا چار ماہ بعد ہی میں اپنی زوجہ صابرہ خاتون کے آبائی مکان میں رہنے لگا، ازدواجی زندگی کی پندرہ سالہ زندگی میں معمولی نوک جھونک کے علاوہ کشیدگی نہیں ہوئی، میری بڑی سالی عارفہ خاتون جو دو مرتبہ کی طلاق شدہ ہے اور اب کسی کے نکاح میں نہیں ہے، اپنی زندگی اپنی بہنوں اور بھائیوں کے ساتھ گذار رہی ہے، عورتوں والی فطرت کی بنیاد پر جھگڑے کا سبب بنتی ہے، اس مرتبہ بھی عارفہ بیگم کئی مرتبہ کئی ماہ سے مقیم ہے، اور کئی مرتبہ ہم دونوں کے درمیان جھگڑا اور ناچاکی کی باعث بنتی رہی، اسی درمیان ۱۸؍ دسمبر ۲۰۰۰ء کو دوپہر میں جھگڑا اس حد تک بڑھا کہ نہایت غصہ میں جھلا کر اور یہ کہہ کر کہ ’’میں تجھ سے عاجز اور پریشان ہوگیا، میں تجھے طلاق دیدوں گا اور میں نے کاغذ قلم کا پرس دیکر کہا کہ تجھے جو لکھنا ہے لکھ میں دستخط کروں گا، اسی کے ساتھ میں اپنے چند کپڑے وضروری سامان لے کر مرادآباد چلا آیا۔ اب میرے ان الفاظ کو دیکھتے ہوئے فتویٰ جاری کریں۔

المستفتی: آصف علی، محلہ سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صرف طلاق دیدوں گا کہنے سے کوئی طلاق واقع نہیں

ہوئی اور بیوی کو کاغذ قلم کا پرس دیکر یہ کہنا کہ جو لکھنا ہو لکھ لے، اگر اس پر بیوی نے کچھ نہیں لکھا ہے، تو اس سے کوئی طلاق ثابت نہ ہوگی؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا، دونوں بدستور میاں بیوی ہیں۔

لو قال: أطلقک لم يقع. (الدر المنتقي، کتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق قديم ۱/۳۸۷، جديد دار الکتب العلمية بيروت ۲/۱٤)

بخلاف کنم؛ لأنه استقبال فلم يکن تحقيقاً بالتشکيک...... لو قال بالعربية: أطلق لايکون طلاقاً. (هندية، زکريا ۱/۳۸٤، کتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، جديد زکريا ۱/٤٥۲)

أنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (در مختار مع الشامي، کراچي ۳/۳۱۹، زکريا ٤/٥٥۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱۰/ ۱۴۲۱ھ

”میں تجھے طلاق دیدوں گا“ کہنا

سوال [۶۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد عرفان کا اپنی بیوی شائستہ پروین سے کسی بات پر جھگڑا ہوا، عرفان نے اپنی بیوی سے کہا کہ ”میں تجھے طلاق دیدوں گا“ پھر لڑکی کا بھائی آیا اور اپنی بہن کو لے گیا، پھر لڑکی نے گھر جا کر یہ کہا کہ شوہر نے مجھے طلاق دیدی ہے، جھگڑے کے دوران محمد احسان موجود تھے، ان کا بیان بھی یہی ہے کہ ”طلاق دیدوں گا“ کہا تھا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ لفظ سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: شہزادے، اصالت پورہ، مرادآبا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھگڑے کے دوران ہو یا کسی دوسری حالت میں بیوی کو صرف اتنا کہنا کہ ”میں طلاق دیدوں گا“ تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور سوال نامہ میں جو بات واضح کی گئی ہے کہ شوہر نے صرف طلاق دیدوں گا کہا اور وہاں موجود محمد احسان کا بیان بھی یہی ہے کہ شوہر نے صرف طلاق دیدوں گا کہا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کا میکہ جا کر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ شوہر نے مجھے طلاق دیدی؛ بلکہ وہ بدستور شوہر کے نکاح میں باقی ہے۔

ولو قال: أطلقک لم یقع. (سکب الأنهر، قدیم ۱/ ۳۸۷، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱٤)

بخلاف کنم؛ لأنه استقبال فلم یکن تحقیقاً بالتشکیک......لو قال بالعربیة: أطلق لایکون طلاقاً. (هندیة، کتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسیة، زکریا قدیم ۱/ ۳۸٤، زکریا جدید ۱/ ٤٥۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۳۹/۳۸)

طلاق دیدوں گا کہنے کا حکم

سوال [۶۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دلشاد احمد ولد سردار احمد کا ان کی اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا اور دلشاد احمد نے غصہ میں اپنی بیوی سے کچھ کچے الفاظ کہہ دیئے، گھر میں دلشاد ان کی بیوی دلشاد کے والد اور محمد عمر تھے، شوہر دلشاد کا کہنا ہے کہ دو مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ ”طلاق دیدوں گا، طلاق دیدوں گا“ سردار احمد (شوہر کے والد) کا بھی یہی بیان ہے، محمد عمر کہتے ہیں کہ دلشاد نے دو بار یہ الفاظ کہے ”طلاق

دی، طلاق دی'' بیوی کہتی ہے کہ میرے شوہر (دلشاد) نے اول یہ کہا کہ تجھے آزاد کردوں گا اور پھر کئی بار کہا ''طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' اب اس صورت میں سوال یہ ہے کہ اب ان میں سے کس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور شرعاً کیا حکم ہوگا؟ آیا عورت کو طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کون سی طلاق ہوگی؟

المستفتی: ماسٹر رئیس الدین، محلّہ سرائے پختہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر اور اس کے والد کا بیان صحیح ہے، تو طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ مستقبل کے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ولو قال: أطلقک لم يقع. (الدر المنتقي في شرح ملتقي الأبحر، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق قديم ۱/۳۸۷، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱٤، هندية، زكريا ۱/۳۸٤، جديد زكريا ۱/٤٥۲)

عورت کا بیان ثابت کرنے کے لئے دو عادل گواہوں کا ہونا لازم ہے، صرف محمد عمر ایک آدمی کی شہادت سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا عورت کے پاس دو عادل شاہد نہ ہونے کی وجہ سے طلاق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرہ:۲۸۲]

وماسوىٰ ذٰلک من الحقوق يقبل فيها رجلان (إلى قوله) مثل النكاح والعتاق والطلاق. (الجوهره النيره، كتاب الشهادة، امدايه ملتان ۲/۳۲٦، دارالكتاب ديوبند ۲/۳۰۹، هداية، اشرفي ديوبند۳/۱٥٤، البحر الرائق، كوئٹه ۷/٦۲، زكريا۷/۱۰٤، درمختار مع الشامي، كراچي٥/٤٦٥، زكريا۸/۱۷۸، هندية، زكريا۳/٤٥۱، جديد زكريا ۳/۳۸۸)

البتہ اگر عورت نے یقینی طور پر طلاق دی کا لفظ تین دفع سنا ہے، تو عورت کے لئے اس شوہر

کے پاس جانا جائز نہیں؛ بلکہ کچھ مال دے کر خلع کے ذریعہ سے اپنے کو اس شوہر سے علیحدہ کر لینا لازم ہے۔

المرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه. والفتویٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمالٍ، أو تهرب.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥١، كوئٹه ٣/٤٦٨، البحرالرائق، كوئٹه ٣/٢٥٧، زكريا ٣/٤٣٩، تبيين الحائق، امداديه ملتان ٢/٢١٨، زكريا ٣/٨٢، هندية، زكريا١/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۸۹)

طلاق دیدوں گا کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۹؍ جون بروز بدھ کو میری بیوی فیروز جہاں ایک پڑوسی لڑکے سے بات کر رہی تھی، اس کو بات کرتے ہوئے دیکھ کر مجھے شک ہوا، تو میں نے اپنی بیوی کو تھپڑ مادیا، پھر میرے پھوپھی زاد بھائی آگئے، میں نے ان سے کہا کہ اس عورت کو جو میری بیوی ہے، یہاں سے ہٹادو یہاں سے لیجاؤ، ورنہ میں طلاق دیدوں گا، پھر میں بے ہوش ہوگیا، ہوش آنے کے بعد مجھے معلوم ہوا، میری بیوی اپنے والد کے گھر چلی گئی، میرے چھ بچے ہیں، ہم دونوں ایک ساتھ رہنے کے لئے تیار ہیں۔ کیا شرعاً ہم دونوں ایک ساتھ رہ سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد یاسین محلّہ قانون گویان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعۃً بات یہی ہے کہ آپ نے اپنی بیوی سے یہی کہا

تھا کہ میں طلاق دیدوں گا، تو یہ وعدۂ طلاق ہے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی، ایسی صورت میں آپ کا نکاح بدستور باقی رہے گا۔

وفي المحيط: لو قال بالعربية: أطلق لا يكون طلاقاً. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق، بالألفاظ الفارسية، زكريا ١/٣٨٤، جديد زكريا ١/٤٥٢)

ولو قال: أطلقك لم يقع. (سكب الأنهر، قديم ١/٣٨٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٤)

أنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (در مختارمع الشامي، كراچي ٣/٣١٩، زكريا٤/٥٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۸۸۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۴ھ

طلاق دیدوں گا کہنے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال [۶۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا، جھگڑا ہونے کے بعد میں اپنی سسرال گیا، اور میں نے اپنی ساس سے یہ کہا کہ تم اپنی لڑکی کو بلا لو، اتنی بات کہہ کر میں اپنے گھر آ گیا، اس کے بعد پھر ہم دونوں میں جھگڑا ہوا، وہ مجھ سے لڑنے کے بعد ہمارے چچا کے گھر چلی گئی، پھر میں نے چچا کے گھر جا کر چچا کے گھر والوں کے سامنے یہ کہا کہ اگر تو زیادہ بولے گی، تو میں تجھے طلاق دیدوں گا، اس کے بعد یہ چچا کے گھر سے آ گئی اور مجھ سے لڑنے لگی، تو میں نے اس بات پر یہ کہا کہ میں نے تم سے پچاس بار کہا ہوگا کہ ’’اس وقت تم اپنی ماں کے گھر چلی جاؤ‘‘ جھگڑے کے دوران ان کی بھابھی آ گئی، اور وہ ہمارے گھر بیٹھی، تو میں نے اس سے کہا کہ تم اپنی نند کو بلا کر لے جاؤ، پھر ایک گھنٹہ بعد اس کی ماں (ہماری ساس) آئی اور بولی

کہ تو اپنے شوہر (مجھ سے) پردہ کر، پردہ کرنے والی بات میرے سامنے نہیں ہوئی اور یہ بات میری دوسری بیوی نے بتلائی تو میں نے کہا کہ جب میں نے طلاق ہی نہیں دی تو پردہ کا کیا حکم پھر اس (بیوی) کا بھائی نسیم احمد اس کو بلا کر لیجانے لگا، تو اس کی سوکن (میری دوسری بیوی) نے اس کو بہت روکا، مگر میں نے نہیں روکا؛ اس لئے کہ میں اس وقت غصہ میں تھا، تو اس کا بھائی بولا کہ اس وقت لیجانے دو، پھر بعد میں دیکھا جائے گا، اس کے بعد یہ نئی بات لڑکی کے محلّہ والوں نے بتائی کہ تجھے چھوڑ دی؛ جبکہ میں نے چھوڑنے کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا، اتنا ضرور کہا تھا، طلاق دیدوں گا، مگر طلاق کا ارادہ نہیں تھا؛ کیونکہ میں غصہ کی حالت میں تھا، طلاق کا ارادہ پھر بھی نہیں تھا۔ شریعت مطہرہ کیا کہتی ہے طلاق ہوئی یا نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: عبدالواحد، کھیڑا ٹانڈہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ کی تحریر واقعہ کے مطابق بالکل صحیح ہے، تو مذکورہ صورت میں بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور شوہر کا یہ کہنا کہ طلاق دیدوں گا، یہ آئندہ کے لئے تو وعدہ ہے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لو قال: أطلقک لم یقع. (الدر المنتقي في شرح ملتقي الأبحر، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق، قدیم ۱/۳۸۷، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۱٤، هندیة، زکریا۱/۳۸٤)

أنا أطلق نفسي لم یقع؛ لأنه وعد. (در مختار مع الشامي، کراچي۳/۳۱۹، زکریا٤/۵۵۹)

اور شوہر کا یہ کہنا کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ، اس سے اگر شوہر نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا ہے، تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہوئی اور قرائن وبیان سے نیت نہ کرنا واضح ہے؛ اس لئے کسی طرح کوئی طلاق صورت مذکورہ میں واقع نہیں ہوئی۔

اخرجي اذهبي تلزم النية. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣٠٢/٣، زكريا٤/٥٣٤، كذا في البدائع، زكريا٣/١٦٧، ١٦٩، وكذا في البحرالرائق، كوئٹه٣/٣٠٢، ٣٠٣، زكريا٣/٥٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۴۰۳)

بوقت نزاع ''طلاق دیدوں گا'' کہنا

سوال [۶۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی سے لڑائی اور تکرار کے دوران یہ کہا کہ میں تمہیں طلاق دیدوں گا، تو اس جملہ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ یہ جملہ دو دفعہ کہا تھا۔

المستفتی: سلیم احمد، ڈمگڑھ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دیدوں گا کہنے سے کوئی طلاق نہیں ہوئی، یہ لفظ ایک دفعہ کہا ہو یا دو دفعہ یا تین دفعہ، ہر حال میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا دونوں کے درمیان نکاح بدستور باقی ہے۔

ولو قال: أطلقک لم يقع. (سكب الأنهر في شرح ملتقي الأبحر، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق قديم ٣٨٧/١، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١٤/٢)

بخلاف كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك......لو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً. (هندية، زكريا١/٣٨٤، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، جديد زكريا ٤٥٢/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۲۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۰/۸ھ

”طلاق دیدوں“ کہنے کا حکم

سوال[۶۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکا مرادآباد کا رہنے والا ہے، اور دبئی میں نوکری کرتا ہے، لڑکے کی شادی کو لگ بھگ ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے، شادی کے قریب چھ ماہ بعد سے لڑکی کے بیانات پر ایسا لگتا ہے کہ نوک جھونک لڑکے نے شروع کردی، اسی دوران شوہر نے بیوی سے کہا کہ ایسا حال بنادوں گا کہ تم مجھے ازخود طلاق دیدوگی کہ ابھی یہ نیا واقعہ پیش آیا، تقریباً عید سے ہفتہ دس دن پہلے کی بات ہے کہ شوہر اپنی بیوی سے ٹیلیفون پر یہ الفاظ ادا کرتا ہے کہ اللہ کی قسم میں تمہیں طلاق دیدوں گا، میں یہ سچ کہہ رہا ہوں، ایسے حالات میں علماء کرام قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ کیا کریں؟

المستفتی: حاجی عبدالسلام، مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق دیدوں گا کے الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، یہ الفاظ وعدۂ طلاق پر دلالت کرتے ہیں، اس نے صرف طلاق کی دھمکی دی ہے؛ لہٰذا دونوں کے درمیان نکاح بدستور باقی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۲۴۶/۱۲، میرٹھ ۹۲/۱۹)

فقال الزوج: ”طلاق میکنم طلاق مینکم“ بالتشکیک وكرر ثلاثاً طلقت ثلاثاً بخلاف كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا ۳۸٤/۱، جديد زكريا ٤٥۲/۱)

أنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (در مختار مع الشامي، كراچي ۳۱۹/۳، زكريا ٥٥۹/٤)

لو قال: أطلقك لم يقع. (سكب الأنهر في شرح ملتقي الأبحر قديم ۳۸۷/۱،

دارالکتب العلمية بيروت ٢/ ١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۱۶۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍ ۱۰؍ ۱۴۳۵ھ

''تجھے طلاق دوں'' کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی نے سب لوگوں کے سامنے کہا ہے کہ لڑکے نے چھ سات دفعہ اس طرح کہا ہے کہ ''میں تجھے طلاق دوں'' گواہوں نے سنا کہ ہم نے دو مرتبہ سنا، لڑکے کی والدہ کہتی ہے دو مرتبہ، لڑکے کی بھاوج کہتی ہے چار مرتبہ سنا۔ واللہ اعلم شوہر کہتا ہے کہ میں نے نشہ اور غصہ کی حالت میں دو مرتبہ طلاق طلاق کہا، لڑکی نہ حمل سے ہے اور نہ ہی ایام حیض ہیں۔ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: شمس الدین، کٹ گھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں شوہر کے نشہ کی حالت میں دو مرتبہ طلاق طلاق کہنے سے اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر اندر رجعت کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کے بعد اگر کبھی بھی ایک طلاق دیدے گا، تو اس کی بیوی مغلظہ بائنہ ہوجائے گی۔ بغیر حلالۂ شرعیہ کے اس سے نکاح درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹؍ ۸۷، احسن الفتاوی ۵؍ ۱۸۲)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو تقديراً. بدائع؛ ليدخل السكران (در مختار) وفي الشامية: فإنه في حكم العاقل زجراً له.

(در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، كراچي ٣/ ٢٣٥، زكريا ٤/ ٤٣٨)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ. وهومذهب أصحابنا. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٩٤ رقم: ٦٥٠٩، عالمگيري، زكريا ١/ ٣٥٣، جديد زكريا ١/ ٤٢٠، شامي، زكريا٤/ ٤٤٨، كراچي ٣/ ٢٤١، محيط برهاني، المجلس العلمي بيروت ٤/ ٣٩١، رقم: ٤٦٣٤)

اگرشوہر کونشہ کی وجہ سے صحیح یاد نہ ہواور وہاں جولوگ موجود تھے، ان کوصحیح یاد ہواور سب یہی کہتے ہوں کہ طلاق دیدوں کہا ہے، تو ایسی صورت میں چاہے طلاق کتنی مرتبہ کہا ہواس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۱۰۰)

أنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (در مختار، زكريا٤/ ٥٥٩، كراچي٣/ ٣١٩)

بخلاف کنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك......لو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً. (هندية، زكريا١/ ٣٨٤، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، جديد زكريا ١/ ٤٥٢)

لو قال: أطلقك لم يقع. (سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸/ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۴۱)	۱۴۲۱/۷/۱۹ھ

تو گھر چلی جا ورنہ میں تجھے طلاق دے دوں گا

سوال [۶۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شاہ نور نے اپنی بیوی سے لڑائی کے دوران یہ کہا کہ تو گھر کو چلی جا، ورنہ میں تجھے طلاق دیدوں گا۔ اب سوال یہ ہے کہ شاہ نور کی بیوی پر اس جملہ سے کوئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ حکم شرعی تحریر فرمائیں۔

المستفتی: شاہ نور، محلّہ جامع مسجد گلی-۱، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعۃً شوہر نے یہی جملہ کہا ہے کہ میں تجھے طلاق دوں گا، تو اس کی وجہ سے اس کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

بخلاف قوله كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك. وفي المحيط لو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقاً. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا ١/٣٨٤، جديد زكريا ١/٤٥٢)

لو قال: أطلقك لم يقع. (سكب الأنهرفي شرح ملتقي الأبحر قديم ١/٣٨٧، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۳۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۹ھ

اگر تم جاؤ گی تو میں تمہیں نہیں رکھوں گا کہنے کا حکم

سوال [۶۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی نے کہیں جانے کے لئے اجازت مانگی، زید نے اجازت نہیں دی، بیوی نے زیادہ اصرار کیا، تو انہوں نے کہا کہ تم اگر جاؤ گی تو میں تمہیں نہیں رکھوں گا، اسے بیوی نے منظور کرلیا، اب نہ یہ بلاتا ہے اور نہ وہی آتی ہے، اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: اقبال احمد، امام بڑی مسجد، جالو پورہ، جے پور (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا یہ کہنا کہ اگر تم جاؤ گی تو میں نہیں رکھوں گا، اس سے وقوع طلاق معلق نہیں ہوتا؛ بلکہ وعدۂ طلاق معلق ہے شرط پر، اس سے طلاق واقع نہیں

ہوئی؛ بلکہ از سرنو طلاق دینے سے طلاق واقع ہوسکتی ہے؛ لہٰذا صورت مذکورہ میں شرعاً کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لو قال: أطلقک لم یقع. (الدر المنتقي، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق، قدیم ۱/ ۳۷۲، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱٤)

بخلاف کنم؛ لأنه استقبال فلم یکن تحقیقاً بالتشکیک......لو قال بالعربیة: أطلق لایکون طلاقاً. (هندیة، زکریا ۱/ ۳۸٤ ،کتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسیة،جدید زکریا ۱/ ٤٥۲)

أنا أطلق نفسي لم یقع؛ لأنه وعد. (در مختار مع الشامي، کراچي ۳/ ۳۱۹، زکریا٤/ ٥٥۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ شوال المکرّم ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۴۴۲)

طلاق دیدینی چاہئے طلاق دیدوں گا، طلاق کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہنا

سوال [۶۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری کسی بات پر اپنی بیوی سے تکرار ہوگئی، میں نے پہلی دفعہ کہا ”ایسی عورت کو طلاق دیدینی چاہئے“ دوسری مرتبہ کہا ”میں تجھے طلاق دیدوں گا“ تیسرا لفظ یہ کہا کہ ”اب ہمارے بیچ طلاق کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے“۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین، مینا نگر، گلی نمبر ۳، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جتنے الفاظ شوہر نے استعمال کئے ہیں، وہ سارے الفاظ لڑائی جھگڑے کے درمیان دھمکی پر محمول ہیں، ان الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ اس

لئے کہ پہلا لفظ ”طلاق دیدینی چاہئے“ اور دوسرا لفظ ”میں تجھے طلاق دیدوں گا“ یہ دونوں لفظ استقبال کے لئے ہیں، جو صرف وعدۂ طلاق ہیں وقوع طلاق نہیں ہیں اور تیسرا لفظ کہ ”اب ہمارے لئے طلاق کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے، یہ بھی مستقبل میں طلاق دینے کی دھمکی ہے، اس مذکورہ واقعہ میں کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۲۴۷، فتاوی دارالعلوم ۹/۴۴۵)

ولـو قـال بـالعربية: أطلق لايكون طلاقاً. (هـنـديه كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا ١/٣٨٤، جديد زكريا ١/٤٥٢)

لـو قال: أطلقک لم يقع. (الـدر الـمنتقى شرح ملتقي الأبحر، قديم ١/٣٨٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٤)

لو قال: أردت طلاقک لا يقع. (خانية على لهندية ١/٤٥٢، زكريا جديد ١/٢٧٢)

بـخـلاف قـولـه كـنـم ؛ لأنه استقبال، فلم يكن تحقيقاً بالتشكيک. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا قديم ١/٣٨٤، جديد زكريا ديو بند ١/٦٥٢)

قـولـه طـلقي نفسک، فقالت: أنا طالق وأنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (در مختار، كراچي ٣/٣١٩، زكريا٤/٥٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۲۵)

میکہ گئی تو طلاق دیدوں گا سے طلاق

سوال [۶۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی میکہ جانے کی ضد کر رہی تھی میں نے کہہ دیا کہ اگر تم اپنے میکہ گئیں تو میں

تمہیں طلاق دیدوں گا، یہ کہہ کر میں باہر چلا گیا، میرے پیچھے اس کی ماں اور اس کا بھائی اس کو اپنے ساتھ میکہ لے کر چلے گئے، اس واقعہ کو تقریباً ایک سال ہو گیا، وہ اب تک میکہ ہی میں ہے طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر اس کو ساتھ رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہے یا نہیں؟

المستفتی: قمر علی، دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دیدوں گا کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، ان الفاظ میں آئندہ طلاق دینے کا وعدہ ہے اور طلاق اب تک دی نہیں؛ اس لئے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور میکہ جانے کے بعد بھی چاہے سالہا سال بھی گذر جائے بدستور اسی شوہر کی بیوی رہے گی؛ لہٰذا جب چاہیں دونوں آپس میں ساتھ رہ سکتے ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۱۸/۹۳، ڈابھیل ۱۲/۲۴۶ تا ۲۵۰)

بخلاف قوله كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك.

(عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا ۱/۳۸٤، جديد زكريا ۱/٤٥٢)

قوله طلقي نفسك، فقالت: أنا طالق، أو أطلق نفسي لا يقع.

(الدر مع الرد، كراچي ۳/۳۱۹، زكريا٤/٥٥٩، البحر الرائق، ۳/۳۱٤، كوئٹه۳/٥٤٥، مطبع زكريا ديوبند) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۲۴ھ

چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر میرے گھر سے چلی جاؤ ورنہ طلاق دیدوں گا

سوال [۶۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تم میرے گھر سے چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر چلی جاؤ ورنہ میں تم کو طلاق دیدوں گا، تو عورت چوبیس گھنٹہ کے اندر اندر گھر سے چلی گئی، کسی دوسرے کے یہاں، تو کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسرائیل، سپولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں صرف وعدۂ طلاق ہے؛ اسلئے اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ولو قال: أطلقک لم یقع. (الدر المنتقي، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق قدیم ۱/۳۸۷، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۱٤)

قال: طلقي نفسک، فقالت: أنا أطلق لایقع. (البحر الرائق، کوئٹه۳/٤ ۳۱، زکریا۳/٥٤٥)

بخلاف قوله کنم؛ لأنه استقبال فلم یکن تحقیقاً بالتشکیک......ولو قال بالعربیة: أطلق لایکون طلاقاً. (هندیة، زکریا ۱/۳۸٤، کتاب الطلاق الفصل السابع في الطلاق با لألفاظ الفارسیة جدید زکریا ۱/٤٥۲)

أنا أطلق نفسي لم یقع؛ لأنه وعد. (در مختار مع الشامي، کراچي ۳/۳۱۹، زکریا٤/٥٥۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۴۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۱۸ھ

تجھے چھوڑ دوں گا سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ بیوی نے اپنے شوہر کو غصہ میں بیٹا اور بھیا کہہ دیا، تو جواب میں شوہر نے کہا تو نے مجھے ایسا کیوں کہا؟ میں تجھے چھوڑ دوں گا، تو اس سے نکاح میں کوئی اثر پڑا یا نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان، پاکبڑا ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اللہ تعالیٰ نے شوہر کے قول اور لفظ میں عقد نکاح میں خرابی کا اثر رکھا ہے، بیوی کے کسی قول ولفظ میں خرابی کا اثر نہیں رکھا ہے؛ اس لئے بیوی کے مذکورہ الفاظ کی وجہ سے عقد نکاح میں کوئی اثر نہیں پڑے گا اور شوہر کا جملہ تجھے چھوڑ دوں گا یہ استقبال کا صیغہ ہے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

ولو قال: أطلقک لم يقع. (الدر المنتقي، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق قديم ١/٣٨٧، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٤)

قال: طلقي نفسک، فقالت: أنا أطلق لايقع. (البحر الرائق، كوئٹه٣/٤ ٣١، زكريا٣/٥٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ر ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۷۶)

تجھے نہیں رکھوں گا سے طلاق

سوال [۶۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی اور شوہر کے درمیان جھگڑے کے دوران شوہر نے اپنی بیوی سے غصہ کی حالت میں کہا کہ میں اب تجھے نہیں رکھوں گا، تجھے طلاق دیدوں گا تو چاہے تو اپنا فیصلہ کرلے، تو کیا ان الفاظ سے طلاق ہوجائے گی؟

المستفتی: محمد عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق دے دوں گا یانہیں رکھوں گا کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں نکاح بدستور باقی ہے۔

ولو قال: أطلقك لم يقع. (سكب الأنهر في شرح ملتقي الأبحر، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق قديم ۱/۳۸۷، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱٤)

بخلاف كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك......ولو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً. (هندية، زكريا ۱/۳۸٤، كتاب الطلاق الفصل السابع فى الطلاق با لألفاظ الفارسية جديد زكريا ۱/٤٥۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۱۵۳۵۱۵)

اگر تو پانی پت چلی گئی تو تجھے طلاق دیدوں گا

سوال [۶۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکے نے اپنی بیوی کو موبائل فون پر یہ کہا، اگر تو پانی پت چلی گئی، تو تجھے طلاق دیدوں گا، لڑکی ٹرین سے پانی پت جارہی تھی، لڑکی بغیر بتائے اپنے بھائی کے ساتھ میرے گھر سے میری غیر موجودگی میں چلی گئی، مذکورہ الفاظ کے علاوہ اور کوئی لفظ نہیں کہا، صرف بغیر اجازت سفر کرنے سے روکنے کے لئے طلاق دیدینے کی دھمکی دی تھی۔

لڑکی کا یہ کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تو پانی پت جائے گی، تو تجھے طلاق دی، یہ بات موبائل فون پر ٹرین میں سفر کرتے ہوئے ہوئی اور لڑکی کو باپ کے گھر گئے ہوئے قریب ڈیڑھ سال ہوگیا، لڑکی نے کبھی طلاق کا ذکر تک نہیں کیا، جب کبھی بات ہوتی تھی تو یہ کہتی تھی کہ آپ اپنی

زندگی بدل دو، میں آجاؤں گی، طلاق کی بات صرف ایک ماہ سے لڑکی کے باپ نے کہنی شروع کی لڑکی نے کبھی ہمارے سامنے طلاق کونہیں کہا۔

المستفتی: شمس الدین، برتھی گنج، کانٹھ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے نے یہ جوکہا کہ اگرتوپانی پت گئی،تو تجھے طلاق دیدوں گا،تو اس طرح طلاق دیدوں گا، کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اورلڑکی کا یہ کہنا کہ شوہرنے یہ کہا تھا کہ پانی پت جائے گی تو تجھے طلاق دی،تو تجھے طلاق دی کے لفظ سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے،عدت کے اندراندرشوہرکورجعت کا حق حاصل ہوتا ہےاورعدت کے بعدبغیرحلالہ کے نکاح کرناشوہرکے لئے جائزہے؛لیکن یہ لڑکی کاصرف دعویٰ ہےاورلڑکا اس کا انکارکررہاہے، ایسی صورت میں لڑکی کے اوپرلازم ہے کہ شرعی گواہوں کے ذریعہ سے ’’تجھے طلاق دی‘‘ کے الفاظ ثابت کردےاوراگرلڑکی کے پاس گواہ نہیں ہیں، تواس کے دعویٰ کا اعتبارنہیں اورشوہرسے قسم لےکرشوہرہی کی بات کا اعتبار کیاجائےگااوربیوی شوہرکےنکاح میں بدستورباقی سمجھی جائےگی۔

بخلاف قولها أطلق نفسي لايمكن جعله إخباراً عن طلاق قائم؛ لأنه إنما يقوم باللسان، فلو جاز لقام به الأمران في زمن واحد وهو محال.

(شامي، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، زكريا ٤/ ٥٥٨، كراچي ٣/ ٣١٩)

فإن اختلفا في وجود الشرط، فالقول له مع اليمين لإنكاره الطلاق إلاإذا برهنت. (شامي، كراچي ٣/ ٣٥٦، زكريا ٤/ ٦٠٩-٦١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۰۹۲۶)

”لے تجھے دے ہی دی“ کہنا

سوال [۶۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی گھر والوں کی پسند سے ہوئی تھی، پہلی رات میں جب اپنی بیوی سے بات چیت کی تو اچانک اسے ایک ہیجان سا پیدا ہوگیا اور دل کرتا تھا کہ کمرہ چھوڑ کر چلا جائے؛ لیکن عزت کی وجہ سے باہر نہیں گیا؛ بلکہ لاحول اور دو رکعت نفل پڑھی، پھر بھی گھبراہٹ رہی، یہی ہیجان اکثر نفرت میں بدل جاتا تھا اور عجیب طرح کی نفرت رہتی تھی؛ لیکن اللہ سے دعا کر کے زید اپنی زوجہ سے دل لگانے لگا۔ اس دوران ایک بچہ بھی ہوا، بچہ ہونے کے بعد زید اپنے آپ کو بدل لینا چاہتا تھا اور ہر وقت خدا سے بہتری کی دعا کرتا رہتا تھا، زید کو یہ شک تھا کہ اس پر کوئی جادو یا سحر کیا گیا ہے۔

ایک مرتبہ زید اپنی اہلیہ کو لے کر اس کے والد سے ملانے کے لئے گیا، وہاں پر زید کی اپنی زوجہ سے کسی بات پر کہاسنی ہوگئی، زید ایک دم غصہ میں ہیجان میں آگیا اور یہ کہہ دیا کہ ”لے تجھے دے ہی دی، یا پھر لے تجھے دے ہی دوں گا“ کہہ کر کمرے سے باہر صحن میں آکر بھی کچھ کہہ دیتا ہے، زید کو تو کچھ یاد نہیں پھر وہاں پر ایک پڑوس کی لڑکی بیٹھی تھی، وہ کہتی ہے کہ آپ نے یہ لفظ کہے تھے، شگفتہ تم گواہ رہنا میں تین طلاق دے رہا ہوں، شگفتہ وہاں موجود نہیں تھی؛ بلکہ دوسری لڑکی بیٹھی تھی، یہ اسی دوسری لڑکی کا بیان ہے اور زوجہ کہتی ہے کہ میں نے تو کچھ سنا ہی نہیں؛ کیونکہ وہ اندر کمرہ میں بیٹھی تھی، زید کافی پریشان ہے؛ کیونکہ اس سے پہلے بھی اکثر اس سے زیادہ جھگڑا ہو جاتا تھا؛ لیکن یہ لفظ کبھی زبان پر نہیں آئے، زید کے گھر والے اور زوجہ کے گھر والے اسے طلاق مان رہے ہیں؛ لیکن زید اور اس کی زوجہ نہیں مانتیں اور ایک ساتھ رہنے پر مصر ہیں۔

المستفتی: سہیل احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لے تجھے دے ہی دی کہا ہے، تو ایک طلاق پڑ گئی ہے اور اگر لے تجھے دے ہی دوں گا کہا ہے، تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی باہر صحن میں آکر اس نے کیا کہا تھا، اس کو متعین کر کے لکھیں تب ہی پورا حکم لکھا جاسکتا ہے اور صرف ایک لڑکی کے بیان سے تین طلاق ثابت نہ ہوں گی؛ جبکہ زید اور اس کی بیوی اس کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں، اس کے ثبوت کے لئے دو مرد یا ایک مرد دو عورت کی شہادت لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . [البقرة:۲۸۲]

وماسویٰ ذٰلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل وامرأتین سواء کان الحق مالاً أو غیر مال مثل النکاح والطلاق. (هداية، کتاب الشهادة، اشرفي ديوبند۳/۱۵٤، البحر الرائق، کوئٹه ۷/٦۲، زکریا۷/۱۰٤، درمختار مع الشامي، کراچي ٥/٤٦٥، زکریا ۸/۱۷۸، هندية، زکریا ۳/٤٥۱، الجوهرة النيرة ملتان ۲/۳۲٦، دارالکتاب ديوبند ۲/۳۰۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۵۰۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۳ھ

تو خاموش ہوجا، میں تیرے مہر کے پیسے بھی دیدوں گا سے طلاق کا حکم

سوال [٦٢٧٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر نے میرے سامنے ایک مرتبہ یوں کہا کہ میں نے تجھے آزاد کیا، دوسری مرتبہ یوں کہا کہ اگر میں تجھ سے صحبت کروں، تو اپنی ماں، اپنی بہن، اپنی لڑکی سے زنا کروں، تیسری مرتبہ یوں کہا کہ تو اپنا مہر لے لے، شوہر کی والدہ نے کہا کہ میرے

لڑکے نے تجھے آزاد کر دیا ہے اب تو رو دھو لے یہ لڑکی اپنی گواہی میں ایک عورت کو بتاتی ہے، اس کا بیان ہے کہ یہ لڑکی مجھے گھر سے بلا کر لائی، اس کا شوہر کپڑوں میں آگ لگا رہا تھا، میں نے اس سے کہا کہ ظہور ایسا نہ کرو، ظہور نے کہا کہ میرا گھر ہے، میں چاہوں تو سب میں آگ لگا دوں اور یہ بھی کہا کہ میں نے اس کو آزاد کر دیا ہے، میں نے اس کا معاملہ صاف کر دیا ہے اور میں اس کا مہر دوں گا، اور میں اس سے صحبت کروں تو اپنی ماں، اپنی بہن، اپنی لڑکی سے زنا کروں۔ اس کا میرا رشتہ ختم ہو گیا، میں اس کا مہر دوں گا، ایک تیسری عورت کا بیان ہے کہ ظہور دو دن کے بعد مجھے گھر سے بلا کر لایا، میرے سامنے ظہور نے یہ کہا کہ میں نے اس کو آزاد کر دیا ہے، میں نے ظہور سے کہا ایسا نہ کر، ظہور نے کہا کہ میں نے اس کا معاملہ صاف کر دیا، میں اس کا مہر دوں گا۔

شوہر کا حلفیہ بیان

میری والدہ اور بیوی آپس میں لڑ رہی تھیں، اس رنجش میں ان کو دو دن ہو گئے، میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو خاموش ہو جا، اس پر میری بیوی نے جواب دیا کہ اپنی ماں کو تو ایک مرتبہ بھی چپ نہ کیا، میرے اوپر بندش لگاتا ہے، میرا تیرا نباہ نہیں ہوگا، تو میرے مہر کے پیسے دیدے، اس پر میں نے قسم کھائی اور یہ کہا کہ تو خاموش ہو جا، میں تیرے مہر کے پیسے بھی دیدوں گا، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ مذکورہ بیانات سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد قاسم جلال آباد ضلع بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ شوہر کے بیان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے، جس سے وقوع طلاق لازم آتا ہو، اس لئے شوہر کے بیان کے مطابق شرعاً کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور

بیوی کے بیان میں اگر چہ ایسے الفاظ موجود ہیں، جن سے طلاق واقع ہوجاتی ہے،لیکن شوہر نےحلفیہ بیان سے اس کا انکار کیا ہے۔اور بیوی کے پاس شرعی شہادت کے لئے دوعادل مرد یاایک عادل مرداوردوعادل عورتوں کی متفقہ شہادت نہیں ہے؛اس لئے شرعاً بیوی پرطلاق واقع ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے؛لہٰذا طلاق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

قال الله تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . [البقرہ:۲۸۲]

وماسویٰ ذٰلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أورجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً، أوغير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق.

(الجوهرة، كتاب الشهادت، امداديه ملتان ۲/۳۲٦، دارالكتاب ديوبند ۲/۳۰۹، هداية، اشرفي ديوبند۳/۱٥٤، البحر الرائق، كوئٹه ۷/٦۲، زكريا۷/۱۰٤، در مختارمع الشامي، كراچي ٥/٤٦٥، زكريا۸/۱۷۸، هندية، زكريا۳/٤٥۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۴ر محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۱۶۰۹/۲۵)

(۱۲) باب الطلاق الصريح

طلاق صریح اور بائن میں فرق

سوال [۶۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طلاق صریح وطلاق بائن میں کیا فرق ہے؟

المستفتی: محمد سلیم الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق صریح ورجعی اس کو کہا جاتا ہے، جو ایسے الفاظ کے ساتھ بولی جائے، جو طلاق ہی کے لئے مستعمل ومعروف ہیں؛ لہٰذا لفظ طلاق لفظ چھوڑ دیا، آزاد کردیا فارغ خطی وغیرہ سے طلاق صریح ورجعی واقع ہوجائے گی۔

إن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

اورطلاق بائن کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، جو صرف طلاق کے لئے مستعمل و معروف نہیں ہیں؛ بلکہ دوسرے مقاصد کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔

وكنايته عند الفقهاء مالم يوضع له أي الطلاق واحتمله وغيره.

(در مختارمع الشامی، کراچي ٣/ ٢٩٦، زكريا ٤/ ٥٢٦)

لہٰذا لفظ چلی جا تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں وغیرہ سے نیت کے ساتھ طلاق واقع ہوسکتی ہے۔

وأما الكناية فنوعان: نوع هو كناية بنفسه وضعاً، ونوع هو ملحق بها شرعاً في حق النية، أما النوع الأول فهو كل لفظ يستعمل في الطلاق، ويستعمل في غيره نحو قوله......اخرجی،اغربي، انطلقي، انتقلي......وإذا

احتملت هذه الألفاظ الطلاق وغير الطلاق، فقد استتر المراد منها عند السامع، فافتقرت إلى النية لتعيين المراد. (بدائع الصنائع، زکریا ۳/۱٦٧-١٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۸۱۹)

طلاق صریح میں نیت کا حکم

سوال [۶۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے ٹیلی فون کان سے ہٹا کر رکھنا چاہا کہ اتنے میں شوہر نے ٹیلیفون پر بیوی سے ناراضگی کا اظہار کیا، بیوی نے ٹیلیفون کان سے ہٹا کر رکھنا چاہا کہ اتنے میں اس نے ''طلاق، طلاق، طلاق'' کہا عورت کا دعویٰ ہے کہ میں نے نہیں سنا تھا، اب دو امر قابل غور ہیں:

(۱) شوہر کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تھی۔

(۲) کچھ گھریلو عورتوں کے کہنے کی وجہ سے کہ جلدی سے ہمبستری کرلو طلاق ختم ہو جائے گی، تیسرے ہی دن اس نے ہمبستری کرلی۔ اب اس طلاق کا کیا حکم ہوگا اور آسان سے آسان شکل کیا ہوگی؟

المستفتی: عبداللہ قاسمی، دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے جب بیوی سے ٹیلیفون پر طلاق کا لفظ تین مرتبہ کہدیا ہے، اور تین مرتبہ کہنے کا شوہر اقرار کر رہا ہے تو تینوں طلاقیں معتبر ہوں گی اور طلاق واقع ہونے کے لئے نیت شرط نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر حرام ہوگئی۔ اب آئندہ بغیر حلالہ کے اس سے نکاح درست نہیں ہوگا اور طلاق واقع

ہونے کے بعد دونوں کے درمیان میں جو ہمبستری واقع ہوئی ہے، وہ وطی بالشبہ ہے، اس سے رجعت نہیں ہوگی توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں ہے صرف شوہر کا اقرار کافی ہے۔

ولو أقر بالطلاق كاذباً أوهازلاً وقع قضاءً لا ديانةً. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا ٤/ ٤٤٠)

لو أقر بالطلاق وهو كاذب وقع في القضاء. (البحر الرائق، زكريا ٣/٤٢٨، كوئٹه ٣/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۴۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۵ھ

الفاظ صریح میں بلا نیت وارادہ طلاق کا حکم

سوال [۶۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اللہ کو حاضر وناظر جان کر لکھ رہی ہوں کہ ایک سال قبل آپ نے میرے والد صاحب کے سوال پر طلاق مغلظہ کا فتوی دیا؛ لیکن والد صاحب کا سوال واقعہ سے بالکل مختلف تھا، واقعہ اس طرح تھا کہ میرے شوہر میرے والد سے یہ کہتے ہیں کہ آپ مجھ سے بات کیجئے میں ہوں اس کا شوہر، تو اس پر میرے والد نے کہا تھا کہ تو اس کا شوہر نہیں ہے، اس سے بات مت کر، یہ تیری بیوی نہیں ہے، اس پر انہوں نے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں، بولے اس کو طلاق دیدے آزاد کردے، اس پر وہ کئی بار طلاق طلاق کہہ کر چلے گئے، والد صاحب نے ایسا کیوں کہا، اس بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی، اللہ بہتر جانتا ہے، اب میری حقیقی ماں کا بھی انتقال ہوگیا ہے اور والد صاحب بھی اللہ کو پیارے ہوگئے، میرے نہ کوئی بھائی ہے اور نہ بہن میرا شوہر سے نہ کوئی جھگڑا تھا اور نہ کوئی رنجش صرف اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے آئی تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر میرا شوہر قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ میرا کبھی اس عمل کا ارادہ یا نیت نہیں تھی اور میں بھی خود قسم کھاتی ہوں کہ میرا کبھی اس قسم کا ارادہ نہیں تھا، تو کیا طلاق مغلظہ کا حکم نہیں ہوگا اور میں دوبارہ نکاح کر کے رجوع کر سکتی ہوں؟

المستفتیه: شاہ بانو، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کی اس تحریر کے مطابق بھی طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے؛ اس لئے کہ طلاق میں نیت اور ارادہ کا دخل نہیں ہوتا؛ بلکہ زبان کے تلفظ کا اعتبار ہوتا ہے اور زبان سے تین مرتبہ طلاق دیدی گئی ہے؛ لہٰذا اب بلاحلالہ دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا۔

عن سماکؒ قال: سمعت عکرمةؓ يقول: الطلاق مرتان: فإمساك بمعروف، أو تسريح بإحسان، قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لابن أبي شيبة، ما قالوا في الطلاق مرتان مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۰/۱۹۷، رقم:۱۹۵٦٤)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، زكريا ۱/٤٧٣ جديد زكريا ۱/٥٣٥ مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸۸، تاتارخانية، زكريا ٥/۱٤٧، رقم:۷٥٠۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رجب المرجب ۱۴۱٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۱۱)

کیا طلاق صریح میں نیت کی ضرورت نہیں ہے؟

سوال [۶۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماں بیٹے میں کچھ جھگڑا ہورہا تھا، اس کے جھگڑے کے باوجود دونوں میاں بیوی تیار ہوکر شادی میں جارہے تھے، ان دونوں میاں بیوی میں کوئی کسی قسم کی رنجش نہیں تھی، دونوں میاں بیوی کمرے کے ایک روم سے باہر نکلے جیسے بیٹا آنگن میں پہونچا تو ماں نے بیٹے سے کوئی ایسا گندہ جملہ کہا کہ اس جملہ کو سن کر بیٹے کو بہت تیز غصہ آیا، اس غصہ میں بیٹے نے بیوی کو طلاق دیدی، تین بار اور میاں بیوی میں کسی قسم کی ناراضگی نہیں تھی، ماں کی لڑائی کے چکر میں بیوی کو طلاق دیدی، لڑکی دالان کی بیڑی پر کھڑی تھی، اس کے کان میں ایک بار طلاق کی آواز آئی۔ دوسری آواز اس کے کان میں گنگنانے کی آئی، اس کے بعد اس کو ہوش نہیں رہا، شبانہ پروین کا کہنا ہے کہ میں نے دو بار سنا اور رخسانہ پروین کا کہنا ہے کہ میں نے تین بار سنا، لڑکی تین مہینہ کے حمل سے ہے، لڑکے کا کہنا ہے میں نے ثمینہ کو دل سے طلاق نہیں دی ہے۔

المستفتی: محمد عمر سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق واقع ہونے کے لئے دل سے دینے کی ضرورت نہیں ہوتی؛ بلکہ صرف زبان سے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اس میں بیوی کا سننا بھی لازم نہیں ہے۔

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

اب اگر میاں بیوی دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو حلالہ کے بغیر ساتھ رہنا جائز نہ ہوگا اور حمل کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور حلالہ کی صورت یوں ہے کہ عدت گذرنے کے بعد

دوسرے مرد سے شرعی طور پر نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستر ہو جائے، اس کے بعد دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے، پھر عدت گذرنے کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح کیا جاسکتا ہے۔

عن سماکؒ قال: سمعت عکرمةؓ یقول: الطلاق مرتان: فإمساک بمعروف، أو تسریح بإحسان، قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نکحها، وإذا طلقها ثنتین فإن شاء نکحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (المصنف لإبن أبي شیبة، ما قالوا في الطلاق مرتان مؤسسة علوم القرآن بیروت ۱۹۷/۱۰، رقم:۱۹۵٦٤)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (فتاوی عالمگیري، کتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، زکریا ۱/۴۷۳ جدید زکریا ۱/۵۳۵ هدایة اشرفي دیوبند ۲/۳۹۹، قدوري امدادیة دیوبند ۱۷۸، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۸۸، تاتارخانیة، زکریا ۱۴۷/۵، رقم:۷۵۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۸۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۱۲ھ

بغیر نیتِ طلاق تین مرتبہ صریح طلاق دینا

سوال [۶۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے اپنی بیوی سے بہتر تعلقات ہیں کسی قسم کی ناخوشگواری نہیں ہے، زید کی والدہ اور بہنیں اکثر زید کی زوجہ سے لڑتی رہتی ہیں، ایک دن جب بہت زیادہ لڑائی ہوئی، تو زید کی بیوی کی ساس اور بہنوں نے اس کی بیوی کو مارا پیٹا، تو زید اپنی بہنوں کو تو کچھ نہ کہہ سکا، البتہ یہ

کہہ گیا کہ سارا جھگڑا میری بیوی ہی کی وجہ سے ہے؛ اس لئے میں نے اسے ’’طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی‘‘ صورت مذکورہ میں زید کی بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں، اگر پڑگئی تو کون سی بائنہ یا رجعی یا مغلظہ زید یہ کہتا ہے کہ میری طلاق دینے کی قطعاً نیت نہیں تھی، مگر الفاظ صریح ہیں، زید اپنی بیوی کے ہمراہ اب بھی زن وشوہر کی طرح رہ رہا ہے حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: اسرار الحق سہس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین دفعہ صاف الفاظ سے طلاق دیدی ہے، تو اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔ بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا اور ان دونوں کا ایک ساتھ رہ کر میاں بیوی کی طرح رہنا حرام کاری اور زنا کاری ہے فوراً الگ ہوجانا لازم ہے۔

عن سماکؒ قال: سمعت عکرمةؒ یقول: الطلاق مرتان: فإمساک بمعروف، أو تسریح بإحسان، قال: …… فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (المصنف لابن أبي شیبة، جدید مؤسسة علوم القرآن بیروت ۱۰/ ۱۹۷، رقم: ۱۹۵٦٤)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها. (هندیة، کتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، زکریا ۱/ ٤۷۳ جدید زکریا ۱/ ٥۳٥ هدایة، اشرفي دیوبند ۲/ ۳۹۹، قدوري امدادیة دیوبند ۱۷۸، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۸۸، تاتارخانیة، زکریا ٥/ ۱٤۷، رقم: ۷٥۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۴۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۱۹ھ

بلانیت طلاق "طلاق، طلاق، طلاق" کہنا

سوال [۶۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر سے کہا کہ ہم نے تمہاری بیوی کو فلاں شخص کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا، تو بکر نے اپنی بیوی کو ایک ہی سانس میں یہ کہا کہ "طلاق، طلاق، طلاق" لیکن اس کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی، تو کیا بکر کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟ اگر طلاق ہوگئی تو بغیر حلالہ کے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد خورشید احمد، محلّہ چودھری سرائے، سنبھل مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب بکر نے اپنی بیوی کو ایک ہی سانس میں تین طلاق دیدیں، تو تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی مغلظہ ہوگئی چاہے بکر کی ان الفاظ سے طلاق دینے کی نیت ہو یا نہ ہو۔

ولايحتاج إلى نية؛ لأن الصريح موضوع للطلاق شرعاً، فكان حقيقة فيه فاستغنىٰ عن النية. (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق قديم ۱/۳۸٦، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۱)

ولا يفتقر إلى النية؛ لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳٥۹)

لہٰذا اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی، اگر شوہر آئندہ اسے رکھنا چاہے، تو حلالہ کے بعد ہی رکھ سکتا ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة،

زكريا ١/٤٧٣، جديد زكريا ١/٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، قدوري امدادية ديوبند ١٧٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۴۶)

بغیر نیت کے ’’جا چھوٹ گئی‘‘ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اور میری بیوی اکیلے لیٹے ہوئے تھے، کسی بات پر میری بیوی نے کہا میں چلی جاؤنگی، مجھے چھوڑ دو، میں نے کہا ’’جا چھوٹ گئی‘‘ اس پر بیوی نے پھر کوئی بات کہی، میں نے دوبارہ کہا ’’جا چھوٹ گئی‘‘، اسی طرح تیسری مرتبہ ہوا گویا کہ وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ ’’جا چھوٹ گئی‘‘ کا لفظ ادا ہوا، پھر اس کے کچھ کہنے پر میں نے کہا کہہ تو دیا، تین بار جا چھوٹ گئی، اس پر بیوی نے کہا اس طرح تو طلاق ہوگئی ہوگی، میں نے کہا میں نے کوئی دل سے تھوڑے ہی کہہ رہا ہوں، اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: فضل الرحمٰن، نجیب آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی بار بیوی کے جواب میں یہ جو کہا ہے ’’جا چھوٹ گئی‘‘ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، چھوٹ گئی کے ساتھ لفظ جا جو آیا ہے، اس سے الگ سے اگر طلاق کی نیت نہ کی ہو، تو اس سے الگ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد چھوٹ گئی جو کہا ہے، اگر وہ پہلی بات کی خبر ہے، اسی طرح تیسری بار جو ’’جا چھوٹ گئی‘‘ کہا ہے، اگر وہ پہلی بات کی خبر ہے، تو آخر دو سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ لہٰذا سوال

نامہ میں درج شدہ صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی اجازت ہے؛ لیکن اگر شوہر نے بعد کی دونوں بار میں الگ الگ دوبارہ طلاق کی نیت کی ہو یا کچھ نیت نہ کی ہو، تو پھر تین طلاق پڑ جائیں گی ،اس کے بارے میں شوہر سے معلوم کرلیا جائے ،اسی کے قول پر حکم شرعی کا اعتبار ہوگا۔

ولو قال: ”رها کردم“: أي سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٢٩٩، زكريا٤/٥٣٠)

الصريح يلحق الصريح. (درمختار مع الشامي، زكريا٤/٥٤٠، كراچي ٣/٣٠٦)

لو قال: أنت طالق، أنت طالق......تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها، ولو قال: عنيت بالثاني الإخبار عن الأول......يصدق فيما بينه وبين الله تعالىٰ. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الثانی فی إيقاع الطلاق، الفصل الاول فی إيقاع الطلاق الصريح، زكريا ١/٣٥٥، جديد زكريا ١/٤٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۱۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍۷؍۱۴۳۱ھ

بیوی طلاق صریح کی عدت کے بعد بائنہ ہوجاتی ہے

سوال [۶۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں بدرالدین ولد حاجی رئیس الدین ساکن امروہہ مراد آباد کا حسین فاطمہ دختر مولانا نسیم الدین صاحب کے ساتھ شرعی طور پر عقدنکاح ہوا،اس نکاح پر میرے گھر والے دباؤ کے ساتھ راضی ہوئے اور بعد میں گھر والوں کی ناراضگی باقاعدہ ظاہر ہوئی

اور ہم دونوں کووالدصاحب نے کچہری لے جا کر سادہ اسٹامپ پر دستخط کرائے، اس کے بعد میرے والدصاحب نے بیوی کے والد سے کہا کہ تمہاری لڑکی نے میرے لڑکے سے طلاق لے لی ہے؛ لہٰذا تم اپنی لڑکی کو لے جاؤ اس کے بعد آپس میں ایک پنچایتی میٹنگ ہوئی، اس میں دوران گفتگو بعض حاضرین نے مجھ سے کہا کہ تم نے لڑکی کو طلاق دیدی، تومیری زبان سے صرف ایک مرتبہ یہ جملہ نکلا کہ اگر لڑکی طلاق چاہتی ہے، تو میں نے طلاق دیدی اور اس واقعہ کو تقریباً چار سال ہونے جارہا ہے، پھر دوبارہ اپنی بیوی کو نکاح میں رکھنا چاہتا ہوں، تو اس کے لئے شرعی حل بتلایئے۔

المستفتی: بدرالدین، امروہہ، محلّہ گذری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور واقعی سادہ اسٹامپ پر ہی دستخط کرایا گیا ہے اور نہ بدرالدین لکھا ہے اور نہ ہی لکھوایا ہے، اور نہ ہی کسی کی تحریر پرسن کر اپنی مرضی سے دستخط کیا ہے، تو اس سے کوئی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوئی ہے۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق، ما لم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٧)

كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لايقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه. (هندية، كتاب الطلاق،قبيل الفصل السابع بالالفاظ الفارسية، زكريا قديم ١/٣٧٩، زكريا جديد ديوبند ١/٤٤٦)

اورحاضرین مجلس کے سامنے بدرالدین کا جملہ کہ اگر لڑکی طلاق چاہتی ہے، تو میں نے طلاق دیدی ہے، تو اس سے شرعاً ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے، اور اس میں جو تعلیق ہے وہ خالی ہے، اس پر معلق نہیں ہوا کرتا ہے۔ نیز اب عدت بھی گزرچکی ہے؛ اس لئے مذکورہ طلاق بائنہ ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب اگر وہ دوبارہ رکھنا چاہے تو تجدید نکاح کے بعد ہی رکھ سکتا ہے۔

لأن التعليق بكائن تنجيز. (شامي، زكريا ٤/ ٥٨١، كراچي ٣/ ٣٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

کیا لفظ سے صریح دی گئی طلاق عدت کے بعد بائن ہو جاتی ہے؟

سوال [۶۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق لکھ کر بھیجدی، صرف ایک جگہ جس کو تقریباً ساڑھے تین ماہ ہو گئے، ایسی صورت میں مجھ کو کیا کرنا چاہئے۔

المستفتی: منت اللہ، تلوا کھر کا سہرسہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ایک طلاق کے بعد عدت گذر جانے کی وجہ سے طلاق بائن ہو چکی ہے؛ لہٰذا اب آپ بیوی سے دوبارہ نکاح کر کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

عن الحسن فلا تعضلوهن، قال: حدثني معقل بن يسار أنها نزلت فيه، قال زوجت أختًا لي من رجل فطلقها حتى إذا انقضت عدتها جاء يخطبها، فقلت له: زوجتك، وفرشتك، وأكرمتك، فطلقتها، ثم جئت تخطبها! لا والله لا تعود إليك أبداً، وكان رجلاً لا بأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه، فأنزل الله هذه الآية: فلا تعضلوهن، فقلت: الآن أفعل يارسول الله! قال: فزوجها إياه. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب من قال لا نكاح إلا بولي، النسخة الهندية ٢/ ٧٧٠، رقم: ٤٩٣٧، ف: ٥١٣٠، سنن الترمذي، التفسير سورة البقره النسخة الهندية ٢/ ١٢٧، دارالسلام رقم: ٣٦١٥)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها .

(عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، زكريا ۱/۴۷۲ جديد زكريا ۱/۵۳۵، هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۸، رقم: ۷۵۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۵۳۸)

کہا کہ ’’طلاق دے رہا ہوں‘‘ طلاق کا حکم

سوال [۶۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ہے کہ میں تم کو طلاق دے رہا ہوں، اس حال میں کہ بیوی اس کے سامنے موجود تھی اور اس شخص نے اپنی زبان سے یہ نہیں کہا ہے کہ ایک طلاق دے رہا ہوں یا دو طلاق دے رہا ہوں، صرف طلاق دے رہا ہوں یہ کہا ہے، تو طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوگئی، تو کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ قرآن وحدیث کے مطابق فیصلہ فرمائیں آپ کا عین کرم ہوگا۔

المستفتی: عبدالماجد ۲۴- پرگنہ، مسجد میاں والی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس جملہ حالیہ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور تعداد ذکر نہ کرنے کی صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے، عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے۔

عن عبد الله وعن ناسٌ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان: قال هو الميقات الذي يكون عليها

فيـه الـرجـعة، فـإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإمـا يسـكـت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (السنن الكبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨١-٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩)

ولـو قـال: أطـلـقک لـم يـقع إلا إذا غلب استعماله في الحال. (الدر المنتقي شرح ملتقي الأبحر، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق قديم ١/ ٣٨٧، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٤)

ولـو قــال: أطـلـقک إن نـویٰ بــه الطلاق يقع وإلافلا. (تـاتـارخـانية، زكريا٤/ ٤٠١، رقم:٦٥٢٣)

لـوقـال بـالـعربية: أطلق لايكون طلاقاً إلا إذا غلب استعماله للحال، فيكون طلاقاً. (هـندية، زكريا ١/ ٣٨٤ كتاب الطلاق الفصل السابع فى الطلاق بالألفاظ الفارسية جديدزكريا ١/ ٤٥٢)

أنت طالق ومطلقة وقد طلقتک؛ فهذا يقع به الطلاق الرجعي ولايقع بــه إلا واحــدة. (الـجـوهـرة، كتـاب الـطـلاق، امـدادية ملتـان٢/ ١٠٢، دارالكتـاب ديو بند٢/ ٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۹۵۲)

’’میں تم کوطلاق دے رہا ہوں،، سے طلاق

سوال [۶۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موبائل فون پر ہورہی گفتگو میں استعمال ہوئے مندرجہ ذیل جملے:

(۱) ٹھیک ہے تو پھر میں تم کوطلاق دے رہا ہوں، اپنے ممی پاپا کو بول دینا دو بڑے لوگوں کو لے کر آجائیں اور سامان اٹھالیں اس پر میری منکوحہ نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو میں نے

وضاحت کرتے ہوئے پھر کہا۔

(۲) اپنے ممی پاپا کو بولنا دو گواہوں کو لے کر آئیں ''میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں، طلاق دے رہا ہوں'' یہ جملہ پہلے والے جملہ کو سمجھانے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا گیا کہ جب وہ لوگ آجائیں گے، تو دو گواہوں کے سامنے تحریر میں طلاق ہوجائے گی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟ از راہ کرام قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ صادر فرما کر ممنون ومتشکر کریں جزاک اللہ۔

المستفتی: سید ابتسام الرحمٰن شبلی ولد فرزند جناب سید اکرام الرحمٰن، شاہ فاہم علی روڈ ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق سے متعلق جو جملے استعمال کئے گئے ہیں، وہ جملے دو معنوں کو مشترک ہیں۔

(۱) حال کے معنی میں ہیں کہ طلاق دیتا ہوں اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں اسی وقت طلاق دے رہا ہوں، تو ایسی صورت میں پہلے جملے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اور بعد کے سارے جملے اسی کی خبر ہیں؛ اس لئے بعد کے جملوں سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

(۲) اس کا دوسرا معنی مستقبل کا ہے کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں یعنی آئندہ میں تم کو طلاق دیدوں گا، تو ایسی صورت میں اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور یہ وعدۂ طلاق ہوگا اور بیوی کے پوچھنے پر شوہر نے جو جوابی جملے استعمال کئے ہیں، وہ سب اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آئندہ میں تمہیں طلاق دیدوں گا کہ بڑے لوگوں اور گواہوں کو لے کر آجائیں، ان کے سامنے باضابطہ طلاق دیدی جائے گی، اس دوسرے معنی کے اعتبار سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور پہلے معنی کے اعتبار سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔ اور عدت کے اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی طرح زندگی گذار سکتے ہیں۔

لو قال أطلق بالعربية: لايكون طلاقاً. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا قديم ١/٣٨٤، زكريا جديد ديوبند ١/٤٥٢)

ولو قال: أطلقک إن نویٰ به الطلاق یقع وإلا فلا. (الفتاوی التاتارخانیة ٤/٤٠١، رقم:٦٥٢٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، زكريا جديد ديوبند ١/٥٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۶۸۷)

بنگلہ زبان میں طلاق کے لئے مستعمل الفاظ استعمال کرنا

سوال [۶۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ بنگال کا رہنے والا ایک شخص اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے میں اپنی ہی زبان میں کچھ ایسے الفاظ کہے کہ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ میں نے تم کو چھوڑ دیا اور یہ الفاظ اس نے ایک ہی مجلس میں تین بار کہا، تو کیا یہ طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو کون سی طلاق ہوئی؟

المستفتی: محمد مظہر الحق، مرشد آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میں نے تم کو چھوڑ دیا ’’اردو بولنے والوں کے حق میں صریح طلاق کے درجہ میں ہے، اسی طرح بنگال میں جو لفظ بیوی کو طلاق دینے کے لئے بولا جاتا ہے، وہاں والوں کے حق میں طلاق صریح ہے؛ لہٰذا جب ایسے لفظ سے تین مرتبہ طلاق دی، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔

سرحتک وهو ’’ رها کردم‘‘ لأنه صار صريحاً في العرف على

ماصرح به الزاهدي-فإذا قال رها كردم أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وقدمر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۲۹۹/۳، زكريا٤/ ٥٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۲۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۲۰ھ

لفظ ''لا'' نہ صریح ہے اور نہ ہی کنایہ

سوال [۶۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۲؍جولائی ساڑھے گیارہ بجے میرا اور میری بیگم کا آپس میں تکرار ہوگیا، بات کافی طول پکڑ گئی، میں نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو دو طلاق دیدی فوراً میری بیوی میرے پاس قرآن شریف لے آئی اور مجھ کو قرآن کا دوسطر دیا کہ آگے کچھ نہ کہنا۔ بات اس وقت یہیں پر ختم ہوگئی، قریب دو بجے پھر ہم دونوں میاں بیوی میں تکرار ہوا، میں نے بیوی کو ڈرانے کی غرض سے اور قرآن شریف کی قسم کو دھیان میں رکھتے ہوئے صرف بیوی کو ڈرانے کے لئے لا لفظ کئی بار کہا، میری بیوی میرے سے قریب ۲۰؍فٹ کی دوری پر تھی، اس نے طلاق سمجھا، میں نے طلاق دینے کی غرض سے لا نہیں کہا تھا، صرف ڈرانے کے لئے کہا تھا، حضرت میرے اس معاملہ کو قرآن کی روشنی میں بتایئے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ ہم دونوں کی ایک دوسرے سے جدائی نہیں ہونی چاہئے۔

المستفتی: مسعود اختر، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر صرف دو ہی طلاق دیں ہیں تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق أنت طالق.

(الدر المختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي٣/ ٢٥٢، زكريا٤/ ٤٦٣)

آئندہ جب بھی ایک طلاق دے گا تو مغلظہ ہوجائے گی، لفظ لا طلاق کے الفاظ میں سے نہیں ہے، اور نہ ہی الفاظ کنایات میں سے ہے؛ اس لئے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۳۵۵)

’’میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی‘‘ کہنا

سوال [۶۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غلام نبی ومحمود ایک جگہ بیٹھے ہوئے بات کرر ہے تھے، دوران گفتگو دونوں میں بحث ہوگئی کہ یار گھر والیاں پریشان کرتی ہیں، دوسرا بولا ہاں میری بیوی بھی پریشان کرتی رہتی ہے، دوسرے نے کہا طلاق دیدو، اس نے کہا کہ پہلے تو دیدے، محمود نے کہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اس کے کہنے پر غلام نبی نے بھی کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، ایسی صورت میں کیا دونوں کی بیویوں کو طلاق ہوگئی یا نہیں، اس موقع پر تین اور آدمی بھی موجود تھے، دونوں کی بیویاں اپنے اپنے گھر میں تھیں۔

المستفتی: غلام نبی، مقیم پورا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلاق کا لفظ صرف ایک ایک دفعہ کہا جیسا کہ سوال نامہ میں ہے، تو دونوں کی بیویوں پر ایک ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، رجعت کر کے میاں بیوی جیسی زندگی گزار سکتے ہیں۔

عن عبد الله وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان: قال هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أوثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن كبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/٢٨١-٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩، مكتبه دارالحديث القاهره ٧/٦٤٦، رقم: ١٥١٥٠)

فالصريح قوله أنت طالق، ومطلقة وطلقتك، فهذا يقع به الطلاق الرجعي. (هداية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، اشرفي ديو بند ٢/٣٥٩)

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه. (شامي، كراچي ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٨)

وفي أنت الطلاق، أوأنت طالق (إلى قوله) يقع واحدة رجعية.
(تنوير مع الدر المختار، كراچي ٣/٢٥١، زكريا ٤/٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۷۰۰/۲۵)

''ایک مرتبہ میں نے تجھے طلاق دی'' کہنا

سوال [۶۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے اپنی بیوی سے ایک بار یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی اور بیوی بھی یہی کہتی ہے کہ ایک بار یہ الفاظ کہے ہیں، اس کے بعد شوہر نے رجعت کر لی یعنی بیوی اس کے بعد دو مہینہ شوہر کے گھر میں رہی اور حقوق زوجیت ادا کرتی رہی، پھر وہ اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اس نے اپنے گھر والوں سے بتایا کہ مجھے میرے شوہر نے یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی۔ اب اس لڑکی کے خاندان والے یہ کہتے ہیں کہ نکاح

ٹوٹ گیا، دوبارہ نکاح کرنا ہوگا، آپ سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اس طلاق کا شرعاً حکم قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: رمضان علی، ساکن بٹاری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے ''میں نے تجھے طلاق دی کا لفظ صرف ایک مرتبہ کہا ہے، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اور سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شرعی طور پر رجعت بھی ہوچکی ہے؛ اس لئے سوال نامہ کی درج شدہ صورت میں میاں بیوی کا ازدواجی رشتہ بدستور قائم ہے اور دونوں آپس میں میاں بیوی والی زندگی گذار سکتے ہیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْف. [الطلاق:۲]

عن عبد الله وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان: قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم:۱۵۵۳۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقه رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك، أو لم ترض. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹٤، هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، زكريا قديم ۱/ ٤۷۰، زكريا جديد ديوبند ۱/ ۵۳۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۲/۲۹ھ

''جامیں نے تجھےآزادکیا'' سے طلاق

سوال [۶۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو ان الفاظ میں طلاق دی ''جا میں نے تجھے آزاد کیا'' اور میں نے یہ جملہ صرف ایک بار کہا، تو مسئولہ صورت میں کونسی طلاق واقع ہوئی۔ اب اگر رکھنا چاہیں، تو اس کے لئے کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: محمد معراج، کالا پیادہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آزاد کردیا کا لفظ ہمارے عرف میں طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت کے اندر اندر رجعت کرکے میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنے کی گنجائش ہے۔

فإذا قال رها كردم أي سرحتك تقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/۲۹۹، زكريا ٤/٥٣٠)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في العدة رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة أشرفي ديوبند ۲/۳۹٤، هندية، ۱/٤۷۰، جديد زكريا ۱/٥۳۳، قلوري امدايه ديوبند ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/ ۱۴۳۱ھ

لفظ طلاق کے بعد متعدد بار دیدیا کہنے کا حکم

سوال [۶۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید اور اس کی بیوی ہندہ کے درمیان آپسی جھگڑے میں بات بڑھ گئی اور گفتگو کے درمیان زید نے اپنی بیوی ہندہ کو برا بھلا کہا، اس پر ہندہ نے کہا کہ طلاق دیدے؛ لہٰذا زید نے کہا کہ ”جا طلاق دیدی، دیدی“ دوبار کہا۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور طلاق واقع ہوئی تو کونسی واقع ہوئی اور اس کا کیا حکم ہے؟ صورت حال اب یہ ہے کہ زید اور اس کی بیوی ہندہ پھر میاں بیوی کی طرح رہنا چاہتے ہیں، موقع کے گواہوں نے بھی اس کی تائید کی ہے کہ زید نے ۲/ بار طلاق دی ہے؛ جبکہ ہندہ کا بیان ہے کہ لفظ طلاق تو ایک ہی بار کہا اور دیدی دیدی بیشمار بار کہا؛ لہٰذا حکم شریعت سے باخبر فرمائیں اللہ اجر دے گا۔

المستفتی: محمد افضال، ساکن شکر یہ، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لفظ طلاق استعمال کرنے کے بعد جب دیدی کا لفظ استعمال کریگا، تو ہر مرتبہ طلاق واقع ہوجائے گی، تین مرتبہ دیدی کہے، تو اس سے تین طلاق مغلظہ واقع ہوجائیں گی اور اگر دو یا ایک مرتبہ کہے تو اس سے دو یا ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

عورت اس بات کی مدعی ہے کہ شوہر نے لفظ دیدی تین سے زیادہ مرتبہ کہا اور اس پر بیوی کے پاس دو شرعی گواہ موجود نہیں ہیں اور مرد اس بات کا اقرار کررہا ہے کہ دو مرتبہ کہا ہے اور اس کے قول کے دو گواہ بھی ہیں، تو اس صورت میں شرعاً بیوی کے قول کا اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں دو طلاق رجعی واقع ہوں گی اور عدت کے اندر اندر رجعت کرکے بیوی کو رکھ سکتا ہے؛ لیکن شوہر اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ اگر دو ہی مرتبہ کہا ہے، تو بیوی اس کے لئے حلال ہے اور اگر ہمارے سامنے غلط بیان کے ذریعہ دو مرتبہ کہنے کو ثابت کیا ہے اور واقع میں تین مرتبہ کہا ہے تو بیوی اس کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۴۳۰)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرہ:۲۸۲]

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً، أو غير مالٍ مثل النكاح والطلاق. (هداية، كتاب الشهادة، اشرفي ديوبند ۳/ ۱۵٤، درمختار، زكريا ۸/ ۱۷۸، كراچي ٥/ ٤٦٥، هندية، زكريا ۳/ ٤٥١، الجوهرة، ملتان ۲/ ۳۲٦، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳۰۹، البحر الرائق ۷/ ٦۲، زكريا ۷/ ۱۰٤)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها.

(هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة اشرفي ديوبند۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۰، زكريا جديد ديوبند۱/ ۵۳۳، قدوري امدادية ديوبند ۱۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۵ھ

’’لفظ طلاق دی، دی، دی‘‘ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو یہ جملہ کہہ دیا کہ ’’طلاق دی، دی، دی‘‘ اس جملہ کو سن کر پڑوس کے حافظ صاحب آگئے اور دونوں کو الگ ہونے کو کہا، یہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے ساتھ دی، دی، دی تین مرتبہ کہنے کی وجہ سے بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند جدید ۹/ ۲۱۶)

عن سماکؓ قال: سمعت عكرمةؓ يقول: الطلاق مرتان: فإمساك بمعروف، أو تسريح بإحسان، قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لابن أبي شيبة، ما قالوا في الطلاق مرتان جديد مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۰/۱۹۷، رقم:۱۹۵٦٤)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/شوال ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۵۹/۳۷)

دومرتبہ میں نے تجھے طلاق دی سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا ہورہا تھا، اسی دوران میں نے اپنی بیوی کو کہدیا کہ تو چلی جا میں نے تجھے طلاق دی، تو چلی جا میں نے تجھے طلاق دی، دومرتبہ کہا ہے۔ مذکورہ صورت میں میری بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوگئی ہیں؟ اب میری بیوی میرے گھر آگئی ہے، میں اس کو رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمد جنید ساکن، محمود پور، مینا ٹھیر، مرادآباد

منجانب: دارالافتاء جامعہ نعیمیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بیوی سے پہلے ہمبستری ہوچکی ہو۔ نیز اس سے پہلے آپ نے کبھی ایک طلاق دے کر لوٹا نہ لیا ہو تو آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوئیں،

عدت کے اندر اگر آپ چاہیں تو اس کو لوٹا سکتے ہیں، جس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پابند شرع گواہوں کے سامنے کہیں کہ میں نے اپنی اس بیوی کو لوٹایا۔

قال عز اسمه: الطلاق مرتان: فإمساک بمعروف أوتسريح بإحسان. الآية

فتاوی خیریہ میں ہے:

سئل في رجل قال لزوجته: زوجي طالق؛ هل تطلق طلاقاً رجعياً، أم بائناً؟ وإذا قلتم تطلق رجعياً فما الفرق بينه وبين ما إذا قتصر على قوله زوجی ناويا به الطلاق، حيث أفتيتم بأنه بائن زوجی أجاب بأنه في قوله زوجي طالق بصفة الطلاق، فوقع بالصريح. فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد ایوب نعیمی غفرلہ
۲۱ ؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ

منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: لفظ چلی جا ان کنایات میں سے ہے کہ جن میں طلاق واقع ہونے کے لئے ہر حال میں نیت شرط ہے، اگر اس سے طلاق کی نیت نہیں کی تھی، تو لفظ تجھے طلاق دی، دومرتبہ کہنے پر ۲ ؍ طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں؛ لیکن سائل سے زبانی معلوم ہوا کہ یہ ۹ ؍ ماہ پہلے کا واقعہ ہے؛ اس لئے اب عدت گذر جانے کی وجہ سے دونوں طلاقیں بائنہ ہوگئی ہیں؛ اس لئے بغیر نکاح کے شوہر کے پاس نہیں رہ سکتی ہے اور شوہر بلا حلالہ دوبارہ نکاح کر کے رکھ سکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲ ؍ ۴۲۶، فتاوی دارالعلوم ۹ ؍ ۲۷۳)

رجل قال: لامرأته بعد الدخول بها أنت طالق طالق تقع ثنتان.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٢٩، ٤، رقم: ٦٥٩٥)

عن سماكؓ قال: سمعت عكرمةؓ يقول: الطلاق مرتان:

فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان، قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نکحها، وإذا طلقها ثنتین فإن شاء نکحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (المصنف لابن أبي شیبة، ما قالوا في الطلاق مرتان مؤسسة علوم القرآن بیروت ۱۰/ ۱۹۷، رقم:۱۹۵٦٤)

وقعتا رجعیتین لو مدخولاً بها، کقوله أنت طالق.

(الدر المختار مع الشامي، کتاب الطلاق، باب الصریح، کراچي۳/ ۲۵۲، زکریا٤/ ٤٦۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍جمادی الاخریٰ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر:الف۱۲۸۳/۲۴)

’’ہاں میں نے طلاق دی اسے’’نکالو اسے یہاں سے‘‘ کہنے کا حکم

سوال[٦۲۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بات پر شوہر بیوی اور ساس میں جھگڑا ہوا، اسی دوران ساس نے یعنی لڑکے کی ماں نے اپنے لڑکے سے کہا کہ بیوی کو طلاق دے، ماں کے کہنے پر اور کچھ غصہ کی حالت میں لڑکے نے کہا کہ’’ہاں میں نے طلاق دی اسے، اور نکالو اسے یہاں سے‘‘ بالکل یہی الفاظ لڑکے کی زبان سے ادا ہوئے اور ایک ہی بار ادا ہوئے ہیں۔

اس واقعہ کے بعد لڑکی کے میکے والے آ گئے اور وہ لڑکی کو اور سامان کو لیجانے پر آمادہ ہوئے، تو پھر لڑکے نے مزید یہ کہا کہ سامان ایسے نہیں دوں گا، اسٹامپ لے کر آؤ اور لکھ کر دو کہ سامان وصول پایا، تو ان حالات میں یہ بتانے کی زحمت فرمائیں کہ آیا مسلک حنفیہ کے مطابق طلاق ہوئی یا نہیں؟ یا کونسی ہوئی؟ اور اس کا تدارک کیا ہے؟

المستفتی: اعجاز، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ”میں نے طلاق دی اسے“ اس جملہ سے بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے۔ دوسرا جملہ ”نکالو اسے یہاں سے“ اس جملہ سے شوہر نے اگر طلاق کی نیت کی ہے، تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور پہلی طلاق بھی بائنہ ہو جائے گی، تو دو طلاق بائنہ واقع ہو جائیں گی، بلا حلالہ دوبارہ نکاح کر کے زوجیت میں رکھ سکتا ہے اور اگر دوسرے جملہ سے طلاق کی نیت نہیں ہے، تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا، صرف پہلے جملہ سے ایک طلاق رجعی ہوگئی ہے۔

كما استفاده من الهندية: امرأة قالت لزوجها: طلقني، طلقني، طلقني فقال الزوج: قدطلقتک طلقت ثلاثا. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، زكريا ۱/۳۵٦، جديد زكريا ۲/۴۲۳)

اخرجي، اذهبي، تلزم النية في تذكرة الطلاق الخ. (شامي، باب الكنايات، زكريا ٤/٥٣٤، كراچي ۳/۳۰۲، كوئٹه ۲/٥٠٥)

كل لفظ يستعمل في الطلاق ويستعمل في غيره قوله نحو أنت بائن......قومي، اخرجي......وإذا احتملت هذه الألفاظ الطلاق وغير الطلاق، فقد استتر المراد منها عند السامع فافتقرت إلى النية لتعيين المراد. (بدائع الصنائع، زكريا ۳/۱٦۷، ۱٦۹)

أن من الكنايات ثلاث عشرة لا يعتبر فيها دلالة الحال، ولاتقع إلا بالنية حبلک على غاربک......اخرجي، اذهبي. (البحر الرائق، كوئٹه ۳/۳۰۲، ۳۰۳، زكريا ۳/٥۲٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦ر شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۸٦۲)

جب مجھے رکھنا نہیں تو ان باتوں سے کیا فائدہ میں نے تو طلاق دیدی

سوال [۶۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ۱۲ر سال قبل فاطمہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا تھا، جس کے تین سال بعد فاطمہ کی ساس نے فاطمہ پر الزام تراشی شروع کردی، یہاں تک کہہ گذری کہ تیرے سسر نے تیرے لئے ایک مستقل کمرہ بنالیا ہے، جس میں تیرے ساتھ ناجائز کام کرنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں آئے گی اور میں نے تمہیں خفیہ بات چیت کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کو اس طرح مٹھائی دیتے ہوئے دیکھا، جیسے شوہر بیوی کو دیتا ہے، اور یہ کہا کہ تم دونوں کو تنہا ایک کمرے میں بھی دیکھا ہے۔

مختصر یہ کہ ساس اپنی یہ باتیں کہہ کر زنا کا الزام لگانا چاہ رہی ہے اور جب یہ بات شوہر کے پاس پہنچی تو شوہر نے یہ کہا کہ جب مجھے تجھے رکھنا ہی نہیں، تو ان باتوں سے کیا فائدہ، میں نے تو طلاق دیدی، پھر فوراً ساس بولی کہ مجھے تو رکھنا ہے، طلاق نہیں دلوا سکتے حالانکہ شوہر کہہ چکا ہے، اس دوران جتنے لوگوں نے یہ باتیں سنیں وہ سب طلاق اور ساس کی جانب سے لگائے گئے زنا کے الزام کی گواہی دینے سے مکر رہے ہیں، یہاں تک کی شوہر بھی مکر رہا ہے۔ اور اس کے بعد سے اب تک یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم نہ طلاق دیں گے اور نہ ہی رکھیں گے؛ بلکہ اسی طرح زندگی بھر سڑا دیں گے اور فاطمہ کسی بھی شکل میں شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیوی شوہر کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور شوہر رکھنا نہیں چاہتا ہے اور نہ ہی اب طلاق دے رہا ہے، نہ خلع کی بھی کسی شکل پر راضی ہے؛ حالانکہ آٹھ سال قبل بھری مجلس میں شوہر نے یہ کہا تھا ''جب مجھے رکھنا ہی نہیں، تو ان باتوں سے کیا فائدہ میں نے تو طلاق دیدی'' اگر گواہوں اور خود شوہر کے انکار کی بنیاد پر طلاق واقع نہیں ہوئی، تو عورت

کے لئے شوہر سے خلاصی کے لئے کوئی صورت ہو، تو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرزاق ملتانی، کھرگون (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خسر اور بہو ایک دوسرے کے لئے محرم شرعی ہیں، ان میں آپس میں ایسا ہی نکاح کبھی جائز نہیں ہوتا، جیسا کہ باپ بیٹی کے درمیان میں نہیں ہوتا، اگر دونوں کو ایک کمرہ میں دیکھا گیا ہے یا دونوں کو محض بات کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے یا مٹھائی کھاتے ہوئے دیکھا گیا ہے، تو اس کی وجہ سے دونوں کے بارے میں اتنا بڑا غلط الزام قائم کرنا شرعاً بہتان عظیم ہے، اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔

نیز گفتگو کے دوران شوہر کا یہ کہنا کہ ''جب مجھے تجھے رکھنا ہی نہیں تو کیا فائدہ میں نے طلاق دیدی'' اگر یہ بات اپنی جگہ فی الواقع صحیح ہے، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، اگر اس واقعہ کے بعد میاں بیوی آپس میں ساتھ میں نہیں رہے ہیں، تو تین ماہ واری گذرنے کے بعد یہی طلاق رجعی بائنہ ہوجائے گی، مگر سوال نامہ میں رجعت کرنے یا نہ کرنے کی کوئی صراحت نہیں اور اگر اس واقعہ کے بعد تین ماہواری گذرنے سے پہلے دونوں ساتھ میں رہ چکے ہیں، تو اس طلاق کے بارے میں خود بخود رجعت بھی ہوگئی ہے اور رجعت کے بعد شوہر کا بیوی کو اپنے پاس رکھنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، پچھلی باتوں کا انکار کرے، تب بھی جائز ہے اور انکار نہ کرے تب بھی جائز ہے۔ اور جھوٹ بولنا پھر اس سے انکار کرنا گناہِ کبیرہ ہوگا اس سے توبہ کرنا لازم ہوگا۔

المحرم من حرم نكاحه على التأبيد بنسب، أو مصاهرةٍ، أو رضاعٍ، أو بوطء حرام. (قواعد الفقه، اشرفي ديوبند ٤٧٠)

صريحه ما لم يستعمل إلا فيه كطلقتك و أنت طالق......يقع بها أي بهذه الألفاظ واحدة رجعية. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٧، ٢٤٩، زكريا ٤/٤٥٧، ٤٦٠)

الرجعة هي مادامت في العدة وتصح بالفعل مع الكراهية بكل مايوجب حرمة المصاهرة كمس. وفي الشامية: ودخل الوطأ والتقبيل بشهوة على أي موضع كان. (در مختار مع الشامي، زكريا ٥/٢٣-٢٥، كراچي٣/٣٩٧-٣٩٩)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. (هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس فى الرجعة، زكريا قديم ١/٤٧٢، زكريا جديد ديوبند ١/٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند٢/٣٩٩)

اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة......سواء كانت المعصية صغيرة، أو كبيرة. (شرح المسلم للنووي، كتاب التوبه، ٢/٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۱۸ھ

’’طلاق تو پہلے دے چکا ہوں‘‘ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۶/ مارچ ۲۰۰۳ء کا واقعہ ہے کہ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں میرے شوہر نعیم احمد اور اس کے متعلقین اور میں اور میرے متعلقین کچہری مرادآباد میں فیملی کورٹ کے باہر جمع تھے، وہاں پر نعیم احمد نے سبھی متعلقین کے سامنے زور زور سے کہا کہ میں اپنی بیوی پرویز النساء کو طلاق تو بہت پہلے دے چکا ہوں، صرف ڈاکٹر صاحب (میرے والد گرامی) کو پریشان کرنے کے لئے سب کچھ کر رہا ہوں اور نعیم احمد نے یہ بھی کہا کہ میرے لکھے کو اللہ بھی نہیں کاٹ سکتا ہے، یہ بات نعیم احمد نے کئی بار کہا، نعیم احمد کے اس بیان کو خود میں نے سنا اور میرے والد نے سنا اور اسکے علاوہ چھ حضرات ہیں جنہوں نے نعیم احمد کے ان الفاظ کو سنا، جن کے تحریری بیانات موجود ہیں؛ لہٰذا مندرجہ ذیل سوالات عرض ہیں جواب تحریر فرمادیں۔

(۱) مندرجہ بالا تحریر کی روشنی میں میرے اوپر طلاق شرعی واقع ہوئی یا نہیں؟ اور کتنی واقع ہوئیں؟

(۲) نعیم احمد کے اس بیان سے پہلے سے اب تک تقریباً ڈیڑھ سال سے تا ہنوز میں نعیم احمد سے جدا ہوں، تو کیا طلاق واقع ہونے کی صورت میں مجھ پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ یا عدت مکمل ہوگئی؟

(۳) نعیم احمد اپنے سابقہ فکر وعمل یہاں تک کہ کفریہ الفاظ کی وجہ سے جھوٹا اور غیر متشرع ثابت ہو چکا ہے، تو کیا ان گواہان کے بیان کی موجودگی میں نعیم احمد کا منکر طلاق ہونا شرعی حیثیت رکھتا ہے یا نہیں؟

(۴) نعیم احمد کے اس کفریہ جملہ (میرے لکھے کو اللہ بھی نہیں کاٹ سکتا ہے) کی وجہ سے میرے اور نعیم احمد کے زن وشو کے تعلقات پر کیا اثر مرتب ہوسکتا ہے؟

(۵) مذکورہ بالا تحریرات وبیانات کی روشنی میں اب میں نعیم احمد کے ساتھ کس طرح کا شرعی تعلق قائم رکھ سکتی ہوں؟

المستفتية: پرویز النساء بنت ڈاکٹر محمد رضا صاحب، بی 971 لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نعیم احمد کا یہ کہنا کہ میں پرویز النساء کو طلاق تو بہت پہلے دے چکا ہوں، محض اس کہنے کی وجہ سے اقرار طلاق کا ثبوت ہوجاتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس سے پہلے طلاق دی تھی یا نہیں، اگر اس سے پہلے طلاق نہیں دی تھی، تو محض اس اقرار کی وجہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور اگر اس سے پہلے طلاق دے چکا تھا، تو یہ سابقہ طلاق کا اقرار کرتا ہے اور سابق میں کتنی طلاق دی تھیں، وہ نعیم احمد سے پوچھ لیا جائے، وہ جتنی طلاق کا اقرار کرتا ہے، اتنی ہی طلاق واقع ہوں گی، اگر ایک طلاق کا اقرار کرتا ہے، تو ایک طلاق رجعی اور اگر دو طلاق کا اقرار کرتا ہے، تو دو طلاق رجعی اور اگر تین طلاق کا اقرار کرتا ہے، تو پھر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور ایک طلاق اور دو طلاق کی صورت میں عدت کے اندر اندر رجعت کا حق

تھا اور نعیم احمد نے ۶/مارچ ۲۰۰۳ء کو طلاق دینے کا اقرار کیا اور اس وقت سے آج تک پانچ مہینہ مکمل ہوگئے۔ اب اس سے معلوم کیا جائے کہ بہت پہلے کن دنوں میں طلاق دی، جن دنوں کا وہ اقرار کرے گا، ان ہی دنوں سے عدت شروع ہوگئی اور اگر پہلے کے ایام نہیں بتاتا ہے، تو پھر بھی ۶/مارچ سے آج تک پانچ مہینہ ہوگئے، اگر اس وقت سے تین ماہواری گزر چکی ہے، تو عدت بھی گذر گئی۔ اب پرویز النساء کو اختیار ہے جہاں چاہے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارے۔

ولو أقر بالطلاق كاذباً أوهازلاً وقع قضاءً لا ديانةً. (شامي، كتاب الطلاق، كراچي ۳/۲۳۶، زكريا ۴/ ۴۴۰)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک، أو لم ترض. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة اشرفي ديو بند ۲/ ۳۹۴)

اور نعیم احمد کا یہ کہنا کہ میرے لکھے ہوئے کو العیاذ باللہ اللہ بھی نہیں کاٹ سکتا، تو یہ نہایت خطرناک اور کفریہ لفظ ہے؛ اس لئے نعیم احمد پر توبہ اور تجدید ایمان لازم ہے اور پرویز النساء کو اگر اپنی زوجیت میں رکھے تو تجدید نکاح بہر حال کرنا پڑے گا؛ اس لئے کہ پرویز النساء اس کے نکاح میں باقی نہیں رہی۔

سئل عمن قال بأن الله عالم بذاته و لايقول له العلم قادر بذاته، ولايقول له القدرة وهم المعتزلة والجهمية؛ هل يحكم بكفره أم لا، قال يحكم بكفره لأنهم ينفون الصفات، ومن نفى الصفات فهو كافر، (تاتارخانية، زكريا ۷/ ۲۸۷، رقم: ۱۰۵۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۶۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۴ھ

طلاق دینے کے بعد دوبارہ ''جادی'' کے الفاظ کہنا

سوال [۶۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مشکور احمد نے اپنی بیوی کو گھریلو جھگڑے میں آج سے تقریباً ایک ماہ قبل غصہ میں آکر ایک طلاق دی، بیوی کے زیادہ بولنے پر مشکور احمد نے پھر دوبارہ یہ الفاظ کہے کہ جادی کہ جادی۔ اب طلاق دینے کے بعد مشکور احمد نادم اور پشیمان ہے اور اپنی زوجیت کو برقرار رکھنا چاہتا ہے اور اس مدت میں مشکور احمد کی بیوی چار پانچ مہینہ کے حمل سے ہے؛ لہٰذا اگر شریعت میں رشتہ برقرار رکھنے کی گنجائش ہو، تو قرآن وحدیث کی روشنی میں اپنے فتوی سے نوازیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: مشکور احمد، نگلیاں، قصبہ امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک طلاق دینے کے بعد پھر دوبارہ جو''جادی'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جو طلاق دی تھی، اس کی خبر دینا اور اس کی تاکید کرنا مقصود ہے، اگر شوہر کا ارادہ واقعۃً یہی ہے، تو مذکورہ واقعہ میں بیوی پر صرف ایک طلاق واقع ہوگئی اور اگر ان الفاظ سے بھی طلاق ہی مقصود ہے، تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی۔ اس کا فیصلہ شوہر ہی کرسکتا ہے۔

كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوىٰ التأكيد دين. (در مختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/ ۲۹۳، زكريا ٤/ ٥٢١، خانية على الهندية، زكريا ١/ ٤٥٤، هندية، زكريا ١/ ٣٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۲۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۲۲ھ

طلاق، طلاق کہہ دیا

سوال [۶۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جھگڑا ہوا مجھے کچھ دیر میں معلوم ہوا، میں نے اپنے گھر والوں کو بتایا کہ تمہاری بات غلط ہے، یہ جھگڑا بچوں بچوں میں ہوا تھا، میں مزید اپنی بیوی کو سمجھانے لگا، تو اس پر وہ کہنے لگی کہ آپ مجھے رکھتے یا نہیں؟ اپنے بچوں کو رکھتے یا نہیں، مجھے طلاق دیدو، پھر بھی میں اس کی بات کو سنتا ہوا چلا گیا یہ سب شام کی بات ہے پھر میں قریب ساڑھے دس بجے گھر کو آیا، میں نے گھر میں اپنی بیوی کو نہیں دیکھا، معلوم یہ ہوا کہ وہ تو یہاں سے چلی گئی، بغیر کچھ کہے ہوئے، ہم لوگوں نے اسے روکا بھی، مگر نہیں رکی، وہ چھ دن تک رکی رہی، چھٹے دن اس کی چچیری بہن آئی، میرے گھر والوں سے کہا کہ میں بیگم کو لے کر کے کل آؤں گی، میرے گھر والوں نے منع کیا، نہیں اپنے ابا وغیرہ کو بھیجو، وہ نہیں مانی اور دوسرے دن بیگم کو لے کر کے آگئی، میں نے کہا آپ اسے لے کر کے کیوں آئیں؟ وہ کہنے لگی کہ یہ اس کا گھر ہے، میں نے کہا کہ نہیں آپ اسے لے کر کے جائیں، پھر میری والدہ بھی بولنے لگی اور کہا کہ میں اسے نہیں رکھوں گی، اور مجھ سے کہا کہ اس کو رکھو، اس گھر میں یا نہیں، تم اپنی بیوی کو رکھو، مجھے اور گھر والوں کو یہ بات بہت بری لگ رہی ہے۔

چوتھے دن واقعہ کہ اتنی بات کہہ کر میں کارخانہ میں چلا گیا، اس کے بعد میرے بڑے بھائی گھر میں آئے اور ان سے بدتمیزی کرنے لگی تھی، تو میرے بڑے بھائی نے ان کو گھر سے باہر کر دیا، کارخانہ میں آئے اور مجھ سے کہا کہ بدتمیزی کر رہی تھی، اس کے بعد میں غصہ میں آیا اور ماں کے پاس کھڑا ہو کر طلاق طلاق کہہ کر میں چلا گیا دوبار کہا۔ اب میں اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہوں؛ چونکہ میرے تین چھوٹے بچے ہیں اور بچہ ہونے کی بھی امید ہے، قریب چار ماہ ہوگئے۔

المستفتی: اقلیم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل اگر اپنے سوال میں سچا ہے، تو ایسی حالت میں طلاق رجعی واقع ہوگئی اور شوہر دوران عدت بلا نکاح رجوع کرسکتا ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق.

(در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲۵۲، زكريا ٤/٤٦٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۵۶۴)

بیوی کو دو مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو دو طلاق دیں اور تیسری بار کہنے والا ہی تھا کہ ایک اجنبیہ لڑکی نے مجھے دھکا دیدیا اور طلاق کا لفظ زبان سے نہ نکلا، اور یہ واقعہ ایک لڑکی اور ایک لڑکے کے سامنے پیش آیا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ میری بیوی اب میرے لئے حلال رہی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلام، پکہ والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور صرف دو مرتبہ کہا ہے، تو دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، آئندہ جب بھی ایک طلاق دیگا، تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائیگی اور اب چونکہ دو طلاق ہیں؛ اس لئے رجعت کرکے رکھنا جائز ہوگا۔

عن عبد الله وعن أناسٍ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان: قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف،

وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم:۱۵۵۳۹)

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق أنت طالق (در مختارمع الشامی، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/ ۲۵۲، زكريا ۴/ ۴۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۷۶۷)

طلاق ثلاثہ کے بعد اس کا انکار کرنا

سوال [۶۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی ریحانہ کو اس کے شوہر معظم علی نے اپنے حقیقی برادر نسبتی محمد سرفراز اور اپنے اہل خانہ کی موجودگی میں تین طلاق دیں، بعدہ دوسرے روز جب لڑکی کے والدین اور ان کے ہمراہ گاؤں کے بہت سارے افراد تھے، ذیل میں اسماء درج کئے جاتے ہیں، حاجی محمد افسر علی، مولانا محمد اظہر، محمد ادریس، حاجی بابو، محمد عالم وغیرہ لڑکی کو لینے کے لئے شوہر کے یہاں گئے، تو شوہر نے ان سب کی موجودگی میں طلاق کا اقرار کیا اور لوگ لڑکی کو اپنے آبائی گھر لے آئے۔ اب تقریباً ڈیڑھ سال گذرنے کے بعد شوہر دعویٰ کر رہا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی اور لڑکی دعویٰ کر رہی ہے کہ طلاق دیدی، ایسی صورت میں شرعی اعتبار سے کس کے قول کو معتبر مانا جائے گا، لڑکے نے دسیوں آدمیوں کے سامنے طلاق کا اقرار کیا ہے، اور اس وقت لڑکی کے گھر والے اور لڑکے کے باپ، دادا، بھائی وغیرہ سب موجود تھے۔

المستفتی: محمد سالم، منڈھا آئمہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اہل خانہ کے سامنے تین طلاق دینے کے بعد پھر لڑکی

والے اور لڑکے والے دونوں قسم کے لوگوں کے سامنے اس نے تین طلاق کا اقرار بھی کر لیا ہے، اور اس کے گواہان موجود ہیں، تو ایسی صورت میں لڑکی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہیں۔ اب لڑکی شوہر پر بالکل حرام ہو چکی ہے، اب ڈیڑھ سال کے بعد طلاق نہ دینے کا دعویٰ معتبر نہیں ہے اس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں اور لڑکی اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، زكريا ۱/۴۷۳، جديد زكريا ۱/۵۳۵ هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، قدوري امدادية ديوبند ۱۷۸)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۷۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۷/۱۴۲۳ھ

والد کے سامنے ایک ہی مرتبہ میں بیوی کو تین طلاق دینا

سوال [۶۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد وسیم خان نے گھر کے معمولی تکرار کی بنا پر گھر میں اپنے والد صاحب سے یہ کہا کہ میں روز روز کے جھگڑوں سے عاجز آ گیا ہوں؛ لہٰذا آپ میرا فیصلہ کرادو، کیا کہتے ہیں ”اس کو طلاق، طلاق، طلاق“ والد صاحب سے یہ سوالیہ جملہ کہتے وقت طلاق وغیرہ کا نہ ارادہ تھا اور نہ تصور، اس کے بعد والد صاحب کے پاس سے میں چلا گیا؛ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں مجھے جواب دیجئے۔

المستفتی: محمد وسیم خاں، ناگپور (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے اردو اور ہندی میں الگ الگ دو تحریریں بھیجیں، ہندی میں اصل تحریر ہے، اس کی اردو بنائی گئی، مگر اردو میں عبارت کی نوعیت بالکل الگ ہے اور سوالیہ انداز اختیار کرکے سوال پر حکم بھی طلب کیا گیا ہے۔ اور اصل عبارت جو ہندی میں ہے، اس میں نہ سوالیہ الفاظ ہیں اور نہ سوال سے متعلق کچھ پوچھا گیا؛ اور ہندی میں سوالیہ انداز نہیں ہے؛ بلکہ صاف طور پر یہ الفاظ ہیں کہ ایک ہی وقت میں تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہہ کر والد صاحب کے پاس سے چلا گیا اور اس وقت بیوی دس فٹ کے فاصلہ پر تھی، اگر صورت واقعہ میں یہی بات پیش آئی جو ہندی تحریر میں ہے تو بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، زكريا ١/٤٧٣، جديد زكريا١ /٦٣٠٥ هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، قدوري امدادية ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۱۷۳)

لا لکھ کر دیتا ہوں ”طلاق، طلاق، طلاق“ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید کا اپنی والدہ سے جھگڑا ہو رہا تھا، اس وقت بیوی جھگڑے سے الگ تھی، دریں اثناء زید وہاں سے اٹھ کر چلا اور بیوی کے پاس جا کر اسے مخاطب کر کے کہا میں جا رہا ہوں، تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں رہے گا، لا لکھ کر دئے دیتا ہوں ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ زید کی بیوی پر کونسی طلاق واقع ہوئی؟ اگر زید اب اپنی بیوی کو رکھنا چاہے تو کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: فاضل رضا، شاہ آباد، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لا لکھ کر دئے دیتا ہوں ’’طلاق، طلاق، طلاق‘‘ یہ جملہ انشاء برائے حال ہے، اس سے فی الفور طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

ولایقع بأطلقک إلا إذا غلب في الحال. (فتح القدیر، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق، دار الفکر بیروت ٤/٧، کوئٹہ ٣/٣٥٤، زکریا ٤/٧)

لوقال بالعربیة: أطلق لایکون طلاقاً إلا إذا غلب استعماله للحال، فیکون طلاقاً. (هندیة، زکریا ١/٣٨٤ جدیدزکریا ١/٤٥٢)

ولو قال: أطلقک لم یقع إلا إذا غلب استعماله في الحال. (سکب الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۹۶)

’’تجھے طلاق دی، تجھے آزاد کیا، میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، تجھے فارغ خطی دی‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۶۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میرے شوہر نے ایک بار یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، دوبار یہ کہا کہ میں نے تجھے آزاد کیا، اب میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، میں نے تجھے فارغ خطی دی، تو ان الفاظ سے کونسی طلاق ہوئی؟ اب ساتھ رہنا چاہیں تو کیا شکل ہوگی؟

المستفتیة: شبستان پروین، محلّہ شمسی وہار کرولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے عرف میں لفظ آزاد کیا بیوی کے حق میں طلاق کے لئے بولا جاتا ہے، اسی طرح فارغ خطی دی کا لفظ بھی طلاق ہی کے لئے بولا جاتا ہے؛ اس لئے ان تمام الفاظ سے طلاق صریح پڑگئی؛ لہٰذا تجھے طلاق دی ایک مرتبہ اور تجھے آزاد کیا، دو مرتبہ اور میں نے تجھے فارغ خطی دی، ایک مرتبہ یہ کل چار مرتبہ ہوگئے؛ لہٰذا بیوی پر اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب دونوں کا بلا حلالہ ساتھ رہنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

سرحتک وهو " رها كردم" لأنه صار صريحاً في العرف، وقوله وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/٢٩٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقهاأويموت عنها. (هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، زكريا١ /٤٧٣ جديدزكريا ١ /٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢ /٣٩٩، قدوري امدادية ديوبند ١٧٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢ /٨٨، التفاوى التاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۹۴۲)

ایک دوا گر خاموش نہ رہی، تو تین کر دیں گے کہنا

سوال [۶۳۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کسی سے جھگڑ رہی تھی، جب زید گھر میں آیا تو اپنی بیوی کو ڈرانے کے لئے کہا، ایک دوا گر خاموش نہ رہی، تو تین کر دیں گے، اور شوہر کی مراد ایک دو سے طلاق ہے، اس صورت حال میں شرعی رو سے کیا صورت پیش آئی اور کتنی طلاق واقع ہوئیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد یونس بہاری، سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہاری زبان ومحاورے میں ایک دو سے دو ہی مراد ہوتا ہے، اور یہ عدد ہے اور شوہر کا قول اگر خاموش نہ رہی، تو تین کر دیں گے، خطاب ہے تو متصف بالطلاق ہو کر معدود کا طلاق ہونا واضح ہو گیا، اس سے دو طلاق رجعی واقع ہو گئیں۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق أنت طالق. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲۵۲، زكريا ٤/٤٦٣)

رجل قال لامرأته بعد الدخول بها: أنت طالق طالق تقع ثنتان. (تاتارخانية، زكريا ٤/٤٢٩، رقم: ٦٥٩٥)

اور شوہر کا قول تین کر دیں گے وعدہ ہے اس سے طلاق کا حکم نہیں لگ سکتا۔

أنا أطلق نفسي لم يقع لأنه وعد. (در مختار مع الشامي، كراچي ۳/۳۱۹، زكريا ٤/٥٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۲/۳۴۷)

''لے طلاق'' کا حکم

سوال [۶۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رئیس نے اپنی بیوی کو لڑائی کے دوران یہ کہہ دیا کہ ''لے طلاق، لے طلاق، لے طلاق'' تین بار کہا، بیوی شگفتہ کا کہنا ہے کہ میں نے صرف ایک بار مذکورہ لفظ سنا ہے، شوہر کا بیان ہے تین دفعہ کہا، بیوی کا بھائی کہتا ہے تین دفعہ سنا، بیوی شگفتہ کی ماں یہ کہتی ہے کہ میں نے دو دفعہ سنا ہے، شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ اب شوہر کے ساتھ رہنے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟ طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتية: شگفتہ پروین، ڈیریا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شوہر نے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں، ''لے طلاق، لے طلاق، لے طلاق'' تین مرتبہ، تو راجح قول کے مطابق بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، اگرچہ بیوی نے طلاق لے لی کہہ کر قبول نہ کیا ہو، تب بھی طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔

اب بغیر حلالہ کے آپس میں نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

ومنه خذي طلاقک فقالت: أخذت فقد صحح الوقوع به بلا اشتراط نية، كما في الفتح، وكذا لا يشترط قولها أخذت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲٤۸، زكريا ٤/٤٥۹)

وفي التاتارخانية: إذا قال خذي طلاقک لايقع مالم تقل :أخذت وفي الكبرىٰ: يقع من غير قولها أخذت. (تاتارخانية، زكريا٤/٤٠۹، رقم:٦٥٤٧، وهكذا في البحر، زكريا٣/٤٣۹، كوئٹه٣/٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۱۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۰ھ

”طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی“ کا حکم

سوال [۶۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ریاض نے اپنی بیوی کو بعض نازیبا حرکتوں کی وجہ سے طلاق دیدی ہے، اور اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کئے کہ ”طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی“ جاؤ اب تو دیدی، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا طلاق ہوگئی یا نہیں اور اگر اسے ساتھ رکھنا چاہیں تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: ریاض، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں ریاض کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کرکے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

وإذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹/۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، زكريا ۴۷۳/۱، جديد زكريا ديوبند ۵۳۵/۱ هداية، اشرفي ديوبند ۳۹۹/۲، قدوري امدادية ديوبند ۱۷۸، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۱۴۷/۵، رقم: ۷۵۰۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۸۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۰۸/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۳۱ھ

دیور کا بھابھی کے ساتھ زنا کرنا اور شوہر کا اس کو طلاق دینا

سوال [۶۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور سلمٰی دونوں شوہر بیوی ہیں، اس کے ساتھ زید کا بھائی الطاف بھی رہتا ہے، الطاف جو کہ سلمٰی کا دیور ہے موقعہ اور تنہائی پا کر الطاف نے سلمٰی کے ساتھ مبینہ بدسلوکی اور عصمت دری کی، جیسا کہ سلمٰی کا بیان ہے۔

اگلے روز یہ بدترین واقعہ سلمی نے اپنے شوہر زید سے بیان کیا، تو زید نے سلمٰی کے ساتھ ہمدردی کرنے کے بجائے سلمٰی پر ہی الزام لگایا کہ تو میرے بھائی پر بہتان لگا رہی ہے اور برادری کے سامنے قرآن اٹھا کر سلمٰی کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ الطاف نے میرے ساتھ کچھ نہیں کیا" جبکہ الطاف نے سلمٰی کی سو فیصد عصمت دری کی" ستم بالائے ستم یہ کہ اس سنگ دل زید نے سلمٰی کو طلاق بھی دیدی، اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود سلمٰی کے والدین کا زید اور الطاف کے گھر آنا جانا اور پہلے کی طرح ان سے تعلقات بنائے رکھنا از روئے شرع جائز ہے؟

المستفتی: امام الدین جوئے، سابق صدر ضلع وقف کمیٹی کھر گون (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ بات واقعہ میں صحیح ہے، تو ایسی صورت میں گناہِ عظیم کا ارتکاب ہوا ہے، اس سے توبہ کرنا واجب ہے، ورنہ عذاب عظیم کا خطرہ ہے اور جب شوہر نے سلمٰی کو طلاق دیدی ہے تو شرعی طور پر طلاق واقع ہوگئی، اگر ایک یا دو طلاق دی، تو طلاق رجعی واقع ہوئی، عدت کے اندر اندر رجعت کی گنجائش ہے، اگر تین طلاق دی ہیں، تو سلمٰی اپنے شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، آئندہ اس کے ساتھ بغیر حلالہ کے نکاح درست نہیں ہوگا اور جن حالات میں سلمٰی کو طلاق دی ہے، اگر واقعہ صحیح ہے، تو شوہر کی طرف سے سلمٰی کے اوپر بے جا ظلم وزیادتی ہے جس کا عند اللہ حساب وکتاب ہوسکتا ہے اب رہی یہ بات

کہ سلمیٰ کے والدین کا سلمیٰ کے شوہر کے ساتھ پہلے کی طرح رواداری باقی رکھنا اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

اتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة......سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة. (شرح نووي، كتاب التوبة ٢/ ٣٥٤)

التوبة فرض على المؤمنين. (تفسير قرطبي، سورة النساء:١٧، قديم ٥/ ٩٠، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٥/ ٦٠)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعيتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هندية، زكريا ١/ ٤٧٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٥٣٣)

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق أنت طالق. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، زكريا ١/ ٤٧٣، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣، زكريا جديد ديوبند ١/ ٥٣٥)

أما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر إلا لعارض يبيحه، والإباحة للحاجة إلى الخلاص، فإذا كان بلا سبب أصلاً لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص؛ بل يكون حمقاً......فليست الحاجة مختصة بالكبر والربية. (شامي، كراچي ٣/ ٢٢٨، زكريا ٤/ ٤٢٨)

عن سليمان عن عمرو بن الأحوص، حدثني أبي شهد حجة الوداع مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فحمد الله وأثنى عليه وذكر ووعظ، ثم قال: استوصوا بالنساء خيراً الحديث (ابن ماجه شريف، أبواب النكاح، باب حق المرأة على الزوج، النسخة الهندية ١٣٣، دار السلام رقم: ١٨٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۹۷)

خیالی طلاق کے بعد یہ کہنا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے

سوال [۶۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو خیال میں طلاق دی اور یہ سمجھا کہ حقیقتاً طلاق ہوگئی ہے، اور یہ مسئلہ نہیں جانتا تھا کہ طلاق دینے میں شرط تکلم ہے؛ چنانچہ وہ اس فعل کی وجہ سے بہت رنجیدہ تھا، بکر نے خیریت پوچھتے ہوئے کہا کہ اتنے غمزدہ کیوں ہو؟ تو زید نے مذکورہ مسئلہ کی حکایت کرتے ہوئے کہا کہ ''میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے'' اس لئے رنجیدہ ہوں، تو اب مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ اس جملہ کی وجہ سے زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ نیز بیوی کو رکھنے کی کیا صورت ہے؟

المستفتی: محمد سلیم سیتا پوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جب خیال میں اپنی بیوی کو طلاق دی تو وہ شرعاً معتبر نہیں ہوئی؛ لیکن جب بکر کے دریافت کرنے پر زید نے کہا کہ ''میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے'' تو اس سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔ اب عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھ لینے کی گنجائش ہے۔

عن عبد اللّٰه وعن أناسؓ من أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، فذکر التفسیر إلي قوله الطلاق مرتان، قال: هو المیقات الذي یکون علیها فیه الرجعة، فإذا طلق واحدة أوثنتین فإما أن یمسک ویراجع بمعروف، وإما یسکت عنها حتی تنقضي عدتها، فتکون أحق بنفسها. (السنن الکبریٰ للبیهقي، کتاب الرجعة، دارالفکر بیروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم:۱۵۵۳۹)

لو أقر بالطلاق......وقع قضاءً. (در مختار علی الشامي، کتاب الطلاق، مطلب في الإکراه علی التوکیل بالطلاق، کراچي ۳/۲۳۶، زکریا ۴/ ۴۴۰)

لو أقر بالطلاق...... وقع في القضاء. (البحر الرائق، کوئٹہ ۳/ ۲٤٦، زکریا۳/ ٤۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۸ھ

ایک مرتبہ طلاق کہنے کا حکم

سوال [۶۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ہوئے تین سال ہوگئے، میری بیوی مجھ سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی جھگڑا کرتی رہتی ہے، اور میری غیر موجودگی میں مجھے بنا بتائے اپنے میکے چلی جاتی ہے، ایک مرتبہ تو کمرے میں تالا لگا کر اپنے میکہ چابی ساتھ لے کر چلی گئی، واپس آنے پر میں نے سمجھایا، تو مجھے گالی گلوچ کرنے لگی؛ لہٰذا مجھے غصہ آگیا اور میں نے اس کو ایک مرتبہ طلاق کہہ دیا، اسی وقت میرے گھر کے لوگ موجود تھے، جن لوگوں نے یہ طلاق سنی، اس کے بعد وہ اپنے گھر چلی گئی اور آج تک وہ اپنے میکے میں ہے، اور اس واقعہ کو سال بھر سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے، اس صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دینے کی زحمت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: شاہ ویز، محلّہ دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے غصہ میں ایک مرتبہ طلاق کہہ دیا تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اور اس کے بعد آپ نے رجعت نہیں کی ہے، اسی حالت میں سال گذر گیا ہے، تو اس درمیان میں اس کی عدت بھی پوری ہوگئی ہے اور عدت پوری ہونے کے بعد وہ طلاق رجعی بائنہ ہوگئی ہے اور اگر دوبارہ رکھنا چاہیں، تو بغیر حلالہ کے نکاح کر کے رکھ سکتے ہیں۔

أما حكمه فوقوع الفرقة بانقضاء العدة في الرجعي وبدونه في البائن.

(هندية، كتاب الطلاق، الباب الاول في تفسيره، زكريا ١/٣٤٨، جديد زكريا ديو بند١/٤١٥)

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها؛ لأن حل المحلية باقٍ؛ لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة فينعدم قبله.

(هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة اشرفي ديو بند٢/٣٩٩، هندية، زكريا ١/٤٧٢، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٨، رقم: ٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ر۱۱۲۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹ر۱۱ر۱۴۳۴ھ

شوہر کا دو آدمی کی موجودگی میں یہ کہنا کہ اس کو تو طلاق ہو چکی ہے

سوال [۶۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح سلمیٰ سے تین سال قبل ہوا تھا، ان کی ایک بیٹی بھی ہے؛ لیکن زید اس سلمیٰ کو رکھنا نہیں چاہتا ہے اور نہ ہی سلمیٰ زید کے یہاں رہنے کو تیار ہے، قانونی طور سے سلمیٰ کے گھر والوں نے کارروائی بھی کی ہے جس کی وجہ سے زید بہت نالاں ہے، اور زید کے گھر والوں نے سلمیٰ کا جہیز بھی واپس کر دیا ہے؛ لیکن طلاق نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ میں اس کو الجھا کر رکھوں گا، اور جس طرح انہوں نے مجھے پریشان کیا ہے میں بھی ان کو پریشان کروں گا اور زید نے دو آدمیوں کی موجودگی میں یہ بھی کہا کہ اس کو طلاق تو ہو چکی ہے، سلمیٰ کے گھر والے چاہتے ہیں کہ سلمیٰ کا نکاح دوسری جگہ کر دیں، تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: احمد سعید، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا یہ کہنا ہے کہ اس کو تو طلاق ہو چکی ہے اقرار طلاق

ہے؛ لہٰذا اس لفظ سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، اس کے اس کہنے کے وقت سے تین ماہواری کے ساتھ عدت گذر جانے کے بعد سلمیٰ دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

عن عبد الله وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلي قوله: الطلاق مرتان، قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أوثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (السنن الكبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم:۱۵۵۳۹)

لو أقر بالطلاق كاذباً أوهازلاً وقع قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، كراچي ۳/ ۲۳۶، زكريا ٤/ ٤٤٠، البحر الرائق، كوئٹه ۳/ ۲٤٦، زكريا ۳/ ٤۲۸)

قيل لرجل: ألست طلقت امرأتک، فقال: بلیٰ تطلق. (عالمگيري، زكريا ۱/ ۳٥٦ جديد زكريا ديوبند ۱/ ٤۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۴ھ

وارننگ کے طور پر ایک مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۳۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری آٹھ اولاد ہیں جن میں سے بچوں کے درمیان لڑائی جھگڑا ہوا اور وہ آپس میں لڑکر گھر سے باہر محلّہ میں ہی کہیں چلے گئے ہیں میں (یعنی بچوں کے والد) گھر پر موجود نہیں تھا، جب میں واقعہ کے دو گھنٹہ بعد گھر پر واپس آیا تو میں نے بچوں کے بارے میں جانکاری چاہی تھی، تو میری بیوی پھول جہاں نے اس لڑائی کی بابت مجھ سے سب کچھ چھپانا چاہا، تو میں

نے کچھ جاننے کی زیادہ خواہش ظاہر کی، مگر میرے سابقہ تجربہ کے مطابق میری بیوی ضدی قسم کی عورت ہے، جس کی وجہ سے معاملہ زیادہ طول پا گیا، میں نے اس سے کہا کہ تم نے (بیوی) ہمیشہ ہی مجھ سے ہر بات چھپائی ہے، مگر وہ مجھے کسی نہ کسی طرح پتہ چل ہی جاتی ہے اور تم اپنی ان باتوں سے باز نہیں آتیں، میں آپ کو کئی مرتبہ تنبیہ کر چکا ہوں، مگر آج تک کوئی جواب میں بدلاؤ نہیں آیا، تب میں نے غصہ میں اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے اپنے ذہن میں صرف وارننگ کے طور پر سوچتے ہوئے ایک مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ میں تجھے ایک بار طلاق دیتا ہوں، میرے والد صاحب والدہ صاحبہ دو بھائی، جو اس وقت موقع پر موجود تھے، سب گواہ ہیں، کیا ان حالات میں طلاق واقع ہوگئی

المستفتی: شاہد حسین، رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی سے یہ کہا میں تجھے ایک بار طلاق دیتا ہوں، تو اس سے آپ کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، اب اگر عدت کے اندر اندر رجعت کرنا چاہیں تو رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے، پھر آئندہ جب بھی دو طلاق دیں گے، تو آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور آپ کی بیوی آپ پر بالکل حرام ہو جائے گی۔

عن عبد الله وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلي قوله: الطلاق مرتان، قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أوثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها.

(سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۲۸۱/۱۱-۲۸۲، رقم: ۱۵۵۳۹)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك، أو لم ترض، كذا في الهداية. (فتاوى عالمگيري،

كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، زكريا ١/ ٤٧٠، هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، قدوري امداديه ديوبند ١٧٧ زكريا جديدديوبند١/ ٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۸۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۷ھ

’’بیوی کو طلاق دے آیا ہوں‘‘ سے طلاق

سوال [۶۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بر مکان زوجہ گیا اور وہاں سے بیوی کو لانے کا پروگرام تھا، بیوی نے بوجہ بیماری جانے سے منع کر دیا، شوہر کہتا ہے اگر تو میرے ساتھ نہیں چلتی ہے، تو طلاق دیدوں گا، یہ واپس گھر کو آیا، وہاں متعلقین نے دریافت کیا کہ زوجہ کو نہیں لائے، تو شوہر نے فوراً کہا کہ میں تو اسے طلاق دے آیا ہوں، اس صورت میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں، گاہے گاہے خبر انشاء کے معنی میں آتی ہے، یہاں یہ صورت تو صادر نہیں آئی ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دوں گا کے لفظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، مگر واپسی پر لوگوں کے پوچھنے پر ’’طلاق دے آیا ہوں‘‘ کہنے کی وجہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر رجعت کی گنجائش ہے۔

ولو قال: أطلقك لم يقع. (سكب الأنهر، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٤)

إذا أضاف الطلاق إليها، وكذا لو أتي بالضمير الغائب أو اسم الإشارة العائد إليها. (شامي، زكريا ديوبند ٤/ ٤٦٩، كراچي ٣/ ٢٥٦)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة...... فله أن يراجع في عدتها.

(هـداية، اشـرفـي ديـوبـنـد ۲/ ۳۹٤، هـنـدية، زكريا ۱/ ٤٧٠، جديد زكريا ديوبند ۱/ ٥٣٣، قدوري امداديه ديوبند١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۴۷۷/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۷ھ

لفظ ’’میں تجھے طلاق دیتا ہوں‘‘ سے طلاق

سوال [۶۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی اپنے میکے میں ڈھائی سال سے رہ رہی ہے، میں اسے بلانے گیا تھا، بہت سمجھانے کے باوجود میرے پاس آنے کے لئے تیار نہیں ہوئی؛ اس لئے میں نے اس سے کہا ’’میں تجھے طلاق دیتا ہوں‘‘ طلاق ہوئی یا نہیں؟ صرف ایک مرتبہ مذکورہ لفظ کہا ہے۔

المستفتی: عبد اللطیف عرف جمال، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے، عدت کے اندر رجعت کرکے میاں بیوی کی طرح رہنے کی گنجائش ہے۔

عن عبد الله وعن أناسٍ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلي قوله الطلاق مرتان، قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم: ۱۵۵۳۹)

طلقتك وأنت طالق، ومطلقة.....يقع بها أي بهذه الألفاظ وما

بـمـعـنـاهـا مـن الصريح واحدة رجعية. (شـامـي، كتـاب الـطـلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲٤۷-۲٤۹، زكريا٤ /٤٥۷-٤٦۰)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (هـداية، بـاب الرجعة، اشرفي ديوبند ۲/۳۹٤، هندية، زكريا ۱/٤۷۰، جديد زكريا ديوبند۱/۵۳۳، قدوري امدادية ديوبند ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۲۵/۳۹)

”جب دیدی تو تو جاتی کیوں نہیں“ انشاء طلاق ہے یا تاکید

سوال [۶۳۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خورشید نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھ زیادہ مت بولے، تیرا منھ پیٹ دوں گا، بدتمیزی مت بولے جا اور جا میں نے تجھے طلاق دی، دوسری بار میں کہا ”جب دیدی تو جاتی کیوں نہیں“ ان کی ساس نے کہا لا پیسے دے، پھر لے کے جاؤں گی، ان کی ساس چھوڑ کے چلی گئی، تو انہوں نے کہا بہو سے جب تجھے طلاق دیدی، تو جاتی کیوں نہیں،؟ بلا اپنی ماں کو اور یہاں سے فوراً چلی جا، جو بات ہم نے سنی وہ لکھی ہے۔

المستفتی: محمد خورشید، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سوال واقعہ کے مطابق ہے، تو صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اور دوسری بار یہ جو کہا ہے کہ جب دیدی تو جاتی کیوں نہیں؟ یہ پہلی طلاق کی خبر ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ لہٰذا عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، باب الرجعة، اشرفي ديو بند ۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا ۱/ ٤٧٠، قدوري امداديه، ديو بند ۱۷۷ زكرياديبند ۱/ ۵۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۵۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۰ھ

میں نے تیری طلاق دیدی کہنے کا حق

سوال [۶۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا میں تیری طلاق دیدوں گا اور پھر ایک مرتبہ کہا کہ میں نے تیری طلاق دیدی، دوبارہ پھر کہنے کو تھا کہ ایک عورت نے اس کے منھ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ تمہیں قرآن پاک کی قسم ہے کہ جو تم طلاق دو، پھر اس کی بیوی نے محلّہ والوں سے کہا کہ میرے شوہر نے مجھ کو طلاق یدی ہے، وہاں پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے، تو ان آدمیوں نے بھی محلّہ والوں کے معلوم کرنے پر حلف کی رو سے یہ کہا کہ ہمارے سامنے اس شخص نے ایک مرتبہ کہا کہ میں تیری طلاق دیدوں گا اور ایک مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تیری طلاق دیدی اور جب وہ دوبارہ کہنے کو تھا تو ایک عورت نے اس کے منھ پر ہاتھ رکھ لیا، اس واقعہ کو آٹھ ماہ ہو گئے ہیں، وہ عورت اپنے شوہر کے یہاں رہتی ہے، تو لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ تم نے اس عورت کو طلاق کیوں دیدی ہے، تو اس شخص نے کہا کہ اب تو میں نے دے ہی دی ہے۔ عبارت بالا کا جواب لکھیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: خداحسین سرکڑہ چکرا جمل، سرکڑا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب اس شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ میں تیری طلاق دیدوں گا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

و في المحيط: لو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب السابع في الطلاق بالالفاظ الفارسية، زكريا ۱/۳۸٤، زكريا جديد ديوبند ۱/٤٥۲)

اور پھر جب اس نے یہ کہا کہ میں نے تیری طلاق دے دی، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔

فالصريح قوله أنت طالق ومطلقة وطلقتک، فهذا يقع به الطلاق الرجعي. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۵۹)

اور اس واقعہ کے بعد اگر وطی یا بوس وکنار کرلیا ہو، تو وہ عورت دوبارہ اس کی بیوی ہوجائے گی اور دونوں میاں بیوی کے حکم میں ہوں گے۔

والرجعة أن يقول: راجعتک، أو راجعت امرأتي، أو يطأها، أو يقبلها، أو يلمسها بشهوة، أو ينظر إلي فرجها بشهوة. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۹۵)

اس کے بعد پھر جب لوگوں کے دریافت کرنے پر اس نے یہ کہا کہ اب تو میں نے دے ہی دی ہے، تو اس سے کوئی طلاق نہیں پڑے گی؛ بلکہ یہ پہلے کی خبر ہوگی۔

رجل قال لامرأته: أنت طالق أنت طالق أنت طالق فقال عنيت بالأولىٰ الطلاق، وبالثانية، والثالثة إفهامها صدق ديانة، وفي القضاء طلقت ثلاثاً. (عالمگيري، زكريا ۱/۳۵٦، زكريا جديد ۱/٤۲۳)

اور اگر اس کی نیت دوسری طلاق دینے کی تھی تو اس لفظ سے دوسری طلاق رجعی واقع ہوجائے گی، اب اس لفظ کو کہنے کے بعد سے عورت کے تین حیض پورے ہونے سے قبل اگر وہ مرد عورت سے رجوع کرلے یا اس سے وطی کرلے یا بوس وکنار کرلے تو پھر وہ اس کی بیوی ہوجائے گی اور رجوع کرنے کے بعد اب اگر وہ ایک بار بھی اپنی بیوی کو طلاق دے گا، تو وہ عورت مغلظہ ہوجائے گی اور بغیر حلالہ کے اس مرد کے لئے حلال نہ ہوگی۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أو ثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹، هندية، زكريا ۱/ ٤۷۳ جديدزكرياديوبند۱/ ۵۳۵، قدوري امدادية ديوبند ۱۷۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱/ ۱۴۲۰ھ

''میں نے تجھے طلاق دی'' سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

سوال [۶۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد حنیف اور اس کی بیوی نسیمہ خاتون میں کچھ تکرار ہوا، تو بیوی نے کہا کہ میں تیری صورت نہیں دیکھنا چاہتی، اسی وقت محمد حنیف نے اپنی بیوی سے کہا کہ 'میں نے تجھے طلاق دی'' ایک بار کہا پھر بدتمیزی ہوئی، تو محمد حنیف نے بڑی سالی سے کہا کہ باجی اس کو سمجھا لو میں اسے طلاق دیدوں گا، پھر صبح کو لڑکی کے ماں باپ نسیمہ کو اپنے گھر لے گئے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً کونسی طلاق ہوئی؟ کیا میاں بیوی اب ایک ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد حنیف، کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف ایک بار تجھے طلاق دی کا لفظ استعمال کیا ہے، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر رجعت کرکے بیوی بنا کر رکھنا جائز ہے۔

عن عبد الله وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلي قوله الطلاق مرتان، قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف،

وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم:۱۵۵۳۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً......فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفي ديو بند ۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا ۱/ ٤٧٠، جديد زكريا ديو بند ۱/ ٥٣٣، قدوري امدادية ديو بند ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۲۳ھ

طلاق دیدی سے کونسی طلاق واقع ہوگئی؟

سوال [۶۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شمیم نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں طلاق دیدوں گا، بیوی کہتی ہے کہ طلاق دیدی کہا تھا، پھر اس ایک طلاق کے بعد میاں بیوی ایک ساتھ پندرہ دن تک رہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ جملہ سے کونسی طلاق ہوئی؟ اب میاں بیوی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: سلیم گاؤں سیلا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر واقعی صرف ایک دفعہ کہا ہے تو بیوی کی بات تسلیم کرنے کی صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوئی اور سوال نامہ میں ہے کہ طلاق کے واقعہ کے بعد دونوں ایک ساتھ پندرہ دن تک رہے ہیں، تو ایسی صورت میں رجعت بھی ہو چکی ہے؛ لہٰذا اب جب بھی دو مرتبہ طلاق دے گا تو طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی شوہر کے قول کے اعتبار سے طلاق ہی واقع نہیں ہوئی، بہر حال دونوں صورتوں میں میاں بیوی کی طرح ساتھ رہنے کی گنجائش ہے۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها.

(هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفي ديوبند ۲/۳۹۴، هندية، زكريا ۱/۴۷۰، جديد زكريا ديوبند ۱/۵۳۳، قدوري امدادية ديو بند ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۵۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۲۱ھ

"جا میں نے تجھے طلاق دی" سے طلاق

سوال [۶۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی سسرال سے گھر پہنچے، تو گھر پر والدہ تھیں اور گھر کے کچھ لوگ تھے، گھر آ کر زید کی بیوی نے زید کی والدہ کو سلام نہیں کیا؛ کیونکہ زید کی بیوی اور والدہ میں پہلے کچھ کہا سنی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے زید کی بیوی زید کی والدہ سے ناراض تھی؛ اس لئے سلام نہیں کیا، زید نے بیوی سے بار بار سلام کرنے کو کہا، تو بھی نہیں کیا اس پر زید کو غصہ آیا، تو زید نے کہا کہ جب تو میری ماں کو سلام نہیں کر سکتی تو تیرا میرے گھر میں کوئی کام نہیں اور جا ہم میں نے تجھ کو طلاق دی، اس پر زید کی بیوی نے زید کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ آپ ایسا نہ کریں زید نے کہا کہ اب تو مجھ کو مت پکڑ اور نہ چھو؛ کیونکہ میں نے تجھ کو طلاق دیدی ہے اور اب تو میری بیوی نہیں ہے، اس پر زید اور زید کی بیوی میں کافی نوک جھوک تک ہوئی اور اب زید کی بیوی کو کافی سمجھانے کے بعد زید کی بیوی نے معافی تلافی کر لی ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ زید اور اس کی بیوی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محبوب الرحمٰن، دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے یہ جو لفظ کہا کہ جا میں نے تجھے طلاق دی، اس

سے ایک طلاق رجعی واقعی ہوگئی اور اس سے پہلے لفظ ''جا''، جو کہا ہے، اس سے اگر الگ سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور بعد میں جتنے بھی الفاظ کہے ہیں، وہ سب پہلی والی طلاق کی خبر ہے؛ البتہ اس نے جو یہ کہا ہے کہ مجھ کو نہ پکڑ اور نہ چھو، تو میری بیوی نہیں ہے، ان الفاظ سے اگر پہلی طلاق کو بائن کرنا مقصود ہو تو پہلی والی طلاق جو رجعی ہوئی تھی وہ بائن ہوجائے گی، اب ایک طلاق بائن ہونے کی وجہ سے رجعت نہیں کر سکتے مگر آپس کی رضامندی سے دوبارہ دونوں کے درمیان میں نکاح درست ہوجائے گا اور بہر صورت صرف ایک ہی طلاق واقع ہوئی اور اگر بعد کے الفاظ کے ذریعہ سے پہلی طلاق کو بائن کرنا مقصود نہیں تھا؛ بلکہ صرف ڈانٹ ڈپٹ کرنا مقصود تھا تو صرف ایک طلاق رجعی ہوئی ہے؛ لیکن سوال نامہ کی عبارت سے اس بات کا رجحان غالب ہے کہ بعد کے الفاظ پہلی طلاق کو بائن کرنے کے لئے استعمال کئے ہیں؛ اس لئے تجدید نکاح کرلیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ مطبوعہ ڈابھیل ۱۲/۳۴۴، مطبوعہ میرٹھ ۱۸/۲۹۰)

عن سماک رضی اللہ عنہ قال: سمعت عکرمة رضی اللہ عنہ یقول: الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أو تسریح بإحسان، قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نکحها، وإذا طلقها ثنتین فإن شاء نکحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (المصنف لابن أبي شیبة، ما قالوا في الطلاق مرتان مؤسسة علوم القرآن بیروت ۱۰/۱۹۷، رقم:۱۹۵٦٤)

ولو قال لامرأته: أنت طالق، فقال له رجل: ما قلت، فقال: طلقتها أو قال: قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء؛ لأن کلامه انصرف إلی الإخبار بقرینة الاستخبار. (بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل النیة في طلاق الکنایة، زکریا ۳/۱٦۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۱۷۰)

”میں نے تمہاری بھانجی کو طلاق دیدی“ کہنے سے طلاق

سوال [۶۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شائقہ پروین ولد محمد شاکر ساکن لاجپت نگر مرادآباد کی رہنے والی ہوں میری شادی فضل الرحمٰن ولد محمد رہبان ساکن لاجپت نگر مرادآباد سے ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی، اللہ کے حکم سے میری کوئی اولاد نہیں ہے، جس کی وجہ میرے شوہر میں کمی ہے، اب اپنی جائیداد کی وجہ سے اپنے بھائیوں کے کہنے کی وجہ سے میرے شوہر نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا ہے، میں کسی کام سے اپنی بہن کے گھر گئی تھی، میرے پیچھے تالا ڈال دیا اور میرے ماموں صاحب کے پاس آکر کہا کہ میں نے تمہاری بھانجی کو طلاق دیدی ہے، طلاق میرے سامنے نہیں دی اور نہ ہی گواہ تھا؛ لہٰذا صرف میرے ماموں سے کہہ کر مجھے طلاق کو کہہ دیا؛ لہٰذا میرا کوئی بھی سہارا نہیں ہے، ایسی صورت میں شریعت کے حساب سے مجھے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ آپ مجھے اس کا جواب دینے کی تکلیف کریں، مہربانی ہوگی۔

المستفتیه: شائقہ پروین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق واقع ہونے کے لئے اقرار طلاق کافی ہوتا ہے، اس کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری نہیں ہے، اور نہ ہی بیوی کا آمنا سامنا ہونا لازم ہے، اور نہ ہی بیوی کا سننا ضروری ہے؛ لہٰذا جتنی طلاقیں دیدیں اتنی طلاقیں واقع ہوگئیں؛ لیکن سوالنامہ میں طلاق کی تعداد کا ذکر نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ میں نے تمہاری بھانجی کو طلاق دی ہے اگر صرف اتنا کہا ہے جتنا سوال نامہ میں ذکر ہے، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر اندر اگر شوہر رجعت کرلے تو اس کے ساتھ رہنا درست ہے۔

لو أقر بالطلاق، كاذباً أوهازلاً وقع قضاءً لا ديانةً. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الإكراه على التوكيل بالطلاق، زكريا ٤/ ٤٤٠، كراچي ٣/ ٢٣٦)

من أقر بطلاق سابق يكون ذلک إيقاعاً في الحال. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٠٩)

لو أقر بالطلاق وهو كاذب وقع في القضاء. (البحر الرائق، كوئٹه ٣/٢٤٦، زكريا٣/٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۰۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۵ھ

''میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں'' کہنے کا حکم

سوال [۶۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح شاہانہ پروین بنت جناب حسین صاحب پیرزادہ روضہ والی زیارت کے ساتھ ۲۶ نومبر ۲۰۱۰ء کو ہوا تھا لگ بھگ ۱۵، ۲۰ دن قبل اہلیہ کیساتھ جھگڑا ہو گیا تھا، جس میں میں نے اہلیہ کے دو تھپڑ مار دیئے، جس کے بعد وہ گھر چلی گئی، گھر جانے کے دو دن کے بعد میں نے فون کیا، تو شاہانہ نے کہا کہ تم نے فون کیوں کیا ہے؟ تمہارا یہاں کون رہتا ہے، مجھے غصہ آ گیا اور میں نے غصہ میں یہ کہدیا کہ میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں، دو مرتبہ کہا اور میں نے کہا آئندہ میرے گھر مت آنا، تو کیا میرے اس قول سے مکمل طلاق واقع ہوگئی یا کچھ گنجائش ہے، میں رجوع کرنا چاہتا ہوں، میری اہلیہ آٹھ مہینہ کی حاملہ ہے۔

المستفتی: محمد شریف، کٹار شہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ خود اس کا اقرار کر رہے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو دو طلاق دیدیں، تو آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں۔ اب اگر آپ رجعت کرنا چاہتے ہیں، تو عدت کے اندر اندر آپ کو رجعت کرنے کا حق حاصل ہے اور

عدت گذرنے کے بعد رجعت کا اختیار نہ ہوگا؛ بلکہ ازسرنو نکاح کر کے میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں اور آپ کی بیوی چوں کہ حاملہ ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہوتی ہے، بریں بنا آپ کو ولادت سے پہلے پہلے رجوع کرنے کا حق ہوگا اور رجوع کرنے کے بعد آپ دونوں کے لئے میاں بیوی کی طرح ازدواجی تعلق قائم کرنا بلا شبہ جائز اور درست ہوگا؛ لیکن یاد رکھیں کہ آئندہ جب بھی ایک مرتبہ طلاق کا جملہ نکلے گا، تو بیوی آپ کے لئے قطعی طور پر حرام ہوجائے گی۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق أنت طالق. (شامي، باب الصريح زكريا٤ /٤٦٣، كراچي٣ /٢٥٢)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (هندية، زكريا١ / ٤٧٠ جديد زكريا ديوبند ١ /٥٣٣)

والحرة لا يحرم بالطلقتين حرمة غليظة. (تبيين الحقائق،كتاب الطلاق زكريا ٣/ ٦٦، امداديه ملتان ٢ /٢١٩)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ . [سورة الطلاق : ٤]

(والعدة) في حق الحامل مطلقاً......وضع جميع حملها. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣ /٥١١، زكريا٥ /١٨٩، ١٩٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (هندية، زكريا ١ /٤٧٣ جديدزكريا ديو بند ١ /٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱؍ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۱۷)	۱۴۳۲/۱۱/۱۱ھ

شرعی وقانونی طلاق دے کر اپنی زوجیت سے آزاد کردیا

سوال [۶۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ فرقان نے ایک تحریری طلاق نامہ پر دستخط کردیئے، جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ’’روبرو گواہان فریق دوئم کوشرعی وقانونی طلاق دے کر اپنی زوجیت سے آزاد کردیا ہے‘‘ طلاق نامہ میں صرف طلاق سے متعلق یہی جملہ لکھا ہوا ہے، تو اس جملہ سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟ اب دوبارہ رکھنا چاہتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: حاجی شاہد حسین، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ مذکورہ میں طلاق نامہ پر جو جملہ ’’شرعی وقانونی طلاق دے کر اپنی زوجیت سے آزاد کردیا ہے‘‘ مذکور ہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے؛ لہٰذا بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے۔ اب اگر شوہر بیوی کو دوبارہ رکھنا چاہتا ہے، تو عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے۔

وفي أنت الطلاق، أو طلاق، أو أنت طالق الطلاق، أو أنت طالق طلاقاً يقع واحدة رجعية. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٥١، زكريا٤/ ٤٦٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً.....فله أن يراجعها في عدتها.

(هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا ١/ ٤٧٠، جديد زكريا ديوبند١/ ٥٣٣، قدوري امدادية ديوبند ١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۸۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۱۱ھ

وکیل کے دریافت کرنے پر طلاق کا اقرار کرنا

سوال [۶۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید وزینب جو کہ میاں بیوی ہیں اختلاف ہونے کی بناء پر زینب اپنی ماں کے گھر چلی گئی اوراسی حالت میں چار ماہ گذر گئے، شوہر سے کہا گیا کہ تم اپنی بیوی کو بلالاؤ، تواس پر اس نے اپنے والدین سے کہا کہ آپ بلا لائیں، میں بلانے کے لئے اس کے گھر پر نہیں جاؤں گا، اسی درمیان حاجی عبدالصمد صاحب نے زید سے رابطہ قائم کیا اور اختلاف کے انجام سے ڈراتے ہوئے سمجھایا کہ تم میرے ساتھ زینب کو بلانے کے لئے چلو، زید نے کہا کہ ایسا نہیں ہوگا، پھر حاجی عبدالصمد صاحب نے کہا کہ اگر تم نہیں چلتے ہو، تو میں بلا کر لے آتا ہوں، اس پر کہا یہ بھی نہیں ہوسکتا، یعنی ہر صورت میں زید زینب کو بلانے پر انکار کرتا رہا، اسی درمیان زینب کے والد نے زید اور اس کے اعزہ پر مقدمہ دائر کر دیا اسی درمیان زید سے زینب کے بلانے پر رابطہ قائم کیا جاتا رہا؛ لیکن ہر مرتبہ زید نے سکوت اختیار کیا، ایک رات زید حاجی عبدالصمد صاحب کے گھر پہونچا اور کہا کہ میرا فیصلہ کرادو اور فیصلہ سے زید کی نیت جدائی تھی، اس کے بعد حاجی عبدالصمد صاحب کے لڑکے اور بیوی نے زید سے دریافت کیا کہ تو پہلے دل میں کوئی غلط فیصلہ تو نہیں کر چکا ہے؟ تو زید نے کہا کہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں بلاکر نہیں لاؤں گا، اس کے بعد زید اپنے گھر آیا، زید کے گھر والوں نے سمجھایا کہ اب نہیں تو پھر زینب کو اسی گھر میں آنا ہے، اس وجہ سے تم وقت دیدو کہ زینب کو بلانے کے لئے کب چل رہے ہیں،؟ زید نے کہا تم لوگوں کو اختیار ہے کہ تم بلا کر لے آؤ، میں بلانے کے لئے اس در پر نہیں جاؤں گا، ہاں اگر حاجی عبدالصمد صاحب کہہ دیں، تو چلنے کے لئے تیار ہوں، زید کی نیت اس پر ٹالنے سے یہ تھی کہ زینب کو بلانے کے لئے مجھے جانا نہ پڑے، اس سے قبل زید عدالت میں مقدمہ کو دیکھنے کے لئے گیا، تو، وکیل کے دریافت کرنے پر کیا تم بیوی کو طلاق دے چکے ہو،، زید نے جواب میں کہا کہ ''ہاں'' وکیل نے پوچھا 'کیا تم مہر ادا کردو گے، زید نے کہا کہ ہاں'؛ جبکہ اب زید زینب کو اپنے گھر میں رکھنے کے لئے تیار ہے۔

نوٹ: صرف وکیل کے کہنے سے میں نے ایک مرتبہ کہا ہے کہ میں نے طلاق دیدی ہے، جو اس میں لکھا ہے، ورنہ زبان سے کبھی بھی یہ الفاظ ادا نہیں کئے۔

المستفتی: محمد طاہر محلہ آزادنگر، ٹانڈہ بادلی، رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چوں کہ زید نے وکیل کے دریافت کرنے پر طلاق کا اقرار کرلیا ہے؛ اس لئے زید کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے۔ اب اگر زید اس کو رکھنا چاہتا ہے تو عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھ لینے کی گنجائش ہے۔

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/ ۱۹۸)

ولو قيل له: طلقت امرأتك؟ فقال: نعم، أو بلى بالهجاء طلقت واحدة رجعيةً. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/ ۲٤۹، زكريا ٤/ ٤٦٠ جديد زكريا ديو بند ٤۲٤۱)

قيل لرجل: ألست طلقت امرأتك، فقال: بلىٰ تطلق. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۳٥٦، زكريا جديد ۱/ ٤۲٤)

عن عبد الله وعن أنس رضي الله عنه من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم -إلى قوله- فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم: ۱٥٥۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۶۳)

کسی شخص کے کہنے سے بیوی کو ایک طلاق دینا

سوال [۶۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قادر علی کو سسرال والوں نے دباؤ ڈال کر ایک تحریر پر دستخط کرنے پر مجبور کردیا اور تحریر میں کیا لکھا ہوا ہے، نہ قادر علی کو پڑھ کر سنایا اور نہ وضاحت سے اس کو معلوم ہے، ڈاکٹر نور الحسن

نے قادر علی سے اپنی زبان سے کہہ کر یہ جملہ بلوایا ہے کہ میں نے اپنی بیوی عذراء وارث کو چھوڑ دیا، ڈاکٹر نورالحسن کے کہنے کے ساتھ ساتھ ایک ہی دفعہ قادر علی کی زبان سے یہ جملہ نکلا ہے، تو ایسی صورت میں قادر علی کی بیوی عذراء وارث پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوئی، تو کونسی طلاق ہوئی اور جس تحریر پر دستخط کرایا ہے اس کو لگ بھگ دو مہینہ ہوگیا ہے، اور اس تحریر میں کیا لکھا ہوا ہے اب تک قادر علی کو معلوم نہیں ہوسکا ہے؛ لہٰذا مفتی صاحب اس مسئلہ میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: قادر علی، کھنی گلی، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب قادر علی نے مذکورہ تحریر نہ خود پڑھی ہے اور نہ اس کو یہ معلوم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور اس کے اوپر دباؤ ڈال کر دستخط لے لیا گیا ہے، تو ایسی صورت میں اس طرح دستخط کرالینے کی وجہ سے قادر علی کی طرف سے اس کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ لہٰذا شرعاً طلاق کے سلسلہ میں وہ تحریر ہی لغو ثابت ہوگی: البتہ ڈاکٹر نورالحسن کے کہنے سے قادر علی نے جو ایک مرتبہ یہ کہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی عذراء وارث کو چھوڑ دیا ہے تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی؛ لہٰذا قادر علی کو عدت کے اندر اندر بیوی کو رجعت کرکے اپنے نکاح میں رکھ لینا جائز اور درست ہوگا اور اگر عدت گذر جاتی ہے تو دوبارہ نکاح کرکے بیوی بنا کر رکھنا جائز ہے، حلالہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وفي البحر: إن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة هنا. (شامي، كتاب الطلاق، كراچي ۳/۲۳۱، زكريا ٤/٤٤٠، هندية، زكريا ١/٣٧٩ جديد زكريا ديوبند ١/٤٤٦)

ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبداً أو مكرها فإن طلاقه صحيح أي طلاق المكره. (شامي، زكريا ٤/٤٣٨، كراچي ٣/٢٣٥، هندية، زكريا ١/٣٥٣)

سرحتک كناية؛ لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال رها كردم أي سرحتک يقع به الرجعي . (شامي، كراچي٣/٢٩٩، زكريا٤/٥٣٠، هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس فى الكنايات زكريا ١/٣٧٥، جديد زكريا ديوبند١/٤٤٣)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، فله أن يراجعها في عدتها .
(هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا ١/٤٧٣ جديدزكرياديوبند١/٥٣٣)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها . (هندية، زكريا ١/٤٧٢، زكريا جديد ١/٥٣٥، الفتاوى تاتارخانية، جديد زكريا ديوبند١/٥٣٥ كتاب الطلاق فصل فيما تحل به المطلقة الخ زكريا ٥/١٤٨، رقم: ٧٥٠٤، هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۱۹)	۱/ ۲/ ۱۴۳۵ھ

’’طلاق دی اور طلاق دیدوں گا‘‘ سے وقوع طلاق کا مسئلہ

سوال [۶۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے طلاق دی، پھر دوبارہ لڑائی کے دوران کہا کہ تجھے طلاق دیدوں گا، صورت مسئولہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس کے بعد لوگ معلوم کرتے ہیں کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق دی، تو انہوں نے کہا کہ میں نے اسے چھوڑ دیا۔

المستفتی: سلیم احمد، باجپور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق دی کے لفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اور طلاق دیدوں گا کے لفظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور بعد میں لوگوں کے معلوم کرنے

پر یہ کہہ دینا کہ ہاں میں نے اس کو چھوڑ دیا یہ صرف پہلی طلاق کی خبر ہے، اس سے کسی قسم کی طلاق نہیں ہوئی؛ لہٰذا صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے ساتھ رکھا جاسکتا ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعية......فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (هداية، كتاب الطلاق، باب لرجعة، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا١/٤٧٠، جديد زكريا ديوبند ١/٥٣٣، قدوري، امدادية ديوبند ١٧٧)

بخلاف كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيک......لو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً. (هندية، زكريا١/٣٨٤ جديدزكريا ديوبند ١/٤٥٢، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۶۱۳)

طلاق دیدوں گا، اور ”طلاق دی“ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ۰۶/۱۰/۲۰۰۰ کو اپنی ساس سے کہا کہ اپنی بیٹی کو لے جاؤ، میں اس کو طلاق دیدوں گا، ایسا زید نے ساس سے دومرتبہ کہا، اس کے بعد زید نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، ایسا دومرتبہ کہا، اس پر زید کے گھر والوں نے زید کی بیوی کو اس کے گھر والوں کے ساتھ بھیج دیا۔ اب زید اپنی بیوی کو رجوع کرنا چاہتا ہے اور لڑکی کے والدین بھی راضی ہیں؛ لیکن کیا اوپر لکھی بات اسلام کی روشنی میں درست ہے اور کیا زید کی بیوی کو واپس بھیجنا شرعاً درست ہے؟

المستفتی: عبدالرشید ولد عبدالواحد، آزادنگر، میاں کالونی، سرسیدنگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق دیدوں گا کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے

پہلے دومرتبہ جوطلاق دے دوں گا کے الفاظ استعمال کئے ہیں، ان سے طلاق واقع نہیں ہوئی، اورطلاق دی کے لفظ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ اس لئے بعد میں جو دومرتبہ طلاق دی کے الفاظ استعمال کئے ہیں، ان سے دوطلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی زندگی گذارنے کی گنجائش ہے، آئندہ کبھی بھی ایک دفعہ طلاق دیدے گا، تو بیوی بالکل حرام ہوجائے گی۔

وبالطلاق أخریٰ وقعتا رجعتين لا مدخولاً بها، كقوله أنت طالق، أنت طالق. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٦٣، كراچي٣/٢٥٢)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا١/٤٧٠، جديد زكريا ديو بند ١/٥٣٣، قدوري امدادية ديوبند ١٧٧)

بخلاف كنم؛ لأن استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك......لو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقاً. (هندية، زكريا١/٣٨٤،جديدزكرياديوبند١/٤٥٢ سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٤)

لوقال: أطلقک لم يقع. (سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/١٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱ر رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۹۰۱/۳۵)

''دیدی'' کے لفظ سے طلاق

سوال [۶۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اگر کہنا نہیں مانے گی، تو میں تجھ کو صبح کو طلاق دے دوں

گا،اس کے کچھ دیر بعد عورتوں نے کہا کہ ایسا نہیں کہتے ہیں،تو اس لڑکے نے کہا دیدی، سمجھو دیدی، اس بات کے بعد وہ کئی روز تک ایک جگہ ہی رہے، اب لڑکے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ دولہن حاملہ ہےاور اس لڑکی کےوالد صاحب نے زور دیا ہے کہ یا تو اس لڑکی کو لے جاؤ، ورنہ ہم بچہ ضائع کرادیں گے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کا حل فرمائیں۔

المستفتی: رحمت علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیدی سمجھو دیدی کےالفاظ سے صرف ایک طلاق واقع ہوجاتی ہے،لفظ دیدی سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور سمجھو دیدی کالفظ خبر ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/۳۱۶)

عن عبد الله وعن أناسٌ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم –إلى– فإذا طلق واحدة أوثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (السنن الكبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱–۲۸۲، رقم:۱۵۵۳۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعية......فله أن يراجعها في عدتها.

(هداية، باب الرجعة، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا ۱/ ٤۷۰، جديد زكريا ديوبند ۱/ ۵۳۳، قدوري امدادية ديوبند ۱۷۷)

حمل کا اس طرح ضائع کرنا جائز نہیں ہے، ضائع کرانے والے گنہگار ہوں گے۔ نیز جان پڑ جانے کے بعد ضائع کرنے میں قتل کا گناہ ہوگا۔

وإن أسقطت ميتا ففي السقط غرّة. (در مختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، كراچي ٦/ ٤٢۹، زكريا ۹/ ٦۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶؍ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۳۶)

شوہر کا طلاق سے انکار اور لڑکی والوں کا اقرار کرنا

سوال [۶۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر کا کسی بات پر اپنی اہلیہ سے تکرار ہوگیا، بات بڑھنے پر بیوی اپنے میکے چلی گئی، شوہر اپنی بیوی کو لینے سسرال گیا، تکرار بہت زیادہ بڑھنے پر طلاق کہتا ہوا دروازہ کے باہر چلا گیا، شوہر نے صرف ایک بار طلاق کہا، اس بات کے گواہ لڑکی کے والدین، اہلیہ بذات خود ایک نابالغ بھائی اور دو نابالغ بہنیں ہیں، لڑکے کا والد بذات خود وہاں موجود تھا، لفظ طلاق کہنے کی ایک بار آواز آئی، بیوی کو ڈیڑھ ماہ کا حمل ہے اور ایک لڑکا محمد موسیٰ جس کی عمر ڈیڑھ سال ہے۔

شوہر کہتا ہے کہ میں نے ایک بار بھی نہیں کہا ہے، یہ بیشک کہا طلاق دیدوں گا؛ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ یہ فتویٰ دیجئے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ تاکہ لڑکی کو گھر لایا جاسکے، گھر لانے پر کوئی کفارہ دینا ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہد عمر خاں، باغ گلاب رائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکے کے باپ وہاں موجود تھے، اوران کا خود کہنا ہے کہ میں نے ایک بار طلاق سنا اور لڑکی کے گھر والے بھی ایک طلاق سننے کو بتارہے ہیں، ایسی صورت میں ایک طلاق واقع ہوگئی، ابھی رجعت کرکے پہلے کی طرح ساتھ رہنے کی گنجائش ہے اور رجعت کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے رجوع کرلیا، یا دونوں ایک ساتھ ایک ہی بستر پر رات گذارلیں، اس سے رجعت ہوجاتی ہے پھر کوئی قباحت باقی نہیں رہتی۔

الرجعة هي بنحو "راجعتک ورددتک ومسکتک" وبالفعل بکل مايوجب حرمة المصاهرة کمس. (شامي، کتاب الطلاق، باب الرجعة، کراچي ۳/۳۹۷-۳۹۹، زکريا ۵/۲۴-۲۵)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها......والرجعة أن يقول: راجعتک، أو راجعت امرأتي، أو يطأها، أويقبلها، أو يلمسها بشهوة. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا١/ ٤٧٠، جديد زكريا ديوبند١/ ٥٣٣)

ایک بار ’’طلاق دیدوں گا‘‘ کہا ہے، مگر وہاں پر موجود کوئی بھی شخص اس کی اس بات کی موافقت میں شہادت نہیں دیتا؛ لیکن لڑکے کی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے بھی رجعت کے بعد ساتھ رہنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۷/ ۱۴۳۲ھ

دو طلاق رجعی

سوال [۶۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کو زید نے تین عورت اور دو مرد کے سامنے طلاق دی، ہندہ بیوی کا کہنا ہے کہ میرے شوہر نیچے سے اوپر منزل میں آئے، اس حال میں کہ میرے پاس تین عورتیں اور دو مرد ایک میرا چچا زاد بھائی اور دوسرا میرا داماد، ایک میری بہو، دوسری میری شادی شدہ بیٹی، تیسری میری سمدھن، ان سب کے روبرو میرے شوہر نے دو مرتبہ یہ کہا کہ ’’میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی‘‘ دو مرتبہ کہہ کر نیچے اتر گیا، ذمہ دار حضرات نے ان پانچوں مرد وعورتوں سے الگ الگ شہادت لی، تو ان پانچوں مرد وزن کی شہادت ہندہ کے بیان سے ہو بہو ملتی ہے، قطعاً ہندہ کے بیان میں اور گواہوں کے بیان میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی ہر ایک نے ان میں سے یہی بیان شہادت دی کہ دو مرتبہ زید نے یہ کہا کہ ’’میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی‘‘ طلاق دیئے ہوئے تاریخ

کے اعتبار سے ۴؍مارچ ۱۹۹۴ء مطابق ۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ بروز جمعہ کو طلاق دی تھی، کل بیانوے دن ہوتے ہیں۔ ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد مستقیم، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اسی مسئلہ کے متعلق ۲۱؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ کو بھی ایک فتوی لکھا جاچکا ہے، مگراس کے سوال میں اوراس کے سوال میں بالکل واضح فرق ہے، اس میں صرف یہ بات ہے کہ شوہر طلاق کا انکار کررہا ہے اور بیوی طلاق کا دعویٰ کررہی ہے اور اس کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے، اس کا جواب اسی سوال کے مطابق تھا۔ اب جو سوال نامہ میں واقعہ لکھا ہے اس کے اعتبار سے بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کرکے بیوی بنا کر رکھ لینا جائز اور درست ہوگا اور اگر عدت ختم ہوگئی ہے تو بلا حلالہ نکاح کرکے رکھ سکتا ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق أنت طالق.

(در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲۵۲، زكريا ٤/٤٦٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۹٤، هندية، زكريا ۱/٤۷۰، جديد زكريا ديوبند ۱/۵۳۳، قدوري امدادية ديوبند ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۷۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱۲/۱۴۱۴ھ

دو طلاق رجعی دینا

سوال [۶۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میری اہلیہ نے پھلکیاں پکائی تھیں، پھر میرا بھائی آیا اس نے کھانا مانگا، تو بیوی نے کہا کہ پھلکیاں رکھی ہیں کھالو، پھر میرا بھائی کھانے گیا، تو پھلکیاں خراب ہوچکی تھیں، تو میرے بھائی نے ماں سے شکایت کی، تو میری ماں ناراض ہوگئی، تو میں نے کہا کیا کروں؟ تو ماں نے کہا کہ اس کو طلاق دیدو، یہ لڑکی رکھنے کے لائق نہیں ہے؛ لہٰذا میں نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے مخاطب ہوکر کہا، ”میں نے تجھے طلاق دیدی، میں نے تجھے طلاق دی“ تیسری مرتبہ میں نے کہنا چاہا تو حافظ محمد ہارون جو کہ اس وقت گھر میں موجود تھے، انہوں نے میرے منھ پر ہاتھ رکھ دیا، اس وقت محمد فرقان اور میرا بھائی عبدالوہاب اور میری والدہ اور میری بہن بھی موجود تھی، پھر میرے والد صاحب نے ایک مفتی صاحب سے مسئلہ معلوم کیا، انہوں نے کہا طلاق نہیں ہوئی، پھر ہم نے کھانا کھایا، حسب معمول صبح کو غسل کیا، بیوی واقعۂ طلاق کے بعد تین ماہ تک میرے یہاں رہی اور آپس میں میاں بیوی کے تعلقات قائم رہے، جب یہاں سے گئی تو تین ماہ کی حاملہ تھی۔ اب لڑکی تقریباً دوڈھائی سال سے والدین کے گھر ہے، آپ فیصلہ فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفار، رحمت نگر سوسائٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا بیان سچ ہے اور صرف دو ہی طلاق دی ہیں، اور اس کے بعد میاں بیوی کے تعلقات بھی قائم ہو چکے ہیں، تو ایسی صورت میں دو طلاق رجعی واقع ہوکر رجعت بھی ہو چکی ہے، دونوں کا میاں بیوی کی طرح ساتھ رہنا جائز ہوگا۔

وقعتا رجعیتین لو مدخولاً بها، کقوله أنت طالق.

(در مختار، کتاب الطلاق، باب الصریح، زکریا ٤/٤٦٣، کراچي ٣/٢٥٢)

إذا طلق الرجل امرأته تطلیقةً رجعیةً أو تطلیقتین فله أن یراجعها في عدتها رضیت بذلک أو لم ترض. (هدایة، اشرفي دیو بند ٢/٣٩٤،

هـنـدية، زكريا ١/ ٤٧٠، جديد زكريا ديوبند ١/ ٥٣٣، مختصر القدوري امدادية ديوبند ١٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۱۶ھ

”جاؤتم آزاد ہو میں نے تمہیں طلاق دی،، سے طلاق کا حکم

سوال [۶۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دو بیویاں ہیں، ایک حاملہ ایک غیر حاملہ، اس نے شراب کے نشہ کی حالت میں دونوں بیویوں کو مارا پیٹا اور پھر دونوں سے کہا کہ ”جاؤتم آزاد ہو“ اور ”میں نے تمہیں طلاق دی“ اس کے بعد وہ دونوں بیویاں گھر سے نکل گئیں، اگلے روز پھر ان کو بلالیا۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس حالت میں ان کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی تو کونسی طلاق واقع ہوئی اور دونوں کو واقع ہوئی یا ایک کو؟ اور اگر زید اپنی حرکت پر نادم ہو کر رجوع کرنا چاہے، تو کون سا طریقہ اختیار کرے؟

المستفتی: عبدالحفیظ، کالاگڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید نے اپنی دونوں بیویوں کو مخاطب کر کے کہا ”جاؤتم آزاد ہو، میں نے تمہیں طلاق دی“ تو ان کی دونوں بیویوں پر لفظ آزاد ہو سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔

فإذا قال رها كردم أي سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

اور لفظ طلاق دی سے دوسری طلاق رجعی پڑگئی؛ لہٰذا دونوں بیویوں پر دو طلاق رجعی واقع

ہوگئیں، عدت کے اندر اندر دونوں سے رجعت کر کے دونوں کو رکھ سکتا ہے؛ لیکن جب زید نے دونوں بیویوں کو اگلے دن بلا لیا، تو رجعت بھی ثابت ہوگئی اور نکاح علی حالہ باقی رہا، اب اگر زید کبھی بھی ایک طلاق دیگا، تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی۔

إذا كان للرجل امرأتان، وقد دخل بهما، فقال لهما: أنتما طالقان، طلقت كل واحدة منهما تطليقة رجعيةً. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الأول، زكريا ١/ ٣٦٤ جديد زكريا ديوبند ١/ ٤٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۵/ ۱۴۱۵ھ

’’طلاق لے کر نمٹ لے‘‘ سے طلاق

سوال [۶۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی بار بار یہ کہتی تھی کہ اس گھر میں تم ہی رہو گے یا میں ہی رہوں گی، زید اپنی بیوی سے بولا کہ تو جو بار بار طلاق، طلاق، زبان پر لاتی ہے، تو طلاق لے کر ہی نمٹ، صرف زید نے یہی الفاظ کہے ہیں، کچھ آدمیوں نے یہ بات باہر بھی سن لی، وہ یہ کہتے ہیں کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، پھر بھی اپنے ہی گھر میں اپنے پاس رکھ رہے ہیں، صرف اتنی بات ہے جو کہ زید نے اس وقت سے ابھی تک اپنی بیوی سے کوئی بات بھی نہیں کی ہے اور نہ ہی صحبت کی ہے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: اکبر علی، سہس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’طلاق لے کر نمٹ لے‘‘ ’’خذ طلاقک‘‘ کے مرادف ہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگئی، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے۔

ومنه خذي طلاقک، فقالت: أخذت فقد صحح الوقوع به بلا اشتراط نية كما في الفتح. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٨، زكريا٤/٤٥٩، وهكذا في البحر الرائق، كوئٹه ٣/٢٥١، زكريا ٣/٤٣٩)

قال خذي طلاقک، أوقال: وهبت لک طلاقک ولم ينو شيئاً يقع طلاق واحد. (فتاوى قاضيخان على الهندية، زكريا ١/٤٥٢ جديدزكريا ديو بند١/٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۷۹۹/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۵ھ

میں نے اس کو چھوڑ دی

سوال [۶۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی آصفہ کے ساتھ خوشی خوشی زندگی بسر کررہا تھا، زید کا رہن سہن ماں بہن کو نہیں بھایا، اور یہ دونوں (ماں بہن) زید اور زید کی بیوی سے آئے دن تکرار کرتی رہیں اور زید و آصفہ ماں بہن کے طعن و تشنیع برداشت کرتے رہے، کبھی زبان سے اف تک نہیں کیا، ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ زید اپنے کمرے میں بیٹھا کسی کتاب کے مطالعہ میں مشغول تھا کہ ماں بہن نے آصفہ سے پھر لڑائی شروع کردی، اس پوزیشن میں زید اپنے گھر سے باہر ہونا چاہتا تھا، ابھی گیٹ پر ہی تھا کہ اندر سے اپنی بیوی آصفہ کے رونے کی زوردار چیخ سنی زید اس چیخ کو سن کر واپس گھر میں آیا دیکھا تو ماں بہن آصفہ کی باورچی خانہ میں پٹائی کررہی ہیں، یہ حالت دیکھ کر زید کو غصہ آیا اور ماں بہن کو دھمکانے کی خاطر کہا، اگر تمہیں اس کا رہنا اچھا نہیں لگتا، تو میں نے اس کو تمہارے اوپر طلاق دیدی اور پھر پڑوس میں اپنی تائی کو اس طلاق کی خبر دینے کے لئے دیوار پر کھڑے ہوکر بآواز بلند تین سے زائد

مرتبہ کہا ”میں نے اس کو چھوڑ دی اور یہ کہتے وقت زید کی نیت یہ تھی کہ میں طلاق نہیں دے رہا ہوں؛ بلکہ صرف ماں اور بہن کو ڈرانے کے لئے یہ الفاظ استعمال کرر ہا ہوں، موجودہ صورت میں آصفہ سات ماہ کے حمل سے ہے، اس وقت لڑکی کے والدین آصفہ کو اپنے گھر لے گئے ہیں اور وہ وہیں عدت کے ایام پوری کرر ہی ہے۔ از روئے شرع قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد قاسم بن الحاج محمد اسلم، دڑھیال رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی زید نے ایک طلاق دینے کے بعد دیوار پر کھڑے ہوکر اسی طلاق کی خبر دینے کے لئے ”میں نے اس کو چھوڑ دی“ کا لفظ بار بار استعمال کیا ہے، تو یہ خبر کے درجہ میں ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور پہلی طلاق سے ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے، رجعت کرکے رکھنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۰/ ۱۴۸)

إذاقال أنت طالق، ثم قيل له، ما قلت؟ فقال: قد طلقتها أو قلت: هي طالق، فهي طالق واحدة؛ لأنه جواب. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي۳/ ۲۹۳، زكريا ٤/ ٥٢١)

ولو قال لامرأته: أنت طالق، فقال له رجل: ما قلت؟ فقال: طلقتها، أو قال: قلت: هي طالق، فهي واحدة في القضاء؛ لأن كلامه انصرف إلى الإخبار بقرينة الاستخبار. (بدائع الصنائع، زكريا۳/ ١٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۹۸)

ایک مرتبہ زور سے دوسری مرتبہ آہستہ طلاق دینا

سوال [۶۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ شوہر نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق دی، ایک مرتبہ زور سے دوسری مرتبہ آہستہ سے شرعی حکم کیا ہے؟ شوہر کا نام محمد رستم ہے اور بیوی کا نام میر فاطمہ ہے۔

المستفتی: محمد رستم دیوار پور املاک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آہستہ کہے یا زور سے دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی طرح زندگی گذار سکتے ہیں۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق، أنت طالق.

(درمختار مع الشامی، کتاب الطلاق، بلب الصريح، زکریا٤/٤٦٣، کراچي٣/٢٥٢)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا١/٤٧٠، جديد زكريا ديوبند١/٥٣٣، قدوري امدادية ديوبند ١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۴۳۲)

''میں نے اس کو آزاد کیا، آزاد کرتا ہوں،، سے طلاق

سوال [۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں خدا کو حاضر وناظر کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی کے گھر والوں اور اپنے گھر والوں کے دباؤ اور میرے ساتھ مار پیٹ ہونے کی وجہ سے یہ الفاظ اپنے منھ سے کہے تھے کہ ''میں نے اس کو آزاد کیا اور دوسری بار میں یہ کہا تھا کہ میں کوثر پروین کو آزاد کرتا ہوں'' میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد انعام الحق، ندوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میں نے اس کو آزاد کیا کا جملہ ہمارے عرف میں طلاق ہی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اس کی وجہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور جب دوبارہ اسی لفظ کا استعمال کیا گیا، تو اس سے ایک دوسری طلاق رجعی واقع ہوگئی؛ لہٰذا سوال نامہ میں درج کردہ صورت میں دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے، اور آئندہ کبھی بھی زبان سے ایک بار لفظ طلاق استعمال کریگا، تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی؛ اس لئے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۰/۴۰۷، جدید ڈابھیل ۱۲/۳۵۹)

فإذا قال: رها كردم أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/ ۲۹۹، زكريا ٤/ ٥٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ شوال المکرم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۳۸/۳۸)

شوہر کا ”میں تجھے چھوڑ دوں، تجھے چھوڑ وں اور طلاق دی طلاق دی“ کہنا

سوال [۶۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ڈھائی سال کا عرصہ گذرا محمد عتیق اور اس کی بیوی میں کسی بات پر ان بن ہوگئی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ محمد عتیق نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھے چھوڑ دوں، تجھے چھوڑ دوں، پھر کہا میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، اس وقت محمد عتیق کا سالا جن کی عمر تقریباً ۱۳؍ سال ہے، جو اپنی بہن کو بلانے آیا تھا اور محمد عتیق کی چچی بھی موجود تھی، اس واقعہ کے ۲؍ گھنٹہ بعد محمد عتیق کا سالا اپنی بہن کو بلا کر لے گیا،

پھر آٹھ دس روز کے بعد محمد عتیق اپنی بیوی کو اس کے میکے سے بلا لایا اور ہنسی خوشی رہنے لگے، پھر تقریباً ایک ماہ بعد محمد عتیق سے اجازت لے کر رات اپنے میکے میں رہ کہ آئی، حسن اتفاق سے محمد عتیق کی ساس اپنے سمدھی محمد عتیق کے والد کی دعوت پر اپنے بھائی کو لے کر محمد عتیق کے گھر پہونچی اور اپنے سمدھن سے کسی اور بات پر لڑ جھگڑ کر چلی گئی، دوسرے روز محمد عتیق کا بڑا سالا اپنی بیوی کو بلا کر لے گیا، میکے میں پہونچ کر محمد عتیق کی بیوی نے طلاق کا مذکورہ قصہ اب بیان کرنا شروع کردیا، معلوم کرنے پر محمد عتیق نے بتایا کہ میں نے یہ لفظ استعمال کئے ہیں، ''میں تجھے چھوڑ دوں، تجھے چھوڑوں، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی'' جبکہ محمد عتیق کی بیوی کا کہنا ہے کہ محمد عتیق نے یہ لفظ تین بار کہا ہے اور اس طرح کہا کہ ''میں نے طلاق دی، طلاق دی، میں نے طلاق دی'' محمد عتیق کی چچی جو موقع پر موجود تھی، محمد عتیق کے قول کی حرف بحرف تائید کرتی ہے اور محمد عتیق کا مذکورہ سالا اپنی بہن کے قول کی صرف تائید کرتا ہے۔ براہ کرم مذکورہ مسئلہ کا حل تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی اور اس کا حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد رفیق ولد جمعہ، ٹانڈہ بادلی، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوڑ دوں یہ لفظ صیغۂ مستقبل ہے اور صیغۂ مستقبل سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

بخلاف کنم؛ لأنہ استقبال فلم یکن تحقیقاً بالتشکیک......لو قال بالعربیۃ: أطلق لایکون طلاقاً. (ہندیۃ، زکریا ۱/۳۸۴ جدید زکریا دیوبند ۱/۴۵۲)

اور طلاق دی کا لفظ تین بار استعمال کرنے پر بیوی کے پاس شرعی گواہ نہیں ہے؛ اس لئے بیوی کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا اور شوہر کے قول کے مطابق دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں اور سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد میاں بیوی رہ چکے ہیں؛ لہٰذا اس سے رجعت بھی ثابت ہوگئی ہے؛ اس لئے شوہر سے اپنے قول پر قسم لے کر اسی کے مطابق

فیصلہ عمل میں لایا جاسکتا ہے اور بیوی کے پاس شرعی گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا قول معتبر نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ . [البقرہ:۲۸۲]

وماسویٰ ذٰلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أورجل، وامرأتین سواء کان الحق مالاً، أوغیر مال مثل النکاح، والطلاق. (هداية، کتاب الشهادة، اشرفي ديوبند۳/ ۱۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۸۰)

دو مرتبہ طلاق دیدوں گا اور دو مرتبہ طلاق دی کہنا

سوال [۶۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام زاہدہ خاتون ہے، میرے شوہر کا نام محمد ساجد ہے، میرے شوہر کام پر سے بارہ بجے گھر میں آئے مجھ سے کھانا مانگا، میں نے دیدیا پھر چائے بنوائی میں نے بنادی، پھر مجھ سے کہنے لگے بچے کی دوائی دیدی؟ میں نے کہاہاں ابھی دو چمچے میں میں نے شیشی کے ڈھکن سے دوائی دے کر شیشی پہ ڈھکن رکھدیا ہے، اس بات پر انہوں نے گالیاں دیں، کہنے لگے چھوٹی دوائی کا ڈھکن تم نے اس پر رکھدیا، بچے بیمار ہوجائیں گے، اس بات پر انہوں نے مجھ کو ماں بہن کی گالیاں دیں، میں نے کہا اپنی ماں بہن کو گالیاں دینا، اس بات پر انہوں نے ایک دفعہ ایک بار، پھر دو دفعہ کہا ”میں تجھے طلاق دے دوں گا“ رات کے دو بج رہے تھے، میرے گھر میں میرے اور میرے شوہر کے علاوہ اور کوئی جاگ نہیں رہا تھا، میرے سامنے طلاق کا نام سن کر میں گم سم ہوگئی، اور رات بھر روتے روتے کاٹی، صبح ہونے پر میرے شوہر نے مجھ سے ناشتہ بنوایا، ناشتہ کرنے کے بعد کہنے لگے دوپہر کا کھانا بناؤ، میں تجھے تیرے

بچے کے بغیر تیرے ماں باپ کے پاس بھیج دوں گا، میں نے سوچا میری بچی کو روک لیں گے، اس ڈر سے میں نے دوپہر کا کھانا بھی بنا دیا، پھر میرے شوہر کہنے لگے طلاق میں نے دیدی اور تو نے سنی، کوئی تیرے میرے بیچ گواہ نہیں ہے، تجھے طلاق نہیں ہوئی، میرے شوہر نے ایک دفعہ تو کہا ''میں طلاق دیدوں گا'' اور دوبارہ کہا ''میں نے طلاق دی''۔ اب آپ فرمائیں کہ مجھے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتية: زاہدہ خاتون، تمبا کو محلّہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق دیدوں گا کے لفظ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

لو قال: أطلقک لم يقع. (سکب الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۲/ ۱٤)

اور میں نے طلاق دی کے لفظ سے طلاق واقع ہوجاتی ہے اور جب شوہر نے یہ لفظ دو مرتبہ کہا، تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، عدت کے اندر رجعت کر کے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق أنت طالق. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۲۸۳)

میں نے طلاق دی دو مرتبہ کہنا

سوال [۶۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد حنیف اور ان کی بیوی کے درمیان کسی بنا پر جھگڑا ہو رہا تھا، محمد حنیف نے اپنی بیوی کو تنگ کرنا شروع کر دیا، اتنے میں محمد حنیف کا چھوٹا بھائی، محمد نعیم آگیا، تو اس

نے اپنے بڑے بھائی محمد حنیف کوڈانٹا کہ تم ہر وقت اس کو تنگ کرتے رہتے ہو، محمد حنیف نے کہا کہ یہ میری بیوی ہے، میں چاہے جو کروں، تو کون ہوتا ہے؟ جھگڑا زیادہ بڑھ گیا، تو محمد حنیف نے اپنی بیوی صافیہ کو کہا ''میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی'' اس طرح کہا اس پر گواہ بھی موجود ہیں اور پھر محمد حنیف جا کر سو گیا، کیا اس صورت میں محمد حنیف اپنی منکوحہ صافیہ کے ساتھ گذشتہ زندگی کی طرح زندگی بسر کرسکتا ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: محمد حنیف، دلپت پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب محمد حنیف نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ کہا کہ میں نے طلاق دی، تو اس سے اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، اب اگر محمد حنیف دوبارہ اسی کے ساتھ رہنا چاہتا ہے، تو عدت گذرنے سے پہلے پہلے رجعت کرکے اس کے ساتھ گذشتہ زندگی کی طرح زندگی بسر کرسکتا ہے؛ لیکن پھر اس کے بعد کبھی اگر ایک طلاق بھی دیگا، تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اور وہ اس پر بالکل حرام ہوجائے گی، پھر بغیر حلالۂ شرعیہ کے وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. كذا في الهداية. (عالمگيري، كتاب الطلاق ، الباب السادس في الرجعة، زكريا ١/ ٤٧٠ "جديد زكريا ديوبند ١/ ٥٣٣)

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق، أنت طالق. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱/ ۱۴۲۵ھ

دو ماہ قبل دوطلاق دے کر پھر تجھے طلاق دیدوں گا کہنا

سوال [۶۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محفوظ حسین نے اپنی بیوی کو دومہینہ قبل دوطلاقیں دی تھیں، پھر دو ماہ کے بعد دوبارہ اس نے اب کہا کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عرفان، مانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف دوہی مرتبہ طلاق دی ہے، تو اس سے دوطلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر رجعت کرکے رکھنے کی گنجائش ہے اور بعد میں جو یہ کہا ہے کہ طلاق دیدوں گا، اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله أنت طالق، أنت طالق. (در مختار مع الشامي ، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ رصفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۴۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۵ھ

شوہر کا بیوی کو دوطلاق دینا اور اس کے حقوق ادا نہ کرنا

سوال [۶۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ یہاں نظام آباد صوبہ آندھرا پردیش میں شرعی پنچایت قائم ہے، جس میں تین مفتیان کرام اور دوعلمائے کرام اور ایک قانونی وکیل صاحب کی موجودگی میں فریقین کے دعویٰ اور بیانات سن کر شرعی حل نکال کر معاملہ کی یکسوئی کرائی جاتی ہے۔

فی الحال زیر نظر قضیوں میں سے ایک قضیہ میں مدعیہ خاتون اور مدعی علیہ شوہر کے بیان کے بعد فیصلہ میں ہمیں دشواری ہورہی ہے، خاتون اور مدعی علیہ کے قضیہ کے متعلق مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ معاملہ کا فیصلہ فرمائیں اور ہماری رہبری فرمائیں۔

مسئلہ کی پوری تفصیل لکھی جارہی ہے تا کہ فیصلہ میں سہولت ہو، طوالت کی زحمت معاف فرمائیں۔

مضمون درخواست مدعیہ اشرف فاطمہ بنت جانا محمد طیب صاحب ساکن بودھن، ضلع نظام آباد، فون: 9032112440

جناب مولانا صاحب السلام علیکم عرض گذارش یہ ہے کہ میری ازدواجی زندگی کے تعلق سے آپ سے فیصلہ کی درخواست ہے کہ میری شادی اکتیس مارچ ۲۰۰۲ء میں جناب سید ہدایت علی صاحب ولد سید اسد اللہ صاحب مرحوم ساکن نظام آباد سے ہوئی، میری شادی سے ایک سال قبل خسر صاحب کا انتقال ہو چکا تھا، میری شادی میرے جیٹھ جناب سید یوسف علی صاحب کی سرپرستی میں ہوئی، شادی کے بعد مجھے نظام آباد میں سسرال میں مشترکہ خاندان میں رکھا گیا، میرے شوہر حیدرآباد میں ملازمت کیا کرتے تھے، مہینہ میں ایک دفعہ دو یا تین دن کے لئے آتے تھے مشترکہ خاندان میں میرے سات سال گذر چکے، اس دوران مجھے بہت مشکلات پیش آئیں، میرے دو بچے ایک لڑکا، ایک لڑکی ہے، مجھے زندگی میں ہر چھوٹی بڑی ضرورت کے لئے سسرالی رشتہ داروں سے عاجزی کرنی پڑتی تھی؛ کیونکہ میرے شوہر حیدرآباد میں رہا کرتے تھے، حتی کہ بچوں کے لئے دودھ لانے کے لئے مجھے سسرالی رشتہ دراوں میں سے بچوں پر بھی منحصر ہونا پڑتا تھا، دیورانی اور جٹھانی میں میری نہیں بن رہی تھی، بچوں کے بھی

لڑائی جھگڑے عورتوں کے بھی لڑائی جھگڑے ہوتے تھے، دیور بھی گالی گلوچ کرتے تھے، شادی کے ۶/ ماہ بعد مجھے سرکاری ملازمت مل گئی اور میں روزانہ نظام آباد سے بانسوڑہ آتی جاتی تھی، شروع میں ملازمت میں میری تنخواہ تھوڑی تھی، وہ آنے جانے میں بس کرائے، زکوۃ، بچوں کے اخراجات دواخانہ وغیرہ میں خرچ ہوتی تھی، اور تھوڑی جو بچ جاتی وہ گھر پر خرچ ہوتی تھی، اور میری مزید تعلیم پر بھی کچھ رقم خرچ ہوتی تھی؛ چوں کہ میرے شوہر حیدر آباد میں تھے، روزمرہ کی ضروریات ان سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ اب میرے سسرال والے مجھے رکھنا نہیں چاہ رہے ہیں اور میرے شوہر بھی مجھے الگ رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں؛ جبکہ میں الگ رہنے پر میری ساس اور مطلقہ نندان کے بچہ کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے تیار ہوں اور میری تنخواہ جو اب ساڑھے سترہ ہزار ہے، اس میں سے زکوۃ وصدقات کے لئے تین ہزار روپیہ اور پھر میرے بچوں کے نام پر دو ہزار روپیہ اپنے پاس رکھ کر باقی ساڑھے بارہ ہزار اپنے شوہر کے ہاتھ میں خوشی سے دینے کے لئے تیار ہوں، بشرطیکہ وہ میرے ساتھ رہیں، وہ اب نظام آباد آچکے ہیں اور دو سال سے نظام آباد میں رہ رہے ہیں سسرال میں، اور مجھے میکہ رہنے کے لئے کہتے ہیں، ہماری نو سالہ زندگی میں کبھی بھی ایک مہینہ کے لئے بھی ہم ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکے، میری سسرال والے میرے شوہر سے کہتے ہیں کہ آپ اپنی بیوی کو اس کے میکے میں ہی رکھئے اور مجھے سسرال میں آنے جانے کی اجازت نہیں ہے؛ جبکہ میرے شوہر میری سسرال میں ہیں اور میں اپنی میکے میں ہوں۔

بودھن میں دو سال سے میں ذہنی اذیت میں مبتلا ہوں میرے والد کو شوگر اور بی پی ہے، دو سال سے وہ میری اور میرے بچوں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں، میں مزید اپنے ماں باپ کے پاس رہنا اور ان کو تکلیف دینا نہیں چاہ رہی ہوں، میں یہ چاہ رہی ہوں کہ میرے شوہر بیوی بچوں کے ساتھ رہ کر اپنی ذمہ داری نبھائیں؛ جبکہ میرے شوہر اس بات کو نہیں مان رہے ہیں، سسرال میں سب بھائی بہنوں کی شادی ہو چکی ہے، سب بھائی اپنی فیملی کے ساتھ ہیں اور

اپنے بیوی بچوں کی تائید میں رہتے ہیں، سسرال کے تین گھر ہیں، دو گھر میری شادی کے وقت موجود تھے اور ایک گھر ایک سال پہلے میرے شوہر نے ملازمت ترک کر کے بنایا تھا پتہ نہیں وہ سارے گھر کس کے ہیں، مجھے تو سسرال کے کسی گھر میں رہنے کی اجازت نہیں ہے، وہ گھر جو میرے شوہر نے ٹھہر کر بنایا، وہ کرائے پر دیدیا گیا ہے اور پہلے کے دو گھر جو میری شادی کے وقت موجود تھے، اس میں سارے بھائی مشترکہ طور پر رہتے ہیں، میں بھی وہیں رہتی تھی، یہ ساری باتیں مجھے آپ سے اس لئے بیان کرنی پڑرہی ہیں کہ میرے شوہر اور میرے سسرال والے مجھ سے بات نہیں کررہے ہیں حتی کہ گھر کا فون نمبر بھی بدل ڈالا اور مجھے گھر پر آنے بھی نہیں دے رہیں، میرے شوہر کا فون نمبر میرے پاس ہے؛ لیکن فون کرنے پر وہ بھی نہیں اٹھا رہے ہیں، مہربانی فرما کر میرا مسئلہ حل کردیجئے۔

میرے خسر صاحب ترکہ میں بہت سی جائیداد چھوڑ گئے، میری نندیں دیور اور جیٹھ میرے شوہر سے یہ کہہ رہے ہیں کہ تمہاری بیوی کو سرکاری نوکری حاصل ہے اور تم اپنے والد کی زندگی میں باہر جانے کے سلسلہ میں بہت سا پیسہ خرچ کرچکے۔ اب ہم تم کو حصہ نہیں دیں گے یا تو تم بیوی کو چھوڑ دو یا پھر اپنی بیوی کو نوکری چھوڑنے کے لئے کہہ دو، تب ہم تم کو حصہ دیں گے میرے شوہر ترکہ چھوڑنا نہیں چاہ رہے ہیں اور میرے شوہر اس لئے بھی مجھے میرے میکہ میں رہنے کو کہتے ہیں کہ میرے شوہر مجھے چھوڑنا نہیں چاہ رہے ہیں؛ کیونکہ دو بچے ہیں؛ لیکن بہن بھائی کی وجہ سے وہ میرے میکے میں رکھ کر خود بہن بھائیوں کے ساتھ رہ رہے ہیں اور بہن بھائیوں کے سامنے مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ تو میری بیوی نہیں ہے، میری ساس کے سوا سب بہن بھائی میرے شوہر پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ بیوی کو چھوڑ دو، اگر میرے شوہر کسی کو بھی کچھ قرض لیتے ہیں تو میں اس کے لئے تیار ہوں، میرے جیٹھ دیور اور نندیں میرے شوہر کو ہر وقت یہ طعنہ دیتی ہیں کہ تم نے گھر کے لئے کچھ بھی نہیں کیا، میری ساس میری طرفدار ہیں، مجھے نوکری میری شادی کے بعد ملی، نوکری بانسوڑہ پچاس کلومیٹر

دور تھی، میرے شوہر بانسوڑہ میں رہنے پر راضی تھے؛ لیکن سسرال والے اجازت نہیں دیتے، تو میں دو بچوں کو چھوڑ کر مجبوراً بانسوڑہ آتی جاتی رہی، ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ چھ ماہ قبل میرے شوہر میرے پاس آئے تھے، اور میری تنخواہ ان کے ہاتھ میں دینے کے لئے کہا اور کہا کہ بڑے بھائی مجھے آپ کی تنخواہ اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لئے کہتے ہیں ''اگر تم نے اپنی تنخواہ مجھ کو نہیں دی، تو میں تم کو چھوڑ دوں گا'' کیونکہ میرے گھر والے بھی مجھے بہت تنگ کر رہے ہیں اور میں تمہاری طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے پاگل ہو رہا ہوں؛ لیکن میں نے ان کو تنخواہ نہیں دی، مجھے میکہ میں رکھ کر ان کا میری تنخواہ لیجا کر اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا، مجھے پسند نہیں آیا، اور میں نے ان سے کہا کہ جب آپ میرے ساتھ رہیں گے، تب ہی میں اپنی تنخواہ آپ کے ہاتھ میں دوں گی، اس کے بعد پھر وہ میرے پاس نہیں آئے، اس درخواست کے موصول ہونے کے بعد شرعی پنچایت مدعیہ خاتون اور ان کے شوہر کو ۲۶؍ مارچ ۲۰۱۱ء کے اجلاس میں بلوایا گیا، وہ دونوں حاضر ہوئے اور شوہر نے مندرجہ ذیل بیان بعد الحلف دیا۔ مضمون بیان سید ہدایت علی صاحب (مدعیٰ علیہ)

(۱) میری بیوی میرے تابع یعنی میرا کوئی حکم نہیں مانتی، میری بیوی تقریباً ڈھائی سال سے اپنے میکہ میں رہ رہی ہے اور بغیر اجازت اور میری منشاء کے خلاف چلی گئی، اس کے ایک سال کے اندر اندر میرا سسرال آنا جانا رہا۔ اب اس سال رمضان میں میرا آنا جانا بند ہو گیا۔

(۲) میری اہلیہ بغیر مشورہ کے کام کرتی ہے، یہ سب سے اہم شکایت ہے۔

(۳) ہاں میں اپنے بھائی بہنوں کی موجودگی میں یہ بول چکا ہوں کہ ''تو میری بیوی نہیں'' میرے بھائیوں نے میری بیوی کو چھوڑنے کے لئے کبھی بھی دباؤ نہیں ڈالا۔

(۴) بیوی کے بانسوڑہ میں رہنے کے لئے میں راضی نہیں تھا۔

(۵) یہ صحیح ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو تنخواہ میری تحویل میں دینے کے لئے کہا؛ لیکن تنخواہ نہ دینے پر ''چھوڑنے کی بات نہیں کی'' ملازمت کی وجہ سے مکمل ایک مہینہ ہم ساتھ نہیں رہ سکے،

الگ، رہنے کے سلسلے میں میں نے اپنے بڑے بھائی سے مشورہ کے بعد یہ کہا کہ اس سال گھر کی تعمیر ہو رہی ہے، اس کے بعد ہم اپنے ذاتی مکان میں شفٹ ہو جائیں گے، لیکن اس کے بعد نا اتفاقی ہوگئی اور پروگرام ویسا ہی رہ گیا۔

(۶) پہلے جیسے اپنے بھائی اور والد کے ساتھ میرے گھر آنا چاہتی ہیں، تو اجازت ہے میرا سابقہ فون نمبر وہی ہے بدلا نہیں ہے۔

بیوی اور شوہر کے بیانات مذکورہ سن کر شرعی پنچایت نے دونوں سے دفتر میں گفتگو کی اور عبوری فیصلہ دیا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مذکورہ بالا عبوری فیصلہ ۶/اپریل ۲۰۱۱ء کو ہوا، اور دونوں فریق عبوری فیصلہ پر راضی ہو کر چلے گئے، پھر دوبارہ بتاریخ ۸/جنوری ۲۰۱۴ء کو مدعیہ اشرف فاطمہ نے درخواست دی کہ اپریل ۲۰۱۳ء سے میاں بیوی میں دوری رہی یعنی عبوری فیصلہ سے دوسال تک ساتھ رہے، پھر اپریل سے دوری ہوئی اور مدعیہ نے لکھا کہ میرے اور میرے شوہر کے درمیان دوری ہے، وہ مجھے اپنے ساتھ رکھنے کے لئے تیار بھی نہیں ہے اور کوئی بھی فیصلہ نہیں کرتے، میری آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ آپ ہمارے مابین کوئی فیصلہ کردیں، جس میں ہماری دونوں جہاں کی بھلائی ہو، اس درخواست کے بعد بتاریخ ۲۶/جنوری کو شرعی پنچایت نے مدعیہ اور مدعی علیہ کو طلب کیا دونوں حاضر اجلاس ہوئے اس اجلاس میں سید ہدایت علی (مدعی علیہ) نے ایک خط پیش کیا جو اشرف فاطمہ نے اپنے جیٹھ سید یوسف صاحب کو لکھا تھا، اس خط کے اہم اجزاء درج ذیل ہیں۔

بھیا آپ کے بھائی مجھے اپنے ساتھ رکھنا بھی نہیں چاہتے ہیں اور کوئی فیصلہ بھی نہیں کرتے، نو مہینوں سے ہمارے درمیان دوری ہے ’’وہ مجھے دوبار طلاق دے کر رجوع ہوگئے‘‘ اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ’’مجھے تجھ سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، مجھے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہے، بھیا کے بولنے سے میں نے شادی کرلی تھی‘‘ یہ الفاظ طلاق بائن میں آتے ہیں اور یہ الفاظ وہ کئی بار کہہ

چکے ہیں اور ان کے رویہ سے یہ بات واضح ہے کہ وہ ساتھ زندگی گذارنا نہیں چاہتے، ان کے ساتھ رہنے میں آپ کی بھتیجی خود ان کی بیٹی کی عصمت کو ان سے خطرہ ہے؛ کیونکہ انہوں نے سید ساجدہ فوز (ہم دونوں کی بیٹی) کیساتھ نازیبا حرکت کی ہے" میرے منع کرنے پر مکر گئے اور مجھے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا، اور کہا کہ کیا میری بہنیں نہیں ہیں" بچی کیساتھ اس نے جو نازیبا حرکت کی اس بات کو میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں، وہ آدمی دین سے بہت دور ہے، محتاجی کفر تک لے جاتی ہے، ان کے لئے حلال روزگار کی کوشش کیجئے میں بھی مدد کے لئے تیار ہوں محتاج رہتے ہوئے وہ کمیونزم کی طرف جارہے ہیں، ان کو شراب کی عادت ہے، جس کی آپ سب لوگوں کو خبر ہے، میں بچوں کو شرابی باپ کے حوالہ نہیں کرسکتی اور میں بچوں کا خرچ نہیں لوں گی۔ فقط

شرعی پنچایت نے اس خط کے اہم الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے مدعیہ اشرف فاطمہ سے ایک حلفیہ بیان لیا جو درج ذیل ہے۔

مضمون بیان بعد الحلف اشرف فاطمہ مدعیہ۔

(۱) شوہر نے پچھلے عرصہ میں جھگڑے کے دوران طلاق کا لفظ بولا، پھر شام میں گھر آکر رجوع کرلیا، پھر دوسری مرتبہ مارچ ۲۰۱۱ء میں ۳؍ تاریخ کو شرعی پنچایت میں درخواست دینے سے پندرہ بیس دن قبل طلاق کا لفظ بولا اور رجوع کرلیا۔

(۲) جس وقت ۳؍ مارچ ۲۰۱۱ء کو میں نے شرعی پنچایت میں درخواست دی تھی، اس سے دو سال قبل میں دو سال تک میکہ میں رہی تھی، جس کا میں نے درخواست میں تذکرہ بھی کیا ہے، اس دوران جب بھی فون پر بات ہوتی تو کہتے کہ "مجھے تجھ سے کوئی لینا دینا نہیں ہے"

(۳) ساجدہ فوز میری بیٹی ہے، اب نو سال کی ہے؛ جبکہ وہ آٹھ سال کی تھی تو میرے شوہر نے اپنی سگی بیٹی کے ساتھ نازیبا حرکت کی دست درازی کی، بچی نے مجھے یہ بات بتلائی، میں نے بچی کو قریب جانے سے منع کردیا، وہ بھی کہتے ہے کہ بچی کو دور رکھو۔

(۴) میرے خسر کے انتقال کے بعد سے آج تک ان کی جائیداد تقسیم نہیں ہوئی؛ جبکہ ان کا انتقال میری شادی سے ایک سال قبل ہوا، اور بڑے جیٹھ نے ابھی تک تقسیم نہیں کی۔

(۵) جب ہم مشترکہ خاندان میں تھے اور مجھے جب معلوم ہوا کہ میرے شوہر گھر میں رقم نہیں دیتے ہیں؛ حالانکہ مشترک لوگ رقم مانگتے ہیں، تب میں نے ٹیچر کی ملازمت شروع کردی اور سات سال تک ہر ماہ میں تنخواہ اپنے شوہر کو دیتی تھی، صرف بس کرائے کے پیسے اور دودھ کے پیسے اپنے پاس رکھتی تھی۔

مدعیہ کے اس بیان کے بعد شرعی پنچایت نے مدعی علیہ سید ہدایت علی ولد سید اسرار اللہ مرحوم سے حلفیہ بیان لیا جو درج ذیل ہے۔

(۱) میری بیوی کے بیان میں جو ہے ''میں نے طلاق کا لفظ کہا اور رجوع کرلیا'' یہ غلط ہے اور شرعی پنچایت میں درخواست دینے سے پندرہ بیس روز قبل طلاق دینے کی جو بات ہے، وہ بھی غلط ہے۔

(۲) میرے ان جملوں سے کہ ''مجھے تجھ سے کچھ لینا دینا نہیں ہے'' طلاق کا ارادہ نہیں تھا اور میں نے ایسے الفاظ نہیں کہے ہیں۔

(۳) میری بیٹی کے سلسلہ میں جو بات لکھی ''وہ مجھ پر الزام ہے'' میں نے اپنی بیٹی کے ساتھ نازیبا سلوک نہیں کیا اور کوئی بھی سرپرست ایسا نہیں کرسکتا؛ جبکہ میں جانتا ہوں اسی طرح میں نشہ میں بھی نہیں تھا، اور میں شراب نہیں پیتا ہوں۔ فقط

خلاصہ: اس پورے مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک خاتون دعویٰ کرتی ہے کہ وہ بہت ستائی ہوئی ہے اور پریشانیوں میں ہے۔

(۱) خاتون بیوی کا دعویٰ ہے کہ ۳؍ مارچ کو شرعی پنچایت میں درخواست دینے سے قبل ہی کے زمانہ میں شوہر نے اس کو ایک طلاق دی، پھر رجوع کرلیا، پھر چند روز بعد ایک دوسری طلاق دی، پھر رجوع کرلیا، اور اس سلسلہ میں شوہر ان دونوں طلاقوں کا انکار کرتا ہے۔

(۲) خاتون کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ ۳/ مارچ کو درخواست دینے سے قبل میں دو سال میکہ میں تھی اور جب بھی فون پر گفتگو ہوتی تو شوہر اکثر کہتے تھے کہ مجھے تجھ سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، اس تعلق سے شوہر نے بیان دیا کہ ان جملوں سے میرا ارادہ طلاق کا نہیں تھا۔

(۳) تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ جو ۳/ مارچ ۲۰۱۱ء کی درخواست میں ہے کہ شوہر نے کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے اور شرعی پنچایت کے روبرو شوہر نے اس کا اقرار بھی کر لیا کہ ہاں میں نے ایسا کہا ہے، تو اس جملہ کا کیا حکم ہے؟ بعد میں شرعی پنچایت والوں نے شوہر سے نیت معلوم کی، تو شوہر نے کہا کہ اس جملہ کے کہنے سے طلاق کا ارادہ نہیں تھا۔

(۴) چوتھا دعویٰ یہ ہے کہ شوہر نے خود کی سگی بیٹی کے ساتھ جبکہ وہ آٹھ سال کی تھی نازیبا حرکت کی ہے اور خاتون نے کہا کہ یہ بات بچی نے بتلائی ہے اور میری نظر بھی ایک بار پڑی اور شوہر اس فعل کا انکار کرتا ہے، خاتون نے کہا کہ اللہ کی قسم کھا کر وہ یہ بات کہتی ہے اور منع کرنے پر شوہر نے ہاتھ بھی اٹھائے، اب حضرات علماء کرام مفتیان عظام سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ کے فیصلہ میں رہبری فرمائیں اور حل تجویز فرمائیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں آمین۔

نوٹ: واضح ہو کہ نمبر ۳/ میں جو دعویٰ ہے کہ شوہر نے کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے یہ طلاق بائن بننے والا جملہ دعویٰ نمبر ۱/ سے پہلے کا ہے یعنی دو طلاق دے کر رجوع کرنے سے پہلے کا ہے۔ اگر جلد جواب مل جائے، تو بڑی نوازش ہوگی۔ بینوا تو جروا۔

المستفتی: اراکین شرعی پنچایت، ضلع وشہر نظام آباد (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیوی کی طرف سے دو طلاق رجعی کا دعویٰ ہے، جس کا شوہر انکار کر رہا ہے، اگر بیوی کے پاس ان طلاقوں کے ثبوت کے لئے شرعی گواہ نہیں ہیں، تو شوہر کی بات کا اس کی قسم کے ساتھ اعتبار کیا جائے گا؛ اور چونکہ طلاق رجعی کا دعویٰ ہے؛ اس لئے بیوی کو شوہر کے ساتھ شرعی طور پر رہنے کا حکم ہے۔ اب رہا شوہر کا جملہ کہ تو میری بیوی

نہیں ہے اور مجھے تجھ سے کچھ لینا دینا نہیں ہے، ان الفاظ سے اگر شوہر نے طلاق کی نیت نہیں کی ہے، جیسا کہ مذکورہ تحریری بیان سے واضح ہوتا ہے، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لوقال لامرأته: لست لي بامرأة–إلى–فإن قال: أردت به الكذب يصدق في الرضا والغضب جميعاً، ولايقع الطلاق، وإن قال نويت الطلاق يقع الطلاق. (هندية، زكريا ١/٣٧٥ كتاب الطلاق الفصل الخامس فى الكنايات جديد ١/٤٤٣، بدائع الصنائع، زكريا٣/ ١٧١)

ولو قال: لا حاجة لي فيک ونوى الطلاق لا يقع. (قاضيخان على الهندية، ١/٤٦٨ كتاب الطلاق فصل فى الكنايات والمدلولات جديد زكريا ١/٢٨٤)

ويقع بباقيها–البائن إن نواها (الدر المختار) لست لي بامرأة وما أنا لک بزوج. (شامي، كراچي ٣/٣٠٣، زكريا ٤/٥٣٤)

وتطلق بلست لي بامرأة، أو لست لک بزوج إن نوىٰ طلاقاً.

(البحر الرائق، زكريا٣/ ٥٣٠، كراچي٣/٣٠٥)

اور بیٹی کے بارے میں جو بات کہی گئی ہے، عورت کو اس طرح کی باتیں کرنے میں محتاط رہنا چاہئے، اور خدانخواستہ اگر اس طرح کی کوئی بات ہو بھی تو آٹھ سالہ بچی کے بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں لگتا، باپ نے اگر پیار ومحبت میں ایسا عمل کیا ہے، تو یہ باپ کی طرف سے شفقت ہے، اس کو بدنیتی پر محمول کرنا غلط ہے، شادی کا اصل مقصد میاں بیوی کا ساتھ میں گذارہ کرنا ہے، مذکورہ جوڑوں کے درمیان کی جو داستان سامنے آئی ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ اتنے لمبے عرصے میں میاں بیوی دونوں کا ایک مہینے کے لئے بھی ایک ساتھ رہنا نہیں ہوا ہے، جو بڑے افسوس کی بات ہے، اور دونوں کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر کی طرف سے شرعی طور پر بیوی کے حقوقِ زوجیت ادا کرنے میں انتہائی لاپرواہی اور کوتاہی ہوئی ہے اور شوہر کے غیر ذمہ دارانہ رول کی وجہ سے بیوی کو نوکری کرنی پڑی، اور مذکورہ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر اتنا لمبا عرصہ گذرنے کے بعد بھی بیوی کے حقوق ادا

کرنے میں اپنے بھائیوں اور خاندان والوں کے تابع رہنے کی وجہ سے ناکام ہے اور شوہر کے بیان میں کہیں بھی اس کا اظہار نہیں ہے کہ شوہر نے دور رہنے کے زمانہ میں بھی بیوی کو کوئی خرچ دیا ہو، اس کے برخلاف بیوی کی طرف سے شوہر کو پیسے دینے کا تذکرہ موجود ہے، ان سب باتوں کے پیش نظر شرعی پنچایت پر ضروری ہے کہ شوہر کے اوپر یہ بات لازم کردے کہ بیوی کے حقوق زوجیت ادا کرے اور شوہر کے خاندان والوں کی طرف سے اس بات کا دباؤ ڈالنا کہ نوکری چھوڑ دے یا طلاق دیدے، یہ ناجائز دباؤ ہے، اگر شوہر کے پاس بیوی کو رکھنے کے لئے الگ سے رہائشی مکان ہے اور بیوی بچوں کا پورا خرچہ ادا کرنے کا مکمل ذریعہ معاش اس کے پاس موجود ہے، تو اس کو حق پہنچتا ہے کہ بیوی کی نوکری چھڑوا دے اور اپنی کمائی کے بل بوتے پر بچوں کی پرورش کرے؛ جبکہ مذکورہ تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ شوہر کے پاس ایسا انتظام نہیں ہے، ایسے حالات میں شرعی پنچایت دونوں طرف کی باتوں پر غور کر کے میاں بیوی کے درمیان تعلقات کو ہموار کر کے ساتھ رہنے کی شکل پیدا کرے اور مذکورہ حالات سے پتہ چلتا ہے کہ خاندانی لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہنے میں دشواری ہے؛ اس لئے شوہر پر لازم کیا جائے کہ بیوی کو الگ رکھ کے حقوق زوجیت ادا کرے اور یہ شوہر کے اوپر شرعی ذمہ داری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۵۵۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲ھ

”طلاق، طلاق، طلاق ان شاء اللہ“ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اختر علی نے اپنی بیوی کو فون پر لڑائی کے دوران ایک ہی سانس میں یہ الفاظ کہے

''طلاق، طلاق، طلاق ان شاء اللہ'' تو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اور کیا دوبارہ ساتھ رہنے کی کوئی شکل ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اختر علی، ٹانڈہ بادلی، رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو فون پر یہ کہا ہے کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق ان شاء اللہ، تو ایسی صورت میں آخری طلاق ان شاء اللہ کے ساتھ متصل ہونے کی وجہ سے واقع نہیں ہوئی، پہلی اور دوسری طلاق واقع ہوچکی ہے؛ لہٰذا طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوئی، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی طرح رہنے کی گنجائش تھی؛ لیکن شوہر سے زبانی معلوم ہوا کہ اس واقعہ کو ایک سال ہو چکا ہے اور میکہ میں رہ رہی ہے، اوراس درمیان میں رجعت نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے عدت بھی پوری ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب اگر دونوں ساتھ میں رہنا چاہیں تو دوبارہ نکاح کر کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے اور حلالہ کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۱۱۴)

إذا قال لامرأته : أنت طالق إن شاء الله تعالیٰ متصلاً به لم يقع الطلاق. (هندية كتاب الطلاق الفصل الرابع في الاستثناء جديد زكريا ديوبند ۱/ ٥٣٠ زكريا ١/ ٤٥٤)

لو قال: أنت طالق واحدةً وثلاثاً إن شاء الله صح بالإجماع، وكذلک أنت طالق، وطالق، وطالق إن شاء الله؛ لأنه لم يتخلل بينهما كلام لغو. (هندية، زكريا ١/ ٤٦٠ كتاب الطلاق الفصل الرابع في الاستثناء جديد زكريا ديوبند ٥٢٥١ زكريا ١/ ٤٥٤)، تبيين الحقائق، زكريا ٣/ ١٣٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض . (هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس

فی الرجعة الخ زکریا ۱/ ۴۷۰، جدید زکریا دیوبند ۱/ ۵۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۴۴)

فون پر دو طلاق دینا

سوال [۶۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت جس کا شوہر رمضان المبارک میں دہلی میں اقامت پذیر تھا، عورت اپنے شوہر سے اجازت لے کر اپنی ماں کے یہاں گئی ہوئی تھی، چند ایام کے بعد اس کے شوہر نے فون پر اپنے گھر جانے کو کہا؛ لیکن تھوڑی سی تاخیر ہوگئی، جس کی وجہ سے اس شوہر نے فون پر ہی گالی دینا شروع کر دیا اور فون پر ہی دو طلاق دیدی، جس کی وجہ سے وہ عورت اپنی ماں کے یہاں ہی مقیم ہے، یہ واقعہ رمضان کے اخیر عشرہ میں پیش آیا، تو کیا بیوی اپنے شوہر کے پاس رہ سکتی ہے؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: اکبر علی ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے اندر جو بات بیان کی گئی ہے، اگر وہ صحیح ہے، تو بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں؛ لہٰذا اگر شوہر اس کو اپنے نکاح میں باقی رکھنا چاہتا ہے، تو عدت کے اندر اندر قول یا فعل کے ذریعہ سے رجعت کر کے پہلے کی طرح بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے؛ البتہ بعد میں شوہر صرف ایک طلاق کا مالک ہوگا۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، أوتطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹)

وقعتارجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(شامي، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۴۵)

بیوی کی عدم موجودگی میں دو مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ساجد اور ماجد دونوں بھائیوں میں کسی بات کو لے کر جھگڑا ہوا، ساجد کو کسی بات پر غصہ آیا، اس نے دو بار یہ الفاظ کہے کہ ''میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، میں نے بیوی کو طلاق دیدی'' کیا دو مرتبہ کہنے سے طلاق ہوگئی؛ جبکہ بیوی وہاں پر موجود بھی نہ تھی، جھگڑا دوسرے مکان میں ہو رہا تھا اور نہ تو جھگڑے میں بیوی کی کوئی بات نہ اس کا کوئی بیچ تھا، نہ تو وہ وہاں پر موجود تھی، اب بیوی کہتی ہے میں یہ طلاق نہیں مانوں گی؛ کیونکہ نہ تو میں نے سنا ہے، نہ ہی میں وہاں موجود تھی، نہ میں یہاں سے جاؤں گی، طلاق کے الفاظ صرف دو مرتبہ کہے ہیں؛ لہٰذا آپ حضرات قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: نیاز احمد، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے الفاظ جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہیں، اگر صرف دو مرتبہ شوہر نے استعمال کئے ہیں، تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں اور طلاق کے وقت بیوی کا سامنے موجود ہونا یا بیوی کا سننا لازم نہیں ہے، عدت کے اندر اندر رجعت کرکے میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنے کی گنجائش ہے، رجعت کا مطلب یہ ہے کہ تین ماہواری پوری ہونے سے پہلے پہلے دونوں میں ہمبستری ہوجائے یا شوہر زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجعت کرلی۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق. (شامي،

كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۴۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۴ھ

دومرتبہ طلاق دیتا ہوں کے الفاظ سے طلاق

سوال [۶۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں دلشاد حسین یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے جوش میں آکر ذرا سی تکرار پر اپنی بیوی کو دومرتبہ طلاق دیتا ہوں کہا تھا، وہ اپنے میکہ چلی گئی۔ اب میں آپ کی خدمت میں یہ تحریر پیش کرتا ہوں کہ حدیث کی روشنی میں میرے لئے کیا حل ہے ایسی حالت میں میں مجھے کونسی صورت اختیار کرنی چاہئے کہ میں اپنی بیوی کو گھر لا سکوں؟ مجھے حلالہ کرانا ہوگا یا نہیں؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ کچھ گنجائش باقی ہے۔

المستفتی: دلشاد حسین، محلّہ مقبرہ حصہ دوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے صرف دومرتبہ طلاق دی ہے اور اپنے اس بیان میں آپ سچے ہیں، تو ایسی صورت میں آپ کی بیوی پر دوطلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر اندر بغیر نکاح کے رجعت کر کے رکھنا جائز ہے اور عدت کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح کر کے رکھنے کی اجازت ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق أنت طالق.

(در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۹۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۸ھ

مختلف الفاظ صریح سے طلاق دینا

سوال [٦٣٤٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی سے آپسی تکرار کے دوران ایک دفعہ یہ کہا طلاق دیدوں گا، پھر دوبارہ کہا طلاق دیدی، پھر دومنٹ کے بعد کہا طلاق، بیوی کہتی ہے کہ فارغ خطی دی، آزاد کیا کہا ہے، شوہر ان الفاظ کا منکر ہے اور مذکورہ بالا الفاظ کا اقرار کرتا ہے، تو شرعاً کونسی طلاق ہوئی؟ اب دوبارہ ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد ندیم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ شوہر نے دوطلاق کا اقرار کیا ہے؛ لہٰذا اس سے دوطلاق رجعی واقع ہوگئیں اور بیوی کا یہ کہنا کہ فارغ خطی دی یا آزاد کیا کہا ہے، یہ الفاظ بھی ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتے ہیں؛ اس لئے اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ دونوں میاں بیوی دوطلاق پر متفق ہیں؛ البتہ دونوں کے الفاظ اور تعبیر میں فرق ہے، اور آئندہ کبھی بھی ایک طلاق دیگا، تو بیوی بالکل حرام ہوجائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ٥/١٥٥)

ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ. (تنویر الأبصار، کتاب الطلاق، کراچي ٣/٢٣٥، زکریا٤/٤٣٨)

ولو أقر بالطلاق کاذباً أوهازلاً وقع قضاءً لا دیانةً. (شامي، زکریا٤/٤٤٠، کراچي٣/٢٣٦)

إذا طلق الرجل امرأته تطلیقةً رجعیةً، أوتطلیقتین، فله أن یراجعها في عدتها. (هدایة، اشرفي دیوبند ٢/٣٩٤، هندیة، زکریا١/٤٧٠، کتاب الطلاق

الباب السادس فی الرجعۃ الخ جدید زکریا دیوبند ۱/ ۵۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۳/ ۱۴۳۰ھ

دومرتبہ طلاق دی، پھر باہر آکر کہا میں نے اس کو طلاق دیدی

سوال [۶۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے جھگڑے میں کمرہ کے اندر اپنی بیوی کو دومرتبہ یہ الفاظ کہے کہ ”میں نے تجھے طلاق دی، اس کے بعد وہ شخص کمرہ سے باہر آگیا، اس نے پھر یہ کہا ”میں نے اس کو طلاق دیدی، پھر وہ شخص دروازے پر آگیا، کسی دوسرے شخص نے معلوم کیا کیا ہوگیا، تب اس شخص نے کہا کہ ”میں اس کو طلاق دے آیا“ اس صورت میں عورت پر کتنی طلاق واقع ہوئیں؟ اب نکاح کی کیا صورت ہوگی، اس واقعہ کو چار مہینے گذر چکے ہیں، دونوں میاں بیوی نہیں ملے۔

المستفتی: احمد نبی، موضع ہری نور پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کمرے کے اندر رہ کر دومرتبہ ”میں نے تجھے طلاق دی“ کے الفاظ سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر اندر رجعت کی گنجائش تھی، اور عدت پوری ہوجانے کے بعد بغیر حلالہ نکاح جدید کرکے رکھنے کی گنجائش ہے اور پھر کمرہ سے باہر آکر اس کا یہ کہنا کہ میں نے اس کو طلاق دیدی، یہ غور طلب الفاظ ہیں، اگر یہ الفاظ کسی دوسرے آدمی کو مخاطب کرکے اس کو سنانے کے لئے کہا ہے، تو یہ کمرہ کے اندر دی ہوئی طلاق کی خبر ہے، اس کی وجہ سے الگ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، اور اگر اس نے کمرہ سے باہر آکر یہ الفاظ کسی کے سامنے نہیں کہے ہیں، تو وہ خبر نہیں ہے؛ بلکہ اس سے

بھی الگ سے ایک طلاق واقع ہوجائے گی، تو ایسی صورت میں دوطلاق کمرے میں ایک طلاق باہر کل تین طلاقیں شمار کی جائیں گی، طلاق مغلظہ ہونے کی وجہ سے بیوی بالکل حرام ہوجائے گی اور بغیر حلالہ کے نکاح بھی جائز نہیں ہے، اب وہاں پر کون سی شکل پیش آئی تھی، اس کے بارے میں شوہر اور گھر کے لوگ خود ہی فیصلہ کریں کہ کمرے سے باہر آ کر کسی کے سامنے کہا تھا، یا کسی کے بغیر اپنے طور پر کہا ہے، اور پھر دروازہ سے باہر آ کر دوسرے شخص کے معلوم کرنے پر یہ جو کہا ہے کہ میں اس کو طلاق دے آیا یہ ہر حال میں خبر ہے، اس کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض، كذا في الهداية. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، زكريا ١/ ٤٧٠ جديدزكريا ديوبند١/ ٥٣٣)

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق أنت طالق.

(الدر المختار مع الشامي، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا٤/ ٤٦٣)

ولو قال لامرأته: أنت طالق، فقال له رجل: ما قلت؟ فقال: طلقتها، أو قال: قلت هي طالق، فهي واحدة في القضاء؛ لأن كلامه انصرف إلى الإخبار بقرينة الاستخبار. (بدائع الصنائع، زكريا٣/ ١٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۲۴ھ

”تجھے طلاق دینی ہے“ کے بعد ”سمجھ لو طلاق ہوئی“ کہنے سے طلاق

سوال [۶۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ایک ہی مجلس میں یہ کہتا ہے کہ تجھے طلاق دینی ہے دے کے

رہوں گا، سمجھ لو طلاق ہوئی ہے؛ جبکہ اس سے پہلے متعدد موقعوں پر بیس پچیس بلکہ اس سے بھی زائد مرتبہ یہ کہہ چکا ہے کہ تجھے طلاق دیدوں گا، صورت مسئولہ میں ہماری شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: کلیم اللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذاکرۂ طلاق یعنی طلاق دینے کے لئے گفتگو کے درمیان شوہر کا یہ کہہ دینا ''طلاق ہوئی ہے، تو وہ طلاق کا اقرار ہے، اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے، اس کے بعد آئندہ جب بھی ایک طلاق دیگا، تو مغلظہ ہوکر شوہر پر بالکل حرام ہوجائے گی؛ اس لئے اس کا خیال رکھا جائے اور اس موقع سے پہلے اس نے جو بیس پچیس مرتبہ ''تجھے طلاق دیدوں گا'' تجھے طلاق دیدوں گا'' کہا ہے وہ طلاق دینے کی دھمکی اور طلاق کا وعدہ ہے، ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ولو أقر بالطلاق كاذباً أوهازلاً وقع قضاءً لا ديانةً . (شامي، زكريا ٤/ ٤٤٠، كراچي ٣/ ٢٣٦)

لو أقر بالطلاق وهو كاذب وقع في القضاء. (البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ٢٤٦، زكريا ٣/ ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳ / ربیع الاول ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۶۳)	۱۴۲۶/۳/۱۳ھ

بیوی کو طلاق دے کر والد کو خبر دینا

سوال [۶۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ شرافت حسین ولد شوکت حسین نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دی، اور اپنے والد صاحب سے جا کر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اس کو اس کے میکہ پہونچا دو؛ لہٰذا احکام شرعیہ سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: شرافت حسین ولد شوکت حسین، بیگم والی مسجد، صالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرافت حسین کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور بعد میں والد سے جا کر کے یہ جو کہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اس کو اس کے میکہ پہونچادو، وہ دی ہوئی طلاق کی خبر ہے، اس کی وجہ سے پھر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ لہٰذا عدت کے اندر اندر رجعت کر کے زن وشوہر کی زندگی گذار سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۰/۱۵۱)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً...... فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، زكريا ١/ ٤٧٠، جديد زكريا ديوبند ١/٥٣٣)

فإذا طلق الزوج زوجته رجعياً حل له العود إليها في العدة بالرجعة دون عقد جديد. (الموسوعة الفقهية الكيوتية ٢٩/٢٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۳/۱۴۲۴ھ

دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد مختلف مقامات پر اس کی خبر دینا

سوال [۶۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر نے مجھے دو بار طلاق دی، اس کے بعد میرے شوہر گھر کے باہر چلے

گئے، اور کچھ دیر بعد پھر جب گھر کے اندر آئے، تو آکر کہا کہ میں نے اسے طلاق دیدی ہے، تو اس کو اس کے گھر بھیج دو۔

گـــواہ : محمد تسلیم نے بیان دیا کہ میں سو کر اٹھا، میں نے دونوں میں لڑائی دیکھی، انہوں نے میرے سامنے دو دفعہ طلاق طلاق کہا، پھر میں نے ان کو دھکے دے کر باہر نکال دیا، پھر بعد میں انہوں نے کتنی بار طلاق دی، مجھے معلوم نہیں۔

گواہ: محمد وہاب نے بیان دیا کہ میں سو کر اٹھا، تو میں نے ان دونوں میں لڑائی ہوتی دیکھی، لڑکے نے اپنی زبان سے کہا ’’میں نے تجھے دو دفعہ طلاق دی، میرے گھر سے نکل جا۔

میں نے اپنی بیوی کو غصہ میں دو مرتبہ طلاق دیدی۔ اور گھر سے باہر جا کر لوگوں سے کہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، پھر میں گھر واپس آیا اور بیوی کی طرف اشارہ کر کے گھر والوں سے کہا ’’میں نے اس کو طلاق دیدی ہے‘‘ اس کو اس کے گھر پہونچا دو، یہ واقعہ پیش آیا۔ اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ طلاق چار بار ہوئی، دو مرتبہ تو طلاق دیدی تھی اور پھر باہر اور گھر میں جا کر اس کو دو مرتبہ بیان کیا، اب ایسی صورت میں کیا میرے لئے کوئی گنجائش ہے، اب میں اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہوں، میں نے ایک مولانا سے مسئلہ معلوم کیا تھا، انہوں نے بتلایا کہ طلاق دو ہی ہوئی ہیں، باہر اور اندر جا کر تو تم نے ان کو بیان کیا ہے، حکایت واقعہ ہے، میں یہ سمجھ رہا تھا کہ دو بار طلاق دے کر میں نے باہر لوگوں سے بیان کیا، پھر گھر میں گھر والوں سے کہا، تو تین چار بار ہوگئی؛ اس لئے جب لوگوں نے پنچایت میں معلوم کیا، تو میں نے تین چار مرتبہ بتلائی، اپنی سمجھ کے مطابق، اب شریعت کے فیصلہ سے آگاہ فرمائیں، اگر کوئی گنجائش ہو، تو میں بیوی کے ساتھ رہوں، ورنہ پھر جو بھی فیصلہ ہو بیان فرما کر مسئلہ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد جاوید قاسمی چاند پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ واقعہ اگر ایسا ہی ہے، جیسا کہ تحریر میں موجود ہے، تو پہلی مرتبہ اس نے جو دو طلاق دی ہے، اس سے دو طلاق رجعی واقع

ہوگئیں اور گھر سے باہر جا کر لوگوں سے جو یہ کہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اس سے اس کے دل میں پہلے واقعہ کی خبر دینا مقصد ہے، تو یہ خبر ہے اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، اسی طرح گھر پر آ کر کے بیوی کی طرف اشارہ کر کے گھر والوں سے جو یہ کہا ہے کہ میں نے اس کو طلاق دیدی ہے، اس کو اس کے گھر پہونچادو، اس میں بھی اگر اس کی نیت یہی رہی ہے کہ پہلے جو دو مرتبہ طلاق دی ہے، اس کی خبر دینا ہے، تو اس سے بھی کوئی طلاق نہیں ہوگی؛ کیونکہ یہ بھی خبر ہے، اسی طرح پنچایت میں لوگوں کے معلوم کرنے پر اس نے جو تین چار مرتبہ بتلائی ہے، اس میں بھی پہلے واقعہ کی خبر مقصود ہے، تو پنچایت کے سامنے تین چار مرتبہ اقرار کرنے اور بتلانے کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیونکہ یہ بھی پہلے واقعہ کی خبر ہے، تو ایسے حالات میں بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے پہلے کی طرح رہنے کی گنجائش ہے اور آئندہ کبھی بھی ایک طلاق دے گا، تو بیوی کلی طور پر حرام ہو جائے گی۔ (امداد المفتیین ۵۹۶)

ولو قال لامرأته: أنت طالق، فقال له رجل: ما قلت؟ فقال: طلقتها، أو قال: قلت هي طالق، فهي واحدة في القضاء. (هندية، كتاب الطلاق، البلب الثاني في إيقاع الطلاق ، الفصل الاول في الطلاق الصريح، زكريا ١/٣٥٥،جديد زكريا ديو بند١/٤٢٣، شامي، زكريا ٣/١٦٣)

لأن كلامه انصرف إلى الإخبار. (بدائع الصنائع، زكريا٣/١٦٣)

ولو قال لها: أنت طالق، طالق، أو أنت طالق، أنت طالق، أو قال قد طلقتك قد طلقتك، أو قال: أنت طالق، وقد طلقتك تقع ثنتان. (شامي، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١، هندية، زكريا١/٣٥٥ جديدزكريا ديو بند ١/٤٢٣)

ولوقال: أنت طالق الطلاق، وقال عنيت بقولي طالق واحدة، وبقولي الطلاق أخرىٰ يصدق فتقع رجعيتان. (هندية، زكريا ١/٣٥٥،

جدید زکریا دیوبند ۱/ ۴۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۱۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱۱/۱۴۳۰ھ

''میں نے تجھے طلاق دیدی'' سے طلاق کا حکم

سوال [۶۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی میکہ میں تھی میں لینے کے لئے گیا، میں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا، اس نے انکار کردیا، دوتین بار یہی صورت پیش آئی، مجھے اس پر غصہ آگیا اور میں نے اس سے کہا'' میں نے تجھے طلاق دی، دی'' کیا اس جملہ سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اور کون سی طلاق ہوئی؟ اب میں بیوی کو ساتھ رکھنا چاہتا ہوں، دو بچے ہیں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد تا ثیر خاں، قاسم پور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر آپ کو رجعت کا اختیار ہے اور رجعت کا مطلب یہ ہے کہ شوہر یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا یا میاں بیوی آپس میں زوجیت کا تعلق قائم کرلیں، تو اس سے رجعت ہو جائے گی، اور رجعت کرنے کے بعد میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا جائز اور درست ہو جائے گا، آئندہ اگر آپ نے ایک مرتبہ بھی طلاق کے الفاظ زبان سے نکالے تو طلاق مغلظہ ہو جائے گی۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۸۲/۳۸)

ایک ایک کر کے دو طلاق متصلاً دینا

سوال [٦٣٥٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غصہ کی حالت میں خالدہ کو ایک ایک کر کے دو طلاق متصلاً دیدی، لفظ صریح کے ساتھ تو شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد سلیم ایوب نگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر صرف دو ہی طلاق دی ہیں، تو دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے، اس کے بعد زندگی میں کبھی بھی ایک طلاق دیدے گا، تو بیوی بالکلیہ نکاح سے خارج ہو کر شوہر پر حرام ہو جائے گی؛ اس لئے اس بات کا دھیان ضرور رکھا کریں۔

ولو قال لها أنت طالق، طالق، أو أنت طالق، أنت طالق، أو قال: قد طلقتك (إلى قوله) تقع ثنتان. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل الاول في الطلاق الصريح، زكريا قديم ١/ ٣٥٥،جديد زكريا ديوبند١/ ٤٢٣، در مختار مع الشامي، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/ ربیع الثانی ١٤٢٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٨/ ٩٢٤٤)

ساس سے لڑائی کے دوران دوبار طلاق دینا

سوال [٦٣٥٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شاہد میاں رام پور کا رہنے والا ہوں، میں نے اپنی بیوی کو اپنی ساس سے لڑائی

ہونے پر میں نے غصہ میں ٢ / بار طلاق کا لفظ کہدیا ہے۔

المستفتی: شاہد میاں، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر صرف دو ہی بار کہا ہے، تو اس سے دو طلاقیں واقع ہوگئیں، عدت کے اندر رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ رجب المرجب ١۴٢٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣۴/ ٦٢٦٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٧/ ٧/ ١۴٢٠ھ

نند بھاوج میں لڑائی دیکھ کر دو طلاق دینا

سوال [٦٣۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گھر میں داخل ہوا، تو نند بھاوج میں لڑائی ہو رہی تھی، میں نے غصہ میں دو مرتبہ بیوی سے ”طلاق، طلاق“ کہدیا، بیوی حاملہ ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کتنی طلاق ہوئیں، بیوی کو ساتھ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محفوظ الرحمٰن، مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے، تو سوال نامہ میں بیان کردہ صورت میں بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت کے اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی اجازت ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۸۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۲/۲۳ھ

’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ دو مرتبہ کہنے سے طلاق

سوال [۶۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی عشرت جہاں نے رات کے وقت مجھ سے طلاق کا مطالبہ کیا، تو میں نے اسے یہ الفاظ دوبار کہے کہ ’’میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی‘‘ اس کے بعد ہم دونوں شوہر بیوی کی طرح رہتے رہے اور وہ تمام تعلقات جوزوجین کے مابین ہوتے ہیں ہوئے، یعنی صحبت وغیرہ، اس کے بعد میری بیوی اپنے میکہ چلی گئی اور اب وہیں پر ہے، یہ الفاظ مذکورہ کہے ہوئے تقریباً ڈیڑھ ماہ ہوگیا ہے، اس صورت مسئولہ میں میرے لئے شریعت کا حکم قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: رئیس احمد، ساکن نیا گاؤں، کانٹھ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر طلاق کے الفاظ صرف دو ہی مرتبہ استعمال کیے ہیں، تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، عدت کے اندر رجعت کی گنجائش تھی؛ لیکن دونوں اس کے بعد شوہر بیوی کی طرح تعلقات قائم کر چکے ہیں؛ اس لئے اس سے رجعت بھی ثابت ہوگئی ہے؛ لہٰذا اب دونوں ہمیشہ میاں بیوی کی طرح ساتھ میں رہ سکتے ہیں؛ لیکن جب بھی کبھی ایک مرتبہ زبان سے طلاق نکالے گا، تو بیوی بالکل حرام ہوجائے گی؛ اس لئے آئندہ بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

وقعتارجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧/محرم الحرام ١۴١٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣۴/٥٩٣٨)

''طلاق دی، طلاق دی'' سے طلاق کا حکم

سوال [٦٣٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مراد نبی ولد چھوٹے میاں ساکن محلہ نئی بستی مراد آباد کا ہوں، میری شادی مسلم قانون شریعت کے مطابق افروز بانو بنت شبیر علی ساکن چندوسی سے ہوئی تھی، میری بیوی عید الفطر سے اپنے والد کے گھر چندوسی گئی ہوئی تھی؛ لیکن ٢٥/اپریل تک بھی میرے گھر واپس نہیں آئی، اسی سلسلہ میں مراد آباد میں محلہ میں ایک پنچایت ہو رہی تھی، جس میں میں نے غصہ میں دو مرتبہ ''طلاق دی، طلاق دی'' کہا، پھر میرے منھ پر میرے دوست نے ہاتھ رکھ دیا اور اس کے بعد کوئی ادائیگی نہیں ہوئی، اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس واقعہ کے بعد دوسرے دن دوپہر کو مجھے معلوم ہوا کہ میرے سسر نے میرے اور میرے گھر والوں کے خلاف قانونی کارروائی کر دی ہے، تو میں نے وکیل کے مشورے پر ایک نوٹس اس بابت ارسال کر دیا کہ چونکہ آپ نے مجھ سے اپنی لڑکی کی آزادی چاہی تھی؛ اس لئے میں نے آپ کی لڑکی کو طلاق دے کر آزاد کر دیا تھا، یہ بات میں نے اپنا قانونی بچاؤ کرنے کے لئے کہی تھی۔

المستفتی: مراد نبی، نئی بستی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوئی؛ بلکہ دو

طلاق رجعی واقع ہوئی ہیں اور ایسی صورت میں شرعی طور پر بیوی کو عدت کے اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش باقی رہتی ہے، اور دوبارہ نکاح کی بھی ضرورت نہیں ہوتی اور جعت کی صورت یہ ہے کہ شوہر یوں کہدے کہ میں نے بیوی کو نکاح میں لوٹالیا ہے، یا کچھ نہ کہہ کر بیوی کے ساتھ ہمبستر ہو جائے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(در مختار، کتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٦٣، كراچي٣/٢٥٢)

والرجعة أن يقول: راجعتک، أو راجعت امرأتي (وقوله) أويطأها، أويقبلها، أويلمسها بشهوة. (هداية، اشرفي ٢/٣٩٥)

اور نوٹس کے الفاظ پہلی طلاق کی خبر ہیں، طلاق کے لئے نیا جملہ نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۱۷/۵۹۷)

بیوی کو مخاطب بنا کر دو مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے مار پیٹ کے دوران جہاں پر اس کی ماں اور بہن بھی موجود تھی، طیش میں اپنی ماں سے شکایت کے لہجے میں کہا کہ آج یہ طلاق لے گی، اور بیوی کی طرف مڑ کر طلاق طلاق دو بار کہہ دیا، اس کے بعد چند لمحہ رک کر افسوس اور پچھتاوے کے لہجے میں کانپتے ہوئے پھر اپنی ماں سے کہا اماں آج اس نے طلاق لے ہی لی، اس کی یہی مرضی تھی، اس نے طلاق لے ہی لی، یہ یہی چاہتی تھی، کہتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا، اوپر لکھی ہوئی صورت میں بیوی پر کتنی طلاق پڑیں اور اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اخلاق انصاری، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر رجعت کرکے رکھنے کی گنجائش ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٦٣، كراچي٣/٢٥٢)

اور بعد میں جو اس نے اپنی ماں سے کہا ہے کہ اماں یہ طلاق ہی چاہتی تھی، اس کی یہی مرضی تھی، اس نے طلاق لے ہی لی، یہ سب جملے خبر کے ہیں، ان سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤/ صفر المظفر ١٤١٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٣/٥٦٣٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٩/٢/١٤ھ

”طلاق دلواؤ، طلاق دیدوں گا اور طلاق دیدی“ سے کتنی طلاق ہوئیں

سوال [٦٣٥٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران مخاصمہ میں نے پہلے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے باپ سے کہنا کہ طلاق دلواؤ، کچھ دنوں کے بعد میں نے کہا کہ ابھی طلاق دیدوں گا، پھر کافی دنوں کے بعد میری ان سے تو تو میں میں ہوئی، اسی دوران میری ممانی سے فون پر باتیں ہو رہی تھیں، میں نے کہا کہ انہیں یہاں سے لیجاؤ میں نے اسے طلاق دیدی۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: شاہنواز عالم، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ کہنا کہ ”اپنے باپ سے کہنا کہ طلاق دلواؤ“ اس لفظ

سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، اس کے بعد ”ابھی طلاق دیدوں گا“ کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے بھی کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور ممانی سے گفتگو کے دوران یہ جو کہا ہے کہ ”انہیں یہاں سے لیجاؤ میں نے اسے طلاق دیدی“ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی طرح رہنے کی گنجائش ہے۔

فالصريح قوله: أنت طالق، ومطلقة، وطلقتك، فهذا يقع به الطلاق الرجعي. (هداية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، اشرفي ديو بند ٢/ ٣٥٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا ١/ ٤٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۳۴ھ

دو طلاق دینے کے بعد تیسری طلاق دینے سے قبل منھ بند کر دینا

سوال [۶۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امیر احمد نے آپسی تکرار میں اپنی بیوی کو دو مرتبہ طلاق دیدی، تیسری مرتبہ کہنے سے پہلے ہی امیر احمد کی ماں نے اس کے منھ کو بند کر دیا، جس کی وجہ سے طلاق نہ دے سکا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کتنی طلاق ہوئیں؟

المستفتی: اشرف خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں امیر احمد کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.
(در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/ ۲۵۲، زكريا٤/ ٤٦٣)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد زكريا ديو بند ١/ ٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۴ھ

فارغ خطی کالفظ طلاق صریح رجعی کیلئے ہے

سوال [۶۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے بیوی سے کہا کہ ''میں نے تجھے فارغ خطی دیدی'' تو اس سے طلاق رجعی صریح واقع ہوگئی یا طلاق کنائی بائن؟

المستفتی: محمد سالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے دیار میں چونکہ لفظ ''فارغ خطی'' طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے؛ اس لئے جب شوہر نے بیوی سے یوں کہا کہ ''میں نے تجھے فارغ خطی دیدی'' تو اس سے اس کی بیوی پر بغیر نیت کے بھی ایک طلاق رجعی صریح واقع ہوجائے گی۔
(مستفاد: احسن الفتاوی، زکریا دیوبند ۵/ ۱۵۵)

وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا فيه من أي لغة كانت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

صريحة مالم يستعمل إلا فيه، ولو بالفارسية، فمالا يستعمل فيها

إلا في الطلاق، فهو صريح يقع بلا نية. (شامي، زكريا ٤/٤٥٧، كراچي ٣/٢٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۲۸)

فارغ خطی کے لفظ سے طلاق

سوال [۶۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اوراس کی بیوی میں جھگڑا ہوا، جھگڑے کی وجہ سے اپنی بیوی سے کہا ''میں نے تجھے فارغ خطی دی'' اور مجھے دھیان نہیں کتنی مرتبہ دی اور زید کی بیوی کہتی ہے کہ مجھے میرے شوہر نے یہ لفظ کہا کہ ''جانکل میں نے تجھے فارغ خطی دی'' دوسری مرتبہ ''او میں نے تجھے طلاق دی'' تیسری مرتبہ ''جامیں نے تجھے فارغ خطی دی''۔

المستفتی: بندو، افضل گڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فارغ خطی کا لفظ ہمارے عرف میں طلاق کے لئے بولا جاتا ہے؛ اس لئے مذکورہ لفظ سے طلاق صریح واقع ہو جائے گی اور جب تین مرتبہ کہا ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔

إن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩، احسن الفتاوى ٥/ ١٥٥)

أما الصريح: فهو اللفظ الذي لايستعمل إلا في حل قيد النكاح. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/ ١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۱۸ھ

فارغ خطی کے لفظ سے طلاق کا حکم

سوال[۶۳۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ساس یا بیوی گھر سے یہ کہہ کر گئی کہ میں تم تینوں باپ بیٹے بہو کو پکڑ واؤں گی، میں اپنی بیوی سے یہ کہہ چکا تھا کہ جس دن تم تھانہ پر چلی گئیں، اسی دن میں تمہیں چھوڑ دوں گا، گھر میں ساس بہو میں لڑائی ہورہی تھی، میری بیوی گھر سے یہ کہہ کر گئی کہ میں تھانہ پر جارہی ہوں، میں پیچھے سے گیا، میں اپنے پڑوس میں جا کر بیٹھ گیا وہ پیچھے آ گئی، میں سمجھا کہ یہ تھانہ سے واپس آئی ہے میں غصہ کی حالت میں تھا، میں نے غصہ کی حالت میں فارغ خطی کا جملہ استعمال کیا؛ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ جملہ میں نے کتنی بار استعمال کیا، میری بیوی کا کہنا ہے کہ میں نے یہ جملہ دو بار استعمال کیا، وہ قسم کھا کر کہتی ہے کہ آپ نے یہ جملہ دوبار استعمال کیا، میری بیوی اب بھی گھر میں ہے، وہ کہتی ہے میں کہاں جاؤں؟ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، فارغ خطی جب ہوتی جب میری بیوی تھانہ جاتی: لیکن وہ تھانہ پر نہیں گئی تھی، وہ اب بھی میرے گھر ہے، ہم دونوں اپنی مرضی سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کو تیار ہیں۔ اب آپ بتایئے کیا ہوسکتا ہے؟

المستفتی: رفیق احمد، محلہ پختہ سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کو تعداد معلوم نہیں ہے اور آپ کو بیوی کی بات پر یقین ہے، تو آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی ہو چکی ہیں؛ اس لئے کہ فارغ خطی کا لفظ ہمارے علاقہ مغربی یوپی میں صرف طلاق ہی کے لئے بولتے ہیں؛ اس لئے مذکورہ لفظ کو دو مرتبہ کہنے سے دو طلاق رجعی ہوگئیں، عدت گذرنے سے پہلے پہلے رجعت کی گنجائش ہے اور رجعت کے لئے زبان سے اتنا کہہ لینا کافی ہے کہ میں تجھ سے رجوع کرتا ہوں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/۱۵۵)

قوله سرحتک کناية؛ لکنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فيقع به الرجعي. (شامي، کتاب الطلاق، باب الکنايات، کراچي ۳/۲۹۹، زکريا ۴/۵۳۰)

لیکن آئندہ سخت احتیاط کی ضرورت ہے، اگر اس طرح کا لفظ ایک مرتبہ بھی استعمال کیا، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۴۱۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۷ھ

میں نے تجھے فارغ خطی دیدی

سوال [۶۳۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالواہاب کی لڑکی مبشرہ اور لڑکے کا نام مہتاب اس کا شوہر اس کو بہت پریشان رکھتا ہے، لڑکی کئی بار رک رک کے جاتی ہے، اب لڑکی اپنے میکے میں آئی ہے، تو اس کو اس کا شوہر لینے نہیں آتا، مبشرہ کے والد کا انتقال ہوگیا اور ماں بیوہ ہے، پیسے نہ ہونے کی وجہ سے ماں اسے نہ پہونچا سکی، اس کے شوہر نے کہا، تو ابھی آجا نہیں تو میں نے تجھے فارغ خطی طلاق دیدی، مبشرہ فون پر رونے لگی، اس نے کہا میرے پاس لڑکی ہے شوہر نے کہا مجھے لڑکی سے کوئی مطلب نہیں، شوہر نے فون پر اپنی ساس سے کہا کہ میں نے تیری بیٹی کو فارغ خطی طلاق دیدی۔ اب تو اپنی بیٹی کو اپنے پاس رکھ یہ بات ۲۶؍تاریخ کی ہے، پھر ماں نے اپنی غریبی کی وجہ سے کسی سے کچھ نہیں کہا، اب لڑکی جانے سے منع کرتی ہے، اس کے ساس سسر سے کہا کہ تمہارے لڑکے نے اس کو فارغ خطی طلاق دیدی، لڑکے کے ماں باپ نے کہا کہ ایسے تو کہہ دیتے ہیں، تم لڑکی کو بھیج دو، ہمارا لڑکا تو بچہ ہے، ہم مہتاب کو سمجھا دیں گے، آپ بتائیں کہ کیا کرنا ہے؟

المستفتی: صغیر احمد، گلی نمبر ۸، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فارغ خطی کا لفظ ہمارے عرف میں خاص طور پر طلاق صریح کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا جب مہتاب نے اپنی بیوی مبشرہ سے کہا کہ ”آجا نہیں تو میں نے تجھے فارغ خطی دیدی“ تو اس سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ شوہر کو عدت کے اندر اندر اپنی بیوی سے رجعت کرکے بیوی بنا کر رکھنے کا حق حاصل رہتا ہے اور اس کے بعد بیوی کی ماں سے جو فون پر کہا ہے کہ میں نے تمہاری بیٹی کو فارغ خطی کی طلاق دیدی ہے، اس کو وہیں رکھ لو، یہ پہلی طلاق کی خبر ہے، اس سے کوئی طلاق الگ سے واقع نہ ہوگی اور لڑکے کے ماں باپ کا یہ کہدینا کہ لڑکے تو ایسے کہہ دیتے ہیں، انتہائی غیر ذمہ داری کی بات ہے؛ اس لئے کہ ایسا جملہ کہنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا ماں باپ اپنے لڑکے کو سمجھادیں کہ اگر آئندہ ایسے الفاظ کہے گا، تو بیوی قطعی طور پر حرام ہوجائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/۱۵۵)

قوله: سرحتک كناية؛ لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح فإذا قال: رها كردم أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/۲۹۹، زكريا ٤/٥٣٠)

من وقوع الرجعي بقوله ”سن بوش“أو”بوش أول،، في لغة الترک مع أن معناه العربي أنت خلية وهو كناية؛ لكنه غلب في لغة الترک استعماله في الطلاق. (شامي، زكريا ٤/٥٣١، كراچي ۳/۲۹۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (هداية، باب الرجعة،

اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا ۱/ ٤٧٠، جديد زكريا ۱/ ۵۳۳، قدوري امدادية ديوبند ۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۱۷ھ

چھوڑ دیا کا لفظ عرف میں طلاق ہی کو کہتے ہے

سوال [۶۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے بیوی سے کہا کہ ”میں نے تجھے چھوڑ دیا“، تو اس سے طلاق رجعی صریح پڑے گی یا طلاق کنائی بائن؟

المستفتی: محمد جاوید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب شوہر نے بیوی سے کہا کہ ”میں نے تجھے چھوڑ دیا“ تو اس سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی پڑ گئی؛ اس لئے کہ چھوڑ دیا کا لفظ بیوی کے حق میں عرف میں طلاق ہی کے لئے مستعمل ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۴۱۶، محمودیہ ۱۲/ ۴۴۶، میرٹھ ۱۸/ ۲۸۷، فتاوی عثمانی ۲/ ۶۵، کفایت المفتی ۶/ ۳۸)

”فإن سرحتک“ كناية؛ لٰكنه في عرف الناس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ”رها كردم“ أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ أيضاً. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/ ۲۹۹، زكريا ٤/ ۵۳۰)

إذا قال الرجل لامرأته: بهشتم ترا أز زني فاعلم بأن هذه اللفظة استعملها أهل خراسان، وأهل العراق في الطلاق، وأنها صريحةٌ عند أبي يوسفؒ حتى لو كان الواقع بها رجعياً ويقع بدون النية. (هندية جديد، كتاب الطلاق، الفصل السابع فى الطلاق بالألفاظ الفارسية اتحاد ۱/ ٤٤٧، زكريا ۱/ ۳۷۹)

إذا قال الرجل لامرأته: بهشتم ترا أز زني فاعلم أن هذه اللفظة استعملها أهل خراسان وأهل العراق في الطلاق، وأنه صريحةٌ عند أبي يوسفؒ، كان الواقع بها رجعياً، ويقع بدون النية. وفي الخلاصة: وبه أخذ الفقيه أبو الليثؒ، وفي التفريد: وعليه الفتویٰ. (الفتاوی التاتارخانيه ٤/٤٦٣، رقم: ٦٦٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۳۲۷)

''چھوڑ دیا،، کے لفظ سے طلاق صریح

سوال [٦٣٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی زوجہ ہندہ اپنے میکے گئی تھی، ہندہ نے فون پر شوہر سے خیریت معلوم کی اسی میں دونوں کے مابین نوک جھونک ہوگئی ہندہ نے کہا کہ تم مجھے چھوڑ دو، شوہر نے کہا میں نے تجھے چھوڑ دیا، تو کیا حکم ہے؟ اور کونسی طلاق واقع ہوگی؟

المستفتی: محمد عمران

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جو بیوی سے یہ کہا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے، اس سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی؛ اس لئے کہ یہاں کے عرف میں چھوڑ دیا کا لفظ طلاق کے لئے مستعمل ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۳۴۱، احسن الفتاوی ۵/۱۶۵، امداد الفتاوی ۲/۴۵۵)

''فإن سرحتک'' كناية؛ لٰكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ''رها كردم'' أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٢٩٩، زكريا ٤/٥٣٠)

بخلاف فارسية قوله: سرحتک وهو "رهاكردم" لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري- فإذا قال: سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، کراچي ۲۹۹/۳، زکریا ٤/ ٥٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ ؍ ۱۱۳۸۵)

چھوڑ رہا ہوں کے لفظ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۳۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے کسی ناراضگی کی بنا پر اپنی بیوی کو ڈرانے دھمکانے کی وجہ سے یہ عبارت لکھ کر اس کے باپ کے پاس بھیجی۔

(۱) واضح رہے کہ میں آپ کو اور آپ کی بیٹی فلاں کو یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ "میرا آپ کی بیٹی سے جو رشتہ ہے اب میں ایک فی فصد رکھنا چاہتا ہوں اور 99% رکھنا نہیں چاہتا ہوں" اس سلسلے میں آپ مجھ سے بہت جلد ملنے کی کوشش کریں۔

اس مذکورہ عبارت کو پڑھ کر لڑکی کے والد میرے پاس آئے پھر میں نے ان کو وہ بات یاد دلائی کہ فلاں وقت تم نے اپنی بیٹی کو چڑھانے کی غرض سے یہ کہا تھا کہ میں جب تک زندہ ہوں تجھے کیا غم ہے؟ میں دیکھ لوں گا جو کچھ ہوگا۔

میں نے ایک دم غصہ میں یہ کہا کہ میں تمہاری بیٹی کو "چھوڑ رہا ہوں" کر و تم کیا کرو گے، دیکھو تو تم مجھے کیا دیکھو گے، یہ سب کچھ ڈرانے دھمکانے کی وجہ سے تھا، اس سے کوئی کسی قسم کی نیت نہیں تھی، اور نہ طلاق کا ذکر تھا، کیا یہ سب باتیں خلاف شرع تو نہیں ہیں؟ اس سے کسی قسم کا میرے اوپر گناہ تو نہیں ہوگا؟ کسی طلاق وغیرہ کا حکم تو نافذ نہیں ہوگا؟ شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عتیق الرحمٰن، مدرس مدرسہ تعلیم القرآن، پنجا بیان، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض ڈرانے کے لئے ”ایک فیصد رشتہ رکھنا چاہتا ہوں اور ۹۹ فیصد رکھنا نہیں چاہتا ہوں“ یہ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اور چھوڑ رہا ہوں کے لفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہوگی کیوں کہ چھوڑ دیا کا لفظ عرف میں طلاق صریح کے لئے ہی مستعمل ہے عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے، رجعت کا مطلب یہ ہے کہ تین حیض گذرنے سے پہلے پہلے بیوی سے ہمبستری کرے یا بوس وکنار ہو جائے، یا یوں کہہ دے کہ میں اپنی بیوی سے رجعت کرتا ہوں۔

سرحتک وهو ”رها كردم“ لأنه صار صريحاً في العرف (وقوله ”رهاكردم“ أي سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/ ٢٩٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً......فله أن يراجعها في عدتها. (هندية، زكريا ١/ ٤٧٠ الباب السادس فى الرجعةوفيما تحل به المطلقة ومايتصل به، زكريا جديد ١/ ٥٣٣، قدوري امدادية ديو بند ١٧٧)

والرجعة أن يقول راجعتک، أو راجعت امرأتي......أويطأها، أويقبلها، أويلمسها بشهوة. (هداية، اشرفي ٢/ ٣٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۲۷)

لفظ چھوڑ چکا ہوں سے طلاق

سوال [٦٣٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر نے یہ کہہ کر مجھے گھر سے نکال دیا تھا کہ میں تجھے اپنے گھر میں نہیں

رکھوں گا اور میں اسی دن سے اپنے ماں باپ کے گھر اسی محلّہ میں رہ رہی ہوں اور مجھے اپنے ماں باپ کے پاس رہتے ہوئے چار سال ہوگئے ہیں، ان چار سالوں میں میرا اپنے شوہر سے کسی بھی طرح کا کوئی ناطہ نہیں رہا ہے، اور میں اپنا خرچ بھی خود ہی کررہی ہوں اور ان چار سالوں میں جب بھی کوئی ان کے پاس جاکر اس بارے میں بات کرتا ہے، تو وہ یہی کہتے ہیں کہ میں اسے چھوڑ چکا ہوں۔ اب کوئی میرا اس سے واسطہ نہیں ہے، ایسے حالات میں آپ بتائیں کہ کیا مجھ پر طلاق واقع ہوگئی ہے؟

المستفتی: حافظ حامد علی، محلّہ حکیم پورہ سہسپور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ سوالنامہ میں ہے ’’تو چھوڑ چکا ہوں‘‘ کے لفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اور جس وقت یہ لفظ کہا ہے، اس کے بعد تین مرتبہ ماہواری پوری ہونے کے بعد سے عدت بھی پوری ہوجائے گی اور عدت کے بعد مکمل آزادی حاصل ہوجائے گی، جہاں چاہے سائلہ اپنی مرضی سے دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

سرحتک وهو ’’ رها كردم‘‘ لأنه صار صريحاً في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

إذا قال الرجل لامرأته: ’’بهشتم ترا از زني‘‘ فاعلم بأن هذه اللفظة استعملها أهل خراسان وأهل العراق في الطلاق، وأنها صريحةٌ عند أبي يوسفؒ حتى كان الواقع بها رجعياً ويقع بلدون النية. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل السابع فى الطلاق بألفاظ الفارسية، زكريا قديم ١/ ٣٧٩، زكريا جديد ديوبند ١/ ٤٤٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/ ٤٦٣، رقم: ٦٦٧٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۲۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲ھ

جامیں نے تجھے چھوڑا

سوال [۶۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیٹی فرح ناز نے بتایا تھا کہ اس کی ساس اور نند سے جھگڑا ہو گیا تھا، جب اس کے شوہر گھر آئے اور ان کو پتہ چلا تو انہوں نے میری لڑکی کی ساس اور نند کے سامنے کہا ''جا میں نے تجھے چھوڑا، جامیں نے تجھے چھوڑا، جامیں نے تجھے چھوڑا'' اس پر اس کی ساس کے الفاظ یہ تھے کہ آج میرے بیٹے نے طلاق دیدی ہے، اور آج سے وہ آزاد ہو گیا، اور شوہر اس واقعہ کا اقرار کرتا ہے اور اس واقعہ کے بعد اب تقریباً دو سال سے لڑکی ہمارے گھر مراد آباد میں رہ رہی ہے۔

المستفتی: اختر حسین، جامع مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوڑ دیا کا لفظ عرف میں بیوی کے حق میں طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا جب شوہر نے تین مرتبہ ''جا میں نے تجھے چھوڑ دیا'' کے الفاظ استعمال کردیئے ہیں، تو اس سے بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اب شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۴۲۵، امداد المفتیین ۶۱۶، امداد الاحکام ۲/۴۴۳، فتاوی عثمانی ۲/۳۴۴)

بخلاف فارسية قوله: سرحتک وهو ''رها کردم'' لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري، ''فإن سرحتک'' كناية؛ لكنه في عرف الناس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ''رها کردم'' أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق. (شامي،

كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۴۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۴ھ

لفظ چھوڑ دی سے طلاق دینا

سوال [۶۳۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو جھگڑے کے دوران ایک بیوہ عورت کے سامنے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ ''چھوڑ دی، طلاق دیدی، چھوڑی، چھوڑی'' اس کے بعد میاں بیوی چار دن تک ایک مکان میں ایک جگہ رہے، ایسی صورت میں ہندہ پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟؛ جبکہ ہندہ تین ماہ کی حاملہ تھی، پھر اس طلاق کے بعد ہندہ نے اپنی ماں کے مشورہ سے حمل بھی ضائع کرادیا، زید نے اور ہندہ نے طلاق واقع ہونے کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ اس صورت میں ہندہ پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ دوبارہ نکاح کس صورت میں ہوسکتا ہے؟ مذکورہ صورت میں ہندہ کو کونسی عدت کرنی پڑے گی؟

المستفتی: محمد اسماعیل، سعید نگر، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور لفظ چھوڑ دی، بیوی کے حق میں طلاق کے لئے استعمال ہوتا ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

(۱) طلاق مغلظہ واقع ہوچکی۔

(۲) حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح صحیح ہوسکتا ہے۔

(۳) طلاق کی عدت گذارنا لازم ہے جو کہ تین ماہواری سے پوری ہوتی ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية،زكريا ۱/ ٤٧٣ جديدزكريا ۱/ ٥٣٥)

بخلاف فارسية قوله: سرحتک وهو "رها كردم" لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري، "فإن سرحتک" كناية؛ لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: "رها كردم" أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/ ۲۹۹، زكريا ٤/ ٥٣٠)

وطلاق الحامل يجوز. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۷۳)

لفظ "چھوڑ دیا،، سے طلاق ہوئی یا نہیں؟

سوال [۶۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت ایک مسئلہ درپیش ہے، جس کی وجہ سے الجھن میں ہوں، وہ یہ کہ میرے پاس گاؤں کے سات آٹھ آدمی ایک سوال لائے، جو سوال گاؤں کے مکھیاؤں نے اکٹھا ہوکر بنایا تھا، اوران آدمیوں کو اپنی طرف سے بھیجا تھا، جس سوال میں بیوی کا یہ بیان تھا کہ میرے شوہر نسیم احمد نے مجھے چھوڑ دی، چلی جا کئی مرتبہ کہا اور یہ بھی کہا کہ تو میری بہن ہے، میں تیرا بھائی ہوں اورشوہر کا بھی بیان لکھا ہوا تھا کہ شوہر نے چھوڑ دی، چلی جا کئی بار کہا (شوہر ان پڑھ ہے) سلیم نامی ایک آدمی اس پر گواہ ہے، کہ نسیم احمد نے اس طرح کئی بار کہا، میرے

پاس آنے والے سات آٹھ آدمیوں میں شوہر نسیم احمد بھی شامل تھا، میں نے اسے الگ بلاکر وعیدیں سنائیں، پھر حقیقت معلوم کی تو اس نے میرے سامنے یہ اقرار کیا کہ ''میں نے چلی جا'' صرف ایک دفعہ کہا اور اس سے طلاق کی نیت نہیں تھی، شوہر کا یہ بیان سننے کے بعد میں نے اسی بیان کو بنیاد بنا کر جواب لکھ دیا کہ بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی؛ کیونکہ چلی جا کنائی الفاظ میں سے ہے اور نیت نہ رہنے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ جواب صحیح لکھا گیا یا غلط؟

نیز شوہر نسیم احمد کو الگ بلاکر بیان لینا صحیح ہے یا نہیں؛ جبکہ شوہر کا بیان موجود تھا، سوال کا جلد جواب دیں تاکہ مسئلہ اگر غلط ہو تو رجوع کیا جاسکے؟

المستفتی: مفتی سمیع اللہ، مدرسہ مرادیہ، مظفرنگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر سے پنچایت والوں نے بیان لیا اور پنچایت میں شوہر نے لفظ چھوڑ دیا تین مرتبہ سے زائد کہا ہے، تو طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور اگر چھوڑ دیا کا لفظ صرف ایک مرتبہ کہا ہے، تو صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

''رھا کردم'' لأنه صار صریحاً في العرف علی ما صرح به نجم الزاهدي الخوار زمي في شرح القدوري. (شامي، کتاب الطلاق، باب الکنایات، زکریا٤/ ٥٣٠، کراچي٣/ ٢٩٩)

اور اگر لفظ چلی جا شوہر نے طلاق کی نیت سے کہا، تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

ولو قال: اذهبي أي طریق شئت لا یقع بدون النیة. (عالمگیري، زکریا١/ ٣٧٦ جدید زکریا ١/ ٤٤٣)

اخرجي، اذهبي، تلزم النیة. (شامي، کراچي ٣/ ٣٠٢، زکریا٤/ ٥٣٤)

اور اگر اس نے چلی جا اور چھوڑ دیا دونوں الفاظ کہے تھے، تو دو طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔

الطلاق الصريح يلحق الطلاق الصريح ويلحق البائن، والطلاق البائن يحلق الطلاق الصريح، فإن قال: لها أنت طالق، ثم قال لها أنت بائن تقع طلقة أخرى ولا يلحق البائن. (عالمگيري زكريا قديم ١/٣٧٧، زكريا جديد ديوبند ١/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۷/۷ھ

چھوڑ دی سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

سوال [۶۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالرؤف ولد محمد نور ساکن دونکپور ٹانڈہ کو اپنی بیوی اسلامی بیگم کے ساتھ خاص محبت والفت تھی اور عمدہ سلوک تھا، اتفاقاً ایک روز اسلامی بیگم کی اپنی ساس سے کسی بات پر گفت وشنید ہوگئی، عبدالرؤف گھر پر موجود نہیں تھا، جب وہ گھر پر آیا اور اس کو معلوم ہوا کہ ساس بہو میں جھگڑا ہوا ہے اور اس طرح جھگڑا اور آپس میں تکرار ہوتا رہتا ہے، تو اس کو بہت غصہ آیا اور غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ تو اس گھر میں نہیں رہے گی اور میں بھی نہیں رہوں گا، یہ الفاظ کئی بار کہے، اور پھر یہ کہا کہ میں نے تجھے چھوڑ دی، اس کے بعد جب لوگوں نے معلوم کیا تو عبدالرؤف نے پوچھنے والوں سے یہی کہا کہ میری طرف سے آزاد ہوگئی، جس نے بھی معلوم کیا، اس سے یہی کہا میں نے معاملہ صاف کر دیا، اور عبدالرؤف کا مقصد یہ تھا کہ میں تو طلاق دے چکا ہوں، تجدید طلاق مقصود نہ تھا، پھر جب پنچایت ہوئی اور معلوم کیا گیا، تب بھی یہ بتلایا کہ میں نے معاملہ صاف کر دیا، یہ عبدالرؤف کا بیان ہے۔

دو عورتوں نے پس دیوار یہ واقعہ سنا ہے، جن کا بیان حسب ذیل ہے۔

بیان ریحانہ بیگم: میں نے دیوار کے پیچھے سے عبدالرؤف کے یہ الفاظ سنے ہیں ''میں چھوڑ

دوں گا، گھر سے نکال دوں گا، صاف کردوں گا، گھر میں آگ لگادوں'' اب تو نہ رہے گی اور میں بھی نہ رہوں گا۔

بیان اسلامی بیگم زوجہ عبدالرؤف: میرے شوہر نے میرے سامنے غصہ کی حالت میں یہ الفاظ کہے ہیں کہ ''میں نے چھوڑ دی، چھوڑ دوں گا، طلاق دی'' اب تو گھر میں نہیں رہے گی اور میں بھی نہیں رہوں گا۔

المستفتی: محمد علی ٹانڈہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبدالرؤف نے جو جھگڑے کے دوران ''تجھے چھوڑ دی'' کا لفظ استعمال کیا ہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اور عبد الرؤف کی زوجہ کے بیان کے مطابق لفظ چھوڑ دی سے ایک طلاق اور طلاق دی سے ایک طلاق کل دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں اور چھوڑ دوں گا کے لفظ سے نیز گواہوں کے بیان کردہ الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور عبدالرؤف نے واقعہ کے بعد جن الفاظ کے ذریعہ سے لوگوں کو خبر دی ہے، ان الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اس لئے کہ وہ سب خبریں ہیں، انشاء طلاق نہیں ہیں اور لفظ چھوڑ دی سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے؛ اس لئے کہ یہ ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں طلاق کے لئے بولا جاتا ہے۔

سرحتک وهو "رها كردم" لأنه صار صريحاً في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكناية، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/ ٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۱۸۳)

''چھوڑ دیا'' اور ''تیری ماں کا کام تمام کردیا کا حکم''

سوال [۶۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زین العابدین اپنے گھریلو معاملہ میں اپنی بیوی سے کچھ جھگڑا کرتے ہیں اور جھگڑے کے دوران اپنی بیوی کو مار پیٹ کرتے ہیں اور غصہ کی حالت میں یہ کہتے ہیں کہ ’’تجھ کو چھوڑ دیا، میں نے تجھ کو چھوڑ دیا‘‘ دو مرتبہ ۲۰/۲۵ ر منٹ کے بعد ان کے بڑے لڑکے محمد ابوبکر آتے ہیں اور اپنے باپ کو برا بھلا کہتے ہیں، تو باپ اس وقت کہتے ہیں کہ غصہ ہو کر کیا کروگے، تیری ماں کا کام ختم کر دیا’’ کہاں جانا ہے لے جا‘‘۔ اب جو لوگ وہاں موجو ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے صرف ایک مرتبہ سنا کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا؛ حالانکہ یہ اول ہی سے وہاں موجود تھے، مذکورہ بالا عبارت زین العابدین نے حاضرین مجلس کے سامنے قلم بند کی ہے، اب مذکورہ بالا عبارت سے اس کی بیوی کو طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر ہوئی ہے تو کونسی طلاق مع دلائل جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

نوٹ: جھگڑے کے بعد جب ان سے پوچھا گیا تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے صرف دو طلاق ہی دی ہیں، اس سے زیادہ نہیں۔

المستفتی: مولانا محمد ابوبکر صدیق (آسام)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس میں تین الفاظ ہیں۔

(۱) چھوڑ دیا کا لفظ دو مرتبہ۔

(۲) اور تیسرا لفظ تیری ماں کا کام ختم کر دیا۔

اول دونوں لفظ ہمارے عرف میں بمنزلۂ طلاق صریح کے ہیں، اگر آپ کے یہاں کا عرف بھی یہی ہے کہ جیسا کہ شوہر کے اقرار سے ظاہر ہے، تو ان سے دو طلاق صریح رجعی واقع ہوئی ہیں شامی میں ہے۔

سرحتک وهو ”رها كردم“ لأنه صار صريحاً في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكناية، كراچي ۳/۲۹۹، زكريا ٤/٥٣٠)

تیسرا لفظ بالاتفاق کنایہ ہے، اس سے اگر صرف دونوں کی خبر دینا مقصود ہے، طلاق دینے کی

نیت نہیں رہی ہے، تو اب عدت کے اندر اندر رجعت کرنے کی گنجائش ہے، اور اگر تیسرے لفظ سے انشا مقصود ہے، تو یہ پہلے دونوں سے مل کر تین طلاقیں واقع ہو کر عورت مغلظہ ہوگئی ہے۔ اب بلا حلالہ نکاح درست نہیں ہے؛ کیونکہ کنایہ صریح کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔

كما في الدر المختار: الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة.

(در مختار مع الشامي، كراچي ۳/۳۰٦، زكريا ٤/ ٥٤٠)

والطلاق البائن يلحق الطلاق الصريح بأن قال لها أنت طالق، ثم قال لها: أنت بائن تقع طلقة أخرىٰ. (هندية، الفصل الخامس في الكنايات زكريا قديم ١/ ٣٧٧، جديد زكريا ديوبند ١/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشوال المکرم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۲۶۸)

''تجھے چھوڑ دوں گا''، ''تیرا فیصلہ کر دوں گا'' کا حکم

سوال [۶۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری میاں بیوی کی آپس میں ناراضگی اور تو تو میں میں ہوئی، میں نے اس روز اپنی بیوی ہندہ سے یہ کہا کہ ''میں تجھے چھوڑ دوں گا، تیرا فیصلہ کر دوں گا'' اور یہ الفاظ میں نے تین مرتبہ کہے اور یہ یہاں میرا حلفیہ بیان ہے، الفاظ یہی تھے، اس کے علاوہ کچھ نہیں تھے، اس ناراضگی میں میں کئی روز باہر رہا۔ اب معلوم طلب امر یہ ہے کہ ایسی حالت میں تین طلاق ہوئیں یا نہیں؟ اور ہندہ کا کہنا یہ ہے کہ میں نے یہ کہا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا؛ لیکن میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے چھوڑ دوں گا کہا ہے۔

المستفتی: سراج الدین، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عورت کے پاس دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں

شہادت کے لئے نہیں ہیں، تو شوہر کا حلفیہ قول معتبر ہوگا، شوہر کے قول کے مطابق حکم یہ ہے، چھوڑنے کا لفظ طلاق کے لئے صریح ہے۔

(قوله) سرحتک "رہا کردم" لأنه صار صريحاً في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۲۹۹/۳، زكريا ۵۳۰/٤، كوئٹه ۵۰۳/۲)

اور شوہر کا لفظ استقبال ہے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ بلکہ وہ ایک وعدہ ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

وقال أطلقک لم يقع. (سكب الأنهر في شرح ملتقي الأبحر قديم ۳۸۷/۱، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۱٤/۲)

أنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (در مختار، كراچي ۳۱۹/۳، زكريا ٤/۵۵۹)

لیکن اگر عورت کو اپنے قول پر یقین ہے، تو شوہر سے خلع وغیرہ کر کے علیحدہ ہوجانا چاہئے۔

المرأة كالقاضي إذا سمعته أوأخبرها عدل لايحل لها تمكينه (إلى قوله) بل تفدي نفسها بمالٍ، أوتهرب. (شامي، كوئٹه ۲ /٤٦۸، كراچي ۲۵۱/۳، زكريا ٤ /٤٦۳، البحر الرائق، كوئٹه ۲۵۷/۳، زكريا۳/٤۳۹، هندية، زكريا ۱ /۳۵٤ جديدزكريا ۱ /٤۲۲ كتاب الطلاق، الباب الثاني فى إيقاع الطلاق-الفصل الاول فى الطلاق الصريح) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۳۵۰)

دوران جھگڑا بیوی کو دو مرتبہ چھوڑ دیا کہنا

سوال [۶۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران جھگڑا شوہر بیوی سے کہتا ہے کہ ''میں نے تجھے چھوڑ دیا، جا چھوڑ دیا، میرا تیرا کوئی تعلق نہیں''، اور عورت کے چہرہ پر بار بار تھوکتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں جارہا ہوں؛ چنانچہ

گھر سے چلا بھی گیا، تو کیا ایسی صورت میں نکاح باقی رہا یا نہیں؟ اس واقعہ کو کئی ماہ ہو گئے۔ تو اب پھر نکاح ثانی کی ضررت ہے یا نہیں؟

المستفتیه: ثریا، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ چھوڑ دیا دو مرتبہ استعمال کیا ہے، اس سے دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھنا جائز ہے، اور ان کے علاوہ جو الفاظ استعمال کئے ہیں، ان میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہے، اس سے معلوم کیا جائے کہ ان میں طلاق کی نیت تھی یا نہیں؟ اس کے بعد اس پر حکم لکھا جاسکتا ہے اور لفظ چھوڑ دیا، ہمارے عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہے۔

سرحتک "رہا کردم" لأنه صار صريحاً في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/٢٩٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس فى الرجعة وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به زكريا قديم ١/ ٤٧٠، زكريا جديد ديوبند ١/٥٣٣، قدوري امدادية ديوبند ١٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۲۷۶)

"میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" دو مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال[۶۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ یہ کہا "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا، میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" اس کے بعد روبرو پنچایت جب ان الفاظ کو دہرایا گیا، تو زید نے حلفیہ پنچایت کے سامنے یہ بیان دیا

کہ میں نے دو مرتبہ اپنی بیوی کو یہ کہا ہے کہ ''میں نے تجھے چھوڑ دیا'' اور اس سے قبل یعنی ایک ڈیڑھ ماہ پہلے اس قسم کے الفاظ نہیں بولے ہیں۔

لیکن زید کی بیوی بموجودگی پنچایت یہ حلفیہ بیان دیتی ہے کہ ''میرے شوہر زید نے جو الفاظ آج کہے ہیں وہی الفاظ آج سے ایک ڈیڑھ ماہ پہلے بھی ایک مرتبہ کہے ہیں'' صورت مسئولہ میں گواہ دونوں میں سے کسی کے پاس نہیں ہیں، پنچایت نہایت پریشان ہے، تو دونوں کی باتوں میں سے کس پر اعتبار کیا جائے؟ اگر طلاق واقع ہوئی تو کونسی ہوئی؟

المستفتی: ابرار حسین، ماہی گیر، سرجن نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میاں بیوی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اس وقت جو واقعہ پیش آیا ہے، اس میں شوہر نے ''میں نے تجھ کو چھوڑ دیا'' کے الفاظ دو مرتبہ استعمال کئے ہیں، ان الفاظ سے دو طلاق صریح رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنے کی اس صورت میں گنجائش ہے۔

"رها کردم" أي سرحتک یقع به الرجعي مع أن أصله کنایة، وقلمر أن الصریح مالم یستعمل إلا في الطلاق من أي لغة کانت. (شامي، کتاب الطلاق، باب الکنایات، زکریا ٤/ ٥٣٠، کراچي ٣/ ٢٩٩)

لیکن بیوی نے جو دوسرا دعویٰ کیا ہے کہ شوہر نے ایک ڈیڑھ ماہ پہلے یہی الفاظ ایک بار استعمال کئے ہیں اور بیوی کے پاس اس دعویٰ پر کوئی گواہ نہیں ہے اور شوہر صاف طور پر اس کا انکار کر رہا ہے، اور قرائن بھی شوہر کی تائید میں ہیں؛ اس لئے کہ بیوی نے ڈیڑھ مہینہ گذر جانے تک اس بات کا دعویٰ کیوں نہیں کیا تھا؟ اس جھگڑے کے موقع پر یہ دعویٰ پیش کرنا باعث تشویش ہے۔

نیز شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب شوہر انکار کرے اور بیوی کے پاس گواہ موجود نہ ہوں، تو شوہر

کی بات معتبر ہوتی ہے اور بیوی کا دعویٰ شرعاً ثابت نہیں ہے؛ اس لئے ڈیڑھ ماہ پہلے بیوی نے طلاق کا جو دعویٰ کیا ہے، وہ شرعاً معتبر نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [سورة البقرة:۲۸۲)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل، وامرأتين سواء كان الحق مالاً، أو غير مالٍ مثل النكاح، والطلاق، والوكالة، والوصية، ونحو ذلك. (هداية، اشرفي ديوبند ۱۵٤/۳، هندية، زكريا ۴۵۱/۳، جديد زكريا ۳۸۸/۳)

اس جواب سے شوہر کو موقع ضرور مل گیا ہے؛ لیکن اس کو بھی یہ توجہ دلائی جاتی ہے کہ خوب دھیان سے غور کرے کہ ڈیڑھ ماہ پہلے اس نے چھوڑ دیا کا لفظ استعمال کیا تھا یا نہیں، اگر استعمال نہ کرنے کا یقین ہے، تو بیوی اس کے لئے حلال ہے بلا تردد بیوی کو رکھے اور اگر پہلے اس نے اس طرح کہہ دیا ہے اور اب جھوٹا بیان دے رہا ہے، تو یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہ سکے گا، اس کا فیصلہ وہ خود کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۷۸/۳۶)

دو مرتبہ ”میں تجھے چھوڑ چکا ہوں“ کہنے کا حکم

سوال [۶۲۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کی شادی دوسرے شہر میں ہوئی اور تقریباً تین ماہ تک اپنے شوہر کے ساتھ خوشگواری کے ساتھ زندگی گذارتی رہی، اس کے بعد اس کا شوہر اپنی چھٹی پوری کر کے روزی کمانے کی غرض سے سعودی عرب چلا گیا، وہاں سے ٹیلیفون پر اور خطوط کے ذریعہ بھی معمولاً

خوشگوار پیغامات آتے رہے،لڑکی اس دوران اپنی سسرال میں ساس کے پاس رہی، گاہے گاہے اپنے میکہ بھی آتی رہی، میکہ میں اس کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں حالتوں میں اس کا شوہر ٹیلیفون پر اچھی طرح بات کرتا رہا؛ لیکن عید کے موقع پر جب عید کے تیسرے روز لڑکی سسرال سے اپنے میکہ آئی اور ساس کی اجازت سے آئی، تو تین چار دن گذرنے کے بعد شوہر نے ٹیلیفون پر اس کو بہت کچھ سخت سست کہا اور نا معقول الفاظ استعمال کئے اور کہا کہ ’’میں تجھے طلاق دے رہا ہوں‘‘ اس پر لڑکی نے رو کر کہا کہ یہ تو بتا دیجئے قصور کیا ہے، میں تو اجازت سے آئی ہوں، مگر اس پر یہی کہا کہ اب تو میرے گھر نہیں جائے گی، اگر جائے گی، تو ٹانگیں کاٹ دوں گا، اپنا سامان منگالے اور اپنے باپ کو ٹیلیفون پر بلا لڑکی نے باپ سے کہا وہ بہت غصہ میں ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں؛ چنانچہ جب باپ نے فون پر بات کی تو باپ سے بھی نہایت تلخ اور بدتمیزی کے لہجے میں کہا (لڑکی کا نام لے کر) کہ ’’میں اس کو چھوڑ چکا ہوں، وہ میرے نکاح میں نہیں ہے، اپنا سامان لے آؤ‘‘ اس کے بعد نہ وہ میرے گھر جائے گی اور نہ تم جاؤ گے، باپ نے وجہ سمجھنے کی کوشش کی، تو پھر وہی نام لے کر کہا کہ وہ میرے نکاح میں نہیں ہے، اپنا سامان اٹھا لو، باپ نے پھر کہا کہ سوچ سمجھ کر بات کرو، تمہیں ہو کیا گیا ہے، اسی پر کہا کہ میں ہوش میں ہوں، جو کچھ کہہ رہا ہوں صحیح ہے، اپنا سامان وہاں سے اٹھا لو آئندہ نہ تمہاری بیٹی وہاں جائے گی اور نہ آپ جاؤ گے، میں طلاق نامہ بھیج رہا ہوں۔

باپ نے اس رشتہ کے درمیانی ذمہ داروں کے علم میں لانے کے لئے ٹیلیفون کی کل گفتگو قلم بند کر کے اپنی بیوی اور بڑی بیٹی کو بھیجی، یہ خبر پہونچتے ہی ہر مرد اور عورت اور خود اس کی ماں، بھائی، بہن سب ہی اس شخص پر لعن وطعن کرنے لگے اور بے انتہا شرمندگی اور افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ لوگ ابھی صبر کریں اس کی تحریر آجانے دیں، اس واقعہ کے دو دن گذرے تھے کہ پھر ٹیلیفون آیا، اس وقت لڑکی کی ماں سے نہایت بیہودگی کی بات کی اور پھر لڑکی کا نام لے کر کہا کہ میں اس کو چھوڑ چکا ہوں، وہ میرے نکاح میں نہیں ہے، اب وہ وہاں نہیں جائیگی اپنا سامان منگالو۔

اب سوال یہ ہے کہ شوہر کے ان الفاظ پر طلاق کس طرح کی ہوئی؟ اس سلسلہ میں وضاحت فرمادیں تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جائے، لڑکی کے سسرال والے کچھ لاپرواہ مزاج کے ہیں، جو طلاق جیسے نازک مسئلہ کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے؛ لیکن لڑکی اور اس کے خاندان کے سب ہی لوگ پابند شرع ہیں۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ مذکورہ شخص سعودی عرب میں معمولی ملازم ہے اور دو سال سے پہلے اپنی ملازمت چھوڑ کر نہیں آسکتا، اس کے آنے میں ایک سال چند ماہ باقی ہیں۔

اب موجودہ حالات میں سامان لانے یا کسی مالی ضرورت سے لڑکی اپنے باپ کے ساتھ اپنی سسرال جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس طرح کہ باپ کے ساتھ ہی واپس ہوجائے؟

المستفتی: سید طیب حسن زیدی، کانٹھ دروازہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوڑ چکا ہوں کا لفظ ہمارے عرف میں طلاق کے لئے متعارف ہے، اس سے طلاق صریح رجعی واقع ہوتی ہے اور مذکورہ صورت حال میں دو مرتبہ اس نے یہ الفاظ بیوی سے کہے ہیں؛ لہٰذا اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کی گنجائش ہے اور اس کے علاوہ لڑکی کے باپ وغیرہ سے جو کہا ہے، وہ سب پہلے کی خبریں ہیں؛ اس لئے ان سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ لہٰذا مذکورہ تمام واقعہ میں صرف دو طلاق رجعی واقع ہوئی ہیں۔

”رها كردم“ أي سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/ ۲۹۹، زكريا ٤/ ٥٣٠)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا ۱/ ٤٧٠ جديد زكريا ۱/ ۵۳۳، قدوري امدادية ديوبند ۱۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

''میں نے تم کو چھوڑا، چھوڑا، چھوڑا'' کہنے کا حکم

سوال [۶۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر نے پہلی جون کو مجھ سے کہا کہ ''میں نے تم کو چھوڑا، چھوڑا، چھوڑا'' پھر کہا کہ تم جاؤ تم کو چھوڑا اب دوسری شادی کر کے لاؤں گا، پھر جب بعد میں ان سے کہا گیا کہ آپ نے ایسا ایسا کہا ہے، تو وہ قسمیں کھا رہے ہیں کہ میں نے یہ سب کچھ نہیں کہا ہے، تم لوگ جھوٹ بول رہے ہو، میں بہت پریشان ہوں کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہوگا، میرے شوہر کی عمر ۸۰ر سال اور میری عمر ۵۰ر سال ہے، میں ان کی دوسری بیوی ہوں اور ان کو سات سال سے فالج کا اثر ہے، داہنا ہاتھ اور پیر بیکار ہے، بستر پر ہی پیشاب وغیرہ کرتے ہیں اور ان کا سب کام میں کرتی ہوں۔ اب میں کیا کروں آپ اس کا مسئلہ بتا دیجئے ؛ کیونکہ میں اللہ سے ڈرتی ہوں کہ آخرت میں پکڑ نہ ہو، طلاق میں کنائی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اور اس وقت طلاق کا ذکر نہیں ہو رہا تھا، پھر اس کے بعد شوہر طلاق کا منکر ہو گیا، سوائے بیوی کے کوئی گواہ نہیں ہے؛ لیکن بیوی دیندار ہے۔

المستفتیة: خادمہ جامعۃ الصالحات، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہمارے عرف میں چھوڑا کا لفظ بیوی کے حق میں طلاق کے لئے مستعمل ہے؛ اس لئے اس سے طلاق صریح واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں جبکہ آپ نے اپنے کان سے تین مرتبہ شوہر کی زبان سے چھوڑا کا لفظ سن لیا ہے، تو اس سے آپ پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، اب آپ کا اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر آپ نے نہیں سنا اور شوہر انکار کر رہا ہے، اور گواہ بھی موجود نہیں ہیں، تو شوہر کا قول معتبر ہوگا اور آپ کو جانا چاہئے۔

سرحتک وهو "رہا کردم" لأنه صار صريحاً في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/۲۹۹، زكريا ٤/٥٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ر صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۳۵/۳۲)

لفظ چھوڑ دی تین مرتبہ کہنے کا حکم

سوال [۶۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا اپنے بچوں کو لے کر بیوی سے جھگڑا ہوا، میرا خالہ زاد بھائی میری بیوی کو لے کر جانے لگا، ''میں نے کہا واپس چلی آ'' وہ واپس آنے لگی، مگر خالہ زاد بھائی نے کہا کہ تو چل میں دیکھ لوں گا وہ چلی گئی، میں نے ڈرانے اور دھمکانے کے لئے یہ کہہ دیا کہ'' چھوڑ دی، چھوڑ دی، چھوڑ دی'' تین بار اب وہاں موجود لوگوں نے ہنگامہ کر دیا کہ طلاق ہوگئی اور بیوی کو عدت میں بٹھا دیا، میں نے زبانی طور پر معلومات کی تو معلوم ہوا کہ اس میں گنجائش ہے، آپ سے درخواست ہے اس مسئلہ میں شریعت کے فیصلہ سے آگاہ فرمادیں۔

المستفتی: مہرالدین، چاند پوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقع اختلاف اور گرما گرمی کی حالت میں بیوی کے لئے ''چھوڑ دی'' کا لفظ استعمال کرنا ہمارے عرف میں طلاق کے لئے ہوتا ہے؛ لہٰذا جب چھوڑ دی کا لفظ بیوی کے لئے تین مرتبہ استعمال کیا ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اب بدون حلالہ شرعیہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

فإذا قال: "رہا کردم" أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/۲۹۹، زكريا ٤/٥٣٥)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هندية، زكريا ۱/۴۷۳، جديد زكريا ۱/۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ /۱۰۴۷۴)

لفظ ''چھوڑ دیا'' وقفہ وقفہ سے تین مرتبہ کہنا

سوال [۶۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی دس بارہ سال پہلے ہوئی تھی، اسی دن سے میرا نباہ بیوی سے نہیں ہو پارہا ہے، جس کی وجہ سے تقریباً پانچ چھ سال پہلے ایک طلاق دے چکا ہوں جو کہ مجھ کو بتلایا گیا کہ رجعی ہے اور ہم لوگ باہم آپس میں رہتے رہے، اب دوبارہ پہلے تقریباً آپسی اختلاف کی بناپر پھر طلاق دی تو ہم لوگوں کو بتلایا گیا کہ رجوع کرلو، اور ہم لوگ پھر باہم رہتے رہے۔ اب ۲۰ رستمبر ۲۰۰۵ء کو آپس میں اختلاف ہوا اور کشیدگی بہت بڑھ گئی، جس کی بناپر ہم دونوں لڑکی کی سگی پھوپھی کے یہاں گئے؛ لیکن وہاں بھی حالات نہیں سدھر سکے، جس کی وجہ سے میں نے سب کے سامنے یہ کہا کہ ہمارے ان کے رشتہ میں گنجائش نہیں رہی۔ اب آپ اس رشتہ کو ختم سمجھیں میں ان کو چھوڑ رہا ہوں، یہ باتیں سگی پھوپھی کے سامنے کہیں اور بیوی کو چھوڑ کر دوکان پر آگیا، پھر میں نے پھوپھی صاحبہ کو فون کیا اور یہ فون پر کہا کہ آپ رشتہ کو ختم سمجھیں، میرے یہاں نہ بھیجیں اور والدہ کو فون کر کے بتادیں؛ لیکن وہ میرے گھر آگئی مہربانی کر کے شریعت کی رو سے بتادیں کہ کیا کروں؟

المستفتی: سعود اشرف، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہمارے عرف میں شوہر کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ میں نے

تجھ کو چھوڑ دیا، طلاق صریح کے حکم میں ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جب شوہر وقفہ وقفہ سے دو مرتبہ طلاق صریح دے چکا ہے اور اب چھوڑ دیا سے تیسری طلاق صریح ہوئی؛ لہٰذا تین طلاق شمار کر کے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ شوہر پر بالکلیہ حرام ہوگئی، آئندہ بغیر حلالہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

''رهاكردم'' أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ (قوله وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق، من أي لغة كانت . (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩ جديدزكريا ١/ ٥٣٥)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، زكريا جديد ١/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۸۹۳۲)

''چھوڑ رہا ہوں'' کے لفظ سے طلاق

سوال [۶۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مولوی رشید احمد صاحب کی دختر آمنہ خاتون کو چھوڑ رہا ہوں، اور یہ کام بہت ہوش میں کر رہا ہوں اور میں اس کی مہر کے ۷۸۶ روپیہ بھی ادا کرنیکا وعدہ کرتا ہوں اور جو جہیز دیا گیا تھا، وہ بھی لسٹ کے حساب سے دینے کو تیار ہوں اور جو سامان ختم ہوگیا، اس کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں، باقی میں بہت گنہگار ہوں اور میں نے آمنہ پر بہت ظلم کیا ہے یہ سب گناہ میرے سر پر ہیں اس لئے بس اب ظلم کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ اب رہا عائشہ کا مسئلہ تو عائشہ اپنی ماں کا دودھ نہیں پیتی ہے، اس کا ذمہ دار میں خود ہوں،

میں اس کو ابھی لیجانا چاہتا ہوں، شوہر کی اس تحریر سے شرعی حکم کیا لاگو ہوگا؟

المستفتی: محمد ابراہیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھوڑ رہا ہوں کے لفظ سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے؛ اس لئے کہ لفظ چھوڑ دیا، ہمارے عرف میں طلاق کے لئے بولا جاتا ہے۔

نیز صیغۂ حال سے طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا عدت کے اندر اندر رجعت کر کے اور عدت کے بعد بلا حلالہ نکاح کر کے بیوی بنا کر رکھنا جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳۲/۴، ڈابھیل ۳۴۰/۱۲)

عن ابن عباس، وعن مرة عن عبد الله، وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله: الطلاق مرتان: قال هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسک ويراجع بمعروف الخ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ٢٨١/١١، رقم: ١٥٥٣٩)

”رها كردم“ أي سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٥٣٠/٤، كراچي ٢٩٩/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ / ۳۹۷۷)

”آزاد کردیا“ کا لفظ عرف میں بیوی کے حق میں طلاق رجعی ہے

سوال [۶۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے بیوی سے کہا کہ ”میں نے تجھے آزاد کردیا“ تو اس سے طلاق رجعی صریح واقع ہوگی یا طلاق کنائی بائن؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی سے کہا کہ ”میں نے تجھے آزاد کردیا“ تو اس سے بیوی پر ایک طلاق رجعی صریح واقع ہوگئی؛ اس لئے کہ آزاد کردیا کا لفظ بیوی کے حق میں عرف میں طلاق ہی کے لئے مستعمل ہے۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۲۸۲/۱۸، ڈابھیل ۳۳۴/۱۲)

ولو قال الرجل لامرأته: ”ترا جنک بازداشتم“ ”أو بهشتم، أو ”يله كردم ترا“ فهذا كله تفسير قوله: طلقتك عرفاً حتى يكون رجعياً ويقع بدون النية، كذا في الخلاصة. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل السابع في الطلاق بالالفاظ للفارسية، مكتبه زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ديوبند ١/٤٤٧)

فإذا قال: ”رها كردم“ أي سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً؛ لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق. (شامي، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/ ٢٩٩)

صريحه مالم يستعمل إلا فيه، ولو بالفارسية، فما لا يستعمل فيها إلا في الطلاق فهو صريح يقع بلا نية. (شامي، كراچي٣/ ٢٤٧، زكريا ٤/ ٤٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۲۶/۴۰)

”دل سے تو میری بیوی آزاد ہے“ کہنا

سوال [٦٢٨٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کے چچا، چچی کی موجودگی میں لڑکی کے بارے میں زید کا اپنی بیوی سے کچھ

جھگڑا ہوا، جس کی بناء پر زید کی بیوی اپنی میکہ چلی گئی، چوتھے دن جب زید اپنی پھوپھی کے گھر سسرال پہونچا، تو ان کے گھر لڑکی کے چچا، چچی دونوں موجود تھے، ان سے کچھ زید کی بول چال ہوگئی، جس میں زید نے اپنی بیوی کو ان کے سامنے یہ کہہ دیا کہ دل سے تو میری بیوی آزاد ہے، اور جب لڑکی کے باپ چاہیں تو زبان سے بھی کہلوالیں، اس کے بعد لڑکی کی دوسری چچی آگئی اور ان کو زید سے بات کرنے سے قبل ہی اس بات کا پتہ چل گیا۔ اب ان کی خود زید سے بات ہوئی، تو پھر زید نے کہا کہ ہاں میں نے دل سے اسے آزاد کردیا اور میں چاند رات کو پرچہ لکھ کر بھیج دوں گا، اتنے میں اس بات کا شور ہوا، تو پڑوس میں سے کسی عورت نے دیوار پر کھڑے ہوکر معلوم کیا کہ کیا ہوا؟ تو زید نے کہا کہ ”میں نے دل سے اسے آزاد کردیا“ اس کے باپ جہاں چاہیں شادی کردیں۔ اب اس صورت مسئولہ میں شرعی حکم بتائیں۔

المستفتی: محمد قاسم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چچا، چچی کے سامنے یہ جو کہا کہ دل سے تو میری بیوی آزاد ہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، اس کے بعد الگ الگ مواقع میں دو مرتبہ لوگوں سے جو کہا ہے، وہ پہلی مرتبہ کی خبر ہے اور خبر سے کوئی طلاق نہیں پڑتی؛ لہٰذا مذکورہ بالا پوری صورت حال میں صرف ایک طلاق واقع ہوئی، عدت کے اندر رجعت کر کے رکھ سکتا ہے اور آزاد کے لفظ سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۴۲۵)

”رھا کردم“ أي سرحتک یقع به الرجعي. (شامي، کتاب الطلاق، باب الکنایات، زکریا ٤/ ٥٣٠، کراچي ٣/ ٢٩٩)

إذا قال الرجل لامرأته: ”بهشتم ترا از زني“ فاعلم بأن هذه اللفظة استعملها أهل خراسان وأهل العراق في الطلاق، وأنها صریحة عند أبي یوسفؒ حتی کان الواقع بها رجعیاً ویقع بدون النیة.

(هندیة، کتاب الطلاق، الباب الثاني في إیقاع الطلاق، الفصل السابع في الطلاق

بالألفاظ الفارسية، قديم ۱/ ۳۷۹جديد۱ /٤٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال المکرم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۹۹۷)

آزاد کرتا ہوں سے طلاق

سوال [۶۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام شبانہ پروین ہے، میری شادی ۱۸؍مئی ۲۰۰۴ء کو شعیب علی کے ساتھ ہوئی تھی، دو مہینے میں اپنے شوہر کے پاس رہی، اس کے بعد اب تک اپنے والد کے ساتھ رہ رہی ہوں۔ ۲۷؍اکتوبر ۲۰۰۹ء کو رات دس بجے کے وقت میرے شوہر نے فون کر کے مجھ سے کہا کہ میں اپنے پورے ہوش وحواس میں تمہیں آزاد کرتا ہوں، پھر دوبارہ فون کر کے انہوں نے کہا کہ میں نے تمہیں ایک طلاق دیدی ہے، اپنے گھر میں مشورہ کر لو باقی دو طلاقیں میں تمہیں بعد میں دے دوں گا، تو تم میرے نکاح سے باہر ہو جاؤ گی۔ اب آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتية: شبانہ پروین، جامع مسجد، وارثی نگر، گلی-۱، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آزاد کرتا ہوں کا لفظ طلاق دیتا ہوں کے معنی میں ہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، اس کے بعد فون پر جو یہ کہا ہے کہ میں نے تمہیں ایک طلاق دیدی ہے، اس سے اگر شوہر نے یہ مراد لیا ہے کہ پہلے جو طلاق دی ہے اس کی خبر دے رہا ہوں، جیسا کہ آگے کے الفاظ ''میں تم کو دو طلاق بعد میں دیدوں گا'' سے یہی معلوم ہو رہا ہے، تو اس سے پہلی طلاق کی خبر دینا مقصود ہے؛ لہٰذا پہلے والے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے؛ البتہ عدت کے اندر اندر رجعت کر کے دونوں کے ایک

ساتھ رہنے کی گنجائش ہے۔(مستفاد: احسن الفتاوی ۵/۱۵۵، امداد الفتاوی ۲/۴۲۵)

وهو كأنت طالق، ومطلقة، وطلقتک، وتقع واحدة رجعية. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، زكريا ۱/ ۳٥٤جديد ۱/ ٤٢٢)

"فإن سرحتک" كناية؛ لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: "رها كردم" أي سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/ ٢٩٩، فتاوى محموديه جديد ١٢/ ٣٥٢، ٣٥٩)

ولو قال لامرأته: أنت طالق، فقال له رجل ما قلت؟ فقال: طلقتها، أوقال! قلت: هي طالق، فهي واحدة في القضاء. (هندية، زكريا ١/٣٥٥، جديد١/ ٤٢٣، شامي، زكريا٤/ ٥٢١، كراچي٣/ ٢٩٣)

لأن كلامه انصرف إلى الإخبار. (بدائع الصنائع، زكريا٣/ ١٦٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۱۷/۳۸)	۱۴۳۰/۱۱/۲۳ھ

تجھے آزاد کردیا

سوال [۶۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے انور حسین نے سخت غصہ میں اور دماغی الجھن کی حالت میں اپنی بیوی عرشی ناز سے یہ جملہ دو مرتبہ کہہ دیا کہ ''تجھے آزاد کردیا'' اس جملہ کو کہنے کے بعد میرے لڑکے کو اپنے کئے پر افسوس بھی ہے اور اب دونوں میاں بیوی الگ الگ کمرہ میں رہ رہے ہیں، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ مذکورہ جملہ کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی تو بیوی کو دوبارہ رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتیة: فریدہ بیگم، چکر کی ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’آزاد کردیا‘‘ کا لفظ ہمارے عرف میں جب بیوی کے لئے بولا جاتا ہے، تو طلاق ہی کے لئے متعین ہو جاتا ہے؛ لہٰذا تجھے آزاد کردیا کے لفظ سے طلاق صریح واقع ہوگئی ہے، اور یہ ایسا ہے جیسا کہ تجھے طلاق دیدی کہہ دیا ہو، جب دومرتبہ یہ لفظ کہہ دیا ہے، تو اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی جیسے رہنے کی گنجائش ہے، مگر یاد رہے کہ آئندہ جب بھی ایک مرتبہ ایسا کوئی لفظ زبان سے استعمال کرے گا، جس سے طلاق مان لی جاتی ہے، تو بیوی بالکل حرام ہوجائے گی۔

فإذا قال: ”رهاكردم“ أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق، وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/۲۹۹، زكريا ۴/۵۳۰)

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق زيلعي. (شامي، كراچي ۳/۲۵۲، زكريا ۴/۴۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۲۹ھ

میں نے آپ کو آزاد کردیا

سوال [۶۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی سائرہ بانو سے کہا ’’سائرہ میں نے آپ کو طلاق دیدی، میں نے آپ کو آزاد کردیا‘‘ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس سے کتنی طلاق ہوئیں؟

المستفتی: انصار عرف، شبو، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی سائرہ پر دوطلاقیں واقع ہوگئیں، ہمارے عرف میں لفظ ''آزاد کردیا'، طلاق کے لئے بیوی کے حق میں استعمال ہوتا ہے؛ اس لئے دوطلاقیں واقع ہوگئیں، عدت گذرنے کے بعد بیوی شوہر کے نکاح سے مکمل آزاد ہوجائیگی اوراس کوحق ہوگا کہ دوسری جگہ نکاح کرلے۔

عن عبد الله وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان: قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم:۱۵۵۳۹)

قوله: سرحتک "رهاكردم" لأنه صار صريحاً في العرف (وقوله والصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/٢٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال المکرم ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۹۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۰/۱۴ھ

میں نے تجھے اپنے نکاح سے آزاد کیا

سوال [۶۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے اس کی رضامندی سے بغیر کسی زور وجبر کے تین مرتبہ یہ جملہ کہا کہ ''میں نے تجھے اپنے نکاح سے آزاد کردیا، میں نے تجھے اپنے نکاح سے آزاد کردیا، میں تجھے اپنے نکاح سے آزاد کردیا' اس کے علاوہ زید نے تحریرا بھی لکھ دیا،

جواستفتاء کے ساتھ ملحق ہے، پھر اس کے بعد ہندہ نے بھی تین دفعہ کہا کہ میں نے بھی اپنا مہر معاف کردیا، تو اس طرح ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو عدت کتنے دن گذار نے کے بعد ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟ اور یہ واقعات چند گواہوں کی موجودگی میں ہوئے ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شفیق، اسمٰعیل روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے عرف میں لفظ آزاد کر دیا بیوی کے حق میں طلاق کے لئے بولا جاتا ہے؛ اس لئے مذکورہ الفاظ سے ہندہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہیں، اب ہندہ تین حیض کی عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور چونکہ ہندہ نے اپنا مہر گواہوں کے سامنے ہی معاف کر دیا ہے؛ اس لئے وہ اب زید سے مہر طلب نہیں کر سکتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۴۲۵، محمودیہ قدیم ۸/۱۰۳، جدید ڈابھیل ۱۲/۳۵۸)

قوله: سرحتک وهو ''رها کردم'' لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري، (انتهىٰ) فإذا قال: ''رها كردم'' أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/ ٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۷۰)

جاؤتم کا آزاد کر دیہن

سوال [۶۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید نے اہلیہ سے بحالت غصہ تین سے زائد مرتبہ کہا کہ ”جاؤتم کا آزاد کردیہن“ تم کا جہاں جائیک ہوجاؤ، تم ہمری ہیون نہ آؤ، (یہ بات تخلیہ میں کی گئی کوئی تیسرا نہیں تھا) اس واقعہ کے بعد یہ بات آئی گئی، ہوگئی اور تقریباً پندرہ یوم تک زوجین کے مابین ہی محدود رہی، ایک معاملہ پیش آنے پر زید کی اہلیہ نے دیگر باتوں کے ساتھ اس بات کا بھی ذکر ضمنی طور پر میکہ والوں سے کیا،لڑکی کے میکے والے اہل علم تھے، اس جملے پر چونک گئے ،لڑکی سے پوچھا کہ اب تک اس بات کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ لڑکی نے (حیرت واستعجاب سے) جواب دیا کہ کیوں؟ اس سے کیا ہوا؟

لڑکی کی ہمشیرہ کلاں نے برائے تحقیق فون پرلڑکی سے کہا کہ پوچھو، یہ جملے کیوں کہے تھے؟ لہٰذا اہلیہ کے معلوم کرنے پر زید نے کہا کہ کیوں؟ بس ایسے ہی کہا تھا، میں غصے میں تھا، بعدہ لڑکی والوں نے زید اور زید کے گھر والوں کو بلایا اور دونوں طرف کے چند اشخاص کی موجودگی میں اس واقعہ کی تحقیق چاہی ،تو زید نے آزاد کردی ہیں اور دیا کے لفظ میں پس وپیش اور تردد ظاہر کرتے ہوئے اقرار کرلیا اور قسم کھالی کہ ہمار علم میں نہیں تھا کہ ان الفاظ سے کیا ہوسکتا ہے؟ اور نہ ہی میرا طلاق کا ارادہ تھا؛ بلکہ بیوی کے میکہ جانے کے جملے پر جھلا کر یہ جملے کہے تھے، اور یہ بات اللہ کو حاضر وناظر سمجھ کر کہتا ہوں۔

نوٹ: (۱) واقعہ ہے کہ زید اور اس کی اہلیہ اس طرح کے مسائل سے ناواقف ہیں۔

(۲) زید کی اہلیہ تقریباً تین ماہ کے حمل سے ہے۔

(۳) مذکورہ جملے ایک ہی نشست میں ادا کئے گئے۔

(۴) واقعہ کسی سے ذکر نہ کرنے کی وجہ زید نے بھی اپنی لاعلمی بتائی۔

(۵) اب وہ شرمندہ ہیں ایک دوسرے سے رجوع کرنا چاہتے ہیں۔

برائے کرم التماس ہے کہ اس مسئلہ میں شرعی فیصلہ سے آگاہ فرمائیں تاکہ شریعت مطہرہ سے انحراف نہ ہو۔عنداللہ ماجور ہوں گے۔

المستفتی: طرفین صاحبہ مسنونہ زبیر احمد عفا اللہ عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’آزادکردیا‘‘’’آزادکردیہن‘‘کےالفاظ بیوی کے واسطے طلاق ہی کے لئے متعارف ہیں؛ اس لئے اس سے طلاق صریح واقع ہوگئی ہے اورچوں کہ تین مرتبہ سے زائد کہا ہے؛ اس لئے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اورحالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور مسئلہ معلوم نہ ہونا وقوع طلاق کے لئے رکاوٹ نہیں ہے؛ اس لئے بیوی زید کے اوپر قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے؛ لہٰذا بغیر حلالہ شرعی کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہوگا؛ اس لئے اگر ساتھ میں رہنا چاہیں تو شرعی حلالہ کا جو طریقہ ہے، اس کے ساتھ نکاح کر کے رہ سکتے ہیں۔

”فإن سرحتک“ كناية؛ لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ”رها كردم“ أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق، وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/ ۲۹۹، زكريا ٤/ ٥۳۰)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، الباب السادس فى الرجعة وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، زكريا جديد ديوبند ۱/ ٥۳٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱۰/ ۱۴۳۴ھ

’’نکاح سے آزادی دیتا ہوں‘‘ کے الفاظ سے طلاق

سوال[۶۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ مہربان خاں نے اپنی بیوی رابعہ پروین کو اس کے دماغی خلل کی وجہ سے طلاق دیدی، اور الفاظ یہ استعمال کئے کہ میں مہربان خاں اپنی بیوی رابعہ پروین کو اس کے دماغی خلل کی وجہ سے اپنے نکاح سے آزادی دیتا ہوں اور اس کا اب میری زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوگا اور میں ان کا دین مہر ادا کروں گا، وہ جب چاہے مجھ سے لے سکتی ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ مذکورہ صورت میں کونسی طلاق واقع ہوئی؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد فرحان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح سے آزادی دیتا ہوں کے الفاظ ہمارے عرف میں طلاق ہی کے لئے بیوی کے حق میں بولے جاتے ہیں؛ اس لئے اس سے طلاق صریح رجعی واقع ہوگئی ہے۔

”رها كردم“ أي سرحتك يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٢٩٩، زكريا ديوبند ٤/٥٣٠)

اس کے بعد دوسرا جملہ کہ اس کا میری زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوگا؛ چونکہ اس سے قبل ذکر طلاق آچکا ہے؛ اس لئے اس جملہ سے بلانیت ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ اب دونوں مل کر دو طلاق بائن واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر یا عدت کے بعد جب بھی چاہے بلا حلالہ دوبارہ نکاح کر کے رکھنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ٢/٤٣٩، فتاوی دارالعلوم دیوبند ٩/٤٤٢)

الصريح يلحق الصريح، ويلحق البائن بشرط العدة. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/٣٠٦، زكريا ٤/٥٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣/ذی الحجہ ١٤١٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٣/٥٥٥١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٣/١٢/١٤١٨ھ

تین مرتبہ شوہر کا ''آزاد کر دیا'' کہنا

سوال [۶۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید باہر سے آیا تو زید کی والدہ اور زوجہ میں تنازعہ ہورہا تھا، زید نے بیوی کو خاموش ہونے کے لئے کہا اور کہا کہ جھگڑا ختم ہوجائے گا اپنے گھر چلی جا؛ لیکن وہ نہیں گئی، تو زید نے غصہ میں کہا کہ ''آزاد کرا، آزاد کرا، آزادر کرا'' تو زید کی بیوی کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: زاہد حسین، شاہ آباد، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آزاد کردیا کا لفظ ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں طلاق کے لئے بولا جاتا ہے؛ اس لئے اس سے طلاق صریح رجعی واقع ہوجاتی ہے اور تین مرتبہ کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

إن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت الخ سرحتك وهو "رهاكردم" لأنه صار صريحاً في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/ ٢٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۴ھ

لفظ ''آزاد کرتا ہوں'' سے طلاق کا حکم

سوال [۶۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اظہر محمود خان نے پورے ہوش وحواس کے ساتھ اپنی مرضی سے اپنی بیوی اسماء

خانم بنت محمد عتیق خاں کو گواہوں کے روبرو آزاد کرتا ہوں کہا تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میری بیوی کو کونسی طلاق ہوئی ؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: اظہر محمود خاں، عاصم بہاری اسکول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کے لئے آزادی کا لفظ عرف میں طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت کے اندر آپ رجعت کر سکتے ہیں۔

فإذا قال: "رها كردم" يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/۲۹۹، زكريا ٤/٥٣٠)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أوتطليقتين فله أن يراجعها في عدتها . (عالمگيري، الباب السادس فى الرجعة و فيما تحل به المطلقة و مايتصل به زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد زكريا ديو بند ١/٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۱۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۳ھ

''تم میری طرف سے آزاد ہو،، سے طلاق

سوال [۶۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے یوں کہے کہ میں تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور شوہر یوں کہے کہ تم جاسکتی ہو، میری طرف سے تم آزاد ہو، اس صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ندیم، کھوکھران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آجکل کے عرف میں آزادی کا لفظ طلاق ہی کے لئے

استعمال ہوتا ہے؛ لہٰذا میری طرف سے آزادی کے لفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔
(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۰/۷۰۴، جدید ڈابھیل ۱۲/۵۱۵)

"فإن سرحتک" كناية؛ لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: "رها كردم" أي سرحتك يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ۳/۲۹۹، زكريا ۴/۵۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۶۸)

''اپنی زوجیت سے آزاد کرتا ہوں،، سے طلاق

سوال [۶۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھ محمد حسن خاں کے تعلقات اپنی بیوی مسماۃ سیما خاں سے بہت خراب ہوچکے ہیں؛ اس لئے آج ۲۳/ اپریل ۱۹۹۱ء کو میں محمد حسن خاں اپنی پہلی بیوی سیما خاں کو طلاق قطعی دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے آزاد کرتا ہوں، یہ تحریری طلاق نامہ بطور یادداشت مسماۃ سیما کو دے رہا ہوں۔

المستفتی: محمد حسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں مسماۃ سیما خاں پر شرعی طور پر طلاق واقع ہوچکی ہے اور جب ۲۳/ اپریل ۱۹۹۱ء میں طلاق دی ہے، تو سیما خاں کی عدت بھی پوری ہوچکی ہے؛ اس لئے اب سیما خاں اپنی مرضی سے کسی سے دوسرا نکاح کر کے باعصمت زندگی گذار سکتی ہے۔

عن عبد الله وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان: قال هو الميقات الذي يكون عليها

فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة أو ثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم:۱۵۵۳۹)

ويجوز لها أن تزوج بآخر إن كان قد طلقها الخ. (عالمگيري، الباب الثالث عشر فى العدة زكريا ۱/ ۵۲۸ جديد زكريا ۱/ ۵۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۸/۹ھ

”میں نے آزاد کردیا“ کے لفظ سے طلاق

سوال [۶۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے ایک بیوہ عورت سے عدت پوری کرنے کے بعد شرعی طور سے نکاح کیا، دوسری عورت جس کی شادی ہوگئی تھی؛ لیکن اس کو طلاق نہیں ہوئی تھی، اس نے اسی آدمی کے ساتھ کورٹ کے ذریعہ سے شادی کی، جب اہل بستی کو معلوم ہوا تو لوگوں نے اس پر زور دیا کہ آپ دونوں کو آزاد کردیں ورنہ فساد ہوگا؛ لہٰذا اس آدمی نے مجبور ہوکر کہہ دیا کہ میں نے آزاد کردیا، صرف ایک مرتبہ کہا؛ لہٰذا واضح طور پر لکھیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: مطلوب حسین، معصوم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی عورت کا نکاح صحیح اور درست ہے اور آزاد کردیا کے لفظ سے اس پر ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے، اور دوسری عورت سے نکاح ہی نہیں ہوا ہے، وہ اس کے حق میں اجنبی عورت ہے، اس کے ساتھ رہنا زنا کاری ہے۔

”رھا کردم“ أي سرحتک يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ۴/ ۵۳۰، كراچي ۳/ ۲۹۹)

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلاً. (شامي، كراچي ٣/١٣٢، زكريا ٤/٢٧٤، خانية على هامش الهندية، باب في المحرمات زكريا قديم ١/٢٢١، زكريا جديد ١/٣٦٦، هندية،القسم السادس :المحرمات التى يتعلق بهاحق الغير ١/٢٨٠،جديد زكريا ١/٣٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر:الف۳۲؍۴۵۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵؍۷؍۱۴۱۶ھ

لفظ آزاد اور لفظ طلاق کے ذریعہ طلاق دینے کا مسئلہ

سوال [۶۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی میں کسی بات پر ناراضگی ہوئی، زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ ’’تو آزاد ہے ہم سے، میں نے تجھے طلاق دی‘‘ یہ لفظ دو مرتبہ کہا وہاں پر زید کے لڑکے اور پوتے بھی موجود تھے، زید کی بیوی کا بھائی بھی موجود تھا، یہ الفاظ ان لوگوں نے بھی سنا زید کی عمر اس وقت تقریباً ستر سال ہے اور بیوی کی قریب ۶۵؍سال ہے، اس واقعہ کو قریب ایک ماہ گذر چکا ہے۔ جواب سے مطلع فرمائیں شرعی حکم کے مطابق زید کو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: شرافت حسین، مین پوری، اٹاوہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آزاد کا لفظ ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں طلاق صریح کے لئے بولا جاتا ہے؛ لہٰذا اس سے ایک طلاق ہوگئی اور اس کے بعد لفظ طلاق دو مرتبہ بولا گیا؛ لہٰذا اس سے دو طلاق ہوگئیں۔ اب کل ملا کر تین طلاق، طلاق مغلظہ واقع ہو چکیں؛ لہٰذا بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی نہیں کرسکتا۔

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان: قال هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (السنن الكبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨١-٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩)

"رها كردم" لأنه صار صريحاً في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۵۹۳)

''میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، میں نے آزاد کردیا،، سے طلاق

سوال [۶۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے نکاح کو تقریباً دوسال سے زائد گذر چکے ہیں، کسی آپسی اختلاف کی بنیاد پر زید اپنی منکوحہ سے ایک برس سے علیحدہ ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، نہ میرا اس سے نکاح ہوا، اور یہی بیان وہ عدالت میں تحریری طور پر بھی دے چکا ہے۔

نیز رسیدات (ثبوت نکاح) وغیرہ لڑکے نے چالاکی سے تلف کردی ہیں، یاد رہے کہ اس نکاح میں لڑکی کے والد مرحوم وکیل اور لڑکی کے دو بھائی گواہ ہیں، پیار کی بنیاد پر یہ شادی ہوئی تھی۔ نیز لڑکی کہتی ہے کہ تقریباً چھ ماہ قبل زید نے میرے لئے لفظ طلاق بھی استعمال کیا تھا؛ لیکن اس کے پاس کوئی گواہ شرعی موجود نہیں ہے، نہ یہ وضاحت کہ کون سے الفاظ سے طلاق دی تھی، نیز لڑکا یہ بھی کہتا ہے کہ میں نے تجھ کو شرعی طور پر آزاد کیا۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں لڑکی کے لئے مشعل راہ کے طور پر جواب عنایت فرمادیں جس سے یہ معلوم

ہو کہ آیا لڑکی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ یا لڑکے کے ان الفاظ سے کیا شکل پیش آئی ہے؟ آیا ان الفاظ کی بنیاد پر لڑکی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محفوظ الرحمٰن، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شرعی گواہوں کے ذریعہ زید کا نکاح ثابت ہو جائے، تو اس کے انکار نکاح سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وإن قال: لم أتزوجک ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالإجماع.

(عالمگیري، زکریا ۱/۳۷۵، زکریا جدید ۱/٤٤٢)

البتہ زید کا یہ کہنا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، میں نے تجھ کو شرعی طور پر آزاد کیا، تو ان سے دو طلاق رجعی واقع ہوں گی؛ اس لئے کہ یہ دونوں الفاظ عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہیں اور لڑکی عدت گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

لفظ ”آزاد کردن“ من الصریح عندي في عرف أهل الهند، لایطلقونه على النساء إلا في معنى الطلاق. (امداد الأحکام ٤/١٦)

وفي البدائع: کوني حرة واعتقي مثل أنت حرة، ککوني طالقاً مثل أنت طالق. (البحر الرائق، زکریا ۳/٥٢٤، کوئٹہ ۳/۳٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۶۴۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۲؍۱۴۲۱ھ

”تو میری طرف سے آزاد ہے“، ایک مرتبہ کہنے سے طلاق

سوال [۶۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی اس کی مرضی کے خلاف گھر سے نکل کر آزادی سے گھومتی پھرتی ہے، اس بات پر دونوں میں تنازع بھی ہوتا رہتا ہے کہ ایک دن دونوں میاں بیوی

میں کسی بات پر تنازع ہوا، زید نے بلا طلاق کی نیت کے محض ڈرانے اور تنبیہ کرنے کے لئے اس کو یہ الفاظ کہہ دیئے کہ تو میری طرف سے آزاد ہے چلی جا اپنے باپ کے گھر، صرف ایک بار کہا تھا، بیوی نے یہ سمجھ لیا کہ زید نے اسے طلاق دیدی، اس نے اپنے اعزہ اقرباء میں اس بات کی خبر اور شہرت کر دی کہ مجھے طلاق ہوگئی ہے، اب میں آزاد ہوں اور وہ اب شوہر کے ساتھ رہنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہے، زید اس کو سمجھا رہا ہے کہ میں نے تجھے طلاق نہیں دی ہے اور یہ الفاظ صرف ڈانٹنے کے لئے کہے تھے، زید نے کچھ عالموں سے بھی یہ مسئلہ معلوم کیا، تو عالموں نے اس کو یہی بات بتائی یہ الفاظ کنایہ کے ہیں، اگر ان الفاظ کے کہنے میں طلاق کی نیت نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، زید کے اعزہ اقرباء نے یہ طے کیا ہے کہ فتوی منگا لیا جائے اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے؛ اس لئے محترم سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ کے جواب سے مشرف فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقیوم، ہلدوانی، لائن نمبر ۷، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ''تو میری طرف سے آزاد ہے،، کا جملہ ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں الفاظ صریح میں سے ہے، اس سے طلاق صریح رجعی واقع ہو جاتی ہے، بلا نیت استعمال کرنے سے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے، عدت کے اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے اور رجعت کا مطلب یہ ہے کہ شوہر بیوی سے یا دوسرے لوگوں سے کہہ دے کہ میں نے بیوی کو دوبارہ زوجیت میں واپس لے لیا ہے میں نے رجعت کر لی یا بیوی کے ساتھ ہمبستری ہو جائے۔

سرحتک وهو ''رها کردم'' لأنه صار صريحاً في العرف -وقوله- فإذا قال: ''رها كردم'' أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ أيضا.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

والرجعة أن يقول: راجعتک أوراجعت امرأتي وهذا صريح في الرجعة...... أويطأها، أويقبلها، أويلمسها بشهوة. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۳۹/۳۴)

''تو آزاد ہے نکل،، کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں دوکان سے گھر گیا، گھر جانے کے بعد میں نے کھانا کھایا، کھانے کے بعد میں نے بیوی سے کسی کام کو کہا وہ نہیں مانی، تو غصے میں منھ سے یہ الفاظ نکل گئے، جب تو نہیں مانتی ''تو تو آزاد ہے نکل،، اب دونوں اس بات پر بہت شرمندہ ہیں، یہ ہم نے کیا کیا بچوں کا کیا ہوگا؟ لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ فتویٰ نکال لیں کہ ہم ایک جگہ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ دونوں میاں بیوی راضی ہیں، آگے ہم سے کوئی غلطی نہیں ہوگی۔

المستفتی: محمد صغیر، محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ آزاد کردیا اور تو آزاد ہے کہنے سے ایک طلاق رجعی واقع ہوجاتی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں ''تو آزاد ہے،، کے لفظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اور نکل کے لفظ سے اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی، تو اس سے بھی ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور کل دو طلاق بائن ہوجائیں گی اور اگر نکل کے لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو اس سے کوئی طلاق نہ ہوگی اور صرف تو آزاد ہے کے لفظ سے ایک طلاق رجعی معتبر ہوگی اور عدت کے اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کا حق ہوگا۔

"رہا کردم" أي سرحتك يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

عن عبد الله وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨١-٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۷/ ۱۴۱۲ھ

"آزاد کردیا" سے طلاق

سوال [۶۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی کے باپ اور پڑوسی مظفر حسین میرے رشتہ دار اور گھر والوں پر پولیس کا دباؤ ڈال کر مجھ سے آزادی لینے آئے، میری بیوی موجود نہیں تھی، تو میں نے اپنی بیوی کے باپ سے کہا "میں اپنی بیوی کو آزاد نہیں کر رہا" اگر آپ زبردستی آزادی چاہتے ہیں تو اس کے عذاب وثواب کے ذمہ دار آپ ہوں گے، تو لڑکی کے باپ نے کہا میں اپنے اوپر کوئی گناہ نہیں لینا چاہتا، میں لڑکی کو بلا کر لاتا ہوں، وہ طلاق لے یا نہ لے، میں کوئی گناہ نہیں لے رہا، پھر میرے رشتہ دار اور مظفر حسین نے کہا لڑکی کو بلانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، پھر کافی بحث ہوتی رہی، تو میرے رشتہ دار اور مظفر حسین نے کہا بات جلدی ختم کرو، ان کو چھوڑو ہم سے کہو، تو پھر میں نے نہ ہی لڑکی کا نام لیا اور پھر میں نے مظفر حسین سے کہا "تمہارے کہنے سے میں نے تمہاری لڑکی کو آزاد کیا، تمہاری لڑکی کو آزاد کیا" پھر سسر کے

پڑوسی مظفر حسین اور میرے رشتہ دار نے زبردستی میرا ہاتھ پکڑ کر کہا یہ کہو، میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، تو میں نے کہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، ایک بار کہا مظفر حسین کی لڑکی میری بیوی نہیں ہے میرے سسر بھی موجود تھے میں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق کہا، تمہاری لڑکی کو آزاد دو بار کہا، میری بیوی بھی موجود نہیں تھی، اور میرے سسر نے بھی عذاب ثواب کی ذمہ داری نہیں لی، اس طرح میرے رشتہ دار اور سسر کے پڑوسی کے زبردستی کہنے پر کہا تو کیا میری بیوی پر طلاق واقع ہو سکتی ہے؟ جبکہ میں نے مظفر حسین سے طلاق ایک بار کہا، اس طرح زبردستی ایک بار کہنے سے میری بیوی کی غیر موجودگی میں میری بیوی پر طلاق ہو سکتی ہے؛ جبکہ لڑکی بھی موجود نہیں ہے؟ یہ لوگ اس کو بلوا بھی نہیں رہے، اور لڑکی کا باپ بھی عذاب ثواب کی ذمہ داری نہیں لے رہا، یہ میرے رشتہ دار اور مظفر حسین کے زبردستی کرنے سے اس طرح سے میری بیوی پر طلاق ہوگئی یا کوئی گنجائش ہے؟

المستفتی: محمد طیب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سائل اور شوہر کے متعلقین اور شوہر سے زبانی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ لڑکی کا باپ مظفر حسین کو اپنی طرف سے مکمل وکالت کے لئے لایا تھا، اور پوری مجلس میں مظفر حسین سے جتنی گفتگو کی گئی ہے، وہ سب اسی لڑکی کی طرف سے کی گئی ہے، جو سائل یعنی شوہر کی بیوی ہے اور دوران گفتگو جب مظفر حسین نے اس لڑکی کے لئے طلاق مانگی، تو شوہر نے کہا کہ تمہاری لڑکی کو آزاد کیا اور یہ جملہ دو بار کہا ہے۔ اب ظاہر بات ہے کہ اس لڑکی کے لئے جو لوگ طلاق لینے آئے ہیں اور مطالبۂ طلاق کے دوران ان لوگوں کو مخاطب کر کے جب تمہاری لڑکی کہا جائے گا، تو اس سے وہی لڑکی مراد ہو سکتی ہے، جس کے لئے طلاق کا مطالبہ کیا جا رہا ہے؛ اس لئے مظفر حسین کو مخاطب کر کے جو تمہاری لڑکی کہا ہے اس سے مظفر حسین کی حقیقی لڑکی مراد نہ ہوگی؛ بلکہ وہی لڑکی مراد ہوگی جس کی طرف سے وہ وکالت کر رہا تھا؛ لہٰذا آزاد کیا، دو بار کہنے کی وجہ سے دو طلاق صریح واقع ہو چکیں ہیں اور ایک

بار میری بیوی کو طلاق دی کہنے سے ایک اور طلاق واقع ہوگئی، تو کل تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔ اب بلا حلالہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

"رہا کردم" لأنه صار صريحاً في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي٣/ ٢٩٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها. (هندية، الباب السادس فى الرجعة، وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، زكريا جديد ديوبند ١/ ٥٣٥)

اور حیات العلوم اور اکرم العلوم کا جواب بھی دیکھ لیا گیا ہے، ان کے سوال میں بجائے تمہاری لڑکی کو آزاد کیا کے مظفر حسین کی لڑکی کو آزاد لکھا ہوا ہے؛ اس لئے ان کا جواب مظفر حسین کی لڑکی کو آزاد کیا کے الفاظ کے لغو ہونے پر ہے، اور یہی لفظ ہمارے سوال میں بھی تھا، مگر سائل اور سائل کے متعلقین سے معلوم ہوا کہ سائل نے دوران جھگڑا مظفر حسین کی لڑکی کو آزاد نہیں کہا ہے؛ بلکہ تمہاری لڑکی کو آزاد کہا ہے؛ اس لئے ہمارے جواب اور ان کے جواب میں فرق ہوا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۵۰۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۱۱/ ۱۴۱۷ھ

آزاد کرنے اور چھوڑنے کے لفظ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد احمد نے اپنی بیوی کو دو بار کہا کہ میں نے چھوڑ دی، طارق کہتا ہے کہ تیسری بار کہتے ہوئے میں نے محمد احمد کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، اس کے بعد پھر محمد احمد نے کہا کہ طارق تم

گنہگار ہوگے، میں نے ختم ہی کردی، پھر محمد احمد نے یہ بھی اقرار کیا کہ میں نے یہ کہا کہ طارق تم زیادہ رپٹ مت کرو، میں نے اس کو آزاد ہی کردی، صغریٰ کا بیان ہے کہ محمد احمد نے یہ کہا کہ میں نے دل سے ہی کہہ دیا۔ اب اس کو ہو ہی جانے دو، ایک اور صاحب کہتے ہیں کہ جب میں محمد احمد سے ملا تو محمد احمد نے کہا کہ میں نے اس کو بالکل ہی چھوڑ دیا اگر اور کہو تو اور چھوڑ دوں اور محمد احمد کی بیوی کہتی ہے کہ میں نے ان تمام باتوں میں سے کچھ نہیں سنا ہے اور محمد احمد بھی کہتا ہے کہ میں نے یہ ساری باتیں اپنی بیوی کی غیر موجودگی میں کہی ہیں۔

المستفتی: محمد احمد، ڈونکپوری، ٹانڈہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب محمد احمد نے دوبار بیوی کے متعلق کہا کہ میں نے اسے چھوڑ دیا، تو اس سے اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں؛ اس لئے کہ ''چھوڑ دی،، کے لفظ سے طلاق صریح واقع ہوتی ہے، پھر اس کے بعد اس کا یہ کہنا کہ طارق تم زیادہ رپٹ مت کرو، میں نے اسے آزاد کر دیا ہے، اس سے تیسری طلاق واقع ہوگئی۔ اب آگے اس کے بعد اس نے جو چھوڑ دی کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اب اس کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ محمد احمد کی بیوی تین طلاق مغلظہ واقع ہونے کی وجہ سے محمد احمد پر بالکل حرام ہو چکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے آئندہ اس سے نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

قوله: سرحتک وهو ''رها كردم" لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٢٩٩، زكريا ٤/٥٣٠)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها.

(عالمگيري، الباب السادس فی الرجعة و فيما تحل به المطلقة و مايتصل به زكريا ۱/۴۷۳، زكريا جديد د يو بند ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۷۷/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۳۰ھ

شوہر کا قول ''میں نے تجھے طلاق دی، آزاد کیا'' سے طلاق

سوال [۶۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً پانچ سال قبل میں نے اپنے شوہر سے لڑائی جھگڑے کے دوران تیل چھڑک کر آگ لگالی تھی، جس کی وجہ سے میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی تھی، اور کہا ''میں نے تجھے طلاق دی، آزاد کیا'' اس کے بعد میں اسپتال میں زیر علاج رہی اور پھر اپنے میکہ آگئی، میری شوہر سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ مجھے طلاق ہوگئی یانہیں اوراب دوسری شادی کرسکتی ہوں یانہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتيه: رحمت جہاں، بیگم والی مسجد، صالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر کےقول ''میں نے تجھے طلاق دی، آزاد کیا'' سے دوطلاق رجعی واقع ہوئی تھیں؛ لیکن اس کے بعد چونکہ شوہر کی جانب سے رجعت نہیں پائی گئی ؛ اس لئے عدت گذر جانے کی بناء پر لڑکی اپنے شوہر سے بالکل آزاد ہوگئی۔ اب وہ جہاں چاہے اپنا نکاح کرسکتی ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة أوتطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هندية، زكريا ۱/ ۴۷۰ جديد زكريا ۱/۵۳۳)

فلا رجعة لمضي المدة. (شامي، كراچي ۳/۴۰۷، زكرياه/۳۶)

عن عبد الله وعن أناسؓ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلي قوله الطلاق مرتان، قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة أوثنتين فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبیهقي، کتاب الرجعة، دارالفکر بیروت ۱۱/ ۲۸۱-۲۸۲، رقم:۱۵۵۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۳۵۴)

’’تم اپنے میکہ چلی جاؤ اور آزاد ہو‘‘ سے طلاق کا حکم

سوال[۶۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو شادی کئے ہوئے چار سال ہوئے اور چھوٹے بچے بھی ہیں، اس درمیان آپس میں تنازع بھی ہوا، اور سسرال والے بھی ہمیشہ لڑکی کی حمایت کرتے رہے، اور میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ تم اپنی میکہ چلی جاؤ؛ لیکن اس نے نہیں مانا، پھر بھی اس نے بدتمیزی کی- اور بولی میں ایسے نہیں جاؤں گی، تم مجھے طلاق دے دو، زید نے کہا اپنی بیوی سے کہ ہمارے خاندان میں طلاق نہیں دی جاتی اور ضد کرنے لگی، تو زید نے کہا کہ جاؤ تم میری طرف سے آزاد ہو، جو دل چاہے کرو، اور زید نے یہ بھی کہا کہ اب تم خوش ہو، لڑکی اس وقت اپنے میکہ میں ہے اور اس وقت زید اور اس کی والدہ تھیں اور بیوی تھی، والدہ کی موجودگی میں یہ ساری باتیں ہوئیں- اب تحریر فرمائیں کیا بیوی کو لا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم، محلّہ طویلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تم اپنی میکہ چلی جاؤ، الفاظ سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت شرط ہے، اور بعد میں جو عبارت ہے، ہمارے خاندان میں طلاق نہیں دی جاتی، اس

سے واضح ہوتا ہے کہ طلاق کی نیت ہی نہیں؛ لہٰذا اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، اور زید کا قول جاؤ تم میری طرف سے آزاد ہو، جو دل چاہے کرو، تو لفظ جاؤ سے اگر مستقل طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو اس سے بھی طلاق واقع نہیں ہوئی اور لفظ آزاد ہو سے ایک طلاق رجعی ہو چکی ہے، عدت کے اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھی جا سکتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۴۲۵، احسن الفتاوی ۵/۱۶۶)

"رها کردم" أي سرحتک یقع به الرجعي إلی (قوله) إن الصریح مالم یستعمل إلا في الطلاق من أي لغة کانت. (شامي، کتاب الطلاق، باب الکنایات، زکریا ٤/ ٥٣٠، کراچي ٣/٢٩٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطلیقةً رجعیةً......فله أن یراجعها في عدتها رضیت بذلک أو لم ترض. (هندیة، زکریا ١/ ٤٧٠، جدید زکریا ١/٥٣٣، هدایة، اشرفي دیوبند ٢/ ٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۸۷)

"میں نے تجھے آزاد کیا" دو مرتبہ کہنے سے طلاق

سوال [۶۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مستقیم نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں دو مرتبہ یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھے آزاد کیا، اور بیوی گھر سے نکل کر باہر نہیں گئی اور یہ کہہ دیا کہ آپ چاہیں مجھے قتل کر دیں میں اس گھر سے باہر نہیں جاؤں گی۔

المستفتی: مصطفیٰ پور، شیخو پورہ، تھانہ جھجیٹ، ٹھاکر دوارہ، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آزاد کر دیا کا لفظ عرف میں طلاق صریح کے لئے مستعمل

ہے، جب دودفعہ کہدیا ہے تواس سے بیوی پر دوطلاق صریح رجعی پڑگئی ہیں، عدت گذرنے سے پہلے پہلے رجعت کرکے بلانکاح بیوی بناکر رکھ سکتا ہے، رجعت کی صورت یہ ہے کہ شوہر زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی ہے یا بیوی کے ساتھ ہمبستر ہوجائے۔

" رھا کردم" أي سرحتک یقع به الرجعي مع أن أصله کنایة أیضاً (إلی قوله) أن الصریح مالم یستعمل إلا في الطلاق من أي لغة کانت.

(شامي، کتاب الطلاق، باب الکنایات، زکریا٤/٥٣٠، کراچي٣/٢٩٩)

وقعتارجعیتین لو مدخولاً بها، کقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(الدر المختار، کراچي٣/٢٥٢، زکریا٤/٤٦٣)

والرجعة أن یقول: راجعتک، أوراجعت امرأتي (وقوله) أویطأها، أویقبلها، أویلمسها بشهوة. (هدایة، اشرفي دیوبند٢/٣٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ ذی الحجہ ١٤٠٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٥/ ١٥٨٦)

تین مرتبہ کہنا کہ "تو میری طرف سے آزاد ہے"

سوال [٦٤٠٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی عاصفہ بی کا نکاح محمد اشتیاق ولد عبدالوہاب مسجد کہنہ ٹانڈہ کے ساتھ تقریباً دوسال قبل ہوا، شادی کے بعد ہی سے عاصفہ بی کی سسرال والوں نے مارنا پیٹنا شروع کردیا تھا، اس دوران عاصفہ کے شوہر محمد اشتیاق نے کہا میری طرف سے فائنل ہے، دوبول ہیں فون پر سن لیں یا لکھ کرلے لیں محلّہ کی ایک بزرگ خاتون سے اور میری بیوی سے کہا میری طرف سے فائنل ہے۔

ایک بار اپنی بیوی عاصفہ سے کہا کہ میری طرف سے تو آزاد ہے جا سکتی ہے۔ ایک بار کہا کل کو تجھے طلاق دوں گا۔ ایک بار عاصفہ سے کہا تو غیر میں غیر، تیرا میرا کوئی مطلب واسطہ نہیں نہ تیرے ہاتھ سے کچھ کھاؤں گا، نہ پیوں گا، میں تجھے اب رکھوں گا نہیں، تیرا فیصلہ ہی دوں گا، میری طرف سے تو آزاد ہے، یہ بات بہت بار کہی گئی ہے۔ کیا اس صورت حال میں میری لڑکی عاصفہ کو طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق واقع ہوئی تو کونسی طلاق واقع ہوئی؟ برائے کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں دلائل کے ساتھ تفصیلی جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد شمیم، محلّہ قاضی پورہ، نگر پالیکا کے پیچھے، ٹانڈہ بادلی، رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد اشتیاق کا اپنی بیوی عاصفہ سے تین مرتبہ سے زائد یہ کہنا کہ ''میری طرف سے تو آزاد ہے'' ہمارے عرف میں یہ صریح طلاق ہے؛ اس لئے اس سے طلاق صریح واقع ہوگئی اور طلاق صریح جب تین مرتبہ یا اس سے زیادہ ہوتی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا عاصفہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے آپس میں نکاح بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۴/ ۱۶)

"فإن سرحتک" کناية؛ لکنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: "رها کردم" أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله کنايةٌ أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق، وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة کانت. (شامي، کتاب الطلاق، باب الکنايات، کراچي ۳/ ۲۹۹، زکريا ۴/ ۵۳۰)

الصريح يلحق الصريح. (شامي، زکريا ۴/ ۵۴۰، کراچي ۳/ ۳۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۳۹)

مختلف مواقع پر چھ سات مرتبہ آزاد کر دیا کہنا

سوال [۶۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو پانچ سال ہوگئے، شادی کے بعد ہی سے میرے شوہر نے جھگڑا کرنا شروع کر دیا اور چار پانچ مہینے سے کتنی بار جھگڑے کے دوران کہہ دیتے ہیں ’’جا میں نے تیرا فیصلہ کر دیا، اپنا سامان اٹھا اور اپنے گھر جا‘‘ کبھی کہتے ہیں ’’چل اٹھ نکل اس گھر سے میں نے تمہیں آزاد کیا‘ آج تیرا فیصلہ کر دیا، ایک مہینہ پہلے مجھے گھر سے نکال رہے تھے، اس پر میں نے کہا ایسے میں نہیں جاؤں گی، سب خاندان والوں کو اکٹھا کرو اور بات ہوگی جو فیصلہ ہوگا میں وہی مانوں گی، تو اس پر کہنے لگے‘‘ میں نے تیرا فیصلہ کیا جا اپنا بچہ لے اور سامان اٹھا کر نکل جا‘‘ لڑائی کی وجہ چاہے کتنی چھوٹی ہو، بس ان کے الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ اپنا سامان اٹھا اور نکل جا اور کئی بار گھر سے نکال چکے ہیں؛ لیکن گھر والے خاندان والے ایک یا دو مہینہ میں واپس چھوڑ جاتے ہیں، اس مسئلہ پر میں نے ۵؍دن پہلے سنا کہ ایسا کہنا ٹھیک نہیں ہے، طلاق کے قریب ہے، جب میں نے اپنے شوہر سے یہ بات کہی تو انہوں نے کہا میں غصہ میں کہہ دیتا ہوں اور غصہ کی بات کچھ نہیں ہوتی؛ لیکن آزاد کر دیا اور فیصلہ کر دیا، یہ الفاظ ۵؍سال میں ۶؍۷؍بار یا اس سے بھی زیادہ کہہ چکے ہیں اور وہ رشتے میں میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔ شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتیہ: شیما کوثر، کشن گنج، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’آزاد کر دیا،، کا لفظ ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں طلاق کے لئے مستعمل ہوتا ہے؛ اس لئے اس لفظ کے ذریعہ سے طلاق صریح واقع ہوتی ہے، جب مختلف مواقع میں تین مرتبہ یا اس سے زائد یہ لفظ شوہر نے بیوی کے حق میں استعمال کر لیا ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اور اس لفظ سے طلاق

واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے اور غصہ کی حالت میں اور مذاق میں ہر صورت میں اس کے ذریعہ طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا سوال نامہ کے مطابق بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، ان دونوں کے درمیان کسی طرح ازدواجی تعلق جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۴۲۵، فتاوی محمودیہ ۱۲/۵۰۴، ڈابھیل)

ولو قال: ”رھا کردم“ مضافاً إلى المرأة فهو صريح يوجب الرجعة فلا يصدق أنه لم ينوبه الطلاق خصوصاً عند مذاكرة الطلاق. (تاتارخانية، ٤/٤٦٥، رقم: ٦٦٨١)

بخلاف فارسية قوله: سرحتک وهو ”رها کردم“ لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي......فإن سرحتک“ كناية؛ لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال: ”رها کردم“ أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كنايةٌ أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق، وقد مر أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت . (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٢٩٩، زكريا ٤/ ٥٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف /)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۲۹ھ

متعدد بار آزاد کرنا

سوال [۶۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے لڑائی جھگڑے کے دوران متعدد مرتبہ یہ لفظ کہہ دیا کہ ”میں نے تجھ کو آزاد کیا“ بیوی کی فرمائش پر، مگر اب دونوں نادم ہیں، اور چاہتے ہیں کہ دونوں ساتھ رہیں، بیوی دو مہینے کے حمل سے ہے۔

المستفتی: حافظ محمد ظہور، شریف نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’آزاد کیا،، کالفظ ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں طلاق کے لئے بولا جاتا ہے؛ لہٰذا اگر یہ لفظ بیوی کے لئے تین مرتبہ یا اس سے زائد مرتبہ استعمال کیا ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔(مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۴۲۵)

”رهاكردم“ أي سرحتك يقع به الرجعي (إلى قوله) إن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت . (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۵۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۱ھ

بارہا ’’آزادی دی‘‘ کہنا

سوال [۶۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ اگر تو نے اپنے لڑکے کے یہاں کھانا کھایا، تو میری طرف سے تجھے طلاق ہے، اس بات کو تین آدمیوں نے سنا، دو آدمی یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ کہا تھا کہ اگر تو نے کھانا کھالیا، تو تجھے طلاق ہے؛ لیکن ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ میں نے کھانے کی بات نہیں؛ بلکہ طلاق کی بات سنی، اس وقت لفظ طلاق بیوی نے بھی ایک بار سنا، تین آدمی جو گواہ ہیں، دو ان صاحب کے بیٹے ہیں اور تیسرا آدمی بستی کا ہے، جو وہاں موجود تھا، لفظ طلاق ان صاحب نے تین چار مرتبہ دہرائے، بیوی نے کھانا نہیں کھایا، شوہر کا بیان یہ ہے کہ میں نے بیوی کے سامنے طلاق کا لفظ دو مرتبہ استعمال کیا اور ’’آزادی دی،، کا لفظ بارہا استعمال کیا۔

المستفتی: سلطان پور پٹی، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے عرف میں آزادی دی کا لفظ بیوی کے حق میں طلاق کے لئے مستعمل ہے، لہٰذا اس سے طلاق صریح واقع ہوجائے گی اور لفظ طلاق دومرتبہ کہنے کی وجہ سے دوطلاق صریح واقع ہوجائیں گی اور ''آزادی دی،، کے لفظ سے ایک طلاق مزید ہوگئی؛ لہٰذا کل تین طلاق واقع ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا۔

”رھاکردم“ أي سرحتک یقع به الرجعي مع أن أصله کنایة۔ وقوله: ”رھاکردم“ لأنه صار صریحاً في العرف–وقوله– وقد مرأن الصریح ما لم یستعمل إلا في الطلاق من أي لغة کانت. (شامي، کتاب الطلاق، باب الکنایات، کراچي ۲۹۹/۳، زکریا ٤/ ٥٣٠)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها أو یموت عنها. (عالمگیري، زکریا ۱/ ٤۷۳ جدیدزکریا۱/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ ؍۳۸۴۳)

(۱۳) باب الکنایة

کنائی الفاظ سے بلانیت طلاق کا حکم

سوال [۶۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو فلاں مکان میں آکر مجھ سے ملاقات نہیں کرے گی تو تجھے ایک طلاق، اس جملہ کو سننے کے بعد بیوی نے اس مکان میں آکر اپنے شوہر سے ملاقات کرلی، پھر اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد آپس میں گھریلو کسی کام کے بارے میں اس کی بیوی نے شوہر سے کہا کہ مجھے اس گھر کے چال وچلن اچھے نہیں لگتے، تو شوہر نے فوراً ڈانٹنے کی غرض سے بیوی سے غصہ میں کہا جب تمہاری سمجھ میں اس گھر کے چال چلن نہیں آتے، تو تم اس گھر کو چھوڑ کر چلی جاؤ، ایک مرتبہ اس شخص کی بیوی نے اپنے شوہر سے یہ کہا کہ میرے ماں باپ نے اس گھر میں شادی کر کے میرا نصیب پھوڑ دیا، تو شوہر نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ جہاں تمہارا نصیب اچھا ہو وہاں چلی جاؤ، اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد پھر بیوی نے شوہر کی کوئی نافرمانی کی اور شوہر نے اس کو غصہ میں برا بھلا کہا اور اس کو مذکورہ بالا پہلا واقعہ یاد دلایا اور کہا کہ دیکھو تم اکثر میرا کہنا نہیں مانتی ہو، جس بات سے میں منع کرتا ہوں، اسی کو تم کرتی ہو، دیکھو میں تم کو ایک طلاق دے چکا ہوں، تم ہوشیار ہو جاؤ، میں تمہیں چھوڑ دوں گا، اس جملہ کے فوراً بعد یہ کہا کہ جب تم میرا کہنا نہیں مانتی ہو، تو مجھ سے کیا واسطہ یہاں نیت طلاق کی نہیں تھی؛ بلکہ یوں ہی ڈانٹنے کے لئے اس طرح کے الفاظ کہے تھے، پھر تھوڑی دیر کے بعد بیوی اس کے پاس آئی تو شوہر نے پھر اس کو ڈانٹنے کے لئے کہا کہ تم مجھے ہاتھ مت لگانا، اگر ہاتھ لگاؤ گی تو گناہ گار ہوگی اب چار مہینے تک عدت گذارو،

اس کے بعد میرا اور تمہارا معاملہ ختم ہو جائے گا، شوہر نے چار مہینے سے قبل ہی ڈھائی مہینے کے بعد بیوی سے صحبت کر لی اور باقاعدہ آپس میں رہنے لگے اور عہد کر لیا کہ اب ایسی باتیں نہیں کریں گے۔

اب شوہر کے دل میں یہ شک پیدا ہو گیا کہ کہیں ہماری یہ زندگی خلاف شرع تو نہیں گذر رہی ہے؛ اس لئے اس مسئلہ کے بارے میں علماء دین سے رجوع کیا گیا ہے، علماء اس کا جواب شریعت مطہرہ کی روشنی میں اطمینان بخش عطاء فرمائیں کہ مذکورہ باتوں کے کہنے سے کوئی طلاق تو واقع نہیں ہوئی، اگر ہوئی تو بائن ہوئی ہے یا رجعی یا مغلظہ؟ اگر طلاق بائن ہوئی ہے، تو عدت کے اندر یہ دونوں اپنا دوسرا نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟ طلاق بائن پڑنے کے بعد عدت کے اندر اندر متعدد بار الفاظ کنایہ کہے اور نیت طلاق کی ہی تھی، تو ایک ہی طلاق رہے گی یا طلاق مغلظہ کی کوئی صورت بن جائے گی؟ بہت غور کے ساتھ اور بالتفصیل جواب دیں۔

المستفتی: محمد عتیق الرحمٰن، لالپوری، گھاس والی مسجد، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ عبارات میں سے ۱/۲/۴/ الفاظ کنایات میں سے ہیں، اگر ان سے شوہر کی نیت طلاق کی نہیں ہے، تو ان سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

والكنايات لا تطلق بها قضاءً إلا بنية، أو دلالة الحال (إلى قوله) نحو اخرجي، واذهبي. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٢٩٦-٢٩٨، زكريا ٤/٥٢٨-٥٢٩)

أن من الكنايات ثلاث عشرة لا يعتبر فيها دلالة الحال ولا تقع إلا بالنية: حبلك على غاربک-اخرجي، اذهبي. (البحر الرائق ٣/٣٠٢-٣٠٣، زكريا ٣/٥٢٦، كوئٹہ ٢/٥٠٢)

۳/ سے ایک طلاق صریح رجعی واقع ہو گئی۔

الصريح لا يحتاج إلى النية. (الأشباه والنظائر قديم ٤٦)

لہٰذا اگر اس کے بعد ہمبستری ہوگئی ہے، تو رجعت بھی ثابت ہوگئی اور عبارت نمبر ۵/ ایلاء کے لئے الفاظ کنایات میں سے ہے، اگر اس سے ایلاء کی نیت کی ہے تو ایلاء ثابت ہوگیا۔

وأما تفويض الطلاق، والخلع والإيلاء (إلى قوله) وما كان كناية اشترطت له. وفي الحموى: وفي الإيلاء لا أبيت معك على فراش.

(الأشباه والنظائر قديم مطبع ديوبند ٤٨)

لیکن جب چار مہینے سے قبل ہمبستری کرلی، تو ایلاء ختم ہوکر کفارہ واجب ہو چکا ہے۔

فإن وطئها في الأربعة الأشهر حنث في يمينه ولزمته الكفارة؛ لأن الكفارة موجب الحنث، وسقط الإيلاء. (هداية، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٠١ باب الإيلاء)

لہٰذا اب شوہر پر ایک کفارۂ قسم ادا کرنا واجب ہوگا یعنی دس مسکینوں کو دو وقت تک کھانا کھلانا یا ان کو کپڑا پہنانا اور اگر اس کی طاقت نہیں ہے، تو مسلسل تین روز روزہ رکھنا ہے۔

قال الله تعالیٰ: فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ. [سورة المائدة: ٨٩]

وكفارته تحرير رقبة، أو إطعام عشرة مساكين، أو كسوتهم بما الخ.

(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب كفارة اليمين، زكريا ٥/ ٥٠٣، كراچي ٣/ ٧٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۳۴۴)

الفاظ کنائی سے طلاق

سوال [۶۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ ہم دونوں میاں بیوی میں کچھ کہا سنی ہوگئی، تو غصہ کی حالت میں یہ الفاظ زبان سے دوبار نکل گئے کہ ''میں نے تجھے طلاق دی، تو بیوی کی ماں نے مجھے پکڑا اور ڈانٹ کر بٹھادیا، پھر دوبارہ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ چل اپنے گھر جا، تیرا یہاں کوئی کام نہیں، ارے کیوں، جاتی کیوں نہیں؟ ان الفاظ سے کونسی طلاق شرعاً واقع ہوئی؟ اور دوبارہ ساتھ رہنے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

المستفتی: نوشاد احمد، محلّہ برولان، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میں نے تجھے طلاق دیدی کا لفظ دومرتبہ استعمال کیا گیا، اس سے دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(در مختار مع الشامي، باب الصريح، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢)

اور چل اپنے گھر جا اور ارے جاتی کیوں نہیں کے الفاظ سے اگر طلاق کی الگ سے نیت نہیں ہے؛ بلکہ ڈانٹنا مقصد ہے، تو ان الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا عدت کے اندر رجعت کرکے رکھنے کی گنجائش ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، أوتطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا ١/٤٧٠ جديد زكريا ١/٥٣٣، قدوري امدادية ديوبند ١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۲۳۰)

الفاظ کنائی سے طلاق دینا

سوال [۶۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ صبح کے وقت زید کا سالا اور بھائی دونوں آئے اور مجھ سے کہا کہ ''بھائی قیوم'' نے میری بہن کو چھوڑ دیا، مجھے کیا کرنا ہے؟ میں نے چار بچوں کو خبر دی اور چاروں ایک ساتھ قیوم صاحب کے مکان پر گئے اور قیوم سے معلوم کیا کہ تمہارا سالا شکیل کہہ رہا ہے کہ ''میری بہن کو طلاق دیدی ہے'' کیا یہ صحیح ہے، تو قیوم نے کہا ہاں میں نے طلاق دی ہے، کیسے دی ہے، تو میرے نکاح سے باہر اور تجھے میں نے فارغ خطی دی، میرا مکان خالی کر، یہ سب اس نے اپنے سالے سے کہا اور اب ہم چار پنچ کے سامنے بھی کہا اور کہا کہ میرا کوئی دھرم نہیں، میرا کوئی رشتہ دار نہیں اور میں عیسائی بننے جارہا ہوں اور رات کے وقت میں اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گالی بکی، جو بیان کرنے کی میری ہمت نہیں، اسی دوران پنچایت ہوگئی، جس میں فیصلہ ہوا کہ لڑکی عدت کرے اور اس کے بعد حلالہ ہو اور عدت ہو، پھر سے نکاح ہوگا۔ اس دوران قیوم نے فتویٰ منگوایا جس میں اپنی مرضی کا بیان لکھا، جو ہم پنچوں کی نظر میں صحیح نہیں ہے اور جس حافظ صاحب نے نکاح پڑھایا ہے، سارے حالات ان کو معلوم ہیں اور پنچایت میں بھی شامل تھے؛ لہٰذا حافظ صاحب اور گواہوں و وکیل اور نکاح میں شامل حضرات کے لئے خود قیوم کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالسمیع، گولرگٹی، رام نگر نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قیوم نے پنچوں اور اپنے سالے کے سامنے طلاق دینے کا جو اقرار کیا ہے، اس میں پہلا لفظ یہ ہے کہ ''ہاں میں نے طلاق دی'' یہ پچھلے واقعہ کی خبر ہے، پھر وہ واقعہ اس طرح نقل کر رہا ہے کہ تو میرے نکاح سے باہر، تو میرے نکاح سے باہر'' تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ الفاظ کنایہ کے تکرار سے تعدد نہیں ہوتا اور فارغ خطی دی کے لفظ سے ایک طلاق رجعی پڑی ہے؛ لیکن یہ بھی بائن کے ساتھ مل کر بائن ہی ہوگئی، تو ان الفاظ کے ذریعہ سے دو طلاق بائن واقع ہوگئیں، اس کے بعد اس نے اپنے دھرم اور مذہب اسلام کا مذاق اڑایا اور اللہ تعالیٰ کی شان میں گالی کے

الفاظ استعمال کئے جس کے نتیجہ میں اس کا ایمان خطرہ میں پڑا اور اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے اور گالی بکنے کی وجہ سے ایمان سے خارج ہوگیا؛ اس لئے اس کے اوپر تجدید ایمان اور سچی توبہ لازم ہے، پھر تجدید ایمان اور سچے دل سے توبہ کرنے کے بعد اس کو اپنی بیوی سے از سرِ نو نکاح کرنے کی گنجائش ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ اس کی بیوی پر تین طلاق واقع نہیں ہوئیں؛ بلکہ دو ہی طلاق واقع ہوئیں اور چونکہ دو طلاق بائن ہوئی ہیں؛ اس لئے اگر تجدید ایمان اور توبہ کے بعد نکاح پڑھا گیا ہے، تو نکاح درست ہے، اس حافظ صاحب اور گواہوں پر کوئی الزام نہیں ہے اور اگر تجدید ایمان سے پہلے نکاح پڑھایا گیا ہے، تو اب از سرِ نو نکاح کرنا ضروری ہے۔

أو قال: لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق إذا نوىٰ. (هندية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق الفصل الخامس في الكنايات، زكريا ۱/۳۷۵ جديد زكريا ۱/۴۴۳)

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة، والبائن يلحق الصريح لا يلحق البائن البائن. (شامي، زكريا ۴/۵۴۰-۵۴۲، كراچي ۳/۳۰۶-۳۰۸)

إذا وصف الله تعالىٰ بما لا يليق به، أو سخر باسم من أسماء الله تعالىٰ...... يكفر. (تاتارخانية، ۷/۲۸۵، رقم: ۱۰۴۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۳۸۳)	۱۴۳۲/۴/۲۹ھ

کیا الفاظ کنائی سے طلاق ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۴۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے سب گھر والوں کی موجودگی میں یہ کہا کہ ’’چلی جا یہاں سے، نکل جا میں تجھ کو نہیں رکھنے کا، بھاگ جا یہاں سے‘‘ اس قسم کے الفاظ

کہنے سے کیا حکم لاگو ہوتا ہے؟

المستفتی: فصاحت حسین، مدرسہ بدرالعلوم، گنگوار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ ’’چلی جا، یہاں سے نکل جا، میں تجھے نہیں رکھنے کا، بھاگ جا‘‘ ان تمام الفاظ میں سے کسی سے بھی اگر شوہر کی نیت طلاق کی تھی، تو طلاق بائن واقع ہوگئی، بغیر دوبارہ نکاح کئے ہوئے بیوی حلال نہیں ہوسکتی اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی، تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۹/۳۸۳)

الکنایات لا تطلق بها قضاء إلا بنیة، أو دلالة الحال......فنحو اخرجي، واذهبي، وقومي. (الدر المختار مع الشامي، کتاب الطلاق، باب النکایات، زکریا ٤/٥٢٨، کراچي ٣/٢٩٦)

کل لفظ یستعمل في الطلاق، ویستعمل في غیره نحو قوله أنت بائن......قومي، اخرجي، اغربي، انطلقي، انتقلي......وإذا احتملت هذه الألفاظ الطلاق، وغیر الطلاق فقد استتر المراد منها عند السامع، فافتقرت إلی النیة لتعیین المراد. (بدائع الصنائع، زکریا ٣/١٦٧، ١٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / جمادی الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱ / ۴۰۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۱۵ھ

ایک طلاق بائن کی صورت میں دوبارہ نکاح کرنا جائز ہے

سوال [۶۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اختر خاں ولد بابو خاں کا نکاح بلقیس بانو سے ۱۹۸۵ء کو ہوا تھا، بعض وجوہات کی بنا پر اختر خاں نے ۱۹۹۴ء میں بلقیس بانو کو ایک طلاق بائن دیدی، اس طلاق نامہ کا عکس اس سوالنامہ کے ساتھ منسلک ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب اختر خاں بلقیس بانو کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لینا چاہتے ہیں، شرعی اعتبار سے اس کا کیا طریقہ اور حکم ہے، اس طلاق کے بعد بلقیس بانو نے کسی شخص سے نکاح نہیں کیا۔

المستفتی: اختر خاں ولد بابو خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے مطابق جب اختر خاں نے اپنی بیوی کو صرف ایک ہی طلاق بائن دی تھی، تو اب طرفین کی رضامندی سے باقاعدہ نکاح کر کے دوبارہ میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۳۶۷)

عن سماکؒ قال: سمعت عکرمةؒ یقول: الطلاق مرتان: فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان، قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لابن أبي شيبة، ما قالوا في الطلاق مرتان مؤسسه علوم القرآن بيروت ١٠/١٩٧، رقم:١٩٥٦٤)

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها؛ لأن حل المحلية باق لأن زواله معلق بالطلقة الثالثة فينعدم قبله. (هداية، باب الرجعة ٢/٣٩٩، عالمگيري، زكرياقديم ١/٤٧٦، جديدزكريا١/٥٣٥، الجوهرة النيرة، امدادية ملتان ٢/١٢٨، دارالكتب ديوبند٢/١٢٢، الفتاوى التاتارخانية، زكرياه/١٤٨، رقم:٧٥٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

طلاق بائن کے بعد ساتھ رہنے کی صورت

سوال [٦٤١٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے تقریباً دوسال قبل اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تھی، اس کے بعد اپنی بیوی سے رجعت کرلی تھی، اب ۲۶/اگست ۱۹۹۳ء کو اسٹامپ پیپر پر ٹائپ کراکر اور دستخط کرکے اپنی بیوی کو طلاق بائن تحریری طور پر دی، زید کی بیوی پر کونسی طلاق واقع ہوئی؟ زید اگر اپنی بیوی سے رجوع کرنا چاہے، تو کیا صورت ہوگی؟ اور کتنی مدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے؟ کیا زید تجدید نکاح کرسکتا ہے؟ اگر ہاں تو کیا مہر کی رقم دوبارہ مقرر کرنی ہوگی؟

مندرجہ بالا طلاق کی صورت میں کیا زید کی بیوی پر عدت لازم ہے؟ اور عدت کی مدت کیا ہوگی؟

المستفتی: آفتاب علی، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ دیکھ لیا گیا ہے کہ اس میں ایک طلاق بائن کا ثبوت ہے، اور اس سے قبل ایک طلاق رجعی دے چکا تھا؛ اس لئے بیوی پر اب کل دو طلاق بائن واقع ہوچکی ہیں۔ اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں، تو باقاعدہ نکاح کرکے رہ سکتے ہیں، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هداية، باب لرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٦ جديد زكريا ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٨، رقم: ٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۳۶۶)

دوطلاق سے عدت گذرنے کے بعد تجدید نکاح کا حکم

سوال [۶۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو دوطلاق دیں تاکہ وہ بری عادتوں سے باز آجائے اور اپنے نکاح سے نکالنے کا ارادہ بالکل نہیں تھا، تو اب ان دوطلاق سے عدت گذرنے کے بعد طلاق بائن ہوگئی یا مغلظہ؟ اگر بائن ہوئی، تو تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟ تجدید نکاح میں پہلے والے مہر کافی ہوں گے یا دوبارہ مہر متعین ہوں گے؟

المستفتی: عبدالمنان، پورنوی، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف دوطلاق دے کر بیوی سے الگ رہا ہے، اور میاں بیوی کے درمیان پھر کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور اس درمیان میں تین ماہواری گذر گئی ہیں، تو عدت پوری ہونے سے پہلے دو طلاق رجعی تھیں اور عدت گذرنے کے بعد وہی دوطلاق بائن ہوگئیں۔ اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو پھر بغیر حلالہ کے تجدید نکاح لازم ہے۔

عن سماکؒ قال: سمعت عکرمةؒ یقول: الطلاق مرتان: فإمساک بمعروف، أو تسریح بإحسان، قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نکحها، وإذا طلقها ثنتین فإن شاء نکحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (المصنف لابن أبي شیبة، ما قالوا في الطلاق مرتان مؤسسة علوم القرآن بیروت ۱۰/۱۹۷، رقم:۱۹۵٦٤)

وإذا کان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن یتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هدایة، باب الرجعة، فصل فیما تحل به المطلقة، اشرفي دیوبند ۲/۳۹۹، هندیة، زکریا قدیم ۱/٤۷٦ جدید زکریا ۱/۵۳۵، تاتارخانیة، زکریا ۵/۱٤۸، رقم:۷۵۰٤)

تجدید نکاح میں مہر لازم ہے، مہر کی جس مقدار پر میاں بیوی راضی ہو جائیں وہی کافی ہے۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۲۶۶/۸، ۲۸۲/۸)

أو تزوج ثانياً في العدة. وفي الشامية: فيما لو طلقها بائناً بعد الدخول، ثم تزوجها في العدة وجب كمال المهر الثاني بدون الخلوة والدخول.

(درمختار مع الشامي، باب المهر، كراچي ۱۰۲/۳، زكريا ۲۳۳/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۵/۱۴۲۴ھ

طلاق رجعی بعد عدت بائن بن جاتی ہے

سوال [۶۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو گیا، بیوی شوہر سے یہ کہہ کر چلی گئی کہ میں تمہارے پاس نہیں رہوں گی، اس واقعہ کے بعد ایک شخص نے زید سے اس کی بیوی کے بارے میں کہا کہ تمہاری بیوی تمہارے گھر سے چلی گئی اور ایسے ویسے کہہ رہی ہے، تو زید نے اس آدمی سے کہا کہ ”میں نے اسے طلاق دے کر نکال دیا ہے“ پھر اس واقعہ کے بعد زید نے کئی آدمیوں سے یہ بات کہی کہ میں نے اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا ہے، ایسی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی یا نہیں اور اگر ہوئی، تو کون سی ہوئی؟ اس واقعہ کو تقریباً آٹھ ماہ کا عرصہ ہو گیا۔

المستفتی: عبد اللہ مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پہلی مرتبہ جو کہا ہے کہ میں نے اسے طلاق دے کر نکال دیا ہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی ہے، عدت کے اندر رجعت کی

گنجائش تھی، اب چونکہ اس وقت سے آٹھ ماہ گذر گئے ہیں، تو اس درمیان عدت بھی پوری ہوگئی ہوگی؛ لہٰذا اب ایک طلاق بائن کے ساتھ نکاح سے باہر ہوگئی، آئندہ جب چاہے بغیر حلالہ نکاح کر کے رکھنے کی گنجائش ہے اور پہلی مرتبہ کے بعد جتنی بار اسے طلاق دے کر نکالنے کی بات کہی گئی ان الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ وہ سب پہلی والی کی خبر ہیں۔

ولو قال لامرأته: أنت طالق، فقال له رجل: ما قلت؟ فقال: طلقتها أوقال هي طالق، فهي واحدة في القضاء. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، الفصل الاول في الطلاق الصريح، زكريا قديم ١/٣٥٥ زكريا جديد ١/٤٢٣)

ولو قال: لامرأته: أنت طالق، فقال له رجل: ما قلت؟ فقال: طلقتها، أو قال: قلت: هي طالق، فهي واحدة في القضاء؛ لأن كلامه انصرف إلى الإخبار بقرينة الاستخبار. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/١٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱۱/ ۱۴۲۳ھ

اشارہ کنایہ وغیرہ کے ذریعہ سے بھی بیوی کی طرف طلاق کی نسبت نہ ہو تو؟

سوال [۶۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بچی کا عقیقہ کیا، اس تقریب سے فراغت کے بعد لڑکے کی ماں نے اپنے بیٹے سے خرچ کے بارے میں تنازع کیا اور لڑکا غصہ میں گھر چھوڑ کر جا رہا تھا، لڑکے کے احباب نے اس کو روک لیا، اس پر لڑکے نے طلاق طلاق طلاق بول دیا، اس وقت بیوی موجود نہیں تھی اور لڑکے کا بیوی سے کوئی اختلاف بھی نہیں ہے اور لڑکا کہتا ہے کہ بیوی کا اس

وقت میرے ذہن میں خیال بھی نہیں آیا تھا، اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اخلاق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں جب شوہر نے بیوی کا نہ نام لیا، نہ ہی اس کا خیال ذہن میں تھا، نہ تو بیوی کی کوئی صفت بیان کی، نہ ہی اس کی جانب اشارہ کیا، تو لڑکے کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا اور بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۴/۲۷، میرٹھ ۱۸/۹۰)

رجل قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأة ثلاثاً، وقال: لم أعن به امرأتي يصدق. (خانية على الهندية، زكريا قديم ١/٤٦٥ جديد زكريا ١/٢٨٢، خانية اتحاد ١/٢٨٢)

طلقت امرأة أو قال: امرأة طالق، ثم قال: لم أعن امرأتي يصدق في قوله. (تاتارخانية، ١٢/٤٢١، رقم: ٦٥٧٩، شامي، زكريا ٤/٤٥٨، كراچي ٣/٢٤٨)

والقول له بيمينه في عدم النية. (شامي، زكريا ٤/٥٣٣، كراچي ٣/٣٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۲۹)

لفظ ٹھیک نہ صریح ہے، نہ کنایہ

سوال [۶۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بھانجی شبنم کا نکاح مسمیٰ تاج الدین ساکن موانہ سے ماہ اگست ۱۹۸۶ء میں ہوا، رخصت کے بعد شبنم تاج الدین کے گھر تین رات ٹھہری، اس دوران میں کوئی ہمبستری نہیں ہوئی، جیسا کہ لڑکی نے اپنی ماں سے بتایا اور لڑکے والوں میں اس پر نزاع ہوا، لڑکا کہتا ہے

کہ لڑکی نے اپنی طبیعت خراب بتا کر اسے موقع ہی نہیں دیا، بعد میں لڑکی والوں اور لڑکے والوں میں باہمی فیصلہ کی بات ہوئی، اس موقع پر لڑکے والے لڑکی کو طلاق دینے اور اپنا سامان واپسی کے لئے تیار ہوگئے، مگر لڑکے نے کہا کہ میں اس صورت میں لڑکی کو طلاق دینے کے لئے تیار ہوں، جبکہ لڑکی طلاق مانگتی ہو، اس پر لڑکا ہمراہ معزز گواہ کے لڑکی کے پاس گیا، تو لڑکی نے لڑکے سے کہا کہ مجھے طلاق چاہئے، اس پر لڑکے کا جواب تھا کہ ٹھیک ہے، اور اس نے واضح الفاظ میں طلاق نہیں دی، ان حالات میں طلاق فریقین میں ہوئی یا نہیں؟ کیا ایسی صورت میں شوہر کو مہلت دی جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عتیق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی، دونوں کا نکاح قائم ہے؛ اس لئے کہ ''ٹھیک ہے'' کا لفظ نہ طلاق کے لئے صریح لفظ ہے اور نہ ہی الفاظ کنایات میں سے ہے، اور جب شوہر نے یہ کہہ دیا کہ اس کو موقع ہی نہیں دیا ہے، تو شرعاً لازم ہے کہ لڑکی کو لڑکے کے حوالہ کردیا جائے، پھر اگر مرد کا نامرد ہونا ثابت ہوجائے تو قاضی حاکم مسلم اس کو مزید ایک سال کا موقع دے، جس میں لڑکی شوہر کے پاس رہے گی، ایک سال کا موقعہ دئے بغیر اگر تفریق کردیں گے، تو شرعاً فیصلہ صحیح نہیں ہوگا۔

إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي وادعت أنه عنين فطلبت الفرقة، فإن القاضي يسئله هل وصل إليها أو لم يصل فإن أقر أنه لم يصل أجله سنة سواء كانت المرأة بكراً، أوثيباً. (فتاوى عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب الثاني عشر في العنين، زكرياقديم ١/ ٥٢٢ جديدزكريا ١/ ٥٧٦، فتاوى قاضي خان على الهندية، زكريا قديم ١/ ٤١٠، جديد مكتبه زكريا ١/ ٢٤٥ - ٢٤٦، مجمع الأنهر شرح ملتقي الأبحرقديم ١/ ٤٦٩، جديد دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۱۴)

''تو مجھ پر حرام ہے'' کے لفظ سے طلاق صریح بائن

سوال [۶۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا ''اگر تو عمر کے سامنے آئی تو تو میرے لئے حرام ہے، اس کے بعد وہ عمر کے سامنے آگئی، تو ایسی صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد روشن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہندہ عمر کے سامنے آگئی، تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور ہندہ زید پر حرام ہوگئی اور لفظ حرام سے طلاق صریح بائن واقع ہو جاتی ہے اس میں طلاق کی نیت کی بھی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/ ۵۲۷، میرٹھ ۱۹/ ۳۴)

أنت علي حرام، والفتوی أنه يقع به البائن، وإن لم ينوِ لغلبة الاستعمال. (تاتارخانية، ٤/ ٤٤٨، رقم: ٦٦٣٧)

لو قال لها: أنت علي حرام، والحرام عنده طلاق وقع وإن لم ينو. (البحر الرائق، زكريا٣/ ٥٢٣، كوئٹه٣/ ٣٠٠)

أفتى المتأخرون في ''أنت علي حرام'' بأنه طلاق بائن للعرف بلا نية. (شامي، كراچي ٣/ ٢٥٣، زكريا٤/ ٤٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۸۷)

شوہر نے کہا کہ، میں تیرا شوہر نہیں ہوں، تو طلاق ہوگی یا نہیں؟

سوال [۶۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ اگر تو اپنے والدین سے ملتی ہے، تو میں تیرا شوہر نہیں ہوں، سوال یہ ہے کہ "یہ کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو صریح یا کنائی؟

المستفتی: محمد شہزاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے اپنے قول "میں تیرا شوہر نہیں" سے طلاق کی نیت کی ہے، تو طلاق بائن واقع ہوجائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی، تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال لها: ما أنا بزوجک، فإن قال أردت به الكذب يصدق في الرضا، والغضب جميعاً ولا يقع الطلاق، وإن قال: نويت الطلاق يقع في قول أبي حنيفةؒ. (هندية، زكريا ١/٣٧٥ جديد ١/٤٤٣، المحيط البرهاني، كوئٹه ٣/٣٨٢، بيروت ٤/٤٣٤، رقم: ٤٧٧١)

ولو قالت لزوجها: لست لي بزوج، فقال: صدقت، قال الشيخ أبو نصر أخاف أن يقع عند أبي حنيفةؒ كما في قوله: ما أنا بزوجک ونویٰ به. (التاتارخانية، ٤/٤٦٨، رقم: ٦٦٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨ محرم الحرام ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١١٣٨٦/٤٠)

"نہیں رکھوں گا" اور "نکل جا" کہنے کا حکم

سوال [٦٤١٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید باہر سے گھر میں آیا بیوی سے کسی بات میں جھگڑا ہوگیا، زید نے اپنی بیوی کو مارا اس پر بیوی نے زید کو ناشائستہ الفاظ کہے، جس کے جواب میں زید نے بیوی کو کہا کہ جب تو نے یہ حرکت کی ہے، تو میں تجھ کو رکھوں گا نہیں، بیوی نے کہا کہ نہیں رکھو گے، تو زید نے کہا

کہ نہیں رکھوں گا، تیری بدتمیزی مجھے برداشت نہیں، نہیں رکھوں گا نکل جا، پھر اس نے امام مسجد کے سامنے توبہ کی کہ اب ایسے الفاظ نہیں کہوں گا، معاف کردو میں نے کہا کہ میں فتوی لے کر جواب دوں گا، اور میری نیت ان الفاظ سے صرف ڈرانے اور دھمکانے کی تھی، اب میرے لئے شرعاً کیا حکم ہے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: شوقین شاہ، کبیر پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''نہیں رکھوں گا'' صیغۂ استقبال ہے اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ''نکل جا'' الفاظ کنایات میں سے ہے، جس میں طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور سوال نامہ میں شوہر کی طرف سے صراحت موجود ہے کہ اس نے طلاق کی نیت نہیں کی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔

الكنايات لا تطلق بها إلا بنية، أو دلالة الحال، فنحو اخرجي، واذهبي، وقومي. (تنوير الأبصار مع الدر المختار والشامي، كراچي ۳/۲۹۷، زكريا ۴/۵۲۸، وكذا في البدائع، زكريا ۳/۱۶۷–۱۶۹، وكذا في البحرا الرائق، زكريا ۳/۵۲۶، كوئٹه۳/۳۰۲–۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۹۶۸)

''اگر میں نے تم کو روکا، تو بہن بنا کر رکھوں'' سے طلاق کا حکم

سوال [۶۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے نے غصہ میں آکر ایک دوبار اپنی بیوی کو یہ کہہ دیا کہ اگر میں آپ کو رکھوں تو بہن بنا کر رکھوں'' اس پر یہ لڑکا بہت پریشان ہے اور کہہ کر اپنی غلطی کو حد سے زیادہ محسوس کر

رہاہے، اس کے لئے کوئی حل ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسرارعلی، قصبہ امری، تحصیل امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں اگر شوہر نے طلاق کا ارادہ کیا ہے، تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، بلا حلالہ دوبارہ نکاح کر کے رکھ سکتے ہیں اور اگر اس نے ظہار کا ارادہ کیا ہے، تو جب تک کفارہ ادا نہ کرے گا، بیوی کے پاس جانا حرام ہے، کفارہ کی صورت یہ ہے کہ دو ماہ مسلسل بلا ناغہ روزہ رکھے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو، تو ٦٠/ مسکینوں کو دو ٹائم کھانا کھلا دے اور اگر شوہر کا ارادہ نہ طلاق کا ہے اور نہ ظہار کا ہے؛ بلکہ صرف بیوی کو دھمکانا مقصود ہے، تو اس سے کچھ نہیں ہوگا، بیوی بنا کر یونہی رکھ سکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ٤٧٨/٢، ٤٨٠/٢، ٤٨٢/٢، فتاوی دار العلوم ٢٠٦/١٠ و٢٠٢/١٠)

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هداية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، هندية، زكرياقديم ١/٤٧٦ جديدزكريا ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٨، رقم:٧٥٠٤)

وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا. [سورة المجادلة:٣-٤]

ولو قال: أنت علي كأمي، أو قال: مثل أمي، فإن نوى ظهاراً، أوطلاقا، فهو علي مانوى. وفي الهداية: وإن قال: أردت الطلاق، فهو طلاق بائن وإن لم تكن له نية فعلى قول أبي حنيفة هو ليس بشيئ. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٥/١٦٩، رقم:٧٥٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/ صفر المظفر ١٤٠٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١٩٨/٢٩)

”اگر میں تیرے پاس جاؤں تو یہ ایسا ہے جیسا کہ میں اپنی بیٹی کے پاس آیا“

سوال[۶۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں اور بیوی کے مابین سخت نزاع اور جھگڑا ہونے کی وجہ سے شوہر یہ قسم کھالے کہ اگر میں تیرے پاس جاؤں (ہمبستری کے لئے) تو ایسا ہے، جیسا کہ میں اپنی بیٹی کے پاس آیا، تو ایسی صورت میں کیا شوہر کے لئے بیوی حرام ہوجائے گی اگر اس سے ہمبستری کرلے؟

المستفتی: محمد مشیر، محلہ اسعد پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہے، تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، عدت کے اندر یا عدت کے بعد نکاح کرکے بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے اور اگر ظہار کی نیت کی ہے، تو ظہار ہوگیا ہے، جب تک کفارہ ادا نہ کرے گا، بیوی سے صحبت نہیں کرسکتا، کفارہ پے درپے ساٹھ روزہ رکھنا ہے، اگر اس کی طاقت نہ ہو، تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

وإن نویٰ بأنت علي مثل أمي، أو كأمي براً، أوظهاراً، أو طلاقاً، صحت نيته ووقع مانواه لأنه كناية. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الظهار، كراچي ۳/ ٤٧٠، زكريا٥/ ١٣١، كوئٹه ٢/ ٦٢٦)

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هندية، زكرياقديم ١/ ٤٧٦ جديدزكريا ١/ ٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩)

وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْر ۝ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَتَمَاسَّا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ

سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا. [سورة المجادلة:٣-٤] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۵/۲۴)

تجھے طلاق دی اور دوسری مرتبہ کہا، تو میرے نکاح سے باہر ہوگئی کا حکم

سوال [۶۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنی بیوی ستارہ خاتون کو اس کے لڑکی ہونے کے تیس دن کے بعد آپسی کچھ فساد کی وجہ سے یعقوب حسین نے اپنی بیوی کو دو بار اس طرح طلاق دی کہ پہلی بار کہا ”میں نے تجھے طلاق دی اور دوسری بار کہا کہ تو میرے نکاح سے باہر ہوگئی، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ وہ اپنے کیئے پر بڑا پشیماں ہے؛ لہٰذا شریعت کیا حکم دیتی ہے۔

المستفتی: محمد دانش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی اس لئے کہ اس میں ایک طلاق صریح ہے اور دوسری طلاق بائن ہے، اور جب صریح بائن سے مل جاتی ہے، تو دو طلاق بائن ہو جاتی ہیں۔

إذا لحق الصريح البائن كان بائناً. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٤٠، كراچي ٣/ ٣٠٦، البحرالرائق، كوئٹه٣/ ٣٠٧)

اور بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں اور آئندہ نہایت احتیاط کریں؛ اس لئے کہ اگر کبھی بھی ایک طلاق دیں گے، تو طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۵۴۰/۳۵)

’’آپ کی لڑکی مجھے نہیں بھری جانے کی‘‘ سے طلاق

سوال [۶۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کا نام چاندنی بانو ہے، اس کا نکاح چندا کے ساتھ ہوا، اب لڑکی اپنی ماں کے مرنے سے آٹھ روز پہلے آئی، جس کو آج تقریباً ایک سال دو دن ہو چکے ہیں، اس کا شوہر بھی اپنی ساس کے مرنے میں آیا تھا، پھر تقریباً ایک ۲؍روز کے بعد وہ اپنی بیوی کو لینے آیا تھا، تو گھر پر کچھ مہمان تھے، جس کی وجہ سے اس سے یہ کہا گیا کہ تو پھر لے جانا یا ہم پہونچا دیں گے، اس کے بعد وہ لینے کے لئے نہیں آیا، تو اس کو لڑکی کے باپ نے پہونچا دیا؛ لیکن جیسے ہی لڑکی لڑکے کے گھر پہونچی، لڑکے کے خسر نے کہا کہ ہم آپ کے بچوں کو لے آئے، آپ تو لینے کے لئے نہیں گئے، تو اس لڑکے نے جواب دیا کہ آپ کی لڑکی مجھے نہیں بھری جانے کی، یہ الفاظ تین مرتبہ کہے جب اس نے یہ الفاظ تین مرتبہ کہے تھے، تو اس ٹائم دو آدمی ایک عورت موجود تھے، اس کے بعد وہ لڑکا ملا تو اس سے اس کے خسر نے کہا کہ آپ اس لڑکی کو آزاد کردو، جب نہیں لے جانا چاہتے، تو اس نے کہا کہ ’’میں اپنے منھ سے تو آزاد نہیں کروں گا‘‘ اگر آپ کو ضرورت ہے، تو عدالت سے کرا لیجئے، تو عدالت کے اندر کارروائی کردی، اس کے بعد دو شخص اس کے پاس پہونچائے، تو اس نے ان کو بھی نہیں لیا، اب اس کے بعد کچھ نہیں کرایا سرکاری طرف سے بھی، ان الفاظ کو سن کر لڑکی اب جانے کے لئے منع کر رہی ہے۔

دیگر بات یہ ہے کہ جب یہ ساری باتیں ہوگئی تھیں یعنی اس لڑکے نے بالکل ہی منع کردیا تھا، اس کے بعد جو عرصہ گذرا ایک سال دو روز کا اس کے اندر بھی اس لڑکے نے کوئی خبر نہیں لی، اب لڑکی کے بیانات یہ ہیں کہ اب اگر وہ لینے کے لئے آئے، تو میں کسی بھی طریقہ سے جانے کے لئے تیار نہیں ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ماحول بہت زیادہ گندہ ہے، اور پھر لڑکے نے

ہی بالکل انکار کردیا ہے کہ مجھے آپ کی لڑکی نہیں بھری جانے کی یہ الفاظ تین مرتبہ کہے، دیگر بات یہ ہے کہ ''اب ہمیں صرف آزادی چاہئے، نہ تو مہر چاہئے، نہ ہی کوئی سامان صرف ہماری لڑکی کو آزاد کردے''

المستفتی: محمد صادق، اسلام نگر، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجھے نہیں بھری جانے کی صیغۂ مستقبل الفاظ کنایہ میں سے ہے، نیز یہ کہنا کہ میں آزاد نہیں کروں گا، عدم نیت طلاق کی دلیل ہے؛ اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی، اگر لڑکی آزادی چاہتی ہے، تو اپنا معاملہ شرعی پنچایت میں پیش کرے، شرعی پنچایت الحیلۃ الناجزہ میں درج شدہ احکام کے مطابق فیصلہ کردیگی۔

بخلاف کنم لأنه استقبال فلم یکن تحقیقًا بالتشکیک......ولو قال بالعربیة أطلق لا یکون طلاقًا. (هندیة، زکریا قدیم ۱/۳۸٤، زکریا جدید ۱/٤٥٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۶۴۴)

آپس میں کوئی رشتہ نہیں کہنے کا حکم

سوال [۶۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوران جھگڑا عبد اللہ نے کہا کہ ''آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہے، جو منھ میں آئے بولے جارہی ہے'' یہ خط کشیدہ الفاظ ڈانٹتے ہوئے عبد اللہ نے کہا مطلب یہ تھا کہ ہمارے تمہارے درمیان میں ایک رشتہ ہے اس کا خیال کیوں نہیں کررہی ہے جو زبان پہ آرہا ہے بولے جارہی ہے، حضرت مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ خط کشیدہ

الفاظ سے طلاق پڑ گئی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد انس، پاکبڑہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارا تمہارا آپس میں کوئی رشتہ نہیں، جو منھ میں آئے بولے جارہی ہے، ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ کیونکہ یہ الفاظ کنائی ہیں، اور الفاظ کنائی سے وقوع طلاق کے لئے نیت کرنا شرط ہے اور یہاں واضح کیا گیا ہے کہ شوہر نے ان الفاظ کے ذریعہ طلاق کی کوئی نیت نہیں کی ہے؛ بلکہ بیوی کو تنبیہ کی گئی ہے، جو رشتہ میرے اور تمہارے درمیان قائم ہے، تو نے اس رشتہ کا بھی لحاظ نہیں کیا اور جو منھ میں آیا بولتی چلی گئی؛ لہٰذا میاں بیوی کے درمیان نکاح بدستور باقی ہے۔

لو قال لها: لا نكاح بيني و بينک، أوقال: لم يبق بيني وبينک نكاح يقع الطلاق إذا نوىٰ. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، زكرياقديم ١/٣٧٥ جديدزكريا ١/٤٤٣، قاضي خان على الهندية، زكرياقديم ١/٤٦٨ قديم، جديدمكتبه زكريا ١/٢٨٤، بزازيه على الهندية، زكريا ٤/١٩٤، جديد مكتبه زكريا ٢/١٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۶۶۸/۴۱)

لفظ البتہ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا صحیح مسلم ۱/۴۷۴ پر حضرت رکانہ نے بیک وقت تین طلاقیں دی تھی، اور اللہ کے رسول نے اسے رجعی قرار دیا تھا، اگر ۴۷۴ پر موجود ہے، تو برائے کرم مفصل جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: مولوی عصمت، جنرل مرچنٹ، نئی بازار، محمود آباد سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود نہیں ہے؛ بلکہ حضرت رکانہ کا خود بیان ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اور البتہ کا لفظ ایک طلاق اور تین طلاق دونوں کے لئے مستعمل ہے اور طلاق البتہ میں نیت کا اعتبار ہے، اگر ایک کی نیت کی جائے، تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے، اور اگر تین کی نیت کی ہے، تو تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں؛ چنانچہ جب حضرت رکانہؓ نے حضور ﷺ کے سامنے بیان دیا تو حضور ﷺ نے معلوم فرمایا کہ تم نے البتہ سے کتنی طلاق کی نیت کی ہے، تو حلفیہ بیان دیا کہ صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی، تو حضور ﷺ نے رجعی قرار دے کر رجعت کا حق دیا تھا، جو لوگ تین طلاق بتلاتے ہیں وہ حضرت رکانہ پر الزام لگاتے ہیں۔

إن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة فأخبر النبي صلى الله عليه وسلم، بذلك وقال والله ماأردت إلا واحدة، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أردت إلا واحدة، فقال ركانة: والله ما أردت إلا واحدة، فردها إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في لبتة، النسخة الهندية، ۱/ ۳۰۰، دارالسلام رقم: ۲۲۰۶، ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب الطلاق البتة، النسخة الهندية ۱٤۸، دارالسلام رقم: ۲۰۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الاول ۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۴۲ ۱۷)

اپنے گھر چلی جاؤ سے طلاق

سوال [۶۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھریلو اخراجات کے سلسلہ میں بار بار کہنے پر کہ

میں اپنے گھر چلی جاؤں گی، آپ سے میرا خرچہ پورا نہیں ہورہا ہے، مجبور کرنے پر شوہر نے کہا کہ ''چلی جاؤ، اپنے گھر چلی جاؤ، میں نے طلاق دی'' صرف ایک بار کہہ دیا، یہ بات کبھی نہ اس سے پہلے کہی تھی اور نہ ہی ارادہ تھا؛ کیونکہ میرے تین لڑکے اسکول میں پڑھتے ہیں، جن کا کل اخراجات اچھے طریقے سے ادا کرتا چلا آرہا ہوں، کچھ ہوا دینے والوں نے لڑکی کی طرف جاکر بات کو بڑھاوا دے دیا۔ اب پتہ چلا کہ تین مہینہ دس دن آج پورے ہونے جارہے ہیں، وہاں عدت ہو رہی ہے، دوڑ بھاگ کرنے پر اور سسرال والوں سے بات چیت کرنے پر معلوم ہوا کہ صحیح حالات لکھ کر فتوی لے لوں، لڑکی اور لڑکے والے دونوں بخوشی آنے پر رضامند ہیں؛ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ قانون محمدی کے مطابق اس مسئلہ میں غور خوض کر کے صحیح جواب ملنا چاہئے۔

مندرجہ بالا سوال کے تحت طلاق ہوئی یا نہیں؟ میں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر صحیح بیان دے رہا ہوں، اس کا سارا بار بوجھ مجھ پر ہی رہے گا۔ فقط والسلام۔

المستفتی: شہزاد خاں، چماروں کی پلیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے دو الفاظ استعمال کئے۔

(۱) جاؤ اپنے گھر چلی جاؤ۔

(۲) میں نے طلاق دی، لفظ اول سے طلاق کی نیت کی تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگئی۔

مثل اذهبي فيحتاج إلى النية (إلى قوله) وإن نوىٰ فهي واحدة بائنة.

(شامي، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، كراچي ۳/ ۳۱٤، زكريا ٤/ ٥٥١)

لفظ ثانی سے دوسری طلاق واقع ہوگئی، دو طلاق بائن واقع ہوگئیں؛ لہٰذا اس صورت میں بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح درست ہے۔

والبائن يلحق الصريح. (الدر المختار، باب الكنايات، كراچي ۳/ ۳۰٦، زكريا ٤/ ٥٤٠، البحر الرائق، كوئٹه ۳/ ۳۰۷، زكريا ۳/ ۵۳۳)

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هندية، زكريا ۱/۴۷۲ جديد زكريا ديوبند ۱/۵۳۵، هداية، اشرفي ديوبند۲/۳۹۹)

اورا گر لفظ اول سے طلاق کی نیت نہیں کی تھی، تو لفظ ثانی سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر اندر رجعت کرسکتا ہے۔

کطلقتک وأنت طالق، ومطلقة يقع بها واحدة رجعية. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الصريح، زكريا ۴/۴۵۷، كراچي ۳/۲۴۷-۲۴۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، أوتطليقتين، فله أن يراجعها في العدة. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۴)

حیض آنے والی عورت کے لئے عدت پورے تین حیض گذرنے تک ہے۔

قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرة:۲۲۸]

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقاً بائناً، أورجعياً، أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلٰثة أقراء. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۴۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۲۴)

’’تو اپنے باپ کے گھر چلی جا‘‘ سے طلاق

سوال [۶۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی میں کسی وجہ سے لڑائی ہوگئی، تو میاں نے غصہ میں آکر اپنی بیوی کو یہ لفظ کہا کہ تو اپنے باپ کے گھر چلی جا اور اس کی کوئی نیت نہیں ہے، تو اس سے کیا طلاق مراد لی جائے گی یا نہیں، اگر لی جائے گی تو کونسی طلاق؟

المستفتی: محمد بلال احمد، متعلم جامع الہدیٰ گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھگڑے کے وقت شوہر کا بیوی سے کہنا کہ ''تو اپنے باپ کے گھر چلی جا'' یہ جملہ کنایات طلاق میں سے ہے، ان میں نیت سے طلاق ہوتی ہے؛ لہٰذا جب یہ جملہ کہتے وقت شوہر کی نیت طلاق کی نہیں تھی، تو اس کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/۴۰۴)

فالكنايات لا تطلق بها إلا بنية، أو دلالة الحال......فنحو اخرجي، واذهبي، وقومي. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٢٩٦، زكريا ٤/٥٢٨، ٤/٥٢٩، البحر الرائق، زكريا ٣/٥٢٦، كوئٹه ٣/٣٠٢، هداية، اشرفي ديو بند ٢/٣٧٤، هندية، زكريا ١/٤٤٢، زكريا جديد ديوبند ١/٣٧٤، خانية على الهندية، زكريا ١/٤٦٨ جديد زكريا ديوبند ١/٢٨٤ سيٹ ٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

جواب دیا کا لفظ کنائی ہے یا صریح

سوال [۶۴۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد اسلم نے اب سے دس سال پہلے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ''میں نے تجھے ایک جواب دیا'' اس کے بعد اس نے دس سال کے بعد برسر محفل بیوی کو مخاطب کر کے یہ کہا کہ ''میں نے تجھے ایک جواب دیا دو جواب دیئے اور ایک جواب ابھی تیرا باقی ہے'' مفتی صاحب سے درخواست ہے کہ مذکورہ صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟ واضح فرما کر عنداللہ ممنون ومشکور ہوں۔

المستفتی: قاری شبیر احمد صاحب، ساکن پھلکا، کٹیہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جواب دیا کا لفظ طلاق کے لئے وضع نہیں کیا گیا ہے ؛ بلکہ اس کو کسی بھی سوالیہ گفتگو کے مقابلہ میں بولنے کے لئے وضع کیا گیا ہے؛ اس لئے یہ لفظ اپنی حقیقت اور محاورہ کے اعتبار سے طلاق کے لئے نہیں بولا جاتا؛ لہٰذا یہ لفظ جب طلاق کے لئے بولا جائے، تو اس سے طلاق صریح رجعی واقع نہیں ہوگی ؛ بلکہ ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور الفاظ کنائی متعدد بار بولے جائیں، تو ان سے متعدد طلاق واقع نہیں ہوتیں؛ بلکہ ایک ہی طلاق بائن واقع ہوتی ہے؛ اس لئے لفظ ”جواب دیا“ سے ایک ہی طلاق بائنہ واقع ہوگی؛ البتہ حالت غضب اور مذاکرۂ طلاق میں اس لفظ سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت لازم نہیں ہے، یہی حکم حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی ۲/۴۴۴ میں تحریر فرمایا ہے اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے امداد الاحکام ۱۹/۴، میں، حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ نے فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۱/۵۷۹ میں اور فتاوی دارالعلوم ۹/ ۴۲۶، میں وہی سوال وجواب ہے، جو امداد الفتاوی اور فتاوی محمودیہ میں ہے کہ لفظ ” جواب دیا“ عرف میں صرف طلاق کے لئے مستعمل نہیں ہے؛ اس لئے اس سے طلاق بائن صریح واقع نہیں ہوگی؛ بلکہ طلاق بائن ہی واقع ہوگی، یہی اصل حکم ہے؛ کیونکہ ہمارے عرف میں لفظ ”جواب دیدیا“ صرف طلاق کے لئے مستعمل نہیں ہے، مگر فتاوی دارالعلوم ۹/ ۲۱۶ میں صوبۂ سندھ سے آیا ہوا، ایک سوال ہے، جس میں مستفتی نے سندھ کے محاورہ میں لفظ ”جواب دیدیا“ سے طلاق صریح رجعی واقع ہونے کو لکھا ہے، مگر غیر مدخولہ ہونے کے وجہ سے اس سے ایک طلاق بائن ہونے کو بھی لکھا ہے اور مفتی رشید احمد صاحبؒ نے احسن الفتاوی ۵/۱۹۲ میں جواب دیدیا کے لفظ کو عرف میں طلاق کے لئے مستعمل قرار دے کر طلاق رجعی واقع ہونے کو لکھا ہے اور یہ جواب مفتی رشید احمد صاحب نے صوبۂ سندھ کی دارالحکومت کراچی میں رہ کر تحریر فرمایا ہے، ممکن ہے کہ صوبۂ سندھ میں یہ لفظ صرف طلاق ہی کے لئے مستعمل ہوتا ہو، اگر ایسا ہے تو صوبۂ سندھ میں اس لفظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی نے قاموس

الفقہ۳۴۲/۴، میں لفظ ’’جواب دیدیا‘‘ کو لفظ ’’فارغ خطی‘‘ کی طرح محاروہ میں طلاق ہی کے لئے مستعمل ہونے کو لکھا ہے کہ لفظ جواب دیدیا بھی طلاق کے لئے مستعمل ہے؛ اس لئے اس سے بھی طلاق رجعی واقع ہوگی اور صوبۂ بہار کے دوسرے بعض لوگوں نے بھی بتلایا کہ بہار میں لفظ ’’جواب دیا‘‘ صرف طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، مگر دارالافتاء امام شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار سے ۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۶ھ کو ایک فتویٰ جاری کیا گیا ہے، اس میں چار مرتبہ ’’لو جواب‘‘ کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ شخص مذکور کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو دوبارہ نکاح کر کے ساتھ رہ سکتے ہیں، خواہ عدت کے اندر ہو یا بعد عدت کے فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۸۷ ۵ میں یہ فتوی پورے سوال کے ساتھ موجود ہے؛ اس لئے صوبۂ بہار کے بارے میں بھی تردد ہوگیا؛ لہٰذا اگر واقعی بہار کے محاورہ میں صرف طلاق ہی کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہو، تو ایسی صورت میں وہاں پر اس لفظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی چونکہ بہار ہی کے رہنے والے ہیں اور وہ بہار کے محاورہ کو زیادہ بہتر جانتے ہیں؛ اس لئے صوبۂ بہار میں اس لفظ سے طلاق رجعی واقع ہونا ممکن ہے؛ لیکن ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں ’’جواب دیدیا‘‘ کا لفظ ’’فارغ خطی‘‘ کے لفظ کی طرح طلاق کے لئے مستعمل نہیں ہے؛ بلکہ دیگر معنوں کے لئے بھی مستعمل ہے؛ کیونکہ بیوی سے کسی بھی دوسرے معاملات کے لین دین اور مطالبہ میں جواباً بیوی کو کہا جاسکتا ہے کہ میں نے تجھے اس بات کا جواب دے دیا ہے، اور بیوی کے اصرار پر شوہر کہتا ہے کہ میں تجھے بار بار جواب دے چکا ہوں، تو اس سے ہرگز طلاق واقع نہیں ہوتی؛ لہٰذا ہندوستان کے دیگر صوبوں میں یہ لفظ صرف طلاق کے لئے مستعمل نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے مفہوم کے لئے بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے؛ اس لئے حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ، مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ ان سب حضرات نے اس کو الفاظ کنائی میں شامل فرمایا ہے۔ اب اس گفتگو کے بعد زیر نظر سوال پر غور کرنا ہے۔

یہ سوال بہار سے آیا ہوا ہے، ہم اس لفظ کو الفاظ کنائی میں سے جانتے ہیں، مگر صوبۂ بہار میں اس لفظ کو طلاق صریح کنائی میں شامل کرنے میں تردد ہو گیا ہے؛ اس لئے ''جواب دیدیا'' کہنے کے بعد دس سال تک جو دونوں ساتھ رہے ہیں، اس کو حرام کاری پر حتمی طور پر محمول نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ اس سلسلہ میں تردد پیدا ہو چکا ہے، اگر وہاں کے محاورہ میں صرف طلاق کے لئے مستعمل ہے، تو اس سے طلاق صریح رجعی واقع ہو گئی ہے اور بیوی کو ساتھ رکھنے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا اس دوران میاں بیوی کا ساتھ رہنا حلال ہو گیا ہے اور اولاد ثابت النسب ہے اور اس کا دس سال کے بعد یہ کہنا کہ ایک جواب پہلے دیا اور دوسرا جواب اب دے رہا ہوں اور ایک جواب آئندہ کے لئے باقی ہے، تو ایسی صورت میں دس سال کے بعد دوسری طلاق واقع ہو گئی ہے اور وہ بھی طلاق رجعی ہوگی اور اب بھی رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے۔

وقد مر أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

الأصل في هذا النوع من الألفاظ كل لفظ من الفارسية يستعمل في الطلاق، ولا يستعمل في غيره فهو كصريح الطلاق بالعربية، وإن كانت اللفظة مستعملة في الطلاق وغيره، فهو بمنزلة كنايات بالعربية (وقوله) وأنه صريح عند أبي يوسفؒ كان الواقع به رجعياً، ويقع بدون النية. وفي الخلاصة: وبه أخذ الفقيه أبو الليث. وفي التفريد: وعليه الفتوىٰ.

(الفتاوى التاتارخانية، ٤/ ٤٦٣، رقم: ٦٦٧٧، ٦٦٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۳۱/۴۱)	۱۴۳۶/۱/۸ھ

''جواب دیا، جدا کر دیا، میرے گھر سے چلی جا'' کہنا

سوال [۶۴۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا، میاں نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ دوران جھگڑا کہے کہ ”میں نے تجھ کو جواب دیدیا، تجھ کو جواب دیا، جدا کردیا، میرے گھر سے چلی جا، نکل جا، ہٹ جا، دور ہو جا، اپنے ماں باپ کے سر جا کے بیٹھ، اپنے گھر جا میرے تیرے درمیان نباہ نہ ہوگا“ اور یہ الفاظ طلاق کی نیت سے کہے تھے، اور پندرہ بیس دن کے بعد میاں بیوی کے درمیان رضامندی ہوگئی اور بغیر نکاح کے آپس میں رہنے لگے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی تھی یا نہیں اور ساتھ ساتھ رہنے کے لئے نکاح کرنا ضروری ہے یا حلالہ بھی کرنا پڑے گا؟

المستفتی: عبدالجلیل، مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ ”جواب دیدیا“ دومرتبہ کہا ہے اور جدا کردیا اور گھر سے چلی جا، نکل جا، یہ سارے الفاظ طلاق کے لئے کنائی ہیں، اگر نیت کی گئی ہے تو سب سے صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔

ولا يلحق البائن البائن بأن قال لها: أنت بائن، ثم قال لها: أنت بائن لايقع إلا طلقة واحدة بائنة لأنه يمكن جعله خبراً عن الأول وهو صادق، فلا حاجة إلى جعله إنشاء. (هندية، زكريا ١/٣٧٧، زكريا جديد ديوبند ١/٤٤٥)

اور لفظ جواب دیدیا کے بارے میں احسن الفتاوی ۵/۱۹۲ رمیں لکھا ہے کہ اس سے طلاق صریح واقع ہوتی ہے اور اس پر کوئی حوالہ پیش نہیں فرمایا، مگر حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی ۲/۴۴۴، امداد الاحکام ۳/۳۴۴، عزیز الفتاوی ۴۹۶، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/۲۱۹، جدید ڈابھیل ۱۲/۷۹/۵ رمیں تفصیل کے ساتھ جواب دیدیا کو طلاق کنائی میں شمار فرمایا ہے؛ اس لئے اس لفظ سے طلاق کنائی ہی واقع ہوا کرے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۵/۳ھ

لفظ جواب سے ایک طلاق بائن

سوال [۶۴۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق کی جگہ لفظ جواب بذریعہ ڈاک لکھ کر روانہ کر دیا اور اس میں لفظ جواب تین جگہ لکھا، جواب سے مراد طلاق کو لیا ہے، ایسی صورت میں ہندہ پر کونسی طلاق ہوئی؟

المستفتی: محمد صلاح الدین، نور پٹہ، سہرسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ جواب طلاق کے لئے کنایہ ہے، لہٰذا اس سے طلاق بائن ہی واقع ہوسکتی ہے اور وہ بھی صرف ایک ہی طلاق واقع ہوسکتی ہے؛ لہٰذا اگر شوہر نے لفظ جواب طلاق کے ارادہ سے تین مرتبہ زبان سے کہا ہے یا تحریر میں لکھا ہے، تو دونوں صورتوں میں ایک طلاق بائن واقع ہوگئی؛ کیونکہ طلاق کنائی کے الفاظ مکرر در مکرر بولنے سے متعدد طلاقیں واقع نہیں ہوتیں؛ بلکہ ایک ہی طلاق واقع ہوا کرتی ہے۔ (امداد الفتاوی ۲/۴۴۴) میں مفصل جواب موجود ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۴/۳۴۳۳)

ولا یلحق البائن البائن، بأن قال لها: أنت بائن، ثم قال لها: أنت بائن لایقع إلا طلقة واحدة بائنة؛ لأنه یمکن جعله خبراً عن الأول وهو صادق، فلا حاجة إلی جعله إنشاء (هندیة، کتاب الطلاق، الفصل الخامس في الکنایات، زکریا ۱/۳۷۷، زکریا جدید دیوبند ۱/۴۴۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۷۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۵/۱۴۱۹ھ

لفظ جواب دیدیا سے ایک طلاق بائن

سوال[۶۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے درمیان بات چیت ہورہی تھی، اسی دوران شوہر نے بیوی سے کہا ''میں نے تم کو جواب دیا'' جس علاقہ میں یہ واقعہ پیش آیا ہے، وہاں یہ طلاق کے معنی میں بولا جاتا ہے، یہ طلاق صریح ہے یا کنائی یا اس سے کوئی بھی طلاق واقع نہ ہوگی یا طلاق کا مدار شوہر کی نیت پر ہے؟ جو بھی حکم ہو دلائل کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جواب دیا کا لفظ عرف میں کنایہ ہے اور یہ کنایہ کے اقسام میں سے وہ قسم ہے، جس میں رد اور سب کا احتمال نہیں، اگر شوہر نے یہ لفظ حالت رضا میں کہا ہے، تو طلاق کا مدار شوہر کی نیت پر ہے، بلا نیت کے طلاق واقع نہ ہوگی، دلالت حال یعنی غضب اور مذاکرۂ طلاق میں کہنے کی صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۴۴۲)

لا تطلق بها قضاء إلا بنية، أو دلالة الحال، وهي حالة مذاكرة الطلاق، أو الغضب. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/٥٢٨، كراچي ٣/٢٩٧، البحرالرائق، زكريا٣/٥١٩، كوئٹه ٣/٢٩٨)

الحاصل أنه لما تعورف به الطلاق صار معناه تحريم الزوجة وتحريمها لايكون إلا بالبائن، هذا غاية ماظهرلي في هذا المقام وعليه فلا حاجة إلى ما أجاب به في البزازية من أن المتعارف به إيقاع البائن، لما علمت مما يرد عليه. (شامي، زكريا٤/٥٣١، كراچي٣/٣٠٠)

أنت علي حرام والفتوى أنه يقع الطلاق البائن وإن لم ينو لغلبة

الاستعمال. (تاتارخانية، ٤/٤٤٨، رقم: ٦٦٣٧،الفتاوى الولوالجية، مكتبه دارالإيمان ٢/١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۷۷/۴۰)

''اگر آپ کی لڑکی دوسری جگہ شادی کے لئے تیار ہے، تو میری طرف سے اجازت ہے'' سے طلاق

سوال [۶۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی خالدہ سے بچپن میں ہوئی تھی، اوراب دونوں سن بلوغت تک پہونچ چکے ہیں؛ لیکن ابھی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں اورلڑکے کے خسر صاحب نے خط لکھا ہے کہ تمہاری بیوی سن بلوغ تک بہت پہلے پہونچ چکی ہے اوراس کے نان و نفقہ سے تم لاپرواہ ہو، سوتم ہاں یا نہ کا جواب دو، ورنہ پھر میں آگے راستہ دیکھوں گا، زید نے خط کا جواب دیا کہ اگر آپ کی لڑکی دوسری جگہ شادی کرنے کے لئے تیار ہے، تو میری طرف سے اجازت ہے، تو کیا اس جملہ سے طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: محمد مستقیم پورنوی، متعلم جامعہ الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید سے دریافت کیا جائے کہ یہ تحریر اس کی ہے یا نہیں، اگر اس کی ہے، تو اس سے معلوم کیا جائے کہ اس نے جو دوسری جگہ شادی کی اجازت کی بات کہی ہے، اس سے اس کی مراد کیا ہے؟ طلاق ہے یا ناراضگی کا اظہار؟ اگر وہ کہے طلاق ہے، تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے اوراگر غصہ اورناراضگی کا اظہار مقصود ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، اس کا نکاح بدستور باقی ہے، اس کا فیصلہ خود زید کے بیان سے ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/۲۳۶، جدید ڈابھیل ۱۲/۵۳۷)

عن إبراهيم قال: إذا قال لامرأته: اذهبي فانكحي، ليس بشيئ، إلا أن يكون نوىٰ طلاقاً، فهي واحدة وهو أحق بها. (مصنف عبد الرزاق، كتال الطلاق، باب اذهبي فانكحي،المجلس العلمي بيروت٦/٣٦٦، رقم: ١١٢١٤)

ولوقال لها: اذهبي فتزوجي لا يقع الطلاق إلا بالنية. (تاتارخانية، زكريا٤/ ٤٦١، رقم:٦٦٧٢)

ولو قال لها: اذهبي فتزوجي تقع واحدة إذا نوىٰ. (هندية، زكريا ١/٣٧٦، جديد زكريا ديوبند ١/٤٤٤، قاضي خان على الهندية، زكريا ١/٤٦٨، جديد زكريا ديوبند ١/٢٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۴۰۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۲ھ

جا طلاق ہوگئی، اب تو آزاد ہوگئی، جاؤ گھومو، سے طلاق

سوال [۶۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے غصہ کی حالت میں یہ الفاظ کہے ''ریشمہ ہم نے تم کو طلاق دی، طلاق دی، جا طلاق ہوگئی'' اب تو آزاد ہوگئی، جاؤ گھومو'' مذکورہ الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوئی؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد توحید، پرتا بگڈھی، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دی طلاق دی کے دونوں لفظ سے دوطلاق رجعی واقع ہوگئیں، اس کے بعد آگے کے تین الفاظ ہیں، جن کے بارے میں شوہر سے تحقیق کی ضرورت ہے۔

(۱) جا طلاق ہوگئی۔

(۲) اب تو آزاد ہوگئی۔
(۳) جاؤ گھومو۔

اگر ان الفاظ سے اس کا مقصد پہلے دونوں لفظوں کی خبر دینا ہے کہ چونکہ تمہیں دو طلاقیں ہوگئی ہیں، اب یہاں سے جاسکتی ہو، آزاد ہوگئی ہو، گھوم سکتی ہو، تو ایسی صورت میں بعد کے تینوں لفظوں سے کوئی طلاق نہیں ہوئی، صرف دو طلاق رجعی مانی جائیں گی اور اگر بعد کے الفاظ سے خبر دیتے ہوئے یہی مقصد تھا کہ دو طلاقیں تمہیں دی گئی ہیں۔ اب تم نکاح سے آزاد ہوگئی ہو، میرے سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے، آزاد گھوم سکتی ہو اور پہلی دونوں طلاق رجعی کو بائنہ بنانا مقصود ہے، تو دو طلاق بائن واقع ہوگئی ہیں، پس پہلی صورت میں طلاق رجعی ہونے کی وجہ سے عدت میں رجعت کر کے رکھ سکتے ہیں اور دوسری صورت میں بائنہ ہونے کی وجہ سے اگر رکھنا چاہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح کر کے رکھ سکتے ہیں، طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے حلالہ کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۲/۳۴۳)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، أوتطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا ١/ ٤٧٠، زكريا جديد ديوبند ١/ ٥٣٥، قدوري، امداديه ديوبند ص: ١٧٧)

عن الحسن فلا تعضلوهن قال: حدثني معقل بن يسار أنها نزلت فيه قال: زوجت أختا لي من رجل، فطلقها حتي إذ ا نقضت عدتها جاء يخطبها، فقلت له: زوجتک وفرشتک، وأكرمتک فطلقتها، ثم جئت تخطبها لا والله لاتعود إليک أبداً، وكان رجلاً لا بأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه، فأنزل الله هذه الآية. فلا تعضلوهن، فقلت الأن أفعل يا رسول الله قال: فزوجها إياه. (بخاري، كتاب النكاح، باب من قال لا نكاح إلا بولي، النسخة الهندية ٢/ ٧٧٠، رقم:٤٩٣٧، ف: ٥١٣٠، سنن الترمذي، التفسير، سورة البقرة، النسخة الهندية ٢/ ١٢٧، دارالسلام رقم: ٣٦١٥)

وإذا کان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن یتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هندیة، زکریا ۱/٤٧٦، زکریا جدید دیوبند ۱/٥٣٥ ،هدایة، اشرفي دیوبند۲/۳۹۹، تاتارخانیة، زکریا ٥/۱٤۸، رقم: ۷٥۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۷/۲۸ھ

’’اب وہ میرے لئے حرام ہے‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۶۴۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبداللہ کی شادی ہوئی ازدواجی زندگی گذر رہی تھی، ملازمت کی وجہ سے عبداللہ گھر سے کچھ دوری پر رہتا تھا اور بیوی کو اپنے سے کچھ دور ایک رشتہ دار کے پاس رکھا تھا، نیز عبداللہ کا اپنے والد سے تکرار ہوگیا اور بہت دیر تک ہوا؛ چنانچہ عبداللہ کو غصہ آیا اور فون پر اپنی والدہ سے والد کو برا بھلا کہا اور یہ کہہ دیا بیوی کے تعلق سے کہ ’’اب وہ میرے لئے حرام ہے، اور میں بقرعید میں اس کو گھر لے کر آرہا ہوں، ٹرین میں اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا، اجنبی ہے، اجنبی کی طرح لے کر آؤں گا‘‘ پھر دوبارہ کہا کہ ’’میں بقرعید میں اسے گھر لے کر آرہا ہوں ٹرین میں اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا، اجنبی کی طرح لے کر آرہا ہوں‘‘ چونکہ عبداللہ کی سسرال راستے میں ہی پڑتی تھی، اس لئے دوسری بار میں یہ بھی کہا کہ ’’میں اس کو اس کے گھر چھوڑ دوں گا‘‘۔

عبداللہ نے چونکہ مذکورہ جملے فون پر جھگڑے کے درمیان میں کہے؛ اس لئے اس کو اس وقت بالکل احساس نہیں ہوا کہ میں نے ایسا جملہ کہہ دیا کہ جس سے طلاق پڑ سکتی ہے نیز تھوڑی دیر میں جھگڑا ابھی ختم ہوگیا؛ اس لئے عبداللہ گھر بھی نہیں گیا اور ایک ہفتہ بعد دونوں میاں بیوی ایک ساتھ رہنے لگے نتیجتاً عبداللہ کی بیوی حاملہ ہوگئی اور اب حمل سات مہینے کا ہوگیا، اچانک پھر

عبداللہ کا اپنے والدین سے بیوی کے تعلق سے ایک بات پر تکرار ہوگیا؛ لہٰذا عبداللہ تکرار کی وجہ سے فکر مند رہنے لگا، اچانک ذہن پر زور دے کر الفاظ یاد کرنے کی کوشش کرنے لگا؛ چنانچہ اوپر لکھے ہوئے جملے ہی یاد آئے۔ نیز مذکورہ جملوں کا دوبار کہنا یقین کے ساتھ یاد آرہا ہے؛ لیکن ساتھ ساتھ تیسری بار کہنے کا ایک وہم ہورہا ہے؛ کیونکہ اس کے ذہن میں تین بار کہنے کا یا تین طلاق کا کوئی تصور بھی نہیں تھا، نیز اس نے اپنی والدہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایک دوبار کہا ہوگا، اب ایسی صورت میں عبداللہ کیا کرے؟ خوف خدا کی وجہ سے عبداللہ بہت پریشان ہے، مہربانی فرما کر درج ذیل مسائل کی وضاحت فرمائیں۔

(۱) طلاق کونسی واقع ہوگی؟

(۲) بچہ جائز یا ناجائز نطفے کا ہوگا؟ کیونکہ وہ اپنی بیوی کو حلال سمجھ کر ایک ساتھ رہ رہا تھا، اس کے ذہن میں طلاق کا کوئی شائبہ بھی نہ تھا۔

(۳) دوبارہ ازدواجی زندگی کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: محمد انس، پاک باڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) جب شوہر عبداللہ نے بیوی کے بارے میں کہا کہ اب وہ میرے لئے حرام ہے، تو اس کی وجہ سے بلانیت ہی اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اس کے بعد جو جملے عبداللہ نے کہے ہیں وہ سب پہلے جملہ کی وضاحت کے قبیل سے ہیں، ان کی وجہ سے بیوی پر مزید کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور اس کے بعد میاں بیوی کا ایک ساتھ رہنا اور آپس میں زن وشوہر کا تعلق کرنا جائز نہیں تھا؛ لہٰذا دونوں ایک ساتھ رہنے کی وجہ سے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے، جس کے لئے استغفار وتوبہ کرنا ضروری ہے۔

والحاصل أن المتأخرين خالفوا المتقدمين في وقوع البائن بالحرام بلانية حتي لا يصدق إذا قال: لم أنو لأجل العرف الحادث في زمان المتأخرين، فيتوقف الآن وقوع البائن به علىٰ وجود العرف كما في

زمانهم. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٢٩٩، زكريا٤/٥٣٠)

(۲) پیدا ہونے والے بچہ کا نسب شوہر عبداللہ ہی سے ثابت ہوگا۔

والمبتوتة يثبت نسب ولدها إذا جاءت به لأقل من سنتين؛ لأنه يحتمل أن يكون الولد قائماً وقت الطلاق، فلا يتيقن بزوال الفراش قبل العلوق فيثبت النسب احتياطاً. (هداية، اشرفي ٢/٤٣٠، شامي، زكريا ٥/٣٣١، كراچي٣/٥٤١)

(۳) دوبارہ ایک ساتھ رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے تجدید نکاح کریں، اس کے بغیر ایک ساتھ رہنا جائز نہیں ہے اور تجدید نکاح اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ دو مردوں کے سامنے یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایجاب وقبول کرلیں، شوہر کہہ دے کہ میں تمہیں اپنی زوجیت میں لیتا ہوں اور بیوی کہہ دے کہ میں نے قبول کیا، اتنا کہنا بھی کافی ہے، اس کے لئے الگ سے مہر بھی متعین کرنا ضروری ہے۔

عن سماکؒ قال: سمعت عكرمةؓ يقول: الطلاق مرتان: فإمساك بمعروف، أو تسريح بإحسان، قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لابن أبي شيبة، ما قالوا في الطلاق مرتان، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٠/١٩٧، رقم:١٩٥٦٤)

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، هندية، زكريا ١/٤٧٦، جديد زكريا ديوبند١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٨، رقم:٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۵۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۳ھ

تمہارا فیصلہ کردیا کہنے کا حکم

سوال[۶۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری ہمشیرہ رئیس فاطمہ عرف شمشیر فاطمہ بنت علی محمد محلہ مہند جنگلہ گلڑیا والی مسجد شاہجہانپور کا نکاح لگ بھگ تیس سال پہلے محمد سلیم ولد سمیع اللہ محلہ علی زئی کیساتھ ہوا تھا دونوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، شادی کے کچھ دنوں بعد سے ہی دونوں کے تعلقات کشیدہ رہے مگر دنیا کی نظر میں رشتہ بنارہا، وضاحت کردوں کہ محمد سلیم ہمارے خالہ زاد بھائی بھی ہیں، اب سے لگ بھگ ڈھائی سال پہلے محمد سلیم نے اپنی بیوی کو یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ (تمہارا فیصلہ کردیا، اپنا ٹنڈیلہ بڑھاؤ) اور رات میں لگ بھگ ساڑے نوبجے کا واقعہ ہے تب سے رئیس فاطمہ میکہ میں رہ رہی ہے اب ان کی کفالت مجھ پر ہے والدین کا انتقال ہو چکا ہے، محمد سلیم سے اس بارے میں کئی بار صلح کے لئے بات کی گئی مزید دیگر رشتہ داروں کو بھی بتانے کے لئے بھیجا گیا مگر وہ کسی طرح راضی نہیں ہوا، کچھ دن پہلے شمشیر فاطمہ سے مزید معلومات کرنے پر پتہ چلا کہ مندرجہ بالا الفاظ جو بریکٹ میں ہیں، اس سے قبل بھی کئی بار الگ الگ وقت میں کہے گئے، محمد سلیم نے بھی مندرجہ بالا الفاظ کی کئی آدمیوں کے سامنے تصدیق کی ہے کیا اوپر بریکٹ میں دئے ہوئے الفاظ کو بیوی سے کہنے پر طلاق ہوگی؟

المستفتی: محمد ابراہیم انصاری، شاہجہانپور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ فیصلہ کردیا سے جو بھی نیت کی جائیگی اسی کا حکم شرعی ثابت ہوگا، اگر شوہر نے بیوی سے ''تمہارا فیصلہ کردیا'' کہہ دیا ہے، تو اس سے اگر بیوی کو دھونس دینا ڈانٹ ڈپٹ کرنا مراد لیا ہے، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، اور اگر مطلقاً طلاق کی نیت سے کہا ہے، تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اور اگر طلاق کی تعداد کی نیت کی ہے، تو اس کی صراحت سامنے آنے کے بعد حکم شرعی بتایا جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۲/۳/۵۷)

كنايته مالم يوضع له أي الطلاق واحتمله وغيره، فا لكنايات لاتطلق بهاقضاءً إلا بنيةٍأو دلالة الحال. (الدرالمختار مع ردالمختار، کراچی ۳/ ۲۹٦، زکریا ٤/ ۵۲٦ تا ۵۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹٦۲٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/٦/۱۱ھ

طلاق دے کر اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیا

سوال [٦۴۳٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حالات کی بنا پر میرے شوہر نے مجھے اس طرح تحریری طور پر طلاق دیدی تھی، تحریری الفاظ یہ تھے ’’فریق دوم نے فریق اول کو روبرو گواہان طلاق دیکر اپنی زوجیت سے علیحدہ کر دیا‘‘ اس تحریر سے کون سی طلاق واقع ہوئی اور اب دوبارہ اسی شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتیہ: خدیجہ فاطمہ، کالا پیادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دے کر زوجیت سے علیحدہ کر دیا کے لفظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوئی اس لئے کہ لفظ طلاق اگر چہ صریح رجعی کے لئے ہے لیکن ساتھ میں زوجیت سے علیحدہ کر دیا کے لفظ نے تاکید پیدا کر کے رجعی کے بجائے بائنہ کر دیا؛ اس لئے مذکورہ صورت میں ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، مگر اس سے طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوئی اس لئے زوجین آپس میں دوبارہ ساتھ رہ کر زندگی گذارنا چاہیں تو بغیر حلالہ کے دوبارہ شریعت کے مطابق دو گواہوں کے سامنے باضابطہ نکاح کر کے زندگی گذارنا جائز ہوگا اس کے لئے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

إذاوصف الطلاق بصفة تدل على البينونة كان بائناً. (شامي، زكريا ٤/١ ٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ رجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۸۸۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۶ھ

تیرا میرا کوئی رشتہ نہیں ہے

سوال [۶۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے دوبار کہا طلاق دی، تیسری بار کہا میرا تیرا کوئی رشتہ نہیں، کیا اس صورت میں حرمت مغلظہ ہوگئی، خالد کا کہنا ہے کہ حرمت مغلظہ ہوگئی کیوں کہ تیسرا جملہ طلاق کنائی ہے اور غضب ومذاکرہ کی حالت میں کنائی سے بلانیت طلاق واقع ہو جاتی ہے، جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دی، طلاق دی، دومرتبہ کہنے پر دوطلاق صریح واقع ہوگئیں، اور تیسرا میرا کوئی رشتہ نہیں، یہ الفاظ عام طور پر دھمکی اور دھونس کے لئے بولے جاتے ہیں، اس لئے اگر اس لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے، بلکہ صرف دھمکی مقصود ہے تو مذاکرۂ طلاق کے باوجود بھی اس لفظ سے بلانیت طلاق واقع نہیں ہوگی، لہٰذا شوہر سے معلوم کیا جائے کہ اس لفظ سے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں، اور اس کو طلاق کنائی اس وقت شمار کیا جاسکتا ہے، جبکہ ان الفاظ کو مذاکرۂ طلاق کے وقت کہا ہو اور اس سے طلاق کی نیت کی ہو۔

(مستفاد محمود یہ ڈابھیل ۱۲/ ۵۵۰، فتاوی دار العلوم ۹/ ۳۹۹، امداد الفتاوی ۲/ ۴۳۳)

لوقال لها: لانكاح بيني وبينك أوقال: لم يبق بيني وبينك نكاح

يقع الطلاق إذا نوى (هندية، زكريا جديد ديوبند ١/٤٤٣ كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات كوئٹه ١/٣٧٥، كذا في البزازية على هامش الهندية نوع آخرفي إنكار النكاح ٤/١٩٦، زكريا جديد ديوبند ١/١٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ رجب ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۱۰۷۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۷/۸ھ

میں نے شادی ختم کردی ختم کردی ختم کردی کہنا

سوال [۶۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دلشاد حسین نے اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ ”میں نے شادی ختم کردی“، ختم کردی، ختم کردی، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں طلاق پڑے گی یا نہیں اگر طلاق پڑے گی تو کتنی طلاق پڑیں گی؟

المستفتی: محمد نوشاد حسین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شادی ختم کردی، کے الفاظ ازقبیل کنایہ ہیں، ان الفاظ سے اگر طلاق کی نیت کی گئی ہے تو پہلے والے لفظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، اس کے بعد لفظ ختم کردی، ختم کردی، جو دو مرتبہ کہا ہے، وہ پہلے کے لئے خبر اور تاکید کے درجہ میں ہے ان سے الگ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اس لئے کہ طلاق کنایہ میں متعدد الفاظ جو کہے جاتے ہیں، تو ان میں بعد کے الفاظ سے کوئی نئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اس لئے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، ہاں البتہ اگر شوہر نے شادی ختم کردی کے الفاظ سے تین طلاق مراد لی ہے تو پھر تین طلاق واقع ہوجائیں گی:

ولو قال: فسخت النكاح ونوى الطلاق يقع، وعن أبي حنيفةؒ إن

نـویٰ ثـلاثاً فثلاث، كذا في معراج الدراية. (هـندية، زكريا قديم ۱/ ۳۷۵، جديد زكريا ديوبند ۱/ ٤٤٢)

ولـو قال: فسخت النكاح بيني وبينك ونوى الطلاق يقع الطلاق؛ لأن فسـخ الـنـكـاح نقضه فكان في معنى الإبانة. (بـدائع الصنائع، زكريا جديد ديوبند ۳/ ۱۷۲)

ولا يـلـحـق البـائـن البـائـن بأن قال لها أنت بائن ثم قال لها أنت بائن لايقع إلاطلقة واحدة بـائنة لأنه يمكن جعله خبراً عن الأول وهو صادق فيه فـلاحـاجة إلـىٰ جعلـه إنشاءً ا(هـنـدية، زكـريا قديم ۱/ ۳۷۷، ، زكـريـا جديد ديو بند ۱/ ٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۵۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۳ھ

رات کے اندھیرے میں بھی اپنی ماں کے گھر گئی تو میرے نکاح میں نہیں رہنے کی

سوال [۶۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے دو عورتوں کی موجودگی میں اپنی بیوی سے کہا اگر تو دس سال تک رات کے اندھیرے میں بھی اپنی ماں کے گھر گئی تو تو میرے نکاح میں نہیں رہنے کی، یا کہا نکاح سے باہر ہو جائے گی، اس کے بعد اگلے روز ہی بیوی اپنی ماں کے گھر چلی گئی یہ واقعہ سوا دو مہینہ قبل کا ہے، اور اس دوران شوہر بیوی کی کوئی ملاقات نہیں ہے، اور ابھی ایک ہفتہ پہلے اس عورت کو بچی پیدا ہوئی ہے؟

المستفتی: صوفی محمد نعیم امروہہ، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید نے اپنی بیوی سے یہ جملہ کہا کہ ''اگر تو دس سال تک رات کے اندھیرے میں بھی اپنی ماں کے گھر گئی، تو تو میرے نکاح میں نہیں رہنے کی'' یا یہ جملہ کہا کہ ''نکاح سے باہر ہو جائیگی ،تو یہ کنائی جملہ ہے اس سے اگر طلاق کی نیت کی گئی ہے تو ایک طلاق بائن ماں کے گھر جانے کی وجہ سے ہو جائیگی اور بغیر حلالہ کے آپس میں نکاح درست ہو جائیگا۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقاً. (عالمگیری، زکریا دیوبند ١/٤٢٠، زكريا جديد ديوبند ١/٤٨٨)

ولو قال لها: لانكاح بيني وبينك أوقال: لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق إذا نوىٰ. (عالمگیری، زکریا دیوبند ١/٣٧٥، زکریا جدید دیوبند ١/٤٤٣، مثله فى البزازيه على هامش الهندية ٤/١٩٦، جديد زكريا ١/١٢٨، هكذا فى قاضى خان على هامش الهندية ١/٤٦٨، زكريا جديد ١/٢٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ شعبان ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۰۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۱ھ

طلاق دیدی کے بعد چلی جا کہنے سے طلاق

سوال [۶۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا دوران جھگڑا زید کے بھائی وغیرہ جمع ہو گئے زید نے کہا، میں نے اس کو طلاق دیدی، جا چلی جا، پھر کچھ دیر بعد کہا کہ گئی کیوں نہیں اس سے کہدو کہ چلی جائے آیا اب زید کی بیوی کو طلاق ہوئی، یا نہیں اگر طلاق واقع ہوئی تو کونسی ہوئی

ذرا وضاحت سے مدلل ومفصل تحریر فرمانے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالغفار ہیبت پور جویا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کے اس جملہ سے کہ میں نے اس کو ’’طلاق دیدی‘‘ ایک طلاق رجعی ہوچکی اب اس کے بعد زید نے جو چلی جا کہا اگر اس سے اس کی مراد یہ ہو کہ چونکہ میں نے تجھے طلاق دی اس لئے اپنے میکہ چلی جا تو ایسی صورت میں اس دوسرے جملہ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، اور اگر اس سے اس نے دوسری طلاق کا ارادہ کیا ہو تو ایک طلاق مزید ہو کر دونوں طلاق بائنہ ہو جائیں گی اب شوہر خود دیکھ لے اسکی نیت کیا تھی۔

الطلاق الصريح وهو كأنت طالق ومطلقة وطلقتک وتقع واحدة رجعية وإن نوى الأكثر والإ بانة أولم ينو شيئًا. (عالمگیری، زکریا قدیم ۱/ ۳۵٤، زكريا جديد ديوبند ۱/ ٤٢٢)

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن، والبائن يلحق الصريح (درمختار) **وفي الشامية: وإذا لحق الصريح البائن كان بائنا؛لأن البينونة السابقة عليه تمنع الرجعة.** (شامی، کراچی ۳/ ۳۰٦، زکریا ٤/ ٥٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا/ شعبان ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ٦٨٦٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۸/۱ھ

تم اپنے گھر چلی جاؤ سے طلاق کا حکم

سوال [٦۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے بیوی سے غصہ میں کہہ دیا کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ اور انھوں نے اپنے گھر

جا کر کہا کہ انہوں نے مجھے طلاق دیدی ہے، تو کیا یہ کہنے سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد معروف بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شوہر نے غصہ کی حالت میں جو یہ کہا کہ میرے گھر سے چلی جاؤ اس سے اگر اس نے طلاق کی نیت نہیں کی ہے تو بیوی کو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، اور بیوی کا یہ کہنا کہ مجھے اس نے طلاق دیدی ہے محض اس کے اس دعوی کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوئی اس پر لازم ہے کہ ایسے دوشرعی گواہ سے اپنا دعوی ثابت کرے جنہوں نے خود طلاق سنی ہو اس کے بغیر بیوی کا دعوی معتبر نہیں ہے؛

قال الله تعالى: ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾. (سورة البقره: ٢٨٢)

قال وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين الخ.
(هداية، اشرفی بك ڈپو دیوبند ١٥٥/٣، هندية، زكريا ٤٥١/٣، زكريا جديد ديوبند ٣٨٨/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ شعبان ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۰۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

جاؤ اب چلی جاؤ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۴۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی سے ایک بار کہا تھا کہ جاؤ میں نے تمہیں طلاق دی، جاؤ اب چلی جاؤ، جاؤ اب چلی جاؤ، تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوئی اب دوبارہ اس کے ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں، جاؤ اب چلی جاؤ وغیرہ کے الفاظ سے طلاق دینے کی نیت نہیں تھی؟

المستفتی: کوثر علی محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جاؤاب چلی جاؤ وغیرہ کے الفاظ سے جب طلاق کی نیت نہیں کی ہے بلکہ صرف تمہیں طلاق دی کہنے کا نتیجہ مقصد ہے، تو اس سے کوئی طلاق نہیں ہوئی ہے، اور لفظ میں نے تمہیں طلاق دی سے ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے، عدت کے اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے،

عن سماک قال: سمعت عکرمةؓ یقول: الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أو تسریح بإحسان قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نکحها، وإذا طلقها ثنتین فإن شاء نکحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (المصنف لابن ابی شیبه، باب ماقالوا فی الطلاق مرتان ۱۰/ ۱۹۷، رقم: ۱۹٥٦٤)

إذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة أو تطلیقتین فله أن یراجعها فی عدتها. (هدایه، اشرفی بکڈپو دیوبند ۲/ ۳۹٤، وکذافي الهندیة، زکریا قدیم ۱/ ٤۷۰، زکریا جدید دیوبند ۱/ ٥۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ محرم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۸۵/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۱۹ھ

مجھے ریحانہ کی ضرورت نہیں سے طلاق کا حکم

سوال [۶۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے والد کے نام بزبان کنڑی خط لکھا جس کا ترجمہ کنڑ زبان کے پانچ چھ ماہرین سے کروانے کے بعد روانہ کررہا ہوں، نیز زید نے اپنے والد کو یہ خط بطور دھمکی (زید کے قول کے مطابق) روانہ کیا ہے، حضرت والا سے درخواست ہے کہ حضرت والا سے جتنا

جلد ہوسکے اس کا جواب مرحمت فرمائیں، پیارے ماں باپ تمہارے برخوردار کی طرف سے سلام، وہاں پر اللہ کے فضل وکرم سے خوشحال رہیں گے میں بھی یہاں خیریت سے ہوں میری شادی ریحانہ سے کرکے تم نے اپنی آرزو پوری کرلی لیکن میری زندگی برباد ہوگئی اس پر بھی میں خاموش رہا اور ریحانہ کو ڈیوٹی (نوکری، ملازمت) پر نہ بھیجو کہنے کے باوجود بھی آپ نے اسکی مرضی سے ڈیوٹی (نوکری) پر روانہ کیا، مجھے پہلے ہی سے ہیڈ ماسٹر پر گمان تھا، کئی ایک مرتبہ اس بارے میں بولتا رہا اور یہ چیز مجھے ناپسند تھی وہاں کیا کیا ہوا نہ معلوم، مجھے تین دن کی رخصت ملی تھی دوسرے سب رشتہ داران کے گھر گئے ہیں، میں نہیں گیا میں یہیں رک گیا تھا، اب مجھے ریحانہ کی ضرورت نہیں ہے میں اسے طلاق دینے والا ہوں میری بات کو ٹھکراتے ہوئے پھر سے وہ ڈیوٹی پر گئی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص وہاں اس کے ساتھ ہے اس واسطے مجھے اسکی ضرورت نہیں ہے، میں طلاق دینے والا ہوں، اگر اس کے درمیان آپ آئے تو یوں سمجھو کہ میں آپ کے حق میں مرگیا، آپ نے میری زندگی برباد کی، اس لئے آپ کے گھر کو آنا بھی نہیں چاہتا یہ سب ہونے کا سبب ہی ابا جان ہیں، آپ نے خود میری زندگی برباد کی تمہاری ہی بات چلی مگر میری بات نہیں، اسلئے آپ ریحانہ کو ڈیوٹی پر بھیجیں اگر طلاق ہوگئی تو اس کا سبب آپ ہیں خود، یوں سمجھ لو کہ آپ کا بیٹا آپ کے حق میں مرگیا۔

فقط آپ کا بیٹا یعقوب شریف

نیز ساتھ ساتھ یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ کتنی طلاق واقع ہوئیں؟ اسلئے کہ یہاں ایک مولانا نے یوں فرمایا کہ تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں، اور اب کوئی صورت نہیں رہی؟

المستفتی: محمد عبد اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال مذکورہ میں شوہر نے جو یہ الفاظ کہے کہ میں اسے طلاق دینے والا ہوں اس سے طلاق واقع نہ ہوئی کیونکہ یہ استقبال کا صیغہ ہے،

وفی المحیط: لوقال بالعربیة: أطلق لایکون طلاقاً إلا إذا غلب

استعمـالـه لـلـحال، فيكون طلاقاً وقوله كنم لأنه استقبال فلم يكن تحقيقا بًالتشكيك. (هندية، زكريا ١/ ٣٨٤، زكريا جديد ديوبند ١/ ٤٥٢)

اورشوہر کے یہ الفاظ کہ مجھے ریحانہ کی ضرورت نہیں ہے، جوکہ دومرتبہ کہے ہیں یہ الفاظ کنائی میں سے ہیں لہٰذا اس سے اگر شوہر نے نیت طلاق کی کی ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور اگر نیت طلاق کی نہیں کی ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی لہٰذا اس صورت میں شوہر سے اس کی تحقیق کی جائے کہ شوہر نے یہ الفاظ کس نیت سے کہے ہیں۔

لايـقـع الـطـلاق بشـي من الكنايات إلا بالنية كذا لوقال لا حاجة لي فيك (خانية على هامش الهندية زكريا ١/ ٤٦٨)جديد ١/ ٢٨٤)

قوله لايلحق البائن البائن. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس، فی الكنايات، قديم ١/ ٣٧٧، زكريا جديد ديوبند ١/ ٤٤٥، هكذا فی التبيين، زكريا ٣/ ٨٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۹۲/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۲۳ھ

ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد کہنا کہ تمہارا معاملہ صاف

سوال [۶۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں ایک بار کہا ’’طلاق‘‘ پھر دوسری بار کہا کہ تمہارا معاملہ صاف اس واقعہ کو تقریباً پانچ ماہ ہو چکے ہیں، بیوی اس وقت سے لے کر اب تک میکہ میں ہے، زید اسے اپنے گھر لانا چاہتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ عورت زید کی بیوی رہی یا نہ رہی اور زید اسے اپنے گھر لا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عابد حسین جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب زید نے ایک طلاق صاف الفاظ کے ساتھ دیدی ہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، پھر اس نے تمہارا معاملہ صاف جو کہا ہے تو وہ حالت مذاکرۂ طلاق میں کہا ہے، اس میں طلاق کی نیت موجود ہوتی ہے، اس لئے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، لہٰذا بیوی پر دو طلاق بائن واقع ہوگئی تھیں، اور یہ واقعہ پانچ مہینہ پہلے پیش آیا تھا۔اب بیوی شوہر کے نکاح میں کسی طرح باقی نہیں رہی ہے، اسکو اختیار ہے، چاہے دوسرے مرد سے نکاح کرے چاہے پہلے شوہر سے نکاح کرے اور چونکہ تین طلاق نہیں ہوئی تھیں اسلئے پہلے شوہر سے نکاح کے لئے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن بشرط العدة والبائن يلحق الصريح (إلى قوله) لايلحق البائن البائن. (درمختار، زكريا ٤/ ٥٤٠، کراچی ٣/ ٣٠٨، هكذا في الهندية، زكريا ١/ ٣٧٧ جديد زكريا ديوبند ١/ ٤٤٥)

وإذا كان الطلاق بائنًا دون الثلاث، فله أن يتزوجها فى العدة وبعدانقضائها. (هداية، أشرفي بكڈپو ديوبند ٢/ ٣٩٩، هكذا في التاتارخانية، جديد زكريا ٥/ ١٤٨، رقم: ٧٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ شعبان ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۸۰۰/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۴ھ

دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد ’’جایار میں نے تیرا فیصلہ کردیا‘‘ کہنا

سوال [۶۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو دو مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیدی میں نے تجھے طلاق دیدی پھر تیسری مرتبہ بھی یہ کہنا چاہتا تھا کہ محلّہ کی عورت نے زید کے منھ پر ہاتھ رکھ لیا نہ کہنے دیا مگر زید نے یہ لفظ ضرور کہہ دیا کہ جایار میں نے اب تیرا فیصلہ کردیا؟

المستفتی: محمد یوسف سلمانی شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے اپنی بیوی کو دومرتبہ میں نے تجھے طلاق دی کہنے کی وجہ سے دوطلاق رجعی واقع ہوگئیں، اس کے بعد زید کا پھر یہ کہنا کہ جا یار میں نے اب تیرا فیصلہ کردیا، اگراس سے مزید طلاق کی نیت کی ہے تو زید کی بیوی پر تیسری طلاق مغلظہ ہوجائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہ کی ہوتو طلاق واقع نہ ہوگی لہٰذا زید عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے۔

وقعتا رجعيتين، لو مدخولا بها، كقوله : أنتِ طالق، أنتِ طالق. (شامی، زكريا ٤/٣٦٤)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض. كذا في الهداية. (عالمگیری، جدید زکریا دیوبند ۱/۵۳۳– ۱/۴۷۰،هكذا في الهداية، أشرفي بكڈپو ديوبند۲/۳۹٤)

فالكنايات لاتطلق بها قضاءً إلا بالنية أو دلالة الحال. (شامی، زكريا ٤/٥٢٨،كراچی ۳/۲۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲ جمادی الاولی ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۲۰/۳٦)	۱۴۲۴/۵/۲ھ

آج سے ہمارا تمہارا رشتہ ختم

سوال [٦۴۴٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد فہیم نے اپنی بیوی کو اس کی موجودگی میں چند لوگوں کے سامنے یہ جملہ کہا عالم کی بیٹی (لڑکی) ''جا میں نے تجھ کو طلاق دی آج سے ہمارا تمہارا رشتہ ختم'' اس جملہ سے ایک طلاق واقع ہوئی یا دو واضح ہو کہ محمد فہیم کچھ دنوں پہلے ایک طلاق دے چکا ہے، واضح ہو کہ محمد

فہیم کہتا ہے کہ ہم نے ایک طلاق دی ہے بعد والے جملہ سے ہمارا مقصد طلاق نہیں تھا کیا محمد فہیم عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے، یا پہلے والی طلاق ملاکر تین واقع ہوئیں؟ وضاحت سے تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد فہیم کٹرہ، میدنی گنج، پرتاب گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ''عالم کی بیٹی جامیں نے تجھ کو طلاق دی'' اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور دوسرے جملے آج سے ہمارا تمہارا رشتہ ختم سے الفاظ کنائی ہونے کی وجہ سے نیت کے بغیر اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا پہلی والی طلاق ملاکر کل دوطلاق رجعی ہوگئیں، جس بناپر فہیم صاحب کوعدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کا حق ہے۔

ولو قال لها: لانكاح بيني وبينك أوقال: لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق إذانوى. (قاضي خان على هامش الهندية، زكريا قديم ١/٤٦٨، زكريا جديد ديوبند ١/٢٨٤، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٥، جديد زكريا ديوبند ١/٤٤٣)

وفي شرح الطحاوي لانكاح بيني وبينك ....و إن قال لم أردبه الطلاق أولم تحضره النية لايكون طلاقًا. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/٤٦٠، رقم: ٦٦٦٩)

وإذاطلق الرجل امرأته، تطليقة رجعية، أوتطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض . (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد زكريا ديوبند ١/٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۷۰/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۲۳ھ

لفظ ''ڈیزولو'' اورڈیوورس سے طلاق کا حکم

سوال [۶۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں برطانیہ کے کورٹ میں میرج ختم کرنے کے لئے جو فارم بھرا جاتا ہے، اس میں شوہر درخواست دیتا ہے کہ میرج کو ڈیزولو کیا جائے کورٹ جب میرج کو ختم کرتا ہے، اور سرٹیفیکٹ بھیجتا ہے، اس میں بھی یہی ڈیزولو کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، یعنی میرج ڈیزولو کردیا گیا ہے، ڈیزولو کا معنی یہ ہے: پگھلانا، منسوخ کرنا، معاہدے کو توڑ دینا،

(۱) سوال یہ ہے کہ شوہر اگر یہاں کے کورٹ میں درخوست دے اور کورٹ میرج کو ختم کرے، تو اس لفظ ڈیزولو سے طلاق رجعی واقع ہوگی یا بائن؟

(۲) یہ لفظ طلاق میں صریح ہے یا کنایہ؟

(۳) یہ لفظ اگر کنایہ ہے تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۴) ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ خوشی کے ساتھ زندگی بسر کررہا ہے، اور اسکی دوسری بیوی ہندوستان میں ہے، جو اپنی پہلی بیوی سے کورٹ میرج کو قانونی طور پر توڑنا چاہے، اب یہ صاحب بغیر نیت طلاق کے صرف کورٹ سے علاحدگی کی غرض سے کورٹ کو درخواست دے تو اس لفظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۵) اسی طرح کا ایک اور لفظ ڈیوورس ہے، اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: ازاسلامک دعوۃ اکیڈمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ ڈیزولو کے استعمال کا مدار برطانیہ کے عرف پر ہے، اگر وہاں کے عرف میں یہ لفظ بیوی کے حق میں صرف طلاق ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، تو اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اور اگر بیوی کے حق میں طلاق کے علاوہ اور

امور میں بھی استعمال ہوتا ہے، تو پھر یہ طلاق کنائی میں شمار ہوگا، اور اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور یاد رکھئے کہ سوالنامہ میں اس کے تین معانی بیان کئے گئے ہیں، حکم شرعی کا مدار صرف بیوی کے حق میں استعمال ہونے پر ہے جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، لہٰذا وہاں کے تجربہ کار علماء اور اہل حل وعقد اس لفظ کے بارے میں وہاں کے عرف کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے کہ بیوی کے حق میں یہ لفظ کنایہ میں شمار ہوگا یا الفاظ صریح میں، اگر الفاظ صریح میں مستعمل ہوتا ہے، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور کورٹ میرج ڈیز ولو کرانے کی صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی بعد میں رجعت کرکے زندگی گذارنے کی اجازت ہوگی۔ اور اگر وہاں کے عرف میں الفاظ کنایہ میں شمار ہے تو کورٹ میرج ڈیز ولو کرانے سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی بعد میں دوبارہ رکھنا چاہے تو نکاح کرنا ضروری ہوگا، نیز اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ کورٹ کے کاغذات میں علاحدگی دکھلانے کے لئے درخواست دی ہے، اور طلاق کی نیت نہیں ہے، اور نہ ہی علاحدگی کی نیت ہے بلکہ صرف سرکاری کاغذات میں دکھلانے کے لئے ہے تو الفاظ صریح ماننے کی صورت میں نیت کا اعتبار نہیں ہوگا اور کنایہ ماننے کی صورت میں نیت کا اعتبار ہوگا۔

نیز (۵) میں لفظ ڈیوورس جو لکھا ہے اس کا بھی یہی حکم ہوگا جیسا کہ شامی کی حسب ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

"رھا کردم" أي صرحتک یقع بـه الرجعي مع ان أصله کنایة وماذلک إلا لأنه غلب فی عرف الناس استعماله في الطلاق، وقد مر أن الصریح مالم یستعمل إلا في الطلاق من أي لغة کانت. (شامي، کراچي ۳/۲۹۹، کتاب الطلاق، باب الکنیات، زکریا ٤/۵۳۰)

وقد مر أن الصریح ماغلب في العرف استعماله في الطلاق بحیث لایستعمل عرفًا إلا فیه من أي لغة کانت. وهذا في عرف زماننا کذلک، فوجب اعتباره صریحاً. (شامی، زکریا ٤/٤٦٤، شامی، کراچی ۳/۲۵۲)

وصريح الطلاق ما استعمل اللفظ له ولا يستعمل في غيره.
(تاتارخانية، زكريا ديوبند ٤/ ٤٠٠، رقم: ٦٥٢٢)

فإن ماغلب استعماله في معنى بحيث يتبادر حقيقة أو مجازاً صريح. (فتح القدير، بيروت ٤/٣، وهكذا في البحر الرائق، كراچي ٣/ ٢٥١، زكريا ٣/ ٤٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۶/۱۴۲۵ھ

میں انگوٹھا دے آیا ہوں

سوال [۶۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی سسرال گیا تھا وہ کسی بات پر سسرال سے ناراض ہو کر اپنے گھر چلا گیا اس کے والد نے اس سے معلوم کیا کہ تم اپنی بیوی کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟ زید نے اپنے باپ کو جواب دیا کہ میں اپنی سسرال میں انگوٹھا دے آیا ہوں اور زید نے انگوٹھے پر روشنائی یا اور کسی چیز کا رنگ لگا دکھایا اور زید نے اپنے گاؤں والوں سے بھی وہی الفاظ کہے اور وہی انگوٹھا دکھایا اور پھر زید نے اپنی سسرال والوں کو خبر دی تین مرتبہ کہ اپنا سامان لے آئیں اور میرا مجھے دیدیں اور جب زید کے گاؤں والوں اور سسرال والوں نے اس تنازعہ کو حل کرنے کے لئے لوگوں کو زید کے گاؤں میں جمع کیا تو وہاں پر بھی زید نے اقرار کیا کہ میں نے ایسا ہی کیا ہے، اور نہ ہی زبان سے کوئی ایسی بات کہی۔

نوٹ: زید خفت الحواس ہے کبھی انکار کرنے لگتا ہے۔

المستفتی: صابر حسین عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں خط کشیدہ جو عبارتیں زید کی ہیں، یعنی

جواب میں یہ کہنا کہ میں اپنی سسرال میں انگوٹھا دے آیا ہوں اور زید اور زید کے انگوٹھہ پر نشان بھی ہونا نیز اس کا یہ کہنا اور خبر دینا اپنی سسرال میں کہ اپنا سامان لے آئیں اور میرا مجھے دیدیں، یہ الفاظ کنائی ہیں زید سے معلوم کیا جائے کہ اسکی کیا مراد ہے، اگر وہ طلاق کہتا ہے تو طلاق بائنہ واقع ہوگی، زید کا خفت الحواس ہونا پاگل ہونے کی دلیل نہیں ہے، بہر حال حسب سوال سائل زید سے ہی اس کے الفاظ کی مراد معلوم کی جائے، اگر وہ طلاق اپنا منشاء نہ بتائے تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۳۳ ۵۳۱۳)	۱/۶/۱۴۱۸ھ

تو میری زندگی میں میرے گھر نہیں آسکتی ہے، میں تمہارا کچھ نہیں ہوں

سوال [۶۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ماہ اگست ۹۶ء سے علیل ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ کبھی طبیعت ٹھیک رہی کبھی طبیعت زیادہ علیل ہو جاتی ہے، دن ورات روتا رہتا ہے، اور کہتا ہے کہ میرا دل ودماغ کام نہیں کرتا ہے، اور دل گھبراتا رہتا ہے، ڈاکٹر کا علاج چل رہا ہے، دریں اثناء زید نے اپنی بیوی ہندہ سے ۱۰/اپریل ۹۷ء بروز جمعرات کو کہا کہ میرے لئے اناج بھون کر ستو تیار کر دو تو ہندہ ہوا تیز چلنے کی وجہ سے اناج بھون کر ستو تیار نہ کر سکی اور سوچنے لگی کہ ہوا کم ہو جائے، تو اناج بھون لونگی، اسی درمیان ہندہ اپنے رشتہ دار کے یہاں چلی گئی کوئی بیمار تھا اسکی عیادت کے لئے۔ اور کچھ دیر بعد واپس لوٹی تو زید نے مندرجہ بالا دن بوقت تین بجے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ تو میری زندگی میں میرے گھر نہیں آسکتی ہے، میں تمہارا کچھ نہیں ہوں، اس پر ایک آدمی نے زید سے کہا کہ ہندہ کہاں جائیگی تو زید نے کہا کہ میں نے مہر بھی دیدیا ہے، اور ہندہ کو لاٹھی سے مارنے کے لئے اٹھا یہ سب باتیں بول کر چپ ہو گیا اور بعد ازاں بعد نماز

مغرب لوگ جمع ہوئے اورزید سے پوچھا کہ تم نے مندرجہ بالا جملے بولے اس سے کیا مقصد تھا تو زید نے کہا میرا ان جملوں سے تنبیہ کرنا مقصود تھا پھر بروز سنیچر لوگوں نے جمع ہو کر زید سے پوچھا کہ مندرجہ بالا جو جملہ بولے ہو کیا دل سے بولے ہو یا نہیں تو اس پر زید نے بولا کہ مجھ کو یاد نہیں ہے کہ ہم دل سے بولے ہیں یا نہیں، ہم کو پتہ نہیں ہوسکتا ہے کہ دل سے بول دیا ہو۔ مندرجہ بالا باتوں کے بارے میں صحیح مسئلہ بتائیں کہ ہندہ کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں، یا اگر کوئی دوسرا مسئلہ ہو تو بتائیں تاکہ زندگی صحیح گذار سکے؟

المستفتی: محمد حذیفہ ڈھرپور، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ الفاظ کے استعمال میں اس نے طلاق کی نیت نہیں کی اور محض حالت غصہ میں یوں ہی کہہ دیا ہے تو محض دھونس ہے، اس سے کوئی طلاق نہیں ہوئی نکاح بدستور باقی ہے۔

اخرجي اذهبي خلية برية في حالة الغضب ملزم النية. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٤ ، كراچی ٣/ ٣٠٢)

وإذا احتملت هذه الألفاظ الطلاق و غير الطلاق فقد استتر المراد منها عند السامع فافتقرت إلى النية لتعيين المراد. (بدائع، زكريا ٣/ ١٦٩)

أن من الكنايات ثلاث عشرة لايعتبر فيها دلالة الحال ولا تقع إلا بالنية. (البحر الرائق كوئٹه ٣/ ٣٠٢، زكريا ٣/ ٥٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۰۱/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۵ھ

دو مرتبہ طلاق دے کر جاؤ بھاگو کہنا

سوال [۶۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ میں محمد صدیق ولد محمد ولی نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں کہا ہم نے تم کو طلاق ہم نے تم کو طلاق دی جاؤ بھاگو یہاں سے اب ایسی حالت میں کونسی طلاق واقع ہوئی؟

المستفتی: محمد عمیر ہاپوڑ گڑھ مکتیشور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تم کو طلاق دی کے الفاظ دو مرتبہ کہنے پر دو طلاق رجعی واقع ہو گئیں اور جاؤ بھاگو کے الفاظ کنایہ میں سے ہیں اگر اس سے الگ سے طلاق کی نیت کی جائے تو طلاق ہوتی ہے، اور اگر الگ سے طلاق کی نیت نہ کی جائے تو طلاق نہیں ہوتی ہے، لہذا اگر اس ارادہ سے جاؤ بھاگو کے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ اس سے پہلے دو مرتبہ طلاق کے الفاظ کہہ دیے ہیں لہذا جاسکتی ہو جاؤ بھاگ جاؤ یعنی ڈانٹنا اور دھتکارنا مقصد ہے تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی ایسی صورت میں رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے، اب شوہر خود فیصلہ کرے کہ جاؤ بھاگو کے الفاظ کس نیت سے کہا ہے۔

عن عبداللّٰہ وعن أناس من أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلی قوله الطلاق مرتان قال: هو المیقات الذی یکون علیها فیه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتین، فإما أن یمسک ویراجع بمعروف، وإما یسکت عنها حتی تنقضي عدتها، الحدیث (سنن کبری کتاب الرجعة دار الفکر بیروت ۱۱/۲۸۱، ۲۸۲ رقم ۱۵۵۳۹)

وإذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة، أوتطلیقتین، فله أن یراجعها في عدتها، رضیت بذلک أولم ترض. کذا فی الهدایة. (عالمگیري، زکریا کتاب الطلاق الباب السادس فی الرجعة الخ جدید ۱/۵۳۲، ۴۷۰، مختصر القدوري، امدادیة دیوبند ۱۷۷، هدایة، أشرفی دیوبند ۲/۳۹۴)

اذهبي الی جهنم یقع إن نوی خلاصة، وکذا اذهبي عني وافلحي. (شامی، زکریا ۴/ ۵۵۱، کراچي ۳/۳۱۴)

وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها، كقوله: أنت طالق، طالق.
(الدرالمختار مع شامي، زكريا٤ /٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۲۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۷ھ

اگر گھر سے باہر گئی، تو نکاح سے باہر

سوال [۶۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ اگر تو میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر گئی تو نکاح سے باہر، یا اگر تو گھر سے باہر گئی، تو نکاح سے باہر، صورت حال یہ ہے کہ زید خود اس گھر کا مالک بھی نہیں ہے زید کا کہنا ہے کہ میرا ارادہ اسے جدا کرنا بھی نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی میری نیت ہے الگ کرنے کی، زید کا کہنا ہے کہ کچھ عرصہ بعد عورت گھر سے باہر نکل گئی تو کیا ہندہ کو طلاق ہو جائے گی جبکہ زید کی طلاق کی نیت بھی نہیں ہے؟

(۲) اس کے کچھ دن بعد پڑوس میں ایک تقریب تھی ہندہ کا کہنا ہے کہ زید نے شرکت کے لئے کہا اس پر ہندہ نے کہا کہ آپ نے تو پابندی لگا رکھی ہے، اس پر زید نے کہا کہ اب تو تو جائیگی، تو باہر نہ جائیگی لیکن زید اس قول سے انکار کرتا ہے، ہندہ کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے، کیا بلا ثبوت وبلا گواہ کے ہندہ کے کہنے سے ہندہ نکاح سے باہر ہو جائیگی؟

المستفتی: محمد ذاکر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر گئی تو نکاح سے باہر یا یہ جو کہا ہے کہ اگر تو گھر سے باہر گئی تو نکاح سے باہر یہ دونوں جملے الفاظ کنائی میں سے ہیں ان سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت شرط ہے سوال نامہ میں شوہر خود کہتا ہے کہ

طلاق کی نیت نہیں تھیں لہٰذا ایسی صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اس طرح کچھ دن بعد پڑوس میں تقریب کے موقع پر جو بات پیش آئی ہے اس سے بھی کوئی طلاق نہیں ہوگی اس لئے کہ اس میں بھی شوہر کی طرف سے طلاق کی نیت نہیں پائی گئی۔

ولو قال لها لانكاح بيني وبينك أوقال لم يبق بيني وبينك نكاح يقع الطلاق إذا نوى (هنديه، كتاب الطلاق الفصل الخامس فى الكنايات، ۱/۳۷۵، زكريا جديد ديوبند ۱/۴۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۰۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۳/ ۱۴۲۲ھ

بیوی سے کہا میں نے تجھے خلع دیا

سوال [۶۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو لڑائی جھگڑے میں یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھے خلع دیا، شوہر حلفیہ یہ بیان دیتا ہے، کہ میری اس وقت طلاق کی نیت نہیں تھی، اور نہ ہی مجھے خلع کے بارے میں معلوم ہے کہ خلع کیا چیز ہے، میں نے ٹی وی میں سیریل کو دیکھ کر یہ کہدیا، مگر اس کی حقیقت سے ناواقف ہوں کہ خلع کیا چیز ہے، طلاق کے بارے میں شوہر بالکل منکر ہے، مگر بیوی حلفیہ یہ بیان دیتی ہے کہ مجھے میرے شوہر نے یہ کہا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دیدی، جامیں تجھے تیرے گھر والوں کے اوپر طلاق دیدوں گا میں نے تجھے خلع دیا، جھگڑے کے وقت دو عورتیں موجود تھیں، ان میں سے ایک عورت حلفیہ یہ بیان دیتی ہے کہ شوہر نے اس طرح سے کہا ہے کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، آج میں تجھے طلاق دیدوں گا میں تجھے رکھوں گا نہیں میں نے تجھے خلع دیا، دوسری عورت بھی حلفیہ یہی بیان دیتی ہے کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا میں تجھے رکھوں گا نہیں، یہ واردات گذر جانے کے بعد ٹھکیدار عبدالعزیز

صاحب نے جاکر لڑکی سے معلوم کیا کہ یہ معاملہ کس طرح ہوگیا تو لڑکی نے یہ بیان دیا، مجھے میرے شوہر نے یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی جا، دوسری مرتبہ یہ کہا کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، اور تیسری مرتبہ کہا خلع دیا، یہ واقعہ ۲۳/۸/۲۰۰۱ء بروز جمعرات کا ہے، اور میاں بیوی نے علیحدہ گی اختیار نہیں کی ہے، دونوں پہلے ہی کی طرح مل جل رہے ہیں؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی ہوئی کیا عورت سے رجعت کرنے کا حق حاصل ہے یا نکاح ثانی کی ضرورت ہے، لڑکے کی زبان پر طلاق کا لفظ نہیں آیا ہے، یہ حلفیہ لڑکا بیان دیتا ہے؟

نوٹ: تصدیق کی جاتی ہے کہ یہ بیان میں نے گواہوں سے اور میاں بیوی سے حلفیہ لئے ہیں۔

المستفتی: ابرار احمد قاسمی خادم مدرسہ مصباح العلوم نورپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ تحریر سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ تین باتیں ہیں

(۱) شوہر کا قول میں نے تجھے خلع دیا اس میں تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ یہ جملہ شوہر کی زبان سے نکلا ہے، جو کہ لفظ کنائی ہے، اور الفاظ کنائی میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، کہ اس سے اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن واقع ہوگی، اور اگر طلاق کی نیت نہیں ہے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

وخالعتک لایقع الطلاق إلا بالنية. (فتاوی عالمگیری زکریا کتاب الطلاق الفصل الخامس فی الکنایات جدید ۱/۴۴۲، ۳۷۵)

الکنایات لایقع بها الطلاق الا بالنية. (هندية زکریا ۱/۳۷۴ کتاب الطلاق الفصل الخامس فی الکنایات جدید ۱/۴۴۲)

(۲) شوہر کا قول تجھے طلاق دیدوں گا، یہ جملہ وعدۂ طلاق ہے اور وعدۂ طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لو قال أطلقک لم يقع الخ. (سکب الأنهر، قديم ۱/ ۳۷۸، جديد دارالكتب العلميه بيروت ۲/ ۱٤)

بخلاف كنم لأنه إستقبال فلم يكن تحقيقا با لتشكيک ......لو قال بالعربية: أطلق لايكون طلاقا. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل السابع فی الألفاظ الفارسية، زكريا قديم ۳/ ٤٥١، زكريا جديد ديوبند ۱/ ٤٥۲)

أنا أطلق نفسی لم يقع؛ لأنه وعد. (درمختار، كراچي۳/ ۳۱۹، زكريا٤/ ٥٥۹)

(۳) شوہر کا قول میں نے تجھے طلاق دی یہ جملہ طلاق کے لئے صریح ہے لیکن شوہر اس جملہ کا منکر ہے اور عورت اس کی مدعی ہے ساتھ ہی عورت کے پاس کوئی شرعی گواہ بھی نہیں ہے، اورشوہر قسم کے ساتھ اس جملہ کا منکر ہے اسلئے شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا، اوراس لفظ سے بیوی پر طلاق واقع ہونے کا ثبوت نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم۹/ ۱۹۳)

قال الله تعالى : ﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرة: ۲۸۲]

وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيها شها دة رجلين أور جل وامرأتين سواء كان الحق مالا أوغير مال مثل النكاح والطلاق (هدايه، أشرفی ديوبند ۳/ ۱٥٤، درمختار، زكريا ۸/ ۱۷۸، كراچي ٥/ ٤٦٥، فتاوی عالمگيری، كتاب الشهادات، قبيل الباب الثانی الخ زكريا قديم ۳/ ٤٥۱، زكريا جديد۳/ ۳۸۸، البحرالرائق، زكريا ۷/ ۱۰٤ كوئٹه۷/ ٦۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۱۲ھ

''تو میرے لئے مرگئی میں تیرے لئے مرگیا'' سے طلاق

سوال [۶۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دس بارہ لوگوں کے سامنے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی ایک بار تو اس کے بہنوئی نے منھ پر ہاتھ رکھ لیا کہ سردار اب کچھ نہیں کہنا اس کے بعد یہ شخص کئی مرتبہ کہہ چکا ہے کہ تو میرے لئے مرگئی میں تیرے لئے مرگیا، تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں ہے، ہزار بار اس بات کو دہرا چکا ہے، ایسی حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں شرع کی رو سے جواب دیا جائے

المستفتی: سید خالد رضا ولد مولانا مفتی سید واحد رضا صاحب، محلّہ قاضی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلاق کا لفظ صرف ایک مرتبہ کہا ہے تو اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے عدت کے اندر رجعت کرکے رکھ سکتا ہے، اور اس کا یہ کہنا کہ ''میرے لیئے تو مرگئی میں تیرے لئے مرگیا، تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں ہے'' ان الفاظ سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت شرط ہے لہٰذا اس بارے میں شوہر سے معلوم کیا جائے کہ اس نے کیا ارادہ کیا تھا اگر صرف ڈرانے اور دھمکانے کے لئے کہا ہے تو ان الفاظ سے کوئی حکم لاگو نہ ہوگا۔

عن عبد اللّٰه وعن أناس من أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إلی قوله الطلاق مرتان قال: هو المیقات الذی یکون علیها فیه الرجعة، فإذا طلق واحدة أو ثنتین فإما أن یمسک ویراجع بمعروف وإما یسکت عنها حتی تنقضي عدتها. الحدیث. (سنن کبری للبیهقي، کتاب الرجعة، دارالفکر بیروت ۱۱/۲۸۱، رقم ۱۵۵۳۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة أو تطلیقتین فله أن یراجعها

فــي عدتهــا. (هـداية، بـاب الـرجعة، أشـرفـي ديـوبـنـد ٢ /٣٩٤، هندية، زكـريـا ١ /٤٧٠، كتاب الطلاق الباب السادس فى الرجعة الخ جديد ١ /٥٣٣)

لـوقـال لهـا: لانكـاح بيني وبينك أوقال: لم يبق بيني وبينك نكاح يـقع الطلاق إذا نوىٰ. (هـنـدية زكـريـا ١ /٣٧٥، كتـاب الـطـلاق الفصل الخامس فى الـكـنـايـات جـديـد ١ /٤٤٣، خـانية عـلـى الهندية، كتاب الطلاق، فصل فى الكنايات الخ جـديـد ١ /٢٨٤، زكريا ١ /٤٦٨، بزازية على هامش الهندية، زكريا ٤ /١٩٦، كتاب الطلاق نوع آخر فى انكار النكاح جديد ١ /١٢٨)

الـكـنـايـات لايـقع بها الطلاق إلابا لنية. (هـنـدية، كتاب الطلاق، الـفصل الخامس فى الكنايات، زكريا ١ /٣٧٤، زكريا جديد ١ /٤٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ /۲۸۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۹/۸ھ

تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں کے لفظ سے طلاق

سوال [۶۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شوہر اپنی بیوی کو اس کے میکے میں صرف بیوی کے سامنے یہ کہہ کر چلا جائے کہ یہیں پڑی سڑتی رہ میرا تیرا کوئی واسطہ نہیں اور میں اب تجھے بلانے نہیں آؤں گا آیا اس کے لئے کیا حکم صادر ہوتا ہے طلاق کے لئے؟

المستفتی: سعید احمد نئی بستی منہیا روالی گلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں کا لفظ الفاظ کنایہ میں سے ہے اس کے کہتے وقت شوہر نے ڈرانے دھمکانے کا ارادہ کیا تھا طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو طلاق نہ ہوگی یہ بات شوہر سے معلوم کرلی جائے کہ اس نے طلاق کی نیت کرلی تھی یا نہیں اور بلانے نہیں آؤں گا کے لفظ سے کوئی حکم ثابت نہ ہوگا۔

وفی الفتاویٰ: لم یبق بینی و بینک عمل ونوی یقع، کذا فی العتابیة.

(هندیة، کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات زکریا ۱/ ۳۷۶، جدید ۱/ ۴۴۳)

الکنایات لایقع بها الطلاق إلا بالنیة أوبدلالة الحال لأ نها غیر موضوعة للطلاق بل یحتمله وغیره فلا بد من التعین أو دلالته. (هدایة أشرفي دیو بند ۲/ ۳۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ شعبان ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۸/۱۹ھ

طلاق دی دی کہنے کے بعد چلی جا کہنے سے کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

سوال [۶۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے غصہ میں آکر اپنی بیوی سے کہا ''طلاق دی دی'' تو بیوی نے شوہر سے معلوم کیا کہ پھر میں چلی جاؤں؟ تو شوہر نے غصہ میں کہہ دیا کہ چلی جا؛ لہٰذا کتنی طلاق واقع ہوئیں؟

المستفتی: عبدالرحمان ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دی دی، سے دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں،

وقعتا رجعیتین لو مدخولا بها کقوله أنت طالق أنت طالق الخ

(الدرالمختار کتاب الطلاق، باب الصریح کراچی ۳/ ۲۵۲، زکریا ۴/ ۴۶۳، امداد الفتاوی ۲/ ۴۳۰، فتاوی دارالعلوم ۹/ ۳۱۵)

میں چلی جاؤں کے جواب میں جو چلی جا کہا ہے یہ کنایات میں ایسا لفظ ہے کہ اس سے طلاق واقع ہونے کے لئے بحالت رضا وغضب ومذاکرۂ طلاق ہر حال میں مستقل طلاق کی نیت شرط ہے اگر شوہر نے اس لفظ سے طلاق دینے کی نیت کی ہے تو اس سے ایک طلاق واقع

ہوجائیگی ،اورکل تین طلاق ہوکر بیوی بالکل حرام ہوجائیگی، اوراگراس سے طلاق کی نیت نہیں کی ہےتواس سےکوئی طلاق واقع نہ ہوگی؛ لہٰذا صرف دوطلاق رجعی ثابت ہوں گی۔

اخرجي ، اذهبي في رضاغضب مذاكرة تلزم النية الخ. (شامي تحت النقشة كراچى ٣/ ٣٠٢، زكريا ٤/ ٥٣٤)

كل لفظ يستعمل في الطلاق ويستعمل في غيره نحو قوله أنت بائن قومي اخرجي..... وإذااحتملت هذه الألفاظ الطلاق وغيره فقد استتر المراد منها عند السامع فافتقرت إلى النية لتعيين المراد. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/ ١٦٧- ١٦٩، البحر الرائق، زكريا ٣/ ٥٢٦، كوئٹه ٣/ ٣٠٢-٣٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۶۳۰)	۱۴۱۰/۲/۹ھ

اگر میں تیرے پاس جاؤں تو صاف طلاق

سوال [۶۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی بیوی سے بار ہا بلا ناغہ ہمبستری کا خواہش مندر ہتا ہے، مگراس کی بیوی اس کی رائے کے خلاف ہے، ایک روز زید نے اسی غرض سے بلایا تو بیوی چڑ چڑا اٹھی اور کہنے لگی کہ روزانہ کیا یہی کام رہ جاتا ہے، کثرت کی عادت ٹھیک نہیں، الغرض دونوں میں بحث ہوگئی اورنوبت یہ آئی کہ زید نے کہا اگر میں تیرے پاس جاؤں ’’تو صاف طلاق‘‘ اس کے بعد زید نے اپنی بیوی سے ہمبستری کی، اب علماء سے پوچھا گیا تو بعض نے کہا طلاق رجعی واقع ہوئی، اور بعض نے کہا ایک طلاق بائنہ ہوئی، لہٰذا انہوں نے بلا حلالہ تجدید نکاح کر کے زید اوراس کی بیوی کو ملادیا؟

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشروط کے پائے جانے کے بعد ’’تو صاف طلاق‘‘ سے کیا ایک ہی طلاق

واقع ہوتی ہے؟ اگر ایک ہوتی ہے تو کونسی ''رجعی یا بائنہ'' بالتفصیل تحریر فرمائیں؟

المستفتی: مولانا محمد عبدالخالق بدر پوری، کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں چونکہ زید نے صریح طلاق کو معلق کیا تھا، اسلئے مشروط کے وجود کے بعد مذکورہ جملہ سے زید کی بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی عدت کے اندر اندر بلا تجدید نکاح کے رجعت کر لینے کی گنجائش ہے، اس سلسلہ میں طلاق رجعی کا بتایا گیا مسئلہ درست ہے، بائن کا نہیں، کیوں کہ بائنہ کنایات کے ذریعہ معلق کرنے کی صورت میں ہوا کرتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/۹۱)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لإ مرأته إن دخلت الدار فأنت طالق: (هداية، باب الايمان في الطلاق، أشرفي ديوبند ۲/۳۸۵، هندية، كتاب الطلاق، الفصل الثالث فى تعليق الطلاق زكريا قديم ۱/۴۲۰، زكريا جديد ديوبند ۱/۴۸۸)

فالصريح قوله أنت طالق – فهذا يقع به الطلاق الرجعى.... وإذا وصف بضرب من الزيادة والشدة كان بائناً (هداية، باب إيقاع الطلاق، أشرفي ديوبند ۲/۳۵۹-۳۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۰۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۲ھ

''چل نکل جا میرے گھر سے'' کے لفظ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے حفیظ خان جھگڑے کے دوران اپنی بیوی کو ان الفاظ میں طلاق دی ''طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، چل نکل جا میرے گھر سے'' اس کے بعد پھر میں نے اپنے ماموں

سے فون کر کے یوں کہا کہ اسے لے جایئے میں اسے طلاق دے رہا ہوں، تو مسئولہ صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوئیں اور اب ساتھ رہنے کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: حفیظ خاں کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں شوہر کے اس جملہ کہ ”آج میں تجھے طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں“ سے اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، اس کے بعد دوسرا جملہ کہ چل نکل جا میرے گھر سے، اگر اس جملہ سے مزید ایک طلاق کی نیت کی ہے تو تین طلاق واقع ہو جائیں گی اور بدون حلالہ شرعیہ میاں بیوی کی طرح رہنا جائز نہ ہوگا، اور اگر اس لفظ سے مزید ایک طلاق کی نیت نہیں کی تو اس لفظ سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، البتہ پہلے جملے سے دو طلاقیں رجعی واقع ہو چکی ہیں، ایسی صورت میں عدت کے اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی طرح رہنے کی گنجائش ہے، اس بات کی تحقیق شوہر کے بیان پر موقوف ہے، اس سے اسکی نیت دریافت کر لی جائے۔

والبائن یلحق الصریح. (شامي زکریا ٤/ ٥٤٠، کراچی ٣/ ٣٠٦)

طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أولم ترض. (هداية، أشرفي ٢/ ٣٩٤، هندية، كتاب الطلاق، الباب السادس في الرجعة، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، زكريا جديد ديوبند ١/ ٥٣٢، مختصر القدوري، امدادية ديوبند ١٧٧)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (دارقطني، ٤/ ٢١، دارالإيمان، كذا في مجمع الزوائد، دارالكتاب العلمية بيروت ٤/ ٣٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۱/۲۸ھ

میں نے تجھے طلاق دی، تیرا میرا حساب صاف ہوا

سوال [۶۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی کی عادت چوری کی تھی میں نے اسے بار بار سمجھایا مگر وہ باز نہ آئی میں نے اس کے میکے میں ساس کے سامنے اسکی شکایت کی، مگران لوگوں نے بھی مجھے ہی برا بھلا کہا جس کی وجہ سے بہت غصہ مجھے آیا، اور میں نے اپنی بیوی کو دوبار اس انداز میں یہ لفظ کہا میں نے تجھے طلاق دی، پھر تھوڑی دیر بعد تیرا میرا حساب صاف ہوا جبکہ میری بیوی حمل سے ہے، اور آٹھ ماہ کا حمل ہے، اب ہم دونوں ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں، شریعت کی رو سے ہم دونوں پر کیا حکم ہے ارشاد فرمائیں عین نوازش ہوگی؟

المستفتی: شیم احمد عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں شوہر نے تین جملے استعمال کئے ہیں، دو جملے ’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ کے ہیں اور ایک جملہ تیرا میرا حساب صاف ہے، پہلے دونوں جملوں سے دو طلاق صریح واقع ہو چکی ہیں، اب غور طلب تیسرا جملہ ہے کہ اگر اس جملہ سے شوہر نے طلاق کا ارادہ کیا تھا تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا، اور اگر اس جملہ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا ہے، بلکہ پہلی دونوں طلاقوں کی خبر دینا مقصود ہے، تو اس جملے سے کوئی طلاق نہ ہوں گی صرف دو طلاق شمار ہوں گی، عدت کے اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے۔ اب شوہر خود فیصلہ کرے کہ اس کی نیت کیا تھی؟

وقعتا رجعيتين لو مد خولاً بها، كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ.

(درمختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢)

لم يبق بيني وبينك عمل ونوى يقع. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات، زكريا قديم ۱/ ٤٧٦، زكريا جديد ديو بند ۱/ ٤٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۵۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۳ھ

تم چلی جاؤ، مجھے تم سے کوئی ضرورت نہیں کہنا

سوال [۶۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم چلی جاؤ مجھے تم سے کوئی ضرورت نہیں ہے، تم میرے سامنے مت آنا نہ تم سے میں کھانا کھاؤں گا نہ پانی پیوں گا نہ تمہارے ساتھ بیٹھوں گا تم چاہے اپنے گھر چلی جاؤ، تو ان تمام باتوں پر غور کرتے ہوئے فرمائیں کہ اس عورت کو طلاق پڑے گی یا نہیں، خوب وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں طلاق ہوگی یا نہ ہوگی؟

المستفتی: محمد حبیب الرحمٰن محلہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے مذکورہ الفاظ سے طلاق دینے کی نیت کی ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے، اور اگر طلاق کی نیت نہیں کی ہے تو اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ صرف ایک قسم کی دھونس ہے نیت کے بارے میں زید خود فیصلہ کرے۔

ولوقال لها اذهبي أى طريق شئت لايقع بدون الينة وإن كان فى حال مذاكرة الطلاق الخ. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس في الكنايات زكريا قديم ۱/ ۳۷٦، زكريا جديد ۱/ ٤٤٣)

اخرجي، اذهبي تلزم النية. (شامی كراچی ۳/ ۳۰۲، زكريا٤/ ٥٣٤)

إن من الكناية ثلاث عشرة لايعتبر فيها دلالة الحال ولايقع

إلا بالنية، اخرجي، إذهبي. (البحر الرائق، زکریا ۳/ ۵۲٦، کوئٹہ ۳/ ۳۰۲-۳۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۶/۵ھ

''اب وہیں رہ'' کہنے کا حکم

سوال [٦٤٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی اور زید کی ماں کے درمیان تو تو میں میں اور جھگڑا ہوا پھر زید کی بیوی بلا اجازت اپنے میکے چلی گئی، اور اپنے گھر صحیح اور غلط شکایتیں کیں اور اس کی ماں نے آکر زید کے گھر گالیاں دینی شروع کردیں، پھر زید نے غصہ میں آکر بہ نیت طلاق دو مرتبہ یہ الفاظ کہے''اب وہیں رہ اب وہیں رہ'' دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی اور کتنی طلاقیں ہوئیں؟

المستفتی: مولوی عبدالعزیز، موضع بریناضلع بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔

والمدلولات (إلى قوله) والحقي بأهلك (إلى قوله) إن نوى بها الطلاق وقع بائناً الخ. (الجوهرة النيرة، کتاب الطلاق، امدادیہ ملتانی ۲/ ۱۰۵، دارالکتاب دیوبند ۲/ ۱۰۰)

وقوله الحقي.. بأهلك يحتمل الطلاق - ويحتمل الطرد والإبعاد عن نفسه مع بقاء النكاح. وإذا احتملت هذه الألفاظ الطلاق

وغير الطلاق فقد استتر المراد منها عند السامع فافتقرت إلى النية لتعيين المراد. (بدائع الصنائع زكريا ۳/ ۱٦۹)

ولايلحق البائن البائن الخ (الدرالمختار، کراچی ۳/ ۳۰۸، زکریا٤/ ٥٤۰، البحر الرائق، کوئٹه ۳/ ۳۰۷، زکریا ۳/ ٥۳٤، هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الكنايات، زكريا قديم ٤/ ۳۷۷، جديد ۱/ ٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۰۸/۱/۵ھ

لفظ ”تجھے خلع دیا تین مرتبہ کہنے سے طلاق“

سوال [٦٤٦١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا اسی درمیان اس نے کہا کہ تو چپ ہو جا ورنہ تجھے خلع دیدوں گا کچھ دیر بعد اسے اور غصہ آ گیا اور اس نے کہا تجھے خلع دیا، تجھے خلع دیا، تجھے خلع دیا اور بظاہر اس کی نیت طلاق ہی کی تھی تو اس سے کتنی طلاق واقع ہوئیں؟

المستفتی: محمد عبدالرحمٰن، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کی نیت سے ”تجھے خلع دیا“ کہنے سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، اس لئے کہ خلع طلاق کے کنائی الفاظ میں سے ہے، اور الفاظ کنائی سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے، اور مزید جو اس نے دو مرتبہ یہی الفاظ دہرائے ہیں، ان سے کوئی اور طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ طلاق بائن کے ساتھ مزید بائن معتبر نہیں ہوتی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۰/ ۱۹۱، ۱۹۲)

ولو قال لها قد خلعتک ونوى الطلاق فهي واحدة. (هندية،

كتاب الطلاق، الباب الثامن، قبيل الفصل الثانی فيما جاز الخ زكريا قديم ۳/۵۲٦، زكريا جديد ديوبند ۱/۵۵۲، كوئٹه ۳/۳۰۲-۳۰۳)

لايلحق البائن البائن. (شامی، كراچی ۳/۳۰۸، زكريا ٤/٥٤٠، البحرالرائق كوئٹه ۳/۳۰۷، زكريا ۳/٥۳٤، هندية، كتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الكنايات زكريا قديم ۱/۳۷۷، زكريا جديد ديوبند ۱/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۳۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

تو میری بہن ہے لا بہن پانی لا سے طلاق

سوال [۶۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کچھ ایام پہلے کہا تھا کہ اگر تو اپنے والدین کے گھر گئی تو تجھے طلاق، ہندہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی تھی اس کے بعد مفتیان کرام نے فتوی دیا کہ طلاق واقع ہوگئی عدت کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ لہٰذا دوبارہ نکاح کرادیا گیا پھر کچھ ایام کے بعد زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ ''تو آج سے میری بہن ہے لا بہن تو مجھے پانی پلا'' تو کچھ علماء نے کہا کہ طلاق واقع ہوگئی اور عدت گزارنی پڑے گی اور دونوں طلاقیں واقع ہوگئیں اگر عدت گذارنے کے بعد نکاح کرایا جاتا ہے، تو زید اس صورت میں ایک طلاق کا مالک ہوگا تو اب سوال یہ ہے کہ مفتیان شرع اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

المستفتی: عبداللہ ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی ہندہ سے کہا کہ اگر تو اپنے والدین کے گھر گئی تو تجھے طلاق اور پھر ہندہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی تو اس کی وجہ سے بیوی پر ایک

طلاق رجعی واقع ہوگئی تھی، پھر شوہر نے کہا ''تو میری بہن ہے لا بہن پانی پلا'' اس جملہ سے شوہر نے کیا نیت کی ہے اس کی وضاحت نہیں ہے، اگر اس جملہ سے طلاق وغیرہ کسی چیز کی نیت نہیں تھی اور یوں ہی اس سے یہ جملہ کہا ہے تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، اسی طرح اگر اس کی نیت صرف اتنی ہے کہ اس کی بہن جس طرح قابل احترام ہے اسی طرح اس کی بیوی بھی قابل احترام ہے تو ایسی صورت میں بھی کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، اور اگر اس سے اس نے طلاق کا ارادہ کیا تھا تو اس سے ایک طلاق بائن ہوگئی ہے، اب شوہر سے معلوم کرلیا جائے کہ اس کی نیت کیا تھی، اگر طلاق کی نیت تھی تو ایسی صورت میں پہلے ایک طلاق رجعی ہوگئی تھی، اب یہ ایک طلاق بائن ہوگئی، ساتھ رہنا چاہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح کر کے رہ سکتے ہیں، اب آئندہ ایک بھی طلاق دے گا تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقاً، مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق . (عالمگیری، کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق زکریا جدید دیوبند ۱/۴۸۸، هداية أشرفي ديوبند ۲/۳۸۵)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها فى عدتها الخ. (هداية، ۲/۳۹۴، هندية، كتاب الطلاق الباب الباب السادس فى الرجعة الخ زكريا ۱/۴۷۰، جديد ۱/۵۳۳)

ولو قال لها: أنت علي مثل أمي او كأمي ينوى فإن نوى الطلاق وقع بائناً، وإن نوى الكرامة أو الظهار فكما نوى هكذا فى فتح القدير وإن لم تكن له نية فعلى قول أبي حنيفةؒ لا يلزمه شئ حملاً للفظ على معنى الكرامة كذا فى الجامع الصغير والصحيح قوله هكذا فى غاية البيان. (عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب التاسع فی الظهار، زکریا قدیم ۱/۵۰۷، زکریا جدید ۱/۵۶۴)

وإن نوى بأنت علي مثل أمي أو كأمي براً، أوظهاراً، أوطلاقاً،

صحت نيته ووقع ما نواه؛ لأنه كناية والا ينو شيئاً، أوحذف الكاف لغا وتعين الأدنى أي البر يعني الكرامة ويكره قوله أنت أمي ويا ابنتي ويا أختي ونحوه الخ. (شامي، باب الظهار كراچی ۳/ ٤٧٠، زكريا ٥/ ١٣١ وينكح مبانته بما دون الثلاث في العدة وبعد ها بالإجماع، كتاب الطلاق باب الرجعة، مطب في العقد على المبانة شامي، كراچي ۳/۴۰۹)

الطلاق مرتان فإمساک بمعروف ......فإن طلقها فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. [البقرة: ۲۳۰] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۱۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۷/۱۴۳۴ھ

❑❖❑

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۵)

المجلد الخامس عشر

بقية الطلاق، الرجعة، البائن، الطلاق بالكتابة

الطلاق الثلاث الشهادة فى الطلاق، الحلالة

۶۴۶۳ ــــــــ ۶۹۰۲

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الہند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

فہرست مضامین

١٧/ بقیة كتاب الطلاق

١٤/ باب الرجعة

۱۵/ باب طلاق البائن

۱۶/ باب الطلاق بالکتابة

۱۷/ باب الطلاق الثلاث

مطلقہ خواتین کے مسائل کا تحقیقی جائزہ

طلاق غضبان اور طلاق بدعی کا تحقیقی جائزہ

۱۸/ باب الشهادة في الطلاق

۱۹/ باب الحلالۃ

۱۷/ بقية كتاب الطلاق

(۱۴) باب الرجعة

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

نباہ کے دشوار ہونے کی صورت میں ایک طلاق رجعی دینا

سوال [۶۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا رشتہ ایک جگہ گیا وہاں پر رشتہ منظور ہوگیا، میرے سسر کا نام منشی سعید ہے، ان کی چار لڑکیاں ہیں، اس میں بڑی والی شادی شدہ ہے اور تین لڑکیاں غیر شادی شدہ ہیں، میرے گھر والوں کو جو لڑکی دکھائی گئی تھی، وہ لڑکی بہت خوبصورت اور قرآن شریف پڑھی لکھی تھی اور دیندار بھی تھی، لڑکا ان تمام باتوں سے لاعلم تھا، لڑکا اپنے بھائی بھاوج کے بھروسہ پر تھا کہ جو وہ لوگ کرینگے میرے لئے بہتر کریں گے؛ لیکن شادی والے دن میرے ساتھ لڑکی کے ماں باپ وغیرہ نے بہت بڑا دھوکا کیا، جو لڑکی ہمارے گھر والوں کو دکھائی گئی تھی اس کو چھپا کر دوسری لڑکی جو کہ بالکل جاہل اور ان پڑھ اور دینداری سے بالکل ناواقف ہے اور قرآن شریف بھی پڑھی ہوئی نہیں ہے، چہرے پر داغ دھبے وغیرہ ہیں، داغ دھبے والی لڑکی سے لاعلمی میں میرا رشتہ ہوگیا ہے جیسا کہ میں نے اپنے گھر والوں سے اس لڑکی کی تعریف سنی تھی، میں نے ایسا بالکل نہیں پایا ہمارے گھر پر لڑکی تقریباً ۲۵/دن رہی اس سے ہم بستری بھی ہوئی ہے کچھ دنوں کے بعد جب لڑکی بدلنے کی حقیقت میرے علم میں آئی تو میرا دل اس لڑکی کی طرف

سے پھر گیا اور اب مجھے اس لڑکی سے اور لڑکی کے گھر والوں سے کافی نفرت ہوگئی ہے۔ اب میں یہ چاہتا ہوں کہ قانون شریعت کیا حکم دیتا ہے؟

المستفتی: محمد داؤد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی لڑکی والوں نے لڑکی دکھانے اور نکاح میں دھوکہ دہی کا معاملہ کیا ہے اور لڑکے کو مذکورہ لڑکی کے ساتھ حدود اللہ کو قائم رکھتے ہوئے زندگی گذارنا دشوار نظر آرہا ہے، تو لڑکے کو اختیار ہے کہ وہ مذکورہ لڑکی کا مہر ادا کرکے ایک طلاق دے کر علیحدہ کردے اور کسی مناسب لڑکی سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارے۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف ابن أبي شيبه، كتاب الطلاق، باب مايستحب من طلاق السنة و كيف هو؟ جديد مؤسسه علوم القرآن ٥١٢/٩، رقم: ١٨٠٤٠، مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب وجه الطلاق وهو طلاق البدعة والسنة، المجلس العلمي بيروت ٣٠٢/٦، رقم: ١٠٩٢٦)

أما الأحسن: أن يطلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي العدة . وفي الكافي: وروي عن إبراهيم أن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يستحبون أن لا يزاد في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم. (تاتارخانية، زكريا ٣٧٨/٤، رقم: ٦٤٧٢)

أما الطلاق السني في العدد (إلى قوله) فالأحسن أن يطلق امرأته واحدة رجعية في طهر الخ. (فتاوى عالمگيري، قديم زكريا ٣٤٨/١، جديد زكريا ٤١٥/١)

ويجب لوفات الإمساك بالمعروف. (الدر المختار، كراچي ٢٢٩/٣، زكريا ٤٢٩/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شوال المکرم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۸۵/۲۶)

نبھاؤ کی شکل نہ بن پارہی ہو، تو ایک طلاق کے ذریعہ علیحدگی کافی ہے

سوال [۶۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رخسانہ کے ساتھ نعمت اللہ کا نکاح ہوا، چند مہینوں کے بعد دونوں میں لڑائی شروع ہوگئی، رخسانہ کسی جگہ نوکری کرتی ہے اور نعمت اللہ بھی دوسری جگہ نوکری کرتا ہے، رخسانہ شادی کے بعد بھی اپنے میکہ میں رہتی ہے، نعمت اللہ کا کہنا ہے کہ تم غیر مرد سے بات چیت نہ کرو، ہاں جو تمہارے آفس کا فون ہو یا آفس کا کوئی آدمی آفس کے کام سے ملتا ہو تو ملو؛ لیکن پردہ ملحوظ رکھو بار بار سمجھانے کے باوجود رخسانہ آفس کے لوگوں کے علاوہ بھی دوسرے لوگوں سے میل جول رکھتی ہے، فون پر بھی بات کرتی ہے اکثر فون بزی ملتا ہے، حد یہ ہے کہ معتبر ذرائع اور خود بھی دیکھا ہے کہ غیر مردوں سے اس طرح گفتگو کررہی ہے، جو خاص شوہر کے ساتھ ہی ہوسکتی ہے، نعمت اللہ بات ختم کرتا رہا یہاں تک کہ ایک بچی پیدا ہوگئی، سوچا بچہ کے بعد سدھر جائے گی؛ لیکن اور زیادہ ضد اور تجاوز پر اتر آئی، حد یہ ہے کہ رات کے وقت چھری اور چاقو لے کر نعمت اللہ کو مارنے کا ارادہ کیا؛ جبکہ نعمت اللہ سویا ہوا تھا؛ لیکن بلب کی روشنی ہونے پر اور کچھ آواز کے پیدا ہونے سے بیدار ہوگیا، تو رخسانہ نے کہا آج میں تجھ کو ختم ہی کردوں تاکہ معاملہ صاف ہوجائے، تو کیا مذکورہ بالا صورت میں شریعت محمدی کے نقطۂ نظر سے نعمت اللہ کے لئے رخسانہ کا رکھنا جائز ہے یا طلاق دیدے؟ قرآن وحدیث اور مسلم لاء کے تحت بحوالہ جواب مرحمت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: نعمت اللہ، دربھنگہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر میاں بیوی کے درمیان نباہ کی شکل نہ بنے تو شوہر کو اختیار رہے کہ شرعی طور پر طلاق دے کر الگ کردے اور علیحدگی کے لئے تین طلاق

لازم نہیں ہے؛ بلکہ ایک طلاق سے بھی مقصد حاصل ہوجاتا ہے اور ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، عدت گزرنے کے بعد خود بخود آزاد ہوجائے گی، پھر دونوں اپنے اپنے پسند کی شادی کرسکتے ہیں اور اگر دونوں کو سمجھ میں آجائے تو آپس میں شادی کی گنجائش باقی رہے گی۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف لإبن أبي شيبه، كتاب الطلاق، باب مايستحب من طلاق السنة و كيف هو؟ جديد مؤسسه علوم القرآن۹/۵۱۲، رقم: ۱۸۰٤۰، مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/۳۰۲، رقم: ۱۰۹۲٦)

أما الأحسن: أن يطلقها واحدة في وقت السنة، ويتركها حتى تنقضي العدة . وفي الكافي: وروي عن إبراهيم أن أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كانوا يستحبون أن لا يزاد في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة، وهذا أفضل عندهم. (تاتارخانية، زكريا ٤/۳۷۸، رقم: ٦٤۷۲)

أحسن الطلاق في ذوات القرء أن يطلقها طلقة واحدة رجعية في طهر لاجماع فيه ولا طلاق ولا في حيضة طلاق لاجماع ويتركها حتى تنقضي عدتها ثلاث حيضات إن كانت حرة، و إن كانت أمة حيضتان .

(بدائع الصنائع بيروت٤/۱۸٦، زكريا۳/۱٤۰)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت .

(بدائع الصنائع بيروت ٤/۳۸۷، زكريا۳/۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۱۹ھ

دومرتبہ طلاق کے بعد کنائی الفاظ استعمال کرنا

سوال [٦٤٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو دو طلاق دی علی الاعلان؛ لیکن نیت ایک ہی طلاق کی تھی غصہ میں اور مجلس کے جوش میں دو بار کہہ دیا، پھر تھوڑی دیر کے بعد جب لوگوں نے اس شخص کو سمجھایا تو اس نے کچھ کنایات کے الفاظ کہے کہ میں اس کو نہیں رکھوں گا، یہ کہیں بھی جائے کچھ بھی کرے، مگر میں اس کو نہیں رکھوں گا، یہاں تک میں بتاؤں قسم کھا جاؤں میں اس عورت کو کسی بھی حال میں نہیں رکھوں گا چاہے دنیا ایک طرف ہو جائے اور چاہے مجھ کو پھانسی دیدی جائے، مگر میں اس عورت کو نہیں رکھوں گا، ایسے اور بھی بہت سے الفاظ کہے، مگر نیت طلاق کی نہیں تھی، یہ سب الفاظ غصہ میں کہے اور یہ ارادہ پورا تھا کہ اس کو اب رکھوں گا نہیں، اس کا حساب وکتاب کر دوں گا؛ بلکہ نہ رکھنے کا ارادہ مکمل تھا، اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں؛ لیکن یہ ارادہ نہیں تھا کہ اس کو ابھی تینوں طلاق دیدوں، پھر جب رات آئی تو بیوی نے شوہر سے معافی مانگی، اس وقت بھی شوہر نے وہی الفاظ کہے کنایات کے جو اوپر لکھے ہیں اور ٹھیک اسی طرح وہ الفاظ کہے کہ میں تجھے نہیں رکھوں گا کہیں بھی جا کچھ بھی کر وغیرہ الفاظ کہے؛ لیکن اس وقت یہ بھی کہا کہ ابھی تک تو دو الفاظ کہے ہیں اور اگر تم زیادہ ضد کروگی اور جو ایک باقی ہے، وہ کہہ دیا تو بات خراب ہو جائے گی، اس سے اچھا ہے کہ تم خاموش رہو، پھر جب بیوی نے دیکھا شوہر اب کسی طرح ماننے گا ہی نہیں، تو بیوی نے کہا اچھا تم کو نہیں رکھنا ہے، تو پھر میں زندہ رہ کر کیا کروں گی اور بیوی بستر سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور جان کھونے کی دھمکی دیکر چلی، پھر شوہر نے بیوی کو روکا بیوی شوہر کو لپٹ گئی، شوہر کو کچھ ہمدردی آئی اور بیوی کو معاف کر دیا اور اسی وقت بیوی سے صحبت بھی کی، بیوی حمل سے بھی ہے شوہر کے گھر پر ہی ہے، شوہر نے جہاں جہاں کنایات کے الفاظ ادا کئے ہیں، وہاں پر طلاق کی نیت بالکل نہ تھی؛ بلکہ عورت کو نہ رکھنے اور حساب وکتاب کر کے اس کے گھر روانہ کرنے کا ارادہ مکمل تھا، یہاں تک کہ شوہر نے بیوی کے گھر فون کر کے کہہ دیا کہ تم لوگ چلے آؤ اور اپنا حساب کرلو، میرا اس عورت کے ساتھ اس طرح نہیں نپٹے گا؛ لیکن اب شوہر اس کو رکھنا چاہتا ہے،

بیوی شوہر کے گھر پر ہی ہے، حضرت والا سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ پر غور کر کے بہت جلد جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شریف ابن صدیق قریشی، ہردوئی (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کو شروع سے اخیر تک پڑھ کر اچھے طریقے سے غور وخوض کیا گیا ہے، اس سوال نامہ کے مطابق مذکورہ واقعہ میں بیوی پر صرف دوطلاق رجعی واقع ہوئی ہیں، جن کا سوال نامہ کے شروع میں تذکرہ ہے اس کے بعد جتنے الفاظ کنایہ استعمال کئے ہیں، ان میں سے کسی سے بھی کوئی دوسری طلاق واقع نہیں ہوئی ہے اورسوال نامہ میں صاف ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی لفظ سے اس نے طلاق دینے کی نیت نہیں کی ہے، اس کی دلیل سوال نامہ کا آخری حصہ ہے، اس میں صاف طور پر ذکر ہے کہ دو طلاق دیدی گئی ہیں، اگر زیادہ جھگڑا بڑھ گیا تو جو ایک باقی ہے وہ بھی ہوسکتی ہے، اس لفظ نے مسئلہ کو صاف کردیا ہے کہ جتنے بھی کنایہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان میں سے کسی سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے؛ بلکہ پہلے جو دومرتبہ طلاق دی ہے اس کی خبر دیتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ کررہا ہے؛ اس لئے مذکورہ واقعہ میں صرف دوطلاق رجعی واقع ہوئی ہیں اورسوال نامہ میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ اسی رات دونوں میں ہمبستری بھی ہوگئی ہے؛ لہٰذا اس ہمبستری کے ذریعہ سے ساتھ ساتھ رجعت بھی ہوگئی ہے۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولابها، كقوله أنت طالق، أنت طالق.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٦٣، كراچي٣/٢٥٢)

والكنايات ثلاث ما يحتمل الرد، أو مايصلح للسب أولا ولا فنحو اخرجي واذهبي وقومى. وتحته في الشامية: وقومى أي من هذا المكان لينقطع الشر، فيكون رداً. (شامي، زكريا ٤/٥٢٨، ٥٢٩، كراچي ٣/٢٩٨)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم

فـذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيـه الـرجـعة، فإذا طلق واحدة أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإمـا يسـكـت عـنهـا حتـى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨١، ٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩)

إذا طـلـق الـرجـل امـرأتـه تطليقة رجعية، أو ثنتين له أن يراجعها في عدتها. (هـداية، اشرفي ديو بند ٢/ ٣٩٤، مختصر القدوري، امداديه ديوبند ١٧٧، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۱۴ھ

ایک طلاق رجعی

سوال [۶۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے لڑکے نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دینے کا لفظ کہا اور وہ مکان سے باہر چلا گیا، یہ بات اس کی بیوی کے سامنے کی ہے اور وہاں کوئی آدمی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی برادری پڑوس کا تھا جہاں بیوی کے ساتھ رہتے تھے لڑکی کی ماں تھی۔

اس کے بعد لڑکا اپنی خالہ صاحبہ کے گھر گیا جہاں اس کے ماں باپ موجود تھے اور لڑکے نے اپنی ماں سے کہا میرا فیصلہ کرا جانا، میں نے ان کا فیصلہ کر دیا ہے طلاق کا کوئی ذکر نہیں کیا، باپ اور ماں سے صرف یہ لفظ سنا ہے کہ خدا گواہ ہے آگے جیسے ہو لڑکا باہر جا رہا ہے، ساتھ رہو لڑکی کے رشتہ داروں نے کہا راستہ روک کر کیوں رہے؟ تو کیا کر رہا ہے لڑکے نے کہا اس کا نکاح ماں کے ساتھ ہو گیا، اب وہاں لڑکے کے تایا انیس احمد، رشید احمد نے بات بنائی کہ برادری کے سامنے لڑکے نے ماں پر شبہہ کیا ہے؛ جبکہ اس کی بیوی ان گواہ کے سامنے نہیں ہے،

بیوی کے سامنے کا واقعہ تو اوپر لکھا ہوا ہے، اس کی بیوی کا مکان اور خالہ کا مکان ۱۰۰ ارگز کے فاصلہ پر ہے، آپ مہربانی فرما کر شریعت کا فیصلہ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: غلام وارث، ٹیکر صاحب، بوتھ ۱۵۰۶، سیکٹر ۳۶ / چنڈی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور لڑکے نے صرف ایک مرتبہ طلاق کا لفظ زبان پر جاری کیا ہے اور اس کی خالہ کے گھر جا کر خبر دی ہے کہ اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور تین مرتبہ لفظ طلاق استعمال کرنے پر شرعی عینی گواہ موجود نہیں ہیں، تو مذکورہ صورت میں بیوی پر صرف ایک طلاق واقع ہوئی ہے، عدت کے اندر رجعت اور بعد عدت نکاح کی گنجائش ہے۔

عن عبد الله و عن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم–إلى قوله–الطلاق مرتان، قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبیهقي، کتا ب الرجعة، دارالفکر بیروت ۱۱/ ۲۸۱، ۲۸۲، رقم: ۱۵۵۳۹)

صريحه مالم يستعمل إلا فيه ولو بالفارسية كطلقتک، وأنت طالق، ومطلقة، ويقع بها واحدة رجعية، وإن نوى خلا فها. (تنویر الأبصار مع الدر، کتاب الطلاق، باب الصریح، کوئٹه ۲/ ٤٦٦، کراچي ۳/ ۲٤۷-۲٤۹، زکریا ٤/ ٤٥۷-٤٦۰)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، باب الرجعة اشرفي دیوبند ۲/ ۳۹٤، هندية، زکریا قدیم ۱/ ٤۷۰، جدید ۱/ ٥۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶ / ۱۹۳۶)

ایک طلاق رجعی دینا

سوال [۶۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام محمد راشد ہے، میری بیوی ناظمہ پروین اپنی ماں کے یہاں رکی ہوئی ہے؛ لہٰذا میرے بڑے بھائی صبح الدین ان کو سمجھانے گئے، ان کے سمجھانے پر ناظمہ پروین آنے کو راضی ہوگئیں تھیں؛ لیکن کچھ لوگوں کی وجہ سے یہ کام دوسرے دن پر رکھا گیا، دوسرے دن کو جب میں اور میرے بھائی صبح الدین ان کے پاس پہونچے تو وہ آنے کو بالکل راضی نہ ہوئیں بہت سمجھایا؛ لیکن وہ قطعی راضی نہ ہوئیں؛ بلکہ ان کی طرف سے طلاق نامہ تیار ہوگیا جس پر میں محمد راشد نے مجبور ہوکر دستخط کر دیئے اور میں نے ان سے یہ کہا کہ تمہارے کہنے پر صرف ایک مرتبہ لفظ طلاق ادا کر رہا ہوں اور اب بھی شرع میں بہت گنجائش چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر اب بھی تمہارے دماغ میں آجائے تو آجانا۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتا دیجئے کہ اگر ناظمہ پروین آنا چاہیں تو آسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشد، کمبل کا تازیہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر طلاق نامہ میں طلاق کی تعداد مذکور نہیں ہے اور محمد راشد نے خط کشیدہ الفاظ بھی کہے ہیں تو راشد کی بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے، اس کو عدت کے اندر اندر رجعت کرکے بیوی بنا کر رکھنے کا حق ہے۔

عن ابن المسيب أن علي بن أبي طالبؓ، قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين.

(السنن الکبریٰ للبيهقي العدد، باب من قال: الأقراء الحيض، دار الفكر بيروت ۱۱/۳۷۷، رقم: ۱۵۷۹۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطلقية رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها

في عدتها رضيت بذلک، أو لم ترض. (فتاوی عالمگيري، مطبوعة كوئٹه ١/ ٤٧٠، زكريا ١/ ٥٣٣، هداية اشرفی ديوبند ٢/ ٣٩٤، مختصر القدوري امدادية ديوبند ١٧٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۷/۲۴)

دو طلاق رجعی

سوال [۶۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بھورے علی عمر ساٹھ سال گاؤں کمال پور کے رہنے والے ہیں، جنہوں نے اپنی زوجہ افسری بیگم عمر پچاس سال کو دو بار لفظ طلاق کہا، دو بار طلاق کہنے پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کیا کرنا پڑے گا؛ لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: معشوق علی کٹھگھر اڑ پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی جیسی زندگی گذار سکتے ہیں۔

عن عبد الله و عن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير–إلى قوله–الطلاق مرتان، قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق امرأته واحدة أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها.

(سنن کبریٰ للبیهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩)

وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها كقوله أنت طالق، أنت طالق الخ
(الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣)
أنت طالق، أنت طالق فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۱۵)

دو طلاق رجعی

سوال [۶۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری یعنی میری بیوی کے درمیان بات چیت ہو رہی تھی اور لڑائی چل رہی تھی میں نے اسی دوران کہا کہ میں آج تیرا شام تک فیصلہ کردوں گا، مجھے کسی کام سے نگینہ جانا تھا، میری بیوی نے کہا کہ جو کام شام کو کرنا ہے ابھی کردو، تو میں نے کہا کہ شام تک تو میرے گھر سے چلی جا ورنہ تیرے اوپر تینوں طلاق اور یہ بھی کہا میں نے تجھے طلاق دی، تو یہاں سے چلی جا، اسی دوران میری بیوی نے میرے منھ پر ہاتھ رکھا اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کون سے الفاظ نکلے اور کون سے رہ گئے، میرا ارادہ طلاق دینے کا نہیں تھا اور میری بیوی نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسے کوئی طلاق آئی ہے، اگر طلاق دینی ہے تو چند آدمیوں کو بلا کر میرا فیصلہ کردو، اگر تم کو طلاق دینی ہی ہے، اس کے بعد میری بہن آئی اور میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں اس کے سامنے کہہ رہا ہوں، میں نے اسے طلاق دیدی ہے، اسے یہاں سے نکال دو، اس کے بعد میں یہ کہہ کر چلا گیا، آدھ گھنٹہ کے بعد میری بیوی گھر سے چلی گئی۔

المستفتی: رحمت اللہ، محلّہ: بندوقچیاں، دھام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ واقعہ صبح کے ٹائم کا ہے اور شام سے قبل بیوی

گھر سے چلی گئی ہے، تو شوہر کے الفاظ شام تک گھر سے چلی جا ورنہ تیرے اوپر تین طلاق سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

وإذا أضافه إلی الشرط وقع عقیب الشرط. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨)

پھر شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے تجھے طلاق دی، تو یہاں سے چلی جا، اس عبارت میں دو جملے ہے۔

(۱) میں نے تجھے طلاق دی۔

(۲) تو یہاں سے چلی جا، اول لفظ سے ایک طلاق واقع ہو چکی ہے۔

صريحه ما استعمل فيه خاصة ولا يحتاج إلی نية وهو أنت طالق، ومطلقة وطلقتك وتقع بكل منها واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١١)

اور ثانی لفظ سے اگر طلاق کی نیت کی ہے، تو اس سے دوسری طلاق واقع ہو چکی ہے۔

اخرجي اذهبي تلزم النية. (شامي، كراچي ٣/ ٣٠٢، زكريا ٤/ ٥٣٤)

اور دونوں طلاق اب بائنہ ہو جائیں گی۔

والبائن يلحق الصريح. (الدرالمختار، كراچي ٣/ ٣٠٦، زكريا ٤/ ٥٤٠)

اور اگر شوہر نے تو یہاں سے چلی جا کے لفظ سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور اول لفظ سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے اور بہن کے آنے کے بعد دوبارہ شوہر کا یہ کہنا کہ اس کے سامنے کہہ رہا ہوں کہ میں نے اسے طلاق دیدی ہے، تو اس عبارت سے مزید ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے۔ اب حاصل یہ ہوگا، تو یہاں سے چلی جا کے لفظ سے اگر طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو کل دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے اور اگر اس سے طلاق کی نیت کر چکا ہے، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو کر مطلقہ مغلظہ ہو جائے گی بغیر حلالہ نکاح بھی صحیح نہ ہوگا۔

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن. (الدر المختار، کراچي۳/۳۰٦، زکریا٤/٥٤٠)

فنحو اخرجي واذهبي وقومي (إلى قوله) تتوقف الأقسام الثلاثة على نية. (الدر المختار، کراچي۳/۲۹۸، زکریا٤/٥۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷؍۲۴۷۷)

میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی دو مرتبہ کہنا

سوال [۶۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا اور میرے نسبتی بھائی (سالے) کا جھگڑا ہوا، جس میں کافی مار پیٹ ہوئی میرے کافی چوٹ لگی تھی اور میں غصہ سے پاگل ہو رہا تھا، اس غصہ کی حالت میں میں نے اپنی بیوی کو دوبار یہ لفظ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور چوٹ کی وجہ سے میں بے ہوش ہوگیا اور بہت دیر کے بعد ہوش آیا، اس جھگڑے میں بیوی کو کوئی دخل نہیں ہے، میں اور میری بیوی پھر سے ایک ہونا چاہتے ہیں۔ کیا ہم ایک ہوسکتے ہیں، طلاق کے وقت میں بیوی حیض کی حالت میں نہیں تھی اور حمل سے بھی نہیں ہے؟

المستفتی: وحید الدین ولد سعید الدین، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی درج کردہ صورت میں بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے زن وشوہر کی زندگی گذارنا جائز ہوگا۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ .

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الصريح، زکریا٤/٤٦٣، کراچي ۳/۲٥۲)

أنت طالق، أنت طالق، فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۳)

أن علي ابن أبي طالب قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين. (سنن كبرىٰ للبيهقي، باب من قال الأقراء الحيض، دارالفكر بيروت ۱۱/۳۷۷، رقم:۱۵۷۹۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، باب الرجعة اشرفی دیوبند۲/۳۹٤، هندية، زكريا قديم ۱/٤۷۰، جديد ۱/۵۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۷۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۶/۱۴۱۲ھ

میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی

سوال [۱۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں جھگڑے کے وقت بہت زیادہ غصہ میں تھا، میری بیوی جواب بڑھ چڑھ کر دے رہی تھی، اس حالت میں میں نے کہا جواب بند کرو ورنہ میں تجھے چھوڑ دوں گا، بیوی کو بھی غصہ تھا وہ چپ نہ ہوسکی غصہ بڑھتا رہا کہ اس حالت میں میں نے دومرتبہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، بیوی یہ سن کر زور زور سے رونے لگی اور مجھ سے معافی مانگنے لگی، پھر میں نے کہا تم نے سنا میں نے کیا کہا وہ قسم کھا کر کہتی ہے کہ میں نے صرف ایک بار سنا ہے۔

اب بیوی کا روتے روتے برا حال ہے، ایک دوسرے کے دل میں جگہ بھی بہت ہے اور ہمارے چھوٹے چھوٹے چار بچے بھی ہیں، اب اس حالت میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں

طلاق کے بارے میں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ آپ جس طرح جواب دیں گے مجھے منظور ہے۔

المستفتی: انور، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے، تو مذکورہ صورت میں بیوی پر دوطلاقیں صریح رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کرسکتے ہیں۔

وقعتا رجعتين لو مدخولابها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ

(الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/ ۲۵۲، كوئٹه ۲/ ٤٦٨، زكريا ٤/ ٤٦٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها .

(هداية، باب الرجعة اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٧٠، جديد ۱/ ۵۳۳)

أنت طالق، أنت طالق، فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولاً بها.

(مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۳)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها.

(سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۲، رقم: ۱۵۵۳۹)

آئندہ کبھی بھی ایک دفعہ کہے گا، تو بیوی بالکل حرام ہوجائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۶۸۹)

تمہاری سالی کو میں نے بدچلنی کی وجہ سے چھوڑ دیا

سوال [۶۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میری شادی ہوئے تقریباً سترہ سال ہوئے، اس درمیان بیوی کے کچھ بدچلنی کی وجہ سے کئی مرتبہ لڑائی تک کی نوبت آئی اور پھر ایک مرتبہ میں نے اپنی ساس اورسالےکو بلوایااوران سے کہا کہ جواسلام کا قانون ہو یاہندوستان کا قانون ہو،میرااس سے پیچھا چھڑاؤاس بات کا ان لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیااور میری بیوی کوساتھ لے کر چلے گئے، پھرمیں اپنے ساڑھوکے یہاں گیااوران سے کہا کہ تمہاری سالی کو میں نے چھوڑ دیا ہے بدچلنی کی وجہ سے، پھرانہوں نے پوچھا ریحانہ کہاں ہے، میں نے کہاوہ لوگ لے گئے، پھرایک مرتبہ ایک صاحب کے یہاں اپنے دوست کے ساتھ جانا ہوا،توان لوگوں نے پوچھا کیاحال چال ہیں،تو میں نے ان لوگوں سے کہا کہ بیوی نہیں رہی،تو حال چال کیسےتو انہوں نے کہا میں سمجھانہیں،تو میں نے کہدیا کہ میں نے چھوڑ دیا اس کوتو پھرانہوں نے کہا کہ طلاق دیدی تو میں خاموش رہا؛لیکن میرے دوست نے کہا کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ خیراب دریافت طلب امریہ ہے کہ مذکورہ بالاصورت میں کیامیری بیوی کوطلاق ہوئی یانہیں؟

المستفتی: محمد رضوان،محلّہ: سعیدخاں کا گھیر،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ کااپنے ساڑھوسے یہ کہدینا کہ تمہاری سالی کو میں نے چھوڑ دیاہے، اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے،عدت کے اندر اندررجعت کر کے رکھ سکتے ہیں اور بعد میں دوستوں کے پوچھنے پر جو آپ نے میں نے چھوڑ دیا کہا ہے وہ پہلی طلاق کی خبر ہے،اس سے کوئی طلاق نہ ہوگی اور چھوڑ دیا کےلفظ سے طلاق صریح رجعی واقع ہوا کرتی ہے۔

رها كردم أي سرحتك يقع به الرجعي. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي٣/ ٢٩٩، زكريا ٤/ ٥٣٠)

إذا قال الرجل لامرأته بهشتم ترا از زنى فاعلم بأن هذه اللفظة استعملها أهل خراسان، وأهل العراق في الطلاق، وأنها صريحة عند أبي يوسفؒ

حتـى كـان الواقع بها رجعياً ويقع بدون النية. وفي الخلاصة وبه أخذ الفقيه أبـو الـليـث وفـي التـفريد وعليه الفتوىٰ. (هـنـدية، زكـريـا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۵۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۱ھ

بیوی میکہ چلی جائے تو رجعت کیسے کریں؟

سوال [۶۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی اور اس کی بیوی اسی دن اس کا گھر چھوڑ کر اپنے میکہ چلی گئی، تو ایسی حالت میں رجعت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ جبکہ لڑکی اپنے میکہ میں ہو اور عدت کی مدت کے اندر اس کے واپس آنے کے آثار نہ ہوں؟

المستفتی: سعید ہمایوں، محلّہ: اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شوہر نے ایک طلاق رجعی دی ہے، تو عدت کے اندر اندر جب چاہے رجعت کر کے بیوی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور رجعت کرنے میں بیوی کی رضا مندی لازم نہیں ہے، وہ راضی ہو یا نہ ہو شوہر کو رجعت کا اختیار ہے، اگر عدت کے اندر واپس آنے کے آثار نہ ہوں تو دو چار آدمیوں کے سامنے یوں کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھنے کے لئے رجعت کر لی ہے تاکہ یہ لوگ گواہ رہیں، تو ایسی صورت میں عورت شوہر کے نکاح میں خود بخود قائم رہتی ہے۔ اب وہ عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی۔

عـن ابـن الـمسيب أن علي بن أبي طالبؓ قال: إذا طلق الرجل امرأته

فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين. (سنن کبریٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ۱۱/۳۷۷، رقم:۱۵۷۹۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترضیٰ. (هندية، زكريا قديم۱/ ٤٧٠، جديد ۱/ ٥٣٣، هدايةاشرفيه ديوبند۲/ ۳۹٤، مختصر القدوري امداديه ديوبند۱۷۷)

والرجعة أن يقول راجعتک، أو راجعت امراتي الخ. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۵)

الرجعة على ضربين: سني و بدعي، فالسني أن يراجعها بالقول، ويشهد على رجعتها شاهدين. (تاتارخانية، زكريا ٥/ ۱۳۸، رقم: ۷٤۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۶۱۰)

بوس و کنار کے ذریعہ رجعت کا حکم

سوال [۶۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی مہرین جبیں کو مؤرخہ ۳؍ نومبر ۲۰۱۳ء کو ایک طلاق دیدی تھی، اور پھر تقریباً ایک ہفتہ ایک ساتھ رہتے رہے اور ایک بستر پر سوئے شہوت کے ساتھ بوس وکنار اور بات چیت بھی ہوئی با قاعدہ ہمبستری نہیں ہوئی، اس کے بعد بیوی اپنے میکہ چلی گئی۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس بیوی کے ساتھ اس طرح خلوت سے جبکہ رجعت کے الفاظ زبان سے ادا نہیں کئے، تو رجعت ہوگئی یا نہیں؟ بیوی کو ساتھ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: نور محمد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رجعت کے الفاظ زبان سے ادا کئے بغیر بیوی سے شہوت کے ساتھ بوس وکنار سے بھی رجعت ہوجاتی ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں شرعی طور پر رجعت کا ثبوت ہوچکا ہے؛ اس لئے بیوی کو بلاشبہ اپنے ساتھ رکھنے کی گنجائش ہے۔

وكما ثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل، وهو الوطء، واللمس عن شهوة، وكذا التقبيل عن شهوة. (هندية، زكريا قديم١/٤٦٩، جديد ١/٥٣٢)

أو بفعل ما يوجب حرمة المصاهرة من وطء، ومس ونحوه. (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٨٢)

والجماع في العدة رجعة، وكذلك المس بشهوة، والتقبيل بشهوة. (تاتارخانية، زكريا٥/١٣٩، رقم:٧٤٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹؍۱؍۱۴۳۵ھ

کیا عدت میں صحبت کرنے سے رجعت متحقق ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ جھگڑے کے دوران اپنی بیوی کو ایک مرتبہ طلاق دیدی تھی، پھر بیوی سے عدت کے اندر دو تین مرتبہ ملاقات بھی کرلی، تو شرعاً کیا اس بیوی کے ساتھ رہ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: نزاکت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف ایک ہی طلاق دی تھی اور عدت کے اندر بیوی سے ملاقات اور ہمبستری بھی ہوگئی ہے، تو ایسی صورت میں ایک طلاق رجعی ہوگئی تھی

اورساتھ رہنے کیوجہ سے رجعت بھی ہوگئی ہے، اب وہ بدستور نزاکت حسین کے نکاح میں باقی ہے، دونوں کا آپس میں میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا جائز ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية –إلى قوله– فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أولم ترض الخ. (هندية، زكريا قديم١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣، هداية اشرفيه ديو بند٢/٣٩٤)

صريحه ما استعمل فيه خاصة و لايحتاج إلى نية وهو أنت طالق، ومطلقة، وطلقتک وتقع بكل منها واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، باب ايقاع الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١١)

صريحه ما لم يستعمل إلا فيه ولو بالفارسية كطلقتک، وأنت طالق، و مطلقة ويقع بها واحدة رجعية. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچي٣/٢٤٧، تا ٢٤٩، زكريا ٤/٤٥٧ تا ٤٦٠)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين،فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/٢٨١، ٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۵۰۴۸)

کیا ہمبستری کرنے سے رجعت متحقق ہوجاتی ہے؟

سوال [۶۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جس کا نام جان محمد ولد عبدالرشید ہے موضع ڈلاری کا رہنے والا ہے،

اس نے اپنی بیوی فرمیدا کو باہمی نا اتفاقی اور کچھ جھگڑا فساد ہونے کی وجہ سے ایک طلاق دیدی اور پھر دو چار دن کے بعد اس سے ہمبستری کی اور تین مہینہ دس دن کے اندر بہت دفعہ ہمبستری کی اب اس کی بیوی کو بلا کر لے گئے اس کے ماں باپ، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر فتوی منگا لو کہ اس میں طلاق نہیں ہوئی، تو ہم اپنی لڑکی کو بھیج دیں گے؛ لہٰذا اس کا جواب جلدی دیجئے عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد جان، ڈلاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف ایک طلاق دی ہے، تو اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی؛ لیکن اس کے بعد بیوی سے ہمبستری بھی عدت کے اندر اندر ہوچکی ہے؛ اس لئے رجعت بھی ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب بیوی شوہر کی زوجیت میں باقی ہے اور نکاح بدستور باقی ہے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوئی۔

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۵۵۹)

رجعت کی ایک صورت

سوال [۶۴۷۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا اور میری بیوی کا جھگڑا ہوا، بیوی نے مجھے نازیبا اور بدکلامی کے الفاظ کہے میں نے غصہ میں اس کوصرف ایک دفعہ طلاق کے الفاظ بولدئے، اب بیوی سے رجوع ہونے کے لئے کیا کرنا ہوگا؟

المستفتی: عبدالقادر،قریشی،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میں نے تجھ کونکاح میں لوٹالیا، یامیں نے اپنی بیوی کونکاح میں لوٹالیا، ان الفاظ کے ذریعہ رجوع کرسکتے ہیں یا پھر بیوی کے ساتھ ہمبستری کرلیں،تو رجعت ثابت ہوجائے گی۔

والرجعة أن يقول راجعتک، أو راجعت امرأتي، أويطأها الخ. (هداية اشرفی دیو بند۲/ ۳۹۵)

له أن يراجع و إن أبت ما دامت في العدة بقوله راجعتک، أوراجعت امرأتي، أو بفعل مايوجوب حرمة المصاهرة من وطء ومس ونحوه. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت۲/ ۸۲)

كما ثبت الرجعة بالقول ثبت بالفعل وهو الوطء، واللمس عن شهوة. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٦٩، جديد۱/ ٥٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۳/ ۵۳۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۷/ ۱۴۱۸ھ

فون پر طلاق دینے کے ایک ہفتہ بعد رجعت کرنے کا حکم

سوال [۶۴۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو فون پر ایک مرتبہ طلاق دی تھی، پھر ایک ہفتہ کے بعد بیوی سے رجعت کر لی تھی۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا طلاق واقع ہوگئی تھی اور رجوع کے بعد اب میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں یا جو بھی شرعی حکم ہو تحریر فرمادیں؟

المستفتی: شاہ رخ، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے جب بیوی کو ایک طلاق دیدی تھی، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی تھی اور عدت کے اندر اندر رجعت کی گنجائش تھی پھر جب ایک ہفتہ کے بعد شوہر نے رجوع کرلیا ہے، تو بلاشبہ میاں بیوی کی طرح پہلے جیسے رہا کرتے تھے ایسے ہی رہنا حلال اور جائز ہے۔

عن ابن المسيب أن علي بن أبي طالبؓ قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين.

(سنن کبریٰ للبيهقي، باب من قال الأقراء الحيض، دارالفكر بيروت ۱۱/۳۷۷، رقم:۱۵۷۹۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک، أو لم ترض لقوله تعالیٰ: فامسكوهن بمعروف من غير فصل. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، دارالكتاب ديوبند ۲/۲۷٤، اشرفيه ديوبند ۲/۳۹٤، هندية، زكريا قديم ۱/٤۷۰، جديد ۱/۵۳۳، مختصر القدوري امداديه ديو بند۱۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۰۴۵)

مطلقہ واحدہ سے بلا حلالہ نکاح درست ہے

سوال [۹ ۷ ۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی اہلیہ کو ۹ر مہینے پہلے ایک طلاق دی تھی، میرے دو بچے ہیں، میری اہلیہ اسی وقت سے اپنے میکہ میں ہے، بچے میرے پاس ہیں، اب میں دو بارہ ان کو اپنی زوجیت میں لینا چاہتا ہوں، میری اہلیہ کی بھی یہی خواہش ہے؛ لہٰذا اس کی شکل تحریر فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد اعجاز، پیرزادہ، گملے والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف ایک طلاق دی ہے، تو ۹ر مہینے گذرنے کے بعد چونکہ عدت پوری ہوچکی ہے؛ اس لئے وہی طلاق بائن ہوگئی ہے؛ لہٰذا اب رجعت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اب بغیر حلالہ کے کسی بھی وقت نکاح کر کے رکھنے کی گنجائش ہے۔

عن سماک قال: سمعت عکرمةؓ، یقول: الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أو تسریح بإحسان. قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نکحها، وإذا طلقها ثنتین فإن شاء نکحها، فإذا طلقها ثلاثا فلا تحل له حتی تنکح زوجاً غیره. (المصنف لابن أبي شیبة، ما قالوا في الطلاق مرتان جدید مؤسسة علوم القرآن، بیروت ۱۰/ ۱۹۷، رقم: ۱۹۵٦٤)

وینکح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالاجماع .

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الرجعة، زکریا ٥/ ٤٠، کراچي ٣/ ٤٠٩)

فإن طلقها ولم یراجعها؛ بل ترکها حتی انقضت عدتها بانت وهذا عندنا. (بدائع الصنائع بیروت ٤/ ٣٨٧، زکریا ٣/ ٢٨٣)

إذا کان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن یتزوجها في العدة، وبعد

انقضائها الخ. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٢، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا٥/١٤٨، رقم:٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲رشوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف۴۰/۱۱۲۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۰/۱۴۳۴ھ

طلاق رجعی کے بعد کب تک رجوع کرسکتا ہے؟

سوال[۶۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تنبیہ کے واسطے ایک طلاق دی، پھر زید اپنی بیوی کے پاس سے ہٹ گیا۔اب اگر زید رجوع کرلے تو کتنے روز کے اندر کرسکتا ہے؟

المستفتی: مقصود علی ٹانڈہ ،رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی،خواہ اس کی نیت تنبیہ کرنے کی ہو، پھر بھی واقع ہوگئی؛ کیونکہ طلاق صریح میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔اب اگر زید رجوع کرنا چاہے،تو عدت کے اندر جس کی مدت تین حیض ہے رجوع کرسکتا ہے۔

أنت طالق يقع بها أي (بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح) واحدة رجعية،وإن نوى خلافها، أولم ينو شيئًا. (تنوير الأبصار مع الدر، كراچي ٣/٢٤٧ تا٢٤٩،زكريا٤/٤٥٧ تا ٤٦٠)

وهي في حرة تحيض لطلاق، أو فسخ بعد الدخول حقيقة، أو حكما ثلاث حيض كوامل. (شامي، باب العدة، كراچي ٣/٥٠٤-٥٠٦، زكريا٥/١٨١)

قال الله تعالىٰ: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكُۢ بِمَعۡرُوفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحُۢ بِإِحۡسَانٍ. [سورة البقرة:٢٢٩]

عن ابن المسيب أن علي بن أبي طالبؓ قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين.

(سنن کبریٰ للبيهقي، باب من قال الأقراء الحيض، دارالفکر بیروت ١١/٣٧٧، رقم:١٥٧٩٩)

إذا طلق الرجل امرأتــه تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفيه ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۷۶۳۳/۳۶)

ایک طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا

سوال [۶۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے غصہ میں اپنی معلومات کے مطابق بیوی سے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ اگر حصہ نہیں لے گی ،تو ہمارے مذہب حنفی میں تین طلاقیں ہیں، میں تجھے صرف ایک طلاق دیتاہوں، دو ابھی باقی ہیں یہ باتیں میں نے بہت سے گواہوں کے بیچ کہیں جس میں میرے بہن، بھائی ماں بیوی بھی ہیں اور یہ سب گواہ ہیں، پھر مغرب کے ٹائم سے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ ایک طلاق بھی میں واپس لے رہاہوں۔اب کوئی طلاق نہیں؛ لیکن میری بیوی نے ایک بھائی کوگلاؤٹھی ٹیلیفون کردیا،وہ رات کوایک بجے آکر اپنی بہن کولے گئے کہ طلاق ہوگئی ،اب میں برابر اپنی غلطی پر نادم ہوں اور اپنی بیوی کو لوگوں کے ذریعہ بلا رہاہوں،مگر میرے سالے نہیں بھیجتے کہ طلاق ہوگئی ،تو شرعاً میں اپنی بیوی کو اپنے پاس بلا سکتا ہوں یانہیں؟اس واقعہ کوایک مہینہ ۹؍دن ہوگئے ہیں۔

المستفتی: محمد عبدالغنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے ایک طلاق دے کر یہ کہا ہے کہ میں رجوع کرتا ہوں، تو آپ کا رجوع کرنا صحیح ہے، عورت علی حالہ آپ کی بیوی ہے، آپ اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں؛ لیکن آئندہ کبھی بھی اس کے بعد دو طلاق دیں گے، تو عورت بالکل حرام ہوجائے گی۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣، هداية، اشرفی ديوبند ٢/ ٣٩٤، قدوري امداديه ديوبند١٧٧)

والرجعة أن يقول: راجعتک، أو راجعت امراتي، أو يطأها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٥، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٢، هندية، زكريا قديم١/ ٤٦٩، جديد ١/ ٥٣٢)

قال الله تعالىٰ: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمۡسَاکٌ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ بِاِحۡسَانٍ. [سورة البقره: ٢٢٩]

والإمساک بالمعروف هو الرجعة. (بدائع الصنائع، زكريا٣/ ٣٨٥)

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا. [البقره: ٢٣١]

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها. (سنن كبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۹۴۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۱۲ھ

تجھ کو طلاق دیتا ہوں کہنے کے بعد ساتھ رہنا

سوال[۶۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی رحمت جہاں جی کو بیس دن کا زچہ تھا، میرے اور ان کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے میں نے ان سے کہا، جا میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں جا گھر جا یہ واقعہ عید کے وقت کا ہے اور وہ میرے پاس ہی تین چار ماہ رہتی رہی اور وہ اب اپنی والدہ کے گھر میں ہے اور اب وہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں کہ کتنی طلاق واقع ہوئی۔ والسلام

المستفتی: غضنفر اللہ ولد محمد سعید، محلّہ: یار وشاہ، مراد آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تجھ کو طلاق دیتا ہوں کے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی تھی، مگر اس کے بعد دونوں ساتھ رہ چکے ہیں؛ اس لئے رجعت بھی ہوگئی ہے؛ لہٰذا اب دونوں بلاشبہ ساتھ رہ سکتے ہیں، نکاح کی بھی ضرورت نہیں، جا گھر جا کے الفاظ کے بارے میں شوہر نے زبانی بیان دیا ہے کہ ان الفاظ سے صرف دھمکانے اور ڈرانے کا ارادہ تھا طلاق کا نہیں۔

والرجعة أن يقول راجعتك (إلى قوله) أو يطأها، أو يقبلها، أويلمسها بشهوة الخ. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۵)

فله أن يراجع و إن أبت ما دامت في العدة بقوله راجعتك، أوراجعت امرأتي، أو بفعل ما يوجب حرمة المصاهرة من وطء، ومس ونحوه. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۸۲)

كما تثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل وهو الوطء، واللمس عن

شهوة. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٦٩، جديد ۱/ ٥٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ ؍ ۶۱۳۰)

عدت کے دوران رجوع کرنے کا حق ہے

سوال [۶۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دیدی اور عدت کے دوران اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا، پھر اس کو بھی طلاق دیدی، ابھی پہلی والی کی عدت نہیں گذری ہے کہ اس نے اس سے رجوع کرلیا، تو کیا یہ شکل درست ہے؟ اس میں نکاح کی ضرورت تو نہیں ہے اور اگر اس نے عدت گذرنے کے بعد اس کو اپنی زوجیت میں لانے کا ارادہ کیا ہے، تو کیا زید بذریعۂ نکاح اس کو زوجیت میں لاسکتا ہے؟ زید نے جو اپنی پہلی مطلقہ کی بہن سے نکاح کیا تھا، اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں جواب اگر ایک ہی ہے اوپر والی شکل کا تو کوئی بات نہیں اور اگر صورت دخول میں جو جواب ہے صورت عدم دخول کا جواب اس سے مختلف ہے، تو دونوں شکلوں یعنی صورت دخول اور عدم دخول کی الگ الگ وضاحت کردی جائے؟

المستفتی: فخر الحسن، موسیٰ پور، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اپنی منکوحہ کی عدت رجعی میں اس کی بہن سے جو نکاح کیا ہے، وہ درست نہیں ہے؛ لہٰذا اپنی منکوحہ سے عدت میں رجوع کرنا درست ہے۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، ۲/ ۳۹٤)

اور انقضاءِ عدت کے بعد بذریعۂ نکاح اپنی زوجیت میں لاسکتا ہے اور عدت کے دوران جس بہن سے نکاح ہوا تھا، اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے۔

وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضاءها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٨، رقم: ٧٥٠٤، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٢، جديد ١/٥٣٥)

عن الحسن فلا تعضلوهن، قال حدثني معقل بن يسار أنها نزلت فيه. قال: زوجت أختًا لي من رجل وطلقها حتى إذا انقضت عدتها جاء يخطبها، فقلت له زوجتك، وفرشتك، وأكرمتك، فطلقتها، ثم جئت تخطبها؟ لاوالله لاتعود إليك أبداً، وكان رجلا لا بأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه، فأنزل هذه الآية فلا تعضلوهن، فقلت: الآن أفعل يا رسول الله! قال: فزوجها إياه. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب من قال لا نكاح إلا بولي ٢/٧٧٠، رقم:٤٩٣٧، ف:٥١٣٠)

قال الله تعالىٰ: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا. [البقره:٢٣١]

عن المسيب أن علي بن أبي طالبؓ قال: إذا طلق الرجل امرأته فهو أحق برجعتها، حتى تغتسل من الحيضة الثالثة في الواحدة والثنتين. (سنن كبرىٰ للبيهقي، دارالفكر بيروت ١١/٣٧٧، رقم:١٥٧٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١؍ جمادی الاولیٰ ١٤١٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٥٧٦٠/٣٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/٥/١٤١٩ھ

دورانِ عدت رجوع کافی ہے نکاح کی ضرورت نہیں

سوال [٦٤٨٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی، پھر اس کی بہن سے نکاح کرلیا، پھر ابھی عدت نہ گذری تھی کہ اس کو بھی طلاق دیدی اور پہلی والی سے رجعت کرلی، تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟ جبکہ عدت کے دوران رجعت کرنا پایا گیا ہے، پھر نکاح نہیں کیا ہے؟

المستفتی: شمس احمد، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح حرام ہے، اب جبکہ شوہر نے اپنی پہلی مطلقہ رجعیہ بیوی سے عدت کے دوران رجوع کرلیا تو رجعت صحیح ہوگئی، دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔

حرم الجمع بين المحارم نكاحاً أي عقداً صحيحاً وعدة ولو من طلاق بائن وقوله من طلاق بائن شمل العدة من الرجعي. (شامي، كتاب النكاح، كراچي ٣٨/٣، زكريا ١١٦/٤)

ولا يجوز أن يتزوج أخت معتدته سواء كانت العدة عن طلاق رجعي، أو بائن، أو ثلاث. (هندية، زكريا قديم ٢٧٩/١، جديد ٣٤٤/١)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، باب الرجعة، اشرفي ديوبند ٣٩٤/٢، هندية، زكريا قديم ٤٧٠/١، جديد ٥٣٣/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۷۰۱/۳۳)

دو مرتبہ طلاق کے بعد بیوی کو بہن کہنا

سوال [۲۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد اکرم ہوں میں نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں دو مرتبہ

طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی اور دو مرتبہ کہا کہ تو میری بہن ہے؛ جبکہ حقیقت میں تقریباً ۲ رمہینہ سے والد صاحب کے صدمہ اور دیگر مصائب سے میرا دماغی توازن صحیح نہیں ہے۔

المستفتی: محمد اکرم، سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں آپ کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر اندر بیوی کو دوبارہ رکھ سکتے ہیں؛ البتہ آئندہ ایک مرتبہ بھی طلاق دیں گے تو طلاق مغلظہ واقع ہوکر ہمیشہ کے لئے بیوی حرام ہوجائے گی اور بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری بہن ہے، اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ البتہ ایسا کہنا درست نہیں۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ . (الدر المختار، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية اشرفيه ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣)

لو قال لها أنت أمي لا يكون مظاهرا و ينبغي أن يكون مكروها ، ومثله أن يقول يا ابنتي، ويا أختي ونحوه الخ. (هندية، زكريا قديم ١/ ٥٠٧، جديد ١/ ٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۰۶۹)

دوران گفتگو طلاق ہوگئی کہنا

سوال [۶۴۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میری بیوی مجھ سے لڑرہی تھی، میں اسے باربار سمجھاتا رہا؛ لیکن وہ نہیں مانی اورکمرہ میں کنڈی لگاکر کمرہ بندکر کے بیٹھ گئی، مجھے اس پر بہت غصہ آیا، بہت دروازہ پیٹنے پر اس نے کنڈی کھولی، تو میں نے غصہ میں آکر ہاتھ پکڑ کر کمرہ سے باہر کردیا اور کہا اب یہاں سے نکل، پھر مزید وہ بحث کرتی رہی میں نے کہا تجھے طلاق ہوگئی، اب میں تجھے نہیں رکھوں گا، اس کے باوجود وہ زبان درازی کرتی رہی میں نے کہا کہ تو حجت کیوں کررہی ہے، جو تو چاہتی تھی وہ ہوگیا، تیرا معاملہ صاف ہوگیا، تم اپنے گھر جاکر کچھ بھی کرو، تجھے طلاق ہوچکی ہے اور یہ بات میں نے باربار کہی، اور بار بار میں نے جو طلاق ہوگئی کے الفاظ کہے ہیں، اس سے پہلی طلاق کی تاکید ہی مقصود تھی، اس کے علاوہ میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس سے کتنی طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد ندیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہاتھ پکڑ کر کمرہ سے باہر نکالتے ہوئے ''یہاں سے نکل'' جو کہا ہے وہ موقع ومحل کے اعتبار سے کمرہ سے باہر نکلنے پر محمول ہے؛ اس لئے اس سے کوئی طلاق نہیں پڑی اور اس کے بعد دوران گفتگو جب اس نے پہلی بار ''طلاق ہوگئی'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ یہ اقرار طلاق ہے اور اقرار طلاق تنجیز طلاق کے حکم میں ہے، اگرچہ طلاق پہلے نہ دی ہو تب بھی اس وقت کے اقرار سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور بعد کے الفاظ اس کے لئے خبر اورتاکید کے حکم میں ہیں؛ اس لئے بعد کے الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ شوہر کے بیان سے یہی بات واضح ہے کہ پہلی طلاق کی خبر دے رہا ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں ایک طلاق رجعی کا اعتبار ہوگا اور عدت کے اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی طرح دوبارہ زندگی گذارنے کی گنجائش ہوگی۔

ولـو أقـر بـالـطـلاق كاذباً، أوهازلاً وقع قضاء لا ديانةً. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التي تصح مع الاكراه،كراچي ٣/٢٣٦، زكريا ٤/٤٤٠)

إن من أقر بطلاق سابق يكون ذلک إيقاعاً منه في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال. (مبسوط سرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٠٩)

ولو قال لامرأته أنت طالق، فقال له رجل ما قلت؟ فقال: طلقتها، أو قال: قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء، كذا في البدائع. (عالمگيري، مطلب إذا كررالطلاق على المرأة المدخول بها و نوى الإخبار، هندية، زكريا قديم١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣، نحو ذلك في الشامي، زكريا٤/٥٢١، كراچي٣/٢٩٣)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في العدة. (اللباب في شرح الكتاب ٢/٢٨٠، بحواله فتاوى محموديه ١٢/٢٣٨، ونحو ذلك في بدائع الصنائع، زكريا ٣/٢٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۳۴ھ

ایک طلاق کے بعد رجوع پھر طلاق پھر رجوع

سوال [۶۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک بار طلاق دی، پھر اس سے رجوع کرلیا، کچھ دنوں کے بعد ایک طلاق پھر دی اور فوراً اس سے رجوع کرلیا۔ کیا اس صورت میں نکاح ٹوٹ گیا اور طلاق سابق اس میں شامل ہوجائے گی؟

المستفتی: شرف الدین، سیتاپوری، آج پور، تھانہ: تنبور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں نکاح باقی ہے، پہلی طلاق کو شامل کر کے عورت پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں، عدت کے اندر رجعت کر کے زن وشوہر کی طرح زندگی گذارنا جائز رہے گا۔

إنما يلحق الطلاق لمعتدة الطلاق الخ. (الدر المختار، کوئٹه ٢/ ٥١٤، زكريا٤/ ٥٥٠، كراچي ٣/ ٣١٣، فتاوی محمودیه قدیم ٤/ ١٠٠، جدید ڈابھیل ١٢/ ٢٠٥)

المعتدة بعدة الطلاق يلحقها الطلاق. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٤٢)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفی دیوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣)

البتہ آئندہ جب بھی ایک طلاق دے گا تو مغلظہ ہوجائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ صفر المظفر ١٤٠٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٣/ ٥٢٢)

بغیر نیت طلاق کے شوہر کا کہنا ''مجھے ہاتھ مت لگاؤ ورنہ گنہ گار ہوگی''

سوال [٦٤٨٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو تم میرا اکثر کہنا نہیں مانتی ہو، جس بات کو میں منع کرتا ہوں اس کو کرتی ہو، میں تمہیں ایک طلاق دے چکا ہوں، تم ہوشیار رہو، میں تمہیں چھوڑ دوں گا اور فوراً ہی یہ کہا جب تم میرا کہنا نہیں مانتی تو مجھ سے کیا واسطہ، یہ سب کچھ ذرا غصے میں ڈرانے کی غرض سے کہا، یہاں شوہر کی نیت طلاق کی نہیں تھی، پھر تھوڑی دیر کے بعد بیوی

اس کے پاس آ گئی، تو پھر اس نے اس کو ڈرانے کی غرض سے یہ کہا کہ تم مجھے ہاتھ مت لگانا، اگر ہاتھ لگاؤ گی تو گنہگار رہوگی اور چار مہینے تک عدت گذارو، اس کے بعد ہمارا اور تمہارا معاملہ ختم، اس بات کے کہنے سے اس کی نیت طلاق کی نہیں تھی، شوہر نے چار مہینے سے پہلے ہی ڈہائی مہینے کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کر لی اور باقاعدہ آپس میں رہنے لگے، اور عہد کر لیا کہ ایسی باتیں اب نہیں کریں گے، اب شوہر نے کچھ فقہی کتابوں کا مطالعہ کیا، اس میں طلاق کا بیان پڑھا تو اس کو یہ شک ہو گیا کہ ہماری زندگی کہیں خلاف شرع تو نہیں گذر رہی ہے؛ اس لئے اس مسئلہ کے بارے میں علمائے دین سے رجوع کیا جا رہا ہے، تاکہ خلاف شرع زندگی سے بچ جائیں علماء اس کا جواب شریعت مطہرہ کی روشنی میں اطمینان بخش دیں کہ مذکورہ باتوں کے کہنے سے کوئی طلاق تو واقع نہیں ہوئی ہے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن، لا لپور کلاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر کا قول میں تمہیں ایک طلاق دے چکا ہوں، اس سے بلا نیت ایک صریح طلاق رجعی واقع ہوگئی، ڈھائی مہینے کے بعد صحبت کے وقت تک اگر تین حیض نہیں گذرے ہیں تو رجعت بھی ثابت ہوگئی اور بعد کی زندگی حلال طریقے سے رہی ہے، بقیہ الفاظ سے اگر طلاق کی نیت نہیں کی ہے، تو ان سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

صريحه ما استعمل فيه خاصة ولايحتاج إلى نية وهو أنت طالق ومطلقة وطلقتک وتقع بكل منها واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١١)

صريحه ما لم يستعمل إلا فيه ولو بالفارسية كطلقتک، وأنت طالق، و مطلقة ويقع بها واحدة رجعية. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچي ٣/ ٢٤٧، تا ٢٤٩، زكريا ٤/ ٤٥٧ تا ٤٦٠)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية -إلى قوله- فله أن يراجعها

في عدتها. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣، هداية اشرفيه ديو بند ٢/ ٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠ر شوال المکرّم ١٤٠٧ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٣/ ٦٦٧)

بلا نیت کے طلاق طلاق کہنا

سوال [٦٤٨٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرفراز عالم کا عقد نکاح ہمراہ راشدہ خاتون ہوئے عرصہ تقریباً چھ سال کا ہوا، جس کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی دو بچے ہیں، تاریخ ٥ر فروی ١٩٩٠ء کی رات کو میں اپنی سسرال گیا جہاں میری بیوی گئی ہوئی تھی کھانا کھانے لگا کھانا کھانے کے بعد میں نے اپنی زوجہ سے کہاں میں جا رہا ہوں جس پر انہوں نے سخت لہجہ میں بات کی اس کے بعد ساس سالیوں اور سالوں سے گرما گرمی ہوئی اور ان لوگوں نے کافی مجھے برا بھلا کہا اور کہا کہ آج فیصلہ کر لیا جائے، اس پر میری ساس نے میرے اوپر دباؤ دیا آج فیصلہ اور معاملہ کو نمٹا لو میری گود میں میرا بچہ تھا اور میں گھر سے باہر آنا چاہتا تھا، ان لوگوں نے مجھے گھیر لیا اور اندر کمرے میں لے جا کر مار پیٹ کرنا چاہتے تھے، میں نے اپنے بچاؤ کے لئے تین مرتبہ یہ الفاظ ایک سانس میں ادا کئے، طلاق، طلاق، طلاق میں خدا کو حاضر وناظر کر کے کہتا ہوں کہ میں نے یہ الفاظ اپنی بیوی کے حق میں نہیں کہا ہے اور نہ ہی میں نے بیوی کی طرف نسبت کی ہے؛ بلکہ زبردستی کرنے والوں کے پنجوں سے نکلنے کے لئے محض یہ الفاظ سنانا مقصود تھا تاکہ چھٹکارا پا کر نکل جاؤں۔

المستفتی: سرفراز عالم، محلّہ: گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر واقعی بیوی کے حق میں مذکورہ الفاظ نہیں کہا ہے

اور نہ ہی بیوی کی طرف نسبت کی ہے؛ بلکہ صرف لفظ طلاق زبان سے نکال کر چھٹکارہ ہی مقصد تھا،تو بیوی پر طلاق نہیں ہوئی ہے، نکاح بدستور باقی ہے؛ کیونکہ وقوع طلاق کے لئے فی الجملہ نسبت لازم ہے چاہے ظاہری ہو یا معنوی۔

لم يقع بتركه الإضافة إليها. وتحته في الشامي: لو قال امرأة طالق، أوقال طلقت امرأة ثلاثا، وقال لم أعن امرأتي يصدق الخ (شامي، كراچي،باب الصريح ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٨)

رجل قال: امرأة طالق، أو قال: طلقت امرأة ثلاثا، وقال: لم أعن به امرأتي يصدق. (فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٢، وعلى هامش الهندية، زكريا١/٤٦٥، الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/٤٢١، رقم:٦٥٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۹۷۸/۲۶)

میں نے تم کو طلاق دیدی

سوال [۶۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے تم کو طلاق دیدی اور اس کی بیوی سامنے موجود تھی اور اس کی بیوی نے کوئی جواب بھی نہیں دیا اور اس شخص نے اپنی زبان سے طلاق کی تعداد متعین نہیں کی،تو کتنی طلاق واقع ہوگی اور اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کے مطابق شرعی فیصلہ فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: عبدالماجد،۲۴؍ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تم کو طلاق دیدی کا لفظ صرف ایک دفعہ زبان سے نکالا ہے،تو اس سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، اگر چہ تعداد کا ذکر نہ کیا ہو۔

صريحه مالم يتسعمل إلا فيه كطلقتك، وأنت طالق، ومطلقة، ويقع بها واحدة رجعية. (تنوير الأبصار مع الدر، كراچي ۳/ ۲۴۷، زكريا ٤/ ٤٥٧ تا ٤٦٠)

صريحه ما استعمل فيه خاصة ولا يحتاج إلى نية وهو أنت طالق، ومطلقة وطلقتك وتقع بكل منها واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۹۵۳)

دومرتبہ طلاق دی تیسری مرتبہ کہا طلاق دیدوں گا

سوال [۶۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سراج الدین نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا میں نے اسے طلاق دی، طلاق دی؛ جبکہ مکان کے اندر تین چار اور فیملیاں رہتی ہیں، ان سے جو معلومات کی طلاق کے متعلق تو انہوں نے بھی یہی بتایا کہ سراج الدین نے دو دفعہ طلاق دی اور سراج الدین کی بیوی سے جو دریافت کیا کہ طلاق تم کو کتنی بار دی، تو اس نے کہا میں نے کچھ نہیں سنا، میں مار کے ڈر کی وجہ سے برابر والے باورچی خانہ میں چلی گئی تھی، پھر سراج الدین نے اپنی ساس سے پندرہ منٹ بعد کہا کہ میں طلاق دے دوں گا، اپنی لڑکی کو گھر لے جاؤ اور سامان بھی لے جاؤ اور مہر کے لئے یہ کہا کہ میں نے جو مکان لیا ہے، اس میں گیارہ ہزار روپئے لگائے ہیں، وہ مکان لے لو تو آپ بتائیے کہ سراج الدین کی بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوئی؟ اگر سراج الدین اپنی اسی بیوی کو رکھنا چاہے تو کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: محمد فاضل، بقلم خود راعینی سنبھلی گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرسائل کا بیان صحیح ہےتو مذکورہ صورت میں بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں عدت کے اندر رجعت کر کے رکھ سکتا ہے۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها، كقوله أنت طالق، أنت طالق.

(الدر المختار، كراچي ٣/٢٥٢، زكريا ٤/٤٦٣، باب الصريح)

أنت طالق، أنت طالق، فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها.

(مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣، هدايةاشرفيه ديو بند ٢/٣٩٤، مختصر القدوري امداديه ديو بند ١٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۴۱۹/۲۵)

بیوی سے دو مرتبہ طلاق دی کہنا

سوال [۶۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپسی جھگڑے کے دوران زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی ہندہ کو دو بار یہ الفاظ کہے میں نے طلاق دی، طلاق دی، جب ہم چار اشخاص وہاں پہونچے اور ہم نے دونوں شوہر و بیوی کے بیان لئے تو دونوں نے یہ اقرار کیا کہ مندرجہ بالا الفاظ دو بار ہی کہے ہیں؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں کونسی طلاق واقع ہوئی؟ برائے کرم مفصل جواب تحریر فرمایا جائے نوازش ہوگی۔ بیان لینے والے حضرات کے اسماء یہ ہیں:
۱. جناب صغیر احمد ۲. جناب حاجی رونق علی ۳. جناب برکت علی ۴. جناب انیس احمد

المستفتی: صغیر احمد سیفی، رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں بشرط صحت سوال بیوی پر دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے زن وشوہر کی زندگی گذار سکتے ہیں؛ لیکن یہ یادرہنا چاہئے کہ آئندہ کبھی بھی ایک طلاق دیگا، تو بیوی بالکل نکاح سے خارج ہوجائے گی دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها، كقوله أنت طالق، أنت طالق.

(الدر المختار، مطبوع كوئٹه ۲/ ٤٦٨، كراچي ۳/ ۲٥۲، زكريا ٤/ ٤٦٣)

فصار أنت طالق، أنت طالق فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها.

(مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۰۸۵)

دوطلاق کے بعد شوہر کے لئے بیوی کو رکھنے کا حق ہے

سوال [۶۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رات کا وقت تھا بیوی نے ناراضگی میں طلاق مانگی اور میں دومرتبہ طلاق، طلاق کہا، میاں بیوی کے درمیان کی بات ہے، اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا، میں خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر قسم کھا کر کہتا ہوں دومرتبہ طلاق دی ہے، تو شریعت کی رو سے دوطلاق ہوئیں یا بیوی حرام ہوگئی؟ واضح رہے دوطلاق دینے کے بعد بیوی ہمارے گھر ایک مہینہ میاں بیوی کی طرح رہتی رہی، پھر میکہ چلی گئی اب نہیں آتی اور کہتی ہے کہ تین طلاق دی ہے، تو کس کی بات مانی جائے گی شوہر کی یا بیوی کی؟ یہ عورت پانچ بچوں کی ماں ہے شرعی حکم لکھدیں۔

المستفتی: رئیس احمد، نیا گاؤں اکبر پور کانٹھ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں شوہر قسم کھا کر دو طلاق دینے کے بارے میں کہہ رہا ہے، تین طلاق کا انکار کررہا ہے اور عورت تین طلاق دینے کا دعویٰ کر رہی ہے، تو عورت کے ذمہ تین طلاق دینے پر گواہ پیش کرنا ضروری ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده أن النبي صلی الله علیه وسلم قال في خطبته: البینة علی المدعی والیمین علی المدعي علیه. (سنن الترمذي، أبواب الأحکام، باب ماجاء في أن البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه، النسخة الهندیة ۱/۲۴۹، دارالسلام بیروت رقم: ۱۳۴۱)

اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے پاس کوئی گواہ نہیں؛ اس لئے شرعی اعتبار سے شوہر کی بات مان کر دو طلاق ہی کا اعتبار کیا جائے گا اور چونکہ دو طلاق کے بعد دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے رہے؛ اس لئے رجعت بھی ہوگئی؛ لہٰذا اب بیوی کو شوہر کے پاس آکر حقوق زوجیت ادا کرنا ضروری ہے، تین طلاق کا بہانہ کرنا جائز نہیں۔

وإذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة، أو تطلیقتین فله أن یراجعها في عدتها رضیت بذلک أو لم ترض، والرجعة أن یقول راجعتک إلی أن قال أو یطأها، أویلمسها الخ. (هدایة، باب الرجعة اشرفی دیوبند ۲/۳۹۴، ۳۹۵، هندیة، زکریا قدیم ۱/۴۷۰، جدید ۱/۵۳۳، مختصر القدوري امدادیه دیوبند ۱۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۰۷۷)

دوبار طلاق دینے کے بعد رجعت کرنا

سوال [۶۴۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ماں سے میرے شوہر کا میرے لڑکے کے بارے میں جھگڑا

ہور ہا تھا، میری اپنے شوہر سے کوئی ناراضگی نہیں تھی، میری ماں نے کہا میں لڑکے کو ساتھ لے کر جاؤں گی، میرے شوہر نے بھیجنے سے انکار کر دیا، پھر کہا کہ مجھے مجبور مت کرو، اگر لڑکے کو ساتھ لیجاوگی تو بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤ اسی بات پر میرے شوہر نے حالت ناپاکی میں دو بار لفظ طلاق طلاق کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔ اب میں اپنے شوہر ہی کے پاس رہنا چاہتی ہوں، میرے شوہر کا بھی یہی بیان ہے کہ میری بیوی سے کوئی ناراضگی نہیں تھی ساس ہی کی ناراضگی کی بناء پر میں نے دو بار طلاق، طلاق کہا میری ساس نے قسم دیدی تھی کہ جو تمہیں کرنا ہوا بھی کر دو؛ اس لئے یہ بات کہی۔

المستفتی: محمد کامل، دریاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں دوطلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں عدت کے اندر رجعت کرکے رکھنے کی اجازت ہے اور آئندہ کبھی بھی ایک طلاق دے گا تو بیوی بالکل حرام ہوجائے گی۔

وقعتا رجعتين لو مدخولابها كقوله: أنت طالق، أنت طالق.

(الدر المختار، كراچي ۳/ ۲۵۲، زكريا ٤/ ٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۳)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية اشرفی ديوبند ۲/ ۳۹٤، هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٧٠، جديد ۱/ ٥٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۸۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۷/۸ھ

دومرتبہ طلاق کے بعد ساتھ رہنے کی شکل

سوال [۶۴۹۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی شافعہ خاتون کودومرتبہ طلاق دیدیے، کیااس کواپنے پاس رکھ سکتا ہوں یانہیں؟ شریعت کاحکم تحریرفرمادیں؟

المستفتی: حیدرعلی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریرسوال آپ کی مذکورہ بیوی پر دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں؛ البتہ عدت کے اندر رجعت کرکے پہلے کی طرح رہنے کی گنجائش ہے اورآئندہ کبھی بھی ایک طلاق دے گا، تو بیوی کلی طور پرحرام ہوجائے گی۔

لو نوي بطالق واحدة، وبالطلاق أخریٰ وقعتا رجعتين. (شامي، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢)

ولو قال: أنت طالق الطلاق، وقال عنيت بقولي طالق واحدة وبقولي الطلاق أخرىٰ يصدق فتقع رجعيتان. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۱/ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۱۳/۳۸)

دوطلاق رجعی کے بعد رجعت کی گنجائش

سوال [۶۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شمیم النبی نے اپنی بیوی کتاب النساء کواس طرح کہا کہ میں

نے تجھ کو طلاق دی؛ لیکن اس کی بیوی نے نہیں سنا، بیوی کچھ دوری پر بچہ کو چپ کررہی تھی؛ البتہ اس کی لڑکی نے سنا، جو اس وقت وہاں موجود تھی، لڑکی نے جا کر باپ کے منھ کو بند کیا، تو اس نے دوسری مرتبہ بھی کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی تو بتلائیں کہ مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کونسی طلاق ہوگی۔ نیز اگر وہ بیوی کو دوبارہ رکھنا چاہے تو کیا شکل ہوسکتی ہے؟

المستفتی: شمیم النبی، مفتی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں شمیم النبی نے اپنی بیوی کو دومرتبہ طلاق دی کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اس سے بیوی پر دوطلاق رجعی پڑ گئیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۳۳۲/۹)

وقعتا رجعتین لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق. (شامي، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥٢)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣)

ولو قال لها: أنت طالق طالق أو أنت طالق أنت طالق تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولا بها. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، زكريا جديد ديوبند ١/٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۶۶۵/۳۶)

دو طلاق کا شرعی حکم

سوال [۷۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مظفر حسین نے اپنی بیوی کو دو طلاق دی، اور مظفر حسین اس کا حلفیہ اقرار کرتے ہیں اور جس وقت طلاق کا واقعہ پیش آیا وہاں ان کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود تھی، لڑکی یہ کہتی ہے کہ میں نے کچھ نہیں سنا اور لڑکا تین طلاق کی گواہی دیتا ہے اور گواہی دینے والے لڑکے کا اپنے والد کے ساتھ اختلاف کئی سالوں سے چل رہا ہے اور بول چال بھی بند ہے، ایسے حالات میں اس نے گواہی دی ہے اور طلاق کے واقعہ کو ڈھائی تین سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔

المستفتی: مظفر حسین، حسن پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر خود اپنی زبان سے دو طلاق کا اقرار کرتا ہے اور دو مرتبہ طلاق دینے سے دو طلاق رجعی واقع ہوتی ہیں عدت کے اندر اندر رجعت ہوسکتی ہے؛ لیکن سوال نامہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس واقعہ کو ڈھائی تین سال گذر چکے ہیں، تو اگر طلاق کے واقعہ کے بعد سے میاں بیوی تین ماہواری کے زمانہ تک ایک ساتھ نہیں رہے ہیں، تو وہ طلاق طلاق بائنہ ہوگئی ہے آئندہ اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں تو باقاعدہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول بلا حلالہ نکاح کر کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے اور لڑکے کا تین طلاق کی گواہی دینا؛ اس لئے معتبر نہیں ہے کہ باپ بیٹے کے درمیان دشمنی چل رہی تھی۔

نیز ایک آدمی کی شہادت معتبر نہیں ہوتی؛ اس لئے یہاں بیٹے کی شہادت کا اعتبار نہیں۔

رجل قال لامرأته بعد الدخول بها: أنت طالق، أنت طالق تقع ثنتان.

(تاتارخانية، زكريا ٤/ ٢٢٩، رقم: ٦٥٩٥، در مختار، كراچي ٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٥، جديد ١/ ٤٢٣)

إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضاء ها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٢، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكرياه/١٤٨، رقم: ٧٥٠٤، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩)

ونصابها لغيره من الحقوق سواء كان الحق مالاً، أو غيره كنكاح، وطلاق...... رجلان، أو رجل امرأتان. (در مختار، زكريا٨/١٧٨، كراچي ٥/٤٦٥، هداية اشرفي ديوبند ٣/١٥٤، البحرالرائق، كوئٹه ٧/٦٢، زكريا٧/١٠٤، الجوهرة النيرة، امدادية ملتان ٢/٣٢٦، دارالكتاب ديوبند ٢/٣٠٩)

وجاز على أصله إلا إذا شهد على أبيه لأمه. (در مختار، كراچي ٥/٤٧٨، زكريا٨/١٩٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۷۲۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۱۸ھ

دوطلاق کے بعد بیوی کے ساتھ ہمبستر ہونے سے رجعت کا تحقق

سوال [۶۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی میں آپس میں جھگڑے کے دوران شوہر نے بیوی سے کہا کہ اپنے بڑوں کو بلاؤ، اس پر بیوی نے کہا کہ مجھے اپنے تینوں بچوں کی قسم ہے کہ میں تم سے طلاق لوں گی، اس پر شوہر نے دوبار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ طلاق کے دوسرے دن اس نے عورت سے صحبت بھی کرلی۔

المستفتی: عبد الرؤف، بڑی مسجد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر دوطلاق رجعی واقع

ہوچکی ہیں اور جب شوہر نے اس کے بعد بیوی سے صحبت کرلی ہے، تو اس سے رجعت بھی ثابت ہوچکی ہے۔ اب میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں۔

وقعتا رجعتين لو مدخولابها كقوله: أنت طالق، أنت طالق. (در مختار، كراچي ٣/٢٥٢، زكريا٤/٤٦٣)

ولو قال لها: أنت طالق طالق أو أنت طالق، أنت طالق......تقع ثنتان إذا كانت المرأة مدخولابها. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣)

أنت طالق، أنت طالق، فيقع رجعيتان إذا كانت مدخولا بها. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلميلة بيروت ٢/١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۱۶)

دوطلاق رجعی کی صورت میں بلا حلالہ نکاح درست ہے

سوال [۶۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک گواہ کی موجودگی میں دوطلاق دی، موجود گواہ نے دوسری مرتبہ کے بعد اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، اس حادثہ کو تقریباً ایک سال گزر چکا ہے، میاں بیوی تب سے بالکل علاحدہ رہتے ہیں، ان کے درمیان مباشرت نہیں ہوئی، زوجیت، عدت ونکاح کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: نیاز مند حاجی اشتیاق احمد، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر مذکورہ واقعہ کا اقرار کرتا ہے تو بیوی پر دو طلاق صریح رجعی واقع ہوئی تھیں؛ لیکن عدت ختم ہوجانے کی وجہ سے بائن ہوگئیں، بلا حلالہ دوبارہ نکاح صحیح کرکے آپس میں باعصمت زندگی گذار سکتے ہیں۔

عن سماک قال: سمعت عكرمةؒ، يقول: الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أوتسريح بإحسان. قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثا فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لإبن أبي شيبة، ماقالوا في الطلاق مرتان، جديد مؤسسه علوم القرآن، بيروت ١٠/١٩٧، رقم:١٩٥٦٤)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت وهذا عندنا. (بدائع الصنائع بيروت ٤/٣٨٧، زكريا٣/٢٨٣)

وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع . (الدر المختار، كراچي٣/٢٠٩، زكريا٥/٤٠)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٢، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا٥/١٤٨، رقم:٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف۲۳؍۲۵۴۲)

دومرتبہ طلاق کے بعد تین حیض گذر گئے کیا حکم ہے؟

سوال [۶۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد عمران مبارک بن اصغر حسین ۶۵ سی آر لیونو، تھانہ: بھو بازار کولکتہ سے میری اہلیہ شبانہ یاسمین بنت امام الدین انصاری کے ساتھ ۱۴؍فروری ۲۰۰۸ء کو آپس میں تناؤ اور جھگڑا ہوا اور آپس میں حجت وتکرار بھی ہوگئی، جس کی بنیاد پر لڑکی نے کہا کہ میں نے تم کو طلاق دی، جس کی وجہ سے میں نے اسے دو تین طمانچہ ماردیئے اور آپس میں گالم گلوچ بھی ہوگئی، اس کے بعد آپس میں تناؤ اور جھگڑا کا ماحول بڑھ گیا اور پھر میں جب رات

کو آفس سے آیا اور اپنی اہلیہ کو کہا کہ ہم کو مارنا نہیں چاہئے تھا تم مجھے معاف کر دو، اس کے بعد آپس میں صلح ہوگئی اور میری اہلیہ نے مجھ سے وعدہ بھی کرلیا تھا کہ یہ سارا واقعہ اپنی امی سے نہیں بتلاؤں گی، اس کے باوجود اس نے سارا واقعہ اپنی والدہ سے بتلا دیا، منگل ۲۶ر فروری ۲۰۰۸ء کو جب میں دکان جارہا تھا، تو اس کے بعد سے آپس میں اور بھی تناؤ کا ماحول بڑھ گیا اور اس کے بعد میری زبان سے جہاں تک یاد ہے صرف میں نے لفظ طلاق طلاق کہا یہ جملہ میں نے دو مرتبہ دہرایا؛ جبکہ میری بیوی کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق دیا کہا ہے، میں نے اپنی والدہ سے بھی تصدیق کر لی کہ میری زبان سے صرف طلاق ہی دو مرتبہ نکلا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا؛ لہٰذا از روئے شرع طلاق ہوگی یا نہیں ہوگی؟ ہوگی تو کتنی؟ واضح رہے کہ طلاق ملنے پر لڑکی فوراً اپنے میکہ چلی گئی اور آج تک میکہ میں ہے؛ جبکہ مکمل تین حیض سے زیادہ ہو چکا ہے، اگر طلاق ہوگئی تو نکاح کر کے جا سکتی ہے اور لڑکی کسی قیمت پر جانے کو راضی نہیں ہے، تو کیا عقد ثانی کے لئے لڑکی آزاد ہے یا نہیں؟ گود میں ڈیڑھ سال کا لڑکا بھی ہے اس کا کیا ہوگا، شوہر سے خرچ کب تک ملے گا اور کتنا ملے گا اور لڑکا ماں کے پاس کب تک رہے گا اور لڑکے کو ماں اپنے پاس ہی رکھنا چاہے تو کس طرح رکھ سکتی ہے؟

المستفتی: امام الدین، محلّہ: پٹیالہ، کلٹی بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس میں جھگڑا اور تکرار کے دوران لڑکی کا شوہر کو یہ کہنا کہ میں نے تم کو طلاق دی، اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ طلاق دینے کا حق بیوی کو نہیں، شوہر کو ہے اور اس کے بعد کے واقعہ میں جانبین کے لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ شوہر نے طلاق کا لفظ صرف دو ہی مرتبہ زبان سے نکالا ہے، صرف اختلاف اس بارے میں ہے کہ لفظ طلاق، طلاق کہا ہے یا ساتھ میں ''طلاق دی'' کا لفظ کہا ہے، اس اختلاف کے باوجود دونوں کے دعوی کے مطابق صرف دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں؛ لہٰذا عدت کے اندر رجعت کی گنجائش تھی اور اب جب سوال نامہ میں یہ لکھا ہوا ہے کہ تین

ماہواری سے زیادہ وقت گذر چکا ہے، تو اب رجعت کی گنجائش نہیں رہی آپس کی رضامندی سے بغیر حلالہ کے نکاح کی گنجائش ہے۔

لأن المرأة لا تملک الطلاق؛ بل هو ملكه. (شامي، كتاب الطلاق، باب الخلع، كراچي ٣/٤٤٢، زكريا ٥/٨٩)

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ (در مختار، كراچي ٣/٢٥٢، زكريا ٤/٤٦٣، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣٣)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت وهذا عندنا. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/٢٨٣)

وينكح مبانته بمادون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع. (الدر المختار، كراچي ٣/٢٠٩، زكريا ٥/٤٠)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٢، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٨، رقم: ٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴ر شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۰۷/۳۸)	۱۴۲۹/۷/۱۵ھ

دو طلاق کے بعد پانچ ماہ گذر گئے کیا حکم ہے؟

سوال [۶۵۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی کو داماد اور لڑکی کے جھگڑے کے مسئلہ میں بات نہ ماننے کی بنا پر دو بار طلاق دیدی ہے، طلاق دیئے ہوئے پانچ ماہ گذر گئے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں میں اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمد صابر خاں، سالار پور جے پی نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور صرف دو ہی بار طلاق کے الفاظ استعمال کیے ہیں، تو اس کی بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے اور عدت گذر گئی ہے، تو رجعت کی گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ آپس کی رضا مندی سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کر کے رکھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ (در مختار، كراچي٣/ ٢٥٢، زكريا ٤/ ٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٥، جديد ١/ ٤٢٣)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٤)

إذا انقضت العدة فقد بطل حق المراجعة. (المحيط البرهاني، الفصل الثاني وعشرون في مسائل الرجعة المجلس العلمي بيروت٥/ ١٨٣)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت وهذا عندنا. (بدائع الصنائع ، زكريا٣/ ٢٨٣)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم١/ ٤٧٢، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا٥/ ١٤٨، رقم: ٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۸۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

دومرتبہ طلاق دینے کے بعد سات آٹھ ماہ گذر گئے

سوال [۶۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو جھگڑے کے دوران دومرتبہ طلاق دیدی، اس واقعہ کو تقریباً ۷/۸ ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے، اب کیا وہ عورت اپنے شوہر کے پاس آسکتی ہے یا نہیں یا اس عورت کو دوسرے آدمی سے نکاح کرنا ہوگا یا پہلے ہی شوہر سے ہوسکتا ہے؟

المستفتی: خلیل احمد سیفی، شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی صرف دو ہی مرتبہ طلاق دی گئی تھی، تو دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں؛ لیکن اب ۷/۸ ماہ میں عدت بھی گذر گئی ہوگی؛ اس لئے اب بائنہ ہوگئی؛ لہٰذا دوبارہ نکاح کر کے زوجیت میں لائی جاسکتی ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله: أنت طالق، أنت طالق الخ (در مختار، كراچي ۳/ ۲۵۲، زكريا ٤/ ٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۳، هندية، زكريا قديم ۱/ ۳۵۵، جديد ۱/ ٤۲۳)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۲، جديد ۱/ ۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/ ۱٤۸، رقم: ۷۵۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رصفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۸۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۲/ ۱۴۱۵ھ

رجعت کے بعد دوسری طلاق دینا

سوال [۶۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، دوران عدت رجوع کرلیا اور میاں بیوی بن کر رہنے لگے، ٹھیک ایک سال کے بعد ایک اور طلاق دیدی، اس وقت عورت اپنے میکہ میں ہے اور پھر اسی شوہر سے نکاح کرنا چاہتی ہے۔ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں صرف نکاح سے میاں بیوی بن جائیں گے یا حلالہ کی ضرورت پڑے گی؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، سلیم مسجد چوہان بانگر، دہلی-۵۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر دوطلاق رجعی واقع ہوگئیں، زید کو عدت کے اندر اندر رجوع کا حق ہے، نکاح کی ضرورت نہیں؛ لیکن اس کے بعد کبھی بھی ایک طلاق دیگا، تو اب پہلی دو ملاکر مغلظہ ہوجائے گی اور بغیر حلالۂ شرعیہ کے نکاح درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/۲۶۴)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديوبند۲/۳۹٤، هندية، زكريا قديم۱/ ٤۷۰، جديد ۱/۵۳۳، مختصر المعاني امداديه ديو بند ۱۷۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۸۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۲ھ

طلاق رجعی کی عدت پوری ہونے کے بعد دی گئی طلاق کا حکم

سوال [۶۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ برکت علی نے ۲۹/جنوری ۲۰۰۰ء کے اخباری اعلان کے ذریعہ اپنی زوجہ رخسانہ پروین کو خبردی کہ ”میرا اپنی پتنی رخسانہ پروین سے ۱۵/مہینہ پہلے طلاق ہوچکی ہے، جب سے دونوں کے درمیان کوئی تعلق نہیں رہا، پھر ۶/۱/۲۰۰۰ء کو بذریعہ تحریر طلاق دی،

جس میں لکھا ہے کہ آج مؤرخہ: ۱۶/۴/۲۰۰۰ء فریق اول کو تین بار طلاق طلاق طلاق زبانی وتحریری طور پر طلاق دے کر آزاد کر دیا ہے۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ پہلی اخباری اطلاع سے کونسی طلاق ہوئی اور پھر دوسری تحریر سے کون سی طلاق ہوئی، اب عدت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ عدت پہلی طلاق سے پوری ہوچکی یا اب کرنی ہوگی؟ اگر عدت کرنی ہوتو کہاں کرے شرعی حکم تحریر فرمادیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: شرافت حسین، قاضی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی مرتبہ جوطلاق دی ہے اس سے شرعی طور پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، مگر اس درمیان میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلقات نہیں رہے اور نہ ہی شوہر نے رجوع کیا ہے؛ لہٰذا طلاق کے بعد سے تین مہینہ گذر جانے کی وجہ سے بائنہ ہوگئی۔ اب دونوں کے درمیان رشتۂ ازدواج باقی نہیں رہا، تو اگر تین مہینہ میں تین ماہواری آچکی ہے تو اخباری اطلاع سے ایک سال پہلے بائنہ ہوچکی تھی، اس کے بعد دوبارہ جوتین طلاق زبانی دی گئی ہیں، وہ معتبر نہیں ہیں؛ اس لئے کہ جس وقت یہ تین طلاق دی جارہی تھیں اس وقت رشتۂ نکاح باقی نہیں تھا؛ اس لئے یہ طلاق واقع نہیں ہوئیں اور عدت زبانی تین طلاق دینے سے ایک سال پہلے پوری ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب دوسری جگہ نکاح کرنے کے لئے دوبارہ عدت گذارنے کی ضرورت نہیں۔

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير –إلى قوله– الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها.

(سنن کبریٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۸۲، رقم: ۱۵۵۳۹)

فإن بعد ما طلقها واحدة، أو ثنتين، فانقضت عدتها لو طلقها

لا يصح طلاقه. (فتاوى تاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٩١، رقم:٦٥٠٣)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت. (بدائع الصنائع بيروت ٤/ ٣٨٧، زكريا ٣/ ٢٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۴۳۲/۳۴)

مطلقہ مغلظہ سے نکاح کے لئے محض نکاح ثانی کافی نہیں

سوال [٦٥٠٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد اسلم نے اپنی بیوی شہناز پروین کو تین طلاق دیدیں، عدت کے بعد دوسرے لڑکے محمد مسلم سے نکاح ہوگیا؛ لیکن وہ اس کے ساتھ ہمبستر نہیں ہوا اور صبح کو طلاق دیدی، پھر محمد اسلم نے نکاح کرلیا، کچھ عرصہ اسلم نے اسے رکھا، پھر اس نے طلاق دیدی، اس طلاق کے فوراً بعد میں محمد حنیف نے اس لڑکی سے نکاح کرلیا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ میرا نکاح اس لڑکی کے ساتھ ہوا یا نہیں ہوا، اگر نہیں تو شرعاً اب کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حنیف، محلّہ: عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد اسلم نے جب تین طلاق دیدیں، تو عدت کے بعد دوسرے شخص کے ساتھ شرعی نکاح اور ہمبستری کے بعد طلاق حاصل ہوجائے اور عدت بھی گذر جائے تب محمد اسلم کا نکاح صحیح ہوسکتا ہے اور مذکورہ صورت میں شوہر ثانی محمد مسلم کے ساتھ صرف عقد نکاح ہوا ہے اور خلوت وہمبستری نہیں ہوئی؛ اس لئے بغیر شب باشی کے جو طلاق ہوئی وہ طلاق بائن ہوئی ہے اس صورت میں محمد اسلم سے نکاح صحیح نہیں ہوسکتا، محمد اسلم کے علاوہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح جائز ہے؛ لہٰذا محمد مسلم کی طلاق کے بعد محمد اسلم

سے نکاح شرعی نہیں ہوا؛ بلکہ باطل ہوا ہے، اس کے ساتھ مرد وزن کی طرح رہنا حرام کاری بدکاری زنا کاری ہوئی ہے۔ نیز محمد اسلم کی طلاق کے بعد محمد حنیف کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے وہ نکاح صحیح ہے؛ اس لئے کہ اسلم کے ساتھ نکاح صحیح ہونے کے لئے محمد مسلم کی ہمبستری لازم تھی اور ہمبستری نہیں ہوئی اور محمد حنیف کے ساتھ نکاح صحیح ہونے کے لئے لازم نہیں تھی؛ اس لئے حنیف کے ساتھ نکاح درست ہوا ہے۔

لاینکح مطلقةً بها أي بالثلاث...... حتى يطأها غيره. (در مختار، زکریا ٥/٤١، کراچي ٣/٤٠٩، ٤١٠)

وفي البحر لا ينكح مبانته بالبينونة الغليظة–إلى– ما إذا كان قبل الدخول. (بحر، زكريا ٤/٩٤، کوئٹه ٤/٥٦)

لو تزوجت (بزوج آخر) ولكن لم يدخل بها الزوج لم تحل للأول. (دلائل القرآن على مسائل النعمان ١/٣٥٩)

لا تحل للأول حتى يجامع الثاني. (فتح الباري، كتاب الطلاق، باب إذا طلقها ثلاثا، ثم تزوجت بعد العدة زوجا غيره فلم يمسها، دارالفكر بيروت ٩/٤٦٧، دارالريان للتراث بيروت ٩/٣٧٧، اشرفية ديوبند ٩/٥٨٤، عمدة القاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، دار احياء التراث العربي ٢٠/ ٢٣٦، زكريا ديوبند ١٤/٢٣٩)

لو قضى بالحل للأول بمجرد النكاح–فلا ينفذ فيه قضاء القاضي؛ لأنه يخالف الإجماع كذا في القهستاني. (حاشية الطحطاوي على الدر، کوئٹه ٢/١٧٥، مثله في فتح الملهم، اشرفيه ديوبند ٣/٥٠٢)

وفي الحديث البخاري، والمسلم، عن عائشة، قالتؓ: طلق رجل امرأته ثلثا فتزوجها رجل، ثم طلقها قبل أن يدخل بها فأراد زوجها الأول أن يتزوج فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلک فقال: لا حتى

يذوق الآخر عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لاتحل المطلقة ثلاثا لمطلقها حتى تنكح زوجا غيره، النسخة الهندية ١/٤٦٣، بيبت الأفكار رقم:١٤٣٣، صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩١، رقم:٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١)

هكذا روي عن بن عمرؓ. (فتح الباري ٩/٤٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

○❖○

(۱۵) باب الطلاق البائن

سیما پروین میں تمہیں طلاق بائن دیتا ہوں

سوال [۶۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آصف الرحمٰن نے اپنی زوجہ کو وکیل کی معرفت طلاق نامہ کا نوٹس ارسال کیا جس میں آصف الرحمٰن نے تین مرتبہ یہ جملہ لکھوایا۔

(۱) ”سیما پروین میں تمہیں طلاق بائن دیتا ہوں“ اس طرح طلاق دینے سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟ آیا اس طرح طلاق دینے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے یا اس میں تجدید نکاح سے دوبارہ زوجہ نکاح میں آسکتی ہے یا حلالہ کی ضرورت ہے، جو بھی مذکورہ مسئلہ کا حل ہو مدلل ومفصل جواب دیں؟

المستفتی: محمد شریف الدین، نورنگر، امراوتی (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق بائن دوقسموں پر ہے: طلاق بائن صریح اور طلاق بائن کنائی اور طلاق بائن صریح دوسری طلاق بائن صریح سے ملحق ہوجاتی ہے اور طلاق بائن کنائی دوسری طلاق بائن کنائی سے ملحق نہیں ہوتی ہے۔ اور سوال نامہ میں طلاق بائن صریح ہے، نہ کہ طلاق بائن کنائی؛ اس لئے جب شوہر نے تین مرتبہ طلاق بائن دی کا لفظ استعمال کیا ہے، تو تینوں طلاقیں واقع ہوکر کے مغلظہ ہوگئی؛ لہٰذا آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۲۰۹)

وعلى هذا فما وقع في حلب من الخلاف في واقعة، وهي أن رجلا أبان امرأته، ثم طلقها ثلاثاً في العدة ألحق فيه أنه يلحقها لما سمعت من أن الصريح، وإن كان بائنا يلحق البائن ومن أن المراد بالبائن الذي لا يلحق هو ما كان كناية على ما يوجبه الوجه. (فتح القدير، زكريا ٤/ ٦٦، بيروت ٤/ ٧٤، شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات مطلب، الصريح يلحق الصريح والبائن، كراچي ٣/ ٣٠٧، زكريا ٤/ ٥٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۸۰)	۱۴۳۳/۵/۸ھ

طلاق طلاق بائن دی، ایک طلاق دو طلاق بائن دی سے طلاق

سوال [۶۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ کسی شخص نے اپنی بیوی سے جھگڑے کی حالت میں کہا طلاق طلاق بائن دی یا یوں کہا کہ ایک طلاق دو طلاق بائن دی، تو مذکورہ صورت میں اس عورت

پر کتنی طلاق پڑیں گی۔

(۲) کسی شخص نے اپنی بیوی کو یوں کہا کہ ایک طلاق بائن دی، تو اس صورت میں اس عورت پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ اس سوال کے جواب میں ایک مفتی صاحب نے کہا کہ دو طلاق واقع ہوں گی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا مفتی صاحب اپنے فتوی میں درستگی پر ہیں یا غلطی پر ہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: قمرالزمان قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شوہر نے اپنی بیوی سے کہا طلاق طلاق بائن دی، تو اس صورت میں دو طلاق بائن واقع ہوگئیں؛ کیونکہ اس صورت میں اول طلاق صریح ہے اور دوسری طلاق بائن ہے اور جب صریح بائن سے مل جاتی ہے، تو وہ بھی بائن بن جاتی ہے؛ لہٰذا اس صورت میں کل دو طلاق بائن ہوئیں۔

إذا لحق الصريح البائن كان بائناً. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات الصريح يلحق الصريح البائن، زكريا ٤/ ٥٤٠، كراچي ٣/ ٣٠٧)

اگر شوہر نے اپنی بیوی سے یہ کہا ایک طلاق دو طلاق بائن دی، تو اس صورت میں تین طلاق واقع ہوں گی؛ کیونکہ یہاں ایک صریح کے ساتھ دو طلاق بائن ہیں اور طلاق صریح بائن سے ملنے کی وجہ سے بائن ہوگئی؛ لہٰذا اس طرح کل تین طلاق واقع ہوگئیں۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۳۱۰)

إذا لحق الصريح البائن كان بائناً. (شامي، زكريا ٤/ ٥٤٠، كراچي ٣/ ٣٠٧)

(۲) شوہر نے اپنی بیوی سے کہا ایک طلاق بائن دی، تو اس صورت میں اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔

ويقع بقوله أنت طالق بائن. (در مختار، زكريا ديوبند ٤/ ٤٩٨، كراچي ٣/ ٢٧٦)

اور مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ طلاق بائن سے دو طلاق واقع ہوں گی درست نہیں ہے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۶۹۱۱)

طلاق قطعی دینا

سوال [۶۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم دو فریقین کے درمیان یہ طے پایا کہ فریق اول، فریق دوم کو طلاق قطعی دیدے اور فریق دوم اپنا کل زر دین مہر مبلغ دس ہزار روپیہ بحق فریق اول معاف کردے؛ لہٰذا روبرو گواہان وپنچایت فریق اول نے فریق دوم کو طلاق قطعی دیدی اور فریق دوم نے اپنی رضامندی سے کل زر دین مہر دس ہزار روپیہ بحق فریق اول کی زوجیت سے آزاد ہوگئی ہے۔

نیز فریق دوم اب فریق اول سے اپنا زر دین مہر مبلغ دس ہزار روپیہ پانے کا مجاز نہیں رہا ہے، اب ہر دو فریق باہم نکاح کر کے تعلقات رکھنے پر راضی ہیں، اب شریعت میں اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد حنیف، امروہہ گیٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ اور اقرار نامہ دونوں میں جو طلاق قطعی کا لفظ ہے، اس سے آمنہ خاتون پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔

وإذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة، والشدة كان بائنا مثل أن يقول أنت طالق بائن، أو البتة. (هداية اشرفي بكڈپو ديوبند۲/ ۳٦۹)

وفي البناية أنت طلاق البتة أي القطع. (بنايه عيني، شرح هداية

قديم٢ / ٢٥١، جديد اشرفية ديو بند٥ / ٣٤٤)

آئندہ دوبارہ نکاح صحیح کر کے دونوں آپس میں باعصمت زندگی گذار سکتے ہیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۶۲۲)

غیر مدخول بہا کو مذاق میں طلاق بائن

سوال [۶۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا اور رخصتی نہیں ہوئی، اسی دوران زید کے دوست بکر نے زید سے مذاق میں کہا کہ تم اس کو طلاق دیدو، میں اس سے نکاح کرلوں گا، زید نے کہا ٹھیک ہے میں نے اس کو طلاق دیدی، تو مفتی صاحب سے سوال ہے کہ ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؛ جبکہ گفتگو مذاق مذاق میں ہوئی ہے اور اگر طلاق ہوگئی تو رجعی ہوئی یا بائن اور زید کا ارادہ اس کو طلاق دینے کا نہیں تھا۔ اب زید بغیر نکاح کے اس کو رکھ سکتا ہے یا دوبارہ نکاح کرنا لازم ہے؟

المستفتی: محمد جمال الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا ارادہ مذاق میں دی ہوئی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ چونکہ غیر مدخول بہا ہے اور غیر مدخول بہا پر طلاق رجعی نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی؛ لہٰذا دوبارہ نکاح کئے بغیر ہندہ کو رکھنا زید کے لئے جائز نہ ہوگا؛ البتہ دوبارہ نکاح کے لئے حلالہ کی ضرورت نہیں۔

عن أبي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث

جدهن جد، وهزلهن جد النكاح، والطلاق، والرجعة. (ترمذي شريف ١/ ٢٢٥، رقم: ١١٨٤)

وكذا كونه جاداً ليس بشرط فيقع طلاق الهازل بالطلاق واللاعب لماروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: ثلث جدهن جد وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والعتاق. (بدائع الصنائع، زكريا٣/ ١٦٠)

وطلاق الهازل وشارط الخيار واقع اتفاقاً. (الفتاوى التاتار خانية ٤/ ٣٩٦، رقم: ٦٥١٣، هندية، مكتبه كوئٹه ١/ ٣٥٣)

وأفاد الرحمتي أنه بائن أيضا؛ لأنه طلاق قبل الدخول غير موجب للعدة؛ لأن العدة إنما وجبت لجعلنا الخلوة كالوطء احتياطاً، فإن الظاهر وجود الوطء في الخلوة الصحيحة؛ ولأن الرجعة حق الزوج وإقراره بأنه طلق قبل الوطء ينفذ عليه فيقع بائناً. (شامي، زكريا٤/ ٢٥٦، كراچي ٣/ ١١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۱۶۱۴)

ایک طلاق بائن میں بغیر حلالہ جواز نکاح

سوال [۶۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک طلاق بائن یا دو طلاق بائن کی صورت میں عدت کے اندر یا عدت کے بعد بغیر حلالہ کے صرف نکاح کرنا جائز ہے اور اس سلسلہ میں کتب فقہ میں جزئیات بھی موجود ہیں، مگر مفتی صاحب سے سوال یہ ہے کہ کیا اس مضمون کی کوئی حدیث بھی ہے؟ اگر ہو تو مع حوالہ تحریر فرما کر عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد جمیل، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک طلاق بائن دو طلاق بائن کی صورت میں بغیر حلالہ کے نکاح کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے اور اس مضمون کی حدیث درج ذیل کتب حدیث میں موجود ہے۔

حدثني معقل بن يسار أنها نزلت فيه، قال: زوجت أختالي من رجل، وطلقها حتى إذا انقضت عدتها جاء يخطبها، فقلت له زوجتک، وفرشتک، وأكرمتک، فطلقتها، ثم جئت تخطبها! لا والله لاتعود إليک أبداً، وكان رجلاً لابأس به، وكانت المرأة تريد أن ترجع إليه، فأنزل الله هذه الآية فلا تعضلوهن، فقلت الأن أفعل يا رسول الله! قال فزوجها إياه.

(بخاري شريف ۲/ ۷۷۰، رقم:۴۹۳۷، ترمذي شريف۲/ ۱۲۷، رقم:۵ ۳۶۱)

سئل جابر بن زيد عن رجل لزمته امرأته تسأله الطلاق، فقال: إذهبي فأنا منک بريءٌ، وأنت مني بريئة،ولا ينوي الطلاق حينئذ؟ فقال: إن لم يكن نوى الطلاق فليس بطلاق، وإن كان نوى الطلاق فهي واحدةٌ، وله أن يراجعها في عدتها. (مصنف ابن أبي شيبة جديد ۹/ ۵۹۸، رقم: ۱۸۴۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۲۵)

رخصتی سے قبل طلاق ومہر کا حکم

سوال [۶۵۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ سے ماہ اپریل ۲۰۱۳ء میں ہوئی، ہندہ دو تین مرتبہ آنے کے بعد مئی ۲۰۱۳ء سے بار بار بلانے پر بھی نہیں آرہی ہے، ہندہ اوراس کے گھر والے مسلسل طلاق کا مطالبہ کررہے ہیں، ہندہ اور زید کا نکاح مہر فاطمی کے ساتھ ہوا تھا، جس کی رقم زید نے نکاح کے وقت ہی نقد ادا کر دی تھی۔

(۱) اس صورت میں اس طلاق کو شریعت میں کیا کہیں گے؟

(۲) زید نے جو رقم نکاح کے وقت مہر کے طور پر ادا کی اس کا کیا ہوگا؟ اگر مہر کے روپئے واپس کئے جائیں گے، تو مہر فاطمی کی رقم طلاق والے دن کی واپس ہوگی یا نکاح کے دن کی؟

(۳) مہر فاطمی میں چاندی کی کتنی مقدار گراموں میں ہے؟

(۴) اس صورت میں کون گنہگار ہوگا؟

(۵) طلاق سے پہلے زید و ہندہ کی آپس میں بات چیت کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: فرمان خان، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب طلاق ہی نہیں دی تو شریعت میں اس کو کیا کہا جائے گا؛ البتہ طلاق کے مطالبہ پر زید اگر مہر کی واپسی کی شرط پر طلاق دے گا، تو جتنا مہر میں پیسہ دیا تھا اتنا ہی پیسہ واپس ملے گا اور ایسی صورت میں اگر ایک طلاق دے گا، تو وہ طلاق بائن واقع ہوگی۔

وبالطلاق الصريح على مال طلاق بائن. (مجمع الأنهر بيروت ۲/ ۱۰۳)

(۲) زید نے جو رقم نکاح کے وقت بطور مہر ادا کی وہ ہندہ کی ملکیت میں چلی گئی، اگر ہندہ کے مطالبہ پر طلاق کے وقت زید واپسی مہر کی شرط لگاتا ہے، تو مہر میں اتنے ہی پیسوں کی واپسی ہوگی جتنے بوقت نکاح دیئے تھے۔

إن استقرض دانق فلوس، ثم رخصت أو غلت لم يكن عليه إلا مثل

عدد الذي أخذه. (شامي، فصل في القرض، زكريا ديوبند ۷/ ۳۹۰، كراچي ٥/ ١٦٢)

(۳) مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلوتیس گرام نو سو ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت ادائے گی کے دن بازار سے معلوم کی جائے۔ (مستفاد: انوار نبوت ۶۵۶، ایضاح الطحاوی ۱۹۳/۳، ایضاح المسائل ۱۳۰)

(۴) مسئولہ صورت میں چونکہ بلاکسی عذر کے بیوی کی طرف سے مطالبۂ طلاق ہے؛ اس لئے بیوی گنہگار ہوگی۔

عن ثوبان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أيما امرأة سألت زوجها طلاقاً من غير بأس فحرام عليها رائحة الجنة. (ترمذي شريف ١/ ٢٢٦، رقم: ١١٨٧)

(۵) طلاق سے پہلے زید وہندہ آپس میں میاں بیوی ہیں دونوں بلاتکلف بات چیت کر سکتے ہیں اور ساتھ میں رات گذار سکتے ہیں اور سب کچھ کر سکتے ہیں۔

النكاح هو عقد يفيد ملك المتعة وتحته في الشامية: وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضائها استمتاعاً، أو ملك الذات والنفس في حق التمتع. (شامي، كراچي ٣/ ٢، زكريا ٤/ ٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲۷۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۱/۳ھ

رخصتی سے قبل طلاق دی، طلاق دی کہنے کا حکم

سوال [۶۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے کے لڑکی سے تعلقات تھے، پھر لڑکے نے دوسری جگہ جا کر لڑکی اور اس کے والد کی موجودگی میں نکاح کرلیا، نکاح کی اطلاع جب لڑکے کے گھر والوں کو ہوئی، تو انہوں نے آپس میں بہت زیادہ جھگڑے کئے اور لڑکے کو طلاق دینے پر مجبور کر دیا،

تو لڑکے نے کہا کہ اس لڑکی کو طلاق دی، گھر والوں نے کہا اور دو، تو پھر کہا اس لڑکی کو طلاق دی، پھر اصرار کیا تو اس نے کہا کہ اس لڑکی کو طلاق دی، تو شرعاً کون سی طلاق ہوئی؟

واضح رہے کہ نکاح کے بعد میاں بیوی میں خلوت نہ ہوسکی اور نہ رخصتی ہوئی نکاح کے بعد لڑکی اپنے والد کے ساتھ چلی گئی تھی اور مہر پچاس ہزار روپیہ مقرر ہوا تھا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اب اس لڑکی کو دوبارہ رکھ سکتے ہیں اور اگر رکھ سکتے ہیں تو کیا شکل ہوگی اور مہر کے کتنے روپئے ادا کئے جائیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد صادق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب رخصتی اور ملاقات سے پہلے طلاق دی جاتی ہے، تو ایک دفعہ شوہر کی زبان سے طلاق کا جملہ نکلتے ہی بیوی شوہر کے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے، پھر محل طلاق باقی نہیں رہتی اور نہ ہی بیوی پر عدت گذارنا لازم ہے؛ اس لئے جب پہلی مرتبہ اس نے طلاق دی، تو فوراً ایک طلاق بائن ہو کر وہ نکاح سے خارج ہوگئی اور محل طلاق بھی باقی نہیں رہا، اس کے بعد دوسری اور تیسری مرتبہ یکے بعد دیگرے مطالبہ کرنے کے ساتھ ساتھ جو طلاق دی گئی ہیں، وہ شرعی طور پر واقع نہیں ہوئیں؛ اس لئے مذکورہ صورت میں صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی، طلاق مغلظہ واقع نہیں ہوئی، ہاں اگر ایک جملہ میں تین طلاق کا استعمال کیا ہوتا، تو تین طلاق واقع ہو جاتیں، یہاں ایسا نہیں ہوا؛ اس لئے مذکورہ لڑکی سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی گنجائش باقی ہے اور مہر آپس کی رضامندی سے جو طے ہو جائے وہی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

قال لزوجته غير المدخول بها: أنت طالق ثلاثا وقعن وإن فرق بوصف، أو خبر، أو جمل بعطف، أو غيره بانت بالأولىٰ لا إلى عدة، ولم تقع الثانية. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/۲۸٤، زكريا ٤/٥٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۵۵)

طلاق دے کر زوجیت سے الگ کرتا ہوں

سوال [۶۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رحمت جہاں بنت الطاف حسین محلّہ: پیرزادہ تالاب والی مسجد، کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی، مہر پچاس ہزار روپیہ تھا، شادی کے بعد ہی سے مزاج نہ ملنے کی وجہ سے جھگڑا برابر ہوتا رہا، میں اس کو سمجھاتا رہا، ایک دن میکہ جانے لگی اور کہنے لگی مجھے طلاق دو ورنہ تم سب پر جہیز کا مقدمہ قائم کرادوں گی، جب میں سسرال گیا تو مجھ سے بدکلامی کی واپس گھر آ گیا اور یہ سب ماجرا گھر والوں کے سامنے رکھا، پھر مجبوراً میں نے دو گواہوں کی موجودگی میں طلاق نامہ لکھ کر بذریعۂ رجسٹری لڑکی والوں کے گھر بھیج دیا، وہ طلاق نامہ انہوں نے وصول کرلیا اور میرے خلاف مہیلا تھانہ میں چار آدمیوں کی رپورٹ کردی، میں اور میرے گھر والے پریشان رہے، میں مہر اور عدت کا خرچہ دینے کو تیار ہوں اور طلاق نامہ میں صرف یہ لکھا ہے کہ ''طلاق دے کر زوجیت سے علیحدہ کردیا'' اور پھر لوگوں سے شوہر نے تذکرہ کیا کہ میں نے بیوی کو طلاق نامہ بھیجدیا ہے، تو شرعاً کون سی طلاق واقع ہوئی؟

المستفتی: محمد جمال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دے کر زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں، یہ الفاظ عربی عبارت انت طالق بائن کے مرادف ہے اور اس سے ایک طلاق صریح بائن واقع ہوجاتی ہے اور پھر اس کے بعد یہ الفاظ کہ ''میری جانب سے آزاد ہے'' اس سے دوسری طلاق صریح واقع ہوگئی؛ لہٰذا طلاق نامہ کی عبارت کے مجموعہ سے دو طلاق بائن واقع

ہوگئی ہیں۔ اب اگر دونوں ساتھ رہنے کے لئے تیار ہوجائیں تو تجدید نکاح لازم ہوگا اوراس نکاح کے لئے حلالہ کی ضرورت نہیں اور طلاق نامہ کے لکھنے کے بعد شوہر نے لوگوں سے یہ جو بات کہی ہے کہ میں نے طلاق نامہ بھجوادیا ہے، اس سے کوئی طلاق نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ یہ محض طلاق نامہ کی خبر ہے۔

ویقع بقوله أنت طالق بائن، أو البتة، أو أفحش الطلاق إلى ما قال واحدة بائنة في الكل إن لم ينو ثلاثا. (در مختار مع شامي، كراچي ٣/٢٧٦، زكريا ٤/٤٩٨)

من ألفاظ الصريح الواقع بها البائن مثل أنت طالق بائن أو البتة. (شامي، كراچي ٣/٣٠٧، زكريا ٤/٥٤٠)

ولو قال لامرأته أنت طالق، فقال: له رجل ما قلت؟ فقال: طلقتها، أوقال قلت هي طالق فهي واحدة في القضاء؛ لأن كلامه انصرف إلى الإخبار بقرينة الاستخبار. (بدائع الصنائع، زكريا٣/١٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۱۸۱۱)	۱۴۲۴/۶/۲۷ھ

رخصتی سے قبل طلاق طلاق طلاق کہنے سے کتنی طلاق ہوئی

سوال [۶۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ایک سال قبل ہوئی تھی، پھر ہم نے اپنی بیوی زینت بیگم کو تین طلاق دیدی تھیں اور الفاظ یہ ادا کئے تھے کہ جب لڑکی کے والدین نے طلاق کا مطالبہ کیا، تو میں نے طلاق طلاق طلاق تین دفعہ کہہ دیا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اب دوبارہ اس سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد نوید شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ رخصتی سے پہلے طلاق کا واقعہ پیش آیا ہے، تو ایسی صورت میں متعدد لفظوں کے ساتھ جو طلاق دیجاتی ہے، ان میں سے صرف پہلے لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، اس لفظ کے بولتے ہی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے اور عورت نکاح سے نکل جاتی ہے، اس کے بعد بقیہ الفاظ جو کہے جاتے ہیں، وہ نکاح سے خارج ہوجانے کے بعد زبان سے نکلتے ہیں؛ لہٰذا ان سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی صرف پہلے لفظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے؛ اس لئے بغیر کسی حلالہ کے دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔

وإن فرق بوصف، أو خبر، أو جمل بعطف، أو غيره بانت بالأولىٰ لا إلى عدة. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب الطلاق يقع بعدد قرن به لا به، كراچي ۲۸۶/۳، زكريا ۵۱۲/۴، احسن الفتاوی ۱۲۹/۵، هندية قديم ۳۷۳/۱، جديد زكريا ۴۴۰/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۷۶۴)

غیر مدخول بہا کو الگ الگ تین طلاق اور حالت حیض میں خلوت کا حکم

سوال [۶۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی کی کسی لڑکے سے شادی ہوجاتی ہے اور وہ جب والدین سے رخصت ہوکر اپنے شوہر کے گھر جاتی ہے اور جب اس کا شوہر اس سے پہلی رات میں رجوع ہونا چاہتا ہے، تو لڑکی اپنی طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کرتی ہے، اور اس کو رجوع ہونے سے روک دیتی ہے کہ میں اس وقت حیض سے ہوں (یعنی مجھ کو حیض آرہا ہے) لڑکا اس کے اصرار پر مان جاتا ہے اور لڑکی حق زوجیت ادا نہ کرسکی، دوسرے دن ہی لڑکی اپنے میکے چلی گئی، پھر

دوبارہ اپنے شوہر کے گھر جانے سے انکار کردیا، یہاں تک کہ نوبت طلاق تک پہونچ گئی، لڑکے کے والدین نے لڑکی کو بہت کچھ سمجھایا، مگر اس نے انکار ہی کیا اور طلاق لینے کی مانگ کی، لڑکے کے والدین نے لڑکے سے طلاق دلوائی، یہ طلاق اہل پنچ حضرات کے اصرار پر دی گئی، لڑکا طلاق دینے پر راضی نہ تھا، مگر لڑکے نے تین مرتبہ لفظ طلاق ادا کیا۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حق زوجیت ادا نہ ہونے پر بھی طلاق ہوسکتی ہے؟

(۲) اگر طلاق ہوسکتی ہے تو کیا ایسی حالت میں بھی لڑکی مہر کی حق دار ہے؟

(۳) اور یہ کہ لڑکی کو عدت گذرنا ضروری ہے؟

(۴) لڑکی دوبارہ اپنے شوہر کے گھر آنا چاہتی ہے، جس کو طلاق ہوئے ایک ماہ دس یوم کا عرصہ گذر چکا ہے؟

(۵) کیا نکاح ثانی کی گنجائش ہے؟ یا وہ لڑکی اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہوگئی ہے؟

(۶) یا وہی نکاح کافی ہے؟

المستفتی: محمد نبی

جواب منجانب: جامعہ حیات العلوم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر واقعتاً لڑکی کو حیض آرہا تھا، تو مانع وطی پایا گیا اور مانع وطی پائے جانے کی صورت میں خلوت صحیحہ نہیں ہوئی؛ لہٰذا اگر شوہر نے اپنی غیر مدخولہ کو الگ الگ تین مرتبہ طلاقیں دیں، تو اس کی بیوی کو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی۔

(۲) طلاق بائنہ غیر مدخولہ بیوی کو دینے سے نصف مہر دینا ہوگا۔

(۳) چونکہ قبل الخلوۃ طلاق واقع ہوئی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں عدت ضروری نہیں ہے۔

(۴) جی ہاں اپنے شوہر کے گھر نکاح جدید کے ساتھ جاسکتی ہے۔

(۵) نکاح ثانی کیا جا سکتا ہے بغیر نکاح شوہر اول کے پاس نہیں جا سکتی۔

(٦) پہلا نکاح کافی نہیں ہے دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

تصدیق منجانب: مفتی شبیر صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

خلوت فاسدہ کے بعد طلاق واقع ہونے سے عدت لازم ہوتی ہے۔

وتجب العدة في الكل أي كل أنواع الخلوة ولو فاسدة الخ.

(درمختار، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ديوبند ٤/٢٦١)

تصدیقہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

مستقل جواب منجانب: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: (۳/۲/۱) لڑکی اگر حالت حیض میں تھی اور حیض کا عذر بیان کر کے شوہر کو مقاربت پر قابو نہ ہونے دیا، تو شرعاً خلوت صحیحہ ثابت نہیں ہوئی ہے، اب اگر اس حالت میں الگ جملوں سے ۳ر مرتبہ طلاق دی ہے، تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے اور لڑکی کے لئے نصف مہر شوہر پر لازم ہو چکا ہے اور لڑکی پر عدت گذارنا لازم ہوگا۔

أو كانت حائضا فليست الخلوة صحيحة حتى لو طلقها، كان لها نصف المهر؛ لأن هذه الأشياء موانع الخ (هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/٣٢٦)

وتجب العدة في الكل أي كل أنواع الخلوة ولو فاسدة الخ .

(در مختار، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ديوبند ٤/٢٦١، كراچي ٣/١٢٢)

اس حالت میں اگر اسی شوہر کے پاس دوبارہ رہنے کا ارادہ ہے، تو عدت کے اندر یا عدت کے بعد شرعی طور پر دوبارہ نکاح جدید کر کے رہ سکتی ہے، بغیر نکاح کے جائز نہیں ہوگا۔

وإذا كان الطلاق بائناً دون الثلث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد

انقضائها الخ. (هداية، اشرفي بكڈپو ديو بند۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۱۰۱)

غیر مدخولہ کو متفرق طلاق، پھر اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟

سوال [۶۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی بحالت بچپن۔ اب زید بالغ ہوگیا اور ہندہ ابھی تک نابالغ ہی ہے اور زید نے اس ہندہ کو تین طلاق متفرقہ دیکر چھوڑ دیا اور اس کے بعد دوسری جگہ شادی کر لی، پھر زوجہ ثانی کا کچھ دنوں کے بعد انتقال ہوگیا، اب زید یہ چاہتا ہے کہ میں زوجہ اول سے شادی کروں، تو شریعت محمدی کے مطابق کیا صورت ہوگی؟ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: عبدالخالق، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر سابقہ بیوی کو متفرق طریقے سے تین طلاق دی ہیں اور اس سے ہمبستری نہیں ہوئی ہے یا بوقت طلاق وہ نابالغہ تھی، تو متفرق طلاقوں میں سے صرف اول طلاق واقع ہو چکی ہے اور باقی دو طلاق لغو ہوگئی ہیں؛ لہٰذا اب اگر دوبارہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو بلا حلالہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔

فإن فرق الطلاق (بغير الدخول بها) بانت بالأولیٰ ولم تقع الثانية، والثالثة، وذلک مثل أن يقول أنت طالق، طالق، طالق؛ لأن كل واحد إيقاع على حدة.

(هداية اشرفي بكڈپو ديو بند۲/ ۳۷۱، هكذا في الهندية، كتاب الطلاق، الفصل الرابع في الطلاق قبل الدخول، زكريا قديم ۱/ ۳۷۳، جديد۱/ ۴۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ررمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷ ر۲۳۹۷)

طلاق بائنہ کی ایک صورت

سوال [۶۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کونسی طلاق واقع ہوئی، طلاق بائنہ یا طلاق مغلظہ؟ بالتفصیل وبالدلیل بیان فرمائیں۔

بیان مطلق نثار احمد اپنی ماں کے یہاں چلی جا تجھے رکھوں گا نہیں غصہ کی حالت میں ایک مرتبہ، بیان مطلقہ ہاجرہ شوہر نے کہا تو اپنی ماں کے یہاں چلی جا تجھے رکھنا نہیں۔

بیان گواہ میمونہ زوجہ مختار احمد جو موقع پر موجود تھی انہوں نے سنا کہ مطلق نے دو طلاق دی، بیوی نے کہا کہ اچھا مجھے تین مرتبہ کہہ دو، اس پر شوہر نے کہا کہ کتنی مرتبہ کہلاؤ گی؟ تو اپنی ماں کے یہاں چلی جا، میں نے تجھے آزاد کر دیا یہ تیسرا جملہ تھا۔

بیان گواہ ثانی قاری نسیم احمد صاحب حاضرین خواتین نے انہیں بلوایا، ان کے معلوم کرنے پر نثار احمد نے کچھ جواب نہیں دیا، ڈاکٹر نی سرولی کے معلوم کرنے پر نثار احمد نے کہا اب کیا کرنا، نثار احمد نے کہا کہ میں نے ہاجرہ کو آزاد کر دیا، یہ اپنی ماں کے یہاں چلی جائے اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا، ہاجرہ مطلقہ نے کہا کہ اب کیا کرنا ہے، تو قاری نسیم احمد نے جواب دیا کہ مفتی صاحب کو آنے دو ان سے معلوم کریں گے، تو نثار احمد نے کہا کہ اس میں مفتی صاحب کیا کریں گے؟ مجھے جو کرنا تھا وہ کر دیا۔

بیان والد مطلق نسیم احمد برادر کلوا وقاری نسیم احمد صاحب کہتے ہیں، ہم نے نثار احمد سے پوچھا کہ تم نے جو اپنی زوجہ کے ساتھ میں یہ معاملہ کیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط، اس پر نثار احمد نے جواب دیا کہ وہ بات صحیح ہے، میں نے معاملہ کو آر پار کر دیا، ہم میں سے نسیم احمد نے دوبارہ

معلوم کیا کہ دل سے کیا ہے یا ویسے ہی؟ تو نثار احمد نے کہا کہ دل سے کیا ہے۔

نـــــوٹ: بیانات مذکورہ بالا تمام حضرات سے مجمع عام کے سامنے لکھے گئے ہیں اور گواہوں کے بیان کے وقت مطلق و مطلقہ بالکل خاموش رہے۔

المستفتية: میمونہ خاتون، سرودی خاتون ...... بڑھاپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) شوہر کے قول میں استقبال ہے؛ اس لئے صرف وعدہ ثابت ہوسکتا ہے۔

كما في الشامي: لو ذكرت بلفظ المضارع سواء ذكرت أنا أو لا، ففي القياس لا يقع؛ لأنه وعدٌ. (شامي، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، زكريا ٤/٥٥٨، كراچي ٣/٣١٩، ٢/٦٥٧)

وفي المحيط: لو قال بالعربية أطلق لا يكون طلاقا الخ. (الفتاوى الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٤، زكريا جديد ١/٤٥٢)

(۲) بیوی کا قول یہ شہادت نہیں؛ اس لئے وہ بھی معتبر نہیں ہے۔

(۳) تنہا میمونہ کے بیان سے شرعی ثبوت نہیں ہوسکتا۔

(۴) قاری نسیم کے بیان میں جو آزاد کردیا کا لفظ ہے، شوہر کا قول اس کی تکذیب کررہا ہے؛ اس لئے دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی شہادت ضروری ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

(۵) کلوا، قاری نسیم احمد، تسلیم احمد یہ تینوں حضرات شرعاً مقبول الشہادت ہونے کی شرط پر ان کی شہادت شوہر کے اقرار (میں نے معاملہ کو آر پار کردیا) کے بارے میں معتبر رہے گی، اب اگر شوہر نے آر پار کردیا سے طلاق کی نیت کی تھی، تو اس سے بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/۲۳۳-۹/۲۳۷)

كما في الشامي: (قوله) كتبه من البت بمعنى القطع فيحتمل ما احتمله البائن الخ (شامي، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق، زكريا ٤/٥٥٨، كراچي ٣/٣١٩)

اب بغیر نکاح کے بیوی کے ساتھ نہیں رہ سکتا ہے اور اگر میمونہ کے بیان کے مطابق بیوی کو واقعہ کا علم ہے، تو بیوی کو چاہئے کہ کسی طرح خلع وغیرہ کے ذریعہ شوہر سے علیحدگی اختیار کرلے، عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ شوہر کو قابو دے۔

كما في الشامي: والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتوى على أنه ليس لها قتله، ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أو تهرب. (شامي مع الدر، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٦٣ ٤، كراچي٣/ ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧ ررمضان المبارک ١٤٠٧ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٣/ ٢۵۵)

(١٦) باب الطلاق بالكتابة

تحریری طلاق کے شرائط

سوال [٦۵١٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی بیوی سے کوئی نازیبا حرکت یا ایسا فعل سرزد ہوگیا کہ اس شخص نے اپنا دماغی توازن کھودیا، اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے عزیز واقارب نے باقاعدہ اس پر نظر رکھی اور اس کو خودکشی یا کوئی بھی غلط قدم اٹھانے نہیں دیا۔ ٣/٤ر دن کے بعد اس کو سمجھایا کہ صرف اپنی بیوی کی طرف نہیں؛ بلکہ اپنے چار بچوں کی طرف دیکھو، تم مروگے تو بچے یتیم ہوجائیں گے اور بیوی کے ساتھ کوئی غلط قدم اٹھایا تو بچے بغیر ماں کے ہوجائیں گے۔

اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے، کیا کرنا ہے؟ اس کی تسلی کے لئے دو آدمی طلاق نامہ ٹائپ کرواکے لے آئے اور اس سے کہا کہ ہم تمہاری اور تمہارے خاندان کی بہتری چاہتے ہیں، یہ طلاق نامہ تیار ہے کچھ گہرائی سے سوچ لو، اس کے بعد دینی اعتبار سے اس طلاق نامہ کا صحیح استعمال کریں گے، وہ شخص راضی ہوگیا اور اس نے طلاق نامہ پر دستخط نہیں کئے، دو روز کے بعد اس کا سگا بھائی آیا، وہ غصہ سے اس کو بھی لے گیا اور طلاق نامہ کے کاغذات بھی ساتھ لے گیا، پھر اپنے گھر جاکر طلاق نامہ پر اس کے دستخط کروا لئے، دو گواہوں کے دستخط کروائے اور بذریعۂ رجسٹری اس کی بیوی کو بھیج دیا، یہ شخص فوراً اپنے ان عزیز واقارب کے پاس آیا اور یہ بات بتائی کہ مجھ سے طلاق نامہ پر دستخط لے لئے ہیں، غور طلب بات یہ ہے کہ:

(۱) جب اس سے پوچھا کہ طلاق نامہ میں کیا لکھا تھا؟ تم کو پڑھ کر سنایا، تو اس نے جواب دیا کہ مجھے پڑھ کر نہیں سنایا۔

(۲) کیا طلاق نامہ پر دستخط کروانے سے پہلے ایک بار دو بار یا تین بار تم سے یہ بلوایا گیا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں ایک بار بھی نہیں بولا اور نہ ہی مجھ سے بلوایا گیا۔ مندرجہ بالا عبارت حلفیہ بیان ہے۔

آپ حضرات سے گذارش ہے کہ ان حالات میں از روئے شرع طلاق ہوئی یا نہیں؟ مذکورہ شخص صرف دستخط کرنے کا ذمہ دار ہے نہ تو طلاق نامہ اسے پڑھ کر سنایا گیا اور نہ ہی زبان سے اس نے بولا ہے۔

المستفتی: حاجی شفیع احمد، ناظم اعلیٰ ضلع مسلم کمیٹی کھرگون (مدھیہ پردیش)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ جو طلاق نامہ لکھا گیا ہے، وہ نہ زید نے خود لکھا ہے اور نہ ہی خود لکھوایا؛ بلکہ تیار ہونے کے بعد اس نے اس پر دستخط کرنے سے منع کر دیا، پھر بعد میں اس کے بھائیوں نے دباؤ ڈال کر اس سے دستخط کروالیا ہے، نہ اس نے زبانی طلاق کا کوئی لفظ استعمال کیا اور نہ ہی اس کو پڑھ کر سنایا گیا،

ایسی صورت میں تحریری طلاق واقع نہیں ہوئی، تحریری طلاق کے واقع ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ یاتو اس نے خود لکھوایا ہو یا خود لکھا ہو یا لکھی ہوئی تحریر پڑھ کر بخوشی دستخط کردیا ہو یا کسی دوسرے نے اس کو سنا دیا ہو، پھر بخوشی دستخط کردیا ہو، ایسی کوئی بات مذکورہ واقعہ میں ثابت نہیں ہے؛ اس لئے مذکورہ طلاق نامہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ٤/٤٥٦، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف؍)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵؍۷؍۱۴۲۹ھ

تحریری طلاق نامہ میں شوہر کا اقرار معتبر ہے یا تحریر؟

سوال [۶۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس بات کی تصدیق کی جاتی ہے کہ جناب غلام دستگیر نے اپنی بیوی منور سلطانہ کو چند سال قبل ایک طلاق رجعی دی تھی، مگر ٹائپ کرنے والے نے تین لکھ دی تھی، اس سلسلے میں تاج المساجد بھوپال کے دارالافتاء سے فتوی بھی لایا گیا؛ چونکہ غلام دستگیر صاحب نے دارالقضاء میں پیش کیا، دارالقضاء نے فتوے پر اور غلام دستگیر صاحب کی اصل اور پہلی تحریر پر غور کیا، جس سے یہی ثابت ہوا کہ ایک ہی طلاق واقع ہوئی؛ لیکن چونکہ عدت کی مدت گذر گئی؛ لہٰذا طلاق رجعی طلاق بائن ہوکر نکاح ٹوٹ گیا۔

غلام دستگیر اور منور سلطانہ بخوشی دوبارہ اپنی زندگی گذارنا چاہیں، تو نکاح جدید کرکے گذارنے کی ازروئے شرع اجازت ہے؟ اس سلسلے میں غلام دستگیر کا حلفیہ بیان بھی لیا گیا،

جو دار القضاء میں محفوظ ہے۔

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرسلہ چاروں کاغذات شروع سے آخر تک اچھی طرح سے پڑھا اور دیکھا، سوال نامہ میں بھوپال کے دار الافتاء کا فیصلہ جو لکھا گیا ہے، اس کے بارے میں دوسرا کاغذ بطور سوال نامہ کے جو پیش کیا گیا اور اس میں دار الافتاء اور دار القضاء کے فیصلہ میں شبہ کا اظہار کیا گیا ہے؛ احقر نے بھی شوہر کے پہلے کاغذ اور پھر اسی کا ٹائپ جو کہ چوتھا کاغذ ہے، اس پر بھی غور کیا اور سوال نامہ میں اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ شوہر پہلے کاغذ کا اقرار کرتا ہے، جو ہندی میں ہاتھ سے لکھا گیا ہے اور دوسرا کاغذ جس میں پہلے کاغذ کا ٹائپ ہے، اس میں جو تین طلاق کی صراحت کی گئی ہے، اس کا انکار کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ شوہر کے اقرار یا انکار کا اعتبار رہوتا ہے اور شوہر مذکورہ واقعہ میں پہلی تحریر کا اقرار کرتا ہے اور دوسری تحریر میں تین طلاق کے الفاظ کے اضافہ کا انکار کرتا ہے اور ٹائپ کرنے والوں نے وکیلوں کے دستور کے مطابق شوہر کی اجازت اور اس کی تحریر کے خلاف اپنی طرف سے تین طلاق کی صراحت کے ساتھ ٹائپ کر دیا اور شوہر یہ کہہ رہا ہے کہ نہ میں نے اپنی تحریر میں تین طلاق کی صراحت کی اور نہ ہی ٹائپ کرنے والوں کو تین طلاق کی اجازت دی۔ اور صاف الفاظ میں یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے ٹائپ کرنے والوں کو اپنی تحریر کے ٹائپ کی اجازت دی ہے اور اسی خیال میں دستخط کر دیا تھا کہ جیسی میری تحریر ہے ویسی ہی ٹائپ ہے؛ اس لئے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، بغیر پڑھے دستخط کر دیئے اور خیال میں یہ رہا کہ یہ اسی تحریر کا ٹائپ ہے، جو میں نے خود دی ہے، تو ایسی صورت میں شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا اور اس کے قول کا اعتبار کر کے ایک ہی طلاق کا حکم صادر ہوگا؛ لہٰذا بھوپال کے دار الافتاء اور دار القضاء سے جو فیصلہ اور فتوی صادر ہوا ہے،

وہ شریعت کی روشنی میں صحیح اور درست ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي٣/٢٤٧، زكريا٤/٤٥٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۴۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶؍۷؍۱۴۲۵ھ

شوہر سے زبانی وتحریری جبراً طلاق لینے میں فرق کی وجہ

سوال [۶۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زبردستی اگر شوہر سے زبانی طلاق کہلوالی جائے، تو سنا ہے کہ اس سے طلاق ہوجاتی ہے؛ لیکن اگر زبردستی صرف تحریر لے لی جائے، یا کسی سے طلاق نامہ لکھوا کر جیسا کہ عدالت کے فیصلہ نامہ پر دستخط کرالئے جائیں تو طلاق نہیں ہوتی، اس کی شرعاً کیا وجہ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد نعیم، تاج پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زبردستی شوہر سے زبانی طلاق کہلوالی جائے، تو طلاق واقع ہوجائے گی؛ لیکن زبردستی صرف تحریری طلاق لی جائے یا کسی سے طلاق نامہ لکھوا کر شوہر سے دستخط کرالیے جائیں، تو طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابت خطاب اور قول کے درجہ میں بوقت ضرورت ہوتی ہے، مثلاً شوہر گونگا ہے؛ لیکن لکھنے پر قادر ہے یا شوہر دوسری جگہ رہتا ہے اور وہاں سے طلاق لکھ کر بھیج دے اور جبراً تحریر لینے کی

صورت میں اس طرح کی کوئی حاجت وضرورت نہیں ہے؛ بلکہ شوہر زبانی طلاق دینے پر قادر ہے؛ لیکن طلاق کے الفاظ نہیں کہتا ہے؛ لہٰذا اس صورت میں حاجت اور ضرورت نہ ہونے کی بناء پر کتابت خطاب کے درجہ میں نہیں ہوسکتی۔

لأن الكتابة كالخطاب باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا. (الفتاوى البزازية، زكريا ١/ ١٢٠، وعلى هامش الهندية٤/ ١٨٥)

لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولاحاجة هنا. (قاضي خان، زكريا ١/ ٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/ ٤٧٢، شامي، كراچي ٣/ ٢٣٦، زكريا٤/ ٤٤٠، البحرالرائق، كوئٹه٣/ ٢٤٦، زكريا٣/ ٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۶/ ۱۴۲۱ھ

بیوی کی غیر موجودگی میں طلاق دینے کے بعد تحریری طلاق دینا

سوال [۶۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مندرجہ ذیل باتوں پر شرع کا کیا حکم ہے؟ کیا لڑکی کی غیر موجودگی میں لڑکا طلاق تین بار لوگوں کے سامنے کہہ دے، تو طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟

(۲) کیا لڑکا دوسرے شہر میں جہاں وہ رہتا ہے تحریری طور پر لکھدے کہ میں نے فلاں فلاں گواہ کے سامنے تحریری طور پر دستخط کر کے طلاق نامہ پر دستخط کردیئے، تو طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: عظمت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بیوی کی غیر موجودگی میں بھی طلاق ہوجاتی ہے، طلاق کے وقت بیوی کا سامنے ہونا ضروری نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۴۲)

(۲) تحریری طور پر طلاق لکھ دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٦، زكريا ٤/٤٥٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد ١/٤٤٦، فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/٤٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۲۴ھ

موبائل پر بیوی کو میسیج کے ذریعہ سے طلاق دینا

سوال [۶۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح دس ماہ پہلے میری بیوی سے ہوا تھا، چند ماہ بعد میرے ساس سسر کا جھگڑا میرے والد صاحب سے ٹیلیفون پر ہوا، جھگڑا اس قدر بڑھا کہ میرے والد صاحب کے سابقہ ٹیلیفون پر ہی میرے سسر اور ساس نے بے انتہا بدتمیزی اور بدکلامی کی، جب مجھے اس بارے میں معلوم ہوا تو میں بھی غصہ میں بھڑک اٹھا اور اسی غصہ کی حالت میں میں نے اپنی بیوی کو موبائل ملایا اور اپنے والد اور والدہ سے بدتمیزی اور بدکلامی کا سبب معلوم کیا، غصہ بڑھتا گیا؛ کیونکہ گھر جاتے وقت میری بیوی سارا زیور بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی؛ اس لئے میں نے اس سے کہا چوٹی سارا زیور بھی میکہ لے کر چلی گئی، تکرار بڑھتی چلی گئی، میرا غصہ بڑھتا چلا گیا اور اسی غصہ کی حالت میں میں نے موبائل پر ہی لکھ کر میسیج دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، یہ سب ہونے کے بعد میرے سسر اور سسرال کے لوگ اس بارے میں مجھ سے معلوم کرنے آئے اور کہا کہ تم نے طلاق دی ہے؟ میں نے پھر وہی بات دہرادی کہ ہاں میں نے طلاق دی ہے۔

المستفتی: اختر حسین، ایرا نڈیا ایکسپورٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر لکھ کر طلاق دے اور اپنی تحریر کا بعد میں اقرار کرے تو شرعی طور پر ایسی طلاق صحیح اور معتبر ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں جب لڑکے نے موبائل پر لکھ کر بیوی کو تین طلاق کا مسیج کر دیا ہے اور بیوی کے موبائل پر شوہر کی طرف سے لکھی ہوئی طلاق کا مسیج آ گیا ہے اور شوہر نے بعد میں زبانی اقرار بھی کیا ہے، تو اس سے شرعی طور پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب آئندہ بغیر حلالہ دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو كتب كتابا في قرطاس –إلى قوله– وبعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه، فإن الطلاق يقع عليها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۳۷۹، جديد ۱/ ٤٤٦)

كتب في قرطاس –إلى– وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، كراچي ۳/ ۲٤٦-۲٤۷، زكريا ٤/ ٤٥٦)

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثاً الخ. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۲۱۹، جديد زكريا ص: ۳۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۹۰)

تحریری طلاق

سوال [۶۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم دونوں فریق منی عرف کلو ولد عبد الغفار بلاری اور محمد صاق ولد چھٹن بلاری ہم دونوں فریق آپس میں ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے اپنی خوشی اور مرضی سے الگ

ہورہے ہیں، ہماری آپس میں کوئی رنجش نہیں، یہ کام ہم اپنی خوشی اور خوب سوچ سمجھ کر کر رہے ہیں، ہم نے آپس میں ایک دوسرے کا سامان سارا ہی واپس کردیا ہے۔اب آپس میں ہم دونوں فریقوں کا کوئی لین دین نہیں ہے اور نہ ہی کوئی مطالبہ ہے اور نہ ہی ہمارا ایک دوسرے کا ہمیشہ کے لئے کوئی تعلق ہے نہ کوئی رشتہ ہم یہ اقرار حلفیہ کرتے ہیں، یہ اسٹامپ اس لئے لکھا ہے کہ کل کو ہم میں سے ایک دوسری فوٹو کاپی دوسرے فریق کے پاس رہے گی یہ اقرار نامہ بتاریخ ۱۲/۲/۷۸ء کو لکھا گیا، تو کیا اس صورت میں شرعی طور پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ جبکہ یہ تحریر طلاق اور جدائیگی ہی کے لئے لکھی گئی ہے۔ نیز برادری پنچایت میں بھی اس طرح طلاق دینے کی وجہ سے فریقین کو حاضر کیا گیا تھا۔

المستفتی: صادق حسین سلمانی ولد چھٹن، بلاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بوقت مذاکرۂ طلاق اور بنیت طلاق ہی تحریر لکھی گئی ہے۔ نیز پنچایتی تحریر میں بھی طلاق دینے کی وضاحت ہے؛ اس لئے منی عرف کلو پر طلاق واقع ہوچکی ہے، عدت گذارنے کے بعد شوہر پر کوئی ذمہ داری باقی نہیں رہے گی اور نہ ہی منی عرف کلو کو شوہر صادق ولد چھٹن کے یہاں آنا جائز ہوسکتا ہے۔

لو قال: لم یبق بینی وبینک عمل ونوی بہ الطلاق یقع الخ.

(عالمگیري، کتاب الطلاق، الفصل الخامس في الکنایات، زکریا قدیم ۱/۳۷٦، جدید ۱/٤٤٣، فتاوی قاضی خان، زکریا ۱/۲۸٤، وعلی هامش الهندیة ۱/٤٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۰۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱۲/۱۴۱۰ھ

تحریری طلاق کا حکم

سوال [۶۵۲۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ہندہ کوطلاق بذریعۂ تحریردی اوروکیل سے کہا کہ طلاق نامہ لکھ دو، وکیل نے طلاق نامہ لکھا؛ لیکن زید کو پڑھ کر نہیں سنایا اورصرف زید کے دستخط کرالئے اورطلاق نامہ میں تین طلاق لکھیں جیسا کہ لکھنے کا وکیلوں کا رواج ہے، زید نے طلاق نامہ کو گھر جاکر پڑھا، اتنے عرصہ میں مردوعورت میں صلح ہوگئی اور گھر بنائے رکھنے کے لئے دونوں آمادہ ہوگئے،تو کیاایسی صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوگی یارجعی؟

(۲) ایک شخص نے طلاق نامہ لکھواکر بیوی کے گھر بھیجا؛ لیکن بیوی کہتی ہے کہ مجھے صرف سادہ کاغذدستیاب ہواہے،تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یانہیں؟

المستفتی: محمدمقصود، نائب مفتی جامع العلوم فرقانیہ،رام پور(یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب زید نے وکیل کوطلاق نامہ لکھنے کا اختیار دیاہے اور وکیلوں کے تین طلاق لکھنے کا رواج سب کومعلوم ہےاورزید کوبھی یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ وکیلوں کا رواج تین ہی طلاق لکھنے کاہے، پھر وکیل کے لکھنے کے بعد دستخط کے وقت خود پڑھنا یا پڑھواکر سننا زید نے ضروری نہیں سمجھا اور بخوشی دستخط کردیاہے، توایسی صورت میں طلاق نامہ میں جتنی طلاقیں لکھی گئیں ہیں،اتنی ہی طلاقیں واقع ہوجائیں گی؛ چنانچہ مذکورہ طلاق نامہ میں تین طلاق لکھی گئی ہیں؛اس لئے زید کی بیوی ہندہ پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، اب بغیر حلالہ کے زید کے لئے نکاح بھی درست نہ ہوگا، ہاں البتہ شوہر حلفیہ طور پرقسم کھاکر یہ دعویٰ کرتاہے کہ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وکیلوں کے یہاں تین طلاق لکھنے کا رواج ہے اور میراارادہ ایک طلاق لکھوانے کا تھا،تو حکم شرعی تین طلاق کا نہ ہوگا۔

(مستفاد:فتاوی دارالعلوم ۹ / ۱۸۷)

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يملمه بنفسه لا يقع الطلاق مالم

يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، زكريا٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٧، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦)

(۲) اگر عورت کہتی ہے کہ صرف سادہ کاغذ دستیاب ہوا ہے، اس میں کوئی چیز لکھی ہوئی نہیں ہے اور شوہر انکار کرتا ہے، تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر شوہر اقرار کرتا ہے، تو طلاق واقع ہوجائے گی اور یہ شوہر سے دریافت کیا جائے کہ طلاق نامہ میں کتنی طلاق لکھی گئی ہیں، وہ جتنی طلاق کا اقرار کرے گا اتنی طلاق واقع ہوجائیں گی۔

بأن كتب أما بعدفأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، زكريا٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٧، عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٨٧، جديد ١/٤٤٦، احسن الفتاوى ٥/١٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۴۷۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۲۵ھ

تحریری طور پر طلاق دینا

سوال [۶۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ دوسال قبل مسمیٰ بی بی حسینہ خاتون کی شادی محمد مفید سے ہوئی تھی اور حسینہ خاتون اپنے سسرال میں رہنے لگی، اس درمیان چند وجوہات کی بناء پر میاں بیوی میں نااتفاقی پیدا ہوگئی، جس کی وجہ سے اس کا شوہر محمد مفید نے اپنے ایک رشتہ دار کی معرفت ایک تحریری خط لڑکی کے والد کے پاس بھیجا، خط کا مضمون اس طرح تھا: ”بی بی حسینہ بیگم تم میری طلاقی بیوی ہو، میں نے تمہیں طلاق دی، طلاق دی تم اپنا انتظام خود کرلو، میں اپنا انتظام خود کرلوں گا، میں کما کر تمہارا دین مہر ادا کردوں گا“ اس تحریری خط کے علاوہ بھی محمد مفید نے گاؤں کے لوگوں اور اپنی بیوی کے سامنے بھی بار بار طلاق دینے کی بات

کہی ،اس تحریری خط کولڑکی کے والدین نے اپنے گاؤں کے کئی ذمہ داروں کو دکھایا جس کی بناء پرلوگوں نے لڑکی کی دوسری شادی کرنے کا مشورہ دیا،اس تحریری خط (طلاق نامہ) کے تقریباً نودس مہینہ کے بعد بی بی حسینہ خاتون نے اپنے گاؤں کے محمد تجمل حسین سے باضابطہ دوسرا نکاح کر کے میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، دوسری شادی کے بعداب شوہراول اوراس کے والدلڑکی کے والد پر دباؤڈال کرلڑکی کوشوہراول کے پاس رہنےکو کہہ رہے ہیں، ادھراس تحریری خط کوزورزبردستی کر کےشوہراول اوران کے رشتہ داروں نے چھین لیاہے، اب بی بی حسینہ کسی بھی صورت میں شوہراول کے پاس جانانہیں چاہتی ہے،بی بی حسینہ کا کہنا ہے کہ مجھے طلاق دیدی گئی ہے،میں ناجائز رشتہ نہیں رکھنا چاہتی،مندرجہ بالاحقائق کی روشنی میں جناب والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ محمد مفید نےتحریری خط میں جو جملہ استعمال کیا ہے،اس سے طلاق واقع ہوئی ہے یانہیں اور یہ طلاق کی کون سی قسم ہے؟ بی بی حسینہ دوبارہ شوہراول کےساتھ رہ سکتی ہے یانہیں؟ تجمل حسین سے بی بی حسینہ کا نکاح جائز ہے یانہیں؟ بالتفصیل مدلل ومع حوالہ جواب دینے کی زحمت فرمائیں،احسان عظیم ہوگا۔

المستفتی: جسیم الدین رحمانی،سپول(بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرسائل کا بیان صحیح ہےاورتحریرمیں شوہرنے واقعی طورپرمذکورہ الفاظ لکھایالکھوایاہے،تو مفید کی طرف سے بیوی پرطلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اگر چالاکی سےتحریرچھین لی ہے،تواس سےطلاق پرکوئی اثرنہیں پڑے گا،طلاق واقع ہوچکی ہے، شوہر کے الفاظ ’’تم میری طلاقی بیوی‘‘ سے ایک طلاق اورتمہیں طلاق دی، طلاق دی کے الفاظ سے دوطلاق کل تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔

و من الصريح يا مطلقة و كطلقتك ثلاثًا. (شامي، كراچي ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٧)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجـاً غيـره نكاحًا صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها.

(فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفى ديوبند ٢/٣٩٩)

اور مفید کے طلاق کے بعد عدت گذار کر تجمل حسین کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے، وہ صحیح اور درست ہے، اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے مفید کا حسینہ کو لے جانا ناجائز اور حرام کاری ہوگا، اگر چہ دوبارہ نکاح بھی کرلے گا تب بھی جائز نہ ہوگا۔

وأمـا نـكـاح منكوحة الغير ومعتدته (إلى قوله) لم يقل أحد بجوازه، فـلـم ينعقد أصلاً. (شـامي، كـراچي ٣/١٣٢، زكـريـا ٤/٢٧٤، هـندية، زكريا قديم ١/٢٨٠، جديد ١/٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۸۱۷)

حالت حمل میں تحریری طلاق دینا

سوال [۶۵۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن کو اس کے شوہر نے تحریری طلاق دی ہے، اور وہ حمل سے ہے، اس دوران اس کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

(۲) اس حالت میں کسی قانونی کاروائی کے تحت تھانہ یا عدالت جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہنواز حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حالت حمل میں طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

طلاق الحامل يجوز عقيب الجماع الخ (هداية، اشرفى ديوبند ٢/٣٥٦، قدوري، امداديه ديوبند ١٧١)

(۲) وضع حمل تک نان ونفقہ کے لئے قانونی کارروائی کرسکتے ہیں، ولادت کے بعد پھر کسی قسم کا حق متعلق نہ ہوگا۔

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة، والسكنى كان الطلاق رجعيًا، أوبائناً، أو ثلاثاً حاملاً كانت المرأة أو لم تكن. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۵۵۷، جديد ۱/ ۶۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۲۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۴/ ۱۴۱۸ھ

''میں ......کو طلاق دیتا ہوں'' بیوی کو لکھ کر دینے سے طلاق

سوال [۶۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپس میں تکرار ہورہا تھا، میرے اور میری بیوی کے درمیان، تب اس میں میں نے اپنی زبان سے طلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا صرف اس کو ڈرانے کے لئے اسی کے سامنے ایک ہی کمرے میں بیٹھ کر حسب ذیل الفاظ لکھ کر اس کے ہاتھ میں دیئے۔

میں ......کو طلاق دیتا ہوں، میں ......کو طلاق دیتا ہوں، میں ......کو طلاق دیتا ہوں بقلم خود، ایسی صورت میں شرعی طور پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: دلشاد حسین، محلّہ: کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور واقعی بیوی کے سامنے ہی مذکورہ الفاظ لکھ کر بیوی کے ہاتھ میں دیا ہے اور زبان سے کوئی لفظ طلاق کا استعمال نہیں کیا ہے اور نہ ہی زبان سے کہنے میں کوئی رکاوٹ رہی ہے، تو ایسی صورت میں محض لکھ کر بیوی کے ہاتھ میں دینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ طلاق بالکتابت کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے کہ جب زبان سے طلاق دینے میں عذر ہو اور یہاں کوئی عذر نہیں ہے۔

لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولا حاجة ههنا.
(شامي، كراچي ۳/۲۳۶، زكريا ٤/٤٤٠، البحرالرائق، كوئٹه۳/۲٤٦، زكريا۳/٤۲۹، فتاوى قاضي خان، زكريا ۱/۲۸۷، وعلى هامش الهندية ۱/٤۷۲)

لأن الكتابة كالخطاب باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا. (فتاوى بزازية، زكريا۱/۱۲۰، وعلى هامش الهندية، زكريا٤/۱۸٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۹۲۴)

تحریری طلاق کی ایک صورت

سوال [٦٥٢٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید فی الوقت گھر سے باہر ہے، یعنی سعودیہ ہے، اور زید اوراس کی بیوی میں باہم اچھے تعلقات ہیں، کسی قسم کا جھگڑا نہیں، دونوں ایک دوسرے سے خوش ہیں، اسی دوران زید کی بیوی سے اور زید کے گھر والوں سے جھگڑا ہوا، تو زید کے گھر والوں نے ایک پرچہ بنایا جونسبت جوڑتا ہے زید کی طرف کہ زید نے یہ پرچہ تمہارے نام بھیجا ہے اورتم کو طلاق دے رہا ہے؛ جبکہ اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے پرچہ کے بارے میں کہ حقیقت میں زید نے بھیجا ہے، اس صورت میں زید کی بیوی اپنی ماں کے گھر ہے، تو آپ برائے کرم اس مسئلہ کو جلد قرآن وحدیث کی روشنی میں حل کر کے جواب دیدیں تو مہربانی ہوگی؛ کیونکہ اس وقت حالت دونوں طرف نازک چل رہی ہے، خیال رہے کہ زید کی طرف سے جو پرچہ بنا ہے اس کو بھی ساتھ میں ارسال کر رہا ہوں، اس کو دیکھ کر آپ قیاس لگاسکیں گے؛ کیونکہ قرآن وحدیث میں ایک درجہ قیاس کا بھی ہے، امید کہ جلد جواب دیں گے۔

پرچه: ''میں طلاق دے رہا ہوں'' اس کی مرضی سے طلاق طلاق طلاق، اب تم اپنا انتظام کرلو۔

المستفتی: محمد یعقوب، باندرہ ایسٹ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: براہ راست خط یا فون کے ذریعہ سے زید سے معلوم کیا جائے، اگر زید انکار کرتا ہے، تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اقرار کرتا ہے، تو طلاق معتبر ہوگی۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه و لم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ٤/٤٥٦، تاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال المکرم ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍۲۸۵۹)

بیوی کے سامنے تحریری طلاق دینا

سوال [۶۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک کاغذ پر ایک طلاق دی، پھر کچھ دن کے بعد ایک دوسرے کاغذ پر ایک طلاق دی، پھر ایک طلاق کاغذ پر دی، پھر چوتھی مرتبہ کچھ دن کے بعد ایک طلاق دی اور ہر دفعہ اس کی بیوی اس کے سامنے تھی، زبان سے اس نے تلفظ نہیں کیا (طلاق کا لفظ) تو کیا اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں؟

نوٹ: (۱) چار دفعہ ۴؍کاغذ پر لکھا ہے (۲) ایک طلاق دی ہر دفعہ (۳) طلاق کا تلفظ زبان سے نہیں کیا (۴) اس کی بیوی ہر دفعہ اس کے سامنے موجود تھی، ایک صاحب نے فتاوی محمودیہ ۱۳؍۱۷۲، اور شامی مسائل شتی ۵؍۴۷۰ کے حوالہ سے لکھا کہ طلاق نہیں ہوئی؛ لیکن ہم نے فتاوی دارالعلوم ۹؍۱۴۱ میں اس کے برعکس دیکھا ہے۔

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب بیوی سامنے موجود ہوتی ہے، تو سامنے ہی تحریر لکھ کر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ جبکہ زبان سے طلاق نکالنے میں کوئی مجبوری نہ ہو اور یہی مسئلہ صحیح ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فتاوی محمودیہ میں بھی یہی مسئلہ لکھا ہے اور فتاوی دارالعلوم میں واقعہ ایسا نہیں ہے، اس میں بیوی کے سامنے موجود ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے؛ بلکہ بیوی والوں کا تذکرہ ہے؛ اس لئے فتاوی دارالعلوم کا اس مسئلہ سے کوئی تعارض نہیں۔

لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولاحاجة هنا. (شامي، كراچي ۲۳۶/۳، زكريا ٤٤٠/٤، البحرالرائق، كوئٹه ٢٤٦/٣، زكريا ٤٢٩/٣، فتاوى قاضي خان، زكريا ٢٨٧/١، وعلى هامش الهندية، زكريا ٤٧٢/١)

لأن الكتابة كالخطاب باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا. (الفتاوى البزازية، زكريا ١٢٠/١، وعلى هامش الهندية ١٨٥/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۱۸/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۲۲ھ

بیوی کے سامنے بیٹھ کر طلاق لکھ کر دیدیا، مگر زبان سے کچھ نہیں کہا

سوال [۶۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے اپنی بیوی کو سامنے بیٹھا کر لکھ کر دیا کہ تجھے طلاق، تو سوال یہ ہے کہ سامنے بیٹھ کر طلاق لکھ کر دینے سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ جبکہ شوہر گونگا نہیں ہے، اس سلسلہ میں فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۶۱۵/۱۲ رمیں عدم وقوع طلاق کا فتوی ہے اور مفتی تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں فتاوی عثمانی ۳۸۲/۲، میں کہ طلاق واقع ہوجائے گی، مفتی صاحب سے

گذارش ہے کہ صحیح مسئلہ کیا ہے؟ مع دلائل کے جواب مرحمت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد عظمت علی آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کو سامنے بیٹھا کر طلاق لکھ کر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی؛ جبکہ شوہر گونگا نہیں ہے، بولنے پر قادر ہے؛ کیونکہ کتابت بوقت ضرورت عبارت کے قائم مقام ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بھی طلاق واقع نہ ہوگی، دلائل کی روشنی میں فتاوی محمودیہ کی عدم وقوع طلاق کی بات زیادہ صحیح ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۶۱۵/۱۲، ۶۱۶، میرٹھ ۲۵۸/۱۸)

اور فتاوی عثمانی میں بعینہ اس مسئلہ کا جواب نظر سے گذرا۔

إيماء الأخرس و كتابته كالبيان باللسان بخلاف معتقل اللسان أي فلا يعتبر إيماؤه و لا كتابته. (شامي، كراچي ٧٣٧/٦، زكريا ٤٦٠/١٠)

عن الأشباه أنه في حق الأخرس يشترط أن يكون معنونًا وإن لم يكن لغائب، وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر. (شامي، كراچي ٧٣٧/٦، زكريا ٤٦١/١٠)

لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولاحاجة هنا. (خانية، اتحاد ٢٨٧/١، زكريا قديم ٤٧٢/١، فتاوى بزازية، زكريا ١٢٠/١، وعلى هامش الهندية، زكريا ٤٧٢/١، شامي، كراچي ٢٣٦/٣، زكريا ٤٤٠/٤، البحرالرائق، كوئٹه ٢٤٦/٣، زكريا ٤٢٩/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۰۲/۴۰)

بیوی کے سامنے طلاق طلاق لکھنا

سوال [۶۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی میری اجازت کے بغیر میکہ چلی گئی، تو میں نے بیوی کی واپسی پر کہا کہ تو گھر چلی جا، تو بیوی نے کہا کہ لکھ دو، تو میں نے بیوی کے ہاتھ پر گھر چلی جا لکھ دیا، تو بیوی نے کہا کہ طلاق لکھ دو، تو میں نے ایک بار طلاق لکھ دی، تو بیوی نے کہا کہ کاغذ پر لکھ دو، تو میں نے کاغذ پر تین مرتبہ بغیر کچھ بولے صرف لفظ طلاق، طلاق، طلاق لکھ دی، نہ کچھ بولا اور نہ طلاق کا ارادہ تھا اور اب میری بیوی حمل سے ہے، تو کیا ایسی صورت میں میری بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟ شرع کی روشنی میں مسئلہ کا حل فرمائیں۔

المستفتی: افضال احمد، چاندپور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب آپ کی بیوی سامنے موجود ہے اور آپ نے زبان سے کچھ نہیں بولا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی اضافت ہے، تو صرف ''طلاق، طلاق، طلاق'' لکھ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ بیوی جب سامنے موجود ہو تو قادر علی التکلم کے لئے زبان سے طلاق دینا ضروری ہے، محض لفظ طلاق لکھ دینے سے یا لکھی ہوئی تحریر پر دستخط کر دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا آپ کی بیوی پر کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/۲۲۵، ۱۳/۱۷۲، جدید ڈابھیل ۱۲/۶۱۶)

أکرہ علی أن یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا یقع؛ لأن الکتابة کالخطاب باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا. (بزازیة، زکریا ۱/۱۲۰، وعلی هامش الهندیة ۴/۱۸۵، شامي، کراچي ۳/۲۳۶، زکریا ۴/۴۴۰، خانیة، زکریا ۱/۲۸۷ وعلی هامش الهندیة ۱/۴۷۲، البحرالرائق، کوئٹہ ۳/۲۴۶، زکریا ۳/۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۶/ ۱۴۲۳ھ

تحریری طلاق

سوال [۶۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقصد تحریر یہ ہے کہ خوف خدا، سماج کی انگشت نمائی کا ڈر، شریعت اسلامیہ کے تقاضہ کا پیش نظر رہنا وغیرہ ایسے امور جن کی بنا پر تمہارے ساتھ نکاح سے لے کر اب تک تقریباً چھ سال سے زائد عرصہ میں میں نے نباہ کی ہر ممکن کوشش کرلی؛ جبکہ تم اور تمہارے بھائی، بہنوں نے مجھے پریشان کرنے اور بلیک میل کرنے اور اس کے واسطے میرے تمام گھر والوں کو مجھ سمیت جہیز کیس میں پھنسانے جیسی دھمکیوں سے لے کر میری کردارکشی تک کسی بھی وار سے دریغ نہیں کیا؛ جبکہ میں اپنی مولویانہ وضع اور معاشرہ میں عزت کی خاطر نیز یہ سوچ کر کہ شاید دیر سویر تمہاری سمجھ میں بات آجائے ہر اذیت برداشت کرتا رہا؛ لیکن ہر قسم کی فہمائش پر تمہارا ایک ہی مطالبہ رہا کہ ”مجھے آزاد کردو“ لکھ کر دے دو وغیرہ وغیرہ۔

چوں کہ میں شادی سے پہلے ہی سے بسلسلہ روزگار سعودی عرب میں مقیم تھا؛ اس لئے میری شادی کے فوراً بعد تمہارا پاسپورٹ بنوا کر تمہیں اپنے ساتھ لے جانے اور اس کے لئے تمہاری خوشامد تک ہر ممکن کوشش رائیگاں جانے پر خود میں نے ہر چار ماہ بعد انڈیا آنا شروع کردیا، اس کے باوجود تم میری مرضی کے خلاف میری عدم موجودگی میں اپنے میکہ سیوہارہ یا اپنے بھائی کے پاس علی گڈھ رہتی رہیں اور پھر شدہ شدہ مجھے پتہ چلا کہ تم نے وہاں سیوہارہ میں ایک پرائیویٹ ٹیچر کی حیثیت سے ایک اسکول میں پڑھانا شروع کردیا اور پھر یہی نہیں؛ بلکہ اس کے نتیجہ میں پولیو پلس مہم جیسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی خاطر اجنبی مردوں کے ساتھ میٹنگوں میں بے محابہ اختلاط سے بھی تمہاری رگ غیرت نہ پھڑک سکی اور یہ سب دلچسپیاں مجھے اس لئے بھی گوارہ نہ تھیں کہ تم کو میری طرف سے دیئے گئے اخراجات کی صورت میں کسی قسم کی کوئی مالی پریشانی بھی نہ تھی اور پتہ چلنے پر میں نے خود شدت کے

ساتھ ان چیزوں سے تمہیں منع بھی کردیا تھا؛ اس لئے کہ یہ بات کوئی بھی غیرت مند انسان برداشت نہیں کرسکتا خاص طور سے ایسی صورت میں کہ تمہارے گھر پر کوئی مرد سرپرست تک موجود نہیں ہے سوائے تمہاری بڑی بہن کے جو خود بھی غیر شادی شدہ اور ایک پرائیویٹ اسکول میں نوکری کرتی ہیں، دوسری تمہاری بوڑھی والدہ ہیں، رہا تمہارا بھائی سو وہ تم سے سینکڑوں میل دور ایک بینک میں ملازم ہے اور وہیں اپنے بچوں کے ساتھ رہتا ہے اور سالہا سال تک گھر نہیں آتا، اس کے علاوہ میں تمہیں خود بھی ایک اجنبی شخص کے ساتھ تمہارے گھر پر غیرت کے تمام تقاضے پھلاندتے ہوئے تمہیں ملتے ہوئے دیکھ کر ٹوک چکا تھا؛ جبکہ اپنے اس عمل سے متعلق تمہارا صرف یہ عذر تھا کہ یہ شخص ہمارا رشتہ دار ہے، تمہارے رہن سہن کے یہ طور طریقے مجھے بالکل پسند نہ تھے، پھر بھی تمہاری ضد تھی کہ تم میری غیر موجودگی میں سیوہارہ ہی رہوگی؛ بلکہ تم نے تو شادی کے ایک ہفتہ بعد ہی سے سیوہارہ مکان بنا کر رہنے کا ارادہ ظاہر کر کے اس پر اصرار شروع کردیا تھا؛ لیکن اپنے بوڑھے والدین کو چھوڑ کر سیوہارہ مکان بنا کر رہنا میرے لئے یوں بھی دشوار تھا کہ میں خود وطن سے باہر رہتا ہوں اور تم بالکل اکیلی ہوتی نہ کوئی دوسرا سہارا؛ لہٰذا جب تم نے اپنا مقصد پورا نہ ہوتا دیکھا تو تم میری اور میرے گھر والوں کی چوری سے میرا سارا زیورا اور قیمتی کپڑے چرا کر اپنے گھر لے گئیں اور جب میں وطن آیا تو تم کو زیورا استعمال نہ کرتے دیکھ کر تم سے معلومات کیں تو پتہ چلا کہ تم نے یہ ساری چیزیں اپنے گھر لے جا کر رکھ دی ہیں اور پھر ایک دن تم خود بھی اپنے گھر جا کر بیٹھ گئیں اور میری ۲۰۰۳ء کی پوری چھٹی گذر گئی اور تم نہیں آئیں، نوبت پنچایتوں تک آئی، میری عزت کی خاطر تم کو بلانے کی کوشش کی تو تمہارے بھائی نے میری شرافت اور ان ساری صورتوں سے فائدہ اٹھا کر تمہارا ساتھ دیا، پورا ایک سال گذرنے اور میری مسلسل کوشش کے بعد تمہارے بھائی نے اس وقت جب میری ۲۰۰۴ء کی چھٹی ختم ہونے میں چند روز باقی تھے اس شرط پر بھیجا کہ تم میرے واپس سعودی عرب چلے آنے پر پھر سیوہارہ ہی

رہوگی، لوگوں نے بات کو نبھانے کی خاطر مجھے آمادہ کرلیا اور میں بڑوں کی بات نہ ٹھکرا کر تم کو گھر لے آیا، ایسے وقت متعدد لوگوں کی موجودگی میں تمہارے بھائی نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میرے زیورات ایک ہفتہ میں میرے حوالے کردیئے جائیں گے، اس لئے کہ وہ بینک کے لوکر میں ڈال دیئے گئے ہیں؛ لیکن آج ۲۰۰۶ء کی چھٹی بھی میری مکمل ہونے کو آ گئی نہ تم ہی آئیں اور نہ زیورات، تو سوال ہی کیا تھا کہ تم واپس کرتیں۔

میں انہیں اذیتوں اور حالات کے نتیجہ میں ذہنی دباؤ (ہائی پرٹینسی) کا مریض ہوگیا، جس کے نتیجہ میں ایک مرتبہ میرے دماغ سے غیر معمولی خون نکلا، ڈاکٹروں نے ٹینشن سے بچنے کی سخت ہدایت کی، مگر تم نے اپنے اندر تبدیلی نہ لانے کی گویا قسم کھا رکھی تھی، تم گھر بیٹھ گئیں، تم سے جب بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی تو تم نے ایک ہی جواب دیا کہ تمہارے بھائی نے میرے ساتھ آنے سے منع کردیا ہے، پھر جب تمہارے بھائی سے رابطہ کیا، تو اس نے نہ صرف یہ کہ تم کو میرے ساتھ بھیجنے سے انکار کردیا؛ بلکہ اپنے بینک منیجر ہونے کے زعم میں مجھے ڈرایا دھمکایا اور میری ہر قسم کی بے عزتی کی، جس کے نتیجہ میں وہ دن آ ہی گیا جس کا تم سمیت تمہارے بھائی، بہنوں کو انتظار تھا اور جس سے میں بچتا رہا تھا، میرے برداشت کرتے کرتے اس کے باوجود کہ تمہاری اولاد تک نہیں ہو پائی اور علاج معالجہ کے باوجود بھی سب لا حاصل رہا، میں نے چھ سات سال کا عرصہ بتادیا؛ لیکن تمہارے اندر اپنے ساتھ رہنے کی کوئی لچک اور خواہش نہ پا کر تمہاری مرضی اور حالات کے تقاضے کے سامنے سر جھکا دیا اور تمہیں متعدد لوگوں کی موجودگی میں باہوش وحواس طلاق بائن دیدی اور تمہیں اپنے نکاح کے بندھن سے آزاد کردیا، زبانی قول کے بعد اب یہ تحریر مزید تمہیں بھیج رہا ہوں تاکہ تم کسی اور کے ساتھ زندگی گذارو، تو پھر بھائی بہنوں کے کہنے میں نہ آ کر ایسی حرکتوں سے باز رہو اور دنیا کے سامنے تم اپنے اس طرز عمل کے لئے چاہے کتنی ہی انکاری بنو؛ لیکن اپنے ضمیر کے سامنے اپنا محاسبہ ضرور کرسکو، اللہ تعالیٰ تمہیں عقل سلیم دے آمین۔

میں نے اپنی بیوی کو ۲۴؍شعبان ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۸؍ستمبر ۲۰۰۶ء بروز پیر کو بذریعۂ تحریر ایک طلاق بائن دی تھی، جو تحریر سوال نامہ کے ساتھ منسلک ہے۔

مذکورہ طلاق نامہ کی روشنی میں میری بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگئی یا نہیں؟ جبکہ تحریری طلاق کے ساتھ کئی آدمیوں کے سامنے زبانی بھی طلاق بائن دے دی ہے۔

اب میری بیوی اور اس کا بھائی (جو کہ ایک بینک منیجر بھی ہے) دونوں کا مطالبہ ہے کہ میں اپنی طلاق شدہ بیوی خالدہ انجم کو پانچ لاکھ روپیہ دوں اور میں نے جو زیور اس کو استعمال کے لئے چڑھایا تھا (جس کی مالیت تقریباً ایک لاکھ روپیہ ہے) اس سے بھی دستبردار ہونے کا ان کی طرف سے مطالبہ ہے اور اگر میں ان کے مذکورہ دونوں مطالبے پورے نہ کروں تو وہ لوگ طلاق نامہ کی وصولیابی کے منکر ہوکر مجھے اور میرے خاندان کے مرد اور عورتوں کو جہیز کیس میں پھنسانے کی دھمکی دے رہے ہیں، جس کا ذکر ان لوگوں نے قصبہ کے بعض علماء کے سامنے بھی کیا ہے، تو کیا شرعی طور پر طلاق کے بعد مہر کے علاوہ میرے اوپر رقم دینے یا اور کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نیز یہ بات بھی واضح رہے کہ ہماری برادری اور علاقہ میں دستور ہے کہ جو زیور بیوی کو استعمال کے لئے شادی کے موقع پر دیا جاتا ہے، وہ اس کی ملکیت نہیں ہوتی؛ بلکہ شوہر کی ملکیت ہوتی ہے، میری بیوی کی نیت پہلے سے خراب تھی وہ میری عدم موجودگی میں تمام زیور چوری سے اپنے گھر لے گئی تھی؛ تاکہ طلاق کی صورت میں زیور واپس نہ کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

میری بیوی ناشزہ ہے، میرے حقوق زوجیت ادا کرنے سے گریزاں رہتی ہے اور میری اجازت کے بغیر میرے گھر سے باہر سیوہارہ یا علی گڈھ جا کر رہتی ہے، ایسی نافرمان بیوی کو طلاق دینے کے بعد عدت کا خرچہ دینا مجھ پر لازم ہے یا نہیں؟

عورت کے لئے ایسی طرز زندگی جس سے شوہر کی غیرت کا خون ہوتا ہو اور وہ فہمائش اور افہام وتفہیم کے بعد بھی اصلاح احوال پر آمادہ نہ ہو۔ نیز زوجین کی طرف سے ذمہ دار

حضرات کے تصفیہ کی کوشش کے باوجود بھی نباہ کی کوئی صورت نہ آسکی ہوتو ایسے حالات میں ایسی عورت کوطلاق دے کرخلاصی پانا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: شباہت علی قاسمی ،محلّہ: مولیویان سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) حسب تحریر سوال آپ کی بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہو چکی ہے اور وہ آپ کے نکاح سے نکل چکی ہے۔

وإذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائناً مثل أن يقول: أنت طالق بائن، أو البتة. (هداية اشرفی ۲/ ۳٦۹)

(۲) آپ کے طلاق دینے کے بعد آپ کی بیوی اور اس کے بھائی کا آپ سے پانچ لاکھ روپئے کا مطالبہ کرنا شرعاً درست نہیں ہے اور جو زیور آپ نے اپنی بیوی کو استعمال کے لئے عاریۃً دیا تھا اور آپ کے علاقہ کا عرف بھی عاریۃً دینے ہی کا ہے، اس کا واپس کرنا آپ کی بیوی کے ذمہ ضروری ہوگا اور ان لوگوں کے ناجائز مطالبے کے آپ کی طرف سے پورا نہ ہونے پر آپ پر اور آپ کے گھر والوں پر ناجائز مقدمہ کرنا سراسر ناانصافی ،ظلم اور گناہ کبیرہ ہے۔

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعيّ. (شامي، كراچي ٤/ ٦١، زكريا ٦/ ١٠٦)

ولو بعث إلى امرأته شيئاً ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر. فقالت: هو أي المبعوث هدية. وقال: هو من المهر، أومن الكسوة، أوعارية، فالقول له بيمينه. (در مختار مع الشامي، كراچي ۳/ ۱٥۱، زكريا ٤/ ۳۰۱)

بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر اسی وقت لازم ہوتا ہے جب کہ وہ شوہر کے گھر میں رہے، اگر وہ بلا کسی شرعی وجہ کے گھر سے باہر نکل گئی اور کہیں اور جا کر رہنے لگی تو شرعاً ایسی عورت کے لئے نشوز کی حالت میں نہ طلاق سے پہلے کا نفقہ واجب ہے اور نہ ہی طلاق کے بعد عدت کا

خرچہ واجب ہے، ایسی نافرمان عورت اپنے نفقہ کی خود ذمہ دار ہے۔

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله؛ لأن قوت الاحتباس منها.
(هداية اشرفي ۲/۴۳۸)

لا نفقة لأحد عشر: مرتدة إلى قوله وخارجة من بيته بغير حق.
(شامي، كراچي ۳/۵۷۵، زكريا ۵/۲۸۶)

(۴) حسب تحریر سوال جب کہ نبھاؤ کی کوئی شکل نہیں ہے، تو ایسی صورت میں آپ کو طلاق دینے کی اجازت ہے، اس کی وجہ سے آپ گنہگار نہ ہوں گے۔

إن سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالىٰ. (شامي، كراچي ۳/۲۲۸، زكريا ۴/۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۶۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۸ھ

ڈرانے دھمکانے کے لئے بیوی کو پرچہ میں لکھ کر طلاق دینا

سوال [۶۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوقین نے اپنی بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لئے لکھا کہ سعیدن میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، دو دفعہ لکھ دیا اور اسی پرچہ کے ساتھ پانچ روپیہ مہر کے رکھ دیا اور بیوی کو دیدیا، تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوئی تحریر فرمائیں؟

المستفتی: پیر بخش محمود پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر صرف دو ہی مرتبہ طلاق لکھ کر دے دیا، تو اس سے بیوی پر دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھ لینا جائز ہے،

آئندہ کبھی بھی ایک دفعہ طلاق دے گا، تو بیوی بالکل ہاتھ سے نکل جائے گی۔

وقعتا رجعتين لو مدخولاً بها كقوله أنت طالق، أنت طالق الخ.

(در مختار، كراچي ٣/٢٥٢، زكريا ٤/٤٦٣، مجمع الأنهر، دارالفكر بيروت ٢/١٣)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر التفسير إلى قوله الطلاق مرتان. قال: هو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بمعروف، وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، زكريا جديد ١/ ٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۹۶۱)

’’ہم دونوں بخوشی ایک دوسرے سے الگ ہورہے ہیں‘‘ لکھنے کا حکم

سوال [۶۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم دونوں فریق منی اور محمد صادق ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے اپنی خوشی سے الگ ہورہے ہیں، ہماری آپس میں کوئی رنجش نہیں، یہ کام ہم خوب سوچ سمجھ کر کررہے ہیں، ہم دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کا سارا سامان واپس کردیا ہے، ہم دونوں فریقوں پر ایک دوسرے کا کوئی لین دین نہیں ہے اور نہ ہمیشہ کے لئے ہمارا ایک دوسرے سے کوئی سمبندھ (تعلق) رہے گا، ہم دونوں اس کا حلفیہ اقرار کرتے ہیں، یہ اسٹامپ اس لئے لکھا کہ کل کو ہم دونوں فریق ایک دوسرے پر کوئی قانونی کاروائی نہ کرسکیں،

اس اسٹامپ کی دوسری فوٹو اسٹیٹ کاپی دوسرے فریق کے پاس رہے گی، یہ اقرارنامہ بتاریخ ۱۲/۲/۷ ۱۹۸ ء کو عمل میں آیا۔

المستفتی: نور محمد، قصبہ بلاری، محلّہ انصاریان، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کی تحریر میں جو الفاظ ہیں کہ ہم دونوں فریق اپنی خوشی سے ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے الگ ہورہے ہیں، اس تحریر میں اگر شوہر طلاق کا ارادہ کرچکا ہے تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوچکی ہے اور میاں بیوی کا تعلق باقی نہیں ہے۔

ویقع بأنامنک بائن ……. (شرح وقایہ، مکتبہ یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند۲/۸۳)

لو قال: أنامنک بائن ونوی الطلاق یقع الخ. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۳۷۵، جدید ۱/۴۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۶/۴/۱۴۱۲ھ

طلاق کے صریح الفاظ لکھوانے کے بعد کنائی الفاظ لکھوانا

سوال [۶۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں خود شہادت ولد مستان عمر تقریباً ۲۵/سال ساکن کاشی پور ضلع: نینی تال کا ہوں، میری قوم مسلمان ہے؛ چونکہ میرا نکاح مسماۃ شاہدہ بیگم خاتون دختر محمد عبدالحمید عمر تقریبا ۲۰/سال کے ساتھ اب سے تقریباً ۳/سال پہلے ہوا تھا اور ہم دونوں فریقین دوتین سال تک میاں بیوی کی طرح رہتے رہے تھے، اس کے بعد میاں بیوی میں آپس میں ان بن ہوگئی، یعنی ٹکراؤ رہنے لگا، جس کا سبب یہ ہوا کہ میری بیوی کو عجیب وغریب قسم کی بیماری ہے، آئے دن دورے پڑتے رہتے ہیں، جس کو محمد عبدالحمید ساکن نواسی محلّہ

بمبا گھیر رام نگر والوں نے اور ان کے ساتھ کے کچھ لوگوں نے نکاح سے پہلے کی اصلیت کو میرے سامنے بیان نہیں کیا اور نہ ہی مجھے اس بیماری کے بارے میں معلوم ہوا، اس بات کو لے کر ہم دونوں فریقین میں نااتفاقی ہوگئی ہے اور میں نے اس مسماۃ کو طلاق دیدی ہے اور اپنے ساتھ رکھنے سے بھی صاف منع کر دیا ہے اور اپنے سے علیحدہ کر دیا ہے اور اب ہم دونوں فریقین کا آپس میں ایک دوسرے سے کوئی یا کسی قسم کا مطلب یا واسطہ نہیں رہا ہے، ہم دونوں فریقین کو اب کچھ بھی کرنے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا، دونوں فریقین کچھ بھی کرنے کے لئے آزاد ہیں اور اس میں مجھے کسی قسم کا یا میرے کسی وارث کو کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہی کبھی زندگی میں ہوگا؛ لہٰذا یہ طلاق نامہ اپنے پورے ہوش وحواس میں بغیر کسی کی زبردستی سے اچھی طرح پڑھ سن کر لکھدیا ہے تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے۔اب میں اپنی بیوی کو دوبارہ اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہوں، اگر قرآن وحدیث کی روشنی میں کوئی گنجائش ہو تو بتائیں۔

المستفتی: شہادت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ طلاق دیدی سے ایک طلاق صریح واقع ہوگئی ہے۔

صريحه ما استعمل فيه خاصة ولا يحتاج إلى نية وهو أنت طالق، ومطلقة، وطلقتک، وتقع بكل منهما واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۲/ ۱۱)

اور بعد کے تمام الفاظ الفاظ کنایہ میں سے ہیں، ان میں سے اول لفظ (علیحدہ کر دیا) سے اگر نیت طلاق کی تھی تو اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے اور طلاق نامہ لکھنا لکھوانا مذکورہ طلاق ہے؛ اس لئے یہ نیت کے قائم مقام ہے اور بعد کے الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، وہ سب تاکید ہیں اور چونکہ صریح کنایہ سے ملتی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں

دوطلاق بائن واقع ہوگئی ہیں، بلا حلالہ دوبارہ نکاح کرکے اپنے پاس بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے۔
(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/ ۲۱۶)

الصريح يلحق الصريح والبائن، والبائن يلحق الصريح لاالبائن.

(تنوير الأبصار على الدر المختار مع الشامي، كراچي ۳/۳۰۷، زكريا ٤/٥٤٠، هندية زكريا قديم ١/٣٧٧، جديد ١/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۲۰۵/۲۴)

موکل نے ایک طلاق دی اور وکیل نے تین لکھ دی تو کتنی واقع ہوئیں؟

سوال [۶۵۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی اہلیہ کو تیرہ ماہ پہلے گواہوں کے سامنے ایک طلاق دی تھی، اس مجلس میں وکیل صاحب بھی تھے، انہوں نے کہا کہ تین طلاق دو، میں نے کہا میں تو ایک طلاق دوں گا، پھر ایک طلاق دی، اس کے باوجود وکیل صاحب نے تحریر میں تین طلاق لکھ دیا، اس تحریر کو نہ میں نے پڑھا اور نہ ہی وہ تحریر مجھ کو پڑھ کر سنائی گئی اور اسی پر وکیل صاحب نے دستخط کرالیا، تو کتنی طلاق واقع ہوئیں اور اب دوبارہ بیوی کو ساتھ رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمد اعجاز، پیرزادہ، گملے والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وکیل نے پہلے ہی سے تحریر لکھ رکھا ہے، اس کے بعد مجلس میں آپ سے کہا کہ تین طلاق دو تو آپ نے تین طلاق دینے سے انکار کردیا اور صرف ایک طلاق دینے کی آمادگی ظاہر کی اور ایک ہی طلاق دی ہے، تو ایسی صورت میں بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اور وکیل نے جو تحریر لکھی ہے وہ تحریر نہ آپ نے پڑھی ہے اور نہ ہی آپ کو پڑھ کر سنایا ہے، تو محض اس پر دستخط کردینے کی وجہ سے اس تحریر کے

مطابق طلاق واقع نہیں ہوگی؛ بلکہ جو ایک طلاق زبانی دی ہے، وہی ایک طلاق واقع ہوگئی ہے اور چونکہ تیرہ ماہ کے درمیان بیوی کی عدت بھی پوری ہوگئی ہے؛ اس لئے وہ ایک طلاق بائن ہوگئی ہے؛ لہٰذا اب دوبارہ اس کو رکھنا چاہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح کر کے رکھنا جائز ہوگا۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق، إذا لم يقر أنه كتابه. (هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، شامي، كراچي ٣/٢٤٦-٢٤٧، زكريا ٤/٤٥٦، تاتار خانية ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣)

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٢، جديد ١/٥٣٣، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩)

ولا يخفي أن الشرط واحد هو كون الطلاق رجعياً، وهذه شروط كونه رجعياً متى فقد منها شرط كان بائناً. (شامي، كراچي ٣/٤٠٠، زكرياه/٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۸۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۱ھ

وکیل ایک طلاق کی جگہ تین لکھ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۵۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد اکرام نے اپنی بیوی سے جھگڑا ہونے کی وجہ سے ایک وکیل سے طلاق نامہ لکھوایا، اس سے کہا کہ ایک طلاق لکھدے، اکرام کا کہنا ہے کہ اس سے میرا مقصد طلاق دینا نہیں تھا؛ بلکہ بیوی کو ڈرانا دھمکانا تھا، وکیل نے طلاق نامہ لکھا اور اس میں تین طلاق لکھدیا اور پھر وہ مضمون اکرام کو سنایا، اکرام نے اس پر کوئی روک ٹوک نہیں کی اور دستخط بھی کر دیئے، پھر اس کو اسی نے بتایا کہ اس سے تو تمہاری بیوی بالکل الگ ہوجائے گی، تو اکرام وہ طلاق نامہ ڈاکخانہ سے واپس لے آیا، تو اب بتائیے کہ ایسی صورت میں کہ جب طلاق نامہ ڈاکخانہ

سے واپس لے آیا؛ جبکہ وہ طلاق نامہ لڑکی کے پاس نہیں پہونچا تھا اوراکرام کا مقصد طلاق دینا بھی نہیں تھا، تو اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد رئیس صدیقی، چاند پور جامع مسجد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد اکرام نے وکیل کو ایک طلاق لکھنے کا حکم دیا تھا؛ لیکن اس نے تین طلاق لکھیں اوراس کا مضمون محمد اکرام کو سنایا، پھر جب اس پر محمد اکرام نے بلا کسی روک ٹوک کے دستخط کردیئے تو یہ تین طلاق پر رضامندی کی دلیل ہے، ایسی صورت میں اگر محمد اکرام اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے طلاق لکھنے کا حکم دیا تھا اور پھر طلاق نامہ سننے کے بعد میں نے بخوشی دستخط کئے ہیں، تو محمد اکرام کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکیں نیت یا عدم نیت کا اعتبار نہیں۔ اب دونوں کے درمیان بلا حلالۂ شرعیہ کے ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔

ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي كان إقراراً بالطلاق وإن لم يكتب، ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها—وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۷۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

وکیل کا موکل کی نیت کے خلاف طلاق نامہ میں تین طلاق لکھنا

سوال [۶۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ آپسی کچھ ناراضگی کی وجہ سے پریشان ہوکر میں نے مقامی قاضی آفس میں جا کر ان سے کہا کہ میں اپنی بیوی کو''طلاق دینا چاہتا ہوں'' اس وقت میرے ذہن میں ایک طلاق کی بات تھی؛ لیکن قاضی کو صرف اتنا ہی کہا کہ ''میں طلاق دینا چاہتا ہوں'' پھر انہوں نے مجھے کچھ رقم بتا کر کہا کہ آپ ۲۰۱۰/۴/۶ء کو نواسہ آجایئے، متعینہ تاریخ میں نواسہ پہونچنے پر قاضی صاحب نے مجھے طلاق نامہ دیا، جو انہوں نے پہلے سے میری شادی اور گھریلو زندگی سے متعلق تفصیلاً معلوم کر کے تیار کر رکھا تھا، میں نے اپنے ذہنی تناؤ کی وجہ سے اس کو پڑھنا بھی نہیں چاہا، میں نے نہ کچھ کہا اور نہ تین طلاق کی بات اپنی زبان سے نکالی اور نہ مجھے اس بات کا علم تھا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ قاضی صاحب نے اس کے اندر کیا لکھا تھا؟ میں نے اس کو پڑھے بغیر اس پر دستخط کر کے قاضی صاحب کو واپس کر دیا، پھر انہوں نے میری بیوی کی رہائش گاہ پر بذریعۂ ڈاک ''طلاق نامہ'' روانہ کر دیا۔ واضح رہے کہ میں نے اپنی زبان سے کبھی بھی اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی، قاضی صاحب کو''میں طلاق دینا چاہتا ہوں'' کے علاوہ دوسرا کوئی جملہ نہیں کہا۔

ادھر شیریں کے بیان اور بات چیت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق نامہ اس کی رہائش گاہ پر پہنچا تو اس نے لفافہ کھول کر بڑے حروف میں صرف طلاق نامہ دیکھ کر اس کو جوں کا توں موڑ کر اپنے گھر والوں کے حوالہ کر دیا، طلاق نامہ کا مضمون اس نے پڑھا بھی نہیں اور قاضی صاحب کے ذریعہ سے طلاق دینے کا طریقہ اس کو سمجھ میں آیا ہی نہیں، اس واقعہ کے تقریباً دو مہینے پانچ دنوں کے بعد یعنی ۱۰/جولائی ۲۰۱۰ء کو میں اپنی بیوی کے یہاں آیا اور دونوں پہلے کی طرح میاں بیوی مانتے ہوئے رہنے لگے، ان دنوں ہمارے کچھ جسمانی تعلقات بھی ہوئے؛ اس لئے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ایک طلاق دینے سے ہمیشہ کے لئے طلاق نہیں ہوتی، چھ سات دنوں کے بعد یعنی ۱۸/جولائی ۲۰۱۰ء کو میرے ساڑھو کو معلوم ہونے پر جب انہوں نے اور شیریں کے گھر والوں نے کہا کہ ''تمہارے درمیان طلاق واقع ہوگئی وہ تمہارے لئے

حرام ہوگئی ہے؛ لہٰذا تم ایک ساتھ نہیں رہ سکتے ہو، تو ہم دونوں الگ الگ ہوگئے، ۲۰۱۰/۴/۶ء کو میں نے بنا پڑھے طلاق نامے پر دستخط کئے تھے اور ۱۰/۷/۱ کو میں شیریں کے گھر پہونچا اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے اور ہم نے ان دنوں وہ کام کیا جو دنیا میں ہر کوئی میاں بیوی کرتے ہیں، ہماری یہ ملاقات شیریں کی عدت کا وقت ختم ہونے سے پہلے ہوئی تھی۔ اور میں آج بھی اس کو بیوی کا حق دیتا ہوں اور طلاق نامہ بھیجنے کے بعد بھی ہمیشہ میں شیریں کا اور اس کے گھر والوں کا خیال رکھتا رہا، ان کی ضرورتیں پوری کرتا رہا۔

مذکورہ بالا صورت میں کیا میری بیوی پر طلاق واقع ہوئی ہے؟، اگر ہوئی ہے تو کس طرح کی کتنی طلاق؟ طلاق ہونے کی صورت میں اگر ہم آپس میں ازدواجی زندگی قائم رکھنا چاہتے ہیں، تو ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ صحیح اور شرعی رہنمائی فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں

نوٹ: استفتاء کے ساتھ طلاق نامہ کی کاپی مع اردو ترجمہ کے، لڑکی کا بیان اور میرے نہ پڑھنے پر دو گواہوں کے بیانات ہم رشتہ ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ سوال میں چونکہ شوہر نے ایک طلاق کا وکیل بنایا تھا؛ اس لئے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور شوہر نے جو بغیر پڑھے طلاق نامہ پر دستخط کردیئے تھے، جس میں قاضی صاحب نے تین طلاقیں لکھی تھیں اس کا اعتبار نہ ہوگا اور شوہر نے عدت کے اندر اندر رجعت بھی کرلی؛ اس لئے وہ اب آپس میں میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں؛ لیکن شوہر آئندہ دو ہی طلاق کا مالک ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۶۴۰، فتاوی دارالعلوم ۹/۱۸۲)

ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي كان إقراراً بالطلاق وإن لم يكتب – ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها، وقع إن أقر الزوج أنه كتابه.

(شامي، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦، تاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٢،

هندية، زكريا قديم ۱/ ۳۷۹، جديد ۱/ ٤٤٦)

ولو قال: طلقي نفسك واحدة، فطلقت نفسها ثلاثاً لم يقع شيئ في قول أبي حنيفة، وقال أبو يوسف و محمد: يقع واحدة. (بدائع الصنائع، زكريا ۳/ ۱۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۸؍ ۱۰۷۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۸ھ

بیوی کے نام طلاق نامہ ارسال کرنا

سوال [۶۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رفیع الدین بن محمد عبد حسین کا عقد نکاح بی بی فرزانہ بنت عبدالرحمٰن سے ۱۳؍ اپریل ۱۹۹۴ء تاریخ میں ہوا اور رخصتی نہیں ہوئی۔

رفیع الدین بن محمد عابد حسین نے اپنی منکوحہ بیوی فرزانہ بنت عبدالرحمٰن کو تین طلاق یہ کہہ کر دیں کہ بذریعۂ خط اس نے اپنے والد کو مخاطب کر کے لکھا کہ میں نے اس لڑکی کو تین طلاق دیدی ہیں، اس خط کو رفیع الدین بجائے اپنے والد کے پاس روانہ کرنے کے اس نے اس خط کو فرزانہ کے والد کے پاس ارسال کردیا، کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگئی کہ نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی تو مہر کتنا ادا کرنا ہوگا؛ چونکہ ابھی تک عقد کے بعد رخصتی نہیں ہوئی ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، ڈھمرا، پوسٹ: چریا، بانکا (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب رفیع الدین نے اپنی بیوی فرزانہ ہی کے بارے میں طلاق لکھا ہے تو وہ طلاق نامہ چاہے اپنے کو دیا ہو یا فرزانہ کے باپ کو ہرصورت میں فرزانہ پر طلاق بائن مغلظہ واقع ہوگئی ہے اور رفیع الدین پر نصف مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن حماد قال: إذا كتب الرجل إلى امرأته –إلى– أما بعد فأنت طالق فهي طالق، وقال ابن شبرمة: هي طالق. (مصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، في الرجل يكتب طلاق امرأته بيده، مؤسسة علوم القرآن بيروت ٥٦٢/٩، رقم: ١٨٣٠٤)

إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وإن علق طلاقها بمجي الكتاب بأن كتب إذا جاءك كتابي، فأنت طالق، فجاء ها الكتاب فقرأته، أو لم تقرأ يقع الطلاق. (شامي، كراچي ٢٤٦/٣، زكريا ٤٥٦/٤، هندية، زكريا قديم ٣٧٨/١، زكريا جديد ٤٤٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۴۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

بذریعۂ خط طلاق دینا

سوال [۶۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد اعظم ولد محمد حسین قریشی ساکن: کھینو اسر ضلع: راجستھان کا ہوں، میری شادی بچپن میں ہوئی تھی اور بلوغ کے بعد رخصتی ہوئی اور چار ماہ میرے ساتھ رہی، اس کے بعد میں سعودی عرب چلا گیا، میری عدم موجودگی میں میرے گھر آئی گئی، اسی دوران میرے والدین سے لڑائی جھگڑا ہوا والدہ نے کیس بھر کر اس کے خلاف بھیجی اور والد صاحب نے زبانی مجھ سے کہا، گویا والدین کے کہنے سے میں نے بذریعۂ خط تین طلاق تین گواہوں کی موجودگی میں دیدیں اور یہ خط تین بار بھیجا، دو سسرال میں اور ایک اپنے گھر میں؛ لیکن سسرال والے کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی خط نہیں ملا، گویا تینوں خط غائب ہیں، میں لڑکی کو لانا چاہتا ہوں اور وہ آنا بھی چاہتی ہے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ ہم دونوں کو ایک ساتھ رہنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ واضح رہے کہ لڑکی کے والدین اہل حدیث میں سے ہیں اس کو طلاق

نہیں مانتے؛ اس لئے حلالہ کے لئے تیار نہیں ہیں؛ اس لئے قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: محمد اعظم بن محمد حسین قریشی کھینواسر، ضلع: چورو (راجستھان)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کو طلاق لکھی تو اسی وقت طلاق واقع ہوگئی اور چونکہ تین طلاقیں لکھیں؛ اس لئے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعی کے دوبارہ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا اور جب آپ کے خسر حلالہ کے لئے تیار نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں ضروری ہے کہ دونوں الگ الگ رہیں؛ کیونکہ حلالہ کے بغیر وہ آپ کے لئے کسی بھی صورت میں حلال نہیں ہوگی؛ اگرچہ وہ اہل حدیث ہوں اور وہ اپنے لئے جائز سمجھتے ہوں، مگر آپ کے لئے حرام ہے۔

إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٦، هندية زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد١/٤٤٦)

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ . [البقرة: ٢٣٠]

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩)

عن عامر الشعبي قال: قلت لفاطمة بنت قيس: حدثني عن طلاقک، قالت: طلقني زوجي ثلاثاً وهو خارج إلى اليمن، فأجاز ذلک رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابن ماجه شريف، أبواب الطلاق، باب من طلق ثلاثاً في مجلس واحد، النسخة الهندية ١٤٥-١٤٦، دارالسلام رقم: ٢٠٢٤)

عن نافع كان ابن عمر إذا سئل عمن طلق ثلاثاً. قال لو طلقت مرة ،

أو مرتين (لكان لك الرجعة) فإن النبي صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا فإن طلقتها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيرك. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من قال لامرأته أنت على حرام، النسخة الهندية ۲/۷۹۲، رقم: ٥٠٦٦، ف: ٥٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۷۲/۳۷)

بذریعۂ خط طلاق دینا

سوال [۶۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی پانچ سال قبل ہوئی تھی اور شروع ہی سے مجھ میں اور بیوی میں نہیں بنی، بالآخر تنگ آ کر میں نے ایک روز قدرے سختی کی اور وہ اس کی تاب نہ لا کر میری عدم موجودگی میں کمرہ سے پچیس ہزرا روپیہ نقد اور بغیر سلا کپڑا وزیورات لے کر فرار ہوگئی اور اپنے میکہ پہونچ گئی، اس کی یہ حرکت دیکھ کر مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے بذریعہ خط اس کو طلاق دیدی، طلاق کے بعد اس کے گھر والوں نے مجھ پر مقدمہ دائر کر دیا جو ابھی تک چل رہا ہے، اب میں اگر دوسری شادی کرنا چاہوں تو کرسکتا ہوں یا نہیں؛ جبکہ مطلقہ کے گھر والے یہ کہتے ہیں کہ جب تک ہم طلاق قبول نہیں کریں گے طلاق نہیں ہوگی اور دوسری شادی بھی ہماری اجازت کے بغیر نہیں کرسکتے، تو کیا شریعت میں یہ اجازت عورت یا اس کے گھر والوں کو دی ہے کہ طلاق قبول کریں گے تو ہوگی ورنہ نہیں اور مرد عورت اور سسرال والوں کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتا؟ ان تمام حالات میں شرعی اعتبار سے کوئی برائی تو نہیں ہے؟ اور بذریعۂ خط دی گئی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی

روشنی میں مفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: نبیل احمد، قصبہ سواوالا، ضلع: بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خط اورتحریر کے ذریعہ جو آپ نے طلاق نامہ بھیجا ہے شرعی طور پر اس سے طلاق واقع ہوگئی، طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی اور اس کے گھر والوں کو قبول کرنا لازم نہیں ہے؛ لہٰذا آپ کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی اور عدت کے بعد آپ پر اس کا نان ونفقہ بھی واجب نہیں اور نہ آپس میں میاں بیوی کی طرح تعلق قائم رکھنا جائز ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. [البقرہ:۲۲۸]

قال الإمام فخر الدين الرازيؒ في تفسير هذه الآية إن الزوج قادر على تطليقها، وإذا طلقها فهو قادر على مراجعتها شاء ت المرأة أم أبت، أما المرأة فلا تقدر على تطليق الزوج، وبعد الطلاق لا تقدر على مراجعة الزوج ولا تقدر أيضاً على أن تمنع الزوج من المراجعة. (تفسير كبير ٦/ ١٠١)

وللرجال عليهن درجة: قال يطلقها وليس لها من الأمر شيء.

(الدرالمنثور للسيوطي، دارالكتب العلمية، بيروت ١/ ٤٩٤)

نیز دوسری شادی کرنے کے لئے بیوی اور سسرال والوں سے اجازت لینا ضروری نہیں، ان کی اجازت کے بغیر بھی دوسری شادی کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۱/۴۱۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۱۶۸/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۵ھ

”میں نے تم کو روبرو گواہان طلاق دیدی“ لکھی رجسٹری کا حکم

سوال [۶۵۴۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکہت جہاں جس کی شادی ۱۴؍سال پہلے رئیس احمد ولد اسلام الدین مرحوم سے ہوئی تھی، جو آٹھ ماہ سے اپنے شوہر رئیس سے ناراضگی ہوجانے کی وجہ سے میرے گھر رہ رہی ہے، اب رئیس احمد نے اپنے وکیل انتظار احمد بجنوری کے ذریعہ ایک تحریر بذریعۂ رجسٹری بابت طلاق اطلاع دی ہے کہ میں نے تم کو روبرو گواہان طلاق دیدی۔ اور پھر لکھا ہے کہ تم اپنے اختیار سے عقد ثانی کرسکتی ہو۔ مذکورہ صورت میں نکہت گل کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: احسان احمد ولد رضوان احمد، لالباغ نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ میں صاف الفاظ کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ میں نے تم کو روبرو گواہان طلاق دیدی، اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی ہے اور اس کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ تم اپنے اختیار سے عقد ثانی کرسکتی ہو، یہ کنایہ کے الفاظ میں سے ہے، اگر اس کے ذریعہ سے مستقل طلاق کی نیت کی ہے، تو اس سے الگ سے ایک طلاق بائن پڑ جائے گی، پھر پہلی طلاق ملا کر دو طلاق بائن پڑ جائیں گی اور اگر اس سے الگ سے طلاق کی نیت نہیں کی ہے؛ بلکہ پہلی طلاق کی وضاحت کے لئے کہا ہے، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور پورے طلاق نامہ سے صرف ایک طلاق رجعی ہوگئی اور عدت کے اندر اندر بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے اور اگر دوسرے لفظ سے طلاق کی نیت کی تھی تو دو طلاق بائن ہوگئیں، عدت کے اندر یا عدت کے بعد بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کر کے رہنے کی گنجائش ہے۔

اب شوہر خود فیصلہ کرے گا کہ دوسرے لفظ سے اس نے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں؟

(مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹؍۳۴۷)

صريحه ما استعمل فيه خاصة ولا يحتاج إلى نية وهو أنت طالق، ومطلقة، وطلقتک، وتقع بكل منها واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۱)

وبابتغي الأزواج تقع واحدةً بائنةً إن نواها. (فتاوی عالمگیري، زكريا قديم ١/٣٧٥، جديد ١/٤٤٢)

ابتغي الأزواج واحدة بائنة إن نواها. (شرح الوقايه، مكتبه ياسر نديم اينڈ كمپني ديوبند ٢/٨٧)

الصريح يلحق الصريح والبائن، والبائن يلحق الصريح لاالبائن.
(تنوير الأبصار على الدر المختار مع الشامي، كراچي ٣/٣٠٧، زكريا ٤/٥٤٠، هندية زكريا قديم ١/٣٧٧، جديد ١/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۹۲/۳۸)	۱۴۲۷/۸/۹ھ

طلاق کا نوٹس بھیجنے سے وقوع طلاق کا حکم

سوال [۶۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نوٹس منجانب: محمد ساجد ولد مرحوم محمد جمیل، ساکن: محلّہ کسرول، شکلوں کا کنواں، مرادآباد۔

بنام : اسلوب فاطمہ دختر جناب مظاہر حسین، ساکن: پیتل بستی کوارٹر نمبر ۱۱/ رامپور روڈ، مرادآباد۔

واضح ہو کہ میرا آپ کے ساتھ نکاح ۲۷/ دسمبر ۲۰۰۸ء کو مسلم رواج کے مطابق بالعوض مہر فاطمی معجّل بنا دان و دہیز کے ہوا تھا، رخصت ہو کر آپ میرے گھر محلّہ کسرول شکلوں کا کنواں مرادآباد آئیں اور فرائض زوجیت ادا کیں، مہر کی رقم میں نے شب عروسی میں ہی ادا کردی تھی، میں نے آپ کو ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کی؛ لیکن آپ آزاد خیال کی عورت ہیں، بنا بتائے میرے گھر سے غائب ہو جاتی ہیں، کئی کئی دن غائب رہتی ہیں، میرے گھر پر

بھی آپ سے ملنے نئے نئے لڑکے آتے رہتے ہیں، کسی کو آپ رشتے کا بھائی بتاتی ہیں، تو کسی کو چچازاد بھائی بتاتی ہیں، کسی کو ماموں زاد بھائی بتاتی ہیں اور ان کے ساتھ بائک پر بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔ گھنٹوں موبائل پر لڑکوں سے اشلیل باتیں کرتی ہیں، میں نے سیکڑوں مرتبہ خود سنی ہیں، میرے منع کرنے پر میرے ساتھ بدتمیزی کرتی ہیں، کئی مرتبہ میں نے آپ کی ان حرکتوں کی شکایت آپ کے ماں اور باپ سے کی تو انہوں نے بھی کوئی ایکشن نہیں لیا اور الٹا مجھ سے کہا کہ ہماری لڑکی اپنی مرضی کی مالک ہے اور جیسے چاہے گی ویسے رہے گی، وہ پڑھی لکھی گریجویٹ ہے، تم جاہل گنوار دقیانوسی ہو۔ اب موڈرن زمانہ ہے، اگر اپنے ساتھ کے دوستوں سے ملتی ہے، تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے، تم بھی مجھے ہمیشہ جاہل لٹھ گنوار کہتی ہو اور بے عزت کرتی ہو اور میرے ہاتھ لگانے میں بھی اعتراض کرتی ہو۔ اب حالات اس قدر سنگین ہوگئے ہیں کہ آپ کے ساتھ رہنا اور شوہر بیوی کے روپ میں زندگی گزارنا ناممکن ہوگیا ہے، میں نے اپنے والدین ورشتے داروں اور آپ کے رشتے داروں کو بیچ میں ڈال کر فیصلے کی کوشش کی؛ لیکن آپ ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

لہٰذا میں محمد ساجد ولد محمد جمیل نواسی محلّہ کسرول شکلوں کا کنواں ضلع: مرادآباد آپ اسلوب فاطمہ دختر مظاہر حسین نواسی پیتل بستی کوارٹر نمبر ۱۱/ رامپور روڈ تھانہ کٹ گھر مرادآباد کو آج بتاریخ ۲۰/۱/۲۰۱۰ کو طلاق دیتا ہوں/ میں محمد ساجد آپ اسلوب فاطمہ دختر مظاہر حسین کو طلاق دیتا ہوں، میں محمد ساجد آپ اسلوب فاطمہ دختر مظاہر حسین کو طلاق دیتا ہوں، میں محمد ساجد آپ اسلوب فاطمہ دختر مظاہر حسین کو طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے الگ کرتا ہوں، آپ کی عدت کی مدت بتاریخ ۲۰/۱/۲۰۱۰ سے شروع ہوتی ہے تاکید جانیں۔ فقط

المستفتی: محمد ساجد ولد محمد جمیل نواسی محلّہ کسرول شکلوں کا کنواں ضلع: مرادآباد

سوال [۶۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دختر اسلوب فاطمہ کا عقد مسنون ۲۷/ دسمبر ۲۰۰۸ء کو بالعوض مہر فاطمی محمد

ساجد ولد محمد جمیل مرحوم ساکن شکلوں کا کنواں کسرول مرادآباد کے ساتھ ہوا تھا؛ لیکن حالات ناخوشگوار ہونے کی بناپر اسلوب فاطمہ کا وہاں رہنا ناممکن ہوگیا اور ۱۷/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو وہ اپنے والد کے گھر آگئی اور اب تک وہ اپنے والد کے گھر پیتل نگری مرادآباد پر ہی مقیم ہے، اسی درمیان ۲۳/ جنوری ۲۰۱۰ء کو ساجد (اسلوب کے شوہر) نے بذریعۂ ڈاک ایک نوٹس کے ذریعہ تین طلاق دینے کی اطلاع دی، میرے بہنوئی محمد کامل صاحب نے اپنے سمدھی جناب حبیب الرحمٰن ساکن قانون گوئیاں سے جو محمد ساجد کے ماموں ہیں تصدیق کرالی ہے، میں شرعی فتوی حاصل کرکے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ

(۱) کیا طلاق کی تکمیل ہوگئی؟

(۲) عدت کب سے شروع مانی جائے گی؟

(۳) اور مہر فاطمی کی رقم کا حساب کیسے لگایا جائے؟

نوٹ: طلاق نامہ کی فوٹو کاپی منسلک ہے۔

المستفتی: مظاہر حسین، والد فاطمہ اسلوب، پیتل نگری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال مذکورہ صورت میں شوہر ساجد اگر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس نے طلاق کا نوٹس بھیجا ہے یا اس پر دو گواہ موجود ہیں، تو نوٹس کے مطابق شرعاً اس کی بیوی اسلوب فاطمہ پر تین طلاق مغلظہ ہوگئیں اور جس دن شوہر نے تحریر لکھی ہے، اسی دن سے عدت شروع مانی جائے گی اور مہر فاطمی کی مقدار موجودہ اوزان سے ڈیڑھ کلو تیس گرام نو سو ملی گرام چاندی ہے، جو دس گرام کے تولہ سے ۱۵۳/ تولہ ۹۰۰/ ملی گرام چاندی بنتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹-۱۳۰)

ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج –إلى قوله– وبعث به إليها، فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، كراچي ۳/ ۲۴۷، زكريا ٤/ ٤٥٦، تاتارخانية، زكريا ٤/ ٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا

قديم ١/ ٣٧٩، جديد١/ ٤٤٦)

مبدأ العدة بعد الطلاق، والموت على الفور، وتنقضي العدة وإن جهلت المرأة بهما۔ (الدر المختار مع الشامي، كراچي ٣/ ٥٢٠، زكريا٥/ ٢٠٢)

وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، كراچي٣/ ٢٤٦، زكريا٤/ ٤٥٦، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٨٧، جديد ١/ ٤٤٦)

عن أم سلمةؓ سألت عائشةؓ عن صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: ثنتاعشرة أوقية. (أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب الصداق،النسخة الهندية ١/ ٢٨٧، رقم: ٢١٠٥)

وفي النسائي: وذلک خمس مأة درهم. (نسائي شريف، كتاب النكاح، القسط في الأصدقة، النسخة الهندية٢/ ٧٢، دارالسلام رقم: ٣٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۴ھ

طلاق نامہ لکھوا کر بھجوانے کا حکم

سوال [۵۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ظہیر عالم کا نکاح شہناز سے ہوا، شہناز سنبھل کی رہنے والی تھی کسی جھگڑے کی بنا پر کئی بار وہ سنبھل رک گئی اور پھر بعد میں آ گئی، اس بار جھگڑے میں ظہیر عالم اس کو پہونچا کر چلا آیا اور سوچا کہ کچھ روز وہاں رہے گی تو میں بلا لاؤں گا، لڑکے کے دل میں چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا، اسی دوران لڑکی نے ایک درخواست دہلی میں لگا دی مہیلہ تھانہ میں، ہم وہاں پر پہونچے تو حاکم نے کہا آپ اسے لیجانا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا فوراً آپ ہمارے ساتھ کر دیجئے، حاکم نے لڑکی سے کہا آپ ان کے ساتھ جاؤ تو لڑکی نے منع کر دیا، پھر ہم مرادآباد واپس آ گئے، اسی دوران لڑکی نے ایک مقدمہ خرچ کا کر دیا دہلی میں، ہم نے

مرادآباد میں وکیل صاحب سے مشورہ کیا، تو وکیل صاحب نے کہا آپ ایک طلاق نامہ بھیج دیجئے، ہم نے طلاق نامہ بھیج دیا، تو لڑکی نے واپس کردیا۔ اب لڑکی کہتی ہے، ایسے طلاق نہیں ہوتی ہے وہاں لوگوں نے بتایا۔ نیز واضح رہے کہ طلاق نامہ میں تین طلاق دینے کا تذکرہ ہے اور شوہر نے خوشی سے دستخط کئے ہیں۔

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے جب طلاق نامہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا اقرار کیا اور اس پر بخوشی دستخط کئے تو بیوی مسماۃ شہناز پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بلا حلالہ کے وہ شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه فإن الطلاق يقع عليها. (هندية، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالكتابة قديم زكريا ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، شامي، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحًا صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية (الفتاوى الهندية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة وما يتصل به زكريا جديد ١/٥٣٥، قديم ١/٤٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣ ربیع الثانی ١٤٢٩ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٨/٩٥٨٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٣/٤/١٤٢٩ھ

مکرہ کی طلاق یا کتابت کا حکم

سوال [۶۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شمشاد کی بیوی شیماء کسی ناراضگی کی وجہ سے اپنے ماں باپ کے گھر گئی، ایک ہفتہ کے بعد شمشاد کو پولیس چوکی میں بلوا کر بیوی کے ماں باپ نے کاغذ لکھوایا، جس میں لکھا تھا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں؛ جبکہ نہ اس سے پہلے دی تھی، نہ اس کے بعد، تو کیا طلاق مانی جائے گی یا نہیں؟

(۱) صرف ایک بار یہ لکھنے پر کہ طلاق دے چکا ہوں، کیا طلاق مانی جائے گی یا نہیں؟

(۲) شیماء کے ماں باپ نے شیماء کا نکاح عدت کی مدت سے پہلے یعنی تین حیض سے پہلے ہی کر دیا دوسرے شخص کے ساتھ، تو کیا وہ نکاح مانا جائے گا یا نہیں؟

(۳) شیماء کے دوسرے شوہر سے دو اولادیں ہیں دوسرا شوہر بھی زندہ ہے، شیماء اپنے پہلے شوہر کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتی ہے، اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد شمشاد، لائن ۱۲/ آزادنگر، ہلدوانی، نینی تال (یوکے)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پولیس کی طرف سے جبر واکراہ کی حالت میں جو طلاق لکھا ہے اور زبان سے کچھ نہیں کہا ہے، وہ طلاق شرعاً معتبر نہیں، اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا بیوی شوہر کے نکاح میں بدستور باقی رہی۔

وفي البحر: إن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة و لاحاجة ههنا، كذا في الخانية. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التى تصح مع الإكراه، زكريا ٤/ ٤٤٠)

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته، كذا في فتاوى قاضي خان. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق

بالکتابه، قدیم زکریا قدیم ۱/ ۳۷۹، زکریا جدید ۱/ ٤٤٦)

(۲) شیما کو چونکہ پہلے شوہر سے طلاق ہی نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے نکاح بدستور باقی ہے؛ لہٰذا دوسرے مرد سے نکاح فاسد ہوا اور شیماء کو اس سے علیحدہ ہوجانا چاہئے۔

وأما النكاح الفاسد نحو ما إذا تزوجها في نكاح الغير، أو عدة الغير.

(تارتا خانية قديم٤ /٧٧، جديد زكريا ديوبند ٤ /٧٧، رقم:٥٥٦٩)

ولو تزوج بمنكوحة الغير وهو لا يعلم أنها منكوحة الغير فوطئها تجب العدة، وإن كان يعلم أنها منكوحة الغير لا تجب حتى لا يحرم على الزوج وطؤها. (فتاوى عالمگيري قديم ١/ ٢٨٠، جديد زكريا ١/٣٤٦)

(۳) چونکہ شیماء کے اوپر پہلے شوہر کی طرف سے طلاق ہی واقع نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے شیماء بدستور پہلے شوہر کی بیوی ہے؛ لیکن چونکہ دوسرے مرد کے ساتھ جو ہمبستری ہوئی وہ حلال اور جائز سمجھ کر ہوئی ہے؛ اس لئے دوسرے شوہر سے جو اولادیں ہوئی ہیں، ان کا نسب اسی سے ثابت ہوگا؛ البتہ پہلے شوہر کے پاس جانے کے لئے تین ماہواری کے ساتھ عدت گذارنا لازم ہوگا؛ اس لئے کہ دوسرے مرد کے ساتھ جو ہمبستری ہوئی وہ حلال سمجھ کر ہوئی ہے، جس کو وطی بالشبہ کہا جاتا ہے، ایسی صورت میں عدت لازم ہوتی ہے اور پہلے شوہر کے پاس رہنے کے لئے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ وہ اسی کی بیوی ہے۔

والنكاح الفاسد بعد الدخول في حق النسب بمنزلة النكاح الصحيح. (المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٤ /١٦٨)

وتجب العدة بعد الوطء من وقت التفريق ويثبت النسب احتياطاً بلا دعوة. (در مختار على رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/ ١٣٣، زكريا ٤/ ٢٧٦-٢٧٧)

وأما النكاح الفاسد فلا حكم له قبل الدخول، وأما بعد الدخول فيتعلق به أحكام، منها ثبوت النسب (نسب الولد المولود في النكاح

الفاسد. (بدائع الصنائع، کتاب النکاح باب النکاح الفاسد، زکریا ۲/ ٦٥١، عالمگیري، قدیم زکریا ۱/ ۳۳۰، جدید ۱/ ۳۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ ر ۱۰۸۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

ایک طلاق دینے کے بعد طلاق نامہ لکھنا

سوال [۷۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ”میں اکرام الٰہی ولد شان الٰہی اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی کاشفہ ناز کو طلاق دے رہا ہوں، آج کے بعد میرا اس سے یا اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔ اور نہ میری کسی چیز میں کوئی حق رہے گا، نہ میرا آج کے بعد آپس میں کوئی لینا دینا رہے گا، میں ان کے بھائیوں اور ماں کی موجودگی میں طلاق دے رہا ہوں“

اب سوال یہ ہے کہ اس تحریری طلاق نامہ کے مطابق میری بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوئیں؟ اور جو طلاق دی گئی ہے، وہ اسی تحریر کے ذریعہ دی گئی ہے زبانی کوئی طلاق نہیں دی ہے، مسئلہ کا حل شریعت کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اکرام الٰہی، نواب پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر اکرام الٰہی کا جملہ کہ میں اپنی بیوی کاشفہ ناز کو طلاق دے رہا ہوں، طلاق کے بارے میں صریح ہے؛ لہٰذا اس کی وجہ سے اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور اس کے بعد طلاق نامہ میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، وہ سب شروع میں جو طلاق دی گئی ہے، اس کی وضاحت کے قبیل سے ہے اور طلاق نامہ کے آخر میں بھی جو ہے کہ میں فلاں کو طلاق دے رہا ہوں، وہ پہلی والی طلاق کی قبیل سے ہے؛ اس لئے

مزید کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور عدت کے اندر اندر شوہر کو رجعت کا اختیار ہوگا۔

عن شعبة قال: سألت الحكم وحماداً عن رجل قال لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، ونوى بالأولىٰ، قالا: هي واحدة. الحديث (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، باب في الرجل يقول لامرأته اعتدى، اعتدى مايكون۔ (مؤسسه علوم القرآن جديد ٩/٥٤٤، رقم: ١٨٢٠١)

وهو كأنت طالق، ومطلقة، وطلقتك تقع واحدة رجعية.

(الفتاوى الهندية، زكريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/٤٢٢)

فالصريح قوله: أنت طالق، ومطلقة، وطلقتك، فهذا يقع به الطلاق الرجعي. (هداية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق، اشرفي ٢/٣٥٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۷۵/۳۸)

اسٹامپ پیپر پر طلاق لکھ کر بھیجنا

سوال [۶۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر شوہر نے دس روپئے کے اسٹامپ پیپر پر لکھ کر جس میں دو گواہ کے دستخط ہوں، اپنی بیوی کو بذریعۂ ڈاک طلاق بھیجدی ہو، تو کیا طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: نواب احمد، محلّہ: سرو، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بیوی پر تحریر میں لکھی گئی طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اگر ایک طلاق لکھی تھی تو ایک طلاق واقع ہوگئی، اگر دو طلاق رجعی لکھی تھیں تو دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں اور اگر تین طلاق لکھی تھیں تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی

اوراگر مطلق طلاق لکھی ہے،تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔اب دیکھ لیا جائے کہ تحریر میں کون سی طلاق لکھی ہے۔

عن علي بن الحكم البنابي قال: سئل الشعبي عن رجل خط طلاق امرأته وسادة. فقال: هو جائز عليه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب الرجل يكتب إلى امرأته بطلاقها، المجلس العلمي ٦/٤١٤، رقم: ١١٤٤٠)

كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوىٰ، وقيل مطلقاً.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ٣/٢٤٦، زكريا ٤/٤٥٦)

إن كانت مستبينة؛ لكنها غير مرسومة إن نوىٰ الطلاق يقع وإلا فلا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوىٰ، أولم ينو. (هندية، زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۳۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۹ھ

بخوشی یا بحالت اکراہ لکھ کر طلاق دینا

سوال [۶۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو لکھ کر بخوشی طلاق دی یا کہ شوہر سے زبردستی لکھوا کر طلاق لی گئی، زبردستی کوئی بھی صورت ہو چاہے مکان کے اندر بند کر کے یا کہ بندوق اس کے سامنے کر کے دونوں صورتوں میں شوہر بولنے پر قادر بھی ہے، اس کے باوجود لکھ کر طلاق دے رہا ہے،تو کس صورت میں طلاق واقع ہوگی؟ واضح فرق بیان فرمائیں۔

المستفتی: ثناء اللہ، پرتا بگڈھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بخوشی لکھ کر طلاق دی ہے،تو شرعاً

طلاق ہوجائے گی۔

كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٦)

اگر زبردستی طلاق لکھوائی ہے اور شوہر نے اپنی زبان سے طلاق کا لفظ نہیں نکالا ہے، تو شرعاً طلاق واقع نہ ہوگی۔

فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق الخ.

(شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التى تصح مع الإكراه، زكريا ٤/ ٤٤٠، هكذا في التاتار خانية، زكريا ٤/ ٥٣٢، رقم: ٦٨٤٥، كراچي ٣/ ٢٣٦، زكريا ٤/ ٤٤٠، البحر الرائق كوئٹه ٣/ ٢٤٦، زكريا٣/ ٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجمادی الآخرۃ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۷۴۱)

نوٹسِ طلاق کی شرعی حیثیت

سوال [۶۵۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈیڑھ سال سے بیوی کے لگاتار میکہ میں رکی رہنے اور آنے سے منع کرنے کی وجہ سے شوہر نے لکھ کر طلاق کا نوٹس بتاریخ ۳۱/ جولائی ۲۰۱۴ء بذریعۂ رجسٹری ڈاک تاریخ: ۶/ اگست ۲۰۱۴ء کو بھیجا اور بتاریخ ۶/ اگست ۲۰۱۴ء کو ہی چار معزز لوگوں کو جو بیوی کی طرف سے فیصلے کے لئے آئے تھے، طلاق کا نوٹس بھیجنے کی بات بتادی اور اس طلاق کے نوٹس کو بتاریخ: ۶/ اگست ۲۰۱۴ء کو بیوی کے باہر جانے کی رپورٹ ڈاکئے سے لگوا کر مجھے واپس کرادیا اور اس کے بعد شوہر نے اس طلاق کا نوٹس کو اپنے وکیل صاحب کی معرفت ڈاک سے بھجوایا، جو آج تک واپس نہیں آیا، اس صورت حال میں مندرجہ بالا طلاق طلاق کے نوٹس

کی بنیاد پر طلاق مانی جائے گی؟ قرآن وحدیث کی رو سے رہنمائی کرنے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: نفیس احمد ولد ضیاء اللہ، ساکن: رحمت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر تحریری طلاق دینے کا خود اقرار کررہا ہے اور تحریری طور پر طلاق لکھ کر بیوی کے پاس بھیجنے کا بھی اقرار کررہا ہے، تو ایسی صورت میں تحریری طور پر جتنی طلاق دی ہے، اتنی طلاق تحریر لکھنے کے بعد واقع ہوگئیں، اگر مطلق طلاق لکھا ہے، تعداد طلاق کچھ بھی نہیں لکھا ہے، یا ایک طلاق لکھا ہے، تو دونوں صورتوں میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، اگر دو طلاق لکھا ہے تو دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں؛ لہٰذا ان صورتوں میں عدت کے اندر اندر رجعت کی گنجائش ہے اور عدت گذرنے کے بعد بغیر حلالہ کے نکاح کرنے کی گنجائش ہے اور اگر تحریر میں تین طلاق لکھا ہے، یا طلاق کے الفاظ تین بار لکھا ہے، تو طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، آئندہ بلا حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ثم إن کتب علی الوجه المرسوم ولم یعلقه بشرط بأن کتب أما بعد: یا فلانة أنت طالق وقع الطلاق عقیب کتابة لفظ الطلاق بلا فصل لما ذکرنا أن کتابة قوله: أنت طالق علی طریق المخاطبة بمنزلة التلفظ بها.

(بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل في النوع الثاني من طلاق الکتابة، زکریا ۳/۱۷٤، هندیة، قدیم ۱/۳۷۸، زکریا جدید ۱/٤٤٦، خانیة علی هامش الهندیة قدیم ۱/٤۷۱، جدید زکریا ۱/۲۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رشوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱٦۷۵)

طلاق کا نوٹس بھیجنا

سوال [۶۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک نوٹس وکیل کے ذریعہ اپنی بیوی شمع پروین کے پاس بھیجا، جس میں یہ لکھا تھا کہ ''میں نے ۸/۱/۹۸ء کو تمہیں طلاق دیدی ہے'' یہ ایک مرتبہ لکھا تھا اور پھر اس نوٹس کے بارے میں دوبارہ اطلاع بذریعۂ تار دیا تھا کہ ہم نے تمہیں طلاق دیدی ہے۔ اب تار کے ذریعہ اطلاع دے رہا ہوں، اس کو طلاق دیئے ہوئے اب تقریباً نو ماہ ہو چکے ہیں، ابھی تقریباً ایک ہفتہ پہلے بچے کی ولادت بھی ہوئی ہے، اب میں دوبارہ بیوی کو رکھنا چاہتا ہوں شرعاً کیا شکل اختیار کروں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد ارشد، مغلپورہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ مذکورہ میں جو نوٹس بھیجا تھا، اس سے ایک طلاق واقع ہو چکی ہے، دوبارہ جو اطلاع دی ہے، وہ پہلی والی طلاق کی تاکید ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور عدت گذرنے سے وہ بائنہ ہوگئی۔ اب نکاح کے ذریعہ دوبارہ اپنی بیوی بنا کر رکھنا جائز ہے حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة، وبعد انقضائها. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفي بكڈپو ديوبند ۳۹۹/۲، هكذا في الهندية، زكرياقديم ۴۷۲/۱، جديد ۵۳۵/۱، هكذا في التاتارخانية، زكريا ۱۴۸/۵، رقم: ۷۵۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۷۹۶/۳۳)

ڈاک کے ذریعہ بھیجے گئے طلاق نامہ سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اظہر خاں ولد زاہد خاں میں نے اپنی بیوی شازیہ سلیم ولد سلیم میاں کو شرعی اور قانونی طریقے سے تین گواہوں کے سامنے یہ کہہ کر طلاق دی کہ میں نے شازیہ سلیم کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اپنی بیوی کے حق سے آزاد کردیا۔ آپ کی مہر ۵۰۰۰/ ہزار میں نے شادی کی رات کو ادا کر دیا ہے، جس کا اظہار سبھی رشتہ داروں کے سامنے کیا، آپ کی عدت کا خرچہ منی آرڈر سے بھیجا جا رہا ہے، آپ کا سارا سامان میرے پاس حفاظت سے ہے آپ اور آپ کے گھر والے چند لوگوں کی موجودگی میں سامان لے سکتے ہیں اور میری طرف سے بنوایا گیا زیور کپڑا اور باقی سامان جو کہ آپ کے پاس ہے، اسے میرے حوالے کر کے رسید حاصل کر سکتے ہیں اور اپنا سامان واپس لے کر مجھے گواہوں کے سامنے سامان واپسی کی رسید حوالہ کر دیں، آج سے آپ شرعی اور قانونی طور پر میری بیوی نہیں ہیں اور بعد عدت آپ اپنا نکاح جہاں چاہیں کر سکتی ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں، مجھ سے آپ کی کوئی اولاد نہیں اور نہ ہی آپ حاملہ ہیں، آپ نے جو بھی میرے اور میرے گھر والوں کے خلاف جھوٹے کیس دائر کر رکھے ہیں مہربانی کر کے انہیں خارج کرا دیں، یہ طلاق نامہ گواہوں کے سامنے ۱۳/ ۱۲/ ۱۲ء کو تحریر کر رہا ہوں تا کہ سند رہے، طلاق نامہ کو بذریعۂ ڈاک بھیجا جا رہا ہے اور ایک کاپی میرے پاس رہے گی، جناب مفتی صاحب وضاحت کریں کہ ڈاک سے بھیجی گئی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: اظہر خان ولد زاہد خاں، لالباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے تحریری طور پر اپنی بیوی کو تین

مرتبہ طلاق دیدی ہے اور شوہر زبانی اس کا اقرار کر رہا ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے، اب دونوں کے درمیان رشتۂ نکاح اور میاں بیوی والا تعلق باقی نہیں رہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۴۲۵)

وإذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل الدخول بها وقعت عليها؛ لأن الواقع مصدر محذوف؛ لأن معناه طلاقاً ثلاثاً. (هداية، كتاب الطلاق، باب الطلاق قبل الدخول، اشرفي بكڈپو ديو بند ٢/ ٣٧١)

وأما الطلقات الثلاث فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً حتى لايجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر، لقوله عزوجل: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره وسواء طلقها ثلاثا متفرقاً أو جملة واحدة. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/ ٢٩٥)

إذا قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه قديم ٢١٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، قديم زكريا بكڈپو ديوبند ١/ ٤٧٣، زكريا جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱۰/ ۱۴۳۵ھ

بغیر تحقیق کے دوسرے ملک سے طلاق لکھ کر بھیجنے سے طلاق

سوال [۶۵۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اقبال فاطمہ عرف ننھی میری کشور شمیم جو کہ قصبہ سیوہارہ ساکن کی ہوں قوم شیخ محلّہ ملکیان، معین الدین ولد نظیر الدین ساکن قصبہ نہٹور محلّہ سادات دربار کے ساتھ

شادی ہوئی، جس کو پندرہ سال ہوئے ہیں، معین الدین ڈھائی سال کے عرصہ سے عرب ملازمت میں گئے ہوئے ہیں، ان کے عزیزوں کو یعنی والدین کو کشور شمیم کے بھائیوں سے ملنے میں اعتراض ہوا کہ وہ اپنی ہمشیرہ سے نہ ملیں، نہ کشور شمیم سیوہارہ جائے؛ لہٰذا بھائیوں نے بھی ڈھائی سال کے عرصہ سے بہن سے نہ ملاقات کی نہ بہن سیوہارہ آئی۔

اب معین کے عزیزوں نے قسم قسم کے بہتان لگائے اور خطوں میں معین الدین کو لکھنا شروع کر دیا کہ تمہاری بیوی بھائیوں سے برابر ملتی جلتی ہے؛ جبکہ معین عرب میں ہے کوئی غلط یا صحیح کہے گا وہ ضرور اس پر عمل کرسکتا ہے، لکھنا جو کچھ تھا وہ تو خطوں سے کیا دوسرے ان کے والد عامل ہیں انہوں نے معین پر عمل چلایا وہ کاری ہوگیا، معین کے جن پر بغیر تحقیق کے معین نے وہاں سے طلاق لکھ کر بھیج دی۔ برائے کرم آپ مجھ کو بذریعۂ ڈاک مطلع فرمادیں کہ طلاق ہوگئی یا کچھ گنجائش ہے؟

میں بیوہ عورت ہوں، میرا کوئی وارث نہیں جس کی وجہ سے سخت پریشانی ہے اور تردد ہے کشور شمیم سیوہارہ کی ہے اس کے چار بچے ہیں، تین لڑکے ایک لڑکی جو کہ پڑھتے ہیں بڑا لڑکا آٹھویں کلاس میں پڑھتا ہے، لڑکی چھٹی کلاس میں ہے، چھوٹا لڑکا دوسرے کلاس میں ہے، سب سے چھوٹا لڑکا دینی تعلیم میں ہے، چاروں بچے دینی تعلیم ہی پڑھتے ہیں، معین کا ایک خط بذریعۂ رجسٹری میرے پاس آیا، یہ خط معین نے مؤرخہ ۱۳ر اگست ۱۹۸۹ء کو لکھا، دوسرا خط کشور شمیم نہٹور میں مقیم ہیں وہاں آیا، میں آپ سے گذارش کرتی ہوں کہ دوسری حکومت سے بغیر اطلاع کے طلاق ہوسکتی یا گنجائش ہے؟ برائے مہربانی مجھ ناچیز پر رحم کھا کر آپ فوراً بذریعۂ ڈاک مجھ کو اطلاع دیں بڑی مہربانی ہوگی، امید کہ آپ بغور ملاحظہ فرمائیں گے، آپ کی عین نوازش ہوگی پر جب آپ فتوی دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ فقط خدا ذات خاکسار اقبال فاطمہ عرف ننھی۔

المستفتیة: اقبال فاطمہ، سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: دوسری حکومت سے بغیر تحقیق کے طلاق لکھ کر بھیجنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب كأن يكتب يا فلانة، إذا أتاک كتابي هذا فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب. (الدر المختار، كتاب الطلاق، ملطب في الطلاق بالكتابة، زكريا٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٦)

فيمن كتب كتاباً على وجه الرسالة وكتب إذا وصل كتابي إليک، فأنت طالق......وقع الطلاق لوجود الشرط، وهو وصول الكتاب إليها. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في النوع الثاني من طلاق الكتابة، زكريا جديد٣/١٧٤، هكذا في الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٥٢٩، رقم:٦٨٣٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۶۳۹)

رجسٹری طلاق نامہ پر لڑکی کے دستخط کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی نادرہ پروین نے رجسٹری طلاق نامہ بذریعۂ ڈاک وصول کر کے رسید پر اپنے دستخط کر کے ڈاکیہ کو دیدیا، لڑکی کے والدین محمد حبیب نے رجسٹری ان تین صاحبان جن کے نام حسب ذیل ہیں: عبد اللطیف ولد علی، وشکیل احمد ولد محمد سلیم وفقیر محمد ولد رُمد نے ان تینوں کے سامنے کھول کر پڑھ لیا، یہ پنجابی زبان میں لکھی ہوئی ہے، جس کو اردو میں کرا کر آپ کی خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں، دلیل سے جواب تحریر فرمایئے کہ طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی؟

گواہ: عبد اللطیف، شکیل احمد، فقیر محمد

المستفتی: محمد حبیب، سا شتری نگر، ملیر کوٹلہ (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ طلاق نامہ سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے؛ جبکہ شوہر اس کے لکھنے یا لکھوانے اور بھیجنے کا اقراری ہو، اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، مثله في الفتاوى التاتار خانية زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، وفي الهندية زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۵۸۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۹/۲۵ھ

کیا طلاق نامہ پڑھے بغیر دستخط کرنے سے طلاق ہوجائے گی؟

سوال [۶۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حافظ محمد علی کو ایک دن آنت میں درد کا دورہ پڑا، تو تکلیف کی حالت میں اپنے لڑکے محمد یاسین سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو بلالا ؤ اور رات کو رکنا مت اور اپنی سسرال والوں سے کہنا کہ میری بڑی بھاوج اپنے میکہ کل جانے والی ہے؛ چونکہ بھاوج کے والد حج کو جارہے ہیں اور میری تکلیف بھی بیان کردینا، محمد یاسین کے سسرال والوں نے یاسین کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی محمد یاسین کی بیوی کو بھیجا، محمد یاسین نے ناراضگی کی صورت اختیار کرلی، جب محمد یاسین لوٹ کر گھر آیا تو مجھے (محمد علی) بہت افسوس ہوا اور غصہ آیا اور غصہ کی حالت میں، میں (محمد علی) نے لڑکے سے رشتہ ختم کردینے کی بات کی اور میں (محمد علی) نے طلاق کا خط کسی دیگر آدمی سے لکھوا کر جس کو میں (محمد علی) نے لکھوایا کہ میں (محمد یاسین) اپنی بیوی ناصرہ کو سچے دل سے طلاق دیتا ہوں، طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے

طلاق دی میں نے لکھوا کر لڑکے سے دستخط کرنے کو کہا، تو اس نے ایک دن برابر دستخط نہیں کیا؛ لیکن پھر میرے (محمد علی) سخت ناراض ہونے پر محمد یاسین نے دستخط کر دی، نہ اس نے اس خط کو پڑھا، نہ سنا، نہ ابھی تک اس نے طلاق کا کلمہ ہی اپنے زبان سے کہا ہے اور نہ ہی اس کو معلوم تھا، اس میں کیا لکھا ہوا ہے، محض باپ کے کہنے پر دستخط کر دیئے، وہ خط جب محمد یاسین کی سسرال پہنچا تو چند آدمی میرے (محمد علی) کے گھر آئے اور انہوں نے لڑکے سے دریافت کیا، تب لڑکے نے اپنے والد کی ناراضگی کا حوالہ دے کر کہا کہ جو کچھ بھی مجھ سے کرایا ہے میرے والد نے کرایا ہے، اس کے بعد ٹھاکردوارہ پنچایت ہوئی، جس میں لڑکے نے اپنی بیوی کو رکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

المستفتی: محمد یاسین، موضع: رام نگر، کھاکووالا، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر محمد یاسین نے طلاق نامہ نہیں لکھا ہے اور نہ ہی اس نے لکھوایا ہے، نہ ہی لکھے ہوئے طلاق نامہ کو خود پڑھا ہے اور نہ ہی اسے پڑھوا کر پوری عبارت سنی ہے اور صرف باپ کے کہنے پر دستخط کر دیئے ہیں، تو ایسی صورت میں محمد یاسین کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، نکاح بدستور باقی ہے۔

وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر أنه کتابه الخ. (شامي، کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالکتابة، زکریا٤/٤٥٦، کراچي ٣/٢٤٧، هکذا في التاتارخانیة، زکریا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هکذا في الهندیة، زکریا قدیم ١/٣٧٩، جدید ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۲/۸ھ

الگ کرنے کی نیت سے طلاق نامہ پر دستخط کرنا

سوال [۶۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲؍ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ کو آپ کے دارالافتاء سے ایک فتوی ۵۰۵۳/۲ لکھا گیا، جس کے استفتاء میں حقیقت واقعہ کو مخفی رکھ کر اس کے عزیز کو ظاہر کیا گیا ہے، اس وجہ سے اس استفتاء میں عین واقعہ پر موجود گواہوں کے بیانات کو تحریر کر کے تائیدی دستخط بھی کرائے گئے ہیں، ریاض احمد شادی کے بعد ۱۸؍ اپریل ۱۹۹۴ء کو عرب گئے اور ۴؍ فروری ۱۹۹۷ء کو واپس آئے جس کی مدت تین سال سے زائد ہوتی ہے نہ کہ ۲؍ دوسال اور چونکہ یہ رشتہ ریاض احمد کے بہنوئی نے طے کیا تھا، اس وجہ سے لڑکی کے والد نے ریاض کے بہنوئی کو رات تقریباً ۸؍ بجے کے بعد بلا کر کہا کہ جس طرح سے تم نے میری لڑکی کو اس گھر میں پہونچایا ہے، اسی طرح سے ابھی جا کر اس کو واپس لے آؤ اور ان کے پیچھے اپنی بیوی کو ایک عورت کے ہمراہ بھیجا کہ وہ اپنے ساتھ لے کر آئیں؛ لیکن اس وقت سسرال والوں نے صبح کو دو گھنٹہ کی شرط پر بھیجنا قبول کیا اور صبح کو لڑکی میکے آگئی۔ اور یہ طے پایا تھا کہ دن میں بارہ بجے دیور جا کر بھابھی کو واپس لے آئے گا، حسب وعدہ ۱۲؍ بجے لڑکی نے دیور کا انتظار کیا، جب ایک بجے تک کوئی لینے نہیں آیا تو لڑکی کے والد نے ایک بچہ کے ذریعہ واپس کر دیا، اب واپس جانا تھا کہ سسرال والوں نے لڑکی کو مزید ستانا شروع کر دیا، تو تنگ آکر اب لڑکی کے والد نے چھوٹی لڑکی کو بھیج کر لڑکی کو بلوالیا، تب سے وہ لڑکی واپس سسرال نہیں گئی؛ کیونکہ وہ نہایت خوف زدہ تھی اور اس گھر میں اپنی جان تک کو غیر محفوظ سمجھتی تھی اور اس کا شوہر ریاض احمد بیوی کو چھوڑ کر اور چھوٹی بہن کو ساتھ لے کر دہلی شادی میں تفریح کے لئے گیا ہوا تھا اور واپس آکر بھی اس نے بے تعلقی کا اظہار کیا، تو لڑکی کے اعزہ سامان لانے کے لئے ریاض کے گھر پر گئے، اس وقت محلّہ کے بھی کافی لوگ وہاں جمع ہو چکے تھے، اس وقت لوگوں نے بہت سمجھایا اور ریاض کے ایک پڑوسی فاروق صاحب نے کہا کہ تم کچھ وقت ابھی مہلت لے لو اور اتنی جلدی فیصلہ نہ کرو، اگر دس دن کا بھی وقت لو گے تو لڑکی والوں کو ہم راضی کر لیں گے تمام کوشش

کے بعدر یاض کے والد نے دو دن کی مہلت مانگی،تو فاروق بھائی نے کہا کہ آپ نہیں؛ بلکہ ریاض کا معاملہ ہے اگر وہ اپنی زبان سے کہیں تو ٹھیک ہے،مگر بہت کوشش کے باوجود ریاض نے مہلت نہیں مانگی، اس کے بعد سامانِ جہیز وصول کیا جانے لگا تو وہ تحریر جس کا مضمون تھا’’فریق دوئم نے فریق اول کوشرعی طور پر طلاق دے کر اپنی زوجیت سے آزاد کردیا،اس طرح فریقین کا رشتہ زن وشوہر کا ختم ہوگیا ہے۔ ہر دو فریق کو اپنی اپنی زندگی اپنی اپنی مرضی سے گذارنے کا حق ہوگیا ہے، یہ تحریر ریاض کو دستخط کے لئے دی گئی ،لڑکی کے پہلے ہی دستخط کرائے جا چکے تھے،اس پر ریاض نے کچھ توقف کیا مگر پھر اپنے والد کے ایماء پر دستخط کردیا،اس کے بعد ریاض نے پورے مہر اور عدت کا مکمل خرچہ بھی ادا کردیا اور جب سامان بھی وصول ہوچکا ،تو آخر میں کچھ جھگڑے کی نوبت بھی آئی، پھر اگلے دن جب سب کچھ ختم ہوچکا تھا تب ریاض کے خیر خواہ پڑوسی فاروق بھائی نے ریاض کو گھر بلایا تاکہ صلح کی اب بھی کوئی صورت نکل سکے، وہاں جمیل ٹھیکیدار اور نثار احمد بھی موجود تھے اور نہایت سکون اور حفاظت کا ماحول تھا،تو فاروق بھائی نے ریاض سے سوال کیا کہ کل جو آپ نے دستخط کئے تھے کسی دباؤ کی وجہ سے تو نہیں کئے تھے،ریاض نے جواب دیا دباؤ تو تھا،مگر دستخط بھی دل کے ساتھ کئے ہیں،اس کے بعد یہ حضرات ریاض کو محلّہ کی مسجد کے امام صاحب مولانا ریاض احمد کے پاس لے گئے وہاں پر بھی ریاض نے اقرار کیا کہ دل میرا کہیں اور تھا تھوڑے ہی دل سے دستخط کئے ہیں،اس کے بعد نثار بھائی بھی وہاں پر پہونچے اور انہوں نے سوال کیا کہ آپ نے جو دستخط کئے ہیں وہ علیحدگی اختیار کرنے کی نیت سے کئے ہیں؟ ریاض نے جواب دیا کہ میں نے علیحدگی اختیار کرنے کی نیت سے ہی دستخط کئے ہیں۔

تو اب جواب طلب امر یہ ہے کہ ریاض نے اپنے گھر کے اندر دن کے وقت جبکہ وہاں پر اہل محلّہ بھی بڑی تعداد میں موجود تھے اس وقت دستخط کئے اور اس وقت ان کو کسی نے بھی دھمکی وغیرہ نہیں دی،تو ایسے وقت طلاق نامہ پر دستخط کرنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۲) ریاض نے دل سے طلاق کا اقرار تین مرتبہ کیا، ایک فاروق بھائی کے گھر،

دوسرے مولانا کے پاس، تیسرے نثار بھائی کے جواب میں، ان سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(٣) ریاض کا سامان جہیز واپس کرنا اور مہر وعدت کا خرچ بھی ادا کرنا یہ طلاق واقع کرنا ہے یا نہیں؟

(٤) اب ریاض کی بیوی کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس کا ازدواجی تعلق ریاض سے کسی قسم کا باقی ہے یا نہیں؟

(٥) نیز اکراہ اور دباؤ کا تحقق کب ہوگا؟ اس کے شرائط بھی تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد فاروق، محمد ریاض، نثار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ٢/ ذی الحجہ ١٤١٧ھ کو اسی واقعہ سے متعلق ایک فتوی لکھوا کرلیا گیا تھا، جس میں سائل نے یہ لکھا تھا کہ شوہر اور شوہر کے باپ پر دباؤ ڈال کر دستخط کرایا گیا ہے اور زبان سے کوئی طلاق نہیں دی ہے، اس فتوی کا جواب اسی سوال کے مطابق تھا، مگر دوسرا سوال گواہوں کے دستخط کے ساتھ جو آیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر پر کوئی ایسا دباؤ نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے دستخط نہ کرنے پر کوئی خطرہ ہو۔ نیز اس نے دوسرے لوگوں کے سامنے اقرار کرلیا ہے کہ دل سے دستخط کیا ہے، نیز اقرار کیا ہے کہ علیحدگی اختیار کرنے کی نیت سے طلاق نامہ پر دستخط کیا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی پر طلاق واقع ہو چکی ہے۔

لو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها، فأتاها وقع إن أقرّالزوج أنه كتابه، أو قال للرجل: بعث به إليها. (شامي، كتاب الطلاق، مطب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٧، هكذا في الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/ ٥٣١، رقم: ٦٩٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم١/ ٣٧٩، جديد ١/ ٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۱۲۱)

طلاق نامہ کولکھوانے اورسن کراس پردستخط کرنے سے طلاق کاحکم

سوال [۶۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محترمہ شہناز پروین بیوی جناب ڈاکٹر سلیق احمد قریشی لڑکی جناب افتخار احمد قریشی، محلّہ حاجی کا کنواں ملا بخش کی حویلی محلّہ اصالت پورہ، مراد آباد، فریق اول، وجناب ڈاکٹر سلیق احمد صاحب قریشی محلّہ ۱۰۸؍سی ارکٹا باغ اصالت پورہ، مراد آباد فریق دوئم سوال یہ ہے کہ ہم فریقین کی شادی عرصہ قریب دس سال ہوئے مسلم رسم ورواج کے مطابق ہوئی تھی، شادی کے بعد ہم فریقین بحیثیت میاں بیوی کے گذر بسر کرنے لگے، اسی بیچ فریقین کے میل جول سے ایک لڑکی جس کی عمر سات سال ہے شاذ لی، ایک لڑکا جس کی عمر ۴؍سال صہیب اختر پیدا ہوا جو کہ فریق دوئم کے پاس موجود ہے، شادی کے بعد ہی سے ہم فریقین کے بیچ من مٹاؤ آئے دن چھوٹی چھوٹی بات پر جھگڑا رہنے لگا، اسی بیچ برادری کے لوگوں نے بھی کافی سمجھایا اور قریبی رشتہ داروں نے بھی سمجھایا؛ لیکن صلح زیادہ نہ رہ سکی کچھ ٹائم کے بعد حالات پھر بگڑ گئے، اسی درمیان ۹۸؍۳؍۳؍کو فریق اول اپنی مرضی سے اپنے میکے اپنے دونوں بچوں کو چھوڑ کر چلی گئی اور اس نے فریق دوئم پر برادری کے لوگوں کے ذریعہ دباؤ ڈالا کہ فریق دوئم فریق اول کو طلاق دیدے، تو فریق دوئم کافی سوچ سمجھ کر فریق اول کو طلاق دینے وآزاد کرنے پر رضا مند ہوگئے؛ لیکن کچھ شرط کے مطابق کہ دونوں بچے فریق دوئم کے پاس رہیں گے؛ کیونکہ ان کی پڑھائی لکھائی پرورش ومتفرق خرچ فریق اول نہیں اٹھا سکتی اور مہر فاطمی ۱۳۲؍تولہ چاندی جس کی موجودہ قیمت جو فریق دوئم چیک نمبر کے ذریعہ ادا کررہا ہے اور کل جہیز کا سامان زیور وغیرہ جس حالت میں تھا فریق دوئم فریق اول کو واپس کررہا ہے، جو فریق اول نے وصول کرلیا ہے، اسی کے ساتھ فریق دوئم نے فریق اول کو

الگ الگ تین بار ہم گواہان کی موجودگی میں طلاق ،طلاق ،طلاق، کہہ کر اپنے نکاح سے آزاد کردیا ہے، اور آج سے فریق اول کا فریق دوئم سے ایک دوسرے کا کوئی رشتہ پتی پتنی کا باقی نہیں رہا اور آج انہیں شرطوں کے ساتھ دونوں فریقین کو ایک دوسرے کے خلاف آج کی تاریخ سے کوئی عدالتی یا اور کوئی کارروائی کرنے کا اختیار نہ ہوگا؛ لہٰذا یہ چند کلمات بطور ثبوت دس روپیہ کے اسٹامپ پر ایک دوسرے کو فریقین نے تحریر وتکمیل کرا کردیدیئے تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت پر کام آوے۔

فریق اول.................................فریق دوئم.................................

گواہ.................................گواہ.................................

یہ اقرار نامہ آج بتاریخ: ۹۸/۶/۱۱ء کو بمقام مرادآباد جناب اشرف علی سیفی ایڈوکیٹ کے ذریعے تحریر وتکمیل کیا گیا، یہ تحریر وکیل نے لکھ کر مجھے سنائی اور میری مرضی سے کہنے سے میری سسرال بھیج دی اور ایک کاپی میرے پاس ہے، یہ تحریر میں نے شاہی مسجد میں کئی آدمیوں کے سامنے بیان کے طور پر لکھدی ہے، جو اصل واقعہ ہے، یہ تحریر میں نے وکیل کے ذریعہ بیوی کو دھمکی دینے کے لئے لکھوائی تھی۔

المستفتی: سلیق احمد، محمد نعیم، عتیق احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وکیل نے شوہر کے حکم اور اس کی مرضی سے لکھا ہے اور لکھنے کے بعد وکیل نے سنایا ہے شوہر نے خود بھی پڑھ لیا ہے، اس کے بعد شوہر کے کہنے پر وکیل نے اس کو بیوی کے پاس روانہ کردیا ہے اور اس تحریر کے اندر صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے کہ فریق دوئم نے فریق اول کو الگ الگ تین بار ہم گواہان کی موجودگی میں طلاق، طلاق، طلاق، کہہ کر اپنے نکاح سے آزاد کردیا ہے اور شوہر نے زبانی اور تحریری اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ تحریر اس کو سنائی گئی ہے اور اسی کے کہنے کے مطابق وکیل نے بیوی کے پاس روانہ کردیا ہے، تو ایسی صورت میں شرعاً شوہر ہی کی تحریر مانی جائے گی اور اس سے طلاق

مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ نکاح کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی۔

لو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها، فأتاها وقع إن أقرّ الزوج أنه كتابه، أو قال للرجل: ابعث به إليها، أوقال له: اكتب نسخة وابعث بها إليها. (شامي، كتاب الطلاق، مطب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٧، هكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۶۸۵/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۱۹ھ

اسٹامپ پیپر پر جبراً انگوٹھا لگوانے سے طلاق کا حکم

سوال [٦٥٥٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپسی ناراضگی کی وجہ سے لڑکی والوں نے زبردستی لڑکے سے سادہ اسٹامپ پر انگوٹھا لگوالیا۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ صرف انگوٹھا لگوا لینے سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبداللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے ہیں اور نہ ہی بخوشی تحریر لکھوائی ہے، تو ایسی صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/۱۰۲)

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم

يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، هكذا في التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍ ۳۹۹۷)

تحریری طور پر طلاق دے کر انکار کرنا

سوال [۶۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے تقریباً دو سال قبل اپنی بیوی کو تحریری طلاق نامہ معہ دو گواہان دستخطی کے لکھ کر اپنی بیوی کو بھیج دیا اور پھر اس کے بعد کبھی بھی اس کی بیوی سے ملاقات نہیں ہوئی، اب اگر اس کا شوہر طلاق سے انکار کرے تو شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟ تفصیلی جواب سے نوازیں۔

المستفتی: شیما خاں، بلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن گواہان کے دستخط موجود ہیں ان سے معلوم کیا جائے، اگر گواہان اپنے شہادتی دستخط کا اقرار کریں اور شوہر کی طرف سے طلاق نامہ کی شہادت دیدیں تو اب شوہر کا انکار قابل اعتبار نہیں ہے، بیوی پر طلاق واقع ہوچکی ہے، اگر تین طلاق دی گئی ہیں تو طلاق مغلظہ ہوچکی ہے، بغیر حلالہ کے کوئی گنجائش نہیں ہے اور دو گواہان کی شہادت کی وجہ سے شوہر کا انکار کوئی اثر نہیں کرسکتا اور گواہوں کی بات پر حکم شرعی جاری ہوگا۔

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيه رجلان، أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح، والعتاق، والطلاق.

(الجوهرة النيره، كتاب الشهادات، دار الكتاب ديوبند ٢/٣٠٩، مكتبه امدادية ملتان

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۳۲۶/۲)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ / ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۰۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۴ھ

لڑکا طلاق نامہ کا منکر ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عارف بن اقبال نے بذریعۂ رجسٹری بنام نسرین بنت علیم الدین، بتاریخ ۸/۰ ۱/۱۱ء کو ایک طلاق نامہ بھیجا، جس میں لڑکے نے اس بات کو وضاحت کے ساتھ کہا ہے کہ میں نے طلاق نامہ اپنی مرضی سے اور ہوش وحواس کو باقی رکھتے ہوئے لکھا ہے، جب یہ طلاق نامہ لڑکی کے باپ علیم الدین کو موصول ہوا، تو اس نے اس طلاق نامہ کو اپنی برادری لوہار میں رکھا، تو برادری نے طلاق نامہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لڑکا بھی اس طلاق نامہ کا انکار کرتا ہے؛ لیکن لڑکے کا کے انکار کرنا صرف برادری نے بتلایا ہے، لڑکے نے لڑکی والوں کے سامنے اس کا انکار نہیں کیا ہے، نہ ان سے طلاق نامہ کے متعلق کچھ مذاکرہ ہوا ہے اور نکاح نامہ پر اور طلاق نامہ پر لڑکے کے جو دستخط ہیں ان دستخطوں کو محکمۂ انکوائری نے ایک دستخط مانا ہے۔ ہم سوال نامہ کے ساتھ طلاق نامہ اور دستخط انکوائری بھی آپ کی خدمت میں ارسال کرر ہے ہیں، آپ ہم کو صحیح راہ بتائیں۔

المستفتی: محمد علیم الدین، اگوان مناور، ضلع: دھار (مدھیہ پردیش)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ تحریر میں لڑکے کی طرف سے طلاق کے لئے کوئی شرعی ثبوت نہیں ہے اور لڑکا طلاق نامہ کا انکار کر رہا ہے اور لڑکا جب طلاق نامہ کا انکار کر رہا ہے، تو محض دستخط کے مشابہ ہونے کی وجہ سے طلاق کا حکم نہیں لگے گا اور دستخط کو بھی دیکھ لیا گیا ہے کہ دونوں میں معمولی فرق بھی ہے، ایسی صورت میں لڑکے سے حلفیہ بیان لیا جائے

کہ اس نے طلاق دی تھی یا نہیں اور اس کے حلفیہ بیان کے مطابق شرعی حکم مان لیا جائے اور تحریری طلاق میں طلاق کے واقع ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ شوہر اس بات کا اقرار کرے کہ مذکورہ تحریر اسی کی ہے یا اس کی طرف سے لکھی گئی ہے۔

وإن لـم يـقر أنه كتابه ولم تقم بيِّنة؛ لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة، وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يـقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٧، هكذافي الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۷۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۷؍۱۴۳۳ھ

وکیل نے طلاق نامہ لکھا اور شوہر طلاق کا منکر ہے

سوال [۶۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عارضہ محلہ باغ گلاب رائے تھانہ ناگ پھنی مرادآباد کی باشندہ ہے، عارضہ کا نکاح سمیع الدین ولد جناب صدرالدین ساکن باغ گلاب رائے تھانہ ناگ پھنی مرادآباد کے ساتھ عرصہ قریب قریب ۲۰؍سال ہوا مسلم رسم ورواج کے مطابق عمل میں آیا تھا، عارضہ مذکورہ کے سمیع الدین سے چھ بچے ہیں، پانچ لڑکے وسیع الدین عمر ۱۹؍سال، سلیم الدین عمر ۱۸؍سال، فہیم الدین عمر ۱۶؍سال، شمس الدین عمر ۱۵؍سال، لڑکی ثمر جہاں عمر ۱۰؍سال اور لڑکا معین الدین عمر ۹؍سال، پیدا ہوئے، عارضہ کے تعلقات شادی کے بعد سے اس کے شوہر سمیع الدین کے ساتھ اچھے نہیں رہے؛ لیکن اب کافی عرصہ سے عارضہ اور اس کے شوہر کے تعلقات کافی حد تک خراب ہوگئے اور ان کا ایک ساتھ بحیثیت زوج وشوہر رہنا ناممکن ہوگیا؛

لہٰذا عارضہ نے اپنے شوہر سمیع الدین سے بلاکسی کے شکایت و بہکاوے کے اپنی مرضی سے خوب سمجھ کر طلاق حاصل کر لی ہے، اب عارضہ کا مہر وغیرہ کی بابت باقی رہتا ہے، اگر کوئی قانونی کاروائی کریگی یا کسی طرح کا مطالبہ سمیع الدین کے خلاف عمل میں لائے گی، تو وہ قطعی غیر قانونی ہوگا اور اس کا کوئی اثر سمیع الدین مذکورہ پر نہیں ہوگا؛ لہٰذا جناب عالی سے گذارش ہے کہ درخواست عارضہ اور بعد تاریخ ضروری کاروائی کی جاوے۔

نوٹ: عارضہ کا اپنے شوہر سمیع الدین کی تنخواہ وپنشن سے کوئی واسطہ نہیں ہے، عارضہ انور جہاں زوجہ سمیع الدین ساکن گلاب رائے تھانہ ناگ پھنی مرادآباد مؤرخہ:۱۵/فروری ۱۹۹۰ء۔

حلفیہ بیان سمیع الدین: میں خود کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے اور نہ ہی طلاق کے الفاظ میں نے اپنی زبان سے ادا کئے ہیں، وکیل نے اپنی طرف سے مضمون بنایا ہے اور میری اجازت سے بنایا ہے، میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میری بیوی کو طلاق دینے کی نیت نہ تھی؛ بلکہ بیوی کو حقوق کے مطالبہ سے روکنے کے لئے یہ مضمون عمل میں لایا گیا ہے- سمیع الدین- محلّہ گلاب رائے، تھانہ ناگ پھنی مرادآباد

المستفتی: محمد سمیع الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے تو مذکورہ تحریرات سے طلاق واقع نہیں ہوئی ہے؛ کیونکہ مذکورہ تحریر میں طلاق کا اشارہ نہیں ہے اور نہ ہی نیت طلاق کا کنایہ ہے؛ لہٰذا دونوں کا ازدواجی تعلق شرعاً برقرار ہے۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابه زكريا ٤/ ٤٥٦، الفتاوى التاتار خانية الفصل السادس، إيقاع الطلاق بالكتابة، زكريا ٤/ ٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/ ٣٧٩، جديد ١/ ٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۱۹۲۲)

بیوی کے طلاق کا انکار کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منور حسین کی شادی شاہجہاں بیگم کے ساتھ ہوئے تقریباً چار سال ہوئے، اس دوران کوئی اولاد نہیں ہوئی، شادی کے بعد ہی سے شاہجہاں بیگم کی اپنے شوہر کے ساتھ نوک جھونک ہوتی رہی، اپنے شوہر کے حقوق ادا نہ کر پائی؛ اس لئے منور حسین نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔

(۱) شوہر کے مطابق اپنی بیوی کو فون پر بھی اور لکھت روپ میں بھی ڈاک کے ذریعہ تین طلاق دے چکے ہیں؛ جبکہ ان کی طلاق کے تین گواہ بھی ہیں، کیا یہ طلاق مانی جائے گی یا نہیں؟

(۲) طلاق کے بعد حق مہر ۷۵۰۰/ ہزار روپیہ اور عدت کا خرچ ۵۰۰۰/ ہزار روپیہ بینک چیک ڈاک کے ذریعہ ان کے پاس پہنچوا چکے ہیں، اس کے بعد بھی وہ طلاق سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اسے طلاق نہیں مانتی۔

المستفتی: منور حسین، آدرش کالونی ردر پور، ادھم سنگھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حسب تحریر سوال شاہجہاں بیگم پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر وہ منور حسین کی زوجیت سے خارج ہو چکی ہے اور میاں بیوی دونوں ایک دوسرے پر قطعی طور پر حرام ہو چکے ہیں، بیوی کے طلاق نہ ماننے کا کوئی اعتبار نہیں۔

إذا قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثًا. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹)

ولو خطب علی وجه الرسالة والخطاب......طلقت بوصول الکتاب.

(شامي، کتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالکتابة، کراچي۳/۲٤٦)

فیمن کتب کتاباً علی وجه الرسالة وکتب إذا وصل کتابي إلیک، فأنت طالق..........وقع الطلاق لوجود الشرط وهو وصول الکتاب إلیها.

(بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل في النوع الثاني من طلاق الکتابة، زکریا دیوبند ۳/۱۷٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۴۵۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۷/۵ھ

شوہر سے لاعلمی میں طلاق نامہ پر دستخط کروانا

سوال [۶۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکرم نے اپنی بیوی عائشہ پروین کو نہ طلاق دی ہے اور نہ طلاق نامہ لکھ کر بھیجا ہے اور نہ کسی سے لکھوایا ہے اور لڑکے کو طلاق نامہ کا علم بھی نہیں اور نہ طلاق نامہ لڑکے کو پڑھ کر سنایا گیا اور نہ لڑکے نے پڑھا ہے اور نہ لڑکے کے دل میں طلاق دینے کا ارادہ تھا اور لڑکے کی مرضی بھی نہیں تھی؛ لیکن لڑکے سے لاعلمی میں دستخط کروا کر طلاق نامہ کو تھانے میں پیش کر دیا گیا؛ لہٰذا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد مکرم علی، لال اسکول مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور واقعی مکرم علی نے طلاق نامہ نہیں لکھا ہے اور نہ ہی کسی سے لکھوایا ہے اور نہ پڑھا ہے اور نہ ہی کسی سے سنا ہے، تو مکرم علی کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور نکاح بدستور باقی ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، هكذا في التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، وهكذ في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۲/۵ھ

فرضی طلاق نامہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال [۶۵۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور ہندہ میں جو کہ میاں بیوی ہیں، کسی وجہ سے نہ اتفاقی ہوگئی، ہندہ کے والدین ہندہ کو اپنے گھر لے آئے، اس کے بعد زید ہندہ کو بلانے گیا، تو اس کے والد عمر نے ہندہ کو بھیجنے سے منع کر دیا، ایک سال گذر جانے پر ہندہ کے والدین نے نان ونفقہ کے ادا کرنے کا دعویٰ کیا حتی کہ دونوں طرف سے مقدمہ قائم ہوگیا، اسی طرح مقدمہ چلتے ہوئے دو سال گذر گئے، مقدمہ کے دوران وکیل نے عدالت میں بحث کرتے ہوئے کہا کہ میں طلاق دے چکا اور مہر بھی ادا کر چکا، زید وہاں کھڑا سن رہا ہے، نہ ہی زید سے ان الفاظ کے استعمال کرنے کی اجازت لی گئی اور نہ از خود زید نے ان الفاظ کو اپنی زبان سے کہا، اس کے بعد وکیل نے ایک درخواست لکھی اور درخواست میں اپنی طرف سے یہ تحریر کیا کہ میں طلاق دے چکا ہوں اور مہر بھی ادا کر چکا ہوں اور جہیز بھی دے چکا ہوں، یہ درخواست نہ زید نے لکھوائی اور نہ ہی زید کو پڑھ کر سنائی گئی اور زید سے انگوٹھا درخواست پر لگوالیا گیا اور وکیل نے اپنی طرف سے دو گواہوں کے نام بھی فرضی درج کر دیئے اور زید قسمیہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نہ ہی میں نے یہ درخواست لکھوائی ہے اور نہ ہی مجھکو پڑھ کر سنائی گئی ہے۔ اور وکیل نے اپنے دعویٰ کو مضبوط

بنانے کی خاطر میرا انگوٹھا درخواست پر لگوالیا، تو کیا ہندہ کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

(۲) نیز ہندہ گذشتہ سالوں کے نان ونفقہ کی حقدار ہے یا نہیں؟ مفصل و مدلل جواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: مطلوب احمد، امام مسجد ڈھکیہ کندن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شوہر کے حلفیہ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے نہ زبانی طلاق دی ہے، اور نہ ہی اس نے طلاق نامہ خود لکھا ہے، اور نہ ہی طلاق نامہ کا املا کرایا ہے اور نہ ہی طلاق نامہ پڑھ کر بخوشی انگوٹھا لگایا ہے اور نہ ہی کسی سے پڑھوایا ہے اور نہ ہی پوری تحریر سن کر انگوٹھا لگایا ہے، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے؛ لہٰذا ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بدستور باقی ہے۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، هكذا في التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، وهكذ في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦)

(۲) شرعی طور پر گذشتہ سالوں کے نان ونفقہ کی حقدار ہندہ نہیں ہے اور نہ ہی شوہر پر شرعاً واجب ہے۔

والنفقة لا تصير دينًا–أي إذا لم ينفق عليها، بأن غاب عنها، أو كان حاضراً فامتنع فلا يطالب بها؛ بل تسقط بمضي المدة. (شامي، باب النفقة، مطلب لا تصير النفقة ديناً إلا بالقضاء، أو الرضاء، زكريا ديوبند ٥/٣١١، كراچي ٣/٥٩٤، هداية، اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/٤٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۱۶ھ

غیر شوہر کا فرضی طلاق نامہ معتبر نہیں

سوال [۶۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمود علی کی بیوہ ہوں، میرے دیور مقصود علی عرف ریاست علی سے میرا اور میرے بچوں کا خاندانی جھگڑا چلا آرہا ہے۔

(۲) میرے شوہر محمود علی ریلوے میں ملازم تھے ریٹائر ہوگئے، ریٹائر ہونے کے بعد میرے شوہر کو تقریباً ایک لاکھ روپیہ ملا، میرے دیور کی نظران کے اس روپیہ پر لگی رہتی تھی، میری طرف سے اور میرے بچوں کے طرف سے الٹی سیدھی باتیں کرتا تھا اور ان کو گمراہ کرتا رہتا تھا، روپیہ ملنے کے بعد میرے شوہر نے پچاس ہزار روپیہ مل ایم آئی ایس کا کھاتہ کھلوالیا اور ایک لاکھ چالیس ہزار کا دوسرا مکان خریدا، میرا دیور مکان اور ایم آئی ایس دونوں اپنے نام کرالیا دھوکہ بازی سے؛ کیونکہ وہ کافی عرصہ سے بیمار چل رہے تھے، ہم برابر ان کا علاج کراتے رہے دیور سے میرا میل نہیں تھا، صرف اس وجہ سے کہ ہر وقت بھائی کے پیسہ پر نظر رہتی تھی، بیماری کی حالت میں میرے شوہر نے اپنے بھائی کو بلایا؛ جبکہ ہم ان سے بالکل نہیں ملنا چاہتے تھے، وہ میرا اور میرے بچوں کا کھلا دشمن ہے؛ لیکن ان کی بیماری کی وجہ سے بلایا میرا دیور میرے اور بچوں کے بالکل خلاف کروا دیا میرے شوہر سے ہم لوگوں کے کچھ دماغی حالات خراب چل رہے تھے، میرا دیور ایک جھوٹا طلاق نامہ تیار کیا اور اس کو جھوٹا رجسٹری کروایا، جس کا علم نہ مجھے اور نہ میرے بچوں کو اور نہ محلّہ والوں کو اور نہ رشتہ داروں کو ہوا، میرے شوہر کا انتقال ریلوے ہسپتال میں ہوگیا، میں اور میرے بچے ہر وقت ان کی خدمت کرتے رہتے تھے، میرے شوہر نے زندگی میں کبھی بھی مجھے طلاق نہیں دی، ان کے مرنے کے بعد قریب ایک مہینہ کے بعد میرے دروازے پر ڈاک آئی، ہم نے واپس کردی؛ جبکہ ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ طلاق نامہ تھا،

تو آپ بتائیں اس طرح طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۳) جائیداد کس کو ملے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

المستفتیه: آمنہ بیگم محلّہ مقبرہ اولی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر شوہر نے زندگی میں کوئی طلاق نہیں دی ہے، اور نہ زندگی میں اس کا کوئی ثبوت تھا، تو ایسی صورت میں موت کے بعد دیور کا طلاق نامہ دکھلانا اور اس کی شہرت دینا، اگر چہ رجسٹری شدہ ہو طلاق واقع ہونے کے لئے معتبر نہیں ہے، اس مذکورہ صورت میں طلاق معتبر نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/ ۱۲۸)

نیز اگر مرض الموت میں شوہر نے طلاق دے بھی دی ہے، تو ایسی صورت میں طلاق شدہ بیوی شوہر کے ترکہ سے شرعی طور پر محروم نہیں ہوئی ہے؛ اس لئے مرحوم کی ساری جائیداد مرحوم کی بیوی اور بچوں کو مل جائے گی اور اگر مرحوم کا کوئی لڑکا بھی ہے، تو دیور کو مرحوم کے ترکہ جائیداد اور رقوم وغیرہ میں سے کوئی چیز شرعاً نہیں ملے گی۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/ ۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۱۵)

شوہر کی طرف فرضی طلاق نامہ منسوب کر کے طلاق دلوانا

سوال [۶۵۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد سلیم ولد .... میرا نکاح شمع پروین بنت .... سے ہوا تھا، میری بیوی اور میری بھاوج میں کچھ جھگڑا ہوا، اس دوران میں بیوی کے چچا نے جہیز کے سامان اور مہر کا پیسہ مجھ سے وصول کرلیا، میں پڑھا لکھا نہیں ہوں، دستخط بھی نہیں جانتا، مجھ سے ایک کاغذ پر انگوٹھا لگوالیا، میں نے جہیز کے سامان کی فہرست سمجھ کر انگوٹھا لگا دیا، میں

بحلف کہتا ہوں میں نے کبھی طلاق نہیں دی ہے اور یہ جو لڑکی کے چچا نے فرضی طلاق نامہ لکھوایا ہے، اس کی مجھے کچھ خبر نہیں، نہ میں نے طلاق دی ہے اور نہ میں نے کسی سے لکھوایا ہے اور نہ ہی کسی نے طلاق نامہ لکھ کر مجھے سنایا ہے، سامان جہیز کی واپسی کے وقت مجھ سے ایک تحریر پر انگوٹھا لگوالیا تھا، جس کو میں نے آج تک جہیز کے سامان کا کاغذ سمجھا، آج تقریباً دو مہینے بعد اس کاغذ کی فوٹو کاپی مجھے حاصل ہوئی، میں نے لوگوں سے پڑھوا کر سنا، تو اس میں میری طرف منسوب کر کے تین مرتبہ طلاق لکھا ہوا ہے، اس سے تو میں حیران رہ گیا کہ اس طرح دھوکہ دے کر مجھ سے انگوٹھا لگوالیا تھا اور اس میں جو گواہوں کے نام لکھے ہوئے ہیں اوران کے دستخط ہیں، ہم نے ان سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا ہمیں طلاق کے بارے میں معلوم نہیں ہم سے یونہی دستخط کرالیا ہے نہ ہی بتایا اور نہ پڑھ کر سنایا، تو کیا ایسی صورت میں جبکہ میاں بیوی میں سے کسی کو طلاق کی خبر نہیں، طلاق واقع ہوسکتی ہے، میں یہ تحریر بحلف لکھوا رہا ہوں اور جس وقت مجھ سے انگوٹھا لگوایا ہے، اس وقت ہمارے اور ان کے گھر کے بہت آدمی موجود تھے اور لڑکی کو بھی طلاق نامہ کی خبر نہیں ہے، جو اس کے چچا نے دھوکہ دے کر لکھوایا ہے۔

المستفتی: محمد سلیم اندرا چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور اس نے نہ زبانی طلاق دی ہے اور نہ ہی تحریر لکھوا کر طلاق دی ہے اور نہ ہی طلاق نامہ کی تحریر کسی سے پڑھوا کر سننے کے بعد بخوشی طلاق ہی کے لئے دستخط یا انگوٹھا لگایا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی پر کسی قسم کی طلاق واقع نہیں ہوئی اور اس طلاق نامہ کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے، جس کی تحریر سے شوہر کو کوئی خبر نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں محمد سلیم کا نکاح شمع پروین کے ساتھ بدستور باقی ہے، دونوں بلا تردد میاں بیوی کی طرح ساتھ رہ کر زندگی گذار سکتے ہیں۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا

دیوبند ٤/٤٥٦، هكذا في التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۸۹/۳۲)

سادہ کاغذ پر محض انگوٹھا لگانے سے طلاق کا حکم

سوال [٦٥٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر کی شادی ہندہ سے ہوئی چند ماہ کے بعد بکر نے ہندہ کو تنگ کرنا و مارنا شروع کر دیا، جب ہندہ کے والدین کو پتہ چلا تو اپنی بیٹی کو اپنے گھر بلا لائے، پھر کچھ دنوں بعد بکر ہندہ کو بلانے اپنی سسرال آیا تو ہندہ کے والدین نے بھیجنے سے انکار کر دیا اور ہندہ کو انگوٹھا دینے کو کہا اور کاپی پیڈ انگوٹھے کے لئے لے آئے، پھر جب اس نے بار بار ہندہ کے والدین و ہندہ سے انگوٹھا مانگنے کے الفاظ سنے تو محلّہ کے دو تین آدمی اور آ گئے اسی دوران بکر نے کاغذ پر ایک انگوٹھا کے بجائے تین انگوٹھے لگائے اور اسی کاغذ پر ان موجودہ لوگوں نے ہندہ کے بھی تین انگوٹھے لگوائے؛ لیکن بکر نے لفظ طلاق منھ سے نہیں کہا، پھر اپنے ماموں کے ساتھ گھر چلا آیا، جب کہ اس واقعہ کو پانچ ماہ گذر چکے ہیں، اب ہندہ کے والدین عدت پوری مان کر ہندہ کا نکاح دوسری جگہ کرنے کو تیار ہیں؛ لیکن بستی والے ان انگوٹھوں کو طلاق نہیں مان رہے ہیں اور دوبارہ سے بکر کا بیان چاہتے ہیں؛ جبکہ بکر کے گھر پر پتہ چلا کہ بکر گھر سے ناراض ہو کر دو ماہ پہلے دہلی چلا گیا، مگر دہلی میں جہاں اس کا مقام تھا تلاش کیا، مگر کچھ پتہ نہیں چلا؛ جبکہ تلاش کرنے والوں میں بکر کا ماموں تھا، جو بکر کے ساتھ ہندہ کے گھر گیا تھا؛ لیکن ماموں کا بیان تو یہی ہے کہ بکر تو اس دن آزاد کر چکا ہے؛ لیکن بکر کے ماموں اور وہ موجودہ لوگ سب ان پڑھ اور بے شرع ہیں، جو یہ لوگ انگوٹھے کو ہی طلاق سمجھے ہوئے ہیں اور ہندہ کے والدین اپنی تنگی

کی وجہ سے ہندہ کا نکاح جلد کرنے کو تیار ہیں، ان سب کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: اسرار حسین، بیروا، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف سادہ کاغذ پر انگوٹھا لگانے سے طلاق واقع نہیں ہوئی؛ جبکہ شوہر نے زبان سے کوئی لفظ طلاق کے لئے نہ نکالا ہو؛ لہٰذا ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ بدستور باقی ہے، دوسری جگہ ہندہ کا نکاح جائز نہ ہوگا۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤/٤٥٦، هكذا في التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرا الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۱۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۴ھ

دھمکی دے کر خالی اسٹامپ پر دستخط کروانے سے طلاق

سوال [٦٥٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد شفیع نے نومسلم لڑکی سے شادی کی، شادی کے بعد نومسلم لڑکی کے رشتہ داروں نے محمد شفیع پر زور دیا کہ پچاس روپیہ کے سرکاری اسٹامپ پر دستخط کردو، محمد شفیع نے نونٹری کے خالی اسٹامپ پر دستخط کردیئے، اس کے بعد محمد شفیع کی پہلی بیوی کے میکہ وہ اسٹامپ بھیج دیا گیا اور یہ بتلا دیا گیا کہ محمد شفیع نے اپنی پہلی بیوی مریم کو طلاق دیدی ہے؛ جبکہ محمد شفیع کا یہ بیان ہے کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ ان کے بار بار

دھمکی دینے پر میں نے یہ کہا کہ میں تو اس کو چھوڑ آیا ہوں، صورت مذکورہ میں بیوی مریم کو طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اگر طلاق ہوئی تو کون سی ہوئی؟

المستفتی: نورالدین، پتی بازار، امرتسر (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دھمکی دے کر اسٹامپ پر جو دستخط کرایا گیا ہے، شرعی طور پر شوہر کے حق میں اس کاغذ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور لفظ چھوڑ آیا ہوں سے، ایک طلاق صریح رجعی واقع ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ چھوڑنے کا لفظ بیوی کے حق میں طلاق صریح کے لئے مستعمل ہے۔

سرحتک وهو رها کردم؛ لأنه صار صريحا في العرف (وقوله) **رها کردم سرحتک يقع به الرجعي.** (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، قبيل مطلب لا اعتبار بالاعراب هنا، زكريا ديوبند٤/ ٥٣٠، كراچي٣/ ٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳ / ۵۲٦٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۴/۱۴۱۸ھ

والد نے بغیر لڑکے کی اجازت کے طلاق نامہ لکھوایا

سوال [٦٥٦٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد نے کچہری میں جاکر میری جانب سے وکیل سے طلاق نامہ لکھوایا؛ حالانکہ مجھے اس طلاق نامہ کے متعلق کچھ خبر نہیں تھی اور نہ ہی میں نے ان کو اجازت دی تھی، پھر اس طلاق نامہ پر مجھ سے دستخط کروائے گئے، نیز نہ میں نے اس طلاق نامہ کو پڑھا اور نہ کسی سے سنا اور یہ سمجھ کر دستخط کردیئے کہ یہ دستخط میرے جہیز سے متعلق کرائے جارہے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح والد صاحب کا وکیل

سے طلاق نامہ لکھوا کر مجھ سے دستخط کروانے سے میری بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جبکہ اس پر میں بالکل راضی نہیں ہوں۔

المستفتی: محمد شمشاد، محلّہ: کٹار شہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے طلاق نامہ بخوشی نہیں لکھوایا ہے، اور نہ ہی آپ کو طلاق نامہ پڑھ کر سنایا گیا ہے اور نہ ہی آپ نے طلاق نامہ سمجھ کر دستخط کیا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے والد کا وکیل کے ذریعہ طلاق نامہ لکھوانا شرعًا طلاق واقع ہونے کے لئے معتبر نہیں ہے؛ اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی اور نکاح بدستور باقی ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقرّ أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند ٤٥٦/٤، كراچي ٢٤٧/٣، تاتار خانية، كتاب الطلاق، الفصل السادس، إيقاع الطلاق بالكتابة، جديد زكريا ٥٣١/٤، رقم: ٦٨٤٣، كراچي ٢٤٧/٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ٣٧٩/١، جديد ٤٤٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۶۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۲ھ

طلاق نامہ دینے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری پوتی آفرین قریشی ولد محمد شمیم قریشی، مرادآباد کی شادی اعجاز ولد انور ساکن A ونگ فیلیٹ نمبر ۱۰۲/ اشتیل نگر بلڈنگ میرا روڈ ممبئی کے ساتھ ہوئی تھی، قریب تین

مہینہ بعد میاں بیوی کے درمیان تکرار کے بعد میری پوتی آفرین کو خالی ہاتھ مار پیٹ کر اپنے گھر سے نکال دیا ہے، بعد میں ایک طلاق نامہ بھیج دیا، جس میں تین طلاق مغلظہ دے کر اپنی زوجیت سے الگ کر دیا، پھر ہم نے اس پر مقدمہ کر دیا ہے۔ اب وہ ہم کو خبر بھیج رہا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی صرف کاغذ پر دستخط کیے ہیں اور وہ میری پوتی آفرین کو واپس بلانا چاہتا ہے۔ ان حالات میں میری پوتی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اس کے بعد سے میری پوتی اپنے والدین کے ساتھ مرادآباد ہی میں رہتی ہے۔

المستفتی: عبدالقیوم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اعجاز علی انصاری نے محکمۂ دارالقضاء سے طلاق نامہ لکھوایا ہے اور اس طلاق نامہ پر بلا کسی جبر واکراہ کے اپنے اختیار سے دستخط کیے ہیں، تو طلاق نامہ کے مطابق اعجاز علی انصاری کی بیوی آفرین پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے اور طلاق واقع ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ طلاق نامہ لکھوا کر اس کے اوپر بخوشی دستخط کر دیں، ایسی صورت میں زبان سے طلاق کے الفاظ استعمال کرنا لازم نہیں۔

ولو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه، وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر أنه كتابه.
(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ٤/٤٥٦، هكذا في التاتار خانية، زكريا ديوبند ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هكذا في الهندية، زكريا قديم ٣/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦)

أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد: فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمه العدة من وقت الكتابة. (هندية، كتاب الطلاق الفصل السادس في الطلاق بالكتابة، قديم زكريا ١/٣٧٨، جديد زكريا ١/٤٤٦)

ولو كتب آخر أو أمر غيره أن يكتب نسخة ولم يمله، فأتاها الكتاب طلقت تطليقتين في القضاء إذا أقر أنه كتابه، أو قامت عليه بينة.

(تاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل السادس إيقاع الطلاق بالكتاب، قديم ٣/٣٧٩ جديد، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۱۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۷؍۱۴۳۱ھ

طلاق نامہ لکھوا کر والد کو دینے سے طلاق کا حکم

سوال [۷۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کے بارے میں اپنے والد کو تحریری طور پر یہ لکھ کر دیا کہ میں اپنی بیوی حنا کو طلاق، طلاق، طلاق، دیتا ہوں اور دستخط کر کے تاریخ ڈال دی ۱۴؍مئی ۲۰۰۴ء۔

کیا اس طرح تحریری طور پر اپنے والد کو لکھنے سے طلاق ہوجائے گی؟ باپ نے اس بات کو اپنے گھر میں بھائیوں کے سامنے ظاہر کردی ہے، مگر لڑکی کے والدین کو باخبر اس لئے نہیں کیا کہ لڑکی والے زوردار ہیں، جھگڑے کا اندیشہ ہے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: حاجی عاشق قریشی، ملکو گلی تاج گنج، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تحریری طلاق زبانی طلاق کی طرح ہے یعنی جس طرح زبانی طلاق دینے سے طلاق پڑجاتی ہے، اسی طرح تحریراً طلاق واقع ہوجاتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور وہ اس پر بالکل حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو، ثم المرسومة لا تخلو أما إن أرسل الطلاق بأن كتب، أما بعد: فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا ديوبند٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦)

وإن كانت الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة ومايتصل به، جديد ١/٥٣٥، قديم ١/٤٧٣)

ولو قال: لزوجته أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۳۰/۳۷)	۱۴۲۵/۴/۲۰ھ

دھمکی دے کر طلاق نامہ لکھوانے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمود علی ولد شبیر علی محلّہ دولت باغ گلی نمبر ۷/مرادآباد، میری شادی ڈیڑھ سال قبل ہوئی تھی، لڑکی کچھ دن بعد اپنے میکہ میں رک گئی مطالبہ یہ تھا کہ آدھا مکان میرے نام کردو، میں نے یہ نہیں کیا، تو لڑکی کے گھر والوں نے اس کو روک لیا اور طلاق مانگ رہے ہیں، میں طلاق نہیں دوں گا، ایک دن میں ادھر سے گذر رہا تھا تو مجھے روک کر گھر لے گئے اور بہت مارا اور پستول میرے سر پر رکھ کر مجھ سے ایک کاغذ پر لکھوایا تو کیا اس طرح طلاق ہوجاتی ہے؟

المستفتی: محمود علی، دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کو مار کر اور دھمکی دے کر طلاق لکھوالیا ہے، اور آپ نے اپنی زبان سے نہیں کہا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کی بیوی پر اس تحریر کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، وہ بدستور آپ کی بیوی ہے۔

أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب لا تطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه، زكريا ٤/ ٤٤٠، كراچي ٣/ ٢٣٥)

وفي فتاوى أهل سمر قند: إذا أكره الرجل بالضرب، والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فكتب، فلانة طالق لا تطلق. (الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/ ٥٣٢، رقم: ٦٨٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۶۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍ ۲؍ ۱۴۱۹ھ

طلاق نامہ لکھوانے سے وقوع طلاق کا حکم

سوال [۶۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی (نکاح) ۲۷؍ دسمبر ۲۰۰۸ء کو اسلوب فاطمہ بنت مظاہر حسین، محلّہ: پیتل بستی سے ہوا تھا، کچھ دن بعد سے اختلاف شروع ہوگیا، جس کی وجہ سے وہ اپنے گھر چلی گئی، میں نے لڑکی کے عزیزوں سے یہ کہدیا کہ بزرگوں کے درمیان بیٹھ کر مسئلہ کو سمجھیں اور اس کو حل کریں؛ لیکن انہوں نے بات نہیں کی اور ایک مہینے کے بعد میرے اوپر دعویٰ عدالت میں داخل کردیا، اس کے بعد پنچایت ہوئی، اس میں یہ طے ہوا کہ لڑکی کی جانب سے مقدمہ واپس لیا جائے اور لڑکے والے اسے واپس سسرال لے جائیں گے، مگر

اس کے دس دن بعد لڑکی کے والد نے اس بات سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے مقدمہ کر دیا، تو آپ بھاگے پھر رہے ہیں اور مجھے آپ کے اوپر بھروسہ نہیں ہے باوجود سمجھانے کے وہ نہیں مانے، اس کے بعد مجبوراً مجھے وکیل سے صلاح لینی پڑی، میرے وکیل نے طلاق کا نوٹس دیدیا اور کہا کہ اس سے طلاق نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ مقدمہ کی کارروائی کا ایک طریقہ ہے اور مجھ سے نوٹس پر دستخط کرالئے اور کہا کہ یہ نوٹس لڑکی کو تعمیل کرادیں، میرا طلاق کا ارادہ نہ پہلے تھا نہ اب ہے، یہ نوٹس میرے وکیل نے میرے بچاؤ کے لئے دیا ہے، میں نے نہ کسی گواہ کے سامنے طلاق دی ہے، نہ میرا ایسا کوئی ارادہ ہے، لڑکی تقریباً چھ ماہ کے حمل سے ہے، نوٹس ۲۱؍جنوری کو دیا ہے، جس میں وکیل نے تین طلاق کا ذکر کیا ہے، برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد ساجد ولد محمد جمیل مرحوم، کسرول، شکلوں کا کنواں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بذریعۂ وکیل ہندی میں جو طلاق نامہ لکھوایا گیا ہے، اس کو دیکھنے کے بعد کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ شوہر کی طرف وہ ساری باتیں وکیل نے اپنی طرف سے لکھی ہوں؛ جب تک کہ شوہر بیٹھ کر وکیل کو نوٹ نہ کرادے، اس وقت تک یہ ساری اندورنی باتیں وکیل نہیں لکھ سکتا۔

بہرحال اس کے باوجود طلاق کی نیت کے بغیر ڈرانے دھمکانے کی غرض سے ہی طلاق نامہ لکھوایا گیا ہو اور پھر لڑکے کے دستخط کے ساتھ وہ طلاق نامہ لڑکی کو پہونچ گیا ہو اور لڑکا اس بات کا اقرار کررہا ہو کہ وکیل کو طلاق نامہ لکھنے کی اجازت دی ہے، اس کے بعد طلاق نامہ پر اس نے خود دستخط کیا ہے، تو اتنی بات سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے شہادت اور گواہی کی ضرورت بھی نہیں ہے؛ لہٰذا بغیر حلالہ کے جانبین میں نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

ولايحتاج إلى النية في المستبين المرسوم ولا يصدق في القضاء أنه عنى تجربة الخط. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ۲۴۷/۳، زكريا ٤٥٦/٤)

لو كتب كتاباً في قرطاس وكان فيه إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق، فنسخه في كتاب آخر، أو أمر غيره أن يكتب نسخة ولم يمل هو فأتاها الكتاب طلقت تطلقتين في القضاء إذا أقر أنهما كتابان، أو قامت عليه بينة. (تاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل السادس في إيقاع الطلاق بالكتابة، جديد زكريا٤/ ٥٣١، رقم: ٦٨٤١، قديم٣/ ٣٧٩، شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ۲۴۷/۳، زكريا ٤/ ٤٥٦)

ولو قال للكاتب: اكتب طلاق امرأتي كان إقرار بالطلاق وإن لم يكتب. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ۲۴۷/۳، زكريا٤/ ٢٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۹۶۴)

طلاق نامہ لکھنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندی میں لکھے طلاق نامہ کی مندرجہ ذیل عبارت کو پڑھ کر زید نے اب سے ڈھائی ماہ قبل دوبار دستخط کئے، پہلے ۵؍ جولائی ۲۰۰۲ء کو پھیکی نیلی بال پنسل سے (یہ دستخط زیادہ نمایاں نہیں تھے) پھیکی روشنائی کی وجہ سے ایک ہفتہ بعد ۱۲؍ جولائی ۲۰۰۲ء کو کالی رنالڈ پنسل سے دوبارہ دستخط کئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ ابھی روک دو مناسب وقت پر ڈاک سے روانہ کردینا زید کا اب یہ کہنا ہے کہ میں نے دستخط طلاق دینے کی نیت

سے نہیں کیئے تھے بس میں نے تو ایک کاغذ سمجھ کر کیئے تھے اور مزید یہ کہ زید نے اپنی زبان سے ایک بھی حرف طلاق دینے کا ادا نہیں کیا ہے

طلاق نامہ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے

زید کی جانب سے خوب سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ آپ کو (اہلیہ کو) مسلم قانون کے مطابق طلاق دے کر اپنی زوجیت سے آزاد کر دے؛ لہٰذا میں ۳/ جولائی ۲۰۰۲ء کو یہ لکھت تحریری طلاق نامہ سے مطلع کرتا ہوں (روانہ کرتا ہو) اس طلاق نامہ کے ذریعہ بھی میں آپ کو لکھت تحریری طلاق دیتا ہوں۔ ۳/ جولائی سے آپ کی عدت شروع ہو چکی ہے، تین ماہ کی عدت کا خرچ ۱۵۰۰/ روپیہ اور مہر کے ۵۰۰/ روپیہ کل ۲۰۰۰/ ہزار روپیہ بذریعۂ منی آڈر ارسال کیئے جاتے ہیں۔

تا حال طلاق نامہ کی تحریر ڈاک سے روانہ نہیں کی جاسکی ہے اور نہ ہی ۲۰۰۰/ روپئے کا منی آرڈر روانہ کیا ہے، ان تمام مذکورہ بالا تحریر اور تفصیل کے بعد دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی ہوئی؟

المستفتی: حاجی حسین، دولہاپور، ٹانڈہ افضل، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ کی جو عبارت سوال نامہ میں موجود ہے، اگر شوہر اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ یہ تحریر اسی کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے یا اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ سرے سے لکھوانے کے بعد اس کو سن کر بخوشی اس پر دستخط کر دیا ہے؛ لیکن اس کو ابھی روانہ نہیں کیا ہے اور اب وہ اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ یہ تحریر اس نے خود لکھی ہے یا دوسرے سے لکھوانے کے بعد بخوشی اس پر دستخط کیا ہے چاہے اس کی نیت کچھ بھی ہو اگر وہ اقرار کرتا ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی بیوی کے پاس نہ منی آرڈر پہونچنا شرط ہے، نہ طلاق نامہ پہونچنا شرط ہے۔ بہر صورت طلاق

مغلظہ واقع ہوگئی ۔(مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۳۸۶،محمودیہ ۴/ ۱۴۵)

ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان إقرار بالطلاق وإن لم يكتب (إلى قوله) وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ۳/ ۲٤۷،زكريا ٤/ ٤٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۶/ ۷۷۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/ ۱۴۲۳ھ

زبردستی طلاق نامہ لکھوانا

سوال [۶۵۷۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی شادی ہوئی اورلڑکی دومرتبہ سسرال گئی اوراس کا شوہر معاش کے لئے ڈیڑھ دوسال کے لئے باہر چلا گیا، پھرشوہر آیا اورلڑکی کو لینے کے لئے میکہ گیا، گھر والے راضی تھے کہ بھیجا جائے گا؛ لیکن لڑکی کہنے لگی میں نہیں جاؤں گی اگرتم لوگ بھیجو گے تو میں زہر کھا کر مرجاؤں گی اورلڑکا کہہ رہا تھا کہ میں طلاق دینے کے لئے تیارنہیں ہوں،تو جب لڑکی راضی نہیں ہوئی،تو اس کے گھر والوں نے زبردستی اس سے طلاق نامہ لکھوا لیا، توکیا خلع کی صورت ہوئی یا طلاق کی ؟اب اس صورت میں مہراورخرچہ دیا جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: نورالدین،سنت کبیرنگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زبردستی محض طلاق نامہ لکھوا لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ، ہاں البتہ زبردستی پہلے اس سے زبانی طلاق دلائی گئی،، پھر طلاق نامہ بھی لکھوایا گیا،تواب طلاق واقع ہوگئی ہے۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۱۴۸)

شامی کی عبارت ہے:

وفي البحر أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب لا تطلق. (شامي، كتاب الطلاق، كراچی ۳/۲۳۶، زكريا ٤/٤٤٠، البحر الرائق، كوئٹه ۳/۲٤٥، زكريا ۳/٤۲۹)

سوال میں مذکورہ صورت خلع کی نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ خلع کے لئے جانبین سے رضا مندی ضروری ہے کہ عورت مہر معاف کردے اور شوہر طلاق دے۔

قال اختلعت بتطليقة بائنة على كل حق يجب للنساء على الرجال قبل الخلع وبعده. (بزازيه، زكريا ۱/۱۳۷، وعلى هامش الهندية ۱/۲۱۰)

اور طلاق کے واقع ہونے کی صورت میں شوہر پر مہر اور نفقہ واجب ہوگا؛ جبکہ اس نے دخول کرلیا ہو، اگر دخول نہیں کیا ہے تو نصف مہر دینا ہوگا۔

صح نكاحه وطلاقه وعتاقه ورجع نصف المسمى إن لم يطأ وفي الشامية: لأنه إن وطئ لا يرجع؛ لأن المهر تقررهنا بالدخول لا بالطلاق.

(درمختار مع الشامي، زكريا ۹/۱۸۹-۱۹۰، كراچي ٦/۱۳۷-۱۳۸)

تجب لمطلقة الرجعي والبائن، تحته في الشامية؛ لأن النفقة تابعة للعدة. (شامي، كراچي ۳/٦۰۹، زكريا ديوبند ٥/۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ٦٤٤٦)	۱۹/۱/۱۴۱۹ھ

طلاق نامہ کی تفصیل بتائے بغیر شوہر کے اس پر دستخط لینا

سوال [٦٥٧٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندہ محمد علیم بن محمد نسیم کا نکاح ۴؍اپریل ۱۹۹۹ء کو شرع محمدی کے مطابق عبدالجمیل کی دختر شازیہ پروین کے ہمراہ ہوا تھا؛ لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کے بیچ میں کچھ لوگوں نے

مداخلت کر کےلڑکی کو رخصت کرنے سے انکار کر دیا اور جہیز واپس کرنے پر اصرار کرنے لگے، مجبوراً ہم نے لڑکی کا جہیز واپس کر دیا اور لڑکی والوں نے اسٹامپ پیپر پر ہم سے دستخط لے لیا کہ بندہ محمد علیم بن محمد نسیم نے تین طلاق دیدی ہیں، بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ جس کاغذ پر دستخط لیا گیا ہے اس میں تین طلاق کا ذکر ہے؛ جبکہ ہم نے ایک طلاق بھی نہیں دی اور اس کاغذ پر لڑکی سے بھی جبراً دستخط کرالیا گیا ہے اور اسٹامپ پیپر پر جن دو گواہ کے دستخط ہیں کہ لڑکے نے طلاق دیدی ہے، اس اسٹامپ پیپر پر لفظ طلاق کو پڑھ کر نہیں سنایا گیا ہے اور دستخط لے لیا گیا، علمائے دین اس بارے میں فتوی صادر فرمائیں کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد علیم الدین ابن محمد نسیم، محلّہ: مغلپورہ، سقہ اولی، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ لکھ کر اس کی تفصیلات شوہر کو بتائے بغیر اور طلاق کی صراحت کی تحریر شوہر کو دکھائے یا بتلائے بغیر محض اس سے دستخط لینے سے طلاق نہیں ہوتی؛ بلکہ تحریری طلاق کے لئے شرط یہ ہے کہ شوہر اپنے ہاتھ سے خود لکھ کر کے طلاق نامہ پر دستخط کر دے یا اس کے حکم سے دوسرا آدمی لکھدے اور کیا لکھا ہے اسے پڑھ کر سنا دے اس کے بعد شوہر بخوشی اس پر دستخط کر دے، جب جا کر کے طلاق واقع ہوتی ہے ورنہ نہیں ہوتی اور مذکورہ طلاق نامہ میں ایسی کوئی شکل نہیں ہے اور نہ ہی الفاظ طلاق شوہر کو پڑھ کر سنائے گئے ہیں؛ اس لئے مذکورہ طلاق نامہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور دونوں کا نکاح شرعی طور پر بدستور باقی ہے۔

وکذا کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لایقع الطلاق مالم یقر أنہ کتابہ. (شامي، کتاب الطلاق، قبیل باب الصریح، کراچي ٣/٢٤٨، زکریا ٤/٤٥٦، هندية، زکریا قدیم ١/٣٧٩، جدید ١/٤٤٦، تاتار خانیة، زکریا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۰۳)

طلاق نامہ پر دستخط کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۶۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں رقیہ خاتون ولد حافظ عبد القیوم میری شادی ۵/ نومبر ۲۰۱۰ء میں ہوئی تھی، میرے شوہر عبد الکریم ولد زین العابدین کا میرے ساتھ سلوک اچھا نہیں تھا، ان کی بہت سی عادتیں میرے مزاج کے خلاف تھیں، وہ ناجائز طریقے سے ہم بستر کرتے تھے، جسے شریعت میں حرام قرار دیا ہے، تعویذ غنڈے کرتے ہیں، تنز کرتے ہیں وہ آسام کے ہیں۔

قرآن کا غلط استعمال کرتے ہیں، میرے لڑکی پیدا ہوئی تو مجھ سے جھگڑا کیا اور مار پیٹ کی کہ لڑکی کیوں ہوئی، لڑکا کیوں نہیں ہوا، ان تمام باتوں کے سامنے میرا دل نہیں ملا، میں نے ان سے پنچایت کی اور ان سے طلاق لے لی؛ لیکن پنچایت میں میں موجود نہیں تھی، اس طلاق کے گواہ ہیں، جو کہتے ہیں کہ طلاق دے دی؛ لیکن میرے شوہر اس طلاق سے مکر رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میں نے زبان سے لفظ ادا نہیں کیا طلاق نامہ پر دستخط کئے ہیں، اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتیہ: رو قیہ خاتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے طلاق نامہ پر بخوشی دستخط کر دیئے ہیں اور اس کا اقرار بھی کر رہا ہے، تو جتنی طلاق طلاق نامہ پر لکھی گئی ہیں اتنی طلاق واقع ہو چکیں اور طلاق کے واقع ہونے کے لئے زبان سے کہنا لازم نہیں ہے؛ بلکہ اپنی خوشی سے تحریر کے طور پر طلاق دینے سے یا لکھی ہوئی تحریر پر سمجھ کر دستخط کر دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل۱۲/ ۵۸۵)

عن حماد قال: إذا كتب الرجل إلى امرأته –إلى قوله– أما بعد فأنت طالق، فهي طالق. الحديث (مصنف لابن أبي شيبه، كتاب الطلاق، في الرجل يكتب طلاق امرأته بيده، مؤسسة علوم القرآن بيروت ۹/ ٥٦٢، رقم: ١٣٠٤)

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوىٰ، أو لم ينو، ثم المرسومة لاتخلوا إما أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد! فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، زكريا ٤/ ٤٥٦، كراچي ٣/ ٢٤٦، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٧٨، جديد ١/ ٤٤٦، فتاوى قاضي خان، زكريا ١/ ٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/ ٤٧١، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/ ٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، شامي، كراچي ٣/ ٢٤٧، زكريا ٤/ ٤٥٦)

رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته فأتاها الكتاب وأقر الزوج أنه كتابه فإن الطلاق يقع عليها. (هندية، زكريا قديم ١/ ٣٧٩، جديد ١/ ٤٤٦، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/ ٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، شامي، كراچي ٣/ ٢٤٦-٢٤٧، زكريا ديوبند ٤/ ٤٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۲۸ھ

زبان سے طلاق دیئے بغیر طلاق نامہ پر دستخط لینے سے عدم وقوع طلاق

سوال [۶۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ شبنم جہاں کی شادی راشد علی کے ساتھ لگ بھگ ۲ر سال قبل ہوئی تھی، لڑکی کے باپ سے لڑکے والوں میں کسی بات پر تکرار ہوگئی اور شادی کو ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ لڑکی کے باپ نے جہیز کی دفعہ لگا کر پولیس کیس بنا دیا اور پولیس کے دباؤ میں آکر لڑکی کا تمام جہیز واپس کر دیا اور اپنا سب زیور واپس لے لیا اور قانونی طریقہ سے وکیل سے فیصلہ نامہ لکھا کر لڑکے سے زبردستی دستخط ۲ر گواہوں کے سامنے کرالئے، دونوں گواہوں کا کہنا ہے کہ لڑکے نے زبان سے طلاق ادا نہیں کی اور نہ لڑکا طلاق دینا چاہتا تھا، اب یہ مسئلہ لوگوں میں زیر بحث ہے کہ نکاح کا اقرار زبان سے کیا جاتا ہے؛ لہٰذا طلاق بھی زبان سے دی جاتی ہے، اس بارے میں علماء دین کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: شاکر حسین، جوڑی فروش، محلّہ: نوبت خانہ، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جبراً اور دباؤ کے ذریعہ طلاق کے الفاظ کہلوا لئے جائیں تو اس سے شرعاً طلاق ہوجاتی ہے اور اگر زبان سے نہ کہلوا کر صرف تحریر لی جائے یا طلاق نامہ پر دستخط کرالئے جائیں اور شوہر بخوشی دستخط نہ کرے؛ بلکہ صرف دباؤ میں آکر دستخط کرے، تو اس سے طلاق نہیں ہوتی اور مسئولہ صورت میں چونکہ شوہر پر دباؤ ڈال کر صرف فیصلہ نامہ پر دستخط لئے گئے ہیں؛ لہٰذا اس سے طلاق نہیں ہوئی۔

فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق الخ. (شامي، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا ٤/٤٤٠، البحر الرائق كوئٹه ٣/٢٤٦، زكريا ٣/٤٢٩)

رجل أكره بالضرب، والحبس على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب فلانة بنت فلانة امرأته طالق وفي الحاوي: ولم يعبر بلسانه، لا تطلق.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، ١/٤٧٢، بزازية، زكريا ١/١٢٠، وعلى هامش الهندية، ٤/١٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍ ۶۶۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹؍ ۵؍ ۱۴۲۱ھ

پولیس کے دباؤ سے طلاق نامہ پر دستخط

سوال [۶۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا (محمد رضی) کا نکاح فرح ناز کے ساتھ ۲۰۰۹ء میں ہوا تھا، ایک بچی کی ولادت بھی ہوئی؛ لیکن بعد میں ہم دونوں میں آپسی اختلاف بڑھنے کی وجہ سے ناراضگی میں فرح ناز اپنے میکہ چلی گئیں اور کچھ ماہ بعد انہوں نے تھانے میں میرے خلاف درخواست دیدی، مجھے طلب کیا گیا اور تھانے میں مجھ سے سوال ہوا کہ تم کیا چاہتے ہو، میں نے کہا کہ میں اپنی بیوی فرح ناز کو رکھنا چاہتا ہوں، فرح ناز نے کہا کہ میں رہنا نہیں چاہتی، مجھے میرا سامان چاہئے اور بچی چاہئے، اس کے بعد پولیس کے دباؤ اور سختی سے بچنے کے لئے کچہری میں طلاق نامہ تیار کرایا گیا اور اس پر مجھ سے دستخط کرائے؛ لیکن میں نے نہ اس طلاق نامہ کو پڑھا اور نہ زبان سے تلفظ کیا طلاق کا، طلاق نامہ میرے ہاتھ میں دیتے وقت کہا گیا تھا کہ یہ طلاق نامہ ہے، اس پر دستخط کردو، میں نے یہ سمجھ کر کہ جب تک زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کیا جائے طلاق نہیں ہوتی، میں نے دستخط کر دیا، اس کے بعد گھر آنے کے بعد والد صاحب نے کہا زبانی طلاق دو، میں نے صاف منع کر دیا، آپ بتائیں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس کے بعد اس کا سامان چلا گیا اور بچی میرے ہی پاس رہی، اب فرح ناز میرے پاس رہنا چاہتی ہے اور میں بھی اس کو رکھنا چاہتا ہوں از روئے شرع اس طرح طلاق نامہ تیار ہونے سے جس کو نہ میں نے پڑھا اور نہ طلاق کا تلفظ کیا، کیا طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد رضی، سرائے ترین، سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زبان سے کوئی لفظ طلاق استعمال نہیں کیا گیا ہے، تو ایسی صورت میں تحریری طلاق اس وقت معتبر ہوتی ہے، جب شوہر نے اپنی مرضی سے طلاق نامہ لکھوایا ہو اور اس پر بخوشی دستخط کردیا ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے؛ بلکہ پولیس کے دباؤ کی وجہ سے شوہر نے طلاق نامہ پر دستخط کیا ہے اور تحریری طلاق میں دباؤ کے ساتھ دستخط کردینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ چنانچہ بعد میں جب باپ نے زبانی طلاق دینے کے لئے کہا تو بیٹے نے صاف انکار کردیا ہے، یہ سب باتیں اس بات پر دلیل ہیں کہ سرکاری دباؤ کے نتیجے میں اس نے دستخط کردیا ہے؛ اس لئے صورت مذکورہ میں طلاق نامہ پر جو دستخط کیا گیا ہے اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ لہٰذا محمد رضی کا نکاح فرح ناز کے ساتھ بدستور باقی ہے، شرعی طور پر دونوں ایک دوسرے کے میاں بیوی ہیں۔

رجل أكره بالضرب، والحبس على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب فلانة بنت فلا نة امرأته طالق. و في الحاوي: ولم يعبر بلسانه، لا تطلق.

(الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٤/٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣،وهكذا في الهندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، ١/٤٧٢، بزازيه، زكريا ١/١٢٠، وعلى هامش الهندية، ٤/١٨٥، شامي، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا ٤/٤٤٠، البحر الرائق، كوئٹه ٣/٢٤٦، زكريا ٣/٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۱۲۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۸/۳ھ

طلاق نامہ پر دباؤ ڈال کر دستخط کرانا

سوال [٦۵٨٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ میرے والد اور میری بیوی کے والد میں کسی بات پر کچھ تکرار ہو گئی انہوں نے اپنی بیٹی کو روک لیا، میں بلانے گیا لڑکی کو نہیں بھیجا اور میرے اوپر مقدمہ قائم کر دیا جو کہ اب بھی چل رہا ہے، پنچایت بھی ہوئی اور انہوں نے فیصلہ کر دیا؛ لیکن میں نے اپنی بیوی کو طلاق بھی نہیں دی؛ کیونکہ میں اپنے گھر تھا اور میری بیوی اپنے میکہ میں تھی؛ لہٰذا یہ طلاق ہوئی یا نہیں؛ کیونکہ خسر صاحب نے زبردستی طلاق نامہ لکھوادیا اور کہا کہ اس پر دستخط کر دو میں نے دستخط کر دیئے، میری بیوی نے بھی دستخط کر دیئے، ادھر میرے والد امیر خاں کا انتقال ہو گیا، اب میری بیوی میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ مقدمہ بھی ختم ہو جائے، میں بغیر پڑھا لکھا تھا، طلاق نامہ نہ ہی مجھے پڑھ کر سنایا گیا اور نہ ہی میری بیوی میرے سامنے موجود تھی، مجھ سے زبردستی دستخط کرالئے گئے اور میری بیوی سے کہا گیا جب تمہارے شوہر نے دستخط کر دیئے تو تم بھی دستخط کر دو؛ لہٰذا میری بیوی نے بھی دستخط کر دیئے، میں نے ان کے مطلب کو سمجھے بغیر دستخط کر دیئے اور میں پھر یہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے۔

المستفتی: ناصر خاں، تھانہ، ناگ پھنی دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تحریری طلاق کے واقع ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ اپنی مرضی سے تحریر خود لکھا ہو یا اپنی مرضی سے دوسرے سے لکھوایا ہو، پھر وہ لکھی ہوئی تحریر اس نے پڑھی ہو یا پڑھ کر اسے سنائی گئی ہو اور پھر اس نے اس تحریر پر اپنی مرضی سے دستخط کر دیا ہو، تب جا کر طلاق واقع ہوتی ہے ورنہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور سوال نامہ میں صاف لفظوں میں لکھا ہوا ہے کہ شوہر پر دباؤ ڈال کر دستخط کروایا گیا ہے اور شوہر نے نہ اس تحریر کو پڑھا ہے اور نہ ہی اس کو پڑھ کر سنایا گیا؛ اس لئے مذکورہ طلاق نامہ پر بغیر پڑھے اور بغیر سنے دستخط کر دینے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی؛ لہٰذا ناصر خاں کی بیوی ریشما پروین ناصر خان کے نکاح میں بدستور باقی ہے۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٧، زكريا ٤/٤٥٦، تاتارخانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۱۳۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۱۱/۳ھ

شوہر سے اس کی مرضی کے بغیر طلاق نامہ پر دستخط کرانا

سوال [۶۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک اسٹامپ پیپر پر ایک منشی سے طلاق نامہ لکھوایا گیا، پھر شوہر سے زبردستی دباؤ ڈال کر اس اسٹامپ پیپر پر دستخط کرائے گئے، شوہر نے نہ اس طلاق نامہ کو پڑھا، نہ ہی اس نے سنا اور نہ ہی شوہر نے اسٹامپ پیپر میں لکھے ہوئے مضمون کا اقرار کیا اور نہ ہی شوہر نے اس وقت یا اس سے قبل زبان سے کبھی طلاق کے الفاظ کو ادا کیا؛ البتہ شوہر اور بیوی کے اہل خانہ نے اس اسٹامپ پیپر کے مضمون پر رضامندی کا اظہار فرمایا، بیوی اس وقت اپنے والدین کے گھر ہے اور شوہر بیوی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کے لئے رضامند ہیں اور بے چین ہیں؛ کیونکہ ان کے تین بچے ہیں؛ لہٰذا بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: شمس الدین، خوشبو گارمینٹس، محلّہ: پنچایتی مندر، مینا مارکیٹ، نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ کا بیان اپنی جگہ صحیح ہے کہ جس تحریر پر دباؤ ڈال کر شوہر سے دستخط کرایا گیا ہے، اس پر شوہر نے بخوشی دستخط نہیں کیا ہے، تو ایسی تحریر سے شرعی طور پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، دونوں کا نکاح بدستور باقی ہے۔ نیز ایسی تحریر سے بھی طلاق نہیں ہوتی ہے، جس کو خود نہ لکھا ہو یا تحریر میں کیا بات ہے سن کر بخوشی دستخط نہ کیا ہو

اور نہ ہی زبان سے کہا ہو۔

رجل أكره بالضرب، والحبس على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب فلانة بنت فلانة امرأته طالق. وفي الحاوي: ولم يعبر بلسانه لا تطلق.

(الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، ١/٤٧٢، بزازيه، زكريا ١/١٢٠، وعلى هامش الهندية، ٤/١٨٥، شامي، كراچي٣/٢٣٦، زكريا٤/٤٤٠، البحرالرائق، كوئٹه ٣/٢٤٦، زكريا٣/٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۱۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۲۳ھ

طلاق نامہ پر زبردستی انگوٹھا لگوانا

سوال [۶۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند سال قبل میرا نکاح ہوا اور ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی ہے، دریں اثناء جانبین میں کچھ تلخی اور ناچاقی پیدا ہوگئی، جس کی بناء پر میرے خسر اور دیگر افراد خانہ نے ڈرا دھمکا کر زبردستی ایک ہندی میں لکھے ہوئے پرچہ پر مجھ سے دستخط اور انگوٹھا لگوالیا، جس پرچہ پر یہ الفاظ درج تھے، دو سال ہوئے لوگوں کا آنا جانا ہوا، جس میں ادھر کی بات ادھر ادھر کی بات ادھر ہوئی جس کی بناء پر ریحانہ سسرال جانا نہیں چاہتی، میں اس کو دین مہر دلا کر اپنی زوجیت سے برخواست کررہا ہوں، واضح رہے کہ میں نے زبان سے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں میری بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: صابر عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس طلاق نامہ پر زبردستی اور دباؤ کے ذریعہ سے انگوٹھا لگوایا گیا ہے اور شوہر نے زبان سے کوئی طلاق نہیں دی ہے، تو ایسے طلاق نامہ سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، ریحانہ صابر عالم کے نکاح میں بدستور باقی ہے۔
(مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۸/۱۸۷، ۱۰/۳۸۴، جدید ڈابھیل ۱۲/۵۸۹-۶۳۸)

رجل أكره بالضرب، والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان ابن فلان طالق، لا تطلق امرأته لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا. (فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، ١/٤٧٢، بزازيه، زكريا ١/١٢٠، وعلى هامش الهندية، ٤/١٨٥، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، تاتار خانية، زكريا ٤/٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣، شامي، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا ٤/٤٤٠، البحرالرائق، كوئٹه ٣/٢٤٦، زكريا ٣/٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷ ؍ ۸۳۷۵)	۱۴۲۵/۵/۱۵ھ

طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرانے کے بعد زبانی طلاق کہلوانا

سوال [۶۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضیاء الرحمٰن سے چھ ماہ قبل ایک طلاق نامہ پر دستخط کروالئے گئے، ضیاء الرحمٰن نے اس طلاق نامہ کو نہ ہی پڑھا اور نہ سنا، پولیس کی پٹائی کے بعد اس پر دستخط کردیئے، طلاق نامہ میں تین دفعہ طلاق دینے کا تذکرہ ہے اور دستخط کے بعد صرف ایک دفعہ زبان سے بھی طلاق لی گئی تھی۔ اب جبکہ اس واقعہ کو چھ ماہ کا عرصہ ہوچکا، تو بیوی دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، محلّہ: شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ پر جبراً دستخط کروانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، لہٰذا جب شوہر ضیاء الرحمٰن نے اس طلاق نامہ کو نہ پڑھا ہے اور نہ ہی سنا ہے تو اس صورت میں اس کی بیوی پر کوئی طلاق نہیں ہوئی؛ لیکن چونکہ اس نے دستخط کے بعد زبان سے بھی ایک مرتبہ طلاق دیدی ہے؛ اس لئے اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، شوہر کو عدت کے درمیان رجوع کا حق تھا؛ لیکن اس واقعہ کو اب چھ ماہ ہوچکے ہیں اس درمیان اس کی عدت بھی گذرگئی ہے اور عدت گذرنے کے بعد بائنہ ہوجاتی ہے؛ اس لئے اب رجعت کا حق باقی نہ رہا۔ اب بیوی کو پورا حق مل گیا کہ کسی کے ساتھ بھی دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

وفي البحر أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة و لاحاجة هنا، كذا في الخانية. (شامي، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا٤/٤٤٠، البحرالرائق، كوئٹه ٣/٢٤٦، زكريا ٣/٤٢٩، تاتار خانية، زكريا ٤/٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦، قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية ١/٤٧٢، بزازيه، زكريا ١/١٢٠، وعلى هامش الهندية ٤/١٨٥)

فإن طلقها ولم يراجعها؛ بل تركها حتى انقضت عدتها بانت. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵ ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۷۰/۳۷)	۱۴۲۵/۲/۲۵ھ

طلاق نامہ پر دستخط کرنا

سوال [۶۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤرخہ: ۱۹۹۱/۲/۱۴ء کو میری شادی ہوئی دو ماہ تک حالات معمول پر

چلتے رہے، اس کے بعد میرے والدین اور شوہر کے گھر والوں کے بیچ سخت کشیدگی پیدا ہوگئی، دونوں طرف کے فریقین اپنی اپنی ضد پر اڑے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اور میرے بیچ علیحدگی کا فیصلہ ہوا، اسٹامپ پیپر کے اوپر طلاق نامہ لکھا گیا، میرے شوہر نے دستخط نہیں کیئے، انہوں نے کہا پہلے عائشہ سے کرا کر لاؤ؛ لہٰذا میرے پاس کاغذ آیا تو اپنے والدین کے ارادوں کے مطابق میں نے دستخط کر دیئے اس کے بعد انہوں نے کر دیئے، ۱۷/ اپریل ۱۹۹۲ء کو یہ کام ہوا۔ دوسرے دن سے ہی میرے شوہر میرے اور اپنے رشتہ داروں کے پاس گئے اور یہ کہا کہ میں اپنا گھر برباد کرنا نہیں چاہتا تھا، مجھ سے میرے گھر والوں نے یہ کام جبراً کرایا ہے، میرے گھر بھی انہوں نے اپنے دوست احباب کو بھیجا اور خود بھی آئے، وہ میرے والدین اور خاص طور سے مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں، میں ایام عدت میں ہوں، اسی لئے میں نے بات کرنے سے انکار کر دیا، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نے لفظ طلاق منھ سے ادا نہیں کیا ہے اور نہ ہی دل سے ارادہ کیا تھا؛ اس لئے یہ کام شرعی طور پر نہیں ہوا ہے، مؤدبانہ التماس ہے کہ مجھے بتائیں کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہئے؟ اپنے قیمتی مشورہ سے آگاہ کریں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتیہ: عائشہ پروین، محلّہ: سرائے کشن لال، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے اپنے دستخط کو بیوی کے دستخط پر موقوف کیا ہے؛ چنانچہ بیوی کے دستخط کرنے پر شوہر نے بھی دستخط کر دیئے ہیں، اس میں کسی نے شوہر کو مار پیٹ وغیرہ سے ڈرایا دھمکایا بھی نہیں ہے؛ اس لئے اگر شوہر نے طلاق نامہ کی عبارت خود پڑھا ہے یا دوسرے سے سن کر دستخط کیا ہے، تو طلاق نامہ میں جتنی طلاق لکھی گئی ہیں وہ واقع ہو جائیں گی اور اگر تعداد نہیں لکھا ہے؛ بلکہ صرف ایک بار لفظ طلاق لکھا ہے تو عدت کے اندر رجعت کی گنجائش ہے اور بعد عدت نکاح کی اجازت ہے اور اگر تین مرتبہ لکھا گیا ہے تو بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

وإن كـان الطـلاق ثـلثاً فـي الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً ويد خل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوی عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ٤٧٣، جدید ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/ ٣٩٩)

عـن عبـد الله وعـن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فـذكر التفسير –إلى قوله– الطلاق مرتان: قال: وهو الميقات الذي يكون عـليها فيـه الـرجعة، فإذا طـلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسك ويراجع بـمعروف وإما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها، فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبیهقي، دارالفکر بیروت ١١/ ٢٨٢، رقم: ١٥٥٣٩)

إذا طـلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها. (هـداية، اشـرفي ديو بند ٢/ ٣٩٤، مختصر القدوري، امدادیه دیوبند ١٧٧، زکریا قدیم ١/ ٤٧٠، جدید ١/ ٥٣٣)

عـن سـمـاک قال: سمعت عكرمةؓ، يقول: الطلاق مرتان فإمساک بـمعروف، أوتسريح باحسان. قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نـكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثًا فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (الـمـصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، بيروت ١٠/ ١٩٧، رقم: ١٩٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۱/ ۱۴۱۲ھ

طلاق نامہ پر زبردستی دستخط کرانے کا حکم

سوال [۶۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام محمد سلیم ہے، میری شادی ۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی، میرے سسرال والوں

نے مجھ پر پولیس اور نیتاؤں کا دباؤ ڈال کر مجھ سے طلاق کے کاغذ پر دستخط لے لئے؛ جبکہ میں نے آج تک ان کاغذوں کو پڑھا بھی نہیں ہے اور میں نے زبان سے بھی طلاق کا کوئی لفظ نہیں بولا ہے اور اس واقعہ کو دو سال گذر چکے ہیں۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اس طرح پولیس اور نیتاؤں کے دباؤ پر مجھ سے جو دستخط لئے گئے ہیں اس سے طلاق ہو جائے گی یا نہیں؟ جبکہ یہ دباؤ والی بات میرے گھر والے اور بیوی کے گھر والے سب جانتے ہیں۔ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد سلیم بن محمد فاروق، مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ میں لکھی ہوئی تحریر صحیح اور واقعہ کے مطابق ہے تو حکم شرعی یہ ہے کہ محمد سلیم نے نہ طلاق نامہ اپنی مرضی سے لکھوایا ہے اور نہ ہی اس نے لکھا ہے اور نہ ہی اس نے اپنی زبان سے طلاق کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور دوسروں کے تیار کردہ طلاق نامہ پر طاقت کے ذریعہ سے دباؤ ڈال کر دستخط لئے ہیں، تو ایسی صورت میں دباؤ کے ساتھ طلاق نامہ پر محض دستخط کر دینے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ لہٰذا سوال نامہ کے مطابق محمد سلیم کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، زن وشوہر کا رشتہ بدستور باقی ہے۔

فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق. (شامي، زكريا ٤/ ٤٤٠، كراچي ٣/ ٢٣٦)

وكذلك كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يملله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه. وفي الظهيرية: رجل أكره بالضرب، والحبس على أن يكتب طلاق امرأته، فكتب فلانة بنت فلانة امرأته طالق. وفي الحاوي: ولم يعبر بلسانه لا تطلق. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ٥٣١-٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸ / ۹۳۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶ / ۷ / ۱۴۲۸ھ

طلاق نامہ پر بغیر پڑھے ہوئے شوہر کا دستخط کرنا

سوال [۶۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد نے کچہری سے اسٹامپ پیپر پر ایک طلاق نامہ لکھوایا، جس میں یہ تحریر ہے کہ آپسی سہمتی سے طلاق ہوگئی ہے، اس تحریر پر میں نے بغیر پڑھے اور بغیر سنے دستخط کردیئے ہیں، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں بعد میں مجھے بتایا گیا کہ تیری بیوی کا فیصلہ ہوگیا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں جبکہ میں نے نہ طلاق نامہ لکھوایا، نہ پڑھا، نہ سنا تو کیا طلاق ہوگئی؟ اور اب میں بیوی کو رکھنا چاہتا ہوں طلاق نہیں دینا چاہتا نہ دوں گا اور طلاق نامہ میں ’’قطعی طلاق روبرو گواہان دینے کی جو بات لکھی ہے وہ غلط ہے، طلاق نہ زبانی دی گئی ہے، نہ گواہان کے سامنے دی گئی ہے۔

المستفتی: ریاض حسین، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے خود لکھوایا نہیں اور نہ ہی اس نے خود لکھا اور نہ ہی اس کو پڑھ کر سنایا گیا اور نہ ہی زبانی طلاق دی، تو ایسی صورت میں بغیر پڑھے اور بغیر سنے محض دستخط کردینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی اور مذکورہ تحریر میں روبرو طلاق دی وغیرہ جو الفاظ بھی ہیں سوال نامہ میں اس کا انکار ہے؛ لہٰذا میاں بیوی کے درمیان نکاح بدستور باقی ہے اور دونوں میاں بیوی کی طرح ایک ساتھ زندگی گذار سکتے ہیں۔

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كراچي ۳/۲۴۷، زكريا ٤/٤٥٦، تاتار خانية، زكريا ٤/ ٥٣١،

رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ٣٧٩/١، جديد ٤٤٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۹۴۳۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۳ھ

طلاق نامہ پر بخوشی دستخط کرنا

سوال[۶۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی کی شادی محمد اسلام سے ہوئی، تین سال تک میری لڑکی اپنی سسرال رہی اس کے بعد سات سال تک میرے یہاں رہی، مقدمہ بازی ہوئی تو اسلام کے وکیل نے کہا کہ تم مہر جہیز وغیرہ نہ لو تو ہم صلح کرادیں گے اور مقدمہ بھی ختم کرادیں گے، میں تیار ہوگیا اور دو وکیلوں نے اسٹامپ پیپر خرید کر لا دیا اس پر لکھا تھا کہ میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، تو اسلام نے آٹھ گواہوں کے سامنے اور لڑکی کے سامنے اور دونوں وکیلوں کے سامنے کہا میں راضی ہوں، پھر وکیل نے کہا کہ اب تمہاری زوجیت سے علیحدہ ہوگی تو اس پر بھی اسلام نے کہا کہ میں راضی ہوں۔ اب بتائیے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد اسمعیل، رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: تحریری طلاق بھی صحیح ہوکر واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب تین طلاق لکھوا کر بخوشی اس پر دستخط کردیا، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

ولو استكتب من رجل آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه الزوج وختمه، وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه.

(شامي، كراچي ٢٤٧/٣، زكريا ٤٥٦/٤، تاتار خانية، زكريا ديوبند ٥٣١/٤، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ٣٧٩/٣، جديد ٤٤٦/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۱۹)

تحریری طلاق بائن

سوال [۶۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی منکوحہ بیوی کو کسی ناراضگی کی بنا پر اس کی غیر موجودگی میں تحریری طلاق بائن دی اور طلاق نامہ بذریعۂ رجسٹرڈ ڈاک اس کے پاس بھیج دیا جسے مذکورہ عورت یا اس کے والد یا بھائی کسی نے وصول نہیں کیا، طلاق نامہ پر گواہوں کے دستخط بھی ثبت ہیں، اس کی اطلاع زید نے اخبار کے ذریعہ بھی دے دی، بعد میں مذکورہ عورت کے بھائیوں وغیرہ کے سامنے بھی زید نے طلاق کا اقرار کیا۔

(۱) کیا صورت مذکورہ بالا میں ازروئے شریعت طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: زید، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خط میں طلاق لکھنے سے شرعاً طلاق واقع ہوجاتی ہے، اگرچہ لڑکی والوں نے طلاق نامہ وصول نہ کیا ہو۔ نیز جب بعد میں شوہر نے اقرار کرلیا ہے، تو مزید تائید ہوگئی ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق واقع ہوچکی ہے۔

(مستفاد: فتاوی امدادالفتاوی ۲/ ۳۸۶)

إن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى، أو لم ينو الخ. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ۳/ ۲٤٦، زكريا٤/ ٤٥٦، هندية، زكريا١/ ٣٧٨، جديد ١/ ٤٤٦، فتاوى قاضي خان، جديد زكريا ١/ ٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا١/ ٤٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الاُخری ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۲۷۴۳۷)

نوٹس کے ذریعہ سے بیوی کو تین طلاق لکھ کر دینا

سوال [٦٥٨٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر محمد فہیم نے اپنی بیوی کو ایک نوٹس لکھ کر بھیجا، جس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ آپ سے میرا کسی طرح کا میاں بیوی کا کوئی تعلق نہیں؛ لہٰذا آج سے میں آپ کو اپنی طرف سے اپنے نکاح سے آزاد کرتا ہوں اور آپ کو تین بار طلاق، طلاق، طلاق، کہہ کر روبرو گواہان طلاق دیتا ہوں اور اب آج سے آپ سے میاں بیوی یا کسی طرح کے تعلق کا واسطہ نہیں ہے اور شوہر محمد فہیم اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ میں نے ہی یہ مذکورہ الفاظ بذریعۂ نوٹس لکھ کر بھیجے ہیں اور بیوی نے بھی اسے پڑھوا کر سن کر اس پر دستخط کر دیئے، اب پوچھنا یہ ہے کہ بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی، تو بیوی پر عدت گزارنا لازم ہے یا نہیں اور بیوی اپنے میکہ ہی میں ہے؟

المستفتی: سعید الرحمٰن، متصل ہری چگوک والی مسجد اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بذریعۂ نوٹس یہ الفاظ لکھ کر بھیجے کہ میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں اور شوہر اس بات کو تسلیم بھی کر رہا ہے، تو شوہر محمد فہیم کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے۔ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح درست نہیں ہے اور بیوی پر عدت گزارنا لازم اور ضروری ہے اور عدت کی ابتدا طلاق کے وقت سے مانی جائے گی۔

ولو استکتب من آخر کتاباً بطلاقها وقرأه علی الزوج، فأخذه

وختمه وعنونه وبعث به إليها، فأتاها وقع إن أقرّ الزوج أنه كتابه. (شامي، كراچي ۳/۲٤٦، زكريا ٤/٤٥٦، الفتاوى التاتارخانية زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦)

رجل تزوج امرأة نكاحًا جائزاً فطلقها بعد الدخول، أو بعد خلوة الصحيحة كان عليها العدة. (عالمگيرى، زكريا قديم ١/٥٢٦، جديد ١/٥٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۴۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۱۱ھ

طلاق ثلاثہ کی رجسٹری کرنا

سوال [۶۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۲۰۰۹/۱۲/۵ء کو اپنی بیوی شمع پروین عرف شبانہ کو ایک طلاق نامہ بذریعہ رجسٹری ڈاک بھیجا تھا، جس کو انہوں نے وصول نہیں کیا، وہ رجسٹری واپس آ گئی، اس طلاق نامہ میں میں نے ''تین مرتبہ طلاق دیدی'' لکھا تھا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ میری بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

(۲) کیا مجھے اپنی بیوی کو مہر دینا پڑے گا؟

(۳) میرا زیور بیوی کے پاس ہے، وہ مجھے واپس ملے گا یا نہیں؟؛ جبکہ خاندان میں طلاق کے موقع پر زیور واپس لے لیا جاتا ہے؟

(۴) اگر ہم اس فتوی کو رجسٹری کے ذریعہ شمع پروین کے پاس بھیجتے ہیں اور وہ اس کو قبول نہ کریں تو کیا اس رجسٹری کا قبول نہ کرنا اس کا ثبوت ہوگا کہ ہم نے اسے پوری طرح طلاق دیدی ہے؟

المستفتی: انور حسین، سرائے حسینی، بیگم ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)جب شوہرخوداس بات کااقرارکررہاہے کہ میں نے اپنی بیوی شمع پروین عرف شبانہ کوتین طلاقیں دے کرتحریری طور پررجسٹری کردی، توایسی صورت میں بیوی پرطلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔اب ان دونوں کے درمیان اسلامی شریعت کے مطابق میاں بیوی کاتعلق ختم ہوچکاہےاورطلاق کے واقع ہونے کے لئے نہ بیوی کا آمنے سامنے ہوناضروری ہےاورنہ ہی تحریرکردہ خط کابیوی کوپڑھناضروری ہےاورنہ ہی مرسلہ ڈاک کاوصول کرناضروری ہے؛ بلکہ شوہرکاطلاق کااقرارکرناکافی ہے۔

لو استكتب من آخر كتاباً بطلاقها وقرأه على الزوج، فأخذه وختمه وعنونه وبعث به إليها، فأتاها وقع، إن أقرّ الزوج أنه كتابه، أوقال للرجل: ابعث به إليها، أوقال له اكتب نسخة وابعث بها إليها. (شامي، كراچي ۳/۲٤۷، زكريا ٤/٤٥٦، تاتار خانية، زكريا ٤/٥٣١، رقم:٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٩، جديد ١/٤٤٦)

(۲) جب آپ نے اپنی مرضی سےاپنی بیوی کوطلاق دیدی ہے،تواس کامقررہ مہر اداکرناآپ کےاوپرلازم ہے۔

المهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول، والخلوة الصحية، وموت أحد الزوجين سواء كان مسمىٰ، أو مهر المثل، حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذٰلک إلا بالإبراء من صاحب الحق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠)

(۳) شوہرکی طرف سےدیاگیازیوراگربیوی کومالکانہ طورپرنہیں دیاگیاہےاورنہ ہی شوہرکےخاندان اوربرادری میں مالکانہ طورپردینےکادستورہے،توایسی صورت میں وہ زیور شوہرکوواپس لینےکاحق ہے۔(مستفاد:فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۱۰۶)

إذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذٰلک، إذا بعث إليها

علی جهة التملیک. (فتاوی عالمیگري، زکریا قدیم ۱/۳۲۷، جدید ۱/۳۹۳)

(۴) طلاق کے واقع ہونے کے لئے عورت کا ماننا لازم نہیں ہے اور یہ فتوی بھی نہ وصول کریں تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی اور عدت یعنی تین ماہواری گذرنے کے بعد عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق حاصل ہوجائے گا۔

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوىٰ، أو لم ينو، ثم المرسومة لا تخلوا إما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد! فأنت طالق، فكلما كتب هذا يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (فتاوی عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۳۷۸، جدید ۱/۴٤٦، فتاوی قاضي خان، جدید زکریا۱/۲۸۷، وعلی هامش الهندیة، زکریا۱/۴۷۱، شامي، کراچي ۳/۲٤٦، زکریا ٤/٤٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۶۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۲۶ھ

بذریعۂ خط طلاق دینے کے بعد زبانی تین طلاق کا اقرار

سوال [۶۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید (شوہر) نے ہندہ (بیوی) کو سفر میں رہتے ہوئے خط میں اس طرح لکھ کر بھیجا ہے ”میں نے تجھ کو طلاق دی ہے اور عدت گذارنے کے خرچ کے طور پر پانچ ہزار روپے بذریعۂ ڈاک بھیج دیئے ہیں اور میرے دو بچوں کی پرورش کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔

ہندہ نے خط ملنے کے بعد اپنے اہل خانہ کو اکسایا، شوہر کے محلّہ کے عوام کو بھڑکایا اور چند امور بذریعۂ میٹنگ طے کئے ہیں مثلاً:

(۱) ہندہ کہتی ہے خط سے طلاق نہیں پڑتی (پھر زید نے کہا میری مراد تین طلاق ہیں یعنی خط میں طلاق مغلظہ دی ہے)

(۲) جب دلائل سے وقوع طلاق ثابت ہوگیا، تو اب عدت گزاری مگر عدت ختم ہوکر ایک سال گذر گیا، مگر وہ شوہر کے گھر سے جانا نہیں چاہتی اور شوہر اس کے خوف یا فتنہ کے اندیشہ سے گھر واپس نہیں آسکا۔

(۳) زید نکاح ثانی بھی کر چکا ہے، مگر عوام کہتی ہے ہم فتویٰ نہیں جانتے۔ بہر حال زید کو دوبارہ ہندہ کے ساتھ نکاح کرنا ہی پڑے گا اور دوسری بیوی کو گھر میں گھسنے نہیں دیں گے۔

(۴) عوام کہتی ہے: ہندہ اب کیسے کھائے گی؟ جب ہندہ سے نکاح کرانے کی بات کہی گئی تو کہتی ہے کہ میں یا تو زید کے ساتھ رہوں گی یا پھر نکاح ہی کبھی نہیں کروں گی۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ مندرجہ بالا۴/۵/ باتوں میں شریعت کیا کہتی ہے، ہم مسلمان ہیں ہمیں عوام اور ہندہ کی نہیں؛ بلکہ "ان الحکم إلا لله" صرف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ معلوم کرنا ہے۔ برائے کرم قرآن ونص صریح یا فقہی (حنفیہ) عبارات مع حوالہ جواب مرحمت فرمائیں۔

جزاکم الله تعالیٰ في الدارین.

المستفتی: اکرام الحسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: شوہر نے خط میں جو طلاق دی ہے اس کے بارے میں شوہر زبانی اقرار کررہا ہے کہ میری مراد خط میں تین طلاق ہے، تو ایسی صورت میں اس کی بیوی پر تین طلاق (طلاق مغلظہ) واقع ہوگئی ہیں اور اب بلا حلالۂ شرعیہ زید کے لئے ہندہ کو اپنے پاس رکھنا جائز نہ ہوگا۔

نیز ہندہ کا زید کے گھر پر قبضہ کرنا جائز نہیں اور محلّہ والوں کا ہندہ کا ساتھ دینا اور زید کو ہندہ کو اپنے پاس رکھنے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے، اس سے محلّہ والے جو اسی حالت میں رکھنے پر مجبور کرتے ہوں گنہگار ہوں گے۔

فإن کتب امرأته طالق، فهي طالق سواء بعث الکتاب إلیها، أو لم یبعث.

(مبسوط سرخسي، دارالکتب العلمیة بیروت ٦/١٤٣، أشرط الفقهاء بالکتاب بشرطین

الأول أن تكون مستبينة والثاني مرسومة)

قال الحنفية: الكتابة إذا كانت مستبينة ومرسومة يقع بها نوى أو لم ينو .

(الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۲٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها .

(هندية، قديم ۱/ ٤۷۳، هندية، إتحاد جديد ۱/ ٥۳٥)

قال الله تعالىٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ . [المائدة: ۲]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم في حديث طويل: من سن في الإسلام سنة سيئة فعليه وزرها وَوِزْرُ من عمل بها من غير أن ينقص من أوزارهم شيئًا .

(نسائي شريف، كتاب الزكاة، باب التحريض على الصدقة، النسخة الهندية ۱/ ۲۷٤، دارالسلام رقم: ۲٥٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۱۶)

اسٹامپ پر سہ طلاق دے کر آزاد کردیا لکھ کر بیوی کو دینا

سوال [۶۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد کبیر نے اپنی بیوی کو اسٹامپ پر لکھ کر دیدیا کہ میں نے پنچوں کے سامنے اپنی بیوی کو سہ (تین) طلاق دے کر آزاد کردیا ہے، اس تحریر سے کون سی طلاق ہوئی تحریر فرمادیں۔

المستفتی: نورالدین، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: طلاق نامہ میں صاف لکھا ہے کہ سہ طلاق دے کر آزاد کردیا ہے، سہ کے معنی تین کے ہیں؛ اس لئے بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دوبارہ دونوں میں نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

عن سماک قال: سمعت عكرمةؓ، يقول: الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أوتسريح باحسان. قال: إذا طلق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثًا فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن، بيروت ١٠/١٩٧، رقم:١٩٥٦٤)

وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، قدوري امدادية ديوبند١٧٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، تاتار خانية، زكريا٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۵۲۷)

تحریراً تین طلاق دینا

سوال [۲۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں رئیس احمد ولد اشتیاق احمد مرحوم ساکن کسرول تھانہ: ناگ پھنی مرادآباد خدائے کریم کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے اپنے پورے ہوش وحواس میں بغیر کسی زور یا دباؤ کے یہ بیان قلم بند کررہا ہوں کہ میری بیوی مسماۃ فرحہ دیبا، لیڈی اسپیشلشٹ ڈاکٹروں کے مشورے نیز میڈیکل کی بیشتر رپورٹوں کی روشنی میں رحم یعنی بچہ دانی میں

سالوں پرانے کینسر کے موذی اور مہلک مرض میں مبتلا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اولادِ آدم کو بڑھانے یعنی بچہ پیدا کرنے کے لائق ہرگز نہیں ہے اور بیماری کے سبب نہ ہی حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل ہے، اس کے علاوہ وہ عالی کردار اور اخلاق کی بھی حامل نہیں اور نہ ہی وہ امور خانہ داری کے دیگر اصولوں سے روشناس ہے؛ لہٰذا ان مشکل حالات کی روشنی میں، میں رئیس احمد ولد اشتیاق اپنی بیوی فرحہ دیبا دختر خلیق احمد ساکن تمر داسرائے سنبھل کو تین طلاق دیتا ہوں اور ساتھ ہی یہ اعلان کرتا ہوں کہ وہ آج مؤرخہ: ۱۵/اپریل سے پوری طرح میرے نکاح سے باہر اور آزاد ہے۔

میرا مذکورہ بالا بیان پورا درست ہے، اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔

(۱) ایسی صورت میں کونسی طلاق واقع ہوئی؟

(۲) طلاق ہونے کی صورت میں شوہر کے اوپر کس کس چیز کی ادائے گی لازم ہے؟

(۳) مطلقہ کا جہیز اور جو سامان شوہر نے شادی کے وقت چڑھایا تھا یا دیا تھا اس کا مالک کون ہے؟

المستفتی: رئیس احمد، کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں تین طلاق ''مغلظہ'' واقع ہوگئیں۔

كما في الهداية: أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة، أو ثلاثاً في طهر واحد، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٥٥، دارالسلام ٩/ ٢٩٢)

طلاق مغلظہ کے بعد اگر جہاں شوہر کہے عورت وہیں عدت گذارے تو عورت ایام عدت کے نفقہ کی مستحق ہے، اس کے بعد کسی قسم کا حق نہیں ہے۔

في الهداية: إذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة الخ. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٤٣، دارالسلام ١١/ ١١٧)

(۳) سامان جہیز شرعاً لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے، وہ اسے ہی واپس ملے گا اور لڑکے کی طرف سے دیئے جانے والے سامان کا مدار عرف پر ہے، اگر آپ کی برادری کے عرف ورواج میں وہ لڑکی کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں، تو لڑکی ہی مالک ہے ورنہ اگر ملکیت نہ سمجھا جاتا ہو؛ بلکہ لڑکے والوں کا ہی سمجھا جاتا ہے، تو لڑکا مالک ہے، وہ واپس لے سکتا ہے۔
(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸/۳۵۹)

في الشامية: فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة، وأنه إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، كراچي ۳/۵۸۵، زكريا ۵/۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۶/ ۱۴۱۷ھ

بیوی کو تحریری تین طلاق دینا

سوال [۶۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک عزیز اسرار احمد نے اپنی رائٹنگ ہندی بھاشا میں مندرجہ ذیل عبارت لکھتے ہوئے اپنی اہلیہ سروری بیگم کو طلاق دی، سروری بیگم اپنی پتنی کو طلاق دینا چاہتا ہوں اب سروری بیگن کے ساتھ رہنا منظور نہیں ہے اور سروری بیگم کو طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں دستخط ہندی اسرار احمد پتر محمد اسلام ۴/ ۷/ ۱۹۹۲ء۔

طلاق دینے کی وجہ دوسری عورت سے لگاؤ تھا، بعد طلاق سروری بیگم نے اپنے بچوں کی طرف سے گزارہ بھتہ کا دعویٰ عدالت مجاز میں کردیا، جو سروری بیگم و بچوں کے حق میں پورا ہوا تقریباً ۴/ ماہ پیشتر اسرار احمد بیمار ہوئے، تب بڑا لڑکا عیادت کے لئے گیا، اسرار احمد سے سروری بیگم کے کئی بچے ہیں، جن میں سے ایک لڑکی کی شادی بھی ہو چکی ہے۔ باپ بیٹے سے ملنے پر آپسی صلح صفائی کے ذریعہ پھر اسرار احمد نے سروری بیگم کو بحیثیت بیوی

رکھنے کی خواہش ظاہر کی دونوں باپ بیٹے کسی مولانا سے مل کر حالات سے آگاہ کرنے کے بعد مولانا سے کوئی راستہ نکالنے کو کہا، اسرار احمد کا لکھا ہوا طلاق نامہ سروری بیگم کے مقدمہ میں داخل ہے، آپسی ملی بھگت کر کے طلاق نامہ کی ہو بہو نقل لکھا کر مولانا کو دے کر اسرار احمد نے اپنا حلفیہ بیان مولانا کو دیا کہ یہ میرا لکھا ہوا طلاق نامہ نہیں ہے، طلاق میں نے نہیں دی ہے، مولانا نے فتوی صادر فرمادیا کہ طلاق نہیں ہوئی ہے، جس پر میاں بیوی پھر ایک ساتھ رہنے لگے، کچھ لوگوں کو شک ہوا تو حلفیہ بیان کے ساتھ دیا ہوا طلاق نامہ کی تحریر دیکھا گیا، تب راز کھلا کہ مولانا کو دی ہوئی طلاق نامہ کی تحریر اسرار احمد کے لڑکے کے ہاتھ کی ہے، اسرار احمد نے چالا کی سے لڑکے سے تحریر لکھوا کر حلف لیا ہے کہ یہ میری تحریر نہیں ہے؛ جبکہ اصل تحریر آج بھی مقدمہ میں لگی ہے۔

الف: مندرجہ حالات کے تحت اسرار احمد وسروری بیگم کا ایک ساتھ بحیثیت میاں بیوی کے رہنا اور مولانا کا دیا ہوا فتوی درست ہے، اگر نہیں تو اسرار وسروری بیگم کے ایک ہونے کی کیا صورت ہے۔

ب: اگر فتوی درست نہیں ہے، تو عزیزوں کے لئے کیا حکم ہے؟ عزیزوں کو اسرار احمد کے یہاں کھانا پینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: انصاف حسین صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ کے ہر پہلو پر غور کیا گیا ہے، مذکورہ واقعہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، جو اسرار احمد کی ہندی تحریر سے ثابت ہوا ہے۔

وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى، أو لم ينو. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، زكريا ٤/٤٥٦، كراچي ٣/٢٤٦، فتاوى قاضي خان، زكريا ١/٢٨٧، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/٤٧١، عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد ١/٤٤٦)

اور بعد میں جن مولانا صاحب سے غلط بیانی کے ساتھ طلاق واقع نہ ہونے کا فتوی

لیا گیا ہے، وہ خلاف واقعہ ہے، اس نے مولانا صاحب کو دھوکہ دے کر اپنی مرضی کا جواب حاصل کیا ہے اوراس جواب کے ذریعہ سے بیوی اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی ہے، وہ حرام ہی ہے، کسی چیز کو حلال کرنے والا اور حرام کرنے والا اللہ ہے، غلط بیانی سے حرام چیز کے بارے میں حلال ہونے کا فتوی لیا جائے، تو وہ حلال نہیں ہوسکتی ہے اوران دونوں کے ایک ساتھ ہونے کے لئے شرعی حلالہ ضروری ہے۔

وإن كان الطلاق ثلثاً في الحرة ......لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحاً صحيحاً ويد خل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتار خانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، بدائع الصنائع، زكريا ٣/٣٩٥)

(۲) اسرار احمد گناہ کبیرہ، حرام کاری اور زنا کاری میں مبتلا ہے، جب تک کہ وہ حلالہ کا طریقہ نہ اختیار کرلے اور اپنے گناہ سے توبہ نہ کرلے، اس کے ساتھ حقہ پانی بند کردینا چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ. [المائدہ:۲]

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [سورۃ الھود: ۱۱۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۶۵۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۳/۱۴۲۱ھ

تحریری طلاق مغلظہ

سوال [۶۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں اسے چھوڑ رہا ہوں، میں ان کو طلاق دیتا ہوں، میں اسے چھوڑ رہا ہوں میں ان کو طلاق دیتا ہوں میں اسے چھوڑ رہا ہوں، میں ان کو طلاق دیتا ہوں، میں اسے چھوڑ رہا ہوں، میں ان کو طلاق دیتا ہوں، میں اسے چھوڑ رہا ہوں، میں ان کو طلاق دیتا ہوں۔

میرا عقد ثانی بہ ہمراہ جناب رفعت اللہ خان کے ساتھ مؤرخہ: ۸/اپریل ۱۹۷۳ء کو ہوا تھا اور ان کے نطفے سے میرے چار بچے جس میں ایک لڑکی اور تین لڑکے پیدا ہوئے، میرے شوہر ایک ناکارہ قسم کے انسان ہیں، سلفا اور شراب کے عادی ہیں، ہم دونوں میں اسی بنا پر تنازعہ ہونے لگا اور میں اپنے شوہر کے وطن کو چھوڑ کر اپنے بہنوئی کے گھر آ گئی، اس واقعہ کو قریب سات سال ہو گئے اور میں نے اپنی گذر اوقات کے لئے ایک دینی مدرسہ میں بچیوں کو قرآن پاک اور دینی تعلیم اردو وغیرہ پڑھانے کے لئے نوکری کر لی، میرے شوہر اکثر میرے بہنوئی کے گھر آتے رہے؛ لیکن کبھی بچوں کے لئے خرچ وغیرہ نہیں دیا۔ اب سے قریب دو سال پہلے ایک دن میرے شوہر آئے تو چھوٹی بچی جو ہے ان کو دیکھ کر چھپ گئی تو کہنے لگے، یہ لڑکی مجھ سے اس قدر کیوں ڈرتی ہے، تو میں نے کہا آپ اس طرح آتے ہیں کہ کبھی ان کو پیار نہیں کرتے اور نہ ہی کوئی چیز لے کر آتے ہیں اور اگر کبھی آپ ان کی کسی ضرورت کا خیال کرتے، تو یہ سمجھتے کہ یہ ہمارے باپ ہیں، میری بات سن کر اپنے لڑکے سے کاپی اور پنسل منگائی اور مندرجہ بالا تحریر جس کی یہ فوٹو کاپی ہے لکھ کر چلے گئے، میں نے اس تحریر کو باقاعدہ طلاق سمجھ کر عدت گزاری، دوران عدت پھر میرے بہنوئی کے گھر آئے اور کہنے لگے عدت کر رہی ہو، بس اتنا ہی کہا اور میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ واپس چلے گئے اور اس کے بعد انہوں نے خود بھی اور کئی لوگوں سے بھی کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی اور طلاق تو ''ط'' سے ہوتی ہے ''ت'' سے نہیں ہوتی اور پہلی بات کہ مجھ سے لکھنا نہیں آتا برائے کرم آپ شریعت کی روشنی میں فتوی دیں کہ آیا مجھ پر طلاق پڑ گئی یا نہیں؟

المستفتیۃ: عزیز النساء

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور نفس الامر اورواقع میں شوہر نے مذکورہ تحریر لکھ کر دی ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے اور طلاق واقع ہونے کے لئے صحیح الفاظ بولنا یا لکھنا شرط نہیں ہے؛ بلکہ بگڑے ہوئے الفاظ سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ويقع بها؛ أي بهذه الألفاظ وما بمعناها من الصريح ويدخل نحو طلاغ، وطلاک، ......أوط، ل، ق، أو طلاق باش بلا فرق بين عالم وجاهل. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/۲۴۸، زكريا ۴/۴۵۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رشعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۱۹۲۷)

غصہ میں کاغذ پر تین طلاق لکھنے کا حکم

سوال [۲۵۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا عقد مسماۃ ہندہ سے ہوا، اور زوجین میں موافقت ہے؛ لیکن بعض خانگی امور کے سلسلے میں زید کی والدہ اور ہندہ کی والدہ کے درمیان ترش کلامی ہوئی، اس منظر کو دیکھ کر زید کا ذہن ماؤف ہوگیا، اس حالت میں زید نے ایک کاغذ کے پرچہ پر ہندہ کو طلاق، طلاق، طلاق، دیتا ہوں لکھا، اس تحریر پر زید نے اپنے دستخط یا نشانی انگوٹھا ثبت نہیں کیا؛ بلکہ فرضی نام لکھ دیا، زید از روئے حلف خدائے قدوس کو حاضر وناظر جان کر یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے یہ جو لکھا اس حال میں لکھا جبکہ ذہن ماؤف تھا، زید نے صیغۂ طلاق زبان سے قطعاً ادا نہیں کیا، زید کی نیت و ارادہ قطعاً اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا نہ تھا، کوئی ناراضگی زید کی اپنی زوجہ کے ساتھ نہ پہلے تھی نہ اب ہے، بس یہ ایک تحریر غیر شعوری طور پر

زید کے قلم سے لکھی گئی، کیا ایسی حالت میں جبکہ نہ طلاق کی نیت ہے اور نہ زبان سے طلاق دی گئی اور نہ تحریر پر دستخط ہیں، تو کیا حکم طلاق نافذ کیا جا سکتا ہے؟ زید مکرر عرض کرتا ہے کہ وہ تحریر نا شعوری طور پر لکھی ہے اس میں نیت و ارادے کو قطعاً دخل نہیں ہے، برائے کرم حکم شرعی سے رہنمائی فرمائی جائے، بینوا توجروا۔

محمد اسلم قریشی

بیان ہذا سائل محمد اسلم نے میرے روبرو بیان کیا ہے اور بیان مذکور میں عبدالحمید امام مسجد محلّہ: آتھونہ قریہ رتنا گڈھ ضلع: چورو راجستھان جہاں کا سائل باشندہ ہے نے تحریر کیا ہے میں اپنے گمان پر کہہ سکتا ہوں، سائل محمد اسلم نے غلط بیانی نہیں کی ہے؛ کیونکہ میں محمد اسلم کے عادات واطوار سے بخوبی واقف ہوں۔

المستفتی: عبدالحمید، امام مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر نے ہندہ کو طلاق طلاق لکھا ہے تو شرعاً اس سے ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوگئی ہے، اگرچہ حالت غصہ اور ماؤفی میں زبان سے کہے بغیر لکھا ہو۔ اب آئندہ بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔

(مستفاد: فتاوی محمودیہ ۳۳۴/۴، امداد الفتاوی ۳۸۶/۲، فتاوی دارالعلوم ۱۴۱/۹)

الكتابة على نوعين مرسومة، وغير مرسومة (إلى قوله) وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى، أو لم ينو. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچي ۲۴۶/۳، زكريا ۴۵۶/۴، هندية، زكريا قديم ۳۷۸/۱، جديد ۴۴۶/۱، قاضي خان، زكريا ۲۸۷/۱، وعلى هامش الهندية، زكريا ۴۷۱/۱)

ولو قال لزوجته أنت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثاً الخ. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶، هكذا في الهندية، زكريا قديم ۳۵۶/۱، جديد ۴۲۳/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۱۶۶)

شوہر کا بیوی کو طلاق کا پرچہ دینا اور بیوی کا نہ لینا

سوال [۶۵۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہماری بہن کی شادی نبی الدین سے ہوئی اور وہ شادی کے روز سے ہی راضی نہیں تھا؛ لیکن لڑکی پر پتنگ اڑانے کا جھوٹا الزام لگا کر خوب پٹائی کی۔ نیز ساس نے بھی ناجائز تعلقات کا الزام لگایا، ایک مرتبہ لڑکے نے تجارت کرنے کے لئے زیور فروخت کرنا چاہا، تو لڑکی نے سمجھایا کہ روپئے کہیں سے قرض لے لو، زیور بیچ کر دوبارہ خریدنا مشکل ہوتا ہے، اس پر اس نے وہ زیور لڑکی سے اتر والیا اور کچھ زیور میکے میں تھا وہ بھی منگوالیا بہت کہا کہ اب اپنا سامان لو اور اپنے گھر چلی جاؤ۔ نیز مہر کے پورے پیسے لو اور طلاق کا پرچہ لو، تمہارا ہم سے کوئی مطلب نہیں؛ لیکن لڑکی نے وہ پرچہ نہیں لیا اور معلوم نہیں ہوسکا کہ اس میں طلاق لکھی تھی یا نہیں لکھی تھی تو کتنی تھیں؛ لہٰذا شرع کی رو سے لڑکے کے یہاں لڑکی بھیجی جائے یا نہیں؟

(۲) اب اگر لڑکا پرچہ میں لکھی ہوئی طلاق کے بارے میں نہ بتائے تو شرعاً اس پر کیا حکم لاگو ہوتا ہے؟ لڑکے کو حقیقت بیان کر دینی چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عثمان، قصبہ: تمبور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱/۲) مذکورہ پرچہ میں لکھی ہوئی طلاق کے بارے میں یہی حکم ہوگا کہ شوہر سے معلوم کیا جائے کہ اس نے اس میں اپنی بیوی کے لئے کتنی طلاقیں لکھی ہیں، اگر صرف لفظ طلاق ایک بار لکھا ہے، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر دوبار لکھا ہے تو دو طلاق رجعی ہوں گی اور اگر تین بار یا زیادہ لکھا ہے تو طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی؛

لہٰذا اگر تین یا زیادہ طلاق لکھی ہیں تو لڑکی کو بغیر حلالہ بھیج دینا جائز نہ ہوگا اور اگر تین سے کم لکھا ہے اور ابھی عدت ختم نہیں ہوئی ہے تو لڑکی کو بھیج دینا جائز ہوگا اور اگر عدت ختم ہوگئی ہے، تو بغیر نکاح بھیج دینا جائز نہ ہوگا اور یہ سب صورتیں اس وقت ہیں؛ جبکہ وہ اس میں طلاق لکھنے کا خود اقرار کررہا ہو یا گواہوں سے ثابت ہو اور اگر وہ اس میں طلاق لکھنے کا انکار کررہا ہو اور نہ ہی شرعی گواہ موجود ہوں تو ایسی صورت میں کوئی طلاق شمار نہ ہوگی، لڑکی کو بھیج دینا جائز ہوگا۔

عن عامر الشعبي: قال: قلت لفاطمة بنت قيس، حدثيني عن طلاقك، قالت: طلقني زوجي ثلاثاً، وهو خارج إلى اليمن، فأجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم. (السنن ابن ماجه، أبواب الطلاق، باب من طلق ثلاثاً في مجلس واحد، النسخة الهندية ١٤٥، رقم:٢٠٢٤)

وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة؛ لكنه وصف الأمر على وجهه لاتطلق قضاء ولا ديانة الخ. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، زكريا٤/٤٥٦، كراچي٣/٢٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۵ھ

شوہر سے جبراً طلاق کا املاء کرانا

سوال [۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نفیس ولد عبد اللطیف محلّہ: مفتی ٹولہ مراد آباد کا ہوں، میری شادی ہوئے عرصہ ایک سال ہوا، شگفتہ پروین بنت انوار نعیم مرحوم رفعت پورہ کے ساتھ ہوئی ہے، اس عرصہ میں میرے والد اور والدہ میری بیوی پر جنات کے اثرات کے الزام لگا کر مجھ سے الگ کرنا چاہتے ہیں اور اس وجہ سے مجھ پر زور دیا جارہا ہے کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دیدو ورنہ

تم گھر سے اور کاروبار سے باہر ہوجاؤ،تقریباً تین ماہ سے انہوں نے مجھے زیادہ پریشان کیا،جس کی وجہ سے میں اپنی بیوی کو اس کے میکہ میں پہونچا آیا اور میں بھی تین مہینہ سے اپنے سسرال میں ہی رہ رہا ہوں۔

آج میں اپنے لئے مکان ودوکان کے واسطے بازار میں معلوم کرنے گیا،تو میرے والد نے مجھے واجد بھائی جو کہ دوکان کے اوپر رہتے ہیں، ان سے بلوایا اور واحد بھائی کے گھر اوپر کمرے میں لے گئے اور وہاں پر میرے بھائی بھی موجود تھے اور انہوں نے کمرہ بند کرلیا اور میرے والد نے شگفتہ پروین کو طلاق دینے کو کہا میں نے ان کو جواب دیا کہ میں طلاق نہیں دوں گا،انہوں نے مجھے زور دیا کہ تو ابھی لکھ اور کاپی پینسل میرے ہاتھ میں دیدی اور کہا کہ لکھ میں نے شگفتہ پروین کو طلاق دی؛ لیکن میں نے جواب دیا کہ جو تم کہتے ہو لکھ دیتا ہوں، مگر یہ طلاق نہیں ہوگی،اس وقت تو تم نے مجھے کمرے میں بند کرلیا ہے، جو کہو لکھ دوں گا،اس کے بعد جیسے وہ بولتے گئے میں نے تحریر کردیا،اس کے بعد میں یہ سوچ کر کہ پرچہ ابھی میری بیوی تک نہیں پہونچا ہوگا اور میں فوراً سسرال چلا گیا کہ پرچہ ان کو نہ ملے اور میں راستے میں پھاڑ کر پھینک دوں گا؛ کیونکہ مجھ سے زبردستی یہ پرچہ لکھوایا گیا تھا۔اور نہ میں نے طلاق دینے کو کہا تھا؛اس لئے میں اوپر والد صاحب کو یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ آپ جو چاہو لکھوالو؛ لیکن یہ طلاق نہیں ہوگی ،اس بارے میں میں خدا کو حاضر وناظر جان کر حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میں نے یہ پرچہ پر تحریر لکھدی ،اپنے والد کے کہنے سے،انہوں نے کہا کہ لکھو شگفتہ پروین کو تین طلاق دیتا ہوں، پھر اس کے بعد کہا کہ لکھو میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے ایک ایک بار لکھ دیا، پھر انہوں نے کہا تین بار لکھو، میں نے دو بار لکھ دیا،اسی طرح تین بار طلاق لکھ دی اور پھر انہوں نے کہا کہ اس کے نیچے دستخط کردو، پھر میں نے دستخط کردیئے، پھر انہوں نے یہ پرچہ اپنی جیب میں رکھ لیا اور چھوٹے بھائی کے ہاتھ بھیج دیا، میں ایک بار پھر حلفیہ کہتا ہوں کہ میرا طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا،اور مجھ سے یہ تحریر زبردستی لکھوائی گئی ہے، میں نے طلاق

نہیں دی ہے اور نہ ہی زبان سے کہا ہے اور نہ ہی لکھتے وقت میری مراد میری بیوی تھی، صرف والد صاحب کے جملوں کو بطورا ملا لکھا ہے۔

المستفتی: محمد نفیس، محلّہ: مفتی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے محض باپ کے دباؤ اور جبر کی بناء پر باپ کے املائی جملوں کو لکھا ہے نہ اس کی طلاق دینے کی نیت تھی اور نہ ہی بیوی کو طلاق دینے کے لئے اپنی مرضی سے کوئی جملہ لکھا ہے اور نہ زبان سے طلاق کا کوئی جملہ استعمال کیا ہے۔

نیز اس نے باپ کے املائی جملوں کو لکھنے سے پہلے یہ کہدیا ہے کہ نہ طلاق دوں گا اور نہ ہی طلاق اس تحریر سے ہوگی؛ اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، میاں بیوی آپس میں ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں؛ کیونکہ اس طرح جبر ودباؤ سے الفاظ طلاق لکھوانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؛ جبکہ زبان سے کوئی الفاظ استعمال نہ کیا ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/۵۶، جدید زکریا ۶/۲۳)

إذا کتب الطلاق واستثنیٰ باللسان، أو عکس لا یقع الطلاق الخ. (فتاوی عالمگیري، کتاب الطلاق، الفصل السادس في الطلاق بالکتابة، زکریا قدیم ۱/۳۷۸، جدید ۱/۴۴٦)

وقیدنا بکونه علی النطق؛ لأنه لو أکره علی أن یکتب طلاق امرأته، فکتب لا تطلق لأن الکتابة أقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا، وفي البزازیة: أکره علی طلاقها، فکتب فلانة بنت فلانة طالق لم یقع . (البحر الرائق، ۳/ ۳۴٦، شامي، کراچي ۳/۲۳٦)

رجل أکره بالضرب والحبس علی أن یکتب طلاق امرأته، فکتب فلانة بنت فلانة امرأته، طالق...... ولم یعبر بلسانه لا تطلق. (تاتارخانیة، کتاب الطلاق، الفصل السادس، في إیقاع الطلاق بالکتابة قدیم۳/ ۳۸۰، جدید زکریا دیوبند ۴/۵۳۲،

رقم: ٦٨٤٣، هندية، زكريا قديم ١/ ٣٧٩، جديد ١/ ٤٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۶/۱۶ھ

طلاق دے کر اور طلاق کے کلمات ادا کر کے زوجیت سے الگ کردیا لکھوانے کا حکم

سوال [۶۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد توصیف ولد محمد رفیق نے اپنی زوجہ اقبال فاطمہ کو تحریری طور پر طلاق دیدی ہے اور یہ یہ تحریر وکیل کے ذریعہ سے قانونی شکل میں لکھوا کر دی ہے اور طلاق نامہ کی فوٹو کاپی ساتھ میں منسلک ہے اور طلاق نامہ میں یہ الفاظ لکھوائے ہیں، ''طلاق دے کر اور طلاق کے کلمات ادا کر کے زوجیت سے الگ کردیا تو مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس طلاق نامہ کے ذریعہ سے شرعی طور پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد توصیف ولد محمد رفیق، محلّہ سیدھی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق نامہ کے الفاظ ہمارے سامنے آچکے ہیں، ان الفاظ کے رو سے محمد توصیف کی بیوی پر شرعی طور پر طلاق واقع ہوچکی ہے اور طلاق کے وقت سے تین ماہواری کے ذریعہ عدت گزار کر اقبال فاطمہ کو مکمل آزادی حاصل ہوجائے گی اور عدت کے بعد اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر کے باعصمت زندگی گزارنے کا حق حاصل ہوجائے گا۔

ثم المرسومة لا تخلو إما إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد: فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة.

(هندية زكريا قديم ١/ ٣٧٨، زكريا جديد ١/ ٤٤٦)

ولو استكتب من آخر كتابًا بطلاقها وقرأة علي الزوج، فأخذه الزوج، وختمه، وعنونه، وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة كراچي ۳/ ۲٤٧، زكريا ديوبند ٤/ ٤٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۲۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۲۹ھ

(۱۷) باب الطلاق الثلاث

ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی شمار ہوتی ہیں

سوال [۲۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی سے کئی بار کہا کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا، ۲۳؍ستمبر۲۰۰۲ء کو ایک سانس میں کم سے کم چار پانچ مرتبہ کہا میں طلاق دیتا ہوں، اس کو سننے پر اس کی بیوی نے کہا کہ ایسے طلاق نہیں ہوتی ہے، دو چار آدمیوں کے سامنے کہو تب ہوگی، پانچ منٹ کے بعد اس کے کمرے میں جا کر کہا کہ قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ تمہیں طلاق دی، کمرہ میں اندھیرا تھا یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ زید نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا تمہیں طلاق دی یا ایسے ہی کہا۔

دوسری رات زید نے رجوع کیا یعنی دونوں زید وبیوی ہمبستر ہوئے اور پہلی جنوری ۲۰۰۳ء کو ان کی والدہ زید کی بیوی کو اپنے گھر لے آئیں، ایسی حالت میں زید اپنی بیوی کو اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے، تو زید کی بیوی کو اس کے ساتھ بھیجنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: انور قیوم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق کے صحیح ہوکر واقع ہونے کے لئے دو چار آدمی یا گواہوں کا سامنے ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ بغیر کسی کی موجودگی میں بھی طلاق ہوجاتی ہے اور قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر طلاق دینا بھی ضروری نہیں ہے، آپس کے تکرار کے وقت میں جو طلاق دی گئی ہے وہ شرعی طور پر واقع ہوگئی ہے، جب تین مرتبہ سے زیادہ ”طلاق دیتا ہوں“ کا لفظ استعمال کیا ہے اور بیوی نے خود سنا ہے، اس سے تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، پھر شوہر نے

قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ طلاق دی کا لفظ استعمال کیا ہے، اس کی بھی ضرورت نہیں۔ بہرصورت طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی طلاق ہوتی ہیں۔ حدیث شریف کی کتابوں میں بے شمار روایات اس سلسلے میں موجود ہیں؛ اس لئے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور امت کے نزدیک تینوں طلاقیں طلاق مغلظہ کے طور پر واقع ہوجاتی ہیں اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوجاتی ہے اور صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوچکنے کے بعد میاں بیوی دونوں کا ہمبستر ہوجانا ناجائز اور حرام کام ہوا ہے، اس کی وجہ سے توبہ کرنا ضروری ہے، یہ مسئلہ کی ناواقفیت کی بنا پر ہوا ہے اور غلطی پر توبہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ معاف کردیتا ہے، مگر توبہ کرنے کی وجہ سے بیوی شوہر پر حلال نہیں ہوگی اور اس واقعہ کو سوال نامہ کے مطابق آج کی تاریخ تک تقریباً ساڑھے تین مہینے ہوگئے ہیں، اگر اس ساڑھے تین مہینے کے درمیان بیوی کو تین مرتبہ ماہواری آچکی ہے، تو عدت بھی پوری ہوگئی ہے، کسی بھی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے اور اگر تین مرتبہ ماہواری نہیں آئی ہے، تو تین مرتبہ ماہواری مکمل ہونے تک انتظار کرنا لازم ہے، اس کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا درست ہوسکتا ہے، اب اس سلسلہ میں حدیث کی معتبر کتابوں سے کچھ حدیثیں نقل کردیتے ہیں۔

ان عائشةؓ أخبرته أن امرأة رفاعة القرظي جاء ت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول الله! إن رفاعة طلقني فبت طلاقي وإني نكحت بعده عبد الرحمن بن الزبير القرظي وانما معه مثل الهدبة، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعلک تريدين أن ترجعي إلى رفاعة لا حتى يذوق عسيلتک وتذوقي عسيلته. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦١، ف: ٥٢٦٠)

عن عائشةؓ، أن رجلا طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول.

(بخاري شريف ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱، سنن النسائي، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/ ۸۴، دارالسلام رقم: ۳۴۴۰)

عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلاثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا، فإن طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف ۲/ ۷۹۲، رقم: ۵۰۶۶، ف: ۵۲۶۵)

وكان عبد الله إذا سئل عن ذلك قال لأحدهم أما أنت طلقت امرأتك مرة، أو مرتين، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا وإن كنت طلقتها ثلاثاً، فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك، وعصيت الله فيما أمرك من طلاق امرأتك. (مسلم شريف، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ۱/ ۴۷۶، بيت الأفكار رقم: ۱۴۷۱)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر. (نسائي شريف، النسخة الهندية ۲/ ۸۴، دارالسلام رقم: ۳۴۴۴)

ان حفص بن المغيرة طلق امرأته فاطمة بنت قيس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث تطليقات في كلمة واحدة، فأبانها منه النبي صلى الله عليه وسلم ولم يبلغنا أن النبي صلى الله عليه وسلم عاب ذلك عليه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۱۰، رقم: ۳۸۷۷)

وكان عبد الله بن عمر إذا سئل عن ذلك، قال: أما أنت طلقت امرأتك تطليقة، أو تطليقتين، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرني بهذا وإن كنت طلقتها ثلاثاً، فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك

وعصيت الله فيما أمرک من طلاق امرأتک. (سنن دارقطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٨، رقم: ٣٩٢١)

ثم يقول ابن عمر أما أنت فطلقت امرأتک واحدة أو اثنتين، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد أمرني بهذا وأما أنت فطلقت ثلاثاً، فقد حرمت عليک حتى تنكح زوجاً غيرک، وقد عصيت ربک فيما أمرک به من الطلاق. (سنن دار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٩، رقم:٣٩٢٤)

وإن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة وقع الثلاث، وحرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره، و لا فرق بين قبل الدخول وبعده. روي ذلک عن ابن عباسؓ، وأبي هريرةؓ، وابن عمرؓ، وعبد الله بن عمروؓ، وابن مسعودؓ، و أنسؓ، وهو قول أكثر أهل العلم من التابعين والأئمة بعدهم. (المغني لابن قدامه، دارالكفرك بيروت ٧/٢٨٢)

لوقال لزوجتة: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشبا و النظائر، قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۹۱۷/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۲م۱۴۲۴ھ

ایک مجلس کی تین طلاق تین ہیں یا ایک؟

سوال [۶۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تین طلاقیں بیک وقت یعنی ایک ہی مرتبہ میں تین بار کہنا ''ایک طلاق رجعی ہے'' کا محققانہ جواب اخبار میں پوری تفصیل تحریر ہے۔

جواب نمبر ۱: (از غیر ملقدین) جب تین طلاق ایک مجلس میں دیجائیں، تو قرآن شریف اور حدیث صحیح کی رو سے ایک طلاق رجعی ہوتی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ . [البقرہ: ۲۲۹]

ترجمہ: طلاق دومرتبہ ہے، پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، احسان کے ساتھ چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر طلاق دینے کے بعد عدت گذر جانے دے، عدت گزر جائے گی تو عورت اپنے شوہر سے مکمل طور پر الگ اور جدا ہو جائے گی۔ اور اسے اختیار ہوگا کہ جہاں بھی جی چاہے نکاح کرے۔ اب پہلے شوہر سے سارا تعلق ختم ہو گیا، اس کو کوئی رکاوٹ نہیں، قرآن مجید کے اس حکم کے دو پہلو قابل غور ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ چونکہ شوہر کو پہلی اور دوسری مرتبہ اس بات کا موقع دیا گیا ہے کہ چاہے رجعت کرلے اور چاہے تو عدت گزر جانے دے کہ عورت جدا ہو جائے؛ اس لئے ظاہر ہے کہ دونوں رجعی طلاقیں ایک ساتھ نہیں ہونی چاہئیں اور چونکہ دوسری مرتبہ کی طلاق کے بعد شوہر کو اختیار ہے؛ اس لئے اس کے ساتھ تیسری نہیں ہونی چاہئے، یعنی شوہر کو جن تین طلاقوں کا حق حاصل ہے وہ بیک وقت نہیں دی جاسکتی ہیں؛ بلکہ ایسا کرنا شرعاً سنگین جرم ہے۔

(۲) محمد بن لبید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً، فقام غضبانًا، ثم قال أيلعب بكتاب الله و أنا بين أظهرهم حتى قام رجل، وقال: يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا أقتله .

(نسائي، كتاب الطلاق الثلاث، مجموعة وما فيه من التغليظ النسخة الهنديه ۲/۸۲)

رسول اللہ ﷺ کو ایک آدمی نے خبر دی، یعنی ایک آدمی کے متعلق بتایا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق اکٹھا دیدی ہیں، اس پر آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہوئے اور پھر فرمایا کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے؛ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ یہاں تک کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں اسے قتل نہ کردوں؟

(۲) دوسری بات قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بیک وقت ایک سے زائد یعنی دو یا تین طلاقیں دیدے، تو وہ ایک طلاق رجعی ہی ہوگی؛ کیونکہ قرآن مجید نے یہ نہیں کہا ہے: **الطلاق طلاقان**، طلاق رجعی دوطلاق ہیں؛ بلکہ یہ کہا: **الطلاق مرتان** (طلاق رجعی) دومرتبہ، دوطلاق اور دومرتبہ طلاق میں جوفرق ہے واضح ہے۔ یعنی اگر یہ کہا جاتا کہ طلاق رجعی دو طلاق ہیں، تب تو پہلی ہی مرتبہ طلاق دینے سے طلاق رجعی کا نصاب پورا ہو جاتا؛ لیکن جب یہ کہا گیا ہے کہ طلاق رجعی دوطلاق دومرتبہ ہے، تو پہلی مرتبہ طلاق دینے سے یہ نصاب پورا نہیں ہوگا، بلفظ دیگر شوہر جب اپنی ازدواجی زندگی میں پہلی مرتبہ طلاق دے تو چاہے ایک طلاق دے، یا ایک سے زائد اس سے بظاہر رجعت کا ہی حق ہوگا؛ کیونکہ بہرحال پہلی مرتبہ ہے، پھر اس طرح جب دوسری مرتبہ طلاق دے تو چاہے ایک دے یا ایک سے زیادہ اسے رجعت کا حق ہوگا؛ کیونکہ یہ دوسری مرتبہ طلاق ہے اور طلاق دومرتبہ رجعی ہوتی ہے، آیت مذکورہ کے ٹھیک اسی معنی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بھی ہے، مسند احمد ۱/۲۶۵ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے:

طلق ركانة بن عبد يزيداخو بني مطلب امرأته ثلاثا في مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً، قال:فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم: كيف طلقتها؟ قال: طلقتها ثلاثاً، قال: فقال: في مجلس واحد؟ قال: نعم! قال فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت قال فرجعها. (مسند أحمد ١/ ٢٦٥)

ترجمہ: رکانہ بن عبد یزید مطلبی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیں، پھر اس پر سخت غمگین ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا تم نے کس طرح طلاق دی ہے، تو انہوں نے کہا کہ تین طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا کہ ایک ہی مجلس میں؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ یہ تو ایک ہی ہے تم چاہے تو رجعت کرلو، اس کے بعد رکانہ نے رجعت کرلی، پھر یہی فیصلہ پوری خلافت صدیقی میں اور دو برس تک عہد فاروقی میں قائم رہا۔

حدیث شریف مسلم شریف ۱/۴۷۷، پر مروی ہے یعنی نبی کریم ﷺ کے عہد میں اورحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دو سال تک عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تین طلاق ایک ہی تھی، یادر ہے کہ اسلام میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی حجت ہیں اورکوئی نہیں؛ اس لئے شریعت اسلامی کا ثابت شدہ مسئلہ یہی ہوا کہ اگر کسی نے ایک مجلس میں تین طلاق دیدیں، تو اس پر ایک ہی طلاق کا حکم ہوگا یعنی اسے عدت کے اندر اندر رجعت کا حق حاصل رہے گا اور اگر عدت گزر چکی اور میاں بیوی دونوں راضی ہوں، تو آپس میں نکاح کر کے رہ سکتے ہیں۔

المستفتی: طاہر حسین، طالب پریس، سہارنپور

جواب من جانب حضرت مفتی صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اخبار میں دیا ہوا مطلب غیر مقلدوں کے عقائد کا مرادف ہے، قرآن کریم کا مطلب ان صاحب سے زیادہ جمہور صحابہؓ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد ابن حنبلؒ، جمہور مفسرین اور فقہائے امت زیادہ جانتے اور سمجھتے تھے، ان کا فیصلہ یہی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔ بغیر حلالہ کے نکاح درست نہیں اور آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا قطعی حرام ہے، وہ زانی و بدکار سمجھے جائیں گے، غیر مقلدوں کا سہارا لینے سے حرام عورت حلال نہیں ہوسکتی؛ چنانچہ امام المفسرین فقیہ بغداد علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں مرتان کا معنی دو کے بیان فرمایا ہے:

هذا يدل على أن معنى (مرتان) اثنان......ولعله أليق بالنظم......وأوفق بسبب النزول الخ. (روح المعاني، سورة البقره تحت تفسير الأية:۲۲۹، مكتبه زكريا ۲/ ۲۰٤)

(۲) حضرت محمود ابن لبیدؓ کی حدیث کا معنی اور مطلب بالکل واضح ہے، اس میں تین طلاق ہی واقع ہوئی ہیں، اسی وجہ سے آنحضور ﷺ ناراض اور غضبناک ہوئے ہیں اور اگر ایک طلاق ہوتی تو فرمادیتے کہ رجعت کرلو؛ چنانچہ اس حدیث شریف کے تحت محدثین نے جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ اربعہ کا مسلک نقل فرمایا ہے:

فیمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثاً، فقال: مالکؒ، والشافعي، وأبوحنیفةؒ، وأحمد والجمهور من السلف والخلف یقع ثلاثاً. (مرقاة، شرح مشكوة، باب الخلع، الفصل الثالث، الطلاق الثلاث بلفظ واحد، امدادية ملتان ٦/٢٩٣، بذل المجهود، شرح أبو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ الراجعة بعد التطليقات الثلث، مكتبه يحيٰ سهارنپور ٣/٢٧٦، دارا البشائر الإسلامية بيروت ٨/١٩٥، رقم: ٢٢٠٠)

(۳) مسند امام احمدؒ ۱/۲۶۵، میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت موجود ہے اور سنن کبریٰ بیہقی جدید ۱۱/۲۲۷ رقم ۱۵۳۶۳ میں بھی یہ روایت موجود ہے لیکن تنا یہ صحیح نہیں ہے اس میں روایت کرنے والوں کی طرف سے تصرف ہوا ہے اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت مروی ہے اور خود ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے اور ان کا فتویٰ ایک مجلس کی تین طلاق میں تین طلاق ہی کا ہے نیز حضرت رکانہؓ کے گھر والوں کو دوسروں کے مقابلہ میں اصل حقیقت زیادہ بہتر معلوم ہے اور ان کے گھر والوں میں سے کوئی بھی تین طلاق کی بات نہیں فرماتے ہیں بلکہ لفظ البتہ نقل کرتے ہیں اور ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوۃ میں حدیث رکانہ اس طرح ہے:

عن عبد الله ابن یزید بن رکانة عن أبیه عن جده قال: أتیت النبي صلی الله علیه وسلم، فقلت: یارسول الله! إنی طلقت امرأتي البتة، فقال: ما أردت بها؛ قلت: واحدة، قال والله! قلت: والله، قال فهو کماأردت.

(سنن الترمذي، أبواب الطلاق، واللعان، باب في الرجل طلق امرأته البتة، النسخة الهندية ١/٢٢٢، دارالسلام رقم: ١١٧٧، **اسی سے ملتی جلتی حدیث** سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في البتة، النسخة الهندية ١/٣٠٠، دارالسلام رقم: ٢٢٠٨،

سنن ابن ماجه أبو اب الطلاق، باب طلاق البتة، النسخة الهندية ١٤٨، دار السلام رقم: ٢٠٥١، مشكوة شريف ٢/٢٨٤)

میں ہے کہ انہوں نے لفظ البتہ سے طلاق دی تھی، جس میں ایک سے تین طلاقوں تک کی گنجائش ہے، ایک طلاق کی نیت ہوتو ایک تین کی نیت ہوتو تین واقع ہوتی ہیں۔ مذکورہ حدیث میں حضرت رکانہ اللہ کی قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ ایک طلاق ہی کی نیت تھی۔

ترجمہ: میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا یا رسول اللہ! بیشک میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دیدی ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا، تو میں نے کہا ایک طلاق کا، تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! تو میں نے کہا اللہ کی قسم! تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ ہوگی جس کا تم نے ارادہ کیا ہے؛ لہٰذا حضرت رکانہؓ نے تین طلاق دی ہی نہیں؛ اس لئے اس سے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق ثابت کرنا حدیث رسول اللہ اور صحابہ ومحدثین پر اتہام ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۴۲۲)

ایک مجلس کی تین طلاق کا حکم

سوال [۶۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو بدتمیزی کی وجہ سے ۲۶/ اگست ۲۰۱۲ء بروز اتوار کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدی ہیں، معلوم ہوا کہ زید کا طلاق دینے کا قطعی ارادہ نہ تھا؛ بلکہ زید کی پہلی بیوی کے بچوں کے دباؤ میں یہ اقدام اٹھایا گیا اور طلاق دینے کے وقت سات لوگ موجود تھے، تو کیا ایک مجلس کی تین طلاق تین واقع ہوگئیں یا ایک؟ اور کیا شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسلم، گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اورغیر مقلدین ایک مجلس کی تین طلاقوں کوایک ہی طلاق کہتے ہیں، وہ اس بات پر جوروایت پیش کرتے ہیں، وہ روایت معتبر نہیں ہے، اورمعتبر روایت میں حضور ﷺ نے ایک مجلس کی تین طلاق کوتین ہی شمار فرمایا ہے اورائمہ اربعہ اور جمہورامت کا اتفاق اس پر ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی ہوتی ہیں،شوہرکو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے، ہاں البتہ شرعی حلالہ کے بعد باضابطہ نکاح کی گنجائش ہوجاتی ہےاور بغیر حلالہ شرعیہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے۔

حدیث شریف اورفقہ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

عن سهل بن سعدؓ في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/ ۳۰٦، رقم: ۲۲۵۰)

عن عائشةؓ، أن رجلا طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ أ تحل للأول؟ قال لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٤۱)

عن أنسؓ، قال كان عمر إذا أتي برجل قد طلق امرأته ثلاثاً، في مجلس أوجعه ضرباً وفرق بينهما. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت۹/ ۵۱۹، رقم:۱۸۰۸۹)

عن واقع بن سحبان فإن سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثا فی مجلسٍ قال أثم بربّه وحرمت عليه امرأته الحديث

(مصنف ابن أبي شيبة جديد۹/ ۵۱۹، رقم ۱۸۰۸۷)

والبدعي ثلاث متفرقة، وكذا بكلمة واحدة بالأولىٰ......وذهب جمهور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق الدور، كراچي ۳/ ۲۳۲، زكريا ٤/ ٤٣٤)

فالكتاب و السنة، وإجماع السلف توجب إيقاع الثلث معاً، وإن كانت معصية. (احكام القرآن، سورة البقرة، باب ذكر الحجاج لا يقاع الطلاق الثلاث معاً، سهيل اكيڈمي لاهور پاكستان ۱/ ۳۸۸، زكريا ديوبند ۱/ ٤٦٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، جديد ۱/ ٥٣٥، وكذا في الهداية، اشرفي ديوبند ۳/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۸۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

ایک مجلس کی تین طلاق کا ثبوت حدیث شریف سے

سوال [۲۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مقلدوں کا کہنا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق واقع نہیں ہوتیں، اگر واقع ہوجاتی ہیں تو صرف قرآن پاک یا حدیث شریف سے ثابت فرمائیں؟

المستفتی: زبیر عالم، تجویدی، قصبہ: دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ کہنا سائل کے مغالطہ پر محمول ہے کہ غیر مقلدین کے یہاں ایک ساتھ تین طلاق واقع نہیں ہوتی ہیں؛ اس لئے کہ اس صورت میں ان کے یہاں بھی ایک طلاق واقع ہوجاتی ہے، اختلاف اس میں ہے کہ ایک ساتھ یا ایک

مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی طلاق ہوتی ہیں یا ایک؟ تو غیر مقلدین ایک مانتے ہیں، جس کو ثابت کرنے کے لئے انہیں بڑی تاویلات و پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں اور ہم اہل السنۃ والجماعت مختلف صحیح احادیث کے ذریعہ سے ایک مجلس کی تین طلاق قول رسول اور قول صحابہ سے تین ثابت کرتے ہیں؛ اس کے لئے حدیث حسب ذیل ہیں۔

وقال الليث عن نافع كان ابن عمر إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا فإن طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من قال لامرأته أنت علي حرام، النسخة الهندية ٢/٧٩٢، رقم: ٥٠٦٦، ف: ٥٢٦٤، صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ١/٤٧٦، بيت الأفكار رقم: ١٤٧١)

عن عامر الشعبيؒ، قال: قلت لفاطمة بنت قيس حدثيني عن طلاقك، قالت: طلقني زوجي ثلاثاً، وهو خارج إلي اليمن فأجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابن ماجه، أبواب الطلاق، باب من طلق ثلاثاً في مجلس واحد، النسخة الهندية ١٤٥-١٤٦، دارالسلام رقم: ٢٠٢٤)

عن داؤد بن عبادة بن الصامت قال طلّق جدى امرأة له ألف تطليقة فانطلق أبي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر ذلك له فقال النبى صلى الله عليه وسلم اما اتقى الله جدّك أمّا ثلاثا فله وامّا تسعمائة وسبعة وتسعون فعدوانٌ وظلمٌ إن شاء الله عذبه وإن شاء غفرله. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي بيروت ٦/٣٩٣ رقم ١١٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹۸۴/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۱۷ھ

ایک مجلس کی تین طلاق کا حکم

سوال [۶۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح ذوالفقار حسین کے ساتھ ۱۹۹۵ء میں ہوا تھا، اس کے کچھ عرصہ کے بعد اچانک مجھے اسٹامپ پیپر پر بذریعہ ڈاک طلاق نامہ موصول ہوا، جو انگریزی میں تھا، جس میں یہ لکھا تھا ''میں تمہیں تین طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق'' اور اب ہم دونوں شوہر بیوی نہیں رہے اور ایک لاکھ مہر کا چیک تمہارے پاس بھیج رہا ہوں اور اس طلاق نامہ میں ذوالفقار حسین اور دیگر دو لوگوں کے دستخط تھے، اس واقعہ کے تقریباً نو ماہ کے بعد ذوالفقار حسین نے میرے پاس فون کرنا شروع کردیا اور کہیں سے ایک فتویٰ حاصل کرلیا، جس میں یہ لکھا تھا ایک ساتھ دی گئیں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہیں؛ لہٰذا ہم اور تم بغیر حلالہ کئے ہوئے دوسرا نکاح نئے مہر کے ساتھ کرلیتے ہیں؛ چنانچہ ہمارا دوسرا نکاح ہوگیا، اس کے تقریبا ایک ڈیڑھ سال بعد میرے ایک بچی پیدا ہوئی، جو اس وقت ساڑھے دس سال کی ہوچکی ہے۔

اب دو سال سے میرے شوہر میرے ساتھ بہت ہی ظلم کر رہے ہیں، ان کا ایک، گجراتی لڑکی سے پیار چل رہا ہے، جس کے ساتھ کبھی کبھی وہ ہوٹل میں راتیں بھی گذارتے ہیں اور گھنٹوں فون پر باتیں کرتے رہتے ہیں اور فحش فلمیں دیکھتے رہتے ہیں، منع کرنے پر زدوکوب کرتے ہیں، ان کی چال چلن بہت ہی خراب ہے، جس کا برا اثر میری لڑکی پر بھی پڑ سکتا ہے، میں پوچھنا یہ چاہتی ہوں کہ:

(۱) کیا ایک ساتھ دی گئی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں یا پھر تین؟

(۲) مذکورہ صورت میں بغیر حلالہ کئے ہوئے، دوسرا نکاح صحیح ہے یا غلط؟

(۳) نکاح ثانی کے بعد پیدا ہونے والی بچی پر حق کس کا ہے؟

کیا ایسے بدچلن شخص کے پاس لڑکی کو چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتية: انو پما، دوبے خان، ۹/۴۹ گلی مہرانکلیپ، شمس آباد روڈ، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک ساتھ دی ہوئی تین طلاق تین ہی ہوتی ہیں، چاروں اماموں اور امت کا اس پر اتفاق ہے، بعضے گمراہ فرقہ اس کو ایک طلاق مانتا ہے، جوفتوی ایک طلاق کا لیا گیا ہے، وہ غلط ہے، اس پر عمل کرنا جائز نہیں اور بعد میں بلا حلالہ جو نکاح کیا گیا ہے، وہ نکاح نہیں ہوا اور اس نکاح کے ذریعہ سے آپ دونوں میاں بیوی نہیں ہیں۔ اور اس نکاح کے بعد جو بچی پیدا ہوئی ہے، وہ اس لئے ثابت النسب ہے کہ دونوں کے درمیان میں جو ہمبستری ہوئی ہے، وہ اس غلط فتوی کو صحیح سمجھنے کی وجہ سے ہوئی ہے، ایسی ہمبستری کو وطی بالشبہ کہا جاتا ہے، اس سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ ثابت النسب کہلاتا ہے حرام کا نہیں اور بچی کے بالغ ہونے تک ماں کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے اور بالغ ہونے کے بعد باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے۔ اور باپ ہی خرچ کر کے اس کی شادی وغیرہ کرے گا۔

عن سهل بن سعدؓ في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان ما صنع عند النبي صلى الله عليه وسلم سنة. (ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/۳۰۶، دارالسلام رقم: ۲۲۵۰ اذا قال لامرأته انت طالق، طالق، طالق طلقت ثلاثا الاشباه قديم ص ۲۱۹ جديد زكريا ص ۳۷۶)

عن نافع عن بن عمرؓ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المطلقة ثلاثاً لاتحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيره، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (طبراني كبير، دار أحياء التراث العربي بيروت ۱۲/۲۹۵، رقم: ۱۳۴۲۹)

فإن المطلقة الثلاث يثبت النسب منها؛ لأنه وطئ في شبهة

العقد، فيكفي ذلك لإثبات النسب. (فتح القدير، بيروت ٥/٢٥١، كوئٹه ٥/٣٤، زكريا ٥/٢٣٩)

والأم والجدة لأب، أو لأم أحق بها بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ في ظاهر الرواية. (شامي، زكريا ٥/٢٦٨، كراچي ٣/٥٦٦)

ونفقة الإناث واجبة مطلقا على الآباء مالم يتزوجن إذا لم يكن لهنّ مال. (هندية، زكريا قديم ١/٥٦٣، جديد ١/٦٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۷۲۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۲ھ

چاروں ائمہ کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی ہیں

سوال [۶۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے نومبر ۱۹۷۷ء میں اپنے مکان میں ٹیلیویژن لگانے کا ارادہ کیا، اس پر زید کی والدہ صاحبہ نے ٹیلی ویژن لگانے کی مخالفت کی، اس بات نے طول پکڑلیا، زید نے غصہ کی شدت میں اپنے گھر کا سامان برتن وغیرہ الماری سے نکال کر صحن میں پھیکنا شروع کردیا، اس درمیان زید کی بیوی نے زید کو سامان وغیرہ پھینکنے سے منع کیا اور کہا کہ یہ کیا کرتے ہو، زید غصہ میں اپنے ہوش وحواس کھو چکا تھا، اسی حالت میں زید نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق کا لفظ استعمال کیا اور کہا کہ تم یہاں سے چلی جاؤ، موقع واردات کے وقت زید کی والدہ صاحبہ گھر سے کہیں چلی گئیں، زید اوران کے والد، والدہ صاحبہ اوپر نیچے ایک ہی مکان میں رہتے ہیں اوران کا کھانا پینا بھی ایک دوسرے سے الگ ہے، والدہ صاحبہ کے گھر سے چلے جانے کے پندرہ منٹ کے بعد زید کی نانی صاحبہ گھر تشریف لائیں اورانہوں نے زید کو سمجھانے کی کوشش کی؛ لیکن زید سمجھانے پر مزید بھڑک اٹھا اوراس نے نانی صاحبہ کی موجودگی

ہی میں متعدد بار بیوی کے لئے لفظ طلاق کو دہرایا اور کہا کہ بیوی کو اس کے میکے پہونچادو یا اس کے میکے والوں کو مطلع کردو، مگر زید کی بات ان سنی کرتے ہوئے نہ تو بیوی کو میکے پہونچایا اور نہ بیوی کے میکے والوں کو خبر دی، اور نہ ہی خود بیوی گھر سے گئی، نہ اپنے میکہ والوں کو خبردار کیا، اس کے بعد زید کے نانا صاحب نے اخبار الجمعیۃ کی ایک کٹنگ لاکر زید کو دکھائی، جس میں ۱۹۶۴ء یا ۱۹۶۷ء میں احمد آباد میں علمائے حضرات کا ایک اجلاس طلاق کے مسئلہ پر بحث ومباحثہ کے لئے منعقد ہوا تھا، اس میں امام شافعیؒ، کے مسلک کے مطابق طلاق نہیں ہوئی اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہوگئی، اس پر زید نے جو امام ابوحنیفہؒ کے ماننے والوں سے ہے اپنے نانا سے کہا کہ طلاق ہوگئی نانا صاحب نے جواب دیا کہ چاروں امام برحق ہیں اور ہم چاروں اماموں کو مانتے ہیں، نانا صاحب نے پھر بھی کسی مفتی صاحب سے رجوع کیا اور زید کو بتایا کہ میں نے ساری معلومات کرلی ہیں، ''طلاق نہیں ہوئی'' اس کے بعد زید اور اس کی بیوی بحیثیت زن وشوہر آج تک رہ رہے ہیں، اس واقعہ سے قبل زید کے دو بچے موجود تھے اور زید کی بیوی حاملہ تھی، اس واردات کے بعد ۱۹۸۱ء میں ایک بچہ پیدا ہو چکا ہے، اس کے بعد کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا ہے، زید کے نانا صاحب اور نانی صاحبہ دونوں انتقال فرما چکے۔ ان تمام حالات کی روشنی میں شرعی احکام سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک مجلس میں تین یا تین سے زائد بار طلاق دینے سے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ چاروں اماموں کے نزدیک طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے، جس شخص نے یہ کہا کہ امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق طلاق نہیں ہوتی ہے، اس کی بات غلط ہے چاہے وہ اخبار میں آیا ہو یا کسی رسالہ میں وہ بات صحیح نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کے لئے مطلقہ بیوی کو اپنے پاس بیوی بنا کر کسی بھی امام کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً، فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبوحنيفةؒ، وأحمدؒ وجماهير العلماء من السلف والخلف: يقع، وقال طاؤس و بعض أهل الظاهر لا يقع بذلك إلاواحدة.

(شرح المسلم للنووي، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ١/٤٧٨، مرقاة شرح مشكوة، باب الخلع، الطلاق الثلث بلفظ واحد، امداديه ملتان ٦/٢٩٣، بذل المجهود، شرح أبوداؤد، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلٰث، مكتبه يحى سهارنپور ٣/٢٦٧، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٨/٩٥، تحت الرقم: ٢٢٠٠، فتح الباري، كتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث، دارالريان للتراث بيروت ٩/٢٧٨، اشرفية ديوبند إعلاء السنن، باب إيقاع الثلاث، مجموعة معصية، كراچي ١١/١٨٠، دارالكتب العلمية بيروت ١١/١٩٩، شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق الدور، كراچي ٣/٢٣٢، زكريا ٤/٤٣٤، طحطاوي على الدر المختار، كوئٹه٢/١٠٥، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٢/١٩١، زكريا ديوبند ٣/٢٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣، فتح القدير دارالفكر بيروت ٤/٥٥، كوئٹه ٣/٣٩٢، زكريا ديوبند ٤/٣٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۷۷۱)

ایک مجلس کی تین طلاق تین ہیں ایک نہیں

سوال [۲۶۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نفیس احمد بن صابر حسین ساکن محلّہ فتح اللہ گنج قصبہ ٹھاکردوارہ، ضلع: مرادآباد نے اپنی بیوی انیسہ بنت رفیق احمد ساکن محلّہ فتح اللہ گنج ٹھاکردوارہ، ضلع: مرادآباد کو بتاریخ یکم ستمبر ۲۰۰۴ء بروز بدھ آپسی نزاع پر ایک ہی مجلس میں تین بار لفظ طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، کہہ دیا ہے۔ اب اس پر نادم ہوں، قرآن وحدیث میں رجوع کی کوئی گنجائش ہو

تو مسئلہ صادر فرمائیں؛ جبکہ ایک غیر مقلد عالم نے ایک طلاق ہونے کا فتوی دیا ہے اور غیر مقلد عالم کا فتوی سوال کے ساتھ منسلک ہے۔

المستفتی: رفیق احمد، فتح اللہ گنج، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، تو تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور بیوی شوہر پر حرام ہوگئی ہے، بغیر شرعی حلالہ کے ان کا آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، دونوں زانی اور بدکار سمجھے جائیں گے، مذہب کے خلاف غیر مقلد کا سہارا لینے سے حرام شدہ عورت حلال نہیں ہوسکتی غیر مقلد مولوی کا یہ سمجھانا کہ تین طلاق ایک ساتھ دینے سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے قطعاً غلط اور گمراہ کن ہے، قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ علماء سلف وفقہاء ومشائخ اور ائمہ مسلمین حضرت امام اعظمؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم بزرگان دین کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے، صورت مسئولہ میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

قرآن شریف میں ہے کہ:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ: أي اثنتان.

[سورۃ البقر: ۲۲۹]

جس طلاق کے بعد رجوع کرسکتے ہیں وہ دو ہی طلاق ہیں یعنی ایک سے دو تک رجوع جائز ہے۔

الطلاق التطليق الذي يراجع بعده مرتان: أي اثنتان. (تفسیر جلالین ۳۳)

آگے تیسری طلاق کے متعلق ہے۔

فإن طلقها فلا تحل له من بعد الطلقة الثالثة حتى تنكح زوجا غيره.

پھر اگر مرد عورت کو دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دیدے، تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہے گی، یہاں تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرلے۔ (تفسیر جلالین شریف: ۳۳)

اوراحکام القرآن میں ہے۔

والکتاب والسنة وإجماع السلف الصالحين توجب إيقاع الثلث معاً، وإن كانت معصية.

قرآن شریف وسنت اوراجماع سلف صالحین کا فیصلہ یہی ہے کہ یک بارگی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، اگرچہ یکبارگی تین طلاقیں دینا معصیت ہے۔(مستفاد:احکام القرآن للجصاص، باب ذکر الحجاج لا يقاع الطلاق الثلاث معاً۔ سہیل اکیڈمی لاہور۱/۳۸۸، زکریا دیوبند۱/۴۶۹)

اسی طرح علامہ نوویؒ تحریرفرماتے ہیں:

فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبو حنيفةؒ، وأحمدؒ، وجماهير العلماء من السلف و الخلف: يقع الثلاث.

یعنی ائمہ اربعہ اور جمہور علماء سلف وخلف سب قائل ہیں کہ تین طلاقیں ہوجاتی ہیں۔
(شرح مسلم شریف، کتاب الطلاق، باب الطلاق الثلاث ۱/۴۷۸)

امام بخاریؒ کے نزدیک بھی بیک وقت ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، اس کے لئے آپ نے ایک باب باندھاہے۔**باب من أجاز طلاق الثلاث** اس کے تحت احادیث لائے ہیں، منجملہ ان کے ایک حدیث یہ ہے کہ

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۱، ف: ۵۲۶۰، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيره، النسخة الهندية ۱/ ۴۶۳، بيت الأفكار رقم:۱۴۳۳)

یعنی ایک آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاق دیں، پھراس عورت نے دوسرے شوہر

سے نکاح کیا، اس دوسرے نے صحبت کئے بغیر طلاق دیدی، آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے خاوند کے لئے یہ حلال ہوئی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کرلے پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

مزید تفصیل بخاری ۲/۷۹۲، مسلم شریف ۱/۴۶۳، ابوداؤد شریف ۱/۳۰۶ پر بھی موجود ہے اور منسلکہ فتوی میں جو حدیث نقل کی گئی ہے خود اس کے خلاف حضرت ابن عباسؓ کا فتوی موجود ہے۔

عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباسؓ، فجاء رجل، فقال: إنه طلق امرأته ثلاثاً، فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه، ثم قال: ينطلق أحدكم فيركب الحموقة، ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وإن الله قال: ومن يتق الله يجعل له، مخرجاً وإنك لم تتق الله فلا أجدلك مخرجاً، عصيت ربك وبانت منك امرأتك. (سنن ابی داؤد، طلاق، باب بقية بعد نسخ المراجعة التطليقات الثلاث، النسخة الهندية ١/٢٩٩، دارالسلام رقم ٢١٩٧ مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمی بيروت ٦/٣٣٤، رقم:)

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کا فتوی ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ نیز حضرت عائشہؓ کا بھی یہ فتوی ہے۔ اور حضرت ام سلمہؓ کا بھی یہی فرمان ہے کہ تین طلاقیں دیدینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں۔ (مصنف بن ابی شیبہ ۵/۲۲)

اور اہل حرمین کا فتوی بھی یہی ہے کہ تینوں طلاقیں ایک ساتھ دینے سے واقع ہوجاتی ہیں، اور جو غیر مقلدین نے حدیث مسلم شریف کے حوالہ سے پیش کی ہے، اس کو سنداً ومتناً مضطرب قرار دیا ہے۔ (احسن الفتاوی ۵/۳۶۷)

اہل حرمین کا فتوی مکمل احسن الفتاوی کے ساتھ منسلک ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمالیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۴۸۶)

ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے بعد غیر مقلد کے فتوی پر عمل کرنا

سوال[۶۶۰۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی شکیل احمد نے اپنی بیوی کو تین سے زائد مرتبہ ایک مجلس میں طلاق دیدی ہے اور ایک اہل حدیث کے فتوی کے مطابق ''کہ ایک مجلس کی کئی طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے،، پر عمل کرنا چاہتا ہے، تو کیا ہم اس کے ساتھ قطع تعلق کرلیں یا میل ملاپ رکھیں، شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لئے اہل حدیث کے فتوی پر عمل کرنا جائز ہے یا بیوی حرام ہوچکی ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: حسیب احمد سیفی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، طلاق مغلظہ واقع ہوجانے کی وجہ سے بیوی شوہر پر بالکل حرام ہو جاتی ہے، پھر اس کو رکھنا حرام کاری اور بدکاری ہے، جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ درحقیقت غیر مقلد اور آزاد خیال کے ہیں، ان کا فتوی صحیح نہیں ہے، ان کے فتوی پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، شکیل کی بیوی پر طلاق مغلظہ ہونے کی وجہ سے وہ شکیل پر قطعاً حرام ہوچکی ہے، بغیر حلالہ شرعی کے اس کو بیوی بنا کر رکھنا سخت گناہ اور عذاب الٰہی کا خطرہ ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶)

ائمہ متبوعین ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور جمہور امت کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوجاتی ہیں۔

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته: أنت طالق ثلاثا، فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبو حنيفةؒ، وأحمدؒ، وجماهير العلماء من السلف والخلف: يقع. وقال طاؤس وبعض أهل الظاهر: لايقع بذلک إلا واحدة.

(شرح السلم للنوري، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ٤٧٨/١، مرقاة شرح مشكوة، باب الخلع، الطلاق الثلث بلفظ واحد، امداديه ملتان ٢٩٣/٦، بذل المجهود، شرح أبوداؤد، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلٰث، مكتبه يحى سهارنپور ٢٦٧/٣، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٩٥/٨، تحت الرقم: ٢٢٠٠)

اور غیر مقلدین کا دلیل میں یہ پیش کرنا کہ مصر، سوڈان، اردن، شام، مراکش، عراق، پاکستان نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق ماننے کا قانون بنایا ہے یہ محض ڈھونگ ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ۱۹۸۹ء میں مستفیض الحسن کے حوالہ سے ایک اشتہار شائع کیا تھا، اور اشتہار میں بہت سے علماء دیوبند مسلک حنفی کے مفتیان کرام کے نام ہیں اور ان ملکوں کی تاریخیں بھی اس طریقہ سے ہیں، جس طریقہ سے سوال نامہ میں ہے، یہ اشتہار غیر معتبر ہے اور غیر ذمہ دارانہ ہے؛ اس لئے اس اشتہار کے حوالہ سے ان ملکوں کا یہ قانون بتلانا اعتماد کے قابل نہیں ہے، یہ اشتہار ہمارے پاس بھی آچکا ہے، اگر شکیل احمد تین طلاق والی عورت کو ایسے ہی رکھتا ہے اور کسی کی نہیں سنتا ہے، تو رشتہ دار کنبہ والے اس کے ساتھ حقہ پانی بند کردیں۔

وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْن. [سوره هود:١١٣]

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان. [مائده: ٢] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۹۱۵/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۹ھ

غیر مقلد کے فتویٰ سے مطلقہ ثلاثہ حلال نہ ہوگی

سوال [۶۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنے بیوی کو ۹ رماہ قبل تین طلاق دیدی تھیں، اس کے بعد میرے سسرالیوں نے اہل حدیث سے فتوی لاکر میرے پاس بیوی کو زبردستی چھوڑ دیا، بیوی میرے پاس ہی رہ رہی ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کا میرے ساتھ رہنا شرعاً کیسا ہے؟ طلاق ہوگئی تھی یا نہیں؟ اب اسے ساتھ رکھنے کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد ناصر، محلّہ: کوہ نور تیراہہ، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ دیدیں، تو آپ پر آپ کی بیوی قطعی طور سے حرام ہوگئی۔ اب بیوی کو بغیر حلالہ شرعیہ کے اپنے ساتھ رکھنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں اور ساتھ رہنا حرام کاری اور بدکاری ہے اور غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں وہ اہل حدیث نہیں؛ بلکہ اہل ہویٰ ہیں، جو حدیث ان کی مرضی کے موافق ہو اس کو لیتے ہیں اور جو ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں، آپ کا جو معاملہ ہے اس میں طلاق کا وقوع صریح حدیث سے ثابت ہے؛ اس لئے فوری طور پر آپ اپنی بیوی کو الگ کردیں، جب تک حلالہ شرعیہ نہ ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه. [البقرة: ۲۳۰]

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(أبو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/۳۰۶، دارالسلام رقم: ۲۲۵۰،

بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٠، ف: ٥٢٥٩، مسلم شريف، كتاب اللعان، النسخة الهندية ١/ ٤٨٩، بيت الأفكار، رقم: ١٤٩٢، نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب الرخصة في ذالك، النسخة الهندية ٢/ ٨٣، دارالسلام رقم: ٣٤٣١)

قال الليث عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا فإن طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩٢، رقم: ٥٠٦٥، ف: ٥٢٦٤، مسلم شريف، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ١/ ٤٧٦، بيت الأفكار رقم: ١٤٧١)

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً فطلقها قبل أن يمسها، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أ تحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤١)

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل فيغلق الباب ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر. (نسائی شريف، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۰۸)

حنفی مذہب ہونے کی حالت میں تین طلاق دے کر غیر مقلدیت کو اپنانا

سوال [۲۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حنفی المذہب شخص نے حنفی ہونے کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں، مفتیان احناف نے قرآن و حدیث کے فیصلہ کے مطابق اس کی بیوی کو اس پر حرام قرار دیدیا تا آنکہ اس کی بیوی کسی دوسرے مرد سے شادی کرنے کے بعد مطلقہ یا بیوہ ہوکر عدت نہ گزارے، یہ عورت اس شخص کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کے بعد اس حنفی شخص نے خواہش نفس کے تابع ہوکر غیر مقلد علماء سے فتوی لیا، جنہوں نے ان تینوں طلاقوں کو ایک طلاق رجعی قرار دے کر بیوی کو ویسے ہی رکھ لینے کا فتوی دیدیا، اور اس فتوی کے ساتھ ہی اس حنفی نے اپنے غیر مقلد ہوجانے کا اعلان کردیا۔ اب تحقیق طلب مسائل یہ ہیں:

(۱) یہ حنفی شخص جس نے تین طلاقیں دی تھیں اور جو اس طرح طلاق دینے کے بعد غیر مقلد بن گیا، اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی اس پر حرام ہوجائے گی یا غیر مقلدین کے بقول ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور بیوی پہلے کی طرح حلال رہے گی؟

(۲) اگر اس کی عورت پر تین طلاقیں واقع ہوکر بیوی حرام ہوگئی اور یہ شخص بدستور اس عورت کو ایسے ہی اپنی بیوی بنائے ہوئے ہے، تو ایسے شخص کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

(۳) اہل بستی محلّہ دار اور اس کے رشتہ داروں کو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ یعنی اس کے ساتھ پہلے کی طرح تعلقات رکھیں یا نہیں؟ اور اس کے ساتھ شادی بیاہ وغیرہ کے تعلقات رکھنے چاہئے یا نہیں؟

(۴) تین طلاقیں اور غیر مقلد ہوجانے کے بعد ایسے میاں بیوی سے جو اولاد پیدا ہو، وہ حرامی کہلائے گی یا حلالی؟ اور ایسی اولاد کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: لیاقت علی، ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حنفی شخص نے حنفیت کی حالت میں اپنی بیوی کو جو تین طلاقیں دی ہیں، وہ تین رہیں گی اس کے غیر مقلد بن جانے کی وجہ سے تین طلاق اور طلاق مغلظہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اس شخص کے لئے اس عورت کو بیوی بنا کر رکھنا حرام اور زنا کاری ہے اور عذاب آخرت کے ساتھ ساتھ اس دنیا میں بھی طرح طرح کے وبال سے دوچار ہونا پڑسکتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۹۹/۵، فتاوی دارالعلوم ۳۰۳/۹)

وذهب جمهور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث. (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، دارالفكر بيروت ٤٦٩/٣، كوئٹه ٣٣٠/٣، زكريا٣/ ٤٥١، شامي، كراچي ٢٣٢/٣، زكريا٤/ ٤٣٤)

(۲/۳/۴) تین طلاقیں دینے کے بعد جو شخص بیوی کو اپنے پاس رکھتا ہے، وہ زنا کار ہے اور غضب الٰہی کا سخت خطرہ ہے، اگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے محلّہ والوں کو اس سے قطع تعلق کرلینا چاہئے اور اس حالت میں جو اولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴۹۸/۴)

ومفاده أنه لو وطئها بعد الثلاث في العدة بلا نكاح عالماً بحرمتها لا تجب عدة أخرى؛ لأنه زناً. (شامي، باب العدة، مطلب في وطء المعتدة بشبهة، زكريا٥/ ٢٠٠، كراچي٣/ ٥١٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۰۲۹/۲۸)

کیا علماء احناف نے ایک مجلس کی تین طلاق میں غیر مقلدین کے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے؟

سوال [الف: ۶۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین مرتبہ یا اس سے بھی

زیادہ مرتبہ ایک ہی ساتھ یہ کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، پوچھنا یہ ہے کہ یہ طلاق رجعی ہے یا مغلظہ، رجوع کر سکتے ہیں یا حلالہ ضروری ہے؟ اور حلالہ کا شرعی حکم کیا ہے؟

صورت مذکورہ میں مسلک احناف کے مطابق تین طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہیں؛ لیکن مسلک اہل حدیث کے مطابق یہ صورت طلاق رجعی کی ہے جیسا کہ مولانا اخلاف حسین صاحب نے تحریر کیا ہے۔

مسلم معاشرہ آج جن بدترین حالات سے گزر رہا ہے اس کے پیش نظر خاندان کو ابتری سے بچانا ایک اہم قومی اور دینی ضرورت بن گیا ہے اور علماء احناف نے مسلم خاندان کو بربادی سے بچانے کے لئے مسلک اہل حدیث پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، مندرجہ مذکورہ واقعہ میں خاندان کے بزرگ، شوہر کو بٹھا کر اس سے توبہ کرائیں اور رجوع کرادیں، آئندہ اگر اس نے ایسی نالائقانہ حرکت کی تو پھر گھر کی بربادی کو بچانا مشکل ہوگا۔

المستفتی: ممتاز احمد، منگل کھیڑا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک مجلس کی تین طلاقیں چاروں اماموں کے نزدیک تین طلاق ہوتی ہیں، بعض لوگ مسلک اہل حدیث کا لفظ استعال کرتے ہیں، اہل حدیث جو درحقیقت غیر مقلدین ہیں، ان کا کوئی مسلک ہی نہیں ہے، مسلک اور مذہب ہونے کے لئے کسی نہ کسی امام کی اقتداء لازم ہے اور کا کوئی باضابطہ قانون شرعی اور فقہ ہونا بھی لازم ہے، وہ کون سی کتاب ہے، جس میں ان کا مسلک لکھا ہوا ہو، چاروں اماموں نے قرآن وحدیث سے استنباط کر کے فقہ کو مرتب کیا ہے، غیر مقلدین کے یہاں ایسا کچھ نہیں ہے، ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل کے درجے میں ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جیسا کہ ان ائمہ کرام نے قرآن وحدیث سے براہ راست

مسائل کا استنباط کیا ہے، غیر مقلدین میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اس لائق ثابت کرتا ہے؛ اس لئے گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کا فتویٰ بھی دیکھنے کو ملا، جو نہایت آزادانہ ہے اور جو بات پیش کی ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے، مولانا اخلاق حسین صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ علماء احناف نے مسلک اہل حدیث پر عمل کرنے کی اجازت دیدی ہے یہ نہایت غیر ذمہ دارانہ اور بے ثبوت بات ہے؛ اس لئے کہ علماء احناف نے غیر مقلدین کے مسلک پر عمل کرنے کے لئے کہیں نہیں لکھا، ہاں البتہ مجبوری کی حالت میں ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کا مسلک اختیار کرنے کی گنجائش دی ہے اور ایک مجلس کی تین طلاقیں چاروں اماموں کے نزدیک تین ہی طلاق ہوتی ہیں۔

اب اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے جو مذکورہ سوال میں لکھا ہے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین مرتبہ یا اس سے زیادہ ایک ساتھ تجھے طلاق دی کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے، آئندہ بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلٰثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/٨٨، تاتار خانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۳۶۰/۳۷)

ایک مجلس کی تین طلاق کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہونے کے بارے میں غیر مقلدین کی طرف سے مسلسل پروپیگنڈہ جاری ہے اور خالی الذہن مسلمانوں کو طرح طرح کے انداز سے شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ اور بہت سے خالی الذہن مسلمان نوجوان ان کی باتوں میں آجاتے ہیں اور پھر گمراہی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اور ذاکر نائک بھی اپنے چینل کے ذریعہ سے سینکڑوں مسلمانوں کو ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا فتوی جاری کرتا ہے اور اس کے فتوی کی وجہ سے سینکڑوں مسلمان حرام کاری اور بدکاری میں مبتلا ہیں؛ اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ احادیث شریفہ کے ذریعہ سے اس مسئلے کو واضح کردیا جائے؛ تاکہ مسلمان گمراہی اور معصیت سے محفوظ ہوجائیں اس کی وضاحت پیشِ خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں، اس سلسلے میں حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث وارشادات اور صحابہ کرام کے فتاویٰ اور روایات مدلل طور پر یہاں نقل کردیتے ہیں۔ اور ان روایات اور احادیث کے سامنے آجانے کے بعد کسی بھی مؤمن کو ایک مجلس کی تین طلاق کو تین طلاق ماننے میں تردد اور شبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، اور آخر میں حدیث رکانہؓ کی حقیقت بھی آپ کے سامنے واضح کردی جائے گی، جس کے غلط پہلو کو لے کر کچھ آزاد خیال چالاک قسم کے لوگ مسلمانوں کو معصیت میں مبتلا کرتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے۔ نیز تین طلاق کے بعد بغیر شرعی حلالہ کے عورت کو اپنے پاس رکھنا قطعی طور پر حرام اور ناجائز ہے۔ اور دوسرے شوہر سے نکاح کرنے کے بعد اس سے ہمبستری

کے بعد ہی طلاق ہوجانے پر عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے اس کے بغیر نہیں، اس بارے میں بھی صحیح روایات اوراحادیث ہم آپ کے سامنے پیش کریں گے۔

اب علی الترتیب روایات ملاحظہ فرمایئے:

ابوداؤد شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ حضرت عویمر عجلانیؓ نے اپنی بیوی کو حضور ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیدیں اور حضور ﷺ نے اس کو تین ہی نافذ فرمادیا اس حدیث شریف میں واضح طور پر موجود ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو حضور ﷺ نے تین ہی ثابت فرمایا۔

حدیث شریف کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ فِيْ هٰذَا الْخَبَرِ قَالَ: فَطَلَّقَهَا ثَلاثَ تَطْلِيْقَاتٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْفَذَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/۳۰٦، دارالسلام رقم: ۲۲۵۰، ۱/۳۰۵، رقم:۲۲٤۵، صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۱، رقم: ۵۰٦۰، ف:۵۲۵۹، صحيح مسلم، كتاب اللعان، النسخة الهندية ۱/٤۸۹، بيت الأفكار رقم:۱٤۹۲، سنن نسائي، كتاب الطلاق، باب الرخصة في ذالك، النسخة الهندية ۲/۸۳، دارالسلام رقم: ۳٤۳۱)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے اسی حدیث شریف میں موجود ہے فرماتے ہیں: پس انہوں نے اپنی بیوی کو حضور ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دے دیں، تو حضور ﷺ نے اس پر تین طلاق کا حکم نافذ فرمادیا۔

حضرت حسن بن علیؓ کی روایت اور واقعہ

''سنن کبریٰ بیہقی'' میں حضرت حسن بن علیؓ کی بیوی سے متعلق ایک مفصل حدیث شریف سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔اور یہ حدیث شریف ''باب المتعه'' کے تحت میں بھی مفصل موجود ہے اور ''باب ماجاء فی امضاء الطلاق الثلاث'' کے تحت میں بھی مفصل طور سے موجود ہے۔

روایت کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ کو شہید کر دیا گیا، تو حضرت حسن بن علیؓ کی ایک بیوی جو قبیلہ خثعم کی تھی اس نے حضرت حسنؓ سے کہا کہ تم کو خلافت مبارک ہو، تو اس پر حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ تو نے حضرت علیؓ کی شہادت پر دشمنی کے طور پر خوشی کا اظہار کیا ہے، تو اسی مجلس میں حضرت حسنؓ نے یہ کہہ دیا کہ تمہیں تین طلاق۔ اس عورت نے کہا کہ میں نے دشمنی کے طور پر خوشی کا اظہار نہیں کیا ہے یہ میرا مقصد نہیں تھا، بہرحال عدت گزرنے کے بعد وہ چلی گئی، تو حضرت حسنؓ نے اس کے مہر کا بقایا اور سامان کے طور پر بیس ہزار درہم اس کے پاس بھیج دیئے، تو اس عورت نے اس مال کو دیکھ کر کے کہا کہ ایک جدا ہونے والے دوست کی طرف سے معمولی سامان ہے جب اس کی یہ بات حضرت حسنؓ کو معلوم ہوئی، تو حضرت حسنؓ روتے ہوئے یہ فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سے وہ حدیث شریف نہ سنی ہوتی جو وہ میرے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے، تو وہ عورت اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی ہے جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے، اگر یہ بات میں نے نہ سنی ہوتی، تو میں اپنی اس بیوی کو رجعت کر کے اپنے نکاح میں دوبارہ رکھ لیتا؛ لیکن ایک مجلس میں تین طلاق دینے کی وجہ سے مجھ کو رجعت کا حق حاصل نہیں رہا۔ یہ روایت بھی اس بات کی واضح شہادت دیتی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہی قرار دیا ہے۔ اور اس عورت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجعت کی اجازت نہیں دی ہے۔ طویل حدیث شریف کا آخری حصہ ملاحظہ فرمائیے:

وَقَالَ حَسَنٌ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ جَدِّي النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثاً لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ لَرَاجَعْتُهَا. (السنن الكبرى للبيهقي قديم ٧/٢٥٧، ٣٣٦، جديد دارالفكر بيروت ١١/٥٢، رقم:١٤٨٥٥، ١١/٢٢١، رقم:١٥٣٤٧، سنن الدار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢٠، رقم:٣٩٢٧)

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں نے یہ بات اپنے والد سے نہ سنی ہوتی کہ میرے والد نے میرے نانا نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے، تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلے، تو میں اپنی اس بیوی کو رجعت کرکے رکھ لیتا۔

نوٹ: حضرت حسن بن علیؓ کی جس روایت میں امام دار قطنیؒ نے ۲۰/۴، رقم: ۳۹۲۸ میں ضعف کا نشان لگایا ہے، وہ عمرو بن شمر کی وجہ سے ہے۔ اور ہم نے جو نقل کی ہے وہ عمرو بن شمر کی روایت نہیں ہے؛ بلکہ عمرو بن ابی قیس کی روایت نقل کی ہے، وہ صدوق ہے۔

(تقریب التہذیب کراچی ۴۴۷/۱، رقم: ۵۱۱۷، مطبع العاصمہ ۷۴۳، رقم: ۵۱۳۶)

اوراس کو دارقطنی نے بھی صدوق کہا ہے۔ اور حافظ ابن رجب وغیرہ نے ''اسنادہ صحیح'' کہا ہے۔ (تکملہ فتح الملہم، کتاب الطلاق، باب الطلاق الثلاث، المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند تحت رقم الحدیث ۳۶۵۳، ۱۵۵/۱)

امام ابوبکر ہیثمیؒ نے ''مجمع الزوائد، کتاب الطلاق، باب متعۃ الطلاق، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳۳۹/۴'' میں ''وفي رجالہ ضعف وقد وثقوا'' کے الفاظ نقل فرمائے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف غلط نسبت

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کی طرف یہ بات منسوب کرنا حقیقت اور واقعہ کے خلاف ہے، کہ حضرت علیؓ ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی شمار فرماتے تھے۔ سلیمان بن مہران الاعمش مشہور محدثین میں سے ہیں، انہوں نے اس واقعہ کی تحقیق کرکے اس کی قلعی کھول دی ہے، جس کو امام بیہقی نے اپنی کتاب ''السنن الکبری'' میں واضح طور پر نقل فرمایا ہے۔

اب اس حدیث شریف کا پورا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے:

سلیمان بن مہران الاعمش فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھا شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سماعاً یہ روایت نقل کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں تین طلاق دیدے، تو وہ ایک ہی شمار ہوگی اور لوگوں کا تانتا اس کے پاس بندھا ہوا تھا، لوگ آتے تھے اور یہ حدیث اس سے بغور سنتے تھے (اعمش کہتے ہیں) میں بھی اس کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا آپ نے حضرت علیؓ سے حدیث سنی ہے؟ اس نے مجھے بھی مذکورہ بالا حدیث سنادی، تو میں نے دریافت کیا کہ کہاں سنی؟ تو اس نے کہا کہ میں آپ کو اپنی کاپی دکھاتا ہوں، چنانچہ وہ کاپی نکال کر لایا، کاپی میں نے دیکھی، تو اس میں یہ لکھا تھا: میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے، تو وہ اس سے بائنہ ہو جائے گی۔ اور دوسرے شوہر سے نکاح کئے بغیر اس کے لئے حلال نہ ہوگی، اس پر میں نے سوال کیا کہ تعجب ہے، یہ روایت تو تمہاری زبانی روایت کے خلاف ہے، اس نے کہا صحیح یہی (کاپی) ہے؛ لیکن لوگ مجھ سے وہی کہلوانا چاہتے ہیں۔ اس روایت سے صاف معلوم ہوگیا کہ حضرت علیؓ کا مسلک کیا تھا، ان کا مسلک یہی تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی تھیں۔ اور رافضیوں نے پروپیگنڈہ کر کے اس حدیث شریف کے مفہوم کو بدل کر اس شیخ کے ذریعہ سے الٹا مطلب بیان کرایا ہے، ورنہ حضرت علیؓ کی طرف ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق کہہ کر منسوب کرنا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔ وہ روایت ملاحظہ فرمایئے جس کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جاتا تھا:

عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: كَانَ بِالْكُوْفَةِ شَيْخٌ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍؓ يَقُوْلُ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ، فَإِنَّهُ يرَدُّ إِلٰى وَاحِدَةٍ وَالنَّاسُ عُنُقًا وَأَحَادًا، إِذْ ذَاكَ يَأْتُوْنَهُ وَيَسْمَعُوْنَ مِنْهُ، قَالَ: فَأَتَيْتُهُ فَقَرَعْتُ عَلَيْهِ الْبَابَ، فَخَرَجَ إِلَيَّ شَيْخٌ فَقُلْتُ لَهُ: كَيْفَ سَمِعْتَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍؓ يَقُوْلُ فِيمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ يرَدُّ إِلٰى وَاحِدَةٍ؟ قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: أَيْنَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ عَلِيٍّؓ؟ قَالَ:

حضرت امام اعمش کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھے آدمی بیان کیا کرتے تھے، کہ میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدے، تو وہ اس کو ایک ہی شمار کرتے تھے اور لوگ اجتماعی اور انفرادی طور پر اس کے پاس آتے تھے۔ اور اس کے پاس آکر کے اس سے اس حدیث کو سنا کرتے تھے، تو میں نے بھی اس کے پاس پہنچ کر کے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا، تو میرے پاس ایک بوڑھا آدمی نکل کر آیا، تو میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے حضرت علیؓ سے اس شخص کے بارے میں فرماتے ہوئے کیسے سنا ہے جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں، تو اس نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں تو حضرت علی ایک شمار کرتے تھے۔

أَخْـرُجُ إِلَيْکَ كِتَـابًا فَأَخْرَجَ فَإِذَا فِيْهِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا مَا سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍؓ يَقُوْلُ: إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ، فَقَدْ بَانَتْ مِنْهُ، وَلا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، قَالَ: قُلْتُ: وَيْحَکَ هٰذَا غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ، قَالَ الصَّحِيْحُ هُوَ هٰذَا، وَلٰكِنْ هٰؤُلَاءِ أَرَادُوْنِيْ عَلٰى ذٰلِکَ. (السنن الكبرى للبيهقي جديد، دارالكتب العلمية بيروت ۱۱/۲۲۸ برقم: ۱۵۳۶۵، قديم ۷/۳۳۹-۳۴۰)

فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ آپ نے حضرت علیؓ سے یہ کہاں سے سنا ہے؟ تو اس بوڑھے نے کہا کہ میں آپ کے پاس کاپی لاکر کے پیش کردیتا ہوں، پھر کاپی نکالی، تو اس میں بسم اللہ کے بعد یہ لکھا ہوا تھا: یہ وہ حدیث ہے جو میں نے حضرت علیؓ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدے، تو یقیناً وہ عورت اس سے بائنہ ہو کر جدا ہوجاتی ہے، اور اس مرد کے لئے وہ حلال نہیں ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے، تو میں نے اس سے سوال کیا تیرا ناس ہو یہ تعجب کی بات ہے کہ یہ روایت تو تمہاری اس روایت کے خلاف ہے جو تم اپنی زبان سے بیان

کرتے ہو، اس بوڑھے نے کہا یہی صحیح ہے جو کاپی میں موجود ہے؛ لیکن لوگ مجھ سے وہی کہلوانا چاہتے ہیں (جو حقیقت اور واقعہ کے خلاف ہے)۔

بغیر ہمبستری کے حلالہ معتبر نہیں

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث شریف میں ہے کہ جب بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دیدے، تو تینوں طلاقیں واقع ہو کر بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے اور اس وقت تک حرام رہتی ہے کہ جب تک دوسرے مرد سے نکاح کر کے ہمبستر نہ ہو جائے اور ہمبستری کے بعد اس سے طلاق ہو جائے تب اس سے نکاح جائز ہوتا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا سُئِلَ عَمَّنْ طَلَّقَ ثَلاثًا قَالَ: قَالَ لَوْ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِيْ بِهٰذَا فَإِنْ طَلَّقَهَا ثَلاثًا حَرُمَتْ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩٢، رقم: ٥٠٦٦، ف: ٥٢٦٥، صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ١/٤٧٦، بيت الأفكار رقم: ١٤٧١، سنن الدار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٨، رقم: ٣٩٢١)

جب حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا جاتا تھا اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو جواب دیتے تھے اگر ایک طلاق یا دو طلاق دی ہے، تو بے شک حضور ﷺ نے مجھے یہی حکم دیا ہے؛ یعنی رجعت کرنے کا، پس اگر تین طلاق دیدی ہوں، تو بیوی حرام ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔

مسلم شریف اور نسائی شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے جس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ تین طلاق کے بعد اس وقت تک دوبارہ نکاح نہیں کر سکتے جب تک دوسرے مرد سے نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری نہ ہو جائے اور پھر ہمبستری کے بعد

وہ طلاق دیدے تب پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اس طرح کی روایت بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فَتزَوَّجَتْ زَوْجًا فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَمَسَّهَا فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: لَا حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤١)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں پھر بیوی نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلیا، پھر اس دوسرے مرد نے اس کے ساتھ ہمبستری سے پہلے طلاق دیدی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا، کیا یہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہاں تک کہ وہ مرد اس کا مزہ چکھ لے جیسا کہ پہلے نے چکھا تھا (یعنی پہلے کی طرح یہ بھی ہمبستر ہوجائے)۔

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا، فَتَزَوَّجَهَا رَجُلٌ ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، فَأَرَادَ زَوْجُهَا الْأَوَّلُ؟ أَنْ يتزَوَّجَهَا، فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: لَا حَتّٰى يَذُوْقَ الآخَرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا مَا ذَاقَ الْأَوَّلُ.

(مسلم شريف، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقة الخ النسخة الهندية ١/ ٤٦٣، بيت الأفكار رقم: ١٤٣٣)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، پھر اس عورت سے دوسرے مرد نے نکاح کرلیا، پھر اس نے ہمبستری سے قبل اس کو طلاق دیدی، تو شوہرِ اول نے اس سے نکاح کرنا چاہا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوہرِ اول نکاح اس وقت تک نہیں کرسکتا جب تک شوہرِ ثانی اس کے ساتھ اسی طرح ہمبستر نہ ہوجائے کہ جس طرح شوہرِ اول نے ہمبستری کی تھی۔

بخاری شریف کی حدیث ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ عَائِشَةَؓ أَنَّ رَجُلاً طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ؟ قَالَ: لَا حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ.

(بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰٦۲، ف: ۵۲٦۱)

بخاری شریف کی روایت کا ترجمہ بھی تقریباً اسی طرح ہے، پس اتنا فرق ہے کہ ''**قبل أن يمسها**'' کا لفظ بخاری میں نہیں ہے۔

نسائی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت صاف الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ حضور ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں۔ اور بیوی نے دوسرے آدمی سے نکاح کرلیا اور اس کے ساتھ خلوت ہوگئی، مگر ہمبستری نہیں ہوئی اور بغیر ہمبستری کے طلاق دیدی، تو حضور ﷺ نے فرمایا: کہ پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک ہمبستری کے بعد طلاق نہ دے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا الرَّجُلُ، فَيُغْلِقُ الْبَابَ، وَيُرْخِي السِّتْرَ، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، قَالَ: لَا تَحِلُّ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى يُجَامِعَهَا الْآخَرُ. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ۳٤٤٤)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی سے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، پھر اس سے دوسرے مرد نے نکاح کرکے گھر کا دروازہ بند کردیا اور پردہ کھینچ دیا، پھر اس کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے طلاق دیدی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک اس سے دوسرا شوہر جماع نہ کرلے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول رہا ہے کہ جب ایسے آدمی کو لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی ہوں، تو اس کو سزا دیتے اور میاں بیوی کے درمیان علیحدگی فرما دیتے تھے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے خلاف فیصلہ کر سکتے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں؛ بلکہ حضرت عمرؓ کا فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور آپ ﷺ کے قول وفعل کے مطابق ہی ہوتا تھا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ كَانَ عُمَرُ إِذَا أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فِي مَجْلِسٍ أَوْجَعَهُ ضَرْبًا وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ٥١٩/٩، رقم: ١٨٠٨٩)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب ایسے آدمی کو لایا جاتا تھا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی ہوں، تو حضرت عمرؓ اس کی پٹائی کر دیتے اور میاں بیوی کے درمیان میں جدائیگی فرما دیتے تھے (یعنی ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا اچھا کام نہیں ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں؛ اس لئے دونوں کو علیحدہ کر دیتے تھے)۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے جب مسئلہ معلوم کیا جاتا کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو وہ جواب دیا کرتے تھے کہ اس نے گناہ کا کام کیا ہے اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ وَاقِعِ بْنِ سَحْبَانَ قَالَ: سُئِلَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍؓ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ

امْـرَأَتَـهُ ثَـلاثًـا فِيْ مَجْلِسٍ قَالَ: أَثِمَ بِرَبِّهِ وَحَرُمَتْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ. (مصنف ابن أبي شيبة، جديد مؤسسه علوم القرآن بيروت تحقيق شيخ عوامه ۹/ ۵۱۹، رقم: ۱۸۰۸۷)

واقع بن سحبان کہتے ہیں کہ عمران بن حصینؓ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دی ہیں، تو وہ جواب دیتے تھے کہ اس نے اپنے رب کے ساتھ نافرمانی کا گناہ کیا اور اس کے اوپر اس کی بیوی حرام ہوگئی ہے۔

حدیث رکانہ سے متعلق روایات کا جائزہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے حضرت رکانہؓ کا واقعہ حقیقت کے خلاف نقل کیا جاتا ہے؛ اس لئے پہلے وہ حدیث ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں جس میں حقیقت کے خلاف واقعہ پیش کیا گیا ہے اس کے بعد حقیقت کے موافق صحیح واقعہ ابوداؤد شریف سے پیش کریں گے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''سنن کبریٰ بیہقی'' میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت ہے جس میں حضرت رکانہ کا ایک واقعہ ہے اور حضرت رکانہؓ کا واقعہ ابن عباسؓ سے اس طرح مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجعت کرنے کی اجازت دی ہے، اب اس حدیث پاک پر غور کرنا ہے کہ اس حدیث شریف کی حقیقت کیا ہے؛ کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ خود اس حدیث شریف کو بھی روایت کرتے ہیں پھر اسی حدیث شریف کے خلاف وہ فتویٰ بھی دیتے ہیں جیسا کہ ''مؤطا'' کی روایت میں ان کا فتویٰ ہے کہ ایک مجلس میں تین یا تین سے زائد دی ہوئی طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور زائد طلاقیں لغو ہوجاتی ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کے متن میں ضرور کوئی گڑبڑی ہوئی ہے، جیسا کہ اوپر حضرت علیؓ کے بارے میں اس طرح کی روایت منسوب کی گئی تھی، پھر امام اعمش نے جب تحقیق کی تو صحیح بات سامنے نکل کر آئی کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں

ایک نہیں ہیں؛ بلکہ تین ہی ہیں اور اس کی وجہ سے مکمل طور پر جدائیگی ہوجاتی ہے، ہم اس سلسلے میں پہلے سنن کبریٰ کی روایت پیش کرتے ہیں اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''فتح الباری'' میں جو کچھ لکھا ہے وہ پیش کریں گے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: طَلَّقَ رُكَانَةُ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا فِيْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيْدًا، فَسَأَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ: طَلَّقْتُهَا ثَلاثًا فَقَالَ: فِيْ مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ، فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ فَرَاجَعَهَا. (السنن الكبرى جديد دارالفكر بيروت ۱۱/۲۲۷، ۲۲۸، رقم: ۱۵۳۶۳، فتح الباري كتاب الطلاق، باب من جوز الطلاق الثلاث، دار الفكر بيروت ۹/۳۲۶، دار الريان للتراث القاهرة ۹/۲۷۵، اشرفية بكڈپو ديوبند ۹/۴۵۳، ۴۵۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں، پھر اس پر سخت رنجیدہ ہوگئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ تم نے طلاق کیسے دی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے ان کو تین طلاق دی ہیں، حضور ﷺ نے پوچھا ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا جی ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک وہ ایک ہی ہے؛ لہٰذا اگر چاہو تو رجعت کرلو، تو رکانہ نے ان سے رجعت کرلی۔

حضرت رکانہؓ کے واقعہ میں حدیث شریف کا صحیح مطلب

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''فتح الباری، دار الفکر بیروت، دار الاحیاء التراث ۹/۲۷۵، اشرفی بکڈپو دیوبند ۹/۴۵۳، ۴۵۴'' میں اس حدیث شریف کا اس طرح جواب دیا ہے کہ اس حدیث شریف کی سند میں محمد بن اسحاق اور ان کے شیخ داؤد بن الحصین دونوں مختلف فیہ ہیں۔ محدثین نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے؛ اس لئے ابوداؤد وغیرہ میں جو صحیح سند کے ساتھ حضرت رکانہؓ کے واقعہ سے متعلق روایت ہے وہی زیادہ صحیح ہوگی، اس میں ''فطلقها البتة''

کے الفاظ ہیں اوراس میں ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے الفاظ کہیں سے کہیں تک بھی نہیں ہیں؛ بلکہ ابوداؤدشریف میں الفاظ ہیں: أن رکانة بن عبد یزید طلق امرأته سهیمة البتة، فأخبر النبي صلی الله علیه وسلم بذلک'' کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سہیمہ کو البتہ کے ساتھ طلاق دیدی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کواس کی اطلاع دی گئی اورطلاق البتہ میں تین طلاق بھی مراد لی جاسکتی ہیں اورایک طلاق بھی؛ یعنی لفظ ''البتہ'' سے طلاق دینے میں شوہر کی نیت کا اعتبار رہے ،تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہؓ کوقسم دلا کر پوچھا کہ تم نے اس سے تین طلاق کا ارادہ کیا تھا یاایک طلاق کا؟اس پر حضرت رکانہؓ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے لفظ ''البتہ'' سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا،تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجعت کی اجازت دی تھی۔امام ابوداؤدفرماتے ہیں کہ تین طلاق کے الفاظ کی حدیث کے مقابلے میں یہی حدیث شریف زیادہ صحیح ہے اورتین طلاق والی حدیث کے متن میں گڑبڑی ہوئی ہے؛ کیوں کہ اس حدیث کوحضرت رکانہؓ کے خاندان اوران کے گھر کے لوگ بیان کرتے ہیں۔اورتین طلاق والی حدیث ان کے خاندان کے علاوہ دوسرے لوگ بیان کرتے ہیں اوردوسرے لوگوں کے مقابلے میں گھر کے لوگوں کا بیان زیادہ صحیح ہوگا؛ اس لئے ایک مجلس میں تین طلاق کوایک طلاق شمار کرنے کی روایت واقعہ کے خلاف اورغلط ہوگی۔اوراس پر عمل کرنا بھی غلط اورگناہ کا ارتکاب ہوگا۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرِ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ أَنَّ رُكَانَةَ بْنَ عَبْدِ يَزِيْدَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ، فَأَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ وَقَالَ: وَاللهِ مَا أَرَدْتُّ إِلَّا وَاحِدَةً، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ: وَاللهِ مَا أَرَدْتَّ إِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رُكَانَةُ: وَاللهِ مَا أَرَدْتُّ إِلَّا وَاحِدَةً، فَرَدَّهَا إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِي زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَةَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَ. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في البتة، النسخة الهندية ١/ ٣٠٠، دارالسلام رقم: ٢٢٠٦)

حضرت رکانہؓ کے پڑپوتے نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ فرماتے ہیں کہ حضرت رکانہ ابن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دیدی، تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی اور فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے طلاق البتہ سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم تم نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ تو حضرت رکانہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلمنے ان کی بیوی کو انہی پر واپس کر دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیسری طلاق دی۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ اَلْبَتَّةَ، فَأَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا أَرَدْتَّ؟ قَالَ: وَاحِدَةً، قَالَ: آللّٰهِ؟ قَالَ: آللّٰهِ قَالَ: هُوَ عَلٰى مَا أَرَدْتَّ. قَالَ: أَبُوْدَاوُدُ: هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ ثَلاثًا لِأَنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتِهٖ وَهُمْ أَعْلَمُ بِهٖ. وَحَدِيْثُ ابْنِ جُرَيْجٍ رَوَاهُ عَنْ بَعْضِ بَنِي رَافِعٍ عَنْ عِكْرَمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ. (أبو داؤد شريف كتاب الطلاق، باب في البتة، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۰، دارالسلام رقم: ۲۲۰۸)

حضرت رکانہؓ کے پڑپوتے عبداللہ بن علی نے اپنے باپ علی سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ حضرت رکانہؓ اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو گئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے کیا ارادہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اللہ کی قسم، تو حضرت رکانہ نے فرمایا اللہ کی قسم، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تمہارے ارادے اور نیت پر ہے۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے جو روایت بعض بنی رافع عن عکرمہ عن ابن عباس کے طریق سے نقل فرمائی ہے (اور اس میں حضرت رکانہ کا اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا ذکر ہے) اس کے مقابلے میں یہی حدیث شریف (طلاق البتہ والی)

زیادہ صحیح ہے؛ اس لئے کہ اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرت رکانہ کے اہل بیت اوران کے گھر کے لوگ ہیں۔ اور یہی لوگ دوسروں کے مقابلے میں حضرت رکانہ کے طلاق کے واقعہ کوزیادہ جانتے ہیں۔

نیز تین طلاق والی روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے حالانکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک مجلس کی تین طلاق کے تین ہونے پر ہی فتویٰ صادرفرمایا کرتے تھے۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مجلس کی تین طلاق کوایک طلاق قرار دیتے ہوئے دیکھا اور سنا ہو پھر حضرت ابن عباسؓ اس کے خلاف فتویٰ دے رہے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ چوں کہ البتہ سے تین طلاق بھی مراد لی جاسکتی ہیں؛ اس لئے بعد کے راویوں نے اپنی طرف سے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے الفاظ البتہ کی جگہ پر بدل دیے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت رکانہ کا واقعہ دوطریقے سے ہمارے سامنے آیا: ایک طریقہ وہ ہے جوصحاح ستہ میں موجود ہے۔ اوراس کے روایت کرنے والے سب کے سب اعلیٰ درجے کے حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ اور دوسرا طریقہ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتابوں میں ہے جیسے ''سنن کبریٰ بیہقی'' وغیرہ میں لفظ ''البتہ'' کی جگہ پر ایک مجلس میں تین طلاق کے الفاظ موجود ہیں۔ اوراس کے روایت کرنے والے اتنے اعلیٰ درجے کے راوی نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے ثقہ ہونے اور غیر ثقہ ہونے میں اختلاف واقع ہوا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''فتح الباری ۹/ ۳۶۲، ۳۶۳'' پر واضح فرمایا ہے کہ محمد بن اسحاق اوران کے شیخ داؤد ابن الحصین مختلف فیہ ہیں؛ اس لئے اس طرح کی روایت کا اعتبار نہ ہوگا، نیز رکانہؓ کے واقعہ میں طلاق البتہ ہونے کی تائید میں وہ ساری روایات آجاتی ہیں جن میں ایک مجلس میں تین طلاق کوحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہی قرار دیا ہے، اس سلسلے میں صریح روایات ہم نے نقل کردی ہیں ان کولوٹ کردوبارہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک فتویٰ ابوداؤد شریف میں ان کے پانچ ایسے شاگردوں سے مروی ہے، جن کو فن حدیث اور رواۃ ورجال میں حفاظ حدیث کا مقام حاصل ہے، یعنی حضرت امام مجاہد ابن جبیر اور امام سعید بن جبیر اور امام عطاء بن ابی رباح اور امام مالک بن الحارث اور امام عمرو بن دینار ان سب سے ایک مجلس کی تین طلاق کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو تین ہی شمار فرمایا ہے اور بیوی کے شوہر سے جدا ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ایک مجلس میں تین طلاق کو ایک طلاق شمار کرنے کی روایت جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہے وہ غلط ہے۔

قَالَ أَبُوْ دَاوُدَ: رَوَىٰ هٰذَا الْحَدِيْثَ حُمَيْدُ الْأَعْرَجِ وَغَيْرُهُ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَأَيُّوْبُ وَابْنُ جُرَيْجٍ جَمِيْعًا عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاس وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَرَوَاهُ الْأَعْمَشُ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كُلُّهُمْ قَالُوْا فِي الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ أَنَّهُ أَجَازَهَا، قَالَ وَبَانَتْ مِنْكَ. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب بقية النسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاثة، النسخة الهندية ١/ ٢٩٩، دارالسلام رقم: ٢١٩٧)

امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کو حمید اعرج وغیرہ نے امام مجاہد سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث شریف کو شعبہ نے عمرو بن مرہ سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور ابن جریج نے ایک ساتھ عکرمہ بن خالد سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور ابن جریج نے عبدالحمید بن رافع سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث شریف کو امام اعمش نے مالک بن الحارث

سے انہوں نے ابن عباس سے روایت نقل کی ہے۔ اور ابن جریج نے عمرو بن دینار سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ اور ان تمام شاگردوں نے تین طلاق کے بارے میں ابن عباس سے یہی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے تین طلاق کے واقع ہونے پر فتویٰ دیا ہے اور بیوی کے تم سے بائنہ ہوکر الگ ہوجانے کا فتویٰ دیا ہے۔

اور ''مؤطا امام مالک'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک اور فتویٰ منقول ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ سو طلاقیں دیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایک مجلس کی سو طلاقوں میں سے تین طلاقیں فوری واقع ہوگئیں اور تین ہی معتبر ہوگئیں اور بقیہ ستانوے کے ذریعہ سے اللہ کی آیتوں کا مزاق اڑایا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

مَـالِکٌ أَنَّـهُ بَـلَـغَـهُ أَنَّ رَجُلاً قَـالَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنِّيْ طَلَّقْتُ امْرَأَتِيْ مِائَةَ تَـطْلِيْـقَةٍ فَـمَـاذَا تَـرٰى عَلَيَّ؟ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: طُلِّقَتْ مِنْکَ بِثَلاثٍ وَسَبْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا آيَاتِ اللهِ هُزُوًا. (المؤطا للإمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديوبند ص: ١٩٩، بيروت رقم: ١١٢١)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا بے شک میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں، تو آپ میرے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے اس سے کہا کہ تمہاری طرف سے بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور ستانوے طلاقوں کے ذریعہ سے تم نے اللہ کی آیتوں کا مزاق اڑایا ہے۔

متعدد صحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فتویٰ

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ان تینوں حضرات سے اس عورت کے بارے میں مسئلہ معلوم کیا گیا جس کو شوہر نے تین طلاق دی ہیں، تو ان تمام صحابہ کرامؓ نے متفق ہوکر کے یہ مسئلہ بتایا کہ تینوں طلاقیں واقع

ہوگئی ہیں، اب بیوی شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ اوران تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا فتویٰ امام ابوداؤد نے سندِ صحیح کے ساتھ ابوداؤدشریف میں نقل فرمایا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا هُرَيْرَةَ، وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ سُئِلُوْا عَنِ الْبِكْرِ يُطَلِّقُهَا زَوْجُهَا ثَلاثًا، فَكُلُّهُمْ قَالَ: لَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. (أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث، النسخة الهندية ١/ ٢٩٩، دار السلام رقم: ٢١٩٨)

حضرت محمد بن ایاس بن بکیر فرماتے ہیں کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے اس عورت کے بارے میں مسئلہ معلوم کیا گیا جس کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدی ہیں، تو ان تمام حضرات نے فرمایا: کہ اب وہ عورت اس شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔

اوپر کی تفصیلی احادیث اور نصوص کے ذریعہ سے واضح ہو چکا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق کہنا غلط ہے؛ بلکہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں، اس سے بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو جاتی ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو اس بارے میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کہ غیر مقلدین کے غلط مسائل سے متأثر ہو کر عمر بھر حرام، معصیت اور بدکاری کا شکار نہ ہو جائیں۔ اور مسلمان ان کی باتوں میں آکر کے اپنے دین وایمان کو خطرے میں نہ ڈالیں۔

ایک ضروری ہدایت

اس مضمون کو پڑھ کر کے آپ دیکھئے کہ ہر پہلو کی حدیث مقلدین کے سامنے ہے اور ہم ہر طرح کی حدیثوں کو سامنے رکھ کر مسئلہ بتاتے ہیں؛ اور صحیح معنی میں اہل سنت والجماعت

اور قرآن وحدیث پر عمل کرنے والے ہم مقلدین ہی ہیں، نیز چاروں اماموں کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی طلاق ہوتی ہیں، جیسا کہ اوپر کی احادیث ونصوص کے دلائل سے واضح ہو چکا ہے۔ اور غیر مقلدین اپنی مرضی کی حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔ اور جو حدیث شریف ان کی مرضی وخواہش کے مطابق نہیں ہوتی ہے وہ کتنی ہی معتبر کیوں نہ ہو اس کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اور بعض حدیثیں جن میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہوتا ہے۔ اور صحابہ کا عمل ان کے آثار ہوتے ہیں، وہ ان کی مرضی کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں گستاخانہ انداز اختیار کرتے ہیں؛ حالاں کہ صحابہ کرامؓ کا عمل اور ان کا فتویٰ حضرت سید الکونین علیہ السلام کے قول وعمل کے خلاف قطعاً نہیں ہوسکتا؛ اس لئے غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث ہونے کی شہرت دیتے ہیں ان کا اپنے آپ کو اہل حدیث کہنا غلط اور لوگوں کو دھوکہ دینا ہے؛ بلکہ صحیح معنی میں وہ لوگ اہل ہویٰ ہیں اور اپنی خواہشِ نفس کے مقلد اور اسی کے پیروکار ہیں، شریعتِ مطہرہ کے مقلد نہیں ہیں۔

❁❁❁

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا　☆　عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

اَللّٰهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ٢/ ١٣٥، برقم: ١٥٧٠)

شبیر احمد قاسمی
خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)
بروز جمعہ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

جھوٹ بول کرفتوی لینے سے بیوی حلال نہیں ہوتی

سوال [۶۶۱۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو بحالت غصہ کہا کہ ایک دوتین میں نے تجھ کوطلاق دی، ایک دوتین میں نے تجھ کوطلاق دی اوراس نے سوچ رکھا تھا کہ میں تیسری طلاق روک لوں گا،مگرغصہ کوتاب نہ لاکر تیسری مرتبہ بھی وہی جملہ یعنی ایک دوتین میں نے تجھ کوطلاق دی کہا، اب زید نے سوچا کہ طلاق تو واقع ہوگئی کیا کروں؛چنانچہ اس نے علماءدین سے جھوٹ بول کر فتوی لیااور واضح رہے کہ علماء کے سامنے یہ کہہ کر کہ میں نے تجھ کوچھوڑ دیا تین مرتبہ کہہ کرکرفتوی لیا،جس کے جواب میں آیا تھا کہ تم اس بیوی سے نکاح کرلو؛ چنانچہ اس نے اس بیوی سے دوبارہ نکاح کرلیااورایک بچہ بھی پیدا ہوگیا-اب زید کے دل میں خیال آیا کہ میں نے علماء سےتو جھوٹ بول کرفتوی لیا تھا جو بہت بڑا گناہ ہے،اب اس بیوی کو جائز طریقہ سے رکھنا چاہئے ،تواب سوال یہ ہے کہ بیوی کو جائزطریقہ سے رکھنے کی کیا صورت ہے؛ جبکہ پہلے بچہ کی پیدائش کوچار ماہ ہوچکے ہیں اوراس کے بعدزید نے دوبارہ اس مطلقہ سے وطی کرلی ہے، مگرظہور حمل اب تک نہیں ہوا ہے،تواب ایسی صورت میں نکاح کا کیاحکم ہے؟

المستفتی: محمد عالم ابن سمیع،راگھوپور مہدیان ،پوسٹ :منی پورمظفر پور(بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق دینے کے بعد بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوجاتی ہے اور تجھ کو چھوڑ دیا کالفظ بھی تین مرتبہ بیوی کو کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا امرواقعی کے اعتبار سے بھی طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور جھوٹے بیان کے اعتبار سے بھی طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ؛ اس لئے اس بیوی کوساتھ رکھنا حرام کاری ہے، اس کے رکھنے کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے کہ اب اس کا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ کردیا جائے، پھروہ ہمبستری کے بعدطلاق دیدے، پھراس کے بعدتین ماہواری عدت میں گذارنے کے

بعد شوہر اول نکاح کرسکتا ہے اور اگر عورت فی الحال حاملہ ہے، تو وضع حمل کے بعد ہی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/٨٨، تاتار خانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣)

سرحتك وهو رها كردم لأنه صار صريحاً في العرف (إلى قوله) **يقع به الرجعي الخ** (شامي، زكريا ٤/٥٣٠، كراچي ٣/٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۲۷۳/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۳۰ھ

تین طلاق دینے کا مسنون طریقہ

سوال [۶۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں اور بیوی کے درمیان بہت ہی جھگڑا پیدا ہو چکا ہے اور اب کوئی گنجائش نہیں ہے؛ لہٰذا اب راستہ صرف طلاق ہے؛ لہٰذا طلاق مغلظہ دینے کا طریقہ بتا دیں تاکہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ ہونے پائے۔ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد سلیم، جکم نڈی چورا ہا محمود، سیتا رپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق مغلظہ دینا سخت گناہ ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی جملہ میں تین طلاق دیدی جائیں یا ایک طہر میں تین طلاق دی جائیں، اس میں شوہر گنہگار رہوتا ہے۔

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدة، أوثلاثا في طهر واحد، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق وكان عاصيا. (هداية، باب طلاق السنة اشرفي ديوبند ۲/۳۵۵)

وبدعي ياثم به. (درمختار مع الشامي، كراچي ۳/۲۳۰، زكريا ٤/٤٣١)

مسنون وبہتر طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے عدت گذرنے پر عورت خود ہی نکاح سے نکل جائے گی اور خدا اور رسول کی نافرمانی بھی نہ ہوگی۔

عن إبراهيم قال: كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة، ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض. (مصنف ابن أبي شيبة مؤسسه علوم القرآن بيروت ۹/۵۱۲، رقم: ۱۸۰٤۰)

فالأحسن أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه ويتركها حتى تنقضي عدتها؛ لأن الصحابة كانوا يستحبون أن لايزيدوا في الطلاق على واحدة حتى تنقضي العدة. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۵٤، تاتارخانية زكريا ٤/۳۷۸، رقم: ٦٤٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۷۳۳)

ایک ایک کرکے تین طلاق دینا

سوال [۶۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اشفاق احمد نے اپنی بیوی مشتری خاتون کو ہوش وحواس کی حالت میں ایک طلاق دی اور پھر میاں بیوی دونوں ایک ساتھ رہتے رہے اور چھ، سات سال گذرنے کے بعد پھر اشفاق احمد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی اس کے بعد بھی دونوں ایک ساتھ رہتے

رہے اور ۴/۵ سال گذرنے کے بعد نشہ کی حالت میں پھر ایک بار طلاق دی اور اس تیسری طلاق کے بعد سے دونوں میاں بیوی الگ الگ رہ رہے ہیں۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اشفاق کی بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوئی ہے اور اب دونوں کے ایک ساتھ رہنے کا شرعاً کیا طریقہ ہوگا؟

المستفتی: محمد بھکو، سمستی پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک طلاق یا دو طلاق دینے سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، دو طلاق دینے سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوتی اور دونوں ایک ساتھ رہ سکتے ہیں، پھر شوہر نے کچھ سال گذرنے کے بعد نشہ کی حالت میں جب تیسری طلاق اور دیدی تو اس تیسری طلاق سے طلاق مغلظہ واقع ہوکر عورت شوہر پر حرام ہوگئی۔

اب حلالہ شرعیہ کے بغیر دونوں میاں بیوی جیسی زندگی گذار نہیں سکتے ہیں اور حلالہ شرعیہ کا طریقہ یہ ہے کہ عدت کے گذرنے کے بعد اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ دوسرا شوہر اس سے ہمبستری بھی کرے، اس کے بعد وہ دوسرا شوہر جب اس عورت کو طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے، تو اس کی عدت گذرنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز اور درست ہے۔

أن سعيد بن المسيب وسليمان بن يسار سئلا عن طلاق السكران، فقالا: إذا طلق السكران جاز طلاقه. الحديث (المؤطا للإمام مالك، باب جامع الطلاق، النسخة الهندية ٢١٦، بيروت رقم: ٨٢)

وطلاق السكران واقع إذا أسكر من الخمر، أو النبيذ وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (المحيط البرهاني، كتاب الطلاق،الفصل الثالث، المجلس العلمي بيروت ٣٩١/٤، رقم: ٤٦٣٤، تاتارخانية، زكريا ٣٩٤/٤، رقم: ٦٥٠٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له من بعد

حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، الفتاوى التاتار خانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۱۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۷/۲ھ

یکے بعد دیگرے تین طلاق دینا

سوال [۶۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نکاح نومبر ۲۰۱۰ء میں ہندہ کے ساتھ ہوا، نکاح کے بعد سے ہی زید نے انتہائی بداخلاقی کا مظاہرہ کرنا شروع کیا اور معمولی معمولی باتوں پر صراحۃً وکنایۃً طلاق کے لفظ کا استعمال کیا، جب اس کو تنبیہ کی گئی تو اس نے دو بار پختہ طلاق دینے کا اقرار کیا، جب ہندہ کے والد نے اس کو واضح کیا کہ اب اگر آئندہ تم نے یہ لفظ استعمال کیا، تو ہمیشہ کے لئے تعلق ختم ہوجائے گا؛ لیکن اس کے بعد بھی زید مذکور باز نہیں آیا اور متعدد بار اس نے براہ راست ہندہ سے طلاق کا لفظ استعمال کیا، پھر اس کے بعد ہندہ اپنے والدین کے گھر رہنے کے لئے آئی تو ہندہ کے والد نے زید سے کہا کہ کچھ روز ہندہ کو اپنی ماں کے پاس اور رہنے دو؛ لیکن زید نے اپنی منکوحہ ہندہ سے کہا کہ اگر تم فلاں دن نہیں آئیں تو تم کو پختہ طلاق ہے، پھر ہندہ اس مقررہ دن میں نہیں گئی۔ اب اس طلاق کے ساتھ تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، اس کے گواہ بھی موجود ہیں، اب اس صورت میں شریعت مطہرہ کی رو سے ہندہ زید کے نکاح میں باقی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ

زید اپنی بیوی ہندہ کو یکے بعد دیگرے تینوں طلاقیں دے چکا ہے؛ لہٰذا ان دونوں کے درمیان ازدواجی رشتہ باقی نہیں رہا اور حلالہ شرعیہ کے بغیر ان کا دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳)

لا يحل للرجل أن يتزوج حرّة طلقها ثلاثاً قبل إصابة الزوج الثاني.

(هندية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات القسم التاسع، زكريا قديم ۱/۲۸۲، جديد ۱/۳٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰٦٦۳/۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۴/۱۴۳۳ھ

ایک طلاق کے بعد دو طلاق دینا

سوال [٦٦١۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوکت علی نے تقریباً گیارہ سال پہلے اپنی بیوی کو ان الفاظ کے ساتھ طلاق دی تھی، میں نے طلاق دی، اس کے بعد دس دن کے اندر عدت گذرنے سے پہلے ہی میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی تھی، اور ہم دونوں میاں بیوی سمجھوتہ اور رضامندی کے ساتھ رہنے لگے تھے، پھر تقریباً گیارہ سال بعد ہم میں ناراضگی ہوئی اور پھر میں نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں ان الفاظ کے ساتھ دیں ”میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی“۔

دریافت کرنا یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں میری بیوی پر کونسی طلاق واقع ہوئی؟ اور میری

بیوی میرے نکاح میں باقی رہی یا نکاح سے نکل گئی؟ ہم دونوں اگر شوہر بیوی کی طرح سے رہنا چاہیں تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ مدلل مفصل جواب سے نوازیں۔

نوٹ: میری بیوی رشتہ میں میری خالہ زاد بہن بھی ہے، مدت دراز سے بیمار ہے، اس کے ماں باپ بھی انتقال کر چکے ہیں، بظاہر میرے علاوہ اس کے لئے کوئی زندگی گذارنے کے لئے سہارا نہیں ہے۔

المستفتی: شوکت علی، ساکن: نوگانواں سادات، محلّہ نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے جو طلاق دی گئی تھی وہ بعد والی دونوں طلاقوں کے ساتھ مل کر طلاق مغلظہ ہوچکی ہے؛ اس لئے اگر آپ بیوی کو دوبارہ زوجیت میں رکھنا چاہتے ہیں، تو شرعی حلالہ کے بعد نکاح کر کے رکھ سکتے ہیں، اس کے بغیر نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/ ۱۵۸)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/ ٨٨، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣)

عن عائشةؓ، أن رجلًا طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، نسائي، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دار السلام رقم: ٣٤٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۶۷)

طلاق ثلاثہ

سوال [۶۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی محمد عیاض نے اپنی بیوی کو بہت غصہ کی حالت میں ایک وقت میں تین مرتبہ طلاق دیدی، جس کے گواہ میری دو بہنیں اور والد ہیں اور محمد عیاض خود تین طلاق دینے کا اقرار کررہا ہے، لڑکا لڑکی دونوں اب بہت افسوس کررہے ہیں اور دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور خدا سے عہد کررہے ہیں کہ دوبارہ ایسا کام نہیں کریں گے، مہربانی کرکے آسان حل بتادیجئے۔

المستفتی: محمد زبیر، پچپیڑہ، کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب محمد عیاض نے ایک وقت میں تین طلاقیں دی ہیں، جس کے گواہ بھی ہیں اور وہ اقراری بھی ہے، ایسی صورت میں اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی اس پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دونوں کا ساتھ رہنا جائز نہیں ہے اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے بعد تین ماہواری گذر جائیں، اس کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرکے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے، پھر وہ شوہر طلاق دیدے اور اس پر بھی تین ماہواری گذر جائیں، اس کے بعد عیاض کے ساتھ نکاح درست ہوسکتا ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند۲/ ۳۹۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/ ۸۸، تاتارخانية، زكريا ۵/ ۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳)

عن عائشةؓ، أن رجلًا طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل

أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۱۶)

تین طلاق

سوال [۷۶۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کل رات میرے اور میری بیوی کے درمیان بہت جھگڑا رہا، بات مارنے پیٹنے تک آگئی، اس نے میرے اوپر ہاتھ اٹھایا اور اس کے بعد میں نے بھی اس پر ہاتھ اٹھایا، پھر کچھ دیر بعد ہم سو گئے، وہ مجھ سے طلاق بھی مانگ رہی تھی، میں صبح اٹھ کر اپنے کام سے چلا گیا اور جب میں جمعہ کی نماز کے بعد گھر آیا تو اس کے گھر سے اس کی ماں، دادی اور تین چار عورتیں ہمارے گھر آئی ہوئی تھیں، ان لوگوں نے بہت بدتمیزی اور بدکلامی کی اور کہنے لگیں کہ جب میری لڑکی تم سے طلاق چاہتی ہے، تو تم اس کو طلاق کیوں نہیں دیدیتے، تب میں نے اپنی بیوی کو ان عورتوں اور اپنے بھائیوں اور والد صاحب کے سامنے تین طلاق دیدیں۔ اب ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس میں شرعی حساب سے کیا فتوی ہے؟ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: اطہر خاں ولد زاہد خاں، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر خود ہی تین طلاق کا اقراری ہے، تو اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، آئندہ بغیر حلالہ

کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہوگا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ تین ماہواری کے ساتھ عدت گذرنے پر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے، پھر اس کے بعد دوسرا شوہر طلاق دیدے، پھر تین ماہواری گذرجانے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح ہوسکتا ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، قدوري، امداديه ديوبند ١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/ ذی الحجہ ١٤٣٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١١٣٣٣/٤٠)

تین طلاق کا حکم

سوال [٦٦١٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے نومبر ٢٠٠٨ء کو شاذیہ صابر سے نکاح کیا تھا اور یہ نکاح ہم دونوں نے گھر سے بھاگ کر کیا تھا؛ کیونکہ ہم دونوں کے والدین اس نکاح کے لئے راضی نہیں تھے، گواہ اور وکیل میرے دوست تھے، شاذیہ نکاح سے پہلے بہت غصہ میں تھی؛ لیکن اس نے نکاح کی رسید پر دستخط کردیئے، پھر جب میں نے نکاح کی رسید اس کو دی تو اس نے اسے پھاڑ کر ٹکڑے کردیا، اس کے بعد ہم دونوں پندرہ دن گھر سے باہر رہے، اس دوران شاذیہ کے والد نے میرے خلاف ہائی کورٹ میں کیس کردیا اور میں نے ہائی کورٹ میں شاذیہ کے حلف نامہ کے

کاغذات داخل کردیئے اور ہم گھر واپس آگئے، پھر میں نے شاذیہ کو چند معزز حضرات کے ہمراہ اس کے گھر بھیج دیا، پھر شاذیہ میرے گھر واپس آگئی اور ہم دونوں پھر ایک ساتھ زندگی گذانے لگے؛ لیکن شاذیہ چند دنوں کے بعد ایک بورڈنگ اسکول میں گھر سے باہر نوکری کرنے لگی بطور ٹیچر کے اس وجہ سے ہم دونوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوگئے اور شاذیہ کے والد نے ایک طلاق نامہ تیار کرایا اور مجھ سے طلاق مانگی، میں نے طلاق دیدی، زبانی طور سے اور اس کاغذ پر شاذیہ اور میں نے دستخط کردیئے، گواہوں نے بھی دستخط کردیئے؛ لیکن دماغی طور پر ہم لوگ اس طلاق کے لئے تیار نہیں تھے، چند دنوں بعد شاذیہ پھر میرے گھر آگئی اور ہم دونوں پھر سے ازدواجی زندگی گذارنے لگے، شاذیہ کی عمر ۳۲ر سال اور میری عمر ۳۱ر سال ہے، شاذیہ مرزا برادری کی ہے اور میں تیلی برادری کا ہوں؛ لیکن اس کی بدزبانی کی وجہ سے بہت زیادہ اختلافات ہوگئے، جس کی وجہ سے میں نے شاذیہ کو طلاق کا لفظ تین بار ایک ساتھ کہہ دیا، شاذیہ کی موجودگی میں، لیکن شاذیہ اس طلاق کو ماننے کو تیار نہیں ہے، وہ کہتی ہے کہ یہ غصہ کی حالت میں کہا گیا ہے، اور شاذیہ میرے گھر سے جانے کو تیار نہیں ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان واقعات کی روشنی میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عرفان، ملک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی تفصیل کے مطابق آپ نے شاذیہ کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد اختلافات پیدا ہونے پر اسے طلاق دیدی ہے، تو اگر شروع ہی میں تین طلاقیں دی گئی تھیں، تو وہ اسی وقت سے آپ کے نکاح سے الگ ہوچکی ہے اور اگر اس وقت تین سے کم طلاق دی تھیں اور عدت کے اندر اندر وہ آپ کے پاس لوٹ آئی تھی، پھر آپ نے تین طلاقیں دیدیں، تو اب اس کے مطلقہ مغلظہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا اور اس کے طلاق نہ ماننے سے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اب آپ کا اس سے ازدواجی تعلق قطعاً حرام ہے اور عدت تین حیض کے بعد اس کا آپ کو اپنے گھر میں رکھنا بھی قطعاً جائز نہیں ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

الصريح يلحق الصريح. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايت، كراچي ٣/٣٠٦، زكريا٤/ ٥٤٠)

وصحة الطلاق فيها أي في العدة. (شامي، باب العدة، كراچي ٣/ ٥٠٤، زكريا٥/ ١٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۳۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۳۰ھ

طلاق مغلظہ

سوال [۶۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید چکر کی ملک کا رہنے والا ہے زید کی شادی سیدھی سرائے مرادآباد عرصہ ساڑھے چھ سال کا ہوا ہوئی تھی تقریباً دس ماہ پہلے زید کی بیوی نے زید کی نافرمانی کی اور زید کے ساتھ بدکلامی کی جس سے زید نے انتہائی غصہ میں آکر دو عورتوں کی موجودگی میں اپنی بیوی کو طلاق دیدی، اس طرح سے تین بار کہا ''میں نے تجھے طلاق دی'' چنانچہ اس دن زید کی بیوی نے کسی کو بھیج کر میکے سے اپنی بڑی بہن کو بلوایا، بڑی بہن نے آکر زید کو اور اپنی بہن کو کسی طرح سے سمجھا کر اسی طرح سے رہنے کو کہا، زید اور اس کی بیوی اسی طرح سے رہتے رہے، اس کے کچھ مہینے بعد زید اپنے کام روزگار سے بے کار ہوگیا، اس نے اس بات کا علماء سے ذکر کیا علماء نے فرمایا تم نے طلاق شدہ بیوی کو اپنے ساتھ رکھ کر بہت بڑا گناہ کیا ہے؛ لہٰذا زید نے فیصلہ کیا کہ اب میں اپنی بیوی کو نہیں رکھوں گا، شادی کے اس عرصہ میں زید کی بیوی سے کوئی بچہ نہیں ہوا ہے، زید اپنے باپ کا اکلوتا لڑکا ہے؛ جبکہ زید کی بیوی

بہت تیز اور نہایت بدکلام ہے، جس کے محلّہ والے اور پڑوسی سب شاہد ہیں زید کی بیوی زید کی شان میں گالیوں تک کا استعمال کرنے تک سے گریز نہیں کرتی اپنی ساس کی جو کہ ۷۰/ سال کی عمر کو پہونچ چکی ہیں کوئی خدمت نہیں کرتی، زید کی بیوی تقریبا بیس دن ہوئے اپنے میکے چلی گئی، بیوی کے بڑے بھائی کسی آدمی کو لے کر گاؤں چکر کی ملک کے معزز اور بڑے آدمی کے پاس بات کرنے کی غرض سے تشریف لائے، بات چیت کا سلسلہ شروع ہو جانے کے بعد بات اس نتیجے پر پہونچی کہ بڑے آدمی نے زید کی بیوی کے بھائی سے کہا کہ صبح کو لڑکی کو زید کے گھر پہونچا دیں، اس پر زید نے کہا کہ میں کس رشتے سے اس کو رکھوں گا، اس پر معزز آدمی نے زید کو خاموش کردیا اوران کے فیصلے کے مطابق دوسرے دن شام کو زید کی بیوی کو اس کے بھائی نے زید کے گھر پہونچا دیا، اس شکل میں کیا گناہ ہے اور کون کون گنہگار ہیں؟ تحریر فرمادیں؛ جبکہ زید کے پڑوسی او محلے والوں کو اس بات کا علم ہے کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، زید کی بیوی کہتی ہے کہ میں اسی وقت گھر سے نکلوں گی جب مجھے میرے مہر کے دس ہزار روپئے دیدو گے، زید مزدور اور غریب ہے، وہ اتنی طاقت نہیں رکھتا ہے کہ مہر کی رقم ادا کر سکے؛ جبکہ زید کی بیوی کے میکے والے زید کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکیاں بھی دیتے ہیں، اگر زید کی بیوی رہنا چاہتی ہے، تو کیا کرنا ہوگا اور اگر نہیں رہنا چاہتی تو کیا کرنا ہوگا؟ اور زید جبکہ غریب ہے، تو اس کے مہر کی ادائے گی کی آسان ترکیب کیا ہوگی؛ جبکہ زید بیوی کی بدزبانی سے اتنا نالاں ہے کہ زید کے دل میں بیوی کی طرف سے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، زید پر دباؤ ڈال کر بیوی کو رکھنے پر مجبور کیا جارہا ہے، زید کی بیوی بات بات پر کلام مجید کی قسمیں کھانے کی عادی ہے، اس صورت میں جبکہ زید کی بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے، تو کیا زید کو دوسری شادی کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

المستفتی: رفعت علی خاں معرفت ڈاکٹر تاج، چوراہا شاہ بلاقی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید اپنی بیوی کو تین طلاق دے چکا ہے،

تو بیوی زید پر بالکل حرام ہوچکی ہے، اس کو ساتھ رکھنا حرام کاری ہے اور جو لوگ طلاق کے بعد بیوی کو زید کے گھر رکھوا رہے ہیں، وہ سب لوگ سخت معصیت اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوچکے ہیں، ان پر توبہ لازم ہے اور زید پر لازم ہے کہ فوراً بیوی کو اپنے سے الگ کردے ورنہ سخت ترین عذاب الٰہی مسلط ہونے کا خطرہ ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۰/۳۰۶، ۱۰/۳۱۷)

ومفاده أنه لو وطئها بعد الثلاث في العدة بلا نكاح عالماً بحرمتها لا تجب عدة أخرى؛ لأنه زناً. (شامي، باب العدة، كراچي ۳/۵۱۸، زكريا ۵/۲۰۰)

اور اگر بیوی کو دوبارہ رکھا جائے، تو حلالہ شرعیہ کے بعد نکاح کر کے رکھا جاسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳)

نیز جب شوہر نے طلاق دیدی ہے، تو اس پر بیوی کا مہر ادا کرنا واجب ہوگا اور اگر زید پورا مہر اکھٹا ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، تو اس کی آمدنی اور روزگار کی رعایت رکھتے ہوئے قسط باندھ دی جائے اور علاقہ کے معزز افراد جانبین کی رعایت رکھ کر قسط مقرر کردیں اور زید قسطوار ادا کرتا رہے، نیز زید کو دوسرا نکاح کرنے کا شرعاً ہر وقت حق ہے۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين سواء كان مسمىٰ، أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذلك. (هندية، الباب السابع في المهر، زكريا قديم ۱/۳۰۳، جديد ۱/۳۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/۲۴۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۱۱/۱۴۱۱ھ

طلاق ثلاثہ سے متعلق ایک سوال اوراس کا جواب

سوال [۶۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اولاً قمرالدین کی کیفیت تحریر کرتا ہوں کہ قمرالدین کو بلڈ پریشر کی شکایت ہے، جب کبھی ذہن پر زیادہ لوڈ پڑتا ہے، تو اپنی عاقبت سے بے خبر ہوکر زبان کا استعمال کرتے ہیں، چھوٹے بڑے کا لحاظ جاتا رہتا ہے اور جب اس سے زیادہ ہوتا ہے، تو پورا بدن کانپنے لگتا ہے، اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے تو بے ہوش ہوجاتے ہیں جیسا کہ اس سے قبل دو یا تین بار بے ہوش ہوچکے ہیں اور گر کر زخمی ہو چکے ہیں۔

قمرالدین کے گھر میں اکثر بھائیوں میں جھگڑا ہوا کرتا تھا اور والدہ صاحبہ میں، درج ذیل مسئلہ میں ایک دن قبل بھائی سے تو تو میں میں ہوئی اسی دن والدہ صاحبہ کو اسپتال لے کر جانا تھا، مگر وہ بھی انکار کرگئیں جس سے قمرالدین کو دلی رنج وصدمہ ہوا؛ اس لئے کہ قمرالدین اپنی والدہ کا دل سے ادب واحترام کرتا ہے، انہیں وجوہ کی بناء پر اور مزید چند گھنٹہ ہی بند کرنے کے بعد آنکھ کھلی تو والدہ کی آواز کانوں میں پڑی کہ ٹکٹ منگادو، ہم گھر جائیں گے جس سے قمرالدین کو اور بھی تکلیف ہوئی اور بھائی سے بھی کچھ باتیں ہوئیں، جس سے مندرجہ بالا کیفیت طاری ہونے لگی، تو انہوں نے کہا کہ لو امی جان ہم نے طلاق طلاق طلاق دی، اس کے بعد ان کی والدہ نے صحیح نہ سمجھنے کی بناء پر دوبارہ پوچھا کہ یہی رہ گیا تھا کہنے کو یہی باقی تھا، تو قمرالدین بے قابو ہوکر کہنے لگا ہاں تم فلاں فلاں کی وجہ سے طلاق طلاق طلاق دی، پھر قمرالدین کا بدن کانپنے لگا، گرتے گرتے جاکر لیٹ گیا، بقول لوگوں کے قمرالدین سے ایک گھنٹہ کے بعد کچھ دور فاصلہ پر ایک مکان میں کچھ سوالات کئے اور قمرالدین نے جواب بھی دیا، جس میں ان کی اور ان کی بیوی کی برائیاں کی گئیں تو قمرالدین نے کہا کہ تم لوگوں کی بناء پر ہی ایسا کیا ہے۔

اب قمرالدین یہ کہتا ہے کہ ہم کوان باتوں کا کوئی علم نہیں ہے، قمرالدین کا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہ تھا، نہ کوئی رنجش تھی، نہ وہ وہاں پر حاضر تھی، نہ ہی قمرالدین کے ذہن میں تھی، قمرالدین کی بیوی سے پندرہ یوم قبل ہی ایک بچی کی پیدائش وجود میں آئی ہے، جس سے بیوی حد سے زیادہ پریشان ہے اور مرنے جینے کو تیار ہے، مگر ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں اور قمرالدین کی بھی قریب قریب یہی کیفیت ہے، بہت پریشان ہے، اب ان مذکورہ بالا حالات میں آیا طلاق کا وقوع ہوا یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی ہوئی؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟ مدلل ومفصل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اصغر، قمرالدین خاں، بمعرفت مولانا نثار احمد، مدرس مدرسہ امدادیہ، مرادآباد

جواب منجانب: مفتی عزیزالرحمٰن صاحب مدرسہ عربیہ امدادیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں جو کیفیت درج ہے، اس کے مطابق قمرالدین بعض اوقات دماغی خلل میں مبتلا ہو جاتا ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ خلل کا غلبہ اس طرح ہو کہ خلاف عادت اقوال وافعال کا بلا قصد صدور ہونے لگے، تو جب تک یہ کیفیت باقی رہے ان اوقات میں کوئی حکم ایسے شخص کے قول پر مرتب نہ ہوگا۔

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

فالذي ينبغي التعويل عليه في المدهوش ونحوه إناطة الحكم بغلبة الخلل في أقواله، وأفعاله الخارجة عن عادته. وكذا يقال فيمن اختل عقله لكبر، أو لمرض، أو لمصيبة فاجأته فما دام في حال غلبة الخلل في الأقوال، والأفعال لا تعتبر أقواله وإن كان يعلمها ويريدها. (شامي، كراچی مطب فی طلاق المدهوش ۳/۲٤٤)

اس بحث میں چند سطر قبل یہ بھی تحریر ہے کہ اگر کسی شخص کی یہ کیفیت معلوم ہے، تو اگر وہ دعویٰ کرے، تو بغیر کسی ثبوت کے طلب کئے ہوئے اس کی بات تسلیم کی جائے گی۔

وإذا كان يعتاده بان عرف منه الدهش مرة يصدق بلا برهان.

لہٰذا اگر واقعی زید کی یہی کیفیت ہے، جو سوال میں ذکر کی گئی اور جو واقعہ پیش آیا، وہ ایسی حالت میں پیش آیا، تو طلاق واقع نہ ہوگی؛ البتہ ایک گھنٹہ کے بعد کی جس گفتگو کا حوالہ ہے، اس سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اس واقعہ کے وقت وہ صحیح الدماغ تھا، یہ بات تو عینی شاہدین ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں؛ لیکن اگر قطعیت کے ساتھ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور قمر الدین پر سائل کی تحریر کے مطابق اس طرح کے دورے پڑتے ہی رہتے ہیں، تو پھر اس کی بات تسلیم کی جائے گی اور اس حالت میں جو طلاق دی، اس کے متعلق شرعی حکم یہی ہوگا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ سوال میں جو تفصیل درج ہے، اس کی رو سے جھگڑا نہ تو بیوی کے متعلق تھا، نہ بیوی سے تھا، نہ اس کا کوئی ذکر آیا، نہ ہی وہ وہاں موجود تھی اور قمر الدین کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں، ان میں بھی کہیں بیوی کا نام یا اسے خطاب نہیں ہے؛ بلکہ اس کے برخلاف ماں کو خطاب ہے (لو امی جان طلاق طلاق طلاق) اس صورت میں اگر قمر الدین یہ نہ کہے کہ بیوی ہی کو طلاق دینا مقصود تھا، تو شرعاً کوئی وجہ نہیں کہ الفاظ منقولہ سے اس کی بیوی پر طلاق کا حکم ہو سکے؛ لہٰذا یہ طلاق واقع نہیں مانی جائے گی، دونوں اب بھی میاں بیوی ہیں اور حسب دستور ساتھ رہ سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ

۱۴/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

جواب منجانب: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قمر الدین کا نہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ تھا اور نہ ہی کوئی آپسی رنجش تھی اور نہ ہی بیوی اس جگہ پر موجود تھی اور نہ ہی طلاق کے ساتھ بیوی کا نام لیا ہے اور نہ مذکورہ جھگڑا بیوی سے متعلق تھا اور نہ ہی ماں اور بھائیوں وغیرہ کے بیوی کی

شکایات کرنے کی بناء پر صدمہ پہونچا ہے اور نہ ہی والدہ کا ہسپتال جانے سے انکار کرنا قمرالدین کی بیوی سے صدمہ پہونچنے کی بناء پر تھا؛ بلکہ صرف والدہ اور بھائیوں سے اختلاف وصدمہ کی وجہ سے بے خبری میں بے مقصد اور مہمل طور پر قمرالدین کی زبان سے طلاق کا جملہ نکلا ہے، تو عدم وقوع طلاق کے حق میں احقر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے جواب کی تصدیق کرتا ہے اور اگر ایک دن پہلے بھائی سے بیوی کی وجہ سے جھگڑا ہوا ہے اور والدہ اسی بناء پر قمرالدین کے ساتھ ہسپتال نہیں گئی ہے یا والدہ کو الگ سے بیوی کی طرف سے صدمہ ہوا ہے جس کی وجہ سے ہسپتال جانے سے انکار کر دیا ہے اور قمرالدین کی والدہ نے گھر جانے کے لئے جو ٹکٹ منگانے کو کہا ہے، وہ قمرالدین کی بیوی کے ساتھ رہ کر نباہ نہ ہونے اور اس کی بیوی سے صدمہ پہونچنے کی بناء پر ہے اور والدہ کو بیوی کی طرف سے مطمئن کرنے کے لئے طلاق کا جملہ زبان سے نکلا ہے، تو قمرالدین کی بیوی پر شرعاً طلاق واقع ہو چکی ہے، اگر چہ بیوی وہاں پر موجود نہ رہی ہو اور نہ ہی بیوی کا نام لیا ہو؛ اس لئے کہ ایسی حالت میں بیوی کے موجود ہونے اور نام لینے کی ضرورت نہیں ہوتی؛ بلکہ جھگڑا اور اختلاف کا قرینہ بیوی کی طرف طلاق کے منسوب ہونے کے لئے کافی ہے۔

ولايلزم كون الإضافة صريحة في كلامه (إلى قوله) لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٤٨، زكريا ٤/ ٤٥٨)

نیز اگر مدہوشی کے حالت میں طلاق دے کر اس کو یاد نہیں رہا ہے؛ لیکن آدمیوں نے اس کو بتلایا ہے کہ تم نے ایسے الفاظ زبان سے ادا کئے اور ان کے قول پر قمرالدین کو اعتماد ہے، تو طلاق ثابت ہو جائے گی اور قمرالدین کے لئے بیوی حلال نہ ہوگی۔

قال في الولوالجية إن كان بحال لو غضب يجري على لسانه مالا يحفظه بعده جاز له الاعتماد على قول الشاهدين الخ.

(شامي، كراچي ٣/ ٢٤٤ زكريا ٤/ ٤٥٣)

اب اس تحریر کے بعد قمرالدین خود اپنے حالات کا جائزہ لے کہ اس نے کس حالت اور کس موقع پر طلاق دی ہے اور خدائے علیم وحکیم سے ڈرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۷/ ۲۶۲۸)

طلاق ثلاثہ اور میرا کوئی خدا نہیں کہنے کا حکم

سوال [۶۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے خاوند نے تقریباً ایک سال پہلے فون پر کسی بات پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ ''تمہیں طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' پانچ چھ مرتبہ کہا، ابھی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ میں نے فون کاٹ دیا، اس کے بعد دوسرے ہی دن میرے صاحبزادے سے شوہر نے کہا کہ میں تمہاری ماں کو ہزار مرتبہ طلاق دوں گا اور رکھوں گا۔

نوٹ: اس واقعہ کے بعد وہ طلاق دینے سے مکر گئے (یعنی طلاق کا انہوں نے انکار کیا نیز میرے شوہر نے اپنی والدہ سے فون پر بات کرتے ہوئے کہا (جبکہ لاؤڈ اسپیکر آن تھا اور وہاں تین چار آدمی موجود تھے اور ان سبھوں نے اس کے کلام کو سنا ہے) کہ میرا کوئی خدا نہیں اور خود مجھ سے بھی اکثر یہ کہتے کہ ''میں خدا کو نہیں مانتا'' میں تو کافر ہو گیا ہوں اور کافر ہوں، اس طرح کے جملے بار بار کہے؛ لیکن دوسری طرف وہ نماز بھی پڑھتا ہے اور روزہ بھی رکھتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) میرا اس شوہر کے ساتھ رہنا شرعاً کیسا ہے؟ اور کیا فون پر اس کے ''تمہیں طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' کہنے کی وجہ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی طلاق واقع ہوئی ؟

(۲) شوہر کا یہ کہنا کہ ''میرا کوئی خدا نہیں ہے، میں خدا کو نہیں مانتا، میں کافر ہو گیا ہوں

اور میں کافر ہوں'' شرعاً کیسا ہے؟ اور کیا یہ شخص ان جملوں کے کہنے کی وجہ سے دائرۂ اسلام میں داخل رہا یا نہیں؟ اگر دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا تو تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟

نوٹ: نیز میرا شوہر ابھی فی الحال سعودی میں ہے، اس واقعہ کے بعد واپسی نہیں ہوئی ہے، واپسی کے بعد اگر وہ ان باتوں سے مکر گیا تو کیا حکم ہوگا؟ جبکہ یہ ایسا شخص ہے کہ ہر چھوٹی چھوٹی باتوں پر خدا اور قرآن کی قسم کھانے لگتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کی روشنی میں دونوں جز کا جواب عنایت فرما کر ثواب دارین حاصل کریں عین کرم ہوگا۔

المستفتیه: انجم رحمٰن، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) صورت مسئولہ میں آپ کے شوہر کا آپ سے فون پر یہ کہنا کہ ''تمہیں طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' سے آپ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے لئے آپ قطعی طور پر حرام ہوگئیں، اب آپ کا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا ناجائز اور حرام کاری ہوگی۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، زكريا ٤/٥٢١، كراچي ٣/٢٩٣)

وفي الظهيرية: متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (الفتاوى التاتارخانية ٤/٤٢٧، رقم: ٦٥٩٠، هندية، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

(۲) آپ کے شوہر کا یہ کہنا کہ ''میرا کوئی خدا نہیں'' اور ''میں کافر ہوگیا ہوں'' ایسے الفاظ کا کہنا کفر ہے، اس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج ہوگیا ہے، اس کے اوپر تجدید ایمان لازم ہے اور چونکہ نکاح طلاق کے ذریعہ سے پہلے ہی ختم ہو چکا ہے، اس پر کوئی اثر نہیں پڑا،

اگر نکاح باقی رہتا توان الفاظ کے ذریعہ نکاح ختم ہوجاتا۔

مسلم قال: أنا ملحد يكفر. (هندية، زكريا قديم ١/٢٧٩ جديد ١/٢٨٩)

مسلم قال: أنا ملحد يكفر؛ لأن الملحد هكذا. (المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٧/٤٢٥، رقم: ٩٢٧٦، كراچي ٥/٥٧٣)

من أتىٰ بلفظة الكفر مع علمه، أنها لفظة الكفر عن اعتماد، فقد كفر ولو لم يعتقد أو لم يعلم أنها لفظة الكفر؛ ولكن أتىٰ بها على اختيار فقد كفر عند عامة العلماء لا يعذر بالجهل. (تاتارخانية، زكريا ٧/٢٨٢، رقم: ١٠٤٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۱۳/۴۰)

تین مرتبہ طلاق دیدی واقع ہوئی یانہیں؟

سوال [٦٦٢٢]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ادریس جس نے اپنی بیوی کنیز فاطمہ کو تین مرتبہ طلاق دیدی، تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ طلاق دیتے وقت لڑکے کے ماں باپ بھی موجود تھے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد یٰسین، محلّہ درزیان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے تین طلاق دیدیں تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی صحیح نہ ہوگا۔

عن سماک قال: سمعت عكرمةؓ يقول: الطلاق مرتان: فإمساك بمعروف، أو تسريح باحسان، قال: إذا طلّق الرجل امرأته واحدة فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره. (المصنف لإبن أبي شيبة، ما قالوا في الطلاق مرتان مؤسسه علوم القرآن بيروت ۱۰/۱۹۷، رقم:۱۹۵٦٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/٤٧٣، جديد ۱/٥٣٥، قدوري، امداديه ديوبند ۱۷۸، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ۲/۸۸، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:۷٥۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال المکرّم ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۶۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۱۰؍۱۴۲۱ھ

ایک ہی سانس میں تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں مستجاب حسین ولد محمد ایوب، محلّہ: اصالت پورہ نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں ایک ہی سانس میں تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا یعنی طلاق طلاق طلاق تو کیا طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: مستجاب حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک ہی سانس میں تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے بیوی پر تین طلاق معتبر ہوکر تین طلاق ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مستجاب کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اب بلا حلالہ شرعیہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كـان الطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكـح زوجـاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(عـالـمـگيـري، زكـريـا قـديـم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۴۱)

میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں

سوال [۶۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رحمت عالم نے اپنی بیوی زیب النساء کو کہا کہ میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں، اس کے بعد طلاق طلاق کہا، اسی کا کہنا ہے کہ بعد کے تین لفظوں سے میں نے پہلی طلاق کو ثابت کیا ہے، تو کیا زیب النساء پر طلاق ہوگئی اور یہ بھی بتائیں کہ کتنی ہوئیں؟ ایک مولوی نے بتایا کہ ایک طلاق ہوئی۔

المستفتی: فرحت عالم، بڑھا پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رحمت عالم کے اس جملہ ''کہ میں تجھے تین طلاق دیتا ہوں'' سے اس کی بیوی زیب النساء پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، بعد کے الفاظ زائد ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/ ۱۲۹)

وفي الشـامية: (ثـلاثة متفـرقة) وكـذا بكلمة واحـدة بـالأولى ...... وذهب جـمهـور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث. (شـامـي، كراچي ٣/٢٣٢، زكريا ٤/٤٣٤، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٣/٤٦٩، كوئٹه ٣/٣٣٠، زكريا ٣/٤٥١)

وفی الدر المختار: ولو قال: لموطوئة...... أنت طالق ثلثاً...... وقع. (در مختار، كراچي ٣/ ٢٣٤، زكريا ٤/ ٤٣٧، هكذا في الهندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٥، جديد ١/ ٤٢٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۰۸)

تنہائی میں طلاق ثلاثہ دینا

سوال [۶۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شوہر نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں؛ لیکن اس وقت وہاں موجود کوئی نہ تھا، یہاں تک کہ دو سال کا بچہ تک نہ تھا، کیا طلاق ہوگئی؟ اور وہ شخص اپنی اس غلطی پر بے حد شرمندہ ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ناظر حسین، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی کوئی شکل نہیں ہے۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسأل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، سنن نسائي، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية،

زکریا قدیم ۱/ ٤٧٣، جدید ۱/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند۲/ ۳۹۹، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۲/ ۳۹۹، تاتارخانية، زکریا ٤/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۷/ ۱۴۱۳ھ

ڈرانے کی نیت سے طلاق مغلظہ دینا

سوال [٦٦٢٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے گھریلو جھگڑے اور ذہنی ٹینشن میں اپنی بیوی کو صرف ڈرانے کی نیت سے کہا میں نے طلاق دی اور پھر طلاق طلاق طلاق کہہ کر باہر چلا گیا، صرف ان الفاظ کے علاوہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا؛ لہٰذا حضوروالا سے درخواست ہے کہ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: مدثر حسین، پیر کا بازار، سرسید نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں شوہر نے یہ کہا کہ میں نے طلاق دی، یہ طلاق میں صریح ہے اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، پھر اس نے لفظ طلاق کو تین مرتبہ مکرر استعمال کیا، تو مزید دو طلاقیں اور پڑ کر یہ عورت مغلظہ ہوگئی، اب بدون حلالہ اس کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے۔

عن سماک قال: سمعت عکرمةؓ يقول: الطلاق مرتان: فإمساک بمعروف، أو تسريح باحسان، قال: إذا طلّق الرجل امرأته واحدة، فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثاً فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لإبن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۱۰/ ۱۹۷، رقم: ١٩٥٦٤)

لـو قـال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الاشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٢٧٦)

لـو كـرر لـفظ الطلاق وقع الكل. (شـامـي، بـاب طـلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٣٩٣، زكريا٤/ ٥٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۷۹/۳۸)

شوہر اقرار کرے کہ میں نے تم کو ڈرانے کے لئے تین طلاق دیں

سوال [۶۶۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں اور بیوی کے درمیان اختلاف کے بعد لڑکی اپنے والدین کے گھر آگئی اور لڑکی نے دعویٰ کیا کہ لڑکے نے مجھے تین بار طلاق دی ہے اور لڑکے نے پنچایت میں اس سے انکار کیا؛ لیکن لڑکی کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے تم کو ڈرانے کے لئے طلاق دی تھی اور اس پر گواہ بھی موجود ہیں، لڑکی حاملہ بھی ہے۔

المستفتی: محمد شاداب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے لوگوں کے سامنے بیوی سے یہ کہہ دیا ہے کہ میں نے تم کو ڈرانے کے لئے طلاق دی تھی، تو اس سے طلاق کا اقرار ثابت ہوگیا اور جب تین مرتبہ طلاق دی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۵/۳۰۹، جدید زکریا ۸/۲۶۷)

ولـو أقـر بـالـطـلاق كـاذبـاً، أو هـازلاً وقع قضاءً. (شـامـي، كراچي ٣/٢٨٣، زكريا ٤/ ٤٤٠)

ولو قيل له طلقت امرأتك، فقال: نعم! أو بلىٰ بالهجاء طلقت. (شامي، كراچي ٣/٢٤٩، زكريا ٤/٤٦٠)

وفي الخلاصة: قيل له ألست طلقتها؟ تطلق ببلىٰ. (شامي، كراچي ٣/٢٨٣، زكريا ٤/٥٠٨)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶؍ رجب المرجب ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۳۲۳)	۱۸/۷/۱۴۲۲ھ

ڈرانے کے لئے تین طلاق دینے سے وقوع طلاق

سوال [۶۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، ایک مرد اور ایک عورت کی موجودگی میں؛ لیکن شوہر کہہ رہا ہے کہ میں نے بیوی کو ڈرانے کے لئے اس طرح کہا ہے، تو کیا اس صورت میں بھی طلاق واقع ہوجائے گی؟

المستفتی: نور محمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر تین طلاق دینے کا اقرار کر رہا ہے، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ تین طلاق نیت و ارادہ سے نہیں دیں؛ بلکہ ڈرانے کے لئے دیدی ہیں؛ لیکن شریعت میں طلاق ایسی چیز ہے کہ مذاق میں دی جائے یا ڈرانے کے لئے دی جائے غلطی سے دی جائے، بہرحال طلاق

واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: ثلث جدهن جد، هزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة. الحديث (سنن الترمذي، ابواب ماجاء في الجد والهزل في الطلاق، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۵، دارالسلام رقم: ۱۱۸٤، سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب الرجل يجحد الطلاق، النسخة الهندية ۱٤۷، دارالسلام، رقم: ۲۰۳۹ مشكوة شريف ۲/ ۲۸٤)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كراچي ۳/ ۲۳٦، زكريا ٤/ ٤٤۰)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ٥۳٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۲۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۷ھ

اپنے گھر والوں سے ڈر کر بیوی کو تین طلاق دینا

سوال [۶۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے اور میرے سسرال والوں کے درمیان کچھ آپسی رنجش چل رہی تھی، اور میری بیوی اپنے میکے میں تھی، میری سسرال والوں نے میرے گھر کہلا بھیجا کہ اپنی بیوی کو لیجاؤ، میرے والد نے کہلا بھیجا کہ بیس دن کے اندر لے جاؤں گا، ابھی بیس دن گذرنے بھی نہیں پائے تھے، یہاں تک میرے والد ایک غیر مسلم وکیل کو متعین کرکے گھر پر بلائے اور اس نے مجھ سے کہا کہ تم طلاق طلاق کہو، میں نے اپنے والد اور بھائیوں سے ڈرتے ہوئے تین مرتبہ طلاق طلاق کا لفظ کہہ دیا اور بیوی وغیرہ کا نام نہیں لیا، اس کے بعد وکیل نے فارم

بھر کر مجھ سے زبردستی دستخط لے لئے اوراس نوٹس کو میری سسرال بھیج دیا، جب نوٹس سسرال پہونچا تو انہوں نے واپس کر دیا اور کہا کہ اگر طلاق واقع ہوگئی تو قتل وغارت گری ہی ہوگی۔

اب سوال یہ ہے کہ میری بیوی نکھار عرف بھوری کو طلاق پڑ گئی یا نہیں؟ جبکہ میں نے مجبوراً اس کا نام لئے بغیر طلاق طلاق طلاق کے الفاظ ادا کئے اور زبردستی مجھ سے دستخط لئے گئے۔ جلد جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد وسیم، محلّہ: زیارت، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں جب شوہر نے طلاق کے وقت اپنی زبان سے تین مرتبہ طلاق کے الفاظ جاری کر لئے ہیں، تو اس کی بیوی پر اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، زبردستی سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور مطالبہء طلاق کے وقت بغیر نیت کے بھی طلاق صریح واقع ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۵۴/۸، جدید ڈابھیل ۳۴/۱۲)

عن ابن عمرؓ قال: طلاق الكره جائز. (مصنف عبد الرزاق، باب طلاق الكره، المجلس العلمي بيروت٦/ ٤١٠، رقم: ١١٤٢١)

ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ حر، أو عبد، ولو كان الزوج مكرها، فإن طلاقه صحيح. (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨، قديم ١/ ٣٨٤، شامي، كراچي ٣/ ٢٣٥، زكريا٤/ ٤٣٨، هندية، زكريا قديم١/ ٣٥٣، جديد ١/ ٤٢٠، الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/ ٣٩٥، رقم: ٦٥١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ /۳۰۳۴)

محض تین طلاق کا اقرار کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے اپنی منکوحہ کو دو بار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی؛ لیکن اس کی شریک حیات نے مزید یہ اور یاد دلایا کہ آپ نے قبل چھ ماہ مجھے یہ کہا تھا کہ میں تجھے آزاد کردوں گا یا کردیا، یہ بات میری سمجھ میں صحیح نہیں آئی کہ آزاد کردوں گا کہا تھا یا کردیا کہا تھا، یہ بات شک کے دائرہ میں ہے، لڑکا (زید) اس بات سے انکار کرتا ہے کہ میں نے تو ایسا کبھی نہیں کہا لڑکی کہتی ہے کہ آپ نے کہا ہے، اچھی طرح یاد کرو، بقول اپنی بیوی کے آزاد کردوں گا یا کردیا کو تیسری طلاق مان کر باہر جا کر اخبار کی نیت کے طور پر دو بار طلاق دی، طلاق دی اور تیسری مرتبہ جو میری بیوی نے کہا تھا کہ چھ ماہ قبل تم نے یہ کہا تھا کہ میں تجھے آزاد کردوں گا یا کردیا، میں نے اسے طلاق شمار نمبر تین کا عارضی طور پر درجہ دیتے ہوئے پہلے شخص سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو شمار نمبر تین کی طرح تین بار طلاق دی ہے، اس کے بعد دوسرے شخص نے مولانا صاحب سے اپنے کسی ملنے والے کی آڑ میں یہ کہا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو شمار نمبر تین کی طرح تین بار طلاق دیدے، تو انہوں نے اپنی گردن ہلادی، زبان سے کچھ نہیں بولا؛ کیونکہ اس وقت وہ مدرسہ میں بچوں کو پڑھا رہے تھے، اگر وہ دونوں شخص اس بات کی گواہی دیدیں کہ زید نے ہم سے تین بار طلاق دینے کا اقرار کیا ہے، کیا ان کی گواہی درست مانی جائے گی؟ مثلاً ایک طالب علم نے امتحان میں تین سوال حل کئے ہوں، ان میں سے دو سوال صحیح ہوں اور ایک سوال غلط تو شمار نمبر تین ہی رہے گا، اسی طرح دو ہی طلاق مانی جائیں گی؟ طلاق کا شمار نمبر بھلے ہی تین ہے آزاد کردوں گا یا کردیا، جو شک کے دائرے میں ہے اس جملہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، جس وقت زید نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی اس وقت وہ پانچ ماہ کی حاملہ تھی اور جب تک بچہ پیدا ہوا، تب تک وہ زید کے ہی ساتھ رہتی رہی، عرصہ چار ماہ کے دوران رجوع بھی ہوا، جب دوران ولادت طفل رجوع ہوگیا، تو لڑکی بدستور پہلے کی طرح زید کے نکاح میں آگئی، اس کے بعد گواہوں کی، گواہی بے معنی مسترد ہوجاتی ہے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: سرفراز بن محمد حنیف، پہاڑی دروازہ، نئی بستی، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ پرغور کیا گیا،اس میں دوطلاق کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں؛ لیکن تیسری طلاق کے بارے میں شکوک وشبہات ظاہر کئے گئے ہیں، میاں بیوی کے درمیان چھ ماہ پہلے کے واقعہ کے بارے میں گھر میں اختلاف ہورہا ہے؛ لیکن باہر آکر کے جب شوہر نے کسی کے سامنے اس بات کا اقرار کرلیا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کوشمار نمبر تین کی طرح تین بار طلاق دی ہے،تو صرف اس اقرار کی وجہ سے تین طلاق واقع ہوگئیں ہیں، چاہے اس سے پہلے واقعہ میں طلاق نہ دی ہو، اس لئے کہ محض اقرار کی وجہ سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب آئندہ بغیر حلالہ شرعیہ کے جانبین میں نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

عن سماک قال: سمعت عکرمةؓ يقول: الطلاق مرتان: فإمساک بمعروف، أو تسريح باحسان، قال: إذا طلّق الرجل امرأته واحدة، فإن شاء نكحها، وإذا طلقها ثنتين فإن شاء نكحها، فإذا طلقها ثلاثاً، فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (المصنف لإبن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۱۰/۱۹۷، رقم: ۱۹۵٦٤)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً لا ديانة. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التى تصح مع الإكراه، زكريا ٤/٤٠٠، كراچي ۳/۲۳٦)

إن من أقر بطلاق سابق يكون ذلک إيقاعاً في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال وهو مالک للايقاع غير مالک للإستناد. (المبسوط للسرخيسي، كوئٹه ٤/١٠٩، بحواله محموديه جديد۱۳/۳۰۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۹۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰؍۳؍۱۴۳۱ھ

تین طلاق کے اقرار کرنے کا حکم

سوال [۶۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شاہانہ پروین کی شادی عبد القیوم کے ساتھ ہوئی، پندرہ سال شادی کو ہوگئے، جب سے شادی ہوئی روز کسی نہ کسی بات پر جھگڑا کرتی ہے، ایک روز صبح چائے بنانے بیٹھی تو غصہ میں چائے ہاتھ پر ڈال دی، تو اس وقت بھی دو بار طلاق ہوئی، پھر بھی وہ رہتی رہی ایک مرتبہ شوہر دہلی گئے ہوئے تھے، تو آکر دیکھا ایک غیر مرد بیٹھا ہوا ہے، تو اسے دیکھ کر غصہ میں آکر پھر طلاق دی، اس بات پر محلّہ والے بھی گواہ ہیں، رمضان میں رپورٹ کرادی، بلا وجہ سب کے سامنے طلاق ہوئی گواہ شعیب، زبیر اور ان کی والدہ موجود تھی جس وقت شاہانہ کے گھر والے آئے تو ان کے سامنے بھی تین طلاق دیں، اور میں عبد القیوم خود تین بار طلاق دینے کا اقرار کرتا ہوں۔

المستفتی: عبد القیوم، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب شوہر عبد القیوم خود تین بار طلاق دینے کا اقرار کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں اس کی بیوی شاہانہ پروین پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور وہ اپنے شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی۔ اب بدون حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا بھی درست نہیں ہے۔

عن عائشة رضـ **قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه.** (دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۶۱ ۱۰۵۶)

شوہر کا تین مرتبہ طلاق کا اقرار کرنا

سوال [۶۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اختر حسین ساکن محلّہ لالباغ، مرادآباد، اپنے گھر پر کھانا کھا رہا تھا، میری بیوی سے کچھ کہا سنی ہوگئی میری بیوی بہت زیادہ زبان دراز ہے، جس کی وجہ سے جھگڑا کچھ زیادہ بڑھ گیا اور خوب گالم گلوچ ہوگئی، بہت سمجھانے پر بھی نہیں مانی مجھے بہت زبردست غصہ آگیا اور میں نے طلاق دیدی، میری والدہ شمیمہ بیگم نے بھی میری بیوی شاکرہ بیگم کو بہت سمجھایا؛ لیکن وہ نہیں مانی جس کی وجہ سے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا، اسی دوران میرے بھائی انور حسین جو کہ رشتے میں میرے ساڑھو بھی ہوتے ہیں اوپر آگئے، ان کی بیوی یعنی میری سالی بھی موجود تھی، ان کے سامنے میں نے تین مرتبہ پھر طلاق دی کہ میں نے تجھے طلاق دی اور شاکرہ کی بہن اس کو نیچے لے گئی، اس کے بعد محلے کے پڑوسی بھی شور وغل سن کر آگئے، ان کے سامنے بھی ۳؍مرتبہ طلاق کے کلمات دہرائے اس بات کے گواہ میرے بھائی انور حسین اور چھوٹے خان ہیں اور اس بات کو شاکرہ کے رشتہ دار ماں باپ اور بہن وغیرہ پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں؛ جبکہ اس کی بہن نے اور کچھ لوگوں نے خود طلاق کے لفظ اپنے کانوں سے سنے ہیں اور اسی وقت اس کو برقعہ اڑھا کر مع سروسامان

کے جس میں زیور بھی تھا لے گئے؛ لہٰذا مفتی حضرات سے اسلام کی روشنی میں اس کا فتویٰ چاہتے ہیں، شاکرہ کو کچھ دن حمل کے چڑھے ہوئے تھے۔

المستفتی: اختر خان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر نے خود تین مرتبہ طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے، تو ایسی صورت میں گواہ وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں شرعاً بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التي تصح مع الاكراه، كراچي ۳/۲۳٦، زكريا٤/٤٤٠)

وطلاق الحامل يجوز. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳٥٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (الهندية، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/٥۳٥، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۶۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۲ھ

تین طلاق کا اقرار کرنے کے بعد ایک کا انکار کرنا

سوال [٦٦٣٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا مردوں کی ایک مجلس میں اقرار کیا اور بیوی نے بھی اور ایک دوسری عورت نے بھی اقرار کیا اور دونوں کے درمیان فیصلہ جدائی ہونے کے ایک ہفتہ بعد شوہر بیوی اور دوسری عورت تین طلاق سے انکار کررہے ہیں اور شوہر بیوی دونوں کہتے ہیں کہ دو طلاق دیں اور کہتے ہیں کہ شوہر نے بیوی کو مارا اور کہا کہ اگر تو نے

میرے بھائی سے کہا، تو تجھے طلاق دیدوں گا اور بیوی نے شوہر کے بڑے بھائی سے کہہ دیا، بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو مارا تو شوہر نے بیوی کو دو طلاق دیں، تیسری طلاق دیتے وقت اس کے بڑے بھائی نے اس کے منھ پر ہاتھ رکھا۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: محمد شاکر، موضع: چک گوردھن، پوسٹ: نہٹور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹا اور غلط بیان دے کر فتوی لینے سے حرام چیز حلال نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے اگر آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے، تو اس سے آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں اور اب شوہر وبیوی کا میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا بلا حلالہ شرعیہ جائز نہیں ہے اور تین طلاق کے انکار کے بعد دو طلاق کے اقرار کرنے سے بیوی حلال نہیں ہوگی۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً لا ديانةً. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التى تصح مع الاكراه، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا ٤/٤٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۶ھ

میں اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں تین مرتبہ کہا

سوال [۶۶۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی فرحانہ کو آٹھ سال پہلے طلاق دی تھی، طلاق کا لفظ اس طرح تھا کہ ''میں اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی فرحانہ کو طلاق دیتا ہوں، میں اپنے ہوش حواس میں اپنی بیوی فرحانہ کو طلاق دیتا ہوں، میں اپنے ہوش وحواس میں اپنی بیوی فرحانہ کو طلاق دیتا ہوں'' اس طرح ایک ہی وقت میں تین بار کہلوایا گیا تھا، طلاق دیتے وقت میرا دماغی توازن ٹھیک نہیں تھا، کچھ گھر میں ایسی باتیں بھی ہوگئی تھیں، طلاق دینے کی اپنی میری مرضی نہیں تھی، مجھ سے جس طرح کہلوایا گیا تھا، وہ میں نے کہہ دیا تھا، طلاق دیتے وقت میری بیوی موجود نہیں تھی، میری ساس، سسر اور سب بھائی موجود تھے، میرے سسر ساس کا کہنا تھا کہ ہم نے ایک ہی بار یہ لفظ سنا تھا، تو مفتی صاحب اس صورت میں تین طلاق ہوئیں یا نہیں؟ اور طلاق کے بعد اس نے عدت بھی نہیں کی، میرے دو بیٹوں میں ایک پندرہ سال کا اور دوسرا دس سال کا ہے، میرا بڑا بیٹا دھمکی دیتا ہے کہ میری ماں کو لے آؤ ورنہ میں کچھ بھی کرلوں گا، میں دوبارہ اپنی بیوی کو اپنے گھر لانا چاہتا ہوں، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد اعظم گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں؛ اس لئے آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا اور آٹھ سال کے درمیان عدت بھی گذر چکی ہے اور عدت میں نہ بیٹھنے کی وجہ سے عورت گنہگار تو ہوتی ہے؛ لیکن عدت خود بخود پوری ہوجاتی ہے۔ اب جب عدت گذر گئی تو بلا تاخیر کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے اور نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری لازم ہے اور ہمبستری کے بعد وہ طلاق دیدے، اس کے بعد تین ماہواری گذر جائے تو آپ کے لئے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوجائے گا۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، يذوق كل واحد

منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۲۸/۳۸)

میں تجھے طلاق دے رہا ہوں کہنے سے طلاق

سوال [۶۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ''میں تجھے طلاق دے رہا ہوں'' یہ الفاظ تین مرتبہ کہے، تو اس سے میری بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: غفار احمد، پکاباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میں تجھے طلاق دے رہا ہوں کے الفاظ تین مرتبہ کہنے سے آپ کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور وہ آپ پر بالکل حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨)

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢ ١، جديد زكريا ٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۳۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۰ھ

ایک طلاق کے بعد شوہر نے کہا ''میں نے تیسری طلاق دی''

سوال [٦٦٣٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو شراب پی کر نشہ کی حالت میں طلاق دی اور واقعہ اس طرح پیش آیا کہ شوہر نے بیوی سے کہا میں نے ایک مرتبہ طلاق دی، پھر دوسری مرتبہ شراب پی تو کہا کہ میں نے تیسری طلاق دی۔ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا طلاق واقع ہوگئی اور کون سی طلاق ہوئی اور دوسری مرتبہ کی طلاق کا کوئی تذکرہ بیوی سے نہیں کیا، تو کتنی طلاق واقع ہوئیں؟

نوٹ: تیسری طلاق کا واقعہ تقریباً چار ماہ کے بعد پیش آیا درمیان میں دوسری طلاق کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔

المستفتی: محمد جنید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیسری طلاق کے ضمن میں پہلی دوسری بھی داخل شمار ہوا کرتی ہے اور پہلے ایک طلاق دے چکا ہے۔ اب تیسری کے ضمن میں دوسری بھی شامل ہوکر بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ولو قال: أنت طالق تمام ثلاث، أو ثالث ثلاثة فهي ثلاث الخ.

(البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الطلاق الصريح، زكريا ٤٣٨/٣، كوئٹه٣/ ٢٥١)

وقد ذكر الفرق فى البزازية بأن الآخر هو الثالث، ولا يتحقق إلا بتقدم مثليه عليه. (شامي، كراچي، ۳/۲۸۱، زكريا ديوبند ٤/٥٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/۵۲۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۲۹ھ

ایک اور دو طلاق دی اور ایک دو طلاق کا حکم

سوال [۶۶۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے ایک اور دو طلاق یا ایک دو طلاق دی کہا تو اس جملہ سے بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوگئیں؟ کیا طالق اگر دو سے دوسری طلاق مراد لے اور مفتی صاحب کے سامنے اس کا اظہار کرے، تو کیا طالق کی یہ نیت معتبر ہوگی؟ یا دو سے مستقل دو طلاق مان کر کل تین طلاق مراد لی جائیں گی؟

خلاصہ یہ کہ دو عدد سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے یا طالق کی نیت معتبر مانی جائے؟ کیا دو کا عدد دوسری یعنی ایک طلاق کا احتمال رکھتا ہے؟ فتاوی دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاوی دارالعلوم ۶/۱۵۴-۹/۳۰۶-۳۱۰ میں دو جگہ یہ مسئلہ الگ الگ حکم کے ساتھ لکھا ہوا ہے، اس میں راجح اور صحیح بات کیا ہے؟ فقہی عبارت کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: نثار احمد، گوہر (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں دو قسم کے الفاظ ہیں:

(۱) شوہر بیوی سے کہتا ہے ’’ایک اور دو طلاق‘‘ تو ایسی صورت میں بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں، دوسری قسم کی عبارت ہے ’’ایک دو طلاق دی‘‘ تو ایسی صورت میں

اگر شوہر کی نیت میں تین طلاق نہیں ہیں یا کوئی نیت ہی نہیں ہے، تو صرف دو طلاق رجعی واقع ہوجائیں گی، یہی راجح اور مفتی بہ قول ہے اور فتاوی دار العلوم جلد نمبر ۹/ اور ۱۰/ دونوں میں یہ مسئلہ ہے، جلد نمبر ۹/ میں حضرت مفتی صاحب نے تین طلاق واقع ہونے کے ساتھ لفظ احتیاط بھی استعمال فرمایا ہے کہ اس میں احتیاط کا پہلو ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو اس موقع پر تردد رہا ہے۔ اور جلد ۱۰/ ۱۵۴/ میں بغیر تردد کے صاف لفظوں میں دو طلاق واقع ہونے کو لکھا ہے، یہی مسئلہ صحیح ہے، جو کتب فقہ کی ذیل کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے۔ اور جلد نمبر ۹/ میں فتاوی قاضی خاں کی جو عبارت پیش کی گئی ہے، اس عبارت میں ایک طلاق کے بعد سکوت اختیار کیا گیا ہے، پھر دو طلاق کا ذکر ہے، تو قاضی خاں کی وہ عبارت مذکورہ مسئلہ سے متعلق نہیں ہے۔

ولو قال: أنت طالق واحدة في ثنتين......فإن نویٰ واحدة، وثنتين فهي ثلاث؛ لأنه يحتمله. (هداية، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق اشرفي ديوبند۳/۳٦۳)

وفي قوله: أنت طالق واحدة في ثنتين تقع واحدة، إن لم ينو شيئاً......وقال زفر، والحسن تقع ثنتان......ورجح في الفتح قول زفر. (مجمع الأنهر قديم ۱/ ۳۹۰، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۸)

قال رحمه الله: وواحدة في ثنتين واحدة، إن لم ينو، أو نوى الضرب وإن نویٰ واحدة وثنتين فثلاث......وعند زفرؒ يقع ثنتان لعرف الحساب. وهو قول الحسن. (تبيين الحقائق، امدادية ملتان ۲/ ۲۰۲، زكريا ۳/ ۵۰- ۵۱)

وبواحدة في ثنتين واحدة إن لم ينوا ونویٰ الضرب. وتحته في الشامية: وقال زفر، والحسن، والأئمة الثلثة يقع ثنتان......ورجحه في الفتح. (شامي، كراچي ۳/ ۲٦۱، زكريا ٤/ ٤٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۸۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۱۸ھ

۱/۲/۳/ میں نے طلاق دی

سوال [۶۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی میرے مقابلے میں آ گئی تھی، میں نے غصہ میں آ کر کہا ’’میں نے طلاق دی‘‘ یہ جملہ غصہ کی حالت میں کہا؛ لیکن یاد نہیں یہ جملہ کتنی بار کہا۔

لڑکی کے بیانات: لڑکی کا کہنا ہے کہ میرے شوہر کسی دوسرے کی چھت پر بیٹھے بات چیت کر رہے تھے، جب بیوی نے بلا کر کہا کہ نیچے آ کر آٹا لا دو، اسی پر تکرار ہوگئی اور لڑکی سے کہا ’’۱/۲/۳/ میں نے طلاق دی۔

المستفتی: صابر حسین، باراشاہ، صفاء لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر خود طلاق کا اقرار کررہا ہے اور تعداد کے بارے میں عدم علم کا اظہار کررہا ہے اور بیوی کے بیان کا انکار بھی نہیں کر رہا ہے، تو بیوی کے بیان کے مطابق اگر واقعی ۱/۲/۳/ میں نے طلاق دی کہا ہے، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں۔ اب دوبارہ بلا حلالہ نکاح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، يذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

متى قرن الطلاق بالعدد كان الوقوع بالعدد. (شامي، كتاب الطلاق، باب الطلاق غير الدخول بها، كراچي ٣/ ٢٨٧، زكريا ٤/ ٥١٣)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۹۶۷)

میں نے مینا کو ۱/۲/۳/ دی

سوال [۶۶۳۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک کاغذ پرلکھا ہے کہ میں نے مینا کو ۱/۲/۳/ دی اور وہ کاغذمیرے پاس ہی ہے؛ لیکن وہ کاغذ تقریباً ۱۵/ آدمیوں اور عورتوں نے دیکھ لیا ہے، یہ کاغذ اپنی بیوی کو نہیں بھیجا ہے۔

وکیل کی معرفت میں نے ہندی میں ٹائپ کرا کے طلاق کی وجہ اور مہر کی رقم اور نان نفقہ کی رقم کا ڈرافٹ بنوا کر بھیجا، وہ رجسٹری لڑکی کے والدین نے نہیں وصول کی؛ بلکہ واپس کردی اس میں تین طلاق کا تذکرہ موجود ہے اور میں نے اپنے ملنے والوں سے بھی کہہ دیا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، تو کونسی طلاق ہوئی؟

المستفتی: منصوراحمد، تمباکووالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اس تحریر کے بعد آپ نے لوگوں کے سامنے طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے اور دس پندرہ افراد کو طلاق نامہ دکھادیا ہے اور آپ نے خود اس کا اقرار بھی کرلیا ہے، تو جتنی طلاقوں کا آپ نے اقرار کرلیا ہے، اتنی طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے تین طلاقیں لکھی ہیں اور اس کا اقرار کیا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

أما إن أرسل الطلاق، بأن كتب أما بعد، فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الطلاق بالكتابة، كراچي ٣/٢٤٦، زكريا ٤/٤٥٦، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٨، جديد ١/٤٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/صفرالمظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸۵۵/۳۱)

ایک دو تین میں تم کو طلاق دے رہا ہوں

سوال [۶۶۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجاہد نے غصہ میں اپنی بیوی روبیہ کو فون پر یہ جملہ دو مرتبہ کہا کہ ''ایک دو تین میں تم کو طلاق دے رہا ہوں'' مجاہد سے پوچھے جانے پر کہ تمہاری ''ایک دو تین'' سے کیا مراد ہے، تو مجاہد نے جواب دیا کہ طلاق مراد ہے۔

مذکورہ صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوئی، تو کتنی ہوئیں اور عورت عدت کہاں گذارے گی، شوہر کے گھر یا اپنے میکے میں؟ نیز اگر مجاہد دوبارہ اسے اپنے نکاح میں لانا چاہے تو کیا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟

المستفتی: ریاض احمد مدھوبنی، متعلم مدرسہ شاہ ولی اللہ ٹھٹیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مجاہد نے اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ایک دو تین کہا ہے، اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔ اور اس نے ایک دو تین کے بعد ''میں تم کو طلاق دے رہا ہوں'' بھی کہا ہے؛ لہٰذا اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی عدت شوہر کے گھر میں گذار سکتی ہے، مگر اس دوران شوہر سے سخت ترین پردہ کا اہتمام لازم ہوگا اور اگر اس کو دوبارہ رکھنے کا ارادہ ہو، تو شرعی حلالہ کے بغیر نہیں رکھ سکتا۔ اور شرعی حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح ہوجائے اور ہمبستری بھی ہوجائے، اس کے بعد وہ شوہر طلاق دے گا، پھر عدت گزار لے اس کے بعد اس کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

قال لامرأته: أنت مني ثلاثا، طلقت إن نوى، أو كان في مذاكرة الطلاق.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/٤٩٧، كراچي ٣/٢٧٥)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥،، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية، بيروت ٢/٨٨ ہدایہ اشرفی دیوبند ٢/٣٩٩)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقتها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۸۳۲/۴۰)

ایک دو تین دیا، جواب سے طلاق کا حکم

سوال [۶۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے آپسی تنازع کے سبب میاں نے کہا کہ آج تم کو جواب دینا ہے، پھر کہہ بھی دیا کہ ایک دو تین دیا جواب جاؤ، اب ہوا من اچھا۔ مسئلہ ہذا کا تشفی بخش جواب عنایت کریں ازیں قبل علاقہ کے دو مفتیان سے جواب طلب کیا گیا، دونوں حضرات کے جواب مختلف ہیں؛ اس لئے واقعہ شعبان کا ہونے کے باوجود ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا۔

المستفتی: محمد توحید عالم، ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ حالت مذاکرۂ طلاق ہے اور شوہر نے اسی اثناء میں کہا کہ آج تم کو جواب دینا ہے اور اسی دوران ایک دو تین دیا جواب اور یہ کہنا کہ جاؤ اب ہوا من اچھا۔ یہ سب تین طلاق کے لئے مؤید ہیں؛ اس لئے مذکورۂ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

أنت مني ثلاثا طلقت إن نوى، أو كان في مذاكرة الطلاق. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٩٧، كراچي٣/ ٢٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۳/ ۵۶۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۱۲ھ

ایک طلاق دو طلاق، دل سے طلاق کہنے سے تین طلاق کا وقوع

سوال [۶۶۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے بیوی سے کہا تجھ کو ایک طلاق دو طلاق دل سے طلاق، تو ایسی صورت میں کون سی طلاق واقع ہوئی؟ مدلل جواب تحریر کریں۔

المستفتی: محمد صادق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو کہا کہ تجھ کو ایک طلاق، دو طلاق، دل سے طلاق تو ان الفاظ کے کہنے سے بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہیں اور بیوی شوہر پر حرام ہوگئی ہے؛ اس لئے کہ شوہر کے الفاظ میں بہرحال طلاق کا لفظ تین مرتبہ نکلا ہے۔

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التأكيد دين، وقع الكل قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/ ٢٩٣، زكريا٤/ ٥٢١، شرح الاشباه للحموي قديم٩٧، جديد زكريا١٧٨)

ولو كرر لفظ الطلاق، فإن قصد الاستئناف وقع الكل، أو التأكيد فواحدة ديانة والكل قضاءً. (الأشباه والنظائر قديم٩٧، جديد زكريا١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف۴۰/ ۱۱۴۵۵)

ایک بار دو بار تین بار طلاق دے کر آزاد کرتا ہوں

سوال [۲۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شوہر نے بہ ہوش وحواس اور بغیر غصہ وجذبات کے اپنی منکوحہ کو مندرجہ ذیل تحریر بھیجی، جو اہلیہ نے وصول کرلی اور پڑھ لی۔

اللہ تعالیٰ مالک کائنات ہے اور اسی کے حکم سے سارا نظام کائنات چل رہا ہے، وہی سب کا مالک اور مددگار رہے، ساری خوشیاں اور سارے غم اسی کی طرف سے ہیں، اسی ذات پاک کی مشیت کا احترام کرتے ہوئے میں آج آپ کو اپنے نکاح کے شرعی بندھن سے ایک بار دو بار تین بار طلاق دے کر آزاد کرتا ہوں، میری وجہ سے آپ کو جو بھی تکالیف پہونچی ہوں اس کے لئے معذرت چاہتے ہوئے خدا حافظ۔

اس تحریر کے بعد طلاق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

المستفتی: وہاج الدین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، آئندہ بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم:٣٩٣٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلٰثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كراچي ٣/ ٢٩٣، زكريا ٤/ ٥٢١،

هندية، زكريا قديم ۱/۳٥٦، جديد ۱/٤۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۹۸۹)

طلاق ،طلاق ،طلاق ، کہہ کرز وجیت سے الگ کرنا

سوال [۶۶۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ۳/۸/۱۴ء کو دہلی میں ہوئی تھی، ہم لوگوں کے باہمی تعلقات کافی دنوں سے خراب چل رہے تھے، بات بات پر مزاج نہ مل پانے کی وجہ سے کشید گی بڑھتی گئی ،ایک دن غصہ میں آ کر میں نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق، طلاق، طلاق، کہہ کر اپنی زوجیت سے الگ کر دیا۔

کیا مندرجہ بالا سوال کے مطابق میری بیوی پر طلاق پڑ گئی یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد، محلّہ: پیتاپاڑہ ،چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو زوجیت سے الگ کرنے کے ارادہ سے طلاق، طلاق، طلاق کہا، تو آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ کے میاں بیوی کی طرح رہنا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ۱۲/۴۷۲)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا ٤/٥۲۱)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره

نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديو بند۲/۳۹۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۱/۹۶۷۱)

عورت کو چالیس دنوں کے لئے تین طلاق

سوال [۶۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید چالیس دن کے لئے جماعت میں گیا ہوا تھا، اسی دوران ایک روز جماعت کے کسی ساتھی نے زید سے مذاقاً کہا تو سوتا بہت ہے کیا تجھے بیوی یاد آتی ہے، ان الفاظ کے جواب میں زید نے کہا ''عورت (بیوی) کو چالیس دنوں کے لئے تین طلاق ہیں، تو کیا ان الفاظ سے زید کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں یا نہیں؟

یہ بات یاد رہے کہ زید کا دماغ خالی الذہن تھا، طلاق کی نیت بھی نہیں تھی۔ نیز ''میری'' کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے اور مسئلہ سے واقف بھی نہیں ہے، طلاق کے بارے میں بالکل خالی الذہن تھا۔ امید ہے کہ جلد جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد قاسم ملا، گودھرا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا یہ کہنا کہ بیوی کو چالیس دنوں کے لئے تین طلاق ہیں، تو اس کا حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنی زوجہ کو اپنے اوپر تین طلاق کے ذریعہ سے حرام قرار دیتا ہے اور حرمت کو ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ چالیس دن کا چلہ مکمل ہونے تک کے لئے مقید کیا ہے تو اس میں دو باتیں ہیں: ایک ہے طلاق سے حرمت۔ دوسری بات ہے، اس کی تحدید اور تعیین، تو پہلی بات کا اس کو اختیار ہے کہ اپنی بیوی کو تین طلاق سے حرام کر لے۔

اور دوسری بات یعنی چالیس دن تک کے لئے اس حرمت کو مقید کرنا، تو اس کو شرعاً اس حرمت کی تحدید اور تعیین اپنی طرف سے کرنے کا حق نہیں ہے؛ کیونکہ اس کی تحدید اور تعیین قرآن پاک نے کردی ہے: وہ یہ ہے کہ تین طلاق سے جو حرمت ہوتی ہے وہ حلالہ تک رہتی ہے، بغیر حلالہ کے ختم نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اور چالیس دن کا چلہ مکمل کرنے سے ختم نہیں ہوگی؛ لہٰذا بغیر حلالہ کے بیوی اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، مکتبہ محمودیہ جدید میرٹھ ۴۱۲/۱۸، مسئلہ: ۶۸۳۵)

ولقوله تعالیٰ: الطلاق مرتان –إلی قوله– فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره. [الآية: ۲۳۰] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸رشوال المکرّم ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۱۷۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۱۸ھ

تین مواضع میں الگ الگ تین طلاق دینا

سوال [۶۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں فریحہ فاطمہ بنت انور صاحب ہوں، میرا نکاح یحیٰ زکریا سلطان بن محمد زکریا صاحب کے ساتھ مؤرخہ: ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو ہوا تھا، ہم دونوں میں نااتفاقی کی وجہ سے میرے شوہر یحیٰ زکریا سلطان نے مجھے بتاریخ: ۲۶راگست ۲۰۱۲ء کو ایک طلاق دی، پھر ایک ماہ کے بعد ہی میرے شوہر نے رجوع کرلیا، اس کے دو ماہ سترہ دن بعد میرے شوہر نے مجھے بتاریخ: ۱۳رنومبر ۲۰۱۲ء کو دوسری طلاق دی، پھر چار دن بعد ۲۱رنومبر ۲۰۱۲ء کو تیسری طلاق دی۔

مذکورہ صورت میں میرا رشتۂ نکاح باقی ہے یا ختم ہوگیا؟ فتوی عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتیه: فریحہ فاطمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائلہ اپنے بیان میں سچی ہے، تو سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت حال کے مطابق شوہر نے اپنی بیوی کو تین مواضع میں الگ الگ تین طلاق دیں، جس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے؛ لہٰذا آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

الطلاق مرتان فإمساک بمعروف، أو تسريح بإحسان---فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره. [البقرة: ۲۲۹/ ۲۳۰]

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، ولا فرق في ذٰلک بين كون المطلقة مدخولاً بها، أو غير مدخول بها.

(هندية، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، زكريا جديد ۱/ ۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۶۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۱۰/ ۱۴۳۵ھ

حالت نشہ میں تین مرتبہ تم کو چھوڑ دیا کہنا

سوال [۶۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے نشہ کی حالت میں کہا کہ ”تورا چھوڑی دلو“ (یعنی تم کو چھوڑ دیا) پھر کہا کہ تینوں بیٹوں کو بھی تم کو چھوڑ دیا؟ زید کے لڑکے بکر کا کہنا ہے کہ ابا نشہ کی حالت میں تھے پہلے کہا کہ تم تینوں بیٹے میری کمائی کھا رہے ہو، پھر کہا کہ تورا چھوڑی دِلو، یعنی تم کو چھوڑ دیا تین بار کہا۔ گواہ فیروز کا کہنا ہے کہ میرے سامنے زید جو کہ نشہ میں تھا کہا کہ تورا

چھوڑی دِلو (تمکو چھوڑ دیا) تین بار کہا، پھر کہا کہ تمہارے بیٹے سے فون پر بات کرلی ہے، فیروز کا کہنا ہیکہ بیوی کو چھوڑا یا بیٹے کو چھوڑا، اس کی وضاحت زید نے میرے سامنے نہیں کی۔

نوٹ: واضح رہے کہ دس سال قبل زید نے اپنی بیوی ہندہ کی کسی بات پر ناراض ہوکر کہا تھا کہ آج رات تم گھر میں قدم نہیں رکھوگی، اگر گھر میں قدم رکھوگی تو جواب ہوجائے گا، اس رات تو ہندہ نے گھر میں قدم نہیں رکھا؛ لیکن دوسری رات زید کی اجازت سے گھر میں داخل ہوئی، پھر پانچ سال قبل کسی بات پر ناراض ہوکر زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا تھا، اب میں پریشان حال ہوں، ازدواجی زندگی گذارنا چاہتا ہوں؛ لہٰذا مذکورہ بالا صورت میں ازدواجی زندگی گذاری جاسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: واضح رہے کہ تورا چھوڑی دِلو یا لفظ جواب کو ہمارے علاقہ میں جہلا عام طور پر طلاق کے لئے استعمال کرتے ہیں، تو مذکورہ صورت میں کون سی طلاق ہوئی؟

المستفتی: محمد ظہیرالدین بن محمد خلیل الرحمٰن، ڈومریا، پوسٹ: پی ٹی ڈومریا، ارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نشہ کی حالت میں اپنی بیوی سے ’’تورا چھوڑی دلو یعنی تم کو چھوڑ دیا‘‘ تین بار کہہ چکا ہے، تو بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں؛ کیونکہ چھوڑ دیا عرف میں طلاق کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور شرابی کی طلاق نشہ کی حالت میں بھی واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا بغیر حلالہ کے اس بیوی سے دوبارہ نکاح کرنا بھی درست نہیں ہے، جب طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، تو پھر تجھ کو ایک جواب دیا گھر میں داخل ہونے سے جواب ہوجائے گا اس کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

فإن سرحتک كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال رها كردم: أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضاً، وماذلک إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر، أو النبيذ، وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالىٰ. (المحيط البرهاني، كتاب الطلاق، الفصل الثالث، المجلس العلمي بيروت ٤/ ٣٩١، رقم: ٤٦٣٤، عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٣٥٣، جديد ١/ ٤٢٠، شامي، كراچي ٣/ ٢٤١، زكريا٤/ ٤٤٨، خلاصة الفتاوى٢/ ٧٥)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳۰ رمحرم الحرام ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۹۰۲)	۲۰/۱/۲۴ ۱۴ھ

نشہ کی حالت میں حاملہ بیوی کو تین طلاق دینے کا شرعی حکم

سوال [۶۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دانش نے اپنی بیوی شمائلہ پروین کو شراب کے نشہ کی حالت میں تین طلاق دیدیں بیوی حمل سے ہے، طلاق کے وقت پھوپھی بھی موجود تھی، شرعاً طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر ساتھ رہنا چاہیں تو کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: محمد رئیس، ٹھیکیدار والی مسجد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شراب کے نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب شوہر دانش نے اپنی بیوی شمائلہ پروین کو حالت حمل میں نشہ کی حالت میں تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس سے بیوی کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر کے اوپر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ اب آئندہ دونوں کا بغیر حلالہ کے نکاح کرنا بھی درست نہیں ہوگا، اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں تو شرعی حلالہ لازم ہے،

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عدت گذرنے کے بعد شمائلہ دوسرے مرد سے نکاح کرے اور نکاح کے بعد شمائلہ دوسرے شوہر سے ہمبستر ہوجائے، پھر وہ طلاق دیدے، تو اس کی عدت گذرنے کے بعد دانش کے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

عن سهل بن سعدؓ في هذا الخبر، قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دارالسلام رقم: ٢٢٥٠)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقتها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية٢/٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٠)

أما السكران إذا طلق امرأته، فإن كان سكره بسبب محظور بأن شرب الخمر، أو النبيذ طوعاً، حتى سكر وزال عقله فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابةؓ. (بدائع الصنائع، زكريا ٣/١٥٨، كراچي ٣/٤٤٣، ونحوه في الشامي، كراچي ٣/٢٤١، زكريا ٤/٤٤٨)

وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُن. [الطلاق:٤]

ولو قال لامرأته الحامل أنت طالق لسنة تقع في الحال واحدة وبعد شهر أخرىٰ. (تاتارخانية، زكريا ٤/٣٩٤، رقم:٦٥٠٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۱۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۵ھ

جنونی حالت میں کہنا ”میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی“

سوال [۶۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کل بروز اتوار مؤرخہ: ۱۲/ستمبر ۱۹۹۳ء میاں بیوی میں تکرار رہا جس کی مفاہمت کے لئے نواب جان عرف بنو اور لڑکے کی موجودگی میں اور لڑکے کی والدہ کی موجودگی میں گفت وشنید شروع ہوئی، نواب جان کی خواہش تھی کہ دونوں میں میل جول ہوجائے، بات چیت بالکل درمیانہ ماحول میں چل رہی تھی، کسی قسم کی کوئی تیزی نہیں تھی، اسی درمیان شمیم الدین نے کہا کہ آپ نے مجھ سے طلاق مانگی تھی، میں نے دی اس پر شبانہ نے کہا کہ میں نے آپ سے کوئی طلاق نہیں مانگی، آپ جھوٹ بولتے ہیں اگر سچ ہے تو آپ کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر کہدیں کہ میں نے طلاق مانگی تھی، اس پر انہوں نے جنونی کیفیت میں یہ کہا کہ میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی۔

(۱) کیا یہ طلاق ہوگئی؟

(۲) اس کے بعد لڑکی کے لئے عدت جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس لڑکی کے والد اور کوئی بھائی نہیں ہے اور وہ گورنمنٹ سروس میں ہے، اگر وہ اتنی لمبی چھٹی یا رخصت لے گی، تو اس کی ملازمت پر اثر ہوگا اور اگر وہ سروس چھوڑ دیتی ہے، تو اس کا معاش اور گذارہ کس طرح ہوگا؟

(۳) لڑکی کی مہر کی ادائے گی کسی طرح سے ہوگی؟

(۴) دونوں بچے کس کے پاس رہیں گے؟ ایک کی عمر پانچ سال ہے، دوسرے کی عمر تین سال ہے۔

المستفتی: محمد اسماعیل صدیقی، مون بلڈنگ، کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسی صورت میں بیوی پر تین طلاقیں واقع

ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

(۲) بیوی پر عدت گذارنا واجب ہے اور عدت کے دوران سروس کے لئے گھر سے نکل کر سرکاری دفاتر وغیرہ میں حاضری دینا جائز نہیں ہے، اگر باہر آنے جانے لگے گی تو گنہگار رہوگی۔

وتعتدان: أي معتد طلاق، وموت في بيت وجبت فيه، ولا يخرجان منه. (الدر المختار، كراچي ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٥)

(۳) عدت کے زمانہ میں حصول معاش کے لئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے اور اس زمانہ کے معاشی اخراجات شوہر پر لازم ہیں۔

وتجب لمطلقة الرجعي، والبائن، والفرقة بلا معصية الخ. (الدر المختار، كراچي ٣/٦٠٩، زكريا ٥/٣٣٣)

(۴) مہر کا ادا کرنا شوہر پر واجب ہے اور ادائے گی مہر کے لئے فریقین جو بھی مناسب طریقہ اختیار کریں گے شرعاً جائز ہوگا۔

(۵) دونوں بچوں کو ماں اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتی ہے، مگر جب عمر سات سال پوری ہوجائے گی، تو باپ کو لیجانے کا حق ہوگا اور ماں کے پاس رہنے کے زمانہ کا خرچہ باپ پر لازم ہوگا۔

والحاضنة أما، أوغيرها أحق به: أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع و به يفتى. (الدر الختار، كراچي ٣/٥٦٦، زكريا ٥/٢٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۳۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۳/ ۱۴۱۴ھ

دماغی توازن کمزور ہونے کی بناپر تین طلاق دینا

سوال [۶۶۵۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو بحالت سخت بیماری جبکہ دماغی توازن کمزور تھا، تین طلاق دیں، پھر جب زید صحیح ہو گیا، تولوٹانا چاہا چار پانچ مہینہ گذر چکے ہیں، تو مولانا صاحب نے کہا کہ اس بارے میں آپ فتوی لیجئے، تو زید نے کہا کہ میں نے مفتی صاحب سے کہا تو بولے یونہی نکاح کرلو کافی اصرار کے بعد مولوی صاحب نے نکاح دوبارہ پڑھادیا، جب لوگوں کو پتہ چلاتو کہنے لگے کہ مولوی صاحب کا نکاح ٹوٹ گیا؛ کیونکہ غلط نکاح پڑھایا ہے، تو اس صورت میں کون گنہگار ہوگا کیا کرنا پڑیگا؟

المستفتی: محمد عیاض الدین، ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کو خود تین طلاق دینا یاد ہے، تو ایسی صورت میں اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔

أنه في هذا الفرع عالم بأنه طلق وهو قاصد له. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا٤/٤٥٣، كراچي٣/٢٤٤)

اور مولوی صاحب نے چونکہ مفتی صاحب کے مسئلہ بتانے پر نکاح پڑھایا ہے، اس وجہ سے ان پر گناہ نہ ہوگا؛ بلکہ جن لوگوں نے اصرار کیا ہے، وہ گنہگار ہوں گے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱/۱۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۸۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/ ۱۴۱۷ھ

جنونی کیفیت میں تین طلاق دینا

سوال[۶۶۵۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی اور میرے درمیان نازیبا بات پر تیز طرار گفتگو ہوئی، میں نے اپنی بیوی کو دھمکی دی، اس پر بھی میری بیوی خاموش نہیں ہوئی، تب میں نے کہا آج میں نے تجھے ”طلاق دی، طلاق، طلاق، طلاق“ طلاق اس وقت میری والدہ اور بہن موجود تھیں، میں نے اس بات کو اس طرح کہا کہ کسی کو بھی اپنی جگہ سے ہلنے کا موقع نہیں ملا، میں نے جنونی کیفیت میں یہ عمل کیا، میں چاہتا ہوں مجھ سے میری بیوی بہت انسیت رکھتی ہے یہ بھی یاد رہے کہ میں نے جس جنونی کیفیت میں یہ الفاظ ادا کیئے ہیں مجھے خود کچھ ہوش نہیں تھا کہ میں کیا کررہا ہوں۔

المستفتی: طریق احمد، محلّہ: دانشمندان، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منسلکہ تمام جوابات دیکھ لیئے، دارالعلوم دیوبند، مظاہرعلوم سہارنپور، دارالعلوم چلہ امروہہ، شاہی چبوترہ امروہہ کے جوابات صحیح اور درست ہیں اور مدرسہ شاہی سے ۲۰؍شوال ۱۴۲۴ھ کو جاری کردہ جواب کے مطابق ہیں، زیر بحث واقعہ میں بیوی پر تینوں طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئیں ہیں، اب بیوی شوہر پر حرام ہوچکی، مدنی دارالافتاء بجنور کا جواب جس میں صرف ایک طلاق رجعی کو کہا گیا ہے اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے، وہ جواب بلا دلیل ہے؛ بلکہ اب مذکورہ واقعہ میں بلا حلالۂ شرعیہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۱۶۶/۳۷)

فتویٰ نمبر: الف ۸۱۶۶/۳۷ سے متعلق مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کا جواب

الجواب مکرر: (۱) میں نے جو جواب لکھا ہے، وہ علامہ شامی کی کتاب سے ماخوذ ہے۔
كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التاكيد دين الخ. (رد المختار ۱/۴۶۰)
شوہر کے سیاق کلام سے ڈرانا دھمکانہ واضح ہے۔

(۲) شوہر نے جنون کی حالت میں اگر کہا ہے، وہ قابل تسلیم نہیں ہے، اس وجہ سے بھی طلاق نہ ہوگی؛ لیکن میرے نزدیک یہ محل نظر ہے، (۳) جس طرح سے مسلک غیر پر ضرورۃ عمل جائز ہے جیسا کہ الحیلۃ الناجرہ میں ہے، موجودہ زمانہ میں تین طلاق کو ایک تسلیم کرنے میں بھی کوئی برائی نہیں، جیسا کہ سیاق کلام میں اس کی گنجائش ہے یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمۂ فقہی سیمینار اور دوسری کتب۔

کتبہ: عزیز الرحمٰن
مدنی دارالافتاء، بجنور (یوپی)

مذکورہ طلاق سے متعلق مستفتی کا اقرار اور بیان

حضرت مفتی صاحب نے اس مسئلہ سے متعلق مستفتی سے پوچھا کہ تین مرتبہ سے زیادہ طلاق طلاق کا لفظ کیوں کہا، تو مستفتی نے جواب دیا، طلاق ہی کے لئے کہا، سائل سے اس پر دستخط بھی کرا لئے گئے ہیں۔

المستفتی: تاجدار علی

جواب منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل سے معلوم کیا گیا کہ ’’طلاق، طلاق، طلاق، تین مرتبہ کیوں کہا، تو مستفتی نے جواب دیا کہ طلاق کے لئے کہا ہے، جب طلاق کے لئے تین مرتبہ طلاق کا لفظ بیوی کے لئے استعمال کیا جائے، تو تاکید کے لئے نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی فقیہ تاکید کے لئے تسلیم کرتا ہے۔ نیز سائل نے سوال میں کہیں بھی تاکید کا دعوی نہیں کیا، تو ایسی صورت میں تین طلاق کو تاکید کہہ کر ایک مسلمان کو حرام کاری اور زنا کاری کی دعوت دینا ہے۔ اور إن نوی التاکید دین کا یہاں سے کوئی تعلق نہیں، ایک عجیب بات یہ بھی سامنے آئی کہ تین طلاق کو ایک طلاق ماننے کے لئے مذہب غیر پر عمل کیا جائے، تو سوال یہ ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کونسا امام ایسا ہے، جو ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق مانتا ہو؛ حالانکہ چاروں اماموں کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں؛ اس لئے ایک مسلمان کو صحیح مسئلہ بتلا کر صحیح عمل کی دعوت دینا ضروری ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں چاروں اماموں کے نزدیک تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے، آئندہ بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً، فقال الشافعيؒ، ومالکؒ، وأبوحنیفةؒ، وأحمدؒ وجماهیر العلماء من السلف والخلف: یقع الثلاث الخ . (نووي، کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ۱/ ۴۷۸، مرقاۃ شرح مشکوۃ، باب الخلع، الطلاق الثلاث بلفظ واحد، امدادیه ملتان ۶/ ۲۹۳، بذل المجهود، شرح أبوداؤد، کتاب الطلاق، باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلث، مکتبه یحی سهارنپور ۳/ ۲۷۶، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ۸/ ۹۵)

إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فقد بانت منه ولا تحل

لـه حتى تنكح زوجاً غيره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الخلع والطلاق قديم ۷/ ۲۳۹، ۲٤۰، جديد دارالفكر بيروت ۱۱/ ۲۲۸، رقم: ۱۵۳٦۵، رحيمية قديم ۵/ ۳٦۵، جديد زكريا ۸/ ۳۵۰)

والبدعي ثلاث متفرقة، أو ثنتان بمرة، أو مرتين. وتحته في الشامية: وذهب جمهور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث. (شامي، كراچي ۳/ ۲۳۲، زكريا ٤/ ٤۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱٦٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/ ۱۱/ ۱۴۲۴ھ

غصہ میں تین طلاق دینا

سوال [۲٦۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کے بھائی بکر کو ساڑھے تین لاکھ روپئے کاروبار میں شرکت کے لئے دیئے تھے اور اپنے بڑے بھائی کو ساتھ میں لگایا تھا، ایک سال تک نہ منافع ملا اور نہ ہی رقم ملی، تقاضہ کرنے پر سالے بہنوئی میں گرما گرمی ہوگئی، تنازع کے درمیان میں زید نے کہا، اگر آپ نے یہ معاملہ نہیں سلجھایا تو میں آپ کی ہمشیرہ سے قطع تعلق کرلوں گا، یہ محض ایک دھمکی تھی؛ جبکہ زید کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا، اس پر بکر نے اپنے دوسرے بہنوئی کا واقعہ سنایا کہ ہمائے بہنوئی سے ایسا ہی کچھ معاملہ ہوا تھا، تو ہم نے اپنے بہنوئی کو چوراہے پر لیجا کر پٹائی کردی تھی اور پولیس سے بھی پٹوایا تھا، زید کو یہ سن کر بہت روحانی تکلیف پہونچی اور اس نے غصہ میں تین بار طلاق دیدی اور کہا کہ چلو تم مجھے کون سے چوراہے پر لے جا کر مار وگے اور پھر زید نے دوبارہ تین بار طلاق دیدی۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ غصہ میں طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالٰہی، محلّہ: بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خوشی میں طلاق نہیں دی جاتی ہے؛ بلکہ غصہ کی حالت میں طلاق دی جاتی ہے اور مذکورہ صورت میں سالے بہنوئی کے تنازع کے درمیان شوہر نے بیوی کو صراحت کے ساتھ تین طلاق دیدی ہیں، اور تین تین طلاقیں دومرتبہ دی ہیں، اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے اوپر وہ قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔ اب آئندہ بغیر حلالہ کے اس سے نکاح بھی درست نہیں ہوگا اور سائل غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں، ان کا فتوی بھی لایا تھا ان کا فتوی غلط اور شریعت کے خلاف ہے، اس فتوی کی روسے عمل کریں گے، تو حرام کاری ہوگی۔ روایات ملاحظہ فرمائیں:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [البقرة: ۲۳۰]

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ۱/ ۳۰۶، دارالسلام رقم: ۲۲۵۰، بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۰، ف: ۵۲۵۹، صحيح مسلم، كتاب اللعان، النسخة الهندية ۱/ ۴۸۹، بيت الأفكار رقم: ۱۴۹۲، سنن النسائي، الطلاق، باب الرخصة في ذلك، النسخة الهندية ۲/ ۸۳، دارالسلام رقم: ۳۴۳۱)

وقال الحسنؒ: لولا أني سمعت أبي يحدث عن جدي النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من طلق امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره لراجعتها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي جديد دارالفكر بيروت ۱۱/ ۵۲، رقم: ۱۴۸۵۵)

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٠)

أتى برجل قد طلق امرأته ثلاثاً في مجلس، أوجعه ضرباً وفرق بينهما. (مصنف ابن أبي شيبة، جديد مؤسسه علوم القرآن بيروت ٩/ ٥١٩، رقم: ١٨٠٨٩)

عن واقع بن سحبانؓ، قال: سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثاً في مجلس، قال: أثم بربه وحرمت عليه امرأته. (مصنف ابن أبي شيبة ٩/ ٥١٩، رقم: ١٨٠٨٧)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۰۹۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۵ھ

غصہ کی حالت میں تین طلاق دینا

سوال [۶۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو غصہ کی حالت میں تین طلاق دیدی ہیں، تو طلاق ہوگئی یانہیں؟ پانچ مہینہ کا چھوٹا بچہ بھی ہے، بیوی کو اگر ساتھ رکھنا چاہیں تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: سبحان چھوٹی منڈی، مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خوشی میں کوئی طلاق نہیں دیتا ہے؛ بلکہ غصہ ہی میں طلاق دی جاتی ہے؛ لہٰذا جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ کے اوپر وہ قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہے اور حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ عدت گذار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے، پھر اس مرد کے ساتھ ہمبستری ہونے کے بعد وہ مرد طلاق دیدے اور پھر عدت بھی گذر جائے تو وہ بیوی آپ کے لئے حلال ہوسکتی ہے اور پھر آپ اس سے نکاح کر سکتے ہیں۔

فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۡ بَعۡدُ حَتَّى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُ. [البقرة: ۲۳۰]

عن عائشة رضـ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱)

عن عائشة رضـ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ۲/ ۸۴، دارالسلام رقم: ۳۴۴۰)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۹۵/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۱۴ھ

میں نے اور میرے خدا نے طلاق دی، تین مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۶۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے مخاطب ہوکر یہ الفاظ تین مرتبہ کہے کہ ''میں نے اور میرے خدا نے طلاق دی'' تو صورت مذکورہ میں کون سی طلاق پڑی؟ اور اگر میاں بیوی ساتھ رہنا چاہتے ہوں تو کیا صورت ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد شعیب، فتحپوری، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اور اگر ساتھ رہنا چاہیں تو بلا حلالہ درست نہیں ہوگا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت گذار کر عورت کسی دوسرے کے ساتھ شرعی طور پر نکاح صحیح کرکے اس کے ساتھ ہمبستری ہوجائے، اس کے بعد شوہر ثانی طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے، تو پھر عدت گذار کر پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرے۔

وإن قال بأمره، أو بحكمه، أو بقضائه، أو بإذنه، أو بعلمه أو بقدرته يقع في الحال، أضيف إليه تعالىٰ أو إلى العبد إذ يراد بمثله التنجيز عرفاً.

(الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب التعليق، زكريا ديوبند ٤/٦٣٣، كراچي ٣/٣٧٣)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

إن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له، حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، فتاوىٰ عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍ ۱۵۷۵)

شدید غصے میں یہ کہنا ”خدا کو حاضر وناظر کر کے تم کو تین طلاق دیتا ہوں“

سوال [٦٦٥٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زوجہ کو ۴؍ جنوری ۱۹۸۸ء کو بوجہ نزاع خانگی کے کہدیا کہ ”پہلے ایک میں نے تم کو طلاق دیدی“، اس کے بعد کہا ”میں خدا کو حاضر وناظر کر کے تم کو تین طلاق دیتا ہوں“، یہ جملے انتہائی غصہ کی حالت میں کہے زید کو بالکل یاد نہیں ہے یہ جملے بیوی نے زید کو بتلائے کہ تم نے کہا ہے کہ خدا کو حاضر وناظر کر کے تم کو تین طلاق دیتا ہوں، تو عرض طلب یہ ہے کہ آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور کون سی پڑی؟ اور ایسی حالت میں زوجہ کا کہا ہوا کچھ معتبر ہو سکتا ہے کہ نہیں؟ ذرا تفصیل سے بروئے شرع مدلل تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: فقیہ الدین، اندرا نگر، ہلدوانی، ضلع: نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے، تو میں نے تم کو طلاق دیدی کے جملہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔

صـريـح مـا استـعـمل فيه خاصة ولا يحتاج إلى نية، وهو أنت طالق، ومـطلقة، وطلقتک وتقع بكل منهما واحدة رجعية. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/ ١١)

تم کو تین طلاق دیتا ہوں کا جملہ اگر ایسی مدہوشی میں کہا ہے کہ جس میں کچھ پتہ نہیں ہے، تو دو عادل آدمی کے قول پر اعتماد کرنا جائز ہے۔ اور تینوں طلاقیں واقع ہونے کا حکم ہوگا ورنہ نہیں، مبتلا بہ زید خود اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر فیصلہ کرلے کہ واقعہ کیا ہے؟

الـذي يـظهرلي أن كلا من المدهوش، والغضبان (إلى قوله) إن كان بـحيـث إذا غـضـب لا يـدري مـا يـقـول وسعه الأخذ بشهادتهما، وإلا لا (وقـولـه) ثم رأيت ما يؤيد ذلک الجواب، وهو أنه قال في الوالوالجية إن كـان بـحـال لو غضب جرى على لسانه ما لا يحفظه بعده جازله الاعتماد عـلـى قول الشاهدين. فقوله لا يحفظه صريح فيما قلنا الخ. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، مطبوعة كوئٹه٢/ ٤٦٣، كراچي٣/ ٢٤٤، زكريا٤/ ٤٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍۴۴ ۷۲)

غصہ میں تیرے اوپر تین کہنے کا حکم

سوال [٦٦٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد سلیم ولد محمد اصغر علی لوہاری سرائے نے اپنی بیوی فاطمہ رحمٰن ولد فضل الرحمٰن میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا قطعاً ارادہ نہ تھا اور نہ اس سے میرا جھگڑا تھا، اچانک میرے اور میرے والد کے بیچ

کہاسنی کی وجہ سے مجھ پر مدہوشی کا غصہ طاری تھا، اس بیچ میرے منھ سے یہ الفاظ ادا ہوگئے کہ تمہارے اوپر تین طلاق اور میں اسی وقت خود کو مارنے پر آمادہ تھا کہ اس دوران میری بیوی آگئی؛ لہٰذا ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں رہنا چاہتے اور نہ کبھی رہنا چاہتے تھے، لہٰذا آپ سے التجاء ہے کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں رہنمائی کریں کہ ہم دونوں آپس میں سابقہ کی طرح رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

یہ مضمون وہ ہے جوان حضرات نے پہلی بار دیا تھا اور پھر دوسرا مضمون دیا ہے، وہ میں اب نیچے لکھ رہا ہوں۔

میں محمد سلیم ولد محمد اصغر محلّہ لوہاری سرائے نگینہ کا اپنی بیوی فاطمہ رحمٰن ولد فضل الرحمٰن کو خدا کو حاضر وناظر جان کر حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرا طلاق دینے کا قطعاً ارادہ نہیں تھا اور نہ میرا اس کا کوئی جھگڑا تھا، اچانک میرے اور میرے والد کے بیچ کہاسنی کی وجہ سے مجھ پر مدہوشی کا غصہ طاری تھا اور اس وقت میں خود کو مارنے مرنے پر آمادہ تھا کہ بیوی آگئی، اس نے کہا کیوں رو رہے ہو، مجھے بتاؤ میں نے کہا نہیں بتاؤں گا ،اس بیچ میرے منھ سے یہ الفاظ نکلے کہ تمہارے اوپر تین ، اتنے میں میرے والد نے میرا منھ پکڑ لیا آگے مجھے علم نہیں کہ میرے منھ سے کوئی اور الفاظ نکلے یا نہیں اور نہ تین سے آگے کے الفاظ وہاں پر موجود میرے والد اور میری بیوی نے سنے، تین سے آگے کی عدم ادائے گی کی تصدیق میرے والد اور میری بیوی بھی کر رہے ہیں اور کوئی گواہ بھی موجود نہیں۔

اور اب میں یعنی فاطمہ رحمٰن کے بھائی عبادالرحمٰن نے جب اس دن پوچھا، تو اس نے یہ کہا کہ انہوں نے یہ بات کہی تھی کہ تیرے اوپر تین طلاق اور میرے والد اور میری والدہ نے جب پوچھا تو اس نے یہی جواب دیا تھا، جو ابھی گذرا، یہی بات محمد سلیم نے مجھ سے اور میرے والد سے اور میری والدہ سے کئی بار کہی کہ میں نے اس کو یہ کہا کہ تمہارے اوپر تین طلاق؛ لیکن اب دونوں اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ تین سے آگے کچھ نہیں کہا اور نہ میں نے سنا۔

اب ہم یہ چاہتے کہ وہ سابقہ کی طرح رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو وہ یعنی فاطمہ رحمٰن وہاں سے آنا نہیں چاہتی، تو ہم لوگ اس سے تعلق ختم کردیں یا نہیں؟

لہٰذ حضرات علماء کرام سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر کریں۔

نوٹ: دونوں تحریروں کی فوٹو کاپی ساتھ میں منسلک ہے۔

المستفتی: عبادالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ واقعہ میں شوہر محمد سلیم کا بیان بدلا ہوا ہے، ایک میں ''تیرے اوپر تین طلاق'' کے الفاظ ہیں اور دوسرے میں تیرے اوپر تین کے الفاظ ہیں پہلی صورت میں بہرحال تین طلاق ہوگئیں اور دوسری صورت تیرے اوپر تین کہتے وقت غصہ کا تعلق بیوی کے ساتھ ہوگیا تھا، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں؛ اس لئے کہ حالت غضب اور غصہ میں تیرے اوپر تین کہنے سے تین طلاق ہوجاتی ہیں، بظاہر تیرے اوپر تین کہتے وقت غصہ کی توجہ بیوی کی طرف منتقل ہوگئی ہے؛ اس لئے تین طلاق واقع ہوگئیں ہیں، اب اگر آئندہ ساتھ رہنے کا ارادہ ہو، تو حلالہ کے بعد نکاح کرکے رہ سکتے ہیں۔ اور یہ یاد رکھیے کہ طلاق غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے اور اتنا ہوش باقی رہنا کافی ہے کہ کیا کہا ہے اور خود اقرار کررہا ہے تیرے اوپر تین کہنا یاد ہے۔

قال لامرأته ترا ایکے سه –الی قوله:إن كان في حال المذاكرة، أو الغضب يقع وإلا لا يقع بلا نية. (بزازية، زكريا ١/١٢٨، وعلى هامش الهندية، زكريا ٤/١٩٧)

ولو قال لامرأته: توبسه في حال مذاكرة الطلاق والغضب طلقت ثلاثاً.

(قاضي خان، زكريا ١/٢٧٨، وعلى هامش الهندية ١/٤٦٠)

إن كان في حال مذاكرة الطلاق أو في حال الغضب يقع الخ. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/ ٤١٨، رقم: ٦٥٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۴۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۲ھ

دھمکانے کے لئے غصہ کی حالت میں تین طلاق دینے کا حکم

سوال [٦٦٥٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۸؍ جولائی ۱۹۸۸ء بروز جمعرات صبح ہی سے میری بیوی پروین بانو اپنے ماں کے گھر جانے کی بضد تھی، مجھے بھی کوئی خاص عذر نہ تھا، میرا کہنا یہ تھا کہ تم اپنی ساس یعنی میری ماں سے اجازت لے لو اور چلی جاؤ، مگر وہ اس بات کے لئے تیار نہیں تھی اور برابر تقاضہ کئے جارہی تھی کہ میں جارہی ہوں اور جب تک تم مجھ کو لینے نہیں آ ؤگے میں نہیں آؤں گی، حتی کہ دوپہر کا کھانا بھی اس نے نہیں بنایا اور برابر خاموش لیٹی رہی تقریباً تین بجے بعد بات کچھ اور آگے بڑھی اور پروین نے اپنے ساتھ اپنے دونوں بچوں کے کپڑے بھی کنڈی میں رکھ لئے، میں نے کہا کہ میں تم کو شام تک کی اجازت دے کر بھیج رہا ہوں، اس میں کپڑوں کی کیا ضرورت ہے، مگر جیسے اس نے مستقل جانے کی نیت کی تھی؛ اس کے اس فعل کو دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کو پلنگ پر گرادیا اور ایک دو تھپڑ بھی مارے اور اس نے میرے منھ پر لاتیں ماری، میں نے کہا کہ مجھے تو لاتیں مار رہی ہے، اس نے جواب میں کہا کہ اگر تم مجھے مارو گے تو ایسے ہی ماروں گی، اس پر میں قابو میں نہ رہ سکا اور اسے دھمکانے کے لئے میرے منہ سے یہ نکل گیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، میری آواز سن کر ایک شخص نایاب وہ آگیا اور اس نے ہمارا بیچ بچاؤ کرایا اور میں نیچے آکر بیٹھ گیا اور پھر لوگوں کو علم ہوگیا،

اورلوگ آتے گئے اس طرح لڑکی کے وارثوں کو بھی اس جھگڑے کا علم ہوگیا لوگوں نے بھی ہماری صلح صفائی کرائی اور ہم دونوں نے اسی شام کو کھانا بھی ایک ہی ساتھ کھایا، کھانے کے بعد رات کو ہی میری ساس اور سسر صاحب تشریف لائے اور کہنے لگے ہم نے ایسا ایسا سنا ہے، آپ پروین کو ایک دودن کے لئے گھر بھیج دو، غصہ ٹھنڈا ہو جائیگا تو بلا لینا، مگر ہمارے والدین نے ان سے گذارش کی کہ آپ اس جھگڑے میں نہ لے جائیں، ایک دودن بعد لے جانا، وہ راضی ہوگئے اور چلے گئے، مگر اگلے روز وہ پھر آگئے اور کہا کہ پروین کو بھیج دو اور کل شام کو کھانا کھا کر لے آنا، میں نے کہا اچھا ٹھیک ہے، جب میری بیوی پروین بانو نے کہا کہ تم مجھے یہاں بھیجنے کی غرض سے مت لے جاؤ، ورنہ میں یہاں نہ آکر کہیں اور چلی جاؤں گی، جس پر وہ لوگ چھوڑ کر چلے گئے، مگر جمعہ کی رات کو وہ نو بجے پھر آئے اور کہنے لگے اس کو طلاق ہوگئی ہے۔ اب ہم اس کو لے جاتے ہیں اور وہ پروین کو لے گئے۔ اب میں پریشان ہوں، آپ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔ یہ تمام بیان میں نے حلفیہ دیئے اور آپ میری مدد فرمائیں میں تمام شرعی احکام ہر وقت ماننے کے لئے تیار ہوں۔

المستفتی: ظہیرالدین ولد شریف احمد، پکاباغ، امروہہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ حالات میں بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، غصہ کی حالت میں بلانیت طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

ویقع الطلاق من غضب. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، كراچي ٣/٢٤٤، زكريا٤/٤٥٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق .

(هندية، زكريا قديم ١/٣٥٦،جديد ١/٤٢٣)

إن الصريح لا يحتاج إلى النية. (شامي، زكريا ٤/ ٤٦١، كراچي ٣/ ٢٥٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۰۵۷۷)

حالت غصہ میں دی گئی تین طلاق کا حکم

سوال [۶۶۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر نے رحیمہ کو تین طلاق دے دیں، یعنی پہلے جھگڑا ہوا، پھر جھگڑے جھگڑے میں عمر بہت گرم ہوگیا اور رحیمہ نے بھی ساتھ ساتھ گرمی کو اور بڑھا دیا یعنی رحیمہ نے خود طلاق مانگنا شروع کیا، تو عمر نے بھی گستاخی کے ساتھ رحیمہ کو ۱/ ۲/ ۳ رکر کے تین طلاق دیدیں، ایسے میں رحیمہ کہہ رہی ہے کہ ایسے طلاق کیوں دے رہے ہو، جیسے نکاح کیا ہے مجھے ویسے طلاق دیدو، پھر عمر نے ویسے ہی فلاں کی بیٹی فلاں کو ۱/ ۲/ ۳ رکر کے طلاق دے دی، کئی دن کے بعد پھر صلح کرانے کے لئے ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں، ایک عالم کو لائے وہ عمر سے سوال کررہے ہیں کہ تم نے کیا کیا کہا، عمر کہہ رہے ہیں کہ جھگڑے میں وہ خود مجھ سے طلاق مانگتی رہی، میں نے اس کو منع کیا، پھر بھی تکرار سے طلاق مانگتی رہی، تو مجھے زیادہ غصہ آگیا اور کچھ معلوم نہ رہا، تو میں نے اس کو اسی حالت میں طلاق دیدی، مجھے بلڈ کی بیماری ہے، عالم نے پھر سوال کیا کہ تم جو خون کی بیماری کہہ رہے ہو اس کا پوراذمہ تم لے سکو گے، تو عمر نے کہا ہاں ضرور لے سکوں گا، تو عالم نے فیصلہ کردیا کہ ہمارے امام کے نزدیک غضب کی حالت میں جو ہوتا ہے، اس کو صحیح قرار نہیں دیا جاتا، اس حساب سے بالکل طلاق صحیح نہیں؛ لیکن بہت بڑا گناہ کیا؛ اس لئے تم دونوں کو توبہ واستغفار لازم ہے اور دوسرے امام صاحب کے نزدیک دو دفعہ میں دو طلاق ہوئی، اس میں بھی رجعت جائز ہے، تو دونوں کو توبہ

واستغفار کرایا۔ اورایسا نہ کرنے کے لئے وعدہ کرایا، اس معاملہ میں مفتی صاحب سے مشورہ ہے کہ شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر یہ حالت ہے، تو رجعت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ یہ معاملہ عبدالغفار، رابعہ عبدالخالق کا ہے، ابھی تک دونوں کی ملن نہیں ہوئی الگ ہیں: کیوں کہ وہ اس وقت پکڑا گیا، ابھی بنگلہ دیش ہے اور وہ حج میں آنے والا ہے، بہت جلدی کریں جواب میں کیوں کہ جواب کا منتظر ہوں۔

المستفتی: عبدالرحمٰن، عقیبیہ مکۃ المکرّمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے؛ البتہ غضب کے مختلف درجات ہیں، اگر اس درجہ کا مرض اور غضب ہو کہ شوہر کو طلاق دینا یاد ہے، تو یہ مدہوش اور بے ہوشی کی حالت نہیں ہے؛ اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں اور آئندہ اگر نکاح بھی کرنا چاہیں تو بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

الغضب بحيث لا يتغير عقله ويعلم مايقول و يقصده وهذا لا اشكال فيه.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زكريا ٤/٤٥٢، كراچي ٣/٢٤٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٦، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨)

ایسی صورت میں ایک مجلس کی تین طلاقیں حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ سب کے نزدیک تین ہی ہوجاتی ہیں؛ البتہ غیر مقلدین جو ائمہ اربعہ واہل سنت والجماعت سے خارج ہیں، ان کے نزدیک ایک طلاق ہوتی ہے، شاید مذکورہ عالم صاحب کو مغالطہ ہو گیا ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/۳۲۱، جدید، زکریا، کراچی ۸/۳۷۲)

وذهب جمهور الصحابة، والتابعين، ومن بعدهم من أئمة المسلمين

إلی أنه یقع ثلاث الخ. (شامي، کراچي ۳/ ۲۳۲، زکریا٤/ ٤٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۴۲۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

حالت غضب میں بیک وقت تین طلاق دے کر عدول عن المذہب کرنا

سوال [٦٦٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے حالت عضب میں بیوی سے کہا تم کو طلاق، تم کو طلاق، تم کو طلاق، اس کے کہتے وقت دل کے اندر طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا، بیوی دو ماہ کے حمل سے ہے، اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اگر ہوگئی تو کتنی؟ اگر حنفی مذہب میں واقع ہو اور مثلاً شافعی میں واقع نہ ہو، تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کی رخصت دی جائے گی یا نہیں؟ جیسا کہ زوج مفقود کی صورت میں امام مالک کے مذہب پر عمل کیا جاتا ہے اور تین طلاق دے کر خاوند رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ حدیث صحیح ہے۔

کـان الـطـلاق عـلـی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم، وأبي بکرؓ وسنتین من خلافة عمرؓ، طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن خطاب ان الناس قد استعجلوا في أمر کانت لهم فیه اناءةً، فلو أمضیناهٗ علیهم فأمضاه علیهم.

(صحیح مسلم، ١/ ٤٧٧)

یہ حدیث دوسری حدیث کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے، اگر اس حدیث کی وجہ سے تین کو ایک قرار دیا جائے، تو کیا قباحت ہے؛ بلکہ سماجی بہت سی خرابیاں دور ہو جائیں گی اور معصوم بچے اور بچیوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا، اگر تین کو تین قرار دیا جائے، تو سماجی بہت ساری خرابیاں موجود ہیں اور آئندہ چل کر اور خرابیاں وجود میں آئیگی۔ اور مولانا عبدالحی مرحوم نے مجموعہ فتاوی میں فتوی دیا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک شمار کی جائے گی،

ان کے علاوہ دیگر علماء کے اقوال موجود ہیں، جو مسلکاً حنفی تھے، مگر فتوی اس پر دیا ہے، ہمارے علماء کرام کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اور انصاف سے کام لینے کی ضرورت ہے۔

(۲) شوہر کا کہنا ہے کہ میں نے دو طلاق دیں، بیوی کہتی ہے کہ تین طلاقیں دیں، بیوی کے ساتھ گواہ ہیں، ان ونوں میں کس کے قول کا اعتبار ہوگا؟

(۳) حضرت عمرؓ کا تین کو تین قرار دینا، ایک سیاسی مسئلہ تھا نہ کہ شرعی؛ کیونکہ اس وقت کے حالات کے اعتبار سے ایسا حکم لگایا گیا تھا نہ کہ ہمیشہ اس پر قائم رہنے کے لئے۔

(۴) طلاق شوہر دیتا ہے اور سزا عورت اور بچے کو ملتی ہے، شرعی نقطۂ نظر سے تین کو ایک قرار دینے میں ہی عورت سزا سے بچ سکتی ہے۔ بینوا بالحق والصواب وتوجروا بیوم الحساب۔

المستفتی: محمد اسرافیل، وآدم الٰہی منزل پنجار پھلیہ، جونا گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق غصہ کی حالت میں دی جاتی ہے، راضی اورخوشی کی حالت میں کوئی اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیتا؛ اس لئے غصہ کی قید سے حکم طلاق میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور آنجناب کا یہ فرمانا کہ زوج مفقود وغیرہ میں مالکی مسلک کو اختیار کیا جاتا ہے؛ اس لئے طلاق کے مسئلہ میں شافعی مسلک پر عمل کیا جائے، تو اس سلسلہ میں گذارش یہ ہے کہ اس پر چاروں ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں ایک نہیں ہوتی۔ اب آنجناب سے گذارش ہے کہ سوال نامہ میں بیوی اور بچوں کے جو اعذار پیش کئے ہیں، ان اعذار کی بناء پر ہم کس کے مذہب کی طرف عدول کریں، ظاہر بات ہے کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ مستقل مسلک کے ساتھ کوئی پانچواں امام دنیا میں موجود نہیں ہے، جس کے مسلک میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہوگی؛ اس لئے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار دینے سے بچنے کے لئے عدول کر کے کسی دوسرے مستقل امام کے مسلک کو اختیار کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے؛ اس لئے ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہوں گی، اس مسئلہ میں غیر مقلدین کی طرف سے طرح طرح سے رخنہ اندازی سے متأثر نہیں ہونا چاہئے۔

عن ابن عباسؓ قال: كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبي بكرؓ، وسنتين من خلافة عمرؓ، طلاق الثلاث واحدة، فقال عمرؓ: إن الناس قداستعجلوا في أمر كان لهم فيه إناءةً فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم وذهب جمهور الصحابة، والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث ولم ينقل عن أحدمنهم أنه خالف عمر حين أمضى الثلاث. (شامي، كراچي ۳/ ۲۳۳، زكريا ٤/ ٤٣٤)

وقد إختلف العلماء فيمن قال لامرأته أنت طالق ثلاثاً. فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبوحنيفةؒ، وأحمدؒ وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث. (حاشية نووي على مسلم، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ١/ ٤٧٨، مرقاة شرح مشكوة، باب الخلع، الطلاق الثلاث بلفظ واحد، امدادية ملتان ٦/ ٢٩٣، بذل المجهود شرح أبي داؤد، الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، مكتبه يحيٰ سهارنپور ۳/ ۲۷٦، درالبشائر الإسلامية بيروت ٨/ ٩٥، تحت رقم الحديث: ٢٢٠٠، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة دارالفكر بيروت ٤/ ٣٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۷۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۳/ ۱۴۲۶ھ

حالت حمل میں تین طلاق کا وقوع

سوال [٦٦٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی اورلڑکے کی شادی قریب چھ ماہ قبل ہوئی تھی اور دونوں آپس میں خوب راضی اورخوش تھے اورایک دوسرے سے کافی محبت تھی، آج سے تین روز قبل کسی بات پر جھگڑا ہوگیا اورآپس میں کافی تکرار رہا، اس لڑکی کی ماں قریب ہی میں رہتی ہے، دونوں کی

آوازسن کرآگئی اوراپنی لڑکی کی حمایت کرنے لگی اوراس کے شوہر سے کہنے لگی کہ تو میری لڑکی کوابھی طلاق دے،اورلڑکے کوبیہودہ الفاظ بھی کہنے لگی،لڑکے نے اس کی ماں کے کہنے پر غصہ کی حالت میں اس طرح بالکل کہد یا کہ طلاق دی،طلاق دی،طلاق دی؛ جبکہ لڑکی ۵/ مہینہ کی حاملہ بھی ہے۔اب ایسی صورت میں کیاحکم ہے؟

المستفتی: رئیس احمد،تحصیل اسکول،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پرطلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اورشوہر کے لئے قطعاً حرام ہوگئی ہے، وضع حمل کے بعدعورت دوسرے مرد سےنکاح کرےگی اوراس کےساتھ ہمبستری بھی ہوگی، پھرشوہراپنی مرضی سےطلاق دیدے،تودوبارہ عدت گذارنے کے بعدشوہراول کے لئے اس سےنکاح حلال ہوگا۔ (مستفاد:فتاوی دارالعلوم ۹/۳۰۰)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا٤/۵۲۱)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها. (هندية، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/۵۳۵)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُن. [الطلاق:٤]

عدة الحبل فهي مدة الحمل ....والأصل فيه قوله تعالىٰ: وأولات الاحمال أجلهن أن يضعن حملهن أي انقضاء أجلهن أن يضعن حملهن، وإذا كان انقضاء أجلهن بوضع حملهن كان أجلهن؛ لأن أجلهن مدة

حملهن. (بدائع الصنائع، زكريا٣/٤ ٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۳۵۹/۳۳)

ایام حیض میں تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہی مرتبہ میں تین مرتبہ طلاق کہنے سے طلاق ہوجائے گی؟ اور کیا ماہواری کے دنوں میں طلاق دینے سے طلاق ہوجاتی ہے؟ فتوی صادر کیا جائے۔

المستفتی: محمد عظمت اللہ آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں اور عورت ہمیشہ ہمیش کیلئے شوہر پر حرام ہوجائے گی۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۱۲۹/۵، جدید زکریا ۳۷۶)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

اوراسی طرح حالت حیض میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجائے گی؛ لیکن شوہر گنہگار رہوگا۔

عبد الله بن عمرؓ، أنه طلق امرأته تطليقة وهي حائض، ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين أخراوين عند القرئين، فبلغ ذلک رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا ابن عمر ما هكذا أمرک الله إنک قد أخطأت السنة، والسنة أن تستقبل الطهر، فيطلق لكل قروءٍ، قال: فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم،

فراجعتها، ثم قال إذا هي طهرت فطلق عند ذلک، أو أمسک، فقلت: یارسول الله! رأیت لو أني طلقتها ثلاثاً، کان یحل لي أن أراجعها؟ قال: لا، کانت تبین منک وتکون معصیة. (سنن دار قطني، قدیم ۴۳۸/۲، دارالکتب العلمیة بیروت ۲۰/۴، رقم:۳۹۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۷۷)

حالت حیض میں تین طلاق

سوال [۶۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ میں یہ کہتے ہوئے طلاق دی کہ ''میں نے تجھے تین طلاق دیں'' اورعورت اس وقت ناپاکی کی حالت میں تھی، تو ایسی صورت میں یہ طلاق ہوئی یانہیں؟

المستفتی: عبدالوکیل، دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیض کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جب شوہر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں تین طلاق دیدی ہیں، تو ایسی صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر کے لئے قطعی طور پرحرام ہوگئی ہے اورحلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا اورجس حیض میں شوہر نے طلاق دی ہے، وہ عدت میں شمار نہ ہوگا؛ بلکہ اس کے بعد والے حیض سے عدت شمار ہوگی۔
(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۸۵/۱۲)

رجل قال لامرأته: تراسه طلاق، یقع الثلاث. (تاتارخانیة، ۴۰۵/۴، رقم:۶۵۳۴)

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة، فإذا فعل ذلك وقع الطلاق، وكان عاصياً. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديوبند ۲/۳۵۵)

والبدعي من حيض الوقت أن يطلق المدخول بها، وهي من ذوات الأقراء في حالة الحيض ......وكان الطلاق واقعاً. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه، زكريا قديم ۱/۳۴۹، جديد ۱/۴۱۶)

وإذا طلق امرأته في حالة الحيض كان عليها الاعتداد بثلاث حيض كوامل ولاتحتسب هذه الحيضة من العدة. (هندية، باب العدة، زكريا قديم ۱/۵۲۷، جديد ۱/۵۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۷۰۵)	۱۴۳۳/۵/۲۹ھ

''لے لے تو طلاق'' تین مرتبہ کہنا

سوال [۲۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہورہا تھا، اسی درمیان شوہر نے بیوی سے کہا ''لے لے تو طلاق'' اور یہ جملہ تین مرتبہ کہا، تو اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اس میں شوہر نے تنجیز نہیں کی ہے؛ بلکہ بیوی کو طلاق لینے کا حکم دیا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھگڑے کے دوران جو شوہر نے بیوی سے تین مرتبہ یہ جملہ کہا کہ ''لے لے تو طلاق'' اور بیوی نے اسی مجلس میں اپنے اوپر کوئی طلاق واقع نہیں کی، تو شرعی طور پر بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ کیونکہ شوہر کا قول ''لے لے

تو طلاق'' تفویض طلاق مختص بالمجلس کے قبیل سے ہے، ہاں البتہ بیوی اگر اسی مجلس میں اپنے اوپر کوئی طلاق واقع کر لیتی تو طلاق واقع ہو جاتی۔

إذا قال لها: طلقي نفسك سواء قال لها: إن شئت أولا فلها أن تطلق نفسها في ذلك المجلس خاصة. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث في تفويض الطلاق، الفصل الثالث في المشية، زكريا قديم١/ ٤٠٢، جديد١/ ٤٧١)

إذا قال لامرأته: أنت طالق إن شئت، فذلك إليها مادامت في مجلسها، فإن شاءت في مجلسها وقع الطلاق، وكذلك إذا قال لها: طلقي نفسك إن شئت، أو لم يقل إن شئت فذلك إليها في مجلسها إلا أن هاهنا لا تطلق مالم تطلق نفسها. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/ ٥١٢، رقم: ٦٧٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۷۰۶/۴۱)

شوہر نے تین طلاق دیں اور بیوی نے نہیں سنا تو

سوال [۶۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں رئیس خان ولد دولہ خاں، محلّہ نالہ پار، رام پور، مؤرخہ: ۲۰۰۲/۸/۱۰ء عرض یہ ہے کہ میرے گھر میں اختلاف ہونے کی وجہ سے میں نے غصہ میں آکر لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں، مگر بیوی کا کہنا ہے کہ میں نے سنا ہی نہیں، میرے تین چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ آپ اس کا کوئی حل بتائیں کہ میرے لئے بیوی کو گھر لانے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟ بیوی گھر آنا چاہتی ہے۔

المستفتی: رئیس خاں، نالہ پارہ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب رئیس خاں نے لوگوں کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں اور بیوی رئیس خاں پر بالکل حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸۸، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۶۷۲)

کیا بیوی کے سنے بغیر شوہر کے اقرار سے طلاق واقع ہوجائے گی؟

سوال [۶۶۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رخسانہ بیگم ولد شمس الدین یہ کہتی ہے کہ میں قرآن شریف پڑھ رہی تھی، میں نے لوٹے میں پانی بھر کر رکھ دیا، ان کا منھ دھونے کے لئے، انہوں نے لوٹے کا پانی پھینک کر مجھے گالیاں دینی شروع کردیں اور گھر سے باہر نکل کر تین بار طلاق کا لفظ استعمال کیا، محلّہ کے بھورے بھائی نے سنا رخسانہ بیگم کہتی ہیں کہ مجھے آواز نہیں آئی کہ انہوں نے طلاق دی یا نہیں؟ لڈن خاں ولد ببن خاں یہ کہتے ہیں کہ ہاں میں نے گھر سے باہر گلی میں تین بار طلاق کا لفظ استعمال کیا۔ قرآن وحدیث سے جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: چاند میاں، کٹار شہید، گنگ میڈیکل، والی گلی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہرلڈن خاں خود تین بار طلاق کا اقرار کرہا ہے؛ لہٰذا لڈن کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اور طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں ہے۔ اب بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۵۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۱ھ

بیوی کی عدم موجودگی میں تین طلاق

سوال[٦٦٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں عبد الغنی بن عبد الستار، عمر ٦٦/ سال گھریلو معاملات میں بچوں کے ساتھ نزاعی بحث وتکرار میں میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں؛ حالانکہ میری بیوی اس وقت موجود بھی نہیں تھی، میں نے یوں کہا ’’ میں تمہاری ماں کو طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق‘‘۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغنی ولد عبدالستار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے لئے بیوی کا سامنے موجود ہونا ضروری نہیں، اگر بیوی کی عدم موجودگی میں بھی طلاق دی جائے، تو طلاق واقع ہوجاتی ہے؛

لہٰذا مسئولہ صورت میں آپ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔اب بلا حلالہ شرعیہ ونکاح جدید کے ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۹/۴۲)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۲/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/شعبان ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۳۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۸/۱۷ھ

بیوی اور گواہوں کی عدم موجودگی میں تین طلاق

سوال [۶۶۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی تقریباً دس سال پہلے ہوئی تھی، میرا نام محمد راحت ہے، پہلی شادی شمع پروین سے ہوئی تھی، کچھ آپسی جھگڑے کے سبب میں نے انہیں تین بار ”طلاق، طلاق، طلاق“ کہہ دیا تھا، اس وقت دو افراد اور میں تھا، جن میں ایک عورت ایک مرد تھا؛ لیکن اب ہم دونوں پھر سے اپنے بچوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اس کا کیا حل ہے؟ آپ ہمیں بتائیں اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد راحت، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی یا گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے، اس کے بغیر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں درج شدہ شکل میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔اب بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام

ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب آئندہ اگر دونوں میاں بیوی بن کر ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو حلالۂ شرعیہ کے بغیر ساتھ رہنے کی کوئی شکل نہیں ہے اور حلالۂ شرعیہ کی شکل یہ ہے کہ تین ماہواری سے بیوی کی عدت پوری ہوجانے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کر کے ہمبستری ہوجائے اور پھر وہ شوہر طلاق دیدے اور دوبارہ عدت گذر جانے کے بعد شوہر اول نکاح کر لے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/٥۳٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب لمرجب ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۲۲/۱۰)

بیوی کا نام لئے بغیر ''طلاق، طلاق، طلاق'' کہنا

سوال [٦٦٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں حبیب احمد ولد فدا حسین محلّہ لالباغ کا ہوں، میاں بیوی میں تکرار ہوا، میں نے وجد سے جنون میں آکر اپنی بیوی رئیس فاطمہ کو طلاق، طلاق، طلاق، تین مرتبہ کہدیا؛ لیکن نام کسی کا نہیں لیا، اس کی گواہ روبرو میری سالی نفیس فاطمہ موجود تھی اور میرے چچا جید ولد محمد حسن نے لفظ طلاق کا سنا ایک مرتبہ لیکن نام نہیں سنا۔

المستفتی: حسیب احمد ولد فدا حسین، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق واقع ہونے کے لئے عورت کا سامنے موجود ہونا یا عورت کا نام لینا یا طلاق کے الفاظ کا سننا یا شوہر کے اقرار کرتے ہوئے گواہوں کا

ہونا شرط نہیں ہے۔ نیز طلاق صریح میں وقوع طلاق کے لئے نیت لازم نہیں ہے، غصہ اور بیوی سے جھگڑے کا موقع ہے یہی قرینہ اور دلالت حال وقوع طلاق کے لئے کافی ہے، طلاق کے لئے نسبت یا اضافت طلاق صراحۃً ہونا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا اس سوال نامہ کی درج شدہ حالت میں حبیب احمد ولد فدا حسین کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوگئی ہے۔ اب بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۴۳۹/۲، دار العلوم ۹/۷، کفایت المفتی ٦/۳۷)

ولایلزم کون الإضافة صریحة في کلامه (إلی قوله) لأن العادة أن من له امرأة، إنما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها. (شامي، کراچي ۳/۲٤۸، کوئٹه ۲/٤٦٦، زکریا ٤٥٨/٥، البحر الرائق، کوئٹه ۳/۲٥۳، زکریا ۳/٤٤۲)

ولایحتاج إلی نیة؛ لأن الصریح موضوع للطلاق شرعاً، فکان حقیقة فیه فاستغني عن النیة. (مجمع الأنهر، شرح ملتقي الأبحر، قدیم ۱/۳۸٦، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۱۱، شامي، کراچي ۳/۲٥۱، زکریا ٤/٤٦١، الجوهرة النیرة، امدادیة ملتان ۲/۱۰۲، دارالکتاب دیوبند ۲/۹۹، البحرالرائق ۳/۲٥۱، زکریا ۳/٤۳۷)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷٦)

متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۳٥٦، جدید ۱/٤۲۳)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/٤۷۳، جدید ۱/٥۳٥، هدایة اشرفي دیوبند ۲/۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴٦/۳۴)

بیوی کا نام لےکر تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٦٦٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کی بیجا و بےانتہا نافرمانیوں کی وجہ سے محلّہ کے کچھ معززین کے سامنے اپنی بیوی کا نام لےکر کہا، میں نے رخسانہ پروین کو طلاق دی، یہ جملہ زید نے تین مرتبہ دہرایا۔ اب دریافت یہ ہے کہ رخسانہ پروین کو طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: مہدی حسن ولد محمد رفیق، صالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دے دی ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/٤٧٣، جديد ۱/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ٥/۱٤٧، رقم:۷٥۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍ ۵۵۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۲۲ھ

بیوی کی طرف اشارہ کرکے تین طلاق دینا

سوال [٦٦٧٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ میں نے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح دو حقیقی بھائیوں سے اب سے تقریباً ۱۵/ماہ پہلے دوتائی ضلع: غازی آباد میں کیا تھا، چھوٹی بیٹی فرحا خاتون اور اس کا شوہر منقاد احمد الحمد للہ صحیح طریقہ سے ازدواجی زندگی گذار رہے ہیں؛ لیکن بڑی بیٹی عائشہ خاتون اور اس کے شوہر شاہ محمد میں شروع سے ہی ان بن سی رہتی ہے، شوہر کی لائن ڈرائیوری کی ہے بہت پریشان کرتا ہے بے جا طریقہ سے مارتا رہتا ہے بار بار یہ الفاظ کہتا ہے کہ اپنے باپ کو بلا لے اور اپنا سامان بھر کے لیجا، مجھے تیری ضرورت نہیں کہہ دینا کہ میرے پاس پیسے نہیں ہے، یہ عادت رہی۔ ۳۰/اپریل ۲۰۱۱ء رات میں میری بڑی بیٹی سے پیسے مانگنے لگا، بڑی بیٹی نے کہا میں کہاں سے پیسے دوں، اس پر دونوں میں رات ۱۱/ بجے بحث چلتی رہی، پھر باہر سے اندر مکان میں مارنے کے لئے لیجانے لگا، اسی کھینچا تانی میں چھوٹی بیٹی کی آنکھ کھل گئی، اس نے اس منظر کو دیکھا تو اس نے اپنے بڑے بہنوئی جیٹھ سے کہا تم مار کے دکھاؤ کیسے مارو گے؟ میں ابھی ابا کو فون کرتی ہوں، تو وہ چھوٹی بیٹی کو لپٹ گیا اور مارنے کی کوشش کی، تو بڑی بیٹی یعنی اس کی بیوی نے دونوں کو الگ کر دیا، اس پر غصہ میں اس نے اپنی بیوی میری بڑی بیٹی کو ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ یہ الفاظ غصہ میں اپنی زبان سے کہے ”طلاق، طلاق، طلاق،“ جبھی میری چھوٹی بیٹی نے رات ۱۲/ بجے مجھے فون پر ساری باتیں تفصیل سے بتلائیں، رات بھر پریشانی میں گذری صبح میں دوتائی پہنچا، محلّہ کے سب لوگ جمع ہوگئے، ایک مولانا کو بلایا وہ آئے سارا قصہ سن کر انہوں نے لڑکے سے قسم دے کر معلوم کیا، کیا تم نے یہ الفاظ کہے ہیں، تو اس نے صاف انکار کر دیا اور دونوں بیٹیاں قسم کھا کر یہ کہہ رہی ہیں کہ طلاق، طلاق، طلاق، غصہ میں ہاتھ سے ایسے اشارہ کرتے ہوئے جیسے ہاتھ سے کوئی چیز دیتے ہیں تین مرتبہ کہا ہے، سب کے مشورہ سے میں اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے آیا ہوں۔ اب لڑکا اور دوسرے لوگ لے جانے کے لئے بار بار فون کر رہے ہیں، شرعاً بتلایا جائے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس حالت میں لڑکی کو بھیجنا اور لڑکی

کا جانا شرعاً صحیح ہے یانہیں؟ آپ کے شرعی جواب پر اگلے حالات موقوف رہیں گے، شدت سے جواب کا منتظرلڑکی کا باپ محمد صلاح الدین پسر چودھری امام الدین صاحب۔

المستفتی: محمد صلاح الدین، قصبہ: ڈھکہ، تحصیل: حسن پور، جے پی نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب طلاق دیتے وقت بیوی وہاں موجود تھی اور بیوی کی طرف اشارہ کے ساتھ تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کہا اور بیوی نے خود سنا ہے اور اپنے سننے پر پورا یقین ہے، تو ایسی صورت میں اس کے لئے شوہر کے یہاں بغیر حلالہ کے جانا قطعاً جائز نہیں ہے، اگر شوہر انکار کررہا ہے، تو خلع وغیرہ کے ذریعہ سے اس سے جدائے گی حاصل کرلے اور اگر وہ خلع پر تیار نہیں ہے، تب بھی بیوی کو اپنے یقین کی وجہ سے شوہر کے پاس جانا جائز نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۶)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٦٣، كراچي٣/٢٥١)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۴۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۵ھ

بیوی کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے تین طلاق دینا

سوال [۶٦٧١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد نواب شیری نے اپنی بیوی شاہدہ خاتون کو چوری کی ہوئی چیز برآمد ہونے پر؛ جبکہ اس کا بھائی بھی عین موقع پر موجود تھا، اس طرح کہا کہ یہ میرے کسی کام کی نہیں ہے، میں نے یہ اشارہ کر کے انگلی سے کہا طلاق دی، میں نے اسے طلاق دی، میں نے اسے طلاق دی، ایسی حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں اگر طلاق واقع ہوئی ہے، تو دوبارہ نکاح کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد اسلام شیری گرام، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب میاں بیوی کا ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی اور اگر ساتھ رہنا چاہیں، تو شرعی طور پر حلالہ کرانا لازم ہوگا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد بیوی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری کرے، پھر اس کے بعد شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دیدے، یا اس کا انتقال ہوجائے، اس کے بعد عدت پوری ہونے پر شوہر اول محمد نواب شیری کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلٰثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣)

ولاتحل الحرة بعد الطلقات الثلاث لمطلقها. لقوله تعالیٰ: فإن طلقها فلا تحل له. [البقره: ۲۳۰]

من بعد الآية......إلا بعد وطئ زوج آخر......بنكاح صحيح......ومضى عدته أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲٦/ ۲۲۵۸)

شوہر کا تین مرتبہ طلاق دینا اور بیوی کا نہ لینا

سوال [۲٦٦٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے میاں بیوی کے جھگڑے کے دوران پہلی مرتبہ میں نے کہا تجھے طلاق دی، پھر دوبارہ کہا، طلاق دی، طلاق دی۔ بیوی نے کہا میں نے نہیں لی، میں نے نہیں لی ،میں نے نہیں لی، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ نیز غصہ کی وجہ سے میرا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا، مگر طلاق دینا سب یاد ہے۔

المستفتی: محمد شمیم پاکباڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین مرتبہ طلاق دینا یاد ہے، تو مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب دوبارہ بلاحلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٣ ٧٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شوال المکرّم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۱۷۳)

میں نے تجھے طلاق دی، تین مرتبہ کہنا اور بیوی کا ہر مرتبہ انکار کرنا

سوال [۶۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی سے تین مرتبہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، اور بیوی ہر مرتبہ انکار کرتی رہی اور چلانے لگی، ان کے سامنے کئی عورتیں بھی تھیں۔ نیز میں نے طلاق غصہ کی حالت میں دی تھی، جس کا مجھے بعد میں افسوس ہوا۔

المستفتی: محمد اقبال، محلّہ: بی اے سی پاس فقیر آباد، مراد آباد (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی ہے۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كراچي ٣/٣٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦، فتاوى دارالعلوم ٩/٣١٥)

لہٰذا اب بلا حلالہ شرعی کے دوبارہ آپس میں نکاح بھی نہیں ہوسکتا، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ تین حیض گذرنے کے بعد عورت کسی دوسرے سے شرعی نکاح کرلے اور اس کے ساتھ

ہمبستری بھی ہو جائے، پھر وہ اپنی مرضی سے طلاق دیدے، تو پھر عدت گذرنے کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح کرلے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة (إلى قوله) لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣)

ولاتحل الحرة بعد الطلقات الثلاث لمطلقها. لقوله تعالىٰ: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره. [البقرة:٢٣٠]

من بعد الآية......إلا بعد وطئ زوج آخر......بنكاح صحيح......ومضى عدته أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/٨٨)

اور بیوی کا انکار کرنا اور نہیں کہنا طلاق کے واقع ہونے میں مانع نہیں ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف۲۳؍۶۸۲)

بیوی صرف ایک طلاق کا اقرار کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۶۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی، وہاں موجود عورتوں نے کہا کہ زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دی ہیں، زوجہ کا کہنا ہے کہ میں نے ایک طلاق سنی ہے، دریں اثنا زید نے باہر آکر ۲؍آدمیوں سے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: عبدالستار بیگ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ طلاق بیوی کا سننا ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا جب زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں اوراس پر شرعی گواہ بھی موجود ہیں، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر زید پر حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ کے زید کے لئے وہ بیوی حلال نہ ہوگی۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة--لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ / شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۸۰۸/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۶ھ

فون پر نشہ کی حالت میں تین طلاق دینا

سوال [۶۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کریم نے کویت سے فون پر اپنی بیوی عائشہ بیگم کو یہ کہا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق، آج سے تجھے شادی کے رشتہ سے آزاد کرتا ہوں، اس کے بعد اس نے فون رکھدیا، کچھ دنوں بعد جب دوسری مرتبہ کریم کا فون آیا، تو اس نے اپنے سالے منا سے بات کی، جس میں اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ مجھ سے ایک یہی غلطی ہوگئی کہ میں نے طلاق دیدی، اس کے علاوہ میری کوئی دوسری غلطی نہیں ہے، کریم کے اس اقرار کو جو اس نے فون پر کیا کئی آدمیوں نے اور بھی سنا، جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ کریم نے طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے، ان تمام باتوں سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ عائشہ بیگم کو تین

طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ اب وہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے، اب وہ تمہارے گھر نہیں جائے گی، تو کریم کہتا ہے کہ طلاق نہیں واقع ہوئی ہے؛ اس لئے کہ میرے طلاق دینے پر کوئی گواہ نہیں ہے۔ اور میں نے شراب پی کر نشہ کی حالت میں طلاق دی ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جس طرح شادی گواہوں کی موجودگی میں ہوتی ہے، طلاق بھی گواہوں کی موجودگی میں ہوگی، تو طلاق کا اعتبار ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا۔ نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے کویت کے عالموں سے معلوم کیا ہے، تو وہاں کے عالموں نے کہا ہے کہ طلاق نہیں واقع ہوئی ہے؛ اس لئے میری بیوی میرے نکاح میں موجود ہے، میری بیوی کو تم لوگ میرے گھر بھیج دو۔

حالانکہ دوسری طرف عائشہ بیگم طلاق کا لفظ اپنے کانوں سے سن لینے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہے، وہ گناہ میں مبتلا ہونا نہیں چاہتی ہے؛ لہٰذا آپ حضرات شریعت مطہرہ کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ عائشہ بیگم پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ کیا طلاق کے لئے گواہ کا ہونا ضروری ہے یا بیوی اور شوہر کا اقرار ہی کافی ہے؟ کیا شراب پی کر طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؟ عائشہ بیگم اپنے شوہر کے لئے حلال ہے؟ کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ ایسی حالت میں زندگی گذار سکتی ہے؟ کویت کے عالموں کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ ان تمام باتوں کا الگ الگ تفصیل سے جواب دے کر ہم تمام لوگوں کی صحیح رہنمائی فرمائیں تاکہ ہم لوگ صحیح طریقہ پر چل سکیں اور حلال طریقہ پر زندگی گذار سکیں اور حرام سے بچ سکیں۔

المستفتی: انوار خان بہمنی سری کالاہستی، چتور (اے پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فون پر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور شراب پینے کے بعد نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب شوہر نے خود طلاق دینے کا اقرار کیا ہے، تو اس سے طلاق واقع ہوگئی ہے، اب تاویلات اور حیلہ بازی سے عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی؛ لہٰذا جس وقت طلاق دی ہے، اس وقت سے تین ماہواری گذر جانے کے بعد عدت پوری ہوجائے گی اور عدت پوری کرنے کے بعد لڑکی اپنی مرضی سے جہاں چاہے

جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے اور مذکورہ واقعہ میں عائشہ بیگم کریم کی بیوی نہیں رہی اور کویت کے عالموں کے حوالہ سے طلاق واقع نہ ہونے کی جوبات کہی گئی ہے وہ درست نہیں ہے۔

ویقع الطلاق کل زوج عاقل بالغ.........ولو هازلاً، أوسكران، ولو نبيذ، أو أفيون، أو بنج زجراً به يفتي الخ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچي ٣/٢٣٥ تا ٢٤٠، زكريا٤/٤٣٨تا٤٤٦)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً لا ديانة. (شامي، كراچي ٣/٢٣٦، زكريا٤/٤٤٠)

قال الله تعالىٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقره:٢٢٨]

عن عائشة قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (سنن ابن ماجه، الطلاق، باب خيار الأمة إذا اعتقت، النسخة الهندية ١٥٠، دارالسلام رقم:٢٠٧٧) **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۸۳/۳۸)	۱۴۲۹/۴/۲۶ھ

فون پر تین طلاق دیدیں

سوال [٦٦٧٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے فون پر بات کرتے ہوئے کہا کہ طلاق، طلاق، طلاق، طلاق، پانچ چھ مرتبہ کہا، ابھی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ بیوی نے فون کاٹ دیا، تو اس عورت پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد دربھنگہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص نے اپنی بیوی کو چار یا پانچ مرتبہ فون

پر طلاق طلاق کہا، تواس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں۔ اب بغیر حلالہ وہ عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ میرٹھ ۳۷۶/۱۸، کفایت المفتی جدید، زکریا ۳۱/۶، جدید ادارۃ الفاروق، کراچی ۸۶/۸، آپ کےمسائل ان کا حل جدید زکریا ۴۷۰/۶)

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، زكريا ٤/ ٥٢١، كراچي ٣/ ٢٩٣)

لـو قـال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٢٧٦)

متى كـرر لـفـظ الـطـلاق بـحـرف الواو، أو بغير حرف الواويتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٦، جديد ١/ ٤٢٣)

وفي الظهيرية: متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (الفتاوى تاتارخانية، زكريا ٤/ ٤٢٧، رقم: ٦٥٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۳۸۵/۴۰)

فون پر تین طلاق دینا

سوال [۶۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں یاسمین عالم بنت خورشید عالم، ساکن مرادآباد، میری شادی مہتاب خان عرف خرم ولد اسلام بخش مرحوم کے ساتھ ۲۸/ جنوری ۲۰۰۱ء کو ہوئی تھی، شوہر کی طرف سے مستقل ظلم وستم ہوتا رہتا ہے، شراب پی کر گھر آ کر مجھ سے لڑتے اور مجھے مار توڑ کرتے رہتے ہیں اور بار بار ایسا ہو چکا ہے، جب زیادہ مار دھاڑ اور لڑائی کرتے ہیں، تو میں اپنے والدین کے یہاں مرادآباد آ کر بیٹھ جاتی ہوں، پھر وہ بلاتے ہیں اور میرے ماں باپ سے کہتے ہیں کہ اب لڑائی جھگڑا نہیں کروں گا، تو میرے ماں باپ بھیج دیا کرتے تھے، ایسے میں چھ سال گذر گئے،

اس درمیان میرا ایک بیٹا بھی ۳؍دسمبر ۲۰۰۵ء کو ہوا تھا اور اب ادھر آ کر جھگڑا زیادہ ہونے لگا۔ ۱۸؍جنوری ۲۰۰۸ء کو سخت لڑائی ہوئی اور مجھے انہوں نے بہت زیادہ مار دھاڑ کی، جس کے نتیجے میں میں ۱۹؍جنوری کی صبح کو مرادآباد اپنے والدین کے یہاں آ گئی اور ۲۸؍فروری کی رات کو گیارہ بج کر ۴۰؍منٹ پر انہوں نے مجھ سے فون پر گفتگو کی اور سخت جھگڑا کیا، اور گالی گلوچ کی اور مجھے اور میرے بیٹے کو جان سے مارنے کی دھمکی دی اور اسی دوران تین مرتبہ طلاق دی اور اس طریقہ سے کہا کہ ''تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' تین مرتبہ کہا اور میں نے خود یہ الفاظ اپنے کان سے سنے، تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتیه: یاسمین عالم بنت خورشید عالم، پکاباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے جو فون پر بیوی کو تین مرتبہ طلاق دیدی ہے، اور بیوی نے اپنے کان سے طلاق کے الفاظ سنے ہیں اور شوہر فون پر طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے، تو ایسی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی، آئندہ بغیر حلالہ کے نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: جدید فقہی مسائل ۱؍۳۰۵)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، كذا في الهداية. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً لا ديانة. (شامي، زكريا ٤/٤٤٠، كراچي ٣/٢٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۵۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۳؍۳؍۱۴۲۹ھ

دوطلاق کے بعد پھرفون پرتیسری طلاق

سوال [۶۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کودوسال پہلے دوطلاق دی تھیں، حضرت مفتی صاحب سے مسئلہ معلوم کرکے رجوع کرکے ساتھ رہنے لگا اوراب چار ماہ پہلےفون پرایک طلاق دی ہے، اور اس آخری طلاق کے بارے میں میری بیوی کا دعویٰ ہے کہ میں نے طلاق نہیں سنی؛ جبکہ میں نے طلاق دیدی ہے، ہمارے اوراس کے درمیان اس آخری طلاق سے جدائے گی ہے، اس سلسلے میں میری بیوی کے گھر والوں نے ڈاکٹر ذاکر نائک سے انٹرنیٹ کے ذریعہ سے معلوم کیا، جس میں انہوں نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، اس بیوی سے میراایک لڑکا ہے، جس کی عمر دوسال ایک مہینہ ہے، اگر طلاق واقع ہوگئی ہے، تو کیا اس صورت میں میرابیٹا اپنی ماں کے پاس رہے گا یا میرے پاس اوراگر ماں کے پاس رہتا ہے، تو کتنی مدت تک رہے گا، اس وقت میرابیٹا اپنی ماں کے ساتھ اپنی نانی کے گھر ہے، اگر طلاق واقع ہوگئی ہے، تو کیا جب تک بچہ اپنی ماں کے پاس رہے گا، اس عرصہ کا خرچ مجھے دینا ہوگا یانہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرماکرممنون ومشکورفرمائیں۔

المستفتی: محفوظ عالم محلّہ: مقبرہ، درگاہ، متصل بڑی مسجد مرادآباد(یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت نے شوہر کوزندگی میں تین طلاق دینے کا اختیار دیا ہے، جن کو وہ ضرورت پڑنے پر دے سکتا ہے؛ لہٰذا جب شوہر نے دوسال پہلے دوطلاق دے کر رجعت کرلی تھی، اس کے بعد تیسری طلاق دے دی، تو اس سے بیوی شوہر کے لئے قطعی طور پرحرام ہوگئی ہے؛ لہٰذا اس کوبغیر حلالہ شرعیہ کے اپنے پاس زوجہ بنا کر رکھنا ناجائز اورحرام ہے۔ اور سات سال سے کم عمرلڑکے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہوتا ہے اوراس دوران بچہ کا مناسب خرچہ باپ کے ذمہ لازم ہے اورسات سال کے بعد ماں کوحق

پرورش باقی نہیں رہتا ہے؛ اس لئے سات سال کے بعد باپ لڑکے کو اپنے پاس رکھنا چاہے تو اسے اس کا اختیار ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۵۶۸)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلی اللہ علیه وسلم: عن الرجل یطلق امرأته ثلاثاً، فیتزوجها الرجل، فیغلق الباب ویرخي الستر، ثم یطلقها قبل أن یدخل بها، قال: لا تحل للأول حتی یجامعها الأخر. (نسائي شریف، النسخة الهندیة ۲/ ۸٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره، نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (هندیة، زکریا قدیم ۱/ ٤٧٣، جدید ۱/ ٥٣٥، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۸۸، هدایة اشرفي دیوبند ۲/ ٣٩٩)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ٣٧٦)

والحاضنة أما أوغیرها أحق به: أي بالغلام حتی یستغني عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی. (الدر المختار مع الشامي، زکریا ٥/ ۲٦٧، کراچي ٣/ ٥٦٦)

ویجبر الأب علی أخذ الولد بعد استغنائه عن الأم؛ لأن نفقته وصیانته علیه بالإجماع. (شامي، زکریا ٥/ ۲٦٨، کراچي ٣/ ٥٦٦، ملتقی الأبحر مع مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱٦٩، هندیة، زکریا قدیم ۱/ ٥٤۲، جدید ۱/ ٥٩۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۵۳/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۲۹ھ

فون پر تین طلاق دینے کا اقرار کرنا

سوال [۶۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ نصیر کا نکاح رشیدہ سے ہوا، سامان جہیز اور نقد روپیہ زیادہ نہ ملنے کی وجہ سے رشیدہ کو گالی گلوچ اور مار پیٹ کرنا شروع کردیا اور طلاق کی دھمکی دی جانے لگی، حتی کہ موبائل فون پر اپنی بیوی کو نصیر نے طلاق دیدی۔ رشیدہ نے جب اپنے والدین اور رشتہ داروں سے تذکرہ کیا، تو اس نے انکار کیا، پھر جب لوگوں نے دباؤڈالا تو اقرار کیا کہ ہم نے دوطلاق دی تھیں اور دس دن بعد رجعت کرلی، مفتیان کرام نے اس بات کو مان کر دوطلاق رجعی کا فتوی دیا اور دونوں میں زوجیت قائم رہی؛ لیکن مطالبہ نقدی کو لے کر ناچاقی باقی رہی، پنچوں نے لڑکے کی بدسلوکی اور ظلم وستم کو دیکھتے ہوئے، اگریمنٹ (بونڈ) بنوا کر رخصتی کرادی، اگریمنٹ بننے کے بعد بھی نازیبا سلوک ظلم وستم باقی رہا، حتی کہ ۲۹ رمضان المبارک کے دن مارتے مارتے لڑکی کو بے ہوش کردیا، بعدۂ اس نے موبائل پر چند دنوں بعد پھر کہا کہ دوطلاق پہلے دیدی تھیں اور ایک طلاق باقی تھی، وہ بھی ہم نے دیدی، تم کو رکھ کر ہم کیا کریں گے، تم کو سزا دے کر ختم کردینا ہے، لڑکی نے مزید دریافت کیا کہ اب ہمارا آپ کا کوئی تعلق اور رشتہ نہیں رہا، جواب ملا کہ نہیں، تمہارا ہمارا کوئی رشتہ نہیں، لڑکی رونے لگی اور اپنے رشتہ داروں کو خبر کردی۔

لڑکا پھر اپنے باپ سے بات کررہا تھا، باپ نے پوچھا کہ تم نے کیا کہا، تمہاری بیوی روتی ہے اور کہتی ہے کہ طلاق دیدی ہے، تو کیا ہوا ہم کہیں گے نہیں دی تو طلاق نہیں ہوگی، ان الفاظ کو دہراتے ہوئے ایک عورت نے کہا کہ خوب ہے، طلاق بھی دیدی اور کہتا ہے کہ ہم انکار کردیں گے، تو طلاق نہیں ہوگی اس تمام گفتگو کو سننے والی چار عورتیں اور ایک سولہ سال کا لڑکا بھی ہے، اس کے بعد گاؤں میں پنچایت ہوئی اور پنچوں نے طرفین کے بیانات وگواہوں کے بیانات سن کر لڑکے سے مزید دریافت کیا کہ اب کیا کروگے، تم طلاق دے کر انکار بھی کرتے ہو، تو انہوں نے پنچوں سے کہا کہ آپ لوگ جو بھی فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہے، نبھنے کی کوئی صورت نہیں ہے، پنچوں کا فیصلہ ہوا کہ مہر دین وسبھی لین دین دے کر دونوں فریق آزاد ہوجائیں۔

دونوں فریق نے فیصلہ کو مان کر لڑکے نے چالیس ہزار روپئے پنچوں کے حوالہ کر دیئے اور باقی روپئے کے لئے ایک مہینہ کی مہلت لی، ایک مہینہ کے بعد جب پنچوں نے مزید روپیوں کا مطالبہ کیا تو لڑکے کی طرف کے دیگر لوگوں نے مداخلت کر کے رکوادیا اور کہا جاتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی۔ دریں صورت موبائل پر کہنا کہ ہم نے دیدی ہے، تو کیا ہوگا ہم کہیں گے نہیں دی، تو نہیں ہوگی اور پنچوں کے فیصلہ کو مانتے ہوئے روپئے جمع کر دینا اقرار طلاق ہے یا نہیں؟

مزید یہ کہ رشیدہ دینی علوم سے واقفیت رکھتی ہے اس کا کہنا ہے کہ اللہ کی قسم کھا کر میں کہتی ہوں کہ میرے شوہر نے موبائل پر مجھے طلاق دیدی ہے، تینوں طلاق کے بعد اب میں شوہر مذکورہ کے پاس کسی حال میں نہیں رہ سکتی؛ چونکہ اب مزید رہنا حرام کاری ہے، آدمی چاہے جو کہے لیکن خدا تو دل کا حال بھی جانتا ہے، مرنے کے بعد میں خدا کو کیا جواب دوں گی، گود میں ۹ر مہینہ کی بچی بھی ہے۔

المستفتی: راشق الہدیٰ، سمستی پور، لادھ کیسیا، ضلع ابزرگ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال مسئولہ صورت میں جب شوہر نے فون پر طلاق دینے کا اقرار کیا ہے اور اس پر گواہ بھی موجود ہیں اور پھر اس نے پنچوں کو اپنے معاملہ کا مختار بنایا اور پنچوں نے بھی دونوں کے درمیان آزادی اور تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو اب حکم شرعی یہ ہے کہ رشیدہ پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب بدون حلالہ شرعیہ ان کے درمیان نکاح درست نہیں ہے اور بوقت نکاح جو مہر مقرر ہوا تھا شوہر کے ذمہ اس کا ادا کرنا لازم ہے۔

أقل ما يجوز في حقوق الناس فيما بينهم من الطلاق والعتاق .... شهادة رجلين، أو رجل، وأمرأتين. (المحيط البرهاني،

المجلس العلمي، بيروت ١٤٦/١٣، رقم: ١٤٨٧٤، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٢٦١)

وإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثاً، وجحد الزوج، والمرأة ذلك فرق بينهما. (تاتارخانية، زكريا ٥/ ١١٦، رقم: ٧٤١٣)

حكما رجلاً معلوما فحكم بينهما ببينة، أو إقرار، أونكول ورضيا بحكمه صح. (تنوير الابصار مع الدر المختار، كراچي ٥/ ٤٢٨، زكريا ٨/ ١٢٧)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة --لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۴۴/۳۹)

شوہر کا میں نے تم کو آزاد کیا تین بار کہنا

سوال [۶۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص شام کو کام سے فراغت پا کر گھر واپس آیا، بیوی سے کسی بات پر ناچاقی ہوگئی، بات یہاں تک بڑھ گئی کہ بیوی نے شوہر کو غلط ناشائستہ الفاظ بول دیئے۔ اب ظاہر ہے کہ شوہر کا غصہ مزید تیزی پکڑ گیا، تو شوہر نے اسی نازک حالت غضب میں کہا کہ میں نے آزاد کیا، میں نے آزاد کیا، میں نے آزاد کیا، تین مرتبہ یہ الفاظ بولے، اب وہ شخص کہتا ہے کہ جس وقت بیوی نے غلط اور ناشائستہ الفاظ بولے، تو اس وقت حالت غضب کی انتہا نہ رہی ایک دم چکر آیا اور یوں محسوس ہورہا تھا کہ زبردستی مجھ سے کوئی کہلوا رہا ہے نیت نہیں تھی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ

سے مذکورہ حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی، تو کوئی صورت ایسی نکل سکتی ہے کہ دوبارہ نکاح جڑ جائے؟

المستفتی: اچھن خاں، نرولی، چندوسی، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آزاد کیا کے الفاظ ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں طلاق صریح کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، جب شوہر نے ''میں نے آزاد کیا کا لفظ تین بار استعمال کیا ہے، تو اس سے بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا، دوبارہ نکاح کی صرف یہی ایک شکل ہے کہ عدت گذارنے کے بعد دوسرے مرد سے شادی کرے اور شوہر کی اس کے ساتھ ہمبستری ہوجائے، پھر شوہر ثانی ہمبستری کے بعد طلاق دیدے یا مرجائے تو اس کے بعد دوبارہ عدت گذرنے کے بعد یہی شوہر اول اس کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۱۶/۴، ۱۸/۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۶/۴ ۷، جدید ڈابھیل ۳۵۸/۱۲، امداد الفتاوی ۵۲۵/۴)

سرحتک وهو رها كر دم؛ لأنه صار صريحاً في العرف (إلى قوله) فإن سرحتک كناية؛ لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح، فإذا قال رها كردم: أي سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصلهُ كناية أيضاً، وماذلک إلا؛ لأنه غلب في عرف الناس استعمالهُ في الطلاق، وقد مر أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٢٩٩/٣، زكريا ٥٣٠/٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها، كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ٤٧٣/١، زكريا

جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۳۹۸)

’’آزاد کرتا ہوں‘‘ تین مرتبہ کہنے سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں عبدالرؤف نے اپنی بیوی کو اس کی بدزبانی پر یہ کہدیا کہ میں تجھے آزاد کرتا ہوں، میں نے تین بار کہدیا، اس وقت وہاں اور کوئی نہیں تھا، میری بیوی باہر گئی اور قریب کے ایک مرد نابینا اور ایک عورت کو بلا کر لے آئی، جب انہوں نے معلومات کی اور میری بیوی کی ضد برابر جاری تھی، تو اس کی ضد اور بحث پر میں نے ایک بار اور کہدیا، پھر ایک فتوی لیا، جس میں یہی احوال لکھے گئے، تو پھر مفتی صاحب نے جواب دیا کہ ایک طلاق بائنہ ہوئی ہے اور عدت میں نکاح کرلے پھر لڑکی ایک معزز شخص کے ساتھ میرے پاس آئی اور گاؤں والوں نے یہ دیکھ کر چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور فتوی میں بھی گنجائش ہے، میرا اس سے نکاح کرادیا، پھر کچھ مخالف لوگوں نے اپنا مضمون لکھ کر فتوی منگایا جس کا یہ جواب تھا کہ حلالہ کرنا چاہئے، اب جواب کو سنتے ہی مخالف لوگوں نے میرے اوپر اذان دینے تکبیر کہنے سے روک لگادی۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اذان دینا میرے لئے صحیح ہے یا نہیں؟ تکبیر کہنا کیسا ہے اور حلالہ کرانا ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرؤف، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب لفظ آزاد کرتا ہوں تین مرتبہ کہدیا ہے، اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی؛ اس لئے کہ ہمارے عرف میں لفظ آزاد کردینا طلاق کے لئے بولا جاتا ہے۔

سر حتک وهو رها كر دم؛ لأنه صار صريحاً في العرف (وقوله) رها كر دم: أي سر حتک يقع به الرجعي الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩، امداد الفتاوى٢/ ٤٢٥)

لہٰذا بلا حلالہ بیوی کو رکھنا جائز نہ ہوگا؛ لیکن جب آپ نے کسی عالم کے فتوی کے مطابق بلا حلالہ نکاح کرلیا ہے، گواس فتوی میں لکھنے والے سے غلطی ہوگئی ہے، شریعت کے مطابق آپ فاسق نہیں ہیں، آپ کے مسجد میں جانے کی وجہ سے مسجد ناپاک نہیں ہوئی، اورآپ کے لئے اذان دینا تکبیر کہنا سب شرعی طور پر جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ بیوی کوحلالہ سے قبل نہ رکھیں اور ماضی سے توبہ کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۴/ ۱۴۱۵ھ

بیوی کے مطالبہ پرشوہر کا تین طلاق دینا

سوال [۶۶۸۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے بیوی کے مطالبہ پروکیل کے سامنے کہا ''میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، تیسری مرتبہ لفظ طلاق کہنے کے بعدغم اوررنج کی وجہ سے آواز بند ہوگئی تھی۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوئیں اوردوبارہ ازدواجی زندگی کی کیا شکل ہے۔

المستفتی: احمد حسن صدیقی، ملکیان، سیوہارا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر کے دومرتبہ طلاق کہنے کے بعد تیسری مرتبہ طلاق دی کے الفاظ کہہ چکنے کے بعدآواز بند ہوئی، تواب ایسی صورت میں طلاق مغلظہ

واقع ہوچکی ہے؛ لہٰذا حلالہ شرعیہ اور نکاح جدید کے بغیر میاں بیوی کا تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣)

لو قال لزوجته : أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶؍۷۳۱۷)

بیوی کے مطالبہ پر ”جا میں نے تجھے طلاق دی“ تین مرتبہ کہنا

سوال [۶۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں محمد عاقل اور میری بیوی کے درمیان کچھ باتیں غصہ اور ناراضگی کی ہوگئیں، اسی درمیان بیوی نے مجھ سے طلاق مانگی، اس پر میں نے تین بار یا چار بار یہ کہہ دیا کہ ”جا میں نے تجھے طلاق دی“ اب اس صورت میں بعد میں ہم دونوں پچھتا رہے ہیں اور دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اس کے لئے شریعت میں کوئی شکل ہو تو ہم کو بتایا جائے۔

المستفتی: محمد عاقل، مغلپورہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس کے تکرار کے دوران جب عاقل نے اپنی بیوی کو اس کے طلاق مانگنے پر تین بار چار بار طلاق دی کے الفاظ کہہ دیئے ہیں، اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب آپس میں دونوں ایک دوسرے پر بالکل حرام ہوگئے ہیں۔

اب اگر دونوں دوبارہ ساتھ رہنا چاہیں تو صرف حلالہ کا طریقہ ہوسکتا ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ جس دن طلاق کا واقعہ پیش آیا ہے، اس دن کے بعد سے تین ماہواری گذرنے تک عدت گذارنا بیوی پر لازم ہے، اس کے بعد بیوی کا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہوجائے، پھر اس کے ساتھ ہمبستری بھی لازم ہے، اس کے بعد وہ دوسرا شوہر طلاق دیدے اور اس کی طلاق کے بعد بھی تین ماہواری کے ساتھ عدت گذارنا لازم ہے، اس کے بعد محمد عاقل کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے۔

قالت لزوجها: من باتو نمي باشم، فقال الزوج: مباش، فقالت: طلاق بدست تو است مرا طلاق كن، فقال الزوج: طلاق مي كنم، طلاق مي كنم، وكرر ثلاثا طلقت ثلاثاً. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۳۸٤، جديد ۱/ ٤٥٢)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/ ۲۹۳، زكريا ٤/ ۵۲۱)

قال الله تعالىٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [سورة البقره:۲۲۸]

عن عائشة رضـ قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (ابن ماجة، الطلاق، باب خيار الأمة إذا اعتقت، النسخة الهندية ۱۵۰، دارالسلام رقم:۲۰۷۷)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. كذا في الهداية. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، زكريا جديد ۱/ ۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۷۴)

بیوی کے اصرار پر شوہر کا تین طلاق دینا

سوال [۶۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۴/اگست ۲۰۱۰ء کو کافی دنوں کے تکرار کے بعد اپنی اہلیہ ہما کو کئی مرتبہ کے اصرار پر ان کے دو بھائیوں کی موجودگی میں تین مرتبہ طلاق دیدی، وہ اسی وقت اپنے دو بھائیوں کے ساتھ اپنی والدہ کے پاس نجیب آباد چلی گئی، جب اس سلسلہ میں دھامپور کے مفتی صاحب (جوکہ شہر امام بھی ہیں) سے رابطہ قائم کیا گیا، تو انہوں نے تحریری طور پر طلاق کا فتوی دیا، ہما کے گھر والوں نے یہ بات تسلیم نہیں کی، ان کا کہنا تھا کہ طلاق نہیں ہوئی ہے۔ بہر حال انہوں نے لڑکے محمد وسیم کو کسی طرح راضی کیا کہ وہ بنا کسی عدت حلالہ کے لڑکی کو ۳/بچوں کے ساتھ الگ مکان میں رکھے، اس میں محمد وسیم کی والدہ، بھائیوں، بھابھیوں، بہنوئیوں کسی کی بھی رضا شامل نہیں ہے، اب ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے؟ وسیم یا ان کی اہلیہ سے تعلق رکھیں یا نہیں؟ اور ان کے گھر آنا جانا رکھیں یا نہیں؟

المستفتی: شاہنواز، پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی کے اصرار پر شوہر محمد وسیم نے تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، اس کے بعد دونوں کا بغیر حلالہ کے رہنا بدکاری اور زنا کاری ہے، اس کی نحوست سے ادبار آسکتے ہیں، حدیث پاک میں اس کو علامات قیامت سے میں ایک خطرناک علامت بتلایا گیا ہے؛ لہٰذا متعلقین ورشتہ داروں پر لازم ہے کہ فوری طور پر دونوں کو الگ کردیں۔

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيره، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ۲۹۵/۱۲، رقم: ۱۳۴۲۹،مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية، بيروت ۳٤١/٤)

وفي رواية قال النبي صلى الله عليه وسلم: العسيلة الجماع. (مجمع الزوائد٤/ ۳٤١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم......يابن مسعودؓ إن من أعلام الساعة وأشراطها: أن يكثر أولاد الزنا، قلت: أبا عبد الرحمن وهم مسلمون؟ قال: نعم! قلت: أبا عبد الرحمن والقرآن بين ظهرانيهم؟ قال: نعم! قلت: أبا عبد الرحمن وأنّى ذٰلک؟ قال يأتي على الناس زمان يطلق الرجل المرأة، ثم يجحد طلاقها، فيقيم على فرجها فهما زانيان ما أقام. (المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي بيروت ۲۳۰/۱۰، رقم:١٠٥٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۲۰۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۰۹/۱۱/۱۶ھ

مطالبہ پر طلاق ثلاثہ دینے کی صورت میں عدت، مہر اور جہیز کا حکم

سوال [۶۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میں نے اپنی بیوی شبنم پروین کو تین طلاق اس کے مطالبہ پر دیدی ہیں،

اس سے پہلے بھی طلاق کا مطالبہ کرتی رہتی تھی، اس وقت بھی طلاق مانگ رہی تھی، میں نے غصہ میں طلاق دیدی ہے۔

(۲) اب میرے ہی گھر پر عدت گزار رہی ہے ۲۴ فروری کو طلاق ہوئی تھی کتنے دن عدت ہوگی اور عدت کے بعد کہاں رہے؟ میرے ہی گھر میں رہے یامیکہ جائے گی؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۳) مہراور جہیز کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد نوید خان، آزادنگر، سنبھل روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) طلاق خوشی میں نہیں دی جاتی ہے، غصہ ہی میں دی جاتی ہے، جب آپ نے اپنی بیوی کواس کے کہنے پر تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

والبدعي ثلاث متفرقة، وكذا بكلمة واحدة بالأولىٰ. (شامي مع الدر، زكريا٤/ ٤٣٤، كراچي ٣/ ٢٣٢، ٢٣٣)

(۲) آپ کے گھر پر عدت گزار سکتی ہے، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو؛ لیکن جب تک اس کی عدت پوری نہیں ہوجاتی آپ سے سخت پردہ لازم ہے اور ۲۴ رفروری کے بعد سے تین ماہواری گذرنے پر اس کی عدت پوری ہوجائے گی اور عدت پوری ہوتے ہی اس پر لازم ہے کہ اپنے میکہ چلی جائے؛ اس لئے کہ وہ آپ کے لئے مثل اجنبیہ؛ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آپ پر حرام ہوچکی ہے؛ کیونکہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ آپ کا نکاح بھی درست نہیں ہے۔

ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلقيا التقاء الأزواج، ولم يكن فيه خوف فتنة. (شامي، زكريا٥/ ٢٢٧، كراچي٣/ ٥٣٨)

وهي في حق حرة......تحيض لطلاق......بعد الدخول (إلى قوله) ثلاث حيض كوامل. (رد المختار مع الدر المختار ٥/١٨١-١٨٢، كراچي ٣/٥٠٤-٥٠٥)

(۳) مطلقہ بیوی کے مہر کی رقم اگر آپ پر باقی ہے، تو وہ اور جہیز کا سامان اس کو واپس کرنا آپ پر لازم ہے۔

بل كل أحد يعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله، وإذا ماتت يورث عنها. (شامي، كراچي ٣/١٥٨، زكريا ٤/٣١١)

ويتأكد المهر عند وطء، أو خلوة صحت......، أو موت أحدهما. (شامي، كراچي ٣/١٠٢، زكريا ٤/٢٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۰۶۵)

طلاق کے مسلسل مطالبہ پر شوہر کا ’’دی‘‘ کہنا

سوال [٦٦٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجھ جمیل احمد و یاسمین بیگم کے درمیان اپنے سسر صاحب جناب تصور حسین کے میرے بھائی کے رشتہ کے سلسلہ میں ناجائز برائی کرنے کی بناپر جھگڑا ہو گیا اور میرے کہنے کے باوجود بیوی نے بھی یقین نہیں کیا کہ جناب تصور حسین صاحب نے برائی کی ہے، اس بات کو لے کر کافی کہاسنی ہوگئی اور میری بیوی نے طلاق کی مانگ کی اور کہا کہ مجھ کو الگ کردو، یہ ورد میری بیوی نے صبح سات بجے سے دس بجے تک رکھا، تب میں نے کہہ دیا کہ دی، دی، دی، دی اور کہا کہ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ اور اس کے باوجود جب وہ جانے لگی تو روکا، جس کے درمیان برقع بھی پھٹا، جس کا ایک ٹکڑا میرے پاس ہے، میرے بعد دیگر لوگوں کے روکنے پر بھی وہ نہیں رکی۔

المستفتی: جمیل احمد ایڈوکیٹ، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی صبح ۷؍بجے سے ۱۰؍بجے تک مسلسل طلاق مانگتی رہی ہے اور اس مانگ اور مطالبہ پر آپ نے چار مرتبہ ’’دی‘‘ کہا ہے، تو ایسی صورت میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب دونوں کا ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی۔

ولو قالت: مرا طلاق کن، مرا طلاق کن، مرا طلاق کن، فقال: کردم کردم کردم تطلق ثلاثا. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ۳۸۳، جدید زکریا ۱/ ٤٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۳۱۸۷)

’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ تین مرتبہ کہنے سے طلاق

سوال [٦٦٨٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا شوہر محمد ارشاد مجھے آئے دن شراب پی کر مارتا پیٹتا تھا اور اکثر آئے دن طلاق دینے کو کہتا رہتا تھا، ایک دن آٹھ جون ۲۰۰۴ء کو مجھے بہت مارا اور تین بار کہا ’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ اور تو میرے گھر سے فوراً چلی جا میں اپنے بھائیوں کے گھر چلی آئی اور میرے شوہر محمد ارشاد مجھے چھوڑ کر دہلی چلے گئے اور اب تک کوئی خیر خبر نہیں لی اور اب دو سال ہوچکے ہیں، اب تک تین لڑکیوں کو لے کر اپنے بھائیوں کے گھر زندگی گذار رہی ہوں۔ مہربانی کر کے بتلایئے کہ مجھ پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتیة: زینب جہاں، ملا قاسم مسجد فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائلہ اپنے بیان میں سچی ہے کہ اس کے

شوہر نے اس کو دو سال قبل تین بار طلاق دی ہے، تو سائلہ پر تین طلاق اسی وقت ہو چکی تھیں۔ اب اس درمیان اس کی عدت بھی پوری ہوچکی ہے، اب کسی دوسری جگہ نکاح کر کے باعصمت زندگی گذار سکتی ہے، اب اگر پہلا شوہر آکر ساتھ رکھنا چاہے، تو اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرة:۲۲۸]

لـو قـال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كـان الـطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١، هداية اشرفي ديوبند٣٩٩/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۰۶۷)

لفظ ایک دو تین سے طلاق کا حکم

سوال [۲۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام عائشہ ہے، میری شادی عارف کے ساتھ تقریباً چھ ماہ قبل ہوئی تھی، میں اپنے شوہر کے یہاں چار سے پانچ بار گئی ہوں، ایک دن وہ مجھے میرے گھر چھوڑنے کے لئے میرے ساتھ آئے اور میرے گھر کی سیڑھی پر کھڑے ہوکر اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ کر یہ الفاظ کہے کہ آج سے میرے اور تیرے درمیان کوئی تعلق نہیں، ایک، دو، تین، وہ یہ الفاظ بول کر چلے گئے، جب ان سے دوبارہ برائے تحقیق پوچھا گیا، تو وہ انکار کرنے لگے اور قسم بھی کھالی؛ حالانکہ یہ الفاظ میرے روبرو بولے گئے ہیں اور میں نے اپنے کانوں سے سنے ہیں

اوراس پر میں بھی قسم کھارہی ہوں اور مجھے اللہ کا خوف ہے اور میں اپنی زندگی برباد کرنا نہیں چاہتی، ایسی صورت حال میں جب شوہر طلاق کا انکار کرے اور قسم بھی کھالے، تو میرے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور میرے شوہر کے لئے کیا حکم ہے؟ ہمارے عرف میں ایک، دو، تین، طلاق کے الفاظ کے بغیر بھی طلاق کے لئے مانے جاتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۳۹۱/۸)

المستفتیہ: عائشہ بی بی، گودھرا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے یہاں عرف میں ایک، دو، تین، طلاق ہی کے لئے بولا جاتا ہے اور شوہر نے بیوی کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر یہ الفاظ کہے ہیں اور ساتھ میں یہ بات بھی کہی ہے کہ میرے اور تیرے درمیان کوئی تعلق نہیں، اس سے تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں ہیں۔ آئندہ بلا حلالہ دونوں میں نکاح بھی جائز نہیں۔

قال لامرأته: أنت مني ثلاثا، طلقت إن نوى، أو كان في مذاكرة الطلاق. (شامي، كراچي ٣/٢٧٥، زكريا ٤/٤٩٧)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة ......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣)

لیکن جب بعد میں شوہر انکار کررہا ہے اور بیوی کو یقین سے معلوم ہے اور بیوی نے خود سن رکھا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کو ایسا کرنے کی گنجائش ہے کہ مہر معاف کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرلے اور اگر اس کے لئے بھی وہ تیار نہ ہو، تو عورت کو اس سے علیحدگی اور راہ فرار اختیار کرنے کے لئے کوئی بھی شکل اختیار کرنے کا حق ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۴/۲)

إذا قال الرجل لامرأته: أنت طالق بألف درهم، فقبلت طلقت وعليها ألف درهم. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٦٠٠، رقم: ٧٠٣٧)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لايحل لها تمكينه، والفتوى على أنه ليس لها قتله ولاتقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب. (شامي، كراچي ٣/ ٢٥١، زكريا ٤/ ٤٦٣، البحرالرائق، كوئٹه ٣/ ٢٥٧، زكريا ٣/ ٤٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲ / شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۹۲/۳۸)	۱۴۲۹/۸/۲ھ

بیوی کو مخاطب کر کے تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٦٨٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ باپ اور بیٹے میں کچھ گرم مزاجی کے ساتھ گفتگو ہورہی تھی، اسی دوران لڑکے نے طلاق، طلاق، طلاق، ایک ہی سانس میں تین مرتبہ کہا نہ تو اس نے بیوی کا نام لیا اور نہ ہی اس کے درمیان اور اس کی بیوی کے درمیان کوئی بات چیت ہورہی تھی، اس کے تقریباً ایک منٹ بعد اس نے بیوی سے کہا کہ لے میں نے آج تیری چھٹی ہی کردی، یہ کہتے ہوئے شوہر کی ماں اور اس کی ہمشیرہ نے بھی سنا، اتنا کہنے کے بعد وہ پریشان ہونا شروع ہوگیا۔ اور اس کی یہ حالت تھی کہ کبھی مکان میں اندر جاتا اور کبھی باہر آتا اور یہ کہتا کہ آج میں نے کتنی بڑی غلطی کرلی، اپنا گھر برباد کرلیا اور اس کے دو بچے بھی ہیں، ایک لڑکی اور ایک لڑکا اور تیسرا حمل ہے، جس کا وقت ساڑھے سات ماہ ہے، لڑکی کے گھر والے اور لڑکے کے گھر والے بھی موجود تھے اور دونوں کے رشتہ دار موجود تھے، ان کے درمیان دونوں نے ایک ساتھ ایک ایک جگہ زندگی گذارنے کی رضامندی ظاہر کی ہے؛ لہٰذا آپ بتائیں اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ طلاق پڑی یا نہیں؟ اگر طلاق پڑی ہے تو کون سی پڑی؟

المستفتی: عبدالکریم، محلّہ: جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے چونکہ اپنی بیوی کو مخاطب کر کے اور بیوی ہی کو مراد لے کر غصہ کی حالت میں طلاق، طلاق، طلاق، کے الفاظ کہے ہیں، تو اس کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے میاں بیوی کی طرح رہنا درست نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۷۴)

ولایلزم کون الإضافة صریحة في کلامه–إلی– لأن العادة أن من له امرأة، إنما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها. (شامي، ۳/۲۴۸، زکریا ۴/۴۵۸)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷۶)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، أو یموت عنها. (هدایة، اشرفي دیوبند ۲/۳۹۹، هندیة، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، تاتارخانیة، زکریا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۶۷۳)

بیوی کو زبانی تین طلاق دینا

سوال [۶۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر فضل الرحمٰن لاجپت نگر کرولہ مرادآباد نے اپنے پڑوسی محمد یسین محمد عتیق الرحمٰن بجنوری متعلم مدرسہ شاہی اور اپنے ملازم امام الدین، نیز میری اہلیہ کے ماموں محمد دین کی موجودگی میں اپنی اہلیہ کو تین طلاق دیدی ہیں اور تحریر کے ذریعہ بھی مزید

تین طلاقیں دیدں تو یہ واقع ہوئیں یا نہیں؟

المستفتی: فضل الرحمٰن، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ اپنی بیوی کو ۳/طلاقیں زبانی طور پر دے چکے ہیں، تو آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑ چکی ہے اور وہ آپ کے لئے اب بالکل حرام ہو چکی ہے؛ لہٰذا آپ کے لئے اس بیوی کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا قطعی طور پر حرام ہے اور آئندہ آپس میں بغیر حلالہ کے نکاح بھی جائز نہیں ہے، طلاق مغلظہ واقع ہونے کے بعد اب تحریر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۹۹۹۳)	۱۴۳۱/۴/۶ھ

’’میں نے اس کو طلاق دی‘‘ تین مرتبہ کہنا

سوال [۶۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے گھر میں خانگی امور سے متعلق اپنی بیوی کو زدوکوب کر کے (یہ کہتا ہوا کہ جا یہاں سے نکل جا) پڑوس میں فوراً پہونچا اور محو گفتگو ہوا، پڑوس کے اس سوال پر کہ تمہارا چہرہ اداس کیوں ہے، شخص مذکور نے جواب میں کہا کہ میں نے اس کو طلاق دی، یہ لفظ تین مرتبہ کہا، کچھ توقف کر کے پھر کہا کہ میں نے اس کو طلاق دی، یہ لفظ دو مرتبہ کہا، پڑوس کی

اس گفتگو میں کوئی مرد یا بالغ لڑکا نہیں تھا صرف تین عورتیں موجود تھیں، جن میں سے ایک نے تین مرتبہ اور دوسری نے پانچویں مرتبہ یہ لفظ سنا، کیا اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا کوئی گنجائش باقی ہے؛ جبکہ گواہان میں صرف عورتیں ہی تھیں، جنہوں نے دو دن کے بعد زید کی بیوی سے یہ گفتگو نقل کی ہے۔

المستفتی: محمد عمیر غازی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکورہ صورت میں زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں ہیں اور طلاق مغلظہ واقع ہونے کی وجہ سے بغیر حلالہ شرعیہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے۔

وفي الأشباه: لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً.
(الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ٣٧٦)

وفي الهندية: وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحا. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۷۰۴)

جب آپ لوگ کہہ رہے ہیں، تو میں تینوں طلاق دے رہا ہوں کہنے کا حکم

سوال [۲۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سسرال سے اپنے گھر کسی حاجت کے لئے آیا، بیوی نے ناشتہ کھانے کے لئے زید کو بلایا، ناشتہ کے سلسلہ میں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا، بیوی نے شوہر کو برا بھلا کہا،

اورشوہر نے بیوی کو مارا پیٹا، اتنے میں بیوی کا چچیرا چچا آکر کہنے لگا، اگر ایک باپ کی اولاد ہوتو مار کر دیکھو، مار نہیں سکتے ہو، اس کے بعد زید نے چچیرے سسر سے کہا کہ اگر حقیقت میں یہ آپ کی لڑکی ہے تو تینوں طلاق، بیوی روپئے جمع کرنے بینک جا رہی تھی، زید نے بیوی سے کہا کہ جو روپئے بینک میں جمع کروگی وہ روپئے نہیں ملیں گے؛ اس لئے جمع مت کرو، اس کے بعد بیوی کا چچیرا چچا اور اس کے والد اور دو چار آدمی آکر کہنے لگے کہ تم اس سے بول نہیں سکتے اور روک نہیں سکتے ہو؛ کیونکہ تم نے اس کو طلاق دیدی ہے اور یہ لوگ زبردستی کہہ رہے تھے کہ تم طلاق دے چکے ہو اور زید جواب میں یہی کہتا رہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، چار پانچ مرتبہ یہی کہا، لوگوں نے کہا کہ تم طلاق دے چکے ہو اور زید وہی جواب دیتا رہا کہ طلاق نہیں دی ہے، اس کے بعد زید کے سسر نے مارنا چاہا تو زید نے ڈر کے مارے کہا کہ ’’جب آپ لوگ کہہ رہے ہیں‘‘ تو میں تین طلاق دے رہا ہوں اور شرط یہ ہے کہ میں لڑکی کو واپس لاؤں گا، اس کے بعد لڑکی والے زید کے گھر سے سامان وغیرہ لے کر چلے گئے، پھر اس کے بعد میاں بیوی آپس میں کہنے لگے کہ ہم آپس ہی میں شادی کریں گے، اگر شادی نہیں ہوئی، تو ہم جان دیدیں گے، تو اب اس صورت کے اندر کیا مسئلہ ہوگا؟ اور کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: عتیق الرحمٰن، بھاگلپوری (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے جب زید نے بیوی کے چچیرے چچا کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا کہ ’’اگر حقیقت میں یہ آپ کی لڑکی ہے، تو تینوں طلاق‘‘ تو اس سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ اس لئے کہ بیوی حقیقت میں اس کی بیٹی نہیں ہے؛ لیکن جب بعد کے واقعہ میں زید کو سسر کی طرف سے مارنے کی دھمکی دی گئی، اس وقت زید نے یہ جملہ استعمال کیا کہ ’’جب آپ لوگ کہہ رہے ہیں تو میں تین طلاق دے رہا ہوں‘‘ اس لفظ سے اسی وقت تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور اس کے ساتھ لڑکی کو

واپس لانے کی شرط لگانے سے وقوع طلاق میں کوئی اثر نہ ہوگا۔

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة......فإذا فعل ذلك وقع الطلاق. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديوبند ٢/٣٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رشعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۰۸۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۳ھ

بھابھی کی موجودگی میں تین طلاق

سوال [۶۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں اور طلاق دیتے وقت صرف بیوی کی بھابھی موجود تھی اور طلاق کی صورت یہ ہے کہ میں تجھے آزاد کرنے کے لئے آیا ہوں، پھر اس کے بعد تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہدیا، تو کیا ایسی صورت میں طلاق ہوجائے گی؟

المستفتی: ریاست حسین، گھیر کھانا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا٤/٥٢١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، زكريا جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۶۵۱)

دو گواہوں کے روبرو تین طلاق دینا

سوال [۶۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد شریف ولد محمد ابراہیم محلّہ عید گاہ مرادآباد کی شادی ۱/۲/۸۱، کو نفیس جہاں بنت قمرالدین محلّہ کسرول مرادآباد سے ہوئی تھی، میری بیوی شادی سے ۲/ سال ۳/ ماہ میرے ساتھ رہی اس کے بعد مجھ سے جھگڑا کر کے میرے گھر سے چلی گئی اور اس کے بعد اپنے والد کے گھر پر رہنے لگی اور مقدمہ چلا اور آپس میں طے ہونے کے بعد ۱۰۰/ روپئے ماہوار دیتا رہا اور اس کے دوران میں نے کئی بار بلانے کی کوشش کی پر وہ آنے کے لئے تیار نہیں ہوئی، جب میں بلانے کے لئے گیا، اپنی طرف کے دو آدمی کو لے کر گیا تھا اور میں نے اس سے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا، تو اسنے چلنے سے انکار کر دیا۔ ۱/۹/۹۸ کو تب میں نے ان دونوں کے سامنے تین بار طلاق دیدی تھی، میں نے کئی بار اسے اپنا مہر لینے کے لئے گواہ بھیجا تاکہ وہ اپنے گھر کا کوئی آدمی بھیجدے اور اپنے مہر کی رقم وصول کرے، اس پر اس نے کوئی عمل نہیں کیا، پھر اس کے بعد میں نے مجبور ہو کر اسے ایک طلاق کا نوٹس وکیل کے ذریعہ لکھ کر ۱۱/۳/۹۹ رجسٹری کے ذریعہ بھیج دیا تھا، اور اسے وہ ۱۹/۳/۹۹ کو مل گیا تھا اور یہ مقدمہ عدالت میں زیر غور ہے، وہ کہتی ہے کہ مجھے طلاق نہیں

ہوئی ہے، جب میں نے اس کو زبانی طلاق دی تھی، تو کیا اس کو طلاق ہوگئی، جب کہ میں اقراری ہوں اور میں نے اس کو عدالت کے اندر جج صاحب کے سامنے کہہ کر اقرار کرلیا ہے کہ میں نے اس کو طلاق دیدی ہے، میرے نکاح میں ۴/ اشرفی اور ۴/ ہزار روپئے بندھے ہیں، اور وہ مؤجل ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی: محمد شریف، محلّہ عیدگاہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ واقعہ اگر صحیح ہے، تو بیوی نفیس جہاں پر تین طلاق واقع ہوگئیں؛ کیونکہ شوہر نے جب دو گواہوں کے روبرو بیوی کو تین طلاق دیں، اس کے بعد بذریعہ وکیل ایک طلاق کا نوٹس بھیجوایا اور اب بھی طلاق کا مقر ہے، تو اب عورت کا انکار مقبول نہ ہوگا؛ بلکہ بیوی مطلقہ مغلظہ ہوکر شوہر محمد شریف کی زوجیت سے خارج ہوگئی اور چونکہ یہ واقعہ کئی سال پرانا ہو چکا ہے؛ اس لئے عدت بھی گذر گئی، اب عورت نفیس جہاں فی الفور اپنا نکاح دوسری جگہ کرسکتی ہے۔

وتطلق ثلاثا عملا بإقراره احتياطاً. (شامي، كتاب الطلاق، قبل باب الايلاء، كراچي ۳/ ٤۲۱، زكريا ٥/ ٥٧)

اور مہر کے سلسلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ یا تو مقررہ شئ یعنی چار اشرفی اور چار ہزار روپئے دیدے اور اگر اشرفی کی قیمت دینی ہے، تو پھر یوم الأداء کی قیمت کا اعتبار ہوگا، نکاح کے وقت کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔

ولايجوز دفع غيره من غير رضاها، فكان مستقراً مهراً بنفسه في ذمته، فتعتبر قيمته يوم الاستقرار، وهو يوم العقد فأما الثوب وإن وصف فلم يتقرر مهراً في الذمة بنفسه؛ بل الزوج مخير في تسليمه وتسليم قيمته في إحدى الروايتين على ما نذكر إن شاء الله وإنما يتقرر مهراً بالتسليم، فتعتبر قيمته يوم التسليم. (بدائع الصنائع، زكريا ۲/ ٥٦۳، ٥٦٤)

مہر مؤجل کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ادائے گی فی الفور لازم نہیں ہے؛ بلکہ اس کی ادائے گی کے لئے کوئی مہلت اور وقت مقرر کر دیا جائے۔ (کفایت المفتی قدیم ۱۲۵/۵، جدید ادارۃ الفاروق، کراچی ۳۹۱/۷)

اَجل الشیٔ مدت مقرر کرنا مہلت دینا۔ (مصباح اللغات ۲۸/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۶۵۸/۳۷)

دو گواہوں کی موجودگی میں تین طلاق دینا

سوال [۶۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھانجے محمد نعیم نے ۲۴/ اگست ۹۹ء کو بعد نماز عشاء اپنی مرضی سے تبسم خاتون سے نکاح کر لیا اور اس نکاح میں لڑکے اور لڑکی کے ولی کوئی موجود نہیں تھے اور نکاح بھی کسی دوسرے کے مکان پر پڑھا گیا تھا، جس کے گواہ اور وکیل بھی امروہہ کے رہنے والے ہیں اور سارا واقعہ امروہہ کا ہے۔ ۵/ستمبر ۹۹ء کو محمد نعیم کی بیوی تبسم جہاں اپنی مرضی سے باپ کے گھر چلی گئی؛ جبکہ نعیم احمد نے اپنی بیوی کو وہاں جانے کے لئے منع کیا تھا، پھر بھی وہ چلی گئی۔ ۱۲/ستمبر ۹۹ء کو نعیم احمد نے دو حضرات کی موجودگی میں تبسم خاتون اپنی بیوی کو تین بار طلاق نام لے کر دیدی، اس وقت اس کی بیوی موجود نہیں تھی، پھر ۱۷/ستمبر ۹۹ء کو جب میں نے اور جناب الحاج محمد یوسف صاحب نے معلوم کیا کہ تم نے کیا کہا تھا، تو اس نے تین بار کہا کہ میں نے اپنی بیوی تبسم خاتون کو طلاق دی۔

(۱) کیا اس حالت میں طلاق ہوگئی؟

(۲) مہر فاطمی دینا ہوگا، جو نکاح میں لکھا گیا تھا؟

(۳) کیا عدت گذارنی ہوگی؟

(۴) کیا عدت کا خرچہ لڑکے کو دینا ہوگا؟

(۵) ان دونوں کا نکاح پھر ہوسکتا ہے اور کس طرح؟

(۶) لڑکے کا کچھ روپیہ لڑکی کے باپ کے پاس ہے، کیا وہ روپیہ بھی لڑکا مہر میں شامل کرسکتا ہے یا نہیں؟

برائے کرم فتوی دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں تاکہ آگے کے حالات طے کئے جائیں۔

المستفتی: محمد یاسین سیفی، کاشی پور، ادھم سنگھ نگر (یوکے)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب نعیم احمد نے دو حضرات کی موجودگی میں تین بار طلاق نام لے کر دیدی اور بعد میں اس کا اقرار بھی کرلیا، تو تبسم خاتون پر تین طلاق مغلظہ پڑ گئیں۔

وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً بكلمة واحدة، أو ثلاثاً في طهر واحد، فإذا فعل ذلك وقع الطلاق. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديو بند۲/ ۳۵۵)

(۲) نکاح کے وقت جو مہر فاطمی لکھا گیا تھا وہی دینا لازم ہوگا۔

ومن سمیٰ مهراً عشرة، فمازاد فعليه المسمیٰ إن دخل بها، أو مات عنها.

(هداية، اشرفي ديو بند۲/ ۳۲٤)

(۳) تین ماہواری کے ساتھ عدت گذارنی ہوگی، اس کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرة:۲۲۸]

بعد الدخول أوبعد خلوة الصحيحة كان عليها العدة. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۵۲٦، جديد۱/ ۵۷۹)

(۴) نعیم احمد کے منع کرنے کے باوجود جب بیوی اپنے باپ کے یہاں چلی گئی، تو وہ ناشزہ ہوگئی اور ناشزہ کے لئے عدت کا نفقہ واجب نہیں۔

ولا نفقة لأحد عشر ومنها خارجة من بيته بغير حق. (شامي، زكريا٥/ ٢٨٥، ٢٨٦، كراچي ٣/ ٥٧٦، بدائع الصنائع ٣/ ٤٢٨)

(۵) تین طلاق دینے کے بعد دوبارہ اس سے نکاح کرنے کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گذارنے کے بعد کسی مرد سے نکاح کرلے اور وہ آدمی اس سے صحبت کرنے کے بعد طلاق دیدے اور پھر دوبارہ عدت گذارنے کے بعد اس عورت سے شوہر اول کا نکاح کرنا جائز ہوگا اور بغیر حلالہ کئے ہوئے اس سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣)

(٦) اگر لڑکی اس کو مہر میں منہا کرنے کے لئے تیار ہو، تو وہ اس کو مہر میں شمار کرسکتا ہے، ورنہ وہ قرضہ الگ سے وصول کیا جائے گا۔

وتصح الحوالة برضا المحيل، والمحتال، والمحتال عليه، قال في العناية: شرط صحة الحوالة رضا المحتال؛ لأن الدين حقه وهو أي الدين ينتقل بالحوالة والذي متفاوتة، فلا بد من رضاه. (عناية على الفتح، زكريا ديوبند ٧/ ٢٢٢، كوئٹه ٦/ ٣٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۲۰۲/۳۴)

شوہر کا گواہوں کے سامنے تین بار تم کو طلاق دی کہنا

سوال [٦٦٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مؤرخہ: ۹/اپریل ۲۰۰۰ء بروز اتوار شاہد حسین ایوبی نے مجھ مہر بانو سے کہا تم میرا کہنا نہیں مانتی ہو اور میری مرضی کے بغیر گھومنے چلی جاتی ہو، میں تمہیں اپنی زوجیت میں رکھنا نہیں چاہتا، بعدہٗ شاہد حسین ایوبی نے مجھ سے تین بار کہا میں نے مہر بانو کو طلاق دی، یہ فقرے روبرو گواہان ادا کئے گئے ہیں، اس کے بعد پھر مختلف اوقات میں کئی بار یہی جملہ مجھ سے مخاطب ہو کر شاہد حسین ایوبی کہہ چکا ہے؛ لہٰذا فتوی بتائیے۔

(۱) شاہد حسین ایوبی کے ایک وقت میں تین بار مجھ مہر بانو کو طلاق دینے پر طلاق شرعی ہوئی یا نہیں؟ بعدہٗ مختلف اوقات میں یہ فقرے ادا کرنے کے بعد ہی طلاق مکمل طور پر ہوگئی ہے؟

(۲) کیا تین بار طلاق دینے کے بعد کسی طرح پر بھی بحیثیت زوجیت کوئی تعلق شاہد حسین سے رکھ سکتی ہوں یا نہیں؟

(۳) کیا شاہد حسین ایوبی کے تین بار طلاق دینے کے بعد میں ان کی زوجیت سے آزاد ہوں؟

المستفتیہ: مہر بانو، ٹاؤن ہال، زنانہ ہسپتال، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۳/۲/۱) جب شوہر نے تین بار طلاق کا لفظ کہا، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو چکی اور نکاح بالکلیہ ختم ہوگیا، اب بغیر حلالہ شرعیہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی صحیح نہیں ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷٦)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرۃ، وثنتین في الأمۃ لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١، البحر الرائق، زكريا٤/٩٤، كوئٹه٤/٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۳۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۷ھ

چار آدمیوں کے سامنے تین طلاق دینا

سوال [۶۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں لئیق ابن عبدالعزیز محلّہ پیر غیب نے اپنی بیوی رضیہ پروین کو کل صبح چار لوگوں کے سامنے تین طلاق دیدی ہیں؛ لہٰذا طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد بن عبدالعزیز، پیر غیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لئیق احمد نے اپنی بیوی کو چار آدمی کے سامنے تین طلاقیں دے دی ہیں، تو بیوی رضیہ پروین پر تینوں طلاق واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی ہے اوراب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے، دونوں کا ساتھ رہنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

وإذا قال لامرأته: أنت طالق، وطالق، وطالق ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (عالمگيري، كتاب الطلاق، الباب الثاني إيقاع الطلاق، زكريا قديم ٣٥٥/١، جديد٤٢٣/١)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۳۷۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۱۷ھ

۱۰/۱۲/آدمیوں کے سامنے تین طلاق دینا

سوال [٦٦٩٨]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شہاب الدین نے تقریباً ۱۰/ یا ۱۲/آدمیوں کے سامنے پنچایت میں اپنی اہلیہ تنویر جہاں کو تین طلاق کے الفاظ کہے، وہ الفاظ یہ ہیں ''میں نے تنویر کو طلاق دی'' کیا حقیقت میں طلاق ہوگئی؟

المستفتی: شہاب الدین، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دیدی، تو آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ آپ کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ کے آپ دونوں کا میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور حرام ہے۔

عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلاثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا، فإن طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من جاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩٢، رقم: ٥٠٦٦، ف: ٥٢٦٤)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۹۷)

مجمع عام میں تین طلاق دینا

سوال [۶۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ رخسانہ پروین کو اس کے شوہر ذاکر حسین نے اب سے قریب تین ماہ قبل اس کے میکہ میں والدین اور بھائیوں اور باہر کے کچھ آدمی جو کہ فیصلہ میں آئے ہوئے تھے کے سامنے رخسانہ کا نام لے کر اور اس سے مخاطب ہو کر تین مرتبہ طلاق دیدی اور چلا گیا، بعد میں رخسانہ سے پتہ چلا کہ وہ اپنے گھر میں بھی کئی مرتبہ طلاق دے چکا ہے، طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: ہدایت حسین، کرولہ آزادنگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر شوہر پر بالکل حرام ہو چکی ہے، اب بلا حلالہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ

(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۱۳)

تین جھگڑوں میں میں نے تمہیں طلاق دیدی کہنے سے طلاق

سوال [۶۷۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر غصہ میں آکر یہ کہتے ہیں کہ میں نے تمہیں طلاق دیدی، بچوں کو لے کر گھر سے نکل جاؤ، دوتین لڑائیوں میں تین تین بار یہ کہہ چکے ہیں کہ میں نے تمہیں طلاق دیدی۔ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتیہ: نرگس، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تین بار یا اس سے زائد تمہیں طلاق دیدی کے الفاظ کہہ چکا ہے، تو طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، آپ اپنے شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہیں، بغیر حلالہ کے اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہ ہوگا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۳ھ

جھگڑے کے دوران تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد شاہد نے بیوی سے جھگڑے کے دوران تین مرتبہ یہ کہہ دیا کہ طلاق،

طلاق، طلاق۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح بیوی سے جھگڑے کے دوران کہنے سے طلاق ہوئی یا نہیں اور شرعاً اب کیا حکم ہے؟ تین بچے بھی ہیں، بیوی کو رکھنا چاہیں تو کیا کریں؟

المستفتی: محمد شاہد، محلّہ چودیوسرائے، سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں مذکورہ صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بلاحلالہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ ر رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۲۳۴)

کیا تیری ماں میری ماں ہے، طلاق، طلاق، طلاق

سوال [۶۷۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالرزاق نے اپنی بیٹی جس کی عمر ۲۰؍ سال ہے اس سے سوال کیا کہ تمہاری ماں کدھر ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ سو رہی ہیں، ان کی طبیعت بہت خراب ہے، عبدالرزاق نے اپنی بیٹی کوثر سے کہا، کیا تیری ماں میری ماں ہے؟ ''طلاق، طلاق، طلاق'' بس اتنے الفاظ کہے ہیں، طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی؟ کیا فرماتے ہیں علماء حق؟

المستفتی: مولانا کمال چودھری، ممبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں عبدالرزاق کی بیوی پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہوگئی ہیں۔اب حلالہ شرعیہ کے بغیر بیوی حلال نہیں ہوگی۔

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب غير المدخول بها، زكريا٤/ ٥٢١، كراچي٣/ ٢٩٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۵۸۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍ ۷؍ ۱۴۱۹ھ

بلانیت تین طلاق دینا

سوال[۶۷۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے جو تلگو زبان بولتا ہے، اپنی زبان میں اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں تین بار کہا؛ لیکن دل میں بیوی کو الگ کرنے کا ارادہ نہیں تھا اور نہ ہی یہ معلوم تھا کہ بیوی اس سے بالکل خارج ہو جائے گی۔ بہر حال زید کو مسئلہ بتایا گیا کہ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی؛ لیکن بہشتی زیور کی اس عبارت سے زید کو شک پیدا ہو رہا ہے کہ اگر تین مرتبہ مضبوطی کے لئے کہا اور ارادہ ایک طلاق کا ہے، تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

بہشتی زیور کی عبارت یہ ہے مسئلہ نمبر۱۳؍ کسی نے تین دفعہ کہا تجھکو طلاق، طلاق، طلاق، تو تینوں طلاقیں پڑ گئیں یا گول الفاظ میں تین مرتبہ کہا، تب بھی تین پڑ گئیں؛ لیکن اگر

نیت ہی ایک طلاق کی ہے فقط مضبوطی کے لئے تین دفعہ کہا تھا کہ بات خوب پکی ہوجائے، تو ایک ہی طلاق ہوئی؛ لیکن عورت کو اس کے دل کا حال تو معلوم نہیں؛ اس لئے یہ سمجھی کہ تین طلاقیں مل گئیں۔ (مستفاد: اصلی بہشتی زیور ۴/۲۱۷)

مذکورہ بالا عبارت کا حل کیا ہے اور زید کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

المستفتی: محمد عمیر غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہشتی زیور کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ بیوی کو طلاق دینے کی نیت ہے، مگر صرف ایک طلاق کی نیت اور سوال مذکور میں ایک طلاق کی نیت نہیں ہے؛ بلکہ نیت طلاق دینے کی ہے، تو ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر شوہر کے نکاح سے بیوی خارج ہوچکی ہے۔

كرر لفظ الطلاق وقع الكل، وإن نوى التأكيد دين. وتحته في الشامية: وقع الكل قضاء، وكذا إذا طلق بأن لم ينو استئنافاً ولا تأكيداً؛ لأن الأصل عدم التأكيد. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا ٤/٥٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۵۱)

نیت کئے بغیر تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے بیوی کی بدزبانی پر پہلے روکا کئی مرتبہ یہ کہہ کر ڈرایا کہ کہدوں گا، کہدوں گا، اس پر بھی اس کی زبان برابر چلتی رہی، غصہ میں آکر ایک مرتبہ لفظ طلاق کہدیا،

اس پر بھی وہ نہ مانی، پھر لفظ طلاق استعمال کیا، پھر میں نے تیسری مرتبہ لفظ بھی کہہ دیا میں نے یہ لفظ اپنی زبان سے ادا کرنے کی قسم کھائی تھی، میری نیت طلاق کی بالکل نہیں تھی۔

المستفتی: سید سردار حسین، محلّہ پیر غیب، ابراہیم باؤس، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں شوہر نے اولاً ''کہہ دوں گا'' کا لفظ استعمال کر کے بیوی کو تنبیہ کرنے کی کوشش کی آخر نہ ماننے پر اس نے یکے بعد دیگرے بیوی کو تین بار لفظ طلاق کہہ دیا ہے، جس سے وقوع طلاق میں کوئی چیز مانع نہیں ہے؛ لہٰذا تینوں طلاقیں واقع ہو کر بیوی شوہر پر حرام ہو چکی ہے۔

و لايلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر: لو قال طالق فقيل له من عنيت، فقال: امرأتي طلقت امرأته (إلى قوله) لأن العادة أن من له امرأة إنما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا٤/٤٥٨، كراچي٣/٢٤٨)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۵۸۸/۲۵)

جا میں نے تجھے تین طلاق دیں

سوال [۶۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ محفوظ نے درمیان تنازع اپنی زوجہ کو ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دیں، محفوظ کے الفاظ یہ تھے کہ جا میں نے تجھے تین طلاق دیں، جس کو اس کے چچازاد بھائی نے خود سنا، اب صورت یہ ہے کہ وہ اب تک ایک ساتھ ازدواجی زندگی بسر کررہے ہیں اوراب ان کی تین اولادیں بھی ہیں، جن کی ولادت بعد الطلاق ہوئی، تو اب طلاق واقع ہوئی یانہیں؟ حلالہ کی ضرورت ہے یا صرف تجدید نکاح سے کام ہوجائے گا اوران کے محلّہ والوں اوررشتہ داروں کے لئے کیا شرعی حکم ہے، ان کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے؟ مذکورہ صورتوں میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد وسیم، بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال مذکور کے اندر جو بات بیان کی گئی ہے، اگر وہ صحیح ہے، تو محفوظ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور بیوی محفوظ پر قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے؛ لہٰذا بغیر حلالہ کے دوبارہ آپس میں نکاح بھی جائز نہ ہوگا، محلّہ والوں اوررشتہ داروں کو چاہئے کہ وہ میاں بیوی کو سمجھائیں اور انہیں علیحدہ رہنے کی تلقین کریں اوران کو اللہ سے ڈرائیں۔

وأما البدعي ......أن يطلقها ثلاثاً في طهر واحد بكلمة واحدة، أو بكلمات متفرقة......فإذا فعل ذلک وقع الطلاق وكان عاصياً.

(الفتاوی التاتارخانية، زكريا ٤/ ٣٨١، رقم: ٦٤٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩)

عن طارق بن شهاب قال: أول من بدأ بالخطبة يوم العيد قبل الصلوٰة مروان –إلى– من رأىٰ منكم منكراً، فليغيره بيده، فإن لم يستطيع

فبلسانه، فإن لم يستطيع فقلبه، وذلک أضعف الإيمان. الحديث (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، النسخة الهندية ۱/ ۵۱، بيت الأفكر رقم: ۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۵۴۰/۳۹)

’’تمھیں تین دفعہ طلاق دیدی‘‘ سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی نے کہا میں نے تین دفعہ تمھیں طلاق دیدی، تو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: عالم بیلڈ والے، شاہ درہ، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تین دفعہ طلاق دیدی ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، اب بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

وأما البدعي ......أن يطلقها ثلاثاً في طهر واحد بكلمة واحدة، أو بكلمات متفرقة......فإذا فعل ذلک وقع الطلاق وكان عاصياً. (تاتارخانية، زكريا ۴/ ۳۸۱، رقم: ۶۴۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۳۹۶/۳۲)

’’طلاق دیتا ہوں‘‘ تین مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال [۶۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کی شادی میرے ساتھ حسب رواج شریعت اسلامی ہوئی تھی، میں نے آپ کے طور طریقے سے ناخوش ہوکر آپ کو مؤرخہ: ۵؍فروری ۱۹۷۵ء کو حسب طریقت اسلامی طلاق دیدی تھی اور آپ کو اپنی زوجیت سے آزاد کر دیا تھا؛ لیکن آپ کا یہ کہنا ہے کہ آپ کو کوئی طلاق نہیں دی جو مجھے تسلیم نہیں ہے، پھر بھی میں آپ کے اطمینان اور قانون کے منشاء کو پورا کرنے کے لئے آپ کو حسب رواج، حسب ہدایت شریعت اسلامی تین طلاق دیتا ہوں۔

المستفتی: نوشہ ولد حاجی روشن علی، نواس: جگر کی ملک سول لائن، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ۵؍فروری ۱۹۷۵ء کو شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے خارج کر دیا ہے، تو عدت تین حیض کے ساتھ گذر جانے پر بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے، اور میاں بیوی کے درمیان زوجیت کا تعلق شریعت اسلامی کی رو سے بالکل ختم ہو چکا ہے۔

اب بعد میں جو تین طلاق تقریباً ۱۵؍سال کے بعد دے رہا ہے وہ شرعاً واقع نہ ہوں گی؛ کیونکہ اکبری دختر رمضان نوشہ کی بیوی نہیں رہی ہے؛ بلکہ عام عورتوں کی طرح اجنبیہ ہوگئی ہے اور اجنبیہ عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶)

قال لامرأته: أنت طالق واحدة، ثم قال: إن كنت امرأة لي فأنت طالق ثالثاً، إن كان الطلاق الأول بائناً لايقع الثاني الخ. (فتاوى شامي، زكريا ٤/٥٤٧، كراچي ٣/٣١١)

ومحله المنكوحة، وأهله زوج عاقل الخ. (الدر المختار، کراچي ۳/ ۲۳۰، زکریا ٤/ ٤٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۵۹۴)

طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے

سوال [۶۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سے کہا کہ تم طلاق دیدو، تو زید نے کہا کہ طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے، زید کے وکیل صاحب نے ہندہ کے اسٹامپ پر ہندہ کا نشان لگوالیا اور زید کے اسٹامپ پر زید کے دستخط کرا کے زید کے وکیل صاحب نے دونوں اسٹامپ تکمیل کر کے اپنے پاس رکھے، اور کہا کہ تاریخ آنے پر عدالت میں داخل کردوں گا، تو کیا اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتية: زبیدہ بیگم، ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کے الفاظ ''طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے'' سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب دونوں میں میاں بیوی کا تعلق باقی نہیں۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۳۷۱۸)

میں تجھے تین بار طلاق طلاق طلاق دیدوں

سوال [۶۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی اپنے میکہ گئی ہوئی تھی؛ جبکہ زید کام کے سلسلہ میں باہر گیا ہوا تھا، وہاں سے اس نے اپنی بیوی کو فون کیا، پہلے کچھ گھریلو بات ہوئی اور اس کے بعد زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تو اپنے گھر جاتی ہے، تو وہیں کی بولی بولتی ہے اور کیا تو یہ چاہتی ہے کہ میں تجھے تین بار طلاق طلاق طلاق دے دوں، یہ میں نے کہا۔ بیوی کا بیان یہ ہے کہ میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر جو بات کہہ رہی ہوں وہ بات صحیح ہے، ان کا فون آیا پہلے انہوں نے طلاق دینے کو کہا اور فون رکھ دیا، بعد میں دوبارہ فون کیا اور کہا میں تجھے طلاق طلاق طلاق دوں گا، طلاق طلاق طلاق کہا اس کا کوئی گواہ نہیں ہے، میں ہی گواہ ہوں مہربانی فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد وسیم ولد ارشاد حسین، محلّہ: سرائے کشن لال، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میں تجھے تین بار طلاق طلاق طلاق دیدوں، یہ الفاظ تین طلاق دینے کے لئے وعدہ کے ہیں؛ اس لئے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور بیوی کے بیان میں بھی استقبال ہی کا پہلو غالب ہے کہ طلاق طلاق طلاق دوں گا، طلاق طلاق طلاق ایک جملہ میں کہا ہے اور مستقبل میں طلاق کا وعدہ کرنے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی؛ لہٰذا بیوی کے قول کے مطابق بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۹/ ۴۴۵)

ولو قال بالعربية: أطلق لا يكون طلاقاً. (هندية، كتاب الطلاق، الباب السابع في الطلاق بالألفاظ الفارسية، زكريا قديم ۱/ ۳۸٤، جديد ۱/ ٤٥٢)

ولو قال: أطلقك لم يقع. (الدر المنتقي شرح ملتقي الأبحر قديم ۱/ ۳۸۷، جديد دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ١٤)

بخلاف قوله: طلقي نفسک، فقالت: أنا طالق، أو أنا أطلق نفسي لا يقع؛ لأنه وعد. (در مختار، کراچي۳/۳۱۹، زکریا٤/٥٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍۱۱٦۲۳)

طلاق دی، دی، دی، دی، دی، دی سے طلاق

سوال [۶۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے نماز فجر پڑھ کر اپنے بچہ سے کہا کہ بسکٹ لے آؤ بچے نے انکار کردیا، تو بکر نے بچے کی پٹائی کی تو بیوی نے غصہ میں کہا کہ بچوں کا معاملہ نہ ہوتا، تو میں ابھی گھر میں آگ لگا کر چلی جاتی، تو بکر نے کہا کہ اس معاملہ میں تو نہ بول، تو بیوی نے کہا کہ طلاق ہی تو دو گے، تو بکر نے کہا کہ ''طلاق دی، دی، دی، دی، دی، دی، دی'' اس طرح لفظ دی ۵ یا ٦ بار کہا اور لفظ طلاق ایک بار کہا۔

المستفتی: حافظ اظہر علی، تحصیل: فتح پور، بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے قول میں چوں کہ کوئی صراحت نہیں ہے؛ اس لئے حضرات فقہاء نے تکرار طلاق کو تاسیس پر محمول کیا ہے، تکرار پر نہیں؛ مسئولہ صورت میں بکر کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی۔ اب حلالہ شرعیہ اور نکاح جدید کے بغیر میاں بیوی کا تعلق قائم نہیں ہوسکتا ہے۔ (فتاوی دار العلوم ۹؍۳۱٦)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زکريا ۳۷٦)

إذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (هندية، زکريا قديم ۱/ ۳٥٥، جديد ۱/ ٤۲۳)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هداية اشرفي ديو بند۲/ ۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۶۱۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۲۱ھ

طلاق دی، طلاق، طلاق، پھر طلاق دی جا طلاق دی

سوال [۶۷۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شاہنواز نے اپنی بیوی کو فون پر اس طرح طلاق دی ”طلاق، طلاق، پھر طلاق دی جا طلاق دی“ ان الفاظ کے ادا کرنے کے بعد فون کاٹ دیا بیوی نے اپنے کانوں سے ان الفاظ کو سنا۔

(۱) دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟

(۲) اگر طلاق ہوگئی تو شوہر پر مہر کی ادائے گی لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح جہیز وغیرہ کی واپسی ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) ایک بچی بھی تقریباً سوا ماہ کی ہے، اس کا صرفہ پرورش کس پر لازم ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد اقبال، محلّہ مقبرہ درگاہ نئی آبادی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) فون پر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، بشرطیکہ اس فون کے بارے میں شوہر اقرار کرتا ہو کہ اسی کا فون تھا؛ لہٰذا جب شوہر نے فون پر طلاق، طلاق، پھر طلاق دیدی، جا طلاق دیدی“ یہ چار مرتبہ کہا ہے کہ اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے؛ جبکہ شوہر نے اس کا اقرار کرلیا ہو۔

لـو قال لزوجتہ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتـى تـنـكـح زوجـاً غيـره نـكـاحـاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ٥۳٥)

(۲) جب شوہر نے طلاق دیدی ہے تو پورے مہر کی ادائے گی شوہر پر لازم ہے، اسی طرح جہیز کا سامان جس حالت میں بھی ہے، اسی حالت میں واپسی لازم ہے۔

في الـدر: ويتـأكـد عـنـد وطء أو خـلـوة صحت من الزوج أو موت أحدهما. (در مختار مع الشامي زكريا ٤/ ۲۳۳، كراچي ۳/ ۱۰۲)

فـالـمهـر يتـأكـد بأحد معان ثلاثة الدخول، والخلوة الصحيحة، ومـوت أحـد الـزوجين سواء كان السمىٰ أو مهر المثل. (بـدائع الصنائع زكريا ديوبند ۲/ ٥۸٤)

(۳) بچی کا خرچہ باپ پر لازم ہوتا ہے، مگر یہ خرچہ باپ کے اختیار کے دائرہ میں رہے گا، ماں جتنا چاہے خرچہ نہیں مانگ سکتی، باپ اپنے معیار زندگی کے اعتبار سے اپنی ایک بچی کا خرچہ پورا کرے گا۔

نـفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٥٦۰، جديد ۱/ ٦۰۷)

وبـعـد الـفـطام يفرض القاضي نفقة الصغار على قدر طاقة الأب، وتـدفع إلى الأم حتى تنفق على الأولاد. (هـندية، زكريا قديم ۱/ ٥٦۱، زكريا جديد ديوبند ۱/ ٦۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۱۱/ ٦۷)	۲۱/ ۵/ ۱۴۲۹ھ

طلاق دی، طلاق، طلاق سے قضاء تین طلاق

سوال [۶۷۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالحمید ساکن محلّہ پیرزادہ اوراس کی بیوی میں گھر میں کچھ کہاسنی ہوئی، اس وقت موجود گھر میں ان کے پاس دوعورتیں آس پاس موجود تھیں، کہاسنی کے دوران عبدالحمید نے کہا کہ طلاق دی، ایک باراوردو بار کہا طلاق طلاق، اس کے بعد کچھ نہیں کہا اورنہ کوئی بات ہوئی یہ پوری تفصیل ہے، موجودہ عورتوں کی منھ بیانی حلف کی روسے بیان کی گئی ہے، اس کے بعد عابد بھائی اورچھوٹے بھائی نے معلوم کیا کہ عبدالحمید بھائی آپ کی نیت میں کیا تھا، تو عبد الحمید نے کہا میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی صرف آگاہ کرنا تھا۔

المستفتی: عبدالحمید، شرافت حسین، عابد، چھوٹے، اسلم، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''طلاق دی، طلاق، طلاق'' سے قضاء تین طلاق مغلظہ پڑ گئیں، اگرچہ طلاق دینے والے کی نیت آگاہ کرنے کی ہو؛ اس لئے کہ یہ الفاظ صریح ہیں اورالفاظ صریح سے نیت کے بغیر بھی طلاق پڑ جاتی ہے۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق، وإن عني بالثاني الأول لم يصدق في القضاء. (هندية، زكريا قديم ۳۵٦/۱، زكريا جديد ۴۲۳/۱)

وفي الهداية: ولايفتقر إلى النية؛ لأنه صريح فيه لغلبة الاستعمال. (هداية، اشرفي ديوبند ۳۵۹/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍۶۱۰۸)

’’تجھے طلاق، طلاق، طلاق‘‘ سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر کے درمیان گھر میں عورتوں کے معاملات میں جھگڑا ہوا، زید نے کہا بکر کی بیوی غلطی پر ہے، بکر نے کہا زید کی بیوی کی غلطی ہے، زید نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ دوں، بکر نے کہا کہ میں ہی اپنی بیوی کو چھوڑے دیتا ہوں، بکر نے اپنی بیوی سے کہا کہ ’’تجھے طلاق، طلاق، طلاق‘‘ ایک دفعہ تجھے طلاق کہا، اور دو دفعہ خالی طلاق کہا ہے، پہلے سے کوئی طلاق دینے کا ارادہ نہیں تھا، اتفاقاً یہ فعل سرزد ہوا۔

المستفتی: خلیل احمد انصاری، قاضیان، قصبہ نرولی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اب دونوں کا بلا حلالہ ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱۸۲/۲)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ۳۹۹/۲، هندية، زكريا قديم ۴۷۳/۱، زكريا جديد ۵۳۵/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳۵۹/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۱۳ھ

میں تمہیں طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں

سوال [۶۷۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شمیمہ بیگم بعد سلام کے معلوم ہو کہ میرے تمہارے درمیان جو سرد جنگ چل رہی ہے، اس سے پہلے کہ اس جنگ کا کوئی خطرناک نتیجہ نکلے میں اس جنگ کو ختم کرنا چاہتا ہوں، آج سے میں تمہیں آزاد کرتا ہوں یعنی ''میں تمہیں طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں'' آج سے تم میرے نکاح میں نہیں رہیں، میرے بچوں کو کسی کے ہاتھ بھیج دو اور اپنا سامان منگوالو۔ والسلام فرید احمد۔

یہ پرچہ بیوی کے ہاتھ میں نہیں پہنچا؛ لیکن اس تحریر کے لکھنے کے ایک مہینہ بعد میں نے اپنی بیوی سے حسب ذیل الفاظ کہے ہیں، تم میرے بچوں کی ماں بن کر رہ سکتی ہو، میری بیوی بن کر نہیں، اس سے میری نیت یہ تھی کہ میرے نکاح سے وہ خارج ہے اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے رکھنا منظور تھا اور منظور ہے، پرچہ کی تحریر سے اب تک مرد وزن کے پوشیدہ تعلقات میں نے قائم نہیں کئے، یعنی قولاً یا عملاً میں نے رجوع نہیں کیا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ رجوع کا حق مجھے باقی ہے یا ختم ہوگیا؟

المستفتی: فرید احمد، پیلا تالاب، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ اب بغیر حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا، رجوع کی بات تو بہت دور ہے۔

لو قال لزوجتہ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷۶)

إذا قال لامرأتہ: أنت طالق، طالق، طالق، ولم یعلقہ بالشرط، إن کانت مدخولۃ طلقت ثلاثاً. (ہندیۃ، زکریا قدیم ۱/۳۵۵، جدید ۱/۴۲۳)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸؍ ۳۰۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۲۰ھ

شوہر کا ''طلاق، طلاق، طلاق'' کہنا

سوال [۶۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی ہندہ کے درمیان کسی بات پر طنزیہ گفتگو ہوئی اور زید نے ہندہ کے سامنے غصہ کی حالت میں تین مرتبہ یہ الفاظ کہے'' طلاق، طلاق، طلاق'' ہندہ یہ الفاظ سن کر گھر سے باہر جانے لگی، تو زید نے ہندہ کے اس قول (اب میں نہیں رہونگی، اب میں جارہی ہوں) پر کہا کہ جا چولھے میں آگ جل رہی ہے، جل کر مرجا، زید کا حلفیہ بیان ہے کہ مذکورہ تینوں الفاظ سے میری طلاق کی نیت نہیں تھی اور نہ ''جا چولھے میں جل کر مرجا'' سے طلاق کی نیت کی تھی؛ بلکہ زید سمجھا کہ مذکورہ بالا تینوں الفاظ سے طلاق ہوگئی ہوگی؛ لہٰذا اس کو جانے کے لئے کہا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ جو حکم شرعی ہو بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: میر صاحب، جسپور، نینی تال، (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق الفاظ صریح میں سے ہے اور صریح الفاظ سے طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کرنا شرط نہیں ہے؛ اس لئے مذکورہ الفاظ سے بغیر نیت کے طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے؛ لہٰذا اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۳۵٦، جديد ۱/ ٤۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦ ؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸ ؍۳۱٦۳)

’’تجھے طلاق دوں گا‘ کے بعد ’’دی، دی، دی‘‘ کہنے سے طلاق مغلظہ

سوال [٦۷۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نشہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے کہ ’’میں تجھے رکھوں گا نہیں، میں تجھے طلاق دوں گا‘‘ پھر زید نے کہا ’’دی، دی، دی‘‘ تو کیا صورت مسئولہ میں زید کی بیوی زید کے نکاح سے نکل جاتی ہے یا نہیں؟ پھر زوجین بن کر رہنے کی کوئی صورت ہے؟

المستفتی: محمد عثمان، سہس پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے؛ کیونکہ مذاکرۂ طلاق میں ’’دی، دی، دی‘‘ کے الفاظ طلاق ہی کے لئے ہیں اور حالت نشہ میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

طلاق السكران واقع الخ. (شامي، كراچي۳/ ۲٤۱، زكريا ٤/ ٤٤۸، بدائع الصنائع، زكريا بند ديوبند ۳/ ۱۵۸، كراچي ۳/ ۹۹، الدر المنتقي قديم ۱/ ۳۸٤، جديد دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲ ؍۴۴۸۷)

طلاق دی، دی، دی‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۶۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی سسرال میں عرصہ ایک دو ماہ سے اپنی منکوحہ کے ساتھ رہتا رہا اور اپنے اخراجات خود ہی اٹھاتا رہا، مگر زید سے اپنی خوشدامن اور ہم زلف سے تکرار ہوتا رہا، جس سے تنگ آکر خوشدامن نے زید سے کہا کہ اپنا سامان لے کر کہیں اور مکان لے لو؛ چنانچہ زید اپنے سامان کو لے کر اپنی منکوحہ اور چار بچوں کے ساتھ سسرال کے قریب دوسرے مکان میں کرایہ پر چلا گیا، عرصہ دو ماہ بعد پھر کسی بات پر خوشدامن اور ہم زلف سے تکرار ہو گیا اور تکرار کی نوبت کچھ زیادہ ہی ہوگئی، زید نے خوشدامن کو تنبیہ کرنے کی غرض سے اپنی منکوحہ سے کہا کہ ’’میں نے تجھے طلاق دی، دی، دی‘‘ اس طرح لفظ طلاق تو زبان سے ایک بار کہا اور مزید دی دی دوبارا ادا کیا، تو اس صورت میں زید اپنی منکوحہ سے رجوع کرسکتا ہے کہ نہیں؟ یاد رہے کہ زید کا اپنی منکوحہ سے کوئی تنازعہ نہیں؛ بلکہ خوشگوار ازدواجی زندگی گذار رہا تھا۔

المستفتی: ایس، ایم، جمیل الدین صدیقی، صدیقی گلی، دانشمندان، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اپنی منکوحہ کو ’’طلاق دی، دی، دی‘‘ کہدیا تو اس سے منکوحہ پر تین طلاق واقع ہوگئیں اور وہ عورت زید پر بالکل حرام ہوگئی۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۲/۴۳۰، فتاوی دار العلوم ۹/۳۱۵)

وإن نوى التأكيد دين؛ أي وقع الكل قضاءً. (شامي، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا ۴/۵۲۱)

اور وہ عورت شرعی حلالہ کے بغیر زید کے لئے حلال نہیں ہوگی؛ لہٰذا زید اس سے رجوع ونکاح نہیں کرسکتا۔

وفي الهداية: وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/۶۴۲۵)

''تجھے طلاق دی، دی، دی'' سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زوجہ سے زوج نے یہ کہا کہ میں نے ''تجھے طلاق دی، دی، دی'' کا تکرار لفظ طلاق کی تاکید شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ یا یہ لفظ ''دی، دی'' الگ ایک ایک طلاق کی حیثیت رکھتا ہے یا نہیں؟ تحقیق کرنے پر گھر کے وہ افراد جن کی موجودگی میں یہ سانحہ پیش آیا وہ انہیں الفاظ کی تائید کرتے ہیں؟

المستفتی: مسعود الحسن، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''تجھے طلاق دی، دی، دی'' کے الفاظ میں شوہر نے اگر کوئی بھی نیت نہیں کی تھی یا طلاق کی نیت کی تھی، تو دونوں صورتوں میں یہ الفاظ تاکید کے لئے نہیں ہوں گے؛ بلکہ تکرار طلاق ہے اور اگر شوہر نے طلاق دی کہنے کے بعد اس لفظ کی اطلاع دینے کے لئے اور تاکیدی اطلاع کے لئے ''دی، دی، دی' کے الفاظ کہے ہیں، تو تاکید کے لئے ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ لوگوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایسے وقت میں ہوش نہیں رہتا ہے، اس کا خیال خود کیجئے، لوگوں کے حالات کی وجہ سے ہم اس کو تکرار ہی سمجھتے ہیں اور تکرار کی صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوتی ہے اور تاکید کی صورت میں ایک طلاق ہوتی ہے، اس کا فیصلہ شوہر خود کرلے کہ اس نے کیا نیت کی تھی اور حرام کاری سے ڈرے۔

کرر لفظ الطلاق وقع الکل، وإن نویٰ التأ کید دین. وتحته في الشامیة: وکذا إذا طلق بأن لم ینو استئنافاً ولاتأ کیداً؛ لأن الأصل عدم التأ کید.
(در مختار مع الشامي، دیوبند زکریا ٤/ ٥٢١ کراچي ٣/ ٢٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۶۷۸)

’’طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی‘‘ سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مجاہد چائے دروازے میں پی رہے تھے، پھر اس کے والد شاہد علی نے کہا کہ تجھ میں کوئی بتدیلی نہیں آئی، چائے گھر میں آکر بیوی بچوں میں پی لو، اس نے باہر سے آکر کہا کہ ابو کیوں گرم پڑ رہے ہیں، کیا کوئی دوست آیا تھا، بہن نے کہا کہ نہیں کوئی دوست نہیں آیا تمہیں سمجھانے کو کہا ہے، اس نے پی سی او کی چابی پھینک کر کہا کہ تمہیں پی سی او پر بیٹھنا ہے میں جا رہا ہوں، باپ نے کہا کہ تیرے بیوی بچوں کا کیا ہوگا، مجاہد علی نے کہا کہ قرآن کی قسم میں نے نسرین فاطمہ کو ’’طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی‘‘ اور تین مرتبہ طلاق دی اور گھر سے چلا گیا، وہاں پر گواہوں کے سامنے طلاق دی ہے، اپنے باپ کی خاطر طلاق دی ہے، اس کو اس کے گھر بھیج دو، اس کے سامان کے ساتھ، اس پر باپ نے کہا میں اسے بیٹی بنا کر رکھوں گا، تو اس کا جواب اس نے یہ دیا میں گھر میں حرام کاری نہیں ہونے دوں گا، اسے فوراً اس کے گھر پہو نچاؤ اور وہ گھر سے چلا گیا۔

المستفتیه: نسرین فاطمہ، بلاری سرائے سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: مجاہد نے جبکہ صراحۃً تین طلاق دیدیں، تو یہ طلاقیں مغلظہ ہوگئیں اور اس کی بیوی نسرین فاطمہ اس پر حرام ہوگئی۔

إذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٥، جديد١/ ٤٢٣)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، والأصل فيه قوله تعالیٰ: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره. (هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۶۶)	۱۴۲۳/۵/۲۳ھ

میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی میں نے طلاق، تو اب کیا کہتی ہے

سوال [۶۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اقبال حسین کی تقریباً ۶؍سال ہوئے شادی ہوئی؛ لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی، اس نے یہ سوچ کر کہ شاید کسی دوسری عوت سے اولاد ہو جائے ایک شادی اور کرلی۔ اب دو بیویاں ہیں کچھ دن گذرنے کے بعد پہلی بیوی سے جھگڑا ہونے لگا اور وہ یہ مطالبہ کرنے لگی کہ اس دوسری کو نکالدو۔ اقبال کی ہمشیرہ کے گھر جہاں ہمشیرۂ اقبال اور اقبال کی والدہ اور اقبال کے بھانجے مسمیٰ خالد ضیاء موجود تھے، اقبال اور پہلی بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا اور کافی شدت پیدا ہوگئی، اسی دوران اقبال نے یہ الفاظ کہے کہ ’’میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی‘‘ اور اب تو بتا کیا کہتی ہے، میں نے اپنا شوق ختم کیا۔ اب پھر دونوں بیویاں گھر پر موجود ہیں۔

برائے کرم آگاہ فرمائیں کہ طلاق کے الفاظ کس پر لاگو ہوں گے؟ جبکہ ان الفاظ کے ساتھ نہ دونوں بیویوں میں سے کسی کا نام لیا اور نہ ہی اشارہ کیا۔

المستفتی: الطاف حسین، دول پوری ملک روشن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خط کشیدہ عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ مخاطب بڑی بیوی ہے، جس کے ساتھ جھگڑا ہو رہا تھا؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بڑی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الوو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳٥٦، جديد ۱/۴۲۳)

إذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه و النظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

اب دوبارہ نکاح بھی بغیر حلالہ کے درست نہیں ہوسکتا۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/٥۳٥، تاتارخانية، زكريا ٥/۱۴۷، رقم: ۷٥۰۳، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳/ ۵۹۲)

لو بھائی طلاق، طلاق، طلاق

سوال [٦٧٢١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی اور اس کے دیور میں بحث ہو رہی تھی کہ تمہاری ماں نے تمہارے

باپ کو گھر سے نکلوادیا تھا، تم مجھے نکلوا دوگے، اس کے درمیان میں بولنے لگا کہ کیا بات ہے، اس پر ہماری بیوی بولی کہ میں نے نہیں کہا ہے، بچہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو مجھے بیوی کی بات پر یقین آ گیا کہ میری بیوی سچی ہے، میں نے کلام پاک ہاتھ میں لے لیا اور بھائی سے کہا تو کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر کہہ دے میں تیرا یقین کرلوں گا، بھائی بولا اگر میں کہہ دوں، تو تم بیوی کا کیا کروگے، میں نے کہا کہ میں چھوڑ دوں گا، بھائی نے فوراً ہی ہاتھ رکھ کر کہہ دیا، میں نے بھی فوراً اسی وقت فوراً کہہ دیا کہ لو بھائی طلاق طلاق طلاق۔

اس مسئلہ میں شرعی حکم بیان فرمائیں کہ میرے دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔

المستفتی: ریاست حسین، قانون گوئیان، ہری مسجد، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت اور اس کے دیور کے درمیان آپس میں گفتگو کے الٹ پھیر اور تکرار کے بعد کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر کہنے کی شرط پر بیوی کو چھوڑ نے کے لئے شوہر نے آمادگی کا اظہار کرلیا، پھر اسی وقت شوہر کا یہ کہہ دینا ''طلاق طلاق طلاق'' تو ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر بیوی شوہر کے نکاح سے باہر ہوگئی ہے۔ اب آئندہ بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجتہٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷۶)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرۃ، وثنتین في الأمۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً، ویدخل بھا، ثم یطلقھا، أویموت عنھا. (ھندیۃ، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، زکریا جدید ۱/۵۳۵، تاتارخانیۃ، زکریا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۷۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۷/۶ھ

ایک طلاق دو طلاق بائن

سوال [۶۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دو طلاق بائن کہا ہے، تو ایسی صورت میں عمر کی بیوی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بغیر حلالہ کے رکھنا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: احمد علی قاسمی، مدرسہ حیات العلوم، گیادوہا، مدناپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں عمرو کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوگئی ہے۔ بلاحلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

متى قرن الطلاق بالعدد كان الوقوع بالعدد. (شامي، كتاب الطلاق، باب الطلاق غير المدخول بها، كراچي۳/۲۸۷، زكريا ٤/٥١٣، مصري ٢/٦٢٧، كوئٹه ٢/٤٩٤)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣، فتاوى دارالعلوم٩/٢٤١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/۱۲/۱۲)

دو طلاق کے بعد کہا ’’میں نے تیرا حساب چکتا کر دیا‘‘

سوال [۶۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ تین سال پہلے میری شادی ذاکر حسین سے ہوئی، ڈیڑھ سال پہلے انہوں نے مجھے مار پیٹ کر نکال دیا، جب سے میں اپنے میکہ میں ہوں، صورت حال یہ تھی کہ شادی کے فوری بعد سے نا اتفاقیوں اور جھگڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جن میں میرے شوہر نے چند ایسے کلمات زبان سے ادا کئے ہیں، جن کا شرعی حکم معلوم کرنا چاہتی ہوں، ایک مرتبہ نا اتفاقی کے درمیان میرے شوہر نے کہا ’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ اور دوسری مرتبہ بھی کچھ کہنا چاہتے تھے؛ لیکن ان کی دادی نے ان کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا اور برا بھلا کہہ کر باہر چلتا کر دیا، کچھ دنوں بعد پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور انہوں نے کہا ’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ اور پھر ان کی عادت ہوگئی، جب بھی کبھی نا اتفاقی ہوتی تو وہ کہتے کہ میں نے تجھے طلاق دی اور تقریباً انہوں نے ایسے جملے ’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ چھ سات مرتبہ کہے، گھر کے لوگ سمجھاتے رہے کہ ایسی حالت میں طلاق نہیں ہوتی، میں خاموش رہی۔ اخیر میں ایک مرتبہ میرے شوہر نے کہا کہ میں تجھے دو بار طلاق دے چکا ہوں ایک بار اور کہتا ہوں ’’میں نے تیرا حساب چکتا کر دیا‘‘ میں تجھ کو مہر دیدوں گا، تو میرے لائق نہیں ہے، ان تمام واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا میں اب بھی اپنے شوہر کے لئے حلال رہی؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتية: نسیمہ نسرین، رحمت نگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سوال نامہ کا درج شدہ واقعہ سچا ہے اور شوہر نے طلاق کے مذکورہ الفاظ تین دفعہ سے زائد استعمال کئے ہیں، تو شوہر پر بیوی بالکل حرام ہوگئی ہے اور اس پر تینوں طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍ ۱۴۸۱۷)

طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے آزاد کرتا ہوں

سوال [۶۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شفیق احمد ولد عبد الرشید ساکن اوجھاری تحصیل حسن پور، ضلع: مرادآباد کا ہوں مجھ احقر کا نکاح ہمراہ مسماۃ قریشہ خاتون بنت عبد الشکور قوم شیخ اوجھاری مرادآباد سے ۳؍ جون ۱۹۷۷ء میں ہوا، مگر آپسی تعلقات ناخوشگوار ہوگئے ہیں اور تمام کوششوں کے باوجود تعلقات خوشگوار نہیں ہوئے اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے؛ لہٰذا خوب سوچ سمجھ کر مسماۃ قریشہ خاتون کو بروئے دو گواہان طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں اور اپنی زوجیت سے آزاد کرتا ہوں؛ لہٰذا یہ طلاق نامہ لکھدیا کہ سند رہے اور کام آئے اس کا کیا حکم ہے۔

المستفتی: شفیق احمد ولد عبد الرشید، حسن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں قریشہ خاتون پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

لہٰذا اب بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح کبھی درست نہیں ہوگا

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۶/۲۳)

دومرتبہ آزاد اور ایک مرتبہ لفظ طلاق کہنا

سوال [۶۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نے زید کو تنگ کیا کہ تو مجھے آزاد کردے، زید نے دومرتبہ یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے آزاد کیا، میں نے تجھے آزاد کیا، ہندہ نے کہا کہ آزادی اس طرح نہیں ہوئی اور ہندہ نے زید کا گریبان پکڑ رکھا تھا، ہندہ نے کہا کہ یوں کہہ کہ میں نے تجھے طلاق دی، زید نے یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، میرے خدا نے دی، بحوالہ جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: حافظ رمضان الدین، تحصیل رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آزاد کیا کا لفظ یہاں کے عرف میں طلاق کے لئے استعمال ہے، اس سے طلاق صریح واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا دومرتبہ کہنے سے دو طلاق ہوجاتی ہیں، بعد میں میں نے تجھے طلاق دی کے لفظ سے ایک طلاق کل ملا کر تین طلاقیں واقع ہوگئیں ہیں؛ لہٰذا اب آئندہ بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۶/۴، جدید ڈابھیل ۳۵۹/۱۲، امداد الفتاوی ۴۴۲/۲-۴۷۳)

قوله سرحتک يقع به الرجعي مع أن أصله كناية. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كوئٹه ۲/۳/۵۰۳، كراچي ۳/۲۹۹، زكريا ۴/۵۳۰)

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۲۱، رقم: ۳۹۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۷۴۵)

دومرتبہ "میں نے تجھے طلاق دی" اور تیسری مرتبہ صرف "طلاق دی" کہنا

سوال [۶۷۲۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کومخاطب کر کے یوں کہا کہ نور جہاں میں نے تجھے طلاق دی، نور جہاں میں نے تجھے طلاق دی، تیسری مرتبہ صرف یہ جملہ کہا طلاق دی، تو اس صورت میں میری بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوئی؟

المستفتی: سلطان الٰہی، صالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی آپ پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷۶)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳۵۶، جديد ۱/۴۲۳)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلته صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رصفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۶۷۰)

''طلاق، طلاق، تجھے طلاق'' اگر لکھوانی ہو تو لکھوا بھی لو

سوال [۶۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ خانگی معاملات پر میرا جھگڑا میرے شوہر کے ساتھ ہوا، انہوں نے مجھے یہ الفاظ کہے ''طلاق، طلاق، تجھے طلاق'' اگر لکھوانی ہو تو لکھوا بھی لو، تو اس سے شرعی طور پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی طلاق واقع ہوئی؟ دارالعلوم دیوبند سے فتوی منگوایا وہاں سے تین طلاق واقع ہونے کا جواب آیا؛ لیکن وقف جامع مسجد دارالعلوم دیوبند سے اس کے خلاف جواب آیا ہے اور وہاں سوال یوں لکھا تھا کہ آپس میں تنازع ہو گیا تھا کئی سال ہو گئے، اس اثنا میں میرے شوہر نے کہا ''طلاق، طلاق تجھے طلاق'' اگر لکھوانی ہو تو لکھوا بھی لو، تو وہاں سے جواب آیا کہ پہلے دونوں لفظ عرفاً تنبیہ کے لئے ہیں اور تجھے طلاق کے لفظ سے ایک طلاق رجعی اس کی بیوی پر ہو گئی تھی، تو اب شریعت کی روشنی میں دونوں فتاوی پر غور کر کے فیصلہ فرمائیں کہ کونسا فتوی صحیح ہے؟ کیا میں اپنے شوہر کے

ساتھ رہ سکتی ہوں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتیه: لئیقہ خاتون رضوی بنت سید احمد حسینی، موانہ، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر وہ شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے اور دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ درست اور صحیح ہے اور وقف جامع مسجد دارلعلوم دیوبند کے جواب میں پہلے دونوں لفظ کو تنبیہ کے لئے قرار دینا دعویٰ بلا دلیل ہے اور وقوع طلاق کے لئے خطاب اور اضافت کا صراحت سے ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ قرائن اور معنوی اضافت بھی کافی ہوتی ہے اور مذکورہ واقعہ میں آپسی جھگڑا اور بعد میں شوہر کا جملہ اگر لکھوانی ہوتو لکھوا بھی لو۔ نیز آخری لفظ کے ساتھ (تجھے) کا لفظ قرائن واضافت کے لئے پہلے دونوں لفظ کے حق میں کافی ہے؛ اس لئے تین طلاق واقع ہونے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے۔

ولایلزم کون الإضافة صریحة في کلامه (إلی قوله) لأن العادة أن من له امرأة إنما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها. (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الصریح، زکریا ٤/٤٥٨، کراچي٣/٢٤٨)

لـو کـرر لـفـظ الـطـلاق بـحـرف الـواو، أو بـغـیـر حرف الواو یتعدد الطلاق. (عالمگیري، زکریا قدیم ١/٣٥٦، زکریا جدید ١/٤٢٣)

لـو قـال: أنـت طـالـق، طـالـق، طـالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه و النظائر قدیم١/٢١٩، جدید زکریا٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶ ؍ ۲۱۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵ ؍ ۴ ؍ ۱۴۱۱ھ

دو طلاق دینا یاد ہے لیکن تیسری کا دھیان نہیں

سوال [۶۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ سلیم نے اپنی بیوی کو دوطلاقیں دیدیں اور تیسری مرتبہ کہنے کا دھیان نہیں ہے؛ لیکن انشاءاللہ کا دل میں خیال ہے، منھ سے نہیں نکلا تھا، حضرت تحریر فرمائیں کہ کونسی طلاق واقع ہوئی؟

المستفتی: محمد سلیم، بہڑا کملا پور، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تیسری مرتبہ کہنے کا دھیان نہیں ہے، تو دو طلاق واقع ہوئی ہیں، رجعت کر کے رکھنے کی اجازت ہے اور لفظ انشاء اللہ کا محض دل میں خیال کر لینے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ولو شک أطلق واحدة، أو أكثر بني على الأقل الخ. (الدر المختار، كتاب الطلاق، قبيل باب طلاق غير المدخول بها، زكريا ٤/٥٠٨، كراچي ٣/٢٨٣، الاشباه و النظائر قديم مطبوعه ديوبند ١٠٨)

عن محمد رحمه الله تعالىٰ: إذا شک في أنه طلق واحدة، أو ثلاثاً فهي واحدة حتى يستيقن، أو يكون أكبر ظنه على خلافه - (هندية، زكريا قديم ١/٣٦٣، جديد ١/٤٣٠، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/٥٨٧، رقم:٧٠٠٦)

عن عبد الله وعن أناس من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فذكر التفسير إلى قوله: الطلاق مرتان. قال: وهو الميقات الذي يكون عليها فيه الرجعة، فإذا طلق واحدة، أو ثنتين، فإما أن يمسک ويراجع بمعروف وأما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها. (سنن كبرىٰ للبيهقي، كتاب الرجعة، دارالفكر بيروت ١١/ ٢٨٢، رقم:١٥٥٣٩)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۷۹۷)

تین طلاق دینے کے بعد شوہر کے والدین کا طلاق نہ ماننا

سوال [۶۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی قمر جہاں بنت کلو پردھان کو نومبر ۱۹۹۸ء کو پورے ہوش و حواس کے ساتھ سارے گھر کے سامنے تین بار طلاق دی تھی، اس کے بعد کبھی میں نے اس کو ہاتھ نہیں لگایا، میرے ماں باپ حاجی ہیں پھر بھی وہ اس طلاق کو نہیں مانتے، میں نے اپنا دوسرا نکاح مئی میں بغیر کسی کو بتائے ہوئے کرلیا ہے اور وہ بیوی میرے ساتھ ہے؛ لیکن میرے ماں باپ اس بات کی ضد پکڑے ہوئے ہیں کہ تو اسے بھی رکھ، میں کہتا ہوں کہ میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور آج بھی تاریخ ۱۹۹۹/۹/۳ء کو بروز جمعہ کو اپنے پورے ہوش وحواس میں قمر جہاں کو پورے گھر کے سامنے اور اس کی ماں کے سامنے بھی طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں؛ لیکن تاریخ: ۱۹۹۹/۹/۴ء بروز ہفتہ میرے ماں باپ نے پھر یہ ضد پکڑ لی کہ ہم یہ طلاق نہیں مانتے، میں نے پھر پورے گھر کے سامنے قمر جہاں اور اس کی ماں کے سامنے میرے دوسرے سسرال والے اور دوسرے گاؤں کے لوگوں کی موجودگی میں تین بار طلاق دے کر اور اپنی دوسری بیوی کو لے کر گھر سے نکل گیا، میں اردو، عربی پڑھا لکھا نہیں ہوں، میں پھر بھی شریعت کے خلاف نہیں جانا چاہتا۔ مہربانی کر کے یہ بتائیے کہ طلاق ہوئی کہ نہیں؟

المستفتی: محمد یعقوب ولد محمد یوسف، گرام بیل جوڑی، اودھم سنگھ نگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کو جب تین طلاق صراحۃً دیدی گئیں تو شرعاً وہ واقع ہوگئیں اور وہ بیوی حرام ہوگئی والدین کا اس طلاق کو نہ ماننا درست نہیں اور نہ والدین کو یہ اختیار ہے، طلاق بہر حال واقع ہوچکی ہے اور وہ عورت قطعاً آپ کے لئے حرام ہوچکی ہے اور اس کے ساتھ رہنا زنا کاری ہوگی۔

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر، قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.

(أبوداؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/ ٣٠٦، دارالسلام رقم: ٢٢٥٠، صحيح البخاري، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٠-٥٢٥٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أوثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. والأصل فيه قوله تعالىٰ: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره. (هداية اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ ؍ ۶۱۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹ ؍ ۵ ؍ ۱۴۲۰ھ

ساس کی وجہ سے بیوی کو تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنی ساس سے لڑائی کررہا تھا، بیوی ہمارے موافق ہے، ساس نے کوئی ایسی غصے کی بات بولی، جس کی بنا پر میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں۔ اب ایسی حالت میں کون سی طلاق واقع ہوئی؟ دوسری بات یہ ہے کہ میں تقریباً ۵ ؍ سال سے بیمار ہوں چلنا، پھرنا بھی بمشکل ہوتا ہے، بیوی ہماری فرماں بردار ہے، میں نے ساس کی وجہ سے طلاق دی ہے؛ اس لئے حضور والا سے درخواست ہے کہ رجوع کرنے کی کیا صورت ہوگی تحریر فرمائیں؟

المستفتی: حلیم الدین، پیر غیبک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق دینے کے بعد طلاق مغلظہ پڑ گئی اورعورت مرد کے لئے حرام ہوگئی؛ لہٰذا دونوں کے درمیان جدائیگی لازم ہے۔ اب دوبارہ

نکاح میں لانے کی شکل یہی ہے کہ عدت گذرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کرے اور ہمبستری ہونے کے بعد جب شوہر ثانی طلاق دیدے، پھر عدت بھی گذر جائے تو اب شوہر اول کا اس سے نکاح کرنا جائز ہوگا۔

عن عائشة رضـ **قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه.** (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أو ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣)

و لا تحل الحرة بعد الطلقات الثلاث لمطلقها لقوله تعالیٰ: فان طلقها فلا تحل له. [سورة البقرہ: ٢٣٠]

من بعد الآية إلا بعد وطئ زوج آخر بنكاح صحيح ومضى عدته أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۸۹)

طیش میں آکر ”اس کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی“ کہنا

سوال [۶۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص یعنی زید کی اپنی بیوی کے بارے میں اپنی ماں سے تکرار ہو رہی تھی، زید اپنی ماں کو منا رہا تھا، جب اس کی والدہ نہیں مانی تو زید نے طیش میں آکر اپنی والدہ کی وجہ

سے اپنی بیوی کے بارے میں کہا، اگر تو یہی چاہتی ہے تو لے ''میں نے اس کو طلاق دی، طلاق دی،طلاق دی'' اس کے بعد معلوم کرنے پر بھی لڑکے نے یہی کہا کہ میں نے اس کو اپنی ماں کے اوپر ہی طلاق دی ہے، لفظ طلاق لڑکے کے منھ سے کئی بار نکلا ،لڑکی اسوقت وہاں پر موجود نہیں تھی اور ابھی تک اس کو اس کے بارے میں بتایا بھی نہیں تھا، زید کی والدہ کہتی ہے کہ میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی، میں اپنی باتوں کے اوپر اپنے لڑکے سے لڑ رہی تھی، اس میں اس کی بیوی کی کوئی غلطی نہیں ہے، مجھے تو اپنے ہی لڑکے سے شکایت ہے،تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر واقع ہوئی ہے تو کونسی طلاق واقع ہوئی ہے۔ بالتفصیل جواب سے نوازیں۔ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: ندیم میرٹھی، دارالعلوم دیوبند

جواب منجانب: دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شخص مذکور زید سے معلوم کیا جائے کہ اس نے طلاق کو ماں کی منشا اور چاہنے پر معلق کیا ہے یا طیش میں آکر طلاق دی ہے ماں کے چاہنے پر معلق نہیں کیا ہے، اس کے بعد جواب لکھا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: مفتی ظفیر الدین غفرلہ
۲۴رشعبان ۱۴۱۰ھ

تنقیح صحیح ہے
العبد: نظام الدین

تنقیح:
کفیل الرحمٰن نشاط
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

جواب منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معزز ومحترم مفتی دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم کی مذکورہ تحریر سے خاکسار کو اتفاق نہیں ہے؛ کیونکہ خط کشیدہ الفاظ واضح طور پر ناطق ہیں کہ

زید نے اپنی والدہ سے لڑتے ہوئے طیش میں آکر اپنی بیوی کو طلاق دی ہے؛ لہٰذا مذکورہ عبارت برائے تعلیق نہیں ہے؛ بلکہ برائے تنجیز ہے اور سوال نامہ کی درج شدہ صورت میں زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اور شوہر کا جملہ اگر تو یہی چاہتی ہے، تو لے میں نے اس کو طلاق دی، یہ تعلیق بالحال ہے، جس میں حکم تنجیز کا ہوتا ہے۔

إن التعليق بكائن تنجيز تحت قول التنوير وإن قالت شئت إن كان الأمر قد مضى طلقت؛ لأنه تنجيز الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الأمر باليد، فصل في المشية، كراچي ٣/٣٣٥، زكريا ٤/٥٨١)

وإن علق بموجود أي لو قالت: شئت إن كان فلان قدجاء، وقد جاء وقع الطلاق؛ لأن التعليق بأمر كائن تنجيز. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شعبان ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۱۹۳۷)

تیز بخار کی غفلت میں تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے تیز بخار کی غفلت میں اپنی بیمار بیوی سے کسی بات پر تین بار طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا الفاظ یہی تھے، نہ اپنی بیوی کا نام لیا، نہ یہ کہا طلاق دی، میرا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا، مگر بخار کی گرمی وغیرہ کی پریشانی میں صرف لفظ طلاق کہدیا۔ اب طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور دونوں ایک ہی ساتھ رہنا چاہتے ہیں کیا شکل ہو؟

المستفتی: ساجد علی، ادھو پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی کو مخاطب کرکے لفظ طلاق تین مرتبہ

کہہ دیا ہے، تواس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں تو حلالہ کرانا لازم ہوگا، اس کی صورت یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد بیوی کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے اس کے بعد وہ مرد طلاق دیگا، تو پھر عدت گذار کر پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ۴/۲۱، رقم: ۳۹۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹۴۱/۳۱)

بہری بیوی کو تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی شنو پروین جو کہ پیدائشی منھ سے نہیں بولتی گونگی ہے اور کانوں سے بھی نہیں سنتی ہے بہری ہے، اس کا شوہر بھی کچھ بے وقوف قسم کا ہے، اپنی زبان سے کسی کو بھی الٹا سیدھا کہہ دیتا ہے، اس کے اندر سوچنے سمجھنے کا بالکل مادہ نہیں ہے؛ اس لئے اپنی بیوی شنو پروین کو ۱۲/۸/ ۷۱ء سنیچر کو رات ساڑھے آٹھ بجے کچھ لوٹ پھیر ہوجانے پر باہر دالان میں کھڑے ہوکر تین مرتبہ طلاق دے دی، لڑکی کمرے کے اندر تھی، اگر لڑکی کے

پیچھے کتا شور مچائے یا چلائے تو اس کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کیا ہو رہا ہے، اس حالت میں ہمیں فوراً جواب دیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد یسین، عیدگاہ، نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا ضروری نہیں ہے، بیوی کے بلا سنے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب شوہر نے تین مرتبہ طلاق دے دی ہے، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں؛ لہٰذا آئندہ بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٨، البحرالرائق، كوئٹه ٣/٢٥٣، زكريا٣/٤٤٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة...... لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩،

تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٣٠٠٣ ٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۱۲۲۶)

کالی کو تین طلاق کہنے سے دو بیویوں میں سے کس پر طلاق واقع ہوگی؟

سوال [۶۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دو بیویاں ہیں: (۱) ہندہ (۲) خالدہ، ہندہ پہلے نکاح سے ہے، زید کی پہلی بیوی پڑھی ہوئی نہیں ہے؛ البتہ دوسری پڑھی لکھی اور دیندار بھی ہے، نکاح کے بعد وہ میری پہلی بیوی کو طلاق دلانا چاہتی ہے؛ لیکن میں طلاق دینا نہیں چاہتا؛ کیونکہ اس کے اخلاق اچھے ہیں، ایک دن دوسری بیوی نے کہا مجھ سے (پہلی بیوی کے بارے میں) کہ کالی کو طلاق کہو، میں نے یونہی کہہ دیا طلاق، اس نے کہا تین کہو میں نے بھی یونہی کہہ دیا تین، اس نے کہا کالی کو میں نے بھی کہہ دیا کالی کو میرے دل میں اس کو طلاق دینے کی بات نہیں تھی اور کوئی زبردستی کسی بھی طرح کی نہیں تھی، صرف وہ دوسری بیوی ہی اپنے حسن پر ناز کی بنا پر کالی کہتی ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی اس کو کالی نہیں کہتا، اس عبارت کے تحت کیا ہندہ جو زید کی پہلی بیوی ہے، اس کو طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمادیں۔

المستفتی: علیم الدین، قاسمی، امام مسجد شیخان، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب یہ بات متعین ہے کہ دوسری بیوی پہلی بیوی کو کالی کہتی ہے اور شوہر بھی سمجھتا ہے کہ کالی سے پہلی بیوی مراد ہے اور دوسری بیوی نے کالی کو طلاق دینے کا مطالبہ کیا ہے اور اس پر شوہر نے کالی کو تین طلاق دی ہیں، تو ایسی صورت میں پہلی بیوی

پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی؛ اس لئے کہ شوہر سمجھتا ہے کہ دوسری بیوی پہلی بیوی کو کالی کہتی ہے اور اس طرح مطالبۂ طلاق کے موقع پر مطالبہ کی تکمیل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؛ لہٰذا پہلی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

قالت: لزوجها: طلقني، فقال: فعلت طلقت فإن قالت زدني، فقال: فعلت طلقت أخرىٰ بقرينة الطلب. (شامي، كراچي ٣/ ٢٩٤، زكريا٤/ ٥٢٣- ٥٢٤)

وفي الخانية: :: قالت له طلقني ثلاثاً، فقال: فعلت، أو قال طلقت وقعن. (شامي، زكريا٤/ ٥٢٤، كراچي٣/ ٢٩٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۳۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۱۱ھ

ایک ساتھ دو بیویوں کو طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی دو بیویاں تھیں، دونوں بیویوں میں جھگڑا بہت ہوتا تھا، زید نے ایک دن دیکھا کہ دونوں بیویاں بہت جھگڑا کر رہی تھیں، زید نے غصہ میں اپنی دونوں بیویوں کو ایک ساتھ تین مرتبہ طلاق دیدی، حضرت کی بارگاہ میں گذارش ہے کہ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

المستفتی: ضمیر احمد، اغوان پور، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں دونوں بیویوں پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بدون حلالۂ شرعیہ کے ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح درست نہیں اور ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں چاروں اماموں کے نزدیک واقع ہوجاتی ہیں، اسی طرح دو بیویوں کو ایک ساتھ طلاق دینے سے دونوں پر طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (سنن ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دارالسلام رقم: ٢٢٥٠، صحيح بخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩١، رقم: ٥٠٦٠، ف: ٥٢٥٩، صحيح مسلم، كتاب اللعان، النسخة الهندية ١/٤٨٩، بيت الأفكار، رقم: ١٤٩٢، سنن النسائى، كتاب الطلاق، باب الرخصة في ذالك، النسخة الهندية ٢/٨٣، رقم: ٣٤٣١)

وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً، فقال الشافعيؒ، ومالكؒ، وأبوحنيفةؒ، وأحمدؒ وجماهير العلماء من السلف والخلف: يقع، وقال طاؤس و بعض أهل الظاهر لا يقع بذلك إلا واحدة. (شرح المسلم للنووي، كتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث ١/٤٧٨، مرقاة شرح مشكوة، باب الخلع، الطلاق الثلث بلفظ واحد، امداديه ملتان ٦/٢٩٣، بذل المجهود، شرح أبوداؤد، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلٰث، مكتبه يحى سهارنپور ٣/٢٧٦، دارالبشائر الإسلامية بيروت ٨/٩٥، تحت الرقم: ٢٢٠٠)

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

فإن قال امرأتهٔ طالق: و له امرأتان كلتاهما معروفتان يصرف

الطلاق إلي أيتهما شاء. (فتـاوى تـاتارخانية، زكريا ٤/ ٤٢١، رقم:٦٥٧٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۲۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۲۰ھ

زبانی طلاق مغلظہ دینے کے بعد تحریری طلاق دینا

سوال [۶۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آفتاب خاں ولد اسحاق خاں نے اپنی بیوی کو بعض وجوہ کی بنا پر زبانی تین طلاق دیدیں اور کچھ دنوں بعد اسٹامپ پیپر پر دو گواہوں کے سامنے تحریری طلاق بھی دیدی، ان دونوں کے درمیان طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور بعد عدت کوئی حق رہے گا یا نہیں؟

المستفتی: نعمان (ایم پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں جب شوہر آفتاب خاں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی اپنے شوہر کے لئے حرام ہوگئی اور عدت گذرنے کے بعد بیوی پر شوہر کا کوئی حق نہیں رہے گا؛ البتہ اگر دونوں ساتھ رہنا چاہیں، تو عدت کے بعد حلالۂ شرعیہ کے بعد پھر عدت گذار کر از سر نو نکاح کر کے میاں بیوی جیسی زندگی گذار سکتے ہیں۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ١/ ٢١٩، جديد زكريا ٦/ ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ۴۷۳، جدید ۱/ ۵۳۵، هدایة اشرفي دیو بند ۲/ ۳۹۹، تاتارخانیة، زکریا ۵/ ۱۴۷، رقم:۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۱۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

بدکار عورت کو تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کے شادی سے پہلے ایک غیر مسلم سے ناجائز تعلقات تھے؛ لیکن اس کے ماں باپ نے سمجھایا کہ نادانی میں یہ سب کچھ ہوا ہے اب نہیں ہوگا۔ اور شادی کردی گئی؛ لیکن شادی کے ایک سال بعد پھر یہ حرکت شروع کردی اور قریب ایک سال تک شوہر کے دو بھانجوں سے تعلق رہا، جب دونوں لڑکوں میں آپس میں لڑائی ہوئی، تو راز کھلا اور بات بہت آگے پنچایت تک پہونچ گئی، پنچایت نے ایک موقع اور دیا بات رفع دفع ہوگئی، ایک سال بعد تیسری مرتبہ پھر ایک غیر مسلم برادر سے اس کا تعلق ہوگیا، اس مرتبہ شوہر نے اس کو تین طلاق دیدیں، تو کیا شوہر کا یہ اقدام درست ہے؟ جلد از جلد جواب دینے کی زحمت کریں کرم ہوگا۔

نوٹ: لڑکی والے کہتے ہیں کہ طلاق آمنے سامنے ہوتی ہے، تو کیا لڑکی کا طلاق کے وقت سامنے موجود ہونا ضروری ہے یا مذکورہ طلاق ہوگئی؟ شریعت کا حکم تحریر فرمادیں شوہر تین طلاق دینے کا خود اقرار کررہا ہے۔

المستفتی: احمد علی، ساکن: رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی فاسقہ فاجرہ اور بدکار عورت کو طلاق دینے

سے شوہر پر کوئی گناہ نہیں ہے اور طلاق کے صحیح ہونے کے لئے بیوی کا آمنے سامنے موجود ہونا لازم نہیں ہے۔ غائبانہ طلاق دینے سے بھی طلاق صحیح اور معتبر ہو جاتی ہے، لڑکی والوں کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ طلاق آمنے سامنے ہوتی ہے اور تین طلاق کے ثبوت کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ شوہر تین طلاق دینے کا خود اقرار کرلے، شوہر کے اقرار کے بعد اس عورت کا شوہر کے پاس جانا اور جانے کا ارادہ کرنا جائز نہیں۔ وہ عورت شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے۔ اب اگر شوہر پر دباؤ ڈال کر دوبارہ اس کے پاس رہے گی ،تو حرام کاری اور زنا کاری ہوگی اور اس گناہ میں وہ لوگ بھی شریک ہوں گے، جو اس حالت میں عورت کو زید کے پاس بھیجنے میں تعاون کریں گے۔

وعند الحاجة إليه مباح غير مكروه وعند تفريط المرأة في حقوق الله تعالیٰ الواجبة عليها مثل الصلوة ونحوها، أن تكون غير عفيفة، أو خارجة إلى المخالعة والشقاق مندوب إليه. (اعلاء السنن، کتاب الطلاق، قبيل باب طلاق السنة، دارالكتب العلمية، بيروت ١١/١٦٢، كراچي ١١/١٤٣)

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال: طالق، فقيل له من عنيت، فقال امرأتي طلقت امرأته الخ. (شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٨)

وإذا أقر الحر العاقل البالغ بحق لزمه إقراره مجهولاً كان ما أقربه، أو معلوماً. (هداية اشرفي ديو بند٣/ ٢٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/۸۰۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۸ھ

بیوی کی بدتمیزی کی وجہ سے شوہر کا تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مجھے مسماۃ کمل پروین سے شادی کئے ہوئے دس سال کا عرصہ ہوگیا، اس دس سال کے عرصہ میں اس کی بداخلاقی بدتمیزی نیز فحش گالیاں دینی حد سے بڑھ گئی ہیں، اس وجہ سے کمل پروین کو الگ رکھنا پڑا۔ اور ایک مرتبہ تین طلاق دی، تین طلاق دی کہہ کر نکال دیا وہ پھر آگئی، کیا ایسی عورت کو رکھنا جائز ہے اور خدا اور رسول کی شان میں گستاخانہ کلمے ادا کرنا یہ مسلم منٹوں کا مذہب ہے، یہ تو عورتیں کرنے کا مذہب ہے، اس سے ہندو مذہب اچھا ہے، اس کی نظر میں شوہر کی کوئی وقعت وعزت وتوقیر بالکل نہیں ہے اور شرعی طور پر کس سزا کی مستحق ہے؟

المستفتی: سالم حسین، کسرول، دیوان خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شوہر کے ساتھ سخت الفاظ اور بےتمیزی سے پیش آنا عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

ويكره أن يدعو الرجل أباه وأن تدعو المرأة زوجها باسمه الخ.

(در مختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، زكريا ۹/۵۹۹، كراچي ٦/٤١٨)

اور مذہب کی حقارت اور استہزاء موجب توبہ ہے اور جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، آپ کا اب اس بیوی کے ساتھ رہنا حرام کاری اور زنا کاری ہوگی؛ اس لئے اس کو اب اپنے یہاں آنے دینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

عن واقع بن سحبانؓ، قال: سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثاً في مجلس، قال: أثم بربه وحرمت عليه امرأته. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۹/۵۱۹، رقم: ۱۸۰۸۷)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۳/۱۴۱۳ھ

دباؤ میں آکر تین طلاق دینا

سوال [۶۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں عبد المجید ولد عبد الحکیم آپ سے شریعت کے مطابق کچھ معلومات کرنا چاہتا ہوں، میری شادی ہوئے دس سال ہوگئے ہیں، میری بیوی نسیمہ بانو میری اجازت کے بغیر پیہر چلی جایا کرتی تھی، جس سے ہماری گھریلو زندگی ناخوشگوار حالت میں چلنے لگی اور اسی بات پر میری بیوی اپنے پیہر میں رک گئی، آخر کار میری سسرال والوں نے مجھ پر پولیس کا دباؤ ڈالنا شروع کردیا، میری بیوی نے میری موجودگی میں میرے خلاف پولیس تھانے میں بیان دیئے مجبوراً میں ذہنی طور پر پریشان ہوگیا، آخر میں نے غصے میں آکر پولیس تھانے میں تین بار طلاق طلاق کہدیا اور یہ دباؤ آج ۱۴/۲/۹۲ء تک بنا ہوا ہے، میں ذہنی طور پر بے حد پریشان ہوں، آپ یہ بتانے کی مہربانی کریں کہ کیا قرآن وشریعت کے حساب سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اس کا کوئی چشم دید گواہ بھی نہیں ہے۔

المستفتی: عبد المجید ولد عبد الحکیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دباؤ میں آکر جو طلاق دی جاتی ہے، اس سے بھی

شرعاً طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب آپ نے تین بار طلاق کہہ دیا ہے، تو اس سے آپ کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور طلاق واقع ہونے کے لئے چشم دید گواہ شرط نہیں ہے۔

عن ابن عمرؓ، قال: طلاق الکره جائز. (مصنف عبد الرزاق، کتاب الطلاق، باب طلاق الكره، المجلس العلمي بيروت ٦/٤١٠، رقم:١١٤٢١)

وإن أكره على طلاق امرأته، أوعتق عبده، ففعل ذلک وقع ما أكره عليه. (جوهر، کتاب الاکراه، امدادیه ملتان ٢/٣٥٥، دارالکتاب دیوبند ٢/٣٣٧)

وطلاق المكره، والسكران، وخلعهما، وإعتاقهما واقع. (تاتارخانية، زکریا٤/٣٩٥، رقم:٦٥١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ررمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۲۸۱۶)

وکیل کے دباؤ پر تین مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کو ہمیشہ استحاضہ شروع رہتا تھا، دوا کرنے پر ہی رکتا تھا چند روز کے لئے اس بنا پر زید دوسرا نکاح کرنا چاہتا تھا، تو زید کی سسرال والوں نے اپنی بیٹی کی طلاق مانگی، مجلس قائم ہوئی ایک کورٹ کے وکیل بھی تھے، مولوی صاحب بھی تھے کاغذ کے لکھتے وقت وکیل صاحب نے کہا میاں زید تین مرتبہ طلاق دو، مولوی صاحب نے کہا نہیں صرف ایک مرتبہ تو وکیل صاحب نے زبردستی زید سے تین مرتبہ طلاق کہلوائی زید نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دی، زید اس وقت طلاق کے مسائل سے ناواقف تھا، زید کی بیوی بہت پریشان ہے، زید طلاق دینے کو تیار نہ تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ وکیل نے زبردستی طلاق کہلوائی ایک ہی مجلس میں تین طلاق آپ مہربانی فرما کر جواب دیں۔

المستفتی: اشرف مرسلین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق جس طرح رضامندی یا ازخود غصہ کی حالت میں دینے سے واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح کسی کے زبردستی کرنے اور دباؤڈالنے کی بنا پر دینے سے بھی واقع ہوجاتی ہے، جب وکیل کے اصرار پر تین طلاقیں دیدی گئیں، تو تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، مولوی صاحب کی نہیں مانی وکیل صاحب کی ماننے کا حشر یہ ہوا کہ اب بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں ہوگا، ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی تین ہی واقع ہوتی ہیں؛ اس لئے اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

عن ابن عمرؓ، قال: طلاق الكره جائز. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب طلاق الكره جائز، المجلس العلمي بيروت ٦/ ٤١٠، رقم: ١١٤٢١)

وطلاق المكره، والسكران، وخلعهما، وإعتاقهما واقع. (تاتارخانية، زكريا٤/ ٣٩٥، رقم:٦٥١٢)

وطلاق المكره واقع. (هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٥٨)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍ ۸۱۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۱۳ھ

بیوی طلاق کا دعویٰ کرے اور شوہر خاموش رہے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شوہر اپنی بیوی پر بے انتہا ظلم وتشدد کرتا رہتا ہے، شوہر شرابی کبابی ہے، شوہر کی اس بے جا حرکت سے عورت منع کرتی ہے، جب جب منع کرتی ہے تو شوہر اپنی بیوی کو مارتا ہے اور کہتا ہے کہ تو مجھ کو منع نہیں کرسکتی، ایک مرتبہ اس عورت کی والدہ بھی شوہر کے یہاں موجود تھیں، اس کے سامنے شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور کئی دفعہ طلاق کا لفظ استعمال کیا اور اس طلاق کے بعد سے ان دونوں میں تنہائی پائے ہوئے دو سال آٹھ ماہ بیت گئے ہیں، تو وہ عورت اپنی دوسری شادی کسی اور سے کرسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ لڑکی بلقیس قسم کھا کر کہتی ہے کہ میرے شوہر نے مجھ کو تین مرتبہ سے زیادہ یوں کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی۔

نوٹ: ایک پنچایت میں بھی شوہر سے بیان لیا گیا، تو اس نے خاموشی اختیار کی، جب ساس نے کہا کہ تو نے طلاق دیدی ہے، اب لڑکی کو کیسے بھیجا جائے، تو شوہر نے کہا میری غلطی ہے، اس بیان سے بھی واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے طلاق دیدی ہے۔

گواہ: حافظ محمد ابراہیم، گڑھواوالا بجنور۔

المستفتی: بلقیس، گڑھواوالا، افضل گڑھ، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی نے قسم کھا کر یہ دعویٰ کیا کہ اس کے شوہر نے تین مرتبہ سے زائد یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، اور شوہر اس دعویٰ کا انکار نہیں کررہا ہے خاموشی اختیار کی ہے اور یہ کہا ہے کہ میری غلطی ہے، تو بیوی کا دعویٰ معتبر ہوگا اور بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی، آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

ولو قال لزوجتہٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلٰثاً. (الأشباہ والنظائر وقدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، جديد ۱/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ۲/ ۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۱۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۳ھ

غیر ارادی طور پر تین طلاق منھ سے نکلنے پر وقوع طلاق

سوال [۶۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے گیا ہوا تھا، بچوں کو لے کر کسی بات پر اپنی بیوی سے کہا سنی ہوگئی، میری بیوی اپنے میکہ چلی گئی، اس پر ان کے عزیز واقارب مجھ سے بدتمیزی کرنے لگے اور مار پیٹ پر اتر آئے اور گالی گلوچ کرنے لگے اور مجھ سے کہنے لگے کہ بتا تیرا فیصلہ کیا ہے؟ یہ سن کر غصہ کی حالت میں غیر ارادی طور پر میری زبان سے تین بار طلاق کا لفظ نکل چکا ہے، اس وقت میری بیوی وہاں پر موجود نہیں تھی، مگر وہاں پر لگ بھگ ۲۰ یا ۲۵ ؍لوگ موجود تھے، ان کی موجودگی میں مجھ سے یہ الفاظ ادا ہوئے، اس مسئلہ کا حل مجھے قرآن وحدیث کی روشنی میں دیں۔

المستفتی: محمد عابد، لائن نمبر ۳؍ ہلدوانی، آزاد نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: غصہ کی حالت میں بیوی کے خاندان والوں کی طرف سے طلاق کے مطالبہ کی صورت میں غیر ارادی طور پر زبان سے طلاق دی جائے تو وہ طلاق پڑ جاتی ہے اور موقع پر بیوی کا موجود ہونا بھی ضروری نہیں؛ اس لئے جب تین طلاقیں

دی ہیں، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہو کر بیوی قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے۔ آئندہ بغیر حلالہ کے اس سے نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

أولم ينو شيئاً و تحته في الشامية: لما مر أن الصريح لا يحتاج إلى النية.
(شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ٣/ ٢٥٠، زكريا ٤/ ٤٦١)

ويقع طلاق من غضب. (شامي، زكريا ٤/ ٤٥٢، كراچي ٣/ ٢٤٤)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰ / ۱۱۳۷۷)	۹/۱/۱۴۳۵ھ

تین طلاق کے بہانے سے سالے کو گھر پر بلانا

سوال [۶۷۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے فون پر اپنے سالے سے کہا کہ اپنی بہن کو لے جاؤ میں نے اسے طلاق دیدی ہے، سالے کے معلوم کرنے پر تم نے کتنی بار طلاق دی ہے، انہوں نے کہا کہ تین بار اس کے بعد وہ لوگ وہاں پہونچے اور تحقیق کی، تحقیق کرنے پر لڑکی اور پڑوسی خاندان والوں نے کہا کہ یہاں پر تو کوئی ایسی بات نہیں ہے؛ البتہ جب ان دونوں میں جھگڑا ہو رہا تھا، تو لڑکے نے یہ بات ضرور کہی تھی کہ آج تم اپنے گھر والوں کو بلاؤ، میں تمہیں طلاق دوں گا، اس کے علاوہ ہمیں کسی بات کا علم نہیں اور نہ ہی ہمیں یہ علم

ہے کہ اس نے آپ کو فون کیا ہے، اس کے بعد لڑکے سے معلوم کیا گیا، تو اس نے یہ جواب دیا کہ میں نے کوئی طلاق نہیں دی ہے، میں نے فون پر طلاق کے بہانے آپ کو بلایا تھا تاکہ تم یہاں حالات دیکھ لو اور ہمارے لڑائی جھگڑے ختم ہوجائیں، اس صورت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوتی ہے تو کونسی؟

المستفتی: عبدالجبار، بھاگوالا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذاقاً اور کسی کو بلانے کے بہانہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ اس لئے جب مذکورہ شخص نے اپنے سالے کو بلانے کے لئے طلاق کا لفظ کہا ہے اور سالے کے پوچھنے پر کہ کتنی بار طلاق کہا ہے، اس کے جواب میں تین بار طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے، تو مذکورہ شخص کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں، اس کے بعد طلاق کے انکار کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور بلا حلالۂ شرعیہ دوبارہ نکاح درست نہیں ہوگا۔

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، قبيل مطلب في المسائل التى تصح مع الاكراه، كراچي ۳/۲۳۶، زكريا ٤/٤٤٠)

وإذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۳۵۵، جديد ۱/٤۲۳)

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (در مختار، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا٤/۵۲۱)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، هندية، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/۵۳۵، تاتارخانية، زكريا ۵/۱٤۷، رقم: ۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۵۲/۳۷)

غیر مدخول بہا کو ''تین طلاق دی یا دیتا ہوں'' کہنے کا حکم

سوال [۶۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی غیر مدخول بہا زوجہ کو ''تین طلاق دی یا دیتا ہوں'' کہا تو اس جملہ سے کتنی طلاق پڑیں گی اور اس سے دوبارہ شادی کرنے کے لئے کیا راستہ اختیار کرنا پڑیگا؟

المستفتی: محمد فاروق، سیولوی، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مدخول بہا زوجہ کو تین طلاق دی یا دیتا ہوں کہے تو تین طلاق واقع ہوگئیں، اب بلا حلالہ دوبارہ اس سے نکاح بھی جائز نہیں ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعن عليها......ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ. كذا في الذخيره. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۴۴۰-۴۴۱)

إذا قال لامرأته: قبل الدخول بها أنت طالق ثلاثاً......وقع ذلك عند عامة العلماء. (بدائع الصنائع، كراچي ۳/۱۳۷، زكريا۳/۲۱۶)

طلق غير المدخول بها ثلاثاً وقعن سواء قال أو قعت عليك ثلاث تطليقات، أو أنت طالق ثلاثاً. (البحرالرائق، كوئٹه ۳/۲۹۱، زكريا ۳/۵۰۷)

لو قال لزوجته غير المدخول بها: أنت طالق ثلاثاً وقعن. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچي ۳/۲۸۴، ۲۸۵، زكريا ۴/۵۰۹، ۵۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۷۴۷/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۴/۱ھ

قبل الخلوۃ تین طلاق دینے کے احکام

سوال [۶۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی کسی لڑکے سے شادی ہوئی وہ جب والدین سے رخصت ہوکر اپنے شوہر کے گھر گئی اور جب اس کا شوہر اس سے پہلی رات میں رجوع ہونا چاہا، تو لڑکی نے اپنی طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کیا اور اس کو رجوع ہونے سے روک دیا کہ میں اس وقت حیض میں ہوں (یعنی مجھ کو حیض آرہا ہے) لڑکا اس کے اصرار پر مان گیا اور لڑکا حق زوجیت ادا نہ کرسکا۔ دوسرے دن ہی لڑکی اپنے میکہ چلی گئی، پھر دوبارہ اپنے شوہر کے گھر جانے سے انکار کردیا یہاں تک کہ نوبت طلاق تک پہونچ گئی، لڑکے کے والدین نے لڑکی کو بہت کچھ سمجھایا، مگر اس نے انکار ہی کیا اور طلاق لینے کی مانگ کی، لڑکے کے وارثین نے لڑکے سے طلاق دلوادی، یہ طلاق اہل پنچ حضرات کے اصرار پر دی گئی، لڑکا طلاق دینے پر راضی نہ تھا، مگر لڑکے نے تین مرتبہ لفظ طلاق ادا کیا، تو اس سلسلہ میں دریافت طلب امور یہ ہیں۔

(۱) کیا حق زوجیت ادا نہ ہونے پر بھی طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر طلاق ہوسکتی ہے تو کیا ایسی صورت میں بھی لڑکی مہر کی حقدار ہے؟

(۳) اور یہ کہ لڑکی کو عدت کرنا ضروری ہے؟

(۴) لڑکی دوبارہ اپنے شوہر کے گھر آنا چاہتی ہے، جس کو طلاق ہوئے ۳ر اگست ۱۹۹۰ء کو ایک ماہ دس یوم کا عرصہ گذر چکا ہے؟

(۵) کیا نکاح ثانی کی گنجائش ہے یا وہ لڑکی اپنے شوہر کے نکاح سے خارج ہوگئی؟

(۶) یا وہی نکاح کافی ہے؟

المستفتی: محمد نبی، محلّہ: مقبرہ دوئم، خطیرہ والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جی ہاں حق زوجیت ادا نہ کرنے کی

صورت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

قال لزوجته غير المدخول بها: أنت طالق ثلاثاً وقعن. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٨٤، ٢٨٥، زكريا ٤/٥٠٩، ٥١٠، البحر الرائق، كوئٹه ٣/٢٩١، زكريا ٣/٥٠٧، بدائع الصنائع، كراچي ٣/١٣٧، زكريا ٣/٢١٦)

(۲/۳) اگر واقعی حالت حیض میں تھی تو خلوت صحیحہ ثابت نہیں ہوئی؛ اس لئے نصف مہر واجب ہوگا اور لڑکی پر عدت گذارنا لازم ہوگا۔

والخلوة ......بلا مانع حسي وتحته في الشامية: وبالحيض، أو النفاس مع أن الأولىٰ منهي شرعاً. (شامي، كراچي ٣/١١٤، زكريا ديوبند ٤/٢٤٩)

وتجب العدة: أي كل أنواع الخلوة ولو فاسدة الخ (الدرالمختار، كراچي ٣/١٢٢، زكريا ٤/٢٦١)

(۶/۵/۴) تین طلاق دینے کی وجہ سے لڑکی شوہر کے لئے بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اب دوبارہ نکاح بھی بغیر حلالہ کے درست نہیں ہوسکتا اور شرعی طور پر حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح درست ہوسکتا ہے اور اگر تین طلاق تین جملوں میں الگ الگ دی ہے، تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور اب عدت کے اندر اور عدت گذرنے کے بعد کسی بھی وقت دوبارہ نکاح کرکے ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحًا صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۲۰۹۹)

غیر مدخول بہا کو تین طلاق کے بعد بلا حلالہ نکاح کا عدم جواز

سوال [۶۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو قبل الدخول طلاق (ایک جملہ میں تین طلاق) دیدی، پھر وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح درست ہے؟

المستفتی: محمد جاوید چاند پوری، ضلع: بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصح قول کے مطابق اس شخص کا بغیر حلالہ کے اس غیر مدخول بہا کے ساتھ نکاح جائز نہیں؛ بلکہ اس کو اپنی زوجیت میں لانے کے لئے حلالہ ضروری ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۳/ ۴۹۷، میرٹھ ۱۹/ ۳۱۷)

وفي المشكلات: من طلق امرأته الغير المدخول بها ثلاثاً، فله أن يتزوجها بلا تحليل...... وقد بالغ المحقق ابن الهمام في رده حيث قال:...... لافرق في ذلک أي في اشتراط المحلل بين كون المطلقة مدخولاً بها أو لا، لصريح إطلاق النص وقد وقع في بعض الكتب أن غير المدخول بها تحل بلا زوج وهو زَلَّة عظيمة ومصادمة للنص والإجماع.

(شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ۳/ ۲۸۵، زكريا ٤/ ٥١١، كذا في فتح القدير، كوئٹہ٤/ ٣١، زكرياديوبند ٤/ ١٥٨، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰/ ۱۱۵۱۲)

غیر کفو میں نکاح کے بعد تین طلاق دی، بلا حلالہ دوبارہ نکاح کا عدم جواز

سوال [٦٧٤٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر لڑکی نے غیر کفو میں اولیاء کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرلیا ہے اور نکاح کے بعد دخول بھی ہو گیا ہے، جس کے بعد تین طلاق دی گئی ہے، پھر تین طلاقوں کے بعد اولیاء راضی ہو جائیں اور اس لڑکے سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مفتی اشرف علی، مفتی مدرسہ حسین بخش، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں حضرات حنفیہ کے تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت امام ابو حنیفہ کی ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح مطلقاً منعقد ہو جاتا ہے، بس صرف خلاف استحباب ہے اور یہی آیت قرآنی

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا جَآئَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَآتُوْهُمْ مَا أَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ. [الممتحنة: ۱۰]

کے مطابق ہے اس لئے کہ اس آیت کریمہ کے اندر مؤمن کا مومنہ کے ساتھ نکاح کرنے میں کفو وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے، صرف ایمان کی قید ہے؛ البتہ اولیاء کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا حق اس وقت تک رہتا ہے، جب تک بچہ کا پیٹ میں آکر حمل واضح نہ ہو جائے؛ لہٰذا امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق اگر دخول ہو جائے تو وہ زنا کے مرادف نہیں ہوگا اور دخول کے بعد جب تین طلاقیں دی جائیں گی، تو وہ طلاقیں معتبر ہو جائیں گی اور آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان میں نکاح منعقد نہیں ہوگا، جو حسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

عن أبي حنيفةؒ تجوز مباشرة البالغة العاقلة عقد نكاحها ونكاح غيرها مطلقاً إلا أنه خلاف المستحب وهو ظاهر المذهب. (فتح القدير، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، كوئٹه ۳/۱۵۷، زكريا۳/۲٤٦)

نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي وله الاعتراض في غير الكفو. وتحته في المجمع: هذا إذا لم تلد منه. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت۱/٤۸۹)

حتى تلد منه لئلا يضيع الولد وينبغي إلحاق الحبل الظاهر به. (شامي، كراچي ۳/٥٦، زكريا٤/١٥٦)

ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفو صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفةؒ، وهو قول أبي يوسفؒ آخرًا، وهو قول محمدؒ آخرًا أيضاً حتى أن قبل التفريق يثبت فيه حكم الطلاق، والظهار، و الإيلاء، والتوارث، وغير ذلک؛ ولكن للأولياء حق الاعتراض. وفي الكافي : مالم تلد منه. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ٤/١٣٩، ١٤٠، رقم:٥٦٥٩، مثله في الهندية زكريا قديم ١/٢٩٢، جديد زكريا ١/٣٥٨، فتاوى قاضى خان، زكريا جديد ١/٢٠٤، على هامش الهندية، زكريا١/ ٣٣٥، هداية، اشرفي ديو بند۲/۳۱۳، تبيين الحقائق،امدادية ملتان۲/۱۲۸، زكريا ديو بند ۲/٥١٧)

(۲) حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اولیاء کی اجازت پر یہ نکاح موقوف رہتا ہے؛ لہٰذا اگر اولیاء کی اجازت سے پہلے ہمبستری ہوجائے تو یہ ہمبستری حرام ہوگی؛ چنانچہ ہمبستری کے بعد جوطلاق دی گئی ہے وہ طلاق واقع نہیں ہوگی بریں بناء دوبارہ آپس میں اولیاء کی اجازت سے نکاح کرنا چاہیں تو حلالہ کی ضرورت نہیں بغیر حلالہ کے نکاح منعقد ہوجائے گا اور پہلا نکاح جوموقوف تھا وہ اولیاء کی اجازت سے منعقد ہوجائے گا؛ لیکن اولیاء کی اجازت سے پہلے تین طلاق دینے کی صورت میں تینوں طلاقیں واقع نہیں ہوں گی اورظہار ومیراث بھی ثابت نہیں ہوگی؛ بلکہ یہ متارکت کے حکم

میں ہوجائے گا؛ اس لئے کہ دوسری جگہ نکاح کرنے کے لئے متارکت یا قضاء قاضی امام محمدؒ کے قول کے مطابق لازم ہے، جوحسب ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

وفي قول محمدؒ في ظاهر الرواية العقد موقوف على إجازة الولي، فإن أجازه جاز. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا٤/ ١٤٠، رقم: ٥٧٦١، هداية مكتبه بشرى٣/ ٢٧، اشرفي ديو بند ٢/ ٣١٤)

وعن محمد ينعقد موقوفاً ولو من كفو على إجازة الولي، فالوطؤ بلا إذن حرام ولا فيه طلاق، وظهار، وميراث وعنه إنه باطل فلا ينعقد بعبارتها أصلاً. (الدر المنتقي، دارالكتب العلمية بيروت١/ ٤٩٠، قاضي خان، زكريا ١/ ٢٠٤، وعلى هامش الهندية، زكريا ١/ ٣٣٥)

وفي الفتاوى الصُغرى: لو زوجت نفسها بغير ولي فطلقها ثلاثاً عند محمدؒ يصير متاركة حتى لو أجاز الولي لا ينفذ عنده؛ لكن لا يحرم المحل، ويكره له أن يتزوجها بعد الثلاث قبل التزوج بزوج آخر. (خلاصة الفتاوى٢/ ١٦)

وعند محمد ينعقد موقوفاً على إجازة الولي، ولو من كفو ومعنى كونه موقوفاً إنه لا يجوز وطؤها قبل الإجازة ولا يقع الطلاق، ولايتوارث أحدهما من الآخر. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت١/ ٤٩٠)

اکثر کتب فقہ ہدایہ، فتح القدیر، البحر الرائق، تبیین الحقائق، فتاوی تاتارخانیہ وغیرہ میں امام محمدؒ کا اپنے قول سے امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر الروایۃ کے مطابق رجوع کرنا ثابت ہے، مگر صاحب مجمع الانہر نے اس رجوع پر شبہ ظاہر کیا ہے۔

ويروي رجوعه إلي قول الإمام: ولهذا قال بعض الفضلاء، والأولىٰ أن يقول وعن محمدؒ؛ لكن في الغاية قال رجا ابن أبي رجا: سألت محمدًا عن النكاح بغير ولي، فقال لايجوز قلت فإن لم يكن لها ولي قال ترفع أمرها إلي القاضي ليزوجها، قلت فإن كان في موضع لا حاكم فيه، قال:

يفعل ماقال سفيان قلت وماقال سفيان قال تولي أمرها رجلاً ليزوجها انتهي فيفهم منه عدم رجوعه؛ فلهذا قال: وعند محمدؒ تدبر. (مجمع الأنهر، دارالكتب اللعلمية بيروت ۱/ ٤۹۰)

هذا ظاهر الرواية عن أبي حنيفةؒ وصاحبيه-إلى-وماروي عنهما بخلافه فقد صح رجوعهما إليه. (البحرالرائق، کوئٹہ ۳/ ۱۱۰، زکریا۳/۱۹۳-۱۹٤)

ثم المرأة إذا زوجت نفسها من غير كفو صح النكاح في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة، وهو قول أبي يوسف آخرًا، وهو قول محمدؒ آخرًا أيضاً. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ۱۳۹، رقم: ۵۷۵۹)

فتحصل أن الثابت الآن هو اتفاق الثلاثة على الجواز مطلقًا من الكفو وغيره. (فتح القدير، كوئٹه۳/ ۱۵۷، زكريا۳/ ۲٤٦)

ويروي رجوع محمدؒ إلى قولهما. (هداية البشریٰ۳/۲۸، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۱٤)

(۳) حضرت امام ابوحنیفہؒ سے حسن بن زیاد کی روایت ہے، اس روایت کے مطابق وہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس نکاح کے بعد اگر ہمبستری ہو جائے، تو وہ بدکاری کے مرادف ہوگی اور اگر بعد میں اولیاء اجازت دیدیں تب بھی منعقد نہیں ہوگا؛ بلکہ از سرنو ایجاب وقبول کے ساتھ نکاح کرنا پڑے گا؛ لہٰذا اس قول کے مطابق یہ نکاح باطل ہے؛ اس لئے اس نکاح کے بعد قبل الدخول یا بعد الدخول جو طلاق دی جائے گی، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور اولیاء کی آپسی رضامندی سے دوبارہ نکاح کا ارادہ ہو تو بغیر حلالہ کے نکاح درست ہو جائے گا اور متأخرین نے فساد زمانہ کی وجہ سے حسن بن زیاد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، جو حسب ذیل عبارات سے واضح ہے۔

وروي الحسن عن الإمام عدم جوازه أصلا و عليه فتوى قاضيخان وهو المختار فلا تحل مطلقة ثلاثاً تزوجت بغير كفو بلا رضا الولي وهذا ممايجب حفظه. (الدر المنتقي، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ٤۹۰)

وعن أبي حنيفةؒ، وأبي يوسفؒ أنه لا يجوز في غير الكفو؛ لأن كثيرا من الأشياء لا يمكن دفعه بعد الوقوع واختار بعض المتأخرين الفتوى بهذه الرواية لفساد الزمان (تبيين) ''قوله وعن أبي حنيفةؒ '' وهذه رواية الحسن. (چلپي امدادية ملتان ۲/۱۱۷، زکریادیوبند ۲/۴۹٤، مثله في مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ۱/۴۹۰، الفتاوى التاتارخانية، زکریا٤/۱٤۰، رقم:۵۷٦۰، هندية، زکریا قديم ۱/۲۹٤، جديد ۱/۳۵۸، قاضيخان، زکریا جدید ۱/۲۰٤، وعلى هامش الهندية، زکریا ۱/۳۳۵، فتح القدير، کوئٹه۳/۱۵۷، زکریا۳/۲٤٦)

اس پوری تفصیل کے بعدوضاحت کی جاتی ہے کہ ہم نے ایک زمانہ تک حسن بن زیاد کےقول پرفتوی لکھاہے،لیکن بعد میں بہت سےایسے مسلمانوں کی طرف سےسوالات آئے ہیں، جواپنے آپ کودانشور کہنے کی کوشش کرتے ہیں اورعام مسلمانوں اوربعض علماء کی طرف سے بھی استفسارات آئے ہیں کہ اللہ رب العالمین نے قرآن مقدس میں مومن کا نکاح مومنہ کے ساتھ ہونے میں کسی قسم کی برادری یا کفووغیرہ کی قیدنہیں لگائی اورفقہاء وغیرہ نے جوکفو وغیرہ کی قیودات لگائی ہیں وہ محض اجتہادی اورظنی مسائل ہیں اورظنی کے ذریعہ سے قطعی حلال چیز کوحرام نہیں کہا جاسکتا ہے؛ چنانچہ کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حسن بن زیاد کےقول کا مدارنظم وانتظام اورزجروتوبیخ کےقبیل سے ہے،حلت وحرمت اورحلال و حرام سے متعلق نہیں ہے، بریں بنا مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہؒ نے بھی اس بات کی صراحت کردی ہے کہ یہ حلت وحرمت سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ نظم وانتظام اورزجروتوبیخ سے متعلق ہے؛اس لئے اگرچہ متاخرین فقہاء نے اس قول کومفتی بہ قراردیا ہے؛لیکن اس قول کوحتمی نہیں کہا جاسکتا ہے؛ لہٰذا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی جورائے حضرات امام اعظمؒ کی ظاہرالروایہ کےمطابق ہے وہی زیادہ صحیح اورقوی ہےاوراس پرعمل کرنے کی صورت میں مخالفین کواعتراض کا موقع نہیں ملتا ہےاورنہ ہی اخبارمیں سرخیاں بنانے کا موقع ملے گا۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حدیث شریف میں جووارد ہے۔

أیما امرأة نکحت بغیر إذن موالیها، فنکاحها باطل ثلاث مرات. (أبو داؤد شریف، کتاب النکاح، باب في الولي، النسخة الهندیة ۲/ ۲۸۴، دارالسلام رقم: ۲۰۸۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بن زیاد کا قول منصوص ہے اجتہادی اور ظنی نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شریف خبر واحد ہے اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے اور خود اس حدیث شریف کے مقابلے میں دوسری صحیح حدیث شریف موجود ہے۔

الأیم أحق بنفسها من ولیها والبکر تستأذن في نفسها، وإذنها صماتها. (مسلم، کتاب النکاح، باب استئذان الثیب في النکاح، النسخة الهندیة ۱/ ۴۵۵، بیت الأفکار رقم: ۱۴۲۱، ترمذي، کتاب النکاح، باب ماجاء في استیمار البکر والثیب، النسخة الهندیة ۱/ ۲۱۰، رقم: ۱۱۰۸)

لہٰذا اس کے ذریعہ سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے؛ لہٰذا مذکورہ نص پر اور اسی کے پیش نظر حسن بن زیاد کی روایت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس روایت میں جو ارشاد فرمایا ہے، وہ نظم وانتظام اور زجر وتوبیخ سے متعلق ہے، حلت وحرمت سے متعلق نہیں ہے اور قرآن مقدس کی سورہ ممتحنہ کی آیت میں حلت وحرمت سے متعلق حکم بیان کیا گیا ہے اور متأخرین فقہاء نے فساد زمانہ کی وجہ سے مصلحۃً حسن بن زیاد کے قول کو اختیار کیا ہے؛ لیکن دلائل کی روشنی میں ظاہر الروایہ ہی زیادہ صحیح اور قوی ہے؛ اس لئے ہم اب مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی رائے کے مطابق ظاہر الروایہ کو ہی ترجیح دے کر اس پر فتویٰ لکھتے ہیں؛ اس لئے مذکورہ مسئلہ میں تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور دوبارہ اگر نکاح کرنا چاہے تو بغیر حلالہ کے نکاح منعقد نہیں ہوگا اور اس نکاح کے بعد جو اولاد ہوگی وہ اولاد ثابت النسب ہوگی اور ان میں وراثت بھی جاری ہو جائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۲۲ھ

بیوی تین کا دعویٰ کرتی ہے، شوہر انکار کرتا ہے

سوال [۶۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کہتی ہے کہ شوہر نے تین طلاق دی ہیں اور شوہر کہتا ہے کہ میں نے صرف ایک ہی طلاق دی ہے یا شوہر طلاق کا انکار کرتا ہے، تو ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی: محمد مفتی جاوید قاسمی چاند پوری، ضلع: بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت واقعہ جب بیوی یہ کہتی ہے کہ شوہر نے مجھے تین طلاق دی ہیں اور شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے صرف ایک طلاق دی ہے یا وہ طلاق کا انکار کرتا ہے، تو چوں کہ بیوی کے پاس دوشرعی گواہ موجود نہیں ہیں؛ اس لئے مسئولہ صورت میں قضاء شوہر کی بات مانی جائے گی اور طلاق کے وقوع کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا؛ لیکن اگر بیوی نے خود اپنے کانوں سے طلاق کے الفاظ سنے ہیں اور اسے تین طلاق کا پورا یقین ہے، تو اس پر دیانۃً تین طلاق پڑ گئیں۔ اب بیوی پر لازم ہے کہ حتی الامکان شوہر کو اپنے قریب نہ آنے دے اور جس طرح بھی ممکن ہو اس سے تفریق حاصل کرلے، پھر بھی اگر اس کو مجبور کیا جائے، تو وہ گنہگار نہ ہوگی؛ بلکہ سارا وبال شوہر پر ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۱، کفایت المفتی جدید زکریا ۶/۸۹، جدید ادارۃ الفاروق، کراچی ۸/۱۲۳، عثمانی ۲/۵۳۵، محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۲۹۸، میرٹھ ۱۹/۲۳۷)

المرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه: والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمالٍ، أوتهرب، فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه. (شامي، زكريا ٤/٤٦٣، كراچي ٣/٢٥١، تبيين الحقائق، امدادية ملتان ٢/٣١٨، زكريا ٣/٨٢، هندية، زكريا

قدیم ۱/۳۵٤، زکریا جدید دوبند ۱/٤۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف خاص ۴۰ر ۱۱۴۴۴)

لفظ طلاق کئی مرتبہ بول کرتا کید مراد لینا

سوال [۶۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو میکہ سے بچے کی ولادت کے بعد بغیر اپنے شوہر کی اجازت کے آجانے کی وجہ سے طیش میں آکر لفظ ’’طلاق دی‘‘ کئی مرتبہ کہا اور قسم کھا کر زید کہتا ہے کہ لفظ طلاق کئی مرتبہ کہنے کے وقت میری نیت لفظ طلاق کے تکرار کی تھی، یہی ہمارے یہاں کا عرف بھی ہے اور بصورت تاکید کئی مرتبہ کہہ کر ایک ہی مانتے ہیں، میں نے اس لفظ کو بار بار کہا ہے، میری نیت مستقل طور سے طلاق واقع کرنے کی نہیں تھی، اس بات پر خود میری بیوی اور میرا سالہ اور اہل خانہ گواہ ہیں، اس طرح طلاق کا لفظ مجھ سے کئی بار کہا گیا، بخدا میرا مقصود اس کو ڈرانا دھمکانا تھا، طلاق تو ایک بھی واقع کرنا نہیں تھا تاکہ یہ آئندہ میکہ سے بغیر اجازت نہ آئے، تو ایسی صورت میں میری بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوگی؟

المستفتی: محمد زید، حافظ آباد، مالیر کوٹلہ، سنگرور (پنجاب)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ کا ارادہ ایک بھی طلاق واقع کرنے کا نہیں تھا، مگر پھر بھی آپ نے لفظ طلاق زبان سے نکال دیا، تو ایسی صورت میں آپ کا ارادہ کام نہیں کرے گا، طلاق ضرور واقع ہوگی ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک طلاق بھی واقع نہ ہو اور جب آپ نے اس لفظ کو تین مرتبہ سے زیادہ کہا ہے، تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرا ارادہ تین طلاق واقع کرنے کا نہیں تھا، تو آپ کی اگلی بات کہ ایک کا بھی

ارادہ نہیں تھا،اس کے معارض ہے؛اس لئے آپ کی اس معارض بات کا اعتبار نہ ہوگا،طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔اب بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، جديد ۱/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر:الف ۸۷۲۴/۳۷)	۱۴۲۶/۲/۲۲ھ

تین طلاق دے کر یہ کہنا کہ ہمیں تم سے محبت ہے ہزار مرتبہ طلاق دوں تب بھی واقع نہ ہوگی

سوال [۶۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو نشہ اور غصہ کی حالت میں طلاق کا لفظ بیک وقت تین مرتبہ کہا اور شوہر کا یعنی زید کا یہ کہنا کہ ہمارے دل میں تمہاری بہت محبت ہے چاہے ہزار مرتبہ تم کو طلاق دوں،مگر پھر بھی طلاق نہیں ہوگی،تو کیا طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: مفتی محمد جاوید قاسمی چاند پوری،ضلع: بجنور(یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب طلاق کا لفظ تین بار زبان سے بیوی کے حق میں استعمال کر چکا ہے،تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، چاہے بیک وقت تینوں طلاقیں دی ہوں یا بیوی سے پوری طرح سے محبت ہو،ہر حال میں طلاق واقع ہوگئی ہے۔ اب بلا حلالۂ شرعی کے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦)

وإن كـان الـطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيـره نـكـاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها . (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رمحرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۸۸۸)

تین چار سال میں کئی مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرفان خان نے اپنی بیوی کو کئی مرتبہ میں تین سے زیادہ مرتبہ طلاق دیدی ہے، سب سے پہلے دو مرتبہ طلاق دی تھی، پھر ڈیڑھ ماہ بعد دو طلاق، پھر ڈھائی سال کے بعد تین طلاق دی، پھر اس کے ایک مہینہ کے بعد تین طلاق دی، ہر طلاق کے بعد روتے ہیں اور معافی تلافی کرتے ہیں اور بیوی کے ساتھ رہتے ہیں، اس وقت سعودیہ عربیہ میں ہیں، فون پر بھی طلاق دیتے رہتے ہیں اور جب یہاں تھے، تو یہاں بھی تین سے زیادہ مرتبہ طلاق دیدی ہے۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی کا ان کے ساتھ رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ میرے ساتھ رہنے کا اصرار کریں تو میرے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتية: سائرہ خاتون، لاجپت نگر، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شوہر نے آپ کو تین چار سال میں کئی مرتبہ تین سے زیادہ طلاق دیدی ہیں اور اب سعودیہ سے فون پر بھی تین سے زیادہ مرتبہ طلاق دیتے رہتے ہیں، تو آپ کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ

شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہو چکی ہیں اور آپ کا ان کے ساتھ رہنا اور اپنے اوپر قابو دینا حرام کاری اور زنا کاری ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: الطلاق مرتان: .... فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه. [البقرہ: ۲۳۰]

عن سهل بن سعدؓ، قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذهٗ رسول الله صلى الله عليه وسلم. (بخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث ٢/٧٩١، رقم: ٥٠٦٠، ف: ٥٢٥٩، صحيح مسلم، كتاب اللعان، النسخة الهندية ١/٤٨٩، بيت الأفكار، رقم: ١٤٩٢، أبو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دارالسلام رقم: ٢٢٥٠)

وقال الليث عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا فان طلقها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيره. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩٢، رقم: ٥٠٦٥، ف: ٥٢٦٤، صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ١/٤٧٦، بيبت الأفكار رقم: ١٤٧١)

عن واقع بن سحبانؓ، قال: سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثاً في مجلس، قال: أثم بربه وحرمت عليه امرأته. (مصنف ابن أبي شيبة، جديد مؤسسه علوم القرآن بيروت ٩/٥١٩، رقم: ١٨٠٨٧)

مالک أنه بلغه أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ علي؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا امام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ١٩٩، بيروت، رقم: ١١٢١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره

نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥)

عن عائشة، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت، فطلقتها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩١، دارالسلام رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۵۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۴ھ

فون پر کئی مرتبہ طلاق دینے کا حکم

سوال [۶۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انوار عالم بن محمد حسین نے اپنی بیوی عالم آراء کو فون پر بات چیت کرتے وقت حق زوجیت ادا نہ کرنے کی وجہ سے کئی مرتبہ طلاق دیدی، بروز بدھ ۱۳/۷/۱۰ء کو جبکہ ان کی بیوی کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق کو صرف دومرتبہ سنا ہے اورلڑکے کا کہنا ہے کہ تین مرتبہ سے بھی زائد کہا ہے۔ یادرہے کہ ان کی بیوی حاملہ ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یانہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: انوار عالم بن محمد حسین، رائے پور، اودھم سنگھ نگر (اترا کھنڈ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین مرتبہ سے زائد طلاق دینے کا شوہر خود اقرار کررہا ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی۔ اب آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں ہے

اور طلاق واقع ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں ہے صرف شوہر کا اقرار کافی ہے اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹)

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/۳۵٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۲٦۵/۴۰)

بار بار ''طلاق دی'' کہنا

سوال [٦۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی شاہ بانو عمر تقریباً ۱۹ر سال جس کی رخصتی کو تقریباً دو سال گذر چکے ہیں۔ اب میری لڑکی شاہ بانو کو طلاق دیدی گئی ہے، ۲۴ر جون جمعہ کو لڑکی کی ساس اور دیور اور لڑکا شوہر آیا، ان لوگوں نے پہلے شاہ بانو کے باپ سے تکرار شروع کیا پھر فوراً طلاق دیدی اور یہ لفظ بار بار کہا کہ ''طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' پھر کہا میں نے طلاق دی، پھر زینہ پر جا کر اسی کو دہرایا، اب مجھ کو کیا کرنا چاہئے، اب زیور سامان جہیز اور عدت کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: حاجی خورشید الٰہی، شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کی درج شدہ صورت میں لڑکی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

جہیز کا سامان مہر وغیرہ جولڑکی کی ملکیت ہے، وہ سب لڑکی کا حق ہے، اس کا حق اس کو واپس کرنا لازم ہے۔

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، زكريا ٤/٣١١، كراچي ٣/١٥٨)

اور عدت کا خرچہ شوہر پر اس وقت لازم ہوتا ہے، جب بیوی وہاں پر عدت گذارتی ہے جہاں شوہر کی مرضی ہو ورنہ واجب نہیں۔

ولا نفقة لأحد عشرة .... وخارجة من بيته بغير حق. (در مختار مع الشامي، كراچي ٣/٥٧٥-٥٧٦، زكريا ٥/٢٨٥-٢٨٦، بدائع الصنائع، زكريا ٣/٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۸۲۶)

شوہر کا بیوی کو متعدد بار طلاق دینا

سوال [۶۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد زید نے اپنی زوجہ سلمٰی کو ایک ہی مجلس میں متعدد بار طلاق دی واضح رہے کہ شوہر وبیوی کے درمیان نہ تو کوئی جھگڑا تھا، نہ کوئی رنجش، بلکہ یہ طلاق گھر کے دوسرے افراد کے سامنے روز بروز کی لڑائی اور تکرار کی وجہ سے دی؛ جبکہ گھر والے بھی میاں بیوی

دونوں کو تنگ کر رہے تھے، نیز دونوں میاں بیوی اب بھی ایک دوسرے کے ساتھ ازدواجی زندگی گذارنے پر راضی ہیں؛ جبکہ طلاق دیئے ہوئے سوا تین ماہ کی مدت گذر چکی ہے۔

المستفتی: محمد عابد، شیخان تلائی، سہسپور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ''متعدد بار'' کا لفظ ہے، اگر لفظ متعدد بار سے تین یا اس سے زائد طلاق مراد ہے، تو سلمٰی پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، اب بغیر حلالۂ شرعی کے سلمٰی کا زید کے ساتھ رہنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مرد اپنی بیوی کو طلاق دے کر انکار کردے گا، پھر اس عورت سے صحبت کرتا رہے گا اور جب تک یہ دونوں اپنے حال پر رہیں گے زانی کہلائیں گے۔

يأتي على الناس زمان يطلق الرجل المرأة، ثم يجحد طلاقها، فيقيم على فرجها فهما زانيان ما أقاما. (طبراني كبير، دار أحياء التراث العربي بيروت ١٠/ ٢٣٠، رقم: ١٠٥٥٦)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۸۸۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍۷؍۱۴۲۶ھ

ہوش وحواس میں تین مرتبہ سے زائد طلاق دینا

سوال [۶۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو کسی مرض کا کئی کئی دن تک دورہ پڑتا ہے، دورہ کے ختم ہونے کے بعد چوبیس گھنٹہ تک بے ہوش رہتا ہے، جس میں فحش گالیاں بکتا ہے، یہاں تک کہ ماں کو بھی گندی گالیاں بکتا ہے، اس کے بعد پندرہ بیس دن تک دماغ میں گرمی رہتی ہے اور ہوش وحواس باختہ رہتے ہیں، اس کے بعد والی حالت میں زید نے اپنی بیوی کے ساتھ بات چیت میں کہا ''نسرین میں تجھے طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' شوہر کا بیان یہ ہے کہ مجھے یہ بات یاد ہے کہ نسرین میں تجھے طلاق دے رہا ہوں ''طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' چار مرتبہ طلاق دینا یاد ہے۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کونسی ہوئی اور اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد زاہد عرف شانو، دولہا پور، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق دیتے وقت شوہر کو اتنا ہوش وحواس باقی رہا ہے کہ اس نے کیا جملہ استعمال کیا تھا، اس کا خود کا بیان ہیکہ یہ جملہ اسے یاد ہے کہ ''نسرین میں تجھے طلاق دے رہا ہوں، طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' چار مرتبہ اسے طلاق دینا یاد ہے، تو جس قدر ہوش وحواس کا ذکر اس نے اپنے بیان میں کیا ہے، طلاق کے واقع ہونے کے لئے اتنا ہوش وحواس باقی رہنا کافی ہے؛ اس لئے نسرین کے اوپر تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں اور طلاق مغلظہ واقع ہونے کی وجہ سے شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے۔ اب بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لـو قـال لزوجتهٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷٦)

وإن كـان الـطـلاق ثـلاثـاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تـنـكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/٤٧٣، جديد ۱/٥٣٥)

لـو طـلـق فشهـد عنده إثنان أنک استثنيت وهو غير ذاكر ......إلا أن يـجـاب بأن المراد بكونه لا يدري ما يقول أنه لقوة غضبه قد ينسیٰ ما يقول ولا يتـذكـره بعد. (شـامـي، كتـاب الـطـلاق، مـطـلـب في طلاق المدهوش، كراچي ۳/٢٤٤، زكريا٤/٤٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۵۹۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۵ھ

تین سے زائد مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٧٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تفضّل حسین نے اپنی بیوی کو ۳؍ سے زیادہ مرتبہ طلاق دیدی ہے اور جب لوگ اس سے طلاق کے سلسلہ میں بات کرنے گئے، تو ان سے بھی اس نے کہا کہ میں نے اسے رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، اپنا سامان اب لے جاؤ، چاہے بعد میں لے جانا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اور جہیز ومہر دینا لازم ہے بھی یا نہیں؟

المستفتی: حافظ حسین احمد، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تفضّل حسین نے اپنی بیوی کو تین سے زیادہ

مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی نہیں کرسکتا اور مہر وجہیز کا سامان لڑکی کا حق ہے، اس میں شوہر کا کوئی حق نہیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

المختار للفتوىٰ أن يحكم بكون الجهاز ملكاً لا عارية؛ لأنه الظاهر الغالب. (شامي، زكريا ٤/٣٠٩، كراچي ٣/١٥٧)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، زكريا٤/٣١١، كراچي ٣/١٥٨)

وإنما يتأكد لزومه بالوطء ونحوه......وإذا تأكد المهر لما ذكر لايسقط بعد ذلك. (شامي، زكريا ٤/٢٣٣، كراچي ٣/١٠٢)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة......حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذلك إلا بالإبراء. (هندية، زكريا قديم ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۲۲)

تین مرتبہ سے زائد چھوڑ دیا کہنا

سوال [۶۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر فراست ولد باقر بیوی سنجیدہ بنت مقصود دونوں میاں بیوی بخوشی مقصود کے گھر گئے، کچھ دیر بعد شوہر فراست نے اپنی بیوی سنجیدہ سے کہا، گھر چلو اور ابھی

لے کر جاؤں گا، بیوی نے کہا کہ میں والد سے پوچھے بغیرنہیں جاؤں گی،اس کے بعد بیوی کے والدمقصودصاحب نے کہا کہ شام کوکھانا کھا کر چلے جانا،مگرشوہرفوراً چلنے پراصرار کرتا رہا کہ ابھی لے کر جاؤں گا،ادھر بیوی کے گھر والے شام کو جانے کے لئے کہتے رہے،اسی وقت فراست نے مکان سے باہرآتے ہوئے جو دوسرے مکان کا راستہ ہے کہا ’’میں نے مقصود کی لڑکی کو چھوڑ دیا‘‘ فوراًاورلوگوں نے اس کے منھ پر ہاتھ رکھ دیااورڈانٹا، مارا پیٹا، پھر دوبارہ یہی جملہ دہرایا کہ ’’میں نے چھوڑ دیا، میں نے چھوڑ دیا‘‘ پھرجب اپنے گھر واپس آیا تو گھر والوں نے کہا کہ ایسی بات زبان سے کیوں نکالی اور مارا پیٹا پھراس نے یہ جملہ کہا کہ ’’میں نے چھوڑ دیا،چھوڑ دیا‘‘

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ فراست کی بیوی پرطلاق واقع ہوئی یانہیں؟اگر واقع ہوئی تو کون سی طلاق واقع ہوئی ؟شرع کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: فراست کے مذکورہ جملوں کو نہ بیوی نے سنا نہ بیوی کی ماں نے سنااور نہ ہی والد نے سنا، دوسرے کے مکان سے جوراستہ نکلتا ہےوہاں یہ جملہ دہرایا۔

المستفتی: رفاقت حسین،عمری کلاں،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے چھوڑ دیا کالفظ تین مرتبہ سے زائداستعمال کیاہےاور لفظ چھوڑ دیاعرف میں طلاق ہی کے لئے مستعمل ہے، اس سے طلاق صریح واقع ہوا کرتی ہے اور جب تین مرتبہ کہےتو تین طلاق واقع ہوجاتی ہیں؛ اس لئے مذکورہ صورت میں فراست کی بیوی سنجیدہ پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔اب بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

قوله سرحتک وهو ’’رها کردم‘‘؛ لأنه صار صريحاً في العرف (إلى قوله) إن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت الخ.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/٢٩٩)

متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو أو بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق .
(عالمگیري، زکریا قدیم ۱/ ۳۵٦، جدید زکریا ۱/ ٤۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲۵۹)

’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ چار مرتبہ کہنا

سوال [٦۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نعیم نے جٹھانی کے پیچھے طلاق دیدی، جٹھانی سے میل کھا رہا تھا، آٹھ مہینہ کا لڑکا ہے گود میں اور دو مہینہ کا حمل ہے اور دس بجے چار پانچ بار طلاق دی، تین چار بار یہ کہا کہ ’’میں نے تجھے طلاق دی‘‘ اس وقت دو لڑکی روما، گڑیا گھر میں تھیں اور اس کی جٹھانی بھی تھی، جس کا نام توقیر ہے، لڑکی کی ماں ہے وہ نوکری کرتی ہے۔ اب آپ اس کا فیصلہ دے دیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتیه: سائلہ انو، کٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نعیم کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالہ شرعیہ کے وہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے، وہ ہمبستری کے بعد اگر طلاق دیدے، تو بعد انقضاء عدت نعیم کے ساتھ اس کا نکاح جائز ہوگا۔

قال سبحانه تعالیٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [البقرة: ۲۳۰]

درمختار میں ہے. **لا ینکح مطلقة من نکاح صحیح نافذ بها أي بالثلث حتی یطأها غیره.** (درمختار کراچي ۳/ ٤۰۹، زکریا ٥/ ٤۰ تا ٤۳)

اسی میں آگے ہے **وتمضي عدته أي الثاني الخ.** (در مختار، زکریا ٥/ ٤٠ تا٤٣، کراچي ٣/ ٤٠٩ تا ٤١٢)

طلاق حمل کی حالت میں بھی واقع ہو جاتی ہے۔ درمختار جلد ثانی ۴۵۴ر میں ہے۔

وحل طلاقهن أي الآئسة والصغيرة والحامل. (الدر المختار، کراچي ٣/ ٢٣٢، زکریا٤/ ٤٣٤) **جواب مذکورسوال کے مطابق صحیح ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر:الف۳۳ر۵۳۱۰)

کتبہ: ممتاز احمد نعیمی غفرلہ
خادم الافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد
۱۴۱۸/۵/۲۳ھ

یکبارگی تین چار بار طلاق دینا

سوال [٦٧٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین چار بار طلاق دی، شوہر کے الفاظ یہ ہیں ''میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' بیوی اس وقت حاملہ ہے، اب دونوں ایک ساتھ رہنے کو رضامند ہیں اس واقعہ کو تقریباً ۲۲ر دن کا عرصہ گذر گیا، کیا طلاق ہوگئی؟ حاملہ ہونے سے طلاق پر کوئی اثر تو نہیں پڑا دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لئے کیا صورت ہوگی؟ کتنی مدت اور کیا کیا شرطیں درکار ہیں؟

المستفتی: جسیم احمد، محلّہ اگلگا سوار، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تین بار سے زائد طلاق دی جائے تو طلاق مغلظہ واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب آئندہ بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وضع حمل کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کر کے ہمبستری ہوجائے،

اس کے بعد وہ شخص طلاق دیدے، اس کے بعد دوبارہ تین ماہواری گذارے اس کے بعد نکاح پہلے شوہر کے ساتھ جائز ہوسکتا ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وطلاق الحامل يجوز. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٥٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية ، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

ولاتحل الحرة بعد الطلقات الثلاث لمطلقها، لقوله تعالىٰ: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه. [البقرة: ٢٣٠]

من بعد الآية......إلا بعد وطئ زوج آخر بنكاح صحيح ومضى عدته أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۲۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۴/۱۴۱۸ھ

”میں نے تجھے چھوڑ دی“ تین چار بار کہنے سے طلاق مغلظہ

سوال [۶۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو بیک وقت ایک سانس میں تین بار یا چار بار لفظ چھوڑنا کہہ دیا، یعنی یوں کہدیا کہ ”میں نے تجھے چھوڑ دی، چھوڑ دی، چھوڑ دی“ کیا یہ طلاق رجعی ہے یا طلاق مغلظہ ہے؟ آپ وضاحت کے ساتھ برائے مہربانی جواب دیں یہ واقعہ فی الحال کا ہے۔

المستفتی: محمد یونس بن محمد حسین ،دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ چھوڑ دیا عرف میں بیوی کے لئے طلاق کے لئے مستعمل ہے؛اس لئے اس سے طلاق صریح واقع ہوجاتی ہےاور جب تین بار کہد یا تو ہر بار ایک ایک طلاق کل تین طلاق ہوکر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔اب بالکل حرام ہوچکی ہے، بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوگا۔

قوله سرحتك وهو "رها كردم"؛ لأنه صار صريحاً في العرف (إلى قوله) **أن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت الخ.** (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايا، زكريا ٤/ ٥٣٠، كراچي ٣/ ٢٩٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۶۰۵/۲۵)

طلاق ،طلاق ،طلاق سے طلاق کا حکم

سوال [۶۷۶۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بحالت غضب اپنی بیوی سے کہا: جب وہ دونوں غصہ کے موڈ میں تھے یہ کہا، چپ جا طلاق دیدوں گا، پھر کچھ سوچ کر کہا ''طلاق، طلاق، طلاق، طلاق دیدی'' مراد لے ہار ہے، اب آپ یہ بتلائیں کہ طلاق پڑ گئی یا نہیں؟ اگر پڑ گئی تو مغلظہ پڑی یا کوئی دوسری (مثلاً رجعی وغیرہ) نیز یہ بھی بتلا دیجئے کہ اگر مغلظہ ہے، تو کیا اس میں حلالہ شرط ہے؟ اور کیا حلالہ بغیر صحبت کے ہوجائے گا مثلاً خلوت صحیحہ کے ذریعہ نیز آخر میں انہوں نے کہا چل

بھاگ۔ اورعدت طلاق کہاں گذاری جائے، میکہ میں یا سسرال میں؟

المستفتی: دلشاد حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی مرتبہ شوہر کے یہ کہنے کہ ”چپ جا طلاق دیدوں گا“ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی؛ کیونکہ یہ وعدۂ طلاق ہے اور وعدۂ طلاق سے طلاق نہیں پڑتی، پھراس کے بعد ذرا سوچ کر جب شوہر نے تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کے الفاظ زبان سے نکالے اور طلاق دینے کا ارادہ کیا، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے دونوں کا میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور حرام ہے اور حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ عدت گذرجانے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح ہوجائے اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ اس کو طلاق دیدے اور اس کی عدت گذرجائے تو اب پہلے شوہر کے لئے اس سے نکاح کرنا درست ہوسکتا ہے اور اگر شوہر اس گھر میں رہائش چھوڑ دے اور کوئی فتنہ نہ ہو تو شوہر کے گھر میں عدت گذارےگی اور اگر شوہر سے آمنا سامنا ہو یا فتنہ کا خطرہ ہو، تو وہاں عدت نہیں گذارے گی؛ بلکہ میکہ میں عدت گذارے گی۔

بخلاف قوله ”كنم“ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك.

(هندية، زكريا قديم ١/٣٨٤، جديد ١/٤٥٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج ولم يكن فيه خوف فتنة. (در مختار، كراچي ٣/٥٣٨، زكريا٥/٢٢٧)

وإن تعذر فلتخرج هي. (شامي، كراچي ٣/٥٣٨، زكريا ٥/٢٢٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۶۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۳ھ

دو طلاق دینے کے بعد پھر ۲؍ ماہ بعد دو طلاق دینا

سوال [۶۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاق دیدی، پھر ساتھ ہی رہنے لگے، اب تقریباً چھ ماہ کے بعد پھر دو طلاق دیدی ہے، تو شرعاً کتنی طلاق ہوئی اور اب ساتھ رہنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر میاں بیوی اسی گھر میں رہیں تو شرعاً کیا کیا احتیاط کرنی پڑے گی؟

المستفتی: ملکہ ثریا، لاکڑی والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) برتقدیر صحت واقعہ مسئولہ صورت میں اولاً دو طلاق دینے کے بعد جب دونوں ساتھ رہنے لگے، تو رجعت صحیح ہوگئ؛ لیکن بعد میں جب دو طلاقیں دی گئیں، تو تیسری طلاق بھی واقع ہوگئ اور بیوی مغلظہ قرار پائی؛ لہٰذا اب حلالۂ شرعیہ کے بغیر دونوں میں ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔

الصريح يلحق الصريح كما لو قال لها أنت طالق، ثم قال: أنت طالق، أو طلقها على مال وقع الثاني. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات، كراچي ٣/٣٠٦، زكريا ٤/٥٤٠، هندية، زكريا قديم ١/٣٧٧، جديد ١/٤٤٥)

(۲) اگر عدت شوہر کے گھر گذاری جائے، تو دونوں میں سختی سے پردہ کرنا لازم ہے،

بےتکلف بات چیت اورتنہائی میں ساتھ رہنا ہرگز جائز نہیں۔طلاق مغلظہ کے بعد وہ عورت بالکل اجنبیہ کے درجے میں ہوگئی ہے۔

ولابد من سترة بينهما في البائن إلى ماقال و سئل شيخ الإسلام عن زوجين افترقا ولكل منهما ستون سنة وبينهما أولاد تتعذر عليهما مفارقتهم، فيسكنان في بيتهم و لايجتمعان في فراش و لايلتقيان التقاء الأزواج هل لهما ذلک؟ قال نعم! وأقره المصنف. (در مختار، مع الشامي، كراچي ۳/۵۳۷، ۵۳۸، زكريا ۵/۲۲۶-۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۴ھ

دومرتبہ دو، دوکر کے چار طلاق دینا

سوال [۶۷۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بچی صدیقہ ظفر کی شادی سید انیس امان سے ۵؍سال قبل کی تھی، شادی کے بعد جب اس کی حالت متغیر دیکھی تو مستشفی نفسیہ لے گئے، ڈاکٹر صاحب نے کہا یہ دماغی مریض ہے، دوائی تجویز کی، مگر انیس امان دوا کھانے سے انکار کرتا ہے کہ یہ دوائی دماغ خراب کرتی ہے، ایسی متغیر حالت میں بھی دوائی کی پہچان رہی اور ہم سب کو بھی پہچانتا رہا، ڈاکٹر کے مشورے سے دوائی جوس میں ملاکر یا صفوف میں ملا کر دیتے رہے، دماغی کیفیت گھٹتی بڑھتی تھی، دوائی کے بغیر خاموش بیٹھا رہتا تھا، دوائی سے کنٹرول رہتا تھا، ان پانچ سالوں میں مختلف جگہوں پر دو سال ملازمت کی مہینے میں ایک دومرتبہ ناغہ بھی کرتا تھا اور اکثر یہ کہتا رہتا تھا کہ میرے قبضہ میں جن ہیں یا میں ان کو اپنے قبضے میں کروں گا، اکثر کھانا بھی چھوڑتا تھا کہ میں وظیفہ کررہا ہوں صرف جوس پیوں گا اور جب چاہا کھانا شروع کردیتا تھا۔

اکثر بچی سے لڑائی جھگڑا کرتا رہتا تھا، یہ سب اپنے ہوش وحواس میں کرتا رہتا تھا، جب لڑائی جھگڑا بہت بڑھ گیا تو میں نے بچی کو اپنے کمرے میں سلانا شروع کردیا۔ ایک دن ناشتہ دینے گئی، تو کہنے لگا تم مجھ پر جادو کرتی ہو، تم نے چائے میں ضرور کچھ ملایا ہے، تم مجھ سے تال کھیل رہی ہو، بچی روتی ہوئی غصہ میں کمرے سے باہر آگئی اور یہ کہتے ہوئے جب تال کھیلنا بند کردوں گی تب ہی آؤں گی۔ اتنے میں انیس امان نے دو طلاقیں دیدیں بچی نے زور سے کہا دو اور ایک پہلے دی تھی۔ اب میں تمہارے لئے بالکل حرام ہوگئی ہوں۔ انیس امان کہنے لگا کہ پہلے کی مجھے یاد نہیں شاید دی ہو، نہیں نہیں میں نے نہیں دی، پہلی طلاق کا منکر ہوگیا۔ بہرحال بغیر کسی دباؤ کے سید انیس امان نے اپنے علم واختیار سے طلاقیں دیں اور ہوش وحواس قائم تھے؛ بلکہ طلاق کے الفاظ کو بخوبی سمجھتا تھا، ان پر کیا نتیجہ مرتب ہوگا؟

بیوی اور غیر بیوی کا ہمیشہ اور بوقت طلاق امتیاز رہا اور دماغی مریض کے علاوہ جلال اور غصہ خوب ہے اور طلاقیں بھی غصہ میں ہی دی ہیں۔ بہرحال سید انیس امان ہندوستان چلا گیا اور چار طلاقوں کا اقرار بمع تحریر، اس طرح کیا کہ میں نے اپنی بیوی صدیقہ ظفر کو ایک مرتبہ دو بار طلاق وقفہ وقفہ سے اور اب ہندوستان آنے سے قبل میں نے اپنی بیوی صدیقہ ظفر کو دو مرتبہ ایک ساتھ طلاق دی۔

سید انیس امان کی والدہ سے معلوم ہوا کہ کالج کے زمانہ سے ہی یہ کیفیت ہے، اسی کیفیت میں اور بہکی بہکی باتیں کرنے کے باوجود انجینئر کی ڈگری حاصل کی۔ اس طلاق کو ایک سال ہوگیا ہے اور اپنی بات یعنی طلاق پر قائم ہے، ہندوستان سے ہفتہ دو ہفتہ میں ان کا فون آتا رہتا ہے کہ بیٹی جویریہ سے بات کرادو، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کیا فتوی دیتی ہے؟

المستفتی: محمد ارشد، سہارنپوری، المدینۃ المنورۃ، سعودی عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جو حالات لکھے گئے ہیں ان کے ہر گوشے پر غور کیا گیا، حاصل یہ نکلا کہ سید انیس امان اپنی زوجہ کو دو مرتبہ دو، دو طلاق

دینے کا خود اقرار کررہا ہے، اور پہلی مرتبہ جب دو طلاق دی تھی، اس وقت مزید ایک طلاق دینے کا بیوی دعویٰ کررہی ہے، مگر شوہر انکار کر رہا ہے؛ لہٰذا شوہر دو طلاق کا خود اقراری ہے؛ اس لئے اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئی تھیں؛ لیکن بعد کے واقعہ میں دو مرتبہ اور طلاق دینے کا خود شوہر اقرار کررہا ہے، تو مجموعی طور پر ۴/ طلاق کا اقرار ہوا اور ۴/ طلاقوں سے تین طلاقیں واقع ہوتی ہے؛ اس لئے بعد کی دو طلاقوں کے واقع ہونے کی وجہ سے انیس امان کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر شوہر کے لئے بالکل حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے دونوں کے مابین نکاح بھی درست نہ ہوگا اور اس کے دماغی حالات اور غصہ کے بارے میں جو حالات لکھے گئے ہیں، ان سے بھی بات واضح ہے کہ ایسی دماغی خرابی نہیں ہے، جس کی وجہ سے حق زوجیت اور نکاح وطلاق کو نہ پہچانتا ہو؛ بلکہ ہوش وحواس سب درست ہیں اور اسی حالت میں اس نے انجینیر نگ کی ڈگری بھی حاصل کی ہے؛ لہٰذا ایسی حالت میں مسئلہ نکاح وطلاق میں آدمی کو معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها كقوله أنت طالق أنت طالق. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچي ٣/ ٢٥٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩)

أن رجلاً قال لعبد الله بن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ١٩٩، بيروت رقم: ١١٢١، مشكوة شريف ٢٨٤)

في طلاق الغضبان قال فيها إنه على ثلاثة أقسام: أحدها أن يحصل له مبادي الغضب بحيث لا يتغير عقله ويعلم ما يقول ويقصده وهذا إشكال

فيه. (شامي، كراچي ٣/٢٤٤، زكريا ٤/٤٥٢)

ولو أقر بالطلاق كاذباً، أوهازلاً وقع قضاءً. (شامي، كراچي٣/٢٣٦، زكريا٤/٤٤٠، البحرالرائق، زكريا٣/٤٢٨، كوئٹه٣/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۷۴۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۹ھ

چار طلاق کی شرعی حیثیت

سوال [۶۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری اپنی بیوی سے گرما گرمی ہوگئی، میں نے اور میرے گھر والوں نے بیوی کو بہت سمجھایا، مگر وہ نہیں مانی وہ بدسلوکی اور بدتمیزی کرتی رہی، میرا غصہ بڑھتا رہا، جب وہ نہیں مانی تو میں نے غصہ میں آکر اسے قریب دس فٹ کی دوری سے چار مرتبہ صرف طلاق کا لفظ کہا، اس صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی تو پھر دوبارہ اس کے ساتھ رہنے کے لئے کیا کرنا پڑے گا؟

المستفتی: محمد انیس، گڑیا باغ ناگ پھنی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے بیوی کو چار مرتبہ طلاق دی ہے، تو تین طلاقوں کے ذریعہ بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی اور ایک طلاق لغو ہوگی، آئندہ بغیر حلالہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے اور اگر دوبارہ دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو حلالہ کا جو طریقہ ہے، اس کو اختیار کرنا لازم ہوگا۔

مالك أنه بلغه أن رجلاً قال لابن عباس إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليَّ؟ فقال له ابن عباس طلقت منك بثلاث و سبع

وتسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (المؤطا، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، للإمام مالك۱۹۹، رقم:۱۱۲۱)

عن محمد بن أياس أن ابن عباس رضي الله عنهما، وأبا هريرةؓ، وعبد الله بن عمرو بن العاصؓ، سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثاً، فكلهم قال: لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (أبو داؤ دشريف، كتاب الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث، النسخة الهندية ۱/۲۹۹، رقم:۲۱۹۸)

لو قال أنت طالق مراراً، أو ألوفا تحته، فيقع به الثلاث ويلغوا الزائد. (در مختار مع الشامي، كراچي۳/۲۸۰، زكريا ٤/٥٠٤)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۱، رقم: ٥٠٦٢، ف:٥٢٦١)

وأما الطلقات الثلاث فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر. لقوله عز وجل: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَه.

(بدائع الصنائع، فصل في حكم الطلاق البائن، زكريا ۳/۲۹۵، درالكتب العلمية بيروت ٤/٤٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۳۷۷)

چار بار طلاق دے کر آپس میں معافی مانگنا

سوال [٦٧٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میاں بیوی کا آپسی جھگڑا تھا، جب ماں کے سامنے جھگڑے کی بات کھلی تو شوہر نے بیوی کو ہوش وحواس کی حالت میں چار بار طلاق دیدی اور کہا جا میں نے تجھے آزاد کر دیا، بیوی حاملہ ہے، تو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ میاں بیوی نے آپس میں معافی مانگ لی۔

المستفتی: محمد ادیب الرحمٰن، قانون گوئیان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں عورت پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں، اب شوہر کے لئے حلالہ کئے بغیر اس عورت سے نکاح درست نہیں ہوسکتا، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت عدت گذارنے کے بعد کسی مرد سے نکاح کرلے اور وہ مرد اس کے ساتھ ہمبستری کرلے، پھر طلاق دیدے یا مرجائے، اس کے بعد پھر عورت عدت گذارے، پھر اس کے بعد پہلا شوہر نکاح کرکے اپنی بیوی بنا سکتا ہے۔

وفي الهندية: إن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩ تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر شوال المکرّم ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۷۸۳۴/۳۶)

بیوی کے مطالبہ پر چار مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٧٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رشیدہ بیگم بنت وحید الدین نے اپنے شوہر کفیل احمد ولد رئیس احمد سے طلاق کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتے، ہمیں طلاق دیدو، پھر اس کے جواب

میں لڑکے نے اپنے باپ رئیس احمد، لڑکی کے باپ وحید الدین، لڑکی کے چچا نجم الدین اور سلیم کی موجودگی میں کہا ''میں نے طلاق دی، طلاق، طلاق، طلاق'' اب سوال یہ ہے کہ لڑکی کو طلاق پڑگئی یا نہیں اور وہ جدا ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد، پرانی بانس منڈی، سیتا پور، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ میں تحریر کردہ بیان صحیح اور درست ہے، تو لڑکی کے مطالبے پر لڑکے نے جو طلاق کا لفظ چار مرتبہ استعمال کیا ہے، اس سے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بلا حلالۂ شرعیہ کے دونوں کے درمیان آئندہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۳۴۲)

چار مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مجمع عام میں اس بات کا اقراری ہے کہ میں نے اپنی بیوی ہندہ کو لڑائی

جھگڑے کے دوران کہا کہ دیکھ میرا کہا مان لے ورنہ برا ہوجائے گا، پھر صاف یہ کہا کہ میں طلاق دونگا، ہندہ نے جھلا کر انتہائی بیزاری وگستاخی سے کہا گالی بکتے ہوئے کہ تو کیا طلاق دے گا، دے، اس پر فوراً زید نے کہا ’’طلاق، طلاق، طلاق، طلاق‘‘ ۴؍ بار بعد میں ہندہ سے اس کی تحقیق کی گئی تو اس نے بھی مجمع عام میں اس واقعہ کی تصدیق کی، صورت مسئولہ میں طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اگر ہوئی تو مغلظہ یا رجعی یا بائنہ اور اس کے تحت کیا حکم شرع ہے؟

(۲) طلاق واقع ہونے کی صورت میں نان ونفقہ اور مہر سے متعلق احکام بھی بیان فرمادیں۔ نیز طلاق کی صورت میں زید وہندہ کا لڑکا امام الحسن جو پونے دوسال کا ہے، اس کے متعلق حال اور مستقبل میں ہونے والے حکم کی وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: سا کنین کھاڑی، رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو مخاطب کرکے تین مرتبہ سے زائد طلاق دیدی ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجتہٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨)

(۲) اگر شوہر جہاں پر عدت گذارنے کے لئے کہے وہاں پر عدت گذارتی ہے، تو صرف عدت کے زمانہ کا نان ونفقہ شوہر پر واجب ہے اور پونے دوسال کے بچہ کو ماں دوسال پورے ہونے تک رکھ سکتی ہے، اس کے بعد باپ اپنے پاس رکھنا چاہے، تو باپ کے حوالہ کردینا لازم ہے۔ نیز اگر ماں دوسری جگہ شادی کرتی ہے، تب بھی ماں کو رکھنے کا حق نہیں ہے۔

والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمة أي الصغير الخ. (در مختار، كراچي ٣/٥٦٠، زكريا٥/٢٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۱۷)

بیوی کومخاطب کر کے چار مرتبہ طلاق دینا

سوال [٦٧٦٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چار ماہ کا لڑکی کوحمل ہے اور میاں بیوی میں اور نند، ساس میں بھی جھگڑا تھا، اس وجہ سے شوہر نے چار مرتبہ یہ کہہ کر کہ شاہانہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دیدی، دولڑکیاں ہیں ایک کی قریب ۲/ سال کی عمر ہے اور دوسری کی ۹/ ماہ ہے اور تیسرا حمل ۴/ ماہ کا ہے اور میری ماں بیوہ ہے، میں نے دونوں لڑکیوں کو دادی کے پاس چھوڑ دیا ہے، میں اپنی والدہ کے پاس آگئی ہوں، ان لڑکیوں کی پرورش کی ذمہ داری کس کے اوپر ہے؟ ؛ لہٰذا طلاق کے بارے میں اور ان لڑکیوں کے بارے میں علماء دین کیا فرماتے ہیں؟

المستفتيه: شاہانہ بی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب شوہر نے بیوی کومخاطب کر کے چار مرتبہ طلاق کے الفاظ زبان سے نکال دیئے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب شوہر بیوی کو بغیر حلالہ کے نکاح میں بھی نہیں لاسکتا۔

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، زكريا٤/٥٢١، كراچي ٣/٢٩٣)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

ان دونوں بچیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے؛ البتہ بالغ ہونے کے بعد باپ کو لے جانے کا حق ہوگا۔ نیز اگر ماں دوسری جگہ شادی کرے گی تب بھی باپ کو لے جانے کا حق ہوگا۔

تربية الولد تثبت للأم. (در مختار، زكريا ٥/٢٥٢، ٢٥٣، كراچي ٣/٥٥٥)

والأم، والجدة لأم، أو لأب أحق بها أي بالصغيرة حتى تحيض أي تبلغ.

(در مختار، كراچي ٣/٥٦٦، زكريا ٥/٢٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا رمحرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/۴۵۸۰)

جھگڑے کی حالت میں چار مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقام کربلا میں بیوی میں جھگڑا ہوا، قریب رات کو ۱۱؍بجے بیوی کے خاوند نے چار بار ''طلاق، طلاق، طلاق، طلاق'' کہا، اس کے علاوہ قریب میں ایک عورت رہتی ہیں وہ بھی کہہ رہی تھیں کہ میں نے بھی چار بار طلاق سنا، شوہر کی بیوی کہتی ہے کہ مجھے ایک بار طلاق دی؛ جبکہ شوہر خود چار بار کہنے کا اقرار کررہا ہے۔

المستفتی: محمد رفیق، محلّہ کربلا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب جھگڑے کی حالت میں زبان سے طلاق نکلا ہے، تو مخاطب بیوی ہی ہوگی؛ اس لئے صورت مذکورہ میں بیوی کو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

ولايلزم كون الإضافة صريحة في كلامه. (شامي، كراچي ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٨)

لـو قـال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١ ، جديد زكريا ٣٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۶۰۰)

دوطلاق دینے کے بعد بہن کے کہنے پر دواور دینا

سوال[۶۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن سرتاج جہاں کی شادی آٹھ سال قبل ظہیر عالم ولد شہادت حسین سے ہوئی تھی، ظہیر عالم نے بروز سنیچر ارمئی ۲۰۱۰ء کو صبح آٹھ بجے طلاق طلاق کہہ کر گھر سے نکال دیا اور کہا ”جا میں نے تجھے طلاق دی“ اس پر ظہیر عالم کی بہن نے کہا ابھی طلاق نہیں ہوئی ہے، پھر ظہیر عالم نے دوبارہ طلاق طلاق کہہکر کہا لے اب ہوگئی۔ سرتاج جہاں کے دو بیٹے ہیں اور آٹھ ماہ سے حاملہ ہے، تو کیا ان حالات میں طلاق ہوگئی ؟

المستفتيه: سرتاج جہاں اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں جب پہلے طلاق طلاق کہہ کر گھر سے نکال دیا، تو اس سے دوطلاق رجعی واقع ہوگئیں اور ”جا میں نے تجھے طلاق دیدی“ یہ پہلی طلاق کی خبر ہے؛ لیکن اس کے بعد بہن کے جواب پر دوبارہ مزید جو یہ کہا ہے کہ طلاق طلاق لے اب ہوگئی ،تو اس کے ذریعہ سے مزید ایک طلاق کی جو گنجائش باقی تھی وہ ختم ہوگئی؛ لہٰذا سرتاج جہاں پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی اور بیوی شوہر پر قطعی حرام ہوگئی، آئندہ دونوں کے درمیان بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہ ہوگا، اور حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ ہاں البتہ بچہ کی ولادت کے بعد عدت پوری ہوجائیگی۔

لـوقال لزوجته: أنت طا لق طالق طالق طلقت ثلاثاً. (الاشباه والنظائر، قديم۹ ۲۱ ، جديد زكريا ۳۷٦)

وطلاق الحامل يجوز(هدايه اشرفى ديوبند ۲/ ۳۵٦)

وحل طلاقهن أي الائسة والصغيرة والحامل. (شامى كراچى ۳/ ۲۳۲، زكريا ٤/ ٤۳٤)

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ . [الطلاق:٤]

وإن كانت حاملا فعدتها أن تضع حملها لإطلاق،قوله تعالىٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ . (هدايه اشرفى ديوبند ۲/ ٤۲۳)

وإن كان الطلاق ثلاثاًفى الحرة، وثنتين فى الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاًغيره، نكا حاً صحيحاًويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها (هنديه زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵، هدايه اشرفى ديوبند۲/ ۳۹۹، تاتارخانية، زكرياه/ ۱٤۷، رقم۳ ۷۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ / ۱۰۰۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۵/ ۱۴۳۱ھ

میں نے ان کو طلاق دیدی ۴/ ۵ مرتبہ کہنے سے طلاق کا حکم

سوال[۶۷۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رات کے وقت باپ بیٹے کے بیچ کسی بات کولیکر جھگڑا ہورہا تھا اور اس رات میں ان کا رشتہ دار بھی موجود تھا۔ یہ لڑکا شادی شدہ تھا جس کے ساتھ باپ جھگڑ رہا تھا اس کے باپ اور اس کے چھوٹے بھائی اور رشتہ دار نے پکڑ کر اس شادی شدہ لڑکے کو باندھا اور بری طرح مار پیٹ کی اور یہ سب کچھ اس کی زوجہ بھی دیکھ رہی تھی، جب لڑکے کے اوپر

تنگی ہورہی تھی۔ وہ لوگ مار پیٹ کرا پنے گھر میں چلے گئے، اوران کو اسی طرح بندھا ہوا چھوڑ دیا، اس حالت میں انہوں نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تم مجھ کو کھولدو، مگران کی زوجہ نے انکار کردیا، پھر کہا کہ اگر تم نے مجھے نہیں کھولا تو میں تم کو طلاق دیدوں گا، اس بات پر ان کی زوجہ نے کہا کہ نکاح کرتے وقت دس پندرہ آدمی تھے، اسی طرح دس پندرہ آدمی کے سامنے طلاق دینا، اس پر لڑکے نے کہا دس پندرہ تو نہیں دو چار پڑوسی ضرور سن رہے ہوں گے، جب تم میرا کہنا نہیں مانتی تو تم میری کیسی عورت ہو، جو اس حالت میں میرے کام نہیں آسکتیں اس طرح لڑکے نے بلند آواز سے کہا کہ سن لو پڑوسیو میں نے ان کو طلاق دیدی ،اور یہ الفاظ چار پانچ مرتبہ کہے،اور یہ سب پڑوسی سن رہے تھے، پھر بھی اس عورت نے نہیں کھولا، اس کے رشتہ دار اور اس کے والد نے آکر کھولا ،اب صبح میں بات ہوئی اس لڑکے کی والدہ نے محلّہ والوں کو بلا کر خود کہا کہ میرے لڑکے نے اپنی عورت کو طلاق دیدی ،اور یہ گواہی خود ان کی زوجہ نے بھی دی کہ انہوں نے مجھے طلاق دیدی ہے، میں ان کے پاس رہنے کے قابل نہیں رہی، کھیل سمجھ رہے ہیں، برابر یہ بات گاؤں کے اندر چلتی رہی، جب حدیث کی روشنی میں یہ بات آئی تو صبح گواہی پڑوسیوں سے ملی، تب انہوں نے سوچا کہ یہ عورت ہم سے چھوٹ جائے گی ،تو سب لوگوں کو جھٹلایا، کہ میں نے طلاق نہیں دی ،صرف یہ کہا تھا کہ اگر تم نے نہیں کھولا تو میں طلاق دیدوں گا؛ جبکہ پڑوسی یہ کہہ رہے ہیں کہ چار یا پانچ مرتبہ یہ جملہ کہا میں نے اس کو طلاق دی ، یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

جب لوگوں نے بات کھول دی کہ اس کو طلاق دیدی، تو وہ لڑکا اس کو لیکر پر دیس چلا گیا، یہ شرارت اس کے والدین کی تھی اور اس طلاق کی حالت میں ایک بچہ پیدا ہوا کچھ عرصہ بعد پھر گاؤں واپس آ گیا، پھر لوگوں نے اس کے آنے پر بات اٹھائی، پھر اس نے اس بات کو جھٹلا دیا، کہ میں نے طلاق نہیں دی، آپ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، جو گواہ ہیں (سننے والے) یہ کہہ رہے ہیں کہ کہیں بھی گواہی دلوادو ہم تیار ہیں۔آپ اس کا

صحیح جواب دیکر عنداللہ ماجور ہوں۔

اور اس کے ساتھ ہم لوگوں کو کیسا تعلق رکھنا چاہئے اور مسجد سے کوئی مطلب رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اوران لوگوں سے کلام کرنا کیسا رہے گا؟ صحیح جواب سے مطلع فرمائیں۔

اور جو گواہ ہیں ان کے انگوٹھا کا نشان ہے۔ ۱. محمد یوسف ۲۔ یاسر ۳. قیوم احمد ۴. محمد یعقوب ۵. محمد شاہد انصاری

نوٹ: ان کے والد نے سہارا دیدیا کہ ہمارے لڑکے نے طلاق نہیں دی، ان لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہئے؛ جبکہ گواہ صحیح گذرے ہیں، اس پر یہ نہیں مانتے؛ جبکہ ان حالات میں اس لڑکے کی زوجہ نے نہیں کھولا اور دوسرے نے کھول دیا اور آپ صحیح جواب دیں؛ کیونکہ ان لوگوں نے سب کو جھٹلا رکھا ہے۔

المستفتی: محمد شاہد انصاری آنولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال نامہ میں درج شدہ واقعہ صحیح ہے اور شہادت دینے والے مقبول الشہادہ ہیں اور مذکورہ واقعہ کی صحت کی شہادت دے رہے ہیں، تو بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں، بلا حلالہ ساتھ رکھنا ناجائز اور حرام کاری ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الاشباہ والنظائر، قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۳۸۱)

''میں نے تجھے طلاق دی'' چار مرتبہ کہنے سے طلاق

سوال [۶۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ محمد یامین نے اپنی بیوی سے جھگڑے کے درمیان چار پانچ مرتبہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، تو اب اس صورت میں یامین کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں۔ اب بیوی کو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟ جواب سے نوازیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد یامین، کربلا، سنبھل روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں یامین کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔ اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔ اب بیوی کو رکھنے کی صرف یہ صورت ہوسکتی ہے کہ عدت گذار کر کسی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری ہوجائے، پھر وہ شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے، تو دوبارہ عدت گذار کر شوہر اول یامین سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے۔

لو قال لزوجتہ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷٦)

متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغیر حرف الواو یتعدد الطلاق. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۳٥٦، جدید ۱/٤۲۳)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره نکاحاً صحیحاً، ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (فتاوی عالمگیري، زکریا قدیم ۱/٤۷۳، جدید ۱/٥۳٥، هدایة اشرفي دیوبند ۲/۳۹۹، تاتارخانیة، زکریا ٥/۱٤۷، رقم:۷٥۰۳، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱٦۲۸)

چار پانچ بار طلاق دی؛ لیکن لڑکی نے نہیں سنا

سوال [۶۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ شادی میں گئی تھی، اپنے شوہر کے ساتھ میرے گھر آگئی تھی، شوہر راضی خوشی لڑکی کے کپڑے اور زیور لے کر اپنے گھر چلا گیا، میری لڑکی نسیم جہاں سے یہ کہہ گیا کہ شام کو گھر آجانا میری لڑکی نے یہ کہا کہ تم آجانا یا کسی بھائی کو بھیج دینا، میرے داماد محمد وسیم دوسرے دن آئے، غصہ میں آئے تھے ساس کو دروازہ پر بلا کر کہا کہ میں نے تمہاری لڑکی کو طلاق دی، یہ بات سن کر وسیم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، یہ تم نے کیا کہہ دیا، وہ چار مرتبہ کہہ کر چلے گئے، میری لڑکی نسیم باورچی خانہ میں تھی، اس نے نہیں سنا، جب اس کی والدہ نے لڑکی سے کہا کہ تجھے طلاق دے کر چلے گئے، اس نے کہا کہ میں نے نہیں سنا،

المستفتی: ظہور احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نسیم جہاں پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۵٦، جديد ۱/۴۲۳)

اب بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا، طلاق ہونے کے لئے بیوی کا سننا لازم نہیں۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند۲/۳۹۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۸۸، تاتارخانية، زكريا ۵/۱٤۷، رقم:۷۵۰۳، هندية، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۳۹۲)

پانچ چھ مرتبہ طلاق

سوال [۶۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو غصہ کے عالم میں پانچ چھ مرتبہ طلاق دی اور کہا کہ ''میں نے تجھے طلاق دی'' ان الفاظ کو کئی مرتبہ دہرایا، تو ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو بغیر حلالہ کے وہ اس کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور عدت کہاں گذارے گی؟

المستفتی: محمد اسماعیل، اغوان پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تین مرتبہ یا اس سے زیادہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں ہوگا اور حلالہ کے اندر ہمبستری اور وطی شرط ہے، اس کے بغیر حلالہ صحیح نہ ہوگا۔

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي۳/۲۹۳، زكريا٤/۵۲۱)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۵٦، جديد ۱/٤۲۳)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد

منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥)

نیز بیوی کو عدت شوہر کے گھر گذارنا لازم ہے، بلا عذر وہاں سے منتقل ہونا جائز نہیں۔

وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه، ولاتخرجان منه. (الدر المختار، كراچي ٣/ ٥٣٦، زكرياه/ ٢٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶؍۲۱۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۲/۱۴ھ

''میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی'' چھ مرتبہ کہنا

سوال [۶۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے اور میرے سسر کے درمیان پہلے سے جھگڑا تھا، اس درمیان سسر میرے یہاں آئے اور کہا کہ کل تم میرے یہاں گئے تھے، تمہیں جو کرنا ہے کرلو، میں یہاں آگیا ہوں، میں نے کہا کہ مجھے آپ کی بیٹی کو طلاق دینی ہے، اور کچھ نہیں پھر میں نے کہا کہ ''میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی، میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی، میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی'' پھر اس کے بعد میں نے کہا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر تمہاری بیٹی کو طلاق دی، میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی، میں نے تمہاری بیٹی کو طلاق دی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں میری بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟

المستفتی: رئیس احمد، کھود پورا، تالاپور، رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوکروہ مغلظہ ہوگئی، دوبارہ بلا حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں ہوسکتا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ دوسرے مرد سے عدت کے بعد نکاح صحیح کرکے ہمبستر ہوجائے، پھراس کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد عدت گذار کر نکاح کرلیا جائے۔

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٣٥٦، جديد ١/٤٢٣)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كراچي٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۸/۲۴)

دومرتبہ تین تین دفعہ طلاق دینے کا حکم

سوال[٦٧٧٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسماۃ شائستہ خانم بدچلن بدتمیز بے حیا لڑکی تھی، اس کی شادی سائل کے

ساتھ ہوگئی، دیگر رقومات کے ساتھ متفرق اوقات میں شائستہ کو اس کے دین مہر کا روپیہ مبلغ دس ہزار روپیہ ادا کر دیا تھا؛ لیکن شائستہ نے اپنی ناجائز حرکات سے سائل کو جیتے جی زندہ درگور کر دیا، آخر سائل شائستہ کی بدکرداری سے متنفر ہوکر متفرق اوقات میں دو مرتبہ تین تین دفعہ اس کو طلاق دے چکا ہے؛ لیکن سائل شائستہ کی جانب سے خدا اور رسول کے واسطہ دینے پر سابقہ طور پر اس کے ساتھ رہتا چلا آرہا تھا اور شائستہ کے بطن سے پیدا ہونے والی تیسری لڑکی سعدیہ جس کی عمر دو سال چھ ماہ کی ہے، چوتھی لڑکی علینا جو صرف گیارہ ماہ کی ہے، حیات ہیں جو شائستہ کے پاس ہیں۔ اب گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات کلام مقدس اور احادیث شریفہ کی روشنی میں یہ طے فرمادیں کہ سائل کو مذکورہ بالا حالات میں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: شہادت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر خود اقرار کررہا ہے کہ پہلے دو مرتبہ طلاق دے چکا ہے اور بعد میں پھر تین طلاقیں، تو بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی اور طلاق مغلظہ ہوکر زوجیت سے بالکل خارج ہوچکی ہے، اب دونوں کا میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور حرام کاری ہوگی۔ اب شائستہ شوہر کی بیوی نہیں رہی، اب دونوں میں علیحدگی شرعی طور پر لازم اور واجب ہے۔

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

إذا قال لامرأته: أنت طالق، طالق، طالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثاً. (هندية، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣)

إذا كانت الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تـنـكـح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، جديد ۱/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ / ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۸۱/۳۸)

جھگڑے کے دوران سات مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے جھگڑے کے دوران سات مرتبہ طلاق کے الفاظ کہے، اس کے بعد اس کی بیوی اپنے میکہ چلی گئی، آج ایک مہینہ تیرہ دن ہوگئے، شریعت کی روشنی میں اس طرح طلاق کہنے سے کتنی طلاقیں ہوئیں؟ واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سات مرتبہ شوہر نے طلاق کے الفاظ استعمال کئے ہیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی، بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا؛ اور سات مرتبہ طلاق کے الفاظ استعمال کرنے کی وجہ سے شریعت کے ساتھ ایک طرح کا مذاق کیا ہے؛ اس لئے شوہر پر توبہ کرنا لازم ہے، اب اگر ساتھ رہنا چاہے تو شرعی حلالہ کے بعد ساتھ رہنے کی گنجائش ہے۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ۱۹۹، مشكوة شريف ۲۸٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيره، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(الهندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۵۲۵/۳۷)

سات مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی کئی لڑکیاں ہیں، بڑی لڑکی کی شادی ہوگئی، مگر اس کے شوہر نے کسی بناپر سات طلاق دیدیں، کچھ دنوں وہ عدت میں رہی، پھر وہ اپنے شوہر کے پاس چلی گئی اور کہا کہ حلالہ ہوگیا، مگر اس کا ثبوت نہ دے سکی اور وہ طلاق شدہ لڑکی زید کے یہاں آتی جاتی رہےتو زید سے تعلقات باقی رکھے جائیں یا نہیں؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن، دھامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب شوہر نے سات مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بغیر حلالہ اس شوہر کے پاس رہنا حرام کاری ہوگی، اگر صحیح واقعہ کے مطابق شرعی حلالہ نہیں ہوا ہے، تو اس کا طلاق مغلظہ دینے والے شوہر کے ساتھ رہنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال له ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيت الله هزواً. (مؤطا مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ١٩٩)

لو كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامي، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، كراچي ٣/٢٩٣، زكريا ٤/٥٢١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

سب رشتہ دار اور بااثر لوگوں پر ضروری ہے کہ زید کو سمجھائیں کہ لڑکی کو حلالہ سے پہلے شوہر کے پاس جانے سے روک لیں، اگر زید روک تھام نہ کرے، تو اس سے قطع تعلق کرنے کی گنجائش ہے۔

قوله تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّار . الآية [هود: ١١٣] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

آٹھ طلاق دینا

سوال [۶۷۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو لڑائی کے دوران آٹھ طلاق دیدیں طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: دلشاد احمد پکا باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر نے تین سے زائد طلاقیں دیدیں تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے اب بغیر حلالہ نکاح بھی جائز نہیں ہے۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال له ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيت الله هزواً. (مؤطا مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، النسخة الهندية ١٩٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۷۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱۱/۱۴۱۴ھ

آٹھ نو مرتبہ طلاق کے بعد کہنا طلاق نہیں ہوئی

سوال [۶۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قادر وشمیم تاج اوران کے شوہر امداد حسین کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوااور شوہر امداد حسین نے اپنی زوجہ قادر وشمیم کو ۸-۹/ مرتبہ لفظ طلاق طلاق کہہ دیا، بعدہٗ تیار ہوکر گھر سے دور جاکر فون کے ذریعہ میسیج SMS بھیجا کہ میں کاغذات بھیج رہا ہوں اس پر دستخط کر دو، پھر شام کو گھر آکر اپنی زوجہ سے کہا کہ ہمارے درمیان طلاق نہیں ہوئی ہے، میں نے مسئلہ معلوم کرلیا ہے۔

المستفتی: کیو، تاج الدین ،تھرا کا پلی، آندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال جب امداد حسین نے اپنی بیوی کو آٹھ نو مرتبہ طلاق کے الفاظ کہہ دیئے، تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ امداد حسین کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی۔ اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے دونوں کا میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور حرام ہے اور شوہر کا یہ کہنا کہ میں نے معلوم کرلیا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی ہے محض غلط بیانی ہے؛ اس لئے اس کا اعتبار نہیں۔

عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباسؓ، فجاء رجل، فقال: إنه طلق امرأته ثلاثاً قال: فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه، ثم قال: ينطلق أحدكم

فيركب الحموقة، ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وإن الله قال: ومن يتق الله يجعل له، مخرجاً وانک لم تتق الله فلا أجدلک مخرجاً، عصيت ربک وبانت منک امرأتک. (أبو داؤد، كتاب الطلاق، باب بقية التطليقات الثلاث، النسخة الهندية ۱/ ۲۹۹، دارالسلام رقم: ۲۱۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ / ۱۰۷۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۲۸ھ

نشہ کی حالت میں آٹھ نو بار طلاق دینا

سوال [۶۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نعیمہ بانو خدا کو حاضر وناظر کر کے میں یہ پرچہ لکھ رہی ہوں، میرے شوہر گھر میں شراب پی کر آتے ہیں اور جو کچھ بھی ان کے دل میں آتا ہے، وہ کہتے ہیں، مجھ کو مارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بلا اپنے گھر والوں کو میں نے تجھ کو طلاق دی، وہ فیصلہ کر کے لیجاویں گے، یہ الفاظ کہہ دیتے ہیں، بات بات پر طلاق کا نام لیتے ہیں، آٹھ نو بار یہ الفاظ کہہ دیتے ہیں، اور اپنی زبان سے ادا کر دیتے ہیں، اس وقت ان کی والدہ نے بھی کہا کہ بار بار طلاق کا نام تو لیتا ہے اور طلاق کی دھونس بار بار دیتے ہیں اور کہتے تھے تیرے گھر پر وہ کارنامہ انجام دوں گا کہ جب دیکھوں گا کہ تیرے باپ اور بھائی کتنے بڑے لاٹ صاحب ہیں، میرا دل کہتا ہے کہ مجھ کو طلاق ہو چکی ہے، میں اس گھر میں اب نہیں جانا چاہتی، مجھ کو مجبور کرنے کی ضرورت نہیں یہ لڑکی کا بیان ہے۔

نوٹ: اوپر لڑکی کا بیان ہے اور خدا کو حاضر وناظر جان کر بیان دے رہی ہے، اب ہم لوگ پریشان ہیں کہ کیا کریں؟ ہم کو اس مندرجہ بالا عبارت کی روشنی میں اور شریعت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ جواب چاہئے کہ کیا لڑکی کو طلاق ہو چکی ہے؟

المستفتی: محمد الیاس آزاد، صدر بازار سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ میں لفظ طلاق دی کا تلفظ شوہر تین مرتبہ کرچکا ہے، تو تین طلاقیں ہوگئیں، ورنہ نہیں۔ نیز اس کے ثبوت کے لئے یہی لازم ہے کہ لڑکی دو باشرع مرد یا ایک باشرع پابند صوم وصلوۃ مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے ثابت کردے یا شوہر خود اقرار کرے ورنہ طلاق کا شرعی ثبوت نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . [البقرة: ٢٨٢)

ولغيرها رجلان، أو رجل وامرأتان للآية، أطلقه فشمل المال وغيره كالنكاح والطلاق. (البحر الرائق، كتاب الشهادت، کوئٹہ٧/٦٢، زكريا ديوبند ٧/١٠٤)

وما سوا ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان، أو رجل، وامرأتان سواء كان الحق مالا أوغير مالٍ مثل النكاح، والعتاق، والطلاق. (الجوهرة، امدادية ٢/٣٢٦، دارالكتاب ديوبند ٢/٣٠٩، هداية اشرفي ديوبند ٣/١٥٤، شامي، كراچي ٥/٤٦٥، زكريا٨/١٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵؍۱۷۷۳)

تم کو تین طلاق ہی نہیں بلکہ نو طلاق کہنے کا حکم

سوال [۶۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شیخ جلال الدین ساکن پرینی بازار ضلع بھاگل پور نے کسی وجہ سے اپنی بیوی خدیجہ کو کافی مارا، پیٹا اور غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا کہ تم کو تین طلاق ہی نہیں؛ بلکہ نو طلاق دیں، تو خدیجہ کو کتنی طلاق ہوئیں؟

المستفتی: محمد شمیم خاں، بھاگل پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شیخ جلال الدین نے اپنی بیوی خدیجہ سے کہا کہ تم کو تین طلاق ہی نہیں؛ بلکہ ''نوطلاق'' تو اس سے شیخ جلال الدین کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور بقیہ چھ لغو ہوگئیں اور بغیر حلالہ کے شیخ جلال الدین کے لئے اس بیوی سے دوبارہ نکاح کرنا صحیح نہ ہوگا۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا تریٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (المؤطا للإمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديوبند ١٩٩)

درمختار میں ہے۔

لو قال أكثر الطلاق، أو أنت طالق مراراً، أوألوفاً، أو لا قليل، ولاكثير فثلاث. هو المختار وفي الشامية: قوله ألوفا؛أي فيقع به الثلاث ويلغو الزائد. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي٣/ ٢٨٠، زكريا ديوبند ٤/ ٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۱۳)

جا تجھے طلاق، طلاق دس مرتبہ کہنا

سوال [۶۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو دس بار یہ الفاظ کہے کہ جا تجھے طلاق، طلاق ......اور دس مرتبہ ماں کی گالی بھی دی۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ طلاق واقع

ہوگئی؟ اگر واقع ہوگئی، تو کون سی پھر دوبارہ نکاح کی کیا صورت ہوگی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح جائز نہیں، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرکے ہمبستر ہوجائے، اس کے بعد طلاق دے دے، اس کے بعد دوبارہ عدت گذرنے کے بعد آپ نکاح کرسکتے ہیں۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا للإمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديوبند ۱۹۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۴۳۹/۳۲)

تجھے طلاق دیتا ہوں، طلاق، طلاق......دس مرتبہ کہنا

سوال [۶۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کہا اپنی بیوی کو طلاق دیتے ہوئے کہ تیرا ارادہ کیا ہے، بیوی نے

کہا جو تمہارا ہے وہی میرا ارادہ ہے، شوہر نے کہا میرے بچے ہیں، میں اپنے بچے لینے آیا ہوں اور تجھے طلاق دیتا ہوں اور کم از کم دس مرتبہ لفظ طلاق طلاق کہا، آپ سے درخواست ہے کہ جواب تحریر فرمادیں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حافظ جلیس احمد، سوار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں زید کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں اور دس مرتبہ لفظ طلاق کہا، تو اس سے تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں اب طلاق مغلظہ واقع ہونے کی وجہ سے بغیر حلالۂ شرعیہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منک بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا إمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديوبند ۱۹۹)

وفي الأشباه: لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

وفي الهندية: وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/۱۴۷، رقم: ۷۵۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رشعبان ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۷۰۵/۳۸)

یکبارگی دسیوں بار طلاق دینا

سوال [۶۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک روز زید جمعہ کے دن اپنے گھر سے گیا، پھر جب گھر واپس آیا، تو اپنے گھر میں بیوی کو غائب پایا اور دروازہ پر تالا لگا ہوا تھا، پھر تقریباً ساڑھے تین بجے گھر آیا، تو بیوی کو موجود پایا، زید نے اپنی بیوی سے مخاطب ہوکر کہا کہ تم پہلے یہاں سے کہاں گئی تھی، بیوی خاموش رہی اتنے میں زید کی بیوی کی بہن جو کہ زید کی بھابھی بھی ہوتی ہے، وہ بولتی ہے آپ طلاق دیدیں، زید کی بیوی خاموش تھی، کچھ بول نہیں رہی تھی، پھر زید گھر سے باہر آیا اور دروازہ پر اپنی زبان سے یکبارگی کم از کم دسیوں مرتبہ طلاق طلاق طلاق اس طرح ان گنت مرتبہ ادا کیا، ان الفاظ کی ادائے گی کے وقت چند عورتیں موجود تھیں، تو زید کی بیوی پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد انیس، سیانہ بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے تین سے زیادہ مرتبہ سے بیوی کو طلاق دی ہے، تو اس سے زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

لو قال أكثر الطلاق، أو أنت طالق مراراً، أو ألوفاً، أو لا قليل، ولا كثير فثلاث. هو المختار وفي الشامية: قوله ألوفا؛ أي فيقع به الثلاث ويلغو الزائد. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچي ۳/ ۲۸۰، زكريا ديوبند ٤/ ٥٠٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له

حتی تنکح زوجاً غیرہٗ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها، أویموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۴۴۶۱)

جنون کے عالم میں دس گیارہ مرتبہ طلاق دینا

سوال [۶۷۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضیاء الاسلام کا جھگڑا اپنی سالی سے اتنا بڑھا کہ اس نے بھرے چوراہے پر ضیاء الاسلام کے تھپڑ ماردیا، اس جنون میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، جنون کا عالم یہ تھا کہ اس نے ان الفاظ کا استعمال کم از کم دس گیارہ بار کیا؛ جبکہ اس کی بیوی سے نہ کوئی ناراضگی تھی، نہ ہی اس نے کوئی نافرمانی کی، کیا یہ طلاق مانی جائے گی؟

المستفتی: ضیاء الاسلام، گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ صورت میں بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، غصہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اگر اب پھر سے بیوی کو رکھنا چاہے، تو بغیر حلالۂ شرعیہ کے نہیں رکھ سکتا۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہٗ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها،

أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هداية اشرفي ديو بند ۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۹۰۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۲۳ھ

لاتعداد طلاق، طلاق، طلاق، کہنا

سوال [۶۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پیٹ میں سخت درد ہو رہا تھا، جس کی وجہ سے میں بے چین تھا، میں نے اپنی بیوی کو پیٹ سہلانے کی غرض سے بلایا؛ لیکن وہ نہیں آئی، جس پر مجھ کو اتنا غصہ آیا کہ میں غصے کی حالت میں پاگل سا ہو گیا اور مجھ کو کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا، میں نے اس غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر یہ الفاظ ادا کر دیئے، لاتعداد طلاق طلاق طلاق؛ لیکن بعد میں مجھ کو بہت افسوس ہوا۔ اور ان الفاظ پر مجھے بے حد ندامت ہے۔

المستفتی: صابر علی خاں، مقبرہ نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: طلاق غصہ کی ہی حالت میں دی جاتی ہے اور جب آپ کو اتنا یاد ہے کہ لفظ طلاق آپ کی زبان سے نکلا ہے، تو آپ کی بیوی پر طلاق واقع ہو چکی ہے اور جب تین بار پورے ہو گئے، تو طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، بغیر حلالہ کے رکھنا حرام کاری ہوگی۔

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع و تسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا إمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في البتة، اشرفي ديو بند ۱۹۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۲۹۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۹ھ

سینکڑوں بار لفظ طلاق کہنا

سوال [۶۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حال یہ ہے کہ میں حامد حسین ولد علی حسین محلّہ گوئیاں باغ میں کافی ٹائم سے رہتے چلے آرہے ہیں، میری عمر قریب ۵۵/ سال کی ہے، میری بیوی اور مجھ میں کچھ آپس میں جھگڑا چل رہا تھا، جس کی عمر ۴۵/ سال ہے، رات کے سات بجے میں نے اپنی بیوی سے کہا الگ میں کہ تو اپنی عادت سے باز آجا نہیں تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، کئی بار کہتا رہا اور اسکے بعد میں نے اسے طلاق طلاق طلاق سینکڑوں بار کہا۔ اب آپ اس کا جواب دیں کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حامد حسین، محلّہ گھیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوکر مغلظہ ہوگئی ہے، دوبارہ بلا حلالہ نکاح بھی صحیح نہیں ہوگا۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۲۹۲، فتاوی محمودیہ قدیم ۴/ ۵۲، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۲۷۰، کفایت المفتی ۶/ ۵۷)

أن رجلاً قال لابن عباسؓ: إني طلقت امرأتي مائة تطليقة، فماذا ترىٰ عليّ؟ فقال له ابن عباسؓ: طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها آيات الله هزواً. (مؤطا إمام مالك، كتاب الطلاق، باب ما جاء في

البتة، النسخة الهندية ۱۹۹)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً، فإن قال أردت به التأكيد صدق ديانة لا قضاءً. (الأشباه والنظائر قديم ۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

ولو كرر لفظ الطلاق ولم ينو الاستئناف ولا التأكيد وقع الكل قضاءً؛ لأنه يجعل تأسيساً لا تأكيداً؛ لأنه خير من التأكيد. (حموي، قديم ۹۷، جديد زكريا ۱۷۸، وهكذا في الشامي، كوئٹه ۲/۴۹۹، كراچي ۳/۲۹۳، زكريا ۴/۵۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴/ ۸۶۳)

شوہر پر مطلقہ ثلاثہ کا مہر، جہیز اور بچی کا خرچہ لازم ہے

سوال [۶۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر رضوان حسین عرف پپو ولد اخلاق حسین کالا پیادہ سنبھلی گیٹ مرادآباد نے لگ بھگ چار لوگوں کی موجودگی میں مجھے طلاق دیدی ہے، محرم کے دو دن پہلے ۲/۱/۰۹ میرے میکہ میں آکر، میں نے بھی سنا اور چار لوگوں نے بھی سنا اور اس سے پہلے بھی یہ تین مرتبہ مجھے طلاق دے چکا تھا؛ لیکن پہلے کوئی گواہ نہیں تھا، میرے ایک لڑکی ہے جو میکہ ہی میں پیدا ہوئی ہے، ۱۶/۴/۰۸ کو پرائیویٹ ہسپتال میں جو میرے ساتھ ہے، اب وہ میرا سامان اور مہر کی رقم بھی نہیں دینا چاہتے ہیں اور مجھے میری بچی کا خرچہ بھی ملنا چاہئے، تو کیا ہماری مہر کی رقم اور جہیز کا سامان شوہر پر واپس کرنا لازم ہے یا نہیں؟ شوہر کے نطفہ سے جو لڑکی ہے، اس کا خرچہ شوہر پر لازم ہے یا نہیں؟

المستفتية: اسماء خاتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے دومرد اوردوعورتوں کی موجودگی میں اپنی بیوی کو تین سے زائد طلاقیں دیدیں، تو بیوی شوہر پر حرام ہوگئی۔ اب شوہر کے ساتھ رہنا حرام ہے۔

قال سبحانہ وتعالیٰ: فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۡ بَعۡدُ حَتَّى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُ. [سورۃ البقرہ: ۲۳۰]

شوہر پر سامان جہیز کی واپسی اور مہر کی مکمل ادائیگی لازم ہے اور بچی کا مکمل خرچہ بھی باپ کے ذمہ ہے اور بالغ ہونے تک بچی کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔

والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۵٤۲، جدید ۱/۵۹۳)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۵٦۰، جدید ۱/٦۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۸۹۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۱ھ

طلاق مغلظہ کی صورت میں مہر اور بچوں کا حکم

سوال [۶۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مؤرخہ: ۱۹؍جون ۲۰۱۳ء بوقت صبح ۸؍بجے میری بیوی کی تائی تارہ بیگم، ان کا لڑکا اور میرے مکان مالک حافظ جی کی موجودگی میں تین بار طلاق طلاق طلاق کہہ کر میں نے اپنی بیوی کو زوجیت سے آزاد کردیا۔ اب میرا میری بیوی سے کسی بھی طرح کا کوئی تعلق اورواسطہ نہیں رہا ہے، اب بتایئے طلاق ہوئی یا نہیں؟

(۲) طلاق کے بعد مبلغ -/۱۱۰۰۰ روپئے مہر کی ادائے گی مجھ پر لازم ہے جو کہ میں دینے کیلئے تیار ہوں اور خرچ عدت بھی؛ لیکن اس پر وہ رضامند نہیں ہے، تو کیا مہر وعدت کے علاوہ بھی کوئی خرچ دینا ضروری ہے؟

(۳) بچے بھی نہیں دے رہی ہے کہتی ہے، یہ تو میرا سہارا ہیں بچے کسی بھی صورت میں نہیں دوں گی، بچوں میں دولڑکے محمد امان عمر دس سال، محمد ایان عمر ۸/ سال، ایک لڑکی علینہ عمر ۶/ سال ہے یہ بچے کس کے پاس رہیں گے اوران کا خرچ کس پر لازم ہے؟ باپ پر یا ماں پر؟

المستفتی: نہال الدین، محلّہ صالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جب آپ نے تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہہ دیا تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ پر وہ قطعی طور پر حرام ہوگئی۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۹ ۲۱، جديد زكريا ۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵)

(۲) مسئولہ صورت میں گیارہ ہزار روپئے مہر اور عدت کا خرچ آپ پر لازم ہے اوراس کے علاوہ زائد مطالبہ بیوی کی طرف سے جائز نہیں ہے۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۰۳، جديد ۱/۳۷۰)

وإذا تأكد المهر بما ذكر لايسقط بعد ذلک وإن كانت الفرقة من قبلها؛ لأن اليد بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء. (شامي، كراچي ۳/۱۰۲، زكريا ديوبند ۴/۲۳۳)

(۳) لڑکے کی اگر سات سال سے کم عمر ہو تو ماں کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہوتا ہے اور جب سات سال سے زائد عمر کا بچہ ہو جائے تو باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہو جاتا ہے، ماں کے لئے اپنی پرورش میں رکھنے کا اصرار درست نہیں ہے اور بچوں کا خرچہ بہر حال باپ کے اوپر لازم ہے اور جب لڑکی باپ کے پاس رہنے لگے، تو ماں کے پاس آنے جانے پر روک لگانا باپ کے لئے جائز نہیں۔ اورلڑکی کو بالغ ہونے تک یعنی ماہواری کا سلسلہ شروع ہونے تک ماں کو اپنی پرورش میں رکھنے کا حق ہے اور اس درمیان لڑکی کا خرچہ باپ کے اوپر لازم ہوتا ہے، مگر تعلیم کا خرچہ جیسے چاہے باپ سے مطالبہ کا حق ماں کو نہیں ہے؛ بلکہ باپ اپنے اختیار سے جس اسکول میں چاہے پڑھائے اور چاہے نہ پڑھائے، صرف کھانے کپڑے کا خرچہ باپ سے لینے کا حق ہے۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يتسغني عن النساء، وقدر بسبع وبه يفتي؛ لأنه الغالب.....فإن أكل، وشرب، ولبس، واستنجىٰ وحده دفع إليه، ولو جبراً، وإلا وفي الشامية: ولو جبرًا أي إن لم يأخذه بعد الاستغناء أجبر عليه بالإجماع. وفي شرح المجمع وإذا استغنىٰ الغلام عن الخدمة أجبر الأب، أو الوصي، أو الولي على أخذه؛ لأنه أقدر على تأديبه، وتعليمه. (شامي، كراچي ٣/٥٦٦، زكريا ٥/٢٦٧، هندية، زكريا قديم ١/٥٤٢، جديد ١/٥٩٣)

والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض. (هندية، زكريا قديم ١/٥٤٢، جديد ١/٥٩٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/ ۱۱۲۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۱۱؍۱۴۳۴ھ

طلاق کے بعد سامان جہیز، مہر اور زیورات کے تبادلہ کا حکم

سوال [۶۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کا نام فرزانہ عرف رانی بنت عبدالرشید مرحوم، ساکن محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد کا عقد برخوردار محمد اکرم ولد صابر حسین، ساکن ہاپوڑ کے ساتھ اسلامی رسم ورواج کے مطابق عرصہ تقریباً تین سال پہلے ہوا تھا۔ اب عرصہ تقریباً ایک سال پہلے محمد اکرم مذکور نے تحریری طور پر فرزانہ بنت عبدالرشید کو تین مرتبہ طلاق دیدی ہے، فرزانہ بنت عبد الرشید کی شادی کے وقت جو سامان جہیز دیا گیا تھا، وہ محمد اکرم مذکور کے گھر پر ہے، محمد اکرم مذکور کا زیور وکپڑا وغیرہ فرزانہ کے پاس ہے، کیا یہ سامان اور اوپر لکھا گیا سامان ایک دوسرے کو واپس کرنا ہوگا؟ اور فرزانہ عرف رانی مہر کی رقم لینے کی حق دار ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد یوسف، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سامان جہیز اور مہر یہ مطلقہ کی خالص ملکیت ہے، اس کی ملکیت اس کو ملنی چاہئے اور جو زیور مطلقہ کو اپنے میکہ سے ملا تھا، وہ بھی اسی کی ملکیت ہے، ہاں البتہ جو زیور شوہر کی طرف سے دیا گیا تھا، وہ اگر بطور ملکیت دیا گیا تھا، یا اس قبیلہ کا عرف اور دستور یہی ہے کہ مالک بنادیا جاتا ہے، تو وہ زیور بھی مطلقہ کا حق ہے اور اگر اس قبیلہ کا عرف اور رواج مالک بنانے کا نہیں ہے؛ بلکہ اس کی ملکیت شوہر کی سمجھی جاتی ہے، تو وہ زیور شوہر کا ہے؛ اسے واپس کرنا مطلقہ پر لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳۴۶/۳، جدید ڈابھیل ۱۰۷/۱۲)

کل أحد یعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ۱۵۸/۳، زكريا ۳۱۱/٤)

قال الشيخ الإمام الأجل الشهيد: المختار للفتویٰ أن يحكم بكون

الجهاز ملكا لا عارية؛ لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية، فالقول للأب. (شامي، كراچي ۳/۱۵۷، زكريا ٤/۳۰۹)

وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذلك إذا بعث إليها على جهة التملك جهز بنته وزوجها، ثم زعم أن الذي دفعه إليهاماله، وكان على وجه العارية عندها، وقالت: هو ملكي جهزتني به، أو قال الزوج ذلك بعد موتها......وقال في الواقعات إن كان العرف ظاهراً بمثله في الجهاز كما في ديارنا، فالقول قول الزوج. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۲۷، جديد ۱/۳۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۳۸۰/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۲۰ھ

کیا مطلقہ ثلاثہ شوہر کے گھر میں رہ سکتی ہے؟

سوال [۶۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں؛ لیکن وہ ہمارے گھر پر ہی رہ رہی ہیں اپنے میکے نہیں جاتی کیا اس کا شوہر کے گھر میں رہنا جائز ہے اور اب کتنی طلاق واقع ہوئیں ساتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا دوران عدت شوہر کے گھر رہ سکتی ہے اور عدت کے بعد شوہر کے گھر رہے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد معراج، محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عورت کو طلاق مغلظہ دیدی گئی ہے تو عورت شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے؛ لہٰذا عدت گذر جانے کے بعد اس عورت کا شوہر سے کسی قسم

کا ازدواجی تعلق باقی نہیں رہا ہے؛ لہٰذا جس گھر میں شوہر کی رہائش ہے، اس میں اس عورت کی رہائش جائز نہیں ہے اور دونوں کا ایک گھر میں رہنا جائز نہیں ہے، اگر عورت کے میکہ میں باپ بھائی وغیرہ موجود ہوں تو اس کو وہاں چلے جانا چاہئے؛ ہاں البتہ اگر عورت کے بچے جوان ہو چکے ہیں تو اس کے لئے اپنے جوان بچوں کے ساتھ اس گھر میں رہنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ شوہر سے کسی قسم کا تعلق اور آمنے سامنے کا موقع نہ دیا جاتا ہو اور کسی قسم کے فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔ ورنہ اگر فتنہ کا خطرہ ہو اور عورت کے جانے کی بھی کوئی شکل نہ ہو تو شوہر کے لئے اس میں رہنا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۵۸۴/۱۳، میرٹھ ۴۱۸/۱۸)

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [سورة البقر: ۲۳۰]

فإن طلقها فلا تحل له أي من بعد ذلك التطليق حتى تنكح زوجًا غيره أي تتزوج زوجًا غيره فلا يكفي مجرد العقد. (روح المعاني بيروت ۲/۲۱۲)

وفي المجتبى الأفضل الحيلولة بستر ولو فاسقًا فبامرأة. قال: ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج ولم يكن فيه خوف فتنة وسئل شيخ الإسلام عن زوجين افترقا ولكل منهما ستون سنة وبينهما أولاد تتعذر عليهما مفارقتهم فيسكنان في بيتهم ولا يجتمعان في فراش ولا يلتقيان التقاء الأزواج هل لهما ذلك؟ قال: نعم! وأقره المصنف (در مختار) وفي الشامي: والأفضل أن يحال بينهما في البيتوته يستر إلا أن يكون فاسقاً فيحال بامرأة ثقة وإن تعذر فلتخرج هي وخروجه أولىٰ وفيه مخالفة لمامر، فإن السترة لابد منها كما عبر المصنف تبعًا للهداية وهو الظاهر لحرمة الخلوة بالأجنبية. (شامي، زكريا ۵/۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۸۱۳/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۱۵ھ

’’جا تجھ کو تین طلاق‘‘

سوال [الف:۶۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ’’جا تجھ کو تین طلاق‘‘؛ لیکن یہ لفظ اس نے اس وقت ادا کئے جبکہ اس کی بیوی سے اس بات پر لڑائی ہو رہی تھی کہ بیوی کہہ رہی تھی کہ میں شادی میں جاؤنگی اور شوہر کہہ رہا تھا کہ تو شادی میں نہیں جائے گی، پھر اس کے بعد بات منقطع ہوگئی، پھر وہ شخص نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا، اس کے بعد اس کی بیوی نے فون کیا کہ میں کپڑے پہن کر شادی میں جارہی ہوں؛ لیکن شوہر منع کرتا رہا، جب بیوی نے زیادہ اصرار کیا تو شوہر نے کہا کہ ’’جا تجھ کو تین طلاق‘‘ لیکن ان الفاظ کے کہہ دینے کے بعد بیوی شادی میں نہیں گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ الفاظ تعلیق طلاق میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر تعلیق طلاق میں داخل ہیں تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوگی تو کتنی طلاقیں واقع ہوگئیں؟ نیز بعد میں شوہر سے یہ بھی معلوم کیا گیا کہ جانے سے تمہاری کیا مراد تھی، تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس وقت کچھ مراد نہیں لیا بس میں نے یوں ہی کہہ دیا کہ ’’جا تجھ کو تین طلاق‘‘۔

المستفتی: عبداللہ، موضع کمال گنج، فرخ آباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ’’جا تجھ کو تین طلاق‘‘ کے الفاظ سے بیوی کے اوپر فوری طور پر تینوں طلاقیں واقع ہوکر شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، ان الفاظ میں کوئی تعلیق نہیں ہے اور نہ ہی تین طلاق کو کسی عمل پر معلق کیا گیا ہے؛ اس لئے شوہر کی نیت کچھ بھی ہو ان الفاظ سے تین طلاق واقع ہوگئیں ہیں؛ لہٰذا آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔

من قال لامرأته: أنت طالق ثلاثًا، فقال الشافعي، وأبو حنيفة، وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث. (نووي شرح مسلم ١/٤٧٨)

عن واقع بن سحبان قال: سئل عمران بن حصين عن رجل طلق امرأته ثلاثاً في مجلس، قال: أثم بربه وحرمت عليه امرأته. (مصنف لابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن جديد ٩/٥١٩، رقم:١٨٠٨٧)

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر قال: فطلها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم.
(أبوداؤد شريف، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دار السلام رقم:٢٢٥٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أويموت عنها. (هداية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، تاتار خانية ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۱۸۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۲/ ۱۴۳۶ھ

[ب:۶۷۹۳] مطلقہ خواتین کے مسائل کا تحقیقی جائزہ

طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے یا ممنوع؟

سوال [۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے فی نفسہٖ مباح ہے یا ممنوع اور معصیت ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے یا ممنوع؟ اس بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں:

(۱) حضرات فقہاء میں سے جمہور اور اکثر فقہاء قرآن کریم کی آیتوں کے مطلق ہونے کی وجہ سے فرماتے ہیں: کہ طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے، اس لئے کہ قرآن مقدس کے اندر اللہ نے جو ارشاد فرمایا ہے اس سے مباح ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ. [البقرة: ٢٣٦]

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ. [الطلاق: ١]

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ. [البقرة: ٢٢٩]

ان آیتوں کے پیش نظر اکثر فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے، فقہاء کرام کی عبارات ملاحظہ ہو:

''درمختار'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وإيقاعه مباح عند العامة لإطلاق الآيات. (درمختار مع الشامي، زكريا ٤/ ٤٢٧، كراچی ٣/ ٢٢٧)

''الموسوعة'' میں اس کو اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

ذهب الجمهور إلى أن الأصل في الطلاق الإباحة، وقد يخرج عنها في أحوال. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۸)

(۲) فقہاء کرام کا دوسرا قول یہی ہے کہ طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح نہیں ہے؛ بلکہ شئ ممنوع اور مبغوض ہے اور یہی فقہاء کا قول راجح اور قول مفتی بہ ہے؛ لہٰذا بلا ضرورت اور بلا کسی خاص وجہ کے بیوی کو طلاق دے کر بے سہارا بنا دینے سے شوہر گنہگار ہوگا۔

حدیث شریف میں حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن امور کو حلال اور جائز قرار دیا ہے، ان میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ترین اور ناپسندیدہ امر طلاق ہی ہے؛ لہٰذا ناپسندیدہ اور مبغوض ترین عمل کو بے ضرورت مباح وجائز نہیں کہا جاسکتا؛ بلکہ کسی ضرورت وخاص وجہ سے اسے حلال ومباح قرار دیا جاسکتا ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عمر –رضي الله عنه– عن النبي ﷺ قال: أبغض الحلال إلى الله عز وجل: الطلاق. (أبوداؤد شريف، باب في كراهية الطلاق ۱/ ۲۹۶)

عن أبي موسىٰ الأشعري –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تطلقوا النساء إلا من ريبة، فإن الله لا يحب الذواقين ولا الذواقات.

(المعجم الأوسط ۶/ ۲۰، رقم: ۷۸۴۸)

حضرات فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے:

إن الأصل في الطلاق هو الحظر، والإباحة لحاجة الخلاص.

(هداية أشرفى، باب طلاق السنة ۲/ ۳۵۴)

اور علامہ شامیؒ نے زیادہ واضح الفاظ کے ساتھ اس کو نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

الأصح حظره، أي منعه إلا لحاجة، وتحته في الشامية: أما الطلاق فإن

الأصل فيه الحظر بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه، وهو معنى قولهم: الأصل فيه الحظر، والإباحة للحاجة إلى الخلاص، فإذا كان بلا سبب أصلا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص، بل يكون حمقا وسفاهة رأي ومجرد كفران النعمة –إلى قوله– ويحمل لفظ المباح على ما أبيح في بعض الأوقات أعني أوقات تحقق الحاجة المبيحة، وإذا وجدت الحاجة المبيحة أبيح –إلى قوله– إن أراد بالخلاص منها الخلاص بلا سبب كما هو المتبادر منه، فهو ممنوع لمخالفته لقولهم: إن إباحته للحاجة إلى الخلاص فلم يبيحوه إلا عند الحاجة إليه. لا عند مجرد إرادة الخلاص، وإن أراد الخلاص عند الحاجة إليه، فهو المطلوب. (شامي، زكريا ٤/ ٤٢٨، كراچی ٣/ ٢٢٨)

اور علامہ زیلعیؒ نے اس مسئلہ کو اعتراض وجواب کی حیثیت سے اٹھایا ہے کہ اگر طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے شئ ممنوع ہے، تو ''طلاق حسن'' اور ''طلاق احسن'' کا اطلاق کیسے کیا جاسکتا ہے؟ ایک شئ ممنوع کو ''حسن'' یا ''احسن'' کہنا عجیب بات ہے، تو اس کو علامہ زیلعیؒ نے بہت خوبصورت انداز میں واضح فرمایا ہے کہ طلاق میں دو حیثیتیں بالکل الگ الگ ہیں:

(۱) **من حيث الذات**: یعنی طلاق اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے فی نفسہٖ امر ممنوع ہے۔

(۲) **من حيث الوقت**: یعنی طلاق دینے کے اوقات اور زمانہ کی حیثیت سے حسن اور احسن کا اطلاق کیا جاتا ہے کہ بلاضرورت طلاق دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ امر ممنوع ہے۔ اور جب طلاق دینے کی ضرورت پیش آجائے تو کن اوقات میں طلاق دینا بہتر ہے؟ ان اوقات کی حیثیت کے اعتبار سے حسن اور احسن کا حکم لگایا گیا ہے کہ جب میاں بیوی کے درمیان نبھاؤ ممکن نہ ہو اور حدود اللہ کے دائرہ میں رہ کر کے زندگی گزارنا مشکل ہوجائے اور طلاق دے کر ایک دوسرے سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہوجائے تو اوقات کے اعتبار سے طلاق دینی چاہئے؛ لہٰذا جس طہر میں بیوی سے ہمبستری نہیں ہوئی ہے

اس میں ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے یہ احسن طریقہ ہے۔ اور اگر الگ الگ دو طہر میں دو طلاق دی جائیں تو یہ حسن ہے، اب اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ طلاق اپنی ذات اور حقیقت اور اصل کے اعتبار سے فی نفسہٖ امر ممنوع ہے، مگر اوقات کے اعتبار سے حسن اور احسن کا اطلاق بھی اس کے اوپر کیا جا سکتا ہے۔

امام زیلعیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

الأصل في الطلاق الحظر، فكيف يصح أن يكون منه حسن وأحسن؟ وأجيب بأن الحظر من حيث ذاته، وأما كونه حسنا وأحسن فمن حيث الوقت، واعلم أن الطلاق في الأصل على نوعين: طلاق سنة، وطلاق بدعة، والأول على قسمين: حسن وأحسن، والثاني: وهو البدعي على قسمين أيضا بحسب العدد، وهو أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة وجملة، أو على التفريق في طهر واحد، وبحسب الوقت، وهو أن يطلقها في حالة الحيض أو في طهر جامعها فيه. (تبيين الحقائق، زكريا ٣/ ٢١، قديم، إمداديه ملتان ٢/ ١٨٨)

''موسوعۃ'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

إن الأصل فيه الحظر ويخرج عن الحظر في أحوال، وعلى كل، فالفقهاء متفقون في النهاية على أنه تعتريه الأحكام فيكون مباحا أو مندوبا أو واجبا كما يكون مكروها أو حراما. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩/ ٨-٩)

طلاق دینے کا حق مرد کو کیوں؟

سوال [۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت نے طلاق دینے کا حق مرد کو کیوں دیا عورت کو کیوں نہیں؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے، عورت کو نہیں دیا؛ اس لئے کہ مرد کو فطری طور پر مضبوط اور زیادہ مستحکم بنایا گیا اور کامل العقل اور معاملہ فہم اور دور اندیش بنایا اور مرد جو بھی فیصلہ کرتا ہے سوچ بوجھ کر انجام پر غور وفکر کر کے نتائج کو سامنے رکھ کر کرتا ہے۔ اور فطری اعتبار سے جو تحمل اور تدبر مرد میں ہوتا ہے وہ عورت میں نہیں ہوتا اور مرد جذبات سے مغلوب ہوکر جلد بازی سے کوئی فیصلہ نہیں کرتا، اس کے برخلاف عورت میں تحمل اور تدبر اور دور اندیشی کم ہوتی ہے اور مزاج کے خلاف جب کوئی بات سامنے آتی ہے تو برداشت سے باہر ہو جاتی ہے اور جذبات سے مغلوب ہوکر انجام اور نتائج پر نظر ڈالے بغیر جلد فیصلہ کر ڈالتی ہے، نیز شریعت نے مرد کو عورت پر فوقیت بخشی ہے، جیسا کہ قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ. [البقرة: ۲۲۸]

ان وجوہات کی بناء پر شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے عورت کو نہیں تا کہ جلد بازی سے طلاق کا معاملہ پیش نہ آیا کرے۔

روایات ملاحظہ فرمایئے:

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: الطلاق بالرجال، والعدة بالنساء، هكذا عن الشعبي، وإبراهيم، وسليمان بن يسار. (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۶۱۳، رقم: ۱۸۵۶۰)

صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر، فقال: يا أيها الناس! ما بال أحدكم يزوج عبده أمته ثم يريد أن يفرق بينهما، إنما الطلاق لمن أخذ بالساق. الحديث (ابن ماجة شريف، مكتبه تهانوى ديوبند، ص: ۱۵۱، رقم: ۲۰۸۱)

اس کو ''احکام القرآن'' للجصاص میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

ومن وجوه التفضيل عليها ما ملك الرجل من فراقها بالطلاق ولم تملكه. (أحكام القرآن جصاص، زكريا ديوبند ۱/ ٤٤٥)

اس کو شامی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

قال في الفتح: ومنها: أي من محاسنه جعله بيد الرجال دون النساء لاختصاصهن بنقصان العقل، وغلبة الهوى، ونقصان الدين. (شامي، زكريا ٤/٤٢٩، كراچی ۳/ ۲۲۹)

اس کو ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

جعل الطلاق بيد الزوج لا بيد الزوجة بالرغم من أنها شريكة في العقد حفاظاً على الزواج تقديراً لمخاطر إنهائه بنحو سريع غير متئد؛ لأن الرجل الذي دفع المهر وأنفق على الزوجة والبيت يكون عادة أكثر تقديرا لعواقب الأمور، وأبعد عن الطيش في تصرف يلحق به ضرراً كبيرا، فهو أولى من المرأة بإعطائه حق التطليق. (الفقه الإسلامي وأدلته ۷/ ۳٤۷)

اس کو ''موسوعہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

الطلاق: نوع من أنواع الفرق، وهو ملك للزوج وحده، ذلك أن الرجل يملك مفارقة زوجته إذا وجد ما يدعوه إلى ذلك بعبارته وإرادته المنفردة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۱۱)

کن حالات میں عورت کو طلاق دی جائے؟

سوال [۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کن حالات میں طلاق دینی چاہئے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: طلاق ایک ایسی شئ ہے جس کی وجہ سے میاں بیوی

کی رفاقت اور تعلق کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اگر اولاد ہوچکی ہے تو ماں باپ کے زندہ ہوتے ہوئے اولاد یتیموں کی طرح بے سہارا ہو جاتی ہے، گھریلو زندگی برباد ہو جاتی ہے؛ اس لئے انتہائی مجبوری میں طلاق دینے کی اجازت ہوتی ہے، مثلاً، میاں بیوی دونوں کے ساتھ رہنے میں سکون کی زندگی گذار سکنے کی امید باقی نہ رہے۔ اور اللہ کے احکام کے حدود کے دائرہ میں رہکر ایک دوسرے کے حق کو ادا کرنا ممکن نہ رہے، تو ایسی صورت میں شریعت نے طلاق کو مستحسن قرار دیا ہے اور کبھی طلاق دینا واجب اور لازم بھی ہوجاتا ہے، اور کبھی مباح ہوتا ہے اور کبھی مکروہ ہوتا ہے اور کبھی حرام بھی ہوجاتا ہے، اس کی چند صورتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) طلاق دینا کب واجب ہوتا ہے؟

سوال [۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہبیوی کوطلاق دینا کب لازم اورواجب ہوجاتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاءبورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کبھی طلاق دینا شوہر پرواجب اورلازم ہوجاتا ہے، مثلاً امساک بالمعروف کاامکان باقی نہ رہے کہ بیوی فاحشہ ہواورشوہر متقی ہواورحدوداللہ کے دائرہ میں رہ کر زندگی گذارنا ممکن نہ ہوتو طلاق دے کر بیوی کو زوجیت سے الگ کردینا واجب ہوجاتا ہے، اسی طرح بیوی کا حق ادا کرنا ممکن نہ رہے تب بھی لازم ہوجاتا ہے، جیسا کہ ''شامی'' کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

ویجب لو فات الإمساک بالمعروف، فالظاهر أنه استعمل لا بأس هنا للوجوب اقتداء بقوله تعالیٰ: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ [البقرة: ۲۲۹]

فإن نفي البأس في معنى نفي الجناح فافهم. (شامي، زكريا ٤/ ١٤٤، كراچی ۳/ ٥٠)

اور ”موسوعہ“ کی اس عبارت سے بھی وجوب طلاق کی بات معلوم ہوتی ہے:

فيكون واجبا كالمولى إذا أبى الفيئة إلى زوجته بعد التربص على مذهب الجمهور، أما الحنفية فإنهم يوقعون الفرقة بانتهاء المدة حكما وكطلاق الحكمين في الشقاق إذا تعذر عليهما التوفيق بين الزوجين ورأيا الطلاق عند من يقول بالتفريق لذلک. (الموسوعة الفقهية ۲۹/ ۹)

(۲) طلاق دینا کب مستحب اور مستحسن ہوتا ہے؟

سوال [۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کو طلاق دینا کب مستحب اور مستحسن ہوتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کبھی طلاق دے کر بیوی کو زوجیت سے الگ کردینا مستحب اور مستحسن ہوجاتا ہے، مثلاً بیوی سخت مزاج اور ترش رو ہے اور ایذ ارسانی سے باز نہیں آتی یا تارک صلاۃ ہے، شوہر کے توجہ دلانے کے باوجود نماز نہیں پڑھتی ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کو طلاق دے کر زوجیت سے الگ کردینا مستحب اور مستحسن ہے؛ لیکن ایسی فاسقہ عورت کو طلاق دے کر زوجیت سے الگ کردینا شوہر پر واجب نہیں اور اس کو ساتھ رکھ کر زندگی گذارنا شوہر کے لئے جائز ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا وبال عورت پر ہوگا مرد پر اس کا گناہ نہیں ہوگا۔

اس کو صاحب بحر نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

يستحب طلاقها إذا كانت سليطة مؤذية أو تاركة للصلاة لا تقيم حدود الله تعالىٰ، وهو يفيد جواز معاشرة من لا تصلى ولا إثم عليه بل

علیها، ولذا قالوا في الفتاوى: له أن يضربها على ترك الصلاة.
(البحر الرائق، زكريا ٣/ ٤١٤)

اس کوصاحب درمختار نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلاإذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. (شامي، زكريا ٤/١٤٣-١٤٤، كراچی ٣/ ٥٠)

(۳) طلاق دینا کب مباح ہوتا ہے؟

سوال [٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کوطلاق دینا کب مباح ہوتا ہے؟

المستفتي: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کبھی طلاق دے کر بیوی کوزوجیت سے الگ کردینا مباح ہوتا ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ شوہر کا میلان اور رغبت بیوی کی طرف مکمل طور پر نہ ہوتی ہواور ایسا کبھی اس وقت ہوتا ہے کہ جب بیوی خوبصورت نہ ہو یا بیوی بداخلاق اور بدزبان ہو، جن امور کی وجہ سے شوہر کے اندر رغبت اور میلان بیوی کی طرف پیدا نہ ہوان امور کی وجہ سے طلاق دینا مباح ہوجاتا ہے اور ایسی صورت میں بیوی کے بےقصور ہونے کے باوجود طلاق دینے میں شوہر گنہگار نہیں ہوتا، جیسا کہ ''فتح القدیر'' کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

فمن الحاجة المبيحة أن يلقى إليه عدم اشتهائها بحيث يعجز أويتضرر بإكراهه نفسه على جماعها -إلى وقوله:- وإن لم يكن قادرا على طولها أو لم ترض هي بترك حقها فهو مباح. (فتح القدير، زكريا ٣/ ٤٤٦)

اس کو ''الفقه الإسلامي'' میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

الأصح حظر الطلاق أي منعه إلا لحاجة كريبة وكبر، ورجح ابن عابدين هذا الرأى، وليست الحاجة مختصة بالكبر والريبة، بل هي أعم.

(الفقه الإسلامي ۷/ ۳٤۹)

وإذا وجدت الحاجة المبيحة وهي أعم من الكبر والريبة أبيح الطلاق.

(الفقه الإسلامي ۷/ ۳۸٦)

(۴) طلاق دینا کب مکروہ یا حرام ہوتا ہے؟

سوال [۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کو طلاق دینا کب اور کن حالات میں مکروہ یا حرام ہوتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کبھی طلاق دینا مکروہ یا حرام ہوجاتا ہے، مثلاً حالت حیض میں بیوی کو طلاق دے دی تو بعض لوگوں نے حرام کہا ہے اور بعض لوگوں نے مکروہ کہا ہے، اسی طرح ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں یا ایک جملہ میں تین طلاقیں دے دیں جس کو فقہاء نے طلاق بدعی کہا ہے، تو ایسی صورت میں شوہر گنہگار بھی ہوگا اور اس طرح سے طلاق دینا مکروہ یا حرام ہے، اسی طرح جس طہر میں بیوی سے ہم بستری کی گئی ہو اس میں طلاق دینا مکروہ ہے، مگر طلاق ہرصورت میں واقع ہوجاتی ہے، اس طرح طلاق دینے میں شوہر گنہگار اور معصیت کا مرتکب ہوگا، جیسا کہ فقہاء کی ذیل کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو ''موسوعہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

ويكون مكروها إذا لم يكن ثمة من داع إليه مما تقدم، وقيل: هو

حرام في هذه الحال لما فيه من الإضرار بالزوجة من غير داع إليه، ويكون حراما وهو الطلاق في الحيض، أو في طهر جامعها فيه، وهو الطلاق البدعي. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۹)

''**الفقه الإسلامي وأدلته**'' میں طلاق بدعی کی وضاحت کافی واضح الفاظ میں کی گئی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں یا ایک طہر کی تین طلاقیں یا حالت حیض میں طلاق دینا مکروہ تحریمی ہے، اس سے شوہر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوجاتا ہے۔

عبارات ملاحظہ فرمایئے:

وطلاق البدعة: أن يطلقها ثلاثا أو اثنتين بكلمة واحدة أو يطلقها ثلاثا في طهر واحد؛ لأن الأصل في الطلاق الحظر لما فيه من قطع الزواج الذي تعلقت به المصالح الدينية والدنيوية، والإباحة إنما هي للحاجة إلى الخلاص ولا حاجة إلى الجمع في الثلاث، أو في طهر واحد؛ لأن الحاجة تندفع بالواحدة وتمام الخلاص في المفرق على الأطهار، والزيادة إسراف، فكان بدعة، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق وبانت المرأة منه، وكان آثما عاصيا، والطلاق مكروه تحريما. (الفقه الإسلامي وأدلته ۷/ ۴۰۸)

شوہر پر تعزیر مالی

سوال [۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا بلا وجہ بیوی کو طلاق دینے کی وجہ سے شوہر پر تعزیر مالی لازم کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاءبورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تعزیر کی دو قسمیں مشہور ہیں: تعزیر جسمانی، تعزیر مالی۔

(۱) تعزیر جسمانی: ہندوستان جیسے آزاد غیر اسلامی ممالک میں تعزیر جسمانی کا

جاری کرنا مشکل ہے، یہاں کا ماحول اور معاشرہ نہ اس کا متحمل ہے اور نہ ہی معاشرہ اس کی اجازت دیتا ہے۔

(۲) تعزیر مالی: تعزیر مالی (مالی جرمانہ) کے متعلق حضرات فقہاء نے اپنی اپنی کتابوں میں کافی تفصیلی بحث کی ہیں، ان تمام تفصیلات اور بحثوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرات طرفین کے نزدیک مالی جرمانہ سرے سے جائز نہیں ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاکم وقت کے لئے تعزیر مالی کو جاری کرنا جائز ودرست ہے۔

اور ساتھ میں یہ بات واضح رہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعزیر مالی کا جواز مطلقاً ہر جگہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ جہاں پر ذمہ دار شخصیت تعزیر مالی کو مصلحت سمجھے گی وہاں پر جاری کرے گی۔

اور فقہاء نے حضرات طرفین کے نزدیک عدم جواز کی جو بات نقل فرمائی ہے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تعزیر مالی شروع اسلام میں جائز تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، لیکن فقہ السنہ کے اندر منسوخ ہونے کی بات کی تردید کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ مالی جرمانہ شروع اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو چکا ہے، ان لوگوں کے پاس منسوخ ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ دعویٰ بلا دلیل کے ہے؛ اس لئے یہ حکم آج بھی بدستور باقی ہے؛ لہٰذا جہاں ذمہ دار شخصیت تعزیر مالی کو جاری کرنا مصلحت سمجھے گی وہاں آج بھی تعزیر مالی (مالی جرمانہ) جاری کرنے کی گنجائش ہے؛ لہٰذا اس قول کے اعتبار سے جو شوہر بیوی کو بلا وجہ اور بغیر کسی ضرورت کے اور بیوی کی طرف سے ایسے کوئی خاص اسباب پیدا نہیں کئے گئے ہیں، جن کی وجہ سے طلاق دینے کی ضرورت پڑے اس کے باوجود خواہ مخواہ، بیوی کو طلاق دے دے یا بیک وقت تین طلاقیں دے دے یا کوئی شوہر بیوی کو خواہ مخواہ معلق چھوڑ دے، تو ایسے حالات میں ذمہ دار شخصیات شوہر کے اوپر مصلحت کے پیش نظر مناسب تعزیر مالی جاری کرسکتی ہیں اور کچھ مقدار مال لے کر بیوی

کے حوالہ کرسکتی ہیں۔ اور اگر وقتی طور پر شوہر سے کچھ مال ضبط کرکے رکھ لیں اور بعد میں جب وہ اپنے جرم سے تائب ہوجائے تو اسے واپس کردیں، تو ایسا کرنا سب کے نزدیک جائز ہے اور تائب نہ ہونے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بیوی کے حوالہ کرنے کی گنجائش ہے۔

اب فقہاء کے جزئیات ملاحظہ فرمایئے: ''فقہ السنہ'' میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ومن قال: إن العقوبة المالية منسوخة فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا، وليس يسهل دعوى نسخها والمدعوون للنسخ ليس معهم سنة، ولا إجماع يصح دعواهم. (فقه السنة ۲/ ۵۳۵)

اور امام زیلعیؒ نے حضرت امام ابو یوسفؒ کا قول ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وعن أبي يوسف أن التعزير بأخذ الأموال جائز للإمام. (تبيين الحقائق قديم مكتبه إمداديه ملتان ۳/ ۲۰۸، جديد زكريا ۳/ ۶۳۴)

''تبیین'' کے حاشیہ میں علامہ چلپی نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وعن أبي يوسف أن التعزير بأخذ المال جائز للإمام، وعندهما والشافعي ومالك وأحمد لا يجوز بأخذ المال، وما في الخلاصة: سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضى ذلك أو الوالي جاز، ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال مبني على اختيار من قال بذلك من المشايخ لقول أبي يوسف. (حاشية چلپى على الزيلعي، قديم ۳/ ۲۰۸، جديد زكريا ۳/ ۶۳۴)

اس کو''الموسوعة الفقهية'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

الأصل في مذهب أبي حنيفة أن التعزير بأخذ المال غير جائز، فأبو حنيفة ومحمد لا يجيزانه، بل إن محمدا لم يذكره في كتاب من كتبه، أما

أبويوسف فقد روى عنه أن التعزير بأخذ المال من الجاني جائز إن رؤية فيه مصلحة. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/ ۲۷۰)

اس کوصاحب ''فتح القدیر'' نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے ساتھ تھوڑا سا اضافہ کرکے لکھا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

يجوز تعزيره بأخذ المال مبني على اختيار من قال بذلك من المشايخ كقول أبي يوسف، وقال التمرتاشي: يجوز التعزير الذي يجب حقا لله تعالى لكل أحد بعلة النيابة عن الله تعالى. (فتح القدير، زكريا ٥/ ٣٣٠)

''درمختار مع الشامی'' میں اس کوان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے، کافی تفصیل موجود ہے، اس میں سے تھوڑی سی عبارت اقتباس کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

لا بأخذ المال في المذهب (بحر) وفيه عن البزازية وقيل: يجوز ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له، فإن أيس من توبته صرفه إلى ما يرى، وفي المجتبى: أنه كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ، وتحته في الشامية: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز. (درمختار مع الشامي، زكريا ٦/ ١٠٥-١٠٦، كراچی ٤/ ٦١)

اور ''بزازیہ'' میں اس کوان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

والتعزير بأخذ المال إن المصلحة فيه جائزة قال مولانا خاتمة المجتهدين مولانا ركن الدين أبو يحيى الخوارزميؒ: معناه أن نأخذ ماله ونودعه، فإذا تاب نرده عليه كما عرف في خيول البغاة وسلاحهم، وصوبه الإمام ظهير الدين التمرتاشي الخوارزمي، قالوا: ومن جملته من لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال. (البزازية على الهندية ٦/ ٤٢٧، زكريا جديد ٣/ ٢٥١)

دین مہر کی ادائیگی میں توازن

سوال [۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا طویل زمانہ تک ادا نہ کئے گئے مہر کے عوض میں ادائے گی کے وقت عقد کے وقت کی قیمت اور ویلو کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عرب ملکوں میں آج بھی نکاح کے وقت مہر کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور ادائے مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، اسی وجہ سے عرب دنیا میں نکاح میں لڑکے والوں کا خرچ زیادہ ہوتا ہے، اس کے برخلاف ہمارے ہندوستان اور برصغیر میں شادی کے موقع پر لڑکی والے زیادہ خرچ کرتے ہیں، لڑکے والوں کے یہاں کا خرچ کم ہوتا ہے، چنانچہ شادی کے موقع پر دولہن کا جو مہر باندھا جاتا ہے وہ عام طور پر فوری ادا نہیں کیا جاتا؛ بلکہ شوہر کے اوپر بطور قرض کے باقی رہتا ہے، عمر گزر جاتی ہے، اولا دیں پیدا ہوکر بڑی ہوجاتی ہیں، مگر مہر ادا نہیں ہوتا؛ بلکہ شوہر پر اس کا قرض باقی رہ جاتا ہے، بعض لوگوں کی نیتیں خراب ہوتی ہیں، حیلہ بہانہ سے بیوی سے مہر معاف کرا لیتے ہیں، یہ انتہائی بے غیرتی کی بات ہے، جن لوگوں کے یہاں بیوی کا قرض شوہر پر باقی رہ جاتا ہے وہ عام طور پر خدانخواستہ اگر طلاق واقع ہوجائے تو مہر کا مطالبہ کیا جاتا ہے، یا شوہر کا انتقال ہو جائے تو وارثین کو ادائیگی کی فکر ہوتی ہے اور جو لوگ مہر ادا کر دیتے ہیں، ان سے بھی ۲۰-۲۰ سال ۳۰-۳۰ سال کی تاخیر ہوجاتی ہے، تو ایسے میں اگر مہر میں مہر فاطمی باندھا گیا ہے یا سونا چاندی کی کوئی خاص مقدار مہر میں متعین کر دی گئی ہے، تو عورت کا کوئی نقصان نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ جس زمانے میں بھی مہر ادا کیا جائے گا تو اس زمانے میں طے شدہ مقدار میں متعین شئ عورت کو صحیح طور پر مل جاتی ہے یا ادائیگی کے وقت کی قیمت لگا کر سکہ رائج الوقت مل جاتا ہے، اس کے برخلاف

اگرمہر میں کرنسی متعین ہوجائے مثلاً پچیس، تیس سال پہلے نکاح ہوا ہے اور چار ہزار روپیہ مہر میں متعین ہوا تھا اور اس زمانہ میں مہر فاطمی کی قیمت چار ہزار روپئے سے کم تھی؛ بلکہ دو ڈھائی ہزار روپیہ مہر فاطمی کی قیمت تھی؛ لہٰذا چار ہزار روپے میں ۴-۵ تولہ سونا خریدا جاسکتا تھا اور ۶۰-۷۰/ تولہ چاندی مل جاتی تھی، مگر اس زمانہ میں چار ہزار روپیہ مہر میں ادانہیں کیا گیا اور آج ۲۵-۳۰/ سال بعد ادا کرنے کا نمبر آیا ہے، تو بیوی کہتی ہے کہ یہ چار ہزار روپیہ لے کر کیا کروں گی، میرا تو چار ہزار روپیہ ایسا تھا جو ۴-۵ تولہ سونا یا ۶۰-۷۰/ تولہ چاندی کی ویلو رکھتا تھا اور آج جو چار ہزار روپیہ سامنے رکھا جارہا ہے وہ ایک گرام سونے کا ویلو بھی نہیں رکھتا، میرا تو چار ہزار روپیہ ایسا ہے جو ۵/ تولہ سونے کا ویلو رکھتا ہے، تو ایسے حالات میں ۴/ ہزار روپیہ دینے کی صورت میں عورت پر زبردست ظلم اور اس کا نقصان ہے، اس نقصان سے بچاؤ کا کوئی حل ہے تو اس بارے میں حضرات فقہاء کے یہاں بظاہر کوئی حل نہیں ہے؛ بلکہ عورت کو اسی چار ہزار روپئے پر صبر کرنا پڑے گا، ایسی صورت میں عورت کو نقصان اور ظلم کے برداشت پر مجبور کرنا لازم آئے گا جو مقتضی شریعت کے خلاف ہے۔

اس لئے اس مسئلہ پر ارباب افتاء کو غور کرنے کی ضرورت ہے، چنانچہ اس سلسلے میں عورت کو نقصان سے بچانے کے واسطے دو شکلیں ہمارے سامنے ہیں:

(۱) عورت کو چار ہزار روپیہ کرنسی نہ ادا کی جائے؛ بلکہ چار ہزار روپیہ کے عوض میں عقد نکاح کے زمانہ کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے سونا چاندی یا کوئی دوسرا قیمتی سامان مہر میں ادا کردیا جائے تو ایسی صورت میں سود یا ربا کی بات لازم نہیں آئے گی اور عورت کو اپنا حق پورے طور پر حاصل ہوجائے گا، یہ بات تکملہ شامی کی ذیل کی عبارت سے مستفاد ہوتی ہے۔

ولـو كان لر جل على رجل دراهم لا يعرفان وزنها فصالحه منها على ثـوب أو غيره فهو جائز؛ لأن جهالة المصالح عنه لا تمنع مع صحة الصلح،

وإن صالحه على دراهم فهو فاسد في القياس؛ لأنه يحتمل أن بدل الصلح أكثر منه، ولكني أستحسن أن أجيزه؛ لأن الظاهر أنه كان أقل مما عليه؛ لأن مبنى الصلح على الحط والإغماض، فكان تقديرهما بدل الصلح شيء. الخ (تكمله شامي زكريا ١٢/ ٣٣٦، كراچی ٨/ ٢٥٢)

(۲) طول زمانہ کے بعد جب کرنسی و روپیہ کی حیثیت گھٹ گئی تو مہر کی ادائے گی کی بات سامنے آئی اور عقد کے وقت میں چار ہزار روپیہ کرنسی مہر میں طے ہوچکی تھی اور اس زمانہ میں چار ہزار روپیہ میں ۵۰-۵۵/ گرام سونا یا ۶۰-۷۰/ تولہ چاندی مل جایا کرتی تھی، آج چار ہزار روپیہ میں ۲/ گرام سونا بھی نہیں مل سکتا، اسی طرح چار ہزار روپیہ میں ۱۰/ تولہ چاندی بھی نہیں مل سکتی، روپیہ کی ویلو گھٹ کر اس کی حیثیت دو گرام سونے کے برابر بھی نہیں رہی، ایسی صورت میں عورت کو نقصان سے بچانے کے لئے کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟ تو علامہ شامیؒ نے ''رسائل ابن عابدین'' میں صلح کے ذریعہ سے ایک معتدل اور درمیانی راہ اختیار کرنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، مثلاً اگر عقد کے وقت میں چار ہزار روپیہ میں ۵۰/ گرام سونا مل سکتا تھا یا ۷۰/ تولہ چاندی مل سکتی تھی اور ادائے گی کے وقت میں چار ہزار روپیہ کے ذریعہ ۲/ گرام سونا یا ۱۰/ تولہ چاندی بھی نہیں مل سکتی، تو ایسی صورت میں ایک درمیانی راہ اختیار کی جائے کہ کرنسی ادا نہ کر کے ۴۰/ گرام سونا یا ۵۰/ تولہ چاندی عورت کو ادا کی جائے، تو ایسی صورت میں شوہر کا بھی زیادہ نقصان نہیں ہے اور عورت کو بھی زیادہ نقصان سے بچایا جاسکتا ہے اور عورت کو ایسی صورت میں مہر وصول پانے میں کافی حد تک اطمینان ہوجائے گا۔ یہ مسئلہ علامہ شامی کی کتاب ''رسائل ابن عابدین'' کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ووجه ما أفتى به بعض المفتين كما قدمناه آنفا أن القروش في زماننا بيان لمقدار الثمن لا لبيان نوعه ولا جنسه، فإذا باع شخص سلعة بمائة قرش مثلا ودفع له المشتري بعد الرخص ما صارت قيمته تسعين قرشا من الريال

أو الذهب مثلا لم يحصل للبائع ذلک المقدار الذي قدره ورضی به ثمنا لسلعته لكن قد يقال لما كان راضيا وقت العقد بأخذ غير القروش بالقيمة من أي نوع كان صار كان العقد وقع على الأنواع كلها، فإذا رخصت كان عليه أن يأخذ بذلک العيار الذي كان راضيا به، وإنما اخترنا الصلح لتفاوت رخصها، وقصد الإضرار كما قلنا، وفي الحديث: لا ضرر ولا ضرار ولو تساوی رخصها لما قلنا إلا بلزوم العيار الذي كان وقت العقد كأن صار مثلا ما كان قيمته مائة قرش من الريال يساوی تسعين، وكذا سائر الأنواع أما إذا صار ما قيمته مائة من نوع يساوي تسعين، ومن نوع آخر وتسعين، ومن آخر ثمانية وتسعين، فإن ألزمنا البائع بأخذ ما يساوي التسعين بمائة فقد اختص الضرر به، وإن ألزمنا المشتري بدفعه بتسعين اختص الضرر به، فينبغي وقوع الصلح على الأوسط. (رسائل ابن عابدين، مکتبہ ثاقب بکڈپو دیو بند ۲/ ٦٧)

بیوی کوکب مارا جاسکتا ہے؟

سوال [۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کوکب مارا جاسکتا ہے؟ کیا شوہر کو یہ حق ہے کہ بیوی کو جب چاہے مارے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر جائز امور میں شوہر کی اطاعت کرنا بیوی پر لازم ہے؛ لیکن اگر بیوی جائز اور امور مباحہ میں شوہر کی اطاعت نہیں کرتی ہے، مثلاً اس کی نافرمانی کرتی ہے، اس کے حقوق کی ادائے گی میں کوتاہی کرتی ہے، یا اس کی اجازت کے بغیر کہیں بھی چلی جاتی ہے یا طہارت کا اہتمام نہیں کرتی ہے یا تارک صلاۃ ہے یا اپنی ذات

اورشوہر کے مال میں خیانت کرتی ہے، تو اس طرح کے امور میں شوہر پہلے نرمی سے وعظ ونصیحت کے ذریعہ سمجھایا کرے، اس سے باز نہ آئے تو تادیب ضربی کی بھی اجازت ہے، مگر اس طرح مارے کہ جس سے اس کے بدن پر زخم یا توڑ پھوڑ نہ ہوجائے، اس کو ''البحرالرائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

وحق الزوج على الزوجة أن تطيعه في كل مباح يأمرها به.

(البحرالرائق، زکریا ۳/ ۳۸۵)

اس کو ''مغنی المحتاج'' میں اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

فالأولى له عدم العفو؛ لأن ضربه للتأديب مصلحة له، وضرب الزوج زوجته مصلحة لنفسه، والنشوز هو الخروج من المنزل بغير إذن الزوج، وقوله: وكمنعها أي الزوجة من الاستمتاع. (مغني المحتاج ٤/ ٤٢٧)

اس کو ''الفقہ الاسلامی'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ولاية التأديب للزوج إذا لم تطعه فيما يلزم طاعته بأن نشزت أوخرجت بلا إذن أو تركت حقوق الله كالطهارة والصلاة، أو أغلقت الباب دونه أو خانته في نفسها أو ماله، ويبدأ بالترتيب بما يلي: الوعظ، والنصح بالرفق، واللين، وهو ذكر ما يقتضي رجوعها عما ارتكبته من الأمر والنهي برفق، ثم الهجر والاعتزال، وترك الجماع والمضاجعة، ثم الضرب غير المبرح ولا الشائن، وهو الضرب بالسواك ونحوه فقط، والدليل قوله تعالى: ﴿وَاللّٰاتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِيْ الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ [النساء: ٣٤] (الفقه الإسلامي وأدلته ٧/ ١١١-١١٢)

بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ

سوال [۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: کہ بیوی کو طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق کب حاصل ہوتا ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کی طرف سے فسخ نکاح کے مطالبہ سے متعلق ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ وغیرہ میں جو اسباب لکھے جا چکے ہیں وہ سب کے سامنے واضح ہیں، ان کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے جاری کئے گئے سوالات کے ذیل میں جو باتیں لکھی گئیں ہیں، گیارہ وجوہات سوال نامہ میں درج ہیں، ان گیارہ وجوہات کے علاوہ مزید وجوہات ہو سکتی ہیں، مگر بنیادی بات یہ ہے کہ جب شوہر بیوی کو اپنی زندگی کی رفیق حیات کے طور پر انسیت اور محبت کے ساتھ نہ رکھے اور بیوی کے لئے اس شوہر کے ماتحت میں رہ کر سکون کی زندگی نصیب نہ ہو بالآخر تنگ آکر طلاق کا مطالبہ کر لیتی ہے، تو اس کا مطالبہ جائز اور بجا ہے، ایسے حالات میں طلاق کی صورت میں بیوی کو اپنے تمام حقوق مل جانے چاہئے؛ لیکن عام طور پر ظالم شوہر سے بیوی کو اپنا حق وصول نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے خاندانی لوگوں پر ضروری ہے کہ شوہر سے اس کا حق اس کو کسی بھی طریقہ سے دلا دینا چاہئے۔

اجرت رضاعت

سوال [۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا اجرت رضاعت شوہر پر لازم ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی ہے، تو عدت کے زمانہ میں اپنے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت کی مستحق ماں نہیں بنے گی، اخلاقاً و دیانۃً دودھ

پلانا ماں کے ذمہ لازم ہے؛ البتہ عدت پوری ہوجانے کے بعد عورت شوہر کے لئے کلی طور پر اجنبیہ بن جاتی ہے؛ اس لئے دودھ پلانے کی اجرت عدت پوری ہونے کے بعد لینا عورت کے لئے جائز ہے، اس کو صاحب ہدایہ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وإن استأجرها وهي زوجته أو معتدته لترضع ولدها لم تجز؛ لأن الإرضاع مستحق عليها ديانة ...... وإن انقضت عدتها فاستأجرها يعني لإرضاع ولدها جاز؛ لأن النكاح قد زال بالكلية وصارت كالأجنبية.
(الهداية ٢/ ٤٤٤-٤٤٥)

زمانۂ عدت کا نان ونفقہ

سوال [۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا شوہر پر زمانۂ عدت کا خرچ لازم ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی ہے اور بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ بھی نہیں ہے اور نہ ہی معصیت اور نشوز بیوی کی طرف سے ثابت ہے، تو ایسی صورت میں طلاق کی عدت کا خرچ شوہر کے اوپر لازم ہے۔ اور اگر بیوی کی طرف سے نشوز ونافرمانی ثابت ہے اور معقول وجہ کے بغیر میکہ جا کر بیٹھ گئی ہے اور طلاق کا مطالبہ کرتی ہے، تو ایسی صورت میں عورت عدت کے خرچ کی مستحق نہیں ہوتی، اس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كانت الطلاق رجعيا أوبائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أو لم تكن الأصل أن الفرقة متى كانت من الزوج فلها النفقة، وإن كانت من جهة المرأة إن كانت بحق لها النفقة،

وإن كانت بمعصية لا نفقة لها، وإن كانت بمعنى من جهة غيرها فلها النفقة. (هندية قديم زكريا ١/ ٥٥٧، جديد مكتبه اتحاد ١/ ٦٠٥)

اوراسی طرح کی عبارت قدرے اختلاف کے ساتھ ”تاتارخانیہ ۵/ ۳۹۹، رقم: ۸۳۰۲، قاضی خاں علی ہامش الہندیہ قدیم ۱/ ۵۵۷“ میں موجود ہے۔

اوراس کو”البحرالرائق“ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وتلزمه النفقة ما لم تنقض العدة وقوله: المعتدة إذا خرجت من بيت العدة تسقط نفقتها ما دامت على النشوز، فإن عادت إلى بيت الزوج كان لها النفقة والسكنى. (البحرالرائق، کراچی ٤/ ١٩٩)

متاع یا متعہ کا حکم

سوال [۱۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ متاع یا متعہ سے کیامراد ہے؟ متاع یا متعہ کس مطلقہ کے لئے واجب ہوتا ہے؟ اور متعہٴ واجب کو متعین کرنے کا حق شوہر کو ہے یا میاں بیوی دونوں کو؟ اور کیا ہر قسم کی مطلقہ کے لئے متعہ دینے کا حکم ہے؟

المستفتی: مسلم پرسنل لاء بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال کا جواب تحریر کرنے سے پہلے قرآن کی دو آیتوں کو نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) **لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ.** [البقرة: ٢٣٦]

(۲) **وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔** [البقرة: ٢٤١]

ان دونوں آیتوں میں متاع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، شاید سوال نامہ میں انہیں آیتوں کی مناسبت سے لفظ ''متاع'' استعمال کیا گیا ہے، مگر حضرات فقہاء عمومی طور پر لفظ متاع کے بجائے ''متعہ'' کا لفظ کثرت سے استعمال کرتے ہیں، اس سے مراد حضرات فقہاء کے نزدیک عورت کے کچھ ضروری کپڑے وغیرہ ہیں، مثلاً درع، یعنی قمیص، خمار یعنی دوپٹہ، ملحفہ یعنی وہ کپڑا جو سر سے لے کر پیر تک ڈھانپنے کے لئے ہوتا ہے، جس کو برقع بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس پر بحث کرتے ہوئے اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ عربوں میں عام طور پر ان تین کپڑوں کا استعمال زیادہ رہا ہے؛ لیکن عجم میں قمیص کے نیچے ازار یا شلوار کا پہننا بھی ضروری ہوتا ہے؛ اس لئے علامہ شامیؒ نے دو چیزوں کا اضافہ مزید فرمایا ہے:

(۱) ازار یا شلوار (۲) ملعب، کوئی پھول دار چادر۔ بہر حال متعہ سے عام طور پر یہی چیزیں مراد لی جاتی ہیں اور بعض فقہاء نے کچھ مزید توسع دے کر اس کے لئے الفاظ استعمال فرمائے ہیں کہ متعہ سے مراد مذکورہ اشیاء ہیں یا وہ مال ہے جو شوہر اپنی مطلقہ بیوی کو مہر کے علاوہ کچھ اضافہ کے طور پر دیتا ہے جس کو حضرات فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

أما تفسير المتعة الواجبة فقد قال أصحابنا: إنها ثلاثة أثواب: درع، وخمار، وملحفة. (بدائع، زكريا ۲/ ۶۰۳، درمختار زكريا ٤/ ٢٤٤، كراچى ۳/ ۱۱۰)

اس عبارت کے نیچے شامی نے نقل فرمایا ہے کہ ان تین چیزوں پر دو چیزوں کا اضافہ مزید کیا جائے گا، جس میں ازار یا شلوار اور پھول دار چادر شامل ہے، ملاحظہ فرمائیے:

قال فخر الإسلام: في ديارهم، أما في ديارنا فيزاد على هذا إزار، ومكعب كذا في الدراية، ولا يكفى إغناء الملحفة عن الإزار إذ هي بهذا التفصيل إزار إلا أن يتعارف تغايرهما كما في مكة المشرفة.

(شامي، زكريا ٤/ ٢٤٤، كراچى ۳/ ۱۱۰)

اس کو ''الفقه الإسلامي'' میں اس طرح کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

المتعة المرادة هنا هي الكسوة أو المال الذي يعطيه الزوج للمطلقة زيادة على الصداق أو بدلا منه كما في المفوضة لتطييب نفسها. (الفقه الإسلامي وأدلته ٧/ ٣٠٦)

متعہ کی مستحق کونسی مطلقہ؟

متعہ کے پیش نظر مطلقہ عورتیں چار قسموں پر ہیں:

(۱) وہ مطلقہ عورت جس کے لئے بوقت نکاح مہر متعین کیا جا چکا ہو یا طلاق سے پہلے اس کا مہر متعین ہو چکا ہو اور اس کو شوہر نے قبل الدخول طلاق دے دی ہو، تو ایسی عورت کے لئے نصف مہر واجب ہو جاتا ہے اور اس کو نصف مہر کے علاوہ مزید اوپر سے متعہ کے نام سے کچھ دینا مستحب بھی نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کو نصف مہر یوں ہی مل گیا ہے اور شوہر نے اس سے کسی قسم کا استفادہ نہیں کیا؛ اس لئے نصف مہر کے علاوہ مزید اوپر سے کچھ دینا مستحب بھی نہیں ہے۔

(۲) وہ مطلقہ عورت جس کے لئے مہر متعین نہیں کیا گیا ہے یا وہ مفوضہ عورت جس نے اپنے آپ کو شوہر کے لئے سونپ دیا ہے اور کوئی مہر متعین نہیں ہوا ہے اور شوہر نے اس کو قبل الدخول طلاق دے دی ہے، تو ایسی عورت کے لئے نہ مہر مثل لازم ہے اور نہ ہی مہر مثل کا نصف حصہ دینا لازم ہے؛ بلکہ اس کے لئے اوپر کی تفصیل کے مطابق متعہ دینا شوہر پر واجب ہے۔

(۳) وہ مطلقہ عورت ہے جس کے لئے مہر متعین کیا جا چکا ہو اور دخول یا خلوت صحیحہ کے بعد شوہر نے اس کو طلاق دے دی ہو، تو اس کو طلاق کے بعد طے شدہ مہر ادا کر دینے کے بعد مزید اوپر سے متعہ کے نام سے کچھ دینا مستحب اور افضل ہے۔

(۴) وہ مطلقہ عورت ہے جس کے لئے مہر متعین نہیں کیا گیا ہے اور شوہر نے اس کو دخول وہم بستری کے بعد طلاق دے دی ہے، تو ایسی عورت کو مہر مثل ادا کرنا واجب ہے اور مہر

مثل کی ادائے گی کے بعد متعہ کے عنوان سے مزید کچھ دینا بھی مستحب اور افضل ہے۔

اس تفصیل سے مطلقہ کی چاروں قسموں کا حکم واضح ہو گیا ہے کہ پہلی قسم کے لئے صرف نصف مہر لازم ہے اور متعہ دینا مستحب بھی نہیں ہے اور دوسری قسم کے لئے مہر کے نام سے کچھ بھی دیناواجب نہیں، مگر متعہ دینا واجب ہوتا ہے اور تیسری اور چوتھی قسم کی مطلقہ سے شوہر نے استفادہ اور استمتاع حاصل کیا ہے؛ اس لئے ان دونوں قسم کی عورتوں کا مہر ادا کرنا شوہر پر واجب ہے اور مزید اوپر سے متعہ کے طور پر کچھ دینا مستحب وافضل ہے، مگر لازم یا واجب نہیں ہے، اس کو حضرات فقہاء نے اپنے اپنے الفاظ میں کافی وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

''تاتارخانیہ'' میں اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

المطلقات أربع: مطلقة قبل الدخول والتسمية وهي التي تجب لها المتعة، ومطلقة بعد الدخول وقد سمى لها مهرا، ومطلقة بعد الدخول ولم يسم لها مهرا فيستحب لهما المتعة، ومطلقة قبل الدخول بعد التسمية وهي التي لا تستحب لها المتعة ولا تجب؛ لأنها تأخذ نصف المهر منه من غير أن يستوفى الزوج منها شيئا، فنزل ذلک منزلة المتعة فلا تستحب لها المتعة مع ذلک. (الفتاوى التاتارخانية ٤/ ٢٢٢، رقم: ٦٠٢٤)

ہندیہ اور شامی میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

فالمطلقات أربع: أي مطلقة قبل الوطء أو بعده سمى لها أولا، فالمطلقة قبله إن لم يسم لها فمتعتها واجبة وإن سمى فغير واجبة، ولا مستحبة أيضا على ما هنا، والمطلقة بعده متعتها مستحبة سمى لها أولا. الخ (شامي، زكريا ٤/ ٢٤٦، كراچی ٣/ ١١١، هندية زكريا قديم ١/ ٣٠٤، جديد ١/ ٢٧٠)

''محیط برہانی'' میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمایئے:

ثم المتعة واجبة للمطلقة قبل الدخول بها إذا لم يسم لها مهرا في

كل فرقة جاءت من قبل الزوج، وإذا جاءت من قبل المرأة فلا متعة فيها وإن لم يسم لها مهرا، وإنها مستحبة لكل مطلقة يريد بالمطلقة بعد الدخول بها إذا لم يكن في النظام تسمية أو كان فيه تسمية، والمطلقة قبل الدخول بها كان في النكاح تسمية. وفي القدوري: وكل فرقة جاءت من قبل المرأة فلا متعة فيها، وإن كان من قبل الزوج ففيها المتعة، وفيه أيضا، وكل فرقة من جهة الزوج بعد الدخول يستحب فيها المتعة إلا أن يرتد ويأبى الإسلام، وفيه أيضا ولو خيّر امرأته فاختارت فهي فرقة من جهة الزوج. (المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٤/ ١٥٥، رقم: ٣٩٠٣-٣٩٠٤)

متعہ کی ادائے گی میں شوہر کی حالت کا اعتبار کیا جائے یا عورت کی حالت کا؟ تو اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے قرآن کریم کی آیت ﴿عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ﴾ [البقرة: ٢٣٦] کے پیش نظر شوہر کی حالت کا اعتبار کیا ہے اور بعض علماء نے متعہ واجبہ کے پیش نظر عورت کی حالت کا اعتبار کیا ہے اور بعض علماء نے دونوں کی حالتوں کا اعتبار کرتے ہوئے دونوں کی معیار زندگی کے پیش نظر درمیانی راہ اختیار کرنے کی بات کی ہے، اس سلسلہ میں بدائع کی عبارت زیادہ واضح ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وأما بيان من تعتبر المتعة بحاله، فقد اختلف العلماء فيه، قال بعضهم: قدر المتعة يعتبر بحال الرجل في يساره وإعساره، وهو قول أبي يوسف، وقال بعضهم: تعتبر بحال المرأة في يسارها وإعسارها، وقال بعضهم: تعتبر بحالهما جميعا، وقال بعضهم: المتعة الواجبة تعتبر بحالها والمتعة المستحبة تعتبر بحاله وجه قول من اعتبر حال الرجل قوله تعالى: ﴿وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ﴾ [البقرة: ٢٣٦]

جعل المتعة على قدر حال الرجل في يساره وإعساره. (بدائع الصنائع زكريا ٢/ ٦٠٤)

سوال نامہ میں یہ بات اٹھائی گئی ہے کہ بہت سے مسلم مما لک میں مطلقہ کو متعہ یا متاع کے نام سے دو یا تین سال کے نفقہ کی رقم لازمی طور پر دلائی جاتی ہے، تو اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ جن مسلم مما لک میں دو یا تین سال کا نفقہ دلایا جاتا ہے یہ شریعت کا حکم نہیں ہے، ان مما لک کی انتظامیہ کے لوگ اپنے نظام کے پیش نظر ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وہ زیادہ بہتر جانتے ہوں گے، مگر یہ شریعت کا حکم نہیں ہوسکتا، اوراس کی وجہ سے ہندوستان جیسے مما لک میں شریعت کے خلاف خطرناک حکم جاری ہونے کا خطرہ ہے جیسا کہ شاہ بانو کیس میں ایسا ہی ہوا ہے، سپریم کورٹ نے عبداللہ یوسف کے انگریزی ترجمہ سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ حکم جاری کیا تھا کہ مطلقہ عورت کو شوہر کی جانب سے تا حیات یا تا نکاح ثانی نان ونفقہ دینا لازم ہے اورمزید اوپر سے قرآن کریم کی آیت کا غلط معنی پہنا کر حکم جاری کیا گیا ہے جو قطعاً غلط ہے؛ اس لئے جن مسلم مما لک میں اس طرح سے نفقہ دلایا جاتا ہے اس کا مذاکرہ بھی ہندوستان میں مناسب نہیں۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللّٰهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ٢/ ١٣٥، برقم: ١٥٧٠)

(مفتی) شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

بروز جمعرات یکم محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

طلاق غضبان اور طلاق بدعی کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

فلسطینی مجلس افتاء کی طرف سے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے پاس طلاق غضبان اور طلاق بدعی سے متعلق تحقیق وتدقیق طلب کی گئی ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں ائمہ اربعہ اور جمہور کے مسلک سے عدول کر کے قول شاذ پر فتوی جاری کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اسلامک فقہ اکیڈمی نے جواب کے لئے ہمارے یہاں بھی عربی سوال نامہ بھیجا ہے، یہاں پر عربی سوال نامہ کا خلاصہ اور جواب پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ ہو:

فلسطینی مجلس افتاء کی طرف سے دو مسئلوں کے متعلق اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سے تحقیق طلب کی گئی ہے۔

پہلا مسئلہ: طلاق غضبان سے متعلق ہے، معمولی معمولی باتوں پر میاں بیوی کے درمیان لڑائی پیدا ہوتی ہے اور شوہر غلبۂ غضب میں آکر کے بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور طلاق بھی تین طلاق دے بیٹھتا ہے، اس کے بعد مفتیان کرام سے جواز کا فتوی طلب کرتا ہے اور اس طرح سے ہزار ہا ہزار گھرانے غصہ کی حالت میں طلاق دینے کے بعد پھر بیوی کو ساتھ میں رکھتے ہیں تو کیا اس مسئلہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ جن علماء کے نزدیک طلاق غضبان واقع نہیں ہوتی ہے، ان کے قول پر عمل کر کے عدم وقوع طلاق کا فتوی جاری کردیا جائے؟

دوسرا مسئلہ طلاق بدعی سے متعلق ہے: دوسرا مسئلہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ طلاق بدعی اگرچہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک واقع ہوجاتی ہے؛ لیکن بعض

علماء کے نزدیک واقع نہیں ہوتی ،تو کیا جن علماء کے نزدیک واقع نہیں ہوتی ہے،ان کے قول پر عمل کر کے عدم وقوع طلاق کا فتوی جاری کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

مثال کے طور پر ہزاروں گھرانے ایسے ہیں جن میں شوہر نے بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدیں، اس کے بعد اپنے پاس رکھنے لگے، اسی طرح جس طہر میں بیوی سے ہم بستری ہوئی ہے اس میں شوہر نے بیوی کو تین طلاق دیدیں یا حالت حیض میں تین طلاق دیدیں ہیں اور پھر بیوی کو اپنے پاس رکھنے لگے یہ سب طلاق بدعی کے دائرہ میں داخل ہیں۔

اس طرح طلاق بدعی دے کر کے شوہر بیوی کو اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور ہزاروں خاندان اسی طرح کی زندگی گذارنے میں مبتلا ہیں ،تو کیا جن علماء کے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی ہے،ان کے قول پر عمل کر کے فتوی اجاری کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: المجلس الاسلامی للافتاء بیت المقدس الداخل الفلسطین

۱۲/شوال المکرّم ۱۴۳۶ھ

نوٹ: یہ سوال دارالافتاء مدرسہ شاہی میں ماہ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ میں آیا ہے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں ایک ساتھ دو مسئلوں سے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔

پہلا مسئلہ طلاق غضبان سے متعلق ہے اور دوسرا مسئلہ طلاق بدعی سے متعلق ہے کہ طلاق بدعی واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

اب دونوں مسئلوں سے متعلق روایات اور فقہی جزئیات کے ذریعہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے، وہ کسی بھی تجربہ کار عالم اور مفتی سے مخفی نہیں ہے۔اور دونوں مسئلوں میں ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق ہے اور صرف حافظ ابن قیم جوزیؒ جیسے چند حضرات کا اختلاف ہے اوران کے اختلاف کو خارق اجماع بھی کہا جاسکتا ہے، اس تمہید کے بعد دونوں مسئلوں کو الگ الگ سرخیوں کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے۔

مسئلہ نمبر ا: طلاق غضبان

حالت غضب میں طلاق دینے سے متعلق کچھ وضاحت کی ضرورت ہے، شوہر اپنی بیوی کو خوشی سے کبھی طلاق نہیں دیتا؛ بلکہ غیظ وغضب اور غصہ کی حالت ہی میں طلاق دیتا ہے، اور حضرات فقہاء نے غیظ وغضب اور غصہ کے تین درجات بیان کئے ہیں۔

درجہ نمبر ۱: غصہ کا پہلا درجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا ہوش وحواس بدستور باقی رہتا ہے اور ہر چیز کو اپنی جگہ بدستور سمجھتا ہے، اس حالت میں طلاق دینے سے سب کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

درجہ ۲: غصہ کا دوسرا درجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا غیظ وغضب اس کے اوپر غالب ہو جائے کہ وہ سب کچھ کھو بیٹھے، اس کی عقل ودانش بالکل جاتی رہے، اور اس کا حال مجنوں اور مغمیٰ علیہ کی طرح ہو جائے جس کو فقہاء نے مدہوش سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں فقہاء نے طلاق مدہوش کے عنوان سے سرخیاں قائم کی ہیں، اس حالت کی طلاق باتفاق فقہاء واقع نہیں ہوتی، لیکن علامہ شامیؒ نے اس بارے میں یہ بات نقل فرمائی ہے کہ اگر عادل گواہوں نے اسکے سامنے شہادت دی ہے کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، اور ان کی باتوں پر اسے یقین اور اعتماد ہو کہ انہوں نے صحیح کہا ہے تو ایسی صورت میں اسکی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، اس حالت سے متعلق فقہاء کے دلائل کے ساتھ مستقل ایک سرخی کا عنوان آگے آرہا ہے۔

درجہ ۳: غصہ کا تیسرا درجہ وہ ہوتا ہے جو مذکورہ دونوں حالتوں کے درمیان درمیان ہوتا ہے، نہ تو ہوش حواس اعتدال کے ساتھ باقی رہتا ہے، اور نہ ہی مجنون اور مغمیٰ علیہ کی طرح بالکل بے خبر ہوتا ہے بلکہ غصہ اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ کچھ یاد ہے اور کچھ یاد نہیں، اور حالتِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور غلبۂ غضب کی وجہ سے کچھ کا کچھ بک دیتا ہے تو ایسی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں جمہور فقہاء کی رائے

یہ ہے کہ اسکی طلاق واقع ہوجائے گی یہی ائمہ اربعہ کا مسلک ہے، سوال نامہ میں اسی درجہ اور اسی حالت سے متعلق پوچھا گیا ہے کہ آج کل کے زمانہ میں اس طرح کے غلبۂ غضب میں اکثر و بیشتر طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

اب اس بارے میں غور کرنا ہے کہ ایسے حالات میں جو طلاق دی جاتی ہے وہ واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر اس حالت کی طلاق کو معتبر نہ مانا جائے تو دنیا میں طلاق کے جتنے واقعات پیش آتے ہیں ان میں سے کسی بھی واقعے میں وقوع طلاق کا حکم لگانا مشکل پڑ جائے گا۔

اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور نے اس حالت کی طلاق کو معتبر مانا ہے، اور فلسطین کی مجلس افتاء کی طرف سے اسی حالت سے متعلق دریافت کیا گیا ہے کہ اس حالت میں طلاق دینے کی صورت میں بعض علماء نے طلاق کے عدم وقوع کی بات کہی ہے، جیسا کہ علامہ ابن قیم جوزیؒ کا رجحان ہے، تو اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر حافظ ابن قیم جوزیؒ کی رائے کو اختیار کیا جائے تو ہزاروں لاکھوں مسلمان طلاق دے کر حرام کاری میں مبتلا رہیں گے اور مفتی کے سامنے یہی بات پیش کریں گے کہ غلبۂ غضب کی وجہ سے بے خبری میں طلاق دی گئی ہے، اس لئے اس مسئلے میں جمہور کی رائے سے ہٹ کر ابن قیم کی رائے کو اختیار کرنا ہمارے نزدیک خطرے سے خالی نہیں ہے، اس لئے اس حالت کی طلاق کو ہم معتبر سمجھتے ہیں، اور جن لوگوں نے عدم وقوع طلاق کی بات کہی ہے، اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے۔

اب جزئیات ملاحظہ فرمائیں:

اس سلسلے میں کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کی عبارت بہت واضح ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۱) وأما طلاق الغضبان فاعلم أن بعض العلماء قد قسم الغضب إلی ثلاثة أقسام:

الأول: أن يكون الغضب في أول أمره فلا يغير عقل الغضبان بحيث يقصد ما يقوله ويعلمه، ولا ريب في أن الغضبان بهذا المعنى يقع طلاقه وتنفذ عبارته باتفاق.

الثاني: أن يكون الغضب فى نهايته بحيث يغير عقل صاحبه ويجعله كالمجنون الذي لايقصد مايقول ولايعلمه، ولاريب في أن الغضبان بهذالمعنى لايقع طلاقه لأنه هو والمجنون سواء.

الثالث: أن يكون الغضب وسطابين الحالتين بأن يشتد ويخرج عن عادته؛ ولكنه لايكون كالمجنون الذي لايقصد مايقول ولايعلمه، والجمهور على أن القسم الثالث يقع به الطلاق. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة،٤/٢٩٤)

(۲) اس کو فتح الباری میں بہت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اگر اس حالت میں طلاق دینے سے عدم وقوع کی بات کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا کہ میں نے غلبۂ غضب میں طلاق دی ہے، لہٰذا طلاق واقع نہ ہو، اور اس کی وجہ سے امت میں ایک بڑا فتنہ برپا ہوسکتا ہے، اور لوگ طلاق دے کر حرام کاری میں مبتلا ہو جائیں گے۔

فتح الباری کتاب الطلاق باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ والسکر ان، بخاری کے ترجمۃ الباب کے تحت میں تشریح کرتے ہوئے فتح الباری کی عبارت ہے، ملاحظہ فرمائیے:

قال إن طلاق الناس غالبا إنما هو في حال الغضب، وقال ابن المرابط الإغلاق حرج النفس، وليس كل من وقع له فارق عقله، ولوجاز عدم وقوع طلاق الغضبان، لكان لكل أحد أن يقول في ماجناه، كنت غضبانا، وأراد بذلک الرد على من ذهب إلى أن الطلاق في الغضب لايقع

(فتح الباری، مطبع قاهره ٩/٣٠١، ومكتبة اشرفية ٩/٤٨٧)

(۳) علامہ شامیؒ نے ابن قیمؒ کے قول کو نقل کرنے کے بعد غایۃ کے حوالہ سے اس کی مخالفت کی عبارت نقل فرما کر ابن قیمؒ کے قول پر رد فرمایا ہے، شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

قلت: وللحافظ ابن القيم الحنبلى رسالة فى طلاق الغضبان قال فيها: إنه على ثلاثة أقسام:

أحدها: أن يحصل له مبادی الغضب بحيث لايتغير عقله يعلم ما يقول ويقصده، وهذالاإشكال فيه.

الثانی: أن يبلغ النها ية فلا يعلم مايقول ولايريده فهذا لاريب أنه لاينفذ شيئ من أقواله. الثالث من توسط بين المرتبتين بحيث لم يصر كالمجنون فهذا محل النظر، والأدلة تدل على عدم نفوذ أقواله ملخصا من شرح الغاية الحنبلية، لكن أشارفی الغاية إلى مخالفته في الثالث: حيث قال: ويقع طلاق من غضب خلافا لابن القيم وهذا الموافق عندنا لمامر فی المدهوش. (شامی زکریا ۴/۴۵۲ وکراچی ۳/۲۴۴، الموسوعة الفقهية ۲۹/۱۸)

طلاق مدہوش

مدہوشی کی حالت اسی کوکہا جا تا ہے، کہ جس حالت میں آدمی ہوش وہواس سے بالکل محروم ہو جاتا ہے، جیسے مجنون اور مغمی علیہ کا حال ہوتا ہے، وہی مدہوش شخص کا حال ہوتا ہے، اس حالت میں زبان سے طلاق نکلے اس کوکسی قسم کی طلاق دینے کی خبرنہیں ہوتی ہے کہ اس کی زبان سے کیا نکلا ہے، اوراس نے کیا کہا ہے، تو ایسے مدہوش شخص کی طلاق کے بارے میں جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ مغمی علیہ اور مجنون اور نائم کی طرح اس کا حکم ہوگا، اوراس حالت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

الفقہ الاسلامی کی عبارت بہت واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(۴) لايصح طلاق المجنون، ومثله المغمی عليه والمدهوش: وهوالذی اعترته حال انفعال لايدری فيها مايقول أو يفعل أويصل به الانفعال إلى درجة يغلب معها الخلل فی أقواله وأفعاله بسبب فرط الخوف أوالحزن أوالغضب. (الفقه الاسلامی وأدلته، ۷/۳۵۱)

(۵) صاحب بدائع کی عبارت اس بارے میں بہت ہی مختصر ہے لیکن واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

ومنها أن لايكون معتوها ولامدهوشا ولامبرسما ولامغمى عليه ولا نائمًا فلايقع طلاق هؤلاء . (بدائع الصنائع زکریا دیوبند،۳/۱۵۹)

اس کو علامہ شامی نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے،

(٦) وسئل نظما فيمن طلق زوجته ثلاثا في مجلس القاضي، وهو مغتاظ مدهوش فأجاب نظما أيضا بأن الدهش من أقسام الجنون فلايقع، (شامی زکریا دیوبند،٤/٤٥٢، وکراچی ٣/٢٤٤)

بحر الرائق میں اس کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔

(۷) ولايقع طلاق الصبى والمجنون وأراد بالمجنون من في عقله اختلال فيد خل فيه المدهوش. (البحر الرائق، زکریا ٣/٤٥٣)

لیکن علامہ شامی نے تفصیلی بحث کرتے ہوئے والواصبہ کے حوالے سے یہ بات بھی نقل فرمائی ہے کہ حالت مدہوشی میں اگر بیوی کو طلاق دے دی ہے اور اسے کچھ بھی یاد نہیں ہے، پھر ایسے دو گواہوں نے اس کے سامنے شہادت دی ہے جو عادل ہیں اور ان کی باتوں پر اس کو اعتماد ہے، تو ایسی صورت میں، ان کی باتوں پر اعتماد کر کے وقوع طلاق کو تسلیم کر لینا اس کے لیے جائز ہوگا، یعنی یہ ایک احتیاط کا پہلو ہے، کہ اس حالت کی طلاق کو دوسروں کی شہادت کے ساتھ تسلیم کر لیا جائے، اور بیوی کو اپنے سے الگ کر دیا جائے، اگر فلسطین کی مجلس افتاء کو اس حالت سے متعلق رائے معلوم کرنی ہے، کہ اس حالت میں عدم وقوع طلاق کی بات کی جائے تو اس سے اتفاق کرنا مناسب ہے۔

علامہ شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائے:

(۸) لو طلّق فشهد عنده اثنان أنک استثنيت وهو غيرذاكرٍ إن كان بحيث إذاغضب لايدرى ما يقول وسعه الأخذ بشهادتها وإلا لا. فإن

مقتضاه أنه إذا كان لايدری مايقول يقع طلاقه وإلا فلا حاجة إلى الأخذ بقولهما إنک استثنيت (وقوله) ثم رأيت مايؤيد ذلک الجواب وهو أنه قال في الولوالجية: إن كان بحال لوغضب يجري على لسانه مالا يحفظه بعده جاز له الاعتماد على قول الشاهدين، فقوله لايحفظه بعده صريح فيما قلنا. (شامي زكريا ٤/٤٥٣، كراچي ٣/٢٤٤)

فتاوی والوالجیہ کی عبارت اس بارے میں بہت واضح ہے کہ مدہوش کی طلاق اس وقت معتبر ہوجاتی ہے کہ اس کے سامنے قابل اعتماد دوآدمی آکرشہادت دیدیں اوراس کوان کی شہادت پراعتماد ہےتو اس کا اعتبار کرکےاس پرعمل کرنا اس کے لئے مناسب ہے۔

عبارت ملاحظہ فرمائے:

(۹) رجل طلق امرأته فشهد عنده شاهدان: أنک استثنيت موصولا، وهو لايذكر: إن كان هذا الرجل بحال لوغضب يجرى على لسانه مالا يحفظ بعده جاز له الاعتماد على قول الشاهدين، لأن الظاهر يقرر قول الشاهدين، وإن لم يكن بحال إذا غضب يجرى على لسانه مالا يحفظ لايجوز له الاعتماد لأنه يخالف الظاهر. (الفتاویٰ الولوالجية، مكتبه دارالايمان سهارنفور ٢/٥٥، الفصل الثالث فى الاستثناء وغيره الى آخره)

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر مدہوش شخص کومعتبر دوگواہوں نے آکرنہیں بتلایاہےتو وہ اس طلاق پرعمل کرنے کا مکلّف نہیں ہے، اوراگرشہادت مل گئی ہے تو اس پرعمل کرنا مناسب ہے۔

طلاق غضبان سے متعلق حدیث شریف

طلاق غضبان سے متعلق حضرت عائشہؓ کی حدیث نقل کی جاتی ہے جوحضرت صفیہ بنت شیبۃ بن عثمان بن طلحہؓ صاحب کلیدا لکعبۃ حضرت عائشہؓ سے یہ روایت نقل کرتی ہیں،

اورصفیہ بنت شیبۃ سے نقل کرنے والے روات پانچ ہیں، (۱) محمد بن عثمان (۲) زکریا بن ابی زائدہ (۳) عبیدہ بن سفیان (۴) عبید بن أبی صالح (۵) محمد بن عبید بن أبی صالح ، امام احمد بن حنبل نے مسند احمد ٦/ ۲۷٦، حدیث: ۲٦۸۹۲، میں محمد بن عبید بن أبی صالح مکی سے نقل فرمائی ہے، اور امام أبوداؤد نے بھی محمد بن عبید بن أبی صالح سے نقل فرمائی ہے، اور امام دار قطنی نے دو روایتیں نقل فرمائی ہیں۔

(۱) محمد بن عبید بن أبی صالح کی روایت ہے، جیسا کہ اوپر کے محدثین نے نقل فرمائی ہے، اور محمد بن عبید بن أبی صالح کو سب نے متکلم فیہ ثابت کر کے ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا مسند احمد سنن أبی داؤد، اور دار قطنی کی یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف اور کمزور ثابت ہوتی ہے، اور دار قطنی کی دوسری روایت میں صفیہ بنت شیبہ کے شاگرد زکریا بن زائدہ اور محمد بن عثمان ہیں، یہ دونوں ثقہ ہیں، لیکن ان دونوں کے شاگرد قزعۃ بن سوید ہیں، اور قزعۃ بن سوید کو بھی ضعیف اور کمزور قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے دار قطنی کی یہ روایت بھی کمزور ثابت ہوگی اور مصنف ابن شیبۃ ۹/ ۵۷۳، حدیث ۱۸۳۴۲ ، اور ابن ماجہ نسخہ ہندیہ ص ۱۴۷، اور نسخہ مرقم ۲۰۴٦ ، میں باب طلاق المکرّہ کے ذیل میں صفیہ سے روایت نقل کرنے والے عبید بن صالح کو قرار دیا ہے، عبید کے بیٹے محمد کا ذکر ہی نہیں ہے، بہر حال اس روایت کو اگر کمزور بھی قرار دیا جائے تو کثرت طرق کی وجہ سے ضعف اور کمزوری دور ہو کر کسی حد تک قوت آ گئی ہے۔

اور امام أبویعلی الموصلی نے صحیح سند کے ساتھ اس روایت کو نقل فرمایا ہے، ان کی روایت میں صفیہ بنت شیبہ کے شاگرد عبیدہ بن سفیان ہیں، جو ثقہ راوی ہیں اور ان کی سند میں نہ قزعۃ بن سوید آیا ہے، اور نہ ہی محمد بن عبید بن أبی صالح آیا ہے، لہٰذا حدیث کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث شریف صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔

اب اس تفصیل کے بعد حدیث شریف کا متن ملاحظہ فرمایئے:

(۹) عن عائشةؓ قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاطلاق

ولاعتاق في إغلاق (مسند أبو يعلى الموصلى ٤/٧٣، رقم ٤٤٢٧، مصنف لابن أبى شيبه ٩/٥٧٣، رقم ١٨٣٤٢، مسند امام احمد بن حنبل ٦/٢٧٦، رقم ٢٦٨٩٢، أبوداؤد شريف نسخهٔ هنديه ١/٢٩٨، رقم٢١٩٣، ابن ماجه نسخهٔ هنديه ص ١٤٧، رقم ٢٠٤٦، دارقطنى ٤/٢٤، رقم ٣٩٤٣، ٣٩٤٤)

دوسری بات حدیث شریف کے متن پر غور کرنا ہے متن میں اغلاق کا لفظ آیا ہے، اس کے معنی کیا ہیں؟ اس کے معنی کی تعیین میں سخت اختلاف ہوا ہے، بعض لوگوں نے اس کا معنی اکراہ کا کیا ہے، اور امام بخاری نے بھی اپنے ترجمہ الباب میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے بھی طلاق مکرہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے، اور صاحب بذل نے قیل کے لفظ سے اغلاق کے معنی غضب کے لئے ہیں، بذل المجہود قدیم نسخہ ہندیہ ٣/٢٧٦، اور صاحب اعلاء السنن نے **قال شيخنا** کہہ کر کے یہ عبارت نقل کی ہے، ملاحظہ فرمائے:

(١٠) والصواب أنه يعُمّ الإكراه والغضب والجنون وكل أمر انغلق على صاحبه عِلمُه وقصده، مأخوذ من غلق الباب، وإذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال. (اعلاء السنن كراچي ١١/١٨٦،١٨٧، بيروتى ١١/٢٠٨)

اور اعلاء السنن کی پوری عبارت یہ ہے:

والمراد الغضب الذي يحصل به الدهش وزوال العقل فإن قليل الغضب لايخلو الطلاق عنه إلانادرًا. وقد قلنا بعدم وقوع الطلاق في مثل هذا الغضب قال الزيلعى: قال فى التنقيح: وقد فسره أحمد أيضًا بالغضب. قال شيخنا : والصواب أنه يعُمّ الإكراه والغضب والجنون وكل أمرٍ انغلق على صاحبه عِلمُه وقصده، مأخوذ من غلق الباب، وإذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (اعلاء السنن دارالكتب العلمية بيروت ١١/٢٠٨)

اگر اس کو اکراہ کے معنی میں نہ لے کر غضب کے معنی میں لیا جائے تو غضب کے تینوں درجات میں سے وہ درجہ مراد ہوگا، جس میں آدمی حالت غضب کی وجہ سے مغمی علیہ اور مجنون

کی طرح بے خبر ہو جاتا ہے، جس کو مدہوش سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس تفصیل کے بعد حدیث شریف کے متن کو غضب کے معنٰی میں لینے کی صورت میں طلاق مدہوش ہونا متعین ہو چکا ہے، اور مدہوش کی طلاق باتفاق علماء واقع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا حدیث شریف سے استدلال کر کے درجۂ دہشت اور مدہوشی سے ہلکے درجے کے غضب کی طلاق مراد نہیں لی جاسکتی، اور مدہوش اور مغمی علیہ کی طلاق جمہور کے نزدیک واقع نہیں ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر۲: طلاق بدعی

دوسرا مسئلہ طلاق بدعی سے متعلق اٹھایا گیا ہے، کہ طلاق بدعی جمہور کے نزدیک واقع ہو جاتی ہے، بعض اقوال شاذہ میں طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی ہے، تو کیا آج کے زمانے میں کثرت طلاق کی وجہ سے قول شاذ پر عمل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جیسے ابن قیم جوزی وغیرہ کا قول ہے، اس سلسلے میں مختصر وضاحت ذیل میں پیش کی جارہی ہے کہ طلاق بدعی کی دو قسمیں ہیں:

طلاق بدعی بالزمان یعنی زمانہ اور وقت کی وجہ سے اس میں کراہت آتی ہے۔

(۱) وأما البدعي فنوعان: بدعي بمعنى يعود إلى العدد، وبدعي بمعنى يعود إلى الوقت؛ فالذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثا في طهر واحد بكلمة واحدة أوبكلمات متفرقة. وفي الخزانة: أوطلقها أكثر من ثلاث، أويجمع بين التطليقتين في طهر واحد بكلمة أو بكلمتين متفرقتين. وفي الفتاوى الخلاصة: سواء كانت المرأة مدخولة أوغير مدخولة، أومن تحيض أولاتحيض، وفي الهداية: فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيا. (الفتاوى التاتارخانية زكريا كتاب الطلاق، الفصل الأول في بيان أنواع الطلاق ٤/ ٣٨٠، رقم ٦٤٧٦، الهندية زكريا، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره وركنه الخ، قديم ١/ ٣٤٩، جديد١/ ٤١٦، بدائع الصنائع زكريا، كتاب الطلاق، فصل في طلاق البدعة ٣/ ١٤٩)

اب اس کے بعد طلاق بدعی کی دونوں قسموں سے متعلق الگ الگ عنوان قائم کر کے وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

(۱) طلاق بدعی بالعدد:

طلاق بدعی بالعدد کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک جملہ میں تین طلاقیں دیدی جائیں، یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دیدی جائیں، اس طرح بیک وقت تین طلاقیں واقع کر دینا سارے علماء کے نزدیک امر قبیح ہے، اس کی وجہ سے شوہر گنہگار ہو جائے گا، مگر ائمہ اربعہ اور جمہور امت کے نزدیک اس طرح سے ایک مجلس کی تین طلاقیں، یا ایک جملہ کی تین طلاقیں بلاشبہ واقع ہو جاتی ہیں، مگر غلط طریقہ اختیار کرنے کی وجہ سے شوہر گنہگار ہوگا۔

اور ابن حزم ظاہری ابن تیمیہ اور ابن قیم جوزی نے ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق تسلیم کیا ہے، اور ان لوگوں کے اقوال انتہائی شاذ اور خارق اجماع ہیں، اب فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمائیے: صاحب ہدایہ نے اس کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

(۲) وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثا بكلمةٍ واحدةٍ، أو ثلاثا في طهرٍ واحدٍ، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق، وكان عاصيا. (الهداية مكتبه اشرفيه ديوبند، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة ۲/ ۳۵۵)

اس کو علامہ شامی نے مزید واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۳) والبدعي ثلاث متفرقة أوثنتان بمرةٍ أومرتين في طهرٍ واحد لارجعة فيه أو واحدة في طهر وطئت فيه أوواحدة في حيض موطوءة ......وتجب رجعتها أي الموطوءة المطلقة في الحيض، قوله على الأصح مقابله قول القدورى أنهامستحبة لأن المعصية وقعت، فتعذر ارتفاعها.

(شامي زكريا، كتاب الطلاق، مطلب طلاق الدرر ۴/ ۴۳۴-۴۳۵، كراچي ۳/ ۲۳۲-۲۳۳)

(۴) صاحب بحر نے اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(وثلاثا في طهر أو بكلمة بدعي) أي تطليقها ثلاثا متفرقة في طهر واحد أو ثلاثا بكلمةٍ واحدةٍ بدعي، أي منسوب إلى البدعة والمراد بها هنا المحرمة، لأنهم صَرّحُوا بعصيانه، ومراده بهذا القسم ماليس حسناً ولاأحسن، ولذا قال في فتح القدير: طلاق البدعة ما خالف قِسمَيِ السنة، فدخل في كلامه ما لو طلق ثنتين بكلمة واحدة أو متفرقا أو واحدة في طهر، قدجامعها فيه أوفي حيض قبله. (البحرالرائق زكريا، كتاب الطلاق ۳/۴۱۷-۴۱۸)

اس سلسلہ میں علامہ عینیؒ کی عبارت بہت مختصر ہے، مگر بہت زیادہ واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(۵) ومن طلق امرأته ثلاثا وقعن لكنه يأثم وقالوا من خالف فيه فهو شاذ مخالف لأهل السنة وإنما تعلق به أهل البدعة ومن لايلتفت إليه لشذوذه عن الجماعة الخ. (عمدة القارى، مطبع ۲/۲۳۳)

(۲) طلاق بدعی بالزمان

طلاق دینے میں شریعت نے زمانہ کی بھی رعایت کی ہے کہ شریعت کے نزدیک طلاق انتہائی مبغوض اور بری چیز ہے، انتہائی ضرورت میں طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے، لہٰذا جب میاں بیوی کے درمیاں نبھاؤ کی کوئی شکل نہ ہوتو شوہر کے لیے طلاق دیدینا جائز ہے، لیکن اس میں زمانہ اور وقت کی رعایت کرنا بھی شوہر کے ذمہ ضروری ہے، اور زمانہ کی رعایت کیے بغیر طلاق دے دینے سے شوہر گنہگار ہوگا، لہٰذا ایسے زمانہ اور وقت میں طلاق دینا چاہئے جس میں بیوی حالت حیض یا نفاس میں نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ حالت حیض اور نفاس کا زمانہ بیوی کے ساتھ اختلاط میں تنفر کا زمانہ ہے، جنسی ضرورت پوری کرنے کا زمانہ نہیں ہے، اس حالت میں طلاق دینے کی صورت میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ نفرت کی وجہ سے طلاق دی ہے، ضرورت کی وجہ سے نہیں، اسی طرح اس طہر میں بھی طلاق دینے کی

ممانعت ہے جس طہر میں ہمبستری ہوئی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بیوی کے ساتھ ہمبستری ہوچکی ہے تو جنسی ضرورت پوری ہوچکی ہے، اب اس حالت میں طلاق دینے کی وجہ سے یہ بات سامنے آسکتی ہے کہ ضرورت پوری ہوگئی اور کام پورا ہوگیا تو طلاق دے کر ایک طرف کردیا، اور بلا ضرورت طلاق دی گئی ہے، اس لئے ان دونوں حالتوں میں طلاق دینے کو طلاق بدعی کہا گیا ہے، اس کی وجہ سے شوہر گنہگار ہوجائے گا اور ایسی حالت میں طلاق دینے سے شوہر گنہگار نہیں ہوتا ہے، جس میں عورت حالت حیض میں نہ ہو، اور اسی طرح ایسے طہر میں طلاق دیدے جس میں بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں ہوئی ہے، ان حالات میں طلاق دینا انتہائی ضرورت اور آپس میں نبھاؤ نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہوتا ہے، اس لیے جب بھی طلاق دینے کی ضرورت پڑے تو ایسے طہر میں دینے کی گنجائش ہوتی ہے، جس میں ہمبستری نہ کی گئی ہو، لہٰذا جس طہر میں ہمبستری ہوئی ہے، اس میں طلاق دیدے یا حالت حیض میں طلاق دیدے، ان دونوں صورتوں میں شوہر گنہگار ہوگا، مگر طلاق بھی واقع ہو جائے گی، اسی پر ائمۂ اربعہ اور جمہور امت کا اتفاق ہے، اور اس کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے حالت حیض میں بیوی کو طلاق دی ہے تو حضورؐ نے غصّہ کا اظہار فرمایا، اور رجعت کا حکم فرمایا، اور رجعت اسی وقت ہوسکتی ہے کہ جب طلاق واقع ہو جائے، اور اگر طلاق ہی واقع نہ ہو تو رجعت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے، اور یہاں حضورؐ نے رجعت کا حکم فرمایا ہے، کیوں کہ اگر واقع نہ ہوئی ہوتی تو حضورؐ رجعت کے بغیر یوں ہی رکھنے کا حکم فرماتے، اور ایسا ہے نہیں۔

اب روایات اور فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے: حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

(۲) طلق ابن عمر امرأته وهي حائض، فذكر عمر للنبي ﷺ فقال: ليراجعها، قلت تحتسب؟ ...... قال: أريت إن عجز و استحمق الحديث

(صحيح البخاري، كتاب الطلاق باب إذا طلقت الحائض الخ ۲/ ۷۹۰، رقم: ۵۰۵۶، ف ۵۲۵۲، والصحيح لمسلم ۱/ ۴۷۶، رقم: ۱۴۷۱، وجامع

الترمذي، باب ماجاء في طلاق السنة ۱/۲۲۲، رقم:۱۱۷٦، أبوداؤد، كتاب الطلاق، باب في طلاق السنة ۱/۲۹٦، رقم:۲۱۸٤)

اس حدیث میں رجعت کا حکم ہے، اور اگر طلاق واقع نہ ہوتی تو رجعت کا حکم نہ فرماتے، بلکہ یوں ہی رکھنے کا حکم فرماتے یا ''لاحرج'' فرماتے، اور ایسا ہے نہیں، اس لیے ایک طلاق واقع ہوچکی ہے دوسری روایت میں ہے:

(۷) **فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم مُرُه فليراجعها ثم ليمسكها حتى تطهر، ثم تحيض، ثم تطهر، ثم إن شاء أمسك بعد وإن شاء طلق قبل أن يمسّ الحديث.** (صحيح البخاري كتاب الطلاق ۲/۷۹۰، رقم ۵۰۵۵ ف ۵۲۵۱، والصحيح لمسلم، كتاب الطلاق ۱/٤۷٦، رقم ۱٤۷۱، وجامع الترمذي أبواب الطلاق، باب ماجاء في طلاق السنة ۱/۲۲۲ رقم ۱۱۷٦، وأبو داؤد كتاب الطلاق، باب في طلاق السنة ۱/۲۹٦، رقم ۲۱۷۹)

علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیم جوزیؒ نے عدم وقوع کی بات کہی ہے کہ اس حالت میں کوئی طلاق نہیں ہوتی ہے، فتاوی ابن تیمیہ ۳۳/۷۲، زادا معاد ۵/ ۲۱۹-۲۲۳-۲۲۴) فقہاء کے جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

اس کو البحر الرائق میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(۸) **وصحَّ طلاقهن بعد الوطء، وطلاق الموطوءة حائضا بدعي، فيراجعها وتحته في البحر فيراجعها أي وجوبا في الحيض للتخلّص من المعصية بالقدر الممكن، لأن رفعه بعد وقوعه غير ممكن، ورفع أثره وهو العدة بالمراجعة ممكن، ......والأصح وجوبها لما قلنا، وعملا بحقيقة الأمر في قوله عليه السلام''مُرُابنک فليراجعها.** (البحر الرائق زكريا كتاب الطلاق ۳/٤۱۹-٤۲۱-٤۲۲، كوئٹه ۳/۲٤۱-۲٤۲)

اور اس کو تبیین الحقائق میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(۹) وطلاق الموطوءة حائضا بدعيٌّ لماذكرنا، وقال أهل الظاهر لايقع لأنه منهي عنه فلا يكون مشروعا، ولنا قوله عليه الصلاوالسلام لعمر مر ابنک فليراجعها، وكان طلاقها في حالة الحيض والمراجعة بدون وقوع الطلاق محال. (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق زكريا ۳/ ۳۰، وقديم ۲/ ۱۹۳)

اس کوہدایہ میں بہت واضح الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(۱۰) وإذاطلق الرجل امرأته في حالة الحيض وقع الطلاق، لأن النهي عنه لمعنىً في غيره، وهو ماذكرنا، فلاينعدم مشروعيته، ويستحب له أن يراجعها لقوله عليه السلام لعمر مر ابنک فليراجعها، وقد طلقها في حالة الحيض، وهذا يفيد الوقوع، والحثَّ على الرجعة، ثم الاستحباب قول بعض المشايخ، والأصح أنه واجب عملا بحقيقة الأمر، ورفعا للمعصية بالقدر الممكن برفع أثره. (الهداية المكتبه الاشرفية ديوبند ۲/۳۵۷)

اس کوہندیہ میں ان الفاظ سے نقل فرمایاہے، ملاحظہ فرمایئے:

(۱۱) وأما البدعيٌّ فنوعان: بدعيٌّ لمعنًى يعود إلي العدد، وبدعي لمعنى يعود إلى الوقت، فالذي يعود إلى العدد أن يطلقها ثلاثا في طهر واحد بكلمة واحدة، أوبكلمات متفرقة، أويجمع بين التطليقتين في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمتين متفرقتين، فإذا فعل ذلک وقع الطلاق وكان عاصيا، والبدعي من حيث الوقت أن يطلق المدخول بها، وهى من ذوات الأقراء في حالة الحيض، أوطهر جامعها فيه، وكان الطلاق واقعاً، ويستحب له أن يراجعها، والأصح أن الرجعة واجبة هكذا في الكافي (الهندية زكريا كتاب الطلاق، الباب الأول فى تفسيره الخ، قديم ۱/ ۳۴۹، وجديد ۱/ ۴۱۶)

(۱۲) اس مسئلہ میں الفقہ الاسلامي کی عبارت زیادہ واضح ہے، ملاحظہ فرمایئے:

يقع الطلاق باتفاق المذاهب الأربعةفي حال الحيض أوفي حال الطهر الذي جامع الرجل امرأته فيه، لأن النبي صلى الله عليه وسلم أمرابن عمر بمراجعة امرأته التي طلقها، وهي حائض والمراجعة لاتكون إلابعد وقوع الطلاق...... وقال الشيعة الإمامية والظاهريه وابن تيمية وابن القيم يحرم الطلاق في أثناء الحيض أو النفاس أو في طهر وطئ الرجل زوجته فيه ولاينفذ هذا الطلاق البدعي. (الفقة الاسلامى وأدلة ۷/ ۳۸۷- ۳۸۸)

اس پوری تفصیل سے واضح ہوا کہ ائمۂ اربعہ اور جمہور امت کے نزدیک طلاق بدعی سے اگر چہ شوہر گنہگار ہوجاتا ہے، مگر طلاق لازمی طور پر واقع ہوجاتی ہے، خارق اجماع اقوال شاذّہ کی وجہ سے مذاہب ائمہ اربعہ اور قول جمہور کو ترک کردینا جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

❁ ❁ ❁

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَداً ☆ عَلٰى حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللهُ أَكْبَر كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً. الحديث

(المعجم الكبير ۲/ ۱۳۵، برقم: ۱۵۷۰)

(مفتی) شبیر احمد قاسمی

خادم الحدیث والافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (یو-پی)

۲۸؍محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

(١٨) باب الشهادة في الطلاق

کیا وقوع طلاق کے لئے گواہوں کا ہونا ضروری ہے؟

سوال [٦٧٩٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں، طلاق دیتے وقت شوہر بیوی کے علاوہ دوسرا کوئی موجود نہیں تھا اور شوہر اور بیوی دونوں اقرار کرتے ہیں کہ طلاق ہوئی؛ لیکن کوئی دوسرا گواہ موجود نہیں، تقریباً عورت کو مطلقہ ہوئے سات سال ہوگئے ہیں، اب مسئلہ ذیل کے مطابق بتائیے کہ شریعت کی روشنی میں وہ عورت مطلقہ ہوئی یا نہیں، یہ مسئلہ ایک مولوی صاحب سے معلوم کیا گیا کہ اس مسئلہ کے اعتبار سے عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؛ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ پہلے گواہ پیش کرو کہ کس کے سامنے طلاق دی ہے، مولوی صاحب کا فرمان صحیح ہے یا نہیں؟ اب عورت شوہر ثانی سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ وضاحت سے اس مسئلہ کا جواب مدلل شریعت کی روشنی میں دیجئے عین کرم ہوگا۔

المستفتی: وحید الیہ عرف خورشید احمد اغوانپور محلّہ تتار پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے خود طلاق کا اقرار کرلیا ہے تو بلا شہادت کے تینوں طلاق واقع ہوگئیں اور عورت مطلقہ ہوگئی۔

لو أقرّ بالطلاق کاذباً أو ھازلاً وقع قضاءً. (شامی الطلاق، قبیل مطلب فی المسائل التی وقع مع الإکراہ، کراچی ٣/٢٣٦، زکریا دیوبند ٤/٤٤٠، البحر الرائق ٣/٢٤٦، زکریا دیوبند ٣/٤٢٨)

لہٰذا عدت کے بعد عورت دوسری جگہ اپنی مرضی سے نکاح کرسکتی ہے، مولوی صاحب کا بیان صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ شوال المعظم ١٤٠٧ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٣/ ٢٩٧)

کیا طلاق میں دو عادل کی گواہی معتبر ہے؟

سوال [٦٧٩٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سائل مسمیٰ فیض الرحمٰن بقسم کہتا ہوں کہ میں نے اپنی بیوی مسماۃ ثریا بیگم کے ساتھ باہمی جھگڑے کے دوران؛ جبکہ میری بیوی نے انتہائی گھناؤنا لفظ میری والدہ کے لئے کہا اس پر میں نے انتہائی شدید غصہ میں؛ جبکہ مجھے خود اپنا ہوش نہ تھا میں نے تین مرتبہ لفظ طلاق، طلاق، طلاق کہا، میرا غصہ رفع ہونے کے بعد موقع پر موجود حضرات (١) عبد القیوم (٢) عبد السلام صاحب نے میرے کہے ہوئے سخت الفاظ طلاق کی طرف توجہ دلائی میں نے اسی وقت اپنی بیوی کو اپنے سے علاحدہ کردیا، اب سخت پریشان ہوں، میں یہ بھی بقسم کہتا ہوں کہ میری نیت بیوی کو طلاق دینے کی بالکل نہیں تھی، انتہائی شدید غصہ میں ہوش وحواس قائم نہ رہنے پر غیر ارادی طور پر میری زبان سے اچانک یہ الفاظ ادا ہوگئے تو کیا اب ہم دوبارہ ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں؟

المستفتی: فیض الرحمٰن بمعرفت محمد سلمان نعیمیہ مدرسہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کو شدت غصہ میں اپنے الفاظ کہے ہوئے یاد نہیں رہے ہیں تو سننے والے دو عادل شخصوں کے قول پر اعتماد کرنا جائز ہے؛ لہٰذا سوالنامہ میں درج شدہ حضرات اگر عادل ہوں تو انکی شہادت کا اعتبار کرتے ہوئے آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہونے کا حکم ہوگا، اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح نہیں کرسکتے۔

وصرح به في الفتح والخانية وهو لو طلق فشهد عنده إثنان إنک استثنيت وهو غير ذاكر إن كان بحيث إذا غضب لا يدرى ما يقول وسعه الأخذ بشهادتهما وإلا لا، (إلى قوله) ثم رأيت ما يؤيد ذلک الجواب وهو أنه قال فى الولوالجيه إن كان بحال لو غضب يجرى على لسانه ما لا يحفظه بعده جاز له الاعتماد على قول الشاهدين فقوله لا يحفظه بعده صريح، فيما قلنا. (شامی، کتاب الطلاق، مطلب في طلاق المدهوش، زکریا ٤/٤٥٣، کراچی ٣/٢٤٤، کوئٹه ٢/٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال المعظم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۳۱۷)

شاہدین طلاق کے قائل اور زوجین منکر

سوال [٦٧٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کوکسی بات پر مارا پیٹا، زید کے والد نے بیچ بچاؤ کردیا، بیوی اپنے والد کے گھر چلی گئی، تین لڑکوں کا کہنا ہے کہ زید نے اپنی بیوی کوطلاق دے دی؛ جبکہ زید اوراس کی بیوی بھی طلاق کا انکار کررہی ہے، زید کے باپ کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق نہیں سنی، مذکورہ بالاصورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد ساکن نگلیاعاقل رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب میاں بیوی دونوں منکر طلاق ہیں تو اگر گواہی دینے والے تینوں لڑکے عاقل بالغ، پابند صوم وصلوٰۃ اور متبع شریعت ہیں؛ نیز داڑھی بھی حدود شریعت کے خلاف نہ ہوتو طلاق کا ثبوت ہوگا اور اگر یہ شرائط موجود نہ ہوں تو شرعاً طلاق کا ثبوت نہ ہوگا اوروہ دونوں میاں بیوی ہیں نکاح بدستور باقی ہے۔

وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَامۡرَاَتَانِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

أقل ما يجوز في حقوق الناس فيما بينهم من الطلاق والعتاق والنكاح ...... شهادة رجلين أو رجل و امرأتين. (الفتاوى التاتار خانية، كتاب الشهادة، الفصل الثانی، اقسام الشهادة، زكريا ۱۱/ ۴۱۸، رقم: ۱۶۴۸۸)

سوی ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ. (جوهره، دارالکتاب ۲/ ۳۰۹، امدادیه ملتان ۲/ ۳۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۰۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱/۹ھ

گواہ غیر عادل اور زوجین طلاق کے منکر

سوال [۶۷۹۷] کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر کا بیان میں خدا کو حاضر وناظر کر کے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایک بار یہ کہا طلاق دی اور میں اپنے گھر واپس آگیا۔

بیوی کا بیان: میں خدا کو حاضر وناظر کر کے قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے کچھ نہیں سنا تھا اور نہ ہی مجھ سے پنچایت کے وقت کوئی اس بات کو معلوم کرنے آیا تھا، اور نہ ہی میں نے یہ بات کو پنچوں سے کہی ہے، دوسرے تین آدمی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ شوہر نے تین طلاق دی ہیں اور یہ شہادت دینے والوں میں سے ایک نمازی اور دو بے نمازی ہیں اور جو نمازی ہے وہ بھی پانچوں وقت نماز پابندی سے نہیں پڑھتا ہے، اور میاں بیوی ان دونوں کی شہادت کو جھٹلا رہے ہیں۔

المستفتی: رئیس احمد محلّہ پٹھان پورہ، نجیب آباد بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب میاں بیوی دونوں تین طلاق کے منکر ہیں اورشہادت دینے والوں میں دوعادل پابندصوم وصلوٰۃ نہیں ہیں،تو شرعاً ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہےاورعدت کے اندراندر رجعت کر کے رکھ سکتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سورة البقرة، رقم الآية: ٢٨٢)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيه رجلان، أو رجل، وامرأتان، سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح، والعتاق، والطلاق الخ.

(جوهره، دار الكتاب ديوبند ٢/ ٣٠٩، امدادية ملتان ٢/ ٣٢٦)

إذا ترك الرجل الصلوٰة استخفافًا بالجماعة بأن لا يستعظم تفويت الجماعة كما تفعله العوام، أو مجانة، أو فسقاً، لا تجوز شهادته الخ.

(فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الشهادة، الفصل الثانى، فيمن لا تقبل شهادته لفسقه، زكريا قديم ٣/٤٦٦، زكريا جديد ٣/ ٤٠١، هكذا فى البحر الرائق، كوئٹه ٧/ ٦٢، زكريا ٧/ ١٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/۱۶۷۷)

ایک گواہ طلاق کا مدعی جبکہ شوہر اور دیگر گواہان منکر

سوال [۶۷۹۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین گواہوں کے سامنے دوطلاقیں صراحۃً دیں، یہ عمل زید نے ایک رشتہ دار سے جھگڑے کے دوران کیا اس کے بعد جب رشتہ دار جانے لگا،تو زید نے کہا میں نے طلاق دے دی،تم اپنی بہن کو لے کیوں نہیں جاتے،خط کشیدہ الفاظ صرف ایک

گواہ کے ہیں؛ جبکہ خود زید اور دیگر دو گواہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ زید نے ایسا نہیں کہا، (خط کشیدہ الفاظ)؛ لہٰذا ایسی شکل میں شرعی حکم کیا ہے۔

المستفتی: خلیق الرحمٰن نور پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ زید اور دیگر گواہان صرف دو طلاق صریح کے مقر اور شاہد ہیں اور تیسری طلاق کے وقوع کے لئے شرعاً دو گواہ کا ثبوت یا زید کا خود اقرار نہیں پایا گیا؛ اس لئے قضاءً دو ہی طلاق رجعی واقع ہونگی؛ لہٰذا زید دوران عدت بلا نکاح ثانی رجوع کرسکتا ہے۔

کذا فی القرآن المجید: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ . (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلک أو لم ترض. (هداية، الطلاق، باب الرجعة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۲/۳۹۴، هنديه، الباب السادس فی الرجعة، زکريا قديم ۱/۴۷۰، جديد ۱/۵۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/۳۲۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۸/۴ھ

شرعی شہادت مفقود ہونے کی صورت میں تعدادِ طلاق کا فیصلہ کیسے کریں؟

سوال [۶۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ میں تجھے طلاق دے دونگا، اس کے بعد پھر کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، یہ کلمہ دو بار کہا؛ لیکن جب زید کی بیوی سے معلوم کیا گیا تو اس نے بتلایا کہ میں نے تجھے طلاق دی یہ دو بار کہا؛ لیکن الفاظ دی دی کئی بار کہا اور

دو گواہان بتلاتے ہیں کہ زید نے لفظ طلاق دو بار کہا ہے، ان گواہان میں ایک مرد ہے اور ایک عورت، اور ایک گواہ جو کہ دوسری عورت ہے وہ کہتی ہے کہ طلاق تین بار کہا، اب اس میں کونسا قول مانا جائے گا اور کسی قول کے مطابق طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوئی تو حلالہ کی حاجت ہے یا نہیں۔

المستفتی: مقصود حسین رسول پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے قول کے اعتبار سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں اور جن گواہان کا ذکر ہے ان میں نصاب شہادت موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان کی بات میں اتفاق ہے؛ اس لئے ان کی گواہی شرعاً معتبر نہ ہوگی، اب رہی بیوی کی بات تو اگر بیوی کو واقعی طور پر تین طلاق کا یقین ہے تو اس کو اپنے بارے میں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ شوہر پر حرام ہوگئی ہے اور شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے اس کا فیصلہ بیوی خود کرے کہ اس کو تین طلاق کا کہاں تک یقین ہے اور مذکورہ معاملہ میں ان سب لوگوں میں سے شرعاً شوہر کا قول ہی معتبر ہوگا اور شوہر کو رجعت کر کے رکھنے کا حق دیا جائیگا؛ مگر بیوی کو تین طلاق کا یقین ہونے کی وجہ سے اس کو خلع وغیرہ کے ذریعہ سے شوہر سے الگ ہو جانے کا بھی حق ہے۔

(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۴)

المرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه.

(كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر: إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانة إلى النية، زكريا ٤٦٣/٤، مثله في البحر الرائق، كراچی ٢٥٧/٣، زكريا ٤٤٨/٣، كراچی ٢٥١/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۹۹۵)

طلاق کے باب میں ایک گواہ کی گواہی معتبر نہیں

سوال [۶۸۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۲؍جنوری ۹۹ء کو فاروق بن عبداللہ کی شادی محمدی بنت وجاہت حسین سے ہوئی، شادی کے بعد تقریباً ۶ ماہ تک انکی ازدواجی زندگی خوشگوار رہی؛ لیکن بدقسمتی سے ان کے مابین اچانک خانہ جنگی کا قضیہ نمودار ہوا اور معاملہ ایسا بگڑا کہ ۲۷؍نومبر ۹۹ء کو فاروق نے جوش وغضب میں آ کر کم از کم ۳۰ آدمیوں کے مجمع میں محمدی کو تین طلاق دیدیں، مجمع کے کچھ لوگوں نے طلاق کے بارے میں کچھ سنا ہی نہیں؛ مگر اکثر لوگوں نے طلاق کا لفظ سنا اور اپنا سنا ہوا لوگوں سے کہا؛ مگر گواہی کے موقع پر کسی مصلحت سے خاموشی کا پہلو اپنایا؛ لیکن محمدی کے بڑے بھائی سجاد حسین کا کہنا ہے کہ مجلس طلاق میں میں حاضر تھا اور محمدی کو نہایت صاف لفظ میں تین طلاق دیتے ہوئے میں نے سنا، بعدہ فاروق کے عم محترم جناب ہدایت حسین صاحب نے فاروق سے تنہائی میں پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا، اس نے جواباً عرض کیا کہ مجھے کچھ یاد نہیں۔

المستفتی: وجاہت حسین ۲۴ پرگنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مجمع کے اکثر لوگوں نے تین طلاق کے لفظ کو سنا اور دوسروں سے کہا تو گواہی کے موقع پر سکوت کیوں اختیار کیا اس کی وجہ لکھی جائے، اس کے بعد جواب دیا جائے گا؛ نیز صرف محمدی کے بڑے بھائی سجاد حسین کا قول تنہا معتبر نہ ہوگا؛ کیونکہ طلاق کے ثبوت کے لئے شرعاً دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔

وما سوی ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین، سواء کان الحق مالاً أو غیر مال مثل النکاح، والعتاق، والطلاق.

(هدایه، کتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/ ۱۵٤، در مختار، کراچی ٥/ ٤٦٥،

زكريا ۸/۱۷۸، الجوهره النيره، امداديه ملتان ۲/۳۲٦، دار الكتاب ديوبند ۲/۳۰۹، كوئٹه زكريا ۷/۱۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/۹۴/۶۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۳ھ

پنچایت کا ایک آدمی کی گواہی پر طلاق مغلظہ کا فیصلہ کرنے کا حکم

سوال [۶۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زینب کا دعوی ہے کہ اس کے شوہر نے اس کے سامنے یہ بات کہی کہ میں نے زینب کو تین بار طلاق دیدی یہ پھر بھی رہ رہی ہے اور زینب کے حق میں صرف ایک آدمی گواہی دے رہا ہے؛ جبکہ شوہر انکار کررہا ہے وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے صرف دو بار کہا تھا تین بار کا لفظ استعمال نہیں کیا اور وہ اس پر قسم کھا رہا ہے؛ لیکن گاؤں کی پنچایت کے لوگوں نے زینب کی طرف سے دی گئی صرف ایک آدمی کی گواہی کی بنیاد پر طلاق مغلظہ قرار دیتے ہوئے دونوں میں تفریق کرادی تھی اور اب جبکہ زینب کی عدت بھی پوری ہوگئی ہے تو وہ دوبارہ اسی شوہر سے نکاح کی کوشش کررہی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف ایک آدمی کی گواہی کی بنیاد پر پنچایت کی طرف سے طلاق مغلظہ قرار دینے کا فیصلہ درست تھا یا پھر زینب کے شوہر کا حلفیہ بیان معتبر ہوگا، صورت ثانیہ میں دوبارہ نکاح کے لئے شرعی حلالہ ضروری ہوگا یا پھر صرف نکاح بنا حلالہ کے درست ہوگا؟

المستفتی: حافظ علی حسین گوجر والا رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زینب تین طلاق کا دعوی کرچکی ہے اور شوہر دو طلاق کا اقرار کررہا ہے، اور زینب کے پاس دو شرعی گواہ نہیں تھے ایک ہی گواہ رہا ہے

تو ایسی صورت میں شرعی قاضی پر لازم تھا کہ شوہر کے حق میں فیصلہ کر دیتے؛ لیکن چونکہ اس حالت میں زینب کی عدت بھی گزر گئی ہے تو دونوں کے درمیان مکمل طور پر تفریق واقع ہو چکی ہے، اب اس کے بعد قاضی کا فیصلہ بھی شوہر کے حق میں معتبر نہ ہوگا، اب دوبارہ نکاح کی بات جب سامنے آتی ہے تو اس بارے میں زینب کی ذمہ داری ہے کہ اگر اس نے واقعۃً تین طلاق اپنے کان سے سنی ہیں تو اس کے لئے سابق شوہر کے ساتھ بغیر حلالہ کے نکاح کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہوگا اور عدت پوری ہونے سے پہلے بھی شریعت کا حکم یہ تھا کہ عورت نے اگر تین طلاق اپنے کان سے سن رکھی ہیں تو خلع وغیرہ کوئی بھی حیلہ کر کے اس شوہر سے چھٹکارہ حاصل کرنا عورت پر لازم تھا اور اب چھٹکارہ حاصل ہو جانے کے بعد اس شوہر سے نکاح کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہوسکتا۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال، أو تهرب. (شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر، إن الصریح یحتاج فی وقوعه دیانة إلى النیة، زکریا دیوبند ٤/٤٦٣، کراچی ٣/٢٥١، ومثله فی الهندیه زکریا قدیم ١/٣٥٤، جدید ١/٤٢٢، البحر الرائق زکریا دیوبند٣/٤٤٨، کراچی ٣/٢٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۴۷۸/۱۰)

جھوٹی گواہی سے طلاق کو ثابت کرنا

سوال [۲۸۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی، دونوں ایک محلّہ کے رہنے والے ہیں، کچھ دن کے بعد ہندہ کے ساتھ غلط برتاؤ ہونے لگا، زید ایک شخص کے یہاں ملازمت

کرتا تھا جس کے یہاں ملازمت کرتا تھا ان کو اپنے گھر بلانے لگا، اس صورت سے ہندہ اس سے نفرت کرنے لگی اور اس کے پڑوس میں بکر رہتا ہے ہندہ نے اس رویہ کی شکایت بکر کی بیوی سے کی تو بکر نے زید کو سمجھایا؛ مگر زید نے اس بات کو نہیں مانا تو ہندہ؛ کیونکہ پڑوسی کی بیٹی تھی اپنے ماں باپ کے یہاں چلی گئی، رمضان کا مہینہ تھا، زید ہندہ کو؛ جبکہ ہندہ کے باپ نماز کے لئے چلے گئے وہاں سے زبردستی کھینچ کر لے آیا اور اپنے گھر سے باہر نکال کر جب لوگ نماز پڑھ کر واپس ہو رہے تھے تو برا بھلا کہنے لگا، اس پر ہندہ کے باپ وغیرہ خاموش ہو کر چلے گئے اور اپنے مکان پر جا کر اپنے خاندان والوں کو جمع کیا اور زید کے مکان پر چڑھ گئے اور ہندہ کو نکال لے گئے، زید نے ہندہ کے آدمیوں کے خلاف رپورٹ درج کرائی جن پر ان کی گرفتاری عمل میں آئی، دوسری طرف سے زید کے نام بھی سات آدمیوں کے نام پولس میں رپورٹ درج کرائی، دونوں طرف سے گرفتاریاں ہوئیں، فوجداری اور عدالت میں مقدمہ چلا، وکیل نے بتایا کہ اگر ہندہ کو طلاق ثابت ہو جائے تو تم لوگ سزا سے بچ سکتے ہو؛ ورنہ تمہیں سزا ہو جائیگی اور وہ لوگ صاف چھوٹ جائیں گے، اس شکل میں بکر اور عمر دونوں مقدمہ میں پھنسے ہوئے تھے، جھوٹی گواہی طلاق کو ثابت کرنے کے لئے دی جس سے زید کے ساتھیوں کو مقدمہ میں سزائیں ہوئیں اور بکر کے ساتھی چھوٹ گئے، بکر شادی شدہ ہے اور عمر بھی دونوں کے بچے ہیں اب دریافت یہ ہے کہ بکر اور عمر نے جو گواہی دی ہے تو اس جرم عظیم کا کیا تدارک ہوسکتا ہے جواب دیں۔

(نوٹ) بکر اور عمر دونوں کی بیویوں کا انتقال ہو گیا؛ نیز ہندہ بوقت طلاق حاملہ تھی وضع حمل کے بعد ہندہ کی دوسری جگہ شادی کر دی تھی اب اس کے بچے ہیں۔

المستفتی: عبدالرشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جھوٹی گواہی دینے والے سب گناہ کبیرہ کے

مرتکب ہیں، زید کے پاس جاکر اپنی جھوٹی گواہی کا اظہار کرکے معافی مانگنا لازم ہے؛ ورنہ عنداللہ عظیم گناہ گار رہوں گے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أنبئكم بأكبر الكبائر ثلاثًا: الإشراك بالله، وعقوق الوالدين، وشهادة الزور أوقال: وقول الزور. (ترمذي، أبواب الشهادات، باب ماجاء في شهادة الزور، النسخة الهندية ٢/١٢، دارالسلام رقم: ٢٣٠١)

(۲) جھوٹی گواہی دے کرکے زید کی بیوی پر طلاق ثابت کر کے دوسری جگہ جو ہندہ کا نکاح ہوا ہے وہ شریعت کی رو سے ناجائز اور حرام ہے، جن لوگوں نے جان کر اس نکاح میں شرکت کی ہے وہ سخت ترین گناہ گار ہیں، سب پر لازم ہے کہ ہندہ کو وہاں سے علاحدہ کرکے شوہر زید کے حوالہ کردیں اور جس کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہوا ہے اس پر لازم ہے کہ فوراً ہندہ کو اپنے سے علیٰحدہ کردے۔

والمحصنٰت من النساء عطف على أمهاتكم يعنى حرمت عليكم المحصنٰت من النساء أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن ما لم يمت زوجها أو يطلقها وتنقضى عدتها من الوفات أو الطلاق. (تفسير مظهرى، سورة نساء تحت رقم الآية: ٢٤، زكريا ديوبند ٢/٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۵/ ۱۸۰۵)

بیوی کو تین طلاق کا یقین ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید (لیاقت) نے اپنی بیوی ہندہ (صابری) کو ایک بار کہا میں نے تجھے طلاق

دی جس کے کئی گواہ بھی ہیں، اس کے علاوہ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب ہندہ نے اپنی لڑکی کو مارا اورڈانٹا ڈپٹا تو زید نے کہا کہ تونے بلا وجہ لڑکی کو تنبیہ کی ہے اوراب تو میرے دل سے نہیں ہے، زید مقر ہے کہ مذکورہ جملہ (اب تو میرے دل سے نہیں ہے) کہا اور گیارہ بجے کے وقت زید (لیاقت) نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، چار مرتبہ یہ الفاظ کہے؛ مگر زید کا کہنا ہے کہ اس بار میں نے ایک مرتبہ بھی یہ جملہ نہیں بولا ہے زید وہندہ کی ایک کم از کم دس سالہ بچی ہے، جو ہندہ کے قول کی تصدیق کررہی ہے اور کہتی ہے کہ ہاں چار مرتبہ مذکورہ الفاظ کہے، اس بات پر دونوں اپنے قول کی تصدیق وتائید کے لئے قسم پر تیار ہیں، ہندہ نے اپنی بچی کو تنبیہ اس کے غلطی کرنے پر کی تھی جس سے خفا ہوکر زید نے کہا اب تو میرے دل سے نہیں ہے اور نہ جانے کتنی مرتبہ یہ جملہ زید نے استعمال کیا۔ نیز بچوں کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟ حکم شرع سے آگاہ فرمائیں۔

نـــوٹ: اب برادری کے لوگ آپس میں صلح کرانے کے لئے بہت زیادہ کوشش کر رہے ہیں اور فریقین کو ازحد سمجھا کر صلح پر آمادہ کرلیا ہے؛ لہٰذا آپ حکم شرعی صلح کے لئے بیان فرمادیں، اس میں حلالہ کرنا پڑے گا یا نہیں یا صرف دوبارہ نکاح زید سے کافی ہو جائے گا یا حلالہ اور نکاح کی ضرورت ہی نہیں ہے، ہندہ کا کہنا ہے کہ میں جان دے دوں گی، مگر شریعت کے خلاف نہیں کروں گی۔

المستفتی: محمد عبدالحمید رضوی نگلیاعاقل رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک بار میں نے تجھے طلاق دی کے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی ہے اور تو میرے دل سے نہیں کے الفاظ طلاق کے لئے نہ الفاظ صریحہ میں سے ہیں اور نہ ہی الفاظ کنایہ میں سے؛ اس لئے ان الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، رات کو گیارہ بجے کے وقت چار مرتبہ میں نے تجھے طلاق دی کے الفاظ کے استعمال کا مسئلہ قابل غور ہے اور اس کے بارے میں بیوی اثبات میں اور شوہر نفی میں اپنی اپنی جگہ مضبوط ہیں اور بیوی کے پاس اثبات میں شرعی گواہ موجود نہیں ہیں تو ایسی صورت میں شریعت کا ظاہری

حکم یہی ہے کہ شوہر کی تائید میں طلاق کا ثبوت نہ ہوگا اور برادری پنچایت کے لوگ بیوی کو شوہر کے ساتھ جانے کا حکم کر سکتے ہیں؛ لیکن شریعت کا ایک دوسرا حکم عورت کے بارے میں یہ بھی ہے کہ اگر اس کو تین طلاق کا یقین ہے تو شوہر کو مال دیکر خلع پر آمادہ کرے، اور خلع کے ذریعہ شوہر سے الگ ہو کر اپنے آپ کو حرام کاری سے بچالے اور اگر عورت کو شوہر کے ساتھ جانا ہی پڑ جائے تو عورت گناہ گار نہ ہوگی سارا گناہ شوہر پر ہی ہوگا۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال أوتهرب (إلي قوله) إنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فلا إثم عليه الخ. (شامی، کراچی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحرالخ، زکریا دیوبند ٤٦٣/٤، ٢٥١/٣، ٣٠٥/٣، زکریا قدیم ٣٥٤/١، جدید ٤٢٢/١، البحر الرائق، کراچی ٢٥٧/٣، زکریا دیوبند ٤٤٨/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۳۶/۳۴)

بیوی تین طلاق کا دعوی کرے اور شوہر انکار

سوال [۶۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محترم ومکرم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے آنجناب سے مدعیہ کے ایک معاملہ میں مشورہ مطلوب ہے امید ہے کہ رائے عالی سے نوازیں گے، معاملہ درج ذیل ہے؟ مدعیہ کے شوہر نے تین طلاق دیں؛ مگر شوہر طلاق کا انکار کرتا ہے عورت کے پاس کوئی گواہ موجود نہیں ہے، ایسی صورت میں جو حکم شرعی ہے کہ جب عورت نے طلاق کے

الفاظ خود سنے ہوں تو عورت کے لئے جائز نہیں کہ اپنے اوپر قدرت دے؛ بلکہ علیٰحدہ رہے اور شوہر سے چھٹکارے کی صورت اختیار کرے۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال أوتهرب الخ. (شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر الخ، زکریا دیوبند ٤/٤٦٣، مثله فی البحر الرائق، کراچی ٣/٢٥٧، زکریا دیوبند ٣/٤٤٨، ٢/٤٣٢)

بتلایا گیا تو اس نے یہاں کی شرعی پنچایت میں مقدمہ دائر کیا باضابطہ کارروائی کے بعد تاریخ پیشی پر مدعیہ اور مدعی علیہ حاضر عدالت ہوئے، مدعیہ نے دفعات عرضی دعوی میں جو باتیں ظاہر کیں مدعیٰ علیہ کو سنادی گئیں، اوراس سے بیان تحریری لیا گیا (اس نے ان تمام باتوں کہ شوہر نے ظلم وزیادتی کی، گھر سے نکال دیا اور طلاق دے دی وغیرہ وغیرہ) کا انکار کیا اور بیان تحریری دیا کہ ہم اس پر قسم کھا سکتے ہیں کہ کوئی طلاق نہیں دی، عورت کے پاس اس معاملہ کے گواہ موجود نہیں، ایسی صورت میں کیا کاروائی کرنا مناسب ہے، آنجناب اپنی رائے عالی سے آگاہ فرمائیں، **الحیلة الناجزه للحليلة العاجزه** میں ص: ۹۷ پر بحث حرمت مصاہرت کے ذیل میں جو کچھ موجود ہے؛ نیز **شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر الخ، زکریادیوبند ۴/۶۳، کراچی ۳/۴۳۲، ۲/۴۳۲، مطبوعه نعمانیه دیوبند** پر جو کچھ موجود ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں اور اپنی رائے عالی سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتی: مفتی شفقت اللہ صاحب مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت طلاق کا دعویٰ کرے اور مرد اس کا انکار کرے اور عورت کے پاس تین طلاق پر گواہ نہ ہوں تو ایسی صورت میں شوہر سے قسم لیکر عورت شوہر کے حوالہ کی جاسکتی ہے، خدانخواستہ اگر نفس الامر میں عورت کا دعویٰ صحیح ہے اور شوہر نے جھوٹی قسم سے کام لیا ہے تو سارا گناہ شوہر پر ہوگا نہ قاضی پر ہوگا اور نہ ہی عورت پر؛ لیکن شوہر

کی بد دینی کے اندیشہ سے ایسے معاملہ میں ہم مناسب اور بہتر یہ سمجھتے ہیں کہ شوہر کو کسی طرح خلع پر آمادہ کر کے خلع کرادیا جائے اور شامی کی عبارت بھی اسی کی تائید کرتی ہے، اس موضوع پر اس خاکسار نے اپنی کتاب ''ایضاح النوادر۲ /۱۰۲ سے ۱۰۷'' پر ایک تحقیق نقل کی ہے شاید اس کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳ / ۵۸۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۶ھ

شوہر تین طلاق کا منکر ہو اور بیوی اور دیگر لوگ مدعی

سوال [۶۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غصہ کی حالت میں زجر وتوبیخ کے ساتھ اپنی بیوی کو کہا کہ اپنے گھر چلی جا، بیوی نے شوہر کی بات مانتے ہوئے گھر کا راستہ لیا؛ مگر شوہر بھی بیوی کے ساتھ چلا گیا اور وہاں پہونچنے کے بعد زید نے اپنی بیوی کو ایک بار طلاق دی، زید کے الفاظ یہ تھے کہ (جا میں نے طلاق دی) مگر جو حضرات اس موقع کے شاہد ہیں ان کا کہنا ہے کہ تین مرتبہ طلاق دی ہے اور زوجۂ زید کا بھی کہنا ہے کہ تین مرتبہ طلاق دی؛ مگر زید تین مرتبہ کا منکر ہے صرف ایک ہی مرتبہ کا اقرار کرتا ہے، براہ کرم تسلی بخش جواب سے مشکور وممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد یاسین قریشی محلّہ پٹھان پورہ نجیب آباد بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو حضرات وہاں موجود تھے اور تین مرتبہ طلاق دیتے ہوئے سنا ہے تو ان میں اگر دو پابند شرع مردوں نے سنکر شہادت دی ہے یا ایک پابند شرع باریش مرد اور دو پابند شرع عورتوں نے ملکر تین طلاق کی شہادت دی ہے تو شرعاً تین طلاق کا حکم لگایا جائے گا اور بلا حلالہ نکاح بھی درست نہ ہوگا اور اگر مذکورہ شرائط کے ساتھ

شہادت حاصل نہیں ہے تو شوہر کا قول حلفیہ بیان کے ساتھ معتبر ہوگا، اور ایک طلاق رجعی ہوگی اور عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھ سکتا ہے۔

وما سوی ذلک من الحقوق یقبل فیها رجلان أو رجل، وامرأتان سواء کان الحق مالاً أو غیر مال مثل النکاح والعتاق والطلاق الخ . (الجوهرة النیره، ۲/۳۲٦، هکذا فی الهدایة، کتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/۱۵٤)

لیکن اگر بیوی نے خود اپنے کان سے تین مرتبہ طلاق سنی ہے تو بیوی پر شرعی حکم یہ ہے کہ خلع وغیرہ کے ذریعہ اس شوہر سے چھٹکارہ حاصل کرلے اور اس شوہر کے یہاں بیوی بن کر نہ رہے۔

والمرأة کالقاضی إذا سمعته أو أخبرها عدل لا یحل لها تمکینه والفتویٰ علی أنه لیس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدی نفسها بمال، أوتهرب . (شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر، إن الصریح یحتاج فی وقوعه دیانةً إلی النیة، زکریا ٤/٤٦۳، کراچی ۳/۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/صفر ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۶۳۵/۲۵)

شوہر کو طلاق یاد نہ ہو تو بیوی کا قول معتبر ہوگا یا ماں کا؟

سوال [٦٨٠٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی مرضی سے اپنی شادی کرلی تھی اور سسرال میں لڑکی کے گھر رہتا تھا، پھر میری والدہ اپنے ساتھ لیکر آئیں اور میں اپنے گھر امروہہ میں آ گیا، گھر میں قدم رکھتے ہی میری حالت بدلنے لگی اور میرا دماغ جیسے بند ہوگیا اور مجھے کچھ بھی ہوش نہیں رہتا تھا، بیوی بچوں سے بھاگتا تھا، پھر میں نے اسی حالت میں دہلی آکر اپنے دوست واحباب سے مل کر علاج کرایا اور میں ٹھیک ہوگیا، اب میری بیوی نے بتایا کہ جب میری

حالت بگڑ گئی تھی، تو اس وقت میں نے بیوی کو دو طلاق دی تھیں، میری ماں کہتی ہے کہ تین طلاق دی ہیں اور مجھے کچھ ہوش نہیں تھا اور نہ کچھ یاد آ رہا ہے، مجھے طلاق دینا بالکل یاد نہیں ہے، اب بتائیے طلاق ہوئی یا نہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں؟ واضح رہے کہ میری اس شادی کے میرے گھر والے اور میری ماں سب مخالف ہیں۔

المستفتی: قمر عالم بھجن پورہ بی بلاک گلی نمبر ۸ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر کو قطعی طور پر کچھ پتہ نہیں ہے کہ کیا کہا ہے؟ یا کچھ کہا بھی ہے یا نہیں، اور بیوی دو مرتبہ سننے کو کہتی ہے اور ماں تین مرتبہ کو کہتی ہے اور حالت یہ ہے کہ ماں اس شادی کے مخالف ہے اور بہو کو نہیں چاہتی ہے، تو ایسی صورت میں تین طلاق کے بارے میں ماں کی بات بغیر شہادت کے معتبر نہیں ہے اور ماں کے پاس اس کے ثبوت کے لئے کوئی گواہ نہیں ہے، اور شوہر کو بیوی کی بات پر اعتماد ہے تو ایسی صورت میں دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

لو طلق فشهد عنده إثنان أنک استثنيت وهو غير ذاكر إن كان بحيث إذا غضب لا يدرى ما يقول وسعه الأخذ بشهادتهما وإلا لا. (شامی، كتاب الطلاق، باب طلاق المدهوش، کراچی ٣/ ٢٤٤، زکریا ٤/ ٤٥٣)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين رجعيتين فله أن يراجعها فى عدتها رضيت بذٰلک أو لم ترض الخ. (هنديه، الفصل السادس فى الرجعة، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣، هكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۷۸۸)

بلا گواہ خلوت کی طلاق کا حکم

سوال [٦٨٠٧]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت کا بیان ہے کہ مجھے میرے شوہر نے خلوت میں تین طلاقیں دیدیں ہیں میں نے شوہر سے کہا کہ میرا رشتہ آپ سے ختم ہوگیا، شوہر نے جواب دیا کہ میں نے تو مذاق کیا ہے، طلاق نہیں دی ،خلوت کے بعد عورت نے گھر والوں سے کہا مجھے طلاق دیدی گئی تو شوہر نے کہا تم غلط کہتی ہو؛ لہٰذا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں۔

(۲) یہ کہ اگر کوئی عورت شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کیلئے الزاماً ایسی بات کہے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز بازار شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا گواہ خلوت میں طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اسی طرح مذاق میں بھی طلاق ہوجاتی ہے۔

ثلاثة جدهن جد و هز لهن جد النكاح و الطلاق و الرجعة. (الحديث، سنن ترمذی، كتاب الطلاق، باب ما جاء فی الجد و الهزل فی الطلاق، النسخة الهندية ١، دار السلام رقم: ١١٨٤، مشكوٰة شريف ٢/ ٢٨٤)

لیکن عورت کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں اور شوہر انکار کررہا ہے تو ایسی صورت میں قضاءً طلاق کا ثبوت نہیں ہوگا، قضاءً عورت شوہر کو ملے گی۔

وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ . (الجوهرة النيره، ٢/ ٣٢٦، هكذا فی الهداية، كتاب الشهادة، اشرفی بكڈپو ديوبند ٣/ ١٥٤، هكذا فی البحر الرائق، زكريا ٧/ ١٠٤، كوئٹه ٧/ ٦٢)

البتہ اگر عورت نے قطعی طور پر شوہر سے تین طلاق دیتے ہوئے سنا ہے تو اس پر لازم ہے کہ خلع وغیرہ کے ذریعہ اس شوہر سے علیحدگی اختیار کرلے۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال، أوتهرب. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر، إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، زكريا ٤/٤٦٣، ٢/٤٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍۶۲ ۴)

بیوی اور گواہوں کی عدم موجودگی میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال [۶۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا بیوی کی غیر موجودگی میں بغیر کسی گواہان کے طلاق شرعی دی جاسکتی ہے، کیا وہ شرعی اعتبار سے قابل قبول ہوگی؟

المستفتی: منصور علی جامع مسجد آزاد پارک مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق شرعی واقع ہونے کے لئے عورت کا سامنے موجود ہونا یا سننا یا نام لیکر خطاب کرنا شرط نہیں ہے؛ بلکہ عورت کی غیر موجودگی میں بغیر کسی گواہ کے بھی طلاق ہوجاتی ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاوی ۴/۴ ۲۵)

ولا يلزم كون الإضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتي طلقت امرأته الخ.

(شامي، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچی ٣/٢٤٨، زكريا ٤/٤٥٨، كوئٹه ٢/٤٦٦، مصری ٢/٥٩٠)

ذهب جمهور الفقهاء من السلف و الخلف إلى أن الطلاق يقع بدون الشهادة لأن الطلاق من حقوق الرجل فلا يحتاج إلى بينة الخ. (حاشيه فتاوی دار العلوم جديد ۹/۵۳، ۹/۱۳۸)

نیز حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

طلاق الحامل يجوز. (هدايه، كتاب الطلاق، اشرفی بکڈپو دیوبند ۲/۳۵۶، قدوری امدادیه دیوبند ۱۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴؍ ۷۲۹)

یاد نہیں کہ ۲؍ طلاق دی یا ۳؍ طلاق

سوال [۶۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لکھنا ضروری یہ ہے کہ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں کہا کہ میں نے طلاق دی طلاق دی؛ لیکن ان کو صحیح یاد نہیں کہ دو طلاق دی کہ تین طلاق دی؛ لہٰذا آپ کیا فرماتے ہیں، مجھے اس بارے میں تردد ہے کہ میری زبان سے الفاظ طلاق دو دفعہ نکلے کہ تین دفعہ۔

المستفتی: عبدالعزیز سلمانی قصبہ کانٹھ محلّہ چوک بازار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ شوہر کو دو اور تین میں تردد ہے اور تین دفعہ پر شرعی گواہ بھی نہیں ہے تو سوالنامہ کی درج شدہ صورت میں بیوی پر تین طلاق واقع نہیں ہوئیں؛ بلکہ شرعاً دو ہی طلاق معتبر ہوں گی؛ لہٰذا عدت کے اندر اندر رجعت کر کے رکھ سکتا ہے۔

لو شک أطلق واحدة أو أكثر بنیٰ علی الأقل الخ. (الدر المختار،

كتاب الطلاق، قبيل باب طلاق غير المدخول بها، كراچی زكريا ٤/٥٠٨، ٣/٢٨٣، الاشباه والنظائر قديم ص: ١٠٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۳۵۱/۲۵)

بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر منکر

سوال [۶۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی سسرال اپنی بیوی سے ملاقات کی غرض سے گیا، دوران گفتگو سسرال والوں سے کچھ تکرار ہوگیا، بات بڑھ کر زدوکوب تک پہونچ گئی، سسرال والوں نے زید کے ساتھ زیادتی کی اور مار پیٹ کے دوران زید کے سسرال والوں نے زید کی بیوی سے کہا کہ تم فوراً یہ کہہ دو کہ مجھے طلاق دے دی، زید کی بیوی نے والدین کے دباؤ میں آ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھے زید نے طلاق دے دی اور کئی مرتبہ طلاق دی ہے؛ لیکن زید حلفیہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی، زید کی بات معتبر ہے یا زید کی بیوی کی، طلاق واقع ہوگئی یا کچھ گنجائش ہے، شریعت مطہرہ کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیے۔

المستفتی: فراست حسین ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شوہر نے اپنی زبان سے کوئی طلاق نہیں دی ہے اور محض شوہر کو مارتے ہوئے تذلیل کرنے کے لئے طلاق کی شورش برپا کی ہے تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوا کرتی ہے؛ نیز اگر عورت کے پاس اس دعویٰ طلاق کو ثابت کرنے کے لئے دو معتبر اور عادل پابند شرع گواہ نہیں ہیں تو عورت کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا اور عورت بدستور شوہر کی بیوی رہے گی۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سورة البقرة، رقم الآية: ٢٨٢)

وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيها رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح، والعتاق، والطلاق الخ.

(هدايه، كتاب الشهادة، اشرفى بكڈپو ديوبند، ١٥٤/٣، هكذا فى الجوهرة النيره، كتاب الشهادة امداديه ملتان ٣٢٦/٢، دار الكتاب ديوبند ٣٠٩/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/ ۳۱۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۳/۱۴۱۳ھ

بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر منکر تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں گھر سے اپنی بیوی کے پاس سے خوشی خوشی مرادآباد آیا، میاں بیوی میں کوئی لڑائی جھگڑا نہیں تھا، بیوی کو میں نے سمجھا کر میکہ بھیج دیا تھا، میں یہاں مرادآباد میں ہوں، اب بیوی یہ دعوی کر رہی ہے کہ میرے شوہر نے طلاق دے دی ہے اور میں نے کبھی کوئی طلاق نہیں دی ہے تو بیوی کے یہ کہنے کی بنا پر کہ شوہر نے طلاق دے دی ہے، طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور شوہر کی بات مانی جائیگی یا بیوی کی؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد کلیم چوہٹہ تھر بٹیا سپول بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے قطعاً طلاق نہیں دی ہے اور عورت نے طلاق کی افواہ پھیلا رکھی ہے اور عورت کے پاس اپنے دعوی کے ثبوت کے لئے دو شرعی گواہ بھی موجود نہیں تو ایسی صورت میں عورت کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، وہ بدستور شوہر کے نکاح میں باقی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۲۱۲/۹، ۲۳/۷)

وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيها رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً، أو غير مال مثل النكاح، والعتاق، والطلاق الخ.

(هدايه، كتاب الشهادة، اشرفى بكڈپو ديوبند ۱۵٤/۳، كراچى ٤٦٥/٥، درمختار زكريا ۱۷۸/۸، هكذا في الجوهرة النيرة، كتاب الشهادة امداديه ملتان ۳۲٦/۲، دار الكتاب ديوبند ۳۰۹/۲، البحر الرائق، كوئٹه ۱۰٤/۷، زكريا ٦۲/۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۶۷۶۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

طلاق کے سلسلہ میں زوجین کا اختلاف

سوال [۶۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رابعہ کہتی ہے کہ میرے شوہر یعقوب نے مجھ سے کہا بھینس بیچوں یا نہ بیچوں، رابعہ نے کہا والد صاحب نے آپ سے کہا تھا کہ بھینس نہ بیچنا، یعقوب نے کہا مجھ سے کسی نے نہیں کہا ہے اور اس پر ضد کرنے لگے تو رابعہ نے کہا اب جان چھوڑ دو، یعقوب نے کہا جان چھوڑ دی جان چھوڑ دی جان چھوٹی ہے؛ اس لئے گھر کا کام بگاڑ رہا ہوں، یہ مذکورہ بیان رابعہ کا ہے اور یعقوب کہتے ہیں کہ میں نے یہ کہا تھا کہ جان چھوڑ دونگا جب تمہارے دل میں یہی ہے تو یہ بھی ہو جائے گا، اب رابعہ یعقوب کی تکذیب کرتی ہے اور یعقوب رابعہ کی تکذیب کرتے ہیں اور دونوں اپنے اپنے بیان پر قائم ہیں تو مذکورہ بالا صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کون سی ہوئی؟

المستفتی: شیر احمد قاسمی دارالافتاء ریاض العلوم گورینی جونپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر رابعہ کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو یعقوب کی

بات شرعاً معتبر ہوگی اسی کے مطابق بیوی کوشوہر کے پاس رہنے کا حکم ہوگا۔

وما سوی ذلک من الحقوق یقبل فیها رجلان، أو رجل، وامرأتان، سواء کان الحق مالاً أو غیر مال مثل النکاح، والعتاق، والطلاق الخ.

(هدایه، کتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/ ۱۵٤، هکذا فی الجوهرة النیره، کتاب الشهادة امدادیه ملتان ۲/ ۳۲٦، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۳۰۹، ۲/ ۱۳۸، البحر الرائق، کوئٹه۷/ ۱۰٤، زکریا ۷/ ٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۴۸۱/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر منکر

سوال [۶۸۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی بغیر کسی گواہ کے اب زید کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، اور بیوی کہتی ہے کہ طلاق دی ہے اور تین طلاق دی ہیں اور اب لڑکی اپنے باپ کے گھر ہے، اور عدالت سے بھی طلاق لے لی ہے اور کورٹ میرج بھی کروالیا ہے، اب اس لڑکی کا نکاح دوسرے لڑکے سے ہوسکتا ہے یا نہیں؛ لہٰذا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب طلب یہ ہے کہ لڑکی کے قول پر عمل کیا جائے یا لڑکے کی بات پر، جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: غلام نبی عدل پور ٹھاکردوارہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب لڑکی کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں تو محض اس کے دعویٰ سے شرعی حکم ثابت نہ ہوگا؛ اس لئے شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا اور عدالت کے غیر مسلم جج یا مسلم جج کا غیر شرعی فیصلہ معتبر نہیں ہے؛ اس لئے لڑکی کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ . (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

وما سوی ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ.

(هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۱۵٤/۳، هكذا فی الجوهرة النيره، ۱۳۸/۲، كتاب الشهادة امداديه ملتان ۳۲٦/۲، دار الكتاب ديو بند ۳۰۹/۲، البحر الرائق، كوئٹه ۱۰٤/۷، زكريا ٦۲/۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱۰۹/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۱ھ

عورت طلاق کی مدعیہ ہے اور شوہر منکر تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

سوال [۶۸۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ میرے شوہر نے مجھ کو طلاق دی ہے اور شوہر قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے اور گواہ کسی کے پاس موجود نہیں ہیں؛ لیکن محلّہ میں چرچا اس بات کا ہے کہ زید نے طلاق دے دی ہے تو ایسی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسرائیل سپولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جبکہ عورت کے پاس دو شرعی گواہ موجود نہیں ہیں اور شوہر قسم کھا کر طلاق دینے کا انکار کرتا ہے تو ایسی صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

فالبينة حجة المدعى واليمين حجة المدعى عليه لقوله عليه الصلوٰة و السلام البينة على المدعى واليمين على المدعى عليه. (بدائع قديم، كتاب الدعوى، فصل في حجة المدعى والمدعى عليه، زكريا ديوبند ٥/٣٣٦-٣٣٧، ٦/٢٢٥)

اور اگر عورت نے خودسن رکھا ہے اوراس پر یقین ہے کہ شوہر نے اس کوطلاق دیدی ہے تو ایسی صورت میں عورت کیلئے شوہر کو اپنے اوپر قدرت دینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ جس طرح بھی ہو سکے اس سے خلاصی حاصل کرلے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم دیوبند ۹/ ۲۳۷)

والمرأة كالقاضي لا يحل لها تمكينه إذا سمعته منه ذلك الخ. (عالمگیری زکریا قدیم ١/ ٣٥٤، جدید ١/ ٤٢٢، هکذا فی الشامی کراچی ٣/ ٢٥١، زکریا دیوبند ٤/ ٤٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹/ ۳۴۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۱۸ھ

بیوی طلاق کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر اس کا منکر ہے

سوال [۶۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مقصود حسین کا اپنی بیوی سے خانگی معاملات میں جھگڑا ہوا اس جھگڑے کی بنا پر بات بہت بڑھ گئی، نوبت تو تو میں میں تک آگئی، اس سلسلہ میں بیوی نے بتایا کہ میرے شوہر نے جھگڑے کے دوران کئی بار یہ بات کہی کہ میں نے تجھے طلاق دی چل یہاں سے نکل، یہ سنکر میں وہاں سے چلی آئی؛ لیکن شوہر کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ یہاں سے چلی جا (یعنی اپنی ماں کے یہاں) اس کے بعد میری بیوی گھر سے چلی گئی، صورت مذکورہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: سعید الرحمٰن محلّہ قانون گویان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے شرعی گواہ موجود نہیں ہیں تو شوہر کا قول شرعاً معتبر ہوگا اور وہ طلاق کا انکار کر رہا ہے اور سوالنامہ کے سیاق سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر نے چلی جا کے لفظ سے بھی طلاق کی نیت نہیں کی ہے؛ اس لئے شرعاً بیوی پر کسی قسم کی طلاق کے واقع ہونے کا حکم نہیں لگے گا۔

وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتٰنِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ. (الجوهرة، كتاب الشهادة امداديه ملتان ۳۲۶/۲، دار الكتاب ديوبند ۳۰۹/۲، هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بكڈپو ديوبند ۱۵٤/۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۸؍ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۴۸۲/۲۷)

بیوی طلاق کی مدعیہ اور شوہر طلاق کا منکر

سوال [۶۸۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور زینب دونوں میاں بیوی ہیں، دونوں کی زندگی خوشگوار ماحول میں گزری، شادی کو تقریباً دو سال ہو گئے، کبھی کسی قسم کی کوئی بات نہیں ہوئی، زینب کی بہن کی شادی ہونے لگی تو زینب اپنی بہن کی شادی میں میکہ گئی، شادی کے بعد زینب پھر اپنے شوہر کے ساتھ گھر آ گئی، پھر صبح ہی میکہ چلی گئی، دو چار روز کے بعد جب شوہر ساس وغیرہ بلانے گئے تو زینب نے کہا میں نہیں جاؤں گی، مجھے شوہر نے طلاق دے دی ہے، جب

کسی طرح بھی زینب آنے پر رضامند نہیں ہوئی تو دوچار آدمی بیچ میں پڑے؛ تب بھی نہیں آئی تو لوگوں نے کہا کب طلاق دی ہے اور کیوں دی ہے تو بیوی نے کہا دو مہینہ پہلے ہی طلاق دی ہے؛ جبکہ زینب اپنے شوہر کے گھر رہتی رہی اور اس وقت تک کوئی بات طلاق کی نہیں کی، جب شادی ہوگئی تب طلاق والی بات سامنے آئی؛ نیز لوگوں نے کہا کیسے طلاق دی تو زینب نے کہا کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں ہوا ہے، ایک روز میں مسالا پیس رہی تھی اس سے پہلے شوہر نے بتاشے بھی کھلائے، دودھ بھی پلایا، یہ سب کھا پیکر مسالا پیسنے بیٹھ گئی، شوہر گھر سے نکل گئے، تھوڑی دیر کے بعد آئے، طلاق طلاق طلاق تین بار کہا، شوہر قسم کھاتا ہے، قرآن شریف اٹھاتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔

غور طلب بات یہ ہے کہ بیوی کے ہی کہنے کے مطابق؛ جبکہ کوئی تکرار وغیرہ بھی نہیں ہوا اور یہ کہ مخاطب بھی نہیں کیا کہ تجھے طلاق ہے؛ بلکہ الگ تھلگ ہوکر صرف طلاق کہا؛ نیز عورت کے بقول دو ماہ پہلے طلاق دی ہے؛ جبکہ اس درمیان یعنی طلاق کے بعد دو ماہ بیوی شوہر کے گھر رہی اس وقت تک بیوی طلاق کا ذکر نہیں کرتی ہے، جب شادی میں گئی تو یہ معمہ سامنے آیا، شوہر قسم کھاتا ہے کہ میں نے طلاق ہی نہیں دی ہے تو کیا ایسی صورت میں بقول بیوی کے بغیر مخاطب کئے طلاق طلاق کہنے سے طلاق ہوجائیگی، مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شریف بروالا ان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شادی میں شرکت سے یہ سارا قصہ سامنے آیا ہے اور شوہر ہر طرح سے حلفیہ بیان دینے پر تیار ہے اور بیوی کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں بیوی کی بات کا اعتبار نہ ہوگا، شوہر کے قول کا اعتبار ہوگا، شرعی طور پر بیوی کو شوہر کے حوالہ کر دینا چاہئے؛ نیز بیوی نے ایک ماہ تک کسی قسم کا اظہار کیوں نہیں کیا؛ لہٰذا ان حالات میں شرعاً شوہر ہی کا قول معتبر ہوتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآية: ٢٨٢)

وما سوى ذلک من الحقوق يقبل فيه رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ. (هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/ ١٥٤، هكذا فی الجوهرة النيره، کتاب الشهادة امداديه ملتان ٢/ ٣٢٦، دار الكتاب دیوبند ٢/ ٣٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۱۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۱۵ھ

طلاق میں شوہر کی بات معتبر ہوگی یا بیوی کی؟

سوال [۷۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک حافظ صاحب جن کی تین سال قبل شادی ہوچکی ہے ایک بچی بھی ہے جس کی عمر تقریباً ایک سال ہے، شوہر بیوی کے مابین کچھ جھگڑا ہوا اور شوہر نے تنبیہاً مختصر سی پٹائی کردی، شوہر کی والدہ نے بیچ بچاؤ کردیا اور لڑکے کو ڈانٹا، اس کے بعد لڑکی خوشی خوشی شوہر کے پاس چار ماہ تک رہتی رہی، اس کے بعد میکہ چلی گئی، ڈیڑھ ماہ میکہ میں رہی، اس کے بعد شوہر بلا لایا، پندرہ دن کے بعد لڑکی کے بھائی کے یہاں عقیقہ ہوا، اس میں لڑکے کے والدین اور خود شوہر بھی اس لڑکی کو لیکر عقیقہ میں شریک ہوئے، عقیقہ ختم ہونے کے بعد رخصتی کی اجازت مانگی، لڑکی کے والد نے کہا کہ ابھی نہ جاؤ اس پر بات ہوتی رہی، اس میں لڑکی کا بھائی بولا یہ کسی قیمت پر نہیں جائے گی، اس پر تنازع ہوا، اس دوران شوہر لڑکی کے والد کے یہاں سے واپس آگئے، کچھ دنوں کے بعد لڑکے کے تاؤ کے پاس لڑکی کا بھائی آیا، اس نے کہا ہم لڑکی کو نہیں بھیجیں گے؛ اس لئے کہ اس کو بہت تنگ کیا ہے، ایک ہفتہ بعد اور

آیا اورلڑکے کے تاؤ سے کہا کہ ہمارا سامان دلوادیجئے،لڑکی کو چھ ماہ قبل طلاق ہوچکی ہے، اس کے بعدلڑکی کی خفیہ اطلاعات موصول ہوئیں کہ مجھے آکر لے جائیں، میں جانے کے لئے تیار ہوں،لڑکی نے اپنا وقت بتایا اورشوہر کو بلایا،شوہردو بھائیوں کے ساتھ رات کے ساڑھے نو بجےلڑکی کو لینے چلا گیا،لڑکی وعدہ کے مطابق موقع پر تیار مع سامان متعینہ جگہ پر ملی،شوہراورایک بھائی وہاں سےلیکر چل دیئے اور ایک بھائی گاؤں سے باہرموٹرسائکل لئے ہوئے انتظار کررہا تھا،گاؤں میں شادی تھی، برابر میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے،اس کے لوگ شادی میں کھانا کھانے جارہے تھے،ان لوگوں نے موٹرسائکل کو دیکھا،کس کی کھڑی ہے،شور مچادیا،فائرنگ شروع کردی کہ ڈاکوڈاکو،لڑکی کا شوہر سمجھا کہ میرا بھائی مارا گیا،اس نے کہہ دیا تو گھرچلی جا،شوہراپنی بیوی اورسامان کوچھوڑکر بھائی کودیکھنے بھاگ نکلا، بیوی اورموٹرسائکل چھوڑکر یہ لوگ گھر واپس آ گئے۔

اب لڑکی اوراس کےگاؤں والوں کی پنچایت ہوئی،اس میں یہ طے پایا کہ دونوں کوقسم کھلا کرمعلوم کرلو کہ اس نے طلاق دی ہے یانہیں تولڑکے نے مسجد میں قسم کھا کرکہا کہ میں نے کبھی طلاق نہیں دی ہےاورلڑکی گھر والوں کے دباؤ کی وجہ سے کہتی ہے کہ مجھےاس جھگڑے میں طلاق دے دی؛ باوجوداس کےوہ آنے کے لئے تیار ہے؛لیکن گھر والوں سےچھپ کرتو پنچوں نےلڑکی سے پوچھاتو کیوں جارہی تھی؛ جبکہ تجھےطلاق دے دی،تو لڑکی اس پر خاموش رہی اورکوئی جواب نہیں دیا،اب صورت مسئولہ میں کیاحل ہےآیا طلاق واقع ہوئی یانہیں؟

المستفتی: عابدحسین،امیرحسین،ماسٹرخلیل احمد،بشیراحمد،اسحاق احمد،معصوم پورمرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ کےپس منظر سےمعلوم ہوتا ہے کہ شوہرنے طلاق نہیں دی،محض ناک بچاؤ کا مسئلہ ہے،خودلڑکی نے بھی خفیہ گفتگو میں بھی طلاق سے انکارکیا ہے؛ نیز اگر طلاق کا دعویٰ بھی ہے تو بیوی کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں اورشوہرحلفیہ بیان دے رہاہے کہ طلاق نہیں دی تو ایسی صورت میں بیوی کی بات

کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، شوہر کے قول کے مطابق شریعت کا حکم ثابت ہوتا ہے؛ لہٰذا شوہر کو یہ حق ہے کہ بیوی کو اپنے ساتھ لے جائے۔

وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَّامۡرَاَتَانِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها رجلان أو رجل وامرأتان سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح والعتاق والطلاق الخ. (هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/ ۱۵۴، هکذا فی الجوهرة النيره، كتاب الشهادة امدادیه ملتان ۲/ ۳۲۶، دار الكتاب دیوبند ۲/ ۳۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۱۸۵/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۲ھ

فقہی ضابطہ ''المرأۃ کالقاضی'' کا مطلب

سوال [۶۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ المرأۃ کالقاضی کا قاعدہ جو فقہاء نے ذکر کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے، کیا ہر جگہ جہاں قضاءً طلاق واقع ہوتی ہے وہاں عورت طلاق کا اعتبار کرے گی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے علم وتحقیق کے مطابق عمل کرے گی، حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں؛ تا کہ مراجعت آسان ہوسکے۔

المستفتی: علاء الدین بستوی ہتھورہ باندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کا مطلب یہی ہے کہ عورت اپنے علم وتحقیق کے مطابق عمل کرے گی کہ جب اس کو یہ بات محقق ہوگئی کہ شوہر نے تین طلاق دیکر غلط بیانی

کی ہے تو عورت اس شوہر سے اپنے آپ کو الگ رکھنے کے لئے جتنے بھی حربہ استعمال کرسکتی ہے کر لینا چاہئے، اگر نا کام ہوکر اسی شوہر کے پاس رہنا پڑے تو عورت گنہگار نہ ہوگی؛ بلکہ سارا وبال شوہر پر ہوگا؛ جیسا کہ ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال أوتهرب (إلى قوله) فان حلف ولا بينة لها فالإثم عليه الخ. (شامی، کتاب الطلاق، مطلب فى قول البحر، إن الصريح يحتاج فى وقوعه ديانةً إلى النية، زكريا ٤/ ٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/ ٣٥٤، جديد ١/ ٤٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱۴۲/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۱۹ھ

بیوی نے طلاق کو سنا اور شوہر منکر ہے

سوال [۶۸۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی ہندہ میں نزاع ہوا، ہندہ مدعیہ ہے کہ زید نے مجھے طلاق دی اس طرح کہ جا میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی اور جا کسی کے ساتھ چلی جا، ہندہ کے پاس گواہ موجود نہیں ہیں؛ لیکن اس واقعہ کو حلفیہ بیان کرتی ہے اور زید طلاق کا منکر ہے؛ لیکن اپنے انکار پر قسم نہیں کھاتا، اس صورت میں قدوری کی عبارت۔

وإذا نكل المدعى عليه عن اليمين قضى عليه بالنكول والزمه ما ادعى عليه. (قدوری ص: ۲۳۹، کتاب الدعویٰ)

طلاق مغلظہ واقعہ ہوجائے گی، یا حدیث **البينة على المدعى واليمين على من أنكر.** کی وجہ سے شوہر کا قول معتبر ہوگا اور اگر زید جھوٹی قسم کھالے اور ہندہ کو

یقین ہے کہ اس کے شوہر نے طلاق کے مذکورہ الفاظ کہے ہیں تو کیا ہندہ کیلئے دوسرے شخص سے نکاح کرنا۔

المرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه الخ.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر، إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، زكريا ٤/٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/ ٤٢٢) کی وجہ سے حلال ہے یا نہیں، حضرت والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد رضوان قاسمی مدرسہ قاسم العلوم نہٹور بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں بیوی مدعی ہے اور شوہر مدعی علیہ ہے جب بیوی کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں ہیں تو شوہر پر حلف لازم ہے اور جب شوہر حلف کے لئے تیار نہیں ہے تو بیوی کا دعوی صحیح تسلیم کیا جائے گا اور فتویٰ بیوی کے قول کے موافق صادر کرنا ہوگا؛ لہٰذا بیوی پر طلاق مغلظہ تسلیم کی جائے گی اور اگر شوہر قسم کھالیتا ہے اور دوسری طرف بیوی نے تین طلاق کو خود سن رکھا ہے اور اس پر یقین کامل بھی ہے تو شوہر کو لے جانے کا حق دیا جائے گا؛ لیکن بیوی کو بھی خلع وغیرہ کے ذریعہ سے راہ فرار اختیار کرنے کا حق ہوگا، شامی کی عبارت جو آپ نے نقل کی ہے اس کا مطلب بھی یہی دوسری صورت ہے۔

المرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه الخ.

(شامي، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر، إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، زكريا ٤/٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/ ٤٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۹؍۳۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۳ھ

بیوی کا طلاق کو سننا اور شوہر کا انکار کرنا

سوال [۶۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا اور نوبت طلاق تک آپہونچی اس سلسلہ میں شوہر کا بیان کچھ اس طرح ہے شوہر نے کہا میرا گھر خالی کردے، اس پر بیوی نے کہا کہ مجھے طلاق دے ابھی چلی جاؤں گی، اس پر شوہر نے کہا میں نے دی اور مزید یہ کہا کہ اگر میرے ساتھ اسی طرح پیش آؤ گی تو ایک مرتبہ نہیں پچاس مرتبہ دونگا؛ جبکہ بیوی کہتی ہے کہ شوہر نے طلاق دے دی ہے اور اس طرح کہا کہ میں نے دی، میرے خدا نے دی اور یہ جملے چھ سات مرتبہ دہرائے ،صورت مسئولہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کون سی ہوئی ؟

المستفتی: محمد ذاکر ککرالہ بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی نے اگر واقعۃً شوہر کے قول ”میں نے طلاق دی، میرے خدا نے دی“ کو چھ سات مرتبہ سنا ہے تو اب بیوی کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا قطعاً جائز نہیں ہے، شوہر سے خلع وغیرہ کر کے تفریق حاصل کرلے؛ لیکن چونکہ بیوی کے پاس اس کے ثبوت کے لئے گواہ نہیں ہیں، اور شوہر بیوی کے اس دعویٰ کا انکار کر رہا ہے، اور اگر پنچایت رکھی جائے تو پنچایت کو شوہر کی بات کا اعتبار کرنا ہوگا اور پنچایت کے ذریعہ سے بیوی کو شوہر کے پاس جانا پڑے گا اور اگر واقعۃً شوہر نے طلاق دی ہے تو شوہر گنہگار ہوگا بیوی نہیں ہوگی، اور اگر حقیقت میں شوہر کی بات صحیح ہے اور بیوی باتوں کو بڑھا چڑھا کر کے کہہ رہی ہے تو ایسی صورت میں شوہر کے پاس نہ جانے کی شکل میں بیوی گنہگار ہوگی، اب اس کا فیصلہ کون صحیح ہے کون غلط ہے، میاں بیوی آپس میں جانتے ہیں؛ اس لئے غلط کرنے کی صورت میں فیصلہ اللہ کے یہاں ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۳)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدى نفسها بمال، أوتهرب (إلى قوله) فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه الخ. (شامی، کتاب الطلاق، مطلب فی قول البحر، إن الصريح يحتاج فی وقوعه ديانةً إلى النية، زكريا ٤/ ٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/ ٣٥٤، جديد ١/ ٤٢٢، كراچی ٣/ ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال المکرّم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/ ۷۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۲۹ھ

بیوی نے تین طلاق کو سنا اور شوہر منکر

سوال [۶۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد شمس الحق ولد جناب عبد الغفور مرحوم نے اپنی بیوی مسماۃ زہرہ خاتون کو کسی بات پر جھگڑنے کے بعد کہا ابھی بھی سنبھل جاؤ، بیوی نے کہا کہ ہم نہیں سمجھے کیا سنبھل جائیں، شوہر نے کہا کہ باہر نکلو بیوی آگے سے ہٹ گئی، پھر شوہر نے بسم اللہ پڑھکر اللہ اکبر کہا اور یہ کہا تم کو تین طلاق دیں، ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اب ہم تھوک چھینکتے ہیں بیوی آنگن میں بیٹھ گئی، شوہر نے کہا کہ تم کو تینوں طلاقیں دے دیں پھر آنگن میں کیوں بیٹھی ہو اور پھر زبردستی دھکا دیکر آنگن سے باہر کر دیا، طلاق دیتے وقت اسکی بالغہ لڑکی اور لڑکا قریب البلوغ موجود تھے اور پھر باہر بھی لوگوں سے کہا کہ ہم نے ناجائز کیا، جواب دے دیا دو تین گواہوں کے سامنے اس نے کہا کہ ہم نے اپنی بیوی کو دو جواب دے دیا، محمد شمس الحق شوہر مذکور نے بیوی سے یہ بھی کہا اب ہمارے پاس کوئی گنجائش نہیں ہے، اپنے باپ کو بلاؤ اور اپنا دین مہر لے لو، اب شوہر مذکورہ لوگوں کے پوچھنے پر انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے طلاق نہیں دی ہے، یہ کہا تھا کہ جواب دے دیں گے، دیا نہیں ہے،

دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اگر ہوئی تو کونسی طلاق؛ نیز ’’جواب دے دیا‘‘ لفظ کنایہ ہے یا کچھ اور ہے اور کنایہ سے کون سی طلاق واقع ہوتی ہے۔

المستفتی: فرید عالم بھاگلپور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی نے اپنے کانوں سے تین طلاق دینا سن لیا ہے تو اس کے لئے بغیر حلالہ کے اس شوہر کے پاس رہنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ اگر شوہر جھوٹی قسمیں کھا کر رکھنا چاہتا ہے تو بیوی خلع وغیرہ کے ذریعہ اس شوہر سے الگ ہو جائے اور اس شوہر کے پاس بلا حلالہ ہرگز نہ رہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۰۵/۲)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب (إلى قوله) فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه الخ. (شامی، كتاب الطلاق، مطلب في قول البحر، إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانةً إلى النية، زكريا٤/٤٦٣، هنديه زكريا قديم ١/٣٥٤، جديد ١/٤٢٢، شامي كراچی ٣/٢٥١)

اور جواب دے دیا کا لفظ عرف میں بیوی کے لئے طلاق کے واسطہ مستعمل ہے؛ اس لئے اس سے طلاق صریح رجعی واقع ہو جاتی ہے، اور دو جواب سے دو طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہیں اور جواب دے دیا کا لفظ یہاں کے عرف میں کنایہ نہیں ہے؛ بلکہ صریح ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲۱۶/۹)

كما استفيد من عبارة الشامي فإن سر حتك كناية لكنه في عرف الفرس غلب استعماله في الصريح (إلى قوله) إن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت الخ. (شامی، كتاب الطلاق، باب الكنايات، زكريا ديوبند ٤/٥٣٠، كراچی ٣/٢٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ شعبان ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱۴۷/۳۱)

بیوی تین طلاق کی مدعی ہے اور شوہر منکر

سوال [۶۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی تین طلاق کا دعویٰ کر رہی ہے اور شوہر انکار کر رہا ہے؛ تو اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شمیم احمد مانیاوالا بجنوریوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج کردہ معاملہ میں دو باتیں الگ الگ ہیں

(۱) عورت نے طلاق کا دعویٰ کیا تو اس کے ثبوت کے لئے گواہ پیش کرنا لازم ہے، اگر عورت دو معتبر گواہ پیش کرتی ہے؛ تو قضاءً اور دیانۃً دونوں اعتبار سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عورت کے پاس دعوی کے ثبوت کے لئے گواہ نہیں ہیں اور شوہر انکار کررہا ہے تو ایسی صورت میں شوہر کی قسم کے ساتھ اس بات کو مان لیا جائیگا کہ شوہر نے طلاق نہیں دی ہے؛ لیکن اگر عورت نے اپنے کان سے شوہر کی طرف سے تین طلاق کو سنا ہے، تو اس کے لئے قاضی کے فیصلہ کے باوجود اس شوہر کے پاس جانا جائز نہیں ہے، مہر وغیرہ معاف کرکے اس سے علیحدگی اختیار کرنا لازم ہے اور اگر شوہر مہر کی معافی پرا لگ نہیں کرتا ہے؛ تب بھی عورت کے لئے اس کے پاس جانا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

وما سوى ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أورجل وامرأتين سواء كان الحق مالاً أو غير مال مثل النكاح، والطلاق الخ.

(هدايه، كتاب الشهادة، أشرفى بكڈپو ديوبند ۱۵٤/۳)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب (قوله) أنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه. (شامي، كراچی، كتاب الطلاق، زكريا ٤/ ٤٦٣، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٢/ ٢١٨، زكريا ٣/ ٨٢)

وفي البحر: يحل لها أن تزوج بزوج آخر فيما بينها وبين الله تعالىٰ.
(البحر الرائق، زكريا ٤/ ٩٦، كوئٹه ٤/ ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۹۵۸/۳۸)

شوہر طلاق ثلاثہ کا منکر اور بیوی مدعیہ

سوال [۶۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی ہندہ اپنے شوہر کے دماغی توازن کی کمی کی وجہ سے نبھاؤ نہیں کرسکی اور سخت پریشان ہے، اپنے شوہر کے پاس جانا نہیں چاہتی؛ چونکہ ان کے لوگ اور خود ان کا شوہر بہت تکلیف دیتا ہے، ایسے حالات میں کب تک مجرد زندگی گزارے، عورت ذات ہے، ایک بار اس نے تین طلاق بھی دے دی تھیں، اب ان کا کہنا ہے کہ؛ جبکہ ہندہ نے خود اپنے کان سے سنا ہے اور ہندہ کی ماں نے بھی اپنے سے تین طلاق کو سنا ہے؛ اس لئے آپ کے دار القضاء میں مقدمہ دائر کرتا ہوں، لڑکا زید کے ماں باپ انکار کرتے ہیں کہ میں نے طلاق نہیں دی تم چاہے کچھ بھی کرلو اور خلع کرنے کو بھی تیار نہیں، بچی کا کہنا ہے کہ جب میں نے تین طلاق کو اپنے کان سے سنا ہے اب تمہارے کہنے سے حرام کام کو نہیں جاتی، اب شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد توصیف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکی نے ازخود تین طلاقیں اپنے کان سے سنی ہیں تو اس کے لئے اب اس شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے؛ مگر اس کے پاس شرعی ثبوت نہیں ہے اور شوہر طلاق دینے کا انکار کر رہا ہے؛ اس لئے ایسی صورت میں کسی طرح شوہر کو خلع پر راضی کر کے طلاق حاصل کر لے؛ تاکہ یہی خلع شرعی ثبوت بن جائے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۵)

والفتویٰ علی أنه لیس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب الخ. (شامی کراچی ۳/۲۵۱، زکریا ۳/۲۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۲۰ھ

تعداد طلاق کے بارے میں مدعیہ کا بیان شرعی گواہان ہونے کی صورت میں معتبر ہے

سوال [۶۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے یہ کہا کہ اپنے باپ کے مال میں سے حصہ لے کر آؤ میں نے کچھ نہیں کہا، اس کے بعد مجھے نکال رہے تھے، پھر لڑکی سے کہا کہ مٹی کا تیل لے کر آؤ، اسے آگ لگائیں وہ لڑکی تیل لے کر نہیں آئی، مجھے پیٹنے لگے محلے والی عورتیں آگئیں اور آدمیوں کو بلا لیا، ان آدمیوں کے سامنے طلاق دی، پانچ بار میں نے اپنے کانوں سے سنا۔

سوال: تم نے کیا الفاظ سنے؟

جواب: میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی آزاد کیا آزاد کیا۔

سوال: کسی نے روکنے کی کوشش کی طلاق دینے سے؟

جواب: ماسٹر رشید صاحب نے اور ملاجی شوکت بھائی اور ایک پتہ نہیں کون تھے اور چھوٹے چچا کی بیوی اور شریف نائی کی بیوی اور ماسٹر صاحب کی بیوی بھی تھیں۔

سوال: شوہر نے تمہیں بلانا چاہا تو تم بہت دنوں تک پاس آنے سے گریز کرتی تھیں؟

جواب: یہ سب جھوٹ ہے، بکواس ہے۔

سوال: اس سے پہلے ناراضی ہوئی یا ہوتی رہتی تھی؟

جواب: جی ہاں ہوتی رہتی تھی، کہتے رہتے تھے یہ نسل اچھی نہیں لگتی میرے اوپر کوئی ناراضگی نہیں تھی، سسرال سے جھگڑا تھا میں کہتی تھی کہ اوروں کے اوپر نہ جاؤ مجھ سے واسطہ رکھو۔

بیان گواہ اول ملاجی شوکت علی صاحب

جو حق بات ہے وہ یہ ہے کہ جب میں گھر میں داخل ہوا، تو یہ بیوی کو مار رہے تھے، ان کے ہاتھ میں پٹری تھی، میں نے ان سے کہا کہ تم آدمی ہو یا پٹواری؟ میں نے سنا انہوں نے دو مرتبہ طلاق دی اور دو مرتبہ آزاد کر دیا کے الفاظ کہے۔

سوال: تم وہاں کیا کر رہے تھے؟

جواب: برابر والے مکان میں کام کر رہے تھے، جب جھگڑا ہوا، سن کر آ گئے۔

سوال: تم نے جھگڑے کی آواز خود سنی یا کسی نے اطلاع دی؟

جواب: چھوٹے کی گھر والی نے اطلاع دی، تو ہم اور ماسٹر رشید صاحب پہونچے۔

سوال: تمہیں کوئی بات پتہ چلی، جب ان کے درمیان جھگڑا ہو رہا تھا؟

جواب: ہمیں کچھ پتہ نہیں ہم اتنی بات سن کر واپس آ گئے۔

سوال: آپ نے خود سن کر کہا یا کسی اور سے سن کر کہا؟

جواب: ہم نے براہ راست سنا کسی اور سے نہیں سنا۔

گواہ ثانی محمد یسین ولد عبد القیوم صاحب

ہمارے سامنے دو بار طلاق کو کہا اور دو بار آزاد کو کہا؛ جبکہ ہم اور ماسٹر رشید صاحب انہیں کھینچ کر لا رہے تھے، باقی ماسٹر رشید سے معلوم کریں۔

سوال:جب یہ جھگڑا ہوا، آپ وہاں کیا کررہے تھے؟

جواب:ہم برابروالے مکان میں کام کررہے تھے۔

سوال:تم خودوہاں پہونچے یا کسی نے اطلاع دی تھی؟

جواب : چھوٹے کی بیوی نے اطلاع دی کہ پہلوان اپنی اہلیہ کو ماررہے ہیں، تم بچالو، جب ہم وہاں پہونچے تو وہ اپنی بیوی کو برا بھلا کہہ رہے تھے، ان کے ہاتھ میں پٹڑی تھی، اسی گرم گھاؤ میں طلاق دیدی۔

سوال:ان کے درمیان جھگڑے کی کوئی وجہ آپ کو معلوم ہے؟

جواب:ہمیں کچھ پتہ نہیں۔

گواہ ثالث ماسٹر رشید صاحب

میں برابر میں مکان بنوارہا ہوں، قریب سے ایک عورت گھبرائی ہوئی میرے پاس آئی، اس نے کہا کہ دلشاد کے گھر چلو، جھگڑا ہورہا ہے، میں گیا میرے ساتھ اور آدمی جو کام کررہے تھے، وہ بھی آ گئے، میں نے دلشاد میاں کو کھڑا کیا اور کہا کہ جھگڑے کو چھوڑ و اور میں اس کو کھینچ کرلانے لگا تو اس وقت میں نے سنا کہ اس نے کہا کہ میں نے اس کو طلاق دی، دومرتبہ کہا اور میں نے اس کو آزاد کیا ایک مرتبہ کہا، میں اس کو کھینچ کر گھر لے گیا اور جتنا مجھ سے ہوسکا اس کو سخت ڈانٹا۔

سوال:ان کے درمیان جھگڑے کی وجہ آپ کو معلوم ہے؟

جواب:مجھے نہیں پتہ یہ اپنے ہوش وحواس کھوبیٹھے تھے۔

بیان مدعی علیہ شوہر دلشاد احمد

کسی بات پر ناراضگی پیدا ہونے پر میں نے ایک بار بغیر ارادہ کے ایک لفظ کہا کہ میں نے طلاق دی۔

سوال: ناراضگی کی کوئی خاص وجہ تھی؟

جواب: ایسی کوئی خاص وجہ نہ تھی؛ البتہ کافی دنوں تک میاں بیوی والے تعلقات سے گریز کرتی تھی، میں خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ میں نے اور کچھ نہیں کہا۔

سوال: تو کیا اس سے پہلے کوئی ناراضگی ہوئی؟

جواب: اس سے پہلے ایسی کوئی خاص ناراضگی نہیں ہوئی۔

سوال: اس وقت وہاں کون کون موجود تھے؟

جواب : ایک ہماری جگن تھی، ایک ہمارے پڑوس کا لڑکا اس کا نام رئیس احمد ہے، فرید احمد وزیرن صاحبہ براہ راست جھگڑا انہوں نے سنا۔

سوال: کیا تم نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ تم اپنے میکہ سے پیسے لے کر آؤ؟

جواب: نہیں بخدا میں نے نہیں کہا۔

بیان گواہ اول فرید احمد صاحب

میں تو اس سب جھگڑے کے بعد پہونچا اور جگن سے میری بات ہوئی، انہوں نے بتلایا دلشاد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور مارا ہے، پھر میں ماسٹر رشید صاحب سے ملا، انہوں نے مجھے کچھ بتا کر نہیں دیا۔

سوال: جگن نے تمہیں کتنی بار طلاق دینے کے بارے میں بتایا؟

جواب: مجھے صرف ایک بار طلاق دینے کے متعلق بتلایا اور کہا کہ میں شروع سے اخیر تک رہی۔

بیان گواہ رئیس احمد صاحب

میں نے سنا کہ دلشاد احمد نے ایک مرتبہ طلاق دی کا لفظ کہا، تو میں فوراً دلشاد کے قریب گیا، میں نے کہا کہ دیکھو یہ لفظ مت بولنا پھر ماسٹر رشید اور ملاجی اور مزدور آگئے اور اس کو کھینچ کر لے گئے، میں اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے یہ بیان دے رہا ہوں جو بالکل صحیح ہے۔

گواہ ثانی (الف) جمن شکوراًاہلیہ حاجی رشید صاحب

میں گلی میں جارہی تھی، میں نے جھگڑے کی آواز سنی تو میں اندر گئی، تو میں نے دیکھا کہ دلشاداحمد اپنی بیوی کو ماررہا ہے، دوعورتیں شریف اور چھوٹے کی بیوی بچارہی تھی، تو میں نے کہا کہ ماسٹر رشید کے یہاں کام ہورہا ہے، وہاں سے مردوں کو بلالاؤ چھوٹے کی بیوی ماسٹر صاحب اور مزدوروں کو بلالائی، وہ اسے کھینچ کرلے جانے لگے تو ہم نے یہ سنا کہ دلشاداحمد کہہ رہا تھا کہ میں تو اسے نکالوں گا، میں نے اسے طلاق دی، آزاد کیا اور رفارقتی دی یہ صرف میں نے ایک بارسنا ہے۔

سوال: آپ جھگڑے کے شروع میں تھیں؟

جواب: میں شروع سے نہیں تھی، مار پیٹ پہلے سے ہورہی تھی، میں تو جھگڑا سن کر پہونچی۔

سوال: جب آپ آئیں تو کیا جھگڑا ختم ہوچکا تھا؟

جواب: ماسٹر صاحب دلشاد کو پکڑ کے لے گئے اوران کے والد نے ان کو بلوایا، پھر میں سبزی لینے چلی گئی مجھے پتہ نہیں کیا ہوا۔

بیان گواہ ثانی (ب) وزیرن اہلیہ حسیب اللہ صاحبہ

سوال: جب وہ پکڑ کرلے جارہے تھے، تو وہ کیا کہہ رہا تھا؟

جواب: جس وقت وہ لے جارہے تھے، اس نے کہا کہ میں نے طلاق دی، فارقتی دی، آگے پتہ نہیں کیا ہوا۔

سوال: جھگڑا لے جانے کے بعد ختم ہوگیا یا چلتا رہا؟

جواب: جھگڑا ختم ہوگیا اوراس کی بیوی ہمارے سامنے چلی گئی۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی کے بیانات اوراس کے شوہر کے بیانات اسی طرح ہردو کے گواہان کے تفصیلی بیانات آپ کے سامنے ہیں، جواب دیں کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں

اورکون سی طلاق ہوئی ؟اب میاں بیوی کوکیا کرنا چاہیے ؟

المستفتی: زیداحمد، مبارک پور، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: بیوی مدعیہ کے دعویٰ کے مطابق دوگواہوں نے دومرتبہ طلاق اوردومرتبہ آزادکردیاکے الفاظ پرشہادت دی ہےاورایک تیسرےگواہ نے دومرتبہ طلاق اورایک مرتبہ آزادکردیا کالفظ سنا، بہرحال بیوی نے اپنے دعویٰ پرگواہ پیش کردیا ہےاورہمارےعرف میں آزادکردیا کالفظ بیوی کےحق میں طلاق کے لئے بولا جاتا ہے؛اس لئے مذکورہ صورت میں بیوی پرطلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے۔اب بلا حلالہ نکاح بھی جائز نہ ہوگااورشوہرکی طرف سےگواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نیزوہ سب گواہ ناتمام بھی ہیں۔

قال الله تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. [البقرہ: ۲۸۲]

وما سوىٰ ذلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أورجل وامرأتين سواء كان الحق مالا، أو غير مال مثل النكاح، والطلاق. (هداية، كتاب الشهادة اشرفي ديوبند ۳/ ۱۵٤، البحرالرائق كوئٹه ۷/ ٦۲، زكريا۷/ ۱۰٤، درمختار، كراچي ٥/ ٤٦٥، زكريا ۸/ ۱۷۸)

سرحتک وهو رها كردم؛ لأنه صار صريحا في العرف. (شامي، كتاب الطلاق، باب الكنايات كراچي ۳/ ۲۹۹، زكريا ٤/ ٥۳۰)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ٥۳٥، هداية، اشرفی ديوبند۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۶۶۲/۳۳)	۱۴۱۹/۳/۴ھ

شوہر تین طلاق کا منکر اور بیوی مدعیہ

سوال [۶۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے شوہر کی دوسری بیوی ہوں اور میرے دو بچے ہیں، میرے شوہر جب ایک رات سونے کے لئے آئے تو ۱۵/منٹ آرام کرنے کے بعد کہنے لگے میری طبیعت خراب ہورہی ہے، بےچینی ہورہی ہے، میں اپنی پہلی بیوی کے پاس ہونے جارہا ہوں یہ کہہ کر وہ اٹھ کر چلے گئے اور جانے لگے انہیں جاتا دیکھ کر مجھے غصہ آ گیا، اوران سے کہا سنی پر بات بڑھ گئی، اتنی بات بڑھنے پر میں نے ان سے کہا کہ اگر آج یہاں سے گئے، تو مجھے طلاق دے کر جاؤ گے، انہوں نے کہا ہاں میں تجھے طلاق دے دوں گا، اس بات پر میں نے کہا کہ ایسے نہیں، تو انہوں نے کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، یہ انہوں نے تین بار بڑی زور دے کر کہا اور وہاں سے چلے گئے۔ اب اس بات کو کافی دن ہوگئے ہیں اور وہ بار بار یہ کہتے ہیں میں نے تین بار نہیں دو بار ہی کہا ہے اور وہ قسم بھی کھا رہے ہیں کہ میں نے دو بار ہی کہا ہے۔

برائے مہربانی آپ میری مشکل کا حل بتانے کی زحمت کریں۔

المستفتیة: عرشی، اندرا، چوک چاندوالی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں دو بیان دو طرح کے ہیں کہ بیوی تین طلاق کی دعویدار ہے اور شوہر تین بار کا منکر ہے، اور شوہر اس پر قسم بھی کھا رہا ہے اور شوہر کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ اس واقعہ کے بعد دونوں برضا ورغبت ہمبستر بھی ہوگئے، اس پر بیوی نے انکار بھی نہیں کیا اور تین طلاق کے دعویٰ پر بیوی کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں، تو ایسی صورت میں شرعاً شوہر کے قول کا اعتبار ہوتا ہے؛ لہٰذا شوہر کے قول کے مطابق ہی شریعت کا حکم ہے دو ہی طلاق کا اعتبار ہوگا اور بعد میں ہم بستری کرنے کی وجہ سے رجعت بھی ہوگئی؛ اس لئے شرعی طور پر بدستور میاں بیوی شمار ہوں گے۔

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال، مثل النکاح، والطلاق، والوکالة، والوصیة. (هدایة، کتاب الشهادت اشرفي دیوبند۳/۱۵٤)

ونصابها لغیرها من الحقوق سواء کان الحق مالا، أو غیره کنکاح، وطلاق......رجلان......أو رجل و امرأتان. (درمختار مع الشامي، کتاب الشهادة، کراچي ٥/٤٦٥، زکریا۸/۱۷۸)

قال الله تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآیة: ۲۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۸۹۳۳)

طلاق کے بارے میں زوجین میں سے کس کے قول کا اعتبار ہے؟

سوال [۶۸۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد اور اس کی زوجہ میں کسی بات پر نزاع ہوا اور تکرار اس حد تک بڑھا کہ خالد نے لفظ طلاق کا استعمال کیا؛ لیکن اس لفظ کی ادائے گی میں زوجین میں اختلاف ہوگیا، شوہر کہتا ہے کہ میں نے دوبار کہا کہ ''میں تجھے طلاق دیدوں گا'' اور بلالے اپنے والد کو میں اس کے سامنے بھی طلاق دیدوں گا؛ البتہ میں بار بار یہ کہہ چکا ہوں میں تجھ سے دسیوں بار یہ کہہ چکا ہوں کہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا یہ صرف ڈرانے کے لئے کہا ہے، اس میں طلاق کی نیت نہیں تھی؛ جبکہ بیوی کہتی ہے کہ میرے شوہر نے صراحتاً دوبار یہ کہا کہ جا میں نے تجھے طلاق دیدی اور بلالے اپنے والد کو اس کے سامنے بھی طلاق دیدوں گا اور یہ جا، ایک بار

نہیں؛ بلکہ دس بار کہہ چکا کہ چلی جا، اس واقعہ پر شوہر کی ماں اور بالغہ لڑکی موجود تھی، شوہر کی ماں اس بارے میں کچھ کہنے سے خاموش ہے اور لڑکی کہتی ہے کہ ایک بار تو یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیدی اور ایک بار کہا کہ تجھے طلاق دیدوں گا۔ اور تیسری بار کہا کہ اپنے والد کو بلالے اس کے سامنے بھی طلاق دیدوں گا۔

المستفتی: راشد حسین، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے بیان کے مطابق کسی قسم کی کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور بیوی کے بیان کے مطابق دو طلاق رجعی ہوئی ہیں، جس میں رجعت کی گنجائش باقی ہے، بیوی کے بیان کا اعتبار نہیں؛ بلکہ شوہر کے بیان کے مطابق کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، میاں بیوی کی زندگی گذار سکتے ہیں اور ماں اور لڑکی سے نصاب شہادت مکمل نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے بیان میں مطابقت ہے؛ اس لئے اس کا بھی اعتبار نہیں اور لفظ طلاق دیدوں گا سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لو قال: أطلقک لم یقع. (سکب الأنهر، کتاب الطلاق، باب إیقاع الطلاق، دارالکتب العمیة بیروت ۲/ ۱٤)

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ. (سورة البقرة، رقم الآیة: ۲۸۲)

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال، مثل النکاح، والطلاق، والوکالة، والوصیة. (هدایة، کتاب الشهادة اشرفي دیوبند ۳/ ۱۵٤، البحر الرائق، کوئٹه ۷/ ٦۲، زکریا ۷/ ۱۰٤، در مختار مع الشامي، کراچي ۵/ ٤٦۵، زکریا ۸/ ۱۷۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲/ ۴۴۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۴/۲۶ھ

مطلق اور گواہ کے مابین صیغۂ طلاق میں اختلاف ہو تو کس کا قول معتبر ہے؟

سوال [۶۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد یعقوب نے لڑائی کے وقت اپنی بیوی سے کہا کہ چپ ہو جا نہیں تو میں تجھے طلاق دیدوں گا، اس وقت بیوی کی ماں اور یعقوب کے ماں باپ موجود تھے، وہ بھی یہی کہتے ہیں، مگر محلے کے تین چار آدمی کہتے ہیں کہ یعقوب نے طلاق دی کہا ہے، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہونے کا حکم لگایا جائے گا؟

المستفتی: ٹیچر مسلم انٹر کالج، ٹھاکردواہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں محلّہ کے لوگوں کی گواہی ماں باپ شوہر بیوی کے خلاف شرعاً معتبر نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا کہ ہم نے طلاق دی سنا ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

ولو العداوة للدنيا لاتقبل سواء شهد على عدوه أو غيره. (در مختار، كتاب الشهادة، باب القبول وعدمه، كراچي ٥/ ٤٨٠، زكريا ١٩٩/٨، البحر الرائق، زكريا ١٤٣/٧، كوئٹه ٨٥/٧)

لہٰذا سوال نامہ میں مذکور لفظ طلاق دیدوں گا سے کوئی طلاق نہیں ہوئی؛ کیونکہ یہ طلاق نہیں بلکہ طلاق کی دھمکی یا وعدۂ طلاق ہے اور دھمکی اور وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی۔

بخلاف كنم؛ لأنه استقبال فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك. وفي المحيط: لو قال بالعربية أطلق لا يكون طلاقاً. (عالمگيري، زكرياقديم ١/ ٣٨٤، جديد ١/ ٤٥٢)

أنا طالق، أو أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعد. (در مختار، كراچي ٣١٩/٣، زكريا ٥٥٩/٤، بحر، زكريا ٥٤٥/٣، كوئٹه ٣١٤/٣)

لوقال: أطلقک لم یقع. (سکب الأنهر في شرح ملتقي الأبحر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵؍۶۸۳۰)

شوہر دوطلاق کا اقرار کرے بیوی چار کا

سوال [۶۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ابھی ہفتہ عشرہ پہلے یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ محمود علی صاحب اوران کی بیوی کے درمیان آپس میں نا چاقی اوراختلاف کی بناء پر غصہ کی حالت میں محمود علی نے اپنی بیوی سے کہدیا کہ تم کو ایک نمبر، دونمبر، طلاق دی، اس بات پر دونوں فریق متفق ہیں، محمود علی بھی اس کا قرار کررہا ہے اوراس کی بیوی بھی یہی کہتی ہے؛ لیکن ساتھ میں بیوی کی طرف سے یہ بھی دعویٰ ہے کہ آج سے تقریباً چھ مہینہ پہلے عید الفطر کے بعد ایسا ہی جھگڑا ہوا تھا اوراس جھگڑے کے دوران ''طلاق دیدی'' کا لفظ دومرتبہ استعمال کیا ہے، میں اس معاملہ سے متعلق تحقیق کے لئے امروہہ سے اپنی بہن کے پاس آیا معلوم ہوا کہ اس مسئلہ سے متعلق تین فتوے آچکے ہیں۔ ایک فتوی جامع الہدیٰ سے جس میں شوہر کے بیان کے مطابق دوطلاق سے معلق ہے، اورایک فتوی لال مسجد سے مفتی عبد المنان کلیمی کا لکھا ہوا ہے، جس میں بھی شوہر کے بیان کے مطابق دوطلاق رجعی کا ذکر ہے، اور مدرسہ شاہی سے بھی ایک فتوی لیا گیا ہے، جس میں بیوی کے بیان کے مطابق تین طلاق کا ذکر ہے؛ اس لئے ہم بڑی تشویش میں مبتلا ہوگئے، پھر مدرسہ شاہی کے مفتیان کرام سے رابطہ کیا گیا، اس کے بعد مسئلہ کی تحقیق ہوئی اورمدرسہ شاہی میں، میں اور ماسٹر عتیق صاحب اورمحمود علی اورمحمود علی کے تینوں بیٹے اورمیری بہن جومحمود علی کی بیوی ہے، سب مدرسہ میں حاضر ہوئے اور ڈیڑھ گھنٹہ تک مدرسہ شاہی کے

مفتیان نے جانبین کے بیانات سے اور دونوں طرف کی رد وقدح کی بات بھی سنی اور اس میں میری بہن ملکہ ثریا نے اپنے بیان میں بڑے بیٹے منصور علی کو گواہی میں پیش کیا ہے، مگر بیٹے نے کہا میں ماں باپ کے بیان میں سے کسی کو جھٹلا نہیں سکتا ہوں؛ البتہ اس واقعہ میں میں موجود تھا، اس میں طلاق دیدوں گا لفظ کئی مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، دیدی کا لفظ مجھے یاد نہیں، اس پر ماں نے برسر عام مجلس ہی میں بیٹے کے لئے سخت بد دعائیہ الفاظ استعمال کئے، پھر بھی بیٹا اپنے بیان پر قائم ہے اور حاصل یہ نکلا کہ محمود علی ''دو طلاق کا اقراری ہے اور میری بہن ملکہ ثریا اپنے کان سے پہلے واقعہ میں بھی دو طلاق سننے کی وجہ سے مدعیہ ہے اور دوسرے واقعہ میں بھی دو طلاق سننے کی مدعیہ ہے، ایسے حالات میں شریعت کیا فیصلہ دیتی ہے؟

المستفتی: محمد آصف حیات جعفری، محلّہ بڑادربار، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں ذکر کردہ تینوں فتوؤں میں سائلوں نے جس طرح سے سوال پیش کیا ہے، اسی طرح کے جوابات ہیں، ان متضاد سوال وجواب کے بعد اور جانبین کے الگ الگ بیانات سننے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ آمنے سامنے بات چیت ہوجائے، تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جانبین سے آمنے سامنے بات ہوئی، شوہر صرف دو طلاق دینے کا اقراری ہے، اور بیوی اس بات کی دعویدار ہے کہ شوہر نے ابھی ہفتہ عشرہ پہلے دو طلاق دی ہے، جس کا شوہر بھی اقرار کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اس بات کا دعویٰ کرتی ہے کہ پانچ چھ مہینے پہلے عید الفطر کے بعد بھی جھگڑے کے دوران دو طلاق دے چکا ہے اور اس پر بیوی نے اپنے بڑے بیٹے کو گواہی میں پیش کیا اور بڑے بیٹے سے دونوں کے سامنے براہ راست معلوم کیا گیا وہ یہ کہتا ہے کہ ''طلاق دیدوں گا'' کا لفظ کئی بار استعمال کیا گیا ہے اور ''دیدی'' کا لفظ نہ سنا، نہ یاد ہے جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے اور شوہر نے بھی صاف لفظوں میں اس کا انکار کردیا ہے کہ پانچ چھ مہینے پہلے جھگڑے کے

دوران طلاق دی ہے؛ بلکہ یہ کہتا ہے کہ دھمکی کے لئے ”طلاق دیدوں گا“ کا لفظ کئی بار استعمال کیا اور ”طلاق دیدی“ کا لفظ قطعاً استعمال نہیں کیا اور اس بات پر قسم کھانے کے لئے تیار ہے؛ لہٰذا بیوی کے اپنے دعوے کے ثبوت میں شرعی گواہ موجود نہیں ہیں اور شریعت اسلامی میں ایسی صورت میں حکم شرعی یہی ہے کہ بیوی کے دعویٰ کا اعتبار نہیں شوہر کے قول کے اعتبار سے حکم شرعی نافذ ہوجاتا ہے؛ اس لئے مذکورہ واقعہ میں دو طلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، شوہر کو رجعت کا حق ہے؛ لیکن ساتھ ساتھ شریعت عورت کو یہ بھی کہتی ہے کہ اگر واقعۃً اس نے اپنے کان سے پہلے واقعہ میں بھی دو مرتبہ ”طلاق دی“ کا لفظ سن رکھا ہے اور اس کو اس بات کا یقین ہے تو خوشی سے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ مال دے کر یا مہر معاف کر کے شوہر سے الگ ہوجائے اور اگر شوہر خلع کرنے اور مال لینے پر کسی طرح تیار نہیں ہے اور بیوی کو رکھنے پر ہی مصر ہے، تو ایسی صورت میں مجبوراً بیوی کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز ہے اور سارا گناہ شوہر پر ہوگا، اللہ کے یہاں بیوی سے باز پرس نہیں ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۲۸۲)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله، ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب (وقوله) أنها ترفع الأمر للقاضي، فإن حلف ولابينة لها، فالإثم عليه. (شامي، كراچي،۳/۲۵۱، زكريا ٤/٤٦٣)

وفي البحر يحل لها أن تتزوج بزوج أخر فيما بينها و بين الله تعالىٰ. (البحر الرائق، كوئٹه ٤/٥٧، زكريا ٤/٩٦)

أن المرأة كالقاضي لا يحل لها، أن تمكنه إذا علمت منه، ماظاهره خلاف مدعاه. (شامي، كراچي ۳/۳۰۵، زكريا ٤/٥٣٨)

إذا سمعت منه المرأة، أو شهد به عندها عدل لا يسعها أن تدينه؛

لأنها كالقاضي لا تعرف منه إلا الظاهر. (فتح القدير، دارالفكر بيروت ٤/ ٧، كوئٹه ٣/ ٣٥٣، زكريا ٦/ ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۰۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۶/ ۱۴۲۴ھ

دومرتبہ طلاق کے بعد مزید ۲/ طلاق میں شوہر و بیوی کا اختلاف

سوال [۶۸۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک نشست میں دومرتبہ طلاق دی، اندرون عدت رجعت ہوگئی، چند ایام گذرنے کے بعد ایک دن دونوں میں کسی بات پر جھگڑا ہوا، معاملہ طول پکڑ گیا، زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھ میں نے پھر تجھے دومرتبہ طلاق دی، زید کی بیوی اس سے اس روز سے الگ ہوگئی اور وہ اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ہے؛ جبکہ زید اس بات پر مصر ہے کہ اس نے طلاق دی، ایسا نہیں کہا؛ بلکہ طلاق دیدوں گا کہا، اس سلسلہ میں زید اپنا حلفیہ بیان دینے پر نہ صرف یہ کہ راضی ہے؛ بلکہ اس کا اصرار ہے کہ ایسا کیا جائے اور اس نے اپنا حلفیہ بیان دیا ہے؛ لیکن اس کی بیوی اس کی درخواست اور بار بار کے اصرار پر کوئی نوٹس نہیں لے رہی ہے، وہ اپنی اس بات پر قائم ہے کہ اس کے شوہر نے اسے دوطلاق کے بعد رجعت کر کے اسے پھر دو اور طلاقیں دی ہیں، اب رجعت کا کوئی موقع نہیں رہا۔ براہ کرم اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبدالکریم حنفی، منظر پورہ، اچلپورہ، امراوتی (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید نے اپنی بیوی کو دومرتبہ طلاق دی ہے، اس سے دو طلاق رجعی واقع ہوگئیں اور اندرون عدت رجعت بھی کر لی ہے، تو اس

سے رجعت ہوگئی، دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گذار سکتے ہیں جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے؛ لیکن چند روز گذرنے کے بعد جھگڑے کے درمیان زید کی زبان سے دوطلاق کے الفاظ جو نکلے ہیں، اس کے بارے میں زید اوراس کی بیوی کے درمیان اختلاف ہے، زید حلفیہ بیان کرتا ہے کہ ''تجھے دوطلاق دیدوں گا'' کے الفاظ کہے ہیں اور بیوی کہتی ہے کہ ''تجھے دومرتبہ طلاق دی'' کے الفاظ کہے ہیں، تو ایسی صورت میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کی بیوی پر اپنے دعویٰ میں دوشرعی گواہ پیش کرنا لازم ہے، جنہوں نے براہ راست اپنے کان سے یہ الفاظ سنے ہوں؛ لیکن اگر بیوی کے پاس کوئی گواہ موجود نہیں ہے اور شوہر قسم کھالیتا ہے، تو شوہر کی قسم کے مطابق فیصلہ ہوگا کہ ''طلاق دیدوں گا'' ہی کے الفاظ کا اعتبار ہوگا، جس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اور ''طلاق دی'' کے الفاظ جو بیوی کا دعوی ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور بیوی کو شوہر کے پاس جا کر حقوق زوجیت ادا کرنے چاہئیں اور ایسے حالات میں اگر واقع میں شوہر نے جھوٹی قسم کھائی، تو اس کا سارا گناہ شوہر کے سر ہوگا، بیوی پر نہیں ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة: ۲۸۲)

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیهاشهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال، مثل النکاح، والطلاق، والوکالة، والوصیة، ونحو ذٰلک. (هدایة، کتاب الشهادة اشرفي دیوبند۳/ ۱۵٤، البحر الرائق، کوئٹه ۷/ ٦۲، زکریا۷/ ۱۰٤، در مختار مع الشامي، کراچي ٥/ ٤٦٥، زکریا ۸/ ۱۷۸)

ونصابها لغیرها من الحقوق سواء کان الحق مالا، أو غیره کنکاح، وطلاق……رجلان……أو رجل و امرأتان. (در مختار مع الشامي، کتاب الشهادة، کراچي ٥/ ٤٦٥، زکریا۸/ ۱۷۸)

ولغيرها رجلان، أو رجل، وامرأتان للآية أطلقه فشمل المال وغيره كالنكاح، والطلاق. (البحر الرائق، کوئٹہ ٦٢/٧، زکریا ١٠٤/٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣/ رجمادی الثانیہ ١٤٢٠ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٩٦٢١/٣٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٩/٦/١٤ھ

تعداد طلاق میں زوجین کا اختلاف ہو تو کس کا قول معتبر ہے؟

سوال [٦٨٣٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دومرتبہ ان الفاظوں میں طلاق دی ہے کہ ”میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی“ اور بیوی کہتی ہے کہ میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں مجھ کو تین بار طلاق دی ہے اور میاں اپنی بات پر قسم کھانے کے لئے تیار ہے۔ عنایت فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد رشید، ساکن گڑھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر دوطلاق کا اقرار کررہا ہے، تو دوطلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، رجعت کرکے رکھنے کی گنجائش ہے، بیوی جو تین طلاق کا دعویٰ کررہی ہے اور اس پر گواہ بھی نہیں ہیں اور شوہر تین طلاق کا انکار کررہا ہے، تو شوہر کے قول کے مطابق، صرف دوطلاق کا اعتبار ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَاِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة: ٢٨٢)

ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا، أو غيره كنكاح، وطلاق......رجلان......أو رجل و امرأتان. (در مختار مع الشامي، كتاب الشهادة، كراچي ٤٦٥/٥، زكريا ١٧٨/٨)

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال، مثل النکاح، والطلاق الخ.

(هداية، اشرفي ديوبند٣/ ١٥٤، البحر الرائق، كوئٹه ٧/ ٦٢، زكريا٧/ ١٠٤،الجوهرة النيره، امداديه ملتان ٢/ ٣٢٦، دارالكتاب ديوبند ٢/ ٣٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳؍۵۱۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۱؍۱۴۱۸ھ

تعداد طلاق میں کس کا قول معتبر ہے زوج یا زوجہ کا؟

سوال [۶۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو چند عورتوں کی موجودگی میں طلاق دی، زید کہتا ہے کہ میں نے دو ہی طلاقیں دی ہیں اور ہندہ اور وہ عورتیں کہتی ہیں کہ تین بار طلاق دی ہے، اس واقعہ کو لگ بھگ آٹھ ماہ گذر گئے ہیں، صورت مسئولہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عشرحسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی بیوی زید کے نکاح سے نکل گئی؛ کیونکہ عدت پوری ہوچکی ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں بیوی کو اختیار ہے، جس کسی دوسرے شخص سے چاہے نکاح کرے شرعاً جائز ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاکٌ بِمَعۡرُوۡفٍ أَوۡ تَسۡرِیۡحٌ بِإِحۡسَانٍ. [سورۃ البقرۃ: ۲۲۹] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد
مؤرخہ: ۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح:
محمد ایوب نعیمی غفرلہ

جواب منجانب: دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں چونکہ نصاب شہادت دومرد یا ایک مرد اور دوعورتیں موجود نہیں ہیں؛ لہٰذا ایسی صورت میں شوہر کے قول کا شرعاً اعتبار ہوگا اور بیوی پر دوطلاق واقع ہوگئیں۔

قال الله تعالىٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة: ٢٨٢)

ولغيرها رجلان، أو رجل، وامرأتان للآية أطلقه فشمل المال وغيره كالنكاح، والطلاق. (البحر الرائق، کوئٹہ ٦٢/٧، زكريا ١٠٤/٧، الجوهرة النيرة، امدایہ ملتان ٢٣٦/٢، دارالكتاب ديوبند ٣٠٩/٢، در مختار، كراچي ٤٦٥/٥، زكريا ١٨٧/٨)

وما سوىٰ ذلك من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل، وامرأتين سواء كان الحق مالا، أو غير مال، مثل النكاح، والطلاق الخ. (هداية، اشرفي ديوبند ١٥٤/٣)

اوراب چونکہ طلاق دیئے ہوئے آٹھ ماہ گذر چکے ہیں؛ لہٰذا بیوی کی عدت بھی پوری ہوگئی؛ اس لئے اب وہ بائنہ ہوچکی ہے، اب شوہر کا بیوی پر اختیار باقی نہیں رہا؛ بلکہ بیوی کو اختیار ہے چاہے شوہر اول سے نکاح کرے یا کسی دوسرے مرد سے۔

وينكح مبانة بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع. (تنوير الأبصار مع الشامي، كراچي ٤٠٩/٣، زكريا ٤٠/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۸۱۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱۱ھ

بلا گواہ عورت تین طلاق سننے کی مدعیہ اور شوہر منکر

سوال [۶۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن گلناز بنت نزاکت علی کا نکاح فرحت علی سے ہوا تھا، اب فرحت علی نے گلناز کو مار پیٹ کر گھر سے باہر یہ کہہ کر نکال دیا ہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، تیرا مجھ سے کوئی مطلب نہیں ہے، تو میرے نکاح سے باہر ہوگئی، میں نے تجھے آزاد کیا تین چار مرتبہ یہی الفاظ کہے، اس کا لڑکی کے پاس کوئی گواہ یا ثبوت نہیں ہے، یہ الفاظ سن کر لڑکی اپنے گھر آگئی اور اپنے گھر والوں کو سارا واقعہ سنایا یہ بات سن کر لڑکی کے بھائی لڑکے کے والد کے پاس گئے کہ آپ کے بیٹے نے ہماری بہن کو مارا پیٹا ہے، اور اس کو طلاق دیدی ہے، تب لڑکے کے والد نے لڑکی سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا، تو لڑکی نے پھر یہی کہا کہ آپ کے لڑکے نے مجھ سے یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، اور اب تو میرے نکاح سے باہر ہے، تیرا مجھ سے کوئی مطلب نہیں، میں نے تجھے آزاد کیا، تو یہ سن کر لڑکے کے والد نے یہ کہا کہ میں لڑکے سے اور پوچھ لوں، جب جواب دوں گا، جب شام کو انہوں نے لڑکے سے پوچھا تو لڑکے نے یہ کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے اور لڑکی کے بھائیوں کے سامنے بھی یہی الفاظ کہے کہ میں نے تمہاری بہن کو طلاق نہیں دی، لڑکی یہ کہہ رہی ہے کہ انہوں نے بہت زیادہ مارا اور طلاق دے کر گھر سے باہر نکال دیا، منھ میں طلاق دی، اب یہ مکر رہے ہیں اس کا میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، نہ ہی کوئی گواہ ہے، جو کہ میں لڑکے کے سامنے لاکر کھڑا کردوں۔ اب آپ بتائیے کہ لڑکی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: شہاب علی ولد نزاکت، نواب پورہ، باغ گلاب رائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب گلناز کا خود کہنا ہے کہ اس نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ اس کے شوہر نے اسے تین سے زائد مرتبہ طلاق دے کر گھر سے باہر نکال

دیا ہے، اور طلاق کے الفاظ اس نے خود سنے ہیں، تو ایسی صورت میں وہ اپنے شوہر کے لئے قطعاً حرام ہو چکی ہے اور اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب اس کے لئے شوہر کے پاس جانا قطعاً جائز نہیں ہے۔ اب اگر دونوں اپنی خوشی سے ساتھ رہنا چاہیں تو بغیر حلالہ شرعیہ کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۶)

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتویٰ علی أنه ليس لها قتله، ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أو تهرب . (شامي، كراچي، ۳/۲۵۱، زكريا ٤/٤٦٣، البحر الرائق، كوئٹه ۳/۲۵۷، زكريا ۳/٤٨، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۲/۲۱۸، زكريا ۳/۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷؍۸۷۲۷)

تین طلاق پر بیوی کے پاس کوئی گواہ نہیں

سوال [۶۸۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ میں تجھے کہدوں؟ لڑکی نے کہا کہدو، پھر کہا کہ میں تجھے کہدوں، لڑکی نے کہا کہدو، ''طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' اب صورت حال یہ ہے کہ لڑکا کہتا ہے کہ میں نے دو بار کہا تھا، لڑکی کہتی ہے کہ تین بار کہا تھا، کیا اس صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی ہے، تو کون سی طلاق مانی جائے گی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: ڈاکٹر عبدالقدیر، سکٹو نگلہ، ڈاکخانہ سرکڑا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جبکہ بیوی طلاق کے الفاظ کا تین مرتبہ کہنے کا

دعویٰ کررہی ہے اورشوہراس کا انکارکررہاہے اورمیاں بیوی میں سے کسی کے پاس شرعی گواہ بھی موجودنہیں ہیں، تو ایسی صورت میں شوہر کا قول کہ ”میں نے دومرتبہ کہا تھا“ معتبر ہوگا اوراس سے دوطلاق رجعی کاحکم ثابت کیاجائے گا،اوراگرواقع میں شوہرنے تین طلاق دیدی تھیں، جس کاعلم شوہرکوضرورہوگا،تواس کا گناہ شوہر پر ہوگا،عورت پرنہیں ہوگا۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/۴۶۰،فتاوی محمودیہ قدیم ۴/۱۰۱،جدید میرٹھ ۱۹/۲۵۰)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة، اشرفي ديوبند ٢/٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣، مختصر القدوري، امداديه ديوبند ١٧٧)

فإن حلف و لا بينة لها، فالإثم عليه. (شامي، كراچي ٣/٢٥١، زكريا ٤/٤٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۸/ذی قعدہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر:الف ۳۶/ ۷۳۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۷ھ

شوہر طلاق کا منکر ہواور بیوی اقرار کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال[۶۸۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اب سے تقریباً چھ سال قبل دوطلاق رجعی دیدی تھیں،جن کے بعدرجعت کرلی تھی،فی الحال دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوگیا،اب زید کہتا ہے کہ دوران نزاع میں نے یہ کہا کہ اگرتو طلاق چاہے،تو میں تجھ کوطلاق نہیں دوں گا؛جبکہ ہندہ یوں کہتی ہے کہ میرے شوہرنے یوں کہا کہ میں نے تجھے طلاق دیدی،تاہم ہندہ کے پاس گواہ نہیں ہیں اورزید ہندہ کے دعوے کاقطعی منکر ہے،مسئلہ کی نوعیت سے آگاہ فرمائیں، یہ صراحت فرمادیں

کہ زید پر یمین ہے یا نہیں؟ نیز اس سلسلہ میں ہندہ کو کیا کرنا چاہئے؛ جبکہ اس کو یہ پختہ یقین ہے کہ اس کے شوہر نے طلاق مغلظہ دے کر اس کو اپنے نکاح سے جدا کر دیا ہے؛ جبکہ فتاوی دارالعلوم جدید میں مذکور ہے کہ اس صورت میں بیوی شوہر کے پاس نہ جائے۔

(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۹/ ۲۶۹)

المستفتی: محمد وصی مدرس مدرسہ اشرف المدارس، ڈونگپوری، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر سوالنامہ میں درج شدہ واقعہ میں طلاق سے قطعی انکار کررہا ہے اور بیوی نے ازخود طلاق سن کر یقین کیا ہے کہ واقعی شوہر طلاق دے کر کذب بیانی سے کام لے رہا ہے اور عورت کے پاس اس کے ثبوت پر شرعی گواہ موجود نہیں ہیں، تو ایسے حالات میں پنچایتی لوگ شوہر کی تصدیق کے مکلّف ہیں اور پنچوں پر لازم ہے کہ شوہر کو بیوی کے ساتھ رہنے کا اختیار دیدیں اور ایسے حالات میں اگر نفس الامر میں شوہر طلاق دے چکا تھا اور بے دینی کی وجہ سے جھوٹی قسم اور جھوٹا بیان دے کر حرام شدہ بیوی کو اپنے پاس رکھتا ہے، تو سارا گناہ اور وبال شوہر پر ہوگا، اور بیوی اور پنچایتی لوگ وبال سے محفوظ ہوں گے؛ لیکن دوسری طرف شریعت نے بیوی کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ خلع وغیرہ کے ذریعہ سے ایسے شوہر سے جان چھڑا لے یا بھاگ جائے اور اگر کسی طرح جان چھڑانے پر قدرت نہیں رکھتی ہے، تو بیوی گنہگار نہیں ہوگی، اور ازخود بخوشی شوہر کے پاس رہنے سے عورت بھی شوہر کی طرح گنہگار رہوگی۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته، أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه، والفتوىٰ على أنه ليس لها قتله لها، ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب (إلي قوله) أنها ترفع الأمر للقاضي، فإن حلف ولابينة لها، فالإثم عليه . (شامي، كراچي،٣/ ٢٥١، مصري ٢/ ٥٩٤، زكريا

٤/٦٣ ٤، البحر الرائق، کوئٹہ ٣/ ٢٥٧، زکریا ٣/ ٤٨، تبيين الحقائق، امدادیہ ملتان ٢/٨ ٢١ ، زکریا٣/٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/صفر المظفر ١٤١٢ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٧/ ٢٥٥٠)

تعداد طلاق میں زوجین کا اختلاف

سوال [٦٨٣٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق اس طرح سے دی کہ ایک مرتبہ کہا کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا، دوسری مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی (یہ زید کے بیان ہیں) اتفاق سے زید کے بھائی جو کہ حافظ ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں، وہ گھر آ گئے، تو ان کی والدہ نے کہا کہ تیرے بھائی نے اس کو دو مرتبہ طلاق دی ہے، تو حافظ نے اپنی والدہ کے الفاظ سن کر زید کی زوجہ سے کہا کہ خاموش ہوجا، ابھی گنجائش ہے، تو زید کی زوجہ نے یہ کہا کہ مجھے اپنی قبر میں سونا ہے اور جو جھوٹ بولوں گی، تو ان کے بچوں کو کھاؤں گی، مجھے تو صبح سے کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں اور یہ الفاظ زید کی زوجہ کے حافظ صاحب اور والدہ نے اور دیگر عورتوں نے بھی سنے، پھر حافظ صاحب کی والدہ یا کسی اور نے یہ کہا یہ غلط کہہ رہی ہے، شام کو اس کا بھائی آ کر اسے لے گیا، تو اب یہ تحریر فرمائیں کہ کس کی بات کا اعتبار کیا جائے؟ زید کی بات کا اعتبار ہوگا یا زید کی والدہ کا اور بعد میں تحقیق سے پتہ چلا ایک عورت نے بتایا کہ میں اس وقت وہاں موجود تھی اور ایک غیر مسلم بھنگن تھی، شوہر نے طلاق کئی بار دی ہے، تو کس کی بات کا اعتبار ہوگا؟

(٢) کافی دنوں بعد زوجہ کا داماد بغیر کسی تحقیق کے خود ہی سوال لکھ کر نگینہ سے جائز ہونے کا فتویٰ لا کر اپنی خوشدامن کو اس کے باپ کے یہاں سے لے کر اس کے شوہر کے پاس چھوڑ گیا،

وہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں اور داماد نے اپنے سسر سے بیان بھی نہیں لیا، تو ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس فتویٰ کو تسلیم کیا جائے یا نہیں؟

(۳) اور اگر خدانہ کرے کہ اس کو طلاق مغلظہ پڑ گئی اور زید کسی کی بات کو حلالہ کے لئے نہ مانے تو زید کے ساتھ کھانا پینا شادی وغیرہ میں شریک ہونا گناہ تو نہیں ہے؟

(۴) حافظ صاحب کے سامنے جو زید کی بیوی نے بیان دیئے ہیں اور بہت سی عورتوں کے اور والدہ کے، ممکن ہوسکتا ہے کہ اس کے شوہر نے بھی سنے ہوں کہ مجھے تو کئی مرتبہ طلاق دے چکا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں زید کے بیان کے مطابق ایک طلاق رجعی واقع ہوئی اور ماں نے جو دو مرتبہ کہا ہے، شاید وہ دیدوں گا کے لفظ بھی طلاق سمجھ رہی ہے، اس لفظ سے طلاق نہیں ہوئی، باقی دوسروں کے بیان کا اعتبار نہیں ہے؛ اس لئے کہ ان سب کا بیان غیر مستقر اور غیر معین ہے۔ نیز اس سے نصاب شہادت پورا نہیں ہوا ہے؛ لہٰذا عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی زندگی گذارنا جائز ہوگا اور جواز کا جو فتویٰ لیا گیا، وہ بھی صحیح ہے۔

لو قال: أطلقک لم یقع. (سکب الأنهر في شرح ملتقي الأبحر، دارالکتب العلمية بيروت ۲/ ۱۴)

لو قال: بالعربية أطلق لایکون طلاقاً. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۳۸۴، جديد ۱/ ۴۵۲)

قال اللّٰه تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة، رقم الآية: ۲۸۲)

وما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال، مثل النکاح، والطلاق. (هداية، کتاب الشهادت اشرفي ديو بند ۳/ ۱۵۴)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، اشرفي ديوبند٢/ ٣٩٤، هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣)

حافظ صاحب کی امامت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۶۲۸)

زوجین کے مابین طلاق کے سلسلہ میں اختلاف ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [٦٨٣٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کی عدم موجودگی میں وقفہ وقفہ سے کچھ اس طرح تین طلاق دیں کہ جس وقت زید نے اپنی بیوی ہندہ کو پہلی طلاق دی تھی، اسوقت ہندہ حاملہ تھی، زید نے ہندہ سے کہا کہ آج میں نے تجھ کو پہلی طلاق دی، دوسری بار طلاق دیتے وقت ہندہ دوسری بار حمل سے تھی، اس وقت زید نے یوں کہا آج میں نے تجھ کو دوسری طلاق دی، تیسرے بچے کے حمل کے دوران زید نے تیسری طلاق دی تھی، اس وقت زید نے ہندہ سے یوں کہا کہ آج میں نے تجھ کو دوسری طلاق دی؛ حالانکہ اس سے قبل زید دو طلاق دے چکا تھا؛ لیکن تیسری طلاق کو دیتے وقت بجائے تیسری طلاق کے کہ آج تجھ کو دوسری طلاق دی، اس طرح کہا؛ جبکہ زید اب اس بات سے انکار کررہا ہے کہ میں نے ہندہ کو طلاق نہیں دی اور ہندہ کہہ رہی ہے کہ زید وقفہ وقفہ سے مجھے تین طلاق دے چکے، دونوں کے درمیان سوائے اللہ کے کوئی گواہ نہیں، تو کیا طلاق واقع ہوچکی؟

المستفتی: لیاقت علی، جل گاؤں (مہاراشٹر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دونوں کے درمیان کوئی گواہ نہیں ہے

اور شوہر طلاق کا منکر ہے اور بیوی اس کا دعویٰ کر رہی ہے، تو ایسی صورت میں شرعی طور پر شوہر کی بات معتبر ہوتی ہے، خدانخواستہ زید اگر واقع میں جھوٹا ہے، تو سارا گناہ اسی پر ہوگا۔

قال الله تعالیٰ: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ. (سورة البقرة: ٢٨٢)

ما سویٰ ذلک من الحقوق یقبل فیها شهادة رجلین، أو رجل، وامرأتین سواء کان الحق مالا، أو غیر مال، مثل النکاح، والطلاق. (هداية، کتاب الشهادت اشرفي دیوبند۳/ ١٥٤)

فإن حلف ولا بینة لها فالإثم علیه الخ. (شامی، کراچي ۳/٢٥١، زکریا ٤/٦٣ ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۲؍۴۵۸۹)

زوجین کے قول میں اختلاف ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی کے درمیان جھگڑ ہوا، جس میں شوہر نے بیوی سے کہا کہ میں تجھے اس مہینہ میں طلاق دیدوں گا، اس پر بیوی نے یہ کہا کہ تو مجھے ایک بار نہیں چھ بار طلاق دیدے؟ یہ سن کر شوہر نے کہا جا میں نے تجھے طلاق دی (یہ شوہر کے الفاظ ہیں اور بیان ہے) بیوی کا کہنا ہے کہ میرے الفاظ کے جواب میں شوہر نے یہ کہا کہ (جا میں نے تجھے چھ بار طلاق دی) اس واقعہ کے وقت صرف ان کی بیٹی موجود تھی، صورت مسئولہ میں شرعاً کتنی طلاق ہوئیں؟ شرعی حکم تحریر فرما کر عند اللہ ماجور رہوں۔

المستفتی: عبدالوحید قاسمی، ٹانڈہ ڈونکپوری، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مسئلہ میں شوہر اور بیوی دونوں کے بیان پر غور کیا گیا شوہر کے بیان کے اعتبار سے مذکورہ واقعہ میں صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، عدت کے اندر رجعت کرکے شوہر کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے۔

طلقني ثلاثاً، فقال:أنتِ طالق يقع واحدة (بـزازيه، زكريا ١/ ١١٨، وعلى ها مش الهندية، زكريا ٤/ ١٨٠)

امرأة قالت لزوجها: طلقني ثلاثاً، فقال الزوج :أنت طالق، أو قال فأنت طالق،يقع واحد. (تاتارخانيه زكريا ٤/ ٤٢٧رقم٦٥٩٢)

اور بیوی کے بیان کے مطابق تین طلاق واقع ہوں گی اور چھ میں سے تین کے ذریعہ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور باقی تین لغو ہے۔

سئل ابن عباسؓ، عن رجل طلق امرأته مائة فقال: ثلاث تحرم عليك امرأتك وسائرهن وزر اتخذت آيات الله هزوا (دار قطني ٤/ ١٠، رقم: ٣٨٨٠، مطبوعه دارالايمان، سهارنپور، السنن الكبرى للبيهقى، قديم ٧/ ٣٣٢، جديد دارالفكر بيروت ١١/ ٢٢٣، رقم: ١٥٣٥٢)

قال لها :أنت طالق واحدة فقالت :هزار ،فقال:هزار إن نوىٰ شيئاً فعلى مانوىٰ وإلا فلا شئ. (بزازيه، زكريا ١/ ١١٨، وعلى هامش الهنديه ٤/ ١٨١)

اب سوال یہ ہے، کہ کس کے بیان کا اعتبار کیا جائے تو اس سلسلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ جب عورت کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں تو شوہر کے بیان کے مطابق حکم شرعی نافذ ہوجائے گا اور اس کو رجعت کا حق حاصل ہوگا، لیکن اگر عورت نے اپنے کان سے چھ طلاق کے الفاظ سنے ہیں تو دیانۃً عورت کے لئے شوہر کے پاس جانا ہرگز جائز نہیں ہے اور **المرأة كالقاضي** کے اصول کے مطابق اس کو اپنے سنے ہوئے الفاظ کی وجہ سے شوہر کے پاس نہ جانے کا فیصلہ کر لینا چاہئے ورنہ عورت خود معصیت اور گناہ کی مرتکب ہوگی، اور خلع وغیرہ کے

ذریعہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کرلینا چاہئے۔

والمرأة كا لقاضى إذا سمعته أوأ خبرها عدل لايحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها؛ بل تفدي نفسها بمال، أوتهرب. (شامی، کراچی ۳/ ۲۵۱، زکریا ۴/ ۴۶۳، البحر الرائق، کوئٹہ ۳/ ۲۵۷، زکریا ۳/ ۴۴۸، تبیین الحقائق، امدادیہ ملتان ۲/ ۲۱۸، زکریا ۳/ ۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۰۵۹)	۱۳/ ۵/ ۱۴۳۱ھ

عدد طلاق کے بارے میں زوجین کا اختلاف

سوال [۶۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی تقریباً ایک سال پہلے ہوئی ہے۔ شادی کے تین، چار ماہ بعد مجھے یہ پتہ چلا کہ نکاح ومنگنی سے پہلے میری اہلیہ کا ایک لڑکے کے ساتھ موبائل فون پر بات چیت کی حد تک تعلق تھا۔ اس بات کی تحقیق کے لئے میں نے بذات خود اس لڑکے کو اس تعلق کے بارے میں پوچھا تو اس لڑکے نے جواب میں کہا، کہ نکاح ومنگنی سے پہلے میرا تمہاری اہلیہ کے ساتھ موبائل فون پر صرف بات چیت کی حد تک تعلق تھا۔ اس بات کی مزید تحقیق کرنے کے لئے میں نے اپنی اہلیہ سے تنہائی میں (جہاں ہم دو کے سوا تیسرا کوئی نہیں تھا) کہا کہ نکاح یا منگنی کے بعد تیرا اس لڑکے کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعلق نہیں رہا۔ میری اہلیہ نے کہا کہ اب میرا کوئی تعلق نہیں ہے تو اس جواب سے میں مطمئن ہو گیا اور ہماری ازدواجی زندگی حسب حال چلتی رہی، اس واقعہ کا تذکرہ کچھ دنوں کے بعد میری اہلیہ کی پھوپھی کے سامنے ہوا۔ اس وقت میں میری اہلیہ اور اس کی پھوپھی ہم تین ہی انسان موجود تھے۔ صرف اس واقعہ کا تذکرہ

ہوا اور بات آئی گئی ہوگئی۔ اور ہم دونوں تقریبا آٹھ ماہ تک خوش وخرم ازدواجی زندگی گذارتے رہے، اور فی الحال میری اہلیہ کو سات ماہ کا حمل بھی ہے۔

تقریباً آٹھ دس دن پہلے کی بات ہے کہ میرے سسرال والوں کے ساتھ کاروباری معاملہ پر میرا اختلاف ہوا اور بات تکرار کی حد تک بڑھ گئی؛ اور تکرار کے درمیان میرے گھر والوں نے میرے سسرال والوں سے کاروبار کے لئے دی ہوئی رقم کا مطالبہ کیا، تو اس تکرار والے روز سے لیکر یہ تحریر لکھنے تک میری اہلیہ اپنے ماں باپ کے گھر رکی ہوئی ہے۔

جب کاروبار والی رقم کا مطالبہ شدت کے ساتھ ہونے لگا تو آٹھ ماہ پہلے والی ایک شرطی طلاق کے بارے میں (جو میرے علم کے مطابق واقع بھی نہیں ہوئی) میری اہلیہ اور اس کی پھوپھی ایک طلاق کے بجائے تین طلاق کا دعوی کررہی ہیں۔ اور میں بحیثیت شوہر پورے وثوق کے ساتھ اللہ کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ کہہ اور لکھ رہا ہوں، کہ وہ ایک طلاق تھی اور وہ بھی شرطی۔ (میں الحمد للہ فارغ التحصیل ہوں اور طلاق کی نزاکتوں کو جانتا ہوں) تو میں حضرت والا سے پوچھنا چاہ رہا ہوں، کہ اس مسئلے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟

مذکورہ بالا اختلاف ''ایک'' یا ''تین'' طلاق کے بارے میں تحقیق کے لئے میرے پاس پانچ آدمی پہونچے، اور ہماری یہ مجلس ایک مسجد میں ہوئی، آنے والے پانچ آدمیوں میں سے دو آدمی جو میری اہلیہ کے چچا ہیں۔ انہوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا کہ تم نے تین طلاق ہی دی ہوں گی تم برابر یاد کرو؛ اس وقت بھی میں نے ان پانچ آدمیوں سے مسجد میں بیٹھ کر کہا کہ میں نے ایک ہی طلاق شرطی دی ہے۔ (اور میں یہ تحریر لکھتے وقت بھی کہہ رہا ہوں، کہ میں نے ایک ہی طلاق اور وہ بھی شرطی دی ہے) ان پانچ آدمیوں کے ساتھ میری جو مجلس ہوئی اس مجلس میں میری اہلیہ کے دو چچا مجھ پر تین طلاق کا دباؤ کررہے تھے اور کہہ رہے تھے، کہ تمہاری اہلیہ کی پھوپھی بھی تین طلاق کو ہی کہہ رہی ہے، اور تمہاری اہلیہ بھی تین طلاق کو کہہ رہی ہے؛ جبکہ آٹھ ماہ پہلے طلاق کا جو معاملہ ہوا تھا اس وقت میں اور میری اہلیہ ہی موجود تھے، اس وقت اس کی پھوپھی موجود بھی نہ

تھی۔

دوسری بات یہ کہ آٹھ ماہ قبل میں نے صرف ایک شرطی طلاق دی تھی، تو اب آٹھ ماہ کے بعد میری اہلیہ کس بنیاد پر تین کا دعوی کر رہی ہے، یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ان پانچ آدمیوں والی مجلس میں جب میری اہلیہ کے دونوں چچا تین طلاق پر زیادہ زور دینے لگے تو مجھے غصہ آگیا۔ اور میں نے اس وقت اپنے دوست سے ''رضوان'' کو (جوان پانچ آدمیوں میں سے ایک ہے) مخاطب کر کے کہا کہ، رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی (میرے گھر) چھوڑ جانا نہیں تو پڑ جائیگی۔۔۔انشاء اللہ۔

مذکورہ بالا الفاظ میں نے کہے ہیں۔۔اور اس مجلس کے پانچوں آدمیوں کا کہنا ہے کہ تم نے الفاظ کہے ہیں کہ'' رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی میرے گھر چھوڑ جانا نہیں تو دو طلاق پڑ جائیگی۔۔۔ان شاء اللہ۔ بولے ہو۔ اور میرا دعوی ہے کہ میں نے ''دو طلاق'' کے الفاظ بولے ہی نہیں۔ اگر ان پانچ آدمیوں کے کہنے کے مطابق، اگر میں نے دو طلاق پڑ جائیگی، کے الفاظ بولے ہوں تو کیا اس صورت میں طلاق ہوگی؟

یہ بات خاص طور پر ذہن نشیں رہے، کہ'' رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی (میرے گھر) چھوڑ جانا نہیں تو پڑ جائیگی۔۔ان شاء اللہ'' مذکورہ الفاظ بولنے کے بعد ایک دو سیکنڈ کے دقفہ کے بعد انشاء اللہ بولا ہوں۔

اب سوال یہ ہے کہ

(۱) میں نے جو شرطی طلاق دی تھی کیا وہ ہوگی؟

(۲) آٹھ ماہ بعد میری اہلیہ اور اس کی پھوپھی کا دعوی معتبر ہوگا یا میری بات کا اعتبار کیا جائے گا؟

(۳) پانچ آدمیوں والی مجلس میں میرے الفاظ'' رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی (میرے گھر) چھوڑ جانا نہیں تو پڑ جائیگی۔ ان شاء اللہ'' یہ الفاظ تو میں نے کہے ہیں، مجلس کے

پانچ آدمیوں کے الفاظ ''نہیں تو دوطلاق پڑ جائیگی'' یہ جو الفاظ کے بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہے، اس میں کس کی بات معتبر ہوگی، میری یا ان کی؟ الفاظ کا تکلم کرنے والا میں ہوں اور میں نے یہی الفاظ کہے ہیں کہ ''رضوان اس (اہلیہ) کو ابھی کی ابھی (میرے گھر) چھوڑ جانا نہیں تو پڑ جائیگی ۔ان شاء اللہ'' میں نے اپنے جملے میں دوطلاق کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے۔

امید ہے کہ مذکورہ بالا سوال کا تفصیلی جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور ہوں گے۔

المستفتی: مولوی محمد توصیف بن سلیمان، گودھرا (گجرات)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں بیٹھ کر جن پانچ آدمیوں سے گفتگو ہوئی ہے، ان میں سے، دو آدمی بیوی کے چچا ہیں اور ایک شخص خود شوہر کا دوست ہے، اور باقی دو کے بارے میں، کوئی صراحت نہیں کی ہے، اگر وہ دونوں غیر جانبدار ہیں اور شوہر سے ان دونوں کو کوئی دشمنی نہیں رہی ہے، تو ایسی صورت میں شوہر کے دوست اور ان دونوں آدمیوں کی شہادت معتبر ہوگی؛ لہٰذا نصاب شہادت اس معاملہ میں پورا ہوگیا، اگر بیوی کے دونوں چچاؤں کی شہادت کو معتبر نہ مانا جائے تب بھی دیگر لوگوں کی شہادت معتبر ہوگی، اور شوہر کا انکار معتبر نہ ہوگا، اس لئے مسجد میں تعلیق طلاق کا جو واقعہ پیش آیا ہے، اس واقعہ میں مذکورہ تینوں آدمیوں کی شہادت کی بنا پر دوطلاق رجعی واقع ہوگئی ہیں، اور طلاق کو ابھی ابھی شوہر کے گھر چھوڑ کر آنے پر، موقوف رکھا ہے، اور شوہر کے گھر نہ ابھی چھوڑ کر آیا اور نہ پورے دن اور نہ دوسرے دن چھوڑ کر آیا، لہٰذا تعلیق طلاق کی شرط کے پائے جانے کی وجہ سے دوطلاق رجعی واقع ہوچکی ہیں، اور فون پر بات کرنے سے متعلق اس لڑکے کا بیان جس سے بات ہوئی ہے، اور بیوی کا بیان متحد ہے، کہ نکاح اور منگنی کے بعد سے دونوں کے درمیان میں کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں رہا، اور شوہر نے کہا کہ اگر تعلق رہا ہو تو طلاق ہے؛ اور تعلق نہیں رہا ہے، اس لئے اس واقعہ میں کوئی طلاق نہیں ہوئی ہے لہٰذا صرف دوطلاق

رجعی پورے معاملہ میں واقع ہوئی ہیں، اس لئے عدت کے اندر شوہر کو رجعت کرنے کا حق ہے اور رجعت کر کے ازدواجی زندگی گذارنا جائز ہوگا، اور مسجد کے واقعہ میں تعلیق طلاق کے ساتھ دو تین سکنڈ کے بعد جوان شاء اللہ کہا گیا ہے، وہ اتنے فاصلہ کے بعد، معتبر نہیں ہے۔

عن الأعرج قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (لاتجوز شهادة ذى الظنة والجنة والجنة) الجنة الجنون والجنة الذى يكون بينكم وبينه عداوة. (السنن الكبرى للبهقى، كتاب الشهادت، باب لا تقبل شهادة خائن، دار الفكر بيروت ٢٧٥/١٥، رقم: ٢١٤٥٧)

لاتجوز شهادة الرجل على الرجل إذا كانت بينهما عداوة، قالوا: هذا إذا كانت العداوة بينهما فى شئ من أمور الدنيا. (تاتار خانيه، زكريا ٤٣٢/١١، رقم: ١٦٥١٢)

فإذا شهد شاهدان على رجل أنه طلق امرأته ثلاثا وجحد الزوج والمرأة ذلك فرق بينهما؛ لأن الشهادة على الطلاق تقبل من غير دعوى (تاتارخانيه، ١١٦/٥، رقم: ٧٤١٣)

أن يكون موصولاً بما قبله من الكلام عند عدم الضرورة حتى لو حصل الفصل بينهما بسكوت أوغير ذلك لايصح. (هندية، زكريا، قديم ٤٦٠/١، جديد ٥٢٥/١)

امرأته تطليقة رجعيّة، أوتطليقتين، فله أن يراجعها فى عدتها رضيت بذلك، أو لم ترض. (هندية، زكريا قديم ٤٧٠/١، جديد ٥٣٣/١)

إذا اضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط. (هداية، اشرفى ديوبند ٣٨٥/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۷۱۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۳ھ

شوہر کا چار گواہوں کے سامنے طلاق کا اقرار کرکے مکر جانا

سوال [٦٨٣٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انعام الحق کا بیان ہے، کہ میرے یہاں گھر تقریباً ایک ہفتہ سے کسی بات پہ لڑائی چل رہی تھی میرے والد کا مطالبہ تھا کہ بیوی کو طلاق دیدو، جب میں گھر آیا تو بات چل رہی تھی، تو معاملہ سلجھانے کے لئے محمد امان اللہ صاحب، جناب عبد اللطیف صاحب محمد عبد العزیز صاحب، اسمٰعیل صاحب آئے تھے، اندر جا کر میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم گھر چلی جاؤ، ورنہ تینوں طلاق دیدیں گے، میں نے کئی مرتبہ کہا اور باہر آکر میں نے لوگوں سے کہا کہ طلاق دیدی، نقل دستخط محمد انعام الحق۔

جناب عبد اللطیف صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگوں نے انعام الحق کو کہا کہ تم جاؤ اپنی بیوی کو سمجھاؤ، کہ تمہارے والد سے زبان درازی نہ کرے، اندر جا کر کیا کہا یہ ہمیں معلوم نہیں، باہر آکر اس نے بتایا میں نے طلاق دیدی، جب ہم نے کہا یہ کیا کہہ رہے ہو خاموش رہو تو اس نے کہا ہاں، ہاں، میں نے تینوں طلاق دیدیں اور میں بھی پھانسی لگا کر مر جاؤں گا۔

نقل دستخط گواہ، عبد اللطیف۔

اس بیان کی تائید جناب اسمٰعیل صاحب، وعبد العزیز صاحب نے بھی کی اور دستخط کردئے، نقل دستخط گواہان، عزیز احمد، محمد اسمٰعیل،

جناب امان اللہ صاحب نے فرمایا، مذکورہ بالا گواہوں کے بیان کی تصدیق کرتا ہوں ساتھ ساتھ اندر جا کر اپنی بیوی سے انعام الحق نے کہا کہ تم گھر چلی جاؤ میں نے تینوں طلاق دیدی، نقل دستخط، محمد امان اللہ،

اسماء خاتون زوجہ انعام الحق کا بیان ہے، کہ میرے شوہر آئے اور چابھی مانگی اور کہا تم گھر چلی جاؤ ورنہ تینوں طلاق دیدیں گے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سنا، نقل دستخط، اسماء خاتون۔

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں، طلاق ہوئی یا نہیں، اور کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ مدلل و مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: نذر تو حید مظاہری، دار الافتاء جامعہ رشید العلوم، چیترا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر چار گواہوں کے سامنے تین طلاق دینے کا اقرار کر چکا ہے؛ تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہونے کا حکم ثابت ہوگا، اور بعد میں اس کا انکار اور بیوی کا صیغہ استقبال کی شہادت دینا معتبر نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ١٠/١٣٦، امداد المفتیین کراچی ٥٩٧)

لو قیل لہ طلقت امرأتک، فقال: نعم أوبلی با لھجاء طلقت.

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الصریح، کراچی ٣/٢٤٩، زکریا ٤/٤٦٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
١٨ ربیع الثانی ١٤١٣ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٨/ ٣١٢٧)	١٨/٤/١٤١٣ھ

شوہر طلاق کا مقر اور گواہ منکر ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [٦٨٤٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ واحد عرف ببلو نے اپنی بیوی کو لڑائی جھگڑے کی وجہ سے تین بار طلاق دیدی اور واحد عرف ببلو تین مرتبہ طلاق دینے کا خود اقرار کر رہا ہے اور طلاق کے دو گواہ موجود تھے، گواہ مکر گئے اور اس کے سسرال والے نہیں مانتے ہیں، مگر وہ خود اقرار کر رہا ہے کہ میں نے تین طلاق دی ہیں، تو ایسی صورت میں شوہر کے اقرار کرنے کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ اور بیوی حاملہ ہے کیا حالت حمل میں طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

اورسسرال والے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اس کو تیرے پاس بھیجیں گے، ایسے طلاق واقع نہیں ہوتی ،شرعی مسئلہ کیا ہے واضح فرمادیں ۔

المستفتی: واحدعرف ببلو وارثی نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شوہر ببلو جب اپنی زبان سے بیوی کوتین طلاق دینے کا اقرار کررہا ہے، تو بیوی پرتین طلاق مغلظہ واقع ہوکرشوہر کے لئے قطعی طور پرحرام ہوگئی ہے، اب بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا اورشوہر کے اقرار کے بعد کسی قسم کے گواہوں کی بھی ضرورت نہیں اور میکہ والوں کا یہ کہہ کرلڑکی کوبھیجنے کی کوشش کرنا کہ ہم اس طلاق کونہیں مانتے ، ایسے طلاق واقع نہیں ہوئی ان کا یہ طرزعمل شرعًا ناجائز اورغلط ہے، ان کوایسا کرنا جائز نہیں ہے اورحالت حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے ۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية، كتاب الطلاق، باب الرجعة اشرفي بكڈپور ۲/۳۹۹)

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع. (هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة اشرفى بكڈپو ۲/۳۵٦)

ولو أقر بالطلاق كاذبًا أو هازلاً وقع قضاءً. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب في الاكراه على التوكيل بالطلاق كراچي ۳/۲۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رجب المرجب ۱۴۳٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱؍ ۱۲۱۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۱؍۷؍۱۴۳٦ھ

عورت کے پاس شرعی گواہ موجود ہوں تو شوہر کے قول کا اعتبار نہیں

سوال [۶۸۴۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک شخص زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں اور طلاق دینے کے وقت بیوی اور اس کے علاوہ چھ سات عورتیں وہاں پر موجود تھیں، اس کے بعد زید اپنے گھر سے اپنے دوست خالد کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، اس نے زید سے پوچھا کہ کتنی طلاق دی ہیں اور کیوں دی ہیں؟ زید نے کہا کہ تین طلاق دی ہیں بس ویسے ہی دیدیں کچھ مدت کے بعد زید طلاق کا منکر ہو گیا؛ لیکن زید کی بیوی اور اس کے طلاق دینے کے وقت جو عورتیں موجود تھیں وہ عورتیں گواہی دے رہی ہیں کہ اس نے ہمارے سامنے طلاق دی ہے، اسی طرح بیوی اور اس کا دوست خالد بھی کہہ رہا ہے کہ اس نے میرے سامنے تین طلاق اپنی بیوی کو دینے کا اقرار کیا ہے، لیکن زید اب کسی بھی طرح کی طلاق کا منکر ہے، تو مفتی صاحب بتائیے کہ کیا ایسی صورت میں زید کے انکار کے باوجود اور اس کے طلاق دینے کے وقت موجود عورتوں اور اس کی بیوی اور اس کے دوست کی گواہی کے پائے جانے کے باوجود کیا طلاق واقع ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد سالم، محلّہ ملانہ، امروہہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے چھ سات عورتوں کے سامنے بیوی کو تین طلاق دیں اور وہ عورتیں شہادت دے رہی ہیں اور زید نے خالد کے سامنے بھی اپنی بیوی کو تین طلاق دینے کا اقرار کیا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کے پاس ایک مرد اور دو سے زیادہ عورتوں کی شہادت موجود ہے، اب زید کے انکار کا اعتبار نہیں؛ بلکہ بیوی کے دعویٰ پر شہادت ہونے کی وجہ سے تین طلاق کے واقع ہونے کو معتبر مانا جائے گا بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے قضاءً و دیانۃً دونوں اعتبار سے طلاق واقع ہو چکی ہے، اب بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۲۴۲/۱۲)

ومنها الشهادة بغير الحدود والقصاص وما يطلع عليه الرجال وشرط فيها شهادة رجلين أو رجل، وامرأتين سواء كان الحق مالاً أو غير

مال كالنكاح، والطلاق، والعتاق، والوكالة والوصاية، ونحو ذلك مما ليس بمال. (هندية، ۳/ ٤٥١، زكريا جديد ۳/ ۳۸۸)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة اشرفی بکڈپو ۲/ ۳۵٦، عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، جديد ۱/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/ ۱۰۹۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۳۴ھ

طلاق کی تعداد یاد نہیں

سوال [۶۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فاطمہ بی کی شادی صلاح الدین سے ہوئی شوہر صلاح الدین نے مجھ کو طلاق دے دی ہے، طلاق کے بعد بھی وہ میرے ساتھ رہتا ہے کیا یہ درست ہے؟ شوہر کے ساتھ نہ رہنے پر ان کے گھر والوں سے خطرہ ہے، جہیز کا سارا سامان جبراً بیچ دیا، کیا طلاق کے بعد سامان شوہر کے لئے واپسی کرنا ضروری یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتية: فاطمہ بی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں طلاق کی تعداد کا ذکر نہیں ہے، اگر واقع میں تین طلاقیں دی گئی ہیں، تو بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے دونوں کا ساتھ رہنا بدکاری اور حرام کاری شمار ہوگا، شوہر کے گھر والوں کے خطرے سے تین طلاق کے بعد اس

کے گھر پر رہنا قطعاً جائز نہیں ہے، آپ کو اپنے میکہ چلے جانا چاہئے اور جہیز کا سامان ہر حال میں بیوی کی ملکیت ہے، شوہر کے اوپر اس کی واپسی لازم اور ضروری ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية، كتاب الطلاق، فصل فيما تحل به المطلقة اشرفی بکڈپو دیو بند٢/٣٩٩، عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ١/٥٣٥، شامي كراچي ٣/٤٠٩، زكريا ٥/٤٠، الفتاوى التاتارخانية زكريا ٥/١٤٨، رقم:٧٥٠٤)

إن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله الخ. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية كراچي٣/١٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣/ ربیع الاول ١٤٣٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ١١٩٤٢/٤١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٣/٣/١٤٣٦ھ

❍❖❍

(۱۹) باب الحلالة

حلالہ کی تفصیل اور اس کی شرائط

سوال [۶۸۴۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاقیں دیں، ہندہ اپنی عدت پوری کرچکی ہے، زید پھر ہندہ کو اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے؛ جبکہ زید نے صحیح حالت میں طلاق دی ہے، تو آپ یہ بتلایئے کہ زید اور ہندہ دوبارہ پھر کسی طرح سے شوہر بیوی بن سکتے ہیں؟ آیا دوسرے انسان سے نکاح کرنا پڑے گا؟ قدرے تفصیل فرمادیجئے۔

(۲) حلالہ کے واسطے شوہر بالغ یانابالغ کی کوئی قید ہے؟ اگر مطلقہ ہندہ نابالغ لڑکے کے ساتھ شب باشی کرے، تقریباً دس بارہ سال کا لڑکا تو شوہراول زید کی نکاح میں آسکتی ہے یانہیں؟

(۳) مراہق کس کو کہتے ہیں اور حلالہ کے واسطے دخول حشفہ اور انزال شرط ہے یا نہیں؟ تینوں سوالوں کا جواب بالتفصیل مرحمت فرمادیجئے۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: سخاوت علی، سرائے کجھور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے ہندہ کو تین طلاقیں دے دیں، تو اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح درست نہیں ہوگا اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گذار کر دوسرے مرد سے نکاح کر کے ہمبستر ہوجائے، پھر وہ مرد طلاق دیدے، تو دوبارہ عدت گذار کر شوہراول زید کے ساتھ نکاح درست ہوسکتا ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل

امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤ /٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

(۳) نابالغ شوہر سے ہمبستر ہونا کافی نہیں ہے۔

لو صغيرة لايجامع مثلها لا يحللها......وفي الأنفع: الصبي المراهق في التحليل كالبالغ، إذا جامعها قبل البلوغ، وطلقها بعد البلوغ؛ لأن الطلاق منه قبل البلوغ غير واقع. (هندية، باب الرجعة، زكريا قديم ١/٤٧٣، زكريا جديد ديوبند ١/٥٣٥)

(۴) مراہق اس کو کہتے ہے جو بالکل قریب البلوغ ہو، جماع پر باقاعدہ قدرت رکھتا ہو، اورحلالہ کے لئے دخول حشفہ شرط ہے، وانزال شرط نہیں ہے۔

والشرط الإيلاج دون الإنزال؛ لأنه كمال ومبالغة فيه إلى قوله: والصبي، المراهق في التحليل كا لبالغ لوجود الدخول في نكاح صحيح. فسر الصبي المراهق في الجامع فقال: غلام لم يبلغ ومثله يجامع. وفي المنافع: المراهق الداني من البلوغ، وقيل الذي تتحرك آلته ويشتهي الجماع. وفي فوائد شمس الأئمة: أنه مقدر بعشر سنين. (فتح القدير، باب الرجعة، فصل في ما تحل به المطلقة، دارالفكر بيروت ٤/ ١٨٠، كوئٹه ٤/٣٣، زكريا ٤/ ١٦٠، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/۱۸۶۸)

حلالہ کے لئے اسلام شرط ہے

سوال [۶۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کی شادی زید سے ہوئی، زید نے ہندہ کو طلاق دیدی، ہندہ نے بعد عدت بکر سے شادی کی ہندہ نے بکر کی بات چیت سے بھانپ لیا کہ یہ عیسائی ہے اور ایک وقت ایسا آیا کہ بکر نے ظاہر کردیا کہ وہ عیسائی ہے، ہندہ کا پہلا شوہر زید بڑی مشکل سے ہندہ کو بکر کے گھر سے لایا۔ اب ہندہ اور زید شادی کرنا چاہتے ہیں، اس نکاح کے صحیح ہونے کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر سے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عطاء الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں اگر بکر واقعی عیسائی تھا، تو ہندہ اور بکر کے درمیان سرے سے نکاح شرعاً ہوا ہی نہیں۔

لا يجوز تزوج المسلمة من مشركٍ ولا كتابي. (هندية، كتاب النكاح، باب المحرمات القسم السابع المحرمات بالشرك، زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۸۰، جديد ۱/ ۳٤۷)

اور اگر زید طلاق مغلظہ دے چکا تھا، تو اب زید کا ہندہ کے ساتھ نکاح کرنا اس وقت تک شرعاً صحیح نہیں رہے گا، جب تک کہ ہندہ کسی مسلمان مرد سے نکاح صحیح کر کے ہمبستری نہ کرے؛ کیونکہ عیسائی کی ہمبستری حلالہ کے لئے کافی نہیں۔

وإذا وطئها إنسان بالزنا، أو بشبهة لا تحل لزوجها لعدم النكاح. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، زكريا جديد ديوبند ۱/ ۵۳۵)

اور اگر زید نے طلاق مغلظہ نہیں دی تھی، تو اب دونوں کا آپس میں نکاح کرنا بلا حلالہ کے درست رہے گا۔

إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوج في العدة

وبعد انقضائها. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٢، جديد ١/ ٥٣٥، هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٨، رقم: ٧٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ شعبان المعظم ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳۵/۳۲)

دوبارہ مطلقہ سے نکاح کرنے کی ایسی شکل جس میں محلل اور محلل لہ مستحق لعنت نہ ہوں

سوال [۶۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے غصہ میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں، پھر میں بہت پریشان ہوں، میرے تین چھوٹے بچے بھی ہیں، لڑکی والوں سے منت سماجت کیا، تو انہوں نے بتایا کہ اگر کوئی فتوی لاؤ گے، تو کارروائی کی جائے گی؛ لہٰذا اگر کوئی شکل نکل سکتی ہو، جس میں محلل اور محلل لہ دونوں لعنت کے مستحق بھی نہ بنیں تو مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد جمشید، رام نگر، بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی آپ کے اوپر قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، اب شرعی حلالہ کے بغیر اس سے نکاح بھی جائز نہ ہوگا، حلالہ کی مذمت جو روایات میں آئی ہے، وہ اپنی جگہ قائم ہے، اس سے بچنے کے لئے صرف یہی شکل ہے کہ بیوی اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص سے شادی کرکے اسی کے پاس رہ جائے، پھر وہ شخص اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے، اس کے بعد آپ اس سے نکاح کرلیں، تو شرعی حلالہ بھی ہوجائے گا اور لعنت کی مذمت سے بھی بچ جائیں گے۔

عن جابرؓ و عليؓ قالا: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن المحلل

والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/٢١٣، دارالسلام رقم: ١١١٩، سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل، النسخة الهندية ١/٢٨٤، دارالسلام رقم:٢٠٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/٣٩٩)

يكره التزوج بشرط التحليل بالقول، بأن قال: تزوجتک على أن أحللک له، أوقالت المرأة: ذلک، لقوله عليه الصلوة والسلام: لعن الله المحلل، والمحلل له، أما لو نويا ذلک بقلبهما ولم يشترطا بقولهما فلا عبرة به. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥ر شوال المکرّم ١٤٣٣ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٩/ ١٠٧٩٦)

اس نیت سے نکاح کرنا کہ جماع کے بعد طلاق دیدے گا

سوال [٦٨٤٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص سے اس ارادہ سے نکاح کرایا جائے کہ تو صبح طلاق دیدینا، اگر کوئی لڑکی کو اس کے شوہر پر حلال ہونے کی نیت سے اس طرح نکاح کرے کہ صبح کو طلاق دے دیگا، تو وہ شخص اجر وثواب کا مستحق ہوگا کہ نہیں؟

المستفتی: محمد شہزاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس طریقہ سے حلالہ کرایا جائے تو بیوی شوہر

اول کے لئے بذریعہ نکاح حلال تو ہو جاتی ہے، مگر یہ شخص کسی قسم کے اجروثواب کا مستحق نہیں ہوسکتا؛ بلکہ آئندہ کے لئے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/٢١٣، دارالسلام رقم: ١١٢٠، سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، دارالسلام رقم: ١٩٣٤، مشكوة شريف ٢/٢٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/۳۵۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۵ھ

شوہر ثانی سے حلالہ میں زبردستی طلاق دلوانا

سوال [۶۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الیاس نے اپنی بیوی شمیمہ عرف شمیم کو طلاق مغلظہ دی، تقریباً دو سال پہلے، اب الیاس پھر شمیمہ سے عقد کرنا چاہتا ہے؛ لیکن شمیمہ الیاس سے عقد کرنے پر راضی نہیں تھی، عملیات کے زور پر اور سمجھانے پر شمیمہ کو راضی کرلیا گیا اور حلالہ کی شکل اختیار کی گئی اور الیاس کے پھوپھی زاد بہنوئی جن کا نسیم احمد نام ہے سے حلالہ کی غرض سے شمیمہ کا عقد کردیا گیا اور اس حلالہ والے عقد میں نسیم بیگ کی پہلی بیوی سلمیٰ کے والد گواہ تھے، شام کو عقد ہوا اور صبح بعد نماز فجر تین چار آدمیوں نے زبردستی طلاق دلوادی اور نسیم بیگ کی طلاق کے الفاظ تھے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے رہا ہوں اور یہ الفاظ تین مرتبہ کہلوائے؛ لیکن لوگ مطمئن نہ ہوئے اور انہوں نے دوسری مرتبہ شمیمہ کا نام لے کر طلاق دلوائی۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ نسیم بیگ

نے جو پہلے طلاق دی، وہ آیا شمیمہ جس سے حلالہ کیا گیا، اس کو واقع ہوئی یا نسیم بیگ کی پہلی بیوی سلمٰی کو واقع ہوئی؟ اور شمیمہ اب اپنے شوہر کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ الیاس کی نسبندی ہوگئی ہے اور وہ لاولد ہے اور شمیمہ کو بچوں کی آرزو ہے اور حلالہ کے وقت شمیمہ کے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ صبح ہوتے ہی نسیم بیگ سے طلاق لینی ہے، آپ کو صرف ایک مرتبہ حق زوجیت ادا کرنا ہے تاکہ الیاس سے نکاح کرنے کی گنجائش نکل آئے۔ اور نسیم بیگ سے شمیمہ کا نکاح اس شرط پر ہوا کہ صبح ہوتے ہی آپ کو طلاق دینی ہوگی۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ شمیمہ اپنے شوہر اول کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ نسیم بیگ نے جو پہلے طلاق دی وہ شمیمہ پر واقع ہوئی یا پہلی بیوی سلمٰی پر؟

المستفتی: انیس الرحمٰن مظاہری، گڑھوال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صبح کو طلاق دینے کی شرط پر نکاح کرنے اور پھر صبح کو زور دباؤ سے طلاق لینے والے گنہگار ہوں گے اور اگر نسیم نے شمیمہ سے ہمبستری کرلی ہے، تو ایسی صورت میں شمیمہ محمد الیاس سے عدت کے بعد عقد نکاح کرسکتی ہے، گناہ الگ چیز ہے اور حلالہ ہوجانا الگ چیز ہے۔

قال عقبة بن عامرؓ: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا بلى! يا رسول الله، قال: هو المحلل لعن الله المحلل والمحلل له. (ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، دار السلام رقم: ١٩٣٦)

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ٢١٣/١، دارالسلام رقم: ١١٢٠، سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل،

النسخة الهندية ۱/ ۲۸٤، دارالسلام رقم:٢٠٧٦، سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ۱۳۹، دارالسلام رقم:١٩٣٥)

يكره التزوج بشرط التحليل بالقول، بأن قال: تزوجتک على أن أحللک له، أوقالت المرأة: ذلک، لقوله عليه الصلوة و السلام: لعن الله المحلل، والمحلل له، أما لو نويا ذلک بقلبهما ولم يشترطا بقولهما فلاعبرة به. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت٢/ ٩١)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٔ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

نسیم بیگ سے شمیمہ کو طلاق دینے کا مطالبہ ہوا ہے، اس لئے شمیمہ ہی پر طلاق واقع ہوگئی ہے، سلمیٰ پر نہیں، جو الفاظ پہلے کہے وہ بھی شمیمہ کے حق میں ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف۳۱؍۳۸۵۳)

حلالہ میں مہر کا لزوم اور طلاق دینے کی شرط پر حلالہ

سوال [۶۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی اور عدت گذارنے کے بعد عمر سے اس کا نکاح کردیا اور عمر سے یہ کہہ دیا کہ نکاح کے بعد طلاق دیدینا؛ چنانچہ عمر اس لڑکی سے ایک رات ملا اور صبح میں طلاق دیدی، تو دوسرے شوہر پر مہر واجب ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نجم الدین، بھاگل پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس صورت میں عمر کے ذمہ مہر لازم ہو گیا؛ البتہ اس طرح طے کر کے نکاح کرنا شرعاً مذموم ہے۔ حضور نے ﷺ ایسے مرد وعورت پر لعنت فرمائی ہے۔

ويتأكد عند وطء، أوخلوة صحت من الزوج. (در مختار على الشامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچي ٣/١٠٢، زكريا ٣٣٣)

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/٢١٣، دارالسلام رقم: ١١٢٠، سنن أبى داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل، النسخة الهندية ١/٢٨٤، دارالسلام رقم:٢٠٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ ر صفر المظفر ١٤٢٢ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٥/ ٧٠٦٩)

حلالہ کی شرط پر نکاح کرنے کا حکم

سوال [٦٨٤٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبداللہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی؛ جبکہ بیوی کو ابھی معلوم نہیں ہے اور تین مہینہ پندرہ دن گذر چکے ہیں، کیا عبداللہ کی بیوی کی عدت گذری مانی جائے گی یا عدت گذارنے کے لئے بیوی کے علم میں طلاق کا لانا ضروری ہے؟

(٢) عبداللہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے چکا ہے؛ لیکن بیوی اس کے پاس آنا چاہتی ہے، اگر عبداللہ بیوی کو صورت مسئلہ بتا کر اپنے ایک درست سے نکاح کرادے، بغیر طلاق کی شرط پر اور عبداللہ کا دوست حلالہ کی غرض سے نکاح کرے اور دو یا تین دن بیوی کے ساتھ گذارنے کے بعد عبداللہ کے کہنے پر عبداللہ کا دوست طلاق دیدے اور عبداللہ کے گھر میں عدت

گذارنے کے بعد عبداللہ اس سے دوبارہ نکاح کرلے تو کیا اس عبداللہ کے دوست کا نکاح جائز ہوگا اور عبداللہ کے لئے اس کی بیوی جائز ہوسکتی ہے؛ جبکہ حدیث میں حلالہ کرنے والے اورحلالہ کرانے والے دونوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ نیز سعودی عرب سے چھپا ہوا قرآن اردو تفسیر میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ہندوستان میں جولوگ حلالہ کراتے ہیں بالکل غلط ہے، نکاح نہیں ہوتا ہے وہ زنا ہے اورشوہر کے لئے بیوی حلال نہیں ہوتی ہے، مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ دونوں مسئلوں کی وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد انس، سنیچر والی بازار، پاکبڑا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جب شوہر نے بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو اس سے بیوی کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے اورطلاق کے واقع ہونے کیلئے بیوی کو معلوم ہونا لازم نہیں ہے۔اور جب طلاق دیئے ہوئے تین مہینہ پندرہ دن ہوگئے ہیں، تو اگر اس مدت کے دوران طلاق کے بعد بیوی کو تین مرتبہ ماہواری آئی ہے اور بیوی تیسری ماہواری سے پاک ہوگئی ہے، تو بیوی کی عدت بھی پوری ہوگئی ہے۔

وقال الليث عن نافع رضـ كان ابن عمر رضـ إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين، فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا فإن طلقتها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيرك. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩٢، رقم:٥٠٦٥، ف:٥٢٦٤، مسلم شريف، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق البائن، النسخة الهندية ١/٤٧٦، بيت الأفكار رقم:١٤٧١)

عن محمد ابن إياس أن ابن عباس رضي الله عنهما، وأبا هريرة رضـ، وعبد الله ابن عمر وبن العاص رضـ، سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثاً، فكلهم، قال: لا، تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (أبوداؤدشريف، كتاب الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، النسخة الهندية ١/٢٩٩، رقم:٢١٩٨)

عدة الحرة للطلاق......ثلاثة أقراء أي حيض. (تبيين الحقائق امدادية ملتان ٣/٢٦، زكريا ٣/٢٤٨)

وهي في حق حرة تحيض لطلاق، أو فسخ بعد الدخول حقيقةً، أو حكماً ثلاث حيض كوامل. (در مختار، كراچي٣/٥٠٤، زكريا ٥/١٨١)

(۳) اگر بیوی کی عدت پوری ہوگئی ہے اوراس کے بعد دوسرے آدمی سے بغیر کچھ کہے اور بغیر کچھ شرط لگائے بیوی کا نکاح ہوجائے اوراس کے ساتھ ہم بستری ہوجائے اور ہم بستری کے بعد اس دوسرے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر کے طلاق دلوائی جائے یا وہ دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے، اس کے بعد کہیں بھی رہ کر وہ دوبارہ عدت گذارے، چاہے شوہر کے گھر میں یا میکے میں، اس طرح تین ماہواری کے ذریعہ سے عدت پوری ہوجائے ،تو اس کے بعد عبداللہ کا نکاح اس عورت کے ساتھ درست ہوجائے گا اور یہی حدیث پاک کے اندر صراحت کے ساتھ موجود ہے؛ ہاں البتہ طلاق دینے اور حلالہ کی شرط کے ساتھ دوسرے شوہر سے نکاح ہوا ہے اوراس نے ہمبستری کے بعد طلاق دیدی ہے، تو ایسی صورت میں دونوں گنہگار رہوں گے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن عقبة بن عامرؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا: بلى! يا رسول الله، قال: هو المحلل لعن الله المحلل والمحلل له. (ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، دارالسلام رقم:١٩٣٦)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الأخر. (نسائی شريف، النسخة الهندية٢/٨٤، دارالسلام رقم:٣٤٤٤)

عن عليؓ، قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن المحلل

والمحلل له. (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ماجاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/٢١٣، دارالسلام رقم: ١١١٩)

فإن تزوجها بشرط التحليل كره: أي يكره التزوج بشرط التحليل لقوله عليه الصلوة والسلام: لعن الله المحلل، والمحلل له الخ .

(مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٩٠-٩١، البحر الرائق، كوئٹه ٤/٥٨، زكريا٤/٩٧، شامي، زكريا ٥/٤٧)

وشرط أن يطأها الزوج الثاني؛ لأنه ثبت بإشارة الكتاب وبالسنة المشهورة، والإجماع. (تبيين الحقائق، امدادية، ملتان ٢/٢٥٨، زكريا٣/١٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍۱۱۳۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۱؍۱۴۳۵ھ

حلالہ کی نیت سے کئے گئے نکاح اور حلالہ کا حکم

سوال [٦٨٥٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں، اب وہ اپنے اس فعل قبیح پر نادم شرمندہ ہیں اور اسی لڑکی کو اپنے نکاح میں از سر نو لینا چاہتے ہیں؛ چنانچہ لڑکی اور لڑکا دونوں کے اہل خانہ کی رضا مندی سے بنیت حلالہ اس لڑکی کا عقد اس کے شوہر ہی کے خاندان میں ایک لڑکے سے گیارہ سو روپئے کے عوض کر دیا گیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حلالہ کی نیت سے (یعنی اس صورت میں جبکہ لڑکی لڑکا اور دونوں کے اہل خانہ ومتعلقین کو اس بات کا علم ہو کہ یہ نکاح صرف حلالہ کرنے ہی کے لئے ہو رہا ہے اور ہر جگہ اس کا چرچا بھی ہے) نکاح کا حکم کیا ہے؟ کیا اس طرح شرعاً نکاح ہو جاتا ہے اور اس طرح حلالہ درست ہو جائے گا۔

نیز یہ بات بھی دریافت طلب ہے کہ کیا گیارہ سو روپئے کے عوض نکاح ہوجائے گا؟ اگر نکاح ہوجائے گا تو شوہر پر کتنی مقدار میں مہر لازم ہوگا، یعنی مہر شرعی کی آج کے دور میں اقل مقدار کیا ہے؟

المستفتی: محمد فرمان ملک، جہانگیر آباد، دھام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف حلالہ ہی کی نیت سے نکاح ہونے میں گناہ ہوتا ہے؛ اس لئے کہ آپ ﷺ نے حلالہ کرنیوالے اور کرانے والے پر لعنت کے جملے استعمال کئے ہیں؛ لیکن اس طرح حلالہ کرانے کی صورت میں فی نفسہ حلالہ درست ہوجاتا ہے، اور اس طلاق کے بعد عدت پوری ہوجانے سے پہلے شوہر کے ساتھ نکاح بلا شبہ درست ہوجاتا ہے؛ لیکن حلالہ کی صورت میں دوسرے شوہر کے ساتھ ہمبستری لازم ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم: عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر. (نسائی شریف، کتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤)

عن عبدالله بن مسعودؓ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/ ٢١٣، دارالسلام رقم: ١١٢٠، سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، رقم: ١٩٣٥، سنن أبی داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل، النسخة الهندية ١/ ٢٨٤، دارالسلام رقم: ٢٠٧٦)

رجل تزوج امرأة، ومن نيته التحليل ولم يشترطا ذلک تحل للأول بهذا، ولايكره وليست النية بشيئ ولو شرطا يكره وتحل عند أبي حنيفة، وزفر رحمهما الله. (هندية، زكريا قديم ١/ ٧٤، جديد ١/ ٥٣٧)

اقل مہر کی مقدار دس درہم ہے، موجودہ زمانہ کے اعتبار سے اس کا وزن ۳۰ر گرام

٦١٨ رملی گرام یعنی دس گرام کے تولہ سے تین تولہ ٦١٨ رملی گرام چاندی ہے، اور تین تولہ ٦١٨ رملی گرام چاندی کی قیمت گیارہ سوروپئے سے زیادہ بنتی ہے؛ اس لئے گیارہ سوروپیہ مہر نہیں بنے گا؛ بلکہ تین تولہ٦١٨ رملی گرام چاندی کا قیمت مہر میں ادا کرنا لازم ہوگا اورادائے گی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔(مستفاد: ایضاح الطحاوی ٣/١٩٣)

وأقل المهر عشرة دراهم. (هداية اشرفى ديو بند ٢/ ٣٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ ذی قعدہ ١٤٣٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤٠/ ١١٢٧٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٣/ ١١/ ١٤٣٤ھ

طلاق کی شرط کے ساتھ حلالہ کرانا

سوال [٦٨٥١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے نکاح کیا ہندہ سے اور ان سے چار بچے ہیں، زید نے ہندہ کو تین طلاق دیدیں۔ اب زید دوبارہ ہندہ سے شادی کرنا چاہتا ہے، پھر زید ہی نے ایک شخص کو تیار کیا کہ تم ہندہ سے شادی کرلو، اس شرط پر کہ تم ہندہ کو ایک دو دن میں طلاق دیدوگے اورعدت کے بعد میں دوبارہ ہندہ سے نکاح کرلوں گا: یعنی حلالہ کی شکل اختیار کیا ،تو کیا اس طرح شرط لگا کر اول شوہر کو نکاح کرنے کا حق ہے یانہیں؟ اسی طرح دوسرے شخص کا شرائط کے ساتھ مقید نکاح کرلینا جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: عبد المنان متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر چند دن میں طلاق دینے کی شرط کے ساتھ نکاح کرے گا، تو شرط باطل ہوجائے گی نکاح صحیح ہوجائے گا۔ اورنکاح کے بعد دونوں ہی ہمبستر ہوجائیں، پھر ہمبستری کے بعد دوسرا شوہر طلاق دے دیتا ہے، تو ایسی صورت میں

عدت گذر جانے کے بعد پہلے شوہر کے لئے نکاح کرنا جائز ہو جائے گا، مگر اس طریقہ سے شرط لگا کر نکاح کرنا سبب لعنت ہے؛ بلکہ بلا شرط نکاح کرلیا جائے، پھر دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۹/۳۵۹)

قال عقبة بن عامرؓ: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا أخبركم بالتيس المستعار؟ قالوا بلى! يا رسول الله، قال: هو المحلل، لعن الله المحلل والمحلل له. (سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١٣٩، دارالسلام رقم:١٩٣٦)

عن جابرؓ و عليؓ قالا: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لعن المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/٢١٣، دارالسلام رقم: ١١١٩، سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في التحليل، النسخة الهندية ١/٢٨٤، دارالسلام رقم:٢٠٧٦)

وكره التزوج للثاني تحريما، كذا في البحر؛ لكن في القهستاني، وكره للأول والثاني لحديث لعن المحلل والمحلل له بشرط التحليل كتزوجتك على أن أحللك وإن حلت للأول لصحة النكاح وبطلان الشرط. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الرجعة، كراچي٣/٤١٤، زكريا ديوبند٥/٤٧، البحر الرائق، كوئٹه ٤/٥٨، زكريا ٤/٩٧، مجمع الأنهر، دار الكتب اللعلمية بيروت ٢/٩٠-٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۰۵۵/۳۷)

مطلقہ مغلظہ کا شوہر ثانی سے خلوت کے بعد شوہر اول سے نکاح کرنا

سوال [٦٨٥٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، عدت کے بعد عقد ثانی شوہر ثانی سے ہوا اور حلالہ کے لئے خلوت کرائی گئی؛ ہمبستری نہیں ہوئی، بغیر صحبت کے طلاق ہوگئی اور پھر عدت کے بعد شوہر اول سے نکاح کرلیا؛ لیکن عورت نے کسی سے نہیں بتلایا، تقریباً بیس سال کے بعد عورت نے کسی کتاب میں یہ مسئلہ دیکھا کہ بغیر صحبت کے حلالہ نہیں ہوتا ہے، مسئلہ زیر غور یہ ہے کہ اس وقت یہ شوہر و بیوی کیا کریں؟

مسئلہ کی وضاحت فرما کر مکمل و مدلل جواب عنایت فرما کر مشکور ہوں، اس وقت بچے جوان ہیں اور عورت حلالہ چاہتی ہے؛ لیکن شوہر چھوڑنا یا حلالہ نہیں چاہتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے تو حلالہ کرالیا ہے، تو نے اس وقت ہی کیوں نہیں بتلایا تھا، عورت کہتی ہے کہ مجھے مسئلہ کا علم نہیں تھا اب معلوم ہوا ہے، تفصیلی جواب چاہتے ہیں۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد ظفر سرائے، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ نکاح کرنا پہلے شوہر کے لئے اس وقت حلال ہوتا ہے کہ جب دوسرے شوہر کے ساتھ ہمبستری اور جماع عمل میں آجائے، محض خلوت کی وجہ سے شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہوتی؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں بیس سال تک ساتھ میں جو رہنا ہوا، اس میں وطی بالشبہ ہوئی اور اس سے جو اولاد ہوئی، وہ حلال اور ثابت النسب ہیں؛ ہاں البتہ معلوم ہوجانے کے بعد اب دونوں کا ساتھ رہنا جائز نہ ہوگا؛ بلکہ شرعی حلالہ لازم ہوگا۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱، صحيح مسلم،

كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، النسخة الهندية ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٠)

لاتحل مطلقة الثلاث للزوج الأول بمجرد خلوة الثاني؛ بل لا بد من وطئه بحديث العسيلة. (شامي، باب المهر، مطلب في أحكام الخلوة، كراچي ٣/ ١١٩، زكريا٤/ ٢٥٧، الهندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥)

بأن وطئ المطلقة بالثلاث (إلى قوله) بأن من وطئ امرأة زفت إليه وقيل له إنها امرأتک فهي شبهة في الفعل، وأن النسب يثبت إذا ادعاه الخ. (شامي، كراچي ٣/ ٥٤١، زكرياه/ ٢٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣٠ رمحرم الحرام ١٤٢٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٧ ر ٨٢٣٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٥/١/٣٠ھ

حلالۂ شرعی کی صحیح صورت

سوال [٦٨٥٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (الف) حلالۂ شرعی کی صحیح صورت کیا ہوسکتی ہے؟

(ب) مطلقہ سے بغرض حلالہ محض اس ارادے سے شادی کرنا کہ دو چار روز بعد طلاق دیدی جائے گی تاکہ وہ شوہر اول کی طرف لوٹ سکے جائز ہے یا نہیں؟

(ج) اگر کوئی شخص بغرض حلالہ نکاح کرتا ہے، پھر اس کی نیت بدل جاتی ہے اور وہ طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہے، تو اس صورت میں احکام شرعیہ کیا ہوں گے کیا فرض ہے؟ حلالہ کے لئے خلوۃ صحیحہ کافی ہے یا نہیں؟

(د) زید نے ہندہ سے بغرض حلالہ شادی کی دونوں کے درمیان کسی بھی طرح سے صحبت اور مباشرت کی نوبت نہیں آنے دی گئی اور گاؤں والوں نے جبراً زید سے طلاق

کا مطالبہ کیا زید جبریہ طلاق کے لئے تیار نہیں ہے زید کے اس رویہ پر گاؤں والوں نے اس کا مقاطعہ کرر کھا ہے، صورت مذکورہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

(ی) اگر زید ہندہ کو صحبت اور مباشرت کے بغیر طلاق دیتا ہے، تو ایسی صورت میں ہندہ اپنے شوہر اول کی طرف لوٹ سکے گی یا نہیں؟ تمام نکتوں پر واضح دلائل کے ساتھ مطمئن فرمائیں۔

المستفتی: محمد کبیر الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (الف) اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ مطلقہ ثلثہ کسی دوسرے سے نکاح صحیح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہو جائے، اس کے بعد شوہر ثانی اپنی مرضی سے طلاق دیدے اور پھر عدت بھی گذر جائے، تو شوہر اول کے لئے نکاح کرنا درست ہو سکتا ہے، بغیر صحبت کے حلالہ صحیح نہیں ہو سکتا ہے۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أوثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩)

(ب) یہ مکروہ تحریمی ہے اور حضور ﷺ نے محلل اور محلل لہ دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

عن عبدالله بن مسعود رضـ قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم: المحلل والمحلل له. (سنن الترمذي، كتاب النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، النسخة الهندية ١/٢١٣، دارالسلام رقم: ١١٢٠)

لیکن اس کے باوجود شوہر ثانی صحبت کر کے طلاق دے گا، تو شوہر اول کے لئے نکاح حلال ہو جائے گا۔

كما في الهداية: فإن طلقها بعد وطءها حلت للأول لوجود الدخول في نكاح صحيح. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٠٠)

(ج) اصل میں نکاح ایک عقدالعمری ہے جو کہ اس عورت کے ساتھ زندگی گذارنے کی نیت سے کرنا ضروری ہے؛اس لئے اس کوطلاق پر جبر کرنا ناجائز ہے؛ جبکہ وہ بھی سارے حقوق ادا کرنے کو تیار ہے، جبر کرنیوالے شرعاً ظالم کہلائیں گے،اورشوہر ثانی مظلوم ہوگا۔(مستفاد: فتاوی دالعلوم ۱۲۴/۸)

(د) صحبت: میاں بیوی ہمبستری میں جوفعل مخصوص کرتے ہیں اس کو کہتے ہیں خلوت صحیحہ کسی خالی جگہ یا کمرہ میں میں میاں بیوی تنہائی اختیار کرلیں بشرطیکہ کوئی مانع شرعی (روزہ ،نماز وغیرہ) نہ ہواور مانع حسی (صغر پن) نہ ہواوراسی طرح مانع طبعی (حیض ونفاس) بھی نہ ہوحلالہ کے لئے خلوت صحیحہ کافی نہیں ہے؛ بلکہ صحبت شرط ہے۔

(د) جبر کرنا جائز نہیں ہے،جیسا کہ ''ج'' میں گذر چکا ہے۔

(ی) عورت حلال نہیں ہوسکتی، جیسا کہ ''الف'' میں گذرا۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۳؍ ۲۱۷)

شرعی حلالہ کا طریقہ

سوال [۶۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تین بار سے زیادہ مرتبہ طلاق دیدی ہے، اب دونوں یہ چاہتے ہیں کہ دوبارہ ساتھ رہیں،تو شرعاً کس طرح رہ سکتے ہیں؟ مہر ادا نہیں ہوا ہے، اس کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں؟ ایک بچہ دوسال کا ہے، وہ کس کے پاس رہے گا اور خرچ کون دے گا؟

المستفتی: محمد اقبال، اتمل وہار، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے تین مرتبہ سے زیادہ طلاق دے دی ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ کلی طور پر حرام ہوگئی، اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو شرعی حلالہ کے بغیر رہنا جائز نہیں اور حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ طلاق کے وقت سے تین مرتبہ ماہواری گذرنے کے بعد بیوی دوسرے مرد سے شادی کرلے اور اسکے ساتھ ہمبستری بھی لازم ہے، اس کے بعد وہ شخص طلاق دیدے، پھر تین مرتبہ ماہواری گذرنے کے بعد آپ کے ساتھ نکاح جائز ہوسکتا ہے، مہر کا ادا کرنا آپ کے اوپر ہر حال میں لازم ہے اور بچے کا خرچ بھی آپ ہی کے اوپر لازم ہے اور بچہ ماں ہی کے پاس رہا کرے گا۔

عن سهل بن سعدؓ، في هذا الخبر قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأنفذه رسول الله صلى الله عليه وسلم. (ابو داؤد شريف، كتاب الطلاق، باب في اللعان، النسخة الهندية ١/٣٠٦، دارالسلام رقم: ٢٢٥٠، بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩١، رقم: ٥٠٦٠، ف: ٥٢٥٩، مسلم شريف، كتاب اللعان، النسخة الهندية ١/٤٨٩، بيت الأفكار، رقم: ١٤٩٢، نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب الرخصة في ذالك، النسخة الهندية ٢/٨٣، رقم: ٣٤٣١)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لاحتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤١١)

لايحل له أن ينكح التي أبا نها بالثلاث، وإن كانت المرأة حرة، وباثنتين إن كانت أمة حتى يطأها زوج غيرهٗ، بنكاح صحيح و تمضي عدتهامنه. (تبيين الحائق، امدادية ملتان ٢/٢٥٧، زكريا ٣/١٦٢)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين. (هندية، زكرياقديم ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠)

ونفقة الصغير واجبة على أبيه. (تاتارخانية، زكريا ٥/٤١٢، رقم:٨٣٣٣)

تربية الولد ثبت للأم. (در مختار، زكريا ٥/٢٥٣، كراچي ٣/٥٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۱۰۷۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۴ھ

حلالۂ شرعی کی صورت

سوال [۶۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تکرار ولڑائی کے دوران یہ کہہ دیا کہ ’’طلاق دی، طلاق دی طلاق دی‘‘ تین دفعہ کہا تو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ اگر اسے ساتھ رکھنا چاہیں تو کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: ابن حسن منصور پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تین دفعہ طلاق دی کے الفاظ کہہ دئے ہیں، تو اس سے تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی شوہر پر حرام ہوگئی ہے، اب بغیر حلالۂ شرعی کے دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔ اور حلالۂ شرعی کی صورت یہ ہے کہ بیوی کی تین ماہواری کے ساتھ عدت پوری ہوجائے اس کے بعد دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ہوکر اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ طلاق دیدے، پھر عدت تین ماہواری کے ساتھ گذر جائے، اس کے بعد پہلا شوہر نکاح کرسکتا ہے۔

عن عائشة رضـ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل

النبي صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، نسائی، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخةالهندية، ٢/ ٨٤، دار السلام رقم: ٣٣٤٠، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، النسخة الهندية ١/ ٤٦٣، بيت الأفكار رقم: ١٤٣٣)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍ ۹۴۲۴)

ہمبستری کے بغیر حلالہ نامکمل ہے

سوال [٦٨٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تھیں، اس کی عدت گذرنے کے بعد میں نے چاہا کہ اس سے رجوع کروں، اس کے گھر والوں اور ذمہ دار حضرات نے اس کا نکاح کردیا

ساری رات شوہر کے پاس رہنے کے بعد صبح کو اس نے طلاق دیدی، اب میری سابقہ بیوی مجھ سے کہتی ہے کہ شوہر مجھ سے ہمبستر نہیں ہوا، ذمہ دار حضرات کہتے ہیں کہ ہم نے نکاح کردیا چاہے وہ ہم بستر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو یہ وہ جانے، کیا وہ بیوی اپنے سابق شوہر کے لئے حلال ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: انظار النبی، سرائے جہانگیر، تمبا کو والان، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے تین طلاقیں دیدیں اور عدت کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اور رات میں خلوت ہوگئی، مگر ہمبستر نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا بغیر ہمبستری کے دوسرے شوہر کی طلاق کے بعد عدت گذار کر پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں ہوگا اور خاندان والوں کا یہ کہنا کہ ''ہم نے نکاح کردیا، چاہے وہ ہمبستر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ جانے'' اس کی وجہ سے پہلے شوہر کے لئے حل جدید ثابت نہیں ہوگی اگر پہلے شوہر سے نکاح کیا جائے گا، تو وہ نکاح درست نہیں ہوگا اور اس عورت کے سابق شوہر کے لئے حلال ہونے کے لئے یہ شکل ہے کہ دوسرے شوہر کی طلاق کے بعد عدت گذارے، پھر تیسرے شوہر سے نکاح کرے، اس کے ساتھ ہمبستری کے بعد وہ طلاق دیدے گا، تو پھر عدت گذارنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرنا درست ہوگا۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱)

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت زوجاً، فطلقها قبل أن يمسها، فسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا،

حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٠)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٩ ٢١، جديد زكريا ٣٧٦)

ولو اختلف الزوجان في التمكين من الوطء، فالقول لمنكرة؛ لأن الأصل عدمه. (الاشباه والنظائر، زكريا تحت قاعدة الأصل بقاء ما كان على ما كان ١٩٠)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديو بند٢/ ٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۱۰۹۹۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۳/۹ھ

حلالہ میں ہمبستری شرط ہے

سوال [۶۸۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کسی ناراضگی کی بناپر بیوی کو طلاق دیدی، وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور عدت گذاری، اب زید اپنی حرکت پر پشیمان ہے، وہ اپنی بیوی کی واپسی چاہتا ہے، لوگوں نے کہا کہ حلالہ کے علاوہ کوئی شکل نہیں ہے، زید پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر مسئلہ کا حل ڈھونڈھتا رہا کسی عالم نے بتایا کہ بیوی کو اس کے حوالے کردو وہ حلالہ کروالے گا؟ زید کا بھائی اس کے لئے آمادہ ہوگیا، اس کے بھائی کے ساتھ نکاح کرادیا گیا، پہلی شب وہ بھائی بیوی کے کمرہ میں نہیں سویا یعنی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی، اس کے بھائی نے بیوی کو طلاق دیدی

اورزید اس کے ساتھ نکاح کے لئے تیار ہوگیا، اب وہ عورت عدت گذار رہی ہے (سسرال میں یعنی شوہر کے چچا کے گھر) کیا عدت گذارنے کے بعد زید اس سے نکاح کرسکتا ہے؟

المستفتی: عبدالحفیظ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حلالہ کے لئے جب دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ہوگا، تو اس کے ساتھ ہمبستری بھی لازم ہے، بغیر ہمبستری کے نہ عورت پر دوبارہ عدت لازم ہے نہ ہی پہلے شوہر کیساتھ نکاح جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ۱۲/ ۳۸۱)

وسبب وجوبها (أي العدة) عقد النكاح المتأكد بالتسليم وماجرىٰ مجراه من موت، أو خلوة: أي صحيحة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب العدة، كراچي ٣/ ٥٠٤، زكريا ٥/ ١٨٠)

عن عائشة رضـ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، نسائی، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخةالهندية ٢/ ٨٤، درالسلام رقم: ٣٤٤٠، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، النسخة الهندية ١/ ٤٦٣، بيت الأفكار ١٤٣٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ شوال المکرم ١٤٢٦ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٨/ ٨٩٤٤)

حلالہ کی صحت کے لئے ہمبستری شرط ہے

سوال [۶۸۵۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صابر نے اپنی بیوی نھیا کو تین طلاق دیدیں، نھیا نے عدت پوری کی پھر نھیا کی سگی جٹھانی کے بھتیجے بھورے سے نکاح ہوگیا، ۱۰ر گھنٹہ کے بعد بھورے نے بغیر ہمبستری کے طلاق دیدی، تو یہ حلالہ شرعاً ہوایانہیں اور صابر کے ساتھ اس عورت کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد صابر، نیا گاؤں اکبر پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بھورے کے ساتھ ہمبستری نہیں ہوئی ہے، تو پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوئی؛ لہٰذا جب تک دوسرے شوہر سے صحبت نہ ہوجائے، اس وقت تک پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی؛ لہٰذا جب بھورے نے بغیر صحبت کے طلاق دیدی ہے، تو طلاق بائن ہوگئی اور چونکہ غیر مدخول بہا ہے؛ اس لئے کسی بھی آدمی کے ساتھ بغیر عدت کے نکاح کرسکتی ہے اوراس کے ساتھ صحبت ہوجانے کے بعد اگر وہ طلاق دیتا ہے، تو دوبارہ عدت گذارنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمود یہ ڈابھیل ۱۲/۳۸۱)

وسبب وجوبها (أي العدة) عقد النكاح المتأكد بالتسليم وماجرىٰ مجراه من موت، أو خلوة صحيحة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب العدة، كراچي ۳/۵۰٤، زكريا ٥/١٨٠)

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (دارقطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨)

اب جو پہلے شوہر کے ساتھ آگئی ہے، تو فوراً دونوں میں علیحدگی کردینا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۰۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۳/۱۴۲۰ھ

حلالہ درست ہونے کے لئے دخول لازم ہے

سوال [۶۸۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زینب کا نکاح زید سے ہوا تھا، تین بچے بھی ہیں، اس کے بعد زید نے تینوں طلاقیں دیدیں، پھر عدت کے بعد زینب کا نکاح عمرو کے ساتھ ہوگیا، اب زینب اور اس کا پہلا شوہر زید دونوں چاہ رہے ہیں کہ پھر ہم دونوں کا نکاح ہوجائے۔ نیز عمرو بھی طلاق دینے کے لئے تیار ہے، اب اس مسئلہ میں شریعت کی رو سے کیا کیا جاوے؟

المستفتی: جسیم الدین، برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زینب کا شوہر ثانی عمرو اگر دخول کر چکا ہے، اور اب وہ زینب کو طلاق دینا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق کے بعد عدت گذار کر زینب کا نکاح زید سے درست ہوگا۔ اور اگر عمرو سے دخول کی نوبت نہیں آئی ہے، تو زینب اپنے شوہر اول زید کے لئے حلال نہ ہوگی۔

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلی الله علیه وسلم: عن الرجل یطلق

امرأتـه ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الأخر. (نسائي، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤)

لاينكح مطلقة بها: أي بالثلاث حتى يطأها غيره. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب الرجعة، كراچي ٣/٤٠٩، زكريا ٥/ ٤٠)

ولاتحل الحرة بعد التطليقات الثلاث لمطلقها، لقوله تعالىٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ . [البقرہ: ٢٣٠]

من بعد الآية......إلا بعد وطئ زوج آخر......بنكاح صحيح......ومضى عدته أي عدة النكاح الصحيح بعد زواله بالطلاق في الزوج الثاني. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/ ٨٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۱۲۲)

حلالہ میں صحبت شرط ہے

سوال [٦٨٦٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ہندہ کو تین طلاق غصہ کی حالت میں دیدیں اور اس کے چھوٹے بچے بھی ہیں، اب زید نادم ہے کیا صورت ہوسکتی ہے کہ ہندہ زید کے پاس دوبارہ پہونچ جائے؟

(۲) زید نے ہندہ کو تین طلاق دیں اور بکر سے عقد ثانی ہوا، بکر نے ہندہ سے تنہائی میں پانی مانگا، ہندہ نے پانی دیا اور تھوڑا پانی پیا، اور بکر نے تین طلاق دیدیں، تو ایسی صورت میں کیا زید کے لئے ہندہ سے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہے؟

(۳) زید نے ہندہ کو تین طلاق دیں اور ہندہ کو حمل ہے اور زید نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا، کیا یہ کفارہ ہوسکتا ہے اور زید ہندہ کو دوبارہ اپنے نکاح میں لے سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں اور زید کی بیوی کا عقد ثانی بکر سے ہوا اور بکر زید کا ملنے والا ہے، لوگوں کے کہنے کے مطابق بکر نے طلاق دیدی، کیا یہ صورت جائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جوابات عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: عظیم الدین، موضع: گلنی، پوسٹ: تترہاٹ، مونگیر (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تین طلاق سے ہندہ مذکورہ پر تین مغلظہ طلاق واقع ہوگئیں؛ لہٰذا واپسی کی یہ شکل ہوسکتی ہے کہ ہندہ عدت گذار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور وہ شخص جب ہندہ کو وطی اور صحبت کے بعد طلاق دیدے اور ہندہ عدت گذار لے، تو اب زید ہندہ کو دوبارہ اپنے نکاح میں لے سکتا ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، أوثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هداية اشرفي ديوبند۲/ ۳۹۹)

(۲) حلالہ کے لئے صحبت شرط ہے، محض تنہائی میں پانی دینے سے حلالہ نہیں ہوا؛ لہٰذا ہندہ زید کے لئے حلال نہیں ہوئی۔

لم تحل له حتى......ويدخل بها ثم يطلقها. (هدايه، ۳۹۹/۲)

لقوله عليه السلام: أ تريدين أن ترجعي إلى رفاعة، قالت: نعم! قال: لا حتى تذوقي عسيلته و يذوق عسيلتك. الحديث. (بخاري شريف، كتاب الشهادت، باب شهادة المختبى ۳۵۹/۱، رقم: ۲۵٦۵، ف: ۲٦۲۹، مشكوة ۲۸٤/۱)

(۳) تین طلاق دینے کے بعد بطور کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے نہ کفارہ ہوتا ہے اور نہ بیوی شوہر کے لئے حلال ہوسکتی ہے، چاہے حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔

لقوله تعالىٰ: فَإِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنۡ بَعۡدُ حَتَّى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهُ. [سورة البقره: ۲۳۰]

وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع. (هداية، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۵۶)

(۴) اگر بکر شوہر ثانی نے عورت سے باضابطہ صحبت کرلی ہے، پھر لوگوں کے کہنے کے بعد طلاق دی ہے، تو عدت گذارنے کے بعد ہندہ زید کے لئے حلال ہوجائے گی اور اگر بغیر صحبت کے طلاق دی ہے، تو وہ زید کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

فإن طلقها بعد ماوطئها حلت للأول؛ لوجود الدخول. (هداية، اشرفي ديو بند ۲/ ۴۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۵۹۹۱/۳۴)

حلالہ کی ایک صورت

سوال [۶۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو غصہ میں تین بار طلاق دی اور یہ الفاظ کھلے دل سے تین بار کہے کہ میں نے تم کو طلاق دی، طلاق دینے کے بعد مرد اور عورت دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس کے لئے دونوں نے کوئی صورت نکالنے کی کوشش کی طلاق کے بعد عورت نے عدت کا وقت گزار کر اور اپنی خوشی سے عدت پوری ہونے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرلیا، نکاح کرتے وقت کوئی شرط کسی سے نہیں لگائی تھی، کچھ راتیں اس عورت کے ساتھ گذارنے کے بعد اور صحبت کرنے کے بعد دوسرے مرد نے اس عورت کو طلاق دیدی اور یہ الفاظ تین بار کھلے لفظوں میں دوہرائے ''میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی'' یہ الفاظ میں نے اور عورت نے سنے طلاق دینے کے اگلے دن پھر اس مرد نے اس عورت سے صحبت کی اور عورت سے کہا کہ میں نے تم کو خوشی سے طلاق نہیں دی تھی، صرف دکھانے کے لئے دی تھی اور میں نے تم سے صحبت دوبارہ

رجعت کرنے کے لئے کی ہے، تم میری بیوی ہو اور میں تم کو اپنی بیوی سمجھتا رہوں گا، یہ بات عورت نے کسی کو نہیں بتائی، یہ واقعہ ١٩٨٦ء میں پیش آیا تھا اور عورت اپنی عدت پوری کرتی رہی، عدت پوری کرنے کے بعد عورت نے اپنی خوشی سے پہلے مرد سے نکاح کرلیا۔ اب آپ یہ بتائیں کہ دوسرے مرد نے جو عورت کو طلاق دی تھی، وہ عورت پر پڑی یا نہیں؟ اور عورت نے بعد میں پہلے مرد سے جو نکاح کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟ اب عورت کس کی ہے اور کیا کرنا چاہئے؟ تفصیل سے اس بات کا حل لکھنے کی زحمت گوارہ کریں۔

المستفتی: مجتبیٰ علی، محلّہ: ویر بھدر، رشی کیس، دہرادون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کرنا اور دل سے طلاق دینا لازم نہیں ہے؛ بلکہ مذاق میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب طلاق مغلظہ تین بار طلاق دینے کی وجہ سے واقع ہوچکی ہے، تو اس کے ساتھ دوبارہ ہمبستری بالکل حرام تھی توبہ کرنا لازم ہے اور جب عورت نے عدت کے بعد شوہر اول سے نکاح کیا تو وہ نکاح شرعاً معتبر ہے، اگرچہ عورت نے شوہر ثانی کے ارادہ کو ظاہر نہ کیا ہو۔

ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل، ولو عبداً، أومکرهاً، أوهازلاً لایقصد حقیقة کلامه الخ. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کراچي ٣/٢٣٥، زکریا ٤/٤٣٨تا٤٤٣)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة......لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرهٔ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (هدایة اشرفي دیوبند ٢/٣٩٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٢ر ذی قعدہ ١٤١١ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٢٧/٢٤٥٢)

مطلقہ مغلظہ سے دوبارہ نکاح کرنا

سوال [٦٨٦٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی نے عرصہ پانچ سال پہلے زید سے طلاق لے لی تھی، اور زید نے اپنی بیوی کو اس کے مطالبہ اور ضد کرنے پر ہی زبانی اور تحریر میں تین طلاق دیدی تھیں، اب زید کی سابقہ بیوی اپنے کئے پر شرمندہ ہے اور دوبارہ زید کے نکاح میں آنا چاہتی ہے، تو کیا زید اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے اور بیوی بنا سکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ بتا کر مہربانی فرمائیں۔

المستفتی: ضیاء الرحمٰن قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پانچ سال قبل طلاق ہوئی ہے تو اس درمیان میں عدت بھی گذر چکی ہے، اب کسی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری اور صحبت ہوجائے، اس کے بعد وہ طلاق دیدے، پھر عدت گذرنے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ نکاح صحیح ہوسکتا ہے۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، نسائی، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخةالهندية ٢/٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٠، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها، النسخة الهندية ١/٤٦٣، بيت الأفكار ١٤٣٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٧٣، جديد ۱/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۸۲۴۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

مطلقۂ ثلاثہ سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرنا

سوال [۶۸۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں اور چار برس گذر گئے، پھر دونوں شادی کرنے پر راضی ہیں اور ابھی تک اس عورت نے کسی دوسرے مرد سے شادی نہیں کی ہے۔

المستفتی: محمد وسیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دونوں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو بغیر حلالۂ شرعی کے نکاح جائز نہ ہوگا اور جب طلاق کو چار سال ہوگئے، تو اس کی عدت بھی گذر گئی ہے، اب بلاتاخیر وہ عورت کسی مرد سے نکاح کرکے ہمبستر ہوجائے، اس کے بعد وہ مرد جب اس کو طلاق دے گا، تو عدت گذار کر شوہر اول سے نکاح کرسکتی ہے، اس کے بغیر نہیں۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠/ربیع الاول ١٤١۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣١/ ٣٩٣٧)

طلاق ثلاثہ کے بعد بلا حلالہ نکاح جائز نہیں

سوال [٦٨٦٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سلطان عمیم ولد عبد القیوم نے اپنی بیوی فرزانہ بیگم ولد علی حسین کو ایک ہی مجلس میں تین بار طلاق دی، تو کیا اب میں فرزانہ کو اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: سلطان عمیم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو تین بار طلاق دیدی ہے، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب اگر دوبارہ رکھنا چاہے تو حلالہ کے بعد ہی رکھ سکتا ہے بلا حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى

تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱؍۴۱۵۰)

بغیر حلالہ کے نکاح کرنا

سوال [٦٨٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد اظہر نے شہانہ پروین کو۱۵؍رمضان کو تین طلاق دیدی تھیں، پھر اس کے بعد ایک لڑکا ڈھائی مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہے، اب طلاق کو آٹھ مہینہ ہوگئے ہیں، اب شہانہ پروین بغیر حلالہ کے میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد اظہر الدین، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی کو تین طلاق دی جاچکی ہیں، تو بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی اور دوبارہ نکاح کے لئے صرف یہ شکل ہے کہ عدت گذرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح ہوجائے اور ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ طلاق دیدے اور دوبارہ تین ماہواری کے ساتھ عدت گذرجائے تو اس کے بعد اظہر الدین کے لئے شہانہ پروین سے نکاح کرنا جائز ہوجائے گا۔

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر. (نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، كذا في الهداية. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸؍۹۲۷۴)

مطلقہ مغلظہ سے بلا حلالہ نکاح درست نہیں

سوال [٦٨٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو ۲۰؍سال ہوگئے، میرے تین بچے ہیں، بڑی لڑکی ۱۸؍سال، دوسری ۱۶؍سال اور ایک لڑکا ۱۴؍سال کا ہے، میرا بیوی سے جھگڑا ہوا اور میں نے غصہ میں طلاق دیدی تین بار زبان سے ادا کردیا، کیا بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کرادیا جائے، اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ میں اپنے کئے ہوئے پر بہت نادم اور افسردہ ہوں۔

المستفتی: محمد شاہد، نئی سڑک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین بار زبان سے طلاق دیدی ہے، تو اس کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ کے لئے وہ قطعی طور پر حرام ہوگئی ہے، اب آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔ آپ اپنے کئے پر شرمندہ ضرور ہیں، مگر بغیر حلالہ کے بیوی حلال نہیں ہوسکتی۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

لو قال لزوجتہٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷۶)

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرۃ……لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہٗ نکاحاً صحیحاً ویدخل بھا، ثم یطلقھا، أو یموت عنھا. (ھندیۃ، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، ھدایۃ اشرفي دیوبند۲/۳۹۹، تاتارخانیۃ، زکریا ۵/۱۴۷، رقم:۷۵۰۳)

لایحل للرجل أن یتزوج حرۃ طلقھا ثلاثاً قبل إصابۃ الزوج الثاني. (ھندیۃ، زکریا قدیم۱/۲۸۲، جدید ۱/۳۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍۱۰۲۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۸ھ

مطلقہ مغلظہ سے بلا حلالہ نکاح کرنا

سوال[۶۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد تحسین ولد محمد یاسین محلّہ کرولا اسلام نگر کا رہنے والا ہوں، آج سے چار ماہ قبل اپنی بیوی زاہدہ پروین کو جھگڑا ہونے کی وجہ سے تین طلاق دے چکا ہوں، میری بیوی عدت گذار چکی ہے، میرے دولڑکے تین سال ۵؍سال کے ہیں اپنی غلطی پر نادم ہوں، اب اپنی بیوی سے بنا حلالہ کے نئی مہر کے ساتھ نیا نکاح کرنا چاہتا ہوں، اسلام کی روشنی میں میری رہبری فرمائیں۔

المستفتی: محمد تحسین، اسلام نگر کرولا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق دینے کے بعد بیوی شوہر کے لئے حرام ہوجاتی ہے اور اس کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ حلالۂ شرعی کرایا جائے؛

لہٰذا آپ کے لئے اس سے بغیر حلالہ کے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ١٢/ ٢٩٥، رقم: ١٣٤٢٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۶۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۱۱ھ

مطلقہ مغلظہ سے بلا حلالہ نکاح کا حکم

سوال [۶۸۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے والدین کی، زید سے کچھ نااتفاقی ہوگئی تو زید اپنے گاؤں سے نکل کر دوسرے شہر جانے لگا، تو اس کے والدین کرایہ کے لئے روپیہ دینے لگے، تو زید نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا، زید کے گاؤں کے لوگوں نے زید کو دوسرے شہر جانے سے منع کر دیا، زید نہیں مانا اور چلتا رہا، زید کی بیوی ہندہ بھی زید کے پیچھے چلتی رہی، زید نے ہندہ سے کہا تم گھر لوٹ جاؤ؛ لیکن ہندہ نہیں مانی اور وہ زید کے پیچھے چلتی رہی، زید بار بار منع کرتا رہا اور زید نے ہندہ سے کہا کہ دیکھو میں نے اپنی بیٹی ثریا کی قسم کھالی ہے کہ میں یہاں سے دوسرے شہر چلا جاؤں گا، پھر بھی ہندہ نہیں مانی پھر زید ہندہ کے ساتھ گھر لوٹ آیا اور گھر لوٹنے کے ساتھ ہی زید نے ہندہ سے کہا ایک سانس میں کہ ''تم کو ایک دو تین طلاق''، اس حالت میں ہندہ کو طلاق

واقع ہوئی یانہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی ہے، تو رجوع کرنے کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: عبدالقادر اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اب بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا، اب رجوع کی کوئی صورت نہیں، صرف حلالہ کرانے کی صورت ہوسکتی ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۳/ ۵۰۷۸)

تین طلاق کے بعد کفارہ دینے سے بیوی حلال نہیں ہوتی

سوال [٦٨٦٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بہن جس کی شادی ۱/ ستمبر ۲۰۰۴ء کو ہوئی تھی، شادی کے تیرہ ماہ بعد ۷/ اکتوبر ۲۰۰۵ء بمطابق ۱/ رمضان ۱۴۲۵ھ بروز جمعہ لڑکے یعنی میرے بہن کے شوہر کا اس کے گھر والوں سے تکرار ہوگیا، اس وجہ سے دونوں میاں بیوی یعنی میری بہن اور اس کے شوہر نے چھ دن تک کچھ کھایا نہیں اور گھر والوں سے ناراضگی رہی، جب یہ بات بہن کے جیٹھ یعنی

میری بہن کے بڑے بھائی کو معلوم ہوئی، تو اس نے میرے بہنوئی کو کچھ روپئے دیئے اور کہا آپ اپنا کھانا الگ پکانا شروع کر دو، جب بہن کی ساس کو معلوم ہوا کہ میرے بڑے لڑکے نے چھوٹے بیٹے کو الگ کھانا پکانے کے لئے کہا ہے، تو وہ بہنوئی کے پاس لڑتی ہوئی آئی اور بولی تم نے اگر اپنی بڑی بہن کے گھر جا کر اپنی بڑی بہن کو نہیں مارا ہوتا تو یہ تمہارے گھر کی ہوتی، اگر تمہارے سالے تمہاری بیوی کو آ کر ماریں تو تم اس کو رکھ لوگے؟

لڑکے نے کہا اگر آپ چاہتی ہیں کہ میں اسے چھوڑ دوں، تو چھوڑ رہا ہوں، یہ کہہ کر اس نے تین سے زائد مرتبہ طلاق دیدی، یہ بات ہمیں ۱۱ر گیارہ ماہ بعد ۲۹ر اگست ۲۰۰٦ء مطابق ۳ر شعبان ۱۴۲۷ھ کو معلوم ہوئی۔ لڑکی گھر آنے لگی ان لوگوں نے روک لیا کہنے لگے میاں بیوی کے جھگڑے میں طلاق نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا گھریلو لڑائی میں طلاق نہیں ہوئی ہے، لڑکی بعد میں بیمار بھی رہی اور میکہ بھی کم آئی، اس نے کہا میں اپنے گھر جا کر بتا دوں، انہوں نے کہا ہم نے معلوم کرلیا ہے، کفارہ ادا کر دیا ہے؛ لہٰذا پھر سے لڑائی جھگڑے گھر میں ہوئے، لڑکی کی برداشت سے باہر ہوگئے، دو ماہ سے زیادہ پریشان تھی، اس نے ان لوگوں کی بات پر یقین رکھتے ہوئے دین دار لوگوں سے مسئلہ معلوم کرلیا ہوگا، ۱۱ر ماہ تک کچھ نہیں بتایا۔

اس طلاق کی گواہ چار عورتیں ہیں۔

(۱) لڑکے کی ماں (والدہ)

(۲) بڑی جٹھانی

(۳) چھوٹی جٹھانی

(۴) نند بالغ ہے

دین کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل بتائیں۔ جزاک اللہ خیرا۔

نوٹ: بڑی بہن کی شادی پندرہ سال پہلے ہوئی تھی اور وہ تیرہ چودہ سال سے اپنے گھر رکی ہوئی ہے۔

المستفتی: محمد خالد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ماں سے تکرار کے دوران بیٹے نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ سے زائد طلاق دے دی ہے، تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اوراس کی بیوی اس پرحرام ہوگئی، آئندہ بلاحلالہ کے آپس میں ملنا بھی جائز نہیں اورطلاق دینے کے بعد کفارہ کے نام سے کچھ دینے سے طلاق معاف نہیں ہوتی، طلاق ہرحال میں طلاق ہی ہے، کفارہ اس کے لئے تلافی نہیں ہے، اور تین طلاق کے بعد حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی درست نہیں۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ٧٩١/٢، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١، مسلم شريف، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها، النسخة الهندية ٤٦٣/١، بيت الأفكار رقم:١٤٣٣، نسائي، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٨٤/٢، دار السلام رقم: ٣٤٤٠)

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٢١/٤، رقم:٣٩٣٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي بيروت ٢٩٥/١٢، رقم: ١٣٤٢٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. كذا في الهداية. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١، هداية

اشرفي ديوبند۲/ ۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۱۳۳)

بیوی کو تین طلاق دینے کے بعد بھی اس کے ساتھ زندگی گذارنا

سوال [۶۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں پھر اسی کے ساتھ رہنے لگا، دو سال کا عرصہ گذرنے کے بعد فتوی لینے کی خواہش ہوئی، اسی درمیان میں ایک لڑکا بھی پیدا ہوگیا، اب شریعت کے مطابق زندگی گذارنا چاہتا ہے، اس کا کیا طریقہ ہے؟ لڑکا میراث میں اس کے مال میں شریک ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبد الغفار قاسمی، لادھ کیسیہ، سمستی پور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق دیدینے کے بعد عورت کو بلا حلالہ کے اپنے پاس رکھنا قطعاً ناجائز ہے؛ لہٰذا اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ سے توبہ کرنا ضروری ہے، اب اگر آپ دوبارہ اس کو بیوی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں، تو حلالۂ شرعیہ ضروری ہوگا اور اس عورت کی عدت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر آپ اس سے حرام سمجھتے ہوئے ہم بستری کرتے رہے ہیں، تو ایسی صورت میں اس عورت کی عدت پوری ہوچکی ہے اور اس کا فوری طور پر کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اگر اس کو حلال سمجھتے ہوئے آپ نے اس سے ہمبستری کی ہے، تو آخری ہم بستری کے بعد جب تین ماہواری مکمل ہوجائیں، تو دوسرے مرد سے نکاح ہوجائے اور اس کے ساتھ ہم بستری بھی ہوجائے، پھر جب وہ طلاق دے دے اور اس کے بعد تین ماہواری گذر جائے، تو آپ اس سے

نکاح کر سکتے ہیں اور جو بچہ اس مدت میں پیدا ہوا ہے، وہ ثابت النسب ہے؛ لہٰذا وہ باپ کے مال میں میراث کا حقدار ہوگا۔

اتفقوا أن التوبة من جميع المعاصي واجبة سواء كانت المعصية صغيرة، أو كبيرة. (نووي، كتاب التوبة ۲/ ۳۵۴)

والحاصل أنه إن كتمه، ثم أخبر به بعد مدة، فالفتوىٰ على أنه لا يصدق في الإسناد؛ بل تجب العدة من وقت الإقرار سواء صدقته، أو كذبته، وإن لم يكتمه بل أقر به من وقت وقوعه، فإن لم يشتهر بين الناس، فكذلك. وإن يشتهر بينهم تجب العدة من حين وقوعه وتنقضي، إن كان زمانها مضى، وهذا إذا لم يكن وطئها بشبهة ظن الحل وإلا وجبت بالوطء عدة أخرىٰ وتداخلتا كما مر، وكذا كلما وطئها تجب عدة أخرىٰ فلا يحل لها التزوج بآخر مالم تمض عدة الوطء الأخير بخلاف ما إذا كان الوطء بلا شبهة، فإنه لا يوجب عدة لتمحضه زنا، والزنا لا يوجب عدة كما مر. (شامي، باب العدة، كراچي ۳/ ۵۲۲، زكريا ۵/ ۲۰۵)

من طلق امرأته ثلاثا، ثم أقام معها زماناً...... ولو وطئها وادعيٰ الشبهة، بأن قال: ظننت أنها تحل لي فإنها تستقبل العدة بكل وطأة تتداخل الأولىٰ.

(تاتارخانية، زكريا ۵/ ۲۳۸، رقم: ۷۷۵۰)

فإن المطلقة الثلاث يثبت النسب منها؛ لأنه وطء في شبهة العقد، فيكفي ذلك لإثبات النسب. (فتح القدير، دارالفكر بيروت ۵/ ۲۵۱، كوئٹه ۵/ ۳۴، زكريا ۵/ ۲۳۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۴۸)

إن ادعى النسب يثبت في الأولىٰ لا في الثانية إلا في المطلقة ثلاثاً بشرطه، وتحته في الشامية: وتحصل من هذا أنه إذا ادعىٰ الولد يثبت النسب سواء ولدت لأقل من سنتين، أو لأكثر، وإن لزم الوطئ في العدة

لوجود شبهة العقد. (شامي، زكريا٦/ ٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹ ر۱۰۶۰۳)

بیوی کو تین طلاق دے کر اس سے رجوع کرنا

سوال [۶۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی کو غلط تعلق کی وجہ سے صراحۃً تین طلاق دیدیں تھیں، مگر چند بچے چھوٹے چھوٹے تھے اسی عورت سے اور خاندان والوں نے بھی زور ڈالا کہ اپنی بیوی سے رجوع کرو؛ چنانچہ ایک عالم سے معلوم کیا، تو انہوں نے بلا حلالہ کے رجوع کروا دیا، اور وہ اب میرے یہاں ہے، اب حج کا ارادہ رکھتا ہوں، تو پھر علماء سے پوچھا، تو بولے کہ وہ عالم دوسرے مسلک کے تھے؛ اس لئے تم مسئلہ دریافت کرلو، ورنہ بہت گنہگار رہوگے: لہٰذا عرض ہے کہ صحیح طریقہ سے مسئلہ تحریر فرمادیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے ؟

المستفتی: محمد زبیر اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، جس عالم نے بلا حلالہ رجوع کرایا ہے وہ غلط ہے، اس سے حرام کاری ہورہی ہے، فوراً بیوی سے الگ ہوجائیں، بغیر شرعی حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بھی درست نہیں۔

عن عائشة رضـ **قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه.** (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

عن ابن عمرؓ، أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ۱۲/ ۲۹۵، رقم:۱۳۴۲۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۶/۷۸۷۲)

مطلقہ مغلظہ کا بلا حلالہ نکاح کرانا

سوال [۶۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میاں بیوی میں کسی بات پر کہاسنی ہورہی تھی، میاں نے غصہ میں آکر اسے تین بار طلاق دیدی طلاق دئے ہوئے تقریباً ایک سال ۲؍ ماہ کا عرصہ ہوگیا، لڑکی اپنے والدین کے یہاں پر ہے، لڑکی کے والد کہتے ہیں کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح اسی میاں کے ساتھ کروں گا، تو ایسی صورت میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد القیوم، کندرکی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اپنی بیوی کے لئے تین مرتبہ طلاق دی کے الفاظ استعمال کیے ہیں، تو اس سے زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی۔ اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو بغیر حلالۂ شرعی کے نکاح کرنا درست نہیں ہے، جب دو سال پہلے کا یہ واقعہ ہے، تو عدت گذر گئی، اب کسی دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس سے ہمبستر ہوجائے،

پھر وہ شخص طلاق دیدے، اس کے بعد دوبارہ عدت گذار کر اس پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کر کے رہنا درست ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلی اللہ علیه وسلم عن الرجل یطلق امرأته ثلاثاً، فیتزوجها الرجل، فیغلق الباب، ویرخي الستر، ثم یطلقها قبل أن یدخل بها، قال: لا تحل للأول حتی یجامعها الآخر. (نسائي شریف، کتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندیة ٢/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٣٤٤٤)

ولو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثاً. (الأشباه والنظائر قدیم ٢١٩، جدید زکریا٣٧٦)

وإن کانت الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرهٔ نکاحاً صحیحاً ویدخل بها، ثم یطلقها، أو یموت عنها. (عالمگیري، زکریا قدیم ١/ ٤٧٣، جدید ١/ ٥٣٥، هدایة اشرفي دیوبند ٢/ ٣٩٩، تاتارخانیة، زکریا ٥/ ١٤٧، رقم: ٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥/ ذی قعدہ ١٤٢٤ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٨١٨٩/٣٧)

مطلقہ ثلاثہ سابق شوہر کے حق میں اجنبیہ ہے

سوال [٦٨٧٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ زید کی چچی زاد بہن ہے، ان دونوں کا نکاح آپس میں ہوا تھا، کسی وجہ سے ہندہ مغلظہ ہوگئی اور ہندہ کی شادی دوبارہ ہوئی نہیں حلالہ کے لئے؛ لیکن ہندہ اپنے شوہر سے بلاتکلف بات چیت کرتی ہے کھانا وغیرہ سب کام کرتی ہے حتی کہ خلوت حاصل کرتی ہے،

ہندہ کے سسر وغیرہ بھی اس سے متمتع ہوتے ہیں، ہندہ کے لئے درست ہے کہ بغیر حلالہ کئے یہ سب کام کرے اور اس کے شوہر سسر وغیرہ کو اس سے انتفاع حاصل کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرم متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہندہ پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، تو اس کا شوہر کے پاس جانا اور اس سے بات چیت کرنا اور اس کے سامنے آنا جانا سب ناجائز ہے، ان دونوں کے درمیان شرعی پردہ واجب ہے، یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے لئے اجنبی اور غیر ہیں، اگر ساتھ رہنا چاہیں تو حلالۂ شرعی کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے، اس کے بغیر نہیں۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩ ربیع الاول ١٤١٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣١/٣٨٩٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٩/٣/١٤١٥ھ

فالج کی بیمار مطلقہ کو اپنے پاس اس مقصد سے رکھنا کہ اب اس سے کون نکاح کرے گا

سوال [٦٨٧٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیدی ہیں اور ان

دونوں کی کچھ حالت اس طرح ہے کہ فالج کا اثر کئی مرتبہ ہو چکا ہے اور ان کو اپنے گھر کوئی رکھ بھی نہیں سکتا اور اب وہ چاہتے ہیں کہ رجوع ہو جائیں؛ اس لئے دہلی میں ایک مفتی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا امام شافعیؒ کے مسلک میں کچھ گنجائش ہے کیا یہ صحیح ہے؟

المستفتی: محمد سلیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حسب تحریر سوال مذکورہ شخص کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں، اب حلالۂ شرعیہ کے بغیر میاں بیوی کا آپس میں زوجیت کا تعلق رکھنا حرام ہے اور امام شافعیؒ کے مسلک میں تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے بیوی کو رکھنے کی جو گنجائش سوال نامہ میں لکھی ہے، ہماری نظر سے نہیں گذری۔

وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث. (شامي، كراچي ٣/٢٣٢، زكريا ٤/٤٣٤، فتح القدير، دارالفكر بيروت ٣/٦٩، كوئٹه ٣/٣٣٠، زكريا ٣/٤٥١)

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢/ربیع الاول ١٤٢٨ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٨/٩١٩٩)

طلاق مغلظہ کے بعد دونوں کا ایک ساتھ رہنا

سوال[۶۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الف کی شادی ذال کے ساتھ ہوئی تھی، یہ شادی دونوں طرف کے والدین کی زورزبردستی اور چالاکی کی بناء پر ہوئی تھی، الف نے ذال کو منظور تو کرلیا؛ لیکن دل پہ پتھر رکھ کر الف اور ذال کے چار بچے پیدا ہوئے، اس کے بعد الف کے والد کا انتقال ہوگیا، باپ کا ڈر جاتا رہا، تو الف نے میم نام کی عورت سے نکاح کرلیا اور ذال بھی رہتی رہی، ذال کے بھائیوں کو یہ بات بری لگی، وہ اپنے ہمدرد نیتا جی کو لے کر الف کے گھر آئے باتوں باتوں میں غصہ میں آکر الف نے ذال کو ذال کی غیر موجودگی میں تین طلاق بول دیں، یعنی ذال کے بھائیوں اور ہمدرد کی موجودگی میں، ذال کے بھائی گھبرا کر بھاگ گئے اور ذال الف کے گھر میں بیوی کی حیثیت سے رہتی رہی، میم بھی رہتی رہی، کچھ سال بعد ذال کے بیٹے بڑے ہوگئے اور وہ اپنی ماں کو اپنے ساتھ رکھنے لگے، الف اپنی بیوی میم کے ساتھ رہنے لگے، جان کاری یہ کرنی ہے کہ الف اور ذال کے رشتے کیا شوہر بیوی کے ہیں یا طلاق ہوچکی ہے، الف اور ذال میاں بیوی بن کر رہنا چاہیں تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اظہار الحسن، رٹائرڈ اے، ڈی، او، کنگ پر لیس کے سامنے شیدھی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ذال پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، دونوں کا میاں بیوی کے طور پر ایک ساتھ رہنا قطعاً حرام ہے، دونوں میاں بیوی بن کر رہنا چاہیں تو حلالۂ شرعیہ کے بعد ہی رہ سکتے ہیں۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ۱۲/ ۲۹۵، رقم:۱۳۴۲۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵، شامي، كراچي ۳/ ۴۰۹-۴۱۰، البحر الرائق، زكريا ۴/ ۹۴، كوئٹه ۴/ ۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۸۶)

مطلقہ ثلاثہ کا شوہر کے ساتھ رہنا حرام ہے

سوال [۶۸۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی کو دو سال ہوگئے ہیں، میری بیوی کے ماں باپ نہیں ہیں، یہی سوچ کر میں نے شادی کی تھی، یتیم بچی ہے ہمدردی میں، لیکن معاملہ برعکس نکلا اس کی شروع سے یہ ضد تھی کہ گھر والوں سے کوئی تعلق نہیں رکھو گے، شادی کے ۸؍دن بعد سے ہی ہم دونوں میں جھگڑا ہونے لگا، میں نے ہر چند سلجھانے کی کوشش کی ہر طرح سے سمجھایا الگ رہنے پر بھی راضی ہوگیا؛ لیکن بہت سی ایسی باتیں ہیں، جن کی وجہ سے ہمارا مزاج نہیں مل پایا، بالآخر ایک دن میں نے اس سے کہہ دیا ''طلاق، طلاق، طلاق'' تین مرتبہ ۲۰۱۴/۷/۱۶ء کو طلاق دی، لیکن اس کے گھر والے چچا وغیرہ نے میرے گھر واپس بھیج دیا ہے، میں ان سے کہہ چکا ہوں کہ میں نے اس کو طلاق دیدی ہے، اب وہ میرے ساتھ رہتی ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد نسیم، محلّہ: چھوٹی منڈی، کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپس میں نزاع اور اختلاف کی وجہ سے تین طلاق دینے کا شوہر خود اقرار کر رہا ہے؛ اس لئے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ شوہر کے لئے قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، اب دونوں کے درمیان بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہیں ہوگا۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

أما المطلقات الثلاث فحكمها الأصلي هو زوال الملك وزوال حل المحلية أيضاً حتى لا يجوز له نكاحها قبل التزوج بزوج آخر. لقوله تعالى: فإن طلقها فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. (بدائع الصنائع، زكريا٣/٢٩٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۱/۱۱۶۷۴)

تین طلاق کے بعد شوہر کے ساتھ رہنا

سوال [۶۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نام مہر بانو ہے، میرے شوہر کا نام محمد مشاہد حسین ہے، میری شادی ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی، اس درمیان میں میرے شوہر نے اپنے پورے ہوش وحواس میں مجھے ایک شخص کے سامنے جس کا نام اکبر علی ہے اور ہمارا کارڈ رائیور ہے اور چند آدمی محلّہ کے کئی بار

تین تین بار ''طلاق، طلاق، طلاق'' کہا اور کہا کہ میں نے تم کو بہت سوچ سمجھ کر کہا ہے، کیا شرع محمدی کے حساب سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ کیا میرا اپنے شوہر کے ساتھ رہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتیة: مہر بانو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے جب پہلی مرتبہ کہا کہ ''طلاق، طلاق، طلاق'' تو اس سے تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اور نکاح ختم ہوگیا، اب شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے اور جتنے دن اس کے ساتھ رہی ہے، یہ حرام کاری اور زنا ہے، دونوں کو گناہ کبیرہ سے صدق دل سے توبہ کرنا لازم ہے اور عورت فوراً شوہر سے الگ ہوجائے۔

لو قال لزوجتہٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۲۱۹، جدید زکریا ۳۷۶، ہندیة، زکریا قدیم۱/ ۳۵۵، جدید ۱/ ۴۲۳)

اور حلالہ شرعی کے بغیر دونوں میں ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتین في الأمة لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہٗ نکاحاً صحیحاً ویدخل بھا، ثم یطلقھا، أویموت عنھا. (ھدایة اشرفي دیوبند۲/ ۳۹۹، ہندیة، زکریا قدیم ۱/ ۴۷۳، جدید ۱/ ۵۳۵، البحر الرائق کوئٹہ ۴/ ۵۶، زکریا ۴/ ۹۴، در مختار، کراچي۳/ ۴۰۹، زکریا ۵/ ۴۰ تا ۴۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۷۳۲)

طلاق ثلاثہ کے بعد بھی شوہر کے ساتھ رہنا

سوال [۶۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ کچھ وجھوں سے میرے اور میرے شوہر کے تعلقات اچھے نہیں رہے، دسمبر ۱۹۹۵ء کو غصہ میں میرے شوہر نے تین مرتبہ مجھ سے کہا کہ ''میں نے تم کو طلاق دی، دوسرے دن یہ واقعہ میں نے اپنے سسر سے بتایا، انہوں نے کہا کہ اگر یہ صورت حال ہے، تو تم کو طلاق ہوگئی اور تم کو اپنے شوہر سے الگ رہنا چاہئے، پھر انہوں نے مجھے دو دن شوہر سے الگ رکھا، پھر شوہر سے اس بات کی تحقیق کی تو وہ صاف انکار کر گئے کہ انہوں نے تین مرتبہ کہا تھا، انہوں نے کہا: کہ میں نے دو مرتبہ کہا تھا؛ جبکہ میں نے اپنے کانوں سے تین مرتبہ ہی سنا تھا، پھر میرے سسر نے کہا کہ اگر یہ دو مرتبہ کی بات کہہ رہا ہے تو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں تم دونوں ساتھ رہ سکتے ہو، میں نے کہا چونکہ میں نے اپنے کانوں سے تین مرتبہ ہی سنا ہے، تو اب جو کچھ گناہ ہم پر ہوگا، اس کی ذمہ دار میں نہیں؛ کیونکہ آپ میری بات نہیں مان رہے ہیں، اس طرح ہم ساتھ رہنے لگے؛ لیکن تعلقات پھر بھی اچھے نہیں رہے، ان کی کچھ نا قابل برداشت باتوں کے سبب میں نے ۱۹۹۸ء کو وہ گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور میں اپنے شوہر کو بتا کر آئی تھی کہ دوبارہ اس گھر میں نہیں آؤں گی۔ اس واقعہ کو تین سال کا عرصہ گذر چکا، جب سے آج تک میں اپنے میکہ میں ہوں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتیة: اسماء بنت محمد رئیس، محلّہ: پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب آپ نے اپنے کانوں سے تین مرتبہ طلاق کا لفظ سنا تھا، اس پر آپ کے سسر نے آپ کو مسئلہ سے بھی آگاہ کر دیا، تو آپ کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا جائز نہیں تھا؛ اس لئے اس کے بعد جتنے دن آپ نے اپنے شوہر کے ساتھ گذارے ہیں، وہ زنا کاری ہوئی ہے اور شوہر کے تین طلاق دینے پر چونکہ آپ کے پاس کوئی شرعی گواہ نہیں ہے؛ اس لئے قضاء تین طلاق کا حکم بھی نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اب آپ کے لئے شوہر کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز ہوگا؛ بلکہ جس طرح ہو سکے خلع وغیرہ کے ذریعہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۰۳)

المرأة كالقاضي لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذٰلك. (هندية، زكريا قديم ١/ ٣٥٤، جديد ١/ ٤٢٢، شامي، كراچي ٣/ ٢٥١، زكريا ٤/ ٤٦٣، البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ٢٥٧، زكريا٣/ ٤٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۲۲ھ

مطلقہ مغلظہ سے ۹؍ سال تک منکوحہ جیسا تعلق رکھنا

سوال [۶۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک خدا کو بھولا ہوا انسان تھا، وہ لگ بھگ ۹؍ سال سے زنا کررہا تھا، یعنی زید کی شادی ۱۱؍ سال پہلے ہوئی اور دو سال بعد زید نے تین طلاق دیدیں، اس کے بعد وہ اپنی بیوی کو ۹؍ سال تک رکھے رہا، اس درمیان میں ایک لڑکی جواب ۸؍ سال کی ہے اور ایک لڑکا تین سال کا ہے پیدا ہوا اور اب اپنے گناہ کا کفارہ چاہتا ہے، اور اس کو اپنی بیوی بنا کر اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے؛ لہٰذا زید اس مسئلہ میں کیا کرے اور زید کے گناہوں کی تلافی کس صورت میں ممکن ہے؟ زید کا روتے روتے برا حال ہے اور دعائیں بھی بہت مانگ رہا ہے، اسے اپنی غلطی کا بڑا احساس ہے۔

المستفتی: محمد ندیم، محمد یوسف، ٹانڈہ، بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اگر بیوی کو طلاق مغلظہ دیدی تھی، پھر بغیر حلالہ کے اپنے پاس رکھ رکھا ہے، اور اسی دوران اولاد بھی پیدا ہوئی ہے، تو ایسی صورت میں یہ زندگی حرام کی ہے، اللہ سے توبہ کرنا لازم ہے اور عورت کو اگر بیوی بنا کر رکھنا چاہے، تو حلالہ کا طریقہ اختیار کرنا پڑے گا، اس کی شکل یہ ہوگی کہ آج تک بیوی کے ساتھ

جو ہمبستری کا سلسلہ رہا ہے، وہ وطی بالشبہ کے درجہ میں قرار دیا جائے گا اور وطی بالشبہ کے بعد عدت واجب ہوتی ہے؛ لہٰذا عورت کو اپنے پاس سے الگ کردے، وہ باضابطہ عدت گذارے اور عدت پوری ہونے کے بعد وہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوجائے، پھر وہ طلاق دے یا وفات پا جائے، پھر یہ عورت عدت گذارے اس کے بعد شوہر اول اس سے نکاح کرسکتا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی شکل نہیں ہے اور اس دوران جو اولاد پیدا ہوئی ہے، وہ وطی بالشبہ کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا اس کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہوگا۔

ويثبت لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر عن صاحبه ودخل بها أولا في الأصح خروجاً عن المعصية فلا ينافي وجوبه؛ بل يجب على القاضي التفريق بينهما وتجب العدة بعد الوطء. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤/٢٧٥، كراچي ٣/١٢٣)

والوطء بشبهة كالحلال: صورته وطئت امرأته بشبهة فحبلت وولدت، ثم تزوجت، ثم أرضعت صبياً كان ابنا للواطئ بشبهة. (شامي، كراچي ٣/٢٢١، زكريا ٤/٤١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/ ذی قعدہ ١٤٢٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٣٧/ ٨٥٩٥)

کورٹ کے فیصلہ پر مطلقہ مغلظہ کو ساتھ رکھنا

سوال [٦٨٨٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اصغر علی ولد اکبر علی محلّہ مقبرہ اول کا رہنے والا ہوں، میں اپنی بیوی کو لگ بھگ دو سال پہلے تین طلاق دے چکا ہوں، لکھت روپ میں بھی اور چار لوگوں کے بیچ میں

بھی تین بار طلاق دے دی ہے۔اب میری بیوی نے کورٹ میں جا کر مجھ پر دعوی کیا ہے کہ دوبارہ میرا گھر بسایا جائے،کورٹ نے مجھ سے کہا کہ تم اپنی بیوی کو اپنے گھر لے کر جاتے ہو یا جیل جانا چاہتے ہو؛ لہٰذا حضرت والا سے گذارش ہے کہ اس میں میں کیا کروں؟ مجھ کو حدیث اور قرآن کی روشنی میں آگاہ کریں۔شکریہ

المستفتی: محمد اصغر علی ولد اکبر علی محلّہ مقبرہ اول ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ کے لئے وہ قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، اب اگر دوبارہ دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو حلالۂ شرعی لازم ہے اور حلالۂ شرعی کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کے بعد تین ماہواری گذر جائے ،اگر حیض والی عورت ہے اور اگر ماہواری کا سلسلہ بند ہوگیا ہے، تو طلاق کے بعد تین مہینہ گذر جانے پر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور اس مرد کے ساتھ ہمبستری بھی لازم ہے، پھر وہ مرد طلاق دیدے، پھر طلاق کے بعد اگر ماہواری کا سلسلہ ہے،تو تین ماہواری گذر جائے اور اگر ماہواری کا سلسلہ بند ہوگیا ہے،تو تین مہینہ گذرنے کے بعد آپ کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے، اسی کو حلالۂ شرعی کہتے ہیں اور اس طرح کے حلالہ کے بغیر بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا آپ کے لئے جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ ويخالطها و تذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ۲۹۵/۱۲، رقم: ۱۳۴۲۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها،

أو يـموت عنها. (هـنـدية، زكـريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، هداية اشرفي ديـوبـنـد٢/ ٣٩٩، تـاتـارخـانية، زكـريـا ٥/ ١٤٧، رقم:٧٥٠٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۲۳۱)

طلاق مغلظہ کے بعد بیوی کو دوبارہ رکھنا

سوال [۶۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی محمد اعظم نے چار سال پہلے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی، اس بیوی سے دو لڑکے ہیں، اس کے بعد بھائی صاحب نے ایک طلاق شدہ عورت سے نکاح کیا تھا، وہ عورت میرے دونوں بھتیجوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور چاہتی ہے کہ یہ دونوں بچے اپنی ماں کے پاس چلے جائیں اور میں سارے گھر پر حکومت کروں اور یہ عورت بچوں کو بہت پریشان کرتی ہے اور بچوں کو ڈرانا دھمکانا اور کبھی یہ کہنا کہ پولیس میں دیدوں گی اور یہاں تک کہ عورت پنڈتوں کے پاس جاکر سفلی علم کا جادو کراتی ہے، بچے پیلے پڑتے جارہے ہیں اور بھائی صاحب کو بھی آگاہ کردیا ہے کہ تمہاری دوسری بیوی بہت شیطان ہے وہ تمہارے بچوں کی دشمن بن گئی ہے؛ لہٰذا تم ان بچوں کی ماں کو دوبارہ لاؤ اس کا فتوی نکلوا کر کوئی نہ کوئی حل نکل سکتا ہے۔ اب میں نے اپنے بھائی صاحب کو ساری باتیں بتلائیں اگر راضی ہوجائے تو بچوں کو ان کی اصلی ماں بھی مل جائے گی اور بچوں کی زندگی بھی سنور جائے گی، پہلی بیوی سے نکاح کس صورت میں ہو حلالہ ضروری ہے یا بغیر حلالہ کے دوسری کوئی صورت نظر آتی ہے؟ آپ اسلام کی روشنی میں حل بتلائیے۔

المستفتی: شرافت حسین، گوئیاں باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل سے زبانی معلوم ہوا کہ پہلی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں، تو اب اگر اس بیوی کو دوبارہ رکھنا چاہے، تو بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح درست نہ ہوگا؛ بلکہ حلالۂ شرعی میں زوج ثانی اس کے ساتھ ہمبستری کرے، پھر اس کے بعد طلاق دیدے، پھر اس کے بعد تین ماہواری عدت گذرنے کے بعد آپ کے بھائی اپنی طلاق شدہ بیوی سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، اس کے بغیر دوبارہ رکھنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۷/ ۸۳۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۴ھ

مطلقہ ثلاثہ کو بغیر حلالہ رکھ لیا دو بچے بھی ہو گئے کیا حکم ہے؟

سوال [۶۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، اس کے بعد چند دن الگ رہنے کے بعد پھر دونوں ساتھ رہنے لگے، اسی حالت میں دو بچے پیدا ہوگئے، تو یہ بچے ثابت النسب ہوں گے یا حرامی ہوں گے، بعد میں احساس پیدا ہوا کہ ہم حرام طریقہ سے رہ رہے ہیں۔ اب ہم

جائز طریقہ سے رہنا چاہتے ہیں، تو حل جدید کے لئے عورت کو دوسرے شوہر سے نکاح کرنا ہوگا؛ لیکن سوال یہ ہے کہ درمیان میں جو دو چار سال گذرے ہیں یہی عدت شمار ہوگی یا دونوں کے الگ ہونے کے بعد الگ سے عدت گذارنی ہوگی؟

المستفتی: محمد صادق بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تین طلاق دینے کے بعد جب دونوں بغیر حلالہ کے ساتھ رہنے لگے اور اسی اثناء میں بچے پیدا ہو گئے، تو یہ بچے ثابت النسب ہوں گے؛ جبکہ اس نے حلال سمجھ کر طلاق کے بعد بیوی سے ہمبستری کی ہو، تو اس پر اب دوسری عدت بھی واجب ہو جائے گی۔ اور اگر شوہر کو معلوم تھا کہ بیوی میرے لئے حرام ہے، اس کے باوجود ہمبستری کی ہے، تو بچوں کا نسب اس شخص سے ثابت نہ ہوگا اور ایسی صورت میں اس عورت پر دوسری عدت بھی واجب نہ ہوگی؛ اس لئے کہ دوسری صورت میں یہ زنا ہوا ہے اور زنا میں نہ تو ثبوت نسب ہوتا ہے، اور نہ ہی عدت واجب ہوتی ہے۔

وإذا وطئت المعتدة بشبهة ولو من المطلق وجبت عدة أخرىٰ لتجدد السبب. قوله بشبهة وذلک کالموطوءة للزوج في العدة بعد الثلاث بنکاح، وکذا بدونه إذا قال ظننت أنها تحل لي–ومفاده أنه لو وطئها بعد الثلاث في العدة بلا نکاح عالماً بحرمتها لاتجب عدة أخرىٰ؛ لأنه زنا. (شامي، کتب الطلاق، باب العدة، کراچي ۳/۵۱۸، زکریا ۵/۲۰۰)

لأن النسب کما یثبت بالنکاح الصحیح یثبت بالنکاح الفاسد وبالوطء عن شبهة. (هدایة، اشرفي دیوبند۲/۴۳۸)

ولو طلقها ثلاثاً، ثم تزوجها قبل أن تنکح زوجاً غیرهٗ، فجاء ت منه بولد ولا یعلمان بفساد النکاح، فالنسب ثابت وإن کانا یعلمان بفساد النکاح یثبت النسب أیضًا عند أبي حنیفةؒ. (تاتارخانیة ۵/۲۶۲، رقم:۷۷۹۸)

لو طلقها ثلاثاً وهو يقيم معها فإن كان مقراً بالطلاق تنقضي العدة، وإن كان منكراً تجب العدة من وقت الإقرار زجراً لهما هو المختار. (هندية، زكرياقديم ١/٥٣٢، جديد ١/٥٨٤)

وإذا وطئت المعتدة بشبهة فعليها عدة أخرىٰ–والوطئ بالشبهة الموجبة لعدة أخرىٰ على أنواع–منها إذا دخل بها في العدة وقد طلقها ثلاثاً، وقال: ظننت أنها تحل لي. (تاتارخانية، زكريا٥/٢٣٩، رقم:٧٧٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦؍محرم الحرام ١٤٣٥ھ
(فتویٰ نمبر: الف ٤٠؍١١٣٨٤)

حلالۂ شرعی کے بغیر مطلقہ ثلاثہ شوہر اول کے لئے حلال نہیں

سوال [٦٨٨٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی میں جھگڑا ہوگیا، زید نے اپنی بیوی کو لگاتار تین طلاقیں دیں، میاں بیوی کے علاوہ کوئی پاس نہ تھا، جب چرچا ہوا تو زید نے اقرار کرلیا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں، اس کے بعد زید کی گھر والی نے اپنے میکہ جاکر عدت پوری کرلی، پھر زید کے بڑے بھائی کے ساتھ نکاح کرادیا گیا اور چار دن کے بعد اس نے طلاق دیدی، اب اس کی عدت بھی پوری کرلی گئی ہے زید کے بھائی سے نکاح زید کی سسرال میں ہی کردیا گیا؛ لیکن نکاح کرنے کے بعد زید کا بھائی اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لایا وہیں سسرال چھوڑ آیا اور حلالہ نہیں ہوا، اس حالت میں کیا زید کے ساتھ نکاح کرلینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نسیم احمد، امام جامع مسجد، رام نگر کھا گووالا ،ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید کے بھائی کے ساتھ عقد نکاح ہوجانے کے

بعد چونکہ زید کے بھائی نے اس سے ہمبستری نہیں کی اور بغیر ہمبستری کے طلاق دیدی، تو اس سے زید کے واسطہ وہ عورت حلالہ نہیں ہوئی؛ بلکہ حلالہ کے لئے ہمبستری لازم اور ضروری ہے؛ لہٰذا اب جب تک دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح وہمبستری نہ ہوجائے اور اس کی طرف سے طلاق وعدت نہ پوری ہوجائے، اس وقت تک زید کے لئے اس عورت سے نکاح جائز نہیں اور زید کے بھائی نے جب بغیر ہمبستری اس کو طلاق دیدی ہے، تو اس طلاق کے بعد دوسرے سے نکاح کے لئے عدت کی ضرورت نہیں تھی۔

عن عائشةؓ أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أ تحل للأول؟ قال: لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۱، رقم: ۵۰۶۲، ف: ۵۲۶۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۷۲۵۰)

مطلقہ مغلظہ بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی

سوال [۶۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فیروز عالم نے اپنی بیوی امتی بیگم کو اپنی ماں سے جھگڑے کے کارن ایک سانس میں ۹/ بار اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور پھر خفیہ طور پر لڑکی کے دادا اور چچا کو جو کہ ان پڑھ جاہل ہیں کسی بہانے سے بلوا کر کسی طرح راضی کر کے لڑکی سے ایک پیشہ ور غیر سند یافتہ عالم سے نکاح پڑھالیا اور نکاح کے جواز کا قاضی سے کاغذ بھی بنوالیا۔ اور امتی بیگم کو اپنی زوجیت میں رکھے ہوئے ہے، اس عالم کے باپ بھی ہزاروں ایسے نکاح پڑھایا کرتے تھے جن عورتوں کو طلاق مغلظہ ہوجاتی تھی، تو شرعی حکم تحریر فرمائیں یہ بھی واضح فرمائیں عدت ومہر واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: عفیف احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ۹/ بار طلاق دینے سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں اور تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے جان بوجھ کر دوبارہ نکاح پڑھانے والا سخت ترین گناہ کا مرتکب ہوگا اور جو نکاح پڑھایا جارہا ہے، اس سے شرعاً وہ عورت بیوی نہیں بنے گی، اس کو ساتھ رکھنا زنا کاری ہوگی۔ نیز طلاق کے بعد فیروز عالم پر عورت کا نفقہ اس شرط پر لازم ہے کہ وہ جہاں رہ کر عدت گذارنے کے لئے کہے وہاں عدت گذارتی ہو، مہر اس پر بہرحال واجب ہے۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸/ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۷۹۷)	۱۴۱۵/۱/۸ھ

مطلقہ ثلاثہ کو ساتھ رکھنے کی شکل

سوال [۶۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تحریری اور زبانی تین دفعہ طلاق دی تھی، جس کو تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوگیا، اب بچوں کی وجہ سے دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو کیا طریقہ اپنانا پڑے گا شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: معروف احمد سول لائن، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے ایک سال پہلے بیوی کو طلاق دیدی تھی، تو اس درمیان میں اس کی عدت بھی پوری ہوچکی ہے، اب اگر دوبارہ ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو بیوی کسی دوسرے مرد سے شرعی نکاح کرکے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے اور ہمبستری کے بعد جب وہ مرد طلاق دیدے گا، تو پھر دوبارہ عدت گذارنی لازم ہے اور دوبارہ عدت پوری ہونے کے بعد آپ کے ساتھ نکاح درست ہوجائے گا، اس طریقہ سے دونوں کے ساتھ رہنے کی شکل ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [البقرہ: ۲۳۰]

قال الليث عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلثاً–إلي قوله–فإن طلقتها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيرك. (بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۲، رقم:٥٢٦٤، مسلم شريف، كتاب الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض، النسخة الهندية ۱/ ٤٧٦، بيت الأفكار رقم: ۱٤۷۱)

وقال حسنؓ، لو لا أني سمعت أبي يحدث عن جدّي النبي صلى الله عليه وسلم، أنه قال: من طلق امرأتهٗ ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره لراجعتها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي جديد دارالفكر بيروت ۱۱/ ٥۲، رقم:۱٤۸٥٥، دار قطني، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۰، رقم:۳۹۲۷)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ٥۳٥، هداية اشرفي ديوبند۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰؍ ۱۱۴۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۳ھ

تین طلاق کے بعد ایک ساتھ رہنے کی شکل

سوال [۶۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری (استکار بن عبدالستار ساکن محلّہ بیگم سرائے سنبھل) شادی ایک سال پہلے سونا بنت حاکم علی ساکن غازی آباد کے ہمراہ ہوئی تھی، شادی کے بعد ہی سے میری بیوی نے مجھ سے اپنے ہی شہر میں رہنے کے لئے اصرار شروع کر دیا۔ بات اور بڑھی نوبت یہاں تک پہونچی کہ ہم دونوں کا ایک ساتھ رہنا مشکل نظر آنے لگا؛ اس لئے آپسی مصالحت کے پیش نظر گواہان کے سامنے میں نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق، کہہ کر طلاق دیدی اوراس کا کل مہر پانچ ہزار روپیہ مع نفقہ عدت گواہان کی موجودگی میں ادا کر دیا گیا؛ لہٰذا اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے بعد ایک ساتھ رہنے کی گنجائش باقی رہتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: استکار بن عبدالستار، محلّہ بیگم سرائے، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال جب شوہر خود اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں اور طلاق کے دستاویز بھی مع شوری کے دستخط کے سوال نامہ کے ساتھ ہیں، تو مسئولہ صورت میں اس کی بیوی سونا بنت حاکم پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں۔ اب بدون حلالۂ شرعیہ کے ان کے درمیان نکاح اور میاں بیوی کا تعلق جائز نہیں اور حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کی تین حیض کے ساتھ عدت گذر جانے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے وہ مرد اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے اس کے بعد وہ مرد طلاق دیدے، پھر تین ماہواری کے ذریعہ عدت گذر جانے کے بعد پہلے شوہر کے ساتھ نکاح درست ہوجائے گا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ۲۹۵/۱۲، رقم: ۱۳٤۲۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ٤۷۳/۱، جديد ۵۳۵/۱، هداية اشرفي ديوبند ۳۹۹/۲)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹؍ ۱۰۰۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۴ھ

طلاق کے بعد دوبارہ ساتھ رہنے کی شکل

سوال [۶۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد سرفراز نے غصہ کی حالت میں جبکہ طبیعت بھی خراب تھی اپنی بیوی سے کہہ دیا، ''میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' تو اب اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوگئی اور ہم دونوں پھر سے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں، تو اب دوبارہ ساتھ رہنے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

نوٹ: چار بچے ہیں، جن میں سے ایک سات سال کا ہے، دوسرا چھ سال کا، ایک لڑکی تین سال کی ہے اور ایک دودھ پیتی بچی ہے۔

المستفتی: محمد سرفراز، کرولا، رحمت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں مذکور صورت میں محمد سرفراز کی بیوی

پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں، اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ شوہر کی اس طلاق کے بعد بیوی پر تین ماہواری گذر جائے اس کے بعد اس کا کسی دوسرے سے نکاح ہوجائے اور اس مرد سے باقاعدہ ہمبستری ہو۔ اور پھر وہ دوسرا شوہر اس کو طلاق دیدے، اس کے بعد مذکورہ عورت پر پھر تین مرتبہ ماہواری کا زمانہ گذر جائے تو اس کے بعد محمد سرفراز اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے میاں بیوی کی طرح رہ سکتا ہے۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۳۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۱/۱۲ھ

طلاق مغلظہ کے بعد ایک ساتھ رہنے کی صورت

سوال [۶۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا اپنے والدین سے بچوں کے اوپر جھگڑا ہوا، میں اپنے بچوں کو اپنی

بیوی سے مانگ رہا تھا، اس نے دیدیئے تھے؛ لیکن میرے والدین نے میرے بچوں کو مجھ کو نہ دیا اور میرے والدین نے میرے ساتھ مار پیٹ بھی کی اس پر میں نے اپنی بیوی کو تین بار کہا ”جا میں نے تجھ کو طلاق دی، جا میں نے تجھ کو طلاق دی، جا میں نے تجھ کو طلاق دی“ اور اس وقت میری بیوی حاملہ تھی، طلاق دینے کے گیارہ روز بعد بچہ پیدا ہوا، طلاق دینے کے اگلے روز لڑکی کے والد میرے گھر آئے اور اپنی لڑکی کو لے کر چلے گئے وہیں پر بچہ پیدا ہوا، لڑکی کے باپ نے لڑکی سے کہا کہ میں تیرا نکاح دوسری جگہ کرادوں، تو لڑکی نے اس پر منع کر دیا کہ یا تو میں اپنے پہلے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہوں یا پھر اپنے بچوں کے ساتھ رہوں گی، دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، بچہ پیدا ہوئے اب تقریباً کم وبیش چار ماہ ہو چکے ہیں۔ اب دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ ہم دونوں ایک جگہ مل جائیں، اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مع حوالہ ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: غلام صابر، عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں آپ کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں، اب اگر آپ اپنی بیوی کو ساتھ رکھنا چاہیں، تو حلالۂ شرعیہ کے بغیر نہیں رکھ سکتے؛ لہٰذا آپ کی بیوی پہلے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، پھر وہ دوسرا شخص آپ کی بیوی کو طلاق دیدے، یا مرجائے تو اس کے بعد عدت گذار کر پھر آپ سے نکاح کرسکتی ہے۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيره، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ۲۹۵/۱۲، رقم:۱۳۴۲۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ۴۷۳/۱، جديد ۵۳۵/۱، شامي، كراچی ۴۰۹/۳،

زکریا۵/ ۴۱، البحر الرائق، زکریا ۴/ ۹۴، کوئٹہ ۴/ ۵٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر محرم الحرم ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۸۲)

مطلقہ ثلاثہ کو دوبارہ رکھنے کی صورت

سوال [۶۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو بدتمیزی اور اس کی بدتہذیبی کی وجہ سے تین طلاق دیدی ہیں، کیا طلاق واقع ہوگئی؟ کیا اسے دوبارہ رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال پیر کا بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوکر آپ کے لئے وہ قطعی طور پر حرام ہوگئی، اب آئندہ اگر ساتھ رکھنا چاہیں، تو بغیر حلالۂ شرعیہ کے ساتھ رکھنا جائز نہیں ہے اور شرعی حلالہ کی شکل یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے شادی کرلے، اس کے ساتھ ہمبستری کرنے کے بعد وہ طلاق دیدے، اس کی طلاق کے بعد پھر عدت گذرنے کے بعد آپ سے نکاح ہوسکتا ہے۔

عن عائشةؓ، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله عليه وسلم، أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ٢/ ٧٩١، رقم: ٥٠٦٢، ف: ٥٢٦١)

عن ابن عمرؓ قال: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب، ويرخي الستر، ثم

يطلقها قبل أن يدخل بها، قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر.

(نسائي شريف، كتاب الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثاً، النسخة الهندية ٢/٨٤، دارالسلام رقم:٣٤٤٤، مسلم شريف، كتاب النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثاً لمطلقها، النسخة الهندية ١/٤٦٣، بيت الأفكار رقم:١٤٣٣)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، الأشباه قديم ٢١٩، جديد زكريا ٣٧٦، مجمع الأنهر، دارا كتب العلمية بيروت ٢/٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۴۰/۱۱۴۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۲ھ

مطلقہ مغلظہ کو دوبارہ اپنے نکاح میں لانے کا طریقہ

سوال [۶۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے اپنے لڑکے کی شادی ۲۵؍مئی ۱۹۹۷ء کو کی تھی، ڈیڑھ مہینہ وہ گھر میں رہی آنا جانا بھی رہا، ڈیڑھ ماہ کے بعد جو وہ اپنے میکہ گئی تو واپس نہیں آئی اور کہہ دیا کہ مجھے شوہر پسند نہیں ہے، اس کو ہم نے بہت لانے کی کوشش کی؛ لیکن وہ نہیں آئی، اس کے گھر والوں نے طلاق کے لئے کہا ہم نے منع کر دیا، ہم بار بار اس کو بلانے کے لئے گئے، ہم سے اس کے گھر والوں نے کہا کہ ہم نے اس کو بہت سمجھایا ہے؛ لیکن وہ تیار نہیں ہے، اگر آپ لوگ ایسے طلاق نہیں دیں گے، تو ہم عدالت سے طلاق لے لیں گے، اور پھر اپریل ۱۹۹۸ء کو وہاں سے دو آدمی لڑکی کو لے کر مراد آباد آئے، وہ لڑکی ہمارے گھر پر نہیں آئی، وہ اپنے ماموں کے گھر بیٹھ گئی اور طلاق مانگی پھر مجبور ہو کر ہمارے بھائی نے طلاق کے کاغذ پر دستخط کئے

اور بہت روئے اور وہ لڑکی بہت خوش تھی ہنس کر دستخط کیئے؛ لیکن اب ۶ / ماہ بعد وہ پھر سے آنے کو تیار ہے، لڑکی رامپور کی ہے، جس وقت طلاق ہوئی تو میاں بیوی سامنے نہیں تھے؛ لیکن جس وقت طلاق ہوئی وکیل کے علاوہ چار پانچ آدمی موجود تھے، لڑکے کے پاس بھی لڑکی کے پاس بھی دو آدمی ہماری طرف کے اور دو تین آدمی ان کی طرف کے موجود تھے۔ اب آپ یہ بتادیجئے کیا وہ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یا پھر اور کوئی صورت ہے؟

المستفتية: کشور جہاں بنت محمد اعجاز، محلّہ: فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب لڑکا تین طلاق دے چکا ہے، تو اب بغیر حلالہ کے اس لڑکی سے نکاح نہیں کرسکتا، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ یہ لڑکی کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، پھر دوسرا شوہر مرجائے یا طلاق دیدے، تو عدت گذرنے کے بعد یہ لڑکا اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها، كذا في الهداية. (هندية، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥، البحر الرائق زكريا ٤/ ٩٤، كوئٹه ٥/ ٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ / شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴ / ۵۸۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۳ھ

مطلقہ مغلظہ کو دوبارہ اپنی زوجیت میں رکھنے کی صورت

سوال [۶۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اور اس بات کو قریب دوسال ہوگئے ہیں، اوراب وہ دوبارہ آنا چاہتی ہے، حلالہ کرنے کے لئے وہ تیار ہے؛ لیکن حلالہ کرنے کے باوجود وہ عدت کرنا نہیں چاہتی، اس کی لڑکی بیمار رہتی ہے، اب عدت کرنا ضروری ہے یانہیں؟ اورحلالہ کرنے کے بعد وہ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ کتنے دن بعد نکاح کرسکتی ہے، اس کا کوئی معاوضہ زید کو دینا پڑے گا؟ اگر دینا ہے تو کتنا دینا ہے؟

المستفتی: ارشد جمال، کرولہ، شمسی کالونی، مرادآباد (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب آپ اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر علیحدہ کر چکے (جیسا کہ سوال کی روش اور سائل کی زبانی معلوم ہوا) اب اگر دونوں زن وشوہر (میاں بیوی) کا تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، تو حلالۂ شرعیہ کے بغیر ازدواجی تعلق دونوں میں قائم نہیں ہوسکتا، عدت کے بعد حلالۂ شرعیہ کی صورت یہ ہے، دوسرے مرد سے عورت کا نکاح ہوجائے اوراس کے ساتھ یہ عورت رہتی رہے، پھر وہ ازخود طلاق دیدے اوراس طلاق کے بعد عورت کا عدت گذارنا ضروری ہے اور عدت کا مطلب یہ ہے کہ صرف تین ماہواری گذرجائے، اس کے بعد سائل شوہر اول سے نکاح ہوسکتا ہے اور عدت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گھر میں بندرہے، ہاں عدت میں زیب وزینت کی چیز اختیار نہ کرے، گھر کی پوری حویلی میں آجاسکتی ہے؛ البتہ دوسروں کے گھروں میں نہیں جاسکتی۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ١٢/ ٢٩٥، رقم:١٣٤٢٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(هندية، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۵/ ۶۹۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱/۱۴۲۲ھ

تین طلاق کے بعد بیوی شوہر کے لئے کب حلال ہوگی؟

سوال [۶۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں بعد مدت عدت حلالہ ہوگیا، پھر دوسری عدت بعد حلالہ گذرنے کے بعد پھر اسی آدمی سے نکاح کردیا، اب اس آدمی نے پھر تین طلاقیں دے دیں۔ سوال یہ ہے کہ پھر حلالہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ اگر عورت راضی ہوجائے تو کسی سے بھی حلالہ کرایا جاسکتا ہے یا پہلے حلالہ کے لئے جس کے ساتھ نکاح کیا اسی سے نکاح کرایا جائے؟

(۳) یہ کہ عدت کا خرچہ اور مہر شوہر پر دینا شرعاً واجب ہے یا شوہر کے والد پر؟

المستفتی: عبدالعزیز، برتن بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تین طلاق کے بعد جب عورت عدت گذار کر دوسرے مرد سے شرعی نکاح کرکے ہمبستر ہوجائے اور پھر دوسرے شوہر سے شرعی تفریق حاصل کرکے عدت گذار کر شوہر اول سے نکاح کرلیتی ہے، تو حل جدید لوٹ کر آتی ہے؛ لہٰذا جب شوہر نے دوبارہ تین طلاق دیدیں ہیں، تو دوبارہ حلالہ کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا اور پہلے کی طرح دوبارہ حلالہ کیا جاسکتا ہے؛ (لیکن یہ بہت گندی حرکت ہے)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهُ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.
(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥)

(۲) عورت جس سے راضی ہوجائے، اسی کے ساتھ نکاح ہونا چاہئے۔

(۳) عورت کا خرچ شوہر پر لازم ہوا کرتا ہے اور شوہر ثانی کے طلاق دینے کے بعد اس کی عدت کا خرچہ شوہر ثانی پر ہی لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۱/۱۲۳)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة، والسكنى، كان الطلاق رجعياً، أو بائناً، أو ثلاثاً حاملا كانت المرأة، أو لم تكن. (هندية، زكريا قديم ١/٥٥٧، جديد ١/٦٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۸/۳۱۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/۱۴۱۳ھ

تین طلاق کے بعد رجوع کی خواہش کرنا

سوال [۶۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نعیم احمد نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین طلاقیں دیدیں اور نعیم کی بیوی عدت گذار رہی ہے اپنے شوہر کے گھر پر اس کی عدت کی مدت دو مہینے دس دن ہوچکی ہے۔ اب نعیم اور اس کی بیوی غلطی کا احساس کررہے ہیں اور وہ رجوع کرنا چاہتے ہیں، تو اب کیا کریں؟

المستفتی: محمد ایوب، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب نعیم نے اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوگئی ہے، اب دونوں کے

درمیان بغیر حلالہ کے نکاح بھی درست نہ ہوگا اور حلالہ کی شکل یہ ہے کہ تین ماہواری عدت گذر جانے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے، اس کے بعد ہمبستری کے بعد وہ اپنی مرضی سے طلاق دیدے، پھر اس کے بعد دوبارہ تین ماہواری عدت گذرجانے کے بعد نعیم کے ساتھ نکاح درست ہوسکتا ہے۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(هندية، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم:٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/۱۰۴۶۶)

تین طلاق، حلالہ اور جہیز کا حکم

سوال [۶۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے شوہر نے ۱۴؍ جنوری ۱۹۹۴ء کو ۹؍ بج کر ۱۰؍ منٹ پر مجھ کو غصہ کی حالت میں جوکہ پہلے ہی سے مینٹلی ڈسٹرپ ہے، تین بار طلاق دیدی؛ لیکن میں چاہتی ہوں کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے کہ میں دوبارہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکوں کسی اور سے نکاح نہ کروں تو کیا یہ ممکن ہے، یہ طلاق بائن تو نہیں ہے؟

(۲) میرے شوہر میرا سامان مجھ کو پورا نہیں دے رہے ہیں، میں وہاں جا کر اپنے والد اور عورتوں کے ساتھ عدت کے ایام میں اپنا سامان لینے جا سکتی ہوں یا نہیں؟

میرا زیور یہاں کا وہاں رکھا ہوا ہے نہیں دے رہے ہیں، ٹال مٹول کر رہے ہیں، پورا فرنیچر بھی نہیں دیا ہے، تھوڑا سامان برتن کا دیا ہے۔

المستفتیة: یاسمین جہاں، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو تین طلاق دیدیں، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقعہ ہوگئی اور بیوی شوہر پر حرام ہوگئی۔

لو قال لزوجتہٖ: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباہ والنظائر قدیم۹ ۲۱، جدید زکریا ۳۷۶)

اور اگر زوجین دوبارہ ازدواجی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گذارنے کے بعد کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے اور اس شوہر سے ہمبستری بھی ہوجائے، پھر جب وہ شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے تو عورت عدت گذارنے کے بعد شوہر اول سے نکاح کرسکتی ہے۔

وإن کان الطلاق ثلاثاً في الحرۃ، وثنتین في الأمۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہٗ نکاحاً صحیحاً ویدخل بھا، ثم یطلقھا، أو یموت عنھا. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵)

(۲) آپ اپنا سامان لینے کے لئے دوران عدت شوہر کے گھر نہیں جاسکتی ہیں؛ اس لئے کہ دوران عدت معتدہ مطلقہ کے لئے نکلنا ممنوع ہے۔

إن کانت معتدۃ من نکاح صحیح وھي حرۃ مطلقۃ بالغۃ عاقلۃ مسلمۃ والحالۃ حالۃ الاختیار فإنھا لا تخرج لیلا ولانھاراً سواء کان الطلاق ثلاثاً، أو بائناً، أو رجعیاً. (عالمگیري، زکریا قدیم ۱/۵۳۴، جدید ۱/۵۸۶)

(۳) وہ سامان جو آپ کو آپ کے گھر والوں نے جہیز میں دیا تھا اور وہ سامان جو آپ کو آپ کے شوہر نے بطور مہر یا بطور ملکیت دیدیا تھا، وہ سامان آپ کا ہے، شوہر پر لازم ہے کہ وہ اس سامان کو آپ کے سپرد کردے۔(مستفاد: مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۳۳۴، جدید ڈابھیل ۱۲/۱۰۶)

والفتویٰ أنه إن كان العرف مستمراً أن الاب يدفع ذلك الجهاز ملكا لا عارية لم يقبل قوله الخ. (الأشباه والنظائر قديم ۱۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۱/ ۳۵۶۶)

بلا حلالہ مطلقہ ثلاثہ کو رکھنے کا حکم

سوال [۶۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قاری محمد یامین نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، ایک سال پہلے پھر میاں بیوی آپس میں ساتھ ہی رہتے رہے، ابھی تک حلالہ نہیں ہوسکا، تو شرعاً اس کو ساتھ رکھنے کے لئے حلالہ ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) حلالہ کے بعد والی عدت عورت شوہر اول کے یہاں گذار سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عارف قاسمی، بیر پوری، سوار رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شوہر کی طرف سے تین طلاق دینے کی شہرت ہوچکی تھی اور شوہر نے اس کا اقرار بھی کیا تھا، پھر بھی شوہر نے اس کو اپنے پاس رکھا ہے اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوتی رہی ہے اور شوہر اس ہمبستری کو اپنے لئے حرام سمجھتا رہا ہے، تو ایسی صورت میں اس عورت کی عدت پوری ہوچکی ہے اور فوری طور پر دوسرے

آدمی کے ساتھ اس کا نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اگر حلال سمجھ کر وطی کرتا رہا ہے، تو آخری ہمبستری کے بعد سے عدت کا سلسلہ شروع ہوگا، اس بارے میں شوہر سے پوچھ لیا جائے کہ اس نے بیوی کو حلال سمجھتے ہوئے رکھ رکھا تھا یا حرام سمجھتے ہوئے رکھ رکھا تھا۔ اور ہر صورت میں دونوں کے اوپر سچی توبہ کرنا لازم ہے۔

اب اس تمہید کے بعد اصل جواب یہ ہے کہ بغیر حلالہ کے عورت کو اپنے پاس رکھنا قطعاً جائز نہیں ہے اور حلالہ میں دوسرے شوہر کی ہمبستری کے بعد جب وہ طلاق دیدے گا، تو طلاق کے بعد دوسری عدت شوہر اول کے گھر میں گذارنا بھی جائز ہے بشرطیکہ شوہر کی رہائش اس گھر میں نہ ہو اور عورت کے ساتھ دوسری عورت کا رہنا بھی ضروری ہے تاکہ اس کی ہر طرح کی حفاظت ہو سکے۔

والحاصل أنه إن كتمه،ثم أخبر به بعد مدة، فالفتویٰ علی أنه لايصدق في الإسناد؛ بل تجب العدة من وقت الإقرار سواء صدقته، أو كذّبته، وإن لم يكتمه بل أقر به من وقت وقوعه، فإن لم يشتهر بين الناس، فكذلك وإن اشتهر بينهم تجب العدة من حين وقوعه وتنقضي إن كان زمانها مضیٰ، وهذا إذا لم يكن وطئها بشبهة ظن الحل وإلاوجبت بالوطء عدة أخری وتداخلتا......وكذا كلما وطئها تجب عدة أخری فلا يحل لها التزوج بآخر مالم تمض عدة الوطء الأخير، بخلاف ما إذا كان الوطء بلا شبهة، فإنه لايوجب عدة لتمحضه زنا، والزنا لا يوجب عدة...... فلها التزوج بآخر. (شامي، باب العدة، كراچي ۵۲۲/۳، زكريا ۲۰۵/۵)

من طلق امرأته ثلاثاً، ......ثم أقام معها زمانا إن أقام منكراً طلاقها لا تنقضي عدتها، وإن كان أقام مقرًا بطلاقها انقضت عدتها......ولو وطأها

وادعى الشبهة، بأن قال: ظننت أنها تحل لي، فإنها تستقبل العدة بكل وطأة وتتداخل الأولىٰ. (تاتارخانية، زكريا ٥/٢٣٨، رقم: ٧٧٥٠)

لو طلقها ثلاثاً، وهو يقيم معها، فإن كان مقراً بالطلاق تنقضي العدة، وإن كان منكراً تجب العدة من وقت الإقرار زجراً لهما هو المختار.
(هندية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر: في العدة زكريا قديم ١/٥٣٢، زكريا جديد ١/٥٨٤)

وإذا وجب الاعتداد في منزل الزوج فلا بأس بأن يسكنا في بيت واحد إذا كان عدلا سواء كان الطلاق رجعياً، أو بائناً، أو ثلاثاً، والأفضل أن يحال بينهما في البيتوتة بستر إلا أن يكون الزوج فاسقاً فيحال بامرأة ثقة تقدر على الحيلولة بينهما، وان تعذر فلتخرج هي وتعتد في منزل آخر.
(البحر، كوئٹه ٤/١٥٤، زكريا ٤/٢٦١)

مكان العدة هو بيت الزوجية التي كانت تسكنه قبل مفارقة زوجها ......فلا تسقط ولا تغير إلا بالأعذار. (الموسوعة بيروت ٢٩/٣٤٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۳۲ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۹/ ۱۰۵۶۶)

طلاق کے بعد بیوی کو پاس رکھنے کی شکل

سوال [٦٨٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ریشمہ کے شوہر نے شراب کے نشہ میں ریشمہ کو تین طلاق دیدیں، اب وہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد راشد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نشہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جب ریشمہ کے شوہر نے شراب کے نشہ کی حالت میں بیوی کو تین طلاقیں دیدیں، تو اس سے بیوی پر طلاق واقع ہوگئی ہے، اگر دوبارہ رکھنا چاہے، تو بلا حلالۂ شرعی کے رکھنا درست نہیں ہے اور حلالہ کی شکل یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد بیوی دوسرے آدمی سے شرعی نکاح کرکے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے، پھر وہ طلاق دے اور عدت گذارے پھر اس کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح کرنا درست ہوسکتا ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۲/۴/۳۷)

وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۵۳، جديد ۱/۴۲۰)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/۳/۹۵۷)	۱۴۲۹/۴/۲۱ھ

چھ مرتبہ طلاق دینے کے بعد ایک ساتھ رہنے کی شکل

سوال [۶۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں منصور علی ولد منظور علی نے اپنی بیوی ریشمہ بنت اخلاق حسین کو ۲۶/ جنوری ۲۰۰۹ء کو چھ مرتبہ طلاق دیدی ہے، ایسی صورت میں اگر بیوی ہمارے ساتھ دوبارہ رہنا چاہے تو کیا رہ سکتی ہے؟

المستفتی: منصور علی، گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے اپنی بیوی کو چھ مرتبہ طلاق دیدی ہے، تو عورت شوہر پر تین طلاق دیدینے سے مغلظہ ہوکر حرام ہوگئی۔ اب اس عورت کو اپنے پاس رکھنا قرآن وحدیث کی رو سے ناجائز وحرام ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ [سورۃ البقر: ۲۳۰]

ترجمہ: پھر اگر اس کو تیسری بار طلاق دیدے تو اب اس کے لئے حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کرے۔

وقال الليث عن نافع كان ابن عمرؓ إذا سئل عمن طلق ثلثاً، قال: لو طلقت مرة، أو مرتين (لكان لك الرجعة) فإن النبي صلى الله عليه وسلم، أمرني بهذا (بالمراجعة) فإن طلقتها ثلاثاً حرمت حتى تنكح زوجاً غيرك.

(بخاري شريف، كتاب الطلاق، باب من اجاز الطلاق الثلاث، النسخة الهندية ۲/ ۷۹۲، رقم: ۵۰۶۶، ف: ۵۲۶۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۸/ ۹۸۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۲/۱۴۳۱ھ

مطلقہ مغلظہ سے حلالہ کے بعد نکاح کرنے کا حکم

سوال [۶۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہیں اور اب دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں، تو شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: آصف علی زیارت شاہ بلاقی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں، تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اور بیوی شوہر پر بالکلیہ حرام ہوگئی اور دونوں کا ساتھ رہنا زنا کاری اور بدکاری ہوگی، ہاں اگر شرعی حلالہ کر لیتے ہیں، تو حلالہ کے بعد آپس میں نکاح کر کے میاں بیوی کی طرح رہنا جائز ہوگا اور حلالہ کی شکل یہ ہے کہ تین ماہواری گذرنے کے بعد دوسرے شخص کے ساتھ شرعی نکاح کرلے اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی ہوجائے اور ہم بستری کے بعد وہ شخص طلاق دیدے، تو دوبارہ تین ماہواری کے ساتھ عدت گذارنے کے بعد پہلے شوہر کے لئے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ١٢/ ٢٩٥، رقم: ١٣٤٢٩)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هداية اشرفي ديوبند٢/٣٩٩، تاتارخانية، زكريا ٥/١٤٧، رقم: ٧٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۴۱۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۷ھ

شوہر اول کا مطلقہ مغلظہ سے حلالہ کے بعد نکاح کرنا

سوال [۶۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ محمد اشرف نے آج سے چھ ماہ پہلے اپنی زوجہ مسماۃ سائرہ بانو کو تین بار سے بھی زیادہ یہ کہا کہ: میں نے سائرہ کو طلاق دیدی، طلاق دیدی ہے۔

(۲) سائرہ بانو کا مہر دس ہزار روپئے ہے جو کہ محمد اشرف کے ذمہ واجب ہے، ان دونوں حالات میں دوبارہ سائرہ بانو کو بیوی بنا کر رکھنے کی کیا صورت ہوگی؟ کیا پہلے نکاح کا مہر دس ہزار روپئے دینا ہوگا؟ اگر سائرہ بانو معاف کردے، تو درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اشرف، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر تین بار یا اس سے زائد طلاق دی ہے، تو شرعاً بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلثاً. (الأشباه والنظائر قديم۲۱۹، جديد زكريا ۳۷٦)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو، أو بغير حرف الواو يتعدد الطلاق. (فتاوى عالمگيري، زكريا قديم۱/۳٥٦، جديد ۱/٤۲۳)

(۲) دوبارہ بیوی بنا کر رکھنے کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے وقت سے تین مرتبہ ماہواری گذر جائے، اس کے بعد دوسرے مرد سے شرعی نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستر ہوجائے، پھر اس کے بعد شوہر اول (محمد اشرف) کے ساتھ باقاعدہ نکاح ہوسکتا ہے۔

لو كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/٥۳٥)

اور سوال نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اب چھ ماہ کے درمیان عدت (تین ماہواری) بھی گذر چکی ہوگی۔ نیز پہلے کا مہر ادا کرنا محمد اشرف پر واجب ہے، اگر بیوی بخوشی معاف کردے، تب بھی ذمہ داری ختم ہوجائیگی۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمىٰ أو مهر المثل حتى لا يسقط منه

شيئ بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. (هندية، زكريا قديم ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۲۶/ ۲۲۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۶/ ۱۴۱۱ھ

حلالہ کے بعد مطلقہ ثلاثہ سے پہلا شوہر نکاح کرسکتا ہے

سوال [۶۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت منھ زور تھی اپنے ساس سسر کی بات نہیں مانتی تھی اور گاؤں میں ادھر ادھر گھومتی تھی، جس کی وجہ سے اس کو میکہ پہونچا دیا اور پھر لکھ کر بھیج دیا کہ اگر فلاں شہر میں جائے گی تو تین طلاق پھر بھی وہ اسی شہر میں چلی گئی، جس کی وجہ سے تین طلاق ہوگئیں۔

اس کے بعد عورت کے والد نے لڑکے سے کہا کہ اس لڑکی کو رکھو، مگر لڑکے نے رکھنے سے انکار کردیا، جس کی وجہ سے لڑکی کے والد نے کورٹ میں مقدمہ کردیا، لڑکے کے نام کے ساتھ اس کے گھر والے پریشان ہوگئے، تھانہ والے اور مسلم وکیلوں نے مشورہ دیا کہ صلح کرلیجئے ورنہ سب ہی جیل چلے جائیں گے۔ مجبوراً صلح پر آمادہ ہوئے لڑکی کے والد کا کہنا بھی یہی تھا کہ ہم مقدمہ اسی حالت میں اٹھائیں گے؛ جبکہ حلالہ کرکے اس لڑکی کو وہ لڑکا پھر رکھ لے، اب کورٹ اور مقدمہ سے بچنے کے لئے صلح کرلی گئی ہے اور حلالہ شرعی کے بعد وہ لڑکا پھر اس لڑکی کو دوبارہ اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے، تو ایسا کرنا کیسا ہے؛ جبکہ اس عورت سے اسی شوہر سے تین سال کی ایک بچی بھی ہے۔ دوسری طرف کچھ کہتے ہیں کہ اس عورت کو دوبارہ لانا ٹھیک نہیں، اگر دوبارہ لائے گا تو ہم لوگ لڑکے اور اس کے گھر والوں سے لین دین اور تعلقات ختم کرلیں گے، تو ان کا ایسا کرنا کیسا ہے؟ شرعی جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد ابرار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شرعی حلالہ ہو چکا ہے، تو اب پہلے شوہر کے لئے اس کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اور نکاح کے بعد دوسرے لوگوں کا لڑکے والوں سے بائیکاٹ کرنا درست نہیں ہے۔

عن عائشةؓ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴؍ ۶۳۹۱)

حلالہ کے بعد شوہر اول سے نکاح کرے یا شوہر ثانی سے

سوال [۶۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زبیدہ کی شادی مجاہد کے ساتھ ہوئی، پھر مجاہد نے تین طلاق دیدیں، تو زبیدہ نے محمد احمد سے شادی کرلی، پھر محمد احمد نے بھی تین طلاق دیدیں۔ اب زبیدہ سے مجاہد بھی شادی کرنا چاہتا ہے اور محمد احمد بھی شادی کرنا چاہتا ہے، تو شرعاً کس کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: اظہار عالم، رحمت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اب اس وقت محمد احمد کی طلاق کے بعد جب تین ماہواری گذر جائے گی، تو صرف مجاہد کے لئے اس کے ساتھ شادی کرنا جائز ہوسکتا ہے، محمد احمد کے لئے جائز نہ ہوگا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثاً لا تحل لزوجها الأول حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويخالطها وتذوق من عسيلته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث بيروت ۱۲/ ۲۹۵، رقم: ۱۳۴۲۹)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵، هداية اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹، تاتارخانية، زكريا ۵/ ۵۴۷، جديد ۱/ ۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۳۴/ ۶۳۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/ ۱۴۲۰ھ

حلالہ، مہر فاطمی اور حضانت سے متعلق سوال

سوال [۶۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) جاوید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیں، اس کے چار بچے بھی ہیں، اب دوبارہ ساتھ رکھنا چاہتا ہے شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) مہر فاطمی کی مقدار کتنی ہے؟

(۳) دو لڑکیاں ہیں ایک دس سال کی دوسری ایک سال کی دو لڑکے ۱؍ چھ سال،

۲/ پانچ سال کی عمر کے ہیں ان کو باپ لے سکتا ہے یا ماں کے پاس رہیں گے؟ ماں کے پاس رہنے کی صورت میں خرچہ کس پر ہوگا؟

المستفتی: محمد انیس، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جاوید نے جو اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، اس سے بیوی کے اوپر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں؛ اس لئے آئندہ بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح درست نہ ہوگا اور حلالہ کی شکل یہ ہے کہ عدت گذرنے کے بعد کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کر کے اس کے ساتھ ہمبستری ہو جائے، پھر وہ اس کو طلاق دیدے، تو دوبارہ عدت کے بعد جاوید کے لئے مذکورہ بیوی کے ساتھ نکاح کرنا درست ہوگا۔

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ، ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه. (سنن دار قطني، كتاب الطلاق، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة، وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيرهٗ نكاحاً صحيحاً ويدخل بها، ثم يطلقها، أو يموت عنها.

(عالمگيري، زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥)

(۲) موجودہ اوزان کے حساب سے مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کیلو۳۰ ر گرام ۹۰۰ رسو ملی گرام چاندی ہے؛ لہٰذا اب دس گرام کے تولہ کے حساب سے مہر فاطمی کی مقدار ۱۵۳ ر تولہ ۹۰۰ رملی گرام چاندی یا اس کی قیمت ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹)

(۳) لڑکیاں جب تک بالغ نہ ہو جائیں اور لڑکے جب تک سات سال کے نہ ہو جائیں، حق پرورش ماں کو حاصل رہے گا اور بچوں کی تعلیم وتربیت وغیرہ کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا اور تعلیم وتربیت جیسے باپ کہے اسی طرح کرنا لازم ہوگا۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أي بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتىٰ؛ لأنه الغالب. (شامي، كراچي ٣/٥٦٦، زكريا ٥/٢٦٧)

والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض: أي تبلغ في ظاهر الرواية.

(در مختار مع الشامي، كراچي٣/٥٦٦، زكريا٥/٢٦٨)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه أحد. (عالمگيري، زكريا قديم ١/٥٦٠، جديد ١/٦٠٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(فتویٰ نمبر: الف ۹۲۹۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۵/۱۴۲۸ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعه قاسمیه

مدرسه شاهی مرادآباد، الهند

(جلد۰)

المجلد....

ب

.. ______ ..

ناشر

مکتبه اشرفیه، دیوبند، الهند

01336-223082

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

فہرست عناوین

مسئلہ نمبر	۱۵ بقية كتاب الطلاق	صفحہ
	(۲۰) باب تعليق الطلاق	۳۱

(۲۱) باب تفویض الطلاق　　۱۸۱

(۲۲) باب الفسخ و التفریق ۱۹۱

(۲۵) باب الطلاق علی المال ۴۱۳

(۲۶) باب العدة ۴۳۵

	(۲۷) باب النفقة والسکنی	۶۲۳

(۲۸) باب ثبوت النسب ۶۸۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۷ بقیة کتاب الطلاق

۲۰ باب تعلیق الطلاق

یمین فور کا حکم

سوال [۶۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کو ان کے والد صاحب کوئی اچھی بات سمجھا رہے تھے اس پر لڑکے نے غصہ میں آکر کہا کہ اگر ہم آپ کی اجازت کے بغیر اور بغیر پڑھے ہوئے وہاں جائیں یا لڑکی کے یہاں جائیں تو ایسی صورت میں ایک دو تین طلاق، اس دن سے ابھی تک لڑکا وہاں نہیں گیا اور لڑکی سے بول چال بھی نہیں کیا، یہ بات لڑکی کے سامنے نہیں ہوئی ہے، لڑکی کا گھر ایک کلو میٹر دور تھا اب حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی: محمد صلاح الدین مقام چاندسنگ پٹی ضلع سپول (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تعلیم چھوڑ کر آپ کی اجازت کے بغیر جائے گا تو تین طلاق ہو جائیں گی، لیکن اگر ایک دفعہ آپ کی اجازت ومرضی سے تعلیم کو باقی رکھتے ہوئے جاتا ہے تو طلاق نہ ہوگی اور پھر اس کے بعد آپ کی اجازت یا بغیر اجازت بار بار جا سکتا ہے، بس پہلی مرتبہ اجازت اور سلسلۂ تعلیم کی شرط ہے۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه، زكريا قديم ۱/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨، هدايه، اشرفى ديوبند ٢/ ٣٨٥)

تبطل اليمين ...... إذا وجد الشرط مرة. (در مختار على هامش رد المحتار، كراچی ۳/ ۳٥٢، زكريا ٤/ ٦٠٥)

وألفاظ الشرط إن، و إذا، و إذاما، و كل، ومتى، ومتى ما: ففي جميعها إذا وجد الشرط انتهت اليمين. (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨، ٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۷ھ

یمین فور میں بعد میں اجازت لے کر گھر سے نکلے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے غصہ میں اپنی بیوی سے کہا: کہ گھر سے قدم نکالا تو نکاح سے باہر ہو جاؤ گی، اب لڑکے سے ملنا بہت مل لی، شوہر کے یہ الفاظ کہنے کے بعد عورت نے اپنے شوہر کو کسی طرح راضی کر لیا اور تین دن کی مدت میں گھر سے باہر نہیں گئی اور تین دن کے بعد یہ عورت اپنے شوہر کی اجازت سے گھر سے باہر نکلی اس مدت میں عورت پر طلاق پڑی یا نہیں؟ طلاق پڑی تو کون سی طلاق پڑی؟

المستفتی: محمد نعیم محلّہ تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بیوی باہر جانے کے ارادے سے شوہر سے ضد کر رہی تھی اور اسی وقت شوہر نے مذکورہ الفاظ کہے ہیں اور تین روز کے بعد گھر سے نکلی ہے تو بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ یہ شرعاً یمین فور ہے، اس میں فوراً نکلنے سے طلاق واقع ہوتی ہے، بعد میں نکلنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔

ولو أرادت المرأة الخروج فقال: إن خرجت فأنت طالق فحبست، ثم خرجت لم يحنث. (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفی دیو بند ٢/ ٤٨٦)

وشـرط لـلـحنث فی قوله: "إن خرجت مثلا فأنت طالق" ...... لمريد الـخـروج فعله فوراً، لأن قصده المنع عن ذٰلک الفعل عرفا و مدار الأيمان عـلـيـه و هـذه تسمی يمين الفور. (الـدر الـمـختـار مع الشامی، کراچی ۳/۷٦١-۷٦۲، زکريا ٥/٥٥۳-٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۹۰)

ان شاء اللہ کہہ کر تین طلاق دینا

سـوال [٦٩٠٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سسرال والوں سے کچھ ان بن ہوگئی تھی تو ایک مرتبہ لڑکی کے گھر والوں نے لڑکے کو اچانک پکڑ لیا اور جبراً طلاق لینا چاہتے تھے، تو لڑکے نے کہا کہ ان شاء اللہ میں طلاق دیدوں گا، زیادہ زور دینے پر لڑکے نے اس کے بعد ان شاء اللہ کہہ کر تین طلاق دیدی۔

المستفتی: محمد ایوب قاسم پور گڑھی، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: ان شاء اللہ کہہ کر جو طلاق دی جاتی ہے وہ واقع نہیں ہوتی ہے، لہٰذا صورت مذکورہ میں لڑکی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

وعـلـی کـل لا يـقـع الـطـلاق فـی مثـل أنت طالق إن شاء الله تعالیٰ.
(شامی، کتاب الطلاق، باب التعليق، کراچی ۳/۳۷۱، زکريا ٤/٦۳١)

إذا قال لامرأته أنت طالق إن شاء الله تعالیٰ متصلا به لم يقع الطلاق. (هنديه، الفصل الرابع في الاستثناء، زکريا قديم ١/٤٥٤، جديد ١/٥۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۷۱)

تعلیق طلاق کے فوراً بعد ان شاء اللہ کہنا

سوال [۶۹۰۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی شخص نے اپنی بیوی کے برقعہ پراور استعمال کی دیگر اشیاء پر طلاق کو معلق کرتے ہوئے کہا: کہ اگر تو نے یہ برقعہ یا دوسرے کپڑے استعمال کیے تو تیرے اوپر تین طلاق اور لفظ طلاق کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ بھی کہہ دیا۔

(۲) دوسرے اس شخص کی نیت بوقت طلاق یہ تھی کہ اگر اسی وقت استعمال کی تو طلاق بعد میں نہیں؟ لہٰذا اس طرح طلاق دینے سے بیوی نکاح سے خارج ہوجاتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: غیاث الدین دھامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر متصلاً ان شاء اللہ کہہ دیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی، نیز اس کی نیت یہ بھی تھی کہ برقعہ وغیرہ اسی وقت استعمال کیا تب طلاق ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں جب بیوی برقعہ یا دوسرے کپڑے بعد میں استعمال کرے گی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۴/۳۳۴)

إذا قال لامرأته: أنت طالق إن شاء الله تعالىٰ متصلا به لم يقع الطلاق. (هنديه، الفصل الرابع فى الاستثناء، زكريا قديم ۱/۴۵٤، جديد ۱/۵۲۰)

وعلى كل لا يقع الطلاق فى مثل أنت طالق إن شاء الله. (شامى، كراچى ۳/۳۷۱، زكريا٤/٦۳۱)

لأن قصده المنع عن ذٰلک الفعل عرفا و مدار الأيمان عليه و هذه تسمى يمين الفور. (درمختار كراچى ۳/۷٦۲، زكريا ۵/۵۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۱۰/ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۲۰ھ

طلاق کی تعلیق سے رجوع کا عدم جواز

سـوال [۶۹۰۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میاں بیوی کے درمیان رات میں جھگڑا ہوا، شوہر بیوی سے ناراض ہوکر برآمدے میں آکر لیٹ گیا بیوی شوہر کو منانے کے لیے اس کے پاس آکر خوشامد کرنے لگی تو شوہر نے پہلے یہ کہا ''میں اگر سال بھر میں تمہارے ساتھ ہمبستر ہوا تو تمہیں ایک طلاق پڑ جائے گی'' اور فوراً ہی کہا کہ ایسا نہیں؛ بلکہ اگر آج کی رات میں ہمبستر ہوا تو تمہارے او پر ایک طلاق پڑ جائے گی؛ چنانچہ شوہر نے بیوی کے ساتھ رات گزاری؛ لیکن ہمبستری نہیں کی، اب مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ آج کی رات کی جو قید لگائی وہ پوری ہوگئی یہ طلاق تو نہیں پڑی، لیکن پہلے جملے سے رجوع کر کے آج کی بات جو کہی ہے وہ تعلیق باقی رہی یا ختم ہوگئی، تعلیق سے رجوع کرنے سے تعلیق ختم ہوجاتی ہے یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں شوہر کا پہلے قول سے رجوع کرنا صحیح نہیں ہے، اس سے تعلیق ختم نہیں ہوگی، لہٰذا سال بھر میں کبھی بھی ہمبستری کرے گا تو طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ تعلیق سے رجوع درست نہیں ہے۔

ذكـر مـحـمـد في الـجـامع في رجل له امرأتان فقال لإحداهما أنت طـالق" إن دخلت هذه الدار لا بل هذه" فإن دخلت الأولىٰ الدار طلقتا و لا تـطـلق الثانية قبل ذٰلک لأن قوله لإحداهما أنت طالق إن دخلت هذه الدار تـعـلـيـق طلاقها بشرط الدخول وقوله لا رجوع عن تعليق طلاقها بالشرط و قـولـه بـل إثبات تعليق طلاق هذه بالشرط والرجوع لا يصح والإثبات صحيح فبقيت فيتعلق طلاقها بالشرط. (بدائع الصنائع زکریا۳/ ۵۶، کراچی ۳/ ۳۴)

قـال محمد في الجامع: وإذا كان لرجل امرأتان فقال لأحدهما أنت

طـالـق إن دخـلـت الـدار لا بـل هـذه و أشـار إلى المرأة الأخرى له لا تطلق واحدة مـنهـمـا مـا لـم تـدخل الأولى الدار فإذا دخلت الدار طلقتا جميعا.

(تاتارخانيه زكريا ٤/٦٣، رقم: ٦٩٣٣، هنديه زكريا قديم/ نمبر لگائیں كوئٹه ١/٤٥٤، هنديه اتحاد زكريا جديد ١/٥١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۵۸۶)

کیا شرط کو واپس لیا جا سکتا ہے؟

سوال [٦٩٠٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور دونوں اچھی طرح زندگی گزار رہے تھے، لیکن زید کی بیوی نے کچھ ناشائستہ حرکت کی اور زید نے بار بار سمجھایا لیکن سمجھانے سے کچھ اثر نہیں ہوا، حد تو یہ ہے کہ زید کی بیوی ہندہ ایک خالدہ لڑکی ہے جو شادی شدہ ہے لیکن اس کی رخصتی نہیں ہوئی ہے، اس لڑکی کے ساتھ اپنے شوہر زید کو تہمت لگا دی، حالانکہ زید اس سے پاک و صاف ہے اس تہمت کی وجہ سے زید کو غصہ آیا اور غصہ میں آکر شرط لگا دی کہ اگر خالدہ کو طلاق ہوئی اور اس کی شادی میرے علاوہ کسی دوسرے سے ہوئی تو میری بیوی کو تینوں طلاق ہیں، اور اب خالدہ کو طلاق ہونے والی ہے، اور زید شرط کو واپس لینا چاہتا ہے تو کیا شرط کو واپس لے سکتا ہے، اور خالدہ سے شادی نہ کرنے پر زید کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی؟

المستفتی: فضل الرحمٰن معرفت: مفتی لقمان مدرس: مدرسہ جامع الہدیٰ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر خالدہ کو طلاق ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جب تک خالدہ کا نکاح کسی دوسرے شخص سے نہ ہو جائے گا، زید کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوں گی، اور جس وقت خالدہ کا نکاح زید کے علاوہ دوسرے شخص سے ہو جائے گا اس وقت زید کی بیوی پر

تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور اگر خالدہ کسی سے نکاح نہیں کرتی ہے، تو طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرلے گی، یا موت واقع نہ ہو جائے گی، اس وقت تک زید کا خالدہ کے ساتھ نکاح کر لینے کا احتمال باقی ہے اور شرط کو واپس لینے کا جواز ثابت نہیں ہے، لہٰذا جب شرط کا ثبوت ہو جائے گا، طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر زید خود نکاح کر لے گا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت. (الدر المختار، باب التعليق كراچی ۳/۳۵۵، زكريا ٤/٦٠٩)

وإن وجد الشرط في الملك طلقت. (كنز الدقائق مكتبه مجتبائی دهلی ص: ١٢٧)

تنحل اليمين ببطلان التعليق إذا وجد الشرط مرة. (در مختار كراچی ۳/۳۵۲، زكريا ٤/٦٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۹۴/۳۱)

کیا تعلیق واپس لی جا سکتی ہے؟

سوال [۶۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ زید کی بیوی ہے، زید نے ہندہ سے جھگڑا کیا اور زید نے ہندہ سے جھگڑے کی حالت میں کہا کہ اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تم کو تینوں طلاق ہیں، پھر کچھ دنوں کے بعد بہت زیادہ سیلاب آیا تو زید نے ہندہ سے کہا کہ اب تو اس گھر میں داخل ہو جا، جس گھر میں داخل ہونے سے منع کیا تھا، اور ہندہ حمل کی حالت میں ہے اور زید کے ساتھ ہی رہتی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں ہندہ جس وقت بھی اس گھر میں داخل ہوگی اس پر طلاق مغلظہ پڑ جائے گی، مرد کو تعلیق واپس لینے کا کوئی حق نہیں ہے،

البتہ طلاق مغلظہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ مرد اسے ایک طلاق دیدے اور وہ عورت عدت گزارنے کے بعد اس گھر میں داخل ہو جائے پھر دوبارہ اس مرد سے نکاح کرلے تو پھر دوبارہ اس گھر میں داخل ہونے سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

فإن وجد الشرط فى الملک طلقت و انحلت لأنه وجد الشرط في الملک والمحل قابل للجزاء ...... **(وإلا لا و انحلت) أى و إن لم يوجد الشرط فى غير الملک.** (تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب التعليق، امداديه ملتان ۲/ ۲۳۵، زكريا ديوبند ۳/ ۱۱۸)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد فى الملک طلقت و عتق و إلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (در مختار، باب التعليق كراچى ۳/ ۳۵۵، زكريا ٤/ ٦٠٩، مجمع الأنهر، دار االكتب العلمية بيروت ۲/ ٦٢، شرح وقايه ياسر نديم ديوبند ۲/ ۱۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۹ھ

تعلیق ختم کرنے کا حیلہ

سوال [۶۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے لڑائی کے دوران بیوی کے بارے میں یہ کہا کہ ’’اگر میری بیوی آج کی تاریخ سے بازار میں خریداری کرے تو اس کو تینوں بول وہ آزاد ہے‘‘ یہ جملہ ایک مرتبہ کہا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اس جملہ سے طلاق ہو جائے گی؟ اگر بیوی بچوں کی فیس اسکول میں جمع کرنے جائے یا کوئی سامان اپنے بچے کے ذریعہ منگوائے تو کیا طلاق ہو جائے گی، واضح رہے کہ مذکورہ جملہ طلاق کی نیت سے ادا کیا ہے؟

(۲) دوسری بات یہ بھی دریافت کرنا ہے کہ شریعت میں کیا کوئی ایسی شکل ہے کہ جس سے یہ تعلیق ختم ہوجائے وہ شکل بھی تحریر فرمادیں؟

(۳) اگر اس سے نکاح ثانی کیا جائے تو کیا صرف میاں بیوی بغیر گواہان ایجاب و قبول کرلیں تو نکاح ہوجائے گا، یا گواہوں اور قاضی کا ہونا ضروری ہے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالاحد تمبا کو والا ن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر یہ طلاق کی نیت سے کہا ہے کہ بازاروں میں خریداری کے لیےجائے گی، تو اس کو تینوں بول وہ آزاد ہے، لہٰذا اب جب بھی بازاروں میں خریداری کے لیے جائے گی، تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور بیوی بچوں کی فیس جمع کرانے کے لیے اسکول جائے یا دوسرے کے ذریعہ بازار سے سامان منگوائے تو اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال لها ”ترا یکے اوترا سہ اوترا یکی وسہ“ قال الصفاد: لا يقع شيئ، وقال الصدر الشهيد: يقع بالنية و به يفتى، وقال القاضى: إن كان حال المذاكرة أو الغضب يقع و إلا لا يقع بلا نية كما فى العربى: أنت واحدة. (بزازيه، زكريا ١/ ١٢٨، وعلى هامش الهندية، زكريا ديوبند ٤/ ١٩٧)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه، زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد زكريا ١/ ٤٨٨، هدايه، اشرفى ديوبند ٢/ ٣٨٥)

(۲) اس طلاق کو ختم کرنے کے لیے فقہاء نے ایک حیلہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدے عدت گذرنے سے وہ شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی اسی حالت میں بازار جاکر سامان خرید لے سامان خریدنے کے بعد دو گواہوں کے روبرو نکاح کرلے اس کے بعد بار بار بازار جاتی رہے گی تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی، اس طرح سے عورت طلاق مغلظہ سے بچ سکتی ہے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۵۶)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد فى الملك

طلقت وإلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (در مختار مع الشامي، كراچی ۳/ ۳۵۵، زكريا ٤/ ٦٠٩، مجمع الأنهر، قديم ۱/ ٤٢١، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ٦٢)

(۳) کوئی نکاح بغیر گواہوں کے تنہا میاں بیوی کے ایجاب وقبول کر لینے سے منعقد نہیں ہوگا، انعقاد نکاح کے لیے دو عاقل بالغ مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہوں میں ہونا ضروری ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/ ۴۱۱)

ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين رجلين أو رجل و امرأتين عدولا كانا أو غير عدول. (هدايه، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۰٦، شامي زكريا ٤/ ۸۷، كراچی ۳/ ۲۱، ۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۱۶ھ

تعلیق واپس لینے کا حکم

سوال [۶۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص اپنی رفیقۂ حیات کو آپسی تکرار میں غصہ میں آ کر یہ کہے کہ اگر تو گھر سے باہر نکلی تو تجھے طلاق اور پھر اسی مجلس میں یہ کہے کہ میں نے اپنے الفاظ واپس لے لیے تو کیا شوہر کے یہ کہنے سے اس کے یہ الفاظ واپس ہو جائیں گے، اور طلاق نہیں پڑے گی جبکہ بیوی گھر سے جا چکی ہے، اس حال میں وہ پہلے سے باہر جانا چاہتی تھی، تو اب کیا حکم ہے؟

المستفتی: سید معاذ نا گپور مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں چونکہ بیوی گھر سے باہر جانا چاہتی تھی اور اسی دوران شوہر نے کہا کہ اگر تو گھر سے نکلی تو تجھے طلاق، تو اگر بیوی فوری طور پر چلی گئی ہے

تواس پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر رجعت کرکے رکھنے کی گنجائش ہے۔

شرط للحنث فی قوله إن خرجت مثلا فأنت طالق لمرید الخروج فعله فوراً لأن قصده المنع عن ذٰلک الفعل عرفا و مدار الأیمان علیه. (شامی، کراچی ۳/۷۶۱، ۷۶۲، زکریا ۵/۵٥٤)

لو أرادت المرأة الخروج فقال إن خرجت فأنت طالق فجلست ثم خرجت لم یحنث. (هدایه، کتاب الأیمان اشرفی دیوبند ۲/۴۸۶، نعیمیه دیوبند ۲/۴۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۴۹)

تعلیق بالشرط سے بچنے کی ایک صورت

سوال [۶۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ اپنے شوہر زید کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے نکل کر کسی کام سے دوسرے محلّہ میں جارہی تھی، اتنے میں زید کو معلوم ہوگیا تو اس نے غصہ میں آکر کسی سے کہا کہ جاکر ہندہ سے بول دو کہ اگر وہ دوسرے محلّہ کے اندر پہنچ گئی تو اسے تینوں طلاق پڑ جائیں گی، وہ شخص بھاگتے ہوئے ہندہ کا تعاقب کیا لیکن وہ شخص ہندہ کے پاس پہنچ بھی نہ سکا تھا کہ اتنے میں ہندہ اس محلّہ میں داخل ہوگئی، بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ میرے شوہر نے ایسا کہا اب طلاق پڑی یا نہیں، اگر پڑگئی تو پھر سابقہ شوہر کے پاس لوٹ کر آنے کی کیا شکل نکلے گی، جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتی: ریاض عالم ساکن رایدعلی، جلال گڈھ پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ تعلیق بالشرط کی صورت ہے، لہٰذا جب بھی دوسرے محلّہ میں بیوی جائے گی، اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی، اور طلاق مغلظہ سے

بچنے کے لیے یہ شکل ہوسکتی ہے کہ بیوی کو ماہواری آنے سے پہلے حالت طہر میں صرف ایک طلاق دیدی جائے، پھر وہ تین ماہواری کے ذریعہ سے عدت گذارے اس کے بعد بیوی شوہر کے نکاح سے باہر ہو جائے پھر اس کے بعد دوسرے محلّہ میں چلی جائے تو اس پر تین طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ بیوی نہیں رہی ہے، اور دوسرے محلّہ میں چلے جانے کے بعد پھر شوہر سے بغیر حلالہ کے نکاح کرلے اس کے بعد پھر زندگی بھر دوسرے محلّہ میں جاسکتی ہے، کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۱۸۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۳۱، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۱۱۹، امداد المفتیین ۶۵۸)

فإذا علق الطلاق بشرط وقع عقيبه و انحلت اليمين و انتهت لأن الفعل إذا وجد تم الشرط فلا تبقى اليمين. (الفقه الحنفي، وحيدى كتب خانه پشاور ٢/٢٣٣، كذا في العالمگيرى زكريا قديم ١/٤٢٠، جديد ١/٤٨٨، في الدر المختار على هامش رد المحتار كراچى ٣/٣٥٢، زكريا ٤/٦٠٥، هدايه اشرفى ديوبند ٢/٣٨٥)

فحيلة من علق الثلث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (الدر المختار على هامش رد المحتار كراچى ٣/٣٥٥، زكريا ٤/٦٠٩، مجمع الأنهر قديم ١/٤٢١، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۷۶)

اجازت سے تعلیق ختم نہیں ہوتی

سوال [۶۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنے سالے سے لڑائی کی اور لڑائی کے کچھ دن گذرنے کے بعد اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم نے اپنے بھائی سے بات کی تو تجھے طلاق اور پھر وہی شخص اپنی بیوی کو اپنے سالے سے بات کرنے کی اجازت دے رہا ہے تو کیا اگر اس کی بیوی اپنے بھائی

سے بات کرے گی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج کردہ صورت میں بیوی اپنے بھائی سے جب بات کرے گی، تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی، شوہر کی اجازت دینے کی وجہ سے جو طلاق بات کرنے پر معلق کی گئی ہے، اس کی تعلیق ختم نہیں ہوگی، اور ایک طلاق رجعی پڑنے کے بعد عدت کے اندر اندر رجعت کر کے میاں بیوی کی زندگی گذارنا جائز ہے۔

كطلقتك و أنت طالق و مطلقة يقع بها واحدة رجعية. (شامی، کراچی ۳/۳۵۵، زكريا ٤/٤٥٧)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت و إلا لا. (شامی، کراچی ۳/۳۵۵، زكريا ٤/٦٠٩)

الصريح كأنت طالق و مطلقة و طلقتك تقع واحدة رجعية. (البحر الرائق، كوئٹه ٣/٣٥٠، زكريا ٣/٤٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۸ھ

معلق شدہ تین طلاق سے بچنے کا حیلہ

سوال [۶۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے بیوی سے بول چال کے درمیان یہ کہہ دیا کہ اگر تو آج کے بعد اپنے ماں باپ بھائی وغیرہ کے گھر گئی تو تجھے تین طلاق، اس معاملے کے بعد سے اب تک بیوی میرے ساتھ ہے اپنے گھر نہیں گئی ہے اب بیوی کے ماں باپ اپنی لڑکی کو گھر لے جانا چاہتے ہیں، تو

آنجناب سے یہ معلوم کرنا ہے، کیا شریعت میں کوئی ایسا راستہ ہے، کہ میری بیوی پر طلاق نہ ہو؟

المستفتی: محمد آصف جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں شریعت نے تین طلاق سے بچنے کا یہ طریقہ بیان کیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر الگ کردے پھر جب عورت تین حیض گذار لے یا حاملہ ہونے کی صورت میں بچہ پیدا ہوجائے تو عورت خود بخود شوہر کے نکاح سے الگ ہوجائے گی، اب وہ میکہ چلی جائے، اس سے عورت پر کوئی طلاق نہیں پڑے گی، کیونکہ اب وہ اس کی بیوی نہ رہی پھر شوہر عورت سے دوبارہ نکاح کرلے تو اس طرح تین طلاق سے بچ سکتے ہیں، اب عورت بار بار میکہ جائے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۲۳۰، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۱۱۹، فتاویٰ دارالعلوم ۹/ ۴۱۴، امداد المفتیین ۶۵۸)

فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (در مختار مع الشامی کراچی ۳/ ۳۵۵، زکریا ٤/ ٦٠٩، مجمع الأنهر قديم ١/ ٤٢١، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۳۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۷ھ

تعلیق طلاق کو ختم کرنے کا حیلہ

سوال [۶۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد اکرم اور اس کی بیوی میں کسی بات کو لے کر تکرار ہوئی اکرم نے غصہ میں اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم اپنی ماں کے گھر جاؤ گی تو تمہیں تینوں طلاق ماں کے گھر جانے کا کوئی راستہ ہو تو آپ تحریر فرما دیں۔

المستفتی: محمد اکرم بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تین طلاق سے بچنے کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ اس عورت کو ایک طلاق رجعی دیدے اور عدت یعنی تین حیض پورے ہونے دیں لہٰذا عدت ختم ہونے پر وہ عورت شوہر کے نکاح سے خارج ہو جائے گی، اب یہ اپنی ماں کے گھر چلی جائے، قسم پوری ہو جائے گی، اور تین طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے یہ عورت اس وقت محل طلاق نہ رہی پھر اس عورت سے دو گواہوں کی موجودگی میں تھوڑے سے مہر کے ساتھ نکاح کر لے اس تدبیر سے حلالہ کی ضرورت نہ پڑے گی اور پھر ہمیشہ یہ اپنی ماں کے گھر جاتی رہے طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ تعلیق وقسم ایک دفعہ میں ختم ہو جائے گی۔

فإذا علق الطلاق وقع عقيبه و انحلت اليمين و انتهت؛ لأن الفعل إذا وجد تم الشرط فلا تبقى اليمين. (الفقه الحنفى وأدلته، مكتبه وحيدى پشاور ٢/٢٣٣)

وتنحل اليمين إذا وجد الشرط. (شامی، کراچی ٣/٣٥٥، زكريا ٤/٦٠٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۲۰
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۱۸ھ

تین شرطوں پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۶۹۱۶]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکر نے اپنی زوجہ کے واسطے اس کے عزیز کو خط لکھا، جس میں بکر نے تین شرطوں پر ایک طلاق کو معلق کیا تھا۔ لکھا کہ آپ میری زوجہ کو خط پڑھ کر سنا دیں وہ تینوں شرطیں اس طرح تھیں کہ ایک بھی نماز قضا نہ ہونے پائے سوائے ایام ماہواری کے، اپنے والدین کے گھر نہیں جانا سوائے جمعہ کے دن کے، وہ بھی صرف چند گھنٹے کے لیے اور اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں بھی نہیں جاؤ گی اگر ان تین شرطوں میں سے ایک بھی یا تینوں شرط توڑ دیں تو

ایک طلاق ہو جائے گی، بکر کی بیوی جب اس خط کو سن کر باخبر ہوئی تو اس نے ایک بھی شرط پر عمل نہیں کیا بلکہ تینوں شرطوں کو توڑ دیا، اور اب عدت بھی گذر چکی ہے اور اب بکر کے نکاح ثانی کے بعد بھی اس کے پاس نہیں رہنا چاہتی یعنی نکاح ثانی کے لیے تیار نہیں اور دین مہر جو معجّل تھا اس کا مطالبہ کر رہی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ کیا بکر کی زوجہ مذکورہ کسی غیر سے نکاح کر سکتی ہے بغیر دو طلاق اور لیے ہوئے۔

(۲) نیز زوجۂ بکر مہر کا مطالبہ کر رہی ہے کیا اس کو حق مہر کے مطالبہ کا حق ہے، جبکہ بکر کا کہنا ہے کہ ابھی دو طلاق کا میں مالک ہوں اور مہر معجّل ہے، اس لیے جب تک دو طلاق نہیں دوں گا اس وقت تک مہر ادا نہیں کروں گا یا پھر تم خلع کراؤ، کیا بکر کا اس طرح کہنا صحیح ہے، دوسری بات یہ بھی بکر کہتا ہے کہ تم نے شرطوں پر عمل نہیں کیا بلکہ خط سے مطلع ہوتے ہی شرطوں کو توڑ دیا تو گویا تم نے اپنی مرضی سے طلاق واقع کی اس لیے بھی بغیر دو طلاق لیے مہر ادا نہیں کروں گا، کیا بکر اس طرح کر سکتا ہے؟

(۳) نیز بکر نے دس سال قبل نکاح کیا تھا اس کا مہر مہر فاطمی قرار پایا تھا، دس سال قبل چاندی کی قیمت کم تھی، مثلاً: ساٹھ روپیہ تولہ، اور ابھی یعنی جدائی کے وقت چاندی کا بھاؤ اسّی روپیہ تولہ ہے تو مہر کی ادائیگی کس اعتبار سے ہوگی، آیا نکاح کے وقت کا اعتبار ہوگا یا جدائی کے وقت کا یا جدائی کے دو سال کے بعد مہر ادا کرے اور اس وقت چاندی کی قیمت اور زیادہ بڑھ گئی تو اب گویا تین صورتیں ہوئیں ایک معاملہ کا وقت (یعنی نکاح کا وقت) دوسرا جدائی کا وقت، تیسرا چند سال کے بعد ادا کر رہا ہے تو یہ وقت ان تینوں صورتوں میں سے کس صورت کا اعتبار ہوگا؟

بعض علماء کرام نے مہر فاطمی کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی لکھا ہے، جیسا کہ اوزان شرعیہ میں اسّی (۸۰)، مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے لکھا ہے تو یہ محقق اور مفتی بہ ہے یا آپ کے نزدیک کوئی اور مقدار ہے؟

(۴) نکاح جدید میں بعد از طلاق رجعی مہر جدید کی ضرورت ہے یا پہلا مہر کافی سمجھا جائے گا؟

المستفتی: این، اے خان اے ایم کے، اکل کوا مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)صورت مسئولہ میں تعلیق طلاق کی صورت میں شرط پائی جانے کے بعد ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت میں شوہر نے رجوع نہیں کیا تو انقضائے عدت کے بعد اب عورت بالکل آزاد ہوگئی ہے، اب عورت کو کلی اختیار رہے، چاہے بکر کے نکاح میں آنے کو اختیار کر لے یا انکار کر دے، اب اس پر کوئی زور وزبردستی جائز نہیں۔

عن عبد الله و عن أناس من أصحاب رسول الله ﷺ –إلى– فإذا طلق واحدة أو ثنتين فإما أن يمسک و يراجع بمعروف و إما يسكت عنها حتى تنقضي عدتها فتكون أحق بنفسها. (سنن کبریٰ للبیهقی، دار الفکر بیروت ۲۸۲/۱۱، رقم: ۹ ۵۵۳)

و كذا لو قالت امرأته لرجل طلقني زوجي و انقضت عدتي لا بأس أن ينكحها. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة کراچی ۵۲۹/۳، زکریا ۲۱۵/۵)

(۲) مہر معجّل میں عورت کو ہر وقت مطالبہ کا حق ہے اب جبکہ طلاق دیدی ہے تو اس کو فوری مطالبہ کا حق ہے اور شوہر کو ادائیگی میں تاخیر کی اجازت نہیں۔

ويتأكد عند وطئ أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما...... **أفاد أن المهر و جب بنفس العقد ...... و إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطئ و نحوه.** (شامی کراچی ۱۰۲/۳، زکریا ۲۳۳/٤)

اور شوہر کا یہ کہنا غلط ہے کہ اس کو ابھی دوطلاق دینے کا حق باقی ہے؛ اس لیے کہ اس کو یہ حق عدت کے اندر اندر تھا، اور عدت پوری ہو جانے کے بعد اب اس کا کوئی حق عورت کے ساتھ متعلق نہیں رہا، نیز بکر کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ شرطوں پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے عورت نے خود طلاق واقع کی ہے اس لیے کہ عورت نے کوئی شرط نہیں لگائی بلکہ یہ شرطیں بکر نے لگائی ہیں، اس لیے یہ طلاق بکر ہی کی طرف سے واقع ہوئی ہے، اب بکر کا کوئی حیلہ بیوی کے حق میں کام نہیں دے سکتا۔

الطلاق علی ثلاثة أوجه حسن و أحسن و بدعی، فالأحسن أن یطلق الرجل امرأته تطلیقة واحدة فی طهر لم یجامعها فیه و یترکها حتی تنقضی عدتها . (هدایه اشرفی دیوبند ۲/ ۳۵٤)

(۳) مہر فاطمی کی قیمت ادا کرنے کی صورت میں ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

وقیمة المکیل و الموزون یوم القبض. (عینی شرح هدایه، باب المهر قدیم ۲/ ۱۲۲، جدید اشرفی دیوبند ٥/ ۱۳۸)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مہر فاطمی کی جو مقدار (۱۳۰ تولہ ۳ ماشہ چاندی) اوزان شرعیہ میں تحریر فرمائی ہے وہی راجح اور مفتی بہ ہے اس کی مقدار موجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی بنتی ہے۔ (ایضاح المسائل ۱۳۰)

(۴) بکر کی مطلقہ بیوی بکر سے دوبارہ نکاح کرنے پر رضامند ہو جائے تو تجدید نکاح کے وقت دوبارہ نیا مہر متعین کرنا لازم ہوگا۔

ثم المهر واجب شرعا إبانة شرف المحل. (هدایه اشرفی دیوبند ۲/ ۳۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶٦۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

مغلظہ کی تعلیق کو ختم کرنے کی ترکیب

سوال [۶۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبد الحلیم پسر محمد عبد الرؤف مرحوم موضع بدلو چک وایا جگدیش پور بھاگلپور نے حالت نشہ میں اپنی بیوی کو دورانِ جھگڑا مارنے کے لیے دوڑا، جس سے بچنے کے لیے اس کی بیوی گھر سے باہر نکل گئی اور آمنے سامنے بات چیت ہونے لگی اسی دوران عبد الحلیم نے کہا کہ گھر آئے گی تو تم کو تینوں طلاق، لڑکی اسی وقت سے باہر ہے، گاؤں کے کچھ لوگ اکٹھے

ہوئے اور عبد الحلیم سے پوچھا تو عبد الحلیم نے اوپر جو لکھا گیا وہی جواب دیا، اس کے بعد عبدالحلیم کی بیوی سے پوچھا تو اس کی بیوی نے بھی وہی جواب دیا جو اوپر لکھا گیا ہے۔

مسئلہ دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہ ہوئی، نیز اگر نہیں ہوئی تو اس معلق کو دفع کرنے کے لیے کیا صورت ہے، لڑکی کا بیان ہے کہ اس جملہ کے بعد یہ کہا کہ کلیر ہو گیا لڑکے کا بیان ہے کہ ہم کو کچھ یاد نہیں ہے کہ کیا کہا؟

المستفتی: محمد ذکی احمد، بدلو چک جگدیش پور، بھاگلپور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عبدالحلیم نے جب تین طلاق کو بیوی کے آنے پر معلق کر دیا اور بیوی ابھی تک گھر میں داخل نہیں ہوئی تو شرعاً ابھی طلاق واقع نہیں ہوئی، اب اس معلق کو دفع کرنے کی صورت یہ ہے کہ عبدالحلیم اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدے، پھر عدت ختم ہونے کے بعد اس کی بیوی گھر میں داخل ہو جائے اس سے یمین پوری ہو جائے گی اس کے بعد اس سے نکاح کرلے اور عبدالحلیم کا یہ کہنا کہ معاملہ کلیر ہو گیا، اگر اس سے مراد تینوں طلاقوں کو فوری واقع کرنا ہے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور اگر اس سے محض سابقہ تعلیق کی طرف اشارہ کیا ہے تو اس سے کچھ بھی نہیں ہوا۔

فحيلته أن يطلقها واحدة ثم يدخلها بعد انقضاء العدة، ثم يتزوجها فإن دخلها بعد ذٰلک لا يقع شيئ لانحلال اليمين. (مجمع الانهر، كتاب الطلاق، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٢)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد فى الملك طلقت و عتق و إلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (در مختار مع الشامی، کراچی ٣/٣٥٥، زکریا ٤/٦٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۶۸)

طلاقِ ثلاثہ کی تعلیق سے بچنے کا حیلہ

سوال [۶۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احمد نے اپنی بیوی کو کسی غصہ کے موقع پر یہ کہا کہ اگر تم اپنی ماں کے گھر گئی تو تم کو تین طلاق، اور اگر میں تمہارے باپ کے گھر گیا تو پھر بھی تم کو تین طلاق، واضح رہے کہ باپ اور ماں دونوں کا گھر کوئی علاحدہ نہیں ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ احمد کی بیوی اپنے میکے کس طرح جائے گی اور خود احمد اپنی سسرال کس طرح جائے گا، جب کہ ابھی دونوں جوان ہیں، اور اس شرط کو موت تک نبھانا بھی مشکل، برائے کرم اگر شریعت میں کوئی گنجائش ہو تو صورت کو صاف اور واضح طور پر بتا کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

یوں میں نے ایک مولوی صاحب سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ بیوی کو ایک طلاق بائن دے کر جدا کردو اب وہ میکے چلی جائے اور اس درمیان میں تم بھی اس کے گھر جاسکتے ہو، عدت کے پورا ہونے پر پھر دوسرا نکاح نئے مہر کے ساتھ کرلو اب اس کے بعد آ، جا سکتی ہے، کوئی حرج کی بات نہیں، مگر اب تم دو طلاق کے مالک رہو گے، لیکن مولوی صاحب نے یہ مسئلہ بتا کر مفتیانِ کرام کی طرف رجوع کرنے کو کہہ دیا اس لیے رجوع کر رہا ہوں۔

المستفتی: محمد منور حسین، بورائیں، پوسٹ وایا بونسی، ضلع بانکا (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احمد کی بیوی کو تین طلاق سے بچانے کے لیے یہی شکل ہے کہ احمد اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے کر اپنے نکاح سے الگ کردے اور عدت گذرنے کے بعد بیوی میکے چلی جائے، اور احمد بھی اپنے سسرال یعنی بیوی کے میکے پہنچ جائے تو بیوی پر تین طلاق واقع نہ ہوں گی، اس لیے کہ اب محل طلاق باقی نہیں رہا ہے، اس کے بعد پھر بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان عقد نکاح ہو جائے، اس کے بعد میاں بیوی کی طرح وہ زندگی گزار سکتے ہیں، اور سسرال جا، آ بھی سکتے ہیں، اور بیوی میکے بھی جا، آ سکتی ہے،

یہی شکل ہے تین طلاق سے بچنے کے لیے۔

قال لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق ثلاثا فأراد أن يدخلها من غير أن يقع الثلاث فحيلته أن يطلقها واحدة ثم يدخلها بعد انقضاء العدة، ثم يتزوجها فإن دخلها بعد ذٰلک لا يقع شيئ لانحلال اليمين. (مجمع الانهر، كتاب الطلاق، باب التعليق، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٢)

فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحلة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (شامي زكريا ٤/ ٦٠٩، کراچی ٣/ ٣٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۰۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

طلاقِ ثلاثہ معلقہ سے بچنے کا حیلہ

سوال [۶۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صابر وصغیر النساء دونوں میاں بیوی بال و بچے والے غریب ومفلس ہیں، صابر اپنی مسلسل علالت کی وجہ سے ایک چھوٹی چائے کی دوکان کرتے ہیں (ہوٹل)، دونوں میاں بیوی اسی دوکان پر زیادہ عرصہ رہتے ہیں، صابر الجھنی مزاج بھی ہے، دونوں کی لڑائی ہوئی اور صابر نے کہا کہ اب اگر ہوٹل پر آئی تو تجھ کو تین طلاق، اسی وقت سے مسماۃ صغیر النساء بیچاری گھر پر رہتی ہے اور ہوٹل پر نہیں آتی اب صابر اپنی علالت اور کمزوری کی وجہ سے پریشان ہے، ضروری طلب امر یہ ہے کہ صابر اپنے کہے ہوئے الفاظ واپس لے سکتے ہیں، اپنی شرط توڑ کر کچھ کفارہ وغیرہ دے کر معاملہ درست ہوسکتا ہے؟ یا جو بھی حکم شریعت ہو تحریر فرمائیں۔

(۲) کیا ایسی شرط کو فسخ کیا جاسکتا ہے، اگر صغیر النساء ہوٹل پر آجائے تو طلاق واقع ہوسکتی ہے، اب صابر کیا کرے کہ کسی قسم کی طلاق واقع نہ ہو۔

المستفتی: نور الہدیٰ، رائے بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب شوہر نے بیوی کی طلاق کو ہوٹل میں جانے پر معلق کر دیا ہے تو بیوی جب ہوٹل پر جائے گی اس کو تین طلاق مغلظہ واقع ہو جائیں گی البتہ علماء نے اس سے بچنے کے لیے ایک حیلہ بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر بیوی کو فوراً ایک طلاق دیدے اس کے بعد بیوی عدت گذارے اور پھر عدت کے بعد ہوٹل پر جائے اس کے بعد شوہر بیوی سے نکاح کر لے، پھر اس کے بعد بار بار ہوٹل پر جانے سے دوبارہ طلاق واقع نہ ہوگی، اور مغلظہ ہونے سے بھی بچ جائے گی۔

فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (در مختار مع الشامی کراچی ۳/ ۳۵۵، زکریا ٤/ ٦٠٩)

فإن قال: إن دخلت الدار فأنت طالق ثلاثا فأراد أن تدخل الدار من غير أن يقع الثلاث فحيلته أن يطلقها واحدة و تنقضی العدة فتدخل الدار حتى يبطل اليمين و لا يقع الثلاث ثم يتزوجها فإن دخلت الدار لا يقع شيئ لبطلان اليمين. (شرح وقایه، یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند ۲/ ۱۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۹۸)

تین طلاق کو کسی شرط پر معلق کر دیا تو اس سے چھٹکارے کی صورت

سوال [۶۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا اپنے ماں باپ سے کافی دنوں سے جھگڑا چل رہا تھا، ایک مرتبہ کسی چیز پر بات بڑھ گئی جس پر زید نے غصہ میں آکر اپنی بیوی کے اوپر یہ شرط لگا دی کہ اگر آج سے تم نے ان کی کوئی چیز لی تو تم کو تین طلاق، اب شریعت میں کوئی ایسی صورت ہے جس سے زید کی بیوی زید کے ماں باپ کی چیز بھی لے سکتی ہو، اور طلاق بھی واقع نہ ہو، لہٰذا قرآن وحدیث کی

روشنی میں جواب تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد خالد پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کے لیے صرف اتنی گنجائش نکل سکتی ہے کہ زید اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دیدے اور عدت گذرنے کے بعد بیوی نکاح سے خارج ہو جائے گی، اور اسی حالت میں بیوی زید کے ماں باپ کی چیز لے لے، اس کے بعد پھر بیوی سے دوبارہ نکاح کرلے اس کے بعد بیوی جب زید کے والدین کی چیز لے گی تو طلاق واقع نہ ہوگی، اس کے علاوہ اور کوئی گنجائش نہیں ہے۔

فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة، ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب التعليق كراچی ۳۵۵/۳، زكريا ۶۰۹/۴، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۶۲/۲، شرح وقايه، ياسر نديم اينڈ كمپنى ديوبند ۱۰۱/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۷۴/۲۶)

تعلیق ثلاث سے بچنے کا حیلہ

سوال [۶۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید شراب پیتا تھا، ایک روز زید نے قسم کھائی کہ اگر میں نے آئندہ شراب پی تو میری بیوی کو تین طلاق، پھر زید نے اس قسم کے بعد اپنے یہاں کے مفتی صاحب سے دریافت کیا کہ اگر میں نے یار دوستوں میں بیٹھ کر شراب پی لی تو کیا ہوگا، مفتی صاحب نے فرمایا: کہ شراب مت پینا ورنہ آپ کی بیوی کو طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی، زید نے مفتی صاحب سے پھر کہا کہ اب کیا ہونا چاہیے، کوئی حیلہ نکال لیجئے، اس پر مفتی صاحب نے بتایا کہ

اولاً اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دے دیجئے، پھر فوراً نکاح ہوجائے گا، چنانچہ زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دی پھر فوراً مفتی صاحب سے اپنا نکاح پڑھوالیا، پھر اس کے بعد زید نے اپنے یار دوستوں کے شراب پلوانے پر شراب پی لی۔

مذکورہ صورت حال میں اس وقت زید کی بیوی کا شرعی حکم کیا ہے؟ اب تک جو ہوا ہو گیا اب کیا حکم ہے؟ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: بندہ محمد ادریس ساکن محلّہ بندوقچیاں قصبہ دھام پور، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اس طریقہ سے تین طلاق کو قسم کے ساتھ معلق کردیا ہے، کہ اگر میں نے آئندہ شراب پی تو میری بیوی پر تین طلاق ہیں، تو آئندہ شراب پینے پر بہر حال طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی جیسا کہ سوال نامہ میں مذکورہ مفتی صاحب کی طرف سے بھی یہی کہا گیا ہے، لیکن سائل کے اصرار پر ایک شرابی کو حیلہ بتلانا مفتی صاحب کا منصب نہیں ہے، اور اس طرح کے حیلہ کے بعد شرابی اگر شراب پینے لگ جاتا ہے تو گناہ سے حیلہ بتانے والا بری نہیں ہوسکتا، نیز جو حیلہ بتایا گیا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں ہے اس میں غلطی ہوگئی ہے جس کے نتیجے میں وہ حیلہ کالعدم ہونے کی وجہ سے اس کے بعد شراب پینے پر زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، اب وہ زید کی بیوی نہیں رہی، اور فقہاء نے تین طلاق سے بچنے کے لیے جو حیلہ بتایا ہے وہ ایسا نہیں ہے، بلکہ ایک طلاق دے کر کے بیوی کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے، حتی کہ اس کی عدت گذر جائے اور عدت گذرنے کے بعد محل طلاق باقی نہیں رہتی ہے، اس لیے جس عمل پر تین طلاق کو معلق کیا تھا اس عمل کا ارتکاب کرے گا، تو طلاق واقع نہ ہوگی، پھر اس عمل کے بعد عورت سے دوبارہ نکاح کرلے تو پھر کبھی آئندہ اس شرط کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٣٨٥، هنديه زكريا قديم ١/٤٢٠، جديد ١/٤٨٨)

فإذا أبان امرأته ثم طلقها ثلاثا فی العدة وقع. (شامی، باب الکنایات کراچی ۳/۳۰۷، زکریا ٤/٥٤١)

فحیلة من علق الثلاث بدخول الدار أن یطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل الیمین فینکحها. (شامی زکریا ٤/٦٠٩، کراچی ۳/۲۵۵، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٦٢، شرح وقایه، یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند ٢/١٠١)

لیکن اس بات پر خبر دار ہو جانا چاہیے کہ یہ حیلہ شرابی کے لیے نہیں ہے، اس لیے کہ شراب پینے کے واسطے ایسا حیلہ بتانا شرعی جرم ہے، اور شریعت میں جن حیلوں کی گنجائش ہے وہ شرعی ضرورت اور شرعی عذر کے پیش نظر ہیں۔ اور شراب پینا نہ شرعی ضرورت ہے، نہ ہی شرعی عذر ہے، بلکہ شرعاً گناہ عظیم کا ارتکاب ہے۔

المفتی الماجن و تحته علی هامشه و فی البنایة والمفتی الماجن الذی یعلم الناس الحیل الباطلة مثل أن یعلم المرأة حتی ترتد فتبین من زوجها و یعلم الرجل أنه یرتد فتسقط منه الزکاة ثم یسلم و لا یبالی أن یحرم حلالا أو یحلل حراما یفسد علی الناس دینهم. (البنایة فی شرح الهدایة کتاب الحجر، قدیم ۳/۷۸۹، المکتبة النعیمیة دیوبند ۱۱/۹۰، المکتبة الاشرفیة ۱۱/۹۰، هدایه، اشرفی بکڈپو دیوبند ۳/۳۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۷ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۰۰۷)	۱۴۲۴/۴/۱۷ھ

عورت کو تعلیق کا علم نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۶۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نسیم اور ان کی بیوی میں اکثر باتوں میں تو تو میں میں ہو جایا کرتی تھی اور وہ طلاق کا سوال کرتی ایک دن بیوی نے کہا میں تمہارے ماں باپ کے ساتھ نہیں رہوں گی، تو نسیم

نے کہا ٹھیک ہے، میں تو اپنے والدین کو چھوڑ کر تمہیں الگ لے کر رہنے کے لیے تیار ہوں، لیکن تم بھی اپنے والدین کو چھوڑو، اگر تم اپنے میکے گئی تو تم کو تین طلاق، اس کے بعد تقریباً پندرہ دن کے بعد بیوی میکہ جانے کے لیے ضد کرنے لگی اور کہنے لگی کہ میں اکیلی چلی جاؤں گی، تو نسیم نے کہا کہ اکیلی کیوں جاؤ گی یا تو میں تمہیں لے جاؤں گا یا اپنے والد کو بلالو اور چلی جاؤ، تو اس نے اپنے والد کو بلایا اور میکہ چلی گئی، تقریباً ایک ماہ بعد اپنے والد کے ساتھ سسرال آئی تو نسیم نے اس کے والد سے کہا: میں نے آپ کی لڑکی سے یہ کہا تھا اگر تم اپنے میکہ گئی تو تم کو تین طلاق، پھر کیوں اسے لے کر آئے ہو اسے واپس لے جاؤ، لیکن اس کے والد چپکے سے لڑکی کو سسرال میں چھوڑ کر چلے گئے، پھر دوسرے دن اس کے ماموں وغیرہ آئے اور لڑکی کو لے کر چلے گئے، لڑکی کا کہنا یہ ہے کہ میکہ جاتے وقت مجھے بتایا نہیں گیا کہ طلاق معلق کی گئی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عبید اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب نسیم صاحب صاف طور پر اس بات کا اقرار کر رہا ہے کہ جب تم اپنے میکہ گئی تو تم کو تین طلاق، اس کے بعد بیوی اپنے باپ کے ساتھ میکہ چلی گئی تو ایسی صورت میں بیوی پر تین طلاق واقع ہو کر شوہر پر قطعی حرام ہوگئی ہے اب بغیر حلالہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۹/۱۷۷، ڈابھیل ۱۳/۷۲)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه، زكريا قديم ۱/ ٤۲۰، جديد ۱/ ٤۸۸)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (هنديه، زكريا قديم ۱/ ٤۷۳، جديد ۱/ ٥۳٥، هدايه، اشرفى ديو بند ۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۰/۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۵۵)

الفاظ کنائی کوشرط پر معلق کرنا

سوال [۶۹۲۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی مسماۃ ہاجرہ خاتون اپنی سسرال میں تھی وہاں زیادہ دنوں سے بیمار رہتی تھی، ان لوگوں نے دواوعلاج کیا مگر طبیعت ٹھیک نہیں ہوئی تو میں علاج کے لیے اپنے گھر لے آیااور ہاسپٹل میں بھرتی کردیا جب ہاسپٹل سے گھرلے آیاتو بھی کافی کمزوری تھی یہاں تک کہ خود سے پانی وغیرہ بھی بھرنا مشکل تھا، اسی دوران ۲۵/ مارچ ۲۰۰۰ءکواس کا شوہرآیا اوراپنے ساتھ لے جانے کے لیے کہا، میں نے کہا: یہ ابھی کافی کمزور ہے اورعلاج چل رہا ہے کچھ دن اور رہنے دو جب اچھی ہوجائے گی تو لیے جانا، اورلوگوں نے بھی سمجھایا لیکن اپنے ساتھ لے جانے پر بضدرہا، میں نے کہا کہ جاکر اپنے گھروالوں میں سے کسی بڑے کوبھیج دیجئے ہم لوگ سنجیدگی سے بات کرلیں گے، لیکن وہ غصے میں گیااور درج ذیل رقعہ بھجوادیا:

''ازطرف اشتیاق...... ہاجرہ کومعلوم ہوکہ اگر کل ۱۲/ بجے دن میں نہیں آئی تو ہمارا تم سے رشتہ الگ ہوجائے گا''

پھر دوسرے دن ۱۲/ بجے سے بہت پہلے اس کے گھر سے کئی لوگ آئے کہ ۱۲/ بجے سے پہلے آپ جانے دیجئے تاکہ کام بن جائے پھرلے آنا، علاج کے لیے، لیکن میں نے نہیں جانے دیا، اور ۱۲/ بجے کے بعد وہ لوگ مایوس ہوکر چلے گئے، پھر کچھ دن بعد کئی آدمیوں کوبھیجا، جس میں دو عالم دین اوراس کا ایک بھائی بھی تھا اس دن جو کچھ بات چیت ہوئی درج ذیل ہے:

(۱) شوہر کی طرف سے جولوگ آئے تھے انہوں نے کہا کہ بھائی جو کچھ ہونا تھا ہو گیا، لڑکے نے غلطی کردی، اب ہم لوگ تو صرف آپ کی منت سماجت کرسکتے ہیں، کہ پھر سے کام بن جائے، لیکن میں نے سختی سے انکار کردیا کہ اب کوئی گنجائش نہیں ہے، اس پر میرے داماد کے بھائی نے بڑے غصے میں کہا کہ گنجائش کیوں نہیں ہے ہم لوگ کچھ سمجھ کر ہی

آئے ہیں، مولوی صاحب نے کہا ہے کہ تم لوگ لے کر آؤ، میں نکاح پڑھا دیتا ہوں ہو جائے گا، لیکن میں نے انکار کیا۔

(۲) پھر ان لوگوں میں سے کسی نے کہا کہ ارے بھائی ہم لوگ بھی ذرا لڑکی سے سمجھ لیں، اگر تیار ہو تو بنا ہی لیا جائے، اس پر ان میں سے ایک عالم دین نے بہت ڈانٹا کہ اب آپ لڑکی سے کیسے بات کر سکتے ہیں جب کہ وہ آپ کی بہو نہیں رہی تو اجنبیہ سے کیسے بات کر سکتے ہیں؟ اس دن پھر لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔

(۳) ہماری طرف سے طلاق ہو جانے کے بعد سامانوں کا لین دین ہو جاتا ہے، میں نے کہہ دیا تھا کہ میری طرف سے لوگ جائیں گے جہیز کا سامان واپس کر دیجئے گا تو ان لوگوں نے سامان واپس کر دیا اور سسرال والوں کی طرف سے لڑکی کو جو زیور وغیرہ ملا تھا میں نے بھی واپس کر دیا۔

(۴) کئی لوگوں نے ہاجرہ کے شوہر سے پوچھا کہ بھائی تم نے اپنی بیوی کو کیوں چھوڑ دیا تو سب سے یہی کہا کہ بیمار رہا کرتی تھی اس لیے چھوڑ دیا (ہماری طرف ''چھوڑ دیا'' کا لفظ طلاق دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) اب چودہ مہینے کے بعد کہہ رہا ہے کہ میں نے مسئلہ پوچھا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی ہے، اور واضح ہو کہ استفتاء میں صرف یہی بات اس نے لکھی ہے کہ میں نے یہ لکھا کہ ہاجرہ کو معلوم ہو کہ اگر کل ۱۲/ بجے دن میں نہیں آئی تو میرا تم سے رشتہ الگ ہو جائے گا۔

(۵) جس دن سامان کا لین دین ہوا، اسی دن عدت کا خرچہ بھی شوہر کی طرف سے مل گیا، ہاجرہ کا شوہر میرے ایک واقف کار کے پاس اب چودہ مہینے کے بعد گیا اور کہہ رہا تھا کہ آپ جا کر میرے سسر سے کہہ دیجئے، کہ میری بیوی کو آنے دیں، طلاق واقع نہیں ہوئی، تو انہوں نے کہا کہ تم کیسی بات کر رہے ہو؟ کہ طلاق نہیں ہوئی ہے، جب کہ سامان کا لین دین بھی ہو چکا ہے، اور عدت کا خرچہ وغیرہ بھی دے چکے ہو اور جو لوگ تمہاری طرف سے شروع میں گئے تھے اس دن کے گزر جانے کے بعد جس دن پر تم نے رشتہ الگ ہو جانے کو معلق کیا تھا تو ان لوگوں نے بھی یہی کہا تھا کہ پھر سے بنا دیجئے، مولوی صاحب نے کہا ہے

کہ لے آؤ میں نکاح پڑھا دیتا ہوں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رقعہ میں جو مضمون لکھا تھا اس سے کیسی طلاق پڑے گی اگر کنایہ کا لفظ ہونے سے طلاق کا وقوع نیت پر موقوف ہے تو ۱/۲/۳/۴/۵/ میں درج کی گئی باتوں سے کیا ثابت ہوتا ہے، ان باتوں سے طلاق کی نیت صاف طور سے ظاہر ہوتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: مشتاق احمد ولد حاجی نور محمد محلّہ نئی بستی پارہ پورہ معروف پوسٹ کرتھی جعفر پور مئو (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب طلاق کے لیے کنائی الفاظ کو کسی شرط پر معلق کیا جائے تو طلاق کا قرینہ اور شرط کے پائے جانے کے بعد ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے، لہٰذا جب شوہر نے بیوی کو لکھا کہ ”اگر کل ۱۲/ بجے دن میں نہیں آئی، تو ہمارا تم سے رشتہ الگ ہو جائے گا“ ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی تحریر بیوی کو لکھنا طلاق اور رشتہ ختم کرنے ہی کی نیت سے ہوتا ہے، اور جب بیوی کل ۱۲/ بجے دن میں نہیں آئی، لہٰذا شرط پائی گئی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، اور بعد میں جتنی مرتبہ شوہر نے لوگوں کے پوچھنے پر ”چھوڑ دیا“ کا لفظ کہا ہے وہ سابقہ طلاق بائن کی خبریں ہیں ان خبروں کی وجہ سے پھر کوئی نئی طلاق نہیں پڑے گی، چونکہ طلاق بائن واقع ہو چکی ہے اس لیے سامان جہیز وغیرہ واپس کرنا سب صحیح ہوگا، اور ہاجرہ شوہر کے نکاح سے آزاد ہو چکی ہے، وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، ہاں البتہ سابقہ شوہر کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے، اور چونکہ طلاق مغلظہ نہیں ہوئی ہے اس لیے حلالہ کی ضرورت نہیں، ہاں البتہ شرعی طور پر باضابطہ نکاح کر کے اس شوہر کے پاس رہ سکتی ہے، حاصل یہ ہے کہ اب ہاجرہ کو کلی اختیار حاصل ہے کہ چاہے سابقہ شوہر کے ساتھ نکاح کر کے رہے اور چاہے تو دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارے۔

(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/۶۲، احسن الفتاویٰ ۵/۱۹۲)

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن

دخلت الدار فأنت طالق. (هدايه، اشرفی دیوبند ٢/ ٣٨٥، هنديه زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ۷۴۳۱)

اگر تو اس وقت میرے پاس نہیں آئی تو میری طرف سے طلاق طلاق

سوال [۶۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ زید نیک پرہیز گار آدمی ہے ایک دن زید نے اپنی بیوی ہندہ سے مباشرت کے موقع پر کہا کہ اگر تو اس وقت میرے پاس نہیں آئی تو میری طرف سے طلاق طلاق، دو مرتبہ کہا، ہندہ نے کہا: کیا مطلب، زید نے کہا: چھوڑنا، پھر زید قسم کھا کر کہتا ہے کہ نہ تو میرے دل میں طلاق دینے کی نیت تھی، یعنی طلاق دینے کی نیت نہیں تھی، صرف ہندہ کو ڈرانے کا ارادہ تھا کہ ڈر کر میرے پاس آجائے اور نہ ہی زید کی طلاق دینے کی نیت تھی اور نہ ہی اس نے اپنے منھ سے طلاق یا اور کوئی ٹائپ کا لفظ ادا کیا، صرف دل میں زید کے یہ تھا کہ فی الوقت میرے پاس آجائے اور کچھ ہی منٹ کے بعد میرے پاس آگئی اور زید وہندہ ہمبستر ہو گئے۔

برائے کرم قرآن وحدیث اور مستند فقہ کی روشنی میں مدلل جواب دے کر خادم کو ممنون ومشکور فرمائیں۔ جزاک اللہ خیرا، بینوا وتوجروا......طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد ہاشم قریشی محلّہ قریشیان، محبوب ٹریکٹر والوں کے پاس، چندوسی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں ہندہ پر دو طلاق رجعی واقع ہو گئی ہیں۔

وقعتا رجعيتين لو مدخولا بها كقوله أنت طالق أنت طالق . (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح زكريا ٤/ ٤٦٣، كراچی ٣/ ٢٥٢، كوئٹه ٢/ ٤٦٨)

اور بعد کی ہمبستری کی وجہ سے رجعت بھی ثابت ہوگئی، بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے، آئندہ بہت احتیاط کی ضرورت ہے اگر آئندہ کسی وقت بھی ایک دفعہ کہہ دے گا تو تین طلاق واقع ہو کر مغلظہ ہو جائے گی۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هداية، باب الرجعة اشرفي ديو بند ٢/٣٩٤، هنديه زكريا قديم ١/٤٧٠، جديد ١/٥٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۶۰۹)

آج کے بعد میرا کہنا نہ مانا تو طلاق

سوال [۶۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے پانی مانگا، ایک لڑکی نے پانی لا کر دیا، اس نے پانی پیا، پھر دوسری بار پانی مانگا، ایک لڑکی نے پانی لا کر دیا، وہ پانی اس نے پھینک دیا، پھر زید اپنی بیوی کے پاس گیا، ایک ہاتھ اس کو مارا اور یہ کہا کہ ''آج کے بعد میرا کہنا نہ مانا تو طلاق'' زید کا لڑکا اور ایک پڑوسی جو گھر کے باہر کھڑے تھے، ان کا بیان ہے کہ ہم نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر میرا کہنا نہیں مانے گی تو طلاق، ایک پڑوسی کا بیان ہے جو کافی دیر سے اس کے پاس موجود تھے اور زید کی بہن بھی تھی ان کے سامنے کئی بار یہ الفاظ کہے کہ ''اگر میرا کہنا نہیں مانے گی تو میں تجھ کو طلاق دیدوں گا'' زید نے اپنے ایک لڑکے کو جواب دیا جب اس نے اس سے یہ پوچھا تھا کہ تم نے کیا کہا تھا، ایک بار تو کہہ دیا، اگر تو کہے تو دوبارہ اور کہہ دوں، زید شراب کا عادی ہے۔

المستفتی: امام الدین قصبہ کانٹھ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال مذکورہ صورت میں چار

عبارتیں ہیں، ان میں سے:

(۱) آج کے بعد میرا کہنا نہ مانا تو طلاق۔

(۲) اگر میرا کہنا نہیں مانے گی تو طلاق۔

ان دونوں کے مطابق اگر آئندہ بیوی کہنا نہ مانے گی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكنإن وجد في الملك طلقت. (در مختار، باب التعليق، كراچی ۳/۳۵۵، زكريا ۴/۶۰۹، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۲/۲۳۵، زكريا ديوبند ۳/۱۱۸)

تیسری عبارت محض ایک وعدہ ہے، اس پر کوئی حکم نہیں لگے گا۔

أنا أطلق نفسي لم يقع لأنه وعد. (در مختار كراچی ۳/۳۱۹، زكريا ۴/۵۵۹)

عبارت (۴) کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طلاق دے چکا ہے، اور باقی کے متعلق لڑکے کو دھمکی دے رہا ہے، تو اگر ایک طلاق دے چکا تھا تو اس سے صرف ایک طلاق صریح رجعی واقع ہوچکی ہے، عدت کے اندر اندر رجعت کرکے بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے۔

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هدايه، اشرفي ديوبند ۲/۳۹۴، هنديه زكريا قديم ۱/۴۷۰، جديد ۱/۵۳۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۸/محرم ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۵۴)

اگر تم میری ماں کی خدمت نہیں کروگی تو تم میری بیوی نہیں

سوال [۶۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ اگر تم میری ماں کی خدمت نہیں کروگی تو تم میری بیوی نہیں، اگر اس کی بیوی نے خدمت نہیں کی تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو

جائے گی یانہیں؟ نیز اگر خدمت کی مگر کچھ مہینے کی تو اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: طلاق معلق بالشرط بوقت تحقق شرط واقع ہوجاتی ہے، اور طلاق صریح اگر معلق ہوتو بلانیت اور اگر طلاق کنائی ہوتو نیت کے ساتھ واقع ہوتی ہے، صورت مسئولہ میں طلاق کو ماں کی خدمت نہ کرنے پر معلق کیا گیا ہے، اور الفاظ طلاق کنائی استعمال کیے گئے ہیں، لہٰذا بیوی نے اگر شوہر کی ماں کی خدمت نہیں کی تو اگر بنیت طلاق مذکورہ الفاظ ’’کہ تو میری بیوی نہیں ہے‘‘ کہے تھے، تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی اور اگر خدمت کر لی خواہ کچھ ہی مہینہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی ۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۰/۶۲)

ولو أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته أن دخلت الدار فأنت طالق. (هدايه، اشرفی دیو بند ۲/ ۳۸۵)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد فى الملك طلقت. (در مختار مع الشامى، زكريا ٤/ ٦٠٩، كراچى ٣/ ٣٥٥، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٢/ ٢٣٥، زكريا ٣/ ١١٨)

وفى الكنايات: ففى حالة الرضا أى غير الغضب والمذاكرة تتوقف الأقسام الثلاثة تاثيرا على نية للاحتمال. (در مختار مع الشامى، كراچى ٣/ ٣٠٠، زكريا ٤/ ٥٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۹/ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۳۰۶)	۱۴۲۲/۷/۴ھ

اگر تم نے میری والدہ کی خدمت نہیں کی تو تم میری بیوی نہیں

سوال [۶۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم نے میری والدہ کی خدمت نہیں کی تو تو میری

بیوی نہیں، اگراس کی بیوی نے اس کی والدہ کی خدمت نہیں کی تو کیا اس صورت میں اس کی بیوی کوطلاق واقع ہوجائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس صورت میں فی الحال بیوی پرطلاق واقع نہیں ہوگی، اسی طرح اگروالدہ کی زندگی میں کبھی بھی بیوی کی جانب سے والدہ کی خدمت کرنا پایا گیاتو کبھی بھی طلاق نہ ہوگی، لیکن اگروالدہ کا انتقال ہوگیااور بیوی کی جانب سے خدمت کرنانہیں پایا گیا تو والدہ کی موت کے وقت بیوی پرایک طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ١٠/ ٥١)

بخلاف ما إذا كان الشرط الحنث أمرا عدميا مثل إن لم أكلم زيدا أو إن لم أدخل فإنها لا تبطل بفوات المحل بل يتحقق به الحنث لليأس. (شامی، کتاب الطلاق، باب التعليق كراچی ٣/ ٣٤٩، زكريا ديوبند ٤/ ٦٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩/ محرم الحرام ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/ ٦٤٥٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٩/ ١/ ١٤٢١ھ

گھر سے قدم نکالتے ہی طلاق واقع ہوجائے گی، کئی مرتبہ کہنا

سوال [٦٩٢٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ٧/ مارچ ١٩٩٩ء کو آسماء پروین بنت رفیق علی صاحب چوراہا جامع مسجد سے مسلم رواج کے مطابق شادی کی تھی، آسماء پروین کے کہنے پر میں آسماء کونمائش میں لے گیا تھا، جبکہ میری والدہ، بہنیں، بھائی کوئی بھی نمائش نہیں جاتا، نمائش میں لے گیا، نمائش میں آسماء نے غیر مرد سے مصافحہ ملایا اور سلام کیا اس کے ساتھ کھایا اور پیا اور میں دیکھتا رہا۔

آسماء پروین کا کافی علاج کرانے پر بھی کوئی بچہ نہیں ہوا، اب ڈاکٹروں نے آسماء کی زیادہ عمر بتا کر ہمیشہ کے لیے ناامیدی ظاہر کردی۔

میری پڑوسن اور پڑوسیوں نے مجھے بتایا کہ تمہارے پیچھے آسماء گھر سے چلی جاتی ہے اور دو ڈھائی گھنٹے کے بعد آتی ہے، اس بات کی میں نے اپنی والدہ سے تصدیق کی تو والدہ صاحبہ نے کہا: ہاں اکثر دو ڈھائی گھنٹہ کے لیے چلی جاتی ہیں، جب یہ بات میں نے آسماء سے معلوم کی تو مجھے الٹے سیدھے جواب دیئے اور بدکلامی کرتی ہے۔

میں اپنے وقت مقررہ سے پہلے گھر آیا تو آسماء گھر پر نہیں تھی، ایک مرتبہ آسماء اپنے میکے گئی ہوئی تھی، شام کو چار بجے آسماء کے میکے گیا وہاں آسماء گھر میں نہیں تھی، وہاں میں نے اپنی ساس صاحبہ سے آسماء کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے ایک تعلقاتی کے گھر جانے کی بات کہی، میں نے وہاں جاکر آسماء کے بارے میں معلومات کی، شام چار بجے سے رات ۱۰ر بجے تک آسماء وہاں نہیں پہنچی، تب ۱۰ر بجے میں نے اپنی سسرال جاکر دیکھا، اسماء میکے میں تھی، اتنی دیر کہاں تھی، تو کوئی تسلی بخش جواب مجھے آسماء سے نہیں ملا، میرے سوال سنتے ہی اسماء پروین بگڑ گئی اور مجھے جواب دیا میں تیرے ہاتھ بک نہیں گئی ہوں، آنے جانے پر پابندی لگاتا ہے اور بدتمیزی کرنے لگی، میں نے آسماء پروین سے یہ الفاظ کہے کہ اب جہاں کہیں بھی جاؤ گی مجھ سے معلوم کر کے جاؤ گی، میری اجازت کے بغیر کسی بھی حالت میں کسی کے بھی ساتھ گھر کے باہر گئی تو تم میرے نکاح میں نہیں رہوگی، گھر سے قدم نکالتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی، یہ الفاظ میں نے کئی مرتبہ وقتاً فوقتاً کہے تھے جس وقت یہ الفاظ کہے تھے اس وقت میری والدہ محترمہ بڑی بہن دونوں بڑے بھائی موجود تھے۔

۱۶ر دسمبر ۲۰۰۱ء رات کے گیارہ بجے گھر لوٹا تو والدہ صاحبہ نے مجھے بتایا کہ آسماء پروین کے بھائی بہن اور والدہ آئے اور آسماء کو لے گئے، شادی میں چڑھائے گئے سونے چاندی کے زیورات اور قیمتی کپڑے ساتھ لے گئی۔

(۱) کیا بچوں کی وجہ سے میں دوسری شادی کرسکتا ہوں؟

(۲) کیا آسماء پروین اب میرے نکاح میں ہے یا طلاق ہوگئی؟

(۳) کیا آسماء پروین کو میں میکے سے بلالاؤں؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں مجھے بتائیں کہ میں اب کیا کروں؟

المستفتی: سید محمد آصف، سرائے پختہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وقتاً فوقتاً پہلی بات کا تکرار اور یاد دہانی مقصد ہے تو ایسی صورت میں بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی پڑے گی، عدت کے اندر رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے، اور اگر آپ کی نیت پہلی شرط کی یاد دہانی اور تکرار مقصد نہیں ہے بلکہ نئے سرے سے طلاق کی شرط لگانا ہے، تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی، اور بغیر حلالۂ شرعیہ کے بیوی حلال نہ ہوگی، نیز اگر بیویوں کے نان ونفقہ، حقوق کی ادائیگی، اوران کے درمیان عدل وانصاف اور برابری کرنے پر قدرت رکھتا ہے تو اس کے لیے دوسری شادی کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۴/۰۷، کفایت المفتی ۶/۲۶۲، فتاویٰ دار العلوم ۷/۴۷)

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً .[النساء: ٢]﴾

وفي الولوالجية: الطلاق والعتاق متى علق بشرط متكرر يتكرر، واليمين متى علق بشرط متكرر لا يتكرر. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب التعليق، زكريا ديوبند ٤/٢٦، كوئٹه ٤/١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/محرم الحرام ١۴٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/ ٧۴۴٠)

میرے گھر سے نہیں نکلی تو طلاق پڑ جائے گی

سوال [٦٩٢٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی سے کہا، اگر تم آج میرے گھر سے نہیں نکلی تو تم کو طلاق پڑ جائے گی اس کے بعد زید کی بیوی گھر سے نکل کر اپنے میکہ جانے لگی، کچھ دور جانے کے

بعد موسم خراب ہونے کی وجہ سے وہ پھراسی دن اس بستی میں لوٹ آئی اس کے بعد ایک عورت آئی اور بولی کہ تمہارے شوہر نے کہا ہے آنے کے لیے، اس عورت کے کہنے پر زید کی بیوی اپنے گھر واپس آ گئی تو کیا ایسی صورت میں اس عورت پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عبدالسلام متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے طلاق کو گھر سے نکلنے پر معلق کیا ہے اور زید کے اس کہنے کے بعد فوراً بیوی گھر سے نکل گئی ہے، اس لیے زید کی بیوی پر اس واقعہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی، اور پھر اس کے بعد کسی کے کہنے پر شوہر کے بلانے پر یا اپنی مرضی سے گھر لوٹ آئی ہے اور اس کے بعد پھر گھر میں رہنے لگی ہے تو اب اس رہنے کی وجہ سے اور بعد میں گھر سے نہ نکلنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، ایک دفعہ میں قسم کا تقاضہ پورا ہوگیا ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور نہ آئندہ گھر میں رہنے سے طلاق واقع ہوگی۔

ففی هذه الألفاظ إذا وجد الشرط مرة، انحلت و انتهت اليمين لأنها غير مقتضية للعموم والتكرار لغة فبوجود الفعل مرة يتم الشرط وإذا تم وقع الحنث فلا يتصور الحنث مرة أخرىٰ إلا بيمين أخرىٰ. (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الأيمان فى الطلاق، زكريا ديوبند ٤/١٠٩، كوئٹه ٣/٤٤٩، دار الفكر بيروت ٤/١٢٣، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۱۹/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۷/۴ھ

میری اجازت کے بغیر اپنی ماں کے گھر بیٹھ میں گئی تو ایک دو تین

سوال [٦٩٣٠]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج ۲۴ رسال قبل میری شادی ہوئی تھی اولاد بالغ ہو چکی ہے لیکن وقتاً فوقتاً

ہم دونوں میاں بیوی میں تو تو میں میں ہوتی رہی، بعض مرتبہ بات بڑھ بھی جاتی ہے لڑائی جھگڑے ہوتے رہے ہیں، میں برداشت کرتا رہا، مؤرخہ ۲۰۱۰/۶/۱۸ء بروز جمعہ کچھ لڑائی ہوئی اور تو تو میں میں ہونے پر بات بڑھ گئی، چنانچہ میں نے اس وقت اپنی عورت سے یہ الفاظ کہے تھے کہ ''میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلی تو طلاق'' پھر اسی مجلس میں اور اسی وقت یہ بھی کہا تھا کہ ''میری اجازت کے بغیر اپنی ماں کے گھر پیٹھ میں گئی تو ایک دو تین'' (خیال رہے کہ پیٹھ کا اطلاق تقریباً آدھ کلومیٹر پر مشتمل ہے جس میں میری بیوی کے ماں کا گھر بھی ہے) اس وقت میری بیوی اپنی ماں کے گھر گئی نہ تھی، مؤرخہ ۲۰۱۰/۶/۲۵ء کو میری اجازت کے بغیر اپنی ماں کے گھر پیٹھ میں چلی گئی، اسی رات میں نے اپنے صاحبزادے محمد ہاشم، محمد اسحاق سے کہا کہ میں نے تیری ماں امی کو جانے کے لیے منع کیا تھا پھر بھی میری اجازت کے بغیر چلی گئی، اسے خبر نہیں کہ میں نے جو شرط رکھی ہے وہ واپس لوٹ کر آتی نہیں، اور واپس لی بھی نہیں جاتی ہے، مذکورہ شرطیہ طلاقیں میں نے دی ہیں اور یہ الفاظ میں نے کہے ہیں، تو اب شرعاً کیا حکم ہے؟ طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور کتنی طلاقیں واقع ہوئی ہیں اور کس قسم کی؟

(۲) مؤرخہ ۲۰۱۰/۶/۱۸ء کو مذکورہ بالا شرطیہ طلاق کے الفاظ کہنے کے بعد فوراً یہ بھی کہا تھا کہ ''دیکھ میمونہ خاتون (یہ میری بیوی کا نام ہے) تو اور تیری والدہ، تیری بہنیں، بھائی اور میری تیری اولاد اور تیرے بھائی کی بیویاں اور ماں باپ کے خاندان والوں میں سے کوئی بھی فرد آدمی'' حمیدہ (جو میری دوسری بیوی ہے) کو اور حمیدہ کی لڑکیوں کو اس کے گھر جا کر یا راستہ میں کسی بھی جگہ پر گالی گلوج، برا، خراب کہا اور لڑائی جھگڑا کیا یا حمیدہ کی لڑکیوں کا جہاں رشتہ منگنی ہو رہی ہو وہاں اس منگی و رشتہ کو توڑنے، ختم کرنے میں سعی وکوشش کریں تو طلاق، چونکہ اس سے قبل تقریباً ایک سال تک حمیدہ اور اس کی پانچ لڑکیوں کے ساتھ مذکورہ خراب حرکات کر چکی تھی، اس کے پیش نظر مجھے یہ قدم اٹھانے کی ضرورت پیش آئی، اور میں مجبور ہوا ان کو بارہا سمجھایا لیکن ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

اب ہوا ایسا کہ مؤرخہ ۲۰۱۰/۹/۲۰ء کے دن میری دوسری بیوی حمیدہ اپنی ایک لڑکی

کے ساتھ عصر کی نماز کے بعد اپنی حقیقی ممانی جوعدت گذاررہی تھیں، وہاں یعنی ان کے مکان سے اپنے ماں باپ کے گھر جارہی تھیں، تو میمونہ خاتون کی بہنوں نے اپنے مکان کے چھجہ میں نکل کر گالیاں، برا بھلا، خراب بولنا شروع کیا اور بڑی خراب گالیاں دیں، (حمیدہ کی ممانی کا مکان اور میمونہ خاتون کے والدین ماں باپ کا مکان گھر آمنے سامنے ہی ہے، جس وقت حمیدہ اپنی ممانی کے گھر سے نکل کر جارہی تھی تو نکلنے کے ساتھ ہی میمونہ کی بہنیں گھر کے چھجہ میں سے نکل کر گالیاں اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا، اور کہا تھا) تو شرط کا پورا ہونا کہا جائے گا یا نہیں؟ اور کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور کتنی کون سی واقع ہوگی؟

المستفتی: محسن کٹلرا اسٹور، پولن بازار پنچ محل، گودھرا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کا پورا حاصل یہ ہے کہ دونوں بیویوں میں سے میمونہ سے شوہر نے کہا ہے کہ ”میری اجازت کے بغیر اگر اپنی ماں کے گھر پیٹھ جاؤ گی تو ایک دو تین“ یہاں ایک دو تین سے طلاق ہی مراد ہے، اس کی دلیل اسی سوال میں شوہر کا کلام ہے، ”کہ میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلی تو طلاق“ پھر اسی مجلس میں اس نے یہ بات کہی کہ اس کی اجازت کے بغیر اپنی ماں کے گھر گئی تو ایک دو تین، لہٰذا جب اس واقعہ کے بعد بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اپنی ماں کے گھر پیٹھ چلی گئی ہے تو اس پر تین طلاق واقع ہو گئی ہیں اور بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۱/۴۶۴)

لو قال لامرأته أنت مني ثلاث، قال ابن الفضيل: إذا نوىٰ يقع، ولو قال: أنت مني ثلاثا طلقت، إن نوى أو كان في مذاكرة الطلاق. (شامی، كتاب الطلاق، باب الصريح، کراچی ۳/۲۷۵، ۲۷۶، زکریا ٤/٤٩٧)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه زكريا قديم ١/٤٢٠، جديد ١/٤٨٨، هدايه اشرفى ديوبند ٢/٣٨٥)

إذا كان الطلاق ثلاثا في الحرة .... لم تحل له حتى تنكح زوجاً

غیره و یدخل بها ثم یطلقها أو یموت عنها. (هندیه زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، هدایه، اشرفی دیوبند ۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۲۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۷ھ

آج کے بعد مجھ سے اجازت لے کر گئی تو میرے نکاح سے خارج ہو جائے گی

سوال [۶۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی اشفاق حسین ولد محمد عاشق مرحوم عمر ۶۵ سال ہے میری بیوی کچھ مسئلہ سے بھی واقف ہیں وہ میری اجازت کے بغیر کہیں جاتی تھی، ایک مرتبہ وہ اپنے لڑکے کے یہاں گئیں وہاں سے لڑکی کے یہاں چلی گئیں جب واپس آئیں تو مجھے غصہ آ گیا، میں نے دھونس دباؤ سمجھتے ہوئے کہہ دیا کہ آج کے بعد مجھ سے اجازت لے کر گئیں تو میرے نکاح سے خارج ہو جاؤ گی۔

المستفتی: اشفاق حسین محلّہ کالا پیادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اشفاق حسین نے مذکورہ الفاظ کہتے وقت طلاق کی نیت نہیں کی ہے، بلکہ صرف ڈرانے اور دھمکانے کی نیت کی ہے تو اب اجازت لے کر جائے گی تو بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔

هو خلیة بریة، وتحته فی الشامیة: بریة عن قید النکاح أو حسن الخلق. (در مختار زکریا ۴/۵۲۹، کراچی ۳/۲۹۸)

خلیة بریة تلزم النیة. (شامی کراچی ۳/۳۰۲، زکریا ۴/۵۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۶ھ

تیرے گھر کچھ کھایا پیا تو تجھے تین طلاق

سـوال [۶۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد ہارون نے اپنی بیوی سے لڑائی جھگڑے کے دوران کہا کہ ”اگر تیرے گھر کا کچھ بھی کھایا پیا یا تیرے بھائیوں نے مجھے کچھ بھی کھلایا پلایا تو شبانہ تجھے تین طلاق“ پھر شوہر محمد ہارون نے بیوی کے گھر یعنی میکے میں کھالیا تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوئی؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

نوٹ: شوہر نے بیوی کے گھر مؤرخہ ۱۵/ستمبر ۲۰۰۶ء کو کھانا کھالیا تھا تو اسی دن طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہارون اتوار کی پینٹھ، سرائے ترین، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شوہر نے یہی کہا ہے کہ اگر تیرے گھر کا کچھ بھی کھایا پیا تو تجھے تین طلاق ہے، اور پھر اس کے بعد بیوی کے والدین کے گھر جا کر کھالیا ہے تو بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، بغیر حلالہ کے آپس میں نکاح بھی درست نہیں ہے اور بیوی کو مخاطب کر کے یہ کہنا کہ ”تیرے گھر کا“ تو اس سے مراد شوہر کا گھر ہرگز نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد بیوی کے میکے والا گھر مراد ہوتا ہے اور جس دن کھایا ہے اسی دن طلاق ہوگئی تھی۔

إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط. (عالمگیری زکریا قدیم ۱/ ٤٢٠، جدید ۱/ ٤٨٨، هدايه اشرفی دیوبند ۲/ ۳۸۵)

وإن كان الطلاق ثلاثا فی الحرة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا فيدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (عالمگیری زکریا قدیم ۱/ ٤٧٣، جدید ۱/ ٥٣٥، هدايه اشرفی دیوبند ۲/ ۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۶۱:۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۱۹ھ

تیرے گھر کا کھانا کھایا تو تجھے تین طلاق

سوال [۶۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی سے تو تو میں میں کے درمیان یہ کہہ ڈالا کہ ”اگر تیرے گھر کا کچھ بھی کھایا پیایا تیرے بھائیوں نے مجھے کچھ بھی کھلایا پلایا تو (بیوی کا نام لے کر) تجھے تین طلاقیں“ بعدہٗ بیوی میکہ چلی گئی اس درمیان ساس اور بیوی ڈراتی اور دھمکاتی تھیں، پھر پنچایت کی گئی جس میں زید نے بیوی اور ساس کے ڈر سے دوبارہ پنچایت کے سامنے کہا (جس میں ایک عالم بھی شریک تھے) کہ اگر تیرے گھر کا کچھ کھایا تو تجھے طلاق، جس پر عالم مذکور نے ایک طلاق رجعی کا حکم فرمایا، اب زید نے رجعت کی اور بیوی کے گھر کا کھانا کھایا اور بیوی زید کے گھر چلی گئی، بعدہٗ چند روز کے بعد پھر تو تو میں میں ہوئی، اور بیوی میکہ چلی گئی، اب وہ لوگ پھر بھیجنا چاہتے ہیں، اس درمیان بیوی ایک ماہ زید کے گھر رہ کر گئی ہے، بیوی کو میکہ گئے ہوئے چھ ماہ ہو چکے ہیں؟

المستفتی: محمد ہارون اتوار کی پینٹھ، سرائے ترین، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی گفتگو کے دوران زید نے جو بیوی کو یہ مخاطب کر کے کہا ہے کہ تیرے گھر کا کھانا کھایا تو تجھے تین طلاق، شادی کے بعد لڑکی کا گھر وہی ہوتا ہے جو شوہر کا ہے، لیکن سوال مذکور میں زید اور زید کی بیوی اور پنچایت والے سب لوگ بیوی کے گھر سے بیوی کے باپ کا گھر سمجھ رہے ہیں اس لیے یہاں پر بیوی کے میکہ والا گھر مراد ہے، اس لیے پہلی گفتگو میں جو تین طلاق بیوی کے گھر کھانا کھانے پر معلق کی گئی تھی وہ تین طلاقیں پنچایت میں ایک طلاق رجعی کو معلق کرنے کے بعد بیوی کے گھر جا کر کھانا کھانے سے پڑ جائے گی، لہٰذا مذکورہ صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی، اور بعد میں جو پنچایت میں مطلق طلاق کو معلق کیا گیا تھا اس کا محل باقی نہیں رہے گا۔

إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط. (عالمگيری زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (عالمگيری زكريا قديم ١/ ٤٧٣، جديد ١/ ٥٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۷۸)

طلاق کو بیوی کے گھر جانے پر معلق کرنا

سوال [۷۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرقان سعودیہ میں رہتا تھا اس کی بیوی یہاں ہندوستان میں رہتی تھی، سسرال میں بھی رہتی تھی اور کبھی اپنے ماں باپ کے گھر جاتی تھی، فرقان کے گھر والوں نے فرقان کے پاس سعودیہ بذریعہ خط اطلاع دی کہ تمہاری بیوی اپنی مرضی سے اپنے ماں باپ کے گھر جاتی ہے، اور میرے بھائی کا انتقال ہوگیا تھا اس کے بارے میں لکھا کہ اس کے مرنے پر تمہاری سسرال سے کوئی نہیں آیا اور گھر والوں نے یہ بھی لکھا کہ تم بیوی کو خط لکھ دو کہ اپنی ماں کے یہاں رہے یا صرف ہمارے یہاں رہے، اسی طرح گھر والوں نے لکھا کہ تمہاری بیوی کے لڑکی ہوئی ہے، تو تمہاری ساس اور سالی نے مل کر کپڑے دیئے ہیں، تو اس پر میں نے بیوی فرزانہ کو لکھا کہ فرزانہ تم یہ پابندی لگالو کہ جو تم نے اپنی ماں کے گھر کا کپڑا یا کوئی سامان لیا ہے وہ واپس کردو اور اپنی ماں سے لینا دینا بند کردو اور یہ سمجھ لے کہ سامان واپس نہ کیا تو نکاح نہیں رہے گا، اور ایک یہ کہ بنا میری اجازت اپنے ماں باپ کے گھر گئی تو نکاح سے باہر ہو جاؤ گی، فرزانہ تو نے یہ باتیں نہیں مانیں اور بنا میری اجازت کے فرزانہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی تو یہ سمجھ لینا کہ تجھے طلاق ہو جائے گی، فرزانہ اب تجھے جو اچھا لگے وہ کرنا پھر گھر والوں نے مجھے خط لکھا کہ تمہاری بیوی فرزانہ اپنے ماں باپ کے گھر چلی گئی، ڈیڑھ ماہ بعد فرزانہ کا خط ملا کہ میں بڑی مجبوری میں گھر سے نکلی

ہوں پھر جب میں گھر آیا تو تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ گھر والوں نے مجھے دھوکہ میں رکھا جو باتیں انہوں نے لکھی تھیں وہ غلط تھیں تو اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا مذکورہ الفاظ لکھنے سے اور بیوی کے مجبوری میں گھر سے میکہ جانے سے طلاق ہوگئی یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد فرقان معرفت مفتی محمد شاہد، عمری کلاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں شوہر نے طلاق کو بیوی کے گھر جانے پر معلق کیا ہے، اب جبکہ بیوی گھر چلی گئی خواہ کسی بھی ضرورت اور مجبوری کے تحت ہو اس کے جانے سے طلاق کی شرط پائی گئی، لہٰذا اوپر کے دو الفاظ (۱۔ نکاح نہیں رہے گا ۲۔ نکاح سے باہر ہو جائے گی) سے ایک طلاق بائن اور اخیر میں جو لفظ صریح موجود ہے اس سے طلاق رجعی ہوئی، لیکن جب طلاق رجعی بائن کے ساتھ جمع ہوتی ہے تو وہ بھی طلاق بائن بن جاتی ہے، لہٰذا کل ملا کر دو طلاق بائن واقع ہوگئیں، اب اگر بیوی کو رکھنا چاہے، تو دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا ایجاب وقبول کر کے بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں اب آئندہ کبھی بھی ایک طلاق دی جائے گی تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی اس لیے آئندہ سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

وفي الهندية: لو قال لها لا نكاح بيني و بينك أو قال لم يبق بيني و بينك نكاح يقع الطلاق إذا نوىٰ. (عالمگیری، زکریا قدیم ۱/ ۳۷۵، جدید ۱/ ۴۴۳)

الصريح يلحق الصريح ويلحق البائن و تحته في الشامية كما لو قال لها: أنت بائن أو خالعها على مال ثم قال أنت طالق...... و إذا لحق الصريح البائن كان بائنا. (در مختار مع الشامي زكريا ٤/ ٥٤٠، كراچی ٣/ ٣٠٦)

إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها. (هنديه زكريا قديم ١/ ٤٧٢، جديد ١/ ٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۴؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۱)

اگر تو اپنے والد کے گھر جا کر کھانا کھائے تو تجھے طلاق ہے

سوال [۶۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم اپنے والد صاحب کے گھر جا کر کھانا کھائے تو تمہیں طلاق ہے، اس عورت کے تین بچے بھی ہیں اور تمام بھائی ایک ساتھ رہتے ہیں وہ عورت چچا صاحب کے یہاں جاتی ہے اور اس کے چچا صاحب اپنی بھتیجی کو لے جا کر کھانا کھلا دیتا ہے اور وہ عورت کھانا کھا لیتی ہے تو کیا اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد ہاشم انور بہاری پور، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر والد اور چچا دونوں کا کھانا ایک ساتھ پکتا ہے تو مذکورہ صورت میں چچا کے یہاں جا کر کھانا کھانے سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط. (هدايه، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۸۵، عالمگیری زکریا قدیم ۱/ ۴۲۰، جدید ۱/ ۴۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۲۰۳)

اگر تو سوتیلی ماں سے بولے گی تو تینوں طلاق

سوال [۶۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) لڑکا نظام الدین ابن سلیمان نے اپنی بیوی سائرہ خاتون بنت عبد اللطیف صاحب کو ایک خط لکھا ہے جس کا مضمون یہ ہے اگر تم سوتیلی ماں سے بولو گی تو تینوں طلاق واقع ہو جائے گی، لڑکی ماں سے بول چکی ہے (خط پڑھنے والا) ایک گواہ اس کی تصدیق کرتا

ہے، جبکہ دوسرا گواہ صرف یہ کہتا ہے کہ میں نے پڑھا ہے کہ اگر سوتیلی ماں سے بولوگی تو طلاق واقع ہو جائے گی ، اور تیسرا گواہ یہ کہتا ہے کہ ہم نے خط پڑھا ہے لیکن ہمیں یاد نہیں ہے، اس مضمون کے خط کا معاملہ تین سال کی بات ہے، اول گواہ با شرع ہے، جبکہ دوسرا گواہ غیر باشرع ہے، شادی کو پانچ سال ہو گئے ہیں؛ لیکن خلوت صحیحہ نہیں ہوئی، شادی کے وقت لڑکی لڑکے کے گھر گئی اس وقت لڑکی کی عمر چھ سال کی تھی لڑکے کی عمر ١٢/ سال ہے اس کے ایک سال کے بعد گونا ہوا ہے، لڑکا لڑکی گھر میں ایک ماہ تک رہے ہیں پھر اس کے بعد ایک مرتبہ لڑکی لڑکے کے گھر گئی لیکن لڑکا گھر میں نہیں تھا، پڑھنے گیا تھا۔

(٢) لڑکے کے استاذ صاحب نے لڑکے سے خط مذکورہ کے بارے میں پوچھا تو لڑکا پہلے تو انکار کر گیا پھر دینی سوجھ بوجھ دے کر پوچھا گیا تو لڑکے نے کہا کہ اگر خط میں لکھا ہے تو تینوں جواب ہو جائیں گے، گواہ اول اس کی تصدیق کرتا ہے جبکہ گواہِ ثانی یہ کہتا ہے کہ میں نے لفظ تین نہیں سنا ہے جب کہ استاذ مجھ سے ذکر کر رہے تھے، گواہ دونوں باشرع ہیں جو کہ استاذ کے علاوہ ہیں۔

المستفتی: محمد یونس انصاری، مدرس بدر العلوم موضع گنوار تحصیل حسن پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب گواہوں کا بیان متعارض ہے تو شوہر بالغ کا قول معتبر ہوگا کہ اگر وہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ سوتیلی ماں سے بولنے پر تین طلاق کو معلق کیا ہے اور سوتیلی ماں سے بولنا ثابت ہو چکا ہے، تو تینوں طلاقیں ہو چکی ہیں۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجدفى الملك طلقت. (الدر المختار، باب التعليق، كراچی ٣/ ٣٥٥، زكريا ٤/ ٦٠٩)

فإن وجد الشرط فيه أي في الملك بأن كان النكاح قائما أو كان في العدة انحلت اليمين ووقع الطلاق. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٢)

اور استاذ کے سامنے جس گفتگو کا ذکر سوالنامہ میں موجود ہے اس سے اقرار واضح نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک محتمل بات کہتا ہے کہ اگر خط میں لکھا ہے تو تینوں جواب ہوں گے اور خط میں

شوہر کا لکھنا اور پھر اس کا ثبوت کوئی دلیل موجب سے شرعی طور پر ثابت نہیں ہے؛ اس لیے اب شوہر کے اقرار پر حکم کا مدار ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۱۲ھ

باپ کے گھر میں رہائش پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۶۹۳۷]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اوران کے والد سے مکان بنانے کے سلسلے میں باپ سے جھگڑا ہوا جس پر والد نے زید کو کہا کہ تم اپنی بیوی کو چھوڑ دو یا میرا گھر خالی کردو اور اسی بات کو بہت دنوں سے کہہ رہے تھے اس پر زید نے غصہ میں آکر اپنا سارا سامان گھر سے نکال کر یہ شرط لگائی، کہ آج کے دن کے بعد سے آپ کے گھر میں آیا تو ہماری بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔

اسی تاریخ سے زید دوسری جگہ گھر بنا کر زندگی گذار رہا ہے، اب زید کو اس کے والد کہہ رہے ہیں کہ تم اپنا اندر گھر میں آکر رہو، دوسری جگہ گھر بنانا درست نہیں ہے، اور اگر میں اپنے والد کے گھر آکر رہتا ہوں تو میری بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور اگر اپنے والد کے گھر میں نہیں رہتا ہوں تو والد صاحب ہم سے ناراض رہتے ہیں، اس مسئلے میں خلاصہ جواب سے نوازیں، تاکہ میرے والد مجھ سے خوش رہیں اور میری بیوی پر طلاق بھی واقع نہ ہو۔

المستفتی: محمد ابوخالد زکی پوسٹ محل باڑی وایہ گلاب باڑی، ضلع پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کے گھر جائیں گے تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی، اس کے بعد رجعت کرکے باپ کے گھر رہائش اختیار کرنے سے بیوی پر دوبارہ کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور ایک طلاق رجعی سے نکاح ختم نہیں ہوتا ہے، اور ایسی کوئی صورت نظر سے نہیں گذری، جس سے مذکورہ شکل میں گھر رہائش اختیار کرکے والد کو خوش رکھا

جائے اور بیوی پر کسی قسم کی کوئی طلاق بھی واقع نہ ہو۔

فإذا علق الطلاق بشرط وقع عقيبه و انحلت اليمين و انتهت لأن الفعل إذا وجدتم الشرط فلا تبقى اليمين. (الفقه الحنفى، و حيدى كتب خانه پشاور ۲/ ۲۳۳)

أى تبطل اليمين ببطلان التعليق إذا وجد الشرط مرة، وتحته فى الشامى: أى تنتهى و تتم و إذا تمت حنث فلا يتصور الحنث ثانيا إلا بيمين أخرىٰ. (الدر المختار مع الشامى كراچى ۳/ ۳۵۲، زكريا ٤/ ٦٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

شوہر نے کہا: اگر تو میکے گئی تو طلاق ہو جائے گی

سوال [۶۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو میکے گئی تو طلاق ہو جائے گی، اس کے بعد زید کی بیوی میکے چلی گئی تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ یہاں غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ''طلاق ہو جائے گی'' یہ لفظ ذومعنی ہے، یعنی یہ وعدۂ طلاق بھی ہوسکتا ہے کہ اگر میکے گئی تو طلاق دے دوں گا، دوسرا پہلو اس میں تعلیق کا ہے کہ اگر میکے گئی تو تجھے طلاق ہے، لہٰذا یہ لفظ ذومعنی ہے، مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ معنی متعین کر کے جواب تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا قول: ''اگر تو میکے گئی تو طلاق ہو جائے گی'' وعید اور دھمکی پر محمول ہوگا، لہٰذا بیوی کے میکے جانے سے طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن اگر زید نے اس سے تعلیق کی نیت کی تھی تو طلاق واقع ہو جائے گی، لہٰذا حکم کا مدار زید کی نیت پر ہوگا۔
(مستفاد: امداد الاحکام زکریا ۴/ ۷۰، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۶۲۸)

إذا قال لامرأته فى حالة الغضب: إن فعلت كذا إلى خمسين سنة

تصير مني مطلقة و أراد بذٰلك تخويفها، ففعلت ذٰلك الفعل قبل انقضاء المدة التي ذكرها، فإنه يسأل الزوج: هل كان حلف بطلاقها؟ فإن أخبر أنه كان حلف بعمل يخبره بحكم يقع الطلاق عليها، و إن أخبر أنه لم يحلف قبل قوله، لأن قوله: تصير مطلقة بإيقاع مبتدأ يكون مني معناه: و إن فعلت كذا أطلقك لا محالة، فيقبل قوله في قوله ذٰلك. (المحيط البرهاني رشيديه ٣/٥٤٨، المجلس العلمي بيروت ٥/١١٦، رقم: ٥٣٤٤، تاتار خانية ذكريا ٥/٧٨، رقم: ٧٢٩٩)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (ہ ندیہ زکریا و کوئٹہ قدیم ١/٤٢٠، جدید ١/٤٨٨)

قالت لزوجها: ''من باتو نمی باشم'' فقال الزوج: ''مباش''، فقالت: ''طلاق بدست تو است مرا طلاق کن'' فقال الزوج: ''طلاق می کنم'' وكرر ثلاثا طلقت ثلاثا بخلاف قوله ''کنم'' لأنه استقبال فلم يكن تحقيقا بالتشكيك. (هنديه زكريا قديم ١/٣٨٤، جديد ١/٤٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ/ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۰)

بلا اجازت میکے جانے پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۶۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری اجازت کے بغیر میکے چلی گئی یا اپنے بھائی سے بات چیت کی تو تجھے تینوں طلاق، چنانچہ عورت بغیر اجازت چلی گئی تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نجم الدین بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بیوی کے بغیر اجازت چلے

جانے پر تینوں طلاق واقع ہوچکیں، اب بلا حلالۂ شرعیہ ونکاح جدید کے دونوں کے درمیان زن وشوہر (میاں بیوی) کا تعلق قائم نہیں ہوسکتا۔

عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره و يذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه.

(سنن الدار قطني، كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١، رقم: ٣٩٣٢)

وإذا أضاف إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (هدایہ، اشرفی دیو بند ۲/۳۸۵، ہندیہ زکریا قدیم ۱/ ۴۲۰، جدید ۱/ ۴۸۸)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة ...... لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا فيدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (ہدایہ اشرفی دیو بند ۲/ ۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍صفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۶۸)

اگر ماں باپ کے گھر گئی تو تین طلاق

سوال [۶۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہہ دیا تھا کہ آج کے بعد اگر تم نے اپنے باپ کے گھر میں قدم رکھا تب میری طرف سے تم کو طلاق ہوچکی سمجھو، یہ الفاظ تین مرتبہ کہے، اس عرصہ کو تقریباً چار سال گذر چکے ہیں وہ اپنے والد کے گھر نہیں گئی ہے اب بیوی کی بہن کی شادی ہے، اور بیوی کے گھر والے زور ڈال رہے ہیں کہ ہماری لڑکی کو بھیجو حالانکہ لڑکی کے والدین یعنی سسر صاحب اپنے گھر کو اپنے لڑکوں کے نام کرنے کے لیے بھی تیار ہیں، اس بارے میں بتائیے کہ میں کیا کروں؟

المستفتی: زاہد حسین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی سے یہ کہہ دیا ہے کہ اگر تو باپ کے گھر جائے گی تو تجھے طلاق اور یہ تین مرتبہ کہا ہے تو اگر بیوی شادی کے موقع پر باپ کے گھر جائے گی تو تین طلاق واقع ہوکر بیوی نکاح سے نکل جائے گی، اور دوبارہ اس سے نکاح بھی جائز نہیں ہوگا، البتہ ہمیشہ کی اس پابندی سے بچنے کے لیے یہ شکل اختیار کی جاسکتی ہے کہ بیوی کو صرف ایک طلاق صراحت سے دیدے اور اسی حالت میں بیوی کی عدت گذر جائے اور عدت گذرنے کے بعد بیوی شوہر کے نکاح سے باہر ہو جائے گی اس کے بعد پھر بیوی باپ کے گھر چلی جائے گی، تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور پھر آئندہ ہمیشہ کے لیے بار بار جاسکتی ہے، تو ایک دفعہ باپ کے گھر جانے کے بعد پھر شوہر اس سے نکاح کرلے اب اس نکاح کے بعد ہمیشہ آنا جانا رکھ سکتی ہے، وہ تین طلاق جس کی پابندی لازم تھی ختم ہو جائے گی۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨، هدايه اشرفی ديوبند ٢/ ٣٨٥)

فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (در مختار مع الشامی كراچی ٣/ ٣٥٥، زكريا ٤/ ٦٠٩، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٢، شرح وقايه، ياسر نديم اينڈ كمپنی ديوبند ٢/ ١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۷۹)

باپ کے گھر نہ جاکر صرف بستی سے گذرنے کا حکم

سوال [۶۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کہا کہ اگر تو اپنے ماں باپ کے گھر گئی یعنی باپ کی بستی

گئی تو تم کو تینوں طلاق ہوں گی، لیکن زید نے یہ نہیں کہا کہ اگر تو اس بستی میں ہوکر دوسرے گاؤں جاؤ گی تو بھی طلاق ہوگی، دوسرے گاؤں جانے کے لیے باپ والی بستی ہوکر راستہ ہے اب ہندہ اپنے شوہر زید کی اجازت سے زید کے رشتہ دار کے یہاں باپ والی بستی میں ہو کر چلی جاتی ہے، تو مذکورہ بالا سوالات کی روشنی میں ہندہ پر طلاق پڑ گئی یا نہیں؟

المستفتی: وعظ الدین ساکن گوپال نگرارریہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ کے گھر نہ جا کر صرف بستی سے گزرنے سے ہندہ پر طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ یمین کا مقصد باپ کے گھر جانا ہے اور یہاں گھر جانا نہیں پایا گیا، اور باپ کے یہاں جانے سے تین طلاق واقع نہ ہونے کی ایک شکل ہے، وہ یہ ہے کہ زید اپنی بیوی ہندہ کو ایک طلاق دیدے اس کے بعد عدت گذرنے کے بعد ہندہ باپ کے گھر چلی جائے تو نکاح میں نہ ہونے کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی پھر اس کے بعد ہندہ کے ساتھ نکاح کر لیا جائے اس کے بعد پھر جاتی رہے گی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨، هدايه اشرفى ديوبند ٢/ ٣٨٥)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد فى الملك طلقت و عتق و إلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها الخ. (در مختار كراچى ٣/ ٣٥٥، زكريا ٤/ ٦٠٩، شرح وقايه يا سر نديم ديوبند ٢/ ١٠١، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۱/ ۱۴۱۵ھ

میری اجازت کے بغیر میکہ گئی تو طلاق

سوال [۶۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ۶ ر سال قبل ہوئی تھی زوجہ نے اپنے زوج کو کبھی خوش نہیں رکھا جب چاہتی بلا اجازتِ زید اپنے میکہ چلی جاتی، آخری بار جب زید کافی بیمار تھا، زید کے منع کرنے کے باوجود ہندہ نے میکہ جانے کا ارادہ کیا، زید نے جانے کی اجازت نہیں دی، اور کہا کہ ایسی حالت میں مجھے چھوڑ کر جاتی ہو، پھر بھی وہ جانے پر مصر ہوئی تو زید نے کہا کہ اگر تم میری اجازت کے بغیر اور مجھے علالت کی حالت میں چھوڑ کر جاتی ہو تو تمہیں طلاق ہو جائے گی، لیکن ہندہ نہیں مانی اور اپنے خاوند کو بیماری کی حالت میں چھوڑ کر اپنے میکہ چلی گئی، اس واقعہ کے بعد زید کا انتقال ہو گیا، زید کے انتقال کی خبر پا کر ہندہ اس وقت آئی جب زید کی تجہیز وتکفین کی جا رہی تھی اور اسی روز جیسے ہی عزیز واحباب زید کو سپرد خاک کر کے گھر آئے پھر ہندہ اپنے میکہ واپس چلی گئی، عدت کے ایام تک بھی قیام نہیں کیا، تو کیا ہندہ مطلقہ مانی جائے گی؟

المستفتی: عبدالحمید، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کی بیوی ہندہ پر اپنے میکہ جانے کے بعد طلاق واقع ہوگئی۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۳/۴۷، احسن الفتاویٰ ۵/۴۳۹)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا. (شامی، كتاب الطلاق، باب التعليق كراچی ۳/۳۵۲، زكريا ۴/۶۰۵)

فإن وجد الشرط فيه أى فى الملك بأن كان النكاح قائما أو كان فى العدة انحلت اليمين ووقع الطلاق. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۲)

اور مذکورہ صورت میں عورت وارث بھی نہیں ہوگی۔

وإن علقه بفعل المرأة إن كان لها بد من ذٰلك لم ترث. (هندیه، زکریا قدیم ۱/ ۴۶۵، جدید ۱/ ۵۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۷/۵ھ

اگر تو میری اجازت کے بغیر میکہ گئی تو تین طلاق

سوال [۶۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جاہل شخص نے اپنی بیوی کو مارا پیٹا اور غصہ میں آکر طلاق شرطیہ دیدی، لڑکی کے بیان کے مطابق اس کے شوہر نے یوں کہا کہ اگر تم میکہ جاؤ گی یا ماں باپ سے بات چیت کروگی تو انگلی سے لکیر بناتے ہوئے ایک دو تین طلاق پڑ جائیں گی، مگر جب شوہر سے پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میں نے یوں کہا کہ اگر تو بغیر میری اجازت کے میکہ جائے گی یا ماں باپ سے بولے گی تو انگلی سے نشان بناتے ہوئے ۱۱۱، ایک دو تین پڑ جائیں گی، چونکہ لڑکی اس طلاق کے بعد نہ میکے گئی نہ ماں باپ سے بولی تھی کہ لوگوں نے شوہر کو سمجھایا بجھایا تو پھر اس نے دو چار آدمی کے سامنے رجوع کرلیا یعنی بیوی سے اس طرح کہا کہ میں نے لاعلمی میں ایسا بول دیا تھا اب میں اپنی بات واپس لیتا ہوں، اور تم کو میکہ جانے کی اجازت دیتا ہوں، اب بار بار اجازت لینے کی ضرورت نہیں، چونکہ لڑکا اور لڑکی کے بیان میں فرق پایا جاتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں لڑکے کے قول کا اعتبار ہوگا اور لڑکی سے رجوع صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور کیا لڑکی کو طلاق واقع ہو جائے گی؟

المستفتی: ریاض الدین مکتبہ منوریہ، پورنیہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر عورت کے پاس اپنے بیان کے ثبوت میں گواہ نہ ہوں تو شوہر کے بیان کا اعتبار ہوگا اور اگر اس کی اجازت سے بیوی میکہ

جائے گی تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

فإن حلف و لا بينة لها فالإثم عليه. (شامی، کتاب الطلاق، باب الصريح کراچی ۳/۲۵۱، زکریا ٤/٤٦٣)

و كل موضع كان القول فيه قوله، إنما يصدق مع اليمين لأنه أمين في الأخبار عما في ضميره والقول قوله مع يمينه. (تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۲/۲۱۸، زکریا ۳/۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی قعدہ/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱۱/۱۴۲۶ھ

تم اپنے میکہ گئیں تو تمہیں طلاق

سوال [۶۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے غصہ میں بیوی سے جھگڑتے وقت کہا کہ اگر تم اپنے میکہ گئیں تو تمہیں طلاق ہے، غصہ ختم ہونے کے بعد اپنی اس بات پر افسوس بھی ہوا، اس بات کو کہے ہوئے قریب دو سال ہو گئے اس عرصہ میں دونوں میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار رہے اور بیوی بھی اپنے میکہ نہیں گئی، اب بیوی اپنے میکہ جانا چاہتی ہے اور شوہر بھیجنا بھی چاہتا ہے، تو بیوی اپنے میکہ جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر جا سکتی ہے تو اس کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: محمد اسحاق گلشہید مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بیوی میکہ جائے گی تو صرف ایک طلاق رجعی پڑے گی اس کے بعد رجوع کی گنجائش ہے، اور رجعت کے بعد پھر میاں بیوی کی طرح زندگی گزار سکتے ہیں۔

ولو قال إن دخلت الدار فأنت طالق وقع. (شامی، باب التعلیق، زکریا ۶۳۹/٤، کراچی ۳۷٦/۳)

وإذا أضافه إلی شرط وقع عقیب الشرط مثل أن یقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (هدایه، اشرفی دیوبند ۳۸٥/۲، هندیه زکریا قدیم ۱/ ٤۲۰، جدید ٤۸۸/۱)

إذا طلق الرجل امرأته تطلیقة أو تطلیقتین فله أن یراجعها فی عدتها. (هدایه، باب الرجعة اشرفی دیوبند ۳۹٤/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ شوال المکرّم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۲۹)

تو اپنے میکہ جائے گی تو تجھے صاف طلاق

سوال [۶۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زوجہ کو غصہ کی حالت میں کہا کہ ''اگر تو اپنے میکہ جائے گی تو تجھے صاف طلاق'' اب غصہ ختم ہونے کے بعد زید اپنی کہی ہوئی بات پر شرمندہ ہے تو اس کے لیے کوئی صورت ہے، کہ وہ اپنی بات واپس لے سکے، اگر بات واپس لینے کی کوئی صورت نہیں ہے تو بیوی کے میکہ جانے پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

المستفتی: عبدالحمید، قانون گویان، ہری مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لفظ صاف عربی لفظ صریح وصراحۃً کا اردو ترجمہ بھی ہے، لہٰذا صاف طلاق کا عربی مفہوم طلاق صریح کا ہے، اور طلاق صریح سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، جب ایک مرتبہ صاف طلاق کے الفاظ استعمال کیا ہے تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی، لہٰذا جب بھی بیوی پہلی بار میکہ جائے گی تو اس پر ایک طلاق صریح

رجعی واقع ہوجائے گی اور عدت کے اندر اندر رجعت کرکے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہوگی۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط. (هنديه زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨، هدايه اشرفي ديوبند ٢/ ٣٨٥)

فالصريح قوله: أنت طالق و مطلقة و طلقتك، فهٰذا يقع به الطلاق الرجعي؛ لأن هذه الألفاظ تستعمل في الطلاق و لا تستعمل في غيره فكان صريحا و أنه يعقب الرجعة بالنص. (هدايه اشرفي ديوبند ٢/ ٣٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۸ھ

اگر میکہ گئی تو تجھے طلاق

سوال [۶۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو ۱۲/ سو روپیہ نہیں دے گی تو تینوں طلاق، زینب نے روپیہ ادا کردیا، اور زید نے یہ کہا کہ اگر تمہاری والدہ تیرہ کلو چاول نہیں دے گی تو تینوں طلاق، زینب کی والدہ نے چاول ادا کردیا اور زید نے یہ کہا کہ اگر تو اپنی امی کے گھر جائے گی تو تینوں طلاق، زینب ابھی سسرال میں ہے اور یہ سب بات نشہ کی حالت میں کہا اور زید کے جسم پر کپڑا نہیں تھا تو کیا اس حلیہ سے طلاق ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد انصار بھاگلپور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نشہ کی حالت میں طلاق واقع ہوجاتی ہے، لہٰذا پہلے اور دوسرے جملے کی شرط پوری ہوگئی ہے اس لیے ان جملوں سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور تیسرا جملہ کہ اگر تو اپنی امی کے گھر جائے گی تو تینوں طلاق، اس سے ماں کے گھر جانے سے تینوں طلاق واقع ہوجائیں گی، اور اگر یہ چاہتے ہیں کہ تین طلاق سے حفاظت بھی

ہوجائے اور ماں کے گھر جانے کا سلسلہ بھی باقی رہے تو اس کا ایک طریقہ ہے، وہ یہ ہے کہ ماں کے گھر جانے سے قبل ایک طلاق دیدے اور پھر رجعت نہ کرے اسی حالت میں عدت گزر جائے اور عدت گزرنے سے بیوی شوہر کے نکاح اور محل طلاق سے خارج ہوجائے گی، لہٰذا عدت کے بعد ماں کے گھر چلی جائے گی تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور اس سے شرط کی مدت بھی پوری ہوجائے گی اس کے بعد شوہر سے نکاح کرلے اور اس کے بعد پھر کبھی ماں کے گھر جانے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد فى الملك طلقت وعتق وإلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها، فتنحل اليمين فينكحها. (در مختار، كتاب الطلاق، باب التعليق كراچی ۳/۳۵۵، زكريا ٤/٦٠٩، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٢، شرح وقايه، ياسر نديم بكڈپو ديو بند ٢/١٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۰ھ

تین طلاق کو میکہ جانے پر معلق کردیا

سوال [۶۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی اہلیہ سے کچھ الجھنوں کی وجہ سے یہ الفاظ کہہ دیئے تھے کہ تم اپنے میکہ میں گئیں تو تمہیں تین طلاق ہے؛ لہٰذا میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس میں میکہ جانے کی گنجائش ہے یا نہیں، میرے ذہن میں صرف میکہ کے بارے میں تھی نہ کہ اور رشتہ داروں کے بارے میں مثلاً چچا، تایا، خالا، ماموں، پھوپھا وغیرہ۔ اس لیے آنجناب سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اس مسئلہ کی تحریر دے کر ممنون ومشکور ہوں۔

المستفتی: عبدالرؤف راجپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے بیوی کے میکہ جانے پر تین طلاق کو معلق کیا ہے، لہٰذا آپ کی بیوی جب بھی میکہ جائے گی تو تینوں طلاقیں واقع ہوکر بیوی قطعی طور پر حرام ہوجائے گی، اس لیے اب میکہ جانے کی گنجائش نہیں ہے، البتہ میکہ کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کے یہاں جانے سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/ ۶۵)

حلف لايدخل دار فلان يراد به نسبة السكنى إليه عرفا و لو تبعا (در مختار) يعنى أن الاصل فى دار زيد أن يراد بها نسبة الملك ...... فأجاب بأنه من عموم المجال بأن يراد به معنى عام يكون المعنى الحقيقى فردا من أفراده وهو نسبة السكنى أى ما يسكنها زيد بملك أو عارية. (در مختار مع الشامی، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الدخول و الخروج ...... زكريا ٥/ ٥٥٢، كراچى ٣/ ٧٦٠)

لأنه يعد ساكنا ببقاء أهله و متاعه عرفا. (البحر الرائق زكريا ٤/ ٥١٤، کوئٹہ ٤/ ٣٠٦)

إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (هنديه زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨، در مختار كراچى ٣/ ٣٥٥، زكريا ٤/ ٦٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۸/۵ھ

الگ الگ تین مرتبہ میکہ جانے پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۶۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو جتنی مرتبہ مجھ سے پوچھے بغیر اپنے میکے جائے گی اتنی مرتبہ تجھے طلاق، تو ایسی صورت میں تین طلاق کب واقع ہوں گی، اس سلسلے میں حکم شرعی کیا ہے؟ واضح کریں۔

المستفتی: سید محمد آصف، سرائے پختہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر جتنی مرتبہ میکے جائے گی اسی اعتبار سے اس پر طلاق واقع ہوگی، چنانچہ بلا اجازت ایک مرتبہ گئی تو ایک طلاق واقع ہوگی، دوسری مرتبہ گئی تو دوسری طلاق واقع ہوگی، اور تیسری مرتبہ گئی تو اس پر تیسری طلاق واقع ہو جائے گی، اور وہ مغلظہ ہوکر نکاح سے خارج ہو جائے گی، اب شوہر کے لیے قطعی طور پر حرام ہو جائے گی۔

الطلاق والعتاق متی علق بشرط متکرر یتکرر. (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب التعلیق کوئٹه ٤/١٦، زکریا ٤/٢٦)

ولو قال کلما دخلت فدخلت امرأة طلقت و لو دخلت ثانیا تطلق و کذا ثلاثا. (البحر الرائق زکریا ٤/٢٨، کوئٹه ٤/١٧)

إن قال کلما دخلت الدار فأنت طالق لا تطلق بعد الثلاث. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٦١)

فإذا قال لزوجته کلما دخلت الدار فأنت طالق فتکرر الشرط حتی بانت بثلاث. (حاشیه چلپی، امدادیه ملتان ٢/٢٣٥، زکریا دیو بند ٣/١١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۷۷/۴۰)

تم اپنے والدین کے گھر جاؤ گی تو نکاح سے باہر ہو جاؤ گی

سوال [۶۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم اپنے والدین کے گھر جاؤ گی تو نکاح سے باہر ہو جاؤ گی، لیکن بیوی اپنے والدین کے گھر چلی گئی، پھر بھی یہ دھمکی دیتی ہے کہ مجھے طلاق دیدو، لہٰذا اس مسئلہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد شاہد رضا محلہ سیدھی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کومخاطب کر کے یوں کہہ دینا کہ تم میرے نکاح سے باہر ہوجاؤ گی، ہمارے عرف میں طلاق ہی کے لیے بولا جاتا ہے، لہٰذا اس سے طلاق صریح واقع ہوجائے گی، اس لیے مذکورہ صورت میں بیوی کے والدین کے گھر چلی جانے کے بعد ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر رجعت کر کے رکھنے کی گنجائش ہے۔

وإذا إضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/٤٨٨، هدايه اشرفي ديوبند ٢/ ٣٨٥)

أن الصريح مالم يستعمل إلا في الطلاق من أى لغة كانت. (شامى، باب الكنايات كراچى ٣/ ٢٩٩، زكريا ٤/ ٥٣٠)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. (هدايه، اشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤، هنديه زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۷/ ۱۴۱۹ھ

طلاق کو بہن کے گھر جانے پر معلق کرنا

سوال [۶۹۵۰]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ابوالحیات نے اپنی بہن افروز سے کہا کہ ’’اگر میں تیرے گھر پر آؤں تو میری بیوی کو طلاق‘‘ اب بہن افروز کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی، بہن اس گھر کے علاوہ دوسرے کرایہ کے گھر میں عدت گذارنے لگی اب یہ بھائی ابوالحیات بہن کے اسی کرایہ والے گھر میں چلا گیا تو اس صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: ابوالحیات دھامپوری، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ابوالحیات اپنی بہن کے دوسرے گھر میں گیا جس میں بہن عدت گذار رہی تھی تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ یمین کا تعلق اس گھر سے تھا جس میں یمین کے وقت بہن رہتی تھی نہ کہ اس گھر سے جس میں وہ عدت گذار رہی ہے، لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ولو حلف لا یدخل دار فلان فاستعار فلان دار جاره و اتخذ فیه ولیمة و دخلها الحالف لا یحنث. (البحر الرائق، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول و الخروج کوئٹه ٤/٣٠٦، زکریا ٤/٥١٤)

و ذکر محمدؒ فی الزیادات: إذا حلف لا یدخل دار فلان – إلی قوله– و علی قول أبی یوسفؒ: الیمین علی ما کان فی ملکه وقت الیمین إذا لقی فی ملکه وقت الدخول لا علی ما سیحدث الملک فیها بعد الیمین. (تاتارخانیه زکریا٦/٢٤٦، رقم ٩٣٠٥ مبسوط، دار الکتب العلمیة ١٦٩/٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ / صفر / ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۸ھ

بھائی کے گھر پر جائے گی تو تین طلاق

سوال [۶۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے بحالت غصہ اپنی بیوی سے کہا کہ اگر وہ اپنے بھائی کے گھر پر جائے گی تو اس پر تین طلاق، لیکن بھائی جس مکان میں مقیم ہے وہ اس کے والد صاحب کی ملکیت ہے اور اس میں اس کے والد صاحب اور دیگر بھائی رہتے ہیں، کیا اس حالت میں وہ اس گھر میں جاسکتی ہے یا نہیں، اور اگر وہ اس وقت جاسکتی ہے تو بعد والد کے انتقال کے بھائی کے گھر جاسکے گی جس کے بارے میں اس کے شوہر نے پابندی لگادی ہے؟

المستفتی: سرفراز حسین، نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ شوہر کے نکاح میں رہتے ہوئے جب بھی بھائی کے گھر جائے گی طلاق واقع ہو جائے گی اور اس گھر کا ملکیت میں ہونا لازم نہیں ہے بلکہ رہائشی گھر کا ہونا کافی ہے، اور جب تین طلاق کی قید لگائی تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد فى الملك طلقت وعتق. (در مختار، باب التعليق، کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ۴/۶۰۹)

فإن وجد الشرط فيه أى فى الملك بأن كان النكاح قائما أو كان فى العدة انحلت اليمين ووقع الطلاق. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۲ھ

شوہر نے کہا: کہ اگر تو امروہہ گئی تو تین طلاق، پھر کہا: ماجد وذاکر کے گھر گئی تو تین طلاق

سوال [۶۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو امروہہ گئی تو تجھے طلاق، پھر اس کے بعد کہا کہ اگر تو ماجد اور ذاکر کے گھر گئی تو تجھے طلاق، اور میکہ امروہہ میں ہی ہے، ذاکر اور ماجد بیوی کے بھائی ہیں، پہلی صورت میں امروہہ جانے سے مراد ماجد اور ذاکر ہی کا گھر جانا مراد تھا، یہاں ہر دو تعلیق استعمال کی گئی ہے، امروہہ جانے میں عمومی اور ماجد اور ذاکر کے گھر جانے میں خصوصی تعلیق ہے، تو ایسی صورت میں صرف امروہہ داخل ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی یا ذاکر اور ماجد کے گھر جانے سے طلاق ہوگی؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: شعیب احمد میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں دو تعلیق کا ذکر ہے، ایک میں عموم اوردوسرے میں خصوص، اورایسی تعلیق اورقسم میں حالف یعنی قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا جب حالف نے عام لفظ سے خاص مرادلیا ہے یعنی ماجد اور ذاکر کے گھر جانا مرادلیا ہے اور بعد میں ماجداورذاکر کے گھر کی تخصیص بھی کردی ہے، تو ایسی صورت میں صرف امروہہ میں داخل ہونے سے طلاق واقع نہ ہوگی جبکہ اس کی مراد ماجداورذاکر کے گھر جانا ہو، اوردوسری تعلیق میں اس نے اس تخصیص کوواضح بھی کردیا ہے اس لیے ماجداورذاکر کے گھر جانے سے ہی طلاق واقع ہوگی ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ دونوں درحقیقت ایک ہی تعلیق ہیں اوردوسری تعلیق سے وضاحت ہوگئی۔

أما نية تخصيص العام في اليمين فمقبولة ديانة اتفاقا و قضاء عند الخصاف، والفتویٰ علی قوله. (الأشباه قديم ص: ٤٨، جديد ص: ٩٦)

يجب أن يعلم بأن الطلاق المضاف إلى أحد الوقتين يقع عند آخرهما لأن الزوج أوقع الطلاق بأحد الوصفين الأخف والأغلظ هو التعجيل و التاخير، و المؤخر أخف من المعجل. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الطلاق، باب إضافة الطلاق إلى الوقتين ٤/٥٧٣ رقم: ٦٩٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۹/۱/۱۴۳۶ھ

اس گھر کی چھت پر چڑھا تو بیوی کوطلاق

سوال [۶۹۵۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی سے کہا: میں کلما کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں اس گھر کی چھت پر چڑھا تو بھوری کوطلاق، بیوی کا نام بھوری ہے، تو طلاق کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قسم کا مدار الفاظ پر ہوتا ہے نہ کہ اغراض پر جیسا کہ کتب فقہ میں تصریح ہے ''**مبنى الأيمان على الألفاظ دون الأغراض**'' بریں بنا صورت مذکورہ میں کلما کی قسم منعقد ہی نہیں ہوئی، تاہم تعلیق طلاق پائی گئی ہے اس لیے زید جب گھر کی چھت پر چڑھے گا تو ایک رجعی واقع ہوجائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۳/ ۹۹)

وحاصله أن اليمين بغيره تعالىٰ تارة يحصل بها الوثيقة: أى اتثاق الخصم بصدق الحالف كالتعليق بالطلاق و العتاق مما ليس فيه حرف القسم و تارة لا يحصل مثل و أبيك و لعمرى فإنه لا يلزمه بالحنث فيه شيئ فلا تحصل به الوثيقة. (شامی ، کتاب الأيمان، مطلب: فی حكم الحلف كراچی ۳/ ۷۰۵، زكريا ۵/ ٤٧٤)

إنه قد اشتهر فی رساتيق شروان أن من قال جعلت كلما أو على كلما أنه طلاق ثلاث معلق و هذا باطل و من هذيانات العوام فتأمل. (شامی كراچی ۳/ ۲٤٧، زكريا ٤/ ٤٥٧)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه، زكريا قديم ۱/ ٤٢٠، جديد ۱/ ٤٨٨، هدايه، اشرفی ديوبند ۲/ ۳۸۵)

لأن الشرط إذا تقدم على الجزاء لا يتعلق الطلاق إلا بحرف الجزاء. (فتاویٰ قاضيخان زكريا ۱/ ۲۹۰، و على هامش الهندية زكريا ۱/ ٤٧٦)

قال هشام: قلت لمحمد فما تقول إذا حلف لا يقرأ لفلان كتابا فنظر فی كتابه حتى أتى آخره و فهمه و لم ينطق به، قال سأل هارون أبا يوسف عن ذٰلک وقد كان ابتلى بشيئ منه فقال: لا يحنث و لا أرى ذٰلک. (بدائع الصنائع زكريا ۳/ ۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۰)

اب چلی جایا صبح کو چلی جا، فارغطی اب لے جایا صبح کو لے جا کہنے کا حکم

سوال [۶۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منا اوراس کی بیوی کے درمیان کسی رشتہ داری میں جانے پر باہم جھگڑا ہوگیا، منا نے اپنی بیوی کو وہاں جانے سے منع کیا کہ جب تو ایک بار وہاں چلی گئی ہے تو اب تو مت جانا، دو چار دن کے بعد میں خود ہو آؤں گا لیکن بیوی نے ضد کی کہ میں تو پھر جاؤں گی اس بات کو لے کر بات بڑھ گئی اور منا نے غصہ کی حالت میں دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دیا کہ جب تو مانتی ہی نہیں تو اب چلی جایا صبح کو چلی جا، فارغطی اب لے جایا صبح کو لے جا، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو کون سی ہوئی؟

المستفتی: منے خاں جان محمد، علی پور، افضل گڑھ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا یہ کہنا کہ اب چلی جایا صبح کو چلی جا، فارغطی اب لے جایا صبح کو لے جا، یہ عبارت طلاق کے لیے تعلیق ہے؛ لہٰذا اگر بیوی مذکورہ رشتہ داری میں اس وقت یا صبح کو چلی جاتی ہے تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی، اور اگر بیوی اس وقت نہیں گئی ہے اور نہ ہی صبح کو گئی ہے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

فإن وجد الشرط فيه أى فى الملک بأن كان النكاح قائما أو كان فى العدة انحلت اليمين و وقع الطلاق. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۲)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا، لكن إن وجد فى الملک طلقت. (در مختار کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ۴/۶۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۲۶ھ

اگر تم کبھی بھی قاسم کے گھر جاؤ گی تو تم کو تین طلاق

سوال [۶۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی کو قاسم کے گھر جانے سے منع کررکھا تھا کہ اگر تم کبھی بھی قاسم کے گھر جاؤ گی تو تم کو تین طلاق ہیں، لیکن زید اور قاسم دونوں بھائی ہیں، اگر قاسم کے یہاں کسی طرح کا حادثہ ہوجائے تو زید کی بیوی قاسم کے یہاں آسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شاکر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کی بیوی کسی بھی حادثہ یا ضرورت کے وقت قاسم کے گھر جائے گی تو تینوں طلاق واقع ہوجائیں گی، لہٰذا زید کی بیوی قاسم کے یہاں نہیں جاسکتی۔

فإن وجد الشرط في الملك طلقت وانحلت. (كنز الدقائق ص: ۱۲۷)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت. (در مختار كراچی ۳/۳۵۵، زكريا ۴/۶۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۱۲/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۴ھ

اگر بہنوئی سے بولے گی تو طلاق، طلاق، طلاق

سوال [۶۹۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) دو بہنوں کے شوہر کسی بات پر آپس میں لڑنے لگے، چھوٹی بہن اپنے شوہر کو گھر لے گئی اور کہنے لگی کہ اس طرح لڑنے سے کیا فائدہ اگر کچھ کرنا ہے تو بات سے مارو، لڑنے سے کیا فائدہ، اس کا شوہر اس سے کہتا ہے تو اس سے نہیں بولے گی وہ کہتی ہے میں تو

بولوں گی، وہ کہتا ہے: بولے گی، بیوی کہتی ہے: ہاں بولوں گی، شوہر پھر کہتا ہے کہ اگر بولے گی تو طلاق طلاق طلاق۔

(۲) اسی مکان میں دوسرے کمرہ میں اورخاندان ہے، وہ دونوں میاں بیوی اپنے باورچی خانے میں تقریباً تیس قدم دوری پر بیٹھے تھے، اور ایک لڑکا تقریباً چودہ پندرہ سال کا الگ بیٹھا تھا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اگر تو بولے گی) کہ جگہ صرف تو بولے گی، لفظ ہم نے سنا ہے ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ بیوی کی آواز کچھ تیز تھی جبکہ شوہر کی آواز دھیمی تھی، مذکورہ بالا فریق حلف اٹھانے کو تیار ہے اور شوہر کا کہنا ہے کہ میں نے (اگر تو بولے گی تو) لفظا استعمال کیا ہے، بیوی بھی اس کی تائید کررہی ہے اس طرح طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: فاضل خان رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر واقعہ ایسا ہی ہے جیسا سوالنامہ میں درج ہے تو طلاق ابھی نہیں پڑی جب بھی بولے گی تینوں طلاق پڑ جائیں گی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجدفي الملك طلقت. (الدر المختار، باب التعليق، كراچی ۳/۳۵۵، زكريا ۴/۶۰۹)

إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه زكرياقديم ۱/۴۲۰، جديد ۱/۴۸۸، هدايه اشرفي ديوبند ۲/۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۹۵)

بہنوئی سے بات کی تو تجھے طلاق

سوال [۶۹۵۷]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فاضل خان کی بیوی بہنوئی سے بات کرتی ہے، بیوی کے اس عمل سے فاضل

خان ناراض ہے، لہٰذا فاضل خان نے بیوی سے یہ کہا کہ اگر تو نے بہنوئی سے بات کی تو تجھے طلاق ہے، اور یہ الفاظ تین مرتبہ کہے، تو اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں، اگر واقع نہ ہوئی اور جب بولے گی تب واقع ہوگی تو اس سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

المستفتی: محمد فاضل خان محلّہ دیوان، شاہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی بہنوئی سے بات کرے گی تو بات کرتے ہی تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت. (در مختار کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ۴/۶۰۹)

إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه زكرياقديم ۱/۴۲۰، جديد ۱/۴۸۸، هدايه اشرفی ديوبند ۲/۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱۱/۱۴۱۸ھ

طلاق کو بیوی کی ناجائز حرکت پر معلق کرنا

سوال [۶۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکے نے ایک لڑکی سے شادی کی اس کے بعد وہ لڑکا سعودی عرب کام کے لیے چلا گیا، کچھ دنوں کے بعد کسی شخص نے لڑکے سے جا کر یوں کہا کہ تیری بیوی نے اپنے بہنوئی سے منھ کالا کیا ہے اور خطوط بھی پہنچے کہ تیری بیوی نے تیرے ساڑھو کے ساتھ زنا کاری کی ہے، تو لڑکے نے اس بات کو سن کر کیسٹ میں یہ بھر کر بھیجا کہ اگر تو نے ایسا کیا ہے تو میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، میں نے تجھے طلاق دی، دو سال کے بعد وہ لڑکا جب گھر واپس آیا تو تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس لڑکی نے ایسا نہیں کیا ہے آپ نے یہ سب غلط سنا ہے تو

مذکورہ صورت میں آیا طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی، اگر طلاق ہوئی ہے تو کون سی ہوئی ہے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: شوہر نے طلاق کو ناجائز حرکت پر معلق کر رکھا ہے اور بعد میں تحقیق سے ثابت ہوا کہ بیوی نے ایسی ناجائز حرکت نہیں کی ہے، لہٰذا جب ناجائز حرکت نہیں پائی گئی تو طلاق بھی واقع نہ ہوگی، نکاح بدستور باقی ہے، شوہر کے یہاں جو شکایت پہنچائی گئی ہے وہ میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لیے کیا گیا ہے، لہٰذا اس کی طرف خیال کرنے کی ضرورت نہیں۔

كأنت طالق لو دخلت الدار تعلق بدخولها. (در مختار، باب التعليق، كراچی ٣٥٢/٣، زكريا ٦٠٤/٤)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه زكريا قديم ٤٢٠/١، جديد ٤٨٨/١، هدايه اشرفی ديوبند ٣٨٥/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۶۱/۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۲۶ھ

اگر تم نے فعل بد کیا ہے تو تم کو طلاق

سوال [۶۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی بیوی سے شک ہونے پر یہ کہا کہ بیوی اگر تم نے فعل بد کیا ہو (زنا) تو تم کو طلاق، لیکن اس وقت زید کی نیت طلاق کی نہیں تھی، زید اپنی بیوی سے ملتا رہا، اور بیوی اس کو قسم کھا کر بھروسہ دیتی رہی، زید نے اس کی قسم پر بھروسہ کیا اور مان لیا، لیکن پھر شک ہوتا ہے تو زید کی بیوی پھر قرآن پاک ہاتھ میں لے کر قسم کھا کر کہتی ہے، میں نے یہ برا فعل نہیں کیا، اس حالت میں زید اپنی بیوی کو بری سمجھے اور اس پر اطمینان کرلے؟

(۲) زید نے اپنی بیوی کی کچھ نازیبا بات جو کہ شوہر کی عصمت کے خلاف ہے کچھ بات بیوی سے سنی جیسا کہ اگر تم کسی قابل ہوتے تو کیا کرتے، تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو مثلاً: اپنے آپ کو مرد سمجھتے ہو، ہم نے اپنی زندگی میں پیٹ بھر خوب مزے لیے اور دل بھر گیا، ایسے فقروں پر زید نے طلاق کی نیت کر کے اپنی بیوی سے پھر کہا: بیوی اگر تم نے فعل بد کیا ہو (زنا) تو تم کو طلاق، تو کیا اگر بیوی نے زنا کیا اور کھل کر نہیں بتایا اور زید کو فعل بد کی اطلاع نہیں دی جبکہ طلاق ہو چکی ہو اور زید بیوی کے حقوقِ زوجیت ادا کرتا رہا ہو تو کیا زید گنہگار رہو گا، یا نہ بتلانے پر بیوی گنہگار ہوگی، زید کے اوپر کوئی مؤاخذہ دنیا یا حشر میں تو نہیں ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلاثبوت شک کرنا جائز نہیں اور جب بیوی نے برے کام سے برأت کا اظہار کیا ہے پھر آپس میں تکرار کی باتوں کی وجہ سے شک کرنا بھی درست نہیں اور جب بدفعلی کا ثبوت نہیں تو طلاق بھی نہیں پڑے گی، نکاح بدستور باقی ہے۔

ماثبت بيقين لا يرتفع إلا بيقين. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ص: ١١٤، الأشباه و النظائر قديم ص: ١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۲ھ

اگر تو میرے بعد کسی سے صحبت کرے تو تجھے طلاق

سوال [۶۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اب سے چار پانچ سال پہلے اپنی گھر والی سے کہا تھا کہ اگر تو میرے علاوہ کسی اور سے صحبت کرے تو تجھے طلاق اور بعد میں یہ کہا کہ طلاق نہ ہو، اور اب میں باہر چلا گیا اور میرے بعد میرا چھوٹا بھائی اس کے پاس سویا اور اس نے جبراً صحبت کرلی، اور بعد

میں مرضی سے بھی صحبت ہوئی، اور جب میں باہر سے آیا، تو پتہ چلا، لیکن میں نے جو بعد میں کہا کہ طلاق نہ ہو، تو میں سمجھا کہ طلاق نہیں ہوئی ہے، اور میں نے بھی صحبت کر لی ہے، اب اس میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اس کا پتہ جلد دیں آپ کی مہربانی ہوگی۔

المستفتی: خورشید احمد کیراف ڈاکٹر کیلاش دت شرما شریف پور بھیسر ولی بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں آپ کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے۔

وإذا أضاف الشرط وقع عقیب الشرط مثل أن یقول إن دخلت الدار فأنت طالق. (الجوهرة النيرة، كتاب الطلاق امداديه ملتان ۲/ ۱۱۰، دار الكتاب ديوبند۲/ ۱۰۶)

وتنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا. (الدر المختار، باب التعليق، كراچی ۳/ ۳۵۵، زكريا ۴/ ۶۰۹، كوئٹه ۲/ ۵۴۴، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۲۰، جديد ۱/ ۴۸۸، البحر الرائق كوئٹه ۴/ ۱۴، زكريا ۴/ ۲۲، هدايه، اشرفی ديوبند ۲/ ۳۸۵)

اور اگر آپ کے بھائی کی صحبت کے بعد تین حیض گذرنے کے بعد آپ نے صحبت کی ہے اور عدت کے اندر رجعت نہیں کی تو آپ کی صحبت حرام ہوئی ہے توبہ لازم ہے، آئندہ دوبارہ نکاح کر کے رکھ سکتے ہیں، آپ کا طلاق نہ ہونا سمجھنا غلط تھا۔

لیس للزوج أن یرجع فی ذٰلک ولا ینهاها عن ما جعل إلیها. (الجوهرة النيرة، كتاب الطلاق امداديه ملتان ۲/ ۱۱۸ زكريا ديوبند ۲/ ۱۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۰۰۱)

امردوں کے ساتھ لواطت کرنے پر طلاق کو معلق کر کے بیوی کے ساتھ لواطت کرنا

سوال [۶۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید اپنی امرد پرستی کی عادت سے پریشان تھا ایک دن وہ رورو کر خلوت میں اللہ سے توبہ کررہا تھا، توبہ کے دوران زید نے کہا یا اللہ آئندہ اگر میں کسی لڑکے سے بدفعلی کروں تو میری بیوی کو طلاق (طلاق مغلظہ کے ساتھ) بشرطیکہ مجھے اس وقت یہ عہد یاد ہو، یا اللہ بھولے سے ہوتو معاف کرنا، تقریباً ایک سال کے بعد یہ عہد یاد نہیں رہا بدقسمتی سے بیوی کے ساتھ یہ فعل سرزد ہوگیا، صبح کو نماز کے بعد یہ عہد جو اوپر مذکور ہوا یاد آیا، اس صورت میں زید اور اس کی بیوی پر شریعت کی طرف سے کیا حکم ہے، آیا طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی، ایک سال ہو چکا ہے، الفاظ میں تغیر وتبدل ہوسکتا ہے، مگر صورت حال یہی تھی جو قلمبند کی گئی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں اس فعل شنیع کی سخت وعیدیں آئی ہیں ایسا شخص دنیا میں بھی سخت سزا کا مستحق اور آخرت میں بھی عظیم ترین عذاب کا مستحق ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر مختلف انداز سے اس کی وعید فرمائی ہے، نیز بیوی کے ساتھ ایسی حرکت کرنا اور زیادہ عذاب کا سبب ہے، اس لیے کہ شہوت پوری کرنے کے لیے اللہ نے راستہ بنایا ہے، شہوت پوری کرنے کا راستہ موجود ہے اس کے باوجود خدا کے حکم کی بغاوت وہیں پر کی جارہی ہے، اس لیے یہ اور زیادہ سخت عذاب کا سبب بنے گا اس لیے خالص اور سچی توبہ کرلے اور آئندہ اس کا ارادہ بھی نہ کرے۔

﴿اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُسْرِفُوْنَ. [اعراف: ۸۱]﴾

﴿اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعَالَمِیْنَ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُوْنَ. [الشعراء: ۱۶۵-۱۶۶]﴾

قال رسول اللّٰه ﷺ: من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل و المفعول به. (تفسیر ابن کثیر، مکتبہ المکۃ ص: ۵۳۳)

سبعة لا ينظر إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم و يقول: وادخلوا النار مع الداخلين الفاعل والمفعول به. (تفسیر ابن کثیر ص: ۱۷۶)

قال رسول الله ﷺ: استحيوا، إن الله لا يستحيي من الحق لايحل أن تاتوا النساء فی حشوشهن. (ابن کثیر ص: ۱۷۶)

لا ينظر الله إلی رجل أتی رجلا أو امرأة فی الدبر. (ابن کثیر ص: ۱۷۶)

البتہ یہ ہے کہ اس فعل شنیع کو مردوں کے ساتھ مقید کیا ہے، اس لیے بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

الأيمان مبنية علی الألفاظ لا علی الأغراض. (الاشباہ قدیم مطبع دیوبند ص: ۹۶)

لم يحنث لعدم شرطه. (شامی کتاب الأیمان، باب الیمین فی الضرب والقتل کراچی ۸۴۲/۳، زکریا ۶۶۷/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۱۴۶/۳۴)

اگر تو فلاں شہر گئی تو تجھے تین طلاق

سوال [۶۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر نے اپنی بیوی کے بارے میں خط لکھ کر بھیج دیا کہ اگر وہ یعنی میری بیوی فلاں شہر میں جائے گی تو اسے تین طلاق پھر اس کی بیوی خط کا مضمون سننے کے بعد بھی اسی شہر میں چلی گئی، تو کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ ایک ہوگی یا تین، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک ہی طلاق واقع ہو گی، پھر اگر دونوں مرد اور عورت آپس میں رضامندی کے ساتھ زندگی گذارنا چاہیں تو اس کی شرعی صورت تحریر فرمائیں، ایسی صورت میں نیا نکاح کر کے رکھ لینے کی گنجائش ہو تو مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبد اللہ میجر گنج، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس صورت میں شوہر کا خط سننے کے بعد بیوی اس شہر میں چلی گئی تو اس پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوگئی ہے،

اب نیا نکاح شرعی حلالہ کے بغیر درست نہیں ہوگا۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق. (هدايه، باب الأيمان في الطلاق، اشرفي ديوبند ۲/۳۸۵، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۲۰، جديد ۱/ ۴۸۸)

وإن كان الطلاق ثلاث في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (هدايه، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۲۰/۳۴)

تیسری طلاق کوکسی کے ساتھ بات کرنے پر معلق کرنا

سوال [۶۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خاندانی لڑائی جھگڑوں سے تنگ آکر زید نے اپنی بیوی آسماء کو دوطلاق رجعی دیدی، کچھ دنوں بعد کسی بات پر ناراض ہوکر زید نے اپنی بیوی اسماء سے کہا کہ اگر تو نے فلاں شخص سے بات چیت کی تو تجھ پر طلاق واقع ہوجائے گی، اب حالات اعتدال پر ہیں زید اب یہ پابندی ہٹانا چاہتا ہے تو کیا زید کو یہ پابندی ہٹانے کا اختیار ہے یا نہیں؟ کیا کفارہ دینے سے یا اور کسی صورت سے معاملہ حل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد الیاس قاضی سرائے اول نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے چونکہ بیوی کی تیسری طلاق کو فلاں شخص سے بات چیت کرنے پر معلق کیا ہے تو اب وہ اس پابندی کو اپنی طرف سے اگر ہٹا بھی لے گا پھر بھی اس شخص سے بات کرتے ہی بیوی پر تیسری طلاق واقع ہوجائے گی، اور اس طلاق سے بچنے کی

شرعاً یہی شکل ہے کہ بیوی فلاں شخص سے بات نہ کرے،اس کے علاوہ کوئی شکل نہیں، کیونکہ یہ تیسری طلاق کا معاملہ ہے،اس لیے اس بارے میں کوئی حیلہ بھی کارگر نہیں ہوسکتا۔

كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين –إلى– والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما. (ترمذی، أبواب الأحكام، باب من ذكر عن النبي ﷺ في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/٢٥١، دار السلام رقم:١٣٥٢)

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه، زكريا قديم ١/٤٢٠، جديد ١/٤٨٨، هدايه، اشرفي ديوبند ٢/٣٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠؍صفر المظفر ١٤٢٨ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٨/ ٩١٧٩)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٨/٢/٢٢ھ

تجھے میرے گھر نہیں رہنا ہے،ایک دو تین

سوال[٦٩٦٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنے خسر کے گھر جا کر بحالت غضب گالی گلوج کرتے ہوئے اپنی بیوی سے یوں کہہ رہا ہے کہ تجھے میرے گھر نہیں رہنا ہے ایک دو تین، یہ الفاظ دو مرتبہ کہے، پھر بعد میں مزید تحقیق کے لیے زید سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے، بلکہ میں نے اس طرح کہا تھا کہ تجھے میرے گھر نہ رہنا ہو تو ایک دو تین، خلاصہ یہ ہے کہ سوال مذکور میں دو طرح کے جملے ہیں، پہلا جملہ طلاق منجز ہونے پر دال ہے،اور دوسرا جملہ معلق بالشرط ہونے پر دال ہے، پہلے جملے پر جو کہ منجز ہے،خود اس کی بیوی ساس اور دوسری کچھ عورتیں گواہ ہیں اور زید اس طرح کا جملہ بولنے سے انکار کرتا ہے اور زید کی بیوی اس کی ساس اور کچھ عورتیں کہتی ہیں کہ وہ اس طرح بولا ہے، جو منجز ہے،تو کیا مفتی دیانۃً عورت کے اپنے اس طلاق کے یقین پر شوہر سے علیحدگی کا فتویٰ دے گا، اگر دیانۃً علیحدہ کردیا گیا تو کیا یہ عورت دوسرے کے لیے حلال ہوگی اور بعد حلالہ وہ شوہر سابق سے نکاح کرسکتی ہے؟

نوٹ: ایک دوتین بغیر لفظ طلاق کے بھی ہمارے عرف وتعامل میں طلاق ہی تصور کیا جاتا ہے۔

المستفتی: نثار احمد غفرلہ، گودھری استاذ جامعہ گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کوبغور پڑھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ پہلا جملہ یعنی تجھے میرے گھر نہیں رہنا ہے ایک دوتین، یہ منجز بھی ہوسکتا ہے اور معلق بالشرط بھی ہوسکتا ہے، اور شوہر نے تعلیق بالشرط کا اقرار کیا ہے، اور تنجیز کا صاف انکار کردیا ہے، اور تعلیق بالشرط کا مطلب یہ ہوا کہ عورت کو اگر شوہر کے گھر نہیں رہنا ہے تو طلاق ہے، اور اگر رہنا ہے تو طلاق نہیں ہے، لہٰذا عورت اگر شوہر کے گھر نہ رہنے کے ارادہ سے میکہ چلی جائے گی تو طلاق واقع ہوجائے گی اور شوہر کے گھر نہ رہنے کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ رہنے کا ارادہ ہے یا شوہر کے گھر آجاتی ہے یا شوہر کے گھر عملاً رہتی ہے، تو طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے شوہر سے اپنی بات کے بارے میں حلفیہ بیان لیا جائے اگر وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس کی مراد تعلیق بالشرط ہے تو حکم شرعی وہی ہوگا، جولکھا گیا ہے۔

فإن اختلفا في وجود الشرط أي اختلفا في وجود أصل التعليق بالشرط أو في تحقيق الشرط بعد التعليق، وفي البزازية: ادعى الاستثناء أو الشرط فالقول له، إلى قوله: و إن ادعى تعليق الطلاق و ادعت الإرسال فالقول له. (شامي، كتاب الطلاق، باب التعليق، كراچی ۳/۳۵٦، زکریا ٤/٦٠٩)

وإن اختلفا في وجود الشرط المعلق عليه طلاقها أي تحققه و ثبوته سواء كان وجوديا أو عدميا، فالقول له بيمينه لأنه منكر وقوع الطلاق. (الدر المنتقى في شرح الملتقى، دار الكتب العلمية بيروت ۲/٦۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۵/۱۴۲۷ھ

اللہ کی قسم میں تجھ سے زندگی بھر صحبت نہیں کروں گا

سوال [۶۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے اپنی بیوی سے تنگ آکر قسم کھالی کہ مجھے تجھ سے زندگی بھر صحبت نہیں کرنا ہے، قسم کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں ''اللہ کی قسم میں تجھ سے زندگی بھر صحبت نہیں کروں گا'' اس قسم کھانے کے بعد ڈھائی سال کی طویل مدت گذر گئی اور میں اپنی قسم پر قائم ہوں کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

(۲) اس ڈھائی سال کی مدت میں کئی لوگوں نے مجھ سے میری بیوی کے متعلق دریافت کیا تو میں نے طلاق کی نیت سے ان سے کہا کہ میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور میں نے یہ بات کئی لوگوں سے کہہ دی ہے تو کیا اس صورت میں بھی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور بعض حضرات کا کہنا کہ اس طرح کہنے سے طلاق نہیں ہوگی

المستفتی: غلام نبی چیتا کیمپ، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) شوہر کا زندگی بھر صحبت نہ کرنے کی قسم کھالینے کے ضمن میں چار مہینہ یا اس سے زیادہ صحبت نہ کرنے کی بات ثابت ہو جاتی ہے اگر اس قسم کے کھانے کے بعد چار مہینہ گذر جانے تک بیوی سے صحبت نہیں کی ہے اور لوگوں نے جو شوہر سے بیوی کے متعلق دریافت کیا ہے وہ بھی اگر چار مہینہ گذرنے کے بعد ہے تو ایسی صورت میں جس دن چار مہینے پورے ہو گئے تو بیوی پر طلاق بائن واقع ہوگئی، وہ شوہر کے نکاح سے خارج ہوگئی، اس کے بعد اگر شوہر نے یہ کہا کہ میں اس کو طلاق دے چکا ہوں، اس کہنے کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اس وجہ سے کہ بیوی محل طلاق نہیں رہی، اس لیے کہ مسئولہ صورت میں بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، اب اگر اس کو دوبارہ نکاح میں رکھنا چاہتا ہے تو از سر نو نکاح کر کے بلا حلالہ کے اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، بغیر نکاح کیے ہوئے اس کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں۔

واللّٰه لا أقربک أربعة أشهر إلی قوله: فإن قربتها فی المدة حنث إلی قوله: وإلا بانت بواحدة. (در مختار مع الشامی، کتاب الطلاق، باب الإیلاء، کراچی ٣/٤٢٥-٤٢٧، زکریا ٥/٦٤-٦٥)

لو قال لزوجته: واللّٰه لا أقربک أربعة أشهر کان مولیا ...... فإن قربها فی المدة حنث و سقط الإیلاء و إلا بانت بمضیها وسقط الیمین. (مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/٩٥،٩٦)

إذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن یتزوجها فی العدة و بعد انقضائها. (هدایه، اشرفی دیوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانیة زکریا ٥/١٤٧ رقم: ٧٥٠٣، هندیه زکریا قدیم ١/٤٧٢، جدید ١/٥٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/شعبان ١٤٢٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/٩١٣١)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٦/٨/١٤٢٧ھ

طلاق کو سامان چھڑانے پر معلق کرنا

سوال [٦٩٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو یوں کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی لفظ صرف ایک بار کہا اور پھر معمول کے مطابق ایک ساتھ رہنے لگے، پھر کچھ دنوں کے بعد کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، اور پھر اسی طرح رہتے رہے، پھر چند سالوں کے بعد زید کسی وجہ سے قید خانہ یعنی جیل میں چلا گیا، زید کا کوئی سامان کسی کے یہاں رہن رکھا تھا اب زید نے جیل ہی سے اپنی بیوی کے نام خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے: ہندہ میں نے تمہیں بہت سمجھایا ہے مگر تم نے میری بات نہیں مانی، اب آخری بات اور سمجھ لو میرا جو سامان فلاں کے پاس ہے تم اس کو پیسہ دے کر چھڑا لو، پندرہ دن کے اندر اور اگر آپ نے وہ سامان نہیں چھڑایا تو آپ کو تین طلاق ہیں، نہ آپ میری ہیں اور نہ میں آپ کا ہوں، آپ کا میرا رشتہ ختم ہے، خط آئے ہوئے ڈیڑھ ماہ گذر گیا لیکن

ہندہ وہ سامان نہیں چھڑا سکی، ایسی صورت میں ہندہ زید کے نکاح میں باقی ہے یا مطلقہ ہوگئی؟

المستفتی: محمد محفوظ حسن پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی بیوی پر دو طلاق پہلے پڑ چکی ہیں، اب ایک طلاق کا انتظار تھا اور پندرہ دن کے اندر اندر سامان واپس نہ کرنے کی شرط پر تین طلاق دیدیں اور پندرہ دن کے اندر اندر بیوی سامان واپس نہیں لائی، جس کے نتیجے میں پندرہ دن گذر جانے کے بعد تین طلاق کے لفظ سے باقی ایک طلاق بھی پڑ گئی، اب تین طلاقیں واقع ہونے کی وجہ سے بیوی زید پر قطعاً حرام ہوچکی ہے اور زید کے لیے بدونِ حلالۂ شرعیہ کے بیوی سے تعلق قائم کرنا قطعاً حرام ہے۔

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. [البقرة: ۲۳۰]﴾

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الطلاق، باب التعليق کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ۴/۶۰۹)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه، زكريا قديم ۱/۴۲۰، جديد ۱/۴۸۸)

وإن كان الطلاق ثلاثا فى الحرة و ثنتين فى الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (هنديه، زكريا قديم ۱/۳۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هدايه، اشرفى ديو بند ۲/۳۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۰/۱۴۳۰ھ

اگر ماموں کی لڑکی سے نکاح کروں تو اس پر تین طلاق

سوال [۶۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میرے چار ماموں ہیں، میں نے کسی بھی ماموں کو بغیر تعیین کے یہ بات کہی کہ اگر ماموں کی لڑکی کو نکاح میں کروں تو اس پر تین طلاق، اب میرا سوال یہ ہے کہ میں تیسرے نمبر کے ماموں کی لڑکی سے نکاح کروں تو اس پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہو تو میں اسی ماموں کی اسی لڑکی سے دوبارہ بغیر حلالہ کے نکاح جدید کرلوں تو وہ لڑکی میرے لیے حلال ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو شامی کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے "**باب طلاق غیر المدخول بها**. (شامی کراچی ۲۸۵/۳، زکریا ۵۰۹/٤)، **قال: وفي المشكلات من طلق امرأته الغير مدخول بها ثلاثا فله أن يزوجها بلا تحليل و أما قوله تعالى: "فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ" ففی حق المدخول بها**"۔

اسی طرح (فتاویٰ دارالعلوم کے حاشیہ ۳۰۹/۷) پر "اگر میں ماموں کی لڑکی سے نکاح کروں اور طلاق واقع نہ ہو، اب ایسی صورت کوئی ہو تو اس کا طریقہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیسرے ماموں کی لڑکی یا کسی بھی ماموں کی لڑکی سے نکاح کرے گا تو اس کو طلاق مغلظہ ہو جائے گی، اس لیے کہ ایک لفظ میں تین طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے اور پھر اس کے بعد چاروں ماموں کی دوسری کسی بھی لڑکی سے نکاح کر لیتا ہے تو طلاق نہیں پڑے گی، اور طلاق شدہ لڑکی سے بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح جائز نہیں ہے، اور شامی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہاں تین طلاق سے الگ الگ لفظوں میں غیر مدخول بہا کو تین طلاق دینا مراد ہے، اور غیر مدخول بہا کو جب الگ الگ لفظوں میں تین مرتبہ طلاق دی جاتی ہے تو پہلے لفظ سے بائنہ ہو کر نکاح سے باہر ہو جاتی ہے، پھر محل طلاق نہ ہونے کی وجہ سے دوسری اور تیسری طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اس لیے ایسی صورت میں اسے بلا حلالہ دوبارہ نکاح جائز ہے، اور ایک جملہ میں تین طلاق دینے سے تینوں طلاق ایک ہی ساتھ پڑ جاتی ہیں؛ اس لیے غیر مدخول بہا ہونے کے باوجود بلا حلالہ اس کے ساتھ دوبارہ نکاح جائز نہیں ہے یہی راجح اور مفتی بہ قول ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۱۰۳/۴)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك

طلقت. (الدر المختار، باب التعليق، كراچی ۳/۳۵۵، زكريا ٤/٦٠٩)

قال لزوجته غير مدخول بها أنت طالق ثلاثا وقعن. (تنوير الأبصار مع الدر المختار)

وما قيل من أنه لا يقع لنزول الآية فى الموطوئة باطل محض منشؤه الغفلة عما تقرر أن العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب و حمله فى غرر الأذكار على كونه متفرقة فلا يقع إلا الأولىٰ. (در مختار مع الشامی، باب طلاق غير المدخول بها، كراچی ۳/۲۸٤ -۲۸۵، زكريا ٤/۵۰۹ - ۵۱۱)

(۲) اور طلاق واقع نہ ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص آپ کا نکاح آپ کے ماموں کی بیٹی سے آپ کے حکم بغیر کردے پھر آپ زبان سے اس کو قبول نہ کریں بلکہ پورا مہر یا بعض مہر اس عورت کے پاس بھیج دیں اور صحبت وتقبیل وغیرہ کرلیں تو یہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۷/ ۵۰۸، محمودیہ قدیم ۳/ ۲۷۹، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۱۳۴)

حلف لا يتزوج فزوجه فضولى فأجاز بالقول حنث وبالفعل لا يحنث به يفتى (تحته فى الشامية) كبعث المهر أو بعضه. (در مختار مع الشامی زكريا ۵/٦٧٢، كراچی ۳/۸٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ شعبان ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۶۰)	۱۴۲۲/۸/۱۶ھ

اگر کیس ہٹاؤ گی تو طلاق

سوال [۶۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا شادی شدہ جس کے دو بچے ہیں اس کا تعلق ایک غیر شادی شدہ لڑکی سے ہو گیا، اور اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ لڑکا اور لڑکی دونوں مل کر شہر سے نکل کر چپ چاپ دوسرے شہر میں چلے گئے اور وہاں ایک رجسٹرڈ قاضی سے مل کر نکاح کرلیا، اور اس طرح بعد نکاح کے تقریباً ایک ہفتہ دونوں نے مل کر ساتھ گذارا کیا، اس کے بعد لڑکی والوں نے پولیس کارروائی کے ذریعہ ان کو پکڑوا کر

لڑکی سے غلط بیان دلوا کر لڑکی کو چھڑا لائے اور لڑکے کو گرفتار کرا دیا، جب کیس کورٹ میں گیا اور لڑکی سے دوبارہ بیان لیے، تو وہ پولیس بیانوں سے بدلے ہوئے تھے، اس پر لڑکی کی ضمانت ہوگئی ادھر لڑکی کے حمل تھا، وہ لڑکی والوں نے گرا دیا اب لڑکی اپنے گھر ہے یعنی ماں باپ کے یہاں اور لڑکا اپنے گھر ہے، اور مقدمہ کورٹ میں چل رہا ہے، لڑکی والے طلاق مانگتے ہیں، لڑکا طلاق کے لیے تیار ہے، مگر لڑکا کہتا ہے کہ آپ لوگ کیس ہٹاؤ میں طلاق دیدوں گا، لڑکی والے کہتے ہیں، تو طلاق دے ہم کیس ہٹالیں گے، ایک دوسرے پر اطمینان نہیں ہے، درمیان میں کئی لوگ ثالث بن کر بیٹھے، مگر مسئلہ حل نہ ہوا، زید ایک تجویز سے متعلق مسئلہ دریافت کرتا ہے کہ لڑکا اپنی زبان سے خود کچھ گواہوں کے درمیان یہ بات کہہ دے کہ اگر آپ لوگ مجھ پر سے کیس ہٹالیں تو میری طرف سے اس لڑکی کو طلاق ہے، اور اگر کیس نہیں ہٹائیں گے تو طلاق نہیں ہے، اس طرح پر دونوں فریق اپنے قول سے مکر نہیں سکتے، کیونکہ بات یہ ہے کہ لڑکے کو خطرہ ہے طلاق دیدوں، پھر کیس نہ ہٹا کر مجھ کو پھنسا دیں ان کو یہ خطرہ ہے کہ کیس ہٹا دیں یہ طلاق نہ دے، اگر شریعت اس طرح کی شرط کے ساتھ اس وقت بھرے مسئلہ میں اجازت دیتی ہے تو مسئلہ طے ہوجاتا ہے، تو طلاق بالشرط دے سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا یہ شرط لگانا کہ اگر کیس ہٹاؤ گے تو طلاق ہے، اور اگر کیس نہیں ہٹاؤ گے تو طلاق نہیں، یہ طلاق بالشرط ہے، ایسی صورت میں اگر لڑکی والے کیس ہٹا لیتے ہیں تو طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر کیس نہیں ہٹاتے ہیں تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اس طرح کی شرط پر طلاق کو موقوف کرنا ضرورت کی وجہ سے شریعت میں جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۶۷، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۳۳)

وإذا أضافه (أی الطلاق) إلی شرط وقع عقیب الشرط مثل أن یقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (هدایه، اشرفی دیو بند ۲/ ۳۸۵، هندیه، زکریا قدیم ۱/ ۴۲۰، جدید ۱/ ۴۸۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۹ھ

مقدمات واپس لینے کی شرط پر طلاق

سوال [۶۹۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میاں بیوی میں کسی بات کو لے کر جھگڑا ہوا اور نوبت یہ آئی کہ لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے والوں کے خلاف تھانہ میں FIR بھی درج کرادی گئی، پھر اس کے بعد معاملہ ذرا کچھ سلجھ گیا، اور ایک بچی کی پیدائش عمل میں آئی، لیکن بعد میں پھر دونوں کے درمیان نا اتفاقی رہنے لگی جس کی وجہ سے عورت اپنی مرضی سے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کررہی ہے، لیکن ہمیں اندیشہ ہے کہ طلاق کے بعد بھی یہ ہم کو سابقہ مقدمہ میں گھسیٹے گی اس لیے ہم لڑکے والے اس شرط پر طلاق دیں کہ لڑکی والے مستقبل میں ہمارے خلاف کوئی مقدمہ نہیں کریں گے اور جو مقدمات چل رہے ہیں ان کا تصفیہ کردیں، تو طلاق واقع ہوگی، ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی تو کیا مذکورہ شرط کے ساتھ طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا کس شکل میں طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: افضال احمد محلّہ حیات نگر گلی نمبر۳ر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی والوں کے مطالبہ پر ان کے فتنہ سے بچنے کے لیے اس شرط پر طلاق دینا کہ جو مقدمات لڑکے والوں کے خلاف زیر سماعت ہیں، ان کو واپس لے لیا جائے، اور آئندہ کوئی مقدمہ دائر نہ کرنے کی شرط کے ساتھ مشروط کرکے طلاق دینا جائز اور درست ہے، اور یہ طلاق مقدمات کو واپس لینے کی بعد ہی واقع ہوگی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید۶ /۲۷۳-۲۷۴، مطول ۲۳۹/۸)

و إن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال لأن الزوج يستبد بالطلاق تنجيزا و تعليقا و قد علقه بقبولها والمرأة تملك التزام المال لولايتها على نفسها وملك النكاح مما يجوز الاعتياض عنه ...... وكان الطلاق بائنا. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی دیوبند ۴۰۵/۲)

قوله لها: أنت طالق بألف أو على ألف وقبلت فى مجلسها لزم الألف

لأنـه تـعـويض أو تعليق (در مختار) قال الزيلعي: ولا بد من قبولها لأنه عقد معاوضة أو تعليق بشرط فلا تنعقد المعاوضة بدون القبول ولا ينزل المعلق بـدون الشـرط إذ لا ولاية لأحدهما في إلزام صاحبه بدون رضاه. (در مختار مع الشامی، کراچی ۳/۴۴۹، زکریا ۵/۹۹-۱۰۰)

إذا أضـافـه الـطـلاق إلـى الشـرط وقـع عـقيب الشرط اتفاقا مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (هندیه، زکریا قدیم ۱/۴۲۰، جدید ۱/۴۸۸، هدایه، اشرفی دیوبند ۲/۳۸۵، در مختار کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ۴/۶۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ؍شعبان ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۶۲۰)

دومرتبہ طلاق کے بعد کہنا کہ تیسری چالیس روز کے بعد خود بخود ہو جائے گی

سوال [۶۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہندہ کے ساتھ تقریباً چھ سال قبل ہوئی تھی، شادی کے دوڈیڑھ سال بعد زید نے ہندہ کو آپس کی ان بن کی بنا پر ایک طلاق دی اور یوں کہا: دیکھ ایک طلاق یہ ہوئی، آئندہ اگر تو نے مجھے ذرا بھی پریشان کیا تو سمجھ لے تینوں ہو جائیں گی، یا تینوں دیدوں گا، زید کہتا ہے: وقت کے زیادہ گذر جانے کی بنیاد پر تحریر شدہ دونوں باتوں میں سے کسی ایک پر پختہ یقین نہیں ہے، بہر حال ہندہ نے اس کے بعد بھی زید کو سیکڑوں مرتبہ پریشان کیا، اب پانچ سال گزر جانے کے بعد زید نے ہندہ کو پھر ایک طلاق دی جس پر ہندہ نے تیسری طلاق لینے کا اصرار کیا تو زید نے یوں کہا کہ چالیس روز کے بعد تیسری خود بخود ہو جائے گی اس کے دینے کی ضرورت نہیں، واضح رہے کہ زید نے بیوی کے پاس آنا جانا نہیں چھوڑا ہے اور اس واقعہ کو تقریباً پندرہ روز گذر گئے ہیں، سوال یہ ہے کہ زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ باقی ہے یا نہیں، اگر ہندہ کے زید کو پہلی مرتبہ کے پریشان کرنے ہی سے تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں تو

اس پانچ سال کی مدت کا کیا حکم ہے؟ اوراس کی تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے، نیز بعد کی دی ہوئی طلاق اور چالیس روز پر تیسری کی تعلیق پر تفصیل سے روشنی ڈالیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو پہلی مرتبہ جوایک طلاق دی ہے اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی اور زید نے جو بقیہ دوطلاقوں کواس شرط پر معلق کردیا کہ اگر تو نے مجھے دوبارہ پریشان کیا تو تینوں ہوجائیں گی، اوراس کے بعد شرط کا تحقق تو ہوا لیکن زید کواس بارے میں شک ہے کہ اس نے ہوجائیں گی کہا تھا یا دیدوں گا کہا تھا، تو شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی، لہٰذا اس وقت تک زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ برقرار رہا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/۴۳)

علم أنه حلف و لم يدر بطلاق أو غيره لغا كما لو شك أطلق أم لا.

(الدر المختار مع الشامی، کتاب الطلاق، باب الصریح، کراچی ۳/۲۸۳، زکریا ۴/۵۰۸)

اس کے بعد پھر زید نے ہندہ کو دوبارہ طلاق دیدی تو اس سے دوسری طلاق واقع ہو گئی، لیکن دونوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ساتھ ساتھ رجعت بھی ہوگئی، اس کے بعد ہندہ کے تیسری طلاق کا مطالبہ کرنے پر زید کا یہ کہنا کہ تیسری چالیس روز بعد خود بخود ہوجائے گی، یہ تعلیق طلاق ہے، لہٰذا چالیس دن گذر جانے کے بعد تیسری طلاق واقع ہوجائے گی، اوراس سے طلاق مغلظہ واقع ہو جانے کی وجہ سے ہندہ زید پر بالکل حرام ہو جائے گی، اور جو پانچ سال کی مدت گذرگئی وہ شرعی طور پر حلال طریقہ پر گذر گئی ہے اس لیے کہ اس پانچ سال کے درمیان طلاق مغلظہ کا ثبوت نہیں ہوسکا، البتہ چالیس دن کی جو قید لگائی ہے اس کے گذرنے کے بعد طلاق مغلظہ واقع ہوجائے گی پھر دونوں کا ساتھ رہنا جائز نہیں ہوگا۔

ولو قال في الليل أنت طالق في مجيئ ثلاثة أيام طلقت كما طلع الفجر من اليوم الثالث. (شامی، کتاب الطلاق، باب الصریح، کراچی ۳/۲۶۳، زکریا ۴/۴۷۹)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا. (تنویر الابصار مع الدر المختار

کراچی ۳/ ۳۵۵، زکریا ۴/ ۶۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۶۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۲۴ھ

طلاق کو کوآنگن، برآمدہ اور بیوی کے گھر میں دخول پر معلق کرنا

سوال [۷۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک شخص نے بیوی کی عدم موجودگی میں جبکہ وہ کہیں باہر گئی ہوئی تھی، کہا کہ اگر ہماری بیوی آنگن میں آئے تو ایک طلاق اور برآمدہ میں آئے تو طلاق اور گھر میں داخل ہو تو تین طلاق، عورت کو راستہ میں لوگوں نے بتلایا کہ تمہارا شوہر ایسی ایسی بات کہہ رہا تھا، عورت نے کہا: ہم سنے نہیں ہیں، یہ کہہ کر آنگن میں داخل ہوئی، اور اسی طرح برآمدہ اور گھر میں داخل ہوئی، تو کیا عورت کو طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

(۲) اگر کسی نے اس وقت کی قید لگا کر کہا تو کیا اس وقت کے علاوہ اگر آنگن وغیرہ میں داخل ہوگی تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: نسیم اختر، کشن گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور زید نے مذکورہ الفاظ بغیر کسی وقت کی قید لگائے کہے ہیں تو ایسی صورت میں جب زید کی بیوی آنگن، برآمدہ اور گھر میں داخل ہوگئی ہے تو زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول: لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق و هذا بالاتفاق. (هدايه، باب الايمان فى الطلاق، اشرفى ديوبند ٢/ ٣٨٥، هنديه زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨)

(۲) زید نے اگر وقت مقرر کر دیا ہے اور بیوی وقت مقررہ کے علاوہ دوسرے

اوقات میں داخل ہوئی ہے تو بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

وإن علقه بوقت أو بفعل فإن سبق الفعل وقع لو لم ينتظر الوقت و إن سبق الوقت لم يقع حتى يوجد الفعل. (هنديه، زكريا قديم ۱/۳٦۹، جديد ۱/٤۳٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۲۰۴)

تیری بہن کی شادی فلاں شخص سے ہوئی تو تجھے طلاق

سوال [٦٩٧٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی بیوی سے کہا اگر تیری بہن کی شادی فلاں شخص کے ساتھ ہوئی تو میں قرآن کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ شادی والے دن تجھ کو طلاق دیدوں گا، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور قسم ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوگئی تو اس سے بری ہونے کی کیا صورت ہے؟

(۲) اگر زید نے یہ بات کہی کہ تجھ کو طلاق ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد انیس سرائے گوری ضلع ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زید نے طلاق دینے کی قسم کھائی ہے لیکن طلاق نہیں دی ہے، اس لیے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی، البتہ اس نے قرآن کی قسم کھائی ہے، اور قسم پوری نہ ہونے کی وجہ سے ایک کفارہ قسم ادا کرنا لازم ہوگا۔

ولا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا. (در مختار، كتاب الأيمان، مطلب في القرآن زكريا ۵/۲۱۷، كراچی ۳/۷۱۲)

اور کفارہ کی صورت یہ ہے کہ زید دس غریبوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے یا ہر ایک کو ایک صدقہ کی قیمت دیدے۔

﴿قال الله تعالیٰ: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ .[المائدة: ۸۹]﴾

(۲) اگر زید نے یہ لفظ کہہ دیا کہ اگر تیری بہن کی شادی فلاں شخص کے ساتھ ہوئی تو تجھ کو طلاق ہے، تو اگر اسی شخص سے نکاح ہوا ہے تو زید کی بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت. (در مختار کراچی ۳/ ۳۵۵، زکریا ۳/ ۶۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۱۵ھ

بیوی کے پان کھانے پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۶۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی کافی دنوں سے پان کھاتی تھی، زید نے اس کو بہت منع کیا مگر وہ نہیں مانی، زید نے اپنی بیماری کی حالت میں غصہ میں آکر یہ کہہ دیا کہ اگر آج کے بعد تم نے پان کھایا یا پھر کبھی کھایا اب کھایا تو تجھے تین طلاق ہیں، اور اس نے پان کھالیا، زید نے جب کہا تو کہنے لگی مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس طرح طلاق ہو جاتی ہے، اب ہم ایسے ہی رہتے ہیں کیا واقعی طلاق ہو گئی اور ہو گئی تو قصوار کون ہے؟ اور اگر ایسے ہی میاں بیوی بن کر رہنے لگیں تو گنہگار کون ہوگا، شوہر یا بیوی؟ آپ برائے مہربانی دلائل قرآن وحدیث کی روشنی میں حوالہ دے کر جواب دیں۔

المستفتی: محمد حسن، محلّہ بوڑھے کا چوراہہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید نے بیوی سے یہی کہا ہے کہ اگر آج کے

بعد پان کھائے تو تجھے تین طلاق ہیں اور بعد میں بیوی نے پان کھالیا ہے تو ایسی صورت میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، اب میاں بیوی کا تعلق بالکل ختم ہو چکا ہے، طلاق واقع ہونے میں دونوں کے قصور کا دخل ہے، اور اگر بغیر حلالہ اور نکاح کے ساتھ رہیں گے تو ہمیشہ زنا کاری ہوگی اور اس میں دونوں برابر قصوروار اور گنہگار رہوں گے اور اولادبھی حرامی ہوگی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت. (در مختار کراچی ۳/ ۳۵۵، زکریا ۴/ ۶۰۹)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.
(عالمگیری، زکریا قدیم ۱/ ۴۷۳، جدید ۱/ ۵۳۵، هدایه، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۹۹)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه، زكريا قديم ۱/ ۴۲۰، جديد ۱/ ۴۸۸، هدايه، اشرفی ديوبند ۲/ ۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۰۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

سسر کے دروازے پر جانے کی تعلیق کے بعد مرنے کے بعد جانے کا حکم

سوال [۶۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی سسرال گیا اور اپنے سسر سے کچھ جھنجھٹ ہو گیا جس کی وجہ سے زید کے خسر نے کہا، یعنی گالی گلوج دیتے ہوئے کہا کہ میرے دروازے پر کیوں دیتے ہو تو اسی بات پر زید نے کہا کہ اگر میں تمہارے دروازے پر آئندہ آؤں تو تمہاری لڑکی کو طلاق، اب زید کے خسر کا انتقال ہو گیا ہے کافی عرصہ گذر گیا ہے، لیکن ابھی زید اپنے خسر کے یہاں نہیں گیا ہے تو کون سی طلاق پڑی اور زید وہاں یعنی اپنے خسر کے یہاں جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد علاؤ الدین مقبرہ روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خسر کے انتقال کے بعد بھی عرف میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ خسر کا گھر ہے اس لیے زید اگر سسرال جاتا ہے اور زید نے طلاق کو معلق کرتے وقت صرف یہی کہا ہے کہ اگر تمہارے دروازے پر آئندہ آؤں تو تمہاری لڑکی کو طلاق اور اس میں دو یا تین کا لفظ نہیں کہا ہے تو اب اگر زید وہاں جائے گا تو صرف ایک طلاق رجعی ہو جائے گی ، اور اسی وقت رجوع کر کے بیوی اپنے پاس رکھ سکتا ہے، لیکن اگر دو کہا ہے تو دو طلاق رجعی ہو جائیں گے اس صورت میں بھی رجعت کر سکتا ہے اور اگر تین کہا ہے تو طلاق مغلظہ واقع ہو جائیں گی ، اب خود دیکھ لے کہ کیا کہا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۰/ ۶۵)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت وإلا لا. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب التعليق، كراچی ۳/ ۳۵۵، زكريا ٤/ ٦٠٩)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه، زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨، هدايه، اشرفی ديوبند ٢/ ٣٨٥)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذٰلک أو لم ترض. (هدايه، اشرفی ديوبند ٢/ ٣٩٤، هنديه، زكريا قديم ١/ ٤٧٠، جديد ١/ ٥٣٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۷ھ

زنا یا شہوت کی نظر سے دیکھنے پر طلاق کی قسم دلانا

سوال [۶۹۷۵]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور عمر دو بھائی ہیں، زید بڑا بھائی ہے اور عمر چھوٹا بھائی، زید نے اپنے چھوٹے بھائی عمر کی بیوی کو شہوت کا ہاتھ لگایا، کچھ دنوں بعد عمر کی بیوی نے اپنے شوہر عمر سے یہ

بات بتلا دی کہ کچھ دن پہلے آپ کے بڑے بھائی زید نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا تو جب یہ بات زید سے معلوم کی گئی تو زید نے اپنے اس جرم کا اقرار کرلیا، آخر کار فیصلہ ہوا کہ آئندہ اس جرم سے باز رہنے کے لیے دونوں کو قسم کھلائی جائے، تو عمر نے زید سے قسم کھلائی کہ آپ قسم کھائیں کہ آئندہ میں نے کبھی تمہاری بیوی کو یا کسی غیر عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھا یا ہاتھ لگایا تو میری بیوی کو تین طلاق، تو زید نے یہ قسم کھالی اور بعد میں ایک مرتبہ عمر سے یہ بھی کہا کہ اگر میں نے اس سے پہلے بھی کبھی تیری بیوی سے زنا کیا ہے تو میری بیوی مجھ پر حرام ہے، لیکن زید اب کہتا ہے کہ میں نے اس وقت قسم کھالی تھی لیکن میرے پاس تاویل کی شکل اب بھی موجود ہے، تو کیا زید کے پاس اب بھی کوئی تاویل کی شکل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہوسکتی ہے؟ اور اگر اب وہ اپنی کسی تاویل کے ذریعہ عمر کی بیوی کو یا کسی غیر عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھتا ہے یا چھوتا ہے تو ایسی صورت میں زید کی بیوی کو طلاق مغلظہ واقع ہوگی یا نہیں؟

(۲) عمر نے اپنی بیوی کو قسم کھلائی کہ تم بھی یہ قسم کھاؤ کہ اگر میں نے آئندہ کبھی زید کے ساتھ یا کسی غیر مرد کے ساتھ زنا کیا تو مجھے تین طلاق، اب اگر اس کے بعد عمر کی بیوی کو زید نے یا کسی غیر مرد نے شہوت کی نظر سے دیکھا یا ہاتھ لگایا یا خود اسی عورت نے زید کو یا کسی غیر مرد کو شہوت کی نظر سے دیکھا یا ہاتھ لگایا یا اس عورت کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا تو کیا ایسی صورت میں عمر کی بیوی کو طلاق مغلظہ واقع ہوگی یا نہیں؟

(۳) عمر کی بیوی سے زنا کا صدور ہوگیا اور ڈر کے مارے یہ بات سب سے چھپائے رکھی اور یوں ہی زندگی گذار دی تو ایسی صورت میں اس کا شوہر بھی گنہگار ہوگا یا صرف عورت ہی گنہگار ہوگی؟

المستفتی: کمال الدین گریڈیہوی، (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید نے جب صاف الفاظ میں اس طرح کی قسم کھالی ہے کہ کسی کی بیوی کو اگر شہوت سے دیکھا یا ہاتھ لگایا تو اس کی بیوی پر تین طلاق

ہیں تو جب بھی کسی کی بیوی یا عمر کی بیوی کو شہوت سے دیکھے گا یا ہاتھ لگائے گا، تو زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ قسم کے مسئلہ کا مدار الفاظ پر ہے، نیز اس مسئلہ میں زید ظالم ہے اس لیے اس کی نیت وتاویل کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔

الأيمان مبنية على الألفاظ لا على الأغراض. (شامی، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الدخول، زکریا ۵/۵۲۵، کراچی ۳/۷۴۳)

والفتویٰ علی اعتبار نية الحالف إن كان مظلوما لا إن كان ظالما. (الأشباہ، قدیم مطبوعہ دیوبند ص: ۴۹)

(۲) عورت سے اگر کسی بھی مرد سے زنا کا صدور ہو جائے تو عورت پر تین طلاق واقع نہ ہوں گی، اس لیے کہ عورت کو طلاق کا کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ اختیار مرد کو ہوتا ہے۔

وأهله زوج عاقل بالغ مستقيظ. (درمختار، کراچی ۳/۲۳۰، زکریا ۴/۴۳۱)

اگر خفیہ طور پر عورت نے بدکاری کی ہے تو وہی گنہگار ہوگی، شوہر پر اس کا وبال نہ ہوگا۔

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرَى﴾ [الفاطر: ۱۸] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۲۳ھ

اگر تو فلاں گاؤں میں جائے گی تو طلاق

سوال [۶۹۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے اپنی بیوی سے ناراض ہونے کی وجہ سے اور بیوی کے ضدی ہونے کی وجہ سے بیوی کہہ رہی تھی کہ میں فلاں گاؤں جا رہی ہوں، شوہر کہہ رہا تھا، نہیں گھر آجا، اس وقت بیوی میکہ میں تھی، زید نے اپنی بہن سے کہا، بہن نے بیوی کو سمجھایا تو وہ مان گئی اور زید کی نہیں مانی تو زید کو غصہ آیا کہ میری بیوی ہو کر میری نہیں مانی اور میری بہن کی مانی، اس پر زید نے کہا کہ اگر اب تو فلاں گاؤں جائے گی تو میرے نکاح سے نکل جائے گی، یہ کہتے وقت

نیت ایک یا دو تین طلاق کی نہیں تھی، صرف غصہ میں اتنا کہا تھا، زید کی بیوی فلاں گاؤں چلی گئی تو اب نکاح کا کیا ہوگا، دوبارہ کس طرح زندگی بسر کریں۔

المستفتی: سید اشرف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب زید سے کہا کہ اگر تو فلاں گاؤں میں جائے گی تو میرے نکاح سے نکل جائے گی یہ تعلیق ہے، اور جب بیوی اس گاؤں میں چلی گئی تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، خواہ زید نے طلاق کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، کیونکہ غصہ کی حالت میں بلا نیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اب اگر دونوں ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو دوبارہ نکاح کر کے رہ سکتے ہیں۔

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط. (هدايه، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۸۵، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۲۰، جديد ۱/ ۴۸۸)

ولو قال لها: لا نكاح بيني و بينك أو قال لم يبق بيني و بينك نكاح يقع الطلاق إذا نوى. (عالمگیری قديم، زكريا ۱/ ۳۷۵، جديد ۱/ ۴۴۳)

وإذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها.
(هدايه، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۹۹، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۱/۱۲ھ

عیب پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۶۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہوا جن کی بیوی سے جھگڑا ہوا تھا انہوں نے اپنے بھائی کے کچھ مار دیا، پھر تیسرے بھائی نے ان کو مارتے ہوئے اندر کر دیا، پھر فیصلہ ہو رہا

تھا تو میرا بھائی میری بیوی میں عیب نکال رہا تھا کہ تیری بیوی ایسی ہے، بڑے بھائی نے بھی کہا کہ تیری بیوی کی وجہ سے جھگڑا ہو رہا ہے حالانکہ اس کے اندر وہ بات وہ عیب نہیں ہے جو وہ کہتے ہیں تو میں نے کہا کہ اگر وہ ایسی ہے تو میں نے اس کو طلاق دی میں نے اس کو چھوڑ دیا، میں نے یہ لفظ ’’چھوڑ دیا‘‘ کئی مرتبہ کہہ دیا، میاں بیوی میں آپس میں کوئی نفرت نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ عورت میں وہ عیب کی بات نہیں جو اس کے بارے میں کہا گیا اور اس پر طلاق کو معلق کیا ہے، تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت وعتق وإلا لا. (الدر المختار مع الشامی کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ٤/٦٠٩)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هدايه، اشرفی دیوبند ۲/۳۸۵، هنديه زكريا قديم ۱/٤۲۰، جدید ۱/٤۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۵-۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۰/۱۴۲۹ھ

بیوی کے بھائی نے میری بہن سے شادی کی تو بیوی کو طلاق

سوال [۶۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ معراج عالم نے آج سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے کہا تھا کہ ’’اگر میری بیوی کے بھائی ہارون نے گڑیا (میری بہن) سے شادی کری تو میں عائشہ (اپنی بیوی کو طلاق دیدوں گا) اور اس سے آگے بڑھ کر یہ کہہ دیا کہ اگر انہوں نے شادی کر لی تو سمجھو کہ طلاق ہوگئی ہے، اپنے آپ عائشہ ڈیڑھ سال سے اپنے شوہر معراج کے ساتھ رہتی ہے، اور ہارون نے گڑیا سے شادی بھی کر لی ہے، تو حضرات مفتیان کرام سے دریافت کرنا ہے کہ مذکورہ بالا صورت

میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی طلاق ہوئی؟

المستفتی: معراج عالم اوکھلا دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معراج نے اپنی بیوی عائشہ پر طلاق کو اس بات پر معلق کر دیا ہے کہ ہارون معراج کی بہن گڑیا سے شادی کرے تو جس وقت ہارون نے گڑیا سے شادی کی ہے اسی وقت معراج کی بیوی عائشہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، لیکن چونکہ اس طلاق کے بعد دونوں میاں بیوی آپس میں ساتھ میں رہے جس سے خود بخود رجعت بھی ہوگئی ہے، لہٰذا اب دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گذار سکتے ہیں، پس آئندہ جب بھی دو طلاق دینے کا واقعہ پیش آئے گا تو بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوجائے گی۔

وإذا أضافه إلی شرط وقع عقیب الشرط مثل أن یقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق. (هدایه، اشرفی دیو بند۲/۳۸۵، هندیه زکریا قدیم ۱/ ۴۲۰، جدید ۱/ ۴۸۸)

وتنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن إن وجد فی الملک طلقت وعتق وإلا لا. (در مختار مع الشامی کراچی ۳/ ۳۵۵، زکریا ۴/ ۶۰۹)

وإذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة أو تطلیقتین فله أن یراجعها فی عدتها رضیت بذٰلک أو لم ترض. (الفتاویٰ الهندیة، زکریا قدیم ۱/ ۴۷۰، جدید ۱/ ۵۳۳، هدایه، اشرفی دیو بند ۲/ ۳۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۸۱۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۷ھ

فلم دیکھوں تو بیوی کو طلاق کہنے کا حکم

سوال [۶۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید فلم دیکھتا تھا پھر اس نے قسم کھائی کہ اگر میں آئندہ فلم دیکھوں گا تو میری

بیوی کو طلاق، پھر اس نے فلم دیکھ لی، تو شادی کے بعد طلاق پڑے گی کہ نہیں؟

المستفتی: محمد آزاد، مدرسہ فیض القرآن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کے قسم کھاتے وقت اور قسم توڑتے وقت دونوں وقتوں میں اس کی بیوی ہی نہیں تھی، اس لیے اس قسم کو توڑنے کی وجہ سے بعد میں جو شادی کرے گا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

شرط الملک حقیقة أشار إلى أن المراد ما يشمل تعليق الطلاق أو حكما أى أو كان الملک كملک النكاح. (شامی، کتاب الطلاق، باب التعليق، کراچی ۳/۳٤٤، زکریا ٤/٥٩٣)

والملک شرط لوقوع الطلاق المعلق لا شرط لانحلال اليمين ...... فإن وجد الشرط فيه أى فى الملک ...... انحلت اليمين ووقع الطلاق و إلا أى و إن لم يوجد الشرط فى الملک ...... انحلت اليمين ...... ولا يقع شيئ لعدم المحلية. (مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۸۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۲۹ھ

شوہر کیطے شدہ شرائط کو پورا کرنے پر عدم وقوع طلاق

سوال [٦٩٨٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا اپنی بیوی اور سسرال والوں سے شرائط حال یا خانگی معاملات پر جھگڑا پیدا ہوگیا اور رنجش بڑھ گئی جس کو دونوں فریقین نے اپنے معاملات کو سلجھانے کے لیے مسلم کمیٹی میں پیش کیا جس پر کمیٹی کے ذمہ داران نے دونوں فریقین سے بیان حلفی لے کر یہ فیصلہ طے کیا کہ شوہر مذکور اپنی بیوی سے صلح کرنے اور تعلقات بنانے کے

لیے ایک ماہ اپنی سسرال میں رہ کر اس بیوی سے تعلقات صحیح بنانے کی کوشش کریں گے اگر اس تحریر کی خلاف ورزی کی تو تین طلاق مغلظہ پڑ جائے گی، لہٰذا کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق شوہر اپنی سسرال پہنچا لیکن سسرال کے مکان پر کمیٹی کی کوتاہی کی بناپر شوہر مذکور نہیں پہنچ سکا، کیونکہ کمیٹی ہذا نے اپنے ذمہ داروں کے ہمراہ جانے کا فیصلہ دیا تھا، کمیٹی کے آدمیوں کا چار پانچ گھنٹہ انتظار کرکے ہوٹل پر سے ہی شوہر مذکور اپنے گھر واپس چلا گیا، دوسری بار پھر کمیٹی نے شوہر مذکور کو سسرال بھیجا تو تین آدمی کمیٹی کے اپنے ہمراہ لے کر سسرال پہنچے اور سسرال پہنچا کر واپس چلے گئے، تو شوہر مذکور کو سسرال والوں نے رات کو لڑکی سے علیحدگی میں اپنے انتظام نہ کرنے کی وجہ سے اپنے پاس ہی سلایا، لڑکی سے بات چیت کا موقع ہی نہ مل سکا، تو شوہر مذکور صبح اٹھتے ہی بلا کسی ذمہ دار کو کوئی شکایت بتائے اپنے گھر واپس چلا گیا، تیسری بار کمیٹی نے شوہر مذکور کو یہ ہدایت کر کے بھیجا کہ لڑکی والوں کو فوراً ہی مکان علیحدہ انتظام کرکے دینا ہوگا، اور کھانے پینے کا بھی اپنی ذمہ داری سے انتظام علاحدہ کر کے دینا ہوگا، اور شوہر مذکور کو چاہیے کہ ایک ہفتہ تک بیوی سے بات چیت کا موقع نہ ملے، آپ کو واپس نہیں آنا ہوگا، کیونکہ پردیس میں بھی وقت جدائی میں کاٹنا پڑتا ہے، اگر لڑکی والے کی کوئی بھی بدسلوکی ہوگا وَں کے چار ذمہ دار لوگوں کو بتلا کر اور ان حضرات سے شکایات پر دستخط کرا کر کمیٹی میں شکایت پیش کر کے اپنے گھر جا سکتے ہو، لیکن شوہر مذکور تیسری بار شام کو اپنے بھائی اور کسی دوسرے عزیز کو اپنے ہمراہ لے کر شام کو مغرب کے بعد اپنی سسرال میں حاضر ہوئے تو لڑکی والوں نے اس رات بھی اسے مہمانوں کی وجہ سے شوہر مذکور کو علیحدہ سلا دیا، دوسرے دن صبح اٹھتے ہی وہ لوگ واپس اپنے گھر جانے لگے، تو سسرال والوں نے اپنے داماد کو روکنا چاہا لیکن شوہر کوئی بہانہ کرکے اپنے گھر واپس چلے گئے، ان حالات پر غور کر کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی اور کچھ کہتے ہیں، نہیں ہوئی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کمیٹی والوں کا لڑکے کو سسرال جا کر بیوی کے

پاس رہ کر وہیں تعلقات صحیح کرنے کے لیے شرط لگانے کا مقصد صرف جانبین سے تعلقات صحیح کرنا ہے یہ نہیں ہے کہ سسرال جا کران لوگوں کے ظلم اور بے رخی اور بے توجہی برداشت کرے اسی وجہ سے کمیٹی نے الگ مکان میں میاں بیوی کوساتھ رہ کر تعلقات بنانے کی شرط بھی لگائی ہے، اور تین مرتبہ شوہر کا کمیٹی کے حکم سے سسرال جاتے رہنا اور سسرال والوں کا بے توجہی کا معاملہ کرنا اس کا واضح ثبوت ہے کہ شرائط کی خلاف ورزی شوہر کی طرف سے نہیں ہوئی بلکہ بیوی اور سسرال والوں کی طرف سے ہوئی ہے اس لیے مذکورہ صورت میں طلاق نہیں ہوئی، اور اب کمیٹی والوں کو چاہیے کہ شوہر کے یہاں بیوی کو بھیجوادیں کیونکہ شوہر نے شرط پوری کی ہے اورلڑکی والوں نے اس کا احترام نہیں کیا ہے۔

عن عمروبن العوف المزني، أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين –إلى– المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما. (سنن الترمذی، کتاب الاحکام، باب ما ذکر عن النبی ﷺ فی الصلح بین الناس، النسخة الهندية ۱/۲۵۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۲)

المسلمون عند شروطهم. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند ص:۱۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۸ھ

شرائط مذکورہ کے خلاف کوئی کام کروں تو میری بیوی میری زوجیت سے خارج ہوجائے

سوال [۶۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے جو تحریر لکھی تھی اس میں تھا کہ میں اپنی بیوی کو پریشان نہیں کروں گا، اور نہ کسی قسم کی تکلیف دوں گا، اور اپنی بیوی کے مدرسہ چلانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالوں گا، اس کے ساتھ میں بھی لگا رہوں گا، بلا اجازت مدرسہ کے اندر نہیں آؤں گا، اپنے بچوں کا پورا خرچ دوں گا، میں اپنی بیوی کو بلا دیکھے کوئی الزام نہیں لگاؤں گا، اگر میری بیوی کو کوئی بری بات کہے گا تو

میں خودلڑوں گا، اس کے کہیں آنے جانے میں رکاوٹ نہیں ڈالوں گا، مدرسہ کے کام سے آج کے بعد میں وعدہ کررہا ہوں کہ اپنی بیوی کے ساتھ براسلوک نہیں کروں گا، میں ان سب باتوں کے خلاف کوئی بھی بات کروں یا کہوں تو میری بیوی میری زوجیت سے خارج ہوجائے۔

اس تحریر کے بعد میرے شوہر نے میرے ساتھ جو بدسلوکی کی وہ میں لکھ رہی ہوں:

(۱) میرے شوہر نے رشتہ داروں میں مجھے بدچلن کہا اور بغیر دیکھے بغیر ثبوت کے الزام لگایا۔

(۲) میرے شوہر نے میری غیر موجودگی میں میرے مدرسہ کی بچیوں سے جھوٹی جھوٹی باتیں سکھا کر میرے اوپر الزام لگوانے کی کوشش کی ہیں، میرے شوہر نے بغیر کسی وجہ کے مدرسہ بند کروادیا۔

(۳) میرے شوہر نے بغیر کسی وجہ کے مجھ کو مارا اور لہولہان کردیا۔

(۴) میرے شوہر نے ہمیں گھر سے باہر نکال دیا اور کہا یہ پراپرٹی میری ہے ہم مدرسہ نہیں چلنے دیں گے، میرے باپ نے ہمیں دیا ہے، میرے شوہر نے جو تحریر لکھ کر دی تھی، اس کے خلاف سب کچھ اس نے میرے ساتھ کیا، تو کیا ایسی شکل میں میں اس کے نکاح میں ہوں یا طلاق ہوگئی ہے؟

المستفتی: شیلہ تبسم، مولانا پی سی او، جی ٹی روڈ بس اسٹینڈ الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ کے شوہر نے مذکورہ شرائط کی خلاف ورزی کی ہے تو اس صورت میں نکاح اور زوجیت سے خارج کے الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر رجعت کر کے میاں بیوی بن کر رہنے کی گنجائش ہے، اور زوجیت سے خارج کے الفاظ ہمارے عرف میں بیوی کے لیے طلاق ہی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، اس لیے اس سے طلاق صریح رجعی واقع ہوگئی ہے۔

إن الصريح ما لم يستعمل إلا في الطلاق من أي لغة كانت. (شامی، كتاب الطلاق، باب الصريح، زكريا ٤/ ٤٦٤، كراچی ٣/ ٢٩٩)

إن الصريح ما غلب في العرف استعماله في الطلاق حيث لا يستعمل عرفا إلا فيه من أي لغة كانت. (شامی، کراچی ۳/۲۹۹، زکریا ۴/۴۶۴)

إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هنديه، زكريا قديم ۱/ ۴۲۰، جدید ۱/ ۴۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۱/۱۴۲۳ھ

تجھ سے نکاح کی صورت نکلنے کے بعد نہ کروں تو ہونے والی بیوی کو طلاق

سوال [۶۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (الف) کہ فاطمہ شادی شدہ ہے اور زید کنوارا ہے ایک دن فاطمہ کے جوش دلانے پر زید نے فاطمہ سے کہا کہ اگر تجھ سے نکاح کی صورت نکل آئی اور تجھ سے نکاح نہ کروں تو میری ہونے والی بیوی کو تین طلاق، اس واقعہ کے بعد زید کا رشتہ ماہ رجب کے آخری ہفتہ میں شبینہ سے ہونا طے ہوگیا ہے، ممکن ہے کہ ۲۸؍ یا ۲۹؍ رجب کو نکاح کی تاریخ طے پائے لیکن ابھی فی الوقت زید کو معلوم ہوا کہ فاطمہ کے شوہر نے فاطمہ کو طلاق دیدی ہے، اوراس کی عدت پوری ہو چکی ہے، جب زید کو معلوم ہوا تو خاموشی سے اس نے فاطمہ کو نکاح کا پیغام بھیجا اور یہ کہا کہ تجھ سے بھی اولاد درکار ہے، لیکن فاطمہ کا کہنا ہے کہ میں صرف تجھ سے حلال ہونے کے لیے نکاح کرنا چاہتی ہوں اور ایک دفعہ ہی قربت کے لیے تیار ہوں ورنہ نہیں، زید نے کہا: تو میری بیوی بنے گی، تو ہماری مرضی طلاق دوں یا نہیں، اس پر فاطمہ کا کہنا ہے کہ میں اپنے سابق شوہر کے لیے حلال ہونے کے لیے آپ سے نکاح کروں گی اور اگر آپ نے نکاح نہیں کیا تو سابق شوہر سے زنا کا صدور ہوگا، تو اس کے ذمہ دار تم ہوگے، ہمیشہ کے لیے تمہاری بیوی نہیں بنوں گی، ان صورتوں میں زید کا نکاح فاطمہ سے نہیں ہوتا ہے اور شبینہ سے ہو جاتا ہے اور فاطمہ کسی اور مرد سے نکاح کر لیتی ہے تو شبینہ کو طلاق ہوگئی یا نہیں،

اگر طلاق واقع ہوگی تو اس سے بچانے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں؟

اگر فاطمہ کا نکاح کسی اور مرد سے ہو جائے پھر بعد میں زید کی شادی شبینہ کے ساتھ ہوئی ہے تو شبینہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر زید کے لیے شبینہ سے نکاح کے بعد پھر فاطمہ سے نکاح کی صورت نکل آئے تو کیا حکم نافذ ہوگا۔

(ب) اگر فاطمہ اب تک مطلقہ ہے اور حلالہ نہیں ہوا ہے، زید سے دورانِ گفتگو یہ کہا کہ اب بھی میرے پاس اس کی فرصت نہیں کیونکہ وہ میکہ میں ہے، بات بڑھی تو اس نے کہا کہ آپ اپنا دیکھئے میں اپنا دیکھوں گی، اس کے بعد اگر زید شبینہ سے نکاح کرے تو زید کی بیوی شبینہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(ج) زید کا نکاح اگر کسی عورت سے نہیں ہوا ہے اور فاطمہ سے اول طلاق کے بعد پھر آئندہ کبھی صورت نکل آئے اور اس وقت نکاح کا پیغام دے، فاطمہ انکار کرے، پھر بعد میں زید کسی لڑکی سے نکاح کرے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: عابد علی دانش، ہزاری باغ، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (ا) اگر حلالہ ہی کی غرض سے فاطمہ سے نکاح کرنے کا موقع مل گیا ہے تو اب فاطمہ سے نکاح کیے بغیر شبینہ سے نکاح کرے گا تو شبینہ پر تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی، اور اگر حلالہ کی غرض سے فاطمہ سے نکاح ہو جائے اور اس کے بعد شبینہ سے نکاح کرے تو نکاح درست ہو جائے گا، اور شبینہ پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، اگر موقع نکلنے کے باوجود زید نے فاطمہ سے نکاح نہیں کیا ہے اور پھر فاطمہ نے دوسری جگہ شادی کر لی ہے تو اس کے بعد زید شبینہ یا کسی اور عورت سے نکاح کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور شبینہ سے نکاح کے بعد پھر کسی بھی عورت سے نکاح کرے گا تو طلاق نہ ہوگی، اس لیے کہ یہ کلما والی قسم نہیں ہے۔

فإذا حصل الشرط المعلق عليه وقع الطلاق ...... و إذا لم يحصل لم يقع. (الموسوعة الفقهية بيروت ٣٨/٢٩)

حکم هذا اليمين فحكمها واحد و هو وقوع الطلاق أو العتاق المعلق عند وجود الشرط -إلى قوله- حتى إذا وجد ذٰلك المعنى يوجد الشرط فيقع الطلاق والعتاق و إلا فلا. (بدائع الصنائع زكريا ۳/ ۵۰)

اگر فاطمہ مطلقہ ہے اور حلالہ نہیں ہوا ہے تو ایسی صورت میں نکاح کا موقع نکلا ہے اور جب دورانِ گفتگو زید سے فاطمہ نے کہا ابھی مجھے نکاح کا موقع نہیں اور میں تیار نہیں ہوں تو اس کا تیار نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح کا موقع نہیں نکلا ہے تو اگر اس حالت میں شبینہ سے نکاح کرتا ہے تو شبینہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

عن أبي هريرة رضـ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الثيب حتى تستامر ولا البكر إلا بإذنها. (ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی الاستيمار، النسخة الهندية ۱/ ۲۸۵ دار السلام رقم: ۲۰۹۲)

استاذن الثيب فلا بد من رضاها بالقول. (هدايه، كتاب النكاح، باب في الأولياء، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۱۵)

(۳) فاطمہ سے نکاح کا موقع نہ ملنے پر جب زید نے نکاح کا پیغام دیا ہے اور فاطمہ نکاح کا انکار کردے تو یہ بھی اس بات پر دلیل ہے کہ فاطمہ سے نکاح کا موقع نہیں نکلا، لہٰذا اب اگر زید شبینہ سے یا کسی اور لڑکی سے نکاح کرے گا تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ نکاح کے صحیح ہونے کے لیے بالغہ لڑکی کا راضی ہونا ضروری ہے۔

عن أبي هريرة رضـ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تنكح الثيب حتى تستامر ولا البكر إلا بإذنها إلى آخر الحديث. (أبو داؤد شريف ۱/ ۲۵۸، دار السلام رقم: ۲۰۹۲)

ولو استاذن الثيب فلا بد من رضاها بالقول. (هدايه ۲/ ۳۱۵)

فإذا حصل الشرط المعلق عليه وقع الطلاق -إلى قوله- وإذا لم يحصل لم يقع. (الموسوعة الفقهية بيروت ۲۹/ ۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۳۳ھ

شائستہ کے ہاتھ سے تیار کرائی ہوئی کوئی چیز میرے بچے کو استعمال کرائی تو تجھے تین طلاق

سوال [۶۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی رحمت بی تقریباً ڈیڑھ سال قبل حاملہ تھی میری بیوی کے والدین ہونے والے بچے کے واسطے کچھ چیزیں مثلاً: گدا، تکیہ، رضائی، کچھ کپڑے وغیرہ تیار کرانے والے تھے، اپنی جسمانی کمزوریوں کے پیش نظر انہوں نے یہ کام اپنی بڑی لڑکی شائستہ کو سونپ دیا، اسی دوران یعنی وضع حمل سے قبل اسی بات پر شائستہ کے شوہر سے میرا تنازعہ ہوگیا اور میں نے اپنی غیرت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے شائستہ کی دی ہوئی یا شائستہ کے تعاون سے تیار کی ہوئی کوئی بھی چیز میرے بچے کو استعمال کرائی تو تجھ کو تین طلاق۔

واضح رہے کہ مذکورہ بالا اشیاء چونکہ بچے کی ننیہال سے آیا کرتی ہیں، اور انہیں اشیاء پر ہی شائستہ کے شوہر سے میرا تنازعہ ہوا تھا، اس لیے اس وقت میرے ذہن میں انہیں اشیاء کا تصور تھا بہر حال وہ اشیاء شائستہ نے تیار کرائیں، اور اشیاء کی قیمت دیدی گئی، لیکن اس کے باوجود بھی وہ چیزیں میرے بچے کو استعمال نہیں کرائی گئیں بلکہ بند کر کے رکھ دی گئیں اور بات ختم ہوگئی، اب گذشتہ عید کے موقع پر میرے بچے کی نانی نے بچے کا جوڑا بنوایا یہ کہہ کر کہ میں نے خود تیار کرایا ہے، اور انہوں نے وہ جوڑا خود ہی عید کے دن پہنا دیا، بعدہٗ وہ جوڑا یا کپڑا میری بیوی نے متعدد بار بچے کو پہنا دیا، اب چند روز قبل یہ بات معلوم ہوئی کہ میرے بچے کی نانی نے شائستہ سے قیمت دے کر اس جوڑا کا سامان بازار سے منگوایا تھا، اور کچھ پیسے کم پڑ گئے تھے، وہ شائستہ نے شامل کر دیئے تھے، گوکہ اس جوڑے کی بھی بعض اشیاء ابھی اس بچے نے نہیں پہنی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ چند روز قبل میری بیوی میکہ گئی تھی وہاں شائستہ نے میری بیوی کو کچھ انڈے بھیجے جب وہ کھانے لگی تو اس نے انگلی سے بچے کو چٹا دیا۔

تیسری بات یہ کہ اس سال شائستہ اور اس کے شوہر حج کے لیے گئے تھے وہاں سے کھجوریں لائے اور میری بیوی کو بھی بھیجیں، اس نے وہ کھجوریں بھی بچے کو چٹا دیں، جن اشیاء

کے استعمال کے لیے طلاق کا لفظ استعمال کیا گیا تھا اس میں سے کوئی بھی چیز ابھی تک استعمال نہیں کی گئی ہے۔

یہ مکمل صورت حال ہے، کیا ان صورتوں میں طلاق مغلظہ کا اطلاق ہوگا؟ یا بچاؤ کی صورت نکل سکتی ہے؟

المستفتی: محمد سالم، تمبا کو والان، مرادآبا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے بوقت قسم طلاق کی ان اشیاء میں نیت کی تھی جو بچے کی پیدائش کے وقت ننہال والوں نے شائستہ کے ذریعہ سے تیار کروائی ہیں، اور اب کافی عرصہ کے بعد دوسری اشیاء جو عید کے موقع پر تیار کرائی ہوئی ہیں جس کا بچے کو استعمال کرایا ہے یا حج سے لائی ہوئی کھجور یا بہت بعد میں انڈا کھلایا ہے تو ان کے استعمال کرانے اور کھلانے سے طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے کہ جن اشیاء کے استعمال پر طلاق کو معلق کیا گیا ہے وہ اشیاء استعمال میں نہیں آئی ہیں۔

ولو قال: إن لبست ثوبا أو قال: إن شربت شرابا أو إن أكلت طعاما و نوىٰ ثوبا بعينه أو شرابا بعينه أو طعاما بعينه دين فيما بينه و بين الله تعالىٰ بلا خلاف.

(تاتارخانية قديم ٤/ ٤٤٦، جديد زكريا ٦/ ٤٦ رقم: ٨٨٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۱۶ھ

اگر میں اب تیرے گھر میں جاؤں تو میری بیوی پر تین طلاق

سوال [۶۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے آپسی تکرار اور غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے یہ کہا کہ (جبکہ بیوی

اس وقت میکہ میں تھی)''اگر میں اب تیرے گھر میں جاؤں تو میری بیوی پر تین طلاق'' تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر میں بیوی کے گھر جاؤں تو کیا کرنا ہے، اور بیوی کے گھر والوں کی رہائش اوپر ہے نیچے دکان ہے میں اس دکان میں کام کرتا ہوں، تو اس دکان میں جانے سے طلاق ہوجائے گی یا نہیں، میرے اس مسئلہ کا کوئی شرعی حل بتادیں نوازش ہوگی؟

المستفتی: محمد آصف، بندوقچیان دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب تکرار اور غصہ کی حالت درمیان میں شوہر نے بیوی سے یہ کہا ہے کہ اگر میں تیرے گھر جاؤں تو میری بیوی پر تین طلاق، تو ایسی صورت میں بیوی کے میکہ والوں کے رہائشی گھر پر جب بھی جائیں گے تو تین طلاق واقع ہوجائیں گی، البتہ گھر کے نیچے دکان میں جانے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اور تین طلاق سے بچنے کے لیے فقہاء نے یہ ترکیب بتلائی ہے کہ بیوی کو ایک طلاق بائن دے کر الگ کردیں اور جب اس کی عدت گذر جائے گی اس کے بعد بیوی کے گھر چلے جائیں اور چونکہ وہ اس وقت بیوی نہیں ہے اس لیے بیوی کے گھر جانے سے طلاق واقع نہیں ہوگی پھر اس کے بعد دوبارہ باضابطہ دو گواہوں کی موجودگی میں شرعی طور پر نکاح کرلیں، پھر اس کے بعد ہمیشہ جا، آ سکتا ہے، اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت و عتق و إلا لا، فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار إن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (شامی مع الدر المختار، کتاب الطلاق، باب التعلیق، کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ۴/۶۰۹، تبیین الحقائق، امدادیہ ملتان ۳/۱۴۱، زکریا ۳/۴۹۲، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۲، شرح الوقاية یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند ۲/۱۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۰۱)

اگر تو اس گاؤں میں قدم رکھے گی تو طلاق

سوال [۶۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیوی ہندہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے گاؤں میں جارہی تھی، وہ ابھی گاؤں میں پہنچ بھی نہ پائی تھی کہ زید کو معلوم ہوگیا تو انہوں نے گھر کے لوگوں سے کہا کہ جاکر اسے بول دو اگر وہ اس گاؤں میں قدم رکھے گی تو اسے طلاق پڑجائے گی، زید کے کہنے پر ایک شخص نے ہندہ کا تعاقب کیا تاکہ اسے واپس لے آئے لیکن ابھی یہ شخص ہندہ تک پہنچ بھی نہ سکا تھا کہ ہندہ اس گاؤں میں پہنچ گئی، پھر بعد میں ہندہ کو یہ ساری بات معلوم ہوگئی تو آیا ہندہ کو طلاق پڑگئی یا نہیں؟ اگر پڑگئی تو پھر ہندہ کو اپنے نکاح میں لانے کی کیا شکل ہوگی۔

المستفتی: مختار عالم ہفتم عربی، متعلم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کا اپنی بیوی ہندہ کے بارے میں یہ کہنا کہ اگر وہ اس گاؤں میں قدم رکھے گی تو اسے طلاق پڑجائے گی تعلیق طلاق ہے، لہٰذا اطلاع دینے والے شخص سے پہلے ہی ہندہ مذکورہ گاؤں میں پہنچ گئی تو چونکہ شرط کا تحقق ہوگیا اور ایک ہی بار طلاق کا لفظ کہا ہے اس لیے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، عدت کے اندر اندر رجعت کی اجازت ہے، اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح کرکے اپنی زوجیت میں لے سکتا ہے۔

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (هدايه، باب الأيمان في الطلاق، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۸۵، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۲۰، جديد ۱/ ۴۸۸)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذٰلک أو لم ترض. (هدايه، باب الرجعة، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۹۴، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۷۰، جديد ۱/ ۵۳۳) (فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۵۰)

تمہاری لڑکی ایک گھنٹہ کے اندر گھر نہ آئی تو آزاد ہے

سوال [۶۹۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد زید نے اپنے سسر سے کہا کہ اگر تمہاری لڑکی ایک گھنٹہ کے اندر میرے گھر آتی ہے تو ٹھیک ہے اور اگر ایک گھنٹہ سے ایک منٹ اوپر ہوتا ہے تو تمہاری لڑکی میری طرف سے آزاد ہے، لڑکی اس ایک گھنٹہ میں گھر نہیں پہنچی تو کیا لڑکی کو طلاق ہوگئی؟

المستفتی: انورکمال محلّہ کھاڑی رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایک گھنٹہ کے اندر نہیں پہنچی اور ایک منٹ بھی زائد ہوجائے تو تمہاری بیٹی آزاد ہے، جو کہا ہے اور واقع میں ایک گھنٹہ میں نہیں پہنچی تو ایسی صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، اور آزادی کا لفظ ہمارے عرف میں بیوی کے حق میں طلاق کے لیے متعارف ہے، لہٰذا عدت کے اندر اندر رجعت کر کے بیوی بنا کر رکھنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۴۱۵، احسن الفتاویٰ ۵/۱۶۰، ۲۰۲، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۲/۳۵۸)

جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے واضح ہے:

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (هدايه، باب الأيمان في الطلاق، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۸۵، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۲۰، جديد ۱/ ۴۸۸)

فإذا قال "رها كردم" أى سرحتك يقع به الرجعي مع أن أصله كناية أيضا و ماذاك إلا لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق. (شامي، زكريا ۴/ ۵۳۰، كراچى ۳/ ۲۹۹)

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذٰلك أو لم ترض لقوله تعالىٰ "امسكوهن بمعروف" من

غير فصل ولا بد من قيام العدة. (هـدايه، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۹٤، هنديه زكريا قديم ۱/ ٤٧٠، جديد ۱/ ۵۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۷/ ۱۴۳۴ھ

اگر گلشن عصر تک نہیں پہنچی تو اس کو تینوں طلاق

سوال [۶۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حافظ اشرف کا عقد نکاح بی گلشن سے ہوا اور رخصتی نہیں ہوئی، گلشن اپنے میکے ’’پھلوڑیہ‘‘ سے اپنی نانی کے ساتھ خالہ نانی کے یہاں کٹوریہ گئی، حافظ اشرف کو اطلاع ملی تو وہ اپنی منکوحہ کے بلا اجازت کٹوریہ جانے پر برہم ہوئے اور ساس کو موبائل فون سے کہا ’’اگر گلشن عصر تک نہیں آئی تو اسے تینوں طلاق‘‘، گلشن کی والدہ نے کٹوریہ فون کر کے جلد از جلد گلشن کے واپس آنے کی ہدایت کردی پھر اس نکاح کے درمیان وسفیر نے فون سے حافظ اشرف سے پوچھا تو حافظ اشرف نے کہا ’’اگر گلشن عصر تک نہیں پہنچی تو اس کو تینوں طلاق پڑگئی‘‘، پھر گلشن کے نانا نے حافظ اشرف سے بذریعہ فون تحقیق وتفتیش کی، تو حافظ اشرف نے کہا ’’اگر گلشن عصر تک آکر یہاں مجھ سے نہیں ملی تو اس کو تینوں طلاق‘‘ اس وقت حافظ اشرف سجور میں تھا، جہاں وہ چشمے کی دوکان کرتا ہے جو پھلوڑیہ گاؤں سے دو تین کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، عصر کی جماعت سے پہلے گلشن پھلوڑیہ گاؤں آگئی لیکن اس کے نانا اور دوسرے گارجین نے اسے سجور جانے سے منع کردیا اور حافظ اشرف سے کہہ دیا کہ سجور نہیں جائے گی آپ کو آنا ہو تو آکر دیکھ لیجئے کہ گلشن پھلوڑیہ پہنچی یا نہیں؟ حافظ اشرف پھلوڑیہ نہیں گیا اور خود سجور میں اپنی منکوحہ کا مغرب سے آدھے گھنٹے پہلے تک انتظار کرتا رہا، کیونکہ کچھ لوگ بھیج دینے کی بات کررہے تھے، جس کا حافظ اشرف کو علم تھا جب وہ گلشن کی آمد سے مایوس ہوگیا تو اپنے گھر شہر بھاگلپور آگیا۔

حافظ اشرف سے استفسار کیا گیا کہ پہلے آپ ایک تعلیق دے چکے تھے پھر دوسری تعلیق کیوں دی، تو اس نے کہا ''کہیں ایسا نہ ہو کہ گلشن عصر تک پھلوڑیہ نہ آئے اور مجھ سے جھوٹ کہہ دیا جائے کہ وہ عصر تک آ گئی، اس لیے میں نے اپنے پاس یہاں (سجور) آ کر ملنے کا اضافہ کیا تا کہ جھوٹ وسچ کا پتہ چل جائے۔

حضرت مخدوم ومحترم سے درخواست ہے کہ حسب ذیل امور کی وضاحت فرماتے ہوئے جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں:

(۱) گلشن کے نانا سے حافظ اشرف کی ہوئی بات چیت کو مستقل تعلیق قرار دیا جائے یا پہلی تعلیق کی تاکید اور گلشن کی آمد کا تیقن جو اسے متعدد فون سے حاصل ہو گیا، کیا پھر سے بر (عدم حنث) متصور کر لیا جائے؟

(۲) اَیمان وتعلیقات میں نیت کے اعتبار کی گنجائش کہاں تک ہے، کیا یہ اضافہ اس میں داخل ہے؟

(۳) عصر سے عرف میں متبادر الی الفہم وہ وقت سمجھا جائے گا جس وقت عموماً عصر کی جماعت ہوتی ہے یا منتہائے وقت عصر (قبل غروب)؟

(۴) عصر کے وقت کے ختم ہونے سے آدھا گھنٹہ پہلے حافظ اشرف کے سجور سے شہر بھاگلپور کی طرف روانہ ہو جانے سے اس مسئلہ پر کیا کوئی اثر مرتب ہو سکتا ہے؟

المستفتی: محمد الیاس القاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) حافظ اشرف نے جب پہلی مرتبہ یہ کہا کہ ''اگر کٹور یہ سے عصر تک واپس نہ آئی تو تین طلاق'' تو اس نے عصر تک نہ پہنچنے پر طلاق کو معلق کیا، اور درمیان کے سفیر کے پوچھنے پر حافظ اشرف نے جو یہ کہا کہ 'اگر گلشن نہیں آئی تو اسے تینوں طلاق'' تو یہ پہلی والی تعلیق کی خبر ہے، اور جب گلشن کے نانا کے پوچھنے پر حافظ اشرف نے تعلیق میں نیا اضافہ کر کے معلق کیا ہے کہ ''اگر عصر تک سجور میں میرے پاس آ کر نہ ملی تو

اسے تینوں طلاق، تو یہ نئی تعلیق ہوئی، پہلی تعلیق کے مطابق گلشن عصر سے پہلے پہلے پھلوڑ یہ واپس آ گئی تھی، لیکن گلشن کے نانا سے گفتگو میں جو اضافہ کیا ہے کہ ”سجور میں آ کر مجھ سے نہ ملی تو تینوں طلاق“ تو یہ شرط نہیں پائی گئی، نہ حافظ اشرف پھلوڑ یہ آیا ہے اور نہ ہی گلشن سجور میں جا کر حافظ اشرف سے ملی ہے؛ اس لیے گلشن پر تینوں طلاق واقع ہو گئی ہیں، اب حافظ اشرف کے لیے گلشن کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ چونکہ گلشن پر قبل الدخول اور رخصتی سے پہلے طلاق ہوئی ہے، اس لیے اس پر عدت گذارنا لازم نہیں، لہٰذا گلشن بغیر عدت کے جب چاہے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط. (هنديه، زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨، هدايه اشرفى ديوبند ٢/ ٣٨٥)

يقع الطلاق بعد وجود الشرط. (البحر الرائق كوئٹه ٤/ ٨، زكريا ٤/ ١٣)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط. (در مختار مع الشامى زكريا ٤/ ٦٠٩، كراچى ٣/ ٣٥٥)

لا يجب عليها العدة و كذا لو طلقها قبل الخلوة . (خانية، زكريا جديد، ديو بند ١/ ٣٤٧، و على هامش الهندية زكريا ١/ ٥٤٩)

(۲) اَیمان وتعلیقات میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔

الأيمان مبنية على الألفاظ لا على الأغراض. (الأشباه قديم ص:٩٦)

الأيمان مبنية على الألفاظ لا على الأغراض أى المقاصد و النيات. (در مختار مع الشامى، زكريا ٥/ ٥٢٨، كراچى ٣/ ٧٤٣)

(۳) اور عصر کے وقت سے منتہائے وقت عصر مراد لیا جائے گا۔ اور چونکہ گلشن سجور نہیں گئی، اس لیے مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

اليوم إذا قرن بفعل غير ممتد يراد به مطلق الوقت فى متعارف أهل اللسان. (بدائع الصنائع زكريا ٣/ ٨٢)

والمعتمد البناء علی العرف کما علمت. (شامی، کراچی ۳/ ۷۵۱، زکریا ۴/ ۹۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۰۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱/ ۱۴۳۳ھ

۶ ربجے سے قبل گھر نہ آئی تو طلاق

سوال [۶۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی ہندہ اپنے مائی کے یہاں گئی، جاکر ہندہ کی طبیعت خراب ہوگئی، چار دن بعد زید نے اپنے سسرال یعنی ہندہ کے والد کے گھر کے قریب جاکر ہندہ کو بلایا، کچھ دیر کے بعد ہندہ اپنے شوہر زید کے پاس آئی، آنے کے بعد میاں بیوی نے کچھ دیر بات چیت کرنے کے بعد ہندہ کو کہا کہ تم نے کل گھر جانے کو کہا تھا تو کیا کروگی، اس وقت ہندہ نے کہا طبیعت ٹھیک ہوجانے کے بعد جاؤں گی، تو اس وقت زید نے کہا کہ آئندہ کل شام چھ بجے سے پہلے میرے گھر نہ آؤ گی تو تجھے تین طلاق ہوں گی، چھ بجے کے بعد ہم دونوں کا رشتہ ختم ہو جائے گا، اس حالت میں کچھ آدمیوں کی کوشش سے ہندہ چھ بجے سے دو منٹ پہلے زید کے گھر آئی پھر کچھ دیر رہ کر یعنی تقریباً دس منٹ رہ کر پھر مائی کے یہاں چلی گئی، فی الحال ماں کے یہاں رہتی ہے اس حالت میں ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد دانش علی محمد ارشد علی، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شرط کے مطابق چھ بجے سے قبل ہندہ زید کے گھر پہنچ گئی تو طلاق واقع نہیں ہوگی مگر اس سے ہندہ کا نافرمان اور ناشزہ ہونا بھی واضح ہوگیا۔

وتنحل اليمين أی تبطل اليمين ببطلان التعليق. (در مختار، كتاب الطلاق، باب التعليق، كراچی ۳/ ۳۵۲، زكريا ٤/ ٦٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۶۲۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۱ھ

اگر شام چھ بجے تک گھر نہ آئی تو میری طرف سے طلاق

سوال [۶۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی بیوی کے گھر گیا اس سے اپنے گھر چلنے کو کہا تو بیوی نے کہا کہ ہم چار چھ ماہ نہیں جائیں گے تو زید نے واپس آ کر بس اسٹینڈ سے فون پر بیوی کے والد سے کہا کہ اگر شام چھ بجے تک یہ گھر نہ آئی تو میری طرف سے طلاق، یہ بات صبح سات بجے کہی، تو بیوی کے والد نے کہا کہ سوچ کر کہو کیا کہتے ہو، تو زید نے پھر وہی الفاظ دہرا دیئے، بعدہٗ زید نے دو علماء کی موجودگی میں رجعت بھی کر لی، اور تحریری رجعت کر لی، اس کے بعد بیوی کے والد سے کہا گیا کہ لڑکی کو رخصت کر دو تو کہا، زید نے یہ کہا تھا کہ اگر شام تک گھر نہ پہنچی تو طلاق طلاق طلاق، جب کہ زید خدا کو حاضر وناظر سمجھ کر کہہ رہا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ کہا ہے اور حلف اٹھانے کو بھی تیار ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد نعمان ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر طلاق کو چھ بجنے پر معلق کر دیا ہے اور شام چھ بجے تک روانہ نہیں کیا ہے تو طلاق پڑ گئی لیکن زید اور خسر کے درمیان جو بات ہوئی ہے وہ صرف لفظ طلاق ہے اس میں تکرار کا ذکر نہیں ہے، اس لیے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی اور دوسری مرتبہ جو فون پر طلاق کا لفظ دوہرایا ہے وہ پہلی طلاق کی خبر ہے، لہٰذا بعد والے فون سے

جوطلاق دی گئی ہے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی اس کے بعد جو دو علماء کے سامنے رجوع کی بات کی ہے اس سے رجعت ہوگئی اور بعد میں جو اس کا خسر تین طلاق کا دعویٰ کر رہا ہے اس کے ثبوت کے لیے شرعی گواہ لازم ہے اور اس کے پاس شرعی گواہ نہیں ہے، اس لیے زید کا قول معتبر ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۹/۱۹۳)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط. (هداية، باب الأيمان في الطلاق، اشرفي ديوبند ۲/۳۸۵، هنديه زكريا قديم ۱/۴۲۰، جديد ۱/۴۸۸)

إذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض. (هداية، اشرفي ۲/۳۹۴، هنديه، زكريا قديم ۱/۴۷۰، جديد ۱/۵۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۸؍ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۰۴/۳۸)	۱۴۲۸/۵/۱۹ھ

۱۰؍ اپریل کی شام تک نہ پہنچنے پر تین طلاق

سوال [۶۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نعیم الدین نے اپنے خسر شیخ ممتاز کو خط لکھ کر یہ کہا کہ اگر آپ نے دس اپریل ۱۹۸۹ھ کی چار بجے شام تک سات ہزار روپیہ یا گھڑی ریڈیو، سوٹ کیس، ٹیپ، کنٹر مع کوٹ نہیں دیئے تو تمہاری بیٹی سارہ خاتون کو تین طلاق، نیز مذکورہ روپیہ یا سامان خلیل کے ہاتھ سے ہی لوں گا، اور اگر کوئی دوسرا دے گا تو بھی تین طلاق، پھر نعیم الدین نے اپنی غلطی محسوس کی اور نو اپریل ۱۹۸۹ء کو چند لوگوں کے سامنے زبانی اور تحریری طور پر اپنی شرط واپس لے لی، یعنی یہ کہا کہ اب میں نہ سامان لوں گا اور نہ روپئے لوں گا، غور طلب بات یہ ہے کہ:

(الف) شیخ ممتاز کو صرف روپئے دینے ہوں گے یا صرف سامان دے گا یا روپیہ

اور سامان دونوں؟

(ب) صرف خلیل ہی دے گا یا اور کوئی دوسرا بھی دے سکتا ہے اگر خلیل کے علاوہ کوئی دوسرا دیگا تو شرط پوری ہوگی یا نہیں؟ خلیل کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ سامان بھجوادے تو کیا سارہ خاتون کو طلاق پڑ جائے گی؟

(ج) نعیم کا شرط کو واپس لینا جائز ہے یا نہیں؟ شرط کو واپس لینے پر سارہ خاتون کو طلاق پڑے گی یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد سلیم الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دس اپریل شام چار بجے تک خلیل کے ہاتھ سے ۷۰۰۰ روپیہ یا مذکورہ سامان نہ پہنچے تو سارہ خاتون پر تین طلاق واقع ہوجائیں گی، بعد میں نعیم الدین کا اپنی غلطی کو تسلیم کرنا وجود شرط اور وقوع طلاق کے لیے مانع نہیں ہے۔

(الف) روپیہ یا سامان میں سے صرف ایک کا جہیز دینا کافی ہے۔

(ب) جی ہاں صرف خلیل ہی کے ہاتھ سے دینا لازم ہوگا، دوسرے کا اعتبار نہیں۔

(ج) شرط واپس لینے سے شرعاً واپس نہیں ہوتی ہے۔

الأصل أن شرط الحنث إن كان عدميا و عجز عن مباشرته فالمختار الحنث. (شامی، کتاب الطلاق، باب التعليق، زكريا ٤/٦٤٦، كراچی ٣/٣٨٢)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت. (الدر المختار كراچی ٣/٣٥٥، زكريا ٤/٦٠٩)

إن لم تحضري الليلة منزلي فكذا، فمنعها أبوها حنث. (الدر المختار كراچی ٣/٣٨١، زكريا ٤/٦٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۵۳۹)

شوہر نے کہا: کہ نماز کے لیے اب کہے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی

سوال [۶۹۹۱]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیوی نے شوہر سے کہا کہ نماز پڑھ لو، شوہر نے بیوی سے کہا کہ مجھ کو بار بار نہ کہا کرو، اور آگے کہا کہ اگر اب کہے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اس کے بعد بیوی خاموش رہی اور شوہر کو کچھ نہیں کہا، لیکن چند دن کے بعد پھر کہا تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں یا یمین فور کے حکم میں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر کے قول: ''اگر اب کے تم مجھے نماز کے لیے کہوگی تو طلاق ہو جائے گی'' کچھ دنوں تک بیوی خاموش رہی، چند دنوں کے بعد بیوی نے پھر شوہر کو نماز کے لیے کہا تو طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ یہ یمین فور کے قبیل سے ہے اور یمین فور میں اسی وقت اس فعل کے کرنے سے طلاق واقع ہوتی ہے، بعد میں کرنے سے نہیں ہوتی۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۳/ ۱۰۸، میرٹھ ۱۹/ ۲۱۶)

وشرط للحنث في قوله: ''إن خرجت مثلا فأنت طالق'' فعله فورا، لأن قصده المنع عن ذٰلک الفعل عرفا و مدار الأيمان عليه. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول و الخروج، زكريا ٥/٥٥٣ - ٥٥٤، كراچی ٣/٧٦١ - ٧٦٢)

أرادت أن تخرج فقال الزوج: إن خرجت فعادت و جلست وخرجت بعد ساعة لا يحنث. (شامي زكريا ٥/٥٥٤، كراچی ٣/٧٦٢)

الأصل أن الأيمان مبنية على العرف عندنا لا على الحقيقة اللغوية. (البحر الرائق كوئٹه ٤/٢٩٧، زكريا ٤/٥١)

وإذا أرادت المرأة أن تخرج فقال لها الزوج إن خرجت فأنت طالق

فجلست ثم خرجت لم يحنث. (حاشيه چلپی علی تبيين الحقائق امداديه ملتان ۳/ ۱۲۳، زكريا ۳/ ۴۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۳۸)

ترک صلاۃ پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۶۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے آج سے تقریباً دو سال قبل یہ قسم کھائی کہ اگر میں نے جان بوجھ کر کوئی نماز قضا کر دی تو میری بیوی کو تین طلاق واقع ہوں، زید نے یہ قسم صرف اور صرف نماز کی پابندی کے لیے کھائی تھی، حالانکہ زید اور ہندہ میں پہلے سے کچھ تلخی چل رہی تھی، بہر حال اللہ کو حاضر و ناظر جان کر زید کہتا ہے کہ میرا طلاق دینے کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا، قسم کھانے کے بعد چھ ماہ تک نماز کا پابند رہا، بعد میں زید کو اپنی قسم یاد نہیں رہی اور دھیرے دھیرے نماز میں کوتاہی ہونے لگی، اور پھر نماز قضا ہونے لگی، اور اس کے آگے کئی ماہ سوائے جمعہ کی نماز کے اور کوئی نماز نہیں پڑھی، آج سے پھر نماز کی پابندی کا خیال آیا اور قسم والی بات بھی ذہن میں آئی تو زید بہت پریشان ہے، نہ جانے کتنی نماز قضا ہوگئی، براہ کرم آپ بتائیں کہ ہندہ زید کے نکاح میں ہے یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگئی تو کیا حلالہ کے بعد بھی قسم موجود ہوگی اور جب سے زید کو قسم والی بات یاد آئی ہے، دوبارہ پابندی کے ساتھ نماز ادا کر رہا ہے، اور اس نے اپنا بستر الگ کر لیا ہے؟

المستفتی: محمد اکبر سونا جی نگر پونہ روڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید نے ترک صلوٰۃ پر تین طلاق کو معلق کیا ہے اور پھر اس کے بعد زید نے غفلت ولا پرواہی سے نماز ترک کر دی ہے اور اس نے ان نمازوں کی قضا نہیں کی ہے تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوں گی، بلا حلالہ کے اس کے

ساتھ نکاح درست نہ ہوگا، اور اگر فوت شدہ نمازوں کی قضا کر لی ہے تو بعض فقہاء کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی، اور راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق واقع ہوگی، اس لیے مذکورہ صورت میں حلالہ کے بعد ہی زید اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۰/۵۲-۵۹، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۱۵، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۳۴)

قال لامرأته: إن تركت صلاة فأنت طالق أو قال: إن تركت صلاة فامرأتي طالق فترك صلاة و قضاها أو تركت و قضيتها هل يقع الطلاق؟ اختلف المشائخ، بعضهم قالوا: لا يقع الطلاق و به كان يفتي الشيخ الإمام سيف الدين عبدالرحيم الكرميني و بعضهم قالوا: يقع الطلاق وبه كان يفتي ركن الإسلام علي السغدي وهو الأشبه والأظهر. (فتاویٰ تاتارخانية، زكريا ٥/٦٧، رقم: ٧٢٥٩)

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (فتاویٰ عالمگیری زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨، هدايه اشرفی ديو بند ٢/ ٣٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۲۳)

تاش کھیلنے پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۶۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص جس کا نام ظہور الدین ہے اس نے کہا کہ میں آج کے بعد اپنے ہاتھوں سے پیسوں والا تاش کھیلوں تو میری بیوی پر طلاق ہے، ایک مرتبہ کہا، مگر دوسرے آدمی نے ظہور الدین کے پیسے لے کر ہار جیت کی شرط کے ساتھ تاش کھیلا، یعنی خود تو نہیں کھیلا دوسرے کو کھیلنے کے لیے پیسے دیئے تو آیا اس صورت میں ظہور الدین کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ بالتفصیل جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: ظہور الاسلام محلّہ اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ظہور الدین ازخود تاش نہیں کھیلا ہے اور اس کے پیسہ سے دوسرے شخص نے کھیلا ہے تو شرط نہیں پائی گئی اس لیے ظہور الدین کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وتنحل اليمين أى تبطل اليمين ببطلان التعليق. (در مختار، کتاب الطلاق، باب التعليق، کراچی ۳/۳۵۲، زکریا ٤/٦٠٥)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد فى الملك طلقت. (الدر المختار، کراچی ۳/۳۵۵، زکریا ٤/٦٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۶/۱۴۱۱ھ

اگر میں تجھ سے کبھی بھی بولوں تو تجھ کو طلاق

سوال [۶۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی زیب النساء سے ناراض ہوکر غصے کی حالت میں یہ کہہ دیا کہ اگر میں تجھ سے کبھی بھی بولوں تو تجھ کو طلاق اور یہ بات میں نے تین مرتبہ ۲۸/ اکتوبر کو کہی، اس کے ایک ہفتہ بعد میں اپنی بیوی سے بول دیا، اس کے بعد معاملہ ایسا ہی چلتا رہا کہ اچانک پھر بات ہی بات میں میں نے غصہ ہوکر کہا کہ اگر میں آج سے کبھی بھی تم سے صحبت کروں تو تجھ کو طلاق، یہ بات میں نے تین مرتبہ ۸/ دسمبر کو کہی، اس کے بعد پھر مجھے برداشت نہیں ہوا تو میں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کر لی، پھر معاملہ ایسی ہی چلتا رہا تو میں نے کہا کہ اگر میں تمہارے میکے میں جاؤں تو تو میرے لیے ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام ہو، اتفاق سے سسرال سے اطلاع ملی کہ میرا لڑکا جو عمر میں ۹/۱۰ مہینے کا ہے اس کی طبیعت خراب ہے، تو میں بیٹے کی محبت میں آکر اس کے میکے چلا گیا، آپ بتائیں کہ میری بیوی میرے نکاح میں رہ سکتی ہے یا

نہیں، اگر جواب نفی ہے تو مجھے اپنی بیوی زیب النساء کو کیا کیا دینا پڑے گا، اور لڑکا کس کے پاس رہے گا، مہربانی فرما کر مفصل جواب سے مطلع کریں

المستفتی: حسام الدین قاسمی، ماگھی مٹھیاں، ضلع دیوریا (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے تین مرتبہ طلاق کو بیوی سے بولنے پر معلق کر دیا ہے اور پھر بیوی سے بول لیا ہے تو جس وقت بیوی سے بولا تھا اس وقت بیوی پر تین طلاق واقع ہو چکی تھیں، اور بیوی اسی وقت آپ کے نکاح سے نکل چکی تھی، اور بعد میں جو ساتھ رہنا ہوا ہے وہ ناجائز اور حرام ہوا ہے، اس سے توبہ کرنا لازم ہے۔

تبطل اليمين ببطلان التعليق إذا وجد الشرط مرة. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب التعليق، كراچی ۳/۳۵۲، زكريا ٤/٦٠٥)

زیب النساء اپنے دین مہر، سامانِ جہیز اور ذاتی زیورات کی حقدار ہے، اور بچہ کو سات سال کی عمر تک بیوی اپنے پاس رکھ سکتی ہے، اور بچہ کا خرچہ آپ پر لازم رہے گا، اور سات سال کے بعد آپ واپس لے سکتے ہیں۔

والحضانة أما أو غيرها أحق به أى بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى. (الدر المختار شامی، باب الحضانة، كراچی ۳/٥٦٦، زكريا ٥/٢٦٧)

ونفقة الصغير واجبة على أبيه. (تاتارخانية زكريا ٥/٤١٢، رقم: ٨٣٣٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۱۱ھ

اگر آج سے تم نے ان کی کوئی چیز لی تو تم کو تین طلاق

سوال [۶۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کا اپنے ماں باپ سے کافی دنوں سے جھگڑا چل رہا تھا، ایک مرتبہ کسی چیز پر بات بڑھ گئی جس پر زید نے غصہ میں آکر اپنی بیوی کے اوپر یہ شرط لگائی کہ اگر آج سے تم نے ان کی کوئی چیز لی تو تم کو تین طلاق، اب اگر زید کی بیوی ان کی کسی چیز کو لے لے تو کیا حکم ہو گا؟ اور زید کے ماں باپ کے انتقال ہو جانے کے بعد ان کی جو چیزیں ہیں اس میں زید کی بیوی لے سکتی ہے یا نہیں؟ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: محمد وثیق الرحمٰن ایچا لہ، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کے ماں باپ کی حیات میں ان کی ملکیت کی کوئی چیز لے گی تو بیوی پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔

وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته: إن دخلت الدار فأنت طالق. (هدايه، باب الأيمان في الطلاق، اشرفي ديوبند ۲/ ۳۸۵، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۲۰، جديد ۱/ ۴۸۸)

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت. (الدر المختار كراچی ۳/ ۳۵۵، زكريا ۴/ ۶۰۹)

اور اگر زید کے والدین کے انتقال کے بعد کوئی چیز لے گی تو طلاق واقع نہیں ہوگی جبکہ بطریق وراثت زید کی ملکیت میں منتقل ہو چکی ہو، اس لیے کہ اب تبدل ملک کی وجہ سے حکم بھی بدل چکا ہے، اور اب یہ نہیں کہا جائے گا کہ زید کے والدین کی چیز لی ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ زید کی چیز لی ہے۔

لأنه عقد يمينه على فعل واقع في محل مضاف إلى فلان، أما إضافة ملك أو إضافة نسبة ولم يوجد فلا يحنث. (هدايه، اشرفي ديوبند ۲/ ۴۹۴)

وتحته في البناية: الأصل في جنس هٰذه المسائل أنه متى عقد يمينه على فعل في محل منسوب إلى الغير مراعى للحنث ووجود النسبة وقت وجود المحلوف عليه (إلى قوله) وهو قوله لا يكلم عبد فلان و كذا لا

یدخل دار فلان أو لا یرکب دابته أو لا یأکل طعامه أو لا یلبس ثوبه و إذا زال الملک ووجد الکلام أو الدخول أو الرکوب أو أکل الطعام أو لبس الثوب لا یحنث. (بنایه، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الکلام، قدیم ۲/ ٦١٤، المکتبة الاشرفیه دیوبند ٦/ ۲۰۱-۲۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۷۰)

تو حاجی مختار کے یہاں جائے گی تو تجھ کو طلاق، طلاق، طلاق

سوال [٦٩٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد نے بیماری کی حالت میں اپنی اہلیہ سے کہا کہ اگر تو حاجی مختار کے گھر جائے گی یا اس کے گھر سے میل جول رکھے گی تو تجھے طلاق، طلاق، طلاق، اب حاجی مختار کے یہاں خوشی کا موقع آتا ہے اور شوہر زوجہ کو حاجی صاحب کے گھر جانے کی اجازت دیتا ہے اور زوجہ حاجی صاحب کے گھر چلی جاتی ہے تو ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسلام منصوری، محلّہ بٹوال، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں باجازت یا بلا اجازت خالد کی زوجہ حاجی مختار کے گھر گئی ہے تو زوجہ پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اب بلا حلالہ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم قدیم دیوبند ۲/ ۳۸۵)

وإذا أضافه إلی شرط وقع عقیب الشرط مثل أن یقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (الجوهرة النیرة، امدادیه ملتان ۲/ ۱۱۰، دار الکتاب دیوبند ۲/ ۱۰٦، زکریا قدیم ۱/ ٤۲۰، جدید ۱/ ٤۸۸، هدایه، اشرفی دیوبند ۲/ ۳٥)

البتہ اگر ابھی تک نہیں گئی ہے اور جانا چاہتی ہے تو حیلہ یہ ہوسکتا ہے کہ شوہر بیوی کو

ایک طلاق دے کرا لگ کردے، بعدا نقضائے عدت حاجی مختار کے گھر چلی جائے اس کے بعد دوبارہ بلاحلالہ نکاح کرلےتو پھرآئندہ بار بار جاسکتی ہے۔

فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (الدر المختار، كراچی ۳/۳۵۵، زكريا ۴/۶۰۹، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۳/۱۴۱، زكريا ۳/۴۹۲، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۷رصفرالمظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۵۲۹/۲۳)

اگرتونے میری بیوی کومیری حویلی میں پہنچادیاتواس پرتین طلاق

سوال [۶۹۹۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی بحالت غصہ اپنے میکہ چلی گئی، بکر نے زید سے کہا کہ اپنی بیوی کواپنے گھر کیوں نہیں لائے، زید نے کہا: میں ہرگزنہیں لاؤں گا، بکر نے کہا کہ میں بہرصورت عورت کوتمہارے گھر پہنچادوں گا، اس پرزید نے کہا: کہ اگرمیری بیوی کوتم نے میری حویلی میں پہنچادیا تواس کوتین طلاق ہیں۔

تصویر کادوسرارخ یہ ہے کہ زید نے اپنی بہن سے کہا کہ اگروہ میرے گھرآئی تو اس کوتین طلاق ہیں۔

حویلی کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ وہ دوحصوں پرمنقسم ہے، ایک حصہ میں زید کا بڑالڑکا (جوشادی شدہ ہے) رہتاہے، اوردوسرے حصہ کازید نے اپنے چھوٹے لڑکے (عمر گیارہ سال) مالک بنادیاہے۔

واضح ہوکہ زیدکابڑالڑکادوسری عورت سے ہے، اورچھوٹالڑکااسی مبتلائے معاملہ بیوی سے ہے، اب دریافت طلب امریہ ہے کہ اگرزید کی بیوی مکان کےاول الذکرحصے میں

آتی ہے تو مطلقہ ہوئی یا نہیں؟

اسی طرح مکان کے دوسرے حصے میں داخل ہو تو کیا حکم شرعی ہے؟ امید ہے کہ تفصیلی جواب نوازش فرمائیں گے۔

المستفتی: حافظ عبدالستار مدرس: جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی، رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں خط کشیدہ عبارات قابل غور ہیں، ان عبارات کے جوابات سے قبل ۳؍مقدمات سمجھنا ضروری ہے

(۱) شریعت میں اس طرح شرط اور قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے۔

الأیمان مبنیة علی العرف. (البحر الرائق، کتاب الأیمان، باب الدخول والخروج، کوئٹه ۲۹۷/٤، زکریا ٥٠١/٤ و هکذا فی الشامی کوئٹه ۷۹/۳، کراچی ۷٤۳/۳، زکریا ٥۲۸/٥)

(۲) عرف میں اپنی حویلی اور گھر سے رہائشی حویلی اور مکان مراد ہوتے ہیں، چاہے وہ حالف کی ملکیت میں ہوں یا کرایہ وغیرہ کے ہوں۔

وأما باعتبار صفتها بالإضافة إلی فلان فإنه یحنث إذا دخل دارا مضافة إلی فلان سواء کان یسکنها بالملک أو بالإجارة أو بالعاریة (إلی قوله) لأن داره مطلقا دار یسکنها. (البحر الرائق زکریا ٥٠٩/٤، کوئٹه ۳٠٤/٤، فتاویٰ عالمگیری زکریا قدیم ۷۱/۲، جدید ۷۷/۲، بدائع الصنائع کراچی ۳۸/۳، زکریا ٦۳/۳)

(۳) یوں کہا جاتا ہے کہ جب تم پہنچا دوگے یا وہ خود آجائیگی تو ایسا ہوگا تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میری مرضی کے بغیر تم پہنچا دوگے یا وہ خود آجائے گی، تو ایسا ہوگا (تین طلاقیں ہیں) لیکن اگر میں اپنی مرضی سے خود جا کر لاؤں گا، تو یہ حکم نہیں (تین طلاقیں نہیں)

کما استفاده من کتب الفقه: إذا أدخلت فلانا بیتی فامرأته طالق فهو علی أن یدخل بأمره. (البحر الرائق، زکریا ٥۱۳/٤، کوئٹه ۳٠٥/٤، بزازیه زکریا دیوبند ۲٠۹/۱، و علی هامش الهندیة زکریا ۳۲۲/٤)

ان تینوں مقدموں کے بعد حکم یہ ہوگا کہ اگر اول الذکر حصہ میں زید کی رہائش ہے تو

بیوی کے وہاں آنے پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور اگر وہاں رہائش نہیں ہے تو وہاں آنے پر طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسا کہ مقدمہ (۲) سے معلوم ہوا۔

نیز قاضی خان میں ہے:

رجل حلف أن لا يدخل دار فلان فأجر فلان دراه فدخلها الحالف هل يكون حانثا؟ فيه روايتان، قالوا: ما ذكر أنه لا يحنث، ذٰلک في قول أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله لأن عندهما كما تبطل الإضافة بالبيع تبطل بالإجارة و التسليم و ملک اليد للغير. (قاضيخان زكريا جديد ٢/٤٨، وعلى هامش الهندية زكريا ٢/٧٩)

نیز اس طرح مکان کا دوسرا حصہ جو عبارت (۴) میں مذکور ہے اس میں زید کی رہائش ہے تو وہاں آنے سے تین طلاق واقع ہوجائیں گی، جیسا کہ مقدمہ (۳) سے واضح ہے اور اگر وہاں رہائش نہیں ہے اور لڑکے کے نام کردیا ہے، تو وہاں آنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسا کہ مقدمہ (۲) اور قاضی خاں زکریا جدید ۲/ ۴۸، وعلی ہامش الہندیۃ زکریا ۲/ ۷۹ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

اب آسان صورت یہ ہے کہ زید اپنی مرضی سے خود جا کر بیوی کو لے آئے گا یا بکر کے علاوہ دوسرے لوگ بیوی کو ڈولی میں سوار کرلیں اور زید کے مکان کے دروازے میں سے اندر لے جا کر اتار دیں، تو طلاق واقع ہونے سے بیوی بچ جائے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/ ۲۷۰، جدید زکریا مطول ۸/ ۲۶۸)

نیز مقدمہ (۳) اور خط کشیدہ عبارت (۳) اور (۴) میں رہائش کا اعتبار رہے چاہے اپنی ملکیت میں ہو یا لڑکوں کو مالک بنا دیا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۰۹)

لفظ ''کلما'' کی مثال سمجھانے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں

سوال [۶۹۹۸]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک مرتبہ اپنے چچا سے گفتگو کر رہا تھا، دورانِ گفتگو بتایا کہ بعض حضرات کے یہاں یہ طریقہ ہے کہ اپنے موقف پر جمے رہنے کے لیے اپنے ماتحتوں سے کلما کی قسم کھلواتے ہیں اسی دوران میں نے یہ کہا کہ ایک شخص نے کلما کی قسم کھائی تھی، جب جب میں شادی کروں تو میری بیوی پر طلاق، یہ کلما کی قسم ہے۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ میں نے اپنے چچا سے یہ نہیں کہا تھا کہ ایک شخص نے کلما کی قسم کھائی تھی اور کہا تھا کہ جب جب میں شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق، بلکہ میں نے کہا تھا کہ ایک شخص نے کلما کی قسم کھائی تھی، ''جب جب میں شادی کروں تو میری بیوی پر طلاق'' اس کے بعد میں نے کہا کہ یہ کلما کی قسم ہے، تو ایسی صورت میں شادی کرسکتا ہوں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ سوال میں سائل نے اپنے چچا کو کلما کی قسم مثال سے سمجھائی ہے اور غیر آدمی کے واقعہ کی خبر دی ہے، ایسی صورت میں سائل کے نکاح اور اس کے کسی بھی معاملہ میں کوئی بھی اثر نہیں پڑے گا۔

ولو كرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته ويقول أنت طالق ولا ينوى لا تطلق. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب طلاق الصريح، كوئٹه ۲۵۸/۳، زكريا ۴۵۱/۳)

قالوا: لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها ويقول في كل مرة أنت طالق لم يقع. (الأشباه والنظائر، قديم مطبوعه ديوبند ص: ۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۰۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۶/۱۴۲۳ھ

کلما کی قسم کا مسئلہ بتانے والے پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال [۶۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے کلما کی قسم کھائی تھی، اور کہا تھا کہ جب جب میں شادی کروں تو میری بیوی پر طلاق ہے، اتفاق کی بات کہ ایک مرتبہ میں اپنے چچا کو کلما کی قسم کے بارے میں بتا رہا تھا، تو یہی واقعہ بھی ذکر کر دیا تھا، اور کہا تھا کہ ایک شخص نے کلما کی قسم کھائی تھی، اسی دوران میں نے یہ نہیں کہا کہ کلما کی قسم یہ ہے، بلکہ اس طرح کہا، جب جب شادی کروں تو میری بیوی پر طلاق، یہ کلما کی قسم ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میں شادی کر سکتا ہوں یا نہیں؟ اگر یہ قسم میری طرف سے ہوئی تو میرے شادی کرنے کی کیا صورت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کلما کی قسم کا مسئلہ اور حکم بتانے سے بتانے والے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا سائل بلا تردد اور بلا شبہ اپنا نکاح اپنے شوق کے مطابق کسی بھی عورت سے کر سکتا ہے۔

ولو كرر مسائل الطلاق بحضرتها و يقول في كل مرة أنت طالق لم يقع. (الأشباه والنظائر قديم ص: ٤٥)

لو كرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته و يقول أنت طالق ولا ينوى لا تطلق.

(البحر الرائق، باب طلاق الصريح كوئٹه ٣/٢٥٨، زكريا ٣/٤٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۵/ ۱۴۲۳ھ

کلما کی قسم کی تعلیم دینے سے طلاق کا حکم

سوال [۷۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے عمر سے سوال کیا کہ کلما کی قسم کسے کہتے ہیں ہم کو بتاؤ تو عمر نے زید کو اپنی زبان سے بتایا جیسے میں کہوں کہ جب جب میں شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے تو عمر کا زید کو اس طرح سے بتانا اپنی زبان سے عمر کے شادی کرنے کے بعد اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ شکل میں مسئلہ کا تکرار اور تعلیم ہے اس سے کسی قسم کا حکم لاگو نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے عمر کی شادی میں کوئی فرق آئے گا۔

لو كرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته و يقول في كل مرة أنت طالق لم يقع، و لو كتب امرأتي طالق أو أنت طالق و قالت له اقرأ على فقرأ عليها لم يقع عليها لعدم قصده باللفظ. (الأشباه قديم مطبوعه ديوبند ص: ٤٥)

لو كرر مسائل الطلاق بحضرة زوجته و يقول أنت طالق ولا ينوى لا تطلق، و في متعلم يكتب ناقلا من كتاب رجل قال ثم يقف و يكتب امرأتي طالق و كلما كتب قرن الكتابة باللفظ بقصد الحكاية لا يقع عليه. (البحر الرائق، باب طلاق الصريح، کوئٹہ ۳/ ۲۵۸-۲۵۹، زکریا ۳/ ٤٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۵ھ

کلما کی قسم کھانے کے بعد نکاح

سوال [۷۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے کلما کی قسم اس طرح کھائی کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا اور کروں تو جب جب میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق ہو، اس شخص کا نکاح ایک عورت سے ایک شخص نے بحیثیت فضولی کے کر دیا، لڑکے نے زبان سے ایجاب وقبول

نہیں کیا بلکہ عمل سے رضامندی ظاہر کردی، ضروری امر طلب بات یہ ہے کہ وہ عورت اس شخص کی بیوی ہوگئی ہے اگر زندگی میں کبھی لڑکے سے وہ کام دوبارہ ہو جاتا ہے جس کے بارے میں قسم کھائی ہے تو کیا پھر اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد جاوید، تاج پی سی او، بھوگاؤں، مین پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس کام کے کرنے سے پہلے یہ نکاح کیا ہے تو اس کا نکاح ہر حال میں صحیح ہے اور اگر اس کام کو ایک مرتبہ کرنے کے بعد موجودہ نکاح فضولی کے ذریعہ سے ہوا ہے تو مذکورہ صورت میں یہ نکاح صحیح ہوا اور وہ اس کے لیے حلال ہوگئی، اور آئندہ دوبارہ اس کام کو کرنے کی وجہ سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

حلف لا یتزوج فزوجه فضولی فأجاز بالقول حنث و بالفعل و منه الکتابة خلافا لابن سماعة لا یحنث به یفتی. (در مختار، کتاب الأیمان، باب الیمین فی الضرب و القتل، کراچی ۳/۸٤٦، زکریا ٥/٦٧٢، قاضیخان زکریا جدید ۲/۲۳، و علی هامش الهندیة زکریا ۲/٣٤، البحر الرائق زکریا ٤/٦٢٠، کوئٹه ٤/٣٧، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ٤/١١٩، کوئٹه ٣/٤٤٦، زکریا٤/١٠٦، هندیه زکریا قدیم ١/٤١٩، جدید ١/٤٨٨، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۷/۱۴۲۱ھ

کلما کی قسم اور اس کا حل

سوال [۷۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کلما کی قسم کھائی کہ جب جب بھی میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق، اب زید نکاح کا متمنی ہے زید کے نکاح کے درست ہونے کی کیا شکل ہے؟ جبکہ زید اپنی اس حرکت پر

تائب ہے، زید کی یہ قسم کیسے فسخ کی جائے گی، اور کلما کی قسم کا کفارہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟

المستفتی: رکن الدین گڑھی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کی قسم فسخ نہیں ہوگی، یہ قسم زندگی بھر باقی رہے گی اور نہ اس کا کوئی کفارہ ہے البتہ زید کے نکاح کے لیے یہ شکل ہوسکتی ہے کہ جو شخص زید کے حالات سے خوب اچھی طرح واقف ہو، وہ اس کے مناسب کسی عورت سے بحیثیت فضولی دو گواہوں کے ساتھ نکاح کردے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں شخص سے اتنے مہر پر کردیا اور عورت یا اس کا ولی دو گواہوں کے سامنے اس کو قبول کرلے پھر یہ فضولی شخص زید سے آکر کہے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں عورت سے اتنے مہر پر کردیا ہے۔

لہٰذا آپ اتنے مہر دیدو اب زید زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ کل یا کچھ مہر ادا کردے، اور پھر عورت کے پاس چلا جائے تو اس طرح نکاح ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/۵۷۱، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۸۷، ۹۰، ۹۱، امداد المفتیین ۶۳۹ تا ۶۴۰)

إذا قال كل امرأة أتزوجها طالق فزوجه فضولي فأجاز بالفعل بأن ساق المهر و نحوه لا تطلق. (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، كوئٹه ۳/۴٤٦، زكريا ٤/١٠٦)

وينبغي أن يجيئ إلى عالم و يقول له: ما حلف و احتياجه إلى نكاح الفضولي فيزوجه العالم امرأة و يجيز بالفعل فلا يحنث. (البحر الرائق كوئٹه ٤/٧، زكريا ديوبند ٤/١٠-١١)

حلف لا يتزوج فزوجه فضولي، فأجاز بالقول حنث و بالفعل (تحته في الشامية) كبعث المهر أو بعضه لا يحنث به يفتي. (الدر المختار مع الشامي، كراچی ۳/۸٤٦، زكريا ٥/٦٧٢، خانيه زكريا ٢/٢٣، و على هامش الهندية زكريا ٢/٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رصفر ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۸۱)

کلما کی قسم سے چھٹکارے کا حیلہ

سوال [٧٠٠٣]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کو جان سے مارنے کی دھمکی دی گئی اور یہ قسم کھانے پر مجبور کیا گیا کہ جب جب بھی تو شادی کرے گا تو تیری بیوی کو طلاق، اس مجبور شخص نے یہ قسم کھالی کہ جب جب بھی میں شادی کروں گا تو میری بیوی کو طلاق۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس قسم کا کیا حکم ہوگا؟ کیا جب بھی وہ نکاح کرے گا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں اور اگر طلاق ہوجائے گی تو اس قسم سے چھٹکارے کا کیا طریقہ ہوگا؟ حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد خالد، ہریدوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبر واکراہ کی صورت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، لہٰذا جب مذکورہ شخص نے یہ قسم کھالی ہے کہ جب جب شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق، لہٰذا اب جب بھی یہ شخص شادی کرے گا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی، اور اس قسم سے چھٹکارے کا یہ طریقہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص فضولی بن کر اس کا نکاح کرادے، اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرلے اس کے بعد اطلاع دے کہ میں نے تمہارا نکاح کرادیا ہے، تم اپنی بیوی کے پاس جاسکتے ہو، تو یہ شخص زبان سے کچھ نہ کہے، اور بیوی کے پاس جائے اور مہر ادا کردے تو ایسی صورت میں اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، اور نکاح درست ہوجائے گا۔

وأما شرائطها في اليمين بالله تعالىٰ، ففي الحالف أن يكون عاقلا بالغا (إلى قوله) وكذ الطواعية ليس بشرط عندنا فتصح من المكره.

(هنديه، كتاب الأيمان، الباب الاول، زكريا قديم ٢/ ٥١، زكريا جديد ٢/ ٥٦)

إذا قال: كل امرأة أتزوجها فهي طالق فزوجه فضولي وأجاز بالفعل

بـأن سـاق المهر و نحوه لا تطلق. (هـنـديه، زكريا قديم ۱/٤١٩، جديد ۱/٤٨٨، البحر الرائق كوئٹه ٤/٧، زكريا ٤/١٠-١١، در مختار مع الشامى كراچى ٣/٨٤٦، زكريا ٥/٦٧٢، خـانيـه زكـريـا ٢/٢٣، و على هامش الهندية زكريا ٢/٣٤، فتح القدير دار الفكر بيروت ٤/١١٩، كوئٹه ٣١/٤٤٦، زكريا ٤/١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۶۴)

کلما کی طلاق کی شکل اور اس سے بچنے کا حیلہ

سوال [۵۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کلما کی طلاق سے بچ کر نکاح کی کیا شکل ہوسکتی ہے اور کلما کی طلاق کی کیا شکل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کلما کی طلاق کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اس طرح کہے کہ جب جب کسی عورت سے نکاح کروں گا تو اس کو طلاق، اور کلما کی طلاق شدہ سے خلاصی کی صورت یہ ہے کہ کوئی دوسرا دوست اس کا نکاح کسی عورت سے کر دے اور اس کی طرف سے خود قبول کرلے، پھر آکر اس سے کہے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں عورت سے کر دیا، کوئی ایک چیز بطور مہر معجّل لاؤ، اور وہ کوئی چیز خاموشی سے دیدے، زبان سے کچھ نہ کہے اس کے بعد یہ رفیق وہ سامان اس عورت کو دیدے اور کہہ دے کہ یہ تمہارے شوہر نے بطور مہر معجّل کے دی ہے، اب یہ حالف کی طرف سے فعلاً اجازت ہوگی، اور قسم کی وجہ سے اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۳/ ۹۹، محمودیہ میرٹھ ۱۹/ ۲۰۳)

والـحيلة فيه عقد الفضولي ...... و كيفية عقد الفضولي أن يزوجه فضولي فـأجـاز بالفعل بأن ساق المهر و نحوه لا بالقول فلا تطلق بخلاف ما إذا وكل به لانتقال العبارة إليه. (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب التعليق، مكتبه فقيه الامت ٢/٦٠)

حلف لا يتزوج فزوجه فضولی فأجاز بالقول حنث و بالفعل لا يحنث به يفتی (تحته فی الشامية) **قوله و بالفعل كبعث المهر أو بعضه بشرط أن يصل إليها وقيل الوصول ليس بشرط.** (شامی کراچی ۳/۸٤٦، زکریا ٥/٦٧٢)

إذا قال كل امرأة أتزوجها فهی طالق فزوجه فضولی و أجاز بالفعل بأن ساق المهر و نحوه لا تطلق، بخلاف ما إذا وكل به لانتقال العبارة إليه.

(هندیه زکریا قدیم ۱/٤١٩، جدید ۱/٤٨٨)

ولو كان حلف قبل نكاح الفضولی أن لا يتزوج امرأة ثم زوجه الفضولی امرأة و أجاز الحالف نكاحه بالقول حنث فی يمينه و إن أجاز بالفعل من سوق مهر أو نحوه اختلفوا فيه و أكثر المشايخ على أنه لا يحنث. (فتاویٰ قاضیخان زکریا جدید ۱/۳۱۸، علی هامش الهندية زكريا ۱/٥١٢)

رجل حلف أن لا يتزوج امرأة فزوجه رجل امرأة بغير إذنه فبلغه فأجاز إن أجاز بالقول أو بالفعل كسوقه المهر و غيره ...... والمختار أنه يحنث فی الوجه الأول، ولا يحنث فی الوجه الثانی. (فتاویٰ والوالجية، مكتبة دار الايمان ۲/٦٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۶)

کلما کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ پرانی بیوی کو نہیں لاؤں گا

سوال [۷۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا نکاح رقیہ بانو سے ہوا تھا کچھ دنوں کے بعد آپسی نا اتفاقی کی وجہ سے تین طلاقیں ہوگئیں، اور سامان کا لین دین بھی ہوگیا اس کے بعد زید نے دوسری شادی کرلی، چند دنوں کے بعد زید کی دوسری بیوی سے اور زید کے والد سے کچھ تنازع اور بات چیت ہوگئی،

تب زید کے والد زید کی پہلی والی بیوی جو مطلقہ تھی اس کو لے آئے، اور کہا کہ ہماری پرانی بہو، اس نئی بہو سے بہتر ہے، جب یہ بات زید کے موجودہ خسر کو معلوم ہوئی تو رات میں دوسرے کے مکان پر زید کو بلا کر کمرہ میں بند کر کے مارا پیٹا، اور ڈرا دھمکا کر ایک تحریر پر دستخط کروالیا، وہ تحریر یہ ہے کہ زید اپنی پرانی بیوی جس کو طلاق دے چکا ہے نہیں لاؤں گا، اور کلما کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنی پرانی فلانہ بیوی کو نہیں لاؤں گا۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ صرف یہ کہلوانے سے کہ میں کلما کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ پرانی بیوی کو نہیں لاؤں گا اور وہ بھی بالجبر مار پیٹ کر، تو ایسی صورت میں زید کی پرانی بیوی کیا زید پر دائمی حرام ہوگئی؟ کیا حلالہ کے بعد اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن ملاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لوگوں میں جو کلما کی قسم مشہور ہے جس سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قسم کھانے والا جب جب نکاح کرے گا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب قسم کھانے والا اس طرح قسم کھائے کہ میں جب جب نکاح کروں گا تو میری بیوی پر طلاق، تو اس صورت میں جب بھی کسی عورت سے نکاح کرے گا فوراً اس پر طلاق پڑ جائے گی، نتیجتاً اس کے نکاح میں کوئی عورت باقی نہیں رہے گی لیکن اگر اس طرح قسم کھالی ہے کہ میں کلما کی قسم کھاتا ہوں تو یہ قسم معتبر نہیں، اس وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، اگر چہ اس کے ذریعہ سے اس کی نیت بھی کی ہو، کیونکہ قسم کے اندر نیت کا اعتبار نہیں ہے بلکہ الفاظ کا اعتبار ہے، اور سوالنامہ میں وہ شکل موجود نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان کلما کی قسم کے ساتھ متعارف اور مشہور ہے جو اوپر پہلی شکل میں ہے، بلکہ سوالنامہ میں دوسری شکل ہے جس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، لہٰذا سوالنامہ کے مطابق پرانی بیوی اس طرح دائمی حرام نہیں ہوئی ہے، کہ نکاح ثانی اور حلالہ ہونے کے بعد بھی اس کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۴۶، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۹۸)

قال في السراج: نقلا عن المنتقى: قال إن تزوجت امرأة فهي طالق ثلاثا و كلما حلت حرمت فتزوجها فبانت بثلاث ثم تزوجها بعد زوج يجوز، و إن عنى بقوله كلما حلت حرمت الطلاق فليس بشيئ و إن لم يكن أراد به طلاقا فهو يمين. (شامی، کتاب الطلاق، باب التعليق كراچی ۳/۳۵۳، زكريا ٤/٦٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۵/ ۱۴۲۵ھ

گھر گئی تو کلما کی طلاق

سوال [۷۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ: اگر تو اپنے گھر گئی تو تجھے ''کلما'' کی طلاق ہے، تو ایسی صورت میں بیوی اپنے گھر جائے گی تو کون سی طلاق واقع ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس مسئلے میں بیوی کے گھر جانے کی صورت میں ''کلما'' کی قسم کو لغو قرار دیا جائے گا اور بیوی کے گھر جانے کے بعد ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

أنه قد اشتهر في رساتيق شيروان: أن من قال جعلت كلما أو عليَّ كلما أنه طلاق ثلاث معلق و هذا باطل و من هذيانات العوام. (شامی، کتاب الطلاق، باب الصريح كراچی ۳/۲٤۷، زكريا ٤/٤٥٧)

إذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. (هدایہ، اشرفی دیو بند ۲/۳۸۵، ہندیہ زکریا قدیم ۱/٤۲۰، جدید ۱/٤۸۸)

رجل قال لامرأته أنت طالق إن دخلت هذه الدار و إن دخلت هذه الدار الأخرىٰ فإن دخلت إحدى الدارين طلقت. (خانیہ، زکریا دیوبند ۱/۲۹۱، و

علی هامش الهندية زكريا ١/٤٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۱؍۱۴۳۵ھ

لفظ کل اور کلما کی طلاق میں فرق

سوال [۷۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اچانک کہا کہ رحیمہ کے سوا دنیا میں جتنی عورتیں ہیں سب کی سب میرے لیے تین طلاق ہیں، بعد میں نتیجہ یہ نکلا کہ رحیمہ کو اور کسی کے ساتھ شادی کرادی گئی، اب زید کی رحیمہ کے سوا اور کسی عورت کے ساتھ عقد فضولی کے سوا اور کوئی دوسری صورت ہے کہ نہیں؟ کیونکہ یہاں کا قانون ایسا ہے کہ دولہا دلہن دونوں کو ایک ساتھ محکمہ جانا ہوتا ہے اور وہاں دلہن سے قاضی صاحب رضاء کا اقرار لیتے ہیں، اگر عورت راضی ہے تو بالشہود قاضی صاحب عقد پڑھا دیتے ہیں، پھر اس عقد کے مطابق حکومت کے ہرڈ پارٹمنٹ کے پاس ان دونوں کے عقد نامہ رہیں گے، بعد مطابق عقد نامہ عورت کے اقامہ کو کبھی مرد کے اقامہ میں اٹھا دیتے ہیں، اس صورت میں زید جس عورت کے ساتھ نکاح فضولی کریں گے اس عورت کو لے کر محکمہ میں زید خود جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جا سکتے ہیں تو کیا عقد فضولی کے آگے جائیں گے یا بعد میں جائیں گے، لیکن جیسا بھی ہو محکمہ میں سے جانے سے پہلے قاضی صاحب ولی الامر تلاش کرتا ہے، پھر عورت سے راضی نامہ لیتا ہے، پھر خود قاضی صاحب اپنے ہاتھ سے عقد پڑھا دیتا ہے، اس میں مفتی صاحبان کا کیا مشورہ ہے؟ بالتفصیل بیان فرمائیں، کیونکہ یہاں اگر دولہا دلہن دونوں کو اقامہ میں ہے تو ضرور بالضرور محکمہ میں جاکر شادی کرنا پڑتا ہے، ورنہ ان کا اقامہ ان کے فرزندوں کے کام نہ آئے گا، جتنا جلدی ہو سکے اس فتویٰ کو بالتفصیل تحریر کریں، نیز مفتی صاحب کے دستخط اور مدرسہ کی مہر لگا کر ضرور مہربانی فرما کر ارسال فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبد اللہ، عمارت المیمان ا، شارع اندلس المنیہۃ، مکۃ المکرّمۃ، سعودیہ عربیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے درج شدہ الفاظ میں طلاق کلما کی صورت نہیں ہے، بلکہ طلاق کل کی صورت ہے، دونوں میں فرق یوں ہے کہ کلما کی صورت میں جب جب نکاح کرے گا طلاق واقع ہوتی رہے گی، اور کل کی صورت میں صرف پہلی دفعہ نکاح سے تین طلاق واقع ہوجائیں گی، لیکن حلالہ کے بعد دوبارہ ازخود نکاح کرنے میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، لہٰذا صورت مذکورہ میں اگر زید ازخود محکمہ میں بیوی کو لے کر حاضر ہوجائے یا خود گھر پر نکاح کرے گا تو بیوی پر تین طلاقیں پڑ ہوجائیں گی، البتہ حلالہ کے بعد ازخود نکاح کرے گا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، چاہے گھر پر کرے یا محکمہ میں لے جا کر کرے، ہر طرح درست ہے۔

إذا قال كل امرأة أتزوجها طالق و الحيلة فيه ما في البحر: أنه يزوجه فضولي و يجيز بالفعل كسوق الواجب إليها أو يتزوجها بعد ما وقع الطلاق عليها لأن كلمة كل لا تقتضي التكرار. (شامی، کتاب الطلاق، باب التعليق، زكريا ٤/٥٩٤، كراچی ٣/٣٤٥)

اور اگر حلالہ کی صورت اختیار نہیں کرنا چاہتا ہے تو عقد فضولی کے علاوہ کوئی دوسری صورت جائز نہیں ہوسکتی، نیز عقد فضولی کے بعد ہمبستری یا مہر ادا کرنے کے بعد ہی محکمہ میں خود لے جاسکتا ہے، اس کے بغیر ازخود لے جائے گا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۴۵۹، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۰/ ۵۸، کفایت المفتی قدیم ۶/ ۲۶۱، جدید زکریا مطول ۸/ ۲۶۰، احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۶۷)

إذا قال كل امرأة أتزوجها فهي طالق فزوجه فضولي و أجاز بالفعل بأن ساق المهر و نحوه لا تطلق. (هنديه، زكريا قديم ١/٤١٩، جديد ١/٤٨٨، البحر الرائق كوئٹه ٤/٧، زكريا ٤/١٠-١١، در مختار مع الشامي كراچی ٣/٨٤٦، زكريا ٥/٦٧٢، خانيه زكريا ٢/٢٣، و على هامش الهندية زكريا ٢/٣٤، فتح القدير دار الفكر بيروت ٤/١١٩، كوئٹه ٣/٤٤٦، زكريا ٤/١٠٦، مجمع الأنهر، شرح ملتقى الأبحر قديم ١/٤١٩، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۷)

جب جب فلاں کام کرے گی تو تجھے طلاق

سوال [۷۰۰۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ’’کلما‘‘ کی طلاق کی کیا شکل ہوتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: ’’کلما‘‘ کے ذریعہ طلاق کی شکل یہ ہے کہ: اپنی بیوی کہے جب جب بھی تو فلاں کام کرے گی تو تجھے طلاق اس صورت میں جب بھی وہ فعل واقع ہوگا، طلاق واقع ہوجائے گی، پھر دوبارہ اسی شوہر سے نکاح کرتی ہے پھر وہی فعل کرتی ہے تو اب طلاق واقع نہ ہوگی؛ کیونکہ یمین کی بقا ملک کے ساتھ ہوتی ہے لیکن اگر یوں کہا ہے کہ جب جب نکاح کروں گا تو طلاق ہوجائے گی تو ایسی صورت میں جب بھی کسی عورت سے نکاح کرے گا طلاق واقع ہوتی رہے گی۔

قال لامرأته: كلما دخلت هذه الدار فأنت طالق، و فى كلمة كلما تطلق فى كل مرة تدخل، و إن كان المحل متحدا فصار الطلاق متعلقا بكل دخول وقد وجد الدخول فى المرة الثانية والثالثة فطلقت فلو أنها تزوجت بزوج آخر بعد ذٰلک ثم تزوجها الأول فدخلت الدار لا يقع الطلاق عند أصحابنا الثلاثة، ولو عقد اليمين على التزوج بكلمة كلما فطلقت ثلاثا بكل تزوج ثم تزوجها بعد زوج آخر طلقت لأنه أضاف الطلاق إلى الملک والطلاق المضاف إلى الملک يتعلق بوجود الملک بخلاف الدخول. (بدائع الصنائع زكريا ديوبند ٣/ ٤٠، كراچی ٣/ ٢٣)

إلا فى كلما فإنها تقتضى تعميم الأفعال: قال الله تعالىٰ: ’’كلما نضجت جلودهم‘‘ ومن ضرورة التعميم التكرار، قال: فإن تزوجها بعد زوج آخر و تكرار الشرط لم يقع شيئ لأن باستيفاء الطلقات الثلاث

المملوكات فی هذا النكاح لم يبق الجزاء و بقاء اليمين به وبالشرط ولو دخلت على نفس التزوج بأن قال: كلما تزوجت امرأة فهی طالق يحنث بكل مرة و إن كان بعد زوج آخر لأن انعقادها باعتبار ما يملك عليها من الطلاق بالتزوج و ذٰلک غير محصور. (فتح القدير كوئٹه ٤٤٩/٣، دار الفكر بيروت ١٢٣/٤، زكريا ديوبند ١٠٩/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۵۳/۴۰)	۱۴۳۵/۱/۱ھ

میں فلاں کام کروں تو جب بھی میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق ہو

سوال [۷۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے کلما کی قسم کھائی جس کے الفاظ یہ تھے کہ میں فلاں کام کروں تو جب بھی میں نکاح کروں، میری بیوی کو طلاق ہو، اس کے بعد وہ شخص حانث ہوگیا، ایک عالم نے نکاح کا یہ حیلہ بتلایا کہ فضولی نکاح کردے، لڑکا زبان سے ایجاب وقبول نہ کرے بلکہ عمل سے رضامندی ظاہر کردے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ فضولی وقت مقررہ سے قبل نکاح کردے، لڑکا کسی عمل سے اجازت دیدے نکاح مکمل ہوجائے، اس کے بعد لڑکا باقاعدہ بارات کے ساتھ جائے اور محفل نکاح میں بڑے مجمع کے سامنے ایجاب وقبول اپنی زبان سے کرے تو اس طرح کرنے سے پہلے نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا، یہ دوبارہ نکاح صرف لوگوں کے اعتراض سے بچنے کے لیے کیا جارہا ہے، صرف دکھانا ہے کہ نکاح تو پہلے ہی ہوچکا ہے۔

المستفتی: عبدالحق فرخ آبادی، مدرسہ عربیہ درس القرآن محلّہ سعید قصبہ بھوگاؤں، مین پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں نکاح کے وقت مقررہ سے قبل

فضولی کے ذریعہ سے جو نکاح ہوا ہے اور اس شخص نے اپنے عمل سے اس نکاح پر رضامندی ظاہر کردی، مثلاً بیوی کے پاس چلا گیا، یا اس کے پاس مہر بھیج دیا، تو اب نکاح مکمل ہوگیا، لہٰذا اس کے بعد بارات لے جاکر دوبارہ ایجاب وقبول کے ذریعہ سے نکاح کیا تو اس سے نکاح اولیٰ پر کچھ اثر نہ پڑے گا، اور اس کی بیوی کو طلاق نہ پڑے گی، لیکن اگر فضولی نے نکاح کیا اور شوہر نے بیوی کے پاس نہ مہر بھیجا اور نہ ہی اس کے ساتھ خلوت و جماع ہوا تو نکاح مکمل نہیں ہوا، لہٰذا بارات لے جاکر ایجاب وقبول کے ذریعہ نکاح کرنے سے اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائے گی۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۴/۹۲)

إذا قال كل امرأة أتزوجها فهي طالق فزوجه فضولي و أجاز بالفعل بأن ساق المهر و نحوه لا تطلق. (هنديه، زكريا قديم ۱/۴۱۹، جديد ۱/۴۸۸، البحر الرائق كوئٹه ۴/۷، زكريا ۴/۱۰-۱۱، در مختار مع الشامي كراچی ۳/۸۴٦، زكريا ۵/٦۷۲، خانيه زكريا ۲/۲۳، جديد ۱/۳۱۸، و على هامش الهندية زكريا ۱/۵۱۲، فتح القدير، دار الفكر بيروت ۴/۱۱۹، كوئٹه ۳/۴٤٦، زكريا۴/۱۰٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱/۱۴۲۱ھ

اگر میں تم سے ہمیشہ دوستی نہ رکھوں تو جب جب بھی میں شادی کروں میری بیوی کو طلاق

سوال [۷۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور خالد دونوں دوست ہیں، زید خالد سے یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے ہمیشہ دوستی رکھنے پر یہ قسم کھاؤ کہ اگر میں تم سے ہمیشہ دوستی نہ رکھوں تو جب جب بھی میں شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق، تو خالد یہ کہتا ہے کہ اس وقت میرے دل میں یہ ارادہ ہے کہ میں تم سے ہمیشہ دوستی رکھوں گا اور آئندہ دل کا حال بدل جائے تو یہ میرے بس میں نہیں ہے اور اس

وقت میرے دل میں جو ہمیشہ دوستی رکھنے کا ارادہ ہے اگر میں اسی وقت اس سلسلہ میں جھوٹ بول رہا ہوں تو جب جب بھی میں شادی کروں، میری بیوی کو طلاق ،تو کیا یہ کلما کی قسم منعقد ہو جائے گی اور اگر خالد نے دل کا ارادہ بدل جانے کی وجہ سے کچھ دنوں کے بعد زید سے دوستی ختم کر دی ،تو کیا وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا، اور جب جب بھی وہ شادی کرے گا کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، جبکہ اس نے دوستی کو دل کے ارادہ پر معلق کرنے کے بعد کلما کی قسم کھائی ہے، کہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں دل کا ارادہ بدل جائے، اس لیے قسم کھانے سے پہلے دوستی کو دل کے ارادہ پر معلق کیا ہے،واضح کر کے اور تفصیل سے جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

المستفتی: عبید الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئلہ مذکورہ میں خالد نے اپنی قسم کو اپنے قول کے جھوٹ ہونے پر معلق کیا ہے کہ اگر میں اپنے قول میں جھوٹا ہوا تو جب جب میں شادی کروں میری بیوی کو طلاق اور اس وقت وہ اپنی گفتگو میں یقینی طور پر سچا تھا، اس لیے قسم واقع نہ ہوگی، بعد میں اگر دوستی توڑ بھی دیتا ہے جب بھی حانث نہ ہوگا اور شادی کرنے سے طلاق بھی نہ پڑے گی۔

وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط. (هنديه، زكريا قديم ١/ ٤٢٠، جديد ١/ ٤٨٨، هدايه، باب الأيمان فى الطلاق، اشرفى ديو بند ٢/ ٣٨٥)

حلف لا يسكن هذه الدار ولم يكن ساكنها فيها لا يحنث حتى يسكنها بنفسه و ينقل إليها من متاعه. (شامى كراچى ٣/ ٧٥٢، زكريا ٥/ ٥٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۹۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۳ھ

جب جب میں نکاح کروں تو ہر بار تین طلاق

سوال [۷۰۱۱]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدیا ہے، پھر اس کے غائبانے میں میں نے کہا کہ جب جب میں اس سے نکاح کروں اس کو ہر بار تین طلاق، تو کیا اب عدت اور حلالہ کے بعد اس سے نکاح کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فیروز محلّہ اسٹیشن سکرہ، رانچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دیدیں ہیں تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اور اب طلاق مغلظہ واقع ہونے کے بعد اس نے بیوی کے بارے میں یہ جو کہا ہے ''کہ جب جب میں اس سے نکاح کروں اسے تین طلاق' یہ ایک ایسی شرط ہے جس کی وجہ سے حلالہ کے بعد جب بھی نکاح کرے گا تو تین طلاقیں پڑتی رہیں گی، البتہ حلالہ کے بعد نکاح کرنے کی صورت میں طلاق سے بچنے کے لیے فقہاء نے ایک حیلہ بتایا ہے اس حیلہ کی شکل یہ ہے کہ کوئی دوسرا آدمی فضولی بن کر اپنے طور پر شوہر کے لیے ایجاب وقبول کر کے شوہر کو اطلاع دے کہ میں نے تمہارا نکاح اس کے ساتھ کر دیا ہے اور شوہر زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ عملاً مہر ادا کر دے، یا اس کے ساتھ شب گذاری کر لے، تو اس طرح عملاً اجازت کی وجہ سے نکاح منعقد ہو جائے گا، اور خود نکاح نہ کرنے کی وجہ سے طلاق بھی واقع نہ ہوگی، ذکر کردہ طریقہ مسئولہ صورت میں تین طلاق سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔

إذا قال لزوجته أنت طالق و طالق و طالق ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثا. (هنديه، زكريا قديم ۱/ ۳۵۵، جديد ۱/ ۴۲۳)

ولو دخلت على نفس التزوج بأن قال: كلما تزوجت امرأة فهي طالق يحنث بكل مرة و إن كان بعد زوج آخر، لأن انعقادها باعتبار ما يملك عليها من الطلاق بالتزوج و ذلك غير محصور. (هدايه اشرفي ديو بند ۲/ ۳۸۶)

حلف لا يتزوج فزوجه فضولي و أجاز بالقول حنث و بالفعل لا يحنث به يفتي، قال الشامي: تحت قوله بالفعل كبعث المهر أو بعضه بشرط أن يصل إليها. (در مختار مع الشامي كراچی ۸٤٦/۳، زكريا ٦٧٢/٥، خانيه زكريا ۸۳۱/۱، و على هامش الهندية زكريا ٥١٢/١، فتح القدير، دار الفكر بيروت ١١٩/٤، كوئٹه ٤٤٦/٣١، زكريا ١٠٦/٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٦٠/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۵۴/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۹ھ

”جب میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق ہو“ کہنے کے بعد نکاح

سوال [۷۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے کلما کی قسم کھائی جس کے الفاظ یہ تھے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو جب میں نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق ہو، مگر اس کے بعد وہ شخص حانث ہوگیا، ایک عالم صاحب نے بتایا کہ نکاح کا یہ حیلہ ہے کہ کوئی فضولی آدمی نکاح کردے، لڑکا ایجاب وقبول نہ کرے بلکہ عمل سے رضامندی کردے، مثلاً: بیوی کے پاس مہر بھیج دے یا بیوی سے خلوت و جماع کرلے، تو اس طرح نکاح درست ہوجائے گا، مگر لڑکے نے عوام کی بدگمانی دور کرنے کے لیے یہ حیلہ اختیار کیا کہ پہلے بارات کے ساتھ محفل نکاح بڑے مجمع میں نکاح کیا اور ایجاب وقبول خود اپنی زبان سے کیا، اس طرح نکاح کے بعد ایک فضولی آدمی نے عالم صاحب کے بتائے ہوئے طریقے پر نکاح کردیا تو بعد والا نکاح درست ہوگیا یا نہیں اور پہلے والے نکاح سے بعد والے نکاح پر کوئی اثر تو نہیں پڑے گا؟

المستفتی: محمد خالد، مدرسہ عربیہ درس القرآن مین پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے سوال میں کلما کی قسم سے متعلق پوچھا

ہے لیکن پھر نیچے آپ اس کی یہ تشریح کررہے ہیں کہ جب میں نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق ہو، تو شرعاً یہ کلما کی قسم نہیں ہے، بلکہ پہلی مرتبہ جس عورت سے نکاح کریں گے تو اس پر طلاق واقع ہوجائے گی، اور اس کے بعد اسی عورت سے یا کسی اور عورت سے نکاح کریں گے، تو طلاق واقع نہ ہوگی، اس لیے کہ یہ کلما کی قسم نہیں ہے اور کلما کی قسم کے لیے اس طرح کے الفاظ لازم ہیں کہ وہ کہے کہ جب جب میں نکاح کروں تب میری بیوی کو طلاق ہے، تو ایسی صورت میں زندگی میں جب بھی کسی عورت سے نکاح کرے گا تو طلاق واقع ہوجائے گی، لیکن چونکہ قبل الدخول طلاق واقع ہوئی ہے، اس لیے یہ طلاق بائنہ ہوگی، لیکن آپ کے سوال میں ایسا ہے نہیں، اس سوال نامہ سے درج شدہ صورت میں صرف ایک عورت پر پہلی مرتبہ میں طلاق ہوسکتی ہے، بعد کے نکاحوں سے طلاق واقع نہ ہوگی، آپ نے مزید کلما کی قسم کے حیلے سے متعلق پوچھا ہے، جبکہ آپ کے سوال میں کلما کی قسم ہے ہی نہیں، تو اس کے حیلہ کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ پہلے جو نکاح ہوگا صرف اس پر طلاق واقع ہوگی، لیکن چونکہ قبل الدخول ہوئی ہے اس لیے یہ طلاق بائن ہوگی پھر اس کے بعد اسی مجلس میں یا بعد میں دوبارہ ایجاب وقبول کرلیں اس سے نکاح درست ہوجائے گا، بیوی برقرار رہے گی، کلما کے حیلہ کی ضرورت نہیں۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طلقت. (در مختار، باب التعليق، كراچی ۳/۳۵۵، زكريا ۴/۶۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۲/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۵۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۲/۱۴۲۱ھ

اگر میرا روپیہ چوری نہ ہوا تو میں جب جب شادی کروں میری بیوی پر تین طلاق

سوال [۷۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا روپیہ گم ہوگیا تو میں نے کمرہ کے مقیمین سے پوچھا کہ کیا تم لوگوں میں سے کسی نے میرا روپیہ لیا ہے تو کمرہ والوں نے کہا کہ تمہارا روپیہ گم نہیں ہوا ہے تم صرف ہم

لوگوں پر الزام لگاتے ہو، اگر واقعی تمہارا روپیہ چوری ہوگیا ہے تو تم کلما کی قسم کھا کر یہ کہو کہ اگر میرا روپیہ چوری نہ ہوا ہوگا تو جب جب میں شادی کروں میری بیوی کو تین طلاق، تو میں نے قسم کھالی، واضح ہو کہ میں نے روپیہ کو بکس وتمام کتب وغیرہ میں تلاش کیا ہے کہیں بھی نہیں ملا، جس کی بنا پر مجھے یقین کامل ہے کہ کسی نے چوری ہی کیا ہوگا، اور کسی اور جگہ غائب نہیں ہوا ہے، اب میں حیران ہوں کہ اگر خدانخواستہ روپیہ کسی نے چوری نہ کیا ہو بلکہ اور جگہ غائب ہو گیا ہو تو کیا میری بیوی کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: افسر علی آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں اگر واقعی میں چوری ہوگیا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر چوری نہ ہونا ثابت ہو جائے تو جب بھی نکاح خود کرے گا بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، چاہے چوری کا یقین بھی رہا ہو۔

واللغو لا يؤاخذ به صاحبه إلا في الطلاق والعتاق والنذر (وقوله) فقد علمت أن اليمين بالطلاق على غالب الظن إذا تبين خلافه موجب لوقوع الطلاق وفي منحة الخالق: ظاهره الوقوع قضاءً و ديانةً. (البحر الرائق، كتاب الأيمان، زكريا ٤/ ٤٦٩، كوئٹه ٤/ ٢٧٩، منحة الخالق على البحر الرائق كوئٹه ٤/ ٢٧٩، زكريا ٤/ ٤٦٩، مجمع الأنهر قديم ١/ ٥٤٨، جديد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٦٣)

وفي الدر المختار: وثانيها لغو لا مؤاخذة فيها إلا في ثلاث طلاق و عتاق و نذر فيقع الطلاق على غالب الظن إذا تبين خلافه. (الدر المختار، كراچی ٣/ ٧٠٦، زكريا ٥/ ٤٧٦، هنديه، زكريا قديم ١/ ٥٢، جديد ١/ ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۶۹)

جب جب میں فریدہ سے شادی کروں گا تو اسے طلاق ہے

سوال [۷۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی منگنی مثلاً فریدہ سے طے ہو چکی، لیکن ابھی تک نکاح نہیں ہوا، کسی بات پر ناراض ہو کر زید کہتا ہے کہ جب جب بھی میں فریدہ سے شادی کروں گا تو وہ طلاق ہے، تو کیا فریدہ سے شادی کرنے کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی، اگر طلاق واقع ہو جائے تو کوئی ایسی بھی صورت ہے، جس صورت میں طلاق نہ ہو؟

المستفتی: محمد الیاس، آسام، مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں زید نے جو یہ کہا ہے کہ جب جب میں فریدہ سے شادی کروں گا تو یہاں شادی سے نکاح ہی مراد ہے، لہٰذا جب بھی زید فریدہ سے ازخود نکاح کرے گا تو فوراً فریدہ پر طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ زید کو چاہیے کہ فریدہ کے علاوہ کسی اور لڑکی سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارے اور طلاق واقع نہ ہونے کے لیے ایک حیلہ ہے اور یہ بات یاد رکھیں کہ حیلہ اختیار کرنا ہر جگہ جائز نہیں ہے، پھر بھی سوالنامہ میں چوں کہ وہ پوچھا گیا ہے اس لیے بتایا جا رہا ہے کہ زید خود فریدہ سے نکاح نہ کرے بلکہ کوئی اور اس کا نکاح کرادے اور زید عملاً اس کی اجازت دیدے مثلاً مہر ادا کر دے اور شب زفاف اختیار کر لے، اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ زید نے ازخود نکاح نہیں کیا ہے بلکہ نکاح ہو گیا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۷۶، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۴۶ جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۱۹)

حلف لا يتزوج فزوجه فضولي فأجاز بالقول كرضيت وقبلت حنث وبالفعل كبعث المهر أو بعضه بشرط أن يصل إليها وقيل الوصول ليس بشرط و كتقبيلها بشهوة و جماعها لكن يكره تحريما لقرب نفوذ العقد من المحرم لا يحنث، به يفتي. (در مختار مع الشامي كراچی ۳/ ۸٤٦، زكريا ٥/ ٦٧٢، هنديه، زكريا قديم

۴۱۹/۱، جدید ۴۸۸/۱، البحر الرائق کوئٹه ۷/۴، زکریا ۴/ ۱۰-۱۱، خانیه زکریا ۱ /۳۱۸، و علی هامش الهندیة زکریا ۱/ ۵۱۲، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۴ /۱۱۹، کوئٹه ۳ /۴۴۶، زکریا۴/ ۱۰۶، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۲۷ھ

اگر فلاں کام اس طرح ہو تو جب بھی میں نکاح کروں گا تو میری بیوی کو طلاق

سوال [۷۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے طالب علمی کے زمانے میں یوں کہا کہ اگر فلاں کام اس طرح ہو تو جب بھی میں نکاح کروں گا تو میری بیوی کو طلاق ہو، پس وہ کام ہو گیا اب نکاح درست ہونے کی کیا شکل ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں

المستفتی: محمد ابراہیم سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں نکاح کے درست ہونے کے لیے صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ نکاح خود نہ کرے اور نہ ہی کسی کو وکیل بنائے بلکہ کوئی دوسرا آدمی فضولی بن کر نکاح کردے، اور جب علم ہو جائے تو زبان سے اس کو قبول نہ کرے بلکہ مہر ادا کردے یا شب زفاف میں بیوی کے کمرے میں پہنچ کر حقوق زوجیت ادا کرے تو درست ہوگا، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۴۷۶)

ينبغي أن يجيئ إلى عالم و يقول له ما حلف و احتاجه إلى نكاح الفضولي فيزوجه العالم امرأة و يجيز بالفعل فلا يحنث و كذا إذا قال لجماعة لي حاجة إلى نكاح الفضولي فزوجه واحد منهم. (البحر الرائق، باب التعليق کوئٹه ۴/ ۷، زکریا ۴/ ۱۰- ۱۱، در مختار مع الشامي، کراچی ۳/ ۸۴۶، زکریا

٥/٦٧٢، خانيه زكريا ١/٣١٨، وعلى هامش الهندية زكريا ١/٥١٢، فتح القدير، دار الفكر بيروت ٤/١١٩، زكريا ٤/١٠٦، كوئٹه ٣/٤٤٦، هندية زكريا قديم ١/٤١٩، جديد ١/٤٨٨، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۲۶)

نکاح پر طلاق کو معلق کرنا

سوال [۵۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ممبئی میں میرا ایک ساتھی ''انور''، دولڑکیاں ''افسانہ اور فرزانہ'' سے محبت کرتا تھا انور نے افسانہ کے متعلق قسم کھائی کہ ''افسانہ کی زندگی میں افسانہ کے علاوہ کسی اور سے شادی کی تو اسے تین طلاق'' لیکن اس قسم کے بعد افسانہ نے دھوکا دیا، اور اس کی شادی کسی دوسرے لڑکے سے ہوگئی، پھر انور کی ملاقات فرزانہ سے ہوئی، اور محبت نے جگہ بنالی، لیکن اتفاقاً انور کی شادی فرزانہ سے بھی نہیں ہوسکی، ان کے گھر والوں نے کسی اور لڑکے سے اس کی شادی کردی، فرزانہ کو ایک بچی پیدا ہوئی جسے دیکھنے کے لیے نور فرزانہ کے میکے تشریف لے گیا، فرزانہ نے سابقہ حالات کی یاد دہانی کراتے ہوئے انور سے کہا کہ محبت اب بھی آپ کے دل میں قائم ہے اس کی کیا دلیل ہے؟ جواباً انور نے کہا کہ محبت قربانی مانگتی ہے، اور محبت کا دوسرا نام قربانی ہے، اگر چہ میرے دل میں درد اب بھی موجود ہے، لیکن تم اب اپنے جیون ساتھی کو ہی ترجیح دو، لیکن دورانِ گفتگو فرزانہ نے انور کو جوش دلایا جس سے اتاؤلا ہو کر انور نے کہا کہ ''محبت کی دلیل یہ ہے کہ اگر قدرت نے راستہ پیدا کردیا اور تو میری مقدر میں ہے تو صورت نکلنے پر تم سے شادی نہیں کی تو ہونے والی بیوی کو تین طلاق، اس جملہ کو پورا کرنے کے بعد پندرہ بیس سیکنڈ تعریف کے بعد کہا کہ'' ہاں اگر تو ہی نہ چاہے تو اور بات ہے''۔

مندرجہ بالا واقعات کے بعد انور کی شادی ''صوفیہ'' نام کی لڑکی سے ہوئی، لیکن ابھی دو

سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ فرزانہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا، اب جواب طلب ہے کہ فرزانہ کی عدت پوری ہونے کے بعد صوفیہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر ہاں تو صوفیہ کو نکاح میں باقی رکھنے کی کیا صورت ہوگی، نیز اگر انور چاہے اور فرزانہ نکاح کو تیار نہ ہو تو کیا حکم ہوگا۔

(۲) انور کی شادی صوفیہ سے فضولی طریقے پر ہوئی تھی، تو کیا اب اور کوئی نکاح جب انور کرنا چاہے تو نکاح براہ راست قولی ہوگا یا فعلی ہی کرنا پڑے گا۔

مدلل جواب جلد درکار ہے، تاکہ انور صوفیہ کو نکاح میں باقی رکھ سکے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر انور نے افسانہ کے بارے میں اس کے علاوہ غیر سے شادی کرنے میں اسے تین طلاق کی قسم آپس میں سوال وجواب کے درمیان نہیں کھائی ہے مطلقا جوش وجذبہ میں قسم کھائی ہے تو اس کے بعد جس سے بھی پہلی مرتبہ از خود نکاح کرے گا اس پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی، اگر فضولی کا حیلہ کر کے نکاح کرے گا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، جیسا کہ سوالنامہ میں صوفیہ سے نکاح کرنے کے متعلق لکھا گیا ہے، پھر فرزانہ سے سوال و جواب کے دوران جو قسم کھائی ہے کہ اگر صورت نکلنے پر تجھ سے نکاح نہیں کیا تو ہونے والی بیوی پر تین طلاق اور صورت نکلنے سے پہلے صوفیہ اس کی بیوی بن گئی، مگر جب فرزانہ کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، تو فرزانہ عدت وفات چار مہینہ دس دن گذارنے کے بعد انور سے نکاح کے لیے تیار ہو جائے تو انور کے واسطے اس کے ساتھ نکاح کرنے کی صورت بن جائے گی تو یہ صورت بننے کے بعد اگر فرزانہ سے نکاح نہیں کرے گا، تو صوفیہ پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، لہٰذا صوفیہ کو تین طلاق سے بچانے کے لیے یہی صورت ہے کہ فرزانہ کی عدت گذرتے ہی فوراً اس کے پاس نکاح کا پیغام بھیج دے، یعنی جس دن ایک سوتیس دن پورے ہو جائیں گے اس دن نکاح کا پیغام بھیج دے تو صوفیہ تین طلاق سے بچ جائے گی مگر فرزانہ کے ساتھ جو نکاح ہوگا وہ بھی فضولی کے ذریعے سے ہونا چاہیے تاکہ افسانہ والی قسم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے، اس لیے کہ افسانہ سے قسم کھانے کے بعد پہلی مرتبہ جس عورت سے براہ راست ایجاب وقبول

کے ساتھ انور نکاح کرے گا، اس پر تین طلاق ہوجائے گی، ابھی تک انور نے کسی کے ساتھ براہ راست ایجاب وقبول کے ساتھ نکاح نہیں کیا ہے لہٰذا فرزانہ سے جو نکاح کرے گا اس کا فعل ہونا ضروری ہے فضولی کے ذریعے قولی نہیں۔

رجل قال: إن تزوجت امرأة فهی طالق ثلاثا، فالحیلة فی ذٰلک أن یعقد الفضولی عقد النکاح بینهما فیجیز بالفعل ولا یحنث ولو أجاز بالقول یحنث. (عالمگیری، کتاب الطلاق، قبیل باب الإیلاء ۱/ ٤٧٦، جدید ۱/ ٥٣٨)

حلف لا یتزوج فزوجه فضولی و أجاز بالقول حنث وبالفعل لا.

(البحر الرائق کوئٹه ٤/ ٣٧٠، زکریا ٤/ ٦٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۲۱/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۱ باب تفویض الطلاق

بغیر نیت کے بیوی کو طلاق کا اختیار دیا اور بیوی نے تین طلاق واقع کر دی

سوال [۷۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی سے کہا: تجھے اختیار ہے کہ تو اپنے اوپر طلاق واقع کر لے خواہ یہاں کر لے یا اپنے گھر جا کر کر لے، پھر بیوی نے اگلے دن کہا: کہ میں اپنے کو تین طلاق دے رہی ہوں تو ایسی صورت میں بیوی پر کتنی طلاق ہوں گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صورت مذکورہ میں شوہر کی نیت کے اعتبار سے بیوی پر طلاق واقع ہوگی، لہٰذا اگر شوہر نے کسی متعین عدد کی نیت کیے بغیر یہ الفاظ کہے یا ایک یا دو طلاق کی نیت کی تو ایسی صورت میں بیوی پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی، اگرچہ اس نے خود کو تین طلاق دی ہوں، البتہ اس پر تین طلاق اس وقت ہوں گی جبکہ شوہر نے بھی تین کی نیت کر لی ہو۔

قال لها: طلقي نفسک و لم ينوأو نویٰ واحدة أو ثنتين في الحرة فطلقت أی واحدة أو ثنتين أو ثلاثا و کل مع عدم النية أصلا أو مع نية الواحدة أو الثنتين ...... فهی تسعة و الواقع فيها طلقة رجعية ...... و إن طلقت ثلاثا و نواه وقعن أی الثلاث. (شامی، کتاب الطلاق، باب الامر باليد، فصل فی المشية، کراچی ۳/ ۳۳۱، زکریا ٤/٥٧٥)

من قال لامرأته: طلقي نفسک ولا نية له أو نویٰ واحدة، فقالت: طلقت نفسي فهي واحدة رجعية و إن طلقت نفسها ثلاثا و قد أراد

الـزوج ذٰلک وقـعـن عـليهـا، وهـٰذا لأن قـوله طلقي معناه: افعلي فعل الـطـلاق وهـو إسـم جـنـس فيقع على الأدنىٰ مع احتمال الكل كسائر أسـمـاء الأجناس، فلهذا تعمل فيه نية الثلاث وينصرف إلى واحدة عند عدمها وتكون الواحدة رجعية لأن المفوض إليها صريح الطلاق. (هدايه، مـكـتـبـه نـعـيـمـيـه ۲/ ۳۹٤، اشـرفـی ديـو بند ۲/ ۳۸۰، کذا فی تبيين الحقائق زكريا ۳/ ۹٦، امداديه ملتان ۲/ ۲۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۵)

شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار دیا تو اس نے تین واقع کر دیں

سوال [۸۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی سے کہا تجھ کو اختیار ہے تو اپنے اوپر طلاق کو واقع کرلے خواہ یہاں کرے چاہے اپنے گھر جا کر کرلے تو بیوی نے اگلے دن کہا میں اپنے آپ کو تین طلاق دے رہی ہوں، تو اس صورت میں کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں شوہر نے اگر تین طلاق کی نیت کی ہے تو اس کی بیوی کو تین طلاق واقع ہوجائیں گی، لیکن اگر شوہر نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی یا نیت نہیں کی تھی بہر دوصورت بیوی کو صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

مـن قـال لامـراتـه: طـلـقـي نفسک ولا نية له أو نوى واحدة فقالت طـلقت نفسي فهي واحدة رجـعية و إن طلقت نفسها ثلاثا و قد أراد الزوج ذٰلک وقـعن عليها. (فتـح الـقـديـر، بـاب تـفـويض الطلاق، فصل فی المشية، زكريا ٤/ ۸٦، كوئٹه ۳/ ٤٢٧، دار الفكر بيروت ٤/ ٩٦)

من قال لامرأته: طلقي نفسک ولا نية له أو نویٰ واحدة، فقالت: طلقت نفسي فهي واحدة رجعية و إن طلقت نفسها ثلاثا و قد أراد الزوج ذٰلک وقعن عليها، وهٰذا لأن قوله طلقي معناه: افعلي فعل الطلاق وهو إسم جنس فيقع على الأدنیٰ مع احتمال الكل كسائر أسماء الأجناس، فلهذا تعمل فيه نية الثلاث وينصرف إلى واحدة عند عدمها وتكون الواحد ة رجعية لأن المفوض إليها صريح الطلاق وهو رجعي. (هدایه، مکتبه نعیمیه ۲/ ۳۹٤، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۶)

شوہر کا نسبتی بھائی کو اختیارات دیدینا

سوال [۷۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت دنوں سے عورت اپنے میکہ میں رہ رہی تھی اور شوہر کی جانب سے بالکل بے توجہی پائی جارہی تھی تو ایک مرتبہ اس عورت کے بھائی نے اس سے جاکر کہا کہ آپ ہمارے گھر تشریف لے چلیں تو شوہر نے کہا ہم وہاں جاکر کیا کریں گے، ہمارا وہاں رکھا ہی کیا ہے؟ تو عورت کے بھائی نے کہا کہ جب کچھ نہیں ہے تو معاملہ صاف کردیجئے تو اس کے شوہر نے کہا کہ میں نے سارا اختیار تم کو دیدیا یہاں تک کہ طلاق دینے کا بھی اختیار تم کو دیدیا تو اس کے بھائی نے کہا کہ میں نے تمہاری بیوی کو تینوں طلاق دیدیں اور دورانِ مباحثہ صاحب معاملہ کے علاوہ ایک دوسرا شخص بھی موجود تھا، اس نے شوہر سے کہا کہ تم نے پورا اختیار اس کو کیوں دیدیا تو شوہر نے کہا جو کچھ میں نے کیا ٹھیک کیا، لیکن اب شوہر منکر ہے کہ میں نے اس کو کوئی اختیار نہیں دیا ہے جبکہ صرف ایک گواہ موجود ہے، اور کبھی دوبارہ حلالہ کے بعد نکاح کے لیے تیار ہوجاتا ہے حالانکہ اس کی دماغی حالت بھی بدستور قائم ہے، تو دریافت

طلب امر یہ ہے کہ آیا عورت مطلقہ ہوئی یا نہ ہوئی، جواب سے نوازیں۔

المستفتی: اخلاق احمد بھاگلو پوری (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے بیوی کے بھائی کو اختیار دیتے وقت تین طلاق کی نیت نہیں کی ہے اور بیوی کے بھائی نے تین طلاق دیدی ہے تو بیوی پر ایک طلاق بھی واقع نہ ہوگی اور اگر شوہر نے تین طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اب اس بارے میں شوہر سے معلوم کرلیا جائے کہ اختیار دیتے وقت اس کی نیت کیا تھی؟

إن من وكل الرجل أن يطلق امرأته فطلقها الوكيل ثلاثا إن كان الزوج نوىٰ الثلاث تقع الثلاث و إن لم يكن نوى الثلاث لا يقع شيئ عند أبي حنيفة. (فتاویٰ تاتارخانية، الفصل الخامس فی تفویض الطلاق، زکریا ٤/ ٤٨١ رقم: ٦٧٢٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۱۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۶/۲۷ھ

رجسٹر نکاح میں لکھی ہوئی شرائط کا حکم

سوال [۷۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح جب رجسٹرڈ کرتا ہے تو اس وقت یہ شرط لگاتے ہیں کہ اگر شوہر گھر سے باہر چلا جائے اور تین ماہ سے زیادہ دن باہر ہی رہے اور بیوی کو خرچہ کے لیے روپیہ نہ بھیجے تو بیوی پر طلاق پڑ جائے گی یہ شرط سرکار کی طرف سے رجسٹرڈ کاغذ میں لکھی ہوئی ہے اور اس شرط پر شوہر دستخط کرتے ہیں، یعنی اس کو مانتے ہیں تو اس کاغذ پر شوہر دستخط کرنے پر اور تین مہینہ سے زائد دن باہر رہنے سے اور خرچہ پانی دینے سے طلاق پڑے گی یا نہیں؟

المستفتی: عبد الکریم آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب شوہر اس مذکورہ معاہدہ کو پڑھ کر یا سن کر نکاح کے وقت مان لیتے ہیں اور اس پر بخوشی دستخط کر دیتے ہیں تو یہ معاہدہ تفویض طلاق بالشرط کے درجہ میں ہو گیا، شریعت میں اس معاہدہ کو کابین نامہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے اس کی بیوی کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا حق ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۵/ ۷، جدید ۳۳، فتاویٰ دار العلوم ۱۰/ ۳۸، محمودیہ قدیم ۹/ ۳۲۵، جدید ۱۰/ ۳/ ۳۷، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۱۴۹-۱۴۰)

أحدها تعليق التفويض بالغيبة ...... إن فلانا جعل أمر امرأته فلانة بيدها معلقا بشرط أنه متى غاب عنها من كورة أو من مكان كذا (إلى قوله) ولم يعد إليها في هذه المدة فإنها تطلق نفسها تطليقة واحدة بائنة بعد ذلك متى شاء ت أبدا. (عالمگیری، کتاب الشروط، الفصل الثالث في الطلاق، زكريا قديم ٦/ ٢٦٠، جديد ٦/ ٢٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۱۰ھ

’’اپنے نکاح کو کینسل کر دے‘‘ کا حکم

سوال [۷۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کا نکاح ہوا، نکاح کے چند دن کے بعد شوہر کسی جگہ کا سفر کرنے والا تھا تو بیوی نے اس کو کہا کا اتنے دنوں کے لیے، اگر ابھی نکاح نہ کرتے تو اچھا ہوتا، پھر شوہر نے کہا اگر ایسا ہو تو اپنے نکاح کو کینسل کر دے یا کینسل، پھر بعد میں پھر سے نکاح کر لیں گے، ان دو جملوں میں سے کون سا جملہ کہا برابر یاد نہیں ہے، لیکن گمان پہلے جملہ کی طرف مائل ہو رہا ہے، لیکن شوہر نے فون کے ذریعہ معلوم کیا کہ تجھے کون سا جملہ کہا تھا، تو بیوی نے کہا کہ ایسا کہا تھا

کہ نکاح کینسل کردے اور بیوی اس بات پر قسم کھاتی ہے اور بیوی نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر نکاح کینسل کردیں گے تو پھر دوبارہ نکاح کرنے سے میں پہلے جیسی تھی یعنی باکرہ ایسی تو نہیں ہو جاؤں گی تو اس صورت میں طلاق ہوگی کہ نہیں، اور اگر طلاق ہوئی تو کتنی ہوگی اور کون سی ہوگی؟

المستفتی: روح الامین مالونیہ، لوناواڑہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں شوہر کا جملہ، اگر ایسا ہو تو اپنے نکاح کو کینسل کردے، یہ جملہ تفویض ہے، یعنی شوہر نے بیوی کو نکاح کے باقی رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا اب اگر بیوی اپنے اس اختیار پر اسی مجلس میں عمل کرلیتی تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی اور اس مجلس کے ختم ہونے کے بعد بیوی کو طلاق کا اختیار نہیں رہا، لہٰذا بیوی پر کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وفی الدر المختار: قال لها: اختاری أو أمرک بیدک ینوی تفویض الطلاق لأنها کنایة فلا یعملان بلا نیة، وفی الشامیة: تحت قوله: قال لها اختاری: أشار بعدم ذکر قبولها إلی أنه تملیک یتم بالمملک وحده فلو رجع قبل انقضاء المجلس لم یصح وقید باقتصاره علی التخییر المطلق لأنه لو قال لها اختاری الطلاق فقالت: اخترت الطلاق فهی واحدة رجعیة. (رد المحتار علی الدر المختار شامی، کتاب الطلاق، باب تفویض الطلاق، کراچی ۳/۳۱۵، زکریا ۴/۵۵۲)

إذا قال لامرأته: اختاری ینوی بذٰلک الطلاق ...... فلها أن تطلق نفسها ما دامت فی مجلسها ذٰلک و أن تطاول یوما أو أکثر ...... و إذا قامت عن مجلسها قبل أن تختار نفسها و کذا إذا اشتغلت بعمل آخر ...... یبطل خیارها.

(هندیه باب تفویض الطلاق زکریا قدیم ۱/۳۸۷، جدید ۱/۴۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۴ھ

مجھے طلاق دوتو جاؤں گی کے جواب میں شوہر کا ”جا طلاق ہی سمجھ لے“ کہنے کا حکم

سوال [۷۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر نے بیوی سے جھگڑے کے دوران کہا کہ ”جا بھاگ جا“ اسی طرح کئی مرتبہ کہا تو بیوی نے کہا کہ ایسے نہیں جاؤں گی مجھے طلاق دوتو جاؤں گی، تو شوہر نے کہا کہ ”جا طلاق ہی سمجھ لینا“ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوئی تو کون سی طلاق واقع ہوگی؟ طلاق رجعی یا طلاق بائن ہوگی؟

المستفتی: مفتی وصی الحق بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بیوی کے قول ”مجھے طلاق دوتو جاؤں گی“ کے جواب میں شوہر کا قول ”جا طلاق ہی سمجھ لینا“ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

وقال الطلاق جيدا لأذهب فقال افرضى أن الطلاق وقع اذهبى.

(هنديه، الباب الاول فى ايقاع الطلاق، الفصل السابع فى الطلاق بالألفاظ الفارسية زكريا قديم ۱/۳۸٦، جديد ۱/٤٥٤)

سئل عن امرأة قالت لزوجها: ”باتو نمى باشم“ فقال: ”ناباشيده گير“ فقال: ”اين چه سخن بود آن كن كه خداى تعالىٰ و رسولِ خداى تعالىٰ فرموده است بگو مرا طلاق بروم“ فقال: ”طلاق كرده گيربرو“ يقع الطلاق إن نوى الإيقاع تقع واحدة. (تاتارخانية، زكريا ٤/٤٧١ رقم: ٦٦٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۹۳/۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

بیوی کے مطالبۂ طلاق پر"دومرتبہ میں نے طلاق دی" کہنے کا حکم

سوال [۷۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً آٹھ ماہ قبل علی الصبح جب ہم میاں بیوی سوکر اٹھے تو کسی بات پر ہمارے درمیان بات بڑھی اس پر بیوی کہنے لگی کہ مجھے دیدو، میں نے کہا کہ میں کیا دیدوں، میرے یہاں کچھ نہیں نہ تیرے ماں باپ کے یہاں کا کچھ ہے اس پر اس نے کہا کہ جو دنیا دیتی آئی ہے وہی تم دیدو اس نے کہا کیا دیدوں؟ اس نے کہا کہ طلاق دیدو، میں نے اس کو ایک طلاق دیدی، اس نے پھر دوسری بار اصرار کیا، میں نے پھر دوسری بار ایک طلاق اوردیدی، اب پھر وہ کہنے لگی کہ تیسری بار اور کہہ دو میں نے اس پر جواب دیا کہ چاہے ایک ہزار بار کہلوالے بات ایک ہی ہے، اس کے بعد ہم دونوں میاں بیوی علیحدہ علیحدہ ہو گئے، بیوی حمل سے تھی، طلاق کے سات مہینے بعد لڑکا پیدا ہوا جس کا انتقال ہو چکا ہے، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: مختار احمد ولد تسلیم احمد محلّہ میانجی رکھا افضل گڈھ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ ایسا ہی ہے جو سوالنامہ میں لکھا ہوا ہے تو صرف دو طلاق رجعی واقع ہو چکی ہیں، اور شوہر کا قول" چاہے ایک ہزار بار کہلوالے، بات ایک ہی ہے" اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، اس لیے کہ شوہر کے اس قول میں نہ طلاق صریح کے الفاظ ہیں نہ ہی کنایہ کے، لہٰذا صرف دو طلاق ہوئیں۔

وقعتا رجعتين لو مدخولا بها كقوله أنت طالق أنت طالق. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الصريح، كراچی ۳/۲۵۲، زكريا ٤/٤٦٣)

اوراب چونکہ وضع حمل کے ذریعہ سے عدت گذر چکی ہے اس لیے دونوں طلاقیں بائنہ ہوگئی ہیں، لہٰذا اب اگر بیوی کو لانا چاہے تو بغیر حلالہ صرف نکاح کر کے لا سکتے ہیں۔

إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها في العدة وبعد انقضائها.
(هندیه، زکریا قدیم ۱/۴۷۲، جدید ۱/۵۳۵، فصل فی ما تحل به المطلقة) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۰ھ

تعلیق ختم کرنے کا فیصلہ

سوال [۷۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنے بھائی سے لڑائی کے دوران بیوی کے بارے میں یہ کہا کہ ''اگر میری بیوی آج کی تاریخ سے بازار میں خریداری کرے تو اس کو تینوں بول وہ آزاد ہے'' یہ جملہ ایک مرتبہ کہا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ اس جملہ سے طلاق ہو جائے گی؟ اگر بیوی بچوں کی فیس اسکول میں جمع کرنے جائے یا کوئی سامان اپنے بچے کے ذریعہ منگوائے تو کیا طلاق ہو جائے گی، واضح رہے کہ مذکورہ جملہ طلاق کی نیت سے ادا کیا ہے؟

(۲) دوسری بات یہ بھی دریافت کرنا ہے کہ شریعت میں کیا کوئی ایسی شکل ہے کہ جس سے یہ تعلیق ختم ہو جائے وہ شکل بھی تحریر فرمادیں؟

(۳) اگر اس سے نکاح ثانی کیا جائے تو کیا صرف میاں بیوی بغیر گواہان ایجاب و قبول کرلیں تو نکاح ہو جائے گا، یا گواہوں اور قاضی کا ہونا ضروری ہے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبد الاحد تمبا کو والا ن مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر یہ طلاق کی نیت سے کہا ہے کہ بازاروں میں خریداری کے لیے جائے گی، تو اس کو تینوں بول وہ آزاد ہے، لہٰذا اب جب بھی بازاروں میں خریداری کے لیے جائے گی تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، اور بیوی بچوں کی فیس جمع کرانے کے لیے اسکول جائے یا دوسرے کے ذریعہ بازار سے سامان منگوائے تو اس

صورت میں کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

قـال لها ''ترا یکےاورتراسہ'' قـال الـصـفـار : لا يـقـع شيئ وقال الصدر الشهيـد : يـقـع بـالـنية و بـه يـفتـي وقـال القاضي إن كان حال المذاكرة أو الـغـضـب يقع و إلا لا يقع بلا نية كما في العربي أنت واحدة. (بـزازيه، زكريا جديد ١/١٢٨، وعلى هامش الهندية زكريا ديوبند ٤/١٩٧)

وإذا أضـافـه إلـى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا. (هـنـديه زكريا قديم ١/٤٢٠ جديد زكريا ١/٤٨٨، هدايه اشرفي ديوبند ٢/٣٨٥)

(۲) اس طلاق کوختم کرنے کے لیےفقہاء نے ایک حیلہ بیان کیا ہےوہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کوایک طلاق دیدے عدت گذرنے سے وہ شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی اسی حالت میں بازار جاکرسامان خریدلےسامان خریدنے کے بعددوگواہوں کےروبرونکاح کرلےاس کے بعد باربار بازار جاتی رہے گی تواس سے طلاق واقع نہ ہوگی،اس طرح سے عورت طلاق مغلظہ سے بچ سکتی ہے۔(مستفاد احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۵۶)

وتـنـحـل الـيـمين بعد وجود الشرط مطلقا لكن إن وجد في الملك طـلـقـت وإلا لا، فـحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بـعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها. (در مـختار مع الشامي، كراچی ٣/٣٥٥، زكريا ٤/٦٠٩، مجمع الأنهر قديم ١/٤٢١، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٢)

(۳) کوئی نکاح بغیر گواہوں کےتنہا میاں بیوی کےایجاب وقبول کرلینے سے منعقدنہیں ہوگا،انعقادنکاح کے لیےدوعاقل بالغ مرد یاایک مرداوردوعورتوں کا گواہوں میں ہوناضروری ہے۔(عزیز الفتاویٰ ۱/۴۱۱)

ولا يـنعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين رجـلـيـن أو رجـل و امرأتين عدولا كانا أو غير عدول. (هـدايـه، اشرفي ديوبند ٢/٣٠٦، شامي زكريا ٤/٨٧، كراچی ٣/٢١،٢٢،) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۳؍جمادی الثانی۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ۵۸۱۸)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲ باب الفسخ و التفریق

دارالقضاء میں کون سے مسئلے حل کیے جائیں؟

سوال [۷۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرحوم نورالدین وجیہ الدین مانڈلیکر کا انتقال ۱۹۹۳ء کو ہوا، ان کے انتقال کے وقت ان کی بیوی آرام بی، دو بیٹے (۱) ظہیر (۲) نظام الدین اور تین بیٹیاں عابدہ، سودہ اور شہناز حیات تھیں، بعد میں مرحومہ آرام بی کا انتقال ۲۰۰۰ء کو ہوا، بقیہ تمام حیات ہیں، مرحوم نورالدین کی مکمل ذاتی مملوکہ جائیداد (مکان، کھیت، زمین اور باغات) بڑے بیٹے ظہیر کے قبضے میں ہے، وہی اس کی دیکھ بھال اور اصلاحات کررہے ہیں، اور فوائد وثمرات بھی حاصل کررہے ہیں، جملہ جائیدادِ مذکور کے سرکاری دستاویزات بھی بڑے بیٹے ظہیر کے نام پر ہیں۔

بڑے بیٹے ظہیر کے بقول: چونکہ والدین کی دیکھ بھال میں نے کی ہے، اس لیے والدین نے اپنی خوشی سے جائیداد میرے نام سرکاری وردی نامہ کے ذریعہ کی، والدین نے میرے لیے ہدیہ، ہبہ، عطیہ، بخشش اور مالک بنانے جیسے الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں، البتہ یہ پروپرٹی سب تیری، ایسے الفاظ کہے، جن غیر مسلم سرکاری افسران کے سامنے یہ کاغذات بنے ہیں، ان کے علاوہ کوئی گواہ بھی نہیں۔

بڑے بیٹے ظہیر نے مذکورہ وردی نامہ (جائیداد کے ناموں کی تبدیلی کے کاغذات) کی سرکاری مصدقہ نقول مراٹھی زبان میں ۱۹۹۱ء کی تحریر شدہ داخل کیں، جس میں والدین نے مذکورہ جائیداد میں بڑے بیٹے ظہیر کے لیے ہدیہ، ہبہ، عطیہ، بخشش اور مالک بنانے جیسے الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں، بلکہ سرکاری افسران سے والدین نے مذکورہ جائیداد بڑے بیٹے

ظہیر کے نام پر کرنے کی درخواست کی ہے، مذکورہ وردی نامہ سے فریق ثانی کے وکیل بقول: مرحوم والدین کے دیگر ورثہ بالکل لاعلم ہیں، ان کے بقول: ہوسکتا ہے کہ ظہیر بڑے ہونے کی وجہ سے جائیداد پر صرف کارروائی کے طور پر ان کا نام لگا ہو، اس سے مالک بنانا ثابت نہیں ہوتا، اگر ایسا کچھ ہوتا تو دیگر اولاد کو بھی بتاتے۔

ان جملہ احوال کی روشنی میں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) مذکورہ وردی نامہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (۲) مذکورہ جائیداد بڑے بیٹے ظہیر کی ہی ملکیت ہے یا مرحوم والدین کے دیگر ورثہ بھی اس میں حصہ دار ہیں؟ (۳) اگر تمام کے حصے ہیں تو تقسیم کس طرح ہوگی؟ اب تک مذکورہ جائیداد میں جو بھی تصرفات ہوئے ہیں ان سے متعلق گذشتہ وآئندہ کالائحہ عمل کیا طے ہو؟ مذکورہ حل طلب مسائل اور اس کے علاوہ بھی آپ اس قضیہ میں جن امور کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں ان کا واضح وصاف حل اسلامی عائلی قوانین کے تحت جلد مطلوب ہے، امید ہے کہ تعاون فرما کر شکریہ کا موقع نصیب فرمائیں گے۔

المستفتی: قاضی دار القضا کوکن، جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ معاملہ میں دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں: (۱) بڑے بیٹے کے نام باپ نے کسی مصلحت کی بنا پر جائیداد کردی تھی تو ایسی صورت میں شرعاً یہ بیع تلجیہ کے مشابہ ہے اور بیع تلجیہ میں جس کے نام سے کچھ کیا جاتا ہے وہ مالک نہیں ہوتا ہے بلکہ درحقیقت اس کا مالک باپ ہی ہوتا ہے تو ایسی صورت میں ان ساری جائیداد میں دیگر تمام شرعی ورثاء اپنے اپنے شرعی حصے کے حقدار ہوں گے، اور ظہیر کے اوپر لازم ہوگا کہ ہر حقدار کو اس کا شرعی حق سپرد کردے۔

بیع التجلیة هی ما ألجئ إلیه الإنسان بغیر اختیاره و ذٰلک أن یخاف الرجل السلطان فیقول لآخر أنی أظهر أنی بعت داری منک ولیس ببیع فی الحقیقة و إنما هی تلجیة و یشهد علی ذٰلک. (شامی، کتاب البیوع، باب الصرف، مطلب فی بیع التلجیة کراچی ۲۷۳/۵، زکریا ۵٤۲/۷)

بيـع التلجية: البيع الصوری أن يضطر لإظهار عقد و إبطال غيره مع إرادة ذٰلک الباطل كأن يظهر بيع داره لابنه لئلا يستولى عليها السلطان. (معجم لغة الفقهاء، كراچی ص: ۱۱۳)

تفسير التلجية: أن يتواضعا أن يظهرا البيع عند الناس لكن لا يكون قصدهما من ذٰلک البيع حقيقة. (حموی علی الأشباه، القاعدة الثانية عشر لا ينسب الى ساكت قول، قديم ص: ۲۲٤)

(۲) دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ظہیر کی طرف سے جائیداد اس کے نام کر کے مالک بنانے کا دعویٰ ہے جس کے بارے میں دیگر کسی شرعی وارث کو معلوم نہیں ہے، اور ظہیر یہ کہتا ہے کہ سرکاری افسروں کے درمیان کاغذات بنوائے گئے اور وہاں پر کوئی جائیداد نام کرنے کے لیے باضابطہ طور پر جو گواہان ہوتے ہیں وہ بھی نہیں تھے، تو ایسی صورت میں ظہیر کی طرف سے جائیداد کے مالک ہونے کا محض دعویٰ رہ گیا اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے شرعی گواہ پیش کرنا اس پر لازم ہوگا اور اگر شرعی گواہوں سے یہ بات ثابت نہ کر سکے تو شرعاً ظہیر کا دعویٰ مسترد ہوگا اور جائیداد تمام شرعی ورثاء کے درمیان ان کے حقوق کے مطابق تقسیم ہو جائے گی، اس لیے کہ تمام جائیداد اور ملکیت بحالت سابق باپ ہی کی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: في خطبته البينة على المدعى و اليمين على المدعىٰ عليه. (ترمذی، أبواب الأحكام، باب ما جاء فی أن البينة علی المدعی و اليمين علی المدعیٰ عليه، النسخة الهندية ۱/۲٤۹، دار السلام رقم: ۱۳٤۱)

والمدعی من لا يستحق إلا بحجة ...... وهی البينة. (فتح القدير، كتاب الدعویٰ، دار الفكر بيروت ۸/۱۵٤، كوئٹه ۷/۱٤٤، زكريا ديوبند ۸/۱٦۰، هدايه اشرفی ديوبند ۳/۲۰۱، البحر الرائق كوئٹه ۷/۱۹۳، زكريا ديوبند ۷/۳۲۹)

ولا تثبت اليد فی العقار بتصادقهما بل ببينة أو علم القاضی. (البحر الرائق كوئٹه ۷/۲۰۰، زكريا ديوبند ۷/۳٤۲، شامی زكريا ۸/۲۹۳، كراچی ۵/٥٤۷)

ہمارے یہاں بھی محکمہ شرعیہ (دار القضاء شرعیہ) قائم ہے اور اس میں صرف مسلمانوں کے پرسنل لاء سے متعلق نزاعی اور عائلی مسائل حل کیے جاتے ہیں، مالی حقوق سے متعلق کوئی مسئلہ حل نہیں کیا جاتا، اس لیے کہ ہمارے پاس قوت عسکری موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے فریقین میں سے جن کے خلاف پڑ جائے وہ عدالت میں مجازاً الٹا کیس دائر کر دیتے ہیں، اسی لیے آپ سے بھی گذارش ہے کہ جائیداد اور مالی حقوق سے متعلق کوئی معاملہ نہ لیا جائے بلکہ نکاح، طلاق وغیرہ پرسنل لاء سے متعلق مسائل حل کیا کریں، یہ ہماری اپنی رائے ہے باقی اپنے یہاں کے معاملات میں آپ کو اختیار ہے اور وہاں کے معاملات آپ لوگ ہی زیادہ سمجھتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ رجمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۲۹ھ

محکمہ شرعیہ کا فیصلہ غلط ثابت ہونے پر کیا کریں؟

سوال [۷۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امارت شرعیہ کے ماتحت کسی صوبہ کے محکمہ شرعیہ نے اگر تفاق سے غلط فیصلہ کیا اور کسی نکاح کو فسخ کر دیا جو کہ شرعاً فسخ نہیں ہوسکتا تھا تو ایسی حالت میں اس فیصلہ کی حیثیت کیا ہوگی؟ اور فسخ شدہ نکاح کا کیا حکم ہوگا اور اس طریقہ سے جس عورت کا نکاح فسخ کیا گیا کیا اس فیصلہ کی بنا پر دوسری جگہ نکاح کر سکے گی؟ اور اگر نکاح کرتی ہے، تو کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: قاضی شریف الاسلام رکن محکمہ شرعیہ ۲۴/ پرگنہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں مذکورہ فیصلہ کالعدم سمجھا جائے گا اور اراکین محکمہ کو اپنے فیصلہ سے رجوع کر لینا اور عورت کو شوہر اول کے حوالہ کر دینا ضروری ہے، نیز اس فیصلہ سے دوسری جگہ نکاح بھی درست نہیں ہوگا، اور اگر نکاح کر لیا ہے تو اس کو ختم

کرکے شوہراول کے پاس آجانا چاہیے۔

وهل يصح رجوع القاضی عنه؟ ففی الخلاصة والبزازية للقاضی: أن يرجع عن قضائه إن كان خطأ رجع و رده (إلی قوله) فی الطلاق والعتاق ترد المرأة إلی الزوج والرقيق إلی المولی الخ . (البحرالرائق، کتاب القضاء کوئٹه ۶/۲۵۸، زکریا دیوبند ۶/۴۳۴،فتاویٰ بزازیه زکریا ۲/۸۰، وعلی هامش الهندیة زکریا ۵/۱۵۹)

فإن أخطأ فی حقوق العباد إن أمكن التدارك والرد بأن قضی بمال أو صدقة أو بطلاق أو عتاق ثم ظهر خطؤه بأن ظهر أن الشهود عبيد أو كفار أو محدودون فی القذف فإنه يبطل ذلك القضاء ويرد العبد رقيقا و يرد المرأة إلی زوجها . (فتاویٰ عالمگیری، زکریا قدیم ۳/۳۴۱، جدید ۳/۳۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۹۲)

فسخ نکاح میں کون سی طلاق دی جائے؟

سوال [۷۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محکمہ شرعیہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں ایک مقدمہ دائر تھا، کہ جس کی کارروائی کرنے اور مدعا علیہ کے نوٹس وصول نہ کرنے کی وجہ سے مدعا علیہ کو متعنت قرار دے کر فسخ نکاح اور وقوع طلاق بائن کا فیصلہ کر دیا گیا، فیصلہ ہو جانے کے بعد مدعیہ کے گھر والوں اور گاؤں کے دوسرے احباب نے یہ بات کہنی شروع کر دی کہ فیصلہ واقعہ کے مطابق نہیں ہوا، مدعیہ نے جو حالات پیش کیے ہیں وہ حالات خلاف واقعہ ہیں، مدعا علیہ مدعیہ کو بہت چاہتا ہے، نان ونفقہ بھی دیتا ہے، اور اب بھی رکھنے کے لیے تیار ہے، چھوڑنے پر کسی قیمت پر تیار نہیں، اس واقعہ کو لے کر پورے علاقے میں کافی انتشار ہے۔

مدعا علیہ کے متعلقین دفتر محکمہ شرعیہ میں حاضر ہوئے اور ان کا اصرار رہا کہ اس فیصلہ

پر نظر ثانی کرلیں، اور کوئی شکل نکال دیں، تاکہ انتشار ختم ہو جائے، اسی موقع پر یہ بات کہی گئی کہ مدعا علیہ جواب دعویٰ داخل کردے پھر اس کی روشنی میں لڑکی سے اور اس کے گھر والوں سے بات چیت کرکے معاملہ کو حل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدعا علیہ جب جواب دعویٰ داخل کردے گا اور مصالحت کی اور لڑکی کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے گی اگر لڑکی راضی ہوگئی تو:

(۱) کیا دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہوگا؟ عدت کے اندر یا عدت کے بعد؟

(۲) اور اگر اب بھی دوبارہ کارروائی کے بعد لڑکی اور لڑکی کے ورثاء کسی قیمت پر لڑکی کو رخصت کرنے کے لیے تیار نہ ہوں تو کیا اسی سابق فیصلہ کا اعتبار کرکے معاملہ کو ختم کردیا جائے گا یا فتنہ اور انتشار کو ختم کرنے کے لیے خلع یا طلاق کی بات لائی جائے کہ مدعا علیہ خلع کرلے یا طلاق دیدے۔

(۳) اور اگر اس موقع پر بھی مدعا علیہ کسی قیمت پر خلع کرنے یا طلاق دینے کے لیے راضی نہ ہو بلکہ لے جانے پر مصر ہو اور لڑکی کسی قیمت پر رخصت ہونے کے لیے تیار نہ ہو، تو کیا ازسرنو کارروائی کرکے فسخ نکاح اور وقوع طلاق کا فیصلہ کیا جائے یا سابق فیصلہ ہی کافی ہے۔

(۴) اور فسخ نکاح کی شکل میں کون سی طلاق واقع کی جاتی ہے طلاق بائن یا طلاق رجعی؟

(۵) مدعا علیہ کے بار بار نوٹس واپس کرنے کی وجہ سے جو متعنت قرار دیا جاتا ہے اس کے لیے اصل ماخذ کیا ہے؟

فیصلہ کی کاپی منسلک ہے امید کہ جواب تحریر فرما کر انتشار کو ختم کرنے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے۔

المستفتی: نعمت اللہ عفی عنہ، مدرسہ فرقانیہ گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ اور فیصلہ نامہ دونوں پر غور کیا گیا جو حالات محکمہ شرعیہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ نے پیش کیے ہیں ان حالات کے پیش نظر میاں بیوی

کے درمیان محکمہ شرعیہ نے جوطلاق کا فیصلہ کیا ہے وہ حق بجانب ہے اور ایسی صورت میں محکمہ کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوتا ہے بلکہ طلاق دینے کا اختیار ہوتا ہے، اور طلاق بھی طلاق رجعی دینا زیادہ بہتر ہے، طلاق بائن دینے کی بھی گنجائش ہے،لیکن طلاق بائن دینے کے بعد اگر معاند غائب تعنت سے باز آکر بیوی کو حقوق زوجیت ادا کر کے رکھنے کا وعدہ کرتا ہے تو ایسی صورت میں طلاق بائن کے باوجود بیوی رکھنے کا اسے حق حاصل ہو جائے گا، اور جو طلاق بائن دی گئی ہے وہ طلاق رجعی کے درجہ میں سمجھی جائے گی، اور بیوی اسے مل جائے گی ہاں البتہ احتیاطاً دوبارہ نکاح کر لینا چاہیے تاکہ شبہ باقی نہ رہے، اور اس نکاح میں بیوی کو حکم رجعت کی طرح کوئی اختیار نہ ہوگا، سارا اختیار شوہر کو دیا جائے گا، اس لیے کہ یہ معاند غائب ہے، اور معاند غائب کی بیوی پر طلاق بائن واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ رجعی واقع ہوتی ہے اور متعنت حاضر کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ معاملہ میں فیصلہ کے بعد شوہر آکر جب حقوق زوجیت ظلم وستم سے باز رہ کر ادا کرنے کا وعدہ کر رہا ہے تو بیوی اسے مل جانی چاہیے، لہٰذا محکمہ شرعیہ بیوی کو حکم کرے کہ محکمہ شرعیہ کے زیر نگیں رہ کر شوہر کے پاس چلی جائے، اور شوہر سے ایک کابین نامہ اس سلسلے میں لکھوالیا جائے، کہ آئندہ ظلم وزیادتی کی صورت میں محکمہ شرعیہ کو طلاق دینے کا حق حاصل ہو جائے گا، نیز سوالنامہ میں نوٹس واپس کرنے کی صورت میں تعنت کی بات جو کہی گئی ہے وہ بھی اس عبارت سے یوں ثابت ہوتی ہے کہ یہ شخص متعنت غائب ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیے:

فإن قيل إن المتعنت إذا رجع عن التعنت بعد العدة فالمرأة لا ترجع إليه بحال كما هو مذكور فى هذا المقام والغائب المطلق عليه إذا قدم بعد العدة وأثبت خلاف ما ادعته فالمرأة له وإن عاند بعد ما أرسل إليه الحاكم كما سيأتى فما الفرق بين تعنت الحاضر وعناد الغائب حيث لاحق بعد العدة للمتعنت بحال بخلاف الغائب المعاند، يجاب بأن تعنت الحاضر يثبت فى مجلس القاضى فتكون له قوة كما يفهم من المختصر مع شرحه حيث قال (فإن لم يجب) المدعى عليه بإقرار ولا إنكار (حبس و أدب)

بالضرب (ثم) إن استمر علی عدم الجواب (حکم) علیه بالحق لأنه فی قوة الإقرار بالحق (۲/۲۹۳) **بخلاف عناد الغائب فافهم.** (الحیلة الناجزة، قدیم ص: ۶۲، جدید ص: ۱۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۰۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۲۱ھ

جج کے ذریعہ علیٰحدگی کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۷۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی کی شادی ۳/ مارچ ۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی، شادی میں ہی کچھ حالات بگڑ گئے دوبارہ میں نے لڑکی کو رخصت نہیں کیا، لڑکے نے جب ایک ماہ بعد دوسری شادی کرلی تب ہم نے مقدمہ عدالت میں طلاق کے لیے دائر کیا تھا، مقدمہ چلتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۹۸ء میں جج نے ہم سے یہ کہا کہ طلاق اس شرط پر ہوگی کہ آپ آج سے گذارہ پانے کے حقدار نہیں ہیں، ہم نے کہا کہ ہم کو منظور ہے، لڑکے نے اوران کے والد نے کہا کہ ہم کو اس شرط کے ساتھ یہ منظور ہے، کہ اس فیصلہ کے بعد ہم نے لڑکی کا دوسرا عقد ۲۰۰۳ء میں کردیا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعاً اس طلاق کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح کرنا کیسا ہے اور اس نکاح کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد داؤد ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں مذکورہ شرط کے ساتھ لڑکے کی طرف سے طلاق کا جملہ واضح طور پر ثابت نہیں ہے، بلکہ طلاق کا جملہ جج کی طرف سے ذکر کیا گیا ہے، لیکن مذکورہ شرط کے ساتھ جج کے سامنے دونوں فریق علیٰحدگی پر راضی ہیں تو اگر طلاق کا جملہ لڑکے نے صراحت کے ساتھ نہیں کہا ہے تو یہ خلع کی شکل ہوگئی، اور اگر زبان سے طلاق کا لفظ بھی کہا ہے تو طلاق کی شکل ہوئی ان دونوں صورتوں میں عدت گذارنے کے بعد

دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً جائز اور درست ہے اور سوالنامہ سے واضح ہو رہا ہے کہ اس واقعہ کے کئی سال کے بعد دوسری جگہ نکاح ہوا ہے، لہٰذا اس درمیان میں خود بخود عدت پوری ہوگئی ہے اس لیے دوسری جگہ نکاح درست ہوگیا، لیکن یہ بات یاد رکھئے کہ اگر لڑکے کی طرف سے رضامندی نہیں تھی اور جج کی طرف سے دباؤ ڈال کر طلاق دی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور یہاں ایسا معلوم نہیں ہو رہا ہے۔

ویسقط الخلع فی نکاح صحیح والمبارأة أی الإبراء من الجانبین کل حق لکل منهما علی الآخر مما یتعلق بذٰلک النکاح (در مختار)، وفی الشامیة: قوله کل حق شمل المهر و النفقة. (شامی، کتاب الطلاق، باب الخلع، کراچی ۳/۴۵۲، زکریا ۵/۱۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۲۲ھ

تمام شرائط کی خلاف ورزی سے قبل کمیٹی کی طلاق کا حکم

سوال [۷۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: انجمن اسلامیہ چلی پاٹن میں ایک تحریری پنچایت نامہ مؤرخہ ۱۲؍ مئی ۱۹۹۶ء کو فریقین بنام غازی چوہان ولد لالی چوہان فریق اول وغلام نبی ولد غازی دھکڑ، فریق دوم نے پیش کر کے حلفاً تصدیق کیا کہ اقرار معاہدہ والی شرائط پر ہر دو فریق پابند رہیں گے، جو پابند نہ رہے گا قصوروار ہونے کے لیے صدر انجمن اسلامیہ کی تحقیقات وفیصلہ پر پابند رہیں گے، کوئی عذر نہ ہوگا جو کہ مندرجہ ذیل ہے، ہر دو فریق کی جانب سے تحریری درخواستیں صدر انجمن اسلامیہ کو برائے تحقیقات وفیصلہ دی گئی ہیں، بیانات فریقین وگواہ لیے گئے نقل مکمل کی ہے، فریق اول غازی چوہان کی جانب سے کوئی شرط نہ ٹوٹی، فریق دوم غلام نبی داماد نے شرط اول کی خلاف ورزی کی ہے اور شرط دوم کی نسبت کوئی ثبوت نہیں پایا گیا جس کا غلام نبی پابند رہا

ہے، شرط سوم کی خلاف ورزی کر کے مسمیٰ غلام نبی مذکور نافرمان ثابت ہو چکا ہے شرائط نامہ درج ذیل ہے:

فریق اول: غازی ولد لالی گوجر چوہان پنچایت نامہ کے ضمن میں ا/ میں تحریر کر کے تصدیق ہوا ہے کہ غازی چوہان (ا) اپنے خانہ داماد مسمیٰ غلام نبی ولد غازی دھکڑ کو مقررہ مدت چھ سال کے دوران خانہ داماد کی مار پیٹ نہ کرے گا (اا) خانہ داماد کے اہل وعیال کے خورد و نوش واخراجات مطلوبہ سے گریز نہ کرے گا (ااا) خانہ داماد مذکور گھر سے ہیرا پھیری کر کے نہ بھگائے گا، اگر غازی چوہان شرائط بالا کی خلاف ورزی جس وقت بھی کرے گا تو جتنا عرصہ داماد مذکور نے لگایا ہوا اسی اجرت کے مطابق تحقیقات وفیصلہ صدر انجمن اسلامیہ بہ یکمشت و بیک وقت ادا کرنے کا پابند ہوا، اوراسی وقت داماد مذکور کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ اپنی بیوی بچوں کو اپنے گھر لے جائے بقایا وقت بطور خانہ داماد رہنے کے لیے غلام نبی مذکور پابند نہ ہوگا، پورے چھ سال مسلسل خانہ داماد ہو کر فارغ ہوا تو معاوضہ مناسب دے گا۔

فریق دوم: غلام نبی ولد غازی دھکڑ پنچایت نامہ کے ضمن ۲/ میں تحریر کر کے تصدیق ہوا کہ غلام نبی:

(ا) عرصہ چھ سال بطور خانہ داماد کار خانگی ایمانداری ودیانت داری سے انجام دینے کا پابند رہے گا۔

(۲) غازی چوہان سسر کے گھر سے مال اسباب کی چوری نہ کرے گا۔

(۳) پورے چھ سال مطابق معاہدہ کے بطور خانہ داماد رہے گا، صرف مسمیٰ غلام نبی اپنے والدین کی خیر خبر وتیمار داری شادی وغمی میں شریک ہونے کے لیے واگذار ہے باقی اپنے سسر کی فرماں برداری سے ہی لوگوں کے آنے جانے کا پابند ہوا، اگر غلام نبی مذکورہ شرائط بالا کی خلاف ورزی کرے گا تو اپنی زوجہ مسماۃ مہر بی بی کا بیعہ طلاق بالترتیب ہر سہ طلاق تحریر ہٰذا معہ تحقیقات وفیصلہ صدر انجمن تصور کیا جائے جس کا غلام نبی مذکور پابند ہوا، کوئی عذر نہ ہوگا۔

تحقیقات میں غلام نبی فریق دوم عرصہ سات ماہ میں دوبار شرط (ا) وشرط (۲) کی

خلاف ورزی ثابت ہے اور سات ماہ کے بعد اپنے سسر کے گھر سے بلا اجازت دوسری ریاست میں چلا گیا جس سے شرط (ا) کی خلاف ورزی ہوئی اور بعد ۳ ۱/۲ ماہ کے واپس غازی چوہان کے گھر آیا تھا، مگر غازی چوہان نے خلاف ورزی معاہدہ ہار نے اسے اپنے گھر داماد نہ رہنے دیا کہ شرعی معاملہ ہے صدر انجمن اسلامیہ سے فیصلہ تحقیقات پر عمل ہوگا، دوبارہ بیانات و شکایات روبرو مجلس ہوئے اور دونوں فریق نے تسلیم کیے اور تصدیق دی۔

غازی چوہان ولد لالی چوہان غلام نبی ولد غازی دھکڑ

تو کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مذکورہ بالا تصدیق وتحریر کے بارے میں تاکہ تحت شریعت حلال وحرام میں تمیز کی جاسکے۔

المستفتی: عمردین ضلع ڈوڈہ جموں کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرائط نامہ میں یہ تحریر نہیں ہے کہ تینوں شرطوں میں سے کسی ایک کی خلاف ورزی سے طلاق کا فیصلہ ہوگا بلکہ لفظ شرائط بالا لکھا ہوا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ تینوں شرطوں کی خلاف ورزی کی صورت میں صدر انجمن اسلامیہ کی طرف سے تین طلاق کا فیصلہ ہوگا، اور اس نے دو شرطوں کی تو خلاف ورزی کی ہے مگر ابھی ایک شرط باقی ہے، نیز طلاق کو صدر انجمن کے فیصلہ پر موقوف رکھا ہے اس لیے ابھی تینوں شرطوں کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

تنحل اليمين بعد وجود الشرط. (در مختار، كتاب الطلاق، باب اليمين، كراچی ۳/۳۵۵، زكريا ۴/۶۰۹)

فإن وجد الشرط فيه انحلت اليمين ووقع الطلاق. (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۶۲-۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۶۵۹/۳۳)

زوجِ متعنت کی زوجہ کے سلسلے میں ادارہ شرعیہ پٹنہ کے فیصلے پر نظرِ ثانی

سوال [۷۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدعیہ: کلثوم بنت شفیع محمد رنگریز محلّہ روئی کٹلہ شہر پالی (راجستھان)

مدعا علیہ: محمد حنیف ولد عبد الغفور محلّہ چھیپا کالونی بیرون ناگوری گیٹ جودھپور (راجستھان)

مدعیہ مذکورہ نے ایک استغاثہ بسلسلہ فسخ نکاح بخلاف مدعا علیہ مذکور مؤرخہ ۲۸/۹/۷۴ کو دار القضاء ادارہ شرعیہ کیتھون کوٹہ راجستھان میں پیش کیا جس میں مدعیہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میری شادی مؤرخہ ۴/اکتوبر ۱۹۶۸ء میں مدعا علیہ مذکور سے بالعوض دین مہر ڈھائی ہزار روپئے پر ہوئی، شادی کے بعد جب میں رخصت ہوکر سسرال گئی تو میرے شوہر نے دین مہر معاف کرنے کو مجھے کہا، میں نے مہر معاف کرنے سے انکار کردیا تو مدعی علیہ نے مجھ پر سختی شروع کردی، یہاں تک کہ میرے نان ونفقہ میں بھی کمی کردی گئی مگر میں ہر طرح کی مصیبتوں کو برداشت کرتی رہی، جب مدعی علیہ مقصد میں ناکامیاب رہا تو مجھے شدید زدوکوب کرکے مکان سے نکال دیا، میں مجبوراً پڑوس میں جاکر ٹھہری اور والد کو اطلاع دی وہ مجھے میکہ لے آئے، اس وقت سے اب تک میں والدین پر ناقابل برداشت بوجھ بنی ہوئی ہوں، اس چار سال کے عرصہ میں مدعی علیہ نے نہ مجھے نان ونفقہ دیا اور نہ حقوق زوجیت ادا کیا، نہ میری کوئی خبر لی اس کی وجہ یہ بھی ہوئی کہ اس نے مجھ سے پہلے ایک بیوی کو طلاق دے کر چھوڑ دیا تھا، بعد ازاں مجھ سے شادی کی تھی اب پھر اس نے اسی مطلقہ بیوی کو رکھ لیا، میری عمر ۲۳/سال کی ہے، میں فسخ نکاح چاہتی ہوں۔

دار القضاء ادارہ شرعیہ کیتھون کے قاضی صاحب کی تحقیقاتی رپورٹ سے یہ پتہ چلا کہ اس کے بعد مدعی کے والدین نے اس بات کی بلیغ کوشش کی کہ مدعی علیہ کسی طرح مدعیہ کو اپنے حسن سلوک کے ساتھ رکھے، اور اگر نہیں رکھنا چاہتا ہے تو اسے طلاق دیدے، چنانچہ اس سلسلے میں پالی کے چند معزز حضرات مدعی علیہ کے پاس گئے اور جودھپور کے چند معتمد حضرات کے سامنے تفصیلی واقعہ بیان کرکے فیصلہ کا مطالبہ کیا، بالآخر پنچایت کے تمام لوگوں نے مدعی

علیہ سے کہا کہ جب تم مدعیہ کونہیں رکھنا چاہتے ہوتو طلاق دے کراسے آزاد کردو،لیکن مدعی علیہ نے پنچوں کے حکم کی کوئی پرواہ نہ کیے بغیر یہ جواب دیا کہ ہم طلاق نہیں دیں گے، چنانچہ پنچوں نے شرعی طور پرمدعی علیہ کا بائیکاٹ کردیا، اس لیے کہ اس نے خلاف شرع مطلقہ بیوی کو رکھ لیا اور مدعیہ کورکھنے یا طلاق دینے سے انکار کردیا، جس سے شرعاً اسے مجرم وخطا وارقرار دیا، اوراس طرح اس نے عمداً قانون شرعیہ کی خلاف ورزی کی، بعد ازاں خود جناب قاضی شریعت ادارہ شرعیہ کیتھون نے معتمد حضرات کے سامنے مدعیہ اوراس کے شاہدین کی شہادت سماعت فرما کر اس کی مکمل رپورٹ دارالقضاء ادارہ شریعت ''بہار، پٹنہ'' میں ارسال فرمایا اور اس کی صداقت پرمہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔

شہادت کے سلسلے میں گواہ (۱) محمد علی والد احمد علی، محلّہ مومنان پالی نے مدعیہ کے بیان کی حرف بحرف تصدیق فرماتے ہوئے فسخ نکاح کی سفارش کی ہے اور کہا کہ عزت وعصمت کی حفاظت کے خیال سے فسخ نکاح ضروری ہے، اور جو لوگ فیصلہ کے لیے مدعی علیہ کے پاس گئے تھے ان کے نام بھی پیش کئے گئے جس میں (۱) برکت والد اسر بخش رنگریز ساکن پالی (۲) علاءالدین والد اصغرعلی پالی (۳) گبرو والد کریم بخش جی پالی وغیرہ ہیں۔

گواہ (۲): اصغرعلی والد انورعلی ساکن محلّہ چوڑی بازار پالی جن کی عمر ۵۴ رسال کی ہے، اس نے بھی مدعیہ کے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں کی جمعیت نے بھی اسلامی طور طریقہ سے مدعی علیہ کا حقہ پانی بند کردیا ہے، اس لیے کہ اس نے مدعیہ کو طلاق نہیں دی اوراس کا نان ونفقہ بند کردیا ہے، اس لیے فسخ نکاح ضروی ہے۔

گواہ (۳): برکت علی والد امیر بخش ساکن پالی عمر ۶۵ رسال نے بیان دیا کہ ہم لوگوں نے مدعی علیہ سے کہا کہ جب تم نے ناجائز طور پر مطلقہ بیوی کو رکھ لیا ہے اور مدعیہ کا نفقہ بند کردیا ہے تو تم اسے طلاق دیدو، پنچوں نے اخوت ومحبت سے سمجھایا، لیکن جب وہ راضی نہ ہوا تو مجبوراً پنچایت نے اس کا بائیکاٹ کردیا اور کہا کہ ہم لوگوں کے اختیار میں کچھ نہیں ہے، شرعی طور پر جو صورت ہو اس کے مطابق لڑکی کو آزاد کردیا جائے۔

غرضیکہ اصلاح حال اور اتفاق بین الزوجین کی جو بھی ممکن صورت تھی وہ عمل میں لائی گئی اور شرعی ضابطہ کے مطابق:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا. [النساء: ۳۵]﴾

کا طریقہ بھی استعمال کیا گیا، لیکن مدعی علیہ اپنی ہٹ دھرمی پر بدستور قائم رہا ہے، اور حکمین کے حکم ومشورہ کو نظر انداز کرتے ہوئے شرعی قانون کو بھی قابل اطمینان نہ سمجھا اور نصوص قطعیہ کی خلاف ورزی کی:

﴿قال تعالیٰ: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ. [البقرة: ۲۳۱]﴾

مذکورۃ الصدر بیانات اور حضرت قاضی شریعت دار القضا، ادارہ شریعت کیتھون کوٹہ کی تحقیقات وتصدیقات اور معزز پنچوں کے فیصلے اور سفارشات سے مدعیہ کا اپنے دعوے میں حق بجانب ہونا ہر طرح ثابت وظاہر ہے، اور مذکورہ حالت کے پیش نظر اسے مطالبۂ طلاق کا حق حاصل ہے، اور مدعی علیہ نص صریح کی خلاف ورزی اور حکمین کے فیصلہ سے اعراض وانکار کرنے کی بنا پر مجرم وخطاوار لائق تعزیر ہے، لہٰذا ایسی صورت میں مسلک امام شافعیؒ اور امام مالک کے مطابق فسخ نکاح جائز اور درست ہے، اور ضرورت داعیہ کے پیش نظر متأخرین علماء احناف نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، لہٰذا جب تحقیقات سے مدعیہ کا دعویٰ ہر طرح سے صحیح اور درست اور مدعی علیہ کا جرم اظہر من الشمس ہو گیا تو ائمہ کرام وفقہاء عظام کی تصریحات کے پیش نظر ضرورۃً ومصلحتاً آج مؤرخہ ۱۸/ اپریل ۱۹۷۵ء/ مطابق ۵/ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ کو مدعیہ کلثوم بنت شفیع محمد رنگریز کا عقد نکاح مدعی علیہ محمد حنیف ولد عبد الغفور ساکن چھپا کالونی ناگوری گیٹ جودھپور سے فسخ کیا گیا اب فریقین میں سے کسی ایک کا حق دوسرے پر باقی نہ رہا اور بعد انقضاء عدت طلاق مدعیہ مذکورہ نکاح ثانی کرنے کی مجاز وماذون قرار دی گئی۔

وهو الهادي إلى طريق الحق والصواب وعنده أم الكتاب وإليه المرجع والمآب.

وانا عبدہ الأثیم محمد (مبہم دستخط) غفرلہ الرحیم رضوی خادم دار القضاء ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار

مکرمی ومحترمی جناب مفتی صاحب ....دارالعلوم شاہی مرادآباد
برائے مہربانی درج بالافتویٰ پر نظرثانی فرمالیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ کی مذکورہ تحریرات کے مطابق مدعٰی علیہ محمد حنیف ولد عبدالغفور ساکن چھیپا کالونی ناگوری گیٹ جودھپور شرعاً متعنت ہے، مذکورہ حالت میں شرعی پنچایت کو طلاق وخلع پر عدم رضا کی صورت میں شرعی تفریق کا حق ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ ۶۱)

اور ادارہ شرعیہ بہار پٹنہ کی مذکورہ تحریر فتویٰ نہیں ہے بلکہ فیصلہ نامہ ہے اور فیصلہ نامہ میں جماعت مسلمین کے کم ازکم تین افراد کا ہونا شرط ہے مگر اس فیصلے نامے میں صرف دو دستخط ہیں۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ ۲۲، محکمہ شرعیہ ۶/ دفعہ/ ۷، جدید امارت شرعیہ ہند ۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۸۷)

فسخ نکاح سے متعلق چند جوابات پر تبصرہ

سوال [۷۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حکم ہے شریعت مطہرہ کا دریں صورت مسئولہ کہ مسماۃ نور جہاں بنت عبد المنان اپنے زوج سے متعلق اپنی چچی زاد بہن سے ناجائز تعلق اور ارتکاب معصیت کی افواہ سن کر بہت متأثر ہوئی، نیز قرائن اور حالات سے اس کی صداقت دل میں بیٹھ گئی، جس کی وجہ سے بددل اور متنفر ہوگئی اور رخصت ہونے سے صاف انکار کردیا، اولاً زوجہ نے مختلف لوگوں سے حتی کہ ان کے اساتذہ کو درمیان میں ڈال کر مصالحت سے طلاق لینے کی کوشش کی مگر اس کے شوہر کسی طرح اس پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ شوہر کے باپ نے بعض لوگوں کے سامنے یہ بھی

کہا کہ میں اپنے لڑکے کو طلاق نہیں دینے دوں گا، اور عبد المنان کی لڑکی کی زندگی خراب کردوں گا ان حالات میں مجبور ہوکر اس نے محکمہ شرعی کی عدالت میں فسخ کا دعویٰ دائر کیا اور یہ بھی لکھا کہ میں خلع پر بھی آمادہ ہوں، مگر میں کسی قیمت پر ان کے یہاں نہ جاؤں گی، کیونکہ ان کے یہاں بے غیرتی اور بے حیائی کے غلط کردار سے مجھے سخت نفرت ہے، اور مجھے یقین ہے کہ میں حق زوجیت کو نہیں ادا کرسکوں گی، محکمہ ہٰذا نے مدعی علیہ سے جواب طلب کیا تو اس نے کہا کہ میں اپنی زوجہ کو رکھوں گا، اور اس کا مجھ سے طلاق کا مطالبہ بے بنیاد ہے اور میرے ساتھ سراسر اتہام ہے، اور مدعیہ اور اس کے گواہوں و نیز دوسرے لوگوں کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ افواہ بالکل شائع ہے بعدہٗ مدعی علیہ کو طلب کیا گیا اس نے حلفیہ بیان میں یہ کہا کہ اگر میری زوجہ ان حالات میں میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو جو قرآن وحدیث کا حکم ہوگا اس پر عمل کروں گا، اس بیان کے بعد محکمہ ہٰذا نے مفتیان کرام سے تحت الحالات استصواب کیا تو بعض مفتیان کرام نے لکھا کہ مدعیہ طلاق چاہتی ہے تو ایسی صورت میں مدعا علیہ کو خلع کے ذریعہ اسے آزاد کردینا چاہیے۔

یہ شرعی حکم مدعی علیہ کو اس کے ذریعہ بتایا گیا تو اس نے اس پر عمل کرنے سے صاف انکار کردیا، اس کے بعد پھر کسی نوٹس کا جواب نہیں دیا، محکمہ شرعیہ کے ذمہ داروں کو فائل کے جملہ کاغذات سے یہ تأثر ہوا کہ مدعیہ کسی قیمت پر اپنے زوج کے ساتھ نہیں رہے گی، اگر اس کا نکاح فسخ نہ ہوا تو عزت وناموس کی پامالی اور ارتداد کا راستہ اختیار کرسکتی ہے، اور شوہر کا یہ کہنا کہ مجھے رکھنا ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ان کے طرز عمل اور بعض لوگوں کے سامنے ان کے اقراری بیان سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو اپنے گھر ایک مرتبہ لاکر داغدار بنا کر طلاق دینا چاہتے ہیں، تاکہ اس کی شادی کہیں اور نہ ہوسکے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو کسی الزام میں متہم کرنے کی سازش ہو، یا اور کوئی اقدام کرسکیں، نیز یہ امر یقینی ہے کہ زوجیت کے حقوق ادا نہ ہوسکیں گے، معاملہ بالکل اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا﴾

کا مصداق ہے اب اگر کوئی شوہر طلاق اور خلع نہ کرے تو مندرجہ بالا حالات میں شرعاً کیا حکم ہے؟

ننگ مدنی محمد صفات الرحمٰن خادم محکمہ ہٰذا
مدرسہ مدنی دارالقرآن، مئوناتھ بھنجن، ضلع اعظم گڈھ (یوپی)

الجواب: علماء احناف کے جوابات موصول ہیں ان کی روشنی میں عمل کیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب پالنپوری، دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحمٰن

درمختار میں ہے کہ:

لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة و لا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. (در مختار ۲/ ۲۹۲)

ہدایہ میں ہے:

والإباحة للحاجة إلى الخلاص. (۲/ ۲۵۵)

درمختار میں ہے:

ويجب لو فات الإمساك بالمعروف. (در مختار ۲/ ٤٦١)

عبارت بالا کی روشنی میں صورت مسئولہ میں طلاق یا خلع کے سلسلے میں جبر واکراہ کی گنجائش نظر آتی ہے، خصوصاً درمختار کی آخری عبارت سے یہ امر زیادہ مترشح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

جمیل احمد نذیری، خادم تدریس وافتاء جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور

الجواب: اخیر کی عبارت تحت الحالات زوج نہ طلاق دیتا ہے اور نہ خلع پر راضی ہے تو بلاشبہ اس کی طرف سے ظلم وتعدی ہے، اور وہ شرعاً متعنت ہے، قاضی کو یا شرعی پنچایت کو حق ہے کہ تفریق کردے۔ فقط

محمود احمد سابق مفتی مدرسہ مدنی دارالقرآن

الجواب

اسی طرح نور جہاں بنت عبد المنان کو جب مولوی ابراہیم کوثر سے اس کی بدکرداری اور بے راہ روی سن سن کر اس قدر نفرت ہوگئی ہے کہ اس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ہے تو محکمہ شرعیہ مئو کے قضاۃ کو اس کی درخواست خلع کو منظور کر لینا چاہیے اور نور جہاں سے مولوی ابراہیم کا دیا ہوا مہر واپس دلا کر اور مولوی ابراہیم سے طلاق دلا کر دونوں میں تفریق کر دینا چاہیے اور اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی شرعیہ کو دونوں کا نکاح فسخ کر دینے کا اختیار ہے، وہ اپنے اختیار خصوصی سے دونوں کا نکاح فسخ کر سکتے ہیں۔ والسلام

ننگ مدنی محمد حبیب الرحمٰن، فیض الرحمٰن فیض ۲۸؍ جون ۱۹۸۸ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے درج شدہ حالات میں مدعی علیہ کے خلاف باتیں درجۂ امکان و اوہام کی ہیں، شہادت شرعیہ سے کسی بات کا ثبوت نہیں ہے، میاں بیوی کے درمیان تفریق نہایت نازک مسئلہ ہے، اگر اس طرح محض افواہوں وخبروں کو معتبر قرار دے کر تفریق کا جواز نکالا جائے تو اس سے ازدواجی زندگی کا سخت خطرہ ہے، اس قسم کے الزامات ہمیشہ مشاہدات میں آتے ہیں، پھر بعد میں شرعی جواز نہ ہونے کی بنا پر میاں بیوی کو شیر وشکر کی زندگی گذارتے ہوئے بہت دیکھا گیا ہے۔

مذکورہ حالت میں شوہر کی طرف سے بیوی پر اب تک کوئی ظلم وتعدی کا ثبوت شرعی طور پر متحقق نہیں ہوا ہے اس لیے شوہر کو متعنت قرار دینے میں تأمل ہے، نیز اگر بالفرض متعنت بھی قرار دیا جائے تب بھی محکمہ شرعیہ کی اول ذمہ داری شوہر کو سمجھا کر حقوق زوجیت کی ادائیگی پر آمادہ کر کے جوڑ پیدا کرنا ہے، اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو خلع یا طلاق پر اقدام صحیح ہے، ورنہ نہیں۔ (الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۶۱، جدید امارت شرعیہ ہند ۱۰۰)

محض بے راہ روی اور حقوق زوجیت کی عدم ادائیگی کا امکان دلیل شرعی نہیں ہے، اس قسم کے امکانات سے بچنے کے لیے مناسب شرائط کے ساتھ کابین نامہ تحریر کر کے شوہر کو

اس کا پابند بنایا جاسکتا ہے، ہندوستان میں جماعت مسلمین اور محکمہ شرعیہ کو جوحق دیا گیا ہے وہ بوقت ضرورت شدیدہ مالکیہ کے مذہب پر دیا گیا ہے، جس میں تمام شرائط کی پابندی ضروری ہے، نیز شہادت شرعیہ کے بغیر محکمہ شرعی کو کوئی فیصلہ کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۲۲، جدید امارت شرعیہ ہند ۵۱)

آپ کے ارسال کردہ بعض مفتیان کرام کے فتاویٰ اور دلائل پر خوب غور کیا گیا ہے ان کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق و انطباق نظر نہیں آتا ہے، نیز

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا. (البقرۃ: ۲۲۹)﴾ کا مصداق بعد تجربہ ہے، مذکورہ واقعہ اس کا مصداق نہیں بن سکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۱۲)

کیا شوہر کے بریلی ہونے کی وجہ سے عورت یا محکمہ شرعیہ کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے؟

سوال [۷۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہندہ کا نکاح اس کے والدین نے کم سنی کی حالت میں ۸۰ء میں زید کے ساتھ کردیا، بعد بلوغ کے لڑکی نے عدم رضا و ناراضگی کا اظہار کیا ادھر دیوبندی بریلوی تنازعہ ہونے کی وجہ سے اب تک رخصتی کی نوبت نہیں آسکی ہے، کشیدگی بڑھتی ہی جارہی ہے، لڑکا پکا رضاخانی ہے، طلاق وخلع کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا، لڑکا کسی بھی صورت میں چھوڑنے کو تیار نہیں ہے، ضد پر اڑا ہے، لڑکی پکی دیوبندی ہے، عقائد وایمان کے بگاڑ نیز بدعات و رسومات کے ارتکاب کے ڈر سے اس کی زوجیت میں رہنے کو قطعاً تیار نہیں ہے، ایسی صورت میں ہندہ مفتیان کرام سے اپیل کرتی ہے کہ میری خلاصی کی کوئی شکل نکال کر مجھے بد دینی کے ماحول سے بچایا جائے، عند اللہ ماجور و ماثوب ہوں گے۔

(۲) دیوبندی و بریلوی نزاعی صورتوں میں کیا فسخ نکاح کا حق موجودہ شرعی پنچایتوں کو حاصل ہوتا ہے یا نہیں، جبکہ لڑکا طلاق وخلع کے لیے کسی صورت میں راضی نہ ہو، الا یہ کہ بہت بڑی رقم پیش کی جائے جو بہت مشکل اور دشوار نیز منفی ومثبت دونوں پہلوؤں کے وجوہ اسباب فقہاء کی عبارت میں پیش کیا جائے، بحوالہ کتب۔

(۳) بریلوی حضرات دیوبندی کو سیدھا کافر کہتے ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر اور اپنے کو پکا مسلمان ثابت کرتے ہیں ایسی صورت میں ایک رضا خانی مسلمان کا نکاح ایک دیوبندی کافرہ کے ساتھ کیسے صحیح ہوسکتا ہے الا یہ کہ اسلام پیش کر کے مسلمان بنائے؟

دوسرے یہ کہ بریلوی حضرات اپنے عقائد شرکیہ واعمال بد کی وجہ سے مشرک ہیں ان کے تفصیلی حالات آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں اس سلسلے میں آپ حضرات کی تحقیق کیا ہے؟ کہ ایک بریلوی مشرک کا نکاح ایک دیوبندی مسلم خاتون کے ساتھ کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

نوٹ: مسئلہ تفصیل طلب بدقت نظر مطالعہ فرما کر بحوالہ کتب تشفی بخش جواب قلم بند کرنے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: ابوالکلام مظاہری، گوراجوکی پوسٹ جوت، ضلع گونڈا (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بریلوی رضا خانی کو کلی طور پر مشرک قرار دے کر دیوبندی سنی خاتون کے ساتھ نکاح کو فسخ قرار دینے میں احقر کو اتفاق نہیں ہے، رہا اس کے بدعتی ہونے کی بنا پر لڑکی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا یا نہیں، تو اس میں تفصیل کی ضرورت اس بنا پر ہے کہ بوقت نکاح شوہر نے کفوء دیوبندی سنی ہونا ظاہر کیا تھا یا لڑکی والوں نے کفائت کی شرط لگائی تھی یا کفائت کے گمان پر نکاح کیا، سوالنامہ میں کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا لہٰذا اگر بوقت نکاح شوہر کے بیان کی بنا پر کفوء دیوبندی سنی العقیدہ سمجھا گیا تھا یا لڑکی والوں نے کفوء کی شرط لگائی تھی لیکن بعد میں غیر کفوء بدعتی رضا خانی بریلوی ہونا ثابت ہوگیا ہے تو

لڑکی اورلڑکی والوں کومذکورہ حالت میں موجودہ محکمہ شرعیہ کےذریعہ موجودہ نکاح کوفسخ کرکے سنی العقیدہ شخص سے نکاح کرکے باعزت زندگی گذارنے کاحق حاصل ہوگا۔(مستفاد:،امداد الفتاویٰ۲/ ۲۲۷،فتاویٰ دارالعلوم۸/ ۲۳۸)

لو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فإن ظهر دونه وهو ليس بكفؤ فحق الفسخ ثابت للكل (إلى قوله) أن ثبوت حق الفسخ لها للتعزير لا لعدم الكفاءة بدليل أنه لو ظهر كفؤ يثبت لها حق الفسخ لأ نه غرها. (شامی، كتاب النكاح، باب الكفاءة، زكريا ٤/ ٢٠٨، كراچی ٣/ ٨٥ كوئٹه ٢/ ٦٤٩، هنديه زكريا قديم ١/ ٢٩٣، جديد ١/ ٣٥٩، البحر الرائق كوئٹه ٣/ ١٢٨، زكريا ٣/ ٢٢٦، فتح القدير، دار الفكر بيروت ٣/ ٢٩٥، كوئٹه ٣/ ١٨٨، زكريا ٣/ ٢٨٥)

لو تزوجته على أنه حر أو سني أو قادر ما على المهر والنفقة، فبان بخلافه أو على أنه فلان بن فلان فإذا هو لقيط أو ابن زنا لها الخيار. (شامی كراچی زكريا ٤/ ٢٠٨، كراچی ٣/ ٨٥، ٣/ ٥٠١، كوئٹه ٢/ ٦٤٩)

رجل زوج ابنته الصغيرة من رجل ذكر أنه لا يشرب المسكر فوجده شريبا مدمنا فبلغت الصغيرة وقالت لا أرضى قال الفقيه أبو جعفر: إن لم يكن أب البنت يشرب المسكر وكان غالب أهل بيته الصلاح، فالنكاح باطل لأن والد الصغيرة لم يرض بعدم الكفاءة و إنما زوجها منه على ظن أنه كفء.(قاضيخان، زكريا ١/ ٢١٤،وعلى هامش الهندية زكريا ١/ ٣٥٣، شامی كراچی ٣/ ٨٩،زكريا ديوبند ٤/ ٢١٤، البحر الرائق كوئٹه ٣/ ١٣٥ زكريا ٣/ ٢٣٨،و مستفاد: الحيلة الناجزة ٩٠)

اوراگر بوقت نکاح کفائت کی نہ شرط لگائی گئی تھی اورنہ ہی شوہر نے اپنا کفوءاور دیوبندی و سنی ہونا بیان کیا تھا، بلکہ والدین نے محض اپنے گمان سے کفوء دیوبندی سنی سمجھ کر نکاح کردیا تھا پھر ظاہر ہوا کہ غیر کفوء اور رضاخانی ہے تو اس سلسلے میں دونوں جانب روایات موجود ہیں تو ہم موجودہ حالات اور مسئلہ کی نزاکت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جانب فسخ کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے دلائل پیش کردیتے ہیں کہ سوالنامہ میں درج شدہ حالات میں لڑکی اورلڑکے والوں کو موجودہ

محکمہ شرعیہ کے ذریعہ اس رضا خانی بدعتی سے موجودہ نکاح کو فسخ کرا کر سنی العقیدہ شخص سے نکاح کر کے باعصمت زندگی گذارنے کا حق حاصل ہوگا۔ (مستفاد: حاشیۃ الحیلۃ الناجزۃ ۹۰)

وإذا زوج الصغيرة لرجل يظنه صالحا فتبين أنه فاسق و أبوها صالح فإن لها أن تفسخ العقد بعد البلوغ. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر بيروت ٤/ ٥٦)

وفرق بين علمه و عدمه (إلى قوله) **و إنما المراد أنه زوجه بناء على أنه كفؤ فإذا ليس بكفؤ فإنه باطل و لذا قال في القنية: زوج بنته الصغيرة من رجل ظنه حر الأصل و كان معتقا فهو باطل بالاتفاق.** (البحر الرائق كوئٹه ٣/ ١٣٥، زكريا ٣/ ٢٣٨)،

وفي منحة الخالق: وفيما إذا زوج الصغيرة على ذٰلك الظن فظهر خلافه فإنه باطل أي سيبطل. (منحة الخالق كوئٹه ٣/ ١٣٤، زكريا٣/ ٢٣٨)

و أما إذا كان الأب صالحا و ظن الزوج صالحا، فلا يصح، قال في البزازيه: زوج بنته من رجل ظنه مصلحا لايشرب المسكر فإذا هو مدمن فقال بعد الكبر: لا أرضى بالنكاح إن لم يكن أبوها يشرب المسكر وعرف به وغلبة أهل بيتها مصلحون فالنكاح باطل بالاتفاق. (شامي، كراچی ٣/ ٨٩، زكريا ٤/ ٢١٤، مصری ٢/ ٤٤١، البحر الرائق كوئٹه ٣/ ١٣٥، زكريا ٣/ ٢٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۵۲)

کیا شریعت میں بیوی کو معلق کر کے رکھنا جائز ہے؟

سوال [۷۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہوئی اور شادی کے بعد بیوی کے اندر کچھ کمی پائی گئی جس کی وجہ سے بیوی ناپسند ہے، اور کافی عرصہ گذر گیا، یعنی تقریباً تین سال اب زید کی بیوی کہتی ہے کہ تم مجھے آزاد کر دو

اورتم بھی آزاد ہو جاؤ، تمہاری بھی زندگی خراب ہو رہی ہے، اور ہماری بھی تو اس حال میں زید کو کیا کرنا چاہیے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل و مدلل جواب سے نوازیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: شہاب الدین قصبہ ڈنکو، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض ناپسند ہونے کی وجہ سے بیوی کو معلق چھوڑ دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ زید پر لازم ہے کہ یا تو حقوق زوجیت ادا کرکے حسن سلوک سے رکھے یا بیوی کو آزاد کرے، اور اگر زید کو حسن سلوک کے ساتھ رکھنا ممکن ہے تو رکھ لینا بہتر ہے، اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو حسن اسلوبی کے ساتھ بیوی کو آزاد کردے تاکہ وہ دوسری شادی کرکے باعصمت زندگی گذار سکے، نیز اس معاملہ میں معزز آدمی کو بیچ میں ڈالا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

﴿**وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُرِيْدَا اِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا** .[النساء: ۳۵] ﴾

ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق و تحته في الشامية: أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف و التخاصم، وفي القهستاني: السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلها ليصلحوا بينهما، فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع. (شامی، باب الخلع، کراچی ۳/ ٤٤١، زکریا ٥/ ٨٧-٨٨، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٠٢، تاتارخانية زكريا ٥/ ٥، رقم: ٨٠٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۹۵)

شوہر نہ رکھتا ہے اور نہ ہی طلاق وخلع دیتا ہے تو عورت کیا کرے

سوال [۷۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲۱/ ۲۲/ سال کے لڑکے ابوالقاسم کا ۱۳/ ۱۴/ سالہ نوجوان خوبصورت لڑکی

رابعہ کے ساتھ بغیر جہیز کے نکاح ہوا جبکہ ابوالقاسم اگر کہیں دوسری جگہ شادی کرتا تو اپنی قابلیت علم وخاندانی حیثیت سے بہت سارے جہیز کا مالک ہوتا، اور ملتا، لیکن چونکہ رابعہ گھر میں ایک ہی لڑکی ہے اس کا ایک بھائی ہے جو بچپن میں پاگل ہوگیا ہے جس کی وجہ سے سارے سامان کی رابعہ ہی وارث ہوگی اس لیے ابوالقاسم نے شادی کی اور سسرال کی طرف سے کچھ بھی نہیں لیا، ایک سال گذرا ہی تھا کہ معلوم ہوا کہ رابعہ کے والد نے سخت ضرورت کی بنا پر اپنی کچھ زمین کو فروخت کر دیا جو ابوالقاسم کو بہت گراں گذرا، ابوالقاسم کا کہنا ہے کہ اس طرح ہر سال زمین بیچتے رہے تو ساری کی ساری ختم کر دیں گے، تو پھر رابعہ کو ملے گا کیا، ہم کو فائدہ کیا رہا، جس کی بنا پر ابوالقاسم رابعہ کو صبح وشام کہنے لگا کہ اپنے باپ سے میرے مناسب جہیز لا دو یہاں تک کہ مار پیٹ بھی شروع کر دی، معاملہ بڑھتا جا رہا ہے ایک دن ابوالقاسم رابعہ کو کمرہ میں بند کر کے بڑا والا چاقو لے کر مارنے جا رہا تھا کہ خدانخواستہ شاید ابوالقاسم اس معصوم بیچاری کو مار ہی ڈالتا، رابعہ اس خوفناک واقعہ کو لکھ کر چپکے سے اپنے والد کو آگاہ کرنا چاہتی تھی لیکن وہ خط کسی طریقے سے ابوالقاسم کو ملنے سے معاملہ اور کریلا نیم چڑھا ہوگیا، بہر حال کسی طریقے سے رابعہ کے والد کو اس کی خبر ملی تو فوراً رابعہ کو اپنے ساتھ گھر لے آئے، اب رابعہ اس ظالم کے پاس جانا نہیں چاہتی، طلاق مانگنے سے ابوالقاسم طلاق بھی نہیں دیتا یہاں تک خلع کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ ہم انتقام ضرور لیں گے۔

(۱) اب رابعہ کو طلاق کے لیے کون سا راستہ اختیار کرنا پڑے گا جس سے معاملہ حل ہو سکے؟

(۲) رابعہ اگر قریبی کورٹ یا تھانہ میں رجسٹری آفس سے سرکاری قانون کے مطابق طلاق دے کر ابوالقاسم کے پاس طلاق نامہ بھیج دے تو شریعت کے مطابق طلاق ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: ابوالبشر جھکڑ بھرتپور، مرشد آباد، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ حالات میں اگر شوہر نہ سکون سے رکھنے پر تیار ہے اور نہ طلاق یا خلع پر تیار ہے تو رابعہ اپنا معاملہ کسی شرعی پنچایت میں پیش کر دے،

شرعی پنچایت ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں درج شدہ احکام کے مطابق صحیح فیصلہ دے گی، اگر وہاں کورٹ میں مسلم جج عدالتی فیصلہ کرتا ہے تو اگر وہ احکام شرعیہ کے مطابق فیصلہ کردے تو صحیح ہو گا اور اگر جج غیر مسلم ہے یا مسلم ہے مگر شرعی احکام کے مطابق فیصلہ نہ دے تو شرعاً کورٹ کا فیصلہ فسخ نکاح کے لیے درست نہ ہوگا۔

﴿ وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا. [النساء: ١٤١] ﴾

وقد اتفق ائمة الحنفية والشافعية على أنه يشترط لصحة الحكم و اعتباره في حقوق العباد الدعوى الصحيحة و أنه لا بد في ذٰلك من الخصومة للشرعية. (شامی، کتاب القضاء، مطلب الحكم الفعلی، كوئٹه ٤/٣٣٢، كراچی ٥/٣٥٤، زكريا ديوبند ٨/٢٣، الموسوعة الفقهية الكويتيه ١/٢٣٣)

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم. (شامی، کتاب القضاء، باب التحكيم كوئٹه ٤/٣٨٦، كراچی ٥/٤٢٨، زكريا ٨/١٢٦)

ورنہ شوہر کے طلاق دیئے بغیر دوسری جگہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رصفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۳۷)

کیا نکاح کے بعد شوہر کے نابینا ہونے کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے؟

سوال [۷۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ کی شادی ایک خوبصورت لڑکے سے ہوئی تھی، رخصتی کے ایک سال بعد ہندہ کے شوہر مذکور کی دونوں آنکھوں کی بینائی ختم ہوگئی، کافی علاج ومعالجہ کے بعد مایوسی کے علاوہ کچھ فائدہ نہیں ہوا جس کی وجہ سے شوہر مذکور چلنے پھرنے میں بھی غیر کے سہارے کا محتاج ہوگیا، ہندہ نے اپنے معاشرہ کے مطابق نابینا شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کرنے کو موت کے مرادف سمجھ کر محکمہ شرعیہ میں فسخ نکاح کی درخواست دی، اراکین محکمہ شرعیہ ایک

عرصہ سے صلح ومصالحت کی کوشش کرتے چلے آئے، لیکن لڑکی کسی صورت سے شوہر کے ساتھ رہنے پر تیار نہیں ہے، اور نہ شوہر ہی طلاق یا خلع پر راضی ہے، اور لڑکی اس پرخطر دور میں عمر کے بالکل نازک دور تقریباً ۱۹؍سال کی عمر میں ہے، جس سے ابتلائے معصیت کا کافی امکان ہے، اب محکمہ شرعیہ کے پاس نہ تو قوت قہریہ ہے کہ لڑکی کو شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کرے اور نہ تو اس کشمکش کی صورت میں چھوڑنا مناسب ہے، کیونکہ چھوڑنے کی شکل میں ابتلائے معصیت اور تباہ معاشرت لازم آتا ہے، اور فسخ نکاح کی بھی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی، مگر یہ کہ طحطاوی کی تصریح کے مطابق ''**كل عيب لا يمكن المقاصد إلا بحضور**'' کے عموم کے تحت معاشرہ کے مطابق اسے عیب مضر تسلیم کرکے اسباب فسخ میں شمار کیا جائے اور نکاح فسخ کر دیا جائے۔ مدلل ومفصل اور واضح جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: معز الدین احمد غفرلہ دفتر امارت شرعیہ ہند، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صحیح سالم حالت میں نکاح ہو جانے کے بعد پھر ازدواجی زندگی کے اثناء میں اگر شوہر نابینا ہو جاتا ہے اور نان ونفقہ اور حقوق زوجیت کما حقہ ادا کرنے پر قادر ہے، اور شوہر اس کے لیے تیار بھی ہے تو بیوی کو شرعاً فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ نابینا ہونا حقوق زوجیت کی ادائیگی کے منافی نہیں ہے، دنیا میں بہت سے نابینا شادی شدہ ہیں جو اپنی بیوی کے حقوق پوری طرح ادا کر رہے ہیں، اسی لیے موجودہ مسئلہ میں محکمہ شرعیہ کو زیر بحث نکاح کو نابینا ہونے کی علت کی بنا پر فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا، اور طحطاوی کی عبارت کا مطلب بالکل واضح ہے، کہ ہر ایسے ضرر سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے حقوق زوجیت کی ادائیگی میں مخل اوضرر فاحش ہوسکتا ہو، اور نابینا ہونا حقوق زوجیت میں علت ضرر نہیں ہے، لہٰذا طحطاوی کی عبارت سے مسئلہ نابینا میں مخل وضرر فاحش کی علت پر استدلال درست نہیں ہوگا، نیز جو عیوب مرد کے اندر علت فسخ بن سکتے ہیں وہ کل سات ہیں، جن میں تین متفق علیہ ہیں یعنی عنین، مجبوب، خصی ہونا، اور چار اختلافی ہیں، یعنی

شیخین کے نزدیک علت فسخ نہیں بن سکتے، اور امام محمدؒ کے نزدیک بن سکتے ہیں، یعنی جنون، برص، جذام اور خرأت یعنی بوقت وطی دبر سے نجاست خارج ہوتے رہنا، ان کے علاوہ اور کسی مرض کو حقوق زوجیت میں مخل وضرر قرار دے کر فسخ کی علت قرار دینا درست نہیں ہوسکتا، بلکہ تمام امراض کو برداشت کرنا اور ایک دوسرے کے غم ورنج میں شریک رہنا واجب ہے۔

الحنفية قالوا: ليس فى النكاح عيوب تو جب الحق فى طلب الفسخ لا بشرط ولا بغير شرط مطلقا إلا فى ثلاثة أمور: وهى: كون الرجل عنينا أو مجنونا، أو خصيا، وأما ما عدا ذٰلک، فلا يترتب عليه فسخ النكاح، ولو اشتد (إلى قوله) أن مذهب الحنفية مبنى على أن علاقة الزوجية لها احترام و قدسية، لا تقل عن قدسية القرابة، فإذا ارتبط اثنان برابطة الزوجية، وجب على كل منهما أن يحتمل ما ينزل بصاحبه من بلواء فلا يصح أن ينفصل منه لمصيبة حلت به بل يجب عليه مواساته بقدر ما يستطيع (وقوله) الجنون والجذام والبرص والخرأة عند الوطى ...... فمتى وجد عيب من هذه العيوب فى إحدى الزوجين كان للآخر أن يطلب مفارقته بفسخ النكاح. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، العيوب التى يفسخ بها النكاح، و مسائل العنين، دار الفكر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٠)

ولا خيار لها أى للزوجة إن وجدت به عيبا و لو فاحشا، جنونا أو جذاما أو برصا أو جربا أو جدريا أو زمانة أو سوء خلق أو غير ذٰلک سوى العنانة والجب والخصى خلافا لمحمدؒ إذا كانت بحال لا تطيق المقام معه (إلى قوله) تتخير عند محمد بالثلاث الأول: وبكل عيب لا يمكنها المقام معه إلا بضرر. (الدر المنتقى شرح ملتقى الابحر، كتاب الطلاق، باب العنين، قديم ١/ ٤٧١، جديد، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٤١)

هكذا بألفاظ مختلفة فى فتح القدير. (دار الفكر بيروت ٤/ ٣٠٣، كوئٹه ٤/ ١٣٣، زكريا ديوبند ٤/ ٢٧٢، البحر الرائق كوئٹه ٤/ ١٢٦، زكريا ٤/ ٢١٣، شرائع الإسلام ص: ١٤٤، الدر

المختار مع الشامی کراچی ۳/ ۱۰۵، زکریا ۵/ ۱۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۷؍ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۵۱)

طلاق وتفریق سے قبل دوسری جگہ نکاح کا حکم

سوال [۷۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی ماہ نومبر ۱۹۷۹ء میں نسیم احمد صدیقی ساکن قاضی ٹولہ سے ہوئی تھی، میرا شوہر پہلے دن سے ہی ازدواجی تعلق قائم کرنے میں ناکام رہا اور میں شادی کے وقت سے اب تک کنواری ہوں، دس سال کا عرصہ میں نے کسی نہ کسی شکل میں اس کے ہمراہ رہ کر انتہائی تکلیف دہ حالت میں گذارا، اس دس سال کے دوران کئی مرتبہ اس کا گھر چھوڑ کر اپنے گھر چلی آئی، لیکن پھر گھر والوں اور اس کے رشتہ داروں کے سمجھانے پر دوبارہ اس کے گھر چلی گئی، تقریباً پانچ سال سے اس نے مجھ کو انتہائی اذیتیں دینا شروع کردیں اور کبھی جان سے مارنے کی باتیں کرتا، اور کبھی چہرہ پر تیزاب ڈال کر چہرہ خراب کرنے کی باتیں کرتا، اپنی کمزوری اور محرومی چھپانے کے لیے میرے اوپر گندے وقبیح الزام لگائے، اب ان حالات میں میرا وہاں رہنا ممکن نہیں تھا، میں چار پانچ سال اس کا گھر چھوڑ کر اپنی بہنوں کے گھر آگئی، کیونکہ میرے والد، بھائی کا انتقال ہو چکا ہے، اس کے بعد سے میں نے اس سے طلاق کا مطالبہ شروع کردیا، لیکن وہ اپنی بدنیتی اور شرمساری کی وجہ سے طلاق دینے کے لیے راضی نہیں ہے، میں کسی حالت میں اس کے ساتھ رہ نہیں سکتی، اب میرا دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ ہے تو آپ مجھ کو مشورہ دیں کہ ہم کیا کریں؟

المستفتی: نیشنل ڈیری، مقبرہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ اپنے موجودہ شوہر کی بیوی ہیں اس سے شرعی طور پر طلاق اور تفریق حاصل کرنے سے قبل دوسری جگہ نکاح کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيها لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامی، کتاب النکاح، مطلب فی النکاح الفاسد، کراچی ۳/۱۳۲، زکریا ٤/۲۷٤)

والمحصنٰت من النساء عطف على أمهاتكم يعني حرمت عليكم المحصنٰت من النساء أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن ما لم يمت زوجها أو يطلقها و تنقضي عدتها من الوفات أو الطلاق. (تفسیر مظہری سورة النساء تحت رقم الآية: ٢٤، مکتبہ زکریا دیوبند ۲/٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۹۰)

کیا عرصۂ دراز تک الگ رہنے سے نکاح ختم ہوجاتا ہے؟

سوال [۷۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی کی شادی سات سال قبل ہوئی تھی وہ اپنے شوہر کے یہاں ایک ماہ تک رہی، شوہر نے ایک دن مار کر گھر سے نکال دیا اوراس کو طلاق بھی نہیں دیا اس کے بعد وہ کبھی بھی اپنی سسرال نہیں گئی اور نہ ہی اس نے اپنے شوہر کو دیکھا کیونکہ یہ شادی ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں ہوئی تھی کافی دوری ہونے کی وجہ سے لوگوں کا آنا جانا بھی نہیں ہوا۔

(۱) کیا ایسی صورت میں وہ کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرسکتی ہے؟

(۲) اگر شوہر اس کو طلاق دیدے تو اس کو عدت کے چار ماہ دس دن پورا کرنا ہوگا؟

(۳) اپنے گذر بسر کے لیے وہ دوسرے کے گھر کھانا پکاتی ہے تو کیا عدت کے ایام میں گھر سے باہر کھانا پکانے جاسکتی ہے؟

(۴) کوئی آدمی اس کے گذر بسر کے لیے اس کو بیٹی بنا کر اپنے گھر رکھ سکتا ہے؟

المستفتی: نسیم احمد اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) شوہر سے لمبے زمانہ تک الگ رہنے کی وجہ سے دونوں کے نکاح میں فرق نہیں آتا اور وہ نکاح بدستور باقی ہے جب تک شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل نہ کرلے گی تب تک دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۱۶/۲۷۲-۲۷۶)

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامی، كتاب النكاح، مطلب فی النكاح الفاسد، كراچی ۳/۱۳۲، زكريا٤/۲۷٤)

(۲) اگر شوہر اس کو طلاق دیدے تو طلاق کے بعد دوسری جگہ شادی کرنے سے پہلے عدت گذارنا لازم ہے اور عدت چار مہینہ دس دن نہیں ہے، بلکہ طلاق کے بعد تین مرتبہ ماہواری گذارنا طلاق کی عدت ہوتی ہے، اس کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہوسکتا ہے۔

وهی فی حق حرة تحيض لطلاق ...... ثلاث حيض كوامل. (در مختار، باب العدة، كراچی ۳/٥٠٤، زكريا ٥/١٨١، ١٨٢)

إذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو ثلاثا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهی حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هنديه، زكريا قديم ١/٥٢٦، جديد ١/٥٨٠)

(۳) طلاق کے بعد عدت کے زمانہ میں دوسرے کے گھر کھانا پکانا جائز نہیں بلکہ عدت کے زمانہ کا خرچ شوہر پر لازم ہوتا ہے۔

ولا تخرج معتدة رجعی و بائن بأی فرقة كانت "لو حرة مكلفة" من بيتها أصلا. (در مختار، باب العدة، فصل فی الحداد، كراچی ۳/٥٣٥، زكريا ٥/٢٢٣)

(۴) عفت کے محفوظ رہنے کے لیے غیر محرم کا اس کو اپنی بیٹی بنا کر رکھنا جائز نہیں ہے، بلکہ طلاق کی عدت گذرنے کے بعد بیوی بنا کر رکھنا جائز ہے۔

عن جابر بن سمرة قال: خطبنا عمر بن الخطاب بالجابية، فقال: إن

رسول الله ﷺ قام فی مثل مقامی هٰذا، فقال –إلی– ألا لا یخلون رجل بامرأة فإن ثالثهما الشیطان. (صحیح ابن حبان دار الفکر٥/ ٣٣٠)

والخلوة بالأجنبیة حرام. (در مختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی النظر والمس، کراچی ٦/٣٦٨، زکریا ٩/٥٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۸ھ

بیوی کا زمانۂ طویل تک شوہر سے الگ رہنے کا حکم

سوال [۷۰۳۸]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی کی شادی اب سے دس سال پہلے ہوئی تھی، شادی کے ۴؍۵؍ ماہ بعد میاں بیوی میں جھگڑا ہونے لگا، میرا داماد کئی کئی دن گھر سے غائب رہتا، شراب، جوا، چوری، وغیرہ میں ملوث رہتا، میری لڑکی کو میرے گھر یعنی اپنے میکہ آنے نہیں دیتا تھا، میں پولیس میں ایف آئی آر کرا کر بذریعہ پولیس اپنی بیٹی کو گھر لے آیا تھا، میرا داماد جیل میں بند ہو گیا تھا اس کے بعد میں اس کی اس کے دوستوں نے ضمانت کرالی تھی، لیکن اس کے بعد پتہ نہیں وہ کہاں غائب ہے نہ دہلی میں نہ بمبئی میں ہے، عدالت نے بار بار اس کے گھر نوٹس بھیجوائے، پولیس اس کے گھر پر گئی مگر وہ ہاتھ نہ آیا، ۹؍۱۰؍ سال سے اس کا کچھ پتہ نہیں ہے، میری لڑکی میرے گھر پر ہے، میری لڑکی سے پہلے بھی وہ کئی شادیاں کر چکا ہے، اس کا علم مجھے بعد میں ہوا میں اپنی لڑکی کا دوسرا شرح (نکاح) کرنا چاہتا ہوں لیکن ابھی اس لیے رکا ہوا ہوں کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق نہیں دی ہے، میں بہت غریب آدمی ہوں، قریب ۹؍۱۰؍ سال سے میری لڑکی نے نہ اپنے شوہر کی صورت دیکھی نہ کہیں ملاقات ہوئی ہے، کیا اس صورت میں اس کا دوسرا نکاح ہوسکتا ہے؟ مہربانی فرما کر اس کی وضاحت کریں، یہ جو کچھ میں نے تحریر کیا ہے وہ بالکل سچ ہے، خدا کو حاضر وناظر مان کر میں نے یہ سب بالکل سچ تحریر کیا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طویل زمانہ تک شوہر سے الگ رہنے کی وجہ سے بیوی شوہر کے نکاح سے شرعی طور پر الگ نہیں ہوتی، بلکہ بدستور اسی شوہر کی بیوی ہے، جب تک اس شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل نہ ہوگی دوسری جگہ نکاح جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۱۰/ ۲۳۶)

لأن الامتناع عن قربانها في أكثر المدة بلا مانع و بمثله لا يثبت حكم الطلاق فيه. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، اشرفی دیوبند ۲/ ۴۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۹ھ

نکاح کے بعد رخصتی نہ ہونے سے نکاح ختم نہیں ہوتا

سوال [۷۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد نعیم کو نکاح کئے ہوئے تقریباً پانچ سال سے زیادہ ہونے کو جا رہا ہے اس صورت حال میں نکاح قائم رہا کہ نہیں، چونکہ نکاح کے بعد لڑکی اپنے باپ کے گھر ہی رہی اور اپنے شوہر کے گھر نہیں آئی، عمر کا کہنا ہے کہ جب دلہن نکاح کے بعد اپنے شوہر کے گھر نہیں گئی، لہٰذا نکاح خود بخود ختم ہو گیا، یعنی طلاق واقع ہوگئی، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد نعیم الدین شیخ صدیقی، محلّہ پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شرعی طور پر نکاح صحیح ہو چکا ہے تو جب تک شوہر شریعت کے مطابق طلاق نہ دے اور شوہر سے شرعی تفریق حاصل نہ ہو جائے اس وقت

تک بدستور نکاح باقی رہے گا، چاہے اس پر پوری عمر گذر جائے تب بھی نکاح باقی رہے گا، لہٰذا نکاح کسی حالت میں بھی خود بخود ختم نہیں ہوگا اور جو یہ کہتا ہے کہ شوہر کے گھر نہ آنے کی وجہ سے نکاح خود بخود ختم ہوگیا، صحیح نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۳۴۳، جدید ڈابھیل ۱۱/ ۹۸)

لأن الامتناع عن قربانها فی أکثر المدة بلا مانع و بمثله لا یثبت حکم الطلاق فیه. (هدایه، کتاب الطلاق، باب الإیلاء، اشرفی دیوبند ۲/ ۴۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱۱/ ۱۴۲۶ھ

شوہر کی بیماری کی وجہ سے عورت کا طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال [۷۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کو بہت شدید بیماری ہے جو ختم ہونا ناممکن ہے اور بیوی اس بیماری کی وجہ سے رہنے سے انکار کرتی ہے تو کیا بیوی اس سے طلاق لے سکتی ہے یا نہیں اور شوہر طلاق دینے سے انکار کرتا ہے تو ایسی صورت میں کیا حکم نافذ ہونا چاہیے، وضاحت سے نوازیں۔

المستفتی: محمد افضل حسین سپولوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے بیمار ہوجانے کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے جبکہ وہ بیماری جنسی تعلقات کو مانع نہ ہو۔

لا یتخیر أحدهما أی الزوجین بعیب الآخر فاحشا کجنون و جذام و برص (وفی الشامیة) لیس لواحد من الزوجین خیار فسخ النکاح بعیب فی الآخر عند أبی حنیفة و أبی یوسف. (شامی، کتاب الطلاق، باب العنین، کراچی ۳/ ۵۰۱، زکریا ۵/ ۱۷۵)

ولا خیار لها أی للزوجة إن وجدت به عیبا ولو فاحشا جنونا أو

جذاما أو برصا أو جربا أو جدريا أو زمانة أو سوء خلق أو غير ذٰلک سوی العنانة، والجب والخصّی ...... خلافا لمحمد إذا كانت بحال لا تطيق المقام معه –إلی– تتخير عند محمد بالثلاثة الأول و بكل عيب لايمكنها المقام معه إلا بضرر. (سكب الأنهر في شرح الملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱٤۱، فتح القدير، دار الفكر بيروت ٤/۳۰۳، كوئٹه ٤/۱۳۳، زكريا ديوبند ٤/۲۷۲، البحر الرائق كوئٹه ٤/۱۲٦، زكريا ٤/۲۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۴ھ

فسخ وتفریق کا ایک مسئلہ

سوال [۷۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محکمہ شرعیہ تمل ناڈو شہر ویلور میں بعض فسخ نکاح کے مقدمات زیر سماعت ہیں لیکن وہ حل نہیں کیے جاسکے ہیں، محکمہ شرعیہ کے ایک اہم رکن جو مدرسہ کے مفتی بھی ہیں تفریق کے حق میں نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ فسخ کا دروازہ کھولنا فتنوں کو دعوت دینا ہے، چنانچہ وہ دو شرائط کا حوالہ دے کر مقدمہ خارج کرنے پر اصرار کرتے ہیں، ایک شرط فسخ چاہنے والی کا نان ونفقہ کے لیے محتاج ہونا، دوسرے اپنی جوانی کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ پایا جانا، فرماتے ہیں کہ عرضی دعویٰ میں ایسے کسی لفظ کی صراحت ضروری ہے جس سے یہ اندیشہ متحقق ہو، براہ کرم حسب ذیل دوصورتوں میں فسخ نکاح کے مقدمات کی کارروائی اور فیصلے کی رہنمائی فرمائیں تو نوازش ہوگی۔

(مقدمہ ۸/، مؤرخہ: ۳۰/۷/۲۰۰۲ء): نوشاد بیگم عمر ۳۴/سال، نکاح کے چند ماہ بعد شوہر علاؤالدین کی پہلی زوجہ چند افراد کو لے کر آدھمکی اور اپنے شوہر کو گھسیٹ کر لے گئی، نوشاد بیگم کو طلاق دینے کے ارادہ سے شوہر نے ٹیلی فون پر بلایا، لیکن موقعہ پر نہ پہنچنے کی وجہ سے

بات نہ ہوسکی، پھر شوہر کی جانب سے کوئی رابطہ نہیں ہوا، اس کے دیئے ہوئے گھر کے پتہ پر تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ غلط پتہ تھا، اس نے غلط پتہ دیا، اور اپنے شادی شدہ ہونے کو چھپایا، اس گاؤں میں کوئی اسے جانتا بھی نہیں تھا، تلاش بسیار کے باوجود وہ نہیں مل سکا، نوشاد بیگم کو اور ایک جگہ سے پیغام آیا ہے اس لیے وہ اپنے شوہر سے تفریق چاہتی ہے، اس نے محکمہ شرعیہ میں مقدمہ دائر کیا، محکمہ شرعیہ کے ذریعہ بھی تحقیقات کرائی گئی، شوہر کا پتہ نہیں چل سکا اس صورت میں تفریق کی کیا شکل ہے؟

(مقدمہ ۲/ر، مؤرخہ ۲/۳/۲۰۰۲ء): عائشہ فاطمہ، عمر بیالیس سال، شوہر محمد یوسف نے دھوکہ دے کر نکاح کیا کہ اس کا بڑا کاروبار ہے، لیکن اس نے نکاح کے بعد عائشہ فاطمہ کی نقدی زیورات سب خرچ کر دیئے اور بیوی کا مکان دکھلا کر لاکھوں روپئے قرض حاصل کیے، اور پھر لاپتہ ہوگئے، عائشہ فاطمہ اپنی بوڑھی ماں اور چھوٹی بچی کے ساتھ اپنے مکان پر رہتی ہے، قرض داروں نے پولیس میں اپنے خلاف رپورٹ درج کرائی ہے، پولیس عائشہ فاطمہ کو تنگ کر رہی ہے، اور بہت پریشان کر رہی ہے، یوسف بالکل لاپتہ ہے، عائشہ فاطمہ نے فسخ نکاح کے لیے محکمہ شرعیہ میں مقدمہ دائر کیا، یوسف کے قریبی رشتہ داروں نے تحقیقات شروع کروائی، اخبارات میں اعلان دیا گیا، لیکن کوئی پتہ نہیں چل سکا، تفریق کی کیا صورت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعدہٗ گذارش یہ ہے کہ آنجناب کا پیش کردہ مکتوب متعلق محکمہ شرعیہ بغور پڑھا گیا دونوں مقدمات کے بارے میں کوئی تفصیل ہمارے سامنے نہیں ہے، پہلے مقدمہ کے بارے میں آنجناب کی مختصر تحریر سے دو مقامات پر بات صاف سمجھ میں نہیں آئی۔

(۱) شوہر علاؤالدین کو اس کی پہلی بیوی چند افراد کو لے کر آدھمکی، شوہر کو ساتھ گھسیٹ کر لے گئی، جب اتنا بڑا واقعہ پیش آیا تو دوسری بیوی اور اس کے آس پاس رہنے والے کو یہ پتہ نہ چلا ہو کہ آنے والے لوگ کہاں کے ہیں، اور کیسے ہیں، اس لیے اس بات میں تردد ہے۔

(۲) دوسری بات یہ بھی صاف سمجھ میں نہیں آسکی کہ شوہر نے طلاق دینے کے ارادے سے فون پر بیوی کو بلایا ہے موقع پر نہ پہنچ سکنے کی وجہ سے بات نہ ہوسکی، تو شوہر نے براہ راست بیوی سے فون پر بات کی بھی، کسی خاص جگہ پہنچ کر طلاق دی جائے گی، یا کسی کے واسطے سے بلایا اور طلاق دینے کے لیے بلایا ہے، یہ کیسے معلوم ہوا، اگر اتنی باتیں معلوم ہوگئی ہیں تو شوہر کہاں رہتا ہے، پتہ کیوں نہیں چلا اور جو غلط پتہ دیا ہے وہ واضح کیوں نہیں ہوا، اس لیے اس بارے میں محکمہ شرعیہ کو کھوج لگا کر تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔

اور دوسرا مقدمہ عائشہ فاطمہ سے متعلق ہے ایسے مقدمہ میں ہمارے یہاں عورت کی طرف سے دونوں باتوں میں سے ایک کے اندیشہ ظاہر کرنے کی صورت میں ایک سال کے انتظار کے بعد نکاح فسخ کیا جاتا ہے (۱) عورت خرچہ اخراجات، نان ونفقہ کی محتاجی ظاہر کرے اور اس کے اخراجات کے لیے کوئی نظم نہ ہو سکے (۲) عورت گناہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ظاہر کرے، ان دو شرطوں کے بغیر ہمارے یہاں مفقود شخص کی بیوی کا نکاح فسخ نہیں کیا جاتا اور نہ محکمہ شرعیہ طلاق دیتا ہے، لہٰذا آپ کے یہاں جن مفتی صاحب نے دو شرطوں کا حوالہ دیا وہ صحیح ہے، اور ہمارے امارت شرعیہ کی جانب سے جو محکمات شرعیہ پورے ملک میں قائم ہیں ان میں اس طرح کے معاملات میں ''الحیلۃ الناجزۃ'' کو بنیاد بنا گیا ہے اور الحیلۃ الناجزۃ میں فسخ کے لیے ان شرائط کو لازمی قرار دیا گیا ہے، اس لیے اگر مدعیہ نے اندیشہ فتنہ یا نان ونفقہ سے متعلق عرضی دعویٰ میں صاف الفاظ سے نہیں لکھا ہے تو ان کو بلا کر بیانات لیے جائیں، اگر بیانات میں اندیشہ فتنہ اور نان ونفقہ سے متعلق محتاجی کا دعویٰ کرتی ہے تو ان کو بنیاد بنا کر طلاق یا فسخ کے متعلق غور کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۱ھ

نبھاؤ کی شکل ممکن نہ ہو تو طلاق یا خلع کے ذریعہ تفریق کا حکم

سوال [۷۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: فاطمہ کا نکاح نوسال قبل زید کے ساتھ ہوا تھا لیکن رخصتی نہیں ہوئی، جس کی وجہ سے خلوت صحیحہ کی نوبت نہیں آئی، فاطمہ کے والدین نکاح کے بعد زید اور اس کے والدین سے رخصتی کی بابت بات کرتے رہے، لیکن زید رخصتی کو ملتوی کرتا رہا جس کا سبب حصول تعلیم، بے روزگاری اور کمزور صحت بتاتا رہا، اس طرح پانچ برس گذر گئے اور مذکورہ بالا اسباب پورے نہیں ہوئے، علاوہ ازیں نہ ہی زید نے اس دوران اخلاقی طور پر اپنی سسرال کا رخ کیا اور نہ ہی اپنے سسرالی رشتوں سے رغبت کا اظہار کیا، جبکہ زید کے خسر اور ساس اور دیگر متعلقین پر مسرت مواقع پر زید کو مدعو کرتے رہے، لیکن اپنے داماد مثل بیٹے کی تشریف نہ لانے پر محروم و مایوس رہے، اب معاملہ کو الجھے نوبرس ہوگئے، فریقین ایک ہی گاؤں کے رہنے والے ہیں اس لیے اس دوران فاطمہ کو زید کی بے رخی، بے رغبتی، بداخلاقی اور نااہلی کا احساس ہوگیا جس کی بنا پر فاطمہ کے دل میں زید سے نفرت و کراہت پیدا ہوگئی، اور اس نے خاموشی کو توڑتے ہوئے زید سے خلع کا مطالبہ کیا، جس کو زید نے اپنی توہین سمجھ کر انکار کر دیا، اور آج تک انکار ہی کرتا رہا ہے، اور کہتا ہے کہ صرف ایک بار رخصت کردو بعد میں طلاق دیدوں گا، زید کی اس بدنیتی کو بھانپ کر فاطمہ نے اس فعل سے قطعی طور پر انکار کر دیا، جس کی دلیل وہ بیان کرتی ہے کہ آج جو اس کی اہمیت وحیثیت ہے کل اس فعل کے بعد موجود غیر اسلامی سماج میں نہیں رہے گی، اور پسندیدہ نکاح ثانی ممکن نہیں ہوگا، زید سے خلع کے واسطے منت وسماجت ناکام ہوگئی، جب کہ زید حافظ و عالم قرآن ہے، اس صورت حال میں اب فاطمہ کیا کرے، جبکہ شریعت نے اس کو خلع کا اسی طرح حق دیا ہے جس طرح مرد کو طلاق کا، اب اگر زید بضد فاطمہ کو طلاق نہ دے تو کیا فاطمہ اپنا نکاح ثانی کرسکتی ہے، یا نہیں، قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل اور مفصل جواب عطا فرمائیں۔

المستفتی: حاجی چھوٹے، موضع سرس کھیڑا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سوال میں تحریر کردہ امور مواقع کے مطابق

اور صحیح ہیں تو لڑکے کی طرف سے رخصتی کے معاملہ میں ایک مدت تک لاپرواہی رہی ہے، جس کی وجہ سے لڑکی تشویش کا شکار ہوگئی ہے، اور معاملہ بگڑ گیا، اور جانبین سے ایک کا دوسرے پر اعتماد باقی نہیں رہا، اور ساتھ رہ کر عفت کی زندگی اور نبھاؤ کی صورت باقی نہیں رہی، تو ایسے حالات میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ آپس میں بیٹھ کر سنجیدگی کے ساتھ معاملہ کو ختم کردیں، یا جانبین سے سمجھ دار لوگ بیٹھ کر سنجیدگی سے دونوں کی آئندہ زندگی کو پیش نظر رکھ کر مسئلہ کو نمٹا دیں، اگر لڑکا طلاق دینے کے لیے تیار نہ ہو اور لڑکی خلع کی پیشکش کرے تو لڑکے کو خلع پر آمادہ کرلیا جائے، اور خلع کی رقم ادا کر کے لڑکے سے شرعی تفریق لڑکی حاصل کرلے، اس کے بعد دونوں اپنی اپنی عفت کی زندگی کے لیے دوسری جگہ نکاح کرلیں، اور محض لڑکی فاطمہ کو نقصان پہنچانے کے لیے یا اس کو بے وزن کرنے کے لیے زید طلاق نہ دے، تو وہ سخت گنہگار ہوگا، اور فاطمہ کے لیے زید سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل کیے بغیر نکاح ثانی کرنا جائز نہیں ہے، نیز زید سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل ہوجانے کے بعد فاطمہ کو دوسری جگہ نکاح کرنے کے لیے عدت گذارنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ نکاح کے بعد فاطمہ کی رخصتی نہیں ہوئی ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُرِيْدَا اِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا .[النساء: ۳۵]﴾

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ .[البقرة: ۲۲۹]﴾

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا .[الأحزاب: ۴۹]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

املاہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۳۸)

شوہر کے ظلم وستم کی بناء پر بیوی کا میکہ میں رہنا اور مہر کا مطالبہ کرنا

سوال [۷۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: میری شادی بموجب شریعت اسلامیہ مؤرخہ ۱۲/نومبر ۲۰۰۶ء کوہمراہ جاوید خان ساکن محلّہ طویلہ بالعوض دین مہر مبلغ پچیس ہزارروپیہ عمل میں آئی تھی، اور میں رخصت ہو کر اپنے شوہر کے گھر سسرال چلی گئی تھی، اورشوہر کے گھر رہ کرحقوق زوجیت ادا کیے لیکن کچھ ہی دنوں میں اپنی سسرال والوں کے ظلم وستم اور کارومکان کی مانگ سے تنگ آکراور پریشان ہوکر اپنے والدین کے گھر رہ رہی ہوں، مہر معاف نہیں کیا ہے، ان حالات میں میں اپنے شوہر سے دین مہر پانے کی حقدار ہوں یانہیں؟

المستفتی: ممتاز فاطمہ دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہرکی طرف سے کارومکان کی مانگ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی، ہاں البتہ دین مہر آپ کا حق ہے، اگرشوہر اپنے طور پر آپ کوطلاق دیدے گا تو آپ دین مہر وصول کرنے کی حقدار ہوں گی، لیکن اگر طلاق کا مطالبہ آپ کی طرف سے ہوتو شوہر کی طرف سے اس طرح کی شرط لگانے کی گنجائش ہو جاتی ہے کہ مہر معاف کرنے کی شرط پرطلاق دیدے، اب رہی سسرال والوں کی طرف سے ظلم وستم کی بات تو وہ کسی طرح جائز نہیں اگرواقعی ان کی طرف سے ظلم وستم ہے تووہ لوگ سخت گناہ کے مرتکب ہوں گےاوراللہ کے یہاں ماخوذ ہوں گے۔

عن أبي سعيد الخدري يقول: قال رسول الله ﷺ: ما من عبد يظلم رجلا مظلمة في الدنيا لا يقصه من نفسه إلا أقصه الله منه يوم القيامة. (شعب الإيمان، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٥٥، رقم ٧٤٨٤)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة، الدخول والخلوة الصحيحة و موت أحد الزوجين سواء كان مهر المثل أو مسمى حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذٰلک إلا بالإبراء من صاحب الحق. (هنديه، كتاب النكاح، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني فيما يتأكد به المهر زكريا قديم ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠)

و إن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال. (هنديه، كتاب

الطلاق، الباب الثامن فی الخلع، الفصل الثالث فی الطلاق علی المال، زکریا قدیم ۱/ ٤٩٥، جدید ۱/ ٥٩٤)

وإن خالعها على مهرها فإن كانت المرأة مدخولا بها وقد قبضت مهرها يرجع الزوج عليها بمهرها و إن لم يكن مقبوضا سقط عن الزوج جميع المهر. (هندية، زكريا قديم ۱/ ٤٨٩، جديد ۱/ ٥٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۲)

شراب پینے اور بیوی کو پلانے اور غیر فطری صحبت کرنے والے سے فسخ نکاح

سوال [۷۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا شوہر جس کا نام شاہنواز ولد محمود مرحوم زبردستی مجھ کو شراب پلاتا ہے اور خود بھی پیتا ہے، اور غیر فطری صحبت بھی کرتا ہے، جس کی وجہ سے مجھ کو بدنی اور روحانی تکلیف بھی ہوتی ہے، جب میں نے اس سے کہا کہ تمہارا یہ فعل فطری نہیں ہے خدا اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف ہے، تو اس نے مجھے جواب دیا کہ میں اگر خدا اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرتا اور مانتا تو اس فعل کو نہ کرتا، لہٰذا اس مسئلہ میں مجھے کیا کرنا چاہیے، اسی بات کو میں نے اس کی والدہ سے بھی کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ جیسا تمہارا شوہر کہے اس کام کو کرنا چاہیے، نیز مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر شرعی کمیٹی کے روبرو اپنا بیان دینا چاہتی ہوں اور میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں، تو میرا یہ قدم خدا اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف تو نہ ہوگا۔

المستفتی: شکیلہ عثمانی بنت امیر احمد، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شراب ام الخبائث ہے اس کا پینا پلانا اور بیوی سے غیر فطری فعل (لواطت) کرنا حرام اور گناہ کبیرہ اور غضب الٰہی کا سخت خطرہ ہے، نیز یہ جملہ کہ خدا

اوراس کے رسول کے احکامات پر عمل کرتا اور مانتا تو میں اس فعل کو نہ کرتا، یہ جملہ ایمان کے لیے خطرناک ہے، فوراً ان تمام حرکات شنیعہ سے توبہ واستغفار کر کے باز آ جانا لازم ہے، ورنہ بیوی کو طلاق لینے یا خلع کرنے یا محکمہ شرعیہ سے نکاح فسخ کرا کے علیٰحدگی کا حق حاصل ہوگا، اور جب تک توبہ نہ کرے اس سے برادرانہ تعلق نہ رکھنا چاہیے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/ ۲۲۹)

﴿اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ. [مائده: ۹۰]﴾

عن أبی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ملعون من أتی امرأته فی دبرها. (سنن أبی داؤد، كتاب النكاح، باب فی جامع النكاح، النسخة الهندية ۱/ ۲۹٤، دار السلام رقم: ۲۱٦۲)

عن أبی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إن الذی يأتی امرأته فی دبرها لا ينظر الله إليه. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۷۲، رقم: ۷٦۷۰)

اللواطة بمملوكه أو مملوكته أو امرأته حرام إلا أنه لو استحله لا يكفر. (شامی، كتاب الحدود، مطلب لا تكون اللواطة فی الجنة، كراچی ٤/ ۲۸، زكريا ٦/ ٤۲)

ثم إن عيوب الرجل التی تجعل للمرأة حق طلب الفسخ (إلی قوله) أو أمكنه أن ياتی زوجته فی دبرها لا فی قبلها فمن وجدت فيه حالة من هذه الأحوال كان عنينا بالنسبة لزوجته و كان لها حق طلب الفسخ. (كتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۴۲)

عمر قید ہونے والے شوہر کی بیوی کا حکم

سوال [۷۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ زید کسی الزام میں گرفتار ہوگیا اور اس کو عمر قید یا دس سال کی قید کی سزا سنادی گئی، ان حالات میں زید کی بیوی کیا دس سال تک اپنے شوہر کا انتظار کرے گی، کیونکہ ہندوستان میں اسلامی قوانین نافذ نہ ہونے کی وجہ سے قتل یا ارادۂ قتل یا اسی جیسے جرائم میں لمبی لمبی سزا ملتی ہے، تو بیوی کو جس کا کوئی قصور نہیں کیا اس کو نکاح کے فسخ کی اجازت دی جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں حنفیہ کا مذہب یہی ہے کہ نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، البتہ ایسی عورت کی رہائی کے واسطے جو صورت باتفاق ائمہ صحیح ہے وہ یہ ہے کہ اس کے خاوند کو خلع پر راضی کرا کر خلع کرالیا جائے، لیکن جب شوہر اس پر راضی نہ ہو اور عورت صبر کرکے بقیہ زمانہ عصمت وعفت میں نہ گذار سکتی ہو تو ایسی سخت مجبوری میں اس بات کی گنجائش ہے، کہ مذہب مالکیہ کے موافق عورت قاضی یا اس کے قائم مقام جماعت مسلمین کے سامنے تفریق کا مطالبہ پیش کرے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۶۳، جدید امارت شرعیہ ہند ۱۰۳، فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/۲۳۰)

﴿**قال اللہ تعالیٰ: وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُرِيْدَا اِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا** .[النساء: ٣٥] ﴾

لايفرق بينهما بعجزه عنها ولا بعدم إيفاءه لو غائبا حقها. (در مختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ٥/٣٠٦، كراچى ٣/٥٩٠)

السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع. (شامى، كتاب الطلاق، باب الخلع، كراچى ٣/٤٤١، زكريا ٥/٨٧، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٠٢، تاتارخانية زكريا ٥/٥، رقم: ٨٠٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/۴/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۴/۱۴۲۰ھ

شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار اور اجنبی کے ساتھ رہنے پر اصرار سے فسخ نکاح

سوال [۷۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالدہ ایک جوان لڑکی ہے جس کا نکاح دو سال قبل ساجد کے ساتھ ہوا، لیکن اتنے عرصہ میں کوئی اولاد نہ ہوئی، لہٰذا دو سال کے بعد خالدہ ایک رات زید کے ساتھ بھاگ گئی، رات بھر زید کے ساتھ رہی صبح کے وقت لڑکی کے بھائی ماجد نے اپنے بہن خالدہ کو زید کے ساتھ پکڑا اور اپنے گاؤں لایا، لانے کے بعد ایک میٹنگ منعقد کی گئی، نیز میٹنگ کے لوگوں نے پوچھا کہ آیا تم کو زید زبردستی لایا ہے یا تم خود آئی ہو تو لڑکی نے جواب دیا کہ میں خود زید کو لے کر آئی ہوں، پھر پوچھا تم شوہر کو چھوڑ کر زید کے ساتھ کیوں گئی؟ کیا تم کو ساجد پسند نہیں ہے، اگر نہیں ہے تو اسی وقت شادی نہیں کرنی چاہیے، تو لڑکی نے جواب دیا کہ یہ لڑکا نہ تو آج پسند ہے نہ ہی کل پسند تھا، البتہ جہاں تک میری نکاح کی بات ہے تو میں اس وقت بار بار انکار کر رہی تھی باوجود میرے انکار کے میرے گھر والوں نے زبردستی میرا نکاح ان کے ساتھ کر دیا، اور نکاح کے بعد زبردستی مجھے سسرال بھیج دیا نہ جانے پر میرے بھائی نے سخت پٹائی کی، لہٰذا میں مجبور ہو کر سسرال چلی گئی، اور ماں باپ کے گھر آنا بند کر دیا، ادھر سسرال والے ظلم کرنے لگے اور سب کو برداشت کرتی رہی، جس وقت میرا نکاح ہوا تھا اسی وقت سے میں سوچ رہی تھی کہ میں خود ایک اچھا لڑکا تلاش کروں گی اور اسی سے شادی کروں گی، یہ ارمان لیے ہوئے پورے دو سال گذر گئے مگر کوئی لڑکا پسند نہ آیا دو سال کے بعد ایک لڑکا پسند آیا تو میں نے اسے دیکھتے ہی فیصلہ کر لیا، کہ اسی سے شادی کروں گی، لیکن خود کہنا عیب تھا، اسی عیب کو لے کر میں اس لڑکے سے تذکرہ نہ کر پائی، بالآخر ڈیڑھ ماہ کے بعد اپنے دل پر پتھر رکھ کر کہہ دیا تو لڑکے نے جواب دیا کہ سماج میں اس کام کی اجازت نہیں، لہٰذا میں ایسا کرنے سے مجبور ہوں تو میں نے کہا اگر سماج اجازت نہیں دیتا تو ہم لوگ دوسرے شہر میں چلے جائیں گے اور وہاں نکاح کر لیں گے، لہٰذا میں نے کسی طرح لڑکے کو تیار کیا اور رات میں اس کے ساتھ

بھاگ نکلی، بھاگتے ہوئے میرے بھائی نے پکڑ لیا اور میٹنگ میں لایا گیا اس مجمع میں لڑکی کا شوہر موجود تھا تو ان سے پوچھا گیا کہ تم اس کے ذمہ دار ہو لڑکے نے جواب دیا نہیں، اس کا ذمہ دار بھائی ہے، اتنا کہنا تھا کہ میٹنگ ختم ہوگئی، لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے لڑکا اور لڑکی بھی، تھوڑی دیر بعد لوگ لڑکے کے مکان پر گئے تو اس وقت لڑکی کا شوہر اس پر ظلم کر رہا تھا، یہاں تک کہ لڑکی کا جسم لہولہان ہوگیا تھا، جب یہ لوگ گئے تو ان حضرات نے لڑکے کو منع کیا کہ تم اس کے اوپر ظلم نہ کرو تو لڑکا رک گیا لیکن غصہ بہت تھا، پھر ان لوگوں نے لڑکی کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ تم کیا چاہتی ہو تو لڑکی نے جواب دیا کہ جو چیز میں چاہتی ہوں کیا آپ پوری کریں گے، تو لوگوں نے کہا ضرور، تو لڑکی نے کہا: مجھے صرف زید چاہیے، اب میرا مرنا جینا اسی کے ساتھ ہوگا نہ کہ ساجد کے ساتھ، اور ساجد بھی وہیں پر یہ سب باتیں سن رہا تھا، لوگ سمجھا رہے تھے، لیکن لڑکی صرف زید زید کہہ رہی تھی، یہی نہیں بلکہ لڑکی نے کہا کہ اگر مجھے قتل کر دیا جائے تو جنت میں زید ہی کے ساتھ رہوں گی، نہ کہ ساجد کے ساتھ۔

خلاصہ یہ کہ لڑکی کا کہنا ہے کہ میں رہوں گی تو صرف زید کے ساتھ اور میں زید کو حاصل کر کے رہوں گی، چاہے جان کی بازی کیوں نہ لگانی پڑے، تو ساجد کا نکاح ختم ہوا یا نہیں اور زید کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا کہ نہیں؟

المستفتی: خلیق الزماں قصبہ وایا سمجھو گنج، بانکا (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) خالدہ کا نکاح جو اس کے گھر والوں نے زبردستی اس کی رضامندی کے بغیر جبراً کر دیا اور اس نے مجبور ہو کر اجازت دیدی تو یہ نکاح بالکل صحیح اور لازم ہوگیا اور اب طلاق یا شرعی تفریق کے بغیر زید کے ساتھ نکاح درست نہیں، اولاً ساجد سے اپنا نکاح ختم کرادے، پھر عدت کے بعد زید سے نکاح کر سکتی ہے۔

ومنها أن لا تكون منكوحة الغير لقوله تعالىٰ: والمحصنٰت من النساء وهي ذوات الأزواج. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان عدم جواز النكاح معتدة الغير، زكريا ٢/ ٥٤٨)

فصل: ومنها أن لا تكون معتدة الغير لقوله تعالىٰ: ولاتعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله. (بدائع الصنائع، زكريا ۲/۵٤۹)

وقال الإمام الرازى فى تفسيره (والمحصنٰت من النساء) والمعنى أن ذوات الأزواج حرام عليكم إلا إذا ملكتموهن بنكاح جديد بعد وقوع البينونة بينهن و بين أزواجهن. (تفسير كبير للرازى، النساء، تحت رقم الآية: ٢٤/بيروت ۱۰/٤۰)

(۲) اورلڑکی کا یہ کہنا کہ میں رہوں گی تو صرف زید کے ساتھ اور میں زید کو حاصل کر کے رہوں گی چاہے جان کی بازی کیوں نہ لگانی پڑے وغیرہ کہنے سے وہ ساجد کی زوجیت سے نہیں نکلے گی، اس لیے کہ طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔

قال الإمام الرازى قوله (وللرجال عليهن درجة) أن الزوج قادر على تطليقها (إلى قوله) أما المرأة فلا تقدر على تطليق الزوج. (تفسير كبير البقرة:۲۲۸ بيروت ٦/۱۰۱)

جب میاں بیوی کے درمیان نا اتفاقی ہوتو بہتر یہ ہے کہ شوہر طلاق دیدے یا بیوی خلع کرالے۔

﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ. [البقرة: ۲۲۹]﴾ (فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۶ھ

پاگل اور کوڑھی شوہر سے تفریق کی شکل

سوال [۷۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی جس کی شادی کو تقریباً نو سال ہو چکے ہیں اور جب سے اس کی شادی

ہوئی ہے تب سے اب تک اس لڑکی کو اپنے شوہر کے گھر کوئی آرام نہ ملا ہے، اوراب اس کا شوہر پاگل اور کوڑھی ہے، اوراس لڑکی کے پاس تین بچے ہیں، اور فی الحال وہ لڑکی تقریباً آٹھ ماہ سے اپنے بھائیوں کے گھر رہ رہی ہے، نیز اس لڑکے (شوہر) اورلڑکی (بیوی) کے گھر میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جوکہ اس کا زندگی بھر ساتھ دے سکے، تو ایسے حالات میں وہ لڑکی اپنے شوہر سے طلاق لے کر دوسری جگہ شادی کرنا چاہتی ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ لڑکی طلاق لے کر دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: نظام الدین، مقبرہ روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر کے ساتھ رہ کر تین بچے بھی پیدا ہو گئے ہیں تو ممکن ہے کہ علاج ومعالجہ سے شوہر صحت یاب ہو جائے، لہٰذا اولاً شوہر کا علاج کیا جائے اگر علاج ناکام ثابت ہو جائے تب شوہر سے تفریق حاصل کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے، اور تفریق کے لیے اپنا معاملہ شرعی محکمہ میں پیش کردے، کیونکہ شوہر اگر پاگل یا کوڑھی ہے تو اس کی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہے۔

ولایقع طلاق المولی علی امرأۃ عبدہ (إلی قولہ) والمبرتسم من البرسام بالکسر علۃ کالجنون. (در مختار، کتاب الطلاق، کراچی ۳/۲٤۳، زکریا ٤/٤٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۹۹)

باطن نہ ملنے کی وجہ سے بیوی کا شوہر کے پاس جانے سے انکار

سوال [۷۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تھی، ہندہ زید کے گھر پر تقریباً چار پانچ ماہ رہی، اس

کے بعد جب ہندہ اپنے میکہ گئی تو اب زید کے یہاں بالکل آنے کا دم نہیں بھرتی، کیا وجہ ہے واللہ اعلم کسی شکل سے بھی نہیں آتی، جب اس کو زید کے یہاں آنے کو کہا جاتا ہے اپنے رشتہ داروں میں چھپ جاتی ہے، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے بہت سمجھایا بجھایا مگر بے سود، وہ بار بار کہتی ہے کہ زید سے میرا باطن نہیں ملتا، بس اس کے یہی الفاظ ہیں، زید چھوڑنا نہیں چاہتا، اس شکل میں کیا کیا جائے؟ اگر زید طلاق نہ دے تو ہندہ کی زندگی خراب ہوتی ہے تو اس شکل میں زید کو حق ہے کہ وہ طلاق نہ دے کر ہندہ کو تاحیات معلق رکھے، ہندہ اپنے میکہ میں ہے، اس شکل میں زید سے خلع کرنا ضروری ہے یا کوئی آسان تدبیر اور شکل بتادیں کہ زید کو کیا کرنا ہے کہ ہندہ کسی طرح آنا نہیں چاہتی؟

المستفتی: نسیم احمد شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کے اندر کوئی خامی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسی صورت میں ہندہ پر لازم ہے کہ زید کے پاس جا کر حق زوجیت ادا کرے، محض دل نہ ملنے کی وجہ سے رک جانے کا حق نہیں، ابھی ابتدائی زمانہ ہے کوشش کرے کہ وہاں دل مل جائے، معلق چھوڑنا بہتر نہیں لانے کی کوشش کریں، دونوں جانب کے لوگ مل کر لڑکی کو شوہر کے حوالہ کردیں، اور شوہر اس کے ساتھ محبت و ہمدردی، رواداری اور دیگر حقوق کو پوری طرح ادا کرے۔

﴿وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا .[النساء: ۱۲۹]﴾

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُرِيْدَا اِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا .[النساء: ۳۵]﴾

ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق، وتحته في الشامية: أي لوجود الشقاق وهو الاختلاف وا لتخاصم، وفي القهستاني: السنة إذا وقع بين الزوجين اختلاف أن يجتمع أهلهما ليصلحوا بينهما فإن لم يصطلحا جاز الطلاق والخلع. (شامی، باب الخلع، کراچی ۳/ ۴۴۱، زکریا ۵/ ۸۷-۸۸، مجمع الأنہر، دار الکتب

العلمية بيروت ۲/ ۱۰۲، تاتارخانية زكريا ۵/ ۵ رقم: ۸۰۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۸۰)

نومسلمہ سے نکاح کے احکام

سوال [۷۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ کی کئی غیر مسلم لڑکیوں نے ایمان قبول کیا ہے اگرچہ مسلم لڑکوں سے شادی کی غرض سے کیا ہے اس میں مختلف صورتیں سامنے آرہی ہیں، دارالافتاء سے وضاحت مطلوب ہے (۱) غیر مسلم لڑکی شادی شدہ تھی مسلم لڑکے کے ساتھ فرار ہوکر اسلام قبول کرلیا اور فرار ہوئے صرف ۸؍دن ہوئے تھے کیا اس سے فوراً نکاح ہوسکتا ہے، یا عدت گذارنا ہوگی؟ اگر عدت ہے تو کتنے دن؟

(۲) فرار شدہ لڑکی حاملہ تھی ،شادی شدہ تھی، کیا اسلام قبول کرکے وضع حمل کے فوراً بعد نکاح ہوسکتا ہے یا وضع حمل کے بعد بھی عدت ہوگی پھر نکاح ہوگا؟

(۳) فرار شدہ لڑکی غیر شادی شدہ ہے، اسلام قبول کرتے ہی کیا مسلم لڑکا جس کے ساتھ فرار ہوئی ہے فوراً نکاح کرسکتا ہے، یا اسلام قبول کرنے کے بعد پہلے عدت پھر نکاح ؟

(۴) غیر مسلم لڑکی ایک طویل عرصہ سے تقریباً دو سال سے ایک مسلم لڑکے سے ناجائز تعلقات کے ساتھ رہ رہی تھی، اسی درمیان دو مرتبہ حمل بھی ہوا، اس کو ساقط کرادیا، حالانکہ شادی شدہ ہے، مگر شوہر پردیس میں رہتا ہے، اب اس شادی شدہ غیر مسلم لڑکی نے اسلام قبول کرلیا، کیا فوراً وہ مسلم لڑکا اس سے نکاح کرسکتا ہے، یا کتنی عدت گذارنا ہے؟ پھر نکاح ہوگا۔

(۵) غیر مسلم غیر شادی شدہ لڑکی دو سال سے مسلم لڑکے سے ناجائز تعلقات کیے ہوئے تھی، اب اسلام قبول کرلیا، کیا اسلام قبول کرتے ہی فوراً نکاح ہوسکتا ہے یا عدت ضروری ہے، از راہ مہربانی ہر نمبر کی وضاحت کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) جس غیر مسلم شادی شدہ لڑکی نے اسلام قبول کیا ہے تو تین حیض گذرنے کے بعد پہلے غیر مسلم شوہر سے اس کا نکاح ٹوٹے گا، اس کے بعد وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو عدت کے طور پر تین حیض مزید گذارنے پڑیں گے اس کے بعد ہی مسلمان لڑکے کے ساتھ اس کا نکاح درست ہوگا۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۴/ ۳۹۰، فتاویٰ دارالعلوم ۳۹۱/۸)

وإذا أسلمت المرأة فى دار الحرب و زوجها كافر ...... لم يقع الفرقة عليها حتى تحيض ثلاث حيض ثم تبين من زوجها وهذا لأن الإسلام ليس سببا للفرقة والعرض على الإسلام متعذر لقصور الولاية ولا بد من الفرقة رفعا للفساد فأقمنا شرطها و هو مضى الحيض مقام السبب ولا فرق بين المدخول بها وغير المدخول بها. (هداية مع الفتح، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك، زكريا ٣٩٨/٣، كوئٹه ٢٩٠/٣، دار الفكر بيروت ٤٢١/٣)

ولو أسلم أحدهما أى أحد المجوسيين...... لم تبن حتى تحيض ثلاث حيض أو تمضى ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر إقامة لشرط الفرقة مقام السبب وليست بعدة لدخول غير المدخول بها، وقال الشامي: وهل تجب العدة بعد مضى هذه المدة؟ إن كانت هى المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض فكذلك عند أبى حنيفة رحمه الله خلافا لهما و جزم الطحاوى بوجوبها قال فى البحر: وينبغى حمله على اختيار قولهما. (شامى، باب نكاح الكافر، كراچى ١٩١/٣، زكريا ٣٦٣/٤، البحر الرائق زكريا ٣٧٠/٣، كوئٹه ٢١٣/٣، هنديه زكريا قديم ٣٣٨/١، جديد ٤٠٤/١)

(۲) فرار شدہ غیر مسلم لڑکی حاملہ اور شادی شدہ ہے تو اسلام قبول کرنے کے بعد وضع حمل تک اس سے نکاح جائز نہیں ہے، اور وضع حمل کے فوراً بعد نکاح ہوسکتا ہے، الگ سے کسی اور عدت کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۱۴۸، جدید زکریا ۱۹۶/۸)

وإن كانت حاملا لم تتزوج حتى تضع حملها لأنه ثابت النسب فإذا ظهر الفراش في حق النسب يظهر في حق المنع من النكاح احتياطا. (هدايه مع الفتح، زكريا ٣/ ٤٠٥، كوئٹه ٣/ ٢٩٦، دار الفكر بيروت ٣/ ٤٢٨)

وإن كانت حاملا لم تتزوج حتى تضع حملها وعن أبي حنيفةؒ أنه يصح النكاح ولا يقربها زوجها حتى تضع حملها كما في الحبلىٰ من الزنا وفي المضمرات: والصحيح هو الأول. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ٢٦٦، رقم: ٦١٤٧)

أما الحامل فحتى تضع على الأظهر لا للعدة بل لشغل الرحم بحق الغير. (شامي، كراچی ٣/ ١٩٣، زكريا ٤/ ٣٦٥)

(۳-۵) جس غیر مسلم غیر شادی شدہ لڑکی نے اسلام قبول کیا ہے وہ دیگر غیر شادی شدہ مسلمان لڑکیوں کی طرح ہے لہٰذا اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد اس سے نکاح کرنا درست ہے، عدت کی ضرورت نہیں، کیونکہ عدت کی مشروعیت کی وجہ غیر کے نطفہ سے عورت کے رحم کو خالی کرنا ہے، اور چونکہ وہ پہلے سے کسی کی منکوحہ نہیں ہے اس لیے استبراء رحم کی بھی ضرورت نہیں، لہٰذا اسلام قبول کرتے ہی فوراً اس سے نکاح درست ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ﴾. [البقرة: ٢٢١]

إن مشروعية العدة لتعرف براءة الرحم أي خلوه عن الحمل. (شامي، باب العدة كراچی ٣/ ٥٠٥، زكريا ٥/ ١٨٢)

لأن الحكمة فيه التعرف عن براءة الرحم صيانة المياه المحرمة عن الاختلاط والأنساب عن الاشتباه وذلك عند حقيقة الشغل أو توهم الشغل بماء محرم وهو أن يكون الولد ثابت النسب. (هدايه، كتاب الكراهية فصل في النظر والوطئ والمس، اشرفی ديوبند ٤/ ٤٦٤)

(۴) کسی بھی اجنبیہ عورت سے ناجائز تعلقات قائم کرنا سخت معصیت اور گناہ عظیم ہے اس سے توبہ کرنا لازم اور ضروری ہے، تاہم اس شادی شدہ غیر مسلم لڑکی نے جب اسلام قبول کرلیا ہے اور مسلمان لڑکے سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو پہلے شوہر سے علیحدگی کے لیے تین

حیض گذارنے ہوں گے، اس کے بعد مزید تین حیض گذار کر مسلمان لڑکے سے نکاح ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: محمود یہ ڈابھیل ۱۳/۴۱۴)

وإذا أسلمت المرأة في دار الحرب و زوجها كافر ...... قال الشامي: وهل تجب العدة بعد مضي هذه المدة؟ إن كانت هي المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض فكذٰلک عند أبي حنيفة خلافا لهما و جزم الطحاوي بوجوبها، قال في البحر: وينبغي حمله على اختيار قولهما. (شامي، كراچی ٣/ ١٩١، زكريا ٤/ ٣٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۳۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۷ھ

بیوی کے عیسائی ہونے سے نکاح کا حکم

سوال [۷۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امیر الاسلام صاحب نے ایک غیر مذہبی (عیسائی) عورت کو مسلمان بنا کر نکاح کیا تقریباً بارہ سال قبل جس سے ۴/ اولا دملی ہیں، اب دوبارہ عورت عیسائی ہوگئی اور بچوں سمیت اپنے مذہب کی پوجا پاٹ کرتی رہتی ہے، اب ان بچوں کے بارے میں کیا کریں، کیونکہ عورت (مجورام) کی رہنے والی ہے، وہاں کے سرکاری قانون کے اعتبار سے اولاد عورت کو ملتی ہے، نیز اگر ہم لوگ سرکاری اعتبار سے مقدمہ دائر کریں تو ہمارے مقدمہ اپنے وطن میں فیصلہ کے بجائے (مجورام) کورٹ میں فیصلہ ہوگا اور بچے عورت کو مل جائیں گے۔

امید قوی ہے کہ مفصل جواب عنایت فرما کر عند الناس مشکور ہوں گے اور عند اللہ ماجور ہوں گے، اب فرمائیں عورت شوہر کے نکاح میں رہی ہے یا نہیں اور بچے کس کو ملیں گے؟

المستفتی: امیر الاسلام کچھاڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امیر الاسلام کی نومسلم بیوی مذہب اسلام سے مرتد ہوکر عیسائی ہوگئی ہے تو شرعاً بیوی شوہر کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی، نکاح بدستور باقی ہے، لہٰذا امیر الاسلام موصوف کو از خود یا بذریعہ عدالت بیوی اور اولاد کو اپنے پاس لاکر رکھنے کا حق ہے، البتہ بیوی سے استمتاع اور جماع کے لیے احتیاطاً تجدید نکاح وتجدید اسلام ضروری ہے اور زوجیت کے دعویٰ سے مقدمہ بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۱۰۴-۱۰۵، جدید امارت شرعیہ ہند ۲۰۹-۲۱۰)

أفتی مشایخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجراً و تیسیراً (إلیٰ قوله) والإفتاء بهٰذا أولی من الإفتاء بما فی النوادر. (الدر المختار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، کراچی ۳/ ۱۹۴، زکریا ٤/ ۳٦۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/ ۲۰۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

کیا ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے

سوال [۷۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص عبد الماجد جس کی بیوی ایک غیر مسلم کے ساتھ بھاگ گئی تھی واپس آنے کے بعد بتایا کہ مجھے پہلے چند عورتوں کے ساتھ وہ شخص مزار میں لے گیا، جہاں پر ہم نے ہندو دھرم قبول کیا، اور پوجا پاٹ بھی کیا لیکن اب مجھے رکھ لو، غلطی کی معافی چاہتی ہوں، اور یہ عورت تقریباً دس مہینے کے بعد عبد الماجد کے گھر واپس آئی ہے اس کے بھاگ جانے پر ایک ہفتہ بعد عبد الماجد نے خدا کو گواہ بنا کر اپنے گھر میں تین طلاق دیدی تھیں تاکہ کوئی گناہ ہمارے سر نہ آئے، لہٰذا کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ بغیر حلالہ کے عبد الماجد نکاح میں لے سکتے ہیں کیونکہ وہ مرتد ہوگئی، اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ حلالہ کرکے نکاح میں لاسکتے ہیں، آیا کس طرح

وہ عورت عبدالماجد کے نکاح میں آسکتی ہے؟

المستفتی: عبدالماجد بنکھو اعیدگاہ فیض آباد روڑ گونڈہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں وہ عورت عبدالماجد کے طلاق دیئے بغیر دائرہ اسلام سے خارج ہوکر مرتد ہوچکی ہے، لہٰذا ان دونوں کے درمیان تعلق نکاح ختم ہوگیا ہے اب چونکہ وہ عورت دوبارہ عبدالماجد کے نکاح میں آنا چاہتی ہے اور عبد الماجد بھی اسی عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو ایسی صورت میں وہ عورت پہلے باقاعدہ تجدید ایمان کرلے اس کے بعد تجدید نکاح کرکے دونوں ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں، حلالہ وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

وارتداد أحدهما أی الزوجين فسخ فلا ينقص عددا، قال ابن عابدين: فلو ارتد مراراً وجدد الإسلام فی كل مرة وجدد النكاح علی قول أبی حنيفة تحل امرأته من غير إصابة زوج ثان. (الدر المختار مع الشامی، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، كراچی ۳/۱۹۳، زكريا ٤/٣٦٦)

وارتداد أحد الزوجين عن الإسلام وقعت الفرقة بغير طلاق فی الحال قبل الدخول و بعده. (هندية، زكريا قديم ۱/۳۳۹، جديد ۱/٤٠٥)

قال ابن عابدين: تحت قوله وعلی تجديد النكاح: ولا يخفی أن محله ما إذا طلب الزوج ذٰلک. (رد المحتار كراچی ۳/۱۹٤، زكريا ٤/٣٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۳۶)

کیا غیر مسلم کے ساتھ جانے سے نکاح ختم ہوجاتا ہے؟

سوال [۷۰۵۲]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: میری شادی تقریباً سات سال قبل ہوئی تھی، اور ہم میاں بیوی خوشگواری کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے، کسی قسم کی کوئی نا اتفاقی نہیں تھی، الحمد للہ ہمارے ایک بچہ بھی ہے میری بیوی اپنے میکہ گئی ہوئی تھی، وہاں سے کسی غیر مسلم لڑکے کے ساتھ گھر سے نکل کر چلی گئی تھی، تقریباً ایک ماہ بعد پولیس کی معاونت سے دستیاب ہوئی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا وہ لڑکی میری بیوی رہی یا نہیں؟ (میرا ذاتی میلان اس کی طرف نہیں رہا) اب اگر معاشرہ کے دباؤ یا کسی دوسری مجبوری کی وجہ سے اس لڑکی کو اپنے گھر لانے اور بیوی بنا کر رکھنے پر مجبور ہو جاؤں تو شریعت اسلامیہ میں اس کی کیا صورت ہوگی، اور میرے لڑکے کا کیا ہوگا؟

المستفتی: محمد عارف خاں بیگانہ کالونی، ریلوے اسٹیشن، ڈیڈوانہ ناگور، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اس لڑکی سے آپ کا نکاح صحیح ہوا ہے اور بچہ بھی ہے تو وہ بدستور آپ کی بیوی ہے اس نالائق حرکت کی وجہ سے وہ آپ کی زوجیت اور نکاح سے نہیں نکلی، وہ آپ کے لیے حلال ہے، اور وہ بچہ بھی آپ ہی کا ہے، مگر اس نے جو حرکت کی ہے وہ گناہ عظیم ہے اس ملک میں اسلامی حکومت ہوتی تو اس کے اوپر حد جاری ہوتی اور چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں اس لیے اس کے اوپر حد جاری نہیں ہوگی، لہٰذا اس کے اوپر لازم ہے کہ نادم ہو کر روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرے۔

عن جابر أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم قال: يا رسول الله! إن امرأتي لا تدفع يد لامس، قال: طلقها، قال: إني أحبها وهي امرأة جميلة، قال: فاستمتع بها. المعجم الأوسط، دار الكتب العلمية بيروت ٥/٧ رقم: ٦٤١٠)

أن رجلا أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! إن امرأتي لاتدفع يد لامس، فقال عليه السلام: طلقها فقال إني أحبها وهي جميلة فقال عليه السلام "استمتع بها"، وفي المجتبىٰ: من آخر الحظر والإباحة لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة. (البحر الرائق، كتاب النكاح فصل في المحرمات، زكريا ١٨٨/٣، كوئٹه ١٠٧/٣)

ونحوه في رد المحتار على الدر المختار. (کراچی ٦/٤٢٧، زکریا ٩/١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۶۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۶ھ

شادی کے دوسال بعد عنین ہونے کا الزام لگانا

سوال [۷۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک لڑکے کی شادی ہوئی اس کی بیوی اس کے پاس تقریباً عرصۂ دو سال رہی (اس دوران وہ اپنے میکہ بھی آتی جاتی رہی) بعد عرصہ دوسال کے اپنے میکے آکر لڑکی نے یہ الزام لگایا کہ لڑکا نامرد ہے، اور وطی پر قادر نہیں ہے اور عدالت شرعیہ میں لڑکے کے خلاف نامردی کا مقدمہ بھی دائر کردیا ہے، جبکہ لڑکے کا بیان ہے کہ میرے اندر صرف امساک کی کمی ہے، اور عضوتناسل میں ہیجان وانتشار سب کچھ پایا جاتا ہے، چنانچہ لڑکے کے والدین نے علاج کے لیے مہلت طلب کی اور چار ماہ علاج کے بعد عدالت شرعیہ نے میاں بیوی کو ایک رات خلوت کا موقع دیا، بعد ازاں بھی لڑکی لڑکے کو نامرد بتاتی ہے، اور لڑکا اپنے کو پوری طرح کامیاب بتاتا ہے، اب ایسی صورت میں یہ بتایا جائے کہ تصدیق کی کیا صورت ہے؟ لڑکی کا ڈاکٹری معائنہ کرایا جائے یا جو بھی صورت ہو جس سے لڑکی کے ثیوبت اور بکارت کا پتہ چل سکے؟

المستفتی: عبدالحق ساکن بسیڑہ ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خلوت کے بعد لڑکی لڑکے کو نامرد بتاتی ہے اور لڑکا اپنے کو بامرد اور کامیاب بتاتا ہے تو ایسی صورت میں شرعی حکم یہ ہے کہ لڑکے سے حلفیہ بیان لے کر اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور اگر اس سے حلفیہ تصدیق نہ ہوسکے تو لڑکی کی

ڈاکٹری کرائی جائے کہ وہ لڑکی اب بھی باکرہ ہے یا شوہر کے صحبت کرنے کی وجہ سے ثیبہ ہو چکی ہے، اوراس زمانہ میں لیڈیز ڈاکٹر بہت آسانی سے ملتی ہیں۔

عن الثوری فی العنین قال: إن كانت امرأة ثيبا فالقول قوله و يستحلف، و إن كانت بكرا نظر إليها النساء. (مصنف عبد الرزاق، كتاب النكاح، باب أجل العنين، المجلس العلمی بیروت ٦/ ٢٥٥، رقم: ١٠٧٣٠)

وإن اختلف الزوج والمرأة فی الوصول إليها فإن كانت ثيبا فالقول قوله مع يمينه (وقوله) و إن حلف بطل حقها و إن نكل يوجل و إن كانت بكرا نظر إليها النساء فإن قلن هی بكر أجل سنة لظهور كذبه وإن قلن هی ثيب يحلف الزوج فإن حلف لا حق لها. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره، اشرفی دیوبند ٢/ ٤٢١، تاتارخانية زكريا ٥/ ٢٢١ رقم: ٧٧٠٧، ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٣٩-١٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رجمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۳۵)

بیوی عنین ہونے کا دعویٰ کرے اور شوہر منکر ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال [۷۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی کے (لگ بھگ) ۶ رمہینے کے بعد لڑکی کا یہ کہنا ہے کہ شوہر نامرد ہے، اور میں اس کے ساتھ زندگی نہیں گذارنا چاہتی اور طلاق لینا چاہتی ہوں جبکہ لڑکے (شوہر) کا کہنا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، اور یہ میرے اوپر بے بنیاد الزام ہے، اور میں بیوی کو رکھنا چاہتا ہوں، پھر بھی لڑکی کے اصرار اور چاہنے پر لڑکا طلاق دینے کو راضی ہوسکتا ہے تو کیا اس صورتِ حال میں لڑکے کو مہر ادا کرنے ہوں گے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟

المستفتی: وجاہت علی محلّہ کالی پگڑی امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرلڑکی شوہر کونامرد کہتی ہےاوراسی بناء پرشوہر سے علیٰحدگی چاہتی ہےاورشوہر نامرد ہونے کا انکارکرتا ہےتوایسی صورت میں شریعت لڑکی پر یہ حکم نافذ کرتی ہے کہ شوہر کے پاس مزید ایک سال رہےاورلڑکی کوشوہر کے پاس ایک سال رہنا ہوگا،اس درمیان شوہر کی ڈاکٹری کرائی جائے،اورلڑکی کی بھی ڈاکٹری کرائی جائے کہ اس کا پردہ بکارت شوہر کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اگرختم ہو چکا ہےتو شوہر سے اس طرح قسم لی جائے کہ وہ بیوی پر صحبت کرنے میں قادر ہو چکا ہے،اگرشوہر قسم کھالے گا تو بیوی کو شرعی طور پر شوہر کے ساتھ جانا ہوگا۔

عن عبد الله قال: يؤجل العنين سنة، فإن وصل إليها، وإلا فرق بينهما ولها الصداق. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي، بيروت ٣٤٣/٩، رقم: ٩٧٠٦)

وادعت أنه عنين و طلبت الفرقة فإن القاضي يسأله هل وصل إليها أو لم يصل فإن أقر أنه لم يصل أجله سنة سواء كانت المرأة بكرا أم ثيبا و إن أنكر و ادعى الوصول إليها فإن كانت المرأة ثيبا فالقول قوله مع يمينه أنه وصل إليها. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الطلاق، الباب الثاني عشر في العنين زكريا قديم ٥٢٢/١، جديد ٥٧٦/١، تاتارخانية زكريا ٢٢٠/٥ رقم: ٧٧٠٤، هدايه اشرفي ديوبند ٤٢٠/٢)

اوراگرلڑکی پھر بھی طلاق ہی کے لیے اصرار کرتی ہے تو شوہر کو خلع کرنے پر راضی کرلے کہ اپنا مہر معاف کر کے طلاق حاصل کرلے، نیز ساتھ ساتھ گنہگار بھی ہوگی، کیونکہ طلاق شرعاً بہت بری چیز ہے۔

عن ابن عمر أن النبي ﷺ قال: أبغض الحلال إلى الله الطلاق. (سنن أبي داؤد، الطلاق، باب كراهية الطلاق النسخة الهندية ٢٩٦/١، دار السلام رقم: ٢١٧٨، سنن ابن ماجه، أبواب الطلاق، النسخة الهندية ١٤٥، دار السلام رقم: ٢٠١٨)

بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها له لقوله تعالىٰ: فلا جناح عليهما فيما افتدت به. (هدايه، باب الخلع اشرفي ديوبند ٤٠٤/٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۳۱/۳۳)

قلت امساک کی وجہ سے لڑکا عنین نہ ہوگا

سوال [۷۰۵۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صرف قلت امساک کی وجہ سے لڑکے پر عنین ہونا ثابت ہوجاتا ہے یانہیں؟

المستفتی: عبدالحق بسیڑہ ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قلت امساک کی وجہ سے عنین کا حکم لاگونہیں ہوتا ہے، بلکہ صرف حشفہ داخل کرنے پر قدرت ہے تو بھی عنین نہیں کہا جائے گا اور کامیاب مرد کے حکم میں ہوگا۔

وإذا أولج الحشفة فليس بعنين. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب الثانی عشر فی العنین وغیرہ زکریا قدیم ۱/۵۲۲، جدید ۱/۵۷٦)

وفي البحر: إذا أولج الحشفة فقط ليس بعنين. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۳۷، البحر الرائق کوئٹه ٤/۱۲۲، زکریا ٤/۲۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۳۵)

کیا قلت امساک کی وجہ سے بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے؟

سوال [۷۰۵٦]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی نے دھامپور شرعی پنچایت میں مقدمہ دائر کیا کہ میرا شوہر حق زوجیت بالکل ادانہیں کرسکتا، شرعی پنچایت والوں سے جب بالکل حق زوجیت ادانہیں کرسکتا، کا مطلب معلوم کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ لڑکی کا مقصد اس سے شوہر میں رکاوٹ اور امساک

کی کمی کا ہونا ہے، لڑکے (شوہر) کے والد محترم نے چار ماہ علاج کی مہلت طلب کی علاج کے چار ماہ بعد دونوں میاں بیوی کے درمیان ایک رات خلوت کرائی گئی، خلوت کے بعد لڑکی (بیوی) کا بیان ہے کہ میرے شوہر بالکل پہلے ہی جیسے ہیں جبکہ شوہر کہتا ہے کہ میں پہلے سے بہت زیادہ کامیاب ہوں اور میں نے تین مرتبہ جماع کیا ہے۔

(۱) مسئلہ مطلوب یہ ہے کہ اگر بیوی قلت امساک کی بناء پر طلاق چاہے اور لڑکا طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو حکم شرعی کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

(۲) نیز خلوت کے بعد جبکہ مابین زوجین اختلاف واقع ہوا تو دونوں میں سے کس کے قول کا اعتبار کیا جائے گا؟

ایسے حالات میں جبکہ شوہر کی طرف سے بیوی کے نفس پر کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ ہو شوہر کہتا ہے کہ جب تک یہ معاملہ حل نہ ہو میری بیوی میرے ہی گھر پر رہے میں ان شاء اللہ اس کے تمام حقوق ادا کروں گا، مگر لڑکی کے ماں باپ اپنی بیٹی کو شوہر کے گھر نہیں بھیجتے تو کیا ان کو روکنے کا حق حاصل ہے؟ جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: عبدالحق بسیڑہ خورد، ضلع بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر شادی کے بعد سے ایک دفعہ بھی جماع ہو چکا ہے تو بیوی کو فسخ نکاح کا حق نہ ہوگا اور نہ ہی قاضی اور پنچایت کو فسخ کرنے کا حق ہے، نیز قلت امساک کی وجہ سے شرعاً فسخ کا حق نہیں ہوتا اور نہ ہی شوہر عنین ہوتا ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۳۵، جدید امارت شرعیہ ہند ۶۹)

ولـو وصـل إليها مرة ثم عجز لا خيار لها. (هـنـديه، كتاب الطلاق، الباب الثاني عشر في العنين، قديم زكريا ١/٥٢٤، جديد ١/٥٧٨)

إذا أولج الحشفة فليس بعنين. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب الثاني عشر في العنين وغيره، زكريا قديم ١/٥٢٢، جديد ١/٥٧٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٣٧، البحر الرائق كوئٹه ٤/١٢٢، زكريا ٤/٢٠٦)

(۲) خلوت کے بعد اختلاف کی صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوتا ہے لیکن ساتھ ساتھ شوہر سے باقاعدہ حلف لینا بھی ضروری ہے اور شوہر کے حلفیہ بیان کے بعد شوہر کے پاس ہی بیوی کا رہنا شرعاً لازم ہے۔

عن الثوری فی العنین قال: إن کانت امرأۃ ثیبا فالقول قوله و یستحلف و إن کانت بکرا نظر إلیها النساء. (مصنف عبد الرزاق، کتاب النکاح، باب أجل العنین، المجلس العلمی بیروت ٦/٢٥٥، رقم: ١٠٧٣٠)

وإن أنکر وادعی الوصول إلیها فإن کانت المرأۃ ثیبا فالقول قوله مع یمینه أنه وصل إلیها. (هندیه، زکریا قدیم ١/٥٢٢، جدید ١/٥٧٦، هدایه، اشرفی دیوبند ٢/٤٢١، تاتارخانیة زکریا ٥/٢٢١ رقم: ٧٧٠٧، ملتقی الأبحر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/١٣٩-١٤٠)

اس وقت جب شوہر بیوی کے تمام حقوق کی رعایت کر کے رکھنے پر تیار ہے اور شرعی طور پر عنین ہونا ثابت نہیں ہے تو ایسی حالت میں بیوی کو شوہر کے یہاں ہی رہنا چاہیے اور میکے والے کو روکنے کا حق نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۶/۱۴۱۲ھ

نامرد شوہر سے طلاق حاصل کرنا

سوال [۷۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی فرقان سے ہوئی تھی میں اپنے شوہر کے گھر گئی، میرا شوہر دائرۂ مردانگی سے خارج ہے، اور وہ نہ ڈاکٹر ہے نہ صاحب ہنر، بہر حال اب میرا ان کے ساتھ نبھاؤ مشکل ہو رہا ہے میں ان سے طلاق حاصل کرنا چاہتی ہوں، ۲۵؍ ہزار روپیہ اور جہیز وغیرہ ان کے پاس میرا ہے، اگر میں طلاق کا مطالبہ کروں تو کیا مجھے شرعاً مہر اور زیور جہیز وغیرہ لینے کا حق ہے یا نہیں، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: معراج النساء، سیدھی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اولاً شوہر کے نامرد ہونے کا ثبوت شرعی گواہوں کے ذریعہ پیش کیا جائے اور اگر گواہ نہ ہوں تو ڈاکٹری کراکے ڈاکٹری ثبوت پیش کیا جائے، اگر شہادت اور ڈاکٹری کے ذریعہ نامرد ہونے کا ثبوت ہوجائے تو آپ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہیں، اگر وہ طلاق دیتا ہے تو فبہا ورنہ اس سے مہر کے عوض میں خلع کے مطالبہ کی گنجائش ہے۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی ديوبند ۲/ ۴۰۵، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۸۹، جديد ۱/ ۵۴۹)

اور آپ کے جہیز کا سامان ہر حال میں آپ کا ہے وہ آپ ہی کو ملے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۸/ ۳۵۸)

فلا خلاف في كون الجهاز للبنت. (شامی، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ۳/ ۱۵۷، زكريا ۴/ ۳۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۱۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۶/ ۱۴۱۹ھ

نامرد شوہر سے خلوت کے بعد مہر کا لزوم

سوال [۷۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد سلیم کا نکاح ۲۵/ مارچ ۲۰۰۰ء کو میری لڑکی عظمیٰ پروین سے ہوا اس شادی کو تقریباً تین سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا، لڑکی اب تک اپنے شوہر کے ساتھ گذارہ کرتی رہی، اتنے عرصہ کے درمیان لڑکی کو پورا یقین ہوگیا کہ یہ لڑکا قطعی طور پر اس لائق نہیں ہے کہ اس کے ساتھ گذر کر سکے، یہ لڑکا مردانگی قوت سے ناکام ہے، اس لیے یہ دیکھتے ہوئے محلّہ کے چند معزز لوگوں نے یہ فیصلہ کرادیا کہ طلاق ہونی چاہیے، لہٰذا لڑکے نے لڑکی کو طلاق دیدی اور

تمام سامان واپس ہوگیا، اور وہ مہر مہر فاطمی ہے، لڑکے نے اپنی مرضی سے طلاق دی ہے، حالات کو دیکھتے ہوئے کوئی دباؤ نہیں تھا تو لڑکی مہر کی رقم لینے کی مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد افضال کٹاباغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر عورت کے ساتھ خلوت کر چکا ہے تو اب شوہر پر مہر واجب ہوگیا جو عورت کا حق ہے اور شوہر نے جب بغیر مہر کی معافی کے شرط کے طلاق دیدی تو مہر عورت کو دینا لازم ہوگیا اس کا ادا کرنا شوہر پر لازم اور ضروری ہے۔

ولو مجبوبا أو عنينا أو خصيا أی الخلوة بلا الموانع المذكورة كالوطئ ولو كان الزوج مجبوبا أو نحوه فلها كمال المهر بعد الطلاق والخلوة. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ۳/ ۱۵۵، زكريا ۳/ ۲۷۱)

وإذا خلا بها بلا مانع من الوطئ حسا أو شرعا أو طبعا كمرض يمنع الوطئ ورتق وصوم رمضان و إحرام فرض أو نفل و حيض و نفاس لزمه تمام المهر ولو كان خصيا أو عنينا و كذا لو كان مجبوبا. (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ۱/ ۵۱۴-۵۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۳۷)

شوہر عنین ہو تو بیوی کیا کرے؟

سوال [۷۰۵۹]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شوہر وزوجہ ایک ہی شہر کے رہنے والے ہوں اور قاضی شہر حافظ قرآن اور قانون شرع کے تمام مسائل کو کما حقہ جانتا ہو تو کیا عنین کا معاملہ دوسرے شہر کے کسی قصبہ کے مفتی کے روبرو دائر وسماعت ہوسکتا ہے؟

(۲) کیا عنین کے معاملہ میں زوجہ کی درخواست پر بغیر اطلاع شوہر یکطرفہ کارروائی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اور بغیر سماعت اعذارِ شوہر و بغیر معائنہ ڈاکٹری نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قانون شریعت کی روشنی میں سوالات مذکورہ کے جوابات سے آگاہ فرمانے کی تکلیف برداشت کریں۔

المستفتی: عبدالحمید خاں رٹائرڈ ریڈر حافظ منزل ۲۱/۱۰۴، شری پورہ کوٹہ راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عنین کے بارے میں شرعی حکم یہی ہے کہ قاضی کے پاس درخواست پیش ہونے کے بعد قاضی کے حکم سے شوہر کو ایک سال علاج کی مہلت دینا واجب ہے اور اس درمیان میں شوہر کو بیوی سے ملنے اور ہمبستری کا پوار پورا موقع دینا بھی لازم ہے، ان امور کے بغیر عنین کا نکاح فسخ کرنے سے فسخ نہیں ہوگا، عورت بدستور عنین کی بیوی شمار ہوگی، اس سے تینوں سوالات کے جوابات واضح ہوگئے ۔(الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۳۱تا ۳۸، جدید امارت شرعیہ ہند ۶۳ تا ۷۳)

عن عبد الله قال: يؤجل العنين سنة، فإن وصل إليها، وإلا فرق بينهما ولها الصداق. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ٣٤٣/٩ رقم ٩٧٠٦)

وادعت أنه عنين وطلبت الفرقة فإن القاضي يسأله هل وصل إليها أو لم يصل فإن أقر أنه لم يصل أجله سنة سواء كانت المرأة بكرا أم ثيبا، و إن أنكر وادعى الوصول إليها فإن كانت المرأة ثيبا فالقول قوله مع يمينه أنه وصل إليها.

(هنديه، كتاب الطلاق، الباب الثاني عشر في العنين، زكريا قديم ٥٢٣/١، جديد ٥٧٦/١، تاتارخانية زكريا ٢٢٠/٥ رقم: ٧٧٠٤، هدايه اشرفي ديوبند ٤٢٠/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۳ھ

شوہر کو عنین بتا کر بیوی کا فسخ نکاح کا مطالبہ کرنا

سوال [۷۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نوجوان کی چند سال ہوئے شادی ہوئی ہے، شادی کے چند ماہ بعد اختلافات کی وجہ سے لڑکی اپنے میکہ میں چلی گئی، لڑکی کا کہنا ہے کہ شوہر عنین ہے اور بار بار کوشش کے باوجود جماع پر قادر نہیں ہوسکا، جب کہ لڑکا کہتا ہے کہ بار بار کوشش کے باوجود عورت اس کو قریب نہیں ہونے دیتی، اور مختلف حیل اور بہانوں سے جماع نہیں کرنے دیتی، واضح رہے کہ شادی کے بعد کئی ماہ دونوں گھر کے ایک علیٰحدہ کمرے میں جدا رہے ہیں اس صورت میں عورت شوہر سے جدا ہونے کے لیے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اور لڑکا اپنے عنین ہونے کا انکار کرتا ہے، اور طبی جانچ کا سرٹیفکیٹ پیش کرتا ہے، ڈاکٹروں کی یہ جانچ اعضاء کے سلامت ہونے تک محدود ہے اور سرٹیفکٹ میں اسی اعتبار سے اس کو تندرست کہا گیا ہے، عورت کی جانب سے یہاں کے محکمہ شرعیہ میں فسخ وتفریق کا مطالبہ کیا گیا ہے، اس پر لڑکے نے اپنے عنین نہ ہونے پر مذکورہ بالا تفصیلات والے طبی ثبوت پیش کیے ہیں، اس صورت میں کیا عورت کا مطالبۂ فسخ درست ہے یا نہیں؟ اور کیا شوہر کے پیش کردہ ثبوت معتبر مانے جائیں گے یا نہیں؟

المستفتی: مفتی احمد دیولوی، سکریٹری محکمہ شرعیہ ضلع بھروچ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تحریر کے ہر گوشے پر غور کیا گیا، مناسب شکل یہ نظر آئی کہ لڑکے کے سرٹیفکٹ اور اس کے دعوے کا اعتبار کرکے فی الحال لڑکی کو لڑکے کے ساتھ رہ کر حقوق زوجیت ادا کرنے کا حکم صادر کردیا جائے اس کے بعد دونوں کو الگ الگ بلا کر سمجھایا جائے، لڑکی سے کہا جائے کہ شوہر کو قابو دینے میں مانع نہ بنے، اور لڑکے کو یہ سمجھایا جائے کہ اس کی دل جوئی کرکے حق ادا کرنے کی کوشش کرے، نیز شرعی حکم بھی یہی ہے کہ مردانہ کمزوری کی صورت میں ایک موقع سال بھر تک کے لیے شوہر کو دیا جائے اور اس زمانہ

میں بیوی شوہر کے پاس ہی رہا کرے۔

عن عمر قال: يؤجل العنين سنة. (سنن الدارقطني، النكاح، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۲۱۱، رقم: ۳۷۶۹)

فإذا ثبت عدم الوصول إليها أجله القاضي سنة طلب الرجل التاجيل أو لم يطلب و يشهد على التاكيد و يكتب لذٰلك تاريخا. (قاضيخان، كتاب النكاح، فصل في العنين زكريا ۱/۲٤٦، وعلى هامش الهندية زكريا ۱/٤۱۰، هنديه زكريا قديم ۱/۵۲۳، جديد ۱/۵۷٦، تاتارخانية زكريا ۵/۲۲۰ رقم: ۷۷۰٤، هدايه اشرفى ديو بند ۲/٤۲۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ر رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۷/ ۱۴۲۶ھ

اگر شوہر عنین ہو تو تفریق کی صورت کیا ہوگی؟

سوال [۷۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا، والدین نے حسب حیثیت جہیز دیا، مہمانوں کی خاطر و تواضع کی، سسرال سے واپس آکر ہندہ نے گھر کی خواتین کو بتلایا کہ میرا شوہر وظیفۂ زوجیت باوجود کوشش کے ادا نہیں کرسکا، جس پر چند عزیزوں نے فوراً طلاق کا مشورہ دیا، عبد اللہ کا اس سلسلے میں یہ کہنا ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق فوراً طلاق لینا مناسب نہیں ہے، کسی دیندار طبیب حاذق سے ایک سال تک علاج کراؤ، اگر اس عرصہ میں زید ٹھیک ہو جائے تو ہندہ کو سسرال بھیج دو، اگر ایک سال علاج کے بعد بھی زید کی یہ تکلیف دور نہ ہو تو کسی شرعی عدالت سے رجوع ہو کر نکاح فسخ کرالو، گواہی کے طور پر حکیم صاحب کا بیان کافی ہوگا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ مندرجہ بالا حالات میں عبد اللہ کا مشورہ درست ہے؟ اور از روئے شرع کیا حکم ہے، شرعی فیصلہ سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمر، شاہجہاں پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر حقوق زوجیت ادا کرسکتا ہے یا نہیں اس سلسلے میں صحیح صورت حال معلوم کرلی جائے اگر واقعی شوہر حقوق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہے تو اس کو علاج کا موقع دیا جائے، اس درمیان بیوی شوہر کے ساتھ رہے، اور اگر علاج کے باوجود کامیابی نہیں ملتی ہے تو محکمہ شرعیہ وعدالت شرعیہ میں عورت کو درخواست گذار کر وہاں سے فیصلہ حاصل کرنے کا حق ہے، اور شوہر سے شرعی تفریق حاصل کیے بغیر نہ عورت آزاد ہوسکتی ہے اور نہ ہی دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۱۰/۲۲، الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۳۳، جدید امارت شرعیہ ہند ۶۷)

لو وجدته عنينا هو من لا يصل إلى النساء ...... أو خصيا لا ينتشر ذكره ...... أجل سنة ...... بانت بالتفرق من القاضي إن أبى طلاقها بطلبها.

(شامي على الدر المحتار، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره، زكريا ۵/۱۶۸ - ۱۷۲، كراچی ۳/۴۹۶-۴۹۸، قاضيخان ۱/۵۲۳، جديد ۱/۵۷۶، تاتارخانية زكريا ۵/۲۲۰ رقم: ۷۷۰۴، هدايه اشرفي ديوبند ۲/۴۲۰)

أما نكاح منكوحة الغير ...... لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامي، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد، كراچی ۳/۱۳۲، زكريا ۴/۲۷۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۱؍جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۲۸۷)	۱۴۲۲/۶/۲۱ھ

مردانہ کمزوری والے شوہر کو کتنی مہلت دی جائے گی

سوال [۷۰۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مرد اور لڑکی کا نکاح تقریباً تین سال قبل ہوا تھا، اس دوران لڑکی اپنے شوہر کے یہاں چار پانچ بار جاچکی ہے لیکن آہستہ آہستہ طرفین کے تعلقات خراب ہوگئے اور نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ لڑکی شوہر سے طلاق کا مطالبہ کررہی ہے، کیونکہ بقول اس کے

شوہر جسمانی طور پر ناقص ہے، اور ساتھ ساتھ مہر اور سامان جہیز مطالبہ کرتی ہے لیکن شوہر اس کی تردید کرتا ہے کہ میں بالکل تندرست ہوں اور میرے اندر کوئی جسمانی کمزوری نہیں ہے اس لیے میں محض اس بنا پر طلاق نہیں دوں گا ہاں اگر طلاق لینا ہے تو خلع کرلیا جائے، اور مہر اور سامانِ جہیز کے بدلے میں طلاق لے لی جائے، کیونکہ اس شادی میں کافی خرچہ ہوا ہے اور دوسری شادی میں بھی خرچ کرنا ہوگا، ہاں اگر میں خود طلاق دیتا، تو پھر مہر اور جملہ سامان جہیز واپس کردیتا، دوسری طرف لڑکی اور اس کے والدین مہر اور جہیز کا مطالبہ ساتھ ساتھ کررہے ہیں، کیونکہ ان کو بھی دوسری شادی کرنا ہے، اس میں سامان کی ضرورت ہے، اس لیے آنجناب سے گذارش ہے کہ لڑکی کا مطالبہ درست ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ خلع کی کیا شکل ہوگی؟

المستفتی: کامل کاندھلہ، مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر مہر وسامان کے بغیر خلع یا طلاق کے لیے تیار نہیں ہے، جو کہ اس کے اختیار میں ہے، تو شرعاً اس پر کوئی جبر نہیں۔

وإذا تشاق الزوجان و خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفدى بمال يخلعها به لقوله تعالىٰ: فلا جناح عليهما فيما افتدت به. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفي بكڈپو ديوبند ٢/ ٤٠٤، قديم ٣٨٤)

اس طرح اگر طبی وشرعی تحقیق سے شوہر کا عنین ہونا اور نامرد ہونا ثابت ہو جائے تو ایک سال کی مہلت دینا لازم ہوگا، اور اس عرصہ میں شوہر اپنا علاج کراتا رہے گا، نیز بیوی کو شوہر کے ساتھ ہی رہنا ہوگا، اور اس درمیان اگر شوہر جماع پر قادر ہو جائے تو بیوی کا دعویٰ باطل ہوگا اور ہمیشہ شوہر کے ساتھ رہنا لازم ہوگا، اور اگر ایک سال کے بعد پھر شرعی وطبی تحقیق سے عنیت باقی رہنا ثابت ہو جائے تو دوبارہ محکمہ شرعیہ میں درخواست دے کر نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اور شروع میں شرعی وطبی تحقیق سے عنین و نامرد ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے تو بیوی کا دعویٰ شرعاً باطل ہوگا اور شوہر کے ساتھ رہ کر زندگی گذارنی ہوگی۔

إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي و ادعت أنه عنين و طلبت

الفرقة فإن القاضي يسأله هل وصل إليها أو لم يصل، فإن أقر أنه لم يصل أجله سنة سواء كانت المرأة بكرا أم ثيبا، و إن أنكر وادعى الوصول إليها فإن كانت المرأة ثيبا فالقول قوله مع يمينه أنه وصل إليها كذا في البدائع فإن حلف بطل حقها، و إن نكل يؤجل سنة كذا في الكافي. (هنديه، الباب الثاني عشر في العنين، زكريا ديوبند ١/٥٢٢، هكذا فتاویٰ قاضيخاں زكريا ١/٢٤٦، و على هامش الهندية ١/٢١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۲۵)

قاضی شرعی کا شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ کرنا

سوال [۷۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا لڑکا اگر لڑکی کو طلاق نہ دے تو وہ عدالت سے بوجہ نامردی طلاق حاصل کرسکتی ہے؟ اور کیا عدالت کے ذریعہ دی ہوئی طلاق شرعی طور پر جائز ہوگی، جبکہ جج مسلمان ہو، اگر جج غیر مسلم ہو تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: نور علی ایڈوکیٹ ملہوپورا، مظفرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسلم جج احکام شرعیہ کے مطابق تفریق کرے، تو صحیح ہے، اور اگر جج غیر مسلم ہے یا مسلم جج احکام شرعیہ کے خلاف تفریق کردے تو صحیح نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/ ۲۲۶، جدید مکتبہ ادارہ الفاروق کراچی ۸/ ۴۹۴، وفتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۱۴۳ تا ۱۴۴، جدید زکریا ۸/ ۳۷۷-۳۷۸)

﴿قال الله تعالى: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا.
[النساء: ١٤١]﴾

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم. (شامی،کتاب القضاء، باب التحکیم، کوئٹه ٤/٣٨٦، کراچی ٥/٤٢٨، زکریا ٨/١٢٦)

وقد اتفق الأئمة الحنفية والشافعية أنه يشترط لصحة الحكم و اعتباره حقوق العبادالدعوىٰ الصحيحة وأنه لا بد فى ذٰلک من الخصومة الشرعية. (شامی، کتاب القضاء، مطلب: الحکم الفعلی، کراچی ٥/٣٥٤، زکریا ٨/٢٣، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ٤/١٩٣، زکریا ٥/١١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/۴۱۴)

زوجہ مفقود الخبر کیا کرے؟

سوال [۷۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:رقیہ کے شوہر کا دماغ خراب تھا جس کوتقریباً مکان سے گئے ہوئے چار سال ہو چکے، کافی تلاش وجستجو کے باوجود کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ رقیہ کے معاشی حالات بہت کمزور ہیں،چھوٹے کئی بچے ہیں،ایسی حالت میں رقیہ عقد ثانی کرنا چاہتی ہے؟

المستفتی:محمد اطہر محلّہ سرائے ترین،سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب تک رقیہ اپنے موجودہ شوہر سے شرعی طور پر تفریق حاصل نہ کرے گی اس وقت تک نکاح ثانی ناجائز اورحرام ہوگا۔

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيه (إلى قوله) لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامی، کتاب النکاح، مطلب: فی النکاح الفاسد کراچی ٣/١٣٢، زکریا ٤/٢٧٤)

والمحصنٰت من النساء عطف على أمهاتكم يعنى حرمت عليكم

المحصنٰت من النساء أی ذوات الأزواج لا یحل للغیر نکاحهن مالم یمت زوجها، أو یطلقها و تنقضی عدتها من الوفات أو الطلاق. (تفسیر مظهری سورة النساء تحت رقم: ٢٤، زکریا دیوبند ٢/ ٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۵/ ۱۴۱۲ھ

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم

سوال [۷۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کا شوہر سات سال پہلے غائب ہوا تھا ہندہ کے پاس دو بچے بھی ہیں، دو تین سال پہلے شوہر کا ایک خط آیا تھا اور ایک جگہ اپنے ایک رشتہ دار کو نظر بھی آیا اس کے بعد اس کا کوئی سراغ نہیں ملا، ہندہ کے والدین اس کا نکاح کرنا چاہتے ہیں، اس صورت میں اس کے نکاح کی صورت کیا ہوگی؟ مع حوالہ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: تصدق حسین راجپور مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سات سال سے شوہر کے غائب ہو جانے کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان نکاح باقی رہنے میں کوئی اثر نہیں پڑے گا، دونوں کا نکاح بدستور باقی ہے، لہٰذا اگر ہندہ کا نکاح موجودہ شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل کیے بغیر دوسری جگہ کیا جائے گا تو وہ نکاح صحیح اور درست نہ ہوگا، لہٰذا اگر شوہر لاپتہ ہے اس کا کسی طرح سراغ نہیں مل رہا ہے تو ہندہ اپنے قریب کے محکمہ شرعیہ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر دے اور محکمہ شرعیہ تحقیق کرنے کے بعد شرعی تفریق کر دے گی، اس کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے، اور تفریق حاصل کیے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

والمحصنٰت من النساء عطف علی أمهاتکم یعنی حرمت علیکم

المحصنٰت من النساء أی ذوات الأزواج لا یحل للغیر نکاحهن مالم یمت زوجها، أو یطلقها و تنقضی عدتها من الوفات أو الطلاق. (تفسیر مظهری، سورة النساء، تحت رقم: ٢٤، زکریا دیوبند ٦٤/٢)

أما نکاح منکوحة الغیر و معتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة إن علم أنها للغیر؛ لأنه لم یقل أحد بجوازه، فلم ینعقد أصلا. (شامی، کتاب النکاح، مطلب: فی النکاح الفاسد کراچی ١٣٢/٣، زکریا ٢٧٤/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۱۷/۳۸)

زوجۂ مفقود الخبر کے نکاح کا مسئلہ

سوال [۷۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جس کا نکاح ہندہ سے ہوا، پھر زید نکاح کے تقریباً ایک ہفتہ بعد فرار ہوگیا، زید کو فرار ہوئے تقریباً چھ سال ہوگئے ہیں، اب زید کے بارے میں نہ تو یہ تحقیق ہے کہ وہ زندہ ہے اور نہ اس کے مردہ ہونے کی کوئی تحقیق ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ منکوحہ ہندہ نکاحِ ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ مزید یہ کہ ہندہ ابھی تک زید کے ماں باپ کے خرچہ پر زندگی گذار رہی ہے، اور ہندہ اب اپنے ماں باپ کے گھر ہے، باوجود اس کے ہندہ کے ماں باپ زید کے ماں باپ سے جبراً خرچ طلب کرتے ہیں، ان کا یہ خرچ لینا درست ہے یا نہیں؟ اور ہندہ کیا کرے؟ نکاح ثانی کرے یا نہ کرے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: منیر حسن، پونچھ، کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل کیے بغیر دوسری جگہ شادی کرنا جائز نہ ہوگا، لہٰذا شوہر کے غائب ہو جانے کی صورت میں لڑکی اپنا

معاملہ محکمہ شرعیہ یا شرعی پنچایت میں پیش کردے، وہاں سے شرعی فیصلہ حاصل ہوجائے گا اور بیوی کے نفقہ کا ذمہ دار شوہر ہوتا ہے اس کے والدین نہیں، لہٰذا زید کے مفقود ہونے کی صورت میں اس کے والدین سے جبراً نفقہ لینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۴۸، جدید امارت شرعیہ ہند ۸۵-۸۶، کفایت المفتی قدیم ۶/ ۲۰۹، جدید زکریا مطول ۸/ ۵۱۰، احسن الفتاویٰ ۸/ ۴۲۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸/ ۱۷۲، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۲۱۱)

فی حدیث طویل: فاتقوا الله فی النساء فإنکم أخذتموهن بأمان الله، و استحللتم فروجهن بکلمة الله، ولکم علیهن أن لا یوطئن فرشکم أحدا تکرهونه، فإن فعلن ذلک فاضربوهن ضربا غیر مبرح، ولهن علیکم رزقهن و کسوتهن بالمعروف. (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی ﷺ، النسخة الهندیة ۱/ ۳۹۷، بیت الافکار رقم: ۱۲۱۸)

تجب علی الرجل نفقة امرأته المسلمة. (تاتارخانیة زکریا ۵/ ۳۵۸، رقم: ۸۲۰۱، عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات زکریا قدیم ۱/ ۵۴۴، جدید ۱/ ۵۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۹۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

زوجۂ مفقود الخبر کتنے سال نکاح ثانی سے رکے گی؟

سوال [۷۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مفقود الخبر شخص کی بیوی کو کتنے سال تک نکاح سے رکنا پڑے گا، پانچ سال یا تین سال؟

مفقود الخبر شخص کی بیوی دارالقضاء میں یہ درخواست دے کہ میرے شوہر پانچ سال سے یا چار سال سے غائب ہیں، تو تین سال یا چار سال اس وقت سے لیا جائے گا جس وقت سے زوجۂ مفقود الخبر غائب ہے، یا اس وقت سے لیا جائے گا جب سے زوجۂ مفقود الخبر نے

دارالقضاء میں درخواست پیش کی ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم مہیش پور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قاضی یا شرعی محکمہ کے پاس درخواست گذارنے کے چار سال بعد تفریق ہوگی، اورنہایت ناگزیر حالات میں قاضی یا شرعی محکمہ درخواست گذارنے کے ایک سال بعد تفریق کا حکم لگا سکتا ہے،اس کے بعد عدت وفات گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔(الحیلۃ الناجزۃ، مطبوعہ دارالاشاعت دیوبند ۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۵۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۲ھ

مفقود الخبر کی زوجہ کتنے سال انتظار کرے اور اس کے نفقہ کا حکم

سوال [۷۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے چار لڑکے ہیں، جب لڑکوں نے علیٰحدہ ہونے پر اصرار کیا اور کسی طرح نہ مانے تو زید اپنی زندگی کا کمایا ہوا کل مال چاروں لڑکوں میں برابر تقسیم کردیا، اور چاروں سے لکھوا کر بھی لے لیا وہ کاغذات رجسٹری شدہ محفوظ ہیں، دولڑکوں نے ایک جگہ ساجھے میں کام شروع کیا، غلط راہ پر چلنے پر کافی نقصانات ہوئے، اور سمجھانے بجھانے پر بھی نہ مانے، آخر میں دونوں بھائیوں میں جھگڑا ہوا، اور دونوں علیٰحدہ ہوگئے، دونوں نے الگ الگ کام کرلیا، ایک کا کام فیل ہوگیا، یہاں تک کہ جو مکان اس کے رہنے کے لیے دیا تھا وہ بیچ دیا، اور بیچ کر لاپتہ ہوگیا، اس واقعہ کو تقریباً تین سال کا عرصہ گذر گیا اس فرار لڑکے کی بیوی اور لڑکی ہے جو کہ اپنے میکہ میں رہتی ہے، میکہ والے نہایت غریب ہیں، میکہ والے زید کو کہتے ہیں کہ اپنی بہو کو گھر لاؤ، جبکہ زید کے لڑکے کو فرار ہوئے تین سال کا عرصہ ہوگیا، براہ کرام یہ بتلائیں کہ شریعت کے مطابق لڑکے کی بیوی اور پوتی کا حق نکلتا ہے یا نہیں؟ حالانکہ زید اپنی تمام ملکیت

اپنے چاروں لڑکوں کو برابر تقسیم کر چکا ہے۔

مذکورہ بالاصورت میں بیوی اپنے شوہر کا انتظار کب تک کریگی؟ جبکہ بیوی کی عمر ابھی ۲۰/ برس ہے؟

المستفتی: حاجی امیر حسن محلّہ علی خاں کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید کا لڑکا بالکل لا پتہ ہوگیا اور بیوی کے اخراجات کا کوئی انتظام نہیں ہے تو اگر غائب شوہر کی ملکیت میں مال ہو تو اس میں سے بیوی اور بچی کا خرچ لیا جائے گا، اور اگر کوئی مال وغیرہ نہیں ہے تو بیوی اپنے شوہر کے نام بھائی یا چچا سے قرض لے کر اپنی ضروریات پوری کرتی رہے اور غائب شوہر کی واپسی پر اس سے روپیہ لے کر قرض ادا کرے۔

كما في الدر المختار لو غائب وله زوجة وصغار تقبل بينتها على النكاح إن لم يكن عالم به ثم يفرض لهم ثم يأمرها بالإنفاق أو الاستدانة لترجع. (الدر المختار مع الشامی، باب النفقة کراچی ۳/ ۳۰۹، زکریا ۵/ ۳۳۲)

بھائی اور چچا پر واجب ہے کہ قرض دیں۔

كما في الدر المختار: وتجب الإدانة على من تجب عليه نفقتها و نفقة الصغار لو لا الزوج كأخ و عم ويحبس الأخ و نحوه إذا امتنع. (در مختار کراچی ۳/ ۵۹۲، زکریا ۵/ ۳۰۹)

(۲) اگر بیوی کو معصیت کا سخت خطرہ ہے تو وہ اپنا معاملہ شرعی پنچایت میں پیش کرے اور شرعی پنچایت بیوی کے حالات کی تفتیش کر کے ''الحیلۃ الناجزۃ جدید امارت شرعیہ ہند ۸۴ تا ۹۴'' میں لکھے ہوئے احکام کے مطابق موجودہ نکاح فسخ کرا کر نکاح ثانی کی صورت نکلوائے گی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۰۸)

شرعی تفریق حاصل کیے بغیر زوجۂ مفقود الخبر کا دوسرے سے نکاح کرنا

سوال [۷۰۶۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کی شادی ابوبکر سے ہوئی تھی، شادی کے بعد فوراً ابوبکر کمانے کی غرض سے ۹/سال باہر غائب رہا، ہندہ کو کچھ پتہ نہ چلنے پر دوسری شادی کر لی، شادی کے دوسال گذر جانے کے بعد شوہر اول واپس آ گیا اب ہندہ شوہر اول کے پاس جانا چاہتی ہے اب ہندہ کو شوہر ثانی سے طلاق کی ضرورت پڑے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اکرم بھاگلوپوری، مدرسہ جامع الہدیٰ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ہندہ نے شوہر اول سے شرعی تفریق حاصل کیے بغیر دوسرا نکاح کیا ہے تو اس کا دوسرا نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوا ہے، ہندہ بدستور شوہر اول ہی کی بیوی ہے، اس پر لازم ہے کہ شوہر اول کے پاس آ جائے اور اس کے لیے عدت گذارنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

والمحصنٰت من النساء عطف على أمهاتكم يعني حرمت عليكم المحصنٰت من النساء أي ذوات الأزواج لا يحل للغير نكاحهن مالم يمت زوجها، أو يطلقها و تنقضي عدتها من الوفات أو الطلاق. (تفسير مظهري، سورة النساء، تحت رقم: ٢٤، زكريا ديوبند ٢/٦٤)

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامی، کتاب النكاح، مطلب: في النكاح الفاسد، زكريا ٤/٢٧٤، كراچی ٣/١٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۰ھ

زوجۂ مفقود کا زبردستی نکاح کرنا

سوال [۷۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کا شوہر بکراس کی بدچلنی یا کسی دوسری وجہ سے اس کو میکہ پہنچا کر کئی سال سے روپوش ہوگیا ہے، وہ نہ تو اپنا پتہ بتاتا ہے نہ ہی ہندہ کے کسی طرح کے حق کی ادائیگی کا خیال کرتا ہے، گاؤں والوں کا کہنا ہے کہ ہندہ کا ناجائز تعلق زید سے ہوگیا ہے، اس لیے کہ گاؤں کے کچھ لوگوں نے ہندہ اور زید کو ایک ساتھ گفتگو کرتے ہوئے دیکھا ہے، ہندہ کی والدہ اور اس کے رشتہ داروں کا کہنا ہے کہ زید اور ہندہ کی شادی کرادی جائے، کیونکہ ہندہ کا شوہر مفقود الخبر ہے اس کی خبر گیری نہیں کرتا ہے، اور زید کا ناجائز تعلق بھی ہندہ سے ہوگیا ہے، اس لیے زید سے نکاح کرادیا جائے، ہندہ کے رشتہ داروں کے استفسار پر گاؤں کے ایک عالم صاحب نے زوجہ مفقود الخبر کے متعلق فقہاء کے اقوال کی وضاحت کرتے ہوئے شرعی مسئلہ بتایا کہ اگر نکاح ہی کرانا ہے تو قاضی شرعی کی طرف رجوع کیا جائے، قاضی ہندہ کے شوہر کی تحقیق و جستجو کے بعد میت قرار دے اور عورت عدت وفات گذارے، پھر زید کا نکاح ہندہ سے درست ہوگا، اس سے پہلے نکاح کرانا اجتماعی طور پر حرام کاری کی اجازت دینا ہے، ہندہ کے رشتہ داروں نے شرعی مسئلہ کو یہ کہہ کر رد کردیا کہ مسئلہ مسائل کا وقت نہیں ہے، کیونکہ جلدی نکاح کرانا ہے، ادھر ہندہ کے رشتہ دار اور کچھ نوجوان نیز سرکردہ لوگوں نے زید کو ڈرا دھمکا کر ہندہ کے گھر ڈھکیل دیا اور ہنگامہ کرکے لوگوں کو جمع کیا، اور زید کو ڈرا دھمکا کر نکاح کے لیے راضی کرنے کی کوشش کی، زید ان لوگوں کی ہر بات کے جواب میں انکار کرتا ہے زید کے والد بھی اسطرح کے نکاح سے راضی نہیں، اس لیے وہ نکاح کے وقت موجود نہیں ہیں، جب زید کے رضا کی کوئی صورت نظر نہیں آئی، تو ہندہ کے رشتہ دار اور اس کے گھر پر موجود گاؤں کے سرکردہ لوگوں نے کسی طرح مجبور کرکے اس کا نکاح محلّہ کی مسجد کے امام سے پڑھوا دیا، زید نے مجبوراً نکاح قبول کرلیا، اس نکاح خوانی کے لیے چھ سو اکیاون روپئے لیے گئے، پانچ سو

روپیہ مسجد کے لیے اور ایک سوا کیاون روپیہ امام کو دیئے گئے، اس کے بعد تمام لوگ ہندہ کے گھر کھانا کھا کر ہنستے ہوئے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اب سوالات یہ ہیں:

(۱) کہ زید کا نکاح ہندہ سے منعقد ہوا، اگر زید ہندہ کو چھوڑ دیتا ہے اور الگ تھلگ رہتا ہے تو کیا وہ گناہگار ہوگا، اور زید پر مہر کی ادائیگی کیا شرعاً واجب ہوگی؟

(۲) ان تمام لوگوں کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے؟ جن لوگوں نے مل جل کر نکاح کرایا؟

(۳) ہندہ کے گھر میں لوگوں کا کھانا پھر چھ سوا کیاون روپیہ لے کر مسجد کی تعمیر میں پانچ سو روپیہ لگانا، اور ایک سوا کیاون روپئے امام کو دینا جس نے نکاح پڑھایا اور ان کا بخوشی قبول کر لینا حلال ہے یا حرام؟

(۴) مذکورہ امام نے مسئلہ جاننے کے باوجود اس قسم کا ایک نکاح ایک عورت کا جبکہ عدت گذار رہی تھی، دوران عدت ہی پڑھا دیا ہے، کیا اس امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے، ایسا امام جو جان بوجھ کر اس قسم کا نکاح پڑھا کر گاؤں میں تفریق پیدا کرتا ہے اس کی امامت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۵) عمرو کا کہنا ہے چونکہ مجلس میں شریک لوگوں نے شرعی مسئلہ کو استہزاء واستخفافاً رد کر دیا اور اس طرح نکاح کرا دینے کو حلال سمجھا اس لیے تمام شرکاء کا ایمان جاتا رہا، کیا عمرو کا کہنا درست ہے؟

(۶) کیا تمام شرکاء کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟ نیز تجدید نکاح کی کیا صورت ہوگی؟

(۷) گاؤں کے اکثر لوگ متشرع ہیں، صوم وصلاۃ کے پابند ہیں، لیکن گاؤں کے امام انہیں سرکردہ لوگوں کی باتوں پر عمل کرتے ہیں، شریعت کا لحاظ نہیں کرتے، تاکہ ملازمت باقی رہے، اگر شرعی مسئلہ بتایا جائے تو فتنہ وفساد ہونے کا خطرہ ہے، ایسی صورت میں فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے گاؤں والوں کے لیے اپنی عیدین ودیگر نمازوں کا دوسری

جگہ انتظام کرنا جائز ہے؟

المستفتی: نثار احمد، پیرپنتی بازار، بھاگلپور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن عالم صاحب نے یہ مسئلہ بتایا ہے کہ جب تک کسی شرعی محکمہ سے رابطہ قائم کرکے ہندہ کا پہلے شوہر سے طلاق کا حکم حاصل نہ کرلیا جائے گا زید یا کسی اور شخص کے ساتھ نکاح جائز نہیں وہ صحیح مسئلہ ہے، لہٰذا اس کی خلاف ورزی کرکے پہلے شوہر سے شرعی تفریق حاصل کرنے سے پہلے جو نکاح مسجد میں پڑھایا گیا ہے وہ نکاح باطل ہے۔

أما نکاح منکوحۃ الغیر...... فلم ینعقد أصلا. (شامی، کتاب النکاح، باب النکاح الفاسد، کراچی ۳/۱۳۲، زکریا ۴/۲۷۴، عالمگیری زکریا قدیم ۱/۲۸۰، جدید ۱/۳۴۶)

اور اس نکاح میں مسجد کے لیے جو پانچ سو روپیہ لیے گئے ہیں وہ حرام ہیں مسجد میں اس کا استعمال جائز نہیں اور امام صاحب کو جو روپئے دیئے گئے ہیں وہ بھی حلال نہیں ہیں۔

أما لو أنفق فی ذٰلک مالاً خبیثا أو مالا سببہ الخبیث والطیب فیکرہ؛ لأن اللّٰہ تعالیٰ لایقبل إلا بطیب فیکرہ تلویث بیتہ بمالا یقبلہ. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ کراچی ۱/۶۵۸، زکریا ۲/۴۳۱)

اور جان بوجھ کر جن لوگوں نے اس نکاح میں شرکت کی ہے وہ سب کے سب فاسق اور گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، ان سب پر توبہ لازم ہے، اور ہندہ کا زید کے ساتھ رہنا حرام کاری اور زنا کاری ہے، فوراً دونوں کو الگ کردینا لازم ہے، ورنہ خدا کا عذاب دور نہیں ہے، اللہ کی طرف سے عظیم ترین عذاب نازل ہوسکتا ہے، اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زبردست ہے، اس لیے جن لوگوں نے مل کر نکاح کرایا ہے وہ فوراً توبہ کریں اور ہندہ کو فوری طور پر الگ کریں، ہندہ شرعی طور پر پہلے شوہر کی بیوی ہے، اور امام صاحب کو شریعت کے خلاف گاؤں کے سرکردہ لوگوں کی رائے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، اگر وہاں رہ کر شریعت پر عمل کرنا مشکل ہے تو وہاں کی ملازمت فوراً چھوڑ دیں، نیز امام صاحب پر بھی توبہ لازم ہے، کہ انہوں نے جان بوجھ کر نکاح پڑھایا ہے اور یہ کہنا غلط ہے کہ شرعی مسئلہ پر عمل کرنے سے فتنہ ہوگا، مسلمانوں کے پاس ہی تو

شرعی مسئلہ پیش کیا جائے گا کوئی غیر مسلم تو نہیں ہے، سب ہی مسلمان ہیں، اس لیے ان کے سامنے مسئلہ بتایا جائے، اور شرعی مسئلہ پر عمل کیا جائے، اور اگر کوئی مزاحمت کرے تو تمام مسلمانوں کو اس کے خلاف ایک رائے پر متفق ہو جانا چاہیے، اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو ان لوگوں کا ساتھ نہ دے کر الگ سے عبادت گاہ بنا کر اس میں عبادت کی جا سکتی ہے۔

عن جرير بن عبد الله قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما من رجل يكون في قوم يعمل فيهم بالمعاصي يقدرون في على أن يغيرو عليه ولا يغيرون إلا أصابهم منه بعقاب قبل أن يموتوا. (سنن أبي داؤد، كتاب الملاحم، باب الامر و النهى النسخة الهندية ٢/٥٩٦ دار السلام رقم: ٤٣٣٩، مشكاة ٢/٤٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۷۲ ۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۹ھ

زوجۂ مفقود کے سامان جہیز و نکاح کا حکم

سوال [۷۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ مؤرخہ ۱۵/۱۱ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو بعوض مہر غیر معجّل مبلغ دس ہزار روپئے معہ ۵/ تولہ سونا موجودہ زیور اور بیس تولہ چاندی منعقد ہوا تھا، اور ہندہ رخصت ہو کر چلی گئی تھی۔

زید ایک فیکٹری میں ملازم تھا، ٹھیک ایک مہینہ ۲۶/ دن کے بعد زید فیکٹری سے لا پتہ ہو گیا، کافی دوڑ دھوپ اور تلاش کے بعد زید کا اب تک کوئی سراغ نہ مل سکا، ہندہ کی سسرال والوں نے اسے اس کے میکے (باپ کے گھر) پہنچا دیا، اور اس کی کسی قسم کی کوئی کفالت بھی نہیں کرتے ہیں، اب تقریباً ڈھائی سال کا عرصہ گذر گیا، ہندہ اپنے شوہر کی واپسی اور زندگی سے مایوس ہو چکی ہے۔

دریں صورت کیا ہندہ کے وارثین (ماں باپ) سے اپنے مہر مبلغ دس ہزار روپئے اور موجودہ زیور ۵/ تولے سونا اور ۲۰/ تولہ چاندی کا مطالبہ کر سکتی ہے، کیا زید کے وارثوں پر

واجب نہیں کہ وہ ہندہ کا مہرادا کریں، اگر انکار کریں تو ان کے لیے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے نیز زید کے وارثین ہندہ کے جہیز کا سامان واپس کرنے سے بھی انکار کرتے ہیں جبکہ وہ بھی زید کی زندگی و واپسی سے مایوس ہو چکے ہیں تو کیا ہندہ کے سامان جہیز کا واپس کرنا ان پر واجب نہیں، ہندہ اگر کسی جگہ دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس کے لیے شرع مطہر کا کیا حکم ہے؟ اوراس کا طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: عبداللہ رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندہ کے مہر میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب کے سب اس کا حق اوراس کی ملکیت ہیں اب جب شوہر کی طرف سے اس کا کوئی حق ادا نہیں ہورہا ہے، تو اس کو اپنی ساری چیز لے کر میکے جانے کا حق ہے، اور ملکیت کو جہاں چاہے جس طرح چاہے استعمال کرسکتی ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوكة کیف شاء من الملک. (بیضاوی، مکتبہ رشیدیہ دیوبند ۱/ ۷)

کسی کو اس کا حق دبانے کا حق نہیں ہے، سسرال والوں پر لازم ہے کہ اس کا حق اس کے حوالہ کردیں۔

لایجوز لأحد أن یاخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقہ اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰)

(۲) ہندہ اگر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو پہلے شوہر سے شرعی تفریق حاصل کرنے سے پہلے نکاح جائز نہیں ہے، اورشرعی تفریق کے لیے محکمہ شرعیہ سے رابطہ قائم کرے وہاں سے شرعی فیصلہ مل سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۴۹)

موت کی اطلاع کے بعد لوٹ کر آنے والے شوہر کی بیوی کے درمیان میں نکاح اور بچے کا حکم

سوال [۷۰۷۲]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص زید سال بھر سے غائب تھا، لیکن روپیہ وغیرہ بھیجا کرتا تھا، کچھ دنوں سے وہ شخص جگہ بدل کر کہیں چلا گیا اس دوران خط وکتابت بند تھی کسی نے وہاں سے آکر خبر دی کہ وہ (زید) انتقال کر گیا، اس خبر کو سن کر لڑکی والوں نے لڑکی کی شادی دوسرے شخص سے کرادی اس دوسرے شخص سے ایک لڑکا بھی ہو گیا پھر ایک سال کے بعد زید واپس آ گیا تو اب یہ عورت کس کی بیوی رہے گی، اور جو بچہ ہوا ہے اس کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

المستفتی: عبدالصمد، حیات العلوم مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسے شخص کی بیوی کو جس کا شوہر غائب ہو کوئی شخص آکر یہ خبر دیتا ہے کہ تیرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور عورت نے مخبر کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے عدت گذار کر دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اور اس سے بچہ بھی ہو گیا تو یہ نکاح صحیح ہو گیا اور بچہ بھی دوسرے شخص سے ثابت النسب ہوگا، لیکن شوہر اول کے واپس آجانے کی صورت میں بیوی شوہر اول کو مل جائے گی اور بچہ دوسرے شخص سے ہی ثابت النسب ہوگا جیسا کہ اس پر یہ عبارتیں دلالت کرتی ہیں۔

غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت أولادا ثم جاء الزوج الأول فالأولاد للثاني على المذهب الذى رجع إليه الإمام وعليه الفتوىٰ كما فى الخانية، وفى الشامية: شامل لما إذا بلغها موته أو طلاقه فاعتدت و تزوجت ثم بان خلافه. (در مختار مع الشامي، باب العدة، فصل في ثبوت النسب، كراچی ۳/۵۵۲، زكريا ۵/۲۴۷)

أخبرها ثقة أن زوجها الغائب مات أو طلقها ثلاثا أو أتاها منه كتاب على يد ثقة بالطلاق إن أكبر رأيها أنه حق فلا بأس أن تعتد و تتزوج. (شامی،

باب العدة کراچی ۳/ ۵۲۹، زکریا ۵/ ۲۱۴- ۲۱۵، هندیه زکریا قدیم ۱/ ۵۳۰، جدید ۱/ ۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۷/ ۱۴۱۴ھ

طلاق کے بعد پیش آمدہ چند سوالات کے جوابات

سوال [۷۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی جس کی شادی ۲۸ ر فروری ۱۹۹۹ء بالعوض ۲۵ ر ہزار روپے سکہ رائج الوقت مہر کے ساتھ کر دی گئی تھی، شادی کے چار ماہ بعد لڑکی کے اوپر الزام تراشی کر کے اس کے سسرال والوں نے لڑکی کو میکہ بھیج دیا، اس وقت لڑکی تین ماہ سے حاملہ تھی، اب تمام کوششوں کے بعد بھی لڑکی کو اس کا شوہر رکھنے کو تیار نہیں ہے، اور نوبت طلاق کی آچکی ہے، چنانچہ آپ سے استدعا ہے کہ از روئے شرع حسب ذیل سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں۔

(۱) شادی کے وقت شوہر کی طرف سے چڑھائے گئے زیور اور کپڑے پر طلاق کے بعد کس کا حق ہے؟ شوہر کا یا بیوی کا؟

(۲) بچہ کی پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد تک کے خرچہ کا ذمہ دار کون ہے، لڑکی کے والدین یا لڑکی کا شوہر؟

(۳) طلاق کے بعد لڑکی کے والدین کی طرف سے دئے گئے جہیز پر کس کا حق ہے؟ بیوی کا یا شوہر کا؟

(۴) مہر چاہے معجّل ہو یا غیر معجّل اس پر کس کا حق ہے؟

(۵) عدت کے دوران جملہ مصارف کا ذمہ دار کون ہے؟ شوہر یا والدین؟

از راہ کرم مطلوبہ شرعی جوابات سے مطلع فرما کر بندہ کو ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: حاجی شہزاد عالم محلہ گوئیاں باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شادی کے بعد دئے گئے کپڑے پرلڑکی کا حق ہے، اورزیورات آپ کی برادری کے عرف پرمبنی ہے،اگرآپ کے یہاں لڑکی کو مالک بنادیا جاتا ہے تو وہ بھی لڑکی کا حق ہے، اوراگرآپ کے یہاں لڑکی کو مالک نہیں بنایا جاتا ہے تو وہ شوہر کا حق ہے،اس کے بارے میں برادری کے بااثر لوگ فیصلہ کریں اور بچہ کی پیدائش تک کا پورا خرچہ شوہر پرلازم ہے،اور ولادت کا خرچہ بھی شوہر پر ہے،لڑکی کے والدین پرنہیں اور پیدائش کے بعد بچہ کی پرورش کا حق اس وقت تک لڑکی کو رہے گا جب تک بچہ کے علاوہ دوسرے غیرمحرم سے شادی نہ کرے،لڑکا ہوتو سات سال تک اورلڑکی ہوتو ۹رسال تک حق رہے گا،اس کے بعد شوہر کا حق ہے،اور جہیز کا سامان پورا کا پورا لڑکی کا حق ہے، نیز طلاق کے بعد عدت یعنی تین ماہواری تک کا خرچہ شوہر پرلازم ہے،اورطلاق کے بعدمہر معجّل ہو یامہر مؤجل ہرحال میں پورا کا پورالڑکی کا حق ہے،اگرشوہر نے ازخود طلاق دی ہو۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ٣١١/٨)

وإن كـان الـعرف خلاف ذٰلک بأن كان يدفعونه على وجه الهبة ولا ينظرون في ذٰلک إلى إعطاء البدل فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه فلا رجـوع فيـه بـعـد الهـلاک أو الاستهـلاک والأصل فيه أن المعروف عرفا كالمشروط شرطا. (شامی، كتاب الهبة، كراچی ٦٩٦/٥، زكريا ٥٠١/٨)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيا كان أو بائنا. (هدايه، اشرفی ديوبند ٤٤٣/٢)

ونفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد كما لا يشاركه في نفقة الزوجة. (هدايه، اشرفی ديوبند٢/ ٤٤٤)

ويـكون الغلام عندهن حتى يستغني عنها –إلى– وقدر بتسع أو سبع وتـحتـه قدر الخصاف بسبع سنين وعليه الفتویٰ ثم نجبر الأب على أخذه، والـجـارية عـند الأم حتى تحيض و تحته فقدره أبو الليث تسع سنين وعليه الفتویٰ. (مجمع الأنهر مع ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٨/٢ تا ١٧٠)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول، والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين. (هندیه زکریا قدیم ۱/۳۰۳، جدید ۱/ ۳۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۲۱/۳۴)

مطلقہ کن کن چیزوں کی مستحق ہے؟

سوال [۷۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک منکوحہ عورت اپنے شوہر کی ناگفتہ بہ اور ناجائز حرکات وسکنات کی وجہ سے مجبور ہوکر طلاق لینا چاہتی ہے، لہٰذا ایسی حالت میں وہ مہر، زیورات، نان ونفقہ، جہیز وغیرہ اور اس کے ماسوا دیگر کن کن چیزوں کی مستحق ہے؟

المستفتی: محمد تسلیم دیوان کا بازار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر طلاق دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور بیوی طلاق لینے پر مصر ہے تو ایسی صورت میں شوہر کو بدل خلع لینے کا حق ہوتا ہے اور بدل خلع میاں بیوی کے درمیان جو بھی طے ہو جائے اس پر صحیح ہو جاتا ہے، اور مذکورہ اشیاء سب بیوی کی ملکیت ہیں، ان میں سے جس پر خلع کیا جائے گا اس کا مطالبہ شوہر سے کرنے کا حق نہیں ہے، بقیہ سب بیوی کا حق ہے۔

الحق متى ثبت لا يبطل بالتاخير. (قواعد الفقه ص: ۷۷)

الخلع عقد يفتقر إلى الإيجاب والقبول يثبت الفرقة و يستحق عليها العوض، وفي السغناقي: هو عبارة عن أخذ مال من المرأة بإزاء ملك النكاح بلفظ الخلع. (تاتارخانية زكريا ٥/٥ رقم: ٧٠٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۰۴/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

طلاق کی صورت میں شوہر پر کن کن چیزوں کی ادائیگی لازم ہے؟

سوال [۷۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے اور میری بیوی کے درمیان شادی کے بعد ہی سے نااتفاقی ولڑائی رہی جس کی وجہ سے میں نے دوسری شادی کرلی اور اب پہلی بیوی مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اور ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ جو جہیز کی خریداری کے لیے دیا گیا تھا اس کا مطالبہ کرتی ہے اور گیارہ تولہ سونا بھی لڑکی کا تھا، جو اس وقت اسی کے پاس ہے، اسی طرح ایک لڑکا تین سال کا ہے، اس کا خرچہ اور حصہ کا مطالبہ کرتی ہے اور یہ مطالبہ ۲۵/۲۰ لاکھ روپئے کا ہے، اور شادی کے کھانے اور کپڑے میں ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا، اس کا بھی مطالبہ کرتی ہے تو دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ سب مطالبات شرعاً درست ہیں، شریعت کی رو سے اگر طلاق دی جائے تو کون کون سی چیزیں واپس ہوں گی؟ اور مذکورہ مطالبات کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ندیم ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں مذکورہ مطالبات کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ جہیز کی خریداری کے نام پر دی جانے والی رقم کی مالک بھی بیوی ہوگی، اور بصورت طلاق شوہر پر اس کی واپسی لازمی اور ضروری ہے۔

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تاخذه كله. (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، کراچی ۳/۱۵۸، زکریا ٤/۳۱۱)

اور گیارہ تولہ سونا جو بیوی کے پاس ہے اس کی مالک بھی وہی ہے۔

أسباب التمليک ثلاثة: الأول الناقل للملک من مالک إلى مالک آخر كالبيع والهبة. (شرح المجلة اتحاد دیوبند ۱/۶۷۹ رقم المادة ۱۲٤۸)

چھوٹی اولاد کا نفقہ اور خرچہ باپ کے ذمہ ہوتا ہے خواہ بچہ ماں کے پاس ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا تین سال کا جو بچہ ہے اس کا خرچہ باپ پر واجب ہے۔

نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الرابع في نفقة الاولاد زكريا قديم ١/ ٥٦٠، جديد ١/ ٦٠٧)

ونفقة الصغير واجبة على أبيه. (تاتارخانية ٥/ ٤١٢ رقم: ٨٣٣٣)

اور بچہ کے حصہ کی جو بات کہی گئی ہے اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ باپ کی زندگی میں باپ کی جائیداد اور ملکیت میں بیٹے کا کوئی حصہ نہیں بنتا۔

كل يتصرف في ملكه كيف شاء. (شرح المجلة ١/ ٦٥٤ رقم المادة ١١٩٢)

الإرث يثبت بعد موت المورث. (البحر الرائق، كتاب الفرائض زكريا ٩/ ٣٦٤، كوئٹه ٩/ ٣٩٤)

اور شادی کے کھانے اور کپڑے میں جو خرچ ہوا ہے عورت کو اس کے مطالبہ کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامی، كتاب الحدود، باب التعزير، كراچی ٤/ ٦١)

مذکورہ بالا امور کے علاوہ جو مہر مقرر کیا گیا تھا اگر اب تک وہ ادا نہیں کیا ہے تو بصورت طلاق اس کی ادائیگی بھی شوہر پر لازم وضروری ہے؛ کیونکہ یہ عورت کا شرعی حق ہے۔

وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد ...... وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطئ ونحوه. (شامی، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ٣/ ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ رجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۷/ ۱۴۳۲ھ

طلاق دینے کے بعد شوہر کے ذمہ کیا کیا واجب ہے؟

سوال [۷۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی کو طلاق مغلظہ واقع ہونے کے بعد اس کے شوہر کو کیا کیا کام کرنا ہیں اور

کیا کیا ادائیگی کرنی ہے؟

(۱) مہر کی ادائیگی جب کہ لڑکی کے باپ نے زبردستی طلاق دلوائی ہے ہوگی یا نہیں؟

(۲) جہیز جو لڑکی کے باپ نے شادی کے وقت زیور، کپڑا، فرنیچر وغیرہ دیا تھا واپس دیا جائے گا کہ نہیں؟

(۳) لڑکے کی طرف سے جو ملبوسات یا زیورات چڑھائے گئے تھے وہ کس کی ملکیت ہوں گے، جب کہ برادری کے رواج کے مطابق وہ سب سامان لڑکے کو واپس ملتا ہے؟

(۴) پہننے کے جوڑے جو لڑکی کے باپ یا ماں نے لڑکی کو دیئے اور جو کچھ استعمال کر چکے ہیں کیا وہ بھی واپس ہوں گے اور استعمال شدہ کی قیمت دینی ہوگی؟

(۵) عدت کی مدت کا خرچہ دینا ہوگا کہ نہیں؟

المستفتی: محمد راشد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر بیوی سے ہمبستری ہو چکی ہے تو زور دباؤ کے ساتھ طلاق کی صورت میں بھی شوہر پر مہر ادا کرنا لازم ہوگا اس لیے کہ مہر کے لزوم کا تعلق ہمبستری سے ہے اور ہمبستری ہو چکی ہے۔

وإن أكره على طلاق امرأته، وتحته في الهداية: فيضاف إلى المكره من حيث أنه إتلاف بخلاف ما إذا دخل بها لأن المهر قد تقرر بالدخول لا بالطلاق. (ہدایہ، کتاب الإکراہ، اشرفی دیوبند ۳/ ۳۵۰)

(۲) جہیز کا تمام سامان لڑکی کی ملکیت ہے اس کا واپس کر دینا لازم ہے۔

(۳) لڑکے کی طرف سے جو سامان زیور وغیرہ ہیں ان کا مدار عرف پر ہے اگر برادری کے عرف اور رواج میں یہی ہے کہ وہ لڑکے کو واپس مل جاتے ہیں تو وہ لڑکے ہی کے ہیں اور اگر لڑکی اس کی مالک ہو جاتی ہے تو رواج کے مطابق لڑکی کو ملیں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۳۳۴، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۰۶)

وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة، ليس له ذٰلک، إذا بعث إليها على جهة التمليک …… جهز زوجها ثم زعم أن الذی دفعه إليها ماله، وكان على وجه العارية عندها، وقالت: هو ملكی جهزتنی به، أو قال الزوج ذٰلک بعد قولها …… وقال فی الواقعات: إن كان العرف ظاهرا بمثله فی الجهاز كما فی ديارنا فالقول قول الزوج. (هنديه، الفصل السادس عشر فی جهاز البيت، زكريا قديم ۱/۳۲۷، جديد ۱/۳۹۳)

(۴) جو اشیاء لڑکی والوں نے لڑکے کے متعلقین کو رشتہ یا شادی کے موقع پر دی ہیں وہ سب ہدیہ ہیں وہ معمولی اشیاء عام طور پر باقی بھی نہیں رہتی ہیں، البتہ اگر ایسی اشیاء کی واپسی کا بھی برادری میں رواج ہے، تو ان میں جو اشیاء صحیح وسالم باقی ہیں وہ واپس ملیں گی اور جو اشیاء صحیح وسالم نہیں ہیں ان کا تاوان لازم نہیں۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (عقود رسم المفتی قديم ص: ۹۵، جديد، دار الكتاب ديوبند ص: ۱۵۳)

(۵) اگر لڑکی شوہر کے گھر رہ کر عدت گذارتی ہے یا جہاں رہ کر عدت گذارتی ہے، شوہر اس سے راضی ہے، وہاں عدت گذارتی ہے تو عدت کا خرچہ شوہر پر واجب ہے ورنہ نہیں۔

وتجب لمطلقة الرجعی والبائن والفرقة بلا معصية وتحته فی الشامية: وتسقط بالنشوز وتعود بالعود واطلق فشمل الحاصل وغيرها والبائن بثلاث أو أقل. (در مختار مع الشامی، باب النفقة، مطلب: فی نفقة المطلقة، زكريا ۵/۳۳۳، كراچی ۳/۶۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۴۴/۳۱)	۱۴۱۵/۱/۲۹ھ

تین طلاق کے بعد مہر کا مطالبہ

سوال [۷۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) میری بیٹی صبا پروین کو میرے داماد نے تین طلاق دیدیا ہے تو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

(۲) مہر فاطمی مقرر ہوا تھا، شوہر نے ابھی ادائیگی نہیں کی ہے، تو دینا لازم ہے یا نہیں؟ مہر فاطمی کی مقدار کیا ہے؟

المستفتی: طارق حسین بیگم والی مسجد اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے داماد نے آپ کی بیٹی کو تین طلاق دے دی ہے تو آپ کی بیٹی پر طلاق مغلظہ واقع ہوکر شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی اور اس کے شوہر پر مہر کا ادا کرنا لازم ہے اور مہر فاطمی کی مقدار موجودہ زمانہ کے حساب سے ڈیڑھ کلو تیس گرام نو سو ملی گرام چاندی ہے۔ (مستفاد: انوار نبوت ۲۵۲، ایضاح الطحاوی ۳/۱۹۳، ایضاح المسائل ۱۳۰)

لو قال لزوجته: أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثا. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۲۱۹، جديد زكريا ص: ۳۷٦)

فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة أو موت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر زكريا ۲/۵۸٤، هنديه زكريا قديم ۱/۳۰۳، جديد ۱/۳۷۰، البحر الرائق كوئٹه ۳/۱٤۳، زكريا ۳/۲۵۱، هدايه اشرفى ديو بند ۲/۳۲٤، شامى كراچى ۳/۱۰۲، زكريا ٤/۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۷٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۹ھ

زوجین طلاق دینا لینا چاہیں تو مہر کا کیا حکم ہے؟

سوال [۷۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر میاں بیوی آپسی اختلافات کی بنا پر طلاق دینا لینا چاہیں تو مہر کی کیا

صورت ہوگی؟ اگر مرد طلاق دے تو مہر کس طرح ادا کیا جائے اور عورت طلاق لے تو مہر کی ادائیگی میرے اوپر لازم ہوگی یا اس میں کچھ چھوٹ ہوگی۔

المستفتی: محمد ادریس سیفی، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خلع کیے بغیر ویسے ہی طلاق دے دے تو اس صورت میں مہر ساقط نہ ہوگی بلکہ مکمل مہر کی ادائیگی لازم ہوگی، اور اگر خلع کرے، جس کی صورت یہ ہے کہ زوجہ مہر معاف کر دے اور شوہر طلاق دیدے یا مرد کہے کہ میں نے تجھ سے مہر کے بدلے خلع کیا اور عورت قبول کر لے تو اس صورت میں مہر ساقط ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/ ۱۸۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۹/ ۳۴۵، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۳۶۰)

المهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة أو موت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط شيئ منه بعد ذٰلک إلا بإبراء من صاحب الحق. (بدائع، كتاب النكاح، فصل فى بيان ما يتأكد به المهر زكريا ٢/ ٥٨٤، هنديه زكريا قديم ١/ ٣٠٣، جديد ١/ ٣٧٠، البحر الرائق كوئٹه ٣/ ١٤٣، زكريا ٣/ ٢٥١، هدايه، اشرفى ديوبند ٢/ ٣٢٤، شامى، كراچى ٣/ ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٣)

ويسقط الخلع كل حق لكل منهما على الآخر مما يتعلق بذٰلک النكاح، إلا نفقة العدة و سكناها فلا يسقطان إلا إذا نص عليها فتسقط النفقة لا السكنى. (تنوير الأبصار مع در المختار، باب الخلع كراچى ٣/ ٤٥٢ - ٤٥٣، زكريا ٥/ ١٠٣-١٠٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ر رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۴۱)

طلاق کے بعد مہر وغیرہ کی واپسی کا حکم

سوال [۷۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میں نے ۶ /دسمبر۱۹۹۴ء کو اپنی شادی کی تھی، میری بیوی اس وقت سروس کرتی تھی، جس کی تنخواہ صرف پانچ سو روپیہ مہینہ تھی، اور وہ سروس کرنے نگینہ سے ہلدور جایا کرتی تھی، میں نے ان سے یہ کہا کہ تم سروس چھوڑ دو اس نے جواب میں یہ کہا کہ تم کو چھوڑ سکتی ہوں سروس نہیں چھوڑوں گی، اگر تم میری سروس چھوڑوا رہے ہو تو اپنی دوکان چھوڑ دو یا تم مجھے ۵۰۰ روپیہ مہینہ دینا اسٹام پر لکھ کر دو کہ ہر مہینہ دیا کروں گا، اس کے بعد اس نے کہا کہ میں ۱۹۹۷ء تک ملازمت کروں گی اس کے بعد چھوڑ دوں گی، اس نے نوکری نہیں چھوڑی، اس بارے میں کئی بار تکرار ہوتی رہی، ایک موقع ایسا آیا کہ میں اپنے گھر ناشتہ کرنے گیا، تو وہ چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی میں نے اپنی ہمشیرہ کو دو انڈے لا کر دیئے، اس نے ایک انڈا چھوٹے بھائی کو بنا کر دیا اتنے میں میری اہلیہ غصہ کی حالت میں اٹھی اور اوپر والے کمرہ میں جا کر کواڑ بند کر کے رونا چلانا شروع کر دیا تو میں اوپر گیا اور جا کر کہا، دروازہ کھولو اس نے دروازہ نہیں کھولا، کئی مرتبہ کہا کھولو، پھر میں نے کہا میں کھڑکی توڑ کر اندر آجاؤں گا تو اس نے کواڑ کھول دیئے تو میں نے اپنے منہ سے تین طلاق والے الفاظ کہے یعنی میں نے کہہ دیا تم کو طلاق دی، پھر بیوی کو اس کے گھر والے ۱۲/۲۳/ ۱۹۹۸ء کو اپنے ساتھ لے گئے وہ اپنے ماں باپ کے یہاں ہے اور مہر اور دیگر سامان جو کچھ جہیز میں دیا گیا تھا اور جو زیورات ہم نے چڑھائے تھے یا انہوں نے چڑھائے تھے اس سامان کی کس طرح واپسی ہونی چاہیے، جو صحیح طریقہ شرعاً ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: شہزاد انور پنجابیان، نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے تین طلاق والے الفاظ زبان سے نکالے تو بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی اور بیوی کو پورا مہر اور جہیز کا سارا سامان اور میکے سے آئے ہوئے تمام زیورات ملیں گے ان میں کسی کا کوئی حق نہیں اور جو زیورات آپ نے دیا ہے وہ آپ کی برادری کے عرف اور رواج پر ہوگا اگر آپ کے یہاں بیوی کو مالک بنایا جاتا ہے تو اس کی حقدار بیوی ہی ہوگی، اور اگر واپس لینے کا دستور ہے تو اسے آپ روک سکتے ہیں۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۳۴۴، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۰۶)

المهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، أو موت أحد الزوجين . (بدائع، كتاب النكاح، فصل في بيان ما يتأكد به المهر، زكريا ۲/ ۵۸٤)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تاخذه كله. (شامي كراچی ۳/۱۵۸، زكريا ٤/ ۳۱۱)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتي دار الكتاب ديوبند ص: ۱۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رمحرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۳۳)

طلاق کی صورت میں زیورات کا حکم

سوال [۷۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حسب روایت شادی کے موقع پر میری بچی کوسسرال والوں کی جانب سے زیور چڑھایا گیا اغلب یہ ہے کہ رشتہ بحال نہیں رہ سکے گا، رشتہ منقطع ہونے کی صورت میں وہ زیور جولڑکے والوں کی جانب سے اس موقع پر دلہن کو دیا گیا وہ کس کی ملکیت مانی جائے گی، مالکانہ تصرف کس کا ہوگا؟

نوٹ ہماری برادری میں یہ عام رواج ہے کہ طلاق کے موقع پرلڑکی کے گھر والوں کی جانب سے دئے گئے سامان واپس کردئے جاتے ہیں، اسی طرح لڑکے کی جانب سے دئے گئے زیورات اس کو واپس کردئے جاتے ہیں، البتہ اِکا دُکا واقعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ لڑکے والوں نے اپنے دیئے ہوئے زیورات واپس نہیں لیے ہیں۔

المستفتی: چودھری شریعت اللہ، اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب برادری کا عام دستور یہ ہے کہ طلاق کے وقت میں جانبین سے دئے گئے سامان واپس ہوجاتے ہیں اور اس میں لڑکے والوں کی

طرف سے جو زیور دیا گیا وہ بھی واپس ہوجاتا ہے، اور لڑکی والوں کی طرف سے جو بھی سامان دیا گیا وہ بھی واپس ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق کے بعد لڑکی کو لڑکے والوں کی طرف سے دیئے گئے زیورات نہیں ملیں گے بلکہ واپس کرنا ہوگا، اور ایک آدھ واقعہ جو اس کے خلاف ہوا ہے اس کا اعتبار نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/۱۲۳، جدید زکریا مطول ۷/ ۴۴۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۹/ ۳۹۹، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۲۱-۱۲۲)

المختار للفتوىٰ أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب: في دعوى الأب أن الجهاز عارية كراچی ۳/۱۵۷، زكريا ٤/۳۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر جمادی الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۵/ ۱۴۲۵ھ

شوہر بیوی کو طلاق دے تو مہر و جہیز کا حکم

سوال [۷۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت اپنے شوہر کے یہاں پانچ سال رہی، پھر شوہر نے دوسری شادی کر لی، تقریباً ٦ رسال سے عورت گھر (میکے) میں ہے، شادی کا سارا سامان شوہر کے گھر ہے، اب ان کا شوہر طلاق دینا چاہتا ہے، لہٰذا آپ بتائیں کہ شرعی طور پر ان کے حق میں سے کیا کیا ملنا چاہیے؟

المستفتی: محمد صدیق مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شوہر از خود طلاق دے دے گا تو بیوی کو پورا مہر ملے گا اور جہیز کا پورا سامان اسی کی ملکیت ہے اس میں شوہر کا کوئی دخل نہیں وہ ہر حال میں بیوی کی ملکیت ہے۔

وإذا خلا الرجل بامرأة وليس هناك مانع من الوطئ ثم طلقها فلها

كمال المهر. (هدايه، كتاب النكاح، باب المهر، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۲۵)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تاخذه كله. (شامی، کراچی ۳/ ۱۵۸، زکریا ٤/ ۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/۲/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۲/۱۴۱۹ھ

مطلقہ کے جہیز کی واپسی کا حکم

سوال [۷۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی کو کسی عارض کی بنا پر طلاق ہوئی مطلقہ کی کچھ چیزیں زید کے پاس ہیں، زید دینا چاہتا ہے، سسرال کے لوگ واپس کردیتے ہیں، ایسی مجبوری کی حالت میں کیا کریں، معافی تلافی بھی باقی رہے، اصل مسئلہ آخرت کا ہے یہ پریشانی درپیش ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق ہوجانے کے بعد بیوی کا سامان واپس کردینا زید پر لازم اور ضروری ہے اور سامان جس حالت میں ہے اسی حالت میں واپس کرنا ضروری ہے، یعنی نیا ہوتو نیا، پرانا ہوتو پرانا اور جو استعمال کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اس کو اسی حالت میں واپس کردینا چاہیے، اور بیوی کے میکہ والوں کو حق نہیں ہے کہ لینے سے انکار کردیں ہاں البتہ بیوی کو حق ہے کہ یا تو لے لے یا معاف کردے۔

خطب بنت رجل و بعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها فما بعث للمهر يسترد عينه قائما فقط وإن تغير بالاستعمال، وفي الشامية: لأنه مسلط عليه من قبل المالك فلا يلزم في مقابلة ما انتقص باستعماله شيئ.

(الدر المختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب المهر کراچی ۳/ ۱۵۳، زکریا ٤/ ۳۰٤،

البحر الرائق کوئٹہ ۳/ ۱۸۶، زکریا ۳/ ۳۲۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ ؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۲ھ

کیا طلاق کی صورت میں جہیز اور شادی کے کپڑوں کو واپس کرنا لازم ہے؟

سوال [۷۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میاں بیوی میں نا اتفاقی اتنی بڑھ گئی کہ تھانہ عدالت تک بات پہنچ گئی اور اب تفریق کی نوبت ہے، ایسی صورت میں کیا لڑکی کا جہیز واپس کیا جائے گا اور جو سامان کپڑا وغیرہ لڑکی کے گھر والوں نے لڑکے کو دیا یا اس کے عزیزوں کو دیا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ واپس ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح اگر لڑکا خود طلاق دے یا لڑکی والے طلاق مانگیں تو مہر واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکی کے میکے سے بطور جہیز جو سامان لڑکی کو ملے ہیں، وہ سب لڑکی کی ملکیت ہے اس کو واپس کر دینا شوہر پر واجب ہے اور لڑکے اور اس کے عزیزوں کو جو کپڑے دیئے جاتے ہیں وہ سب ہبہ اور تحفہ کے طور پر دیئے جاتے ہیں عرف میں وہ واپس نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ سب صحیح سالم باقی رہتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۰۶)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تاخذه كله. (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، کراچی ۳/ ۱۵۸، زکریا ٤/ ۳۱۱)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتی قدیم ص: ۹۵، جدید دار الکتاب دیوبند ص: ۱۵۳)

لڑکا اگر اپنی طرف سے بخوشی طلاق دیتا ہے تو مہر کا ادا کرنا اس پر واجب ہوتا ہے اور اگر لڑکی طلاق مانگتی ہے اور لڑکا طلاق نہیں دیتا ہے اور خلع کی شکل اختیار کی جارہی ہے تو مہر خلع

مین بدل خلع کے طور پر ختم ہو جاتا ہے، پھر مہر لینے کا حق نہیں ہوتا ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ.(البقرة: ۲۲۹)﴾

وإن تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفدى نفسها منه بمال يخلعها به ...... فإذا فعل ذٰلک وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال. (هدایه، باب الخلع، اشرفی دیوبند ۲/ ۴۰۴، تاتارخانیة زکریا ۵/ ۵ رقم: ۷۰۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ۳/ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۷۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۳/ ۱۴۱۶ھ

بیوی کے مطالبہ پر طلاق جہیز، مہر اور بچی کا حکم

سوال [۷۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے تقریباً ڈھائی سال قبل شادی کی تھی اب حالات یہ ہیں کہ میری بیوی میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو اگر لڑکی خود طلاق کا مطالبہ کرے تو کیا مہر کی واپسی کی شرط پر طلاق دے سکتے ہیں، یا شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) ہماری قوم کی ایک سماجی رسم یہ ہے کہ زیور کے ساتھ کچھ رقم بھی لڑکی کے نام اس کے کھاتہ میں جمع کرتے ہیں، جو بعد میں شوہر کے گھر لے کر آجاتی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ زیور اور رقم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ہمارے گھر خاندان میں طلاق کے موقع پر زیور واپس لے لیا جاتا ہے اور رقم بھی واپس لے لی جاتی ہے؟

(۳) جہیز کا سامان کس کو ملے گا؟

(۴) میری ڈیڑھ سال کی بچی ہے اس کی پرورش کا حق کس کو ہے، اگر میری بیوی

دوسری شادی کرلے تو لڑکی کس کے پاس رہے گی اور اس کا خرچہ صرفہ کس کے ذمہ ہوگا اور کتنا دینا ہوگا ؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: راشد علی گریری، بلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر لڑکی طلاق کا مطالبہ کررہی ہے اور آپ کی طرف سے اس پر کوئی ظلم وزیادتی نہیں ہے، اور حقوق زوجیت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں آپ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ مہر کی معافی کی شرط لگا کر طلاق دیدیں۔ اور اگر مہر ادا کیا جاچکا ہے تو اس کی واپسی کی شرط پر بھی طلاق دے سکتے ہیں۔

﴿**قال الله تعالیٰ: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.**[البقرة: ۲۲۹]﴾

إن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال. (هنديه زكريا قديم ۱/ ٤۹۵، جديد ۱/ ٥٥٤، هدايه، اشرفي ديوبند ۲/ ٤۰٥)

وإذا تشاق الزوجان و خافا أن لا يقيما حدود الله تعالىٰ فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به، وفي الزاد: و إذا فعل ذٰلك وقع بالخلع تطليقة بائنة، ولزمها المال. (تاتارخانية زكريا ٥/٥ رقم: ۷۰۷۱، هدايه، اشرفي ديوبند ۲/ ٤۰٤)

(۲) جب آپ کی برادری اور سماج میں یہ دستور ہے کہ جمع شدہ زیور اور رقم طلاق کے موقع پر واپس لی جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس رقم اور زیور کا مالک شوہر ہی ہوا کرے گا، اور برادری کے عرف ورواج کے مطابق زیور اور رقم شوہر کو واپس مل جائے گی۔

الجهاز للمرأة اذا طلقها تأخذه كله و إذا ماتت يورث عنها. (شامی، کراچی ۳/ ۱٥۸، زكريا ٤/ ۳۱۱)

والفتویٰ أنه إن كان العرف مستمرا أن الأب يدفع الجهاز ملكا لا عارية. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱٥۷)

الـمـختار للفتویٰ أن یحکم بکون الجهاز ملکا لا عاریة. (شامی زکریا ٤/٣٠٩، کراچی ٣/١٥٧، إیضاح النوادر ٢/١٢)

(۳) جہیز کا سامان ہر حال میں بیوی کی ملکیت ہے اس کا سامان اس کو واپس کردینا شوہر پر لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/۱۲۰، ایضاح النوادر ۲/۱۴)

قـال فـی الـواقـعات: إن کان العرف ظاهراً بمثله فی الجهاز کما فی دیـارنـا فـالـقول قول الزوج و إن کان مشترکا فالقول قول الأب ...... **وهذا التفصیل هو المختار للفتویٰ.** (هندیه، زکریا قدیم ١/٣٢٧، جدید ١/٣٩٣)

والمعتمد البناء علی العرف. (شامی، کراچی ٣/١٥٧، زکریا ٤/٣٠٩)

(۴) بچی کی پرورش کا حق بالغ ہونے تک ماں کو حاصل ہوتا ہے اگر ماں بچی کے باپ کے خاندان کے علاوہ کسی دوسری جگہ شادی کرے اور نانی اور خالہ بھی موجود نہ ہو تو بچی کی پرورش کا حق بچی کی دادی کو حاصل ہے اور اس کے کھانے پینے کا خرچہ باپ کے ذمہ ہوگا، مگر تعلیم وتعلم یا بیماری وغیرہ کے نام سے بیجا خرچہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۳/ ۵۶۸-۵۶۹، کفایت المفتی قدیم ۶/ ۴۰۸ تا ۴۱۱، جدید زکریا مطول ۹/ ۷۹-۸۲)

وإن لـم یکن للأم أم فأم الأب أولیٰ من سواها و إن علت. (هندیه زکریا قدیم ١/٥٤١، جدید ١/٥٩٢)

والأم والـجدة أحق بالجاریة حتی تحیض. (عـالمگیری، زکریا قدیم ١/٥٤٢، جدید ١/٥٩٣، الدر المختار مع الشامی، زکریا ٥/٢٥٢ تا ٢٦٦، کراچی ٣/٥٥٥ تا ٥٦٦)

نفقة الأولاد الصغار علی الأب لا یشارکه فیها أحد. (هندیه زکریا قدیم ١/٥٦٠، جدید ١/٦٠٧)

تـجـب الـنـفقة والسکنیٰ والکسوة لولده الصغیر الفقیر. (البـحر الرائق کوئٹه ٤/٢٠١، زکریا ٤/٣٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رمحرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۴۲/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴ رمحرم الحرام ۱۴۳۱ھ

کیا طلاق کے بعد شوہر پر مہر، جہیز اور قرض کی رقم واپس کرنا لازم ہے؟

سوال [۷۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے آپسی نااتفاقی کی وجہ سے مجھے فون پر تین مرتبہ طلاق دیدی اور یہ الفاظ کہے تھے کہ میں نے تمہیں طلاق دی اور اس طرح تین سے زائد مرتبہ طلاق دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر اتنا کافی نہیں ہے تو دس بیس مرتبہ کہوں، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور انہوں نے میرا مہر بھی ابھی تک ادا نہیں کیا ہے، وہ مجھے ملے گا یا نہیں؟ میرا جہیز کا سامان واپس ملے گا یا نہیں؟ میں نے ان کو کاروبار کرنے کے لیے ستر ہزار روپیہ بطور قرض دیا تھا وہ مجھے واپس ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: ریحانہ بواسطہ محمد عارف، محلّہ طویلہ نیر بیر ماؤنٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب تین سے زائد طلاق دیدی ہے تو اس سے طلاق مغلظہ واقع ہوکر بیوی شوہر پر قطعی طور پر حرام ہوگئی، اب بغیر حلالہ کے طرفین میں نکاح بھی درست نہ ہوگا، اور بیوی کا مہر اور جہیز کا سارا سامان اسے واپس کردے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۲/۷۸، ۱۰۶، ۱۱۶)

لو قال أنت طالق أكثر الطلاق أو أنت طالق مرارا أو ألوفا ...... فثلاث هو المختار: وفی الشامية: قوله (أو ألوفا) أی فيقع به الثلاث و يلغو الزائد. (شامی، کراچی ۳/ ۲۸۰، زکریا ٤/ ٥٠٤)

و إن كان الطلاق ثلاثا فی الحرة أو ثنتين فی الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هداية اشرفی ديوبند ۲/ ۳۹۹)

الأصل أن الزوجة به المعوض كاملا كالبيع. (الموسوعة الفقهية ۳۹/ ۱۷۲)

فـالـمهـر يتأكد له بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، و موت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط شيئ منه بـعـد ذٰلک إلا بالإبراء عن صاحب الحق. (بـدائـع زكـريا ٢/ ٥٨٤، هنديه زكريا قديم ١/ ٣٠٣، جديد ١/ ٣٧٠، شامي كراچی ٣/ ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٣)

(۲) ستر ہزار روپئے کا قرض جو کاروبار کے لیے بیوی نے شوہر کو دیا تھا وہ بھی بیوی کا حق ہے، لہٰذا اس کو بھی واپس کرنا شوہر پر لازم ہے۔

الـقروض يجب في الشريعة الإسلامية أن تقضىٰ بأمثالها. (بحوث في قضايا فقهية معاصرة بحواله محموديه جديد ڈابهيل ١٦/ ٤١٠)

الديون تقضى بأمثالها . (شامى، كتاب الأيمان، زكريا ٥/٦٧٥، كراچی ٣/٨٤٨)

وإن كـان من المثليات يلزمه إعطاء مثله ...... وإن انقطع المثل بأن لا يوجد في السوق و إن كان يوجد في البيوت فقيمته يوم الخصومة أي وقت القضاء عند الإمام الأعظم رحمه الله. (شرح المجلة رستم باز ١/ ٤٩٠، رقم المادة ٨٩١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۸۲/۳۸)

طلاق کے بعد مہر، عدت کا خرچہ، بچہ، اور جہیز کا حکم

سـوال [۷۰۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی لڑکی کی شادی امروہہ میں محمد اسلم ولد عبد السلام کے ساتھ پانچ سال پہلے کی تھی، شادی کرتے وقت یہ بات طے ہوئی تھی، کہ یہ سعودیہ میں رہتے ہیں، اور شادی کے ٦ رمہینہ کے بعد آجائیں گے یا پھر لڑکی کو سعودیہ بلالیں گے، اس وعدہ کے خلاف وہ ساڑھے تین سال میں واپس آئے اور اس بیچ میں شادی کے ایک سال کے اندر لڑکا ہوا،

ساڑھے تین سال کے بعد آنے پر پھر دو مہینے کے بعد چلے گئے، اس وجہ سے دونوں میاں بیوی کے تعلقات خراب ہونا شروع ہوگئے، اس کے بعد وہ ۸/ مہینے کے بعد پھر واپس آئے، آنے کے بعد دوسرا لڑکا ان کے سامنے پیدائش میں مرگیا، اس بیچ پیسے کی آمد اور خرچ کا حساب کتاب ہونے پر دونوں میاں بیوی کے تعلقات اور خراب ہوگئے، اب وہ رکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں، لڑکی اپنے لڑکے کو لے کر میکہ میں آگئی، لڑکی اپنے لڑکے کے ساتھ ۸/ مہینے سے میکہ میں رہ رہی ہے، لڑکا ابھی چار سال کا ہے، باہر رہنے کی وجہ سے لڑکا باپ کو بالکل نہیں جانتا ایسے حالات میں ساری کوشش کے باوجود وہ لڑکی کو رکھنے پر تیار نہیں ہیں، وہ دوسری شادی کرنے جارہے ہیں، لڑکی کو ابھی طلاق نہیں دی ہے، جس کی وجہ سے ہم یہ چاہتے ہیں کہ لڑکی کا جہیز اور دین مہر اور بچہ کا حق اور اس کی ماں کا حق ان کی ملکیت میں کیا بنتا ہے، آپ اس کو خلاصہ کر کے بتادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر خود ہی بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا تو اس کو چاہیے کہ شریعت کے مطابق احسن طریقہ پر ایک طلاق دے دے۔

فالأحسن أن يطلق الرجل امرأته تطليقة واحدة في طهر لم يجامعها فيه. (هدايه، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفي ديو بند ٢/ ٣٥٤)

اور بیوی نے اگر مہر معاف نہیں کیا ہے، تو اس کو پورا مہر ملے گا۔

فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: ......حتى لا يسقط شيئ منه بعد ذٰلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٥٨٤، هنديه زكريا قديم ١/ ٣٠٣، جديد ١/ ٣٧٠، البحر الرائق كوئٹه ٣/ ١٤٣، زكريا ٣/ ٢٥١، شامي كراچی ٣/ ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٣)

اور طلاق کے بعد عدت کا خرچہ بھی ملے گا۔

إذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنىٰ في عدتها رجعيا كان أو بائنا. (هدايه، باب النفقة اشرفي ديوبند ٢/ ٤٤٣)

سات سال کی عمر تک بچہ کی پرورش میں جو خرچ ہوگا باپ کے ذمہ اس کا ادا کرنا لازم ہوگا۔

وإذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم أحق بالولد والنفقة على الأب حتى يأكل وحده ويشرب وحده والخصاف قدر الاستغناء بسبع سنين اعتبارا للغالب (هدايه) وعليه الفتوىٰ. (فتح القدير، دار الفكر بيورت ٤/٣٦٧ تا ٣٧١، كوئٹه ٤/١٨٤ تا ١٨٨، زكريا ٤/٣٣٠ تا ٣٣٤)

نیز جہیز کا سامان پورا کا پورا بیوی کو واپس لینے کا حق ہوگا، اس لیے کہ یہ اسی کی ملک ہے۔

فإن كل واحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة. (شامی، باب النفقة، مطلب: فيما لو زفت إليه بلا جهاز، كراچی ٣/٥٨٥، زكريا ٥/٢٩٩)

البتہ جو کچھ لڑکی والوں کی طرف سے شوہر کو دیا گیا تھا وہ برادری کے عرف پر محمول ہے اگر عرف و رواج یہ ہے کہ شوہر مالک رہتا ہے تو واپس لینے کا حق نہیں اور اگر مالک بنانے کا رواج نہیں ہے تو واپس لینے کا حق ہے۔

إن كان العرف أنهم يدفعونه على وجه البدل يلزم الوفاء، فإن كان العرف خلاف ذٰلك فحكمه حكم الهبة في سائر أحكامه. (شامی، كتاب الهبة كراچی ٥/٦٩٦، زكريا ٨/٥٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۲۵ھ

کیا مطلقہ کو مہر، زیورات، اور جہیز کی واپسی کے مطالبہ کا حق ہے؟

سوال [۷۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۲۸؍ فروری ۲۰۰۸ء کو میرے شوہر مہتاب خان نے مجھے فون پر تین مرتبہ طلاق دیدی، مجھے اس کے ذیل میں چند باتیں معلوم کرنی ہیں:

(۱) میرا مہر ایک لاکھ روپیہ ہے، مجھے اپنا مہر ملے گا یا نہیں؟ شوہر پر مہر دینا

واجب ہے یا نہیں؟

(۲) میرے زیورات جو تقریباً پندرہ تولہ سونا ہے جس کو میرے شوہر نے بیچ کر شراب کباب میں خرچ کر دیا ہے، مجھے اپنے زیورات ملنے چاہیے یا نہیں؟

(۳) میرے والد نے میری شادی کے موقع پر پینسٹھ ہزار روپئے کی نئی موٹر سائیکل دی تھی وہ مجھے واپس ملنی چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: یاسمین عالم بنت خورشید عالم پکا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب میاں بیوی کے درمیان طلاق واقع ہوگئی تو بیوی کو اپنا مہر فوری وصول کرنے کا حق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۲/۸۷)

فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة و موت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لايسقط شئ منه بعد ذٰلک إلا بالإبراء من صاحب الحق. (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی بیان ما یتأکد به المهر، هندیه زکریا قدیم ۱/۳۰۳، جدید ۱/۳۷۰، البحر الرائق کوئٹه ۳/۱۴۳، زکریا ۳/۲۵۱)

(۲) ماں باپ کی طرف سے شادی کے وقت بیٹی کو جو زیورات دیئے گئے ہیں وہ بیٹی ہی کی ملکیت ہیں، شوہر کو بیچ کھانے کا حق نہیں ہے، لہٰذا بیوی کو اپنے زیورات کے مطالبہ کا حق ہے۔

في الهندية: امرأة دفعت متاعا لها إلى الزوج و قالت: ''ایں را فروش و در کتخدائی خرچ کن'' ففعل، هل عليه قيمته لها؟ نعم، كذا في الفتاوىٰ الخجندي. (هندیه، الفصل السادس عشر فی جهاز البنت زکریا قدیم ۱/۳۲۸، جدید ۱/۳۹۴)

(۳) جہیز میں جو سامان لڑکی والے دیتے ہیں جیسا کہ فرنیچر اور گاڑی وغیرہ یہ سب درحقیقت اپنی بیٹی کے لیے دیا جاتا ہے لیکن داماد کو بیٹی کی طرف سے استعمال کی اجازت مل جاتی ہے، مگر ملکیت بیٹی کی ہی رہتی ہے، اس لیے موٹر سائیکل اگر چہ داماد کے چلانے کی چیز ہے مگر حقیقت میں ملکیت بیٹی کی ہوتی ہے، اس لیے علیٰحدگی کے وقت یہ موٹر سائیکل بیوی کو

واپس لینے کا حق ہوگا، یہی ہمارے ہندوستان کا عرف ہے، اس لیے موٹر سائیکل یا اس کی قیمت وصول کرنے کا حق بھی بیوی کو حاصل ہے۔ (مستفاد: انوار نبوت ۶۹۱)

امرأة دفعت متاعا لها إلى الزوج وقالت: ''این را فروش و در کتخدائی خرچ کن'' ففعل هل عليه قيمته لها؟ نعم، كذا في فتاویٰ الخجندی. (هندیه زکریا قدیم ۱/ ۳۲۸، جدید ۱/ ۳۹٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۰۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۱۳ھ

ایک مجلس کی تین طلاق نیز مہر، نفقہ اور بچوں کی پرورش کا حکم

سوال [۷۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) فرقان علی بن سید نواب علی مرحوم نے اپنی اہلیہ نسیم فاطمہ عرف چندہ دختر سید وصی احمد مرحوم کو پانچ یا چھ سال قبل طلاق دیدی تھی، لیکن فرقان اور اس کی اہلیہ کے اہل خانہ اور عزیز واقارب نے یہ کہہ کر فرقان کے گھر چندہ کو رکھوا دیا تھا کہ امام شافعی اور اہل حدیث مسلک میں تین یا تین سے زائد طلاق ایک مجلس میں دیدی جائیں تو وہ ایک طلاق ہی شمار ہوں گی، اور شوہر کو رجوع اور اپنے زیر نکاح رکھنے کا مکمل اختیار رہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ کہیں جانبین کا یہ سمجھوتہ اور فیصلہ عند اللہ قابل گرفت اور مواخذہ تو نہیں ہوا؟

(۲) فرقان علی نے دوبارہ پھر ۱۴/ مارچ ۲۰۰۷ء کو چندہ کو اس کے میکے پہنچا کر طلاق دیدی اور اس کو اس کے میکے ہی چھوڑ دیا، بھائیوں نے سمجھایا کہ تو نے اپنا گھر برباد کرلیا، اس کو رکھ لے، تو اس نے کہا میں اس کو کسی حال میں نہیں رکھ سکتا، اگر میرے گھر اور سسرال والوں نے بیوی کو رکھنے پر مجبور کیا تو میں کہیں جا کر مر جاؤں گا، اور گھر کبھی بھی منہ نہ دکھاؤں گا اس صورت میں شرعی کیا حکم ہے؟ کیا شرع میں کسی نوعیت کی گنجائش ہے کہ دوبارہ نکاح جدید ہو جائے؟

(۳) مذکورہ صورت مسئلہ میں طلاق واقع ہونے کی صورت میں شوہر اس کا مہر، نان ونفقہ اور دار سکنی کا خرچہ جو طلاق ہونے کے بعد دوران عدت شوہر کے ذمے ہوتا ہے کیسے ادا کرے، کتنا خرچ اس کو دے شرعی اعتبار سے، شوہر کو کیا کیا خرچہ دینا پڑے گا، حالانکہ طلاق کی عدت بھی گذر گئی، آج تک تین ماہ اٹھارہ دن ہوگئے؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۴) فرقان علی کی شادی کو ۹ /نومبر ۲۰۰۷ء کو تیرہ سال ہونے جارہے ہیں، مطلقہ سے تین لڑکیاں ہیں، جو اسی کے پاس ہیں، ان کا خرچہ برداشت کررہا ہے، ایک لڑکی کی عمر ۱۱/ سال، ایک کی ۹/سال، تیسری کی عمر ۶/سال۔

صورت مذکورہ پر نظر رکھ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب ارسال فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد عمران ساکن موضع کھونسارہ پرگنہ، بدایوں یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایک مجلس میں تین یا تین سے زائد طلاق دینے سے چاروں اماموں کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں، اور سوال میں جو امام شافعی کا مسلک لکھا گیا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، امام شافعی پر الزام ہے، بلکہ امام شافعی کے نزدیک بھی تین واقع ہوتی ہیں، اور جو لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں، جو درحقیقت غیر مقلدین ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مسلک کو ماننے والے نہیں ہیں، وہ گمراہ فرقہ ہے، ان کی باتیں حجت نہیں بن سکتی، اس لیے مذکورہ صورت میں بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں ہیں اور ساتھ رہنا قطعاً جائز نہیں، ہاں البتہ حلالہ کے طریقہ سے گنجائش ہے۔

من قال لامرأته أنت طالق ثلاثا فقال الشافعي و مالک و أبو حنيفة و أحمد جماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث. (نووی علی مسلم، کتاب الطلاق، باب الطلاق الثلاث ۱/۴۷۸، مرقاۃ شرح المشکوٰۃ، باب الخلع الطلاق الثلاث بلفظ واحد امدادیہ ملتان ۶/۲۹۳، بذل المجهود شرح ابی داؤد، الطلاق، باب بقية نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، مکتبہ یحی سہارنپور ۳/۲۷۶، دار البشائر الاسلامیة بیروت ۸/۹۵ تحت الرقم: ۲۲۰۰)

(۲) فرقان کی بیوی پر پہلے ہی تین طلاق چاروں اماموں کے نزدیک واقع ہوگئیں، اور اب تک جو بیوی کے ساتھ رہ رہا تھا، وہ بدکاری اور حرام کاری ہورہی تھی، ساتھ میں رکھنا جائز ہی نہ تھا، اب اگر دونوں ساتھ میں رہنا چاہیں تو حلالہ شرعی کے بغیر جائز نہیں ہوسکتا، یعنی عدت گذرنے کے بعد بیوی کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح صحیح کرے اور اس مرد کے ساتھ ہم بستر اور صحبت ہوجائے پھر اس کے بعد اس مرد کی طرف سے طلاق واقع ہوجائے یا شوہر کا انتقال ہوجائے پھر عدت گذرنے کے بعد فرقان کے ساتھ اس کا نکاح ہوسکتا ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (عالمگیری، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، هدایه اشرفی دیوبند ۲/۳۹۹، قدوری، امدادیه دیوبند ۱۷۸، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۸۸، تاتارخانية زكريا ۵/۱۴۷ رقم: ۷۵۰۳)

لو قال لزوجته أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثا. (الأشباه قديم ص: ۲۱۹، جديد زكريا ص: ۳۷۶)

(۳) جو مہر متعین ہوچکا ہے، طلاق دینے کے بعد پورا مہر ادا کرنا شوہر پر لازم ہے اور عدت کا خرچہ دورانِ عدت شوہر پر اس وقت لازم ہوتا ہے کہ جب شوہر کے کہنے کے مطابق عدت گذارے، نافرمانی کی شکل نہ ہو اور عدت کا زمانہ گذر جانے کے بعد گذشتہ خرچہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں، اور نہ شوہر پر گذشتہ خرچہ دینا لازم ہے، جب کہ دونوں کے درمیان پہلے سے نہ طے ہوا ہو، اور نہ ہی قاضی شرعی کا فیصلہ ہوا ہو، اور یہاں پر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

إن المهر قد وجب بالعقد و صار دينا في ذمته. (بدائع، كتاب النكاح، فصل بى بيان ما يتأكد به المهر، زكريا ۲/۵۸۴)

والنفقة لا تصير دينا إلا بالقضاء أو الرضا أى اصطلاحهما على قدر معين فقبل ذٰلک لا يلزمه شيئ. (الدر المختار مع الشامی کراچی ۳/۵۹۴، زكريا ۵/۳۱۱)

(۴) بچوں کی پرورش کا خرچہ باپ کے اوپر لازم ہوتا ہے، فرقان علی پر اپنے بچوں کی پرورش کا خرچہ اور انتظام کرنا لازم ہے۔

وتجب النفقة بأنواعها أي من الطعام و الكسوة والسكنىٰ على الحر لطفله. (شامی، کراچی ۳/۲ ۶۱، زکریا ۳۳۶/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۴۸/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۲۵ھ

مہر، طلاق، زیورات اور بچے سے متعلق سوالات کے جوابات

سوال [۷۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل کی شادی دہلی ساکن لڑکی سے تقریباً پونے دوسال قبل ہوئی تھی، میری بیوی کے ایک لڑکا دہلی میں یعنی (لڑکی کے میکے میں) پیدا ہوا، جس کی عمر ابھی ۶/ ماہ ہے، شادی سے کچھ ماہ بعد سے ہی میری بیوی نے میری مرضی کے خلاف میکے میں بھی زیادہ رہنا اپنا دستور بنالیا اور مشکل سے وہ مرادآباد میرے گھر کل ۲ یا ۳ ماہ ہی رہی، میرے والد سے، گھر والوں سے بار بار یہ کہنے پر کہ وہ اپنے اس فعل سے باز آئے اور مرادآباد میں ہی رہ کر میرے ساتھ زندگی بسر کرے، لیکن اس پر کسی بھی بات کا اثر نہیں ہوا اور وہ اپنے رویہ پر ہی قائم رہی، اب لگ بھگ ایک سال سے وہ دہلی یعنی اپنے میکے میں ہی مقیم ہے، اور اب میری اپنے گھر والوں کی مرضی سے مجھ سے طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے، اور کسی بھی صورت میں میرے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہے، میں نے دونوں طرف کے معزز لوگوں کو ساتھ لے کر بھی بات چیت کی اور علیٰحدگی کی وجہ جاننی چاہی لیکن میری بیوی وسسرال والوں نے نہ تو کوئی وجہ بتائی اور نہ ہی میرے ساتھ بیوی رہنے پر رضا مند ہوئی اور طلاق کے مطالبہ پر اٹل ہے۔ لہٰذا درج بالا صورت میں درج ذیل مسائل کا حل مطلوب ہے اور وہ یہ ہیں کہ:

(۱) بغیر کسی وجہ سے اپنی مرضی سے طلاق لینے کی صورت میں اس کا مہر کا مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ شادی کے پہلے ہی دن مہر معاف کر چکی ہے؟

(۲) کیا وہ ان حالات میں نان ونفقہ پانے کی حقدار ہے؟

(۳) کیا بچے کی پرورش کا ذمہ میرے اوپر لازم ہے؟

(۴) کیا وہ بچے کی پرورش کے نام پر اپنے میکے میں ہی رہ کر خرچہ مانگنے کی حقدار ہے؟

(۵) کیا وہ میرے اور میرے گھر والوں کے ذریعہ شادی کے موقعہ پر چڑھائے گئے زیورات، کپڑے وغیرہ کی مالک ہے؟ کیا میں ان کو واپس مانگنے کا حقدار ہوں؟ جبکہ وہ خود اپنی مرضی سے طلاق مانگ رہی ہے؟

(۶) کیا میری بیوی کے مجھ سے ایک سال سے علیحدہ رہنے اور کوئی کلام یا کسی طرح کا کوئی تعلق نہ رکھنے نیز طلاق کا مطالبہ کرنے اور اپنے اس فیصلے پر قائم رہنے سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

(۷) طلاق زبان سے دینا لازم ہے یا پھر تحریری طور پر بھی دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

(۸) کیا عورت کے طلاق طلاق کو لکھ کر تحریری طور پر شوہر کو خلع نامہ بھیج دینے سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی؟

المستفتی: نور حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) پہلی رات میں مہر معاف کرانے سے معاف نہیں ہوتا، اس لیے کہ اس رات میں شرما حضوری اور لاج میں مجبوری کی صورت ہوتی ہے، اس لیے پہلی رات میں معافی کا اعتبار نہیں، لہٰذا اس کے مہر کا حق بدستور باقی ہے اور بغیر کسی خاص وجہ کے، اگر طلاق لینے پر مصر ہے، تو شوہر کو اس بات کی شرط لگانے کی گنجائش ہوجاتی ہے کہ مہر کے بدلہ اور مہر کو معاف کرنے کی شرط پر طلاق دی جائے، اور ایک طلاق سے بھی طلاق ہو جاتی ہے، تین طلاق کی ضرورت نہیں۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی دیوبند ۲/۴۰۵، هنديه زكريا قديم ۱/۴۹۵، جديد ۱/۵۵٤)

(۲) عورت جب شوہر کی اجازت کے بغیر میکے چلی جائے تو جب تک از خود واپس نہ آجائے شرعاً ناشزہ شمار ہوتی ہے اس لیے ایسی عورت کے لیے شوہر کے اوپر نان ونفقہ لازم نہیں ہوتا ہے، نیز طلاق دینے کے بعد عدت کا خرچہ بھی واجب نہیں ہوتا ہے۔

لا نفقة لخارجة من بيته بغير حق وهى الناشزة حتى تعود. (شامی، كتاب الطلاق، باب النفقة، كراچی ۳/۵۷٦، زكريا ٥/۲۸٦)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله، والناشزة: هى الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه. (عالمگیری زکریا قديم ۱/٥٤٥، جديد ۱/٥۹٥)

والمعتدة إذا كانت لا تلزم بيت العدة بل تسكن زمانا وتبرز زمانا لا تستحق النفقة. (عالمگیری زکریا قديم ۱/٥٥٨، جديد ۱/٦٠٥)

(۳-۴) بچہ اگر لڑکا ہو تو سات سال تک اور لڑکی ہو تو مشتہات ہونے تک ماں کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے، لیکن ماں کے پاس رہنے کے زمانہ میں باپ خرچہ خود اٹھائے گا، اور اپنی حیثیت کے اعتبار سے جو بھی خرچہ دے گا اس سے زائد مانگنے کا حق ماں کو نہیں، اور بیمار ہو جائے تو باپ اپنی مرضی سے علاج کرائے گا، جس ڈاکٹر کے پاس چاہے علاج کرا سکتا ہے، ماں کو اس میں رکاوٹ پیدا کرنے کا حق نہیں۔

والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني وقدر بسبع سنين ...... والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض، وفى نوادر هشام عن محمد: إذا بلغت حد الشهوة. (عالمگیری، زکریا قديم ۱/٥٤۲، جديد ۱/٥۹۳)

وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله يعم الأنثى. (شامی، كراچی ۳/٦۱۲، زكريا ٥/۳۳٦)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد. (عالمگیری، زکریا قديم ۱/٥٦٠، جديد ۱/٦٠٧)

وبعد الفطام يفرض القاضى نفقة الصغار على قدر طاقة الأب وتدفع إلى الأم حتى تنفق على الأولاد. (عالمگیری، زکریا قديم ۱/٥٦۱، جديد ۱/٦٠٨)

(۵) لڑکی کے ماں باپ کی طرف سے شادی کے موقع پر جو زیورات لڑکی کو دئے جاتے ہیں اور جو کپڑے دئے جاتے ہیں، ان سب کی مالک لڑکی ہی ہوتی ہے، اس میں لڑکے کا کوئی دخل نہیں، اورلڑکے والوں نے جو زیورات چڑھائے ہیں، اگراس کا مالک لڑکی کونہیں بنایا گیا، اور نہ ہی ان کی برادری میں جدائیگی کے موقع پرلڑکی کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہےتو ایسے حالات میں وہ زیورات لڑکے یا اس کے گھر والوں کی ملکیت ہیں، علیٰحدگی کے وقت میں واپس لینے کا حق ہے۔

وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له ذٰلك إذا بعث إليها على جهة التمليك . (عالمگیری، زکریا قدیم ۱/ ۳۲۷، جدید ۱/ ۳۹۳)

(۶) شوہر کے الگ رہنےاور شوہر کی نافرمانی کرنے اور طلاق مانگنےکی وجہ سے اس پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، اگراسی طرح شوہر سے الگ رہ کر زندگی گذار دے تب بھی طلاق نہیں ہوگی۔

الطلاق ...... شرعاً رفع قيد النكاح في الحال بالبائن أو المآل بالرجعي بلفظ مخصوص : هو مااشتمل على الطلاق . (در مختار مع الشامی کراچی ۳/ ۲۲۷، زکریا ٤/ ٤٢٤ تا ٤٢٦)

(۷) زبان سے طلاق دینے سے ہر حال میں طلاق واقع ہو جاتی ہے اورتحریری طلاق بخوشی خودلکھا ہے یا خودلکھوایا ہے یااس کوسن کر بخوشی اس پر دستخط کیا ہے تب تحریری طلاق پڑجاتی ہے ورنہ نہیں۔

كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى و قيل مطلقا .

(در مختار مع الشامی کراچی ۳/ ۲٤٦، زکریا ٤/ ٤٥٦)

رجل استكتب من رجل آخر إلى امرأته كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه و طواه و ختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته فأتاها

الكتاب و أقر الزوج أنه كتابه فإن الطلاق يقع عليها . (هنديه، زكريا قديم ١/ ٣٧٩، جديد ١/ ٤٤٦، تاتارخانية زكريا ٤/ ٥٣١، رقم ٦٨٨٣)

(۸) عورت کے طلاق، طلاق لکھ کر تحریری طور پر شوہر کو خلع نامہ کے طور پر بھیجنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لیے کہ شریعت نے طلاق دینے کا حق شوہر کو دیا ہے، عورت کو نہیں۔

المرأة لاتملك الطلاق بل هو ملكه . (شامی، باب الخلع کراچی ٣/ ٤٤٢، زکریا ٥/ ٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۴/ ۱۴۲۷ھ

طلاق کے بعد لڑکے سے شادی کے خرچ کا مطالبہ کرنا

سوال [۷۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر پر طلاق دینے کے بعد شرعاً عورت کے کیا حقوق لازم ہیں، مثلاً زمانۂ عدت کا نفقہ ادائیگی مہر اور سامان جہیز کی واپسی کیا ان حقوق کے علاوہ شرعاً اور بھی حقوق ہیں، اگر لڑکی کے والدین وغیرہ سماجی قانون کا سہارا لے کر شوہر پر یہ دباؤ ڈالیں کہ ہم نے لڑکی کی شادی میں جتنا خرچ کیا وہ سب ادا کرو، مثلاً شادی میں جو لوگوں کو کھانا کھلایا ہے اور جو شامیانہ وغیرہ میں خرچ ہوا ہے وہ سب ادا کرو، تو اب شریعت اس میں کیا کہتی ہے، ان امور کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: مبارک حسین صدیقی، مولانا آزاد نگر، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر پر زمانہ عدت کا نفقہ وخرچہ واجب الادا ہے اور جہیز کا سامان اسی حالت میں واپس کرنا ضروری ہے، جس حالت میں اس وقت موجود ہے نیا ہو تو نیا، پرانا ہو تو پرانا، صحیح ہو تو صحیح، ٹوٹ گیا ہو تو اسی حالت میں واپس کرنا لازم ہے، اور جو

ختم ہوگیا اس کا واپس کرنا لازم نہیں ہے، ان چیزوں کی ادائیگی کے بعد شوہر پر بیوی کا کوئی دوسرا مطالبہ شرعی طور پر باقی نہیں رہتا۔

عن عائشة أن رسول الله قال لفاطمة: إنما السكنى والنفقة لمن كان لزوجها عليها رجعة . (سنن الدار قطنی، الطلاق دار الكتب العلمية بيروت ١٥/٤ رقم: ٣٩٠٨)

وفي حديث طويل: قال عمر: لانترك كتاب الله وسنة نبينا صلى الله عليه وسلم لقول امرأة، لا ندرى لعلها حفظت أو نسيت لها السكنى و النفقة "قال الله تعالىٰ: لاتخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة . (صحيح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، النسخة الهندية ٤٨٥/١، بيت الافكار رقم: ١٤٨٠)

أجمع العلماء على أن المطلقة طلاقا رجعيا تستحق النفقة والسكنى أيضا مادامت العدة قائمة سواء كانت حاملا أو حائلا و أما المبتوتة فلها النفقة والسكنىٰ أيضا . (الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٣٩٩/٥ رقم: ٨٣٠٢)

وكذا يسترد ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك و المستهلك لأنه في معنى الهبة أى الهلاك والاستهلاك مانع من الرجوع بها .
(شامی، كتاب النكاح، باب المهر كراچی ١٥٣/٣، زكريا ٣٠٤/٤)

اور شادی میں لڑکی والوں نے جو بارات کو کھانا کھلایا یا ناشتہ کرایا یا دیگر خرچہ کیا تو اس کا تاوان لڑکے اور اس کے والدین پر واجب نہیں، لہٰذا ان لڑکی والوں کو اس کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۹۲/۳، جدید ڈابھیل ۱۲۵/۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲ /ربیع الاول ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۵۲/۳۶)	۱۴۲۴/۳/۲ھ

حمل کی حالت میں طلاق عدت اور نفقہ کا حکم

سوال [۷۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عزیزم محمد سالم نے اپنی زوجہ انیسہ بیگم کو ایک ہی وقت میں کئی لوگوں کی موجودگی میں طلاق دیدی کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، کئی مرتبہ کہا ہے، انیسہ بیگم سات ماہ کے حمل سے ہے، انیسہ بیگم کا بھائی محمد سالم کے یہاں سے اپنے گھر پر لے گیا، اب یقینی طور پر بچہ کی پیدائش وہیں پر ہونی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اس کو طلاق ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو اس کی عدت اور خرچ کا کیا حکم ہے؟ جب کہ وہ اپنے بھائی کے گھر ہے، عزیزوں کے زور دینے پر محمد سالم پھر سے مطلقہ انیسہ بیگم کو واپس لانا چاہتا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں شرعی احکام کیا ہیں پوری وضاحت سے تحریر فرمادیں۔

المستفتی: سعادت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں کئی مرتبہ کے الفاظ ہیں اگر کئی مرتبہ سے تین مرتبہ یا اس سے زیادہ مراد ہے، تو انیسہ بیگم پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب اگر محمد سالم انیسہ بیگم کو دوبارہ اپنے پاس بیوی بنا کر رکھنا چاہتا ہے تو حلالہ کے بغیر جائز نہ ہوگا، البتہ حلالہ شرعی کے بعد دوبارہ نکاح کر کے میاں بیوی کی زندگی دونوں گذار سکتے ہیں اس کے بغیر نہیں، نیز انیسہ بیگم کا اپنے گھر پر عدت گذارنا اگر شوہر کی مرضی سے ہے تو محمد سالم پر عدت کا خرچہ واجب ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هنديه، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هدايه اشرفى ديوبند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٨٨)

في حديث طويل: قال عمر: لا نترك كتاب الله و سنة نبينا صلى الله عليه وسلم لقول امرأة، لاندري لعلها حفظت أو نسيت لها السكنى والنفقة، قال عز و جل لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة. (صحيح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، النسخة الهندية ١/٤٨٥، بيت الافكار رقم: ١٤٨٠)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيا كان

أو بائنا . (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة اشرفي ديو بند ۲/ ٤٤٣)

أجمع العلماء على أن المطلقة طلاقا رجعيا تستحق النفقة والسكنى أيضا مادامت العدة قائمة سواء كانت حاملا أو حائلا، وأما المبتوتة فلها النفقة والسكنى أيضا . (تاتارخانية زكريا ۳۹۹/٥ رقم: ۸۳۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۸۱)

مہر کی معافی کے بدلے میں طلاق، عدت کا خرچ اور جہیز وغیرہ کا حکم

سوال [۷۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کوئی لڑکی اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اور شوہر طلاق نہ دینا چاہتا ہو تو کیا مہر کی معافی یا مہر کے بدلہ میں طلاق دی جائے ، شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) طلاق کے بعد عدت کا خرچ کتنا دینا ضروری ہے، بیوی جو مطالبہ کرے یا جو شوہر کی حیثیت ہے؟

(۳) اس طرح سامان جہیز اور دیگر سامان زیور وغیرہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عاصم پرویز، محلّہ کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مہر کی معافی کے بدلے میں جو طلاق دی جائے اس طلاق کے بعد مہر کے مطالبہ کا حق باقی نہیں رہتا اور شرعا شریعت میں بیوی کے اصرار پر مہر کی معافی کے بدلے طلاق دینا جائز اور درست ہے۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفي ديوبند ۲/ ٤٠٥، هنديه زكريا قديم ۱/ ٤٩٥، جديد ۱/ ٥٥٤)

(۲) اگر شوہر نے اپنی طرف سے طلاق دی ہے اور مہر اور عدت کے خرچ وغیرہ کی معافی کی کوئی شرط نہیں لگائی ہے تو ایسی صورت میں شوہر کے اوپر مہر کا ادا کرنا بھی واجب ہے، اور عدت کا خرچہ بھی دینا لازم ہوتا ہے، لیکن اگر بیوی کے اصرار پر مہر کے بدلے طلاق دی ہے اور بوقت طلاق یہ شرط لگائی ہے کہ عدت کا خرچہ نہیں دیا جائے گا اس طرح شرط کے ساتھ طلاق دی گئی ہے تو نہ مہر ادا کرنا واجب ہے اور نہ عدت کا خرچہ شوہر پر واجب ہے اور اگر عدت کے خرچہ کے بارے میں کوئی شرط نہیں لگائی ہے، تو عدت کا خرچہ دینا لازم ہے، اور شوہر اپنی حیثیت کے اعتبار سے عدت کا خرچہ ادا کرے گا، شریعت کی طرف سے اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے۔

ولا تقع البراءة عن نفقة العدة في الخلع والمبارأة والطلاق بمال إلا بشرط في قولهم. (عالمگیری، زکریا قدیم ۱/۴۸۹، جدید ۱/۵۴۸)

(۳) جہیز کا سامان اور بیوی کے زیورات وغیرہ بیوی ہی کا حق ہے، اس میں شوہر اور اس کے متعلقین کا کوئی حق نہیں رہتا ہے، طلاق کے بعد ان چیزوں کا واپس کرنا شوہر پر بہر صورت لازم ہے۔

المختار للفتویٰ أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية. (شامی، کراچی ۳/۱۵۷، زکریا ۴/۳۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۳۸)

طلاق ثلاثہ کے بعد عدت، مہر، نان ونفقہ اور زیورات کا حکم

سوال [۷۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شوہر نے بیوی کو کسی بات پر مارا پیٹا اور اس کے بعد تین بار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، اس کے بعد لڑکا کہتا ہے کہ میں نشہ میں تھا جبکہ لڑکا کسی قسم کا نشہ نہیں کرتا، اس کا کہنا ہے کہ میں نے کوئی درد وغیرہ کی گولی کھائی تھی جس کا نشہ تھا اس واقعہ

کے۲۴؍گھنٹہ بعدلڑکے نے اپنی خالہ کے سامنے پھر وہی طلاق کے لفظ دہرائے اور پھر کئی بار طلاق کے الفاظ دہرائے ان الفاظ کولڑکی نے بغور سنا،دریافت یہ ہے کہ طلاق ہوئی یانہیں؟

(۲) طلاق کے بعدلڑکی عدت اپنے شوہر کے گھر گذارے گیایا اپنی ماں کے گھر؟

(۳) طلاق کے بعدلڑکی کا نان ونفقہ شوہر پر کتنی مدت تک بنے گا اور کتنا بنے گا، ایک۹؍ماہ کی بچی ہےاس کی ذمہ داری کس پر ہوگی اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۴) شوہر نے مہرادانہیں کیا ہےاس بارے میں کیاحکم ہے؟

(۵) شادی کی پہلی رات جوزیوربطور تحفہ شوہر نے بیوی کودیا تھااس کے لیے کیاحکم ہے؟

(۶) جوسامان لڑکی کے والدین نےلڑکی کوبطور جہیز دیا تھااس کے بارے میں کیاحکم ہے؟ اور جوخرچ شادی میں کھانا کھلانے یادیگر امور میں ہوئے تھےاس کے بارے میں کیاحکم ہے؟

(۷) اگرشوہرلڑکی کواپنے گھر عدت کی مدت تک رکھنے پر راضی نہ ہوتو لڑکی کیا کسی کرائے کے مکان میں اپنے بھائی اور ماں کے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کے اخراجات کون برداشت کرے گا؟

المستفتی: محمد انور کمال محلّہ تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں بیوی پرطلاق مغلظہ واقع ہو گئی ،اب بدوں حلالہ شرعیہ کے دونوں کے درمیان نکاح درست نہیں اورشوہر کا یہ کہنا معتبر نہیں ہے کہ میں نے کوئی درد وغیرہ کی دوا کھائی جس کا نشہ تھا، اس لیے کہ چوبیس گھنٹہ کے بعد اس نے اپنی خالہ کے سامنے کئی مرتبہ تین طلاق کے الفاظ کودہرایا ہے۔

عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره ويذوق كل واحد منهما عسيلة صاحبه.

(دار قطني، الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٢١)

إذا قال لزوجته أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثا. (الأشباه قديم ص: ٢١٩، جديد زكريا ص: ٤/ ٢١)

(۲) عورت کے لیے عدت شوہر ہی کے گھر پر گذارنے کا حکم ہے، ہاں البتہ اگر شوہر کے گھر میں اس کی حفاظت اور نامحرم وغیرہ سے پردہ کا مسئلہ دشوار ہو تو میکہ میں جا کر عدت گذار سکتی ہے۔

وعلی المعتدة أن تعتد فی المنزل الذی یضاف إلیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت. (فتح القدیر، باب العدة، فصل وعلی المبتوتة والمتوفی عنها زوجها، دار الفکر بیروت ٤/٣٤٤، زکریا ٤/٣١٠، کوئٹه ٤/١٦٦)

(۳) مطلقہ کی عدت کا خرچہ شوہر پر واجب ہوتا ہے اور اس کی عدت تین ماہواری تک ہے، تین ماہواری گذرنے کے بعد شوہر کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں ہوتی ہے، اور سوالنامہ میں نو ماہ کی جس بچی کا ذکر ہے اس کے بالغ ہونے تک خرچ کی ذمہ داری باپ پر ہوگی اور اس کی تعلیم وتربیت سے متعلق باپ کو اختیار حاصل ہوگا کہ جس طرح کے اسکول میں چاہے تعلیم دے اس کا تعلیمی خرچ ماں کو لینے کا حق نہیں اور باپ کھانے کپڑے کا خرچہ اپنی صواب دید کے مطابق دے گا۔

إذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنیٰ فی عدتها. (هدایه، اشرفی دیوبند ٢/٤٤٣)

ونفقة الأولاد الصغار علی الأب. (فتح القدیر، دار الفکر بیروت ٤/٤١٠، کوئٹه ٤/٢١٧، زکریا ٤/٣٧١)

(۴) اگر شوہر نے مہر ادا نہیں کیا ہے تو طلاق کے بعد عورت کا پورا مہر ادا کرنا شوہر کے ذمہ لازم ہے۔

﴿**قال الله تعالیٰ: وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً.** [النساء: ٤]﴾

﴿**وقال الله تعالیٰ جل جلاله: فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً.** [النساء: ٢٤]﴾

(۵) شوہر نے بیوی کو تحفہ کے طور پر جوزیور دیا ہے چاہے پہلی رات میں دیا ہو یا بعد

میں وہ بیوی کی ملکیت ہے۔

حکم الهبة ثبوت الملک للموهب له. (تاتارخانیة زکریا ۱۴/ ۴۱۳ رقم: ۲۱۵۳۷)

(۶) جہیز کا سامان عورت کی ملکیت ہے اور شادی کے موقع پر جو کھانا کھلایا اور دیگر امور میں جو خرچ ہوا ہے وہ لڑکی والوں کا اپنا خرچہ ہے اس کی ادائیگی کا شوہر مکلّف نہیں۔

عن أبی حمید الساعدی أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل لمسلم أن یاخذ مال أخیه بغیر حق. (مجمع الزوائد، باب الغصب و حرمة مال المسلم، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۷۱، مسند أحمد بن حنبل ۵/ ۴۲۵، رقم: ۲۴۰۰۳)

المختار للفتویٰ أن یحکم بکون الجهاز ملکا. (شامی کراچی ۳/ ۱۵۷، زکریا ۴/ ۳۰۹)

(۷) اگر شوہر لڑکی کو ایام عدت اپنے گھر میں گذارنے پر راضی نہیں ہے تو اس پر لازم ہے کہ کوئی دوسرا انتظام کرے یا کوئی کرایہ کا گھر لے کر دے اور اس کا کرایہ بھی شوہر کے ذمہ ہوگا، ہاں البتہ لڑکی اگر اپنے اختیار سے میکہ میں جا کر عدت گذارتی ہے تو شوہر پر کوئی خرچہ لازم نہیں ہے۔

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنی. (هدایه، اشرفی دیوبند ۲/ ۴۴۳)

وإن نشزت فلا نفقة لها. (هدایه اشرفی دیوبند ۲/ ۴۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۵۳)	۱۴۳۱/۱/۷ھ

طلاق کے مطالبہ پر مہر، جہیز اور زیورات وغیرہ کا حکم

سوال [۷۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نوشاد انور کی بیوی فرح تقریباً چار ماہ سے اپنے میکہ میں رک گئی ہے اور اپنے شوہر کے پاس آنا نہیں چاہتی اور طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے، تو اگر طلاق دی جائے تو مہر

دینا ہوگا یا نہیں؟

(۲) اور جو زیور چڑھایا گیا وہ واپس ملے گا یا نہیں؟ جب کہ ہمارے یہاں زیور کا مالک شوہر ہی ہوتا ہے؟

(۳) جہیز کا سامان واپس دیا جائے گا یا نہیں، اسی طرح جو کپڑے پہننے کے لیے یا شادی کے بعد سے اب تک جو چیزیں شوہر اس کے گھر والوں کو گفٹ میں دی تھیں وہ بھی واپس دیئے جائیں گے؟

(۴) جہیز میں ایک اسکوٹر دیا گیا تھا، جو چوری ہو گیا تھا کیا اسے بھی خرید کر دینا ہوگا، مذکورہ مسائل کا جواب تحریر فرمادیں؟

المستفتی: رفیق احمد، سیدی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) طلاق دینے کا اختیار شوہر کو ہوتا ہے، لہٰذا اگر شوہر نوشادانور اپنی اہلیہ کو طلاق دیدیتا ہے تو طلاق واقع ہوجائے گی اور مہر کی ادائیگی بہر حال لازم ہوگی، تاہم شوہر کو اس بات کا اختیار ہے کہ معافی مہر کی شرط پر طلاق دے، ایسی صورت میں مہر معاف ہوجائے گا، اور شوہر پر مہر ادا کرنا لازم نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۳۶۰)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، و موت أحد الزوجين حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذٰلک إلا بالإبراء. (هنديه، زكريا قديم ١/٣٠٣، جديد ١/٣٧٠)

إن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال. (هنديه، زكريا قديم ١/٤٩٥، جديد ١/٥٥٤)

ولو قال لها أنت طالق على ألف فقبلت طلقت و عليها الألف. (هنديه، زكريا قديم ١/٤٩٦، جديد ١/٥٥٥، هدايه اشرفى ديوبند ٢/٤٠٧، تاتارخانية زكريا ٤/٦٠٠، رقم ٧٠٣٧)

(۲) جوزیورشوہر کی طرف سے بیوی کوچڑھایا گیا ہے اگراس طرح کے زیورکا مالک شوہر ہی ہوتا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے تو شوہر کی طرف سے چڑھایا گیا زیور ان کو واپس کردینا فرح پرلازم ہے۔

عن أنس بن مالک قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: العارية مؤداة والمنحة مردودة. (سنن ابن ماجه، أبواب الأحكام، باب العارية النسخة الهندية ۲/۱۷۳، دار السلام رقم: ۲۳۹۸)

ولو بعث إلى امرأته ولم يذكر جهة فقالت: هو هدية وقال: هو من المهر فالقول له بيمينه والبينة لها في غير المهيا للأكل. (هنديه، زكريا قديم ۱/۳۲۲، جديد ۱/۳۸۸)

وللمعير أن يرجع فيها متى شاء. (تاتارخانية، ۱٦/٦۹ رقم: ۲٤۲۳۱)

(۳) جہیز کا جوسامان شادی کے موقع پر دیا جاتا ہے وہ لڑکی کی ملکیت ہے طلاق ہو جانے کے بعد اسے لڑکی کو دینا لازم ہے، اور جوسامان کپڑے وغیرہ شوہر یا شوہر کے گھر والوں کو بطور ہدیہ کے دیئے گئے ہیں وہ اس کو واپس نہیں ملیں گے، اور جہیز کا جوسامان جس حالت میں ہے اسی حالت میں واپس ہوگا۔

سئل أبو القاسم عمن بعث جهازاً إلى بيت زوج البتة ولم يقل حين وجهه أنه هدية؟ قال: يحمل على الهدية. (تاتارخانية ٤/۲۰۹ رقم: ۵۱۸۸)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، زكريا ٤/۳۱۱، كراچی ۳/۱۵۸)

المختار للفتوىٰ أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية؛ لأنه الظاهر الغالب. (شامي كراچی ۳/۱۵۷، زكريا ٤/۳۰۹)

(۴) جواسکوٹر جہیز میں دیا گیا تھا اور وہ چوری ہوگیا تو اس کی قیمت کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۷/۳۸۸)

وكذا يسترد ما بعث هدية وهو قائم دون الهالك والمستهلك. (شامی، کراچی ۳/۱۵۳، زکریا ۴/۳۰۴، مجمع الأنهر دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۵۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۱/۱۴۳۳ھ

نافرمان بیوی کوطلاق دینے پر مہر اور بچوں کی پرورش کے متعلق سوالات وجوابات

سوال [۷۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رئیس احمد کی شادی کو تقریباً تین سال کا عرصہ ہوا، دونوں سے تقریباً دوسال کا بچہ بھی موجود ہے، ان تین سالوں میں بیوی نے اپنے شوہر کے حقوق ادا نہیں کیے شوہر کی مرضی اور شریعت کے خلاف زندگی گذارتی ہے اس لیے میں رئیس احمد اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں، تو شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

(۱) جو حق مہر شوہر نے بیوی کو نکاح کے وقت زیور کے طور پر دئے کیا وہ مہر کی ادائیگی مانی جائے گی یا نہیں؟

(۲) جو بچہ تقریباً دوسال کا ہے اور ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ ماں کے ساتھ رہے گا یا باپ کے ساتھ؟ اگر ماں بچہ مانگتی ہے اور اس کے خرچ کے لیے کہتی ہے تو کتنا خرچ دینا ضروری ہے تعلیم اور علاج کا کتنا خرچ ہوگا؟

(۳) شوہر اپنے بچے کو کس عمر میں لے سکتا ہے اگر بیوی دوسرا نکاح کرلے تو بچہ کو پہلا شوہر (والد) لے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد آزاد نگر، ہلدوانی نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نافرمان بیوی کو طلاق دینا شریعت میں لازم نہیں ہے، لہٰذا آپ کو اپنے حالات کے مطابق فیصلہ کرنے کا مکمل اختیار حاصل ہے،

البتہ طلاق دینے کی صورت میں عدت کے ایام کا خرچہ آپ پر لازم ہوگا۔

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع کراچی ٦/٤٢٧، زکریا ٩/٦١١، البحر الرائق کوئٹه ٣/١٠٧، زکریا ٣/١٨٨)

إن سببه الحاجة إلی الخلاص عند تباین الاختلاف وعروض البغضاء الموجبة. (شامی زکریا ٤/٤٢٨، کراچی ٣/٢٢٨)

المعتدة عن طلاق تستحق النفقة والسکنی. (هندیه زکریا قدیم ١/٥٥٧، جدید ١/٦٠٥)

(۲) زیور کی شکل میں مہر کی ادائیگی درست ہے۔

ولو بعث إلی امرأته شیئا وقال هو من المهر فالقول له. (شامی کراچی ٣/١٥١، زکریا ٤/٣٠١)

(۳) طلاق کے بعد علیحدگی کی صورت میں ماں کو بچہ سات سال کی عمر تک اپنی پرورش میں رکھنے کا حق حاصل ہے، اور سات سال کی عمر کے بعد باپ کو حق ہوگا، کہ بچہ کو اپنے پاس رکھ لے، اور اس سات سالہ مدت کے درمیان ماں اگر دوسرا نکاح کر لیتی ہے تو بچہ سے اس کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا، اور بچہ باپ کے سپرد کر دیا جائے گا، اور تعلیم وعلاج کے سلسلے میں باپ کو اختیار ہے، جس اسکول میں چاہے پڑھائے، اور جس ہسپتال میں چاہے علاج کرائے، ماں کو اس سلسلے میں مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔

أحق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح وبعد الفرقة الأم. (هندیه زکریا قدیم ١/٥٤١، جدید ١/٥٩٢)

وبعد ما استغنی الغلام، وبلغت الجاریة، فالعصبة أولیٰ یقدم الأقرب فالأقرب. (هندیه زکریا قدیم ١/٥٤٢، جدید ١/٥٩٣)

الأم والجدة أحق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین. (هندیه زکریا قدیم ١/٥٤١، زکریا قدیم ١/٥٤٢، جدید ١/٥٩٣)

إنما یبطل حق الحضانة لهؤلاء النسوة بالتزوج. (هندیه زکریا قدیم

۱/۱ ٤ ۵، جدید ۱/۲ ۹ ۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۵٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۷/۵ھ

عدالت میں طلاق نامہ کے دخول، حضانت اور وراثت سے متعلق سوالات کے جوابات

سوال [۷۰۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ ملا سمیع اللہ ابن عبد العزیز کی شادی شاہرہ بیگم بنت اکبر صاحب سے ہوئی تھی جس سے تین بچے (دو بچیاں اور ایک بچہ ہے) جن کی عمریں اب اس وقت ۱۹؍سال، ۱۷؍سال اور ۱۵؍سال ہیں، چند سالوں کے بعد زوجہ اپنے میکے چلے گئی اور آنے کو تیار نہیں ہوئی، جس پر کرملا سمیع اللہ نے ایک طلاق بائن لکھ کر بتاریخ ۲۰۰۰/٦/۵ء کو بذریعہ کوریر مع عدت خرچ کے روانہ کیا، جس کو مطلقہ نے وصول نہیں کیا، اس کے بعد کرملا سمیع اللہ نے بذریعہ وکیل عدالت سے منظور کرانے کی غرض سے ۲۰۰۰/۸/۱۷ء کو عدت کے اندر ہی اپنا بیان مع دو گواہوں کے قلم بند کرایا، جس میں تین طلاق کا تذکرہ ہے، اور عدالت میں عدت کا خرچ بھی جمع کر دیا گیا۔

عدالتی کارروائی شروع ہونے کے تقریباً چار سال بعد عدالت نے یہ فیصلہ سنایا کہ عدالت مسلم پرسنل لاء میں مداخلت تو نہیں کرتی مگر عدالتی اصول سے یہ طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، دوسری جانب عدالتی کارروائی کے درمیان ہی مطلقہ نے عدالت سے نان ونفقہ کا مطالبہ کیا تھا جس پر عدالت نے تین ہزار روپئے ماہانہ ادا کرنے کا حکم صادر کیا، عدالت کے اس فیصلہ کو چیلنج کرنے کے لیے اوپر کی عدالتوں سے رجوع کیا گیا تو دونوں اوپری عدالتوں نے بھی نچلی عدالت کے حکم کو برقرار رکھا، چنانچہ عدالت کے حکم کے مطابق اب تک ماہانہ تین ہزار روپئے ادا کیا جا رہا ہے۔

واضح ہو کہ کرملا سمیع اللہ کے مذکورہ مطلقہ سے تینوں بچے طلاق کے وقت سے اب تک

اپنے والد ہی کے ساتھ ہیں، کبھی ان کی والدہ نے نہ ان بچوں کا مطالبہ کیا نہ ہی یہ بچے اپنی ماں کے پاس گئے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

(۱) بحکم شرعی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوئی ہے تو کون سی طلاق واقع ہوئی؟

(۲) عدالت کا طلاق نہ ماننا کیسا ہے؟

(۳) عدالت کا ماہانہ خرچ ۳۰۰۰ روپئے متعین کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

(۴) بچوں کی پرورش کا حق اب کس کو ہے؟

(۵) کیا بچے اگر اپنی ماں کے پاس جانا چاہیں تو باپ کو ان بچوں کو روکنا درست ہے؟ اور اگر بچے اپنی ماں کے پاس نہ جانا چاہیں تو ؟

(۶) کیا کرملا سمیع اللہ کی جائیداد میں مطلقہ کا حق بنتا ہے؟

المستفتی: کرملا سمیع اللہ کدری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب کرملا سمیع اللہ نے دو گواہوں کے ساتھ از خود بذریعہ وکیل عدالت میں تین طلاق داخل کردی ہے اور وہ بھی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ عدالتی کارروائی سے پہلے ایک طلاق بائن لکھ کر بھیج دی ہے اور ساتھ میں عدت کا خرچہ بھی جمع کردیا ہے تو ایسی صورت میں اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، عدالت اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے ہر صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے۔

إن أرسل الطلاق بأن كتب أما بعد: فأنت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمه العدة من وقت الكتابة. (شامی، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح كراچی ۲٤٦/۳، زكريا ٤٥٦/٤، هنديه زكريا قديم ۳۷۸/۱، جديد ٤٤٦/۱)

ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها و قرأه على الزوج فأخذه الزوج و ختمه و عنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابه. (شامی، زكريا ٤٥٦/٤، كراچی ۲٤٦/۳، هنديه زكريا قديم ۳۷۹/۱، جديد ٤٤٦/۱، تاتارخانية زكريا ٥۳۱/٤ رقم: ٦٨٤۳)

لـو قـال لـزوجتـه: أنـت طـالـق طالق طالق طلقت ثلاثا. (الأشباه قديم ص: ۲۱۹، جديد زكريا ص: ۳۷٦)

(۲) جب شرعی طور پر طلاق واقع ہو چکی ہے تو اس کے معتبر ہونے کے لیے غیر مسلم عدالت کے طلاق نہ ماننے سے وقوع طلاق میں کوئی فرق نہیں آئیگا، اور عدالت کا اس پر اصرار کرنا مسلم پرسنل لاء میں مداخلت ہے، جو ہندوستانی قانون کے اعتبار سے بھی درست نہیں۔

(۳) عدالت کا عدت گذر جانے کے بعد تین ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کر دینا اور اس کی ادائیگی پر دباؤ ڈالنا یا قانونی سرکیولر جاری کرنا مسلم پرسنل لاء میں مداخلت ہے، اس لیے کہ شریعت میں عدت کے ختم ہو جانے کے بعد کوئی خرچہ لازم نہیں ہوتا۔

وإذا مضت مدة لـم ينفق الزوج و طالبته بذٰلک فلا شئ لها. (هداية، باب النفقة اشرفي ديوبند ۲/ ٤٤٠)

ولـو أقـام الـزوج البيـنـة عـلـى إقرارها بانقضاء العدة سقطت نفقتها. (قاضي خان على الهندية زكريا ۱/ ۲٦۳، وعلى هامش الهندية ۱/ ٤٤١)

(۴) سوالنامہ میں تینوں بچوں کی عمر لکھی گئی ہے مذکورہ بچوں کی پرورش کا حق باپ کو ہے، اس لیے کہ لڑکے کو سات سال کے بعد باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق حاصل ہے، اور لڑکیوں کو بالغ ہو جانے کے بعد یعنی ماہواری شروع ہو جانے کے بعد باپ کو اپنے پاس رکھنے کا حق ہے، اور ان کی شادی بیاہ کا انتظام بھی باپ ہی کرے گا۔

والأم والجدة أحـق بـالغلام حتى يستغني وقدر بسبع سنين. (هـنديه، زكريا قديم ۱/ ٥٤٢، جديد ۱/ ٥٩۳)

والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض. (هنديه زكريا قديم ٥٤٢، جديد ۱/ ٥٩۳)

(۵) بچوں کو ماں سے ملاقات کے لیے جانے آنے پر روکنا باپ کے لیے درست نہیں، بچے باپ کے پاس رہیں گے، لیکن ساتھ میں اپنی ماں سے وقتاً فوقتاً ملاقات کے لیے جانے آنے کا حق ہے۔

إذا سقطت حضانة الأم و أخذه الأب لا يجبر على أن يرسله لها بل هي إذا أرادت أن تراه لا تمنع من ذلك. (شامي، قبيل باب النفقة كراچی ٣/٧١، زكريا ٥/٢٧٥)

(٦) کرملا سمیع اللہ کی جائیداد میں مطلقہ کوکوئی حق نہیں ہے، اور نہ ہی جائیداد میں کسی طرح کا کوئی حق حاصل کرنے کے لیے سرکاری دباؤ ڈالنے کا حق ہے۔

ويستحق الإرث برحم و نكاح وولاء. (شامی، کتاب الفرائض، کراچی ٦/٧٦٢، زکریا ١٠/٤٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

نوٹ: ہمارے دارالافتاء میں کوئی لیٹر پیڈ نہیں ہے صرف مہر لگائی جاتی ہے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣٠ر رجب المرجب ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/١٠٧٧٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٣٠/٧/١٤٣٣ھ

طلاق کی صورت میں مہر، جہیز اور زیورات کا حکم

سوال [٧٠٩٧]: (١) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد عمر کی شادی ہمراہ معظّمہ خاتون سے مبلغ پندرہ ہزار روپیہ مہر کے ساتھ ہوئی، شادی کے بعد دو مہینہ تک دونوں مل کر ازدواجی زندگی گذارتے رہے، ایک دن لڑکی کے والد بہانہ بنا کر سارے زیور کے ساتھ (جو زیور لڑکی کے والد نے دیا تھا اور محمد عمر نے شادی کے موقع پر دیا تھا) لے کر اپنے گھر چلے گئے، چند روز کے بعد جب محمد عمر اپنی بیوی معظّمہ کو بلانے گیا تو ان کے والد نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ تم لوگوں سے کچھ بات چیت کروں گا، اس لیے اپنے ذمہ داروں کو ساتھ لے کر آؤ جب محمد عمر دوبارہ چند حضرات کو لے کر گئے تو انہوں نے یہ کہا کہ لڑکی وہاں یعنی گلاب باڑی جو محمد عمر کا مکان ہے اور وہیں پر کاروبار کرتے ہیں، نہیں جائے گی، محمد عمر اپنا مکان اور کاروبار چھوڑنے کو تیار نہیں ہے، خاص بات یہ ہے کہ جو محمد عمر نے اپنی جانب سے زیور بروقت شادی معظّمہ خاتون یعنی اپنی بیوی کو چڑھایا تھا وہ زیور اور اپنے پندرہ ہزار روپیہ کے مہر کی حقدار ہے یا نہیں؟

(۱) طلاق کا لڑکی کی طرف سے مطالبہ ہو رہا ہے تو مہر دینا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) جو زیور لڑکے نے چڑھایا ہے ہمارے یہاں کا رواج ہے کہ طلاق کے بعد اسے واپس لے لیا جاتا ہے تو وہ کیسے ملے گا؟

(۳) جہیز واپس دیا جائے گا یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

(۴) کچہری اور عدالت سے جو طلاق حاصل کی جاتی ہے اور اس کے بعد دوسری جگہ نکاح کیا جاتا ہے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مسئلہ مذکورہ میں اگر شوہر از خود طلاق دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور لڑکی والے طلاق مانگ رہے ہیں تو ایسی صورت میں بلا ظلم وزیادتی کے محض رہائشی مکان کی تبدیلی کی ضد پر شوہر کے اوپر دباؤ ڈالنا اور پھر طلاق کا مطالبہ کرنا بیوی کے لیے جائز نہیں ہے، ہاں البتہ وہاں رہنے میں اس کے اوپر ظلم وزیادتی یا عصمت دری کا خطرہ ہو رہا ہو تب تبدیلی مکان کا مطالبہ جائز ہوسکتا ہے اور مذکورہ صورت میں بلا کسی خاص وجہ کے طلاق کا مطالبہ کرنا بیوی کے لیے جائز نہیں ہے اب اگر پھر بھی طلاق لینے پر بضد ہے تو شوہر پر طلاق دینا لازم نہیں ہے اور بیوی اپنا مہر معاف کر کے خلع کرا سکتی ہے۔

﴿**قال الله تعالیٰ: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ.** [البقرة: ۲۲۹]﴾

وإن تشاقا الزوجان وخافا أن لايقيما حدود الله فلا بأس بأ ن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعل ذٰلک وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفی دیو بند ۲/ ۴۰۴، تاتارخانية زكريا ۵/ ۵ رقم: ۷۰۷۱)

(۲) شادی کے موقعہ پر جو زیور لڑکے کی طرف سے لڑکی کو دیا جاتا ہے اس کا مدار عرف ورواج پر ہے، اگر آپ کی برادری کا عرف ورواج یہ ہے کہ زیور کا مالک لڑکا رہتا ہے تو یہ زیور لڑکے کا رہے گا، بیوی کا اس میں کوئی حق نہیں ہے، اور اگر عرف یہ ہے کہ زیور کی مالک

بیوی رہتی ہے تو بیوی کو ملے گا، لڑکے کا کوئی حق نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/۱۲۳، جدید زکریا مطول ۷/ ۴۴۸، ۵/۱۳۴، جدید زکریا مطول ۷/۴۵۳)

وإذا بعث الزوج إلی أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة ليس له ذٰلک إذا بعث إليها علی جهة التمليک ...... جهز زوجها ثم زعم أن الذی دفعه إليها ماله وكان علی وجه العارية عندها وقالت هو ملكی جهزتنی به ...... وقال فی الواقعات: إن كان العرف ظاهرا بمثله فی الجهاز كما فی ديارنا فالقول قول الزوج. (هندیه، زكريا قديم ۱/۳۲۷، جديد ۱/۳۹۳)

(۳) شادی کے موقعہ پر باپ کی طرف سے لڑکی کو جو جہیز دیا جاتا ہے وہ ہر حال میں لڑکی ہی کا رہتا ہے، لڑکے کا کوئی حق نہیں، جہیز کی واپسی ضروری ہے۔

جهز ابنته فإن الأب اشتری لها فی صغرها و فی كبرها وسلم لها فی صحته فهو لها خاصة. (شامی زكريا ٤/٣٠٩، كراچی ۳/۱۵۷)

(۴) غیر مسلم عدالت سے غیر مسلم جج کے فیصلے سے جو طلاق لی جاتی ہے وہ شرعی طور پر معتبر نہیں ہے، اس لیے اس طلاق سے عورت شوہر کے نکاح سے نہیں نکلتی ہے، اور نہ ہی اس کے لیے دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۵۲، فتاویٰ دار العلوم ۸/۴۰۴، کفایت المفتی قدیم ۶/ ۱۳۵، جدید زکریا مطول ۸/ ۵۳۸)

﴿**قال الله تعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا.**
[النساء: ۱٤۱]﴾

﴿**لم ينفذ حكم الكافر علی المسلم و ينفذ للمسلم علی الذمی.**
(شامی، كتاب القضايا، باب التحكيم زكريا ۸/۱۲٦، كراچی ٥/٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر ۳۴/ ۵۸۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۱۹ھ

طلاق،عدت،مہر ونفقہ اور بچے کے نسب و پرورش کا حکم

سوال [۷۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور زید نے شادی سے اب تک ہندہ سے جماع نہیں کیا ہے لیکن تنہائی ہوئی ہے، زید جب چار پانچ مہینہ کے بعد سفر سے گھر آتا ہے تو ہندہ کو حمل کی حالت میں دیکھتا ہے تو زید قسم کھا کر کہتا ہے کہ یہ مجھ سے حمل نہیں اس لیے کہ ہم نے جماع نہیں کیا ہے، زید اب طلاق دینا چاہتا ہے کیا اس صورت میں مہر مکمل دینا ہو گیا یا نصف؟

(۲) حمل کی عدت کیا ہے؟

(۳) طلاق کے بعد عورت اپنی ماں کے گھر چلی جائے گی یا شوہر کے گھر رہے گی؟ اگر شوہر کے گھر میں عدت گذارنے کے خرچ کا علم ہے، تو ماں کے گھر میں عدت گذارنے کی صورت میں کیا شوہر کے اوپر خرچ واجب ہے؟

(۴) وضع حمل کے بعد کیا شوہر بیوی اور بچے کا خرچ دے گا اگر دے گا تو کیوں دے گا جبکہ شوہر سے یہ بچہ نہیں ہے، اور شوہر قسم کھا کر انکار کرتا ہے؟

المستفتی: محمد نجم الاسلام استو، چکدریا، بھاگلپور (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسئولہ صورت میں زید اگرچہ ہندہ سے جماع کا منکر ہے اس کے باوجود ہندہ کا حمل شرعاً زید ہی کی ہی طرف منسوب ہوگا اور طلاق دینے کی صورت میں زید پر مکمل مہر ادا کرنا لازم ہوگا۔

قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (بخاری شریف، کتاب المحاربين للعاهر الحجر، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۰۷ رقم: ۶۵۵۹، ف: ۶۸۱۷)

يقام النكاح مقام الدخول في إثبات النسب ولهذا قال النبي صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش وللعاهر الحجر وكذا لو تزوج المشرقية بمغربية فجاء ت

بـولد يثبت النسب و إن لم يوجد الدخول حقيقة لوجود سببه وهو النكاح. (بدائع، كتاب النكاح، فصل فى ثبوت النسب زكريا ٢/٦٤٦)

ويتأكد عند وطئه أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما وفى الشامية: إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطئ و نحوه. (شامی، کراچی ۳/۱۰۲، زکریا ٤/۲۳۳)

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، و موت أحد الزوجين حتى لا يسقط منه شيئ بعد ذٰلک إلا بالإبراء. (هندیه زکریا قدیم ۱/۳۰۳، جدید ۱/ ۳۷۰، البحر الرائق کوئٹه ۳/۱٤۳، زکریا ۳/۲۵۱)

(۲) حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

﴿**قال الله تعالىٰ: وَاُوْلَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ.** [الطلاق: ٤]﴾

والعدة فى حق الحامل وضع حملها. (در مختار، باب العدة کراچی ۳/۵۱۱، زکریا ۵/۱۹۰)

وعدة الحامل أن تضع حملها ...... وليس للمعتدة بالحامل مدة سواء ولدت بعد الطلاق أو الموت بيوم أو أقل. (هنديه زكريا قديم ١/٥٢٨، جديد ١/٥٨١، ٥٨٢)

(۳) طلاق کے بعد شوہر کے گھر ہی رہ کر عدت گذارنا لازم ہے، شوہر کے گھر عدت گذارنے کی صورت میں بیوی نان ونفقہ کی حقدار ہوگی اوراگر شوہر کی مرضی کے مطابق دوسری جگہ عدت گذارے تو بھی شوہر پر عدت کا خرچہ لازم ہے۔

علـى المعتدة أن تعتد فى المنزل الذى يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة. (هنديه زكريا قديم ١/٥٣٥، جديد ١/٥٨٧)

قوله: ''السكنىٰ'' يلزم أن تلزم المنزل الذى يسكنان فيه قبل الطلاق. (شامی، باب النفقة کراچی ۳/۲۰۹، زکریا ۵/۳۳۳)

وتعتد أن أى معتدة طلاق و موت فى بيت وجبت فيه و لا تخرجان منه. (در مختار کراچی ۳/۵۳٦، زکریا ۵/۲۲۵)

والمعتدة إذا كانت لا تلزم بيت العدة بل تسكن زمانا و تبرز زمانا لا

تستحق النفقة. (هنديه زكريا قديم ۱/۵۵۸، جديد زكريا ۱/۶۰۵)

(۴) اور عدت طلاق میں وضع حمل کے بعد شوہر پر بیوی کا خرچہ لازم نہیں اور جس نابالغ بچہ کا شوہر نے حالت حمل میں انکار کردیا تھا اس کا نان ونفقہ شوہر (اس بچہ کے والد) کے ذمہ ہوگا اور والد کے انکار کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

إذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى فى عدتها. (اللباب، دار الأيمان ص:۲۱۱، هدايه اشرفى ديوبند ۲/۴۴۳)

وإذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذٰلك فلا شيئ لها. (هدايه، اشرفى ديوبند ۲/ ۴۴۰)

ونفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد. (هدايه، اشرفى ديوبند۲/۴۴۴، هنديه زكريا قديم ۱/۵۶۰، جديد ۱/۶۰۷)

إذا لم يكن للصبى مال فالنفقة على والده. (تاتارخانية زكريا ۵/۴۱۲ رقم: ۸۳۳۴)

والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة ينتفى بمجرد النفى، وإنما ينتفى باللعان. (هنديه، الباب الخامس عشر فى ثبوت النسب، زكريا قديم ۱/۵۳۶، جديد ۱/۵۸۸)

وأما الذى لا يحتمل النفى فهو نسب ولد زوجة لايجرى بينهما اللعان فإذا كان الزوجان ممن لا لعان بينهما لا ينتفى نسب الولد بالنفى. (بدائع الصنائع زكريا ۵/۳۸۲)

إذا تزوج الرجل امرأة وجاءت بولد لستة أشهر منذ تزوجها والزوجان حران مسلمان فادعى أحدهما أنه ابنه و أنكر الآخر فهو ابنه منهما. (تاتارخانية ۱۳/۳۶۲، رقم: ۱۹۵۵۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۱۶ھ

عدالت شرعی کے نکاح ثانی کی اجازت کے بعد شوہر اول کا واپس آجانا

سوال [۷۰۹۹]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا جس کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ اس کا شوہر سات سال سے لاپتہ ہے، اور شرعی عدالت کرت پور بجنور میں اس کا فیصلہ کرادیا گیا ہے، تین سال وہ اس کے نکاح میں رہی، اس اثناء سہ سالہ میں اس کے دو بچے بھی پیدا ہوئے، اب تین سال کے بعد موجودہ شوہر کی بمبئی سے گم شدہ شوہر کے رشتہ داروں سے اچانک ملاقات ہوگئی ان سے تحقیق حال کرنے پر پتہ چلا کہ اس کا پہلا شوہر موجود ہے اور انہوں نے مزید بتایا کہ وہ چند بار اس عورت کو لینے کے لیے بھی گیا، لیکن سسرالیوں نے اس پر سختی کرکے اس کو بھگادیا اور نہیں بھیجا، اب موجودہ شوہر اپنے مکان پر آیا اور بیوی سے تحقیق حال کیا، تو اس نے بتایا کہ اس نکاح سے پہلے وہ احمد آباد میرے چچا کے پاس آئے تھے، انہوں نے کوئی بات چیت نہیں کی، لہٰذا وہ وہاں سے چلے گئے، یہ سن کر موجودہ شوہر نے اس عورت کو اس کے میکہ میں پہنچادیا، اور چار سال سے وہ اپنی میکہ میں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ نکاح ثانی صحیح ہوا یا نہیں؟ اور بچے موجودہ شوہر سے پیدا ہوئے ہیں، حرامی ہیں؟ یا حلالی ہیں؟ اور اب وہ دونوں شوہروں میں سے کس کے نکاح میں ہے؟ اور کس کو طلاق دینے کا حق ہے؟ شوہر ثانی نے کافی کوشش کی، شرعی عدالت کا فیصلہ نامہ یا طلاق نامہ دستیاب ہوجائے مگر عورت کے گھر والوں کے پاس کوئی فیصلہ نامہ یا طلاق نامہ نہیں ہے، اب وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی شرعی عدالت کا کاغذ نہیں ہے، ہمیں قاضی صاحب نے کوئی کاغذ وغیرہ نہیں دیا تھا، ویسے ہی زبانی کہہ دیا تھا کہ کاغذ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تم اس کا نکاح کردو، لہٰذا جواب شرعی سے مطلع فرمادیں۔

المستفتی: محمد محفوظ الرحمٰن شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامے میں درج شدہ صورت میں اگر کرت پور کی شرعی عدالت نے واقعی پہلے شوہر سے تفریق پر فیصلہ دیا ہے اور پہلے شوہر نے بعد میں عورت

کے دعویٰ کے خلاف بات ثابت کردی ہے، تو تین حیض گذر کر عورت اس کو مل جائے گی۔

ونقل أن زوجته له والأولاد للثاني. (شامی، باب المفقود کوئٹہ ٣/٣٦٣، کراچی ٤/٢٩٧، زکریا دیوبند ٦/٤٦٣)

نیز مذکورہ عبارت سے معلوم ہوگیا کہ اولاد حرامی نہیں ہے، بلکہ دوسرے شوہر ہی کی شمار ہوگی، اور اگر عورت نے دوسرے شوہر کو دھوکہ دے کر غلط واقعات بیان کر کے نکاح کیا ہے تو نکاح فاسد واجب الفسخ ہے، عدت گذرنے پر شوہر اول لے جا سکتا ہے، اور اولاد اب بھی حرامی نہ ہوگی، بلکہ شوہر ثانی کے نسب سے ثابت ہوگی، اور عورت پر عدت گذارنا واجب ہوگا۔

عن أبي حنيفة أن الأولاد للزوج الثاني ورجع إلى هذا القول وعليه الفتوىٰ. (فتاویٰ عالمگیری، الباب الثامن فی النکاح الفاسد و أحکامه زکریا دیوبند ١/٣٣١، ٤/١٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال المکرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۰/۲۴)

طلاق اور اس کے متعلقات کا بیان

سوال [۷۱۰۰]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) محمد شہزاد عالم نے اپنی بیوی نور سحر کو فون پر طلاق دے دی ہے، اور یہ الفاظ ادا کیے کہ ”میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دیا، میں نے تمہیں طلاق دیا“ تو دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہوگئی یا نہیں؟

(۲) عورت کا خرچ اور مہر کی ادائیگی شوہر پر لازم ہے یا نہیں؟

(۳) ایک بیٹا ہے جس کی عمر ایک سال ہے، اس کی پرورش اور خرچ کس پر ہے؟

(۴) چڑھایا ہوا زیور، جہیز اور لڑکی کا زیور وغیرہ سب شوہر کے پاس ہے وہ سب لڑکی کو واپس ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد نعیم، دیوراج کمپاؤنڈ، ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی طور پرفون پر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے، جب شہزاد عالم نے اپنی بیوی نورسحر کوفون پر تین بارطلاق دیدی ہے تواس سے شرعی طور پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے اورعدت کا خرچہ اورمہر کی ادائیگی بھی شوہر پرلازم ہے، اور بیوی جہیز کے سامان کی خود مالک ہے، اس کا واپس کرنا بھی لازم ہے، اور جوزیوراس کے ماں باپ کی طرف سے آیا ہوا ہے وہ بھی بیوی کی ملکیت ہے، اور جوزیورات شہزاد عالم کی طرف سے چڑھایا ہوا ہے اگراس کی برادری میں بیوی کو مالک بنانے کا دستور ہے تووہ بھی بیوی کی ملکیت ہے اور جو بیٹا ایک سال کا ہے جب تک بیوی دوسری جگہ شادی نہ کرے تو پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے، اوراس کا خرچہ باپ پرلازم ہے۔

أن المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها أو تقليبها ابنهأو تنصفه بطلاقها قبل الدخول و إنما يتأكد لزوم تمامه بالوطئ و نحوه. (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، کراچی ۱۰۲/۳، زکریا ۲۳۳/٤)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنىٰ فى عدتها رجعيا كان أو بائنا . (هدايه، باب النفقة، اشرفی دیوبند ٤٤٣/٢)

وتجب لمطلقة الرجعي والبائن ...... النفقة والسكنىٰ والكسوة. (شامی، باب النفقة، زکریا ٤٤٣/٢، کراچی ٣٣٣/٥)

والأم والجدة أحق بالغلام حتى يأكل وحده و يشرب وحده ويلبس وحده و يستنجى وحده ...... وقدر الاستغناء بسبع سنين اعتباراً للغالب. (هدايه، باب حضانة الولد، اشرفی دیوبند ٤٣٥/٢)

والنفقة واجبة للمعتدة طالت العدة أو قصرت. (تاتارخانية زكريا ٣٩٩/٥، رقم: ٨٣٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۸۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۸ھ

طلاق کی صورت میں جہیز، مہر اور بیوی کا حکم

سوال [۷۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی کو اس کی بدچلنی اور بدکرداری کی وجہ سے یہ کہہ کر کہ ”میں تجھے تہہ دل سے آزاد کرتا ہوں“ طلاق دیدیا تھا یہ لفظ کہے ہوئے آج تقریباً گیارہ مہینے ہو گئے اس وقت سے اب تک وہ میرے پاس نہ آئی اور نہ ہی میں نے اسے لانے کا ارادہ کیا، چونکہ وہ بدچلن عورت ہے، اب وہ طرح طرح کی دھمکیاں دیتی ہے تو کیا اس کو دھمکیاں دینے کا اختیار ہے، جبکہ میں اسے اپنی زوجیت سے الگ کر دیا ہوں۔

(۲) میرے تین بیٹے ہیں عمر تقریباً پانچ سال، تین سال، تین مہینے، پانچ سال اور تین مہینے کی عمر والے بچے ماں کے پاس ہیں اور تین سال کی عمر والا بچہ میرے پاس ہے، یہ لڑکے شرعاً کس کے پاس رہنے چاہئے، شرعی حکم کیا ہے اور کس عمر تک ماں کے پاس رہیں گے اور کس عمر میں باپ کے پاس رہیں گے، یا جو بھی شرعی حکم ہو واضح فرمائیے۔

(۳) میں اس کا مہر اس کا جہیز واپس کرنا چاہتا ہوں، مگر وہ لینے کے لیے نہ آئی اور نہ ہی کسی کو بھیجا ہے شرعی حکم کیا ہے؟

(۴) بچے اگر ماں کے پاس رہیں اور وہ مجھے خواہش کے باوجود نہ دے تو کیا مجھے ان بچوں کا خرچ دینا لازم ہے، میں اپنے بچوں کی تربیت وتعلیم اپنے پاس رکھ کر کرنا چاہتا ہوں اس لیے کہ میری بیوی بدچلن آوارہ ہے۔ امید ہے کہ مذکورہ سوالات کے جوابات سے نوازیں گے۔

المستفتی: محمد رئیس محلّہ مچھلی بازار، تمبا کو والا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے جب لفظ آزاد کرنے سے طلاق دیدی ہے، تو بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور چونکہ یہ لفظ کہے گیارہ مہینے ہو گئے اس لیے بیوی کی عدت بھی گذر گئی اب وہ شوہر کی زوجیت سے بالکل خارج ہوگئی، اب اسے کسی طرح چارہ جوئی اور دھمکی کا حق نہیں ہے البتہ اگر دونوں بچوں کی وجہ سے ساتھ رہنا چاہیں تو باضابطہ

نکاح کرکے رہ سکتے ہیں، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے اور اتنے دنوں تک اسے میکہ چھوڑے رکھنے سے ممکن ہے کہ وہ بدچلنی سے توبہ کرکے اپنی حالت کو سدھار چکی ہو۔

أنت حر ة و سر حتک لا يحتمل السب و الرد. (الـدر الخمتار، کتاب الطلاق، باب الکنایات، زکریا ٤/٥٣٢، کراچی ٣/٣٠٠)

(۲) بیوی کا جہیز اور مہر شوہر کے گھر بطور امانت رہے گا شوہر اس کا امین ہے، لہٰذا جب تک جہیز بیوی کے گھر نہ پہنچ جائے اس وقت تک شوہر کے ذمہ اس کی حفاظت لازم ہے۔

وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع و صيرورة المال أمانة في يده ووجوب أدائه عند طلب مالكه. (هنديه، كتاب الوديعة، الباب الأول، زكريا قديم ٤/٣٣٨، جديد ٤/٣٤٩)

(۳) اور بچوں کی پرورش میں اگر ماں کی جانب سے مطالبہ ہو کہ وہ بچوں کی پرورش خود کرے گی تو سات سال تک ماں بچوں کو اپنے پاس رکھ کر پرورش کرسکتی ہے، مگر اس درمیان باپ کو بچوں سے ملنے اور پیار ومحبت کرنے کا حق ہے، ماں باپ کو منع نہیں کرسکتی ہے اور سات سال کے بعد ماں کو کوئی حق مطالبہ نہ ہوگا، کیونکہ بچوں کے خرچ اور ان کی تعلیم و تربیت کا ذمہ دار باپ ہے اس لیے سات سال کے بعد باپ کو حق ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھ کر ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرے۔

لان الـذكر تنتهي حضانته بالسبع. (شـامی، کتاب الطلاق، باب الحضانة، کراچی ٣/٥٦٥، زکریا ٥/٢٦٥)

وأمـا وقـت الحضانة التي من قبل النساء فالأم والجدتان أحق بالغلام حتى يستغني عنهن فيأكل وحده ويشرب وحده ويلبس وحده كذا ذكر في ظـاهر الرواية (إلى قوله) وذكر الخصاف سبع سنين أو ثماني سنين أو نحو ذلک. (بدائع الصنائع زکریا ٣/٤٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۱۱ھ

علیٰحدگی کی صورت میں زیورات، جہیز اور مہر کا حکم

سوال [۷۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علیٰحدگی یا طلاق کی صورت میں لڑکی کو جو زیورات چڑھائے گئے تھے یعنی سسرال سے جس کا وزن ساڑھے پانچ تولہ سونا ہے، جو لڑکی کے پاس ہے اور جو سامان جہیز میں دیا گیا تھا قریب ایک لاکھ پچیس ہزار روپیوں کا ہے، جس کو اس لڑکے نے اور اس کے گھر والوں نے بیدردی سے توڑ پھوڑ دیا ہے۔

(۱) زیورات لڑکی کو ملیں گے یا واپس شوہر کو دیئے جائیں گے؟

(۲) اسی طرح جہیز کا سامان لڑکی کو واپس ملے گا اور جو ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں، ان کی قیمت وصول کی جائے گی یا وہی واپس ملیں گے، شرعی حکم کیا ہے؟

(۳) مہر پچیس ہزار روپیہ ہے وہ سب لڑکی کو شرعاً ملیں گے یا نہیں؟

(۴) لڑکی پانچ سال شوہر کے علاج کی وجہ سے اپنے میکہ میں رہی اس درمیان کے نان ونفقہ کا خرچ شوہر پر ہے یا نہیں؟

(۵) عدت کا خرچ شوہر پر ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: سمیع الرحمٰن اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سسرال والوں کی طرف سے جو زیورات چڑھائے گئے ہیں اگر دیتے وقت لڑکی کی ملکیت میں دینے کی صراحت نہیں کی ہے اور آپ کی برادری میں علیٰحدگی کے وقت واپسی کا رواج ہے تو وہ زیورات لڑکی کی ملکیت میں نہیں ہیں، واپس کردینا ہوگا اور اگر آپ کی برادری میں واپسی کا رواج نہیں ہے اور فریقین عدم رواج پر متفق بھی ہوں تو لڑکی کو مل سکتے ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۲۶/۵، جدید زکریا مطول ۳۷۶/۱۳)

الثابت بالعرف کالثابت بالنص. (شرح عقود رسم المفتی دار الکتاب دیوبند ص: ۱۵۳)

(۲) والدین کی طرف سے لڑکی کو جو جہیز کا سامان اور زیورات دیئے گئے ہیں وہ سب لڑکی کی ملکیت ہیں، لڑکی کو واپس ملیں گے، اور جو سامان ٹوٹ پھوٹ یا مستعمل ہو گئے ہیں ان کے بدلے میں نئے نہیں ملیں گے، بلکہ اسی حالت میں وہی چیز واپس ملے گی۔

(مستفاد: کفایت المفتی: قدیم ۱۲۶/۵، جدید زکریا مطول ۲۷۶/۱۳)

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تاخذه كله. (شامی، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ۱۵۸/۳، زكريا ۳۱۱/٤)

(۳) لڑکی کا جو مہر طے ہوا تھا طلاق کی صورت میں وہ مہر پورا کا پورا لڑکی کو ملے گا۔

والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، و موت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل. (هنديه، زكريا قديم ۳۰۳/۱، جديد ۳۷۰/۱، البحر الرائق كوئٹه ۱٤۳/۳، زكريا ۲۵۱/۳، شامی، كراچی ۱۰۲/۳، زكريا ۲۳۳/٤، بدائع زكريا ۵۸٤/۲)

(۴) جتنی مدت شوہر سے الگ میکے میں گذاری ہے اس مدت کا خرچہ شوہر پر لازم نہیں۔

وإذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذٰلک فلا شئ لها إلا أن يكون القاضی فرض لها النفقة أو صالحت الزوج على مقدار نفقتها.

(هدايه، اشرفی ديو بند ٤٤۰/۲)

(۵) عدت کا خرچ شوہر پر اس وقت لازم ہوتا ہے جب عدت کے زمانہ میں شوہر ہی کے گھر پر رہتی ہو یا شوہر جہاں کہے وہاں رہتی ہو، ورنہ شوہر پر عدت کا خرچ لازم نہیں ہوتا۔

والمعتدة إذا كانت لا تلزم بيت العدة بل تسكن زمانا و تبرز زمانا لا تستحق النفقة. (هنديه زكريا قديم ۵۵۸/۱، جديد ۶۰۵/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۳/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۳/۱۴۱۹ھ

تین طلاق کے بعد زیور، نان ونفقہ، مہر اور بچوں کا حکم

سوال [۷۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شاہانہ پروین دختر اقبال حسین مرحوم عرف کلن ساکن نئی بستی کی شادی تقریباً دو سال قبل ندیم احمد پسر لطیف احمد ساکن شیر کوٹ بجنور سے ہوئی تھی، شادی کے پانچویں دن ندیم نے اپنی بیوی شاہانہ پروین کا ہاتھ توڑ دیا تھا، اس کے بعد بھی مارتا پیٹتا رہتا تھا، لیکن بیوی نے اپنی ماں ومیکہ والوں سے شوہر کے مظالم کا تذکرہ تک نہیں کیا تا کہ نباہ ہوتا رہے۔

(۱) تقریباً بارہ دن ہو گئے ندیم احمد نے اپنے والدین سے مکان وروپیہ کے جھگڑے کے سبب غصہ میں آکر ایک ہی مرتبہ میں ۳/۴ بار اپنی بیوی شاہانہ کو اپنے والدین، خوشدامن وپڑوسیوں کے سامنے طلاق دیدی، اب ندیم احمد معافی مانگ رہا ہے کہ غلطی ہوگئی کوئی شکل رجوع کرنے کی نکلوادیں؟

(۲) اب کیا شادی میں میکہ کے علاوہ سسرال سے جو زیور طلائی وغیرہ، بری کے جوڑے، جہیز کا سامان، تحفہ تحائف جو کہ سسرال والوں شوہر، خسر وخوشدامن وغیرہ نے دولہن کو عطا کیے تھے، سسرال ومیکے کے ان سب سامانوں کو لڑکی طلب کر کے حاصل کرنے کی حقدار ہے یا نہیں؟

(۴) نان نفقہ، عدت کا خرچہ ودیگر اخراجات کتنے عرصہ تک لڑکی طلب کر کے لینے کی حقدار ہے؟

(۵) لڑکی کے تین ماہ کی پہلی پیدائشی لڑکی ماں کے پاس موجود ہے اس کا کل خرچ کب تک اور کتنا لڑکی ندیم احمد سے طلب کر سکتی ہے؟

(۶) شوہر وسسرال والے اصرار کر رہے ہیں کہ کوئی گنجائش نکال کر فتویٰ حاصل کریں، اگر طلاق مغلظہ شرعی ہوگئی ہے تو حلالہ پر بھی دوبارہ لڑکی سے رجوع کرنے پر راضی و اصرار کر رہے ہیں، حلالہ کا طریقہ بھی تحریر فرمادیں۔

المستفتی: رئیس فاطمہ بیوہ اقبال حسین مرحوم نئی بستی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جب تین مرتبہ سے زیادہ طلاق کے الفاظ شوہر نے استعمال کردیئے ہیں تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اب بغیر حلالہ کے اس کے ساتھ نکاح بھی درست نہیں اور حلالہ کی شکل یہ ہے کہ بیوی عدت کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرلے، اوراس سے ہمبستری بھی ہوجائے، اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے طلاق دیدے پھر اس کے بعد دوبارہ عدت گذر جائے تب پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کی گنجائش ہے۔

وإن کان الطلاق ثلاثا فی الحرۃ و ثنتین فی الأمۃ لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ ویدخل بها ثم یطلقها أو یموت عنها. (ھندیه، فصل فی ما تحل به المطلقة، زکریا قدیم ۱/۴۷۳، جدید ۱/۵۳۵، ھدایه اشرفی دیو بند ۲/۳۹۹)

(۳) شادی کے موقعہ پر لڑکی والوں نے جو جہیز کا سامان دیا ہے اور لڑکی والوں کی طرف سے جو تحفہ وتحائف لڑکی کو ملے ہیں تو دولہن بننے کے بعد جو اس کو میکہ سے ملے ہیں وہ اس کی ملکیت ہیں وہ کسی کا حق نہیں اسی طرح جو مہر متعین ہو چکا ہے وہ بھی اس کا حق ہے، اس کی ادائیگی بھی شوہر پر لازم ہے، اور شادی کے موقع پر جو بری کے اور دوسرے کپڑے ہیں وہ سب کے سب شرعی طور پر لڑکی کی ملکیت ہیں، ہاں البتہ جو لڑ کے والوں کی طرف سے زیورات چڑھائے گئے تھے، اس کا مدار برادری کے عرف اور رواج پر ہے، جس برادری میں یہ رواج ہے کہ دلہن کو بوقت رخصتی جو زیورات دیئے جاتے ہیں دلہن اس کی مالک بن جاتی ہے تو ان برادریوں میں وہ زیورات بھی دلہن کی ملکیت ہیں اسی طریقہ سے برادری میں رواج ہو یا نہ ہو اور رخصتی کے وقت صراحت کے ساتھ کہہ دیا گیا ہو کہ یہ دولہن کی ملکیت ہے تب بھی یہ زیورات دلہن کی ملکیت ہوں گے، اور جس برادری میں مالک بنانے کا رواج نہیں ہے، بلکہ صرف چڑھائے جانے کا رواج ہے تو دلہن اس کی مالک نہیں ہوئی، اور بعد میں دلہن سے ان زیورات کے واپس لینے کا دستور ہے اور اس کو برا بھی نہیں مانا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں دلہن ان زیورات کی مالک نہیں ہوئی، جو شادی کے وقت دولہا کی طرف سے دلہن کو پہنا کرلایا گیا تھا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/۳۲۴، جدید ڈابھیل ۱۲/۱۰۶)

أن الجهاز للمرأۃ إذا طلقها تاخذہ کله. (شامی، باب المهر، کراچی

۱۵۸/۳، زکریا ٤/ ۳۱۱)

فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، و موت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل. (بدائع، فصل فی بیان ما یتأکد به المهر، زکریا ۵۸٤/۲، هندیه زکریا قدیم ۳۰۳/۱، جدید ۳۷۰/۱، شامی کراچی ۱۰۲/۳، زکریا ۲۳۳/٤)

وإذا بعث الزوج إلى أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج فلما زفت إليه أراد أن يستر من المرأة ليس له ذٰلک إذا بعث إليها على جهة التمليک ...... جهز زوجها ثم زعم أن الذى دفعه إليها ماله، و كان على وجه العارية عندها، وقالت: هو ملكى جهزتنى به، أو قال الزوج: ذٰلک بعد موتها ...... وقال فى الواقعات: إن كان العرف ظاهراً بمثله فى الجهاز كما فى ديارنا فالقول قول الزوج. (هندیه زکریا قدیم ۳۲۷/۱، جدید ۳۹۳/۱)

(۴) عدت کا نان ونفقہ شوہر کے اوپر اس وقت لازم ہے جب میکہ میں رہ کر کے عدت گذارنے پر شوہر راضی ہو اور یہ خرچہ تین ماہوری گذرنے تک ہے، اس کے بعد مطالبہ کا حق نہیں رہتا۔

فإن كان الزوج قد طالبها بالنقلة فإن لم تمنع عن الانتقال إلى بيت الزوج فلها النفقة فأما إذا امتنعت عن الانتقال فإن كان الامتناع بحق بأن امتنعت لتستوفى مهرها فلها النفقة وأما إذا كان الامتناع بغير حق بأن كان أوفاها المهر مؤجلا أو وهبته منه فلا نفقة لها. (عالمگیری، باب النفقات، زکریا قدیم ۵٤۵/۱، جدید ۵۹۵/۱)

(۵) تین ماہ کی جس لڑکی کا ذکر ہے اسے بالغ ہونے تک ماں اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتی ہے، اور اس زمانہ کا خرچ باپ کے ذمہ لازم ہے، اور خرچہ کتنا ہوگا؟ تو محلّہ کے سمجھ دار لوگ شوہر کی آمدنی کو پیش نظر رکھ کر متعین کر سکتے ہیں، لیکن اگر ماں دوسری جگہ نکاح کرتی ہے تو باپ کو بچی کو اپنی پرورش میں لینے کا حق ہے۔

والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض. (عالمگیری، زکریا قدیم ۵٤۲/۱، جدید ۵۹۳/۱)

(٦) حلالہ کا طریقہ جواب نمبر ا میں آچکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۵۸۱)

الحیلۃ الناجیۃ (مختصر) الحیلۃ الناجزۃ

الحمد لله الذی جوز الحیلة للضرورة والصلاة والسلام علی نور الهداية محمد صلی الله عليه وسلم أما بعد!

یا رب صل و سلم دائما ابدا ☆ علی حبیبک خیر الخلق کلهم

حرف آغاز

الحیلۃ الناجزۃ میں جن مسائل کو نہایت خصوصیت اور اہمیت دے کر تفصیلی دلائل کے ساتھ لکھا گیا ہے وہ کل دس ہیں:

(۱) جماعۃ المسلمین کی شرائط۔

(۲) مسئلہ زوجۂ مفقود۔

(۳) مسئلہ زوجۂ غائب غیر مفقود۔

(۴) مسئلہ زوجۂ متعنت۔

(۵) مسئلہ زوجۂ مجنون۔

(۶) مسئلہ زوجۂ عنین۔

(۷) مسئلہ حرمت مصاہرت۔

(۸) مسئلہ خیارِ کفاءت۔

(۹) مسئلہ خیارِ بلوغ۔

(۱۰) مسئلہ فرقتِ ارتداد۔

ان دس مسائل کا خلاصہ اور نچوڑ اس مقالہ میں پیش کیا گیا ہے اور ان دس میں سے اول الذکر چار مسائل یعنی جماعۃ المسلمین، مسئلہ زوجۂ مفقود، مسئلہ زوجہ غائب غیر مفقود، مسئلہ زوجۂ متعنت خصوصی طور پر مذہب مالکیہ سے فقہ مالکی کی شرائط کے مطابق لیے گئے ہیں۔

اور زوجۂ مجنون کے مسئلہ کا حل اگر چہ فقہ حنفی میں موجود ہے، مگر ہندوستان میں قاضی شرع اور حاکم مسلم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حل بھی فقہ مالکی سے لے کر پیش کیا گیا ہے۔

اور چار مسائل یعنی مسئلہ زوجۂ عنین، مسئلۂ حرمت مصاہرت، مسئلہ خیارِ بلوغ، مسئلہ خیار کفاءت کے حل کے واسطے ہمارے ہندوستان میں مسلک مالکی سے جماعت مسلمین کے فیصلہ کو اختیار کیا گیا ہے۔

اور ایک مسئلہ یعنی فرقت ارتداد کے مسئلہ کا حق مفتیان کرام کے فتویٰ سے بھی ہوسکتا ہے، اب علی الترتیب تمام مسائل کو سرخیوں کے ساتھ اپنے اپنے عنوانات کے ذیل میں ملاحظہ کیا جائے۔

(۱) جماعۃ المسلمین کی شرائط

جماعۃ المسلمین یا شرعی پنچایت یا محکمۂ شرعیہ جس کو قاضی کی قائم مقامی حاصل ہے، فقہ مالکیہ سے لیا گیا ہے، لہٰذا اس جماعت کے فیصلہ کا اعتبار کرنے میں مسلک مالکی کی شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، ان کے یہاں جماعۃ المسلمین کے فیصلہ کے لیے جو شرطیں لازم ہیں ان کی رعایت بھی لازم ہوگی اس کے بغیر جماعۃ المسلمین یا شرعی پنچایت یا محکمہ شرعیہ کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا اور مالکیہ کے یہاں اس جماعت کے فیصلہ کے معتبر ہونے کے لیے آٹھ شرطوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) اس جماعت میں کم از کم تین آدمی ہوں اور تین سے زائد حسب ضرورت جتنا چاہے اضافہ ہوسکتا ہے اور تین سے کم ایک یا دو کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

(۲) اس جماعت کے تمام ارکان کا عادل ہونا شرط ہے اور عادل وہ شخص ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو، صغائر پر مصر نہ ہو، لہٰذا سود خور، رشوت لینے والا، ڈاڑھی منڈانے والا، جھوٹ بولنے والا، بے نمازی اس جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔

ہاں البتہ ہمارے ہندوستان جیسے ممالک میں سرکاری عدالت کے قوانین سے باخبر

کرنے کے لیے کسی وکیل کو قانونی مشیر کے طور پر اعزازی رکن بنایا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ درحقیقت وہ اصلی رکن نہیں ہوتا بلکہ اعزازی طور پر قانونی مشیر ہوتا ہے اور بہتر یہی ہے کہ یہ قانونی مشیر بھی باشرع ہو۔

(۳) اس جماعت کے تمام ارکان عالم ہوں، اگر اتنے اہل علم میسر نہ ہوں تو کم از کم ایک معاملہ فہم عالم دین کو اس جماعت کا رکن رکین بنایا جائے، ان ہی سے معاملہ سمجھ کر دوسرے ارکان بھی اپنی رائے قائم کریں گے، اور اگر کہیں بدقسمتی سے کوئی عالم میسر نہ ہو اور جماعت میں سب غیر عالم ہوں تو مقدمہ کی پوری فائل دوسری جگہ کسی معتبر عالم دین کے پاس لے جا کر پیش کرے، ان سے اچھی طرح سمجھنے کے بعد فیصلہ کے لیے قدم اٹھائے، اس کے بغیر فیصلہ کی اجازت نہیں۔

(۴) اس جماعت کو قاضی شرعی کی قائم مقامی حاصل ہوگی۔

(۵) اس جماعت کا فیصلہ شرعی فیصلہ کے درجہ میں ہوگا۔

(۶) قاضی شرعی کی موجودگی میں ایسی جماعت کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا، بلکہ قاضی شرعی ہی سے فیصلہ لینا لازم ہے، جو شریعت کے مطابق فیصلہ کرتا ہو۔

(۷) فیصلہ میں تمام ارکان کا متفق ہونا لازم ہے اور کثرتِ رائے سے فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

(۸) مقدمہ کی سماعت میں شروع سے آخر تک متعین طور پر تین آدمی کا ہر موقع پر موجود رہنا لازم ہے، اگر ارکانِ محکمہ تین سے زائد پانچ سات یا دس پندرہ ہوں تو سماعت میں سب شریک ہو سکتے ہیں، لیکن شروع سے آخر تک مقدمہ کی فائل تیار کرنے والے افراد مشخص طور پر تین سے کم نہ ہوں، جو کسی بھی سماعت میں غیر حاضر نہ رہے ہوں، ایسے افراد تین سے زائد ہو سکتے ہیں، مگر کم نہیں ہو سکتے، یہ الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص ۲۸ تا ۳۰، اور ۱۳۸ تا ۱۴۰ کا خلاصہ ہے۔

(۲) مسئلہ زوجۂ مفقود

مفقود اور زوجۂ مفقود کا مسئلہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اور اس مسئلہ کے حل کا

مدار بھی قضاء قاضی یا جماعت المسلمین کے فیصلہ پر ہے، الحیلۃ الناجزۃ میں دو مقامات پر مسئلہ مفقود کو بڑی تفصیل اور اہمیت سے بیان کیا گیا ہے، پہلا مقام ۴۷ سے ۶۰ ر تک تیرہ صفحات پر مشتمل ہے، دوسرا مقام ۱۴۶ ر سے ۱۵۳ تک تقریباً ۸ ر صفحات پر مشتمل ہے، دونوں کا خلاصہ اور نچوڑ مختصر طور پر پیش خدمت ہے۔

مفقود کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ مفقود بلا کسی حادثہ یا میدان جنگ کے یونہی لا پتہ ہو گیا ہو۔

(۲) وہ مفقود جو میدان جنگ میں معرکہ کے دوران لا پتہ ہو گیا ہے یا فسادات اور مار کاٹ کے ہنگامہ اور حادثہ میں لا پتہ ہو گیا ہے، دونوں کو الگ الگ سرخیوں سے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) بغیر حادثہ کے اچانک لا پتہ شخص

ایسا آدمی جو اچانک کسی حادثہ، معرکہ یا فسادات کے بغیر لا پتہ ہو گیا باوجود کوشش کے اس کا کہیں بھی سراغ نہ نکل سکے، اور بیوی انتظار انتظار میں پریشان ہو گئی ہے، تو ایسی صورت میں ہمارے ہندوستان جیسے ممالک میں ایسے مفقود کی بیوی کی نجات کے لیے مسلک مالکی سے مسئلہ لیا گیا ہے، امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق عورت حاکم مسلم یا جماعت مسلمین کے پاس گواہوں کے ذریعہ سے اپنا معاملہ پیش کر دے، اس کے بعد حاکم وقاضی یا محکمہ شرعیہ کے ماتحت میں مفقود کی تلاش وجستجو کی کوشش کی جائے، محکمہ شرعیہ کے ممبران اور قاضی کے افراد اور مفقود کے رشتہ دار سب اس کے بارے میں پتہ لگانے کی کوشش کریں، بالآخر اگر کسی طرح اس کا پتہ نہ چل سکے تو اس کے اوپر موت کا حکم لاگو کر دیا جائے اور مفقود کی بیوی کو عدت گذارنے کا حکم دیدیا جائے۔

یہاں یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ مفقود کی بیوی امام مالک کے مسلک کے مطابق چار سال یا ایک سال مزید انتظار جو کرے گی وہ کس وقت سے کرے گی، تو الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۴۸ ر میں لکھا ہے کہ امام مالک کے مسلک کے مطابق حکم حاکم کے بعد مفقود کی

بیوی کو چار سال انتظار کرنا لازم ہے، اس کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت ہے۔

اور ص ۵۰ پر لکھا ہے کہ حاکم یا جماعۃ المسلمین کے پاس مرافعہ کرنے کے بعد حاکم یا جماعۃ المسلمین خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کریں گے، اور حاکم و جماعت مسلمین بھی تفتیش و تلاش کے بعد جب پتہ لگنے سے مایوس ہو جائے تو اس کے بعد عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سالوں کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو ان چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا، اور عورت کو چار مہینہ دس دن عدت گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا، اور الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص ۵۹ اور اس کے حاشیہ میں پھر ص ۱۵۲/ اور اس کے حاشیہ میں بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ چار سال انتظار کا حکم اس وقت ہے جب عورت اندیشۂ ابتلاء ظاہر نہ کرے اور صبر وتحمل اور عفت کے ساتھ زندگی گذار سکے، لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو اور اس نے ایک عرصہ دراز تک مفقود کا انتظار کرنے کے بعد مجبور ہو کر اسی حالت میں درخواست دی ہو جبکہ صبر سے عاجز ہو گئی ہو، تو مذہب مالکی کے موافق چار سال کی میعاد میں تخفیف کر کے ایک سال تک انتظار کی گنجائش دی گئی ہے، پھر دونوں جگہ حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ چار سال مزید انتظار کا حکم کب سے شروع ہوگا، اسی طرح اندیشۂ ابتلاء کی صورت میں ایک سال مزید انتظار کا حکم کب سے شروع ہوگا، تو اس میں لکھا ہے کہ مرافعہ کے بعد سے سالِ انتظار شروع ہوگا۔

تو حاصل یہ نکلا کہ الحیلۃ الناجزۃ میں تین جگہ تین طرح کی باتیں ملتی ہیں، مضبوط طریقے سے ایک پہلو کو ہر جگہ نہیں لکھا ہے چونکہ یہ زمانہ فتنہ کا ہے، اس لیے ان تینوں شکلوں میں سے آخری شکل اختیار کرنے کی گنجائش ہونی چاہیے، کہ دارالقضاء میں مرافعہ کے وقت سے سالِ انتظار کی ابتداء شمار کی جائے، اور اسی درمیان تحقیقات بھی ہوتی رہیں گی، پھر ایک سال کے بعد عورت کو فیصلہ نامہ پیش کر دیا جائے۔

الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۶۰/ اور ۱۵۳/ میں مشترکہ طور پر ایک تتمہ لکھا ہے اس تتمہ کا حاصل

یہ ہے کہ اگر چار سال انتظار کرنے کے بعد فیصلہ کیا جائے تو مفقود کے اوپر موت کا حکم صادر کردیا جائے اور مفقود کی بیوی پر عدتِ وفات چار مہینہ دس دن لازم کردی جائے پھر عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کرے گی، اور اگر ایک سال انتظار کرنے کے بعد فیصلہ کیا جائے تو موت کا فیصلہ صادر نہ کرے بلکہ ایک طلاق رجعی کا فیصلہ صادر کردے، اور اس فیصلہ کے بعد عورت عدت گذارنا شروع کرے، اگر عدت کے اندر شوہر لوٹ آتا ہے تو اسے رجعت کا حق حاصل ہوجائے گا، اور رجعت کرکے بدستور زن وشوہر کی زندگی گذار سکتے ہیں، اور اگر عدت پوری ہونے کے بعد لوٹ آیا تو عورت کے اوپر طلاق بائنہ ہوجائے گی، اب شوہر رکھنا چاہے تو دوبارہ نکاح کرنا لازم ہوگا، اور عورت اس شوہر کے پاس نہ رہنا چاہے تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ جہاں چاہے دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔

اسی طرح اگر عدت پوری ہونے سے پہلے شوہر آگیا لیکن اس نے رجعت فعلی یا قولی نہیں کی اور اسی حالت میں عدت پوری ہوگئی ہو تو بھی بائنہ ہوجائے گی، عورت کو پورا اختیار حاصل ہوجائے گا چاہے اسی شوہر کے ساتھ نکاح کرے یا اپنی مرضی سے دوسری جگہ نکاح کرے۔

(۲) فسادات یا حادثہ میں لاپتہ شخص

ایسا مفقود جو فسادات کے دوران لاپتہ ہوگیا ہو یا حوادثات میں لاپتہ ہوگیا ہو یا طوفان یا سیلاب وغیرہ میں یا سمندری سفر میں لاپتہ ہوگیا ہو، اور باوجود جستجو اور تلاش کے کہیں اس کا سراغ نہ نکل سکے اور سب کو ظن غالب ہوجائے کہ اب زندہ نہیں رہا تو ایسی صورت میں بھی عورت اس شوہر کے نکاح سے خود بخود نہیں نکلے گی بلکہ اس میں بھی قضاءِ قاضی یا جماعت مسلمین اس کے بارے میں تحقیقات کرے، اگر اس کی موت کا ظن غالب ہوجائے تو اس کے اوپر موت کا حکم لگا دیا جائے گا، اور حکم بالموت کے بعد اس کی بیوی عدت وفات چار مہینہ دس دن گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، یہ مسئلہ شامی کی اس عبارت سے مستفاد ہوتا ہے:

و مقتضاه أنه يجتهد ويحكم القرائن الظاهرة الدالة على موته و على

هذا يبتنى على ما فى جامع الفتاوىٰ حيث قال: وإذا فقد فى المهلكة فموته غالب فيحكم به كما إذا فقد فى وقت الملاقاة مع العدو أو مع قطاع الطريق أو سافر على المرض الغالب هلاكه أو كان سفره فى البحر و ما أشبه ذٰلك حكم بموته لأنه الغالب فى هٰذه الحالات. (شامى، كتاب المفقود، مطلب: فى الإفتاء بمذهب مالك فى زوجه المفقود، كراچى ٤/٢٩٦، زكريا ٦/٤٦٢)

ترجمہ: اوراس کا تقاضہ یہ ہے کہ اجتہاد اور جستجو کر کے موت پر دلالت کرنے والے ظاہری قرائن کے مطابق اس کے اوپر موت کا حکم صادر کیا جائے اور اسی پر مبنی ہیں وہ مسائل جو کہ جامع الفتاویٰ میں ہیں، چنانچہ فرمایا اور جب معرکہ اور فساد اور حادثہ میں کھو جائے تو اس کی موت غالب ہے، لہٰذا اس پر موت کا حکم لگا دیا جائے گا یہ ایسا ہے کہ جیسا کہ جب کوئی شخص میدانِ جنگ میں دشمنوں سے مقابلہ کے وقت لا پتہ ہو جائے یا ڈاکوؤں کے ہاتھ سے لا پتہ ہو جائے یا ایسے مرض کے ساتھ دور دراز سفر میں لا پتہ ہو جائے جس مرض میں اس کی ہلاکت غالب ہو یا اس کا سفر سمندر میں ہوا اور ان جیسے واقعات میں اس کے اوپر موت کا حکم لگا دیا جائے گا، اس لیے کہ ایسے حالات میں اس کی موت غالب ہوتی ہے۔

(۳) مسئلہ زوجۂ غائب غیر مفقود

غائب غیر مفقود کا مطلب یہ ہے کہ شوہر گھر سے الگ دور جا کر رہنے لگے اور گھر والوں سے اپنے آپ کو غائب رکھے اور اس کا پتہ گھر والوں کو معلوم ہو، لیکن نہ وہ خود آتا ہے اور نہ ہی بیوی کو اپنے پاس بلاتا ہے اور نہ ہی خرچ کا انتظام کرتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے، اس وجہ سے عورت اس شوہر سے تنگ اور پریشان ہو چکی ہو اس کی زوجیت میں باقی رہ کر عورت کے لیے زندگی اجیرن بن گئی ہو، تو ایسے غائب شخص کی بیوی کے لیے مسئلہ کا حل حنفی مسلک میں مشکل ہے، اس لیے اس مسئلہ کو بھی فقہ مالکی سے لیا گیا ہے تا کہ وقت ضرورت غائب شخص کی بیوی کے لیے نجات کا ذریعہ بن سکے، ایسی عورت کے لیے اس شوہر سے رہائی

حاصل کرنے کے لیے باتفاق ائمہ اربعہ صحیح صورت یہ ہے کہ یہ اس خاوند کو کسی طرح خلع پر راضی کرے اگر وہ شخص خلع پر راضی نہ ہو اور یہ عورت صبر کرکے اپنی زندگی عفت کے ساتھ گذار نہ سکے اور اس کے نان ونفقہ کی بھی کوئی صورت نہ ہو تو سخت مجبوری میں یہ بھی گنجائش ہے کہ مذہب مالکی کے موافق صورتِ ذیل اختیار کرکے رہائی حاصل کرے کہ جہاں قاضی شرعی نہ موجود ہو تو وہاں گواہوں کے ساتھ اپنا مقدمہ پیش کردے، اور جہاں قاضی شرعی موجود ہو تو وہاں جماعت مسلمین اور محکمہ شرعیہ میں اپنا مقدمہ پیش کردے، اور اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا، پھر اس کی طرف سے خرچہ اخراجات کا نہ ملنا اور حقوق زوجیت کا ادانہ کرنا گواہوں کے ذریعہ ثابت کردے اس کے بعد قاضی یا قائم مقام قاضی یعنی جماعت المسلمین اس غائب کے پاس حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو وہیں بلالو یا وہیں سے کوئی انتظام کردو ورنہ اسے طلاق دیدو اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات اختیار نہ کی تو پھر ہم خود تمہاری بیوی کو تمہاری زوجیت سے الگ کردیں گے، اگر خاوند اس پر بھی کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی ایک مہینہ کے مزید انتظار کا حکم دے، اگر اس ایک مہینہ کی مدت میں بھی شوہر نے بیوی کی شکایت دور نہ کی تو غائب کی زوجیت سے الگ کردے، اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زوجیت سے الگ کرنے کے لیے عورت کی طرف سے تفریق کا مطالبہ شرط ہے۔

ضروری ہدایت

قاضی جو اس غائب کے پاس بھیجے صرف بذریعہ ڈاک وغیرہ بھیجنا کافی نہیں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ حکم نامہ دو ثقہ آدمیوں کو سنا کر اس غائب تک پہنچانے کے لیے ان دونوں کے حوالے کردے اور یہ دونوں شخص اس غائب کو حکم نامہ پہنچا کر اس سے جواب طلب کریں، اور جو کچھ جواب تحریری یا زبانی نفی یا اثبات میں دے اس کو خوب محفوظ رکھیں، احتیاط کے طور پر اسے لکھ لیں، پھر واپس آکر قاضی کے پاس شہادت دیدیں اس کے بعد قاضی جو بھی حکم

کرے ان دونوں ہی کی شہادت پر کرے۔(الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۶۳ تا ۶۵، ۱۵۵ تا ۱۵۷ کا خلاصہ)

دور دراز علاقہ میں کمیشن بھیجنے کی ضرورت نہیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص پاکستان یا سعودی عرب یا دیگر ممالک میں رہتا ہے اور اس کا پورا پتہ معلوم ہے، خط و کتابت بھی ممکن ہے، اس کا ٹیلیفون نمبر بھی معلوم ہے مگر دو آدمیوں کو اس تک بھیجنا کسی طرح ممکن نہیں، اسی طرح ہندوستان کے دوسرے علاقہ کیرالا، تمل ناڈو یا اتر پردیش کا معاملہ ہے، شوہر بمبئی کیرالا یا کرناٹک یا آسام یا دور دراز علاقہ میں رہتا ہے، محکمہ شرعیہ کے بس میں نہیں ہے کہ دو آدمی کو وہاں بھیج سکے تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے؟

الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص ۶۳ اور ۶۵ رمیں فائدہ کے تحت اس کا جوب لکھا ہے کہ قاضی یا قائم مقام قاضی کے لیے اس کی بھی گنجائش ہے کہ بغیر آدمی بھیجے واقعہ کی گواہوں کے ذریعہ تحقیق کے بعد تفریق کا حکم صادر کردے۔

حاکم اور قائم مقام حاکم اس صورت میں جو حکم تفریق کا صادر کرے گا ایک طلاق رجعی کا حکم صادر کرے گا، تاکہ یہ گنجائش باقی رہے کہ جب شوہر عدت کے اندر اندر لوٹ کر آجائے تو بیوی کے پاس آکر باقاعدہ حقوق زوجیت اور خرچہ اخراجات ادا کرنے کا وعدہ کرے تو اس کو رجعت کا حق حاصل ہو سکے۔

اگر عدت کے اندر اندر لوٹ کر نہ آئے یا اگر رجعت نہ کرے تو عدت پوری ہونے کے بعد بائنہ ہو جائے گی، اب عورت شوہر کو نہیں مل سکے گی۔

یہ الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۶۳ سے ۶۵ تک اور جزء ثانی میں ۱۵۵ سے ۱۵۷ صفحہ تک کا خلاصہ ہے۔

(۴) مسئلہ زوجۂ متعنت

شریعت کی اصطلاح میں متعنت اس شخص کو کہتے ہیں جو قدرت کے باوجود اپنی بیوی

کے حقوق نان ونفقہ اور حقوق زوجیت وغیرہ ادانہیں کرتا ہے، اور اس کی بیوی لاپرواہ اور ظالم کے تعنت سے تنگ آچکی ہو تو ایسی ستم رسیدہ عورت کی رہائی کے لیے بھی مسئلہ کا حل مذہب مالکیہ سے لیا گیا ہے، کہ اولاً عورت کسی طرح خاوند سے خلع کے ذریعہ سے چھٹکارے کی کوشش کرے، لیکن اگر باوجود سعی بلیغ کے کوئی صورت نہ بن سکے تو سخت مجبوری کی وجہ سے متعنت کی بیوی قاضی شرعی کے پاس اور قاضی شرعی نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کے پاس اپنا معاملہ پیش کردے، اور عورت کے لیے سخت مجبوری کی دوصورتیں ہیں:

(۱) عورت کے خرچ کا کوئی انتظام نہ ہو سکے، اور نہ عورت خود حفظ آبرو کے ساتھ کسبِ معاش پر قدرت رکھتی ہو۔

(۲) مجبوری کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگرچہ بسہولت یا بدقت خرچ کا انتظام ہو سکتا ہے لیکن شوہر سے الگ رہنے میں ابتلاءِ معصیت کا سخت اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس شوہر سے علیٰحدگی کا راستہ اختیار کرنا عورت کے لیے جائز ہے۔

صورت تفریق

تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی شرعی اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں جماعۃ المسلمین کے سامنے پیش کرے، اور جس کے پاس معاملہ پیش ہو وہ شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ معاملہ کی پوری تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دیدو، یا ہم خود تمہاری بیوی کو تمہاری زوجیت سے الگ کردیں گے، اگر اس نوٹس کے باوجود ظالم شوہر کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا اس کے قائم مقام کو حق حاصل ہوگا کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع کردے، اور اس فیصلہ میں کسی مدت کا انتظار اور مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں۔

جو طلاق دی جائے وہ کون سی طلاق ہوگی، اس سلسلے میں مالکیہ کے یہاں دوقول ہیں، ایک قول میں طلاق بائن اور دوسرے قول میں طلاق رجعی ہے، اور مسلک مالکی کے بڑے

عالم علامہ صالح طلاق رجعی کو ترجیح دیتے ہیں، اس لیے ہمیں بھی طلاقِ رجعی کے قول کو راجح قرار دینا چاہیے، تاکہ شوہر عدت کے اندر اندر تعنت سے باز آکر رجعت کرنا چاہے تو رجعت کر سکے، اور عدت گذرنے کے بعد پھر شوہر کو کوئی اختیار باقی نہیں رہے گا۔

یہ نوٹ: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص۶۱/تا۶۲ اور ص۱۵۳/تا۱۵۴ کا خلاصہ ہے۔

(۵) مسئلہ زوجۂ مجنون

زوجۂ مجنون کے مسئلہ کا حل جو الحیلۃ الناجزۃ میں دو جگہ تفصیل سے لکھا گیا ہے اس کا نچوڑ یہاں پیش کیا جا رہا ہے اس کو ہم نے پانچ سرخیوں اور ایک ضروری ہدایت پر مشتمل کر دیا ہے جس سے مسئلہ کا نچوڑ سامنے آسکتا ہے، ملاحظہ ہو:

(۱) زوجۂ مجنون کے مسئلہ کا حل فقہ حنفی میں ہے

زوجۂ مجنون کے مسئلہ کا حل کسی حد تک فقہ حنفی میں بھی موجود ہے، حضرات شیخینؒ کے نزدیک زوجۂ مجنون کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے، اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کے نزدیک زوجۂ مجنون کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے

(۲) فقہ مالکی سے ہی مسئلہ کا حل ہے

حنفی مسلک کے مطابق جیسا کہ امام محمدؒ کا قول ہے زوجہ مجنون کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن اس کے لیے مسلک حنفی میں قاضی شرعی کا فیصلہ شرط ہے، جماعت مسلمین کا فیصلہ معتبر نہیں ہے اس لیے ہندوستان جیسے ممالک میں زوجۂ مجنون کے مسئلہ کے حل کے لیے مذہب مالکیہ کو اختیار کرنے کی ضرورت پڑ ہے تو زوجۂ مجنون کے مسئلہ کا حل شروع سے اخیر تک مذہب مالکیہ کی شرائط کے مطابق لازم ہوگا، ورنہ تلفیق لازم آئے گی جو کہ ممنوع ہے۔

(۳) جنون کی قسمیں

جنون کی دو قسمیں ہیں: جنون مطبق اور جنونِ غیر مطبق، پھر ایک شکل یہ بھی ہے کہ جنون سابق اور جنون حادث، جنون سابق کا مطلب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے شوہر مجنون تھا، اور جنون حادث کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے بعد مجنون ہوا ہے

امام محمدؒ کے قول کے مطابق جنون مطبق اور جنون سابق کی صورت میں بلا کسی مہلت کے جب گواہوں کے ذریعہ سے جنون ثابت ہوجائے اسی وقت تفریق کے واسطے عورت کو اختیار دیدیا جائے گا، اور جنون حادث کی صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک عنین کی طرح شوہر کو علاج کے لیے سال بھر کی مہلت دی جائے گی اور ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی جنون کی وجہ سے خیار فسخ عورت کو حاصل ہوتا ہے، لیکن ہم نے امام مالکؒ کا مسلک اقرب ہونے کی وجہ سے عدول کے لیے انہیں کا مسلک اختیار کیا ہے، اور امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق ہر قسم کے جنون کی صورت میں چاہے جنون حادث ہو یا جنون سابق، بہر صورت شوہر کو علاج کے واسطے ایک سال کی مہلت دینا ضروری ہے، چنانچہ فیصلہ کے لیے جب ہم نے جماعت مسلمین کو امام مالکؒ کے مسلک سے لیا ہے تو انہیں کے مسلک کے تمام شرائط کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوگا، اس لیے زوجۂ مجنون کو ایک سال تک انتظار کا حکم دیا جائے گا تاکہ اس مدت کے درمیان مجنون کا علاج ہوسکے، اگر اس درمیان میں اس کا علاج ہوجائے اور صحت یاب ہوکر حقوق زوجیت کو پہچاننے لگے تو پھر زوجۂ مجنون کو اختیار فسخ حاصل نہ ہوگا، بلکہ اس کو اسی شوہر کے پاس رہنا لازم ہوگا۔

(۴) صورت تفریق

تفریق کے لیے پانچ شرطوں کو ملحوظ رکھنا لازم ہے:

اگر قاضی شرعی موجود ہے تو قانون شرعی کے مطابق فیصلہ کرنا ہے، اس کی عدالت میں

زوجۂ مجنون اپنے خاوند کے خطرناک جنون میں مبتلا ہونا ثابت کرے، پھر قاضی حنفی مسلک کے مطابق امام محمدؒ کے قول کی رعایت کرتے ہوئے جنون حادث کی صورت میں واقعہ کی تحقیق کرکے ایک سال علاج کے لیے مہلت دیدے، اور اگر جنون مطبق ہے جو تحقیقات اور گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو چکا ہوتو اسی مجلس میں عورت کوفرقت کا اختیار دیدے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ قاضی شرعی موجود ہو،اور فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ ہو۔

اور اگر قاضی شرعی موجود نہیں ہے تو امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق جماعت مسلمین محکمہ شرعیہ کے پاس زوجۂ مجنون اپنا معاملہ پیش کردے، جیسا کہ ہمارے ہندوستان کا حال ہے کہ یہاں قاضی شرعی موجود نہیں ہے، جماعت مسلمین اور محکمہ شرعیہ فیصلہ کرتا ہے تو ایسی صورت میں جنون مطبق ہو یا جنون سابق یا حنون حادث، ہر طرح کے جنون کی صورت میں مسلک مالکی کے مطابق عنین کی طرح مجنون کوعلاج کے واسطے ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اس کے بعد اگر اس کا جنون بدستور باقی رہے تو زوجۂ مجنون کوتفریق کا اختیار دیدیا جائے جب وہ تفریق کا مطالبہ کرے تو محکمہ شرعیہ اس کے مطالبہ کے مطابق نکاح فسخ کردے گا۔

(۵) تفریق کی شرائط

۱۔ نکاح سے پہلے عورت کوشوہر کے مجنون ہونے کا علم نہ ہو،لہٰذا اگر علم ہونے کے باوجود اس نے اس شوہر سے نکاح کرلیا تو اختیار فسخ حاصل نہ ہوگا۔

۲۔ نکاح کے بعد جنون کا علم ہونے پر اس کے ساتھ رہنے کی رضا مندی صراحت کے ساتھ ظاہر نہ کی ہو۔

۳۔ مہلت کا سال گذرنے کے بعد دوبارہ قاضی کی عدالت میں درخواست دینا ضروری ہے، اور دوبارہ درخواست دینے پر قاضی عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے اس شوہر کے ساتھ رہے یا علیحدگی کا مطالبہ کرے تو عورت اسی مجلس میں شوہر سے فرقت اختیار کرنے کی خواہش ظاہر کردے، اگر اس نے اسی مجلس میں فرقت کی خواہش ظاہر نہیں کی حتی کہ مجلس

برخاست ہوگئی یا عورت خود اٹھ گئی تو پھر عورت کو دوبارہ فرقت کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا، بلکہ اسی شوہر کے ساتھ رہنا لازم ہوگا۔

۴۔ زوجۂ مجنون کو جب اس بات کا علم ہوجائے کہ شوہر کے مجنون ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اس کے بعد عورت نے شوہر کو جماع یا دواعی جماع کا موقع نہ دیا ہو تب مطالبۂ فرقت کا اختیار ہے، اور اگر علم ہونے کے باوجود شوہر کو موقع دیا تو پھر فرقت کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

۵۔ زوجۂ عنین کی طرح زوجۂ مجنون بھی اپنے خاوند سے تفریق اختیار کرنے میں خودمختار نہیں ہے، بلکہ قضاء قاضی شرط ہے۔

ضروری ہدایت

اگر کسی جگہ اوپر ذکر کئے گئے شرائط موجود نہ ہوں تو جنون کی وجہ سے تفریق نہیں ہوسکتی، لیکن اگر مجنون کے پاس آمدنی کا ذریعہ نہ ہو اور نہ ہی کسب معاش پر قدرت رکھتا ہو اور زوجہ کے لیے اخراجات کی کوئی دوسری سبیل بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں قاضی یا قاضی کے قائم مقام کے لیے اس بات کی گنجائش ہے، کہ مذہب مالکیہ کے مطابق عدم نفقہ کی وجہ سے دونوں میں تفریق کردے، اور یہ تفریق طلاق رجعی کے حکم میں ہوگی، لیکن اس میں اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ نکاح سے پہلے عورت کو خاوند کے فقیر ونادار اور مفلوک الحال ہونے کا علم نہ ہو اگر پہلے سے معلوم تھا تو عدم نفقہ کی وجہ سے مطالبۂ تفریق کا حق حاصل نہ ہوگا، اور خرچہ اخراجات نہ ہونے کی وجہ سے جو تفریق کی صورت ہے یہ مسئلہ متعنت کے مشابہ ہے۔

(۶) زوجۂ عنین کا مسئلہ

زوجہ عنین کا مسئلہ الحیلۃ الناجزۃ میں مفصل بیان کیا گیا ہے اس کے پانچ پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر نچوڑ پیش کرتے ہیں جن سے مسئلہ خود بخود واضح ہوجائے گا۔

(۱) فیصلہ کون کرے

زوجۂ عنین کے مسئلہ کا حل حنفی مسلک میں موجود ہے اس مسئلے کے حل کے لیے جو شرائط ولوازمات ہیں ان میں فقہ حنفی اور فقہ مالکی دونوں مشترکہ طور پر متفق ہیں، اس لیے اس مسئلہ کے حل کے لیے فقہ حنفی سے عدول کی ضرورت نہیں، ہاں البتہ زوجۂ عنین کو شوہر کی زوجیت سے الگ کرنے کے لیے قضاءِ قاضی شرط ہے، لیکن ہندوستان اور اس جیسے ممالک میں قاضی شرعی موجود نہ ہونے کی وجہ سے فیصلہ کے واسطے مذہب مالکی سے صرف ایک جزء لیا گیا ہے، یعنی جماعت مسلمین اور پنچایت کا فیصلہ معتبر ہونا، خاص مذہب مالکیہ کا مسئلہ ہے کہ قاضی شرعی موجود نہ ہونے کی صورت میں مذہب مالکیہ کے مطابق جماعت مسلمین بھی زوجۂ عنین کو شوہر کی زوجیت سے الگ کرسکتی ہے۔

(۲) عنین کی حقیقت

فقہاء کی اصطلاح میں عنین اس کو کہتے ہیں کہ جو باوجود عضو مخصوص ہونے کے عورت سے جماع پر قادر نہ ہو، خواہ یہ حالت کسی مرض کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو یا ضعف اور کمزوری کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس پر کسی نے جادو کردیا ہو۔

اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ بعض عورتوں سے جماع پر قادر ہے اور بعض پر نہیں تو جس سے ہم بستری پر قادر نہ ہو اس عورت کے حق میں یہ شخص عنین سمجھا جائے گا۔ (الحیلۃ الناجزۃ ۱۳۱و۱۴۰)

(۳) تفریق کا حق

جب مرد کا عنین ہونا معتبر طریقہ سے ثابت ہو جائے تو زوجۂ عنین کو اپنے خاوند سے علیٰحدگی اختیار کرنے کا شرعاً حق حاصل ہوگا، اور زوجۂ عنین کو شوہر سے علیٰحدگی حاصل کرنے کے لیے کچھ شرائط ہیں جو ہم آگے ذکر کریں گے۔

(۴) صورت تفریق

زوجۂ عنین کے لیے شوہر سے جدائیگی حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ قاضی شرعی کی عدالت میں پیش کردے، اور قاضی شرعی نہ ہونے کی صورت میں مذہب مالکیہ کے مطابق جماعت مسلمین اور محکمہ شرعیہ کے پاس معاملہ پیش کردے اور قاضی شرعی یا جماعت مسلمین الحیلۃ الناجزۃ ۳۱/تا ۳۸/ اور ۱۴۰/تا ۱۴۳/ میں لکھے ہوئے اصولوں کے مطابق تحقیقات کے بعد شوہر سے علیٰحدگی کا فیصلہ کردے۔

(۵) شرائط تفریق

زوجہ عنین کو اپنے شوہر سے علیٰحدگی حاصل کرنے کے لیے چند شرائط لازم ہیں، الحیلۃ الناجزۃ میں اس کے لیے پانچ شرطیں لکھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

شرط (۱): نکاح سے پہلے عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو لہٰذا اگر پہلے ہی سے عنین ہونے کا علم تھا اس کے باوجود اس کے ساتھ نکاح کرلیا ہے تو عورت کو اس شوہر سے تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔

شرط (۲): نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی شوہر اس عورت سے جماع نہ کرپایا ہو اور اگر ایک مرتبہ بھی جماع کرچکا ہو پھر بعد میں عنین ہوگیا ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔

شرط (۳): جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح نہ کی ہو ہو تو مطالبۂ تفریق کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

شرط (۴): قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش کرنے کے بعد جب شوہر کا عنین ہونا ثابت ہوچکا ہو تو قاضی شوہر کو علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا اور اس درمیان میاں بیوی ایک ساتھ رہیں گے، اور ایک سال کی مدت پوری ہونے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے کہ شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے یا تفریق؟ اور عورت اسی مجلس میں شوہر سے تفریق حاصل کرنے کا مطالبہ

ظاہر کرے تو قاضی عورت کو شوہر کے نکاح سے الگ کردے گا اور اگر عورت اسی مجلس میں اپنے خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرے یا اس قدر سکوت اختیار کرے کہ مجلس برخاست ہوگئی، یا عورت مجلس سے کھڑی ہوگئی، یا جواب دینے میں اتنی دیر لگائی کہ آخر قاضی مجلس سے اٹھ گیا تو ان صورتوں میں شوہر سے علیٰحدگی کا حق باقی نہیں رہے گا، اب اسی شوہر کے ساتھ رہنا لازم ہوجائے گا۔

شرط (۵): ایک سال کی مہلت پوری کرنے کے بعد عورت کو اختیار دینا اور شوہر کے طلاق دینے سے انکار کرنے پر قاضی کا تفریق کردینا، یہ سب حکم قاضی کے محتاج ہیں، بغیر قاضی کے حکم کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں ہے۔

ہدایت

یہاں دو باتیں ملحوظ رکھنا لازم ہیں:

(۱) زوجہ عنین کو اگر شوہر کے ساتھ خلوت صحیحہ کے بعد زوجیت سے الگ کردیا گیا تو تفریق کے بعد پورا مہر ادا کرنا عنین پر واجب ہوگا۔

(۲) عنین کو ایک سال کی مہلت دینے کا حکم اس وقت ہوگا کہ جب وہ شخص عرفا عنین کی تعریف میں داخل ہو، اور عنین کی تعریف نمبر ۲ر میں اوپر گذر چکی ہے۔

لیکن اگر عضو تناسل کٹا ہوا ہو جس کو مجبوب کہتے ہیں، یا عضو تناسل خلقتاً اتنا کم ہو جو عضو تناسل نہ ہونے کے درجہ میں ہو تو ایسے شخص کو عنین نہیں کہا جائے گا، اور اس کو سال بھر کی مہلت بھی نہیں دی جائے گی، بلکہ اس کے عضو تناسل سے متعلق اس قدر کمزور یا مجبوب ہونا ثابت ہوجائے تو اسی وقت تفریق کردی جائے گی۔

یہ الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص ۳۱/ تا ۳۸ ر اور ۱۴۰ ر تا ۱۴۳ ر کا اختصار اور خلاصہ ہے۔

(۷) حرمت مصاہرت

حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد عورت کے دوسری جگہ نکاح کے لیے شوہر کی

طرف سے متارکت یا قضاءِ قاضی یا جماعت مسلمین کا فیصلہ لازم ہے، حرمت مصاہرت سے شوہر بیوی ایک دوسرے کے لیے حرام ہو جاتے ہیں، اس میں بھی بسا اوقات قاضی شرعی یا محکمہ شرعیہ کے فیصلہ کی ضرورت پڑتی ہے، حرمت مصاہرت کے اسباب مسلک حنفی کے مطابق نہایت نازک ترین ہیں، اور آج کل کے زمانے میں چھوٹے چھوٹے مکانات اور مخلوط زندگی ہے، اس لیے اس کے واقعات کثرت کے ساتھ پیش آسکتے ہیں، چھوٹے مکان میں رات گذاری جا رہی ہے، باپ نے جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے شہوت کا ہاتھ بیوی پر رکھا، اندھیری رات میں غلطی سے اپنی بالغ لڑکی پر پڑ جائے تو بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے، اسی طرح بیٹے نے اپنی بیوی سے جنسی خواہش پوری کرنے کے لیے اس کو پکڑا، لیکن غلطی سے ماں کو پکڑ لیا تو ماں، باپ کے واسطے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی، اسی طرح داماد نے ساس کو یا بیوی کے اصول وفروع میں سے کسی بالغ عورت کو جنسی خواہش کو پوری کرنے کے لیے شہوت کے ساتھ بالقصد یا بلا قصد پکڑا ہے تو بیوی اس شخص پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اسی طرح بہو نے دعویٰ کیا کہ خسر نے اس کو شہوت کے ساتھ پکڑا ہے، مثلاً اس کا پستان پکڑ لیا یا رخسار پر بوسہ دیدیا وغیرہ وغیرہ، اور بہو اس دعویٰ کو شہادت کے ذریعہ سے ثابت کر دے یا گواہ نہ ہونے کی صورت میں شوہر اپنی بیوی کی تصدیق کرتا ہے، تو ان تمام صورتوں میں حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوتا ہے لیکن محض حرمت مصاہرت کے ثبوت کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، اور دوسری جگہ نکاح کرنے کے لیے متارکت شرط ہے، اور متارکت کی شکل یہ ہے کہ شوہر اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے، اس کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، اور اگر شوہر متارکت اختیار نہ کرے تو ایسی صورت میں بیوی اگر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو قاضی شرعی یا محکمہ شرعیہ کا فیصلہ لازم ہے، اور جب قاضی شرعی یا محکمہ شرعیہ کے پاس حرمت مصاہرت کا ثبوت ہو جائے گا تو میاں بیوی کے درمیان علیٰحدگی کا فیصلہ کر دے گا، اس کے بعد عدت گذار کر عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص ۶۷ر سے ۸۱ر تک کا خلاصہ)

(۸) خیارِ کفاءت

خیار کفاءت سے فسخ کے لیے بھی قضاء قاضی یا جماعت مسلمین، محکمہ شرعیہ کا فیصلہ لازم ہے، خیارِ کفاءت سے متعلق الحیلۃ الناجزۃ میں چھ شکلیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے تین شکلیں نابالغ اور نابالغہ سے متعلق ہیں، اور تین شکلیں بالغہ عورت سے متعلق ہیں، ہم بالغہ عورت سے متعلق جو تین شکلیں ہیں ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

(۱) عورت بالغہ ہو، اس کا نکاح ولی کی اجازت اور رضاء سے غیر کفوٴ میں ہو جائے، اور شوہر کا غیر کفوٴ سے ہونا اولیاء کو پہلے سے معلوم ہے، تو ایسی صورت میں نکاح بلاتردد صحیح اور لازم ہو جاتا ہے، اور کسی کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا ہے۔

(۲) بالغہ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت سے ایسے شخص کے ساتھ ہو جائے جس کی کفاءت کا حال معلوم نہ ہو، لیکن بوقت نکاح اولیاء نے کفاءت کی شرط لگائی تھی یا صراحتاً تو کفاءت کی شرط نہیں لگائی تھی، مگر خاوند کی طرف سے ہم کفوٴ ہونا ظاہر ہو گیا تھا، اور اس پر اعتماد کر کے نکاح کر دیا گیا ہو، پھر اس کے بعد یہ ثابت ہو جائے کہ شوہر ہم کفوٴ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اولیاء کو بھی حق فسخ حاصل ہے، اور عورت کو بھی حاصل ہے، لیکن عورت کو حق فسخ حاصل ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اگر وہ باکرہ ہے تو غیر کفوٴ میں ہونا معلوم ہوتے ہی ظاہر کر دے کہ مجھے اس نکاح کو باقی رکھنا منظور نہیں، اگر اس طرح اس نے فوری طور پر ظاہر نہیں کیا ہے تو اس کا خیارِ فسخ ختم ہو جاتا ہے، البتہ اولیاء کا خیار اور ثیبہ عورت کا خیار غیر کفوٴ میں ہونا معلوم ہونے کے بعد نکاح کی نامنظوری ظاہر کرنے میں تاخیر کرنے کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ بدستور باقی رہتا ہے، اس خیارِ فسخ کے ثابت ہو جانے کے بعد قضاء قاضی یا جماعت مسلمین کے فیصلہ کے بغیر نکاح فسخ نہیں ہوتا، اس لیے کہ فسخ نکاح کے لیے اس معاملہ میں قاضی شرعی یا جماعت المسلمین یعنی محکمہ شرعیہ دار القضاء میں معاملہ پیش کرنا لازم ہے، وہیں سے فسخ نکاح کا فیصلہ ہوگا، لیکن یہاں پر فقہاء کرام کے اس مفتی بہ قول کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری اور لازم

ہے، کہ یہ خیارفسخ اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک عورت کا حمل ظاہر نہ ہو، لہٰذا جب حمل ظاہر ہو جائے گا یا بچہ کی ولادت ہو جائے گی تو حق ولد، حق کفاءت پر غالب آ کر خیار کفاءت کو باطل کر دے گا، اب غیر کفؤ میں ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کا حق باقی نہ رہے گا۔ درمختار کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

الاعتراض فی غیر الکفء فیفسخه القاضی ویتجدد بتجدد النکاح مالم یسکت حتی تلد منه لئلا یضیع الولد وینبغی إلحاق الحبل الظاهر به.

(در مختار مع الشامی، کتاب النکاح، باب الولی، کراچی ۳/ ٥٦، زکریا ٤/ ١٥٦)

(۳) اولیاء کی اجازت اور رضا کے بغیر بالغہ لڑکی نے غیر کفؤ میں اپنا نکاح خود کرلیا تو ایسی صورت میں ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ میں امام حسن بن زیادؒ اور متأخرین کے قول کا اعتبار کر کے نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ لکھا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ اگر اس نکاح کے بعد ولی عصبہ نے جائز بھی رکھا ہے تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا، اور درمختار میں اس قول کو مفتی بہ کہا ہے، اسی وجہ سے الحیلۃ الناجزۃ میں اسی قول پر زور دیا گیا ہے، اس کا خلاصہ الحیلۃ الناجزۃ قدیم میں ص:۸۸/ سے ۹۱/ تک اور جدید ص: ۱۶۶/ سے ۱۶۸/ میں موجود ہے، اور درمختار مع الشامی کراچی ۳/ ۵۶، زکریا ۴/ ۱۵۷/ میں موجود ہے، لیکن حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے کفایت المفتی ۵/ ۲۰۶ میں ظاہر الروایہ اور حسن بن زیادؒ کے قول کے درمیان توازن قائم کر کے ایک مناسب فیصلہ نقل فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ بالغہ لڑکی نے اگر اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر کفؤ میں نکاح کرلیا ہے، اس میں حسن بن زیادؒ اور متأخرین کا فتویٰ منعقد نہ ہونے کا ہے، مگر یہ قول معلل بہ علت فسادِ زمانہ ہے، جو خود درمختار کی عبارت میں موجود ہے، تو یہ خود بتاتا ہے کہ وہ ایک زجر وانتظام کا فتویٰ ہے، حلت وحرمت کا فتویٰ نہیں ہے، لہٰذا اس کے اوپر حلت وحرمت کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی، اور ظاہر الروایہ کے قول کے مطابق مسئلہ کی بنیاد حلت وحرمت سے متعلق ہے، اس لیے اگر لڑکی نے اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر کفؤ میں نکاح کرلیا ہے، اگر نکاح فسخ کرنے کا ارادہ ہو تو بجائے حسن بن زیادؒ کے قول پر عمل کرنے کے ظاہر الروایہ کا اعتبار کر کے قاضی شرعی یا محکمہ شرعیہ سے فیصلہ لینا مناسب ہے۔

کفایت المفتی کی عبارت

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کفایت المفتی کی پوری عبارت بعینہٖ نقل کردی جائے تاکہ غور کرنے میں سہولت ہو، ملاحظہ فرمائیے:

جواب: اعوان کا اپنے آپ کو قریشی سمجھنا قریشی ہونے کے لیے کافی نہیں، بلکہ اس کا ثبوت ضروری ہے کہ اعوان قریشی ہیں، پھر دوسرے شخص نے جو اعوان میں سے نہیں ہے، اگر اعوان عورت سے بدوں اجازتِ اولیاء کے نکاح کرلیا، اور عورت بالغہ تھی تو نکاح ظاہر روایت کی بنا پر منعقد ہوگیا، پھر اگر یہ شخص عورت کے خاندان سے اس قدر کم درجہ کا ہو کہ عام طور پر ان میں مناکحت نہ ہوتی ہو، اور عار سمجھی جاتی ہو تو اولیاءِ عورت کو اعتراض کا حق ہے، وہ نکاح کو بذریعہ حاکم مجاز کے یا ایسی پنچایت کے جس کے فیصلے اس بارے میں عام طور پر قبول و نافذ ہوتے ہوں فسخ کراسکتے ہیں، اگر ایسی پنچایت موجود نہ ہو تو انگریزی عدالتوں کے مسلمان جج کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا، اس فیصلہ فسخ کے بعد اگر خاوند عورت کو علیٰحدہ نہ کرے تو حرام کا مرتکب ہوگا، فیصلۂ فسخ سے پہلے وہ زنا کا مرتکب نہیں ہے، متأخرین کا فتویٰ کہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، معلول بعلتِ فسادِ زمان ہے، جو خود بتاتا ہے کہ وہ ایک زجر وانتظام کا فتویٰ ہے نہ یہ کہ حلت و حرمت کی بنیاد اس پر قائم کی جاسکتی ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۵/ ۲۰۶، جدید زکریا مطول ۷/ ۳۵۸)

(۹) خیارِ بلوغ

خیارِ بلوغ کے ذریعہ نکاح فسخ کرنے اور شوہر سے تفریق حاصل کرنے کے لیے قضاء قاضی یا جماعت مسلمین اور محکمہ شرعیہ کا فیصلہ لازم ہے، نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح اگر باپ یا دادا نے کردیا ہے تو نکاح نافذ بھی ہوجائے گا اور نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد خیارِ بلوغ بھی حاصل نہ ہوگا، اگرچہ نکاح غیر کفوٴ میں کردیا ہو، یا غبنِ فاحش کے ساتھ کیا ہو، ہر صورت میں خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ باپ یا دادا جس وقت نابالغ کا نکاح کررہے تھے،

اس وقت ان کے ہوش وحواس صحیح سالم ہوں، اوران کے سوء الاختیار ہونے کی شہرت نہ ہو۔

اگر نابالغ کا نکاح باپ اور دادا کے علاوہ حقیقی بھائی یا چچا، تایا وغیرہ ولی ابعد نے کردیا ہے تو بالغ ہونے کے بعد نابالغ لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہے، بالغ ہوتے ہی فوراً زبان سے یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح کو باقی رکھنا نہیں چاہتی، اگر بالغ ہوتے وقت وہاں کوئی موجود نہ رہا ہو تو زبان سے اپنے طور پر یہ کہہ دے کہ میں اس نکاح کو باقی رکھنا نہیں چاہتی، اس کے بعد فوراً اس سلسلہ میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنا دے، پھر اس کے بعد اس نکاح کو ختم کرنے کے لیے قاضی شرعی کے پاس اپیل کردے اور قاضی شرعی نہ ہونے کی صورت میں اس کے قائم مقام جماعت المسلمین، محکمہ شرعیہ جو آج ہندوستان میں چل رہا ہے اس میں معاملہ پیش کردے، اور ساتھ میں جن لوگوں کو نکاح کی نامنظوری سے بوقت بلوغ گواہ بنایا تھا ان کو بھی ساتھ لے جا کر ان کی شہادت پیش کردے، اور قاضی شرعی یا محکمۂ شرعیہ خیارِ بلوغ کے ثبوت پر گواہوں سے شہادت لینے کے بعد اس کا نکاح فسخ کردے۔

ہمارے ہندوستان میں خیارِ بلوغ کے مسئلہ کے حل کے لیے بھی محکمہ شرعیہ اور دار القضاء کی ضرورت ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۸۲/تا ۸۷/کا خلاصہ)

(۱) مسئلہ فرقتِ ارتداد

اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک معاذ اللہ مرتد ہو جاتا ہے تو تباینِ دینین کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے، اور مسئلہ ارتداد میں کچھ تفصیل ہے کہ شوہر کے ارتداد کا مسئلہ الگ ہے اور بیوی کے ارتداد کا مسئلہ اس سے بالکل جداگانہ ہے، پھر اس کے بعد تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا مسئلہ پیش آتا ہے، پھر اس میں بعض صورتوں میں قضاء قاضی بھی شرط ہے، اور الحیلۃ الناجزۃ میں اس مسئلہ پر دو جگہ تفصیل سے لکھا گیا ہے: (۱) پہلا مقام ص ۹۵/ سے ۱۰۶/ تک (۲) دوسری جگہ ص: ۱۶۹/ سے ص: ۱۷۶/ تک، دونوں جگہ کافی مفصل بحث ہے، اس کا خلاصہ اور نچوڑ ہم یہاں پیش کریں گے۔

ارتدادِ شوہر

اگر معاذ اللہ کسی عورت کا شوہر مرتد ہوکر اسلام سے پھر جائے تو بالا جماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء اس کا نکاح خود فسخ ہو جائے گا، اس میں قضاءِ قاضی اور حکمِ حاکم کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل مرتد ہوا ہے تو خاوند پر نصف مہر لازم ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب نہیں ہے، اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد مرتد ہوا ہے تو شوہر پر پورا مہر لازم ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب ہے، نیز اس مرتد شخص پر عدت کا خرچہ بھی لازم ہے، اور عدت گذرنے کے بعد عورت اپنی مرضی سے جہاں چاہے دوسرا نکاح کر کے باعصمت زندگی گذار سکتی ہے۔ (الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص ۹۷، ۱۷۲)

ارتدادِ زوجہ

عورت کے مرتد ہونے کا مسئلہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، چونکہ لوگوں کے درمیان یہ شہرت ہے کہ ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے تو اس بنا پر بعض لوگوں نے مسائل نہ جاننے اور ناواقفیت کی بنا پر فسخ نکاح کا مسئلہ بتا دیا، جس کی بنا پر بہت سی آوارہ عورتیں شوہر سے جان چھڑانے کے لیے مرتد ہوکر زندگی کے اعمالِ صالحہ برباد کر بیٹھیں، حالانکہ عورت کو ارتداد کی وجہ سے شوہر کے نکاح سے آزاد ہوکر دوسری جگہ نکاح کرنے کا ہرگز اختیار نہیں ہے۔ اب اس سلسلے میں مذہب حنفیہ میں تین قول ہیں:

قول (۱): ظاہر الروایہ: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہو جانے سے نکاح تو فوراً فسخ ہو جاتا ہے لیکن عورت کو تجدید اسلام اور شوہر اول سے نکاح پر مجبور کیا جائے گا، چاہے مرتد ہوتے وقت عورت کا ارادہ شوہر اول سے علیٰحدگی اختیار کرنا ہو یا حقیقت میں اس کے عقائد بدل جانے کی وجہ سے مرتد ہو گئی ہو، ہر صورت میں پہلے شوہر کے پاس رہنے پر مجبور کیا جائے گا۔

قول (۲): نوادر کی روایت: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر عورت دارالاسلام میں مرتد ہوگئی ہے تو اسے باندی بنا کر رکھا جائے گا، اور اس کے خاوند کا قبضہ اس پر بدستور باقی رہے گا، اور اگر غیر اسلامی ممالک میں عورت مرتد ہوگئی ہے تو وہاں کے علماء اس بات کا فتویٰ دیں گے کہ عورت شوہر کے اختیار سے باہر نہیں ہوتی۔

قول (۳): مشائخ بلخ وسمرقند، بعض مشائخ بخاریٰ، اسماعیل زاہد، ابونصر دبوسی اور ابوالقاسم صفار وغیرہ کا فتویٰ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے کی صورت میں نکاح فسخ ہی نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ عورت بدستور شوہر سابق کے نکاح میں رہتی ہے۔

اب حاصل یہ نکلا کہ عورت کے مرتد ہوجانے کی صورت میں حنفیہ کے یہاں تین قول ہیں، کہ ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح فسخ ہوجاتا ہے، لیکن تجدید اسلام کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا، دوسری جگہ نکاح کا اختیار نہیں دیا جائے گا، اور مشائخ بلخ وسمرقند و بخاریٰ وغیرہ کے قول کے مطابق نکاح فسخ ہی نہ ہوگا، بلکہ بدستور باقی رہے گا، اور بروایتِ نوادر عورت کو کنیز بنا کر رکھا جائے گا، ان تینوں اقوال میں اگرچہ کچھ اختلاف ہے، لیکن اتنی بات پر تینوں متفق ہیں کہ عورت کو کسی طرح یہ حق نہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کے نکاح سے الگ ہوکر دوسری جگہ نکاح کرلے۔

اب ہندوستان میں بحالت موجودہ پہلی روایت کو اختیار کرتے ہوئے فسخ نکاح کا حکم دینے کے بعد تجدید نکاح پر مجبور کرنے والی کوئی قوت مسلمانوں کے ہاتھ میں موجود نہیں ہے، اور جہاں تھوڑی بہت قوت ہوتی ہے وہاں بھی ہزاروں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا، اسی لیے ظاہر الروایہ پر عمل کرنا ہندوستان میں بحالت موجودہ غیر ممکن ہے، اور نوادر کی روایت پر عمل کرنا اس سے زیادہ مشکل ہے، اس لیے کہ مرتدہ عورت کو باندی بنانا ہندوستان میں کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

اس لیے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں ہے کہ مشائخ بلخ وسمرقند وغیرہ کے قول کو اختیار کرکے اسی پر فتویٰ دیا جائے، کہ عورت مرتد ہونے کی وجہ سے شوہر کے نکاح سے جدا ہی نہیں

ہوتی، بلکہ بدستور شوہر کے نکاح میں باقی رہتی ہے۔

لہٰذا اس فتویٰ کو ہندوستان میں عام کرنے کی ضرورت ہے کہ مرتد ہونے کی وجہ سے عورت، شوہر کے نکاح سے باہر نہیں ہوتی ہے، لیکن یہ بات بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ شوہر کے لیے اس وقت تک عورت سے استمتاع یا جماع کرنا درست نہ ہوگا جب تک کہ عورت تجدید اسلام نہ کرے، اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق تجدید اسلام کے بعد معمولی مہر کے ساتھ تجدید نکاح بھی کرلیا جائے، اس لیے کہ تجدید نکاح کے لیے کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی ہے۔ (یہ الحیلۃ الناجزۃ کی تفصیل کا مختصر خلاصہ ہے)

اللهم تقبل منا انک انت السميع العليم

یارب صل وسلم دائما ابدا ☆ علی حبیبک خیر الخلق کلهم

شبیر احمد قاسمی

مدرسہ شاہی مرادآباد

۱۲؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

❋❋❋

فسخ نکاح کی بعض وجوہ کی تنقیح

نحمده و نصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے پہلے بطور تمہید چند ضروری باتیں سامنے آجانی لازم ہیں:

پہلی بات

بے یار ومددگار مظلومہ عورت کی نجات اور دستگیری کے لیے ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملک میں اس کا مشکل مسئلہ حل کرنے کے لیے حضرت تھانوی قدس سرہ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' مرتب فرمائی، اور الحیلۃ الناجزۃ میں جن مسائل کو نہایت خصوصی اہمیت دے کر لکھا گیا ہے، وہ کل دس ہیں:

(۱) جماعت المسلمین کا مسئلہ اور اس کی شرائط جو خاص طور پر مسلک مالکی سے لیا گیا ہے (۲) مسئلہ زوجۂ مفقود (۳) مسئلہ زوجۂ غائب غیر مفقود (۴) مسئلہ زوجۂ متعنت (۵) مسئلہ زوجۂ مجنون (۶) مسئلہ زوجۂ عنین (۷) مسئلہ حرمتِ مصاہرت (۸) مسئلہ خیار کفاءت (۹) مسئلہ خیار بلوغ (۱۰) مسئلہ فرقت اتداد۔

ان دس مسائل میں سے اول الذکر چار مسائل یعنی جماعت المسلمین، مسئلہ زوجۂ مفقود، مسئلہ زوجۂ غائب غیر مفقود، مسئلہ زوجۂ متعنت، خصوصی طور پر مذہب مالکی، فقہ مالکی کی شرائط کے مطابق لیے گئے اور زوجۂ مجنون کے مسئلہ کا حل امام محمدؒ کے قول کے مطابق اگرچہ فقہ حنفی میں موجود ہے، مگر اس کے فیصلہ کے لیے امام محمدؒ کے نزدیک قاضی شرعی اور حاکم مسلم کی شرط ہے، اور ہندوستان میں قاضی شرعی اور حاکم مسلم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حل بھی فقہ مالکی سے لیا گیا ہے، اور چار مسائل یعنی زوجۂ عنین مسئلہ حرمت مصاہرت، مسئلہ خیار بلوغ، مسئلہ خیار کفاءت کے حل کے لیے ہمارے ہندوستان میں مسلک مالکی سے جماعت المسلمین کے فیصلہ کو اختیار کیا گیا ہے؛ اس لیے یہ مسائل ''الحیلۃ الناجزۃ'' کا جزو بن گئے، اور ایک

مسئلہ یعنی فرقت ارتداد کا حل مفتیان کرام کے فتاویٰ سے بھی ہوسکتا ہے؛ لیکن اس مسئلہ کی اہمیت کی وجہ سے اس کو بھی الحیلۃ الناجزۃ'' کا جزو بنادیا گیا۔

دوسری بات

اوران دس مسائل کے علاوہ چند مسائل وہ بھی ہیں جن کے اندر حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی علیہ الرحمہ نائب امیر شریعت بہار نے وجوہ فسخ کے اندر شمار فرمائے تھے، اس سلسلہ میں باقاعدہ ان کا ایک مختصر رسالہ بھی ہے۔

تیسری بات

''الحیلۃ الناجزۃ'' میں جن وجوہ فسخ کو ذکر کیا گیا ہے، ان کے علاوہ دیگر وجوہ فسخ کیا ہوسکتی ہیں؟ اس سلسلے میں اصولی طور پر دو وجہیں ہمارے سامنے آئی ہیں:

(۱) شوہر کے عضو تناسل میں ایسی کمی اور کمزوری ہو جس کی وجہ سے جماع پر کلی طور پر کسی طرح قادر نہ ہو۔

(۲) عورت کو اس شوہر کے ساتھ رہنے میں اپنی جان کا خطرہ ہو، جیسا کہ مسئلہ زوجۂ مجنون میں حقوق زوجیت کی ادائیگی نہ ہونے کے ساتھ یہ علت بھی بیان کی گئی ہے:

وکذٰلک إذا وجدتہ مجنونا موسوسا یخاف علیها قتلہ. (کتاب الآثار کراچی ص: ٢٥٤) یعنی عورت کو مجنون شوہر کی طرف سے قتل کا خطرہ ہو۔

یہ دو وجہیں ایسی ہیں کہ جن کے اوپر سوال نامہ میں ذکر کردہ تقریباً سارے سوالات کے جوابات کا مدار ہے؛ لہٰذا ان دونوں وجہوں کو پیش نظر رکھنا ہر سوال کے جواب میں لازم ہوگا اب اس کے بعد سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے:

فالج زدہ شخص کی زوجہ

سوال [۷۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص پر فالج کا اتنا شدید اثر ہے کہ وہ حرکت بھی نہیں کرسکتا، نیز وہ ہوش و حواس میں بھی نہیں ہے کہ اسی حال میں لمبی مدت گذر چکی ہے، بیوی جوان ہے، وہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، جب کہ شوہر کو اتنا ہوش نہیں کہ اس سے طلاق لی جائے یا اس کو خلع پر آمادہ کیا جائے، کیا یہ فسخ نکاح کی وجہ بن سکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فالج کے مرض کو علماء نے وجوہ فسخ میں شمار نہیں فرمایا؛ بلکہ حضرت امام محمدؒ کی کتاب ''**کتاب الحجة علی اهل المدینة**'' کے حاشیہ پر حضرت مولانا مہدی حسنؒ نے اور علامہ طاہر پٹنیؒ نے ''مجمع بحار الانوار'' میں، امام ابن الاثیر جزریؒ نے ''النہایۃ فی غریب الحدیث'' میں تحریر فرمایا ہے:

الفالج داء الأنبياء و هو داء معروف يرخي بعض البدن. (النهاية ٣/ ٤٢١، مجمع بحار الأنوار ٤/ ١٧٥، كتاب الحجة على أهل المدينة ٣/ ٤٤٥)

فالج حضرات انبیاء کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے، جس سے شفایابی کی امید ہوتی ہے، بہت سے لوگوں کو دیکھنے میں آیا ہے کہ ان کے اوپر فالج پڑ گیا ہے اور بعد میں شفایاب ہوکر تندرست ہو چکے ہیں؛ اس لیے فالج کو وجوہ فسخ میں شمار نہیں کیا جاسکتا، ہاں البتہ اگر ایسا شدید ترین حملہ ہوا ہے جس کی وجہ سے ہوش وحواس باقی نہیں رہا ہے اور اس کے جسم کی حرکت بند ہوچکی ہے اور اس پر ایک لمبی مدت گذر چکی ہے، بیوی جوان العمر ہے اور عزت و آبرو کی حفاظ کے ساتھ شوہر کی طرف سے حق زوجیت کی ادائیگی کے بغیر زندگی گذارنا دشوار ہو گیا، تو ایسی صورت میں بظاہر فسخ نکاح کی یہ علت پائی جاتی ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ شوہر جماع پر کسی طرح قادر نہیں ہے، ایسی صورت میں مسئلۂ عنین میں شامل کر کے اس عورت کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ جس طریقہ سے عنین کو مرافعہ کے بعد ایک سال کی مہلت دی جاتی ہے، اسی طرح شدید ترین خطرناک فالج زدہ آدمی کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اور اس ایک سال کے درمیان علاج و معالجہ میں کامیابی حاصل نہ ہوسکے اور اس کے روبہ صحت

ہونے کی امید نہ رہے تو قاضی یا جماعت المسلمین عورت کے مطالبہ پر فسخ نکاح کر کے اس کو آزادی دلا سکتے ہیں۔ ذیل کی عبارت سے یہ مسئلہ واضح ہوسکتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

إنما تقع الفرقة إذا لم يقدر على الجماع وفي ذلك يضرب الأجل سنة. (كتاب الحجة على أهل المدينة ٤٤٣/٣)

إذا رفعت المرأة زوجها إلى القاضي و إدعت أنه عنين و طلبت الفرقة فإن القاضي يسأله وصل أو لم يصل فإن أقر انه لم يصل أجله سنة كانت المرأة بكراً أو ثيبا. (هنديه، زكريا قديم ٥٢٣/١، جديد ٥٧٦/١)

قال أبوحنيفة ليس للمرأة أن تفارق زوجها إذا كانت به داء من جنون، أو جذام، أو برص، أو عمى، أو مقعد أو مكلوح، أو أكلة بعد أن يكون يجامع. (كتاب الحجة على أهل المدينة ٤٤٣/٣)

ایسی بیماری جس کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو

سوال [۷۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہوگئی، جس کی وجہ سے وہ حقوق زوجیت کی ادائیگی پر بالکل قادر نہیں رہا۔ اور ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق وہ قابل علاج بھی نہیں ہے، اور بیوی کے لیے شوہر کی اس معذوری کی وجہ سے اپنی عصمت وعفت کی حفاظت دشوار ہے، اور ابتلاء معصیت کا شدید اندیشہ ہے، جب کہ شوہر نہ تو طلاق دیتا ہے، اور نہ ہی خلع پر آمادہ ہے، کیا ایسی صورت میں بیوی کے مطالبہ پر فسخ نکاح ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسی بیماری لاحق ہوگئی ہے جس کی وجہ سے حقوق زوجیت کی ادائیگی پر کسی طرح بھی قادر نہیں ہے اور ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دے دیا ہے اور اس مرض سے پہلے بیوی سے جنسی تعلق قائم کر چکا تھا، اور اب اس مرض کی وجہ سے بیوی کے حق میں شوہر کالعدم ہو چکا ہے، اور اس کا عضو تناسل ایسا کمزور ہو چکا ہے جس کی

وجہ سے جماع پر کسی طرح قادر نہیں ہے، مثلاً کمزوری کی وجہ سے گھنڈی کی طرح ہو گیا ہے اور عورت کے لیے اپنی عصمت وعفت کی حفاظت مشکل ہو چکی ہے اور ابتلاء معصیت کا شدید اندیشہ ہے اور شوہر طلاق بھی نہیں دیتا ہے اور نہ ہی خلع پر آمادہ ہے، تو ایسی صورت میں وجوہ فسخ میں سے وہ علت اس میں پائی جا رہی ہے، یعنی جماع پر کلی طور پر قادر نہیں ہے، تو ایسی صورت میں عورت کے لیے قاضی یا جماعت المسلمین کے پاس فسخ نکاح کا مقدمہ دائر کرنا جائز ہوگا؛ لیکن اس مسئلہ میں بھی عنین کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی؛ اس لیے کہ یہ مجبوب کی طرح نہیں ہے کہ اس کا عضو تناسل ہی کٹ گیا ہو؛ بلکہ عضو تناسل باقی ہے؛ اس لیے علاج کے لیے اسے مہلت دی جائے گی، جزئیات ملاحظہ فرمائیے، اس کو محیط برہانی میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وإن وجدت زوجها خصيا، فإن كان بحال تنتشر آلته و تصل إلى المرأة لا خيار لها، و إن كان لا تنتشر آلته ولا تصل إلى المرأة، فالجواب فيه كالجواب في العنين . (المحيط البرهاني، دار القرآن، المجلس العلمي ٤/٢٤١ رقم: ٤١٦٨)

اس کو درمختار کی عبارت ''فیہ نظر'' کے ذیل میں علامہ شامیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وجوہ فسخ کی اصل علت جماع پر قادر نہ ہونا ہے اور عضو تناسل کا ایسا کمزور ہو جانا ہے جو جماع کے لیے کسی طرح لائق نہ ہو، ملاحظہ فرمائیے:

إذا وجدت المرأة زوجها مجبوبا، أو مقطوع الذكر فقط، أو صغيرة جدا، الزر ولو قصيرا لا يمكنه إدخاله داخل الفرج فليس لها الفرقة، وفيه نظر: وتحته في الشامية: قوله وفيه نظر: أشار إلى ما قاله الشرنبلالي في شرحه على الوهبانية أقول: إن هذا حاله دون حال العنين لإمكان زوال عنته، فيصل إليها وهو مستحيل هنا، فحكمه حكم المجبوب بجامع أنه لا يمكنه إدخال آلته القصيرة داخل الفرج، فالضرر الحاصل للمرأة به مساو لضرر المجبوب، فلها طلب التفريق، وبهذا ظهر أن انتفاء التفريق لا وجه له، وهو من القنية فلا يسلم، قلت: لكن لم ينفرد به صاحب القنية، بل نقله

فی الفتح، والبحر عن المحیط و الأحسن الجواب بأن المراد بداخل الفرج نهایته المعتاد الوصول إلیها، ولذا قال فی البحر: وظاهره أنه إذا کان لا یمکنه إدخاله أصلا، فإنه کالمجبوب لتقییده بالداخل، وقدمنا ما هو صریح فی اشتراط إدخال الحشفة. (در مختار مع الشامی کراچی ۳/۴۹۴، زکریا ۵/۱٦٦، منحة الخالق علی هامش البحر الرائق زکریا ۴/۲۰۷، کوئٹه ۴/۱۲۳)

برص وجذام وغیرہ کا مریض

سوال [۷۱۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہوگئی جس کی وجہ سے بیوی کو اس سخت کراہت وشدید نفرت ہوگئی (جیسے برص وجذام وغیرہ امراض) اور عورت شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں، جب کہ شوہر کسی طرح طلاق یا خلع پر تیار نہیں تو کیا ایسی صورت میں فسخ نکاح ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرض جذام اور برص وجہ فسخ بن سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ مسئلہ کافی اہمیت کا حامل ہے، یہ مرض شوہر کے اندر ہو یا بیوی کے اندر، دونوں صورتوں میں جمہور علماء کے نزدیک علت فسخ نہیں ہوسکتے، اگر یہ مرض شوہر کے اندر لاحق ہے اور شوہر جماع پر قدرت رکھتا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کو اس مرض کی وجہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور شوہر کے جماع پر قادر ہونے کی وجہ سے عفت کا خطرہ نہیں ہے، تو باتفاق حنفیہ عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق نہیں، حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، عطاء بن ابی رباح، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز، سفیان ثوری، امام اوزاعی اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔

اور بعض کتب فقہ میں یہ بات ملتی ہے کہ اگر برص اور جذام کا مرض شوہر کے اندر پایا جائے تو امام محمدؒ کے نزدیک عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے اور بیوی کے اندر پائے جانے کی صورت میں فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق شوہر کو نہیں ہے؛ اس لیے کہ بیوی کو زوجیت سے ختم

کرنے کے سلسلے میں شوہر کو قاضی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ اسے طلاق دینے کا اختیار رہتا ہے، کتب فقہ میں یہ بات ملتی ہے کہ مگر امام محمدؒ کی دو کتابیں ہمارے سامنے ہیں: ’’کتاب الآثار‘‘ اور ’’**كتاب الحجة على اهل المدينة**‘‘ تو کتاب الآثار کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا جذامی جس کے قریب ہونے پر عورت کسی طرح قدرت نہ رکھتی ہو، اس سے علیحدگی کے لیے عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے؛ لیکن اس کے برخلاف امام محمدؒ کی ’’**كتاب الحجة على اهل المدينة**‘‘ میں امام محمدؒ نے اہل مدینہ پر رد کرتے ہوئے صاف الفاظ کے ساتھ دلائل کے ذریعہ ثابت فرمایا ہے کہ جذامی سے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، اہل مدینہ کی رائے یہ تھی کہ جذامی سے فسخ نکاح کے مطالبہ کرنے کا عورت کو حق ہے، لیکن برص یا اپاہج اور مفلوج ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے، تو اس پر امام محمدؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عمل کے ذریعہ رد فرمایا ہے کہ مرض جذام کی وجہ سے اس سے نفرت کرنا جائز نہیں ہے، شوہر کو بیوی سے الگ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، اس سلسلے میں میں امام محمدؒ نے جو دلائل نقل فرمائے ہیں، ہم اس جگہ ان دلائل کو بھی نقل کریں گے؛ اس لیے برص اور جذام کا مرض وجوہ فسخ میں داخل نہیں ہوسکتا، اب اس مسئلہ کے ذیل میں ہم اولاً فقہاء کی عبارتیں نقل کرتے ہیں، پھر اس کے بعد کتاب الآثار کی عبارت نقل کردیتے ہیں اور اس کے بعد کتاب الحجۃ کی عبارت نقل کردیتے ہیں:

درمختار اور شامی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

ولايتخير أحدهما أى الزوجين بعيب الآخر فاحشا، كجنون، و جذام، وبرص، و رتق، وقرن، وخالف الأئمة الثلاثة فى الخمسة لو بالزوج (وتحته فى الشامية) ولا يتخير الخ: أى ليس لواحد من الزوجين خيار فسخ النكاح بعيب فى الآخر عند أبى حنيفة، و أبى يوسف وهو قول عطاء، والنخعى، وعمر بن عبد العزيز، و أبى زياد، و أبى قلابة، و ابن أبى ليلىٰ والأوزاعى، والثورى، والخطابى، وداؤد الظاهرى وأتباعه، وفى المبسوط:

أنـه مـذهـب عـلى و ابن مسعود رضى الله عنهم فتح. قوله: وجذام، هو راء يتشـقـق به الجلد وينتن و يقطع اللحم، قهستانى قوله:لو بالزوج فى العبارة خـلـل، فـإنـا تـقـتـضـى عدم خيار الزوج عندهم إذا كانت هذه الخمسة فى الـزوجة، والـواقـع خـلافـه، والـظـاهـر أن أصلها، وخالف الأئمة الثلاثة فى الـخـمسة مـطـلقا، ومحمد فى الثلاثة الأول لو بالزوج كما يفهم من البحر وغيره. (الدر المختار مع الشامى زكريا ٥/١٧٥، كراچی ٣/٥٠١)

اور ''ملتقى الابحر'' كى عبارت ذيل ميں ''الدر المنتقى'' ميں اس طرح نقل كيا گيا ہے:

ولاخيار لها إن وجدت به جنونا أو جذاما أو برصا خلافا لمحمد ولا له لو وجد بها ذٰلک أو رتقا أو قرنا، (وتحته فى الدر المنتقى): ولا خيار لها أى للزوجة إن وجدت به عيبا، ولو فاحشا جنونا، أو جذاما، أو برصـا، أو جربا، أو جدريا، أو زمانة، أوسوء خلق، أو غير ذٰلک سوى الـعـنـانة، والـجـب والـخصى لما مر خلافا لمحمد إذا كانت بحال لا تطيق المقام معه. (ملتقى الأبحر مع الدر المنتقى، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٤١)

اور ''كتاب الآثار'' ميں حضرت امام محمد بن حسن شيبانیؒ نے اس طرح كے الفاظ سے نقل فرمائى ہے:

وكـذٰلک إذا وجـدتـه مـجـنـونا موسوسا يخاف عليها قتله أو وجدته مجذوما منقطعا لا تقدر على الدنو منه، وأشباه هذا من العيوب التى لا تحتمل فهـذا أشـد مـن الـعنين والمجبوب، وقد جاء فى العنين أن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال: إنها تؤجل سنة ثم تخير، وجاء أيضا فى الموسوس أثر عن عـمر بن الخطاب رضى الله عنه أنه أجلها، ثم خيرها و كذٰلک العيوب التى لا تحتمل هى أشد من المجبوب والعنين. (كتاب الآثار ص: ٢٥٤)

اور ''كتاب الحجة على اهل المدينة'' ميں حضرت امام محمدؒ نے جذامى كى بيوى كو فسخ نكاح

کے مطالبہ کا حق نہ ہونے کے بارے میں کافی زور دے کر دلائل پیش فرمائے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جذامی کو کھانے پر بلایا، اور جس جگہ سے جذامی نے کھایا ہے اسی جگہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تناول فرمایا، نیز حضور صلی اللہ کی ایک حدیث بھی نقل فرمائی اور نیز ایک اثر بھی نقل فرمایا، ملاحظہ فرمایئے:

وقال محمد: وكيف افترق المجذوم، والمجنون وغيرهما من نحو الأبرص، والأعمى، والمقعد، فإن قالوا: إنما نقول هٰذا في الأمر لا يحتمل قيل لهم: وما تعنون بقولكم ''لايحتمل'' للتقذر أو لغيره؟ فإن كان لتقذر فقد كره أن يتقذر، وقد بلغنا عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه أن ركبا قدموا عليه من اليمن، فأتاهم بطعام فتنحى رجل منهم، فقال له بعض القوم: إن به ضربا من الجذام، فقال له: أدنه، فأدناه، فجعل يأكل الأجذم، وجعل أبو بكر يأكل من حيث يأكل الأجذم.

وبلغنا عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: هلك المقتذر، فليس ينبغي أن يفرق بين امرأة و زوجها للتقذر، فالمرء المسلم أعظم حرمة من أن يفرق بينه و بين امرأته بهذا، وشبهه.

وإن قلتم: لايحتمل لأنه لا يسعى على امرأته، ولاينبغي لها من فضل الله، فكيف يقولون؟ وإن كان موسرا كثيرا لمال، فأنفق عليها أكثر مما ينفق على مثلها، أينبغي لكم أن تفرقوا بينها وبينه كذٰلك؟

فإن قلتم: لانفرق بينهما لهٰذا، فأي شيئ تعنون بقولكم ذٰلك ''لايحتمل'' وقد احتمله أبوبكر رضي الله عنه في فضله؟ وما كان ذٰلك عليه بواجب، وإن كان ذٰلك بواجب على المرأة في أمر زوجها فقد بلغنا عن النبي صلى الله عليه وسلم في ذٰلك حديث لا يرد و لايجهل، ولا يشك فيه معروف.

إن سائلة سألته فقالت: يا رسول الله! ماحق الزوج على امرأته؟

قال: لو سال منخراه قيحا أو دما، فهذا من الأمر الذى لا يحتمل فلم يقل النبى صلى الله عليه وسلم إن ذٰلک مما يفرق بين المرأة و زوجها، ولكنه قال لو مصت ذٰلک ماأدت ما أوجب الله عليها من الحق، فكيف يفرق بينهما بهذا وشبهه؟

وهل تعلمون أن أحدا فى زمان النبى صلى الله عليه وسلم، أو فى زمان أبى بكر أو فى زمان عمر رضى الله عنهما فرق بينه و بين امرأته من دائه من جذام أو غيره؟

أخبرنا محمد بن الحسن قال: أخبرنا إسماعيل بن عياش، قال: حدثنى ابن جريج عن عطاء بن أبى رباح فى الرجل يتزوج المرأة، و به داء أو جذام، أو برص قال: لاتخير. (كتاب الحجة على أهل المدنية ٣/٤٤٥ تا ٤٥٠)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جذامی اور مبروص اسی طرح مفلوج اور اپاہج آدمی بیوی سے ہمبستری پر قدرت رکھتے ہوں اور بیوی کے خرچ واخراجات پر قادر ہوں، تو ان سے فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق بیوی کو حاصل نہیں ہوتا؛ اس لیے برص اور جذام وغیرہ کو وجوہ فسخ میں شامل کرنا درست نہیں ہونا چاہیے، اور مشاہدہ میں سینکڑوں مردوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ برص کے مرض میں مبتلا ہیں، اور بیوی کے ساتھ خوشگوار زندگی گذار رہے ہیں، اسی طرح اگر عورت میں جذام یا برص وغیرہ کا مرض لاحق ہوجائے، تو وہ اسی شوہر کی بیوی ہوگی اور شوہر کے ہاتھ میں چونکہ طلاق کا اختیار ہوتا ہے؛ اس لیے چاہے تو وہ طلاق دے گا یا اپنے پاس بیوی بنا کر رکھے گا، جیسا کہ اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

محمد قال: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن إبراهيم فى الرجل يتزوج المرأة، فيجدها مجذومة أو برصا، قال: هى امرأته إن شاء طلق، و إن شاء أمسک، قال محمد: و به ناخذ؛ لأن الطلاق بيده. (كتاب الآثار للإمام محمد، مكتبه الرحيم اكيڈمی ص/ ٢٥٤ رقم: ٤٠٣)

''البحر الرائق'' کی عبارت میں اس بات کو واضح کردیا گیا ہے کہ برص اور جذام وغیرہ

فسخ نکاح کی علت نہیں ہے، عبارت ملاحظہ فرمایئے:

لاخيار لأحد الزوجين بعيب في الآخر؛ لأن المستحق بالعقد هو الوطئ، والعيب لا يفوته إلى قوله أطلق العيب، فشمل الجذام، والبرص والجنون، والرتق، والقرن. (البحر الرائق، باب العنين وغيره، کوئٹه ١٢٦/٤، زکریا ٢١٢/٤)

اور ''مبسوط سرخسی'' میں کافی وضاحت کے ساتھ عبارت نقل کی گئی ہے کہ جذام اور برص وغیرہ امراض سے عورت کو فسخ وغیرہ کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، جب کہ شوہر جماع پر پوری طرح قادر ہو، مبسوط کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

فأما المرأة إذا وجدت بالزوج عيب الجنون، أو الجذام، أو البرص، فليس لها أن ترده به في قول أبي حنيفة، و أبي يوسف رحمهما الله، وعلى قول محمد لها الخيار إذا كان على حال لا تطيق المقام معه؛ لأنه تعذر عليها الوصول إلى حقها لمعنى فيه، فكان بمنزلة ما لو وجدته مجبوبا أو عنينا، ولكنا نقول بهذه العيوب لا ينسد عليها باب استيفاء المقصود، إنما تقل رغبتها فيه أو تتأذى بالصحبة والعشرة معه، و ذٰلک غير مثبت لها الخيار كما لو وجدته سئ الخلق، أو مقطوع اليدين أو الرجلين بخلاف الجب والعنة على ما قررنا يوضح الفرق أن الزوج هناک ظالم في إمساكها من غير حاجة إليها، وللقاضي ولاية إزالة الظلم بالطلاق، وهنا الزوج غير ظالم في إمساكها مع صدق حاجته إليها، وذٰلک لا يثبت لها الخيار. (كتاب المبسوط للإمام سرخسي، باب خيار النكاح، دار الكتب العلمية بيروت ٩٧/٥)

ایڈز اوراس جیسے مہلک متعدی مرض کی وجہ سے فسخ نکاح

سوال [٧١٠٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر کو ''ایڈز'' یا کوئی ایسا متعدی مرض لاحق ہوگیا، جس کی وجہ سے اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ جنسی تعلق قائم کرنے کی وجہ سے بیوی کو بھی وہ جان لیوا بیماری لاحق ہوجائے گی،

اس حال میں بیوی کسی قیمت پر شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی اور شوہر طلاق یا خلع پر بھی آمادہ نہیں ہے، تو کیا اس بناء پر نکاح فسخ ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جان لیوا خطرہ کی وجہ سے فسخ نکاح کا مطالبہ کرنا عورت کے لیے جائز ہے، اور ''ایڈز'' کا مرض یقینی طور پر متعدی ہے، اور یہ مرض کینسر سے بھی زیادہ خطرناک اور مہلک ہے؛ اس لیے اس جیسے مرض کی وجہ سے فسخ نکاح کے مطالبہ کا عورت کو حق ہوگا، جیسا کہ مسئلہ زوجۂ مجنون میں مجنون شوہر سے فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق اس لیے بھی دیا گیا ہے کہ کہیں مجنون شوہر بیوی کو جان سے نہ مار دے، تو جس طرح شوہر کی طرف سے قتل کے خطرے سے فسخ نکاح کا حق دیا گیا ہے، اسی طرح جان لیوا مرض کی وجہ سے بھی فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہونا چاہیے، جیسا کہ امام محمدؒ نے ''کتاب الآثار'' میں مجنن شوہر سے فسخ نکاح کے واسطے اسی کو علت قرار دیا ہے۔

ولو وجدته مجبوبا كان لها الخيار؛ لأن الطلاق ليس بيدها وكذلك إذا وجدته مجنونا موسوسا يخاف عليها قتله. (كتاب الآثار ص: ٢٥٤)

قوت تولید نہ ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کا مطالبہ

سوال [۷۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بسا اوقات آدمی کو جماع پر قدرت ہوتی ہے؛ لیکن اس کے مادہ منویہ میں قوت تولید کی صلاحیت بالکل معدوم ہوتی ہے؛ اس لیے اولاد نہیں ہوسکتی، جب کہ عورت کو اولاد کی شدید خواہش ہے، تو کیا ایسی صورت میں عورت کے مطالبہ پر فسخ نکاح ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر کے مادہ میں قوت تولید کی صلاحیت معدوم ہے، مگر اس کے اندر عورت کے ساتھ ہم بستری پر مکمل قدرت موجود ہے اور ہم بستری

کے معاملہ میں ناکام نہیں ہے، اور بیوی کو اس سلسلے میں کوئی شکایت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں صرف اولاد نہ ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کا مطالبہ کرنا بیوی کے لیے جائز نہیں ہے، اسی طرح بیوی کے محض بانجھ ہونے کی وجہ سے شوہر کے لیے بیوی کو طلاق دینا شوہر کی طرف سے ظلم ہوگا، ہاں البتہ دوسری شادی کرنے میں اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور عورت کی طرف سے فسخ نکاح کا مطالبہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ شوہر ہم بستری کا حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو، جیسا کہ ''تاتارخانیہ'' اور ''المحیط البرہانی'' کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

وهو نظير المريض إذا تزوج فوجدته المرأته لا يقدر على جماعها، فرافعته إلى القاضي، فالقاضي لا يفرق بينهما لخصومتها في الحال بل ينتظر برؤه. (الفتاوىٰ التاتارخانية، زكريا جديد ٥/ ٢٢٤ رقم: ٧٧١٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٤/ ٢٤٠ رقم: ٤١٦٤)

اور الموسوعۃ الفقہیۃ میں مزید وضاحت کے ساتھ عبارت موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

اتفق جمهور الفقهاء على أن العقم ليس عيبا يثبت به خيار طلب فسخ عقد النكاح إذا وجده أحد الزوجين في الآخر. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٠/ ٢٦٨)

عمر قید کی وجہ سے فسخ نکاح

سوال [۷۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کو عمر قید کی سزا ہوگئی، یا کسی سنگین جرم کے الزام میں گرفتاری ہوکر سالوں سے جیل میں بند ہے، نہ تو حکومت سزا کو طے کرتی ہے اور نہ ہی اسے رہائی مل رہی ہے، بے سہارا بیوی تنہائی کی زندگی سے عاجز آگئی ہے، اور اپنی عزت وآبرو پر خطرہ محسوس کرنے لگی ہے، جس کی بناء پر فسخ نکاح کا مطالبہ کرتی ہے، تو کیا فسخ نکاح ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کو عمر قید کی سزا مل گئی ہے، یا ایک لمبی

مدت تک کے لیے جیل میں بند ہے، نہ تو حکومت اس کے لیے سزا طے کرتی ہے اور نہ ہی اسے رہائی مل رہی ہے، اوراس کی بیوی تنہائی کی زندگی سے عاجز آ گئی ہے، خاص طور پر اگر بیوی جوان العمر ہے تو اس کے لیے نان ونفقہ سے زیادہ اپنی عزت وعصمت اور آبروی کی حفاظت کا مسئلہ ہے، اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں اولاً یہ کوشش ہونی چاہیے کہ شوہر سے کسی طرح طلاق حاصل کرلے، اور اگر شوہر طلاق دینے پر تیار نہیں تو خلع پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے، اگر وہ خلع پر بھی آمادہ نہ ہو تو ایسی صورت میں اس کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/ ۲۲۹ تا ۲۳۱، امداد المفتیین طبع دارالاشاعت کراچی ۶۷۲) میں یہی مسئلہ لکھا ہے اور اس شخص کو غائب غیر مفقود کے درجہ میں قرار دیا جائے گا، اور ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ میں غائب غیر مفقود کی بیوی کے نکاح کے فسخ کرنے سے متعلق جو اصول لکھے ہیں ان کے مطابق قاضی یا جماعت مسلمین اس کی بیوی کو رہائی دے سکتی ہے، اور الحیلۃ الناجزۃ میں غائب غیر مفقود کا مسئلہ نسخۂ قدیم/ ۶۳ تا ۶۵، اور ۱۵۵ تا ۱۵۷ میں اور نسخۂ جدید ۱۰۳ تا ۱۰۶ میں مفصل طور پر یہ مسئلہ وجوب اور جوان عورت کو ابتلاء معصیت سے رہائی دینے سے متعلق مسئلہ فقہ مالکی سے لیا گیا ہے، اور علامہ سعید ابن صدیق الفلاحی المالکی کی عبارت اس مسئلہ سے متعلق بہت واضح ہے جو ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ میں منقول ہے، ملاحظہ فرمایئے:

قال الشبرخيطي: في هذا المحل بشرط أن تدوم النفقة لكل زوجة الأسير و مفقود أرض الشرك، وإلا فلها الطلاق، وإذا ثبت لهما الطلاق بذلك، فليثبت لها إذا خشيتا الزنى بالأولىٰ، لأن ضرر الوطئ أشد من ضرر عدم النفقة، ألا ترىٰ! إن إسقاط النفقة يلزمها، و إسقاطها حقها في الوطئ لها، ولها أن ترجع فيه، و أيضا النفقة يمكن تحصيلها لها بتسلف أو سوال بخلاف الوطئ. (ملخصا مستفاد: فتاویٰ علماء مالكيه بحواله الحيلة الناجزة جديد ٢٦٢، قديم ١٢٦)

ناچاقی اور بے جامار پیٹ کی وجہ سے فسخ نکاح کا مطالبہ

سوال [۷۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر ظالم وجابر ہے اور بیوی کو ہر وقت بے جا مار پیٹ کرتا رہتا ہے تو کیا بے جا مار پیٹ کرنا فسخ نکاح کا سبب بن سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ شوہر کو ہمدردی اور رواداری کا حکم فرمایا ہے، اور بیجا مار پیٹ سے منع فرمایا ہے۔

استوصوا بالنساء. (البخاری حدیث:٤٩٩٤، رقم: ١٠٣٩، الأحوال الشخصية ص:٢٣٢)

عن حکیم بن معاوية عن أبيه أن رجلا سأل النبی صلى الله عليه وسلم: ما حق المرأة على الزوج؟ قال: يطعمها إذا طعم، ويكسوها إذا اكتسى ولايضرب الوجه ولا يقبح ولا تهجر، إلا في بيتک. (المعجم الکبير ١٩/٤٢٨، رقم: ١٠٣٩، الأحوال الشخصية ص: ٢٣٢)

اس کے برخلاف شوہر کی طرف سے بے جا مار پیٹ اور ظلم وزیادتی کی وجہ سے بیوی کے دل میں شوہر کے بارے میں تنفر پیدا ہو جائے اور اب وہ اس کے ظلم وزیادتی کی وجہ سے اس کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں ہے، اور شوہر طلاق دینے پر بھی آمادہ نہیں ہے، مگر حقوق زوجیت کی ادائیگی میں کوئی کمی نہیں ہے، ایسی صورت میں شوہر سے حد درجہ نفرت ہو جانے کی وجہ سے اس سے علیٰحدگی اختیار کرنا چاہتی ہے، اور جانبین کے متعلقین کے صلح اور مصالحت کی کوشش کے باوجود نبھاؤ کی کوئی شکل نہ ہو اور شوہر نہ طلاق دینے پر تیار ہے اور نہ ہی خلع کرنے پر آمادہ ہے، ایسی صورت میں کتب احناف میں اس سلسلے میں کوئی جزئیہ نہیں مل سکا؛ لیکن مالکیہ کے یہاں اس سلسلے میں شوہر کو متعنت کے درجہ میں قرار دے کر اس ظالم شوہر سے

چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے فسخ نکاح کی گنجائش ہے؛ لہٰذا ایسی ستم رسیدہ مظلوم عورت کے بارے میں قاضی یا جماعت المسلمین حالات کا جائزہ لے کر مسلک مالکی کے مطابق تفریق کردینے کا مجاز ہوگا، جیسا کہ شیخ ابوزہرہ کی ''کتاب الاحوال الشخصیۃ'' کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

المنصوص عليه في مذهب مالك رضى الله عنه أن الزوج إن تعدى على زوجته بأن أذاها إيذاء غير سائغ له شرعا، ورفعت أمرها إلى القضاء، و أثبتت الإيذاء زجره و اكتفى بذٰلك إن أرادت البقاء، وإن عجزت عن الإثبات و تكررت الشكوىٰ أسكنها بين قوم صالحين و إذا ادعى كل واحد منهما إضرار الآخر به، وعجز كل واحد منهما عن الإثبات و أشكل الأمر على القضاء بعث حكمين عدلين رشيدين من أهلهما إن أمكن، و إلا فمن غيرهما و أصلحا بينهما إن أمكن الإصلاح فإن لم يمكن الإصلاح كان لهما التفريق بخلع على المهر إن تبين لهما أن الأذى أو النشوز من جانبها، وبغير خلع إن تبين لهما أن الأذى من جانبه و يقدر أن الأمر إن جهلت الحال أو تبين أنه من جانبهما، و يقع الطلاق ولو لم يطلب الزوجان أو أحدهما الطلاق، والتفريق بعمل الحكمين في هذا الحال يكون في الشقاق في ذاته، و إن لم يثبت الأذىٰ، و آذاها وأثبتت الإيذاء وطلبت التفريق بناء عليه طلق القاضي عليه، و إثباتها الضرر يكون بالشهادة عليه. (الأحوال الشخصية للشيخ محمد أبو زهرة، طبع دار الفكر العربي ص: ۳٦۲-۳٦۳)

کلمہ کفریہ کی وجہ سے فسخ نکاح کا مسئلہ

سوال [۱۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: ایک شخص نے فقہاء کرام کے ذکر کردہ کلمات کفریہ کا تلفظ کیا، بیوی نے اسے سن لیا، کسی مفتی سے مسئلہ معلوم کیا، تو انہوں نے تجدید ایمان و نکاح کا حکم دیا، بیوی تجدید نکاح پر راضی نہیں؛ بلکہ دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، تو ایسی صورت میں عورت از خود دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا محاکم شرعیہ وغیرہ سے فسخ نکاح کا حکم حاصل کرنے کے بعد ہی دوسرا نکاح کرنا جائز ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے نعوذ باللہ ایسا کلمہ کفریہ زبان سے نکالا ہے، جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ تو ایسی صورت میں شوہر کے اوپر ارتداد کا حکم لاگو ہو جاتا ہے، اگر شرعی طور پر اس کا ارتداد ثابت ہو جائے تو باجماع ائمہ اربعہ اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، قضائے قاضی یا محکمہ شرعیہ اور جماعت المسلمین کی طرف سے تفریق کی ضرورت نہیں، ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں اس مسئلہ کو وضاحت سے تحریر فرمایا گیا ہے، اس کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

''اگر معاذ اللہ کسی عورت کا شوہر مرتد ہوکر اسلام سے پھر جائے تو باجماع ائمہ اربعہ و باتفاق جمہور فقہاء اس کا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا، اس میں قضائے قاضی اور حکم حاکم کی بھی کوئی ضرورت نہیں''۔

اگر خلوت صحیحہ سے قبل مرتد ہوا ہے، تو خاوند پر نصف مہر لازم ہے، اور عورت پر عدت واجب نہیں ہے، اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد مرتد ہوا ہے تو شوہر پر پورا مہر لازم ہے، اور عورت پر عدت بھی واجب ہے، نیز اس مرتد شخص پر عدت کا خرچ بھی لازم ہے اور عدت گذرنے کے بعد عورت اپنی مرضی سے جہاں چاہے دوسرا نکاح کرکے باعصمت زندگی گذار سکتی ہے۔

(انوار رحمت/۴۷۴، الحیلۃ الناجزۃ قدیم/ ۹۷-۱۷۲، طبع جدید ۲۰۸)

چند جزئیات ملاحظہ فرمایئے: ''درمختار'' اور ''شامی'' میں اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وارتداد أحدهما أی الزوجین فسخ فلا ينقص عددا عاجل بلا قضاء، فللموطوءة ولو حكما كل مهرها لتأكده به ولغيرها نصفه لو مسمى، (وتحته فى

الشامية): فلو ارتد مراراً و جدد الإسلام فی کل مرة، وجدد النکاح علی قول أبی حنیفة تحل امرأته من غیر إصابة زوج ثان، بحر عن الخانیة قوله: بلا قضاء، أی بلا توقف علی قضاء القاضی، و کذا بلا توقف علی مضی مدة فی المدخول بها، کما فی البحر. (الدر المختار مع الشامی، کراچی ۳/۱۹۳-۱۹۴، زکریا ۴/۳۶۶)

''تبیین الحقائق'' اور ''مجمع الأنہر'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا گیا ہے:

وارتداد أحدهما فسخ فی الحال، وهذا قول أبی حنیفة و أبی یوسف، وقال محمد: إن کانت الردة من المرأة، فکذٰلک، و إن کانت من الزوج فهی فرقة بطلاق. (تبیین الحقائق زکریا ۲/۶۲۲، امدادیه ملتان ۲/۷۸، مجمع الأنهر بیروت، دار الکتب العلمیة ۱/۵۴٦)

وجوہ فسخ کی مزید پانچ صورتیں

عورت کو جن صورتوں میں فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہوتا ہے، ان کے متعلق ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں تفصیلی تحریر موجود ہے، اور مزید چند شکلیں اسی مقالہ میں سوالات کے جوابات کے تحت آچکی ہیں، ان کے علاوہ مزید پانچ صورتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

(۱) نکاح اس شرط پر ہوا ہے کہ مرد آزاد شخص ہے، پھر نکاح کے بعد پتہ چلا کہ شوہر آزاد نہیں ہے، بلکہ غلام ہے، تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے۔

(۲) نکاح کی بات اس طرح طے ہوئی تھی کہ کسی خاص شخص کے بیٹے کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے، پھر نکاح کے بعد پتہ چلا کہ شوہر کے ماں باپ کا اتا پتہ نہیں ہے، اور جس کو اس کا باپ بتلایا گیا تھا، وہ شخص شوہر کو کہیں سے اٹھا کر لایا ہے، اور اس کو اپنا لے پالک بنالیا ہے، تو ایسی صورت میں عورت کو اس شوہر سے فسخ نکاح کرانے کے مطالبہ کا حق ہے۔

(۳) نکاح مخصوص شخص کے بیٹے کے ساتھ ہونا طے ہوا ہے، لیکن نکاح کے بعد پتہ چلا کہ شوہر ولدالزنا ہے، تو ایسی صورت میں بھی فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے۔

(۴) نکاح کی بات اس طرح طے ہوئی تھی کہ شوہر سنی اور صحیح العقیدہ شخص ہے، پھر

نکاح کے بعد پتہ چلا کہ بدعتی اور غلط عقیدہ کا آدمی ہے، تو ایسی صورت میں بھی فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے۔

(۵) نکاح اس بات پر طے ہوا تھا کہ شوہر نان ونفقہ پر قدرت رکھتا ہے، مگر نکاح کے بعد پتہ چلا کہ وہ نان ونفقہ سے عاجز ہے، تو ایسی صورت میں بھی فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے، اس کو ''الدر المنتقی'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

تزوجته على أنه حر فإذا هو عبد، أو على أنه فلان بن فلان، فإذا هو لقيط، أو ابن الزنا، أو على أنه سني، فظهر أنه بدعي، أو على أنه قادر على المهر أو النفقة، فإذا هو عاجز، فإنه يثبت لها الخيار. (الدر المنتقى في شرح الملتقى دار الكتب العلمية بيروت، جديد ۲/ ۱۴۱)

تجاویز بابت ''فسخ نکاح کی بعض وجوہ کی تنقیح''

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے گیارہویں فقہی اجتماع بتاریخ: ۱۳/۱۴/۱۵/فروری ۲۰۱۵ء مطابق ۲۳/۲۴/۲۵/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ میں ''فسخ نکاح کی بعض وجوہ کی تنقیح'' کے بارے میں بحث وتمحیص کے بعد درج ذیل امور طے پائے:

(۱) جب زوجین کے اختلاف یا بیوی کے مطالبۂ تفریق کا مقدمہ محکمہ شرعیہ یا دار القضاء کے سامنے آئے تو اولا مصالحت کی پوری کوشش کی جائے اور اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو ترغیب وترہیب کے ذریعہ اس کو طلاق یا خلع پر آمادہ کرنے کی حتی الوسع کوشش کی جائے۔

(۲) شوہر شدید فالج یا لا علاج بیماری میں مبتلا ہو جائے اور اس بیماری کی وجہ سے وہ بیوی کے نفقہ کی ادائیگی پر قادر نہیں ہے، نہ ہی بیوی کے لیے نفقہ کی کوئی دوسری سبیل موجود ہے، اور شوہر یا تو مفقود الحواس ہونے کی وجہ سے طلاق یا خلع پر قادر ہی نہیں ہے یا وہ طلاق یا خلع پر آمادہ نہیں ہے، تو محکمہ شرعیہ یا دار القضاء پوری صورت حال کی تحقیق کے بعد الحیلۃ الناجزۃ میں مذکورہ شرائط وتفصیلات کے مطابق نکاح کو فسخ کرنے کا مجاز ہے۔

(۳) شوہر اگر ایڈز کی مہلک اور خطرناک بیماری میں مبتلا ہے اور حق زوجیت ادا

کرنے کی صورت میں یہ بیوی بھی اس مہلک اور جان لیوا بیماری کا شکار ہو جائے گی اور حقوق زوجیت ادا نہ ہونے کی وجہ سے ابتلائے معصیت کا شدید خطرہ ہے اور بیوی اس حالت میں کسی بھی طرح شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہیں ہے، تمام تر ترغیب وترہیب کے باوجود شوہر طلاق یا خلع پر بھی تیار نہ ہو تو یہ شکل بھی وجہ فسخ بن سکتی ہے۔

(۴) شوہر میں قوت تولید کا نہ ہونا وجہ فسخ نہیں ہے۔

(۵) ایسا قیدی جس کی طویل عرصہ تک رہائی کی کوئی توقع نہ ہو اور اس کی بیوی کے پاس اخراجات کے اسباب موجود ہوں تو اس کی بیوی کے لیے مطالبۂ فسخ کی اجازت نہ ہوگی، اور اگر بیوی کے لیے اخراجات کے اسباب نہیں ہیں، جس کی وجہ سے وہ اس کی زوجیت میں رہنے کے لیے تیار نہ ہو تو یہ صورت فسخ نکاح کا سبب بن سکتی ہے، اور اگر اخراجات کا انتظام ہے لیکن بیوی کے جوان ہونے کی وجہ سے ابتلائے معصیت کا قوی اندیشہ ہے اور شوہر کسی طرح بھی طلاق یا خلع پر تیار نہیں ہے تو اس خاص صورت میں عورت کو ضرر فتنہ سے بچانے کے لیے فسخ نکاح کے مطالبے کا حق ہوگا۔

(۶) شوہر کی بے جا مار پیٹ کی وجہ سے اگر زوجین کے درمیان حد درجہ نفرت پیدا ہو جائے اور مصالحت یا طلاق یا خلع کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو تفویض طلاق کا طریقہ اختیار کیا جائے، یعنی بیوی کو سمجھا بجھا کر شوہر کے یہاں بھیج دیا جائے، اور شوہر سے یہ تحریر لے لی جائے کہ اگر آئندہ بیوی کے ساتھ مار پیٹ کی نوبت آئی تو محکمہ شرعیہ کو طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور اگر شوہر تفویض طلاق پر تیار نہ ہو تو دفع ظلم کے لیے نکاح کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

(۷) اگر کسی شوہر نے کوئی کلمۂ کفر کہا یا ایسا کفریہ عمل کیا جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو اور تحقیق کے بعد خود وہ ارتداد کا اقرار کرلے تو فوری طور پر نکاح ختم ہو جائے گا، اور بعد عدت وہ دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی مجاز ہوگی، لیکن اگر شوہر اس کا اقراری نہ ہو یا اس کے قول وعمل میں تاویل کا کوئی پہلو نکلتا ہو تو وہ موجب فسخ نہیں بن سکتا۔

❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۳ باب الظهار والإيلاء

زوجین کا ایک دوسرے کو ابا امی کہنے کا حکم

سوال [۷۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ میں ایک آدمی اپنی بیوی کو امی امی کہہ کر خطاب کرتا ہے اور عورت بھی اپنے شوہر کو ابا ابا کہہ کر خطاب کرتی ہے، اور کبھی مرد اپنی بیوی کے دودھ بھی پیتا ہے، محلّہ کے لوگوں نے اس کو ان مذمومہ افعال سے منع بھی کیا مگر وہ اس سے باز نہیں آیا اور اسی حال میں آج کئی سال سے دونوں میاں بیوی رہ رہے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا ان کا نکاح باقی ہے اگر نہیں تو ان پر شرعاً کیا حکم جاری ہوگا۔

المستفتی: محمد شمیس، گوالپاڑا، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا بیوی کو ماں کہنا یا بیوی کا شوہر کو ابا کہنا لغویات میں سے ہے، فقہاء نے اس طرح خطاب کرنے کو مکروہ لکھا ہے، اسی طرح بیوی کا دودھ پینا ناجائز اور حرام ہے، اس عمل سے نکاح میں تو کوئی فرق نہیں آیا لیکن ایسا کرنا سخت ترین گناہ کا باعث ہے، اس لیے دونوں اعمال سے اجتناب لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۹/۲۶۴، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۲۵۷، جدید زکریا ۸/۲۲۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸/ ۱۲۶، ۱۰/۴/۳۷، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۳۲۹، ۳۳۰)

ويكره قوله: أنت أمي و يا ابنتي و يا أختي. (در مختار، كتاب الطلاق، باب الظهار، كراچی ۳/ ۴۷۰، زكريا ديو بند ۵/ ۱۳۱)

وقيد بالتشبيه لأنه لو خلا عنه بأن قال أنت أمي لا يكون مظاهرا لكنه مكروه لقربه من التشبيه. (البحر الرائق، كوئٹه ۴/ ۹۸، زكريا ۴/ ۱۶۵)

وظهارها منه لغو، فلا حرمة عليها ولا كفارة به يفتى. (الدر المختار كراچی ٣/٤٦٧، زكريا ٥/١٢٧)

إذا مضت مدة الرضاع لم يتعلق بالرضاع تحريم. (عالمگیری، كتاب الرضاع زكريا قديم ١/٣٤٣، جديد ١/٤٠٩)

ولم يبح الإرضاع بعد مدته لأنه جزء آدمي والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح.(در مختار، كراچی ٣/٢٢٥، زكريا ٤/٤٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۹۲/۳۵)

اپنی بیوی کو امی کہنے کا حکم

سوال [۷۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیوی نے اپنے شوہر کو رات میں اٹھایا اس کا شوہر سو رہا تھا اس نے سوتے ہوئے کو اٹھایا اشارے سے وہ جاگ گیا اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ میری بیوی ہے جو مجھ کو جگا رہی ہے تو اس نے بیداری کی حالت میں اپنی بیوی کو امی کہا، امی کیا بات ہے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا صرف یہی لفظ کہا کہ امی کیا بات ہے لیکن یہ لفظ جان بوجھ کر کہا تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ نکاح میں تو کوئی فرق نہیں آیا؟

المستفتی: فصاحت حسین مدرسہ بدر العلوم گنگوار، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی بیوی کو امی کہنا مکروہ ہے، بالقصد اس طرح کا جملہ نہیں نکالنا چاہیے، البتہ اس سے نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

وفي الدر المختار ويكره قوله أنت أمي و يا ابنتي، في الشامية: وفي أنت أمي لا يكون مظاهراً، وينبغي أن يكون مكروها. (در مختار مع الشامی،

کتاب الطلاق، باب الظهار، زکریا ٥/ ١٣١، کراچی ٣/ ٤٧٠)

وقيد بالتشبيه لأنه لو خلا عنه بأن قال أنت أمي لا يكون مظاهراً لكنه مكروه لقربه من التشبيه. (البحر الرائق کوئٹه ٤/ ٩٨، زکریا ٤/ ١٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۵/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۱۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۴ھ

بیوی کو ماں کہنا

سوال [۷۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکر اور ہندہ دونوں شوہر بیوی کے تعلقات عرصہ دراز سے بہتر چل رہے تھے، اچانک باتوں باتوں میں دونوں میاں بیوی کے درمیان جھگڑا پیدا ہوا، بکر نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ تو میری ماں لگتی ہے، صرف ایک بار کہا، اب دریافت یہ ہے کہ بکر کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا نکاح فاسد ہوگیا اور کیا طلاق واقع ہوگئی؟

المستفتی: مولانا خورشید عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جھگڑے کے دوران بیوی کو ''ماں لگتی ہے'' کہنے میں اس کا ارادہ اگر بیوی کو ڈرانا، ڈانٹنا مقصد ہے تو اس سے نکاح پر کوئی خرابی نہیں آئی وہ لفظ محض لغو ہے، البتہ ایسے الفاظ زبان سے نکالنا اچھا نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۲/ ۲۸۰)

ففي أنت أمي لايكون مظاهرا، وينبغي أن يكون مكروها. (فتح القدير، کتاب الطلاق، باب الظهار، کوئٹه ٤/ ٩١، زکریا ٤/ ٢٢٥، کراچی ٣/ ٤٧٠، زکریا ٥/ ١٣١، هندیه زکریا قدیم ١/ ٥٠٧، جدید ١/ ٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۶۹)

''خدا کی قسم میں اس کو نہیں رکھ سکتا'' کہنے کا حکم

سوال [۷۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی اہلیہ نے اپنے والد سے کچھ نا مناسب جھوٹی شکایتیں کیں، جن پر ان کو بہت غصہ آیا، اور زید کے گھر پہنچ کر زید سے تلخ کلامی سے پیش آئے، چونکہ اس قسم کی باتیں زید نے کہی نہ تھیں، اس لیے اس کو بھی اس تلخ کلامی اور جھوٹے الزام پر غصہ آیا، کافی تکرار ہوئی اور پھر دوران تکرار زید نے خسر سے کہا، خدا کی قسم میں اس کو اب رکھ نہیں سکتا، آپ اس کو لے جایئے، اور بیوی کو بھی للکارہ کہ یہاں سے نکل، چونکہ آواز سن کر کئی آدمی وہاں پہنچ چکے تھے، انہوں نے زید کے خسر کو وہاں سے رخصت کر دیا، اور زید سے کہا کہ آپ اس کو مت نکالو جس پر زید خاموش ہو گیا، اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید کے یہ الفاظ مفضی الی الطلاق تو نہیں ہیں۔

المستفتی: شاید نور، دونکپوری ٹانڈہ، ضلع رامپور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''خدا کی قسم میں اس کو اب رکھ نہیں سکتا'' یہ جملہ ایلاء کنایہ میں سے ہے، اگر اس سے ایلاء کی نیت کی ہو، تو اگر چار ماہ کے اندر اندر ہم بستر ہو جائے تو صرف کفارہ یمین ادا کرنا واجب ہوگا، اور اگر چار ماہ گذر جانے کے بعد رکھنا چاہے تو دوبارہ نکاح اور کفارہ یمین دونوں واجب ہوں گے، اور اگر مذکورہ جملہ سے ایلاء کی نیت نہیں کی ہو، تو یہ مطلق یمین ہوگی، چار ماہ سے پہلے یا بعد میں جب بھی رکھے گا، ایک کفارۂ یمین ادا کرنا واجب ہوگا۔

(وقوله) والله لا أقربک و تحته والكناية كل لفظ لا يسبق إلى الفهم معنى الوقاع ويحتمل غيره مالم ينو نحو لا أمسک و لا آتيک (إلى قوله) لا أقرب فراشک فلايكون إيلاء بلا نية و يدين في القضاء. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب الإيلاء، زكريا ديوبند ۴/۱۰۱، كوئٹه ۴/۶۰، شامي كراچی ۳/۴۲۵، زكريا ۵/۶۲)

’’یہاں سے نکل جا‘‘ یہ جملہ طلاق کے لیے کنایہ ہے، اگراس سے طلاق کی نیت کی ہوتو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی، ورنہ کوئی حکم اس سے ثابت نہ ہوگا۔

أخرجي اذهبي تلزم النية في حالة الرضا والغضب والمذاكرة.

(شامي، باب الكنايات زكريا ٤/ ٥٣٤، كراچی ٣/ ٣٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵؍صفر ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۴۰)

’’اب تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گا‘‘ کہنے کا حکم

سوال [۷۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا نکاح زینب سے ہوا، زینب سے ایک لڑکی ہوئی ڈیڑھ سال کے بعد پھر زینب کی دوسری لڑکی ہوئی جس روز کو دوسری لڑکی ہوئی اسی روز زید دلی سے آیا، اس لیے کہ زید دلی رہتا ہے، زید نے اپنی بیوی زینب کو مارا، پیٹا بھی اور بڑی لڑکی کو ساتھ لے کر زینب سے یہ کہہ کر دلی چلا گیا کہ اگر تم کو آنا ہوتو دلی آجانا اب تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گا، زینب بہت پریشان ہوئی، زینب نے اپنے اور شوہر کے کچھ رشتہ داروں پر زور دیا کہ وہ زید پر دباؤ ڈالیں کہ زید مجھے لے جائے جب ایک آدمی زید کے پاس دلی گیا کہ مفاہمت ہو جائے اس وقت زید نشہ میں تھا، اس لیے کہ زید شرابی ہے، لہٰذا جانے والے کو برا بھلا کہہ کر واپس کر دیا، زینب ایک ڈیڑھ سال بہت پریشان رہی، ایک ڈیڑھ سال بعد زینب نے عمر سے نکاح کر لیا، زینب کو اب عمر سے چھ سات بچے بھی ہیں، زید زینب کے اس نکاح کی اطلاع پا کر بھی نہیں آیا اور نہ ہی کوئی اقدام کیا اب غور طلب بات یہ ہے کہ عمر کا نکاح زینب سے بغیر طلاق دئے ہوئے ہوا یا نہیں؟ کیا زید کا وہ جملہ کہ ’’اب میں تمہارے پاس کبھی بھی نہیں آؤں گا‘‘ ایلاء تو متصور نہیں ہوگا، اگر نہیں ہوتو پھر عمر کے نکاح کا کیا ہوگا، اور بچوں کا کیا ہوگا، نیز عمرو کے نکاح کے جواز کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زید نے اپنی بیوی زینب کو جو الفاظ ''اب میں تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گا'' کہے ان الفاظ اور اس کی ان حرکتوں سے شرعاً ایلاء کا تحقق نہیں ہوا، لہٰذا زینب کا عمر سے نکاح کرنا ناجائز طریقہ پر ہوا، اور زینب نے عمرو کے ساتھ جو گذارا کیا وہ بھی بدکاری وزنا کاری کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کے بعد پیدا ہونے والی اولاد زید کی جانب منسوب ہو گی، عمران کا باپ نہ ہوگا، اب عمر سے نکاح کو درست وجائز کروانا ہو تو زید سے شرعی تفریق لازم ہوگی، اس شرط کو پورا کرنے کے بعد جائز ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۵۳)

كقوله في رجب لا أقربك حتى أصوم المحرم و كقوله إلا في مكان كذا أو حتى تفطمي ولدك و بينهما أربعة شهر فأكثر ولو أقل لم يكن موليا. (شامی، کتاب الطلاق، باب الإيلاء، کراچی ۳/۴۲۵، زکریا ۵/۶۲)

حلف لا يقربها في زمان أو مكان معين لايكون موليا. (هنديه، زكريا قديم ۱/۴۷۸، جديد ۱/۵۴۰)

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته...... فلم ينعقد أصلا ...... (شامي، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد زكريا ٤/٢٧٤، کراچی ۳/۱۳۲، هنديه زكريا قديم ۱/۲۸۰، جديد ۱/۳٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۹۸)

دل میں نہ لانے کے ارادے سے ایلاء کا ثبوت نہ ہوگا

سوال [۷۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی ۱۸/۵/۲۰۱۲ء کو اپنی بہنوں کے ساتھ اپنے میکہ دہلی چلی گئی اور اب تک واپس نہیں آئی نہ میں نے واپس بلانے کی کوشش کی نہ میں اسے بلانا چاہتا ہوں کیونکہ

کچھ باتوں کی وجہ سے میرا دل اس سے کراہیت کرتا ہے، یعنی پسند نہیں کرتا، میری بیوی کو دہلی گئے ہوئے چار مہینے سے زیادہ ہو چکے ہیں نہ وہ یہاں آئی اور نہ میں اس کے پاس گیا یہ میں نے بہت پہلے طے کرلیا تھا کیا اس صورت میں ہماری طرف سے طلاق ہو چکی ہے؟ پارہ ۲/ سورہ بقرہ آیت ۲۲۶، اور ۲۲۷ کا ترجمہ وتفسیر کا خلاصہ کیجئے؟

المستفتی: ارشادعلی قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چار مہینے سے زیادہ بیوی کا میکہ جا کر بیٹھ جانا یا شوہر کا بیوی کو میکے میں چھوڑ دینا شرعی ایلاء کے دائرہ میں داخل نہیں، شوہر نے اگر دل دل میں سوچ لیا ہے کہ اس کو نہیں لانا ہے، تب بھی ایلاء نہیں ہے، وہ بہرحال جب تک شوہر ارشاد علی قریشی خود اس کو طلاق نہیں دے گا، اس وقت تک اس کے نکاح میں بدستور باقی رہے گی، اورسوالنامہ میں جو شکل لکھی گئی ہے وہ شکل سورۂ بقرہ آیت ۲۲۶ /۲۲۷ کے حکم کے دائرے میں داخل نہیں ہے اور مذکورہ آیتوں میں شرعی ایلاء کا حکم ہے اور سوالنامہ میں جو شکل ہے وہ ایلاء کی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲٤ باب الخلع

خلع

سوال [۷۱۱۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگرعورت اپنے شوہر سے طلاق لینا چاہے تو کیا عورت کو کچھ لکھ کر دینا پڑتا ہے اگر شوہر طلاق دے تو کیا خلع لینا پڑتا ہے، خلع میں مہر لے سکتے ہیں یانہیں؟ خلع کے مسئلہ کی پوری جانکاری بتایئے؟

المستفتی: گلناز، اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میاں بیوی کے درمیان آپسی تناؤ کوختم کرکے اتحاد واتفاق قائم کردیناضروری ہے اگرنبھاؤ کی کوئی شکل نہ ہواورشوہرطلاق دینے کے لیے تیارنہ ہو اورعورت شوہرسے الگ ہونے کے لیے بضدہوتو عورت کی طرف سے مالی فدیہ دے کرخلع کی شکل اختیارکرنے کی گنجائش ہےاور مال لے کرشوہر بیوی کوچھوڑدے پھرعدت گذرنے کے بعدعورت اپنی مرضی سے جہاں چاہے دوسری شادی کرسکتی ہے، اور مردکوتو ہر وقت دوسری شادی کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ بیوی کے حقوق اداکرنے کی طاقت رکھتاہو۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. [البقرة: ۲۲۹] ﴾

﴿قال اللہ تعالیٰ: فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. [النساء: ۲] ﴾

عن ابن عباس قال: جاء ت امرأة ثابت بن قيس بن شماس إلى النبى ﷺ فقالت: يا رسول الله! ما أنقم على ثابت فى دين ولا خلق إلا أنى أخاف الكفر، فقال رسول الله ﷺ: فتردِّين عليه حديقته فقالت: نعم فردت عليه وأمره ففارقها. (صحيح البخارى، كتاب الطلاق، باب الخلع و كيف الطلاق فيه ۲/۷۹۵، رقم: ۵۰۷۶، ف: ۵۲۷۶)

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها، وفى الزاد: وإذا فعل ذٰلك وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال. (تاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل السادس عشر فى الخلع، زكريا ۵/۵، رقم: ۷۰۷۱، هدايه اشرفى ديوبند ۲/۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۷۴/۱۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۷/۱۴۳۳ھ

شریعت میں خلع کی اجازت کب ہے؟

سوال [۷۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت میں خلع کی اجازت ہے یا نہیں؟ عورت اپنے شوہر کی بدخصلتی ظلم و زیادتی کی وجہ سے طلاق لینا چاہتی ہے؟

المستفتی: ساجد عباسی، برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خلع ایک عقد اور معاملہ ہے جس میں جانبین سے رضامندی لازمی اور ضروری ہے لیکن اگر شوہر راضی نہیں ہے تو پھر صرف آپ کی رضامندی سے خلع نہیں ہوسکتا ہے۔

وأما ركنه فهو الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا

تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في ركن الخلع، زكريا ٣/٢٢٩، كراچی ٣/١٤٥، شامی كراچی ٣/٤٤١، زكريا ٥/٨٨)

فـي الـمـلـخـص والإيضاح: الخلع عقد يفتقر إلى الإيجاب والقبول يثبت الفرقة و يستحق عليها العوض. (تاتارخانية زكريا ٥/٥ رقم: ٧٠٧١)

والـخـلـع جائز عند السلطان وغيره لأنه عقد يعتمد التراضي كسائر الـعـقـود وهو بمنزلة الطلاق بعوض. (الـمبسـوط لـلسـرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٦/١٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۴ھ

شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کا حکم

سوال [۷۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت نے خلع کی اجازت تو دی ہے لیکن اگر شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو اس بارے میں کیا مسئلہ تجویز کرنا چاہیے؟

المستفتی: ساجدہ اقبال بنت اقبال حسین، برولان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خلع کا مطلب یہ ہے کہ بیوی مہر معاف کرنے کی شرط پر یا مخصوص مال جو جانبین کی رضامندی سے طے ہو جائے اس کے دینے پر شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اور شوہر اس کو لے کر طلاق دینے پر راضی ہو جائے لیکن شوہر کی رضامندی کے بغیر یہ خلع مشروع نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/۱۷۳)

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به فإذا فعل ذلك وقع بالخلع تطليقة بائنة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب

الخلع، اشرفی دیوبند ۲/ ٤٠٤، تاتارخانیة زکریا ٥/٥، شامی کراچی ۳/ ٤٤١، زکریا ٥/ ٨٧)

وأما ركنه فهو الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول . (بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی رکن الخلع زکریا ۳/ ۲۲۹، کراچی ۳/ ١٤٥، شامی کراچی ۳/ ٤٤١، زکریا ٥/ ٨٨)

والخلع جائز عند السلطان وغيره لأنه عقد يعتمد التراضي كسائر العقود وهو بمنزلة الطلاق بعوض. (المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمیة بیروت ٦/ ١٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۰۸)

خلع نامہ پر دستخط کرنے سے طلاق کا حکم

سوال [۷۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احمد کی اہلیہ نے احمد سے خلع کی درخواست کی کیونکہ دونوں میں نبھ نہیں رہی تھی، ہندوستانی قانون کا سہارا لے کر بیوی نے پولیس کیس کر دیا، احمد کو پولیس والوں نے گرفتار کر کے کہا کہ تو اپنی عورت کو خلع دے ورنہ جہیز ان ریٹرن قانون کے تحت تمہارے ساتھ معاملہ کیا جائے گا اور بھی دھمکیاں دیں تمہارے گھر والوں کو بھی پکڑا جا سکتا ہے، پولیس کے مجبور کرنے پر احمد نے ایک کاغذ پر دستخط کیے جو خلع نامہ کی شکل میں ہے، اور استفتاء کے ساتھ منسلک ہے، قاضی صاحب کو پولیس اسٹیشن لا کر اس کاغذ پر احمد سے دستخط کرا دیئے گئے، اب احمد یہ جاننا چاہتا ہے کہ آیا اس شکل میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کتنی واقع ہوئی، کیونکہ جس کاغذ پر دستخط ہیں اس کے الفاظ پر آپ بھی غور فرمالیں، جس میں لکھا ہوا ہے کہ طالب خلع ہونے پر ان کے شوہر نے طلاق بائن دے کر اپنی زوجیت سے خارج کر دیا، کیا ان الفاظ کے ساتھ تین طلاق ہو سکتی ہیں؟ اگر بفرض محال اس نے اپنی مرضی سے ہی دستخط کیے ہوں تو کیا

شکل ہوگی؟ اگر چہ احمد کا کہنا ہے، کہ میرا طلاق کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن پولیس کے دباؤ میں آ کر میں نے خلع نامہ پر دستخط کیے ہیں، جو خلع نامہ اس استفتاء کے ساتھ منسلک ہے اس کے تحت کتنی طلاقیں واقع ہوئیں، اور رجوع کی اب کیا شکل ہے، جبکہ دونوں راضی ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سوالنامہ میں احمد سے مراد خلع نامہ کے میر مکرم علی خاں ہے اور اس نے محض پولیس کے دباؤ پر خلع نامہ پر دستخط کیا ہے، تو اس دستخط کی وجہ سے کوئی حکم شرعی نافذ نہیں ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۳۸۵، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۱۳۹، جدید زکریا ۸/ ۳۰۹)

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فكتب فلانة بنت فلانة امرأته طالق، وفى الحاوى: ولم يعبر بلسانه لا تطلق. (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ٤/ ٥٣٢، رقم: ٦٨٤٣، شامی، كتاب الطلاق، قبيل مطلب فى مسائل التى تصح مع الإكراه، زكريا ٤/ ٤٤٠، كراچی ٣/ ٢٣٦)

اور اگر اس نے بخوشی دستخط کیا ہے تو خلع کی وجہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، اب اگر طرفین میں ساتھ رہنے کی رضا مندی ہے تو بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان تجدید نکاح لازم ہے، اور تجدید نکاح کسی بھی وقت جائز ہے، اور اس نئے نکاح کے بعد پہلے کی طرح زن وشوہر کی زندگی گذارنا جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۳۸۵)

عن عباس أن النبى ﷺ جعل الخلع تطليقة بائنة. (سنن الدار قطنى كتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٣١، رقم: ٣٩٨٠)

والخلع جائز عند السلطان وغيره لأنه عقد يعتمد التراضى كسائر العقود وهو بمنزلة الطلاق بعوض. (المبسوط للسرخسى، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ١٧٣، فتاویٰ شامی: كتاب الطلاق، باب الخلع كراچی ٣/ ٤٤١، زكريا ٥/ ٨٨، تاتارخانية زكريا ٥/ ٥، رقم: ٧٠٧١، بدائع الصنائع كراچی ٣/ ١٤٥، زكريا ٣/ ٢٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۴ھ

خلع نامہ پر شوہر کے دستخط نہ کرنے سے خلع کا حکم

سوال [۷۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پروین بیگم کا اپنے شوہر دلشاد کے ساتھ دو سال سے تعلق نہیں ہے اور نہ قطعاً اس کی زوجیت میں رہنا چاہتی ہے، پروین کا کہنا ہے کہ دلشاد مجھے دوسرے لوگوں کے ساتھ رہنے کو کہتا ہے اور وہ لوگ شرابی اور بدچلن ہیں، پروین نے اپنے شوہر سے طلاق کا بھی مطالبہ کیا لیکن اس نے طلاق دینے سے انکار کر دیا، پھر اس نے ڈی ایم کے یہاں ایک درخواست ۱۲/فروری ۲۰۰۴ء کو پیش کی جس میں تحریر کیا کہ میرا آج سے دلشاد کے ساتھ میاں بیوی کا تعلق ختم ہوتا ہے اور اس نے اپنا مہر وجہیز وغیرہ معاف کیا اور اس کی شہرت اس نے اپنے پورے قصبہ میں کر دی، وکیل کے واسطے سے خلع کے کاغذات حاصل کر لیے، لیکن اس پر دلشاد کے دستخط اور نشان انگوٹھا نہیں ہے اس کے بعد عدالت میں طلاق کی ڈگری حاصل کرنے کا ایک مقدمہ کیا، چھ تاریخیں پڑیں، لیکن دلشاد کسی تاریخ پر حاضر نہیں ہوا، اور وکیل نے بھی یہ کہہ کر مقدمہ موقوف کر دیا کہ پروین تم کہاں تک مقدمہ لڑوگی وہ تو حاضر ہی نہیں ہوتا، سمن اور وارنٹ جاری کیے وہ اس نے لینے سے انکار کر دیا، اور اب تم فتویٰ منگوا کر اپنا نکاح کرلو، پروین ایک مجبور و بے کس نوعمر لڑکی ہے، اس کے کوئی بچہ بھی نہیں ہے وہ حلال اور شرعی طریقے سے دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے کیا وہ اس صورت حال میں اپنا نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے، یا نہیں کر سکتی؟ خلع ہوا یا نہیں؟ خلع کے کاغذات پر اس کے دستخط ونشان انگوٹھا ضروری ہے؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ریاست علی خاں بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے خلع کے کاغذات پر دستخط یا انگوٹھا نہیں لگایا اور نہ ہی زبانی طور پر خلع کیا تو اس سے خلع صحیح نہ ہوا، صرف عورت کا یہ کہنا کہ میں

نے مہر اور جہیز معاف کردیا، خلع کے لیے کافی نہیں ہے، شوہر کا اس کو قبول کرنا ضروری ہے، اور چونکہ شوہر نے طلاق بھی نہیں دی لہٰذا پروین بیگم اپنے شوہر دلشاد کے نکاح میں بدستور باقی رہے گی، اس لیے اس کے لیے ایسی صورت میں دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

وأما ركنه فهو الإيجاب والقبول لأنه عقد على الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول . (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في ركن الخلع، زكريا ٣/٢٢٩، كراچی ٣/١٤٥، شامی كراچی ٣/٤٤١، زكريا ٥/٨٨، تاتارخانية ٥/٥، رقم: ٧٠٧١، مبسوط للسرخسي، دار الكبت العلمية بيروت ٦/١٧٣)

وأما نكاح منكوحة الغير و معتدته...... لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا . (شامی، كتاب النكاح، مطلب في النكاح الفاسد كراچی ٣/١٣٢، زكريا ٤/٢٧٤، هنديه زكريا قديم ١/٢٨٠، جديد ١/٣٤٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۳ھ

خلع نامہ پر جبراً دستخط کرانے سے طلاق ہوگی یا نہیں؟

سوال [۷۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رامپور کا رہنے والا افتخار عرف منے اپنی بیوی عاصمہ کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے لیکن رامپور کی ایک شرعی عدالت نے عاصمہ کو خلع دلا دیا جبکہ افتخار خوشی سے خلع کے لیے تیار نہیں ہوا، اور نہ ہی اس نے ان کاغذات پر دستخط یا انگوٹھا لگایا اس سے زبردستی انگوٹھا لگوایا گیا تو کیا عورت کو زبردستی خلع دلایا جاسکتا ہے، اور کیا اس طرح طلاق ہوگی؟

المستفتی: افتخار عرف منے، رامپور

الجواب بعون الملک الوھاب: شریعت میں خلع مال کے عوض میں طلاق دینے کو کہتے ہیں اس سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے، صورت مسئولہ میں افتخار عرف

منے نے اگر کسی کے جبر واکراہ شرعی سے خلع نامہ پر انگوٹھا لگایا اور زبان سے الفاظ نہ کہے تو طلاق واقع نہ ہوئی۔

المراد : الإکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو أکرہ علی أن یکتب طلاق امرأتہ لا تطلق. (رد المحتار ۲/ ۴۰۷)

اور اگر بغیر جبر واکراہ شرعی کے افتخار عرف منے نے خلع نامہ پر انگوٹھا لگایا تو طلاق واقع ہوگئی۔

لأن الکتاب کالخطاب.

کتبہ: ممتاز احمد نعیمی غفرلہ الباری
۲۷/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
جامعہ نعیمیہ مرادآباد

الجواب صحیح
محمد ایوب نعیمی غفرلہ
۲۷/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خلع سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے، لیکن اس طلاق کے لیے شرط یہ ہے کہ شوہر پر زبردستی یا دباؤ کی شکل نہ ہو، لہٰذا اگر شوہر نے اپنے اختیار سے خلع نامہ یا طلاق نامہ پر دستخط یا انگوٹھا نہیں لگایا ہے اور نہ ہی اس نے زبانی طلاق دی ہے تو ایسی صورت میں خلع صحیح نہیں ہوتا، لہٰذا مذکورہ صورت میں دباؤ کے ساتھ خلع نامہ میں انگوٹھا لگوانے کی وجہ سے خلع یا طلاق صحیح نہیں ہوئی۔

وإذا فعل ذٰلک وقع بالخلع تطلیقۃ بائنۃ ولزمھا المال. (تاتارخانیۃ زکریا ۵/ ۵ رقم ۷۰۷۱)

وکذٰلک کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع بہ الطلاق إذا لم یقر أنہ کتابہ. (تاتارخانیۃ زکریا ۴/ ۵۳۱ رقم: ۶۸۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۴/ ۱۴۱۷ھ

محض عورت کے لکھ دینے سے خلع کا حکم

سوال [۷۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کی بیوی کا زید کے والدین سے کچھ جھگڑا ہوا، زید اپنی بیوی کو لے کر اپنی سسرال چلا گیا، وہاں کچھ عرصہ کے لیے بیوی کو رہنے کے لیے چھوڑ دیا زید کے سسر بولے کہ تم اپنا زینہ اپنے والدین سے الگ کر کے رہو، زید بولا، ابھی مکان بنتے تھوڑا ٹائم لگے گا، یہ بات ہو کے زید سسرال سے چلا گیا، بیوی اپنے میکہ میں رہی، کچھ ٹائم گذرنے پر زید کے سسر اور ان کے چھوٹے بھائی نے زید کے والد کے پاس آئے بات ہونے پر غصہ شروع ہو گیا، زید کے سسر اور ان کے چھوٹے بھائی نے زید کے والد کو مارنے کے لیے جوتا اٹھالیا زید یہ دیکھ کر غصہ میں اپنے پر قابو نہیں رکھ سکا اور جوتا لے کر اپنے سسر کے چھوٹے بھائی کو ماردیا، سسر نے جا کر پولیس اسٹیشن میں رپورٹ کی، زید اپنی اس بڑی غلطی پر نادم وشرمندہ ہوا اور سسرال جا کر معافی مانگی، اس وقت سسر صاحب کی والدہ بھی تھیں، ان کے پاؤں پکڑے درمیان میں دوسرے رشتہ داروں نے پڑ کر فیصلہ کرانے کی کوشش کی کہ خاندان کی عزت باقی رہے جس طرح سے بھی ہو سکے چنانچہ رشتہ داروں اور بڑے آدمیوں کے کہنے پر زید کی بیوی کا سامان جہیز اور پیسہ زید کی سسرال والوں کو واپس کیا گیا جس کی وجہ سے زید کے سسر نے پولیس اسٹیشن سے رپورٹ واپس لی، بعد میں بڑے لوگ نے زید کے سسر سے بولے کہ آپ بتلایئے کہ تم اپنی لڑکی کو زید کے پاس بھیجتے ہو یا خلع چاہتے ہو، فوراً اس مسئلہ کو حل کیجئے، زید کے سسر بولے کہ میں اپنی لڑکی کو نہیں بھیجوں گا، مجھے تو خلع چاہیے یہ بول کر زید کے سسر بڑے لوگوں کے پاس سے جا کر اپنے گھر گئے اور قاضی صاحب کو بلا کر لڑکی سے خلع لکھوایا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ لڑکی لکھتی ہے: میں فلاں بنت فلاں ہوں، میرا نکاح فلاں تاریخ میں فلاں بن فلاں سے ہوا ہے، اب میں بعض حالات سے مجبور ہو کر اپنے شوہر فلاں ابن فلاں کو خلع دیتی ہوں، فقط۔ اور میں نے شوہر سے چھ ہزار روپئے بھی وصول کیے، اس تحریر کو لے کر کئی روز تک قاضی صاحب زید کو تلاش کرتے رہے، دستخط کرانے کو، ایک اور زید کے دوست بھی اور رشتہ

کے آدمی بھی اس کاغذ کو لے زید کے پاس آئے، کہ اس پر دستخط کردے، تمہاری آپس میں صلح ہو جائے گی، زید کے دوست اور قریبی رشتہ آدمی قاضی صاحب کے مکان پر لے گئے تاکہ دستخط کرائیں، زید نے صاف الفاظ میں قاضی صاحب اور کئی افراد سے بولا، کہ میں اور ہمارے گھر والے خلع پر بالکل راضی نہیں ہیں، موجود افراد بولے یہ کوئی بات نہیں ہے اس میں کیس وغیرہ سے مستغنی ہے، اور تمہارے لیے سوروز کی گنجائش ہے، یہ تم چاہو تو سوروز کے اندر اندر اس کو خوش کر کے پھر اپنی بیوی بنا سکتے ہو، زید اس تحریر کو پڑھنا بھی نہیں جانتا تھا، اور نہ برضا ورغبت دستخط کیے تو تمام عبارات کو از اول تا آخر بغور پڑھ کر بتلایئے کہ زید کی بیوی کو خلع ہو گیا ہے یا نہیں؟ قرآن پاک اور حدیث پاک کی روشنی میں جواب باصواب سے مطلع فرمائیں، اس قسم کی تحریروں سے صرف دستخط کرانے اور ویسے ہی بلا رضا ورغبت سے طلاق ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد ولد فخر الزماں، اننت پور، اندھرا پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید خلع پر راضی نہیں ہے اور نہ ہی اپنی خوشی سے خلع نامہ لکھا ہے اور نہ ہی لکھوایا ہے اور نہ ہی بیوی کے لکھے ہوئے خلع نامہ کو پڑھ کر یا سن کر بخوشی دستخط کیے ہیں تو زید کی طرف سے خلع نہیں ہوا ہے اور محض بیوی کی تحریر سے شرعاً خلع ثابت نہیں ہوتا ہے، اس لیے مذکورہ تحریر سے میاں بیوی کے نکاح میں کوئی اثر نہیں پڑا، اور بیوی زید کے نکاح میں بدستور باقی ہے۔

والخلع هو من الكنايات فيعتبر فيه ما يعتبر فيها من قرائن الطلاق.

(الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الخلع، كراچى ۳/ ٤٤٤، زكريا ٥/ ٩٢)

وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه و لم يمله بنفسه لايقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه. (شامي، كراچى ۳/ ٢٤٧، زكريا ٤/ ٤٥٦، قبيل باب الصريح، تاتارخانية زكريا ٤/ ٥٣١ رقم: ٦٨٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۴ھ

خلع میں طلاق اور مال کا حکم

سوال [۷۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رابعہ وامیر بالغ زوجین ہیں، رخصتی کے بعد زوجین باہم اتفاق واتحاد سے رہے، مگر کچھ دن بعد رابعہ کو امیر سے اختلاف ہو گیا، اور رابعہ وامیر کے درمیان کسی گھریلو ونجی معمولی مسئلہ پر تکرار ہوگئی، اور نوبت مار پیٹ تک آ گئی، ۲۶/جون ۱۹۸۹ء کو رابعہ امیر کی عدم موجودگی میں شوہر سے اجازت لیے بغیر اپنے میکہ چلی گئی، ۲/جولائی ۱۹۸۹ء کو رابعہ نے ایک مختصر سے مجمع میں امیر سے طلاق کا مطالبہ کیا، امیر نے طلاق سے انکار کرتے ہوئے مفاہمت ومصالحت کی تجویز رکھی، جسے رابعہ نے ماننے سے انکار کیا، امیر نے دوسری تجویز رکھی کہ طلاق کے معاملہ کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے، ممکن ہے کہ دونوں کے درمیان رضامندی کے حالات پیدا ہو جائیں، مگر رابعہ نے اس تجویز کو بھی رد کرتے ہوئے طلاق پر اصرار کیا۔

امیر نے طلاق سے انکار کرتے ہوئے خلع کی تجویز رکھی، جسے رابعہ نے تسلیم کرتے ہوئے اپنے قلم سے مجمع میں مندرجہ ذیل تحریر لکھی:

میں ''رابعہ بی المعروف احمد نساء بیگم بنت محمد علی خاں ساکن مقام فلاں اپنے شوہر امیر احمد خاں ولد عزیز احمد خاں ساکن مقام فلاں سے ۲/نومبر ۱۹۸۸ء کے نکاح کی بنیاد پر مبلغ ۲۵/ ہزار روپئے اور دوسرے مطالبات اگر بذمہ شوہر واجب ہوں کہ عوض خلع طلب کرتے ہوئے طلاق حاصل کرنے کی درخواست کرتی ہوں۔

رابعہ بی المعروف احمد نساء بیگم، زوجہ امیر احمد خاں

گواہ اول گواہ دوم

مندرجہ بالا خلع نامہ ایک عالم دین نے مجمع کو پڑھ کر سنایا جس کے جواب میں امیر نے مندرجہ ذیل تحریر اپنے قلم سے لکھی:

میں امیر احمد خاں ولد عزیز احمد خاں ساکن مقام فلاں اپنی زوجہ رابعہ بی المعروف احمد نساء بیگم کے خلع طلب کرنے پر مہر مبلغ ۲۵/ ہزار روپئے اور دوسرے مطالبات اگر میرے ذمہ

واجب ہوں، اس کے عوض ۲/نومبر ۱۹۸۸ء کو ہونے والے نکاح کو اپنی زوجیت سے الگ کرتے ہوئے طلاق بائن یعنی دوطلاق دیتا ہوں، ہوش وحواس کی حالت میں۔

امیر احمد خاں ولد عزیز احمد خاں

گواہ اول گواہ دوم

چند وضاحتیں اور حقائق:

(۱) خلع نامہ تحریر کرتے وقت رابعہ کی صرف دس ہزار روپئے مہر کی رقم امیر کے ذمہ واجب تھی، جس کی دستاویزات خود رابعہ کے پاس تھی، جس کی قبولیت کا اس نے مجمع میں اقرار کیا۔

(۲) رابعہ نے تحریروں کے تبادلہ کے وقت یا بعد میں امیر کو بقیہ رقم مبلغ ۱۵/ ہزار روپئے کی ادائیگی تسلیم نہ کرتے ہوئے طلاقوں کی قبولیت کا اقرار نہیں کیا۔

(۳) رابعہ نے ادائیگی بدل خلع ومعاوضہ طلاق ادا کرنے یا قبولیت کے لیے کوئی مہلت طلب نہیں کی۔

(۴) رابعہ کے کچھ مطالبات بطور قرض اور بطور کچھ سامان امیر احمد کے ذمہ واجب تھے۔

(۵) رابعہ نے مذکورہ تحریر کے لکھنے کے چند روز بعد ہی گواہ دوم سے اس سامان کو امیر سے منگوانے وبھجوانے کا تقاضہ کیا، جو وہ گھر چھوڑ گئی تھی۔

(۶) امیر معاوضۂ طلاق وبدل خلع چھوڑنے پر آمادہ نہیں۔

(۷) امیر کی تحریر سے رابعہ اور اس کے گھر والے مطمئن ہیں کہ رابعہ کو طلاق ہوگئی اور وہ بعد عدت آزاد ہوجائے گی جب کہ امیر کا خیال ہے کہ رابعہ پر طلاق ہی واقع نہیں ہوئی۔

برائے مہربانی مذکورہ دستاویزات وحقائق کی روشنی میں مدلل ومفصل بیان فرمائیں، اور جواب دیں کہ شرعاً وقضاء کیا رابعہ کو طلاق ہوگئی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً وقضاء رابعہ پر طلاق ہوچکی ہے، لیکن رابعہ پر شوہر کے دیئے ہوئے ۱۵/ ہزار روپیہ واپس کرنا واجب ہوگا۔

فإن طلقها علی مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال، وتحته في

الـفتح: و قوله فقبلت وقع الطلاق أي غير متوقف على الأداء ولزمها المال فيـطالبها به الخ. (فتح الـقـديـر، كتاب الطلاق، باب الخلع، دار الفكر بيروت ٤/٢١٨، ٢١٩، کوئٹہ ٤/٦٤، زكريا ٤/١٩٦)

إذا عـلـمـت ذٰلک، فـنـقـول: إذا قـال لها! على أن تعطيني كذا فهو تـعـلـيـق عـلى فعل مستقبل صالح للمعاوضة فيشترط قبولها ليلزمها المال، فـصـار كأنه علقه على القبول إذ به يحصل غرضه من الطلاق بعوض فتطلق بالقبول و إن لم تعطه في الحال. (شـامي، باب الخلع، مطلب في الفرق بين المصدر الصريح والمؤول، كراچی ٣/٤٦٢، زكريا ٥/١١٩)

قـال مـحـمد في الاصل: إذا قال الرجل لامرأته: أنت طالق بألف درهم، فقبلت طـلقت و عليها ألف درهم.(تـاتارخانية زكريا ٤/٦٠٠ رقم: ١٠٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۸۵)

خلع کی ایک صورت

سـوال [۷۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کا نام ناز انجم ہے وہ اپنے شوہر محمد اسلم سے خلع چاہتی ہے اور آپنی سسرال والوں پر الزام یہ رکھتی ہے کہ وہ مجھ پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں، محمد اسلم کو جب اس پر متنبہ کیا گیا تو وہ یہ کہتے ہیں کہ مجھ کو ایک موقع اور دیدیا جائے میں اپنی بیوی کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا، لیکن لڑکی اپنی ضد پر ہے کہ اب تو مجھ کو خلع چاہیے، اور لڑکی کا مہر ۲۰؍ہزار روپئے نصف معجّل اور نصف مؤجل سکہ رائج الوقت ہے، اور لڑکی کا جہیز بھی لڑکے والوں کے یہاں پر ہے، جوکہ موجود ہے اور جو سامان لڑکے والوں نے لڑکی کو شادی کے وقت دیا تھا وہ بھی لڑکی والوں کے پاس ہے جوکہ موجود ہے، اب ان حالات میں خلع کے معاملہ میں واپسی

سامان جہیز اور مہر کی ادائیگی کی کیا صورت حال ہوگی؟

المستفتی: محمد نعیم ابراہیم ہاؤس، محلّہ پیرغیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر ایک موقع اور دیئے جانے کی درخواست کررہا ہے تو لڑکی اور لڑکی والوں پر لازم ہے کہ اس کو ایک موقع مزید دیدیں ورنہ لڑکی اور لڑکی والے گنہگار ہوں گے، اس لیے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان دوبارہ محبت و موافقت پیدا فرمادے۔

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِنْ اَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ اَهْلِهَا اِنْ يُرِيْدَا اِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا.[النساء: ٣٥] ﴾

اوراگر خلع ہی کرنا ہے تو بیس ہزار روپیہ جو مہر قرار پایا ہے اس میں سے جو کچھ لڑکی نے وصول کیا ہے وہ شوہر کو واپس کردے اور جو وصول نہیں ہوا ہے وہ معاف کردے، اور شوہر کو اس کے ذریعہ خلع پر راضی کیا جائے، اور اگر شوہر پورا مہر اور تمام سامان جہیز کے بدلہ میں طلاق دینے یا خلع کرنے پر راضی ہے اور اس کے بغیر راضی نہیں ہے اور لڑکی کی مرضی بھی سب کچھ چھوڑ کر جان چھڑانے پر ہے تو پورا مہر اور سامان جہیز کے بدلہ میں خلع کرنا صحیح اور درست ہے، البتہ شوہر کے لیے مہر سے زائد لینا کراہت کے ساتھ جائز ہوگا۔

وإن كان النشوز منها كرهنا له أن يأخذ منه أكثر مما أعطاها، وفي رواية الجامع الصغير: طاب الفضل أيضا لإطلاق ما تلونا بداءً. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٠٤)

وكره أخذ أكثر مما أعطاها من المهر إن نشزت المرأة. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٠٢، تاتارخانية زكريا ٥/٨، رقم: ٧٠٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۲/۱۴۱۲ھ

کیا کورٹ کا خلع معتبر ہے؟

سوال [۷۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرد طلاق دیتا ہے اور عورت اپنے مرد سے خلع لیتی ہے اگر کسی عورت نے کورٹ سے خلع لے لی تو کیا وہ جائز ہے، بغیر کسی شرعی عذر کے مثلاً نہ ہی وہ مرد اپنی بیوی کو مارتا ہے، اور نہ ہی وہ نامرد ہے، اس لیے کہ اس مرد نے دوسری شادی کی تو اس کے ۳/ یا ۴/ بچے ہیں مرد کسی حال میں اسے طلاق دینا نہیں چاہتا تھا، کیا خلع لینے کے بعد بھی وہ مرد سے مہر کی رقم وصول کرسکتی ہے؟

المستفتی: عبدالقیوم کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسری شادی کرنے کا حق مرد کو ہر وقت ہے، اس پر روک لگانے کا حق موجودہ بیوی یا کسی اور کو نہیں ہے اور کورٹ کا خلع جو شوہر کی مرضی کے بغیر ہوا ہے شرعاً معتبر نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۵۱)

﴿ **فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ**.[النساء: ۳] ﴾

﴿ **وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا**.[النساء: ۱۴۱] ﴾

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم. (شامی، کتاب القضاء، باب التحکيم، كراچی ۵/۴۲۸، زكريا ۸/۱۲۶)

نیز اگر مہر پر خلع کرلیا جائے تو عورت کو مہر طلب کرنے کا حق نہیں۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال. (هدايه، باب الخلع، اشرفی ديوبند ۲/۴۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

بوقت خلع شوہر کا معاشرہ کی معیاری رقم سے زیادہ مطالبہ کرنا

سوال [۷۱۲۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زینت کا نکاح حارث کے ساتھ ہوا، کچھ نااتفاقی کی بناپر خانہ جنگی ہوگئی، درمیان میں جولوگ تھے، انہوں نے پوری کوشش کی لیکن حالات درست نہیں ہوئے، مجبور ہوکر زینت نے چند باعزت حضرات کے ذریعہ حارث کو یہ اطلاع کرائی کہ میں اپنا مہر اور سامان جہیز آپ کو چھوڑتی ہوں میرا کوئی مطالبہ نہیں ہوگا، مجھ کو آزاد کردو، طلاق دیدو، میرا نباہ آپ کے ساتھ نہیں ہوسکتا، اس کے جواب میں حارث نے ان حضرات کو اپنے بہنوئی کے ذریعہ یہ اطلاع کی کہ زینب یا اس کے والدین مبلغ ایک لاکھ روپئے نقد اور دیں تو میں زینب کو اپنے نکاح سے آزاد کردوں گا، طلاق دیدوں گا، زید کا بیان ہے کہ ازروئے شرع حارث کو حق حاصل ہے کہ مزید روپئے کا مطالبہ کرے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرع حارث کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ مہر، جہیز کے بعد رقم کا بھی مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ شرع کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمر شاہجہاں پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں شوہر کو خلع پر راضی کرلیا جائے اور خلع کی شکل یہ ہے کہ مہر یا طے شدہ روپئے کے ذریعہ شوہر سے آزادی حاصل کرنے کی پیش کش کی جائے، اور شوہر اس پر راضی ہوجائے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی خاص مقدار رقم پر جانبین متفق ہوجائیں، اور اس رقم کی ادائیگی کی شرط پر طلاق دی جائے، اور شوہر کے لیے یہ زیب نہیں ہے کہ معاشرہ کے معیار سے زیادہ نقد پیسہ کا مطالبہ کرے بلکہ ایک خاص حد میں رہ کر مطالبہ کا حق ہے، لہٰذا اگر ایک لاکھ روپئے کی ادائیگی عورت اور عورت کے خاندان کے لیے ناگزیر ہے تو اتنی رقم کا مطالبہ مناسب نہیں ہے، اور اگر ایک لاکھ روپئے کی ادائیگی ناگزیر نہیں ہے تو ایک لاکھ کے مطالبہ کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

و إن طلقها علی مال فقبلت، وقع الطلاق ولزمها المال . (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفی ديوبند ۲/ ۴۰۵)

وإن كان النشوز منها كرهنا له أن ياخذ منه أكثر مما أعطاها، وفی رواية الجامع الصغير: طاب الفضل أيضا لإطلاق ما تلونا بداءً. (هدايه، اشرفی ديوبند ۲/ ۴۰۴)

و كره أخذ أكثر مما أعطاها من المهر إن نشزت المرأة. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۰۲، تاتارخانية زكريا ۵/ ۸ رقم: ۷۰۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۲۲ھ

زوجین کی رضامندی سے طلاق ومہر کا حکم

سوال [۷۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا نکاح شاہانہ پروین ولد انتظار حسین سے ہوا تھا، اب طلاق ہو رہی ہے، طلاق کے لیے دونوں راضی ہیں، لڑکی اپنی سسرال نہیں آئی، اس صورت میں وہ اپنے مہروں کی حقدار ہے یا نہیں؟

المستفتی: دلدار حسین نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر رخصتی سے قبل طلاق دی جارہی ہے تو اگر لڑکی کی طرف سے خلع ہو رہا ہے تو نصف مہر کو بدل خلع قرار دے کر خلع کیا جاسکتا ہے اور لڑکی کو کچھ نہ ملے گا، اور اگر شوہر خود طلاق دے رہا ہے تو ایسی صورت میں نصف مہر لڑکی کو ملے گا۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ. [البقرة: ۲۳۷]﴾

عن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ: ”وإن طلقتموهن من قبل أن تمسوهن الخ، فهو الرجل يتزوج المرأة وقد سمى لها صداقا، ثم يطلقها من قبل أن يمسها، والمس الجماع فلها نصف الصداق وليس لها أكثر من ذٰلک. (السنن الکبریٰ للبیهقی، دارالفکر بیروت ۱۱/۴۷ رقم: ۱۴۸۳۵)

ويجب نصفه بطلاق قبل وطئ أو خلوة. (در مختار، کتاب النکاح، باب المهر، کراچی ۳/۱۰۴، زکریا ۴/۲۳۵)

وإن طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمى. (هدایه، اشرفی دیوبند ۲/۳۲۴)

وللمطلقة قبل الدخول نصف المفروض. (تاتارخانیة، زکریا ۴/۲۲۰ رقم: ۶۰۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۷۳)

عورت کب خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے

سوال [۷۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) عورت کو خلع کا حق کب حاصل ہے؟

(۲) کیا رخصتی سے قبل بھی عورت شرعاً خلع لے سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) اگر عورت مرد سے خلع مانگ رہی ہے مگر مرد اس کو نامنظور کررہا ہے خواہ کسی بھی وجہ سے ہو، ایسی صورت میں وہ عورت کیا کرے، دوسری جگہ نکاح بھی نہیں کرسکتی، شرعاً کب تلک انتظار کرے گی؟ کب تک یہ نکاح قائم رہے گا، اور کس تک وقت انتظار کرنے کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے؟ ابھی رخصتی بھی نہیں ہوئی؟

(۴) اگر کسی کا نکاح ہو گیا ہے، مگر رخصتی نہیں ہوئی ہے، رخصتی کی تقریب کو ہر بار کسی نہ کسی بہانے سے ٹالا جا رہا ہے، پھر لڑکی کے سرپرست حضرات کی جانب سے، عدالت عالیہ سے اس لڑکے پر جھوٹے الزامات لگا کر خلع کی درخواست کی جاتی ہے، اور لڑکے کو عدالت میں داخل بھی نہیں ہونے دیا جاتا ہے، اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ اور جھوٹے وعدے کیے جاتے ہیں، لڑکی کے سرپرست حضرات کی جانب سے اور لڑکا غیر ملکی ہے، اور ان تمام معاملات سے لڑکا و لڑکی بخوبی واقف ہیں، لڑکی لڑکے کے لائے ہوئے تحائف بھی لیتی ہے، مگر نہ معلوم کس وجہ سے عدالتی کاروائی جو جھوٹے الزامات لگا کر داخل کی گئی ہے اس پر دستخط کر دیتی ہے، اور خلع کی درخواست عدالت عالیہ میں پیش کرتی ہے، اور عدالت عالیہ چونکہ لڑکے کی غیر حاضری پر عدالت یکطرفہ فیصلہ سناتی ہے، لڑکی عدالت عالیہ میں خلع حاصل کر لیتی ہے جبکہ اس خلع میں لڑکے کی مرضی شامل نہیں ہے، عدالت میں دائر کردہ مقدمہ بھی جھوٹا ہے، کیا ایسی صورت میں شرعاً خلع واقع ہوا ہے یا نہیں؟ کیا یہ خلع شرعاً درست ہے، یا شرعاً نکاح باقی ہے، کیا لڑکا لڑکی دوبارہ پھر ملنا چاہیں تو کسی کفارہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا یا نہیں؟۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب میاں بیوی کے درمیان نباہ نہ ہو اور جانبین کے لوگ دونوں کو سمجھا بھی چکے ہوں مگر پھر بھی دونوں کے درمیان اتفاق نہ ہو پایا اور شوہر بیوی پر مستقل ظلم کرتا رہتا ہو، اور طلاق بھی نہیں دیتا ہے تو ایسی صورت میں شوہر کو مال دے کر آزادی حاصل کر لی جائے تو اس کو شرعاً خلع کہتے ہیں، شوہر کی طرف سے ظلم وتعدی نہ ہو تو بلا وجہ بیوی کو خلع کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ.﴾ [البقرة: ۲۲۹]

عن عكرمة عن ابن عباس أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم ،

فقالت: یارسول الله! ثابت بن قیس ما أعتب علیه فی خلق و لا دین، ولکنی أکره الکفر فی الإسلام فقال رسول الله ﷺ: أتردین علیه حدیقته قالت: نعم، قال رسول الله ﷺ: أقبل الحدیقة وطلقها تطلیقة. (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع، ۲/۷۹٤، رقم: ٥٠٧٤، ف: ٥٢٧٣)

وإن تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود الله فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال یخلعها. (هدایه، کتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی دیوبند ۲/٤٠٤، تاتارخانیة زکریا ٥/٥ رقم: ٧٠٧١)

(۲) رخصتی سے قبل چونکہ مذکورہ واقعہ میں بیوی کے درمیان نااتفاقی کی بات کا سوال نہیں ہے اور نہ شوہر کی طرف سے کوئی ظلم وتعدی کا ثبوت ہے اس لیے رخصتی سے قبل لڑکی کو خلع حاصل کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ شوہر کے ظلم وتعدی سے نجات کے لیے خلع مشروع کیا گیا ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.** [البقرة: ۲۲۹]﴾

میں اسی کو بیان کیا گیا ہے۔

(۳) اگر شوہر کی طرف سے ظلم وتعدی نہیں ہے تو ایسی صورت میں عورت کو خلع مانگنے کا حق نہیں ہے، اور اگر ایسی صورت میں شوہر خلع پر آمادہ نہ ہو اور نہ ہی طلاق دیتا ہو تو اسی شوہر کی ماتحتی میں رہنا عورت پر واجب ہے، اگر عورت شوہر کے پاس نہ جائے تو زندگی بھر کسی دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، وہ بدستور اسی شوہر کی بیوی رہے گی، البتہ اگر شوہر اس پر ظلم کرتا ہے اور طلاق بھی نہیں دیتا ہے تو خلع مانگنے کا حق ہے، اور اگر شوہر خلع پر بھی راضی نہیں ہے تو عورت شرعی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کر کے آزادی حاصل کرسکتی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۶۱، جدید ۱۰۰)

(۴) رخصتی سے قبل شوہر کی طرف سے چونکہ کوئی تعدی نہیں ہوئی ہے اس لیے خلع حاصل کرنے کا حق لڑکی کو نہیں ہے اور عدالت عالیہ چونکہ غیر شرعی ہے اس کا خلع اور طلاق

شرعی طور پر معتبر نہیں ہے، غیر شرعی عدالت کے خلع کے بعد بھی لڑکی بدستور شوہر کے نکاح میں باقی رہے گی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۱۵۱-۱۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۳/۱۴۱۵ھ

شوہر طلاق نہ دے تو بیوی کیا کرے؟

سوال [۱۳۱۷]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زینب کی شادی زید سے ہوئی، زینب زید کے پاس چار ماہ رہی اور اس کے بعد سے زینب اپنے میکے میں رہ رہی ہے، اور زینب قریب چھ سال سے میکہ میں رہ رہی ہے، زید نہ تو زینب کو لاتا ہے نہ لانے کی بات کرتا ہے اور نہ ہی زینب کو خرچ دیتا ہے، نہ آزاد کرتا ہیں، اس درمیان میں زینب بہت پریشانی میں ہے، لہٰذا زینب چاہتی ہے کہ زید مجھ کو آزاد کردے، تاکہ میں دوسری شادی کرلوں، اور اپنی زندگی گذار سکوں، لہٰذا آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: منظور احمد اعظمی، محلّہ اسلام پور ڈیہہ، بھاگلپور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے تو خلع وغیرہ کے ذریعہ سے زید سے تفریق حاصل کرلی جائے اس کے بعد ہی دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے، اور اگر زید خلع بھی نہیں کرتا ہے تو محکمہ شرعیہ میں اپنا معاملہ پیش کردے وہاں سے شرعی فیصلہ ہوجائے گا۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۶۱، جدید ۱۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۱۱)

خلع کے ذریعہ علیٰحدگی حاصل کرنا

سوال [۷۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت ہے اس کی پہلی شادی ہوئی اس سے ۶/ بچے ہوئے، چار لڑکیاں ہیں، اور دولڑ کے کچھ افراد نے اس کی دوسری جگہ شادی کرادی، بعد میں معلوم ہوا کہ شوہر انتہائی ظالم ناکردار ہے چونکہ پہلے شوہر کے بچے بڑے ہوگئے ہیں، اس لیے یہ موجودہ شوہر کہتا ہے کہ مجھے کچھ نہیں کرنا اب تو میں پڑ کر کھاؤں گا، اور مارتا پیٹتا ہے بے انتہا ظلم کرتا ہے اس شوہر سے بھی دو لڑکیاں ہیں اب اگر وہ عورت اس سے چھٹکارا پانا چاہے تو شریعت کی روسے اس کی کیا صورت ہے، اب وہ عورت اس سے عاجز آچکی ہے، اور کسی بھی حالت میں اس کے ساتھ رہنے کو گوارہ نہیں کرتی ہے اس عورت کے دوسرے شوہر پر دس ہزار روپیہ ہیں وہ مل سکتے ہیں یا نہیں؟۔

المستفتی: عزیزالرحمٰن مغلپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عورت پر اگر واقعتاً ظلم ہورہا ہے تو شوہر سے جان چھڑانے کے لیے خلع کی پیش کش کرسکتی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. [البقرۃ: ۲۲۹]﴾

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود اللّٰہ فلا بأس بأن تفتدی نفسها بمال یخلعها به وفی الزاد: و إذا فعل ذٰلک وقع بالخلع تطلیقة بائنة ولزمها المال. (تاتارخانیة، زکریا ۵/ ۵ رقم: ۷۰۷۱، هدایه اشرفی دیوبند ۲/ ۴۰۴)

اور اگر شوہر نہ طلاق دیتا ہے، اور نہ خلع پر تیار ہے اور نہ ہی ظلم وتعدی سے باز آتا ہے تو عورت اپنا معاملہ شرعی عدالت میں پیش کردے تو عدالت شرعیہ معاملہ کی اصلیت کی تحقیق کے

بعد فیصلہ کردے گی۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۶۱، جدید ۱۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۳؍۱۴۱۵ھ

نبھاؤ نہ ہونے کی وجہ سے مہر معاف کر کے طلاق دینا

سوال [۷۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اپنے شوہر سے طلاق چاہتی ہوں، کیونکہ میرے شوہر نہایت، بدمزاج اور لڑتے جھگڑتے ہیں، میرے ساتھ شوہر اور سسرال والوں کا رویہ قابل قبول نہیں ہے، میری زندگی ایک دوزخ بن گئی ہے، میرا ان کے ساتھ زندگی گذارنا ناممکن ہے، کسی طرح کا نبھاؤ نہیں ہوسکتا اب میں سسرال جانا نہیں چاہتی ہوں، ان حالات میں کیا مجھے طلاق ہوسکتی ہے، تاکہ پہاڑ جیسی زندگی کو مستقبل میں خوشگوار بنا سکوں شریعت کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتی: شہلا جبیں ولد حاجی شکیل احمد، رحمت نگر، کرولہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے شوہر کے ساتھ کسی بھی طریقے سے نبھاؤ کی شکل اختیار کریں اور دونوں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے زندگی گذاریں لیکن اگر کسی بھی طرح نبھاؤ کی صورت نہیں ہے اور شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا ہے اور آپ علیحدگی پر مصر ہیں، تو ایسی صورت میں آپ کے لیے یہ گنجائش ہے کہ آپ اپنا مہر معاف کر کے شوہر سے خلع حاصل کرلیں اور درمیان میں معتبر لوگوں کو ڈال کر مہر کی معافی پر طلاق حاصل کریں عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر کے باعصمت زندگی گذاریں۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.** [البقرة: ۲۲۹]﴾

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدى نفسها بمال يخلعها به وفى الزاد: وإذا فعل ذٰلک وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال. (تاتارخانية، زكريا ٥/٥ رقم: ٧٠٧١، هدايه اشرفی ديوبند ٢/٤٠٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۲۰/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

جب ازدواجی زندگی گذارنا دشوار ہوجائے تو خلع کا حکم

سوال [۷۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زینب کی شادی زید کے ساتھ عرصہ قریب آج سے ۱۳؍سال پہلے شریعت محمدی کے مطابق ہوئی تھی، شادی کے بعد زینب اپنے شوہر کے گھر آتی جاتی رہی، اسی دوران ایک لڑکی کی ولادت زید کے گھر زینب سے ہوئی بعد ازاں مابین حالات ناخوشگوار رہنے لگے، اور زید نے اپنی بیوی زینب کو مختلف طریقے سے اذیتیں پہنچا کر ستانا شروع کر دیا، زید کے اس بدلے ہوئے کردار کو دیکھ کر زینب بذات خود اور اس کے میکے والوں نے آپسی بات چیت کے ذریعہ حالات کو بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن سوء اتفاق حالات جوں کے توں ہیں بلکہ زید کے مذکورہ ظالمانہ کردار میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اور زینب تنگ آ کر بچی کو لے کر میکے چلی آئی۔

پھر چند ایام کے بعد اس نے سوچا اور اس نے اپنی زندگی کو بربادی سے بچانے کی خاطر زید کی طرف سے تمام ظلم وستم کو بالائے طاق رکھ کر آخری کوشش یہ بھی کی کہ وہ میکہ سے زید کے گھر چھوٹی سی بچی کو لے کر خود ہی چلی گئی اس پر زید نے صلہ یہ دیا کہ گھر کے ہر فرد کے پیر پکڑ کر معافی منگوائی اور خود سے آجانے کا ناجائز فائدہ اٹھا کر پھر سے مار پیٹ کا سلسلہ شروع کر دیا اور ایک دن اس نے آخر مار پیٹ کر زینب کو گھر سے نکال ہی دیا، یہ اذیت ناک واقعہ ۲۷؍مئی ۱۹۹۷ء کی صبح قریب چھ بجے پیش آیا، اس پر لوگوں سے رہا نہ گیا اور ہر طرف

سے مجبور ہو کر متعلقہ تھانہ میں رپورٹ درج کرائی، پولیس نے زید کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا، چند دن بعد جب وہ جیل سے گھر آیا تو یہ کہنا شروع کیا کہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب ہم نہ لائیں گے اور نہ ہی طلاق دیں گے، اسی طرح زینب کی زندگی برباد کر ڈالیں گے، لیکن اس کے باوجود زینب اور اس کے میکے والوں نے دوبارہ آپسی بات چیت کے ذریعہ صلح کی پھر کوشش شروع کی لیکن حل کا کوئی راستہ نہ نکلا، نیز کچہری میں ایک مقدمہ جہیز کا دوسرا گذارہ کا چلتا رہا اور آج بھی چل رہا ہے، دورانِ مقدمہ بھی صلح کی کوشش کی گئی، بالآخر جہیز والے مقدمہ میں زید کو ۱۱ر جولائی ۲۰۰۳ء کو ۲ر سال کی قید کی سزا متعلقہ کچہری کے جج نے سنائی جس کے تحت زید قریب ۶ر ۷ر مہینہ جیل خانہ میں بھی رہا، بعدہٗ بذریعہ ہائی کورٹ کے اسٹے سے ضمانت پر رہا ہوا، چونکہ اس طویل مدت یعنی ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۴ء تک جب بھی زینب کی طرف سے صلح کی کوشش کی گئی تو زید نے یہی جملہ بار بار دہرایا اور دہرا رہا ہے کہ میں گذری ہوئی کوئی بات بھولا نہیں ہوں میرے اندر انتقامی جذبہ آج بھی موجود ہے، میں بدلہ لے کر رہوں گا، اسی لیے میں طلاق نہیں دے رہا ہوں، تاکہ کسی طرح زینب پھندے میں آئے اور میرا مقصد پورا ہو۔

محترم! زید کے مذکورہ وحشیانہ اور درندگانہ ارادے کو دیکھتے ہوئے زینب بھی یہ خوف کھا رہی ہے کہ اور یقین کے ساتھ یہ کہہ رہی ہے کہ اب میرا گذر زید کے گھر میں کسی طرح نہیں ہوسکتا اور مجھے جان کا خطرہ ہے اس لیے میں اب کسی طرح وہاں نہیں جاسکتی، اور زینب مکمل آٹھ سال سے اپنے میکہ میں اپنی نابالغ بچی کے ساتھ کسی طرح زندگی کے لمحات گذار رہی ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر زید مکروفریب کے ذریعہ زینب کو اپنے گھر لانا ہی چاہے تب بھی زینب کسی طرح تیار نہیں ہے، اور خطرات محسوس کرتے ہوئے یہی کہہ رہی ہے کہ ہرگز ہرگز نہیں جاسکتی، آنجناب سے گذارش ہے کہ مذکورہ حالات کے پیش نظر شریعت کی روشنی میں زینب کو زید سے چھٹکارہ کی کوئی شکل ہو تو تحریر فرمائیں تاکہ زینب زید کے ظلم وجبر سے نجات پاسکے۔

المستفتی: محمد معروف قاسمی غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اب اگر دونوں کے درمیان خوشگوار زندگی کی

امید نہیں ہے اور زینب زید کے یہاں جانا نہیں چاہتی تو زینب مہر معاف کر کے یا کچھ روپیہ دے کر زید سے خلع یا طلاق حاصل کر کے آزاد ہوسکتی ہے۔

عن أبی سعید قال: أرادت أختی تختلع من زوجها، فأتت النبی ﷺ مع زوجها فذکرت له ذٰلک، فقال لها رسول اللہ ﷺ: تُرَدِّین علیه حدیقته ویطلقک قالت: نعم، وأزیده، فقال لها الثانیة: تُرَدِّین علیه حدیقته ویطلقک، قالت: نعم، و أزیده، فقال لها الثالثة: قالت: نعم، و أزیده فخلعها، فردت علیه حدیقته و زادته. (السنن الکبریٰ للبیهقی، الطلاق، باب الوجه الذی تحل به الفدیة، دار الفکر بیروت ۱۱/۱۸۱، رقم: ۱۵۲۲۰)

﴿**قال اللہ تعالیٰ: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ یَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.** [البقرة: ۲۲۹]﴾

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا یقیما حدود اللہ فلا بأس بأن تفتدی نفسها بمال یخلعها به وفی الزاد: وإذا فعل ذٰلک وقع بالخلع تطلیقة بائنة ولزمها المال.

(تاتارخانیة، زکریا ۵/۵، رقم: ۷۰۷۱، هدایه، اشرفی دیوبند ۲/۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۷ر محرم الحرام ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۰۳)	۱۴۲۵/۱/۱۷ھ

عورت طلاق لینے پر بضد ہو تو شوہر کیا کرے؟

سوال [۷۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی محمد تسلیم ولد عبد العزیز ساکن نئی بستی کے ہمراہ شاداب اختر ولد عبد الحق محلہ پختہ باغ سے مؤرخہ ۱۶ر فروری ۱۹۹۷ء دس ہزار روپیہ معجل اور دس ہزار غیر معجل طے ہوئے تھے، شادی کے فوراً بعد دونوں میں شکوک کی بنا پر اختلاف پیدا ہو گیا جس کو لڑکے نے تمام غلطیاں اپنی

مان کر اور رو برو پنچ محافظ اللہ تعالیٰ اور رسول چاہتے ہوئے لڑکی کو بلانے کا مطالبہ کیا مگر افسوس کسی طرح بھی لڑکی آنے کو تیار نہ ہوئی، اور طلاق ہی کا مطالبہ کرتی رہی، حالات کی نزاکت میں پنچوں نے مہر کی ادائیگی سے متعلق علماء دین سے شریعت و دین کی روشنی میں جواب چاہا ہے۔

نوٹ: لڑکی کے رشتہ دار اور والدین وغیرہ اپنی طرف سے اپنی لڑکی کی درخواست کو ہی ترجیح دے رہے ہیں، اپنے اوپر کسی طرح کے معاوضہ کا صاف انکار کر رہے ہیں۔

المستفتی: محمد یاسین نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر لڑکی طلاق لینے پر بضد ہے تو وہ اپنا سارا مہر معاف کر کے شوہر کو طلاق پر آمادہ کرے اور خلع حاصل کرے نیز اگر شوہر زبان سے طلاق دے تو تین طلاق ہرگز نہ دے، بلکہ صرف ایک طلاق دیدے تا کہ لڑکی عدت گذار کر دوسری جگہ شادی کر لے یا سمجھ میں آجائے تو اپنے شوہر سابق سے دوبارہ نکاح کر سکے۔

﴿قال الله تعالیٰ: **فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ.** [البقرة: ۲۲۹]﴾

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدى نفسها بمال يخلعها به. (تاتارخانية، زكريا ۵/۵ رقم: ۷۰۷۱، هدايه اشرفی ديوبند ۲/۴۰۴)

إذا كان الطلاق بائنا دون الثلاث فله أن يتزوجها فی العدة وبعد انقضائها. (هنديه، زكريا قديم ۱/۴۷۲، جديد ۱/۵۳۵، هدايه، اشرفی ديوبند ۲/۳۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۱۸ھ

لڑکا طلاق پر راضی نہ ہو تو خلع کی شکل اختیار کریں

سوال [۷۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید کا فاطمہ سے نکاح ہوا، رخصتی ہونے سے قبل لڑکی کے خاندان اورلڑکے کے خاندان والوں سے آپس میں رنجش اورلڑائی ہوگئی جس کی وجہ سےلڑکی کو گھروالوں نے رخصت نہیں کیا،اورلڑکی کے گھروالوں کا کہنا ہے کہ فاطمہ اپنی سسرال نہیں جانا چاہتی ہے اورلڑکے والے چاہتے ہیں کہ طلاق کسی طریقہ سے ہوجائے تولڑکی والوں کے لیے طلاق پراصرارکرنا کیسا ہے؟

المستفتی: وحیدالدین پرتا بگڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ لڑکے اورلڑکی کے درمیان کوئی رنجش نہیں ہے، بلکہ صرف دونوں خاندانوں میں اختلاف ہے اس لیےلڑکی والوں کو چاہیے کہ عزت و وقار کے ساتھ رخصت کردیں اور اگرلڑکی والے طلاق ہی لینا چاہتے ہیں تو اس کے لیے یہ شکل ہوسکتی ہے کہ لڑکے کوخلع پر راضی کرلیں اور وہ بخوشی خلع کرنے پرتیار ہوجائے اورزورزبردستی کرکے طلاق لینے کاحق نہیں ہے۔

وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدی نفسها بمال يخلعها به لقوله تعالىٰ: فلا جناح عليهما فيما افتدت به الخ.

(تاتارخانية زكريا ٥/٥ رقم: ٧٠٧١، هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفی دیوبند ٢/٤٠٤)

والخلع جائز عند السلطان وغيره لأنه عقد يعتمد التراضی كسائر العقود. (المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ٦/١٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۰۵)

الجواب صحیح
احقرمحمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۰ھ

شرابی طلاق نہ دے تو خلع کے ذریعہ تفریق حاصل کرنے کا حکم

سوال [۷۱۳۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی جس کا نام مہرالنساء ولد انظارحسین ساکن محلّہ دیوان بازار، مرادآباد کا

ہوں، میں نے ۱۲/ جولائی ۹۴ء کو اپنی لڑکی مہر النساء کا عقد بنام رفعت حسین ولد بشارت حسین کے ساتھ کردیا تھا، مگر رخصتی نہیں ہوئی تھی، اور نہ آج تک رخصتی ہوئی، مجھے ۱۲/ جولائی کے بعد معلوم ہوا ہے کہ لڑکا ہیروئن کا نشہ کرتا ہے جس کی میں نے پوری پوری تصدیق وتحقیق کر لی ہے ایسی حالت میں لڑکے کے اس عمل کے بعد لڑکی کو رخصت کرنا اس کی زندگی سے کھیلنا ہے تو ایسے حالات میں طلاق حاصل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور لڑکا طلاق نہ دے تو کیا کیا جائے؟

المستفتی: منشی انظار حسین، دیوان بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی یہ صحیح ہے کہ بوقت نکاح لڑکے کے نشہ کرنے کا علم نہیں تھا اور عقد نکاح ہو چکنے کے بعد اس کا علم ہوا ہے تو ایسی صورت میں اس لڑکے سے طلاق کا مطالبہ جائز اور درست ہے، جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

زوج بنته من رجل ظنه مصلحا لا يشرب مسكرا فإذا هو مدمن فقالت بعد الكبر: لا أرضى بالنكاح إن لم يكن أبوها يشرب المسكر ولا عرف به وغلبة أهل بيتها مصلحون فالنكاح باطل بالاتفاق. (شامی، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ، زکریا ۴/ ۲۱۴، کراچی ۳/ ۸۹)

ایسی صورت میں خلع کے ذریعہ سے الگ ہوجانے کی کوشش کی جائے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. [البقرة: ۲۲۹] ﴾

خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدى نفسها بمال يخلعها به. (تاتارخانية، زكريا ۵/ ۵ رقم: ۷۰۷۱، هدايه اشرفی دیوبند ۲/ ۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۳۰/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۵ باب الطلاق علی المال

لڑکی والوں کے مطالبۂ طلاق پر مہر اور دیگر اخراجات نہ دینے کی شرط لگانا

سوال [۷۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہندہ سے دوسال پہلے ہوئی تھی مگر ہندہ شروع ہی سے کہہ رہی ہے کہ میں زید کے گھر میں نہیں رہوں گی، اوراس بارے میں کافی لوگوں کی پنچایت بھی ہو چکی ہے، اس پنچایت میں ہندہ اوراس کے والدین نے یہی کہا ہے کہ ہماری لڑکی اس کے گھر نہیں رہے گی، اورزید سے طلاق مانگ رہے ہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر ہندہ کو طلاق ہوئی تو کیا زید ہندہ کا مہر ادا کرے گا، جبکہ ہندہ اوراس کے وارثین کی طرف سے ہی طلاق کی مانگ ہے، لہٰذا درخواست ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اوراس صورت میں طلاق کے بعد عدت کا خرچ شوہر کو دینا پڑے گا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالستار عمرپور پالکی، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرلڑکی اورلڑکی والے طلاق لینے پر مصر ہیں تو لڑکے کواس شرط پر طلاق کو معلق کرنے کا اختیار ہے کہ مہر اور عدت کا خرچ معاف کردیں، اور طلاق کے بعد پھر کسی چیز کا مطالبہ لڑکی والے نہ کریں۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق، ولزمها المال لأن الزوج يستبد بالطلاق تنجيزا و تعليقا وقد علقه بقبولها (إلى قوله) وكان الطلاق بائنا. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفى ديوبند ٢/٤٠٥)

قال محمد فی الأصل: إذا قال الرجل لامرأته: أنت طالق بألف

درهم فقبلت طلقت وعليها ألف درهم. (تاتارخانية زكريا ٤/ ٦٠٠ رقم: ٧٠٣٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۰/۱۶ھ

مہر اور دیگر اخراجات کی معافی کی شرط پر طلاق دینا

سوال [۷۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ اپنے شوہر کے ساتھ زندگی گذارنے کو کسی بھی طرح تیار نہیں ہے، ہندہ کے والد صاحب، بھائی وغیرہ بھی طلاق چاہتے ہیں، ایک لڑکا بھی ہے، جس کی عمر قریب ڈھائی سال ہے اس طرح کے حالات میں شوہر کے اوپر مہر، نان ونفقہ کا خرچ وغیرہ دینا لازم ہے یا نہیں، جب کہ شوہر کسی بھی طرح طلاق دینے پر رضا مند نہیں ہے، وہ اپنے ساتھ اپنی بیوی کو ہر طرح سے رکھنے کو تیار ہے؟

المستفتی: دلشاد احمد، کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ہندہ کا بلاوجہ شوہر کی طرف سے ظلم وزیادتی کے بغیر اس کے پاس رہنے سے انکار کرنا عظیم ترین گناہ ہے، ایسی صورت میں ہندہ نافرمان اور ناشزہ کہلائے گی، اور شوہر کو طلاق پر مجبور کرنا انتہائی بے غیرتی اور بے شرمی کی بات ہے، مزید دونوں کا ایک بچہ ہے تو طلاق لے کر اس بچہ کو یتیم بنانا ایک دوسرا ظلم ہے، شوہر کو بھی چاہیے کہ بیوی کو محبت سے رکھے تاہم اگر ہندہ طلاق پر مصر ہے تو شوہر کو یہ حق ہے کہ مہر کی معافی اور دیگر خرچ واخراجات کے مطالبہ نہ کرنے کی شرط پر طلاق دیدے اور باقاعدہ اسٹامپ پیپر پر پہلے سب چیز لکھوا کر اس کے بعد طلاق دے تاکہ بعد میں کوئی مطالبہ کا جھگڑا نہ اٹھے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۳/ ۳۵۱-۳۵۲)

المعتبر في إيجاب النفقة احتباس ينتفع به الزوج بالوطئ أو الدواعي.

(الدر المنتقی فی شرح الملتقی، کتاب الطلاق، باب النفقة، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۱۸۰)

وإن طلقها علی مال فقبلت وقع الطلاق، ولزمها المال وکان الطلاق بائنا. (هندیه، الباب الثامن فی الخلع، الفصل الثالث فی الطلاق علی المال، زکریا قدیم ۱/۴۹۵، جدید ۱/۵٥٤، هدایه، اشرفی دیوبند ۲/٤٠٥)

وقال لها بعت منک مهرک بتطلیقة فقالت: اشتریت یقع بائنا.

(تاتارخانیة زکریا ٥/١٠ رقم: ٧٠٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۱۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

مہر اور عدت کے خرچہ کی معافی کے عوض طلاق

سوال [۷۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی مجلس کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اپنے شوہر سے خلع چاہتی ہوں، زید کی بیوی نے اپنے شوہر سے طلاق لینے کے عوض دین مہر جو بھی خرچ ہے، معاف کر دیا ہے، گواہوں کے ساتھ تحریر دی، اپنے شوہر سے طلاق لینے کی بار بار گذارش کرتی تھی، بیوی اپنے رہنے کو یعنی اس کو اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتی، اس پر زید نے بھی حیران و پریشان ہوکر بیوی کے کہنے کے مطابق تین طلاق دیدی، زید بیوی کے ہاتھ کا کھانا پینا سب حرام سمجھتا ہے، اور بیوی بھی، علماء دین شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۲) خرچ دینے کا حقدار زید ہے یا بیوی، اور بیوی دین مہر کا حق دار ہے یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد بشیر رامپوری، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ صورت میں بیوی پر تین طلاق واقع ہو

گئیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۳۸۱)

کما فی الهداية: أن يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة أو ثلاثا فی طهر واحد فإذا فعل ذٰلک وقع الطلاق. (هدايه، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة، اشرفی دیوبند ۲/ ۳۵۵)

بیوی نے جب طلاق کے عوض میں دین مہر اور جو بھی خرچ ہے اس کی معافی کی تحریر لکھ کر دیدی ہے تو دین مہر کی حقدار نہیں ہے، لیکن دوران عدت اس کے لیے نفقہ ضروری ہے۔ (مستفا: احسن الفتاویٰ ۵/ ۳۷۸)

وإذا اختلعت بكل حق لها عليه فلها النفقة مادامت فی العدة لأنها لم يكن لها حق حال الخلع. (الشامی، كتاب الطلاق، باب الخلع كراچی ۳/ ۴۴۴، زكريا ۵/ ۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۲۳)	۱۴۱۷/۶/۲۶ھ

نافرمان بیوی کو طلاق نہ دے کر خلع کرنا

سوال [۱۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا نکاح اپنی تایازادی سے ڈھائی ماہ قبل ہوا تھا، شادی کے بعد میری بیوی نے ہر بار حق زوجیت ادا کرتے وقت ناگواری، بدتمیزی اور بدکلامی کی، جس کو میں کچھ دن برداشت کرتا رہا، پھر میں نے اس کے والدین سے شکایت کی، انہوں نے بھی سمجھایا اور پھر سوا ماہ قبل حق زوجیت کی ادائیگی کے وقت بدکلامی اور گالی گلوج کی اس پر اس کے ۴/۵ تھپڑ مار دیئے اور وہ ناراض ہو کر اپنے میکہ چلی گئی اور بلانے پر طلاق کا مطالبہ کر دیا، عورت کے خود طلاق مانگنے پر شرع کا کیا حکم ہے، میں طلاق نہیں دینا چاہتا، وہ سوا ماہ سے اپنے میکہ میں ہے اور آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، مجھے کیا کرنا ہوگا اور حدیث وشرع کا کیا حکم ہے؟ رہبری فرمائیں۔

المستفتی: محمد جمال شمسی، محلہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بیوی شوہر کی زوجیت میں رہ کر اس کے حقوق کی ادائیگی میں گریز کرے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں، اور بیوی پر یہ حکم ہے کہ شوہر جس وقت اور جب بھی ہم بستری کے لیے بلائے تو فوراً آجانا لازم ہے، اور اگر شدید مصروفیت میں مشغول ہو تب بھی سب کچھ چھوڑ کر شوہر کے پاس آجانا واجب ہے ورنہ بیوی سخت ترین گناہ گار ہوتی ہے۔

إذا الرجل دعا زوجته لحاجته فلتأته و إن كانت على التنور. (ترمذی شریف، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة، النسخة الهندية ۱/۲۱۹ دار السلام رقم: ۱۱۶۰)

نیز مذکورہ صورت میں عورت نافرمان ہے، لہٰذا اگر وہ علیحدگی چاہتی ہے تو شوہر پر طلاق دینا لازم نہیں ہے بلکہ مہر وغیرہ کے بدلہ خلع پر شوہر کو تیار کرنے کی کوشش کرسکتی ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ. [البقرة: ۲۲۹]﴾

وإذا تشاقا الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به. (هداية، اشرفی دیوبند ۲/۴۰۴، تاتارخانية، زکریا ۵/۵، رقم: ۷۰۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۵۸)

بیوی کے طلاق کے مطالبہ پر شوہر کا مہر معاف کرانا

سوال [۷۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر لڑکی خود ہی طلاق کا مطالبہ کرے تو کیا شوہر مہر نہ دینے کی شرط پر طلاق دے

سکتا ہے، خلع کی کیا شکل ہے؟

المستفتی: راشد حسین، محلّہ آزادنگر میاں کالونی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عورت خود ہی طلاق کا مطالبہ کررہی ہے تو شوہر کو اس طرح کی شرط لگانے کا حق ہے کہ عورت مہر معاف کردے اور خلع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان نبھاؤ کی کوئی شکل نہ ہوسکے اور شوہر طلاق بھی نہ دے تو مال فدیہ دے کر عورت جان چھڑانے کے لیے پیش کش کرے اور شوہر اس کو قبول کرے تو ایسی صورت میں ایک طلاق بائن شوہر کی طرف سے واقع ہوجاتی ہے، البتہ خلع کی شکل میں صراحت کے ساتھ طلاق کے الفاظ استعمال کرنا لازم نہیں ہے، صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ میں نے تیرے ساتھ اتنے مال پر خلع کرلیا یا میں نے تجھے بری کردیا، یا میں نے تجھے جدا کردیا، یا میں نے تجھے بائنہ کردیا ہے وغیرہ الفاظ سے خلع والی طلاق واقع ہوجائے گی، اور طلاق علی المال کی صورت میں ایک طلاق صریح بائن واقع ہوتی ہے اور اس میں صراحت کے ساتھ لفظ طلاق استعمال کرنا لازم ہے، اور طلاق صریح کے باوجود بائن اس لیے پڑتی ہے کہ عورت کی طرف سے جو مال دیا جارہا ہے وہ شوہر کے اختیار سے باہر ہونے کے لیے دیا جاتا ہے، اور یہ بات بائنہ کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔

أما إذا وقع الخلع على مهرها فإن لم يكن مقبوضا لها سقط عنها. (سكب الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الطلاق، باب الخلع، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٠٥)

وإذا تشاقا الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به. (هدايه، اشرفى ديوبند ٢/٤٠٤، تاتارخانية، زكريا ٥/٥، رقم: ٧٠٧١)

وأما بيان كيفية هذا النوع فنقول: له كيفيتان: إحداهما أنه طلاق بائن؛ لأنه من كنايات الطلاق و أنها بوائن عندنا، ولأنه طلاق بعوض، وقد ملك الزوج العوض بقبولها فلا بد وأن تملك هي نفسها تحقيقا

للمعاوضة، ولا تملك نفسها إلا بالبائن فيكون طلاقا بائنا، ولأنها إنما بذلت العوض لتخليص نفسها، عن حبالة الزوج ولا تتخلص إلا بالبائن لأن الزوج يراجعها في الطلاق الرجعي، فلا تتخلص و يذهب مالها بغير شيئ وهذا لايجوز فكان الواقع بائنا. (بدائع الصنائع، زکریا دیوبند ۳/۲۲۸، کراچی ۳/۱۴۵)

وكذا الطلاق على مال أى أنه أيضا من الصريح و إن كان الواقع به بائنا. (شامی کراچی ۳/۳۰۷، زکریا ۴/۵۴۱) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۵۱)

بیوی کے مطالبۂ طلاق پر معافی مہر کی شرط لگانے کا حکم

سوال [۷۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا نکاح تقریباً چار ماہ پہلے ۱۷ فروری ۲۰۱۳ء کو شرع وسنت کے ساتھ مسجد میں ہوا تھا اور مہر پچیس ہزار روپئے تھا، میری زوجہ میرے ساتھ دو مہینہ دس دن رہی، اس بیچ ہم لوگ تقریباً دس دن کے لیے بمبئی بھی گئے، اور پندرہ بیس دن وہ میکے میں بھی رہی، کل ملا کر اب وہ بمبئی سے آکر تیسرے دن ۳۰؍اپریل کو اپنے میکے چلی گئی جواب تک نہیں آئی اس بیچ میرے رشتہ داروں نے بلانے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ لڑکی کو لڑکا پسند نہیں اور ہم لوگ علیٰحدگی چاہتے ہیں لیکن میں اس کے لیے تیار نہیں تھا، اب اس کو گئے ہوئے ڈیڑھ مہینے سے زیادہ ہو گیا ہے اور لڑکی کی جانب سے غلط اور بے بنیاد الزام لگا کر پولیس میں درخواست لگا دی جہاں مجھے طلب کر لیا گیا، اس کے بعد اپنی بیوی کی مرضی اور اس کی خواہش کا احترام کر کے بہت دکھ کے ساتھ اگر میں اس کو علیٰحدہ کروں تو کیا مجھے اس کا مہر دینا ہوگا؟ یا جو تحفے نکاح کے کئی دن کے بعد میں نے دئے، یا میرے گھر والوں نے اس کو دیئے وہ مجھے واپس لینے چاہیے؟ کیونکہ اس کا سونے چاندی کا سامان اور میری طرف کا سامان سب اسی کے پاس

ہے، باقی جہیز کے طور پر جو سامان ملا تھا کچھ کپڑوں کے علاوہ میرے پاس ہے؟

المستفتی: شاویز الرحمٰن ولد فضل الرحمٰن شیدی سرائے مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی علیٰحدگی اختیار کرنے پر مصر ہے تو آپ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ آپ علیٰحدگی میں شرط لگادیں کہ جو مہر باندھا گیا ہے اسے معاف کردے اور جو آپ کے دیئے ہوئے زیورات وغیرہ سامان ہیں وہ سب آپ کو واپس کردے، طلاق دینے کے واسطے آپ کے لیے یہ شرط رکھنا شرعاً جائز ہے، مگر ان کے یہاں سے آیا ہوا جہیز کا جو سامان ہے وہ جس حالت میں بھی ہو واپس کردینا آپ پر لازم ہوگا، اور چونکہ وہ اپنے مطالبہ سے طلاق مانگنے پر مصر ہے اور شوہر کی طرف سے کوئی ظلم نہیں ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں شرعی طور پر عورت ناشزہ شمار ہوتی ہے، اس لیے عدت کا خرچہ دینا بھی آپ پر شرعی طور پر لازم نہیں ہوگا۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال ...... وكان الطلاق بائنا. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی دیوبند ۲/ ۴۰۵، هنديه، زكريا قديم ۱/ ۴۹۵، جديد ۱/ ۵۵۴)

وإن نشزت فلا نفقة لها. (هدايه، اشرفی دیوبند ۲/ ۴۳۸ باب النفقة)

ولا نفقة للناشزة مادامت على تلك الحالة. (تاتارخانية زكريا ۵/ ۳۶۵ رقم: ۸۲۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۲۲۳)

پہلی بیوی کے والد کے طلاق کے مطالبہ پر مہر معاف کرنے کی شرط لگانا

سوال [۷۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا نکاح لگ بھگ چار سال پہلے ہوا تھا، میری منکوحہ آج سے لگ بھگ دو ماہ

پہلے اپنے میکہ سے کسی غیر مرد کے ساتھ فرار ہوگئی تھی جوآج تک واپس نہیں آئی اور نہ ہی اس کی کوئی خبر آئی، ہمارے دولڑکے ہیں جس میں سے ایک چھوٹا ہے، جس کی عمر چھ ماہ ہے، جسے وہ اپنے ساتھ لے گئی اور دوسرا جس کی عمر تقریباً ڈھائی سال ہے میرے پاس ہے، میں نے پندرہ روز پہلے نکاح کرلیا ہے اب میری پہلی بیوی کی والدہ مجھ سے جہیز طلب کررہی ہیں، میں جہیز دینے کو تیار ہوں، اور طلاق بھی دینا چاہتا ہوں، لیکن میرے تین مطالبات ہیں، میں مہر معاف کرانا چاہتا ہوں، عدت کا خرچہ معاف کرانا چاہتا ہوں، وہ میرا تقریباً ۱۵/ ہزار روپیہ کا زیور لے گئی ہے اس کی قیمت چاہتا ہوں، اب اس کی غیر موجودگی میں کیا سارے کام انجام دیئے جاسکتے ہیں؟

المستفتی: محمد شارق لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دینے کے لیے جوشرائط اور مطالبات آپ نے رکھے ہیں، شرعی طور پر جائز اور درست ہیں۔

ولو قال أنت طالق على ألف فقبلت طلقت وعليها الألف وهو كقوله أنت طالق بألف. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفى ديوبند ٢/ ٤٠٧)

قال محمد في الأصل: إذا قال الرجل لامرأته: أنت طالق بألف درهم فقبلت طلقت وعليها ألف درهم وكذلك إذا قال أنت طالق على ألف درهم. (تاتارخانية زكريا ٤/ ٦٠٠ رقم: ٧٠٣٧)

مگر آپ یاد رکھیں کہ طلاق کے مطالبہ کا حق آپ کی بیوی کے والدین کو نہیں ہے، بلکہ خود بیوی کے مطالبہ پر ہی طلاق دی جائے اور نہ ہی بیوی کی اجازت کے بغیر اس کے جہیز کا سامان دینا چاہیے، ورنہ بعد میں پریشانیاں آپ پر آسکتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

منجانب سسرال مطالبۂ طلاق پر مہر نہ دینے اور مقدمہ میں خرچ شدہ رقم لینے کی شرط لگانا

سوال [۷۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی دوسال قبل ہوئی اور لڑکی والوں نے میرے اوپر مقدمہ کردیا، جس کی وجہ سے میں بہت زیادہ پریشان ہوگیا اور اس مقدمہ میں میرے تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوئے، اس درمیان میں اس لڑکی سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جو ایک ماہ کے اندر انتقال کرگیا، اور اس درمیان میں لڑکی کی والدہ یہ کہہ کر لڑکی کو لے گئی کہ اس کے والد کی طبیعت خراب ہے، کچھ دن رہ کر کے پھر آجائے گی ایک سال سے زیادہ ہوگیا ہے اس کو میکہ گئے ہوئے، اس درمیان کئی مرتبہ بلانے کے لیے گیا لیکن اس کی والدہ نے بہانہ بازی کرکے آنے نہیں دیا تو پھر میں نے مرادآباد میں بلانے کا دعویٰ کورٹ میں کردیا، اور اب وہ لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فیصلہ کرلو، لڑکی رہنا نہیں چاہتی، ان حالات میں مہر کا روپیہ میں دینے کا ذمہ دار ہوں یا نہیں، کیونکہ طلاق تو وہ خود مانگ رہی ہے، حالانکہ میں اس کو رکھنا چاہتا ہوں، اور مقدمہ میں جو ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہوئے اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اور لڑکی کی والدہ یہ بھی کہتی ہے کہ اگر تم نے طلاق نہیں دی تو میں اس کی شادی کسی اور سے کردوں گی تو اس صورت میں اس لڑکی کا نکاح کسی اور سے جائز ہے یا نہیں، اور وہ لڑکی بغیر میری مرضی کے خلع کرواسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد سجاد، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی کی ماں یا اس کے خاندان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ بلا کسی ظلم وزیادتی اور شرعی وجہ کے شوہر سے لڑکی کے واسطہ طلاق کا مطالبہ کرے اس طرح ضد پر آکر طلاق لینے پر لڑکی والے سخت گنہگار رہوں گے، اور شوہر کو مہر کی معافی کی شرط لگانے کا حق ہے، اور شوہر سے طلاق لیے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہوگا، اور اس دوسرے مرد کے ساتھ رہنا بدکاری اور زنا کاری ہوگی۔

أيما امرأة سالت زوجها الطلاق من غير بأس حرم الله عليها أن تريح رائحة الجنة. (المستدرك، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ۳/۱۰٦۰ رقم: ۲۸۰۹، مسند الدارمی، دار المغنی بيروت ۳/۱٤٥۷، رقم: ۲۳۱٦)

وإن كان النشوز من قبلها طاب له قدر المهر باتفاق الروايات. (تاتارخانية زكريا ٥/٨، رقم: ۷۰۷٥)

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته –إلى– لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامی، كتاب النكاح، مطلب: فی النكاح الفاسد، كراچی ۳/۱۳۲ زكريا ٤/۲۷٤)

اگر طلاق پر دباؤ ڈالتے ہیں تو شوہر کو حق ہوگا کہ مقدمہ میں جو خرچ ہوا ہے اس کے خرچہ کا مطالبہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۹۱)	۱۴۲۴/۱/۲۷ھ

طلاق دینے کے لیے رقم کی شرط لگانا

سوال [۷۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند سال قبل حامد حسن نے شبنم جہاں سے عقد کیا جس سے ایک لڑکی ہوئی، لیکن ماں کے گھر جانے کے بعد شبنم جہاں کے والدین اس کو حامد حسن کے گھر بھیجنے سے انکار کررہے ہیں اور وہ خود بھی آنے کے لیے تیار نہیں جبکہ حامد حسن اس کو لانا چاہتا ہے، اور شبنم جہاں کے رشتہ دار طلاق کا مطالبہ کررہے ہیں، اگر ان کے مطالبہ پر حامد حسن طلاق پر رضامند ہو جائے اور کچھ زائد رقم کی شرط لگائے تو یہ کیسا ہے؟ نیز مہر اور جہیز کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: احمد حسن، سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حامد حسن کی طرف سے کوئی شرعی ظلم نہیں ہے،

پھر بھی شبنم جہاں حامد حسن کے پاس آنے کے لیے تیار نہیں ہے، تو حامد حسن کے لیے بطور خلع یا بطور طلاق علی المال مناسب زائد رقم وصول کرنا جائز ہوگا۔

﴿قال الله تعالیٰ: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. [البقرة: ۲۲۹]﴾

وإذا تشاقا الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدی نفسها منه بمال يخلعها به. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفی دیوبند ۲/ ۴۰۴، تاتارخانية زكريا ۵/ ۵ رقم: ۷۰۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱/۱۴۱۴ھ

طلاق علی المال کی ایک صورت

سوال [۷۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ شاہ جہاں بیگم عرف بدھوا اپنے شوہر مختار احمد سے طلاق چاہتی تھی لیکن شوہر نے شرط لگائی کہ اگر مسماۃ مذکورہ اس کو مہر معجّل میں ملا ہوا مکان اس کے حق میں بذریعہ بیع نامہ واپس کردے، تو وہ طلاق دے دیگا، طلاق خلوت سے قبل عمل میں آئی ہے، لہٰذا مسماۃ مذکورہ نے شرط منظور کرتے ہوئے مکان جو اس کو مہر معجّل کی شکل میں بذریعہ بیع نامہ اس کے سسر نے دیا تھا شوہر کو بذریعہ بیع نامہ بغیر کسی رقم کے لیے ہوئے واپس کردیا ہے، مہر ایک ہزار روپئے مقرر ہوا تھا، نصف مہر معجّل اور نصف مؤجل، مہر مؤجل اس کو ملا ہی نہیں اور طلاق ہو گئی، ایسی حالت میں مذکورہ بیع نامہ واپسی کے ذریعہ مختار احمد کل ملکیت کے مالک مانے جائیں یا کسی جزء کے؟ شرعی حکم سے مطلع فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: دارالافتاء سے ۵؍شعبان ۱۴۱۴ھ کو ایک فتویٰ لیا جاچکا ہے لیکن اس میں بیع

نامہ واپسی سے متعلق کوئی سوال وجواب نہیں تھا۔

المستفتی: عتیق الرحمٰن قریشی اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ خلع یا طلاق علی المال کی صورت ہے ایسی صورت میں شوہر اس مکان کا مالک بن جائے گا جو بیوی نے طلاق کے عوض شوہر کو دیا ہے، لہٰذا شوہر مختار احمد واپس شدہ مکان کا مالک ہوگا۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٠٥، هنديه زكريا قديم ١/ ٤٩٥، جديد ١/ ٥٥٤)

إذا قال الرجل لإمرأته: أنت طالق بألف درهم فقبلت طلقت و عليها ألف درهم. (تاتارخانية ،زكريا ٤/ ٦٠٠ رقم: ٧٠٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۶؍محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۱۹)

بیوی طلاق لینے پر مصر ہو تو کیا کریں؟

سوال [۷۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی ۱۱؍جون ۲۰۰۰ء کو ہمراہ سازیہ پروین ہوئی تھی، جس کا مہر مبلغ بیس ہزار روپیہ طے ہوا تھا، شادی کے کچھ ماہ بعد ہی لڑکی نے تکرار شروع کردیا اور خود وہ طلاق مانگنے لگی گھر پر رک گئی، میں طلاق دینا نہیں چاہتا، لیکن وہ ہر ایک سے طلاق کے لیے کہتی ہے اور طرح طرح کی دھونس دباؤ دیتی ہے کہ میں سب گھر والوں کو جیل بھیجوا دوں گی اور فوجداری پر آمادہ ہے اب لڑکی پیدا ہوئی ہے۔

مندرجہ بالا حالات میں لڑکی زبردستی طلاق مانگ رہی ہے ایسی صورت میں مہر کی رقم ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ سامان وغیرہ سب واپس ہو رہا ہے۔

لڑکی (بچہ) کی پرورش کرنے کا کس کا حق ہے۔

المستفتی: محمد محفوظ قریشی، محلّہ فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب شوہر طلاق دینا نہیں چاہ رہا ہے، اور بیوی طلاق لینے پر مصر ہے تو ایسی صورت میں شوہر کو یہ حق ہے کہ وہ طلاق دینے پر یہ شرط لگائے کہ پہلے مہر معاف کرو پھر مہر معاف کرنے کی شرط پر طلاق دیدے یا خلع کی شرط لگائے۔

إن طلقها علی مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال وکان الطلاق بائنا . (عالمگیری، الباب الثامن فی الخلع، الفصل الثالث فی الطلاق علی المال، زکریا قدیم ۱/۴۹۵، جدید ۱/۵۵۴، ھدایہ اشرفی دیوبند ۲/۴۰۵)

فإن خالعها علی مال أو علی ما فی ذمته من المهر و شرط علی نفسه لها مالا یجعل ذٰلک استثناء من بدل الخلع. (شامی، قبیل باب الظهار کراچی ۳/۴۶۵، زکریا ۵/۱۲۳)

(۲) اگر طلاق ہوجاتی ہے تو لڑکی کی پرورش کرنے کا حق ماں کو حاصل ہے اس کا خرچہ باپ کو دینا ہوگا لیکن یہ بات اس وقت تک ہے جب تک ماں دوسری جگہ نکاح نہ کرے، اگر دوسری جگہ نکاح کرلے تو باپ کو یہ حق حاصل ہوگا، کہ بچی کو اپنے پاس واپس لے لے۔

والأم والجدة أحق بالجارية حتی تحیض. (عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب السادس عشر فی الحضانة زکریا قدیم ۱/۵۴۲، جدید ۱/۵۹۳)

ولو تزوجت الأم بزوج آخر و تمسک الصغیرة معها، أم الأم فی بیت الراب، فللأب أن یأخذها منها صغیرة عند جدة تخون حقها. ،(عالمگیری، زکریا قدیم ۱/۵۴۱، جدید ۱/۵۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۹۷)

بلا دلیل نامردی کا الزام دینے والی بیوی کو طلاق دینے کے لیے معافی مہر کی شرط لگانا

سوال [۷۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی مؤرخہ..........کو ہوئی، ڈیڑھ ماہ تقریباً بہت اچھی طرح سے گذرا، میری بیوی مجھ کو یہ الزام دیتی ہے کہ میرا شوہر نامرد ہے، اور میرے لائق نہیں ہے، جبکہ ایسا نہیں ہے، الحمد للہ! اللہ کا شکر ہے کہ میں جنسی اعتبار سے فعال ہوں، اور بالکل صحیح اور تندرست ہوں، اور عورت کے قابل ہوں، ٹیسٹ وغیرہ بھی کرائے الحمد للہ صحیح ہیں، ہم نے ہر چند کوشش کر لی لڑکی آجائے اور گھر بنا رہے لیکن لڑکی والے راضی نہیں ہیں، طلاق مانگ رہے ہیں، اور میں طلاق دینے کو راضی نہیں ہوں، ایسی صورت میں اگر لڑکی والے طلاق لیں تو مہر ادا کرنا ہوگا یا نہیں جبکہ میری طرف سے کوئی کمی نہیں ہے، مہر کے متعلق واضح جواب سے نوازیں

المستفتی: مسعود احمد خان محلّہ عیدگاہ کھتاڑی رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر کے اندر کچھ کمی نہیں ہے اور ڈاکٹری چیک اپ بھی ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں عورت کا شوہر کو نامرد کہنا بے دلیل ہے یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ عورت کے مقابلے میں شوہر کمزور ہو، ایسی صورت میں جب لڑکی والے طلاق لینے پر مصر ہیں تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ مہر کی معافی کی شرط لگا دے، اور تحریری طور پر مہر کی معافی کی شرط لگا کر اولاً لڑکی سے دستخط کرا لیا جائے اس کے بعد اس شرط پر طلاق دی جائے تو ایسی صورت میں مہر ادا کرنا شوہر پر لازم نہیں ہے۔

إن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال و كان الطلاق بائنا. (هندیه، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع، الفصل الثالث فی الطلاق علی المال زکریا قدیم ۴۹۵/۱، جدید ۵۵۴/۱، هدایه، اشرفی دیوبند ۴۰۵/۲)

رجل خلع امرأته بما لها عليه من المهر –إلى– كان الخلع

بمهرها إن كان المهر على الزوج يسقط. (هنديه، زكريا قديم ١/٤٨٩، جديد ١/٥٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۶۴)

مہر معاف کرنے کی شرط پر طلاق

سوال [۷۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی گھریلو انتشار کے باعث اپنے میکہ میں رہ رہی ہے، وہ ہر طرح کی غیر مناسب اور ناجائز شرائط رکھ رہی ہے، جس کے سلسلے میں مصالحت کرانے والوں کے سامنے مزید ناجائز شرائط لگا کر طلاق کے لیے بضد ہے جبکہ میں اس کو اپنے گھر میں رکھنا چاہتا ہوں، اور طلاق نہیں دینا چاہتا ہوں، میری بیوی اور میرے خسر میرے ان جذبات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اب طلاق پر بضد ہیں، ایسی صورت میں کیا مجھے مہر ادا کرنا ہوگا، اگر مجھے طلاق دینی ہی پڑتی ہے، کیونکہ طلاق کی مانگ وضد لڑکی کی طرف سے ہو رہی ہے؟

المستفتی: نصرت علی محلّہ شاہی چبوترہ، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب آپ طلاق نہیں دینا چاہتے اور لڑکی کے اہل خانہ طلاق پر بضد ہیں تو آپ کو یہ شرط لگانے کی شرعاً اجازت ہے کہ مہر معاف کیے بغیر میں طلاق نہیں دوں گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۸/۲۴۹)

وإن طلقها على مال وقع الطلاق ولزمها المال. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع اشرفی ديوبند ٢/٤٠٥، هنديه زكريا قديم ١/٤٩٥، جديد ١/٥٥٤)

رجل خلع امرأته بما لها عليه من المهر –إلى– كان الخلع

بمهرها إن كان المهر على الزوج يسقط. (هنديه، زكريا قديم ۱/ ٤٨٩، جديد ١/ ٥٤٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۴ھ

مہر کی معافی کی شرط پر طلاق دینا

سوال [۷۱۵۱]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی ادریس حسن بن محمد احمد کے ساتھ ۷/۵/۹۴ء کو ہوئی نکاح کے بعد میں نے رخصت ہوکر اپنے شوہر کے ساتھ تقریباً چھ ماہ گذار لیے اور اس اثناء میں زن وشوہر کے تعلقات قائم رہے، لیکن اس چھ ماہ کے عرصہ میں میرے شوہر نے مجھ کو طرح طرح کی تکلیفیں بھی پہنچائیں اور سختیاں کیں، مزید سامان کی مانگ کرتے رہے، جو میری طاقت سے باہر ہے ان کی بیجا تکلیفوں ومطالبوں کی وجہ سے میں اپنے میکہ میں چلی آئی، اور چار سال کا عرصہ گذر گیا کچھ لوگ تصفیہ میں پڑے ہوئے ہیں لیکن ہم ان کے بیجا مطالبوں اور ناز یبا سختیوں کی بناء پر طلاق چاہتے ہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرے طلاق کا مطالبہ کرنے پر اگر شوہر مجھ کو طلاق دیدے تو کیا میرا مہر اور ذاتی سامان جہیز وغیرہ لینے کا مجھ کو شرعاً حق ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر از خود طلاق دینے کے لیے تیار نہیں ہے اور آپ طلاق لے کر الگ ہو جانا چاہتی ہیں تو آپ کے طلاق پر اصرار کرنے کی صورت میں وہ اگر یہ شرط لگا کر طلاق دیتا ہے کہ آپ مہر معاف کردیں تو شرط کا اعتبار ہوگا، آپ مہر معاف کرکے طلاق لے سکتی ہیں، اور شوہر پر مہر کا ادا کرنا لازم نہ ہوگا، ہاں البتہ آپ کا ذاتی سامان آپ کو ملے گا۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: **فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.** [البقرة: ۲۲۹]﴾

وإذا تشاقا الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدى نفسها منه بمال يخلعها به ...... فإذا فعل ذٰلک وقع بالخلع تطليقة بائنة ولزمها المال.

(هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی ديوبند ۲/ ٤٠٤، تاتارخانية زكريا ٥/٥، رقم: ٧٠٧١)

رجل خلع امرأته بمالها عليه من المهر -إلى- كان الخلع بمهرها، إن كان المهر على الزوج يسقط. (هنديه زكريا قديم ١/ ٤٨٩، جديد ١/ ٥٤٩)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تاخذه كله. (شامی، باب المهر، مطلب فی دعوى الأب أن الجهاز عارية، كراچی ٣/ ١٥٦، زكريا ٤/ ٣١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ؍ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۳۰ھ

مہر معاف کرنے پر طلاق

سوال [۷۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی کو تقریباً ڈیڑھ ماہ سے زائد عرصہ ہوا ہے اسی درمیان بیوی اور سسرال والوں سے کچھ ان بن ہوگئی، اب بیوی اور اس کے گھر والے مجھ سے طلاق لینا چاہتے ہیں، میں طلاق دینا نہیں چاہتا اور اب بھی اسے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں، بیوی کے گھر والوں کی طرف سے مطالبہ ہے کہ بیوی کے نام مکان کرو جب بھیجیں گے، لیکن میرے پاس اپنا مکان نہیں ہے، مکان والد کا ہے وہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں، تو کیا ایسی صورت حال میں لڑکی کے مطالبہ پر مہر نہ دینے کی شرط لگا کر طلاق دے سکتا ہوں، شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد ارشد، محلّہ پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب لڑکی خود طلاق کا مطالبہ کررہی ہے تو شوہر کو یہ شرعی حق حاصل ہے کہ مہر کی معافی کی شرط پر طلاق کو معلق کردے تو اگر

عورت معافی مہر پر طلاق کو قبول کرتی ہے تو اس طرح طلاق دینے کی صورت میں مہر معاف ہو جائے گا، اور اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۳/ ۳۶۰، میرٹھ ۱۹/ ۳۸۵)

رجل خلع امرأته بمالها عليه من المهر -إلى- كان الخلع بمهرها إن كان المهر على الزوج يسقط. (هنديه، الباب الثامن في الخلع، الفصل الاول في شرائط الخلع، زكريا قديم ١/ ٤٨٩، جديد ١/ ٥٤٩، البحر الرائق كوئٹه ٤/ ٧١، زكريا ٤/ ١١٩)

إذا أبرأت المرأة زوجها عما لها عليه على أن يطلقها ففعل جاز ذٰلک فجازت البراءة. (تاتارخانية، زكريا ٤/ ٦١٠، رقم: ٧٠٧٠)

الطلاق على المال لو قال خلعتک على كذا وسمى مالا معلوما لا يقع الطلاق مالم تقبل. (هنديه، زكريا قديم ١/ ٤٩٥، جديد ١/ ٥٥٤)

إن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال وكان الطلاق بائنا. (هنديه، زكريا قديم ١/ ٤٩٥، جديد ١/ ٥٥٤، هدايه، اشرفی ديوبند ٢/ ٤٠٥، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۲۸ھ

شوہر کا مہر کی معافی پر طلاق دینا

سوال [۷۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: امرین کی شادی زبیر کے ساتھ ہوئی تھی، کئی سالوں سے دونوں کے درمیان نااتفاقی چل رہی تھی، اب امرین زبیر کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور زبیر اس کو طلاق دینا نہیں چاہتا اور زبیر نے دوسری شادی بھی کر رکھی ہے اور امرین کی طرف سے طلاق کا اصرار ہے تو زبیر یہ کہتا ہے کہ مہر معاف کرنے کی شرط پر طلاق دے سکتا ہوں، امرین کہتی ہے کہ چاہے مہر نہ دو مجھے فارغخطی چاہیے تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شہناز بیگم اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر اس کو ساتھ رکھنے پر راضی ہے، لیکن لڑکی طلاق کا مطالبہ کررہی ہے اور اسی کے مطالبہ پر شوہر اسے طلاق دے رہا ہے، تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ مہر نہ دینے کی شرط پر طلاق دے دے، ایسی شرط کے ساتھ طلاق دینے میں مہر کی ادائیگی اس پر لازم نہ ہوگی۔

أنت طالق بألف أو علی ألف فقبلت لزم و بانت. (تبیین الحقائق، کتاب الطلاق، باب الخلع، امدادیه ملتان ۲/۲۷۱، زکریا دیوبند ۳/۱۸۹، تاتارخانیة زکریا ٤/۶۰۰، رقم: ۷۰۳۷)

إن طلقها علی مال فقبلت، وقع الطلاق ولزم المال. (هندیه، زکریا قدیم ۱/٤۹۵، جدید ۱/٥٥٤، هدایه اشرفی دیوبند ۲/٤۰٥)

إذا أبرأت المرأة زوجها عما لها علیه علی أن یطلقها ففعل جاز ذٰلک فجازت البراءة. (تاتارخانیة زکریا ٤/٦١٠ رقم: ۷۰۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۳۷۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۳۲ھ

کیا مہر کی معافی کی شرط لگا کر طلاق دے سکتے ہیں؟

سوال [۷۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے فرزند تنویر احمد کا نکاح ہمراہ معراج جہاں سے بالعوض مبلغ چالیس ہزار روپیہ عمل میں آیا، میرا فرزند الحمد للہ شرع اور پابند صوم وصلاۃ ہے، اور تبلیغ دین سے متعلق خدمات بھی بتوفیق الٰہی حتی المقدور انجام دیتا ہے، اور شرعی لباس میں ملبوس رہتا ہے، اس کی اہلیہ اس کے طرزِ حیات کو پسند نہیں کرتی ہے، بموقعہ شب زفاف اس نے میرے فرزند سے انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے اپنے چہرے کو ریش مسنون سے مبرا رکھنے نیز جدید فیشن والے ملبوسات استعمال کرنے پر اصرار کیا، اور اسی بنیاد پر میرے فرزند کے ساتھ رہنے

پرآمادہ نہیں ہے، تقریباً ۲۳؍ماہ یعنی بتاریخ ۲؍اکتوبر ۲۰۱۱ء سے اپنے والدین کے یہاں مقیم رہتے ہوئے طرح طرح کے مطالبات پر بضد ہے، اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے دو بے بنیاد مقدمات عدالت ہائے مجاز میں دائر کر رکھا ہے، جو ہنوز زیر سماعت ہیں، بصورت مسماۃ کے طلاق طلب کرنے پر دین مہر سامان جہیز وغیرہ کے بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں؟

المستفتی: محمد ادریس ولد جمال الدین محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی طلاق کا مطالبہ کر رہی ہے اور اس پر مصر ہے تو ایسی صورت میں شوہر کو اس طرح شرط لگانے کا حق ہے، کہ مہر معاف کرنے کی شرط پر طلاق دی جائیگی، لیکن اس کا جہیز کا سامان واپس کرنا شوہر پر لازم ہوگا۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال –إلى قوله– وكان الطلاق بائنا. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی دیوبند ۲/ ۴۰۵، نعیمیه دیوبند ۲/ ۴۱۴، هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۹۵، جديد ۱/ ۵۵۴)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة و أنه إذا طلقها تأخذه كله. (شامی، باب المهر، مطلب: فی دعوى الأب أن الجهاز عارية، كراچی ۳/ ۱۵۶، زكريا ۴/ ۳۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۵)

طلاق دینے کے لیے مہر کی معافی کی شرط لگانے کا حکم

سوال [۷۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فدوی کے بیٹے کی شادی مسماۃ صاحبہ بیگم دختر عبد الرشید ٹانڈہ سے تقریباً پندرہ سال

قبل ہوئی تھی، بیوی لگ بھگ دو سال قبل شوہر مذکور کے ساتھ رہی ہوگی، وہ بھی اس طرح کبھی سسرال اور کبھی میکے اور اب کافی عرصہ سے بیوی اپنے میکہ جا کر رک گئی، ان کو بلانے کی بار بار کوشش کی گئی، اس طرح کافی وقت گذر گیا، پنچایت نے بھی بیوی کو بلانے کی کوشش کی، لیکن بیوی نے شوہر کے گھر جانے سے صاف منع کر دیا اور کہا مجھے طلاق چاہیے جبکہ شوہر برابر بیوی کو چاہتا ہے، اور ہر کوئی کوشش کر کے تھک گیا، اب جبکہ بیوی طلاق چاہتی ہے اور اس بھری پنچایت کے سامنے بھی یہی الفاظ کہے کہ مجھے طلاق چاہیے، ایسی صورت میں مہر دینا کیسا ہے؟

المستفتی: قاری محمد صابر ٹانڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مسلسل بیوی کی طرف سے طلاق کا مطالبہ ہے تو شوہر کے لیے ایسا کرنے کی گنجائش ہے کہ مہر کے معاف کرنے کی شرط پر طلاق دے اور بیوی مہر کے معاف کرنے اور مہر کے بدلے میں طلاق لینے پر آمادہ ہو جائے اور شوہر مہر کے بدلے میں طلاق دیدے تو یہ جائز ہے۔

وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق ولزمها المال لأن الزوج يستبد بالطلاق تنجيزا و تعليقا وقد علقه بقبولها. (هدايه مع الفتح، كتاب الطلاق، باب الخلع، دار الفكر بيروت ٢١٨/٤، كوئٹه ٦٤/٤، زكريا ديو بند١٩٦/٤)

رجل خلع امرأته بمالها عليه من المهر -إلى- كان الخلع بمهرها، إن كان المهر على الزوج يسقط. (هنديه، زكريا قديم ٤٨٩/١، جديد ٥٤٩/١)

إذا أبرأت المرأة زوجها عما لها عليه على أن يطلقها ففعل جاز ذلك فجازت البراءة. (تاتارخانية زكريا ٦١٠/٤، رقم: ٧٠٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۵۰/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۶ باب العدة

عدت کے لغوی واصطلاحی معنی

سوال [۷۱۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عدت کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم ومطلب کیا ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد جاوید رشید فاروقی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت کے لغوی معنی عورت کے طلاق یا شوہر کی وفات پر سوگ کا زمانہ اور اصطلاح شرع میں جب کسی کا شوہر طلاق دیدے یا خلع وایلاء وغیرہ کسی اور طرح سے نکاح ٹوٹ جائے یا شوہر مرجائے تو ان سب صورتوں میں تھوڑی مدت تک عورت کو ایک گھر میں رہنا پڑتا ہے، جب تک یہ مدت ختم نہ ہو تب تک نہ گھر سے باہر نکل سکتی ہے نہ اپنا نکاح کرسکتی ہے، اس مدت کے گذارنے کو عدت کہتے ہیں اور یہ عدت طلاق والی عورت کے لیے تین حیض گذرنے تک ہے اور جن کو حیض نہیں آتا ان کے لیے تین مہینے اور جس کا شوہر مرجائے اس کے لیے چار مہینہ دس دن ہیں۔ (بہشتی زیور اختری ۴/۶۱)

العدة: بكسر العين و تشديد الدال المفتوحة ما تمكثه المرأة بعد طلاقها أو وفاة زوجها، لمعرفة براء ة رحمها. (معجم لغة الفقهاء، کراچی ۳۰۶)

هى انتظار مدة معلومة يلزم المرأة بعد زوال النكاح حقيقة أو شبهة المتأكد بالدخول أو الموت. (عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، زکریا قدیم ۱/۵۲۶، جدید ۱/۵۷۹)

وإذا طلق الرجل امرأته بائنا أو رجعيا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهی حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء لقوله تعالیٰ: والمطلقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء (البقرة: ۲۲۸) …… **وإن كانت ممن لا تحيض من صغر أو كبر فعدتها ثلاثة أشهر لقوله تعالیٰ: واللائی يئسن من المحيض من نسائكم إن ارتبتم فعدتهن ثلاثة أشهر** (الطلاق: ٤) …… **وإن كانت حاملا فعدتها أن تضع حملها لقوله تعالیٰ: وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن** (الطلاق: ٤) …… **وعدة الحرة فی الوفات أربعة أشهر وعشرا لقوله تعالیٰ: ويذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر و عشرا** (البقرة: ٢٣٤).

(هدایه، باب العدة، اشرفی دیو بند ۲/ ٤٢٢-٤٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۶۳-۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۷؍۱۴۲۷ھ

عدت میں کیا حکمت ہے اور اس میں پردے کا حکم

سوال [۷۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عدت کے بارے میں تین مہینہ دس دن اور چار مہینہ دس دن کیوں ہے؟ جواب بالتفصیل مع الدلیل باریکی اور راز کیا ہے؟ عدت میں کن کن لوگوں سے پردہ کرے، کیا داماد سے بھی پردہ ہے؟

المستفتی: محمد اسلم فیضی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت طلاق تین ماہ دس دن نہیں ہے بلکہ تین ماہواری ہے، البتہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور اس میں حکمت شرعی یہ ہے کہ اتنے دنوں میں بچہ میں روح پڑ جاتی ہے اور حمل کا ظہور ہو جاتا ہے اور مطلقہ کا تعلق

چونکہ صاحب حق سے قائم ہے اور نسب کی حفاظت مقصود ہے، اور یہ عورت کے بتلانے سے حاصل ہوگا، اس لیے تین حیض عدت گذارنے کا حکم دیا اور متوفی عنہا زوجہا میں چونکہ اب صاحب حق موجود نہیں ہے اس لیے ظاہری سبب کو عدت قرار دیا ہے

وإنما عين الشارع في عدتها أربعة أشهر و عشرا، لأن أربعة أشهر هي ثلاث أربعينات وهي مدة تنفخ فيها الروح في الجنين (إلى قوله) وإنما شرع عدة المطلقة قروءاً وعدة المتوفى عنها زوجها أربعة اشهر و عشرا، لأن هنالك صاحب الحق قائم بأمره ينظر إلى مصلحة النسب و يعرف بالمخائل والقرائن فجاز أن تؤمر بما تختص به وتؤمن عليه ولا يمكن للناس أن يعلموا منها إلا من جهة خبرها و هٰهنا ليس صاحب الحق موجوداً وغيره لا يعرف باطن أمرها ولايعرف مكائدها كما يعرف هو فوجب أن يجعل عدتها أمرا ظاهرا. (حجة الله البالغة ۲/ ۱٤۲)

عورت پر دورانِ عدت تمام غیر محرم سے پردہ واجب ہے۔

تستتر عن سائر الورثة ممن ليس بمحرم لها. (بدائع، کتاب الطلاق، فصل فی أحکام العدة، کراچی ۳/ ۲۰٦، زکریا ۳/ ۳۲٦، هندیه زکریا قدیم ۱/ ۵۳۵، جدید ۱/ ۵۸۷، شامی کراچی ۳/ ۵۳۷، زکریا دیوبند ۵/ ۲۲٦ تاتارخانیة زکریا ۵/ ٤٤٦، رقم: ۷۷٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۶۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۷/ ۱۴۱۸ھ

بحالت عدت کن کن لوگوں سے پردہ ضروری ہے؟

سوال [۷۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت عدت کے دوران کن کن حضرات سے پردہ کرے گی؟

المستفتی: محمد شعیب، مقبرہ اول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرعورت پرعدت بائنہ یامغلظہ طلاق کی وجہ سے ہوتو تمام غیرمحارم اورشوہر سے پردہ لازم ہے، نیزعدت وفات میں بھی تمام غیرمحارم سے پردہ واجب ہے،جیسا کہ عدت سے پہلے واجب تھا،تاکہ خلوت بالاجنبیہ لازم نہ آئے۔

ولا بد من سترة بينهما في البائن وفي الموت تستتر عن سائر الورثة ممن ليس بمحرم لها. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، کراچی ۵۳۷/۳، زکریا ۲۲۶/۵، تاتارخانية زكريا ۲۴۶/۵، رقم: ۷۷۶۹، بدائع الصنائع كراچی ۲۰۶/۳، زكريا ۳۲۶/۳، هنديه زكريا قديم ۵۳۵/۱، جديد ۵۸۷/۱)

اوراگرعدت طلاق رجعی کی وجہ سے ہوتو بھی تمام غیرمحارم سے پردہ لازم ہے البتہ شوہر سے پردہ لازم نہیں ہے، بلکہ وہ شوہر کے لیے بناؤسنگار کرے تاکہ شوہر رجعت کرے۔

عن الحسن قال: إذا طلق الرجل امرأته تطليقة أو تطليقتين، فإنها تزين و تشوف له، من غير أن تضع خمارها عنده . (مصنف ابن أبي شيبة، الطلاق ما قالوا فيه اذا طلقها طلاقا الخ مؤسسة علوم القرآن بيروت ۱۳۸/۱۰ رقم: ۱۹۲۹۲، مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب ما يحل له منها قبل أن يراجعها، المجلس العلمي بيروت ۳۲۶/۶ رقم: ۱۱۰۳۴)

وظاهره أن لا سترة في الرجعي. (شامی، باب العدة كراچی ۵۳۷/۳، زكريا ۲۲۶/۵)

والمعتدة من الطلاق الرجعي تتزين و تتشوف لزوجها إذا كانت المراجعة مرجوءة. (تاتارخانية زكريا ۱۴۱/۵، رقم: ۷۴۸۸)

قوله (تتزين) أي في وجهها و جميع بدنها كما في الملتقى و شرحه و مراده أنه يستحب لها ذلك. (حاشية الطحطاوي على الدر، باب الرجعة كوئٹه ۲/ ۱۷۳)

قوله (والمطلقة الرجعية تتزين) لأنها حلال للزوج لقيام نكاحها والرجعة مستحبة والتزيين حامل عليها فيكون مشروعا. (شامی، باب الرجعة كراچی ۴۰۸/۳، زكريا ۳۸/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۱۶/۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۲ھ

مطلقہ کی عدت اور پردہ کا حکم

سوال [۷۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت کو اگر طلاق ہوجائے تو عدت کیا ہے؟ اور کن کن لوگوں سے پردہ اور کیا پرہیز ہے؟

المستفتی: مہتاب علی بھٹی محلہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مطلقہ عورت اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت تین ماہواری گذرنے تک رہے گی، عدت کی حالت میں بناؤ سنگار کو ترک کردینا لازم ہے، جیسے سرمہ لگانا، تیل لگانا، خوشبو لگانا وغیرہ، نیز نہ اپنے گھر سے رات میں نکل سکتی ہے اور نہ ہی دن میں اسی طرح ان لوگوں سے بھی پردہ ضروری ہے جو اس کے لیے نامحرم ہوں۔

إذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو ثلاثا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء و عدة العامل أن تضع حملها.
(عالمگیری، الباب الثالث عشر فی العدة، زکریا ۱/۵۲۶-۵۲۸، جدید زکریا ۱/۵۸۰-۵۸۱)

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء لقوله تعالىٰ: والمطلقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء (البقرة:۲۲۸) ...... **وإن كانت حاملا فعدتها أن تضع حملها لقوله تعالىٰ: وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن** (الطلاق: ٤) . (هدايه، اشرفی ديوبند ۲/۴۲۲-۴۲۳)

ترك الزينة و نحوها لمعتدة بائن أو موت (ونحوها) كالطيب والدهن والكحل. (شامی، فصل فی الحداد، کراچی ۳/۵۳۰)

وتستتر عن سائر الورثة ممن ليس بمحرم لها. (عالمگیری، کتاب

الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، زکریا قدیم ۱/۵۳۵، جدید ۱/۵۸۷، بدائع الصنائع کراچی ۳/۲۰۶، زکریا ۳/۳۲۶، شامی کراچی ۳/۵۳۷، زکریا ۵/۲۲۶، تاتارخانیة زکریا ۵/۲۴۶، رقم: ۷۷۶۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۲۹)

حالت عدت میں غیر محرم سے ضروری گفتگو

سوال [۷۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معتدہ عورت حالت عدت میں کسی غیر محرم رشتہ دار سے فون پر بات کرسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ بات کرنے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو معتدہ عورت کے لیے غیر محرم سے بقدر ضرورت فون پر بات کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۴۰۶، میرٹھ ۲۰/۶۲)

ولا یظن من لا فطنة عنده أنا إذا قلنا: صوت المرأة عورة، أنا نرید بذٰلک کلامها؛ لأن ذٰلک لیس بصحیح، فإنا نجیز الکلام مع النساء للأجانب و محاورتهن عند الحاجة إلی ذٰلک ولا نجیز لهن رفع أصواتهن.

(شامی، کتاب الصلاة باب شروط الصلاة، زکریا ۲/۱۷۹، کراچی ۱/۴۰۶، کذا فی منحة الخالق علی هامش البحر الرائق، زکریا ۱/۴۷۰، کراچی ۱/۲۷۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۷)

اگرشوہراپنے گھر میں عدت گذارنے نہ دے تو؟

سوال [۷۱۶۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص سترہ مہینے کے بعد باہر سے آیا ہے اس نے اپنے بہن بھائیوں کے سامنے چار طلاقیں دیں، لڑکی اپنے میکہ چلی گئی اس کے بعد بااثر لوگ لڑکی کے گھر گئے اور بلا کر لے آئے، لڑکی نے یہ شرط رکھی کہ میں اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے جاؤں گی، اور میرا شوہر میرے پاس کسی بھی کام یا کسی بھی ارادے سے نہیں آئے گا، بااثر لوگوں نے کہا ٹھیک ہے میں اس شرط پر چلتی ہوں اب اس کا شوہر صحبت کے لیے روزانہ پریشان کرتا ہے، مطلقہ کہتی ہے کہ میں اب یہ حرام کاری نہیں کروں گی، میرا تیرا کوئی واسطہ نہیں ہے یہ بات پندرہ اگست کی ہے اتنے دنوں میں تقریباً دس بار صحبت کے لیے آچکا ہے، جب مطلقہ نے قبضہ نہ دیا تو شوہر نے مطلقہ کو گھر سے نکال دیا، اور کہا تو میرے کس کام کی اب وہ میکہ گئی تو میکہ والوں نے میکہ سے نکال دیا، اب ایسے میں وہ عدت کہاں کرے، قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب دیں؟

المستفتی: ناظرہ خاتون اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے گھر میں عدت گذارنی واجب ہے اور شوہر پر لازم ہے کہ یا تو اپنا گھر چھوڑے اور عورت کو عدت گذارنے دے اور اگر شوہر اس کے لیے تیار نہیں ہے اور خود معصیت کے کرنے کے درپے ہے اور میکے والے بھی رکھنے پر تیار نہیں تو شوہر پر واجب ہے کہ وہ کوئی کرایہ کا گھر لے کر دے، جس میں وہ عدت گذارے اور شوہر پر عدت کا خرچہ دینا واجب ہے، اور عدت کے درمیان شوہر کا بیوی کے پاس جانا زنا اور حرام کاری ہے۔

وتعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه –إلی– أو لا تجد کراء البیت ونحو ذٰلک ...... أو کان الزوج فاسقا فخروجه أولیٰ لأن مکثها واجب. (در مختار، کتاب الطلاق، باب العدة، کراچی ۳/۵۳۶- ۵۳۷، زکریا ۵/۲۲۵-۲۲۷)

وإن كان فاسقا تخاف عليها منه فإنها تخرج و تسكن منزلا آخر احترازاً عن المعصية. (تاتارخانية زكريا ٥/٢٤٥ رقم: ٧٧٦٧، هنديه زكريا قديم ١/٥٣٥، جديد ١/٥٨٧، شامی کراچی ٣/٥٣٧، زكريا ٥/٢٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۲۲ ۶۷ے)

سسرال میں پردہ کا انتظام نہ ہو اور جگہ تنگ ہو تو عورت عدت کہاں گذارے؟

سوال [۷۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے، اب عورت عدت سسرال میں گذارے یا میکے میں، سسرال میں عورت کے جیٹھ، دیور، سسر، نندوئی وغیرہ رہتے ہیں، اور پردہ کا کوئی انتظام نہیں ہے جبکہ لڑکی کے میکے میں کافی جگہ اور سہولت ہے، چچا تایا کے یہاں بھی کافی جگہ ہے۔

المستفتی: قمر ریاض بارہ دری سرائے حسینی بیگم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اسی گھر میں عدت گذارنا ضروری ہے جس میں طلاق دی ہے، البتہ اگر شوہر کے گھر میں بہت زیادہ تنگی ہے اور پردہ وغیرہ کا واقعی انتظام نہیں ہوسکتا ہے، تو اگر شوہر میکے میں عدت گذارنے کے لیے بخوشی اجازت دیدے تو میکے میں بھی عدت گذار سکتی ہے، اگر شوہر اجازت نہ دے اور عدت میکے جاکر گذارے تو عورت عدت کا نان ونفقہ شوہر سے لینے کی حقدار نہیں رہے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/۱۲۴-۱۵۴)

تعتدان أى معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فيه ولا يخرجان منه (إلى قوله) وفی الطلاق إلى حيث شاء الزوج. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، كوئٹه ٢/٦٧٤، كراچی ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٥، البحر الرائق كوئٹه ٤/١٥٤، زكريا ٤/٢٥٩)

وفی المجتبی: نفقة العدة كنفقة النكاح و فی الذخیرة: و تسقط بالنشوز و تعود بالعود. (شامی، باب النفقة کوئٹه ۲/۷۲۷، کراچی ۳/۶۰۹، زکریا ۵/۳۳۳، هدایه اشرفی دیو بند ۲/۴۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۶ ۷۴)

کیا عدت شوہر کے مکان میں گذارنا لازم ہے؟

سوال [۷۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم اپنی لڑکی کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، ہماری لڑکی شاہین کی شادی تقریباً تین سال پہلے چاند پور میں ہوئی تھی، جب سے شادی ہوئی وہ اپنے شوہر ساس اور سسر سبھی گھر والوں کی زیادتی برداشت کرتی رہی لیکن آخر میں ان کی زیادتی کی حد سے پریشان ہوکر چار مہینے سے اپنے والد صاحب کے یہاں ہے،اب چاند پور سے چند مہذب لوگ آئے اور انہوں نے لڑکے اور لڑکی کو الگ میں بات کرانے کے بعد ان کی مرضی جانی جس میں لڑکی نے لڑکے کے ساتھ رہنے سے منع کردیا، اور اب وہ طلاق چاہتی ہے، لڑکی کے ایک سال کا لڑکا ہے، جو اپنی ماں کے بغیر کہیں نہیں رکتا، آپ شریعت کی روشنی میں بتائیے کیا لڑکا اپنی ماں کے پاس رہ سکتا ہے، اور لڑکی کی عدت کی کیا شکل رہے گی اس کے بارے میں بھی تفصیل بتا دیجئے اور عدت کا جو خرچ ہے وہ لڑکے کے ذمہ رہے گا یا ان کے والد کے ذمہ؟

المستفتی: محمد اختر نوری پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زن وشوہر کے درمیان نبھاؤ کی اگر کوئی صورت نہیں ہے تو شوہر کے طلاق دینے کے بعد عورت عدت گذارے اگر کوئی شرعی مجبوری نہ ہو تو جس مکان میں شوہر کے ساتھ رہن سہن تھا، اسی مکان میں عدت گذارنا

واجب ہے، ورنہ عذر شرعی کے سبب دوسری جگہ عدت گذار لی جائے، عدت کے دنوں کا خرچہ شوہر کو ادا کرنا ہوگا، بچہ کی پرورش کا حق والدہ کو ہے،خواہ وہ نکاح میں ہو یا نکاح سے باہر ہوگئی ہو لڑکے کے لیے پرورش کی مدت سات سال اور لڑکی کے لیے بالغ ہوتا ہے،اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے بچہ کو اس کی والدہ سے الگ کرنا درست نہیں۔

الحضانة تثبت للأم. (تنویر الأبصار مع الدر، کراچی ۳/۵۵۵، زکریا ۵/۲۵۳)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة و السکنی کان الطلاق رجعیا أو بائنا أو ثلاثا. (فتاویٰ عالمگیری، باب النفقة، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة، زکریا قدیم ۱/۵۵۷، جدید ۱/۶۰۵)

الأصل أن الفرقة متی کانت من جهة الزوج فلها النفقة و إن کانت من جهة المرأة إن کانت بحق لها النفقة. (فتاویٰ عالمگیری، باب النفقة، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة، زکریا قدیم ۱/۵۵۷، جدید ۱/۶۰۵)

وإذا طلقها ثلاثا أو واحدة بائنة ولیس لها إلا بیت واحد فینبغی أن تجعل بینه و بینها حجابا حتی لا تقع الخلوة بینه و بین الأجنبیة وإن کان فاسقا تخاف علیها منه فإنها تخرج و تسکن منزلا آخر احترازا عن المعصیة. (الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۵/۲٤۵، رقم: ۷۷٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۰۸/۳۸)

مطلقہ کا شوہر کے مکان میں عدت گذارنا

سوال [۷۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اور میرے چار بچے ہیں جو کہ ابھی بہت چھوٹے ہیں، تقریباً سات سال میری شادی کو ہوئے ہیں، میری مطلقہ کے ماں باپ حیات ہیں، مگر اس

کے ماموں اپنے گھر لے گئے اور بچے میرے پاس ہیں، مجھے کام دھندے میں پریشانی ہے کہ میں بچوں کو دیکھوں یا کام پر جاؤں کیونکہ میں ایک ملازم ہوں، مطلقہ کے ماں باپ اس کو اپنے گھر لانا نہیں چاہتے، اور شریعت کے اعتبار سے اس مطلقہ وبچوں کا خرچہ میرے ذمہ ہے، ایسی صورت میں عدت کی مدت مطلقہ میرے مکان کے الگ کوٹھے پر گذار سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں شرع میں جو پابندیاں مجھ پر عائد کردیں ہیں میں اس کا پابند رہوں گا، میری منشاء یہ ہے کہ مطلقہ اور بچے یکجا ہو جائیں، اور میں اپنی سروس پر جا سکوں، تاکہ مطلقہ اور بچوں کا خرچ چلا سکوں، ایسی صورت میں جبکہ بچے میرے پاس ہوں گے تو میں کسی قسم کا کوئی کام نہیں کرسکتا، مطلقہ میرے پاس رہے گی، اور میں شرع کا پابند ہوں، تو شرع اس کی اجازت دیتی ہے؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: مطیع الرحمٰن رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں! آپ کے مکان میں الگ کوٹھے میں عدت گذار سکتی ہے۔

وتجب لمطلقة الرجعی والبائن والفرقة بلا معصية (إلى قوله) والسكنى والكسوة إن طالت المدة وتحته فى الشامية: يلزم أن تلزم المنزل الذى يسكنان فيه قبل الطلاق. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الطلاق، باب النفقة، زکریا ۳۳۳/۵، کراچی ۶۰۹/۳)

معتدة الطلاق والموت يعتدان فى المنزل المضاف إليهما بالسكنى وقت الطلاق والموت ولايخرجان منه إلا لضرورة لما تلونا من الآية والبيت المضاف إليها فى الآية ما تسكنه سواء كان الزوج ساكنا معها أو لم يكن.

(البحر الرائق کوئٹہ ۱۵۴/۴، زکریا ۲۵۹/۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۴ رصفر ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۶۵)

معتدہ عدت کہاں گذارے؟

سوال [۷۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی کی بھانجی شبانہ مظفر کو ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۳ء بروز اتوار کو طلاق ہوچکی جس کے لیے آپ سے فتویٰ لیا جاچکا ہے، اب مندرجہ ذیل مسائل کے لیے مزید معلومات حاصل کرنی ہیں:

(۱) لڑکی کے والدین کا کوئی مکان نہیں ہے اور اس کی خالہ وماموں کا مکان مرادآباد میں ہے، لڑکی کو دورانِ سروس مکان سنبھل میں ملا ہوا تھا، اب چونکہ اس سال اس کا سنبھل سے مرادآباد تبادلہ ہوا ہے اور اس کو ابھی تک مرادآباد میں مکان نہیں ملا ہے اور وہ اپنے شوہر کے گھر رہ رہی تھی، اب وہ اپنی عدت کہاں پر گذارے، اپنے شوہر کے گھر علیٰحدہ حصہ میں جہاں وہ پہلے رہ رہی تھی؟

(۲) زیور جو شادی میں اس کو تحفہ میں چڑھایا یا اس کو سسرال سے ملا شرعاً اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور جو اس کو کپڑے وغیرہ شادی میں بری میں ملے جو چھ سال کے دوران میں استعمال ہوچکے ہیں اس کے لیے کیا حکم ہے؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں، جبکہ طلاق لڑکے نے دی ہے لڑکی نے نہیں لی ہے۔

المستفتی: محمد اسماعیل صدیقی مون بلڈنگ، کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت شوہر کے گھر میں بیٹھ کر گذارنا لازم ہے، جہاں شوہر کے ساتھ رہ رہی تھی۔

وتعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه.

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة، کراچی ۳/۵۳۶، زکریا ۵/۲۲۵، البحر الرائق کوئٹه ٤/١٥٤، زکریا ٤/٢٥٩)

اگر شوہر نے اس زیور کو بیوی کی ملکیت میں نہیں دیا ہے تو بیوی کو نہیں ملے گا، یا جو آپ

کی برادری میں عرف ہے، اس کے مطابق عمل ہوگا، کہ مالک نہیں بنائی جاتی ہے تو بیوی کو نہیں ملے گا، اور اگر مالک بنانے کا دستور ہے، یا زبانی مالک بنائے، تو ایسی صورت میں مالک ہو سکتی ہے، ورنہ نہیں۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (رسم المفتي قديم ص: ٩٥، جديد دار الكتاب ديو بند ص: ١٥٣)

بری کے کپڑے عرفاً بیوی کی ملکیت میں دیئے جاتے ہیں، اس لیے وہ واپس نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۹۷)	۱۴۱۴/۴/۲ھ

مطلقہ عدت کہاں گذارے؟

سوال [۷۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ علماء دین کے فتویٰ سے طلاق ہو چکی ہے جب طلاق ہوئی تو لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر تھی، لڑکی کے باپ آدھا گھنٹہ کے اندر لڑکی کو سسرال چھوڑ گئے، طلاق ہوئے آج گیارہ دن ہو گئے، لڑکی سسرال میں ہے علماء دین کے حساب سے لڑکی کو عدت کہاں پوری کرنی چاہیے، سسرال میں یا ماں باپ کے گھر؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مطلقہ عورت پر اسی مکان میں عدت گذارنا ضروری ہے، جس میں شوہر کے ساتھ اس کی رہائش ہوتی ہے، لہٰذا اگر میکے میں ملاقات کے لیے گئی ہوئی ہے اور اسی اثناء میں طلاق ہوئی ہے، تو عدت کے لیے شوہر کے رہائشی مکان میں واپس آجانا صحیح اور درست ہے، لہٰذا شوہر کے گھر پر عدت گذارے گی، اور عدت کا خرچہ بھی پر شوہر واجب ہوگا۔

ولهٰذا لو زارت أهلها و طلقها زوجها كان عليها أن تعود إلى منزلها فتعتد فيه. (هدايه، كتاب الطلاق باب العدة اشرفی دیوبند ۲/ ۴۲۹، البحر الرائق کوئٹه ۴/ ۱۵۴، زکریا ۴/ ۲۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۲۹)

مطلقہ مغلظہ عدت کہاں گذارے؟

سوال [۷۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر ایک شرابی آدمی ہیں اور میرے چار بچے ہیں ایک لڑکی تین لڑکے، سب سے بڑا لڑکا ۱۷؍سال کا ہے جو محنت ومزدوری کرتا ہے، پرسوں رات میرے شوہر نے شراب پینے کے نشہ میں پہلے گھر میں خوب ڈرامہ کیا، پاس پڑوس کے لوگ بھی اکٹھا ہو گئے، پھر ان سب کے سامنے ہی مجھے دو تین مرتبہ بلکہ کئی مرتبہ طلاق دی، اب مسئلہ یہ ہے کہ میں عدت کرنا چاہتی ہوں، شوہر کے گھر میں بھی ایک ہی کمرہ ہے، اس کے علاوہ رہنے کا کوئی ان کا ٹھکانہ نہیں اور میرے میکہ میں بھی کوئی ٹھکانہ نہیں، جہاں جا کر میں عدت کرلوں، سوچتی ہوں کہ کرایہ کا گھر لے کر اپنے بچوں کے ساتھ وہاں رہ کر عدت کرلوں تو ڈر یہ ہے کہ کہیں میرے شوہر وہاں نہ آ جائیں، کیونکہ ان سے ہر طرح کی امید کی جاسکتی ہے کہ نشہ اترنے کے بعد وہ بالکل صحیح ہو جاتے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔

المستفتی: عطاء الرحمٰن اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر نے تین مرتبہ سے زیادہ طلاق دیدی ہے تو اس سے بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو کر بالکل حرام ہو گئی ہے، اور نشہ کی حالت میں بھی طلاق ہو جاتی ہے اگر شوہر کے گھر عدت گذارنے میں عفت نفس کا خطرہ ہے اور میکہ میں

گنجائش نہیں ہے تو ایسی صورت میں تیسری ایسی جگہ عدت گذارنے کی گنجائش ہے جہاں پر شوہر کی آمد ورفت نہ ہو سکے، اور وہاں بھی اگر شوہر کے آنے کا خطرہ ہو تو آس پاس کے لوگوں کو بتادیا جائے کہ اس کو وہاں آنے نہ دیں۔

لو قال لزوجته: أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثا. (الأشباه قديم ص:۲۱۹، جديد زكريا ص:۳۷٦)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هنديه، زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هدايه اشرفی ديوبند ۲/۳۹۹)

وطلاق السكران واقع. (هدايه، اشرفی ديوبند ۲/۳۵۸)

طلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ وهو مذهب أصحابنا. (هنديه، زكريا قديم ۱/۳۵۳، جديد ۱/۴۲۰، تاتارخانية ۴/۳۹۵ رقم: ٦۵۱۲)

فإن كان الزوج فاسقا يخاف عليها منه فإنها تخرج و تسكن منزلا آخر احترازاً عن المعصية. (المحيط البرهاني، كوئٹه ۴/۳۷، المجلس العلمي ۵/۲۳۷ رقم: ۵٦۸٦، تاتارخانية زكريا ۵/۲۴۵ رقم: ۷۷٦۷، هنديه زكريا قديم ۱/۵۳۵، جديد ۱/۵۸۷، شامی كراچی ۳/۵۳۷، زكريا ۵/۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/٦/۲۳ھ

عورت عدت کہاں گذارے؟

سوال [۷۱٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی عابدہ خاتون کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی، میری لڑکی کٹگھر پیرزادہ میں رہتی تھی، بعد طلاق وہ اپنے میکہ والد کے مکان بارہ دری آگئی ہے، عابدہ خاتون نے ایک

دینی مدرسہ گذشتہ سات آٹھ ماہ پہلے قائم کیا تھا، اپنے مکان پیرزادہ میں مکان کرایہ کا ہے، محلّہ کے لوگوں کا اصرار ہے کہ مدرسہ برابر چلتا رہے، عابدہ خاتون والد کے گھر سے مدرسہ والے مکان میں جانا چاہتی ہے اور وہیں پر عدت گذارنے کے ساتھ ساتھ بچوں اور بچیوں کو تعلیم دیتی رہے، عابدہ خاتون کا سابقہ شوہر وہاں پر نہیں رہے گا اس سلسلے میں از روئے شرع کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد صدیق ولد محمد سعید مرحوم، محلّہ بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مدرسہ والا مکان شوہر کا ہے اور فی الحال شوہر کی رہائش بھی اسی میں ہے تو شوہر سے پردہ کا معقول انتظام کرکے صرف عدت کے زمانہ تک وہاں رہ سکتی ہے، عدت ختم ہونے کے بعد وہاں رہنا شرعاً جائز نہیں ہوگا، بلکہ والدین کے پاس رہنا لازم ہوگا، اور اگر مدرسہ والا مکان شوہر کا رہائشی نہیں ہے تو اس میں جا کر عدت گذارنا جائز نہیں ہوگا۔

وتعتدان أي معتدة طلاق و موت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه، وتحته في الشامية: وهو ما يضاف إليهما بالسكنى قبل الفرقة. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب العدة كراچی ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٥، البحر الرائق كوئٹه ٤/١٥٤، زكريا ٤/٥٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۵۰/۲۷)

شوہر ثانی کے طلاق کی عدت شوہر اول کے گھر گذارنا

سوال [۷۱۶۹]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حلالہ کی صورت میں شوہر ثانی کی طلاق کے بعد کی عدت شوہر اول کے گھر گذار سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: نعیم احمد سلیم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر بیوی کو تین طلاق دیدے تو عدت کا خرچہ اوراس کی رہائش کا انتظام کرنا اسی شوہر کے ذمہ ہوتا ہے، لہٰذا عورت شوہر کے گھر پر رہ کر عدت گذار سکتی ہے مگراس دوران شوہر کا اس گھر میں آنا جانا اور جس کمرہ میں عورت عدت گذار رہی ہو اس میں داخل ہونا ممنوع ہے، لہٰذا شوہر کو دوسری جگہ اپنی رہائش اختیار کرلینی چاہیے، اورشوہر ثانی کی طلاق کے بعد عدت شوہر ثانی ہی کے گھر پر گذارنے کا حکم ہے، لیکن اگر شوہر اول اپنے گھر پر عدت گذارنے کے لیے ایثار کرے، اوراس کے لیے گھر خالی کردے اوراس میں شوہر اول اورشوہر ثانی دونوں میں سے کسی کی بھی آمدورفت نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

المعتدة عن طلاق تستحق النفقة والسكنى. (هنديه، باب النفقة، الفصل الثالث فى نفقة المعتدة زكريا قديم ١/٥٥٧، جديد ١/٦٠٥)

وتبيت فى المنزل الذى طلقت فيه. (شامى، كراچى ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٥)

ولابد من سترة بينهما فى البائن. (درمختار مع الشامى، زكريا ٥/٢٢٦، كراچى ٣/٥٣٧، تاتارخانية زكريا ٥/٢٤٦ رقم: ٧٧٦٩، بدائع الصنائع كراچى ٣/٢٠٦، زكريا ٣/٣٢٦، هنديه زكريا قديم ١/٥٣٥، جديد ١/٥٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۶۷/۳۹)

طلاق کہاں دے اور عدت کہاں گذارے

سوال [۷۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی باہر نینی تال میں رہتی ہے وہاں سے آنا نہیں چاہتی، طلاق یہاں دی جائے گی یا نینی تال جا کر طلاق دیں گے، اگر لڑکی کو یہاں لا کر طلاق دیں تو وہ عدت وہاں

جا کرگزارے گی یا یہاں سے نہیں جا سکتی؟

المستفتی: وسیع احمد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دینے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ لڑکی کے پاس جا کر ہی طلاق دی جائے بلکہ جب بھی اور جس جگہ سے بھی طلاق دی جائے گی، واقع ہو جائے گی، اور عدت کا مسئلہ یہ ہے جس جگہ رہتے ہوئے عورت کو طلاق دی جائے تو وہ وہیں عدت گذارے گی، اوراگر یہاں (مرادآباد) لاکر طلاق دی جائے تو یہیں عدت پوری کرے گی بلا عذر شرعی یہاں سے نکلنا درست نہ ہوگا۔

ولا تخرج معتدة رجعي و بائن ...... لو حرة ...... مكلفة من بيتها أصلا لا ليلا و لا نهارا. (در مختار، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد کراچی ۳/۵۳۵، زکریا ۵/۲۲۳)

المعتدة من الطلاق لاتخرج من بيتها ليلا و نهارا (تاتارخانية ٥/٢٤٤، رقم: ٧٧٦٥، در مختار کراچی ٣/٥٣٦، زکریا ٥/٢٢٥، البحر الرائق کوئٹہ ٤/١٥٤، زکریا ٤/٢٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۹۹)

ناجائز حمل والی عورت عدتِ طلاق کہاں گذارے؟

سوال [۷۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ نے بہار ہی میں ایک مدرسہ چلانے کا عزم کرلیا ہے، فی الحال درجہ حفظ و قرأت عربی سوم تک تعلیم ہے، زید کی بیوی ہندہ ہے زید نے کچھ دنوں تک نان ونفقہ نہیں دیا تو ہندہ نے بکر سے تعلق قائم کرلیا اور ناجائز حمل بھی قرار پا گیا، اب جبکہ زید سے طلاق دلوادی

گئی ،تو لڑکی خود اقرار کرتی ہے کہ یہ حمل بکر کا ہے اور بکر بھی تائید کرتا ہے اور عورت کا وارث ہونے کی صورت میں عدت زید کے یہاں گذارے گی یا بکر کے پاس، فی الحال محلّہ والوں نے بکر کے یہاں کر دیا ہے؟

المستفتی: لطف اللہ قاسمی ،اندر پور ضلع سپول (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب بنائے اور مدرسہ کو ترقیات سے نوازے، مذکورہ عورت کے وارث نہ ہونے کی صورت میں عدت زید کے یہاں گذارنا لازم ہے، بکر کے یہاں جائز نہیں، یا کسی معتمد علیہا بوڑھی عورت کے یہاں گذارے جہاں غیر محرم کی آمد ورفت نہ ہو اور چونکہ زید کی ناشزہ عورت ہے اس لیے زید کے یہاں عدت گذارتے وقت خرچہ زید پر لازم نہ ہوگا۔

إن الفرقة متی کانت من جهة الزوج فلها النفقة و إن كانت بمعصية لا نفقة لها. (هنديه، باب النفقة، الفصل الثالث في نفقة المعتدة زكريا قديم ١/٥٥٧، جديد ١/٦٠٥، شامي كراچی ٣/٦١١، زكريا ٥/٣٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۴/ ۱۴۱۶ھ

عدت میں انتقال مکان کا شرعی حکم

سوال [۷۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد علاج کے سلسلے میں مرادآباد آئے تھے، یہاں آبائی مکان ہے وہیں قیام تھا، اور یہ مکان ذاتی ہے، یہیں علاج کے دوران والد کا انتقال ہو گیا، ایک مہینہ ۱۲/ دن گزر چکے ہیں، والدہ عدت میں ہیں، کفالت کے ذرائع ہلدوانی میں ہیں، تین بیٹے جو کفیل ہیں، ان کا کاروبار ہلدوانی میں ہے، وہاں قیام کے لیے مکان ذاتی نہیں کرائے کا ہے، اب تک عدت کے ایام مرادآباد میں گزرے ہیں، والدہ بیمار رہتی ہیں، جس کی وجہ سے ایک بیٹے کو مرادآباد میں والدہ

ساتھ رہنا پڑر ہا ہے، کیا باقی عدت کی مدت کے لیے ہم والدہ کو ہلدوانی لے جا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد ارشد اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مرادآباد میں عدت کا پورا زمانہ گذارنا دشوار ہے، دیکھ بھال اور خدمت سے متعلق دشواری پیش آرہی ہے، تو ایسے عذر کی وجہ سے دن دن ہلدوانی منتقل کرنے کی گنجائش ہے، وہ وہیں اپنے بیٹوں کے ساتھ عدت گذار سکتی ہیں۔

وكذلك في الوفاة: إذا كان له أولاد رجال من غيرها فجعلوا بينهم و بينها ستراً أقامت، وإلا انتقلت: و أنت خبير، بأن هذا نص ظاهر الرواية فوجب المصير إليه ولعل وجهه خشية الفتنة حيث كانوا رجالا معها في بيت واحد وإن كانوا محارم لها بكونهم أولاد زوجها كما قالوا بكراهة الخلوة بالصهرة الشابة. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: الحق أن على المفتي أن ينظر في خصوص الوقائع زكريا ٥/٢٢٦، كراچی ٣/٥٢٧، قاضی خان علی هامش الهندية زكريا ١/٥٥٣)

أن التربص على المعتدة في منزلها وإن كان واجبا لكن يجوز لها الانتقال بعذر –إلى قوله– فيجوز لها الانتقال نظراً إلى وجود المقتضي و انتفاء المانع وهو ارتفاع التحريم الحاصل للسفر بوجود المحرم. (فتح القدير زكريا ٤/٣١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۲۲/۴۱)

شوہر کے انتقال ہوتے ہی گھر سے نکالے جانے والی عورت کی عدت کا حکم

سوال [۷۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی جس کی عمر ۲۲ر سال ہے، جس کے شوہر کا انتقال ۱۲ر فروری ۲۰۱۵ء کو ہوا

اس کے دیور، جیٹھ۸/ رہیں، ایک ہی مکان ہے، جس کو دیکھتے ہوئے اس کو جنازہ نکلنے سے پہلے گھر سے نکال دیا تھا، تاکہ عدت نہ کرنی پڑے اور اب کچھ لوگوں نے رائے دے کر اس کو عدت کے لیے مجبور کیا، ایسی مجبوری کیا بہتر ہے؟ عدت کرائی جائے یا نہ کرائی جائے؟ جبکہ اس لڑکی کی ساس بھی عدت میں ہے، اس لیے کہ اس کے سسر کا بھی انتقال ۱۷/ دن پہلے ہوگیا ہے؟

المستفتی: شمیم احمد محلّہ فراشان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جنازہ نکلنے سے پہلے گھر سے باہر کردینے سے عدت کا حکم ساقط نہیں ہوتا یہ محض ایک جہالت اور ناواقفیت ہے، جس نے عوام کے درمیان شہرت اختیار کرلی ہے، یہ انتہائی غلط ترین بات ہے، اس عقیدے سے مسلمانوں کو دور رہنے کی ضرورت ہے اور شوہر کے انتقال کے بعد ہر حال میں ۴/ مہینہ ۱۰/ دن موت کے وقت سے عدت گزارنا لازم ہے، اگر شوہر کے گھر پر عدت گزارنے میں دشواری ہے تو اپنے میکہ جاکر عدت کا بقیہ زمانہ گزارنے کی گنجائش ہے۔

التربص على المعتدة في منزلها وإن كان واجبا لكن يجوز لها الانتقال بعذر كانهدام المنزل وغيره، و أذى القربة ووحشة الوحدة عذر فيجوز لها الانتقال نظراً إلى وجود المقتضى و انتفاء المانع وهو ارتفاع التحريم. (فتح القدير، زكريا ٤/٣١٣)

أما المتوفىٰ عنها زوجها إن كان يكفيها نصيبها من بيت الزوج بالميراث تسكن في نصيبها فإن كان في الورثة من لايكون محرما إن أمكنها أن تستتر أو تأخذ بينها و بين الورثة حجاباً تسكن في ذٰلك و إن كان لايكفيها أو لا يمكنها كان لها أن تخرج لهذه الضرورة. (خانية على الهندية ١/٥٥٣، شامي زكريا ٥/٢٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۱۶)

جس حیض میں طلاق ہوئی وہ عدت میں شامل ہے یا نہیں؟

سوال [۷۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس دن میری طلاق ہوئی اس دن میں حالت حیض میں تھی، طلاق کے چوتھے دن میں نے طہارت کا غسل کیا اس کے بعد میں دوبارہ حیض سے ہوئی، یعنی طلاق کے بعد سے دوبارہ حیض سے فارغ ہوگئی، اب بتائیں کہ طلاق والے حیض سے اگر لگایا جائے تو میرے تین حیض ہوگئے کیا میں اس طرح عدت سے فارغ ہوگئی یا نہیں؟ مجھ کو کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: محمد دانش مانپور مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے ذمہ ایک اور ماہواری عدت میں گذارنا لازم ہے، اس لیے کہ جس حیض میں طلاق ہوئی ہے وہ عدت میں شمار نہ ہوگا، بلکہ اس کے بعد مکمل تین ماہواری عدت میں گذارنا لازم اور ضروری ہے۔

لأن الحيضة التي وقع فيها الطلاق لا تحسب من العدة. (شامي، كتاب الطلاق، مطلب: في طلاق الدور، كراچی ۳/۲۳٤، زكريا ٤/٤٣٧)

لا اعتبار لحيض طلقت فيه. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة، كراچی ۳/۵۰۵، زكريا ۵/۱۸۲)

ولا يحتسب من العدة حيض طلقت فيه لأن ما وجد منها قبل الطلاق لايحتسب من العدة فلا يحتسب ما بقي لأن الحيضة لا تتجزى. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۳۰ھ

کیا طلاق کے فوراً بعد آنے والا حیض عدت میں شمار ہوگا؟

سوال [۷۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۵؍نومبر کو ۱۱؍بجے میری لڑکی کو طلاق دی گئی ہے، عصر کے بعد اس کو حیض آ گیا اب تین حیض پورے ہوگئے ہیں، اب مدت کس حساب سے پوری ہوگی؟ لڑکی کی عمر بیس سال ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۱۵؍نومبر کی عصر کے بعد جو حیض شروع ہوا ہے شرعاً وہ حیض عدت میں شمار ہوگا، اس کو لے کر اب اگر تین حیض پورے ہو چکے ہیں تو عدت پوری ہو چکی ہے، اب زینت اختیار کرنا اور نکاح ثانی کرنا وغیرہ سب جائز ہیں۔

﴿قال الله تعالیٰ: **وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ**. [البقرة: ۲۲۸]﴾

عن عائشة قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (سنن ابن ماجه، الطلاق، باب خيار الأمة إذا اعتقت، النسخة الهندية ۱/ ۱۵۰، دار السلام رقم: ۲۰۷۷)

وهى فى حق حرة تحيض لطلاق ...... ثلاث حيض. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، كراچی ۳/ ۵۰۴، زكريا ۵/ ۱۸۱)

وإذا طلق الرجل امرأته ...... وهى حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء لقوله تعالىٰ: والمطلقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء. (هدايه، اشرفى ديو بند ۲/ ۴۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۲۴/۲۶)

دورانِ عدت دو دن حیض کا خون آیا تیسرے دن نہیں آیا تو کیا حکم ہے؟

سوال [۷۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں :عبداللہ اوراس کی بیوی کا آپسی جھگڑا چل رہا تھا بیوی میکے میں رہ رہی تھی اورعبد اللہ نے بیوی کوبغیر بتائے تین طلاق دیدیں، چونکہ بیوی کوطلاق کا علم نہیں اس لیے چار مہینہ گزرجانے کے بعد بیوی عبداللہ کے پاس آنا چاہتی تھی ،لہٰذا عبداللہ مطلقہ کواپنے گھر لایا اور بتایا کہ ہم لوگ تین طلاق کے ذریعہ الگ ہوچکے ہیں، مطلقہ کہنے لگی ہم لوگ دوبارہ کیسے ایک ہوں گے،عبداللہ نے دوسرے سے نکاح کا مسئلہ بتایا تو وہ راضی ہوگئی،لہٰذا عبداللہ اپنے ایک دوست کوگھر پر بلایا،اور مطلقہ نے خودعبداللہ کے دوست سے نکاح کرنے کا پیغام دیا اور خط کشیدہ الفاظ میں بات کی:

میرے شوہر نے غلط الفاظ بول دیئے ہیں، حلالہ کرنا پڑتا ہے،کیا تم مجھ سے نکاح کروگے،عبداللہ کا دوست راضی ہوگیا،پھر عبداللہ نے ایک عالم اور دوگواہوں کو بلاکر نکاح کرادیا،پھر دونوں میاں بیوی عبداللہ کے گھر رہنے لگے تین دن کے بعد عبداللہ کا دوست اپنی مرضی سے طلاق رجعی دے کر چلا گیا،اور مطلقہ عبداللہ کے گھر میں عدت گذارنے لگی، جب پہلا حیض آکر ختم ہوگیا تو اتفاق سے عبداللہ نے مطلقہ سے پوچھا کہ کتنے دن آیا،تو مطلقہ کہنے لگی دودن آیا تھا، تیسرے دن نہیں آیا تھا،ہاں البتہ تیسرے دن سے پہلے رات میں شاید آیا تھا کیونکہ تیسرے دن صبح اس کپڑے میں خون کا نشان اورخون لگا ہوا تھا، جو کپڑے دورانِ حیض استعمال کرتی ہے، بہرحال عبداللہ کومعلوم تھا کہ کم سے کم حیض تین دن ہوتا ہے،لہٰذا عبد اللہ نے مطلقہ سے کہا کہ اب اچھی طرح دھیان رکھنا،لہٰذا دوسری حیض آیا تو دھیان دینے سے پتہ چلا کہ دودن تو تسلسل کے ساتھ آیا اور تیسرے دن نہیں آیا بلکہ چوتھے دن تھوڑا سا خون آیا، پھر تیسرے حیض میں دھیان دیا تو پتہ چلا کہ دودن خوب تیزی سے آیا اور تیسرے اور چوتھے دن میں تھوڑا سا خون آیا، اور چوتھے حیض میں دھیان دیا تو پتہ چلا کہ دودن اچھی طرح خون آیا اور تیسرے دن تھوڑا سا خون آیا۔

مگر حضرت مفتی صاحب! عبداللہ اور مطلقہ دونوں کوشبہ ہو رہا ہے کہ عبداللہ کوطلاق کے بعد جوپہلی عدت گذری ہے اس میں دودن کے علاوہ تیسرے یاچوتھے دن حیض کا خون آیا

ہے یا نہیں آیا ہے، مطلقہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ پا رہی ہے، کیونکہ تقریباً چار سال پہلے حیض کی عادت چار پانچ دن رہتی تھی، اور مطلقہ ساتویں دن پاک ہوا کرتی تھی، مگر مطلقہ کہہ رہی ہے کہ تقریباً چار سال سے میری یہی عادت ہو رہی ہے، کہ ہر مہینے چار پانچ دن پہلے صرف دو دن حیض کا خون آرہا ہے، دورانِ حیض لگانے والے کپڑے تیسرے دن ہٹا دیتی تھی، اور چونکہ ساتویں دن نہاتی تھی اس لیے دھیان نہیں دیتی تھی کہ تیسرے دن آیا یا نہیں آیا، نیز عبد اللہ کو یہی معلوم تھا کہ مطلقہ کو چار پانچ دن حیض آتا ہے اسی لیے اپنے دوست سے نکاح کراتے وقت مطلقہ سے حیض کے بارے میں نہیں پوچھا، ہاں، البتہ مطلقہ کو رمضان میں حیض آیا تو یہ سوچ کر کہ تیسرے دن تو آتا نہیں، لہٰذا چوتھے دن روزہ رکھ کر نہانے گئی، تو دیکھا کہ کپڑے میں خون لگا ہوا ہے، اس سے پتہ چلا کہ چوتھے دن خون آیا ہے اور عید سے تین دن پہلے عبد اللہ نے طلاق دی ہے اور چار مرتبہ حیض آنے کے بعد عبد اللہ نے مطلقہ کا اپنے دوست سے نکاح کرایا ہے، مگر ان چاروں حیض میں دو دن کے علاوہ تیسرے یا چوتھے دن تھوڑا بہت حیض کا خون آیا یا نہیں آیا ہے؟ مطلقہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ پا رہی ہے، ہاں مگر عبد اللہ کے دوست کے طلاق دینے کے بعد جو عدت گزری ہے اس میں تین حیض میں غور کیا تو پتہ چل رہا ہے کہ دو دن کے علاوہ تیسرے یا چوتھے دن میں تھوڑا بہت ضرور آیا ہے، اس صورت مسئلہ میں مندرجہ ذیل مسئلہ تحریر فرما کر مہربانی فرمائیں۔

(۱)　کیا مطلقہ کی پہلی عدت گزری ہوئی مانی جائے گی اور کیا مطلقہ کا عبد اللہ کے دوست سے نکاح کرنا درست تھا؟

(۲)　کیا مطلقہ عبد اللہ سے نکاح کر سکتی ہے، جب کہ مطلقہ اور عبد اللہ دونوں شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہم دوبارہ نکاح کریں یا نہ کریں، کیا پتہ ہم دونوں کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳)　حضرت مفتی صاحب! اگر نا جائز ہے تو الگ ہو جائیں گے اور اگر نکاح کرنا جائز ہے تو کیا شبہ کی بنیاد پر حلال ہونا مشتبہ ہو جائے گا، اور کیا احتیاطاً نکاح نہ کرنا ہی صحیح رہے گا، حضرت مفتی صاحب ان تینوں مسائل کا جواب تحریر فرما کر احسان فرما دیں، کیونکہ ہم دونوں کے

درمیان اب کوئی لڑائی نہیں ہے، صرف جائز اور ناجائز کی بنیاد پر شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

المستفتی: جمیلہ خاتون، جمعرات والی بازار، پاکباڑہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں بہرحال دونوں جانب عدت پوری ہوگئی ہے، پہلی عدت میں چار مرتبہ ماہواری کی بات کی جارہی ہے، چار مرتبہ ماہواری گذرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح ہوا ہے، دو دن خون آنے کے بعد تیسرے دن میں خون آیا ہو یا نہ آیا ہو، ہرصورت میں تیسرا دن عدت میں شمار ہوتا ہے، اور اگر معتادہ عورت ہے جس کے چار پانچ دن خون آنے کی عادت ہے تو اتنے دن حیض میں شمار کر کے بقیہ طہر میں شمار ہوں گے، اور بقول عورت، تین چار سال سے عادت بدل گئی ہے تو ایسی صورت میں تین دن حیض میں شمار کر کے بقیہ طہر میں شمار ہوں گے، اس طریقہ سے تین مرتبہ میں اس کی عدت پوری ہو چکی تھی، اور سوالنامہ میں ذکر ہے کہ چار مرتبہ حیض آنے کے بعد دوست سے نکاح کیا ہے لہٰذا وہ نکاح درست ہو چکا، پھر اس کے بعد تین مرتبہ حیض آنے کے بعد عبداللہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ نکاح درست ہو جائے گا ہر مرتبہ میں تین دن ہی ایام حیض شمار ہوں گے، لیکن اگر تین دن سے زائد چوتھے دن بھی خون آیا ہے تو اس کی عادت کے ایام کو حیض میں شمار کیا جائے گا اور اگر پانچ دن خون آتا ہے، تو پانچ دن ماہواری میں شمار کیا جائے گا، اور بقیہ ایام طہر میں شمار کیا جائے گا، اس طریقہ سے تین ماہواری کے گذرنے پر اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور اس کے بعد عبداللہ نکاح کرسکتا ہے۔

عن أنس قال: أدنى الحيض ثلاثة و أقصاه عشرة. (سنن الدار قطني باب الحيض، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢١٦، رقم: ٧٩٧)

عن سفيان قال: أقل الحيض ثلاث و أكثره عشرة. (سنن الدار قطني، دار الكتب العلمية بيروت ١/ ٢١٧، رقم: ٧٩٩، المعجم الكبير للطبراني دار احياء التراث العربي بيروت ٨/ ١٢٩، رقم: ٧٥٨٦، المعجم الأوسط للطبراني، دار الفكر بيروت ١/ ١٨٢، رقم: ٥٩٩)

أقل الحيض ثلاثة أيام ولياليها و ما نقص من دمک فهو استحاضة.

(هدايه، كتاب الطهارة، باب الحيض والاستحاضة اشرفی ديوبند ۱/ ۶۲)

أما إذا لم يتجاوز الأكثر فيهما فهو انتقال للعادة فيهما فيكون حيضا و نفاسا. (شامی كراچی ۱/ ۲۸۵، زكريا ۱/ ۴۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۱۳ھ

دواؤں کے ذریعہ ماہواری آنے سے عدت مکمل ہوگی یا نہیں؟

سوال [۷۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک مطلقہ عورت کے بچہ کی ولادت کے بعد مدت نفاس پوری ہو جانے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح ہوا پھر اس نے ہم بستری کے بعد طلاق دیدی اب اس عورت کو تقریباً ڈیڑھ دو سال کے بعد حیض آئے گا، جب تک بچہ دودھ پیئے گا حیض نہیں آتا، تو ایسی عورت کی عدت کیسے ہوگی، ڈیڑھ دو سال کے بعد جب تین حیض آئیں گے اس وقت عدت پوری ہوگی یا دوسرے شوہر کی طلاق کے تین ماہ بعد عدت پوری ہو جائے گی؟

(۲) واضح رہے کہ لڑکی جوان العمر ہے، ڈیڑھ دو سال پوری مدت رضاعت بغیر شوہر رہنا مشکل ہے، ایسے حالات میں دواؤں کے ذریعہ تین دفعہ حیض آجائے تو وہ حیض ہی شمار ہوگا یا نہیں اور اس طرح اس کی عدت پوری ہو جائے گی یا نہیں؟ یا شریعت اسلامیہ جو بہت آسان ہے اس میں ایسی عورتوں کے لیے کوئی حل ہو تو تحریر فرمائیں۔

(۳) شریعت اسلامیہ نے عورت کے لیے عدت اس لیے رکھی ہے کہ پتہ چل جائے کہ پہلے شوہر سے حمل ہے کہ نہیں؟ لہٰذا تین حیض یا وضع حمل کے بعد عدت پوری ہو جاتی ہے، لیکن آج کے دور میں ڈاکٹری چیک اپ (پیشاب ٹیسٹ، الٹرا ساؤنڈ وغیرہ) کے ذریعہ پتہ چل جاتا ہے کہ حمل ہے یا نہیں؟ تو اگر کئی دفعہ ایسی عورتوں کا چیک اپ کرالیا جائے اور پتہ

چل جائے کہ حمل نہیں ہے تو کیا ایسی عورت کو پھر بھی عدت کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟
درخواست ہے کہ مذکورہ سوال پر غور فرما کر تحقیقی جواب با حوالہ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: زاہد الہاشمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) مسئولہ صورت میں اگر عصمت کے ضیاع کا قوی اندیشہ ہے تو دواؤں کے ذریعہ ماہواری گذارنے کی گنجائش ہے، اور علاج و دواؤں سے ناکامی کی صورت میں حضرت امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق چھ مہینہ تک انتظار کرے اور اس کے بعد مزید تین مہینہ عدت کے عنوان سے گذارے، اس طرح کل نو مہینہ میں ایسی عورت کی عدت پوری ہو جائے گی، اس کے بعد نکاح ثانی کر لینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسالک ۱۷۰، فتاویٰ دار العلوم ۱۰/۳۰۳، امداد الفتاویٰ ۲/۴۹۰، کفایت المفتی قدیم ۶/۴۸۲، محمودیہ قدیم ۴/۱۵۰، جدید ڈابھیل ۱۳/۳۸۶، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۳۵)

لو انقطع دمها فعالجته بدواء حتى رأت صفرة في أيام الحيض أجاب بعض المشايخ بأنه تنقضي به العدة. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة كراچی ۳/۵۰۵، زكريا ۵/۱۸۲)

وإن رأت ثلاثة أيام دما وانقطع و مضى سنة أو أكثر ثم طلقت فعلتها بالحيض إلى أن تبلغ حد الأياس وهو خمس و خمسون سنة في المختار، وعند مالك للآئسة تسعة شهر ستة أشهر لاستبراء الرحم و ثلاثة أشهر للعدة، قال العلامة والفتوىٰ في زماننا على قول مالك في عدة الآئسة. (بزازيه، الثامن في العدة، زكريا جديد ۱/۱۶۶، و على هامش الهندية زكريا ٤/٢٥٦، شامي كراچی ٤/٢٩٦، زكريا ٦/٤٦١، البحر الرائق كوئٹه ٤/١٣٠، زكريا ٤/٢٢٠، حاشية الطحطاوي على الدر كوئٹه ٤/٢١٧)

(۳) رحم کی صفائی کے سلسلے میں کئی ڈاکٹروں کی معتبر تحقیق و ریسرچ کے فیصلہ کے باوجود بھی عورت کو عدت گذارنا لازم اور ضروری ہے، کیونکہ حکم شریعت پر عمل الگ چیز ہے اور حکم شریعت میں کسی مصلحت وعلت کا ہونا یہ دوسری چیز ہے، اگر عدت کی مصلحت وعلت (استبراء)

کا وجود آج کے اس ترقی یافتہ دور میں عدت کے بغیر بھی حاصل ہو جائے تو اس کی وجہ سے نص قرآنی کو ترک نہیں کیا جاسکتا، حکم شریعت ونص قرآنی پر عمل بہر حال ضروری ہے، خواہ علت و مصلحت کا وجود ہو یا نہ ہو، اس کی بہت سی نظیریں شریعت میں موجود ہیں، لہٰذا حیض والی عورت کے لیے تین حیض اور غیر حیض والی عورت کے لیے تین ماہ عدت طلاق گذارنا لازم اور ضروری ہے، گرچہ پوری دنیا رحم کے صاف ہونے کا فیصلہ کردے، اس کے بعد ہی نکاح ثانی جائز ہوگا۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرة: ۲۲۸]﴾

هی تربص يلزم المرأة عند زوال النكاح ...... أی لزوم انتظار انقضاء عدة. (البحر الرائق، کوئٹه ۱۲۸/٤، زکريا ۲۱٤/٤، شامی کراچی ۵۰۲/۳، زکريا ۱۷۵/۵، هنديه زکريا قديم ۵۲٦/۱، جديد ۵۷۹/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۵۱/۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۱۴ھ

عدتِ طلاق کا شمار کب سے ہوگا؟

سوال [۷۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے کسی وجہ سے اپنے شوہر سے طلاق لی ہے، میں پچھلے چار ماہ سے اپنے شوہر سے الگ رہ رہی ہوں، طلاق کلی ہوئی ہے، ایسے حالات میں مجھے عدت کرنی چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: صفیہ ناز، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب سے آپ کو طلاق واقع ہوئی ہے تو اس کے فوراً بعد سے تین ماہواری آنے تک آپ پر عدت گذارنا لازم ہے۔

ومبدء العدة بعد الطلاق و بعد الموت على الفور، وتنقضی العدة و إن جهلت المرأة بهما أی بالطلاق و الموت. (در مختار، کتاب الطلاق، باب

العدۃ کراچی ۳/ ۵۲۰، زکریا ۵/ ۲۰۲)

ابتداء العدة فی الطلاق عقیب الطلاق، وفی الوفاة عقیب الوفاة، فإن لم تعلم بالطلاق أو الوفاة حتی مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها. (ھندیہ، زکریا قدیم ۱/ ۵۳۱-۵۳۲، جدید ۱/ ۵۸۴)

وابتداء العدة فی الطلاق عقیب الطلاق وفی الوفاة عقیب الوفاة فإن لم تعلم بالطلاق أو الوفاة حتی مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها لأن سبب وجوب العدة الطلاق أو الوفاة فیعتبر ابتدائها من وقت وجود السبب. (ھدایہ، باب العدۃ اشرفی دیو بند ۲/ ۴۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۷۵)

طلاق نامہ لکھنے سے تین ماہ بعد ملے تو عدت کب سے شروع ہوگی؟

سوال [۷۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے سعودی عرب سے لکھا کہ سنجیدہ تم میری طرف سے آزاد ہو اس کے بعد آگے لکھا کہ اس کو مذاق نہ سمجھنا میں تم کو طلاق دے چکا ہوں، مجھے یہ بتلایئے کیا اس طرح بھی طلاق ہوجاتی ہے، اگر طلاق ہو چکی تو کتنی ہوئی، اور اس خط کو آئے تقریباً تین ماہ گذر گئے، میری عدت کا حساب کب سے ہوگا، جبکہ خط مجھے دو چار دن پہلے ہی ملا ہے، سسرالیوں نے اس کو چھپا رکھا تھا، شریعت کی روشنی میں مجھے بتائیں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: سنجیدہ خاتون، کوتوالی نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے اس لیے کہ شوہر کا یہ لکھنا کہ تم میری طرف سے آزاد ہو، ’’سرتک‘‘

کے معنی میں ہے، جس سے عرف میں ایک طلاق رجعی پڑتی ہے، اور میں تم کو طلاق دے چکا ہوں یہ بظاہر پہلی طلاق کی خبر ہے، لہٰذا دونوں جملوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

بأن كتب: أما بعد! فأنت طالق فلما كتب هٰذا يقع الطلاق. (شامی، كتاب الطلاق، قبيل باب الصريح، كراچی ۲۴۶/۳، زكريا ٤٥٦/٤، هنديه، زكريا قديم ۳۷۸/۱، جديد ٤٤٦/١)

رها كردم أى سرحتك يقع به الرجعي ...... لأنه غلب في عرف الناس استعماله في الطلاق. (شامی، باب الكنايات، كراچی ۲۹۹/۳، زكريا ٥٣٠/٤)

آپ کی عدت اسی وقت سے شمار ہوگی جس وقت شوہر نے تحریر لکھی ہے اور اس وقت سے جب آپ کو تین ماہواری آجائے گی تب آپ کی عدت پوری ہو جائے گی، اب آپ خود دیکھ لیں کہ کتنی ماہواری ہوئی ہے، اور عدت پوری ہونے کے بعد بغیر تجدید نکاح کے شوہر کے پاس جانا جائز نہ ہوگا۔

وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامی، كراچی ۲۴۶/۳، زكريا ٤٥٦/٤، هنديه، زكريا قديم ۳۷۸/۱، جديد ٤٤٦/١)

عدتها ثلاث حيض كوامل إذا كانت ممن تحيض. (شامی، باب العدة كراچی ۵۰۵/۳، زكريا ۱۸۲/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۸۰/۳۵)	۱۴۲۱/۴/۱۳ھ

عدت کی ابتداء کب سے ہے؟

سوال [۷۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، عدت کے کچھ دنوں کے بعد اس عورت کی طبیعت خراب ہوئی، اور الٹیاں ہونے لگیں، لوگوں نے بتایا کہ تجھے تو طلاق نہیں ہوئی تو یہ عورت

عدت سے نکل گئی اوراب دس بارہ دن گذر چکے ہیں، یہ عورت دوبارہ عدت میں بیٹھنا چاہتی ہے تو عدت کاوقت کب سے شمار ہوگا، اب سے یااسی وقت سے جس وقت طلاق ہوئی تھی ؟

المستفتی: عبدالرؤف قریشی بڑی مسجد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کی عدت طلاق کے وقت سے شروع ہوجاتی ہے، اور طلاق کے وقت سے تین ماہواری مکمل ہونے تک عدت پوری ہوتی ہے اور شریعت میں عدت ٹوٹا نہیں کرتی ہے، ہاں البتہ عدت کے زمانہ میں بلاضرورت گھر سے باہر جانا منع ہے اس سے عورت گنہگار ہوتی ہے، لیکن بیماری وغیرہ کے سخت اعذار کی وجہ سے ڈاکٹروں کے یہاں جانے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا ہے اگر عورت بلاضرورت باہر چلی جائے تو اس کو اس گناہ سے توبہ کرلینی چاہیے اور عدت بدستور باقی رہتی ہے، اور تین ماہواری کے مکمل ہونے پر ہر صورت میں عدت پوری ہوجاتی ہے، لہٰذا مذکورہ عورت کی عدت بدستور باقی ہے اور تین ماہواری مکمل ہونے پر عدت پوری ہوجائے گی۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ .[البقرة: ٢٢٨]﴾

عن عائشة قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (ابن ماجه، الطلاق، باب خيار الأمة إذا اعتقت، النسخة الهندية ١/ ١٥٠ دار السلام رقم: ٢٠٧٧)

ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق وفي الوفاة عقيب الوفاة. (عالمگیری، الباب الثالث عشر في العدة، زكريا قديم ١/٥٣١، جديد ١/٥٨٤، هدايه، اشرفي ديوبند ٢/٤٢٥)

إذا طلق الرجل امرأته ...... فعدتها ثلاثة أقراء. (عالمگیری، الباب الثالث عشر في العدة، زكريا قديم ١/٥٢٦، جديد ١/ ٥٨٠)

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء لقوله تعالىٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ

يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. (هدايه، اشرفی دیوبند ۲/ ۴۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۰ھ

عدت کب سے شمار کی جائے گی؟

سوال [۷۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے چھ سال سے ایک ہندو عورت رکھی ہوئی ہے، اور مجھے گھر سے نکال دیا تھا، چار سال میں اپنے میکہ میں رہی، ایک بچی بھی رہی ہے، چھ سال کی، جو میرے پاس ہی ہے، چار سال کے بعد میل کر کے مجھے لے گئے تھے، لیکن چھ مہینے بھی نہیں رکھا اور اسی کے کہنے سے مجھے پھر نکال دیا، ایک بات اور واضح کر دوں کہ نا تو وہ عورت ہی مسلم ہوئی ہے بلکہ کچھ ثبوت ایسے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی اپنا مذہب بدل لیا ہے اب ایک سال سے اوپر ہو گیا ہے مجھے میکے میں رہتے ہوئے کل بروز بدھ انہوں نے مجھے طلاق دی ہے، ایک سال سے میرا ان کا کوئی تعلق نہیں رہا، میں نے ان کی پرچھائیں تک نہیں دیکھی ہے، اور نہ ہی انہوں نے میرا یا اپنی بچی کے خرچہ پانی کو کچھ دیا اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی خیر خبر ہی لی، اب جب کہ مجھے کل طلاق ہوئی تو میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ شریعت مجھے عدت کا حکم کرتی ہے، تو کتنی مدت تک؟

المستفتی: نفیساً محلّہ مسجد ملا قاسم والی، فیل خانہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں شرعی طور پر آپ پر عدت گذارنا واجب ہے اور پوری تین ماہواری عدت میں گذارنا واجب ہے۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرة: ۲۲۸]﴾

عن ابن جريج: ثلاثة قروء، ابن جريج عن عطاء الخراساني عن ابن

عباس قال: ثلاث حيض. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، العدد، باب من قال: الأقراء الحيض، دار الفكر بيروت ۱۱/۳۷۷، رقم: ۱۵۸۰۲-۱۵۸۰۳)

إذا طلق الرجل امرأته وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه، اشرفی ديوبند ۲/۴۲۲، هنديه زكريا قديم ۱/۵۲۶، جديد ۱/۵۸۰)

ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق الخ. (هدايه / باب العدة اشرفی ديوبند ۲/۴۲۵، هنديه زكريا قديم ۱/۵۳۱، جديد ۵۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱/۱۴۱۳ھ

سوا سال سے علیحدہ رہنے والی بیوی کو شوہر طلاق دیدے تو عدت کا حکم

سوال [۷۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت سوا سال سے اپنے شوہر کی ناراضگی کی وجہ سے اپنی ماں کے گھر پر ہے، اب سوا سال کے بعد اس کا شوہر اس کو ابھی پندرہ دن قبل طلاق دیدیتا ہے، اس عورت کے والدین اس لڑکی کی شادی دوسری جگہ کرنا چاہتے ہیں اور رشتہ بھی مناسب جگہ سے آیا ہے، کیا اس حالت میں عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس میں کوئی گنجائش ہے کہ جلد شادی کردی جائے؟

المستفتی: محمد اسلم لال باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت جب سوا سال سے شوہر کی ناراضگی کی وجہ سے اپنی ماں کے گھر پر ہے اور شوہر نے ابھی پندرہ دن قبل طلاق دی ہے تو ایسی صورت میں شوہر کی ناراضگی کی وجہ سے جو سوا سال کا زمانہ گذرا ہے وہ عدت کے لیے کافی نہ ہوگا، بلکہ طلاق کے بعد الگ سے تین ماہواری عدت گذارنا واجب ہوگا، اور دورانِ عدت دوسرا نکاح کرنا کسی صورت میں درست نہ ہوگا۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ .[البقرة: ٢٢٨]﴾

قـال مـحمد: إذا فارق الرجل امرأته زمانا ثم قال لها كنت طلقتک منذ كذا (إلى قوله) وتعتبر عدتها من ذٰلک الوقت. (عـناية مع فتح القدير، كتاب الطلاق، باب العدة، دار الفكر بيروت ٣٢٩/٤، کوئٹہ ١٥٤/٤، زكريا ٢٩٧/٤، تاتارخانية زكريا ٢٣٤/٥ رقم: ٧٧٤٠)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذٰلک المعتدة سواء كانت العدة عن طلاق أو وفاة. (عالمگیری زکریا قدیم ٢٨٠/١، جدید زکریا ٣٤٦/١)

وإذا طـلـق الـرجـل امـرأته طلاقا بائنا أو رجعيا (إلى قوله) وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هـدايه، باب العدة اشرفی دیو بند ٤٢٢/٢، هنديه، زكريا قديم ٥٢٦/١، جديد ٥٨٠/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۸۰/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۷؍۱۴۲۶ھ

ڈھائی سال سے الگ رہنے والی عورت پر طلاق کی صورت میں عدت کا حکم

سوال [۷۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی، تین روز کے بعد سہاگ رات میں ہم بستری بھی کی، پھر ہندہ اپنے والدین کے گھر پہنچ گئی، ڈھائی سال تک ہندہ نے اپنے والدین کے گھر ہی قیام وطعام کیا، اس کے بعد درمیان میں زید نے نہ ہندہ کو دیکھا اور نہ وہ اسے لینے آیا اور نہ ہندہ زید کے گھر گئی، ڈھائی سال بعد زید ہندہ کو طلاق دیتا ہے تو کیا اس کے لیے ہندہ کو عدت گذارنی ہوگی یا نہیں؟ جواب قرآن وحدیث سے عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد ضمیر محلہ رحمت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں بھی عدت گذارنی واجب ہے،

بلاعدت دوسرا نکاح باطل اور حرام ہوگا۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ. [البقرة: ٢٣٥]﴾

﴿قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرة: ٢٢٨]﴾

ابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق. (هداية، باب العدة، اشرفي ديوبند ٢/٤٢٥، هندية زكريا قديم ١/٥٣١، جديد ١/٥٨٤)

إذا طلق الرجل امرأته ...... فعدتها ثلاثة أقراء. (هداية، اشرفي ديوبند ٢/٤٢٢، هندية زكريا قديم ١/٥٢٦، جديد ١/٥٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰رشوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۲۶۳)

دوسرے نکاح کے لیے عدت گزارنا لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۷۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی کو اپنے گھر سے نکال دیا تو وہ اپنی بہن ماموں زاد کے مکان پر آ گئی، اب قریب ۵رسال ہوگئے، اس کو اپنی بہن کے پاس رہتے ہوئے، اب وہ نکاح کرنا چاہتی ہے، تو اس بات کو سن کر اس کے پاس آدمی گئے، اسے جا کر کہا کہ اپنی بیوی کو لے آ، تو اس نے فوراً طلاق دیدی تو کیا اس کو عدت کرنی ہوگی؟

المستفتی: عبداللہ طوطاپور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلاق سے قبل میاں بیوی کے درمیان عرصۂ دراز تک دوری کا ہونا طلاق کی عدت کو ختم نہیں کرتا، بلکہ طلاق کے بعد نکاح ثانی کرنے کے لیے باقاعدہ عدت گذارنا لازم ہے، اس کے بغیر دوسرے مرد کے ساتھ نکاح درست نہیں ہوگا۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ.
[البقرة: ۲۳۵]﴾

ومبدء العدة بعد الطلاق وبعد الموت. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، كراچی ۳/ ۵۲۰، زكريا ۵/ ۲۰۲)

وابتداء العدة فی الطلاق عقيب الطلاق. (هدايه، اشرفی ديوبند ۲/ ۴۲۵، هنديه، زكريا قديم ۱/ ۵۳۱، جديد ۱/ ۵۸۴)

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته (إلى قوله) لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامی، كتاب النكاح، مطلب فی النكاح الفاسد، كراچی ۳/ ۱۳۲، زكريا ۴/ ۲۷۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۹۳/۲۵)

کیا طلاق سے قبل کی علیٰحدگی عدت میں شمار ہوگی؟

سوال [۷۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت شوہر کے گھر سے اپنی ماں کے یہاں آگئی، اس سے پوچھا تو کیوں آگئی، اس نے کہا میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی، پوچھا تیرا کوئی گواہ ہے، کہنے لگی مجھے رات میں طلاق دی ہے، اس وقت میرے شوہر کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں تھا، اس کے شوہر سے پوچھا گیا اس نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی، وہ جھوٹ بولتی ہے، مرد اس بات پر ناراض ہوکر اپنی بیوی کو لینے نہیں آیا، جب مرد سے کہا جاتا ہے کہ اپنی بیوی کو لے آؤ تو وہ کہہ دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ گئی ہے خود آجائے، میں لینے نہیں جاؤں گا، لوگوں نے اس کو سمجھایا کہ بھائی دیکھ اب وہ تیرے گھر نہیں رہے گی اس لیے تو اس کو طلاق دیدے، لیکن وہ نہیں مانا، چار

سال بیوی کوالگ رہتے ہوئے بیت گئے، کچھ معزز لوگوں کے سمجھانے سے اس نے اپنی بیوی کو با قاعدہ تحریری طلاق دے دی، اس کے دستخط کرائے گئے، اورمنہ سے تین بار کہلوایا گیا، اب یہ بتایا جائے کہ وہ عورت اپنے مردسے چارسال الگ رہی اب چارسال کے بعد مرد نے طلاق دیدی، کیا اب اس کو عدت کرنی پڑے گی یا چارسال کے اندر ہی عدت پوری ہوگئی، جیسا کہ عورت کہتی تھی کہ میرے مرد نے مجھے طلاق دیدی؟

المستفتی: ایس اے خان، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: عورت کا قول بغیر دو عادل گواہوں کے معتبر نہیں، چارسال بعد طلاق دینے پر بھی شرعاً طلاق کے بعد پوری عدت گذارنی واجب ہے، جبکہ عورت سے نکاح کے بعد صحبت یا خلوت صحیحہ ہوئی ہو۔

﴿**قال الله تعالیٰ: وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِجَالِكُمۡ فَاِنۡ لَمۡ يَكُوۡنَا رَجُلَيۡنِ فَرَجُلٌ وَامۡرَاَتَانِ مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ.**[البقرة: ۲۸۲]﴾

وما سوى ذٰلک من الحقوق يقبل فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين سواء كان الحق مالا أو غير مال مثل النكاح والطلاق. (هدايه، كتاب الشهادة، اشرفی ديوبند ۳/ ۱۵٤)

﴿**قال الله تعالیٰ: وَالۡمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوۡءٍ.**[البقرة: ۲۲۸]﴾

إذا طلق الرجل امرأته ...... فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه، باب العدة، اشرفی ديوبند ۲/ ٤۲۲، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۲٦، جديد ۱/ ۵۸۰)

ومبدء العدة بعد الطلاق و بعد الموت. (الدر المختار، كراچی ۳/ ۵۲۰، زكريا ۵/ ۲۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۰۱)

حائضہ اور حاملہ کی عدت کی میعاد

سوال [۷۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت کی طلاق کے بعد عدت کی کیا میعاد ہوتی ہے اور اگر عورت حاملہ ہو تو عدت کب پوری ہوگی؟ عدت کی تمام شکلیں واضح فرمادیں، نان ونفقہ کتنے دن کا ادا کیا جائے گا؟

المستفتی: حسنین، محلّہ سرائے شیخ محمود مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مطلقہ غیر حاملہ کی عدت جبکہ وہ حائضہ ہو تین حیض ہیں، اور حاملہ ہونے کی صورت میں ولادت کے بعد اس کی عدت پوری ہوجائے گی۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلاثَةَ قُرُوْءٍ. [البقرة: ۲۲۸]﴾

عن عائشة قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (ابن ماجه، الطلاق، باب خيار الأمة إذا اعتقت، النسخة الهندية ۱۵۰، دار السلام رقم: ۲۰۷۷)

إذا طلق الرجل طلاقا بائنا أو رجعيا أو ثلاثا أو وقعت الفرقة بينها بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة قروء. (هنديه، زكريا قديم ۱/۵۲۶، جديد ۱/۵۸۰، هدايه، اشرفي ديوبند ۲/۴۲۳، تاتارخانية زكريا ۵/۲۲۸ رقم: ۷۷۲۷)

﴿قال الله تعالیٰ: وَأُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. [الطلاق: ۴]﴾

عدة الحامل أن تضع حملها. (هنديه، زكريا قديم ۱/۵۲۸، جديد ۱/۵۸۱، هدايه، اشرفي ديوبند ۲/۴۲۳، تاتارخانية زكريا ۵/۲۲۸ رقم: ۷۷۲۴)

اگر شوہر کی مرضی کے مطابق جہاں پر شوہر چاہتا ہے وہاں عدت گذارے تو عدت کا خرچہ شوہر پر لازم ہے اور اگر شوہر کی مرضی کے خلاف جگہ پر عدت گذارے تو عدت کا خرچہ شوہر پر نہیں ہوگا۔

وفي المجتبیٰ: نفقة العدة كنفقة النكاح وفي الذخيرة: و تسقط

بالنشوز وتعود بالعود. (شامی، باب العدة، مطلب: فی نفقة المطلقة، کراچی ۳/۶۰۹، زکریا ۵/۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۰۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۳ھ

حاملہ کی عدت اور خرچہ کا حکم

سوال [۷۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا طلاق شدہ عورت کا تین ماہ دس دن تک اپنے گھر یا سسرال میں گھر میں رہنا ضروری ہے جبکہ وہ حاملہ بھی ہے؟

(۲) کیا مطلقہ طلاق کی عدت پوری کیے بغیر خرچۂ عدت مانگنے کے لیے عدالتی چارہ جوئی کرنے جاسکتی ہے؟

(۳) شریعت کے مطابق خرچۂ عدت کس قدر طلب کرسکتی ہے؟

المستفتی: محمد یوسف ولد جناب حبیب اللہ، بر والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طلاق شدہ عورت حاملہ ہے تو اس کی ولادت کے بعد عدت پوری ہوگئی ہے، چاہے ایک ماہ میں ولادت ہو جائے یا کئی مہینوں میں، تین ماہ کی قید نہیں، اگر عورت ناشزہ نہیں ہے تو ولادت تک عدت کا خرچ شوہر پر لازم ہے، اور اگر شوہر عدت اور ولادت کا خرچ نہ دے تو اس کے لیے عدالتی چارہ جوئی کرنا جائز ہے، اور اگر وہاں حاضری کی ضرورت ہے تو حاضر بھی ہوسکتی ہے۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: **وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ.** [الطلاق: ٤]﴾

وعدة الحامل أن تضع حملها. (هندیه، زکریا قدیم ۱/۵۲۸، جدید ۱/۵۸۱، هدایه، اشرفی دیوبند ۲/۴۲۳، تاتارخانیة زکریا ۵/۲۲۸ رقم: ۷۷۲۷)

أن معتدة الموت لما كانت فى العادة محتاجة إلى الخروج لأجل أن تكتسب للنفقة قالوا: إنها تخرج فى النهار و بعض الليل، بخلاف المطلقة، وأما الخروج للضرورة فلا فرق فيه بينهما. (شامی، کراچی ۳/۵۳٦، زکریا ۵/۲۲۵)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى فى عدتها رجعيا كان أو بائنا (قوله) و إن كن أولات حمل فانفقوا عليهن الآية، وأن النفقة جزاء احتباس على ما ذكروا الاحتباس قائم فى حق حكم مقصود بالنكاح والولد إذا العدة واجبة لصيانة الولد فتجب النفقة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة اشرفى ديوبند ۲/۴۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۴ھ

اسقاط حمل کی صورت میں عدت کا حکم

سوال [۷۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہندہ حالت حمل سے تھی شوہر نے طلاق دیدی، ابھی تین مہینے کا حمل تھا کہ اسقاط ہوگیا یا دوائی کھالی جس سے حمل ساقط ہوگیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا حمل ساقط ہوجانے سے یا کردینے سے جبکہ صرف تین مہینے کا حمل تھا ابھی ہاتھ پاؤں وغیرہ بھی نہیں بنے تھے، کیا ہندہ کی عدت پوری ہوئی یا نہیں؟

(۲) تین مہینے کے اسقاط سے اگر ہندہ کی عدت پوری نہیں ہوئی تو اسقاط کے بعد عدت کی مدت تین حیض ہوں گے یا تین مہینے؟ عورتوں کے بتلانے کے مطابق تو اسقاط ہوجانے سے کئی مہینے کے بعد حیض شروع ہوتا ہے، اس حالت میں عدت حیض سے شمار ہوگی، چاہے کتنے ہی دنوں میں تین حیض پورے ہوں یا تین مہینے ہوگی؟

(۳) ہندہ کا حمل ساقط ہونے سے پہلے ایک مہینہ عدت کا گذر چکا ہے یہ ایک مہینہ کس شمار میں ہوگا، اگر مہینوں سے عدت پوری ہوگی، تو یہ مہینہ شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ اگر حیض سے شمار ہوگی تو اس مہینہ کا کیا ہوگا؟

المستفتی: محمد اکبر پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ساقط ہوجانے والے حمل کے اگر تمام ہی اعضاء یا بعض اعضاء بن گئے ہیں یعنی وہ حمل تام الخلقت ہوگیا ہو یا بعض الخلقت ہو تب تو اس کے ساقط ہوجانے سے عدت پوری ہوجاتی ہے اور یہ بات کم از کم حمل کی مدت چار مہینے پوری ہونے کے بعد پائی جاتی ہے، اور مذکورہ سوال میں چونکہ ہندہ کا حمل تین ماہ کا ہے لہٰذا اس ساقط ہوجانے والے حمل یا دوا کھا کر صفائی کر دینے کی صورت میں اس حمل سے عدت پوری نہ ہوگی بلکہ ازسرنو عدت گذارنا لازم ہوگا۔

وشرط انقضاء هذه العدة أن يكون ما وضعت قد استبان خلقه أو بعض خلقه فإن لم يستبن رأسا بأن سقطت علقة أو مضغة لم تنقض العدة؛ لأنه إذا استبان خلقه أو بعض خلقه فهو ولد فقد وجد وضع الحمل فتنقضی به العدة، وإذا لم يستبن لم يعلم كونه ولدا بل يحتمل أن يكون و يحتمل أن لايكون فيقع الشک فی وضع الحمل فلا تنقضی العدة بالشک. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فی الكلام فی عدة الحبل، زكريا ۳/۳۱۱)

لا يستبين خلقه إلافی مأة و عشرين يوما أربعين يوما نطفة و أربعين علقة و أربعين مضغة ثم ينفخ فيه الروح، الحاصل: أن السقط الذی استبان بعض خلقه يعتبر فيه أربعة أشهر و تام الخلق ستة أشهر. (البحر الرائق، باب العدة، كوئٹه ۴/۱۳۶، زكريا ۴/۲۳۰)

(۲) تین مہینے کے حمل کے اسقاط سے عدت پوری نہ ہوگی بلکہ ازسرنو عدت گذارنی پڑے گی اور چونکہ ہندہ ذوات الحیض میں سے ہے، اس لیے تین حیض کے ذریعہ عدت

گذارے گی اور یہ تین حیض خواہ کتنے ہی لمبے زمانے میں پورے ہوں البتہ تین مہینے سے پہلے ساقط شدہ حمل کے ساتھ جوخون جاری ہوتا ہے اگر وہ کم از کم تین دن تک برابر جاری رہے تو اس کو ایک حیض شمار کرلیا جائے گا اس کے بعد مزید دو حیض اور گذارنے ہوں گے، اور اگر تین دن سے پہلے بند ہوجاتا ہے تو وہ حیض میں شمار نہ ہوگا، لہٰذا اس کے بعد الگ سے تین حیض تک عدت گذارنا لازم ہوگا۔

إذا طلق امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو ثلاثا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هنديه، زكريا قديم ١/٥٢٦، جديد ١/٥٨٠، هدايه اشرفي ديوبند ٢/٤٢٢)

إذا تأخر حيض المطلقة لعارض أو غيره بقيت في العدة حتى تحيض أو تبلغ حد الإياس. (شامي، باب العدة، مطلب في عدة الموت، كراچی ٣/٥١٠، زكريا ٥/١٨٩)

والمرئي أي الدم المرئي مع السقط الذي لم يظهر من خلقه شيئ حيض إن دام ثلاثا و تقدمه طهر تام وإلا استحاضة. (در مختار مع الشامي، باب الحيض، مطلب: في أحوال السقط و أحكامه، كراچی ١/٣٠٣، زكريا ١/٥٠١)

(۳) اسقاط حمل چار ماہ گذرنے سے پہلے ہوجائے تو اس اسقاط سے پہلے خواہ ایک ماہ گذر گیا ہو یا زائد وہ عدت میں شمار نہ ہوگا، عدت میں شمار جب ہوتا جبکہ عدت اسقاط حمل سے پوری ہوتی، لہٰذا اسقاط حمل سے پہلے گذرنے والے مہینے کا کوئی اعتبار نہیں، از سر نو اس پر تین حیض عدت گذارنا لازم ہے۔

والسقط أن ظهر بعض خلقه تصير به أمه نفساء والأمة أم الولد ...... وتنقضى به العدة فإن لم يظهر بعض خلقه فالمرئي حيض مادام ثلاثا وإلا استحاضة.

(الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر قديم ١/٥٦، جديد دار الكتب العلمية بيروت ١/٨٣)

إن كانت آئسة فاعتدت بالشهور ثم رأت الدم انتقض ما مضى من عدتها و عليها أن تستانف العدة بالحيض. (هنديه، زكريا قديم ١/٥٢٩، جديد

۱/ ۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ؍صفر ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۲/۲۷ھ

کیا حمل کے ساقط ہونے سے عدت پوری ہوجائے گی؟

سوال [۷۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زوجہ کو طلاق رجعی دی، اور بوقت طلاق وہ تین ماہ کی حاملہ تھی، زوجین میں علیحدگی کے ایک ماہ بعد از خود سقوط حمل ہوگیا، تو کیا سقوط جنین سے مطلقہ رجعیہ کی عدت مکمل ہوگئی؟ اور کیا وہ زید کے عدم تجدید نکاح کے سبب کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد اقبال مدرسہ شمس العلوم کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق صریح رجعی کے بعد اگر شوہر نے عدت کے اندر اندر رجعت نہیں کی ہے حتی کہ سقوط حمل کے ذریعہ سے عدت گذر گئی ہے اور حمل بھی چار مہینہ سے زیادہ کا ہے تو اب عورت شوہر کے نکاح سے بالکل آزاد ہوچکی ہے، وہ اپنی مرضی سے چاہے اسی شوہر سے دوبارہ نکاح کرے یا اپنی مرضی سے کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرے اس کو اختیار ہے، اس میں شوہر کا کوئی دخل نہیں ہے، اور اگر حمل چار مہینہ سے کم کا ہے تو اس کے ساقط ہونے کی وجہ سے عدت پوری نہیں ہوگی۔

والمراد به الحمل الذی استبان بعض خلقه أو كله فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة ...... وفيه عنه أيضا أنه لايستبين إلا فی مأة و عشرين يوما وفيه عن المجتبىٰ أن المستبين بعض خلقه يعتبر فيه أربعة أشهر و تام

الخلق ستة أشهر. (فتاویٰ شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: فی عدة الموت زکریا ۵/ ۱۹۰، کراچی ۳/ ۵۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۷۶۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۴ھ

مطلقہ حاملہ کا حمل ڈیڑھ ماہ پر ساقط ہو جائے تو عدت کی شکل کیا ہوگی؟

سوال [۷۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مطلقہ حاملہ کا حمل جو کہ تقریباً ڈیڑھ ماہ کا ہے ساقط ہو جائے تو عدت کی شکل کیا ہوگی؟

المستفتی: محمد عمران لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: استقرار حمل کے ڈیڑھ مہینہ کے بعد اسقاط حمل سے عورت کی عدت پوری نہیں ہوگی، بلکہ تین ماہواری گذرنے کے ذریعہ سے عدت پوری ہوگی، ہاں البتہ اسقاط حمل کے بعد اگر کم از کم تین روز خون آئے تو وہ بھی حیض شمار ہوگا، اس کے بعد دو حیض گذرنے سے عدت پوری ہو جائے گی اور اگر اسقاط کے بعد تین روز سے کم خون آیا تو وہ حیض شمار نہ ہوگا، بلکہ اس کے بعد تین حیض گذرنے پر عدت پوری ہوگی۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۳۲)

أن المستبين بعض خلقه يعتبر فيه أربعة أشهر و إن أسقطت سقطا إن استبان بعض خلقه انقضت به العدة و إلا فلا. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: فی عدة الموت، کراچی ۳/ ۵۱۱- ۵۱۲، زکریا ۵/ ۱۹۰)

و إن لم يظهر له شيئ فليس بشيئ و المرئى حيض إن دام ثلاثا ...... و إلا استحاضة. (در مختار مع الشامی، باب الحيض، مطلب فی احوال السقط و

أحکامه کراچی ۱/ ۳۰۲، زکریا ۱/ ۵۰۱، البحر الرائق کوئٹہ ۱/ ۲۱۹، زکریا ۱/ ۳۷۹، هندیه، زکریا قدیم ۱/ ۳۸، جدید ۱/ ۹۲، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ۱/ ۱۸۷، کوئٹہ ۱/ ۱٦٦، زکریا ۱/ ۱۸۹، بدائع الصنائع زکریا ۱/ ۱٦۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۹۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۱۴ھ

دو مہینے کے وضع حمل سے کیا عدت پوری ہو جائے گی؟

سوال [۷۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ متوفی عنہا زوجہا حاملہ ہے، شوہر کے انتقال کے وقت ڈیڑھ ماہ کی حاملہ تھی، اور انتقال کے پندرہ، بیس دن کے بعد وضع حمل ہو گیا اور ابھی بچہ میں نہ جان پڑی ہے اور نہ ہی اس کے اعضاء بنے ہیں، تو اس دو مہینے کے وضع حمل کے ذریعہ سے اس حاملہ عورت کی عدت پوری ہو گئی ہے یا نہیں؟ اسی طرح چار مہینے پورے ہونے سے پہلے وضع حمل ہونے کا حکم کیا ہے؟ اور اس چار مہینے پورے ہونے سے عدت پوری ہوگئی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد الغفور روڑکلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وضع حمل کے ذریعہ سے عدت پوری ہونے کے لیے یہ لازم اور ضروری ہے کہ بچہ کی خلقت واضح ہوگئی ہو، یا اس کے ہاتھ پیر بن گئے ہوں، یا اس میں جان پڑگئی ہو، اور اس کی مدت چار مہینے یعنی ۱۲۰/ دن شمار کی گئی ہے، لہٰذا چار مہینے سے پہلے جو حمل گر گیا ہے یا خود سے صفائی کرا لی ہے، دونوں صورتوں میں عدت پوری نہیں ہوگی، اور بلا سخت مجبوری کے صفائی کرانے پر عورت گنہگار ہوگی، اور متوفی عنہا زوجہا کے لیے وفات کے وقت سے چار مہینے دس دن عدتِ وفات گزارنا لازم ہوگا، اور مطلقہ کے لیے

ضروری ہے کہ اس حمل کے گرنے یا صفائی کے بعد تین دن تک اگر خون جاری رہا تو یہ ایک حیض شمار ہوگا، اس کے بعد دو حیض گزارنا لازم ہوگا، اور اگر مدت حمل چار مہینے پوری ہونے کے بعد اسقاط ہوا ہے یا صفائی کرالی ہے، دونوں صورتوں میں وضع حمل شمار ہوگا اور اس کی وجہ سے عدت بھی پوری ہو جائے گی، چاہے عورت متوفی عنہا زوجہا ہو یا مطلقہ، دونوں کے لیے وضع حمل کے ذریعہ عدت پوری ہوجائے گی، لیکن چار مہینے کے بعد بغیر کسی سخت مجبوری کے صفائی کرانے کی صورت میں عورت سخت گنہگار ہوگی۔

والمراد به الحمل الذى استبان بعض خلقه أو كله فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة؛ لأن الحمل إسم لنطفة متغير، فإذا كان مضغة أو علقة لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلاباستبانة بعض الخلق، بحر عن المحيط: وفيه عنه أيضا: أنه لايستبين إلا فى مأة و عشرين يوما وفيه عن المجتبىٰ أن المستبين بعض خلقه يعتبر فيه أربعة أشهر و تام الخلق ستة أشهر. (فتاویٰ شامی، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: فى عدة الموت زكريا ۵/ ۱۹۰، کراچی ۳/ ۵۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۳۰۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۷/۱۴۳۶ھ

حمل کے ساقط کرانے سے عدت کی تکمیل کا حکم

سوال [۷۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مبشرہ جس کو دو ماہ کا حمل ہے، اس کے شوہر خالد نے طلاق مغلظہ دیدی، مبشرہ نے پندرہ دن کے بعد اپنے حمل کو ساقط کرادیا، ایسی صورت میں اس کی عدت پوری ہوگئی یا مزید مبشرہ کو عدت گذارنے کے لیے انتظار کرنا پڑے گا؟

المستفتی: خورشید انور سبزی منڈی، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں مبشرہ کوطلاق مغلظہ دینے کے بعد جب اس نے دومہینہ کے حمل کو پندرہ دن کے بعد ساقط کردیا توچونکہ اس حمل کے اعضاء ظاہر نہیں ہوئے تھے، اس لیے اسقاط حمل کی وجہ سے عدت پوری نہ ہوگی، بلکہ اسے ازسرنو تین حیض کے ذریعہ سے عدت پوری کرنی ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۱۴۷)

قال في البحر: وإذا أسقطت سقطا استبان بعض خلقه انقضت به العدة، لأنه ولد وإن لم يستبن بعض خلقه لم تنقض، لأن الحمل إسم لنطفة متغيرة بدليل أن الساقط إذا كان علقة أو مضغة لم تنقض به العدة، لأنها لم تتغير فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبانة بعض الخلق، كذا في المحيط. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة، كوئٹه ٤/ ١٣٥، زكريا ٤/ ٢٢٩، شامي كراچی ٣/ ٥١١، زكريا ٥/ ١٩٠، الموسوعة الفقهية ٢٩/ ٣١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۷؍۷؍۱۴۲۹ھ

کیا حلالہ کے بعد بھی عدت ہے؟

سوال [۷۱۹۳]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حلالہ کرنے کے بعد فوراً پہلا شوہر نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیا حلالہ کے بعد عورت کے لیے عدت ہے؟ جواب بالتفصیل مع الدلیل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسلم فیضی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حلالہ کے بعد شوہر اول فوراً نکاح نہیں کرسکتا بلکہ عورت کے جب تین حیض گذر جائیں اور اگر حلالہ کی وجہ سے حمل قرار پا گیا تو وضع حمل کے

بعد شوہر اول نکاح کرسکتا ہے اس سے پہلے نکاح جائز نہیں ہے۔

رجـل طلق امرأته ثلاثا فتزوجت من ساعته رجلا و دخل بها الثانی ثم فـرق بينهما كان عليها الاعتداد بثلاث حيض. (هـنديه، كتاب الطلاق، قبيل الباب الرابع عشر فی الحداد، زكريا قديم ۱/۵۳۳، جديد ۱/۵۸۵)

لا يـنـكـح مـطـلـقة بها أی بالثلاث لو حرة ...... حتى يطأها غيره ولو مـراهـقا بنكاح وتمضی عدته أی الثانی. (تـنـويـر الأبصار مع الدر المختار كراچی ۳/۴۰۹ - ۴۱۲، زكـريـا ۵/۴۰ - ۴۳، وكـذا يستفاد من عبارة الهداية قبيل باب الايلاء، اشرفی ديوبند ۲/۴۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۶۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۷/۵ھ

تین طلاق کے بعد بیوی عدت کہاں گذارے؟

سوال [۷۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صغریٰ بنت عبد الرشید شاہ پور مبارکپور کی رہنے والی ہوں، میری شادی بیگم پور محمد یوسف ولد محمد یعقوب سے ہوئی تھی، اب ہم دونوں میاں بیوی میں نا اتفاقی ہونے کی وجہ سے میرے شوہر نے مجھے تین طلاق کہہ دیا ہے، تین بار صاف لفظ میں میرے دونوں بیٹوں کی موجودگی میں ایک کی عمر ۱۸؍سال دوسرے کی عمر ۲۰؍سال ہے اور تیسرا آدمی محلّہ کا تھا، جس کی عمر ۳۰؍سال ہے ان سب کی موجودگی میں طلاق دی ہے، کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی ہے تو کیا لڑکی عدت شوہر کے گھر میں گذارے گی یا نہیں؟

المستفتی: محمد دلشاد شاہ پور، مبارکپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے بیوی کو تین طلاق دی ہیں جیسا کہ سوالنامہ

میں اس کی وضاحت ہے تو بیوی کے اوپر طلاق مغلظہ واقع ہو کر شوہر کے اوپر قطعی طور پر حرام ہو چکی ہے، اب آئندہ بغیر حلالہ شرعیہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں ہوگا، اور بیوی شوہر کے گھر میں عدت گذار سکتی ہے لیکن اس دوران شوہر سے سخت پردہ لازم ہے۔

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها كذا في الهداية: ولا فرق في ذٰلك بين كون المطلقة مدخولا بها أو غير مدخول بها كذا في فتح القدير. (عالمگیری، زكرياقديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هدايه اشرفي ديوبند ٢/٣٩٩، تاتارخانية زكريا ٥/١٤٧ رقم: ٧٥٠٣)

ولهما أن يسكنا بعد الثلاث في بيت واحد إذا لم يلتقيا التقاء الأزواج ولم يكن فيه خوف فتنة. (در مختار مع الشامي، باب العدة، كراچی ٣/٥٣٨، زكريا ٥/٢٢٧، البحر الرائق زكريا ٤/٢٦١، كوئٹه ٤/١٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۲۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

مطلقہ کی عدت

سوال [۷۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیٹی کو ۲۴/ رجون ۹۴ء بروز جمعہ محرم کی ۱۳/ تاریخ کو طلاق ہوئی تھی، لہٰذا اب آپ یہ بتلا دیجئے کہ عدت پوری ہونے میں کتنے دن باقی ہیں اور عدت پوری ہونے کے دن کہیں جانا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسد شمسی، کنگ پریس مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کی عدت تین حیض سے اور جس دن تین

ماہواری سے فارغ ہو جائے گی اسی دن اس کی عدت پوری ہو جائے گی اس میں ایام کی تعداد کا اعتبار نہیں ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ .[البقرة: ٢٢٨]﴾

عن عائشة قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (ابن ماجه، الطلاق، باب خيار الأمة إذا اعتقت، النسخة الهندية ١/ ١٥٠، دار السلام رقم: ٢٠٧٧)

إذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا (إلى قوله) ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة اشرفي ديوبند ٢/ ٤٢٢، هنديه زكريا قديم ١/ ٥٢٦، جديد ١/ ٥٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۶۹)

مطلقہ کی عدت تین حیض ہے

سوال [۷۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت مطلقہ ہو چکی ہے اب شوہر اس مطلقہ عورت کو زمانہ عدت کا نان ونفقہ دینا چاہتا ہے، لہٰذا آپ شریعت کی روشنی میں بتائیں کہ عدت کے زمانہ کے نفقہ کی مقدار کیا ہوگی؟ کیا عدت کا زمانہ تین ماہ دس دن کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسماعیل اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت کا زمانہ تین ماہ دس دن نہیں ہے بلکہ تین مرتبہ ماہواری کا پورا ہونا ہے، اب تین ماہواری میں جتنے روز بھی لگ جائیں وہ عدت میں شامل ہو جائیں گے، اور عدت کے زمانہ میں خرچ شوہر کی آمدنی اور کمائی کی رعایت سے وہاں کے اچھے لوگ متعین کر دیں، اور اس میں شوہر کے دوسرے اخراجات کی رعایت بھی

ملحوظ رکھی جائے، شریعت نے غریبوں کے لیے ادنیٰ خرچہ اور درمیانی لوگوں کے لیے درمیانی اور اعلیٰ مالداروں کے لیے اعلیٰ خرچہ کی رعایت رکھی ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ .[البقرة: ۲۲۸]﴾

ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة، اشرفی ديو بند ۲/ ۴۲۲، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۲۶، جديد ۱/ ۵۸۰)

الاعتبار لمال الرجل. (شامی، باب النفقة، كراچی ۳/ ۵۷۵، زكريا ۵/ ۲۸۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۰۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۲۷ھ

مطلقہ عورت کی عدت کی مقدار

سوال [۷۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مطلقہ عورت کی عدت کی مدت کتنی ہے، چار مہینہ دس دن یا تین مہینہ ۱۳/ دن یا اس سے بھی کم ہوسکتی ہے، وضاحت فرمادیں، عین نوازش ہوگی، چونکہ ہمارے گاؤں میں پورے دو ماہ بھی نہیں ہونے پاتے ہیں جلد ہی نکاح کی تیاری ہے، بتلاتے ہیں کہ مولوی صاحب سے معلوم کرلیا ہے، لڑکی کی شادی ہونے کے بعد اپنے شوہر کے یہاں ایک سال رہی ہے اور اولاد کوئی نہیں ہے۔

المستفتی: عبد الغفار مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوان مطلقہ عورت کی عدت نہ چار مہینے دس دن ہے اور نہ ہی تین مہینے ۱۳/ دن بلکہ اس کی عدت تین ماہواری ہے، ایام کی تعداد متعین نہیں ہے، جتنے ایام میں تین ماہواری پوری ہوجائے وہی عدت ہے۔

﴿قال الله تعالىٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ .[البقرة: ٢٢٨]﴾

عـن عائشة قالت: أمرت بريرة أن تعتد بثلاث حيض. (سنن ابن ماجه، الطلاق، باب خيار الأمة إذا اعتقت، النسخة الهندية ١/ ١٥٠، دار السلام رقم: ٢٠٧٧)

وإذا طـلـق الـرجـل امـرأتـه ...... وهى حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هـدايـه، اشـرفـی ديـوبـند، كتاب الطلاق، باب العدة ٢/ ٤٢٢، هنديه زكريا قديم ١/ ٥٢٦، جديد ١/ ٥٨٠)

تـحيض لطلاق (إلى قوله) ثلاث حيض كوامل. (شامی، كتاب الطلاق، باب العدة، زكريا ٥/ ١٨٢، كراچی ٣/ ٥٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۷۷)

مطلقہ کی عدت کتنے یوم ہے اور عدت میں بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے؟

سوال [۱۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شرعی طور پر طلاق ہوجانے کی صورت میں عورت کو شرعاً زیادہ سے زیادہ کتنے دن عدت میں بیٹھنے کا حکم ہے؟

(۲) شرعی طور پر عدت میں بیٹھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور اگر وہ اس حکم کی خلاف ورزی کرتی ہے اور عدت کے عرصہ میں کسی ایک گھر میں (میکہ وغیرہ) میں نہ رہ کر کے گھر سے باہر آتی جاتی رہتی ہے تو ایسی حالت میں عورت عدت کی مدت کا خرچہ اپنے شوہر سے طلب کرنے کی حقدار ہے؟

المستفتی: سید جاوید مشتاق محلّہ کٹگھر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جوان عورت جس کو حیض آتا ہے اس کی

عدت تین مرتبہ ماہواری گذرنا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ .[البقرة: ٢٢٨]﴾

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة اشرفي ديوبند ٢/٤٢٢، هنديه زكريا قديم ١/٥٢٦، جديد ١/٥٨٠، شامي كراچي ٣/٥٠٥، زكريا ٥/١٨٢)

(۲) شوہر کی مرضی کے بغیر گھر سے باہر آنے جانے سے شوہر پر عدت کا خرچ لازم نہیں ہوتا ہے، اور شوہر سے طلب کرنے کی حقدار نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۶۴، فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/۱۵۴)

فلا نفقة لها في العدة (إلى قوله) إن خرجت من بيته لنشوزها، وفي المجتبىٰ: نفقة العدة كنفقة النكاح. (شامي، باب النفقة، مطلب في نفقة المطلقة، زكريا ٥/٣٣٣، كراچي ٣/٦٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۵۱)

مطلقہ ثلاثہ کی عدت

سوال [۷۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سلطان جہاں کی شادی مولا دیا کے ساتھ ہوئی تھی، اور تین ماہ تک رہی اس تین ماہ کے بعد دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوگیا اس جھگڑے کے دوران سلطان جہاں اپنے میکے میں آکر رہنے لگی، اور چھ سال تک رہ گئی، اب مولا دیا نے یعنی اس کے شوہر نے تین طلاق دیدی، لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ آپ اس مسئلہ پر غور کرکے بتائیں کہ عدت کتنے دن ہوگی؟

المستفتی: محمد فرقان حسین محلہ سیدھی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں تو طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی اور ایسی صورت میں عورت کی عدت تین حیض ہے۔

﴿قال اللّٰه تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ .[البقرة: ۲۲۸]﴾

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة، اشرفي ديوبند ۲/ ۴۲۲، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۲۶، جديد ۱/ ۵۸۰، شامي كراچي ۳/ ۵۰۵، زكريا ۵/ ۱۸۲، تاتارخانية زكريا ۵/ ۲۲۷، رقم: ۷۷۲۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۰ / ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۱۰)	۱۰/ ۴/ ۱۴۱۴ھ

تین طلاق واقع ہونے کے ۴۵/ روز بعد دوسری جگہ نکاح کا حکم

سوال [۷۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا اور لڑکی کے درمیان شادی ہوئی اور لڑکی اپنے شوہر کے گھر میں دو سال رہی اس کے بعد وہ لڑکی اپنے باپ کے گھر گئی اور باپ کے گھر میں چار مہینہ مقیم رہی اس کے بعد اس لڑکی کے شوہر نے اپنی بیوی کو کسی وجہ سے تین طلاق دیں اور طلاق دینے کے ۴۵/ روز کے بعد اس لڑکی کی دوسری جگہ شادی کردی، تو شادی کردینا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ مزید کتابوں کے حوالہ سے مستدل فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتی: محمد عبد الحسیب، نوگاؤں، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۴۵/ روز میں تین مرتبہ ماہواری سے فراغت ممکن ہے اب اگر مذکورہ لڑکی پر طلاق ہو جانے کے بعد ۴۵/ روز کے اندر اندر تین مرتبہ

ماہواری آکر عدت پوری ہوچکی ہے اوراس کے بعد دوسری جگہ نکاح کیا ہےتو نکاح صحیح ہے اوراگر ۴۵؍روز میں تین مرتبہ ماہواری نہیں ہوئی ہےتو وہ لڑکی اپنی عدت کے اندر تھی، اور عدت کے اندر نکاح درست نہیں ہوتا ہے،اورجو نکاح ہواہے وہ شرعاً فاسد و باطل ہے،لڑکی پر فوراً اس شوہر سے الگ ہوجانا واجب ہے اور جان بوجھ کراس نکاح میں شرکت کرنے والے سب سخت گنہگار رہوں گے،توبہ سب پرلازم ہے۔

وأما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامی، کتاب النکاح، مطلب: في النكاح الفاسد، کراچی ۳/۱۳۲، زکریا ۴/۲۷۴)

لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة. (هنديه، زکریا قدیم ۱/۲۸۰، جدید ۱/۳۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۱۴ھ

مطلقہ مغلظہ کس طرح عدت پوری کرے؟

سوال [۷۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ڈاکٹر جعفر علی ولد حکیم حافظ امیر علی مرحوم محلّہ اندرا چوک مقبرہ روڈ مرادآباد ہوں، میں نے اپنی بیوی شاہانہ بیگم ولد ظفر حسن محلّہ قانون گویان مرحوم کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے، میری بغیر اجازت کے چلی جاتی تھی اس نے رونا چلانا شروع کردیا اوراس نے اپنے لواحقین سے خوب زدوکوب کرایا مجھے، تھانہ گلشہید میں بند کردیا،اس کے آدمی میرے قتل کے درپے ہیں، وہ میرے گھر میں سے نہیں جاتی ،جب میں نے اس کو طلاق دیدی ، میں نے شاہانہ کو اپنے ہوش وحواس میں طلاق تین بار دیدی، اوراس طرح کہا کہ میں نے شاہانہ تم کو

طلاق دیدی، کیا ایسی عورت کا میرے گھر رہنا درست ہے؟

المستفتی: جعفرعلی اندرا چوک مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تین طلاق دیدی ہے تو اس پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اور بیوی شوہر پر بالکل حرام ہوچکی ہے، عدت کے بعد شوہر کے گھر رہنا ہرگز جائز نہ ہوگا اور آئندہ بلا حلالہ دوبارہ نکاح بھی درست نہ ہوگا، بیوی پر لازم ہے، کہ عدت کی شرائط کی رعایت کرتے ہوئے تین ماہواری عدت میں گذاریں، اگر شوہر میکے جا کر عدت گذارنے پر راضی ہے تو میکے میں عدت گزارے ورنہ شوہر کے گھر میں عدت گذارے اور عدت کے بعد فوراً وہاں سے چلی جائے اس گھر میں رہنا ہرگز جائز نہیں، شوہر سے ملنا حرام کاری ہوگی۔

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أويموت عنها.

(هنديه، زكريا قديم ١/٤٧٣، جديد ١/٥٣٥، هدايه، اشرفی ديوبند ٢/٣٩٩، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٨٨، تاتارخانية زكريا ٥/١٤٧ رقم: ٧٥٠٣)

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا (إلى) وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه، باب العدة، اشرفی ديوبند ٢/٤٢٢، هنديه زكريا قديم ١/٥٢٦، جديد ١/٥٨٠)

اور عدت کے دوران اس کے لیے گھر سے باہر آنا جانا جائز نہیں ہے۔

معتدة طلاق و موت في بيت وجبت فيه ولايخرجان منه. (در مختار، باب العدة، زكريا ٥/٢٢٥، كراچی ٣/٣٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۱۹ھ

مطلقہ آئسہ کی عدت

سوال [۷۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اس عورت کی عمر تقریباً ۴۲/سال ہے، اور تقریباً ایک سال سے عورت کو حیض نہیں آرہا ہے، اب سوال یہ ہے کہ وہ عورت مہینوں کے ذریعہ عدت پوری کرے گی یا کس طرح عدت پوری کرے گی؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد قدیر سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں جس عورت کا ذکر کیا ہے اگر واقعتاً اس کو ایک سال سے بالکل حیض نہیں آرہا ہے تو امام مالک کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس عورت پر آئسہ ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا، اور امام مالک کے نزدیک چھ مہینے تک انقطاع حیض کی وجہ سے آئسہ قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا فتویٰ حاصل کرنے کی تاریخ سے تین مہینے گذار کر عدت سے فارغ ہوجائے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۵/ ۴۰۵، جدید زکریا ۸/ ۴۱۵، کفایت المفتی قدیم ۶/ ۳۸۳، ایضاح المسائل ۱۷۰، جدید زکریا مطول ۸/ ۵۹۱)

ممتدة الطهر التی بغلت برؤية الدم ثلاثة أيام ثم امتد طهرها فإنها تبقى فی العدة إلى أن تحيض ثلاث حيض و عند مالك تنقضی عدتها بتسعة أشهر وقد قال فی البزازية: الفتوىٰ فی زماننا علىٰ قول مالك و قال الزاهدی: كان بعض أصحابنا يفتون به للضرورة. (شامی، کتاب المفقود، مطلب: فی الافتاء بمذهب مالك فی زوجة المفقود، کراچی ٤/ ٢٩٦، زکریا ٦/ ٤٦١، البزازیة، باب العدة زکریا جدید ١/ ١٦٦، و علی هامش الهندیة زکریا ٤/ ٢٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۰۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۹ھ

جس کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت کا حکم

سوال [۷۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے چھوٹے لڑکے کو غصہ میں کام نہ کرنے پر مارا، مجھے میری لڑکیوں نے مجبور کیا، تو میں نے مجبور ہوکر ایک ساتھ میں ایک ہی بیٹھک میں اپنی زبان سے تین بار طلاق، طلاق، طلاق کہا، میری بیوی کچھ نہیں کہہ رہی تھی، کیا اس طرح طلاق ہوگئی یا نہیں، یا کتنی طلاق ہوگئیں؟

(۲) مطلقہ کی عمر پچاس سال ہے حیض نہیں آرہا ہے، تو عدت کتنی ہوگی؟

(۳) اگر شوہر بیوی ساتھ رہنا چاہیں تو کیا اس عمر میں بھی حلالہ کرنا ہوگا؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: نبیل احمد گڈھ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں مذکور شوہر کے بیان کے مطابق اس کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہیں، اور بیوی شوہر پر حرام ہوگئی، بیوی کے عمر دراز ہونے کے باوجود بدون حلالہ شرعیہ کے ان کے مابین دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا اور مذکورہ عورت کی عدت اس کے آئسہ ہونے کے سبب تین مہینے ہے۔

﴿**قال الله تعالىٰ: وَاللّٰٓئِىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ وَاللّٰٓئِىْ لَمْ يَحِضْنَ.** [الطلاق: ٤] ﴾

إذا قال لامرأته أنت طالق و طالق و طالق ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولة طلقت ثلاثا. (هنديه، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣، كذا في الأشباه والنظائر قديم ص: ٢١٩ جديد زكريا ٣٧٦، تاتارخانية زكريا ٤/٤٢٩، رقم: ٦٥٩٧)

إذا كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هنديه زكريا قديم ٤٧٣/١، جديد ٥٣٥/١)

والعدة لمن لم تحض لصغر أو كبر أو بلغت بالسن و لم تحض، ثلاثة أشهر . (هنديه، الباب الثالث عشر فی العدة، زکریا قدیم ٥٢٦/١، جدید ٥٨٠/١، تاتارخانية زكريا ٢٢٧/٥، رقم: ٧٧٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۱۰۰۰۷)

وہ عورت جس کی عادت سال میں حیض آنے کی ہو تو وہ عدت کس طرح پوری کریگی؟

سوال [۷۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد نے اپنی بیوی راشدہ کو طلاق مغلظہ دیدی تھی، اور وہ حاملہ تھی، وضع حمل کے بعد راشدہ کا نکاح حامد کے ساتھ ہوا تھا، حامد جو شوہر ثانی ہے اس نے ایک ماہ بعد طلاق دیدی اور جب سے حامد نے طلاق دی ہے تب سے ایک بھی حیض نہیں آیا ہے تقریباً پانچ ماہ ہو گئے ہیں اور اس کا کہنا یہ ہے کہ اس کو ایک سال بعد حیض آتا ہے، یہی ایک سال بعد حیض آنے کو راشدہ نے اپنی عادت بتایا ہے تو کیا اب عدت مہینوں کے ذریعہ شمار کر کے شوہر اول یعنی خالد کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے کہ نہیں، یا حیض کے ذریعہ عدت کا شمار لازم اور ضروری ہے، مسئلہ مذکورہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: مولانا سید علی قاسمی، بسواں سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ بات صحیح ہے کہ راشدہ کو ایک سال میں ہی حیض آتا ہے اور تین حیض کے لیے ڈھائی تین سال گذارنے میں فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے، تو ایسی صورت میں حنفی مسلک کے فقہاء نے امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق اس مسئلہ میں گنجائش بتائی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ طلاق کے بعد ۹ر مہینے پورے ہو جانے کے

بعد پھر تین مہینے عدت کے نام سے گذار دے تو طلاق کے ۱۲ر مہینے بعد راشدہ کی عدت پوری ہو جائے گی ، اور بعض علماء نے چھ مہینے کے انتظار کے بعد ۳ر مہینے عدت گذارنے کو بتلایا، لیکن ۹ر مہینے کے انتظار کے بعد مزید تین مہینے عدت گذارنے میں احتیاط زیادہ ہے۔

روی عـن عـمرؓ أنه قال فی رجل طلق امرأته فحاضت حیضة أو حیضتین فـارتـفـع حیـضها لا تدری ما رفعه تجلس تسعة أشهر فإذا لم یستبن بها الحمل تـعتـد بثلاثة أشهر فذٰلک سنة ولا نعرف لها مخالفا، قال ابن المنذر قضی به عمرؓ بین المهاجرین والأنصار ولم ینکر منکر. (المغنی لابن قدامة، دار الفکر بیروت ۸/ ۹۰)

وإذا طـلـقـت المرأة وهی من ذوات الأقراء ثم أنها لم تر الحیض فی عـادتها ولم تدر ما سببه فإنها تعتد بسنة، تتربص مدة تسعة أشهر لتعلم براءة رحـمهـا، لأن هـذه الـمـدة هی غالب مدة الحمل، فإذا لم یبن الحمل فیها، علم براءة الـرحم ظاهراً ثم تعتد بعد ذٰلک عدة الآیسات ثلاثة أشهر وهذا ما قضی به عمرؓ. (فقه السنة، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۹٤)

الشـابة الـممتدة بالطهر بأن حاضت ثم امتد طهرها، فتعتد بالحیض إلـی أن تبـلـغ سـن الإیاس، ومافی شرح الوهبانیة من انقضائها بتسعة أشهر وتـحته فی الشامیة: قال العلامة: والفتویٰ فی زماننا علی قول مالک و علی مـافـی جـمیع الفصولین لو قضی قاض بانقضاء عدتها بعد مضی تسعة أشهر نـفـذ –وقـوله– قال الزاهدی: وقد کان بعض أصحابنا یفتون بقول مالک فی هذه المسئلة للضرورة. (شامی، باب العدة کراچی ۳/ ۵۰۸–۵۰۹ زکریا ۵/۱۸۵، ۱۸٦)

ولـو قـضـی قـاض بانقضاء عدة الممتدة طهرها بعد مضی تسعة أشهر نـفـذ کـمـا فـی جـامـع الفصولین ونقل فی المجمع أن مالکا یقول: إن عدتها تـنقضی بمضی حول، وفی شرح المنظومة: إن عدة الممتدة طهرها یقول:أن عـدتهـا تـنـقضی بمضی حول، وفی شرح المنظومة: إن عدة الممتدة طهرها تـنـقـضی بتسعة أشهر کمافی الذخیرة معزیا إلی حیض منهاج الشریعة و نقل

مثلـه، عـن ابن عمر قال: وهذه المسئلة يجب حفظها، لأنها كثيرة الوقوع و ذكـر الزاهدى: وقد كان بعض أصحابنا يفتون بقول مالك فى هذه المسئلة للضرورة. (البحر الرائق، زکریا ٤/ ٢٢٠- ٢٢١، کوئٹه ٤/ ١٣١) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۵/۹ھ

جس عورت کو لمبی مدت تک حیض نہ آئے اس کی عدت کا حکم

سوال [۷۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، اور صورت حال یہ ہے کہ اس کے یہاں چھ ماہ قبل بچے کی ولادت ہوئی اور ولادت کے بعد سے اب تک (جبکہ ولادت کو تقریباً چھ ماہ گذر چکے ہیں) اس عورت کو حیض نہیں آیا ہے۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت کی عدتِ طلاق کیسے شمار کی جائے گی؟

المستفتی: قاری نعیم احمد رائے پوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایسی عورت جس کو لمبی مدت تک حیض نہیں آرہا ہے اس کی طلاق کی عدت کے بارے میں مالکی مسلک سے ایک مسئلہ لیا گیا ہے کہ طلاق کے بعد وہ نو مہینے تک انتظار کرتی رہے، اگر نو مہینے تک اس کو حیض نہ آئے تو اس کو آئسہ کے حکم میں قرار دے کر مہینوں کے ذریعہ سے اس کی عدت شمار کی جائے گی، لہٰذا نو مہینے کے بعد مزید تین مہینے عدت میں شمار کیے جائیں گے، اس کے بعد اس کی عدت مکمل شمار ہوگی، اور بعض فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ چھ مہینے انتظار کے بعد اس کو آئسہ کے درجہ میں قرار دیا جائے، اور مزید تین مہینہ عدت گذار کر کل نو مہینے کے بعد اس کو عدت سے فارغ شمار کیا جائے، لیکن نو مہینہ کے انتظار میں زیادہ احتیاط ہے۔

روى عـن عـمرؓ أنه قال فى رجل طلق امرأته فحاضت حيضة أو حيضتين

فـارتـفـع حيـضـها لا تدرى ما رفعه تجلس تسعة أشهر فإذا لم يستبن بها الحمل تـعتـد بثـلاثة أشهر فذٰلک سنة ولا نعرف لها مخالفا، قال ابن المنذر قضى به عمر رضؓ بين المهاجرين والأنصار ولم ينكر منكر. (المغنى لابن قدامة، دار الفكر بيروت ۸/ ۹۰)

وإذا طـلـقـت المرأة وهي من ذوات الأقراء ثم أنها لم تر الحيض في عادتها ولـم تدر ما سببه فإنها تعتد بسنة، تتربص مدة تسعة أشهر لتعلم براء ة رحـمهـا، لأن هـذه الـمـدة هي غالب مدة الحمل، فإذا لم يبن الحمل فيها، علـم براء ة الرحم ظاهراً ثم تعتد بعد ذٰلک عدة الآيسات ثلاثة أشهر وهذا ما قضى به عمر رضؓ. (فقه السنة، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۹٤)

الشـابة الـممتدة بالطهر بأن حاضت ثم امتد طهرها، فتعتد بالحيض الـى أن تبـلـغ سـن الإياس، ومافي شرح الوهبانية من انقضائها بتسعة أشهر وتـحته في الشامية: قال العلامة: والفتوىٰ في زماننا على قول مالک و على مـافـي جـميع الفصولين لوقضى قاض بانقضاء عدتها بعد مضى تسعة أشهر نـفـذ –وقـوله– قال الزاهدى: وقد كان بعض أصحابنا يفتون بقول مالک في هذه المسئلة للضرورة. (شامی، باب العدة كراچی ۳/ ۵۰۸–۵۰۹ زكريا ۵/ ۱۸۵، ۱۸٦)

ولـو قـضـى قـاض بانقضاء عدة الممتدة طهرها بعد مضى تسعة أشهر نـفـذ كـمـا فـي جـامـع الفصولين ونقل في المجمع أن مالكا يقول: إن عدتها تـنقضي بمضي حول، وفي شرح المنظومة: إن عدة الممتدة طهرها يقول:أن عـدتهـا تـنـقضي بمضي حول، وفي شرح المنظومة: إن عدة الممتدة طهرها تـنـقـضي بتسعة أشهر كمافي الذخيرة معزيا إلى حيض منهاج الشريعة و نقل مثـلـه، عـن ابن عمر قال: وهذه المسئلة يجب حفظها، لأنها كثيرة الوقوع و ذكـر الزاهدى: وقد كان بعض أصحابنا يفتون بقول مالک في هذه المسئلة للضرورة. (البحر الرائق، زكريا ٤/ ۲۲۰– ۲۲۱، كوئٹه ٤/ ۱۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

طلاق قبل الدخول کی صورت میں عدت کا حکم

سوال [۷۲۰۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح کے بعد شوہر حق زوجیت ادانہیں کرسکا بعد میں علیٰحدگی ہو جانے سے کیا لڑکی پر دوسرے نکاح کے لیے عدت واجب ہوگی، یا فوراً دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

المستفتی: اطہر حسین بن بشارت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر خلوت صحیحہ کے بعد اگرچہ حق زوجیت ادا نہ کرسکا، پھر بھی خلوت صحیحہ کی وجہ سے بیوی پر علیٰحدگی کے بعد عدت واجب ہے، لہٰذا تین حیض عدت گذارنے کے بعد بیوی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/۲۸۸)

عن الحسن قال: قال عمر بن الخطاب: إذا أغلق بابا و أرخى سترا فقد وجب لها الصداق و عليها العدة، ولها الميراث. (سنن الدار قطني، النكاح، دار الكتب العلمية بيروت ۳/۲۱۲ رقم: ۳۷۷۹)

والخلوة بلا مرض أحدهما كالوطئ و لو مجبوبا أو عنينا أو خصيا و تجب العدة فيها أى تجب العدة على المطلقة بعد الخلوة احتياطا. (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب المهر، كوئٹه ۳/۱۵۵، زكريا ۳/۲۷۱-۲۷۲)

و تجب عليها العدة عند صحة الخلوة و فسادها بالموانع احتياطا لتوهم الشغل. (تاتارخانية زكريا ٤/۲۱۸، رقم: ٦۰۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۹۸)

قبل الدخول طلاق سے عدت نہیں

سوال [۷۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کے شوہر نے ہمبستری سے پہلے ہی ہندہ کو طلاق دیدی ہے تو کیا ہندہ کو دوسری جگہ نکاح کے لیے عدت گذارنی پڑے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندہ کو چونکہ شوہر نے ہم بستری اور خلوت صحیحہ کے بغیر طلاق دی ہے، لہٰذا دوسری جگہ نکاح کرنے کے لیے ہندہ پر عدت لازم نہیں ہے، کیونکہ جماع وخلوت صحیحہ سے پہلے دی ہوئی طلاق کی وجہ سے عدت لازم نہیں ہوتی۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ دار الاشاعت پاکستان ۴۰۸/۸، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳۸۱/۱۳-۴۰۰، میرٹھ ۲۶/۲۰)

أربع من النساء لا عدة عليهن المطلقة قبل الدخول. (هنديه، الباب الثالث عشر في العدة، زكريا قديم ۵۲٦/۱، جديد ۵۸۰/۱)

إن كان الفساد بعجزه عن الوطئ حقيقة لا يجب عليها العدة، وكذا لو طلقها قبل الخلوة. (خانية، زكريا ۳٤۷/۱، وعلى هامش الهندية زكريا ۵٤۹/۱)

وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم، وما جرى مجراه من موت أو خلوة أى صحيحة. (در مختار مع الشامي زكريا ۱۸۰/۵، كراچی ۵۰٤/۳)

أما سبب وجوبها فلكل نوع منها سبب، الثاني الدخول حقيقة أو حكما. (البحر الرائق، كوئٹه ۱۲۸/٤، زكريا ۲۱٦/٤، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۲۲٦/۵ رقم: ۷۷۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۰۱/۴۰)

خلوت صحیحہ سے قبل مطلقہ ثلاثہ کی عدت

سوال [۷۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شاہانہ پروین نام کی لڑکی نے اپنی مرضی سے اپنے والدین کے بتائے بغیر نوید نام کے لڑکے سے اور نوید نام کا لڑکا بھی اپنے والدین کو بتائے بغیر ۹۶/۲/۲۶ء تاریخ میں شریعت کے مطابق نکاح کرلیا تھا، خفیہ طور پر پھر نکاح کے بعد دونوں ایک ساتھ نہیں رہے، لیکن پھر لڑکی نے اپنے والدین کو نکاح کر لینے کی بات بتائی تو لڑکی کے والدین اس بات پر راضی نہ ہوئے، اور لڑکی کے والدین نے دو چار آدمیوں کو بلا کر لڑکے سے طلاق لینے کی بات کی تو اس نے طلاق دینے کو کہہ دیا کہ اب طلاق کے وقت ایک گواہ اس لڑکے کی طرف سے اور ایک لڑکی کی طرف سے اور لڑکی کے بھائی اور ماں بھی لڑکے کے پاس طلاق کے وقت موجود تھے، لڑکے نے فون پر شاہانہ لڑکی کو بلا کر اور اس کا نام لے کر تین بار طلاق دی، یہ طلاق لڑکا اور لڑکی دونوں کی مرضی سے ہوئی، کسی نے زبردستی نہیں کی، طلاق دے کر لڑکے نے اپنی طرف سے معافی بھی مانگ لی تھی، مزید عدت کے بارے میں واضح فرمادیں۔

المستفتی: محمد فہیم الدین، لال مسجد روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں لڑکے نے دو گواہوں کی موجودگی میں اپنی بیوی کو فون پر تین طلاق دیدیں ہیں تو لڑکی اس شوہر پر بالکل حرام ہوگئی، اور چونکہ نکاح کے بعد دونوں کے درمیان ہمبستری اور خلوت صحیحہ نہیں ہوئی، اور نہ باقاعدہ رخصتی ہوئی ہے، اس لیے عدت ضروری نہیں ہے اس لیے کہ رخصتی سے پہلے طلاق دینے سے عدت کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اب لڑکی جب چاہے دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔

وإذا قال لامرأته: أنت طالق و طالق و طالق ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثا و إن كانت غير مدخولة طلقت واحدة. (عالمگیری،

زکریا قدیم ۱/۳۵۵، جدید ۱/۴۲۳، الاشباہ و النظائر قدیم ۲۱۹، جدید زکریا ۳۷۶)

أربع من النساء لا عدة عليهن المطلقة قبل الدخول. (هنديه، الباب الثالث عشر فى العدة، زكريا قديم ۱/۵۲٦، جديد ۱/۵۸۰)

إن كان الفساد بعجزه عن الوطئ حقيقة لا يجب عليها العدة، وكذا لو طلقها قبل الخلوة. (خانية، زكريا ۱/۳٤۷، وعلى هامش الهندية زكريا ۱/٥٤۹)

وسبب وجوبها عقد النكاح المتأكد بالتسليم، وما جرى مجراه من موت أو خلوة أى صحيحة. (در مختار مع الشامى، زكريا ٥/۱۸۰، كراچى ۳/٥۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۷ر شعبان ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۰۷)	۱۴۲۳/۸/۱۷ھ

عنین سے خلوۃ صحیحہ ہونے پر عدت کا حکم

سوال [۷۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عنین ہے اپنی زوجہ کے بالکل قابل نہیں، چنانچہ صحبت نہیں کرسکا البتہ خلوت میسر ہوئی، زوجین اس بات کے مقر ہیں کہ جماع نہیں ہوا طلاق ہوگئی، تو کیا زید کی بیوی کو عدت گذارنی ہے یا بغیر عدت کے نکاح ثانی کرسکتی ہے، اور زید پر مہر کتنا واجب ہے؟ نصف یا کل؟

المستفتی: دوکاندار، باز ار شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورت پر عدت گذارنی واجب ہے نکاح ثانی عدت کے بعد ہی کرسکتی ہے، اور زید پر کامل مہر واجب ہوگا، چاہے زید عنین ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ خلوت صحیحہ وطی کے قائم مقام ہے۔

والخلوة كالوطئ ولو كان الزوج مجبوبا أو عنينا ...... فى تاكيد

المهر ...... **والعدة.** (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤/ ٢٥٤-٢٥٦، كراچی ٣/١١٧-١١٨، البحرا لرائق كوئٹه ٣/١٥٥، زكريا ٣/٢٧١، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ١/٥١٥، جامع الرموز ٢/٣١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۳۰ھ

کیا خلوت صحیحہ کے بعد عدت ضروری ہے؟

سوال [۷۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زینب کا نکاح زید سے ہوا جب رخصتی ہوئی تو زید کو مکمل نامرد پایا، زینب نے آکر گھر والوں کو بتایا، تو کچھ لوگ لڑکے کے گھر جا کر تحقیق کرنے کے بعد لڑکے سے طلاق دلوادی اب آیا زینب عدت گذارے گی یا نہیں؟ جبکہ زید مکمل طور پر نامرد ثابت ہوا، نیز کیا نامرد سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حنیف بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خلوت صحیحہ ہوچکی ہے تو زینب پر طلاق کے بعد عدت گذارنا واجب ہے، بغیر عدت کے نکاح ثانی جائز نہیں ہوگا۔

والخلوة كالوطئ ولو كان الزوج مجبوبا أو عنينا أو خصيا في تاكيد المهر، والنفقة والسكنى والعدة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر زكريا ٤/ ٢٥٤-٢٥٦، كراچی ٣/١١٧-١١٨، البحرا لرائق كوئٹه ٣/١٥٥، زكريا ٣/ ٢٧١، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١/٥١٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۵۵)

خلوت صحیحہ کے بعد طلاق کی صورت میں عدت

سوال [۷۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عائشہ انجم کا نکاح ہوا، ایک ہفتہ شوہر کے ساتھ رہی، بتاریخ ۵/مئی ۹۶ء، نکاح کے چندروز بعد ہی طلاق ہوگئی، طلاق ہونے کی وجہ یہ کہ شوہر کسی بھی حالت میں لڑکی پر قادر نہ ہوسکا، جبکہ لڑکی سات روز اپنے شوہر کے پاس رہی، لہٰذا یہ بتلانے کی زحمت فرمائیں کہ کیا ایسی صورت میں لڑکی پر عدت گذارنا واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: شوہر اگرچہ ناکارہ ہو جب اس کے ساتھ خلوت صحیحہ ہوچکی ہے اور ایک ہفتہ مسلسل شوہر کے ساتھ ہی رہی ہے تو ایسی صورت میں طلاق کے بعد لڑکی پر عدت گذارنا واجب ہے، عدت سے قبل دوسری جگہ نکاح جائز نہ ہوگا۔

لأن خلوة العنين صحيحة. (چلپی علی التبیین، کتاب الطلاق، باب العنین، امدادیه ملتان ۳/۲۳، زکریا ۳/۲۴۲)

ولها كمال المهر و عليها العدة لوجود الخلوة الصحيحة. (شامی، باب العنین، کراچی ۳/۴۹۸، زکریا ۵/۱۷۲)

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته -إلى- لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شامی، کتاب النکاح، مطلب فی النکاح الفاسد، کراچی ۳/۱۳۲، زکریا ۴/۲۷۴، هندیه زکریا قدیم ۱/۲۸۰، جدید ۱/۳٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۲۴ھ

دورانِ عدت نکاح کا حکم

سوال [۷۲۱۲]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میں نے اپنی بیوی کوطلاق دیدی تھی، اور عدت کے بعد حلالہ بھی ہوگیا، اور عورت اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہتی ہے، کیا تین مہینہ دس دن جو عدت کے ہیں کیا اس مدت سے پہلے دوسرا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح ہوسکتا ہوتو کیا دخول کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: علیم الدین، محلّہ پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مطلقہ عورت کی عدت تین ماہواری ہے، اب اس میں تین مہینہ دس دن لگ جائیں یا اس سے پہلے تین ماہواری پوری ہوجائے یا تین مہینہ دس دن سے بھی زیادہ کی ضرورت پیش آجائے، لہٰذا تین ماہواری گذرنے کے بعد اس کے ساتھ نکاح بھی درست ہے، اور دخول بھی۔

وإذا طلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة، اشرفي ديو بند ٢/ ٤٢٢)

وأما أحكام العدة: فمنها: أنه لا يجوز للأجنبي نكاح المعتدة لقوله تعالىٰ: ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله. (بدائع، زكريا ٣/ ٣٢٢-٣٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۳)

دورانِ عدت زنا سے حاملہ عورت کے نکاح کا حکم

سوال [۷۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور کچھ دنوں کے بعد بغیر ہمبستری کے اس کو طلاق دیدی اور ایک دوسرے شخص کے حوالہ کردیا اس دوسرے آدمی نے عدت کے اندر

مطلقہ عورت سے ناجائز تعلقات قائم کر لیے، جس سے عورت حاملہ ہوگئی، اس وقت چار ماہ کا حمل ہے، اب وہ عورت اسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہے جس سے اس کو حمل ہوا ہے، کیا ایسی صورت میں ان دونوں میں نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اسرار احمد مانپور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں بشرط صحت واقعہ شوہر اول کے طلاق دینے کے بعد عدت پوری ہونے سے پہلے عورت زنا سے حاملہ ہوگئی ہے اس لیے وضع حمل تک عدت میں رہے گی، عدت میں رہتے اس کا نکاح کسی مرد سے جائز نہیں ہے۔

كذا في الشامي: فإذا حبلت في العدة تنقضي بوضعه سواء كان من المطلق أو من زنا أو من نكاح فاسد. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: في وطئ المعتدة بشبهة، كراچی ۳/۵۱۹، زكريا ۵/۲۰۱)

لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره و كذٰلک المعتدة كذا في السراج الوهاج. (عالمگيری، زكريا قديم ۱/ ۲۸۰، جديد ۱/۳٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/ ۲۰۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱۱/ ۱۴۱۰ھ

تیسرے حیض کے ختم پر عدت کا پورا ہونا

سوال [۷۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جس کی شادی دو ماہ قبل ہوگئی تھی، اور طلاق دیدی گئی، عدت میں حیض ہے، اب تیسرا حیض چل رہا ہے، ایک دن یا دو دن باقی ہیں تو کس ٹائم عدت سے نکلا جائے؟ جواب دے کر ممنون ومشکور ہوں گے۔

المستفتی: رضیہ خاتون، مچھلی بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس روز تیسرے حیض کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اس روز خون بند ہونے پر مدت ختم ہو جائے گی، غسل سے فراغت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

یکون الاعتداد بثلاث حیض کوامل. (بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی بیان مقادیر العدۃ، کراچی ۳/۱۹٤، زکریا ۳/۳۰۷، الدر المختار کراچی ۳/۵۰۵، زکریا ۵/۱۸۲، شرح وقایہ، یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند ۲/۱٤٤)

فإذا فرغت من الحیضۃ الثالثۃ تخرج من العدۃ. (تاتارخانیۃ، زکریا ۵/۲۲۷، رقم: ۷۷۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۰۰)

طلاق کے بعد بچوں کی پرورش اور عدت کا حکم

سوال [۷۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شوہر نے بیوی کو کہا: کہ طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، کیا میرے اوپر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

(۲) بچوں کا مستحق کون ہوگا؟ ماں یا باپ؟

(۳) عدت کی مدت کیا ہے؟

(۴) بچوں کی کفالت کس کے ذمہ ہے؟

(۵) کس سے پردہ کرنا ہوگا؟

المستفتی: ناصرہ پروین، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دی، تین

مرتبہ کہا تو بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، بغیر حلالہ کیے ہوئے اس شوہر کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: دار العلوم ۹/۲۸۲)

لوقال لزوجته: أنت طالق، طالق، طالق، طلقت ثلاثا، فإن قال اردت به التاكيد صدق ديانة لا قضاءً. (الأشباه قديم ۱/۲۱۹، جديد زكريا ص: ۳۷٦)

(۲-۴) بچوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے، اور اس مدت میں بچوں کا خرچ باپ پر لازم ہے۔

إذا وقعت الفرقة بين الزوجين فللأم أحق بالولد والنفقة على الأب.

(هدايه، كتاب الطلاق، باب حضانة الولد، اشرفى ديو بند ۲/٤۳٤)

(۳) عدت کی مدت طلاق کے بعد تین ماہواری گذارنا ہے۔

﴿**قال الله تعالىٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ.** [البقرة: ۲۲۸]﴾

وإذا طلق الرجل امرأته ...... وهى حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه اشرفى ديو بند ۲/٤۲۲)

عدة الحرة للطلاق أو الفسخ ثلاثة أقراء أى حيض أو ثلاثة أشهر إن لم تحض. (كنز الدقائق ص:۱٤٥)

(۵) عدت کے زمانہ میں انہی لوگوں سے پردہ کا حکم ہے جن لوگوں سے عدت سے پہلے پردہ کا حکم تھا۔

وتستتر عن سائر الورثة ممن ليس بمحرم لها. (هنديه، الطلاق، الباب الرابع عشر فى الحداد، زكريا قديم ۱/٥۳٥، جديد ۱/٥٨٧، بدائع الصنائع، كراچى ۳/۲۰٦، زكريا ۳/۳۲٦، شامى كراچى ۳/٥۳۷، زكريا ٥/۲۲٦، تاتارخانية زكريا ٥/۲٤٦ رقم: ۷۷٦۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۷۵۵۲)

حالت عدت میں قریبی رشتہ دار کی موت پر دیکھنے کیلئے جانا

سـوال [۷۲۱۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معتدہ عورت اپنے قریبی رشتہ دار کی موت پر اس کو دیکھنے کے لیے جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس مسئلے میں معتدۃ الوفات اور معتدۃ الطلاق میں کچھ فرق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: معتدہ عورت کا اپنے قریبی رشتہ دار کی وفات پر اس کو دیکھنے کے لیے جانا جائز نہیں خواہ معتدۃ الوفات ہو یا معتدۃ الطلاق۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۰/ ۳۰۹، احسن الفتاویٰ ۵/۴۳۱)

تاہم موت کا حادثہ ایک بڑا حادثہ ہے اس لیے اس کو ضرورت مبیحہ سے خارج نہ کیا جائے، جیسا کہ بیماری کی وجہ سے یہ عورت حالت عدت میں ڈاکٹر کے یہاں جاسکتی ہے، اسی طرح اگر اس معتدہ عورت کو آخری دیدار نہ کرنے کی وجہ سے لمبے زمانے تک رنج وغم رہے گا تو حالات کے پیش نظر اس کو دن دن میں پورے پردے کے ساتھ قریبی رشتہ دار کو دیکھنے آنے کی اجازت وگنجائش دینی چاہیے۔

معتدة الـطـلاق والـمـوت يعتدان في المنزل المضاف إليهما بالسكنى وقـت الـطـلاق والـمـوت ولا يـخـرجـان فيه إلا لضرورة، وليس المراد حصر الأعذار. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل في الحداد كوئٹه ٤/١٥٤، زكريا ٤/٢٥٩، كذا في الشـامـي كـراچـي ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٥، تاتارخانية زكريا ٥/٢٤٧ رقم: ٧٧٧٢، تبيين الحقائق امداديه ملتان ٣/٣٧، زكريا ٣/٢٧١، بدائع زكريا ٣/٣٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۲۴/۴۰)

کسب معاش کے لیے مطلقہ کا گھر سے نکلنا

سوال [۷۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر نے مجھے ۸/۱۱/۲۰۰۴ء کوطلاق دیدی ہے دو آدمیوں اور ایک عورت کے سامنے میری چار بچیاں ہیں، میں خود محنت کرتی ہوں اپنی بچیوں کا پیٹ پالتی ہوں، آپ مجھے ایمان کی روشنی میں یہ بتایئے کہ میں عدت کیسے کروں، جبکہ میرا کوئی سہارا ابھی نہیں ہے، اور میرا گھر حویلی کا ہے۔

المستفتی: شاہین جمالی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ عدت اپنے شوہر کے گھر میں رہ کر پوری کریں، اور زمانۂ عدت میں آپ کے اور آپ کے بچوں کا خرچہ شوہر پر لازم ہے، اس سے خرچ وغیرہ کا مطالبہ کریں، اپنی گذر اوقات کے لیے گھر سے باہر نہ نکلیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/۳۷۷)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا أو بائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أولم تكن كذا فى فتاوىٰ قاضيخان. (هنديه، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الرابع في نفقة المعتدة قديم زكريا ١/٥٥٧، جديد ١/٦٠٥، هدايه، اشرفي ديوبند ٢/٤٣٨، قدوري امداديه ديوبند ص: ١٩٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۶۱)

مطلقہ کا کسب معاش کے لیے دورانِ عدت گھر سے نکلنا

سوال [۷۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر شوہر اپنی بیوی کوطلاق زبانی یا لکھ کر دیدے اور وہ عورت سروس کرتی ہے جو کہ

اس کا ذریعہ معاش ہے، تو اس کے لیے عدت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: سعید احمد نئی بستی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مطلقہ عورت کا سروس کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، باہر جائے گی تو گنہگار ہوگی، عورت کا خرچہ شوہر پر لازم ہوتا ہے، اس لیے ذریعہ معاش کا عذر معتبر نہ ہوگا۔

لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها الخروج. (در مختار، باب العدة، فصل فى الحداد كراچى ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٤)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا أو بائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أو لم تكن. (هنديه، الباب السابع عشر فى النفقات، الفصل الرابع فى نفقة المعتدة، زكريا قديم ١/٥٥٧، جديد ١/٦٠٥، هدايه، اشرفى ديو بند ٢/٤٣٨، قدورى امداديه ديوبند ١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شعبان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۹۶)

مطلقہ حالت عدت میں اسکول نہیں جاسکتی

سوال [۷۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت کو شوہر نے طلاق مغلظہ دیدی، اور وہ ٹیچر ہے، اگر عدت کے زمانے میں اسکول میں حاضری نہیں دے گی تو نوکری خطرے میں ہے، لہٰذا معتدہ مطلقہ حالت عدت میں اسکول پڑھانے جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معتدۃ الطلاق عورت کا حالت عدت میں

پڑھانے کے لیے اسکول جانا جائز نہیں؛ کیونکہ اس کی عدت کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے، لہٰذا طلب معاش کے لیے اس کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہوگی، بسا اوقات سرکاری نوکری ہی طلاق کا سبب بن جاتی ہے، جس سے گھر برباد ہو جاتا ہے۔

ولا تخرج معتدة رجعي و بائن بأى فرقة كانت على مافى الظهيرية ولو مختلعة على نفقة عدتها فى الأصح. (شامی، فصل فی الحداد، کراچی ۳/۵۳۵، زکریا ۵/۲۲۳)

ولا تخرج معتدة الطلاق ...... إلا لضرورة ظاهرة، فإن خرجن ليلا أو نهارا كان حراما. (البحر الرائق کوئٹه ۴/۱۵۲، زکریا ۴/۲۵۶، تاتارخانية زکريا ۵/۲۴۷ رقم: ۷۷۷۲، تبیین الحقائق زکریا ۳/۲۷۱، امدادیه ملتان ۳/۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۱۴ھ

دورانِ عدت اسکول میں پڑھانے کے لیے جانا

سوال [۷۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں عشرت پروین جو کہ اپنے بہنوئی کے ساتھ رہتی ہوں، میرے شوہر نے تین طلاق دیدی ہے میرا اور کوئی پیٹ بھرنے کا ذریعہ نہیں ہے، میں ایک اسکول میں ٹیچر ہوں، عدت کا عرصہ پورا کرنے کے سبب میری نوکری چھوٹ جائے گی اس کے علاوہ میری کوئی آمدنی نہیں ہے، آپ سے یہ دریافت کرنا ہے کہ عدت کے ایام میں میں نوکری جاری رکھوں یا چھوڑ دوں، نوکری دن کی ہے اگر نوکری کو ترک کردوں گی تو میری کفالت کرنے والا کوئی نہیں رہے گا؟

المستفتی: عشرت پروین، ہرتھلہ کالونی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: معتدہ مطلقہ کا نفقہ اس کے شوہر پر لازم ہے۔

لأن الـنفقة دارة عليها من مال زوجها. (هـدايه، كتاب الطلاق، باب العدة اشرفي ديو بند ۲/۴۲۸)

اور اگر شوہر نفقہ نہ دے اور عورت کی کوئی کفالت کرنے والا نہ ہو تو ایسی صورت میں معتدہ مطلقہ اپنے ذریعہ معاش کے لیے دن میں ضرورۃً نکل سکتی ہے۔

لاتـخـرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة. (شـامی، باب العدة، فصل في الحداد، كراچی ۳/۵۳۶، زكريا ۵/۲۲۵)

نیز شوہر پر نان و نفقہ لازم ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ شوہر جہاں رہ کر عدت گذارنے کے لیے کہے وہاں عدت گذارے، لہٰذا اگر شوہر کی مرضی کے خلاف میکے وغیرہ میں جاکر عدت گذارتی ہے تو عدت کا خرچہ شوہر پر لازم نہ ہوگا۔

فـلا نـفقة لها في العدة –إلـى– إن خـرجـت مـن بيته لنشوزها، وفي الـمجتبىٰ: نفقة العدة كنفقة النكاح. (شـامی، باب النفقة، كراچی ۳/۶۰۹، زكريا ۵/۳۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۷؍۱۴۱۴ھ

کیا دورانِ عدت پڑھانے جاسکتی ہے؟

سـوال [۷۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت جو کہ ایک اسکول ٹیچر ہے اس کو طلاق ہوگئی تو دورانِ عدت اسکول جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد، محلّہ عیدگاہ نئی آبادی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: مطلقہ عورت کے لیے عدت کے دورانِ اسکول

میں پڑھانے کے لیے جانا جائز نہیں ہے، اگرچہ پردہ کی رعایت کے ساتھ جاتی ہو تب بھی جائز نہیں ہے۔

عن عبد الله بن مسعود أن رجلا جاء ه فقال: إني طلقت امرأتي ثلاثا، وهي تريد أن تخرج قال: إحبسها، قال: لا استطيع، قال: فقيدها، فقال: لا استطيع إن لها أخوة غليظة رقابهم، قال: استعد عليهم الأمير.

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ١١/٤٠٤ رقم: ١٥٨٩٥)

لا تجوز للمطلقة الرجعية والمبتوتة الخروج من بيتها ليلا و نهارا.

(هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة اشرفي ديوبند ٢/٤٢٨)

لا تخرج معتدة رجعي و بائن ...... من بيتها أصلا لا ليلا ولا نهارا.

(تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچی ٣/٥٣٥، زكريا ٥/٢٢٣-٢٢٤)

المعتدة من الطلاق لا تخرج من بيتها ليلا و لا نهارا. (تاتارخانية، زكريا ٥/٢٤٤ رقم: ٧٧٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۵ھ

دورانِ عدت بیوی کا سروس کے لیے جانا

سوال [۷۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیٹی کو اس کے شوہر نے تین طلاق دیدی ہیں، بیٹی بریلی میں رہ رہی تھی، اور وہیں ایک جگہ سروس کے لیے جاتی تھی تو دریافت یہ کرنا ہے کہ عدت کرنا ہے یا نہیں، اور عدت کے دوران سروس کے لیے جاسکتی ہے یا نہیں؟ بیٹی گیارہ مہینہ سے گھر پر بیٹھی ہوئی تھی، اس کا شوہر لے نہیں جارہا تھا، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: سلمان عامر، تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے بعد تین ماہواری تک عدت گذارنا لڑکی پر لازم ہے، اور دورانِ عدت گھر سے باہر جاکر نوکری وغیرہ کرنا از روئے شرع جائز نہیں ہے۔

﴿**قال الله تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ**.[البقرة: ۲۲۸]﴾

عن عبد الله بن مسعود أن رجلا جاءه فقال: إن طلقت امرأتي ثلاثا وهي تريد أن تخرج قال إحبسها قال: لا استطيع قال فقيدها فقال: لااستطيع إن لها إخوة غليظة رقابهم قال استعد عليهم الأمير. (السنن الکبریٰ للبیهقي، دار الفکر بیروت ۱۱/ ٤٠٤، رقم: ١٥٨٩٥

وهي في حق الحرة ...... بعد الدخول حقيقة أو حكما ثلاث حيض كوامل. (شامي، کتاب الطلاق، باب العدة کراچی ۳/ ۵۰۵، زکریا ۵/ ۱۸۲، بدائع الصنائع کراچی ۳/ ۱۹٤، زکریا ۳/ ۳۰۷، شرح وقایه یاسر ندیم اینڈ کمپنی دیوبند ۲/ ۱٤٤)

ولاتخرج معتدة رجعية و بائن ...... لو حرة مكلفة من بيتها أصلا.

(شامي زکریا ۵/ ۲۲۳-۲۲٤، کراچی ۳/ ۵۳۵، هدایه اشرفی دیوبند ۲/ ٤۲۸، تاتارخانية زکریا ۵/ ۲٤٤ رقم: ۷۷٦۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۸۸)

دورانِ عدت بی اے فائنل کے پیپر دینا

سوال [۷۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیٹی کی شادی ۲۴/ ۱۰/ ۱۹۹۹ء کو ہوئی تھی ۶؍ ماہ شوہر کے گھر رہی، لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا تھا، ۱۹/ ۵/ ۲۰۰۰ء کو میرے پاس چلی آئی، جب سے میرے پاس ہے، مقدمہ بازی چلتی رہی اس دوران خرچہ نہ اس کے شوہر نے دیا، علاوہ ازیں طلاق بھی ہو گئی ہے، لڑکی

کے۲؍اپریل کو بی اے فائنل کے پیپر ہیں، عدت گذارنے کا کیا طریقہ ہے؟ پیپر دے سکتی ہے یانہیں؟

المستفتی: امیرعلی بروالان،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حالت عدت میں گھر کی حویلی سے باہر جانا آنا مطلقہ عورت کے لیے جائز نہیں ہے،اور گھر کی حویلی میں رہ کر عدت گذارنا لازم ہے،لہٰذا عدت کے زمانہ میں بی اے فائنل کے امتحان کے لیےحویلی سے باہر جانا شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

عن عبد الله بن مسعود أن رجلا جاء ه فقال: إنى طلقت امرأتى ثلاثا، وهى تريد أن تخرج قال: احبسها، قال: لا استطيع، قال: فقيدها، فقال: لا استطيع إن لها أخوة غليظة رقابهم، قال: استعد عليهم الأمير.

(السنن الكبرىٰ للبيهقى، دار الفكر بيروت ۱۱/۴۰۴ رقم: ۱۵۸۹۵)

ولاتخرج معتدة رجعى وبائن بأى فرقة كانت على مافى الظهيرية.

(شامى، باب العدة، فصل فى الحداد كراچى ۳/۵۳۵، زكريا ۵/۲۲۳-۲۲۴، هدايه اشرفى ديوبند ۲/۴۲۸، تاتارخانية زكريا ۵/۲۴۴ رقم: ۷۷۶۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۰؍صفر۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۱ ۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۲ھ

دورانِ عدت ڈاکٹر کے پاس جانا

سوال [۷۲۲۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے اپنی بیوی کوتین طلاق دیدی، زیداپنی سسرال یعنی لڑکی کے گھر میں دی ہے جومکان کرایہ کا ہے، زیداب بھی یہ بات کہہ رہا ہے کہ پانچ آدمیوں کے سامنے طلاق

دی اب زید کی بیوی جو اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ کرایہ کے مکان میں رہ رہی ہے اپنی عدت کتنے دنوں تک اور کیسے کیسے گذار سکتی ہے؟ چونکہ زید کی بیوی کو اس کے مکان جس میں رہ رہی ہے اگر کسی طرح کا خطرہ محسوس ہو تو کیا وہ اپنی حفاظت کے لیے اپنے رشتہ داروں کے گھر جاسکتی ہے اور اگر جاسکتی ہے تو صرف دن میں یا رات میں، اور کن رشتہ داروں سے پردہ کرنا چاہیے، اور رشتہ داروں کے گھر پوری عدت گذار سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر عدت کے دوران بیمار ہو تو اسے ڈاکٹر کے پاس بغرض علاج لے جایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عدت کی مدت تین ماہواری ہے، اور اس درمیان زینت اختیار کرنا جائز نہیں ہے، نیز بلاضرورت شدیدہ گھر سے نکلنا بھی جائز نہیں ہے اور عدت سے قبل جن مردوں سے شرعی پردہ لازم تھا اب بھی انہیں سے پردہ لازم ہے اور اگر شوہر کے گھر حفاظت کی شکل نہیں ہے تو اپنی والدہ کے ساتھ جہاں والدہ رہتی ہے، عدت گذارنا جائز ہوگا، کسی دوسرے کے یہاں جانا جائز نہ ہوگا۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ. [البقرة: ۲۲۸]﴾

وإذا طلق الرجل امرأته ...... وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة، اشرفی دیوبند ۲/۴۲۲)

وعلى المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد ...... والحداد أن تترك الطيب والزينة. (هدايه، اشرفی دیوبند ۲/۴۲۷)

وتستتر عن سائر الورثة ممن ليس بمحرم لها. (هندیه زکریا قدیم ۱/۵۳۵، جدید ۱/۵۸۷، تاتارخانية زكريا ۵/۲۴۶ رقم: ۷۷۶۹)

وتعتدان أي معتدة طلاق و موت في بيت وجبت فيه. (شامی کراچی ۳/۵۳۶، زکریا ۵/۲۲۵)

(۲) دن میں ڈاکٹر کے یہاں جاکر دن چھپنے سے پہلے گھر آجاتی ہے تو جائز ہے۔

لاتخرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة. (شامی، کراچی ۳/۵۳۶، زکریا ۵/۲۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۶۰/۲۹)

متوفی عنہا زوجہا کی عدت کی کمیت وکیفیت

سوال [۷۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: متوفی عنہا درمیان عدت سنگار کرسکتی ہے یا نہیں؟ مثلاً: چوڑی اور دیگر زیور وغیرہ پہن سکتی ہے؟ بعد عدت بغیر شادی سنگار وزیور وغیرہ متوفی عنہا کے لیے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر متوفی عنہا جوان ہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ نیز اگر بوڑھی ہے تو اس کے لیے سنگار وزیور وغیرہ پہننا کیسا ہے؟ لہٰذا حضور والا سے التماس ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد وسیم شیخوپورہ، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے اس کے اوپر اللہ کا حکم یہ ہے کہ وہ چار مہینہ دس دن تک سوگ منائے اور درمیان میں اس کے لیے بناؤ سنگار کرنا اور کسی قسم کی زینت اختیار کرنا جائز نہیں چاہے عورت جوان ہو یا بوڑھی ہو سب کے لیے یہی حکم ہے۔

﴿**قال اللّٰه تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا.**﴾ [البقرة: ۲۳٤]

عن أم حبيبة أن النبي ﷺ قال: لا يحل لإمرأة مسلمة تؤمن بالله

والیوم الآخر أن تحد فوق ثلاثة أیام إلا علی زوجها أربعة أشهر و عشرا. (صحیح البخاری، الطلاق باب الکحل للحادة ۲/ ۸۰۴، رقم: ۵۱۳۰، ف: ۵۳۳۹، صحیح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد فی عدة الوفات، النسخة الهندیة ۱/ ۴۸۸، بیت الأفکار رقم: ۱۴۹۰)

المتوفی عنها زوجها یلزمها الحداد فی عدتها ...... و تفسیر الحداد الاجتناب عن الطیب والدهن والکحل. (تاتارخانیة زکریا ۵/ ۲۴۹ رقم: ۷۷۷۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۲۰/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۵ھ

متوفی عنہا زوجہا کی عدت کیا ہے؟

سوال [۷۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ۲/ شوال ۱۴۲۰ھ کو ہوا، جبکہ وقت ۱۰/ بج کر ۳۰/ منٹ تھا، لہٰذا زوجۂ زید کی عدت کتنے یوم ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متوفی زید کی بیوی، زید کی وفات کے دن مع ۲/ شوال ۱۴۲۰ھ کے کل ایک سوتیس دن عدت گذارے گی، اور یہ عدت ۱۸/ مئی ۲۰۰۰ء کی شام پوری ہوگی۔

وإن اتفق فی وسط الشهر فعند الإمام یعتبر بالأیام فتعتد فی الطلاق بتسعین یوما وفی الوفاة بمأة و ثلاثین. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدة قبیل مطلب فی عدة زوجة الصغیر، کراچی ۳/ ۵۰۹، زکریا ۵/ ۱۸۷)

وإن اتفق ذٰلک فی خلاله فعند أبی حنیفة وإحدی الروایتین عن أبی

یوسف یعتبر فی ذٰلک عدد الأیام تسعون یوما فی الطلاق وفی الوفاۃ یعتبر مأۃ و ثلاثون یوما. (هندیه، زکریا قدیم ۱/۵۲۷، جدید ۱/ ۵۸۰، بدائع کراچی ۳/۱۹۶، زکریا ۳/ ۳۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۳/۶۴۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۸ھ

متوفی عنہا زوجہا کی عدت کتنے دن ہیں؟

سوال [۷۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شوہر کے انتقال کرجانے پر عورت کتنے دن عدت گذارے گی؟

(۲) عورت کو مدت عدت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اس نے صرف ایک ماہ دس دن عدت گذاری تو مسئلہ بتائیں کہ کیا اس عورت کو کفارہ دینا پڑے گا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم پورنوی، مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس دن عدت گذارنا عورت پر واجب ہے اور اگر مہینے کے شروع میں انتقال نہیں ہوا ہے تو ایک سوتیس دن شمار کرکے عدت گذارے۔

﴿**قال الله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا.**﴾ [البقرة: ۲۳٤]

وإن اتفق فی وسط الشهر فعند الإمام یعتبر بالأیام فتعتد فی الطلاق بتسعین یوما وفی الوفاۃ بمأۃ و ثلاثین. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ قبیل مطلب فی عدۃ زوجة الصغیر، کراچی ۳/۵۰۹، زکریا ۵/۱۸۷، هندیه، زکریا قدیم ۱/۵۲۷، جدید ۱/۵۸۰، بدائع کراچی ۳/۱۹۶، زکریا ۳/۳۱۰)

(۲) اس کا کوئی کفارہ نہیں بلکہ توبہ واستغفار کرلے اور جو ایام ۱۳۰/ دن میں سے باقی ہیں ان کو عدت کے آداب کے ساتھ پورے کرلے، اگر زینت کررکھی ہو تو اس کو ترک کردے۔

لأنه حق الشرع إظهار للتأسف على فوات النكاح بترك الزينة بحلى أو حرير أو امتشاط. (در مختار، باب العدة، فصل فی الحداد زکریا ۵/ ۲۱۷، کراچی ۳/ ۵۳۱)

لأنه يجب إظهارا للتأسف على فوت نعمة النكاح. (هدایه، اشرفی دیو بند ۲/ ۴۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۳ھ

عدت وفات کتنے دن ہے؟

سوال [۷۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کی ۲/ تاریخ کو انتقال ہوا تھا، اور تین تاریخ کو رات ساڑھے دس بجے دفن کیا گیا، اب آپ حساب لگا کر بتا دیجئے کہ کس دن عدت پوری ہوگی؟

المستفتی: نبی جان، گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ۲/ رمضان المبارک کو وفات ہوئی ہے تو بیوی کی عدت وفات چار ماہ دس دن یعنی ایک سو تیس یوم مکمل ہونے پر پوری ہوگئی، اور ہمارے حساب سے ۷/ اگست مطابق پندرہ محرم کو پوری ہوتی ہے۔

وإن اتفق في وسط الشهر فعند الإمام يعتبر بالأيام فتعتد في الطلاق بتسعين يوما وفي الوفاة بمأة و ثلاثين. (رد المحتار على الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة قبيل مطلب في عدة زوجة الصغير كراچی ۳/ ۵۰۹، زكريا ۵/ ۱۸۷)

وإن اتفق ذلك في خلاله فعند أبي حنيفة وإحدى الروايتين عن أبي يوسف يعتبر

فـی ذٰلک عـدد الأیام تسعون یوما فی الطلاق وفی الوفات یعتبر مأة و ثلاثون یوما. (هندیه، زکریا قدیم ۱/۵۲۷، جدید ۱/۵۸۰، بدائع کراچی ۳/۱۹٦، زکریا ۳/۳۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱/۱۴۱۱ھ

مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت

سـوال [۷۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر طلاق دیدے تو کتنے دن عدت ہوتی ہے، اور شوہر مرجائے تو کتنے دن عدت ہوتی ہے؟

المستفتی: ایم عرفان، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـاللّٰه التوفیق: بالغہ غیر حاملہ عورت کی طلاق کی عدت تین ماہواری ہے اور جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

قـال الـله تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا.﴾ [البقرة: ۲۳٤]

إذا طـلق الرجل امرأته طلاقا بائنا أو رجعيا أو ثلاثا أو وقعت الفرقة بینهما بـغیر طلاق وهی حرة ممن تحیض فعدتها ثلاثة أقراء. (هندیه، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة، زکریا قدیم ۱/۵۲٦، جدید ۱/۵۸۰، هدایه، اشرفی دیوبند ۲/٤۲۲)

وعدة الحرة فـی الـوفاة أربعة أشهر و عشرا. (هـدایـه، باب العدة، اشرفی دیـوبـنـد ۲/٤۲۳، هـنـدیـه زکـریـا قدیم ۱/۵۲۷، جدید ۱/۵۸۰، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۳/۲۷، زکریا ۳/۲۵۱، بدائع الصنائع کراچی ۳/۱۹٦، زکریا ۳/۳۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۳/۱۴۱۸ھ

حاملہ کی عدت

سوال [۷۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زبیدہ کے شوہر ایک ماہ پہلے انتقال کر گئے، انہوں نے اپنی بیوی کو ایک ماہ کا حاملہ چھوڑا تھا، زبیدہ نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد چار ماہ تیرہ دن کی عدت پوری کر لی ہے، اب یہ بتایا جائے کہ حمل کی حالت میں ان کی عدت پوری ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر کے انتقال کے وقت بیوی جبکہ حاملہ تھی تو اس کی عدت وضع حمل ہے، لہٰذا جب تک حمل باقی ہے عدت ختم نہ ہوگی، وضع حمل تک انتظار کرنا ضروری ہے۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. [الطلاق: ٤]﴾

وفی الحامل عدتها أن تضع حملها. (تاتارخانیة زکریا ٥/٢٢٨ رقم: ٧٧٢٧)

وإن كان حاملا فعدتها أن تضع حملها. (هدایه اشرفی دیوبند ٢/٤٢٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۷۰/۳۴)

کیا حالت حمل میں شوہر کا انتقال ہو جانے کی صورت میں عدت نہیں

سوال [۷۲۳۱]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گڈو کو کچھ غنڈے گولی مار دیتے ہیں اور وہ اسپتال جاتے ہی انتقال کر جاتا ہے، اب گڈو کے تیجے والے دن گڈو کے والد نے رانی کے والد و والدہ اور بھائی وغیرہ اور گڈو کے بڑے بھائی و گڈو کے ماموں و گڈو کے بہنوئی کو بٹھا کر سب کے سامنے یہ بات

کہتے ہیں کہ میری یہ تمنا ہے کہ گڈو کی بیوی رانی عدت کرلے، اس کی ساری ذمہ داری وخرچہ وغیرہ اور ساری ذمہ داری میں لینے کے لیے تیار ہوں اور وہ سب لوگوں کے سامنے رانی کی عدت کرنے کے لیے کہتے ہیں، اس پر رانی کی والدہ کہتی ہیں کہ میری بیٹی رانی چھ ماہ کے پیٹ سے ہے، ایسے میں عدت نہیں ہوتی، یہ بیان سن کرسب لوگ چپ ہوجاتے ہیں، اب وہ اپنی لڑکی رانی سے عدت نہیں کروارہی ہے، اب کیا ایسے میں عدت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اورگڈو کا ایک لڑکا حیات ہے، جو کہ چار سال کا ہے، جبکہ اب گڈو کوانتقال ہوئے ۱۷؍دن کے قریب ہوچکے ہیں کیا اب بھی عدت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی عبدالرشید نئی بستی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کا انتقال ہوتے ہی بیوی پر عدت لازم ہو جاتی ہے، اس لیے گڈو کے انتقال ہوتے ہی بیوی پر عدت شروع ہوگئی، الگ سے انتظام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اورحالت حمل میں عدت درست ہوجاتی ہے، اور بچہ کی پیدائش تک عدت رہے گی، اورعدت کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے موت کے غم میں سوگ منایا جائے، نیا کپڑا نہ پہنے، زیورات اور چوڑیاں وغیرہ استعمال نہ کرے اورحویلی سے باہر عام سڑکوں پر نہ نکلے، اگر سسرال میں عدت گذارنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے تو وہیں عدت گذارنا لازم ہے، بغیر عذر کے میکہ میں جانے کی اجازت نہیں ہے، تاہم اگر میکہ چلی جاتی ہے تو وہاں پر رہ کر بھی باہر آنا جانا اس کے لیے ممنوع ہوگا، زینت کی چیزیں اختیار کرنا ناجائز ہوگا، اور یہ سلسلہ بچہ پیدا ہونے تک جاری رہے گا، بغیر عذر کے شوہر کے مکان سے میکہ منتقل ہونے سے عورت گنہگار ہوگی، عذر ہوتو گنہگار نہ ہوگی۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. [الطلاق: ٤]﴾

ابتداء العدة فی الطلاق عقیب الطلاق وفی الوفاة عقیب الوفاة فإن لم تعلم بالطلاق أو الوفاة حتی مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها. (هندیه، زکریاقدیم ۱/ ۵۳۱، جدید ۱/ ۵۸٤)

وعدة الحامل أن تضع حملها كذا في الكافي. (هنديه، زكريا قديم ٥٢٨/١، جديد ٥٨١/١)

وعلى المبتوتة و المتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد ......والحداد أن تترك الطيب و الزينة. (هدايه، اشرفى ديو بند ٤٢٧/٢)

و تعتدان أى معتدة طلاق و موت في بيت و جبت فيه و لا يخرجان منه إلا أن تخرج ...... ونحو ذٰلك من الضرورات. (شامى، كراچى ٥٣٦/٣، زكريا ٢٢٥/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۷۳/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۱ھ

بیوی کے حج کو جانے کے دوران شوہر کا انتقال ہو جائے تو عدت کا حکم

سوال [۷۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید بوجہ علالت اور کمزوری حج کو نہ جاسکا، زید کی بیوی اپنے لڑکے کے ہمراہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے چلی گئی ان کے جانے کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، اب زید کی بیوی ہندہ کی عدت کی کیا شکل ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں ہندہ کے لیے اسی حالت میں حج کے سارے ارکان ادا کر کے آنے کی اجازت ہے، کیونکہ جب ہندہ جدہ یا مکہ پہنچ گئی ہے تو گھر کی مسافت مدت سفر سے لمبی ہے، اور مکہ کی مسافت کم ہے، اور ایسی صورت میں عورت کے لیے اسی حالت میں حج کرنے کی اجازت ہے، ہاں البتہ زینت اختیار نہ کرے۔

وإن كانت بائنا أو معتدة عن الوفاة (إلى قوله) و إن كان إلى مكة أقل من مدة سفر و إلى منزلها مدة سفر مضت إلى مكة. (بدائع، كتاب الحج، فصل

وأما شرائط فرضيته، کراچی ۲/ ۱۲۵، زکریا ۲/ ۳۰۱)

و إن كان بينها وبين منزلها مسيرة سفر فصاعدا و بينها و بين مكة دون ذٰلک فعليها أن تمضى عليها. (تاتارخانية، زکریا ۳/ ۴۷٦، رقم: ٤٨٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۸۱)

دورانِ حج شوہر کا انتقال ہونے کی صورت میں عدت کا حکم

سوال [۷۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے گیا وہاں پہنچ کر درمیان میں ہی انتقال کر گیا تو بیوی کی عدت کا کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: محمد ہارون راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی اسی حالت میں حج کا فریضہ ادا کرسکتی ہے، ایک جگہ بیٹھ کر اس پر عدت گذارنا لازم نہیں ہے، جبکہ شوہر جدہ یا مکہ پہنچنے کے بعد انتقال کر گیا ہو۔

عدة وفاة كانت أو عدة طلاق -إلى قوله- وإن كان بينها وبين منزلها مسيرة سفر فصاعدا و بينها و بين مكة دون ذٰلک فعليها أن تمضى عليها. (تاتارخانية، زکریا ۳/ ۴۷٦، رقم: ٤٨٨٩)

وإن كانت بائنا أو معتدة عن الوفاة (إلى قوله) و إن كان إلى مكة أقل من مدة سفر و إلى منزلها مدة سفر مضت إلى مكة. (بدائع، کتاب الحج، فصل وأما شرائط فرضيته، کراچی ۲/ ۱۲۵، زکریا ۲/ ۳۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵٦۲۱)

غیر مدخول بہا متوفی عنہا کی عدت، مہر اور وراثت کا حکم

سوال [۷۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا، نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے زید کا انتقال ہوگیا، تو ایسی صورت میں ہندہ پر عدت گذارنا لازم ہے یا نہیں؟ اسی طرح ہندہ وارث بنے گی یا نہیں؟ اور ہندہ کو پورا مہر ملے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندہ کے شوہر کا انتقال رخصتی سے پہلے ہوگیا تب بھی ہندہ پر عدتِ وفات (۴/ ماہ دس دن) لازم ہے، نیز ہندہ پورے مہر کی بھی حقدار ہے، اور ہندہ شوہر کی وارث بھی ہوگی، کیونکہ شوہر کی موت سے نکاح انتہاء کو پہنچ گیا، لہٰذا نکاح مؤکد کے تمام احکام جاری ہوں گے۔

عدة المتوفیٰ عنها زوجها إذا كانت غير حامل وهی حرة أربعة أشهر و عشرا، يستوی فی ذلک الدخول و عدم الدخول و الصغر والكبر. (تاتارخانية ٥/٢٢٨، رقم: ٧٧٢٥، المحيط البرهانی كوئٹه ٤/٢٧، المجلس العلمی بيروت ٥/٢٢٦، رقم: ٥٦٥٦)

وعدة الوفاة إنما تجب بانتهاء النكاح، و بالموت يبقى هذا القدر فإن قيل: إنها ترث، قلنا: إنما ترث باعتبار العدة لا باعتبار النكاح. (المحيط البرهانی، كوئٹه ٤/٣٢، المجلس العلمی بيروت ٥/٢٣٢، رقم: ٥٦٦٩)

وإن مات عن وفاء تعتد عدة الوفاة دخل بها أو لم يدخل ولها الصداق والإرث. (البحر الرائق، باب العدة كوئٹه ٤/١٢٩، زكريا ٤/٢١٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۸۷)

طلاق کی عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۷۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اس کی بیوی طلاق کی عدت گذار رہی تھی، اسی دوران زید کا انتقال ہوگیا، تو اب دو سوال کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) زید کی بیوی عدت طلاق ہی گذارے گی یا عدت طلاق عدت وفات کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

(۲) اگر عدت طلاق عدت وفات کی طرف منتقل ہوگی یا کوئی بھی عورت جو عدتِ وفات گذارے گی تو اس کے بارے میں سوال یہ ہے کہ عدت وفات قمری ماہ کے اعتبار سے گذارے گی یا انگریزی ماہ کے اعتبار سے گذارے، اور اگر قمری ماہ کی ۲۶ / یا ۲۸ / کو انتقال ہوا شوہر کا تو ایسی صورت میں جو ۳ / یا ۴ / ماہ کے پورے ہونے میں باقی ہیں وہ بھی شمار ہوں گے یا نئے ماہ سے عدت شروع کرے گی جو بھی شکل ہو عدت گذارنے کی واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقدیر جویا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوالنامہ میں طلاق مغلظہ اور طلاق بائن یا طلاق رجعی کی کوئی صراحت نہیں ہے، اب اگر شوہر نے طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دی ہے، تو یہ عدت عدت وفات کی طرف منتقل نہیں ہوگی، بلکہ تین ماہواری کے ذریعہ سے عدت طلاق گذار کر عدت سے فارغ ہو جائے گی اور اگر طلاق رجعی دی ہے تو عدت طلاق سے عدت وفات کی طرف منتقل ہو جائے گی اس کا فیصلہ صاحب معاملہ خود کرے کہ کون سی طلاق دی ہے۔

فإن كان الطلاق رجعيا انتقلت عدتها إلى عدة الوفاة سواء طلقهافي حالة المرض أو الصحة وانهدمت عدة الطلاق و عليها أن تستانف عدة الوفاة في قولهم جميعا لأنها زوجته بعد الطلاق إذ الطلاق الرجعي لا يوجب

زوال الزوجية و موت الزوج يوجب على زوجته عدة الوفاة لقوله تعالىٰ: والـذين يتوفون منكم و يذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر و عشرا، كـمـا لو مـات قبل الطلاق و إن كان بائنا أو ثلاثا فإن لم ترث بأن طلقها في حالة الصحة لا تنتقل عدتها؛ لأن الله تعالىٰ وجب عدة الوفاة على الزوجات لقوله تعالى: والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا يتربصن وقد زالت الزوجية بالإبانة والثلاث فتعذر إيجاب عدة الوفاة فبقيت عدة الطلاق على حالها. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في بيان انتقال العدة و تغيرها، زكريا ۳/ ۳۱۷)

(۲) سوالنامہ میں دوسری بات یہ پوچھی گئی ہے کہ قمری مہینہ سے عدت گذارے گی یا ایام کے حساب سے یہ مسئلہ صرف عدت وفات سے متعلق ہے اگر شوہر نے طلاق رجعی دی تھی اور عدت وفات ہی گذارنی ہے تو اگر قمری مہینے کی پہلی تاریخ کو شوہر کا انتقال ہوا ہے تو قمری مہینہ کے حساب سے چار مہینہ دس دن گذارے گی، اور اگر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ میں وفات نہیں پایا ہے، تو ایام کی گنتیوں کے حساب سے ۱۳۰؍ دن میں عدت وفات پوری ہوتی ہے۔

فإذا وجبت العدة بالشهور في الطلاق أو الوفاة فإن اتفق ذٰلک في غرة أشهر اعتبرت الأشهر بالأهلة و إن نقص العدد من ثلاثين يوما و إن اتفق ذٰلک في خلال الشهر فعند أبي حنيفةؒ وإحدى الروايتين عن أبي يوسفؒ يعتبر في ذٰلک عدد الأيام تسعون يوما في الطلاق وفي الوفاة يعتبر مأة و ثلاثون يوما ...... وفي الصغرىٰ: واعتبار الشهور في العدة بالأيام دون الأهلة إجماعا. (تاتارخانية زكريا ۵/ ۲۳۱، رقم: ۷۷۳۰، شامي، كتاب الطلاق، باب العدة قبيل في عدة زوجه الصغير كراچی ۳/ ۵۰۹، زكريا ۵/ ۱۸۷، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۲۷، جديد ۱/ ۵۸۰، بدائع كراچی ۳/ ۱۹۶، زكريا ۳/ ۳۱۰، المحيط البرهاني المجلس لعلمی بيروت ۵/ ۲۲۸، رقم: ۵۶۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۷۹)

خلوت صحیحہ سے قبل شوہر کا انتقال ہونے کی صورت میں عدت کا حکم

سوال [۷۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نکاح کے بعد دلہن کو گھر لایا، اسی روز زید کا خلوت صحیحہ سے قبل شام کو انتقال ہوگیا تو اب زید کی بیوی کو عدت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور مہر کی ادائیگی کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالرشید ارشاد العلوم ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب خلوت سے قبل شوہر کا انتقال ہوگیا تو بیوی پر دوسرے نکاح کے لیے چار ماہ دس دن عدت گذارنا واجب ہے اور شوہر کے مال میں سے پورا مہر بھی بیوی کو ملے گا۔

عدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر و عشرة أيام سواء كانت مدخولا بها أولا مسلمة أو كتابية. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، زكريا قديم ۱/۵۲۹، جديد ۱/۵۸۲)

عدة المتوفىٰ عنها زوجها إذا كانت غير حامل، وهي حرة أربعة أشهر و عشرا، يستوي في ذٰلك الدخول و عدم الدخول و الصغر و الكبر. (تاتارخانية ۵/۲۲۸، رقم: ۷۷۲۵، المحيط البرهاني كوئٹه ۴/۲۷، المجلس العلمي بيروت ۵/۲۲۶، رقم: ۵۶۵۶)

والموت أيضا كالوطئ في حق العدة والمهر فقط. (در مختار، باب المهر، مطلب في أحكام الخلوة كراچی ۳/۱۲۳، زكريا ۴/۲۶۲)

وإن مات عن وفاء تعتد عدة الوفاة دخل بها أو لم يدخل ولها الصداق والإرث. (البحر الرائق، باب العدة كوئٹه ۴/۱۲۹، زكريا ۴/۲۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۱/۱۴۱۷ھ

بالغ ہونے کے بعد شوہر کے انتقال پر عدت کا حکم

سوال [۷۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور ہندہ کا نکاح بچپن ہی میں ولی اقرب یعنی والدین نے کروادیا تھا جیسا کہ ہمارے علاقے میں رسم ورواج ہے، چندسال کے بعد دونوں بالغ ہو گئے تھے، اور ہندہ کو سسرال بھیجنے کی تیاری ہی تھی کہ زید کا انتقال ہوگیا، زید کے انتقال پر ہندہ کو عدت موت گذارنا لازمی ہے کہ نہیں، ایک امام کا کہنا ہے کہ ہندہ کو عدت موت گذارنا لازم نہیں ہے، پھر کہا کہ میں اپنے استاذ سے اور معلوم کرلوں، فون پر بات کی تو وہاں سے بھی انکاری آ گئی کہ ہندہ کو عدت موت گذارنا لازمی نہیں ہے، اورامام صاحب کے لیے بھی شرع کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالحفیظ مکرانہ ناگور، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نابالغ کے زمانہ میں ضابطہ شرعی کے مطابق ولی اقرب نے جونکاح کردیا تھا وہ صحیح اور درست ہے، پھر دونوں کے بالغ ہونے کے بعد رخصتی کی تیاری کے موقع پر شوہر کے انتقال ہوجانے کی وجہ سے بالغ لڑکی پر شوہر کے سوگ میں چار مہینہ دس دن عدت وفات گذارنا لازم اور واجب ہے، اس سے پہلے دوسری جگہ اس کا نکاح درست نہیں اور جس امام صاحب اور ان کے استاذ نے عدت وفات واجب نہ ہونے کی بات کہی ہے وہ درست نہیں ہے۔

عدة المتوفیٰ عنها زوجها إذا كانت غير حامل، وهی حرة أربعة أشهر و عشرا، يستوی فی ذٰلک الدخول و عدم الدخول و الصغر والكبر. (تاتارخانية ٥/٢٢٨، رقم: ٧٧٢٥، المحيط البرهانی كوئٹه ٤/٢٧، المجلس العلمی بيروت ٥/٢٢٦، رقم: ٥٦٥٦)

عدة الحرة فی الوفاة أربعة أشهر و عشرة أيام سواء كانت مدخولا بها أولا، مسلمة أو كتابية تحت مسلم، صغيرة أو كبيرة أو آئسة. (هنديه، كتاب

الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، زکریا قدیم ۱/ ۵۲۹، جدید ۱/ ۵۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۸۲)

شوہر شادی سے ۲؍ماہ بعد انتقال کر جائے تو عدت کا حکم

سوال [۷۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی کی شادی ۹؍نومبر ۲۰۰۶ء کو محمد یونس ولد محمد شفیق چکر کی ملک آئی ڈی آفس مراد آباد سے ہوئی تھی، اس لڑکے کو گردے کی بیماری تھی جو ہم لوگوں سے بتائی نہیں گئی تھی، ہمیں شادی کے دو ماہ بعد معلوم ہوا اس کا علاج چلتا رہا، ان لوگوں نے جب ہم سے روپیہ لینے کو کہا، تو اس پر ہم نے دینے سے انکار کر دیا تو حالات بگڑ گئے، اور لڑکی ہماری ہمارے گھر پر ہے، اور اس لڑکے کا انتقال ہو گیا، ان لوگوں نے ہمیں کوئی خبر نہیں دی، نہ کوئی فون اور نہ کسی کو بھیجا اور لڑکے کے مہر بھی معاف نہیں کرائے، اور دفن کر دیا، ہمیں لڑکی سے عدت کرانی ہے یا نہیں؟ اور ہمارا جہیز اور زیور وکپڑا ابھی واپس دینے سے انکار کر دیا، کہہ دیا کہ تم سے لیا جائے تو لے لینا، ان حالات کے ہوتے ہوئے ہمیں اسلام دین کی طرف سے کیا کرنا چاہیے، میری لڑکی کا نام زینب ولد محمد یونس بروالان مراد آباد ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب نکاح کے بعد دونوں میاں بیوی آپس میں ساتھ رہ چکے ہیں چاہے چند دن کے لیے ایک ساتھ رہے ہوں، پھر شوہر کا انتقال ہو گیا تو اب عورت پر ہر چار مہینے دس دن تک عدت گذارنا ضروری ہے، اس کے بعد ہی اس کے لیے کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا درست ہوگا، اور لڑکی کا جہیز اور لڑکی والوں کی طرف سے چڑھائے گئے زیور وہ سب لڑکی کا حق ہے، نیز پورا مہر بھی لڑکی کا حق ہے، وہ سب چیزیں لڑکی کو مطالبہ کر کے لینے کا حق ہے، اور شوہر کے انتقال کے بعد سے چار مہینے دس دن یعنی ایک سو

تیس دن عدت گذار نالڑکی پرلازم ہے،اس کے بعد ہی کسی دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا . [البقرة: ٢٣٤]﴾

عدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر و عشرة أيام سواء كانت مدخولا بها أو لا، مسلمة أو كتابية. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر في العدة، زكريا قديم ١/٥٢٩، جديد ١/٥٨٢، تاتارخانية ٥/٢٢٨، رقم: ٧٧٢٥، المحيط البرهاني كوئٹه ٤/٢٧، المجلس العلمي بيروت ٥/٢٢٦، رقم: ٥٦٥٦)

أن المهر قد وجب بالعقد وصار دينا في ذمته. (بدائع الصنائع زكريا ٢/٥٨٤)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية، كراچی ٣/١٥٨، زكريا ٤/٣١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/جمادی الثانیہ/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۱/۹۳۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۸ھ

بیس سال سے علیحدہ رہنے کی صورت میں عدت وفات کا حکم

سوال [۷۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیس سال قبل میری شادی ہوئی، میں شادی کے بعد چار دن اپنے شوہر کے گھر دوبارہ کرآئی اس کے بعد سے آج تک میں اپنے میکے میں ہوں،اس بیس سال کے عرصہ میں میرے ماں باپ بھائی سب انتقال کرگئے، میں بازار سے سودا خرید کر دوکان پر بیٹھ کر فروخت کر کے اپنی روزی کماتی ہوں، میں نے اس بیس سال کی مدت میں نہ طلاق مانگی اور نہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دی، آج چار دن ہوئے میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، اب مجھے اطلاع ہوئی ہے،اس بیس سال کی مدت میں میرا شوہر سے کوئی تعلق آنا جانا قطع رہا،ایسی صورت میں میری عدت کا کیا مسئلہ ہے،جہیز میرا شوہر کے گھر پر ہے،مہر معاف نہیں کیا ہے،اس کا کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: چھٹوبی کرولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ پر عدت گذارنا واجب ہے، اورآپ اپنا مہر وسامان جہیز جو موجود ہے اس کی حقدار ہیں، نیز شوہر کے ترکہ میں میراث کی بھی حقدار ہیں، کیونکہ شرعی طور پر نکاح باقی ہے، اگر چہ دونوں کے درمیان کافی بعد کیوں نہ رہا ہو۔

﴿**قال الله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا** . [البقرة: ٢٣٤] ﴾

وعدة المتوفى عنها زوجها بعد نكاح صحيح إذا كانت حرة أربعة أشهر و عشرة أيام. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة كوئٹه ٤/ ١٣١، زكريا ٤/ ٢٢٢، هنديه، زكريا قديم ١/ ٥٢٩، جديد ١/ ٥٨٢، تاتارخانية زكريا ٥/ ٢٢٨، رقم: ٧٧٢٥، المحيط البرهاني كوئٹه ٤/ ٢٧، المجلس العلمي بيروت ٥/ ٢٢٦، رقم: ٥٦٥٦)

أن المهر قد وجب بالعقد وصار دينا فى ذمته. (بدائع الصنائع زكريا ٢/ ٥٨٤)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامی، باب المهر مطلب فى دعوى الأب أن الجهاز عارية كراچی ٣/ ١٥٨، زكريا ٤/ ٣١١)

وإن مات عن وفاء تعتد عدة الوفاة دخل بها أو لم يدخل ولها الصداق والإرث. (البحر الرائق، باب العدة، كوئٹه ٤/ ١٢٩، زكريا ٤/ ٢١٨)

لأن أصل العقد صحيح والملك الثابت به وفى البناية: فيتوارثان. (بنايه قديم ٢/ ٩٧، جديد اشرفيه ٥/ ٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۸۶)

کیا ۱۷؍ سال سے الگ رہنے والی عورت پر عدت لازم ہے؟

سوال [۷۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شوہراور بیوی آپسی رنجش کی وجہ سے الگ ہو گئے اس طرح ۱۷ سال گذر گئے، ایک بچہ بھی میکہ ہی میں ہوا جواس وقت جوان ہے، بچے اور ماں کا کبھی کوئی خرچہ نہیں دیا، نہ کوئی تعلق رہا، اس عرصہ میں شوہر نے دوسری شادی بھی کر لی، شوہر کا اب اچانک انتقال ہو گیا، پہلی بیوی جوکہ الگ تھی، وہ عدت کرنا چاہتی ہے لیکن وہ اپنے اور بچے کے خرچ کے لیے نوکری کرتی ہے، اوراسکول کے ماحول میں پردہ نہیں ہوسکتا، لہٰذا ان کے لیے عدت کرنی واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس طرح کیونکہ پردہ میں رہنا مشکل ہے، اس لیے کہ وہ خود ہی ذریعہ معاش کے لیے اسکول جاتی ہے؟

المستفتی: محمد کاشف محلّہ کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں عورت پرعدت لازم ہے، البتہ جب معتدہ کے پاس نفقہ نہ ہواور نہ ہی اپنی کمائی کےعلاوہ کوئی ذریعہ معاش ہے تو ایسی مجبوری کی صورت میں کسب معاش کی حاجت سے بقدرضرورت گھر سے نکل سکتی ہے، لیکن پوری رات بہرکیف گھر میں گذارنا ضروری ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۳۱)

ووجه الدفع أن معتدة الموت لما كانت في العادة محتاجة إلى الخروج لأجل أن تكتسب للنفقة قالوا إنها تخرج في النهار. (شامی، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد، كراچی ۳/۵۳۶، زكريا ۵/۲۲۵، مصری ۲/۸۵٤)

أما المتوفى عنها زوجها فلأنه لا نفقة لها فتحتاج إلى الخروج نهارا لطلب المعاش. (هدايه، باب العدة، اشرفی ديوبند ۲/٤۲۸)

ومعتدة الموت تخرج يوما وبعض الليل لتكتسب لأجل قيام المعيشة لأنه لا نفقة لها. (البحر الرائق كوئٹه ٤/۱۵۳، زكريا ٤/۲۵۸)

اوررہی بات خرچ کی تو مسئلہ یہ ہے کہ نافرمان عورت کاخرچ شوہر کے ذمہ نہیں۔

قال في الهداية: وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هدايه، باب النفقة، اشرفی ديوبند ۲/٤۳۸)

بے پردہ عورتوں کو ملازمت اختیار کرنا جائز نہیں، اس کو شوہر کے پاس جا کر حق ادا کرنا چاہیے تھا، لہٰذا اب عدت گذار کر کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے باعزت زندگی گذارنی چاہیے اور بے پردگی کی نوکری ختم کرنی چاہیے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۸/۳۳)

﴿قال اللہ تعالیٰ: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلَى. [الأحزاب: ۳۳]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۴۱)

شوہر کے انتقال کے ۶؍ ماہ بعد وفات کی خبر ملے تو عدت کا کیا حکم ہے؟

سوال [۷۴۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر عابد بیگ کا سعودیہ میں پانچ چھ ماہ قبل انتقال ہو گیا اور مجھ کو آٹھ دس روز پہلے ہی اس کی خبر ملی ہے تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ میں عدت گذاروں یا نہیں؟ کیونکہ عدت کا وقت گذر چکا ہے، اور مجھ کو معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

المستفتی: نسرین جہاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کی عدت اس دن سے شمار ہوگی جس دن آپ کے شوہر کا انتقال ہوا ہے، اس دن سے ۱۳۰؍ دن جس روز پورے ہو جائیں گے اس دن آپ کی عدت پوری ہو جائے گی اگر چہ عدت کے یہ ایام آپ کی لاعلمی میں گذر جائیں پھر خود بخود شرعی طور پر آپ کی عدت پوری ہو جائے گی، لہٰذا جب اتنے ایام گذر چکے ہیں تو بے اختیاری طور پر آپ کی عدت بھی پوری ہو گئی، اب آپ کسی دوسری جگہ اپنی منشاء کے مطابق نکاح کر سکتی ہیں۔

وابتداء العدة في الطلاق عقيب الطلاق وفي الوفاة عقيب الوفاة فإن

لم تعلم بالطلاق أو الوفاة حتی مضت مدة العدة فقد انقضت عدتها. (هدایه، کتاب الطلاق، باب العدة، اشرفی دیو بند ۲/ ٤٢٥، هندیه، زکریا قدیم ۱/ ۵۳۲، جدید ۱/ ٥٨٤، در مختار، کراچی ۳/ ۵۲۰، زکریا ٥/ ۲۰۲، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ٤/ ٣٢٩، کوئٹه ٤/ ١٥٤، زکریا ٤/ ٢٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۳۰ھ

متوفی عنہا زوجہا کے ساتھ چند پیش آمدہ مسائل

سوال [۷۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر گڈو کا قتل ہوجاتا ہے اور گڈو کے والد اپنی بہو سے عدت کرنے کو کہتے ہیں، مگر وہ عدت نہیں کرتی ہیں، اب گھر میں عورتوں میں جھگڑا ہو رہا ہے، اس پر گڈو کے والد گڈو کے سالے کو بلا کر یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے محلّہ کے چار بڑے لوگوں کو بلا لو اور میں بھی اپنے محلّہ کے چار بڑے لوگوں کو بلا لیتا ہوں اور سب بیٹھ کر یہ مسئلہ طے کریں اور اپنی بہن کو گھر لے جاؤ، لہٰذا آپ بتائیں کہ شوہر کی جائداد میں بیوی کا حق بنتا ہے؟ اور باپ کی جائیداد میں بیٹے کا کیا حق ہے؟ اور جو گڈو کی بیوی کے اولاد ہوگی اس کی پیدائش کا خرچہ کون اٹھائے گا، اور وہ دونوں بچے اگر ماں کے ساتھ چلے جاتے ہیں تو ان بچوں اور ان کی ماں کا خرچہ کون اٹھائے گا، اور گڈو کی شادی کے وقت جو زیور اس کے والد نے چڑھایا تھا اس کا کون حقدار ہوگا، بیوی یا گڈو کے والد؟ اس وقت گڈو کا چار سال کا لڑکا حیات ہے، اور باقی ایک بچہ چند ماہ میں ہونے والا ہے، گڈو کے والد بھی بیمار رہتے ہیں وہ بھی یہ چاہتے ہیں کہ یہ سب مسئلہ دین ومذہب کی رو سے حل ہوجائے۔

المستفتی: عبد الرشید نئی بستی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کے اوپر چار مہینہ

دس دن یعنی ایک سوتیس دن عدت میں سوگ منانا لازم اور واجب ہے، اور عدت گذارنے کی اصل جگہ شوہر کا گھر ہوتا ہے، اگر کوئی معقول اور شرعی عذر نہ ہوتو شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسری جگہ عدت گذارنا ممنوع ہے، اور شوہر کے مال میں سے اولاد کی موجودگی میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے، شوہر کی کل جائیداد وسرمایہ کو آٹھ حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ بیوی کا ہوگا اور شوہر کے ماں باپ کا چھٹا چھٹا حصہ ہوگا، اس کے بعد مابقیہ مال اگر بیوی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ بھی لڑکا ہوتو مابقیہ مال دونوں لڑکوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، اور اگر پیٹ کا بچہ لڑکی ہوئی تو تین حصوں میں تقسیم ہوکر دو حصہ لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا، اور اس تقسیم کی وراثت کا صحیح مسئلہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب پیٹ میں جو بچہ ہے وہ پیدا ہو جائے اور جو زیورات بیوی کو میکے سے ملے ہیں وہ بیوی کی ملکیت ہیں، اور جو زیورات شوہر نے ملکیت کے طور پر دیئے ہیں وہ بھی بیوی کے ہیں

﴿**قال الله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا.** [البقرة: ٢٣٤]﴾

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز للمرأة، إذا طلقها تاخذه كله. (شامی، کتاب النكاح، باب المهر، مطلب فی دعویٰ الأب أن الجهاز عارية، کراچی ۱۵۸/۳، زکریا ۳۱۱/٤)

ولو بعث إلى امرأته شيئا ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر ...... ثم قال إنه من المهر لم يقبل لوقوعه هدية فلا ينقلب مهرا. (در مختار مع الشامی، کرچی ۱۵۱/۳، زکریا ۳۰۱/٤)

اور عدت کے دوران عورت کا خرچہ شوہر کے ترکہ میں سے جو حصہ عورت کو ملے گا اس میں سے اٹھایا جائے گا، اور بچوں کا خرچہ ان کو ترکہ میں سے ملے ہوئے حصے سے اٹھایا جائے گا۔

وإن كان الأب قد مات و ترك أموالا، و ترك أولادا صغارا كانت نفقة الأولاد من أنصبائهم و كذا امراة الميت تكون نفقتها في حصتها من الميراث. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الرابع فی نفقة

الأولاد، زكريا قديم ١/ ٥٦٤، جديد ١/ ٦١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۱۳/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۱ھ

معتدہ کی عدت، بچے کی پرورش، جائیداد کی تقسیم اور زیورات کا حکم

سوال [۷۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی عالم آراء کی شادی ہوئے کل تین سال ۶/ ماہ ہوئے، ۱۵/ اگست ۲۰۰۳ء بروز جمعہ کو ان کے شوہر امیر احمد کا ہارٹ فیل کے سبب انتقال ہو گیا، مرحوم نے ایک لڑکا ڈھائی سال کا چھوڑا، مرحوم کا کاروبار جملہ دیگر بھائیوں سے الگ تھا، مرحوم نے ایک مکان جس میں آٹا چکی، مصالحہ چکی، آئل انجن وموٹر وغیرہ، دیگر ساز وسامان چھوڑا ہے، مرحوم کی بیوی کے پاس میکے کی ۶/ چیزیں سونے اور چار چیزیں سونے کی سسرال کی ہیں، اور چاندی کی پانچ چیزیں سسرال کی ہیں، مرحوم کی غیر شادی شدہ بہنیں بیوہ کو پریشان کر رہی ہیں اور بیوہ کے لڑکے کو ماں کے پاس آنے نہیں دیتیں، بیوہ عدت میں ہے ایک طرف شوہر کی جدائی سے دل دکھا ہوا ہے اور دوسری طرف نندیں بچے کی طرف سے بے حد پریشان کر رہی ہیں، یہاں تک کہ دن دن بھر بچے کو ماں کے پاس آنے نہیں دیتیں، ان حالات میں بیوہ کسی طرح عدت کا وقت پورا کر کے مندرجہ بالا حالات کے تحت کون سا راستہ اختیار کرے؟

(۱) بیوہ کو اس کا لڑکا ملنا چاہیے یا نہیں؟ یا دادا کو ملنا چاہیے؟

(۲) مرحوم کی جائیداد جو جملہ بھائیوں کے کاروبار سے الگ تھی، اس میں بیوہ کا کیا حق ہے؟

(۳) بیوہ کے پاس جو سسرال ومیکے سے سونے چاندی کا زیور ہے وہ کس کا ہے؟

المستفتی: محمد نور الحسن مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوہ پر لازم ہے کہ شوہر کے گھر ہی عدت گذارے اور بلا کسی مجبوری کے نہ نکلے، اور گھر والوں پر لازم ہے کہ وہ اسے پریشان نہ کریں اور صحیح طریقے سے عدت گذارنے دیں۔

لاتخرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة. (شامی، باب العدة، فصل فی الحداد، کراچی ۵۳۶/۳، زکریا ۲۲۵/۵)

(۲) لڑکے کی پرورش کا حق سات سال تک ماں کو ہے، سات سال کے بعد دادا کو لڑکے کو لینے کا حق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/ ۸۷)

الحاضنة أما أو غيرها أحق به أی بالغلام حتى يستغنی عن النساء وقدر بسبع و به يفتی لأنه الغالب. (الدر المختار، باب الحضانة، کراچی ۵٦٦/۳ زکریا ۲٦۷/۵)

وإذا استغنی الغلام عن الخدمة أجبر الأب أو الوصی أو الولی علی أخذه لأنه أقدر علی تاديبه و تعلمه. (شامی، کراچی ۵٦٦/۳، زکریا ۲٦۸/۵)

(۳) مرحوم کی متروکہ جائیداد میں سے ماں باپ اگر موجود ہوں تو دونوں کو چھٹا چھٹا بیوہ کو آٹھواں حصہ اور مابقیہ بیوہ کے لڑکے کو ملے گا۔

(۴) بیوہ کے پاس جوزیوار اس کے میکہ سے والدین کی طرف سے ملا ہے وہ اس کی ملک ہے اس میں کسی دوسرے کا حق نہیں ہے، البتہ جوزیور سسرال والوں کی طرف سے ملا ہے اس میں برادری کا عرف معتبر ہوگا، اگر برادری کا عرف ہدیتاً دینے کا ہو تو وہ زیور بیوی کا شمار ہوگا اور اگر رواج عاریتاً دینے کا ہو تو وہ مرحوم کی متروکہ ملک ہوگا اور ان زیورات میں سے بھی بیوہ کو حصہ ملے گا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۵٦۱)

المختار للفتویٰ أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية لأنه الظاهر الغالب إلا فی بلدة جرت العادة بدفع الكل عارية فالقول للأب. (شامی، باب المهر، مطلب فی دعوی الأب أن الجهاز عارية، کراچی ۱۵۷/۳، زکریا ۳۰۹/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۳۰/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۷/۱۴۲۴ھ

دورانِ عدت پان کھانا

سوال [۷۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت پان کھانے کی عادی ہو تو دورانِ عدت پان کھا سکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا تمام عدتوں یعنی معتدۂ بائنہ، معتدۂ رجعیہ، متوفی عنہا زوجہا کا حکم برابر ہے یا کچھ فرق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معتدہ متوفی عنہا یا بائنہ اگر پان کھانے کی عادی ہے اور نہ کھانے سے اس کی طبیعت خراب ہوجانے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں پان کھانے کی اجازت ہے، لیکن وہ پان خوشبودار نہ ہونا چاہیے، اور اگر عورت جوان ہو تو ہونٹ میں سرخی نہ آنا چاہیے، اگر ہونٹ سرخ ہونے کا خوف ہو تو فوراً پانی سے منہ دھولینا ضروری ہے، اس لیے کہ اگر ہونٹ کا سرخ کرنا اسباب زینت میں سے ہے اور معتدہ کو دورانِ عدت زینت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

تحد معتدة الطلاق البت والموت بترك الزينة والطيب والكحل والدهن إلا بعذر. (البحر الرائق، باب العدة، فصل في الإحداد، کوئٹہ ٤/ ١٥٠، زکريا ٤/ ٢٥٢)

البتہ مطلقہ رجعیہ کو ان سب چیزوں کی اجازت ہے۔

عن إبراهيم: في الرجل يطلق امرأته طلاقا يملك الرجعية، قال: تكتحل و تلبس المصبغ، وتشوف له، ولا تضع ثيابها. (مصنف ابن أبي شيبة، مؤسسة علوم القرآن بيروت ١٠/ ١٣٨، رقم: ١١٠٢٤)

ولا يجب الحداد على المطلقة الرجعية، وفي الشرح الطحاوي: بل يستحب لها أن تتزين و تتطيب و تلبس أحسن ثيابها لعل زوجها يراجعها. (تاتارخانية زكريا ٥/ ٢٥١، رقم: ٧٧٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦٢٦٨)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍ ۷؍ ۱۴۲۰ھ

دورانِ عدت سر میں تیل ڈالنا

سوال [۷۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد کا انتقال ہوگیا ہے، والدہ عدت میں ہے تو یہ اپنے سر میں تیل ڈال سکتی ہے یا نہیں؟ اگر سر میں تیل نہیں ڈالتی ہے تو سر کے بال خراب ہوجائیں گے؟

المستفتی: امیر حسن، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورانِ عدت تیل لگانا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر سر میں جوں وغیرہ کی وجہ سے سخت تکلیف ہوجائے تو تیل لگانے کی گنجائش ہے۔

وعلى المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد ...... والحداد أن تترك الطيب والزينة والكحل والدهن الطيب وغير الطيب إلا من عذر. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة، اشرفی ديوبند ۲/۴۲۷)

وتحد بترك الزينة والطيب والدهن والكحل ولبس المعصفر والمزعفر إلا بعذر. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كراچی ۳/۵۳۰، زكريا ۵/۲۱۸ - ۲۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۶۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۷/۱۴۱۲ھ

عدت میں جوڑا بنانا اور آسمان کے نیچے سونا

سوال [۷۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں عدت میں ہوں، گرمی کی وجہ سے میں اپنا جوڑا بنا سکتی ہوں یا نہیں؟ اور میں رات میں گھر کے آنگن میں آسمان کے نیچے سوسکتی ہوں یا نہیں؟

المستفتی: شبنم کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عدت کے زمانہ میں عورت کے لیے ایسا کپڑا پہننا بلاشبہ درست اور جائز ہے، جس میں کسی قسم کی جھالر اور چمک وغیرہ نہ ہو، لہٰذا گرمی کی وجہ سے سوتی کپڑے وغیرہ زینت کے ارادے کے بغیر بنوا کر پہننے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

إذا كانت معتدة بت أو موت بترك الزينة بحلي أو حرير ولبس المعصفر والمزعفر إلا بعذر. (در مختار، كتاب الطلاق، باب العدة فصل فى الحداد، كراچى ۳/ ۵۳۱، زكريا ۵/ ۲۱۷، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۳۳، جديد ۱/ ۵۸۵ - ۵۸٦)

عدت کے زمانہ میں عورت کا گھر کے صحن میں آنا اور شب گذارنا شرعاً درست اور جائز ہے۔

للمعتدة أن تخرج من بيتها إلى صحن الدار وتبيت في أي منزل شائت. (الهنديه زكريا قديم ۱/ ۵۳۵، جديد ۱/ ۵۸۷، تاتارخانية زكريا ۵/ ۲٤٦ رقم: ۷۷٦۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹٦۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۲ھ

عدت کب سے شروع ہوگی، نیز دن کے حساب سے پوری ہوگی یا مہینہ کے حساب سے؟

سوال [۷۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۲؍ صفر ۱۴۳۲ھ کو تقریباً تین بجے دن میں میرے نانا کا انتقال ہوا تو پوچھنا یہ ہے کہ میری نانی عدت دن کے حساب سے پوری کرے گی یا مہینہ کے حساب سے، واضح فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، نیز عدت کا وقت موت کے بعد ہی سے فوراً شروع ہو جاتا ہے، یا مردہ کو دفن کرنے کے بعد شروع ہوتا ہے، اسے بھی واضح فرمائیں؟ نیز یہ بھی بتلائیں کہ کیا عدت گذارنے کے لیے عورت کو غسل کرنا اور نیا کپڑا پہننا ضروری ہے شوہر کی وفات کے بعد۔

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے نانا کا انتقال ۳؍صفر کو دن میں ہوا ہے، چونکہ چاند کی پہلی تاریخ میں انتقال نہیں ہوا ہے اس لیے دنوں کی گنتی کے اعتبار سے چار مہینہ دس دن یعنی ۱۳۰؍دن پورے ہونے پر آپ کی نانی کی عدت پوری ہو جائے گی، اور جس دن ۳؍بجے کے قریب انتقال ہوا ہے وہ دن بھی گنتی میں شمار ہوگا، اور جس دن ایک سوتیس یوم پورے ہوں گے اس دن سورج غروب ہونے کے بعد عدت پوری ہوجائے گی، نیز عدت کی ابتداء موت کے بعد سے فوراً شمار ہوتی ہے، دفن کے وقت سے نہیں، اور عدت شروع کرتے وقت یا عدت پوری ہونے پر غسل کرنا یا نیا کپڑا پہننا ضروری نہیں ہے، البتہ عدت کے دوران نیا کپڑا پہننا یا خوشبو لگانا جائز نہیں ہے، اور عدت ختم ہونے کے بعد یہ چیزیں جائز ہوجاتی ہیں، لازم نہیں ہیں۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. [البقرة: ٢٣٤]﴾

عن ابن عمرؓ قال: عدتها من يوم طلقها من حين تطلق والمتوفى عنها زوجها من حين يتوفى. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، دار الفكر بيروت ١١/٣٨٢ رقم: ٥٨٢٢)

عن أم سلمة زوج النبي ﷺ عن النبي ﷺ أنه قال: المتوفى عنها زوجها لا تلبس المعصفر من الثياب ولا الممشقة ولا الحلى ولا تختضب ولا تكتحل. (سنن أبوداؤد، الطلاق، باب فيما تجتنب العدة المعتدة فى عدتها، النسخة الهندية ١/٣١٥، دار السلام، رقم: ٢٣٠٤)

عن ابن عباسؓ قال نهيت المتوفى عنها زوجها عن الطيب والزينة. (المعجم الكبير للطبرانى، دار إحياء التراث العربى بيروت ١١/١٥١ رقم: ١١٤٥١)

وفى تفسير ابن كثير تحت هذه الآية: فإذا انقضت عدتها فلا جناح عليها أن تتزين و تتصنع و تتعرض للتزوج. (تفسير ابن كثير لاهور ١/٢٨٦ بحواله محموديه ڈابهيل ١٣/٤١٠)

وإن اتـفـق فی وسط الشهر فعند الإمام یعتبر بالأیام فتعتد فی الطلاق بتسـعیـن یوما، وفی الوفاة بمأة و ثلاثین. (شـامـی، کتاب الطلاق، باب العدة قبیل مطلب فی عدة زوجة الصغیر، کراچی ۳/ ۵۰۹)

وإن اتـفق ذٰلک فی خلال الشهر فعند أبی حنیفة و إحدی الروایتین عـن أبـی یـوسف یـعتبر فی ذٰلک عدد الأیام تسعون یوما فی الطلاق، وفی الوفاة یعتبر مأة وثلاثون یوما. (تاتارخانیة زکریا ۵/ ۲۳۰، رقم: ۷۷۳۰)

وفی الوفاة یعتبر مأة و ثلاثون یوما. (زکریا قدیم ۱/ ۵۲۷، جدید ۱/ ۵۸۰، بدائع کراچی ۳/ ۱۹۶، زکریا ۳/ ۳۱۰)

ومبـدء العدة بـعـد الـطـلاق و بعد الموت علی الفور. (شـامی، کتاب الطلاق، باب العدة کراچی ۳/ ۵۲۰)

إن ابتـداء العدة فی الطلاق عقیب الطلاق وفی الوفاة عقیب الوفاة. (هندیه، زکریا قدیم ۱/ ۵۳۱، جدید ۱/ ۵۸٤، هدایه مکتبه اشرفیه دیو بند ۲/ ٤۲۵، مکتبه بلال ۲/ ٤۳۱)

إن ابتـداء العدة فی الموت من وقت الموت. (شـامی، باب العدة، مطلب فی النکاح الفاسد و الباطل، کراچی ۳/ ۵۱۸، زکریا ۵/ ۱۹۹)

وعـلـی قول العامة: تنقضی (العدة) بغروب الشمس کما فی البحر. (شامی، باب العدة مطلب فی عدة الموت، کراچی ۳/ ۵۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۳۰)	۱۴۳۲/۶/۱۳ھ

متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا شمار کس طرح ہو؟

سوال [۷۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا انتقال ۲۹/ دسمبر ۱۹۹۰ء یوم سنیچر رات کو ۸/ بج کر دس منٹ پر ہوا تو اس

سلسلے میں زید کی اہلیہ کی عدت کا حساب کس طرح لگے گا، چاند کی تاریخ یا انگریزی تاریخ سے اگر چاند کی تاریخ سے لگے گا تو اس دن کی چاند کی تاریخ دیکھ کر اور کتنے دن کی شرعی عدت ہے، اور کب پوری ہونی چاہیے، چاند یا انگریزی حساب سے صحیح حساب دیکھ کر قرآن و حدیث ومسئلہ کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر زید کی اہلیہ وعیال کو مطمئن کر دیں۔

نوٹ: عدت پوری ہونے سے دن کے دن گھر سے نکل کر جانا ضروری تو نہیں ہے، یا ہے؟ اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کے یہاں؟ اس کی وضاحت فرما دیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں ایام عدت دنوں کی گنتی کے اعتبار سے شمار ہوں گے، اگر ۲۹؍ دسمبر ۱۹۹۰ء کی رات ۸ بج کر دس منٹ پر انتقال ہوا ہے تو بیوی کی عدت وفات ۸؍ مئی ۱۹۹۱ مطابق ۲۲؍ شوال ۱۴۱۱ھ بروز بدھ بعد غروب شمس پوری ہو جائے گی۔

وإن اتفق فی وسط الشهر فعند الإمام يعتبر بالأيام فتعتد فی الطلاق بتسعين يوما، وفی الوفاة بمأة و ثلاثين. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة قبيل مطلب فی عدة زوجة الصغير، كراچی ۳/ ۵۰۹، زکريا ۵/ ۱۸۷، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۲۷، جديد ۱/ ۵۸۰، بدائع كراچی ۳/ ۱۹۶، زكريا ۳/ ۳۱۰، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۵/ ۲۲۸، رقم: ۵۶۵۹، تاتارخانية زكريا ۵/ ۲۳۱، رقم: ۷۷۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شوال ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۲۶)

عدت کا شمار کس وقت سے ہوگا؟

سوال [۷۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرحوم رفیق الباری کا انتقال بمطابق ۱۲؍ رمضان ۱۴۱۱ھ، ۲۹؍ مارچ ۱۹۹۱ء کے افطار کے بعد بوقت عشاء ہوا، اور مرحوم کا جنازہ ۱۳؍ رمضان ۳۰؍ مارچ کی صبح ۹؍ بجے گھر

سے روانہ ہوا، مرحوم کی اہلیہ کو کب تک (دن ووقت) حالت عدت میں رہنا ہوگا؟

المستفتی: شکیل الرحمٰن تمبا کو والا ن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب ۱۲؍رمضان المبارک بعد غروب شمس وفات ہوئی تو ۱۳؍رمضان المبارک سے ایام شمار کر کے ۱۳۰؍ یوم ۶؍ اگست کی شام کو پورے ہوں گے، اور عدت کا شمار وفات کے وقت سے ہوتا ہے، روانگی جنازہ وغیرہ کا اعتبار نہیں ہے۔

وقد ينقص عن قولهم لو فرض الموت بعد الغروب فكان الأحوط قولهم. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة مطلب في عدة الموت، كراچی ۳/ ۵۱۰، زكريا ۵/ ۱۸۸)

ومبدء العدة بعد الطلاق وبعد الموت على الفور. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة كراچی ۳/ ۵۲۰، زكريا ۵/ ۲۰۲، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۳۱، جديد ۱/ ۵۸۴، هدايه، اشرفي ديوبند ۲/ ۴۲۵)

وإن اتفق في وسط الشهر فعند الإمام يعتبر بالأيام فتعتد في الطلاق بتسعين يوما، وفي الوفاة بمأة و ثلاثين. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة قبيل مطلب في عدة زوجة الصغير كراچی ۳/ ۵۰۹، زكريا ۵/ ۱۸۷، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۲۷، جديد ۱/ ۵۸۰، بدائع كراچی ۳/ ۱۹۶، زكريا ۳/ ۳۱۰، المحيط البرهاني المجلس العلمي بيروت ۵/ ۲۲۸، رقم: ۵۶۵۹، تاتارخانية زكريا ۵/ ۲۳۱، رقم: ۷۷۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۲۲ھ

عدت کا شمار قمری مہینہ کے اعتبار سے ہوگا یا شمسی مہینہ کے؟

سوال [۷۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کا انتقال ۲؍صفر المظفر یعنی ۴؍دسمبر ۱۹۸۹ء کی شب کو ساڑھے دس بجے

ہوا اور اس کی بیوہ اس وقت سے عدت میں بیٹھ گئی جبکہ نماز جنازہ ۳؍صفر المظفر بھی ۵؍دسمبر ۱۹۸۹ء کو صبح عمل میں آئی، اور فوراً بعد تدفین بھی عمل میں آئی، شرع کی رو سے بیوی کی عدت کا وقت کس تاریخ اور کس وقت پورا ہوگا؟

المستفتی: حسین احمد شمسی قانون گویان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت کا شمار موت کے وقت سے ہوتا ہے، دفن کے وقت کا اعتبار نہیں ہے، اور چونکہ ماہ صفر کی دو تاریخ گذرنے کے بعد وفات پائی ہے اس لیے ۱۳۰؍ یوم گیارہ جنوری کی شام کو پورے ہوں گے اور ۱۲؍جنوری ۱۹۹۰ء کی صبح باہر جاسکتی ہے، زینت اختیار کرسکتی ہے، نکاح ثانی کرسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۱۰/۳۲۳)

وإن اتفق فی وسط الشهر فعند الإمام يعتبر بالأيام فتعتد فی الطلاق بتسعين يوما، وفی الوفاة بمأة و ثلاثين. (شامی، كتاب الطلاق، باب العدة قبيل مطلب فی عدة زوجة الصغير كراچی ۳/ ۵۰۹، زكريا ۵/ ۱۸۷، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۲۷، جديد ۱/ ۵۸۰، بدائع كراچی ۳/ ۱۹٦، زكريا ۳/ ۳۱۰، المحيط البرهانی المجلس العلمی بيروت ۵/ ۲۲۸، رقم: ۵٦۵۹، تاتارخانية زكريا ۵/ ۲۳۱، رقم: ۷۷۳۰)

ابتداء العدة فی الطلاق عقيب الطلاق و فی الوفاة عقيب الوفاة. (هدايه، اشرفی ديوبند ۲/ ۴۲۵)

وعشر من الأيام، وفی الشامية: وفی غرر الأذكار عشر ليال مع عشرة أيام من شهر خامس. (الدر المختار مع الشامی، باب العدة، مطلب فی عدة الموت، كراچی ۳/ ۵۱۰، زكريا ۵/ ۱۸۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۸۱۱)

عدت کب سے شروع ہوتی ہے؟

سوال [۷۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرصہ دو سال ہوا ایک شخص ریاض الدین کا قتل ہوگیا، اس نے دو بیویاں چھوڑیں، پہلی بیوی کا نام سیدہ ہے اور دوسری بیوی کا نام ناہد جمال ہے، اس کا بچہ وغیرہ نہیں ہے، چونکہ ایک ماہ گذرنے پر پتہ چلا کہ ریاض الدین کا قتل ہوگیا ہے اور وہ لاش ٹھاکردوارہ تھانہ میں تھی، پھر سیدہ نے عدالت میں دعویٰ دائر کردیا کہ ان کی سکنائی جائیداد کی حقدار میں ہوں نہ کہ ناہد جمال ہے، تو چونکہ عدت میں نہیں بیٹھ سکی، عدالت میں کام کرنے کی وجہ سے لہٰذا ایسی صورت میں عدت ہوگئی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں عدت گذرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عورت زینت اختیار نہ کرے اور بلاضرورت باہر نہ جایا کرے، شدت ضرورت میں دن میں باہر جاکر ضرورت پوری کرکے رات میں گھر آجانا جائز ہے، نیز اگر شوہر کے انتقال کا علم نہ ہو اور عرصہ گذر جائے تو جب علم ہو جائے کہ فلاں تاریخ، فلاں مہینہ میں انتقال ہوا ہے تو انتقال کے وقت سے چار ماہ دس دن عدت میں شمار کرنا شریعت اسلامی میں معتبر ہے، اگرچہ عورت سوگ نہ مناتی ہو، لہٰذا سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں مذکورہ عورت کی عدت شرعاً گذر چکی ہے، دوبارہ عدت گذارنا لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۴۸۸)

وابتداء العدة فی الطلاق عقیب الطلاق وفی الوفاة عقیب الوفاة فإذا لم تعلم بالطلاق أو الوفاة حتی مضت العدة فقد انقضت عدتها. (الجوهرة النيرة، كتاب العدة، امداديه ملتان ۲/ ۱۵۸، دار الكتاب ديوبند ۲/ ۱۵۱، الدر المختار كراچی ۳/ ۵۲۰، زكريا ۵/ ۲۰۲، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۳۱، جديد ۱/ ۵۸٤، هدايه اشرفی ديوبند ۲/ ٤۲۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۴۹)

دورانِ ماہ انتقال کرنے والی کی اہلیہ کی عدت کی تکمیل کا طریقہ

سوال [۷۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۲/ جمادی الآخر شب ۱۲/ بجے ایک مرد کا انتقال ہوا، ان کی بیوی کی عدت کی تاریخ کب ختم ہوتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر کا انتقال مہینہ کے درمیان ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دنوں کی تعداد کے اعتبار سے عدت میں ایک سوتیس دن پورے کرنے ہوں گے، امسال ۱۲/ جمادی الآخر سے ۲۳/ شوال المکرّم تک ۱۳۰/ دن پورے ہورہے ہیں، لہٰذا ۲۳/ شوال ہی کو عدت پوری ہوسکتی ہے۔

وفی المحیط: إذا اتفق عدة الطلاق والموت فی غرة الشهر اعتبرت الشهور بالأهلة، وإن اتفق فی وسط الشهر فعند الإمام يعتبر بالأيام فتعتد فی الطلاق بتسعين يوما، وفی الوفاة بمأة و ثلاثين. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة قبيل مطلب فی عدة زوجة الصغير کراچی ۳/ ۵۰۹، زکریا ۵/ ۱۸۷، هنديه زكريا قديم ۱/ ۵۲۷، جديد ۱/ ۵۸۰، بدائع کراچی ۳/ ۱۹۶، زکریا ۳/ ۳۱۰، المحيط البرهانی المجلس العلمی بيروت ۵/ ۲۲۸، رقم: ۵۶۵۹، تاتارخانية زكريا ۵/ ۲۳۱، رقم: ۷۷۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۲۶)

کیا جس روز انتقال ہو وہ دن بھی عدت میں شمار ہوگا؟

سوال [۷۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا انتقال ۴/ ذی الحجہ مطابق ۱۷/ جون بروز اتوار ۴/ بجے شام ہوا اور

دفن پیر ساڑھے ۶ ر بجے دن ہوا، تو اس کی عورت (جو کہ اپنے شوہر کے مرنے سے بیوہ ہو چکی ہے) کتنے دن عدت گذارے گی، اور وہ عورت ابھی عدت میں بیٹھی ہوئی ہے، مذکورہ تاریخ سے اب تک کے حساب سے ابھی اور کتنے دن باقی رہ گئے ہیں، حدیث وقرآن کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ عدت کا حساب کس دن سے لگایا جائے گا، آیا اتوار سے یا پیر سے؟

المستفتی: عفیف احمد پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ۴ر ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۷ر جون ۱۹۹۱ء کو انتقال ہوا ہے تو آج ۱۲۵ روز پورے ہونے والے ہیں، پانچ روز مزید عدت میں رہنا لازم ہوگا، اس حساب سے آئندہ جمعرات کا دن گذار کر عدت سے فارغ ہوسکتی ہے، اور جس روز انتقال ہوا ہے وہ دن بھی عدت میں شمار ہوگا۔

لو مات قبل طلوع الفجر فلا بد من مضی اللیلة بعد العاشر و علی قول العامة تنقضی بغروب الشمس. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فی عدة الموت کراچی ۳/ ۵۱۰، زکریا ۵/۱۸۸، البحر الرائق کوئٹه ۴/ ۱۳۲، زکریا ۴/ ۲۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۳۱)

کیا وضع حمل سے عدت پوری ہو جاتی ہے؟

سوال [۷۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج سے سترہ دن قبل جناب شکیل صاحب کا انتقال ہو گیا ہے اور ان کی بیوی اس وقت حمل میں تھی اب وضع حمل ہو گیا ہے تو اس کی عدت ختم ہوگئی یا نہیں؟

المستفتی: محمد عظیم اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر کے انتقال کے وقت بیوی حاملہ ہوئی ہے تو ایسی صورت میں بیوی کی عدت بچہ کی ولادت تک باقی رہتی ہے، اور بچہ کی ولادت کے بعد فوراً عدت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا اب جبکہ بیوی سے ولادت ہوگئی ہے تو اس کی عدت ختم ہو چکی ہے، اب اس کے اوپر سے وہ ساری پابندیاں ختم ہو چکی ہیں جو اس پر لازم تھیں۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. [الطلاق: ٤]﴾

فإن عدتها للموت وضع الحمل وهذا إذا مات عنها وهي حامل. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب فی عدة الموت کراچی ۳/۵۱۰، زکریا ۵/۱۸۸)

وفي الحامل عدتها أن تضع حملها. (تاتارخانية زکریا ۵/۲۲۸، رقم: ۷۷۲۷)

وإن كانت حاملا فعدتها أن تضع حملها. (هدایه، اشرفی دیو بند ۲/۴۲۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۵۹)

رات سوا بجے انتقال ہوا عدت رات میں پوری ہوگی یا دن میں؟

سوال [۷۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منظور صاحب کا ۱۴/رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ کو رات ایک بج کر پندرہ منٹ پر انتقال ہو گیا تھا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ عدت کس تاریخ میں پوری ہوگی، اور دن میں پوری ہوگی یا رات میں، شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

المستفتی: محمد مرسلین محلّہ بکری کا احاطہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت رات کے بعد میں آنے والے دن کے

تابع ہوتی ہے،لہٰذا جس رات میں انتقال ہوا ہے اس کے بعد والے دن سے عدت کے ایام شمار ہوں گے اس دن سے لے کر جس دن ایک سوتیس دن پورے ہوں گے اس دن سورج غروب ہونے کے بعد عدت پوری ہو جائے گی، اور عدت پوری ہونے کے بعد گھر سے باہر جانا کوئی ضروری نہیں، ہاں البتہ بناؤ سنگار کر سکتی ہے، بہتر اور احتیاط اس میں ہے کہ آنے والی رات بھی صبح تک عدت ہی گذارے۔

إذا مات قبل طلوع الفجر وتربصت الأهلة الأربعة فإن عدتها لاتنقضي بمضي اليوم العاشر من الخامس بل لا بد من مضي الليلة التي بعد العاشر على قول الفضلي والأوزاعي و على قول العامة تنقضي بغروب الشمس ولا يخفى أن الأول أحوط. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة كوئٹه ۴/۱۳۲، زکریا ۴/۲۲۳، شامی کراچی ۳/ ۵۱۰، زکریا ۵/۱۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱/۲۳ھ

معتدۃ الوفات کا ایک مسئلہ

سوال [۷۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی شائستہ کے شوہر محمد طاہر صاحب کا ۲؍فروری ۱۹۹۷، ۲۳؍رمضان المبارک دو پہر ڈھائی تین بجے کے درمیان انتقال ہو گیا تھا وہ عدت میں ہے، مطلع فرمائیں کہ ان کی عدت جون کی کس تاریخ اور کس وقت ختم ہوگی؟

المستفتی: محمد ریحان بھٹی محلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ۲؍فروری سے گیارہ جون تک ۱۳۰؍یوم پورے ہوتے ہیں، لہٰذا گیارہ جون کی رات گذار کر ۱۲؍کی صبح سے عدت ختم ہونے کی وجہ سے دوسری

شادی کی بات چیت اور زینت وغیرہ اختیار کرسکتی ہے، اور ضرورت کے لیے باہر آنا شرعی پردہ کے ساتھ جائز ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا. [البقرة: ٢٣٤]﴾

وعدة الحرة في الوفات أربعة أشهر و عشرا. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة اشرفي ديوبند ٢/٤٢٣، هنديه زكريا قديم ١/٥٢٧، جديد ١/٥٨٠، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٣/٢٧، زكريا ٣/٢٥١، بدائع الصنائع كراچی ٣/١٩٦، زكريا ٣/٣١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۶۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲ھ

عدت کس وقت پوری ہوتی ہے؟

سوال [۷۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بہنوئی کا انتقال ۴؍جولائی ۲۰۱۰ء بروز اتوار دن ڈھائی بجے ہوا، لہٰذا آپ یہ بتائیں کہ ہماری ہمشیرہ کی عدت کب پوری ہوگی؟

المستفتی: عبد الصمد محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عدت وفات چار مہینہ دس دن ہے، دنوں کے اعتبار سے اس کی تعداد ایک سوتیس دن ہے، اور جس دن انتقال ہوا ہے وہ دن بھی عدت میں شمار ہوگا، اور چار جولائی سے گیارہ نومبر کو ۱۳۰؍دن پورے ہوتے ہیں، لہٰذا گیارہ نومبر ۲۰۱۰ء بروز جمعرات کی شام کو مغرب کے بعد آپ کی ہمشیرہ کی عدت پوری ہوجائے گی۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا. [البقرة: ٢٣٤]﴾

إذا اتفق عدة الطلاق والموت (إلى قوله) فى وسط الشهر فعند الإمام يعتبر بالأيام فتعتد فى الطلاق بتسعين يوما، وفى الوفاة بمأة و ثلاثين.

(شامی، كتاب الطلاق، باب العدة قبيل مطلب فی عدة زوجة الصغير، كراچی ۵۰۹/۳، زكريا ۱۸۷/۵، هنديه زكريا قديم ۵۲۷/۱، جديد ۵۸۰/۱، بدائع كراچی ۱۹۶/۳، زكريا ۳۱۰/۳، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۲۲۸/۵، رقم: ۵۶۵۹، تاتارخانية زكريا ۲۳۱/۵، رقم: ۷۷۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۰۰/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۱۱/۱۴۳۱ھ

شوہر کے صبح کو انتقال کرنے کی صورت میں عدت کس وقت پوری ہوگی؟

سوال [۷۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال جنوری کی پہلی تاریخ صبح ۸/ بجے ہوا، ہندہ جو زید کی بیوی ہے اس کی عدت کے ۱۳۰/ دن ۱۰/ مئی صبح ۸/ بجے ہوں گے یا ۱۱/ مئی صبح ۸/ بجے ۱۳۰/ دن پورے ہونگے؟

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس دن صبح کو زید کا انتقال ہوا ہے وہ دن بھی ایام عدت (۱۳۰/ دن) کے اندر داخل ہوگا، بشمول انتقال والے دن کے ۱۳۰/ یوم جس دن پورے ہوجائیں اسی دن زید کی بیوی کی عدت پوری ہوگی، اس کا حساب آپ خود لگالیں۔

إذا اتفق عدة الطلاق والموت (إلى قوله) فى وسط الشهر فعند الإمام يعتبر بالأيام فتعتد فى الطلاق بتسعين يوما، وفى الوفاة بمأة و ثلاثين.

(شامی، كتاب الطلاق، باب العدة قبيل مطلب فی عدة زوجة الصغير كراچی ۵۰۹/۳، زكريا ۱۸۷/۵، هنديه زكريا قديم ۵۲۷/۱، جديد ۵۸۰/۱، بدائع كراچی ۱۹۶/۳،

زکریا ۳/ ۳۱۰، المحیط البرهانی المجلس العلمی بیروت ۵/۲۲۸، رقم: ۵٦۵۹، تاتارخانیة زکریا ۵/ ۲۳۱، رقم: ۷۷۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳٦۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

دورانِ عدت کس کس سے پردہ لازم ہے؟

سوال [۷۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دورانِ عدت کس کس سے پردہ لازم ہے، سگے بہنوئی جس کے نکاح میں سگی بہنیں موجود ہیں، سگے جیٹھ دیور سوتیلے جیٹھ دیور کی اولادیں، پوتے، نواسے، داما دو ملازمین؟

المستفتی: اسرار احمد مانپور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سگے بہنوئی، سگے جیٹھ ودیور، سوتیلے جیٹھ کی اولاد، سوتیلے جیٹھ کے پوتے، سوتیلے جیٹھ کے نواسے، سوتیلے جیٹھ کا داماد اسی طرح سے سگے اور سوتیلے دیور کی اولاد، دیور کے پوتے، دیور کے نواسے، دیور کا داماد اور اسی طرح سے عورت کے ملازمین وغیرہ سب کے سب غیر محرم ہیں، جس طرح عام حالات میں ان سے پردہ ضروری ہے اسی طرح عدت کے زمانہ میں بھی پردہ ضروری ہے، اور حقیقی داماد چونکہ شرعی ہوتا ہے اور اپنے بیٹے کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے اس سے پردہ ضروری نہیں ہے۔

فرأى النبي ﷺ أن على فاطمة من الاعتداد عندها حرجا من حيث أنه يلزمها التحفظ من نظرهم إليها (إلى قوله) فأمرها بالاعتداد عند ابن أم مكتوم لأنه لا يبصرها. (نووی، حاشية مسلم شريف، كتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها ١/ ٤٨٣)

ولا بد من سترة بينهما في البائن وفي الموت تستتر عن سائر الورثة

ممن ليس بمحرم لها. (شامی، كتاب الطلاق، باب العدة، كراچی ٣/٥٣٧، زكريا ٥/٢٢٦، تاتارخانية زكريا ٥/٢٤٦ رقم: ٧٧٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٧/ جمادی الاولیٰ ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٨٢٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٧/٥/١٤١٧ھ

متوفی عنہا زوجہا کا کن سے پردہ کرنا لازم ہے؟

سوال [٧٢٦٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد اکرام ہمارے خسر کا انتقال ہوگیا ہے ہماری ساس عدت میں ہے اپنے داماد سے پردہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور رشتہ کے داماد سے پردہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور کس کس سے پردہ کرسکتی ہے؟

المستفتی: محمد اکرام لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت میں جن لوگوں سے نکاح جائز ہے خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار اور عورت عدت کی حالت میں ہو یا غیر عدت میں ان سے پردہ لازم ہے، اور باپ، بھائی، چچا، ماموں، بیٹا، داماد وغیرہ سے پورے جسم کا پردہ لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ محرم حقیقی ہیں۔

ولا بد من سترة بينهما فى البائن وفى الموت تستتر عن سائر الورثة ممن ليس بمحرم لها. (شامی، كتاب الطلاق، باب العدة، كراچی ٣/٥٣٧، زكريا ٥/٢٢٦، تاتارخانية زكريا ٥/٢٤٦، رقم: ٧٧٦٩)

ولا بأس بأن يدخل على الزوجين محارمها وهما فى الفراش عن غير وطئ باستئذان ولا يدخلون بغير إذن. (عالمگیری، كتاب الكراهية، الباب الثامن زكريا قديم ٥/٣٢٨، جديد ١/٣٧٩- ٣٨٠)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٤/ ربیع الاول ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٠/ ٧٥٤٢)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٤/٣/١٤٢٣ھ

دورانِ عدت کن لوگوں سے پردہ ہے؟

سوال [۷۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دورانِ عدت عورت کو کن کن لوگوں سے پردہ کرنا چاہیے؟

المستفتی: محمد شاہنواز، ہرگاؤں، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورانِ عدت انہیں لوگوں سے پردہ کرنا لازم ہوتا ہے جن سے عدت کے علاوہ زمانوں میں پردہ لازم تھا، لہٰذا اگر کنبہ کے لوگوں سے فتنہ کا خطرہ نہیں ہے تو ان سے چہرہ کا پردہ لازم نہیں ہے، اور ان سے ضرورت کی بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ عدت کے دوران نیا کپڑا پہننا، چوڑیاں، بناؤ سنگار کرنا اور عذر شدید کے بغیر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: **وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ......وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ**. [النور: ۳۱]﴾

ولا بد من سترة بينهما في البائن وفي الموت تستتر عن سائر الورثة ممن ليس بمحرم لها. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، کراچی ۵۳۷/۳، زکریا ۲۲۶/۵، تاتارخانية زکریا ۲۴۶/۵، رقم: ۷۷۶۹)

على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها ...... الحداد في عدتها، والحداد: الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب ولبس الطيب المعصفر والثوب الأحمر. (فتاویٰ عالمگیری، زکریا قدیم ۵۳۳/۱، جدید ۵۸۵/۱، شامی کراچی ۵۳۱/۳، زکریا ۲۱۷/۵)

وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه إلا أن تخرج ...... ونحو ذلك من الضرورات. (شامی، کراچی ۵۳۶/۳، زکریا ۲۲۵/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۴۲/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۲۱ھ

بحالت عدت داماد سے پردہ کرنا

سوال [۷۲۶۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عدت کی حالت میں ساس کو داماد سے پردہ کرنا ضروری ہے یانہیں؟

المستفتی: عبدالرؤف اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے محرم سے پردہ لازم نہیں ہے اورداماد بھی بیٹے کی طرح محرم ہے،اس سے پردہ کرنا بھی لازم نہیں ہے۔

والمحرم من لا یجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة أو رضاع أو صهرية. (شامی، کتاب الحج، مطلب: فی قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع، کراچی ٢/ ٤٦٤، زکریا ٣/ ٤٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۴۰)

دوران عدت بھتیجہ اور داماد سے پردہ نیز سرمہ تیل منجن کا استعمال

سوال [۷۲۶۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معتدہ عدت میں بیٹھی ہوئی ہے تو کیا ان کو داماد اور بھتیجہ سے پردہ کرنا ضروری ہے،ایک خاتون کا کہنا ہے کہ بھتیجہ اور داماد سے پردہ ضروری ہے،شرعاً کیا حکم ہے، نیز کیا معتدہ سرمہ،تیل اور منجن کا استعمال کرسکتی ہے؟

المستفتی: محمد ارشد،محلّہ بروالان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت میں بیٹھی ہوئی بیوہ کے لیے داماد اور بھتیجہ

سے پردہ کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے یہ اپنے حقیقی بیٹوں کی طرح محرم ہیں، جیسے حقیقی بیٹے آجا سکتے ہیں اور خدمت کر سکتے ہیں اسی طرح بھتیجہ اور داماد بھی آجا سکتے ہیں اور خدمت کر سکتے ہیں، اور عدت میں بیٹھی ہوئی بیوہ بغیر عذر کے زینت کے لیے سرمہ، تیل وغیرہ استعمال نہیں کرسکتی ہے البتہ دانتوں کی صفائی کے لیے منجن کا استعمال کرسکتی ہے، دھلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے، نیا کپڑا نہ پہنے، زیورات، چوڑیاں نہ پہنے، بالوں کو درست رکھنے کے لیے کنگھا کرسکتی ہے، البتہ خوشبودار تیل لگانا ممنوع ہے۔

فالمحرمات بقرابة سبع فرق: الأمهات، والبنات، والأخوات، والعمات، والخالات، وبنات الأخ، وبنات الأخت. (بدائع، كتاب النكاح، فصل في المحرمات بالقرابة، زكريا ٢/٥٢٩)

والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة أو رضاع أو صهرية. (شامي، كراچی ٢/٤٦٤، زكريا ٣/٤٦٤)

تحد مكلفة مسلمة ولو أمة منكوحة إذا كانت معتدة بت أو موت بترك الزينة والطيب والدهن والكحل والحناء. (تنوير الأبصار مع الشامي، باب العدة كراچی ٣/٥٣٠، زكريا ٥/٢١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۱۵ھ

دورانِ عدت بھانجہ، بھتیجہ داماد وغیرہ سے پردہ کرنا

سوال [۷۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے خالو کا انتقال ہوگیا ہے میری خالہ عدت میں ہیں تو عدت کے دوران خالہ اپنے بھانجے، بھتیجے، داماد اور بہنوئی سے پردہ کریں یا یہ لوگ ضرورتاً ملاقات کرسکتے ہیں؟

المستفتی: محمد کلیم فیل خانہ، مرادآبا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ محرم رشتہ دار جن سے عام دنوں میں پردہ ضروری نہیں، عدت کے ایام میں ان کے سامنے آنا جائز ہے، بھانجے، بھتیجے، داماد عورت کے محرم رشتہ داروں میں سے ہیں، لہٰذا ایام عدت میں ان سے پردہ لازم نہیں ہے، البتہ بہنوئی غیر محرم رشتہ دار ہے، اس لیے اگر فتنہ کا خطرہ ہو تو اس سے چہرہ کا پردہ ضروری ہے ورنہ نہیں۔

عن عائشةؓ عن النبی ﷺ أنه قال: لا یحل لامرأة تؤمن بالله و الیوم الآخر إذا عرکت أن تظهر إلا وجهها و یدیها إلی هٰهنا. (تفسیر قرطبی، سورة النور تحت رقم الآیة ٣١، دار الکتب العلمیة بیروت ١٥٢/١٢)

﴿**قال الله تعالیٰ: لاَ جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيُ ابَآئِهِنَّ وَلَا اَبْنَآئِهِنَّ وَلَا اِخْوَانِهِنَّ وَلَا اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ** . [الأحزاب:٥٥] ﴾

وتمنع المرأة الشابة من کشف وجهها بین الرجال لا لأنها من الستر بل لخوف الفتنة. (شامی، کتاب الصلاة، باب شروع الصلاة، کراچی ٤٠٦/١، زکریا ٧٩/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٢٤٧)

عدت میں کیا داماد اور دیور سے پردہ ہے؟

سوال [٧٢٦٥]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عدت میں کس کس سے پردہ کرنا ضروری ہے؟ کیا داماد اور دیور سے بھی پردہ ہے، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتی: نصیر اختر محلّہ باڑہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پردہ کے اعتبار سے عورتوں کے لیے مردوں کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ اجنبی مرد جن کا دور دور تک کوئی رشتہ اور قرابت نہیں ہے، تو ایسے لوگوں سے پورے بدن کا پردہ لازم ہے، لہٰذا بے ضرورت چہرہ یا بدن کا کوئی حصہ ایسے اجنبی مردوں کے سامنے کھولنا جائز نہیں ہے۔

(۲) وہ مرد جن کے ساتھ دور کی قرابت اور رشتہ داری ہوتی ہے یا ایک کنبہ میں ایک ساتھ رہنا پڑ جاتا ہے، جیسے کہ چچازاد، تایازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد بھائی وغیرہ اور اسی طرح سسرالی رشتہ دار جیسے دیور، جیٹھ اور ان کی اولادیں وغیرہ ہیں جن کے ساتھ خاندان کے اندر مل کر کے زندگی گذارنا پڑتا ہے، اگر فتنہ اور برائی کا خطرہ نہیں ہے تو اسے لوگوں کے سامنے چہرہ ہتھیلی اور پیروں کا کھل جانا اور ان کے سامنے آنے جانے اور ضروری باتیں کرنے کی گنجائش ہے، لہٰذا سوالنامہ میں دیور کے بارے میں جو پوچھا گیا ہے وہ اسی قسم کے سسرالی رشتہ میں داخل ہے، اگر فتنہ کا خطرہ نہیں ہے تو دیور سے پردہ کی پابندی ضروری نہیں اور اگر فتنہ کا خطرہ ہے تو لازم ہے۔

(۳) ایسے مرد جن کا رشتہ عورت کے ساتھ نہایت قریبی ہے، جیسے بیٹے، پوتے، بیٹی کی اولادیں، خسر، باپ دادا، حقیقی علاتی اور اخیافی بھائی اور داماد وغیرہ ہیں، یہ ایسے محرم ہیں جن کے ساتھ کبھی بھی شادی نہیں ہوسکتی تو ان کے سامنے کسی طرح کا پردہ لازم نہیں ہے، اور داماد حقیقی بیٹے کے حکم میں ہو جاتا ہے، اس تفصیل کے بعد اصل شرعی حکم یہ ہے کہ عورت کے لیے پردہ کرنے اور نہ کرنے کا حکم، ان تینوں قسموں کے مردوں کے ساتھ عدت سے پہلے جو تھا وہی حکم عدت کے زمانے میں بھی ہے۔ (مستفاد: انوار ہدایت ۵۵-۴۵۴، معارف القرآن سورہ نور ۶۳۱-۳۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ شوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۹/۹/۲۱ھ

عدت میں دیور سے پردہ اور میت کے یہاں کھانا کھانا

سوال [۷۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عدت میں داماد اور تائے چچا کے لڑکے اور دیور کے لڑکوں سے پردہ ہے یا نہیں، اور میت کے رشتہ دار میت کے گھر میں جو کھانا کرتے ہیں جیسے یہاں کی زبان میں بھاتی کہتے ہیں، کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: قیام الدین اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیور اور دیور کے لڑکے تائے چچے کے لڑکے جیٹھ اور جیٹھ کے یہ تمام غیر محرم ہیں، لیکن وہ غیر محرم جن کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنے کی وجہ سے ہر وقت اختلاط رہتا ہے، اور ان سے بچنا پردہ کی پابندی کرنا تکلیف مالا یطاق ہے، نیز فتنہ کا خوف بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ہتھیلی، چہرہ، قدمین کا پردہ، ان لوگوں سے نہیں ہے، اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو، گناہ ومعصیت میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو پھر اپنے والد کے گھر جا کر عدت گذارے، اور یہی اولیٰ ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۶/ ۳۷۸، جدید زکریا مطول ۸/ ۵۹۷)

ثم لا بد من ستره بينهما يعني إذا لم يكن للزوج إلا بيت واحد كي لا تقع الخلوة بالأجنبية و كذا هذا في الوفات إذا كان من ورثته من ليس بمحرم لها ثم لا بد بالمساكنة بعد اتخاذ الحجاب بالحائل و إنما يكتفى به لأن الزوج يعتقد الحرمة فلا يقدم على المحرم إلا أن يكون فاسقا فحينئذ تخرج لأنه عذر والأوليٰ أن يخرج هو. (فتح القدير، باب العدة، فصل و على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها، دار الفكر بيروت ٤/ ٣٤٥، كوئٹه ٤/ ١٦٧، زكريا ٤/ ٣١١، بدائع الصنائع زكريا ٣/ ٣٢٦، هنديه زكريا قديم ١/ ٥٣٥، جديد ١/ ٥٨٧، تاتارخانية زكريا ٥/ ٢٤٦ رقم: ٧٧٦٩)

(۲) نفس کھانا حرام نہیں ہے، لیکن یہ کھانا کرنا رسم ورواج ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، کراچی ۲/ ۲٤۰، زکریا ۳/ ۱٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲ھ

دورانِ عدت خالو اور پھوپھی سے پردہ کرنا

سوال [۷۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالدہ عدت گذار رہی ہے کیا عدت کی حالت میں خالدہ اپنے خالو اور پھوپھا سے بھی پردہ کرے گی؟ اگر خالہ یا پھوپھی زندہ نہ ہوں تو کیا محرم غیر محرم ہونے پر اثر پڑے گا؟

المستفتی: رشید احمد بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خالدہ کے خالو اور پھوپھا بھی اسی وقت تک محرم رہیں گے، جب تک کہ خالدہ کی خالہ اور پھوپھی ان کے نکاح میں ہوں، اور جب خالدہ کی خالہ اور پھوپھی ان کے نکاح میں نہ رہیں یا وفات پا جائیں تو اس وقت خالدہ کے خالو اور پھوپھا اس کے لیے غیر ہو جائیں گے، اب ان سے پردہ کر لینا چاہیے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۷/ ۲۴۹)

وحرم الجمع بین المحارم نکاحا أی عقداً صحیحا و عدة ولو من طلاق بائن. (در مختار مع الشامی، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات کراچی ۳/ ۳۸، زکریا ٤/ ۱۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۰۸)

دورانِ عدت ضرورت کی بنا پر غیر محرم سے بات کرنا

سوال [۷۲٦۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر کا انتقال ہوگیا دو چھوٹے بچے ہیں جو اسکول جاتے ہیں، بیوہ عدت میں ہے، کوئی محرم گھر میں نہیں ہے تو بیوہ آنے والے لوگوں سے کیسا معاملہ کرے، اور عدت میں بیوہ کو چوڑی، بندے، رنگین کپڑے پہننے جائز ہیں یا نہیں؟

المستفتی: سنجیدہ بیگم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ گھر میں کوئی محرم نہیں ہے اور ضروریاتِ زندگی سے متعلق لوگوں سے بات چیت کرنے کی اشد ضرورت پڑتی ہے تو ایسی صورت میں بیوہ پردہ کے ساتھ محتاط انداز میں بقدرِ ضرورت آنے والے لوگوں سے بات کرسکتی ہے، لیکن بہرحال پردہ ضروری ہے، نیز معتدہ بحالت عدت کوئی بھی زینت کی چیز استعمال نہیں کرسکتی، لہٰذا مسئولہ صورت میں عدت کے زمانے میں رنگین بھڑک دار کپڑے، چوڑیاں، بندے وغیرہ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/۳۴۰، امداد الفتاویٰ ۲/۵۱۲)

قلنا صوت المرأة عورة –إلى– فإنا نجيز الكلام مع النساء للأجانب و مجاورتهن عند الحاجة إلى ذٰلك، و لا نجيز لهن رفع أصواتهن ولا تمطيطها و لا تليينها و تقطيعها، لما في ذٰلك من استمالة الرجال إليهن وتحريك الشهوات منهم. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب: في ستر العورة، كراچی ۱/۴۰٦، زكريا ۲/۷۹)

تحد بترك الزينة بحلي أو حرير أو امتشاط، بجميع أنواعه من فضة و ذهب و جواهر والزينة ما تتزين به المرأة من حلي أو كحل كما في الكشاف. (شامي، باب العدة، فصل في الحداد، كراچی ۳/۵۳۰-۵۳۱، زكريا ۵/۲۱۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱٦/ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۲۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱٦/۳/۱۴۲۲ھ

متوفی عنہا عدت کہاں گذارے

سوال [۷۲٦۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلّہ بھٹی میں انجیر والی مسجد کے پیچھے گلی میں عرفان الٰہی شمسی کا پیر کے دن انتقال ہو گیا، ان کی اہلیہ اپنے گھر میں ان کا کعبہ رخ ہے، گرمی بہت ہوتی ہے، دھوپ صبح سات بجے سے شام کے چار بجے رہتی ہے جس کی وجہ گھر میں بیٹھا نہیں جاتا، مرحوم کی اہلیہ بیمار رہتی ہیں، اس سے پہلے مرحوم کی اہلیہ کے گھر میں چوٹ بھی لگی تھی، ان کے دماغ میں تکلیف بھی ہوگئی ہے، جس مکان میں وہ رہتی ہیں اس کے دو زینے ہیں ایک داہنے ہاتھ کو ایک بائیں ہاتھ کو، بائیں ہاتھ والے زینہ میں دروازے میں اندر کو جو مکان ہے وہ بھی اپنا ہے اس میں کرایہ دارر ہتا ہے، کرایہ دار بھی اپنا ہے، اور میرے لڑکوں سے چھوٹا ہے، رشتہ میں مرحوم عرفان الٰہی کے سوتیلے ماموں کا نواسہ ہے، وہ ان کے سامنے آتی تھیں، وہ گرمی میں وہیں آرام کرتی تھیں، مرحوم عرفان الٰہی کی عمر ۸۰/سال سے اونچی تھی، ان کی اہلیہ کی عمر ۷۵/سال کی، اب علماء دین کیا فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنے مکان میں دن میں رہیں گی تو ان کی صحت خراب ہورہی ہے، ان کی آنکھ بنی ہوئی ہے، گرمی کی وجہ سے سر میں بھی تکلیف ہونے لگی اور آنکھ میں بھی تکلیف ہونے لگی، نیچے کے گھر میں جانے سے دو چوکھٹیں پڑتی ہیں، صدر دروازہ بند کر کے اندر جانے سے کوئی بے پردگی نہیں، اور بائیں ہاتھ کو بالکل برابر میں دو اور کوٹھے ہیں جن کی چوکھٹ اس مکان کے برابر میں ہے اس میں ان کا بھتیجہ رہتا ہے اس میں ذرا کچھ گرمی کا امن ہے، جس میں بھتیجہ رہتا ہے اس کے نیچے ہی وہ مکان ہے جو پیچھے لکھا ہوا ہے وہ ان کا اپنا مکان ہے، اب نیچے جاتی ہیں تو پورا زینہ پڑتا ہے، اور دو چوکھٹیں پڑتی ہیں، کوئی بے پردگی کا سوال نہیں، اب علماء دین کیا فرماتے ہیں کہ نیچے جاسکتی ہیں یا نہیں؟ مرحوم نے اب کے رمضان شریف میں دو روزے رکھیں ہیں، مگر زیادہ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ پورے روزے نہیں کرسکے، کہنے والے کہتے ہیں کہ اپنی بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکے ان کے روزں کا کچھ نہیں دیا جائے گا، عید کی ١٦/١ اور انگریزی ۲۲/تاریخ کو

ان کا انتقال ہوگیا، اب اس بارے میں مسئلہ کیا بتا تا ہے کہ ان روزوں کا فدیہ دیا جائے گا اور دیا جائے گا تو کتنا دیا جائے گا، عرفان الٰہی مرحوم پانچوں وقت کی نماز پڑھا کرتے تھے، مگر اب بیماری کی وجہ سے ان کی نمازیں قضا ہوئی ہیں، اب کہنے والے کہتے ہیں کہ چالیس نمازوں کا فدیہ دیا جائے گا، اب اس بارے میں مسئلہ بتائیے کہ کتنی نمازوں کا فدیہ دیا جائے گا، اور کیا دیا جائے گا، عدت کے بارے میں بھی بتادیجئے کہ کون سی تاریخ کو عدت پوری ہوگی اور کون سا مہینہ ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بھتیجہ کے مکان میں جاکر آرام کرلیا کریں، کرایہ دار غیر محرم ہے، اس لیے وہاں کی بجائے بھتیجہ کے مکان میں ہی آرام کرلیا کریں، اور رات کو شوہر کے مکان میں آکر رات گذاریں۔

وتعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه إلا أن تخرج أو ینهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لاتجد کراء البیت و نحو ذٰلک، من الضرورات فتخرج للأقرب موضع إلیه. (الدر المختار، باب العدة، فصل فی الحداد کراچی ٣/٥٣٦، زکریا ٥/٢٢٥، ملتقی الأبحر، دار الکتب العلمية بیروت ٢/١٥٣)

(۲) اگر روزے نہ رکھ سکے تو دو روزوں کا فدیہ دو صدقہ فطر ادا کریں، اور بے ہوشی طاری ہونے سے پہلے پہلے جو نمازیں فوت ہوگئی ہیں ان میں سے ہر نماز کے عوض میں ایک صدقہ دیدیا کریں، اور وتر کی نماز بھی اس میں داخل ہوگی، بے ہوشی کے بعد جو نمازیں فوت ہوگئیں ہیں ان کا کوئی فدیہ نہیں ہے۔

والشیخ الفانی العاجز عن الصوم، الفطر و یفدی ولو فی أول الشهر و بلا تعدد فقیر کالفطرة. (الدر المختار، باب ما یفسد الصوم و مالا یفسد، فصل فی العوارض، کراچی ٢/٤٢٧، زکریا ٣/٤١٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۵۴۸)

معتدۂ وفات وطن اصلی میں عدت گذارے

سوال [۷۲۷۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا وطن اصلی مرادآباد تھا، مگر کچھ دن کے بعد اپنا دوسرا وطن رام نگر بنالیا زید کی طبیعت خراب ہوئی جس کی وجہ سے علاج ومعالجہ وطن اول میں کیا، اہل وعیال بھی وہیں پر چلے گئے، اور وہیں پر کچھ روز کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، انتقال ہونے کے بعد ان کے بچے اپنی والدہ کو رام نگر لانا چاہتے ہیں، مگر زید کا اپنا ذاتی اور اصلی گھر مرادآباد میں اب بھی موجود ہے، اور انتقال کو ۴۰/ روز گذر چکے ہیں، آیا اس حالت میں عدت گذارنے کے لیے وہ اپنی والدہ کو رام نگر لاسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: رفیع القدر ابن ذوالفقار احمد رام نگر کھٹاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید نے رام نگر میں اپنا ہمیشہ کے لیے وطن بنالیا ہے اور اہل وعیال سب کو وہاں منتقل کرلیا ہے، اور مرادآباد میں صرف اپنا پرانا مکان باقی ہے اس میں بیوی بچہ کو باقاعدہ رہنے کے لیے نہیں چھوڑا ہے، اب اگر زید نے علاج ومعالجہ کی غرض سے مرادآباد آکر وفات پائی ہے تو اس کی بیوی کو رام نگر جاکر عدت گذارنی چاہیے جو کہ زید کا موجودہ وطن اصلی ہے۔

الوطن الأصلي هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه يبطل بمثله إذا لم يبق له بالأول أهل و تحته في الشامي: لو نقل أهله و متاعه وله دور في البلدان لا تبقى وطنا له. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، مطلب: في الوطن الأصلي ووطن الإقامة مصرى ۱/۷٤۲، كراچی ۲/۱۳۱-۱۳۲، زكريا ۲/٦۱٤، البحر الرائق كوئٹه ۲/۱۳٦، زكريا ۲/۲۳۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۸۲/۲٦)

عورت عدت میکہ میں گذارے گی یا سسرال میں

سوال [۷۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید اور سلمہ کا نکاح ہوا اور خلوت بھی پائی گئی، پھر زید کا انتقال ہو گیا، اب سلمہ اپنے میکہ میں عدت گذارے گی یا سسرال میں، اور عدت کے ایام میں نان ونفقہ کس کے ذمہ ہے، زید کے والدین کے یا زید کے مال سے، یا سسرال والے، اور پھر زید کے سسرال والوں نے سلمیٰ کو زید کے انتقال پر آنے بھی نہیں دیا۔

(۲) مہر کا کیا مسئلہ ہے؟

(۳) زید کو جہیز میں جو سامان ملا تھا سسرال سے وہ مال سلمیٰ کا ہوگا یا زید کے ورثاء کا ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سلمیٰ کو اپنے میکہ ہی میں عدت گذارنا ضروری ہے۔

قال فی الشامیة: و تعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه. (الشامی، باب العدة، فصل فی الحداد زکریا ۵/۲۲۵، کراچی ۳/۵۳۶)

(۲) سلمیٰ اپنی عدت کے ایام میں نان ونفقہ کی مستحق نہیں ہے، نہ زید کے مال سے اور نہ ہی سسرال والوں کے ذمہ بلکہ شوہر کے مال سے جو حصہ وراثت میں ملے گا، اس کا نفقہ اسی میں سے ہے۔

قال فی الشامیة: لا تجب النفقة بأنواعها لمعتدة موت مطلقا. (الدر مع الرد، کتاب الطلاق، باب االنفقة زکریا ۵/۳۳۴، کراچی ۳/۶۱۰)

وفی الخانیة: المعتدة عن وفاة تکون نفقتها فی مالها. (خانیة زکریا ۱/۲۶۳، وعلی هامش الهندیة زکریا ۱/۴۴۲)

(۳) شوہر کے انتقال کی وجہ سے سلمیٰ پورے مہر کی مستحق ہے، زید کے ترکہ سے پہلے

سلمٰی کا مہر ادا کیا جائے گا پھر بقیہ مال ورثہ کو ملے گا۔

قال في التنوير: ويجب الأكثر منها إن سمى عند وطئ أو خلوة صحت أو موت أحدهما. (تنوير الأبصار مع الشامية، كتاب النكاح، باب المهر زكريا٤/٢٣٣، كراچی ٢/١٠٢)

وفي السراجي: ثم يقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله أى ديونه التي لها مطالب من جهة العباد. (السراجي في الميراث ص: ٢)

(۴) جو سامان جہیز میں ملا تھا وہ سامان سلمٰی کا ہے زید کے ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔

قال في الدر المختار: جهز ابنته بجهاز و سلمها ذٰلک ليس له الاسترداد منها ولا لورثته بعده إن سلمها ذٰلک في صحته بل تختص به وبه يفتى. (الدر المختار مع الرد/ باب المهر زكريا ٤/٣٠٦، كراچی ٣/١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۳۲۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۴/۱۴۱۷ھ

شوہر کی موت کے بعد میکہ میں عدت گذارے یا شوہر کے گھر

سوال [۷۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طاہرہ اپنے شوہر کے ساتھ سورت میں ایک کرائے کے کمرہ میں رہتی تھی، شوہر پانی میں ڈوب کر مر گیا، اب دفنانے کے بعد طاہرہ اپنے وطن آ گئی، معلوم یہ کرنا ہے کہ طاہرہ وطن آ کر عدت اپنے میکہ میں گذارے یا مرحوم شوہر کے گھر پر، جبکہ گھر پر کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے، تین بچے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طاہرہ اپنے شوہر کی موت کے حادثہ کے بعد جب

وطن آکر کے عدت گذار رہی ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ طاہرہ اپنے میکہ میں رہے گی، یا شوہر کے گھر میں، اگر مستقل شوہر کے گھر پر رہنے کا ارادہ ہے تو وہیں عدت گذارنا چاہیے، اور اگر مستقل میکہ میں رہنے کا ارادہ ہے تو میکہ میں عدت گذارنا چاہیے، ہاں البتہ شوہر کے گھر میں رہنے کا ارادہ ہو تو مسلسل عدت کی مدت گذارنے میں دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے اس کے لیے خطرات ہیں، تو میکہ میں عدت گذارنے کی گنجائش ہے۔

لو خافت بالليل من أمر الميت و الموت ولا أحد معها لها التحول و الخوف شديد أو إلا فلا. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة کراچی ۳/۵۳۶، زکریا ۵/۲۶۶)

و تعتد المعتدة فى منزل يضاف إليهما وقت الفراق أو الموت إلا أن تخرج جبرا أو خافت على مالها أو انهدام المنزل و تحته وفيه اشعار بأنه إن خافت بالقلب من أمر الميت خوفا شديدا فلها أن تخرج. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۱۵۴-۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۷ھ

شوہر کے گھر عذر شرعی کے پیشِ نظر میکہ میں عدت گذارنا

سوال [۷۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی لڑکی کی شادی تقریباً آٹھ سال قبل ہوئی تھی (زید کے حقیقی بھانجے سے) عید کے آٹھ دن بعد لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لڑکی عدتِ وفات اپنی سسرال میں کر رہی ہے، کیا اس لڑکی کے لیے عدت وفات سسرال ہی میں گذارنا واجب ہے، اور اگر میکہ میں عدت وفات گذارنا چاہے تو گذار سکتی ہے، یا نہیں؟ جبکہ معقول عذر موجود ہے، زید کی طبیعت برابر خراب رہتی ہے، دل کا عارضہ ہے، اور سسرال میں عدت گذارنے کی وجہ سے لڑکی کو کافی صدمہ اور تکلیف پہنچ رہی ہے، لڑکے کے

وارثین کی طرف سے تو اس طرح کے عذر کے تحت لڑکی میکہ میں عدت گذار سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: وسیم احمد خان، کٹرہ چاند خان، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر کے رہائشی مکان میں عدت گذارنے میں کسی قسم کا عذر اور رکاوٹ نہیں ہے تو اس میں عدت گذارنا ضروری ہے، اور اگر اس مکان میں عدت گذارنے کے لیے بیوہ کا کوئی محرم نہیں ہے یا اس کی ضروریات کا سامان مہیا کرنے والا نہیں ہے تو ان صورتوں میں میکہ جا کر عدت گذارنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۵/۴۰۴، جدید زکریا ۸/ ۴۱۵، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۴۶، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۲۵، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۳۹۴)

وإن كانت في منزل مخوف على نفسها أو مالها وليس معها رجل كانت في سعة من الرحلة لأن المقام مع الخوف لايمكن وفي المقام ضرر عليها في نفسها ومالها وذٰلك عذر في اسقاط حق الشرع. (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٣٤)

وتعتد المعتدة في منزل يضاف إليهما وقت الفراق أو الموت إلا أن تخرج جبرا أو خافت على مالها أو انهدام المنزل وتحته وفيه اشعار بأنه إن خافت بالقلب من أمر الميت خوفا شديدا فلها أن تخرج. (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٥٤-١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۱۴/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۳ھ

بے پردگی یا دیگر شرعی عذر کی بنا پر میکہ میں عدت گذارنا

سوال [۷۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص محمد یامین کا اچانک انتقال ہو گیا، مؤرخہ ۱۵؍اگست ۲۰۰۲ء کو ان کی

شادی ۲۹ر جون ۲۰۰۲ء کو ہوئی تھی، لہٰذا اب بیوہ رخسانہ بیگم کی عدت کا کیا حکم ہے، کیونکہ رخسانہ بیگم کا دیور جوان ہے، وہ گھر پر ہی رہتا ہے، اور گھر چھوٹا ہے جس کی بنا پر پردہ کا معقول انتظام نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس صورت میں بیوہ اپنے والدین کے یہاں عدت کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) کیا اپنے مرحوم شوہر کے گھر پر ہی عدت کرنا لازم ہے؟

المستفتی: محمد طاہر حسین ملک گودھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر کے رہائشی مکان میں عدت گذارنے میں کسی قسم کا عذر اور رکاوٹ نہیں ہے تو شوہر کے مکان ہی میں رہ کر عدت گذارنا لازم اور ضروری ہے، اور اگر اس مکان میں عدت گذارنے کے لیے بیوہ کا کوئی محرم نہیں ہے یا تنہائی اور بے پردگی ہے اور پردہ کا نظم نہیں ہے، یا سسرال والے کی طرف سے ظلم وزیادتی کا اندیشہ ہے تو پھر ایسی صورت میں اپنے والدین کے یہاں جاکر عدت گذارنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۲۵، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۳۹۴، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۵/ ۴۰۴، جدید زکریا ۸/ ۴۱۵، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۴۶)

وإن كانت في منزل مخوف على نفسها أو مالها وليس معها رجل كانت في سعة من الراحلة لأن المقام مع الخوف لايمكن وفي المقام ضرر عليها في نفسها و مالها و ذلك عذر في إسقاط حق الشرع. (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٣٤، مجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٥٤-١٥٥، شامي كراچي ٣/ ٥٣٦، زكريا ٥/ ٢٢٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۴ھ

سسرال میں شوہر کا انتقال ہوجائے تو عدت کہاں گذارے

سوال [۷۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جمیل احمد کا مؤرخہ ۱۲رمئی ۹۸ء کو اس کی اپنی سسرال میں انتقال ہوگیا، اس کی بیوی بھی اپنے میکہ میں ہی تھی، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ جمیل احمد کی بیوی اپنی عدت اپنے میکہ ہی میں پوری کرے (جہاں اس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے، اور وہیں اس کی تدفین وغیرہ بھی عمل میں آئی) یا اسے اپنے شوہر کے وطن میں جاکر عدت گذارنا چاہیے، شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

سسرال کے مقابلے میں میکہ میں عدت گذارنا زیادہ آسان رہے گا، یہاں اس کی ماں بھائی وغیرہ بھی ہیں، اور لڑکی کی سسرال میں اس کا کوئی محرم نہیں ہے؟

المستفتی: مقصودالرحمٰن بلاری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سسرال میں کوئی محرم شرعی نہیں ہے اور لڑکے بھی ابھی نابالغ ہیں تو ایسی صورت میں میکہ میں عدت گذار سکتی ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۵۰۳)

وإن كانت في منزل مخوف على نفسها أو مالها وليس معها رجل كانت في سعة من الراحلة لأن المقام مع الخوف لايمكن وفي المقام ضرر عليها في نفسها و مالها و ذٰلك عذر في إسقاط حق الشرع. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٦/٣٤، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/١٥٤-١٥٥، شامي كراچي ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶رمحرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۹۵)

شوہر کے موت کے صدمہ کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے میکہ میں عدت گذارنا

سوال [۷۲۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۴راپریل ۲۰۰۳ء کو محسنہ کا نکاح شہزاد کے ساتھ ہوا، ۳۰راگست کو ایک خطرناک ایکسیڈنٹ میں شہزاد کا انتقال ہوگیا، مرحوم کی زوجہ حاملہ ہے، نیز زوجہ کی کم عمری، نازک مزاجی اور

اس حادثہ پرصدمہ کی وجہ سے صحت متأثر ہے، حادثہ کو برداشت نہیں کرپارہی ہے، اس صورت حال کے پیش نظر زوجہ کے والدین اس کو اپنے گھر رکھ کر عدت کرانا چاہتے ہیں، دریافت طلب ہے کہ کیا والدین کے لیے ایسا کرنا درست ہے یا نہیں چونکہ بہت ممکن ہے مرحوم کی زوجہ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہ کر حادثہ کو بھول جائے، اور حادثہ پر صبر کرکے جسمانی توانائی بحال رکھے۔

المستفتی: حافظ خلیق احمد محلّہ برکھیران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرحوم کی زوجہ محسنہ کے پاس سسرال میں اس کا کوئی محرم نہ ہونے کی وجہ سے اور سوالنامہ میں ذکر کردہ نزاکتوں کے پیش نظر شرعی طور پر محسنہ کو میکے جاکر عدت گذارنا جائز اور درست ہے۔

وإذا لم یکن مع المعتدۃ فی منزل العدۃ أحد وھی تخاف باللیل لا من اللصوص ولا من الجیران بل تخاف بالقلب من أمر المیت أو الموت إن کان الخوف شدیدا کان لھا الانتقال و إن لم یکن الخوف شدیدا لیس لھا الانتقال وھٰذا بمنزلۃ وحشۃ وجدت فی قلبھا. (تاتارخانیۃ زکریا ۵/۲۴۷ رقم: ۷۷۷۳، شامی کتاب الطلاق، باب العدۃ کراچی ۳/۵۳۶، زکریا ۵/۲۲۶، مجمع الأنھر فی شرح ملتقی الأبحر دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۵۴-۱۵۵، المبسوط للسرخسی دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۹۷)

شوہر کے گھر عدت گذارنے میں وحشت ہو تو دوسری جگہ عدت گذارنا

سوال [۷۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ہوگیا، اس کی بیوی عدت کہاں گذارے، اس کا گھر پر انتقال ہوا،

اوراس کے ایک لڑکا ہے، لڑکا اپنی ماں کو اپنے گھر سے باہر اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے، جہاں وہ مزدوری کرتا ہے اس کے گھر تایا ہیں، وہ الگ رہتے ہیں، ایک چچا چچی ہیں وہ بھی الگ رہتے ہیں، ان سب سے بیوہ کا کوئی مطلب نہیں ہے، ایک لڑکی اور داماد ہے وہ بھی اسی قصبہ میں رہتے ہیں وہ بھی اپنا گھر چھوڑ کر والدہ کے پاس نہیں رہ سکتے، یہ صورت حال ہے اس کے بارے میں تفصیل سے وضاحت فرمادیں کرم ہوگا؟

المستفتی: محمد ارشاد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوہ کے پاس رہنے کے لیے کوئی محرم موجود نہیں ہے اور تنہا رہنا وحشت کا باعث ہے تو ایسے اعذار کی بناء پر جہاں لڑکا رہتا ہے وہاں جاکر عدت گذارنا جائز اور درست ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۴۱)

وإن كانت في منزل مخوف على نفسها أو مالها وليس معها رجل كانت في سعة من الراحلة لأن المقام مع الخوف لايمكن وفي المقام ضرر عليها في نفسها و مالها و ذٰلک عذر في إسقاط حق الشرع. (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٣٤، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٥٤-١٥٥، شامي كراچی ٣/ ٥٣٦، زكريا ٥/ ٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍ ۷؍ ۱۴۱۵ھ

کسی خوف کی وجہ سے عورت کا اپنے میکہ میں عدت گذارنا

سوال [۷۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، عورت شوہر کے گھر میں عدت گذار رہی ہے، لیکن عورت کو شوہر کے گھر عدت گذارنے میں اپنی عصمت کا خطرہ ہے، اور جان کا بھی خطرہ

ہے،اگرعورت کے میکے سے کوئی شخص آتا ہے،تو اس کو شک کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہےاور اس کی تلاشی بھی لی جاتی ہے،اور ملنے والوں کوعورت سے ملنے نہیں دیتے،ایسی صورت میں کیا عورت اپنے میکے میں عدت گذار سکتی ہے؟ براہ کرم شریعت کی روشنی جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرعورت کوشوہر کے یہاں عدت گذارنے میں بےاطمینانی اور بےسکونی ہےاور وہاں شوہر کے خاندان کی طرف سے اچھا رویہ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ غلط رویہ اختیار کیا جارہا ہے،جس کی وجہ سے وہ وہاں پریشان ہے،نہ وہاں اس کی عصمت کی حفاظت ہےاور نہ ہی مال کی حفاظت ہے تو ایسی صورت میں میکے آکر عدت گذارنے کی اجازت ہے،مگر اس بات کا خیال رکھے کہ دن ہی دن میں منتقل ہو جائے اس کے لیے رات کا سفر نہ کرے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۴۱،امداد الاحکام ۴/ ۳۹۸)

إن اضطرت إلى الخروج من بيتها بأن خافت سقوط منزلها أو خافت على مالها فلا بأس عند ذٰلك أن تنتقل. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر في الحداد، زكريا قديم ۱/ ۵۳۵، جديد ۱/ ۵۸۷، در مختار مع الشامي كراچی ۳/ ۵۳۶، زكريا ۵/ ۲۲۵، خانيه زكريا ۱/ ۳۵۰، وعلى هامش الهندية زكريا ۱/ ۵۵۳، ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۵۳-۱۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۶/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۶۷)	۱۴۲۱/۴/۶ھ

عدت اسی مکان میں گذارنا جس میں ہمیشہ رہنا ہو

سوال [۷۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد حبیب کی دو بیویاں ہیں،اور زیادہ تر شوہر اپنی پہلی بیوی کے یہاں رہتا تھا،اور دوسری بیوی کافی فاصلہ سے دوسرے مکان میں رہتی تھی،لیکن جب شوہر کی حالت زیادہ خراب

ہوگئی تو دونوں بیوی ایک ہی مکان میں جمع ہوگئیں، آخر کار شوہر کا انتقال ہوگیا، دوسری بیوی کو شوہر کے اس مکان پر رکنا پڑا، تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہوگیا ہے، عدت کرتے ہوئے، لیکن دوسری بیوی اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے پہلے والے مکان میں جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر جانا چاہے تو کس صورت میں جائے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: احسان الٰہی، کچا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسری بیوی پر لازم تھا کہ وہ شوہر کی موت کے بعد اپنے اسی مکان میں جا کر عدت گزارتی، جس میں وہ ہمیشہ رہ رہی ہے، لہٰذا اس کو اسی پہلے والے مکان پر چلے جانا لازم ہے، اور وہیں عدت گزارے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۱۵۳، جدید زکریا ۸/ ۴۰۵، فتاویٰ دار العلوم ۱۰/۲۹۴، امداد الفتاویٰ ۲/۵۰۴)

والمراد به ما يضاف إليها بالسكنى حال وقوع الفرقة والموت هداية، سواء كان مملوكا للزوج أو غيره. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد کوئٹہ ۲/ ٦٧٤، کراچی ۳/ ٥٣٥، زکریا ٥/ ٢٢٤، هندیه زکریا قدیم ١/ ٥٣٥، جدید ١/ ٥٨٧، بدائع الصنائع کراچی ٣/ ٢٠٥، زکریا ٣/ ٣٢٥، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ٤/ ٣٤٤، کوئٹہ ٤/ ١٦٦، زکریا ٤/ ٣١٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۹۹)

دوران عدت مکان کے مختلف حصوں اور صحن میں جانا

سوال [۷۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بیوہ کے کئی لڑکے ایک ہی مکان میں مختلف حصوں میں رہتے ہیں، جس کے راستے گھر کے اندر ہی سے ایک دوسرے کی طرف جانے کے ہیں، ان لڑکوں کے باورچی

خانے الگ الگ اپنے اپنے حصوں میں ہیں، بیٹوں کی یہ خواہش ہے کہ ہم اپنی والدہ کو دورانِ عدت تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لیے اپنے پاس رکھیں، عدت کی حالت میں بیوہ اپنے بیٹوں کے یہاں جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ بیوہ اسی مکان میں اپنے چھوٹے بیٹے کے یہاں قیام پذیر ہے، اور عدت کے دن گذار رہی ہے، اور ایک لڑکا دوسرے محلّہ میں رہتا ہے، اس کے یہاں بھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب اختر محلّہ قانون گویان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ مشترکہ حویلی والامکان کے ہر حصے میں اور صحن میں جاسکتی ہے، دوسرے محلّہ میں جولڑکا رہتا ہے وہاں جانا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۴۱)

فيها منازل لغيره أى غير الزوج بخلاف ما إذا كانت له فإن لها أن تخرج إليها و تبيت في أى منزل شاء ت لأنها تضاف إليها بالسكنى.

(شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الحداد کراچی ۳/ ۵۳۵- ۵۳۶، زکریا ۵/ ۲۲۴، تاتارخانية زکریا ۵/ ۲۴۶، رقم: ۷۷۶۹، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۳۷)

دورانِ عدت حویلی کے تمام کمروں میں جانے کی اجازت ہے

سوال [۷۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پھاٹک کے اندر گھر ہے اس میں اوپر اور برابر الگ الگ گھر ہے جن کا راستہ پھاٹک سے ہی ہے، ویسے ان گھروں کے راستے باہر کی طرف بھی ہیں، لیکن وہ زیادہ استعمال میں نہیں آتے، مین گیٹ ایک ہے جو استعمال میں سب کے رہتا ہے، اوپر مکان ہے، پھاٹک

کے اوپر بنا ہوا ہے، کیا جو عورت عدت میں ہے وہ اوپر والے مکان یا برابر والے مکان میں گھر کے اندر کے راستے سے جا سکتی ہے؟ اس مکان میں بھائی اور بیٹے رہتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک پھاٹک کی حویلی میں جتنے بھی گھر ہیں وہ ایک ہی چہار دیواری کے اندر شمار ہوتے ہیں، ان میں سے ہر کمرہ اور ہر گھر میں عدت کی حالت میں آنا جانا جائز ہے، جبکہ وہ سب گھر مرنے والے کے کنبے کے گھر ہوں، جیسا کہ سوالنامہ میں ہے، کہ مرنے والے کے بیٹے اور بھائی کا مکان ہے، البتہ اگر ان میں سے کوئی گھر کسی اجنبی کا ہے تو اس میں آنا جانا جائز نہیں۔

وفی الدر: مکلفة من بیتها أصلا لا لیلا و لا نهارا و لا إلی صحن دار منها منازل لغیره، وفی الشامیة: قوله: فیها منازل لغیره أی غیر الزوج بخلاف ما إذا کانت له فإن لها أن تخرج إلیها و تبیت فی أی منزل شاء ت لأنها تضاف إلیها بالسکنی. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الحداد کراچی ۳/۵۳۵، زکریا ۵/۲۲۴، تاتارخانیة زکریا ۵/۲۴٦ رقم: ۷۷٦۹، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲٦ھ

شوہر کے بہنوئی کے گھر عدت گذارنا

سوال [۷۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے بہنوئی محمد تنویر جن کا انتقال ۲۷؍اپریل کو بیماری کی وجہ سے ہو گیا تھا، ہسپتال میں انتقال ہوا، اسپتال سے ان کے بھائی بہن اور بہنوئی وغیرہ اپنے گھر لے گئے، محلہ کے لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ میت کو اس کے گھر پر اتارا جائے یا پھر ماں کے گھر اتارا جائے، تنویر اپنی بیوی اور پانچ بچوں کے ساتھ اپنے ذاتی مکان میں رہتا تھا، بہنوئی بھائی بہن

وغیرہ زبردستی میت کو اپنے گھر لے گئے، محلّہ کے کچھ لوگوں سے لوٹ پھیر بھی ہوگئی، تو انہوں نے کہا کہ دیکھئے میت کو کون یہاں سے لے کر جائے گا، اس حالت میں ہماری بہن میت کے ساتھ منیر کے گھر میں عدت کر رہی ہے، اب یہ لوگ بھائی بہن اور بہنوئی وغیرہ کہہ رہے ہیں کہ اب تم میکہ یا اور کوئی گھر چلی جاؤ تو میں اپنے پانچ بچوں کے ساتھ کہاں جاؤں، جبکہ شوہر کے اپنے ذاتی کئی گھر موجود ہیں، میں اپنے ذاتی گھر جہاں شوہر کے ساتھ رہتی تھی، وہیں بچوں کے ساتھ جانا چاہتی ہوں، اس بات پر یہ لوگ تیار نہیں ہیں، جبکہ میرے شوہر کے کئی مکان ہیں تو میں شوہر کے مکان میں عدت کرنے کس ٹائم کس وقت اپنے گھر جا سکتی ہوں۔

المستفتی: محمد تنویر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے انتقال کے وقت جس مکان میں آپ رہتی تھیں اس میں عدت گذارنا لازم ہے، شوہر کے بہنوئی کے گھر جا کر عدت گذارنا شرعاً درست نہیں ہے، لہٰذا آپ کو چاہیے کہ دن دن میں سورج چھپنے سے پہلے پہلے شوہر کے جس ذاتی مکان میں آپ رہتی تھیں اس میں منتقل ہو کر عدت پوری کریں۔

وتعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه و لا یخرجان إلا أن تخرج أو ینهدم المنزل أو تخاف انهدامه. (در مختار مع الشامی، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الحداد کراچی ۳/۵۳٦، زکریا ۵/۲۲۵، هندیه زکریا قدیم ۱/۵۳۵، جدید ۱/۵۸۷، ملتقى الأبحر دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۱۵۳ تا ۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۳۱)

معتدہ کا ضرورتاً ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونے کا حکم

سوال [۷۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جناب حاجی محمد اقبال صاحب مرادآباد کے رہنے والے ہیں، اور مرادآباد میں ان کا ذاتی مکان موجود ہے، اور حیدرآباد دکن میں جا کر بھی اپنا ذاتی مکان لے لیا ہے، اور ان کی اہلیہ بھی مرادآباد کی ہیں، ۴؍مئی کو ان کی ایک بیٹی کی شادی ہوئی ہے اور جس لڑکے سے شادی ہونے والی ہے وہ بھی مرادآباد کا رہنے والا ہے، لیکن فی الحال امریکہ میں رہ رہا ہے، اور لڑکے کی بہن کی شادی بھی ولیمہ میں ہونا ہے، اور دونوں شادیاں مرادآباد میں ہونا طے پائی ہیں، لیکن اتفاق سے حاجی محمد اقبال کا یکم اپریل کو انتقال بھی ہوگیا، ابھی ان کی بیوی وہیں حیدرآباد میں ہیں اور بیوی یہ چاہتی ہے کہ طے شدہ تاریخ میں شادی ہو جائے اور وہ حیدرآباد سے مرادآباد میں آکر اپنے ذاتی مکان میں عدت گذارے اور اس میں اس کے لیے سہولت ہے کہ اس کے ماں باپ بھائی بہن سب مرادآباد ہی میں ہیں، لہٰذا وہ بذریعہ ہوائی جہاز دلی ہوکر دن دن میں مرادآباد پہنچ جانا چاہتی ہیں، اور پھر مرادآباد میں اپنے ذاتی مکان میں عدت گذارنا چاہتی ہیں، اسی اثناء میں بیٹی کی رخصتی بھی عمل میں آجائے گی، اور جس لڑکے سے شادی ہوئی ہے اس کا ان دنوں امریکہ سے چھٹی لے کر آنا طے ہے، اور لڑکی کو بھی وہ ساتھ میں امریکہ لے جائے گا۔

اب پوچھنا یہ ہے کہ حاجی محمد اقبال کی بیوی مرادآباد آکر عدت کا زمانہ گذارے تو کیا شریعت میں اس کی گنجائش ہے، اس کا حکم شرعی بیان فرمائیں۔

المستفتی: حاجی محمد ذاکر قریشی اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کا اصل حکم یہی ہے کہ جس مکان میں رہتے ہوئے شوہر کا انتقال ہوا ہے اس کی بیوہ اسی مکان میں عدت پوری کرے اور بلا شدید ضرورت کے اس مکان سے باہر نہ جائے، لہٰذا مسئولہ صورت میں اولاً یہی حکم دیا جائے گا کہ مرحوم حاجی محمد اقبال صاحب کی بیوہ شوہر کے ذاتی مکان حیدرآباد میں ہی عدت گذارے جہاں وہ ان کے انتقال کے وقت موجود تھی، اور کوشش کریں کہ بیٹی کی شادی کی تقریب یا تو ان کے بغیر انجام پائے یا اس کو عدت کے بعد تک کے لیے مؤخر کر دیا جائے اور اگر یہ دونوں باتیں کسی وجہ سے ممکن نہ ہوں اور بیوہ کے لیے موجودہ ضرورت ان ضرورتوں سے کم نہ ہو جن

ضرورتوں کی وجہ سے شریعت نے دن دن میں بیوہ کو نکلنے کی اجازت دی ہے تو دن دن میں حیدرآباد سے بذریعہ ہوائی جہاز شام سے پہلے پہلے مرادآباد کو پہنچ جائے، اور اپنے مرادآباد کے ذاتی مکان میں رہ کر عدت کا زمانہ گذارے تو اللہ کی ذات سے امید کی جاتی ہے کہ عنداللہ ماخوذ نہ ہوگی اور شادی بیاہ کے موقع پر مرادآباد کے مکان سے باہر نہیں جایا کرے گی۔

وتعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه إلا أن تخرج –إلی– ونحو ذلک من الضرورات. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الحداد کراچی ۳/۵۳٦، زکریا ۵/۲۲۵)

فأما المتوفی عنها زوجها فلا بأس بأن تخرج فی النهار وفی الزاد: و بعض اللیل لحاجتها ولا تبیت فی غیر منزلها. (تاتارخانیة ۵/۲٤٤، رقم: ۷۷٦۵)

وإذا انتقلت لعذر یکون سکناها فی البیت الذی انتقلت إلیه بمنزلة کونها فی المنزل الذی انتقلت منه فی حرمة الخروج عنه. (هندیه زکریا قدیم ۱/۵۳۵، جدید ۱/۵۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
٦ / جمادی الثانیہ ۱٤۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۹/٤۰)	۱٤۳۵/٦/٦ھ

دورانِ عدت بضرورتِ شدیدہ کیا عورت دن میں دوسرے شہر جا کر آسکتی ہے؟

سوال [۷۲۸٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت جس کا شوہر مر چکا ہے اور عورت ابھی عدت میں ہے تو کیا عورت عدت کے درمیان شہر مرادآباد میں ضرورت کے تحت آسکتی ہے جبکہ وہ دن ہی دن میں اپنے گھر واپس چلی جاتی ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں، کرم ہوگا۔

المستفتی: نزاکت حسین شیخوپور، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شدید ضرورت کے تحت دن ہی دن میں مرادآباد آکر

ضرورت پوری کر کے شوہر کے گھر جا کر رات گذارتی ہے تو بقدر ضرورت اس کی اجازت ہے۔

ومعتدة الموت تخرج نهارا و بعض الليل قدر ما تستكمل به حوائجها إذ لا نفقة لها وتبيت في غير منزلها وكذا لو خرجت لإصلاح مالابد لها منه كزراعة و طلب نفقة و لا وكيل لها. (ملتقى الأبحر مع در المنتقى، كتاب الطلاق، باب العدة قديم ١/ ٤٨٠، جديد، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٥٥، الدر المختار كراچی ٣/ ٥٣٦، زكريا ٥/ ٢٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۷۸)

متوفی عنہا اپنی عدت کے دوران کن کن موقع پر باہر نکل سکتی ہے؟

سوال [۷۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ماں، باپ، بہن، بھائی، لڑکا، لڑکی یا اور کوئی رشتہ دار اشد یا معمولی بیمار ہو تو معتدہ دورانِ عدت بیمار پرسی کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟ نیز معتدہ برائے تعزیت نکل سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) ماں، باپ، بہن، بھائی، لڑکا، لڑکی یا اور کوئی قریبی یا دور کا رشتہ دار سکرات کی حالت میں ہو تو معتدہ دورانِ عدت ان کے پاس ملنے جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) ماں باپ انڈیا میں قیام پذیر ہیں باقی اولاد لڑکے لڑکیاں بیرون ملک ہیں، اگر انڈیا میں قیام پذیر باپ، شوہر کا انتقال ہو جائے تو دوران عدت معتدہ بیوہ کو بیرون قیام پذیر اولاد انڈیا آ کر اپنے یہاں بیرون مثلاً لندن، افریقہ لے جانا چاہے تو لے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد وسیم رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) ماں، باپ، بھائی، بہن، لڑکا، لڑکی یا کوئی رشتہ دار معمولی یا سخت بیمار ہو تو معتدہ کو دورانِ عدت ان سب کی بیمار پرسی اور کسی کی تعزیت کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں۔

ولایجوز للمطلقة الرجعية والمبتوتة الخروج من بيتها ليلاو نهارا. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة، اشرفی دیوبند ۲/۴۲۸، وهكذافى البحر زكريا ٤/٢٥٦، كوئٹه ٤/١٥٢)

(۲) اگر معتدہ متوفی عنہا ہے اور اس کے والدین یا بھائی بہن، لڑکا لڑکی، یا قریبی رشتہ دار حالت مخمصہ میں ہیں، تو جس طرح طلب معاش کے لیے فقہاء نے دن میں اس کو گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے اسی طرح مذکورہ اشخاص سے حالت مخمصہ میں ملنے کی اجازت ہے۔

والمتوفى عنها زوجها تخرج بالنهار لحاجتها إلى نفقتها ولا تبيت إلا في بيت زوجها. (البحر الرائق زكريا ٤/٢٥٩، كوئٹه ٤/١٥٤)

نیز معتدہ مطلقہ بھی حالت مخمصہ میں مذکورہ قریبی رشتہ داروں سے دن دن کے اندر مل کر واپس آجائے اس لیے کہ حالت مخمصہ بھی ایک ضرورت شدیدہ ہے، کہ دنیا میں پھر دیکھنے اور بات کرنے کا موقع نہ ملے گا یہ دنیا کی آخری ملاقات ہے۔

معتدة الطلاق والموت يعتدان في المنزل المضاف إليهما بالسكنى وقت الطلاق والموت ولا يخرجان منه إلا لضرورة. (البحر الرائق زكريا ٤/٢٥٩، كوئٹه ٤/١٥٤)

(۳) جب میاں بیوی انڈیا میں قیام پذیر تھے اور شوہر کا انتقال بھی انڈیا میں ہوگیا تو بیوی کو انڈیا ہی میں عدت گذارنا ضروری ہے، لہٰذا دورانِ عدت بیرون ملک میں رہنے والی اولاد کے لیے اپنی معتدہ ماں کو بیرون لے جانا درست نہیں ہے لیکن اگر انڈیا میں اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے اور اس کے گذارے کے لیے کچھ نہیں ہے تو ایسی ناگزیر حالت میں منتقلی کی اجازت ہے۔

وتعتدان أي معتدة طلاق و موت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو ثلث مالها أو لا تجد كراء البيت و نحو ذلك من الضرورات. (تنوير الأبصار مع الدر المختار على الشامي، كراچی ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٥، البحر الرائق كوئٹه ٤/١٥٤، زكريا ٤/٢٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۶۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۰ھ

متوفی عنہا زوجہا عدت وفات میں کسی شدید ضرورت کی بناء پر نکل سکتی ہے؟

سوال [۷۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت ختم نہیں ہوئی کہ اس کے ایک قریبی رشتہ دار کی وفات ہوگئی، یا شدید مرض میں مبتلا ہوگیا تو یہ عورت اس رشتہ دار کے جنازہ میں شرکت کے لیے یا عیادت کے لیے جاسکتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معتدۃ الوفات دن ہی دن میں جاکر غروب آفتاب سے قبل لوٹ آئے کیا یہ مسئلہ درست ہے؟

المستفتی: رئیس احمد ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متوفی عنہا زوجہا کے لیے نان ونفقہ اور روزی کی کوشش میں دن ہی دن میں باہر جاکر غروب سے قبل گھر واپس آجانا جائز ہے، باقی کسی رشتہ دار کی عیادت یا وفات میں شرکت کے لیے نکلنا بھی فقہاء نے ممنوع قرار دیا ہے۔

أما المتوفى عنها زوجها فلانه لا نفقة فتحتاج إلى الخروج نهارا بطلب المعاش، وتحته فى فتح القدير: إنها إذا كان لها قدر كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها أن تخرج لزيارة و نحوها ليلا و لا نهارا. (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب العدة، دار الفكر بيروت ٤/٣٤٣، كوئٹه ٤/١٦٦، زكريا ٤/٣١٠، شامى كراچى ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٥)

ہاں البتہ اگر بھائی یا باپ کی وفات میں صدمہ کی شدت سے گھبراہٹ اور وحشت کی وجہ سے سخت ترین بے چینی ہے اور تعزیت اور عیادت سے سکون کا امکان ہے تو دن ہی دن میں جاکر جلد واپس آجائے تو امید ہے کہ گناہ سے بچ جائے۔

تخاف بالقلب بأمر الميت أو الموت إن كان الخوف شديدا كان لها الانتقال (إلى قوله) وهذا بمنزلة وحشة وجدت فى قلبها. (فتاوىٰ تاتارخانية،

زکریا ۵/۲٤۷، رقم: ۷۷۷۳، شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، کراچی ۳/۵۳٦، زکریا ۵/۲۲٦، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۱۵۵، المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمیة بیروت ٦/۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۲۰ھ

اگر عورت عدت میں نہ بیٹھے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۷۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، میری والدہ حیات ہیں اب جبکہ عدت کا مسئلہ آیا تو میں نے بتایا کہ آپ کو عدت میں بیٹھنا ضروری ہے، کیونکہ باہر کے جملہ امور اور ضروریات پورا کرنے کے لیے ہم خود ہیں، آپ کو عدت سے کوئی امر مانع نہیں اس پر میرے بڑے بھائی نے جھڑک کر کہا کہ اس کا کوئی کام کاج کرنے والا نہیں ہے، اس لیے یہ عدت نہیں کرسکتی، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کوئی عذر شرعی موجود نہیں پھر بھی بڑے بھائی نے والدہ کو عدت نہ کرنے دی، تو ان کا یہ ردعمل از روئے شرع کیسا ہے، اور عدت نہ کرنے کا گناہ کس پر ہے، واضح رہے ابھی عدت کا زمانہ چل رہا ہے اور وہ صرف بڑے لڑکے کے کہنے پر عدت نہیں کررہی ہے، شرعی مسئلہ کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عدت میں بیٹھنا ہرحال میں لازم اور ضروری ہے، بغیر عذر شرعی کے گھر سے نکلنا حرام ہے، اولاد پر لازم ہے کہ زمانہ عدت میں والدہ کی تمام ضروریات کا انتظام کریں، عدت میں نہیں بیٹھے گی تو شرعی قانون کی خلاف ورزی لازم آئیگی، اور سخت گنہگار ہوگی، گذران کی کوئی صورت نہ ہو تب بھی عدت ساقط نہیں ہوگی، لہٰذا

بڑے لڑکے کی بات میں نہ آئے اور فوراً عدت میں بیٹھ جائے، ورنہ بڑے لڑکے کے ساتھ معتدہ بھی گنہگار ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۳۹۷)

لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلالا يحل لها الخروج، والحاصل أن مدار حل خروجها بسبب قيام شغل المعيشة فيتقدر بقدره ولا تخرج المعتدة إلا لضرورة. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل فی الحداد، کراچی ۳/۵۳٦، زکریا ۵/۲۲۵، البحر الرائق کوئٹه ۱۵۳/٤، زکریا ۲۵۹/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۳ھ

عدت میں گھر سے باہر نکلنا

سوال [۷۴۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر پر قرضہ ہوگیا تھا، کاروبار میں کسی نے دھمکی دی تو انہوں نے تیزاب پی لیا وہ سولہ گھنٹہ کے بعد اسپتال میں انتقال کر گئے، اب میرے لڑکے کو دھمکی دے رہے ہیں کہ ہم تجھے پکڑ کر لے جائیں گے، میری لڑکیاں جوان ہیں، بڑا لڑکا ۱۸؍سال کا ہے، چھوٹا ۱۳؍سال کا ہے، اگر قرضہ مانگنے والے پریشان کریں تو میں عدت توڑ سکتی ہوں یا نہیں، برابر میں رشتہ دار رہتے ہیں، ضرورت کے لیے چادر اوڑھ کر، ڈاکٹر یا پیشاب یا کسی ضرورت کے لیے سب کے سامنے چل پھر سکتی ہوں یا نہیں؟ گھر میں بڑی آواز سے بات کر سکتی ہوں یا نہیں؟ آپ سے درخواست ہے کہ آپ فتویٰ دیں کہ عدت توڑ کر مجبوری کی حالت میں لوگوں کے سامنے گھر سے باہر جا سکتی ہوں یا نہیں؟

المستفتی: جمیلہ خاتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شدید ضرورت کے بغیر عدت کی حالت میں گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اگر دوائی وغیرہ کی ضرورت ہو اسی طرح ڈاکٹر و کچہری میں جانے کی

ضرورت پڑے تو دن دن میں جاکر واپس آسکتی ہیں۔

ومعتدة الموت تخرج يوما فمتى انقضت حاجتها لا يحل لها بعد ذٰلک. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة، فصل في الإحداد كوئٹه ٤/ ١٥٣، زكريا ٤/ ٢٥٩، شامي كراچی ٣/ ٥٣٦، زكريا ٥/ ٢٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۱۲ھ

عدت کی تکمیل سے قبل معتدہ کا گھر سے نکلنا

سوال [۷۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک عورت جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، بعد تدفین گھر پر آکر معلوم ہوا کہ یہ عورت حمل سے ہے اس عورت کی مدت کب تک ہوگی؟

(۲) اگر عورت نے لاعلمی کی وجہ سے تین مہینہ دس دن کی مدت پوری کر کے گھر سے باہر قدم نکال لیا تو کیا کرنا چاہیے۔

المستفتی: محمد اقبال خاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر عورت حمل سے ہے تو اس کی عدت ولادت پر ختم ہوسکتی ہے اس سے پہلے نہیں۔

﴿قال الله تعالىٰ: وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. [الطلاق: ٤]﴾

(۲) تین ماہ دس دن کی شریعت میں کوئی مدت عدت کی نہیں ہے، البتہ چار ماہ دس دن کی عدت وفات ہے جبکہ بیوی حمل سے نہ ہو، اگر عدت پوری ہونے سے قبل عورت گھر سے باہر نکل چکی ہے تو توبہ واستغفار کرلے اور بقیہ عدت شرعی طریقہ سے گذار لے۔

﴿قال الله تعالىٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ

بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا. [البقرة: ٢٣٤]﴾

عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، النسخة الهندية ٢/٣١٣، دار السلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبرانی دار إحياء التراث العربی بيروت ١٠/١٥٠، رقم: ١٠٢٨١)

وعدة المتوفى عنها إذا كانت غير حامل وهي حرة أربعة أشهر و عشرا. (تاتارخانية زكريا ٥/٢٢٨ رقم: ٧٧٢٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۳۰/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹؍۷؍۱۴۲۴ھ

دورانِ عدت خلاف ورزی ہو جائے تو شرعی حکم کیا ہے؟

سوال [۷۲۹۰]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر راحت جان کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی، میں اپنے شوہر کو ڈاکٹر کے یہاں دکھانے گئی، ڈاکٹر کے وہاں پہنچ کر میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، ڈاکٹر کے یہاں سے میں اور میرے آدمی کے بھائی ان کے باپ کے مکان پر ان کی میت لے کر آگئے، کیونکہ ہمارے کوئی اولاد نہیں ہے، میں سوا مہینہ کے بعد اپنے رہائشی مکان میں جہاں پر ہم دونوں ساتھ رہتے تھے، وہاں پر میں رہنے لگی، مجھے دو مہینے اپنے رہائش کے مکان میں رہتے ہوئے ہوگئے کہ اچانک میرے بھائی کا انتقال ہوگیا، میں اپنے بھائی کی موت میں آگئی اب میں ۲۲؍دن سے میکہ میں ہوں، میری عدت کے دن قریب ہیں، آپ فتویٰ دیں کہ میں عدت کہاں کروں، اس عدت کا ہدیہ یا کفارہ کتنا دیا جائے گا، کیونکہ میں بغیر حیثیت نہیں ہوں اب میری عدت کے چار مہینے پورے ہوگئے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دورانِ عدت اگر خلاف ورزی ہوگئی ہے تو شرعاً

اس کا کوئی مالی فدیہ اور کفارہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلی جائے۔

عن عبد الله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: التائب من الذنب كمن لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ٣١٣، دار السلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبراني دار إحياء التراث العربي بيروت ١٠/١٥٠، رقم: ١٠٢٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۰/۲۴ھ

عدت سے اٹھنے کا طریقہ

سوال [۷۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: والد محترم کا انتقال گذشتہ ۱۱؍اکتوبر ۲۰۰۹ء کو رات تین بجے ہو گیا تھا، والدہ محترمہ عدت کررہی ہیں، ان کی عدت کس دن پوری ہوگی؟ عدت سے اٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟ اب ان کو اپنی زندگی میں کن شرائط کی پابندی کرنی ہوگی، اور یہ کہ اپنے بیٹے کے علاوہ بھی وہ اور کن لوگوں کے ساتھ حج بیت اللہ کو جاسکتی ہیں؟

المستفتی: غفران احمد کٹا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت وفات چار مہینہ دس دن کی ہوتی ہے اگر چاند کی پہلی تاریخ میں انتقال ہوجائے تو چاند کے مہینہ کے حساب سے عدت پوری کی جاتی ہے، اور جب درمیان مہینہ میں انتقال ہوجائے تو ایک سوتیس دن مکمل عدت کے شمار ہوتے ہیں، اور چونکہ آپ کے والد کی وفات چاند کی پہلی تاریخ کو نہیں ہوئی ہے، اس لیے ۱۲؍۱اکتوبر سے آئندہ ایک سوتیس دن پورے ہونے پر سورج غروب ہونے کے بعد آپ کی والدہ کی عدت پوری ہوجائے گی۔

﴿قال الله تعالىٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا. [البقرة: ٢٣٤]﴾

والعدة للموت أربعة أشهر وعشرا من الأيام. (شامی، كتاب الطلاق، باب العدة زكريا ٥/١٨٨، كراچی ٣/٥١٠)

إذا اتفق عدة الطلاق والموت فی غرة الشهر اعتبرت الشهور بالأهلة و إن نقصت عن العدد و إن اتفق فی وسط الشهر فعند الإمام يعتبر بالأيام. (شامی، كراچی ٣/٥٠٩، زكريا ٥/١٨٧، هنديه، زكريا قديم ١/٥٢٧، جديد ١/٥٨٠، بدائع كراچی ٣/١٩٦، زكريا٣/٣١٠)

(۲) عدت سے اٹھنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے بلکہ عدت میں جن چیزوں کا استعمال منع تھا عدت کے ختم ہونے کے بعد ان چیزوں کا استعمال کرسکتی ہیں، مثلاً: چوڑیاں پہن سکتی ہیں، بناؤ سنگار کرسکتی ہیں، نیا لباس پہن سکتی ہیں، اور بیٹوں کی موجودگی میں اپنے محرم رشتہ داروں کے ساتھ جن سے نکاح جائز نہیں مثلاً دادا کے ساتھ چچا یا ماموں بھانجے کے ساتھ حج کو جاسکتی ہیں۔

عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا يحل لامرأة أن تسافر ثلاثا إلا و معها ذو رحم محرم منها. (مسلم، كتاب الحج، باب استحباب الذكر إذا ركب دابته، النسخة الهندية ١/٤٣٤، بيت الأفكار، رقم: ١٣٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۳ھ

عدت پوری ہونے پر گھر سے نکلنا ضروری نہیں

سوال [۷۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس کی بیوی عدت گذار رہی ہے، شوہر کا انتقال ۲۱؍

اپریل ۲۰۰۴ء مطابق ۳۰؍صفر ۱۴۲۵ھ کو ہوا تھا، تو عدت کب پوری ہوگی، عدت پوری ہونے پر گھر سے کس طرح جایا جائے گا، اور واپس کس طرح آیا جائے گا، شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے؟

المستفتی: محمد ارشد برولان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس دن شوہر کا انتقال ہوا یعنی ۲۱؍اپریل ۲۰۰۴ء مطابق ۳۰؍صفر ۱۴۲۵ھ، اس تاریخ سے عدت شمار ہوگی اس اعتبار سے ۲۹؍اگست بروز اتوار مطابق ۱۲؍رجب کو ۱۳۰؍دن پورے ہوں گے، نیز عدت پوری ہونے پر گھر سے نکلنا ضروری نہیں ہے، بلکہ وقت پورا ہونے پر گھر سے نکلے بغیر بھی عدت مکمل ہوجاتی ہے، اور عدت کی پابندیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: **وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا.** [البقرة: ٢٣٤]﴾

والعدة للموت أربعة أشهر وعشرا من الأيام. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة زکریا ١٨٨/٥، کراچی ٥١٠/٣، هندیه زکریا قدیم ٥٢٧/١، جدید ٥٨٠/١، بدائع الصنائع، کراچی ١٩٦/٣، زکریا ٣١٠/٣، المحیط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ٢٢٨/٥، رقم: ٥٦٥٩، تاتارخانیة زکریا ٢٣١/٥، رقم: ٧٧٣٠)

وتنقضی العدة و إن جهلت المرأة بهما. (شامی، کراچی ٥٢٠/٣، زکریا ٢٠٢/٥، هندیه زکریا قدیم ٥٣١/١، جدید ٥٨٤/١، هدایه اشرفی دیوبند ٤٢٥/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۳۹/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۵ھ

تکمیل عدت کے دن عورتوں کا گھر میں جمع ہونا

سوال [۷۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میرے شوہر کا انتقال مؤرخہ ۹/نومبر ۲۰۰۹ء کو بوقت شام ۶/بجے ہوگیا تھا، انا للہ وانا الیہ راجعون، لہٰذا عدت کب پوری ہوگی؟ نیز جس دن عدت مکمل ہوتی ہے اس دن کنبہ کی عورتیں گھر میں جمع ہوتی ہیں اور پورا گھر بھر جاتا ہے تو کیا ایسا کرنا کوئی شرعی فعل ہے، یا فقط ایک رسم ہے؟ اور کیا ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے؟

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں آپ کے شوہر کا انتقال جب ۹/نومبر ۲۰۰۹ء کو بوقت شام چھے بجے ہوا تو آپ کی عدت وفات انتقال کے دن سے ایک سو تیس دن مکمل ہونے پر پوری ہوگی، اگر اس وقت چھ بجے سورج غروب ہو چکا تھا تو تاریخ بدل جائے گی، لہٰذا ۱۰/نومبر سے ایک سو تیس دن مکمل ہونے پر آپ کی عدت پوری ہو جائے گی، اور اس دن سورج غروب ہونے کے بعد آپ عدت سے آزاد ہو جائیں گی، رہی بات یہ کہ عدت مکمل ہونے کے دن کنبہ کی عورتوں کا مرحوم کے گھر میں جمع ہونا تو یہ غیر شرعی عمل ہے، شریعت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۴۸)

﴿**قال اللہ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا.** [البقرة: ٢٣٤]﴾

وفي الشامية: إذا اتفق عدة الطلاق والموت في غرة الشهر اعتبرت الشهور بالأهلة وإن نقصت عن العدة وإن اتفق في وسط الشهر فعند الإمام يعتبر بالأيام فتعتد في الطلاق بتسعين يوما وفي الوفاة بمأة و ثلاثين. (شامي، كتاب الطلاق، باب العدة قبيل مطلب في عدة زوجة الصغير، كراچي ٣/٥٠٩، زكريا ٥/١٨٧، هنديه زكريا قديم ١/٥٢٧، جديد ١/٥٨٠، بدائع كراچي ٣/١٩٦، زكريا ٣/٣١٠، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٥/٢٢٨، رقم: ٥٦٥٩، تاتارخانية زكريا ٥/٢٣١، رقم: ٧٧٣٠)

عن عائشة رضـ قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هذا

مالیس منه فهورد. (بخاری شریف، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی جور فالصلح مردود ۱/۳۷۱ رقم: ۲۶۱۹، ف: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ...... النسخة الهندية ۲/۷۷، بيت الأفكار، رقم: ۱۷۱۸، سنن أبی داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة النسخة الهندية ۲/۶۳۵ دار السلام رقم: ۴۶۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۳/۱۴۳۱ھ

عدت کی تکمیل اور بعض رسوم کا بیان

سوال [۷۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے شوہر کا انتقال ۱۴؍ذی الحجہ صبح ۷؍بجے کے وقت پر ہوا تھا تو سوال یہ ہے کہ میری عدت کتنی تاریخ اور کس وقت پوری ہوگی؟

(۲) عدت کے پوری ہونے والے دن یہ رسم ہے کہ میکہ والے اور سسرال والے کپڑے لاتے ہیں تو یہ رسم کیسی ہے اور ان کپڑوں کا پہننا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جس دن عدت پوری ہو جاتی ہے اس دن میکہ والے اور سسرال والے مجھے اپنے اپنے گھر لے جانا چاہتے ہیں تو یہ ان کا لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ عدت جب پوری ہو جائے تو غسل اور نیا کپڑا پہننا ضروری ہے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: وصی احمد اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) ۱۴؍ذی الحجہ بھی مکمل شمار کر کے ایک سو تیس ایام جس دن پورے ہوں گے اس دن شام کو سورج غروب ہونے کے بعد آپ کی عدت پوری ہو جائے گی۔

فی الشامية: لأن المراد إن عدة الموت أربعة أشهر و عشرا وإن كانت من ذوات الحيض. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، کراچی ۳/ ۵۱۰، زکریا ۵/ ۱۸۸)

وعلى قول العامة: تنقضي بغروب الشمس. (شامی، کراچی ۳/ ۵۱۰، زکریا ۵/ ۱۸۸، البحر الرائق کوئٹہ ۴/ ۱۳۲، زکریا ۴/ ۲۲۳)

(۲) نئے کپڑوں کو پہننے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اسی دن کپڑے لانے کی رسم کو ترک کردینا چاہیے۔

(۳) جس دن عدت پوری ہوجاتی ہے اس دن میکے یا سسرال والوں میں سے جس کے پاس چاہیں جاسکتی ہیں، لیکن اسی دن جانا لازم نہیں سمجھنا چاہیے، اور عدت کے پورے ہونے پر غسل اور نیا کپڑا پہننا لازم نہیں ہے، جو میسر ہو پہن سکتی ہیں اور غسل جب بھی چاہیں اور جب ضرورت ہو کرسکتی ہیں۔ (بہشتی زیور۴/ ۵۸، اصلاح الرسوم ۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۴ھ

کیا عدت مکمل ہونے کے بعد عورت بااختیار رہے؟

سوال [۷۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس نے عدت بھی پوری کرلی، مگر شوہر جس گھر میں رہتا تھا، وہ گھر انتہائی تنگ ہے، سسرال والے اور تمام رشتہ دار اس گھر میں مقیم ہیں، کوئی محرم بھی نہیں ہے اگر ان حالات میں عورت اپنے میکہ میں آجائے اور اپنے بچوں کو بھی جو چھوٹے چھوٹے ہیں ساتھ لے آئے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے، اگر شوہر مرحوم کے رشتہ دار حائل ہوں اور بچوں اور ماں کو مجبور کریں سسرال میں ہی رہنے پر جبکہ وہاں قیام وطعام کا بھی معقول بندوبست نہیں ہے کیونکہ شوہر نے کوئی ورثہ نہیں چھوڑا اور کوئی جائیداد نہیں چھوڑی، کیا ان کی ماں اور بچوں پر دباؤ ڈالنا جائز ہے؟

المستفتی: جمیل احمد رام نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عورت کی عدت پوری ہو چکی ہے تو اب اس پر سسرال والوں کا دباؤ ڈالنا کہ تم کو یہیں رہنا ہے جائز نہیں ہے، بلکہ اس کو حق ہے کہ وہ اپنی مرضی سے چاہے میکے میں جا کر رہے یا دوسری جگہ شادی کر کے باعصمت زندگی گذارے، نیز جب سسرال میں اس کے رہنے کے لیے الگ مکان بھی نہیں ہے، ایسے حالات میں اس کو سسرال میں نہیں رہنا چاہیے، میکے ہی میں رہنا چاہیے، یا دوسری شادی کر کے اس شوہر کے پاس رہنا چاہیے۔

فإنها لاتخرج حتی تعتد ثم تخرج إن کان لها محرم. (هدایه، کتاب الطلاق، باب العدة، اشرفی دیو بند۲/ ٤۲۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۷۴)

شوہر کے انتقال کے بعد فوراً دوسرا نکاح کرنا

سوال [۷۲۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ڈیڑھ سال قبل معظّمہ کی شادی مشکور سے ہوئی تھی، شادی کے فوراً بعد سے شوہر بیوی کے تعلقات خراب ہوگئے اور مشکور نے معظّمہ کو پریشان کرنا شروع کردیا تھا، لہٰذا معظّمہ اپنی ماں کے گھر چلی آئی اور تقریباً ایک سال دو ماہ سے معظّمہ اپنی ماں کے پاس رہ رہی ہے، اس دوران معظّمہ کا اپنے شوہر مشکور سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے، ہفتہ کے دن معظّمہ کے شوہر مشکور کا انتقال ہوگیا اب معظّمہ کے گھر والے معظّمہ کی دوسری شادی کرانا چاہتے ہیں، اب اس صورت میں معظّمہ کے گھر والے معظّمہ کی دوسری شادی فوراً کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا معظّمہ کے اوپر عدت گذارنی ضروری ہے؟

المستفتی: محمد اعلم دولب باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معظّمہ کا اپنے شوہر سے اختلاف کی وجہ سے اپنے والدین کے یہاں رہنے سے اس کا نکاح ختم نہیں ہوا ہے، وہ بدستور مشکور کی بیوی رہی، لہٰذا مشکور کی موت کے بعد چار ماہ دس دن عدت گذارنا اس کے اوپر فرض و واجب ہے، اور مشکور کی موت سے چار ماہ دس دن پورے ہونے سے قبل اس کے ساتھ کسی کا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره وکذا المعتدة سواء کانت العدة عن طلاق أو وفات أو دخول فی نکاح فاسد وشبهة نکاح.

(عالمگیری، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بها الغیر زکریا قدیم ۱/ ۲۸۰، جدید ۱/ ۳٤٦)

لایجوز نکاح منکوحة الغیر و معتدته الغیر عند الکل. (خانیه، زکریا ۱/ ۲۲۱، وعلی هامش الهندیة زکریا ۱/ ۳٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۸۰۲۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۳۰ھ

معتدہ کا قضائے حاجت وغسل کے لیے باہر جانا

سوال [۷۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت ایسے مکان میں عدت گذار رہی ہو، جہاں غسل خانہ بیت الخلاء نہیں ہے بلکہ مکان سے باہر دور جگہ یا کمپاؤنڈ بنا ہوا ہونے کی وجہ سے کمپاؤنڈ کے دروازے وغیرہ دور جگہ ہو تو کیا معتدہ دورانِ عدت برائے غسل وقضائے حاجت جا سکتی ہے یا نہیں؟ یا پھر مکان میں کسی جگہ نظم کرنا پڑے گا، اگر مکان میں نظم ممکن ہی نہ ہو تو کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: مولوی عظمت علی آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غسل خانہ اور بیت الخلاء گھر میں نہ ہو اور گھر میں اس کا نظم کرنا مشکل ہو تو معتدہ قضائے حاجت اور غسل واجب کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہے۔

معتدة الطلاق و الموت يعتدان في المنزل المضاف إليهما بالسكنى وقت الطلاق والموت ولا يخرجان منه إلا لضرورة. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل في الإحداد، كوئٹه ٤/ ١٥٤، زكريا ٤/ ٢٥٩)

وتعتدان أي معتدة طلاق و موت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل ...... و نحو ذٰلك من الضرورات. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب العدة زكريا ديوبند ٥/ ٢٢٥، كراچی ٣/ ٥٣٦)

ولا بأس بأن تخرج نهارا في حوائجها لأنه تحتاج إلى الخروج بالنهار. (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في أحكام العدة، زكريا ديوبند ٣/ ٣٢٤، كراچی ٣/ ٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۲۰ھ

دورانِ عدت سفر کرنے کا حکم

سوال [۷۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معتدہ دورانِ عدت اپنے شوہر یا ماں باپ بھائی وغیرہ کے ساتھ سفر کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ سوال صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ جب عورت عدت میں ہوتی ہے تو اس کی تین حالتیں ہیں یا تو شوہر مر گیا ہے، اور عورت عدت وفات گذار

رہی ہے،تو کیا قبر میں جا کر عورت شوہر کے ساتھ سفر کرے گی یا عورت طلاق بائن یا مغلظہ کی عدت گذار رہی ہے، اوراس میں نکاح باقی ہی نہیں رہتا ہے،تو شوہر شوہر ہی نہیں رہا یا شوہر نے طلاق رجعی دی ہو اور ساتھ سفر کرنے کی وجہ سے رجعت ہوگئی،تو وہ پھر عدت ہی میں کہاں رہی اس لیے یہ سوال بالکل بے محل ہے، رہی باپ اور بھائی کی بات تو دورانِ عدت ان کے ساتھ بھی سفر نہیں کرسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۹؍رجب ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۵۱)	۹؍۷؍۱۴۲۰ھ

معتدہ کا والدین کی تعزیت کے لیے جانا

سوال [۷۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معتدۂ وفات کیا اپنے والدین کے مرنے پر دن دن میں والدین کے گھر جاسکتی ہے؟

المستفتی: رشید احمد، سیڑھا، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معتدۂ وفات کا اپنے والدین کے مرنے پر دن دن میں والدین کے گھر جانا شرعاً جائز ہے۔

و تعتدان أی معتدة موت و طلاق فی بیت وجبت فیه و لایخرجان منه إلا أن تخرج أو ینهدم المنزل ...... ونحو ذٰلک من الضرورات. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، زکریا دیو بند ۵/ ۲۲۵، کراچی ۳/ ۵۳٦)

ذهب الفقهاء إلی أن المتوفی عنها زوجها لا تخرج لیلا، ولا بأس بأن تخرج نهارا لقضاء حوائجها. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۹/ ۳۵۰)

و أما المتوفی عنها: فلا تخرج لیلا، ولا بأس أن تخرج نهارا فی

حوائجها. (الفقه الاسلامی و أدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ۷/ ۶۲۰، دار الفکر ۹/ ۷۱۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۰۸)

معتدۃ الوفات والدین کے یہاں نہیں جائے گی

سوال [۷۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معتدۃ الوفات اثناء عدت والدین کے گھر جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کا میکہ اسی شہر میں ہے؟

المستفتی: حافظ عظمت علی آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معتدہ عورت کے لیے دورانِ عدت عذر شدید کے بغیر والدین کے گھر جانا جائز نہیں، خواہ والدین کا گھر اسی شہر میں ہی ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مکتبہ فقیہ الامت ۲/ ۱۵۶)

معتدة الموت تخرج یوما وبعض اللیل لتکتسب ...... لأنه لا نفقة لها، حتی لو کان عندها کفایتها صارت کالمطلقة فلا یحل لها أن تخرج لزیارة ولا لغیرها لیلا ولا نهارا. (البحر الرائق، کتاب الطلاق، فصل فی الإحداد، زکریا دیوبند ۴/ ۲۵۹، کوئٹه ۴/ ۱۵۴، وهکذا فی الشامی زکریا دیوبند ۵/ ۲۲۵، کراچی ۳/ ۵۳۶، بدائع الصنائع زکریا دیوبند ۳/ ۳۲۴، کراچی ۳/ ۲۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۸)

دورانِ عدت قریبی رشتہ دار کے انتقال پر اس کے گھر جانا

سوال [۷۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیوی عدت میں بیٹھی ہوئی ہے اسی عدت کے دوران زید کی بیوی کے عزیز واقارب میں سے کسی کا انتقال ہوگیا جیسے بھائی، بہن، والدین، ماموں، پھوپھی خالہ وغیرہ تو زید کی بیوی اس کی صورت دیکھنے کے لیے جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر جاسکتی ہے تو وہاں ایک یا دو دن ٹھہر سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حنیف امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہت ہی قریبی رشتہ دار مثلاً ماں باپ، حقیقی بھائی، بہنیں یا حقیقی خالہ یا حقیقی پھوپھی کے انتقال پر دن دن میں جا کر دن ہی میں اپنے گھر واپس آجائے تو اس کی گنجائش ہے، سورج غروب ہونے تک وہاں ٹھہرنا جائز نہیں، بلکہ چند منٹ کے لیے جا کر ان کی صورت دیکھ کر واپس آجائے اور اتنی دوری پر جانا جائز نہیں، جہاں سے دن میں جا کر دن ہی میں اپنی رہائش پر واپس نہ ہوسکے اور جو لوگ ذو رحم محرم نہیں ہیں وہ اتنے قریبی رشتہ دار نہیں ہوتے، لہٰذا ان کی صورت دیکھنے کے لیے جانے کی گنجائش نہیں۔

وتعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه إلا أن تخرج أو ینهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد کراء البیت ونحو ذٰلک من الضرورات فتخرج لأقرب موضع إلیه. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، زکریا دیوبند ۵/ ۲۲۵، کراچی ۳/ ۵۳٦)

فأما المتوفی عنها زوجها فلا بأس بأن تخرج فی النهار، وفی الزاد: وبعض اللیل لحاجتها ولا تبیت فی غیر منزلها. (تاتارخانیة زکریا ۵/ ۲٤٤ رقم: ۷۷٦۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۸ھ

دورانِ عدت ہسپتال میں والدہ کو دیکھ بھال کرنا

سوال [۷۳۰۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ عدت وفات گذار رہی ہے، ہندہ کی والدہ کا آپریشن ہوا ہے اور ہسپتال میں ہے، ہسپتال میں ہندہ کی والدہ کے پاس رہنے والا کوئی نہیں ہے، جبکہ تقریباً ۸؍دن لگیں گے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا ایسے وقت میں جبکہ کوئی بھی ہندہ کی والدہ کے پاس رات کو رہنے والا تیماردار نہیں ہے، کیا ہندہ عدت کے اندر ہسپتال میں اپنی والدہ کے پاس رہ سکتی ہے؟

المستفتی: ساکنان بستی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعتاً ہندہ کی والدہ کی دیکھ بھال اور تیمارداری کرنے والا کوئی نہیں ہے تو شرعاً ہندہ کو صرف اتنی اجازت ہے کہ وہ دن دن میں جاکر دن ہی میں گھر واپس آجائے، اسپتال کے لوگ ہی ان کی دیکھ بھال کریں گے، یا اڑوس پڑوس کی کسی عورت کو یا کسی محرم مرد کو ضرورت پڑے تو بھیج دے، ہندہ رات کو وہاں نہیں رہ سکتی۔

وتعتدان فی بیت وجبت فیه لا یخرجان منه إلا أن تخرج. (در مختار مع الشامی، کتاب الطلاق، باب العدة زکریا دیوبند ۲۲۵/۵، کراچی ۵۳۶/۳ وهکذا فی البحر الرائق زکریا ۲۵۹/٤، کوئٹه ۱۵٤/٤، بدائع الصنائع زکریا ۳۲٤/۳، کراچی ۲۰۵/۳، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۵۰/۲۹، الفقه الإسلامی و أدلته هدی انٹرنیشنل ٦۲۰/۷ دار الفکر ۷۱۹۸/۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۶۷)

معتدہ کا دن دن میں والدہ کی عیادت کے لیے جانا

سوال [۷۳۵۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: میرے شوہر کا کراچی میں انتقال ہوگیا اور میں اپنی بیٹی داماد کے گھر رہ کر عدت کررہی ہوں، اوراب میری والدہ کی طبیعت زیادہ خراب ہے، لہٰذا وہ بار بار مجھے دیکھنے کی خواہش کررہی ہیں، آپ مسئلہ بتادیں کہ کیا میں ان کو دیکھنے یا ان کے پاس رہ کر عدت پوری کرسکتی ہوں یا ان کو دیکھنے کس وقت سے کس وقت تک جاسکتی ہوں؟

المستفتی: عالیہ خاتون، گلاب رائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دن دن میں والدہ کو دیکھ کر اسی گھر میں واپس آجائے جس میں عدت گذار رہی ہے اور رات اپنی رہائشی جگہ پر ہی گذارا کرے تو جائز ہے۔

ومعتدة موت تخرج في الجديدين و تبيت أكثر الليل في منزلها. (در مختار، كتاب الطلاق، باب العدة كراچی ۳/۵۳٦، زكريا ديوبند ۵/۲۲۵)

وإذا خرجت بالنهار في حوائجها لا تبيت عن منزلها الذي تعتد فيه.

(بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل في أحكام العدة زكريا ديوبند ۳/۳۲۵، كراچی ۳/۲۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۲۹۲)

دورانِ عدت شادی یا موت میں جانا

سوال [۷۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دورانِ عدت کیا عورت ضرورتاً کہیں جاسکتی ہے، مثلاً: کسی عزیز واقارب کا انتقال ہوگیا یا کسی قریبی رشتہ دار کے یہاں شادی وغیرہ ہو؟

المستفتی: محمد جاوید رشدی فاروقی، دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی میں جانا ایسی شرعی ضرورت نہیں جس کی وجہ سے عورت عدت کے زمانے میں اس میں شرکت کرے، البتہ کسی قریبی عزیز کا انتقال بھی سوگ ہی ہے، اور طبعی ضرورت ہے اور سخت ضرورت کی بناء پر بقدر ضرورت گھر سے نکل کر ضرورت پوری کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

و تعتدان أی معتدة طلاق و موت فی بيت و جبت فيه و لا يخرجان منه إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها أو لا تجد كراء البيت و نحو ذٰلک من الضرورات. (الدر مع الشامی، کتاب الطلاق، باب العدة زکریا دیوبند ٥/٢٢٥، کراچی ٣/٥٣٦، البحر الرائق کوئٹه ٤/١٥٤، زکریا ٤/٢٥٩، بدائع الصنائع زکریا ٣/٣٢٤، کراچی ٣/٢٠٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۶۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۲۷ھ

معتدہ کا حجاج کرام کو رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن جانا

سوال [۷۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معتدہ دورانِ عدت حجاج یا بیرون جانے والوں کو رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن یا ان کے گھر جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حجاج کرام یا باہر جانے والوں کو رخصت کرنے کے لیے معتدہ کا اسٹیشن یا ان کے گھر جانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نہ یہ شرعی ضرورت ہے نہ طبعی ضرورت ہے۔

ولا یخرجان منه إلا لضرورة. (البحر الرائق، کتاب الطلاق، فصل فی الإحداد کوئٹہ ٤/ ١٥٤ زکریا ٤/ ٢٥٩، وهکذا فی الدر مع الرد زکریا ٥/ ٢٢٥، کراچی ٣/ ٥٣٦، بدائع الصنائع زکریا ٣/ ٢٢٥، کراچی ٣/ ٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۲۰ھ

معتدہ کا ڈاکٹر کے پاس یا تعزیت کے لیے جانا

سوال [۷۳۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ تقریباً ساٹھ سال کی ہیں میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ عدت میں ہیں ان کے لیے کیا پابندی ہے کیا وہ ڈاکٹر کے یہاں جا سکتی ہیں یا کسی عزیز کی میت وغیرہ میں جا سکتی ہیں، سر میں تیل یا سرمہ لگا سکتی ہیں؟

المستفتی: محمد انور نئی آبادی، جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شوہر کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن تک عدت میں گذارنا لازم اور واجب ہے، یہ شریعت کا قطعی حکم ہے، اور اس دوران بلا عذر زینت کے لیے سر میں تیل لگانا، مانگ نکالنا، سرمہ لگانا، خوشبو لگانا، زیورات پہننا، نیا کپڑا پہننا اور گھر سے باہر دیگر جگہوں میں آنا اور جانا سب ممنوع ہیں، ہاں البتہ گھر کی حویلی کے اندر سب کمروں میں جا آ سکتی ہیں، اور گھر کی تمام ضروریات پوری کر سکتی ہیں، کھانا وغیرہ پکا سکتی ہے، اور بیماری کی وجہ سے دن میں ڈاکٹر کے یہاں جا کر آ سکتی ہیں، لیکن کسی شادی، غمی میں شرکت نہیں کر سکتیں، ہاں البتہ بہت زیادہ قریبی عزیز مثلاً ماں باپ اولادیں، حقیقی بھائی بہن اس طرح کے قریبی رشتہ دار کے انتقال پر تھوڑی دیر جا کر آنے کی گنجائش ہے، مگر دور کے رشتہ داروں کی میت پر جانے کی گنجائش نہیں ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا. [البقرة: ٢٣٤]﴾

عن أم عطية قالت: كنا نُنهى أن نحد على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر و عشرا، ولا نكتحل، ولا نطيب، ولا نلبس ثوبا مصبوغا إلا ثوب عَصْب، وقد رخص لنا عند الطهر إذا اغتسلت إحدانا من محيضها في نبذة من كست ظفار. (صحيح البخاری، الطلاق، باب القسط للحادة عند الطهر، النسخةالهندية ٢/٨٠٤، رقم: ٥١٣٢، ف: ٥٣٤١)

وعدة المتوفى عنها زوجها إذا كانت غير حامل وهي حرة أربعة أشهر وعشرا. (تاتارخانية، الفصل الثامن والعشرون فی العدة زكريا ٥/٢٢٨، رقم: ٧٧٢٥)

والحداد الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل والحناء والخضاب ولبس المطيب والمعصفر والثوب الأحمر و ما صبغ بزعفران إلا إن كان غسيلا لا ينفض ولبس القصب والحز والحرير ولبس الحلي و التزين والامتشاط. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، زكريا قديم ١/٥٣٣، جديد ١/٥٨٥، الفتاویٰ التاتارخانية كوئٹه ٤/٧٢، زكريا ٥/٢٤٩-٢٥٠، رقم: ٧٧٧٧)

المتوفى عنها زوجها فلا بأس بأن تخرج في النهار، وفي الزاد: وبعض الليل لحاجتها و لا تبيت في غير منزلها. (تاتارخانية، زكريا ٥/٢٤٤، كوئٹه ٤/٦٨، البحر الرائق زكريا ٤/٢٥٩، كراچی ٤/١٥٤، رقم: ٧٧٦٥، هنديه زكريا قديم ١/٥٣٤، جديد ١/٥٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۶۲/۳۹)	۱۴۳۱/۵/۱۷ھ

دورانِ عدت ڈاکٹر کے پاس جانا

سوال [۷۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ میری والدہ عدت گذار رہی ہیں، اس دوران بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر کو دکھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اوران کا جب دل گھبرائے تو وہ اپنے بھائیوں کے یہاں جاسکتی ہیں یا نہیں؟ ان بھائیوں کا گھر بھی سامنے ہی معتدہ کے گھر سے قریب ہی ہے، عمر ۷۰ سال ہے، بے چینی کے وقت اپنے بھائی بھتیجوں کے یہاں جاسکتی ہیں؟

المستفتی: محمد اکرم بڑی مسجد کٹا باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ڈاکٹر کو گھر نہ بلایا جاسکتا ہو اور مرض شدید ہو تو ایسی مجبوری میں ڈاکٹر کے پاس جانا جائز ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۴۱، فتاویٰ رحیمیہ ۸/۴۳۵)

ہاں زیادہ بے چینی اور گھبراہٹ ہے اور اپنے گھر میں تنہائی ہے تو اپنے حقیقی بھائیوں کے وہاں جاکر عدت گذار سکتی ہے اور عدت گذرنے تک وہیں رہے۔

المعتدة إذا كانت في منزل ليس معها أحد وهي لا تخاف من اللصوص ولا من الجيران ولكنها تفزع من أمر البيت إن لم يكن الخوف شديداً ليس لها أن تنتقل من ذلك الموضع لأن قليل الخوف يكون منزلة الوحشة وإن كان الخوف شديدا كان لها أن تنتقل. (قاضيخان، كتاب الطلاق، باب العدة زكريا ١/ ٣٥٠-٣٥١، وعلى هامش الهندية ١/ ٥٥٤، زكريا ديوبند قديم ١/ ٥٣٥ جديد ١/ ٥٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۷۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۵/۱۴۱۹ھ

دورانِ عدت علاج کے لیے ڈاکٹر کے پاس جانا

سوال [۷۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری والدہ بہت بیمار ہیں اور حکیم و ڈاکٹر کی دوا برابر چلتی رہتی ہے اور ہفتہ یا

عشرہ میں ان کو حکیم وڈاکٹر کو دکھانا پڑتا ہے، مگر وہ ایک ہفتہ سے عدت میں ہیں، اور طبیعت بہت خراب رہنے لگی ہے، لہٰذا اب آپ بتائیں کہ شرعاً ان کو ڈاکٹر کو دکھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: نوید جمال شمسی، ٹھٹھیرا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: علاج کے لیے دن میں جا کر دن ہی میں واپس آجائے تو اس کی شرعاً اجازت ہے۔

ومعتدة موت تخرج في الجديدين و تبيت أكثر الليل. (در مختار، كتاب الطلاق، باب العدة، كراچی ۳/۵۳۶، زكريا ديوبند ۵/۲۲۵، البحر الرائق زكريا ۴/۲۵۹، كوئٹه ۴/۱۵۴، بدائع الصنائع زكريا ۳/۳۲۴، كراچی ۳/۲۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۳۴/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۸ھ

عدت کی حالت میں ڈاکٹر کے یہاں جانا

سوال [۷۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: معتدہ عورت عدت کی حالت میں علاج کے لیے ڈاکٹر کے یہاں جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: مولوی عظمت علی آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بہتر یہ ہے کہ ڈاکٹر کو گھر بلا لیا جائے، اگر یہ نہ ہو سکے تو ضرورتِ علاج کے پیش نظر معتدہ عورت ڈاکٹر کے یہاں دن دن میں جا کر اپنا علاج کر لے تو اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۴۸۶، احسن الفتاویٰ ۵/۴۴۱)

معتدة الطلاق والموت يعتدان في المنزل المضاف إليهما بالسكنى وقت الطلاق والموت ولا يخرجان فيه إلا لضرورة ...... وليس المراد

حصر الأعذار. (البحر الرائق، كتاب الطلاق، فصل فی الإحداد زكريا ٤/ ٢٥٩، كوئٹه ٤/ ١٥٤، تاتارخانية زكريا ٥/ ٢٤٤ رقم: ٧٧٦٥، بدائع الصنائع زكريا ٣/ ٣٢٤، كراچی ٣/ ٢٠٥، الدر مع الرد زكريا ديوبند ٥/ ٢٢٥ كراچی ٣/ ٥٣٦، تبيين الحقائق زكريا ٣/ ٢٧١، مكتبه امداديه ملتان ٣/ ٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۷۸)

معتدۃ الوفات شدید بیماری میں کیا کرے؟

سوال [۷۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت عدت میں ہے لیکن شدید بیماری کی وجہ سے ہم اسے ڈاکٹر یا حکیم کے گھر پر یا دواخانہ لے جا کر دکھا سکتے ہیں؟

المستفتی: حاجی محمد اکرام صاحب اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عدت وفات گذارنے والی عورت اگر بیمار ہے تو بہتر ہے کہ ڈاکٹر کو گھر لا کر دکھا دیا جائے، اگر ڈاکٹر کو بلانے میں دشواری ہے تو دن دن میں ڈاکٹر کو دکھا کر لا سکتے ہیں، رات میں نہیں۔

فأما المتوفى عنها زوجها فلا بأس بأن تخرج فی النهار، وفی الزاد: وبعض الليل لحاجتها ولاتبيت فی غير منزلها. (تاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الثامن والعشرون، كوئٹه ٤/ ٦٨، زكريا ديوبند ٥/ ٢٤٤، رقم: ٧٧٦٥، هنديه، زكريا قديم ١/ ٥٣٤، جديد ١/ ٥٨٦، هدايه اشرفی ٢/ ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۳/ ۱۴۲۳ھ

دورانِ عدت ووٹ ڈالنے کے لیے جانا

سوال [۷۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پردھانی کے الیکشن ہیں، کیا عدت کی حالت میں عورت ووٹ ڈالنے اپنے محلّہ میں جاسکتی ہے؟ افسران گھر پر بلیٹ پیپر نہیں دے رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ عورت کا یہیں پر آنا ضروری ہے، پردھان اپنے ایک ووٹ پر ہار جیت کا مدار سمجھ کر کوشش میں ہے کہ انتہائی پردہ کے ساتھ عورت چلی جائے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: سعید احمد، نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پردھانی کے الیکشن میں ووٹ دینا اس عورت کے لیے ضروریاتِ دین میں سے نہیں ہے، ووٹ دینے کے لیے ووٹروں کے ساتھ لائن میں لگنا عدت کے درمیان درست نہیں ہے، اگر جائے گی تو عدت کا سلسلہ تو باقی رہے گا لیکن عورت گنہگار ہوگی۔

لا تخرج المعتدة عن طلاق أو موت إلا لضرورة. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، زکریا دیوبند ۵/ ۲۲۵، کراچی ۳/ ۵۳۶، البحر الرائق زکریا ۴/ ۲۵۹، کراچی ۴/ ۱۵۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۹/ ۳۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

کیا دورانِ عدت ووٹ ڈالنے جاسکتی ہے؟

سوال [۷۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بہن جن کے شوہر کا انتقال ماہ اکتوبر میں ہوا ہے اور ابھی وہ عدت میں ہے اور

رامپورشہر میں رہتی ہیں، یہاں مرادآباد میں ایک اسکول کی مینجمنٹ کمیٹی کا الیکشن ہونے والا ہے اوراس میں وہ ووٹر ہیں کیاوہ اپناووٹ ڈالنے مرادآباد آسکتی ہیں؟

المستفتی: منصوب حسن گھیر سیدخاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ووٹ دیناعورت کی دینی یا طبعی ضرورت نہیں ہےاس لیےاس کام کے لیےعدت کی حالت میں رامپور سے مرادآباد آنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

وجبت العدة إذا كان بعد الدخول فليس لها أن تخرج من منزلها كذا في البدائع. (هنديه، كتاب الطلاق، باب العدة زكريا قديم ١/٥٣٥، جديد ١/٥٨٧، بدائع الصنائع كراچی ٣/٢٠٨، زكريا ٣/٣٢٩)

على المعتدة أن تعتد في المنزل الذي يضاف إليها السكنى حال وقوع الفرقة أو الموت كذا في الكافي. (هنديه، زكريا قديم ١/٥٣٥، جديد ١/٥٨٧، هدايه اشرفی ٢/٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۵؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۶۸)

رقم کوضائع ہونے سے بچانے کیلئے معتدہ کا سفر کرنا

سوال [۷۳۱۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کے شوہر کا بمبئی میں انتقال ہوگیا، ہندہ عدت بجنور میں گذار رہی ہے، شوہر کا سارا روپیہ ممبئی بینک میں ہے، بینک والے بغیر ہندہ کے ممبئی جائے روپیہ نہیں دے رہے ہیں، کیاایسی حالت میں ہندہ بمبئی کا سفر کرسکتی ہے، عدت پوری کرنے کے بعد جانے پر پیسہ ملنے میں انتہائی دشواری ہے، رقم سوخت بھی ہوسکتی ہے؟

المستفتی: سعیداحمد نہٹور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگرواقعی ہندہ کے بمبئی جائے بغیر بینک میں شوہر کے نام کی رقم ضائع ہونے کا سخت خطرہ ہے، اور عدت چار مہینے دس دن پوری کرنے کے درمیان رقم سوخت ہونے کا خطرہ ہے، تو رقم کے بچانے اور اس کو حاصل کرنے کی غرض سے پردہ کی حفاظت کے ساتھ تیز رفتار گاڑی سے سفر کرکے رقم حاصل کرنے کی گنجائش ہے، اور رقم مل جانے کے بعد وہاں کوئی زائد وقت نہ گذارے، فوراً اپنے ٹھکانے پر آکر کے عدت میں بیٹھ جائے۔

ولا يخرجان منه إلا أن تخرج أو ينهدم المنزل أو تخاف انهدامه أو تلف مالها. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، زكريا ٥/٢٢٥، کراچی ٣/٥٣٦، بدائع الصنائع زکریا ٣/٣٢٥، کراچی ٣/٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷/۸/۱۴۲۷ھ)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۷ھ

دورانِ عدت شوہر کی جگہ اپنا نام لکھوانے کے لیے بینک جانا

سوال [۷۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی کے شوہر کا ۱۲؍دسمبر ۲۰۰۸ء کو انتقال ہوگیا ہے، شوہر کا بینک سے کاروبار کا پیسہ آجاتا تھا، ان کی پانچ لڑکیاں ایک لڑکا جس کی عمر ۱۲؍سال ہے اس لیے میری لڑکی اپنے شوہر کی جگہ بینک میں اپنا نام لکھونے کے لیے اپنے سگے بھائی کے ساتھ بینک جاسکتی ہے عدت میں یا نہیں؟

المستفتی: محمد ایوب بیگ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوجائے وہ عدت کے دوران اپنی ذاتی اور معاشی ضرورت کے لیے دن دن میں باہر جاکے ضرورت پوری

کر کے دن ہی میں گھر آ جائے، تو شریعت میں اس کی اجازت ہے، لہٰذا آپ کی لڑکی اپنا نام درج کرانے کے لیے دن ہی دن میں بینک جا کے دن ہی دن میں واپس آ جائے تو جائز ہے۔

وأما المتوفى عنها زوجها فلانه لا نفقة لها فتحتاج إلى الخروج نهارا لطلب المعاش و قد يمتد إلى أن يهجم الليل. (شامی، كتاب الطلاق، باب العدة زكريا ديوبند ٥/٢٢٤، كراچی ٣/٥٣٦)

ومعتدة الموت تخرج يوما و بعض الليل لتكتسب لأجل قيام المعيشة. (البحر الرائق كوئٹه ٤/١٥٣، زكريا ٤/٢٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۳۰/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱/۸ھ

دورانِ عدت پیسہ نکالنے کے لیے بینک جانا

سوال [۷۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر کا انتقال ہوئے قریب ایک مہینہ ہو چکا ہے اور میں عدت میں ہوں میرے ساتھ ایک مجبوری ہے وہ یہ ہے کہ میں اسکول میں سرکاری سروس کرتی ہوں اور وہ اسکول میں اپنے گھر میں ہی چلاتی ہوں کہیں جانا نہیں پڑتا لیکن اس اسکول میں بچوں کو کھانا باٹا جاتا ہے جس کا روپیہ اکاؤنٹ میں آتا ہے، وہ میرے علاوہ کوئی اور نہیں نکال سکتا ہے، میں نے کافی کوشش کر کے دیکھ لی مگر میرے جائے بغیر وہ روپیہ نہیں نکل سکتا، اگر میں روپیہ نہیں نکالتی ہوں تو میری سروس پر تین مہینہ کا بریک لگ جائے گا، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد رضوان کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عدت وفات میں بیوہ کے لیے معاشی ضرورت کی غرض سے دن دن میں ایک دو گھنٹہ کے واسطے باہر جانے کی اجازت ہے، لہٰذا دن دن میں جا کر بینک کے کاغذات میں دستخط کر کے آنا آپ کے لیے جائز ہے۔

ومعتدة موت تخرج في الجديدين و تبيت أكثر الليل في منزلها لأن نفقتها عليها فتحتاج للخروج. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدۃ زکریا ۵/۲۲٤، کراچی ۳/۵۳٦)

والمتوفى عنها زوجها تخرج نهارا وبعض الليل. (هنديه زکریا قدیم ۱/۵۳٤، جدید ۱/۵۸٦، هدایه اشرفی ۲/٤۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۰۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۳/۵ھ

دورانِ عدت پنشن جاری کرانے کے لیے کچہری جانا

سوال [۷۳۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور ہندہ کا شوہر سرکاری ملازم تھا، اور ہندہ قانون شرعیہ کے مطابق عدت گذار رہی ہے، اب ہندہ کے پاس دورانِ عدت کے اخراجات کے لیے سرمایہ نہیں ہے، تو کیا ہندہ اپنے اخراجات کے لیے اپنے شوہر کی پنشن کے لیے درخواست دینے اور کچہری میں جا کر بیان دینے کے لیے دورانِ عدت جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: ضیاء الحق مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں ہندہ دن دن میں جا کر درخواست اور بیان دے سکتی ہے۔

وأما المتوفى عنها زوجها فلانه لا نفقة لها فتحتاج إلى الخروج نهارا لطلب المعاش. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدۃ کراچی ۳/۵۳٦، زکریا دیوبند ۵/۲۲۵، بدائع الصنائع زکریا ۳/۳۲٤- ۳۲۵، کراچی ۳/۲۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۰۰)

دورانِ عدت کچہری جانا

سوال [۷۳۱۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں عدت کی حالت میں ہوں، میرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے لیکن کچھ بہت ضروری کام ہیں مثلاً میرے شوہر نے ایک زمین خریدی تھی جس کی رجسٹری ہونی ہے، مجھے کچہری جانا پڑسکتا ہے، عدت گذرنے کا انتظار کروں تو زمین کو خطرات ہیں تو ان حالات میں دن میں جاکر یہ ضروری کام کراسکتی ہوں یا نہیں؟

(۲) شوہر کا انتقال اپنے باپ کے مکان پر ہوا جبکہ ہم میاں بیوی ایکتا وہار میں رہتے تھے، تو عدت ایکتا وہار میں گذاریں یا سسر کے مکان پر جبکہ سسر کے یہاں کافی دشواری ہے، مکان بھی چھوٹا ہے؟

المستفتی: عظمیٰ پروین مقبرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ دن دن میں رجسٹری کرانے کے لیے کچہری اور دفاتر میں شرعی پردہ کا لحاظ رکھتے ہوئے بلاتردد جاسکتی ہیں اور دن میں جاکر دن ہی میں واپس آجائیں اس میں کوئی حرج نہیں اور عدت وہیں گذارنی افضل ہے، جہاں شوہر کے ساتھ رہائش ہوتی تھی، اور ایکتا وہار میں آپ کے شوہر کا رہائشی مکان ہے، لہٰذا وہیں عدت گذارنا بہتر ہے۔

وأما المتوفى عنها زوجها فلا تخرج ليلا و لا بأس بأن تخرج نهارا في حوائجها لأنها تحتاج إلى الخروج بالنهار لاكتساب ما تنفقه. (بدائع، كتاب الطلاق، فصل في أحكام العدة زكريا ٣/ ٣٢٤، كراچی ٣/ ٢٠٥، شامی زكريا ٥/ ٢٢٤، كراچی ٣/ ٥٣٦، هنديه زكريا قديم ١/ ٥٣٤، جديد ١/ ٥٨٦)

وتعتدان أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه هو ما يضاف

إليهما بالسكنى قبل الفرقة ولو غير بيت الزوج. (شامی زکریا ۵/۲۲۵، کراچی ۳/۵۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۹۰)

معتدۃ الوفات کا سرکری دفتر جا کر دستخط کرنا

سوال [۷۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر کا انتقال ہو گیا، بیوی کا اپنے نام سے پینشن جاری کرانے کے لیے سرکاری دفتر میں جا کر دستخط کرنا ضروری ہے، کیا اس کام کے کے لیے معتدۃ الوفات باہر جا سکتی ہے؟

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چونکہ پینشن اس عورت کے دستخط کے بغیر جاری نہیں ہو سکتی، نیز اس معتدۃ الوفات کا نفقہ خود اسی کے ذمہ ہے، اس لیے اس ضرورتِ شدیدہ کے پیش نظر معتدہ کا حالت عدت میں دن دن میں سرکاری دفتر تک جانا بلا کراہت جائز ہے، البتہ رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گذارنا ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۶/۴۰۳، قدیم ۶/۳۸۴، محمودیہ ڈابھیل ۱۳/۴۰۱، میرٹھ ۲۰/ ۴۹، فتاویٰ حقانیہ ۴/۵۴۰)

والمتوفىٰ عنها زوجها تخرج نهارا و بعض الليل؛ لأنه لا نفقة لها، فتحتاج إلى الخروج نهارا لطلب المعاش وقد يهجم عليها الليل. (منحة الخالق، زكريا على هامش بحر الرائق زكريا ٤/٢٥٨، كوئٹه ٤/١٥٤، كذا في التاتارخانية زكريا ٥/٢٤٤، رقم: ٧٧٦٥، شامي زكريا ٥/٢٢٥، كراچی ٣م٥٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۲۴ھ

بحالت عدت نوکری پر جانا

سوال [۷۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی جو ملازم ہے اور نیا تقرر ہونے کی وجہ سے نہ تو چھٹی لے سکتی ہے سوائے اس کے کہ اس کی نوکری ختم ہو جائے تو عدت کی پابندی کرنا ہوگی یا نہیں، یا دن چھپنے سے پہلے گھر واپس آجائے، عدت کے عرصہ میں تو اس کی اجازت شرع میں ہے یا نہیں؟

المستفتی: عظمت حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عدت کی حالت میں مذکورہ بیوی نوکری پر نہیں جاسکتی بلکہ اس کے لیے گھر میں رہ کر عدت گذارنا ضروری ہے چاہے اس کی ملازمت ختم ہو جائے۔

ولا یجوز للمطلقة الرجعية والمبتوتة الخروج من بيتها ليلا و لا نهارا. (هدايه، كتاب الطلاق، باب العدة، اشرفی ۲/ ۴۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۲۴ھ

دورانِ عدت بیوی کا ملازمت کرنا

سوال [۷۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلم خاتون جو مستور ہیں، گھر سے باہر نکلنے پر برقع کا استعمال کرتی ہیں اور اپنے گھر میں بھی غیر محرموں کا سامنا نہیں کرتی ہیں، لیکن بحالت مجبوری ایک غیر مسلم لیڈی ڈاکٹر کے یہاں ملازمت کرتی ہیں، وہاں برقع اتار کر کام کرنا پڑتا ہے، اور غیر محرموں کا سامنا ہوتا ہے، شوہر بھی ان کے ایک فرم میں ملازمت کرتے تھے، گذشتہ کل ان کے شوہر کا انتقال ہو

گیا، تین بچے ہیں، جو ابھی چھوٹے ہیں، اور انگلش اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں، ماہانہ فیس اسکول کی کثیر رقم پر مشتمل ہے، دونوں ہی مل کر اپنی گرہستی کی گاڑی چلا رہے تھے، اب شوہر کے انتقال کے بعد مسئلہ درپیش ہے، کہ گھر کے اخراجات کس طرح پورے ہوں گے، کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ عدت نہ کریں، اور نوکری پر جائیں، مجبوری میں ایسا کیا جا سکتا ہے، حکم شرعی کیا ہے؟

المستفتی: مصباح العابدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مسلمان خاتون پر لازم ہے کہ وہ گھر میں رہ کر اپنی عدت پوری کرلے، بچوں کے اسکول کی کثیر فیس کی ادائیگی کے انتظام کے لیے عدت میں گھر سے باہر جاکر نوکری کرنا درست نہیں، بلکہ جب اپنے پاس انتظام نہیں ہے تو بچوں کو معمولی فیس والے اسکول میں پڑھانا چاہیے، کیونکہ عدت گذارنا قرآن کا قطعی حکم ہے، اس کی خلاف ورزی جائز نہیں، اور بچوں کو کثیر فیس والے اسکول میں پڑھانا شریعت کا حکم نہیں ہے۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. [البقرة: ٢٣٤]﴾

لو لم تكن محتاجة إلى النفقة لا يحل لها الخروج. (البحر الرائق كوئٹه ٤/١٥٤، زكريا ٤/٢٥٩)

لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها الخروج. (در مختار ياسر نديم ١/٢٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۱/۵ھ

عدتِ وفات کے دوران اسکول جانا

سوال [۷۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شوہر کا انتقال ہوا، بیوی کو عدتِ وفات گذارنی ہے، لیکن یہ ٹیچر ہے، اس کو اسکول جانا ناگزیر ہے، کیونکہ چار ماہ دس دن تک اگر چھٹی کی جائے تو نوکری جانے کا خطرہ ہے، ایسی صورت میں اس عورت کے لیے حالت عدت میں پڑھانے کے لیے اسکول جانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم ٹانڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت میں عورت کے لیے گھر سے باہر جانا جائز نہیں ہے، تاہم اگر اس عورت کی عدت کا خرچ خود ہی کے ذمہ ہے اور اس کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہیں تو ایسی صورت میں سخت ضرورت کے پیش نظر اس معتدہ کے لیے یہ گنجائش ہے کہ پورے پردے کے ساتھ اسکول جائے اور دن دن میں واپس آجائے بشرطیکہ بالغ لڑکوں اور نامحرم مردوں کے سامنے نہ آتی ہو۔

المتوفی عنها زوجها تخرج بالنهار لحاجتها إلى نفقتها ولا تبيت إلا في بيت زوجها، فظاهره: أنها لو لم تكن محتاجه إلى النفقة لا يباح لها الخروج نهارا. (البحر الرائق زكريا ٤/٢٥٩، كوئٹه ٤/١٥٤، كذا في التاتارخانية زكريا ٥/٢٤٤، رقم: ٧٧٦٥، منحة الخالق زكريا ٤/٢٥٨، كوئٹه ٤/١٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۷)

معتدہ کا آدھے گھنٹے کے لیے اسکول کے پروگرام میں جانا

سوال [۷۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کالج ہٰذا کی ایک رکن مسماۃ اعظم النساء عمر ۵۵/ سال جو تقریباً دو ماہ قبل بیوہ ہو چکی ہیں، کیا وہ دن کے وقت الگ پردہ نشیں ہو کر کالج میں آکر صرف آدھے گھنٹہ کے لیے

انتخاب میں حصہ لے سکتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ موصوفہ کا انتخاب میں شرکت کرنا بہت ضروری ہے،ان کے بغیر انتخاب پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا،اوراس انتخاب کی اطلاع انسپکٹر آف اسکول کو معینہ وقت پر دینی ضروری ہے،اس ناگزیر حالات کو دیکھتے ہوئے آپ فتویٰ کی رو سے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ واضح فرمائیں۔

المستفتی: آفاق احمد،بنات القریش گرلس اسکول انٹر کالج،اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس عورت کےشوہر کا انتقال ہوگیا ہےاور وہ عدت میں ہےتو دینی اورمعاشی ضرورت کے لیےدن دن کےاندر سےگھر سے باہر جا کر دن ہی میں گھر واپس آسکتی ہے،لہٰذا آدھا گھنٹہ یا ایک دو گھنٹہ کے لیے دن دن میں اسکول کے مذکورہ پروگرام میں شرکت کر کےآنے کی گنجائش ہے۔

ومعتدة موت تخرج في الجديدين و تبيت أكثر الليل في منزلها، لأن نفقتها عليها فتحتاج للخروج (الدر) وقال الشامي تحته: و أما المتوفى عنها زوجها فلأنه لانفقة لها فتحتاج إلى الخروج نهارا لطلب المعاش وقد تمتد إلى أن يهجم ولا كذٰلك المطلقة. (در مختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب العدة كراچی ۳/۵۳٦، زكريا ديوبند ۳/۲۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۹۵۱۸)

عدتِ وفات میں بیوہ کا اسکول جانا

سوال [۷۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بڑے بھائی کی بیگم ایک سرکاری معلّمہ ہے،میرے بڑے بھائی کا ۱۷/ اپریل ۲۰۱۴ھ کو انتقال ہوگیا ہے،میری بھابھی عدت میں ہے،جس کی وجہ سے اسکول جانے سے

قاصر ہے، کیا ہمارے مذہب میں ایسی کوئی گنجائش ہے کہ میری بھابھی اسکول بھی جاتی رہے، اور ان کی عدت بھی مکمل ہوسکے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شاہ نواز خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کے اندر عدت کے زمانہ میں عورت کے لیے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، اور بنص قرآنی عدتِ وفات چار مہینہ دس دن عورت پر لازم اور واجب ہے، لہٰذا اگر عدت کے زمانہ میں خرچہ، اخراجات کا کوئی نظم ہوسکتا ہے تو اس کے لیے اس اسکول میں پڑھانے کے لیے جانا جائز نہیں ہے، لیکن اگر اس عورت کے لیے کوئی سہارا نہیں ہے اور اس کے روزگار کا اور کوئی انتظام نہیں ہے تو انتہائی مجبوری کی حالت میں حضرات فقہاء نے ذریعہ معاش کے لیے دن دن میں نکلنے کی اجازت دی ہے اور پھر ضرورت پوری ہوتے ہی اپنے گھر آکر بیٹھ جانا لازم ہوتا ہے، لہٰذا وہ عورت ایسی مجبوری کو خود دیکھ لے کہ وہ کہاں تک ضرورتمند ہے، اگر وہ انتہائی ضرورتمند ہے تو دن دن میں پردہ کے اہتمام کے ساتھ جاکر بچوں کو پڑھا کر واپس آنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کتاب الفتاویٰ ۵/ ۱۴۱، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۷۰۹)

عن عمر بن الخطاب و زید بن ثابت قالا فی المتوفیٰ عنها زوجها: ولها فاقة شدیدة فلم یرخصا لها أن تخرج من بیتها إلا فی بیاض نهارها و تصیب من طعامهم ثم ترجع إلی بیتها فتبیت فیه. (شرح معانی الآثار للطحاوی، کتاب الطلاق، باب المتوفیٰ عنها زوجها هل لها أن تسافر فی عدتها، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ٤٤٥، رقم: ٤٤٨٣)

عن یحی بن سعید أنه بلغه أن السائب بن خباب توفی و أن امرأته جاء ت عبد الله بن عمر فذکرت له وفات زوجها و ذکرت له حرثا بصفاة وسألته هل یصلح لها أن تبیت فیه؟ فنهاها عن ذلک، فکانت تخرج من المدینة سحراء فتصبح فی حرثهم فتظل فیه یومها ثم تدخل المدینة إذا أمست

فتبيت فى بيتها. (المؤطا للإمام مالك، كتاب الطلاق، مقام المتوفىٰ عنها زوجها فى بيتها، حتى تحمل اشرفى ديو بند ١/٢١٧، بيروت ٣٧٧، رقم: ٨٨)

وأما المتوفىٰ عنها زوجها فلا تخرج ليلا ولا بأس بأن تخرج نهارا لاكتساب ما تنفقه، لأنه لا نفقة لها من الزوج المتوفىٰ بل نفقتها عليها فتحتاج إلى الخروج لتحصيل النفقة ولاتخرج بالليل لعدم الحاجة إلى الخروج بالليل. (بدائع الصنائع، فصل فى أحكام العدة كراچكى ٣/٢٠٥، زكريا ٣/٣٢٤-٣٢٥، البحر الرائق ٤/٢٥٩، شامى، مطلب: الحق على أن المفتى أن ينظر فى خصوص الوقائع كراچى ٣/٥٣٦، زكريا ٥/٢٢٤، هدايه اشرفى ديو بند ٢/٤٢٨، تاتارخانية ٥/٢٤٤، رقم: ٧٧٦٥، هنديه زكريا قديم ١/٥٣٤، جديد ١/٥٨٦، مجمع الأنهر قديم ١/٤٧٣، جديد، دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٥٤-١٥٥، المبسوط للسرخسى، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٣٧، خانية جديد زكريا ١/٣٥٠، وعلى هامش الهندية زكريا ١/٥٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۵۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۷ باب النفقة والسكنى

کیا عدت کا خرچہ شوہر کے ذمہ واجب ہے؟

سوال [۷۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں بہت پریشان ہوں، میرے شوہر نے دو شادیاں کر رکھی ہیں، اب وہ دوسری بیوی کے ساتھ رہتے ہیں، پہلے میں بھی انہی کے ساتھ تھی لیکن اب میں الگ ہوں، میری ایک لڑکی ہے اس کی عمر ۱۳؍سال تھی، اس کی شادی اس کے باپ نے لالچ میں آکر ایک ہی دن میں رشتہ طے کر کے فقط نکاح کر دیا، لالچ یہ تھی کہ جہاں اس کا نکاح کیا تھا وہ دو بھائی تھے، آدھا مکان بڑے بھائی کے قبضہ میں تھا، اور آدھا دولہا کے، لڑکی کے باپ نے لالچ میں یہ سوچا کہ آدھا میں لوں گا اور آدھا داماد لے گا، اور اس کے بڑے بھائی کو گھر سے نکال دیں گے، اس لالچ میں آکر ۱۳؍سال کی لڑکی کا نکاح ۴۵؍سال کے آدمی سے ایک دن میں رشتہ طے کر دیا اور رخصتی نہیں کی، لڑکی اپنے باپ کے گھر تھی، نکاح کے دس دن کے بعد لڑکے کی والدہ کو جب پتہ چلا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ رشتہ پسند نہیں، اور ہم طلاق دیں گے، جب لڑکی کے والد کو یہ پتہ چلا تو انہوں نے کیس اور تھانے دار کے ذریعہ لڑکی کو زبردستی شوہر کے گھر بھیج دیا، اور جب تک لڑکی کو نہیں بلایا جب تک کہ مکان کا دخل نہیں لے لیا، اور لڑکی سے ہزار دو ہزار روپئے اور مکان کے کاغذات لے لیے، اس کے بعد لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ چار ماہ رہی، ان چار مہینہ میں میاں بیوی کے درمیان نہیں بنی، لڑکے نے بیوی سے بہت غلط غلط باتیں کیں، بہت گندے گندے الفاظ لڑکی کے بارے میں کہے تھے، یہاں تک کہ لڑکی کو گندے الفاظ سے پکارتا، جو کہ برداشت سے باہر تھے، لڑکی ماں کے پاس رک گئی، لڑکا طلاق دینا چاہتا تھا، اس کا کہنا یہ تھا

کہ میں مکان کے کاغذات اور روپیہ دیدوں تو میں طلاق دیدوں گا، اس کا باپ یہ نہیں کرتا تھا، اس جھگڑے میں تین سال گذر گئے، میرے شوہر دوسری بیوی کے پاس رہتے تھے، لہٰذا میں اس کا خرچہ برداشت نہیں کرسکتی اور میں اس لڑکی کو لے کر اپنے بھائی کے گھر پر آ گئی، بھائی کے گھر مجھے چھ مہینے ہوگئے، اب میں نے اسے طلاق کے لیے کہلوایا تو وہ برابر اپنے کاغذات اور رقم کا مطالبہ کرتا رہا، خیر میرے رشتہ داروں نے ہزار روپیہ پر فیصلہ کیا، ہزار روپیہ دے کر آج میری لڑکی کو طلاق ہوگئی، اور لڑکی نے اس کا مہر معاف کردیا، لڑکے نے عدت کے دوران کا کوئی خرچہ پانی نہیں دیا، اچھا جہاں میں رہتی ہوں اپنے بھائی کے گھر وہاں پردہ کا کوئی خاص بندوبست نہیں ہے، برابر کئی کرایہ دار رہتے ہیں، جس سے کہ عدت میں پردہ وغیرہ کرنا محال ہے، میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ایسی حالت میں کس طرح عدت کراؤں، اور کیسے کام ہو، آپ اس میں مجھے کوئی حل بتائیں کہ میری طرف کو سوچتے ہوئے کہ میں بہت زیادہ اس بارے میں پریشان ہوں، عدت میں پردہ کس طرح ہو؟

المستفتی: افروز جہاں، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت ختم ہونے تک شوہر کے گھر رہے گی، رہائش وخرچہ وغیرہ عدت ختم ہونے تک شوہر پر واجب ہے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوْا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ . [الطلاق:۱] ﴾

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لفاطمة: إنما السكنى والنفقة لمن كان لزوجها عليها رجعة. (سنن الدار قطني، الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٥ رقم: ٣٩٠٨)

وتجب لمطلقة الرجعي والبائن إلى قوله النفقة والسكنى والكسوة.

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: فی نفقة المطلقة زکریا دیوبند ۵/۳۳۳، کراچی ۳/۶۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۰۰)

شوہر پر زمانۂ عدت کا خرچ

سوال [۷۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکے نے اپنی بیوی کو ۳؍اکتوبر ۹۲ء کو طلاق دیدی ہے، اس لڑکے کے چار بچے بھی ہیں، چھوٹی لڑکی تقریباً چار ماہ کی ہے جو اپنی ماں کے ساتھ ہے، تین بچے دادی دادا کے پاس ہے، لڑکے کی مالی حالت دماغی حالت اور جسمانی حالت بہت کمزور ہے، سابقہ بیوی کی عدت کا خرچہ شوہر کو کتنا اور کس شکل میں کب تک ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: حافظ عظمت علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق سے قبل جس طرح خرچہ ادا کرتا تھا اسی طرح حسب استطاعت تین ماہواری گذرنے تک شوہر پر خرچہ ادا کرنا لازم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ. [الطلاق:۱] ﴾

عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمة: إنما السكنى والنفقة لمن كان لزوجها عليها رجعة. (سنن الدار قطنی، الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۱۵ رقم: ۳۹۰۸)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها. (ھدایہ، اشرفی

۴۴۳/۲، مختصر القدوری، کتاب النفقات، مکتبہ امدادیہ دیوبند ۱۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۴/۱۴۱۳ھ

عدت کا نفقہ شوہر پر کب لازم ہے؟

سوال [۷۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ہندہ کو طلاق دے کر مہر کی پوری رقم بھی ہندہ کو دیدی ہے، اب اس صورت میں زید پر عدت کا خرچہ لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی: عابد حسین بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق دینے پر بیوی کا پورا مہر ادا کرنا اور اس کے جہیز کا پورا سامان واپس کرنا شوہر پر لازم ہے، اور سوالنامہ سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ شوہر نے یہ فریضہ ادا کردیا ہے، اب رہا عدت کے زمانہ کا خرچہ یہ شوہر پر اس وقت لازم ہوتا ہے جب بیوی ایسی جگہ عدت گذارے جہاں شوہر چاہتا ہے یا شوہر کے گھر عدت گذار رہی ہے، یا میکہ میں عدت گذارنے پر شوہر نے رضامندی کا اظہار کیا ہو ورنہ شوہر پر عدت کا خرچہ لازم نہیں ہوتا۔

عن سليمان بن يسار في خروج فاطمة قال: إنما كان ذلك من سوء الخلق. (سنن أبي داؤد، الطلاق، باب من أنكر ذلك على فاطمة، النسخة الهندية ۳۱۳/۱، دار السلام رقم: ۲۲۹۴)

عن الشعبي قال: ليس للعاصية نفقة، يقول: إذا عصت زوجها فخرجت بغير إذنه. (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب العدة يغيب عن امرأته فلا ينفق عليها، المجلس العلمي ۹۵/۷، رقم: ۱۲۳۵۲)

ومنها أيضا المعتدة إذا خرجت من بيت العدة تسقط نفقتها مادامت على النشوز فإن عادت إلى بيت الزوج كان لها النفقة والسكنى. (البحر الرائق،

کتاب الطلاق، باب النفقة کوئٹه ٤/١٩٩ زکریا ٤/٣٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۰/۷۶۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۱ھ

عدت کے زمانہ کا خرچ کس پر لازم ہے؟

سوال [۷۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک عورت کو طلاق ہو گئی، مہر بھی ادا کر دیا گیا تو عورت کا خرچہ کس پر لازم ہے، اور ہر ماہ کتنا دینا پڑے گا؟

(۲) دورانِ عدت مطلقہ کو کن کن باتوں کا پابند رہنا چاہیے، مثلاً کن کن لوگوں سے پردہ ہوگا اور عدت کے دوران گھر سے نکلنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد خلیق رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورانِ عدت اگر شوہر کی مرضی سے میکے میں عدت گذارتی ہے یا شوہر کے مکان میں عدت گذارتی ہے تو عدت کا خرچہ شوہر کے ذمہ لازم ہوگا، اور ہر ماہ کے خرچہ کی مقدار شوہر کی حیثیت پر ہے، اس کی حیثیت سے زیادہ پر دباؤ ڈالنا جائز نہیں۔

﴿قال الله تعالیٰ: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا اٰتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتَاهَا. [الطلاق:۷] ﴾

معاوية القشيری قال: أتيت رسول الله ﷺ قال: فقلت: ماتقول فی نسائنا؟ قال أطعموهن مما تاكلون و اكسوهن مما تكسون. (سنن أبی داؤد، باب فی حق المرأة علی زوجها النسخة الهندية ١/٢٩٢ دار السلام رقم: ٢١٤٤)

فتستحق النفقة بقدر حالها وبه يفتی. (در مختار، كتاب الطلاق، باب النفقة كراچی ٣/٥٧٤، زكريا ديو بند ٥/٢٨٤)

دورانِ عدت گھر کی حویلی سے باہر نکلنا جائز نہیں ہاں البتہ علاج کے لیے دن دن میں ڈاکٹر کو دکھانے جاسکتی ہے اور عدت کے دوران ان ہی لوگوں سے پردہ لازم ہوتا ہے جن سے عام حالات میں شرعی پردہ لازم تھا۔

قال الله تعالیٰ: لاَ تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ. [الطلاق: ۱]

ولا تخرج معتدة رجعي و بائن. (درمختار زکریا زکریا دیوبند ۵/۲۲۳، کراچی ۳/۵۳۵-۵۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۵۰)

مہر فاطمی اور عدت کے کل خرچ کی مقدار

سوال [۷۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے ہندہ سے نکاح کیا، مہر فاطمی مہر مقرر ہوا، ازراہِ کرم آج کی تاریخ میں اس کی کل رقم روپیوں میں بتانے کی زحمت فرمائیں؟

(۲) نکاح کے کچھ ماہ بعد زید نے ہندہ کو طلاق مغلظہ دیدی اس کی عدت کی مدت کا کل خرچ روپیوں میں بتانے کی زحمت گوارہ فرمائیں؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد ہاشم قریشی، ایم پی، اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہر فاطمی موجودہ گراموں کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۳۰رگرام ۹۰۰رملی گرام چاندی ہے، لہٰذا اس حساب سے قیمت لگا کر مہر ادا کریں، اور عدت کی مدت کا خرچ اپنے طور پر متعین کریں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵رشعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۸۸)

مطلقہ مغلظہ کے دین مہر اور عدت کے خرچہ کا حکم

سوال [۷۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی رئیسن کو تین طلاق دیدی ہیں تو دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق ہو گئی یا نہیں؟ اور دین مہر اور عدت کا خرچہ ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: غلام رسول لال مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ کے مطابق جب آپ نے اپنی بیوی ک تین طلاقیں دیدی ہیں تو بیوی پر طلاقیں واقع ہوکر بیوی آپ کے لیے حرام ہوچکی ہے، بغیر حلالہ شرعیہ کے ازدواجی تعلق حرام ہے، اور بیوی کا مہر اگر ادا نہیں کیا ہے تو مہر ادا کرنا اور طلاق کی عدت کا خرچہ واجب ہے۔

عن جابر عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: المطلقة ثلاثا لها السكنى والنفقة.

(سنن الدار قطنی، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۵/۴، رقم: ۳۹۰۴)

إن كان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتين فی الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هنديه، الباب السادس، فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به، قديم ۴۷۳/۱، جديد ۵۳۵/۱، قدوری شریف ۱۷۸، هدایه اشرفی دیوبند ۳۹۹/۲)

المهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لايسقط منه شيئ بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. (هنديه، الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی فيما يتأكد به المهر قديم ۳۰۳/۱، جديد ۳۷۰/۱)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى، كان الطلاق رجعيا أو بائنا، أو ثلاثا، حاملا كانت المرأة أو لم تكن. (هنديه، الباب السابع عشر فی النفقات

الفصل الثالث فی نفقة المعتدة قدیم ۱/ ۵۵۷ جدید ۱/ ۶۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۵/ ۱۴۳۱ھ

دو بار طلاق دی اور عدت کے نفقہ کا واجب ہونا

سوال [۷۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی کو دو عورتوں کی موجودگی میں طلاق دی اس کے الفاظ میں اس طرح کہا کہ بیوی انیسہ بیگم تم طلاق لے رہی ہو، لڑکی نے منع کیا پھر بھی اس نے کہا کہ انیسہ بیگم میں نے تم کو طلاق دی، طلاق دی، تیسری مرتبہ کہنے کو تھا کہ ایک عورت نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، پورے الفاظ زبان سے ادا نہ ہو پائے، اگر ایسی بات پر طلاق واقع ہوگئی ہے تو اس صورت میں شوہر بیوی کے مہر، نان ونفقہ اور سکنیٰ کا کس حد تک ذمہ دار ہے، شوہر اور بیوی ابھی تک ایک ہی مکان میں الگ الگ سو رہے ہیں، لڑکی کے والدین اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے، شوہر لڑکی کو نکال دینا چاہتا ہے، اور اس کا رادہ پاکستان جانے کا ہے، مکان کے روپیہ لے کر وہ بھاگ جانا چاہتا ہے؟

المستفتی: محمود علی خاں، طویلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں اگر زید خود بھی مذکورہ واقعہ کا من وعن مقر ہے اور تیسری مرتبہ میں منہ پر ہاتھ رکھنے کی وجہ سے لفظ طلاق زبان سے ادا نہ ہوسکا ہے تو زید کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، عدت کے اندر اندر رجعت کی بھی گنجائش ہے۔

أخذ أحد فمه قبل الذکر العدد وقع واحدة. (الدر مع الرد، مطلب: الطلاق یقع بعدد قرن به لا به، کراچی ۳/ ۲۸۷، کوئٹہ ۲/ ۴۹۵ زکریا دیوبند ٤/ ٥١٤)

وہ عدت پوری ہونے تک بیوی کا نفقہ اور سکنی شوہر کے ذمہ واجب رہے گا۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمة: انما السکنیٰ والنفقة لمن كان لزوجها عليها رجعية. (سنن الدارقطنی، الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٥ رقم: ٣٩٠٨)

إذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيا كان أو بائنا. (هدايه اشرفی باب نفقات المطلقة ٢/٤٤٣)

لیکن شوہر کی رضامندی کے بغیر میکے وغیرہ چلی گئی تو واجب نہیں رہے گا۔

عن الشعبی: أنه سئل عن امرأة خرجت من بيتها عاصية لزوجها ألها النفقة قال: لا، وإن مكثت عشرين سنة. (المصنف لابن أبی شيبة، كتاب الطلاق، مؤسسة علوم القرآن جديد ١٠/١٥٢ رقم: ١٩٣٦٩)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (قدوری، کتاب النفقات ص: ١٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦/شعبان المعظم ١٤٠٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٣/١٩٠)

عدت اور ایک سال کی بچی کا خرچہ کس پر لازم ہے؟

سوال [٧٣٣١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلاق دینے کے بعد لڑکے پر نان ونفقہ کے طور پر کتنے دن کا اور کس دن کے حساب سے کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، ایک بچی جو کہ لگ بھگ ڈیڑھ سال کی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: امیر احمد، محلّہ تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر کے مکان میں رہ کر عدت گذارتی ہے تو شوہر پر شرعاً عدت کا نان ونفقہ ادا کرنا واجب ہے، اور نفقہ کا مطلب نقدی رقم نہیں ہے، بلکہ

ساتھ کھلانا بھی ادائیگی نفقہ میں داخل ہے، اور اگر شوہر کے مکان میں عدت نہ گذارے تو عدت کا نان ونفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/۴۶۴)

اور ڈیڑھ سال کی بچی کا خرچہ باپ پر لازم ہے، اگر ماں پرورش کرنا چاہے تو ماں کو پرورش کا حق ہے، ورنہ باپ کو اس کا انتظام از خود کرنا لازم ہوگا۔

وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله يعم الأنثى والجمع. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب النفقة كراچی ۳/۶۱۲ زكريا ديوبند ۵/۳۳۶، كوئٹه ۳/۷۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۶۹)

طلاق کے بعد مہر ونان ونفقہ کا حکم

سوال [۷۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد ذاکر اپنی بیوی کو بات بات پر خوب مارتا تھا، اور زیادہ تر نشہ میں رہتا تھا، شادی کے دو سال ہوگئے ہیں، اس دو سالہ زندگی میں لڑکی کو بے حد پریشان کرتا تھا، اس کے بیچ تین چار مرتبہ دونوں جانب کے آدمیوں نے فیصلے بھی کیے تھے، جن میں ان کے ماں باپ بھی موجود تھے، مگر انہوں نے کسی کی بھی نہیں مانی، اور پھر طلاق کی دھمکیاں برابر دیتا رہا، فیصلے کے بعد بھی پریشان کرتا تھا، ایک دن سسرال آیا اور کہنے لگا میرے ساتھ چلو، اس وقت لڑکی اپنے ماں باپ کے گھر تھی، دیگر رشتہ دار بھی تھے، ان لوگوں کے پوچھنے پر کہ تم ایسے کیوں کرتے ہو، محمد ذاکر نے کہا کہ شراب پینا اور مارنا پیٹنا اور طلاق کی دھمکیاں دینا عادت میں شمار ہے، ایسے میں تم میرے گھر رہنا چاہتی ہو تو رہو، ورنہ مجھ سے آزادی لے لو تو اس پر لڑکی نے کہا کہ ایسے ظلم وستم میں میں رہنا نہیں چاہتی، تو فوراً محمد ذاکر نے کاغذ پر بطور ثبوت کے طلاق کے دستخط کردیئے، اور پھر تین بار لڑکی کو لوگوں کے سامنے طلاق دیدی، رہا مسئلہ مہر کا تو

کیا لڑکے پر مہر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کتنا اور کیسے مہر ادا کرنا واجب ہے اور کوئی اولاد بھی نہیں ہے، اور نان نفقہ کتنا اور کیسے ادا کرنا ہے؟

المستفتی: محمد نفیس خان محلّہ مغلپورہ دوئم، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر محمد ذاکر نے جب لوگوں کے سامنے بیوی کو طلاق دیدی تو بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئی اور وہ مطلقہ ہوکر شوہر کی زوجیت سے خارج ہوگئی، اب وہ تین ماہواری گذار کر اپنا نکاح دوسری جگہ کرسکتی ہے، اور شوہر پر پورا مہر دینا واجب ہے، نیز ایام عدت کا خرچہ بھی شوہر کی وسعت کے مطابق شوہر پر لازم ہے اور اس کی مقدار آپس میں طے کرلیں۔

﴿**قال اللّٰہ تعالیٰ: لِيُنفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهٖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنفِقْ مِمَّا اٰتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتَاهَا.** [الطلاق:۷]﴾

عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: المطلقة ثلاثة لها السكنى والنفقة.

(سنن الدار قطنی، الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۵/٤ رقم: ۳۹۰٤)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا فيدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هنديه، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به، قديم ٤۷۳/۱، جديد ۵۳۵/۱، هدايه، اشرفی ديوبند ۳۹۹/۲، قدوری ۱۷۸)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنىٰ في عدتها رجعيا كان أو بائنا. (هدايه، اشرفی ٤٤۳/۲، قدوری ص: ۱۹۰)

وإذا خلا الرجل بامرأته وليس هناك مانع من الوطئ فلها كمال المهر. (هدايه، اشرفی ۳۲۵/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۵۶/۳۷)

دورانِ عدت نان ونفقہ کا حکم

سـوال [۷۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی، اوراس کا مہر بھی ادا کردیا، اب جب اس پر عدت واجب ہے تو آیا وہ عدت کس طرح گذارے گی جبکہ شوہر کی طرف سے مکمل اجازت ہے کہ وہ جہاں چاہے عدت گذار سکتی ہے، کیا اس صورت میں بھی عدت کا نفقہ شوہر پر لازم ہوگا؟ جواب سے مطمئن فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمر دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر کی مرضی کے مطابق عدت گذار رہی ہے تو ایسی صورت میں عدت کے زمانہ میں خرچہ شوہر پر لازم ہے، اور عدت کا زمانہ تین مرتبہ ماہواری سے فراغت حاصل ہونے تک رہتا ہے، اس کے بعد پھر شوہر سے شرعاً کوئی مطالبہ جائز نہیں، اور عدت کا خرچہ آپس میں طے کرلیں۔

عن جابر عن النبی ﷺ قال: المطلقة ثلاثا لها السكنى والنفقة.

(سنن الدار قطنی، کتاب الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٥ رقم: ٣٩٠٤)

إذا طلق الرجل امراته فلها النفقة والسكنى فی عدتها رجعيا كان أو بائنا. (هدايه، اشرفی ديوبند ٢/٤٤٣ قدوری ص: ١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۰۴۸)

شوہر پر عدت کا خرچہ اور مہر لازم ہوتا ہے

سـوال [۷۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: زید کی شادی بکر کی لڑکی سے دو سال قبل ہوئی تھی، نکاح کے ایک سال بعد آنا جانا شروع ہوا، لڑکی بہت نالائق نکلی، زید کے گھر والوں کو پہلے سے پتہ نہیں چلا، آنے جانے سے اس کی گندگی معلوم ہوئی اس کا ایک نوجوان سے تعلق تھا، اس کے تعلق سے یہ بدنام ہوچکی تھی، جس کا ثبوت موجود ہے، زید کو جب پتہ چلا تحقیق کرنے سے اور مزید ثبوت سے تو زید نے کئی آدمیوں کے سامنے طلاق مغلظہ دے کر یعنی تین طلاق دے کر بکر کے گھر بھیج دیا، بکر کو طلاق نامہ ملا تو یہ ایک مولوی صاحب کو لے کر بکر اور بکر کے دونو جوان لڑکے آئے، مولوی صاحب ہمارے رشتہ دار ہیں اور بکر کے بھی رشتہ دار ہیں، مولوی صاحب نے فیصلہ کیا کہ جو لڑکی کا مہر ہے دیدو، ایک جوڑا کپڑے کا روپیہ دیدو، عدت گذرنے کا خرچہ دیدو، مہر پانچ ہزار پچیس روپیہ تھا، عدت گذارنے کا خرچہ دیدو، دو ہزار دو سو پچاس روپیہ ہوئے ایک جوڑا کپڑا دو سو روپیہ، تینوں کو جوڑ کر سات ہزار چار سو ستر روپے دیئے گئے، معلوم یہ کرنا ہے کہ لڑکی نے اپنی عزت کی حفاظت نہیں کی، عظیم گناہوں کے کاموں میں مشغول ہوئی جس کا ثبوت ہے، اس میں زید کی کیا غلطی ہے، جو اتنا روپیہ لڑکی کو دلایا گیا، غلطی تو ساری لڑکی کی ہے، اور سزا لڑکے کو ملی، لڑکی نے انعام پایا، اگر شریعت کا یہی فیصلہ ہے جو مولوی صاحب نے کیا، تو ٹھیک ہے فیصلہ صحیح ہوا یا غلط، شریعت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: رحمت اللہ مدرسہ مظہر العلوم بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکی نے جو گناہ کیا ہے اس گناہ کی سزا اسے اللہ کے یہاں ملے گی، اگر اسلامی حکومت ہوتی اور اس کے گناہ کا شرعی ثبوت ہوجاتا تو دنیا میں بھی اس کو اس کے گناہوں کی سزا ملتی، اور لڑکے نے جو طلاق دی ہے وہ اپنی مرضی سے دی ہے، لڑکی کے مطالبہ پر شرط لگا کر نہیں دی ہے اس لیے لڑکے پر مہر اور عدت کا خرچہ سب لازم ہوگا، مگر ایک جوڑے کپڑے کی رقم لڑکے پر لازم نہ ہوگی، اور یہ چیزیں شوہر کے ذمہ ایک شرعی حق کے طور پر ہیں، بطور سزا کے نہیں ہیں، اسی وجہ سے شریعت میں یہ حق ہر مطلقہ عورت

کے لیے برابر ہے،اس میں نیک صالح اور فاسقہ اور گنہگار کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً . [النساء: ٤]﴾

عن جابرؓ عن النبی ﷺ: المطلقة ثلاثا لها السكنی و النفقة. (سنن الدار قطنی، کتاب الطلاق، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ٢١ رقم: ٣٩٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۶ھ

طلاق کے بعد جہیز، مہر اور عدت کے خرچہ کا حکم

سوال [۷۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے لڑکے انیس احمد کی شادی عرصہ قریب تین سال کے ہوا، ہمراہ فرزانہ شاہین بنت انور حسین محلّہ گنوری قصبہ سبدل کے ساتھ ہوئی تھی، دونوں سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا ہے، کچھ آپس کی نا چاقی کی وجہ سے فرزانہ شاہی اپنے میکہ سدلی چلی گئی، انیس احمد اس کو بلانے کئی بار اپنی سسرال گئے، مگر فرزانہ شاہین کے والد نے اس کو نہیں بھیجا، کافی سمجھانے کے بعد بھی جب فرزانہ واپس نہیں آئی تو مجبوراً انیس احمد نے اس کو طلاق کا ایک رجسٹرڈ نوٹس اس امر کا بھیج دیا، کہ میں نے تم کو طلاق دیدی ہے اب تم میری طرف سے آزاد ہو، میرا تمہارا اب کوئی واسطہ نہیں رہا، اس نوٹس کو فرزانہ کے والد انوار حسین نے واسطے فرزانہ کے وصول کیا ہے، اس درمیان میں جب انیس احمد سے اپنی بیوی کو بلا کر لانے کو کہا گیا تب اس نے یہ انکشاف کیا کہ میں اپنی بیوی کو دو اشخاص کے سامنے تین بار طلاق دے چکا ہوں، ان دونوں اشخاص سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ طلاق کی بات ٹھیک ہے، رئیس احمد نے ہم دونوں کے سامنے اپنی بیوی فرزانہ شاہین کو طلاق دی ہے، اس حالت میں آپ فرمائیں کہ یہ طلاق ہوگی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو انیس احمد کے ذمہ فرزانہ شاہین کے کیا کیا حق دینا واجب ہیں؟

المستفتی: رئیس احمد سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب انیس احمد نے ازخود تین بار طلاق دینے کا اقرار کرلیا ہے تو اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، اب بغیر حلالہ دوبارہ نکاح بھی جائز نہ ہوگا۔

عن ابن عمر قال: سئل النبی ﷺ عن الرجل يطلق امرأته ثلاثا، فيتزوجها الرجل، فيغلق الباب ويرخي الستر، ثم يطلقها قبل أن يدخل بها؟ قال: لا تحل للأول حتى يجامعها الآخر. (سنن النسائی، باب إحلال المطلقة ثلاثا والنكاح الذی يحلهابه، النسخة الهندية ۲/۸٤، دار السلام رقم: ۳٤٤٤)

وإن كان الطلاق ثلاثا فی الحرة و ثنتين فی الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هنديه، زكريا قديم ۱/٤۷۳، جديد ۱/۵۳۵، هدايه، اشرفی ديوبند ۲/۳۹۹)

اور اب انیس احمد کے ذمہ بیوی کا مہر اور جہیز کا سامان بیوی کے حوالہ کردینا لازم ہے، اور عدت کا خرچہ اس لیے لازم نہیں ہے کہ اس کی بیوی اس کی مرضی کے بغیر میکے میں رہنے لگی ہے۔

عن الشعبی قال: إذا حبس المرأة من قبلها فلا نفقة لها. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب الرجل يغيب عن امرأته فلا ينفق عليها، المجلس العلمی ۷/۹۵، رقم: ۱۲۳۵۳)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله لأن فوت الاحتباس منها، وإذا عادت جاء الاحتباس فتجب النفقة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ديوبند ۲/٤۳۸، قدوری كتاب النفقات ص: ۱۹۰) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۳/۱۴۱۷ھ

بیوی کو عدت کا خرچہ کس تناسب سے دے

سوال [۷۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری کمائی کا اوسط ماہانہ چار ہزار روپیہ ہے جس سے میں اپنا، اپنی بیوی کا اور اپنے ماں باپ کا خرچہ چلاتا ہوں، میری بیوی کے درمیان طلاق کی نوبت آرہی ہے، تو مجھے بیوی کو عدت کا خرچہ کتنا دینا چاہئے؟ شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال کے مطابق آمدنی اور خرچہ کا تناسب فی آدمی ایک ہزار روپیہ بیٹھتا ہے، تو اس حساب سے عدت کا خرچہ بیوی کو تین ماہواری عدت گذرنے کے دوران ماہانہ ایک ہزار روپیہ لینے کا حق ہے، اور زیادہ مطالبہ کر کے شوہر کے اوپر دباؤ ڈالنا شرعاً درست نہیں ہے۔

﴿**قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ.** [البقرة: ۲۳۶]﴾

ویعتبر فی ہذہ النفقة ما یکفیها وهو الوسط من الکفایة وهی غیر مقدرة لأن ہذہ النفقة نظیر نفقة النکاح فیعتبر فیها ما یعتبر فی نفقة النکاح. (عالمگیری، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة، قدیم ۱/ ۵۵۸، جدید ۱/ ۶۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۸/۱۴۳۰ھ

مطلقہ بیوی کی عدت کی رقم کتنی ہوگی؟

سوال [۷۳۳۷]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک لڑکی کوطلاق ہوگئی اوراس کی عدت کے پیسے کتنے ہوں گے، لڑکی کی عمر ۲۲/ سال ہے اوراس کا شوہر ۴/ ہزارروپئے ماہواری کماتا ہے اورکوئی اس کے اندر شریک نہیں ہے۔

المستفتی: شہزاد عالم، جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے مرضی سے طلاق دی ہے تو بیوی کی عدت کا خرچہ شوہر پر لازم ہے، اور یہ خرچ شوہر کی آمدنی کی حیثیت سے متعین کیا جائے گا، اور طلاق کے بعد تین مرتبہ ماہواری ہونے تک عدت پوری ہوجاتی ہے، اس کے بعد شوہر پر کوئی مطالبہ باقی نہیں رہتا۔

قال الله تعالیٰ: ﴿وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ.﴾ [البقرة: ۲۳۶]

معاویة القشیری قال: أتیت رسول الله ﷺ قال: فقلت: ماتقول فی نسائنا؟ قال: أطعموهن مما تأکلون، واکسوهن مما تکسون. (سنن أبی داؤد، باب فی حق المرأة علی زوجها، النسخة الهندیة ۱/ ۲۹۲ دار السلام رقم: ۲۱۴۴)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنی فی عدتها رجعیا کان أو بائنا. (هدایه، کتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ۲/ ۴۴۳، قدوری ص: ۱۹۰)

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسکنی، کان الطلاق رجعیا أو بائنا أو ثلاثا. (هندیه، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة قدیم ۱/ ۵۵۷، جدید ۱/ ۶۰۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۸۷)

کیا طلاق کے بعد بیوی کو عمدہ کپڑا دینا واجب ہے؟

سوال [۷۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: طلاق شدہ عورت کو طلاق کے بعد اس کے شوہر کے اوپر یہ واجب ہے کہ اس کے ایک جوڑے کپڑے قیمتی بنائے یا نہیں؟

المستفتی: ضمیر احمد تمبا کو والا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب میاں بیوی میں ہمبستری ہو چکی ہے تو جوڑا دینا شوہر پر واجب نہیں ہے بلکہ صرف پورا مہر ادا کرنا واجب ہے۔

﴿**قال الله تعالیٰ: وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً.** [النساء: ٤]﴾

وتجب متعة لمفوضة –إلى– وتستحب المتعة لمن سواها أي المفوضة إلا من سمى لها مهر وطلقت قبل وطئ فلا تستحب لها بل للموطوءة سمى لها مهر أو لا فالمطلقات أربع. (الدر مع الرد، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب: في أحكام المتعة كوئٹه ٢/٣٦٤، كراچی ٣/١١٠-١١١، زكريا ٤/٢٤٣ تا ٢٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۰۹/۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۰۶)

کیا رہائش میں عورت کی مرضی کا اعتبار کرنا لازم ہے؟

سوال [۷۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکے والوں کے بہن بہنوئی کے اس کہنے پر کہ ہمارا بھائی بھی دیہاتی زندگی کو پسند نہیں کرتا، لڑکی والوں نے اس امید پر کہ لڑکا شہری رہائش اختیار کرلے گا، رشتہ منظور کرلیا بعد شادی لڑکی نے یہ ضد کی کہ آپ شہری رہائش اختیار کرلیں، لڑکے نے اس بات کو نہ مانتے ہوئے یہ ضد کی کہ تمہیں یہیں رہنا ہوگا، لڑکی کے گھر والوں نے بار بار یہ اصرار کیا کہ آپ شہری زندگی اختیار کرلیں، ہمیں آپ کی ہر شرط منظور ہے، لڑکی کے بھائیوں نے بہن کی

خیر خواہی کے طور پر اپنے ذاتی خرچ سے ایک مکان بھی تعمیر کرادیا، اور کاروبار میں بھی اپنے ساتھ لگانے کو کہا، لڑکے نے ان سب باتوں کو نہ مانتے ہوئے یہ ضد کی کہ تمہیں یہیں رہنا ہوگا، ان دونوں کی ضد میں نو دس سال کا عرصہ بیت گیا، اور دونوں اپنی اپنی ضد پر قائم ہیں، لڑکی شہر اور بھرے گھر میں رہنے کی عادی ہے، اور نہایت کمزور دل ہے ایک دو مرتبہ دس بیس دن کے لیے شوہر کے پاس دیہات میں پہنچی، ایک مرتبہ بستر پر گرگٹ دیکھ کر چیخ نکل گئی، لڑکے کا بہت بڑا گھر ہے، مختلف قسم کے درخت گھر میں لگے ہیں، بیری، پپیتہ، لیموں، انار وغیرہ کے اور مکان، تالاب کے بالکل کنارے ہے، ان تمام درختوں کی طرف طرح طرح کے موذی جانور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں، اور گھر بھی گاؤں کے کنارے ہے، جس کی وجہ سے بھی خطرات ہیں، ۹/۱۰ سال کے عرصہ میں شوہر نے کوئی خرچ بھی نہیں دیا، مذکورہ شوہر سے ایک بچی بھی ہے جس کی عمر ۸/ سال ہے اس کا بھی سارا خرچ اس کی ماں ہی برداشت کرتی ہے، ان تمام حالات کی بناء پر لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، اور آزادی چاہتی ہے اور اپنے سامان کا مطالبہ کرتی ہے شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: نعیم احمد مغلپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دیہات میں لڑکی کے لیے عمدہ رہائش کا انتظام کرتا ہے اور رہائش میں ہر قسم کا لحاظ رکھتا ہے اور دیہات سے شہر منتقل ہونے میں شوہر کی جائیداد اور دولت میں نقصان کا خطرہ ہے، اور ان مجبوریوں کی وجہ سے شوہر دیہات نہیں چھوڑ رہا ہے تو ایسی صورت میں بیوی کو شوہر کی رعایت میں دیہات کی زندگی قبول کر لینا چاہیے، اور بستر پر گرگٹ کی بات ایسی ہے جس سے شہر کے مکانات بھی محفوظ نہیں ہیں، ہاں البتہ شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کے لیے ایسی رہائش کا انتظام کرے جو ہر قسم کے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض سے محفوظ ہو۔

عن سعيد بن عبيد بن السباق أن رجلا تزوج امرأة على عهد عمر بن الخطاب و شرط لها أن لا يخرجها فوضع عمر بن الخطاب عنه الشرط وقال: المرأة مع زوجها. (كنز العمال، دار الكتب العلمية ١٦/٢١١، رقم: ٤٥٦٣٩،

وهكذا في بذل المجهود، كتاب النكاح، باب في حق الزوج على المرأة، دار البشائر الإسلاميه ۷۳/۸، تحت رقم الحديث ۲۱۳۹، قديم ۲۰۱/۳)

ولا يخرجها من مكان كذا فلا يفسخ قبل ولا بعد ولا يلزم الوفاء به وإنما يستحب. (أوجز المسالك قديم ٢٦٤/٤)

البتہ دور دراز کے سفر میں لے جانے میں لڑکی کی مرضی لازم ہے، رہائش میں نہیں۔

سئل أبو القاسم الصفار عمن يخرجها من المدينة إلى القرية ومن القرية إلى المدينة فقال ذٰلک تبوء ہ ليس بسفر. (عناية مع فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر، دار الفكر ۳۷۳/۳، زكريا ديوبند ۳۵۵/۳، كوئٹه ۲۵۰/۳، البناية اشرفى ديوبند ۱۹۱/۵، حاشية چلپى، امداديه ملتان ۱۵٦/۲، زكريا ٥٧٦/٢)

لہٰذا شہری زندگی اختیار کرنا شوہر کی مرضی ہے اس پر واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲ھ

جہیز نہ دینے پر بیوی کو گھر سے نکالنے کے بعد نان ونفقہ سے محروم کرنا

سوال [۷۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گیارہ سال قبل میری شادی طاہر حسین ولد رمضانی اللہ پور بھیکن پور کے ساتھ ہوئی تھی، سات برس تک میں شوہر کے ساتھ رہی، اور اس دوران تین بچوں کی پیدائش ہوئی، پہلا بچہ پیدا ہوتے ہی داغ مفارقت دے گیا، جبکہ دونوں بچیاں بفضل خداوندی حیات ہیں، میرے والد نے ان دونوں کی خوشی میں کافی سامان دیا، طاہر حسین نے مزید اسکوٹر کی مانگ کی جس کی فراہمی میرے والد کی دسترس سے باہر تھی، نتیجتاً وہ یہ مانگ پوری نہ کرسکے، اور مجھے شوہر کی نفرتوں کا نشانہ بننا پڑا، بالآخر انہوں نے یہ ظلم کیا کہ دونوں بچیوں سمیت مجھے گھر سے نکال دیا میں رنج وغم میں میکہ چلی آئی، اب چار سال سے میرا سنبھل ہی میں قیام ہے، ہم پانچ بہنیں ہیں اور ایک چھوٹا بھائی ہے، جو کم عمری کے باعث کوئی سہارا نہیں دے سکتا، والد مزدوری کرتے

ہیں، میں نے بھی بچوں کی تعلیم و پرورش کے لیے محنت ومزدوری کی ہے، جس کی وجہ سے میری صحت خراب ہوگئی، اور دل کا مرض لاحق ہوگیا، طاہر حسین نے مجھ سے پہلے بھی ایک شادی کی تھی، اور مجھے گھر سے نکالنے کے بعد بھی ایک اور شادی کی ہے، پہلی بیوی کا کڑھ کڑھ کر میکہ میں انتقال ہوگیا، جبکہ تیسری ان کے پاس رہتی ہے، طاہر حسین معاشی طور پر بہت مظبوط ہے، میں پوچھنا چاہتی ہوں کہ ازروئے شرع میرا اور میرے بچوں کا ان پر کیا حق ہے؟ کیا ہماری کفالت کی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوتی؟ جبکہ میں ان کی منکوحہ ہوں اور انہوں نے مجھے طلاق بھی نہیں دی ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: فرحانہ بیگم بنت محمد علی، دیپاسرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال میں لکھا ہوا واقعہ صحیح ہے اور طاہر حسین نے اپنی بیوی کو دونوں بچیوں کے ساتھ گھر سے باہر نکالدیا تو وہ ظالم ہے، بیوی پر اس نے ظلم کر رکھا ہے، اور شرعی طور پر اس کے اوپر بیوی اور بچیوں کا خرچہ واجب ہے، اور شریعت میں دوسری شادی کرنا جائز ہے، لیکن پہلی کا حق ادا کرنا بھی برابری کے ساتھ لازم ہے، لہٰذا آپ اپنے شوہر سے اپنے اور بچوں کے خرچہ کا مطالبہ کرسکتی ہیں، نیز رہائشی گھر کا بھی مطالبہ کرسکتی ہیں، یا تو وہ گھر وخرچہ اور اخراجات سب کا انتظام کرے یا اپنے ساتھ رکھے، اور جیسی اس کی اور دوسری بیوی کی زندگی ہے ایسے ہی پہلی بیوی کے ساتھ زندگی کا گذارنا لازم اور ضروری ہے۔

فتجب للزوجة على زوجها (النفقة) ولو هي في بيت أبيها إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة به يفتي. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ٥/٢٨٤، كراچی ٣/٥٧٥)

ونفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد كما لا يشاركه في نفقة الزوجة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ٢/٤٤٤، قدوری ص: ١٩٢، هنديه، الفصل الرابع ،قديم ١/٥٦٠، جديد ١/٦٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۶۹)

دو بیویوں میں سے بےاولاد بیوی کو آئندہ سہارا کیلئے مخصوص جائیداد دینا

سوال [۷۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی دو بیویاں ہیں جس میں سے پہلی بیوی سے ۴/ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، دوسری بیوی کے کوئی اولاد نہیں ہے، اب سے ۲۵/ برس پہلے دوسری بیوی غیر مسلم تھی، انہیں مذہب اسلام میں داخل کرنے کے بعد نکاح کیا گیا، کیا دوسری بیوی کو اپنی حیات میں کچھ مخصوص رقم اور مخصوص جائیداد جوان کے زندگی بھر کے گذارے کے لیے کافی ہو دی جاسکتی ہے؟

المستفتی: حاجی محمد شاہد، مشاہد آباد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر دونوں بیویوں کے درمیان نان ونفقہ اور خرچہ واخراجات میں کسی قسم کی کمی زیادتی نہیں کرتا ہے بلکہ دونوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کرتا ہے، نیز دونوں کے ساتھ شب باشی میں بھی برابری کا معاملہ رکھتا ہے، یا دونوں کی مرضی کے مطابق شب باشی کا معاملہ کرتا آیا ہے تو ایسی صورت میں دوسری بیوی کے لیے مخصوص رقم اور مخصوص جائیداد نامزد کردینے کی شرعاً گنجائش ہے، اس لیے کہ اس میں دوسرے ورثاء کو نقصان پہنچانا مقصد نہیں ہے، بلکہ بے سہارا کو سہارا دینا مقصد ہے، اس لیے یہ کلام بلاشبہ جائز اور درست ہے۔

والأصل هنا أن كل من يجوز تصرفه في ماله بولاية نفسه الخ.

(شامی، کتاب النکاح، باب الولی زکریا دیوبند ٤/١٥٥، کراچی ٣/٥٦، مجمع الأنهر، قديم ١/٣٣٢، دار الكتب العلمية بيروت ١/٤٨٨، البحر الرائق زكريا ٣/١٩٣، كوئٹه ٣/١٠٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۳۰ھ

لڑکی کے علاج میں خرچ ہونے والی رقم شوہر سے وصول کرنا

سوال [۷۳۴۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی کی شادی ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی، اس کے تین بچے ہوئے، تیسرے بچے میں دماغ خراب ہوگیا، زچہ خانہ بگڑنے سے اس پر کوئی غورنہیں کیا گیا، دومہینے کے بعداس کو مار پیٹ کرگھر سے نکال دیا، ۷/مہینہ میں نے اس کا علاج کیا، لگ بھگ ۱۵/۱۶/ ہزارروپیہ میں نے خرچ کیا، لہٰذا کوئی دیکھنے تک نہیں آیا، پھر ۷/مہینہ کے بعد میرا داماد آیا اس نے کہا کہ لڑکی کو بھیج دواب ایسی غلطی نہیں ہوگی، اس کے بعد میں نے لڑکی بھیج دی، علاج برابر چلتا رہا، میں دوا بھیجتا رہا، ایک دوباراس نے بھی ڈاکٹروں کو دکھایا، ڈاکٹر کا نام اگروال اس کے پرچے میرے پاس ہیں، ایک مہینہ کے بعد اس کے بھائی نے اوراس نے مار پیٹ کر کے ٹیلیفون کردیا کہ لڑکی کو لے جاؤ، لڑکی والدہ کے پاس گئی اور کہا کہ لڑکی کو لے جاؤ، لڑکی اپنے ماموں کے یہاں رامپور گئی، وہاں سے وہ چپکے سے اپنی سسرال چلی گئی، بچہ کو دیکھنے کے لیے وہاں پراس کے شوہر نے فوراً تین طلاق دیدی اس کا نیا برقعہ چھین کر پرانا برقعہ دیدیا، وہ ہنستی ہوئی چلی آئی، اب جو آدمی چھیڑے تو اس نے کہا کہ جس دن سے شادی ہوئی ہے میں مطمئن نہیں ہوں، اور جب نہیں دی اب دیدوں میں رکھنے کے لیے کسی حالت میں تیار نہیں ہوں، اس حالت میں ہم نے کہا جب تک لڑکی بیمار رہے تب تک کا خرچ آپ کو دینا پڑے گا۔

لہٰذا دریافت یہ کرنا ہے کہ خرچ لینا جائز ہے یا نہیں؟ شوہر سے جو بیماری میں خرچہ ہوا علاج وغیرہ میں وہ رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد حسیب خاں ولد محمد حنیف خاں، مغلپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گذشتہ زمانے میں لڑکی کے ماں باپ نے لڑکی پر جوخرچ کیا ہے اس کی ادائیگی شوہر پر لازم نہیں ہے، اوراب چونکہ طلاق بھی ہوچکی اور طلاق

کے بعد صرف عدت کا خرچہ مل سکتا ہے، اور عدت کے بعد پھر کسی قسم کا مطالبہ شوہر سے باقی نہیں رہتا ہے، لڑکی عدت کے بعد کہیں بھی اپنا نکاح کرسکتی ہے۔

عن الشعبي قال: أتت امرأة شريحا فقالت: إن زوجي غاب و إني استدنت دينارا فأنفقت على نفسي، قال: إن كان أمر بذٰلك؟ قالت: لا، قال: فاقضي دينك. (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب الرجل يغيب عن امرأته فلا ينفق عليها، المجلس العلمي ۷/ ۹۵، رقم: ۱۲۳۵۱)

و إذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذٰلك فلا شيئ لها إلا أن يكون القاضي فرض لها النفقة أو صالحت الزوج على مقدار نفقتها. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ۲/ ۴۴۰، قدوری ص: ۱۹۱-۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۲۹۲۵)	۱۴۱۹/۱۱/۲۵ھ

کیا لڑکی والوں کا طلاق کی صورت میں تین لاکھ کا مطالبہ کرنا درست ہے؟

سوال [۷۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں اور اس کا مہر چالیس ہزار، عدت کا خرچ دس ہزار روپیہ، جہیز کا سامان زیور وغیرہ سب دینا چاہتا ہوں، لڑکی والے تین لاکھ روپئے مانگ رہے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ لڑکی والوں کا مہر، عدت کا خرچ، اور جہیز کے علاوہ تین لاکھ روپئے کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یا صرف مہر عدت کا خرچ جہیز ہی کی مانگ کرسکتے ہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شمیم پکا باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بیوی کو طلاق دینے پر شوہر کے اوپر صرف مہر اور

تین ماہواری گذرنے تک عدت کا خرچہ لازم ہے، اور دس ہزار روپئے عدت کا خرچہ کافی ہے، اور جہیز کا سامان بھی واپس کرنا شوہر پر لازم ہوتا ہے، ان کے علاوہ باقی کسی چیز کا مطالبہ شوہر سے کرنا جائز نہیں ہے، اور تین لاکھ روپئے کی مانگ ناجائز مانگ ہے، بلکہ تین پیسہ کا مطالبہ بھی جائز نہیں ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی: عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنیٰ فی عدتها رجعیا کان أو بائنا. (هدایه، کتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ٢/٤٤٣، قدوری ص: ١٩٠)

فإن کل أحد یعلم أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه کله. (شامی، کتاب النکاح، باب المهر، کراچی ٣/١٥٨، زکریا دیوبند ٤/٣١١)

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی. (البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر زکریا ٥/٦٨، کوئٹه ٥/٤١، شامی، مطلب: فی التعزیر بأخذ المال کراچی ٤/٦١، زکریا ٦/١٠٦، هندیه، قدیم ٢/١٦٧، جدید ٢/١٨١، الموسوعة الفقهیة الکویتیه ٣٧/٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۱۷)

بیویوں کے درمیان برابری نہ کرنا

سوال [۷۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی اٹھارہ سال سے اپنے شوہر سے الگ رہتی ہے، اپنی ہی محنت سے اپنی لڑکیوں کی شادی کی اور پچاس روپیہ مہینہ، روٹی، کپڑے کا کاغذ بھی لکھا ہوا ہے، لیکن کوئی

بھی خرچ اٹھارہ سال سے نہیں دیا، اب دوسری بیوی کو لے کر حج کو جا رہے ہیں ان کے پاس روپیہ اور زمین کافی ہے، میں اپنا مہر لینا چاہتی ہوں تو کیا میں مہر لے سکتی ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمودہ بیگم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کا نان ونفقہ اور دو بیویوں کے درمیان برابری کرنا شوہر پر لازم ہے، اگر بیوی کا خرچہ نہیں دیتا ہے یا دونوں کے درمیان برابری نہیں کرتا ہے تو سخت گنہگار اور قیامت کے دن گرفت ہوگی۔

﴿**قال الله تعالیٰ: فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً .** [النساء:۳]﴾

﴿**قال الله تعالیٰ: اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ .** [الطلاق:٦]﴾

عن جابر بن عبد الله ...... ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف. (صحيح مسلم، المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، النسخة الهندية ٣٩٧/١، بيت الأفكار رقم: ١٢١٨)

النفقة واجبة للزوجة على زوجها مسلمة أو كافرة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ٤٣٧/٢، قدوری ص: ١٩٠)

وإذا كان لرجل امرأتان حرتان فعليه أن يعدل بينهما فی القسم. (هدايه، باب العدة، اشرفی ديو بند ٣٤٩/٢)

مہر عورت کا حق ہے، لہٰذا وہ اپنا مہر شوہر سے وصول کرنے کی شرعاً حقدار ہے۔

وللمرأة أن تمنع نفسها حتى تأخذ المهر. (هدايه، اشرفی ٣٣٤/٢) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۱۴/۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۸/۱۵ھ

میکہ میں عدت گذارنے والی بیوی کا نفقہ

سوال [۷۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری اجازت کے بغیر میری بیوی اپنی مرضی سے اپنی ماں کے پاس قریب ۱۴/ ماہ رہی، اوراس دور میں کشیدگی بڑھ گئی، اور طلاق ہوگئی، کیا میرے ذمہ عدت کا خرچ واجب ہے؟ واقف کرائیں، جب کہ بیوی میرے گھر عدت نہیں گذار رہی ہے، اپنی ماں کے یہاں گذار رہی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بیوی شوہر کے گھر سے میکے چلی گئی اور عدت شوہر کے گھر رہ کر نہیں گذار رہی ہے تو ایسی صورت میں شوہر پر عدت کا خرچہ لازم نہیں اور شوہر پر عدت کا خرچہ اس وقت لازم ہوتا ہے جب شوہر کے گھر رہ کر عدت گذار رہی ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۱/۱۲۴)

عن الشعبي: أنه سئل عن امرأة خرجت من بيتها عاصية لزوجها، ألها النفقة؟ قال: لا، وإن مكثت عشرين سنة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الطلاق، وقالوا في المرأة تخرج من بيتها وهي عاصية لزوجها...... مؤسسة علوم القرآن ۱۰/۱۵۲ رقم: ۱۹۳۶۹)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة اشرفي ۲/۴۳۸ قدوری ص: ۱۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۴۶)

کیا میکہ میں رہتے ہوئے بھی نفقہ لازم ہے؟

سوال [۷۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: میاں بیوی میں نااتفاقی کی بناپر میاں اپنی بیوی کو اپنے خسر کے گھر چھوڑ کے چلے آئے، پھر دس بارہ سال تک کوئی خبر نہیں لی، اب جب بیوی کو لینے گئے تو بیوی کے گھر والے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اپنی لڑکی بھیج سکتے ہیں لیکن تمہاری بیوی نے جو اتنے زمانے تک ہمارے گھر پر کھایا پیا ہے، ان سب کا خرچہ حساب لگا کر ہمیں واپس کردو، تو کیا بیوی کے گھر والوں کا اس طرح خرچہ کا مطالبہ کرنا شرعاً درست ہے؟

المستفتی: شہید الاسلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بغیر قضائے قاضی یا بغیر رضا مندی کے ماضی کا خرچہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہوتا، اس لیے کہ بیوی کے گھر والوں کا شوہر سے بارہ برس کے کھانے وغیرہ کے خرچہ کے مطالبہ کا شرعاً حق نہیں ہے، وہ ساقط ہو چکا ہے، اوراب بیوی کو بغیر کسی نفقہ کے مطالبہ کے شوہر کے سپرد کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/۱۶۲، ۱۱/۱۱۳، امدادالفتاویٰ ۲/ ۵۱۷)

عن الشعبي قال: أتت امرأة شريحا فقالت: إن زوجي غاب و إني استدنت دينارا فأنفقت على نفسي، قال: إن كان أمر بذٰلک؟ قالت: لا، قال: فاقضي دينک. (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب الرجل يغيب عن امرأته فلا ينفق عليها، المجلس العلمي ۷/۹۵، رقم: ۱۲۳۵۱)

والنفقة لا تصير دينا إلا بالقضاء أو الرضا أى إذا لم ينفق عليها بأن غاب عنها أو كان حاضرا فامتنع فلا يطالب بها بل تسقط بمضى المدة.

(الدر المختار مع الشامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، زكريا ۵/۳۱۱، كراچی ۳/۵۹۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲۸ھ

کیا شوہر بیوی کو نکال دے تو میکہ میں بیوی کو نفقہ ملیگا ؟

سوال [۷۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مرد نے عورت کو اپنے گھر سے نکال دیا ہو اور عورت اپنے میکہ میں ہو اور خود کفیل ہو، تو اس کو نفقہ دیا جائے گا، یا نہیں؟

المستفتی: امیر احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے اگر خود نکال دیا ہے تو نفقہ ساقط نہ ہوگا، بلکہ شوہر پر ادا کرنا واجب ہے۔

فتجب للزوجة على زوجها (إلى قوله) ولو هي في بيت ابيها إذا لم يطالبها الزوج بالنقلة و به يفتىٰ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة زكريا ۵/۲۷۸ تا ۲۸۵، كراچی ۳/۵۷۲ - ۵۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۷۰)

شوہر کی اجازت سے میکہ رہنے والی عورت کا نفقہ

سوال [۷۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا کہنا ہے کہ اگر بیوی شوہر کی اجازت سے میکہ میں رہ رہی ہے جبکہ باہر شوہر پردیس میں کام کر رہا ہو، تو ایسی صورت میں شوہر پر بیوی کا نان ونفقہ علاج ومعالجہ وغیرہ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اس کا انتظام میکہ والے کریں گے، اور بکر کا کہنا ہے کہ اس صورت میں بھی بیوی کا سارا خرچہ علاج ومعالجہ وغیرہ کا شوہر ہی کے ذمہ واجب ہے، آپ بتلائیں کہ کس کی بات درست ہے؟ اور شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شوہر کی مرضی واجازت سے بیوی میکہ میں رہ رہی ہے اور میکہ ہی میں چھوڑ کر وہ دوسرے ملک میں کام کررہا ہے، تو ایسی صورت میں بیوی کا نان ونفقہ اور سارے اخراجات شوہر کے اوپر لازم ہیں اور سوالنامہ کی بحث میں بکر کی بات درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۱/۱۴۲)

فتجب للزوجة على زوجها (إلى قوله) ولو هي في بيت أبيها أذا لم يطالبها الزوج بالنقلة و به يفتىٰ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة زكريا ۵/۲۷۸ تا ۲۸۵، كراچی ۳/۵۷۲ تا ۵۷۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۱۵ھ

شوہر کی اجازت کے بغیر میکہ میں رہنے والی عورت کے نفقہ کا حکم

سوال [۷۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر میری بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر میکہ میں رہنے لگے، اور شوہر اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا ہے کہ وہ میکہ میں رہے اور شوہر کے پاس بیوی نہیں آتی ہے اور نہ ہی شوہر کا حق ادا کرتی ہے شوہر بار بار بلاتا ہے مگر وہ نہیں آتی تو کیا ایسی نافرمان بیوی کے لیے شوہر کے اوپر خرچہ ادا کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: رئیس الدین مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بیوی شوہر کی مرضی کے بغیر میکہ میں رہ رہی ہے اور شوہر کا حق کسی بھی طرح سے ادا نہیں کررہی ہے، اور شوہر کے بلانے پر نہیں آتی ہے تو وہ پوری طرح نافرمان ہے، وہ شوہر سے اس وقت تک خرچ لینے کی حقدار نہیں ہوگی جب تک شوہر کے

پاس آ کر شوہر کا حق ادا نہ کرے گی، شرعی طور پر ایسی بیوی کا کوئی حق خرچ شوہر پر لازم نہیں ہوتا۔

عن الشعبي قال: ليس للعاصية نفقة، يقول: إذا عصت زوجها فخرجت بغير إذنه. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الطلاق، باب الرجل يغيب عن امرأته فلا ينفق عليها، المجلس العلمي ۷/۹۵، رقم: ۱۲۳۵۲)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ۲/۴۳۸، قدوری ص: ۱۹۰، هنديه، قديم ۱/۵۴۵، جديد ۱/۵۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۰۲)

ناشزہ عورت کے نفقہ اور مہر کا مسئلہ

سوال [۷۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکے کا نکاح ایک لڑکی کے ساتھ ۹؍۱۱؍۱۴ کو بالعوض مبلغ پندرہ ہزار روپئے دین مہر نصف معجّل، نصف غیر معجّل کے بذریعہ شہر امام کرادیا گیا تھا، جس میں لڑکی والوں نے بیجا ناجائز دباؤ کے ذریعہ لڑکے کے والد سے نصف مہر ساڑھے سات ہزار روپیہ کے عوض میں اس کے رہائشی مکان میں سے چھ سہام حصہ لڑکی کے نام بیع ورجسٹری کرالیا تھا، لڑکے کے کچھ گھریلو حالات کی وجہ سے نکاح کے بعد لڑکی کی رخصتی وادائیگی عمل میں نہیں لائی گئی تھی، اور وہ اپنے میکے ہی میں رہی اور لڑکا، لڑکی نکاح کے بعد آپس میں کبھی نہیں ملے، کچھ عرصہ بعد اپنی لڑکیوں وغیرہ کی شادی وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد لڑکے کے والد نے لڑکی کے نانا وغیرہ سے لڑکی (بہو) کو رخصتی وادائیگی کرانے کے لیے دن تاریخ مانگا، تو انہوں نے مزید ایک اور نئی شرط لڑکی (بہو) کو رخصت کرنے کی رکھی، کہ اپنی پینشن میں سے مبلغ ایک ہزار روپیہ ماہواری لڑکی کے نام لکھ کر رجسٹری کراؤ تب لڑکی کو رخصت کریں گے، جس پر لڑکے کے والد نے ان کی بے جا دوسری ناجائز شرط کو ماننے سے انکار کردیا، جس کی ضد میں

لڑکی کی ماں اور خودلڑکی نے مہیلا تھانے میں جھوٹے بے بنیاد الزامات و بہتان لگا کر درخواست لگادی کہ لڑکی نکاح کے بعد رخصت کردی گئی تھی، جہیز کے ساتھ، اب مزید ایک اسکوٹر اور نقد بیس ہزار روپیہ لڑکی کا شوہر ساس، سسر اور نندیں وننددوئی وغیرہ مانگ کررہے ہیں، اور بارہ وفات کے دن ان ساتوں لوگوں نے لات گھونسوں سے مار کر سسرال سے نکال دیا، اور سارا زیور کپڑا وغیرہ بھی روک لیا، ان بے ہودہ، جھوٹے بے بنیاد الزامات و بہتان تراشی کی پولس انکوائری ہوئی، سچائی سامنے آئی، حق غالب ہوا، باطل شکست کھا گیا، میرے رب کے فضل سے پولیس نے فائنل رپورٹ لگادی، لیکن پھر ضد، اصرار گناہ کہ لڑکی اور لڑکی کی ماں نے دوبارہ جھوٹا دعویٰ پھر ساتوں کے خلاف الگ سے کیا وہ بھی خارج ہوگیا، خدا کے حکم سے، پولیس نے لڑکی اور لڑکی کی ماں وغیرہ پر دفعہ ۱۸۲ / کا مقدمہ قائم کررکھا ہے، جوان کے خلاف چل رہا ہے، مندرجہ بالا ایسے سنگین واقعات کے پیش نظر جو بیوی نکاح کے بعد رخصت ہوکر سسرال شوہر کے گھر تک نہ آئی ہو وہ بیوی جان بوجھ کر اپنے شوہر و اس کے بوڑھے ماں باپ اور اس کی بہنوں و بہنوئی وغیرہ پر قطعی جھوٹے اور بے بنیاد الزامات اور بہتان لگا کر ذلیل و بے عزت کرانے کی اور جیل بھجوانے کی کوشش کرے۔

(۱) اس کے ساتھ لڑکے کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟

(۲) نیز لڑکا ایسی بیوی کے کسی دین مہر کی ادائیگی کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ اور کتنا مہر دینا پڑے گا؟

(۳) مندرجہ بالا چھ سہام حصہ رہائشی مکان میں سے لڑکی کے نام نصف مہر کے عوض بیع ورجسٹری کرایا گیا تھا، اس کو وہ لینے کی شرعاً حقدار ہے یا نہیں؟

(۴) ایسی بیوی جس نے مذکورہ بالا طریقوں سے پریشان کررکھا ہے اس کو نان و نفقہ (خرچہ) دینا چاہیے؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: افضال احمد، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) چونکہ لڑکے نے ابھی طلاق نہیں دی ہے

اس لیے نکاح باقی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۹/۷۴)

عن ابن عباسؓ قال النبی ﷺ: ...... إنما الطلاق لمن أخذ بالساق وعلی هامشه أی إنما یملک الطلاق من یملک الجماع. (سنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب طلاق العبد، النسخة الهندیة ۱/ ۱۵۱، دار السلام رقم: ۲۰۸۱)

(۲) اگر اسی حالت میں طلاق دیدی گئی تو شوہر کے ذمہ مقرر مہر (یعنی پندرہ ہزار) کا آدھا (یعنی ساڑھے سات ہزار روپئے) لازم ہیں، میاں بیوی کے ملنے سے پہلے طلاق کی صورت میں عورت اس سے زیادہ کی شرعاً مستحق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۸/۳۰۶)

﴿قال الله تعالیٰ: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ. [البقرة: ۲۳۷] ﴾

ویجب نصفه بطلاق قبل وطئ أو خلوة. (الدر مع الرد، کتاب النکاح، باب المهر زکریا دیوبند ٤/ ۲۳٥-۲۳٦، زکرپچی ۳/ ۱۰٤)

(۳) اگر رجسٹری کرائے گئے مکان کے چھ سہام آدھے مہر (یعنی ساڑھے سات ہزار روپیہ) کی مالیت کے ہیں تو روپیہ کی بجائے مکان کا وہ حصہ بھی آدھے مہر میں دیا جاسکتا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ ساڑھے سات ہزار روپیہ اور چھ سہام میں سے عورت صرف ایک چیز کی حقدار ہوگی۔

(۴) ایسی عورت جو شوہر کی طلب پر اس کے گھر نہ جائے یہ شرعاً نافرمان ہے، نہ تو اس کو شوہر سے شرعاً نان ونفقہ کے مطالبہ کا حق ہے اور نہ شوہر کے ذمہ ایسی عورت کا نان ونفقہ لازم ہے، نیز عورت کو اس سلسلے میں عدالت میں شوہر کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی بھی شرعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، جھوٹے الزامات لگا کر مقدمہ وغیرہ کرنا سب ناجائز اور حرام ہے، اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے، کسی پر الزام لگانے اور جھوٹ بول کر مال وغیرہ حاصل کرنے پر قرآن وحدیث میں سخت ترین وعید آئی ہے، ایسے شخص پر آخرت میں عذاب عظیم کا خطرہ بھی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/ ۱۲۰-۱۴۷)

عن أبی وائل، عن عبد اللهؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من اقتطع مال امرئ مسلم بیمین کاذبة لقی الله وهو علیه غضبان، قال عبد الله: ثم قرأ

رسول الله ﷺ، مصداقه من کتاب الله عز وجل ذکره ''إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰه وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلاً أُوْلٰئِكَ لاَ خَلاقَ لَهُمْ فِيْ الْآخِرَةِ وَلاَ يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ (الآية). (صحيح البخاری، کتاب التوحيد، باب قول الله عز وجل يومئذ ناضرة، النسخة الهندية ۲/ ۱۱۰۹، رقم: ۷۱۴۵، ف: ۷۴۴۵)

عن الشعبی: أنه سئل عن امرأة خرجت من بيتها عاصية لزوجها، ألها نفقة؟ قال: لا، و إن مکثت عشرين سنة. (المصنف لابن أبی شيبة، الطلاق ما قالوا فی المرأة تخرج من بيتها وهی عاصية ......مؤسسة علوم القرآن ۱۰/ ۱۵۲، رقم: ۱۹۳۶۹)

لا نفقة لأحد عشر ...... وخارجة من بيته بغير حق وهی الناشزة. (الدر مع الرد، کتاب الطلاق، باب النفقة زکريا ۵/ ۲۸۵-۲۸۶، کراچی ۳/ ۵۷۶)

ولا نفقة للناشزة فإن الله تعالیٰ أمر فی حق الناشزة بمنع حظها فی الصحبة بقوله تعالیٰ: ''واهجروهن فی المضاجع. [النساء:۳۴]﴾

فذٰلک دليل علی أنه تمنع کفايتها فی النفقة بطريق الأولیٰ.

(المبسوط للسرخسی، دار الکتب العلمية بيروت ۵/ ۱۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۵۰)

ناشزہ بیوی اور لڑکی کے نان ونفقہ کا حکم

سوال [۷۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اللہ کا ایک نیک بندہ مندرجہ ذیل مسئلہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے آشنا ہونا چاہتا ہے، کہ ایک شخص کا نکاح قرآن وحدیث کی روشنی میں عمل میں آیا، اور ایک بچی عالم وجود میں آئی، جس کی عمر قریب پندرہ برس کی ہے اس شخص کی بیوی سے شروع ہی سے یہ ضد رہی کہ لڑکا اپنے بوڑھے ماں باپ سے الگ اپنی بیوی کے ساتھ رہے جس پر لڑکا راضی

نہیں ہوا اوراسی سبب سے اس کی بیوی مؤرخہ ۲۶/۴/۱۹۸۳ء اپنے میکہ اپنے شوہر سے الگ رہ رہی ہے بیوی نے اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں نان ونفقہ کی نالش دائر کردی، لیکن شوہر نے بیوی کے احترام اوراس کی عزت کی خاطر اس نالش کو نہ لڑکے سوروپئے ماہواری نان ونفقہ دینے کی رضامندی دیدی جس کے تحت عدالت سے شوہر کے خلاف حکم صادر فرمادیا کہ سوروپئے ماہوار خرچہ پابندی سے ادا کرتا ہے، تب سے شوہر پابندی سے عدالت کے حکم سے خرچہ اپنی بیوی کو ادا کررہا ہے، مؤرخہ ۲۶/۴/۱۹۸۳ء سے بیوی نے کوئی حق زوجیت بھی ادا نہیں کیا اوراس شخص کواس کی بیٹی سے ملنے سے محروم رکھا جارہا ہے اوراس شخص کے دل میں اپنی بیٹی کو دیکھنے و ملنے کی تڑپ دن بدن بڑھتی جارہی ہے اب بیوی نے اپنے شوہر کو نیچا دکھانے اور بے عزت کرنے کی غرض سے عدالت میں اس شخص کی بیٹی کے لیے نان ونفقہ حاصل کرنے کے لیے نالش کردی ہے، ان حالات میں بیوی خود یا اپنی بیٹی کے لیے شوہر سے الگ رہ کر نان ونفقہ حاصل کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور تب سے حقوق زوجیت ادا نہ کرنے کی صورت میں وہ شوہر کے حکم پر نہ چلنے کی بنا پر بیوی اپنے شوہر کے نکاح میں رہی یا نہیں؟ اتنے دنوں میں ان دونوں کے بیچ میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ بیوی کے میکے میں ان کے بھائی بہن کی عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اس نزاع کی بنا پر شادیاں بھی نہیں ہورہی ہیں، اس شخص کی بیٹی کے مستقبل پر بھی اثر پڑسکتا ہے، کیا شوہر اپنی بیٹی کو زیر تربیت لے سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیوی شوہر کی مرضی کے بغیر میکے میں رہ رہی ہے تو وہ بیوی ناشزہ اور شوہر کی نافرمان ہے، لہٰذا جب تک شوہر کے حقوق زوجیت ادا نہ کرے گی، اس وقت اسلامی شریعت میں بیوی شوہر سے نان ونفقہ کے خرچہ لینے کی حقدار نہیں ہے، لہٰذا ایسی صورت میں شوہر سے کسی قسم کے خرچہ اخراجات کا مطالبہ کرنا شریعت اسلامی میں جائز نہیں ہے اور نہ ہی شوہر پر کسی قسم کا حق لازم ہے۔

عن الشعبی أنه سئل عن امرأة خرجت من بیتها عاصیة لزوجها، ألها نفقة؟ قال: لا، وإن مکثت عشرین سنة. (المصنف لابن أبی شیبة، مؤسسة علوم

القرآن ۱۵۲/۱۰ رقم: ۱۹۳۶۹)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ۴۳۸/۲، قدوری ۱۹۰، شامی زکریا ۲۸۶/۵، کراچی ۵۷۶/۳)

پندرہ سال میں لڑکی بالغہ ہوجاتی ہے ایسی بالغہ لڑکی کو باپ سے الگ ماں کے یہاں رہنا یا رکھنا جائز نہیں، جب تک وہ لڑکی باپ کے یہاں آکر رہنے نہ لگے، اس وقت تک باپ کے اوپر اس لڑکی کا خرچہ شریعت اسلامی میں لازم نہیں ہے۔

والأم والجدة أحق بها أي بالصغيرة حتى تحيض وغيرهما أحق بها حتى تشتهي. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب الحضانة زکریا ۲۶۸/۵، کراچی ۵۶۶/۳)

بلغت الجارية مبلغ النساء إن بكرا ضمها الأب إلى نفسه إلا إذا دخلت في السن واجتمع لها رأى فتسكنحيث أحبت حيث لا خوف عليها. (شامی زکریا ۲۷۰/۵، کراچی ۵۶۸/۳)

بیوی کے شوہر سے لمبے زمانہ تک الگ رہنے کی وجہ سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۹/۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۷۷)

ناشزہ بیوی کی عدت کے خرچہ کا حکم

سوال [۷۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں عبد المجید، میرا لڑکا محمد جاوید اس کی شادی ہوچکی تھی، آپس میں نا اتفاقی کی وجہ سے لڑکی کے والدین نے اپنی لڑکی کی طلاق لے لی، لہٰذا میں نے اپنی سمدھن کو طلاق دلوانے سے بہت روکا، مگر سمدھن نے اپنی لڑکی کی طلاق لے لی، لہٰذا اب طلاق ہوچکی ہے اور ہم نے ان کا دین مہر اور سرو سامان چار آدمیوں کے درمیان میں واپس کردیا ہے، اور ہمارا ابھی

ایک سامان ایک بوندا اور لوکیٹ یہ دونوں چیزیں سونے کی ہیں اور یہ دونوں چیزیں لڑکی والوں نے واپس نہیں کی اور یہ فیصلہ چار آدمیوں کے درمیان میں ہوا ہے، گواہوں کے نام محمد رئیس خان، محمد عثمان خان، محمد جاوید خاں، محمد نعیم الدین خان، اور لڑکی والے اپنی لڑکی کی عدت گذارنے کے لیے اور بھی پیسہ مانگ رہے ہیں، اور لڑکا چائے کی دوکان دو آدمی کے ساتھ مل کر کرتا ہے، اور چائے کی دوکان بھی کرائے پر لے کر کر رہا ہے، اور لڑکی کی عدت گذارنے کے لیے کتنا روپیہ بنتا ہے، حضرت آپ اس کے بارے میں وضاحت فرمادیں؟

اور طلاق نامہ کے اندر اس بات کی صراحت ہے کہ آئندہ ایک دوسرے پر کسی قسم کا مطالبہ نہیں رہے گا، کیا اب شرعاً ان کا مطالبہ درست ہے؟

المستفتی: عبدالمجید برولان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ اور طلاق نامہ دونوں پڑھ کر غور کیا گیا ہے، طلاق نامہ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ آئندہ ایک دوسرے سے کسی قسم کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا اور نہ ہی قانونی چارہ جوئی کا حق ہوگا، اور اس کی خلاف ورزی غیر معتبر ہوگی، پھر اس کے بعد عدت کے خرچہ کے مطالبہ کرنا طلاق نامہ کی دفعات کی خلاف ورزی ہے، لہٰذا طلاق نامہ اور شریعت کی رو سے عدت کے خرچہ کا مطالبہ کا حق نہیں ہے، نیز لڑکی اور لڑکی والوں کے اصرار پر ہی طلاق دی گئی ہے ایسی صورت میں لڑکی شوہر کے حق میں ناشزہ ہے، اور ناشزہ کو شرعاً عدت کا خرچہ نہیں ملتا ہے۔

عن عوف المزني أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما. (ترمذی، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/٢٥١، دار السلام رقم: ١٣٥٢)

عن الشعبي قال: ليس للعاصية نفقة يقول: إذا عصت زوجها فخرجت بغير إذنه. (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب الرجل يغيب عن امرأته فلا ينفق

علیہا، المجلس العلمی ۷/۹۵ رقم: ۱۲۳۵۲)

نفقة العدة كنفقة النكاح، وفي الذخيرة: وتسقط بالنشوز و تعود بالعود. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: في نفقة المطلقة زكريا ديو بند ۵/۳۳۳ کراچی ۳/۶۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۳۱ھ

ناشزہ نفقہ کی حقدار ہے یا نہیں؟

سوال [۷۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری بیوی اپنے میکہ چلی گئی ہے اور اب میری اجازت کے بغیر میکہ میں رہ رہی ہے، میں نے اور میرے والدین نے اس کو لانے کی کافی کوشش کی لیکن نہ تو وہ آنے کے لیے تیار ہے، اب میری بیوی نے ضابطہ فوجداری ۱۲۵/ر کے تحت مجھ سے نان ونفقہ حاصل کرنے کے لیے میرے خلاف مقدمہ دائر کردیا ہے، میں نے اپنی بیوی سے بارہا کہا کہ تم میرے ساتھ میرے گھر آکر رہو، اور حقوق زوجیت ادا کرو تو میں تمہارے سارے اخراجات برداشت کروں گا، لیکن میری بیوی اب میرے ساتھ رہنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے، اور اپنے میکہ میں رہتے ہوئے نان ونفقہ کا مطالبہ کررہی ہے، براہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ کیا میری بیوی کا شرعا یہ مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟ حوالہ بھی لکھیں تا کہ یہ فتویٰ عدالت میں دکھایا جاسکے۔

نوٹ: میں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے اور نہ ہی طلاق دینے کا ارادہ ہے، اور نہ ہی میری بیوی خلع کا مطالبہ کررہی ہے، میں تو چاہتا ہوں کہ میری بیوی میرے پاس گھر آکر میرے ساتھ رہے، میرا کہنا ہے کہ تم میری بیوی ہو، میرے گھر آکر رہو تو نان ونفقہ پانے کی مستحق ہو۔

المستفتی: احمد علی، بارہ دری، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی بیوی آپ کی اجازت کے بغیر میکے میں رکی ہوئی ہے اور آپ لانا چاہتے ہیں اور وہ آنے پر تیار نہیں ہے تو وہ شرعاً ناشزہ ہے، اور شرعی طور پر آپ سے خرچہ ونفقہ وغیرہ لینے کی حقدار نہیں اور حقوق زوجیت ادا کیے بغیر نان و نفقہ کا مطالبہ کرنا اس کے لیے شرعا ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۱/۱۱۲، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۶۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۸/۱۶۰، جدید ڈابھیل ۹/ ۲۲۵)

وتسقط به أى بالنشوز النفقة المفروضة. (شامی، کتاب الطلاق، باب النفقة، زکریا دیوبند ۵/ ۲۸۷، کراچی ۳/ ۵۷۶)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه. (فتاویٰ عالمگیری، الباب السابع عشر فی النفقات قدیم ۱/ ۵۴۵، جدید ۱/ ۵۹۵، هدایه اشرفی دیوبند ۲/ ۴۳۸، قدوری ۱۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۷/۱۴۱۱ھ

کیا ناشزہ کو عدت کا خرچہ ملے گا

سوال [۷۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ اور ہندہ کے گھر والے ان سب کا کہنا ہے کہ ہندہ کے شوہر کی آمدنی بہت کم ہے، جبکہ وہ ۸۰/۹۰ روپیہ روز مٹھائی کی دوکان میں کماتا ہے، شادی کے وقت بھی اتنا ہی کماتا تھا، آج بھی اللہ کے فضل وکرم سے اتنا ہی کماتا ہے، پورا محلّہ شاہد ہے، نیز نیک مزاج نمازی با شرع، جماعت میں جانے والا، ہفتہ واری گشت میں شرکت کرنا ان کا کام ہے، ہندہ اور ہندہ کے گھر والے شوہر کے اوپر بدتمیزی اور برے الزام لگا کر زبردستی طلاق لینا چاہتے ہیں، شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا اور لڑکی اور لڑکی والے طلاق لینے پر زبردستی دباؤ سے کام لے رہے ہیں،

توکیا ایسی صورت میں لڑکی والوں کی طرف سے طلاق کے مطالبہ پر طلاق دینا اور مہر بھی ادا کرنا عدت کا خرچہ بھی دینا لڑکے پر لازم ہے یا شریعت میں لڑکی کی طرف سے طلاق کے مطالبہ کی صورت میں مہر اور عدت کے خرچہ کی معافی کی گنجائش ہے اور لڑکی اس وقت چھ مہینے سے اپنے میکہ میں بیٹھی ہوئی ہے، اور پولیس کے ذریعہ سے جھوٹی رپورٹ لڑکے کے خلاف کروائی اور پولیس والوں نے لڑکے والے کے یہاں پہنچ کر جائزہ لیا اور پورے محلّہ والوں نے لڑکے اور لڑکے والوں کی سچائی کی گواہی دی، تو پولیس والے مطمئن ہوکر چلے گئے ہیں۔

المستفتی: ریاض الدین رحمت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی اور اس کے گھر والے خود ہی شوہر سے طلاق کا مطالبہ کررہے ہیں اور دباؤ ڈال رہے ہیں تو ایسی صورت میں شوہر کو طلاق دینے کے لیے مہر کی معافی کی شرط لگانا جائز ہے، اور چونکہ عورت خود ہی گھر جاکر بیٹھ چکی ہے، اس لیے شرعی طور پر ایسی عورت ناشزہ کہلاتی ہے، اور ناشزہ عورت کے لیے عدت کا خرچہ شرعاً لازم نہیں ہے، لہٰذا شوہر سے عدت کے خرچہ کا مطالبہ کرنا ایسی عورت کے لیے جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۵۱)

الخلع لا بأس به عند الحاجة بما يصلح مهرا وهو طلاق بائن ويلزم بدله. (شرح وقايه، كتاب الطلاق، باب الخلع ياسر نديم ۲/ ۱۲۳)

قوله لها أنت طالق بألف أو على ألف وقبلت في مجلسها لزم. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب الخلع، زكريا ديوبند ۵/ ۱۰۰، كراچی ۳/ ۴۴۹)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ۲/ ۴۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۸۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۲۶ھ

کیا ناشزہ کو عدت کے خرچہ کے مطالبہ کا حق ہے؟

سوال [۷۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں امجد علی ولدیت محمد علی رہائش جامع مسجد کا رہنے والا ہوں، میری شادی کو ایک سال چودہ مہینے گذر چکے ہیں، تب ہی سے مجھے اپنی بیوی کے چال چلن پر شک تھا، بات بات پر جھگڑا کرتی ہے، بار بار مجھ سے طلاق مانگتی تھی بات بات پر زہر کھانے کی دھمکی دیتی تھی، طلاق کے فوراً بعد دس ہزار روپیہ مہر کے ادا کر چکا ہوں، ۱۵؍تاریخ بروز بدھ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی، اور طلاق بھی گواہوں کے بیچ میں لفظ تین طلاق کی ادائیگی کر چکا ہوں، اب عدت کے چار ہزار روپیہ مانگ رہے ہیں، عدت اپنی ماں کے یہاں گذارے گی، اب عدت کے پیسے دیئے جائیں گے یا نہیں؟

المستفتی: محمد علی بن محبّ علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: عدت کا خرچہ نہ شریعت کی طرف سے چار ہزار روپیہ متعین ہے اور نہ ہی قانوناً اور نہ عرفاً اور عدت کہا جاتا ہے، طلاق کے بعد تین ماہواری گذر جانے کو، شوہر سے زبانی معلوم ہوا کہ مہینے میں ایک دفعہ ماہواری آتی ہے، لہٰذا طلاق کے بعد تین ماہواری گذرنے تک کے لیے دونوں طرف کے معزز اور باانصاف لوگ بیٹھ کر تقریباً تین مہینے کا جو نان ونفقہ بیٹھ سکتا ہے وہ متعین کردیں اور وہ بھی شوہر کی حیثیت کے اعتبار سے متعین کرنا ضروری ہے، مثلاً اگر شوہر تین ہزار روپیہ مہینے میں کما کر گھر کے افراد کی ضرورت پوری کرتا ہے تو ہر فرد کے حصے میں کتنا پیسہ آتا ہے، حساب لگالیا جائے اس حساب سے تین ماہواری یعنی تقریباً تین مہینے کا ایک آدمی کا خرچہ متعین کردیا جائے، یہی عدت کا خرچہ بیٹھے گا، لیکن یاد رکھئے کہ عدت کا خرچہ اس عورت کو ملتا ہے جو عورت شوہر کی مرضی سے عدت گذارتی ہے، یعنی شوہر جہاں رہ کر عدت گذارنے کو کہے وہیں رہ کر عدت گذارتی ہے تو

اس کوعدت کا خرچہ ملتا ہے، نافرمان بیوی کو عدت کا خرچہ نہیں ملتا ہے۔

عـن الشـعبـي قـال: إذا حبس المرأة من قبلها فلا نفقة لها. (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب الرجل يغيب عن امرأته ...... المجلس العلمي ٩٥/٧ رقم: ١٢٣٥٣)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، هكذا في شرح الوقاية ياسر نديم ١٧٢/٢-١٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨/ جمادی الاولیٰ ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٨٠١)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٦/٥/١٨ھ

ناشزہ کی عدت کا خرچہ اور زیورات کی واپسی

سوال [٧٣٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی میری اجازت کے بغیر میرے دو کمسن بچوں کو چھوڑ کر میرے گھر سے نکل کر چار دن تک غیر مرد کے ساتھ رہنے کے بعد واپس آئی، جس کی بنا پر میں نے اس کو تین طلاق دیدیں، اس کے بعد لڑکی کے والدین مجھ سے نان ونفقہ اور بوقت نکاح چڑھائے ہوئے زیور کا مطالبہ کرر ہے ہیں، جبکہ میں نے بیوی کو زیور کا مالک نہیں بنایا تھا، صرف اس کے استعمال کی اجازت دی تھی، طلاق سے کئی ماہ پہلے بھی میں نے کہا تھا کہ اپنے گھر کی چیز کا مالک میں ہوں، اور اپنی چیز کی مالک تم ہو، تو کیا اس صورت میں وہ نان ونفقہ اور میری جانب سے چڑھائے ہوئے زیور کے مطالبہ کی حقدار ہوگی؟

المستفتی: انظار النبی رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جائے اور غیر مرد کے ساتھ کئی دن کے لیے غائب ہو جائے وہ شرعاً بدکار ہونے کے ساتھ ساتھ ناشزہ اور شوہر کی نافرمان بھی ہے اور ناشزہ کے لیے شوہر کے اوپر عدت کا خرچہ لازم

نہیں ہے، لہٰذا جب شوہر تین طلاقیں دینے کا خود اقرار کررہا ہے تو بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے، آئندہ بغیر حلالہ کے دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہ ہوگا، اور بوقت نکاح استعمال کے لیے چڑھائے ہوئے زیورات کا مالک شوہر ہے، عورت نہیں ہے، ہاں البتہ میکے سے لائے ہوئے زیورات اور جہیز کا سامان عورت کی ملکیت ہے اور بوقت نکاح جو مہر مقرر ہوا تھا شوہر کے ذمہ اس کا ادا کرنا بھی لازم ہے۔

﴿قال الله تعالیٰ: **وَآتُوا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً** . [النساء: ٤]﴾

عن أبی أمامة الباهلی قال: سمعت رسول الله ﷺ -إلی- العارية مؤداة والمنحة مردودة. (سنن الترمذی، باب ماجاء لا وصية لوارث، النسخة الهندية ٣٢/٢، دار السلام رقم: ٢١٢٠)

عن الشعبی: أنه سئل عن امرأة خرجت من بيتها عاصية لزوجها، ألها نفقة؟ قال: لا، و إن مكثت عشرين سنة. (المصنف لابن أبی شيبة، الطلاق، قالوا فی المرأة تخرج من بيتها وهی عاصية، مؤسسة علوم القرآن جديد ١٠/١٥٢ رقم: ١٩٣٦٩)

وإن نشزت فلا نفقة لها. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ٤٣٨/٢، قدوری ص: ١٩٠)

كرر لفظ الطلاق وقع الكل. (شامی، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها، زكريا ٤/٥٢١، كراچی ٢٩٣/٣)

المختار للفتویٰ: أن يحكم بكون الجهاز ملكا. (شامی زكريا ٤/٣٠٩، كراچی ١٥٧/٣)

المالك: من يتصرف برائ نفسه. (هدايه، كتاب الطلاق، فصل فی الأمر باليد اشرفی ٣٧٩/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧/ذی الحجہ ١٤٣١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/١٠٢٣٨)

ناشزہ بیوی کا نان ونفقہ کا مطالبہ کرنا

سوال [۷۳۵۷]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت اپنی سسرال سے اپنی ماں کے یہاں چلی گئی، اور واپس نہیں آرہی ہے، شوہر واپس لینے بھی گیا، لیکن واپس نہیں آئی تو شوہر نے دوسرا نکاح کرلیا، پھر زوجۂ اولیٰ کہتی ہے کہ نان ونفقہ دو، شوہر کہتا ہے کہ میرے گھر آجا تجھ کو نان ونفقہ سب کچھ دوں گا، تو کیا بیوی کا اس طرح نان ونفقہ کا مطالبہ کرنا درست ہے، اور شوہر پر اس کو نان ونفقہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالناصر نئی بستی، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زوجۂ اولیٰ جو شوہر کا گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے اور بلانے کے باوجود گھر نہیں آرہی ہے تو ایسی عورت ناشزہ ہے، اور ناشزہ کا نان ونفقہ شوہر پر لازم نہیں ہوتا ہے، لہٰذا اس کا خرچہ واخراجات کا مطالبہ کرنا شرعی اعتبار سے ناجائز ہے۔

عن الشعبى أنه سئل عن امرأة خرجت من بيتها عاصية لزوجها، ألها نفقة؟ قال: لا، و إن مكثت عشرين سنة. (المصنف لأبن أبى شيبة، الطلاق، قالوا فى المرأة تخرج من بيتها وهى عاصية، مؤسسة علوم القرآن جديد ١٠/ ١٥٢ رقم: ١٩٣٦٩)

قال: ولا نفقة للناشزة مادامت على تلك الحالة –إلى– وفى الخانية: الناشزة هى التى خرجت من منزل الزوج بغير إذنه بغير حق. (تاتارخانية ٥/ ٣٦٦ رقم: ٨٢١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۲۲/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۲۲ھ

بدکار بیوی کو طلاق، مہر، نان ونفقہ اور جہیز کا حکم

سوال [٧٣٥٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) میں نے اپنی لڑکی کی شادی قریب تین ماہ پہلے نجیب آباد سے کی تھی، لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ دو بارہ رہ چکی ہے، اور میری لڑکی میرے ہی گھر سے کسی غیر مرد کے ساتھ چلی گئی ہے اور ابھی تک واپس نہیں آئی ہے، ایسی حالت میں لڑکی کا شوہر طلاق دے یا ہم طلاق لیں اس حالت میں لڑکی اپنے مہر نان ونفقہ اور جہیز کی حقدار ہے یا نہیں؟

(٢) اس حالت میں لڑکی اپنے شوہر کے نکاح میں رہتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اقبال محلہ تھانہ کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کی لڑکی جو غیر مرد کے ساتھ بھاگ گئی ہے اس غیر مرد کے ساتھ بدکاری اور زنا کاری ہورہی ہے اور اصلی شوہر کے ساتھ اس کا نکاح بدستور باقی ہے، ایسی نافرمان اور فاحشہ بیوی کو طلاق دینے کے لیے شوہر کو اس بات کی شرط لگانے کی گنجائش ہے کہ مہر معاف کرنے کی شرط پر طلاق دیدوں گا، اور ایسی نافرمان بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر لازم نہیں ہے، ہاں البتہ طلاق کے بعد جہیز کا سامان اس کو واپس ملے گا، اسی سے دونوں سوالوں کا جواب واضح ہوگیا۔

قال في الهداية: وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفي ٢/٤٣٨، قدوری ص: ١٩٠)

وإن كان النشوز منها. (هدايه اشرفي ٢/٤٠٤)

قال العيني تحته: أما مقدار المهر فلا يكره أخذه. (بنايه شرح هدايه، امداديه لاهور ٢/٣٥٩، اشرفيه ديوبند ٢/٥١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩/رجب المرجب ١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٦٦٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٩/٧/١٠ھ

ناشزہ بیوی کو طلاق اور عدت ومہر کا حکم

سوال [۷۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شوہر سے بیوی طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اور شوہر اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے تو ان حالات میں اگر بیوی کی ضد اور مطالبہ پر طلاق دی جائے تو مہر دینے ضروری ہیں یا مہر معاف کرنے کی شرط لگائی جاسکتی ہے؟

(۲) اور طلاق کی صورت میں عدت کا خرچہ شوہر پر لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ بیوی نافرمان اور ناشزہ ہے اور اپنے میکہ میں رکی ہوئی ہے؟

المستفتی: ایم کلیم، مینانگر جینتی روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بیوی طلاق لینے کے لیے بضد ہے اور شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا تو ایسی صورت میں شوہر کے لیے یہ شرط لگانا جائز اور درست ہے کہ مہر معاف کرنے کی شرط پر طلاق دے گا اور پھر بیوی شوہر سے مہر کا مطالبہ نہیں کرے گی، اور اگر مہر ادا کر دیا گیا ہے تو اس کو واپس کرنے یا اتنی مقدار مال یا روپیہ دینے کی شرط پر طلاق دے سکتا ہے۔

وان طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال و كان الطلاق بائنا. (هداية، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفی ديوبند ۲/۴۰۵، هنديه قديم ۱/۴۹۵، جديد ۱/۵۵۴)

وإن خالعها على مهرها فإن كانت المرأة مدخولا بها وقد قبضت مهرها يرجع الزوج عليها بمهرها. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب الثامن فى الخلع، الفصل الاول، قديم ۱/۴۸۹، جديد ۱/۵۴۹)

(۲) جب عورت بلاظلم وزیادتی کے طلاق لینے پر بضد ہے اور شوہر سے الگ رہ رہی ہے تو وہ ناشزہ ہے اور ناشزہ کی عدت کا خرچہ شوہر پر لازم نہیں ہے۔

لانفقة لاحد عشر -إلى- وخارجة من بيته بغير حق وهى الناشزة حتى تعود. (شامی زکریا ۲۸٦/۵، کراچی ۵۷٦/۳)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هدايه، اشرفی ۴۳۸/۲، قدوری ص: ۱۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۲؍جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹٦۰۴/۳۸)	۱۲/۵/۱۴۲۹ھ

طلاق کے بعد پیش آنے والے مختلف مراحل کا حل

سوال [۷۳٦۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ندوی عالم دین ہے اس نے ہندہ بنت خالد سے شادی کی، مہر فاطمی پر بایں شرط کہ جہیز بالکل نہیں لوں گا، مگر شادی کے بعد کسی نہ کسی طریقہ سے جہیز کا مطالبہ کرتا رہا، اس مطالبہ کو ہندہ کے باپ خالد نے حسب حیثیت پورا کیا، جس میں موٹر سائیکل دینا شامل ہے، اس جہیز کا زید تحریری طور پر اقراری ہے، نیز بطور قرض پچاس ہزار روپے دیئے تھے، زید اس رقم کا نہ اقراری ہے بلکہ انکاری ہے، کچھ دنوں کے بعد خالد اپنی بیٹی ہندہ کو اس کے شوہر زید کی اجازت سے اپنے گھر لے آیا۔

ستمبر ۲۰۰۵ء کو اس وقت ہندہ دو ماہ کے حمل سے تھی، چار ماہ گذر گئے، زید اور اس کے گھر والے نہ تو ہندہ کو بلانے آئے اور نہ ہی کوئی رابطہ کیا، بعدہٗ ادھر اُدھر کے لوگوں سے علم ہوا کہ زید نے ہندہ کو بیک وقت تین طلاقیں دیدی ہیں، زید عدالت میں زیر غور مقدمہ میں تین طلاق کا اقراری بھی ہے مگر کہتا ہے کہ بمذہب اہل حدیث ایک ہی طلاق واقع ہوئی، طلاق کے تین ماہ بعد ہندہ سے زید کی بیٹی زینب کی ولادت اسپتال میں ہوئی، ولادت کا کل صرفہ خالد نے برداشت کیا تاوقت تحریر زید کی بیٹی زینب تقریباً پانچ سال کی ہوگئی، از ولادت اب تعلیم وتربیت اور کھانے پینے سے لے کر علاج تک کا کل صرفہ خالد ہی برداشت کرر ہا ہے،

زید کا کہنا ہے کہ اس معاملہ (جوعدالت میں پانچ سال سے زیرِغور ہے) کا شرعی اعتبار سے حل کیا جائے، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(۲) اگر طلاق ہوگئی تو ادائیگی مہر زید پر واجب ہے یا نہیں؟

(۳) اگر ہے تو مہر فاطمی کی کتنی رقم بنتی ہے؟

(۴) زید پر سامان جہیز کی واپسی لازم ہے یا نہیں؟

(۵) بطور قرض لیا ہوا روپیہ واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۶) مطلقہ بیوی ہندہ کا نان ونفقہ زید پر کب سے کب تک کا واجب ہے؟

(۷) زید کی بیٹی زینب کی ولادت کا صرفہ اور ولادت کے بعد سے اب تک کا صرفہ جوخالد نے برداشت کیا، زید پر واجب الذمہ ہے یا نہیں؟

(۸) پانچ سال سے زیرِغور مقدمہ پر آنے والا خرچ زید کے ذمہ ہے یا نہیں؟

شرعی جوابات سے نوازیں۔

المستفتی: ماسٹر محمد ادریس محلّہ علی خاں، اودھم سنگھ نگر، اتراکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) جب زید خود تین طلاق کا اقراری ہے تو اس سے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے اب بغیر حلالۂ شرعیہ کے ان کے درمیان ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

إن من أقر بطلاق سابق يكون ذٰلك إيقاعا منه في الحال. (المبسوط للسرخسي، كتاب الطلاق، باب من الطلاق، دار الكتب العلمية بيروت ۱۳۳/۶)

لو قال لزوجته أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثا. (الأشباه والنظائر ص: ۲۱۹، زكريا ص: ۳۷۶)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

(هنديه، قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵)

(۲) نکاح ہوتے ہی شوہر کے ذمہ مہر کی ادائیگی لازم ہے اور طلاق کے بعد اس کے اندر مزید تاکید پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا شوہر کے ذمہ مہر کی ادائیگی واجب ہے۔

وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد ...... وإنما يتأكد لزوم تمامه بالوطئ ونحوه. (شامی، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤/ ٢٣٣، كراچی ٣/ ١٠٢، هنديه قديم ١/ ٣٠٣، جديد ١/ ٣٧٠)

(۳) موجودہ گراموں کے حساب سے مہر فاطمی کی مقدار ڈیڑھ کلو ۳۰ رگرام ۹۰۰ رملی گرام چاندی ہے اس کی قیمت ادائیگی کے دن صرافہ بازار سے معلوم کرلیں۔ (ایضاح المسائل ۱۲۹، اوزان المحمودۃ ۱۰۰)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء ...... وهو الأصح (در مختار) وفي الشامية: أن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب وقيل يوم الأداء وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامی، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، زكريا ٣/ ٢١١، كراچی ٢/ ٢٨٦)

(۴) جہیز میں جو کچھ سامان دیا گیا ہے اس کی مالک بیوی ہی ہے، لہٰذا شوہر پر لازم ہے کہ جہیز کا تمام سامان بیوی کو واپس کردے۔

أن الجهاز للمرأة إذا طلقها تاخذه كله. (شامی، كتاب النكاح، باب المهر زكريا ٤/ ٣١١، كراچی ٣/ ١٥٨)

(۵) اگر زید نے واقعی سسرال والوں سے پچاس ہزار روپیہ بطور قرض لیا ہے تو اس کی ادائیگی زید پر واجب ہے، اور کیسے لیا اور کیسے دیا، لینے دینے والے خود ایماندارانہ طور پر اس کا خیال رکھیں۔

يجب على المقترض أن يرد مثل المال الذى اقترضه. (الفقه الاسلامی وأدلته، حكم القرض، ما يجب رده على المقترض، هدیٰ انٹرنیشنل دیو بند ٤/ ٥١٥، دار الفكر ٥/ ٣٧٩٣)

(٦) زمانۂ عدت کا نان ونفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے لہٰذا بیوی ہندہ کے لیے بھی صرف زمانہ عدت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، اور عدت پوری ہونے کے بعد شوہر کسی چیز کا ذمہ دار نہیں۔

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنىٰ، كان الطلاق رجعيا أو بائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أو لم تكن. (هنديه، الباب السابع عشر في النفقات، قديم ١/٥٥٧، جديد ١/٦٠٥)

(٧) ولادت کے لیے چونکہ عورت خود ہسپتال گئی ہے شوہر نہیں لے گیا ہے اس لیے ولادت کا صرفہ عورت ہی کے ذمہ ہے۔

عن الشعبي قال: أتت امرأة شريحا فقالت: إن زوجي غائب وإني استدنت ديناراً فأنفقت على نفسي، قال: أن كان أمرک بذٰلک؟ قالت: لا، قال: فاقضي دينک. (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، الملجس العلمي ٧/٩٥ رقم: ١٢٣٥١)

وأجرة القابلة عليها إن استأجرتها. (هنديه قديم ١/٥٤٩، جديد ١/٥٩٩)

البتہ ولادت کے بعد زید کی بیٹی زینب کا خرچہ زید کے ذمہ واجب ہے۔

نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد. (هنديه، الفصل الرابع، قديم ١/٥٦٠، جديد ١/٦٠٧، هدايه اشرفي ٢/٤٤٤، قدوري ص: ١٩٢)

ونفقة الصغير واجبة على أبيه. (تاتارخانية ٥/٤١٢ رقم: ٨٣٣٣)

(٨) چونکہ مقدمہ لڑکی کے باپ خالد نے دائر کیا ہے، اس لیے اس کا جتنا خرچ ہوگا وہ خالد کے اوپر ہی آئے گا، زید کے ذمہ مقدمہ کا خرچ نہیں ہے۔

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي، مطلب: في التعزير بأخذ المال، زكريا ٦/١٠٦، كراچي ٤/٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۶ / جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۴۶)	۱۴۳۲/۶/۲۶ھ

کیا عدت کے بعد کے خرچ کی ذمہ داری شوہر پر ہے؟

سوال [۷۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نازینہ خاتون بنت عبد القادر ساکن محلّہ دانشمندان امروہہ کی شادی محمد نعیم ولد غلام حیدر ساکن محلّہ بیگم سرائے کلاں امروہہ کے ساتھ ۹۳ء میں ہوئی تھی، محمد نعیم سے نازینہ خاتون کے لڑکی پیدا ہوئی جو نازینہ کے پاس اب بھی موجود ہے، نازینہ نے اپنے شوہر محمد نعیم اور سسرال کے افراد کی جانب سے ظلم وستم ڈھائے جانے کے سبب طلاق کی خواہش کی، محمد نعیم نے نازینہ کے بیان کو غلط کہا اور گواہوں کے روبرو تین طلاقیں دیدیں، اب بعد عدت کے خرچہ اور پانچ سو روپیہ ماہانہ جیب خرچ جو بوقت نکاح لکھوایا گیا، اس کا ذمہ دار ازروئے شرع محمد نعیم ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی اپنے شوہر کے یہاں باتنخواہ ملازم بن کر نہیں آیا کرتی ہے بلکہ شوہر کی رفیقۂ حیات بن کر آتی ہے، لہٰذا اگر شوہر نے بیوی کو کھانا کپڑا اور رہائش کی جگہ دے رکھی ہے تو الگ سے جیب خرچ کے نام سے پانچ سو روپیہ لینے کی حقدار نہیں ہے، نیز اگر بیوی شوہر کی مرضی کے خلاف پہلے سے میکے گئی ہوئی ہے اور اسی دوران طلاق کا واقعہ پیش آیا ہے، اور اب بھی میکہ میں رہتی ہے تو ایسی صورت میں بیوی شرعی طور پر عدت کے خرچہ کی حقدار نہیں ہے، ایسی عورت طلاق سے قبل اور طلاق کے بعد دونوں حالتوں میں شرعاً ناشزہ کہلاتی ہے جو نان ونفقہ اور عورت کے اخراجات کی حقدار نہیں ہوتی ہے۔

عن الشعبی: أنه سئل عن امرأة خرجت من بيتها عاصية لزوجها، ألها نفقة؟ قال: لا، و إن مكثت عشرين سنة. (المصنف لابن أبی شيبة، الطلاق، ما قالوا فی المرأة تخرج من بيتها الخ، مؤسسة علوم القرآن جديد ۱۰/۱۵۲ رقم: ۱۹۳۶۹)

بأن ينظر فی حال الرجل هل فعل ذلک تخلصا من النفقة أو لسوء أخلاقها مثلا فإن كان الأول يلزم بها وإن كان الثانی لا يلزم. (شامی، زکريا ۵/۳۱٤، کراچی ۳/۵۹۵)

ولا نفقة لاحد عشر (إلى قوله) وخارجة من بيته بغير حق وهي الناشزة حتى تعود ولو بعد سفره. (در مختار، كتاب الطلاق، باب النفقة زكريا ۲۸٦/۵، كراچی ۵۷٦/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ /ربیع الاول ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳٦۸/۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/۱۴۱٦ھ

مطلقہ کی عدت کے بعد خرچ کا حکم

سوال [۷۳٦۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد سعید ولد محمد توفیق ساکن لال پور کچھار اودھم سنگھ نگر اور دلشاد بیگم بنت حاجی محمد معروف ساکن مسجد قریشیان محلّہ دائم پورہ ٹانڈہ بادلی رامپور، نکاح شرعی کے بموجب تین سال تک باہم شوہر بیوی بن کر رہے، بعدہٗ محمد سعید کی جانب سے طلاق شرعی (تین طلاق) دیئے جانے کے بعد محمد سعید اور دلشاد بیگم کے درمیان علاحدگی ہوگئی، محمد سعید کی جانب سے مہر، نان ونفقہ، نیز اس کے علاوہ دیگر چیزیں بھی دلشاد بیگم کو لوگوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی میں حوالے کردی گئیں، صورت مسئولہ یہ ہے کہ ۳/طلاقیں واقع ہونے کے بعد جب محمد سعید کی جانب سے مہر، نان ونفقہ کی رقم نیز دلشاد بیگم کے سارے مطالبات پورے کردیئے گئے تو کیا اب بھی محمد سعید کے ذمہ مطلقہ دلشاد بیگم کے کچھ حقوق یا کچھ اور رقم کی ادائیگی یا آئندہ کے لیے بحق زوجیت کوئی اور مطالبہ باقی رہ جاتا ہے؟ مطلقہ عورت دلشاد بیگم کا یہ مطالبہ کہ میرا سابق شوہر محمد سعید میرے نکاح ثانی تک برابر مجھے نان ونفقہ ادا کرتا رہے، اسلامی قانون کی رو سے صحیح ہوگا یا غلط؟

المستفتی: محمد توفیق، لال پور کچھا، اودھم سنگھ نگر، اترا کھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں طلاق مغلظہ کے بعد جب محمد سعید نے مہر اور عدت کا خرچہ ادا کردیا ہے، تو اب محمد سعید کی بیوی دلشاد بیگم کا نکاح ثانی

تک برابر نان ونفقہ دیئے جانے کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اور آئندہ اگر مطالبہ کرے گی تو وہ غیر شرعی اور ظالمانہ مطالبہ ہوگا جس کا محمد سعید کسی طرح مکلّف نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ١٣/ ٤٣٧)

إذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنىٰ في عدتها. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفی ٢/ ٤٤٣، قدوری ص: ١٩٠، هنديه قديم ١/ ٥٥٧، جديد ١/ ٦٠٥، اللباب ١/ ٢١١)

وإذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها وطالبته بذٰلك فلا شيئ لها. (هدايه، اشرفی ٢/ ٤٤٠، قدوری ١٩٢)

لو أقام الزوج البينة على إقرارها بانقضاء العدة سقطت نفقتها. (خانيه، جديد زكريا ١/ ٢٦٣، وعلى هامش الهندية ١/ ٤٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩/ جمادی الثانیہ ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٧٣٨)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٩/ ٦/ ١٤٣٣ھ

مہر وعدت کا خرچہ دینے کے بعد مزید مطالبہ کرنا

سوال [٧٣٦٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد عارف ولد حاجی احمد علی کا نکاح ریحانہ بنت شریعت اللہ عرف لڈن کے ساتھ ہوا تھا، میری بیوی میکہ جا کر بیٹھ گئی، دو مہینہ کے بعد مہیلا تھانے میں میرے اور میرے ماں باپ کے خلاف جھوٹا مقدمہ دائر کر کے ہم سب کو جیل بھجوا دیا، جیل سے نکلنے کے بعد امام شہر معصوم علی کے پاس ہم فیصلہ کے لیے تیار ہو گئے، مگر وہ لوگ نہیں آئے، پھر حاجی جمعہ بھائی لالباغ کے یہاں پنچایت ہوئی، پھر مجھے کچہری بلایا گیا، اور وہاں مجھ سے تین طلاق لی گئیں، میں نے بیوی کو تین طلاق دینے کے بعد اس کا مہر بیس ہزار روپیہ بھی ادا کر دیا، اور عدت کے خرچہ کے نام سے پانچ ہزار روپیہ بھی الگ سے دیا، اور ان کے جہیز کا

سامان جو کچھ بھی تھا واپس کردیا، اور سامان کے بارے میں ان لوگوں نے دعویٰ کیا تھا کہ سامان پرانا ہوگیا تو اوپر سے مزید پچاس ہزار روپئے سامان پرانا ہونے کے نام سے ہم سے لیے، جبکہ ہم اس قابل نہیں ہیں، کہیں سے ادھار لے کر ہم نے ادا کردیئے، کیا شریعت کے نزدیک ایسا بھی کوئی فیصلہ ہے کہ طلاق ہوجانے کے بعد بھی شوہر کے اوپر کوئی ذمہ داری باقی رہتی ہے، اس لیے کہ اتنا سارا مال لٹانے کے باوجود لڑکی والے ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ان سے ہماری نجات کی کیا شکل ہے؟

المستفتی: محمد عارف بن حاجی احمد علی محلّہ کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شوہر نے تین طلاق دے کر مہر اور عدت کا خرچہ بھی ادا کردیا تو اب لڑکی کے میکہ والوں کا مزید پریشان کرنا جائز نہیں ہے، نیز ایسی صورت میں بیوی نافرمان کہلاتی ہے اور ایسی بیوی کے لیے عدت کا خرچہ واجب نہیں ہوتا، اور سامان پرانا ہونے کے نام سے پچاس ہزار روپئے جو لیے گئے ہیں وہ سراسر ظلم ہے، اس پیسہ کا لڑکی اور لڑکی والوں کے لیے استعمال ناجائز اور حرام ہوگا اور شرعی طور پر اس پیسہ کی واپسی لڑکی والوں پر لازم ہے، اور جہیز کا سامان جس حالت میں ہو اسی حالت میں واپس کرنا شریعت کا حکم ہوتا ہے، جو نیا ہے نئی حالت میں اور جو پرانا ہوچکا ہے، وہ پرانی حالت میں واپس کرنے کا حکم ہے، استعمال کی وجہ سے کوئی معاوضہ وجرمانہ شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

وإن نشزت فلانفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، اشرفى ٢/٤٣٨، قدورى ص: ١٩٠)

ولاتضمن بالهلاک من غير تعد، وشرط الضمان باطل. (در مختار مع الشامى، كتاب العارية زكريا ٤/٤٧٦، كراچى ٥/٦٧٨- ٦٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦؍ جمادی الاولیٰ ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/٨٨٢٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٦/٥/١٤٢٦ھ

عدت کے بعد سابقہ شوہر پر کسی طرح کا نفقہ واجب نہیں

سوال [۷۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو میاں بیوی کے مابین اختلاف مزاج اور گھریلو حالات کی نامناسبت کی وجہ سے اور ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ سننے اور دیکھنے والے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ اس اچھے بھلے گھر میں کیا ہو گیا ہے افسوس بہت سے معزز حضرات نے ان حالات کو دور کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر سب ناکامیاب رہے ہیں، مجبور ہو کر محلّہ کے معزز حضرات کی ایک پنچایت قائم کرنی پڑی اور پنچ صاحبان کو یہ اختیار دیا کہ پنچایت اللہ کے واسطے بلا کسی کی طرف داری کئے اپنا تصفیہ صادر فرمائے، ہم فریقین کو پنچایتی فیصلہ منظور ہوگا، اور یہ کہ طلاق شرعی کی تصدیق فریقین کے ساتھ ساتھ علماء دین کے فتویٰ سے بھی مکمل طور پر مان لی گئی ہے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ جو بچے مطلقہ سے موجود ہیں اور جن کی عمریں اس طرح ہیں: لڑکی ۱۵ر سال، لڑکی ۴ر سال، لڑکا ۱۱ر سال، لڑکا نو سال، لڑکا ۷ر سال، لڑکا ۵ر سال یہ بچے کس کے پاس رہنے چاہئیں؟ کیا مطلقہ ان بچوں کی پرورش کے نام سے اپنے شوہر کے گھر میں رہنے کا حق پا سکتی ہے؟ جب کہ مطلقہ کے باپ اور دیگر رشتہ دار اسی شہر میں رہتے سہتے اور کاروبار کرتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مندرجہ بالا باتوں کا شرعی حکم صادر فرمائیں۔

المستفتی: شمیم امین، مقبرہ روڈ محلّہ میاں باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کی طلاق اور ختم عدت کے بعد عورت کو شوہر سے نان ونفقہ رہائشی مکان وغیرہ کسی چیز کے مطالبہ کا حق نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/۱۲۳) البتہ عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے حق دار ہے۔

وإذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها. (قدوری، كتاب النفقات ص: ۱۹۰، هدايه اشرفی ۲/ ۴۳۸)

اور جو بچے لڑکے سات سال سے کم عمر کے ہیں، ان کی پرورش کا حکم سات سال تک اور لڑکی کے بالغ ہونے تک بیوی کو ہے، اس کے بعد شوہر کو لے جانے کا حق حاصل ہوتا ہے، ان ایام میں پرورش کا خرچ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أی بالغلام حتی يستغنی عن النساء وقدر بسبع و به يفتی (إلی قوله) أحق بها أی بالصغيرة حتی تحيض أی تبلغ فی ظاهر الرواية. (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب الحضانة، زکریا ۲۶۷/۵-۲۶۸، کراچی ۵۶۶/۳، مصری ۷۸۱/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۵/۲۵)

مطلقہ معتدہ کی عدت گزرنے کے بعد نان ونفقہ کا حکم

سوال [۷۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں امیر خاں ولد زاہد خاں، میں اپنی بیوی شازیہ سلیم ولد سلیم میاں کو تحریری طور پر طلاق دے چکا ہوں، اب مجھے ان کا نان ونفقہ دینا ہے اور کب تک دینا ہے تاکہ میں اس کو دے سکوں، اور کتنا دینا ہے، اور آپ کے علم میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ حاملہ بھی نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی اولاد ہے، اور طلاق دیئے ہوئے تقریباً سات ماہ ہو چکے ہیں، تو کیا شرعاً طلاق دینے کے بعد اور عدت گذر جانے باوجود نان ونفقہ دینا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر خود اقرار کر رہا ہے، کہ وہ اپنی بیوی شازیہ سلیم کو سات مہینہ پہلے طلاق دے کر زوجیت سے خارج کر چکا ہے، اور اسلامی شریعت میں طلاق دینے کے بعد شوہر کے اوپر صرف عدت کا خرچہ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ جہاں عدت گذارنے کے لیے شوہر رکھنا چاہے اسی جگہ عدت گذارنے پر

مطلقہ عورت کو عدت کا خرچہ ملتا ہے، اور عدت کا زمانہ اگر ماہواری آنے والی ہے تو تین ماہواری گزرنے تک ہے، اور تین ماہواری گزر چکنے کے بعد عدت پوری ہو جاتی ہے، پھر اس کے بعد شوہر سے عدت کے خرچہ کے نام سے کسی قسم کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر زیادہ عمر کی عورت ہے جس کی وجہ سے ماہواری آنے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہو تو اس کی عدت کا زمانہ صرف تین مہینے ہیں، طلاق کے دن سے تین مہینے پورے ہونے پر عدت پوری ہو جاتی ہے، اس کے بعد اس کے شوہر سے کسی قسم کے نان ونفقہ کا حق باقی نہیں رہتا، سوال نامہ میں واضح کیا جا چکا ہے کہ طلاق دئے ہوئے سات ماہ گذر چکے ہیں، جس میں تین ماہواری یا تین ماہ گذرنے کے بعد اس کی عدت پوری ہو چکی ہے، لہٰذا اس کے بعد عدت کے خرچہ کا مطالبہ کرنا ناجائز مطالبہ ہے، اور تین ماہواری یا تین مہینہ میں عدت کا خرچہ جانبین کے لوگ خود متعین کریں گے، مثلاً فیملی میں پانچ آدمی ہیں اور فی ماہ پندرہ ہزار روپیہ سے گزارا ہو رہا ہے، تو فی آدمی کا خرچہ ٣/ ہزار روپیہ بیٹھا، تو اس حساب سے عدت کا خرچہ مثال کے طور پر ١٠/ ہزار روپئے بیٹھتا ہے، باقی شوہر کی جیب کے حساب سے عدت کا خرچہ متعین کرنا چاہیے۔

المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا أو بائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أو لم تكن. (هنديه، الباب السابع عشر فى النفقات، قديم ١/ ٥٥٧، جديد ١/ ٦٠٥، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية ٢/ ١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/ ذی قعدہ ١٤٣٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١١٧٠٤/٤١)

مطلقہ کی عدت پوری ہونے کے بعد نان ونفقہ کا حکم

سوال [٧٣٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں شریف احمد ولد محمد ابراہیم ساکن محلّہ عید گاہ مراد آباد کا ہوں میری شادی یکم فروری ١٩٨١ء کو محلّہ کسرول میں قمر الدین صاحب کی دختر سے ہوئی تھی، ١٩٨٣ء میں ہمارے

درمیان اختلافات کی بنا پر میری اہلیہ نے اپنے میکے سے عدالت میں نان ونفقہ کا دعویٰ کردیا تھا، اس وقت سے ۲۷/ اگست تک ایک سو روپیہ ماہواری پابندی کے ساتھ نان ونفقہ کے ادا کرتا رہا ہوں اور درمیان میں نااتفاقی ختم کرکے بہت دفعہ اپنے گھر بلانے کی کوشش کرتا رہا ہوں، بالآخر تھک جانے کے بعد اور ہر حالت میں انکار کی بنا پر ہم ستمبر ۹۸ء کو طلاق مغلظہ دے چکا ہوں، اور بذریعہ رجسٹری نوٹس کی اطلاع بھی کرچکا ہوں، اس کے باوجود میری سابقہ بیوی بذریعہ عدالت مجھ سے نان ونفقہ کا مطالبہ کررہی ہے، اور اب تو عدت کی مدت بھی کافی دن پہلے پوری ہوچکی ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا نان ونفقہ کا مطالبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: شریف احمد عیدگاہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مطلقہ عورت کی عدت گذر جانے کے بعد شوہر کے اوپر سے نان ونفقہ کی ذمہ داری شرعاً ختم ہوجاتی ہے، لہٰذا اب عدت کے بعد آپ سے نان ونفقہ کا مطالبہ عورت کے لیے اسلامی شریعت کے مطابق جائز نہیں ہے۔

لأن النفقة منوطة بالعدة ولا نفقة بعد العدة. (حاشية شرح وقايه، كتاب الطلاق، باب النفقة، ياسر نديم ۲/۱۷۸، قديم ۲/۱۵۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۳۷)

عدت مکمل ہونے کے بعد مطلقہ کے نان ونفقہ کا حکم

سوال [۷۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میری شادی تبسم بنت محمد یامین محلہ دولت باغ مرادآباد سے ہوئی تھی، بیوی کا دل مجھ سے نہیں ملا، گھر میں ہروقت لڑائی جھگڑے ہونے لگے ہیں، برابر کوشش کرتا رہا کہ گھر بنا

رہے، مگر کوشش ناکام رہی، پھر مجبور ہوکر اپنی بیوی تبسم کو تین طلاق دیدی، اوراس کے میکہ میں اطلاع کردی، بیوی میرے گھر سے نہیں جارہی ہے، میں بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ طلاق بیوی کے اوراس کے بھائی کے مطالبہ پر میں نے دی ہے۔

(۲) بیوی کو طلاق دیئے ہوئے دو سال ہو گئے ہیں کیا اب بھی اس کی عدت باقی ہے؟ اور عورت کا خرچ اب بھی مجھ پر واجب ہے، جبکہ طلاق کے بعد سے اب تک دو سال سے برابر خرچ دے رہا ہوں، جانے کے لیے کہتا ہوں تو جاتی نہیں ؟

(۳) طلاق کے بعد میری بیوی میرے گھر میں رہ رہی ہے اس کا یہاں رہنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

(۴) میرے بچے (لڑکا ۱۲؍سال اورلڑکی ۶؍سال) شرعی اعتبار سے باپ کے پاس رہیں گے یا ماں کے پاس؟

المستفتی: محمد پرویز دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلاق کے بعد عدت پوری ہونے تک بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر لازم ہے، اوراب چونکہ آپ کی اہلیہ کی عدت مکمل ہو چکی ہے، اس لیے اس کا نان ونفقہ آپ کے ذمہ نہیں رہا، اورآپ کی بیوی کو آپ کے گھر میں رہنے کا بھی حق نہیں ہے، کیونکہ یہ حق اس کو حق زوجیت کی وجہ سے تھا، جواب باقی نہیں رہا۔

عن عمرؓ إني سمعت رسول اللهﷺ يقول: للمطلقة الثلاث النفقة و السكنى مادامت في العدة. (نصب الراية، كتاب الطلاق، باب النفقة لاهور ۲۷۳/۳، دار الإيمان ۴۰۲/۳)

اوربچوں کی پرورش کا حق شریعت نے ماں کو دیا ہے جب تک لڑکا سات سال اورلڑکی بلوغ تک نہ پہنچ جائے اوراس عمر کو پہنچنے کے بعد والد کو بچوں کو اپنے پاس لانے کا اختیار ہے، حتی کہ اگر والدہ نہیں دیتی ہے تو جبراً لینے کا اختیار ہے، لہٰذا لڑکے کو آپ کو رکھنے کا حق ہے اور لڑکی ابھی ماں کے پاس رہے گی اوراس کے خرچہ کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

و يجبر الأب على أخذ الولد بعد استغنائه عن الأم لأن نفقته وصيانته

علیہ بالإجماع، وفی شرح المجمع: وإذا استغنی الغلام عن الخدمۃ أجبر الأب أو الوصی أو الولی علی أخذہ لأنہ أقدر علی تادیبہ و تعلیمہ وفی الخلاصۃ وغیرھا و إذا استغنی الغلام وبلغت الجاریۃ فالعصبۃ أولیٰ یقدم الأقرب فالأقرب ولا حق لابن العم فی حضانۃ الجاریۃ. (شامی، کتاب الطلاق، باب الحضانۃ زکریا ۵/۲۶۸، کراچی ۳/۵۶۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۴۲/۴۰)

عدت مکمل ہوجانے کے بعد شوہر پر کچھ بھی واجب نہیں

سوال [۷۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی کو اب سے دوسال قبل تین طلاق دیدی ہیں اور دین مہر پانچ ہزار روپئے اور عدت کا خرچہ ۵۰۰؍روپئے دیدیا ہے، میری بیوی انیسہ بیگم اپنے پہلے شوہر سے ایک لڑکی ساتھ لائی تھی، اس کا بھی خرچہ مانگا تو میں نے اس کا خرچہ پندرہ سوروپیہ دیا اور ایک لڑکا میرے یہاں ہوا تھا، اس کا خرچہ تین ہزار روپیہ مانگا تھا تو تین ہزار روپیہ دیا کل دس ہزار روپیہ ادا کردیا لیکن اب بھی میری بیوی میرے پیچھے لگی ہوئی ہے اور دھمکیاں دیتی ہے کہ قتل کروادیں گے، اور کسی فیصلہ کو ماننے کے لیے تیار نہیں، تو جب وہ ہمارے نکاح سے نکل گئی تو اسے ہمیں پریشان کرنا یا تعلق قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور میں نے مؤرخہ ۲؍محرم ۱۴۱۳ھ کو فتویٰ ۲۸/ ۲۹۹۶ لیا تھا، جس میں آپ نے لکھا تھا کہ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، بیوی حرام ہو گئی، بیوی اس کو بھی نہیں مانتی اور اسے پھاڑ دیا، اب دوبارہ جواب لکھ دیں۔

المستفتی: محمد یاسین کرولہ اسلام نگر، سنبھل روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب طلاق مغلظہ کے بعد عدت گذر گئی ہے اور

دورانِ عدت، عدت کا خرچہ بھی ادا ہو چکا ہے تو اب بیوی کو شرعی طور پر شوہر سے کسی قسم کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه و لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقه اشرفیه دیوبند ص: ۱۱۰) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۱۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۸ باب ثبوت النسب

شوہر کا بچہ کےنسب کاانکار کرنا

سوال [۷۳۶۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کی شادی زید سے ہوئی، کافی عرصہ تک کوئی اولا دنہیں ہوئی اس کا شوہر پردیس چلا گیا، ۷/ماہ بعدواپس آیا، اس کے ۵/ ماہ بعد ہندہ کے بچہ کی پیدائش ہوئی اس کا شوہر زیداس کا انکارکرتا ہے کہ یہ میری اولادنہیں ہے، اب اس بچہ اورعورت پرشریعت کی رو سے کیاحکم لگایا جائے گااب وہ عورت شوہر کےلائق ہے کہ نہیں؟

المستفتی: شاکرعلی کہمارہ پکڑیہ، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہرکابچہ کےنسب کاانکارکردینابغیرلعان کے معتبرنہیں ہےاس لیے مذکورہ صورت میں ہندہ سے پیدا شدہ بچہ کا نسب شوہر زید سے ثابت ہے،اوروہ عورت بھی بدستورزید کی بیوی ہے محض شک کی وجہ سے بچہ کےنسب کاانکارکرنا جائز نہیں ہے۔(احسن الفتاویٰ زکریا۵/۴۵۳،فتاویٰ دارالعلوم ۱۱/ ۳۶)

عن محمد بن زياد قال: سمعت أبا هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحيح البخاری، کتاب المحاربين، باب للعاهر الحجر، النسخة الهندية ۲/ ۷، رقم: ۶۵۶۰، ف: ۶۸۱۸)

الفراش على أربع مراتب: ضعيف وهو فراش الأمة لايثبت النسب فيه إلا بالدعوة، و متوسط وهو فراش أم الولد فانه يثبت فيه بلا دعوة لكنه ينتفي بالنفي،

وقوى وهو فراش المنكوحة ومعتدة الرجعي فإنه فيه لاينتفي إلا باللعان. (شامی، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: الفراش على أربع المراتب، زكريا ٥/٢٤٥، کراچی ٣/٥٥٠)

ثم النسب إنما يثبت باعتبار الفراش القائم بمنزلة ما لو أقر الزوج بولادتها وقال: ليس الولد مني، يثبت النسب بالفراش القائم ولا ينتفي إلا باللعان. (مبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٢/شوال ١٤٢٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/٨١٦٣)

اولاد کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا یا زانی سے؟

سوال [٧٣٧٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بدر الٰہی عرف محسن عمر تقریباً ٤٧/سال اور زوجہ کی عمر ٦١/سال شادی کو ١٨/سال گذر چکے ہیں، بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہے، کیونکہ وہ ازدواجی زندگی کا سکھ دینے کے لائق نہیں ہے جو کہ مرد اور عورت کے رشتے کی بنیاد ہے، وہ شادی سے پہلے سے ہی جسمانی طور پر کمزور تھی، یہ بات شادی کے وقت چھپائی گئی تھی، وہ سرکاری ملازم ہے، اور اچھی تنخواہ پاتی ہے، میں نے اپنی ذاتی کمائی سے دو کوارٹر خرید کر بیوی کے نام کردیئے ہیں جن کا کرایہ میں وصول کرتا ہوں، جبکہ میری آمدنی کے اور بھی ذرائع ہیں، پچھلے ٩/١٠/سال بیوی کے کہنے پر بیوی کے ساتھ اس کے میکہ اپنی سسرال میں ایک سالہ اور سلج اور ان کے بچوں کے ساتھ رہتا ہوں، سالہ بھی عرصہ دراز سے شگر کا مریض ہے اور جسمانی طور پر بہت کمزور ہے جس کی وجہ سے اس کی جنسی طاقت بالکل ختم ہوچکی ہے اور اس کی آمدنی نہ کے برابر ہے، وہ بھی اپنی بیوی کو ازدواجی زندگی کا سکھ دینے کے لائق نہیں ہے جو کہ میاں بیوی کے رشتہ کی بنیاد ہے ایسے حالات میں ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے میرے اور میرے سالہ کی بیوی کے ساتھ جسمانی تعلقات ہوگئے، جو ایک فطری عمل ہے اور دونوں میں قربتیں بڑھتی چلی گئیں، جس

کے نتیجے میں ایک لڑکی پیدا ہوئی میں ایک عرصہ سے اپنے نطفہ سے پیدا اولاد کے لیے تڑپ رہا تھا، میری یہ خواہش پوری ہوئی، تو ان حالات میں اب بچی کی عمر ۸/سال ہے اور یہ راز فاش ہو چکا ہے، راز کھلنے کے بعد سلج کا مجھ سے پردہ کرادیا گیا ہے اور میں اپنی بچی کے لیے تڑپ رہا ہوں اور کھل کر اسے اپنانا چاہتا ہوں، اور اس کی ماں کو بھی اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہوں، جس کے لیے یہ سماج تیار نہیں ہے، ایسے حالات میں بچی کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟ مندرجہ بالا حالات میں وہ بچی میری مانی جائے گی یا میرے سالے کی اور میرے سالے اور سلج کا رشتہ نکاح باقی رہا یا نہیں؟

المستفتی: بدرالٰہی عرف محسن ولد عبدالحیؒ، مغلپورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بدرالٰہی کا اپنی سلج کے ساتھ جو تعلق قائم ہوا ہے یہ حرام کاری اور زنا کاری ہے اور سالے کے نکاح میں ہوتے ہوئے سلج سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ شرعی طور پر سالے کی لڑکی ہے، بدرالٰہی کا اس لڑکی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور سلج کے ساتھ گناہ عظیم کا جوارتکاب کیا ہے اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس کے بارے میں سنگسار کر کے جان سے مار ڈالنے کا حکم ہوتا، یہاں چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے اس لیے بدرالٰہی اور سلج پر لازم ہے کہ سچی توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور دونوں قطعی طور پر ایک دوسرے سے دوری اختیار کریں، ایک مرد کو چار چار عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنے کی اجازت ہے، حلال طریقے سے اولادیں حاصل کرنے کے لیے شریعت نے بہت وسیع راستہ عطا کیا ہے، اس بدکاری کی وجہ سے سالے اور سلج کے رشتہ نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا ہے وہ عورت بدستور سالے کے نکاح میں باقی ہے۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. [النساء: ٣]﴾

عن عائشة زوج النبی ﷺ أنها قالت: ...... قال رسول اللہ ﷺ: الولد للفراش وللعاهر الحجر. (صحيح البخاری، کتاب الأحكام باب من قضى له

بحق أخيه، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۶۵، رقم: ٦٨٩٦، ف: ۷۱۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۶۲)

کیا مجنونہ بیوی سے پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے؟

سوال [۷۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیوی کے پاگل ہونے سے نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا اگر شوہر بیوی کے پاگل ہونے کی حالت میں وطی کرلے اور حمل قرار پائے تو اس بچہ کے نسب پر تو کوئی فرق نہیں پڑیگا؟

المستفتی: مشتاق احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیوی کے پاگل ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور بیوی کے پاگل ہونے کے وقت میں وطی سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ ثابت النسب ہوگا اس سے نسب پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: الولد للفراش. (صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب الولد للفراش و لو فى الشبهات، النسخة الهندية ۱/ ٤٧١، بيت الأفكار رقم: ١٤٥٧)

ولا يتخير أحدهما أى الزوجين بعيب الآخر فاحشا كجنون و جذام (در مختار) أى ليس لواحد من الزوجين خيار فسخ النكاح بعيب فى الآخر عند أبى حنيفة و أبى يوسفؒ. (شامی، كتاب الطلاق، باب العنين وغيره زكريا ٥/ ١٧٥، كراچی ٣/ ٥٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۱۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

شادی شدہ عورت سے زنا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچہ کا نسب

سوال [۷۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے بھائی عمر کی بیوی سے زنا کرلیا تو اس کے ذریعہ سے نکاح ٹوٹ جائیگا یا نہیں؟ اور جو اولاد پیدا ہوگی، وہ کس کی جانب منسوب ہوگی؟ (زید کی یا عمر کی) اور اس وقت ان زانیہ مرد اور عورت کی کیا سزا اور حد ہوگی؟ اور کس طرح سے وہ اس گناہ سے نجات پائیں اور کیا کفارہ وغیرہ ان پر واجب ہوگا؟ جس کے ذریعہ وہ اس بڑے گناہ سے چھٹکارا پا جائیں کوئی سہل یا سخت سزا متعین کرکے جواب دیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کا اپنی بھابھی کے ساتھ ایسی حرکت کرنا عظیم ترین گناہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دردناک عذاب کا خطرہ ہے، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو دونوں کے اوپر شرعی حد جاری ہوتی، اب دونوں کے اوپر سچی توبہ لازم اور ضروری ہے، اور دونوں کا ایک دوسرے کے سامنے آنا ہرگز جائز نہیں اور اس فعل شنیع کی وجہ سے عورت عمر کے نکاح سے باہر نہیں ہوگی، نکاح بدستور باقی ہے، اگر اس سے استقرار حمل ہو جاتا ہے تو وہ بچہ شرعاً شوہر کا شمار ہوگا، زانی کا نہ ہوگا۔

عن عائشة ...... فقال النبي ﷺ: ...... الولد للفراش وللعاهر الحجر.

(صحيح البخاري، كتاب الفرائض، باب الولد للفراش حرة كانت أو أمة، النسخة الهندية ۹۹۹/۲ رقم: ۶۴۹۲، ف: ۶۷۴۹)

ووجهه أنه لا اعتبار لماء الزاني ولذا لو زنت امرأة رجل لم تحرم عليه وجازله وطئها عقب الزنا. (شامی، کتاب النکاح زکریا دیوبند ۱۰۹/۴، کراچی ۳۴/۳، البحر الرائق / کتاب النکاح، فصل فی المحرمات زکریا ۱۷۰/۳، کوئٹہ ۹۶/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۶۳/۳۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۶ھ

بدکاری کے ذریعہ پیدا شدہ بچی کا نسب

سوال [۷۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب کے تعلقات ایک فاحشہ عورت عرف مینا سے ہو گئے تھے، اور اسی مدت میں اس عورت سے ایک بچی پیدا ہوئی اور اس بچی کی پیدائش کے پانچ سال کے بعد اس بچی کی والدہ سے میرے والد محترم کی شادی ہو گئی اور دو سال بعد دونوں کا نکاح بذریعہ طلاق ثلاثہ کے ختم ہو گیا، اور اب والد صاحب کا انتقال بھی ہو چکا ہے، تو کیا اس ناجائز بچی کا میرے والد صاحب کی وراثت میں کچھ حصہ ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بدکاری کے ذریعہ جو بچی پیدا ہوئی ہے شریعت میں اس کو آپ کے باپ کی طرف منسوب نہیں کیا جائیگا، اور نہ ہی آپ کے والد کی وارث بنے گی، اگرچہ بچی کی پیدائش کے پانچ سال کے بعد اس بچی کی ماں سے آپ کے والد نے نکاح بھی کر لیا ہو تب بھی اس بچی کا رشتہ آپ کے والد سے شریعت کے نزدیک باپ بیٹی کا نہیں ہے اس لیے وہ بچی آپ کے والد کی کسی طرح وارث نہیں بنے گی، ہاں البتہ اگر آپ لوگ اسے کچھ دیں گے تو وہ آپ لوگوں کی طرف سے تبرع اور ہمدردی ہوگی، مگر اس کا کوئی حق نہ ہوگا اور نہ ہی مطالبہ کا حق ہوگا۔

أما إن قال أنه مني من الزنا فلايثبت نسبه ولا يرث منه. (عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، قدیم ۱/ ۵٤۰، جدید ۱/ ۵۹۱)

فلو لأقل من ستة أشهر من وقت النكاح لايثبت النسب، ولايرث منه إلا أن يقول: هذا الولد مني، ولا يقول من الزنى. (شامی، کتاب النکاح قبیل مطلب: فیما لو زوج المولیٰ أمته زکریا دیوبند ٤/ ۱٤۲، کراچی ۳/ ٤۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۶/ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۹۸)	۱۶/ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ

DNA ٹیسٹ کے ذریعہ ثبوت نسب کی شرعی حیثیت

سوال [۷۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ساجدہ کی شادی زید سے ہوئی، ابھی تین مہینہ بھی نہیں گذرے تھے کہ پتہ چلا کہ وہ شادی سے پہلے گذشتہ تین مہینے سے حاملہ ہے، تو زید نے اپنی بیوی ساجدہ سے پوچھا کہ یہ حمل کس کا ہے، تو ساجدہ نے اقرار کرلیا کہ میرے چچا زاد بھائی عمر کا ہے، جس سے میرے غلط تعلقات تھے، لیکن چچازار بھائی عمر اس بات کا انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ یہ تہمت لگارہی ہے، ساجدہ کا شوہر صورت حال کو دیکھ کر طلاق دینا چاہ رہا ہے، جس سے ساجدہ اور زید کے گھر والوں میں تشویش کا ماحول بن گیا ہے، سوال یہ ہے کہ ڈی این اے ٹیسٹ کے ذریعہ سے ثبوت نسب کا اعتبار شریعت میں ہے یا نہیں؟

(۲) کیا چھ مہینے سے کم یعنی ۲/۳ رمہینے میں وضع حمل ہوجائے تو کیا **الولد للفراش** کے تحت شوہر سے نسب ثابت ہوجائے گا؟

المستفتی: سفیان احمد آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شادی کے چھ مہینے پورے ہونے کے بعد وضع حمل ہوتا ہے تو وہ بچہ بنص حدیث ''**الولد للفراش**'' کے تحت میں داخل ہوکر موجودہ شوہر کا شمار ہوگا، اور اسی سے نسب ثابت ہو جائے گا، لیکن اگر چھ مہینے پورے ہونے سے پہلے وضع حمل ہوجاتا ہے تو وہ بچہ موجودہ شوہر کا شمار نہ ہوگا اور اس بچے کو ثابت النسب قرار نہیں دیا جاسکتا اسے صرف ماں کی طرف منسوب کردیا جائے گا، اور ثبوت نسب کے لیے ٹیسٹ کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا شادی کے صرف تین مہینے بعد جو بچہ پیدا ہوگا وہ شوہر کا شمار نہیں ہوگا۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قام رجل فقال يا رسول الله! إن فلانا ابني عاهرت بأمه في الجاهلية، فقال رسول الله ﷺ: لا دعوة في الإسلام،

ذهب أمر الجاهلية، الولد للفراش و للعاهر الحجر. (أبوداؤد شريف، الطلاق، باب الولد للفراش، النسخة الهندية ۳۱۷/۱، دار السلام رقم: ۲۲۷٤، مشكاة المصابيح ۲۸۷/۲)

وإذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لأقل من ستة أشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه و إن جاءت به لستة أشهر فصاعدا يثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سكت لأن الفراش قائم و المدة تامة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب اشرفی ۴۳۲/۲، هنديه زكريا قديم ۵۳۶/۱، جديد ۵۸۸/۱، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۲۵۸/۵، رقم: ۷۷۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۷ھ

نکاح فاسد و باطل میں سے کس میں نسب ثابت ہوگا؟

سوال [۷۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فرقان خان کی شادی سیدہ خانم سے جولائی ۱۹۸۹ء میں ہوئی تھی، اور وہ دونوں خوشی خوشی اپنی زندگی گاؤں سٹھلہ میں گذار رہے تھے، چونکہ فرقان قریب کے گاؤں خانپور کے مدرسہ میں پڑھاتا تھا، اور روزانہ شام کو اپنے گاؤں میں آجاتا تھا، اچانک فرقان کے چھوٹے بھائی نے فرقان کو دہلی وقف بورڈ کی مسجد طبیہ کالج قرول باغ میں تقرر کرا دیا اور فرقان اپنے فرائض انجام دینے لگا، اور اس دوران سیدہ خانم فرقان کے گھر گاؤں سٹھلہ میں رہنے لگی، لیکن بارہا سیدہ خانم کا اصرار تھا کہ وہ جہاں بھی رہے اپنے شوہر فرقان کے ساتھ رہے، کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے کافی محبت کرتے تھے، اسی بات کو لے کر فرقان ہر ماہ اپنے گاؤں جاتا تھا تاکہ کسی طرح کی کوئی بات پیش نہ آئے، لیکن نہ معلوم اللہ کو کیا منظور تھا کہ سیدہ خانم اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور اسی دوران فرقان دہلی میں رہنے کا انتظام کرنے لگا تو مولانا قاری حکیم حشام صاحب متولی مسجد طبیہ کالج قرول باغ نے اپنے مکان کی چھت پر

جو کمرہ تھا وہ فرقان کو الگ سے دیدیا تا کہ وہ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ رہ لیں باقی جب یہ انتظام فرقان نے کرلیا تو وہ اپنی بیوی سیدہ خانم کو ان کے والدین کے گھر سے شعبان المعظم کے مہینہ میں لے کر دہلی آ گیا، اور دہلی میں سیدہ خانم اپنے شوہر فرقان کے ساتھ بقرعید تک رہی اس کے بعد وہ فرقان کے گاؤں سٹھلہ چلی گئی اور فرقان نے کہا کہ اتنے تم میرے گاؤں سٹھلہ میں رہ لو اور میں مستقل دہلی میں رہنے کا انتظام کرتا ہوں تو وہ بھی فرقان کے گھر رہنے لگی اس تمنا اور امید کے ساتھ کہ چند دنوں میں مستقل رہنے کا انتظام ہو جائے گا، اور پھر اسی بات کو جناب قاری حشام صاحب نے بھی فرمایا کہ جب تک اپنے شوہر فرقان کے گھر رہو مستقل انتظام ہونے پر فوراً تم دہلی آ جاؤ گی، اور دونوں مستقل رہائش کے انتظام میں لگ گئے اور الحمد للہ مستقل رہنے کا انتظام بھی ہو گیا، لیکن اسی دوران سیدہ خانم بغرض ملاقات اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور وہیں رہ گئی، جب فرقان کو معلوم ہوا کہ ان کی اہلیہ سیدہ خانم اپنے والدین کے گھر ہے تو فرقان دہلی سے ہی گھر گئے پھر اپنے سسرال یعنی سیدہ خانم کے والدین کے گھر گئے اور سیدہ کو لانے کی بات کی تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اپنے بڑے بزرگوں کو لاؤ تو فرقان اپنے بڑے بزرگوں کو لے کر گئے تو وہ لوگ جہالت پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ جب لڑکی اپنے شوہر سے چھ ماہ الگ ہو جائے تو خود بخود طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لیے ہم اب تمہارے ساتھ نہیں بھیجیں گے، اور ہم دوسری شادی کرائیں گے، اس کے بعد وہ لوگ دوسری شادی کی تیاری میں مصروف ہو گئے، اور تاریخ بھی طے کردی تو فرقان نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے اس قضیہ کا فیصلہ طلب کیا جو مندرجہ ذیل مذکورہ ہیں:

فتویٰ دارالعلوم دیوبند زیر تحریر ہے: مذکورہ سوالات کو پڑھ کر یہ بات علم میں آئی کہ خواہ بیوی شوہر سے چاہے جتنی مدت سے الگ رہے اس شرط کے ساتھ کہ ان کا شوہر موجود ہے تو طلاق دیئے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس کے باوجود والدین نے دوسری شادی کردی تو شادی نہ ہوگی، اور قاضی نکاح اور شریک نکاح گنہ گار ہوں گے اور یہ حرام کاری ہوگی اور ان کی جو اولاد ہوگی وہ حرامی کہلائے گی، اور اس حالت میں بیوی نان ونفقہ کی حقدار بھی نہ ہوگی، جب تک کہ شوہر اول کے پاس نہ آ جائے، لہٰذا دو چار حکم بنا کر فریقین کے قضیہ کو سن کر سمجھا بجھا

کرصلح کر کے شوہر اول کے پاس بھیج دیں تا کہ دونوں اپنی زندگی ازسر نو گزار سکیں، اور فریق مخالف گناہوں سے بچ جائیں گے، باقی فتویٰ مذکورہ جو دارالعلوم دیوبند سے طلب کیا گیا تھا وہ فتویٰ اور خط جو صلح کے طور پر فرقان کی جانب سے تھا وہ سیدہ کے سرپرست اور خاص کر دونوں کے رشتہ دار نمبردار حنیف خاں صاحب، افغان پور کی خدمت میں ارسال کردیا گیا جو جوابی رجسٹری کی شکل میں تھا جس کی جوابی رسید پر دستخط ہوکر فرقان کو ملی جو اس بات کی دلیل ہے کہ فرقان نے جواز اور عدم جواز اور اپنی رضامندی کی خبر ان کے والدین تک پہنچا دی ہے جس کا علم ان کے والدین کو بھی ہوگیا، لیکن اس کے باوجود وہ لوگ مقررہ تاریخ کو کینسل نہ کرتے ہوئے شادی میں مصروف رہے، لیکن فرقان اپنی زندگی اور اپنی بیوی کی محبت کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس لڑکے کے گھر پہنچا جہاں شادی طے تھی، اتفاقاً اس لڑکے سے ملاقات تو نہ ہوئی البتہ ان کے والدین اور ان کے بھائی وغیرہ سے ملاقات ہوئی اور اپنی ساری کہانی سنائی اور اسی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ کی کاپی دی تا کہ وہ حضرات بھی اس قضیہ سے باخبر ہوجائیں لیکن انہوں نے برجستہ یہ کہا کہ انہوں نے طلاق نامہ پر تمہارے انگوٹھے کے نشان کے ساتھ ڈی ایم میرٹھ سے کاغذ بنا رکھے ہیں، جس کو لے کر کورٹ میرج ہوچکا ہے، اور یہ جو شادی تاریخ معین پر ہوگی وہ رسمی اور دنیا کو دکھانے کے طور پر ہوگی، تا کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ فلاں کی شادی فلاں سے ہوئی ہے، تو اس پر فرقان نے کہا کہ میں تو انگوٹھے کا نشان لگاتا ہی نہیں اور نہ ہی میں نے اس طرح کا کوئی کام کیا ہے، اور نہ مجھ سے طلاق لی گئی ہے جو جواز کی دلیل بن جائے، باقی اگر تم اس کاربد سے باز نہیں آرہے ہو تو میں شریعت کی رو سے سرکاری قانون کا سہارا لوں گا، اور قانونی کارروائی کروں گا، تو اس پر ان لوگوں نے جان سے مارنے کی دھمکی دی، لیکن فرقان نے اپنی بیوی کی محبت میں آکر سرکاری قانون کا سہارا لیا، اور اسی وقت جاکر ڈی ایم، ایس ایس پی دہلی گیٹ کا تھانہ اور جلی کوٹھی میرٹھ کی چوکی جو لڑکے سے متعلق ہے اور فرقان کا تھانہ موانہ اور اپنی بیوی سیدہ خانم کا تھانہ قلعہ پرشد گڈھ میرٹھ کو یہ لکھ کر باخبر کیا گیا کہ میری بیوی کو ڈرا دھمکا کر اور بہکا کر جبراً شادی کی

جارہی ہے، اس کو شریعت کی رو سے فوراً روکا جائے، اور مجھ سے طلاق لے کر دوسری شادی کرلیں تاکہ کار بد سے محفوظ رہیں، لیکن اسی کے ساتھ شادی سے دوروز قبل بذریعہ پولیس یہ خبر دی گئی کہ شوہر اول سے طلاق دیئے اور لیے بغیر دوسری شادی کروا رہے ہیں، تو گاؤں والوں نے فوراً یہ شادی رکوادی، اور پورے گاؤں والے ایک میت میں شریک تھے، اور یہ خبر بذریعہ پولیس پہنچی لیکن وقتی طور پر وہ حضرات دوسری شادی کرانے سے تو باز رہے البتہ چند سال کے بعد ہی وہ شادی اسی لڑکے سے کرادی جو طے تھی، اوران دونوں سے ایک لڑکی کی ولادت ہوئی، جو زندہ ہے تو وہ لڑکی اپنے والدین کے گھر آئی ہوئی تھی، تو اسی دوران اس کا شوہر ثانی جس سے بچی کی ولادت ہوئی تھی وہ شراب کے نشے میں سیدہ خانم کے گھر افغان پور آیا جسے لوگوں نے دیکھ کر سیدہ خانم کو لعن طعن کیا اور کہا کہ ایک امام کو چھوڑ کر بغیر طلاق دیئے اور لیے اس شرابی سے شادی کی ہے جو منجانب اللہ عذاب الٰہی ہے جو دنیا میں دیکھ رہی ہو اور آخرت میں نہ معلوم کیا ہوگا، جب کہ تو ایک پاک باز اور نیک سیرت عورت ہے، جو نماز اور تلاوت قرآن کا بہت اہتمام کرتی ہے، اور وہ امام صاحب جو تمہاری خالہ کا لڑکا ہے اس کے ساتھ بڑا اچھا جوڑ ہے، جو مخالفین نے تم کو یہاں تک پہنچادیا اور اب بھی تو اس گناہ عظیم سے بچ جا اور یہ بچی اس کے حوالے کردے تو اس نے وہ بچی اس کے حوالے کردی اور یہ عزم اور ارادہ کرلیا کہ اب میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی، اور اب چند سالوں سے اپنے والدین کے گھر رہ رہی ہے، نیز اب کچھ ذی فہم وذی علم اور ذمہ دار حضرات کے سمجھانے بجھانے سے فرقان اور سیدہ خانم ایک دوسرے کے ساتھ بخوشی زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور حال ہی میں ٹی وی اور اخبار کی سرخیوں میں رہا میرٹھ کے عارف اور گڈی کا واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ عارف شادی کے صرف چند دن بعد ہی کارگل کی لڑائی میں گیا اور پاکستان فوج کے ہاتھوں قید ہوگیا جہاں وہ پانچ سال تک رہا اس دوران علماء اور قاضی حضرات نے عارف کی گمشدگی کی شرعی مدت پوری ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ قرار دیدیا، اور گڈی کے والدین نے اس کی شادی توفیق نامی ایک دوسرے آدمی سے کرادی، اب جبکہ توفیق سے گڈی کے پیٹ

میں آٹھ ماہ کا حمل قرار پاچکا تو اچانک عارف میرٹھی پاکستانی قید سے رہا ہوکر اپنے گھر پر میرٹھ آ گیا اور گڈی کو توفیق کے نکاح میں دیکھ کر عارف نے عدالت میں انصاف طلب کی درخواست لگادی اس پر عدالتی ججوں نے شریعت محمد کی رو سے مفتیوں کا فتویٰ طلب کیا، جس پر مفتیان کرام کی طرف سے جواب آیا کہ عارف کی گمشدگی کی وجہ سے شرعی مدت گذرنے پر گڈی کا توفیق کے ساتھ نکاح جائز تھا اور اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ بھی حلال ہی کا کہلائے گا، لیکن چونکہ اب عارف اچانک اپنے گھر میرٹھ پہنچ گیا اور اس نے چونکہ گڈی کو طلاق نہیں دی تھی اس لیے توفیق کے ساتھ جو نکاح کیا گیا فسخ کیا جاتا ہے، اور گڈی عارف کی منکوحہ اور شرعی زوجہ ہے لیکن گڈی عارف کے ساتھ ہی رہے گی البتہ بچہ توفیق کا ہوگا، اور وہی اس کے خرچ کا ذمہ دار ہوگا، اور باقاعدہ توفیق کی ملکیت کا وارث بھی ہوگا، اب فتویٰ ہٰذا کی تمام روداد اور اس حالیہ واقعہ کے تناظر میں کیا سیدہ خانم فرقان خان کے یہاں دوبارہ بغیر نکاح کے بیوی بن کر رہ سکتی ہے کیونکہ فرقان رکھنے کو تیار ہے، اور اس صورت میں کیا فرقان خان کی امامت میں کوئی کراہت تو نہ ہوگی، برائے کرم شریعت کی روشنی میں استفتاء کا مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: فرقان احمد خان قاسمی میرٹھی، سابق امام مسجد طبیہ کالج موجودہ امام بڑی مسجد شیدی پورہ قرول باغ، مکان نمبر ۱۰/ ۵۵، نزد لڑکیوں کا ہوسٹل طبیہ کالج، اجمل خاں روڈ قرول باغ نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ واقعہ اپنی جگہ صحیح اور درست ہے کہ فرقان خان نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے تو سیدہ ہر حال میں فرقان کی بیوی اور بدستور اس کے نکاح میں باقی ہے، اور سیدہ کا فرقان کے نکاح میں باقی رہنے کی حالت میں اس سے طلاق اور شرعی تفریق حاصل کیے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا ناجائز اور شریعت کے ساتھ کھلواڑ ہے، اور جس مرد کے ساتھ نکاح کیا ہے اس مرد اور اس کے خاندان والوں کو جب فرقان نے جاکر اطلاع کردی تھی کہ یہ میری بیوی ہے اور میرے نکاح میں ہے، نیز سرکاری پولیس محکمہ کے

ذریعہ بھی ان لوگوں کو اطلاع کردی تھی کہ سیدہ فرقان کے نکاح میں ہے، اور طلاق لیے بغیر اس شخص کا سیدہ سے نکاح باطل اور ناجائز ہے اور اس مرد کا سیدہ کو اپنے ساتھ رکھنا اور اس کے ساتھ ہمبستری کرنا، بدکاری اور زناکاری ہے، اور سیدہ بدستور فرقان کی بیوی ہے اور فرقان خاں کے لیے اس کو بلا نکاح اپنے پاس رکھنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے اور فرقان خان کی امامت بھی جائز اور درست ہوگی، لیکن زانیہ عورت جس کی بدکاری کی شہرت ہوگئی ہے ایک امام کے لیے ایسی بدکار عورت کو اس وقت تک رکھنا تقویٰ کے خلاف ہے جب تک وہ عورت سچی توبہ کر کے ایسی حرکتوں سے باز نہ آئے اور مقتدیوں کے دلوں میں بھی ایک قسم کی کراہت ہوسکتی ہے، اس کا خود فرقان صاحب خیال کریں، اور فتویٰ کی رو سے فرقان کی امامت میں کوئی کراہت نہیں ہے، اس لیے کہ فاسقہ اور فاجرہ عورت کو زوجیت میں رکھنا ناجائز نہیں ہے۔

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجر. (الدر مع الرد، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره زکریا دیوبند ۹/ ۶۱۱، کراچی ۶/ ۴۲۷)

أما نکاح منکوحة الغیر و معتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة إن علم أنها للغیر لأنه لم یقل أحد بجوازه فلم ینعقد أصلا، قال فعلی هذا یفرق بین فاسده و باطله فی العدة، ولهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لأنه زنی. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: فی النکاح الفاسد والباطل زکریا ۵/ ۱۹۷، ۴/ ۲۷۴، کراچی ۳/ ۱۳۲، ۳/ ۵۱۶، البحر الرائق کوئٹه ۴/ ۱۴۴، زکریا دیوبند ۴/ ۲۴۲)

اب رہی اس درمیان میں پیدا ہونے والی بچی کہ وہ کس کی ہے، راجح اور مفتی بہ قول کے مطابق وہ بچی فرقان خان کی نہیں ہوگی لیکن یہاں یہ بات کہ لڑکی کا نسب زوج ثانی سے صحیح ثابت ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ نکاح فاسد میں زوج ثانی سے نسب ثابت ہو جاتا ہے اور نکاح باطل میں نسب ثابت نہیں ہوتا بلکہ ولدالزنا ہوتا ہے، اور فرقان سیدہ کے مذکورہ معاملہ میں سیدہ کا دوسرے شخص سے نکاح، نکاح فاسد نہیں تھا، بلکہ

نکاح باطل تھا اس لیے اس سے جو بچی پیدا ہوئی ہے وہ ثابت النسب نہ ہوگی بلکہ ولد الزنا میں شامل ہوگی، اور زوج اول کے پاس آنے کے لیے نہ عدت گذارنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی زوج ثانی سے نسب ثابت ہوگا۔

لأنه نكاح باطل أی فالوطئ فيه زنی لايثبت به النسب بخلاف الفاسد فإنه وطئ بشبهة فيثبث به النسب ولهذا تكون بالفاسد فراشا لا بالباطل. (شامی، کتاب الطلاق، قبیل باب الحضانة، زکریا ۵/ ۲۵۲، کراچی ۳/ ۵۵۵)

ایک تیسری بات یہاں قابل غور یہ ہے کہ عارف میرٹھی اور گڈی کا معاملہ سوالنامہ میں چھیڑ دیا گیا ہے اس کا واقعہ اور سیدہ کا واقعہ یکساں نہیں ہے، بلکہ دونوں کے معاملہ میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ عارف کی گمشدگی کے زمانہ میں اس کی ہلاکت کا غالب گمان پیدا ہو گیا تھا، جس کی بناء پر گڈی نے دوسرے مرد سے شادی کر لی تھی، اور غالباً سوالنامہ میں یہ بات زائد لکھدی ہے کہ گڈی نے دوسرا نکاح شریعت محمدی کے مطابق مفتیان کرام اور شرعی قاضی سے شرعی طلاق اور فیصلہ لینے کے بعد توفیق سے کیا تھا، بلکہ یہ بات درست ہے کہ عارف کی واپسی کے بعد عدالتی ججوں نے مفتیان کرام اور شریعت کے ذمہ داران سے رجوع کیا ہے اور یہ فیصلہ بھی درست ہے کہ گڈی عارف ہی کی بیوی ہے، اور دوسرا نکاح مسئلہ غلط سمجھنے کے ساتھ کیا گیا تھا، اس لیے دوسرا نکاح توفیق کے ساتھ فاسد تھا، جو وطی بالشبہہ کے درجہ میں ہے اور وطی بالشبہ کے ذریعہ نسب کا ثبوت ہوجاتا ہے، مگر بیوی پہلے شوہر کو مل جاتی ہے، حضرات فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت أولادا ثم جاء الزوج الأول فالأولاد للثانی علی المذهب الذی رجع إليه الإمام وعليه الفتویٰ. (در مختار، کتاب الطلاق، باب العدة، زکریا ۵/ ۲۴۷، کراچی ۳/ ۵۵۲)

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ سیدہ کے فرقان کے نکاح میں باقی رہتے ہوئے دوسرے شخص سے نکاح کرنا نکاح باطل تھا، اور گڈی کا نکاح عارف کے میدان جنگ میں گمشدگی

میں موت کا گمان غالب ہونے کی وجہ سے دوسرے شخص سے نکاح کرنا نکاح باطل نہیں تھا بلکہ نکاح فاسد تھا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۸۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۲۲ھ

لاعلمی کی وجہ سے منکوحۃ الغیر سے نکاح اور اس سے پیدا شدہ بچوں کا حکم

سوال [۷۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت نے فعل مختاری کی درخواست عدالت سے لے لی ہے، اپنے شوہر کے گھر پر نہ رہنے کی بنا پر چند مہینوں کے بعد کچھ لوگوں نے اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی کے ساتھ کر دیا، تین سال اس کے گھر رہی، اور اس کے ایک بچہ بھی پیدا ہوا، تین سال بعد جب دوسرے شوہر کو معلوم ہوا کہ پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی ہے اور اس نے فعل مختار کی درخواست لے لی ہے، اور عورت کا بیان ہے کہ مجھے پہلے شوہر نے طلاق دیدی ہے اور قسم کھائی ہے، دراں حالانکہ شوہر اول اس کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، دوسرے شوہر کے ساتھ جو نکاح ہوا ہے اب آپ براہ کرم بتلا دیجئے کہ دوسرا نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اور وہ عورت دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح میں آئی ہے؟ فرمایئے کہ کیا کیا جائے؟ رکھا جائے یا نہ رکھا جائے؟ اس وقت میکے میں بٹھا دیا ہے؟

المستفتی: حاجی عبد القدیر مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی عدالت کے غیر مسلم جج کا فیصلہ یا احکام شرعیہ کے خلاف مسلم جج کا فیصلہ نکاح وطلاق وغیرہ کے سلسلے میں شرعاً صحیح نہیں ہوتا ہے، لہٰذا عدالت سے فعل مختاری جو حاصل ہوئی ہے وہ شرعاً معتبر نہیں ہے، وہ شوہر اول کی بیوی ہے، اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی ہے، دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح درست نہیں

ہوا، دوسرے شوہر پر لازم ہے کہ جب بھی معلوم ہو جائے تو فوراً علاحدہ کردے، جو بچہ پیدا ہوا ہے اس کا نسب شوہر ثانی سے ثابت ہوگا کیونکہ شوہر ثانی کو حقیقت کا علم نہیں تھا۔

﴿ وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا. [النساء: ١٤١] ﴾

لـم ينفذ حكم الكافر على المسلم. (شـامی، کتاب القضاء، باب التحکیم، کراچی ٥/٤٢٨، زکریا ٨/١٢٦، کوئٹہ ٤/٣٨٦)

وقـد اتـفـق أئـمة الـحـنفية والشافعية على أنه يشترط لصحة الحكم و اعتبـاره في حقوق العبادالدعوىٰ الصحيحة، و أنه لا بد في ذٰلك من الخصومة الشرعية. (شامی، کتاب القضاء، مطلب: الحکم الفعلی، زکریا ٨/٢٣، کراچی ٥/٣٥٤)

أما نكاح منكوحة الغير و معتدته فالدخول فيه لايوجب العدة إن علم أنهـا لـلـغير لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلا. (شـامی کراچی ٣/١٣٢، زکریا دیوبند ٤/٢٧٤)

لأن الـنسـب كما يثبت في النكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد و بـالوطئ عن الشبهة. (البحـر الـرائـق، کتـاب الطلاق قبیل باب الحضانة زکریا دیوبند ٤/٢٨٩، کوئٹہ ٤/١٦٥)

ويثبـت الـنسـب أي نسـب الـمـولـود في النكاح الفاسد لأن النسب يحتاط في التامة إحياء الولد فيترتب على الثابت. (البحر الرائق کوئٹہ ٤/١٤٤، زکریا دیوبند ٤/٢٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۸۴)

موطوءۃ بالشبہہ سے پیدا ہونے والی اولاد کا حکم

سـوال [۷۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھی، اس کے بعد کچھ لوگوں نے بتایا کہ حمل میں طلاق نہیں ہوتی، پھر ہم دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے رہے، تقریباً چھے سال گذر گئے اب پتہ چلا کہ طلاق ہوگئی ہے تم ہم دریافت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے، ہمارے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟ اتنے طویل عرصہ تک مطلقہ بیوی کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہتے رہے، اس کا کفارہ دینا پڑے گا یا توبہ واستغفار کافی ہوگا، دوبارہ ساتھ رہنے کے لیے کیا حکم ہے، اب عدت گذارنی ہوگی یا پوری ہوچکی، اگر حلالہ کی شکل اختیار کرنا پڑے تو اس کی عدت کہاں گذارنی ہوگی، لڑکی کے میکہ میں کوئی بھی نہیں ہے۔

المستفتی: ندیم احمد کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چھے سال قبل جب آپ نے بیوی کو تین طلاقیں دیں اسی وقت سے طلاق مغلظہ واقع ہوکر وہ آپ کے لیے قطعی طور پر حرام ہوگئی تھی اوران چھ سالوں میں حلال سمجھ کر جو ہمبستری ہوئی ہے وہ حرام کاری ہے اس سے سچی توبہ واستغفار لازم ہے، تاہم اس درمیان اگر کوئی اولاد پیدا ہو تو اس کا نسب آپ سے ثابت ہوگا اور دوبارہ ساتھ رہنے کے لیے حلالہ کا طریقہ اختیار کرنا لازم ہے، چونکہ وطی بالشبہہ کے طور پر ہمبستری ہوتی رہی ہے اس لیے جس وقت سے آپ سے بیوی الگ ہوچکی ہے اس وقت سے ایک عدت (تین ماہواری) شوہر کے گھر گذارے گی، اور شوہر اس گھر میں نہیں رہے گا، اس کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر کے اس سے ہم بستری لازم ہے، پھر وہ شخص طلاق دیدے گا اس کے بعد پھر تین ماہواری عدت کے گذارنے کے بعد آپ سے نکاح ہوسکتا ہے۔

وإذا دخل بها في العدة و قد طلقها ثلاثا وقال ظننت أنها تحل لي فعليها عدة أخرىٰ. (تاتارخانية، كتاب الطلاق، الفصل الثاني والعشرون في العدة، زكريا ۵/۲۳۹ رقم: ۷۷۵۲)

وإذا وطئت المعتدة بشبهة ولو من المطلق وجبت عدة أخرىٰ

لتجدد السبب. (شامی زکریا ۵/ ۲۰۰، کراچی ۳/ ۵۱۹)

النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد وبالوطئ عن شبهة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب اشرفی ۲/ ۴۳۴)

إن وطئ المطلقة بالثلاث أو على مال لم تتمحض للفعل بل هي شبهة عقد أيضا فلا تناقض أي لأن ثبوت النسب لوجود شبهة العقد. (شامی زکریا ۵/ ۲۳۲، کراچی ۳/ ۵۴۱)

وتعتدان أي معتدة طلاق و موت في بيت وجبت فيه، وتحته في الشامية: هو مايضاف إليهما بالسكنى قبل الفرقة -إلى- فلو بائنا فلا بد من سترة. (شامی زکریا ۵/ ۲۲۵، کراچی ۳/ ۵۳۶)

وتعتد المعتدة في المكان الذي تسكنه قبل مفارقة الزوج...... وفي الجامع الصغير الحسامي: المعتبر المنزل الذي تسكن فيه يوم الفراق. (تاتارخانية زكريا ۵/ ۲۴۵ رقم: ۷۷۶۶)

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (هنديه زكريا قديم ۱/ ۴۷۳، جديد ۱/ ۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۴۶)

وطی بالشبہہ

سوال [۷۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک موضع میں دو حقیقی بھائی راشد اور خالد کا نکاح دو حقیقی بہنوں سنجیدہ خاتون اور فہمیدہ خاتون کے ساتھ ہوا، سنجیدہ راشد کے نکاح میں آئی اور فہمیدہ خالد کے نکاح میں آئی، رات میں جب ملاقات ہوئی تو راشد نے فہمیدہ کے ساتھ اور خالد نے سنجیدہ کے

ساتھ شب باشی کی اور یہ سب بھول کر ہوا، ان دونوں نے اپنی اپنی بیوی سمجھ کر رات گذاری، صبح کو معلوم ہوا کہ راشد کی بیوی سنجیدہ تھی اور اس نے غلطی سے فہمیدہ کے ساتھ شب باشی کی ہے، اب آپ تحریر فرمائیں کہ ان دونوں کی اپنی اپنی بیویاں باقی رہیں یا دونوں کا نکاح ختم ہو گیا اور پھر سے نکاح کرنا پڑے گا؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد جابر کملاپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں سنجیدہ راشد کی ہی بیوی رہے گی اور فہمیدہ خالد کی ہی بیوی رہے گی اور غلطی سے جو شب باشی ہوئی اس کی وجہ سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا، نکاح بدستور باقی ہے اس کو شریعت اسلامیہ میں وطی بالشبہہ کہا جاتا ہے، البتہ راشد اور خالد اپنی اپنی بیوی سے اس وقت تک ہمبستری نہیں کر سکتے جب تک دونوں کی عدت (تین حیض) نہ گذر جائے، اور اگر مذکورہ شب باشی کی وجہ سے استقرار حمل ہو جائے تو وضع حمل تک ہمبستری سے الگ رہنا لازم ہوگا، اور جو بچہ ہوگا وہ حرامی نہیں کہلائے گا، بلکہ جس کی شب باشی کی وجہ سے استقرار حمل ہوا ہے اسی کا بچہ قرار دیا جائے گا، اور بیوی بچہ پیدا ہونے کے بعد اپنے شوہر کے پاس رہے گی۔ (بہشتی زیور ۴/۴۵، ۴/۶۲)

إذا دخل الرجل بالمرأة على وجه شبهة أو نكاح فاسد فعليه المهر وعليها العدة ثلاث حيض إن كانت حرة. (بنايه، كتاب الطلاق، باب العدة، اشرفيه ديوبند ٥/٤٠٦، قديم ٢/٤٢١، مبسوط دار الكتب العلمية بيروت ٦/٥٥)

الأصل فيما إذا دخل الرجل على غير امرأته فدخل بها قال: عليه مهر لها لأنه دخل بها بشبهة النكاح لأن خبر الواحد حجة فى المعاملات فيصير شبهة تسقط الحد ويجب المهر ...... وعليها العدة ويثبت نسب ولدها منه.
(فتح القدير، كتاب النكاح، باب المهر، دار الفكر مصرى ٣/٣٦٦، كوئٹه ٣/٢٤٥، زكريا ٣/٣٤٩، الدر مع الرد، كراچی ٣/٥٢٧، زكريا ٥/٣١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۶۴/۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۲۵ھ

مطلقہ مغلظہ سے ہم بستری کے بعد اولاد کا حکم

سوال [۷۴۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد کلیم نے اپنی بیوی فرح ناز کو کئی بار گھر سے بغیر اجازت جانے کے لیے منع کیا مگر وہ باز نہیں آئی، ایک دن محمد کلیم نے اس کے بھائی سے بطور دھمکی کہا کہ اب کی بار بغیر کہے باہر گئی تو میں اسے طلاق دیدوں گا، پھر اگلی بار وہ نہیں مانی، محمد کلیم گھر پر آیا تو اس نے گھر پر تالا لگا دیکھا، دیکھ بھال کر وہ اپنی ماں کے گھر گیا وہ بہت دیر بعد آئی اس پر محمد کلیم نے کہا، سنا، کہا سنی میں محمد کلیم نے اسے بآواز بلند تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کہہ دیا، اس وقت محمد کلیم کی ماں نے ہاتھ جوڑے اور مجھ سے کہا ایسا مت کر، اور چچا، پھوپھی نے بھی سنا اور مجھ سے کہا مفتی صاحب سے معلوم کرلوں گا اور دو چار دن بعد مجھ سے کہہ دیا کہ میں نے معلوم کرلیا کہ طلاق نہیں ہوئی ہے، اب کلیم نے مسجد میں تعلیم سنی جس میں سنا کہ جو طلاق دے کر پھر رکھے تو اس کا نام کافروں کی فہرست میں آجاتا ہے اس پر محمد کلیم کو پھر فکر ہوئی، اور اس بات کو ساڑھے تین سال گذر چکے ہیں، تین سال کی ایک لڑکی بھی ہے اور اب محمد کلیم کہتا ہے کہ فرح ناز کو جب رکھوں گا جب فتویٰ لے لوں گا، اس پر محمد کلیم کی ماں نے کہا (جو دل کی مریض ہیں) کہ کہیں اس صدمہ سے کوئی حادثہ نہ ہو جائے، محمد کلیم اسے رکھے ہوئے ہے، محمد کلیم فرح ناز سے کہہ چکا ہے کہ تو اپنے گھر چلی جا مگر وہ نہیں جاتی، اب آپ فتویٰ دیں اور اس کا کفارہ بتادیں، آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

ان سب باتوں کا کلیم خود اقرار کر رہا ہے کہ میں نے اپنی بیوی فرح ناز کو تین طلاق دی ہے اور خود کلیم نے یہ تحریر لکھوائی ہے؟

المستفتی: محمد کلیم مقبرہ اول انگور والی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شوہر نے تین بار صاف لفظوں میں طلاق طلاق طلاق کہہ دیا ہے اور اس کا خود تحریری اور زبانی اقرار کر رہا ہے تو اس سے طلاق مغلظہ

واقع ہوکر بیوی قطعی طور پر شوہر کے لیے حرام ہوگئی، اب طلاق کے واقعہ کے بعد بغیر حلالہ کے دونوں کا ساتھ رہنا ناجائز اور حرام ہے، اور سائل کی زبانی معلوم ہوا کہ طلاق کا واقعہ پیش آنے کے بعد کئی سال تک دونوں ساتھ رہے ہیں، اور اس درمیان ایک بچی بھی پیدا ہوگئی ہے تو اس بچی کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اس بچی کو ثابت النسب تسلیم کیا جائے گا اور حرام کی بچی نہیں کہا جائے گا، کیونکہ مطلقہ بیوی کو گھر پر رکھ کر اس سے ہمبستر ہونا اگر چہ حرام ہے مگر اس سے جو پیدا ہوتا ہے اسے ثابت النسب شمار کیا جاتا ہے۔

وإذا قال لامرأته أنت طالق و طالق وطالق ولم يعلقه بالشرط إن كانت مدخولة طلقت ثلاثا. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب الثانى فى ايقاع الطلاق، زكريا قديم ١/٣٥٥، جديد ١/٤٢٣)

فإن المطلقة الثلاث يثبت النسب منها لأنه وطئ فى شبهة العقد فيكفى ذٰلک لإثبات النسب. (فتح القدير، كتاب الحدود، باب الوطئ الذى يوجب الحد و الذى لا يوجبه، دار الفكر مصرى ٥/٢٥١، زكريا ٥/٢٣٩، كوئٹه ٥/٣٤)

إن ادعى النسب يثبت فى الأولىٰ لا فى الثانية إلا فى المطلقة ثلاثا بشرطه، وتحته فى الشامية: وتحصل من هذا أنه إذا ادعى الولد يثبت النسب سواء ولدت لأقل من سنتين أو لأكثر و إن لزم الوطئ فى العدة لوجود شبهة العقد. (شامى، كتاب الحدود، باب الوطئ الذى يوجب الحد والذى لايوجبه، زكريا ٦/٣٢، كراچى ٤/٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۹۲)

کیا طلاق کے بعد پیدا شدہ بچے ثابت النسب ہوں گے؟

سوال [۷۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے اپنی بیوی زینب کو دو طلاقیں دی جب زید کے خسر و چچا وغیرہ کو پتہ چلا کہ زید نے اپنی بیوی زینب کو طلاق دیدی ہے، بعد ازاں ایک مجلس میں جس میں زید کے خسر اور چچا اور دیگر اعزہ واقرباء موجود تھے، زید کے خسر نے زید سے یہ معلوم کیا کہ تم نے کتنی طلاقیں دی ہیں تو زید نے مجلس میں صاف لفظوں میں یہ کہا کہ میں نے زینب کو تینوں طلاقیں دیدی ہیں اس صورت میں کونسی طلاق واقع ہوگی، طلاق رجعی یا طلاق مغلظہ، پھر طلاق مغلظہ ہونے کی صورت میں زینب کو بیوی بنانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے، نیز واضح ہو کہ زید مجلس میں تین طلاق کا اعتراف کرنے کے بعد حسب سابق بلا حلالہ زندگی گذار رہا ہے، بنابریں چند باشرع حضرات نے ترک مواکلت کردیا تین طلاق کا اقرار کرنے کے بعد زید اور زینب سے دو بچے بھی پیدا ہوئے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان حضرات کا ترک مواکلت کرنا از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے اور بعد طلاق کے جو دو بچے ہوئے وہ ثابت النسب ہوں گے یا غیر ثابت النسب؟

المستفتی: محمد یاسین انصاری کپڑے والے، راجہ کا تاج پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خسر کے معلوم کرنے پر جب اس نے یہ کہہ دیا کہ میں نے زینب کو تینوں طلاقیں دیدی ہیں تو اس سے زینب پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، بغیر حلالہ ازدواجی زندگی حرام کاری ہے، سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان دونوں میں فوراً علاحدگی پیدا کردیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ . [البقرة: ۲۳۰]

وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة و ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا و يدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها. (عالمگیری، الباب السادس في الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة زكريا قديم ۱/۴۷۳، جديد ۱/۵۳۵، قدوری ص: ۱۷۸، هدايه اشرفی ۲/۳۹۹)

اور اس درمیان جو بچے پیدا ہوئے ان کو ثابت النسب کہا جائے گا، حرامی نہ کہا جائے۔

وإن كان الطلاق بائنا لايثبت النسب مالم يدع الزوج فإذا ادعى الزوج يثبت منه. (هندیه، کتاب الطلاق، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، زکریا قدیم ۱/۵۳۷، جدید ۱/۵۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۲۳/۳۸)

طلاق مغلظہ کے بعد بیوی کو ساتھ رکھنا اور اس سے ہونے والی اولاد کا حکم

سوال [۷۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے اپنی بیوی کو پانچ سال پہلے تین طلاق دیدی تھی، جس کو بیوی نے سنا نہیں تھا، اس کو ایک مرتبہ سنائی دیا تھا اس کے بعد بھائی نے کہا کہ طلاق نہیں ہوئی اور ہم میاں بیوی کی طرح رہتے رہے، پھر آج سے تین سال پہلے میں نے شراب کے نشہ میں طلاق دیدی تھی، تو اس پر بھی لوگوں نے کہا کہ نشہ میں طلاق نہیں ہوتی، میں پھر بھی بیوی کے ساتھ ہی رہتا رہا، اب پندرہ دن پہلے میں نے تیسری بار تین مرتبہ طلاق دیدی ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ میری بیوی پر کون سی والی طلاق واقع ہوئی ہے، پہلی مرتبہ والی جو تین طلاق دی تھیں، وہی ہوئیں یا اس کے بعد والی؟ اب میرے ساتھ شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر پہلی والی طلاق واقع ہوئی ہے تو عدت کا کیا حکم ہوگا، اب عدت گذارنا ہوگا یا نہیں؟

(۳) اور یہ بھی بتائیں کہ پہلی والی طلاق کے بعد ساتھ رہنے کے نتیجہ میں جو دو بچے ہوگئے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پہلی والی طلاق سے طلاق مغلظہ واقع ہو چکی تھی اس کے بعد دونوں کا ساتھ رہنا ناجائز اور حرام رہا، لیکن اگر بیوی کے ساتھ حلال سمجھ کر کے

رہنا ہوا ہے جس کے نتیجے میں بچے پیدا ہو گئے ہیں تو ان بچوں کا نسب ثابت ہو جائے گا، وہ حرام کے بچے نہیں کہے جائیں گے، اور میاں بیوی کو مسئلہ معلوم ہونے کے بعد فوری طور پر علاحدگی اختیار کرنا لازم ہوگا، اور حلال سمجھ کر رکھنے کی وجہ سے از سر نو عورت کو عدت بھی گذارنا ہوگا، اس تحریر سے تینوں سوالات کے جوابات واضح ہو گئے۔

لو قال لزوجته: أنت طالق طالق طالق طلقت ثلاثا. (الأشباه قديم ص: ٢١٩، زكريا ص: ٣٧٦)

وإذا وطئت المعتدة بشبهة ولو من المطلق وجبت عدة أخرى لتجدد السبب (تحته في الشامية) وذٰلک كالموطوٴة للزوج في العدة بعد الثلاث بنكاح و كذا بدونه إذا قال ظننت أنها تحل لي. (شامي زكريا ٥/ ٢٠٠، كراچی ٣/ ٥١٩، البحر الرائق كوئٹه ٤/ ١٤٣، زكريا ٤/ ٢٤١)

لأن النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد وبالوطئ عن شبهة. (هدايه اشرفي ٢/ ٤٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۷۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱/۱۴۳۵ھ

لمبے عرصہ تک شوہر کے غائب رہنے کی صورت میں پیدا شدہ بچے کا نسب

سوال [۷۳۸۲]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سائل کا عقد (نکاح) آٹھ سال قبل ضابطہ شریعت کے مطابق ہو چکا ہے، سائل دو بچوں کا باپ ہے، دو سال قبل سائل بغرض معاش سمندر پار گیا تھا، سائل کی واپسی کو قریب تین ماہ ہو چکے ہیں، اسی دوران گذشتہ ہفتہ اہلیہ سے ایک بچہ پیدا ہوا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ بچہ کس طرف منسوب ہوگا، دوم یہ کہ وہ بیوی سائل کے نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ زنا کا علم نہیں ہوا ہے، کس کے ساتھ ہوا ہے؟

المستفتی: حفیظ الرحمٰن چودھریان سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آٹھ سال کے عرصہ سے عورت منکوحہ ہے اور لمبے عرصے تک شوہر کے غائب رہنے کی حالت میں منکوحہ سے ولادت ہوئی ہے تو شرعی طور پر وہ بچہ اسی شوہر کا ہوگا اور بیوی کا نکاح بدستور باقی ہے، حدیث میں آیا ہے کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کا کوئی حق متعلق نہیں ہوتا، بلکہ اگر ثابت ہو جائے تو سنگسار کر دیا جاتا ہے۔

قالت عائشة: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الولد للفراش و للعاهر الحجر. (صحيح البخاري، كتاب المغازي، النسخة الهندية ۲/ ۶۱۶ رقم: ۴۱۳۷، ف: ۴۳۰۳، مشكوٰة شريف ۲/ ۲۸۷)

وقد اكتفوا بقيام الفراش بلا دخول كتزوج المغربي بمشرقية بينهما سنة فولدت لستة أشهر مذ تزوجها لتصوره كرامة أو استخداما. (در مختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب: الفراش على أربع مراتب، زكريا ۵/ ۲۴۵، كراچی ۳/ ۵۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۱۰ھ

کسی نوزائدہ کے بارے میں بیوی کا یہ کہنا کہ یہ میرا بچہ ہے اور شوہر کا اس کی تصدیق کرنا

سوال [۷۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت نے ایک نوزائدہ بچہ کو اپنا ظاہر کر کے اپنی سسرال والوں کو صبح ہی یہ ظاہر کر دیا کہ یہ بچہ میرے پیدا ہوا ہے، کیونکہ سسرال والوں کو ایک یوم قبل شام تک کوئی ایسی ظاہری حالت معلوم نہیں ہو رہی تھی، کہ یہ بچہ اس کے بچہ کی پیدائش ہونے والی ہے، اب اس کا شوہر بھی اس پیدائش پر خاموش ہے اور اصل حقیقت کو ظاہر نہیں کر رہا ہے لیکن محلّہ میں عام شہرت یہ ہے کہ یہ بچہ کسی دیگر عورت کا تھا، جو اس نے غیر شرعی طریقہ سے پیدا شدہ کو عام بدنامی کی وجہ سے کسی مخصوص جگہ پر ڈلوا دیا ہو یا کسی خاص عورت کے ذریعہ اس کو حاصل کر لیا

گیا ہو، چونکہ یہ عورت بے اولاد تھی اور اب تک اس راز کا انکشاف نہیں ہوا ہے، اور اس عورت کی ظاہری حالت اور تندرستی میں کوئی نمایاں فرق بھی نہیں ہے جیسا کہ بعد پیدائش کے ہوجاتا ہے، وہ عورت اور اس کا شوہر بچہ کی پیدائش کی تمام اسلامی رسومات اور عقیقہ وغیرہ کرنے اور سسرال والوں سے عقیقہ وغیرہ کرانے پر بضد اور مصر ہیں اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں بنظر قانون شرعی کیا حکم ہے؟ کہ وہ بچہ نہ معلوم کس مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور بمصداق ''زبان خلق خدا کو نقارۂ خدا سمجھو'' کے مطابق صحیح تصور کیا جاوے یا نہیں اور اس بچہ کو متبنٰی (گود لیا ہوا) بھی قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور سسرال والوں (ماں باپ) پر تمام اسلامی رسومات کے ادا کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ براہ کرم دونوں مسئلوں کے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں، یہ بات بھی ظاہر کردینا ضروری ہے کہ عورت کا شوہر اپنے والد کے ساتھ ہے لیکن وہ اپنی سسرال میں معہ اپنی بیوی کے علاحدہ رہتا ہے۔

المستفتی: محمد جان ولد منشی عبدالکریم اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے اس دعویٰ کی اگر شوہر تصدیق کررہا ہے کہ جی ہاں بچہ میرا ہے تو شرعی رو سے بچہ ان دونوں کا شمار ہوگا، سوال میں ذکر کردہ صورت سے پتہ چلتا ہے کہ شوہر عورت کے دعویٰ کی تائید کررہا ہے لہٰذا مسئولہ صورت میں بچہ کا نسب انہیں سے ثابت ہوگا، اور عقیقہ کی ذمہ داری والدین پر عائد ہوگی، سسرال والوں پر نہیں۔

ولو ادعته امرأة واحدة ذات زوج فإذا صدقها زوجها أو شهدت لها القابلة أو قامت بينة ولو رجلا وامرأتين على الولادة صحت دعوتها و إلا لا.

(در مختار علی الشامی، کتاب اللقیط زکریا دیوبند ۶/۴۲۷، کراچی ۴/۲۷۲، ھندیہ زکریا قدیم ۲/۲۸۶، جدید ۲/۲۹۶، ھدایہ اشرفی ۳/۲۲۹-۲۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۷۷ ۵۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۷/۱۴۱۸ھ

جو بچہ ۶ / ماہ سے کچھ یوم قبل گر جائے اس کا نسب

سوال [۷۳۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی کا نکاح ۱۸/ ستمبر ۲۰۱۰ء کو ہوا، ۱۹/ دسمبر کو رخصتی ہوئی ہے بقول لڑکی کے، پہلی ملاقات میں حمل ٹھہر جاتا ہے، مارچ ۲۰۱۱ء کے آخری ہفتہ میں لڑکی کی ساس نے الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ رخصتی کے وقت کے حساب سے پندرہ بیس ایام کا فرق پڑتا ہے، اور تجربہ میں بھی یہ بات آتی رہتی ہے کہ جو پیدائش کی تاریخ دی جاتی ہے اس تاریخ سے عام طور پر ایک دو ہفتہ کا فرق پڑتا ہے، الغرض اس پندرہ ایام کے زائد ہونے کی بنیاد پر لڑکی کی ساس شک کی نگاہ سے دیکھنے لگی اور اس کو گھر سے باہر نکال کر اور جو ہوسکتا ہے کہا جانے لگا، بالآخر لڑکی کے والد نے گاؤں کے چنیدہ حضرات کو دونوں فریق کی جانب سے ۴/ اپریل ۲۰۱۱ء کو بٹھا کر صورت کو سامنے رکھا، پنچ حضرات نے بہو وساس کی بات کو بغور سنا، اور اس کے بعد الٹرا ساؤنڈ کی رپورٹ کو دیکھا، اس رپورٹ کو دیکھنے کے بعد سبھی نے اس بات پر اتفاق کیا کہ الٹرا ساؤنڈ کے اعتبار سے لڑکی کا حمل شوہر ہی کا ہے اور لڑکی بے داغ ہے، شک کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، لڑکی کی ساس وسسر وشوہر کو بھی اطمینان بخش جواب دیا، اور سب مطمئن ہوگئے، اس کے بعد آپس میں صلح کرادی گئی، اور لڑکی میکے سے سسرال آگئی، سسرال آنے کے بعد شوہر کے موجود ہونے کے باوجود ایسی حالت میں بھی علاج ومعالجہ کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی، یہاں تک کہ وقفہ وقفہ سے خون بھی آتا تھا تو ایک دو خوراک دوا دلوا کر تسلی دیدی جاتی تھی، لیکن جب مرض زیادہ بڑھ گیا اور مئی کا مہینہ گذرنے کے بعد ۲/ جون کو خون زیادہ آنے لگا، جس سے حمل ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تو لڑکی نے اپنے میکے خبر دی، جب لڑکی کے گارجن نے لڑکی کی ساس سے علاج ومعالجہ کے سلسلے میں بات کی تو ان لوگوں نے دوا وعلاج کرانے سے منع کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ آپ ہی لوگ علاج کرائیں، چونکہ الٹرا ساؤنڈ میں رپورٹ دو بچے کی دی گئی تھی، اور پیدائش کی تاریخ ۴/ اگست

۲۰۱۱ء دی تھی اس لیے لڑکی کے گارجن نے منع کر دیا، کہ اگر بچے کو کوئی نقصان ہوتا ہے تو بدنامی ہوگی، اور گاؤں میں کوئی ایسا ہسپتال نہیں ہے کہ فوراً اسے علاج کے لیے داخل کر دیں، نتیجتاً یہ ہوا کہ خون زیادہ مقدار میں آیا اور پھر حمل گر گیا، یعنی ۵/جون کو حمل ساقط ہو گیا ایک بچہ تو پیٹ ہی میں مر گیا اور دوسرا بچہ پیٹ سے نکلتے ہی ایک دو منٹ کے بعد مر گیا، لڑکی کے گارجن لڑکی کی ساس کو خبر بھیجتے ہیں وہ دو عورتوں کے ساتھ آ کر کہتی ہے کہ نو مہینہ کا بچہ ہے اور باقی عورتیں چھ ماہ کا بچہ بتلاتی ہیں۔

دریافت طلب یہ ہے کہ (۱) الٹراساؤنڈ کی رپورٹ کے مطابق جو تاریخ پیدائش تھی یعنی ۴/اگست ۲۰۱۱ء اس اعتبار سے نو ماہ کا حمل ہے، پندرہ ایام کا جو فرق بتلایا ہے اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے ۴/اپریل ۲۰۱۱ء کو فیصلے میں صاف صاف یہ کہہ دیا کہ لڑکی بے داغ ہے شوہر ہی کا حمل ہے۔

(۲) طبی سہولیات نہ ملنے کی بنا پر بجائے اگست میں بچہ ہونے کے قریب تین ماہ پہلے یعنی ۴/جون کو ہی خون جاری ہو گیا، اور اگلے روز حمل گر گیا، لڑکی والوں کا کہنا ہے کہ حمل ساقط ہو گیا اور شادی کی تاریخ کے اعتبار سے چھٹے مہینہ کا بچہ ہے، لڑکے والوں کا الزام ہے کہ شادی سے پہلے کا حمل ہے، شوہر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔

ایسی صورت حال میں جو پوری کیفیت لکھی گئی ہے شوہر کا حمل ہے یا کسی اور کا، حمل ساقط مانا جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: امتیاز احمد پھرادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں الٹراساؤنڈ وغیرہ کی رپورٹ کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ حمل کے سلسلے میں ایک شرعی پیمانہ موجود ہے کہ چھ مہینہ کے اندر جو بچہ صحیح سالم پیدا ہوا ہے شریعت نے شوہر سے ثابت النسب مانا ہے اور مسئولہ صورت میں شادی کے بعد چھ مہینہ پورے ہونے سے تیرہ یوم قبل جو نا تمام بچہ گر گیا ہے وہ شرعی طور پر شوہر ہی کا بچہ شمار ہوگا، اور اس کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، اور لڑکی کے اوپر الزامات قائم کرنا قطعاً جائز نہیں، بلکہ لڑکی شرعاً بے داغ شمار ہوگی، اور اس کے اوپر شک کی انگلیاں اٹھانا اور

ناجائز فعل کی نسبت کرنے والے خود گنہگار رہوں گے۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَيَعْلَمُ مَا فِيْ الْأَرْحَامِ. [لقمان: ٣٤] ﴾

﴿قال الله تعالیٰ: اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِيْ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. [النور: ٢٣] ﴾

أقل مدة الحمل ستة أشهر. (ھدایہ، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب اشرفی ٢/٤٣٣)

حكم القائف ...... لم يعتبره أصحاب أبي حنيفة. (مرقاة، باب اللعان، هل يحكم بالقيافة، مكتبه امداديه ملتان ٦/٣١٧)

ومحل التحذير والنهي إنما هو تهمة لا سبب لها يوجبها كمن يتهم بالفاحشة أو يشرب الخمر مثلا ولم يظهر عليه ما يقتضي ذٰلك. (تفسير قرطبي، دارالكتب العلمية ١٦/٢١٧ تحت الآية ١٢ من سورة الحجرات) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۱؍شعبان ۱۴۳۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۶۵)

نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچے کا نسب

سوال [۷۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہوئی اس کے بعد اس کی بیوی ایک دو بار زید کے گھر آئی ہے، پھر زید کی شادی کے تین مہینہ بعد اس کے حمل میں شک ہوا تو شوہر نے بیوی سے سختی سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ ایک بار میرے والد نے زبردستی منہ کالا کیا ہے تو اس سلسلے میں شوہر کیا کرے، اگر شوہر طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا شوہر کو اپنے والدین کی اطاعت کرنا ضروری ہے؟

المستفتی: محمد ابرار بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حمل کی کم سے کم مدت چھے ماہ ہے، اگر چھ ماہ کی

مدت سے کم میں بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب شوہر سے ثابت نہ ہوگا، اور چھ ماہ کی مدت کے بعد جو بچہ پیدا ہوگا اس کا نسب شوہر سے ہی ثابت ہوگا محض لڑکی کے کہنے کی بناء پر اس کے باپ کا زانی ہونا ثابت نہ ہوگا، جب تک کہ وہ شہادت کے ذریعہ ثابت نہ کردے یا گواہ نہ ہونے کی صورت میں باپ خود زنا کا اقرار نہ کرے، اگر باپ زنا کا اقرار نہ کرے تو لڑکی کی بات کا قطعا اعتبار نہ ہوگا، لہٰذا مذکورہ صورت میں طلاق دینے کی ضرورت نہیں۔

عن أبي الأسود الديلي أن عمرؓ أتى بامرأة قد ولدت لستة أشهر فهم برجمها، فبلغ ذلك علياؓ فقال: ليس عليها رجم، فبلغ ذلك عمر فأرسل إليه فسأله، فقال: والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين لمن أراد أن يتم الرضاعة، وقال وحمله وفصاله ثلاثون شهرا، فستة أشهر حمله حولين تمام، لا حد عليها أو قال: لا رجم عليها، وقال: فخلى عنها ثم ولدت. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، العدد، باب ماجاء فى أقل الحمل، دار الفكر ۱۱/ ۴۲۷ رقم: ۱۵۹۶۵)

وإن ادعت الشهوة في تقبيله أو تقبيلها إبنه و أنكرها الرجل فهو مصدق لا هي. (الدر مع الرد، كتاب النكاح زكريا ۴/ ۱۱۴-۱۱۵، كراچى ۳/ ۳۹۹)

وإذا تزوج الرجل فجاء ت بولد لأقل من ستة أشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه لأن العلوق سابق على النكاح فلايكون منه و إن جاء ت به لستة أشهر فصاعدا، يثبت نسبه منه، اعترف به الزوج أو سكت، لأن الفراش قائم والمدة تامة. (هدايه، كتاب الطلاق، باب ثبوت النسب اشرفى ۲/ ۴۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۶۳/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱/۱۴۲۷ھ

کیا نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا شدہ بچہ ثابت النسب ہے؟

سوال [۷۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زینب کا نکاح زید سے ہوا، نکاح کے بعد زینب زید کے پاس دو تین مرتبہ ہفتہ و عشرہ کے لیے گئی پھر زینب نے زید کے پاس جانے سے انکار کر دیا، زید نے زینب کو طلاق دیدی، طلاق کے بعد زینب اپنے میکہ میں تقریباً دو سال رکی رہی پھر دوسرے شوہر سے زینب کا نکاح ہوا، اس نکاح کے چھ ماہ ہوئے تھے کہ ایک لڑکا پیدا ہوا تو یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ نیز تولد شدہ بچہ کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

المستفتی: محمد شاہد حسین شہباز پور کلاں مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد جب چھ ماہ کی عدت گذر جانے کے بعد بچہ پیدا ہوا ہے تو شرعی طور پر وہ بچہ اسی دوسرے شوہر کا ہوگا اور اسی سے اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا، ولد الزنا شمار نہ ہوگا، حلال کا بچہ ہوگا، اس پر حرام کاری کا الزام لگانا بھی جائز نہ ہوگا۔

عن أبی الأسود الدیلمي أن عمرؓ أتی بامرأة قد ولدت لستة أشهر فهم برجمها، فبلغ ذٰلک علیاً فقال: لیس علیها رجم، فبلغ ذٰلک عمر فأرسل إلیه فسأله، فقال: والوالدات یرضعن أولادهن حولین کاملین لمن أراد أن یتم الرضاعة، وقال وحمله وفصاله ثلاثون شهرا، فستة أشهر حمله حولین تمام، لا حد علیها أو قال: لا رجم علیها، وقال: فخلی عنها ثم ولدت. (السنن الکبریٰ للبیهقی، العدد، باب ما جاء فی أقل الحمل، دار الفکر ۴۲۷/۱۱ رقم: ۱۵۹۶۵)

وإن جاء ت به لستة أشهر فصاعدا یثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سکت لأن الفراش قائم والمدة تامة. (هدایه، کتاب الطلاق، باب ثبوت النسب اشرفی ۴۳۳/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۴۵/۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۵/۶ھ

شادی کے سات ماہ بعد پیدا شدہ بچہ کا نسب

سوال [۷۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۷؍ ماہ قبل ایک لڑکے کی شادی ہوئی اب اس کی بیوی کے ایک بچی پیدا ہوئی، ڈاکٹروں کے معائنہ کے مطابق لڑکی پورے ۹؍ مہینے کی ہے، یہ سن کر اس کے شوہر کے دل میں شک پیدا ہوا، اس کو ہم لوگوں نے بہت سمجھایا لیکن اس کی بیوی نے قبول کیا کہ مجھ سے شادی سے دو ماہ قبل غلطی ہوگئی تھی، اور یہ بھی بتایا کہ وہ لڑکا غیر مسلم تھا، تو کیا یہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں رہ سکتی ہے اور اس کو چھوڑنے یا رکھنے میں گناہ تو نہ ہوگا، بیوی سے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ بچی کو ماردے یا خود کوئی غلط قدم اٹھالے وہ لڑکا بیوی کو رکھنے کو تیار ہے، لیکن بچی کو نہیں، دونوں صورتوں میں اس مسئلہ کا تفصیلی جواب لکھیں۔

المستفتی: محمد شبلی، چکر کی ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں نکاح بدستور باقی ہے، اور شرعی طور پر بچی اسی شوہر کی ہے ڈاکٹروں کی بات کا اعتبار نہیں اور بیوی کا بدکاری کا اقرار بھی بچی کے موجودہ شوہر سے منسوب ہونے میں مخل نہ ہوگا، بچی بہرحال اسی شوہر کی ہے اس لیے بچی کو رکھنا بھی لازم ہوگا۔

إذا نفى نسب ولد حرة فصدقته لا ينقطع نسبه لتعذر اللعان لما فيه من التناقص. (بدائع الصنائع، فصل في حكم اللعان، كراچی ۳/ ۲٤٦، زكريا ۳/ ۳۹۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۳ھ

نکاح کے ایک دن بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

سوال [۷۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح کے صرف ایک دن بعد زید کی منکوحہ نے بچہ جنا، زید کہتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہے میں اس کا والد ہوں، کیا یہ زید کا دعویٰ عند الشرع معتبر ہے؟ اور بچہ ثابت النسب کہلائے گا؟

المستفتی: محمد شعیب، ساؤتھ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب نکاح کے بعد چھ ماہ مکمل ہونے سے قبل بچہ پیدا ہو گیا تو وہ بچہ شرعی طور پر زید کا نہیں ہوگا اگر چہ زید نے نکاح سے قبل اس عورت سے زنا کے ذریعہ حمل ٹھہرایا ہو، لہٰذا زید کا دعویٰ شرعاً معتبر نہ ہوگا، اور نہ ہی بچہ زید کا ہوگا اور نہ بچہ زید کا وارث بن سکے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۱/۳۴)

لو نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقا والولد له، (وتحته في الشامية) إن جاء ت بعد النكاح لستة أشهر فلو لأقل من ستة أشهر من وقت النكاح لا يثبت النسب. (شامي، كتاب النكاح، قبيل مطلب: فيما لو زوج المولى أمته، زكريا ديوبند ٤/ ١٤٢، كراچي ٣/ ٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

نکاح کے ساڑھے پانچ ماہ بعد پیدا ہونے والے بچہ کا نسب

سوال [۷۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی کی شادی ۱۹/ جون ۱۹۸۷ء کو ہوئی یکم دسمبر کو لڑکا پیدا ہوا، قریب ساڑھے

پانچ ماہ کے بعد، لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ لڑکی امید سے آئی تھی، یہ نکاح ناجائز ہے، یہ نکاح دوبارہ ہونا چاہیے، فتویٰ دیں کہ کیا کرنا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اب تک حرام کاری ہوئی، اب لڑکی فارغ ہوگئی ہے، کیا نکاح باقی رہا، یا دوبارہ کرنا ضروری ہے؟ یہ سب مغالطہ سے ہوا۔

المستفتی: محمد ننھے، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں شرعاً نکاح صحیح ہو چکا ہے۔

وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ. (الدر المختار، کتاب النکاح قبیل مطلب: فیما لو زوج المولی أمتہ، زکریا دیوبند ٤/١٤١، کراچی ٣/٤٨، کوئٹہ ٢/٣١٦)

اور جو لڑکا چھ ماہ سے قبل پیدا ہوا ہے اس کا نسب موجودہ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا، بلکہ اس کو ماں کی طرف منسوب کیا جائیگا۔

إذا تزوج الرجل امرأۃ فجاءت بالولد لأقل من ستۃ أشہر منذ تزوجہا لم یثبت نسبہ. (ھندیہ، الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، زکریا قدیم ١/٥٣٦، جدید ١/٥٨٨، ھدایہ اشرفی ٢/٤٣٢، مجمع الأنہر مصری قدیم ١/٤٨٦، دار الکتب العلمیۃ بیروت ٢/١٥٩)

لہٰذا موجودہ شوہر پر اس بچہ کے اخراجات واجب نہیں ہوں گے اور دونوں کے درمیان وراثت بھی جائز نہیں ہوگی، بلکہ ان سب کا تعلق ماں کے ساتھ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۸/۲۴)

چھ ماہ سے قبل پیدا ہونے والے بچہ کا نسب

سوال [۷۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے شادی کی، شادی کئے ہوئے پانچ ماہ سات دن گذرے تھے کہ ایک لڑکا پیدا ہوا، لڑکا چار پانچ روز زندہ رہا اس کے بعد مرگیا، آیا یہ حمل زید ہی کا ٹھہرا ہوا ہے یا

اور کسی کا، اگر اس کا حمل پہلے سے ٹھہرا ہوا ہے تو، اس شک کو دور فرما کر قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمیں کیا عمل کرنا چاہیے؟ واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح ہر حال میں صحیح اور درست ہو چکا ہے، البتہ جو بچہ نکاح کے پانچ ماہ سات روز بعد زندہ پیدا ہوا ہے وہ شرعاً زید کا نہیں ہے، اور اس بچہ کے زید کا نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہیں ٹوٹے گا، بلکہ نکاح اپنی جگہ صحیح ہے۔

ولو ولدت لأقل منه لم يثبت (تحته في الشامية) لأنه تبين أن العلوق كان سابقا على النكاح. (شامی، کتاب الطلاق، باب العدة، فصل في ثبوت النسب، زكريا ٥/ ٢٤٠، كراچی ٣/ ٥٤٧)

وصح نكاح حبلى من زنى الخ. (درمختار كراچی ٣/ ٤٨، زكريا ٤/ ١٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۰/۱۴۱۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۹ باب الحضانة

بیوی کو طلاق دینے کے بعد بچہ کس کو ملے گا؟

سوال [۷۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، مجبور ہوکر کہ وہ عورت حد سے زیادہ بدچلن تھی اور گھر میں رہنا بھی نہیں چاہتی تھی اور اب وہ مہر مانگ رہی ہے، اور ایک سال سے رکی ہوئی تھی، اور میرا ایک لڑکا بھی ہے، ایک سال کا، اور میں سات ہزار روپیہ اس کا مہر دینے کو تیار ہوں، اور عدت کے ۵۰۰/ روپیہ بھی دے رہا ہوں اور اب میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا لڑکا مجھے مل جائے، شریعت کی رو سے مل سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اشرف بن عبدالاحد، محلّہ بارہ شاہ، صفا لال مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مہر اور عدت کا نفقہ ادا کرنے کے باوجود شرعاً بچہ کو اگر ماں اپنے پاس رکھنا چاہے تو سات سال پورے ہونے سے قبل بچہ آپ کو نہیں مل سکتا، سات سال تک بچہ کو ماں اپنے پاس رکھنے کا حق رکھتی ہے۔

والحاضنة أُما أو غيرها أحق به أى بالغلام حتى يستغنى عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب الحضانة كراچى ٣/٥٦٦، زكريا ٥/٢٦٧، وهكذا فى مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٦٩)

والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغنى وقدر بسبع سنين -إلى- والفتوىٰ على الأول. (هنديه، الباب السادس عشر فى الحضانة، زكريا قديم ١/٥٤٢، جديد ١/٥٩٣)

الأم أحق بالغلام ما لم يبلغ سبع سنين، أو ثمان سنين، وفي الكافي: والفتوىٰ على سبع سنين. (الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل الثلاثون فی حکم الولد عند افتراق الزوجين زكريا ٥/٢٧٣ رقم: ٧٨٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۴۸)

مطلقہ اگر بچوں کی پرورش نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۷۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیوی اگر بچوں کی پرورش نہ کرنا چاہے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: قمر ریاض، بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بیوی اگر بچوں کی پرورش نہ کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہے، مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

لاتجبر من لها الحضانة. (الدر مع الرد، کتاب الطلاق، باب الحضانة زكريا ديوبند ٥/٢٥٨، کراچی کوئٹه ٢/٦٩٠)

من لها الحضانة لاتجبر عليها إن أبت لاحتمال أن تعجز عن الحضانة.

(مجمع الأنهر، باب الحضانة مصری قديم ١/٤٩٠، دار الكتب العلمية بيروت جديد ٢/١٧٠ وهكذا فی الهندية، زكريا قديم ١/٥٤١، جديد ١/٥٩٢، هدايه اشرفی ديوبند ٢/٤٣٤، البحر الرائق كوئٹه ٤/١٦٦، زكريا ٤/٢٨٠-٢٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۴۶)

بچوں کی پرورش کا حقدار اور نفقہ کا ذمہ دار کون ہے؟

سوال [۷۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچوں کی پرورش کا حق کسے پہنچتا ہے اور ان کے اخراجات کا ذمہ دار کون ہے؟

المستفتی: قمر ریاض بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچوں کو رکھنے کا حق (حق پرورش) ماں کو حاصل ہے، لڑکا ہو تو سات سال تک اور لڑکی ہو تو بالغ ہونے تک اور بچوں کے اخراجات باپ کے ذمہ لازم ہیں۔

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده عبد الله بن عمرو أن امرأة قالت: یا رسول الله! إن ابنی هذا کان بطنی له وعاء، وثدیی له سقاء، وحجری له هواء، و إن أباه طلقنی و أراد أن ینزعه منی، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنت أحق به مالم تنکحی. (سنن أبی داؤد، الطلاق، باب من أحق بالولد، النسخة الهندیة ۱/ ۳۱۰، دار السلام رقم: ۲۲۷۶)

والحاضنة أُما أو غیرها أحق به أی بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی (وقوله) والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أی بالصغیرة حتی تحیض أی تبلغ فی ظاهر الروایة. (الدر مع الرد، کتاب الطلاق، باب الحضانة، زکریا دیوبند ۵/۲۶۷، کراچی ۳/۵۶۶، کوئٹہ ۲/۶۹۵، وهکذا فی مجمع الأنهر دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۱۶۹، هندیه زکریا قدیم ۱/۵۴۲، جدید ۱/۵۹۳)

وتجب النفقة بأنواعها علی الحر لطفله یعم الأنثی والجمع. (الدر مع الرد، باب النفقة، زکریا دیوبند ۵/۳۳۶، کراچی ۳/۶۱۲، کوئٹه ۲/۷۲۸)

نفقة الأولا الصغار علی الأب لایشارکه فیها أحد کمالایشارکه فی نفقة الزوجة. (هدایه اشرفی ۲/۴۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۴۶)

بچوں کی پرورش کا حق ماں کے انتقال کے بعد نانی کو ہے یا باپ کو؟

سوال [۷۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عصمت جہاں کی شادی قریب چار سال قبل ہمارے لڑکے محمد صادق ولد عبد الخالق سے ہوئی، اب اس کے انتقال کو ایک مہینہ دس دن ہوگئے ہیں، مرحومہ نے دو بچے چھوڑے ہیں، ایک لڑکی جس کی عمر تین سال، ایک لڑکا جس کی عمر ایک سال، اب بچوں کی نانی بچوں کو نہیں دیتی، بچوں کا باپ، دادا، تاؤ تائی چاہتے ہیں کہ بچے ہمارے پاس رہیں اور نانی چاہتی ہے کہ بچوں کو میں رکھوں اور ان کے لیے کچھ رقم مقرر کردی جائے تو اب تحریر فرمائیں شرعاً حقدار کون ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچوں کی نانی کو مذکورہ مطالبہ کا شرعاً حق ہے اور یہ حق لڑکی کے بالغ ہونے اور لڑکے کی عمر سات سال پورے ہونے تک باقی رہے گا اس کے بعد باپ کے مطالبہ پر باپ کے حوالہ کردینا لازم ہوگا۔

الأم أحق بالولد –إلی– ثم أم الأم و إن علت. (در مختار، کتاب الطلاق، باب الحضانة کراچی ۳/۵۵٦، زکریا دیوبند ۵/۲٦۲)

والحاضنة أُما أو غيرها أحق به أى بالغلام حتى يستغنى عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى (وقوله) والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أى بالصغيرة حتى تحيض أى تبلغ فى ظاهر الرواية. (الدر مع الرد، کتاب الطلاق، باب الحضانة زکریا دیوبند ۵/۲٦۷، کراچی ۳/۵٦٦، کوئٹہ ۲/٦۹۵، وهكذا فى الفتاویٰ التاتارخانية، زکریا ۵/۲۷۳ رقم: ۷۸۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۳۱/۲٦)

کیا لڑکا سات سال اور لڑکی مشتہاۃ ہونے تک ماں کے پاس رہیں گے؟

سوال [۷۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل شفیق احمد نے اپنی بیوی رحمت جہاں کو اس کی غیر موجودگی میں یوں کہا کہ میں نے اس کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی، تین مرتبہ، سائل بچوں کے بارے میں کہتا ہے کہ میں ان کو اپنے پاس ہی رکھوں گا، اس کو نہیں دوں گا، لہٰذا کتاب وسنت کی روشی میں واضح فرمائیں کہ آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی طلاق واقع ہوئی، نیز بچوں کے بارے میں سائل کا قول مذکور صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: شفیق احمد پیزادہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شفیق احمد جبکہ اپنی بیوی رحمت جہاں کو طلاق دینے کا اقراری ہے ایسی صورت میں رحمت جہاں مطلقہ مغلظہ ہوگئی، بغیر حلالہ شفیق احمد کے لیے تجدید نکاح جائز نہیں ہے، رہا مسئلہ بچوں کی پرورش کا تاوقتیکہ رحمت جہاں اپنی شادی کسی دوسرے سے نہ کرے وہ بچے جو کہ سات سال کی عمر سے کم کے ہیں، ان کی پرورش کا حق رحمت جہاں کو ہی ہے، شفیق احمد کو نہیں، البتہ بچوں کی پرورش کا خرچہ شفیق احمد کو دینا ہوگا۔

إذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم أحق بالولد والنفقة على الأب، حتى يستغنى فيأكل وحده ويشرب وحده ويلبس وحده ...... والخصاف رحمه الله: قدر الاستغناء بسبع سنين اعتبارا للغالب، وعليه الفتوىٰ، وكذا في الكافي وغيره. (هدايه، باب حضانة الولد ومن أحق به ۱/۴۱۴)

کتبہ: الطاف حسین	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
مفتی: حیات العلوم	محمد ایوب غفرلہ	محمد انعام اللہ	عبدالرؤف عفی عنہ
مرادآباد	دارالافتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد	مدرسہ امدادیہ مرادآباد	مفتی دارالعلوم جامع الہدیٰ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مجیب محترم کا جواب مزید ایک قید کے ساتھ صحیح ہے کہ حق پرورش لڑکے کے حق میں سات سال اور لڑکی کے حق میں مشتہاۃ و بالغ ہونے تک ہے۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أى بالغلام حتى يستغني عن النساء وقدر بسبع به و يفتى (وقوله) والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أى بالصغيرة حتى تحيض أى تبلغ فى ظاهر الرواية. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب الحضانة زكريا ديوبند ٢٦٧/٥، كراچی ٥٦٦/٣، كوئٹه ٦٩٥/٢، وهكذا فى مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ١٦٩/٢، هنديه زكريا قديم ٥٤٢/١، جديد ٥٩٣/١، البحر الرائق كوئٹه ١٧٠/٤، زكريا ٢٨٧/٤-٢٨٨، قاضيخان زكريا جديد ٢٥٣/١، وعلى هامش الهندية ٤٢٣/١، بزازيه زكريا جديد ١١٠/١، وعلى هامش الهندية ١٦٩/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۴۰)

لڑکا اور لڑکی کتنے سال تک کس کے پاس رہیں گے؟

سوال [۷۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق مغلظہ دے دی، شرعی پنچایت میں معتدہ کا مہر، وضع حمل تک کا خرچہ اور سامان جہیز واپس کر دیا، مگر ہندہ حاملہ ہے، پیدائش کے خرچ میں، کچھ دوا علاج کی رقم زید نے ہندہ کو ادا کر دی، بچہ پیدا ہوئے ۱۲ر دن گذر گئے تو زید نے اپنی اولاد ذکور کو کب تک رکھ سکتا ہے؟ اناث کو کب تک رکھ سکتا ہے؟ اور اولاد کی پرورش کا خرچ زید کو دینا پڑے گا یا نہیں؟ وضع حمل کے بعد دوا اور علاج کا خرچ زید کو دینا پڑے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر لڑکا ہے تو سات سال اور لڑکی ہو تو بالغ

ہونے تک، ہندہ کو اپنی اولاد اپنے پاس رکھنے کا حق ہے، اور اس کے درمیان میں بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری زید پر ہوگی۔

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أى بالغلام حتى يستغنى عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى (وقوله) والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أى بالصغيرة حتى تحيض أى تبلغ فى ظاهر الرواية. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب الحضانة زكريا ديوبند ٥/٢٦٧، كراچی ٣/٥٦٦، کوئٹہ ٢/٦٩٥، وهكذا فى مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٦٩، هنديه زكريا قديم ١/٥٤٢، جديد ١/٥٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۲۲۳ ۷)

لڑکی کا حق پرورش کس کو حاصل ہے؟

سوال [۷۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کا حق پرورش ماں کو کتنے سال تک حاصل ہے، ایک لڑکی کے والدین کے تعلقات خراب ہونے پر طلاق کی نوبت آگئی ہے، لڑکی کس کے پاس رہے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں ماں کو بچی کے بالغ ہونے تک حق پرورش حاصل رہے گا، البتہ بچی کا نان ونفقہ باپ کے ذمہ ہوگا، اور اگر ماں کسی دوسرے غیر مرد سے شادی کرلے اور اس کے ساتھ رہنے میں بچی کا ضرر ہو تو ماں کا حق پرورش ساقط ہوجائے گا۔

والحاضنة يسقط حقها بنكاح غير محرمه، والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أى بالصغيرة حتى تحيض أى تبلغ فى ظاهر الرواية. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب الحضانة زكريا ديوبند ٥/٢٦٦-٥٦٨، كراچی ٣/٥٦٥-٥٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۹۶/۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۱۰ھ

نابالغ بچوں کی کفالت کا ذمہ دار کون؟

سوال [۷۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نابالغ بچوں کی کفالت کس کے ذمہ ہے؟، ماں کے ذمہ، یا باپ کے؟ حکم شرعی سے آگاہ فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

المستفتی: حاجی شمس الدین، سرائے حسینی بیگم مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ بچوں کی کفالت کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی۔
(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۱/۸۹)

نفقة الأولاد الصغار على الأب لايشاركه فيها أحد كما لا يشاركه في نفقة الزوجة الخ. (هدايه، كتاب الطلاق، باب النفقة اشرفى ٢/٤٤٤)

وإذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم أحق بالولد (إلى قوله) على الأب. (هدايه اشرفى ٢/٤٣٤)

وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله. (الدر المختار كوئٹه ٢/٧٢٨، كراچى ٣/٦١٢، زكريا ديوبند ٥/٣٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۸/۲۴)

بیوی کے پاس بچوں کے ہونے کی صورت میں کفالت کا ذمہ دار کون؟

سوال [۷۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مطلقہ بیوی اپنے ساتھ بچوں کو رکھنا چاہے تو اس وقت ان کی کفالت کون کریگا؟

المستفتی: حاجی شمس الدین سرائے بیگم حسینی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کو شرعاً پرورش کا حق ہے، اس وقت بھی بچوں کے اخراجات شوہر پر ہی لازم ہوں گے۔

وإذا وقعت الفرقة بين الزوجين فالأم أحق بالولد (إلى قوله) على الأب. (هدايه اشرفي ٢/٤٣٤)

والحاضنة أما أو غيرها أحق به أى بالغلام حتى يستغنى عن النساء وقدر بسبع وبه يفتى (وقوله) والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أى بالصغيرة حتى تحيض أى تبلغ فى ظاهر الرواية. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب الحضانة زكريا ديوبند ٥/٢٦٧، كراچى ٣/٥٦٦، كوئٹه ٢/٦٩٥، وهكذا فى مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/١٦٩، هنديه زكريا قديم ١/٥٤٢، جديد ١/٥٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۴۸)

بچوں اور مطلقہ بیوی کی رہائش کا ذمہ دار کون؟

سوال [۷۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بچوں اور بیوی کے رہائش کا انتظام شوہر پر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کی رہائش کا ذمہ دار عدت ختم ہونے تک ہے، اس کے بعد نہیں اور بچوں کی رہائش کی ذمہ داری شوہر پر ہمیشہ ہے۔

وتجب لمطلقة الرجعي والبائن (إلى قوله) كفاءة النفقة والسكنى والكسوة (وقوله) وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله. (الدر المختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، كوئٹه ۲/٦۷۲-۷۲۸، زكريا ديوبند ٥/۳۳۲ تا ۳۳٦، كراچی ۳/٦۱۰-٦۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۴۸)

طلاق کے بعد بچے کی پرورش، عدت، اور سامانِ جہیز کا حکم

سوال [۷۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی ثمیر جہاں بنت محمد سلیم مرحوم کا نکاح چار سال قبل محمد ندیم ولد محمد شمیم قریشی ساکن عرب گلی ممبئی سے ہوا، جن سے ایک سال بعد ایک لڑکی پیدا ہوگئی، اس بچی کی عمر اس وقت تقریباً ۳/ سال ہے، کچھ دن بعد ہی دونوں میں نا اتفاقی ہوگئی، اور لڑکی اپنے میکہ مرادآباد آگئی اور ایک سال سے زائد سے میرے پاس ہے اور بچی بھی ماں کے پاس ہی ہے، صلح کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لڑکی شوہر کے ظلم وستم کی وجہ سے وہاں پر رہنا نہیں چاہتی، طلاق ہونا طے پایا ہے، وہاں کے ثالثوں نے فیصلہ کرادیا ہے، اور طلاق ہوجائے گی مگر لڑکے والوں کی یہ شرط ہے کہ بچی کو یا تو ابھی ہمیں دیدو یا پھر یہ ہمارے کسی بھی چیز میں آئندہ حقدار نہ ہوگی اس سے ہمارا کوئی واسطہ نہ رہے گا، یہ ماں کو لکھ کر دینا پڑے گا، بچی چھوٹی ہونے کی وجہ سے ماں فی الحال دینا نہیں چاہتی، بڑی ہوکر دینے پر راضی ہے، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب مرحمت فرمائیں:

(۱) کیا کسی شخص کو کسی بچے کو اپنی وراثت سے بے حق کرنے کا حق ہے، اگر میری لڑکی لکھ کر بھی دیدے تو وہ بچی اپنے باپ کے مال میں سے بے حق ہوجائے گی یا پھر حق دار رہے گی؟

(۲) کوئی بچہ یا بچی کتنی عمر تک اپنی ماں کی کفالت میں رہ سکتی ہے اور اس کا خرچ

اٹھانے کا حقدار کون ہے؟

(۳) میری لڑکی کو شوہر سے الگ ہوئے ہوئے ایک سال ہوگیا ہے کیا وہ طلاق ہونے پر عدت گذارے گی، اور عدت کا خرچہ اور بچی کی پرورش کا خرچ شوہر سے لینے کی حقدار ہے؟

(۴) میری لڑکی کا جو جہیز کا سامان ہے وہ انہیں کے پاس ہے واپس ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: زبیدہ خاتون، زوجہ محمد سلیم اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بچی ہر حال میں ماں باپ دونوں کی وارث بنے گی۔

﴿قال اللہ تعالیٰ: فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ. [النساء: ١٩٤]﴾

عن أنس قال قال رسول الله ﷺ: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (ابن ماجه، أبواب الوصايا، وهل أوصى رسول الله ﷺ، باب الحث على الوصية، النسخة الهندية ١٩٤، دار السلام رقم: ٢٧٠٣)

(۲) جو لڑکی پیدا ہوئی ہے اس کو بالغ ہونے تک ماں اپنی کفالت میں رکھنے کی حقدار ہے، اور اس کے خرچہ اخراجات کے بارے میں آپس میں صلح کر کے معاملہ طے کرلیں۔

والحاضنة ...... والأم والجدة لأم أو لأب أحق بها أى بالصغيرة حتى تحيض أى تبلغ فى ظاهر الرواية. (الدر مع الرد، كتاب الطلاق، باب الحضانة زكريا ديوبند ٢٦٧/٥، كراچى ٥٦٦/٣، كوئٹه ٦٩٥/٢، وهكذا فى مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ١٦٩/٢، هنديه زكريا قديم ٥٤٢/١، جديد ٥٩٣/١)

أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم. (هنديه / الباب السادس عشر فى الحضانة جديد زكريا ديوبند ٥٩٢/١، زكريا قديم ٥٤١/١)

(۲) شوہر سے الگ رہنے کی وجہ سے عدت میں کوئی فرق نہیں آتا جس دن طلاق ہوتی ہے اسی وقت سے عدت شروع ہوتی ہے، اور طلاق کے بعد تین ماہواری گزرنے پر عدت پوری ہوتی ہے۔

وهـي فـي حـق حرة ...... تحيض لطلاق و لو رجعيا ...... ثلاث حيض كـوامـل، وتـحتـه فـي الشامية: ومقتضاه: أن ابتداء العدة من الحيض التالية له. (در مختار مع الشامی / کتاب الطلاق، باب العدة، قبیل مطلب: حکایة شمس الأئمة سرخسي زکریا دیوبند ۱۸۱/۵ - ۱۸۲، کراچی ۵۰۵/۳)

(۴) جہیز کا سامان بیوی کی ملکیت میں ہوتا ہے، طلاق کے بعد جس حالت میں بھی سامان ہو اسی حالت میں سارا سامان واپس لینے کا بیوی کو حق ہے اور اگر مہر ادا نہیں ہوا ہے تو مہر بھی وصول کرنے کا حق ہے۔

إن الجهاز ملك المرأة و أنه إذا طلقها تأخذه كله. (شامی، کتاب النکاح، مطلب: في دعوی الأب: أن الجهاز عارية زکریا دیوبند ۳۱۱/۴، کراچی ۱۹۸/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۰۳/۴۱)

نابالغ بچوں کا باپ مرجائے تو ان کی پرورش اور ان کے مال کا ولی کون؟

سوال [۷۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا انتقال ہوگیا ۶/ اولادیں ہیں کوئی بھی بالغ نہیں ہے، زید کی بیوی ہندہ بھی ہے، زید کے بھائی بھی ہیں، اور بچوں کے نانا بھی ہیں، زید کی جائیداد بھی ہے، اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ (۱) ان نابالغ بچوں کی پرورش کا حق کس کو حاصل ہوگا؟

(۲) زید کی میراث سے جو مال ان بچوں کے حصے میں آئے گا اس کے ذمہ دار بچوں کے چچا ہوں گے یا نانا ہوں گے، زید نے اپنے ترکہ میں کاروبار چھوڑا ہے؟

(۳) اگر اس کاروبار کو آگے بڑھانا ہو تو اس کی دیکھ بھال اور سرپرستی کا حق کس کو

حاصل ہوگا؟ کیا عورت مال کی یا کاروبار کی مالکہ بن سکتی ہے، مرحوم کی بیوی کو جو مال ملے گا اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) نابالغ بچوں کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله بن عمرو أن امرأة قالت: يا رسول الله! إن ابني هذا كان بطني له وعاء، وثديي له سقاء، وحجري له حواء، و إن أباه طلقني و أراد أن ينزعه مني، فقال لها رسول اللهﷺ: أنت أحق به مالم تنكحي. (سنن أبي داؤد، الطلاق، باب من أحق بالولد، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۰، دار السلام رقم: ۲۲۷٦)

أحق الناس بالولد حال قيام النكاح و بعد الفرقة الأم. (بزازيه، كتاب النكاح، مسائل الحضانة زكريا جديد ۱/۱۰۹، وعلى هامش الهندية ٤/۱٦۹، قاضيخان جديد ۱/۲۵۲، وعلى هامش الهندية ۱/٤۲۲، الفتاویٰ التاتارخانية كوئٹه ۳/۸۹، زكريا ۵/۲۷۳ رقم: ۷۸۳۱)

تثبت للأم النسبية ولو كتابية أو مجوسية. (الدر المختار مع الشامي، باب الحضانة زكريا ۵/۲۵۳، كراچی ۳/۵۵۵)

(۲) صغیر کے مال کا ولی صرف باپ پھر اس کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی پھر قاضی ہے، قاضی نہ ہونے کی صورت میں شہر کے معتبر لوگ جسے متولی بنادیں وہی ولی کے قائم مقام ہے، صغیر کے لیے ترکہ کی تقسیم اور اس کے مال منقول میں تجارت اور زمین میں زراعت وغیرہ تصرفات کا حق صرف ولی فی المال کو ہے، البتہ ماں، بھائی اور چچا اس کے مال کی حفاظت کر سکتے ہیں، تصرف نہیں۔

الولي في النكاح لا المال العصبة بنفسه (تحته في الشامية) الولي فيه الأب ووصيه والجد ووصيه والقاضي و نائبه فقط. (شامي، كتاب النكاح، باب الولي، زكريا ٤/۱۹۰-۱۹۱ كراچی ۳/۷٦)

ووصـی أبی الطفل أحق بماله من جده (تحته فی الشامية) الولاية فی مـال الـصـغير للأب ثم وصيه ثم وصی وصيه فإن لم يكن فللقاضی. (شامی، كتـاب الـوصـايا، باب الوصی وهو الموصی إليه زكريا ١٠/٤٢٩، كراچی ٦/٧١٤، البحر الرائق كوئٹه ٨/٤٦٩، زكريا ٩/٣٢٩)

(۳) کاروبار کو آگے بڑھانے کا حق ان لوگوں کو حاصل ہوگا جو اس کے شرعی وارث ہوں۔

(۴) عورت مال یا کاروبار کی ذمہ دار بن سکتی ہے، نیز وہ اپنے مال کی بھی خود ذمہ دار ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۲/۳۱۰)

﴿قـال الله تعالیٰ: وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ. [النساء:۷] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۷/۱۴۱۸ھ

فَلَوْلا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِى الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۷)

المجلد السابع عشر

الایمان والنذور الحدود الجهاد والهجرة القطة، الإمارة والسياسية القضاء، الوقف إلى باب المساجد

۴۰۳ ——— ۸۶۷

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

مکمل اجمالی فہرست ایک نظر میں

فہرست عناوین

صفحہ	۱۸ کتاب الأیمان والنذور	مسئلہ نمبر
۲۴	(۱) باب الأیمان	

۱۹ کتاب الحدود

(۱) باب القصاص والدیة ۱۲۶

۲۳ کتاب القضاء

۲۴ کتاب الوقف

(۱) باب ما یتعلق بنفس الوقف ۳۰۱

(۲) باب الوقف علی الأولاد ۳۵۱

(۵) باب استبدال الأوقاف ۴۶۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۸ کتاب الأیمان والنذور

۱ باب الأیمان

قسم کا دارومدار الفاظ پر ہے یا نیت پر؟

سوال [۷۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے چچا بسلسلہ ملازمت سعودی عرب گئے ہوئے تھے جب وہ آئے توانہوں نے اپنے بھتیجہ پر شک ظاہر کیا کہ اس نے اپنی چچی سے ناجائز تعلقات کر رکھا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں چچا نے اپنے بھتیجہ سے گفتگو کی تو اس نے چچی سے ناجائز تعلقات ہونے سے انکار کردیا، تو چچا نے کہا کہ قسم کھا، کہا کہ تو طلاق کی قسم کھا، لہٰذا بھتیجہ کی دو چچی ہیں (۱) اختری (۲) نسیمہ، نسیمہ وہ چچی ہیں جن کا اس سے تعلق ہونے کا شک ہے، لہٰذا بھتیجہ چارپائی کی ایک جانب بیٹھا اور دوسری جانب اس کا چچا بیٹھا، اب بھتیجہ اس طرح قسم کھاتا ہے، اپنی زبان سے کہتے ہوئے: اختری چچی سے میرے ناجائز تعلقات ہوئے تو میری بیوی کو تین طلاق ہیں ، اور اختری لفظ کو وہ زبان سے ادا کرتا ہے اور اس کا نفس لفظ بھی سنتا ہے، لیکن اس کا چچا اختری لفظ نہیں سنتا، باقی الفاظ سنتا ہے، اور اب بھی وہ آتا جاتا ہے، چونکہ وہ کہتا ہے کہ میرے اس سے ناجائز تعلقات اگر ہیں تو اپنی بیوی کو طلاق دیدوں گا، اس خوف سے کہ کہیں طلاق نہ ہوجائے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی، حالانکہ اس لڑکے سے نسیمہ کے ناجائز تعلقات ہیں، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی۔

خط کشیدہ الفاظ زبان سے ادا کیے لیکن دل سے نہیں کیے، بلکہ لفظ اختری ہی ادا کیا زبان سے، جبکہ لفظ اختری کو اس کے چچا نے نہیں سنا

المستفتی: مستری محمد حنیف دھامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب بھتیجہ نے قسم کھاتے وقت صراحتاً اختری کا نام لیا ہے گرچہ اس کا ناجائز تعلق نسیمہ کے ساتھ ہے جس کی بنا پر اس کو قسم کھلائی گئی تھی، لیکن اس نے اس کے خلاف اختری سے ناجائز تعلق نہ ہونے کی قسم کھائی، لہٰذا اپنی قسم میں حانث نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ قسم میں صریح الفاظ کے مقابلے میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے چاہے اس کے چچا مخاطب نے اس کا لفظ نہ سمجھا ہو۔

الأيمان مبنية على الألفاظ لا على الأغراض، وفي الشامي: أي الألفاظ العرفية، و قوله: لا على الأغراض: أي المقاصد والنيات. (شامی، کتاب الأيمان مبحث مهم في تحقيق قولهم الأيمان مبنية على الألفاظ ...... زكريا ديوبند ٥/٥٢٨، کراچی ٣/٧٤٣)

الأيمان مبنية على الألفاظ العرفية، والأغراض التي تدل عليها هذه الألفاظ أما الأغراض العرفية الزائدة على الألفاظ فإنها غير معتبرة. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الأيمان مبحث الأصول التي تعتبر في الأيمان، دار الفكر ٢/٨٨)

والمعتبر في الأيمان الألفاظ، دون الأغراض. (البحر الرائق باب اليمين في الدخول والخروج...... زكريا ديوبند ٤/٥٠١، كوئٹه ٤/٢٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۹ھ

قسم میں الفاظ کا اعتبار ہے یا نیت کا؟

سوال [۷۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ کا فرزند عربی سوم میں زیر تعلیم تھا کہ اسی اثنا میں اس کی طبیعت کافی ناساز ہوگئی تو احقر نے یہ نذر مانی کہ یا اللہ اگر میرا فرزند صحیح ہو جائے گا تو فراغت کے بعد اسے ایک سال کے لیے تبلیغی جماعت میں بھیجوں گا، الحمد للہ اس کی طبیعت بھی صحیح ہو گئی، اور دورۂ حدیث شریف سے فراغت بھی ہوگئی، فراغت کے بعد سے بندہ کئی سالوں سے مستقل کہہ رہا ہے کہ جماعت میں جاؤ مگر وہ جماعت میں جانا پسند نہیں کرتا ہے، آیا ایسی صورت میں اس کی تلافی کی شکل میں رقم کی اتنی مقدار کہ جتنی ایک سال کی جماعت میں خرچ ہوتی ہے کسی دینی کام میں دیدینے سے اس کی تلافی ہوسکتی ہے یا نہیں، یا کوئی اور بہتر صورت ہو تو وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد صلاح الدین سہرسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنے فرزند سے ناامید نہ رہیں، کبھی اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ بات ڈالدیں گے کہ وہ خود چلا جائیگا، آپ نے اپنی نذر میں یہ قید نہیں لگائی ہے کہ فراغت کے بعد اسی سال میں بھیجیں گے، لہٰذا اس نذر میں گنجائش ہے کہ فراغت کے کئی سال کے بعد سال بھر کے لیے بھیجا جاسکتا ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اسی کو ہی سال بھر کے لیے بھیجا جائے، اور اس کے لیے حکمت عملی اختیار کی جائے، کہ حضرت مولانا لاٹ صاحب سے ملاقات کرائی جائے اور اجتماعات میں ان لوگوں کی صحبت اور خدمت میں کچھ ایام گذارے اس سے ان شاء اللہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں بات ڈالدے اور وہ خود چلا جائے جس سے آپ کی نذر پوری ہو جائے۔

ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب أی فرض ...... وهو عبادة مقصودة ...... ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر

لحدیث من نذر و سمی فعلیه الوفاء بما سمی. (تنویر مع الدر المختار علی الرد، کتاب الأیمان، مطلب: فی أحکام النذر، زکریا دیوبند ۵/ ۵۱۵-۵۱۶، کراچی ۳/ ۷۳۵)

أما أصل الحکم فالناذر لایخلو من أن یکون نذر و سمی أو نذر ولم یسم فإن نذر و سمی فحکمه وجوب الوفاء بما سمی. (بدائع، کتاب النذر، حکم النذر، زکریا دیوبند ٤/ ٢٤١، کراچی ٥/ ٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

جس بستی میں نہ جانے کی قسم کھائی وہاں سے گذرنے کا حکم

سوال [۷۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں فلاں بستی میں نہیں جاؤں گا مگر اور جگہ جانے کا راستہ ٹھیک اس بستی کے بیچ سے ہوکر پیدل اور سائیکل وغیرہ کا ہے، اس کے علاوہ جو راستہ ہے نہایت خطرناک ہے تو کیا ہم اس بستی کے بیچ سے گذر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حافظ محمد عرفان صدیقی، بانکہ، بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بے خیالی میں اس بستی سے ہوکر گذرے گا تو کفارۂ یمین ادا کرنا لازم نہ ہوگا، اور اگر بالارادہ اس بستی سے ہوکر گذرے گا تو قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

رجل حلف لا یخرج من الري إلی الکوفة فخرج من الري یرید مکة و طریقه علی الکوفة قال محمد: إن کان حین خرج من الري نوی أن یمر بالکوفة فهو حانث. (بدائع، کتاب الأیمان، ألفاظ الیمین المعلق، زکریا دیوبند ۳/ ٦٩، کراچی ۳/ ٤٢، هندیه زکریا قدیم ۲/ ۷۸، جدید ۲/ ۸۵، البحر الرائق زکریا

دیوبند ٤/٥٢٣، کوئٹه ٤/٣١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۰۶/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۱ھ

مجبوری میں قرآن کی قسم کھانا

سوال [۷۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مجبوری کی بنا پر قرآن کی قسم کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور مجبوری کیا سمجھی جائیگی؟
المستفتی: محمد شعیب، مقبرہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن مجید کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ غیر اللہ کی قسم ہے جو ناجائز ہے۔

عن سعد بن عبيدة قال: سمع ابن عمر رجلا يحلف ”لا والكعبة“ فقال له ابن عمر: إني سمعت رسول الله يقول: من حلف بغير الله فقد أشرك. (سنن أبي داؤد، الأيمان والنذور، باب اليمين بغير الله، النسخة الهندية ٢/٤٦٣، دار السلام رقم: ٣٢٥١، مسند أحمد بن حنبل ٢/٨٦-٨٧، رقم: ٥٥٩٣)

ولو قال بالقرآن أو بالمصحف أو بسورة كذا من القرآن فليس بيمين لأنه حلف بغير الله تعالىٰ. (بدائع الصنائع، كتاب الأيمان، مالا يجوز الحلف به، زكريا ٣/١٧، كراچی ٣/٨)

أو قال بالقرآن أو قال بالمصحف أو قال بسورة من القرآن فليس ذٰلك يمين. (تاتارخانية الفصل الثاني، ألفاظ الأيمان كوئٹه ٤/٤١٩، زكريا ٦/١٦ رقم: ٨٧٣٧)

لیکن قرآن کی قسم کا عرف اور رواج ہو جانے کی وجہ سے قسم کھانے سے منعقد ہو جائیگی، مگر گنہگار ہوگا، لہٰذا اس قسم کے خلاف کرنے کی صورت میں کفارہ بھی دینا واجب ہوگا۔ (مستفاد:

عزیز الفتاویٰ ۱/ ۵٦٨، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۲۴، ڈابھیل ۱۴/ ۳۸، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۸۸)

الأيمان مبنية على العرف. (شرح الحموی علی الأشباه و النظائر ص: ٩٦)

والأصح أن يقول: الأيمان مبنية على العرف و العادة فما تعارف الناس الحلف به يكون يمينا. (المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ٨/ ١٣٣)

الأيمان مبنية على العرف فما تعورف الحلف به فيمين و مالا فلا...... قال الكمال: ولايخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا. (الدر مع الرد، زكريا ٥/ ٤٨٤-٤٨٥، كراچی ٣/ ٧١٢)

اگر کوئی سخت مجبوری ہی درپیش ہو کہ کسی کا حق تلف ہو رہا ہو یا ظلم ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

قال رسول الله ﷺ: ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بأبائكم فمن كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت. (مسلم شريف كتاب الأيمان، باب النهى عن الحلف بغير الله، النسخة الهندية ٢/ ٤٦، بيت الأفكار رقم: ١٦٤٦، صحيح البخارى، الأيمان والنذور، باب لاتحلفوا بآبائكم، النسخة الهندية ٢/ ٩٨٣، رقم: ٦٣٩١، ف: ٦٦٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۵۱۶)	۱۴۲۱/۳/۲ھ

صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا

سوال [۷۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے اوپر ایک عورت کے ساتھ زنا کا الزام لگایا گیا ہے جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے، لہٰذا میں نے قرآن پاک ہاتھوں میں رکھ کر قسم کھائی ہے کہ میں نے کبھی بھی اس سے زنا نہیں کیا ہے، لہٰذا جواب دیں کہ صحیح بات پر قرآن کی قسم کھانا چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نعیم کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اپنی قسم میں سچا ہے تو عند اللہ آپ پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یمین لغو کو بھی معاف فرمایا ہے۔

﴿**لاَ يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ.** [المائدة: ۸۹] ﴾

عن عطاء بن أبي رباح قال: كنت أنا و عبيد بن عمير الليثي عند عائشة رضي الله عنها –زوج النبي ﷺ– فسألها عبيد عن قول الله عز وجل: ”لَايُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ، قالت: حلف الرجل على علمه، ثم لايجده على ذٰلك فليس فيه كفارة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الأيمان، باب من حلف على شئ وهو يرى أنه صادق ثم وجده كاذبا، دار الفكر ۱۴/ ۴۹۴ رقم: ۲۰۵۰۹) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھانا

سوال [۷۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ ایک قطعہ زمین وایک دوکان کے کرایہ دار چلے آرہے ہیں اس کا دخل ہم سب لوگوں نے تنویر حسین کو دیدیا تھا، اور دخل کے کاغذ کو ۲۲/ ۱۱/ ۹۳ء کو لکھوا کر دونوں بہنوں اور پانچ بھائیوں نے جو اس جگہ کے کرایہ دار تھے، دخل کے کاغذ پر سب لوگوں نے دستخط اپنے اپنے کر دیئے تھے، جگہ کے مالک اصل حقدار، وارثان عبد الغفار سے اس جگہ کے دخل لینے پر تنویر حسین کا جھگڑا ہو گیا کہ تم نے اس جگہ کا دخل کیوں دیا یہ جگہ ہماری تھی، کرایہ داروں سے ہم دخل خود لیتے، جھگڑا اتنا بڑھا کہ بات پولیس تک پہنچ گئی، احمد نور ولد عبد الغفار نے مجھ اسلام سے تھانہ میں کلام پاک کی قسم کھلوائی کہ اس کاغذ پر تم سب لوگوں کے دستخط ہیں یا نہیں؟ دستخط تو ہم سب لوگوں کے تھے، لیکن میں نے ان دستخطوں سے پولیس کے روبرو منع کر دیا کہ یہ

دستخط ہمارے نہیں ہیں اور نہ کوئی دخل تنویر حسین کو دیا ہے، دخل ہمارے پاس ہے تو اس مسئلہ میں مجھے کیا کرنا ہوگا جوکہ میں نے کلام پاک کی جھوٹی قسم کھائی ہے۔

المستفتی: محمد اسلام رفعت پورہ مرد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پولیس کے خوف سے آپ نے قصداً قرآن کریم کی جھوٹی قسم کھائی اور دستخط سے انکار کیا حالانکہ آپ کے دستخط ہوئے تھے، اس کی وجہ سے آپ پر گناہ ہوا اور آپ کی جھوٹی قسم کی وجہ سے دوسرے کا جو نقصان ہوا ہے پہلے اس کی تلافی کرنا لازم ہے، اس کے بعد آپ پر توبہ کرنا لازم ہے۔

وهی غموس إن حلف علی کاذب عمدا...... ویأثم بها فتلزمه التوبة.

(درمختار، کتاب الأیمان زکریا ٥/٤٧٤-٤٧٥، کراچی ٣/٧٠٥-٧٠٦)

عن عبد الله رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من اقتطع مال امرئ مسلم بیمین کاذبة، لقی الله وهو علیه غضبان، قال عبد الله: ثم قرأ رسول الله مصداقه من کتاب الله ''إن الذین یشترون بعهد الله و أیمانهم ثمنا قلیلا أولئک لا خلاق لهم فی الآخرة ولایکلمهم الله. (صحیح البخاری، کتاب التوحید ٢/١١٠٩ رقم: ٧١٤٥، ف: ٧٤٤٥)

عن عبد الله بن عمرو رضی الله عنهما قال: جاء أعرابی إلی النبی ﷺ فقال: یارسول الله! ما الکبائر، قال: ...... الیمین الغموس قلت: وما الیمین الغموس: قال: الذی یقتطع مال امرئ مسلم، هو فیها کاذب.

(صحیح البخاری، کتاب استتابة المعاندین والمرتدین ٢/١٠٢٢ رقم: ٦٦٥٣ ف: ٦٩٢٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵۸۲/۳۲)

غصہ میں قرآن لے کر شادی نہ کرنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی عورت نے قرآن کریم کو ساتھ لے کر غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گی، تو اگر یہ شادی کرلے گی تو کون سا کفارہ واجب ہوگا، اور گنہگار رہوگی یا نہیں؟ اور اس کا شادی کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی نہ کرنے کی قسم گناہ پر قسم ہے، اس کا توڑ دینا ضروری ہے، اور شادی کرکے اپنی قسم کا کفارہ ادا کریں، یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلادیں، یا ان کو جوڑا لے کردیں، یا اس کی قیمت دیں، اور اگر اس کی طاقت نہ ہوتو تین روز بلا ناغہ روزہ رکھیں۔

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوْا اَيْمَانَكُمْ . [المائدة: ۸۹] ﴾

عن إبراهيم قال: قال عبد الله: من حلف بالقرآن فعليه بكل آية يمين. (المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور في الرجل يحلف بالقرآن، ما عليه في ذلك، مؤسسة علوم القرآن ۷/۵۳۷ رقم: ۱۲۳۶۲)

عن أبي مالك قال: الأيمان ثلاثة: يمين تكفر، و يمين لا تكفر، ويمين لا يؤاخذ بها، فأما التي تكفر فالرجل يحلف على قطيعة رحم أو معصية الله. (الدر المنثور ۲/ ۵۵۱، تحت الآية ۸۹ من سورة المائدة)

ونوع لا يجوز حفظها وهو أن يحلف على ترك طاعة أو فعل معصية.

(عالمیگیری، کتاب الأیمان، الباب الاول، فی تفسیرها الخ، زکریا قدیم ٢/٥٢، جدید ٢/٥٧)

لایخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینا (وقوله) و عند الثلاثة المصحف والقرآن وکلام الله یمین. (الدر المختار، کوئٹه ٣/٥٦، کراچی٣/٧١٢، زکریا ٥/٤٨٤-٤٨٥)

ومن حلف علی معصیة کعدم الکلام مع أبویه (إلی قوله) وجب الحنث والتکفیر. (تنویر الأبصار مع الدر المختار، زکریا دیوبند ٥/٥٠٦، کوئٹه ٣/٦٨، کراچی ٣/٧٢٨)

وکفارته تحریر رقبة أو إطعام عشرة مساکین أو کسوتهم بما یستر عامة البدن و إن عجز عنها وقت الأداء صام ثلاثة أیام ولاء. (تنویر الأبصار مع الدر المختار زکریا ٥/٥٠٢ تا ٥٠٥، کوئٹه ٣/٦٦، کراچی ٣/٧٢٥ تا ٧٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ ذیقعدہ ١٤٠٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٣/ ٣٥٣)

اولاد کی قسم کھانا

سوال [٧٤١٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے سالے کی شادی عنقریب ہونے والی ہے میں نے اپنے سالے کو کہا تھا کہ تم اگر اپنے ہونے والے سسر کے ساتھ کپڑا پسند کرنے جاؤ گے تو میں اپنے لڑکے کی قسم کھاتا ہوں کہ میں شادی میں شامل نہیں ہوں گا، لیکن وہ ہونے والے سسر کے دباؤ میں آکر کپڑا پسند کرنے کو دوکان پر چلا گیا، اب اگر میں کسی وجہ سے شادی میں شامل ہوگیا تو اولاد کی قسم کا کیا کفارہ ہے، روزہ یا پیسہ یا اور کچھ؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: ہارون رشید جھوکا نالہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اولاد کی قسم کھانا شرعاً جائز نہیں ہے لیکن پھر بھی

ایک قسم کے نذر اور وثیقہ کے درجے میں ہوجاتا ہے، اس لیے کفارہ واجب ہوجاتا ہے، اور قسم کا کفارہ الگ الگ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دونوں وقت کھانے کا پیسہ دینا ہے۔

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ أدرک عمر بن الخطاب وهو يسير في رکب يحلف بأبيه فقال، ألا إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم من كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت. (بخاری شریف، کتاب الأیمان والنذور، باب لاتحلفوا بآبائکم ۲/۹۸۳، رقم: ۶۳۹۱، ف ۶۶٤۶)

وحاصله أن اليمين بغيره تعالىٰ تارة يحصل بها الوثيقة -إلى- و إنما كانت الوثيقة فيه أكثر من الحلف بالله تعالىٰ في زماننا لقلة المبالاة بالحنث ولزوم الكفارة. (شامی، کتاب الأیمان کراچی ۳/۷۰۵، زکریا دیوبند ۵/٤۷٤)

قوله عشرة مساكين و تحته في الشامية: أى تحقيقا أو تقديرا حتى لو أعطى مسكينا واحدا في عشرة أيام كل يوم نصف صاع يجوز. (شامی، کراچی ۳/۷۲۵، زکریا ۵/۵۰۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۶)

یمین لغو کی ایک صورت

سوال [۷۴۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نامی ایک شخص سے بکر نے کہا کہ بستر پر ایک چھوٹے بچہ نے پیشاب کردیا ہے، تیسرے شخص نے زید سے کہا بچہ نے پیشاب نہیں کیا ہے، زید کو بکر کی بات پر یقین تھا، نیز بچے کا پینٹ ایسے رنگ کا تھا، جس سے پیشاب کا اثر معلوم ہورہا تھا، زید کو بالکل یقین تھا کہ بچہ نے پیشاب کیا ہے، اسی پر زید نے کہا خدا کی قسم اگر بچہ نے پیشاب نہیں کیا ہے تو میں حانث ہوجاؤں گا جب غور سے دیکھا گیا تو بچہ نے پیشاب نہیں کیا تھا، از روئے شرع زید

حانث ہوگا یا نہیں؟ اگر حانث ہوا تو اب کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: محمد نعیم دودھ والے، محلّہ لال باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زید حانث نہیں ہوا بلکہ یمین لغو ہوگئی۔

﴿لاَ یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْ اَیْمَانِکُمْ. [المائدة: ۸۹]﴾

لغو وهو أن يحلف على أمر في الماضي أو في الحال وهو يظن أنه كما قال والأمر بخلافه بأن يقول والله قد فعلت كذا وهو ما فعل و يظن أنه فعل (إلى قوله) نرجوا أن لايؤاخذ بها صاحبها. (هنديه، كتاب الأيمان، الباب الأول في تفسيرها الخ، زكريا قديم ۲/ ۵۲، جديد ۲/ ۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/ ۱۴۱۵ھ

چوری ہونے پر تمام محلّہ والوں سے طلاق مغلظہ کی قسم دلوانا

سوال [۷۴۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی آدمی کی کوئی چیز چوری ہوگئی یا کوئی قیمتی مال وجائیداد کا کسی نے نقصان پہنچایا، صاحب مال گاؤں کے آدمی کو جمع کرکے مندرجہ ذیل شرائط کی قیود لگا کر سب سے قسم لیتا ہے:

کہ میں مسجد میں (خدا کے گھر) حلفیہ قسم کھاتا ہوں کہ میں نے مال چوری نہیں کیا یا نقصان نہیں پہنچایا، اگر چوری کیا یا نقصان پہنچایا، یا اس کے بارے میں کہ کس نے کیا اگر مجھے معلوم ہے تو میری زوجہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوں، اور جب جب میں نکاح کروں میری بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوں، اور کمیٹی جو سزا مقرر کرے منظور ہے، اور آخرت کی سزا الگ۔ بہتوں نے ان شروط کے ساتھ حلف کھانا نہیں چاہا، کیا طوعاً وکرہاً اس جیسا حلف لینا

صاحب مال کے لیے یا کمیٹی کے لیے جائز ہے؟

المستفتی: غلام نبی کپال، ساؤتھ۲۴/ پرگنہ ویسٹ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طریقہ پر قسم لینے سے فقہاء نے ممانعت فرمائی ہے، اس لیے مال کی تلاش کے لیے دوسرا جائز طریقہ اختیار کرنا چاہیے اور اس میں بہت سے باعزت لوگوں کی آبروریزی بھی ہوگی۔

رجل أراد أن يحلف غيره ليس له أن يحلفه بالطلاق و العتاق والأيمان المغلظة. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الأيمان، فصل فی تحليف الظلمة، زکریا جدید ۲/ ۱۱، وعلی هامش الهندية زکریا ۲/ ۱۳)

والتحليف بالطلاق والعتاق والأيمان المغلظة لم يجوزه أكثر مشائخنا وفي الخانية: وإن أراد المدعي تحليفه بالطلاق والعتاق في ظاهر الرواية لايجيبه القاضي إلى ذلك؛ لأن التحليف بالطلاق والعتاق حرام، ومنهم من جوزه في زماننا، والصحيح ما في ظاهر الرواية، وفي كتاب الحظر والإباحة من التاتارخانية: والفتوىٰ على عدم التحليف بالطلاق والعتاق. (البحر الرائق، کتاب الدعویٰ زکریا ۷/ ۳٦۲، کوئٹہ ۷/ ۲۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۰۲/۲۵)

بچہ پیدا نہ ہونے دینے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی ہوئی، شادی کے بعد بچہ بھی ہوا، دوسرا بچہ بھی جلدی ہوگیا، تیسرا حمل بھی ہوگیا تو زید اور ہندہ میں جھگڑا ہوا، زید نے حلفیہ قسم کھالی اب بچہ پیدا نہیں ہونے دیں گے، دنیوی ترکیب

کے مطابق روک لگاتا ہے اب تیسرے بچہ کو تقریباً تین سال ہو گئے ہیں، اب زید اور ہندہ دونوں چاہتے ہیں کہ بچے پیدا ہوں، لیکن زید نے قسم کھالی ہے تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

المستفتی: زید سلیم پور دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی قسم معصیت کی قسم ہے اس پر قائم رہنا درست نہیں، اس کے خلاف عمل کیا جائے، اس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کردے، اور کفارہ میں دس مسکین کو دونوں وقت کھانا یا اس کی قیمت دیدی جائے، اور قیمت میں ہر ایک فقیر کو ایک صدقہ کی قیمت دیدی جائے۔

عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتني القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالي في رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالك، كفر يمينك وكلم أخاك، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يمين عليك، ولا نذر في معصية الرب، ولا في قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملك. (المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ۸/۲۷۸۹ رقم: ۷۸۲۳)

عن طاؤس عن أبيه أنه كان يقول: إن حلف رجل على معصية الله فليكفر وليدعه حتى يكون له أجر ما ترك، و أجر ما كفر عن يمينه. (مصنف عبد الرزاق الأيمان، باب من حلف على يمين فرأى غيره خيرا منها، المجلس العلمي ۸/۴۹۷، رقم: ۱۶۰۳۹)

علق النذر بما هو معصية كقوله إن كلمت أبي فعلي نذر فهو كما علقه بمباح إن أبهم وكان عليه أن يحنث نفسه و يكفر الخ. (بزازيه، كتاب الأيمان، فيبل الفصل الثالث في يمين الطلاق، زكريا جديد ۱/۱۷۷، وعلى هامش الهندية ۴/۲۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

''مجھے قسم ہے'' کے الفاظ سے حانث ہونا

سوال [۷۴۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے خالد سے کہا کہ اگر میں نے تیرے گھر جا کر کھانا کھایا تو مجھے قسم ہے، پھر زید نے خالد کے گھر جا کر کھانا کھالیا تو زید حانث ہوگا یا نہیں؟ یعنی یہ واضح فرمائیں کہ لفظ ''مجھے قسم ہے'' سے قسم منعقد ہوتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''مجھے قسم ہے'' کے الفاظ سے قسم منعقد ہو جاتی ہے، لہٰذا زید کے خالد کے گھر جا کر کھالینے سے زید حانث ہوگیا، اس پر کفارہ کی ادائیگی لازم ہے۔

وكذا لو قال: عليه يمين ...... يكون يمينا كذا في فتاوىٰ قاضيخان. (هنديه، كتاب الأيمان، الباب الثاني زكريا قديم ۲/۵۳، جديد ۲/۵۸)

وكذا قوله علي يمين ...... في قول أصحابنا الثلاثة. (بدائع الصنائع، زكريا ۳/۱۵، كراچی ۳/۷-۸)

وكذا لو قال: عليه يمين ...... أن لا يفعل كذا يكون يمينا. (خانيه، زكريا جديد ۲/٦)

ولو قال: علي يمين ...... فهو يمين. (تاتارخانية زكريا ٦/۱۱ رقم: ۸۷۲۸، وعلى هامش الهندية ۲/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۱/۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۰۷/۴۰)

إن قبلتني فتقبيلك إياي حرام سے قسم کا انعقاد

سوال [۷۴۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: لو قال رجل لامرأته: ''إن قبلتنی فتقبیلک إیای حرام'' ثم بعد أیام تقدم إلیها لیقبلها فقبلته فهذا یمین أم لا؟ ومن یحنث الرجل أو المرأة؟ أجیبوا من فضلکم بنص من الفقه.

المستفتی: شہید اللہ بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد کے اپنی بیوی سے ''إن قبلتنی فتقبیلک إیای حرام'' کہنے سے مرد کے حق میں یمین منعقد ہوجائے گی، لہٰذا اگر بیوی نے اس کو بوسہ لے لیا تو اپنی قسم میں حانث ہوجائیگا۔

عن سعید بن جبیر أن ابن عباس قال: فی الحرام یکفر، وقال ابن عباس لقد کان لکم فی رسول الله أسوة حسنة. (صحیح البخاری، التفسیر یأیها النبی لم تحرم ما أحل الله لك، النسخة الهندیة ۲/ ۷۲۹، رقم: ٤٧٢١، ف: ٤٩١١)

عن الضحاک، أن أبابکر و عمرو ابن مسعود قالوا: من قال لامرأته: هی علیه حرام، فلیست علیه بحرام، و علیه کفارة یمین. (المصنف لابن أبی شیبة، الطلاق، من کان یقول: الحرام یمین ولیس بطلاق، مؤسسة علوم القرآن ۹/ ٦٠٤ رقم: ١٨٥٠٧-١٨٥١٠)

ومن حرم شیئا ثم فعله کفر لیمینه لما تقرر أن تحریم الحلال یمین قوله: أی لأجل الحنث فیها لأن السبب الحنث لا الیمین، قوله: لما تقرر الخ، أی فی قوله تعالیٰ: یأیها النبی لم تحرم ما أحل الله لک تبتغی مرضات أزواجک والله غفور رحیم، قد فرض الله لکم تحلة أیمانکم، فبین الله تعالیٰ أن نبیه صلی الله علیه وسلم حرم شیئا مما هو حلال، قلت: تقبیل المرأة زوجها حلال والرجل حرمه علی نفسه بقوله، ومنه أی من تحریم الحلال قولها لزوجها أنت علی حرام أو حرمتک علی نفسی فلو طاوعته فی الجماع أو أکرهها کفرت. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الأیمان کوئٹه ۲/ ۳۳٦-۳۳۷، وهکذا فی الشامی زکریا دیوبند ٥/ ٥٠٨-٥٠٩، کراچی

۳/۷۲۹-۷۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/۱۴۳۰ھ

اگر تم نے فلاں عورت سے بات کی تو قسم ہے؟

سوال [۷۴۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

لو قالت امرأة لزوجها "إن كلمت فلانة فى التليفون فعليك القسم" ثم كلمها فى التليفون، فهذا القسم ينعقد أم لا؟ ومن يكون حالفا الرجل أو المرأة ومن يحنث الرجل أو المرأة؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بیوی نے جس وقت شوہر سے یہ کہا ہے کہ تم نے اگر فلاں عورت سے ٹیلی فون پر بات کی تو تم پر قسم ہے" اگر شوہر نے اس کے جواب میں ہاں کہہ دیا تو یہ یمین ہوگی اور قسم کھانے والا مرد ہوگا اور اس عورت سے ٹیلی فون پر بات کرنے سے حانث ہو جائے گا لیکن اگر مرد نے ہاں نہیں کہا تو یہ کلام لغو ہو جائے گا۔

ولو قال عليك عهد الله إن فعلت كذا فقال نعم، فالحالف المجيب، وتحته فى الشامية: ولا يمين على المبتدئ، وإن نوى اليمين أي لإسناده الحلف إلى المخاطب فلا يمكن أن يكون الحالف غيره. (الدر مع الرد، كتاب الأيمان، قبيل مطلب: حلف لا يدخل فلان داره، زكريا ٥/٦٧٧، كراچی ٣/٨٤٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٧/٢٦٢-٢٦٣، هندية، زكريا قديم ٢/٦٠، جديد ٢/٦٦)

ومقصود الزوجة هنا هو الاستحلاف كما لا يخفى، وفى الشامى: قال: فإن نوى الاستحلاف فلا شيئ على واحد منهما أى لأن المخاطب لم

یجبه بقوله: نعم حتی یصیر حالفا. (شامی، مطلب: قال: لتفعلن کذا قال، نعم، زکریا دیوبند ٥/٦٧٦، کراچی ٣/٨٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/۱۴۳۰ھ

قسم کھا کر کہنا کہ ”میری جیب میں کتنے روپئے ہیں، صحیح بتانے پر سب دیدوں گا“

سوال [۷۴۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی قسم کھائے کہ میری جیب میں کتنے روپئے ہیں اگر آپ نے صحیح صحیح بتا دیا تو سب روپئے آپ کو دیدوں گا؟ زید نے اس مسئلہ کا جواب دیا کہ اگر بتانے والا شخص اس طرح کہے کہ آپ کی جیب میں ایک روپیہ ہے، دو روپیہ ہے، تین روپیہ ہے چار روپیہ ہے، اسی طرح پچاس تک کہہ دے اور اس کی جیب میں صرف چالیس روپئے نکلیں تو اس قسم کے کھانے والے کو چالیس روپیہ دینا ضروری ہے، اور اگر نہیں دے گا تو وہ حانث ہو جائے گا، اس لیے کہ اس قسم کے کھانے والے نے مطلق بولا تھا، کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے اگر صحیح بتا دیا تو سب آپ کا؛ اس لیے اس کو دینا واجب ہے، ہاں اگر قسم کھانے والا اس طرح کہتا ہے کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے ایک مرتبہ میں اگر آپ نے صحیح بتا دیا تو سب آپ کا، تو اس صورت میں اگر بتلانے والا ایک مرتبہ میں نہیں بتلاتا تو وہ حانث نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس نے قید لگا دی ہے، ایک مرتبہ میں بتلانے کی؟

المستفتی: شاہد جمال، مئوناتھ بھنجن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: متکلم کا یہ جملہ کہ میری جیب میں جتنا روپیہ ہے صحیح صحیح بتا دیا تو سب روپیہ آپ کو دیدوں گا تو عرف وتعامل میں ایسی گفتگو کا مدار ایک مرتبہ کہنے پر ہے، ایک عدد بتانے پر ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ ایک سے لے کر اربوں

تک گنتا چلا جائے اوراس کے جیب میں چالیس روپئے ہوں تو ایسی صورت میں قسم کھانے والا متکلم اگروہ بتلا دینے والے کو پیسہ نہ دے تو وہ حانث نہ ہوگا، اس کی قسم نہیں ٹوٹی اور یہ کہا جائیگا کہ بتلانے والا بتلا ہی نہیں پایا۔

الأصل أن الأيمان مبنية إلى قوله: وعندنا على العرف، وتحته فى الشامية: لأن المتكلم إنما يتكلم بالكلام العرفى أعنى الألفاظ التى يراد بها معانيها التى وضعت لها فى العرف وقوله فى الشامية ومعناه أن اللفظ إذا كان عاما يجوز تخصيصه بالعرف. (شامی، كتاب الأيمان، مبحث مهم فى تحقيق قولهم: الأيمان مبنية على الألفاظ، زكريا ديو بند ٥/ ٥٢٨، كراچی ٣/ ٧٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۹ھ

گھر بچانے کی خاطر جھوٹی قسم کھانا

سوال [۷۴۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت ہے اس کا شوہر اس پر شک کرتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تجھ کو قسم ہے، اگر وہ قسم کھاتی ہے تو جھوٹی قسم کھانی پڑتی ہے، اور اگر نہیں کھاتی ہے تو گھر بگڑتا ہے، اس صورت میں کیا کرے؟

المستفتی: عبد القادر، متعلم جامع الہدیٰ گل شہید، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت میں جھوٹی قسم کھانے کی بالکل اجازت نہیں ہے، بلکہ جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے، اس لیے صورت مذکورہ میں قسم کھانے کی اجازت نہیں ہے، البتہ اپنے شبہ کو کسی اور طریقہ سے ختم کرے یا اس کو ظاہر کر کے معافی مانگ لے، گھر بگاڑنا بھی صحیح نہیں ہے، اس لیے فریقین اپنے معاملہ کو نرمی سے سلجھانے کی کوشش کریں اور جن باتوں پر شوہر

کوشش ہےان کواپنے اندر سے بالکلیہ دور کرنے کا عہد کرے۔

عن عبد الله بن عمر عن النبي ﷺ قال: الكبائر: الإشراك بالله ...... واليمين الغموس. (صحيح البخاری، الأيمان والنذور، باب اليمين الغموس، النسخة الهندية ٢/٩٨٧، رقم: ٦٤١٩، ف: ٦٦٧٥)

غموس تغمسه في الإثم ثم في النار وهي كبيرة مطلقا لكن إثم الكبائر متفاوت إن حلف على كاذب عمدا كوالله ما فعلت كذا عالما بفعله أو حال كوالله ماله علي ألف بخلافه، ووالله إنه بكر عالما بأنه غيره ويأثم بها. (در مختار مع الشامی، كتاب الأيمان، كراچی ٣/٧٠٦، زكريا ٥/٤٧٤-٤٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۶/۸ھ

چوری کرنے کے بعد جھوٹی قسم کھانا

سوال [۷۴۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے کسی کا سامان چوری کیا اور پھر اس سے پوچھنے پر اس نے انکار کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھائی تو ایسی صورت میں اس پر کفارۂ یمین لازم ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: شمیم اختر ارریاوی مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چوری کا انکار کرتے ہوئے جھوٹی قسم کھانے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے، البتہ سخت گناہ کا مرتکب ہوا ہے، حدیث شریف میں جھوٹی قسم کھانے پر سخت وعید آئی ہے، اس لیے توبہ واستغفار کرے۔

عن أبي وائل عن عبد الله عن النبي ﷺ قال: من حلف على يمين

كاذبا ليقتطع مال رجل أو قال: أخيه لقي الله وهو عليه غضبان. (بخاری شریف، الشهادات، باب قول الله عزوجل "إن الذين يشترون بعهد الله الخ، النسخة الهندية ٣٦٨/١، رقم: ٢٦٠، ف: ٢٦٧٦)

وهي غموس إن حلف على كاذب عمدا كوالله ما فعلت عالما بفعله ...... ويأثم بها فتلزمه التوبة، وفي الشامية: إذ لا كفارة في الغموس يرتفع بها الإثم فتعينت التوبة ليتخلص منه. (شامی، کتاب الأيمان، زكريا ديوبند ٥/٤٧٤ - ٤٧٦، كراچی ٣/٧٠٥-٧٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍۷؍۱۴۲۰ھ

کلما کی قسم کا حکم

سوال [۷۴۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی شخص کو کلما کی قسم بالجبر والاکراہ اس طرح کھلائی گئی کہ اگر میں فلاں مسجد میں امامت کروں یا فلاں کام کروں تو جب بھی کسی لڑکی سے نکاح کروں اس کو طلاق مغلظہ واقع ہو، قسم کھانے والے شخص نے بعد میں دونوں کام کیے، اب اگر وہ کسی لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی آسان تر شکل کیا ہوگی، قسم کھانے والا شخص نوجوان ہے اور اس کو شادی کی اشد ضرورت ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ شدید ضرورت مثلاً نکاح ہی لے لیجئے کی بنا پر ائمہ اربعہ حقہ میں سے کسی دوسرے امام کے فتویٰ پر کسی خاص جزئیہ میں عمل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقدوس قاسمی نیرانوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) مذکورہ صورت میں کلما کی قسم منعقد ہو چکی ہے اس لیے کہ قسم کے انعقاد کا مدار الفاظ پر ہے نیت پر نہیں ہے۔

وأما اليمين بالله فلا يتوقف عليها أى على النية فينعقد إذا حلف عامدا أو ساهيا أو مخطيأ أو مكرها، وكذا إذا فعل المحلوف عليه كذٰلک الخ. (الأشباه والنظائر ص:٤٨)

والمعتبر فى الأيمان الألفاظ دون الأغراض. (البحر الرائق، الأيمان، باب اليمين فى الدخول والخروج، زكريا ديوبند ٤/٥٠١، كوئٹه ٤/٢٩٨)

ہاں البتہ کلما کی قسم کے بعد کسی عورت کے زوجیت میں آنے کی شکل اور حیلہ بھی موجود ہے کہ حالف کا نکاح کوئی دوسرا آدمی فضولی بن کر اس سے اجازت لیے بغیر کسی عورت سے کردے اور اطلاع ملنے پر زبان سے اس نکاح کو قبول نہ کرے اور نہ ہی زبانی اجازت دے بلکہ خاموشی میں بیوی کا مہر ادا کردے، یا اس کے ساتھ ہم بستری کرلے تو یہ نکاح فضولی کے لیے اجازت فعلی ہے، جو معتبر ہے؛ اس لیے اس طریقہ سے شادی کی صورت بن جائے گی اور بیوی پر طلاق بھی نہیں پڑے گی۔

والحيلة فيه عقد الفضولى (إلى قوله) وكيفية عقد الفضولى أن يزوجه فضولى فأجاز بالفعل بأن ساق المهر ونحوه لا بالقول فلا تطلق. (مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب التعليق، دار الفكر مصرى قديم ١/٤١٩، دار الكتب العلمية بيروت جديد ٢/٦٠)

حلف لايتزوج فزوجه فضولى فأجاز بالقول حنث وبالفعل لا يحنث و به يفتى. (الدر مع الرد، باب اليمين فى الضرب ...... مطلب: حلف لا يتزوج فزوجه فضولى زكريا ٥/٦٧٢، كراچى ٣/٨٤٦)

(۱) کسی خاص فرد کے لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ صفر ۱۴۱۴ھ

کلما کی قسم کا شرعی حکم

سوال [۷۴۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کلما کی قسم کی شرعی حیثیت کیا ہے اگر کسی کافر کو قسم کھلا دی تھی پھر کسی موقع پر اس نے اسلام قبول کرلیا، اور اس نے نکاح کرلیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کے برعکس کسی مسلم نے یہ قسم کھائی تھی پھر بدقسمتی سے وہ حالت کفر میں لوٹ گیا اور پھر ایمان قبول کرلیا اس کے بعد اس نے نکاح کرلیا تو پہلی والی شکل میں اور دوسری والی شکل میں اس قسم کا حکم اور اس کا اثر تو باقی نہ رہے گا؟

المستفتی: شمس احمد سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کلما کی قسم کی حیثیت یہ ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان یہ کہے گا کہ میں جب جب بھی نکاح کروں گا عورت پر طلاق ہے، عقد نکاح کرتے ہی عورت بائنہ ہوجائے گی، لہٰذا کسی بھی عورت سے نکاح کے بعد ہم بستر نہیں ہوسکتا ہے، کلما کی قسم کسی کافر کو کھلا دی گئی تھی، بعد میں وہ مسلمان ہوگیا تو اس کے حق میں یہ قسم لغو قرار پائے گی کیونکہ کافر فروعات شرعیہ کا مکلّف نہیں ہے۔

إن الكفار مخاطبون بالعقوبات سوی حد الشرب و بالمعاملات.

(شامی الجهاد، باب استیلاء الکفار، مطلب: فی أن الأصل فی الأشیاء الإباحة، زکریا ٦/ ٢٦٨، کراچی ٤/ ١٢٨)

برخلاف اگر یہ قسم کوئی مسلمان کھالیتا ہے اور مرتد ہوجاتا ہے، پھر ارتداد کے بعد اسلام میں لوٹ آتا ہے تو کلما کی قسم اس کے حق میں معتبر ہوگی۔

ثم اعلم أن مما يبطل التعليق ارتداد الزوج ولحاقه بدار الحرب عنده خلافا لهما. (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب التعلیق، زکریا ٤/ ٣٥، کوئٹه ٤/ ٢١)

قوله خلافا لهما أی للصاحبين فعندهما لا يبطل التعليق لأن زوال الملك لا يبطله وله أن بقاء تعليقه باعتبار قيام أهليته وبالارتداد ارتفعت

العصمة فلم يبق تعليقه لفوات الأهلية فإذا عاد إلى الإسلام لم يعد ذٰلك التعليق الذى حكم بسقوطه. (شامی، باب التعليق، قبيل مطلب: فی مسألة الكفر زكريا ٤/ ٦٠٠، كراچی ٣/ ٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۰۱)

کلما کی قسم کی تلقین کا حکم

سوال [۷۴۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک استاذ نے ایک دن اپنے شاگرد کو اچانک بلایا اور بلا کر یہ کہا کہ میں تم کو قسم دیتا ہوں اور کہا کہ جس طرح میں کہوں اسی طرح تم بھی کہتے رہنا تو استاذ صاحب نے اپنی زبان سے یہ کہا کہ اگر میں فلاں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کروں گا تو شادگر نے بھی ساتھ ساتھ ایسا ہی کہا پھر استاذ نے کہا اگر میں نے فلاں گناہ کا ارتکاب کرلیا تو جب جب میں شادی کروں میری بیوی کو تین طلاق، تو اسی طرح شاگرد نے اپنے استاذ کے کلمات کو دہرایا، اور میں اس قسم کے نتیجے سے واقف نہیں تھا اور مجھ سے اس گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگیا، لہٰذا مفتی صاحب میں بہت زیادہ پریشانی میں مبتلا ہوں کہ اگر نکاح نہیں کرتا ہوں تو زنا کاری میں مبتلا ہونے کا پختہ یقین ہے، اس لیے مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اگر نکاح کے جواز کی کوئی صورت ہو تو اس کو تحریر فرمادیں اور یہ بھی گذارش ہے کہ اگر چند صورتیں ہوں تو تمام کو تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہاں پر کلما والی قسم کا ثبوت نہیں ہوا ہے اس لیے کہ سوالنامہ میں ایک دوسرے کو تلقین کی شکل ہے، انشاء کی شکل نہیں ہے، اور کلما کی قسم منعقد ہونے اور طلاق واقع ہونے کے لیے انشاء لازم ہے، اور یہاں انشاء کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ تلقین ہے اس لیے مذکورہ واقعہ میں کسی بھی لڑکی سے نکاح کرنے پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ولكن لا بد في وقوعه قضاء و ديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده فى الفتح و حققه فى النهر احترازا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها أو كتب ناقلا من كتاب امرأتى طالق مع التلفظ أو حكى يمين غيره فإنه لا يقع أصلا مالم يقصد زوجته و عما لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غير عالم بمعناه فلا يقع أصلا على ما أفتى به مشائخ أو زجنذ. (شامى، كتاب الطلاق، باب الصريح، مطلب فى قول البحر: إن الصريح يحتاج فى وقوعه ديانة إلى النية، زكريا ديوبند ٤٦١/٤، كراچى ٣/ ٢٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۵۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۵ھ

’’ہم کھا رہے ہیں کلما کی قسم‘‘ کہنا

سوال [۷۴۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مدرسہ میں پڑھتا ہے اس مدرسہ میں اتفاق سے دو طالب علموں میں جھگڑا ہو گیا ان میں ایک طالب علم زید کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا، لہٰذا اس نے زید کو اپنا ہمراز سمجھ کر دوسرے سے انتقام لینے کا پلان بتلا دیا کہ میں اس کو فلاں موقعہ پر اس طرح غنڈوں سے پٹائی کراؤں گا، زید نے سوچا کہ اس میں ایک مومن بھائی کی جان کا خطرہ ہے، لہٰذا اس نے یہ راز فاش کر دیا، اور اس کو آگاہ کر دیا تا کہ مدمقابل سے ہوشیار رہے، پس وہ ہوشیار رہنے لگا، جس کی وجہ سے مارنے والے طالب علم کا ارادہ ناکام ہو گیا، اب یہ ناکام شخص غصہ میں بھرا ہوا زید کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے اس کو ہمارا راز بتلایا؟ زید گھبرایا اور جھوٹ بول دیا، کہ میں نے نہیں بتلایا، تو اس نے کہا کہ اچھا کھاؤ کلما کی قسم کہ میں نے نہیں بتلایا، زید مارے خوف کے انکار نہیں کر پایا، اور زبان سے اتنا کہہ دیا کہ ہاں ہم کھا رہے ہیں کلما کی قسم، حالانکہ

دل میں بالکل نیت قسم کھانے کی نہیں تھی، تو کیا صورت مذکورہ میں قسم متحقق ہوگئی اور کیا وہ جب جب نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی؟ زید ابھی غیر شادی شدہ ہے اور جوانی کے اس مرحلہ میں ہے کہ اگر نکاح نہ کرے تو عین یقین ہے کہ زنا میں مبتلا ہو جائے گا، تو ایسی شکل میں اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر قسم نہیں ہوئی، جیسا کہ اس کا کہنا ہے کہ میں نے یہ الفاظ کہا کہ ہاں قسم کھا رہے ہیں کے علاوہ زبان سے کچھ کہا ہی نہیں، اور دل میں بھی صرف یہ نیت تھی کہ اس شہر (جہاں کا معاملہ ہے) کی لڑکی سے جب جب شادی کروں تو اس کو طلاق تو کیا اس کی یہ نیت معتبر مانی جائے گی؟

المستفتی: محمد الیاس کٹک اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف کلما کی قسم کھاتا ہوں اور کھا رہا ہوں اور کھالیا ہوں کے الفاظ سے کلما والی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں زید کسی بھی عورت سے نکاح کرسکتا ہے اور اگر اس طرح کہتا ہے کہ میں جب جب نکاح کروں گا تو بیوی کو طلاق ہے، تو کلما والی طلاق ہو جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۴۰۷، جدید ڈابھیل ۱۳/ ۹۹)

الأيمان مبنية على الألفاظ لا على الأغراض. (الدر مع الرد، الأيمان، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢٨، كراچی ٣/ ٧٤٣)

الأيمان مبنية على الألفاظ العرفية، والأغراض التي تدل عليها هذه الألفاظ أما الأغراض العرفية الزائدة على الألفاظ فإنها غير معتبرة. (الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ٢/ ٨٨)

والمعتبر في الأيمان الألفاظ دون الأغراض. (البحر الرائق، كوئٹه ٤/ ٢٩٨، زكريا ٤/ ٥٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۱۱ھ

بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھانا؟

سوال [۷۴۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص محمد عظیم نے اپنے بہن بھائیوں سے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے کہ اگر میں اپنے بہن بھائیوں سے ملوں تو اپنی اولاد سے زنا کروں، آج محمد عظیم کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا اور کچھ عزیز و اقرباء اس بات پر بضد ہیں کہ محمد عظیم اور اس کے بھائی بہن میں میل کرادیں، کیا ایسی حالت میں میل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عظیم محلّہ اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد عظیم نے بڑی گندی قسم کھائی ہے چاہیے کہ وہ اپنے بھائی بہنوں سے میل جول کرلے اور ایک کفارۂ قسم ادا کردے۔

عن أبی هریرة رضی الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من حلف علی یمین فرأی غیرها خیرا منها، فلیأت الذی هو خیر، ولیکفر عن یمینه.

(صحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینا، فرأی غیرها ...... النسخة الهندیة ۲/۴۸ بیت الأفکار رقم: ۱۶۴۹)

عن سعید بن المسیب أن أخوین من الأنصار کان بینهما میراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنی القسمة، لا أکلمک أبدا، کل مالی فی رتاج الکعبة، فقال عمر بن الخطاب رضی الله عنه: إن الکعبة لغنیة عن مالک، کفر یمینک وکلم أخاک، فإنی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لایمین علیک، ولا نذر فی معصیة الرب، ولا فی قطیعة الرحم، ولا فیما لا تملک. (المستدرک، کتاب الأیمان، دار البشائر الإسلامیة ۸/۲۷۸۹ رقم: ۷۸۲۳، سنن أبی داؤد، الأیمان والنذور، باب فی قطیعة الرحم، النسخة الهندیة ۲/۴۷۱، دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

من حلف علی معصیة مثل أن لا یصلی أو لا یکلم أباہ أو لیقتلن فلانا ینبغی أن یحنث نفسه و یکفر عن یمینه. (هدایه، کتاب الأیمان، باب مایکون یمینا و مالایکون یمینا، اشرفی ۲/ ۴۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۶۲)

تمہارے یہاں کھایا تو سور کا گوشت کھایا

سوال [۷۴۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی نے غصہ کی حالت میں اپنے لڑکے سے کہا کہ تمہارے یہاں اگر کھانا کھایا تو سور کا گوشت کھایا تو کیا کفارہ ہوگا ؟

المستفتی: عبید الرحمٰن سنگاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے بندہ کو حرام کرنے اور حرام کہنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنی جگہ بعینہٖ حلال ہی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿**یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ.**[التحریم: ۱]﴾

لہٰذا سوالنامہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر تمہارے یہاں کھانا کھایا تو سور کا گوشت کھایا، اس سے نہ کھانا کھانا اس کے حق میں حرام ہوگا اور نہ ہی قسم منعقد ہوگی، اور نہ ہی کفارہ لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴/ ۱۶۲، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۲)

لو قال إن أکلت هذا الطعام فهو علي حرام فأکله فلا حنث علیه. (شامی، کتاب الأیمان، مطلب: فی تحریم الحلال، زکریا ۵/ ۵۰۸، کراچی ۳/ ۷۲۹)

ولو قال: هو یأکل المیتة إن فعل کذا لایکون یمینا. (تاتارخانیة،

الأيمـان، الفصل الثانی، ألفاظ اليمين، كوئٹه ٤/ ٤٢٣ زكريا ٦/ ٢٠ رقم: ٨٧٤٨، المحيط البرهانی المجلس العلمی ٦/ ٧١ رقم: ٦٧٧٢)

التعليق بما تسقط حرمته بحال ما كالميتة والخمر، والخنزير لايكون يمينا . (البحر الرائق، الأيمان، زكريا ٤/ ٤٨٣ كوئٹه ٤/ ٢٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱ / ۴۰۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۲۶ھ

بیٹی کے گھر نہ جانے کی قسم توڑنے پر کفارہ

سوال [۷۴۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی شادی شدہ لڑکی سے لڑائی کے دوران کہا ''قسم کھاتا ہوں اللہ پاک کی کہ میں تیرے گھر پر نہیں جاؤں گا'' اب اگر باپ قسم توڑتا ہے بیٹی کے گھر پر جاتا ہے تو اس کا کفارہ کیا دینا پڑیگا، روزہ رکھا جائیگا یا صدقہ دینا پڑیگا؟ پہلے لڑکی کے گھر جایا جائے یا کفارہ دیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کفارہ لڑکی کے گھر جانے سے پہلے واجب نہیں ہوگا اور کفارہ ادا کرنے میں تفصیل یوں ہے کہ دس فقیروں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا یا اس کی قیمت یا دس فقیروں کو جوڑے دیدیئے جائیں، یا غلام آزاد کردیا جائے، ان امور میں اختیار ہے جو چاہے اختیار کرسکتا ہے لیکن اگر ان میں سے کسی کی بھی طاقت نہیں ہے تب تین روزہ رکھنے کی اجازت ہوگی، اب صاحب معاملہ خود ہی سمجھ لے کہ وہ دس فقیروں کو کھانا یا اس کی قیمت دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتا ہے تو روزہ رکھنا کافی نہیں۔ (مستفاد: معارف القرآن ۳/ ۲۲۳)

﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ

اِذَا حَلَفْتُمْ . [المائدة: ۸۹] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۱۸ھ

بھائی سے نہ بولنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی مجھ سے لڑتی ہے غلط الفاظ بولتی، طرح طرح کے جھوٹے الزام لگاتی ہے، کئی مرتبہ مجھے مارا بھی ہے، محلّہ والوں نے کئی بار فیصلہ بھی کردیا، مگر وہ اپنی ان عادات سے باز نہیں آئی، اور ایک میرا حقیقی بھائی ہے، اس کی بیوی کو میرے اوپر الزام لگاتی ہے کہ تیرا تعلق اس سے ناجائز ہے، اور یہ کہتی ہے کہ تم اپنے بھائی کو چھوڑ و میں تمہارے بھائی سے نہیں ملنے دوں گی، اس بارے میں کئی آدمیوں کے سامنے مجھے مجبوراً قسم دلائی، اور میں نے قسم کھالی کہ میں اپنے بھائی سے نہیں بولوں گا، یا اس کے بچوں سے بھی نہیں بولوں گا، اس قسم سے کیا کفارہ ہوتا ہے؟ کیونکہ میں اپنے بھائی سے بولنا چاہتا ہوں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: ذاکر حسین ولد شوکت حسین محلّہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنے بھائی سے بول لیں اس کے بعد دس مسکینوں کو دونوں وقت کفارہ میں کھانا کھلادیں اس کے بعد بولنے میں گنہگار نہیں ہوں گے۔

عن أبی هريرة رضی اللّٰه قال قال رسول اللّٰهﷺ: من حلف علی يمين فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذی هو خير، وليكفر عن يمينه.

(صحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینا، فرأى غیرها ...... النسخة الهندیة ۲/ ۴۸، بیت الأفکار رقم: ۱۶۴۹)

عـن سـعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحـدهـمـا صـاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنى القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالى فى رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه: إن الكعبة لغنية عـن مـالك، كفر يمينك و كلم أخاك، فإنى سمعت رسول الله ﷺ يقول: لايمين عليك، ولا نذر فى معصية الرب، ولا فى قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملك .

(المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ۸/۲۷۸۹، رقم: ۷۸۲۳، سنن أبى داؤد، الأيمان والنذور، باب فى قطيعة الرحم، النسخة الهندية ۲/۴۷۱، دار السلام رقم: ۳۲۷۲)

مـن حلف على معصية مثل أن لا يصلى أو لا يكلم أباه أو ليقتلن فلانا يـنبغـى أن يحنث نفسه و يكفر عن يمينه لقوله عليه السلام: من حلف على يـمين و رأى غيرهـا خيـرا منها فليأت بالذى هو خير ثم ليكفر عن يمينه .

(هدايه، كتاب الأيمان، باب مايكون يمينا و مالايكون يمينا، اشرفى ۲/۸۲)

اگر کھانا کھلانے کی صورت نہ ہوتو دس مساکین میں سے ہر ایک کوایک صدقہ فطر کی قیمت دیدیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/ ۶۹۶)

دیورانی اور جیٹھانی کا آپس میں نہ بولنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۲۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوعورتیں جو کہ قریبی رشتہ دار یعنی دیورانی جیٹھانی ہیں، آپس میں جھگڑے کی شدت میں دیورانی نے قسم کھالی کہ میں تم سے کبھی نہ ملوں گی،لیکن ایک شادی کے موقع پر حالات ایسے بنے کہ لڑائی ختم کرکے ملنا پڑ گیا وہ بھی اس طرح کہ جٹھانی اوراس کے شوہر دیورانی کے پاس گئے اور کہا کہ کشیدگی ختم کرنے کے لیے تمہاری قسم کا کفارہ ادا کریں گے لہٰذا

براہ کرم آگاہ فرمائیں کہ اس طرح قسم کھالینے سے کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: عبداللطیف مغل پورہ اول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیورانی اگر جیٹھانی سے بولے گی تو کفارہ قسم ادا کرنا ہوگا، اور کفارۂ قسم دس مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا یا اس کی قیمت ادا کرنا ہے۔

﴿فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ . [المائدة: ٨٩]﴾

عن سعيد بن المسيب أن أخوين من الأنصار كان بينهما ميراث، فسأل أحدهما صاحبه القسمة، فقال: لئن عدت سألتنى القسمة، لا أكلمك أبدا، كل مالى فى رتاج الكعبة، فقال عمر بن الخطاب رضى الله عنه: إن الكعبة لغنية عن مالک، كفر يمينک وكلم أخاک، فإنى سمعت رسول الله ﷺ يقول: لايمين عليک، ولا نذر فى معصية الرب، ولا فى قطيعة الرحم، ولا فيما لا تملک. (المستدرك، كتاب الأيمان، دار البشائر الإسلامية ٨/٢٧٨٩ رقم: ٧٨٢٣، سنن أبى داؤد، الأيمان والنذور، باب فى قطيعة الرحم، النسخة الهندية ٢/٤٧١ دار السلام رقم: ٣٢٧٢)

ومن حلف لا يكلم فلانا فكلمه، وهو بحيث يسمع إلا أنه نائم حنث. (هدايه، كتاب الأيمان، باب اليمين فى الكلام، اشرفى ٢/٤٩٣)

وكفارة اليمين (إلى قوله) وإن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام فى كفارة الظهار. (هدايه اشرفى ٢/٤٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۷۵)

بیوی سے صحبت نہ کرنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۲۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ بیوی سے صحبت نہیں کروں گا، دو ماہ اس پر کاربند رہا اس کے بعد صحبت شروع کردی،اس کے لیے شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: افضال احمد کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں شخص مذکور پر اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ. [المائدة: ۸۹] ﴾

عن عدى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا حلف أحدكم على اليمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليكفرها، وليأت الذى هو خير. (صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا فرأى ...... النسخة الهندية ۲/۴۸، بيت الأفكار، رقم: ۱۶۵۱)

والمنعقدة ما يحلف على أمر فى المستقبل أن يفعله أو لا يفعله وإذا حنث فى ذٰلک لزمته الكفارة. (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفى ۲/۴۷۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۶۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۲۸ھ

گھر کھانا نہ کھانے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۳۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے قسم کھائی کہ گھر کھانا نہیں کھاؤں گا چھ ماہ تک نہیں کھایا، اس کے بعد

کھانا شروع کردیا، اس کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: افضال احمد کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اب بعد میں جب گھر میں کھانا کھالیا ہے تو اپنی قسم کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہو چکا ہے، اور آئندہ ہمیشہ گھر کھانا کھا سکتا ہے، اور کفارہ دس فقیروں کو جوڑا یا دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا یا اس کی قیمت ادا کرنا ہے۔

﴿ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ. [المائدة: ۸۹] ﴾

ومنعقدة ما يحلف على أمر في المستقبل أن يفعله أو لا يفعله و إذا حنث في ذٰلك لزمته الكفارة. (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفى ۲/ ۴۷۸)

وإن شاء كسا عشرة مساكين كل واحد ثوبا فما زاد و أدناه مايجوز فيه الصلاة و إن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام في كفارة الظهار. (هدايه، الأيمان باب ما يكون يمينا و مالايكون يمينا، اشرفى ۲/ ۴۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۶۳)

حلال جانور کے گوشت کو اپنے اوپر حرام کرنا

سوال [۷۴۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص غصہ کی حالت میں حلال جانور کے گوشت کے بارے میں کہہ دے کہ خنزیر کا گوشت کھاؤں، اگر میں اس گوشت کو کھاؤں تو وہ کس طرح گوشت کھائے، قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

المستفتی: منظور احمد امام مسجد بازید پور میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح کسی حلال چیز کوحرام کرنے سے حرام نہیں ہوتی بلکہ یہ قسم ہوجاتی ہے، جب کھائے گا تب اس پر کفارۂ یمین واجب ہوجائیگا،یعنی دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا یا کپڑا ایک ایک جوڑا دینا۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ،قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ. [التحریم: ۱-۲] ﴾

﴿وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ . [المائدة: ۸۹] ﴾

تحريم الحلال يمين. (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٧٠)

ومنها أن يحرم على نفسه شيئا حلالا كأن يقول هٰذا الطعام علي حرام فإنه لا يحرم عليه ولكن إن أكله تلزمه كفارة اليمين. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دار الفكر ٢/٧٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۴؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۸۵)

قسم کھائی کہ اگر اس لڑکی سے شادی نہ ہوئی تو کبھی شادی نہ کرونگا

سوال [۷۴۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکے نے ایک لڑکی کے سامنے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تم سے میری شادی نہیں ہوئی تو زندگی بھر اپنی شادی نہیں کروں گا، لیکن اب وہ لڑکا اس لڑکی کی شادی کسی دوسرے کے ساتھ ہوجانے پر اپنی شادی بھی کسی دوسری لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اب جو اس نے قسم کھائی تھی اس سلسلے میں وہ کیا کرے؟

المستفتی: محمد یونس محلّہ اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی دوسری لڑکی کے ساتھ پہلے نکاح کرلے اوراس کے بعد قسم کا کفارہ ادا کردے اور کفارہ میں دس غریبوں کو کھانا کھلا دینا کافی ہے، اور کھانے کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

﴿**فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ.** [المائدة: ۸۹] ﴾

عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: من حلف على يمين، فرأى خيرا منها، فليأت الذى هو خير، وليكفر عن يمينه. (مسند أحمد بن حنبل ۲/۲۰٤، رقم: ٦٩٠٧)

حلف لا يتزوج النساء فتزوج امرأة يحنث. (فتاویٰ عالمگیری، الأيمان، الباب الثامن فى اليمين فى البيع والشراء والتزوج، زكريا قديم ۲/۱۱۸، جديد ۲/۱۲۸، مبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ۹/۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۲۱)

کسی عورت سے نکاح کی قسم کھانے کے بعد عورت کا دوسرے سے نکاح ہوجانا

سوال [۷۴۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو ہندہ نے قسم کھلائی کہ تم کو مجھ سے شادی کرنی ہوگی اور ہندہ نے زید کو قرآن کی قسم کھلائی اور زید نے قسم کھالی، اب ہندہ کی شادی دوسری جگہ ہوگئی اب زید پریشان ہے کہ میں نے جو قسم کھائی ہے اس کا کیا ہوگا؟ اس کے کفارہ دینے کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے مطابق زید کو ہندہ ہی نے قسم کھلائی

ہے جس میں ضمناً قسم کا تعلق ہندہ کی رضامندی اور ہندہ کے داعیہ کے ساتھ معلق ہے، اور اب جب ہندہ کی رضامندی باقی نہیں رہی اور اس نے دوسری جگہ نکاح کرلیا ہے اور زید آخر تک نکاح پر آمادہ رہا ہے تو زید حانث نہ ہوگا اور زید پر کفارہ بھی لازم نہ ہوگا، ہاں البتہ اگر زید نے بعد میں ہندہ کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کردیا ہوتا اور ہندہ نے زید کے انکار کرنیکی وجہ سے دوسری جگہ نکاح کیا ہوتا تو حکم دوسرا ہوتا۔

كما استفاده من الفتح: ومن حلف ليهبن عبده لفلان فوهبه ولم يقبل بر في يمينه والأصل أن إسم عقد المعاوضة كالبيع والإجارة والصرف والسلم والنكاح والرهن والخلع بإزاء الإيجاب والقبول معا. (فتح القدير، الأيمان، باب اليمين في تقاضي الدرهم، دار الفكر ٢٠٢/٥-٢٠٣، زكريا ١٨٩/٥، كوئٹه ٤٦٨/٤، الدر مع الرد كراچی ٨٤٥/٣-٨٤٦، زكريا ديوبند ٦٧١/٥-٦٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣ر جمادی الثانیہ ١٤١٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٧٣٣/٢٨)

دوسری شادی نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد دوسری شادی کرنا

سوال [٧٤٣٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص کسی کا شرعی حق ادا نہ کرے تو دوسرا فریق غلط بیان اور کسی طریقہ سے اپنا حق وصول کرلے تو اس میں کیا کوئی گناہ ہوگا، مثلاً کسی عورت کی کوئی جائیداد ہے، جو خاص عورت ہی کے نام ہے، شوہر اس کا کرایہ لے لے عورت کو نہ دے، اور اگر عورت جائیداد فروخت کرنا چاہے تو اس پر بھی شوہر اپنی ناراضگی کا اظہار کرے جبکہ شوہر اپنی پہلی عورت کی زندگی میں دوسرا نکاح کرچکا ہے بغیر کسی شرعی مجبوری کے صرف نئی اور پرانی کے چکر میں باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ معاہدہ کرچکا ہو کہ تمہاری زندگی میں ایسا نہیں ہوگا، ان تمام حالات کو مد

نظر رکھتے ہوئے عورت اپنا حق کرایہ کسی طرح لے لے تو کیا کوئی مضائقہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کو اپنی جائیداد میں مالکانہ تصرف کا حق ہر وقت ہے، چاہے آپ فروخت کردیں یا کرایہ وصول کرلیں۔

المالک هو المتصرف فی الأعيان المملوكة كيف شاء الخ.

(بیضاوی شریف، رشیدیه ۱/۷)

ہاں البتہ شوہر سے مشورہ لینا مستحسن ہے، رہا شوہر کا دوسری بیوی سے شادی کرنا سو اس کو ہر وقت اختیار ہے اس میں آپ کو اعتراض کا حق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے شوہر کو اجازت ہے۔

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ. [النساء:٣]﴾

اگر شوہر نے کتاب اللہ ہاتھ میں لے کر قسم کھائی ہے تو قسم توڑنے کی بنا پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن أبی هريرة رضی الله قال قال رسول الله ﷺ: من حلف على يمين فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذى هو خير، وليكفر عن يمينه وليفعل. (سسن الترمذی، الأيمان، باب ما جا فی الكفارة قبل الحنث، النسخة الهندية ١/ ٢٧٩، دار السلام رقم: ١٥٣٠)

من حرم على نفسه شيئا مما يملكه لم يصر محرما و عليه إن استباحه كفارة يمين. (هدايه، كتاب الأيمان، باب ما جاء مايكون يمينا ومالا يكون يمينا، اشرفی ٢/ ٤٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۶۰)

لڑکے کا شادی نہ کرنے کی قسم کھا کر شادی کرنا

سوال [۷۴۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک لڑکا ایک لڑکی سے پیار کرتا تھا جب لڑکی کی دوسری جگہ شادی ہونے لگی تو لڑکے نے اس لڑکی کے سامنے قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ اگر تم نے مجھ سے شادی نہیں کی تو میں زندگی بھر کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کروں گا، لڑکی کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اس نے دوسری جگہ شادی کرلی، لڑکی کی بے وفائی کو دیکھتے ہوئے کافی عرصہ کے بعد لڑکے نے بھی شادی کرلی اب لڑکے نے جو قسم قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کھائی تھی اس کے لیے وہ لڑکا کیا کرے؟

المستفتی: محمد یونس اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں قسم کھانے والے لڑکے کا نکاح دوسری لڑکی کے ساتھ ہو چکا ہے لیکن قسم توڑنے کی وجہ سے اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے، اور قسم کا کفارہ دس فقیروں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے یا اس کی قیمت دینا ہے۔

﴿وَلٰکِنْ یُؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَیْمَانَ فَکَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُهُمْ. [المائدة: ۸۹] ﴾

المنعقدة ما يحلف على أمر في المستقبل أن يفعله أو لا يفعله و إذا حنث في ذٰلك لزمته الكفارة. (هدايه، كتاب الأيمان، اشرفى ۲/ ۴۷۸)

عن عدى قال: قال رسول الله ﷺ: من حلف على يمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذى هو خير وليكفر عن يمينه. (صحيح مسلم، الأيمان والنذور، باب ندب من حلف على...... النسخة الهندية ۲/ ۴۸ بيت الأفكار رقم: ۱۶۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۲۵)

ہندوستان میں نہ رہنے کی قسم کھانا

سوال [۷۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص کے لڑکوں میں آپس میں لڑائی کی نوبت آگئی، شخص مذکور کے سامنے لڑائی تو اللہ تعالیٰ نے ٹال دی، مگر شخص مذکور کو بہت صدمہ ہوا، اسی صدمہ میں اس نے تین مرتبہ ان الفاظ میں قسم کھالی ”قسم اللہ کی مجھے ہندوستان میں نہیں رہنا ہے“ لہٰذا قسم مذکور کا کفارہ تحریر فرمادیں، کیونکہ شخص مذکور کا ارادہ بدل گیا ہے، اب شخص مذکور ہندوستان میں رہنا چاہتا ہے؟

المستفتی: عبدالعزیز برتن بازار شاہی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب شخص مذکور نے اپنی قسم کے خلاف ہندوستان میں رہنے کا ارادہ کرلیا ہے تو اس پر کفارۂ قسم واجب ہو چکا ہے۔

كما استفاده من الشامي: و تنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا.

(شامی، کراچی ۳/۳۵۵، زكريا ٤/٦٠٩)

(وقوله) حلف لا يسكن هذه الدار (إلى قوله) إنما يُعدُّ ساكنا إذا كان قصده العود. (شامی، کراچی ۳/۷۵۲، زكريا ٥/٥٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۰۸)

ہندو کے قتل کی قسم کھانا

سوال [۷۴۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۸۰ء میں ایک ہندو شخص کو جان سے مارنے کی قسم کھائی تھی، اب وہ ہندو گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے ایسی صورت میں اپنی قسم کا کفارہ کس طرح ادا کروں؟

المستفتی: محمد جاوید قاضی ٹولہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عن عدی بن حاتم قال: قال رسول الله

علیہ وسلم: **من حلف على يمين، فرأى غيرها خيرا منها، فليأت الذى هو خير وليكفر عن يمينه.** (صحيح مسلم، الأيمان والنذور، باب ندب من حلف على...... النسخة الهندية ٢/ ٤٨ بيت الأفكار رقم: ١٦٥١)

ومن حلف على معصية كعدم الكلام مع أبويه أو قتل فلان وإنما قال اليوم لأن وجوب الحنث لا يتأتى الا فى اليمين المؤقتة أما المطلقة فحنثه فى آخر حياته فيوصى بالكفارة بموت الحالف ويكفر عن يمينه بهلاک المحلوف عليه غاية وجب الحنث والتكفير لأنه أهون الأمرين. (درمختار، كتاب الأيمان، كراچى ٣/ ٧٢٨، زكريا ديوبند ٥/ ٥٠٦-٥٠٧)

ومن حلف على معصية مثل أن لا يصلى أو لا يكلم أباه أو ليقتلن فلانا ينبغى أن يحنث نفسه و يكفر عن يمينه. (هدايه، باب مايكون يمينا و مالا يكون يمينا، اشرفى ٢/ ٤٨٢)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی کوقتل کرنے کی قسم کھالے تو اس قسم کا توڑنا اور کفارہ دینالازم ہوتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں قسم کھانے والے کو چاہیے کہ وہ مذکورہ ہندوکوقتل کرنے کا ارادہ ترک کردے، اوراپنی قسم کا کفارہ ادا کرے، کفارہ کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلادے یا ان کو کپڑے پہنادے یا ان کی قیمت لگا کر الگ الگ مسکینوں کو دیدے، اگر کھانا کھلانے اور کپڑے پہنانے کی طاقت نہ ہو، تو تین دن کے لگاتار روزے رکھے۔

وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم بما يستر عامة البدن و إن عجز عنها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاء. (تنوير مع الدر، كتاب الأيمان ٥/ ٥٠٢-٥٠٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۱۱/۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۲۲)

قسم کا کفارہ

سوال [۷۴۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے پڑوس میں میا بیوی میں نا اتفاقی چل رہی تھی، بقرعید کا ٹائم تھا، عورت نے قسم کھائی کہ میں عید کے دن نہ پکاؤں گی، اور نہ کھاؤں گی، میں کچھ پکاؤں یا کھاؤں تو اپنے بچوں کا گوشت پکاؤں، لہٰذا سب نے کہہ سن کر مغرب کے بعد کھانا کھلا دیا اس میں بقرعید کا گوشت تھا، دن میں اس نے کچھ نہیں پکایا، دوسرے دن قربانی بھی ہوئی، اور اس نے پکایا بھی کھایا بھی، سب نے کہا اس کا کفارہ چلا جائیگا، اس نے تین دن کی قسم کھائی تھی کہ بقرعید کا گوشت نہیں پکاؤں گی، بقرعید کے دن تو سب نے یہ کہہ کر کھلا دیا کہ اب بقرعید کا دن ختم ہو گیا مغرب کے بعد دوسرا دن شروع ہو جاتا ہے لیکن اس نے پکایا نہیں تھا اور جگہ سے آیا ہوا تھا، تو اب اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

المستفتی: قاری سلامت جان، مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قسم کے بعد بقرعید کی شام کو گوشت کھانے کی وجہ سے قسم ٹوٹ گئی ہے اس کا کفارہ دس مسکین کو کھانا کھلانا ہے، یا اس کا پیسہ الگ الگ دس فقیروں کو دینا ہے، ایک فقیر کو ایک صدقۂ فطر کی قیمت دیدی جائے۔

﴿وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ. [المائدة: ۸۹] ﴾

وإن شاء أطعم عشرة مساكين كالإطعام في كفارة الظهار. (هداية، الأيمان، باب ما يكون يمينا و مالا يكون يمينا، اشرفی ۲/ ٤٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸؍محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۸۷)

۱۵۰ ؍مرتبہ قسم توڑنے کا کفارہ

سوال [۷۴۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قسم کھائی کہ فلاں حرام کام نہیں کروں گا لیکن اس حرام کام کو غالباً ۱۵۰ ؍مرتبہ کیا تو اس کا کفارہ کتنا ہوگا؟

المستفتی: محمد رفیع کاشی پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سب کا ایک کفارہ ادا کرنا کافی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/ ۸۸)

كفارات الأيمان، إذا كثرت تداخلت، ويخرج بالكفارة الواحدة عن عهدة الجميع، وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد، قال صاحب الأصل: هو المختار عندی. (شامی، کتاب الأیمان، مطلب: تتعدد الكفارة لتعدد اليمين، زكريا ٥/ ٤٨٦، کراچی ٣/ ٧١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۹۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۱۰؍۱۴۱۷ھ

کفارۂ قسم ادا کرنے کا طریقہ

سوال [۷۴۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے غصہ میں قسم کھائی تھی کہ میں گھر نہیں جاؤں گا، تو ان کے عزیز ان کو پکڑ کر لے آئے گھر کے اندر، لہٰذا قسم ٹوٹ چکی ہے، اب کفارہ ادا کرنا ہے وہ کیسے ادا کریں، کیونکہ اس سے پہلے کفارہ کے متعلق معلوم کیا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا کہ پانچ آدمی صبح کو اور پانچ شام کو کھلا دیں، لیکن گھر پر کھانے کا کوئی بند وبست نہیں اب کیا کریں، کیا کھانے کی

قیمت لگا کر دام بانٹ دیئے جائیں، یا روزہ رکھ لے، اور کتنے رکھے جائیں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا ہے، البتہ گھر میں کھانے کا بندوبست نہ ہونے کی صورت میں دس مسکینوں کو دو وقت کے کھانے کی قیمت ادا کرنے کی شرعاً اجازت ہے، پانچ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی جو بات ہے وہ صحیح نہیں ہے، اور مالی کفارہ ادا کرنے کی استطاعت رکھتے ہوئے روزہ رکھ کر کفارہ ادا کرنا جائز نہیں۔

﴿ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ. [المائدة: ٨٩] ﴾

ولو غدى مسكينا و أعطاه قيمة العشاء أجزأه و كذا إذا فعله في عشرة مساكين.

(شامي، كتاب الأيمان، مطلب: كفارة اليمين زكريا ٥/٥٠٣، كراچی ٣/٧٢٦، الجوهرة النيرة، دار الكتاب ديوبند ٢/٢٧٨، كوئٹه ٢/٢٩٢، هنديه، زكريا قديم ٢/٦٣، جديد ٢/٦٩)

وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلاثة أيام ولاء. (در مختار مع الشامي زكريا ٥/٥٠٥، كراچی ٣/٧٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ر صفر المظفر ١٤٢٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/ ٦٠١٧)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٠/٢/٦ھ

دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی شکل

سوال [٧٤٤١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قسم کا کفارہ دس آدمیوں کو کھانا کھلانا ہے اگر دس آدمیوں کو دو پہر اور دس آدمیوں کو رات میں کھلایا جائے تو اس طرح دونوں وقت کی خوراک ایک مانی جائیگی یا ایک

ہی وقت کی خوراک دس آدمیوں کو کھلائی جائے، کیا ایک ہی دن میں دس مسکینوں کو کھلائی جائے گی یا وقفہ وقفہ سے ایک یا دو مسکین کو کھلائی جائے؟

(۲) خدا کو راضی کرنے کے لیے کوئی چیز بتا دیں جبکہ میں توبہ نفل واستغفار کی کثرت بھی رکھتا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قسم کا کفارہ دس مسکینوں میں سے ہر ایک مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار غلہ دینا ہے، یا اگر کھانا کھلایا جائے تو دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے، لیکن اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جنہیں صبح کو کھلایا ہے شام کو بھی انہیں کو کھلانا لازم ہے اگر شام کو دوسرے کو کھلائیں گے تو کفارہ ادا نہیں ہوگا، اس لیے آسان شکل یہی ہے کہ الگ الگ دس مسکینوں کو دونوں وقتوں کے کھانے کا پیسہ دیدیا جائے اور خدا کو راضی کرنے کے لیے کثرت کے ساتھ ذکر واستغفار کیا جائے اور ساتھ میں اللہ سے امید رکھی جائے۔

أو إطعام عشرة مساكين، قال في الشامية: وفي الإطعام إما التمليك أو الإباحة فيعشيهم ويغديهم (إلى قوله) وإذا غدى مسكينا وعشى غيره عشرة أيام لم يجزه لأنه فرق طعام العشرة على عشرين كما إذا فرق حصة المسكين على مسكينين (وقوله تحقيقا أو تقديراً) حتى لو أعطى مسكينا واحدا في عشرة أيام كل يوم نصف صاع يجوز. (شامی، زكريا ٥/٥٠٣، كراچی ٣/٧٢٦، ونحوه في التاتارخانية ٦/٣٠٣)

ويجوز دفع القيمة ...... ولو غداهم وعشاهم في يوم واحد أو عشاهم في يوم آخر أو غداهم في يومين أو غداهم وأعطاهم قيمة عشائهم الخ. (تاتارخانية ٦/٣٠٢-٣٠٣، رقم: ٩٤٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۵/۱۴۳۴ھ

قسم کی خلاف ورزی اور کفارہ کا مستحق

سوال [۷۴۴۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کسی شخص کے روبرو قسم کھائی اور پھر اپنی قسم توڑ دی تو قسم کے کفارہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ اور قسم کے کفارہ کے لیے غرباء زیادہ مستحق ہیں یا مدرسہ کے طلباء؟

المستفتی: محمد قمر سلیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قسم کھانے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا گناہ ہے ہاں البتہ خلاف پہلو میں خیر غالب ہو تو قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرنا حلال اور جائز ہے، اس میں گناہ بھی نہیں اور قسم کے کفارہ کا پیسہ غرباء اور مدرسہ کے طلباء میں سے جس کو چاہیں دے سکتے ہیں، البتہ غریب طلبہ کو دینے میں زیادہ فضیلت ہے، اس لیے کہ کفارہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ دینی علوم کا تعاون بھی ہو جاتا ہے۔

عن عدی بن حاتم قال: قال رسول الله ﷺ: إذا حلف أحدكم على اليمين فرأى غيرها خيرا منها، فليكفرها وليأت الذى هو خير. (صحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا، النسخة الهندية ۲/۴۸، بيت الأفكار رقم: ۱۶۵۱)

وكره نقلها إلا إلى قرابة أو أحوج أو من دار الحرب إلى دار الإسلام أو إلى طالب علم، وفى المعراج: التصدق على العالم الفقير أفضل. (شامی، زكريا ۳/۳۰۴، كراچی ۲/۳۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲ باب النذور

کیا محض دل میں ادارہ کر لینے سے نذر منعقد ہو جاتی ہے؟

سوال [۷۴۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری لڑکی کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی میں نے دل ہی دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب اس کو شفاء عطا فرمائیں گے تو کچھ روپیہ صدقہ کروں گا، اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرما دی، لہٰذا اس وقت محلّہ کی مسجد میں تعمیری کام جاری ہے، یہ روپیہ اگر مسجد میں دیدوں تو صدقہ ادا ہو جائے گا؟ اگر ادا نہیں ہوگا تو صحیح مصرف تحریر فرما دیں؟

المستفتی: محمد علی مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض دل میں ارادہ کر لینے سے نذر منعقد نہیں ہوتی، بلکہ زبان سے کہنا بھی ضروری ہے۔

النذر لا تكفى فى إيجابه النية بل لابد من التلفظ به. (الأشباه والنظائر ص: ۸۹)

لہٰذا مذکورہ صورت میں صدقہ واجب نہیں ہوگا، ہاں دل میں ارادہ کے ساتھ زبان سے بھی کہا ہے تو واجب ہے، اور کسی نادار فقیر کو دینا ضروری ہے، مسجد میں جائز نہیں ہے۔

فركن النذر: هو الصيغة الدالة عليه، وهو قوله: لله عز شانه على كذا، أو عليّ كذا، وهذا هدي، أو صدقة، أو مالي صدقة أو ما أملك صدقة أونحو ذٰلک. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، زكريا ديوبند ٤/٢٢٦، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٣٣٣، كراچی ٥/٨١)

المسألة الأولى فى حقيقة النذر: وهو التزام الفعل بالقول مما

یکون طاعة لله عز وجل، من الأعمال قربة. (أحکام القرآن لابن عربی، دار الکتب العلمیة ۱/۳۵۲، کراچی ۲/۱۸۱، بحواله محمودیه ڈابهیل ۱۴/۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۴۳)

کیا نذر پوری کرنا واجب ہے؟

سوال [۷۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شوگر کے مریض نے منت مانی کہ اگر اللہ مجھ کو اس مرض سے شفا عطا فرمادے تو میں حج کروں گا، ڈاکٹر مریض سے کہتا ہے کہ اب تمہارا شوگر اس مرحلہ میں ہے کہ تم کو اب دوا کی ضرورت نہیں، صرف کھانے پینے میں احتیاط کرنے سے شوگر کنٹرول میں رہے گا، کیا ایسی صورت میں حج کی ادائیگی واجب ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مذکورہ حج کی ادائیگی خود کرنا ضروری ہے یا کسی دوسرے کے ذریعہ بھی کرانا جائز ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اپنے مرض سے شفایابی کی شرط پر منت مان لینے کی صورت میں جب اللہ تعالیٰ اسے شفا دیدے تو اس پر اپنی منت کو پوری کرنا واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا حج کی منت ماننے والا مریض جب شفایاب ہوگیا اور سفر حج پر قادر بھی ہے تو اب اس پر حج ادا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ. [الحج: ۲۹]﴾

وکذا لو قال عليَّ حجة سواء کان النذر مطلقا أو معلقا بشرط بأن قال إن فعلت کذا فلله عليَّ أن أحج حتى يلزمه الوفاء إذا وجد الشرط. (عالمگیری، کتاب الحج، الباب السابع عشر فی النذر بالحج زکریا قدیم ۱/۲۶۲ جدید ۱/۳۲۷)

(۲) جب منت ماننے کی وجہ سے حج فرض ہوگیا تو اب خود اسے ادا کرنا بھی لازم ہو گیا، ہاں اگر وہ از خود کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس حج فرض کو دوسروں کے ذریعہ کروانا بھی جائز ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۵۶۸)

وإنما شرط عجز المنوب للحج الفرض لا للنفل. (كنز الدقائق كتاب الحج، باب الحج عن الغير مكتبه مجتبائى دهلى ٩٤، هنديه زكريا قديم ١/٢٥٧، جديد ١/٣٢١)

وقوله لله علي حجة سواء: لأن الحج لا يكون إلا لله تعالىٰ، وسواء كان النذر مطلقا أو معلقا بشرط بأن قال: إن فعلت كذا فلله علي أن أحج حتى يلزمه الوفاء به إذا وجد الشرط ولا يخرج عنه بالكفارة. (بدائع الصنائع كتاب الحج، بيان من نذر أن الحج زكريا ٢/ ٤٧٢-٤٧٣، كراچى ٢/ ٢٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۱۸)

نذر پوری کرنے کا شرعی حکم

سوال [۷۴۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک ہزار روپئے اپنے ساتھی کو بطور امانت رکھنے کے لیے دیئے کچھ دنوں بعد میرا ساتھی مجھ سے یہ کہتا ہے کہ رقم چوری ہوگئی، مگر چھان بین کے بعد وہ خود اقرار کرتا ہے ہے کہ میں نے خرچ کر لیے تھے، اب مجھے رقم کی واپسی کی بہت ہی کم امید تھی، میں نے اسی دوران نذر مانی کہ اے اللہ اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہوجاتا ہے، تو وہ رقم جو میرے ساتھی کے پاس ہے، اگر اس نے دیدیا تو بغیر ثواب کی نیت کے غریبوں پر تقسیم کردوں گا، اب خدا کے فضل سے میرا داخلہ بھی مطلوبہ جگہ میں ہوگیا، اور میرے ساتھی نے رقم بھی واپس کردی، اب سوال یہ ہے کہ کیا نذر منعقد ہوگئی؟

(۲) میں نے نذر مانی کہ اے اللہ! اگر میرا فلاں مدرسہ میں داخلہ ہوگیا تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا، اب میرا داخلہ ہوگیا ہے، تو اب سوال ہے کہ مجھے روزے رکھنے پڑیں گے؟

المستفتی: پی زیڈ، اسلم کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مذکورہ صورت میں آپ کا فلاں مدرسہ میں داخلہ ہو جانے اور آپ کے ساتھی کا رقم واپس کردینے کی وجہ سے نذر منعقد ہوگئی، لہٰذا واپس کردہ رقم غریبوں پر تقسیم کرنا ضروری ہے۔

من نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه واجب أى فرض وهو عبادة مقصودة ووجد الشرط المعلق به لزم الناذر. (شامی، زکریا ۵/۵۱۵، کراچی ۳/۷۳۵)

(۲) نیز آپ کا مطلوبہ مدرسہ میں داخلہ ہوجانے کی وجہ سے روزے کی نذر بھی منعقد ہوگئی، اس لیے ایک ماہ کے روزے رکھنا آپ پر لازم ہے۔

من نذر وسمى فعليه الوفاء بما سمى (الحديث) كصوم و صلاة وصدقة لقوله تعالىٰ "وليوفوا نذورهم (الحج: ۲۹). (شامی، زکریا ۵/۵۱۶، کراچی ۳/۷۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۴ھ

نذر مان کر اس سے رجوع کرنا

سوال [۷۴۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں ایک گائے مدرسہ میں طلبہ کو کھانے کے لیے دوں گا، پھر ایک سال تک وہ کام پورا نہیں ہوا، اتنے میں اس نے وہ حدیث سن لی کہ "**لاتنذروا فإن النذر لا يغني من القدر شيئا**" (نذر سے مقصود کے حصول اور عدم حصول میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے) تو اس نے اپنی منت سے رجوع کرلیا، پھر رجوع کے بعد سے دو سال بعد بفضلہٖ تعالیٰ وہ کام پورا ہوگیا تو کیا اب وہ منت پوری کرنی ضروری ہے یا نہیں؟ کیا کام پورا ہونے سے پہلے منت سے رجوع کرنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منت ماننے سے وہ لازم اور تام ہوجاتی ہے پھر کبھی بھی اس منت سے رجوع کرنے سے رجوع نہیں ہوتا ہے، لہٰذا زید نے جب منت مان لی ہے تو منت لازم ہوگئی ہے، پھر جب دوسال کے بعد مقصد پورا ہوگیا ہے تو نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُوْرَهُمْ. [الحج: ٢٩]﴾

والنذر في معنى الطلاق والعتاق لأنه لا يحتمل الفسخ بعد وقوعه.

(البحر الرائق كتاب الصوم فصل في النذر كوئٹه ٢/٢٩٦ زكريا ٢/٥١٨، التفسير المظهري زكريا ٦/٢٠٦)

والنذر ...... ولايحتمل الفسخ بعد وقوعه. (المبسوط للسرخسي، دار الكتب العلمية بيروت ٢٤/٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۴۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۷/۱۴۲۳ھ

نذر میں ایک کام پر تین چیزوں کے معلق کرنے کا حکم

سوال [۷۴۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی کہ اگر میں فلاں گناہ کروں تو میرے ذمہ بیس رکعت نماز، پانچ سو روپیہ اور ایک ہفتہ کے روزے ہیں، مذکورہ مسئلہ میں مندرجہ ذیل باتیں معلوم کرنی ہیں:

(۱) مذکورہ مسئلہ میں زید نذر بھی پوری کرسکتا ہے اور کفارۂ یمین بھی دے سکتا ہے؟ مذکورہ نذر ایک شمار ہوگی یا تین؟

(۲) اگر ایک شمار ہوگی تو بیس رکعت ادا کرنے کے بعد بھی کفارۂ یمین دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے نذر کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ پانچ سو روپیہ اپنے پاس سے نکالنے

ہیں، مالدار کو بھی دے سکتا ہے؟ رفاہ عام لائبریری میں بھی خرچ کرسکتا ہے؟ یہ نیت لغو ہوگی یا پوری نذر لغو ہو جائے گی؟

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیس رکعت نماز، اور پانچ سو روپئے اور ایک ہفتہ کے روزے، ان تینوں چیزوں کو نذر کرتے وقت ایک چیز کے ساتھ معلق کردیا ہے، اس طریقے سے ایک شرط کے ساتھ متعدد چیزوں کو معلق کرنے کی صورت میں جب وہ شرط پائی جائے جس پر متعدد چیزوں کو معلق کیا گیا ہے تو وہ تمام چیزیں لازم ہوجاتی ہیں، لہٰذا مذکورہ صورت میں جب زید نے فلاں گناہ کرلیا ہے، تو اس کے اوپر بیس رکعت نماز بھی لازم ہو جائیں گی، پانچ سو روپیہ کا صدقہ کرنا بھی لازم ہوجائیگا، اور ایک ہفتہ کے روزے رکھنا بھی لازم ہو جائیگا، اور چاہے پانچ سو روپیوں کے بارے میں فقیروں کو دینے کی نیت نہ کی ہو، صرف جیب سے نکالنے کی نیت کی ہو تب بھی پانچ سو روپیہ فقیروں کو دینا لازم ہوجائیگا، مال داروں کو دینا یا رفاہ عام میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نذر میں جو پیسہ دینا لازم ہو جاتا ہے وہ متعین نہ ہونے کی صورت میں فقیروں کو دینا لازم ہوتا ہے۔

روی ابن سماعة عن أبی یوسفؒ، إذا قال رجل امرأة زید طالق ثلاثا و رقیقه أحرار وعلیه المشی إلی بیت اللہ جل شانه إن دخل هذه الدار، فقال زید: نعم، کان کأنه قد حلف بذٰلک کله. (بدائع الصنائع، کتاب النذور، شروط النذور، زکریا ۴/۲۳۹، کراچی ۵/۸۹)

اور یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صرف بیس رکعت نماز پڑھ لینا، پانچ سو روپئے اور ایک ہفتے کے روزے کی طرف سے کافی نہیں ہوگا، جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔

ویخرج عن العهدة بالوفاء بما سمی أیضا إذا کان شرطا لایرید کونه لأن فیه معنی الیمین وهو المنع وهو بظاهره نذر فیتخیر و یمیل إلی أی الجهتین شاء. (البحر الرائق کراچی ۴/۲۹۵، زکریا ۴/۴۹۶، هدایه اشرفی ۲/۴۸۳)

وفي الشامية: قوله: (مصرف الزكاة والعشر) وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر و الكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني. (شامی زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹)

وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبة كالعشر والكفارات والنذور وصدقة الفطر فلا يجوز صرفها للغني لعموم قوله عليه السلام: لاتحل صدقة لغني. (البحر الرائق کوئٹہ ۲/ ۲٤٥، زکریا ۲/ ٤۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۹ھ

کام پورا ہونے سے پہلے نذر پوری نہ ہوگی

سوال [۷۴۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے حرم شریف میں یوں کہا اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں حج کروں گا، زید گھر آ گیا، زید کا فلاں کام ابھی نہیں ہوا، کہ زید نے اپنے والد صاحب کو حج پر بھیج دیا اور اپنے دل میں یہ نیت کر لی کہ میں نے جو حرم شریف میں منت مانی تھی وہ پوری کر رہا ہوں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا فلاں کام پورا ہونے سے پہلے منت کی ادائیگی ہو جائیگی اور زید کو خود جانا چاہیے یا والد صاحب کے بھیجنے سے ادائیگی ہو جائے گی اور بعد میں جب فلاں کام ہو جائیگا تو دوبارہ منت کا پورا کرنا تو واجب نہیں ہوگا؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے جو نذر مانی ہے کہ فلاں کام پورا ہونے کے بعد حج کرے گا تو اس کام کے پورا ہونے سے پہلے نذر پوری نہ ہوگی، لہٰذا باپ کو جو حج کو بھیجا ہے، اس کا تعلق نذر سے نہیں ہوسکتا، بلکہ جب کام پورا ہو جائیگا تو اسباب مہیا ہونے کی

صورت میں حج کرنا لازم ہوگا اور خود کے معذور ہونے کی صورت میں حج بدل کرانا لازم ہوگا۔

أجمع أصحابنا –رحمهم اللّٰه–: أن النذر بالعبادات إذا كان معلقا بالشرط و أداها قبل وجود الشرط لايجوز سواء كانت العبادة بدنية أو مالية. (تاتارخانية الأيمان، الفصل السادس والعشرون فى النذور كوئٹه ۵/ ۵۰، زكريا ۲۹۲/۶ رقم: ۹۴۰۶)

ثم الوفاء بالمنذور به نفسه حقيقة إنما يجب عند الإمكان، فأما عند التعذر فإنما يجب الوفاء به تقديرا بخلفه لأن الخلف يقوم مقام الأصل، كأنه هو كالتراب حال علم الماء. (بدائع الصنائع زكريا ۲۴۳/۴، كراچی ۹۱/۵) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۳/۲ھ

نذر پوری نہ ہونے پر بکروں کی قربانی کرنا

سوال [۷۴۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے دو بکرے پالے تھے اس نیت سے کہ بیوی بیمار ہے اس کا آپریشن ہونا ہے پیٹ میں پتھری ہے، تو آپریشن کے بعد بکروں کو ذبح کر کے خوشی کریں گے، لیکن اب آپریشن نہیں ہوا تو کیا ان بکروں کی قربانی عید الاضحیٰ میں کرسکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: محمد داؤد بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب آپریشن نہیں ہوا ہے تو نذر بھی پوری نہیں ہوئی، لہٰذا ان بکروں کو اب قربانی میں ذبح کرنا جائز اور صحیح ہو جائیگا۔

عن ثابت بن الضحاك أن رسول اللّٰه ﷺ قال: من حلف على ملة غير الإسلام فهو كما قال: وليس على ابن آدم نذر فيما لايملك. (صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن، النسخة الهندية ۸۹۳/۲، رقم: ۵۸۱۲، ف: ۶۰۴۷)

لم یوجد النذر فی الملک ولا مضافا إلی سببه فلم یصح. (درمختار، کتاب الأیمان، قبیل باب الیمین فی الدخول والخروج، زکریا ۵/۵۲۶، کراچی ۳/۷۴۲، تبیین الحقائق مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۵۵، زکریا ۳/۵۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

نذر کی تکمیل کے لیے متعینہ مکان ضروری نہیں

سوال [۷۴۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو دار العلوم میں دو بکرے دوں گا اب زید کا کام پورا ہوگیا، زید کی امانت ۲۰/ ہزار روپیہ عمر کے پاس ہے، اب جب زید عمر کے پاس اپنی امانت کے پیسے لینے گیا تو عمر نے کہا کہ میں تمہاری طرف سے دو بکرے مدرسہ میں دیدوں گا، عمر نے بکرے کے بجائے پانچ ہزار روپیہ دوسرے مدرسہ میں دیدئے جبکہ زید کی نیت یہ تھی کہ دو بکرے دار العلوم میں دوں گا، آپ وضاحت فرمائیں کہ زید کی نذر پوری ہوگئی یانہیں یا دوبارہ زید کو دو بکرے دار العلوم میں دینے پڑیں گے۔

المستفتی: محمد ساجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں زید کی نذر پوری ہوگئی ہے۔

عن جابر بن عبد الله أن رجلا قام یوم الفتح فقال: یا رسول الله! إنی نذرت لله إن فتح الله علیک مکة أن أصلی فی بیت المقدس رکعتین، قال صل هٰهنا، ثم أعاد علیه، فقال: صل هٰهنا، ثم أعاد علیه فقال: شانک إذا، وفی روایة زاد فقال النبی ﷺ: والذی بعث محمدا بالحق لو صلیت هٰهنا لأجزأ عنک صلاة فی بیت المقدس. (سنن أبی داؤد، الأیمان و النذور، باب من

نـذر أن يـصـلى في بيت المقدس، النسخة الهندية ٢/٦٨/٤، دار السلام رقم: ٣٣٠٥-٣٣٠٦،
وهكذا في مصنف عبد الرزاق، المجلس العلمي ٨/٤٥٦، رقم: ١٥٨٩١)

وإن كـان مـقيدا بمكان بأن قال: لله علي أن أصلي ركعتين في موضع كـذا أو أتصدق على فقراء بلد كذا يجوز أداؤه في غير ذلك المكان. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، فصل حكم النذر الذي لا تسمية فيه، زكريا ٤/٢٤٥، كراچی ٥/٩٣)

وإن كـان مـقيـدا بـمـكان بأن قال: لله علي أن أصلي ركعتين في موضع كذا، أو أتصدق على فقراء بلد كذا يجوز أداؤه في غير ذلك المكان عند أبي حـنيـفة وصـاحبيه؛ لأن المقصود من النذر هو التقرب إلى الله عز وجل، وليس لـذات المكان دخل في القربة. (الـفـقه الإسلامي وأدلته، كتاب النذور، نذر المباح و نذر المعصية، هدى انٹرنیشنل ٣/٤٨٤، دار الفكر ٤/٢٥٦٨) ***فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم***

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۹۹)

نذر ذبح اور نذر اضحیہ کا فرق

سوال [۷۴۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر کتابوں میں دیکھنے میں آیا ہے کہ نذر کی قربانی کا گوشت نادار اور غنی کے لیے کھانا جائز نہیں ہے، لیکن بدائع کی ایک عبارت سے اس کا تجزیہ نظر سے گذرا کہ اضحیہ منذورہ کا گوشت نادار اور غنی دونوں کے لیے جائز ہے، مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں تاکہ شکوک وشبہات دور ہو جائیں، کیونکہ امداد الفتاویٰ وغیرہ میں اضحیہ منذورہ کے گوشت کو نادار اور غنی کے لیے ناجائز لکھا ہے، اور اس کے اوپر ہندیہ وغیرہ کا جزئیہ بھی نقل فرمایا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں صحیح مسئلہ کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اضحیہ منذورہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ احقر ایک زمانہ تک متأخرین کی بعض جزئیات اور بعض بڑوں کے فتاویٰ کو دیکھ کر ناذر اور غنی کے لیے اس کا گوشت کھانے کو ناجائز لکھتا رہا، لیکن کتب فقہ کی مختلف اور متضاد جزئیات کی مراجعت کے بعد جو کچھ باتیں سامنے آئی ہیں وہ پیش خدمت ہیں:

اولاً: یہ بات ذہن نشیں کر لینی ضروری ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ میں بہت بڑا فرق ہے، کیونکہ نذر ذبح میں صرف ذبح اور تصدق مقصود ہوتا ہے، اس ذبح میں تقرب الی اللہ مقصود نہیں ہوتا ہے، اور اس ذبح کا وقت بھی متعین نہیں ہوتا ہے بلکہ کسی بھی زمانہ میں کسی بھی وقت نذر پوری کرنے کے لیے ذبح کرنا جائز ہو جاتا ہے، اور اس نذر کا گوشت ناذر اور غنی دونوں کے لیے بالاتفاق جائز نہیں ہے، اس کا تصدق سب کے نزدیک واجب ہے، اور نذر اضحیہ اس کے بالکل برعکس ہے، اس لیے کہ نذر اضحیہ میں اصل مقصد تقرب الی اللہ ہوتا ہے، اس میں محض ذبح کرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ ذبح کے ذریعہ سے ایک عبادت کی ادائیگی اور رضائے الٰہی مقصد ہوتی ہے اور ساتھ میں اس کا گوشت کھانا بھی مقصد ہوتا ہے اور اس ذبح میں تصدق اصل مقصد نہیں ہوتا ہے اس لیے نذر ذبح اور نذر اضحیہ کا فرق ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے، اگر یہ فرق ملحوظ نہ رہے تو طرح طرح کے اشتباہ وشبہ اور تردد کی وجہ سے حکم لگانے میں فرق آئیگا، اور بعد کے فقہاء کے اقوال اسی وجہ سے مختلف ہو چکے ہیں، چنانچہ بعض فقہاء نے نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے ناجائز لکھا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین زیلعی نے صراحت کے ساتھ ناجائز لکھا ہے، اور باقی جتنے فقہاء نے اس کے ناجائز ہونے کو لکھا ہے وہ سب ان کے بعد کے فقہاء متأخرین ہیں، کسی نے مجمل لکھا اور کسی نے صراحتاً لکھا، اور یہ اشتباہ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ نذر ذبح اور نذر اضحیہ کے حکم کے درمیان فرق کو واضح کر کے نہیں لکھا گیا ہے، بلکہ مجمل اور مجموعی حکم لکھا گیا کہ ناذر اور غنی کے لیے منذورہ کا گوشت کھانا جائز نہیں، پھر اسی اصول کے اندر اضحیہ منذورہ کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، اس

تمہید کے بعد اضحیہ منذورہ کے متعلق جو کچھ سمجھ میں آیا ہے وہ حسب ذیل ہے کہ جو آدمی صاحب نصاب نہ ہو یا بالکل فقیر ہو اس نے قربانی کی نیت سے جو جانور خریدا ہے اس کے خریدنے کے وقت وہ اضحیہ منذورہ کے حکم میں ہوجاتا ہے، اب اس کا گوشت کھانا اس کے لیے اور غنی کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں متأخرین فقہاء میں اسی بنیاد پر اختلاف ہوا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ متأخرین فقہاء میں سے فقیہ ابو السعود اور قاضی برہان الدین وغیرہ نے فقیر اور غنی کے لیے اس کا گوشت کھانے کو ناجائز لکھا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

وذكر أبو السعود أن شراءه لها بمنزلة النذر فعليه التصدق بها، أقول: التعليل بأنها بمنزلة النذر مصرح به في كلامهم، وقوله: قال القاضي برهان الدين: لا يحل. (شامی، كتاب الأضحية، زكريا ۹/۴۷۳، كراچی ۶/۳۲۷)

اسی کے پیش نظر حضرت تھانویؒ نے ہندیہ کے اس جزئیہ کو نقل فرما کر ناجائز لکھا ہے جو نہایہ کے حوالہ سے ہندیہ میں لکھا ہوا ہے۔

أما في الأضحية المنذورة سواء كانت من الغني أو الفقير فليس لصاحبها أن يأكل ولا أن يؤكل الغني، هكذا في النهاية. (هندية، كتاب الأضحية، قبيل الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية، زكريا قديم ۵/۳۰۰، جديد ۵/۳۴۶ - ۳۴۷)

اور ساتھ میں ہندیہ کے حوالے سے زیلعی کا جزئیہ بھی نقل فرمادیا ہے اور دوسرے فتویٰ میں حضرت تھانویؒ نے یہ لکھا ہے کہ اگر زبان سے نذر مانی ہے تو اس کا کھانا خود اس کیلئے تو جائز نہیں ہے، اور اگر مثل نذر کے اس کے اوپر واجب ہوگیا ہو تو اس کا کھانا جائز ہے، اور اس میں مطلق نذر سے متعلق جزئیہ نقل فرمایا ہے، اضحیہ منذورہ سے متعلق جزئیہ نقل نہیں فرمایا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۵۶۳) میں یہ دونوں فتوے موجود ہیں، اس کے برخلاف علامہ شامی علیہ الرحمہ نے صاحب بدائع کی صراحت کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے کہ فقیر نے قربانی کے لیے جو جانور خریدا ہے اس کا گوشت خود فقیر کے لیے جائز اور حلال ہے، اور پھر تاتارخانیہ کے حوالہ سے قاضی بدر الدین کا قول بھی نقل فرمایا ہے کہ اس کا گوشت کھانا جائز اور حلال ہے، شامی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

ظاهر كلامه أن الواجبة على الفقير بالشراء له الأكل منها وقوله: وفي التاتارخانية: سئل القاضي بديع الدين عن الفقير: إذا اشترى شاة لها هل يحل لها الأكل؟ قال: نعم. (شامی، زکریا ۹/۴۷۳، کراچی ۶/۳۲۷، تاتارخانية ۱۷/۴۱۳، رقم: ۲۷۶۷۳)

شامی اور تاتارخانیہ کی ان عبارات سے فقیر کے خریدے ہوئے اضحیۂ منذورہ کا گوشت خود فقیر اور غنی کے لیے کھانا بلا شبہ جائز ہے، اسی کے پیش نظر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے اپنے فتاویٰ میں واضح الفاظ کے ساتھ لکھا ہے کہ فقیر پر اضحیہ خریدنے سے اضحیہ واجب ہوجاتا ہے، اور وہ اضحیہ مثل منذورہ کے ہوجاتا ہے، اور نذر میں سے خود کھانا اور اغنیاء کو کھلانا جائز اور درست نہیں، ساتھ میں مفتی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب بڑے جانور کو سات آدمیوں نے مل کر خریدا ہو جن میں ایک فقیر بھی ہو تو فقیر کا حصہ منذورہ کے حکم میں ہونے کے باوجود سب کی قربانی بلاتردد جائز ہوجاتی ہے، اور خود فقیر کا اس میں سے کھانا اور اغنیاء کو کھلانا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۵/ ۵۶۸)

مفتی صاحب کی عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے پہلے یہ بات واضح کردی ہے کہ نذر کے گوشت میں سے خود کھانا اور اغنیاء کو کھلانا درست نہیں ہے پھر اس کے بعد قول راجح نقل فرمایا ہے کہ جائز اور درست ہے، لہٰذا اب غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کس نذر میں سے کھانا جائز نہیں اور کس نذر میں سے کھانا جائز ہے؟

اب اس کے بعد اصل مسئلہ واضح کیا جارہا ہے کہ نذر کی دو قسمیں ہیں: (۱) نذر ذبح: جس میں اصل مقصد ذبح ہی ہوتا ہے اور گوشت کا تصدق بھی مقصد ہوتا ہے اور اس ذبح کے لیے ایام اور وقت کی تعیین نہیں ہوتی۔

(۲) نذر اضحیہ یہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہوتا ہے (۱) اس نذر میں تقرب الی اللہ ہی اصل مقصد ہوتا ہے (۲) اس نذر کی ادائیگی ایام اضحیہ کے ساتھ مشروط ہوتی ہے اور ضمناً گوشت کھانا بھی مقصد ہوتا ہے اور اس نذر میں تصدق مقصد نہیں ہوتا اور جو جانور تقرب الی اللہ کی غرض سے ذبح کیا جاتا ہے اس کا گوشت کھانا خود ذابح اور غنی دونوں کے لیے جائز ہوتا ہے،

لہٰذا نذر ذبح کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز نہیں اور نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی کے لیے جائز ہے، اور اسی کو صاحب بدائع نے وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، اور فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی بذل المجہود میں اسی کو واضح فرمایا ہے، اس سے ان کا رجحان بھی یہی ثابت ہوا کہ نذر اضحیہ کا گوشت کھانا ناذر اور غنی دونوں کے لیے جائز ہے، چاہے ناذر فقیر ہو یا غنی، ہر ایک کا حکم یکساں ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیے:

إن الدماء أنواع ثلاثة: نوع يجوز لصاحبه أن يأكل منه بالإجماع و نوع لا يجوز له أن يأكل منه بالإجماع و نوع اختلف فيه، فالأول: دم الأضحية نفلا كان أو واجبا منذورا كان أو واجبا مبتدأ، والثاني: دم الإحصار و جزاء الصيد ...... دم النذر بالذبح، والثالث: دم المتعة والقران فعندنا يؤكل و عند الشافعي رحمه الله لا يؤكل. (بدائع، كتاب التضحية، باب يستحب في الأضحية أن تكون سمينة، زكريا ٤/٢٢٣-٢٢٤، كراچی ٥/٨٠، بذل المجهود، قديم ٤/٧٦، جديد ٩/٥٦٦-٥٦٧)

وإن نذر أضحية في ذمته ثم ذبحها فله أن يأكل منها وقال القاضي من أصحابنا من منع الأكل منها وهو ظاهر كلام أحمد بناءً على الهدى المنذور. (المغني للابن قدامة ٩/٣٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۰۸)

مشرک کی نذر کا حکم

سوال [۷۴۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی مشرک شخص نے اپنے تمام بیل کے مر جانے کی وجہ سے ایک منت مانی اور اس نے یہ منت مانی کہ اگر میرا فلاں بیل زندہ رہا تو اس کی قربانی کروں گا، اور اللہ کے فضل

سے اس کا بیل زندہ رہا اب وہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے قربانی کروانا چاہتا ہے تو کیا یہ درست ہے، اگر درست ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: قسمت علی مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشرک نے جو منت مانی ہے کہ میرا فلاں بیل زندہ رہا تو میں اس کی قربانی کروں گا یہ منت صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ نذر اور منت کی صحت کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے، البتہ اس بات کا اس کو اختیار ہے کہ کسی مسلمان کو وہ بیل تحفہ کے طور پر دیدے یا ہدیہ کردے پھر وہ مسلمان اس کو اپنے اختیار سے ذبح کردے تو اس کا گوشت ہر شخص کے لیے کھانا جائز ہے۔

ومنها الإسلام فلا يصح نذر الكافر. (بدائع، كتاب النذر زكريا ٤/٢٢٦، كراچی ٥/٨٢)

ثانيا الإسلام فلا يصح نذر الكافر. (الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ٣/٤٧١، دار الفكر ٤/٢٥٠٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۹۴/۳۸)	۱۴۲۸/۵/۱۵ھ

نذر میں خیرات کی رقم متعین نہیں کی تو کیا کریں؟

سوال [۷۴۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی نے منت مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں کچھ غلہ یا کچھ روپیہ خیرات کروں گا تو اگر غلہ خیرات کرے تو اس کی مقدار کیا ہوگی، اور اگر روپیہ خیرات کرے تو اس کی مقدار کیا ہوگی، کیونکہ اس نے متعین نہیں کیا کہ اتنا غلہ یا اتنا روپیہ خیرات کروں گا۔

المستفتی: اسرار الحق محمد پور اعظم گڑھ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر منت ماننے والے کے دل میں کچھ خیال تھا کہ اتنا دوں گا تو اسی قدر دے اور اگر کچھ خیال نہ تھا تو غلہ میں سے کم از کم ایک صدقۂ فطر کی مقدار دے اور روپیوں میں سے بھی ایک صدقۂ فطر کی مقدار ادا کرے اور ایک صدقۂ فطر کی مقدار پندرہ یا سولہ روپیہ ہیں، اس لیے جب اس نے صدقہ کا نام لیا ہے تو صدقۂ متعارف کی آخری مقدار ایک صدقۂ فطر ہے، اس لیے مقدار متعین نہ کرنے کی صورت میں ایک صدقۂ فطر کی مقدار دینا لازم ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/ ۴۸)

الفطرة نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب أو صاع تمر أو شعير. (درمختار مع الشامی، زکریا ۳/ ۳۱۸، کراچی ۲/ ۳۵۷، قدوری ص: ۵۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ

متعینہ مدرسہ میں نذر کا پیسہ دیں یا کسی بھی مدرسہ میں؟

سوال [۷۴۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو فلاں مدرسہ میں ۵۰۰؍ روپیہ دوں گا وہ کام ہوگیا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ جس متعین مدرسہ میں پانچ سو روپئے دینے کی منت مانی ہے اسی مدرسہ میں پانچ سو روپیہ دینے سے منت پوری ہوگی یا کسی دوسرے مدرسہ میں بھی دینے سے یہ ذمہ ادا ہوجائیگا، یا کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو بھی دینے سے ذمہ سے فارغ ہوجائے گا؟

المستفتی: محمد ساجد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں نذر کا پیسہ اسی مدرسہ میں دینا

ضروری نہیں بلکہ کسی بھی مدرسہ میں دینے سے نذر پوری ہو جائیگی، البتہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ متعینہ مدرسہ میں نذر کا پیسہ دیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۳۱۹، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۷۴)

نذر لفقراء مكة جاز الصرف لفقراء غيرها . (الدر المختار مع الشامی، کتاب الأیمان، مطلب: النذر غیر المعلق لا یختص بزمان الخ زکریا ۵/ ۵۲٤، کراچی ۳/ ۷٤۰)

نـذر لفقراء مكة جاز الصرف إلى فقراء غيرها. (مجمع الأنهر، الأيمان، قبيل باب اليمين في الدخول والخروج، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۲۷٦، مصری قديم ۱/ ٥٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذی قعدہ/ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۱۱/ ۱۴۲۱ھ

ایک مسجد میں روپئے دینے کی نذر مان کر دوسری مسجد میں دینا

سوال [۷۴۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے منت مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں فلاں مسجد میں سو روپئے دوں گا اس شخص کا کام ہوگیا اب اس شخص نے مسجد متعین کے بجائے دوسری مسجد میں سو روپئے دیدیئے، اور دوسری مسجد زیادہ حقدار ہے پہلی مسجد کی بنسبت، تو اس طرح منت پوری ہوئی یا نہیں؟

یا اگر مسجد کے بجائے کسی غریب مستحق زکوٰۃ کو سو روپئے دیدیئے تو منت پوری ہوئی یا نہیں؟ ان دونوں جزئیوں کا مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دوسری مسجد میں روپئے دینے سے منت پوری ہو گئی کیونکہ جس مسجد کی تعیین کی ہے وہ لازم نہیں ہے، اسی طرح مسجد کے بجائے کسی غریب کو دیدینے سے بھی منت پوری ہو گئی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۸۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۱۸-۳۱۹، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۷۴)

قال الشامی تحت قوله (فإنه لا يجوز تعجيله الخ) وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان والدرهم والفقير. (شامی، کتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالايفسد، زکریا ۳/ ٤٢٤، کراچی ۲/ ٤٣٧)

وإن كان مقيدا بمكان بأن قال لله تعالىٰ على أن أصلى ركعتين فى موضع كذا، أو أتصدق على فقراء بلد كذا، يجوز أداؤه فى غير ذٰلك المكان عند أبى حنيفة و صاحبيه لأن المقصود من النذر هو التقرب إلى الله عز وجل وليس لذات المكان دخل فى القربة. (الفقه الاسلامى و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ٣/ ٤٨٤، دار الفكر ٤/ ٢٥٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۳۱)

مسجد میں سو روپیہ دینے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک مرتبہ کسی کام کے ہونے سے پہلے کہا تھا کہ اگر میرا کام ہوجائے تو میں سو روپئے دوں گا، کام ہوگیا اور میں نے پچاس روپئے ایک مسجد میں ایک موقع پر دیئے، کیا میں ۵۰/ روپئے اور کسی مسجد میں یا اسی مسجد میں دوں تو ٹھیک ہوگا یا مجھے اکٹھے سو روپئے دینے ہوں گے؟

المستفتی: منہاج الدین صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے مسجد میں دینے کے لیے نذر مانی ہے تو کسی بھی مسجد میں دے سکتے ہیں، لہٰذا بقیہ پچاس روپئے چاہے اس مسجد میں دیدیں یا کسی دوسری مسجد میں آپ کو اختیار ہے۔

والنذر من اعتكاف أو حج أو صلاة أو صيام أوغيرها غير المعلق و

لو معينا لا يختص بزمان و مكان و درهم و فقير، فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان فخالف جاز. (شامی، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان و مكان و درهم، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢٤، كراچی ٣/ ٧٤١ وهكذا في زكريا ٣/ ٤٢٤، كراچی ٢/ ٤٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۶۱/۲۷)

کاروبار شروع ہونے پر مسجد میں ضرورت کے سامان دینے کی نذر

سوال [۷۴۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے کاروبار شروع کرنے پر ایک مخصوص رقم صدقہ کرنے کا ارادہ کیا، ساتھ ہی یہ ارادہ بھی کیا کہ اس رقم سے مسجد میں تسبیح، لوٹے، مصلیٰ، جھاڑ وغیرہ بھی رکھ دوں گا، اور بقیہ رقم غرباء مساکین پر خرچ کر دوں گا، صحیح مصرف بتادیجیے، کس طرح سے خرچ کیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ اشیاء میں سے کوئی چیز عبادت مقصودہ میں سے نہیں ہے، اس لیے ان میں سے کوئی چیز شرعاً اس پر لازم نہیں ہے، نیز زبان سے کہے بغیر محض نیت کر لینے سے نذر ثابت نہیں ہوتی، ہاں البتہ غرباء ومساکین پر جو رقم خرچ کرنے کو زبان سے منت مانی ہے وہ رقم فقراء پر کسی بھی طریقے سے خرچ کر سکتا ہے، اور اگر زبان سے نہیں کہا ہے تو وہ بھی واجب نہیں ہوگی، بلکہ اپنی مرضی واختیار سے جو چاہے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/۱۲۵)

ومن شروطه أن يكون عبادة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المريض و تشييع الجنازة والوضوء والاغتسال و دخول المسجد و مس المصحف والأذان وبناء الرباطات والمساجد وغير ذٰلك وإن كانت قربا إلا أنها غير مقصودة.

(شامی، مطلب في أحكام النذر زكريا ٥/ ٥١٦، كراچی ٣/ ٧٣٥، بدائع الصنائع زكريا ٤/ ٢٢٨،

کراچی ۸۲/٥، المبسوط للسرخسي دار الكتب العلمية بيروت ۱۲۸/۳، الفقه الإسلامي و أدلته، هدى انٹرنيشنل ديوبند ۴۷۳/۳، دار الفكر ۲۰۰۰/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۰۵)

مسجد میں مصلیٰ یا اگربتی دینے کی نذر

سوال [۷۴۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض آدمی منت کا مصلیٰ یا اگربتی یا پیسے وغیرہ مسجد میں دیدیتے ہیں شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اسرار الحق محمد پور، اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگربتی وغیرہ ایسی چیز نہیں کہ اس کی نذر مانی جائے البتہ مسجد میں صفوف ومصلیٰ دینے کی منت ماننے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۱۲/۱۳۴-۱۳۵)

ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و كان من جنسه فرض وهو عبادة مقصودة كصوم و صلاة وصدقة ووقف. (شامي، كتاب الأيمان، مطلب: في أحكام النذر، زكريا ديوبند ٥/٥١٥-٥١٦، كراچی ۷۳٥/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر جمادی الاولی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۲۷)

کام پورا ہونے پر نوافل اور صدقہ وخیرات کی نذر ماننا

سوال [۷۴۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ اپنے کاموں کے سلسلے میں اللہ پاک سے یہ منت مانی جائے کہ کام ہو جائے گا تو شکرانہ کے نوافل ادا کروں گا، اوردس آدمیوں کو کھانا کھلاؤں گا، تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں، اوراگر ہم یہ چاہیں کہ جو پیسے کھانے کے بنتے ہوں وہ کسی اپنے ضرورت مندعزیز کو دیدیں تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟

المستفتی: رحمت الٰہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی نذر ماننی جائز ہے بشرطیکہ معصیت کا کام نہ ہو، دس آدمیوں کے کھانے کے پیسے ایک ضرورت مند کو دینے سے نذر پوری نہیں ہوگی اوراگر نقدی دینا ہو تو دس ہی آدمیوں کو ہرایک کو صدقۂ فطر کی مقدار دینا ہوگا۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ . [الحج: ۲۹]﴾

عن عائشة رضی الله عنها عن النبی ﷺ قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصيه. (صحيح البخاری، الأيمان والنذور، باب النذر فی الطاعة، النسخة الهندية ۹۹۱/۲، رقم: ۶٤٤۰، ف: ۶۶۹۶)

إذا نذر شيئا من القربات لزمه الوفاء به. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب ما يلزم الوفاء به، دار الكتاب ديوبند ۶۹۲، قديم ۳۷۸)

وإذا جعل الرجل لله علی نفسه إطعام مسكين فهو علی ما نویٰ من عدد المساكين وكيل الطعام لأن المنویٰ من محتملات لفظه (إلی قوله) فعليه طعام عشرة مساكين لكل مسكين نصف صاع من حنطة (إلی قوله) إن قال فی نذره إطعام المساكين فليس له أن يصرف الكل إلی مسكين واحد جملة. (المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ۱۵۲/۸، هنديه قديم ۶۶/۲، جديد ۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۰/۲۴)

جو تنخواہ ملے گی اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا

سوال [۷۴۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مدرس ہے وہ اس نیت سے پڑھاتا ہے کہ جو کچھ مجھے تنخواہ ملے گی اس کو میں اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا، چنانچہ اس نے کچھ اپنی نیت کے مطابق اللہ کے راستے میں خرچ کردیا، اب اس کو کچھ گھریلو ضرورت پیش آگئی، تو کیا اس پیسہ کو اپنی ضرورت میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: سید عادل حسین جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے صرف دل میں نیت کرلی تھی اور زبان سے اس کا تلفظ نہیں کیا تھا تو پیسہ کو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے، اس کو راہ خدا میں خرچ کرنا لازم نہیں ہے، اور اگر زبان سے اس کا تلفظ بھی کرلیا ہے تو اس کو راہِ خدا میں صرف کرنا ہوگا، کیونکہ اس صورت میں نذر ثابت ہوجاتی ہے ثبوتِ نذر کے لیے تلفظ لازم ہے۔

فركن النذر: هو الصيغة الدالة عليه، وهو قوله: لله عز شانه عليّ كذا، أو عليّ كذا، أوهذا هدى، أو صدقة، أو مالي صدقة أو ما أملك صدقة أونحو ذٰلک. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، زكريا ديوبند ٤/٢٢٦، دار الكتب العلمية بيروت ٦/٣٣٣، كراچی ٥/٨١)

والنذر عمل اللسان والقياس يقتضى أنه لا ينعقد إلا بلفظ الخ.

(كتاب الفقه على مذاهب الاربعة، دار الفكر ٢/١٤٢)

إيجاب الفعل المباح على نفسه بالقول تعظيما لله تعالىٰ الخ. (قواعد الفقه اشرفی ص: ٥٢٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۳/۲۴)

بیس ہزار رکعت پڑھنے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۶۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا ایک دوست پہلے بہت شریف تھا اور وہ قبل از بلوغ کسی غلط عادت میں نہیں تھا، لیکن اب سے تقریباً دوسال قبل اس نے ایک غلط عادت پکڑلی اور وہ عادت اس نے اپنی زندگی کا معمول بنالی، وہ عادت یہ ہے کہ وہ مشت زنی کرتا ہے، جب کافی دن کرتے ہوئے اس عادت سے اسے چھٹکارا نہیں ملا تو اس نے قسم کھائی کہ اب یہ کام نہیں کروں گا، لیکن پھر بھی اس کو اس نے تقریباً دوسو مرتبہ کیا، اور پھر اس نے اس سے بھی سخت قسم کھائی کہ اگر میں مشت زنی کروں گا تو بیس ہزار رکعت پڑھوں گا لیکن کچھ دنوں بعد وہ اپنے اوپر کنٹرول نہ کرسکا اور اس کام کو تقریباً سات مرتبہ کیا، اس کو کتنا کفارہ ادا کرنا ہوگا یا اسے کتنی رکعت نماز پڑھنی ہوگی اس پر ایک لاکھ چالیس ہزار رکعت حساب سے بیٹھتی ہیں، جسم میں اتنی رکعت پڑھنے کی طاقت بھی نہیں ہے، قسم اس وجہ سے کھائی تھی کہ اس کام سے بچ جاؤں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلی قسم کی وجہ سے ایک کفارہ کافی ہے، چاہے اس کے بعد کئی سو بار یہ حرکت کی ہو، اور دوسری قسم کی وجہ سے بیس ہزار رکعت نماز پڑھنی ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۲/ ۸۸)

عن ابن عباس: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ومن نذر نذرا أطاقه فليف به. (سنن أبی داؤد، الأیمان والنذور، باب من نذر نذرا لایطیقه، النسخة الهندیة ۲/ ۴۷۲، دار السلام رقم: ۳۳۲۲)

عن عائشة رضی الله عنها عن النبی صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن یطیع الله فلیطعه. (صحیح البخاری، باب النذر فی الطاعة ۲/ ۹۹۱، رقم: ۶۴۴۰، ف: ۶۶۹۶)

كفارات الأیمان إذا كثرت تداخلت، ویخرج بالكفارة الواحدة عن

عهدة الجميع، وقال شهاب الأئمة: هذا قول محمد، قال صاحب الأصل: هو المختار عندي. (شامي، الأيمان، مطلب تتعدد الكفارة لتعدد اليمين، زكريا ٥/٤٨٦ كراچی ٣/٧١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶رشوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱۰/۲۶ھ

لا الٰہ الا انت الخ ۱۲۴۰۰۰ مرتبہ پڑھنے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نے یہ نذر مانی کہ اگر ہمارا کام بن جاوے تو آیت کریمہ کا ختم کرادیں گے یعنی لا الٰہ الا انت سبحانک، ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ، ان کا کام پورا ہوگیا، اور افراد نہیں مل رہے ہیں کہ جن سے یہ منت مذکورہ پوری کرائی جائے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ تکمیل کرلینا ضروری ہے یا اس کا کوئی بدل ہوسکتا ہے، یہ نذر درست ہوتی ہے یا نہیں؟ اور پھر آیت کریمہ ختم کرانے سے مذکورہ وعدہ پورا ہوگیا یا نہیں؟

المستفتی: مولانا محمد سالم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً یہ نذر صحیح نہیں ہے، اس لیے پوری کرنا بھی لازم نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۲۰، ۱۲/ ۱۱۵، ۱۲/ ۱۵۰، ۱۲/ ۱۵۴)

ولم يلزم الناذر ماليس من جنسه فرض الخ. (الدر المختار، كتاب الأيمان، مطلب: في أحكام النذر، كراچی ٣/٧٣٦، كوئٹه ٣/٧٣، زكريا ديوبند ٥/٥١٨، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٢٧٤، مصري قديم ١/٥٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴رمحرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۶۳)

کیا نذر کردہ روزہ کے درمیان ترتیب لازم ہے؟

سوال [۷۴۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی تھی کہ میرا فلاں کام ہوجائے تو میں ایام بیض قمری ماہ کی ۱۳/۱۴/ ۱۵/ تاریخ کا روزہ رکھوں گا، لیکن زید نے ایک ماہ کا روزہ رکھا اور دوسرے ماہ میں دو روزہ ۱۴/ ۱۵/ رکھا، ۱۳/ تاریخ کا روزہ بھول سے چھوٹ گیا تو اب زید کیا کرے، وہ دونوں ماہ کے روزے دوبارہ رکھے یا ایک ماہ کا تینوں ۱۳/۱۴/۱۵/ رکھے، یا صرف قمری ۱۳/ تاریخ کا روزہ رکھ لے تو نذر پوری ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں زید نے جب ایک ماہ کے ایام بیض یعنی ۱۳/۱۴/۱۵/ کو روزہ رکھ لیا تھا تو اس کی نذر پوری ہوگئی، دوسرے ماہ میں ایام بیض کو روزہ رکھنا لازم نہیں ہے۔

عن الحسن في رجل جعل عليه صوم شهر، قال: إن سمى شهرا معلوما فليصمه وليتابع. (المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور في رجل جعل عليه صوم شهر، مؤسسة علوم القرآن ۷/۶۰۲، رقم: ۱۲۶۳٤)

فبوجود الفعل مرة يتم الشرط. (هدايه، كتاب الطلاق، باب الأيمان في الطلاق، اشرفي ۲/۳۸٦)

نذر صوم شهر معين لزمه متتابعا. (شامي، مع الدر كراچی ۳/۷٤۱، زكريا ٥/٥۲٥، مجمع الأنهر مصري قديم ۱/٥٤۸، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۲۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ صفر المظفر ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۳۴/۳۷)

اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہوجائے تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا

سوال [۷۴۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں نے ایک ہزار روپیہ اپنے ساتھی کو رکھنے کے لیے دیا، بطور امانت، کچھ دنوں کے بعد میرا ساتھ مجھ سے یہ کہتا ہے کہ رقم چوری ہوگئی، مگر چھان بین کے بعد وہ خود اقرار کرتا ہے کہ نہیں میں نے خرچ کر لیے تھے، اب مجھے رقم کی واپسی کی بہت ہی کم امید تھی، میں نے اسی دوران نذر مانی کہ اے اللہ اگر میرا داخلہ فلاں مدرسہ میں ہوجاتا ہے تو وہ رقم جو میرے ساتھی کے پاس ہے اگر اس نے دیدی تو بغیر ثواب کی نیت سے غریبوں میں تقسیم کردوں گا، اب خدا کے فضل سے میرا داخلہ بھی مطلوبہ جگہ ہوگیا اور میرے ساتھی نے رقم بھی واپس کردی اب سوال یہ ہے کہ نذر منعقد ہوگی یا نہیں؟

میں نے نذر مانی کہ اے اللہ میرا اگر فلاں مدرسہ میں داخلہ ہوگیا تو ایک ماہ کا روزہ رکھوں گا اب میرا داخلہ ہوگیا تو کیا مجھے روزہ رکھنے پڑیں گے؟

المستفتی: پی زیڈ اسلم گیٹ کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال میں ذکر کردہ صورت میں نذر منعقد ہوجائے گی کیونکہ جس شرط کے ساتھ اس کو معلق کیا ہے وہ شرط پائی گئی، لہٰذا اب نذر بھی منعقد ہوگئی ہے، اور بغیر ثواب کی نیت کی قید لگانا درست نہیں، یہ آپ کا حلال روپیہ ہے، اس لیے دیتے وقت ثواب کی نیت کی جاسکتی ہے۔

ثم إن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي أو شفي مريضي (يوفى) وجوبا (إن وجد) الشرط. (در مختار مع الشامی، زکریا ۵/۵۲۱، کراچی ۳/۷۳۸، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ص: ۶۹۸)

(۲) دوسرے سوال کے اندر بھی نذر معلق بالشرط ہے، اور شرط کا وجود بھی ہوگیا ہے، نیز

یہ نذرعبادت مقصودہ میں سے بھی ہے، لہٰذا نذر پوری کرنے کے لیے اب روزہ رکھنا واجب ہے۔

عن الحسن فی رجل جعل علیه صوم شهر، قال: إن سمی شهرا معلوما فلیصمه ولیتابع، وإذا لم یسم شهرا معلوما، أو لم ینوه فلیستقبل الأیام فلیصم ثلاثین یوما، وإن صام علی الهلال و أفطر علی رؤیته، فکانت تسعة و عشرین یوما أجزاه ذٰلک، و إن فرق إذًا استقبل الأیام. (المصنف لابن أبی شیبة، الأیمان والنذور فی رجل جعل علیه صوم شهر، مؤسسة علوم القرآن ۶۰۲/۷، رقم: ۱۲۶۳۴)

ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط و کان من جنسه واجب (و وجد الشرط) المعلق به لزم الناذر. (در مختار مع الشامی زکریا ۵۱۶/۵، کراچی ۷۳۵/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۱ھ

زندگی بھر روزہ رکھنے کی منت کے بعد قدرت نہ ہوتو؟

سوال [۷۴۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی آدمی نے کسی حادثہ کے موقع پر یہ منت مانی کہ اگر اس حادثہ میں ہمارے آل اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، اور سب بچ گئے تو زندگی بھر روزہ رکھوں گا، اور اس حادثہ میں سب بچ گئے، کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، اور اس نے روزہ بھی رکھنا شروع کر دیا، اسی دن کے بعد اب اس کی حالت یہ ہوگئی کہ نہ روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس اتنا مال ہے کہ روزے کے بدلے میں مال کسی غریب کو دے تو اب اس منت سے بری ہونے کی کوئی صورت ہو تو واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد حسین عالم بھاگلپوری متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سب لوگ بچ گئے تو زندگی بھر روزہ رکھنا

واجب ہوگیا، اب اگر روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہے تو ہر روزہ کے بدلے میں ایک صدقۂ فطر فقیر کو دیدیا کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہا کرے۔
(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۷۷)

عن ابن عباس رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: من نذر نذرا لم يسمه، فكفارته كفارة يمين، و من نذرا نذرا في معصية فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا لايطيقه فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا أطاقه فليف به. (سنن أبي داؤد، الأيمان والنذور، باب من نذرا نذرا لايطيقه، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٢ دار السلام رقم: ٣٣٢٢، سنن ابن ماجه، الكفارات، باب ما جاء من نذر نذرا لم يسم، النسخة الهندية ١٥٤، دار السلام رقم: ٢١٢٨، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١١/ ٣٢٥، رقم: ١٢١٦٩)

نذر بصوم الأبد فضعف ...... و إن لم يقدر استغفر الله تعالىٰ. (فتاویٰ بزازيه كتاب الصوم، الفصل الرابع في النذر زكريا جديد ١/ ٦٩، وعلى هامش الهندية ٤/ ١٠٣، هندية زكريا قديم ١/ ٢٠٩، جديد ١/ ٢٧٢، قاضيخان، زكريا جديد ١/ ١٣٦ -١٣٧، و على هامش الهندية ١/ ٢١٩، الدر مع الرد كراچی ٣/ ٧٤١، زكريا ٥/ ٥٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر صفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۳۳)

ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزہ کی نیت کا طریقہ

سوال [۷۴۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے ذمہ ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزے تھے، یا روپئے وغیرہ تو بلا تعیین خاص نذر روزہ اور روپیہ ادا ہوں گے یا نہیں؟ صرف نذر ادا کرنے کی نیت کی ان میں سے ایک کو متعین نہیں کیا۔

المستفتی: محمد زبیر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کے ذمہ ایک ہی قسم کی نذروں کے متعدد روزے لازم تھے، تو ان کو بغیر تعیین کے اپنے اوپر لازم شدہ مطلقاً نذر کے روزہ کی نیت کر کے رکھ لینا جائز ہے، مثلاً متعدد اوقات میں چھ روزے لازم ہو گئے ہیں، تو ان کو اس طریقہ سے رکھنا جائز ہے کہ فی الجملہ نذر کے چھ روزے لازم ہیں، لیکن صرف نذر کی نیت سے چھ روزے رکھنا کافی ہو جائے گا، اسی طریقہ سے متعدد بار پانچ، پانچ سو روپئے کی نذر مان لی ہے مثلاً تین مرتبہ پانچ پانچ سو کر کے پندرہ سو کی نذر مان لی ہے تو مطلقاً نذر کی نیت سے پندرہ سو روپئے فقیروں کو دینے سے نذر پوری ہو جائیگی۔

ولو أصبح صائما ینوی من الیومین اللذین وجبا علیه أجزأه عن واحد منهما استحسانا وکذٰلک لو افتتح صوما من ظهارین أجزأه عن واحد منهما استحسانا. (الفتاویٰ التاتارخانیة، الصوم، الفصل الثالث فی النیة، کوئٹه ۲/۳٦۰، زکریا ۳/۳۷۳ رقم: ٤٦۰٦، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۳/۳٤٤، رقم: ۳۰۷۳- ۳۰۷٤)

وإن وجبت علیه کفارات أیمان متفرقة فأعتق رقابا بعددهن ولم ینو لکل یمین رقبة بعینها أو نویٰ فی کل رقبة عنهن أجزأه استحسانا. (هندیه، الأیمان، الفصل الثانی فی الکفارة، زکریا قدیم ۲/٦٤، جدید ۲/۷۰، المبسوط، دارالکتب العلمیة بیروت ۸/۱٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۹/۳۸)	۱۴۲۹/۲/۱۹ھ

شوہر کو چلہ کی جماعت میں بھیجنے کی نذر کا شرعی حکم

سوال [۷۴۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندہ نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اپنے شوہر کو ۴۰؍دن کے

لیے جماعت میں بھیجوں گی، اب ہندہ کا فلاں کام ہوگیا، ہندہ کی ہر ممکن کوشش کے باوجود ہندہ کا شوہر جماعت میں جانے کے لیے تیار نہیں ہے، اب سوال یہ ہے کہ جب ہندہ کو اپنے شوہر پر قوت حاصل نہیں ہے تو ہندہ کی نذر شرعاً معتبر ہوئی یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو ''الدین یسر'' کے پیش نظر ہندہ اپنے بیٹے یا کسی اجنبی کو ۳/ ۳/دن کے روپئے دے کر جماعت میں بھیج سکتی ہے؟ جب کہ ہندہ نے یکبارگی ۴۰/دن جانے کی قید نہیں لگائی تھی، اب ہندہ اپنی نذر سے کیسے بری الذمہ ہوسکتی ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد عمر حسن آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ہندہ کو اپنے شوہر پر قوت حاصل نہیں ہے تو ہندہ کا شوہر کو چالیس دن کی جماعت میں بھیجنے کی نذر شرعاً معتبر نہیں ہوئی، کیونکہ نذر کی صحت کے لیے جہاں اور بھی شرائط ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عبادت مقصودہ کی نذر مانی جائے ،لہٰذا اس نذر کو پوری کرنے کے لیے کسی صورت کو اپنانے کی ضرورت نہیں، فقہی جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

عن عمران بن حصینؓ قال: قال رسول الله ﷺ: لا وفاء لنذر فی معصیة ولا فیما لا یملک العبد . (صحیح مسلم ۲/ ۴۵)

النذر إن کان فی المباح أو فی المعصیة فلا یلزمه ...... والأصل فی ذٰلک أن کل ما کان له أصل فی الفروض لزم الناذر بنذره وکل مالم یکن له أصل فی الفروض لزم الناذر بنذره فالذی له أصل: الصوم والصلاة والحج والصدقة والاعتکاف، والذی لا أصل له فی الفروض: عیادة المریض، وتشییع الجنازة ودخول المسجد، وفی السراجیة: بناء الرباط والسقایة والقنطرة ونحوه. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الإیمان، الفصل السادس والعشرون: فی النذور، زکریا ۲۸۱/۶، رقم: ۹۳۷۶، بدائع الصنائع زکریا ۲۲۷-۲۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۱۷ھ

جماعت میں سال لگانے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک سال تبلیغی جماعت میں جانے کی نذر مانی تو اس کی یہ نذر ماننا درست ہوگیا یا نہیں، اگر اس کی نذر درست ہے تو کیا اس کا درمیان سال میں گھر آنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں اس نذر کا پورا کرنا لازم نہیں، کیونکہ نذر کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عبادت مقصودہ میں سے ہو اور تبلیغ عبادت مقصود نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۹۱)

ومنها أن يكون قربة مقصودة فلا يصح النذر بعيادة المرضىٰ وتشييع الجنائز والوضوء والاغتسال و دخول المسجد الخ . (بدائع الصنائع، كتاب النذر، زكريا ٤/ ٢٢٨، كراچی ٥/ ٨٢، المبسوط للسرخسی، دار الكتب العلمية بيروت ٣/ ١٢٨، الدر مع الرد زكريا ٥/ ٥١٦، كراچی ٣/ ٧٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۸ھ

امام ومؤذن کو کھانا دینا بہتر ہے یا اس کی رقم

سوال [۷۴۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل مراد آباد شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ حادثہ سے نجات یا بیماری سے شفا پانے کے بعد عموماً بکرا ذبح کرکے یا سالم زندہ بکرا دینے کو اور کبھی پکا کر گھر بلا کر کھانا کھلانے کو ہی تمام دیگر طریقوں پر ترجیح دی جاتی ہے، حالانکہ کبھی کبھی ضرورتمندوں کو دیگر اشیاء کی، گوشت خوری سے بھی شدید ضرورت ہوتی ہے یا مسجد میں کام ہورہا ہے یا کسی دینی مدرسہ میں سخت پریشانی ہوتی ہے مگر

جان کے بدلے میں جان کے تصور سے صرف بکرا ذبح کرنے یا زندہ دینے ہی کو ترجیح دی جاتی ہے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تمام طریقہائے صدقات میں کونسا طریقہ سب سے افضل ہے؟

(۲) ہر جمعرات کو مسجد کے مؤذن اور اماموں کے حجروں میں کھانا بھیجا جاتا ہے جو ایک ڈھیر کی شکل اختیار کر جاتا ہے، اور وہ روٹیاں سکھا کر فروخت کر دیتے ہیں، کیا روٹی کھانے کے بجائے مستحق امام یا مؤذن کو نقد دینا افضل ہے، یا کھانا ہی بھیجنا چاہیے یا اس قدر روپئے مسجد کے لیے بھیج دیں کہ بلب اور دیگر ضروریات حاصل ہو جائیں، دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ افضل ہے، اور کس میں زیادہ ثواب ہے؟

المستفتی: امیر احمد خاں، مغل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امام مسجد کے لیے کھانا متعین کر لیا گیا ہے تو مذکورہ صورت میں مسجد کے بلب وغیرہ کے لیے پیسہ دینے سے ذمہ داری ادا نہ ہوگی، بلکہ امام ومؤذن کو کھانا یا اس کی قیمت دینے سے ہی ذمہ داری ادا ہو سکتی ہے، اور اگر آپ نے اپنے اوپر امام ومؤذن دونوں کے لیے کسی چیز کھانا وغیرہ کی ذمہ داری نہیں لی ہے تو آپ کو اختیار ہے چاہے کھانا بھیج دیں یا اس کی قیمت ہدیہ کر دیں یا اتنا پیسہ مسجد کو ضروریات کے لیے دیدیں اس میں آپ پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوكة كيف ما شاء. (بیضاوی مکتبہ رشیدیہ ۱/ ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رصفر المظفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۳۱)

حرام کام پر مانی ہوئی منت کا پورا کرنا

سوال [۷۴۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر کوئی شخص حرام کام کرنے پر منت مانے تو وہ کام پورا ہوجانے سے منت ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی صورت میں کفارۂ یمین ادا کرنا اس پر لازم ہے۔

عن ابن عباس رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من نذر نذرا لم يسمه، فكفارته كفارة يمين، و من نذرا نذرا فى معصية فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا لايطيقه فكفارته كفارة يمين، و من نذر نذرا أطاقه فليف به. (سنن أبى داؤد، الأيمان والنذور، باب من نذر نذرا لايطيقه، النسخة الهندية ٢/ ٤٧٢، دار السلام رقم: ٣٣٢٢)

علق النذر بما هو معصية كقوله إن كلمت أبى فعلي نذر فهو كما لو علقه بمباح إن أبهم و كان عليه أن يحنث نفسه و يكفر لأنه إذا عرى عن النية فهو يمين و إن نوى شيئا بعينه فهو على ما نوى و لا يحنث نفسه فى المباح . (بزازيه، كتاب الأيمان، النوع الثالث فى النذر، زكريا جديد ١/ ١٧٧، و على هامش الهندية ٤/ ٢٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۰)

کام ہونے پر صدقہ کرنے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منت ماننے کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ اگر میرے عزیز کی طبیعت ٹھیک ہوگئی تو بکرا کٹوادوں گا، اسی طرح کاروباری معاملات کرتے ہیں کسی شخص نے کوئی کاروبار شروع کیا اور اس نے شروع میں ہی صدقہ کردیا کہ اللہ برکت عطا فرمائیں، کاروبار میں اتار چڑھاؤ تو

آتے ہی رہتے ہیں، وہ کسی کاروباری پریشانی میں گھر گیا، مثلاً اس کی رقم کسی خریدار نے روک لی، تو اس نے صدقہ شروع کردیا کہ شاید اللہ تعالیٰ اس سے اس کی پریشانی دفع فرمادیں، اور ایک شکل اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ منت مان لے کہ جب میری یہ رقم آجائے گی تو میں صدقہ کروں گا، امید ہے کہ مطلب واضح ہوگیا ہوگا۔

المستفتی: جاوید اقبال، واجد نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شکل درست ہے اور جب شفایاب ہوجائے یا رقم آجائے تو جو صدقہ متعین کرلیا تھا وہ واجب ہوجائے گا۔

﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ . [الحج: ۲۹] ﴾

عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه. (صحيح البخاري، الأيمان و النذور، باب النذر في الطاعة، النسخة الهندية ۲/۹۹۱، رقم: ٦٤٤٠، ف: ٦٦٩٦)

ومن نذر نذرا مطلقا فعليه الوفاء ...... بما سمى و إن علق النذر بشرط فوجد الشرط فعليه الوفاء بنفس النذر. (هدايه، كتاب الأيمان، باب ما يكون يمينا وما لايكون يمينا اشرفي ۲/٤٨٣، المبسوط للسرخسي دار الكتب العلمية بيروت ٨/١٣٦، الدر مع الرد، كرچی ۳/۷۳۵، زكريا ٥/٥١٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٠/١٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۴۶۰)

قبروں پر دودھ چڑھانا

سوال [۷۴۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دفن کے دوسرے یا تیسرے دن کے بعد عورتوں کا دودھ کا پیالہ لے جاکر قبر پر رکھنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یعقوب بساڈ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبروں پر دودھ یا غلہ یا شیرینی وغیرہ لے جاکر چڑھانے کا مقصد نذر لغیر اللہ ہوتی ہے، فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ نذر لغیر اللہ حرام ہے اور اس چیز کا کھانا بھی حرام ہے، اس سے بچنا ضروری اور لازم ہے۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ ۲/۳۹۰)

ومما یوخذ من الدراهم و الشمع والزیت وغیره تنقل إلی ضرائح الأولیاء تقربا إلیهم فحرام بإجماع المسلمین، و أما النذر الذی ینذره أکثر العوام علی ما هو مشاهد کأن یکون لإنسان غائب (إلی قوله) فهذا النذر باطل بالإجماع لوجوه منها أنه نذر مخلوق، والنذر للمخلوق لا یجوز لأنه عبادة، والعبادة لا تکون للمخلوق. (البحر الرائق، کتاب الصوم، فصل فی النذر، زکریا ۲/۵۲۰-۵۲۱، کوئٹہ ۲/۲۹۸، وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند ۶۹۳، الدر مع الرد کراچی ۲/۴۳۹، زکریا ۳/۴۲۷، هندیه زکریا قدیم ۱/۲۱۶، جدید ۱/۲۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۳۶۵/۳۳)

نذر کے بکرے کی عمر کتنی ہو؟

سوال [۷۴۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے، اس نذر کے بکرے کی عمر کتنی ہونی چاہیے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: بشیر احمد بنگلوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نذر کے بکرے کی عمر بھی ایک سال ہونا شرط

ہے، کیونکہ نذر کے جانور میں وہی تمام شرائط ہیں جو قربانی کے جانور میں ہوتی ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل۱۴/ ۶۵، میرٹھ ۲۶/ ۳۵۳، دارالعلوم۱۲/ ۱۰۴)

ولو أوجب علی نفسه بدنة ...... ولو أوجب جزورا فعلیه الإبل خاصة ولا یجوز فیهما إلا ما یجوز فی الأضاحی وهی الثني من الإبل والبقر والجذع من الضأن إذا کان ضخما. (بدائع الصنائع، کتاب النذر، شروط النذر زکریا ٤/ ٢٣٣، کراچی ٥/ ٨٥-٨٦)

ولو قال لله علی هدي یجب علیه ما یجزئ فی الأضحیة من الضأن والمعز والإبل أو البقر. (تفسیر مظهری، سورة الحج، زکریا ٦/ ٢٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۰)

نذر کے جانور کی عمر

سوال [۷۴۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صدقہ کرنے کی صورت میں جانور کی عمر متعین ہے کہ کتنے دنوں کا ہو؟

المستفتی: محمد مظفر عالم کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں نذر کے جانور کو صدقہ کا جانور کہا جاتا ہے اور اس جانور میں قربانی کے شرائط کا ہونا لازم ہے، لہٰذا اگر بڑا جانور رہے تو مکمل دو سال ہوکر تیسرے سال میں داخل ہوگیا ہو، جیسے کٹڑا وغیرہ اور اگر چھوٹا جانور رہے تو ایک سال مکمل ہوکر دوسرے سال میں داخل ہوگیا ہو جیسے بکرا وغیرہ۔

ولا یؤخذ فی الصدقة إلا ما یجوز فی الأضحیة. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل مقدار الواجب فی السوائم، زکریا ٢/ ١٣٠، کراچی ٢/ ٣٢)

ولا یجوز فیهما إلا ما یجوز فی الأضاحی وهو الثني من الإبل والبقر

والجذع من الضأن إذا كان ضخما. (بدائع الصنائع، كتاب النذر، شروط النذر، زكريا ٤/ ٢٣٣، كراچی ٥/ ٨٥-٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۳۹/۳۶)

بکرے کی نذر مانی تھی لیکن غلطی سے بکری خرید ی گئی

سوال [۷۴۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا ان فلاں کام ہوگیا تو میں اللہ کے واسطے ایک بکرا صدقہ کروں گا، پھر وہ کام ہوگیا، وہ آدمی بازار سے صدقہ کی نیت سے بکرا خرید کر لایا، لیکن اتفاق سے دیکھا کہ وہ بکرا نہیں بلکہ بکری ہے، تو مذکورہ صورت میں بکرا ہی صدقہ کرنا ہے؟ اگر خریدے ہوئے جانور کو صدقہ کردے تو کیا منت کی ادائیگی سے بری نہیں ہوگا؟ جواب جو بھی ہو صریح جزئیہ کی نشاندہی کر کے احسان فرمائیں؟

المستفتی: مولانا عبد الجلیل خادم مدرسہ شاہی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے تو بکرے کی جگہ بکری کی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں ہے چاہے بالقصد بکری لایا ہو یا بے خبری میں بکری آگئی ہو۔ (مستفاد: از کفایت المفتی ملتان ۲/ ۲۰۹)

ولو قال لله على أن أذبح جزورا و أتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز. (بزازيه، كتاب الأيمان، النوع الثالث فى النذر، زكريا جديد ١/ ١٧٧، وعلى هامش الهندية ٤/ ٢٧١، هنديه زكريا قديم ٢/ ٦٦، جديد ٢/ ٧٣، مجمع الأنهر، مصرى قديم ١/ ٥٤٨، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۱۷/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۳؍۱۴۳۱ھ

اگر میرا فلاں کام ہوگیا تو میں ایک بکرا ذبح کروں گا

سوال [۷۴۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر زید نے کہا کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں کوئی ایک بکرا نیاز (ذبح) کروں گا تو ایک بکرا ذبح کرنا نذر معین کہلائیگا یا غیر معین؟

المستفتیه: عبدالرزاق ابراہیمی شمس العلوم، ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کا یہ کہنا کہ میرا فلاں کام ہو جانے پر ایک بکرا نیاز میں ذبح کروں گا، تو زید کی یہ نذر نذر غیر معین ہے زید پر بکرا ذبح کرنا لازم نہیں ہے، اگر بکرا کے بدلے اس کی قیمت یا قیمت کے برابر کوئی چیز صدقہ کردے تو بھی کافی ہو جائیگا۔

(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۸، احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۸۳)

قال لله عليَّ أن أذبح جزورا و أتصدق بلحمه فذبح مكانه سبع شياه جاز. (الدر مع الرد، كتاب الأيمان، زكريا ديوبند ٥/ ٥٢٤، كراچی ٣/ ٧٤٠، البحر الرائق زكريا ديوبند ٤/ ٤٩٩، كوئٹه ٤/ ٢٩٦، فتح القدير دار الفكر مصری ٥/ ٩٢، كوئٹه ٤/ ٣٧٥ زكريا ديوبند ٥/ ٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۵۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۴/ ۱۴۲۳ھ

مرض سے شفایابی پر بکرے کی نذر مانی لیکن شفایاب نہیں ہوا، تو کیا کرے

سوال [۷۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ایک بکرا خریدا اور یہ نذر مانی کہ اگر میں ٹھیک ہوگیا تو اس بکرے کو صدقہ کروں گا پھر اس شخص کا انتقال ہوگیا تو اس بکرے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ٹھیک ہونے کے بعد بکرا صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے اور ٹھیک نہیں ہوا اور وفات پا گیا تو شرعاً مذکورہ بکرا صدقہ کرنا واجب نہیں رہا بلکہ ورثاء اس کو میراث میں تقسیم کر سکتے ہیں، ہاں البتہ بطور ایصال ثواب کے اس بکرے کی قیمت کو غرباء کے درمیان تقسیم کر دیں تو ان شاء اللہ میت کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا۔

فإن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبی أو شفي مريضي يوفی وجوبا إن وجد الشرط. (الدر المختار، كتاب الأيمان، زكريا ديوبند ٥/٥٢١، كراچی ٣/٧٣٨، حاشية الطحطاوی على المراقی الفلاح، دار الكتاب ديوبند ص: ٦٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۹۶)

اولاد کی خوشی میں بکرے اللہ کے نام قربان کرنے کی منت ماننا

سوال [۸۴۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک ماں اپنی اولاد کی خوشی میں منت مانے یا اس کی حفاظت جان کی وجہ سے، کہ میں سات بکرے اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کروں گی ایسی حالت میں جب کہ وہ اتنی استطاعت نہ رکھتی ہو تو کیا وہ قسطوں میں ادا کر سکتی ہے، بکرے ہی ذبح کرنے ہیں یا بکری اور اس کی قیمت مال کی شکل میں صدقہ کر سکتی ہے؟ اور اس کی عمر یعنی جانور دونتا یا اونہ ہونا چاہیے؟ تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ضیاء الرحمٰن محلہ اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس ماں نے اپنی اولاد کی خوشی میں یا حفاظت جان کی خوشی میں سات بکرے قربانی کرنے کی منت مانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اولاد کی دولت کے ذریعہ خوشی کا موقعہ عنایت کیا اور جان کی حفاظت فرمائی ہے تو ایسی صورت میں سات بکرے قربانی کرنا

لازم ہے، البتہ ایک ساتھ سات کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے قسطوں میں کرنے کی اجازت ہے، لہٰذا جیسے جیسے استطاعت ہو ویسے ویسے ایک ایک دودو بکرے فقراء میں تقسیم کردے، اسی طریقے سے جتنے دنوں میں گنجائش ہوا تنے دنوں میں سات بکرے مکمل کرسکتی ہے۔

عن ثابت بن الضحاک أن رسول الله ﷺ قال: من حلف علی ملة غیر الإسلام فهو کما قال، ولیس علی ابن آدم نذر فیما لایملک. (صحیح البخاری، الأدب، باب ما ینهی عن السباب واللعن، النسخة الهندیة ۲/ ۸۹۳، رقم: ۵۸۱۲، ف: ۶۰۴۷)

لو التزم بالنذر أکثر مما یملکه لزمه ما یملک هو المختار. (الهندیة کتاب الأیمان، الباب الثانی زکریا قدیم ۲/ ۶۵، جدید ۲/ ۷۱)

ونذر أن یتصدق بألف من ماله وهو یملک دونها لزمه ما یملک منها.

(الدر المختار مع الشامی، زکریا ۵/ ۵۲۵، کراچی ۳/ ۷۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۰۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۲۵ھ

کیا اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے بکرے کی قربانی کر سکتے ہیں؟

سوال [۹۴۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص نے کوئی بکرا یا دنبہ وغیرہ اللہ کے نام پر رکھ چھوڑا کوئی قربانی یا صدقہ وغیرہ میں ذبح کرنے کی نیت نہیں کی صرف مقصدا اتنا تھا کہ اللہ کے نام پر اس کو ذبح کروں گا، تو کیا ایسا جانور قربانی یا صدقۂ واجبہ مثلاً نذر و نیاز وغیرہ کی تکمیل میں ذبح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: یوسف علی بجنوری، خادم مدرسہ فیض القرآن نگینہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب کوئی جانور بکرا یا دنبہ وغیرہ اللہ کے نام پر چھوڑا اور اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کی نیت کی تھی تو اب یہ جانور مستقل طور پر نذر کا

ہوگیا، ایسا جانور قربانی یا صدقۂ واجبہ نذر و نیاز کی تکمیل میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ایسا جانور فقراء کا حق بن جاتا ہے، لہٰذا اسے ذبح کرکے فقراء کو کھلانا ضروری ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲/ ۲۰۸، مطول زکریا دیوبند ۹/ ۱۵۱، رقم المسئلۃ: ۳۷۰۵)

﴿ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ . [الحج: ۲۹] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۲)

اولیاء کی قبروں پر مرغا بکرا ذبح کرنے سے متعلق سوالات

سوال [۷۴۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکرا، مرغا اولیاء اللہ کی نذر ماننا اور ان کی قبروں پر ذبح کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اور ایسا شخص مؤمن ہے کہ نہیں اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کا ذبیحہ کھانا اس کو زکوۃ دینا اس سے شادی بیاہ کرنا کیسا ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: شبیر احمد رائے پورہ، سورت گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اولیاء اللہ کی نذر ماننا اور ان کی قبروں پر بکرا مرغا ذبح کرنا انتہائی فعل شنیع ہے، ایسی نذر باطل ہوتی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور ایسا شخص بدعتی اور فاسق ہے، ایسے بدعتی اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور فاسق مسلمان کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے، اور فاسق مسلمان اگر مستحق زکوۃ ہے تو اسے زکوۃ دینا بھی جائز ہے۔

وأما النذر الذی ینذره أكثر العوام علی ما هو مشاهد كأن یكون لإنسان غائب أو مریض أو له حاجة ضروریة فیأتی بعض الصلحاء فیجعل ستره علی رأسه فیقول یا سیدی فلان إن رد غائبي أو عوفي مریضي أو قضیت حاجتي فلک من الذهب (إلی قوله) فهٰذا النذر باطل بالإجماع.

(البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل فى النذر، كراچى ٢/٢٩٨، زكريا ٢/ ٥٢٠)

ويكره إمامة عبد و أعرابى و فاسق. (شامى، كراچى ١/٦١١، زكريا ٢/٢٩٩)

فإن ذبح كل مسلم و كل كتابى حلال (إلى) برا كان أو فاجرا. (الفقه فى الفتاوىٰ، من يجوز ذبحه ١/٢٢٨)

ولايجوز صرفها لأهل البدع و تحته فى الشامية: فالمراد هنا بالبدع المكفرات. (شامى زكريا ٣/ ٣٠٤، كراچى ٢/ ٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۷؍۱۴۳۱ھ

بیماری سے شفایاب ہونے پر بزرگ کے مزار پر بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا

سوال [۷۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے خاندان میں سے کوئی بیمار ہو تو زید نے منت مانی کہ اگر ان کو اس بیماری سے شفایابی ہو جائے تو میں فلاں بزرگ کے مزار میں بکرا ذبح کروں گا، بعدہ ان کو شفایابی ہو گئی، اور وہ شخص اپنی منت کو پورا کرنے کے واسطے متعین شدہ مزار میں جا کر بکرا ذبح کر کے اپنی منت کو پورا کرتا ہے تو یہ فعل کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز، اگر جواز کی صورت ہے تو اس گوشت کو کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے، فقراء میں یا صاحب نصاب بھی ان میں داخل ہے؟

المستفتی: محمد صدیق اللہ مدناپوری مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے فلاں بزرگ کے مزار میں ذبح کرنے کی جو منت مانی ہے اس سے مقصود اگر صاحب مزار بزرگ کا تقرب ہو جیسا کہ عموماً ہوتا ہے تو یہ نذر صحیح نہ ہوگی بلکہ اس طرح کی نذر ماننا معصیت اور حرام ہے، اور اگر ذبح سے مقصود تقرب الی اللہ اور تصدق ہو تو یہ نذر صحیح ہے کسی بھی جگہ بکرا ذبح کر کے غرباء میں گوشت تقسیم کر سکتے ہیں، اس بزرگ کی مزار میں جا کر ذبح کرنا بدعت اور بدعقیدگی ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

واعلم أن النذر الذی یقع للأموات من أکثر العوام إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقربا إلیهم فهو بالإجماع باطل و حرام. (در مختار مع رد المحتار کراچی ۲/۴۳۹، زکریا ۳/۴۲۷، هندیه زکریا قدیم ۱/۲۱۶، جدید ۱/۲۷۹، البحر الرائق کوئٹه ۲/۲۹۸، زکریا ۲/۵۲۱، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیو بند ۶۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۲۷ھ

دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا

سوال [۷۴۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض کو جنگل جھاڑ میں جا کر آنے کے بعد بخار و بیماری لگ جاتی ہے پھر وہ یا اس کے متعلقین اس کے شفایاب ہونے پر دیوی کے نام سے یا فلاں مزار کے فلاں پیر کے نام سے مرغا اور مینڈھا اور بکرے کی منت مانتے ہیں اور اس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ ہی کا نام لیتے ہیں اور پھر اس کو خود کھاتے ہیں اور کھلاتے ہیں تو ایسا جانور رکھانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیوی، مزار اور بت کے نام سے منت ماننا ناجائز اور حرام ہے، اور موجب کفر بھی ہوسکتا ہے، ایسا کرنے والوں پر توبہ واستغفار لازم ہے، البتہ اگر جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کر دیا جائے تو مالک اور غیر مالک سب کے لیے کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ (مستفاد: معارف القرآن ۱/ ۳۱۸، امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۵۹، فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۴۸۹، جدید زکریا ۴۶۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۹۵)

صدقہ بکرے کا کریں یا قیمت کا؟

سوال [۷۴۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنے بچے کی پیدائش پر ایک سال کے بعد یہ ارادہ کیا تھا کہ ہر سال اس کی پیدائش کی تاریخ پر یا کچھ آگے پیچھے ایک بکرا صدقہ کر دیا کروں گا، لڑکا ماشاء اللہ اکیس سال کا ہو گیا، اس بار وہ کہتا ہے کہ صدقہ بکرے کا نہیں کرنا چاہیے، ویسے ہی پیسے دیدینا چاہیے، جبکہ ہمارا دل اس بات کو نہیں مان رہا ہے کہ جس چیز کا صدقہ ہم نے بول رکھا ہے اس سے ہٹ کر کیا جائے؟

المستفتی: ضیاء الحق اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کو اختیار ہے، خواہ آپ بعینہٖ بکرے کو صدقہ کریں، یا اس کی قیمت صدقہ کریں، اس کی وجہ سے نذر پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، لیکن بہتر یہ ہے کہ بجائے بکرے کے بکرے کی قیمت صدقہ کر دیں اس لیے کہ اس سے فقیروں کی ضرورت زیادہ پوری ہو سکتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۸)

بخلاف النذر بالتصدق بشاتين و سطين فتصدق بشاة بقدرهما جاز لأن المقصود إغناء الفقير وبه تحصل القربة وهو يحصل بالقيمة. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، زکریا ۳/ ۲۱۱)

بخلاف النذر بالتصدق بأن نذر أن يتصدق بشاتين و سطين فتصدق بشاة بقدرهما جاز لأن المقصود إغناء الفقير وبه تحصل القربة وهو يحصل بالقيمة.

(حاشية على حلبي على تبيين الحقائق، كتاب الزكاة فصل في الغنم، مكتبه امداديه ملتان ۱/ ۲۷۱، زكريا ۲/ ۵۹، البحر الرائق، كوئٹه ۲/ ۲۲۱، زكريا ۲/ ۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۳ھ

نذر کے بکرے کی قیمت سے نذر پوری کرنا

سوال [۷۴۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے نذر مانی ہے اگر میں بیماری سے شفایاب ہوگیا تو بکرا صدقہ کروں گا اب زید شفایاب ہوگیا تو اب سوال یہ ہے کہ بکرے کا ہی صدقہ کرنا ضروری ہے یا اس کی قیمت سے بھی نذر پوری کی جاسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بکرے کا صدقہ کرنا ضروری نہیں، اس کی قیمت سے بھی نذر کا پورا کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۸، فتاویٰ دار العلوم ۱۲/۱۰۱)

رجل قال إن نجوت من هذا الغم الذى أنا فيه فعلي أن أتصدق بعشرة دراهم فاشترى بعشرة دراهم خبزا فتصدق بعين الخبز أو ثمن الخبز يجزيه. (التاتارخانية، الأيمان، الفصل السادى والعشرون فى النذور ٦/ ٢٨٣ رقم: ٩٣٨٠، هنديه زكريا قديم ٢/ ٦٦، جديد ٢/ ٧٢، قاضيخان زكريا جديد ١/ ١٦٥، وعلى هامش الهندية ١/ ٢٦٩)

نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه. (شامى زكريا ٥/ ٥٢٥، كراچى ٣/ ٧٤١، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٧٦، مصرى قديم ١/ ٥٤٨)

ولو نذر أن يتصدق بخبز كذا فتصدق بقيمة جاز. (تفسير مظهرى، مكتبه زكريا ٦/ ٢٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۱)

کیا بکرا صدقہ کرنے کی نذر میں قیمت ادا کرنا کافی ہے؟

سوال [۷۴۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام پورا ہو جائے تو ایک مخصوص مقدار میں غرباء پر بکرے صدقہ کروں گا، زید کی نذر پوری ہو جاتی ہے، تو کیا بکروں کا ہی صدقہ کرنا ضروری ہے، یا ان کی قیمت بھی فقراء پر صدقہ کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: راشد حسین امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کا کام پورا ہو گیا تو اس پر نذر پوری کرنا واجب ہے، اس کو اس بات کا اختیار ہے کہ جو مخصوص مقدار اس کی نیت میں تھی اس مقدار کے زندہ بکرے صدقہ کردے یا اس مقدار کے برابر قربانی کے شرائط کے مطابق اتنی تعداد کے بکرے خرید کر ذبح کرکے گوشت فقراء میں تقسیم کردے، یا اتنے پیسے کا بازار سے گوشت خرید کر صدقہ کردے، یا اتنے پیسے غریبوں میں تقسیم کردے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۵۱، احسن الفتاویٰ ۵/۴۸۳)

عن خوات بن صالح بن خوات بن جبير عن أبيه عن جده قال: مرضت فعاد النبي ﷺ فلما برأت قال: صح جسمك يا خوات ف لله بما وعدته، قلت: ماوعدت لله شيئا، قال: إنه ليس من مريض يمرض إلا نذر شيئا، و نوىٰ شيئا من الخير، فف لله بما وعدته. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٤/٢٠٥، رقم: ٤١٤٨)

نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه. (در مختار، كتاب الأيمان، مطلب: النذر غير المعلق لا يختص بزمان و مكان و درهم و فقير زكريا ديوبند ٥/٥٢٥، كراچى ٣/٧٤١، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دار الكتاب ديوبند ٦٩٨، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٢٧١/١، زكريا ٢/٦٠، هنديه زكريا قديم ٢/٦٦، جديد ٢/٧٢، تاتارخانية كوئٹه ٥/٤٢، زكريا ٦/٢٨٣ رقم: ٩٣٨٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ

۵؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۴۳)

نذر شدہ جانور کی قیمت کھلانے کے علاوہ دوسرے کاموں میں لانا

سوال [٧٤٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: صدقہ کی نیت سے زید نے جانور ذبح کرکے مدرسہ کے بچوں کو کھلانے کے لیے مدرسہ کے ذمہ دار کے پاس رقم دی (جانور کی قیمت) تو کیا یہ رقم مدرسہ کے دوسرے اخراجات میں خرچ کی جاسکتی ہے، یا جانور ہی ذبح کرکے گوشت کھلانا ہوگا، کیونکہ ایسے جانور ذبح کرنے کے لیے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے بطور صدقہ جانور ذبح کردیجئے، اس لیے یہ سوال حاضر خدمت ہے؟

المستفتی: ریاض الدین خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانور ہی ذبح کرکے کھلانا ضروری نہیں بلکہ بازار سے گوشت خرید کر اور کھانے پینے کے دوسرے سامان خرید کر کسی بھی طرح کے کھانے کی شکل میں طلبہ پر خرچ کردیا جائے تو بھی جائز ہے، لیکن مدرسہ کے دوسرے اخراجات میں خرچ کرنا درست نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ١٢/١٢٢)

النذر لا يختص بزمان و مكان و درهم و فقير فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان، فخالف جاز. (شامی زکریا ٥/٥٢٤، کراچی ٣/٧٤٠، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الكتاب ديوبند ٦٩٦)

وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان و الدرهم و الفقير لأن التعليق إنما أثر في انعقاد السببية. (شامی زکریا ٥/٥٢٤، کراچی ٣/٧٤١)

وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر و الكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني. (شامی زکریا ٣/٢٨٣، کراچی ٢/٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢؍ربیع الاول ١٤٢٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/٧٩٥٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢/٣/١٤٢٤ھ

نذر کے جانور کا مصرف

سوال [۷۴۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کی بیٹی کی منگنی ہوئی اور شادی کی بات چیت مکمل ہوگئی اس پر انہوں نے مدرسہ میں دو بکرے بھیجے کہ ان بکروں کو بھیج رہا ہوں قبول فرمالیں، اور دعا کرادیں کہ شادی وغیرہ بھی خیریت سے ہوجائے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان بکروں کو مدرسہ کے جلسہ میں مہمانوں کی ضیافت کے لیے ذبح کرایا جاسکتا ہے، یا طلبہ ہی کے لیے پکوایا جائے جو بھی شریعت کا حکم ہو تحریر فرمادیں؟

المستفتی: شکیل احمد ڈھکہ اوجھاری امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو دو بکرے مدرسہ میں بھیجے وہ اگر بیٹی کی منگنی کی خوشی میں بھیج رہا ہے تو مدرسہ میں سب کے لیے کھانا جائز ہے، لہٰذا مدرس کے کھانے، مہمان کی ضیافت اور طلبہ کے کھانے وغیرہ میں شامل کرنا جائز ہے، اور اگر مذکورہ صاحب نے پہلے سے نذر مان رکھی تھی کہ اگر بیٹی کا رشتہ ہوجائے تو مدرسہ میں دو بکرے دوں گا، تو ایسی صورت میں یہ دونوں بکرے نذر کے ہوں گے، صرف طلبہ ہی کھاسکتے ہیں، ضیافت وغیرہ میں استعمال نہیں ہوسکتے۔

فأما الصدقة علی وجه الصلة والتطوع فلا بأس به، وفي الفتاویٰ العتابية: و كذٰلك يجوز النفل للغني. (تاتارخانية، كتاب الزكوٰة، الفصل الثامن فيمن توضع فيه الزكاة، كراچي ۲/۲۷۵، زكريا ۳/۲۱٤، رقم: ٤١٥٥)

مصرف الزكاة والعشر: هو فقير وهو من له أدنى شيئ (در مختار) وفي الشامي: وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذٰلك من الصدقات الواجبة. (شامي كراچي ۲/۳۳۹، زكريا ۳/۲۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۱ھ

صدقۂ نافلہ اورنذرمعین وغیرمعین کے بکرے کا مصرف

سوال [۷۴۸۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جولوگ صدقۂ نافلہ اورنذرمعین اورغیرمعین میں بکرا، دنبہ وغیرہ ذبح کرتے ہیں اسی طرح جویونہی نیازوغیرہ کےنام پرکھاناکھلاتے ہیں کیاان اصناف سےصدقہ کرنے والااورمنت ماننے والاخوداوراپنے اہل وعیال اورصاحب نصاب خویش واقارب، دوست واحباب کوکھلاسکتا ہے، یاتمام گوشت کامساکین پرصدقہ کرنالازم ہے، دلائل کتب فقہ سےنوازیں۔

المستفتی: یوسف علی بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوجانورصدقۂ نافلہ میں ذبح کیاگیاہواس کا گوشت خودبھی کھاسکتاہےاوراپنے اہل وعیال اورصاحب نصاب دوست واحباب وغیرہ کو بھی کھلاسکتاہے، کیونکہ یہ ان کےلیے ہبہ کےدرجے میں ہوگا۔

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغنى لأنها تجرى مجرى الهبة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل الذى يرجع إلى المؤدى إليه، زكريا ۲/۱۵۷، كراچى ۲/۴۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۶/۳۳۲، شامى كراچى، ۶/۳۲۷، زكريا ۹/۴۷۳، البحر الرائق كوئٹه ۲/۲۴۵، زكريا ۲/۴۲۷)

نذرمعین وغیرمعین اورنیازنیزصدقات واجبہ میں ذبح ہونے والے جانورکاگوشت نہ ناذرکھاسکتاہےاورنہ اہل وعیال اورمالداردوست واحباب کوکھلاسکتاہے، یہ صرف مساکین فقراءکاحق ہے۔(مستفاد:امدادالفتاویٰ۳/۵۶۳)

أخرج البخارى تعليقا عن ابن عمر: لايؤكل من جزاء الصيد والنذر ويؤكل مما سوى ذٰلك. (بخارى، المناسك، النسخة الهندية ۱/۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)

إذا نذر ذبح شاة لا يأكل الناذر منها ولو أكل فعليه قيمة ما أكل أو مثله

فی الأجناس . (تاتارخانية كراچی ۲/۳۱۷، زكريا ۳/۲٦٦ رقم: ٤٣٢٥)

هذا فی الأضحية الواجبة والسنة سواء إذا لم تكن واجبة بالنذر و إن وجبت به فلايأكل منها شيئا ولا يطعم غنيا سواء كان الناذر غنيا أو فقيرا لأن سبيلها التصدق . (شامی زكريا ۹/٤٧٣، كراچی ٦/٣٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۱۲)

نذر کا بکرا کون کون کھا سکتا ہے؟

سوال [۷۴۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ نے ایک استفتاء ارسال کیا تھا جس میں بکرا صدقہ کرنے کا ذکر تھا، اس استفتاء کا نمبر ۲/۴۶۰۶ ہے، آپ نے تحریر فرمایا کہ سوالنامہ کا جواب صحیح ہے، نذر کا بکرا صرف غرباء کھا سکتے ہیں نہ خود کھا سکتے ہیں، نہ مالدار، میں نے یہ سوال کیا تھا کہ مذکورہ جواب کافی و مکمل ہے یا نہیں؟ اس کی تشنگی باقی ہے، مزید غور فرما کر اس کی سیرابی فرمادیں۔

المستفتی: محمد انوار الحق امروہہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے سوالنامہ نمبر ۴۶۰۶ میں سالم بکرا کا بھی سوال کیا ہے، جی ہاں، سالم بکرا بھی دیا جا سکتا ہے کہ مدرسہ والے ذبح کر کے طلبہ کو کھلا دیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ اپنے مکان ہی پر ذبح کرا کے طلبہ کی دعوت کر دی جائے مگر طعام میں خود شریک نہیں ہو سکتے۔

أخرج البخاری تعليقا عن ابن عمر: لايؤكل من جزاء الصيد والنذر ويؤكل مما سوى ذٰلك. (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۱/۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)

عن عطاء قال: ماكان من جزاء صيد أو نسك أو نذر للمساكين

فإنه لايأكل منه، عن سعيد بن جبير قال: لا يؤكل من النذر، ولا من الكفارة، ولا مما جعل للمساكين، عن الحكم قال: قال علي: لا يؤكل من النذر، ولا من جزاء الصيد، ولا مماجعل للمساكين. (المصنف لابن أبى شيبة، الحج، فى هدى الكفارة و جزاء الصيد، مؤسسة علوم القرآن جديد ۸/ ۱٤٦ رقم: ۱۳۳٦۳ – ۱۳۳٦۵ – ۱۳۳٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴٦۸۹)

کیا نذر کا کھانا مالدار رشتہ دار کھا سکتے ہیں؟

سوال [۷۴۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص اپنے کام پورا ہونے پر اللہ سے مانی ہوئی منت کا کھانا تقسیم کرتا ہے تو وہ کھانا کیا صرف غریبوں کو ہی تقسیم کیا جا سکتا ہے یا اس میں کچھ اپنے مالدار رشتہ داروں کو بھی تقسیم کر دے تو اس میں شرعی طور سے کوئی گناہ تو نہیں ہے؟

المستفتی: عبداللہ خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نذر کا کھانا صرف غریب لوگ کھا سکتے ہیں اور خود نذر ماننے والے اور مالدر کے لیے کھانا ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۰۳)

عن الحكم قال: قال علي: لايؤكل من النذر، ولا من جزاء الصيد، ولا مما جعل للمساكين. (المصنف لأبن أبى شيبة، الحج، فى هدى الكفارة و جزاء الصيد، مؤسسة علوم القرآن ۸/ ۱٤٦، رقم: ۱۳۳٦٦)

ناذر لمعينة ولو فقيرا ولو ذبحها تصدق بلحمها (إلى قوله) ولا يأكل الناذر منها فإن أكل تصدق بقيمة ما أكل وتحته فى الشامية: الأنسب

أن یقال و لو غنیا . (در مختار مع الشامی، کتاب الأضحیة، کراچی ٦/ ٣٢٠، زکریا ٩/ ٤٦٣- ٤٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۱۶)

کیا نذر کے گوشت کا مصرف صرف فقراء ہیں؟

سوال [۷۴۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حمل کے دوران میری بیوی کی طبیعت خراب چل رہی تھی تب میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں صدقہ کروں گا اس وقت میرے پاس انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرسکا، اس وجہ سے آج کر دیا ہے، آپ سے گذارش ہے کہ یہ بتانے کی مہربانی کریں کہ یہ گوشت صرف غریبوں میں تقسیم ہوگا یا کسی عزیز کے یہاں بھی بھیج سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد تعارف محلّہ بھٹی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے بیوی کے حمل کے زمانے میں نیت کے ساتھ زبان سے بیوی یا اور کسی کے سامنے یا تنہائی میں کہا بھی ہے تو یہ شرعاً نذر ہے اس میں جانور کے اندر قربانی کے جانور کی شرطیں بھی لازم ہیں، اور اس کا گوشت صرف فقراء کھا سکتے ہیں نہ آپ کھا سکتے ہیں نہ ہی کوئی دوسرا مالدار۔

عن خوات بن صالح بن خوات بن جبیر عن أبیه عن جده قال: مرضت فعاد النبی ﷺ فلما برأت قال: صح جسمک یا خوات ف لله بما وعدته، قلت: ماوعدت لله شیئا، قال: إنه لیس من مریض یمرض إلا نذر شیئا، و نویٰ شیئا من الخیر، فف لله بما وعدته. (المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربی ٤/ ٢٠٥، رقم: ٤١٤٨)

أخرج البخاری تعليقا عن ابن عمر: لايؤكل من جزاء الصيد والنذر ويؤكل مما سوى ذلک. (بخاری، المناسك، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۲ رقم الباب: ۱۲۳)

ولايجوز فيهما إلا ما يجوز فی الأضاحی. (بدائع الصنائع زكريا ٤/ ۲۳۳، كراچی ٥/ ٨٥)

ولو قال: إن برئت من مرضی هذا ذبحت شاة (إلی) إلا إذا زاد و أتصدق بلحمها فيلزمه. (الدر مع الرد كراچی ۳/ ۷۳۹، ۷٤۰، زكريا ٥/ ٥٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦٠٦٨)

منت کی شیرینی کے مستحق کون؟ مسجد میں منت کی شیرینی لے جانا

سوال [۷۴۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں جمعہ کے دن لوگ مسجد میں شرینی پہنچاتے ہیں کوئی تو منت کی شیرینی دیتا ہے تو کوئی خوشی میں بھیجتا ہے، پھر جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد وہ شیرینی تمام لوگوں اور بچوں میں تقسیم کردیتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایسا کرنا کہ مسجد میں شیرینی منت وغیرہ کی پہنچانا کیسا ہے؟ اس شیرینی کے کھانے کے مستحقین کون لوگ ہیں؟

المستفتی: ابوالمعید قاسمی نعمت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسجد میں منت وغیرہ کی شیرینی لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر شیرینی نذر ومنت کی ہے تو اس کے مستحق فقراء ومساکین ہیں، اغنیاء کو دینا درست نہیں، کیونکہ نذر واجب التصدق ہے جو فقراء کا حق ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/ ۱۳۴)

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ . [التوبة: ٦٠]﴾

مصرف الزكاة و هو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذور.

(شامي زكريا ۳/ ۲۸۳، كراچی ۲/ ۳۳۹)

لیکن مسجد میں اس کا امتیاز کون کرسکتا ہے، اس لیے مالدار لوگ ہرگز نہ کھائیں اور نہ ہی مسجد میں بھیجنے کی رسم جاری رکھیں، بلکہ نذر و منت کی شیرینی بجائے مسجد کے غریبوں کے گھروں میں پہنچانے کی کوشش کریں۔

عن عطاء قال: ما كان من جزاء صيد أو نسك أو نذر للمساكين فإنه لايأكل منه. (المصنف لابن أبي شيبة، الحج، في هدى الكفارة و جزاء الصيد مؤسسة علوم القرآن جديد ۸/ ۱٤٦ رقم: ۱۳۳٦۳، ۱۳۳٦٥، ۱۳۳٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۷ھ

غرباء میں تقسیم کی نیت کے بعد گوشت کا خود کھانا اور مالداروں کو کھلانا

سوال [۷۴۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بکرا میں نے قربانی کے لیے لیا تھا جو کہ عید الاضحیٰ پر قربانی کے لائق نہیں ہوا، میں نے دوسرا بکرا لاکر قربانی کردی، اس پہلے بکرے کے لیے میں نے یہ نیت کی تھی کہ اس کو غریبوں میں تقسیم کردوں گا اب اس کا گوشت اپنے استعمال میں لائیں یا سارا غریبوں میں تقسیم کرنا ہے۔

المستفتی: زاہد حسین شیدی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے بکرے جس کے بارے میں غریبوں میں تقسیم کرنے کی صرف نیت کی ہے اس کو ذبح کرنے کے بعد اس کا گوشت خود کھانا اور غریبوں اور مالداروں میں تقسیم کرنا سب جائز ہے، اس لیے کہ صرف دل سے نیت کرنے سے نذر مکمل نہیں ہوتی ہے نذر کے لیے زبان سے تلفظ کرنا شرط ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۵/ ۴۹۹، فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۱۹)

الـنـذر لاتكفى فى إيجابه النية بل لا بد من التلفظ به. (الأشباه والنظائر قديم ص: ٨٩)

فركن الـنـذر هـو الصيغة الدالة عليه. (بـدائـع الـصـنـائـع زكريا ٤/٢٢٦ دارالكتب العلمية بيروت ٦/٣٣٣، كراچی ٥/٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۵۹)

ناذر کے اہل خانہ کا نذر رشدہ بکرے کا گوشت کھانا

سوال [۷۴۹۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ماں نے زید کے بچپن ہی میں جب زید کی طبیعت خراب ہوئی تھی تو یہ منت مانی تھی کہ اگر زید کی طبیعت صحیح ہوگئی تو میں اللہ کے نام پر ایک بکرا قربانی کروں گی، اب زید کی طبیعت صحیح ہوگئی ہے اور زید کی ماں اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک بکرا قربانی کررہی ہے، لہٰذا زید کے گھر والوں کے لیے اور زید کے خاندان والوں کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اس بکرے کا گوشت کھانا کیسا ہے، نیز اس طرح کی منت ماننا کیسا ہے؟

المستفتی: افتخار احمد ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس بکرے کا گوشت فقراء ومساکین کا حق ہے انہیں کو کھلانا لازم ہے، زید یا اس کے خاندان والوں ورشتہ داروں کے لیے اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے، نیز اس طرح کی منت ماننا درست ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/۴۷)

إذا نـذر ذبـح شاة لايأكل الناذر. (الـفتـاوىٰ التـاتارخانية كراچی ٢/٣١٧، زكريا ديوبند ٣/٢٦٦ رقم: ٤٣٢٥)

عن عطاء قال: لايؤكل من جزاء الصيد و لا مما يجعل للمساكين من

النذر و غير ذٰلک، ولا من الفدية، ويؤكل مما سوىٰ ذٰلک. (إعلاء السنن، الحج، باب يستحب الأكل من لحوم الهدايا الخ، دار الكتب العلمية بيروت ۱/۵۱۷، رقم: ۳۰۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۸۵)

بیماری کا بکرا فقیروں کے لیے بھی ناجائز

سوال [۷۴۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیماری سے شفایابی کے لیے بکرا ذبح کرنا کیسا ہے؟ تاکہ جان کا بدلہ جان ہو اس کا گوشت فقیروں کے لیے کھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیماری سے شفایابی کے لیے جان کا بدلہ جان یا دفع مصائب سمجھ کر جانور ذبح کرنا ناجائز اور حرام ہے، فقیروں کو اس کا گوشت کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ میتہ کے حکم میں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۳۹، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۰، احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۷)

ذبح لقدوم الأمير و نحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله. (شامی، کتاب الذبائح، زکریا ۹/ ۴۴۹، کراچی ۶/ ۳۰۹)

والذبح قد يكون للأكل فيكون مباحا أو مندوبا أو للأضحية فيكون عبادة أو لقدوم أمير فيكون حراما وتحته في الحموي فتكون الذبيحة ميتة. (الأشباه مع الحموي، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها ۱/ ۱۱۰، مکتبہ زکریا) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۲۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۹ کتاب الحدود

۱ باب القصاص و الدیة

مسلمان کو قتل کرنے والے کی معافی کی کیا صورت ہے؟

سوال [۷۴۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص مسلم نے ایک شخص مسلم کو بلا کسی جرم کے قتل کیا ہے اب اس کی معافی کی کیا صورت ہے؟

(۲) اسی طرح ایک مسلم نے ایک شخص مسلم کو جبکہ وہ اس کو تنگ کرتا تھا قتل کر دیا ہے، اس کی معافی کی کیا صورت ہے تا کہ آخرت کی پکڑ سے بچ جائے۔

المستفتی: محمد اشرف قاسمی مدرس عربی کالج بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) عمداً قتل کرنے والے اگر اپنے آپ کو اولیاء مقتول کے سپرد کر دیں اور اولیاء مقتول معاف کر دیں تو دنیا میں وہ بری ہو گیا، البتہ آخرت کے لیے خداوند قدوس سے توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ مقتول کے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہے تو ممکن ہے کہ آخرت کے مؤاخذہ سے محفوظ ہو جائے گا۔

عن أبی سعید الخدری أن النبی ﷺ قال: کان فیمن قبلکم رجل قتل تسعة و تسعین نفسا الخ. (صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب قبول توبة القاتل و إن کثر توبته، النسخة الهندیة ۲/ ۳۵۹، بیت الأفکار رقم: ۲۷۶۶)

اعلم أن توبة القاتل لاتكون بالاستغفار و الندامة بل يتوقف على إرضاء أولياء المقتول ...... فإن عفوا عنه كفته التوبة وقدمنا أنفا أنه بالعفو عنه يبرأ في الدنيا الخ. (شامی، کتاب الجنايات، قبيل باب القود فيما دون النفس، كراچی ٦/٥٤٩ زكريا ١٠/١٩٥، الفقه الاسلامی و أدلته، مكتبه هدى انٹرنيشنل ديوبند ٦/١٦٨، دار الفكر ٧/٥٥٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۴۵)

ساڑھے سات ماہ کے حمل کو نکلوا کر پھینکنے والی عورت کا حکم

سوال [۷۴۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی بیوی نے بغیر شوہر کی اجازت کے ساڑھے سات ماہ کے حمل سے زندہ بچہ نکلوا کر زندہ بچہ پھینک دیا ہو اور وہ بچہ مر گیا ہو اور اس فعل میں کچھ اور لوگ شریک ہوں اور شوہر کو ۵/۶ ؍ دن بعد اس فعل قبیح کا پتہ چلا ہو تو ایسی صورت میں بیوی اور شریک لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسی بیوی کو نکاح میں رکھنا کیسا ہے؟ جبکہ اس کا شوہر اس کے اس فعل کی وجہ سے بیحد پریشان اور ناراض ہے؟

المستفتی: محمد ناصر دولت باغ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی عورت اور اس کام میں شریک ہونے والے قتل کے گناہ کے مرتکب ہیں اگر اسلامی حکومت ہوتی تو ان پر دیت لازم ہوجاتی یہ سب لوگ گناہ عظیم کے مرتکب ہیں۔

لايخفى أنها تأثم إثم القتل لو استبان خلقه و مات بفعلها. (شامی، كتاب الديات، قبيل باب ما يحدثه الرجل في الطريق وغيره، زكريا ١٠/٢٥٥، كراچی ٦/٥٩١)

نیز دو مہینے مسلسل روزہ رکھنا واجب ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے نادم ہو کر توبہ کرنا بھی ضروری ہے۔

وكفارتهما أى الخطأ وشبه العمد عتق قن مؤمن فإن عجز عنه صام شهرين ولاءً. (در مختار کراچی ٦/٥٧٤، زکریا دیوبند ١٠/٢٣١-٢٣٢)

ایسی عورت شرعاً فاسقہ ہے، شوہر کی مرضی ہے چاہے اس کو رکھے اور چاہے طلاق دے کر الگ کردے، اور اس کو طلاق دے کر الگ کر دینا شوہر پر لازم نہیں ہے۔

ولا يجب على الزوج تطليق الفاجرة. (در مختار کراچی ٢/٤٢٧، زکریا دیوبند ٩/٦١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ

زانیہ بیوی کو چاقو سے مارنے والا شخص قاتل ہے

سوال [۷۴۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی ہندہ شادی سے قبل ناجائز تعلقات کی بنا پر دولڑکوں کی ماں بن چکی تھی، شادی کے ایک ماہ بعد ساری تفصیلات زید کے گھر والوں کو معلوم ہوئیں جس کی شہادت ہندہ نے اپنی زبانی چار گواہوں کی موجودگی میں دی، اس کے بعد زید نے اپنی اس بیوی ہندہ کو چاقو مار کر قتل کر دیا تو کیا ایسی صورت میں زید پر قتل کا گناہ تو نہیں ہوا؟ ہوا تو کفارہ کیا ہے؟ البتہ ان دونوں بچوں کو ہندہ دواؤں کے ذریعے اسقاط کرا چکی تھی، جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مزمل حسین، شولاپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں ایسی صورت میں زید پر قتل کا گناہ ہوگا کیونکہ زنا کا ثبوت ہونے کے بعد بھی شوہر یا کسی اور شخص کو قتل یا حد شرعی کا اختیار نہیں ہوتا ہے، حدود

شرعی صرف حاکم مسلم ہی جاری کرسکتا ہے، نیز دار الاسلام ہونا بھی شرط ہے، اور ہندوستان دار الاسلام نہیں ہے، اس لیے یہاں کسی کو حدود شرعی قائم کرنے کا حق نہیں ہے، لہٰذا شوہر سخت ترین گناہ کا مرتکب ہوگیا، اس کو توبہ واستغفار کرکے اپنے گناہ کی معافی کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کرنا لازم ہے، نیز بیوی کے لیے مغفرت کی دعا کرنا چاہیے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/ ۱۹۸)

عن زيد بن ثابت رضى الله عنه قال: لا تقام الحدود فى دار الحرب مخافة أن يلحق أهلها بالعدو، عن حكيم بن عمير أن عمر رضى الله كتب إلى عمير بن سعد الأنصارى و إلى عماله أن لايقيموا حدا على أحد من المسلمين فى أرض الحرب. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، السير باب من زعم لا تقام الحدود فى أرض الحرب، دار الفكر ١٣/ ٤١٥ رقم: ١٨٧٣٤ - ١٨٧٣٥)

ولا حد بالزنا فى دار الحرب. (الدر المختار، كتاب الحدود، مطلب الزنا شرعا لا يختص بما يوجب الحد بل أعم، كراچى ٤/ ٥ زكريا ديوبند ٦/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۹۶)

زانی وزانیہ کی سزا

سوال [۷۴۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکا غیر شادی شدہ ایک شادی شدہ عورت کو لے کر چلا گیا جبکہ اس عورت کا شوہر موجود ہے اب چند ماہ کے بعد وہ عورت اپنے شوہر کے یہاں آگئی ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت اور اس لڑکے کو جو اس عورت کو لے کر گیا تھا کیا سزا دی جائے، خطرہ یہ بھی ہے کہ اگر اس کے اوپر قدم نہ بڑھایا گیا تو معاشرہ خراب ہوجائیگا؟

المستفتی: سلیم الدین قاسمی مولویان، سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر شادی شدہ لڑکے کا شادی شدہ عورت کو بھگا

کرلیجانے کی صورت میں ان کے لیے حدودشرعی ہیں،اورحدودشرعی قائم کرنے کے لیے حکومت اسلامی کا ہونا ضروری ہے چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں اس لیےان دونوں پرحد جاری نہیں کی جاسکتی، البتہ بستی کے مسلمان پنچایت کریں اورمناسب سزا کے لیے جوبھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہےجس سے سزا مرتب کرنے والوں پرکسی قسم کا ایکشن نہ ہو،وہ طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے،لیکن ایسے معاملہ میں لڑکے سے زیادہ عورت کوسزا دینی چاہیے،اس میں عورت کی حرکت زیادہ ہے،جبکہ اس کا شوہراور بچے موجود ہیں،سب کوچھوڑ کر کیوں گئی،اگراسلامی حکومت ہوتی توعورت کوسزائےموت ہوتی اورلڑکےکوسوکوڑےلگائے جاتے۔(مستفاد:احسن الفتاویٰ۵/۵۱۵)

أن رجلا من الأعراب جاء إلى النبى ﷺ وهو جالس فقال يا رسول الله اقض بيننا بكتاب الله فقام خصمه فقال صدق اقض لنا يارسول الله بكتاب الله إن ابنى كان عسيفا على هذا فزنىٰ بامرأته فاخبرونى أن على ابنى الرجم فافتديت بمأة من الغنم و وليدة ثم سألت أهل العلم فزعموا أن على ابنى جلد مأة و تغريب عام فقال والذى نفسى بيده لأقضين بينكما بكتاب الله أما الغنم والوليدة فرد عليك و على ابنک جلد مأة و تغريب عام و أما أنت يا أنيس فاغد على امرأة هذا فارجمها فغدا أنيس فرجمها.

(بخارى شريف، كتاب المحاربين، باب من أمر غير الإمام بإقامة الحد غائبا عنه، النسخة الهندية ٢/ ١٠١٠، رقم: ٦٥٧٥، ف: ٦٨٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۶۴۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۱۹ھ

لڑکی کے زنا کا دعویٰ کرنے سے زنا کا ثبوت

سوال [۷۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ زید پرالزام لگاتی ہے کہ زید نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، ہندہ نے پنچان کو

جمع کیا، پنچان نے ہندہ سے پوچھ تاچھ کی ہندہ نے اقرار کیا مگر زید انکار کرتا ہے، پنچان نے گواہ طلب کیا ہندہ سے تو ایک گواہ عورت کو لایا گیا، اس کے علاوہ کوئی دوسرا گواہ نہیں ہے، زید کے انکار پر پنچان نے ایک مولوی صاحب کو بلایا، مولوی نے فرمایا کہ زید زنا کا انکار کرتا ہے اس لیے میں زید کو کلما کی قسم کھلاؤں گا۔

(۱) مسئلہ یہ ہے کہ ہندہ کے اقرار پر زنا کا ثبوت ہوگا یا نہیں؟

(۲) زید کے انکار پر کلما کی قسم کھلانا درست ہے یا نہیں؟

(۳) زید کے انکار پر کلما کی قسم کھلانے کے متعلق فقہاء نے کچھ تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وکیل بن ماسٹر حسن احمد ضلع سپول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندہ جو زید پر الزام لگارہی ہے اور زید اس کا انکار کررہا ہے تو ایسی صورت میں محض کسی عورت کا کسی مرد کے بارے میں یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اس نے میرے ساتھ زنا کیا ہے، اس لیے کہ بہت ممکن ہے کہ وہ اس کو داغدار کرنا چاہتی ہے، اس لیے کہ زنا کے ثبوت کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے، اور اس عورت کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں، اس لیے زید کے خلاف کوئی شرعی حکم لاگو نہ ہوگا، اور نہ ہی زید کو کلما کی قسم کھلانے پر مجبور کرنا درست ہوگا۔

﴿**لَوْلَا جَآئُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ.** [النور: ۱۳]﴾

عن عمرو بن شعيب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى الله ورسوله أن لا تقبل شهادة ثلاث، ولا اثنين ولا واحد على الزنا. (مصنف عبد الرزاق، الطلاق، باب قوله ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا، المجلس العلمى ۳۸۷/۷، رقم: ۱۳۵۷۱)

إن شهد على الزنا أقل من أربعة بأن شهد واحد أو اثنان أو ثلاثة لا تقبل الشهادة. (عالمگیری، کتاب الحدود، الباب الخامس فی الشهادة على الزنا، زکریا قدیم ۱۵۱/۲، جدید ۱۶۵/۲)

وإن أقرت بالزنا بفلان فکذبها فلا حد علیها أیضا. (شامی زکریا دیوبند ٦/١١، کراچی ٤/٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۰۳/۳٦)

غیر اسلامی ممالک میں زانی کی سزا

سوال [۷۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شادی شدہ ہے، اور یہ چند بھائی ہیں زید گھر سے دور ملازمت کرتا ہے اور زید کا ایک چھوٹا بھائی بھی شادی شدہ ہے، اچانک زید کی اہلیہ پر زید کے چھوٹے بھائی نے جو شادی شدہ ہے رات کی تنہائی میں موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنہ منہ کالا کرنا چاہا، اولاً تو زید کی اہلیہ کو نیند تھی زید کے بھائی کی شرارت کی بنیاد پر فعل سے قبل آنکھ کھل گئی، جب اس نے اس صورت حال کو دیکھا تو وہ بہت پریشان ہوئی اور حتی الامکان وہ بچنے کی کوشش بھی کرتی رہی، بقول زید کی اہلیہ کے، لیکن بچنے کا ایک ہی راستہ تھا کہ شور مچا دیتی چونکہ گھر میں والدین بھی نہیں تھے، اور نہ لڑکے کی اپنی اہلیہ تھی، گھر میں لڑکا اور اس کی بھابھی اور اس سے چھوٹے بھائی بہن جن میں ایک دو کی عمر تقریباً دس اور تیرہ سال کے درمیان تھی، لیکن وہ بہت گہری نیند میں سو رہے تھے، شور نہ کرنے کی وجہ بقول زید کی اہلیہ کے کہ شور کرنے کی صورت میں اپنی عزت اور گھر خاندان کی بدنامی اور اختلاف شدید ہونے کا خدشہ تھا، اس لیے اس صورت حال کے پیش نظر مجبور ہوگئی، دوسری وجہ یہ کہ لڑکے اور لڑکی کے والدین شریف اور اچھے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، گھر اور خاندان کی بے عزتی کے ڈر سے شور کرنے سے مجبور ہوگئی اور زید کے بھائی نے اس مجبوری سے فائدہ اٹھالیا، اس غلط فعل کے ہونے سے پہلے آپس میں حجت بھی ہوئی، پھر بھی بچنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا، زید کا بھائی اس فعل سے قبل اپنی بھابھی کو طرح طرح کا لالچ بھی دیتا رہا کہ آئندہ تمہاری ہر ضروریات پوری کرتا رہوں گا، کسی طرح کی کوئی پریشانی بھی نہ ہونے دوں گا، پھر بھی وہ کسی طرح

راضی نہیں ہوئی، اس کے بعد زید کے بھائی نے بزور وزبردستی اپنی بھابھی کے ساتھ منہ کالا کرلیا، لڑکی کا ماضی اور حال کسی بھی زمانے میں محرم اور غیر محرم سے اس قسم کا کوئی بھی تعلق نہ تھا اور نہ ہے، بقول لڑکی کے بحوالہ قسم کافی دن گذر جانے کے بعد شوہر کو اہلیہ کے ذریعہ ہی یہ بات معلوم ہوئی تو شوہر اس صورت حال سے بہت پریشان ہے کہ آخر کیا کرے، چھوڑنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ چھوڑنے کی صورت میں بہت بڑا فتنہ پیدا ہوسکتا ہے، اور آپس میں دونوں خاندانوں کا ٹکراؤ ہوسکتا ہے اس لیے وہ حالات سے مجبور ہے، اور فی الحال یہ حرکت بھی پوشیدہ ہے، ظاہر ہونے کی صورت میں امکان ہے کہ آپس میں شدید اختلاف ہوجائے اور فتنہ کا ذریعہ بن جائے، فی الحال شوہر والدین اور بھائی وغیرہ کے ساتھ رہتا ہے، شوہر اس فعل کی وجہ سے بھائی وغیرہ کے ساتھ رہنے میں عار محسوس کررہا ہے، وقتی طور پر حالات بھی ایسے نہیں ہیں کہ وہ بذات خود گھر والوں سے الگ ہوجائے، گھر کے افراد میں سے ظاہری طور پر ان دونوں بھائی اور اہلیہ کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے اور شوہر بھی اس بات کو محدود رکھے ہوئے ہے حتی کہ چھوٹے بھائی کو بھی علم نہیں کہ بڑے بھائی کو اس بات کا علم ہوگیا ہے، شوہر اس صورت حال سے شش و پنج میں مبتلاء ہے کہ کیا کرے، شرعی اعتبار سے اس کے متعلق کیا حکم ہوسکتا ہے، مجرم اس مسئلہ میں فاعل اور مفعول دونوں ہیں یا صرف فاعل ہے، مجرم اور غیر مجرم دونوں کے لیے شرعی حکم کی وضاحت فرمائیں تاکہ دل کی بے اطمینانی دور ہوجائے، نیز بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے اس صورت حال کی وجہ سے شریعت کے اعتبار سے کتنا اور کس طرح کا تعلق رکھ سکتا ہے؟ اور کیا لڑکی کے معاف کرنے سے شرعی عقوبات ختم ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

لڑکی اس غلط فعل کا بدلہ لڑکے کو قتل کرکے یا کرواکر لینا چاہے تو شرعی اعتبار سے درست ہے، یا نہیں؟ اور ایسا کرنے سے لڑکی گنہگار ہوگی یا نہیں؟ یا اس جرم کا بدلہ ہوگا یا بدلے کی کوئی دوسری صورت ہو تو وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ شہید نگر غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بھابھی اور دیور کے درمیان اس طرح کا

فعل شنیع اور بدکاری عمل میں آئی ہے،اور دونوں شادی شدہ ہیں تو اگر اسلامی حکومت ہوتی تو سنگسار کا حکم ہوتا ،لیکن ہمارے یہاں اسلامی حکومت نہیں ، حدود و قصاص نافذ نہیں ہو سکتے ، اس لیے اللہ سے سچی توبہ کے علاوہ کوئی دوسری شکل نہیں ، اور بھابھی اور دیور کے درمیان دوری کے اسباب پیدا کرنا ضروری ہے، دونوں کا گھر الگ الگ ہونا چاہیے، اور اس فعل بد کی وجہ سے بھابھی کا نکاح جو اپنے شوہر کے ساتھ قائم ہے اس میں کوئی فرق نہیں آئیگا ، ہاں البتہ ان دونوں کو خدا کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور سچے دل سے توبہ کرلینا چاہیے اور منہ کالا کرنے والے لڑکے کو قتل کرنے کی جو بات کہی گئی ہے شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے۔

عن زيد بن ثابت رضى الله عنه قال: لا تقام الحدود فى دار الحرب مخافة أن يلحق أهلها بالعدو. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، السير، باب من زعم لا تقام الحدود فى دارالحرب، دار الفكر ١٣/ ٤١٥، رقم: ١٨٧٣٤)

الحد خالص حق الله تعالىٰ فلايستوفيه إلا نائبه وهو الإمام. (فتح القدير، كتاب الحدود، فصل فى كيفية إقامة الحد، دار الفكر مصرى قديم ٥/ ٢٣٦، زكريا ٥/ ٢٢٤، كوئٹه ٥/ ٢٢)

رجل شرب الخمر و زنى ثم تاب ولم يحد فى الدنيا هل يحد له فى الآخرة؟ (وقوله) فإذا تاب توبة نصوحا أرجو أن لايحد فى الآخرة. (شامى زكريا ٦/ ٤، كراچى ٤/ ٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۳/ ۱۴۲۶ھ

زنا کا کفارہ کیا ہے؟

سوال [۷۵۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنی سالی سے زنا کا مرتکب ہوکر سالوں سے بیمار چل رہا ہے،

اور بہت زیادہ روتا ہے، اگر اس کا کوئی کفارہ ہو تو وہ بھی بتادیجئے، ہماری دینی بہن کا شوہر ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زنا کا کفارہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حد اور کوڑا لگانا ہے لیکن اس کے لیے مسلم حاکم شرط ہے، اور ہندوستان میں حدود وقصاص کا جاری کرنا بادشاہ اور حاکم اسلام نہ ہونے کی وجہ سے ممکن نہیں اس لیے مذکورہ شخص اللہ تعالیٰ سے خالص توبہ کرے، شاید حق تعالیٰ معاف فرمادیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۸۰)

عن حكيم بن عمير أن عمر رضى الله كتب إلى عمير بن سعد الأنصاری و إلى عماله أن لايقيموا حدا على أحد من المسلمين في أرض الحرب، حتى يخرجوا إلى أرض المصالحة. (السنن الكبرىٰ للبيهقی، السير، باب من زعم لا تقام الحدود فی أرض الحرب دار الفكر ۱۳/۴۱۵، رقم: ۱۷۸۳۵)

لا حد بالزنا في الحرب والبغى الخ. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الحدود، مطلب: الزنا شرعا لا يختص بما يوجب الحد بل أعم كراچی ۴/۵، زكريا ديوبند ۶/۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۵۹)

بدکاری سے عورت حرام نہیں ہوتی

سوال [۷۵۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زوجہ کو شخص غیر کے ساتھ برہنہ ہمبستر ہوتے دیکھ لیا، تو اب یہ عورت اپنے شوہر کے لیے حلال رہی؟ جب کہ وہ یہ حرکت دو چار مرتبہ اور بھی اسی شخص کے ساتھ کر چکی ہے، لیکن اب وہ آئندہ کے لیے توبہ کرتی ہے، اور اپنے کیے پر نادم ہے، شوہر نے معاف کردیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ عورت اپنے شوہر کی نکاح میں رہی؟ کیا شوہر کو

جملہ خدمات کرنے کا حق حاصل ہے؟ کیا عدت اور نکاح ثانی وغیرہ کی ضرورت ہے؟

(نوٹ) اس عورت کے اپنے شوہر سے آٹھ ماہ تا چودہ سال کی عمر کے پانچ بچے بھی ہیں، اور اس وقت بھی وہ قریب تین ماہ کے حمل سے ہے، جب کہ شخص غیر سے تعلق جڑے دو ماہ گذرے ہیں اس دلیل کی بنا پر عورت کا کہنا ہے کہ یہ حمل شوہر ہی سے ہے، براہ کرم جواب با صواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس فعل بد کی بناء پر عورت گناہ عظیم کی مرتکب ہے، سچی توبہ کرنا لازم ہے، اور پیٹ میں جو حمل ہے شرعی طور پر وہ شوہر ہی کا ہے، اور شوہر کا نکاح پہلے کی طرح بدستور باقی ہے، نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا، اور جس منحوس مرد نے یہ حرکت کی ہے اس کے اور عورت کے درمیان سخت پابندی لگادی جائے، ہرگز ایک دوسرے کی صورت نہ دیکھیں، اللہ کے عذاب سے ڈرو، خدا کا خوف کرو، اگر اسلامی حکومت ہوتی تو پتھر سے مار مار کر جان سے ختم کردیا جاتا۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنَا اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا. [الإسراء: ٣٢]﴾

قالت عائشة: قال رسول الله ﷺ: الولد للفراش وللعاهر الحجر.

(صحيح البخاري، المغازي، النسخة الهندية ٢/٦١٦، رقم: ٤١٣٨، ف: ٤٣٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۶۸)

کیا شراب کو بڑھاوا دینے والے کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟

سوال [۷۵۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شراب یا نشہ آور اشیاء کے استعمال یا کاروبار پر جب کوئی آدمی اس کے فروغ کا ذریعہ بن رہا ہوتو کیا اس کو موت کی سزا دی جاسکتی ہے؟ بحوالہ حدیث جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سید معین نواز رانچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں شراب وغیرہ میں موت کی سزا نہیں ہے، اور جہاں دارالاسلام میں قرآن وحدیث کے احکام نافذ ہیں وہاں پر شراب پینے کا شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد ۸۰ر کوڑے لگانے کا حکم ہے، اور شراب کی تجارت پر حکومت اپنی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کی مجاز ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لایحل دم امرء مسلم إلا رجل قتل فقتل أو رجل زنی بعد ما أحصن أو رجل ارتد بعد إسلامہ. (مصنف ابن أبی شیبۃ، الدیات، ما یحل بہ دم المسلم، مؤسسۃ علوم القرآن ۱۴/ ۲۹۷-۲۹۸، رقم: ۲۸۴۸۱، سنن النسائی، المحاربۃ ما یحل بہ دم المسلم، النسخۃ الہندیۃ ۲/ ۱۴۷، دار السلام رقم: ۴۰۲۳، مسند أحمد بن حنبل ۶/ ۲۰۵، رقم: ۲۶۲۱۹)

التعزیر لغۃ التأدیب مطلقا و شرعاً تأدیب دون الحد ...... والتعزیر مفوض إلی رأی الإمام. (شامی زکریا ۶/ ۱۰۳، کراچی ۴/ ۶۰)

یحد مسلم ناطق مکلف شرب الخمر ولو قطرۃ ...... بشہادۃ رجلین ...... أو یثبت بإقرارہ مرۃ صاحیا ثمانین سوطا للحر. (شامی زکریا ۶/ ۷۳، کراچی ۴/ ۳۷)

أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: لم یقتل الشارب. (بذل المجہود کتاب الحدود، باب إذا تتابع فی شرب الخمر دار البشائر الإسلامیۃ ۱۲/ ۵۷۸، قدیم سہارنپور ۵/ ۱۵۹) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۱ر شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۷۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۴ھ

چیخ و پکار سے ہونے والی موت کا ذمہ دار کون؟

سوال [۷۵۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک سماجی ذمہ دار اور کارکن ہے، جس کے خاندان کے لوگ تین سو سال سے سماجی اور معاشرتی خدمت انجام دیتے آرہے ہیں، زید مسجد اور محلّہ کے انتظام کا بھی ذمہ دار ہے، (جس کو ہمارے عرف میں مہتوں کہتے ہیں) زید اسی رمضان میں مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آیا، مسجد میں پہلے سے بکر اور دیگر مصلیان موجود تھے، بکر زید کو دیکھتے ہی چراغ پا ہوگیا اور زید سے الجھنے اور یہ الزام دینے لگا کہ تم نے ماموں اور بھانجے میں لڑائی کرادی ہے، یہ جملہ بار بار دہرا رہا تھا، اور زید کو مسلسل دھکیل رہا تھا، زید نے بکر سے کہا کہ میں روزے سے ہوں روزہ افطار کرنے کے بعد بات کر لینا، بکر ہارٹ کا پرانا مریض تھا اس لیے دیگر مصلیوں نے سمجھایا، لیکن وہ اپنی بات پر مصر تھا، زید سنت ظہر پڑھنے لگا، بکر اصرار کے ساتھ یہ کہنے لگا کہ فیصلہ ابھی ہوگا، اور نماز ظہر بعد میں ہوگی، بکر زور زور سے کہنے لگا کہ نہیں فیصلہ ابھی ہوگا، نماز ظہر بعد میں، اس جملہ کو کہتے کہتے اس کو دل کا دورہ پڑا اور مسجد کے فرش پر گر گیا اور اس کی موت واقع ہوگئی، واضح ہو کہ ظہر کی نماز باجماعت پڑھی جانے لگی، اور تین رکعت ہو چکی تھیں رونا پیٹنا شروع ہوگیا، اہل خانہ بکر کی لاش گھر لے گئے، اور پھر پلٹ کر مسجد میں آکر ماں بہن کی گالی دینے لگے، اور طیش میں آکر یہ کہنے لگے کہ خون کا بدلہ خون سے لیا جائیگا نیز بکر کے انتقال کے تیسرے دن بعد نماز ظہر مسجد میں سب کو روک لیا گیا اور ایک شخص نے مائک سے یہ اعلان کیا کہ زید بکر کی موت کا ذمہ دار ہے، لہٰذا اس کو اب محلّہ کی ذمہ داری اور مہتو سے برطرف کیا جاتا ہے، جبکہ زید کے خاندان سے مہتو کی ذمہ داری تین سو سال سے چلی آرہی ہے، اور لوگوں نے باتفاق رائے زید کو مہتو منتخب کیا تھا اور یہی اہل محلّہ کا جمہوری نظام ہے، معلن نے محلّہ والوں سے کوئی رائے مشورہ نہ لیتے ہوئے اپنے دبدبے کا مظاہرہ کیا اور خود بنفس نفیس زید کو سماجی منصب سے ہٹانے کا اعلان کر دیا۔

(۱) جواب طلب امر یہ ہے کہ بکر کا یہ کہنا کہ فیصلہ ابھی ہوگا نماز بعد میں ہوگی، کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) زید بکر کی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے؟

(۳) کسی شخص کا مسجد میں ہنگامہ اور ماں بہن کی گالی دینا شرعاً درست ہے؟

(۴) زید کو بکر کی موت کا ملزم مانتے ہوئے اور بغیر عوامی رائے مشورہ کے ازخود کسی کا یہ اعلان کردینا کہ زید اب محلّہ کا مہتو نہیں رہے گا، صحیح ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال اپنی جگہ واقع کے مطابق صحیح اور درست ہے اور سائل کا بیان سچا ہے تو ایسی صورت میں ازخود جذباتی انداز سے چیخ وپکار کے ساتھ دورے کا شکار ہوکر موت واقع ہوئی ہے لہٰذا ایسی صورت میں شخص مذکور کی موت میں زید کا کوئی دخل اور واسطہ نہیں رہا بلکہ بکر اپنی موت مرا ہے، اور یہ موت موت فجأت کے قبیل سے ہے، لہٰذا زید پر الزام بے جا اور بے موقع ہے، اور بکر کی موت کا سبب بنا کر زید کے بارے میں مسجد کی ذمہ داری سے برطرف کرنے کا اعلان کرنا زید کے اوپر زیادتی ہے، نیز اعلان کرنے والا مسجد کے ذمہ دار اور کمیٹی کی طرف سے اعلان کے لیے مقرر کردہ بھی نہیں ہے اس لیے اس اعلان کا بھی شرعی طور پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔

موت الفجاءة البغتة ...... موت الفجأة وقوعه بغير سبب من مرض وغيره ...... وعن عائشة وابن مسعود موت الفجأة راحة للمومنين و أسف على الفاجر. (فتح الباری کتاب الجنائز، باب موت الفجأة تحت رقم الحديث ۱۳۸۸، دار الريان للتراث القاهرة ۲۹۹/۳)

مسجد میں گالی گلوچ کرنا اور بازار کی طرح شور مچانا ناجائز اور سخت گناہ ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث شریف میں ہے۔

عن عبد اللّٰه يعني ابن مسعودؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ سيكون في

آخر الزمان قوم يكون حديثهم في مساجدهم ليس لله فيهم حاجة. (صحيح ابن حبان ٦/ ٣٠٨، دار الفكر رقم: ٦٧٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۵۶)

کیا حکومت کا ساتھ دینے والا شخص واجب القتل ہے؟

سوال [۷۵۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شاہین جماعت اسلامی میں سے ہے جموں وکشمیر کی حکومت کا باغی ہے، مسلمانوں میں اپنے کو مجاہد ظاہر کرتا ہے، ۱۵؍رمضان المبارک کو محمد شریف جو متقی مسلمان تھا، شاہین محمد شریف کو اس طریقہ پر قتل کرتا ہے کہ اول آگ سے جلایا پھر سر میں گولی مار کر قتل کر دیا، اور نعش کو تقریباً ۲۰۰؍فٹ نیچے گرادیا، بعد میں شاہین محمد شریف مقتول کو الزام لگاتا ہے کہ یہ اندرونی طور سے حکومت کا ساتھ دیتا تھا، بریں بنا تو واجب القتل تھا، اس لیے میں نے اس کو قتل کر دیا، بعد تحقیقات یہ تمام الزام غلط اور جھوٹ تھے، کیا محمد شریف واجب القتل تھا اگر نہیں تو کیا محمد شریف شہید ہے، محمد شریف کو روزہ کی حالت میں قتل کیا گیا، کیا محمد شریف پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، کیا مسلمان واجب القتل ہوتا ہے، اگر ہاں تو کب اور کون کریگا؟ کیا غیر اسلامی حکومت میں بھی؟ اور اوپر ذکر کیے ہوئے شاہین جماعت اسلامی کے ایسے فعل پر شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: عبدالغنی، ڈوڈہ کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی مسلمان کو صرف تین صورتوں میں قتل کرنا جائز ہوتا ہے، ان کے علاوہ باقی کسی بھی شکل میں قتل کرنا جائز نہیں ہے، (۱) اس نے جان بوجھ کر دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا ہو تو قصاص میں حکومت اسلامی کے نظام کے تحت قتل کیا جاسکتا ہے۔ (۲) شادی شدہ مسلمان نے زنا کیا ہو اس کا شرعی طریقہ سے ثبوت ہو چکا ہو۔

(۳) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو، ان کے بغیر کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف أن رسول الله ﷺ قال لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدى ثلاث زنى بعد إحصان أو ارتداد بعد إسلام أو قتل نفس بغير حق فقتل به. (سنن الترمذي، باب ما جاء لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدى ثلاث، النسخة الهندية ۲/۳۸، دار السلام رقم: ۲۱۵۸)

عن عبد الله قال: قام فينا رسول الله ﷺ فقال: والذى لا إله غيره، لا يحل دم رجل مسلم يشهد أن لا إله إلا الله، وأنى رسول الله إلا ثلاثة نفر، التارك الإسلام، المفارق للجماعة أو الجماعة (شك فيه أحمد) والثيب الزانى، والنفس بالنفس. (صحيح مسلم، كتاب القسامة، باب ما يباح به دم المسلم، النسخة الهندية ۲/۵۹، بيت الأفكار رقم: ۱۶۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱۱/۱۴۱۷ھ

حادثہ کے بعد ذمہ دار ڈرائیور ہے یا مالک جبکہ مالک کے ذمہ دار ہونے کا معاہدہ ہو

سوال [۷۵۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی نوکری کے وقت صاحب گاڑی سے یہ طے کرلیا تھا کہ اگر کسی قسم کا ایسا نقصان ہو جس کی وجہ سے دیت دینے کی نوبت آوے یا جان کے بدلے جان دینے کی نوبت آوے تو اس کا ذمہ دار آپ خود ہوں گے، میں نہیں ہوں گا، تو اس صورت میں اس قسم کا حادثہ پیش آجاوے تو گاڑی کا مالک ذمہ دار ہوگا یا زید؟ نیز زید گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اوران تمام صورتوں کی بناء پر ٹریفک چلانا جائز ہوگا کہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے اپنی نوکری کے وقت صاحب گاڑی کے

ساتھ جو شرط طے کی تھی وہ شرط باطل ہے، اس لیے دیت کا ذمہ دار صاحب گاڑی نہیں ہوگا بلکہ زید کے عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔

والإجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع الخ. (الجوهرة النيرة كتاب الإجارة كوئٹه ۱/۳۲۳، دار الكتاب ديوبند ۱/۳۱۳، قدوری ص: ۱۰۲، هنديه زكريا قديم ٤/٤٤٢، جديد ٤/٤٧٨)

إذا اجتمع المباشر والمسبب أضيف الحكم إلى المباشر. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۲۳۷)

نیز زید گنہگار بھی ہوگا اس لیے اللہ سے توبہ واستغفار کرلینا لازم ہے، ٹریفک چلانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۸۲/۲۵)

ایکسیڈینٹ کی صورت میں کیا ڈرائیور پر دیت واجب ہے؟ اور دیت کی مقدار؟

سوال [۷۵۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید خوب تیزی کے ساتھ بس چلا رہا تھا، کہ اچانک ایک سائیکل والا سامنے آ گیا، زید نے بس روکنے کی کوشش کی لیکن بس نہ رکی، کیونکہ گاڑی جب تیزی میں ہوتی ہے تو فوراً نہیں رکتی ہے، اور سائیکل والے کا ایکسیڈینٹ ہو گیا اور وہ مر گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اوپر دیت لازم ہے یا جان کے بدلہ جان، اور ڈرائیور قاتل میں شمار ہوگا کہ نہیں؟ اور اگر دیت لازم ہوگی تو اس کی مقدار کیا ہوگی؟

المستفتی: محمد زکریا سرائے ترین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں زید پر دیت واجب ہے، جان

کے بدلے جان نہیں ہے۔

اور دیت کی شرعی مقدار نقدی دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت ہے، اور تولہ کے وزن سے دو ہزار چھ سو پچیس تولہ چاندی ہوتی ہے، یا سو اونٹ یا ایک ہزار بکریاں ہیں۔

نیز مرحوم کے ورثاء کو کسی خاص قسم کی رقم پر راضی کر کے بطور صلح کے معاملہ ختم کر لینا بھی جائز ہے۔

لو أن دابتين لو استقبلتا و اصطدمتا فعطبت إحداهما ولكل واحد منهما سائق فضمان التي عطبت على الآخر. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الجنایات، فصل فی القتل الذی یوجب الدية، جدید زکریا ۳/ ۳۲٤، علی هامش الهندية ۳/ ٤٤٤)

لأن الدية مجهولة فإنها من الدراهم عشرة آلاف ومن الدنانير ألف دينار ومن الإبل مأة ومن الغنم ألف شاة. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الصلح، قبیل باب الصلح عن العقار و عما يتعلق به، جديد زكريا ۳/ ٥٩، على هامش الهندية ۳/ ۹۸، وهكذا فى الهداية اشرفى ديوبند ۳/ ٥٦٨)

والصلح جائز عن دعوى الأموال ...... **ويصح عن جناية العمد والخطاء.** (هدايه اشرفى ديو بند ۳/ ۲۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/ ۴/ ۱۴۱۰ھ

حادثہ کا شکار ہونے والے کے ورثاء کیلئے سرکاری امداد حاصل کرنا

سوال [۷۵۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کی کسی حادثہ میں سرکاری یا پرائیویٹ نوکری کے دوران موت واقع ہو جانے پر سرکار کی طرف سے دیا جانے والا معاوضہ یا امداد اس کے بیوی بچوں کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ یا کوئی شخص کسی ایکسیڈینٹ یا حادثہ کا شکار ہو کر صرف زخمی ہو جائے تو اس حالت

میں اس کے علاج کے لیے سرکاری پیسہ اس کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں حکومت کی طرف سے دی ہوئی رقم حادثہ میں مرنے والوں کے لیے یا زخمیوں کے لیے ایک قسم کا تعاون ہے جس کا لینا بلاتردد جائز اور درست ہے، اور مذکورہ رقم مرنے والے کے تمام وارثین کے درمیان شرعی حصوں کے حساب سے تقسیم ہوگی۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۴۲ تا ۳۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۷۹/۳۸)

حادثہ میں مرنے والے کے معاوضہ کا حکم

سوال [۷۵۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی مسلمان فساد میں مرجائے یا اور کسی حادثہ میں مرجائے تو اس کے گھر والوں یا اس کے بیوی بچوں کو معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نبی کے زمانے میں ایسا ہوا ہو تو اس کو بھی ذکر کریں؟

المستفتی: راحت جان قریشی پیرغیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فسادات کے درمیان افراتفری کے دوران جب کسی کو ماردیا جائے اور حکومت ان کو معاوضہ دینا چاہے تو وارثین کے لیے یہ معاوضہ لینا جائز ہے، حدیث شریف میں اس قسم کے واقعات موجود ہیں، غزوۂ احد میں افراتفری کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں سے حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان شہید ہوگئے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی طرف سے دیت ادا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن حضرت حذیفہ نے معاف فرمادیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیت کے لیے پیشکش کرنا جواز کی دلیل ہے۔

وأما حسيل بن جابر (وهو اليمان والد حذيفة بن اليمان) فاختلفت عليه أسياف المسلمين وهم لايعرفونه فقتلوه فقال حذيفة أبي أبي فقالوا: والله ما عرفناه و صدقوا فقال حذيفة يغفر الله لكم وهو أرحم الراحمين، فأراد رسول الله ﷺ أن يديه فتصدق حذيفة بديته على المسلمين فزاده ذٰلک عند رسول الله ﷺ خيرا. (أسد الغابة، دار الفكر ١/٤٩٣، الروف الأنف ٦/١١)

عن محمود بن لبيد قال: اختلفت سيوف المسلمين على اليمان أبي حذيفة يوم أحد و لايعرفونه فقتلوه فأراد رسول الله ﷺ أن يديه، فتصدق حذيفة بديته على المسلمين. (مسند أحمد بن حنبل ٥/٤٢٩، رقم: ٢٤٠٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧ رصفر المظفر ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/٧٤٩٢)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٣/٢/٧ھ

حکومت سے ملنے والی امدادی رقم کا مستحق کون ہے؟

سوال [٧٥١١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ڈرائیور تھا، گاڑی چلاتے ہوئے زید کا ایکسیڈینٹ ہوگیا اور ایکسیڈینٹ میں ہی انتقال ہوگیا، زید نے ماں باپ اور تنہا ایک بیوی کو حیات چھوڑا، زید کے ماں باپ اور بیوی نے زید کے ایکسیڈینٹ کے ذریعہ موت واقع ہونے کی وجہ سے عدالت میں معاوضہ کا دعویٰ کر دیا، اور تینوں کو مدعی بنا کر دعویٰ ہوا، ادھر زید کے انتقال کے بعد زید کے والدین کی لاپراہی کی بنیاد پر زید کی بیوی اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور وہیں رہتے ہوئے دعوے کی دیکھ ریکھ کی، اور جج نے معاوضہ منظور کر کے تینوں کو برابر کا تین تہائی حصہ دار بنا کر فیصلہ دیدیا، لیکن زید کی بیوی حاملہ تھی، اس لیے کچھ لوگوں کی غیرت دلانے پر زید کے ماں باپ اس کی بیوی کو اپنے گھر لے آئے، اتفاق سے دو روز بعد ہی زید کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی پانچ منٹ کے بعد مر گیا، اور پانچ گھنٹوں کے بعد زید کی بیوی کا بھی انتقال ہوگیا،

حضور والا سے درخواست ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ معاوضہ تین تہائی تینوں کے نام برابر ہے، زید کے ماں باپ نے تو اپنے نام کا معاوضہ نکال لیا ہے، اور زید کی بیوی کے نام کا نہیں نکلا ہے، جبکہ زید کی بیوی کے انتقال کو تقریباً بیس روز ہو چکے ہیں۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس معاوضہ کے حقدار جو اہلیہ کے نام پر ہے زید کے ماں باپ ہیں یا زید کی بیوی کے ماں باپ حقدار ہیں؟

المستفتی: مہدی حسن امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت نے جو امدادی رقم زید کی بیوی کے نام سے دی ہے وہ زید کی بیوی کے والدین کا حق ہے، زید کے والدین کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۵۲۴/۱۰، جدید زکریا ۲۹۱/۱۰، فتاویٰ نظامیہ ۲۹۸/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجب المرجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۱۹ھ

مقتول کے ورثاء کا مال پر صلح کرنا

سوال [۷۵۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے بھائی محمد شریف ولد ابن حسن ساکن محلہ اصالتپورہ متصل نائیوں والی مسجد کا قتل تقریباً ۱۰؍ سال قبل محلہ اصالتپورہ کے پڑوسی اکرم ولد عبد شیخ ساکن مرادآباد نے نامعلوم وجہ کے ساتھ کر دیا، جس کا مقدمہ چل رہا ہے، قاتلوں نے جج حضرات کو خریدنے کی ناکام کوشش کی مگر اللہ کے فضل سے ناکام رہے، اس مورچے پر ہارنے کے بعد قاتلوں نے میرے ماموں، خالاؤں اور عزیزوں پر اللہ واسطے معافی کی دہائی دے کر مطالبہ کیا کہ مقتول شریف کے اس قتل کے بدلے ہم لوگوں سے صدقہ جاریہ جیسا کوئی کام کرالیں جس کا اجر اس کو آخرت میں ملتا رہے اور قاتلوں کو اللہ واسطے معاف کر دیں یا پھر کوئی معاوضہ کی رقم لے

لیں، اس رائے سے اتفاق کرنے والوں میں میرے سگے ماموں باشرع حکمت اللہ بھی ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں میرے معاملہ کا حل فرمادیں، میرے والد ابن حسن قتل کے وقت حیات تھے اوراب والدہ زندہ ہیں، نیز ذہن کو یہ بات پریشان کئے ہوئے ہے، کیا وہ حشر میں ہم پر کوئی دعویٰ تو نہیں کریگا، اس دنیا میں معافی سے حشر میں قاتلوں کو تو معافی نہیں مل جائیگی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم وارثان نے قانونی پیچیدگی سے لکھ کر معاف بھی کردیا پھر بھی ہم سب کا دل معاف نہیں کریگا، مقتول جوان تھا، غیر شادی شدہ، تندرست وخوبصورت تھا، اللہ اس کی مغفرت فرمائے۔

المستفتی: رئیس احمد ساکن اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقتول کے ورثاء کے لیے شرعی طور پر یہ جائز ہے کہ قاتل سے مال پر صلح کر کے قصاص کو معاف کردیں، اس لیے کہ قصاص اولیاء اور ورثاء کا ہی حق ہے، اور مال کی مقدار کوئی متعین نہیں ہے، بلکہ اولیاء کی مرضی ہے کہ وہ جتنے مال پر چاہیں صلح کرلیں، اور اس صلح کی وجہ سے مقتول کے اولیاء گنہگار نہیں ہوں گے، اور نہ ہی محشر میں مقتول اولیاء سے یہ سوال کرے گا کہ تم نے مال لے کر معاف کیوں کیا، اور اس مال میں اولیاء کا پورا حق ہے، وہ چاہے اپنی ذات پر خرچ کریں یا مقتول کے لیے کار خیر میں خرچ کردیں اور اگر بعض ورثاء اپنے حصے اپنی ذات پر خرچ کرنا چاہیں تو کسی کو ان پر دباؤ ڈالنے کا حق نہیں کہ وہ کار خیر میں خرچ کریں بلکہ جن کی مرضی کارِ خیر کی ہے وہ اس میں خرچ کریں اور جن کی مرضی ذات پر خرچ کرنے کی ہے وہ اس میں خرچ کریں، دوسروں کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ. [البقرة: ١٧٨]﴾

إذا اصطلح القاتل وأولياء القتيل على مال سقط القصاص ووجب المال قليلا كان أو كثيرا (وقوله) لأنه حق ثابت للورثة يجري فيه الإسقاط عفوا فكذا تعويضا الخ. (هدايه، كتاب الجنايات، فصل و إذا اصطلح القاتل اشرفى ٤/ ٥٧١)

ویسقط القصاص بصلحهم علی مال و إن قل المال لأنه حقهم فیجوز تصرفهم فیه کیف شاؤا. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٣٢٦، مصری قدیم ٢/٦٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۹۰)

بطور تاوان دی گئی رقم کا حکم

سوال [۷۵۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور بکر دونوں میں جھگڑا ہوا بکر کو کافی چوٹ آئی، جس کی وجہ سے زید نے بکر کے گھر والوں کو تین ہزار روپئے دیئے تاکہ وہ اپنا علاج کرے تو کیا بکر کو وہ روپئے لینے جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہیں تو کیا بکر بخوشی یہ رقم مسجد کو دے سکتا ہے اور مسجد اس رقم کو تصرف میں لا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد طیب ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید نے بکر کے گھر والوں کو بطور تاوان جو تین ہزار روپیہ دیئے ہیں بکر کے لیے وہ روپئے لینے جائز ہیں اور وہ حلال ہیں، اس میں اسے ہر طرح کے تصرف کا حق ہے، اپنے علاج میں خرچ کرسکتا ہے، نیز مسجد میں بھی دے سکتا ہے۔

﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَان﴾ . [البقرة: ١٧٨]

ویسقط القصاص بصلحهم علی مال و إن قل المال لأنه حقهم فیجوز تصرفهم فیه کیف شاؤا. (مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/٣٢٦، مصری قدیم ٢/٦٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۵۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲ باب التعزیر

غلط مسئلہ بتانے پر بطور تاوان دعوت کھانا

سوال [۷۵۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک عالم صاحب نے مسئلہ بتایا کہ قصائی سے بڑے میں دو حصہ خرید کر عقیقہ کر سکتے ہیں، بقیہ قصائی فروخت کرسکتا ہے، اس پر ایک شخص نے ایک بڑے جانور میں سے ۲/حصہ گوشت لے لیا، اور پانچ حصہ قصائی کو دیدیا، قصائی نے فروخت کر دیا، تو عقیقہ ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو عقیقہ دوبارہ کرنا پڑیگا یا نہیں، اگر نہ کرے تو گنہگار تو نہیں ہوگا؟

(۲) پھر جب فاضل دارالعلوم عالم کو صحیح مسئلہ معلوم ہوگیا تو انہوں نے رجوع کرلیا اب جب یہ بات نیتا قسم کے لوگوں کو معلوم ہوئی تو عالم صاحب کو شرمندہ کیا اور کہتے ہیں کہ تاوان کے طور پر مرغا کی دعوت کرو ورنہ بغاوت کریں گے، تو کیا عالم صاحب سے تاوان کے طور پر دعوت کھانا جائز ہے؟

(۳) اس جانور کی کھال کی قیمت ۸۶/روپیہ مدرسہ میں دیدی تھی اور اب وہ یتیم بچوں پر صرف ہو چکے ہیں ان کی اس قیمت کو واپس کرنا پڑیگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد اسماعیل شریف نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عقیقہ میں بڑے جانور کے ساتوں حصے قربت کے لیے ہونا لازم ہیں اگر ساتوں حصے قربت کے لیے نہیں ہیں ان میں سے کچھ محض گوشت خوری یا تجارت کے لیے ہوں تو ایسے جانور سے عقیقہ کا حصہ لینا جائز نہیں ہے، اس سے عقیقہ کی سنیت ادا نہ ہوگی اگر عقیقہ کی سنیت ادا کرنا چاہے تو دوبارہ کرنا پڑیگا نیز عقیقہ کا مطلب اور اس کی

حقیقت دعوت کر کے کھلانا نہیں ہے بلکہ جانور ذبح کرنے سے عقیقہ کی سنیت ادا ہو جاتی ہے اور دوست واحباب کو صرف گوشت دینا کافی ہے، نیز اس سے رسم و رواج کی دعوتوں کا شرعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۱/۳۴۴، جدید ڈابھیل ۱۷/۵۲۵)

ووجه الفرق أن البقرة تجوز عن سبعة بشرط قصد الكل القربة و اختلاف الجهات فيها لايضر . (تبيين الحقائق، كتاب الأضحية، مكتبه امداديه ملتان ٦/٨، زكريا ٦/٤٨٤)

ولو ذبح بدنة أو بقرة عن سبعة أولاد أو اشترك فيها جماعة جاز سواء أرادوا كلهم العقيقة أوأراد بعضهم العقيقة وبعضهم اللحم كما فى الأضحية، قلت: مذهبنا فى الأضحية بطلانها بإرادة بعض اللحم فليكن كذٰلک في العقيقة. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة فى العقيقة، دار الكتب العلمية بيروت ١٧/١٣٢، كراچى ١٧/١١٩)

اگر دوبارہ نہیں کریگا تو سنت کا عمل باقی رہ جائیگا، البتہ بہت بڑا گناہ نہ ہوگا، ترک سنت کی ملامت ہوگی۔

(۲) جب عالم صاحب نے اپنی غلطی کا اقرار کر کے سابقہ مسئلہ سے رجوع کرلیا ہے تو اس پر کوئی تاوان نہیں، آئندہ مسئلہ بتلانے میں احتیاط کرنا چاہیے اور نیتا لوگوں کا ان سے مرغ کی دعوت کا مطالبہ بے اصل ہے، نیز عوام کا علماء کی توہین کرنا اور ان کا مذاق اڑانا سخت گناہ ہے، ان کو ایسی حرکتوں سے توبہ کرنا چاہیے۔

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى. (هنديه، كتاب الحدود، فصل فى التعزير، زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/١١٢، ٣٧/٣٥٤)

من أبغض عالما من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر ...... ويخاف عليه الكفر إذا شتم عالما أو فقيها من غير سبب. (هنديه، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، زكريا قديم ٢/ ٢٧٠، جديد ٢/٢٨٢)

(۳) مدرسہ میں جو رقم دیدی ہے وہ پھر سے واپس نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۱۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍ ۳؍ ۱۴۱۷ھ

طلبہ سے غیر حاضری پر مالی تاوان لینا

سوال [۷۵۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مدرسہ میں مقامی طلبہ پڑھتے ہیں، ہوتا یہ ہے کہ طلباء کرام اور ان سے بڑھ کر سر پرستگان کرام کی غفلت ولا پرواہی کے باعث آئے دن طلبہ غیر حاضر ہو جاتے ہیں، ہر طرح فہمائش ومناسب تنبیہ کی گئی اور کی جاتی ہے مگر کوئی تدبیر خاص کارگر نہیں ہو پارہی ہے، البتہ صرف ایک صورت رہ گئی ہے کہ جس کے اختیار کرنے کے بعد کافی سدھار کی امید وابستہ ہے، اور وہ یہ کہ ایسے طلبہ کے لیے بلا عذر شرعی غیر حاضری کی صورت میں بطور تنبیہ مدرسہ کی کچھ مالی اعانت کا مطالبہ ان پر رکھ دیا جائے اور اس کی رسید بھی دی جائے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں؟

المستفتی: محمد افہام احمد ایٹہ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طلبہ کی غیر حاضری پر مالی تاوان لینا جائز نہیں۔

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامی زکریا ۶/ ۱۰۶، کراچی ۴/ ۶۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/ ۳۵۴)

البتہ جواز کی شکل اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ رقم لینے کے بعد آخری سال میں اس رقم کو ضرور واپس کر دیا جائے۔

وأفاد في البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به

إمساك شيئ من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال. (شامی كتاب الحدود، باب العزير زكريا ديوبند ٦/١٠٦، كراچی ٤/٦١، حاشية الطحطاوی على الدر كوئٹه ٢/٤١٠-٤١١، البحر الرائق كوئٹه ٥/٤١، زكريا ديوبند ٥/٦٨ هنديه قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۲۰ھ

غیر حاضری کی بنا پر طلبہ سے فیس لینا

سوال [۷۵۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی جانب سے ہونے والی تعطیل مثلاً عید الاضحیٰ، امتحان ششماہی وغیرہ کے موقع پر وقت مقررہ پر اگر طالب علم مدرسہ حاضر نہ ہوسکے ایسی صورت میں ناظم مدرسہ یا مہتمم کا عذر معقول وغیر معقول سب کو ٹھکرا کر غیر حاضری پر طلبہ سے مثلاً پچاس روپیہ کا جرمانہ وصول کرنا یا ہفتوں اور مہینوں کا کھانا بند کردینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شہاب الدین بستوی، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وقت مقرر پر حاضر نہ ہونے والے طلبہ سے ناظم یا مہتمم مدرسہ کا مالی جرمانہ لینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۵۲۴، ۵/۱۷۳، ۱۲/۳۲۳، جدید ڈابھیل ۱۴/۱۳۶، کفایت المفتی قدیم ۲/۱۶۵، جدید مطول ۹/۱۷۵، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۲۵۲)

لايأخذ المال في المذهب. (در مختار زكريا ٦/١٠٥، كراچی ٤/٦١)

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامی زكريا ٦/١٠٦، كراچی ٤/٦١، البحر الرائق كوئٹه ٥/٤١، زكريا ٥/٦٨، هنديه زكريا قديم ٢/١٦٧،

جدید ۱۸۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٥٤)

البتہ تعزیراً طلبہ کا کھانا بند کردینا جائز ہے، کیونکہ کھانا بند کردینے میں ان سے کچھ جرمانہ نہیں لیا جاتا بلکہ منجانب مدرسہ جو امداد ملتی ہے اس پر روک لگائی جاتی ہے، یہ مالی جرمانہ کا ضابطہ شریعت سے ٹکراتا ہے، لہٰذا جائز نہیں ہے۔

التعزير: من أسماء الأضداد يطلق على التفخيم والتعظيم و على التأديب. (منحة الخالق كوئٹه ٥/ ٤٠، زكريا ٥/ ٦٧)

لأن المقصود منه الزجر. (البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۸۴/۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۴ھ

مدارس واسکولوں میں طلبہ سے لیٹ فیس وصول

سوال [۷۵۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدارس واسکول میں دیر حاضری کی بناء پر طلبہ سے مالی جرمانہ لیا جاتا ہے جس کا نام اسکول والوں نے لیٹ فیس رکھا ہے، تو کیا اس طرح لیٹ فیس کے نام سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کی متبادل شکل کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدارس یا اسکول میں طلبہ سے دیر حاضری کی بنا پر لیٹ فیس کے نام سے مالی جرمانہ لینا جائز نہیں، البتہ اس کی متبادل شکل یہ ہوسکتی ہے کہ زجر و توبیخ کے لیے ان پر ایک ماہ یا اس سے کم کی کھانے یا رہائش یا اساتذہ کے پڑھانے وغیرہ کی اجرت مقرر کردی جائے تاکہ طلبہ دیر حاضری سے باز آجائیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۳۶)

عن علي بن زيد عن أبى حرة الرقاشى عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: ألا! لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقى، باب فى قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٣٨٧/٤ رقم: ٥٤٩٢)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى، وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان فى ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (شامى كتاب الحدود، مطلب: فى التعزير بأخذ المال كراچى ٦١/٤، زكريا ١٠٦/٦)

ومن جملة ذٰلک رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال، وأفاد فى البزازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساک شيئ من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (البحر الرائق كوئٹه ٤١/٥، زكريا ٦٨/٥، هنديه كوئٹه ١٦٧/٢، هنديه اتحاد ١٨١/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

بطور سزا یا غلطی پر مالی جرمانہ وصول کرنے کا حکم

سوال [۷۵۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی شخص یا کوئی ادارہ یا محلّہ یا کوئی مدرسہ کسی کی غلطی سدھارنے کے لیے یا سزا کے طور پر بطور جرمانہ کسی سے کچھ پیسے وصول کرتا ہے تو کیا یہ پیسے وصول کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فرحان مقبرہ والی گلی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بطورسزا یا غلطی سدھارنے کی غرض سے کسی بھی ادارہ، محکمہ یا مدرسہ کا مالی جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ بطورسزا اور جرمانہ کے متعین رقم وصول کرلی جائے اورسال کے آخر میں وہ پیسہ واپس کردیا جائے تو اس طرح جائز اوردرست ہے، تاکہ وقتی طور پر دباؤ پڑ جائے۔

إن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيئ من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي.

(شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا ٦/١٠٦، کراچی ٤/٦١، هندیه زکریا قدیم ٢/١٦٧، جدید ٢/١٨١، البحر الرائق کوئٹه ٥/٤١، زکریا ٥/٦٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال المکرم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۲۶ھ

شوہر کا بیوی کی طرف سے دائر کیے گئے جھوٹے مقدمے کا خرچہ بیوی سے وصول کرنا

سوال [۷۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ منکوحہ پانچ سال سے اپنے میکہ والدین کے گھر میں رہ رہی ہے، اپنے شوہر کے پاس نہیں آئی، ہندہ نے غیر شرعی لباس (ساڑی) نہ ملنے اورآزادانہ گھومنے پر پابندی وغیرہ کی وجہ سے شوہر سے نالاں ہوکر اپنے میکہ میں رہ کرشوہر پر دیوانی مقدمہ بھی تقریباً چار سال سے لگارکھا ہے، یہی نہیں شوہر کو ستانے اورمزید پریشان کرنے کے لیے اس نے اپنے والدین کے کہنے پر اس عرصہ میں دور دراز مقامات پر دو مقدمات اورشرعی عدالتوں میں بھی دائر کئے ہیں جس سے کہ شوہر ہرسہ مقدمات سے کافی پریشان ہے، اور جو ظلماً اخراجات کرائے گئے اس سے زیربار بھی ہوگیا، شوہر قانون شریعت کے مطابق اپنی منکوحہ کو اپنے پاس

رکھنا چاہتا ہے، مگر ہندہ مذکورہ زبردستی طلاق کی خواہاں ہے، یادرہے کہ تحریر ہذا لکھے جانے تک مقدمہ دیوانی کورٹ میں زیرسماعت ہے، جبکہ شرعی عدالتوں کے مقدمات ثبوت وشہادت کے بعد خارج ہوچکے ہیں، شرعی مقدمات کے سلسلے میں تقریباً آٹھ سو روپئے خرچ ہوئے ہیں، دیوانی کے اخراجات جو کئی ہزار روپئے ہیں، وہ الگ ہیں، ایسی صورت میں شوہر اپنے ان جائز اخراجات کے پانے کا حقدار ہے یانہیں؟ کیونکہ محض جسمانی اور مالی اذیتوں سے دو چار کرنے کے لیے بیک وقت دو دو عدالتوں میں مقدمات قائم کیے، دوسری صورت میں اگر ہندہ ان اخراجات کوادانہیں کرتی ہے تواس کے مہر جو ۵۱ ۵؍ ہیں اور شادی میں جو جہیز دیا گیا ہے جو ۱۹۷۸ء سے اب تک برت کر کافی کو ہندہ نے ختم کردیا ہے، نیز مندرجہ بالا اخراجات سے کافی کم ہے، نہ ادا کرے، تو شرعاً دینے کا حقدار تونہیں ہے؟ یعنی آخری صورت میں شوہر کا قول یہ ہے کہ طلاق ہی چاہیے تو ہرسہ مقدمات کے اخراجات ہندہ ادا کرے بصورت دیگر اپنا مذکورہ مہر اور مذکورہ جہیز ختم کرے، یادرہے کہ ہندہ اس کے والدین کافی متمول اہل ثروت ہیں، جبکہ شوہر غریب ہے، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ لوگ پریشان کرنے کے لیے ایسا کرتے رہتے ہیں، آپ شرعی اوراخلاقی حیثیت سے جواب عنایت فرمائیں کہ شوہر کا یہ مطالبہ جومبنی بر انصاف ہے کیا صحیح نہیں ہے؟ اورشوہر ایسے مطالبہ کرنے کا مجاز ہے یانہیں؟ جواب جلد از جلد عنایت فرمائیں گے کہ مزید ظلم وستم اورزیرباری سے نجات ہو؟

المستفتی: نظام الدین بہرائچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اخراجات مقدمہ میں شوہر فاعل مختار ہے، اس لیے بیوی پراس کا تاوان واجب نہیں ہوگا، البتہ دین مہر اوراخراجات مقدمہ کے برابر مال کی شرط پرطلاق دینا اورشوہر کے لیے مال وصول کرلینا جائز ہوسکتا ہے۔

وإن طلقها علی مال فقبلت وقع الطلاق و لزمها المال. (هدایه، کتاب الطلاق، باب الخلع اشرفی ۲/ ۴۰۵، قدوری ص: ۱۸۰، هندیه زکریا قدیم ۱/ ۴۹۵، جدید ۱/ ۵۴۸)

بیوی جومقدمات وغیرہ کے ذریعہ شوہر کوایذا پہنچاتی ہے،اس کا گناہ بیوی پر ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/۱۱۶۹)

ڈاکٹر سے جرمانہ وصول کرنے کی ایک شکل

سوال [۷۵۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری اہلیہ کے پتے میں پتھری تھی کئی مہینوں سے اس کا دہلی میں علاج چل رہا تھا، میں دہلی میں سروس کرتا ہوں رہنے والا رامپور اسٹیٹ کا ہوں، دہلی میں ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا کیونکہ یہاں پر خرچہ بہت زیادہ آرہا تھا، دوسرے گھر کے افراد رامپور میں رہتے ہیں، اس لیے سہولت کے تحت اور کم خرچہ کی وجہ سے میں نے آپریشن رامپور میں کروادیا، لیکن ٹانکے کٹنے کے بعد پیٹ میں بہت تکلیف رہنے لگی غرض کہ میرا اسپتال کے علاوہ بھی اچھا خاصہ خرچ ہوگیا یہ آپریشن میں نے پرائیویٹ نرسنگ ہوم میں کروایا تھا، چنانچہ جب تکلیف حد سے زیادہ بڑھنے لگی اور ٹانکے بھی اپنے آپ پھٹنے لگے، اور بہت زیادہ پس (پیپ) نکلنے لگی تو میں اپنی اہلیہ کو دہلی لے آیا یہاں بھی اچھا خاصہ خرچ ٹیسٹ وغیرہ میں آیا کئی ہسپتالوں میں دکھایا سب نے یہی بتایا کہ آپریشن کے دوران ایک پٹی جس سے زخم صاف کیا تھا پیٹ ہی میں چھوڑ دی ہے جس کی وجہ سے تکلیف بڑھ رہی ہے، چنانچہ دہلی کے ایک ہسپتال میں دوبارہ آپریشن کرانا پڑا۔

تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ میرے تمام گھر والے اور ملنے جلنے والے یہ کہتے ہیں کہ اس ڈاکٹر سے جس نے پہلے آپریشن کیا تھا، اور جس کی وجہ سے اتنی تکلیف اٹھانی پڑی، جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور مزید پیسہ خرچ ہوا، اس ڈاکٹر سے کمپن سیشن لینا چاہئے، میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا اس ڈاکٹر سے پیسہ لینا جائز ہے کہ نہیں؟

(۲) اگر جائز ہے تو کتنا لینا جائز ہے، کیونکہ خرچہ کا کچھ اندازہ نہیں ہے اور ابھی اہلیہ

ہسپتال میں ہے، آگے نہ معلوم کتنا خرچہ ہو، جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ اپنے خرچہ کا دگنا تگنا بھی لیا جاسکتا ہے، وہ اس لیے کہ آگے ڈاکٹر کو تنبیہ ہو سکے اور انسانی جان کی اہمیت کو جان سکے تو اس قدر کمپن سیشن جائز ہے یا نہیں؟ اور کس قدر ڈیمانڈ جائز ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی یہ بات ثابت ہو جائے کہ پہلے آپریشن میں ڈاکٹر کی لاپرواہی سے پیٹ ہی میں پٹی رہ گئی ہے اس کی وجہ سے دوسرے آپریشن کی نوبت آئی ہے تو ایسی صورت میں دوسرے آپریشن کے تمام اخراجات پہلے ڈاکٹر سے وصول کیے جاسکتے ہیں، اور جتنے اخراجات ہوئے ہیں اتنے ہی لے سکتے ہیں زیادہ لینا مناسب نہیں اور یہ واقعہ ازقبیل جنایات ہے، اور جنایات میں اتنا ہی لینا جائز ہے جتنا نقصان ہوا ہے۔

کما استفید من عبارة الهداية: ولو وضع حجرا فنحاه غيره عن موضعه فعطب به إنسان فالضمان على الذى نحاه. (هدايه، كتاب الدية، باب ما يحدثه الرجل فى الطريق، اشرفى ٤/٦٠٣، الجوهرة النيرة، دار الكتاب ديو بند ٢/٢١٢، كوئٹه ٢/٢٢٢، تبيين الحقائق مكتبه امداديه ملتان ٦/١٤٥، زكريا ٧/٣٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رصفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۱۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۳ھ

پچاس ہزار کے مالی جرمانہ کا حکم

سوال [۷۵۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اور ہندہ کے درمیان ناجائز تعلق قائم ہوا جب گاؤں والوں کو معلوم ہوا تو گاؤں والوں نے زید کو ہندہ سے شادی کرنے کو کہا لیکن زید نے شادی کرنے سے انکار کردیا، تو مجبوراً گاؤں والوں نے ایک پنچایت کی صورت میں زید سے سزا کے طور پر پچاس ہزار روپئے وصول کیے ہیں، لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان روپئے کا

مصرف کیا ہے؟ کیا ان روپیوں کو مسجد، مدرسہ یا دینی کتب خریدنے میں صرف کیا جا سکتا ہے یا گاؤں کے رفاہی کاموں غریب بچیوں کی شادی بیاہ کے موقع پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں ذکر کردہ واقعہ میں زید سے گاؤں کی پنچایت نے جو پچاس ہزار روپئے بطور سزا و جرمانہ وصول کیے ہیں، شرعاً وصول کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اس پیسے کو مسجد، مدرسہ یا گاؤں کی غریب بچیوں کی شادی میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا، بلکہ زید ہی کو واپس کر دینا لازم ہوگا اور زید کے اوپر یہ لازم ہے کہ وہ اس گناہ عظیم سے سچی توبہ کرے، نیز زید کے لیے ہندہ کے ساتھ نکاح کر لینا بھی درست ہے۔

قال فی الدر: لابأخذ مال فی المذهب، وتحته فی الشامية: قال فی الفتح: و عن أبی یوسفؒ یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال وعندهما و باقی الأئمة: لایجوز و مثله فی المعراج، وظاهره أن ذٰلک روایة ضعیفة عن أبی یوسف، قال فی الشرنبلالية: ولا یفتی بهذا لما فیه من تسلیط الظلمة علی أخذ مال الناس فیأکلونه، و مثله فی شرح الوهبانية عن ابن وهبان …… وفی شرح الآثار: التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال. (در مختار مع الشامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، زکریا دیوبند ٦/١٠٥-١٠٦، کراچی ٤/٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۵/ربیع الاول ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۱۵)	۱۴۲۹/۳/۱۵ھ

پنچایت کے عائد کردہ مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت

سوال [۷۵۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا زبیدہ کے ساتھ ازدواجی رشتہ طے ہو گیا اور منگنی بھی ہو گئی، لیکن اس کے بعد زید

نے زبیدہ کے کمزور کردار کی خبر سن کر (معلوم نہیں کہ خبر جھوٹی تھی یا سچی) رشتہ ختم کر دیا، اب اس معاملہ کو طے کرنے کے لیے برادری کی پنچایت ہوئی، پنچایتی لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جو خرچ ہوا ہے وہ اور اس کے علاوہ مزید جرمانے کے طور پر ایک بڑی رقم زید زبیدہ کو ادا کرے، شرعی اعتبار سے وضاحت فرمائیں کہ اس خبر پر زید کا رشتہ ختم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور پنچایتی لوگوں کا زید پر خرچ و جرمانہ عائد کرنا صحیح ہے یا غلط، اور زید کا اس جرمانہ وغیرہ کو ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: بدر حسین جلال پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منگنی صرف وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں ہے، البتہ بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا سخت گناہ ہے، لہٰذا زید کو چاہیے تھا کہ جب اسے لڑکی کے غلط کردار کی خبر دی گئی تو اس کی تحقیق کرتا، اس لیے کہ ایسے موقع پر اکثر و بیشتر غلط خبریں اڑا دی جاتی ہیں، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور اڑی ہوئی خبر پر لڑکی کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا بجائے خود ایک گناہ ہے البتہ لڑکے سے رشتہ ختم کرنے کی بنیاد پر مالی جرمانہ وصول کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔

﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ. [الحجرات :٦] ﴾

﴿ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ. [الحجرات :١٢] ﴾

الخلف في الوعد حرام (الأشباه) وعن أبي يوسفؒ يجوز التعزير بأخذ المال وعندهما و باقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج، وظاهره: أن ذٰلک رواية ضعيفة عن أبي يوسفؒ قال في الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس. (شامی، کتاب الحدود، باب التعزير، کراچی ٤/٦١، زكريا ٦/١٠٦)

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (البحر الرائق ٥/٤١،

زکریا ٥/٦٨، شامی زکریا ٦/١٠٥، کراچی ٤/٦١، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية ٣/١٦٤، هندية زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　　الجواب صحیح
۱۳؍ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ　　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۲۹/۴۰)　　　۱۴۳۴/۱۱/۱۳ھ

کمیٹی والوں کا کسی شخص کو مالی یا جسمانی سزا دینا

سوال [۷۵۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے گاؤں میں ایک کمیٹی ہے اگر کوئی شخص کسی پر ظلم وزیادتی کرتا ہے یا کوئی کسی کی زمین غصب کرتا ہے تو کمیٹی حق والے کو حق دلاتی ہے، اور نقصان کی تلافی ودفع ظلم کے لیے جرمانہ عائد کرتی ہے یا حسب ضرورت پٹائی بھی کرتی ہے یہ جرمانہ عائد کرنا یا پٹائی کرنا شرعاً درست وجائز ہے؟ اگر درست نہیں تو اس کی متبادل شکل پیش فرمائیں، جس سے لوگ دوسروں پر ظلم وزیادتی اور دوسروں کے حقوق دبانے سے رک جائیں؟

المستفتی: فصیح الدین مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کمیٹی والوں کے لیے کسی شخص کو مالی یا جسمانی تعزیر کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (البحر الرائق ٥/٤١، زکریا ٥/٦٨، شامی زکریا ٦/١٠٥، کراچی ٤/٦١، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية ٣/١٦٤، هندية زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١، الموسوعة الفقهية ٣٧/٣٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　　　الجواب صحیح
۲۰؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ　　　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۱۶/۳۷)　　　۱۴۲۶/۶/۲۰ھ

مالی جرمانہ ودیگر مسائل

سوال [۷۵۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک برادری نے اصلاح کے لیے کچھ قواعد دستور اساسی کے طور پر بنائے ہیں تاکہ خلاف شریعت رسومات بند ہوں، مثلاً: گیت نہ گائے جائیں، سہرانہ باندھا جائے وغیرہ، جو شخص خلاف ورزی کرتا ہے اس پر جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، بہت سارو پیہ بھی اس سلسلے میں برادری کے فنڈ میں موجود ہے، اور بہت سے برتن بھی کھانے کھلانے کے لیے اس رقم سے خریدے گئے ہیں جو برادری کی شادیوں میں سب ہی کے کام آتے ہیں، برتنوں کی کل رقم جرمانہ کی نہیں ہے بلکہ کچھ چندے سے خریدے ہیں، اب معلوم ہوا کہ مالی جرمانہ وصول کرنا شریعت کے خلاف ہے، اس لیے اب ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ جرمانہ کے بجائے کیا صورت اختیار کریں جس سے برادری پر اثر پڑ سکے، حقہ پانی بند کرنا، یا برادری سے اخراج بھی مؤثر عمل نہیں ہے، خارج ہوتے ہوتے خارج شدہ افراد کی اکثریت ہوجائیگی، اسی طرح ارشاد، تلقین، تزکیۂ باطن جیسے اعمال بھی ان پر ناقابل عمل ہیں، کوئی ایسی صورت تجویز فرمایئے جس سے برادری مشرکانہ، ہندوانہ، جاہلانہ رسومات سے پاک ہوکر اسلامی معاشرے میں داخل ہوجائے؟

(۲) برادری سے اگر چندہ کیا جائے تاکہ ان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کیا جاسکے تو اس کی کیا صورت اختیار کرنی چاہیے؟

(۳) جرمانہ میں وصول شدہ رقم اور خرید کردہ ظروف کا کیا کیا جائے؟ کیونکہ وہ بھی جرمانہ کی رقم سے خریدے گئے ہیں اور نہ معلوم کتنے اس مسئلہ کے افراد وفات پاچکے ہیں؟

(۴) ہماری برادری میں عرصہ سے یہ دستور ہے کہ موت ہوجانے پر ساری برادری کام بند کردیتی ہے اس سے روزگار پر بھی اثر پڑتا ہے، اوراس سلسلے میں مالی جرمانہ بھی عائد کیا جاتا ہے؟ ازراہِ کرم جوابات سے نوازیں۔

المستفتی: محمد رضوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعاً مالی جرمانہ جائز نہیں ہے، اس کے لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نوافل مقرر کردیئے جائیں، جس سے تائب ہوجانے کا قوی امکان ہے۔

لا بأخذ مال في المذهب وتحته في الشامية: إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامی کراچی ٤/٦١، زکریا ٦/١٠٦)

(۲) جس سے جتنا مال جرمانہ لیا گیا ہے اتنی رقم اس کو واپس کردی جائے، اور اگر وفات پاگئے ہیں تو ان کے ورثاء کو واپس کردی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶/۱۹۳، ڈابھیل ۱۴/۴۸۴، ۶/۳۴۳)

(۳) زبردستی یا دباؤ ڈال کر چندہ حاصل کرنا جائز نہیں بلکہ جو اپنی خوشی اور بطیب خاطر دیدے اس سے لیا جائے۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفيه ص: ١١٠)

(۴) کام بند کرنا بے اصل ہے، کام اپنا جاری رکھیں، صرف تجہیز وتدفین اور نماز جنازہ میں شرکت کے لیے کام میں وقفہ کیا جائے جو صرف ڈیڑھ گھنٹہ کا کام ہے، شریعت نقصان پر مجبور نہیں کرتی ہے، اور جو لوگ ملازم ہیں ان کو نہ روکا جائے، جبکہ دوسرے لوگ موجود ہوں۔

الصلاة عليه صفتها فرض كفاية بالإجماع فيكفر منكرها لأنه أنكر الإجماع في الشامي ووقتها وقت حضوره. (در المختار، كتاب الصلاة، باب في صلاة الجنائز، مطلب: في صلاة الجنازة، زكريا ديو بند ٣/١٠٢، كراچی ٢/٢٠٧)

لاضرر ولا ضرار. (قواعد الفقه اشرفيه ١٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۶۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۰ کتاب الجهاد

۱ باب الهجرة

ہجرت کی شرعی حیثیت

سوال [۷۵۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں پریشانیوں اور یہاں کے حالات خراب ہونے کی وجہ (دیناجپور) مغربی بنگال سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانا چاہتا ہوں تو شرعاً مجھ کو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالحسیب، دیناجپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ بآسانی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر سکتے ہیں اور وہاں آپ کو افاقہ مل سکتا ہے تو مذکورہ حالات میں آپ کے لیے ہجرت کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

ہجرت دراسلام بردو وجہ واقع شد، اول انتقال از درخوف بدارامان (الی قولہ) وثانی انتقال از دارکفر بدار اسلام (الی قولہ) وہجرت انتقال از دارالکفر علی العموم ہر کراں براں قدرت بود باقی ماند تا روز قیامت الخ۔ (اشعۃ اللمعات ۱/۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۳۴)

اسلام میں جہاد مدافعانہ ہے یا جارحانہ بھی؟

سوال [۷۵۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام میں جہاد مدافعانہ ہی ہے یا جارحانہ بھی ہے، اللہ کے نبی ﷺ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے ادوار میں تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کافر قوموں سے بھی قتال کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلتے تھے، سرایا وغیرہ کا بھیجا جانا اور کفار پر غفلت کی حالت میں حملہ کرنا اس کی واضح دلیل ہے؟

المستفتی: بشیر احمد فیلڈ اسسٹینٹ آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں مدافعانہ اور جارحانہ دونوں طرح جہاد مشروع ہے، تفصیل یوں ہے کہ جہاد وقتال کا مقصد دفع فساد اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے، نہ کہ ایمان پر مجبور کرنا اور دفع فساد دو طریقے سے ہوسکتا ہے:

(۱) دفع فساد مدافعانہ طریقے سے کہ جب کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہو جائیں تو مدافعت کے لیے جہاد کرنا مسلمانوں پر لازم ہوجاتا ہے، جس کو سورہ بقرہ آیت ۱۹۰ اور سورہ حج آیت ۳۹ میں بیان کیا گیا ہے، شریعت میں اس طرح کے جہاد کو مدافعانہ جہاد کہا جاتا ہے

(۲) دفع فساد کی دوسری صورت اقدامی اور جارحانہ طریقے سے کہ جب مسلمانوں کو کفار کی قوت وشوکت سے اسلام کی آزادی وحفاظت کا خطرہ ہو تو ان کی طرف سے جارحانہ حملہ ہونے سے پہلے ہی لشکر اسلام پر لازم ہو جاتا ہے کہ ان سانپ بچھوؤں کے سر کچل دیں، چاہے مقابلے کی شکل میں ہو یا غفلت اور مفاجاتی حملہ کی شکل میں، ہر ممکن ان کے سر پہلے ہی کچل دینے کا حکم ہے، جس کو سورہ بقرہ آیت ۱۹۳ اور سورہ برأت آیت ۵ میں بیان گیا ہے، شریعت میں اس کو اقدامی وجارحانہ جہاد کہا جاتا ہے، لہٰذا دونوں طرح کے جہاد میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے۔ (مستفاد: سیرت المصطفیٰ ۱/ ۴۹۴، معارف القرآن ۱/ ۴۵۱)

آیات قرآنیہ ملاحظہ فرمائیے:

﴿ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ، وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. [البقرة: ۱۹۰-۱۹۱] ﴾

﴿وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ. [البقرة:۱۹۳] ﴾

﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوْا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ وَخُذُوْھُمْ وَاحْصُرُوْھُمْ وَاقْعُدُوْا لَھُمْ کُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوْا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّکَاةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ. [التوبہ: ۵] ﴾

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ. [الحج: ۳۹] ﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۳/۲۵)

مسلمانوں پر جہاد کب فرض ہے؟

سوال [۷۵۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جہاد مسلمانوں پر کب فرض ہوتا ہے؟ اس کی کیا شرطیں ہیں؟

المستفتی: بشیر احمد، آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سربراہ مملکت کو دشمنوں کی حملہ آوری کا علم ہو جائے تو جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

قال بعضهم: الجهاد قبل النفير تطوع وبعد النفير يصير فرض عين،

وعامة المشائخ رحمهم الله تعالىٰ قالوا: الجهاد فرض على كل حال، غير أنه قبل النفير فرض كفاية و بعد النفير فرض عين هو الصحيح، ومعنى التفسير أن يخبر أهل مدينة أن العدو قد جاء يريد أنفسكم و ذراريكم و أموالكم فإذا أخبروا على هذا الوجه افترض على كل من قدر على الجهاد من أهل تلك البلدة أن يخرج للجهاد. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب السیر، الباب الاول، زکریا قدیم ۲/۱۸۸، جدید ۲/۲۰۵، شامی کراچی ٤/۱۲۲، زکریا ٦/۱۹۹)

اور جہاد کی شرائط میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ اسلامی لشکر ہو، اور سربراہ مملکت وسربراہ لشکر ہو، اور اس سربراہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ آزاد مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، احکام اسلام نافذ کرنے پر قادر رہو، اور اسلامی سرحد کی حفاظت و دشمنوں کے مقابلہ میں لشکرکشی کرنے پر قادر رہو، ظالم و مظلوم کے درمیان قوت قاہرہ کے ذریعہ سے انصاف کرنے پر قادر ہو، اس کے بغیر مسلمانوں کو دشمنوں کے پنجے میں جہاد کے نام سے ڈالدینا ہرگز جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔

ويشترط كونه مسلما حرا ذكرا عاقلا بالغا قادراً وتحته في الشامية: قادراً على تنفيذ الأحكام و إنصاف المظلوم من الظالم وسد الثغور و حماية البيضة و حفظ حدود الإسلام و جر العساكر. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب شروط الإمامة الكبرىٰ، کراچی ۱/٥٤۸، زکریا دیوبند ۲/۲۸۰، إعلاء السنن کراچی ۱۲/۳، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۲/٦۰٥)

ويتقدم إلى من يؤمره أن لا يحمل المسلمين على مهلكة ولا يأمرهم بدخول مطمورة يخاف أن يقتلوا تحتها فإن فعل ذٰلك فقد أساء ويستغفر الله تعالىٰ. (إعلاء السنن، کتاب السیر، باب فرضیة الجهاد و دوامه مع كل أمير برا و فاجراً کراچی ۱۲/٦، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۲/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۰۱/۲۵)

کیا ہندوستانی مسلمانوں پر جہاد فرض ہے؟

سوال [۷۵۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان کے اندر مسلمانوں پر جہاد فرض ہے یا نہیں؟ اور جہاد ہندوستان کے ہندوؤں سے کرنا ہے تو ہندوستان میں رہتے ہوئے یہاں کے ہندوؤں سے جہاد کیا جاسکتا ہے؟ اسلامی جہاد کی کتنی شرائط ہیں، اور کیا کیا؟ نیز ان شرائط کا ثبوت قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں ہے یا نہیں؟ اور کیا وہ شرائط ہندوستان میں پائی جاتی ہیں؟

المستفتی: شاہجہاں علی امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں جہاد فرض نہیں ہے اس لیے کہ فرضیت جہاد کی جو شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں وہ شرطیں ہندوستان میں نہیں پائی جاتی ہیں، جہاد کے فرض ہونے کے لیے چار شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) اعلاء کلمۃ اللہ: اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی غرض سے جہاد ہو۔

(۲) جس قوم سے جہاد کرنا ہے اس کے اور مسلمانوں کے درمیان سرحد اور باڑ رہو ورنہ مخلوط آبادی کی صورت میں لڑائی شروع کردی جائے تو وہ جہاد نہ ہوگا بلکہ خانہ جنگی ہوگی، تم ان کا ایک مارو گے وہ تمہارے دس ماریں گے۔

(۳) تمام مسلمانوں کا سپہ سالار ایک ہو اس لیے کہ سپہ سالار وقائد متعدد ہوں تو آپس میں لڑیں گے، دشمنوں سے مقابلہ نہیں ہوسکتا، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے جنگ کے وقت سارے مسلمانوں کا ایک ہی قائد ہونے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت علیؓ کے واقعہ میں موجود ہے۔

(۴) دشمنانِ اسلام کے لشکر اور ہتھیاروں کی تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لشکر اور ہتھیاروں کی تعداد ان کی نصف سے کم نہ ہو، ان شرائط کے بغیر جہاد کا نام لینا شریعت کے احکام سے ناواقفیت اور جہالت ہے۔

اور ہندوستان میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں، اس لیے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستانی ہندؤں کے ساتھ ہندوستان میں رہتے ہوئے جہاد کا نام دے کر لڑنا جائز نہیں ہے۔

عن أبی موسیٰ قال جاء رجل إلی النبی ﷺ فقال: الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیریٰ مکانه فمن فی سبیل الله قال: من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله. (بخاری شریف، باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا، النسخة الهندیة ۱/ ۳۹٤، رقم: ۲۷۲٦، ف: ۲۸۱۰، صحیح مسلم، الأمارة، باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله، النسخة الهندیة ۲/ ۱۳۹، بیت الأفکار رقم: ۱۹۰٤)

بقی أن النفیر إذا کان عاما فهل یجب الجهاد عینا علی المسلمین المقیمین بدار الحرب أیضا أم لا؟ والظاهر أن المخاطب بقوله: و إذا استنفرتم فانفروا؛ أهل دار الإسلام لا غیرهم و هذا هو المراد بقول الفقهاء. (إعلاء السنن، کتاب السیر، باب وجوب الجهاد عینا علی من استنفرهم الإمام...... دار الکتب العلمیة بیروت ۱۲/ ۱۱)

عن البراء قال: بعث النبی ﷺ جیشین و أمر علی أحدهما علي بن أبی طالب و علی الآخر خالد بن الولید وقال: إذا کان القتال فعليؓ. (ترمذی شریف، المناقب، النسخة الهندیة ۲/ ۲۱٤ دار السلام رقم: ۳۷۲۵، صحیح البخاری، المغازی، باب بعث علی بن أبی طالب...... النسخة الهندیة ۲/ ٦۲۳، رقم: ٤۱۷۷ ف: ٤۳۵۰)

وفی الحدیث دلالة علی اشتراط الأمیر للجهاد و أنه لا یصح بدونه لقوله علیه السلام: الجهاد واجب علیکم مع کل أمیر فإذا لم یکن للمسلمین أمیر فلاجهاد. (إعلاء السنن، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۲/ ٤)

﴿اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ.﴾ [الأنفال: ٦٦] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۳/۴۰)

کیا ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کی شرائط پائی جاتی ہیں؟

سوال [۷۵۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں، اسلامی جہاد کی شرائط کتنی ہیں اور کیا کیا ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان میں ہندوؤں سے جہاد کرنا جائز نہیں کیونکہ یہاں جہاد کی شرائط مفقود ہیں، جہاد کی چار شرطیں ہیں، ان میں تین واجبی ہیں:

(۱) جس قوم سے جہاد کرنا ہے مسلمانوں اور اس قوم کے درمیان حد فاصل (بارڈر) ہونا لازم ہے۔

(۲) تمام مسلمانوں کا سپہ سالار اور قائد ایک ہو، وہ یہاں مفقود ہے۔

(۳) صرف اعلاء کلمۃ اللہ مقصود ہو۔

(۴) دشمنان اسلام کے لشکر اور آلات وہتھیار کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد و آلات جہاد کم سے کم آدھا ہو۔ ان شرائط کے بغیر جہاد کا نام لینا جہالت ہے۔

عن سهل بن سعد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله فإذا قالوا لا إله إلا الله عصموا منى دماءهم و أموالهم إلا بحقها و حسابهم على الله. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ٦/١٣٢، رقم: ٥٧٤٦)

وفى الحديث دلالة على اشتراط الأمير للجهاد و أنه لايصح بدونه ...... وحفظ حدود دار الاسلام و إنصاف المظلوم من الظالم إذا الإخلال بهذه الأمور مخل بالغرض ...... وينبغي أن يبتدئ بترتيب قوم فى أطراف البلاد يكفون من بإزائهم من المشركين. (اعلاء السنن، كتاب السير، باب فرضية الجهاد و دوامه، كراچى ١٢/٤-٥-٦، بيروتى ١٢/٤ - ٦)

أما شرط إباحته فشيئان: أحدهما امتناع العدو عن قبول ما دعى إليه

من الدين الحق، وعدم الأمان والعهد بيننا و بينهم، والثاني: أن يرجو الشوكة والقوة لأهل الاسلام باجتهاده أو باجتهاد من يعتقد في اجتهاده ورأيه و إن كان لا يرجو القوة والشوكة للمسلمين في القتال فإنه لا يحل له القتال لما فيه من إلقاء نفسه في التهلكة. (هنديه، كتاب السير، الباب الأول، زكريا قديم ۲/۱۸۸، جديد ۲/۲۰۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۴)

کیا کفار سے جہاد کرنا اکراہ میں داخل ہے؟

سوال [۷۵۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اسلام کے بارے میں زبردستی کو قرآن میں منع کیا گیا ہے، ''لا اکراہ فی الدین'' لیکن حدیث میں ہے، ''**أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله**''، شاید اسی وجہ سے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ ظہور اسلام کے بعد کفار ایمان نہ لائیں تو ان سے جہاد کیا جائیگا، اور ظہور کے بعد ایمان نہ لانے پر ان سے لڑنا تا کہ ایمان کے دائرہ میں داخل ہو جائیں، اکراہ نہیں ہے؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد توفیق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث نبوی ''**أمرت أن اقاتل الناس حتى يقولوا لا اله الا الله**'' (مسلم شريف، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا اله الا الله محمد رسول الله، السنخة الهندية ۱/۳۸، بيت الأفكار رقم: ۲۱)

اس حدیث شریف کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ کو حتی یقولوا لا الہ الا اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اعلاء کلمۃ اللہ بعض حالات میں قتال وجہاد کے ذریعہ اور کبھی جزیہ کے ذریعہ اور کبھی معاہدے

کے ذریعہ سے حاصل ہو جاتا ہے، اور حدیث بالا کے اندر اعلاء کلمۃ اللہ اور دفع فساد بذریعہ قتال و جہاد کو بیان کیا گیا ہے، نہ کہ کفار کو ایمان پر مجبور کرنے کو فرمایا گیا ہے، شراح حدیث لکھتے ہیں:

أن يكون المراد بما ذكر عن الشهادة و غيرها التعبير عن إعلاء كلمة الله و إذعان المخالفين فيحصل فی بعض بالقتل و فی بعض بالجزية و فی بعض بالمعاهدة. (فتح الملهم اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۹۱)

﴿ **وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ.** [البقرة:۱۹۳] ﴾

خلاصہ عبارت یوں ہوگا کہ "**أمرت أن اقاتل الناس حتى يكون الدين كله لله و لا تكون فتنة و كلمة الله هی العليا**" اب یہ ثابت ہوا کہ قتال کا حکم کفار کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے نہیں تھا، بلکہ اسلام کو ان کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنے کے لیے تھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ حدیث بالا میں دفع فساد کے لیے قتال کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ جلب ایمان کے لیے، اور "لا اکراہ فی الدین" کے اندر جبر واکراہ سے اسلام میں داخل کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، دفع فتنہ وفساد کی ممانعت ہرگز نہیں کی گئی ہے، نیز عرب کے لوگ اپنے آبائی دین کے عار کے سامنے جان و مال کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے ہر طرح تیار ہو جاتے تھے، لیکن باپ دادا کے دین پر داغ لگنے کو ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے، اسی وجہ سے جن لوگوں نے تحت السیف اسلام قبول کیا ہے انہوں نے تلوار کے خوف سے اسلام قبول نہیں کیا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وقعت اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اس لیے ان کو سچا پکا مسلمان تسلیم کیا گیا، اور سچائی کے ساتھ دنیا سے گذر بھی گئے، جیسا کہ محققین نے اس کی صراحت کردی ہے۔

فإن قيل مشركو العرب الذين أمر النبی ﷺ بقتالهم و أن لا يقبل منهم إلا الاسلام أو السيف قد كانوا مكرهين على الدين، ومعلوم أن من دخل فی الدين مكرها فليس بمسلم فما وجه إكراههم عليه، قلنا، لم يكن العرب ليدخلوا فی دين غير دين آبائكم مكرهين هم قوم لا يعطون الدنية مخافة الموت و يرجحون بذل النفوس دون العار فمن دخل منهم الاسلام دخل فيه

طوعا برغبته ومن لم يرض بالدخول فيه أثر القتل فقتل الخ. (أحكام القرآن للتهانوی ۱/٤٥٦)

سوال یہ پیدا کیا جاتا ہے کہ اگر کسی کافر قیدی کو قتل کے لیے پیش کیا جائے اور اسی وقت وہ اسلام قبول کرلے تو اس کا اسلام بالاتفاق صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ تلوار کے خوف سے بالجبر والاکراہ ایمان قبول کرایا گیا ہے، جو لا اکراہ فی الدین کی منافی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے قتل کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ اس مفسد کے فتنہ کو ختم کرنے کے لیے قتل کا حکم صادر کیا گیا ہے، ورنہ کتنے ذمی اسلامی حکومت کے زیر سایہ مطیع ہوکر رہتے ہیں، اگر جبراً اسلام میں داخل کرنا مقصود ہوتا تو ان ذمیوں پر اکراہ بہت آسان تھا، اور دفع فتنہ کی غرض سے قتل کے وقت جب بخوشی ایمان قبول کرلیا تو اب فتنہ کا اندیشہ باقی نہ رہا، اور مسلمانوں کے تمام حقوق اس کو حاصل ہوجائیں گے۔

وفيه صيانة من أتى بكلمة التوحيد نفسه ولو كان عند السيف وفيه أن الأحكام تجرى على الظاهر. (أحكام القرآن ۱/٤٠)

لہٰذا حضور علیہ کے تمام غزوات یا تو کفار کے حملہ کو دفع کرنے کے لیے یا ان سے خطرہ کی بنیاد پر اقدامی تھے، نہ کہ کفار کو جبر واکراہ سے ایمان میں داخل کرنے کے لیے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۱۰/۲۵)

کفارِ ہند ذمی ہیں یا حربی؟

سوال [۷۵۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کفار ہند کو کیا کہنا چاہیے ذمی، مستامن یا حربی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے حق

میں ہندوواربابِ وطن شرعی طور پر معاہد کے حکم میں ہیں اور معاہد کی جان و مال عزت وآبرو کی رعایت کرنا لازم وضروری ہے،اسی طرح ان کے اوپر بھی مسلمانوں کی عزت وآبرواور جان و مال کی رعایت کرنا لازم وضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۸۷)

کیا ہندؤوں کا لوٹا ہوا مال مالِ غنیمت ہے؟

سوال [۷۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گذشتہ سال ضلع بھاگلپور میں غیر مسلموں نے مسلمانوں پر حملہ کیا بہت سے مسلمانوں کی جانیں گئیں، مال بھی لوٹا گیا، دریں اثناء مسلمانوں نے بھی غیر مسلموں کے گاؤں پر حملہ کیا، اور غیر مسلموں کو مارا پیٹا اوران کے مال کو بھی لوٹ لائے جس میں غلہ نقد روپیہ، سونا چاندی، اور جانور وغیرہ ہیں، کیا اس لوٹے ہوئے مال کا کھانا بطور مالِ غنیمت کے مسلمانوں کے لیے جائز ہے؟ جواب بالتفصیل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد خالد غفرلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان جمہوری حکومت ہے اس کے باشندے مسلم وغیر مسلم سب ایک حاکم ہی کے زیرتحت رہ کر شہری زندگی گذارتے ہیں ایسی حکومت میں اگر کسی غیر مسلم قصبہ یا محلّہ کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم ہو تو ظلم کا تعلق صرف اسی قصبہ یا محلّہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، دوسرے غیر مسلم قصبہ یا محلّہ کا مال لوٹنا مظلوم یا غیر مظلوم مسلمانوں کے لیے ہرگز جائز ودرست نہیں ہے، اس لیے مذکورہ لوٹے ہوئے مال اپنے استعمال میں لانا ناجائز اور حرام ہوگا اس لیے کہ وہ مال غصب ہے، لہٰذا اگر مالکان تک رسائی ممکن نہ ہو تو غریب ونادار فقراء میں تقسیم کر دینا لازم ہوگا۔

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالا بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء الخ. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، تحت رقم الحديث ۵۹، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دار البشائر الاسلاميه ۱/ ۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۷/ ۱۴۱۱ھ

کسی لڑائی میں غیروں کا مال آجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۷۵۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی لڑائی میں غیروں کا مال ہاتھ آیا تو کیا وہ مال غنیمت میں شمار ہوگا اسی طرح ان کی عورتیں ہاتھ آئیں تو کیا ان کو باندیاں بنایا جاسکتا ہے، اور بغیر نکاح کے ان سے صحبت کرنا صحیح ہے؟ براہ کرم جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومتی سطح پر جنگ ولڑائی ہوجائے اور مسلم حکومت کو حربی غیر مسلمین کے مال اور عورتیں ہاتھ آجائیں تو وہ غنیمت میں شامل ہوں گی، اسی طرح غیر مسلم حکومت غالب آجائے تو وہ بھی مسلموں کی اشیاء کی مالک ہوجائے گی، تقسیم غنائم کے بعد جس کے حصہ میں باندی آئیگی وہ بغیر نکاح کے صحبت کرسکتا ہے۔

إن غلبنا على الشرك حل لنا ما نأخذه من ذٰلك أي من أموالهم و

أولادهم (إلى قوله) **فإن غلبوا على أموالنا، اعلم أن الكفار إن غلبوا على أموال المسلمين واحرزوها بدارهم ملكوها عندنا.** (الجوهرة النيرة، كتاب السير، كوئٹه ۲/ ۳٦٥، دار الكتاب ديوبند ۲/ ۳٤۷، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ۹٥، زكريا ٥/ ۱٦۰، فتح القدير، دار الفكر مصرى ٦/ ۳، زكريا ٦/ ۳، كوئٹه ٥/ ۲٥٤)

وتثبت الأحكام أى من حل الوطئ و البيع والعتاق والإرث. (شامى، كتاب الجهاد، باب المغنم و قسمته، مطلب: فى قسمة الغنيمة، زكريا ٦/ ۲۳۰، كراچى ٤/ ۱٤۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۱۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۱ کتاب اللقطة

۱ باب اللقطة

لقطہ کا حکم

سوال [۷۵۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لقطہ کا حکم عام کتب فقہ وفتاویٰ میں صدقہ کردینا لکھا ہے، لیکن حضرت تھانویؒ نیک کام میں صرف کرنے کو لقطہ کا حکم لکھتے ہیں، تو لقطہ کو صدقۂ واجبہ میں شمار کریں گے یا صدقۂ نافلہ میں؟ اگر صدقۂ واجبہ میں شامل کریں گے تو حضرت تھانویؒ کی مذکورہ عبارت کی توجیہ کیا ہوگی؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت تھانویؒ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے مناسب یہ تھا کہ کس کتاب کے کس صفحہ پر یہ عبارت ہے ذکر کردیتے، بہر حال لقطہ کے بارے میں حکم یہی ہے کہ اگر لقطہ اٹھانے والا سرمایہ دار ہے تو اس کی تشہیر اور انتظار مکمل ہو جانے کے بعد صدقہ کرنا لازم اور واجب ہے، نیک کام اور رفاہِ عام کے کاموں میں صرف کرنے کی بات ہمارے سامنے نہیں آئی، البتہ اگر لقطہ اٹھانے والا فقیر ہے تو تشہیر اور انتظار مکمل ہونے کے بعد اس کو اختیار دیا گیا ہے، چاہے تو اپنی ذات پر خرچ کرے یا کسی فقیر اور ضرورت مند کو دیدے، لیکن یہ صراحت کہیں نہیں ملی کہ لقطہ اٹھانے والا فقیر بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کرکے رفاہِ عام اور کارِ خیر میں صرف کرے۔

عن أبی هریرة أن رسول الله ﷺ سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه و إن لم يأت صاحبها فليتصدق بها. (سنن الدار قطنی، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٠٨، رقم: ٤٣٤٣، نصب الراية ٣/٧٠٥، المعجم الأوسط، دار الفكر ١/٦٠٠، رقم: ٢٢٠٨، الدراية مع الهداية اشرفی ٢/٦١٤)

وإن كان الملتقط غنيا لم يجز له أن ينتفع بها ...... و إن كان الملتقط فقيرا فلا بأس بأن ينتفع بها. (هدايه، كتاب اللقطة اشرفی ٢/٦١٧، البحر الرائق كوئٹه ٥/١٥٧، زكريا ٥/٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۰۳/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۲ھ

ملتقط فقیر کا لقطہ سے فائدہ اٹھانا جائز ہے

سوال [۷۵۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید خود مسکین وفقیر ہے اور وہ کسی جگہ پر ایک گھڑی پاتا ہے بعد اعلان کے منتظر رہا، مگر ایسی جگہ ہے جہاں علاوہ مقامی کے باہری بھی بہت آتے ہیں اور مقامی وباہری حضرات سے معلومات بھی کی گئی ہے، لیکن پتہ نہیں چل سکا ہے تو کیا زید اس کو استعمال کر سکتا ہے، جبکہ زید مسکین ہے؟

(۲) اسی طرح کوئی صاحب نصاب کوئی چیز پائے بعینہ اسی مسئلہ بالا کی طرح ہو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: قاری سجاد حسین، اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پانے والا شخص فقیر اور ضرورت مند ہے تو اس

کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

عن الحسن قال: إذا كان إليها محتاجا فليأكلها. (المصنف لابن أبی شيبة، ما رخص فيه من اللقطة، مؤسسة علوم القرآن جديد ۱۱/ ۲۲٤ رقم: ۲۲۰۷۰)

وإن كان الملتقط فقيرا فلابأس بأن ينتفع بها. هداية، كتاب اللقطة اشرفی ۲/ ٦۱۸، قلوری، ۱٤۸، هنديه زكريا قديم ۲/ ۲۹۱، جديد ۲/ ۳۰۰)

(۲) اگر پانے والا شخص مالدار ہے تو اس کیلیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے بلکہ حسب استطاعت تشہیر کے بعد کسی محتاج کو صدقہ کرسکتا ہے۔

وإن كان الملتقط غنيا لم يجز له أن ينتفع بها. (هدايه، كتاب اللقطة أشرفی ۲/ ٦۱۷، قدوری ۱٤۸، هنديه زكريا قديم ۲/ ۲۹۱، جديد ۲/ ۳۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ رشوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳٦٦٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۰/ ۱۴۱۴ھ

نامعلوم شخص کے کبوتر گھر آجائیں تو ان کا حکم

سوال [۷۵۳٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دوسروں کے پالے ہوئے کبوتر مثلاً عبداللہ کے پالتو کبوتر عبدالرحمٰن کے کبوتروں میں جاتے ہیں اور پھر عبدالرحمٰن ہی کے گھر رہنے لگتے ہیں اور بچے دیتے ہیں اور عبداللہ کے گھر نہیں لوٹتے اور نہ عبداللہ کے گھر کا پتہ چلتا ہے، تو کیا یہ دوسرے یعنی عبداللہ کے پالے ہوئے کبوتر یا اس کے بچے عبدالرحمٰن کھا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد اشفاق بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبدالرحمٰن کے لیے عبداللہ کے کبوتر کو اپنے یہاں روک لینا اور اس کو کھانا جائز نہیں، بلکہ عبداللہ کو وہی کبوتر واپس کردینا واجب ہے،

کھائے گا تو حرام کھائے گا۔

عن أبی حرة الرقاشی، عن عمه أن رسول اللهﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان، باب فی قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰٦٦)

نامعلوم شخص کی مرغی گھر آجائے تو اس کا حکم

سوال [۷۵۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی کی مرغی عبداللہ کے گھر آگئی اور باوجود کوشش وجستجو کے مرغی والے کا پتہ نہ چلا تو کیا اس مرغی کو یا اس کے انڈے کو عبداللہ کھا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد اشتیاق بھاگلپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تلاش وجستجو کے باوجود مرغی کا مالک نہ ملے تو دو گواہوں کے سامنے اس کو صدقہ کر دینا لازم ہے خود اس کے لیے کھانا جائز نہیں ہے۔

عن أبی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه و إن لم يأت صاحبها فليتصدق بها فإذا جاء فليخيره بين الأجر، وبين الذی له. (سنن الدار قطنی، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٠٨، رقم: ٤٣٤٣، المعجم الأوسط دار الفكر ١/٦٠٠، رقم: ٢٢٠٨، الدراية مع الهداية اشرفی ٢/٦١٤)

فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها. (هداية كتاب اللقطة اشرفى ٢/٦١٥)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۶۶)

اسٹیشن پر ملنے والی سونے کی چین کا حکم

سوال [۷۵۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کے زمانے میں لقطہ کا کیا مسئلہ ہوگا ایک صاحب کو اسٹیشن کی سیڑھی پر سے سونے کی چین ملی اور انہوں نے اٹھالی، اب یہ صاحب کیا کریں، کیا صدقہ کردیں یا کچھ اور کریں؟

المستفتی: ذبیح الرحمٰن قاسمی، بدست عزیزی کرامت علی قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن صاحب کو چین ملی ہے ان پر لازم ہے کہ چین کو حفاظت سے رکھے رہیں، اور چین کے مالک کو تلاش کرنے کی کوشش کریں، ممکن ہو تو اسٹیشن پر اعلان کرادیں اور اخبار میں بھی شائع کرادیں، اور جب ظن غالب ہو جائے کہ مالک نے اپنی چین کو تلاش کرنا چھوڑ دیا ہوگا اور مالک کے ملنے کی توقع نہ رہے تو چند لوگوں کو گواہ بنا کر اصل مالک کی طرف سے کسی غریب کو صدقہ کردے۔

عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه و إن لم يأت صاحبها فليتصدق بها فإذا جاء فليخيره بين الأجر، و بين الذى له.

(سنن الدار قطنى، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية بيروت ٤/١٠٨، رقم: ٤٣٤٣، المعجم الأوسط، دار الفكر ١/٦٠٠ رقم: ٢٢٠٨، الدراية مع الهداية اشرفى ٢/٦١٤)

ويعرف الملتقط اللقطة فى الأسواق و الشوارع مدة يغلب على ظنه أن

صاحبها لا يطلبها بعد ذلك (إلى قوله) ثم بعد تعريف المدة المذكورة، الملتقط مخيَّر بين أن يحفظها حسبة و بين أن يتصدق بها. (هندية، كتاب اللقطة، زكريا قديم ۲/۲۸۹، جديد ۲/۲۹۹، وهكذا فى القدورى ص: ۱٤۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/رجب المرجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۶۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۲۹ھ

لقطہ کی رقم مسجد میں لگانا

سوال [۷۵۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد میں یا خارج مسجد کچھ رقم ہاتھ لگتی ہے، لوگ اعلان کردیتے ہیں لیکن جب اس رقم کا مالک نہیں ملتا تو وہ رقم لوگ مسجد کے گولک میں ڈال دیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ گمشدہ رقم کا مالک اگر نہ ملے تو وہ رقم مسجد میں دی جاسکتی ہے یا کسی غریب کو صدقہ کردینا چاہیے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اعلان کے باوجود رقم کا مالک نہ ملے اور اس کے ملنے سے مایوسی ہوجائے تو اس رقم کو اصل مالک کی طرف سے مساکین وفقراء پر تقسیم کردیا جائے، اس رقم کو مسجد میں دینا درست نہیں ہے، لیکن اگر وہ کسی وقت آگیا تو اس کو یہ اختیار ہوگا کہ صدقہ پر راضی ہوجائے اور چاہے تو اپنے پیسے وصول کرلے۔

عن عمر بن الخطاب قال فى اللقطة: يعرفها سنة، فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها، فإن جاء صاحبها بعد ما يتصدق بها، خيره، فإن اختار الأجر، كان له، و إن اختار المال، كان له ماله. (مصنف عبد الرزاق، كتاب اللقطة، المجلس العلمى ۱۰/۱۳۹، رقم: ۱۸٦۳۰)

فإن جاء صاحبها و إلا تصدق بها (إلى قوله) فإن جاء صاحبها يعنى بعد ما تصدق بها فهو بالخيار إن شاء أمضىٰ الصدقة وله ثوابها و إن شاء ضمن الملتقط.

(هدایه، کتاب اللقطة، اشرفی ۶۱۵/۲، قلوری ص: ۱۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۰۰/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۳ھ

گمشدہ روپئے اٹھا کر مسجد میں دینا

سوال [۷۵۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گمشدہ پیسہ اٹھا کر مسجد کی گولک میں ڈال دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: طریق الاسلام کھڑی آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پایا ہوا پیسہ اٹھا کر مسجد کی گولک میں ڈال دینا جائز نہیں ہے، بلکہ اصل مالک کو دینا لازم ہے، اگر اصل مالک نہ مل سکے اور امید بھی نہ ہو تو پھر ایسا پیسہ فقیر غریب کو صدقہ کر دیا جائے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۲۴۷/۱۵، جدید ڈابھیل ۱۶۰/۱۴)

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئا فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه و إن لم يأت صاحبها فليتصدق بها. (سنن الدار قطني، كتاب الرضاع، دار الكتب العلمية بيروت ۱۰۸/۴، رقم: ۴۳۴۳، المعجم الأوسط، دار الفكر ۶۰۰/۱، رقم: ۲۲۰۸، الدراية مع الهداية اشرفی ۶۱۴/۲)

فينتفع الرافع بها لو فقيرا و إلا تصدق بها على فقير. (در مختار على الشامی، کتاب اللقطة، زکریا دیوبند ۴۳۷/۶، ۴۳۸، کراچی ۲۷۹/۴، هدایه اشرفی ۶۱۵/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۶۷/۳۵)

لقطہ کے جانور پر خرچ کی گئی رقم کہاں سے وصول کریں؟

سوال [۷۵۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ملتقط جانور کے لقطہ کو واپس کرتے وقت مالک سے اپنا خرچ وغیرہ لے گا، کما فی الدرالمختار۔

لیکن اگر ایک سال اعلان کرنے کے بعد بھی مالک نہ مل سکا تو غنی شخص اس جانور کو صدقہ کرے گا، مگر سوال یہ ہے کہ ایک سال چارہ وغیرہ کا خرچ وہ کہاں سے وصول کریگا، کیا اس جانور کو فروخت کر کے اس کی قیمت میں سے اپنا خرچ لے سکتا ہے، یا نہیں؟ صریح جزئیہ اگر مل جائے تو نقل فرمادیں۔

اور اگر اس دوران اس جانور سے کوئی بچہ پیدا ہو تو کیا اس کا بھی صدقہ کرنا ضروری ہے، یا ملتقط کی ملکیت میں آجائے گا، جبکہ اسی کے یہاں رہنے سے اس جانور کے بچہ پیدا ہوا ہے، اور اس نے اس جانور کی ہر طرح سے دیکھ بھال کی ہے، شامی میں تو اس طرح کے جزئیات نہ مل سکے، دیگر کتب میں مل جائیں تو نقل فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد فاروق غفرلہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایک سال تک اعلان کا حکم جانوروں میں مطلق نہیں ہے، بلکہ جن کے لیے منافع ہوں مثلاً دودھ دینے والے ہوں یا بار برداری وغیرہ کے کام کے ہوں تو اس طرح کے جانور کی کمائی سے اس پر خرچ کیا جائے گا اور اگر ایسا جانور ہو کہ اس کے لیے منافع نہ ہوں تو حاکم یا جماعت مسلمین کی اجازت سے مالک کے آنے کی امید پر ۳ر دن تک اس پر خرچ کریگا، اس کے بعد مذکورہ ذمہ دار کی اجازت سے فروخت کر کے ثمن امانت میں رکھے گا، اور ملتقط اپنا خرچ کردہ پیسہ وصول کریگا، اور ایک سال تک اعلان کے بعد ثمن صدقہ کریگا۔

إن كان للبهيمة منفعة آجرها و أنفق عليها من أجرتها لأن فيه إبقاء العين على ملكه من غير إلزام الدين عليه، و إن لم يكن لها منفعة و خاف أن

تستغرق النفقة قيمتها باعها و أمر بحفظ ثمنها إبقاء له معنى عند تعذر إبقائه صورة. (هدايه، كتاب اللقطة، اشرفى ۲/۶۱۶)

قالوا إنما يأمر بالإنفاق يومين أو ثلاثة على قدر ما يرىٰ رجاء أن يظهر مالكها فإذا لم يظهر يأمر ببيعها لأن دارة النفقة مستأصلة فلا نظر فى الإنفاق مدة مديدة و أفاد أيضا إذا بيعت أخذ الملتقط ما انفق بإذن القاضى. (البحر الرائق، كتاب اللقطة، كراچى ۵/۱۵۶، زكريا ۵/۲۶۱-۲۶۲)

و إذا لم يظهر يؤمر ببيعها و إذا باعها أعطى الملتقط ما أنفق فى اليومين أو الثلاثة. (عالمگيرى، كتاب اللقطة، زكريا جديد ديوبند ۲/۳۰۰، قديم ۲/۲۹۱)

نیز جانور سے اگر بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بھی مالک ہی کی ملکیت میں شمار ہوگا، مال کے ساتھ بیع یا صدقہ کے تابع ہوگا۔

لأن ولد الحيوان يتبع أمه (وقوله) ولم يعلم مالكه. (شامى، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطبا فى نهر أو وجد جوزا او كمّثرى، زكريا ديوبند ۶/۴۴۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۵/۲۱۴، كراچى ۴/۲۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۴)

نابالغ لڑکے نے پائی ہوئی رقم ضائع کردی

سوال [۷۵۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر نابالغ مسجد میں پائی ہوئی رقم کو اپنے اوپر خرچ کرلے یا ضائع کردے تو اس رقم کے بارے میں کیا حکم ہوگا، کیا لڑکے پر اس کا تصدق واجب ہے یا اس کے والدین پر یا کسی پر نہیں؟

المستفتی: مسہار علی جمادار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نابالغ بچوں کا حکم بھی باب لقطہ اور افعال کی صحت

میں مکلّف بالغوں سا ہے، لہٰذا اگر پائی ہوئی رقم بچے ضائع کردیں یا خرچ کردیں تو مالک کو اس کا ضمان ادا کرنا لازم اور ضروری ہوگا اور اگر مالک کا پتہ نہ چل سکے تو والدین یا وصی پر اس کا تصدق لازم ہوگا، اور ہلاکت کی صورت میں والدین یا وصی کے مال میں سے ضمان ادا کرنا لازم ہوگا۔

وفی الوهبانية: الصبی كبالغ فيضمن إن لم يشهد ثم لأبيه أو وصيه التصدق و ضمانها فی مالهما لا مال الصغير. (الدر المختار، كتاب اللقطة، كوئٹه ۳/۳۵۱، كراچی ۴/۲۸۰، زكريا ۶/۴۳۹)

وفی القنية: وجد الصبی لقطة ولم يشهد يضمن كالبالغ (بحر) و فی الشامية: قلت المراد ما يشمل إشهاد وليه أو وصيه. (البحر الرائق، كوئٹه ۵/۱۵۱، زكريا ۵/۲۵۴، شامی كوئٹه ۳/۳۵۱، كراچی ۴/۲۸۰، زكريا ۶/۴۳۹)

وفی البحر أيضا فأما الملتقط فلم أرى من بين شرائطه و لا يشترط بلوغه بدليل ما فی المجتبى التعريف إلى ولی الصبی والوارث فدل على صحة التقاطه الخ. (البحر الرائق كوئٹه ۵/۱۵۰، زكريا ۵/۲۵۲)

وإن أتلفا (أی الصبی والمجنون شيئا لزمهما ضمانه لأن الأفعال تصح منهما ولأن الإتلاف موجب للضمان ولايتوقف على القصد. (الجوهرة النيرة، كتاب الحجر، امداديه ملتان ۱/۲۹۳، دار الكتاب ديوبند ۱/۲۸۵، هدايه اشرفی ديوبند ۳/۳۵۳، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۵/۱۹۲، زكريا ۶/۲۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ / جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۳/۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۲ کتاب الإمارة والسیاسة

امت کی قیادت وامامت میں اسلام کا نقطۂ نظر

سوال [۷۵۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) امت کی قیادت یا امامت کے سلسلے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟

(۲) چونکہ پوری امت مسلمہ کا کوئی قائد وامام نہیں ہے تو کیا امت کے کسی جزء کے قائد کا انتخاب کیا جاسکتا ہے؟

(۳) اگر امت کے کسی جزء کا قائد منتخب کیا جاسکتا ہے تو اس کا فیصلہ جغرافیائی حدود یا کسی جماعت یا کسی تنظیم وتحریک کی ممبر شپ کی بنیاد پر کیا جائیگا؟

(۴) وہ مسلمان جو دیارِ کفر یا غیر مسلم معاشرے میں مقیم ہیں کیا ان کے لیے خصوصی احکام ہیں؟

(۵) قائد میں کن خصوصیات وصلاحیتوں کا ہونا لازمی ہے؟

(۶) قائد کے انتخاب کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۷) وہ لازمی شرائط وقیود کیا ہیں جن کی تکمیل کے بعد ہی کوئی مسلمان قیادت کے انتخاب میں حصہ لے سکتا ہے؟

(۸) کیا وہ مسلمان جو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہیں وہ ووٹنگ کے حق سے محروم رہیں گے؟

براہ کرم آپ ان دیگر علماء وعلمی شخصیات کی نشاندہی فرمائیں، جو اس معاملہ میں ہماری رہنمائی فرما سکتے ہیں، اس سلسلے میں ایک گذارش ہے کہ موضوع پر دلائل قرآن وسنت کے حوالہ

کے ساتھ دیئے جائیں، آپ کے گرانقدر مشوروں اور رہنمائی کے ہم انتہائی ممنون ہوں گے۔

المستفتی: مخلص مناظر احسن اسسٹینٹ ڈائریکٹ اسلامک فاؤنڈیشن لنڈن روڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اسلامی شریعت کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ ہر مسلم قوم کا کوئی قائد ہو اور سب اس پر متفق ہوں۔

عن تميم الدارى رضى الله عنه قال: تطاول الناس فى البناء فى زمن عمر رضى الله عنه فقال عمر: يا معشر العريب! الأرض الأرض، إنه لا إسلام إلا بجماعة، ولا جماعة إلا بإمارة، ولا إمارة إلا بطاعة. (مسند الدارمى، العلم، باب فى ذهاب العلم، دار المغنى ١/ ٣١٥، رقم: ٢٥٧، جامع بيان العلم وفضله، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٦٢، رقم: ٣٢٦)

(۲) کیا جاسکتا ہے۔

ذكر المحققون ...... أنه إذا لم يوجد الإمام الموصوف بهذه الصفات جاز نصب من لم يتصف ببعضها للضرورة الخ. (نبراس ص: ٣٢٢)

(۳) اگر اسلامی حکومت ہے تو حکومت کے قانون کے مطابق حدود کی تعیین ہوگی اور غیر مسلم حکومت ہے، تو اس کے لیے حد متعین نہیں ہے بلکہ جتنے دور تک لوگ بآسانی آپس میں متفق ہوسکتے ہیں، ان کی تراضی سے قائد کا انتخاب کیا جائے۔

طرق ثبوت الإمامة أربعة (إلى قوله) الثالث بيعة أهل الحل والعقد بإجماع أهل السنة. (نبراس ص: ٣٢٢)

(۴) ان پر لازم ہے کہ آپس کے تراضی سے کسی بااہل، بااثر شخصیت کو اپنے امور شرعیہ کا ذمہ دار بنائیں۔

وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم. (شامى، كتاب القضاء، قبيل مطلب فى حكم تولية القضاء فى بلاد، تغلب

علیها الکفار کوئٹه ٤/٣٤٢، کراچی ٥/٣٦٩، زکریا دیوبند٨/٤٣، النهر الفائق دار الکتب العلمیة بیروت ٣/٦٠٤)

(۵) اگرقوم کسی اہل شخص پر متفق ہوجائے تو فبہا ورنہ بوقت اختلاف کثرت رائے کا اعتبار ہے۔

إن المقرر عند المشائخ أنه متی اختلف فی المسئلة فالعبرة مما قاله الأکثر الخ. (عقود رسم المفتی قدیم ص: ٣٤)

(۶-۷) عدالت،شجاعت،مسائل شرعیہ میں معلومات، اجتہاد اور حسن تدبیر۔

شروط الإمامة العدل ...... ومنها الشجاعة والاجتهاد فی المسائل والتدبیر المصیب. (نبراس شرح شرح عقائد نسفی ص: ٣٤٢)

نیز جو مسلمان شرائط مذکورہ کا حامل ہو اور اپنے اوپر مسلمانوں کے حقوق کے سلسلے میں پورا اعتماد رکھتا ہو وہ ووٹنگ کا حقدار ہے، آپ کے ملک کے اہل علماء اور علمی شخصیات سے احقر واقف نہیں ہے، اس لیے نشاندہی سے معذور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۴۹)

قرآن وحدیث سے ہٹ کر اسلامی قانون بنانا

سوال [۷۵۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چند روز ہوئے اخبار میں مسلم پرسنل لاء یعنی مسلمانوں کے اسلامی قوانین میں ترمیم کے متعلق مضمون تھا، کیا واقعی مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی ہوتی ہے، اب تک یہ بات کہی و سنی جاتی تھی، کہ اسلامی قوانین کا مأخذ قرآن وحدیث ہے، اس میں ترمیم ممکن نہیں ہے، اس سلسلے میں مفتیان کرام وجماعت مسلک دیوبند کا کیا موقف ہے؟

المستفتی: کرامت علی، بدست عزیزی ذبیح الرحمٰن چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی قوانین کا مدار قرآن وحدیث پر ہے،اس سے ہٹ کر الگ سے قانون بنانا قطعاً جائز نہیں ،لیکن مسلم پرسنل لاء کی طرف سے کس طرح اور کس مسئلہ میں ترمیم کا اعلان ہوا ہے احقر کے علم میں نہیں ، اس کی پوری صورت سامنے ہوتو کچھ کہا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۱ھ

برادری کے صدر کا دوسری شادی کے متعلق دستور شائع کرنا

سوال [۷۵۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جو اپنے کو برادری کا صدر کہلواتا ہے اس نے برادری کا دستور شائع کیا ہے جس میں مندرجہ ذیل عبارت ہے:

(۱) اگر کوئی شخص دوسری شادی کرنا چاہتا ہے تو شادی کرنے کی وجہ سے پہلے مجبوری یا ضرورت سے صدر صاحب کو آگاہ کریگا، اور منظوری لیگا ،صرف عیش پرستی وعیاشی کیلئے دوسری شادی کی اجازت نہیں ہوگی۔

کیا اس شخص کے پابندی لگانے کا مطلب شریعت میں مداخلت ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حنیف قریشی میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں ایک سے چار تک شادی کی اجازت ہے،بس صرف شرط یہ ہے کہ سب بیویوں کے حقوق کو برابری کے ساتھ ادا کیا جائے اور شرعی طور پر یہ بھی ایک ضرورت ہے کہ کبھی ایک بیوی سے جنسی خواہش پوری نہیں ہوتی ہے تو دوسری شادی کرلینا جائز اور درست ہے، اس میں کسی کو پابندی لگانے کا حق نہیں ، اللہ تعالیٰ

نے تعددِازواج کا اختیار دیا ہے، فرمایا:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ. [النساء:۳]﴾

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۱۵)

ہندوستان میں بیت المال قائم کرنا کیسا ہے؟

سوال [۷۵۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا ہندوستان جیسے ممالک میں زکوٰۃ وصدقات و چرم قربانی وغیرہ جمع کرنے کے لیے بیت المال قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر بیت المال قائم کیا جائے تو ایسی صورت میں اسلامی مدارس پر یک گونہ ضرب آتی ہے کہ مدارس میں اس دور میں عموماً زکوٰۃ وصدقات کی رقم دی جاتی ہے، تو ایسی صورت میں قیام بیت المال سے دینی مدارس کے بند ہونے کا خطرہ ہے، تو کیا ایسی صورت میں بیت المال میں ان چیزوں کو جمع کرنا بہتر ہے یا اسلامی مدارس میں دینا بہتر ہے؟

(۳) زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے مدرسین مدرسہ کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کوئی جواز کی صورت ہو تو اس کو تحریر فرمائیں؟

(۴) مسجد کی آمدنی کو مدارس پر خرچ کرنا اور اس سے مدرسین کو تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں، جبکہ وقف صرف مسجد کے لیے ہے اور مسجد کو بھی وقتاً فوقتاً ضرورت پڑتی ہے؟

المستفتی: رفیع اللہ قاسمی پہانی ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) بیت المال کی چار قسمیں ہیں اور چاروں کے لیے الگ الگ شرائط ولوازمات ہیں: (۱) بیت المال الخمس جس میں مال غنیمت کا خمس جمع ہوا

کرتا ہے (۲) بیت المال الخراج یعنی وہ بیت المال جس میں خراج جزیہ اور غیر مسلموں سے حاصل شدہ ٹیکس وغیرہ جمع کیے جاتے ہیں (۳) بیت المال الضوائع یعنی وہ بیت المال جس میں لقطے اور لا وارث کا ترکہ اور لاوارث مقتول کی دیت وغیرہ جمع کیے جاتے ہیں (۴) بیت المال الصدقات جس میں زکوۃ پیداوار کا عشر اور صدقات واجبہ جمع کیے جاتے ہیں اور سوالنامہ میں چوتھی قسم کے بیت المال سے متعلق سوال کیا گیا ہے اس کی شرطوں میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ دیانتداری اور امانتداری کے ساتھ مستحقین تک پہنچادیا جائے اور ان کو مالک بنادیا جائے اور ہندوستان جیسے ممالک میں اصل مستحق مدارس کے طلبہ ہیں، نیز ایک نظام کے تحت میں پورے ملک میں بیت المال کا چلنا ضروری ہے، تو کیا بیت المال قائم کرنے والے تمام مدارس کے اخراجات کے کفیل بن سکتے ہیں اس ملک میں میرے خیال میں اس شرط کا پورا ہونا بہت مشکل اور محال ہے بلکہ بیت المال کے نام سے جمع کرکے خیانت کا شکار ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا، اس لیے جائز نہیں ہوگا، اور ایک نظام حکومت کے تحت ہونا اس لیے ضروری اور لازم ہے کہ خیانت کرنے والوں پر داروگیر کرنے والا نظام حکومت ہی ہوسکتا ہے اس لیے بغیر اس کے ممکن نہیں۔

(۲) اس پرفتن دور میں ایک طاقت وقوت کے ماتحت کے بغیر بیت المال کا وجود ممکن نہیں ہے اور یہ طاقت نظام حکومت ہی کو ہوسکتا ہے اس لیے اس کے بغیر جائز نہیں ہوگا۔

(مستفاد کفایت المفتی قدیم ۴/۳۰۳، جدید مطول ۶/ ۲۹۸)

بیـــوت الـــمـــال أربـعـة ☆ لكل مصارف بينها العالمونا
فـأولهـا الـغـنـائم والكنوز ☆ ركـاز بـعـدهـا المتصدقونا
وثـالثهـا خراج مع عشور ☆ وجـالية يـليهـا العاملونا
ورابـعهـا الضوائع مثل مالا ☆ يـكـون لـه أنـا س وارثونـا
فمصرف الأولين أتى بنص ☆ وثـالثهـا حـواه مـقـاتلونـا
ورابـعهـا فـمصرفه جهات ☆ تساوى النفع فيها المسلمونا

(الـدر مـع الرد، كتاب الزكاة، باب العشر، زكريا ديوبند ٢٨١/٤-٢٨٣، كراچی ٣٣٧/٢-٣٣٨)

(۳) زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقم مدرسین وملازمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ان اشیاء کو بغیر عوض کے فقیر کی ملکیت میں دینا واجب ہے۔

يشترط أن يكن الصرف تمليكا لا إباحة. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند ٣/ ٢٩١، كراچی ٢/ ٣٤٤)

البتہ بڑے مدارس جن میں فقہ حدیث تفسیر اور حفظ قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اور ان میں بیرونی مستحق طلبہ ہوں اور ان کے قیام وطعام کا نظم بھی ہو تو ایسے مدارس میں اگر امداد کی رقم سے تنخواہیں پوری نہ ہوسکیں تو ضمنی طور پر حیلۂ تملیک کا طریقہ اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن الحرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة. (هندية، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا قديم ٦/ ٣٩٠، جديد ٦/ ٣٩٣)

(۴) جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی كتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة ...... كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ديوبند ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۰/ ۱۴۱۴ھ

ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

سوال [۷۵۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام؟

المستفتی: ریاض الدین آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان نہ دار الاسلام ہے اور نہ ہی دار الحرب بلکہ دونوں کے مابین دار الجمہوریہ اور دار الامن ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/ ۹)

وقوله لاتصير دار الإسلام دار حرب أى بأن يغلب أهل الحرب على دار من دورنا أوارتد أهل مصر وغلبوا و أجروا أحكام الكفر أو نقض أهل الذمة العهد وتغلبوا على دارهم ففى كل من هذه الصور لا تصير دار حرب. (شامی، كتاب الجهاد، باب المستامن، مطلب: فيما تصير به دار الإسلام دار حرب و بالعكس، زكريا ديوبند ٢٨٨/٦، كراچی ١٧٤/٤)

لو أجريت أحكام المسلمين و أحكام أهل الشرك لا تكون دار حرب. (شامی، كراچی ١٧٥/٤، زكريا ديوبند ٢٨٨/٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٤/١٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۸۰)

وندے ماترم اور قومی ترانہ کے الفاظ عقیدہ کے خلاف تو نہیں

سوال [۷۵۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مروجہ قومی ترانہ جس میں بھارت بھاگیہ ودھاتا (بھارت ہے مقدر بنانے والا) اور وندے ہماچل یمنا گنگا جیسے الفاظ شامل ہیں، اسلامی عقیدے کے خلاف ہے یا نہیں؟

(۲) کیا وندے ماترم اور وندے ہماچل میں عقیدے کے اعتبار سے کوئی فرق ہے؟

(۳) قومی ترانہ کی مروجہ ادائیگی کا طریقہ بالکل سیدھا اور ساکت کھڑا رہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) قومی جھنڈے کو سلامی دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اگر یہ چیزیں ناجائز اور عقیدے کے خلاف ہیں تو مسلمانوں کو ایسی تقریبات میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مروجہ قومی ترانہ اپنے وطن ہندوستان کی

سر بلندی، فتح، اور اس کی تعریف پر مشتمل ہے، ”بھارت بھاگیہ ودھاتا“ اس میں اگر خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اے بھارت کی قسمت بنانے والے، یہ معنی درست ہوسکتے ہیں اور اگر خطاب بھارت سے ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے بھارت ہی قسمت بنانے والا ہے، جو شرکیہ معنی ہے، لہٰذا یہ معنی مراد نہ لیے جائیں۔ ”وندے ہما چل یمنا گنگا“ اس میں لفظ ”وندے“ نہیں ہے جیسا کہ آپ کو شبہ ہورہا ہے بلکہ اصل لفظ ”وندھ“ ہے جو وندھیا چل کا مخفف ہے، اور وندھیا چل ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (تاریخ ہند ۱۱/۸) لہٰذا یہ جملہ اسلامی عقیدے کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) دونوں ترانوں میں عقیدہ کے اعتبار سے کافی فرق ہے، وندھ، ہماچل میں ہندوستان کی تعریف وغیرہ کی گئی ہے اور ”وندے ماترم“ کے مضامین شرکیہ الفاظ پر مشتمل ہیں، اس ترانے میں ملک کی سرزمین کو درگا دیوی تصور کرکے اس کی تعریف میں سر جھکانے کا اعلان ہے، اور اس ترانے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ سراسر اسلامی عقیدے کے خلاف ہے، مثلاً: تو ہی جسم کے اندر کی جان ہے تو ہی بازؤوں کی قوت ہے، دلوں کے اندر تیری ہی حقیقت ہے، تیری ہی محبوب مورتی ہے، ایک ایک مندر میں تو ہی درگا دس مسلح ہاتھوں والی، اس پورے ترانہ کا جائزہ لیا گیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس ترانے کا منظر خالص مذہبی اور شرکیہ ہے جو اسلامی عقائد سے قطعاً میل نہیں کھاتا، لہٰذا اس ترانہ کو پڑھنے سے سخت اجتناب لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۴۰۶، جدید مطول ۱۳/ ۲۱۵، پیغام محمود دیوبند ص: ۴۰ ۵، شمارہ ۲-۱)

(۳) قومی ترانہ کے وقت ادب سے سیدھا کھڑا رہنا اس کا احکام شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ہر ایک علاقہ اور ارباب وطن کے رسم ورواج سے اس کا تعلق ہے، ہاں البتہ ترانہ میں اللہ اور اس کے رسول کی ایسی حمد وثنا ہو جس کے آداب بجالانے کے لیے جذبہ ابھرتا ہو تب اس کی گنجائش ہے، اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی حمد وثنا نہیں ہے تو اس عمل کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) جھنڈے کو سلامی دینے کی کوئی حقیقت شریعت میں ثابت نہیں ہے، البتہ کسی

اہم کام کی کامیابی پر جھنڈا لہرانا اور گاڑنا جائز ہے، جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر آقاءِ نامدار علیہ السلام کے حکم سے مسجد رایہ جس جگہ پر ہے وہیں پر اسلام کی کامیابی کا جھنڈا گاڑا گیا تھا۔

(۵) مذکورہ اعمال کے بارے میں اوپر احکام شرعیہ لکھے جاچکے ہیں، ان میں سے جو جائز پہلو ہو اس میں شرکت کی گنجائش ہے، اور جو ناجائز پہلو ہے اس میں مسلمانوں کے لیے شرکت جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۳۸)	۱۴۲۱/۶/۷ھ

حکومت کا مسلمانوں میں پسماندہ وغیر پسماندہ کی تقسیم کرنا

سوال [۷۵۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں میں پسماندہ وغیر پسماندہ کی تقسیم کرنا کیسا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں، اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت وفوقیت کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے، قبائل اور ذات کی تقسیم محض پہچان کے لیے ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**اِنَّا خَلَقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَاُنْثٰی وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ**. (حجرات: ۱۳)"

حدیث شریف میں آیا ہے "**کلکم من بنی آدم و الآدم من تراب.**

حجۃ الوداع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فخر ومباہات کی تمام دیواریں ڈھادیں تھیں، آپ کے ارشاد گرامی کا مفہوم ہے کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، لہٰذا ان آیات واحادیث کی روشنی میں پسماندہ اور غیر پسماندہ کی تقسیم کیسی؟

اور "**تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا**. (نساء: پ ۵) میں واضح ارشاد ہے کہ عہدے ان کی صلاحیت کے مطابق ملنے چاہئیں، اس کے باوجود ریزرویشن کرنا کیسا ہے، موجودہ ہندوستانی نظام میں کیا یہ تقسیم غیر انسانی وغیر اسلامی نہیں؟ قرآن واحادیث کی روشنی

میں جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں اور امت کو گمراہی سے بچائیں اس لیے کہ بہت سے مسلمانوں نے تھوڑے سے دنیاوی فائدے کے لیے اسی تقسیم کو تسلیم کرلیا ہے۔

المستفتی: منصور احمد صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں برتری اورترقی کا مدار تقویٰ اور صلاحیت پر ہے، ذات وبرادری پر نہیں ہے، اورقرآن وحدیث میں برادری اور قبائل کی تقسیم صرف پہچان کے لیے ہے، ذات اورعزت وشرف کی پسماندگی اور برتری صلاحیت اورتقویٰ کے اعتبار سے ہوتی ہے، کہ کسی میں تقویٰ اور صلاحیت ہےتو وہ سب پر فائق اور برتر ہوگا، چاہے کسی بھی برادری سے تعلق رکھتا ہو، اور اگرکسی میں تقویٰ اور صلاحیت نہیں ہے تو وہ پسماندہ ہے چاہے کسی بھی برادری سے تعلق رکھتا ہو اس لیے حکومت ہند کی تقسیم اسلامی شریعت کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. [الحجرات:۱۳] ﴾

فتح مکہ کے موقعہ پر حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابن عمير أن رسول الله خطب الناس يوم فتح مكة فقال: يأيها الناس إن الله قد أذهب عنكم عَبيَّة الجاهلية و تعاظمها بآبائها فالناس رجلان: رجل بر تقى كريم على الله، و فاجر شقى هين على الله، والناس بنو آدم، وخلق الله آدم من تراب، قال الله: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. (سنن الترمذي، التفسير، باب و من سورة الحجرات، النسخة الهندية ٢/ ٦٢، دارالسلام رقم: ٣٢٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۱۲ھ

سفیر کا چندہ کرنے کے لیے دو پاسپورٹ بنوانا

سوال [۷۵۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب سفارت کرتے ہیں، مدرسہ سے تنخواہ ملتی ہے، انہوں نے دو پاسپورٹ بنوا رکھے ہیں تاکہ ہر سال باہر کے ملک کے سفر میں آسانی ہوجائے اور مدرسہ کو آمدنی ہوتی رہے، ان کو ایسا کرنا اور مدرسہ کے ذمہ داران کا ایسا جاننے کے بعد بھی ان سے چندہ کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: حامد علی مدرسہ ارشاد العلوم ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دو پاسپورٹ کا بنوانا سرکاری قانون کے مطابق ناجائز ہے، اس لیے اس سے اجتناب کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو خطرہ میں خود مبتلا نہ کرو: ''وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ. (بقرة: ۱۹۵)

ہاں البتہ ان پاسپورٹوں سے دوسرے ممالک میں جاکر جو چندہ حاصل کیا جائیگا وہ سب جائز اور حلال مال ہیں، ان کو مدرسہ میں داخل کرنا اور مدرسہ کا اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۱۵۰/۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱/۲۰ھ

بغیر لائسنس کے ہندوستان میں اسلحہ رکھنا

سوال [۷۵۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرات علماء کرام سے یہ بات آئے دن سننے کو ملتی رہتی ہے کہ وطن سے محبت جزء ایمان ہے، نیز ملک کے آئین کی خلاف ورزی خیانت ہے، ان باتوں پر قیاس کرتے ہوئے ایک بات ذہن میں آتی رہتی ہے کہ ایک طرف احادیث وقرآن میں اپنے دشمنوں کی

حفاظت کے طور پر احتیاطی اور انتظامی نظریہ سے آلات حرب (اسلحہ) رکھنے کی اجازت بلکہ تاکیدی حکم معلوم ہوتا ہے، تو دوسری طرف ملک کا قانون بلامنظوری سرکار آلات حرب یا اسلحہ رکھنے کو جرم قرار دیتا ہے، اور پکڑے جانے پر تعزیرات ہند کی مقررہ دفعات کے تحت ملزم قرار دے کر قید و بند کی سزائیں دی جاتی ہیں، قطع نظر ملکی قوانین کے بلامنظوریٔ سرکار آلات حرب یا اسلحہ رکھنے کی شریعت میں کہاں تک اجازت ہے، کہیں یہ چیزیں بلا لائسنس کے اپنے گھر میں رکھنا شرعی نقطۂ نظر سے آئین ملک میں خیانت تو نہیں؟

المستفتی: ابوحارث عثمانی علی گنج ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی قانون کے اعتبار سے بغیر لائسنس کے اسلحہ رکھنا جرم ہے، اور لائسنس کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے، لہٰذا اس قانون پر عمل کرنے میں شریعت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، شریعت میں جو اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے وہ مطلق ہے، اور ہندوستانی قانون میں بھی رکھنے کی اجازت ہے، مگر لائسنس کے ساتھ، تو لائسنس کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی قید لگانا شریعت کی اجازت کی مخالفت نہیں ہے، اور حکومت نے جو لائسنس کی قید لگائی ہے وہ ملکی مصلحت اور ملکی امن کے پیش نظر لگائی ہے تاکہ چور ڈکیت، بدمعاش بلا لائسنس کے ہتھیار کے ذریعہ سے ملک کے اندر نقض امن کا سبب نہ بنیں، اس لیے اگر کسی کو اسلحہ یا ہتھیار رکھنا ہے تو سرکاری قانون کی اجازت کے ساتھ رکھنا چاہیے، اس کی مخالفت کی شرعاً گنجائش نہیں ہے۔

عن أنس بن مالك رضی الله قال قال رسول الله ﷺ: اسمعوا و أطيعوا وإن استعمل عليكم عبد حبشی كان رأسه زبيبة. (صحيح البخاری، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۵۷، رقم: ٦٨٥٩، ف: ٧١٤٢، مشكوٰة ۲/ ۳۱۹)

عن ابن عباس يرويه قال قال رسول الله ﷺ: من رأى من أميره شيئا يكرهه فليصبر فإنه ليس أحد يفارق الجماعة شبرا فيموت، إلا مات

ميتة جاهلية. (صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع و الطاعة للإمام مالم تكن معصية، النسخة الهندية ۲/۱۰۵۷، رقم: ٦٨٦٠، ف: ۷۱٤۲، سنن الدارمی، دار المغنی ۳/۱٦۳۷، رقم: ۲٥٦۱، مشكوٰة ۲/۳۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۱۸)

عالم دین کے الیکشن لڑنے سے متعلق چند سوالات

سوال [۷۵۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص عالم دین ہیں اور ایک مدرسہ میں نظامت کے فرائض انجام دیتے ہیں جس کی تنخواہ پاتے ہیں، کبھی کبھی مسجد میں نماز بھی پڑھاتے ہیں جبکہ مستقل امام مقرر نہ ہو، اہل بستی کے اصرار پر گاؤں سبھا کی سیٹ سے پردھانی میں الیکشن لڑنا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں جبکہ رشوت کا لین دین عام طور پر پردھان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، اور بغیر رشوت کے کوئی اسکیم نہیں چل پاتی، پولیس کے پاس جب کوئی جھگڑا پہنچتا ہے تو اس میں بھی جائز ناجائز ہمدردی کر کے کچھ روپیہ پیسہ رشوت کے طور پر دے کر پردھان ہی چھڑا کر لاتا ہے، جب فریقین میں جھگڑا ہوتا ہے تو بھی ایک دوسرے کے حق دلانے میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

(۲) کیا ان کے پیچھے جماعت کی نماز پڑھنا درست ہے؟

(۳) ان کی کمائی ہوئی روٹی روزی حلال ہوگی؟

(۴) رشوت دینا دلانا اس میں سے کچھ پیسہ لے کر خرچ کرنا درست ہوگا؟

(۵) اوقاتِ مدرسہ میں پردھانی سے متعلق معاملات دخیل ہوں اور وہ لوگوں سے ملاقات، بات چیت کریں پھر پوری تنخواہ لیں تو درست ہوگا؟

المستفتی: عطاء الرحمٰن قاسمی ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) الیکشن اور گاؤں سبھا کی امیدواری کے لیے جن عالم صاحب کو مقرر کیا گیا ہے وہ خود اپنا جائزہ لے لیں اور اچھی طرح غور کر لیں کہ کیا وہ رشوت خوری کی گرم بازاری سے خود کو بچا سکتے ہیں؟ ظاہری حالات و مشاہدات سے یہ بات عیاں ہے کہ ان برائیوں سے خود کو بچانا مشکل ہے، لہٰذا خود کو اس سے محفوظ رکھنا بہتر ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ قدیم ۲/۲۹۱، جدید زکریا ۵/۵۳۲)

لیکن ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں جو کسی بھی حال میں رشوت نہیں لیتے، لہٰذا ان پر فسق وفجور کا الزام نہیں۔

(۲) اور نہ ہی ان کی امامت میں کوئی کراہت آسکتی ہے۔

(۳) رشوت کی روٹی روزی حرام ہے، لیکن کوئی رشوت نہیں لیتا اور اتفاق سے مجبوری میں دینا پڑتا ہے تو اس کی روزی روٹی بلاتردد حلال ہے۔

(۴) نیز مجبوری کی حالت میں رشوت دینے والے پر بھی فسق وفجور کا الزام نہیں بلکہ لینے والے پر وبال ہے۔

وفی الشامیة: دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه و ماله ولاستخراج حق له لیس برشوة یعنی فی الدافع. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، زکریا دیوبند ۹/۶۰۷، کراچی ۶/۴۲۳-۴۲۴)

(۵) اگر وہ مدرسے کا ناظم ومہتمم ہے اور مدرسہ کے ساتھ پردھانی کی بھی ذمہ داری سنبھالنا چاہتا ہے تو اس کے لیے بہترین شکل یہ ہے کہ مدرسہ میں کام کرنے والوں اور کمیٹی والوں کے مشورہ سے اوقات تقسیم کر کے مثلاً صبح کے چار گھنٹے ہیں اس میں سے دو گھنٹے مدرسہ کے لیے اور دو گھنٹہ پردھانی کے لیے، اسی طرح شام میں دو گھنٹہ ہے ایک گھنٹہ مستقل طور پر مدرسہ کے لیے اور ایک گھنٹہ عوام کی شکوہ وشکایت کے لیے مخصوص ومتعین کر لے اور نظام الاقات مشورہ سے متعین کر لے تو پوری تنخواہ لینا جائز اور درست ہے۔

وفی القنیة: یدرس بعض النهار فی مدرسة و بعض النهار فی مدرسة أخریٰ ولایعلم شرط الواقف یستحق غلة المدرس فی المدرسین. (البحر الرائق، کتاب الوقف، زکریا دیوبند ۵/۳۵۸، کوئٹه ۵/۲۱۴، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۶/۲۹۳، المدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر مصری قدیم ۱/۷۵۲، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۸۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۳ھ

مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا کیسا ہے؟

سوال [۵۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس دور میں مسلمانوں کے لیے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری نہیں ہے تو بظاہر مسلمان عضو معطل بن کر رہ جائیں گے، اور اگر ضروری ہے تو اس کے لیے سرکاری تعلیم حاصل کرنا ضروری اور سرکاری کالج و یونیورسٹیز کا ماحول لادینی کا ہے، جس کا اثر ناگزیر ہے، جیسے مشاہد ہے، سرکاری اداروں میں عمل تو بڑی بات ہے عقائد کا صحیح رکھنا دشوار ہے، اور اگر اس دہریت کے اثر سے بچ کر نکل جائے تو شاذ ہے، اور شاذ معدوم کی طرح ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے کونسی راہ ہے، کیا ان یونیورسٹیز اور کالج میں اپنے بچوں کو بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد آفیسر کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس دور کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کے مذہبی اور شہری حقوق کی حفاظت کے لیے ایسے مسلمانوں کو ہر زمانہ میں سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے، جو امور سیاسیہ میں ماہر اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور ان

کے حقوق کی حفاظت کے اہل ہوں۔(مستفاد: حجۃ اللہ البالغہ قدیم ۱/ ۱۴۸)

یہ محض دعویٰ بلا دلیل ہے کہ سیاست میں حصہ لینے کے لیے ایسی سرکاری تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے جو دہریت کا شکار ہے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مفتی محمود ملتانیؒ، مولانا عبدالحق حقانیؒ وغیرہم کیا دنیائے اسلام کی تاریخ میں سیاسی رہنما نہیں تھے؟ کیا ان حضرات نے دہریت آمیز تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے دین کو بگاڑا ہے، کیا ہندوستان کی تاریخ میں کوئی دہریت آمیز تعلیم یافتہ امور سیاسیہ میں ان حضرات سے آگے بڑھ کر رونما ہوسکا؟ کیا ان حضرات نے حقوق شہریت کی حفاظت کرنے کے لیے امور سیاسیہ کا کوئی گوشہ باقی چھوڑا؟ لہٰذا اب بھی امور سیاسیہ میں مناسبت اور مہارت حاصل کرنے کے لیے دہریت آمیز تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، اور نہ ہی اپنے بچوں کو ایسی یونیورسٹیوں میں بھیجنا جائز ہوسکتا ہے؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۰۴)

کیا عورتیں کمیٹی کا رکن بن سکتی ہیں؟

سوال [۷۵۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کے مختلف مقامات کے مسلمانوں نے تعلیم وثقافت کی ترویج و صلاح معاشرہ و باہمی تعاون کے فروغ کی خاطر اپنے جائے قیام پر کمیٹیاں اور جماعتیں بنائی ہوئی ہیں، ان جماعتوں میں افراد مقررہ رقم کی ادائیگی کے بعد اس کے ممبر شمار ہوتے ہیں، ووٹ کے ذریعہ ان ممبروں میں سے ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آتا ہے، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ درج ذیل امر میں شریعت مطہرہ کی رائے سے آگاہ فرمائیں کہ عورتیں ان جماعتوں اور کمیٹیوں کی ممبر ورکن انتظامیہ بن سکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لیے شرعی پردہ کے ساتھ بغیر غیر محروموں سے اختلاط کے ممبری ورکن انتظامیہ کا حق اور ذمہ داری کا ادا کرنا متعذر ہے اس لیے ممنوع ہے۔

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلَى . [الأحزاب: ۳۳]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲/۲۴)

عورتوں کا الیکشن میں کھڑے ہونا

سوال [۷۵۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل گورنمنٹ نے یہ قانون بنادیا کہ بعض شہر یا قصبہ میں یا قصبہ کے بعض حلقہ میں مستورات ہی چیرمینی یا ممبر کا الیکشن لڑسکتی ہیں، ظاہر بات ہے کہ اگر مسلمان عورت کھڑی ہوگی تو جلسہ میں تقریر بھی کرے گی، بے پردہ لوگوں کے سامنے بھی آئے گی، لوگوں سے بات کریگی، ووٹ مانگنے کے لیے مردوں کے پاس جاکر درخواست کریگی، چیرمین ہوکر میٹنگ میں جایا کریگی، غیر محرم لوگ اس کے پاس آکر اپنی ضروریات اور حاجات سنایا کریں گے، بے محابا اور بے پردگی کے ساتھ ان سے ہم کلام ہوگی اس کے علاوہ بہت قبائح ہیں، تو کیا مسلم عورت کو الیکشن میں کھڑے ہونے کی اجازت ہے، جبکہ عورت کے علاوہ مرد کی سیٹ ہی نہیں ہیں، اگر جائز ہے تو فبہا اگر نا جائز ہے تو عورت کو ووٹ دینا پھر کیسا ہے؟

المستفتی: حسیب الرحمٰن چاند پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں پر شرعی پردہ ہر حال میں لازم ہے اور جو عورتیں الیکشن میں کھڑے ہونے کا عزم رکھتی ہیں وہ مسئلہ معلوم کرکے اس پر عمل کرنے کا فکر

نہیں رکھتیں اس لیے سیاسی مسئلہ کو سیاسی مصلحت سے حاصل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۱۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۲۴ھ

عورت ووٹ لینے یا دینے کی حقدار ہے یا نہیں؟

سوال [۷۵۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مروجہ دستاویز کی رو سے جو بھی مرد، عورت عام ممبر بن جائے مجلس انتظامیہ وذمہ داران کی طرف سے ووٹ دینے کا اسے حق مل جاتا ہے، عورت ووٹ دینے یا لینے کی حقدار بن سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) عورت غیر محرم کو ووٹ دے کر نمائندہ بنا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: وصی الرحمٰن چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ علت کی بناء پر ووٹ ڈالنے کا شرعاً ان کو حق نہیں اور شرعی پردے کے ساتھ دینے کا حق ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۳۷۱، جدید مطول ۳/ ۲۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۳۲)

ائمہ حضرات کے لیے حکومتی امداد حاصل کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

سوال [۷۵۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی بنگال میں حکومت کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ ائمۂ مساجد کو ماہانہ

ڈھائی ہزار روپئے وظیفہ دیا جائے گا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ائمہ حضرات کے لیے مذکورہ وظیفہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ بھی سننے میں آرہا ہے کہ وقف کی رقم سے یہ وظیفہ ائمہ حضرات کو دیا جارہا ہے، اگر بات یہی ہے تو مذکورہ رقم کو لینے میں کوئی قباحت تو نہیں؟ اگر حکومت اپنے فنڈ سے ائمہ حضرات کو بطور وظیفہ ماہانہ رقم دے تو لینے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ ائمہ حضرات میں سے جن کو ماہانہ ڈھائی ہزار روپئے مل رہے ہیں ان میں سے بعض نے حکومت سے یہ اپیل کی ہے کہ ان کے ماہانہ وظیفہ کو بڑھا کے ساڑھے تین ہزار کیا جاوے، سوال یہ ہے کہ حکومت سے اس طرح کی اپیل کرنا یا مانگ رکھنا از روئے شرع کیسا رہے گا؟

المستفتی: جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ائمہ حضرات کو حکومت کی جانب سے ملنے والا وظیفہ شرعاً جائز اور درست ہے، اس وظیفہ کو مشتبہ سمجھنا خود کو حرج میں مبتلا کرنا ہے، کیونکہ حکومت کو حاصل ہونے والی آمدنی کا اکثر حصہ حلال اور جائز مال ہوتا ہے، جو بطور ٹیکس مختلف ذرائع سے وصول کیا جاتا ہے اسی طرح ائمہ حضرات کا ضرورت کی بنا پر حکومت سے اس وظیفہ میں اضافہ کا مطالبہ بھی درست ہے، البتہ ہندوستان میں ہمارے اکابر نے اس کی مخالفت کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت سے وظیفہ پانے والے حضرات حکومت کی خوشامدی کرنے لگیں گے اس لیے ائمہ حضرات کا اس وظیفہ کو لینے سے احتیاط برتنی چاہئے، بلکہ اس سے گریز لازم ہے۔

ویفتی الیوم بالجواز علی الإمامة وتعلیم القرآن والفقه. (مجمع الأنهر، کتاب الإجارة الفاسدة، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/۵۳۳، مصری قدیم ۲/۳۸٤)

والجزیة والخراج و مال التغلبی و هدیة أهل الحرب یصرف فی مصالحنا کسد الثغور و بناء القناطر والجسور و کفایة القضاة والعلماء.

(البحر الرائق کتاب السیر، فصل فی الجزیة، کوئٹه ۵/۱۱۷، زکریا ۵/۱۹۸)

وفی الشامی: وکذا النفقة علی المساجد کما فی زکاة الخانیة فیدخل فیه الصرف علی إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان و نحوهما. (شامی مطلب: فی مصارف بیت المال زکریا ٣٤٩/٦، کراچی ٢١٧/٤)

وإن کان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هدیته والأکل منها. (هندیة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات زکریا قدیم ٣٤٣/٥، جدید ٣٩٧/٥)

ویجوز للإمام والمفتی قبول الهدیة و إجابة الدعوة الخاصة، ثم قال إلا أن یراد بالإمام إمام الجامع أی و أما الإمام بمعنی الوالی فلا تحل الهدیة ...... والأولی فی حقهم إن کانت الهدیة لأجل ما یحصل منهم من الإفتاء والوعظ والتعلیم عدم القبول لیکون علمهم خالصاً لله تعالیٰ، و إن أهدی إلیهم تحببا و توددا لعلمهم وصلاحهم فالأولیٰ القبول. (شامی کتاب القضایا، مطلب فی حکم الهدیة للمفتی زکریا قدیم دیوبند ٤٩/٨-٥٠، کراچی ٣٧٢/٥-٣٧٣)

درء المفاسد أولی من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة قدم دفع المفسدة غالبا. (الأشباه قدیم ص: ١٤٧، زکریا ٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۰۳۲/۴۰)

سیاسی عالم کا غیر مسلم کو رادھا کرشن کی تصویر دینا

سوال [۷۵۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب بڑے دیندار، صاحب علم اور سند یافتہ عالم ہیں، اور سماجی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے ہیں، اس بنا پر سماج میں ان کا کافی اثر ورسوخ ہے، انہوں نے خاص موقع پر کسی غیر مسلم سیاسی آدمی کو رادھا کرشن کی تصویر پیش کی یہ بات محتاج بیان نہیں کہ رادھا کرشن کی غیر مسلم پوجا کرتے ہیں، اور نعوذ باللہ اپنے تئیں وہ ان کو خدا کا درجہ دیتے ہیں، اب سوال یہ ہے:

(۱) شرعاً شخص مذکور کا یہ عمل کیسا ہے؟

(۲) یہ تعاون علی الاثم میں داخل ہے یا نہیں؟

(۳) اس مقصد سے کہ وہ سیاسی آدمی ہمارے قومی ادارے کا کام آسان کر دے گا اس طرح کی تصویر پیش کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے؟

(۴) ایسے شخص کو مدرسہ کا ذمہ دار یا ٹرسٹی بنانا کیسا ہے؟

(۵) کیا ایسے شخص کو تجدید ایمان کرنا چاہیے؟

المستفتی: رشید احمد بھوٹیرا ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال مذکورہ شخص کا سوالنامہ میں ذکر کردہ عمل سخت گناہ کی بات ہے، کسی مقصد کے حصول کے پیش نظر ہندو سیاسی لیڈر کو رادھا کرشن وغیرہ کی تصویر پیش کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، ایسا کرنے والے شخص پر توبہ واستغفار لازم ہے۔

لو أن رجلا عبد الله خمسين سنة ثم جاء يوم النيروز فأهدى إلى بعض المشركين بيضة يريد به تعظيم ذٰلک اليوم فقد كفر بالله و أحبط عمله. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادى والعشرون ۳٤۷/۷، رقم: ۱۰٦٥٦)

لو اتخذ مجوسيا دعوة لحلق شعر رأس صبيه و دعا الناس إلى ذٰلک فحضر بعض المسلمين دعوته وأهدى إليه شيئا حيث لايكفر، وفي الخانية: والأولىٰ أن لايفعل و لايوافقهم على مثل ذٰلک. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، الفصل الحادى والعشرون ۳٤۷/۷ رقم: ۱۰٦٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۲/۱ھ

کیا آئین ہند کے حامی باطل کے حامی ہیں

سوال [۷۵۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کیا اس شخص کو جو ہندوستانی آئین کی جو کہ غیر اسلامی ہے یا اس کے نظام باطل کی حامی کسی جماعت کی حمایت وہمنوائی کرے درحقیقت نظام باطل کا ہمنوا وحمایتی نہیں سمجھا جائیگا؟

المستفتی: شمس الحق قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آئین ہند میں جو قانون ودستور بنے ہوئے ہیں وہ جمہوری اور سیکولر ہیں، اگر حکومت ان قوانین پر مکمل طریقہ پر خود بھی عمل کرے اور تمام رعایا کو عمل کا پابند بنائے تو کسی مسلمان کو شریعت کے مطابق زندگی گذارنے میں کوئی پریشانی اور رکاوٹ لاحق نہیں ہوسکتی، لیکن افسوس کی بات ہے کہ نہ حکومت ان قوانین پر عمل کرتی ہے اور نہ ہی رعایا کو اس کا پابند بناتی ہے، حکومت کے عمل کا ان قوانین سے دور تک بھی تعلق نہیں رہتا ہے، اس لیے آپ نے جو سوال میں لکھا ہے شاید عمل کو دیکھ کر لکھا ہے، ورنہ فی نفسہٖ قانون ایسا خطرناک نہیں ہے، جو اسلامی زندگی کے خلاف ہو، ہاں البتہ آپ کے سوال کا مطلب شاید یہ ہو کہ آئین ہند کے خلاف مسلم دشمنی میں جو عمل ظہور میں آرہا ہے وہ اسلام کے بھی خلاف ہے، تو گویا کہ وہ اسلام کے بھی خلاف کرتے ہیں، اور آئین ہند کے مخالفین کی بھی حمایت کرتے ہیں، درحقیقت ایسے لوگوں کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ باطل کی حمایت کرتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۹رصفر المظفر ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۹)	۱۴۲۱/۲/۱۹ھ

چیرمین پر سڑک کی تعمیر کے لیے حکومت سے ملنے والی رقم کو وہیں صرف کرنا لازم ہے

سوال [۷۵۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ محمد حسین بیجاپور کرناٹک کے ایک گاؤں کا چیرمین ہوں، حکومت کے حوالہ سے ایک مسئلہ وضاحت طلب ہے، ہم کو سڑک درست کروانا یا کہیں سڑک بنوانا پڑتا ہے، لہٰذا ہم حکومت کو ایک معتد بہ مقدار مثلاً ایک لاکھ کا خرچ بتلاتے ہیں اور پچاس ہزار میں ہم مکمل کام

کرا لیتے ہیں، بقیہ رقم آپس میں تقسیم ہو جاتی ہے، مسئلہ ذیل میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ بقیہ پچاس ہزار رقم میں سے بیس ہزار درمیان کے کچھ افسروں کو دینا پڑتا ہے اور یہ دینا لابدی ہوتا ہے اس کے بغیر ایک لاکھ رقم حاصل ہی نہیں ہوسکتی، بقیہ تیس ہزار ہم غیر مسلموں میں تقسیم کرتے ہیں، وہ جو ہمیں الیکشن میں اپنے اپنے محلوں میں جتانے میں معاون ہوتے ہیں اور ان پر خرچ کرنا اس اعتبار سے لابدی وضروری ہوتا ہے حالانکہ ہم اس میں سے کچھ بھی استعمال نہیں کرتے چنانچہ سیاسی پالیسیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح رقم تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حسین کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سڑک کی تعمیر کے لیے حکومت کی طرف سے جو رقم آتی ہے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا لازم ہے، اور پچاس ہزار کے خرچ میں ایک لاکھ کی مانگ کرنا پھر اس کے بعد بچی ہوئی رقم کو ووٹروں میں تقسیم کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ حکومت کی طرف سے آئی ہوئی رقم صرف سڑک کی تعمیر کے لیے آئی ہے، ووٹروں میں تقسیم کرنے کے لیے نہیں آئی ہے، لہٰذا یہ جھوٹ اور غلط بیانی کے ذریعہ سے امانت میں خیانت ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: لا إيمان لمن لا أمانة له ولا دين لمن لا عهد له. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۰/۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۳/۴۳۹، رقم: ۷۱۹۶، المعجم الأوسط، دار الفكر ۲/۸۵، رقم: ۲۶۰۶، مسند أحمد بن حنبل ۳/۱۳۵، رقم: ۱۲۴۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۷۰/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۶ھ

چیرمین کا کسی ضرورتمند کو نگر پالیکا کی زمین بغیر معاوضہ کے دینا

سوال [۷۵۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں: شہر یا قصبہ میں جوز مین نگر پالیکا کے قبضہ میں ہوتی ہے اگر چیر مین صاحب کسی ضرورتمند کو بغیر کسی معاوضہ کے مشورہ کر کے دیدیں تو لینے والے غریب آدمی کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شاکر قصبہ ککرالہ بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورتمند کے لیے شرعاً لینا جائز ہے، بشرطیکہ چیر مین صاحب کو حکومت کی طرف سے اس کی اجازت حاصل ہو کیونکہ چیر مین صاحب نگر پالیکا کی اشیاء میں تصرف کرنے میں حکومت کے وکیل ہیں۔

أنت وكيلي في كل شيئ جائز أمرك ملك الحفظ والبيع والشراء ويملك الهبة الصدقة، حتى إذا أنفق على نفسه من ذلك المال جاز؛ حتى يعلم خلافه من قصد المؤكل. (شامی، کتاب الوکالۃ، زکریا دیوبند ۸/۲۴۱، کراچی ۵/۵۱۰، البحر الرائق زکریا ۷/۲۳۹، کوئٹہ ۷/۱۴۱، بزازیہ زکریا جدید ۲/۲۴۱ وعلی هامش الهندية ۵/۴۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۵/۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۵۵)

سرکاری گاڑیوں کی مرمت کا خرچہ سرکار سے وصول کرنا

سوال [۷۵۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: راقم الحروف ایک کارخانہ کا مالک ہے جس میں جیپ کار، فی ریٹ، امبیسڈر و دیگر گاڑیوں کی مرمت ہوتی ہے، اکثر وبیشتر سرکاری گاڑیاں مرمت کے لیے آتی ہیں، اس سلسلے میں ایک زحمت میرے سامنے یہ ہے کہ مثلاً میں نے ایک گاڑی کی مرمت کی جس کی اجرت وسامان کی لاگت تین ہزار روپیہ ہوئی، لیکن سرکاری کام میں یہ کرنا ہوتا ہے کہ ڈرائیور مجھ سے دس فیصد مانگتا ہے، اور بل پاس کرنے والا اس پر پندرہ فیصد مانگتا ہے، اب میری

مجبوری یہ ہے کہ جو بل تین ہزار کا ہونا چاہیے تھا وہ بل مجھے تین ہزار سات سو پچاس روپیہ کا بنانا پڑتا ہے، آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ جوزائد رقم مجھے بل میں لکھنی ہوتی ہے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ درست ہے یا نہیں؟ جیسا بھی ہو مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالحمید مظاہری چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکاری گاڑیوں کی مرمت کرنے میں آپ کا جو سامان لگتا ہے اور پھر واؤچر وغیرہ کے منظور کرانے میں آپ کو جو رقم دینا پڑتی ہے وہ تمام رقم لکھ کر سرکار کے سامنے بل بنا کر پیش کرنا اور تمام خرچہ لکھ کر وصول کرنا جائز ہے، جیسا کہ ان جزئیات سے معلوم ہوتا ہے۔

ومن اشتریٰ شيئا و أغلی فی ثمنه فباعه مرابحة علی ذٰلک جاز (إلی قوله) والأصل أن عرف التجار معتبر فی بیع المرابحة فما جری العرف بإلحاقه برأس المال یلحق به ومالا فلا. (عالمگیری، کتاب البیوع، الباب الرابع عشر فی المرابحة والتولیة والوضیفة، زکریا قدیم ۳/ ۱۶۱، جدید ۳/ ۱۵۸)

ویضم أجرة السمسار فی ظاهر الروایة. (عالمگیری زکریا قدیم ۳/ ۱۶۲، جدید ۳/ ۱۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۶/ ۱۴۱۴ھ

چک بندی کی شرعی حیثیت

سوال [۷۵۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت مطہرہ کی روشنی میں چند سوالوں کے جواب درکار ہیں تقریباً ۲۸/ سال ہو گئے ہمارے یہاں چک بندی ہوئی تھی، اور چک بندی محکمہ کا افسر چک ناپ گیا تھا،

اور ہر ایک شخص اپنے اپنے چکوں پر اس وقت سے قابض ہے، اب کاشتکار اپنے چکوں کو ناپتے ہیں تو کسی کا چک کم ہے اور کسی کا زیادہ ہے اور کسی کا بالکل صحیح ہے، چک بندی آفیسر سے ناپنے میں کمی زیادتی ہوگئی ہوگی۔

(۱) اب کم والا اپنے پڑوسی سے کہتا ہے کہ میری زمین کم ہے میری زمین پوری کرو وہ کہتا ہے کہ میری زمین تو پوری ہے میں کیوں دوں، میرے پڑوسی سے مجھے دلوادو میں تجھے دیدوں گا، اب دونوں مل کر تیسرے کے پاس جاتے ہیں وہ تیسرا شخص زمین دینے کیلئے بالکل تیار نہیں تو اب یہ دوسرا شخص جس کی زمین پوری ہے وہ عنداللہ مجرم تو نہیں ہے؟

(۲) نیز چک بندی آفیسر جب چک ناپتا ناپتا جنگل کی آخری حد بندی پر پہنچتا تھا تو وہ اس کو ناپتا نہیں تھا بلکہ نشان لگا کر یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ یہاں سے تمہارا چک ہے، اس کو ناپتا نہیں تھا، اب کسی کا چک زیادہ ہے اور کسی کا کم ہے، اور کسی کا بالکل صحیح ہے، انہیں میں ایک ہے جس کے تین سمت چک روڈ ہے اور ایک سمت میں گاؤں ہے، نشان لگا کر چھوڑ گیا اور کہہ گیا کہ یہ تمہارا چک ہے اس میں کوئی کمی زیادتی نہیں کی اس کو ناپا گیا تو موقع پر یہ چک زیادہ ہے، تو اس میں زیادتی کی وجہ سے صاحب چک عنداللہ مجرم تو نہیں ہے یا ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین بشن پورا غوانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کا حصہ بالکل صحیح ہے اس پر عنداللہ کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا اور جس کے حصہ میں زیادہ آیا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ زائد حصہ کم والے کے حوالے کردے کیونکہ زائد حصہ کم والے کا حق ہے، اس کو اپنے پاس رکھنا جائز نہ ہوگا اس میں آفیسر سے غلطی ہوگئی ہے اور آفیسر کی غلطی کی وجہ سے اس شخص کے لیے حلال نہ ہوگا جس کے پاس زیادہ چلا گیا ہے اور حلال ہونے کے لیے سبب شرعی شرط ہے اور سبب شرعی یہی ہے کہ صاحب حق سے خرید لے یا وہ بخوشی ہبہ کردے اس کے بغیر حلال نہیں ہے۔

عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمه أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الایمان، باب فی قبض الید عن الأموال

الحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ٤/ ۳۸۷، رقم: ٥٤٩٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۹ھ

عراق کے کویت پر غاصبانہ قبضہ کرنے سے متعلق چند سوالات

سوال [۷۵٦۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگست ۱۹۹۰ء میں عراق نے کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا اور اسے عراق کا انیسواں صوبہ قرار دیا، کویت کی کرنسی کو عراق کی کرنسی کے ہم پلہ قرار دیا، اس دوران کویت میں مختلف ممالک کے لوگ تجارت ملازمت وغیرہ کرتے تھے، ان میں بعض کی اچھی خاصی تجارت تھی یا ملازمت بہت ہی اچھی تھی، جو اس جنگ کے سبب یا تو ان کی تجارت اور املاک مکمل یا اکثر ضائع ہوگئی یا ان کی ملازمت چلی گئی، دنیا کے ۲۸؍ملکوں نے مل کر امریکہ کی قیادت میں عراق پر شدید حملہ کے بعد کویت کو عراق کے قبضہ سے چھڑایا اور عراق کو شکست ہوئی، نیتجتاً عراق کو اقوام متحدہ اور امریکہ کی جو شرط ہوا سے ماننا پڑا، من جملہ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس جنگ میں امریکہ یا کسی بھی ملک کا یا کسی بھی فرد کا چاہے وہ کسی بھی ملک کا باشندہ ہو اس کا جو بھی نقصان ہوا اس نقصان کا مکمل جرمانہ عراق سے وصول کیا جائیگا اور شرط کے مطابق امریکہ واقوام متحدہ عراق کے تیل کے کنووں کا مکمل کنٹرول اپنے پاس رکھیں گے اقوام متحدہ جہاں کہے وہیں بیچنا ہوگا اس تیل کو بیچ کر اس نقصان کا انجبار کیا جائیگا، اور عراق کو اس کی ضرورت کے مطابق رقم ملے گی جب مکمل انجبار ہو جائیگا، تو ان کنوؤں سے اپنے کنٹرول سے دست بردار ہو جائیں گے، اس کے بعد امریکہ نے ان ممالک میں جہاں کے لوگ کویت میں مقیم تھے، ان ملکوں میں وہاں کی حکومت کے ذریعہ ان حضرات کے درمیان کچھ فارم تقسیم کیے اس میں جس کا جو بھی نقصان ہوا، اس کی تفصیل لکھ کر اس ملک میں طے کردہ محکمہ تک پہنچائی گئی ہمارے علم کے مطابق تین قسم کے فارم تقسیم ہوئے (ا) A فارم

(۲) C فارم (۳) D فارم: A فارم میں جولوگ وہاں مقیم تھےان کو اپنے نام وغیرہ کی تفصیل درج کرنی تھی اس فارم والوں کے لیے امریکہ و اقوام متحدہ نے ایک رقم ہی طے کردی ہے کہ جولوگ وہاں مقیم تھےان کو اتنی رقم ہر حال میں دی جائے گی۔

D.C فارم: اس فارم میں جولوگ مقیم تھےان کے مالی نقصانات کی بنا پر یا ذہنی کوفت یاملازمت کے چلے جانے کی بناپرایک مدت تک بیکار رہنے کا جوبھی کلیم/مقدمہ کرنا ہواسے اس فارم میں درج کیا جاتا، اس موقع پر جہاں لوگوں نے اپنے نقصان کی تفصیل لکھی، وہیں پراپنے نقصان سے کئی گنا زائدا کثر لوگوں نے لکھااس کے بعد جب فارم امریکہ اور اقوام متحدہ کے پاس پہنچے تو اس نے جتنا جس نے نقصان لکھوایا تھا وہ مکمل منظور فرما کر ہندوستان کا حکومت ہند کوسپرد کردیا، جو جستہ جستہ ہر ایک کو بینک کے قوانین کے مطابق مل جائیگااس موقع پر مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں امید ہے کہ اس کا حل از روئے شرع مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

(۱) ایک مسلم ملک اگر کسی دوسرے ملک پر حملہ کر کے اس پر غلبہ پا کر قبضہ کرلے تو کیا قابض ملک اس مقبوضہ ملک کا مالک ہوگا یا غاصب؟

(۲) قابض ملک سے مقبوضہ ملک کا یا وہاں کے ملکی / غیر ملکی باشندگان کا جو مالی نقصان ہوا چاہے اس کی فوج نے یا دوسروں نے جو وہاں مقیم تھے انہوں نے لوٹا ہو یا وہ مالکان غیر ملکی اپنی املاک اپنے ملک مثلاً ہندوستان سفر کی مشقت کی بنا پر وہاں چھوڑ کر چلے آئے تواب اس کا مالی جرمانہ اس سے یعنی عراق سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) بعض حضرات نے C اور D فارم کے مطابق اپنا نقصان بہت لکھوایا ہے حالانکہ ان کا نقصان اس سے بہت کم ہوا ہے، یا بالکل ہوا ہی نہیں تو ایسے لوگ ان پیسوں کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: اگر ان پیسوں کو مسترد کردیں تب بھی یہ رقم بظاہر واپس پہنچنے والی نہیں بلکہ مقامی ذمہ داریا ملکی ذمہ داروں کی نذر ہوجائیگی تواس کا حل کیا ہوگا؟

(۴) کیا اپنے مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں؟

(۵) اگر لے سکتے ہیں تو اپنے نقصان سے زائد رقم کا مصرف کیا ہوگا اور اگر نہیں لے سکتے تو پھر اس رقم کا مصرف کیا ہوگا؟

(۶) بعض حضرات نے اس موقعہ پر جو ذہنی کوفت اور پریشانی ہوئی اس کا بھی مقدمہ کرکے اس کا تاوان لکھوایا ہے، تو کیا اس معاوضہ کو لے سکتے ہیں؟

(۷) جنگ سے پہلے کویتی دینار کی ہندوستان میں زر تبادلہ کی شرح ۷۵/روپیہ تھی لیکن عراق کے قبضہ کے بعد اس کا نرخ ۵/ یا ۱۰/روپیہ تک ہوگیا بہت سے لوگوں کے پاس وہ کرنسی موجود تھی مگر اپنی ضرورت کی وجہ سے انہوں نے اسی شرح پر بیچ دی تو یہ زر تبادلہ کا جو نقصان انہیں برداشت کرنا پڑا اسے مالی نقصان میں محسوب کیا جائے گا یا نہیں؟

(۸) بعضوں کی تنخواہ بہت زائد تھی، جو بھی ہو بعد میں دوبارہ جنگ کے بعد میں یا تو نہ وہ ملازمت رہی یا وہ ملازمت رہی مگر شرح تنخواہ وہ نہ رہی بلکہ اس سے کم ہوئی تو کیا وہ لوگ اپنی تنخواہ اور ملازمت کے بدلہ کوئی معاوضہ مالی لے سکتے ہیں؟

(۹) بعض لوگ آج تک دوبارہ وہاں نہیں جاسکے تو کیا انہوں نے جو کلیم کیا ہے جس میں اپنے نقصان سے زائد رقم لکھی ہے، اس میں سے آج تک کی تنخواہ کے حساب سے رقم لے سکتے ہیں؟

(۱۰) وہ حضرات جو وہاں گئے تھے وہ تقریباً لاکھ روپیہ ویزا کے خرچ کرکے گئے تھے ان میں سے بعض حضرات کو تو ابھی پہنچے ایک دو دن یا ہفتہ عشرہ یا مہینہ دو مہینہ ہوئے تھے غرض کہ اپنی ویزا سے فائدہ اٹھا بھی نہیں پایا تھا تو کیا اسے مالی نقصان میں شمار کیا جائیگا؟

(۱۱) بعض حضرات کو وہاں گئے ہوئے کئی سال ہوئے تھے اور بہت کچھ کمایا بھی کیا وہ حضرات ویزا کا خرچ لے سکتے ہیں؟

(۱۲) بعض حضرات ان کو جو رقم ملنے والی ہے اس میں سے کچھ حصہ مدارس میں دینا چاہتے ہیں کیا مدارس اس رقم کو لے سکتے ہیں؟ کس مصرف میں؟

(۱۳) اگر از روئے شرع پیسہ نہ لے سکتے ہوں بلکہ صدقہ کرنا ہو تو بعض وہ حضرات جن کو پیسہ ملنے والے ہیں وہ خود ہی بہت مقروض ہیں تو کیا وہ اپنے قرضہ کے بقدر رقم لے سکتے ہیں؟

(۱۴) معلوم ہوا کہ یہ ساری رقم اقوام متحدہ نے حکومت ہند کو آج سے تین سال قبل ادا کر دی ہے اور ان تین سالہ مدت کا سود بھی حکومت ہند ادا کر رہی ہے، تو اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ حکومت ہند جو سود دے رہی ہے اس رقم کو ہم سود قرار دیں گے یا پراویڈنٹ فنڈ کی طرح ہوگا۔

(۱۵) اقوام متحدہ نے بھی وہ رقم مع سود ادا کی ہے، یعنی جنگ کے بعد جتنے بھی سالوں کے بعد حکومت ہند کو سپرد کی وہ سود کے ساتھ دی ہے تو اس کا حل کیا ہوگا، امید ہے کہ ان سوالات کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد انور فلاحی، محمد خالد رشید، دار العلوم لونا واڑہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) جب عراق سے الگ کویت ایک مستقل مسلم حکومت ہے تو عراق کا کویت پر قبضہ کر کے اس کو اپنے ملک کا حصہ قرار دینا ناجائز اور غاصبانہ قبضہ ہے، اس پر غصب کے احکام جاری ہو جائیں گے۔

(۲) مقبوضہ ملک کویت واپس ہو جانے کے بعد اگر کویت حکومت اور اس کے ملکی و غیر ملکی باشندوں کے مالی نقصانات کا عراق سے انجبار کرنے پر قدرت ہو چکی ہے، تو واجبی نقصانات کا انجبار جائز اور درست ہوگا۔

وإن نقص في يده ضمن النقصان لأنه دخل جميع أجزائه في ضمانه بالغصب فما تعذر رد عينه يجب رد قيمته. (هدايه، كتاب الغصب اشرفي ۳/ ۳۷٤)

(۳) واجبی نقصان سے زیادہ لکھوا کر زیادہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے اور جن لوگوں کا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے، ان کا نقصان لکھوا کر کچھ حاصل کرنا بھی ناجائز اور جھوٹ اور دھوکہ دہی ہے۔

﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ. [الحج: ۳۰]﴾

اب اگر ناحق رقم یا زائد رقم حاصل ہو گئی ہے اور اس کو واپس کرنے میں حکومت عراق تک واپسی ممکن نہیں ہے تو اس رقم کو فقراء میں تقسیم کر دینا لازم ہے۔

من اكتسب مالا بغير حق (إلى قوله) أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه (إلى قوله) يجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/۳۷، دار البشائر الاسلاميه ۱/۳۵۹، رقم: ۵۹)

(۴) جی ہاں مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں۔

(۵) زائد رقم کا صدقہ کرنا لازم ہوگا۔

(۶) ذہنی کوفت کا مالی جرمانہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے لے لیا ہے تو اس کا صدقہ کردینا لازم ہوگا، البتہ ذہنی کوفت جس نے کسی مسلمان کو پہنچائی وہ گنہگار ہوگا مگر اس کا مالی معاوضہ نہیں۔

(۷) کرنسیوں کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، اس لیے اس نقصان کا کوئی انجبار نہیں ہے، نیز آپ نے خود اپنے فعل اور اختیار سے تبادلہ کیا ہے اس لیے اس نقصان کا بدلہ نہیں ہے۔

(۸) جن کی تنخواہیں کم ہوگئی ہیں ان کو تنخواہیں بڑھانے کا مطالبہ کرنا جائز ہے مگر اس کمی کا ذمہ دار عراق نہیں ہے، بلکہ کویت حکومت ہے، کیونکہ آپ کویت کے ملازم ہیں عراق کے نہیں، اور جن کی ملازمت ختم ہوگئی ہے ان کو ملازمت بحال کرنے کا مطالبہ جائز ہے، البتہ عراق کے قبضہ اور جنگ کے زمانہ میں جو نقصان ہوا ہے وہ عراق سے وصول کرنا جائز ہوگا، اور ملازمت کا مالی معاوضہ کسی طرح ممکن نہیں ہے، کیونکہ آپ کی ملازمت کب تک رہے گی اور آپ کب تک زندہ رہیں گے اس کا علم کسی کو نہیں ہے۔

(۹) اگر وہ لوگ دوبارہ جا کر ملازمت میں لگ جاتے ہیں تو درمیان کے نقصان کا انجبار کیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) جو لوگ ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے وہاں پہنچ گئے ہیں اور ابھی تک خرچ شدہ رقم وصول نہیں ہو پائی تھی کہ عراق کا قبضہ ہو کر پورا نقصان ہو گیا ہے تو جتنا نقصان ہوا

اتنے کا انجبار جائز ہوگا۔

(۱۱) جن لوگوں نے وہاں جاکر سالوں سے کمایا ان کے لیے ویزا خرچ لینا جائز نہ ہوگا اس لیے کہ انہوں نے اپنے ویزا اور سفر سے پورا فائدہ حاصل کرلیا ہے۔

(۱۲) مساجد و مدارس میں واجبی رقم میں سے دے سکتے ہیں، زائد رقم میں سے دینا جائز نہ ہوگا اور نہ ہی اس رقم میں سے دینا جائز ہوگا جو جھوٹے دعویٰ سے حاصل کیا گیا ہے۔

(۱۳) جو لوگ خود مستحقین زکوٰۃ ہیں ان کے لیے زائد رقم کا خود استعمال کرنا جائز ہوگا کیونکہ وہ خود مصرف ہیں۔

(۱۴) جو سود حکومت ہند یا اقوام متحدہ کی طرف سے مل رہا ہے ان میں سے حکومت ہند سے حاصل ہونے والا سود فقراء میں تقسیم کردیں اور اقوام متحدہ سے ملنے والا سود خود استعمال کرسکتے ہیں کیونکہ اقوام متحدہ درحقیقت امریکہ کے زیر تحت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۰۶/۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۱۱/۱۴۱۸ھ

کفیل کا حکومت کا فنڈ خود استعمال کرنا

سوال [۷۵۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس وقت حکومت کی طرف سے ایک فنڈ غریب محتاج بیوہ بوڑھے اور معذور لوگوں کو گاؤں کے ذمہ داروں یعنی پردھان، سرپنچ اور قصبات میں چیرمین و دیگر ممبران نگر پالیکا کی سفارش پر ایک سو روپیہ ماہانہ منظوری پر ملتا ہے، اگر کوئی آدمی ایسا ہو جس کے پاس جائیداد بھی ہو اور اس کے لڑکے اچھی کمائی کرتے ہوں بظاہر ان کو کوئی بھی محتاجگی نہیں بلکہ خود کفیل ہیں ایسے لوگوں کے لیے حکومت کے فنڈ کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد احمد فرید نگر ٹھاکردوارہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ فنڈ صرف غریب محتاجوں کے لیے قائم کیا گیا ہے تو سوالنامہ میں جن ذمہ داروں کی تصدیق کی بات ہے ان کے سامنے خود اپنے آپ کو کفیل ہونے کی بات ظاہر کردینا ہوگا اگر ظاہر کرنے کے باوجود ملتا ہے تو اس کا لینا اور اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہوگا اگر کذب بیانی سے کام لیا گیا تو لینا جائز نہیں ہوگا۔

عن أبی حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفيه ديوبند ص: ١١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۱)	۲۵/۱۲/۱۴۱۴ھ

۶۰/ سال سے اوپر عمر والی بیواؤں اور بوڑھوں کو منجانب سرکار ملنے والی امداد کا حکم

سوال [۷۵۶٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت کی طرف سے ۶۰/ سال کے اوپر کی عمر والوں کو کچھ روپئے اور غلہ ملتا ہے اسے لینا کیسا ہے، حکومت ہند کی طرف سے بوڑھوں بیواؤں کے لیے خصوصی امداد ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: حاجی چھوٹے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمر کے ایک خاص عرصہ میں پہنچ کر سرکار کی جانب سے جو رقم غلہ وغیرہ امداد کی شکل میں ملتی ہے وہ سرکار کی جانب سے تبرع اور عطیہ ہے، اس کا لینا اور استعمال کرنا بلا شک وشبہ جائز اور درست ہے۔

عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: من وهب هبة، فهو أحق بها، مالم یثب منها. (المستدرك، البیوع، دار البشائر الإسلامیة ۳/ ۸۷۵، رقم: ۲۳۲۳، سنن الدار قطنی، البیوع، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۳۸، رقم: ۲۹۵۰)

حکم الهبة ثبوت الملک للموهوب له. (تاتارخانیة، کتاب الهبة، زکریا ۱۴/ ۴۱۳، رقم: ۲۱۵۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

حکومت سے روپیہ ملنے کی ایک جائز صورت

سوال [۷۵۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت عوام کو بطور امداد کے کاروبار کرنے کے لیے روپئے دیتی ہے جس میں کا نصف روپیہ حکومت کو واپس کرنا پڑتا ہے، اور نصف معاف ہوتا ہے مثلاً چار ہزار روپئے حکومت سے لیے اس سے کاروبار کیا پھر حکومت کو دو ہزار روپیہ واپس کر دیا باقی سب تاجر کا ہوگیا ہے تو کیا اس طرح حکومت سے روپئے لینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس مد میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟

(۲) حکومت سے چار ہزار لے کر اسی کے قانون کے مطابق دو ہزار حکومت کو واپس کر دے، اور بقیہ دو ہزار سے عوام الناس کے لیے یا اپنے لیے بیت الخلاء بنا سکتے ہیں؟

المستفتی: زین العابدین سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر حکومت نصف معاف کر دیتی ہے تو اس کا حکم شرعاً تبرع کے ہے، شرعی طور سے خود مالک ہو جاتا ہے، وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے خرچ کر سکتا ہے، اپنے بچوں پر، تعمیر مکان، تعمیر بیت الخلاء اپنے لیے یا غیر کے لیے ہر امر جائز ہے، اس کے صرف کرنے میں من جانب شرع کوئی پابندی نہیں ہے۔

ویکون متبرعاً علی المدعی علیه کما لو تبرع بقضاء الدین. (ھدایہ، کتاب الصلح، باب التبرع بالصلح والتوکیل، اشرفی ۳/ ۲۵۰)

العفو إنما یسقط ماکان مستحقا للعافی خاصة. (قواعد الفقہ اشرفی ص: ۹۳، رقم: ۱۹۱)

وهبة الدین ممن علیه إبراء. (ھدایہ کتاب الھبۃ، باب ما یصح رجوع و مالا یصح، اشرفی ۳/ ۲۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۱۸)

فسادزدہ لوگوں کا حکومتی امداد لینا

سوال [۷۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فساد کے دوران مرنے والوں کے وارثوں کو جو حکومت امداد دیتی ہے کیا وہ جائز ہے اور مالی نقصان کے بارے میں بھی کیا حکومت سے ملنے والی امداد جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: شاہد حسین محلہ پیرغیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب حکومت اپنی طرف سے فسادزدہ علاقہ کے لوگوں کے ضائع شدہ مال کا تاوان ادا کرے اور شہید ہونے والوں کے ورثاء کو مخصوص مقدار میں مال تو وارثوں اور حقداروں کو لینا جائز ہے، اگرچہ ورثاء اور حقدار صاحب حیثیت کیوں نہ ہوں۔

ماکان علی وجه التبرع یستوی فیه الغنی والفقیر. (قواعد الفقہ اشرفی ص: ۱۱۶، رقم: ۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۹۷)

دوکانداروں کے لیے حکومت کا تعاون لینا

سوال [۷۵۶۹]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گورنمنٹ کی جانب سے دوکانداروں کے لیے یہ اسکیم نکلی ہے کہ جو دوکانیں رجسٹرڈ ہیں ان کے مالک فارم بھر کر بھیج دیں اگر کوئی دوکاندار مرتا ہے کسی حادثہ میں تو اس کو گورنمنٹ کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ دیا جائیگا تو کیا روپیہ لینا جائز ہے؟

المستفتی: دوکاندار شیر کوٹ بازار بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوکانداروں کے لیے یہ ایک نیا قانون نکلا ہے کہ جس دوکان کا رجسٹریشن ہو جائے اور دوکاندار کسی حادثہ میں یا یوں ہی مر جائے تو حکومت کی طرف سے ایک لاکھ روپیہ بطور تعاون دیا جاتا ہے یہ حکومت کا تعاون دوکانداروں کے لیے بلا تردد جائز اور حلال ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۳۱۶، جدید زکریا ۱۰/ ۲۲۵)

أخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز ما لم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمدؒ: وبه نأخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه و هو قول أبي حنيفةؒ و أصحابه. (عالمگیری، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۹۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

مکان وغیرہ کی تعمیر کے لیے مالداروں کا حکومتی امداد لینا

سوال [۷۵۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آٹھ سو روپیہ حکومت لیتی ہے اور لوگوں کو بیت الخلاء بنانے کے لیے تقریباً

ساڑھے تین ہزار روپئے کا سامان دیتی ہے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ حکومت ان غریبوں کو جو غیر صاحب نصاب ہوتے ہیں بیس ہزار روپیہ مکان بنانے کے لیے دیتی ہے تو اس غیر صاحب نصاب کا ان روپیوں کو لینا جائز ہے یا نہیں اور جو صاحب نصاب ہو اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد راشد ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت آٹھ سو روپیہ لے کر بیت الخلاء بنانے کے لیے ساڑھے تین ہزار روپئے کا سامان اسی طرح غریبوں کو مکان بنانے کے لیے چوبیس ہزار روپئے دیتی ہے یہ حکومت کی جانب سے امداد ہے اور حکومت کی امداد غریب و مالدار سب کے لیے یکساں طور پر حلال وجائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۳۱۷، جدید زکریا دیوبند ۱۰/ ۲۲۵)

أخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز مالم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمدؒ: وبه ناخذ مالم نعرف شيئا حراما و هو قول أبي حنيفةؒ و أصحابه ...... أن الشيخ أبا القاسم كان يأخذ جائزة السلطان. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشرفى الهدايا و الضيافات، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ر جمادی الاولی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا

سوال [۷۵۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا ایک لڑکا ہے اس کی تنخواہ بارہ سو روپیہ ماہانہ ہے اس کے دو بچے ہیں کل ملا کر ہم چار لوگ ہیں، میں آپ سے یہ مشورہ لینا چاہتی ہوں کہ میری ماں بہنیں ہماری حالت دیکھتے ہوئے سمجھاتی ہیں کہ سرکار کے پاس سے جو مہینہ آتا ہے اس کا فارم تم بھی بھر دو تو کیا یہ

پیسہ میں لے سکتی ہوں، کیا میں یہ فارم بھر سکتی ہوں، اس بات کو سمجھ کر اللہ کے واسطے مشورہ دیں کہ کیا میں اس کام کو کر سکتی ہوں؟

دوسری بات یہ ہے کہ دو سال پہلے رمضان میں میں یہ سوچ رہی تھی کہ ہمارا خرچ کیسے چلے گا؟ تو ایک انجان عورت آئی اور ایک ہزار روپیہ دینے لگی، میں نے منع کر دیا، پر وہ زبردستی دے گئی اور بھی دو تین ماں بہنیں پیسے دیتی ہیں، تو کیا ہم لے لیں کیا یہ پیسہ لینا گناہ تو نہیں؟

المستفتی: نور جہاں بیگم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی ضرورت بیٹے کی تنخواہ بارہ سو روپیہ سے پوری نہیں ہوتی ہے تو سرکاری تعاون لے کر ضرورت پوری کرنا شرعاً جائز ہے اسی طرح جو بہنیں تعاون کرتی رہتی ہیں اس کے لینے میں بھی کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔

عن قبيصة بن مخارق الهلالي قال: تحملت حمالة، فأتيت رسول الله ﷺ أسأله فيها، فقال: أقم، حتى تأتينا الصدقة، فنأمر لك بها، قال: ثم قال: يا قبيصة! إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة رجل، تحمل حمالة، فحلت له المسئلة حتى يصيبها، ثم يمسك، ورجل أصابته جائحة اجتاحت ماله، فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال سدادا من عيش و رجل أصابته فاقة حتى يقوم ثلاثة من ذوي الحجا من قومه: لقد أصابت فلانا فاقة، فحلت له المسئلة حتى يصيب قواما من عيش، أو قال سداداً من عيش، فما سواهن من المسئلة يا قبيصة سحتا يأكلها صاحبها سحتا. (مسلم شريف، باب من تحل له المسألة، النسخة الهندية ١/ ٣٣٤، بيت الأفكار رقم: ١٠٤٤، مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ١٠٤٤، رقم: ١٧٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۲ھ

نومسلمہ کا اپنا ہندوانی نام بتا کر ووٹ حاصل کرنا

سوال [۷۵۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نومسلمہ عورت جو پہلے ذات کی چمارن تھی، اس نے مذہب اسلام قبول کیا اور ایک چودھری مسلمان شخص سے نکاح کرلیا، ابھی حال ہی میں پنچایتی انتخاب میں اس نے الیکشن میں کامیابی حاصل کی ہے، لیکن وہ سیٹ پچھڑی ذات کے لوگوں کے لیے مختص تھی، مذکورہ عورت نے اپنے سابقہ مذہب ونام کو بتلا کر کہ میں چمارن ہوں، میرا نام فلانہ ہے، الیکشن لڑا۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی عورت جس نے اپنے آپ کو چمارن یعنی کافر ہندو کہا ہو اور بھری عدالت یا کچہری میں کہنا پڑیگا، تو کیا مسلمان رہی یا اسلام سے پھر کر مرتد ہوگئی؟ نیز اس عورت کو اپنے سابقہ نام ''میوادیوی'' چمارن کے نام سے ہی دستخط کرنا پڑیگا کیا اس کو ہر مرتبہ تجدید ایمان کرنا پڑیگا، فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۳۸۴ کے فتویٰ ۸۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت دائرہ ایمان سے خارج ہے، اور امداد الفتاویٰ ۴/۵۹۳-۵۹۴ میں حضرت تھانویؒ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہے، بلکہ احتیاطاً تجدید ایمان ونکاح کرنا لازم ہے؟

المستفتی: محمد آزاد بیگ بہرائچی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں عورت کی جانب سے نہ تو کفر کا اقرار ہے اور نہ مذہب اسلام کا انکار ہے اس بناء پر محض چمارن اور ہندوانی نام بتانے سے اس کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا زوجین اپنے نکاح پر علی حالہ باقی ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید مطول ۱/ ۲۰۹، قدیم ۱/ ۳۷، عزیز الفتاویٰ قدیم ۱/ ۷۱)

إذا أطلق الرجل كلمة الكفر عمدا لكنه لم يعتقد قال بعض أصحابنا لايكفر لأن الكفر يتعلق بالضمير ولم يعتقد الضمير على الكفر. (البحر

الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين، كوئٹه ١٢٥/٥، زكريا ٢١٠/٥، شامي كراچی ٢٢٤/٤، زكريا ٣٥٨/٦، هنديه زكريا قديم ٢٧٦/٢، جديد ٢٨٧/٢)

لايفتي بكفر مسلم إذا كان في كفره خلاف. (در مختار زكريا ٣٦٧/٦، كراچی ٢٤٠/٤)

ويؤمر بالاستغفار والتوبة. (در مختار على الشامي زكريا ٣٩٠/٦، كراچی ٢٣٠/٤، ٢٤٧/٤)

البتہ عورت کا یہ عمل اور اس طرح فریب دیکر ووٹ حاصل کرنا اسلامی رو سے درست نہیں ہے یہ اس کی جانب سے دھوکہ اور فریب کاری ہے اور دھوکہ وفریب کاری کی وجہ سے انسان فاسق تو ہو جاتا ہے مگر کافر نہیں ہوتا، لہٰذا یہ عورت اس عمل کی وجہ سے فاسق تو ہے کافر نہیں، اس بنا پر اس کیلیے توبہ واستغفار کرنا لازم ہے۔

والكبيرة لاتخرج العبد المؤمن من الإيمان على أن مرتكب الكبيرة فاسق. (شرح عقائد نعيميه ديو بند ص: ١٠٩)

اور سوالنامہ میں جو امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند کا حوالہ دیا گیا ہے وہاں پر یہ صورت نہیں ہے، بلکہ فتاویٰ دار العلوم تو صراحتاً کفر کا اقرار اور اسلام کا انکار ہے، اس بناء پر اس سے استدلال کر کے اس پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ☆

۲۳ كتاب القضاء

۱ باب ما يتعلق بنفس القضاء

غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور

نظام قضاء کی اہمیت

اسلام ایک اجتماعی اور آفاقی مذہب ہے اور اسلامی تاریخ کے ہر دور میں مسلمان جہاں بھی رہے اپنی شہری زندگی باقی رکھنے کے لیے نظام قضاء قائم کرنا اپنا اولین فریضہ تصور کیا ہے، اور قضاء شرعی کے بغیر مسلم معاشرے کے لیے اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ناممکن ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑے اہتمام اور حکیمانہ انداز سے اتحادی اور اجتماعی زندگی کا حکم فرمایا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْ. [آل عمران: ۱۰۳]﴾

اور تمام مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے ذمہ دار علماء سے مراجعت کریں اور ان کے مشورہ کے مطابق اپنے معاملات طے کریں۔

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. [النحل: ۴۳]﴾

اور ایک جگہ فرمایا کہ ایمانی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کیلیے خدا اور رسول اور مسلم سر براہوں کی اطاعت ضروری اور لازم ہے، نیز آپس کے نزاعی معاملات کو منشاء الٰہی اور منشاء رسول کے مطابق حل کرنے کے لیے قرآن وحدیث کے حاملین اور شریعت کے ذمہ داروں

کے پاس پیش کرنے کو ایمان کی شرط قرار دیا:

﴿قال اللہ تعالیٰ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ. [النساء: ۵۹]﴾

اور امارت وخلافت اور ولایت اور قضاء اسلام کے اجتماعی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے کہ ایک مسلمان کی بہترین شخصی اور مدنی زندگی، شرعی تنظیم کے بغیر ایک طرح کی رہبانیت ہے جو دائرہ اسلام میں نہیں آتی، بلکہ جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ اپنی مدنی اور شہری زندگی گذارنے میں امیر و قاضی کی اطاعت نہیں کرتے اور کسی امیر کے ہاتھ پر بیعت کیے بغیر مر جاتے ہیں وہ جاہلیت کی موت مرتے ہیں، اور آخرت میں خدائی عذاب سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور خالی ہاتھ دربارِ الٰہی میں ان کی پیشی ہوگی۔

عن نافع قال: جاء عبد الله بن عمر إلى عبد الله بن مطيع حين كان من أمر الحرة –إلى– سمعت رسول الله ﷺ يقول: من خلع يداً من طاعة لقى الله يوم القيامة لا حجة له ومن مات وليس فى عنقه بيعة مات ميتة جاهلية. (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب ملازمة المسلمين عند ظهور الفتن، النسخة الهندية ۱۲۸/۲، بيت الأفكار رقم: ۱۸۵۰)

نظام قضاء کو اس حدیث کے عموم سے خارج نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا مذکورہ نصوص قرآنیہ اور حدیث نبوی سے واضح ہوتا ہے کہ نظام قضاء کے بغیر اسلامی اجتماعی زندگی کا تصور ممکن نہیں ہے، اور اسلام میں قضاء کی جس قدر اہمیت ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داری بھی ہے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کو عہدۂ قضاء کا حامل بنایا گیا ہے گویا اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا ہے:

عن أبى هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من ولى القضاء أو جعل قاضيا بين الناس فقد ذبح بغير سكين. (سنن الترمذى، أبواب الأحكام، باب ما

جاء عن رسول الله ﷺ فی القاضی، النسخة الهندية ۱/۲۴۷، دار السلام رقم: ۱۳۲۵، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۵/۱۴٦، رقم: ۸٤۷۲، حجة الله البالغة ۲/۱٦٦، بنايه قديم ۳/۳۷۱، جديد اشرفيه ديو بند ۹/۱۱)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲٦۷۸

غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظامِ قضاء

سوال [۷۵۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے کیا مسلمانوں پر اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کے لیے اسلامی نظام قضاء قائم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر اسلامی ممالک جہاں اقتدار اعلیٰ کفار کو حاصل ہے، وہاں کے مسلم باشندگان پر لازم ہے کہ اپنے نزاعی اور عائلی مسائل کے حل کے لیے حکومت سے اقتدار حاصل کر کے اسلامی نظام قضاء قائم کریں، اور اگر حکومت کی طرف سے اقتدار حاصل نہیں ہے، تو اقتدار حاصل ہونے تک کے لیے تراضی مسلمین سے نظام قضاء کا قیام اور آپسی تراضی سے کسی باصلاحیت شخص کا عہدۂ قضاء کے لیے انتخاب جائز اور درست ہوگا وہ قاضی شرعی قاضی اور اس کا فیصلہ شرعی فیصلہ ہوگا۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ قدیم ۳/ ۳۰۷، جدید ۱/ ۳/ ۳۵۳، امداد المفتیین، کراچی ۲/ ۸۹۴)

نیز کسی مسلم والی کی تلاش وجستجو جاری رکھنا ایسے ممالک کے تمام مسلمانوں پر ہر ممکن واجب ہے، تاکہ نظم ونسق سب کچھ اسی کے حکم سے منشاء شریعت کے مطابق جاری ہو سکے اور اسی کی ماتحتی میں قضاء کا نظام بھی چلتا رہے، جیسا کہ آگے شامی اور بحر کی عبارات سے اس کی تائید ہوتی ہے:

ولو فقد وال لغلبة كفار وجب على المسلمين تعيين وال و إمام للجمعة وتحته في الشامية: وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد و يصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم. (الدر المختار مع الشامي، كتاب القضاء، مطلب: أبو حنيفة دعي إلى القضاء ثلاث مرات، فأبى، كراچی ۵/۳۶۸-۳۶۹، زکریا ۸/۴۴-۴۳، البحر الرائق کوئٹه ۶/۲۷۴، زکریا ۶/۴۶۱)

اوراب چونکہ ہندوستان میں شرعی امارت اورولایت کا قیام عمل میں آچکا ہے اوراسی کے ذیل میں امیراوروالی شرعی کا تعین بھی ہو چکا ہے اس لیے امیر شرعی کی جانب سے قاضی شرعی کا تقرر بھی درست ہوسکتا ہے، اور کتب فقہ کی بے شمار عبارتوں سے اس کی تائید ملتی ہے، اور مسئلہ چونکہ نازک ترین ہے اس لیے شامی و فتح القدیر اور بحر کے حوالے سے چند فقہی عبارتیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) علامہ شامیؒ تاتارخانیہ اور جامع الفصولین کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

وأما بلاد عليها ولاة الكفار (إلى قوله) أن يلتمسوا واليا مسلما منهم.

(شامی کراچی ۵/۳۶۹، زکریا ۸/۴۳)

(۲) علامہ ابن نجیمؒ مصری البحرالرائق میں نقل فرماتے ہیں:

وأما بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي بتراضي المسلمين و يجب عليهم طلب وال مسلم الخ.

(البحر الرائق کوئٹه ۶/۲۷۴، زکریا ۶/۴۶۱)

(۳) علامہ ابن ہمامؒ فتح القدیر میں نقل فرماتے ہیں:

إذا لم يكن سلطان و لا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا أو يكون هو الذي

یقضی بینهم. (فتح القدیر، دار الفکر بیروت۷/ ۲۶٤، کوئٹه ٦/ ٣٦٥، زکریا ۷/ ۲٤٦، فتاویٰ عبد الحی ۲/ ۳۰۷، کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۱۷، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۷)

اب مذکورہ عبارات پرغور کیا جائے تو حسب ذیل پانچ امور منکشف ہوسکتے ہیں:

(۱) شامی اور بحر کی عبارات میں اس کی صراحت ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا تقرر جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ جب مسلم والی کی طرف سے قاضی کا تقرر نہ ہوسکتا ہو۔

(۲) مسلمانوں پر انتخاب والی اور امیر کی تگ ودو اور سعی کرنا لازم اور واجب ہے تاکہ اس امیر کی طرف سے قاضی کا تقرر ہوسکے۔

(۳) فتح القدیر کی عبارت میں اس کی صراحت ہے کہ غیر اسلامی ممالک کے تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی فرد پر متفق ہوکر اس کو اپنا والی اور امیر بنالیں۔

(۴) وہی والی قاضی کا تقرر کیا کرے گا۔

(۵) اگر کسی وجہ سے قاضی کا تقرر نہ ہوتو والی خود فریضۂ قضاء انجام دیا کرے، اور ان عبارات سے یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ غیر مسلم ممالک میں مسلم امیر وقاضی کے حق میں صحت امارت وصحت قضاء کے لیے قوت تنفیذ شرط نہیں ہے، اور الحیلۃ الناجزۃ کی عبارت میں اس مدعی کی تائیدی صراحت بھی موجود ہے کہ حاکم کے بحیثیت حاکم ہونے کے لیے قوت نافذہ شرط نہیں ہے بلکہ یہ ایک امر زائد ہے۔

واجب الطاعۃ کا مصداق

تین ذمہ دار بالکل الگ الگ ہیں: (۱) جس کو قوت عسکری حاصل ہوتی ہے اس کے ہر جائز حکم کی تعمیل ہر فرد پر واجب ہوتی ہے، اور عدم تعمیل میں باغی و عاصی ہوگا اسی کو واجب الطاعۃ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، اور یہ سلطان کی صفت ہوتی ہے۔

(۲) جس کو قوت عسکری حاصل نہ ہو بلکہ صرف قوت ارادی حاصل ہو اس کے ہر حکم کی تعمیل عام لوگوں پر واجب نہیں ہوتی بلکہ صرف اس معاملہ کے فریقوں پر واجب ہوتی ہے جو اس

کے پاس پیش کیا جائے، فیصلہ سے قبل و بعد ہر حال میں واجب ہے، اور یہی قاضی کی صفت ہے۔

(۳) حکم جس کی قوت کا مدار فریقین پر ہے، لیکن فیصلہ کے بعد پھر اس کی تعمیل بھی فریقین پر واجب ہو جاتی ہے۔

(۴) اور اس مقالہ میں جہاں جہاں واجب الطاعۃ کا لفظ آیا ہے اس سے قسم اول ہی مراد ہے۔

الحاكم من حيث هو حاكم ليس له إلا الإنشاء و أما قوة التنفيذ فأمر زائد على كونه حاكما فقد يفوض إليه التنفيذ وقد لايندرج في ولايته.

(الحيلة الناجزة جديد امارت شرعيه هند ص: ۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

ایک اہم شبہ

بعض احباب کو فتح القدیر کی عبارت:

وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم. (فتح القدير، دار الفكر بيروت ٧/٢٦٤، كوئٹه ٦/٣٦٥، زكريا ٧/٢٤٦)

اور اس جیسی عبارتوں سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جن غیر مسلم حکومت میں مسلمان امیر و والی مقرر کرنا واجب اور لازم ہے یا تراضی سے قاضی مقرر کرنا جائز ہے ان سے وہ ممالک مراد ہیں جہاں کے مسلمانوں نے والی کافر کو مال دے کر اختیار و اقتدار حاصل کر لیا ہے اگر چہ بیرونی سطح پر کفار کا غلبہ ہے، لیکن اندرونی سطح پر اقتدار اور قوتِ قاہرہ مسلمانوں کو حاصل ہے، لہٰذا جن ممالک میں مسلمانوں کو نہ بیرونی سطح پر قوت حاصل ہے اور نہ ہی اندرونی سطح پر تو ایسے ممالک میں تراضئ مسلمین سے والی یا قاضی کا تقرر درست نہ ہونا چاہیے، اور ہندوستان ان ممالک میں سے ہے کہ جن کے اکثر بلاد ایسے ہیں کہ جہاں کے مسلمانوں کو اندرونی سطح پر بھی با اختیار اقتدار حاصل نہیں ہے اس لیے ہندوستان جیسے ممالک میں نظام امارت اور نظام قضاء کی بات بے فائدہ معلوم ہوتی ہے۔

شبہ کا ازالہ اور بلاد کی اقسام

اگر تمام بلاد اور امصار کا تجزیہ کرکے دیکھا جائے تو اس طرح کے شبہات کی نوبت نہ آئیگی اور تجزیہ کرنے میں بلاد کی سات قسمیں نکلتی ہیں:

(۱) پہلی قسم وہ بلادِ اسلام ہیں جہاں خود خلیفۃ المسلمین موجود ہو اور اپنی ولایت عامہ کے ذریعہ سے قضاۃ کا تقرر کرتا ہو اور خلیفۃ المسلمین کا مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے اور اس کا ظالم اور جابر ہونا بھی ناقابل تصور ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ بلاد اسلام ہیں جہاں خلیفۃ المسلمین کی طرف سے والی وسلطان کا تقرر کیا جاتا ہے اور یہ والی اگرچہ ظالم ہو لیکن مسلمان ہونا شرط ہے پھر یہی والی قضاۃ کا تقرر کیا کرے گا، اور بلاد کی ان دونوں قسموں کی طرف علامہ تمرتاشیؒ نے تنویر الابصار میں:

ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر. (تنویر الابصار مع الدر کراچی ۵/۳۶۸، زکریا ۸/۴۳)

کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے ایسے ممالک میں تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا انتخاب درست نہ ہوگا اور عالمگیری وغیرہ کا جزئیہ:

لایصیر قاضیا. (هندیه کتاب أدب القاضی الباب الخامس فی التقلید والعزل زکریا قدیم ۳/۳۱۵، جدید ۳/۳۸۲)

ایسے ممالک کا مصداق ہے۔

(۳) تیسری قسم وہ بلاد ہیں جو پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں تھے اور بعد میں کفار کا تسلط ہو چکا ہے لیکن مسلمانوں نے مال دے کر یا صلح کے ذریعہ سے اندرونی سطح پر اقتدار حاصل کرلیا ہے اور سلطان کافر نے مسلم والی مقرر کردیا ہے اور پھر مسلم والی اپنی طرف سے قضاۃ کا تقرر کیا کرتا ہے، ایسے بلاد میں اندرونی سطح پر کفار کا کوئی اختیار نہیں رہتا ہے، اس لیے ایسے بلاد درحقیقت دارالاسلام ہیں، انہیں ممالک کی طرف علامہ شامیؒ نے تاتارخانیہ کی عبارت:

وبلاد الإسلام التي في أيدي الكفرة لا شک أنها بلاد الإسلام لا بلاد الحرب لأنهم لم يظهروا فيها حکم الکفر والقضاة مسلمون. (شامی، کتاب القضاء کراچی ۵/ ۳٦۸، زکریا ۸/ ٤۳)

کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے اور اشکال میں درج کردہ فتح القدیر کی عبارت ”ویجعلونہ والیا فیولی قاضیا“ جس کے ذریعہ حضرت مفتی عبدالکریم صاحبؒ نے الحیلۃ الناجزۃ کے اخیر میں اشکال پیش فرمایا ہے اس کا مصداق بھی اسی تیسری قسم کے بلاد ہیں۔

(۴) چوتھی قسم کے وہ بلاد ہیں کہ جن پر باقاعدہ کفار کا تسلط ہو چکا ہے، اور اندرونی اور بیرونی ہر طرح کا اقتدار کفار کو حاصل ہے، اور کفار نے کسی مسلمان کو مسلم پرسنل لاء کے لیے والی تو نہیں بنایا ہے لیکن اپنی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر کر دیا ہے تو ایسی صورت میں اس کے شرعی قاضی ہونے کے لیے تراضیٔ مسلمین شرط ہے اور اس چوتھی قسم کے بلاد کی طرف علامہ شامی نے درمختار کی عبارت ”ولو کان کافرا“ کے ذیل میں تاتارخانیہ کی عبارت:

الإسلام ليس بشرط فيه أي في السلطان الذي يقلد. (شامی، کراچی ۵/ ۳٦۸، زکریا ۸/ ٤۳)

اور چند سطور کے بعد:

ولکن إذا ولي الکافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة. (شامی، کراچی ۵/ ۳٦۹، زکریا ۸/ ٤٤)

کے ذریعہ سے نوٹ فرمایا ہے اور یہ بلاد دارالاسلام کے دائرہ میں نہیں آتے، ہاں البتہ دارالجمہوریہ کے دائرے میں آنا ممکن ہے۔

(۵) پانچویں قسم وہ بلاد ہیں کہ جن میں کفار نے بیرونی سطح کے ساتھ ساتھ اندرونی سطح پر بھی اپنا اقتدار جما رکھا ہے، اور اپنی طرف سے والیٔ مسلم کا تقرر بھی نہیں کیا اور نہ ہی مسلم قاضی کا تقرر کیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اپنے پرسنل لاء میں آزادی بھی ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر اپنے پرسنل لاء کے لیے امیر اور والی کا انتخاب کرنا واجب

ہےاوراگرامیرکاانتخاب عمل میں نہ آسکےتوجب تک امیر منتخب نہ ہوجائے اس وقت تک کے لیے تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا تقرر کرنا جائز اور درست ہےاور اس مدعیٰ کوعلامہ ابن نجیمؒ مصری اورصاحب جامع الفصولین اورعلامہ شامی نے

وأما بلاد عليها ولاة الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم طلب وال مسلم، هٰذا بألفاظ البحر وعبارة الشامي يجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم. (البحر الرائق کوئٹه ٦/ ٢٧٤، زكريا ٦/ ٤٦١، جامع الفصولين ١/ ١١، شامي كراچي ٥/ ٣٦٩، زكريا ٨/ ٤٣)

جیسی عبارتوں کے ذریعہ ثابت فرمایا ہے اور ہندوستان جیسے ممالک کے بلاشبہ پانچویں قسم کے بلاد کے دائرے میں داخل ہونے میں کسی کوانکار نہ ہوگااوراس جیسے ممالک میں نظام قضاء کے جواز میں کسی فقیہ کااختلاف بھی نہیں ہے۔

(٦) چھٹی قسم وہ بلاد ہیں جہاں کوئی مستقل سلطان نہ ہو بلکہ قبائلی نظام ہواور ہرقبیلہ کاالگ الگ امیر ہوکہ وہ بزورطاقت امیر بن بیٹھا ہو یاقبیلہ کامنتخب کردہ امیر ہوتوایسے بلاد میں وہی امیر بمنزلۂ سلطان کے ہےاوراس کوقاضیٔ شرعی منتخب کرنے کاحق حاصل ہوگا اور اسی کی طرف علامہ شامیؒ نے

ثم إن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغلب أو باتفاقهم عليه يكون ذٰلك الأمير في حكم السلطان فيصح منه تولية القاضي عليهم. (شامي، كراچي ٥/ ٣٦٩، زكريا ٨/ ٤٤)

کےذریعہ اشارہ فرمایاہے۔

(۷) ساتویں قسم وہ بلاد کفار ہیں جہاں کےمسلمان بالکل بےبس ہیں اوران کو حکومت کی طرف سے کسی طرح کی مذہبی آزادی نہیں ہےاورکھلم کھلاطورپرمذہبی تعلیم وتنظیم کی بھی اجازت نہیں ہے، وہاں کےمسلمان نظام قضاء کےمخاطب ومکلّف نہیں ہیں، وہاں کے مسلمان خفیہ طورپرپنچایتوں کے ذریعہ ذاتی معاملات طےکریں گےلہٰذا ہندوستان اشکال میں پیش کردہ عبارت کےذیل میں نہیں آئیگا۔

غیراسلامی ممالک میں امیروقاضی بننے کے لیے ہرحلقہ کےاہل حل وعقد کی رضاشرط ہے

اب اخیر میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانے کی سخت ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ غیراسلامی ممالک میں والی اورامیر مسلم کی طرف سے انتخاب قاضی کے تصور کے لیے یہ بات شرط کےدرجے میں ہوگی کہ امیرشریعت کا انتخاب ہراس حلقہ کےعلماءاوراہل حل وعقد نے کیا ہو، جہاں امیرکے زیرتحت قاضی کا تقرر کیا جارہاہے ورنہ تین امورمیں سے ایک لازم ہوگا:

(۱) ہرحلقہ کےنمائندوں کو بلاکرتجدیدامارت کی جائے۔

(۲) جن حلقوں کے نمائندے قیام امارت کے وقت انتخاب امیر میں شرکت نہ کرسکیں ان سےدوبارہ رضامندی لی جائے۔

(۳) وہاں پرقاضی کے انتخاب کے لیے وہاں کے مسلمانوں کی تراضی کوملحوظ رکھا جائے لہٰذا ایسے حلقہ کےلوگ جنہوں نے امیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے وہ اگرامیر اور قاضی کی ماتحتی قبول نہ کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کریں یاامیرکے ہاتھ پر بیعت تو کرلی ہےلیکن امیر کی طرف سے بدعنوانی محسوس کرنے کی وجہ سے امیر کی ماتحتی سے الگ ہو جائیں،توان پر باغی اور خارجی ہونے کا الزام بھی عائد نہ ہوگا۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۳۲/۵، جدید ڈابھیل ۵۷۷/۴)

کیونکہ غیراسلامی ممالک کےامیروقاضی کوامیر قہری اورقاضی قہری نہیں کہاجاسکتا بلکہ امیرارادی اورقاضی ارادی کہاجاسکتا ہےجیسا کہ حضرت تھانویؒ نے’’امدادالفتاویٰ‘‘میں اس کا تائیدی تجزیہ پیش فرمایاہے۔(امدادالفتاویٰ ۵۷۹/۴ ،امدادالمفتیین کراچی ۸۹۴/۲)

(۲)قوت عسکری سلطان کی صفت ہوتی ہے،قاضی کی صفت صرف قوت ارادی ہوتی ہے اوراگرقاضی کوقوت تنفیذ بھی عسکری سلطان کی طرف سے حاصل ہو جائے تو یہ قاضی کی ایک صفت خارجہ ہےصفت لازمہ نہیں ہے،اہل حل وعقدان سردارانِ قوم کو کہتے ہیں جن کے ہاتھ قومی معاملات کابندوبست ہواوردوسرے علاقہ کے ایسےنمائندے بھی اس میں شامل ہیں

جن پر حلقہ کے لوگ اعتماد رکھتے ہوں اور لوگوں پر ان کا اثر بھی ہو۔ (مستفاد: ازالۃ الخفاء اردو ص: ۷)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۶۸۹/۲۷

قضاء اور قاضیٔ شرعی کی حقیقت

سوال [۷۵۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قضاء کی حقیقت، قاضیٔ شرع کی تعریف اور قضاء کے ارکان وشرائط کیا ہیں؟

الف: قضاء کی تعریف میں ''الزام'' سے الزام حسی مراد ہے یا الزام معنوی؟

ب: اگر الزام حسی مراد ہے تو کیا اس کے بغیر قضاء شرعی کا تصور ممکن نہیں؟ اور کیا اس قید کا اعتبار حالت اختیار اور حالت احتیاج میں یکساں ہوگا، خواہ دار الاسلام ہو یا غیر دار الاسلام خواہ قاضی کو منجانب والی کلی اختیارات مفوض ہوں یا جزوی؟

ج: اگر الزام سے الزام معنوی مراد ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا قوت نافذہ کے بغیر قضاء کے معنی متحقق ہو سکتے ہیں، پھر مفتی کے فتویٰ اور قاضی کے فیصلہ میں حد فاصل کیا ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:

قضاء کی حقیقت

(۱) لفظ قضاء لغت میں حکم اور فیصلہ کے معنی میں بولا جاتا ہے:

القضاء هو بالمد والقصر لغة الحكم الخ. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۴۳۲، در مختار، کتاب القضاء کراچی ۵/ ۳۵۱، زکریا ۸/ ۱۹-۲۰)

(۲) اور صاحب لغۃ الفقہاء اور صاحب قواعد الفقہ نے اصول شریعت کے تحت لفظ قضاء کی حقیقت کا ان الفاظ سے انکشاف کیا ہے کہ ضابطۂ شریعت کے مطابق حق کے ساتھ

لوگوں کے نزاعات میں فیصلہ دینے کو قضاء کہا جاتا ہے۔

القضاء شرعاً فصل الخصومات وقطع المنازعات. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ٤٣٢)

القضاء الفصل فی الخصومات. (لغة الفقهاء ص: ٣٦٥)

(۳) اور ملک العلماء علامہ علاء الدین کاسانی قضاء شرعی کی تعریف ان الفاظ سے پیش کرتے ہیں کہ قضاء کے معنی لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون اور ضابطہ کے مطابق صاحب حق کو حق دینے کا فیصلہ کرنا ہے۔

القضاء هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما أنزل الله عز وجل.
(بدائع الصنائع، کتاب أدب القاضی، کراچی ٧/٢، زکریا ٥/٤٣٨)

(۴) علامہ ابن نجیمؒ ان الفاظ سے قضاء کی تعریف نقل فرماتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ دینا شرعی قضاء ہے۔

القضاء الحكم بين الناس بالحق. (البحر الرائق کوئٹه ٦/٢٥٤،زکریا ٦/٤٢٧)

(۵) علامہ تمرتاشیؒ نے تنویر الابصار میں قضاء کی تعریف یہ کی ہے کہ قضاء کے معنی شریعت میں مقدمات کا فیصلہ اور منازعات کو ختم کرنے کے ہیں۔

وشرعا فصل الخصومات وقطع المنازعات الخ. (تنویر الأبصار مع الدر کراچی ٥/٣٥٢، زکریا ٨/٢٠)

(۶) اور فتاویٰ عالمگیری میں خزانۃ المفتیین کے حوالہ سے قضاء کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ شریعت اسلامی میں قضاء اس قول ملزم کو کہتے ہیں جو ولایت عامہ کی بناء پر صادر ہوتا ہے۔

وفی الشرع قول ملزم يصدر عن ولاية عامة. (هندیه، زکریا قدیم ٣/٣٠٦، جدید ٣/٢٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

شرعی قاضی کی حقیقت

شرعی قاضی اس کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے عائلی اور نزاعی معاملات کے تصفیہ کے

لیے امیر اوروالی کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے، صاحب قواعد الفقہ قاضی کی حقیقت اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ قاضی وہ شخص ہے جس کو باختیار امیر کی طرف سے مقدمات ودعویٰ اورنزاعات کے فیصلہ کے لیے مقرر اور متعین کیا جاتا ہے۔

القاضی هو الذی تعین و نصب من جهة من له الأمر لأجل القضاء أی فصل الخصومات و حسم الدعاوی والمنازعات وغیر ذٰلک. (قواعد الفقه اشرفی دیو بند ص: ٤٢٠)

اورصاحب لغۃ الفقہاء نے قاضی کی تعریف یوں نقل فرمائی ہے کہ قاضی وہ ہے جس کو والی نے لوگوں کے درمیان مقدمات کے فیصلہ کے لیے مقرر کیا ہے۔

القاضی من نصبه والی الأمر لفصل الخصومات بین الناس. (لغة الفقهاء کراچی ص: ٣٥٤)

اہلیت قضاء کی شرائط

عہدۂ قضاء کی صلاحیت اور اہلیت کے لیے قاضی کا آٹھ عمدہ صفات کے ساتھ متصف ہونا شرط ہے:

(۱) عاقل ہونا، لہٰذا مجنون اور مختل الحواس شخص کا تقرر منصب قضاء کے لیے درست نہ ہوگا، اسی طرح اگر صحیح العقل شخص کو منصب قضا پر فائز کیا جائے اور بعد میں ماؤف الدماغ اور پاگل ہوجائے تو اس کا عہدہ باطل ہوجائیگا۔

(۲) بالغ ہونا ضروری ہے، لہٰذا نابالغ کی تقرری درست نہ ہوگی۔

(۳) مسلمان ہونا لازم ہے لہٰذا کافر غیر مسلم عہدۂ قضاء کے اہل نہیں۔

(۴) آزاد ہونا شرط ہے، لہٰذا غلام کی تقرری درست نہ ہوگی۔

(۵) بینا ہونا شرط ہے، اس لیے کسی نابینا کو قاضی بنانا درست نہ ہوگا اسی طرح اگر حالت بینائی میں قاضی بنایا گیا ہے اور بعد میں نابینا ہوگیا ہے تو عہدۂ قضاء اس کا باطل ہوجائیگا۔

(۶) بولنے والا ہونا ضروری ہے لہٰذا گونگے کا تقرر درست نہ ہوگا، نیز اگر تقلید قضاء کے بعد گونگا ہوجائے تو اس کا منصب باطل ہوجائے گا۔

(۷) سننے والا ہو بالکل بہرا نہ ہو ہاں البتہ اگر تھوڑا اونچا سنتا ہے تو اس کی تولیت درست ہے، اور اگر تولیت قضاء کے بعد بالکل بہرا ہوجائے تو تولیت باطل ہوجائے گی۔

(۸) قاضی حدقذف میں سزا یافتہ نہ ہو، لہٰذا محدود فی القذف کو قاضی بنانا درست نہ ہوگا یہ تمام شرائط علامہ کاسانیؒ کی بدائع میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہیں۔

الصلاحية للقضاء لها شرائط : منها العقل ومنها البلوغ ومنها الإسلام ومنها الحرية ومنها البصر ومنها النطق ومنها السلامة عن حد القذف. (بدائع الصنائع، کتاب ادب القاضی، کراچی ۳/۷، زکریا ۵/۴۳۸)

وزاد فی قواعد الفقه السمع. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۴۲۱)

قضاء کی تعریف میں الزام کا مصداق

مفہوم قضاء میں جس الزام کا ذکر آتا ہے وہ دو قسموں پر ہے:

(۱) الزام حسی: اس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ مادی طور پر کسی آدمی کو کسی شئ کی پابندی پر مجبور کیا جائے، مثلاً دارالاسلام میں جس قاضی کو قوت عسکری اور ولایت عامہ حاصل ہے وہ کسی کو جیل میں ڈال دے یا قصاص اور حد قائم کرے تو ایسی صورت میں قاضی کے حکم اور فیصلہ سے مجرم پر سزائیں لازم کردی گئی ہیں وہ محکوم علیہ پر بطور الزام حسی کے لازم ہوتی ہیں۔

(۲) الزام معنوی: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قاضی جس پر حکم لاگو کرتا ہے اس پر امر محکوم بہ کو شریعت تسلیم کرلیتی ہے، مثلاً قاضی نے حامد کا نکاح خالدہ سے فسخ کردیا تو شریعت یہ تسلیم کرلے گی کہ خالدہ کی زوجیت حامد کے ساتھ باقی نہیں رہی چاہے حامد اس کو تسلیم کرے یا نہ کرے، اسی طرح خالد نے بکر پر سو روپیہ کا دعویٰ کیا اور بکر نے انکار کردیا اور قاضی نے سو روپیہ بکر کے ذمہ واجب الاداء قرار دیتے ہوئے اس کی ادائیگی کا حکم دیدیا تو ایسی صورت

میں شریعت بکر کے ذمہ سوروپیہ کی ادائیگی لازم تسلیم کرلے گی، اسی طرح ماجد سے چوری کا ثبوت ہونے کی وجہ سے قاضی نے قطع ید کا حکم دیدیا، تو شریعت ماجد کو واجب القطع تسلیم کرلے گی حاصل یہ نکلا کہ قاضی نے حکم کو محکوم علیہ پر لازم کردیا ہے، لیکن حسی طور پر ابھی اس پر عمل در آمد نہیں ہوا ہے تو ایسے الزام کو الزام معنوی کہا جاتا ہے، اور قاضی کی تعریف میں جس الزام کا ذکر آتا ہے اس سے الزام معنوی ہی مراد ہوا کرتا ہے، الزام حسی ہرگز مراد نہیں ہوتا۔

ہماری یہ تقریر علامہ ابن فرحون اندلسی متوفی ۷۹۹ کی مشہور کتاب ''تبصرۃ الحکام'' کی عبارت سے بہت اچھی طرح مستفاد ہوسکتی ہے۔

حقیقة الحکم إنشاء إلزام إو إطلاق، فالإلزام کما إذا حکم بلزوم الصداق أو النفقة أو الشفقة ونحو ذٰلک فالحکم بالإلزام هو الحکم وأما الإلزام الحسي من الترسیم والحبس فلیس بحکم لأن الحاکم قد یعجز عن ذٰلک. (تبصرة الحکام ۱/ ۱۲)

اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں علامہ شیخ عبداللہ مالکی نے اپنے جواب کے ذیل میں صاف واضح کردیا ہے کہ الزام حسی تنفیذی الزام ہوتا ہے جو نہ قاضی کی شرائط میں داخل ہے اور نہ ہی صحت قضاء کی حقیقت کے دائرے میں آتا ہے، بلکہ قاضی صرف انشاء حکم کا مکلّف ہوتا ہے۔

الحاکم من حیث هو حاکم لیس له إلا الإنشاء و أما قوة التنفیذ فأمر زائد علی کونه حاکما فقد یفوض إلیه التنفیذ وقد لایندرج في ولایته.

(الحیلة الناجزة، جدید امارت شرعیه هند ص: ۲۸۳-۲۸۴)

اور علامہ علاء الدین حصکفیؒ فرماتے ہیں کہ اصالۃً قضاء قاضی صرف محکوم بہ کے لیے مظہر ہوتا ہے مثبت نہیں ہوتا ہے، اس لیے کہ محکوم بہ واقعہ میں پہلے سے ثابت شدہ ہوتا ہے، اور قضاء قاضی اس کو معرض ظہور میں لاتا ہے۔

القضاء مظهر لا مثبت وتحته في الشامیة: لأن الحق المحکوم به کان ثابتا والقضاء أظهره والمراد ما کان ثابتا ولو تقدیراً کالقضاء بشهادة الزور. (الدر المختار مع الشامي، کتاب القضاء، مطلب: إذا قاس القاضي و أخطأ، کراچی ۵/ ۴۱۹، زکریا ۸/ ۱۱۳)

اور الزام حسی اور الزام تنفیذی دار الاسلام اور ایسے والی اور قاضی کے ساتھ مخصوص ہے کہ جس کو شرعی طور پر قوت عسکری حاصل ہوتی ہے جو قاضی کی شرائط سے خارج ہے۔

قوت منفذہ قاضیٔ شرعی کا جزء لاینفک اور صفت لازمہ نہیں

قوت منفذہ قاضیٔ شرعی کی صفت لازمہ یا جزء لاینفک نہیں ہے، اور اس مدعی کا ثبوت درمختار اور شامی کی اس عبارت سے بہت آسانی سے ہوسکتا ہے:

وأما الأمير فمتى صادف فصلا مجتهدا فيه نفذ أمره وتحته في الشامية: فقول الشارح نفذ أمره بمعنى وجب امتثاله. (در مختار، کراچی ۴۰۹/۵، زکریا ۹۹/۸)

اگر حاکم کسی شئ کا حکم کرتا ہے تو مامور پر اس کا امتثال واجب ہوجاتا ہے یہ نہیں ہے کہ اس کا حکم نافذ اور جاری ہوجاتا ہے، عدم امتثال سے گنہگار ہوجاتا ہے، اور اسی کو الزام معنوی کہتے ہیں اور علامہ شامیؒ نے کتاب القضاء کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ قاضیٔ شرعی حکم کی تنفیذ نہیں کرتا بلکہ نفس الامری میں ثابت شدہ حکم کو ''**قضيت، حكمت، أنفذت، ألزمت عليك القضاء**'' کے الفاظ سے معرض ظہور میں لاتا ہے اور ظالم سے مظلوم کا حق لے کر دلا دینا قاضی کے مفہوم میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ ایک امر آخر ہے جس کا اصل ذمہ دار حکومت انتظامیہ یا فوجداری محکمہ ہوتا ہے۔

فالمراد بالإلزام التقرير التام، وفي الظاهر فصل احترز به عن الإلزام في نفس الأمر لأنه راجع إلى خطاب الله تعالىٰ و على صيغة مختصة أي الشريعة كألزمت، وقضيت، وحكمت، وأنفذت عليك القضاء وبأمر ظن لزومه فصل عن الجور والتشهي ومعنى في الظاهر أي الصورة الظاهرة إشارة إلى أن القضاء مظهر في التحقيق للأمر الشرعي لامثبت. (شامی، کتاب القضاء، کراچی ۳۵۲/۵، زکریا ۲۰/۸)

نیز علامہ شامیؒ ایک صفحہ کے بعد تنفیذ کی بحث میں ایک عبارت ایسی نقل فرماتے ہیں کہ جس سے سارے شبہات دور ہو سکتے ہیں:

وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه و هٰذا هو التنفيذ الشرعي.

(شامی، کتاب القاضی، مطلب: فی التنفیذ کراچی ۵/۳۵۳، زکریا ۸/۲۱)

اب اس عبارت سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ قضاء ایک مستقل امر ہے اور تنفیذ ایک امر آخر ہے کہ قاضی کے فیصلہ کر دینے کے بعد اس فیصلہ شدہ حکم کے مطابق ظالم کو مظلوم کے حق ادا کرنے پر حکومت کی انتظامیہ یا فوجداری محکمہ جبر واکراہ کر سکتا ہے، نیز اگر قاضی کو عہدۂ قضاء کے ساتھ ساتھ تنفیذ کا حق بھی حاصل ہے تو وہ از خود نافذ بھی کر سکتا ہے اور اسی طرح کتاب القاضی إلی القاضی کے طور پر جب دوسرے ایسے قاضی کے یہاں پہنچ جائے جس کو تنفیذ کا اختیار حاصل ہے تو وہ بھی نافذ کر سکتا ہے، اور اسی کو مذکورہ عبارت میں تنفیذ شرعی کہا گیا ہے اور قاضی کا فیصلہ الزام معنوی کے دائرے میں اور انتظامیہ اور فوجداری محکمہ وغیرہ کا اس فیصلہ کو بالاجبار جاری کرنا الزام حسی کے دائرہ میں آتا ہے، نیز بعض فیصلے ایسے ہوتے ہیں کہ جس کے نفاذ میں الزام حسی کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ فسخ وتفریق کے مسائل ہیں، کہ محض قاضی کے فسخ کر دینے سے بیوی آزاد ہو جاتی ہے اور شوہر کو کسی وجودی عمل پر مجبور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، اس لیے قوت تنفیذ کے اشکال کو لے کر مسئلہ قضاء میں شبہ پیدا کرنا میرے خیال میں درست نہیں ہے۔

قاضی اور مفتی میں فرق

قاضی کے حکم اور مفتی کے فتویٰ کے درمیان واضح فرق یہ ہے کہ قاضی حکم کو شخص مخصوص پر لاگو کرتا ہے اور محکوم بہ کو اس پر واضح اور ظاہر کرتا ہے اور وہ حکم اسی شخص کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور مفتی عمومیت کے ساتھ صرف حکم کی نوعیت بتلا دیتا ہے جو کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی، مثلاً کوئی اپنی زوجہ کی ماں کو غلط ارادہ سے پکڑ چکا ہے تو مفتی یہ کہے گا کہ

ایسی صورت میں بیوی شوہر پر حرام ہوچکی ہے لیکن مفتی کے مسئلہ بتلانے کی وجہ سے بیوی خود بخود نکاح سے خارج نہ ہوگی، اور اگر قاضی یہ کہہ دے کہ میں نے اس کے نکاح کو فسخ کردیا ہے تو بیوی خود بخود نکاح سے خارج ہو جائے گی ،تو مفتی کے فتویٰ میں کوئی الزام ثابت نہیں ہوا اور قاضی کے فیصلہ میں الزام ثابت ہو چکا، اسی طرح مفقود مجنون اور متعنت وغیرہ کے نکاح کے بارے میں مفتی یوں حکم بتا سکتا ہے کہ ایسی صورت میں نکاح فسخ کیا جاتا ہے لیکن شخصی طور پر فسخ کا حکم لگا نہیں سکتا ہے اور قاضی شخص متعین پر فسخ کا حکم لگا سکتا ہے۔

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۸۳

قاضی کا حلقۂ عمل اور دائرۂ اختیار

سوال [۷۵۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قاضی کے حلقۂ عمل اور دائرہ اختیار میں کس طرح کے مسائل داخل ہوں گے؟ کیا کسی سبب سے دائرہ اختیار میں تحدید ہوسکتی ہے؟ اگر قاضی کا حلقۂ عمل ان مسائل تک محدود ہو جن میں بظاہر قوت عسکری کی ضرورت نہیں تو کیا پھر بھی قوت قاہرہ شرط ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قاضی کا حلقۂ عمل اور دائرۂ اختیار بہت محدود اور مقید ہوا کرتا ہے کہ امیر کی جانب سے جن مسائل اور شرائط کے ساتھ قاضی کو پابند کیا گیا انہیں مسائل کے دائرے میں رہ کر قاضی اپنا فریضۂ قضاء انجام دے سکتا ہے، اور اپنے دائرۂ اختیار سے باہر ہو کر اگر کوئی فیصلہ دے گا تو وہ غیر نافذ اور غیر معتبر قرار دیا جائیگا، لہٰذا اگر کسی قاضی کو والی شریعت کی جانب سے نکاح طلاق فسخ وتفریق نان ونفقہ کے مسائل کا پابند کیا گیا تو وہ ان مسائل کے دائرے سے ہٹ کر اگر کوئی فیصلہ دیتا ہے تو وہ شرعاً غیر نافذ اور نا قابل اعتبار قرار دیا جائیگا، حاصل یہ ہے کہ امیر کی جانب سے قاضی کو کسی خاص علاقہ اور خاص زمانہ اور خاص

معاملہ اور خاص مسئلہ کے ساتھ پابند کرنا صحیح اور درست ہے۔

علامہ شامی نے اس مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے چند اصولی مثالیں دے کر پھر غزوۂ موتہ کو دلیل بنا کر پیش فرمایا ہے۔

الولاية تقبل التقييد والتعليق بالشرط كقوله إذا وصلت إلى بلدة كذا فأنت قاضيها وإذا وصلت إلى مكة فأنت أمير الموسم والإضافة كجعلتك قاضيا فى رأس الشهر والاستثناء منها كجعلتك قاضيا إلا فى قضية فلان و لا تنظر فى قضية كذا والدليل على جواز تعليق الإمارة و إضافتها قوله ﷺ حين بعث البعث إلى موتة وأمرعليهم زيد بن حارثه إن قتل زيد بن حارثة فجعفر أميركم و إن قتل جعفر فعبد الله بن رواحة الخ. (شامی، كتاب القضاء، مطلب: القضاء يقبل التقييد كراچی ٤١٩/٥، زكريا ١١٣/٨-١١٤)

اور قریب قریب یہی عبارت فتح القدیر میں بھی موجود ہے۔ (فتح القدیر، دارالفکر بیروت ۲۵۴/۷، کوئٹہ ۳۵۸/۶، زکریا ۲۳۵/۷)

اور البحر الرائق میں مزید وضاحت کے ساتھ صراحت موجود ہے:

ولو استثنى حوادث فلان لايقضى فيها ولو قضى لاينفذ الخ. (البحر الرائق كوئٹه ٢٥٩/٦، زكريا ٤٣٥/٦)

اور فتاویٰ عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ واضح عبارت کے ساتھ شرائط کو نقل فرمایا ہے۔

وإذا قلد السلطان رجلا قضاء يوم يجوز و يتأقت و إذا قيده بالمكان يجوز ويتقيد بذٰلك المكان فعلى هذا لو قيد القاضى إنابة نائبه فى مسجد معين لايكون للنائب أن يقضى فى مسجد آخر الخ. (هنديه، كتاب أدب القاضى، الباب الخامس فى التقليد والعزل، زكريا قديم ٣١٥/٣، جديد ٢٨٣/٣)

نیز سوال (۲) کے تحت ثابت کیا جا چکا ہے کہ الزام حسی کے لیے قوت عسکری کی ضرورت ہوتی ہے اور الزام معنوی کے لیے قوت عسکری کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ صرف قوت ارادی کافی ہوتی ہے، قیام قضاء پر قوت عسکری کا اشکال بے محل ہے، جیسا کہ الزام کی

بحث میں الحیلۃ الناجزۃ کی عبارت ’’وأما قوۃ التنفیذ فأمر زائد‘‘ سے تصریح کردی گئی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ جدید امارت شرعیہ ہند ۲۸۳)

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الف فتویٰ نمبر: ۲۶۹۰/۲۷

غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر

سوال [۷۵۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں قاضی کا تقرر کن طریقوں پر شرعاً درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ جبکہ ظاہر ہے کہ دار الاسلام میں خلیفۃ المسلمین یا اس کے ولاۃ حکام قضاۃ کا تقرر کرتے ہیں:

الف: غیر مسلم حکومت اگر مسلم قاضی مقرر کرے تو کیا شرعاً وہ قاضی ہوجائیگا؟ اگر نہیں تو:

یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل أو الجائر ولو کان کافرا. (در مختار مع الشامی کراچی ۵/۳۶۸، زکریا ۸/۴۳)

اور ...... **الإسلام لیس بشرط أی فی السلطان الذی یقلد.** (فتاویٰ عالمگیری جدید زکریا ۳/۲۷۷، قدیم ۳/۳۱۰)

وغیرہ جزئیات کا کیا مطلب ہے، اگر وہ شرعاً قاضی ہوجاتا ہے تو کیا ولایت کافر علی المسلم کا الزام نہ آئے گا؟ نیز والیٔ کافر کی تقلید کافی ہے، یا تراضیٔ مسلمین بھی ضروری ہے۔

ب: اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قضاۃ کا تقرر نہ ہو اور اس ملک کے مسلمان اپنے نظم شرعی اور اجتماعی امور کے قیام وبقاء کے لیے کوئی امیر منتخب کرلیں جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنا امیر الہند منتخب کرکے نظام امارت قائم کرلیا ہے تو کیا یہ امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء شرعاً قاضی مقرر ہوسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو فقہاء کرام کی:

وإذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد

المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسه وبلاد الحبشة و أقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه وليا فيولى قاضيا أو يكون هو الذى يقضى بينهم. (فتح القدير، دار الفكر بيروت ۲٦٤/۷، كوئٹه ٣٦٥/٦، زكريا ٢٤٦/٧)

جیسی تصریحات کا کیا مطلب ہے؟ اور اگر ان امراء کے تقرر سے شرعاً قاضی ہوجاتا ہے تو کیونکر؟ جبکہ ظاہر ہے کہ قوت قاہرہ حاصل نہ ہوگی؟

ج: غیر اسلامی مما لک میں اگر مسلمان باہمی تراضی سے قاضی کا تقرر کریں تو کیا شرعاً وہ قاضی ہوگا یا نہیں؟ بصورت نفی "**يصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين**" (شامی) کا کیا مطلب ہے؟ قاضیٔ جمعہ مراد ہے یا مطلق قاضی، اگر قاضیٔ جمعہ مراد ہے تو کیا اقامت جمعہ کے لیے قاضی کا ہونا شرط ہے؟ اور اگر مطلق قاضی مراد ہے تو کیا یہاں قوت شرط نہ ہوگی اگر تراضیٔ مسلمین سے قاضی ہوجاتا ہے تو:

وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل و جعلوه قاضيا يقضى فيها بينهم لايصير قاضيا. (فتاوىٰ عالمگيرى قديم ٣١٥/٣، زكريا جديد ٢٨٣/٣)

جیسی فقہی جزئیات کا محمل کیا ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نصب قاضی کا اصل تعلق مسلمانوں کے مصالح کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، اس لیے نصب قاضی میں بھی تراضیٔ مسلمین بالواسطہ یا بلا واسطہ لازم اور ضروری ہے۔

(۱) بالواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے امیر اور والی شریعت کا تقرر ہو جائے اور پھر وہی امیر اور والی قاضی کا انتخاب کرے۔

(۲) بلاواسطہ کا مطلب یہ ہے کہ جہاں امیر کا وجود نہ ہو وہاں کے مسلمان آپس کی تراضی سے قاضی کا انتخاب کریں، جیسا کہ فتح القدیر اور شامی اور بحر کی عبارات سے ماقبل میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ (فتح القدیر دار الفکر بیروت ۲۶۴/۷، کوئٹہ ۳۶۵/۶، زکریا

۷/ ۲۴۶، البحر الرائق کوئٹہ ۶/ ۲۷۴، زکریا ۶/ ۴۶۱، شامی کراچی ۵/ ۳۶۹، زکریا ۸/ ۴۳)

اس لیے غیر مسلم حکومت اگر کسی مسلم کو باختیار قاضی بنادے تو اس کے باقاعدہ شرعی قاضی ہونے کے لیے مسلمانوں کی تراضی شرط ہے، اس کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وإذ ولى الكافر عليهم (أى على المسلمين) قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة. (شامی، كتاب القضاء، مطلب فى حكم تولية القضاء، كراچی ۳۶۹/۳، زكريا ۴۴/۸)

لہٰذا اس طرح غیر مسلم حاکم کی طرف سے قاضیٔ شرعی کا تقرر صحیح ہوجائیگا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے اس کو خوب وضاحت کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۱۸، ۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۹-۳۳۱)

اور اسی کی طرف علامہ حصکفیؒ نے:

يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل أو الجائر ولو كان كافرا.

(درمختار كراچی ۳۶۸/۵، زكريا ۴۳/۸، اعلاء السنن، كتاب القضاء، تقلد الولاية والقضاء من كافر دار الكتب العلمية بيروت ۵۶/۱۵، فتاوىٰ دار العلوم جديد ۱۴۸/۸)

سے اشارہ فرمایا ہے۔

ولایۃ الکافر علی المسلم کا مسئلہ

یہاں ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کے انتخاب کو صحیح قرار دیا جائے تو بظاہر اس سے ولایت کافر علی المسلم لازم آرہی ہے جو شرعاً ناجائز ہے؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ ولایت کافر علی المسلم وہاں لازم آتی ہے، جہاں پر بالواسطہ یا بلا واسطہ تراضیٔ مسلم بالکل مفقود ہوجائے، اور یہاں تراضی کی قید لگی ہوئی ہے جیسا کہ شامی کی مذکورہ عبارت اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کررہی ہے، اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بہت صاف الفاظ میں ۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ میں عبد المجید مدراسی کے

سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۲۱، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۱)

نیز اگر غیر مسلم حکومت میں مسلم امارت قائم نہیں ہوئی ہے اور تراضیٔ مسلمین سے بھی کسی کو قاضی نہیں بنایا گیا ہے، اور نہ ہی مسلمانوں کی تراضی سے حکومت نے کسی مسلمان کو جج یا قاضی بنایا ہے بلکہ حکومت نے مسلمانوں کی تراضی کے بغیر اپنی مرضی سے کسی مسلمان کو قاضی اور جج یا منصف بنالیا ہے تو ضرورتاً اس کو قاضیٔ شرعی کے قائم مقام قرار دیا جائیگا اور اس کا وہ فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا جو قانون شرعی کے مطابق عمل میں لایا گیا ہو۔ (کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۲۳، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۴۹)

غیر اسلامی حکومت میں مسلم امراء کی طرف سے قاضی کا تقرر

غیر اسلامی ممالک میں جب باقاعدہ اور باضابطہ امارت شرعیہ اور ولایت شرعیہ کا قیام عمل میں آجائے تو وہاں کے امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء کی طرف سے ہی قاضی کا تقرر لازم ہوگا، کسی اور کو انتخاب قاضی کا حق حاصل نہ ہوگا، اس لیے کہ انتخاب قاضی کا حق اصولی طور پر علی الترتیب صرف تین اشخاص کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتا ہے:

شخص اول: سب سے پہلے وہاں کے امیر اور والیٔ شریعت کو یہ حق حاصل ہوتا ہے جیسا کہ شامی کی عبارت سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے:

كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا. (شامي كراچی ٥/٣٦٩، زكريا ٨/٤٣، فتح القدير، دار الفكر بيروت ٧/٢٦٤، كوئٹه ٦/٣٦٥، زكريا ٧/٢٤٦، البحر الرائق كوئٹه ٦/٢٧٤، زكريا ٦/٤٦١)

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں: (۱) غیر اسلامی ممالک کے مسلمانوں پر ایک فرد پر متفق ہو کر اس کو امیر اور والی بنانا واجب ہے۔

(۲) وہی امیر قاضی کا انتخاب کریگا۔

شخص دوم: اگر سوء اتفاق سے امیر اور والیٔ شرعی کا قیام عمل میں نہ آسکے اور

مسلمانوں کی تراضی اور مطالبہ سے غیر مسلم حکومت کسی مسلمان کو منصب قضاء کے لیے منتخب کرتی ہے تو ثانوی درجہ میں غیر مسلم حکومت کو تقلید قضاء کا حق حاصل ہوگا، اور اس مدعیٰ کی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے کفایت المفتی میں شاندار طریقے سے وضاحت فرمائی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/ ۲۱۸، زکریا ۱۱/ ۳۳۹)

نیز علامہ شامی نے ان الفاظ سے اس کی وضاحت فرمائی ہے:

إذا ولی الکافر علیهم قاضیا ورضیه المسلمون صحت تولیته بلا شبهة الخ. (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣)

شخص سوم: تقلید قضاء کے لیے اگر مذکورہ دونوں شکلیں میسر نہ ہوسکیں تو ضرورتاً تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا انتخاب کیا جاسکتا ہے اور سب مسلمانوں کی تراضی کو شخص حکمی قرار دے کر اس کو تقلید قضاء کا حق دیا جاسکتا ہے، اور شامی اور جامع الفصولین وتاتارخانیہ اور البحر الرائق کی عبارت:

ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین. (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣، جامع الفصولین ١/١١، البحر الرائق کوئٹه ٦/٢٧٤، زکریا ٦/٤٦١، تاتارخانیة زکریا ١١/٩ رقم: ١٥٣٤١، امداد المفتیین کراچی ٢/٨٩٤)

کا یہی مطلب ہے، اب اس تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ انتخاب قاضی کا حق سب سے پہلے غیر مسلم حکومت میں امیر شریعت اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء کو حاصل ہے، اور اس میں قوت قاہرہ کا اشکال نہ کیا جائے، اس لیے کہ قوت تنفیذ قضاء شرعی کا نہ رکن ہے اور نہ ہی شرط ہے، جیسا کہ الزام کی بحث میں دلائل وبراہین سے اس مدعیٰ کو ثابت کیا جا چکا ہے، درمختار میں ہے:

القضاء مظهر لا مثبت. (در مختار کراچی ٥/٤١٩، زکریا ٨/١١٣)

اور شامی میں ہے:

وإذا رفع إلیه قضاء قاضی أمضاه بشروطه و هذا هو التنفیذ الشرعی. (شامی کراچی ٥/٣٥٣، زکریا ٨/٢١)

امیر شریعت مذکور کو اور اس کے قضاۃ کو حق فسخ نکاح وغیرہ حاصل ہے، جیسا کہ شامی

کی اس عبارت سے واضح ہے۔

ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین. (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣، جامع الفصولین ١/١١، البحر الرائق کوئٹه ٦/٢٧٤، زکریا ٦/٤٦١، تاتارخانیة زکریا ١١/٩ رقم: ١٥٣٤١، امداد المفتیین کراچی ٢/٨٩٤)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے امداد المفتیین میں بالکل انشراح کے ساتھ امارت وقضاء کو جائز قرار دیا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۵/ ۳۶۹، فتاویٰ دارالعلوم ۸/ ۱۴۶)

تراضیٔ مسلمین سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے اس سے قاضیٔ جمعہ مراد نہیں

فقہاء کی عبارت "**ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین**" سے قاضیٔ جمعہ ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ مطلق قاضی مراد ہے، اس لیے کہ تراضیٔ مسلمین سے قاضی کا تقرر جب درست ہوسکتا ہے کہ جب شدید ضرورت ہو اور اقامت جمعہ کے لیے قاضی کا تقرر ہرگز لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۲۷)

نیز جہاں جہاں تراضیٔ مسلمین سے قیام قضاء کا ذکر ہے، وہاں پر اقامت جمعہ و عیدین کے لیے جو عبارت آئی ہے اس کا تعلق ''ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین'' کے ساتھ ہرگز نہیں ہے بلکہ دونوں کا مقصد الگ الگ ہے۔

وأما بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد و یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم أن یلتمسوا والیا مسلما منهم. (شامی کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣)

اب اس عبارت پر بغور نظر ڈالی جائے تو تین باتیں الگ الگ سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) جمعہ وعیدین کے قیام کے لیے باضابطہ مسلم نظام کی ضرورت نہیں، لہٰذا غیر اسلامی حکومت میں جب نظام مسلم عمل میں نہ آسکے تو بغیر نظام والی کے جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہے۔

(۲) اگر مسلمان تراضی سے قاضی مقرر کریں گے، تو وہ شرعی قاضی کے دائرے میں

آجائیگا۔ (مستفاد: امدادالمفتیین ۲/۸۹۴)

(۳) اصالۃً حق تقلید قاضی والی کو حاصل ہے، اس لیے انتخاب والی ان پر لازم ہے، لہٰذا اس عبارت میں قاضیٔ جمعہ وعیدین مراد نہیں بلکہ قاضیٔ مطلق ہی مراد ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۳/ ۴۲۷)

تراضیٔ مسلمین سے تقرر قاضی پر اشکال

تراضیٔ مسلمین سے انتخاب قاضی کی صحت میں نظر ثانی کی ضرورت ہے، اس لیے کہ کتب فقہ میں اس کے خلاف بے شمار عبارتیں موجود ہیں، جن میں صاف الفاظ سے حکم شرعی کی صراحت موجود ہے کہ تراضیٔ مسلمین سے تقلید قاضی صحیح نہیں ہے، اور اس مدعیٰ پر ہم شامی وخلاصۃ الفتاویٰ اور عالمگیری کی تین عبارتیں بطور نظیر پیش کرتے ہیں:

(۱) علامہ شامیؒ ''تقلد القضاء من السلطان العادل والجائز'' کے ذیل میں نقل فرماتے ہیں کہ اگر کسی شہر کے لوگ آپسی تراضی سے کسی کو قاضی بنالیں گے تو وہ شرعی قاضی نہ ہوگا۔

هذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح. (شامی، کتاب القضاء کراچی ٥/٣٦٨، زکریا ٨/٤٣)

(۲) علامہ طاہر بن احمدؒ خلاصۃ الفتاویٰ میں قریب قریب یہی الفاظ نقل فرماتے ہیں:

اجتمع أهل بلدة وقلد القضاء لرجل لا يجوز ولا يصير قاضيا.

(خلاصة الفتاویٰ ٤/٢)

(۳) فتاویٰ عالمگیری میں محیط سے اسی طرح کی عبارت نقل کی گئی ہے:

وإذا اجتمع أهل بلدة على رجل وجعلوه قاضيا يقضي فيما بينهم لا يصير قاضيا. (هندیه زکریا قدیم ٣/٣١٥، جدید ٣/٢٨٣)

لہٰذا تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء صحیح نہ ہوگی۔

جوابات

اس اشکال کے دو جواب دیئے جاتے ہیں: (۱) مذکورہ تینوں عبارتوں کا مصداق دارالاسلام ہے، غیر دارالاسلام نہیں ہے، کہ دارالاسلام میں اگر سلطان اور والی سے صرف نظر کرکے آپس کی تراضی سے اگر قاضی منتخب کرلیا جائے تو وہاں پر وہ شرعی قاضی نہ ہوگا اس لیے کہ یہ حاکم مسلم کے ساتھ ایک قسم کی بغاوت ہے، اور عالمگیری میں یہ عبارت منجانب سلطان تولیت قضاء کے ضمن میں لائی گئی ہے، اور ان عبارتوں کا موضوع بحث دارالاسلام ہی ہے اور ہم نے جن عبارتوں سے تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء کا جواز ثابت کیا ہے، وہ سب بلاد کفار سے متعلق ہیں، لہٰذا دونوں قسم کی عبارات کے مصداق ہی بالکل الگ الگ ہیں اس لیے اشکال درست نہ ہوگا۔

(۲) تراضیٔ مسلمین سے تولیت قضاء وہاں پر ناجائز ہے کہ جہاں ضرورت نہ ہو اور جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں جائز ہے، اسی وجہ سے علامہ شامیؒ نے مذکورہ عبارت کے بعد متصلاً اس اشکال کو ان الفاظ سے صاف اور بے غبار کردیا ہے:

وهـذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القاضي أيضا كما يأتي بعده.

(شامی کراچی ۳٦٨/٥، زکریا ٤٣/٨)

نیز ساتھ ساتھ ''**كما يأتي بعده**'' کے الفاظ سے چند سطور کے بعد جواز کے حق میں آنے والی عبارت:

ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين. (شامی کراچی ٣٦٩/٥، زکریا ٤٣/٨)

کی طرف توجہ بھی دلائی ہے، لہٰذا اشکال میں پیش کردہ عبارتیں بے محل ہیں با محل نہیں ہیں۔

قوت عسکری اور قوت قاہرہ نظام قضاء کے لیے شرط نہیں

غیر اسلامی ممالک میں تولیت قضاء کا امکان ہی نہیں ہے اس لیے کہ غیر اسلامی

حکومت میں مسلم قاضی کوقوت عسکری حاصل نہیں ہوتی اورقوت قاہرہ مفہوم قضاء کے لیے جزء لاینفک ہے، اس کے لیے بطورنظیر شرح عقائد نسفی کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے جس کو علامہ شامی نے بھی نقل فرمایا ہے:

المسلمون لابد لهم من إمام يقوم تنفيذ أحكامهم المشروعة و إقامة حدودهم وسد ثغورهم و تجهيز جيوشهم و أخذ صدقاتهم وقهر المتغلبة.

(شرح عقائد مع النبراس ص: ۳۱۰، شامی، کتاب الصلاۃ، باب الإمامة مطلب: شروط الإمامة الکبریٰ، کراچی ۵٤۸/۱، زکریا ۲/ ۲۸۰)

اس عبارت سے امیر شریعت اور قاضیٔ شریعت کے لیے قوت تنفیذ صفت لازمہ معلوم ہوتی ہے، اورغیراسلامی ممالک میں اس قوت کا امکان نہیں ہے،تو بغیر اس کے قاضی کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

جوابات

(۱) مذکورہ عبارت میں "**إقامة حدودهم و سد ثغورهم وتجهيز جيوشهم**" کے الفاظ پر غور کیا جائے تو یہ بات کہنے پر مجبور ہونا پڑیگا کہ قوت تنفیذ دارالاسلام کے امیر اورقاضی کے لیے صفت لازمہ ہے۔

غیراسلامی ممالک کے امیر وقاضی کے لیے لازم نہیں ہے، اس لیے کہ سد ثغور وتجہیز جیوش واقامت حدود یہ سب دارالاسلام کے لیے صفات لازمہ ہیں اور ہم جن عبارتوں سے تولیت قضاء کو ثابت کرتے ہیں ان کا دائرۂ عمل دارالاسلام نہیں ہے بلکہ غیر اسلامی ممالک ہی ان کا دائرۂ عمل ہے۔

(۲) قضاء کی دوقسمیں ہیں: (۱) قضاء قہری (۲) قضاء ارادی، قضاء قہری کے لیے قوت تنفیذ شرط ہوتی ہے، اورقضاء ارادی کے لیے قوت تنفیذ شرط نہیں ہوتی ہے، اورقضاء قہری کاتعلق دارالاسلام سے ہوتا ہے، اورقضاء ارادی کے لیے دارالاسلام اورقوت تنفیذ شرط نہیں

ہوتی، اوراشکال میں پیش کردہ عبارت کا تعلق قضاءقہری کے ساتھ ہے، قضاءارادی کے ساتھ نہیں ہے، اور غیراسلامی مما لک میں قضاءارادی ہی کا قیام ہوتا ہے اوراسی تجزیہ کوحضرت تھانویؒ نے امدادالفتاویٰ میں بہت مختصرالفاظ میں نقل فرمایاہے۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۵/۵۷۹)

اورحدودوقصاص وغیرہ امور کا تعلق قضاءقہری کےساتھ خاص ہے، اورنکاح وطلاق، فسخ وتفریق وغیرہ امورقضاءقہری کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ قضائے ارادی سے بھی ان امور کا فیصلہ ہوسکتا ہے، نیزقوت قہری کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کے ہرجائزحکم کی تعمیل عام لوگوں پرلازم ہوتی ہےاورقوت ارادی کا مطلب یہ ہے کہ ہرحکم کی تعمیل لازم نہیں ہوتی ہے بلکہ صرف اسی معاملہ میں لازم ہوتی ہے جوحاکم کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔

ہندوستان کے نظام قضاءپراکابرکی عدم موافقت کیوں ہوئی؟

اگرہندوستان میں نظام قضاءجائز ہےتوحضرات اکابرنےاس کی مخالف کیوں فرمائی؟

جوابات

اس کےتین جواب دیئے جاتے ہیں:

(۱) جوحضرات قیام امارت اور قیام قضاء کے حامی تھے وہ اس امارت و قضاءکو واجب الطاعت بھی کہتے تھے، جیسا کہ علماءبہارآج بھی اپنی امارت کوامارت قریہ کی طرح واجب الطاعۃ قراردیتے ہیں اورکلی طورپرواجب الطاعۃ ہونے کےلیےقوت تنفیذ اورانصاف المظلوم من الظالم شرط ہے، اوریہ اس امارت و قضاء سےممکن نہیں ہے، اس لیے اکابر نے مخالفت فرمائی ہے، چنانچہ ۱۷/جمادی الاولی ۱۳۶۴ھ میں سہارنپور میں اس مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے اساطین امت کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی تھی اوراس میٹنگ میں حضرت اقدس مفتی محمودالحسن صاحب گنگوہیؒ بھی رکن رکین کی حیثیت سےشریک تھے، اورسب نے عدم موافقت پراتفاق کرلیا تھا پھرحضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے ۳۰/رجب

المرجب ۱۳۸۸ھ میں جوازامارت کا فتویٰ صادرفرمایاہےاورساتھ ساتھ واجب الطاعۃ ہونے کی نفی بھی کردی ہے۔(مستفاد:فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/۳۳۲،جدید ڈابھیل ۴/ ۵۷۷)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ بھی اس میٹنگ میں رکن رکین کی حیثیت سے شریک تھے لیکن پھراپنے انشراح کے ساتھ قیام امارت اور نظام قضاء کے جواز پرفتویٰ صادرفرمایا ہے اور ساتھ ساتھ امارت قہری اور قضاء قہری کی طرح کلی طور پر واجب الطاعۃ ہونے کی نفی کردی ہے۔(امدادالمفتیین کراچی ۲/۸۹۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی عدم موافقت کی اصل بنیاد کلی طور پر واجب الطاعۃ کی شرط ہے،ورنہ نفس قضاء کی مخالفت نہیں تھی۔

(۲): تراضئ مسلمین سے تولیت قضاء اس وقت درست ہوسکتی ہے کہ جب غیرمسلم حکومت مسلمانوں کے مطالبہ کے باوجود مسلمانوں کی مرضی کے مطابق مسلم قاضی کا تقرر نہ کرے،اوراگرحکومت غیرمسلم مسلمانوں کی مرضی اورمطالبہ کے مطابق مسلم قاضی مقررکرتی ہےتو پھرتراضئ مسلمین سے تولیت قاضی صحیح اور درست نہیں ہوسکتی،اوربعض اکابرنے قاضی بل پیش کرنے سے قبل اس کی مخالف فرمائی تھی، چنانچہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انگریزی حکومت اپنی فیاضی سے ہرایک قوم کو مذہبی آزادی عطافرماتی ہے، اور مذہبی نزاعات کےتصفیہ کے واسطے ہرایک قوم کے مذہبی قانون کوپیش نظر رکھا ہے،اورچند سطور کے بعدتحریرفرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے غفلت ہے کہ انہوں نے اراکین سلطنت کو اس کی طرف توجہ نہیں دلائی، نیز ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس فرض حق کوظاہرکرنے سے غفلت کی ورنہ ممکن نہیں تھا کہ اس طرف توجہ نہ ہوتی، بالجملہ مسلمانانِ ہندوستان کے لیے قاضی کاتقررنہایت ضروری ہے، نیز بدوں امدادحکومت اگرخودمسلمان کسی کو قاضی بنادیں تو اس کا حکم نافذنہیں ہوسکتا، پھراس کے نیچے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ بلاشبہ مسلمانانِ ہند کے لیے قاضی کا تقررنہایت اہم اورضروری ہے۔

یہ سب عبارتیں ’’فتاویٰ مظاہرعلوم ۱/۱۸۳،۱/۱۸۴‘‘ میں موجود ہیں،ان عبارتوں پرغورکیا

جائے تو صاف واضح ہوجاتا ہے کہ ان اکابر کی مخالفت کی بنیاد یہی تھی کہ جب حکومت کی طرف سے باضابطہ مسلم قاضی کا تقرر ممکن ہے تو پھر تراضیٔ مسلمین سے بلاضرورت انتخاب قاضی کیونکر درست ہوسکتا ہے، اور تراضیٔ مسلمین سے ضرورت شدیدہ کے وقت تولیت قضاء جائز ہوتی ہے اور بعد میں جب مسلمانوں نے قاضی بل کا مسئلہ اٹھایا ہے اور حکومت ہند نے اب تک اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے تو ضرورت کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے نظام قضاء از خود عمل میں لانا جائز ہوچکا ہے، اور آج اگر وہ اکابر موجود ہوتے تو بلاشبہ اس کی اجازت دیتے۔

اکابر مفتیان کا فتویٰ

جواب (۳) اکابر کے زمانہ میں شہرۂ آفاق دو مفتی موجود تھے: (۱) مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (۲) مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے زمانے میں نہایت انشراح کے ساتھ بوقت ضرورت تراضیٔ مسلمین سے نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/۳۳۱، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸/ ۱۴۶ -۸/ ۱۵۱- ۱۰/ ۲۴۷- ۱۲/ ۲۷۴)

نیز حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی مفتی اعظم پاکستان نے بڑے انشراح کے ساتھ اس نظام قضاء کے جواز پر فتویٰ دیا ہے ملاحظہ ہو۔ (مستفاد: امداد المفتیین مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۲/۸۹۴)

لہٰذا اب ہندوستان میں نظام قضاء کے جواز میں کسی قسم کا تردد نہ ہونا چاہیے۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۰۰)

الحیلۃ الناجزۃ لکھنے کی وجہ

سوال [۷۵۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: اگر تراضیٔ مسلمین سے نظام قضاء کا قیام عمل میں آسکتا ہے تو ''الحیلۃ الناجزۃ'' لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کی وجہ تالیف تین ہیں: (۱) ''الحیلۃ الناجزۃ'' لکھنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ اکابر کے زمانے میں اگر باضابطہ نظام امارت و نظام قضاء عمل میں آچکا ہوتا تب بھی اس کتاب میں مالکیہ سے لیے گئے مسائل سے کوئی مفر نہیں تھا، اس لیے کہ مسئلہ مفقود میں مسلک حنفی پر عمل بہت دشوار آمیز بات ہے، اور مجنون، متعنت، غائب غیر مفقود وغیرہ کا نکاح حضرت امام محمدؒ کے قول کے مطابق تو قاضی فسخ کرسکتا ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان مسائل میں قاضی کا فسخ نکاح معتبر نہیں ہے، اور امام محمدؒ کا قول نہایت ضعیف ہونے کی وجہ سے فقہاء نے غیر مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۰/ ۲۵۹، شامی کتاب النکاح قبیل باب العدۃ کراچی ۳/ ۵۰۱، زکریا ۵/ ۱۷۵، فتح القدیر دارالفکر بیروت ۴/ ۳۰۴، کوئٹہ ۴/ ۱۳۳، زکریا ۴/ ۲۷۲)

تو معلوم ہوا کہ حنفیہ کا اصل مذہب مسلک شیخین ہے جس پر عمل بہت مشکل ہے اور حضرت امام مالکؒ کے یہاں ان تمام مسائل میں سہولت کا پہلو اختیار کیا گیا ہے، جس کی اس زمانہ میں حنفیہ کو بھی سخت ضرورت ہے، اس لیے اپنے مذہب سے عدول کرکے ان مسائل کو مسلک مالکی سے لیا گیا ہے اور ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں مسلک مالکیؒ کے مطابق ان تمام مسائل کی تفصیل لکھی گئی ہے تاکہ لوگ ان مسائل سے ناواقف نہ رہیں اور وقت ضرورت ان سے کام لے سکیں، اور مقدمہ میں خود حضرت تھانویؒ نے وجہ تالیف یہی تحریر فرمائی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۱/ جدید امارت شرعیہ ہند ۲۴)

اور اسی وجہ سے حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحبؒ جو الحیلۃ الناجزۃ کے مؤلف ہیں، انہوں نے جوازِ امارت و نظام قضاء کا فتویٰ دیا ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۲/ ۸۹۴)

لہٰذا ''الحیلۃ الناجزۃ'' کی وجہ سے باب نظام قضاء پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا اور نظام قضاء قائم ہونے کے بعد بھی مذکورہ مسائل میں قاضی کو مسلک مالکی کے مطابق فیصلہ کرنا پڑیگا۔

(۲) اس زمانہ میں امارت کا قیام عمل میں نہ آسکا تھا اور جس امارت پر مسئلہ اٹھایا گیا تھا اس میں واجب الطاعۃ ہونے کی قید بھی تھی، جو امارت قہریہ کی صفت ہے، اور امارت قہریہ کا قیام ممکن نہیں اس لیے مذہب مالکی کو اختیار کر کے جماعت مسلمین کی تجویز عمل میں آئی ہے جیسا کہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے شروع میں علماء بہار کی تصدیق کے ذیل میں حضرت مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی نے یہی علت نقل فرمائی ہے۔ (تصدیقات الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص:۱۵، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۳۱۶)

اور حضرت مفتی صاحب موصوف نے الحیلۃ الناجزۃ کے بالکل آخری صفحہ کے حاشیہ کے تحت عربی عبارت میں نقل فرمایا ہے کہ تراضئ مسلمین سے قاضی بنانا اس لیے مشکل ہے کہ اس سے معارضہ اور بدعنوانیاں پیدا ہوسکتی ہیں۔ (الحیلۃ الناجزۃ قدیم ۱۳۶، جدید امارت شرعیہ ہند ۲۹۰)

اور اب چونکہ با قاعدہ امارت کا قیام عمل میں آچکا ہے اگر چہ امارت ارادی ہی کیوں نہ ہو تو اس کے زیر تحت نظام قضاء کا چلانا ممکن ہے، اس لیے الحیلۃ الناجزۃ کا اشکال نہ ہونا چاہیے۔

(۳)

تلفیق کی بحث

مذہب غیر پر عمل کرنے کے لیے ایک شرط یہ بھی ہے کہ تلفیق خارق اجماع لازم نہ آئے اور اگر خارق اجماع تلفیق لازم آجائے تو بالاتفاق مذہب غیر پر عمل جائز نہیں ہے، اور تلفیق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عمل واحد میں تلفیق: اس کی یہ شکل ہوتی ہے کہ ایک ہی عمل کے بعض حکم اپنے مذہب سے لیے جائیں اور بعض مذہب غیر سے مثلاً شافعیہ کے یہاں وضو میں ترتیب لازم ہے اور ربع سر کا مسح لازم نہیں، اور حنفیہ کے یہاں ترتیب لازم نہیں اور ربع سر کا مسح لازم ہے، تو اگر کوئی شخص بے ترتیب وضو کرتا ہے اور ربع سر سے کم مسح کرتا ہے تو یہ عمل واحد میں تلفیق ہے اور یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۲) دو عمل جداگانہ ہوں اور ان میں تلفیق کی جائے، مثلاً ربع رأس سے کم مسح

کرے اور فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے تو وضو شافعیہ کے مذہب پر ہوا، اور نماز حنفیہ کے مذہب پر لیکن وضو اور نماز دونوں الگ الگ عمل ہیں اور یہ تلفیق ممنوع تو نہیں لیکن مستحسن بھی نہیں ہے، اسی طرح الحیلۃ الناجزۃ میں دو شئ الگ الگ ہیں :

(۱) جماعۃ المسلمین اور قاضئ مسلم

(۲) وہ مسائل جن میں مسلک حنفی پر عمل کرنا دشوار ہے، اب اگر ان مسائل کو مالکیہ سے لیا جائے اور نظام قضاء کو حنفیہ سے تو تلفیق کی دوسری قسم لازم آتی ہے، جو اگر چہ جائز ہے لیکن مستحسن نہیں ہے، اس لیے دونوں چیزوں کو مالکیہ سے لے کر الحیلۃ الناجزۃ کی تالیف کی گئی ہے اور یہی وجہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' صفحہ ۲۶ر میں لکھی گئی ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص:۴۰، جدید امارت شرعیہ ہند ص:۲۸)

تو معلوم ہوا کہ تلفیق کی دوسری قسم سے بچنے کے مذکورہ مسائل کے ساتھ ساتھ قاضی کے بجائے جماعۃ المسلمین کو اختیار فرمایا ہے، اسی وجہ سے ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں یہ امر بھی بہت مستحکم طور پر نقل فرمایا ہے کہ اگر کسی جگہ حنفی اور مالکی دونوں مذہب کے الگ الگ قاضی موجود ہوں تو حنفی مذہب کے لوگ مذکورہ مسائل میں حنفی قاضی کے یہاں اپنا مقدمہ نہ پیش کریں بلکہ مالکی قاضی کے یہاں پیش کیا کریں، اور حنفی قاضی کے یہاں ان مسائل کا مقدمہ آجائے تو خود مالکی مذہب کے مطابق فیصلہ نہ کرے بلکہ مالکی قاضی کے یہاں بھیج دیا کرے۔ (مستفاد: حاشیۃ الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص:۲۳، جدید امارت شرعیہ ہند ص:۵۳)

تاکہ کسی طرح کی تلفیق لازم نہ آجائے اور اسی وجہ سے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ دہلویؒ، حضرت مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب بہاریؒ جو نظام امارت وقضاء کے حامی تھے، الحیلۃ الناجزۃ لکھنے کے دوران جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ میں تھانہ بھون تشریف لے جا کر اس مسئلہ پر باقاعدہ بحث وتمحیص فرمائی ہے اور مذکورہ علتوں کی بناء پر الحیلۃ الناجزۃ کی موافقت فرمائی ہے، لیکن قیام نظام قضاء کا انکار بھی نہیں فرمایا ہے، کیونکہ دونوں مسئلے اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور اس کے بعد یہ تینوں حضرات موقع بموقع نظام قضاء

کی ترغیب فرماتے رہے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا ابوالمحاسن سجادؒ نے اپنے حلقہ میں باقاعدہ امارت کا قیام فرمایا اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ۱۳۵۵ھ میں نظام قضاء کے جواز کا فتویٰ دیا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲/۲۲۲، جدید زکریا مطول ۱۱/ ۳۳۱)

اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے اپنے خطبہ صدارت میں اس کی ترغیب دی۔ (تذکرہ جمعیۃ علماء ہند بحوالہ امامت وامارت کا تصور ص: ۵۷)

اور الحیلۃ الناجزۃ کی تالیف میں تعاون بھی فرمایا ہے۔ (مستفاد: الحیلۃ الناجزۃ قدیم ص: ٦، جدید امارت شرعیہ ہند ص: ۳۱)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۷۰۳)

نظام قضاء کے بعد مذہب مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کی عدم ضرورت

سوال [۷۵۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقہ حنفی میں قوت قاہرہ ومنفذہ کے بغیر اگر قاضیٔ شرع ہونے کی گنجائش نکلتی ہے تو کیا پھر بھی فقہ مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت رہتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلک حنفی کے مطابق نظام قضاء کا قیام بغیر قوت قاہرہ کے جائز اور درست ہے، اس لیے کہ قاضی کا فیصلہ الگ چیز ہے اور اس فیصلہ کے مطابق حکم کی تنفیذ امر آخر ہے، اس لیے دونوں چیزوں کی ذمہ داری دو شخص الگ الگ طور پر لے سکتے ہیں، مثلاً فیصلہ قاضی کی طرف سے صادر ہو جائے اور اس کی تنفیذ فوجداری محکمہ وغیرہ کردے، یا ایک قاضی فیصلہ کردے اور یہ فیصلہ کتاب القاضی الی القاضی کے طور پر دوسرے ایسے قاضی کے پاس پہنچ جائے جس کو حق تنفیذ بھی حاصل ہے تو دوسرا قاضی اس

فیصلہ کی شرائط ملحوظ رکھ کر تنفیذ کرسکتا ہے، اوراسی کو تنفیذ شرعی کہا جاتا ہے، نیز اگر ایک قاضی کو فیصلہ اور تنفیذ دونوں حق حاصل ہیں، تو فیصلہ کے ساتھ ساتھ تنفیذ حکم بھی کرسکتا ہے، اس کو علامہ شامی نے بہت واضح الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

قالوا وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه وهذا هو التنفيذ الشرعي. (شامی، کتاب القاضی، مطلب: فی التنفیذ کراچی ۵/۳۵۳، زکریا ۸/۱۲۱)

نیز اس جیسے دلائل ماقبل میں الزام اور قوت عسکری کی بحث میں گذر چکے ہیں، لہٰذا اب جب حنفی مسلک کے مطابق باقاعدہ قاضیٔ شرعی کا تقرر جائز ہے تو عدول عن المذہب کرکے مالکی مسلک کے مطابق جماعت مسلمین کو اختیار نہ کرتے ہوئے قاضیٔ حنفی کو اختیار کرنا بہتر ہوگا۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۴/۲۷۰

مقام واحد میں تعدد قضاۃ

سوال [۷۵۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مقام پر متعدد قاضی ہوسکتے ہیں یا صرف ایک؟ متعدد قاضی ہونے کی صورت میں اگر اختلاف کی صورت پیش آجائے تو فیصلہ کی صورت کیا ہوگی؟

المستفتی: معز الدین خادم ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلک حنفی کے مطابق ایک شہر میں متعدد قضاۃ کا ایک ساتھ تقرر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اور اس میں دو صورتیں عمل میں آسکتی ہیں۔

(۱) ایک مقام میں کئی قضاۃ ایک ساتھ یکساں ذمہ داری انجام دینے کے لیے مقرر کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک کا بوقت فیصلہ موجود ہونا اور سب کی رائے کا متفق ہونا شرط

ہے، اگر ان میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہو یا کسی کی رائے میں اختلاف ہو تو فیصلہ معتبر اور لازم نہ ہوگا۔ اور اس حکم کو عالمگیری میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

السلطان إذا قلد قضاء ناحية إلى رجلين فقضىٰ أحدهما لايجوز كالوكيلين. (هنديه، زكريا قديم ۳/ ۳۱۷، جديد ۳/ ۲۸۵)

اور فتاویٰ بزازیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

فوض قضاء ناحية إلى رجلين لايملك أحدهما القضاء. (الفتاویٰ البزازيه زكريا ۲/ ٦٩، و على هامش الهندية زكريا ٥/ ١٣٤)

(۲) ایک شہر کے مختلف محلوں کے لیے کئی قاضیوں کو الگ الگ مقرر کر دیا جائے تو ہر ایک قاضی مستقل بالحکم ہوگا، کسی ایک کا فیصلہ دوسرے کی رائے پر موقوف نہ ہوگا، اور اسی طرح اگر کسی کو بعض معاملات کے فیصلہ کے لیے اور دوسرے کو بعض دوسرے معاملات کے لیے مقرر کیا جائے تو ایسی صورت میں بھی ایک کا فیصلہ دوسرے پر موقوف نہ رہے گا اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ حکم اس طرح موجود ہے۔

ولو قلدهما على أن يتفرد كل واحد منهما بالقضاء يجوز. (هنديه زكريا قديم ۳/ ۳۱۷، جديد ۳/ ۲۸۵)

اور اگر ایک شہر میں الگ الگ دو قاضی ہوں اور کسی مقدمہ کے فریقین میں سے مدعی کہتا ہے کہ فلاں قاضی (زید) کے پاس معاملہ پیش کیا جائے اور مدعی علیہ کہتا ہے کہ اس کے پاس نہیں بلکہ دوسرے قاضی (بکر) کے پاس پیش کیا جائے تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مدعی کی رعایت کر کے مقدمہ زید کے پاس پیش کرنا لازم ہے، اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ کی رعایت کر کے بکر کے پاس پیش کرنا لازم ہے، اور امام محمدؒ کے قول کا صحیح اور مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔

لو كان في المصر قاضيان كل على محلة على حدة فالعبرة للمدعى عند أبي يوسف وللمدعى عليه عند محمدؒ وهو الصحيح. (مجمع الأنهر ۲/ ۱۵۱)

آخر میں ایک اہم مشورہ

اب اخیر میں ایک مشورہ یہ ہے کہ ایک شہر میں ایک قاضی بنانے میں بدعنوانیاں پیدا ہوسکتی ہیں اس لیے اگر ایک شہر میں ایک قاضی کے بجائے متعدد قاضی مقرر کردیئے جائیں اور ان کو اس طرح پابند کردیا جائے کہ ہر معاملہ میں سب ایک ساتھ بیٹھ کر فیصلہ کیا کریں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں اس طرح کی جزئیات موجود ہیں تا کہ کوئی حکم غلط صادر نہ ہو جائے اور وقت ضرورت ایک دوسرے کے معاون رہیں تو ایسا کرنا بہتر ہوگا۔ (مستفاد: عالمگیری زکریا قدیم ۳/۳۱۷، جدید ۳/۲۸۵، بزازیہ زکریا ۲/ ٦۹، وعلی ہامش الہندیہ زکریا ۵/۱۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۰۵)

محکمۂ شرعیہ کی حیثیت

سوال [۷۵۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض اینکہ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب زید مجدہم کے زیر سرپرستی اسلامی پنچایت مجلس دعوۃ الحق ہردوئی میں قائم ہے، اس میں فسخ نکاح وغیرہ کے معاملات طے پاتے ہیں اس اسلامی پنچایت میں مدعیہ نے ۱٦/ جون ۱۹۹٦ء کو اپنے فسخ نکاح کی اپیل کی ہے اس کی کارروائی پر مدعی علیہ حاضر ہوا اور عرضی دعویٰ کی جواب دہی کے بجائے اس نے درخواست دی کہ ہمارا مقدمہ دارالقضاء سیتاپور میں برائے رخصتی زیر سماعت ہے، لہٰذا یہاں کی اسلامی پنچایت سے مقدمہ خارج کردیا جائے اور دارالقضاء سیتاپور کا اطلاعی فارم نمبر (۱) بھی پیش کیا جس کے دیکھنے سے یہ ظاہر ہوا کہ شوہر مدعی علیہ نے ۱۵/ جنوری ۱۹۹٦ء کو وہاں کی شرعی عدالت میں اپیل کردی تھی، اور ۷/ اپریل ۹٦ء کو وہاں کی شرعی پنچایت کی جانب سے

مدعیہ کے نام کاروائی کی گئی لیکن مدعیہ کے بقول اس کوکسی قسم کی دار القضاء سیتاپور سے اس کے مقدمہ کی کارروائی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں۔

لہٰذا اب ایسی صورت میں کیا کارروائی ہونی چاہیے؟ آپ سے گذارش ہے کہ اپنی رائے عالی اور قیمتی مشورہ سے سرفراز فرمائیں؟

المستفتی: شفقت اللہ، خادم اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعدہ عرض اینکہ یہ خاکسار آپ کی اور حضرت والا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی دعا سے بخیر وعافیت ہے۔

جب اسلامی پنچایت ہردوئی کو باقاعدہ اس کا ثبوت مل چکا ہے کہ فریقین کا معاملہ دار القضاء سیتاپور میں چل رہا ہے اور یہاں سے ۶ ماہ قبل سے وہاں مقدمہ چل رہا ہے تو دار القضاء سیتاپور ہی میں معاملہ چلنا چاہیے، یہاں سے خارج کردینا چاہیے، مدعیہ عدم علم کا دعویٰ ہی کیوں نہ کررہی ہو، البتہ اگر سیتاپور دونوں فریق کو بآسانی حاضر ہونا دشوار ہے تو کتاب القاضی الی القاضی کے اصول سے وہاں سے فائل منگوا کر ہردوئی میں کارروائی کی جاسکتی ہے۔

حضرت اقدس محی السنۃ شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بہت بہت سلام اور دعا کی درخواست پیش فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۶۳)

محکمۂ شرعیہ کی حیثیت

سوال [۷۵۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل دار القضاء سیتاپور جس میں محکمۂ شرعیہ کو بھی ختم کردیا گیا ہے قریب دوسو مقدمہ ہیں کوشش اس بات کی کی جاتی ہے کہ چار مہینہ میں مقدمہ کا فیصلہ کردیا جائے اس کے

لیےضروری کارروائی تیزی سےکی جاتی ہےاور اللہ کاشکر ہے کہ اکثر مقدمات کا چار مہینہ کی مدت میں فیصلہ ہو جاتا ہے اب ایک مقدمہ بوجہ عدم ادائیگی نان نفقہ ہماری عدالت میں پیش ہے، مدعی علیہ نے صاف لفظوں میں محکمۂ شرعیہ کے فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ ہم اس فیصلہ کو ماننے کے پابند نہیں ہیں آپ سے عرض یہ کرنا ہے کہ حیلۂ ناجزہ کا یہ فیصلہ کہ تین آدمیوں کی پنچایت بھی اس فیصلہ کو کرسکتی ہے، اگر فریق ثانی اس کو ماننے سے انکار کر دے تو شرعی پنچایت کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ملا، آپ نے قضا کے سلسلے میں بہت سی جزئیات کو جمع کیا ہے، اس لیے درخواست ہے کہ اس جزئیہ کو اگر آپ کے علم میں ہو تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، اصل یہ ہے کہ قریہ قریہ پنچایت بن رہی ہے اس کا دارالقضاء یا محکمۂ شرعیہ سے تعلق بھی نہیں ہے، چند نفر جمع ہوئے اور پنچایت ترتیب دے لی، اس صورت میں اگر کوئی انکار کر دے کہ آپ کی پنچایت کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہے تو کیا نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ظہیر الاسلام سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ مسلم پرسنل لاء بورڈ یا امارت شرعیہ کے ماتحت چلتے ہیں یا ملک کے با اثر علماء اور مسلمانوں کے نمائندہ علماء کے ماتحت چلنے والی پنچایتیں ہیں ان کو نکاح طلاق اور فسخ نکاح وغیرہ مسائل میں قاضیٔ شرعی کی حیثیت حاصل ہے، جب شرعی محکموں میں ایک فریق مذکورہ مسائل میں دعویٰ دائر کریگا تو دوسرے فریق پر محکمۂ شرعیہ کے فیصلہ کو ماننا لازم ہوگا، انکار کی گنجائش نہیں، ہاں البتہ جو پنچایتیں گاؤں گاؤں قریہ قریہ قائم ہیں اور وہ کسی بڑی تنظیم کے ماتحت نہیں ہوتی ہیں وہاں غلط فیصلہ کا بھی بڑی حد تک امکان ہے، وہ سب محض پنچ کے حکم میں ہوتی ہیں، ان کا فیصلہ فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے، اب رہا آپ کا سوال کہ کوئی صریح جزئیہ تو تلاش بسیار کے باوجود دست یاب نہیں ہو سکا البتہ مسئلہ متعنت وغیرہ سے قضاء کی حیثیت کا ثبوت واضح ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١ر ربیع الثانی ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ٤٧٦٥)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١١/ ٤/ ١٤١٧ھ

قضاء قاضی کے لیے کن امور کو مد نظر رکھنا ضروری ہے؟

سوال [۷۵۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہندوستان میں شرعی پنچایت یا محکمۂ شرعیہ کے نام سے جو ادارے قائم ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا محکمۂ شرعیہ کا فیصلہ قضاء قاضی کے حکم میں ہوگا یا نہیں جبکہ محکمۂ شرعیہ کے پاس قوت تنفیذ نہیں ہے؟

(۲) کیا قاضیٔ شرع برائے نزاعات کے تقرر کے لیے عمومی اجلاس ضروری ہے یا صرف خواص بھی اس کا تقرر کر سکتے ہیں؟

(۳) کیا قاضی کے تقرر کے لیے اتفاق رائے ضروری ہے یا کثرت رائے پر بھی تقرر کیا جاسکتا ہے؟

(۴) قوت قاہرہ سے کیا مراد ہے؟

(۵) کیا قیام قاضی کے لیے قوت قاہرہ شرط ہے؟

(۶) کیا قضاء اور تنفیذ دونوں امور ایک ہی فرد کے لیے ضروری ہیں، اگر قوت تنفیذ نہ ہوتو قضاء قاضی معتبر ہوگا؟

(۷) ایسے ممالک میں جہاں حکومت اسلامیہ نہیں ہے تو کیا قاضی کا تقرر برائے تنازعات کیا جاسکتا ہے؟ بالخصوص ان امور میں جن میں قوت قاہرہ کی ضرورت نہ ہو۔

المستفتی: دفتر دارالعلوم اسماعیل نگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اس کا فیصلہ تسلیم کر لینا لازم اور واجب ہوتا ہے (۲) اہل حل وعقد وخواص بھی کر سکتے ہیں (۳) کثرت رائے سے بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ یہ کثرت اہل حل وعقد کی ہو (۴) قوت قاہرہ سے قوت عسکری مراد ہے (۵) شرط نہیں ہے (۶) ایک شخص کے لیے ضروری نہیں ہیں بلکہ الگ ہو سکتے ہیں جیسا کہ انڈین عدالت میں حاکم فیصلہ

دیتا ہے اوفوجداری محکمہ اس کونافذ کرکے عمل میں لاتا ہے(۷) جی ہاں قائم کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: مدلل اس لیے نہیں لکھا ہے کہ یہ تمام مسائل دلائل کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ احقر کی کتاب بنام ''غیر اسلامی ممالک میں اسلامی نظام قضاء کا تصور'' میں عنقریب شائع ہو کر آنے والے ہیں، الحمد للہ کتابت ہوچکی ہے آپ ایک ماہ کے بعد ایک خط یاد دہانی کے لیے روانہ کردیں ان شاء اللہ آپ کو بھیج دیں گے۔؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۴/۱ھ

امارت شرعیہ سلطان کے قائم مقام ہے یا قاضی کے؟

سوال [۷۵۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دہلی کی امارت شرعیہ کا جو مقام ہے وہ قائم مقام سلطان ہے یا قائم مقام مقامی قاضیٔ اسلام ہے؟

المستفتی: محمد بخدابخش گوبند پور ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ امارت شرعیہ یا ہلال کمیٹی قائم مقام سلطان کے ہے، غیر اسلامی ممالک میں جب باقاعدہ اور باضابطہ امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آجائے تو اس کے سربراہ کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی سے کوئی قاضی مقرر کردے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۲۹)

کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولي قاضیا. (شامی، کتاب القضاء، مطلب: فی حکم تولیة القضاء فی بلاد تغلب علیها

الکفار، کراچی ٥/٣٦٩، زکریا ٨/٤٣، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ٧/٢٦٤، کوئٹه ٦/٣٦٥، زکریا ٧/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۴۱)

قاضی یا امام کا متبع شریعت اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونا لازم ہے

سوال [۷۵۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شہر جے پور میں راجہ کے زمانے کے شہر کے ایک قاضی مقرر ہیں جو شہر میں ہونے والے نکاحوں کے پڑھانے اور عیدگاہ میں عیدین کی نماز کے ذمہ دار ہیں جب ان کو قاضی مقرر کیا گیا تھا اس وقت جے پور شہر میں علماء تو درکنار مساجد میں صحیح قرآن پڑھنے والے امام صاحبان بھی مہیا نہیں تھے، قاضی صاحب خود نہ تو عالم ہیں نہ حافظ، نہ زیادہ دینی مسائل سے واقف، یہی وجہ ہے کہ وہ خود نکاح نہیں پڑھاتے اور نہ عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، چند لوگوں کو انہوں نے اپنا نائب مقرر کر رکھا ہے، انہیں سے نکاح پڑھواتے ہیں اور انہیں سے عیدین کی نماز پڑھوا لیتے ہیں، لیکن دو سال سے انہوں نے اپنے ایک لڑکے کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ہے، اور عیدگاہ میں اسی سے عیدین کی نماز پڑھواتے ہیں، وہ لڑکا بھی نہ عالم ہے نہ حافظ ہے نہ زیادہ دینی معلومات رکھتا ہے، قرآن بھی تجوید سے نہیں پڑھتا، انگریزی اسکول میں پڑھا ہوا ہے پہلے وہ تقریبات میں ڈانس بھی کرتا تھا، اب جے پور شہر میں اللہ کا شکر ہے کہ بہت سے علماء، حفاظ ومفتیان کرام ہو گئے ہیں، لہٰذا شہر کے علماء کو ان کی امامت سے اختلاف ہے، اور رمضان المبارک میں جو سفراء مدارس اسلامیہ سے آتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ عیدگاہ کا امام عالم ہونا چاہیے، مذکورہ بالا حالات میں چند باتیں دریافت طلب ہیں: (۱) شہر کا قاضی کیسا شخص ہونا چاہیے؟ (۲) نکاح پڑھانے کا حق صرف مقررہ قاضی کو ہی

ہے یا دیگر علماء کرام بھی پڑھا سکتے ہیں؟ (۳) عیدگاہ میں عیدین کا امام جو کہ پورے شہر کی نمائندگی کرتا ہے کیسا ہونا چاہیے؟ (۴) قاضی صاحب کے لڑکے کو صرف صاحبزادگی کی بنیاد پر جو کہ غیر عالم ہے علماء ومفتیان کرام کے موجود ہوتے ہوئے عیدگاہ کا امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اصغر احمد خان، انوار حسین جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قاضی ہو یا امام متبع شریعت اور مسائل شرعیہ سے واقف ہونا چاہیے اور امام بھی ایسا ہونا چاہیے جو قرآن کریم کو صحیح طریقہ سے پڑھتا ہو، اس قاضی کو جس زمانہ میں قاضی بنایا گیا تھا، اس وقت اصول شرع کا خیال نہیں رکھا گیا تھا، اس لیے کہ شہر جے پور جس میں بڑی مسلم آبادی ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہاں کوئی صحیح قرآن پڑھنے والا نہ رہا ہو، نیز جو لوگ موروثی طور پر شہروں میں قاضی یا امام کی حیثیت سے مقرر ہوتے آئے ہیں اگر وہ ان عہدوں اور منصبوں کے شرعی طور پر اہل نہیں ہیں تو ہندوستان میں ایسے قاضی اور ایسے امام کی پیروی اور اتباع کرنا لازم نہیں ہے، ہر شہر اور ہر علاقہ کے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اپنے مسائل کے حل کے لیے اہل علم اور شریعت کے ذمہ دار علماء کا انتخاب کریں اور پھر اس عالم پر سب لوگ متفق ہو جایا کریں نیز جہاں پر مسلمانوں کے اتفاق سے تجربہ کار متبحر عالم دین کو عہدۂ امامت یا عہدۂ قضاء پر مقرر نہیں کیا گیا ہے وہاں مسلمان موروثی امام اور قاضی کے پابند نہیں ہیں بلکہ اپنے مسائل کا حل قابل اعتماد علماء سے حاصل کریں اور قابل اعتماد علماء سے اپنا نکاح وغیرہ پڑھوائیں، اور جامع مسجد اور عیدگاہ کے لیے متبع شریعت عالم کا انتخاب کرلینا چاہیے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۱۲)

وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد و يصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم الخ. (شامی، كتاب القاضي، مطلب أبو حنيفة دعي إلى القضاء ثلاث مرات فأبى، كراچی ۵/۳٦۹، زكريا ۸/٤۳، البحر الرائق كوئٹه ٦/۲۷٤، زكريا ٦/٤٦١،

تاتارخانية زكريا ۹/۱۱ رقم: ۱۵۳۴۱، فتح القدير، دار الفكر بيروت ۲٦٤/۷، كوئٹه ٦/۳٦٥، زكريا ۲٤٦/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۴۵/۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۵ھ

دھوکہ باز کو قاضی متعین کرنا

سوال [۷۵۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید جو عالم ہے اگر دو سال سے کم عمر کا جانور ذبح کر کے دھوکہ دیتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آیا ایسے شخص کو قاضیٔ شہر منتخب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر قاضیٔ شہر منتخب ہو اور وہ ایسی حرکت کرے تو اس کی اتباع جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ کوئی فیصلہ کرے تو اس کو ماناجائیگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں دھوکہ دہی کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، سائل کا صرف کسی عالم کو متعین کرنا یہ درست نہیں ہے، دھوکہ دینے والا خواہ کوئی بھی ہو، شرعاً دھوکہ دہی ناجائز ہے، پھر سائل کا مزید یہ پوچھنا کہ ایسے شخص کو قاضیٔ شہر منتخب کرنا پھر اس کی اتباع کے بارے میں پوچھنا اس سلسلے میں ان لوگوں سے پوچھا جائے جو اپنے شہر کا قاضی منتخب کرنے والے ہیں، ہم صرف اتنی بات کہہ سکتے ہیں کہ شہر کا قاضی ہو یا مسجد کا امام متبع شریعت ہونا چاہیے۔

قال عليه الصلاة والسلام: من غشنا فليس منا. (مسلم شريف، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۷۰/۱، بيت الافكار رقم: ۱۰۱)

إن الفاسق ليس بأهل للقضاء فلايصح قضاؤه لأنه لايؤمن عليه لفسقه وهو قول الثلاثة واختاره الطحاوي، قال العيني: وينبغي أن يفتى به خصوصاً في هذا الزمان. (شامي، كتاب القضاء، مطلب: في حكم القاضي الدرزي والنصراني كراچی ۳۵۵/۵-۳۵٦، زكريا ۲۵/۸)

ثـم أفضل هؤلاء أعلمهم بالسنة و أفضلهم ورعاً. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فی بيان من هو أحق بالإمامة، زكريا ١/٣٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۱۵ھ

کیا فیصلہ کی کاپی ہر فریق کوملنی چاہیے؟

سوال [۷۵۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فریقین کے درمیان فیصلہ ہوا تو ہر فریق کو فیصلہ کی کاپی ملنی چاہیے؟

المستفتی: شبیر احمد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فریقین کے درمیان فیصلہ ہوا تو فیصلہ کی کاپی جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا ہے اس کو ملنی چاہیے، اور مصالحت کی صورت میں دونوں فریق کو ملنی چاہیے۔

والحجة ما عليه علامة القاضي أعلاه و خط الشاهدين أسفله و أعطى للخصم. (شامی، كتاب القضاء مطلب: في العمل بالسجلات، كراچی ٥/٣٦٩، زكريا ٨/٤٤)

وفي وضع آخر ينبغي للقاضي أن يعتذر للمقضي عليه ويبين له وجه قضائه و يبين له أنه فهم حجته ولكن الحكم في الشرع كذا يقتضي القضاء عليه ...... و من يسمع يخل فربما تفسد العامة عرضه وهو برئ و إذا أمكن إقامة الحق مع عدم إيغار الصدور كان أولىٰ. (شامی، كراچی ٥/٣٧٦، زكريا ٨/٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۸۰)

فیصلہ کے لیے فریقین کا موجود ہونا لازم ہے

سوال [۷۵۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رامپور میں آپ نے ایک مقام پر میٹنگ میں یہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے معاملات کو سلجھانے کے لیے شرعی عدالتوں کا سہارا لینا چاہیے، سرکاری عدالتوں میں نہ جائیں، شرعی عدالتوں میں شرعی طور پر فیصلے ہوتے ہیں جو باعث فلاح اور ثواب ہیں، میرا ایک معاملہ تھا جو میں نے مقامی شرعی عدالت میں رکھنا چاہا جو کہ مبلغ ۳۰۰/روپئے بطور اخراجات لیتے ہیں، تو انچارج (صدر) مفتی شرعی عدالت نے یہ کہہ کر مجھے مایوس کر دیا کہ فیصلہ کرانے کے لیے دونوں فریقوں کو آنا چاہیے، جبکہ اصولاً یہ بات غلط، غیر قانونی اور غیر اصولی ہے، معاملہ میرے پڑوس کی ایک مسجد کے متولی کے قطعی غیر قانونی عمل اور اسلامی اخلاق کے برتاؤ کے قطعی خلاف ہے، میں ایسا سمجھ رہا ہوں کہ منع کرنے والے مفتی صاحب کو خوف خدا کی جگہ خوف انسان یا متولی یا اس کے خاندان کا رہا، اس خط کے ذریعہ آپ کی آراء کو جاننا چاہتا ہوں، تاکہ مفتی مذکور سے کہہ سکوں آپ اس میں رہنمائی فرمائیں میں معاملہ کو شرعی عدالت کے ذریعہ سلجھانا چاہتا ہوں، چونکہ سرکاری عدالتیں بغیر جھوٹ اور رشوت کے نہیں چلتی ہیں، اور میری عمر ۷۶ سال ہے خوف خدا ہے ورنہ اب تک عدالت نگینہ منصفی جا سکتا تھا، رائے ضرور تحریر فرمائیں؟

المستفتی: عبدالمالک نگینہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میں نے ٹانڈہ ضلع رامپور میں دورانِ گفتگو اور سوال وجواب کے درمیان صاف طور پر یہ بات کہی تھی کہ وہ مسائل جو خاص طور پر مسلمانوں کے عائلی معاملات یعنی میاں بیوی کے معاملات سے تعلق رکھتے ہوں ان کا حل محکمۂ شرعیہ اور شرعی پنچایت کے ذریعہ سے کرانا چاہیے، عدالتوں میں جا کر فریقین اپنے پیسے برباد نہ کریں اور یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ جائیداد اور مالی معاملات کا حل محکمۂ شرعیہ اور شرعی پنچایت

کے بس کی بات نہیں ہے اس لیے کہ محکمۂ شرعیہ اور شرعی پنچایت کے پاس قوت عسکری موجود نہیں ہے اس لیے مالی معاملات سے متعلق مفتی سے فتویٰ لیا جا سکتا ہے، مفتی مسئلہ بتلا دیں گے عمل کرنا نہ کرنا صاحب معاملات کا کام ہے اس لیے کہ مفتی کا فتویٰ فیصلہ نہیں ہوتا ہے بلکہ شریعت پر عمل کرنے کا راستہ بتلانا ہوتا ہے۔

نیز سوال میں جو لکھا گیا ہے کہ دونوں فریق کو آنا چاہیے یہ بات درست اور صحیح ہے، جہاں بھی محکمۂ شرعیہ قائم ہے وہاں کے محکمہ پر لازم ہے کہ صرف ایک فریق کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرے، بلکہ دونوں فریق کی بات سننے کے بعد ہی فیصلہ کی اجازت ہوتی ہے، لہٰذا مفتی صاحب نے صحیح کہا ہے کہ ایک طرفہ بیان سن کر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

ولا يقضى على غائب ولا له، أى لا يصلح بل لا ينفذ على المفتى به.

(شامی، کتاب القضاء مطلب: فی أمر الأمیر وقضائه، کراچی ٥/٤٠٩، زکریا ٨/١٠٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۴/۱۴۳۴ھ

ناحق فیصلہ کرنے کا حکم

سوال [۷۵۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مدعی کے مدعیٰ علیہ کے اسٹیٹ میں دو طویلے، گودام، روم وغیرہ کے ساتھ تھے، ایک طویلہ تقریباً ۶۲/سال ہوئے، پگڑی سے رکھا تھا، دوسرا طویلہ ۲۰۰۴ء میں خرید کر رکھا تھا، جس کا ٹرانسپورٹ مدعی علیہ نے مدعی کے پاس سے تقریباً گیارہ، بارہ لاکھ روپئے لیے تھے، ایک روم تھا جس کا ٹرانسپورٹ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپئے لیے تھے۔

(۲) ۲۰۰۶ء میں اسٹیٹ مالک نے چاہا کہ یہاں سے سارے طویلے نکال کر یہاں پر آئی ٹی پارک بنواؤں، اس کے لیے مدعی علیہ نے مدعی کو بلا کر کہا، آپ کو دو طویلے، روم وغیرہ

کے عوض بارہ ہزار سات سو پچاس فٹ کا ایریا دوں گا، اور تیرہ کار پارکنگیں اور اس کے بننے تک ماہانہ ایک لاکھ دس ہزار روپئے کرایہ دوں گا، اور چوبیس ماہ میں بنا کر اس کا قبضہ دیدوں گا، یہ مدعیٰ علیہ کا مدعی سے عہد پیمان ہوا، اس پر مدعی نے اپنی جگہ خالی کر کے مدعیٰ علیہ کو سونپ دی۔

(۳) مدعیٰ علیہ نے مدعی کو بارہ ہزار سات سو پچاس فٹ ایریا دیا تھا، اس میں سے مدعی نے دو ہزار سات سو فٹ جگہ بیچ دی، اور دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا مدعی علیہ نے مدعی کو دستاویز کر کے دیدی، اور تیرہ کار پارکنگیں دیں۔

(۴) مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ ساڑھے چار ایکڑ زمین میں پندرہ پیسے کی حصہ داری کی ۲۰۰۸ء میں مدعی نے مدعی علیہ کو حصہ داری کے ایک کروڑ اکیس لاکھ روپئے دیئے تھے۔

(۵) ۲۰۰۸ء میں مدعی علیہ کے ساتھ ساڑھے سات ایکڑ زمین میں دس پیسے کی حصہ داری کی تھی، جس کے مدعی نے مدعی علیہ کو چھیالیس لاکھ روپئے دیئے تھے۔

(۶) ۲۰۰۸ء مدعی نے مدعی علیہ کے ساتھ آئی ٹی ٹو میں بیس پیسے کی حصہ داری کی تھی، جس میں مدعی نے مدعی علیہ کو ایک کروڑ بیس لاکھ روپئے دیئے تھے۔

(۷) مدعی نے مدعیٰ علیہ کے پاس سے دو فلیٹ رکھے تھے، جس کی قیمت پچاسی لاکھ روپئے مدعیٰ علیہ کو دیئے تھے، یہ بھی ۲۰۰۸ء میں رکھے تھے۔

(۸) مدعیٰ علیہ نے دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا کرایہ عہد و پیمان کے مطابق اڑتیس ماہ تک دیا، پھر کرایہ دینا بند کر دیا۔

(۹) مدعیٰ علیہ نے چوبیس ماہ میں بنا کر دینے کا وعدہ کیا تھا، چوبیس کی جگہ، چالیس ماہ ہو گئے لیکن نہ کرایہ دیتا ہے نہ جگہ کا قبضہ۔

(۱۰) مدعی نے مجبوراً قانونی کارروائی شروع کی، جس میں مدعی کے تقریباً ایک کروڑ روپئے خرچ ہو گئے، لیکن کوئی صحیح نتیجہ نہ نکلا، اگر عدالت میں جاتے ہیں تو بیس پچیس سال لگ جاتے ہیں، اس لیے مجبوراً یہ مسئلہ سماج پنچ کو سونپنا پڑا، مدعی نے تین حکم مقرر کئے، اور مدعی علیہ نے تین حکم، مدعی اور مدعیٰ علیہ نے دس دس لاکھ روپئے ڈیپوزٹ کے طور پر حکموں کے پاس

رکھیں، اور دونوں نے اپنا اپنا پاور لکھ کر دیا۔

(۱۱) مدعی اور مدعلی علیہ کی پہلی میٹنگ ہوئی، مدعیٰ علیہ نے کھڑے ہوکر کہا کہ یہ فیصلہ آربی ٹیشن کے ماتحت ہوگا، نہ کہ سماجی لیول اور حلفیہ چونکہ مدعی نے اس معاملہ کا گواہ مدعیٰ علیہ کے ایک حکم کو بنایا تھا، اور دوسرا مدعیٰ علیہ کے ایک آئی ٹی پارک حصہ دار کو بنایا تھا، جو اس معاملہ کو اچھی طرح جانتے تھے، معاملہ سونپنے کے بعد چھ ماہ کے بعد فیصلہ سنایا۔

(۱۲) امور بالاخانہ سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مدعی کا مدعیٰ علیہ پر کیا حق ہے؟

حکموں کا فیصلہ

(۱) مدعیٰ علیہ نے مدعی کو جو دس ہزار پچاس فٹ جگہ کا دستاویز کر کے دیا تھا، اس میں سے دو ہزار پانچ سوفٹ جگہ کم کردیں، پرانے دستاویز واپس لے کر نئے دستاویز بنانے کا فیصلہ کیا اور نئے دستاویز کا خرچ مدعی کے ذمہ ڈالا۔

(۲) مدعی علیہ نے عہد و پیمان کے مطابق جو اڑتیس ماہ کرایہ دیا تھا اس میں سے تقریبا چھبیس لاکھ روپئے مدعی کے پاس سے واپس لیا۔

(۳) مدعی کو تیرہ کار پارکنگیں دی تھی، اس میں سے نو کار پارکنگیں واپس لیں۔

(۴) مدعی کی جو دس ہزار پچاس فٹ جگہ تھی، اس میں سے چھتیس سوفٹ جگہ تین سال پہلے کرایہ پر دی تھی، کرایہ کے ایک کروڑ روپئے مدعیٰ علیہ کے پاس جمع تھے، جس میں سے مدعی کو سینتیس لاکھ روپئے دینے کا وعدہ کیا، وہ بھی ایک سال کے بعد قسط وار، ایک تو تین سال سے مدعی کی رقم استعمال کررہے ہیں، اور فیصلہ میں تریسٹھ لاکھ روپئے کم کر کے دینے کا وعدہ ایک سال کے بعد وہ بھی قسط وار۔

(۵) مدعی نے مدعیٰ علیہ کے پاس سے دو فلیٹ رکھے تھے، جس کے پچاسی لاکھ روپئے مدعی علیہ کو دیئے تھے، یہ فلیٹ ۲۰۰۸ء میں رکھے تھے، مدعی کا مطالبہ تھا کہ آج تک کے کرایہ کے ساتھ فلیٹ کا قبضہ دیا جائے نہ تو کرایہ دیا نہ تو فلیٹوں کا قبضہ دیا، نہ فلیٹوں کی قیمت واپس دی۔

(۶) مدعی نے مدعیٰ علیہ کے ساتھ ساڑھے چار ایکڑ زمین میں حصہ داری کی تھی جس میں ایک کروڑ اکیس لاکھ روپئے دیئے تھے، اور ساڑھے سات ایکڑ زمین کی حصہ دار میں چھیالیس لاکھ روپئے دیئے تھے، اور آئی ٹی ٹو میں حصہ داری کے ایک کروڑ بیس لاکھ روپئے دیئے تھے، یہ حصہ داری ۲۰۰۸ء میں کی تھی، مدعی کا مطالبہ تھا، کہ ان تینوں کا آج تک کا حساب، اور آج کی قیمت کے حساب سے، مجھے اس کی قیمت دی جائے تو نہ تو اس کا حساب دیا، اور نہ اس کی قیمت واپس کی۔

(۷) مدعی نے اپنا حق لینے کے لیے قانونی خرچ کیا تھا، اس کا مطالبہ کیا تو یہ خرچ بھی نہ دیا۔

(۸) مدعی نے حکموں سے کہا کہ آپ لوگوں نے تو ایک طرفہ فیصلہ کیا، میرا حق سب مدعی علیہ کو دیدیا، تو کہنے لگے کیا کریں وہ مانتا ہی نہیں، وہ تو دینے کے لیے تیار ہی نہیں، تو ہم نے سوچا یہ کچھ بھی دیگا، تو مدعی کا بڑا نقصان ہوگا اس لیے ہم نے اسی پر فیصلہ کرلیا، مدعی نے یہ مسئلہ سماجی پنچ کو اس لیے سونپا تھا کہ مدعی کی جگہ دس ہزار پچاس فٹ دستاویزی تھی، عدالت میں صرف اس کا دعویٰ چل سکتا ہے، باقی حصہ داری یہ سب دو نمبر کی چیزیں تھیں، دو نمبر کا دعویٰ عدالت میں نہیں چل سکتا، اس لیے سماج کے لوگوں کو سونپا تھا، تو سماج کے لوگوں نے جو دستاویزی جگہ تھی اس میں سے دو ہزار پانچ سو پچاس فٹ جگہ کم کردی، پھر دو نمبر کی حصہ داری کا تو کیا کہنا؟ تو مدعی کا اتنا بڑا حق ضائع کرنے کا مجرم صرف مدعیٰ علیہ ہوگا، یا پھر یہ حکم بھی اس جرم میں شریک ہوں گے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بشرط صحت سوال حکموں پر لازم تھا کہ کسی کے دباؤ اور کسی کے ماننے اور نہ ماننے کی پرواہ کیے بغیر صحیح فیصلہ کرتے مگر انہوں نے یہ سوچ کر کہ سامنے والا نہیں مانے گا اسی کے حق میں فیصلہ کردیا جو غلط ہے، اور ظالم کی معاونت اور مدد ہے، احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جو شخص جھگڑے میں باطل کی بلا حق معاونت کرتا ہے تو وہ

اللہ اوراس کے رسول کے ذمہ سے نکل جاتا ہے، اورتاحیات اللہ کی ناراضگی کا شکار رہتا ہے، لہٰذا مدعی کا حق مارنے کا جتنا گناہ مدعیٰ علیہ پر ہوگا اس میں یہ حکم بھی شامل ہوں گے۔

عن سالم عن أبيه قال قال النبی ﷺ من أخذ من الأرض شيئا بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين. (بخاری شریف، کتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ۱/۳۳۲، رقم: ۲۳۹۰، ف: ۲۴۵۴)

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالىٰ يوم القيامة سبع أرضين. (المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ۶/۱۶۷، رقم: ۸۳۸۳، صحيح مسلم، كتاب المساقاة و المزارعة، باب تحريم الظلم و غصب الأرض، النسخة الهندية ۲/۳۳، بيت الأفكار رقم: ۱۶۱۰، صحيح البخاری، كتاب المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض ۱/۳۳۱، رقم: ۲۳۸۸، ف: ۲۴۵۲)

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من أعان بباطل ليدحض بباطله حقا فقد برئ من ذمة الله و ذمة رسوله. (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربی بيرت ۱۱/۹۴، رقم: ۱۱۲۱۶، ۱۱/۱۷۲، رقم: ۱۱۵۳۹، المعجم الأوسط، دار الفكر بيروت ۲/۱۸۰، رقم: ۲۹۴۴، المستدرك، جديد نزار مصطفى الباز بيروت ۷/۲۵۲۱، رقم: ۷۰۵۲، كنزالعمال قديم ۳/۴۹۹، الدر المنثور، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۴۵۲)

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من أعان على خصومة بغير حق كان فی سخط الله حتى ينزع. (المستدرك، مكتبه نزار مصطفى الباز بيروت ۷/۲۵۲۱، رقم: ۷۰۵۱، الدر المنثور، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۴۵۲، ومثله فی المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربی بيروت ۱۲/۲۹۶، رقم: ۳۴۳۵، مجمع الزوائد، دار الكتب العلمية بيروت ۱۰/۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۰؍۱؍۱۴۳۵ھ

شریعت کے خلاف فیصلہ صادر کرنے والی پنچایت میں شرکت کا حکم

سوال [۷۵۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس پنچایت میں شریعت کے خلاف فیصلے ہوتے ہوں اس پنچایت کے شرکاء کیا شرعاً گنہگار ہوں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس پنچایت میں شریعت کے خلاف فیصلے کیے جاتے ہوں اس پنچایت میں شرکت کرنے والے شرکاء گنہگار ہوں گے۔

﴿قال الله وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ . [المائدة: ٤٧]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۶/ ۱۴۳۱ھ

قضاء اور تحکیم کے بعض مسائل

سوال [۷۵۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل ایک مقدمہ زمین کا زیر سماعت ہے، احقر کو نہ کوئی تجربہ ہے نہ علم و معلومات، صرف خیال کرکے باصرار قبول کرلیا ہے کہ اچھی بات ہے لوگ شریعت سے فیصلہ لینا چاہ رہے ہیں اس لیے اس کام پر اصرار بھی مناسب نہیں، وہ یہ ہے کہ معاملہ حوالے ہوجانے کے بعد احقر نے ایک وضاحت نامہ جاری کیا جو درج ذیل ہے:

وضاحت نامہ: فریق اول: امان اللہ خان ورفقاء

فریق ثانی: اشرف خان وبرادران

مسلم شریف ودیگر کتب حدیث میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص بالشت بھر زمین بھی ناحق لے گا (دبائیگا) اس کے گلے میں (قیامت کے دن) ساتوں زمین کے طوق ڈالے جائیں گے (انتہی الحدیث) اس لیے دریافت طلب امور کے جوابات پوری سچائی ودیانت کے ساتھ اپنے علم ومعلومات کی روشنی میں صاف صاف تحریر کریں:

(۱) مطلوبہ آراضی (متنازع فیہ) میں آپ کو حق ملکیت، بیع، ہبہ، وراثت وغیرہ اسبابِ ملک میں سے کس حیثیت سے حاصل ہوا، اس کی وضاحت کریں؟

(الف) حق ملکیت اگر بحیثیت خرید وفروخت حاصل ہوا ہے تو اس کا ثبوت پیش کریں؟

(ب) اور اگر بذریعہ ہبہ حق ملکیت حاصل ہوا ہے تو واہب (ہبہ کرنے والے) کی زندگی میں آراضیٔ موہوبہ (ہبہ کی گئی زمین) پر موہوب لہ (جس کو ہبہ کی گئی) کا قبضہ وتصرف ثابت کریں۔

(ج) اگر بذریعہ وراثت حق ملکیت حاصل ہوا ہے تو مورث سے اپنا نسبی تعلق ثابت کریں؟

(۲) جس زمین کے آپ مدعی وطالب ہیں اس کا موجودہ حدود اربعہ موقع مناسبت کے ساتھ تحریر کریں؟

ضروری باتیں: (۱) ہر دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے دو معتبر دیندار شرعی گواہ پیش کرنے ہوں گے۔

(۲) گواہان پر معقول وجائز وجہ کے ساتھ نقد واعتراض کا حق حاصل ہوگا۔

(۳) اولاً جوابات صاف اردو میں تحریر کرکے دینے ہوں گے۔

دوبارہ پھر مذکورہ بالا تحریر بھیجنی اوراس کے بعد پھر فیصلہ کی تاریخ دینی ہے۔

والسلام: خورشید انور

تحریر یہ ہے کہ......فریق اول (مدعی): امان اللہ ورفقاء

فریق دوم (مدعا علیہم): اشرف خاں وبرادران

۳ر اگست ۹۰ء کو صبح سات بجے بروز جمعہ کو تشریف لاکر مدعیان شرعی گواہ پیش کریں

ورنہ مدعا علیہم سے قسم لے کر معاملہ کو تکمیل فیصلہ کی صورت دیدی جائے گی، حدیث پاک میں ہے ”البينة على المدعی و اليمين على من انكر“

والسلام: خورشیدانور

مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں بتلائیں کہ وضاحت نامہ اور دوسری تحریر درست ہے یا نہیں اس میں جو غلطی ہو اس سے مطلع فرمائیں؟

(۲) قسم کس طرح لی جائے گی؟

(۳) کیا سبھی سے قسم لی جائے یا کہ مدعا علیہم کی جانب سے ایک شخص جو خود بھی مدعا علیہم ہی میں سے ہے صرف اسی سے قسم لی جائے؟

(۴) قسم کے الفاظ خود کہلوائے جائیں یا وہ خود جن الفاظ سے قسم کھانا چاہے اس کو سن لیا جائے جو حرج ہوسکتا ہو، تحریر فرمائیں؟

(۵) فیصلہ کی اور بھی صورت سمجھ میں آئے تو بلا کیف تحریر فرمائیں؟

(۶) سرکاری کاغذات بیعنامہ اور بینک کی تحقیقات و زمین نامہ بظاہر مدعا علیہم کے حق میں ہیں تو کیا فیصلے کی تحریر میں مذکورہ دستاویزات کا حوالہ دیکھا جائے گا؟

برائے مہربانی غور فرما کر جواب عنایت فرمائیں یا جو بھی ضروری مشورہ ہو تحریر فرمائیں اگر احقر کی حاضری ضروری ہو تو احقر خود بھی حاضر ہوسکتا ہے، مدرسہ کی ذمہ داریوں کی وجہ سے فی الحال حامل عریضہ ہی کو میں بھیج رہا ہوں۔

المستفتی: احقر خورشید انور ابن قاری شوکت علی بادل خان والی مسجد مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) وضاحت نامہ اور تحریر مکرر درست اور صحیح ہے، قاضی، پنچ اور فیصل کو مذکورہ وضاحت طلب کرنے کا حق ہے، اور اسباب ملک کی وضاحت کا مطالبہ بھی سب صحیح ہے۔

رجل إدعى دارا في يد إنسان وقال في دعواه هذه الدار كانت لأبي فلان مات و تركها ميراثا لي، ولأختي فلانة ولا وارث له غيرنا، وترك دواباً و ثيابا

فقسمنا الميراث ووقعت هذه الدار في نصيبي بالقسمة و اليوم جميع هذه الدار ملكي لهذا السبب وفي يد هذا بغير حق فدعواه صحيحة الخ. (هنديه، كتاب الدعوىٰ، الفصل الثالث فيما يتعلق بدعوىٰ العقار، زكريا قديم ٤/١٢، جديد ٤/١٦)

فإن ادعى عقاراً حدوه و ذكر أنه في يد المدعى عليه وأنه يطالبه به لأنه تعذر التعريف بالإشارة لتعذر النقل فيصار إلى التحديد، فإن العقار يعرف به ويذكر الحدود الأربعة ويذكر إسما أصحاب الحدود و أنسابهم ولا بد من ذكر الحد لأن تمام التعريف به عند أبي حنيفةؒ على ما عرف هو الصحيح. (هدايه اشرفی ديو بند ٣/٢٠٢)

(۲-۳) مدعا علیہم میں سے ہر ایک سے الگ الگ قسم لینا ضروری ہے جو قسم سے انکار کریگا اس کا حصہ مدعی کو دیدیا جائے گا۔

مستفاد: فإن لم تقم له بينة استحلف الشركاء. (هدايه، كتاب القسمة اشرفی ديو بند ٤/٤٢٠)

(۴) کلمات قسم کہلوائے جانے چاہئیں، کیونکہ طریق قسم سے عوام ناواقف ہوتے ہیں۔

واليمين بالله دون غيره وقد يؤكد بذكر أوصافه وهو التغليظ و ذلک مثل قوله "قل: والله الذي لا إله إلا هو، عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم، الذي يعلم من السر و الخفاء، ما يعلم من العلانية، ما لفلان هذا عليک ولا قبلک، هذا المال الذي إدعاه إلى آخره. (هدايه، كتاب الدعوىٰ، باب اليمين، اشرفی ديو بند ٣/٢٠٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۹۲/۲۶)

جائیداد کے لیے دو فریق میں جھگڑے کا فیصلہ

سوال [۷۵۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) دو فریقوں کے درمیان کسی جائیداد پر نزاع ہو تو ایسی صورت میں سرکاری کاغذات کو شرعی ثبوت سمجھ کر ان کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر فیصلہ کے لیے کن چیزوں کو شرعی طور پر بنیاد بنایا جائے، جبکہ چشم دید گواہان انتقال کر چکے ہوں؟

(۲) اگر فریقین کے کاغذی ثبوت مشتبہ اور مشکوک ہوں تو پھر فیصلہ کے لیے شرعی اصول کیا ہے؟ ایسی صورت میں "**البینة علی المدعی و الیمین علی من أنکر**" کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں جبکہ فریقین کے دلائل مشتبہ ہوں تو قبضہ والے کے حق میں فیصلہ کرنا کیسا ہے، جبکہ قبضہ کا عرصہ پچھتر سال سے زائد ہو چکا ہے اس عرصہ کے اندر کوئی تنازعہ ملکیت وغیرہ کا سامنے نہیں آیا؟

(۳) کتنے عرصہ کے قبضہ کو شریعت نے قبضہ تسلیم کیا ہے؟

المستفتی: نبی اللہ شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر جائیداد سے متعلق نزاع اور اختلاف ہے اور جن لوگوں کے قبضہ میں جائیداد موجود ہے ان کے قبضہ میں رہتے ہوئے دوسرے فریق نے اگر چھتیس سال تک کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے چھتیس سال گذرنے کے بعد دوسرے فریق نے دعویٰ کیا ہے اور جانبین میں سرکاری کاغذات کا ثبوت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں جائیداد انہیں لوگوں کی ملکیت سمجھی جائے گی جن لوگوں کے قبضہ میں چلی آ رہی ہے، اور اگر چھتیس سال سے پہلے دوسرے فریق کی طرف سے دعویٰ کا سلسلہ چل رہا ہے تو اس کو واضح کیا جائے کہ قبضہ کے کتنے سالوں کے بعد اختلاف کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس کے بعد شرعی حکم بیان کیا جائیگا، اور اگر کسی ایک فریق کے حق میں سرکای کاغذات موجود ہیں اور کاغذات سرکاری دفاتر میں بھی محفوظ ہیں اور ان کاغذات کے خلاف دوسرے کاغذات سرکاری دفاتر میں نہیں ہیں تو ایسی صورت میں جس فریق کے حق میں سرکاری دفاتر میں کاغذات محفوظ ہیں، شرعی طور پر اسی فریق کا حق اس جائیداد میں ثابت ہوگا، دوسرے فریق کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

وحاصله أن ما مر من قولهم لایعتمد علی الخط و لایعمل به مبنی

علی أصل المنقول فی المذهب قبل حدوث العرف ولما حدث العرف فی الاعتماد علی الخط والعمل به فی مثل هذه المواضع أفتوا به. (رسائل ابن عابدین ۲/ ۱٤٤ ثاقب بکڈپو دیوبند)

للعلامة الشیخ علاء الدین الحصکفی شارح التنویر و الملتقی رسالة فی ذٰلک، حاصلها بعد أن نقل ما هنا من أنه یعمل بکتاب الأمان. (رسائل ابن عابدین ۲/ ۱٤٤ ثاقب بکڈپو دیوبند)

(۲) اگرفریقین کےکاغذی ثبوت مشتبہ اور مشکوک ہوں تو ان کاغذات کا غیر جانبدار لوگوں کے ذریعہ سے معائنہ کرایا جائے اور پھر سرکاری دفاتر سے رجوع کیا جائے جس فریق کے حق میں کاغذات صحیح ثابت ہو جائیں اسی فریق کے حق میں فیصلہ ہوگا اور اگر کاغذات کے بارے میں کسی ایک فریق کے حق میں صحیح ثبوت نہیں ہو پاتا ہے تو وہاں کے لوگوں کی شہادت دیکھی جائے گی، اور اگر شہادت بھی نہیں ہے تو جس کے قبضہ میں جائیداد ہے شرعی طور پر وہی مدعیٰ علیہ اور منکر سمجھا جائے گا اس سے قسم لے کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

ولاترد الیمین علی المدعی لقوله علیه السلام: البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر. (هدایه کتاب الدعویٰ، باب الیمین، اشرفی دیو بند ۳/ ۲۰۳)

فإن فی ید أحدهما قضی بها له هو الأصح. (شامی باب دعویٰ الرجلین، کراچی ۵/ ۵۷۷، زکریا ۸/ ۳۳۵)

(۳) سوالنامہ میں یہ جو پوچھا گیا ہے کہ کتنے عرصے کے قبضے کو شریعت نے تسلیم کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے ''**القول قول القابض**'' جو فرمایا ہے اس کا مصداق پوچھنا چاہتے ہیں کہ جس کے قبضے میں شئ ہے وہ مدعی علیہ اور منکر ہوتا ہے اور دوسرا فریق مدعی ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں منکر کا قبضہ تسلیم کیا جاتا ہے، بایں طور کہ مدعی کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں جس کے قبضہ میں شئ ہے اس سے قسم لے کر اسی کے حق میں فیصلہ کیا جاتا ہے، اور اگر سائل اس سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ جس کے قبضہ میں جائیداد ہے اس کے قبضہ میں ہوتے ہوئے دوسرے فریق کا دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوسکتا ہے اگر یہی پوچھنا چاہتا ہے تو

اس کے لیے یہ لازم ہے کہ جائیداد قابض کے قبضے میں آنے کے بعد بعض روایات میں پندرہ سال اور بعض میں ۳۳؍سال اور بعض میں ۳۶؍سال تک اور بعض روایات میں بغیر تعیین عرصۂ دراز تک دوسرے فریق کی جانب سے کسی قسم کا دعویٰ نہیں ہوا ہے تو ایسی صورت میں قابض کے خلاف دوسرے فریق کا دعویٰ معتبر نہیں ہوتا ہے، اور سوالنامہ میں یہ جو کہا گیا ہے کہ قبضہ کو عرصہ ۷۵؍سال سے زائد ہو چکا ہے اگر اس سے یہ مراد ہے کہ ۷۵؍سال تک دوسرے فریق کی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں ہوا ہے تو اتنے عرصہ کے بعد فریق ثانی کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا۔

ہاں البتہ اگر ان کے پاس سرکاری کاغذات سرکاری دفاتر میں محفوظ ہیں اور ان کاغذات میں کسی قسم کے شکوک وشبہات نہیں ہیں تب ان کا دعویٰ درست ہوگا، ورنہ نہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ قابض کے پاس ۷۵؍سال سے زائد ہو چکا ہے مگر جب سے قبضہ ہے اس وقت سے دوسرے فریق کی طرف سے دعویٰ کا سلسلہ جاری ہے تو ایسی صورت میں جانبین کی بات قابل سماعت ہوگی اور ۷۵؍سال تک قبضہ کی وجہ سے فریق مخالف کا دعویٰ منسوخ نہیں ہوگا، ہاں البتہ اگر ۳۳ سال یا ۳۶؍سال تک دوسرے فریق نے کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا ہے پھر اس حالت میں مزید ۳۰/۳۵؍سال گذر گئے، ۷۵؍سال ہو گئے ہیں اس کے بعد دوسرا فریق دعویٰ کر رہا ہے تو اس کا دعویٰ قابل سماعت نہ ہوگا۔

وفي الحامدية عن الولوالجية: رجل تصرف زمانا في أرض و رجل آخر يرىٰ الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوىٰ ولده فتترك على يد المتصرف الخ، ثم اعلم أنه نقل العلامة ابن الغرس في الفواكه البدرية عن المبسوط: إذا ترك الدعوىٰ ثلاثا و ثلاثين سنة ولم يكن مانع من الدعوىٰ ثم ادعىٰ لاتسمع دعواه لأن ترك الدعوىٰ مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا ومثله في البحر، وفي جامع الفتاوىٰ: وقال المتأخرون من أهل الفتاوىٰ: لا تسمع الدعوىٰ بعد ست و ثلاثين سنة.

(شامی، کتاب الخنثی، کراچی ٦/٧٤٢، زکریا ١٠/٤٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۴۹/۳۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲ باب الشهادة

دعویٰ بغیر گواہی کے قبول نہیں

سوال [۷۵۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ رئیسہ خاتون اپنے حقیقی خسر شوہر کے باپ جمیل احمد کے بارے میں یہ دعویٰ کرتی ہے کہ چند مرتبہ میرا خسر ناجائز طریقے سے اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لیے میرے جسم کے پوشیدہ حصوں، پستان، فرج، کمر بند، شلوار میں ہاتھ ڈال چکا ہے، مگر چونکہ وہ بھی میرا دوسرا باپ ہے، اس لیے میں نے اس کو اس کے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہونے دیا، کچھ وقت تک یہ راز شوہر، خوش دامن، شوہر کے چچا وغیرہ گھر والوں تک ہی پوشیدہ رکھا، مگر جب طریقہ حد سے بڑھ گیا اور گھر کے افراد جمیل احمد پر کنٹرول نہیں کر سکے تو مجبوراً رئیسہ خاتون نے اپنے میکہ میں اس کا اظہار کر دیا ہے، پنچایت میں جمیل احمد نے رئیسہ کے دعویٰ کی تردید کر دی، جمیل احمد کے گھر والوں نے بھی اس واقعہ کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان واقعات سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا، جمیل احمد رئیسہ کے قول کی تکذیب کرتا ہے، رئیسہ کے پاس موقع کا کوئی گواہ نہیں ہے، حضرت والا سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: بندۂ خدا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رئیسہ خاتون کا یہ کہنا کہ اس کا خسر جمیل احمد اپنی شہوت کی آگ بجھانے کے لیے کئی مرتبہ اس کے جسم کے پوشیدہ حصوں میں ہاتھ ڈال چکا

ہے، اوراس دعویٰ پر رئیسہ خاتون کے پاس کوئی گواہ بھی نہیں ہے، جبکہ جمیل احمد اس دعویٰ کا انکار کررہا ہے، اوراس واقعہ کی رئیسہ خاتون کے شوہر سمیت تمام گھر والوں نے تصدیق نہیں کی ہے اس لیے رئیسہ خاتون کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا، اورشوہر کے ساتھ اس کے نکاح میں فرق نہ آئے گا۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۳۲۰)

وإن إدعت الشهوة فی تقبيله أو تقبلها ابنه و أنكرها الرجل فهو مصدق وفی الشامية: إدعت الزوجة أنه قبل أحد أصولها أو فروعها بشهوة أو إن أحد أصولها أو فروعها قبله بشهوة (إلی قوله) فهو مصدق لأنه ينكر ثبوت الحرمة والقول للمنكر.

(شامی، کتاب النکاح، زکریا دیوبند ٤/١١٤-١١٥، کراچی ٣/٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۹۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۱۴ھ

فاسق کی شہادت مقبول ہے یا مردود؟

سوال [۷۵۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید بے ریش ہے، منع کرنے کے باوجود بھی ڈاڑھی منڈاتا ہے فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہے ایسے میں اس کی شرعی شہادت مقبول ہے یا مردود؟

المستفتی: محمد اسلام، امروہہ (جے پی نگر)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داڑھی منڈانا فسق ہے بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ ہے، اس لیے کہ اس میں کھلم کھلا اور علی الاعلان شریعت کی خلاف ورزی ہے، اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں۔

﴿**قال الله تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِيْنَ.** [الحجرات:٦]﴾

﴿وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنكُمْ وَاَقِيْمُوْا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ. [الطلاق: ۲]﴾

كالفاسق والذى يرتكب المعاصى أن شهادته لا تجوز. (بدائع، كتاب الشهادة، كراچی ۲٦٩/٦، زكريا ٤٠٤/٥)

البتہ اگر عادل شاہد نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو یا پھر وہ خود سچی توبہ کرلے بایں طور کہ ڈاڑھی منڈوانا اور دوسرے معاصی کو چھوڑ دے تو پھر اس کی شہادت مقبول ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۰۴)

﴿قال الله تعالىٰ: وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْءً ا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَحِيْمًا. [النساء: ١١٠]﴾

عن أبى عبيدة بن عبد الله عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: التائب من الذنب كم لا ذنب له. (سنن ابن ماجه، أبواب الزهد، باب ذكر التوبة، النسخة الهندية ٣١٣، دار السلام رقم: ٤٢٥٠، المعجم الكبير للطبرانى، دار إحياء التراث العربى ١٠/ ١٥٠، رقم: ١٠٢٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۶/۳ھ

کیا فاسق اور قرآن کریم کی قسم کھانے والے کی گواہی معتبر ہے؟

سوال [۷۵۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ قرآن کریم کی قسم کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو لوگ قرآن کریم کی قسم کھانے کو جائز سمجھتے ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(۳) جو لوگ صوم وصلاۃ کے پابند نہیں ہیں ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(۴) جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں ان کی کواہی معتبر ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد علی مین بازار بڑھاپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) قرآن کریم کی قسم کھانا ممنوع اورنا جائز ہے مگر اگر کسی نے قرآن کریم کی قسم کھا لی ہے تو متعارف ہونے کی وجہ سے قسم صحیح اور منعقد ہو جائے گی، خلاف ورزی پر کفارہ واجب ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/۶۰)

عن ابراهيم قال: قال عبد الله: من حلف بالقرآن فعليه بكل آية يمين.

(المصنف لابن أبي شيبة، الأيمان والنذور، مؤسسة علوم القرآن ۵۳۷/۷، رقم: ۱۲۳۶۲)

الأيمان مبنية على العرف فما تعورف الحلف به فيمين و ما لا فلا ...... قال الكمال: ولايخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا.

(الدر مع الرد، الأيمان، زكريا ۴۸۴/۵-۴۸۵، كراچی ۷۱۲/۳)

(۲) جولوگ جائز سمجھتے ہیں ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اس سے قسم صحیح ہو جاتی ہے اگر چہ اس طرح قسم کھانے سے گناہ بھی ہوتا ہے، لہٰذا ایسے لوگ فاسق نہیں ہیں اس لیے ان کی گواہی معتبر اور صحیح ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۱۲/۶۰)

(۳-۴) بے نمازی اور داڑھی منڈانے والے شرعا فاسق ہیں، معاملات اور حقوق میں ان کی گواہی شرعا معتبر نہیں ہے۔

﴿**قال الله تعالىٰ: وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ وَاَقِيْمُوْا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ.** [الطلاق:۲]﴾

ولا من يأتي بابا من الكبائر التي يتعلق بها الحد للفسق. (هدايه، كتاب الشهادة، باب من يقبل شهادته ومن لايقبل، اشرفی ۱۶۲/۳)

ولا بد في ذلک كله من العدالة الخ. (هدايه اشرفی ۱۵٦/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۰۹/۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۱۳ھ

بیوی کا شوہر کے خلاف طلاق کے بارے میں جھوٹی گواہی دینا

سوال [۷۵۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کبھی بھی کوئی طلاق نہیں دی، مگر ہندہ نے عدالت میں کچھ گواہوں کے ساتھ یہ بیان دیا ہے کہ زید نے مجھ ہندہ کو طلاق دیدی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شریعت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: قاضی محمد مرغوب مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس عدالت میں ہندہ نے شوہر کے خلاف طلاق ثابت کرنے کے لیے جھوٹی شہادت پیش کی ہے، اگر اس عدالت کا جج غیر مسلم ہے تو نہ شہادت معتبر ہوگی اور نہ غیر مسلم جج کا فیصلہ طلاق کے بارے میں معتبر ہوگا اس لیے مذکورہ عدالتی کارروائی اور فیصلہ کی وجہ سے ہندہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

﴿قال الله تعالیٰ: وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا. [النساء: ١٤١]﴾

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم، وينفذ للمسلم على الذمى. (شامی، کتاب القضاء، باب التحکیمط زکریا ۱۲۶/۸، کراچی ۴۲۸/۵)

ومنها الإسلام إلى ما قال لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنىٰ الولاية وهى الشهادة فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولىٰ. (بدائع الصنائع، زکریا ۴۳۸/۵، کراچی ۳/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۱۲/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۹ھ

البينة على المدعى واليمين على من أنكر

سوال [۷۵۹۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی محمد شمیم کارخانہ دار ہے، اس کا کاریگر حساب لینے آیا تو اس کوانہوں نے ایک ہزارروپیہ دیدیا اوراس کی نوٹ بک پرلکھ دیا، وہ روپیہ لے کر چلا گیا اوراس نوٹ بک کو وہیں چھوڑ دیا، پھر دوتین دن بعد آیا تو اس نے پانچ سوروپیہ کا مطالبہ کیا تو کارخانہ دار نے کہا کہ میں نے تم کوایک ہزارروپیہ دیدیا تھا تو اس پر بات بڑھ گئی، دونوں کلام پاک اٹھانے کو تیار ہوگئے پھرانہیں سمجھا دیا گیا تو رک گئے، بس اب اس بات پر تکرار ہورہی ہے لہٰذا ان دونوں میں کون سچا ہے اورکون جھوٹا اور یہ روپئے کارخانہ دار دے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگرکارخانہ دار کے پاس کاریگر کو ہزار روپئے ادا کرنے پر گواہ موجود ہیں تو کاریگر جھوٹا دعویٰ کررہا ہے، لہٰذا کارخانہ دار پر مزید پانچ سوروپیہ واجب نہیں ہیں اوراگر کارخانہ دار کے پاس کوئی گواہ نہیں ہےتو کاریگر کوقسم دلائی جائے گی اگر وہ قسم کھالےتو باقی ماندہ پانچ سوروپئے ادا کردیا جائے گا۔

فكتب ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال: ...... ولكن البينة على المدعي، واليمين على من أنكر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الدعوىٰ والبينات، باب البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه، دار الفكر ۱۵/ ۳۹۳، رقم: ۲۱۸۰۵)

البينة على المدعي واليمين على من أنكر. (المبسوط، دار الكتب العلمية بيروت ۱۶/ ۶۰، قواعد الفقه اشرفی ۶۶، هدايه، باب القسامة، اشرفی ۴/ ۶۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۲ھ

مقدمہ میں گواہوں کوپیش کرنا کس کے ذمہ لازم ہے، مدعی کے یا مدعی علیہ کے؟

سوال [۷۵۹۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مقدمہ میں گواہوں کا پیش کرنا مدعی علیہ پر لازم ہے یا مدعی پر؟

المستفتی: انوارالحق سری نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں مدعی علیہ پر گواہوں کا پیش کرنا لازم نہیں ہوتا ہے بلکہ گواہوں کا پیش کرنا مدعی پر ہی لازم ہوتا ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن النبی ﷺ قال: البینة علی المدعی، والیمین علی من أنکر. (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الدعویٰ والبینات، باب البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه، دار الفکر ۱۵/ ۳۹۳، رقم: ۲۱۸۰۵)

البینة علی المدعی والیمین علی من أنکر. (المبسوط، دار الکتب العلمیة بیروت ۱۶/ ٦۰، قواعد الفقه اشرفی ص: ٦٦، هدایه، باب القسامة اشرفی ٤/٦۳٥)

المدعی من لایستحق إلا ببینة والمدعیٰ علیه من یکون مستحقا بلاحجة. (مجمع الأنهر، کتاب الدعویٰ، دار الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۳٤٤، قدیم ۲/ ۲٥۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۳۰ ؍صفرالمظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۷۵)

گونگی باؤلی لڑکی کا اشارے سے اپنے حمل کو دو آمیوں کا بتلانا

سوال [۷۵۹۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی گونگی باؤلی جو کہ گھر گھر جا کر روٹی مانگ کر کھاتی ہے اس لڑکی کے دو

بھائی بھی ہیں، اس لڑکی کو آٹھ مہینہ کا حمل ہے بغیر شادی کے، محلّہ کے لوگوں نے اس لڑکی سے معلوم کیا تو وہ دو آدمیوں کے نام اشارہ سے بتلاتی ہے، کچھ لوگوں نے پولیس کیس بنا دیا ہے، پولیس کو روکنے کے لیے محلّہ کے چار شخصوں نے مل کر صلح کی درخواست ڈال دی ہے، آپس میں انتشار کا اندیشہ ہے، وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے پوری بستی کو خدا کے عذاب سے بچانے کے لیے اس کی سزا یا کفارہ تحریر فرمادیں، تاکہ پوری بستی عذاب سے بچ جائے، اس لڑکی سے کسی بھی وقت میں کوئی بھی شخص نکاح کرنے کو تیار نہیں ہے۔

المستفتی: شمیم احمد دولت باغ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض لڑکی کے زبانی یا اشارہ سے کہنے کی وجہ سے مذکورہ دونوں افراد پر شرعاً کوئی سزا مرتب نہیں ہوسکتی، جب تک کہ چار چشم دید شرعی گواہ شہادت نہ دیں، یا ملزمان خود اس کا اقرار نہ کریں، نیز محض شبہ کی بناء پر کسی کی عزت اتارنا یا پولیس کیس کرنا جائز نہیں ہے۔

﴿**قال اللّٰہ تعالیٰ: لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَأْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكَاذِبُوْنَ.** [النور: ۱۳] ﴾

﴿**قال اللّٰہ تعالیٰ: فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ .** [النساء: ۱۵] ﴾

ویثبت بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد. (در مختار، کتاب الحدود، زکریا دیوبند ۶/۸، کراچی ۴/۷، کوئٹہ ۳/۱۵۶)

(**وقوله**) **فلايثبت بعلم القاضي ولا بالبينة على الإقرار وفي الشامي: ثبوته بأحد شيئين الشهادة بالزنا أو الإقرار به الخ.** (الدر المختار مع الشامی، زکریا دیوبند ۶/۱۲، کراچی ۴/۱۰۹، کوئٹہ ۳/۱۵۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ

۲۷؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۲۸)

مشرقی یوپی کا معاملہ مدعیٰ علیہ کے اخراجات کے متحمل نہ ہونے کے باوجود مغربی یوپی میں دائر کرنا

سوال [۷۵۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱-الف) زید کے خسر بکر نے اپنی دختر کے معاملہ میں سینکڑوں بلکہ کئی سو میل دور مغربی یوپی ہاپوڑ ضلع غازی آباد کی شرعی پنچایت میں درخواست گزاری کی ہے، جب کہ فریقین مشرقی یوپی ضلع بہرائچ کے باشندے ہیں اور پاس بھی شرعی پنچایت قائم ہے، نیز مدعا علیہ غریب ہے اور بعد مسافت کے اخراجات برداشت کرنے کا قطعاً متحمل نہیں ہے۔

(ب) کوئی فریق بہرائچ مشرق سے ہاپوڑ مغرب فیصلہ لینے کے لیے جائے وقت و روپیہ صرف کر کے وہ بھی اس صورت میں کہ اخراجات کا متحمل نہ ہو یہ شرعی ضابطہ کے موافق ہے؟

(ج) کیا بہرائچ کے فیصلے ہاپوڑ کے دائرۂ اختیار میں آتے ہیں؟

(۲) اگر بکر مدعی نے ایسی صورت میں بہرائچ شرعی پنچایت کو نظر انداز کر کے ہاپوڑ میں چارہ جوئی کی ہے تو کیا ہاپوڑ کی شرعی پنچایت فیصلہ کرنے کی مجاز ہے؟ اگر نہیں ہے تو درخواست خارج کر یگی یا متعلقہ ضلع کو واپس کر یگی؟

واضح ہو کہ بکر مدعی کافی متمول اور اہل ثروت ہے، محض ایذا رسانی کے لیے اتنی دور کا انتخاب کیا ہے، شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: معین الدین فیروز آباد جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) زید کو اس بات کا حق ہے کہ ہاپوڑ محکمۂ شرعیہ شرعی پنچایت میں درخواست دے کر بہرائچ محکمۂ شرعیہ شرعی پنچایت میں مقدمہ منتقل کروالے ورنہ ہاپوڑ محکمہ شرعیہ میں اپنی آمد و رفت کے اخراجات کے سلسلے میں درخواست دے کر اخراجات دینے کی شرط پر حاضر ہوا کرے، محکمۂ شرعیہ شرعی پنچایت کے قیام کا اصل مقصد مسلمانوں کے لیے سہولت فراہم کرنا ہے۔

المشقة تجلب التيسير. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۲۵، قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۲۲، رقم: ۳۲۱)

شریعت مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں بلکہ بوقت مشقت آسانی کی صورت اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے، یا تو آمدورفت کے اخراجات دیدیں یا مقدمہ بہرائچ منتقل کردیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۸۳)

ایک جگہ کی شرعی پنچایت کے فیصلہ کو روک کر دوسری جگہ اپیل کرنا

سوال [۷۶۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر بہرائچ کے مقدمہ سلسلے میں ہاپوڑ کی شرعی پنچایت فیصلہ کرنے کی مجاز ہوتے ہوئے یا مجاز نہ ہوتے ہوئے کوئی فیصلہ کردیوے تو ان دونوں صورتوں میں صوبائی یا آبائی کوئی عدالت ہے، جہاں پر اپیل کی جاسکے، اگر کی جاسکتی ہے تو کیا اور کیسے، اور مجاز نہ ہوتے ہوئے کوئی کاروائی جاری کرنے کے لیے درخواست دے کر کاروائی روکی جاسکتی ہے، یا منتقل کرایا جاسکتا ہے؟ کیونکہ عقلاً شرعی ضوابط کے تحت فیصلہ نزدیکی اور ملحقہ ضلع میں جہاں شرعی پنچایت موجود ہے، ہونا چاہئے، براہ کرم مذکورہ سوال کا جواب شرع کے مدنظر تحریر کردیں تاکہ اس سے آگاہ ہوکر شریعت کے مطابق اس پر چلا جاسکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اب تک ہندوستان میں ایسی کوئی مرکزی مسلم عدالت قائم نہیں ہوئی ہے۔

قداختلفوا فی ما إذا کان العقار لا فی ولایة القاضی وتنازعا فیه عند قاض آخر فمنهم من یصحح قضاؤه. [الأشباه قدیم ص: ۱۶۰] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۸۳)

باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں کہاں کہاں معتبر ہے

سوال [۷۶۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس طرح نکاح کے معاملہ میں باپ کی گواہی بیٹے کے لیے اور بیٹے کی گواہی باپ کے لیے درست ہے، اسی طرح نکاح کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں اور بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں درست ہے؟

المستفتی: سعید احمد سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کے معاملہ میں باپ بیٹے کا ایک دوسرے کے حق میں گواہ بننا شرعاً معتبر ہے، البتہ دیگر معاملات میں باپ بیٹے کی گواہی ایک دوسرے کے حق میں شرعاً معتبر نہیں ہے۔

ومن الشرائط عدم قرابة أولاد. (شامی، کتاب الشهادات، زکریا ۸/۱۷٤، کراچی ٥/٤٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۷۸)

ووٹ کے متعلق چند ضروری مسائل

سوال [۷۶۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں میں زید اور بکر دونوں پردھانی کے لیے کھڑے ہوئے تو معلوم ہوا کہ زید ذاتی مفاد اور نام ونہاد کی غرض سے کھڑا ہوا ہے اور بکر قوم وملت کی خدمت اور سچی ہمدردی کا ارادہ رکھتا ہے تو کیا بکر کو چھوڑ کر زید کا ووٹ سے تعاون کرنا از روئے شرع درست ہے؟ یہ بظاہر تعاون علی الاثم معلوم ہوتا ہے اور خود زید کا یہ اقدام اپنے حق میں کہاں تک درست ہے؟

(۲) ایک آدمی مومن ہے لیکن وہ اسلام کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتا، صوم وصلاۃ جیسے اہم امور کی بھی پرواہ نہیں کرتا، شراب وجوئے کا عادی ہے تو کیا غیر مسلم کو ایسے بدکردار مسلمان پر ووٹ دے کر ترجیح دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نیز مذکورہ بالا بدکردار مسلمان شخص کو عوام کے لیے ووٹ دے کر کامیاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ووٹ دینے کا یہ معنی ہوتا ہے کہ ہم ایک گواہی دیتے ہیں اور اپنا رہنما اور خادم جانتے ہیں تو غیر مسلم کو یا ایسے ہی بدعتی کو اور فاسق کو کس حد تک اپنا رہنما بنانا درست ہوگا؟

(۵) ووٹ کے بارے میں ایک مسلمان کا بازی لے جانے کی نیت سے دوسرے مسلمان بھائی کے مقابلے میں کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) حامد مطلقاً ووٹ دینے کا قائل نہیں، اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

(۷) گاؤں کا پردھان اگر مسلمان ہوجائے تو قوم وملت کی کون کون ذمہ داریاں اس پر عائد ہونی چاہئیں، اور عوام کا اس کے ساتھ کیا رویہ اور برتاؤ ہونا چاہیے، کیا اسلامی نقطۂ نظر سے ایسے پردھان کا اسلام میں کچھ مقام ہے؟

(۸) ایک غیر مسلم آدمی ہے جس کے کھیت سے ہوکر لوگوں کا گذر ہوتا رہتا ہے، وہی آدمی پردھانی کے لیے کھڑا ہوگیا ہے اگر مسلمان اس کو ووٹ دیکر کامیاب نہیں بناتے ہیں تو وہ اس راستے کو ضرور بند کردیگا، جس سے خصوصاً بارش کے ایام میں حرج عظیم لاحق ہوگا تو اب ایسی شدید ضرورت کے وقت اسے مسلمان کے مقابلہ میں کامیاب بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقیوم بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) الیکشن میں کھڑا ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ امور سیاسیہ میں مہارت رکھتا ہو، اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو، ذاتی مفاد اور محض نام ونہاد کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں ہے، اور جن لوگوں کو یہ حقیقت

معلوم ہوا ان کے لیے ایسے شخص کو ووٹ دینا جائز نہیں ہے، بلکہ ایسے شخص کو دینا چاہیے جو مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرسکتا ہو، لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کو ووٹ دینا جائز نہیں ہوگا، اور بکر کے اندر اہلیت ہے تو اس کو ووٹ دے کر کامیاب بنانا ضروری ہے تاکہ زید کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں، نیز مذکورہ حالات میں زید کا یہ اقدام اس کے حق میں حرام ہے۔
(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۴۷، ۳۷، جدید مطول ۳/ ۲۵۴)

(۲) جمہوری ملک میں ووٹ اسلام وکفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے ہیں اور نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں اس لیے جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا اور حقوق دلوائیگا اور نفع پہنچائے گا ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دینا چاہیے، اس میں ہندو مسلم کی بات نہیں ہوتی، تاہم ہندو غیر مسلم کے مقابلے میں اگر کوئی لائق اور با اہل مسلم موجود ہو تو اس کو ووٹ دے کر کامیاب بنانا زیادہ بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۶۷، ڈابھیل ۴/ ۶۱۸)

اور بدکردار خائن شخص کو کامیاب بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز کون لائق و قابل اعتماد ہے علاقہ والوں کو خود فیصلہ کرنا چاہیے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/ ۳۷۰، جدید مطول ۳/ ۲۶۰)

(۳) جی نہیں۔

(۴) اگر (۱) کی شرائط موجود ہوں تو گنجائش ہے لیکن اگر ان شرائط کے حامل پابند شرع دیندار نیک صالح شخص موجود ہو تو وہی شخص اس کا مستحق ہوگا، اس کے مقابلے میں دوسروں کو کامیاب بنانا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۴۷، ۳، جدید مطول ۳/ ۲۵۵)

(۵) اگر قومی حقوق کی حفاظت کا ارادہ نہیں ہے تو ناجائز ہے۔

(۶) اگر ووٹ میں مفاسد ظاہر ہو جائیں تو حامد پر کوئی الزام نہیں ہے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضروری ہے۔

(۷) اسمبلی اور مجلس قانون ساز کی طرف سے جو ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں وہی شریعت کے نقطۂ نظر سے بھی عائد ہوں گی۔

(۸) اس میں اہلیت نہیں ہے تو جائز نہیں ہوگا بلکہ باصلاحیت مسلمان کو کامیاب کرنا

لازم ہے، اگر چہ بارش میں کچھ مشقت ہی اٹھانی پڑے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۳۷۴، جدید مطول ۳/ ۲۵۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/ ۱۶، ڈابھیل ۴/ ۶۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۷۳)

ووٹ کی شرعی حیثیت

سوال [۷۶۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ووٹ دینے کے لیے ووٹ بوتھ پر پہنچنا پڑتا ہے، وہاں عورتوں کو بھی جانا پڑتا ہے تو عورتیں کس طرح ووٹ دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ووٹ کی شرعی حیثیت شہادت کی ہے، اور مسلمانوں کا ایک قانونی حق ہے اس کو ضائع ہونے نہیں دینا چاہیے، اور عورتیں مکمل شرعی پردہ کے لحاظ کے ساتھ بوتھ پر جا کر ووٹ ڈالدیں اور بے پردگی سے پوری طرح بچیں۔ (مستفاد: فقہی مقالات ۲/ ۲۸۸، جواہر الفقہ ۵/ ۵۳۶، فتاویٰ حقانیہ ۲/ ۲۸۵، جدید فقہی مسائل ۱/ ۴۵۷)

قال مالک تفسیر هذا الحديث أن الرجل يكون عنده شهادة فى الحق لرجل لا يعلمها فيخبره بشهادته، زاد يحى بن سعيد إذا علم أنه ينتفع بها الذى له الشهادة وهذا لأن الرجل ربما نسى شاهده فظل مغموما لايدرى من هو؟ فإذا أخبره بذلك فرج كربه. (أوجز المسالك، دار القلم ۱۳/ ۵٦۲، نووى على هامش المسلم هندى ۲/ ۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۸۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٢٤ كتاب الوقف

١ باب ما يتعلق بنفس الوقف

وقف کی جائیداد کا مالک کون؟

سوال [۷۶۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وقف کی جائیداد کا مالک متولی ہے یا موقوف علیہم میں سے ہر ایک؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف کی جائیداد کا مالک نہ متولی ہوتا ہے اور نہ ہی موقوف علیہم بلکہ وقف کی جائیداد کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہوتا ہے، متولی امین اور محافظ ہوتا ہے اور موقوف علیہم صرف جائیداد کے منافع کے حقدار ہوتے ہیں۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته ذلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

الوقف حبس العين و إزالة ملك المالك المجازي مقتصرة على حكم ملك الله تعالىٰ المالك الحقيقي. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۵۷۱، مصری قديم ۱/ ۷۴۰)

حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد. (هنديه زكريا قديم ۲/ ۳۵۰، جديد ۲/ ۳۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۵۵)

موقوفہ زمین اللہ کی ملک ہے

سوال [۷۶۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد یا مدرسہ کے نام جو زمین وقف کردی جائے یا مسجد، مدرسہ بنوادیا جائے تو کیا بنوانے کے بعد بھی بنوانے والے کی ملکیت میں رہتا ہے، یا وہ اللہ کی ملکیت ہوجاتا ہے، بنوانے والے کو کیا یہ اختیار ہے کہ جب چاہے مدرسہ کی ٹپائی ٹاٹ وغیرہ اٹھالے جائے اگر کوئی شخص ایسا کرے تو شرعاً اس کی یہ حرکت کیسی ہے؟

المستفتی: محمد طیب سیتاپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد یا مدرسہ کے لیے زمین وقف ہوجانے کے بعد اس میں کسی کی ملکیت باقی نہیں رہتی، نیز جس نے وقف کیا ہے، یا وقف کی زمین پر مسجد یا مدرسہ کی عمارت تعمیر کردی ہے، اس شخص کی بھی اس میں کسی قسم کی ملکیت یا حق باقی نہیں رہتا، اس کو اس میں کسی قسم کے حق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، نیز ٹپائی ٹاٹ وغیرہ اٹھا کر لے جانے والا شرعاً بہت بڑا ظالم اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اسے توبہ کرلینا چاہیے، اور ٹپائی ٹاٹ وغیرہ فوراً واپس کردینا چاہیے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ،

وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته ذٰلک في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲٦۸۳، ف: ۲۷٦٤، وهكذا في الصحيح المسلم، الوصية، باب الوقف، النسخة الهندية ۲/ ٤۱، بيت الأفكار رقم: ۱٦۳۲)

عن أبي حرزة الرقاشي عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لايحل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله في سفينة، دار الفكر ۸/٥۰٦، رقم: ۱۱۷٤۰)

فإذا تم ولزم لايملك ولايعار ولايرهن الخ. (در مختار، كتاب الوقف، زكريا ديوبند ٦/٥۳۹، كراچی ٤/۳٥۱-۳٥۲)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال غيره بلاسبب شرعي الخ. (قواعد الفقه اشرفی ديوبند ص: ۱۱۰، رقم: ۲٦۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۳۹۷)

واقف کا مالک ہونا ضروری ہے

سوال [۷٦۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد محمد بخش کا ۱۹٦۳ء میں انتقال ہو گیا تھا مرحوم کے انتقال کے بعد ہمارے تایا زاد بھائی محمد ابراہیم منصوری نے ہمارا ولی بن کر اپنی جانب سے والد مرحوم کی

جائیداد کو پتھر والی مسجد حسن پور کے لیے وقف کردیا، جبکہ ہم تینوں بہنوں میں سے ایک نابالغ تھی اور ایک نے انکار کرتے ہوئے اور انگوٹھہ نہیں لگایا اور ایک بہن، ابراہیم کے چھوٹے بھائی علاء الدین منصوری کے نکاح میں تھی، اس بہن نے بتلایا کہ مجھے طلاق دینے کی دھمکی دے کر زبردستی انگوٹھہ لگانے پر مجبور کیا تھا، ہماری والدہ اب مرحومہ ہوچکی ہیں لیکن ان سے بھی زبردستی انگوٹھہ لگوالیا تھا، مسجد والوں نے بھی اس جائیداد پر قبضہ کرلیا ہے اور اس جائیداد کا سارا ملبہ تقریباً ایک لاکھ روپئے کا انہیں بیچ چکے ہیں ہمارا کوئی مددگار نہیں تھا، لیکن اب کچھ ہمدردوں نے ہمیں کاغذات نکال کر دکھلائے تو اس میں وہی نوعیت ہے جو صورت حال ہم نے لکھی ہے تو کیا ایسی صورت میں ہم اپنے والد مرحوم کی وراثت کے حقدار رہے ہیں یا نہیں، جو حکم ہوگا ہم ماننے کو تیار ہیں، ایک بہن کا انتقال ہوگیا ہے، مرحومہ نے بھی انگوٹھہ لگانے سے انکار کردیا تھا، البتہ مرحومہ کے شوہر اور ان کے بچے موجود ہیں، آپ ہمیں شریعت کی روشنی میں مسئلہ سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتی: صابرہ خاتون زوجہ نذیر احمد حسن پور امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد بخش کے انتقال کے بعد اس کی جائیداد کو اس کے بھتیجہ نے مسجد کے نام جو وقف کردی ہے وہ شرعاً درست نہیں ہوا، وہ وقف نہیں بلکہ غصب ہے اور مرحوم محمد بخش کی جائیدا دان کے وارثین کے درمیان شرعی حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، لہٰذا کل جائیداد ۷۲/سہام میں تقسیم ہوکر ۹/سہام محمد بخش کی بیوہ کو اور ہر ایک لڑکی کو ۱۶/۱۶/سہام ملیں گے، باقی ۱۵/سہام محمد بخش کے بھائی بہنیں اگر زندہ تھے تو بھائی بہنوں کو ملیں گے اور اگر بھائی بہنیں زندہ نہیں رہے ہیں تو اس کے بھتیجوں کو ملیں گے، لہٰذا ارباب مسجد پر لازم ہے کہ وارثین کی جائیداد کو واپس کردیں، مسجد میں غصب کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲۹۰/۱۳)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: أيها الناس! إن الله طيب لايقبل إلا طيبا وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: يأيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا إني بما تعملون عليم.

(صحیح مسلم، الزکاة، باب بیان أن اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف، النسخة الهندیة ۱/۳۲۶، بیت الأفکار رقم: ۱۰۰۵، مسند دارمی دار المغنی ۳/۱۷۸۶، رقم: ۲۷۵۹)

قوله و شرط سائر التبرعات أفاد أن الواقف لابد أن یکون مالکه وقت الوقف ملکا تاما (إلی قوله) حتی لو وقف الغاصب المغصوب لم یصح و إن ملکه بعد بشراء أو صلح. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورة، زکریا دیوبند ۶/۵۲۳، کراچی ٤/۳٤۰-۳٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۸/۱۴۳۴ھ

ارادہ ظاہر کرنے سے وقف تام نہیں ہوتا

سوال [۷۶۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے ایسی جگہ زمین خریدی جہاں آبادی نہیں تھی، پھر انہوں نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا اردہ کیا اور ارادہ ظاہر بھی کیا اب کافی عرصہ بعد اس علاقہ میں آبادی بھی کافی ہوگئی ہے، اور آبادی الحمد للہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور اس آبادی میں کوئی مسجد بھی نہیں ہے اور مسجد کی ضرورت ہے، اب زمین کے مالک کو اس شخص نے جس سے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا انہوں نے مسجد تعمیر کرنے کو کہا وہ راضی ہوگئے اور اس جگہ چہار دیواری ہوگئی ہے لیکن ابھی اس جگہ نماز نہیں ہو رہی ہے۔

لیکن اب صاحب ملکیت چاہتے ہیں کہ اس جگہ کو فروخت کر کے دوسری جگہ زمین شہر کے قرب و جوار کے کسی دیہات میں خرید لی جائے کیا وہ جگہ فروخت کر کے دوسری جگہ زمین خریدی جاسکتی ہے؟ از راہ کرم قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ کو بار بار پڑھ کر دیکھا گیا ہے اس میں صرف اتنی بات ہے کہ صاحب زمین نے اپنی زمین کے ایک حصہ پر مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے

اورارادہ ظاہر کرکے اس کی چہاردیواری کردی ہے اورصرف ارادہ ظاہر کرکے چہار دیواری کردینے سے وقف نہیں ہوتا ہے بلکہ وقف کے لیے مخصوص شرائط ہیں ان میں سے کوئی بھی شرط ابھی اس زمین پر لاگو نہیں ہوئی اور خالی زمین کے وقف ہونے کے لیے واقف کی طرف سے وقف کے الفاظ کا استعمال کرنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ میں نے یہ زمین مسجد تعمیر کرنے کے لیے وقف کردی ہے،اورسوالنامہ میں اس طرح ثبوتِ وقف کے کوئی الفاظ ثابت نہیں ہیں،اس لیے اس پر مسجد کی تعمیر شروع کرنے سے پہلے مالک زمین کو اختیار ہے کہ چاہے اس جگہ مسجد بنادے یا اس کے بدلہ میں دوسری جگہ جہاں زیادہ مناسب سمجھے وہاں بنادے، اور یہ زمین کسی دوسری ضرورت میں استعمال کرے یا بیچ دے۔(مستفاد:فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۸۸-۳۸۹،میرٹھ ۲۱/ ۲۴۰)

وفی الملتقط الناصری: وإذا بنی مسجدا لا یصیر مسجدا حتی یقر بلسانه أنه مسجد لایباع ولایوهب ولایرهن ولایورث، وفتح الباب و أذن فیه وأقیم و أذن للناس بالدخول فیه عامة فیصیر مسجدا إذا صلی بجماعة فیه. (تاتارخانیة، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، زکریا ۸/ ۱٥٦، رقم: ١١٤٩٥)

ورکنه الألفاظ الخاصة کأرضی هذه صدقة موقوفة مؤبدة علی المساکین ونحوه من الألفاظ کموقوفة لله تعالیٰ، أو علی وجه الخیر والبر. (شامی مطلب: قد یثبت الوقف بالضرورة، زکریا دیوبند ٦/ ٥٢٢-٥٢٣، کراچی ٤/ ٣٤٠، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/ ١١٤)

فأما رکنه فالألفاظ الخاصة الدالة علیه. (هندیة کتاب الوقف، الباب الاول زکریا قدیم ٢/ ٣٥٢، جدید زکریا ٢/ ٣٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۵)

زبانی وقف کرنے سے مسجد کا حکم

سوال [۸۶۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک مسلم فریق کی زمین پر زمانہ سابقہ میں کچی مسجد بنی ہوئی تھی بعد کے لوگوں نے اسے منہدم کرکے پختہ دیوار اور چھت دار مسجد تعمیر کی، اس عمارت کے مخدوش ہونے کے بعد تیسری مرتبہ مسجد تعمیر ہورہی ہے اور ہر دفعہ گاؤں کی مدد وتعاون سے ہی مسجد تعمیر ہوئی ہے، لیکن مسجد کی زمین وقف نہیں ہے، اور اب بھی زمین مالک زمین کے نام ہے اور ۳۰/ سال کے بعد ان کے وارثین نے زمین کی رسید اپنے یا اپنے باپ دادا کے نام کٹوائی ہے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ زمین میری ہے، کیونکہ جب تیسری دفعہ مسجد کی تعمیر شروع کی گئی تو زمین کے وارثین نے مسجد بنوانے سے روکا اور مار پیٹ بھی ہوئی اور زور زبردستی لوگوں نے اس مقام پر مسجد کی تعمیر شروع کردی، اور بہت ہی مضبوط طریقہ پر بنیاد کھڑی کی اور ایک منزلہ تیار کردی گئی لیکن ابھی بھی اس منزل میں ادھورا کام ہوا ہے اور آگے کی منزل تیار کرنی ہے، لیکن شدید طور پر رکاوٹ پیدا ہورہی ہے، اور وارثین زمین کو اپنی ہونے کا دعویٰ کررہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اول دن ہی مسجد بنوانے سے روکا تھا، حالانکہ آج بھی اذان واقامت با جماعت نماز ہوتی ہے، اور اذان و جماعت میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور نہ کسی فرد کو نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے ہاں فتنہ کا خوف ضرور ہے کیونکہ ناخوشگوار واقعہ رونما ہوچکا ہے، اور آج بھی وارثین زمین پر اپنا دعویٰ کیے ہوئے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی مسجد جو وقف نہیں ہے اور کھتیان بھی مالک زمین کے نام ہے اور ان کے وارثین نے مالگذاری رسید بھی اپنے یا اپنے باپ دادا کے نام کٹوائی ہے، اور زمین پر اپنی ملکیت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کافی ہنگامہ ہونے کے بعد بھی مسجد کے نام منتقل نہیں کررہے ہیں کیا ایسی مسجد کو مسجد کا نام دیا جاسکتا ہے اور اس میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا؟

نیز ان لوگوں کے بارے میں جو اپنے باپ دادا کی (زبانی بلاثبوت وبلا وقف تحریری) مسجد میں دی گئی زمین کا تیس سال کے بعد اپنے نام یا اپنے باپ دادا کے نام رسید مالگذاری کٹوائے اور مالکانہ حق کا دعویٰ برقرار رکھے اور مسجد کے نام منتقل نہیں کرکے گاؤں والوں کو

پریشانی میں مبتلا کیے ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ اوراب تک لوگ اس جگہ کو مسجد کی زمین ہی مان رہے تھے، کیونکہ کسی نے کھتیان نہیں دیکھا تھا، ادھر ادھوری مسجد کی تعمیر ہوجانے کے بعدزمین کی حقیقت کا انکشاف ہوا ہے؟

اگر وارثین مسجد کے نام زمین کو منتقل نہیں کرتے ہیں تو اس میں صرف کی گئی رقم کا مطالبہ وارثین مدعین سے کیا جاسکتا ہے،سوال کی ہر شق کا جواب شریعت کی زبان میں قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل دیا جائے تاکہ نزع رفع ہوسکے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں جب زبانی وقف کرکے مسجد بنائی جاچکی ہےاور اس کے بعد ایک مرتبہ اور از سرِ نوتعمیر مسجد ہوگئی ہے، نیز باقاعدہ اذان و اقامت اورنماز باجماعت بھی ہونے لگی ہے،تو وہ بالاتفاق مسجد شرعی ہوگئی،اگر چہ تحریری وقف نامہ کی نوبت نہ آئی ہو،اورزمین واقف ہی کے نام ہو،اوراس مسجد میں دیگر مساجد کی طرح نماز بلاتأمل درست ہے،اور واقف کے وارثوں کا اس میں ایسی مداخلت کرنا جوکہ وقف کے خلاف ہو، نیز وراثت کا دعویٰ کرنا قطعاً غلط ہے۔(مستفاد:فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۹۱)

ويزول ملكه عن المسجد والمصلى بالفعل وبقوله: جعلته مسجدا عند الثاني (در مختار) قوله بالفعل أي بالصلاة فيه، ففي شرح الملتقى: أنه يصير مسجدا بلا خلاف، ثم قال عند قول الملتقى، وعند أبي يوسفؒ يزول بمجرد القول ...... قلت: وفي الذخيرة: وبالصلاة بجماعة يقع التسليم بلاخلاف...... ويصح أن يراد بالفعل الإقرار. (شامی، كتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد، زكريا ديوبند ٦/٥٤٤ - ٥٤٥، كراچی ٤/٣٥٥ -٣٥٧)

من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقة ويأذن بالصلاة فيه. (هنديه، الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ٢/٤٥٤، جديد ٢/٤٠٨)

وأما المسجد فليس له أن يرجع فيه ولايبيعه ولايورث عنه، لأن الوقف

اجتمع فيه معنيان: الحبس والصدقة. (عناية على هامش فتح القدير، كتاب الوقف فصل فی أحكام المسجد، زكريا ديوبند ٢١٦/٦، كوئٹه ٤٤٣/٥، دار الفكر مصرى قديم ٢٣٢/٦)

ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولايبيعه ولايورث عنه. (هدايه اشرفى ٦٤٥/٢)

لاتسمع الدعوىٰ ممن رأى رجلا يتصرف فى أرض زمانا ولم يدع الرأى حال حياة المتصرف وفى منية الفقهاء رأى غيره يبيع أرضا فقبضها المشترى وهو ساكت كان ذٰلك إقرارا بالملك للبائع، فهٰذا يدل على أن السكوت عن المعارضة، إذا رأى غيره يتصرف فى شيئ ينزل منزلة إقراره، بأنه لاحق له، وفى الكنز باع عقاراً وبعض أقار به حاضر يعلم البيع، ثم ادعى لا تسمع. (طحطاوى على الدر كوئٹه ٢٠٣/٣)

لو باع عقارا أو غيره و امرأته أو أحد أقاربه حاضر يعلم به ثم ادعى ابنه مثلاً أنه ملكه لا تسمع دعواه. (شامى زكريا ١١٧/٨، كراچى ٤٢٢/٥)

رجل تصرف زمانا فى أرض و رجل آخر رأى الأرض والتصرف ولم يدع ومات على ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوى ولده، فتترك على يد المتصرف لأن الحال شاهد. (شامى زكريا ٣١٨/٨، كراچى ٥٦٥/٥)

والحاصل من هذه النقول أن الدعوىٰ بعض مضى ثلاثين سنة ...... لاتسمع إذا كان الترك بلاعذر ...... لأن تركها هذه المدة مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا. (شامى زكريا ٦٥٤/١١، كراچى ٩٧/٨)

وما فى الخلاصة: المدعى والمدعى عليه إذا كانا فى موضع، ولا مانع وادعى بعد ثلاثين سنة ...... لاتسمع. (طحطاوى على الدر كوئٹه ٢٠٣/٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۵۱/۳۹)

صرف بنیاد رکھنے سے شرعی مسجد کا حکم

سوال [۷۶۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ کی باؤنڈری کے اندر جو چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے اور پانچ کمرے اور آگے برآمدہ ہے اب اس میں ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اس باؤنڈری کے اندر تین جگہیں تجویز کی گئی ہیں، بنیاد رکھتے وقت آپس میں انتشار ہوگیا، جھگڑے کو دبانے کے لیے عارضی طور پر بیچ صحن میں رکھ دی گئی تھی، لیکن جہاں پر عارضی طور پر بنیاد رکھی گئی تھی وہاں پر آج تک کوئی نماز ادا نہیں کی گئی، مختلف جگہوں پر نماز ادا کر رہے ہیں، تو کیا مدرسہ کے کمروں کے اتر سائیڈ والی زمین پر مسجد بنائی جاسکتی ہے؟ اب اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ مسجد اتر پچھّم بنائی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے احاطہ میں تعمیر مسجد کی نیت سے گڑھا کھودنے اور محض اس کی بنیاد رکھنے سے وہ جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی ہے، بریں بنا اگر ذمہ دارانِ مدرسہ اس جگہ مسجد نہ بنا کر دوسری جگہ اتر پچھّم جانب میں مسجد بنانے پر رضا مند ہوں تو اس جانب میں بھی مسجد بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں۔

لایصیر مسجدا بمجرد البناء مالم یوجد القبض والتسلیم وبالصلاۃ بجماعۃ یقع القبض والتسلیم بلا خلاف. (تاتارخانیۃ، کتاب الوقف، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، زکریا ۱۵۶/۸، رقم: ۱۱٤۹٤)

قال أبو حنیفۃ: لایکون مسجدا حتی یصلی فیہ جماعۃ بإذنہ. (تاتارخانیۃ زکریا ۱۵۷/۸، رقم: ۱۱٤۹۷)

مبادلۃ دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلۃ واحدۃ أو محلۃ أخریٰ خیرا. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستیذان، زکریا دیوبند ۵۸٦/٦، کراچی ۳۸٦/٤، البنایۃ اشرفیہ دیوبند ٤٦۰/۷، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۱۹٦/٤٤-۱۹۷، رقم: ۱۱٤۹۷)

وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص فى استبداله إن اعطى مكانه بدلا أكثر ريعا منه فى صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبى يوسفؒ والعمل عليه. (شامی زکریا ۵۸۷/٦، کراچی ۳۸۷/٤، النهر الفائق، دار الكتب العلمية بيروت ۳۲۰/۳، البحر الرائق کوئٹه ۲۲۳/۵، زکریا ۳۷۳/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۲۳/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۲/۱۶ھ

بنیاد رکھنے سے مسجد کا حکم

سوال [۷۶۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: وہ آراضی جس میں مسجد کے لیے بنیاد کھودی گئی اور صرف پانچ اینٹیں رکھی گئی تھیں اور کبھی نہ اذان ہوئی اور نہ نماز پڑھی گئی تو کیا اس میں گھر وغیرہ بنایا جاسکتا ہے؟ مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف بنیاد رکھنے کی وجہ سے مسجد کا حکم ثابت نہیں ہوتا اس لیے اگر کسی کی ملکیت کی زمین ہے تو اس کے لیے اس زمین پر مسجد کا ارادہ ملتوی کرکے دوسری عمارت بنانا جائز ہے۔

التسليم فى المسجد: أن تصلى فيه جماعة بإذنه ...... ويشترط مع ذلك أن تكون الصلاة، بأذان و إقامة جهرا لاسرا. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد و مايتعلق به، زكريا قديم ۴۵۵/۲، جديد ۴۰۸/۲، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۱۵٦/۸، رقم: ۱۱٤۹٤، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ۱۲٤/۹، رقم: ۱۱۳۳۵-۱۱۳۳٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۵۹/۳۷)

میرے مکان میں مسجد بنالواور اس کے بدلہ مجھ کوکوئی زمین دیدینا کہنے کاحکم

سوال [۷۶۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید وغیرہ نے میرا مکان نماز پڑھنے کے لیے مجھ سے مانگا میں نے ان کو دیدیا کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے کہا کہ مکان ہمیں مسجد بنانے کے لیے دیدو اور اس کے بدلے میں ہماری زمین لے لو میں نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، مگر جب زمین دینے کا وقت آیا تو زید وغیرہ بدلے میں مجھ کو ایسی زمین دے رہے تھے کہ جس کے یہ خود قانونی مالک ہی نہیں ہیں، (یعنی گرام سبھا کی زمین) اس پر میں نے جواب دیا کہ مجھے ایسی زمین بدلے میں چاہیے کہ جس کا تم بیعنامہ میرے نام کراسکو بس زید وغیرہ مجھے ایسی زمین نہیں دیے پائے کہ جس کا بیعنامہ میرے نام ہوسکتا، لہٰذا میں نے اپنا مکان ان سے خالی کرالیا اور حسب سابق اس میں رہائش اختیار کرلی، نیز زید وغیرہ نے میرے مکان میں تقریباً ڈیڑھ سال نماز باجماعت ادا کی رمضان شریف میں تراویح میں قرآن شریف بھی دومرتبہ پڑھایا گیا اور ایک مرتبہ شبینہ بھی ہوا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا:

(۱) میرے مکان کا بدل ادا کیے بغیر زید وغیرہ کو اس کو مسجد قرار دینا جائز ہے؟

(۲) مذکورہ مکان میں ڈیڑھ سال تک نماز باجماعت ادا کرنے سے یا تراویح میں قرآن شریف سننے سے یا اس میں شبینہ کرانے سے کیا شرعی مسجد ہوسکتا ہے؟

(۳) زید وغیرہ عوام کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ جس جگہ پر نماز باجماعت اور تراویح میں قرآن پاک اور شبینہ ہوجائے وہ جگہ شرعی مسجد ہوجاتی ہے کیا شرعی اعتبار سے ان کا یہ پروپیگنڈہ صحیح ہے؟

(۴) کیا ایسی صورت میں شرعی اعتبار مجھے اپنے مکان میں رہائش اختیار کرنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: فرید احمد، سیف جانسرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد شرعی وہ ہے کہ کوئی ایک شخص یا چند اشخاص

اپنی مملوکہ زمین کو اپنی ملک سے جدا کردیں، اور اللہ کے نام سے مسجد کے لیے وقف کردیں اور اس کا راستہ شاہراہ عام کی طرف کھول کر مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدیں اس کے بعد جب ایک مرتبہ اس میں اذان و جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لی جائے تو وہ جگہ مسجد شرعی بن جاتی ہے، اور چونکہ نہ آپ نے اپنے گھر کو مسجد کے لیے دیا ہے اور نہ ہی زید وغیرہ نے اسے خرید کر مسجد کے لیے وقف کیا ہے اس لیے وہ مکان مسجد شرعی نہیں ہوسکتا صرف نماز اور تراویح ادا کرنے سے کوئی جگہ مسجد نہیں ہوجاتی، لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ آپ نے اس شرط کے ساتھ یہ مکان لوگوں کو دیا تھا کہ اگر اس کا متبادل کوئی زمین دیں گے تب مسجد بنے گی ورنہ نہیں۔

فلو جعل وسط داره مسجدا و أذن للناس بالدخول والصلاة فيه، إن شرط معه الطريق صار مسجدا ثم قال: ولو عزل بابه إلى الطريق الأعظم يصير مسجدا ثم قال بعد ذٰلک بشيئ رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قومه بالصلاة فيها بجماعة قالوا: إن أمرهم ...... بالصلاة أبدا او أمرهم فيها بالصلاة بالجماعة ولم يذكر الأبد إلا أنه أراد بها الأبد ثم مات لايكون ميراثا. (حاشية الطحطاوی علی الدر کوئٹه ۲/ ۵۳٦،شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا ٦/ ٥٤٥، کراچی ٤/ ٣٥٦، قاضیخان زکریا جدید ٣/ ٢٠٢، وعلی هامش الهندية ٣/ ٢٩١)

اور اگر یہ شرط نہیں لگائی کہ اگر متبادل زمین دیں گے تب مسجد بنے گی بلکہ صرف یہ کہا کہ آپ لوگ اس کو مسجد بنالیں مجھ کو کوئی متبادل زمین دیدینا اس کے بعد ان لوگوں نے اس کو مسجد بنالیا اور مسجد کے ہی سارے احکام اس میں جاری کردیئے اور اس کی شہرت بھی ہوگئی، اور لوگ اس میں مسجد سمجھ کر نماز پڑھنے لگے تو ایسی صورت میں یہ مسجد شرعی بن چکی ہے، اب اس میں قیامت تک عبادت کے علاوہ دوسرا کام کرنا جائز نہ ہوگا، اب اگر ذمہ داران مسجد آپ کو متبادل زمین نہ دے سکیں، تو ان لوگوں کے ذمہ آپ کے مکان کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگی، اور اس کو مسجد کے علاوہ کسی دوسرے کام میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، لہٰذا اگر یہ دوسری شکل ہے تو آپ کو اس میں رہائش کرنے کا حق نہ ہوگا، بلکہ صرف قیمت لینے کا حق آپ کو ہوگا، اور اگر پہلی شکل ہے تب رہائش کا حق آپ کو ہوسکتا ہے۔

وقال أبو يوسف هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لايعود ميراثا ولايجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر، وبه علم أن الفتوىٰ على قول محمدؒ في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تابيد المسجد. (شامي كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ديوبند ٦/٥٤٩، كراچی ٤/٣٥٩)

(۲) اور اگر پہلی شکل ہے، تو پھر زید وغیرہ لوگوں میں جو مسجد کی شہرت دے رہے ہیں، ان کے شہرت دینے کا کوئی اعتبار نہیں، اور اگر دوسری شکل ہے تو ان کا شہرت دینا صحیح اور آپ کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے، بس آپ صرف اس مکان کی قیمت لینے کے حقدار ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۶۳)

نہ بیچنے کی شرط لگا کر مسجد کو زمین وقف کرنا

سوال [۷۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے تھوڑی زمین ایک مسجد کے لیے وقف کی، اور شرط لگائی کہ اس زمین کو مسجد کمیٹی کبھی بھی بیچ نہیں سکے گی اور مذکورہ زمین میں چند قبریں ہیں ان قبروں کی حفاظت کی بھی شرط لگائی اور زمین کے چاروں طرف ایک آدمی کی زمین ہے اس نے اپنی زمین میں بڑے بڑے درخت لگا رکھے ہیں، جن کا سایہ اس زمین پر پڑنے کی وجہ سے اس سے فصل وغیرہ کی امید نہیں کی جاتی، اب مذکورہ زمین سے برابر والی زمین کے مالک کے ہاتھ بیچنے کے علاوہ مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ زمین کا وقف درست ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی شرط درست ہے یا نہیں اور اگر شرط صحیح نہیں تو ضرورت کے وقت مسجد کمیٹی اس زمین کو بیچ سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ وقف شرعاً درست ہے، اس زمین کو کھیتی یا

درخت وغیرہ لگا کر جس طرح بھی ہوسکے قبروں کو باقی رکھتے ہوئے مسجد کے کام میں لایا جائے لیکن اس کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له علی عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهوعندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربیٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/ ۳۸۷، رقم: ۲٦۸۳، ف: ۲۷٦٤)

فإذا تم ولزم لايملك ولايعار ولايرهن …… أي لايقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه. (شامي، كتاب الوقف، زكريا ديوبند ٦/ ٥٣٩، كراچی ٤/ ٣٥١-٣٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۱۳ھ

جس جگہ کو مسجد کے نام سے خریدا گیا ہو وہ مسجد ہے یا نہیں؟

سوال [۷۶۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان خریدا گیا، اور خریدتے وقت یہ ارادہ تھا کہ یہاں پر فضائل اعمال کی تعلیم کی جائیگی، مسجد کے ارادہ سے جگہ نہیں خریدی گئی تھی، لیکن ارادہ یہ تھا کہ اگر اسی مکان کے پڑوس میں کوئی اور مکان مل گیا تو اسی مکان کو وسیع کر کے مسجد بنالیا جائیگا، اور اگر اس مکان کے پڑوس میں کوئی جگہ مناسب نہیں ملی تو اس مکان کو بدل دینے کا ارادہ تھا، اور دوسری طرف

جہاں وسیع جگہ ملے، وہاں اس مکان کوفروخت کرکے مسجد تعمیر کرنے کاارادہ تھا،کچھ دنوں تک مذکورہ مکان میں صرف فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی رہی، اور نماز جامع مسجد میں ادا کی جاتی تھی، پھراس کے بعد عشاء کی نماز اولاً اس مکان میں ادا کی جانے لگی، پھر رفتہ رفتہ پنج وقتہ نمازیں اذان کے ساتھ ادا کی جانے لگیں،لیکن یہ بات یادرہے کہ اس وقت ابھی عارضی طور پر یہاں نماز ادا کی جاتی رہی، مسجد کی نیت سے نماز نہیں پڑھی جاتی تھی، اور جمعہ بھی یہاں ادا نہیں کیا جاتا تھا،اوراس بات کو بھی مدنظر رکھیں کہ جب چندہ کی ضرورت پڑی تو اس مکان کو مسجد بلال سے موسوم کیا گیااوراسی نام پر چندہ بھی کیا گیا،تو کیا ایسی صورت میں مذکورہ مکان شرعی مسجد کے حکم میں گیااور کیا اس مکان کو بدل کر دوسری جگہ خریدی جاسکتی ہے؟

(۲) دوسرا یہ کہ اسی مکان کو زمین دوز کرکے اسی پر مسجد بنائی جائے ،لیکن کیا اس میں یہ طریقہ اختیار کرنا درست ہوگا، کہ ابھی جہاں نماز ادا کی جاتی ہے، وہاں نیچے بیت الخلاء وغیرہ بنالی جائیں اوراوپر مسجد تعمیر کردی جائے؟

(۳) یاپہلے جہاں بیت الخلاء تھے ان بیت الخلاؤں کو نیچے رکھتے ہوئے ان کے اوپر مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے؟

نوٹ: مندرجہ بالامسائل جگہ کی قلت کی بناپر پیش آئے۔

المستفتی: عبدالعزیز

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی جگہ جس کومسجد کی نیت سے نہیں خریدا گیا اور نہ ہی مسجد کی نیت سے اس میں نماز پڑھی گئی تو اس پرمسجد شرعی کا اطلاق نہیں کیا جائیگا،لہٰذا مذکورہ مکان فروخت کرکے اس کی قیمت اورمسجد بلال کے نام پر جو چندہ کیا گیا ہے اس چند کے پیسے دونوں کوملاکر مسجد کے لیے مناسب جگہ خریدکر مسجد بلال کے نام سے تعمیر کی جائے تو جائز ہوگا۔

وأما إن وقت الأمر باليوم أو الشهر أو السنة ففي هٰذا الوجه لاتصير الساحة مسجدا لو مات يورث عنه. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به، زكريا قديم ۲/ ٤٥٥، جديد ۲/ ٤٠٩، الفتاویٰ التاتارخانية

زکریا ۸/۱۵۷ رقم: ۱۱٤۹۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/ ۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۸)

(۲) اگر اس عمارت کو مسمار کر کے نیچے تہہ خانہ کی شکل دے دی جائے جس میں ضروریات مسجد پوری ہوسکیں اور پھر اس کے اوپر نماز کے لیے جماعت خانہ کی شرعی مسجد بنالی جائے ،تو ایسا کرنا اس وقت جائز ہے کہ جب جماعت خانہ کے نیچے کے حصہ میں بیت الخلاء پیشاب پاخانہ وغیرہ نہ ہو، ہاں البتہ وضوخانہ، امام ومؤذن کے رہنے کے لیے کمرے مسجد کے سامان رکھنے کی جگہ یا مسجد کی آمدنی کے لیے دکانیں وغیرہ بنالی جائیں تو اس کی گنجائش ہے اور بیت الخلاء جماعت خانہ یعنی شرعی مسجد کے حدود سے باہر کے حصے میں بنانا چاہیے، شرعی مسجد کے حدود میں نیچے اوپر بنانا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۵)

الظاهر عدم الجواز ومايأتى متنا لايفيد الجواز لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته كما يأتي أنه لو جعل السقاية أسفله لايكون مسجدا فكذا بيت الخلاء لأنهما ليسا من المصالح تأمل. (تقريرات رافعى ملحق بالشامى مطلب: فى أحكام المسجد ۲/۸۵، كراچى ۲/۸۵)

(۳) مسجد کے جماعت خانہ کے نیچے بیت الخلاء کا ہونا درست نہیں ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزر چکا ہے، بلکہ بیت الخلاء شرعی مسجد کے حدود سے الگ ہونا ضروری ہے اوپر یا نیچے درست نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۵)

الظاهر عدم الجواز ومايأتى متنا لايفيد الجواز لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته كما يأتي أنه لو جعل السقاية أسفله لايكون مسجدا فكذا بيت الخلاء لأنهما ليسا من المصالح تأمل. (تقريرات رافعى ملحق بالشامى مطلب: فى أحكام المسجد ۲/۸۵، كراچى ۲/۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۷۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

زمین وقف کرنے کے بعد اپنی ملکیت میں لینا

سوال [۷۶۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی زمین مسجد اور مدرسہ کے لیے دیدی، اوراس میں مسجد ومدرسہ کے ذمہ داران نے تعمیر کرائی، اوراب مسجد میں پنجوقتہ مع جمعہ نماز ہوتی ہے پھر کسی بات کے اوپر جھگڑا ہوگیا تو وہ زمین والا کہتا ہے کہ مسجد اور مدرسہ میں تالا لگادوں گا اب اگر وہ شخص تالا لگادیتا ہے تو کیا اس کو اس بات کا حق ہے کہ وہ مسجد یا مدرسہ میں تالا لگائے؟ اور اگر تالا لگادیتا ہے تو کیا اس زمین کا آخرت میں اس کو اجر ملے گا یا نہیں؟ اور جس شخص سے جھگڑا ہوا ہے اس کو مسجد میں نماز پڑھنے سے اوراس کی اولاد کو مدرسہ میں پڑھنے سے روکتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد یا مدرسہ کے لیے جو زمین دیدی ہے اوراس پر مسجد یا مدرسہ کی تعمیر بھی ہوچکی ہے تو اب اس سے زید یا زید کے ورثاء کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، اگر زید بہت زیادہ حد سے تجاوز کرتا ہے اور نمازیوں سے لڑائی جھگڑے کرتا ہے اور مدرسہ میں طلبہ کو پڑھنے سے روکتا ہے تو ایسی صورت میں زید ہی کو آنے جانے سے روکا جاسکتا ہے، اور ایسے شخص کو مسجد یا مدرسہ کا ذمہ دار بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/۴۱۰، امداد الفتاویٰ ۲/۷۰۰)

﴿وقد قال الله تعالیٰ: وَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنۡ يُذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰى فِيۡ خَرَابِهَا. [البقرة: ۱۱۴]﴾

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه

غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۶۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۴؍۱۴۱۷ھ

موقوفہ زمین میں مالکانہ حقوق کسی کو حاصل نہیں ہوتے

سوال [۷۶۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مولانا عبدالعزیزؒ نے ۱۹۸۱ء صوفی باغ مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی۔

(۲) ۱۹۸۱ء میں مولانا عبدالعزیزؒ نے مسجد شہید کرائی اور قومی تعاون سے مسجد وصحن کے اوپر کے حصہ میں دومنزلہ بلڈنگ کی تعمیر کرائی۔

(۳) اس نئی تعمیر کے وقت صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داروں نے تحریراً دستاویز لکھ دی تھی کہ یہ ملکیت مسجد کی ہے صرف مسجد ومدرسہ کے استعمال میں لی جاسکتی ہے خاندان والے نہ اس کو استعمال کر سکتے ہیں اور نہ کسی کو کرایہ پر دے سکتے ہیں (اس دستاویز کی نقل سوال کے ساتھ شامل ہے)

مسجد بلڈنگ کا کام مکمل ہوا اور مدرسہ آہستہ آہستہ چلتا رہا اس درمیان ۱۹۸۶ء میں مولانا عبدالعزیز دیوان کا انتقال ہوگیا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

(۴) ۱۹۸۶ء میں مولانا عبدالعزیز کے انتقال کے وقت مفتی سلیم صاحب ویڈ چھپا ناظم واستاذ تھے، انہوں نے بڑے درد سے مجھ سے (سلیم چاندی والا) سے کہا کہ مدرسہ بند ہونے کی تیاری میں ہے اور صوفی باغ کے کمیٹی کے ذمہ داران اس تعمیر کو ہوٹل چلانے کے لیے کرایہ پر دینے کی بات کرر ہے ہیں، ان کی بات سن کر میں (سلیم چاندی والا) قاری اسماعیل صدیق صاحب سعید بھائی، حسین بھائی، سید صاحب، یعقوب بھائی اور عبداللہ بھائی نے مل کر مشورہ کیا کہ یہ ملکیت کسی بھی حالت میں ہوٹل والے کو یا کسی اور کرایہ دار کو کرایہ پر نہ

دی جائے کیونکہ مولانا عبدالعزیزؒ نے قوم کے روپیہ سے بلڈنگ بنائی ہے اس میں مدرسہ ہی چلنا چاہیے، الحمدللہ ایسا ہی ہوا، جس کا آج مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

بہرحال مدرسہ چلتا رہا پھر مشورہ کرکے مسجد کے پڑوس کی جگہ مطبخ کے لیے خریدنے کی بات طے ہوئی، اس کے لیے عبدالرحمٰن ہمدرد (لاجپور) سے بات کرکے ۶۵۰۰۰ روپیہ پگڑی طے کرکے ان کو نقد دے کر قبضہ حاصل کیا، لیکن کرایہ کی رسید کے بارے میں اختلاف ہوا، وہ مدرسہ کے نام سے بنانے سے منع کررہے تھے اور سلیم بھائی کے نام سے بنانا چاہتے تھے، ہم اس بات پر متفق نہ ہوئے، کیونکہ یہ تو قوم کے روپیہ کی ملکیت ہے اس لیے مدرسہ کے نام سے کرایہ رسید بننی چاہیے، ۱۹۹۰ر میں مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے کرایہ رسید بنی، اور ۲۰۰۰ء میں مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے رجسٹر بھی ہوچکا۔

۱۹۸۶ء کے سال میں مفتی سلیم صاحب ناظم تھے اس وقت طلبہ کی تعداد ۱۷ر تھی، اور ۳ر اساتذہ تعلیم میں مشغول تھے، مفتی صاحب نے خود بھی چندہ کیا تھا اس طرح ۱۹۸۶ء کا سال ختم ہوا۔

(۵) ۱۹۸۷ء میں مفتی سلیم صاحب، سید صاحت، حضرت حسین بھائی، اور یعقوب بھائی نے مل کر اس سال کے لیے چندہ کیا اس وقت طلباء کی تعداد ۳۰ر تھی، لیکن اسی سال مفتی سلیم صاحب لندن چلے گئے، ان کی جگہ مولانا یوسف بودیات کو ناظم بنا دیا گیا۔

(۶) ۱۹۸۷ء کے بجٹ کے لیے میں (سلیم چاندی والا) سعید بھائی، قاری اسماعیل وغیرہ ۱۰ر ممبروں نے ۵۰۰۰، ۵۰۰۰ روپیہ لیے، اس وقت طلبا کی تعداد ۳۵ر تھی اسی سال مولانا یوسف صاحب بودیات مدرسہ سے علاحدہ ہوئے ان کی جگہ قاری اسماعیل کو ناظم بنایا گیا۔

(۷) ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۰ء تک طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور رہائش کے لیے تنگی محسوس ہونے لگی تو میں (سلیم چاندی والا) اور قاری اسماعیل نے مل کر چندہ کیا اور مسجد کے صحن کے اوپر تیسری منزل کی تعمیر کرائی اس کا کرایہ مدرسہ آج تک صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داروں کو ادا کررہا ہے۔

(۸) مطبخ سے متصل جگہ جو صوفی باغ کی کمیٹی کی ہے وہ ہندو گھاڑی والے کے

قبضہ میں تھی، ہم نے ان سے بات کر کے ۱۹۹۱ء میں ۲/لاکھ روپیہ چندہ کر کے پگڑی دے کر لے لی، اس جگہ کا نام بھی مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام سے کرایہ رسید بنی اور آج تک صوفی کمیٹی کے ذمہ داران کرایہ وصول کر رہے ہیں۔

مطبخ سے متصل جگہ جسے ہندو گھاڑی والے بھائی سے پگڑی دے کر لی تھی، ان کے اوپر کے حصہ کا قبضہ سور پرہ ہوٹل کے مالک کمال بھائی نے ۵۰۰۰ (پانچ ہزار) دے کر صوفی باغ کمیٹی کے ذمہ داران سے پگڑی دے کر لیا تھا۔

اس کے بعد میں خود (سلیم چاندی والا) اور قاری اسماعیل، عبداللہ بھائی، یعقوب بھائی، اور سید صاحب نے مل کر سور پرہ ہوٹل کے مالک کمال بھائی کے ساتھ مشورہ کر کے کمال بھائی سے اوپر کے حصہ کا حق ۵۰۰۰/ (پانچ ہزار) روپیہ دے کر مدرسہ اسلامیہ وقف کے نام حاصل کر لیا، بعدہ کمال بھائی نے ۵۰۰۰/روپئے لے کر مدرسہ میں للہ دیدیئے۔

اوپر لکھی ہوئی تفصیل پڑھ کر شرعی فیصلہ دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

پانچ پانچ روپئے کے اسٹام پیپر پر لکھا ہوا اقرار نامہ

ہم نیچے دستخط کرنے والے ''حضرت شاہ صوفی سلیمان بن حافظ احمد دیوان ٹرسٹ'' کے ارکان ٹرسٹ:

(۱) مولوی عبدالحق میاں سملک
(۲) مولوی عبدالعزیز ایم دیوان لاجپور
(۳) عبدالاحد عبدالحفیظ صوفی لاجپور
(۴) عبدالجبار محمد سعید صوفی لاجپور
(۵) شبیر احمد عبدالصمد صوفی لاجپور

اس تحریر سے ہم واضح کرتے ہیں کہ ''صوفی باغ'' اسٹیشن کے سامنے، سورت میں مذکورہ ٹرسٹ کی زمین میں ایک مسجد اور درگاہ ہے، جو ممبئی ٹرسٹ ایکٹ ۱۹۵۰ء کے تحت

سورت نمبر بی ۸٦۹ سے رجسٹر کیا گیا ہے۔

مذکورہ مسجد شہید کر کے ازسر نو ۱۹۸۱ء میں تعمیر کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اس کا صحن اور اوپر پہلا اور دوسرا منزلہ بھی تعمیر کیا گیا ہے، مذکورہ ملکیت (جو ازسر نو تعمیر ہوئی ہے) صرف مسجد کی ہے جس کو صرف مسجد و مدرسہ ہی کے استعمال میں لیا جاسکتا ہے، مذکورہ ملکیت کی کوئی بھی جگہ یا کمرے دوسری کسی استعمال میں یا خاندان کے لوگوں کو یا دوسرے کسی بھی اشخاص کو رہنے کے لیے یا دوسرے کسی بھی مقصد کے لیے کرایہ پر نہیں دی جاسکتی، اور اس میں کسی کو بھی مع فیملی رہائش کا حق نہیں دیا جاسکتا۔

دستخط ارکان ٹرسٹ :

سورت ریلوے اسٹیشن کے قریب حضرت مولانا شاہ صوفی سلیمان لاجپوریؒ کے زمانہ سے صوفی باغ مسجد و مدرسہ چل رہا تھا اور فی الحال بھی جاری ہے، لیکن حضرت کے زمانہ میں کبھی جاری رہتا تو کبھی حالات سے دو چار ہو کر بند ہو جاتا تھا اس طرح ایک مدت تک رہا، اخیر میں یعنی ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا عبدالعزیز دیوان لاجپوریؒ کے انتقال کے بعد صوفی ٹرسٹ کے ذمہ داران اس ملکیت کو ہوٹل چلانے کے لیے کرایہ پر دینا چاہتے تھے اس کی خبر ہوتے ہی (سلیم چاندی والا) قاری اسماعیل، محمد صدیق (معروف بہ حضرت) سعید بھائی، حسین بھائی، سید صاحب، یعقوب بھائی اور عبداللہ بھائی سب نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ اس ملکیت کو کسی بھی طرح کرایہ پر نہ دی جائے، اور الحمد للہ اس کام میں وہ کامیاب نہ ہو سکے، لیکن ہم نے خوب محنت سے چندہ کر کے مدرسہ کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ فی الحال ۱۲۰۰؍ طلبہ دینی تعلیم حاصل کررہے ہیں، اور اس کی تعلیم و تربیت کے لیے اساتذہ کی ایک بڑی جماعت رات، دن جفاکشی میں لگی ہوئی ہے، مدرسہ ہماری نگرانی میں آنے کے بعد آج تک ٦٧ حفاظ، ۱۰۸ قاری، ۳۸؍ عالم بنے ہیں۔

مختصراً مسجد و مدرسہ ویران نہیں ہے بلکہ برابر دینی کام میں لگا ہوا ہے، موجودہ ترقی و چمک و دمک کو دیکھ کر صوفی صاحب کے خاندان والے اس ملکیت کا مطالبہ کررہے ہیں کہ یہ تو

ہمارے خاندان کی ملکیت ہے، ہمیں واپس کی جائے تو کیا اس حالت میں مسجد و مدرسہ کی ملکیت کے مطالبہ کا حق انہیں حاصل ہے؟ حالانکہ قوم کے روپیہ سے بنی ہوئی اس ملکیت کا آج تک ہم کرایہ ادا کر رہے ہیں اور کرایہ کی رسید بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

ہم ذمہ داران جو اس وقت تھے آج تک مل کر کام کر رہے ہیں، اور ہم نے اپنی کوئی غرض اور کوئی ذاتی مفاد حاصل نہیں کیا ہے، حتی کہ تنخواہ کی کوئی رقم تک نہیں لی، صرف ایک دینی کام سمجھ کر تن، من دھن سے اور پورے ذوق وشوق اور محنت سے کام کیا تھا، اور کر رہے ہیں، استفتاء کا جواب دیکر ممنون وشاکر فرمائیں اور عنداللہ اجر وثواب پائیں؟

نوٹ: مولانا عبد العزیز کے انتقال کے بعد کی پوری تفصیل اور دستاویز اس کے ساتھ شامل ہیں۔

المستفتی: بھائی سلیم چاندی والا، مدرسہ اسلامیہ وقف سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد اور مدرسہ جس جگہ پر قائم ہیں وہ جگہ اگر وقف کی ہے یا مسلمانوں کے چندہ سے مسجد اور مدرسہ قائم کیے گئے ہیں تو مسجد تو ہمیشہ ہمیش کے لیے وقف علی اللہ ہوتی ہے اس کو ملکیت یا کسی اور چیز میں تبدیل کرنا اس میں مالکانہ حقوق کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، اور جو مدرسہ قوم کے چندہ سے تعمیر کیا گیا ہے وہ بھی قومی وقف کے حکم میں ہے اس پر بھی وراثت کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے، نیز اگر صوفی خاندان کے لوگ صرف انتظام ہاتھ میں لینے کے لیے کوشاں ہیں اور موجودہ حالات میں جو لوگ انتظام سنبھال رہے ہیں ان کے ذریعہ سے مدرسہ اور مسجد کی ترقی ہورہی ہے اور ان کی طرف سے کوئی خیانت اور بدنظمی بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں صوفی خاندان کے لوگوں کے لیے نظام اپنے ہاتھ میں لینے کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے، سوالنامہ میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ اس ملکیت کا کرایہ ادا کیا جارہا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ صوفی خاندان کی ملکیت ہے، اور انہیں کرایہ ادا کیا جارہا ہے اور انہیں سے کرایہ کی رسید لی جاتی ہے، یا کسی دوسرے لوگوں کی ملکیت

ہے اور انہیں کرایہ ادا کیا جاتا ہے، یہ بات واضح نہیں ہو پائی اس لیے اس سلسلے میں کچھ لکھنے سے معذرت خواہ ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۵۵)

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنى استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبى ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك فى سبيل الله وفى الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/ ۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶٤، وهكذا فى الصحيح المسلم، الوصية، باب الوقف، النسخة الهندية ۲/ ٤۱، رقم: ۱٦۳۲)

فإذا تم و لزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن، وتحته فى الشامية: لايكون مملوكا لصاحبه ولايملك أى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (شامى كتاب الوقف زكريا ديوبند ٦/ ٥۳۹، كراچى ٤/ ۳٥۱- ۳٥۲)

رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوما أن يصلوا فيها بجماعة أبدا أو أمرهم بالصلاة مطلقا و نوىٰ الأبد ففى هذين الوجهين صارت الساحة مسجدا لو مات لايورث عنه. (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ۲/ ۲٥٥، جديد ۲/ ٤۰۹، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ۹/ ۱۲٥، رقم: ۱۱۳۳۸، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱٥۷، رقم: ۱۱٤۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۶۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۲۳ھ

وقف تام ہونے کے بعد واقف کے رشتہ دار کا غاصبانہ طور پر فائدہ اٹھانے سے متعلق مختلف احکام

سوال [۷۶۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی ریاض الاسلام صاحب مرحوم نے اپنی ایک بڑی جائیداد کو باقاعدہ سرکاری کاغذات پر تحریر کراکر وقف کردیا تھا، اور تحصیلدار کیرانہ کے یہاں رجسٹر کرادیا تھا، جس کا فوٹو اسٹیٹ ہمارے پاس موجود ہے جس میں یہ بھی تحریر ہے کہ اس وقف کا متولی ومنتظم میں خود (حاجی ریاض الاسلام) رہوں گا، اور اپنی وفات کے بعد ان کی بیوی مسماۃ ام کلثوم متولیہ ہوں گی ان کے بعد پانچ اشخاص جن کے نام تحریر کردیئے گئے تھے، ان پانچ اشخاص میں سے ایک صاحب شیخ نثار احمد صاحب کو منیجر کے طور پر رکھا گیا تھا، ہوا یہ کہ حاجی ریاض الاسلام کے انتقال کے بعد جو ۱۹۶۵ء میں ہوگیا تھا، منیجر صاحب نے دفتر سنی سینٹر حال بورڈ سے اس وقف کی فائل بھی ختم کراکر ضلع مظفر نگر میں اس وقف کو بھی ختم کرنے کی اپلیں دائر کیں اور اس میں بھی وہ کامیاب ہوگئے اور ابھی تک اس وقف میں ملکیت جاری ہے لیکن قصبہ کے کچھ اشخاص کے علم میں جب یہ بات آئی کہ یہ وقف پراپرٹی ہے انہوں نے کوشش کرکے میرٹھ محافظ خانہ سے اصل وقف نامہ نکلوایا جس پر بطور گواہ مولوی محمد طاہر اور قاضی مسعود اور منشی سبحان بیگ کے دستخط موجود ہیں، ۱۹۶۶ء میں مولوی شبیر احمد صاحب نے اس کے لیے سنی سینٹرل بورڈ میں پھر اس وقف کے لیے درخواست کی جس پر اس وقت کے صدر جناب شوکت حمید مرحوم نے شیخ نثار احمد کو منیجر کے عہدہ سے ہٹا کر مولوی شبیر احمد کو منیجر مقرر کردیا اور واقف کی ہدایت کے مطابق خالی جگہوں کو اس طرح پُر کیا:

(۱) مولانا اسعد اللہ صاحب، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(۲) مولانا احتشام الحق کاندھلہ

(۳) مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلہ

(۴) مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، اس لمبی تحریر کے

بعد آپ سے ان امور کا جواب مطلوب ہے؟

(۱) واقف کے وقف کر دینے کے بعد کیا خود واقف کو یا نامزد متولیوں میں سے کسی کو اس وقف کو ختم کر دینا یا کرادینا جائز ہے؟

(۲) اس وقف پر بطور ملکیت قبضہ جمائے رکھنا جائز ہے یا نہیں اور اس کی آمدنی کو اپنے اور اپنی اولاد کے نیز اپنی اولاد کی شادی بیاہ میں خرچ کرنا اور حضرات علماء وصلحاء کو طعام الولیمہ نام رکھ کر بلانا اور ان علماء کو معلوم ہونے پر اس میں شرکت کرنا اور کھانا وغیرہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قصبہ کے اشخاص کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: صوفی جلال الدین ادارہ اصلاح امت یوپی انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب حاجی ریاض الاسلام صاحب نے اپنی جائیداد کو وقف کر دیا اور شرعی طور پر وقف تام اور لازم بھی ہوگیا تو وہ وقف شدہ زمین تا قیامت وقف ہی رہے گی اور خود واقف یا متولیوں میں سے کسی کے لیے بھی اس وقف کو ختم کرنا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهوعندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبى صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفى الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲٦۸۳، ف: ۲۷٦٤)

فإذا تم و لزم لايملك ولا يملك ولا يعار ولايرهن، وتحته فى الشامية: لايكون مملوكا لصاحبه ولايملك أى لايقبل التمليك لغيره

بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه ولا يعار ولا يرهن لاقتضاء هما الملك. (شامي، كتاب الوقف، زكريا ديوبند ٦/٥٣٩، كراچی ٤/٣٥١-٣٥٢)

فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولا يباع ولا يوهب ولا يورث. (هدايه، اشرفي ديوبند ٢/٦٣٧)

وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه. (هدايه، اشرفي ديوبند ٢/٦٤٠)

(۲) اس وقف میں بطور ملکیت قبضہ جمائے رکھنا اور اس کی آمدنی کو اپنے یا اپنی اولاد کے اخراجات میں صرف کرنا ناجائز اور حرام ہے ایسا کرنیوالا شخص شرعاً غاصب ہے اس پر لازم ہے کہ وہ وقف کی جائیداد واپس کردے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۸۱، ڈابھیل ۱۵/ ۴۵۹)

وذكر ظهير الدين في فتاويه أن الفتوىٰ في غصب العقار والدور الموقوفة بالضمان، وإن الفتوىٰ في غصب منافع الوقف بالضمان. (شامي، كتاب الغصب، قبيل مطلب شرعي دار و سكنها ...... زكريا ديوبند ٩/٢٧٢، كراچی ٦/١٨٦، هنديه، الباب التاسع في غصب الوقف، زكريا قديم ٢/٤٤٩، جديد ٢/٤٠٥)

اور اس آمدنی سے کی جانے والی شادی بیاہ میں یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ شخص ظلماً لی ہوئی وقف کی آمدنی سے شادی بیاہ کررہا ہے، شرکت کرنا اور اس کے یہاں کھانا کھانا درست نہیں ہے۔

لا يجيب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض بفسقه و كذا دعوة من كان غالب ماله من حرام مالم يخبر أنه حلال و بالعكس يجيب مالم يتبين عنده أنه حرام. (هنديه، كتاب الكراهة، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/٣٤٣، جديد ٥/٣٩٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/١٢٢)

(۳) قصبہ کے مذکورہ اشخاص کا کوشش کرکے محافظ خانہ سے وقف نامہ کی اصل نکلوانا تاکہ وقف کی اصلیت ثابت ہوجائے درست ہے، اور وقف کی اصلیت ثابت ہوجانے کے بعد اس میں خورد برد کرنے والے لوگ گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۸۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۴/۸۲۷۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱ھ

صدقۂ جاریہ کی رقم سے تعمیر شدہ عمارت کومنہدم کر کے اس میں کاشت کرنے کا حکم

سوال [۷۱۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ اصحاب خیر نے صدقۂ جاریہ اور ایصال ثواب برائے مرحومین دینی تعلیم گاہوں کی تعمیر کے لیے ایک معتد بہ رقم ذمہ دارانِ مدرسہ کو دی ان ذمہ دارانِ مدرسہ نے ابتداء تو تعمیر شروع کردی مگر بعد ازاں نہ صرف تعمیر کا ارادہ ترک کیا بلکہ اس ادھوری تعمیر کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر اس پر کاشت شروع کردی، تو کیا بغیر ان اصحاب خیر کی اجازت اور علم میں لائے ایسا کرنا درست ہے؟ اس صورت میں صدقۂ جاریہ اور ایصال ثواب ثابت رہیں گے یا منقطع ہوجائیں گے، اگر ثابت رہیں گے تو قرآن وحدیث سے واضح فرمائیں اور اگر منقطع ہوتے ہیں تو ذمہ دار کون ہوگا؟

المستفتی: عبدالوہاب ٹانڈہ بادلی، حاجی پورہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ جاریہ اور مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے دینی تعلیم گاہوں کی تعمیر کی غرض سے جو معتد بہ رقم ذمہ دارانِ مدرسہ کو دی گئی ہے اس رقم کو صدقۂ جاریہ ہی پر خرچ کرنا ذمہ دارانِ مدرسہ کو لازم ہے اور مدرسہ میں درسگاہ اور کمرہ کی تعمیر کر کے اس میں دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کردیا جائے تو یہ صدقۂ جاریہ کی ایک قسم ہے، لہٰذا تعمیر کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر جس نے اس پر کاشت شروع کردی ہے اس نے صدقۂ جاریہ کو ختم کردیا ہے لہٰذا اس پر لازم ہے کہ جس صدقہ جاریہ کے لیے رقم دی گئی ہے اسی میں وہ رقم خرچ کریں یا اتنی رقم اس کو واپس کردیں جس نے یہ رقم دی ہے، ورنہ خائن اور سخت گنہگار رہوں گے، اور عنداللہ مؤاخذہ ہوگا۔

وهـنـا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلايملك الدفع إلى غيره. (شامی، کتاب الزکوٰۃ، زکریا دیوبند ۱۸۹/۳، کراچی ۲۶۹/۲)

رجـل جمع مالا من الناس لينفقه في عمارة المسجد فأنفق من تلك الـدراهـم فـي حـاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لايسعه أن يفعل ذٰلك

فإن فعل فإن عرف صاحب ذٰلک المال رد المال علیه أو سأله تجدید الإذن فیه. (الفتاویٰ التاتارخانیة، الفصل الحادی والعشرون، زکریا ۸/ ۱۹۸، رقم: ۱۱٦۲۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی جدید ۹/ ۱۵۳، رقم: ۱۱٤۵۰، هندیه، الباب الثالث عشر زکریا قدیم ۲/ ٤۸۰، جدید ۲/ ٤۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ

والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر جائیداد سے اپنی ضرورت پوری کرنا

سوال [۷۶۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک بوڑھا بے روزگار ہوں اور میں اپنے ایک لڑکے کے ساتھ رہ رہا ہوں، گذشتہ سال اس لڑکے کی ٹانگ ٹوٹ جانے کی وجہ سے آمدنی اس قدر قلیل ہوگئی ہے کہ اس کے بچوں کے لیے گذر اوقات دشوار ہوگئی، چند روز سے ہینڈ پمپ بھی خراب ہوگیا اس کی درستی کے لیے ۵۰۰/ روپیہ درکار ہیں، میری والدہ مرحومہ نے ایک جائیداد وقف علی الخیر چھوڑی ہے کیا میں اس میں سے یہ ضرورت پوری کرسکتا ہوں؟ اس سلسلے میں شریعت کے حکم سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: سردار خاں محلّہ طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اگر وقف علی الخیر سے مراد یہ ہے کہ مطلقاً موقوفہ جائیداد سے غرباء ومساکین کی ضرورت پوری کی جائیگی تو ایسے خستہ اور نازک حالات کی بنا پر آپ اپنی والدہ مرحومہ کی وقف علی الخیر کی آمدنی سے مذکورہ ضرورت پوری کرسکتے ہیں، اس لیے کہ اس وقت آپ بھی فقراء میں شامل ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۲۵۷، جدید مطول ۹/ ۴۱۷)

فإن احتاج بعض قرابته أو بعض ولده إلی ذٰلک الوقف فی الصحة

فهٰهـنـا أحـكـام أحدها أن صرف الغلة إلى فقراء القرابة أولىٰ فإن فضل منها شيئ يصرف للأجانب. (هـنـديـه، كتاب الوقف الباب، الثامن زكريا قديم ٢/ ٣٩٥، جـديـد ٢/ ٣٧٢، الـفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١١٢-١١٣، رقم: ١١٣٥٨-١١٣٥٩، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ٧٨، رقم: ١١٢٠١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۴/ ۱۴۲۱ھ

وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہنے کا حکم

سوال [۷۶۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محکمۂ شرعیہ مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں ایک استفتاء بشکل عرضی دعویٰ داخل ہوا ہے اس کا فوٹو کاپی مع دستاویزات کے روانہ ہے، چند چیزیں محل بحث ہیں امید ہے کہ ساری جزئیات کو منقح کر کے مع ادلہ وحوالہ جات کے جواب تحریر فرمائیں گے۔

(۱) موصی نے اپنے دستاویزات میں جو عبارت تحریر کی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد قدیم کے حق میں وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کہ بعد میری وفات کے مسجد مذکور، مکان مذکور کی مالک کامل ہوگی، اس طرح کی تعبیر کہ "وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں" میں وقف اور وصیت دونوں لفظ موجود ہیں اور بعد میری وفات کے یہ لفظ بھی موجود ہے تو یہ وقف ہے یا وصیت ہے؟

(۲) اور ان دونوں شکلوں میں موصی کی جانب سے شرط لگانا شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ شرط کی تفصیل بھی دستاویز میں موجود ہے؟

(۳) اگر وصیت ہے تو کیا پورے مکان کی وصیت کو تسلیم کیا جائیگا کیونکہ دستاویز اہلیہ کی رضامندی سے تحریر ہے یا یہ رضامندی غیر معتبر ہے، وصیت صرف ایک ثلث مکان میں واقع ہوگی اور باقی دو ثلث میں وارثین کا حصہ ہوگا یا نہیں؟

(۴) دوثلث تقسیم کرتے وقت کیا اہلیہ اورلڑکی دونوں کا حصہ ہوگا یاصرف لڑکی کا حصہ ہوگا، کیونکہ اہلیہ کی طرف سے دست برداری کا دستاویز ہے، کیا اس کو اپنے حق سے دست برداری پرمحمول کیا جائیگا، اگر دونوں کا حصہ ہوگا تو کتنا کتنا ہے، اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے اب صرف لڑکی موجود ہے؟

(۵) اگر وقف ہے تو اس شکل میں پورا مکان موقوف ہوگا یا وارثین کا حصہ اس شکل میں بھی لگے گا؟

(۶) وقف اور وصیت کے مابین فرق کیا ہے؟ دینے والے کی تحریرکو آسانی سے وقف یاوصیت پرمحمول کیا جاسکتا ہے؟

(۷) اگر موت کے ساتھ واقف نے تعلیق کردی ہے تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں اور یہ وقف ہی ہے یا موت کے ساتھ تعلیق کے پائے جانے کی وجہ سے وصیت ہوجا ئیگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف اور وصیت میں تضادنہیں ہے، بلکہ دونوں ایک امر میں جمع ہو سکتے ہیں، لہٰذا مذکورہ معاملہ میں وقف علی اللہ وصیت کرتا ہوں کے الفاظ سے ثلث ملکیت کے اندر وقف اور وصیت دونوں صحیح ہوچکی ہیں۔

الوقف على ثلاثة أوجه إما أن يكون في الصحة أو في حالة المرض أو وقف بعد الموت فما كان في الصحة فالقبض والإفراز يكون شرطا لصحته كالهبة وماكان بعد الموت فالقبض والإفراز ليس بشرط لصحته لأنه وصية إلا أنه يعتبر من الثلث وماكان في حالة المرض فحكمه حكم الوقف في الصحة. (قاضيخان، كتاب الوقف فصل في وقف المريض، زكريا جديد ۳/ ۲۲۱، وعلى هامش الهندية ۳/ ۳۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۷/۷/۱۴۱۶ھ

کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام وقف کی آمدنی کا حکم

سوال [۷۶۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کہ ایک جائیداد کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے وقف ہے ہندوستان میں واقع ہے اس وقف کی آمدنی کبھی بھی مذکورہ جگہوں پر خرچ نہیں ہوئی اور نہ فی زمانہ خرچ ہونے کی ضرورت اور شکل ہے، اس وقف کا متولی اس کی آمدنی کنجڑوں والی مسجد میں صرف کیا کرتا ہے، تو کیا شرعاً ایسی مجبوری کی حالت میں کہ مکہ ومدینہ اس کی آمدنی پہنچانا دشوار گذار کام ہے اس کی آمدنی ہندوستان کی دیگر مساجد میں صرف کی جاسکتی ہے؟

(۲) ایک وقف شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک ہے، کنجڑوں والی مسجد کے ایک نمازی جو کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی والے وقف کے متولی ہیں ان کا کہنا ہے کہ سوال (۱) کی موقوفہ جائیداد کو شاہی مسجد اپنی تولیت میں لے لے، اور اس کی تمام آمدنی شاہی مسجد میں خرچ کرلے، اور جو اس سوال (۲) میں مشترک وقف ہے وہ کنجڑوں والی مسجد کے لیے مکمل دیدے تاکہ اس کی تمام آمدنی کنجڑوں والی مسجد میں خرچ کریں تو کیا شرعاً ایسا کرنا صحیح اور درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو جائیداد کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے ہندوستان میں وقف ہے اس کی آمدنی کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے لیے واقف کی غرض اور شرائط کے مطابق کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے، اور یہ کہنا درست نہیں کہ فی زمانہ مذکورہ جگہوں میں خرچ کرنے کی ضرورت اور شکل نہیں ہے، اس لیے کہ جس زمانہ میں واقف نے کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کے نام سے وقف کیا تھا اس زمانہ میں وہاں پر آمدنی پہنچانا آج کل کے مقابلہ میں بہت دشوار تھا، اور آج کے زمانہ میں وہاں پہنچانا کوئی مشکل اور دشوار نہیں، ہر مہینے میں آمد ورفت ہے، خاص کر شعبان رمضان میں عمرہ کو جانے والے اور پھر ذیقعدہ سے حجاج کرام کا تانتا لگ جاتا ہے، اور مسجد حرام اور مسجد نبوی میں خرچ کرنے کا

آسان طریقہ یہ ہے کہ حرمین کے متصل قرآن کریم کے مکتبات ہیں ان مکتبوں سے قرآن کریم خرید کرانہیں مکتبوں سے وقف للہ کی مہر لگوا کر مسجد حرام اور مسجد نبوی میں بسہولت رکھا جاسکتا ہے، اور لوگ اس طرح رکھتے ہیں، دنیا بھر کے لوگ ان قرآن کریم میں تلاوت کرتے رہتے ہیں، اسلئے آج تک کی جو آمدنی وہاں نہیں خرچ کی گئی ہے یہ ذمہ دار اور متولی کی طرف سے خیانت اور لاپرواہی ہے، لہٰذا ان جائیداد کی آمدنی کو حرمین میں نہ بھیج کر ہندوستان کی دیگر مساجد میں خرچ کرنا غرض واقف اور شرط واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع ...... إن عزل القاضي للخائن واجب عليه ومقتضاه الإثم بتركه والإثم بتولية الخائن. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، فصل، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٢، مصرى قديم ١/٧٥٤)

على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامى، مطلب: غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/٦٦٥، كراچى ٤/٤٤٥)

(۲) جو جائیداد شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک وقف ہے اس کو اسی طریقے سے شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مشترک باقی رکھنا لازم اور ضروری ہے، اور اس کی آمدنی دونوں مسجدوں کے لیے جس مقدار اور شرط کے ساتھ خرچ کرنے کے لیے واقف کی ہدایت ہے، اسی مقدار اور شرط کے مطابق عمل کرنا ذمہ داروں پر لازم ہے، اگر اس کے خلاف کریں گے تو وہ ذمہ دار خائن ہوں گے، اور مستحق تولیت نہیں رہیں گے، اور جو سوالنامہ میں مسجد حرام اور مسجد نبوی کے موقوفہ جائیداد کو مشترک طور پر شاہی مسجد اور کنجڑوں والی مسجد کے لیے مکمل دینے کی جو بات کہی گئی ہے وہ شرعی طور پر جائز نہیں ایسا کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به فيجب اتباع شرائط الواقفين في أوقافهم. (قواعد الفقه اشرفى ص: ٨٠، شامى مطلب: فى قولهم شرط الواقف كنص الشارع زكريا ٦/٦٤٩، كراچى ٤/٣٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۱۹)

متعینہ مصارف پر صرف کرنا لازم ہے

سوال [۷۶۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب رقم دیتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں پر صرف کردیں تو کیا وصول کرنے والا شخص جس کو مزکی نے دی ہے اور مصارف متعین کیے ہیں، یہ رقم مدرسہ میں دے سکتا ہے، جبکہ خود مزکی نے مصارف متعین کردیئے ہیں، ایسی صورت میں اگر وصول کرنے والا مدرسہ میں دے تو اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب صاحب خیر نے مصرف متعین کردیا ہے تو اس متعین مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوتا ہے اگر اس کے خلاف کیا جائے گا تو خیانت ہو جائے گی اور اپنی جیب سے اس مصرف میں خرچ کرنا لازم ہوگا، مدرسہ کو دینا بھی جائز نہ ہوگا بلکہ اسی جگہ خرچ کرنا لازم ہے، جہاں خرچ کے لیے متعین کیا گیا ہے۔

رجل جمع مالا من الناس لينفقه في عمارة المسجد فأنفق من تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذٰلك.

(الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل الحادي و العشرون، زكريا ۱۹۸/۸، رقم: ۱۱۶۲۹)

شرط الواقف كنص الشارع أي في المفهوم والدلالة، ووجوب العمل به. (الدر مع الرد، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، زكريا ديوبند ۶۴۹/۶-۶۵۰، كراچی ۳۶۶/۴)

مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي زكريا ۶۶۵/۶، كراچی ۴۴۵/۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۰۳/۳۱)

واقف کی شرط کا حکم

سوال [۷۶۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے والد مرحوم نے ایک پلاٹ مسجد کے لیے وقف کیا تھا جس پر مسجد تعمیر ہو چکی اس سے متصل ایک پلاٹ مسجد سے مشرق کی جانب مدرسہ کے لیے وقف کیا اس سے کچھ دوری پر ایک پلاٹ شادی ہال کے لیے وقف کیا آبادی بڑھ جانے کی وجہ سے مسجد کی توسیع بہت ضروری ہوگئی، مسجد کے آگے پیچھے دائیں بائیں کوئی جگہ ایسی نہیں جس کو خرید کر مسجد کی توسیع میں شامل کرسکیں، محراب کی جانب اور دائیں بائیں روڈ ہے اور مشرق کی جانب مدرسہ کی زمین ہے جس پر ابھی مدرسہ قائم نہیں ہوا ہے مرحوم کے ورثاء جو ان اوقاف کے منتظم ہیں، انہوں نے باہمی اتفاق سے یہ طے کیا کہ مدرسہ کی زمین اس مجبوری کی وجہ سے مسجد کی توسیع میں شامل کرلی جائے اور واقف کے دوسرے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مدرسہ کو اس کے عوض میں شادی ہال کی زمین دیدی جائے کیونکہ مدرسہ شادی ہال کے وقف کے مقابلہ میں اعلیٰ ترین وقف ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس بستی میں کئی شادی ہال موجود ہیں، اور یہ زمین شادی ہال کے لیے ناکافی بھی ہے پھر واقف کی دوسری زمین جس میں عیدگاہ قائم ہے اس میں شادی وغیرہ بھی ہوتی ہے جس سے واقف کے شادی ہال کا مقصد اس جگہ سے پورا ہو جارہا ہے، اور شادی ہال کے نام سے وقف زمین معطل (بیکار) پڑی ہوئی ہے۔

مذکورہ بالا اعذار کی وجہ سے اس میں اگر مدرسہ قائم کیا جائے جو کہ شادی ہال کی بہ نسبت اعلیٰ ترین وقف ہے، تو کیا شرعی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے، یا اس کے علاوہ کوئی متبادل شکل ہو تو رہنمائی فرمائیں، واضح رہے کہ واقف نے دستور العمل میں یہ لکھا ہے کہ جو جگہ میں نے جس کام کے لیے وقف کی ہے کسی کو اسے بیچنے ہبہ کرنے اور بدلنے وغیرہ کا اختیار نہیں ہے، مستحکم جواب سے نوازیں۔

المستفتی: اراکین مسجد ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واقف نے دستور العمل میں صاف وضاحت کے ساتھ اس بات کی شرط لگائی ہے کہ شادی ہال کی جگہ پر شادی ہال ہی بنانا ضروری ہے، اس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں اور مدرسہ کی جگہ پر مدرسہ ہی بنانا ہےاس کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں، اس لیے مدرسہ کی جگہ کو مسجد میں شامل کر کے مدرسہ کو شادی ہال کی جگہ منتقل کرنا جائز نہ ہوگا بلکہ شادی ہال کی جگہ شادی ہال ہی بنانا ضروری ہوگا، چاہے شادی ہال چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه. (كتاب الوقف، مطلب: ما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص، زكريا ديوبند ٦/٧٣٥، كراچی ٤/٤٩٥، البحر الرائق كتاب الحواله، باب كتاب القاضي الى القاضي وغيره، كوئٹه ٧/١٤، زكريا ديوبند ٧/٢٤)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، زكريا ديوبند ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوىٰ. (شامی، مطلب في نقل أنقاض المسجد و نحوه، زكريا ديوبند ٦/٥٥١، كراچی ٤/٣٥١)

وقد علم منه أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الواقفين للآخر. (البحر الرائق زكريا ديوبند ٥/٣٦٢، كوئٹه ٥/٢١٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۲؍ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۰۳/۳۸)	۱۴۲۹/۵/۱۲ھ

واقف کی شرائط کو پورا کرنے کا حکم

سوال [۷۶۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے سوال برائے فرائض شرعی آمدنی موقوفہ حاجی کلن مرحوم کے جواب مؤرخہ

۱۸/صفر المظفر ۱۴۱۴ھ میں آپ نے سہامات قائم کیے ہیں اب چونکہ ۳۰/نومبر ۱۹۹۵ء کو نور جہاں کا انتقال ہوگیا ہے اور اس نے ایک دختر مسماۃ بدر النساء چھوڑی ہے لیکن وقف نامہ اولاً ۱۹۳۲ء کی دفعہ ۹/ کے تحت اس کو صرف اس کی زندگی تک ہی مستفید ہونے کا حق دیا گیا ہے، ایسی صورت میں اس کے ۱۰۵ سہام کس کس میں کس طرح تقسیم ہوں گی؟

المستفتی: عبدالرحمٰن شیخ سرائے محمود، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب واقف نے یہ شرط لگائی ہے کہ نور جہاں کو وقف کی آمدنی میں سے صرف اس کی زندگی تک فائدہ اٹھانے کا حق ہوسکتا ہے اس کے بعد اس کے ورثاء کی طرف آمدنی کا حق منتقل نہ ہوگا، لہٰذا واقف کی شرط کی رعایت کرتے ہوئے نور جہاں کے انتقال کے بعد آمدنی میں سے جو حصہ نور جہاں کو مل رہا تھا وہ اس کی دختر بدر النساء کی طرف منتقل نہ ہوگا، بلکہ بقیہ شرکاء کے حصوں کے ساتھ منضم ہو جائے گا، کیونکہ مسئلۂ وقف میں واقف کی شرط کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع الخ. (شامي، مصری ٣/٤٦١، كراچی ٤/٣٦٦، زكريا ٦/٦٤٩)

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، مصری ٣/٤٦١، كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۵۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۱۶ھ

واقف کی غرض کے خلاف وقف کے استعمال کا حکم

سوال [۷۶۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منشی محمد ابراہیم مرحوم نے اپنی جائیداد واقع محلہ مغلوشاہ نجیب آباد ضلع بجنور

مدرسہ اسلامیہ عربیہ امدادالعلوم محلّہ مغلوشاہ نجیب آباد ضلع بجنور، کو یہ کہہ کردی تھی کہ اس عمارت میں لڑکیوں کی دینی تعلیم ہونی چاہیے، اگرایسا نہ کیا گیا تو روزِ قیامت ذمہ دارلوگوں کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا، مندرجہ بالا بات کی تصدیق محلّہ کے چار لوگوں نے تحریری طور پر کی ہے، تصدیق کرنے والوں میں جناب عبدالرحمٰن صاحب مدرسہ کے نائب مہتمم ہیں اور بشیر احمد صاحب مدرسہ کی کمیٹی کے ممبر ہیں، تصدیق کا کاغذ اس سوال کے ساتھ منسلک ہے مدرسہ کی کمیٹی میں دو بار اس بات کا ریزولیشن بھی پاس ہو چکا ہے کہ اس جگہ تعلیم نسواں شروع کی جائے لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ مدرسہ والوں نے ان کی جائیداد کی پختہ تعمیر کرا کر نیچے کے حصہ کو ایک دوکاندار کو دیدیا اور اوپر کی منزل رہائش گاہ کے لیے کسی شخص کو کرایہ پر دیدی ہے اور وہ روپیہ دینی تعلیم پر صرف ہورہا ہے۔

براہ کرم تحریر فرمائیں کہ عمارت کو تعلیم نسواں کے بجائے کرایہ پر چڑھادینا جائز ہے یا نہیں؟ خلاصہ تحریر فرمائیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

خادم عزیز اللہ بقلم خود

ہم لوگ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ منشی محمد ابراہیم نے اپنی جائیداد واقع محلّہ مغلوشاہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ امدادالعلوم محلّہ مغلوشاہ نجیب آباد کو یہ کہہ کردی تھی کہ اس عمارت میں بچیوں کی دینی تعلیم ہونی چاہیے، اور اگرایسا نہ ہوا تو روز قیامت ذمہ دارلوگوں کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ ہوگا۔

بشیر احمد سراج عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرسائل اپنے بیان میں سچا ہے اور جناب عبد الرحمٰن صاحب اور بشیر احمد صاحب مقبول الشہادت ہیں، دونوں اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ محمد ابراہیم نے اپنی عمارت کو تعلیم البنات ہی کی غرض سے وقف کیا ہے تو اس عمارت میں صرف تعلیم نسواں ہی جائز ہوسکتی ہے، دوسری صورتیں اس وقت تک جائز نہیں ہو

سکتیں جب تک کہ غرض واقف کے مطابق لڑکیوں کی تعلیم ممکن ہو۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، مصری ۳/ ٤٦٤، کراچی ٤/ ٤٤٥، زکریا ٦/ ٦٦٥)

لہٰذا اس کے خلاف فکر کرنے والے متولی تولیت کے لائق نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۱۲)

غرض الواقف کی خلاف ورزی جائز نہیں ہے

سوال [۷۶۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ فاطمہ بیگم بنت حاجی کلن مرحوم بیوہ حاجی محمد صدیق ساکن محلّہ کرولہ مرادآباد اپنے والد مرحوم حاجی کلن کی موقوفہ جائیداد جو کہ وقف علی الاولاد کے طور پر چلی آرہی تھی، کرایہ کی آمدنی کی ذمہ دار بھی تھیں، انہوں نے اپنی بہنوں اور بھانجوں وغیرہ کے سامنے یہ زبانی وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد موقوفہ جائیداد کی آمدنی میں سے میرا جتنا بھی حصہ ہو میری نند مسماۃ مندی مرحومہ کے لڑکے اقبال حسین کو دیا جائے، مؤرخہ ۲۴؍ جون ۱۹۸۹ء مسماۃ فاطمہ بیگم کا انتقال ہوگیا بوقت انتقال مندرجہ ورثاء موجود تھے، سگی بہن غفرانہ بیگم، ہاجرہ بیگم، صابرہ بیگم، بھانجے اور بھانجی مرحومہ یعنی بسم اللہ بیگم کی اولاد فاخر حسین، زاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، بدرالنساء، خیرالنساء، سگی نند، مسماۃ سروری بیگم۔

(۲) نند کے بچے اقبال حسین پسر مسماۃ مندی مرحوم الطاف حسین، ابرار حسین پسران مسماۃ کبریٰ بیگم، کیا زبانی وصیت کو تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر نہیں تو اوپر لکھے ہوئے وارثان میں سے کس کو کتنا حق پہنچتا ہے، ازروئے شرع بتانے کی زحمت فرمائیں۔

نوٹ: واقف نے واقف نامہ میں اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ میرے کسی بھی وارث کو یا کسی بھی متولی کو جائیدادہائے موقوفہ کو کسی طرح منتقل کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا، نیز

یہ بھی تحریر ہے کہ کسی شخص یا مسماۃ نور جہاں کو اپنے حصہ کی رقم آمدنی کو کسی طرح منتقل کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا تو ان حالات میں فاطمہ بیگم کی مذکورہ وصیت درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ واقف نے وقف نامہ کے اندر اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ کسی بھی حقدار کو اپنے حصہ کی رقم آمدنی کو کسی کی طرف منتقل کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا اور شریعت میں واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہے، اس لیے فاطمہ بیگم کی وصیت درست نہیں ہوگی بلکہ وقف نامہ کی شرائط اور وضاحت کی رعایت کرتے ہوئے شرعی حقداروں کو ہی ملا کرے گی، موصی لہ اقبال حسین کو مذکورہ حصہ کی رقم نہیں مل سکتی۔

القضاء بخلاف شرط الواقف كالقضاء بخلاف النص لاينفذ لقول العلماء، شرط الواقف كنص الشارع. (الأشباه والنظائر قديم ص: ١٦٩، جديد زكريا ديوبند ١/ ٣٠٠)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کراچی کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ديوبند ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۲۷)

شرائط واقف کی رعایت لازم لیکن استبدال کی شرط معتبر نہیں

سوال [۷۶۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ واقف حاجی نثار حسین مرحوم نے اپنی کل جائیداد واقع شہر مرادآباد بتاریخ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۴۴ء کو واسطے پرورش پرداخت اپنی اولاد و بھانجہ وبھتیجہ کے اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطن وقف کردی اور اپنی ملکیت سے نکال کر ملکیت خداوند تعالیٰ الحی والقیوم میں دیدی، واقف نے وقف نامہ میں تحریر کیا ہے کہ اگر خدانخواستہ میری نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو میرے بھانجہ وبھتیجے کی نسل میں جو موجود ہوں اس کی آمدنی میں بقدر نصف مستفید ہوتے

رہیں، واقف نے اپنے لڑکے عبدالمجید کے افعال وطریقہ وبودو باش سے تنگ وپریشان ہوکر اور اپنی بہنوں کے ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے ایک تولیت نامہ تحریر کیا، تولیت نامہ میں واقف نے اپنے حقیقی بھائی کے پوتے کو جو کہ خود واقف کا بھی پوتا ہے، تازیست متولی مقرر کردیا اور بعد وفات متولی عبدالحکیم مذکور اس کی اولاد ذکور پسر اکبر متولی ہوتا رہے گا، واقف کا نافرمان لڑکا لاولد موت ہوگیا، اور فی الحال واقف کی نسل ختم ہوگئی تو کیا ایسی صورت میں عبدالحکیم کی اولاد ذکور پسر اکبر کو تولیت یا اس کی اولاد ذکور کی موجودگی میں عبدالحکیم کی دختر شادی شدہ کو تولیت پہنچتی ہے، اور وہ واقف کی آمدنی کی حق دار ہے یا نہیں؟ اس سوال کے ساتھ (۱) وقف نامہ ۱۲/۱ اکتوبر ۱۹۴۴ء (۲) وتتمہ ۱۹۴۶ء (۳) ومزید تولیت نامہ برحق عبدالحکیم ۱۹۵۷ء (۴) وقف نامہ مزید ۱۹۵۷ء تاریخ امروزہ تولیت نامہ، واقف نثار حسین کے حقیقی بھائی ولایت حسین کا پڑپوتا اکبر حسین اور پڑپوتی شاہین اختر اور واقف کی حقیقی بہن کا لڑکا مناحیات ہیں، نسل ہی کوئی نہیں ہے، بھانجہ اور بھتیجہ کی نسل میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، ان حالات میں جائداد موقوفہ کی آمدنی میں کون کتنے کا حصہ دار ہے؟ اور تولیت کس کو پہنچتی ہے، اور بعد کا وقف نامہ پہلے کے وقف ناموں کے ساتھ سمجھا جائیگا یا الگ سے سمجھا جائیگا، نئے وقف نامہ کی جائیداد اور پرانے وقف نامہ کی جائیداد ایک سمجھی جائے گی یا الگ الگ سمجھی جائے گی؟

اور واقف کے نئے وقف نامہ میں جو اس نے بعد میں لکھا ہے، اس میں صراحت ہے، کل خرچ کرنے کے بعد بقیہ آمدنی متولی کی رہے گی، اس میں کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، لہٰذا اس میں بھی بتلایا جائے کہ اس کی آمدنی تنہا متولی کی رہے گی، یا یہ بھی تقسیم ہوگی اور اکبر حسین متولی کے بعد اکبر حسین کی ہمشیرہ مسماۃ شاہین اختر متولیہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: اکبر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب شرائط واقف تولیت عبدالحکیم کی باصلاحیت اولاد ذکور کی موجودگی میں شاہین اختر کو نہیں پہنچ سکتی۔

شرط الواقف کنص الشارع. (شامی، نعمانیہ ۴۲۲/۳، کراچی ۳۶۶/۴، زکریا

٦/١٤٩)

اورآمدنی وقف نامہ۱۹۴۴ءکےمطابق مصارف میں سے جوجوموجودہوں ان سب کو حسب شرائط ملتی رہے گی، بھتیجہ اوراس کی اولادکونصف اوربھانجہ اوراس کی اولادکونصف ملے گی اوراس میں مذکرومؤنث سب برابرحصہ دارہوں گے

رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة علي ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكور والأنثى. (قاضيخان، كتاب الوقف، فصل في الوقف على الأولاد، زكريا جديد ٣/٢٢٤، وعلى هامش الهندية ٣/٣١٩، هنديه زكريا قديم ٢/٣٧٣، جديد ٢/٣٥٩)

مستفتی نے جودوفتوے بقیہ تمام آمدنی عبدالحکیم اورآئندہ آنے والے متولیوں کےحق میں ہونے کےسلسلے میں پیش کیے ہیں خاکسارکوان سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ غرض وقف میں استبدال واقف کے لیے بھی جائزنہیں ہے۔

كما في الهندية لو قال أرضي صدقة موقوفة لله تعالىٰ أبداً على أن أضع غلتها حيث شئت جاز وله أن يضع غلتها حيث شاء فإن وضع في المساكين أوفي الحج أو في إنسان بعينه فليس له أن يرجع عنه. (هنديه، الباب الرابع فيما يتعلق بالشرط في الوقف، زكريا قديم ٢/٤٠٢-٤٠٣، جديد ٢/٣٧٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/٩، رقم: ١٠٩٦٨، الفتاوى التاتارخانية زكريا ٨/٤٤، رقم: ١١١٦٨)

فإن قال لا أشاء أن أعطي أحدا منهم فالغلة لهم وقد أبطل مشيئته فصار كأنه لم يشترط لنفسه مشيئته. (هنديه، زكريا قديم ٢/٤٠٤، جديد ٢/٣٧٧)

پرانے اورنئے وقف نامہ دونوں کاحکم اپنی اپنی شرائط کے مطابق الگ الگ ہوگا، ۱۹۴۶ء کے بعد کےاوقاف کی آمدنی حسب شرائط واقف موجودہ اورآئندہ آنے والے متولیوں کوملتی رہے گی۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۹؍شوال المعظم ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۳/ ۲۸۵)

قبرستان کے لیے زمین وقف کر کے اس سے رجوع کرنا

سوال [۷۶۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی عبدالوہاب صاحب نے اپنی اولاد کی موت سے دلی صدمہ کی وجہ سے اپنی زمین قبرستان کے لیے وقف کردی اور مجمع میں وقف کا اعلان کردیا، پھر کارکنان قبرستان نے کہا کہ قبرستان کو پچاس سال تک مزید زمین کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے انہوں نے اس زمین کو فروخت کردیا اور اس رقم کو دوسرے کے ساتھ کاروبار میں لگادیا، مالی کمزوری کی وجہ سے ان کا کاروبار بند ہوگیا اس لیے اب وہ چاہتے ہیں کہ تجارت سے حاصل شدہ موصولہ منافع میں سے آدھے نفع کو اپنے مصرف میں اور آدھے کو کارِ خیر میں خرچ کریں تو کیا ایسا کرنا ان کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: فیض الرحمٰن طباخیان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب حاجی عبدالشکور صاحب نے قبرستان کے لیے زمین وقف کردی ہے اور مجمع عام میں اعلان بھی کردیا تو وہ زمین قبرستان کے لیے وقف ہو گئی اور بعد میں نہ کارکنانِ قبرستان کو واپس کرنے کا حق ہے اور نہ ہی واقف حاجی عبدالوہاب صاحب کو واپس لے کر فروخت کرنے کا حق ہے، لہٰذا حاجی صاحب کے لیے اس زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں اس فروخت کرنے میں ذمہ دارانِ قبرستان اور حاجی صاحب سب گناہگار رہوں گے اور جو اس کی قیمت سے کاروبار شروع کردیا ہے وہ بھی درست نہیں ہے، بلکہ قیمت دے کر زمین کو واپس لے کر قبرستان کے حوالہ کردینا لازم ہوگا، حاجی صاحب کے لیے اس کے منافع میں سے آدھا اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/ ۵۷۰، محمودیہ قدیم ۶/ ۱۵۸، ڈابھیل ۱۴/ ۴۶۹، اختری بہشتی زیور ۳/ ۶۹)

ویزول ملکه بمجرد القول عند أبي یوسف و محمدؒ لا مالم یسلمه إلی ولی و بقول أبي یوسفؒ یفتی للعرف. (الدر المنتقی، کتاب الوقف، دار الکتب

العلمية بيروت ٢/ ٥٧٠، مصرى قديم ١/ ٧٤١)

وقال صدر الشهيد و مشائخ بلخ يفتون بقول أبى يوسف و نحن نفتى بقوله أيضا لمكان العرف الخ. (البحر الرائق كوئٹه ٥/ ١٩٠، زكريا ٥/ ٣١٨)

وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه الخ. (هدايه ٢/ ٦٤٠)

وتحته فى فتح القدير: وهو بإجماع الفقهاء الخ. (فتح القدير بيروتى ٦/ ٢٠ ٦، زكريا ٦/ ٢٠٤، كوئٹه ٥/ ٤٣٣)

زمین کے واپس آنے کی کوئی صورت نہ بن سکے تو پوری قیمت صدقہ کردینا لازم ہوگا۔

ينبغى لهٰذا الواقف أن يتصدق بأصلها على الفقراء ولو باعها وتصدق بثمنها جاز. (قاضيخان زكريا جديد ٣/ ١٩٩، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٨٦)

ولا رجوع فيها أى فى الصدقة لأن المقصود هو الثواب وقد حصل. (البحر الرائق كتاب الهندية باب الرجوع فى الهبة كوئٹه ٧/ ٢٩٧، زكريا ٧/ ٥٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۹۶)

سرکاری زمین پر مدرسہ قائم کرنا

سوال [۷۶۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مرادآباد شمال میں رام گنگا نام کا ایک دریا بہتا ہے اس کے کنارے پر لوگوں نے (ہندو مسلمان) مکانات تعمیر کر لیے ہیں، جبکہ وہ پوری کالونی بن چکی ہے، اور دریا سرکاری جائیداد ہے یہاں لگ بھگ دس ہزار کی تعداد میں مسلم آبادی ہے، لہٰذا اس جگہ ایک دینی مدرسہ بچوں کی تعلیم کے لیے قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے بھی اہل بستی نے ایک جگہ گھیر رکھی ہے، اس جگہ میں دینی مدرسہ تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اور پھر اس تعمیر شدہ عمارت میں جماعت سے نماز پڑھنے سے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: جملہ اہل بستی نئی آبادی رام گنگا مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراس سرکاری جگہ میں من جانب سرکار مدرسہ تعمیر کرنے کی اجازت ہواور آئندہ اس میں سرکار کی جانب سے کسی قسم کا خدشہ بھی نہ ہوتو ایسی جگہ میں مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے،اوراس مدرسہ میں جماعت سے نماز پڑھنے سے بلاکراہت نماز صحیح ہوجائے گی، نیز جماعت کا ثواب بھی مل جائیگا،لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

وإن صلی أحد فی البیت بالجماعة لم ینالوا فضل جماعة المسجد. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، زکریا دیوبند ۲/ ۴۹۵، کراچی ۲/ ۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱ھ

سوال وجواب

سوال [۷۶۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: استفتاء الف: ۳۵۴۴/۱ کے پیش نظر ایک سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں اجازت سے شرعاً اجازت قولی وتحریری مراد ہے، یا صرف حکومت کا نہ روکنا اورآباد ہونے دینا تعمیرات پرروک نہ لگانا مراد ہے نیز سرکاری طور پر وہاں پر بسنے والوں کو بجلی و پانی بھی دیا جارہا ہے اور میٹر بھی دیئے جارہے ہیں، آیااس کو اجازت سمجھا جائیگا یانہیں؟

المستفتی: اہل رام گنگا، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار کا پانی یا بجلی وغیرہ دیناوقتی اجازت ہے،مگر سرکار قوانین وضوابط پر کبھی بھی عمل کر کے خالی کراسکتی ہے اس لیے وہاں پر سرکاری کاغذات حاصل ہونے سے قبل مسجد ہرگز نہ بنائی جائے البتہ مدرسہ بنانے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ مدرسہ منتقل بھی ہوسکتا ہے مسجد منتقل نہیں ہوسکتی،لہٰذا مدرسہ کے لیے اجازت عملی بھی کافی ہوسکتی

ہے اور مسجد کے لیے اجازت قولی وتحریری لازم ہوگی۔

الوقف وهو (إلى قوله) فلايجوز له إبطاله الخ. (الدر المختار كراچی ۴/ ۳۳۹، زکریا ۶/ ۵۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۸/ ۱۴۱۴ھ

پٹہ کی زمین پر مدرسہ کی تعمیر

سوال [۷۶۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے عمر سے چھ ڈسمل زمین خریدی اور اس کا بیع نامہ نہیں کرایا صرف اسٹامپ پر لکھوالیا اور اسی زمین سے متصل ایک پٹے کی زمین خریدی اس کا بھی اسٹام کرالیا، اور اس تمام زمین پر فی الحال اس کا قبضہ بھی ہے اب وہ زمین اس نے جو تقریباً ایک بیگھا ہوتی ہے بکر کو چار لاکھ ساٹھ ہزار روپئے میں بیچ دی ہے اور بکر اس زمین میں مدرسہ بنوانا چاہتا ہے تو کیا بکر کا اس زمین کو خریدنا اور اس زمین میں مدرسہ بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی صاحب ایسی زمین کے لیے مدرسہ کے اعتبار سے کچھ رقم دینا چاہیں تو ان کو اس کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد معروف ساکن ویرپور تھان مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے جو زمین عمر سے خریدی ہے وہ اس کا مالک بن گیا ہے، پٹہ کی زمین کی اگر متعلقہ محکمہ سے اجازت لے کر خرید وفروخت ہوئی ہے تو اس پر مدرسہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر پٹہ کی زمین خرید کر مدرسہ بنانے کے لیے کسی نے پیسہ دیا ہے اور پردھان سے تحریری اجازت لے لی تو اس میں کوئی حرج نہیں یہ بھی شرعاً جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۹۲، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۱/ ۳۳۵،

ڈابھیل ۱۵/۶/۱۷۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۵۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۰/۱۴۳۴ھ

جائیداد مدرسہ کو دے یا بھائی کو؟

سوال [۷۶۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت نے رامپور دوراہے پر ڈیڑھ سوگز زمین خریدی تھی مدرسہ کے ارادے سے کہ اس میں مدرسہ بنواؤں گی اور اس میں ایک منزلہ عمارت بھی بن گئی ہے اب لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ مدرسہ مت کھلواؤ بلکہ تمہارے جو بھائی غریب ہیں انہیں وہ جگہ دیدو، کیونکہ یہ بھی ثواب ہی کا کام ہے۔

اس لیے آپ حضوروالا سے مؤدبانہ وعاجزانہ التماس ہے کہ اس مسئلہ کا حل نکال کر یہ بتائیں کہ اس زمین میں مدرسہ ہی کھلوایا جائے یا وہ زمین غریب بھائی کو دیدی جائے؟

المستفتی: سہیل احمد مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عورت نے جب مدرسہ ہی کے ارادے سے زمین خریدی اور اس میں مدرسہ کی نیت سے ایک منزلہ عمارت بھی بنا دی ہے اور دینی مدرسہ جس میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے وہ صدقۂ جاریہ ہوتا جب تک اس مدرسہ میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہے گا تو مذکورہ عورت کو ثواب پہنچنے کا سلسلہ بھی جاری رہے گا، اس لیے بھائی کو دینے کے مقابلہ میں عورت کے لیے یہی بہتر ہے کہ دینی مدرسہ کے لیے ہی اس کو وقف کردے اور بھائی کو نہ دینے کی وجہ سے مذکورہ عورت کسی طرح گنہگار نہ ہوگی۔

عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ قال: إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة إلا من صدقة جارية أو علم ينتفع به أو ولد صاحب يدعو

له. (مسلم شريف، الوصية، باب ما يلحق من الإنسان من الثواب بعد وفاته، النسخة الهندية ۲/ ۴۱، بيت الأفكار رقم: ۱۶۳۱، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۳۷۲، رقم: ۸۸۳۱)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوى شريف رشيد ص: ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۲۱)

اپنی ملکیت کی زمین پر مدرسہ قائم کرنا

سوال [۷۶۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے پاس اس کی ملکیت میں تقریباً ایک ایکڑ زمین ہے اس زمین کے چھ حصے کر کے ایک حصہ میں اس کا خاندانی قبرستان ہے جو وقف نہیں ہے، اور بقیہ پانچ حصہ زمین کا خالی پڑا ہوا ہے، وہ کاشت کے بھی قابل نہیں ہے اب وہ شخص اپنی ملکیت کی اس خالی زمین میں مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہے، شرعی اعتبار سے اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب الرحمٰن محلہ خواجہ فیروز شاہ، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ خالی زمین جبکہ قبرستان کے لیے وقف نہیں ہے اور مالک کی ملکیت میں باقی ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس میں مسجد یا مدرسہ بنائے شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوى شريف رشيد ص: ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۳ھ

محکمۂ کسٹوڈین کے قبضہ میں آنے والی موقوفہ جائیداد کا حکم

سوال [٦٣٣٧]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ چھٹن نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اپنے لڑکے محمد نور کے نام وقف کیا، محمد نور ہندوستان تقسیم ہوجانے کے بعد پاکستان چلا گیا، محمد نور سے متعلق جائیداد پر محکمۂ کسٹوڈین نے اپنا قبضہ کرلیا اور اس موقوفہ جائیداد کو نیلام کردیا، محمد نور کا انتقال ہوچکا ہے اب اس کی اولاد میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پاکستان ہی میں ہیں اور ان کو نہرو لیاقت پیکٹ کے تحت پاکستان میں محمد نور جائیداد کا متبادل حصہ حکومت پاکستان سے مل چکا ہے، اس سلسلے میں درج ذیل استفسارات جواب طلب ہیں:

(۱) ہندوستان کی تقسیم کے بعد جو موقوفہ جائیداد محکمۂ کسٹوڈین کے قبضہ میں آئیں ان کی حیثیت وقف کی رہی یا نہیں؟

(۲) محکمۂ کسٹوڈین تقسیم ہند کے بعد موقوفہ جائیدادوں پر قبضہ کرلے تو اس نیلام کو خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) موقوفہ جائیدادوں کی حیثیت کن کن صورتوں میں بدل سکتی ہے؟

نوٹ: محمد نور کا بھی انتقال پاکستان میں ہوا ہے، وقف نامہ میں شیخ چھٹن کے بعد موقوفہ جائیداد کا متولی محمد نور ہوگا، محمد نور کے بعد اس کی نسل در نسل ہوتی رہے گی، محمد نور کی نسل اگر منقطع ہوجائے تو نیک ایماندار اور حنفی المسلک کوئی بھی شخص متولی ہوگا؟

المستفتی: محمد عمر، سرائے ترین مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تقسیم ہند کے بعد جس موقوفہ زمین کو سرکار نے محکمۂ کسٹوڈین کے ذریعہ سے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اس کی حیثیت وقف کی نہیں رہی بلکہ وہ حکومت کی ملکیت میں غاصبانہ طور پر منتقل ہوگئی ہے، اب اگر منجانب سرکار نیلام کے موقع پر

کوئی مسلمان اس زمین کو اپنے پیسہ سے خرید لیتا ہے تو وہ اس کا شرعی طور پر مالک ہو جائیگا، اور موقوفہ جائیداد کی حیثیت حکومت کے قبضہ کی صورت میں بدل جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۳۱، جدید زکریا ۵۱۰ رقم: ۸۸۴، امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۴/۱۴۱۵ھ

۲ باب الوقف علی الأولاد

وقف علی الأولاد

سوال [۷۶۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی کل جائیداد بہ تفصیل وقف نامہ واقع مرادآباد بتاریخ ۱۲/۱اکتوبر ۱۹۴۴ء کووقف واسطہ پرورش وپرداخت اپنی اولاد و بھانجہ وبھتیجہ کے اوراس کی اولاد کی اولاد نسلاً بعدنسلاً......کووقف کردی اوراپنی ملکیت سے نکال کرخداوندی قیوم کی ملکیت میں دیدی، زید نے وقف نامہ میں مزید تحریرکیا ہے کہ اگرخدانخواستہ میری نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو میرے بھتیجے و بھانجہ کی نسل میں جوموجود ہوں اس کی آمدنی میں بقدرنصف نصف مستفید ہوتے رہیں، واقف کالڑکا لاولدفوت ہوگیا بھانجہ کی نسل ہی نہیں ہے، بھانجہ ابھی حیات ہے اور وہ آدھی آمدنی طلب کرتا ہے وہ آمدنی کا حقدار ہے یانہیں، بھتیجہ کی نسل میں ایک لڑکی شاہین اختر شادی شدہ اورایک لڑکا پسراکبرمتولیٔ مذکورموجود ہیں ایسی صورت میں کیالڑکی بھی آمدنی کی حقدار ہے اوراس کوکیادیاجائیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واقف نےوقف نامہ میں بھانجہ اوربھتیجہ کوبرابرکا حق دارقراردیاہےاس لیے بھانجہ نصف آمدنی کاحقدار ہےاوراس کی آدھی آمدنی طلب کرنا حق بجانب اوردرست ہے۔

شرط الواقف کنص الشارع. (الأشباه والنظائر قدیم ص: ۱۷۰، جدید زکریا ص: ۳۰۰)

اورجب بھتیجہ کےایک لڑکا اورایک لڑکی موجود ہےتو بھتیجہ کا حق (نصف آمدنی) دونوں اولاد کےدرمیان برابرتقسیم ہوتارہےگااوراس میں لڑکااورلڑکی دونوں کوبرابرکاحق ملتا

رہے گا، لڑکے کو لڑکی سے زیادہ نہیں ملے گا، لہٰذا بھتیجہ کی لڑکی شاہین اختر کو اکبر حسین کے برابر کا حصہ ملتا رہے گا اور شاہین اختر کی موت کے بعد اس کی اولاد کو اس کا حصہ ملتا رہے گا۔

رجل قال أرضی هذه صدقة موقوفة علی ولدی كانت الغلة لولد صلبه، يستوي فيه الذكر والأنثىٰ الخ. (فتاویٰ قاضيخان، كتاب الوقف، فصل في الوقف علی الأولاد، زكريا ۳/ ۲۲٤، وعلی هامش الهندية زكريا ۳/ ۳۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۴/ ۱۴۱۲ھ

وقف علی الاولاد کی ایک صورت

سوال [۷۶۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو مکانات وقف علی الاولاد ہیں جس میں ایک مکان میں متولی رہتا ہے اور دوسرے مکان میں صرف ایک کوٹھری اور ایک دیوار تھی وہ منہدم ہوگئی اب صرف اراضی ہے اور متولی کے مالی حالات ایسے نہیں ہیں کہ اس کو تعمیر کر سکے، اور جس مکان میں رہتا ہے اس کی بھی مرمت کرانا ضروری ہے، از شرع اس کو کیا کرنا چاہئے جس سے مکان مسکونہ متولی بھی منہدم ہونے سے برقرار رہے جواب سے مطلع فرمائیں۔

واقفہ نے اپنے بھائی کے پوتے عشرت علی کو متولی نامزد کر دیا تھا، یہ وصیت کر دی تھی کہ وقف کی آمدنی سے عشرت علی اپنی زندگی میں مستفید ہوتا رہے گا، اور عشرت علی کی اولاد مستفید ہوتی رہے گی، نیز تولیت کے بارے میں یہ شرط لگائی تھی کہ ہر متولی اپنے بعد کے لیے اپنی مرضی سے متولی نامزد کر دے ورنہ ہر متولی کی اولاد اکبر متولی ہوتا رہے گا، نیز وقف نامہ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ بوقت وقف دونوں مکانات کا کرایہ اٹھارہ روپیہ رہا ہے، متولی ان میں سے دو روپیہ مسجد قلعہ والی کو ہر ماہ دیتا رہے گا، چاہے متولی اپنے جیب سے دیدے یا کرایہ کی آمدنی سے دیدے، ان حالات میں عشرت علی کا لڑکا یعقوب علی اب متولی ہے اور

اس کے پاس اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ وقف کے مکانات کی تعمیر ومرمت کرا سکے، یا ترقی دے کر وقف کی آمدنی میں سے ہر حق دار کو حق پہنچا سکے، اور مسجد کو مسجد کا حق دے سکے اور عشرت علی کی اولاد میں سے اس وقت دولڑکے موجود ہیں اور اس وقت عشرت علی کے ان تمام اولاد کو وقف کا فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، ان حالات میں مذکورہ وقف کا شرعی حکم کیا ہوگا؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی طور پر متولی پر لازم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے وقف کی جائیداد کی ضائع ہونے سے حفاظت کرے، اور اگر ٹوٹ پھوٹ جائے تو اس کی مرمت کرادیا کرے، اور اگر متولی خود وقف کی حفاظت ومرمت وغیرہ سے عاجز ہے تو اس پر لازم ہے کہ کسی باصلاحیت شخص کو تولیت کا ذمہ دار بنائے اور خود تولیت سے دستبردار ہوجائے ورنہ سخت گنہگار ہوگا اور شرعاً خائن ثابت ہوگا، نیز اس وقت اگر مرمت کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے تو قابل رہائش مکان کو کرایہ پر دے کر اس آمدنی سے دوسرے مکان کی مرمت کرانا ضروری ہوگا، نیز اس میں فائدہ اٹھانے کا حق عشرت علی کی تمام اولاد کو برابر حاصل ہے، تنہا متولی حقدار نہیں ہے، نیز مسجد قلعہ والی کو کل اٹھارہ میں سے دو روپیہ کے تناسب سے آمدنی پہنچانا لازم ہے، ورنہ متولی سخت گنہگار ہوگا۔

ولايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود و كذا تولية العاجز لأن المقصود لا يحصل به ويستوى فيه الذكر والأنثىٰ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: في شروط المتولي، زكريا ٦/٥٧٨، كراچی ٤/٣٨٠، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٢٦، زكريا ٥/٣٧٨)

ولو أبى أو عجز عمّر الحاكم بأجرتها يعنى آجرها الحاكم من الموقوف عليه أو غيره وعمّرها بأجرتها ثم يردها بعد التعمير إلى من له السكنى الخ. (البحر الرائق كوئٹه ٥/٢١٨، زكريا ٥/٣٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶ر ۲۲۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۵/۲۲ھ

وقف علی الاولاد کا حکم

سوال [۷۶۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حاجی کلن صاحب مرحوم نے اپنی حیات ۱۹۳۲ء میں ایک وقف نامہ علی الاولاد علی الخیر تحریر کیا اور انہوں نے اسی وقت اپنی تمام جائیداد کو اللہ جل شانہ کی ملکیت میں دیدیا اور اسی وقت سے خود جائیداد موقوفہ کے متولی ہوگئے اور وقف نامہ میں تحریر کردیا کہ تاحیات میں خود متولی رہوں گا اور بعد میرے انتقال میری بیوی نمبر (۴) مسماۃ چھوٹی وقف جائیداد کی متولیہ ہوگی، مسماۃ چھوٹی کے انتقال کے بعد یا عقد ثانی کرنے کے بعد میری اولاد در اولاد نسلاً بعد نسل بطناً بعد بطن کا سلسلۂ تولیت جاری رہے گا جس میں سب سے پہلے میری اولاد ذکور اور اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد اناث متولی مقرر ہوگی اور جب میری اولاد ذکور اور اولاد اناث کا سلسلہ ختم ہوجائے گا تو میری اولاد ذکور کی اولاد ذکور اور جب اولاد ذکور کی اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد اناث کا سلسلۂ تولیت جاری ہوگا اور ہر متولی وقف نامہ کی دفعہ ۵/ کے مطابق وقف جائیداد کی آمدنی کو میرے وارثانِ شرعی کے درمیان بحصۂ شرعی تقسیم کرے گا۔

حاجی کلن صاحب نے چار شادیاں کیں جن میں پہلی بیوی سے بانو فاطمہ اور بسم اللہ پیدا ہوئیں، دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، تیسری بیوی سے ایک لڑکی شاہجہاں پیدا ہوئی اس تیسری بیوی کے ساتھ ایک دختر نور جہاں جو اپنے پہلے شوہر سے پیدا تھی ساتھ میں آئی تھی، چوتھی بیوی سے غفران، ہاجرہ، صابرہ پیدا ہوئیں (ہاجرہ، صابرہ وقف نامہ تحریر کرنے کے بعد پیدا ہوئیں) بانو اور شاہجہاں کا انتقال حاجی کلن صاحب کی حیات میں ہوگیا تھا، بانو نے اپنے انتقال پر ایک پسر عبدالسلام چھوڑا، (بانو کا انتقال وقف نامہ تحریر ہونے کے بعد ہوا) شاہجہاں سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، اس کے بعد حاجی کلن صاحب کا انتقال ہوا اور بعد انتقال حاجی کلن صاحب کے ان کی چوتھی بیوی مسماۃ چھوٹی وقف جائیداد کی متولیہ بنی اس کے بعد مسماۃ چھوٹی کا انتقال ہوگیا، بعد انتقال مسماۃ چھوٹی کے فاطمہ بیگم وقف جائیداد کی

متولیہ مقرر ہوئی اوراب تک تولیت کا کام انجام دے رہی ہیں اس دوران مسماۃ بسم اللہ کا انتقال ہو گیا بوقت انتقال مسماۃ بسم اللہ نے مندرجہ ذیل وارثان چھوڑے، پسران: فاخر حسین،شاہد حسین،صابر حسین، ذاکر حسین،شاہد حسین،......دختران: بدرالنساء،خیرالنساء۔

اب ۲۷؍دسمبر ۱۹۸۸ء کوعبدالسلام پسر مسماۃ بانو کا انتقال ہوتا ہے اس نے صرف دو لڑکیاں زرینہ اورنفیسہ چھوڑیں۔

آج موجودہ وارثان شرعی حاجی کلن صاحب مرحوم ایک نظر میں اس طرح ہیں:

دختران حاجی کلن صاحب مرحوم: فاطمہ،نور جہاں،غفرانہ،ہاجرہ،صابرہ۔

نواسے: فاخر حسین،زاہد حسین،صابر حسین ،ذاکر حسین،شاہد حسین۔

نواسی: بدرالنساء،خیرالنساء۔

پرنواسی: زرینہ،نفیسہ

لہٰذا از روئے شرع مندرجہ بالا حاجی کلن صاحب مرحوم کے وارثان شرعی کو کتنے کتنے سہام ملنے چاہئیں تفصیل سے وضاحت فرمائی جائے۔

نوٹ: وقف نامہ ۱۹۳۲ء کی فوٹو اسٹیٹ کاپی حاضر خدمت ہے۔

المستفتی: صابرہ بیگم دختر حاجی کلن صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف نامہ کی شرائط پرغور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ اگرکسی کا انتقال ہو جائے تو اس کا حصہ منسوخ نہیں ہوگا بلکہ مرنے والے کا حصہ اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہو جائے گا،لہٰذا جوحضرات وارث چھوڑ کر گذر گئے ہیں ان کے حصے ان کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہوجائیں گے۔

الحاصل أن الواقف إذا وقف علی أولادہ وأولاد أولادہ وعلی أولاد أولاد أولادہ و علی ذریتہ ونسلہ و طبقۃ بعد طبقۃ و بطنا بعد بطن تحجب الطبقۃ العیاء السفلیٰ علی أن من مات عن ولد انتقل نصیبہ إلی ولدہ (إلی قولہ) وترک ولدا و ولد ولد، أو اسفل من ذٰلک استحق ما کان یستحقہ أبوہ لوکان حیا الخ.

(الأشباہ دیوبندی ص: ۲۱۸، جدید زکریا ص: ۳۷٤ مطبوعه کراچی ۱/۱۸۰)

لو وقف علی أولاد الظهور دون أولاد البطون فماتت مستحقة عن ولدين أبوهما أبوهما من أولاد الظهور هل ينتقل نصيبها لهما فأجبت نعم: ينتقل نصيبهما لهما لصدق كونهما من أولاد الظهور باعتبار والدهما المذكور. (شامی، کتاب الوقف، قبیل فصل فیما یتعلق بوقف الأولاد من الدرر، زکریا ٦/٦٩٥، کراچی ٤/٤٦٧)

وكل ولد يحدث له بعد هذا الوقف قبل حدوث الغلة وولد الولد أبدا ومن مات منهم قبل حدوث الغلة تسقط حصته و من مات بعد ذٰلک استحق سهمة ويكون ذٰلک لورثته والبطن الأعلى والبطن الأسفل فی ذلک علی السواء. (فتاویٰ عالمگیری، زکریا قدیم ۲/۳۷٦، جدید ۲/۳٦۱)

مذکورہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ بانو کی موت کے بعد بانو کا حصہ بانو کے لڑکے عبدالسلام کو ملے گا اس کے بعد عبدالسلام کی لڑکیوں کو ملے گا، اسی طرح بسم اللہ کی وفات کے بعد اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملا کرے گا، اور شاہجہاں چونکہ لاولد فوت ہوئی ہے اس لیے اس کا حصہ باپ کی طرف منتقل ہوکر باپ کے ورثہ کے درمیان حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۳۰۵)

اولاد اکبر کے انتقال کے بعد مکان موقوفہ کا مالک کون؟

سوال [۷٦۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میرے دادا منشی جان محمد صاحب اور داری محترمہ بلقیس جہاں بیگم نے اپنی اولادوں کی سکونت اور آرام کے واسطے اپنی کچھ صحرائی اور سکنائی جائیدادیں وقف علی الاولاد کی تھیں، میرے دادا اور دادی کے بطن سے آٹھ بچے تھے جس میں پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تفصیل حسب ذیل ہے:

محمد سلطان، محمد عرفان، محمد نعمان، محمد فرقان، محمد ریحان، سردار جہاں، گوہر جہاں، کوثر جہاں، ان آٹھوں اولادوں کے لیے واسطے سکونت آٹھ مکان سب کو الگ الگ نمبر کے حساب سے اپنی حیات میں ہی تقسیم کر دیئے تھے، اور سب لوگ اپنے اپنے نمبر اور حصہ کے مکانوں کے بطور متولی قابض چلے آرہے ہیں، اس کی تفصیل وقف نامہ کی دفعہ ۷/ اور ۸/ میں درج ہے۔

(۲) میرے دادا نے وقف نامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے بطن کی ہر اولاد کے فوت ہونے پر اس کے حصہ و نمبر کے مکان کا متولی اس کی اولاد اکبر (بڑی اولاد) مقرر ہوگی اور ہمیشہ اولاد اکبر کو اولاد اصغر پر ترجیح دی جائیگی، اور یہ سلسلہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ بطناً بعد بطنٍ چلتا رہے گا۔

میری گذارش ہے کہ الحمدللہ میرے والد محمد عرفان صاحب باحیات ہیں ان کے پانچ بچے تین لڑکے اور دو لڑکیا ہیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں: مراد عرفان، شبلی عرفان، شمشاد عرفان، اور دو لڑکیاں: ناہید بیگم، حبیس بیگم، میرے والد کے بڑے لڑکے مراد عرفان کا انتقال ہو گیا ہے ان کے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں اور ان کی اہلیہ موجود ہیں، میری ایک بہن حبیس بیگم کا بھی انتقال ہو گیا ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ میرے والد الحمدللہ بقید حیات ہیں، میرے والد کے مکان کا ان کے بعد از روئے وقف نامہ کون متولی ہوگا، ہم دو بھائیوں میں سے یا بڑے بھائی جن کا انتقال ہو چکا ہے ان کا لڑکا یعنی میرے والد کا پوتا، اس مکان موقوفہ میں کس کو سکونت رکھنے اور متولی کے حق کو انجام دینے کا حق حاصل ہوگا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے تینوں گوشوں پر غور کیا گیا اور وقف نامہ میں جو یہ شرط لگائی گئی ہے کہ واقف کی ہر اولاد کے فوت ہونے پر اس کے حصہ کے مکان کا متولی اس کی اولاد اکبر مقرر ہوا کرے گی، اس شرط کے پیش نظر اور قانون شریعت کے پیش نظر اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ہر متولی کی موت کے وقت اس کی زندہ اولادوں میں سے جو ولد اکبر ہوگا وہی اگلا متولی ہوگا، اس لیے عرفان کی زندگی میں اس کا بڑا

لڑکا جوفوت ہوگیا ہے عرفان کی موت کے فوت شدہ لڑکے کی اولاد کی طرف تولیت منتقل نہ ہوگی، بلکہ عرفان کی موت کے وقت جو اولادیں زندہ رہیں گی اور ان زندہ اولادوں میں جو بڑا لڑکا ہوگا وہی اگلا متولی بنے گا۔

وقف علی ولده و أولادهم و نسلهم لايدخل ولد من كان أبوه مات قبل الوقف لكونه خصص أولاد الولد الموقوف عليه فخرج المتوفی قبله. (الأشباه قديم ص: ٢١٣، جديد زكريا ص: ٣٦٨)

وقف علی أولاده و أولاد أولاده و ذريته علی أن يبدأ بالبطن الأعلیٰ ثم و ثم، قلنا: لاشيئ للبطن الثانی مادام واحد من الأعلیٰ فلو مات واحد من البطن الثانی و ترک ولدا مع وجود الأعلیٰ ثم انقرض الأعلی فلا مشاركة له مع البطن الثانی لأنه من الثالث فإذا انقرض الثانی شارک الثالث. (الأشباه قديم ص: ٢١٣، جديد زكريا ص: ٣٦٨)

وحاصل جواب السبكی أن ما اختص المتوفی وهو النصف مقسوم بين أولاده الثلاثة، ولاشيئ لولدی ابنه المتوفی فی حياته ومن فات من الثلاثة عن غير نسل رد نصيبه إلی إخوته فيكون النصف بينهما. (الأشباه قديم ص: ٢١٢، جديد زكريا ص: ٣٦٦)

لو وقف علی ولده ...... لايدخل ولد ولده إن كان له ولد لصلبه فإن لم يكن له ولد لصلبه استحقه ولد الإبن، فإذا ولد للواقف ولد رجع من ولد الإبن. (الأشباه قديم ص: ١١٩، جديد زكريا ٢١٥)

ومن مات من أهل الوقف قبل استحقاقه لشيئ من منافع الوقف وله ولد استحق ولده ماكان يستحقه المتوفیٰ لو كان حيا، لكن الأرجح اختصاص الأخ، ويرجحه أن التنصيص علی الإخوة وعلی الباقين منهم كالخاص. (الأشباه قديم ص: ٢١٢، جديد زكريا ص: ٣٦٣-٣٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۱۲ھ

واقف کی شرط کی پابندی لازم ہے

سوال [۷۶۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: درخواست ہذا کے ساتھ وقف نامہ کی فوٹو کاپی منسلک ہے، براہ کرام مندرجہ ذیل مذکور حقائق کی روشنی میں از روئے شرع حق تولیت کس کو پہنچتا ہے، تحریر فرمائیں؟

(۱) مسماۃ بستی بیگم بنت شیخ امین الدین زوجہ مولوی بشیر الدین نے اپنا مملوکہ و مقبوضہ ایک قطعۂ مکان واقع محلّہ مغلپورہ اول مرادآباد، مؤرخہ ۹/اکتوبر ۱۹۴۳ء کو وقف علی الاولاد معہ بیس روپیہ سالانہ مصرف خیر کے نام رجسٹری کرائی تھی۔

(۲) مسماۃ بستی بیگم مقرہ تاحیات اپنی موقوفہ کی متولیہ رہیں، اور ۱۹۴۶ء میں وفات پائی۔

(۳) بعد واقفۂ وفات واقعہ مذکورہ ان کے تنہا پسر مسمیٰ حمید الدین و حقیقی نواسہ مسمی افتخار احمد از روئے شرائط وقف ۴/ یک ساتھ متولیٔ مکان موقوفہ ہوئے۔

(۴) پسر واقفہ مسمی حمید الدین کا دخل و قبضہ مکان موقوفہ پر تاحیات ان کی رہا اور وہ لاولد ۱۹۶۵ء میں فوت ہوئے بعدہٗ ان کی زوجہ مسماۃ نور جہاں بیگم مکان موقوفہ میں رہائش رکھتی تھیں اور ۱۹۶۸ء میں وہ بھی وفات پا گئیں۔

(۵) یہ کہ واقفہ کا نواسہ مسمی افتخار احمد ۱۹۴۷ء میں پاکستان چلا گیا تھا اور وہ بھی لاولد تھا باوجود اس کے کہ شرائط وقف ۵/ کے تحت اس کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جس کو چاہے باضابطہ طور پر مکان موقوفہ کا متولی مقرر کردے مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور وہ بھی ۱۹۹۵ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

(۶) یہ کہ ایسی صورت حال میں سلسلۂ تولیت از روئے شرط ۸/ خاندانِ مقرہ کو منتقل ہوگئی۔

(۷) یہ کہ شجرۂ خاندان مقرہ بستی بیگم حسب ذیل ہے، سائل مسماۃ بستی بیگم کا سب بڑا پوتا ہے۔

نوٹ: مسماۃ بستی بیگم مجھ سائل کے والد کی حقیقی پھوپھی تھیں، یعنی سائل کی دادی ہوئیں، مجھ سائل کے دو حقیقی بھائی وسات چچیرے بھائی حیات ہیں اور سائل مسماۃ بستی بیگم واقفہ کے پوتوں میں سب سے اکبر ہے، مزید یہ کہ سائل کے مورث اعلیٰ اور مولوی بشیر الدین کے والد دو علاحدہ خاندن سے تعلق رکھتے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا سوال مبنی برصدق ہے تو موقوفہ جائیداد کے بارے میں فقہاء کرام نے ایک اصل اور ضابطۂ شرعی بیان کیا ہے وہ یہ کہ

شرط الواقف کنص الشارع. (الأشباه والنظائر قديم ص: ١٧٠، جديد زكريا ص: ٣٠٠)

یعنی شارع کی نص کے مشابہ واقف کی شرائط کا حکم ہوتا ہے، لہٰذا واقفہ بستی بیگم مرحومہ نے اپنے وقف نامہ علی الاولاد میں جو دفعات وشرائط تحریر کیں ہیں ان میں دفعہ ۵؍ سے اولاد اکبر کا متولی ہونا ثابت ہوتا ہے، دفعہ ۶؍ سے واضح ہوتا ہے کہ افتخار احمد کو لاولد ہونے کی صورت میں چار علماء کرام حنفی المذہب کو متولی سمجھا جائیگا، ان سہ دفعات وشرائط کے مدنظر حسب سوال سائل اولاد اکبر واحد حسین عثمانی ہیں اور افتخار احمد مرحوم نے اپنی زندگی میں کسی کو متولی بھی مقرر نہیں کیا ہے، نیز سلسلۂ خاندانی مقرہ واقفہ میں واحد حسین عثمانی ہوتے ہیں، لہٰذا تولیت کا حق واحد عثمانی کو ہی ان کے سوالات اور واقفہ مقرہ کی دفعات وشرائط کی روشنی میں شرعاً ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: الطاف الرحمٰن بچھرایونی
۳؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
مدرسہ حیات العلوم مرادآباد

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۳۲/۳۴)

تولیت میں واقف کی شرائط کا حکم

سوال [۷۶۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں میرے دادا مرحوم چھوٹے ولد بادا اللہ شیخ روغن گر محلّہ باڑہ شاہ صفا نزد لال

مسجد مرادآباد نے ایک مکان جس میں چار کمرے اور چار دو کانیں ہیں محلّہ کسرول جھبو اکا نالہ کے سامنے واقع بذریعہ وقف نامہ ۱۹؍ جولائی ۱۹۳۲ء میں رجسٹری ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں کرائی اور اس کی رجسٹری سب رجسٹرار صاحب سے مرادآباد میں کرائی تھی، نمبر ایک جلد نمبر ۵۹۶؍ کے صفحات نمبر ۲۳۱-۲۳۳ میں سلسلہ نمبر ۲۰۵۷ وقف نامہ علی الاولاد و نسل درنسل کر دیا تھا، چھوٹے مشکور نے اس طرح تحریر کیا ہے کہ میری ہی نسل میں سے متولی رہے گا، دیگر برادری کے یا دیگر قوم کا متولی نہ ہوگا، میری نسل ختم ہو جائے تو میرے رشتہ دار اور خاندان کا متولی ہوگا، میرے رشتہ داران کے بعد میری برادری کے پانچ آدمی چن کر متولی قائم کر لیے جائیں، میری برادری ختم ہو جائے تو ایسی صورت میں محلّہ کے پانچ آدمی چن کر متولی قائم کر دیئے جائیں، میرے محلّہ والے متولی نہ بننا چاہیں تو ایسی شکل میں مدرسہ شاہی مسجد کو متولی بنایا جائے، اور باہتمام منتظم شاہی مدرسہ متولی مذہب اہل سنت والجماعت مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہوگا، غیر قوم یا مذہب کا کوئی متولی نہ ہوگا، اور جو متولی جائیداد موقوفہ کا ہوگا، واقف نے وقف نامہ میں تحریر کر دیا ہے، کہ اس مکان میں میرے متولی سکونت کرتے رہیں گے، سکونت کے بعد اس مکان کی جتنی آمدنی ہوگی اس کے چار حصے کر کے ایک حصہ کار خیر میں خرچ ہوگا، ایک حصہ مکان کی مرمت میں خرچ ہوگا، دو حصے میری دختران اور نواسیوں کو دیتا رہے گا، نواسیوں کے بعد کسی اور آمدنی نہیں دی جائے گی وقف نامہ میں یہ بھی تحریر ہے کہ میرا متولی عبدالرحمٰن رہے گا، عبدالرحمٰن جس کو چاہے گا اس کو متولی مقرر کر دے گا، بعد عبدالرحمٰن ذکور پسر اکبر اس کا متولی بنے گا، اسی طرح سے سلسلۂ نسل درنسل بطن دربطن چلتا رہے گا کسی غیر قوم کا متولی نہ ہوگا، وقف نامہ کی روسے تحریر لکھی گئی ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ چھوٹے مرحوم کی نسل حیات ہے، پوتے پڑپوتے حیات ہیں، وقف نامہ میں چھ نام درج ذیل ہیں:

(۱) نسل درنسل بطن دربطن۔

(۲) رشتہ داران حیات ہیں۔

(۳) خاندان حیات ہے۔

(۴) میری برادری حیات ہے۔

(۵) محلّہ والے حیات ہیں۔

(۶) مدرسہ شاہی مسجد حیات ہے۔

اس لیے علماء دین ومفتیان کرام سے مؤبانہ التماس ہے کہ مسئلۂ ذیل کے بارے میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف نامہ اور سوالنامہ کو بار بار پڑھا گیا، وقف نامہ میں واقف کی طرف سے جو شرائط وقیودات لکھی جاتی ہیں ان کی رعایت اور ان کی پابندی کرنا بعد والوں پر لازم ہو جاتی ہے اور وقف نامہ میں خاص طور پر دو چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی:

(۱) مذکورہ موقوفہ جائیداد کی آمدنی کا مصرف کیا ہوگا؟

(۲) جائیداد موقوفہ کا متولی کون ہوگا؟

ان دونوں باتوں میں سے آمدنی کے بارے میں وقف نامہ میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ چار حصہ کر کے ایک حصہ کار خیر میں خرچ ہوگا اور دوسرا حصہ مرمت وغیرہ میں خرچ ہوگا، اور دو حصے واقف کی دونوں لڑکیوں کو دیئے جائیں گے، اور وصولی کی رسید بھی حاصل کی جائیگی، اور دونوں لڑکیوں کی صلبی اولاد یعنی مرحوم کے نواسے اور نواسیوں کو دختر ان کے بعد ملا کریں گے، اور نواسے اور نواسیوں کے بعد نیچے کی اولاد کو نہیں دیا جائیگا، بلکہ یہ آمدنی مدرسہ شاہی کو ملا کرے گی، لہٰذا واقف کی اس شرط کی پابندی بعد والوں پر نہایت ضروری ہوگی، سوالنامہ میں سائل نے اس بات کو واضح نہیں کیا ہے کہ نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یا نہیں؟ لہٰذا اگر نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یا دختر ان زندہ ہیں تو آمدنی کے چار حصوں میں سے دو حصے ان کو ملتے رہیں گے، اور اگر نواسے اور نواسیاں موجود نہیں ہیں تو آمدنی کے چار حصہ کر کے دو حصہ مدرسہ شاہی میں پیش کر دینا لازم و واجب ہوگا، اب سائل خود دیکھ لے کہ دختر ان یا نواسے اور نواسیاں زندہ ہیں یا نہیں، اور واقف نے دوسری شرط زیادہ اہمیت سے یہ لکھی ہے کہ تولیت کی ذمہ داری واقف کے بعد واقف کے چھوٹے بیٹے عبد الرحمٰن کو حاصل رہے گی، اور عبد الرحمٰن

کے بعد عبد الرحمٰن کی اولاد یا عبداللہ کی اولاد میں سے جس کو عبد الرحمٰن باصلاحیت اور اہل سمجھے اس کو متولی بنائے گا، اور سوالنامہ میں سائل نے لکھا ہے کہ واقف کا پوتا زندہ ہے اگر واقف کا پوتا باصلاحیت امانتدار ہے اور وقف جائیداد کی آمدنی کو واقف کی شرائط کے مطابق خرچ کریگا اور دیانتداری اور خوف خدا اس پر غالب ہے اور خاندان کے لوگ اس کو متولی بنانے میں مطمئن ہیں تو وہ متولی بن سکتا ہے، مگر خاندان کے اہم دیندار لوگوں کے مشورہ سے جیسا کہ وقف نامہ میں واقف نے اس طرح شرط لگائی ہے۔

شرط الواقف كنص الشارع أى فى المفهوم والدلالة ووجوب العمل به. (در مختار مع الشامي، كتاب الوقف مطلب فى قولهم شرط الواقف كنص الشارع، كراچى ٤/٤٣٣، ٦/٦٤٩)

لأن شرط الواقف معتبر فيراعىٰ كالنص وعليه الفتوىٰ. (مجمع الأنهر قديم ١/٧٤٣، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۳/۹۲۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱ھ

وقف علی الاولاد کی صورت میں نسل ختم ہونے پر متولی کون ہوگا؟

سوال [۷٦۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں شیخ محمد عبد الہادی عرف محمد جان خلف منشی عبد الحکیم صاحب مرحوم قوم شیخ اپنے پیشہ زمینداری وٹھیکہ داری محلّہ شیدھی سرائے مرادآباد اپنی تمام جائیداد ہائے صحرائی و سکنائی مندرجہ دستاویز ہذا فاتیسی مبلغ نو ہزار اٹھانوے روپیہ کچھ آنہ کا بذریعہ خریداری و نیز بذریعہ خود بلا شرک غیر کے مالک اور قابض ہوں، اور مذکورہ جائیداد اس وقت تمام قسم کے مؤاخذہائے شرعی وقانون سے پاک ہے، میں نے مندرجہ دستاویز کی بابت یہ تجویز کیا کہ میں ان تمام جائیدادوں کا اپنی حیات میں شریعت کے احکام کے مطابق ایسا انتظام کردوں جس

کی آمدنی سے میں اور میری زوجہ اور اولا دنسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن اور اگر میری کوئی اولاد پیدا نہ ہو تو میرے بھائی منشی عبدالباری صاحب مرحوم کی لڑکی نایاب بیگم اور اس کی اولاد اور اس کے شوہر کی پرورش و پرداخت ہوتی رہے، اور خیراتی امور بھی انجام پاتے رہیں، اور اگر خدانخواستہ میری بھتیجی نایاب بیگم کی نسل میں بھی کوئی اولاد مذکر موجود نہ رہے تو اس وقت جائیداد ہٰذا کی کل آمدنی خدا کی راہ میں خیراتی امور میں خرچ ہوئے تاکہ خوشنودئ خدا اور رسول ہو، مجھے اور میرے وارثین کو ثواب اخروی ملتا رہے، لہٰذ میں حسب ایکٹ نمبر ۶/۱۹۱۳ء آج کی تاریخ سے تمام جائیداد مذکورہ دستاویز ہٰند کے تحت تمام متعلقات وتوابعات سے تمام حقوق داخلی و خارجی کے اور بغیر کسی استثناء کے حق آمدنی کو اپنی ذات اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد در اولاد نسلا بعد نسل کی پرورش و پرداخت کے واسطے اور نیز انجام دہی خیراتی امور کے واسطے جن کی تصریح ذیل میں ہے وقف کرتا ہوں، اور اپنے قبضہ اور ملکیت سے نکال کر اللہ کی ملکیت میں دیتا ہوں، اور آج کے بعد میں اور میرا کوئی وارث اس کا مالک نہیں رہا۔

شرائط و مقاصدِ وقف جن پر ہمیشہ عمل ہوتا رہے گا۔

(۱) اپنی زندگی میں خود متولی رہوں گا، مجھ کو اپنے زمانۂ تولیت میں جائیداد موقوفہ میں تصرف کرنے اور ان کے متعلق ہر طرح کے انتظامات کرنے اور ان کی آمدنی اپنی مرضی سے اپنی اور اپنی زوجہ اور اپنی اولاد کی پرورش و پرداخت کرنے اور خیراتی امور میں خرچ کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور کسی بھی شخص کو اس میں دخل اندازی کا حق نہ ہوگا۔

(۲) میرے بعد میری زوجہ اختری بیگم متولیہ ہوں گی اور ان کو میری طرح تمام جائیداد کو اپنے تصرف میں رکھنے کا اور ان کے متعلق ہر طرح انتظامات کرنے کا حق حاصل ہوگا لیکن ان پر یہ لازم ہوگا کہ وہ جائیداد موقوفہ کہ آمدنی حسب ذیل طریقہ سے خرچ کریں:

(۳) اس کے بعد میں اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد از قسم اناث جائیدادہائے موقوفہ کی متولی مقرر رہوگی۔

(۴) اگر خدانخواستہ میری کوئی اولاد پیدا نہ ہو یا میری زوجہ کی حیات میں کوئی اولاد

موجود نہ رہے تو متولیہ میری بھتیجی نایاب بیگم مقرر ہوگی۔

(۵) اورمیری بھتیجی کے انتقال پر اس کی اولاد اکبر از قسم ذکور متولی ہوگی۔

(۶) اور اگر خدانخواستہ میری بھتیجی کی نسل میں کوئی اولاد ذکور موجود نہ رہے تو اس وقت جائیداد مذکورہ کا متولی مذہبی، دیانت دار، اہل سنت والجماعت میں سے کوئی شخص بحکم عدالت مجاز مقرر ہوگا، جو کمیٹی کی نگرانی میں جس کو عدالت مقرر کرے گی تولیت کی خدمت انجام دے گا، اوراب عبدالہای کے اولاد ختم ہونے کے بعد واقف کی شرائط کے مطابق عبد الہادی کی اکلوتی بھتیجی نایاب بیگم کومتولیہ بنا دیا گیا تھا، ۷۸ء کو نایاب بیگم کا انتقال ہو گیا اور نایاب بیگم کی نسل میں کوئی اولاد ذکور وانا ث بھی باقی نہ رہی اور نہ اس کا شوہر البتہ عبدالحکیم کے بھائی اورعبدالہادی واقف کے تایاعبدالرحیم کی دوسری نسل میں عبدالساجد ولدعبدالاحد ولد عبدالرحیم موجود ہیں، ان کے علاوہ اس نسل میں بھی اب کوئی دیگر فرد حیات نہیں ہے، یعنی عبد الساجد کے علاوہ عبدالہادی کے کنبہ میں اب کوئی فرد موجود نہیں ہے تو ان حالات میں مذکورہ وقف نامہ کے شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے عبدالساجد ولدعبدالاحد، عبدالہادی کی جائیداد کا متولی ازروئے شرع بن سکتا ہے یا نہی؟ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب واقف کی نسل ختم ہونے کے بعد نایاب بیگم کی نسل بھی ختم ہو چکی ہے تو واقف کی شرائط کے مطابق مذکورہ جائیداد موقوفہ کا متولی اہل سنت والجماعت میں سے عدالت مجاز کے حکم سے کمیٹی کی نگرانی میں کوئی مذہبی دیانتدار شخص ہی ہو سکتا ہے، عبدالساجد ولد عبدالاحد محض خاندانی ہونے کی بنیاد پر مذکورہ جائیداد کا متولی شرعاً نہیں بن سکتا، کیونکہ واقف کی شرائط واغراض کی مخالفت جائز نہیں ہے، نیز واقف کی شرائط کے مطابق مذکورہ جائیداد کی کل آمدنی دیانتدار اور متولی کی نگرانی میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنی واجب ہوگی۔

القضاء بخلاف شرط الواقف كالقضاء بخلاف النص لاينفذ لقول العلماء شرط الواقف كنص الشارع. (الأشباه والنظائر قديم ص: ۱۷۰، جديد

زکریا ۳۰۰، شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، زکریا ٦/٦٤٩، کراچی ٤/٤٣٣)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقف واجبة الخ. (شامی کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۷۰)

وقف علی الاولاد میں واقف کی اولاد کے علاوہ کا متولی بننا

سوال [۷۶۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ منیراً بنت نجابت علی مرحوم نے اپنی ایک آراضی ۱۸۹۰ء میں وقف علی الاولاد کیا اور کچھ حصہ آمدنی قبرستان اور مسجد وغیرہ کے لیے وقف کیا، اور وقف نامہ میں بصراحت لکھا کہ اس آراضی کا متولی میرے خاندان کا لائق آدمی رہے گا، اور ۱۸۹۰ء سے خاندان سے ہی متولی ہوتے رہے اب ایک شخص گلزار عابد خاں ولد ابّن خاں ساکن شیدی سرائے مرادآباد نے عدالت میں یہ دکھا کر کہ منیراً کے خاندان میں کوئی زندہ نہیں ہے اس آراضی کا ۱۹۹۰ء میں متولی بن گیا جبکہ منیراً کے خاندان میں نرینہ اولاد پڑپوتے سلیمان، محبوب حسین، سلطان حسین وغیرہ موجود ہیں، تو گلزار حسین کا متولی بننا از روئے شرع جائز ہے یا حسب تحریر وقف نامہ ناجائز ہے، شرعی حکم تحریر فرمادیں؟ کرم ہوگا۔

المستفتی: محبوب حسین ولد علی حسین گل شہید مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں منیراً بنت علی مرحوم کا وقف علی المقابر اور اس کی ولایت اپنی اولاد کے حق میں کرنا جائز ہے اور جب تک واقف کی لائق اولاد موجود رہے گی دوسرا کوئی بھی شخص اس آراضیٔ موقوفہ کا متولی نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا مسئولہ

صورت میں گلزار عابد خان کا متولی بننے کی کوشش کرنا شرعاً نا جائز ہے، وہ متولی نہیں ہوسکتا ہے۔

شـرط الواقف كنص الشارع. (شـامـی، کتـاب الـوقف مطلب فی قولهم شرط الواقف كنص الشارع، زكريا ٦/٦٤٩، كراچی ٤/٤٣٣، قواعد الفقه اشرفی دیو بند ص: ٨٥)

ومراعات غرض الواقفين واجبة. (شامی زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

ولـو جـعـل الـولاية لأفـضـل أولاده وكـانـوا فی الفضل سواء تكون لأكبـرهـم سـنـا ذكـرا كـان أو انثیٰ ولو لم يكن فيهم أحد أهلا لها فالقاضی يقيم أجنبيا إلى أن يصير أحد منهم أهلا لها فترد إليه. (هندية، الباب الخامس فی ولاية الوقف زكريا قديم ٢/٤١١، جديد ٢/٣٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/ ربیع الاول ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/ ٥٢١٤)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/٣/٨ھ

وقف علی الاولاد کا متولی کون ہو؟ اس کو فروخت کرنے اور اس میں رہائش اختیار کرنیکا حق کس کو ہے؟

سوال [٧٦٤٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فیاض حسین ولد محمد بخش ومسماۃ عزیزن زوجہ فیاض حسین کا ایک مکان پختہ واقع محلّہ تمبا کو والان مرادآباد میں ہے، فیاض حسین کی کوئی اولاد نہیں ہے، عزیزن نے اپنے بھائی منشی عظیم الدین کے لڑکے جناب عین الدین عرف مونے میاں کو گود لے کر اپنی اولاد کی طرح پرورش کی اور شادی بھی کی، مکان کو ہر طرح کے ضرر وشرر سے محفوظ رکھا، بلا اکراہ و اجبار برائے راحت ورہائش اپنے واپنے پسر متبنیٰ مذکور، برائے حصول ثواب اخروی وقف علی الاولاد ١٤/١٠/ اکتوبر ١٩٤٨ء کو تحریر لکھ کر رجسٹری آفس میں رجسٹری کرادی، اس تحریر میں فریق اول فیاض حسین تاحیات متولی رہیں گے، اور ان کو تاحیات سکونت واختیارات کرائے پر دینے کے ہر طرح کے حاصل ہوں گے، کوئی شخص حساب لینے یا کسی طور پر دخل دینے کا مجاز نہ ہوگا، فریق اول کے بعد ان کے پسر عین الدین عرف مونے میاں کو متولی ہونے کا حق حاصل

ہوگا، اور جو اختیارات فریق اول کو حاصل ہوں گے وہ اختیارات عین الدین عرف مونے میاں کو حاصل ہوں گے، عین الدین عرف مونے میاں کے بعد ان کی اولاد ذکور میں جو شخص قابل تولیت بموجب تولیت نامہ ہوگا وہ متولی نسل در نسل بدلتا رہے گا، اور ہر متولی کو اپنی حیات میں متولی نامزد کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔

عین الدین عرف چھوٹے میاں نے دو شادیاں کی، پہلی بیوی کا انتقال ۱۹۴٦ء کو ہوا، اس وقت یہ تحریر نہیں لکھی گئی تھی ان سے ایک لڑکا اظہر الدین ولد عین الدین عرف مونے میاں وایک لڑکی فریدہ خاتون تھی شادی کے بعد اظہر الدین مکان کے بالائی منزل میں رہتے ہیں، عین الدین عرف مونے میاں نے ۱۹۴۷ء میں نسیمہ خاتون سے دوسری شادی کی ان سے چار لڑکے (۱) ضیاء الدین (۲) صغیر الدین (۳) نوید الدین (۴) عبید الدین۔

چھ لڑکیا: نوشاد جہاں، انور جہاں، کوثر جہاں، منور جہا، ثروت جہاں، کشور جہاں (یہ طلاق شدہ ہیں) اور ضیاء الدین اپنے بھائی کے ساتھ رہتی ہیں۔

عین الدین کا انتقال ۱۹۷۵ء کو ہوا اور تمام ذمہ داریاں عین الدین کے پسر ضیاء الدین نے سنبھالیں والد کا کاروبار سب بہنوں کی شادیاں، بھائیوں کی شادی، پڑھائی تمام اخراجات کی ذمہ داری آج تک انہوں نے ہی سنبھال رکھی ہے، ۱۹۷۵ء میں والد کے انتقال کے بعد سب نے مل کر والد کے مال ومتاع میں بٹوارہ کرکے اپنے اپنے حصے لے لیے، ۱۹۸۳ء میں اظہر الدین ولد عین الدین کا انتقال ہوگیا، ان سے دو لڑکے مظہر الدین، اظہر الدین اور تین لڑکیا: غزالہ پروین، سیما پروین، فوزیہ پروین ہیں، اس تفصیل کے بعد درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) دین وشریعت اور وقف نامہ کی روشنی میں اس وقت وقف ہذا کا متولی کس شخص کو ہونا چاہیے؟

(۲) خاندان بڑا ہے مکان چھوٹا ہے اس وجہ سے کیا مکان کو تقسیم کیا جاسکتا ہے تاکہ اپنا اپنا حصہ بنوا کر رہا جاسکے؟

(۳) کیا متولی کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو مکان میں رہنے سے منع کرے اور خالی کرنے

کے لیے کہے؟

(۴) اگر مکان تقسیم کیا جائے تو اس کو کس طرح سے کیا جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عین الدین کے انتقال کے بعد عین الدین کا بیٹا اظہر الدین وقف نامہ کی شرائط کے مطابق متولی رہا اور اب اظہر الدین کے انتقال کے بعد عین الدین کے لڑکوں میں جو زیادہ دیانت دار متبع شریعت ہوگا اس کو تولیت کا حق پہنچے گا۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی، زکریا ٦/٦٤٩، کراچی ٤/٤٣٣)

(۲) مکان جب چھوٹا ہے اور خاندان بڑا ہے تو اس مکان کے اوپر منزلہ بنا کر کے الگ الگ رہائش اختیار کرنے کی گنجائش ہے مگر اسے فروخت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحیح البخاری، الوصایا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٥)

إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه. (هدايه، اشرفی دیوبند ٢/٦٤٠، هنديه، زکریا قدیم ٢/٣٥٠، جدید ٢/٣٤٦)

(۳) جب مکان واقف کی اولاد کے علاوہ کسی اور کے پاس کرایہ پر نہیں ہے بلکہ صرف واقف کی اولاد ہی اس مکان میں رہتی ہے تو متولی کو یہ حق نہیں ہے کہ واقف کی اولاد میں سے کسی

کو رکھے اور کسی کو رہنے سے منع کردے، بلکہ اس مکان سے فائدہ اٹھانے کا سبھی کو حق ہے۔

(۴) اس کا جواب نمبر۲ر میں آگیا ہے۔

نعم لأن للناظر التصرف في الوقف بما فيه الحفظ والمصلحة وحيث عرض المتولي المشروط له. (تنقيح الفتاویٰ الحامدية، كتاب الوقف الباب الثالث في أحكام النظائر ۱ /۲۲۱، مكتبه ميمنيه مصر بحواله فتاویٰ محموديه ڈابھيل ۱۴ /۳۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۶)

وقف علی الاولاد جائیداد کو میراث کی طرح تقسیم کرنا

سوال [۷۶۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شارق شکیل کو ایک قطعہ مکان اور باغ دو کانیں وراثت میں ملیں یہ مکان میری دادی کو ان کے والد کی وراثت میں ملا تھا، جس کو میرے والد مرحوم نے تعمیر کر دیا تھا، اس مکان کو حافظ مہربان علی صاحب (میری دادی کے والد) نے تقریباً ۱۹۳۵ء میں وقف علی الاولاد کر دیا تھا، ان کا انتقال ۱۹۶۵ء میں ہوا جس کی وجہ سے اس وقف نامہ کو اس وقت کے عالموں کو دکھایا گیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وقف نامکمل ہے اس وقت مجلس میں جو لوگ موجود تھے انہوں نے بتایا کہ:

(۱) اس وقف میں فی سبیل اللہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس وقف کی آمدنی کو صرف واقف کے پوتے امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں اور انوار النساء کی پرورش اور شادی وغیرہ میں صرف کرنے کو لکھا ہے، جو کہ ان کی حیات میں ہی پوری ہوگئی۔

(۲) وقف میں علی الخیر کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی وقف کی آمدنی کا کوئی حصہ اللہ کی راہ میں صرف کرنا لکھا ہے یہ وقف صرف اپنی اولادوں تک محدود ہے علی الخیر کا اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، لہٰذا اس وقف کو ختم کر کے سبھی وارثانِ مہربان علی جن میں ان کا ایک بیٹا چار بیٹیاں ایک پوتا ایک پوتی حیات تھے، ان سب لوگوں کی موجودگی میں مہربان علی کی وراثت کا حصہ بنالیا گیا۔

(۳) وراثت کی تقسیم میں مذکورہ مکان کا آدھا حصہ اورایک دوکان میری دادی کے حصہ میں آئی اور آدھا مکان اورایک دوکان دادی کی بہن کے حصہ میں آئی، ایک دوکان مہربان علی کے بیٹے کے حصہ میں آئی، دو دروازوں والی دوکان ایک پوتا امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں کے حصہ میں آئی۔

(۴) اس تقسیم کے بعد میرے والد اور دادا نے مکان پر قابض کرایہ داروں کو روپیہ دے کر مکان خالی کرایا، اور میرے والد نے اس مکان کو تعمیر کرائی، میری دادی کی بہن کے حصہ کو بھی میرے والد نے روپیہ دے کر خرید لیا دو دروازوں والی ایک دوکان میرے دادا نے مہربان علی کے پوتے امتیاز علی اور روشن جہاں سے خرید لیا جس کی رجسٹری موجود ہے، ایک دوکان جو مہربان علی کے بیٹے کے حصہ میں آئی تھی اسے بھی روپیہ ادا کر کے خرید لیا، یہ ساری تقسیم علماء اور خاندان کے بزرگ حضرات اور وارثان مہربان علی کی موجودگی اور سہمتی سے ہوئی جس کے کچھ گواہان آج بھی موجود ہیں۔

راقم الحروف اس جائیداد کے مسئلہ میں آپ کی رائے جاننے کا خواہشمند ہے:

(۱) کیا جس وجہ سے میری معلومات کے مطابق اس وقف کو ختم کر کے وارثت میں تقسیم کیا گیا ہے صحیح ہے یا اس وقف کو ختم کرنے کی دیگر وجوہ بھی ہیں؟

(۲) جن لوگوں کو اس وقف میں متولی بنایا تھا انہوں نے علماء کی موجودگی میں اس وقف کو ختم کر کے وراثت میں تبدیل کرلیا، اور اپنے حصہ کی جائیداد کو فروخت کردیا تو کیا یہ وقف پھر بن سکتا ہے؟

(۳) کیا یہ وقف دوبارہ سے قائم ہوسکتا ہے تو ہماری کیا حیثیت رہے گی؟

(۴) کیا اس وقف علی الاولاد کو ختم کر کے وراثت میں شامل کیا گیا تو یہ تقسیم وراثت صحیح ہوئی ؟

(۵) کیا میری دادی اوران کی بہن کو وراثت میں صحیح حق مل گیا؟

مہربان علی کے پوتے امتیاز علی اور پوتی روشن جہاں اس وقف کو دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں جبکہ وقف ختم کرنے اور وراثت تقسیم کرنے میں وہ پیش پیش تھے اور وہ وراثت

کے ذریعہ ملی دوکانوں کو میرے دادا کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں؟

المستفتی: شارق شکیل رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وقف کی تین قسمیں ہیں: (۱) وقف علی اللہ جیسا کہ مساجد مقابر وغیرہ کا وقف ہوتا ہے، اسی طرح مدارس کا وقف (۲) وقف علی الفقراء: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی جائیداد کی آمدنی کو فقراء پر خرچ کرنے کے لیے وقف کیا جائے اور فقراء و مساکین پر خرچ کا سلسلہ جاری رہے (۳) وقف علی الاولاد: اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مالک جائیداد کو یہ خطرہ ہے کہ اس کے بعد اولاد جائیداد کو خرد برد کر کے ختم کر دے گی اس سے بچنے کے لیے اس طریقہ سے وقف کیا جاتا ہے کہ جائیداد کو فروخت کرنا، ہبہ کرنا وغیرہ جائز نہیں ہوگا، اور کسی شخص کو مالک بنانا بھی درست نہیں ہوگا، بلکہ اولاد ان جائیداد میں رہائش اختیار کر کے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا جائیداد کو کرایہ وغیرہ پر دے کر اس کی آمدنی اولاد کے درمیان ان کے تناسب کے حساب سے تقسیم ہوتی رہے گی، اس طرح سے وقف کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں، اور وقف علی الاولاد کے لیے وقف علی الخیر اور فی سبیل اللہ وغیرہ کی قید لگانا مشروط نہیں ہے، لہٰذا مورث اعلیٰ جس نے وقف علی الاولاد کیا تھا وہ وقف اپنی جگہ درست تھا، اور بعد میں اسے میراث بنا کر تقسیم کرنا درست نہیں تھا، اور اس کے بعد جس طریقہ سے کسی سے کسی نے خریدا کسی نے کسی کو فروخت کیا کسی کو دوسرے سے وراثت میں ملا یہ سب چیزیں اس ایک غلطی پر موقوف ہیں جس میں وقف کو ختم کر کے میراث بنا لیا گیا ہے، اب اس الجھاؤ کو کس طریقہ سے ختم کیا جائے وہ خود اصحاب معاملات جانیں۔

عبارة المواهب فی الوقف علی نفسه وولده و نسبه و عقبه جعل ريعه لنفسه أيام حياته ثم و ثم جاز عند الثانی وبه يفتی. (شامی، کتاب الوقف، فصل فیما یتعلق بوقف الأولاد من الدرر، کراچی ٤/٤٦٧، زکریا ٦/٦٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱۶ھ

وقف علی الاولاد کی جائیداد کی تقسیم

سوال [۷٦۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نواب ساجد خاں کا انتقال ہوگیا، ان کے ورثاء میں پانچ لڑکے، پانچ لڑکیاں ہیں، ترکہ میں وقف علی الاولاد دادا الٰہی جائیداد ہے اس میں کس وارث کو کتنے کتنے حصے ملیں گے؟

المستفتی: محمد اویس، میاں سرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف علی الاولاد کا حکم شرعی یہ ہے کہ جو جائیدادیں وقف علی الاولاد کی گئی ہیں، ان کو فروخت کرنا جائز نہیں، صرف ان کی آمدنی وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اولاد کے درمیان تقسیم ہوا کرے گی، اگر وقف نامہ میں آمدنی تقسیم ہونے کے بارے میں کوئی شرط اور تفصیل نہیں لکھی ہے، بلکہ صرف یہ لکھا ہے کہ میری اولاد کے درمیان اس کی آمدنی تقسیم ہوا کرے گی، تو ایسی صورت میں اولاد ذکور واناث سب کو برابر آمدنی کا حصہ ملتا رہے گا، اور سوالنامہ میں درج ہے کہ پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں موجود ہیں، لہٰذا مذکورہ جائیداد کی آمدنی دس حصوں میں تقسیم ہوکر ہر لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ ملا کرے گا۔

رجل قال أرضي هذه صدقة موقوفة على ولدي كانت الغلة لولد صلبه يستوي فيه الذكر والأنثى لأن إسم الولد مأخوذ من الولادة والولادة موجودة فى الذكر والأنثى. (قاضيخان فى هامش الهندية ٣/ ٣١٩)

وصحح قاضيخان دخول البنات فيما إذا وقف على أولاده و أولاد أولاده وهو المعمول به الآن، ولا يفضل الذكر على الأنثىٰ فى القسمة بينهم. (مجمع الأنهر قديم ١/ ٧٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۸٦)

وقف علی الاولاد جائیداد کی تقسیم کا ایک مسئلہ

سوال [۷۶۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدوی کے والد کو انتقال ہوئے قریب پانچ سال کا عرصہ ہوا ہے، ان کے پسماندہ گان میں فدوی کی والدہ تین بہنیں اور فدوی خود موجود تھے، ایک سال قبل ایک بہن کا انتقال ہو چکا ہے، والد کے انتقال کے وقت والد کا ایک اوقافی پلاٹ ۴۰×۳۵ نزول پر حاصل کیا ہوا تھا، جس پر والد صاحب اپنے اخراجات سے ایک کمرہ ۱۰×۸ تعمیر کروا کر رہ رہے تھے، پھر فدوی اس پلاٹ کے مابقیہ حصہ پر اپنے اخراجات سے اس تعمیر میں وقتاً فوقتاً اضافہ کرتے ہوئے قابل رہائش شکل دی، کل تعمیر اینٹ مٹی اور ٹین پوش پر مشتمل ہے، اس پلاٹ اور جملہ مکان کے جملہ ٹیکس واجبات فدوی اپنے ذاتی اخراجات سے ادا کرتا آرہا ہے، مرحومہ بہن اور ان کی اولاد عرصۂ دراز سے اس مکان میں رہتے آرہے ہیں، چونکہ وہ مطلقہ تھیں، مرحومہ کے دو لڑکے اور ایک لڑکی جو بالغ ہیں موجود ہیں، والد کی اس میراث سے ایک بہن اپنا حصہ طلب کر رہی ہے، میراث کی تقسیم بموجب شرع تفصیلاً عرض کر دیں؟

المستفتی: محمد معروف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ما تقدم وعدم موانع ارث مرحوم کی جائیداد وترکہ بوقت وفات موجود ورثاء کے درمیان حسب ذیل نقشہ کے مطابق تقسیم ہوگا، نیز یاد رکھئے کہ اوقافی نزول کی زمین پر صرف حق رہائش حاصل ہوتا ہے، فروختگی کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

۴۰/۸

مرحوم میـــــــــــــــــــت

بیوی	لڑکا	لڑکی		لڑکی	لڑی
۱/۵			۷		
	۱۴	۷		۷	۷

مذکورہ مکان اور دیگر ترکہ ۴۰ر سہام میں تقسیم ہوکر بیوی کو ۵ر اور لڑکے کو ۱۴ر اور لڑکیوں کو ۷ر ۷ر ملیں گے، اور مرحومہ لڑکی چونکہ باپ کی وفات کے وقت زندہ تھی اس لیے باپ کی وارثہ ہوجائے گی، اور اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملے گا، اور بعد میں لڑکے نے جو کچھ ذاتی پیسہ سے تعمیر کی وہ اس کی طرف سے تبرع ہوگا، کیونکہ خرچ کرتے وقت دیگر ورثاء سے اس کی اجازت نہیں لی ہے، ہاں البتہ دیگر ورثاء بخوشی اس خرچہ کو مجریٰ کرانے پر راضی ہوجائیں، تو کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/۹۴۲۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۹ھ

وقف علی الاولاد میں مذکر ومؤنث سب شامل ہوتے ہیں

سوال [۷۶۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنے ترکہ میں کافی جائیداد چھوڑی اور جائیداد کی آمدنی بھی چھوڑی، لیکن زید نے اپنی وفات سے پہلے ایک وقف نامہ وقف علی الاولاد لکھا اس میں کہیں مذکر و مؤنث کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ زید کی کوئی لڑکی نہیں تھی، صرف تین لڑکے تھے، لیکن آگے چل کر زید کے لڑکوں کے لڑکیاں بھی ہوئیں، اب زید کے پوتے موجود ہیں اور وہ زید کی جائیداد پر قابض ہیں تو کیا ان پوتیوں کو اس جائیداد میں سے کچھ حق ملے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وقف علی الاولاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اولاد ذکور واناث سب وقف میں حقدار رہوں گے، اور مذکورہ صورت میں جب مذکر ومؤنث کا ذکر نہیں ہے اور وقف علی الاولاد ہے تو اس میں پوتوں کے ساتھ پوتیاں بھی شریک ہوجائیں گی اور آمدنی میں سے میراث کے طریقہ سے ”للذکر مثل حظ الانثیین“ یعنی لڑکے کو لڑکی کا ڈبل ملے گا۔

وبیان ذٰلک أن عبد القادر لما توفی انتقل نصیبه إلی أولاده الثلاثة وهم علی و عمر و لطیفة، "للذکر مثل حظ الانثیین" فلعلي خمساه ولعمر خمساه وللطیفة خمسه وهذا هوا الظاهر عندنا. (الأشباه قدیم ص: ٢٠٦، جدید زکریا ص: ٣٥٧)

رجل قال: أرضی هذه صدقة موقوفة علی ولدی کانت الغلة لولد صلبه یستوی فیه الذکور والأنثیٰ. (قاضیخان کتاب الوقف، فصل فی الوقف علی الأولاد زکریا جدید ٣/ ٢٢٤، وعلی هامش الهندیة زکریا قدیم ٣/ ٣١٩، هندیه، قدیم ٢/ ٣٧٣، جدید ٢/ ٣٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۸۱)	۱۴۱۶/۳/۱۱ھ

وقف علی الاولاد میں تولیت کا حق کس کس کو حاصل ہے؟

سوال [۷۶۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب حاجی کلن نے اپنی دو جائیدادوں (ایک مکان مسکونہ واقع محلّہ گل شہید پختہ باغ، ایک دوکان کاروبار کپڑا، بازار منڈی چوک مرادآباد) کی بابت ایک وقف نامہ ۱۹۳۲ء میں علی الاولاد وعلی الخیر کیا تھا اس کے بعد تین مکانات حاجی کلن نے اور خریدے اور سال ۱۹۳۵ء میں پہلے وقف نامہ کا ذکر وترمیم کرتے ہوئے دوسرا وقف نامہ علی الاولاد وعلی الخیر کردیا، وقف نامہ میں واقف نے اپنی دختر مسماۃ بانو کو بھی تحریر کیا تھا مگر حکم خداوندی کہ بانو کا واقف کی حیات میں ہی ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوگیا، اور اس نے اپنا ایک پسر عبد السلام چھوڑا، دونوں وقف ناموں کی نقول سوال کے ساتھ ہمرشتہ ہیں۔

۱۹۴۷ء میں حاجی کلن (واقف) نے اپنے انتقال پر مسماۃ چھوٹی بیوہ اور پانچ لڑکیاں: فاطمہ، غفورن، ہاجرہ، صابرہ، بسم اللہ، (ایک لڑکی نور جہاں بھی جو مسماۃ چھوٹی اپنے ساتھ لائی تھی) اور ایک نواسہ عبدالسلام کو وارث چھوڑا۔

۱۹۵۵ء میں چھوٹی بیوہ کا انتقال ہو گیا اس نے اپنے انتقال پر اپنے بطن کی چار لڑکیوں کو: غفورن، ہاجرہ، صابرہ، نور جہاں (جو پہلے شوہر سے ساتھ لائی تھی) اور اپنے سوکن کے بطن کی دولڑکیاں فاطمہ اور بسم اللہ کو وارث چھوڑا۔

۱۹۶۶ء میں بسم اللہ نے اپنے انتقال پر شوہر حامد حسین، چار لڑکے فاخر حسین، زاہد حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، دولڑکیاں: بدرالنساء، خیرالنساء کو وارث چھوڑا۔

۱۹۸۸ء میں عبدالسلام نے اپنے انتقال پر دولڑکیاں زرینہ خاتون ونفیسہ خاتون کو وارث چھوڑا۔

۱۹۸۹ء میں مسماۃ فاطمہ کا لاولد انتقال ہو گیا، ورثاء میں تین حقیقی بہنیں، غفورن، فاخرہ، صابرہ، سوتیلی بہن نور جہاں، پانچ بھانجے: فاخر حسین، زاہد حسین، صابر حسین، ذاکر حسین، شاہد حسین، دو بھانجیاں: بدرالنساء، خیرالنساء، دو پوتیاں: زرینہ خاتون، نفیسہ خاتون دختران عبدالسلام ان کی وارث ہوئیں، ۱۹۹۳ء میں زاہد حسین نے اپنے انتقال پر چار لڑکے: افتخار حسین، اسرار حسین، شہزاد انور، جاوید انور، ۶ رلڑکیاں: زاہدہ یاسین، عابدہ بیگم، ممتاز جہاں، پروین جہاں، عشرت جہاں، مشرف جہاں، وارثان چھوڑے۔

۱۹۹۵ء میں مسماۃ صابرہ نے اپنے انتقال پر شوہر عبدالرحمٰن تین لڑکے اقبال انور، کمال انور، جلال انور، تین لڑکیاں: شہناز انور، نشاط انور، نگار انور وارث چھوڑے۔

نوٹ: بسم اللہ مرحومہ کے شوہر حامد حسین اور صابرہ مرحومہ کے شوہر عبدالرحمٰن واقف کی اولاد میں سے نہیں ہیں اور یہ وقف علی الاولاد ہے تو وقف میں کون کون حصہ دار ہوگا اور کتنا کتنا حصہ ملے گا اور کون کون محروم رہے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسماۃ چھوٹی چونکہ اولاد کے دائرے میں داخل نہیں ہے اس لیے اس سے سلسلہ جاری نہ ہوگا بلکہ وصیت واقف کی وجہ سے چھوٹی صرف اپنی زندگی میں فائدہ اٹھا سکتی تھی، اس کے بعد اس کی اولاد یا ورثاء میں آمدنیٔ وقف کا حق جاری نہ

ہوگا، بلکہ صرف حاجی کلن ہی کی اولاد میں سلسلہ جاری رہے گا، نیز بسم اللہ مرحومہ کے شوہر حامد حسین اور صابرہ مرحومہ کے شوہر عبد الرحمٰن بھی واقف کی اولاد میں داخل نہیں ہیں، اس لیے یہ لوگ بھی بسم اللہ اور صابرہ کے توسط سے مذکورہ وقف کی آمدنی میں حصہ دار نہیں ہوں گے، جن کا حق ۸/ صفر ۱۴۱۴ھ کے لکھے ہوئے فتوے میں مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۲/ ۱۴۱۶ھ

اولاد ذکور کی عدم موجودگی میں اولاد اناث متولی بنے گی

سوال [۷۶۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قادر بخش وقادر النساء نے اپنی جائیداد کو وقف علی الاولاد کر دیا اور تولیت کے حقوق پیارے جان کو دیدئے پھر پیارے جان اس جائیداد کے متولی رہے، دفعہ ۳/ میں لکھا ہے کہ پیارے جان متولی کے بعد ان کی اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور نہ ہو تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد موقوفہ کی متولی مقرر ہوگی، اور جب تک پیارے جان کی نسل کا سلسلہ باقی رہے گا ہر متولی کے بعد پیارے جان کی نسل اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاد ذکور موجود نہ ہوں تو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد موقوفہ کی متولی مقرر ہوا کرے گی، اور اس متولی پر لازم ہو گا کہ مثل پیارے جان کے جائیداد موقوفہ کی آمدنی............الخ

اس دفعہ کی روشنی میں بتلائیے کہ پیارے جان کی ایک ہی لڑکی فضیل النساء تھی جو کہ پیارے صاحب کی حیات میں انتقال کر گئی تھی، اس کی اولادوں میں دو لڑکے: بڑا لڑکا ثروت حسین اور شوکت حسین ہیں، تو پیارے جان کے انتقال کے بعد دفعہ ۳/ کی رو سے بڑا لڑکا ثروت حسین متولی ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: ثروت حسین محلہ مغل پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: چونکہ مذکورہ وقف نامہ میں لکھا ہوا ہے کہ اگر متولی

کی اولاد ذکور موجود نہ ہوتو اولا دِ اناث کوتولیت ملے گی، لہٰذا مسئولہ صورت میں واقعتاً اگر متولی کی اولاد ذکور موجود نہیں ہے تو اولا دِ اناث یعنی نواسے کومتولی بنایا جاسکتا ہے، اور حسب شرائط واقف متولی کی لڑکی کا بڑا لڑکا اس کا متولی بننے کا مستحق ہوگا۔

شـرط الواقف كنص الشارع، وفي الشامية: أي في المفهوم: والدلالة ووجوب العمل به. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع، كراچی ٤/٤٣٣، زكريا ٦/٦٤٩، قواعد الفقه اشرفي ديوبند ص:٨٥، الأشباه و النظائر قديم ص:١٧٠، جديد زكريا ص: ٣٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۸۷)

وقف علی الاولاد سے متعلق ایک جامع فتویٰ

سوال [۷۶۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اکبر حسین ولد عبدالحکیم نے کچھ جائیداد موقوفہ سے متعلق مدرسہ شاہی سے مفتی ریاض الدین صاحب پھر مفتی شبیر احمد صاحب پھر مفتی سلمان صاحب سے مختلف اوقات میں فتاویٰ حاصل کیے، اور ان ہی جائیداد سے متعلق جامعہ نعیمیہ اور مظاہر علوم سہارنپور سے اور مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی سے جوابات حاصل کیے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ مفتیان کرام کے جوابات کا الگ الگ حکم ہے، لہٰذا گذارش ہے کہ جائیدادِ موقوفہ کے تمام وقف نامے، تولیت نامے، اور مفتیان کرام کی طرف سے لکھے ہوئے تمام جوابات پر غور فرما کر صحیح رہنمائی، شریعت کی روشنی میں پیش فرمائیں تاکہ الگ الگ فتویٰ کا حکم بھی معلوم ہو جائے، اور ہم شریعت کے مطابق عمل بھی کرسکیں، تمام کاغذات سوال کے ساتھ ہم رشتہ ہیں۔

المستفتی: اکبر حسین ولد عبدالحکیم، ساکن محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل کے پیش کردہ تمام کاغذات جن میں وقف نامہ اور تبدیل تولیت نامہ اور بعد کے خرید کردہ جائیداد کے وقف کی شرائط اور مختلف دارالافتاء سے حاصل کردہ تمام جوابات بغور دیکھے گئے، سائل کے مختلف سوالات میں تولیت نامہ اور وقف نامہ میں خلط ملط بھی ہے، اب تمام کاغذات کی روشنی میں جو صحیح بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ واقف نے ۱۹۴۴ء میں جن جائیداد کے بارے میں وقف علی الاولاد کیا ہے اور اس میں واقف نے خود شرط نمبر آٹھ میں لکھا ہے کہ میں اس وقف کو کسی وقت مسترد و منسوخ نہ کرسکوں گا، لہٰذا یہ وقف علی الاولاد ہمیشہ وقف علی الاولاد ہی رہے گا، لہٰذا جن جائیداد کے بارے میں ۱۹۴۴ء میں وقف علی الاولاد کردیا تھا ان کو نہ وقف علی اللہ میں تبدیلی کرنا جائز ہوگا اور نہ وقف علی الفقراء میں تبدیل کرنا جائز ہوگا، اور نہ ہی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی ہوسکتی ہے، لہٰذا اس وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اس وقف علی الاولاد کی آمدنی میں سے جس طرح جتنا اکبر حسین کو ملے گا اتنا ہی اکبر حسین کی بہن شاہین اختر کو ملے گا، لیکن شاہین اختر کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہوگا، اور یہی بات مدرسہ شاہی سے حاصل شدہ فتویٰ ۱۵ر شوال المکرّم ۱۴۰۷ھ اور ۹ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ کا حاصل ہے، اور ۲۶ر ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے لکھے ہوئے فتوے کا حاصل بھی یہی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ۱۹۵۷ء میں واقف نے دو کام کیے: ایک کام تو یہ کیا کہ اپنے بہنوئی ننھے ولد علی بخش کے ضعیف العمری کی وجہ سے اپنے بھتیجے عبدالحکیم کو نامزد کردیا اور یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ محض تولیت کی تبدیلی کی وجہ سے نفس وقف اور شرائط وقف اور وقف علی الاولاد کی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے، اس لیے آمدنی کے مصارف اپنی جگہ بدستور باقی رہیں گے، اور مصارف میں تبدیلی جائز نہ ہوگی، اور تولیت میں تبدیلی جائز ہے، یہی مظاہر علوم سہارنپور کے فتوے کا حاصل بھی ہے، دوسرا کام ۱۹۵۷ء میں واقف نے یہ کیا ہے کہ اس نے کچھ نئی جائیداد خریدی ہے اور ان نئی جائیدادوں کے بارے میں وقف علی الاولاد کی کوئی صراحت نہیں ہے بلکہ ان کا متولی عبدالحکیم کو بنانے کا ذکر ہے، اور عبدالحکیم کے بعد اس کے اولاد ذکور میں سے پسر اکبر کے متولی بنتے رہنے کا

ذکر ہے، اور اولاد کے درمیان اس کی آمدنی کے تقسیم ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ مرمت اور دیگر کارخیر میں خرچ کرنے کے بعد بقیہ آمدنی متولی کے اپنے صرفہ میں لانے کا ذکر ہے، اس لیے بعد کے خرید کردہ جائیداد میں سے شاہین اختر اور اس کی اولاد کو نہیں ملے گا، بلکہ ضروری اخراجات کے بعد بقیہ پیسہ متولی اپنے صرفہ میں لاسکتا ہے، اور نہ ہی ان جائیداد کا متولی شاہین اختر ہوسکتی ہے، اور سائل نے ۱۴۰۵ھ میں مفتی ریاض الدین صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا مدرسہ شاہی سے جو جواب حاصل کیا ہے وہ جواب اور پھر ۱۹۸۵ء میں جامعہ نعیمیہ سے حاصل کردہ جواب اور ۱۴۰۹ھ ۵/ ربیع الثانی کو مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کردہ جواب اور ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ کو مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ جواب، ان تمام جوابات کا تعلق بعد کے خرید کردہ جائیداد سے متعلق ہے، اس لیے کہ ان جوابات کے سوال میں سائل نے جو لکھا ہے وہ بعد کے خرید کردہ جائیداد کے مطابق ہی ہے، ۱۹۴۴ء میں وقف کردہ جو جائیداد ہے اس سے ان سوالات اور جوابات کا تعلق نہیں ہے، اگرچہ بعض سوالات میں خلط ملط کردیا گیا ہے، مفتیان کرام کو سوالات کی عبارت کے ذریعے سے واقعہ کی گہرائی تک پہنچنے میں کافی دشواری ہوئی ہے، اور ۱۵/ شوال ۱۴۰۷ھ میں مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ جواب اور ۱۴۱۲ھ ۹/ ربیع الثانی کو مدرسہ شاہی سے حاصل کردہ دوسرا جواب، اور ۲۱/ رجب ۱۴۰۴ھ میں مفتی حبیب الرحمٰن سے حاصل کردہ جواب کا پہلا جز، اور ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ کو مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کردہ جواب، ان تمام کا تعلق ۱۹۴۴ء میں کیا ہوا وقف علی الاولاد سے متعلق ہے، اس لیے کہ ۱۹۴۴ء میں جن جائیداد کو وقف علی الاولاد کے طور پر وقف کردیا گیا تھا، اور ان کے مصارف بھی متعین کردیئے گئے تھے تو ان جائیداد کے وقف کی نوعیت اور وقف کی آمدنی کے مصارف میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، لہٰذا تمام مفتیان کرام کا لکھا ہوا فتویٰ اپنی اپنی جگہ پر درست ہے، سائل نے پہلے کے وقف اور بعد کے وقف کو مخلوط کرکے سوال کیا ہے اس لیے یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ ایک جائیداد کے متعلق مختلف مفتیان کرام کے مختلف انداز سے الگ الگ جوابات ہیں، بلکہ تمام جوابات اپنی اپنی جگہ درست ہیں، اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ ۱۹۴۴ء میں جو وقف علی الاولاد کیا ہے اس میں تبدیلی بھی جائز نہیں ہے اور اس کی آمدنی کے مصارف میں

تبدیلی کرنا بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا اس کی آمدنی میں شاہین اختر اکبر حسین کے برابر کی شریک ہوگی، پھران دونوں کی وفات کے بعدان دونوں کی اولادمیں ان دونوں کاحق منتقل ہوتا رہے گا، اور ۱۹۴۴ء کے بعد جن جائیداد کو وقف کیا گیا ہے ان کی آمدنی میں شاہین اختر یا اس کی اولاد شریک نہیں ہوں گی اور مختلف دارالافتاء سے لیے گئے فتاویٰ کا حاصل بھی یہی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۳۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۸ھ

وقف علی الاولاد میں شرعی ورثاء کے علاوہ کسی اور کا حق نہیں ہے

سوال [۷۶۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۹۴۱ء میں ہمارے نانا ننھے بخش نے ۱۱۵؍گز آراضی وقف علی الاولاد کی اور اس آراضی میں رہنے کے لیے گھر بھی بنایا اور ننھے بخش کے انتقال کے بعد اس زمین کی متولیہ ان کی بیوی اور ہماری نانی بھولی تھی، اور بھولی نے بعد میں ہماری والدہ سعیدہ اور بڑے بھائی شریف کو متولی بنادیا تھا، اس کے بعد ہمارے بڑے بھائی کے سالے عبدالعلی عرف منا اور اس کی بیوی کو رہائش کے لیے ہماری والدہ نے اسی گھر میں ایک کوٹھری دیدی، جس میں یہ کئی سال تک رہائش پذیر رہے، اور اب تقریباً ۱۵؍سال پہلے انہوں نے لالباغ میں اپنا مکان بنالیا تھا، اور اس کوٹھری کو انہوں نے تالا لگا رکھا ہے اور اس وقت اس کا متولی ننھے بخش کی اولادوں میں سے صرف میں تنہا ہوں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کوٹھری پر شرعاً کس کا حق ہے، اور کیا عبدالعلی کے لیے اس کوٹھری کو جواب بوسیدہ ہوکر ڈھانے کے قریب ہے اس کے اوپر قبضہ کرکے مالکانہ طور پر تعمیر کرنے کا حق ہے، جبکہ اس کا میں متولی ہوں اور میری طرف سے اس کی اجازت نہیں۔

المستفتی: رئیس احمد پیر غیب مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے بڑے بھائی کے سالے عبدالعلی اور

ان کی بیوی آپ کے نانا کی اولاد میں شامل نہیں ہیں، اور مذکورہ جائیداد وقف علی الاولاد ہے اس لیے متولی کی اجازت کے بغیر اس میں عبدالعلی اور اس کی بیوی وغیرہ کو رہنے کا بھی حق نہیں ہے اور متولی کی اجازت کے بغیر اپنے استعمال کے لیے اس کو تعمیر کرنا اور اس کا قبضہ نہ چھوڑنا قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی زکریا ٦/٦٤٩، کراچی ٤/٤٣٣، قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص:٨٥، الأشباه و النظائر قديم ص:٧٠، جديد زكريا ص: ٣٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۴/۱۱۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۱۹ھ

واقف کی اولاد کا موقوفہ علی الاولاد مکان پر دوسری منزل تعمیر کرنا

سوال [۷۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنا مکان وقف علی الاولاد کر دیا، وقف کی شرائط میں سے یہ ہے کہ اس وقف شدہ جائیداد میں کسی کا تصرف اور اثر نہیں ہوگا اور یہ وقف اللہ کی ملکیت میں ہے اس میں زوال نہیں ہوسکتا، اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ واقف نے خود اس وقف شدہ مکان پر دوسری منزل تعمیر کر دی ہے، تو یہ دوسری منزل وقف ہوگئی یا وقف نہیں مانی جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بغرض وقف بنایا ہے تو وقف میں داخل ہوگی اور اگر اپنی ملکیت کے لیے بنایا ہے تو ناجائز ہے، اب بہتر صورت یہ ہے کہ اس منزلہ کو بھی وقف ہی کر دے، ورنہ اس کی اجرت حاصل کر کے وقف میں شامل کر دے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وقف کے مکان کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنا ملبہ وہاں سے علاحدہ کر کے لے جائے، اور وقف

کے مکان پر کوئی نقص بھی نہ آنا چاہیے۔

فإن بنی للوقف فوقف و إن لنفسه أو أطلق فله رفعه إن لم یضر الخ.
(شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی حکم بناء المتولی وغیره، کوئٹه ٤/ ٤٧٠، کراچی ٤/ ٤٥٥، زکریا ٦/٦٧٩)

واستفاده من الأشباه: ومنها لو غصب أرضا فبنی فیها أو غرس فإن کانت قیمة الأرض أکثر (من قیمته) قلعها وإلا ضمن له قیمتها. (الأشباه والنظائر قدیم ص: ١٤٤، جدید زکریا ص: ٢٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۶۱)

وقف علی الاولاد شئ کی بیع

سوال [۷۶۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک جائیداد وقف ہے اس وقف نامہ کو توڑ کر اس کا بیع نامہ ایک صاحب نے کرایا ہے، جس کو وقف کے متولی و دیگر مالکان جائیداد نے روپیہ لے کر بیع کیا تھا، اس جائیداد کے خریدار جو کہ اب مالک جائیداد ہیں کرایہ داروں سے دوکان خالی کرنے کو کہہ رہے ہیں، جائیداد کا کرایہ برابر جمع ہو رہا ہے کیا نئے بنے مالک کے کہنے پر پرانے کرایہ دار کو دوکان خالی کر دینا چاہیے یا نہیں؟ کیا نئے مالک کو دوکان خالی کرانے کا حق ہے؟

وقف نامہ وقف علی الاولاد ہے وقف کرنے والے کی اولاد نے بیع نامہ کیا ہے وقف علی اللہ رب العالمین نہیں ہے، کیا اولاد کو بیع کرنے کا حق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب بھی کوئی چیز وقف کی جاتی ہے تو وہ اللہ کی ملکیت ہو جاتی ہے اور منافع بندوں کے لیے ہوتے ہیں جب ایک مرتبہ وقف تام ہو جائے تو

اس کی بیع ہبہ جائز نہیں، اسی طرح اس میں وراثت بھی نہیں چل سکتی، اب مسئلۂ مذکورہ میں جب جائیداد وقف علی الاولاد ہے تو متولی اور مالکان وقف کو شئ موقوف کا بیچنا ہی جائز نہیں ہے، بیع صحیح نہیں ہوئی، اس کی واپسی لازم ہے، جس کی بناء پر نئے مالک کی ملک کا تحقق ہی نہ ہوا، لہٰذا اس کو دوکانیں خالی کروانے کا حق حاصل نہ ہوگا، اوراس کے کہنے پر دوکانداروں پر دوکانیں خالی کرنا بھی لازم نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶۵)

وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالىٰ على وجه تعود منفعة إلى العباد، فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث. (هدايه، كتاب الوقف اشرفي ديوبند ۶۳۷/۲، عيني قديم ۹۸۵/۲، جديد اشرفيه ديوبند ۸۸/۶ هنديه زكريا قديم ۳۵۰/۲، جديد ۳۴۶/۲، فتح القدير، دار الفكر بيروت ۲۰۴/۶، كوئٹه ۴۱۹/۵، زكريا ۱۹۱/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۳/۱۹ھ

وقف علی الاولاد جائیداد کو فروخت کرنا

سوال [۷۶۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: عبدالرشید نے ایک مکان جس کا وقف نمبر 178/A ہے وقف علی الاولاد کیا جس کی اس وقت کی کل آمدنی ۲۷/روپئے میں سے تین روپئے شہتوت والی مسجد کے مصرف خیر میں صرف کرنے کولکھا تھا، لیکن عبدالرشید کے لڑکے کی بہو اور پانچ پوتیوں نے اس وقف مکان کو بدست محمد حسین عرف للا کوفروخت کردیا، اب محمد حسین چاہتا ہے کہ اس مکان میں جو مسجد کا حق بنتا ہے وہ پورا مسجد کو دیدے، مجھے اپنی آخرت کا پورا خیال ہے، لہٰذا قانون شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ مسجد کا کتنا حق بنتا ہے، مکان مذکورہ کی آراضی موقع پر دوسوبیس گز ہے، جو کہ لب سڑک ہے، یہ مکان وقف بورڈ میں آج بھی اندراج ہے اور اس مکان کی آمدنی میں سے ۲۰/جنوری ۱۹۵۰ء سے ۲۰/جنوری ۲۰۱۳ء تک مسجد کو کچھ نہیں ملا، واقف عبدالرشید کا انتقال ۳۱/جنوری ۱۹۵۰ء کو ہوگیا یعنی گیارہویں دن، اس سوال میں کچھ بھی چھپایا نہیں گیا ہے، اللہ میری مدد کرے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف علی الاولاد کی جائیداد کو بیچنا جائز نہیں ہے اور سوال نامہ میں جس جائیداد کا ذکر ہے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ۱۹۵۰ء تک اس کی آمدنی ۲۷/روپئے سالانہ رہی اور ان ۲۷/روپیوں میں سے تین روپیہ شہتوت والی مسجد کے لیے ہوا کرے گا، تو اس تناسب سے ۲۲۰روپیوں میں سے ۹/گز مکمل اور ایک گز کے چھٹے حصے کی آمدنی مسجد کو ملنا ضروری اور لازم ہے اس لیے بااثر لوگوں کو چاہیے کہ مسجد کا حق ضائع ہونے نہ دیں۔

فإذا تم و لزم لا یملک و لایملک وتحته فی الشامیة: أی لایکون مملوکا لصاحبه ولایملک أی لا یقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مهم: فرق أبو یوسف بین قوله موقوفة، کراچی ۳۵۱/۴-۳۵۲، زکریا ۵۳۹/۶)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة کراچی ۴۴۵/۴، زکریا ۶۶۵/۶)

شرط الواقف کنص الشارع أی فی المفهوم والدلالة. (الدر مع الرد، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، زکریا دیوبند ۶۴۹/۶-۶۵۰، کراچی ۴۳۳/۴، قواعد الفقه اشرفی ص: ۸۵، الأشباه والنظائر قدیم

ص: ١٧٠، زکریا جدید ص: ٣٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ ربیع الثانی ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٠٦٠)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٠/٤/١٤٣٤ھ

وقف علی الاولاد جائیداد کو ضائع ہونے کے خطرہ سے فروخت کرنا

سوال [٧٦٥٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جائیداد وقف علی الاولاد ہے اور وہ جائیداد غیر مسلم کے پاس ٤٠/ سال سے ہے، اوراس کا کرایہ بھی پانچ سال سے نہیں آرہا ہے اور کچھ جائیداد مسلم بھائیوں کے پاس بھی ہے، اوراس کا کرایہ بھی کسی کے پاس دس سال سے ہے اور کسی کے پاس ٥/٦/ سال سے ہے تو اس صورت میں کیا اس جائیداد کو بیچا جاسکتا ہے، اس کے بیچنے سے کوئی گناہ تو نہیں؟ اگر اس کو بیچ کر دوسری جگہ لے لیں تو کیا حرج ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور وقف کی جائیداد سے موقوف علیہم کو کچھ نہیں مل رہا ہے اور نہ ہی کرایہ داروں سے خالی کرانا آسانی ممکن ہے تو مناسب قیمت میں فروخت کر کے دوسری جگہ مناسب جائیداد خرید کر موقوف علیہم پر وقف کردینا جائز ودرست ہوگا۔

والثانی أن لایشترطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لایحصل منه شيئ أصلا أو لایفی بمؤنته فهو أیضا جائز علی الأصح إذا کان بإذن القاضي. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، کراچی ٤/٣٨٤، زکریا ٦/٥٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٦ محرم الحرام ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٦/٢١٠٧)

۳ باب ولاية الوقف

کیا تولیت میں حق وراثت جاری ہوتی ہے؟

سوال [۷۶۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کسی وقت میں ایک مسجد، ایک خاندان کے لوگوں کی آراضی میں اپنے یا اور لوگوں کے تعاون سے بنائی یہ ایک پرانی بات ہے، ہماری یادداشت کے مطابق اس خاندان کے علاوہ سبھی لوگوں کا تعاون برابر جاری ہے، لیکن وہ ہمیشہ سے اپنی تولیت کے دعویدار بنتے چلے آرہے ہیں، اور آج تک ان ہی کے خاندان میں تولیت چلی آرہی ہے، آج اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو اعتراض ہے کہ متولی بناتے وقت نمازیوں سے بھی رائے لینی چاہیے، اس پر انہوں نے صاف طور پر یہ کہہ کر نمازیوں کی بات مسترد کردی کہ اس میں ہم کو کسی کی رائے لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمارا حق وراثت ہے، اب نمازیوں کا سوال یہ ہے کہ کیا تولیت میں حق وراثت جائز ہے، اگر جائز ہے تو گذارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی صحیح صحیح وضاحت فرمائیں، اس بات پر کچھ لوگوں نے نماز پڑھنی چھوڑ دی کیا یہ جائز ہے؟ نیز چند علماء دین نے اس مسجد میں نماز نہ ہونے کا مسئلہ بتایا کہ مسجد ہذا میں نماز پڑھنا بس سر کا پھوڑنا ہے۔

المستفتی: مسعود الحسن رشیدی، مسجد مولویان سہس پور، بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تک واقف کے خاندان میں تولیت کے لائق کوئی شخص موجود ہوگا اس وقت تک اسی کو متولی بنایا جائیگا، واقف کے خاندان والوں پر کسی اجنبی کو مقدم نہیں کیا جائیگا، ہاں ان کے خاندان میں کوئی بھی شخص تولیت کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس صورت میں اجنبی شخص کو متولی بنانا درست ہے، البتہ آج کل کے زمانہ کے اعتبار سے متولی کو چاہیے کہ وہ اپنی

ماتحتی میں ایک کمیٹی بنالے اور امور مسجد کے بارے میں اس کمیٹی سے مشورہ لیا کرے، یہی بہتر شکل ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۷۹، جدید مطول ۹/ ۵۲۱ امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۲۷)

ولایجعل القیم فیه من الأجانب ما وجد في ولد الواقف و أهل بیته من یصلح لذٰلک، فإن لم یجد فیهم من یصلح لذٰلک فجعله إلی أجنبي. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: لا یجعل الناظر من غیر أهل الوقف، زکریا دیوبند ٦/ ٦٣٧-٦٣٨، کراچی ٤/ ٤٢٤، المبسوط للسرخسي دار الکتب العلمیة بیروت ١٢/ ٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۶/۲۳ھ

واقف کے ورثاء کی موجودگی میں غیر کا متولی بننا

سوال [۷۶۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منیرن بنت نجابت علی نے ۱۹/ بیگھہ ۶/ بسوا، ۱/۰ ۲۵-۱/ ۱۵۱ کی آراضی ۷/ اپریل ۱۸۹۰ء کو مصرف خیر کے لیے وقف کی اور اس کی شرائط خمسہ میں سے شرط ۴/ یہ ہے کہ میرے خاندان اور اولاد میں سے لائق شخص متولی ہوتا رہے گا، اور اس متولی کو خود بھی یہ اختیار رہوگا کہ میرے خاندان سے لائق شخص کو متولی مقرر کیا کرے، اور ان شرائط کے ساتھ یہ جائیداد وقف ہوتی ہے اور ابھی واقف کے خاندان میں فلاں فلاں لوگ موجود ہیں ان تمام وارثین کی موجودگی میں کچھ فراڈ قسم کے لوگوں نے ایک خفیہ کمیٹی بنا کر اپنے آپ کو مذکورہ جائیداد کا متولی ثابت کرنے کے لیے مرادآباد کے سی او صاحب سے غلط بیانی سے کام لے کر لکھوالیا ہے، پھر لکھنؤ وقف بورڈ میں اس کا اندراج کرالیا ہے، نیز جامعہ نعیمیہ کے نائب مفتی مختار احمد نعیمی اور دوسرے شخص مقبول حسین نعیمی انہوں نے سی او صاحب سے غلط بیانی سے تصدیق لکھوالی ہے اور گلزار عادل کو ذمہ دار ثابت کیا ہے، اور ان کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے پر محمد یامین کی صدارت میں کمیٹی تشکیل دینے کی تصدیق کی ہے اور یہ سب خفیہ طور پر ہوا ہے، وارثین کو اس سلسلے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں ہوئی،

تو کیا شرعاً اس طرح کی کمیٹی تشکیل دینا جائز ہے، جبکہ ہم فلاں فلاں سب وارثین موجود ہیں، اس لیے ہم فلاں فلاں وارثین دھوکہ دے کر متولی بننے والوں کو ہرگز اس جائیداد کے قریب بھی آنے نہیں دینا چاہتے، تو کیا شرعی طور پر ہماری موجودگی میں خفیہ طور پر ایسے فراڈ قسم کے لوگوں کو متولی بننے کا حق ہے، شریعت کا جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد معروف سنبھلی گیٹ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ اور وقف نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ واقف کے خاندان میں وارثین کی موجودگی میں کسی بھی شخص کو خود متولی بننے کا حق نہیں ہے، نہ گلزار عادل کو متولی بننے کا حق ہے اور نہ ہی محمد یامین کی صدارت میں کمیٹی تشکیل دینے کا کسی کو حق ہے، اور نہ ہی جامعہ نعیمیہ کے کسی مفتی کو اس ناجائز تولیت کی تصدیق کرنے کا حق ہے، بلکہ واقف کے وارثین میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ خود اس کے متولی بننے کا حق رکھتے ہیں، لہٰذا واقف کے وارثین کو خبر نہ دے کر جو کمیٹی تشکیل دی گئی ہے وہ شرعی طور پر فراڈ کمیٹی ہے، ایسی فراڈ کمیٹی کو جائیداد موقوفہ کا ذمہ دار بننے کا کوئی حق نہیں ہے، ایسے لوگوں کو تولیت سے فوراً علاحدہ کردیا جائے، نیز ایسے خائن لوگوں کو شرعی متولی بنانا جائز بھی نہیں ہے، اور ایسے لوگوں کو کمیٹی سے فوراً علاحدہ کرکے غرض واقف اور شرائط واقف کے مطابق واقف کے وارثین مذکورہ موقوفہ جائیداد اپنی تولیت میں لے لیں۔

لیس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/١٠١، ٤٤/٢٠٧، ٤٤/٢٠٩، البحر الرائق زكريا ديوبند ٥/٣٧٨، كوئٹه ٥/٢٢٦)

إن عزل القاضی للخائن واجب علیه ومقتضاه الإثم بترکه والإثم بتولیة الخائن ولاشک فیه. (مجمع الأنهر، کتاب الوقف، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٦٠٢، قدیم ١/٧٦٢، شامی، مطلب: یأثم بتولیة الخائن، زکریا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، البحر الرائق زکریا ٥/٤١١، کوئٹه ٥/٢٤٥)

فإن کان فی نزعه مصلحة یجب علیه إخراجه دفعا للضرر عن

الوقف. (بزازیه، زکریا جدید ۳/ ۱۳٤، وعلی هامش الهندیة ٦/ ۲٥۳)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/ ٤٤٥، زکریا ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر رجب المرجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۲۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

واقف کی اولاد میں بیٹا متولی ہوگا یا پوتا؟

سوال [۷۶۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اولادِ واقف میں بیٹے اور پوتے ہیں کون متولی ہوگا؟ مقدم کون ہوگا؟

المستفتی: محمد خدا بخش، گوبند پوری، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر واقف نے کسی کے متولی ہونے کی تعیین کردی ہے تو وہی متولی ہوگا اور اگر متعین نہیں کیا ہے تو ایسی صورت میں واقف کے خاندان میں جو متقی پرہیزگار اور امانتدار ہوگا وہی تولیت کا حقدار ہوگا بیٹا پوتا کی کوئی تخصیص نہیں اور اگر خاندان میں امانت دار کوئی نہیں ہے تو جائیداد موقوفہ سے قریب رہنے والوں میں جو امانتدار شخص ہو اسی کو متولی بنانا چاہیے، اس لیے کہ خائن کی تولیت جائز نہیں۔

ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ٦/ ٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق کوئٹہ ٥/ ٢٢٦ زکریا ٥/ ٣٧٨، هندیه، الباب الخامس، زکریا قدیم ٢/ ٤٠٨، جدید ٢/ ٣٨٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/ ٢٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۶۵)

باشرع متولی پرالزام لگاکر تولیت سے ہٹانا

سوال [۷۶۵۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسمیٰ محمد یاسین صاحب کو بانی مسجد نے مسجد تعمیر کرکے وقف کرتے وقت متولی مقرر کیا تھا اوراسی زمانہ سے آج تقریباً ۲۰/۲۵ر سال کا عرصہ ہورہا ہے کہ وہ تولیت کی ذمہ داری دیانتداری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں اور حساب وکتاب میں کبھی کسی طرح کی کمی زیادتی یا خیانت کی بات سامنے نہیں آئی اوراب بھی کسی قسم کی خلاف شرع بات ان سے ثابت نہیں ہے، لیکن ابھی کچھ دنوں سے کچھ لوگوں کا محمد یاسین سے نظریاتی اختلاف کا سلسلہ شروع ہوا اوراس اختلاف کے نتیجے میں ان لوگوں نے محمد یاسین صاحب کو خائن بدعقیدہ وغیرہ کے الفاظ سے بدنام کرنا شروع کردیا ہے، اور بلاوجہ ان کو مسجد کی تولیت سے معزول کرنے کی کوشش کررہے ہیں، اور محمد یاسین صاحب باضابطہ متولیٔ وقف ہیں، تو کیا اس طرح بلاوجہ کسی مسلمان پر جھوٹے اور غلط الزامات لگاکر مجروح کرنا شرعاً جائز ہے؟ نیز ان کے خلاف مقدمہ بازی کا سلسلہ بھی شروع کررکھا ہے جس کی وجہ سے وہ پریشانی میں ہیں، اور نماز روزہ اور باشرع ہونے میں بھی کوئی کمی نہیں ہے، اور یہ بات بھی واضح رہے کہ حساب وکتاب اور تولیت کی ذمہ داری میں کوئی کمی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں محمد یاسین صاحب کو پریشان کرنے والوں کے بارے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟

(۲) اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے محمد یاسین صاحب کی دفاع میں اگر مقدمہ کے نام سے چندہ کیا ہوا پیسہ خرچ کریں تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) ایسا متولی جوکہ صوم وصلاۃ کا پابند اور متبع شریعت ہو اس سے مال وقف میں کسی قسم کی خیانت ظاہر نہ ہوئی ہو تو ایسے متولی کو معزول کرنے کی کوشش کرنے کا شرعاً کسی کو حق نہیں ہے، نیز کسی مسلمان پر بے بنیاد اور غلط الزامات

لگانا اور بلا وجہ اس کو بدنام کرنا اور جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر اس کو پریشان کرنا سخت ترین گناہ ہے احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، ایسے لوگوں کو اپنی اس بدعملی سے باز آکر تائب ہونا چاہیے۔(مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/۱۷۴، جدید ڈابھیل ۱۴/۳۵۰)

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: المسلم أخو المسلم لايخونه ولايكذبه ولايخذله، كل المسلم على المسلم حرام، عرضه و ماله ودمه، التقوىٰ هٰهنا. (ترمذی شريف، باب ما جاء فی شفقة المسلم على المسلم، النسخة الهندية ۲/۱٤، دار السلام رقم: ۱۹۲۷، مسند بزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۵/۳۳۵، رقم: ۸۸۹۱)

ليس للقاضی عزل الناظر بمجرد شكاية المستحقين حتى يثبتوا عليه خيانة. (در مختار على الشامی، كتاب الوقف، مطلب: ليس للقاضی عزل الناظر، زكريا ٦/٦٥٦، كراچی ٤/٤٣٨-٤٣٩)

(۲) مقدمہ کے عنوان سے جو چندہ جمع کیا گیا ہے اس کو دفاعی مقدمہ میں صرف کرنے کی گنجائش ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی ۷/۱۴۹، جدید مطول ۱۰/۲۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۴۴/۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۴ھ

فاسق مسجد کا متولی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۷۶۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اونچی مسجد دھامپور وقف ۱۱۹ر کی انتظامیہ کمیٹی کا سکریٹری جو پیشہ سے وکیل ہے اور کبھی مسجد مذکور میں نماز پڑھنے تک نہیں آتا اور اس کی بیوی مذہباً ہندو ہے، کیا ایسا شخص کسی وقف جائیداد خاص طور پر مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کا سکریٹری بننے کا مستحق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو آدمی غیر مسلم ہندنی کو بیوی بنا کر رکھتا ہے شرعاً

وہ فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، نیز باوجود قدرت کے مسجد میں باجماعت نماز ادا نہ کرنا بھی فسق ہے، ایسا شخص شرعاً کسی مسجد یا دینی ادارہ کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں ہے، اہل مسجد پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو مسجد کی منتظمہ کمیٹی کا سکریٹری ہرگز نہ بنائیں، نیز جو شخص ذمہ دار بننے کی خواہش کرتا ہو اس کو بھی سکریٹری یا رکن کمیٹی بنانا جائز نہیں ہے۔

عن أبی موسیٰ قال: دخلت علی النبی ﷺ أنا ورجلان من بنی عمی، فقال أحد الرجلین: یارسول الله! أمرنا علی بعض ماولاک الله عز وجل وقال الآخر: مثل ذٰلک، فقال: إنا والله لا نولی علی هذا العمل أحدا سأله، ولا أحدا حرص علیه. (صحیح مسلم، الإمارة، باب النهی عن طلب الإمارة والحرص علیه، النسخة الهندیة ۲/ ۱۲۰، بیت الأفکار رقم: ۱۷۳۳)

ولایولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لأنه یخل بالمقصود. (شامی، کتاب الوقف مطلب: فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ۶/۵۷۸، کراچی ٤/۳۸۰، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۲٦ زکریا ۵/۳۷۸، هندیه، الباب الخامس، زکریا قدیم ۲/٤۰۸، جدید ۲/۳۸۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/۲۰۷)

وطالب التولیة لا یولی. (الدر المنتقی، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۶۰۳، قدیم ۱/۷٦۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۹ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۵۶)

جو شخص مسجد کا حساب وکتاب نہ دے اس کو متولی بنانا

سوال [۷۶۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید عرصۂ دراز سے ایک مسجد کی دیکھ بھال اور نگرانی کررہا تھا، مسجد کی آمد وصرف کا

حساب بھی وہ اپنے پاس رکھتا تھا، اس درمیان جب جب بھی مصلیانِ مسجد نے زید سے مسجد کے حساب سے متعلق رابطہ کیا وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا، تین سال قبل مصلیانِ مسجد نے مسجد کا حساب سمجھنے کے لیے زیادہ اصرار کیا تو زید نے نہ صرف مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا بلکہ مسجد کی ضروریات کو دیکھنا بھی چھوڑ دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ صورت حال میں زید مسجد کا ذمہ دار بننے کا اہل ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کا ذمہ دار ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو دیانتدار ہو مسجد کی ضروریات کا اچھی طرح انتظام کرسکتا ہو، اورآمد وخرچ کا حساب صحیح طریقے سے رکھ سکتا ہو، لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت اگر صحیح ہے تو زید مسجد کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں، کمیٹی والوں کو چاہیے کہ زید کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو مسجد کا ذمہ دار بنالیں جو دیانتدار ہو اور حساب وکتاب صحیح طور پر کرتا ہو اور مسجد کی ضروریات کا انتظام اچھی طرح کرتا ہو۔

وینزع وجوبا لو غیر مامون أو عاجزا أو ظهر به فسق وفي الشامي: ولایولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن وکذا تولیة العاجز لأن المقصود لایحصل به.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب في شروط المتولي، زکریا دیوبند ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/٢٠٧، البحر الرائق کوئٹہ ٥/٢٢٦، زکریا ٥/٣٧٨، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٦٠٢، مصری قدیم ١/٧٦٢، بزازیہ زکریا جدید ٣/١٣٤، وعلی هامش الهندیة ٦/٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۲ھ

تولیت وقف کا حقدار خائن شخص نہیں ہے

سوال [۷۶۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کسی درگاہ کے سجادہ نشیں کا انتقال ہوگیا، انہوں نے اپنی حیات مبارکہ میں کسی کو متولی یا سجادہ نشیں نہیں بنایا تھا، اور نہ کسی کے لیے کچھ وصیت کی تھی، کچھ آراضی درگاہ کے نام وقف بھی سجادہ نشین صاحب کے نام تھی، اور بکر نے سوچا بھائی زید حافظ قرآن بھی ہے اور سید بھی ہے، بھلے ہی لڑکا ہے آگے چل کر ہوشیار ہوجائے گا، سجادہ نشیں کے نام سے ایک فرضی وصیت نامہ زید کی سجادہ نشینی کے لیے مشتہر کردیں، اور زید سے یہ اقرار لے لیں کہ درگاہ کا سجادہ نشیں ہو جانے کے بعد آپ ساری بقیہ آراضی اور جملہ سامان درگاہ کے نام وقف کردیں، چنانچہ اور بکر نے زید سے گفتگو کی، زید نے حلفیہ کہا کہ میں سجادہ نشیں ہونے کے بعد آراضی وجملہ سامان درگاہ کو درگاہ کے نام وقف کروں گا۔

چنانچہ وہ وصیت نامہ جعلی تیار ہوا، اور زید کو سجادہ نشیں وصیت نامہ کی رو سے قرار دیا گیا، جملہ آراضی جو سجادہ نشین متوفی کے نام تھی، زید کے نام منتقل ہوگئی، جب زید نے دیکھا کہ میں بالکل مالک ومختار ہوگیا تو وہ آراضی درگاہ کے نام وقف نہ کی، اور یہ کہ وہاں کا سامان اور زر نقد خفیہ طریقے سے اپنے آبائی مکان کو روانہ کرنا شروع کردیا، جب بکر نے یہ حالت دیکھی تو بکر نے زید سے کہا کہ بھائی اس بقیہ آراضی کو آپ حسب وعدہ وقف کردیں، تب زید نے صاف انکار کردیا کہ میں مالک ومختار ہوں، میں وقف نہیں کروں گا، نہ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے، قرآن کریم کو اٹھانے اور قسم کھانے لیے تیار ہو گئے، زید مرید بھی برابر کررہے ہیں اور ہماری مسجد کے امام بھی ہیں، کیا ایسے پیر سے بیعت ہونا اور اس کو امام بنانا شرعی اعتبار سے درست ہے؟ براہ کرم جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل اگر اپنے بیان میں سچا ہے تو سوالنامہ میں درج شدہ شخص شرعاً سخت خائن ہے، ایسے خائن شخص کو فوراً تولیت سے علاحدہ کردینا تمام مسلمانوں پر لازم ہے، اور ایسا خائن شخص شرعاً فاسق ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گمراہی کا

باعث ہوگا، جولوگ بیعت ہو چکے ہیں، سلسلۂ بیعت اس سے ختم کردیں، نیز اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۳/۱۳۶)

ولایولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن وکذا تولیة العاجز لأن المقصود لایحصل به. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/٢٠٧، البحر الرائق کوئٹه ٥/٢٢٦، زکریا ٥/٣٧٨، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٦٠٢، مصری قدیم ١/٧٦٢، بزازیه زکریا جدید ٣/١٣٤، وعلی هامش الهندیة ٦/٢٥٣)

إن کراهة تقدیمه کراهة تحریم. (شامی مصری ١/٥٢٣، زکریا ٢/٢٩٩، کراچی ١/٥٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۸۵)

متولی کا نااہل کو جانشیں بنانا

سوال [۷۶۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا جانشیں ومتولی اور درگاہ کا سجادہ نشیں ومتولی تھا، زید اس مسجد ودرگاہ کا واحد باختیار جانشیں ومتولی حسب دستور سابق بذریعۂ تولیت نامہ باضابطہ منتخب کردیا گیا تھا، اس کو اپنی جانب سے مناسب شخص کو اپنی جگہ اپنی حیات میں متولی وجانشیں مسجد کیلئے اور سجادہ نشیں ومتولی درگاہ مقرر کرنے کے اختیارات حاصل تھے، کہ بموجب اپنے اختیارات کسی دیگر شخص کو بذریعۂ تولیت نامہ منتقل کرے اور یہی دستور وطریقہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا تھا، لہٰذا زید متولی وجانشین مسجد اور سجادہ نشیں ومتولیٔ درگاہ نے بعمر ۷۶؍سال ضعیف العمری، پیرانہ سالی، لاغری، کولہے کی ہڈی کریک ہوجانے کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذوری کی بناء پر وجہ سے اپنی

حیات میں اپنی جانب سے حسب دستور سابق اپنے حقوق واختیارات استعمال کرتے ہوئے جو کہ بذریعۂ تولیت نامہ اس کو حاصل تھے، مؤرخہ ۳۱/۱۲/۱۹۷۰ء کو اس مسجد ودرگاہ مذکورہ کا اپنی جانب سے باضابطہ سجادہ نشیں ومتولیٔ درگاہ اور جانشیں ومتولیٔ مسجد مذکور مقرر کردیا۔

جیسا کہ صاف طور سے واضح ہے کہ اس سے پہلے بھی اسی طرح باضابطہ مسجد ودرگاہ مذکور کے جانشیں ومتولیان اور سجادہ نشیں ومتولیان بموجب تولیت نامہ ایک دوسرے کو اس طرح حقوق واختیارات منتقل کرتے چلے آئے ہیں، یعنی ایک شخص جو بذریعۂ تولیت نامہ منصب پر فائز تھا، اپنے اختیارات وحقوق بموجب تولیت نامہ دیگر مناسب شخص کو منتقل کرتا چلا آرہا ہے، زید کا منتخب کردہ موجودہ متولی و جانشین مسجد اور سجادہ نشیں ومتولیٔ درگاہ مذکور بموجب تولیت نامہ مؤرخہ ۳۱/۱۲/۱۹۷۰ء باضابطہ حسب دستور سابق قائم ہے، قدیم وقف مسجد ودرگاہ سے متعلقہ قدیمی وقف نامہ زمانۂ قدیم سے فساد میں برباد ہوگیا، اس لیے وقف کا نام نامعلوم ہے، اس لیے واقف کی نیت کا معلوم ہونا ناممکن ہے، اسی لیے عرصۂ دراز سے منصب پر فائز متولیان وجانشین مسجد اور سجادہ گان ومتولیان درگاہ مذکور نے اول ہی سے کسی تولیت نامہ میں واقف کا نام وقف نامہ کا ذکر اور وقف کی شرائط اور نیت کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف بذریعۂ تولیت نامہ وسابقہ دستورِ منصبِ مسجد ودرگاہ مذکور صاف طور سے واضح ہوتا ہے، یہی دستور اب تک چلا آرہا ہے، تولیت نامہ محفوظ ہے، لیکن قدیمی وقف نامہ عرصۂ قدیم سے ہی فساد میں برباد ہوچکا ہے، واقف کا نام اور واقف نے وقف نامہ کس تاریخ میں اور کس سن کو تحریر کیا تھا اور وقف نامہ کا دستاویزی حوالہ نمبر کیا تھا، چونکہ ان سب باتوں کا علم نہیں ہے اس وجہ سے حکومت کے دفتر سے قدیمی وقف نامہ مہیا نہیں کیا جا سکتا، کیا زید کا منتخب کردہ شخص مسجد ودرگاہ کا متولی وسجادہ نشیں روبشریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم مقرر کیا جا سکتا ہے؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن، رحمٰن بلڈنگ، بلبلی خانہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر تولیت نامہ میں متولی کو اپنی حیات میں جانشین

بنانے کے اختیارات کی صراحت موجود ہے، تو زید کا کسی لائق با صلاحیت معاملہ فہم وامانت دار شخص کو جانشیں بنانا صحیح ہے، وہاں کی قوم اگر اس سے زیادہ با صلاحیت والے شخص کو مقرر کردے تو قوم کا مقرر کردہ شخص زیادہ اولیٰ وافضل ہوگا۔

مرض المتولي و فوض التولية إلى غيره جاز (إلى قوله) والباني للمسجد أولىٰ من القوم بنصب الإمام والمؤذن في المختار إلا إذا عين القوم أصلح مما عينه (إلى قوله) أراد المتولي إقامة غيره مقامه في حياته إن كان التفويض له عاما صح و إلا فلا. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٣، مصري قديم ١/٧٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۶/۲۳)

رشوت دے کر اپنے نام تولیت کرانا

سوال [۷۶۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شیخ چھوٹے نے اپنی جائیداد کا کچھ حصہ اور مکان کا کچھ حصہ وقف کردیا، جس میں تا حیات خود متولی بنے رہنے کی صراحت کی، اور شیخ چھوٹے کے انتقال کے بعد اپنے لڑکے محمد نور کو متولیٔ جائیداد ہونے کی صراحت کی اور اس بات کی بھی وضاحت کی کہ محمد نور کے بعد اس کی اولاد متولی ہوتی رہے گی، وغیرہ، پھر محمد نور پاکستان چلے گئے جہاں ان کی اولاد میں عبد السمیع و مسماۃ شمشادی پیدا ہوئے، محمد نور کے پاکستان چلے جانے کے چند سال بعد محمد نور کا انتقال ہو گیا پھر محمد نور کی جائیداد کو محکمۂ کسٹوڈین نے نیلام کردیا، یہ نیلام شیخ محمد رفیق مرحوم نے خریدا جس کی خریداری کے جملہ کاغذات مکمل طور پر شیخ محمد رفیق کی اولاد محمد عمر ومحمد شفیق کے پاس موجود ہیں، اب ۴۵؍ سال گذر جانے کے بعد محمد اسلام ولد عبد السلام نے یوپی سنی سینٹرل بورڈ آف وقفس اترپردیش لکھنؤ کے دفتر کو رشوت دے کر اپنا نام تولیت میں درج کرالیا۔

(۱) تو دریافت یہ کرنا ہے کہ محمد اسلام ولد عبد السلام جبکہ شیخ محمد نور کی نسل میں سے نہیں ہے، اور وقف نامہ میں محمد نور کے بعد ان کی نسل سے متولی ہونا درج ہے، تو محمد اسلام ولد عبد السلام کا رشوت دے کر سنی سینٹرل بورڈ آف وقفس اتر پردیش سے اپنے کو متولی بنوانا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) نیز محمد نور کے پاکستان چلے جانے کے بعد ان کی جائیداد کو محکمۂ کسٹوڈین کا نیلام کرنا اور اس نیلام کو شیخ محمد رفیق کا خریدنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبکہ محمد اسلام ولد عبد السلام محمد نور کی اولاد میں داخل نہیں ہے تو اس کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہے، نیز رشوت دے کر اپنے نام سے تولیت حاصل کر لینا جائز نہیں ہے، ایسے شخص کو متولی بننے کا حق نہیں ہے، شریعت میں بے نفس اور امانت دار شخص کو متولی بنانے کا حکم ہے۔

لایولی إلا أمین قادر بنفسه (إلی قوله) من طلب التولیة علی فسق استحق العزل. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی شروط المتولی، زکریا دیوبند ٦/٥٧٨- ٥٧٩، کراچی ٤/ ٣٨٠، البحر الرائق کوئٹه ٥/ ٢٢٦، زکریا ٥/ ٣٧٨)

(۲) شیخ محمد رفیق کا مذکورہ نیلام کو خریدنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، اور شیخ محمد رفیق کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء اس کے مالک ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۹۱، جدید ڈابھیل) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۹؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۹)	۱۴۱۴/۹/۹ھ

واقف کی شرط کے خلاف اولادِ اناث کی مذکر اولاد کو متولی بنانا

سوال [۷۶۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب غلام محمد صاحب مرحوم نے اپنی جائیداد وقف ناموں کے ذریعہ وقف

کردی، ایک وقف نامہ وقف فی سبیل اللہ کے لیے تحریر کیا اور دوسرا وقف نامہ وقف علی الاولاد کے لیے تحریر کیا اور انتظام وقف کے لیے جو شرائط وقف نامہ میں اپنی طرف سے تحریر کیں وہ مختصراً اس طرح ہیں:

(۱) تا حیات خود میں واقف متولیٔ جائیداد موقوفہ مذکورہ رہوں گا، اور آمدنی موقوفہ کو اپنی رائے سے صرف کروں گا۔

(۲) بعد وفات مجھ واقف کے میرا پسر غلام سبحانی و میرا داماد حافظ عظمت علی متولی جائیداد موقوفہ و مذکورہ رہیں گے اور بعد وفات متولیان مذکور (ہر متولی) کے ان کی اولاد میں جو پسر کلاں اور لائق تولیت ہوگا وہ متولیٔ موقوفہ ہوگا۔

(۳) اگر متولیان مذکور کی اولاد سے کوئی پسر (خورد و کلاں) لائق تولیت نہ ہوں تو دیگر پسران کی اولاد سے جو دو شخص لائق تولیت ہوں گے وہ متولیٔ موقوفہ ہوں گے۔

(۴) اگر کسی پسران کی اولاد سے کوئی لڑکا نہ ہو تو پھر لڑکیوں کی اولاد میں سے جو کوئی لڑکا لائق تولیت سمجھا جائے وہ متولی مقرر ہوگا، جس کو ارکانِ انجمن قوم پنجابیان یا چار شخص معزز اہل برادری مقرر کریں گے۔

(۵) اگر خدانخواستہ اولاد پسران و دختران واقف سے بسلسلۂ ذکور واناث کوئی باقی نہ رہے تو آمدنی موقوفہ مذکورہ کو اصحاب انجمن قوم یا معزز اہل برادری مقررہ مدوں میں خرچ کریں گے۔

چنانچہ بموجب شرائط وقف غلام حضرت صاحب تا حیات وقف کے متولی رہے ان کی وفات کے بعد ان کے لڑکے غلام سبحانی اور عظمت علی صاحب مرحوم نے تولیت کے فرائض مشترکہ طور پر انجام دیئے، ان دونوں حضرات کے انتقال کے بعد عظمت علی صاحب منجھلے فرزند انصار علی صاحب اور غلام سبحانی صاحب کے فرزند کلاں غلام سلطانی صاحب وقف کے متولی ہوئے، کیونکہ عظمت علی کے بڑے بیٹے اسرار احمد صاحب بیرون ملک تھے جب وہ ہندوستان آ گئے تو انصار علی صاحب اپنے برادر کلاں کے حق میں تولیت سے دستبردار ہو گئے، اور اسرار احمد صاحب اور غلام سلطانی صاحب متولی رہے، اسرار احمد صاحب کے انتقال کے بعد چونکہ ان کی

کوئی اولاد ملک میں نہیں تھی، اور عظمت علی صاحب کی اولادوں میں سے بھی کوئی لائق تولیت نہ تھا تو غلام حضرت صاحب کے دوسرے پسر غلام جیلانی مرحوم کے فرزند غلام مصطفیٰ بجائے اسرار احمد صاحب وقف کے متولی وقف بورڈ کی طرف سے مقرر کردیئے گئے، غلام مصطفیٰ اور غلام سلطانی ہر دو حضرات وقف کی تولیت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

غلام سلطانی صاحب کا حال میں انتقال ہوگیا اور ان کے پسر کلاں عرفان احمد جو بموجب وقف نامہ متولی ہونے کے زیادہ مستحق اور لائقِ تولیت ہیں، وقف بورڈ کے سامنے ان کی درخواست زیر غور ہے، غلام حضرت صاحب مرحوم کی دوسری لڑکی کے صاحبزادے امتیاز احمد نے بھی وقف کی تولیت کے لیے درخواست گذاری ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:

(۱) کیا وقف نامہ کی شرائط کی رو سے عرفان یا ان کے دوسرے برادران خورد تولیت کے حقدار ہیں یا نہیں؟

(۲) اسرار احمد صاحب کے انتقال کے بعد جب وقف غلام حضرت صاحب کی اولاد اناث میں تولیت کا سلسلہ منقطع ہوگیا اور وقف نامہ کی شرائط ۳ر کے مطابق دیگر پسر کی اولاد میں سے غلام مصطفیٰ صاحب متولی ہوگئے، تو کیا پھر سے یہ سلسلۂ تولیت دوسری اولاد اناث کی طرف منتقل ہوسکتا ہے، جبکہ واقف کے پسران کی اولاد میں موجود ہیں اور لائق تولیت ہیں؟

(۳) اگر واقف کی اولاد اناث میں دوبارہ سے تولیت کا سلسلہ منتقل ہوسکتا ہے تو وہ غلام مصطفیٰ صاحب جو اسرار احمد صاحب (جو اولاد اناث کے سلسلے میں سے تھے) کے انتقال کے بعد متولی مقرر ہوئے تھے بجا ہونا چاہیے، کیونکہ موجودہ درخواست گذار امتیاز احمد صاحب واقف کی اولاد اناث میں سے ہیں، اور غلام مصطفیٰ صاحب کے متولی مقرر ہوتے وقت ان کے حق میں حلفنامہ کے ذریعہ اپنا حق چھوڑ چکے ہیں جبکہ اسرار احمد صاحب کے بعد ان کی جگہ امتیاز احمد صاحب اپنے کو متولی مقرر ہونے کے لیے پیش کرنا چاہتے تھے۔

(۴) کیا وقف نامہ کی شرائط کے مطابق غلام سبحانی وغلام سلطانی صاحب مرحوم کی اولاد میں تولیت کا حق ختم ہوگیا ہے، براہ کرم مندرجہ بالا سوالات کے جوابات وقف نامہ کی شرائط کے مطابق عنایت فرمائیں، عنداللہ ماجور ہوں گے؟

المستفتی: عرفان احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: وقف نامہ کی شرائط میں یہ بات صاف الفاظ میں مذکور ہے کہ واقف کی اولادِ ذکور کی موجودگی میں یا اولادِ ذکور کی مذکر اولاد کی موجودگی میں واقف کی اولادِ اناث کی طرف تولیت منتقل نہیں ہوگی، اور جب واقف کی اولادِ ذکور کی مذکر اولاد موجود ہے تو اس کے ہوتے ہوئے اولادِ اناث کی مذکر اولاد کی طرف تولیت منتقل نہیں ہوگی، لہٰذا عرفان احمد واقف کی اولادِ ذکور کی اولاد میں سے موجود ہے، اس لیے امتیاز احمد کو تولیت حاصل نہیں ہوگی اور عرفان احمد کو چھوڑ کر امتیاز احمد کو تولیت کا حق دینا شرط واقف کی خلاف ورزی ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا وقف بورڈ کو اس شرط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، كتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة …… زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

لأن شرط الواقف معتبر فيراعى كالنص الشارع وعليه الفتوىٰ.

(مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٤، مصرى قديم ١/٧٤٣)

اور یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ لفظ اولاد میں صلبی اولاد کے پوتے پڑپوتے وغیرہ سب علی الترتیب شامل ہوتے ہیں، یہ کہنا غلط ہے کہ صلبی لڑکوں کے نہ ہونے کی حالت میں پوتے پڑپوتے اولاد میں شامل نہیں ہیں، بلکہ علی الترتیب پوتے پڑپوتے بھی شامل ہوتے ہیں۔

لأن ولد الولد اسم لمن ولده ولده وابنته ولده (إلى قوله) فإذا قال على ولدى فإن ولد البنت لايدخل فى ظاهر الرواية لأن اسم الولد يتناول ولده لصلبه وإنما يتناول ولد الابن لأنه ينسب إليه عرفا. (شامى زكريا ديوبند ٦/٦٩٠، كراچی ٤/٤٦٤)

ومن وقف على أولاده دخل فى ذٰلك أولاد الأولاد ماتناسلوا. (فقه السنة ٣/٣٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۶۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۲۶ھ

وقف نامہ میں واقف کی شرائط پر عمل کرنا لازم ہے

سوال [۷۶۶۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قادر بخش ومسماۃ رحمت النساء بنت چھٹن نے ایک وقف نامہ ۱۷ر مئی ۱۹۳۸ء میں لکھا جس میں پیارے خاں کے لڑکے کو اپنے بعد متولی مقرر کیا تھا، قادر خان کے ایک لڑکے پیارے خاں اور ایک لڑکی پیاری اولاد اناث میں سے ہیں، پیارے خاں کا انتقال ہوگیا ان کے کوئی لڑکا نہیں تھا، ایک لڑکی تھی رفیقن وہ اپنے والد پیارے خان کے سامنے مرگئی اس وقت مسماۃ پیاری دختر قادر خان ومرحومہ رفیقن کے لڑکے زندہ ہیں وقف نامہ میں یہ لکھا ہے کہ پیارے خان متولی کے بعد اس کی اولاد اکبر از قسم ذکور اور اگر اولاذ کور موجود نہ ہوتو اولاد اکبر از قسم اناث جائیداد مذکورہ میں متولی مقرر ہوگی، مذکورہ بالا تحریر کے تحت جب واقف کی اولاد اناث زندہ ہیں تو کیا پسر کی لڑکی کی اولاد متولی ہوسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت محمدیہ میں وقف نامہ میں واقف کی شرائط پر ہی عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، فقہ کا جزئیہ ہے:

شرط الواقف کنص الشارع. (قواعد الفقہ اشرفی ص:۸۵، رقم: ۱۵۲)

لہٰذا حسب سوال واقف نے جبکہ اس کی وضاحت وقف نامہ میں کی ہے، کہ پیارے خان کی جب اولاد ذکور واناث نہ رہے تو پیاری جو کہ دختر قادر بخش کی ہیں ان کو حق تولیت پہنچے گا، ان کے بعد ان کی اولاد اکبر از قسم ذکور متولی ہوگا اس لیے اس دفعہ کا چونکہ وقف نامہ میں تذکرہ ہے اس لیے اب جبکہ پیارے خاں مرحوم کی اولاد ذکور واناث نہیں ہیں تو حق تولیت شرعاً قادر بخش کی بیٹی پیاری کو پہنچتا ہے، اور وقف نامہ کی تفصیل کے مطابق ہی جملہ امور پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر صفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۱۰)

وقف کے مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالنے والے متولی کو ہٹانا

سوال [۷۶۶٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب ثروت شخص نے دلی میں ایک چار منزلہ عمارت بنائی اس میں تہ خانہ بھی ہے، کل پانچ منزل ہو گئے، اس میں سے ایک منزل اپنے کارِ خیر کے لیے متعین کرلیا، باقی منزلیں لڑکوں کے درمیان تقسیم کردیا، اور جس منزل کو اپنے کارِ خیر صدقۂ جاریہ کے لیے متعین کیا ہے اس کے لیے ایک تحریر لکھ دی کہ میرے لڑکوں میں سے فلاں لڑکا اس کا متولی رہے گا، اوراس کے مرنے کے بعد مرکز نظام الدین کے ذمہ دار علماء اس کے متولی رہیں گے، اوراس کی آمدنی مساجد ومدارس ضرورت مند علماء وصلحاء اوراہم کار خیر میں خرچ ہوتی رہے گی، اس کے بعد وہ سرمایہ دار ۱۹۹۹ء میں وفات پا گئے اوران کے وفات پانے سے لے کر کے آج تقریباً ۱۴؍سال تک وہ منزل یونہی خالی پڑی ہوئی ہے اور جولڑکا متولی ہے اس کو اس سلسلے میں کوئی فکر نہیں ہے، شروع میں اس جگہ کو تقریباً ۷۰/۸۰؍ ہزار روپئے ماہانہ کرایہ دار لینے کو تیار تھے، اور بڑھتے بڑھتے اب اس کا کرایہ ماہانہ ڈیڑھ لاکھ ہے اور ڈیڑھ، سوا لاکھ روپئے ماہانہ کرایہ پر لینے کے لیے لوگ تیار ہیں، لیکن جولڑکا متولی ہے وہ اجازت نہیں دیتا اور آج تک چودہ سال میں اس منزل کا کرایہ ایک کروڑ سے زیادہ ہوجاتا جو کار خیر میں خرچ ہو سکتا تھا، کوئی اچھی مسجد بھی بن جاتی، اور مدارس اور دیگر کارِ خیر میں بڑی بڑی رقم مرحوم کی طرف سے خرچ کی جاتی اوران کو ثواب پہنچتا لیکن مذکورہ لڑکے کے متولی ہونے کی وجہ سے یہ سلسلہ جام ہوگیا ہے اب حضرات مفتیان کرام سے یہ سوال ہے کہ جس لڑکے کو والد نے متولی بنایا تھا اس کی لاپرواہی کی وجہ سے اس کو ہٹا کر کے وارثین میں سے کسی دوسرے ایسے لڑکے کو متولی بنایا جاسکتا ہے جو مذکورہ جائیداد کو کرایہ پر دے کر صدقۂ جاریہ کا مناسب سلسلہ جاری کردے، امید ہے کہ شرعی حکم کتابوں کے حوالے سے تحریر فرمائیں گے تاکہ والد کو پہنچنے والا ثواب جورکا پڑا ہے وہ جاری ہوجائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف کی ملکیت بندہ کے حق سے نکل کر اللہ کی ملک ہو جاتی ہے اور متولی اس کی دیکھ بھال کرنے والا ہوتا ہے جس پر مصالح وقف اور غرض واقف کا بجالانا ضروری ہوتا ہے تاکہ واقف کا مقصد پورا ہوتا رہے لیکن شخص مذکور چونکہ غافل ہے، اور صدقۂ جاریہ کا سلسلہ جاری ہونے میں رکاوٹ بنا ہوا ہے جس بنا پر واقف کا مقصد بھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ رہا ہے، اس لیے محلّہ یا خاندان کے بااثر افراد مذکورہ شخص کو برطرف کرکے کسی ایسے دوسرے لڑکے کو متولی بنادیں جو صدقۂ جاریہ کا سلسلہ جواب تک جاری نہ ہوسکا اس کو جاری کرے اور واقف کے مقصد کو بروئے کار لانے میں معاون ثابت ہو۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی زكريا ٦/٦٤٩، كراچی ٤/٤٣٣)

القيم إذا لم يراع الوقف يعزله القاضي. (شامی زكريا ٦/٥٧٨، كراچی ٤/٣٨٠)

للقاضي أن يعزل الذي نصبه الواقف إذا كان خيرا للوقف......

(هنديه، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زكريا قديم ٢/٢٠٩، جديد ٢/٣٨٠)

ليس للسلطان ولا للقاضي أن يدخل عليه في ذٰلك إلا أن لايصلح لذٰلك فكان الشرط باطلا ويوليها غيره وينزعها من يده. (تاتارخانية زكريا ٨/٥٦، رقم: ١١١٩٤)

إذ الحاكم ناظر لمصلحة الوقف فإن كان في نزعه مصلحة يجب عليه إخراجه دفعا للضرر عن الوقف. (بزازيه زكريا جديد ٣/١٣٤، وعلى هامش هندية ٦/٢٥٣)

إن تصرف القاضي في الأوقاف مقيد بالمصلحة ويجب الإفتاء والقضاء لكل ما هو أنفع للوقف وحيث رأى القاضي المصلحة في عزله لتعطيل مصالح الوقف بذٰلك فقد صح عزله. (تنقيح الفتاویٰ الحامدية ١/٢٠٨، محموديه ڈابھیل ١٤/٣٦٦)

قال في الأسعاف: لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل المقصد وكذا

تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به. (طحطاوی علی الدر کوئٹه ۲/ ۵۴۴، البحر الرائق زکریا ۵/۳۷۸، کوئٹه ۵/ ۲۲٦، شامی کراچی ٤/ ۳۸۰، زکریا ٦/ ۵۷۸)

ولو كان خائنا تنزع منه ويوليه غيره. (مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بیروت ۲/ ٦۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۱٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۵/ ۱۴۳۴ھ

متولی کا کہنا کہ مسجد ہم نے اپنے فائدے کے لیے بنوائی ہے کیسا ہے؟

سوال [۷٦٦۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو مسجد چندہ سے بنی ہو اور متولی یہ کہے کہ مسجد ہم نے اپنے فائدہ کے لیے بنوائی ہے جبکہ تمام محلّہ کی اس میں قربانی ہے تو یہ قول متولی کا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عرفان سلیم پور گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال مذکور میں متولی کا یہ کہنا کہ مسجد میں نے اپنے فائدہ کے لیے بنوائی ہے اس سے مراد اگر آخرت کا فائدہ ہے تو کوئی حرج نہیں ہے بلکہ حدیث **''من بنى لله مسجدا بنى الله له في الجنة مثله''.** (صحیح مسلم، باب فضل بناء المساجد والحث عليها، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۱، بيت الأفكار رقم: ۵۳۳)

کا مصداق ہوگا، اور اگر دنیاوی فائدہ مراد ہے تو مسجد کو اپنے ذاتی فائدہ کے لیے مخصوص کرنا درست نہیں اور متولی کا قول غلط ہے حتی کہ نماز کے لیے بھی مسجد میں اپنی جگہ مخصوص کرنے کا حق نہیں کہ وہاں کسی کو کھڑا ہونے اور نماز پڑھنے سے روکے، کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت میں نہیں ہوتی۔

وتخصيص مكان لنفسه وليس له ازعاج غيره منه لو مدرسا وتحته

فی الشامية: (وليس له) قال في القنية: له في المسجد موضع معين يواظب عليه وقد شغله غيره قال الأوزاعي له أن يزعجه وليس له ذٰلک عندنا أي لأن المسجد ليس ملكا لأحد. (در مختار مع الشامي، كتاب الصلاة باب ما يفسد الصلاة، وما يكره فيها، مطلب: فيمن سبقت يده إلى مباح، زكريا ۲/ ٤٣٦-٤٣٧، كراچی ١/ ٦٦٢، هنديه زكريا قديم ١/ ١٠٨، جديد ١/ ١٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۳)	۱۴۱۵/۵/۲۷ھ

وقف علی الخیر کو وقف علی الاولاد میں تبدیل کرنا

سوال [۷۶۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد ادریس واقف نے ۱۹۶۰ء میں اپنی کل جائیداد وقف علی الخیر کر دیا اور تا حیات خود ہی متولی رہے اور اپنے بعد اپنی دونوں بیویوں کو متولی قرار دیا، پھر بیویوں نے اپنے بعد کے لیے واقف کی شرط کے مطابق واقف کے نواسے اور پوتے افضال احمد ولد محمد جان کو متولی بنا دیا، پھر افضال احمد نے نجمہ (جو واقف کی بھتیجی اور گود پالی لڑکی تھی) کو متولیہ بنا دیا، جواب تک متولیۂ کل جائیداد ہے۔

دفعہ ۷/ میں واقف نے لکھا ہے کہ جائیداد مذکورہ کا متولیانہ انتظام کرکے باقاعدہ اس کی آمدنی ومصارف کا حساب رکھوں گا اور منہائی خرچ خانگی ومرمت وانتظام وغیرہ اور بعد ادائیگیٔ کل ٹیکس وغیرہ جو رقم بچے گی اس کو بکار خیر خرچ کرتا رہوں گا، اور ہر متولی اسی طرح عامل رہے گا۔

دفعہ ۸/ میں لکھا ہے کہ اس طرح جائیداد کی خالص آمدنی میں سے غرباء ومساکین کی امداد کی جائیگی، نیز منڈی ہلدوانی میں لڑکیوں کے مسلم اسکول کو (اگر کوئی قائم ہو جائے) رقم سالانہ دی جایا کرے گی، اگر کسی وقت ہلدوانی اور مراد آباد میں مندرجہ بالا قسم کے اسکول نہ ہوئے تو متولی دوسرے اسکولوں میں زیر تعلیم غریب مسلم طالبات کو وظائف دیا کریگا، ہلدوانی

کے مسلم اسکولوں کے علاوہ متولی دیگر جگہ پر بھی مسلم اسکولوں کو سالانہ رقم دے سکتا ہے۔

تو دریافت یہ کرنا ہے کہ واقف محمد ادریس کی وقف کردہ جائیداد مذکورہ شرائط کے مطابق وقف علی الخیر رہے گی اور شرط کے مطابق خرچ کیا جائیگا یا اسے اب موجودہ متولیہ وقف علی الاولاد کرسکتی ہے، جیسا کہ وقف بورڈ لکھنؤ سے وقف علی الخیر کو بدل کر وقف علی الاولاد کروالیا ہے، تو وقف علی الاولاد کروالینے کی وجہ سے واقف کی تمام اولاد کو اس میں سے آمدنی ملے گی یا صرف متولیہ کی اولاد کو آمدنی سے حصہ ملے گا، اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ اس وقف شدہ جائیداد کو وراثت کے طور پر تقسیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمادیں۔

المستفتی: اخلاق احمد قدوائی نگر ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف نامہ کی دفعات اور شرائط کو بغور پڑھا گیا اس میں متولی نے صاف لفظوں میں واضح کردیا ہے کہ مذکورہ جائیداد وقف علی الخیر ہے اور اس وقف میں ترمیم کا حق خود متولی کو بھی نہیں تھا، جیسا کہ متولی نے لکھا ہے اس لیے بعد میں لے پالک لڑکی نجمہ نے جو وقف بورڈ لکھنؤ سے وقف علی الخیر سے وقف علی الاولاد کی طرف منتقل کرلیا ہے، یہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے، ایسی متولیہ کو تولیت کا حق حاصل نہیں ہے، اور جیسا کہ وقف نامہ کے اندر منشاء وقف کے خلاف عمل ہونے کی صورت میں یا مناسب متولی کی تلاش کے لیے ہلدوانی کے جج کا مشورہ لازم قرار دیا گیا ہے، اس لیے جج کے سامنے موجودہ متولیہ کے خلاف تحریر اپیل کرکے اس متولیہ کو معزول کردیا جائے، اور مسلمانوں کے پانچ دیانتدار افراد کے ساتھ جج صاحب کی زیر سرپرستی تولیت کی تشکیل دی جائے، اور اس کے بعد مذکورہ جائیداد جس طرح وقف علی الخیر تھی اسی طرح وقف علی الخیر کی طرف منتقل کردی جائے، اور ہلدوانی مرادآباد میں مسلم لڑکیوں کے اسکول میں خرچ کرنے کی جو شرائط ہیں ان شرائط کے تحت طالبات کے مذکورہ اسکولوں میں خرچ کیا جائے اور مرادآباد محلّہ اصالتپورہ میں بنات القریش کے نام سے اسکول چل رہا ہے، اور یہ اسکول کافی عرصہ سے چل رہا ہے، اور فی الحال

بھی چل رہا ہے، ہلدوانی میں مسلم لڑکیوں کا اسکول ہے، تو اس (بنات القریش) میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے، اور اگر ہلدوانی میں نہیں ہے تو اس جائیداد کی آمدنی بنات القریش اصالت پورہ مرادآباد میں اور غریب مسلمانوں میں خرچ کرنا لازم اور واجب ہے اور وقف علی الاولاد کی شکل دینا ہرگز جائز نہیں اور نہ ہی اس جائیداد کو فروخت کرنا اور اس میں مالکانہ تصرف کرنا جائز ہے، بلکہ جس متولی کی سرپرستی میں وقف نامہ کی شرائط کے خلاف عمل ہوا ہے اس کو برطرف کردینا لازم ہے۔

وفي البزازية: إن عزل القاضي للخائن واجب عليه، ومقتضاه الإثم بتركه والإثم بتولية الخائن ولاشك فيه. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ۲/ ۶۰۲، مصرى قديم ۱/ ۷۶۲، شامى، مطلب يأثم بتولية الخائن، زكريا ۶/ ۵۷۸، كراچى ۴/ ۳۸۰، البحر الرائق زكريا ۵/ ۴۱۱، كوئٹه ۵/ ۲۴۵، بزازيه زكريا جديد ۳/ ۱۳۴، وعلى هامش الهندية ۶/ ۲۵۳)

نیز یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ وقف نامہ میں متولی نے کہا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں، لیکن سوال میں متولی کے نواسہ اور پوتا کا تذکرہ ہے، یہ کہاں سے آئے؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۴ھ

حسب مصالح واقف منتظمین کا جائیداد موقوفہ میں ترمیم وتعمیر کرنا

سوال [۷۶۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی شہر میں مسافر خانہ، مدرسہ، قبرستان وغیرہ دیگر عوامی مسلم فلاحی تعمیرات قائم کرتی ہے اور افراد کے بجائے رہبر اصول دستور وضوابط مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کو مابعد کارکنان کے لیے اس شرط کے ساتھ قابل پابندی قرار دے کر اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتی ہے کہ حسب مصالح ضوابط کے تحت ترمیم کا حق مابعد کے منتظمین کو حاصل رہے گا، تو کیا

مذکورہ بالاقسم کی عمارتوں میں توسیع وتعمیر وترمیمات ضروریہ کو یہ کہہ کر روکا جاسکتا ہے کہ یہ کارروائی منشاء واقف کے خلاف ہے، ضرورتِ سوال یوں پیش آئی کہ موجودہ گورنمنٹ نے اکثر فلاحی عمارتوں کو اگر کسی نے وقف میں درج کرادیں تو جائیداد موقوفہ قرار دیدیا ہے اور لفظ منشاء واقف مخالفین بطور حربہ استعمال کرسکتے ہیں جبکہ واقفِ موجودہ ادارہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: محمد علاءالدین ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ وقف جائیداد میں تعمیر وترمیم کی نہایت ضرورت ہے اس کے بغیر منافع بہت دشوار ہیں اور اس جماعت کے بانی ارکان نے حسب مصالح ضوابط کے تحت ترمیم کا حق مابعد منتظمین کو دے رکھا تھا تو اب ان عمارتوں میں تعمیر و توسیع وترمیمات ضروریہ ان کی منشاء کے خلاف نہیں ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/۳۳۳، کفایت المفتی قدیم ۷/۳۱۴، جدید مطول ۹/۴۸۶)

کما فی الشامیة فی الخیریة: قد صرحوا بأن الإعتبار فی الشروط لما هو الواقع لا لما کتب فی مکتوب الوقف. (الشامی، کتاب الوقف مطلب: فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا ٦/٦٤٩ **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۵۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۳/۱۴۱۷ھ

وقف علی الاولاد مکان کو متولی کا فروخت کرنا یا کرائے پر دینا

سوال [۷۶۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب الطاف حسین مرحوم نے اپنی ایک جائیداد مکان وقف علی الاولاد کیا اور اپنی حیات تک خود متولی رہے اور اپنے انتقال کے بعد اپنی لڑکی اشفاق جہاں اور اس کے بعد اس کی لڑکی عابدہ بیگم کو متولی قرار دیا، عابدہ کے بعد اس کی اولاد ذکور واناث میں سے جو پسر

اکبر ہوگا یا بڑی دختر ہوگی متولی ہوتے رہیں گے۔

(۱) اس وقت اس مکان کی اشفاق جہاں متولیہ ہیں کیا اشفاق جہاں متولیہ اس مکان موقوفہ کوفروخت کرسکتی ہیں؟

(۲) کیا متولیہ اشفاق جہاں اس مکان کو اپنی اولاد کوکرایہ پر دے سکتی ہیں اور جو آمدنی ہوگی وہ کس طرح تقسیم ہوگی؟

(۳) جواولادیں اس مکان میں نہیں رہ رہی ہیں وہ رہنے والوں سے کرایہ لے سکتی ہیں یانہیں؟

(۴) اس وقت اس مکان موقوفہ کی اشفاق جہاں متولیہ ہیں اور عابدہ بیگم کا انتقال ہو چکا ہے تو اب اشفاق جہاں کے بعد متولی کون ہوگا ؟

نوٹ: اس مکان میں اس وقت اشفاق جہاں اور ان کی اولادوں میں تین لڑکے اور ایک لڑکی رہتی ہیں اور تین لڑکیاں اور ایک لڑکا باہر رہتا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اشفاق جہاں متولیہ کے لیے اور اسی طرح بعد میں آنے والے کسی بھی متولی کے لیے مذکورہ مکان موقوفہ کوفروخت کرنا شرعاً جائز نہیں۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنى استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبى صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك فى سبيل الله وفى الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذى القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخارى، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷۶٤)

والمعلوم بالوقف من شرطه عدم البيع و نحوه. (فتح القدير، كتاب

الوقف، دار الفکر ٦/٢٠٤، زکریا ٦/١٩٠، کوئٹه ٥/٤١٩)

(۲) اشفاق جہاں متولیہ اپنی اولاد کو مکان موقوفہ کرایہ پر دے سکتی ہے، اور جن لوگوں پر آمدنی خرچ کرنے کے لیے واقف نے شرط لگائی ہے وقف نامہ کی شرط کے مطابق ان مستحقین پر آمدنی کا تقسیم ہونا لازم ہے۔

رجل وقف داره على قوم بأعيانهم وجعل آخره للفقراء فآجر المتولى الدار من الموقوف عليهم جازت الإجارة. (عالمگیری، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زکریا قدیم ٢/٤٢١، جدید ٢/٣٨٨)

فإن شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالک فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية. (شامی زکریا ٦/٥٥٩، کراچی ٤/٣٦٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٣١-١٣٢)

(۳) جب اشفاق جہاں متولیہ خود موجود ہیں تو آمدنی انھیں کو ملے گی، اشفاق جہاں کی موجودگی میں اشفاق جہاں کی ان اولادوں کو جو اس مکان میں نہیں رہ رہی ہیں آمدنی کا حصہ نہیں ملے گا، ہاں البتہ ماں جو چاہے اپنی مرضی سے اپنی اولاد کو دے سکتی ہے، وہ اس کے اختیار میں ہے، البتہ اشفاق جہاں کے مرنے کے بعد مکان میں رہنے والی اولادوں سے مکان میں نہ رہنے والی اولادیں اپنے حصوں کا کرایہ وصول کر سکتی ہیں۔

ولو قال أرضى هذه صدقة موقوفة على أولادى يدخل فيه البطون كلها لعموم اسم الأولاد ولكن يكون الكل للبطن الأول مادام باقيا فإذا انقرض يكون للثانى فإذا انقرض يكون للثالث والرابع والخامس فتشترک هذه البطون فى القسمة، والأقرب وإلا بعد فيه سواء. (عالمگیری، الباب الثالث فى المصارف، الفصل الثانى زکریا قدیم ٢/٣٧٤، جدید ٢/٣٦٠)

لو قال على أولادى يدخل فيه البطون كلها لعموم إسم الأولاد ولكن يقدم البطون الأول، فإذا انقرض فالثانى ثم من بعدهم يشترک جميع البطون فيه على السواء قريبهم و بعيدهم. (شامی، کتاب الوقف، مطلب لو قال على أولادى بلفظ الجمع، زکریا دیوبند ٦/٦٩٧، کراچی ٤/٤٦٩)

(۴) جب عابدہ بیگم کا انتقال اشفاق جہاں متولیہ کی موجودگی میں ہو چکا تو وقف نامہ کی شرائط کے مطابق اشفاق جہاں کی مذکر اولادوں میں جوسب سے بڑا زندہ ہے اسی کو تولیت حاصل ہوگی، لیکن آمدنی ذکور واناث کے درمیان ''وللذکر مثل حظ الانثیین'' کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، لڑکوں کودو دو اور لڑکیوں کو ایک ایک۔

ولو جعل الولاية لأ فضل أولاده وكانوا فى الفضل سواء تكون لأكبرهم سنا. (عالمگیری، الباب الخامس فی ولاية الوقف، زکریا قدیم ۲/ ۴۱۱، جدید ۲/ ۳۸۱)

يعطيهم على قدر المواريث للذكر مثل حظ الأنثيين. (تاتارخانية الفصل التاسع کوئٹه ۵/ ۷۶۵، زکریا ۸/ ۸۲ رقم: ۱۱۲۷۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۴/ صفر المظفر ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۰۴)	۱۴/۲/۱۴۲۳ھ

متولی کا مسجد کے سامان میں خیانت کرنا

سوال [۷۶۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کی دوکان ایک ہندو فوٹوگرافر کو دینا اور اس میں پوجا پاٹ ہونا جائز ہے یا نہیں، مسجد کے کرنٹ سے مسجد کے متولی صاحب اپنے گھر کی لائٹ اور ٹی وی چلاتے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز، مسجد کا پانی گھر میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، مسجد کی لکڑی گھر میں جلانا، مسجد کا گھنٹہ گھر میں چلانا جائز ہے یا نہیں، اور مسجد کا چندہ اور کرایہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ مسجد کا میٹر بند کرنا، حافظ قرآن کو جھوٹ بولنا جائز ہے یا نہیں، اور یہ ثابت ہوجائے کہ یہ جھوٹا ہے تو ان کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: سرفراز احمد کٹگھر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جتنے امر لکھے گئے ہیں ان کا

ارتکاب کرنے والاسخت ترین خائن ہے، ایسا شخص فاسق ہے اس کومتولی بنانا جائز نہیں ہے اور علاقہ کے تمام لوگوں پر لازم ہے کہ اس شخص کو فوراً مسجد کی تولیت سے الگ کر کے کسی متبع شریعت متولی کا انتخاب کریں۔

إن عزل القاضي للخائن واجب عليه و مقتضاه الإثم بتركه و الإثم بتولية الخائن و لاشک فيه . (مجمع الانهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٦٠٢/٢، مصرى قديم ٧٦٢/١، شامى، مطلب: يأثم بتولية الخائن، زكريا ٥٧٨/٦، كراچى ٣٨٠/٤، البحر الرائق كوئٹه ٢٤٥/٥، زكريا ٤١١/٥، بزازيه جديد ١٣٤/٣، وعلى هامش الهندية ٢٥٣/٦)

نیز جھوٹ بولنا کسی کے لیے بھی عام حالات میں جائز نہیں ہے ہاں البتہ دو آدمی کے درمیان صلح کرنے کے لیے اور فتنہ کو ختم کرنے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے تو اگر مذکورہ حافظ نے صلح اور جوڑ پیدا کرنے کے لیے جھوٹ بولا ہے اور بعد میں جھوٹ بولنا ثابت ہوگیا ہے تو وہ فاسق نہیں ہے۔

عن أسماء بنت يزيد قالت: قال رسول الله ﷺ: لا يحل الكذب إلا في ثلاث: يحدث الرجل امرأته ليرضيها و الكذب في الحرب، و الكذب ليصلح بين الناس. (سنن الترمذي، باب ما جاء في إصلاح ذات البين النسخة الهندية ١٥/٢، دار السلام رقم: ١٩٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۱۸ھ

متولی مسجد کی خیانت اگر ثابت ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۷۶۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منشی محمد جان وبلقیس جہاں میرے والدین نے کچھ مکانات وغیرہ وقف علی الاولاد کیے اور ہر لڑکی لڑکے کا الگ الگ مکان مقرر کردیا اس طرح اپنی جائیداد اپنی ملکیت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دیئے گئے۔

واقف کے ایک فرزند محمد نعمان نے وقف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے حصے کا وقف مکان وقف بورڈ سے اجازت بیع منسوب کر کے نہایت خفیہ اور راز دارانہ طریقے سے ایک شخص کے ہاتھ بیع قطعی کر دیا مجھ واقف کی دختر نے ان باتوں کی انکوائری کرائی اور مقدمہ لڑا یا اور سیل پرمیشن جعلی ثابت کرا دی، وقف بورڈ لکھنؤ میں مقدمہ ہوا اور اس نے اجازت بیع کو جعلی بتایا اور کلکٹر کو خریدار کا قبضہ ہٹانے کا آرڈر دیا مکان خالی ہو گیا میں نے بورڈ سے معلوم کیا کہ اب نعمان جو Defaulter بن گئے ہیں ان کا اس مکان میں کوئی حق بنتا ہے یا نہیں، وقف بورڈ نے صاف کہہ دیا کہ محمد نعمان کا اب ہرگز کوئی حق نہیں بنتا، اس سلسلے میں جناب عالی شرعی حکم سے مطلع فرما دیں۔

المستفتیه: گوہر جہاں محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی خیانت ثابت ہو جائے اس کی تولیت باقی رکھنا جائز نہیں ہے، جب محمد نعمان کی طرف سے خیانت ثابت ہو گئی اب اس کو کبھی متولی نہیں بنایا جا سکتا اور اس کے فروخت کر دینے کے بعد جتنا نقصان ہوا اور مقدمہ کا صرفہ اور خرچہ جو کچھ بھی ہوا ہے وہ اس کے حق میں سے وصول کیا جائیگا اس کے بعد وقف کی آمدنی میں سے اس کا جو حق بیٹھتا ہے وہ اس کو ملے گا مگر خود متولی اور منتظم نہیں بن سکتا، بلکہ جو دیانتدار شخص متولی ہوگا، وہی اس کا حق اس کو دیتا رہا کریگا۔

وقف علی نفر استولی علیه ظالم لایمکن انتزاعه من یده فادعی الموقوف علی واحد منهم أنه باع من هذا الظالم و سلمه إلیه وهو منکر فأرادوا تحلیفهم ذٰلک (إلی قوله) کما أن الفتویٰ فی غصب منافع الوقف بالضمان نظراً للوقف وهو اختیار مشائخنا ومتی قضیٰ علیه بالقیمة تؤخذ منه القیمة فیشتری بها ضیعة أخریٰ فتکون وقفا الخ. (هندیه، کتاب الوقف الباب التاسع فی غصب الوقف، زکریا قدیم ۲/۴۴۹، جدید ۲/۴۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۵۳۹۳/۳۳)

متولی کومسجد پر مالکانہ قبضہ اور ناجائز تصرف کا حق حاصل نہیں

سوال [۷۶۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص عرصۂ دراز سے مسجد کا متولی ہے اب دیرینہ تولیت کی بناء پر مسجد کے اندر مالکانہ تسلط کا اظہار کرنے لگا، وہ اس طرح کی نہ تو کسی کو مسجد کے چندہ کے اندر حق دار بناتا ہے، اگر چہ یہاں کی عوام چندہ بنیت ثواب دینا چاہتی ہے؟

(۲) اور نہ ہی مسجد کے اندر فضائل قرآن وحدیث کی تعلیم ہونے دیتا ہے اور نہ ہی مسجد کا کوئی حساب وغیرہ مصلیوں کے سامنے رکھتا ہے، مصلیوں کے زبردست اصرار پر بھی مسجد کے اندر فضائل قرآن وحدیث کونہیں ہونے دیتا، عوام اس حالت سے کافی پریشان ہے۔

(۳) جب ہوش مند حضرات کہتے ہیں کہ صاحب تعلیم حدیث کے اجراء کے خاطر اصحاب رسول ﷺ نے جام شہادت نوش فرمائے اور اب موجودہ علماءِ حق اس کی تگ ودو میں پسینہ بہارہے ہیں اور فرماتے ہیں نیز تجربہ بھی بتارہا ہے کہ اس طریقۂ تعلیم سے عوام کے اندر چند ہی روز کے اندر دینی شعور پیدا ہو جاتا ہے، اور عوام آخرت سے متعلق اپنے مستقبل سے آگاہ ہو جاتی ہے، تو متولی صاحب کا جواب یہ ہوتا ہے کہ میں کسی عالم والم کی باتوں کونہیں مانتا، اب عوام کا سوال یہ ہے کہ کیا ایسا آدمی تولیت کا حق دار ہوسکتا ہے، یا کہ نہیں نیز اس آدمی کا شریعت کے اندر کیا درجہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد شرعی وقف ہے اس کا متولی امین وحفیظ ہوتا ہے اگر سوال نامہ میں شخص مذکور واقعی خائن اور املاک مسجد اور مسجد میں اپنا مالکانہ تصرف جما رکھا ہے، تو مسجد کی کمیٹی اور مسلمانوں پر کسی دیانتدار متبع شرع متولی مقرر کرنا اور ایسے متولی کو معزول کر دینا لازم ہے۔

ولو كان خائنا شرع منه. (الدر المنتقى، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٤، قديم ١/ ٧٦١)

إن عـزل القـاضـي لـلخائن واجب عليه ومقتضاه الإثم بتركه والإثم بتـوليـة الخائن. (مجمع الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٦٠٢، مصرى قديم ١/٧٦٢، كراچی ٤/٣٨٠، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٤٥، زكريا ٤/٤١١)

(۲) مسجد کے اندر فضائل قرآن وحدیث کی تعلیم باعث نجات اور قبولیت اور بڑی فضیلت ہے۔

عـن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: وما اجتمع قوم في بيت من بيـوت الـله، يتلون كتاب الله ويتدراسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة و غشيتهـم الـرحـمة، وحـفتهم الملائكة و ذكرهم الله فيمن عنده الحديث.
(صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، النسخة الهندية ٢/٣٤٥، بيت الأفكار رقم: ٢٦٩٩)

(۳) اگر علماء کی دینی باتیں پیش کرنے کی وجہ سے مذکورہ جملہ استعمال کیا ہے تو بہت ممکن ہے کہ کفر تک پہنچ جاوے، اس لیے اپنے اس قسم کے جملوں سے توبہ کرکے باز آنا لازم ہے۔

(إلى) رجل عرض عليه خصمه فتوىٰ الأئمة فردها وقال "جه بار نامه فتوىٰ أو رده" قيل: يكفر الخ. (عالمگیری، الباب التاسع في أحكام المرتدين، زكريا قديم ٢/٢٧٢، جديد ٢/ ٢٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۸۹)	۱۲/۱/۱۴۱۱ھ

سود اور مسجد کی رقم استعمال کرنے والے متولی کا حکم

سوال [۷۶۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سہس پور محلّہ قاضیان کی مسجد کی آٹھ بیگہ زمین آبادی کے لیے مبلغ ساڑھے تین لاکھ روپئے میں فروخت ہوئی خریداران نے مہتمم صاحب کو مبلغ اسی ہزار روپئے بطور بیع

نامہ دیا، مہتمم صاحب نے وہ روپیہ بینک میں جمع کردیا، اتفاق سے مہتمم صاحب ایک قتل کے مقدمہ میں مشکوک ہوگئے جس کی وجہ سے بیع نامہ نہیں ہوسکا، مہتمم صاحب نے خریداران سے کہا کہ تم اپنا روپیہ مع سود کے واپس لے لو اب ہمیں زمین نہیں بیچنی ہے، لہٰذا ان کو اسی ہزار روپئے کی رقم واپس کردی، اور سود کا روپیہ ان کو نہیں دیا، جو کہ مبلغ بارہ ہزار روپئے تھا، وہ روپیہ مہتمم صاحب نے نہ تو مسجد کو دیا اور نہ خریداران کو واپس کیا جب محلّہ والوں نے تقاضہ کیا تو انہوں نے صفائی سے منع کردیا کہ نہ تو مسجد کو دینا ہے اور نہ خریداران کو، مہتمم صاحب بے نمازی اور بے عمل ہیں، مسجد کی رقم کو اپنے خرچ میں لگالیتے ہیں، یہ رقم دو سال تک بینک میں رہی اب آپ کی رائے کے محتاج ہیں اس بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟

المستفتی: واصف علی محلّہ سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بائع (متولی مسجد) اور مشتری کی باہم رضامندی سے معاملۂ بیع ختم ہوجانے کی وجہ سے بیع فسخ ہوگئی اور مشتری کی اصل رقم اس کو مل چکی ہے، اور مشتری کی بطور بیع نامہ دی ہوئی رقم سے جو سود کا بارہ ہزار روپیہ جمع ہوگیا ہے وہ بہر حال سود ہے، جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [البقرة: ٢٧٥]﴾

اس روپیہ کو شرعاً استعمال کرنے کا حق نہ متولیٔ مسجد کو ہے اور نہ مشتری کو بلکہ اس روپئے کو بلانیت ثواب غرباء محتاجوں میں اس نیت سے تقسیم کردینا کہ اس کے وبال سے محفوظ رہیں واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۲۱/۱۶، ڈابھیل ۴۴۴/۱۶، ۲۰۳/۴، ڈابھیل ۳۰۱/۱۶، ایضاح النوادر ۹۹/۱)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ٣٧/١، دار البشائر الإسلاميه ٣٥٩/١، رقم: ٥٩)

جو متولی مسجد کی رقم کو اپنے خرچ میں استعمال کرتا ہے اس کو شرعاً متولی رہنے کا حق نہیں

ایسی حالت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ کسی دوسرے شخص کو جو دیندار وامانت دار ہو متولی مقرر کرلیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۲۰۸، ڈابھیل ۱۴/ ۳۶۲)

لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر (إلى قوله) و أن الناظر إذا فسق استحق العزل ولاينعزل، كالقاضي إذا فسق لاينعزل على الصحيح المفتى به. شامی کتاب الوقف مطلب: فی شروط المتولی زکریا دیوبند ٦/٥٧٨-٥٧٩، کراچی ٤/٣٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۴/۲۸ھ

واقف کی غرض کے خلاف موقوفہ زمین میں تصرف کرنا

سوال [۷۶۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنی جگہ اس شرط پر مدرسہ دینیہ کو دی کہ وہ مدرسہ قائم کریں تا کہ ان کو ان کے بزرگوں کو ایصال ثواب ہو، محلّہ کے لوگوں نے اس کو قبول کرلیا اور اس میں تقریباً پندرہ بیس ہزار روپئے مدرسہ کے لگا دیئے، اب وقف کرنے والے وہ جگہ دینے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مدرسہ بناؤ تو لے لو ورنہ ہم نہیں دیں گے، محلّہ والے کہتے ہیں کہ آپ کو کوئی مطلب نہیں ہے ہم چاہیں مدرسہ بنوائیں یا مدرسہ کی آمد کا کوئی مکان تعمیر کرائیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ ان کو دی ہوئی جگہ لینے کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ریاست علی خان بدایوں، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب شخص مذکور نے اسی شرط پر اپنی جگہ مدرسہ کو دی ہے کہ اس میں مدرسہ ہی قائم کریں گے دوسرا کام نہیں تو ایسی صورت میں اس جگہ پر مدرسہ کے علاوہ دوسرا کام کرنا جائز نہ ہوگا، وقف کرنے والے کو اپنی غرض وقف کے خلاف

کرنے پر روک لگانے کا حق ہے، اور غرض وقف کے خلاف تصرف کرنے والے متولی اور ذمہ دار کو شرعی طور پر تولیت اور ذمہ داری سے برطرف کرنے کا حق ہے۔

وفی الجواهر: القیم إذا لم یراع الوقف یعزله القاضی (وقوله) أن للقاضی عزل المتولی الخائن غیر الواقف بالأولی. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فیما یعزل بالناظر، زکریا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/ ٣٨٠)

فإن کان فی نزعه مصلحة، یجب علیه إخراجه دفعا للضرر عن الوقف. (بزازیه زکریا جدید ٣/ ١٣٤، و علی هامش الهندیة ٦/ ٢٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۳۳/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۵ھ

٤ باب بيوع الأوقاف

وقف کی زمین فروخت کرنا

سوال [۷۶۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی کلن مرحوم ساکن گل شہید مراد آباد نے اپنی حیات میں خرید کردہ وتعمیر کردہ جائیداد کو۱۹۳۲ء و ۱۹۳۵ء میں وقف علی الاولاد وعلی الخیر کیا جس کی عبارت کو دونوں وقف ناموں میں اس طرح درج کیا گیا ہے:

وقف کیا میں نے اور جائیداد ہائے موقوفہ کو اپنے قبضہ وملکیت سے نکال کر اللہ جل شانہ کے قبضہ اور ملکیت میں دیدیا میں نے اور آج کی تاریخ سے ہی میرا کوئی وارث یا جانشین مالک ان جائیدادوں کا نہیں رہا، اور وہ تمام جائیدا دملکیت اللہ جل شانہ میں داخل ہوگئیں اور اثر زوال سے محفوظ ہوگئیں، اور اب یا آئندہ مجھ کو یا میرے وارثان کو جائیداد ہائے موقوفہ کے جز یا کل کو یا ان کی آمدنی کو بذریعۂ بیع یا ہبہ، رہن دخلی یا ضمانت بکفالت یا بالعوض دین مہر یا کسی اور طریقہ پر منتقل کا یا کسی مطالبہ کے زیر بار کرنے کا حق اور اختیار نہیں رہا۔

اس وقت جائیدا دہائے موقوفہ کی آمدنی کرایہ وارثان شرعی کو کم آمدنی کرایہ ہونے کی وجہ سے کم مل رہا ہے ایسی حالت میں ورثاء اور متولیان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کیوں نہ ان تمام وقف جائیدا دکو فروخت کر کے جدید جائیداد خرید کر زیادہ سے زیادہ کرایہ پر دی جائے خرید کردہ جائیداد کو وقف ناموں کے مطابق اس پر عمل کیا جائے، تا کہ ورثاء کو زیادہ سے زیادہ آمدنی کرایہ حاصل ہو اور اس کے مطابق مصارف خیر میں خرچ کیا جائے، لہٰذا متولی یا کوئی بھی وارث اس کام کو شرعاً یا اخلاقاً کرسکتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحمٰن سرائے شیخ محمود مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محض آمدنی کم ملنے کی وجہ سے وقف کی جائیداد فروخت کرکے دوسری جائیداد لینے کی شرعاً اجازت نہیں ہے جو کچھ مل رہا ہے اس پر قناعت کرکے وقف کی جائیداد کو اپنی جگہ باقی رکھنا لازم ہے۔

والثالث أن لایشرطه أیضا ولکن فیه نفع في الجملة، وبدله خیر منه ریعا و نفعا وهذا لایجوز استبداله علی الأصح المختار. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: في استبدال الوقف وشروطه، کراچی ۳۸۴/۴، زکریا ۵۸۴/۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۰۲/۳۲)

زیادتیٔ آمدنی کی غرض سے وقف کی زمین فروخت کرنا

سوال [۷۶۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی زمین یا مکان کسی مدرسہ یا مسجد کے لیے وقف کی گئی جس سے وقف کرنے والے کا مقصد صدقۂ جاریہ ہے اور اس سے بذریعۂ کاشت یا کرایہ آمدنی بھی ہو رہی ہے لیکن اگر اس کو فروخت کرکے اس رقم سے کسی دوسری جگہ اچھی کوئی مکان یا دوکان بنا کر اس کو کرایہ پر چڑھایا جائے تاکہ پہلے کے مقابلے پر آمدنی زائد حاصل ہو سکے، یا پھر اس رقم سے اسی مسجد میں کوئی درسگاہ یا کمرہ اور اسی مسجد کا کوئی حصہ بنا دیا جائے، تاکہ وقف کرنے والے کا مقصد صدقۂ جاریہ بھی پورا ہو سکے، اور آمدنی بھی بڑھ جائے یا مدرسہ اور مسجد کی ضرورت بھی پوری ہو جائے، اس مقصد سے اس موقوفہ جائیداد کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحیم روڑکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں موقوفہ زمین

اورمکان قابل انتفاع ہیں اس لیے محض نفع کی زیادتی کی غرض سے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

والثالث أن لایشرطه أیضا ولکن فیه نفع فی الجملة، وبدله خیر منه ریعا و نفعا وهذا لایجوز استبداله علی الأصح المختار. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، کراچی ٤/٣٨٤، زکریا ٦/٥٨٤)

(وقوله) بل اتفق أنه أمکن أن یؤخذ بثمنه ما هو خیر منه مع کونه منتفعا به فینبغی أن لایجوز لأن الواجب إبقاء الوقف علی ما کان علیه دون زیادة. (شامی کوئٹه ٣/٤٢٧، کراچی ٤/٣٨٨، زکریا ٦/٥٨٩، فتح القدیر، مطبوعه دار الفکر لبنان ٦/٢٢٨، کوئٹه ٥/٤٤٠، زکریا ٦/٢١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۵۰)

نا قابل انتفاع موقوفہ زمین کو بیچ کر قابل انتفاع زمین خریدنا

سوال [۷۶۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ میمونہ نے اپنی حیات میں تقریباً اپنی چار بیگھہ زمین مدرسہ رحمانیہ ٹانڈہ بادلی کے نام وصیت کردی تھی، مدرسہ اب تک اس پر قابض بھی ہے لیکن اس زمین کے قرب وجوار کے لوگوں سے اس زمین پر قابض ہونے کا سخت خطرہ ہے، وہ زمین فی الحال انہیں لوگوں کی کرایہ داری میں ہے، لیکن مدرسہ رحمانیہ کو کرایہ کے نام پر کوئی پیسہ نہیں دیتے ہیں، اب اس زمین کے مدرسہ کے قبضہ سے نکلنے کے خطرہ کے ساتھ ساتھ مدرسہ کو کرایہ نہ ملنے کی بناء پر بالکل نا قابل انتفاع ہوگئی ہے، ان وجوہات کی بنا پر مدرسہ رحمانیہ کی منتظمہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس زمین کو بیچ کر واقف کے نام مدرسہ رحمانیہ میں کمرہ یا درسگاہ تعمیر کرادی جائے تا کہ میت کو اس کا ثواب پہنچتا رہے، تو کیا یہ فیصلہ شرعاً درست ہے؟ تحریر فرمائیں۔

نیز بتلائیں کہ اگر کوئی وقف نا قابل انتفاع ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کے عوض

دوسری زمین اس رقم سے خرید کر وقف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالغفور صاحب مہتمم جامعہ رحمانیہ ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جبکہ مذکورہ زمین موقوفہ مدرسہ رحمانیہ کے حق میں بالکل ناقابل انتفاع ہوگئی ہے تو منتظمہ کا مذکورہ فیصلہ شرعاً صحیح اور درست ہے۔

والثاني أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا أو لا يفى بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، مطبوعه کوئٹه ٤٢٤/٣، کراچی ٣٨٤/٤، زکریا ٥٨٣/٦، البحر الرائق کوئٹه ٢٢٣/٥، زکریا ٣٧٣/٥)

وصح شرط أن يستبدل به أى بالوقف غيره أى يبيعه و يشترى بثمنه أرضا أخرىٰ إذا شاء عند أبى يوسف استحسانا لأن فيه تحويله إلى ما يكون خيرا من الأول أو مثله فكان تقريراً لا إبطالا فإذا فعل صارت الثانية كالأولىٰ فى شرائطها. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٥٧٦/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲/۲۴)

مسجد کی زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک قطعۂ مکان کا مالک ہے وہ غیر شادی شدہ ہے اس کے ورثاء میں صرف بھتیجے ہیں اس نے اپنی زندگی میں سلامتیٔ ہوش وحواس بھتیجوں کو نہ دے کر اپنا سارا حصہ مسجد کو وقف کر دیا ہے لیکن مسجد اس پر ابھی تک اپنا قبضہ ودخل نہیں کرسکی ہے، بھتیجے اس وقف پر راضی نہیں ہیں، کیا یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اس وقف کو تبدیل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ذاکر حسین، محلّہ دانگ محمد علی روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ واقعہ کے مطابق نہیں ہے، سوالنامہ میں مسجد کو وقف کرنے کا ذکر ہے، اور ۲۲/رجب ۱۴۳۳ھ میں وقف نامہ کہہ کر اس کا جواب لیا گیا ہے، اور اب جبکہ وقف نامہ منگوایا گیا تو ثابت ہوا کہ وقف نامہ نہیں ہے بلکہ رجسٹری بیع نامہ ہے کہ مسجد نے مذکورہ مکان خریدا ہے لہٰذا مکان کا وہ حصہ جس کی رجسٹری مذکور ہے وہ شرعی طور پر مسجد کی ملکیت ہے، اور جن لوگوں کا قبضہ اس مکان پر ہے وہ ناجائز قبضہ ہے، ہاں البتہ اگر مسجد کو قبضہ نہیں مل پا رہا ہے اور قابض لوگ اس کو خرید کر قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں تو اس کی مناسب قیمت متعین کر کے مسجد اس کو فروخت کر دے اور اس پیسہ کے ذریعہ سے مسجد کے لیے کوئی مناسب جائیداد خرید لی جائے جس سے مسجد کے لیے آمدنی کا سلسلہ جاری رہے، تو اس طرح کرنے کی ضرورتاً گنجائش ہے۔

مبادلة الوقف بدار آخر إنما يجوز إذا كانتا فى محلة واحدة أو محلة أخرىٰ خيرا وبالعكس لايجوز. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستبدال، کراچی ٤/٣٨٦، زکریا ٦/٥٨٦)

مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ إنما تجوز إذا كانتا فى محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة وعلى عكسه لايجوز. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸۷)

تکمیل وقف کے بعد ہبہ کرنا

سوال [۷۶۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی جائیداد وقف علی الاولاد ہو تو کیا اس کو بیچا جا سکتا ہے، اس کے بیچنے سے کوئی گناہ تو نہیں؟

المستفتی: منصور احمد شمسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف کامل ومکمل ہوچکنے کے بعد اس کا فروخت کرنا ہبہ کرنا، گروی رکھنا وغیرہ ہرگز جائز نہیں ہے، اگر فروخت کی جائے تو فروخت کرنے والا سخت ترین گنہگار ہوگا اور عقد بیع فسخ کرنا لازم ہوگا۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

فإذا تم و لزم لا يملك ولايملك ولا يعار ولا يرهن. (الدر المختار، كتاب الوقف مطلب: مهم فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة الخ كراچی ٤/٣٥٢، زكريا ٦/٥٣٩)

إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولاتمليكه. (هدايه، اشرفی ديوبند ٢/٦٤٠، هنديه زكريا قديم ٢/٣٥٠، جديد ٢/٣٤٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۹۸)

موقوفہ زمین کوفروخت کرنا

سوال [۷۶۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک چوپال جس میں نماز پنجگانہ وجمعہ وتعلیم ودینیات اردو لگ بھگ عرصہ پچاس ساٹھ برس پیشتر سے ہورہی تھی، جب کہ اس بستی میں کوئی مسجد ودینی مدرسہ نہیں تھا یہ جگہ چند لوگوں کی ملکیت تھی، جس کو ان لوگوں نے مستقل طور پر نماز پنج گانہ وجمعہ وتعلیم دینی کے لیے وقف کرر کھا تھا، اب چند سال سے مسجد بھی اسی محلّہ میں قائم ہوگئی ہے جس میں نماز پنج گانہ و جمعہ ہورہا ہے، نیز زمانہ کے حالات دیکھتے ہوئے چونکہ اس چوپال کے بغل میں ایک پنڈت کا مکان ہے جس کے دینیات کے سکھلانے میں حارج ہونے کا امکان تھا، نیز جگہ کے بے موقع ہونے کی وجہ سے ایک صاحب خیر نے اپنی مقبوضہ گرام سماج کی زمین کو وقف کردیا جس میں مدرسہ کی کچھ عمارت پختہ بلا چھت کے قائم ہے، اور تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔

اب مذکورہ چوپال خالی پڑی ہے جبکہ یہ طے ہوا تھا کہ یہ جگہ مدرسہ ہی میں وقف رہے گی اور مدرسہ کے ہی کام میں خرچ ہوگی، اب اس چوپال کے بیچنے کے بچار میں ہیں، مسلمان (بالخصوص جن لوگوں نے وقف کیا تھا ان میں بعض باحیات ہیں اور بعض فوت ہوگئے ہیں لیکن ان کے ورثاء) لہٰذا بالتفصیل واضح فرمائیں کہ اس موقوفہ چوپال جس میں برسہا برس سے پنج وقتہ نماز اور نماز جمعہ اور تعلیم دینیات ہوتی چلی آرہی تھی، بعدہٗ چند سالوں سے خالی پڑی ہے، اس کی بکری (فروختگی جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کی رقم مدرسہ میں یا مسجد میں یا ان دونوں جگہوں میں سے کس جگہ استعمال کی جائے نیز اس کی فروختگی مسلم کے ہاتھ کی جاسکتی ہے یا غیر مسلم کے ہاتھ بھی کی جاسکتی ہے؟

المستفتی: محمد اسلم مدرسہ ضیاء العلوم سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زمین ایک مرتبہ وقف ہوچکی ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے اللہ کی ملکیت ہوگئی اس کو بلا عذر شرعی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ غرض واقف کے مطابق اس کو مسجد یا مدرسہ کے کام میں لانا لازم وضروری ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا

وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبی ﷺ تصدق بأصله، لا يباع ولا يوهب ولا يورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك فی سبيل الله وفی الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذی القربیٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاری، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامی حتی إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲٦۸۳، ف: ۲۷٦٤)

وإذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه . (هدايه، كتاب الوقف، اشرفی ديوبند ۲/ ٦٤٠، هنديه زكريا قديم ۲/ ۳٥٠، جديد ۲/ ۳٤٦، بدائع زكريا ٥/ ۳۲٦، فتاویٰ خانية زكريا ۳/ ۱۹۹، وعلی هامش الهندية زكريا ۳/ ۲۸٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۱۷)

موقوف زمین کوفروخت کر کے اس کی جگہ دوسری زمین خریدنا

سوال [۷۶۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ اسلامیہ معارف العلوم قصبہ سہس پور بجنور یوپی ہند کی تقریباً **۳۰**/ سال سے ایک موقوفہ زمین پڑی ہے اس سے مدرسہ کو کوئی فائدہ نہیں ہے اب تک کوئی پیسہ اس سے مدرسہ کو نہیں ملا اور آئندہ بھی اس سے مدرسہ کو فائدہ پہنچنے کی کوئی امید نہیں، اب مدرسہ کے ذمہ داران یہ چاہتے ہیں کہ اس موقوفہ زمین کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے قریب کی ایک زمین لی جائے جس سے مدرسہ کو فائدہ پہنچے گا، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

المستفتی: امیر احمد سہس پور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر موجودہ حالت میں موقوفہ زمین موقوف علیہ یعنی

مدرسہ کے لیے کسی قسم کے فائدہ کا باعث نہیں ہے اور اس سے کوئی پیسہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، اور نہ ہی مدرسہ کو وہاں تعمیر کی ضرورت ہے تو ایسی بے فائدہ حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی پوری قیمت سے ایسی زمین خرید کر مدرسہ کے نام رجسٹری کر دینا جائز ہوگا جس سے مدرسہ کو فائدہ اور آمدنی پہنچتی ہو، نیز اس کا خیال رکھنا لازم ہے کہ جو زمین خریدی جائے اس کی مدرسہ کے نام پر رجسٹری کروالی جائے نیز یہ بھی لازمی شرط ہے کہ یہ سارا کام کمیٹی کی متفقہ رائے سے ہو۔

والثاني أن لايشترطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا ولا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه. (شامي، كتاب الوقف، مطلب: في استبدال الوقف و شروطه، كوئٹه ٣/ ٤٢٤، كراچی ٤/ ٣٨٤، زكريا ٦/ ٥٨٣، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٢٢٣، زكريا ٥/ ٣٧٣، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۲۰)

مسجد کے لیے وقف شدہ زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۶۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے سرکار سے زمین خریدی کچھ مدت تک اس زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے بعد مسجد کے نام پر وقف کر دیا، مسجد والے اس زمین کی پیداوار غلہ کو فروخت کر کے مسجد میں صرف کرتے رہے لیکن اب اس زمین کو فروخت کر کے محلّہ کی اس مسجد کی تعمیر کو مکمل کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے وہ وقف کی گئی تھی، لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں دلیل دے کر وضاحت فرمائیں کہ ایسا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد یاسین گوپال پور بھاگل پور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراس مسجد کی ملکیت میں نہیں دی ہے بلکہ اس مسجد کے نام سے وقف کیا ہے تا کہ اس کے منافع سے مسجد کو فائدہ پہنچتا رہے تو ایسی صورت میں اس موقوفہ زمین کے کسی بھی حصہ کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے چاہے اس کی رقم اسی مسجد ہی میں خرچ ہوتی ہو اس لیے کہ فروخت کرنے میں غرض واقف کی مخالفت لازم آتی ہے جو جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۴ھ

مسجد کی موقوفہ زمین فروخت کرنا

سوال [۷۶۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسماۃ سعیداً جولا ولد تھیں ۱۹۴۴ء میں اپنا ایک مکان مسجد نیازیان امروہہ کے لیے وقف کر دیا جو اس وقت منہدم ہو چکا ہے اس موقوفہ مکان کا سرکاری کاغذ جو سعیداً نے وقف کرتے وقت مسجد کے لیے لکھا تھا موجود ہے، بیس سال سے جو کرایہ دار اس میں رہتا تھا بیس سال سے اس نے اس کا کرایہ بھی ادا نہیں کیا، کرایہ ۱۲؍روپیہ ماہانہ مقرر ہوا تھا کرایہ دار اس منہدم مکان کو ترک کر کے دوسرے مکان میں رہنے لگا یہ موقوفہ مکان ایسے چند مکانوں میں سے ایک ہے جن کا راستہ مشترک ہے، اسی درمیان شاہنواز نامی ایک شخص نے مسجد کے نمازیوں اور متولی سے پوچھے بغیر اس موقوفہ مکان کی تعمیر کرانی شروع کرادی، مسجد کے اکثر نمازیوں نے میٹنگ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ہم مکان مذکور نہ تو شاہنواز صاحب کو دیں گے اور نہ گذشتہ کرایہ دار کو یہ مکان مسجد سے ہٹ کر ذرا فاصلہ سے ہے دونوں طرف (شاہنواز اور گذشتہ کرایہ دار) کے درمیان تنازع شدید ہے، مسجد کے اکثر نمازی متولی سمیت مکان

مذکور کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرکے اس کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا چاہتے ہیں کیا مسجد کے نمازی ایسا کر سکتے ہیں یعنی یہ مکانِ موقوف فروخت ہوسکتا ہے یا نہیں اگر یہ مکان فروخت نہیں ہوگا تو کوئی بھی اس کو اپنے قبضہ میں لے لے گا؟

المستفتی: محمد عبداللہ امروہوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داران کی اجازت کے بغیر شاہنواز کا اس موقوفہ زمین میں تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی پرانا کرایہ دار کے لیے جائز ہے بلکہ ذمہ داران مسجد ہی مسجد کی مصلحت اور منافع کو پیش نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کریں گے نیز اس کو فروخت کرکے اس کا پیسہ مسجد میں لگانا اس کے وجود کو وقف سے ختم کر دینا بھی جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد کے زیر تحت مکان یا دوکان کی شکل میں مسجد کی کل آمدنی کا ذریعہ بنایا جائے اور ذمہ داران مسجد پر اس کی حفاظت لازم ہے۔

وإذا خربت أرض الوقف وأراد القيم أن يبيع بعضا منها ليرمّ الباقي بثمن ما باع، ليس له ذلك. (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ۸/٦٦ رقم: ١١٢٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۹۲/۳۳)

مسجد کی زمین کب فروخت کرنا جائز ہے؟

سوال [۷۶۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موتی مسجد ٹانڈہ کا ایک باغ ہے جو کہ وقف ہے مسجد کے پاس کوئی نقشہ آراضی لمبائی چوڑائی کا نہیں ہے وقف کرنے والا، ایک زمانہ ہوا، انتقال کر چکا ہے، سرکاری تحصیل کے نقشہ سے معلوم ہوا کہ کچھ آراضی وقف ہٰذا کی دوسرے کے قبضہ میں ہے، سابق متولی حاجی سبطہ نبی مرحوم نے عدالت میں دعویٰ کردیا مقدمہ مسجد کے حق میں طے ہو

گیا اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ پنچایتی طور پر مسجد کو آراضی کا معاوضہ دلوا دیا جائے اور آراضی قبضہ دار سے خالی نہ کرائی جائے، قبضہ دار کے حق میں چھوڑ دیا جائے تو کیا از روئے شرع مقتدیان مسجد کو پنچایتی طور پر آراضیٔ مسجد کو چھوڑ دینے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ متولیٔ مسجد کو جو کہ وقف کرنے والوں کا پڑپوتا ہے کیا قبضہ دار سے زمین کا معاوضہ لینے کا حق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ضیاء النبی متولی مسجد موتی ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مقدمہ میں کامیابی حاصل ہوجانے کے بعد اگر آئندہ وقف کی مذکورہ زمین کے ضائع ہوجانے اور دوسروں کے قبضہ میں چلے جانے کا خطرہ نہ ہو تو اس زمین کو فروخت کرنا درست نہ ہوگا زمین ہی وقف کی شکل میں باقی رکھنا لازم ہوگا لہٰذا اگر بآسانی زمین ہی وصول ہوسکتی ہے تو معاوضہ وصول نہ کیا جائے، کیونکہ واقف کی شرط کی رعایت کرنا واجب ہوتی ہے۔

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

لہٰذا زمین ہی واپس لے لی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب المرجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۱۵ھ

مسجد کی زمین بضرورت فروخت کرنا

سوال [۷۶۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کی موقوفہ آراضی جو کسی وقت قابل کاشت تھی اب اس کے چاروں طرف رائس ملز کے بن جانے سے قابل انتفاع نہیں رہی، اہل محلّہ کی خواہش ہے کہ اس آراضی کو

فروخت کر کے کسی اور جگہ آراضی خرید لی جائے، معلوم کرنا یہ ہے کہ اس طرح کی تبدیلی شرعاً درست ہے یا نہیں؟ چونکہ آراضی کی مالیت تو رائس ملز کے درمیان واقع ہونے سے بہت بڑھ گئی ہے مگر کاشت ہونا بند ہوگئی ہے جس کی وجہ سے مسجد کی آمدنی بالکل ختم ہوگئی اور فروختگی کی صورت میں آراضی دوگنا بڑھ جائے گی، اور آمدنی بھی بہتر ہو جائے گی، امید ہے کہ جواب تسلی بخش عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: مولانا عبدالغفور صاحب ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ آراضی سے مسجد کی آمدنی بالکل ختم ہورہی ہے تو اس زمین کو فروخت کر کے مسجد کی آمدنی کے لیے کوئی دوسری اچھی زمین خرید لینا اور مسجد کے نام وقف کر دینا جائز اور درست ہے، البتہ مسجد کی کمیٹی کی اجازت بھی اس میں لازم ہے۔

والثانی أن لا یشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بأن لایحصل منه شیئ أصلا ولا یفی بمؤنته فهو أیضا جائز وعلی الأصح، إذا کان بإذن القاضی. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی استبدال الوقف وشروطه، کوئٹه ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸٤، زکریا ٦/۵۸۳، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۷٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۳۲)

مسجد کی خستہ زمین فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا

سوال [۷٦۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعۂ زمین جو مسجد کی ہے باپ دادا کے زمانہ سے متولی کے نام سے چلی آرہی ہے، متولی اس کو فروخت کر کے مسجد کی دوسری آراضی پر مسجد کے لیے مکانات تعمیر کرانا

چاہتا ہے آیا ایسی زمین فروخت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: مسجد کی مذکورہ زمین بیکار پڑی ہے آبادی کے قریب ہے اور تالاب کے کنارے ہے اس آراضی سے لوگ مٹی کھودتے ہیں کچھ حصہ تالاب ہو گیا ہے تو اس زمین کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور فروخت کرنے کے بعد حاصل شدہ رقم سے مسجد کی دوسری آراضی پر مسجد کے لیے مکانات تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: حامد علی، خادم ارشاد العلوم ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین سے مسجد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے تو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری ایسی زمین خریدنا جائز ہے جس سے مسجد کو مستقل فائدہ پہنچتا رہے لیکن فروخت شدہ زمین کی قیمت اور پیسہ کو تعمیر وغیرہ میں لگانا جائز نہیں ہے۔

سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت وتعذر استغلالها هل للمتولی بیعها و یشتری بثمنها أخریٰ قال نعم (إلی قوله) وإذا صار الوقف بحیث لا ینتفع به المساکین فللقاضی أن یبیعه و یشتری بثمنه غیره. (فتح القدیر، کتاب الوقف فصل و إذا بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه، دار الفکر بیروت ٦/ ٢٣٧، کوئٹه ٥/٤٤٧، زکریا ٦/ ٢٢٠، بنایة قدیم ٢/ ١٠٧، جدید اشرفیه دیوبند ٧/ ٤٥٩، هکذا فی البحر کوئٹه ٥/ ٢٥٢، زکریا ٥/ ٣٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱/ ۱۴۱۶ھ

کیا مسجد شرعی بننے کے بعد اسے بیچا نہیں جا سکتا؟

سوال [۷۶۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج سے تینتالیس سال قبل یعنی ۱۹۵۵ء میں پورے عوام الناس کی اتفاق رائے

سے چار گھٹ زمین تعمیر کے لیے خریدی گئی، ابھی تعمیر زیر غور رہی تھی، کہ عرصہ پانچ سال گذر گیا، دریں اثناء زید نے اپنی متنازعہ زمین میں سے ایک گھٹ زمین تعمیر مسجد کے لیے وقف کردیا جو مجوزہ چار گھٹ سے کافی دور الگ ہے، باتفاق رائے زید کی دی ہوئی زمین ایک گھٹ پر کچے گارے کی کھپڑ اپوش مسجد تعمیر ہوگئی، تقریباً چالیس سال سے باقاعدہ پانچ وقت کی نماز واذان جمعہ قائم ہے دریں اثناء مجوزہ چار گھٹ مسجد کی زمین اتفاق رائے سے بکر کو ایک بیگھہ زمین کے بدلے دیدی گئی جس میں انہوں نے مکان تعمیر کرلیا، ایک بیگھہ زمین کی آمدنی مسجد موجودہ کے فنڈ میں آتی ہے اور اب چالیس سالہ قائم کی ہوئی کچی مسجد سے پچھّم تقریباً چالیس گز کی دوری پر جبریہ دو گھٹ زمین خرید کر ایک پختہ مسجد کی بنیاد ڈال دی گئی ہے جو زیر تعمیر ہے، بار بار ایسا کرنا کیا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے؟ اور کون سی مسجد صحیح ہوگی؟

المستفتی: محمد رستم علی بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو زمین مسجد کے لیے وقف ہوچکی ہے اور اس میں کچی تعمیر کرکے نمازیں بھی شروع ہوچکی ہیں وہ زمین ہمیشہ کے لیے مسجد کی رہے گی قیامت تک مسجد کے علاوہ اس زمین کو کسی دوسرے کام میں لانا جائز نہیں ہے، پختہ مسجد اسی زمین پر بنانی چاہیے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق...... فإذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولا سكنى. (در مختار، كتاب الوقف قبيل مطلب: فيما لو خرب المسجد او غيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۴۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۱۵ھ

مسجد شرعی کے تحقق کے بعد اس کی خرید وفروخت کا حکم

سوال [۷۶۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر نیچریال ضلع عادل آباد محلّہ رحمت نگر میں ۱۹۸۴ء میں ایک دینی درسگاہ بچوں کی تعلیم کے لیے بنوائی گئی تھی، یہ درسگاہ جو سیمنٹ کے ٹین شیڈ سے بنائی گئی تھی، جامع مسجد کافی دور ہونے کے باعث ہم تمام اہلیان رحمت نگر اس میں پنج وقتہ نمازیں و جمعہ وغیرہ بھی ادا کرنے لگے اور آج تک مستقل ادا کررہے ہیں اور اس کا نام مسجد نورین دے دیا لیکن یہ عمارت شہر سے بالکل ہٹ کر متصل آبادی کے ایک نشیبی جگہ پر واقع ہے، جو ایک چھوٹی ندی کا ساحل بھی ہے قریب ہی گوداوری ندی واقع ہے، زیادہ بارش ہونے کی صورت میں طغیانی کا پانی مسجد میں داخل ہوجاتا ہے اور تقریباً ۴/فٹ اونچائی تک ہوجاتا ہے پانی ختم ہونے تک دو تین دنوں تک اس میں نماز ادا نہیں کرسکتے، اس لیے اہلیان محلّہ ومصلیان مسجد کا ارادہ ہے کہ اس ٹین شیڈ کو صرف مدرسہ کی حد تک رکھ کر مسجد کہیں اندرون محلّہ اونچے مقام پر تعمیر کرلیں اس پریشانی کے باعث اس عمارت جس کا نام مسجد نورین دیدیا گیا ہے یہ مدرسہ میں منتقل کرکے دوسری جگہ مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر عمارت مذکورہ کو مدرسہ میں منتقل کرنا ناجائز ہے تو پھر اس پریشانی میں کیا کریں، جبکہ بارش کے ایام میں پانی مسجد میں داخل ہوجاتا ہے اور اس کی عمارت متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ کئی دنوں تک ہم لوگ اس میں نماز بھی ادا نہیں کرسکتے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: سید مصطفیٰ علی رحمت نگر ضلع عادل آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ عمارت مسجد کی نیت سے نہیں بنائی گئی تھی بلکہ ضرورت کی بناء پر وہاں نماز کا سلسلہ شروع ہوا ہے اور نہ ہی بعد میں ذمہ داران نے اس کو ہمیشہ کی مسجد میں تبدیلی کی نیت کی ہے بلکہ وقتی ضرورت کے لحاظ سے جمعہ و پنج گانہ نماز

اس میں ادا کی جا رہی ہے تو وہ شرعی مسجد نہیں ہے اس کو دوسری ضروریات کیلئے منتقل کرنا جائز ہوگا لیکن اگر تعمیر کے وقت مسجد کی نیت کی گئی ہے یا بعد میں مسجد میں منتقل کرنے کی نیت کی جا چکی ہے تو پھر اس کو کسی دوسری چیز میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ہمیشہ کے لیے وہ مسجد ہی رہے گی اب لوگ خود اس بارے میں خود غور فرمائیں کہ حقیقت کیا ہے؟

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلك لم يصدق.

(در مختار، كتاب الوقف قبيل مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۰۰)

تعمیر مسجد کے لیے زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۶۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بستی میں ایک پرانی مسجد ہے جس کی پرانی عمارت کو توڑ کر از سرِ نو بنانے کا ہم نے فیصلہ کیا ہے مگر غربت کی وجہ سے بستی والوں کو اتنی مالی قدرت نہیں ہے کہ باہمی چندہ دے کر اسے جدید بنا سکیں، اس لیے مسجد کے متولی صاحب نے ساری بستی والوں سے مشورہ کر کے مسجد کی وقف زمینوں میں سے دو زمینوں کو بیچ دیا اور اسی روپیہ سے تجدید کے کام کو شروع کیا، مذکورہ دونوں زمینوں کو ایک مسلمان نے وقف کیا تھا، جن کا بہت برس پہلے انتقال ہو چکا ہے، اور حال میں مرحوم کی نہ کوئی اولاد باقی ہے نہ کوئی ہم عمر نہ کوئی ایسا شخص جس سے ہم یہ بات معلوم کر سکیں کہ مرحوم نے دونوں زمینوں کو عدم فروخت کی شرط پر وقف کیا تھا، یا مطلقاً مسجد کی اعانت کے لیے وقف کیا تھا، پھر دونوں زمینوں میں سے ایک زمین مسجد سے بہت دور ایک پہاڑی بستی میں تھی، جس کی کوئی رجسٹری وغیرہ ہمارے پاس نہیں تھی صرف زبانی ہبہ مسجد کے نام تھا، وہاں کے لوگ اسے خالی پا کر آباد کرتے تھے، اور ہر سال کچھ غلہ مسجد

کو دیتے تھے، اگر کبھی اس کو آباد کرنے والے یا ان کے بعد ان کی اولاد اپنی زمین ہونے کا دعویٰ کرے اور ہماری ہونے کا انکار کردے تو ہم اس زمین کو واپس لینے میں ناکام ہوجائیں گے۔

اسی طرح اگر انہوں نے اسے بیچ ڈالا تب بھی کوئی چارہ نہیں، کیونکہ زمین کی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے، اور قوت بازو بھی وہاں کارآمد نہ ہوگی، اس لیے ہم نے اسے آباد کرنے والوں کے ہاتھ بیچ دیا اور دوسری زمین جو ہم نے بیچی تھی وہ ایک مدرسہ کے قریب تھی مدرسہ کا میلا پانی اور بیت الخلاء کی نالی اس زمین کے کنارے پر ہے جس کی وجہ سے زمین سال بھر گندے پانی سے بھری رہتی ہے اور وہاں کھیتی وغیرہ کرنے کا بندوبست نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ سالہا سال سے بیکار پڑی ہوئی تھی، اس لیے ہم نے مدرسہ والوں کے ہاتھ زمین کو بیچ دیا انہوں نے خرید کر اسے میلے پانی کیلئے چاہ بنادیا تو دونوں زمینوں کو بیچ کر ہمیں ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ ملا جو سارا روپیہ تجدید کے کام میں صرف ہوگیا صرف بیس ہزار روپیہ اب تک باقی ہے، جو بقیہ کام میں خرچ ہوگا، اب ہم خدام اس ارشاد گرامی کے انتظار میں ہیں کہ:

(۱) مذکورہ علت پر ہمارا ان دونوں زمینوں کو بیچنا جائز ہوا یا نہیں اور اس روپیہ کو تجدید کے کاموں میں خرچ کرنا جائز ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر جائز نہیں ہوا تو اب اس جبرِ نقصان کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ ایک لاکھ روپیہ کو باہمی چندہ سے جمع کرنا بستی والوں کی طاقت سے باہر ہے؟

(۳) اس جدید مسجد میں نماز بلا کراہت جائز ہوگی یا نہیں؟ جبکہ مسجد کے اندرونی صحن کی آدھی تعمیر اسی روپیہ سے ہوئی ہے، اور بقیہ آدھا صحن اب تک پرانا ہے، اور جب پورا صحن اسی روپیہ سے بنے گا تب ادائے نماز کا کیا حکم ہوگا؟

(۴) بقیہ روپیہ کو تجدید کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں یا اور کچھ کرنا ہے؟

المستفتی: مسٹر محمد کرامت علی متولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جن دو زمینوں کا سوالنامہ میں ذکر ہے ان میں سے پہلی والی زمین سے مسجد کے منافع کا سلسلہ جاری تھا، لیکن کاغذی اور سندی

اعتبار سے مسجد کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں تھا، اس لیے زمین کے بارے میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ ذمہ داران مسجد سرکاری طور پر اس زمین کو رجسٹری کرا لیتے، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ اس زمین کو فروخت کر دیا گیا، لہٰذا اب اہل مسجد پر لازم ہے کہ جتنے پیسے میں اس زمین کو فروخت کر کے مسجد کی تعمیر کی ہے اتنے پیسے میں دوسری زمین خرید کر مسجد کے نام رجسٹری کرالیں تاکہ ہمیشہ کے لیے اس زمین کے منافع مسجد کے لیے آتے رہیں، اگر فی الحال گنجائش نہیں ہے تو آئندہ دیر سویر یہ کام کرنا اہل مسجد پر لازم ہے۔

اور دوسری زمین کی حیثیت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسجد کے منافع سے خارج ہو چکی ہے، تو ایسی زمین کے بارے میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری ایسی زمین مسجد کے نام سے خرید کر رجسٹری کرالی جائے جس سے مسجد کو ہمیشہ نفع پہنچتا رہے، مگر یہاں ایسا نہیں کیا گیا بلکہ اس پیسہ کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کر دیا گیا، لہٰذا اب ذمہ داران مسجد پر یہ بات لازم ہے کہ دیر سویر مسجد کے نام سے چندہ جمع کر کے اتنے پیسہ سے دوسری زمین خرید کر مسجد کے نام رجسٹری کرالیں جتنا پیسہ فروخت شدہ زمین کا مسجد کی تعمیر میں خرچ ہو چکا ہے۔

(۳) جب یہ بات طے کر لی جائے گی کہ وقف شدہ زمین کی قیمت جو مسجد میں لگائی گئی ہے اتنی قیمت کی دوسری ایسی زمین مسجد کے نام خرید کر رجسٹری کرادی جائے گی جو مسجد کے لیے نفع مند ہو اور اس کے منافع مسجد کے لیے ہوں اور یہ بات باضابطہ تحریر میں بھی آجائے اور اس سلسلے میں کوشش بھی شروع کر دی جائے تو تعمیر کی ہوئی مسجد میں نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی۔

(۴) جو روپیہ بچا ہوا ہے اس کو آگے کی تعمیر میں خرچ نہ کیا جائے، بلکہ زمین خریدنے کے لیے باقی رکھا جائے

والظاهر عدم اشتراط اتحاد الجنس في الموقوفة للاستغلال لأن المنظور فيها كثرة الريع وقلق المرمة والمؤنة فلو استبدل الحانوت بأرض تزرع و يحصل منها غلة قدر أجرة الحانوت كان أحسن لأن الأرض أدوم

وأبقى و أغنى عن كافة الترميم والتعمير بخلاف الموقوفة للسكن لظهور أن قصد الواقف الانتفاع بالسكن ولايخفى أن هذه الشروط فيما لم يشترط الواقف استبداله لنفسه أو غيره. (شامی، کتاب الوقف مطلب فی شروط الاستبدال، کراچی ٣٨٦/٤، زکریا ٥٨٦/٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۹۴/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۲۹ھ

تعمیری ضرورت کے پیش نظر مسجد کا مکان فروخت کرنا

سوال [۷۶۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہماری مسجد (مسجد قریشیان) کا ایک مکان ہے جس کو مسجد نے خریدا ہے اور اس کا بیعنامہ بحیثیت متولی متولی مسجد کے واسطے مسجد کے نام ہے اب کمیٹی تعمیری ضرورت کے پیش نظر اس کو فروخت کرنا چاہتی ہے، تو کیا اس کو فروخت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ مکان خریدا ہوا ہے، وقف نہیں ہے اور فروختگی کے لیے اعلان کرنا ضروری ہے یا خاموشی سے بیچنا صحیح ہے؟

(۲) اس مکان کو پہلے مکان مالک نے زید کے ہاتھ فروخت کیا مگر ایفائے وعدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس سے بیع کا معاملہ ختم ہوا اور مسجد کے نام چندہ کے ذریعہ سے کمیٹی نے خریدا تو کیا یہ خریدنا صحیح ہے؟

(۳) اس مکان پر زید قابض ہے مسجد نے نہ اس کو کرایہ پر رکھا ہے اور نہ ہی اس کو کرایہ کی رسید دی جاتی ہے اور زید مکان خالی نہیں کر رہا ہے، تو ایسی شکل میں مسجد کی کمیٹی کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۴) کمیٹی مسجد اس مکان کو مسجد کے لیے اپنے آپ کو جھگڑا سے بچا کر اس زید کی خاطر کل مالیت کی تہائی رقم لے کر اس کو فروخت کرسکتی ہے، جبکہ دوسرے خریدار کل مالیت کی نصف یا اس سے بھی زیادہ رقم دینے کیلئے آمادہ اور تیار ہیں اور کہتے ہیں کہ مکان ہمارے نام فروخت کرو ہم مسجد کے فائدے کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم دیں گے، اب کمیٹی تہائی پر

فروخت کرسکتی ہے یا اس سے زائد رقم دینے والے کے ہاتھ فروخت کرنا یا مکان عدالت کے ذریعہ سے خالی کراکر بڑی رقم سے بیچنا ضروری ہے؟

(۵) بعض ممبران کمیٹی کہتے ہیں کہ عدالت کی کیا ضرورت ہے، مسجد کا مکان ہے کون پریشان ہوگا اور بعض مصر ہیں اب کونسی راہ اختیار کی جائے؟

(۶) اگر کمیٹی مسجد اپنے آپ کو جھگڑے یا عدالت کی پریشانی سے بچا کر مسجد کا مکان بہت کم قیمت میں فروخت کردے یا مسجد کی آراضی کی دیکھ بھال نہ کرے تو کیا اللہ کے یہاں اس کی پکڑ ہوگی کیا اس کے لیے کوئی زبردست وعید ہے؟

المستفتی: کمیٹی مسجد قریشیان، محلّہ رانڈ ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب مسجد نے اس کو خریدا ہے تو بوقت ضرورت مسجد اس کو فروخت بھی کرسکتی ہے اس میں کوئی قباحت نہیں البتہ کم قیمت میں فروخت نہ کیا جائے جس سے مسجد کا نقصان ہو، نیز فروخت کرنے کے لیے اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قیمت بڑھانے کے لیے اعلان کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

لابأس ببیع من یزید الخ. (هدایه، کتاب البیوع باب البیع الفاسد فصل فیما یکره، اشرفی دیوبند ۳/۶۶)

(۲) زید کے ساتھ معاملہ ختم ہوچکنے کے بعد اگر مسجد نے خریدا ہے تو عقد صحیح ہوچکا ہے اور زید پر لازم ہے کہ مسجد کا مکان فوراً خالی کردے اگر زید نے صاحب مکان کی شرائط پوری نہ کرسکنے کی وجہ سے خریدا نہیں ہے، اور مسجد نے شرائط پوری کرکے خریدا ہے یا صاحب مکان نے اپنی طرف سے مسجد کے حق میں کچھ رعایت کی ہے پھر مسجد نے خریدا ہے تو یہ بیع بھی ”**من یزید**“ کے دائرہ میں داخل ہوکر صحیح ہوگئی ہے۔

وأما إذا لم یرکن أحدهما إلی الآخر فهو بیع من یزید. (هدایه، اشرفی دیوبند ۳/۶۶)

(۳) جب مسجد نے زید کو کرایہ پر نہیں دیا ہے تو زید کا اس مکان پر قبضہ جمائے رکھنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بغیر إذنه. (قواعد الفقه ۱۱۰)

(۴) پہلے کمیٹی کے لوگ اس کا خیال کریں کہ اگر اپنا مکان ہوتا تو اتنی کم قیمت میں فروخت کردیتے یا نہیں جبکہ مسجد کی جائیداد کی اپنی ذاتی جائیداد سے زیادہ حفاظت کرنا لازم ہے اس لیے کم قیمت اور مسجد کو نقصان پہنچا کر فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ زیادہ سے زیادہ قیمت میں فروخت کرنا لازم ہوگا۔

فلایجوز بالأقل أی لایصح إذا کان بغبن فاحش. (شامی، کتاب الوقف مطلب: لا یصح إیجار الوقف، کراچی ٤/٤٠٢، زکریا ٦/٦٠٨)

(۵) اگر عدالت کے ذریعہ خالی کرانے میں مسجد کا فائدہ ہے تو عدالت مجاز سے رابطہ قائم کرنا لازم ہوگا۔

(۶) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسجد کی جائیداد کے لیے عدالت کی کیا ضرورت ہے؟ تو نقصان کی صورت میں وہ اپنی ذاتی جائیداد کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کریں گے؟

(۷) اگر موجودہ کمیٹی کو مسجد کی جائیداد اور مالیت کی حفاظت از خود یا عدالت مجاز کے ذریعہ سے نہیں کرسکتی تو ان کو دست بردار ہونا چاہیے، اور جو لوگ اس کی اہلیت رکھتے ہیں ان کو یہ ذمہ داری انجام دینا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/ ۱۴۱۷ھ

مسجد کے پرانے ملبے کا حکم

سوال [۷۶۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی مسجد کی تعمیر نو کی جائے تو اس کے پرانے ملبے جیسے اینٹ روڑہ مٹی

وغیرہ کوکہیں بھی پھینکا جاسکتا ہے یا اس کے لیے کوئی شرط ہے؟

(۲) پرانے سامان میں سے لوہا چوکھٹ، کواڑ وغیرہ جو موجودہ تعمیر میں کام نہ آرہے ہوں تو کیا ان کوفروخت کرکے اس کا پیسہ موجودہ تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے؟

المستفتی: صمد الٰہی محلّہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسجد کے پرانے پتھر اینٹ روڑہ مٹی وغیرہ جو مسجد کے کسی استعمال میں نہیں لائے جاسکتے وہ بھی قابل احترام ہیں، اس لیے ان کو ایسی جگہ پھینکنا کہ جس سے بے ادبی لازم آئے مناسب نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کوفروخت کردیا جائے کہ جو بیت الخلاء و پیشاب خانہ کے علاوہ عمارت کے دوسرے کام میں لے آئے اور اگر فروخت نہ ہوسکے تو ایسی جگہ پر ڈال دیں جہاں ناپاکی وغیرہ کی وجہ سے بے ادبی لازم نہ آئے۔ (مستفاد: رحیمیہ قدیم ۹/ ۱۹۷، جدید زکریا ۹/ ۱۵۲)

ولاترمی برایة القلم المستعمل لاحترامه كحشيش المسجد و كناسته لايلقى فى موضع يخل بالتعظيم. (در مختار على الشامى، كتاب الطهارة كراچى ۱/ ۱۷۸، زكريا ۱/ ۳۲۲)

(۲) مسجد کی چوکھٹ، کواڑ وغیرہ متولی اور کمیٹی مسجد کی اجازت سے فروخت کرکے اس رقم کو مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہے، لیکن لینے والے کو یہ ہدایت کردی جائے کہ اس کو بیت الخلاء و پیشاب گھر میں استعمال نہ کرے تاکہ سوء ادبی لازم نہ آئے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۶/ ۲۰۷، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۷۳)

ويصرف نقضه إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظه للاحتياج وقدمنا أنه لافرق بين المتولي والحاكم فى الإجارة والتعمير فكذا فى النقض قال فى الهداية: و إن تعذر إعادة عينه إلى موضعه بيع و صرف ثمنه إلى مرمة صرفا للبدل إلى مصروف المبدل. (البحر الرائق، كتاب الوقف، زكريا ۵/ ۳۶۷، كوئٹه ۵/ ۲۱۹ تا ۲۲۰)

ویصرف إلی عمارته إن احتاج و إلا حفظ إلی وقت الحاجة و إن تعذر صرف عینه یباع و یصرف ثمنه إلیها. (ملتقی الأبحر، دار الکتب العلمیة بیروت ۵۸۹/۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۹۰/۳۵)

مسجد فروخت کر دینا اور سامانِ مسجد اپنے کاروبار میں لگانا

سوال [۷۶۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ایک مسجد تعمیر کرائی جس میں مقامی و بیرونی چندہ جمع کیا گیا، مسجد کے نام پر اور ایک عرصہ تک تقریباً ڈھائی سال تک مسجد میں آذان ونماز برابر ہوتی رہی اور رمضان المبارک میں قرآن پاک بھی ہوا لیکن بعد میں یہ مسجد آپسی اختلاف کا شکار ہوگئی، مسجد میں اذان ونماز ہونی بند ہوگئی، اور مسجد ویران پڑی رہی، کچھ دن بعد زید نے یہ مسجد فروخت کردی اور مسجد کی اینٹ اور رقم سے اپنا مستقل کاروبار شروع کر دیا ہے، تو اس صورت میں شریعت زید کے بارے میں کیا حکم دیتی ہے، اس کے گھر کا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور شادی بیاہ میں شرکت کرنا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں، اور اس کا چندہ لینا دوسری مسجد کے لیے کیسا ہے؟ اسکا شریعت کیا حکم دیتی ہے، کیا وہ مسلمان ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انور مدرسہ اسلامیہ عربیہ مفتاح العلوم بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب باقاعدہ مسجد بن چکی ہے، اور اس میں باقاعدہ نماز ہو چکی ہے، تو وہ شرعی مسجد بن چکی ہے، اب وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، کوئی انسان اس مسجد کا مالک نہیں ہوسکتا، لہٰذا مذکورہ صورت میں مسجد کی بیع ختم کر کے مسجد کو اپنی حالت میں لوٹانا تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے اگر متولی نہ مانے تو حکومت سے احتجاج کر کے

مسجد کو بحال کرانا لازم ہوگا۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع إلى قوله ولو خرب ما حوله و استغنٰى عنه يبقى مسجداً عند الإمام، والثاني أبداً إلى قيام الساعة و به يفتى. در مختار، كتاب الوقف قبيل فيما لو خرب المسجد أو غيره، كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦)

نیز جب تک متولی مسجد کو نہ لوٹائے اس کا بائیکاٹ کرنا درست ہوگا۔

﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ. [هود: ١١٣]﴾ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۸۳۶)

مسجد کی زمین فروخت کر کے دوسری جگہ خریدنا

سوال [۷۶۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اب سے تقریباً چالیس سال قبل جب عام سرکاری زمین کی چک بندی ہوئی تھی، تو موضع نعمت پور کے کم وبیش چالیس کاشتکاروں نے مشترکہ طور پر اپنی مسجد کے اخراجات صف، لوٹے، تعاون امام وغیرہ کی غرض سے ساڑھے تین بیگھہ خام تہائی آراضی چھوڑوائی تھی، جو اسی بستی کی ۵۴ رسالہ معروف دینی درسگاہ مدرسہ انوار القرآن نعمت پور کی جنوبی دیوار سے بالکل ملحق ہے، مدرسہ مذکورہ کو اس زمین کی اپنی تعلیمی وتنظیمی شعبہ جات کی ترقیات کے لیے بہت اشد ضرورت ہے اس لیے کہ زمین مذکور کے علاوہ کوئی دوسری زمین مدرسہ کے آس پاس کسی بھی طرف نہیں ہے کہ جس سے مدرسہ کی روز افزوں ترقیاتی منصوبوں کی تعمیر وتکمیل ہو سکے، کیونکہ مدرسہ کے مشرق میں سرکاری پختہ سڑک مغرب میں قبرستان شمال میں عام سرکاری راستہ ہے، بس یہی زمین ہے جو مدرسہ کی جنوبی دیوار سے ملی ہوئی ہے، اس میں فی الحال مسجد کی طرف سے بشکل ٹھیکہ کاشت ہو رہی ہے جس سے مسجد کی

ضروریات اورمدرسہ کی حدودِاربعہ میں گنجائش نہ ہونے کی مجبوری کی بناپرمدرسہ کی طرف سے مسجد کی اس زمین کے تبادلہ میں ایسی زمین جو مذکورہ زمین سے زیادہ قیمتی زیادہ پیداوار دینے والی یعنی آمدنی میں اضافہ کرنے والی ہو برائے مصارف مسجد مذکورہ کو دی جاسکتی ہے یانہیں؟ جبکہ اہل بستی متولیٔ مسجد اورارباب مدرسہ باہم متفق ہوں؟

المستفتی: عبدالغفورسہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد ومدارس کی وہ جائیداد جس کو مسجد یامدرسہ نے ازخود خریدی ہے اس کوتو انفع کو پیش نظر رکھتے ہوئے فروخت کرکے اس کے عوض دوسری زمین خریدے یاکسی اورضروریات میں لگائے تویہ جائز ہے،لیکن مسجد یامدرسہ کی وہ جائیداد جس کوکسی شخص واحد نے دی ہے یامشترک لوگوں نے دی ہے وہ وقف کے حکم میں ہو جاتی ہے،پس چک بندی میں جو جائیداد مسجد کو حاصل ہوئی ہے وہ بھی وقف کے حکم میں ہوگی ،لہٰذا اگراس سے کسی بھی درجہ کا نفع مسجد کو حاصل ہوتا ہے تو اس کوفروخت کرنے کی اجازت نہ ہوگی ہاں البتہ چک بندی کے موقعہ پر جن جن لوگوں کی زمین کا حصہ مسجد کی اس زمین میں آیا ہے ان سب لوگوں کی مرضی اوراجازت سے اس تبدیلی کی گنجائش ہوسکتی ہے،اور یہ خیال رکھا جائے کہ نعمت پورہی سے تبادلہ والی زمین دی جائے،اورانفع بھی ہواور یہ واقفین کی اجازت کے ساتھ مقید کرکے لکھا جارہا ہے،نیز دوسرے علماء سے بھی رائے معلوم کرلی جائے تواچھا ہے۔

مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة و على عكسه لايجوز و إن كانت المملوكة أكثر مساحة و قيمة و أجرة لاحتمال خرابها في أدون المحلتين لدنائتها وقلة رغبات الناس فيها. (البحر الرائق، كتاب الوقف كوئٹه ٥/٢٢٣، زكريا ٥/٣٧٣، شامی کراچی ٤/٣٨٦، زكريا ٦/٥٨٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/ ۵۶۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۲۹ھ

مسجد کے نام پر دیئے گئے پلاٹ کو فروخت کر کے رقم دوسری مسجد میں لگانا

سوال [۷۶۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۱۹۴۶ء میں شہر ناگپور سے دور ایک کھیتی کی زمین پر مسلمان بھائیوں نے ایک لے آؤٹ ڈالا اور اس میں بڑے بڑے پلاٹس ڈالے گئے، اس زمین پر مسلم آبادی بسانے کی غرض سے پلاٹ ڈالے گئے، اور ایک بڑا پلاٹ لے آؤٹ مالک نے مسجد کے لیے ایک شخص کے نام رجسٹری کردی، اس رجسٹری میں یہ تحریر ہے کہ اس پلاٹ کو فروخت نہیں کر سکتے، لیکن افسوس کہ اس خطۂ زمین پر مسلمان آبادی نہیں بڑھائی جاسکی، ہوا یوں کہ یہاں پر دوسرے مذہب کے لوگوں نے پلاٹس خرید کر مکانات تعمیر کیے اور وہ لوگ یہاں آباد ہوگئے۔

خاص بات یہ ہے کہ اس لے آؤٹ پر ایک پلاٹ مسجد تعمیر کرنے کی غرض سے رکھا گیا لیکن آج تک یہاں مسجد تعمیر نہیں کی جاسکی، کیونکہ یہاں پر مسلم آبادی بہت کم ہے، اس پورے لے آؤٹ میں مشکل سے مسلمانوں کے رہائشی چھ سات مکانات ہیں، مسجد کی تعمیر کے مقصد سے رکھا گیا یہ پلاٹ زید کی نگرانی میں تھا، زید کے انتقال کے بعد اس پلاٹ کی نگرانی کا ذمہ زید کے رشتہ دار بکر کے ہاتھوں میں آگیا لیکن بکر کا انتقال بھی ہوگیا، اور فی الحال اس پلاٹ کی نگرانی کی ذمہ داری بکر کے بیٹے عمر کے ہاتھوں میں ہے، اس پلاٹ کی نگرانی اس کے ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی پہلے زید پھر بکر اور آج تک عمر کے ہاتھوں میں ہے۔

زمین کی بڑھتی ضرورت اور بڑھتی قیمتوں کے اس دور میں اس پلاٹ پر دوسرے مذاہب کے لوگوں پر بری نظر ہے، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس پلاٹ کو ان کے حوالہ کردیا جائے تاکہ یہ لوگ اس پلاٹ پر اپنی عبادت گاہ بنالیں، اس رمضان شریف کے آخری عشرہ میں غیر مذہب کے چند شر پسند عناصر نے ناجائز قبضہ کر کے اس پلاٹ پر ایک مورتی نصب کر کے پوجا پاٹ کرنا شروع کردیا تھا، لیکن عمر اور ان کے ساتھیوں کی وجہ سے کافی محنت اور

جدوجہد کے بعد اس پلاٹ کو کسی صورت میں ناجائز قبضہ سے آزاد کیا گیا۔

ایسے دشوارکن حالات میں مسجد کے اس پلاٹ کی نگرانی ایک دشوارکن مسئلہ بن گیا ہے مندرجہ بالا حالات میں کیا یہ ممکن ہے کہ مسجد کے نام پر رکھے گئے اس پلاٹ کو فروخت کردیا جائے اوراس سے حاصل ہوئی رقم کوکسی دوسری مسجد میں دیدیا جائے؟

المستفتی: عبدالمجید رنسورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جوحالات پیش کیے گئے ہیں اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ مذکورہ پلاٹ میں اب تک مسجد تعمیر نہیں کی گئی ہے، لہٰذا وہ پلاٹ شرعی مسجد کے دائرے میں نہیں آیا، اور بعد میں مسجد تعمیر کی بھی جائے تو خطرات سے خالی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ایسا کرنا جائز ہے کہ اس پلاٹ کوفروخت کر کے جہاں مسلمانوں کی آبادی کی کثرت ہے وہاں پراس پیسے سے مسجد تعمیر کرلی جائے۔

اعلم أن الاستبدال على ثلاثة وجوه: والثانى أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، کراچی ٤/٣٨٤، زکریا ٦/٥٨٤)

أفتى به الإمام أبو شجاع و الإمام الحلوانى وكفى بهما قدوة ولاسيما فى زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد و كذٰلک أو قافه يأكلها النظار أو غيرهم. (شامی زکریا ٦/٥٥٠، کراچی ٤/٣٦٠)

سئل شيخ الاسلام عن أهل القرية افترقوا و تداعى مسجد القرية إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونه إلى ديارهم هل لواحد من أهل القرية أن يبيع الخشب بأمر القاضى ويمسک الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال: نعم الخ.

(هنديه، زكريا قديم ٢/ ٤٧٩، جديد ٢/ ٤١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍شوال المکرّم ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۲ھ

مسجد بنانے کی غرض سے خریدی گئی زمین کی قیمت ادا کرنے سے قبل مسجد کی تعمیر

سوال [۷۶۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین جس کا معاہدہ ہوا ہے، اور جس نے اس زمین کو لیا تھا اس کا تقریباً تین سال پہلے انتقال ہوگیا اس کی والدہ اور اس کے بھائی اس زمین پر مسجد بنوانا چاہتے ہیں تو کیا وہ مسجد بنواسکتے ہیں، جبکہ اس کی رجسٹری نہیں ہوئی ہے، اور پیسہ زمین کا باقی ہے زمین والا کہتا ہے پہلے میرا حساب کرو، پھر مسجد بنواؤ جب تک میرا پیسہ ادا نہیں کروگے مسجد بنانے کی اجازت نہیں دوں گا، تو کیا ایسی مسجد میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی بشیر احمد صاحب محلّہ کسرول مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک زمین والے کا پیسہ مکمل ادا نہ کیا جائے اس وقت تک اس کی رضامندی کے بغیر وہاں مسجد کا بنانا جائز نہ ہوگا، اگر بنالی جائے تو پیسہ ادا کرنے تک اس مسجد میں نماز مکروہ ہوتی رہے گی۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ديوبند ص: ١١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۸/۱۶ھ

مدرسہ کی زمین کس کے ہاتھ فروخت کی جائے

سوال [۷۶۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ کی زمین کا تھوڑا سا ٹکڑا ہے جس کو مدرسہ کے صدر اور زیادہ تر اراکین کمیٹی حافظ محمد شفیع کو فروخت کرنا چاہتے ہیں اور زمین کا یہ حصہ لمبی مدت سے حافظ محمد شفیع کے قبضہ میں بھی ہے وہی اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں جبکہ کمیٹی کے قلیل ممبران اس زمین کو حافظ محمد شفیع کے بھائی محمد وجیہ کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ان تھوڑے اور تعداد میں کم ممبران کا اس زمین کو صدر اور بیشتر ممبران کی اجازت کے بغیر محمد وجیہ کو فروخت کرنا جائز ہے؟

المستفتی: مستری محمد نبی ٹانڈہ بادلی، رامپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ کی مذکورہ زمین مدرسہ کے نام سے وقف ہے تو اس کو بیچنا ہی جائز نہ ہوگا نہ محمد وجیہ کے ہاتھ نہ محمد شفیع کے ہاتھ اور اگر وہ زمین وقف کی نہیں ہے بلکہ مدرسہ کی ملکیت ہے تو اس میں مدرسہ کو تصرف کا حق ہے اگر مدرسہ کے ذمہ داران اس کی فروختگی پر متفق ہو جائیں تو جس کے ہاتھ سے مدرسہ کو پیسہ زیادہ ملتا ہے اسی کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیے، اس میں محمد وجیہ، محمد شفیع یا کسی اور میں کوئی فرق نہیں بلکہ انفع للمدرسہ ہونا چاہیے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي صلى الله عليه وسلم تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه

غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/ ٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

في الشامية: وقد صرح صاحب الحاوي القدسي بأنه يفتي بكل ما هو أنفع للوقف. (شامي، كتاب الوقف مطلب شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع، كراچی ٤/ ٣٤٤، زكريا ٦/ ٥٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رشعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۹۶)

مدرسہ کی زمین بیچ کر اپنا قرضہ وصول کرنا

سوال [۷۶۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید، عمر اور بکر تینوں نے ایک مدرسہ بنانے کی نیت سے آراضی خریدی جس میں تینوں نے گیارہ گیارہ ہزار روپئے اپنی جیب سے ڈالے اور باقی رقم چندے کے پیسوں میں سے ڈالی، اور اس کی باؤنڈری بھی چندے کے سیمینٹ اینٹ اور پیسوں سے کرائی ابھی زمین میں مدرسہ نہیں بنا کہ زید کا انتقال ہو گیا اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد عمر کا بھی انتقال ہو گیا، ابھی زمین یوں ہی پڑی تھی کہ بکر نے اس آراضی کو فروخت کر دیا اس نیت سے کہ یہ رقم اسی شہر کے مدرسوں میں لگ جائے گی جس شہر میں آراضی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں حصہ داروں کے وارث اور تیسرا حصہ دار بکر یہ تینوں صرف گیارہ گیارہ ہزار کے ہی مالک ہوں گے یا اس مقدار رقم کے جس میں آراضی آج فروخت ہوئی ہے جبکہ اس آراضی کی خرید ورجسٹری وباؤنڈری میں مسلمانوں سے چندہ شدہ رقم بھی صرفہ میں آئی تھی؟

گیارہ گیارہ ہزار کیلئے یہ طے کیا تھا کہ جب مدرسہ پروان ہو جائے گا تو اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار واپس لے لیں گے۔

نوٹ: وہاں مدرسہ بننے کے حالات نہیں رہ گئے تھے تب آراضی فروخت کی گئی ادھر دوشریکوں کا انتقال بھی ہو گیا تھا؟ المستفتی: محمد اظہر کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوا کہ مذکورہ تینوں افراد نے گیارہ گیارہ ہزار کل ۳۳؍ ہزار روپئے اکٹھا کر کے مدرسہ قائم کرنے کے لیے زمین خریدی ہے کہ مدرسہ کے پاس جب پیسہ آجائے گا اپنا اپنا پیسہ واپس وصول کرلیں گے، اور ۳۳؍ ہزار روپئے پر مزید روپیہ جو زمین کی خریداری میں لگا ہے وہ چندہ کے پیسے سے لگا ہے اور سوالنامہ کے مطابق سوئے اتفاق تینوں افراد میں سے دو اللہ کو پیارے ہو گئے اور مذکورہ زمین کی صرف چہاردیواری ہو پائی ہے اور وہ بھی چندے کے پیسے سے ہوئی ہے، اور سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں مدرسہ قائم کرنے کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں اس بناء پر جو فریق زندہ ہے اس کے لیے اس زمین کو مناسب قیمت پر فروخت کر کے اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار روپئے تینوں فریقوں کا یا مرحوم فریقوں کے وارثین کا وصول کرنا درست ہوگا اس کے بعد مابقیہ مدارس ہی پر خرچ کرنا لازم ہوگا، ان پیسوں سے نئی زمین خرید کر مدرسہ قائم کریں یا اس کے قریب ترین مدرسہ پر وہ پیسہ خرچ کریں، اور یہ بات واضح رہے کہ اپنے اپنے گیارہ گیارہ ہزار روپئے سے زائد پیسہ تینوں فریقوں میں سے کسی کے لیے اپنی ذات پر یا اپنے وارثین پر خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ مدارس پر خرچ کرنا واجب ہوگا۔

سئل الحلوانی عن أوقاف المسجد إذا تعطلت و تعذر استغلالها هل للمتولی أن یبیعها و یشتری بثمنها أخریٰ؟ قال: نعم. (فتح القدير، كتاب الوقف، فصل و اذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه، دار الفكر بيروت ٢٣٧/٦، كوئٹه ٤٤٧/٥، زكريا ٢٢٠/٦، بنايه قديم ١٠٠٧/٢، جديد اشرفيه ديوبند ٤٥٩/٧، البحر الرائق كوئٹه ٢٥٢/٥، زكريا ٣٤٥/٥)

یصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی كراچی ٣٥٩/٤، زكريا ٥٤٩/٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦١/٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۲۳)

آبادی کے لیے قبرستان فروخت کر کے دوسری جگہ اس کی زمین خریدنا

سوال [۷۶۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قبرستان آبادی سے ملحق ہے اس میں میت دفنائیں جارہی ہیں، اس قبرستان کو آبادی کے لیے فروخت کر کے دوسری جگہ قبرستان کے لیے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) میت کے ثواب کے لیے یا خیر و برکت کے لیے قرآن پاک پڑھوا کر دعا کرانے کے بعد قرآن پاک پڑھنے والوں کو چائے بسکٹ کھلانا پلانا کیسا ہے؟ پڑھنے والے اس کو کھا پی سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: احقر عطاء الرحمٰن کوری روانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: (۱) جب تک قبرستان دفنائے جانے کے قابل ہو اس وقت تک اس کو فروخت کرنا یا اس میں دوسرا کام کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۲۶ ط ۱۰/ ۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۲۴۲، ۱۵/ ۳۵۹)

فإذا تم أی الوقف ولزم لایملک و لا یملک أی لایقبل التملیک لغیره بالبیع و نحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه. (شامی، کتاب الوقف مطلب مهم: فرق أبو یوسف بین قوله موقوفة الخ، کراچی ٤/ ٣٥١ – ٣٥٢، زکریا ٦/ ٥٣٩)

(۲) ختم قرآن کے موقع پر بغیر لوازمات کے معمولی چائے ناشتہ میں کوئی قباحت نہیں ہے، اس لیے کہ اس طرح کا معمولی انتظام کرنا عام رواج ہے، مگر کھانا کھلانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ عام رواج نہ ہونے کی وجہ سے وہ عوض بن جائے گا۔

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلی القبر فی المراسم و اتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن و جمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الأنعام أو الإخلاص، والحاصل أن إتخاذ الطعام عند قراء ة

القرآن لأجل الأکل یکره. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی کراهیة الضیافة من أهل المیت، کراچی ۲/ ۲۴۰، زکریا ۳/ ۱۴۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۹ھ

قبرستان کوفروخت کرنا

سوال [۷۷۰۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سرز مین امرتسر محلّہ سلطان و ینڈ روڈ پر ایک قدیم قبرستان واقع ہے جس میں کافی پرانی قبریں اورکئی ایک مزارات بھی موجود ہیں اورنئی میت بھی دفنائیں گئی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ قبرستان جاری و ساری ہے لیکن قبرستان کا کچھ حصہ پنجاب وقف بورڈ نے کرایہ پر دے کر یہ اجازت دیدی ہے کہ وہ اس جگہ پر مارکیٹ بنالیں لیکن امرتسر کے سارے مسلمان اس کے خلاف ہیں، لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب سے ہمیں نوازیں۔

المستفتی: محمد جمیل احمد انصاری مسلم جنتا ویلفئر ایکشن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف کے قبرستان کوفروخت کردیناوقف بورڈ کو حق نہیں ہے، قبرستان کوقبرستان ہی رکھنا لازم ہے، وقف کوکلی طور پرختم کردیناہرگز جائزنہیں ہے، اور نہ ہی مارکیٹ بنانے کے لیے کرایہ پر دینا جائز ہوسکتا ہے، البتہ اگر بالکل بوسیدہ قبرستان ہے تواس کواوقاف کے جنس میں سے صرف مسجد یادینی مدرسہ کی تعمیر کے کام میں لانا جائز ہوسکتا ہے، فروخت کرنا جائزنہیں ہے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفین واجبة زکریا ۶/ ۶۶۵، کراچی ۴/ ۴۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۶۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۲۹ھ

وقف کردہ ذاتی قبرستان کی خالی زمین کوفروخت کرنا

سوال [۷۷۰۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک نجی قبرستان ۱۸۷۵ء سے ہے اس میں کچھ حصے میں ابھی بھی جنازہ کو دفنایا جاتا ہے باقی آراضی خالی ہے جہاں کافی عرصہ سے کوئی تدفین نہیں ہوئی، اور جو اس آراضی کے وارثین ہیں وہ خالی آراضی کو فروخت کرنا چاہتے ہیں اس خالی پڑی آراضی کے متعلق اہل محلّہ کے سبھی لوگوں کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں یہ فیصلہ طے پایا کہ اس جگہ کو اس کے وارثین سے خرید کر ایک مسجد تعمیر کروادی جائے تو کیا وارثین سے خرید کر اس آراضی پر مسجد تعمیر کرائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: اعجاز حسین محلّہ بارہ دری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ قبرستان کے جس حصہ پر تدفین کا سلسلہ بند ہے اس قبرستان کے وارثین اور مالکوں کی اجازت سے اس حصہ پر مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، چاہے وارثین خود مسجد تعمیر کریں یا مسجد تعمیر کرنے کے لیے دوسرے لوگوں کے ہاتھ فروخت کریں اور وہ لوگ وہاں مسجد تعمیر کریں ہر طرح جائز اور درست ہے۔

وذکر أصحابنا إذا خرب و دثر لم یبق حوله جماعة، و المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملکا لأربابها، فإذا عادت ملکا یجوز أن یبنی موضع المسجد داراً أو موضع المقبرة مسجد وغیر ذٰلک. (عمدة القاری، کتاب الصلاة باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة، زکریا ۴۳۵/۳، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷۸/۴)

لوأن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا. (عمدة القاری زکریا ۴۳۵/۳، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷۹/۴) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۵۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۵/۱۴۳۱ھ

پرانے قبرستان کی خرید وفروخت

سوال [۷۷۰۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان جو شیعہ خاندان کا تھا جس میں تقریباً ۴۰ر یا ۵۰ر سال سے کسی مردہ کو نہیں دفن کیا گیا تھا وہ ان کے وارثین نے فروخت کردیا، تو خریدار کے واسطے کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیجئے خریدار مکان تعمیر کرا کر اس میں رہائش پذیر ہے، تو کیا وہ اس جگہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عزیز الرحمٰن محلہ عیدگاہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان بالکل پرانا ہے اور ملکیت کا قبرستان ہے تو اس کے مالکان کے لیے فروخت کرنا اور اس میں کھیتی وغیرہ کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۱۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۶)

جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى و صار ترابا الخ. (الدر المختار كراچی ۲/ ۲۳۸، زکریا ۳/ ۱٤٥)

و إذا بلى الميت وصار ترابا فى قبره جاز نبش القبر و زرعه والبناء عليه وغير ذٰلك باتفاق. (الفقه على مذاهب الأربعة دار الفكر بيروت ۱/ ۵۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۳/۱۴۱۲ھ

جس مکان میں قبرستان کی جگہ آ گئی اس کو خریدنا

سوال [۷۷۰۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان قبرستان سے متصل ہے یوں تو بہت سے مکانات قبرستان سے

متصل ہیں ان میں سے ایک مکان بک رہا ہے اس مکان کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قبرستان کی جگہ کچھ گھری ہوئی ہے تحقیق کچھ نہیں ہے اب آیا وہ مکان خریدیں یا نہیں، اگر خرید لیں تو شرعاً کوئی قباحت تو نہیں اگر نہیں خریدی تو پھر اس مکان کو کوئی دوسرا خرید لے گا تو اس کے بارے میں بھی وہی قباحت ہوگی تو کیا کرنا چاہیے جبکہ بہت دنوں سے وہ مکان بنا ہوا ہے بہر کیف مشتری کو وہ مکان خریدنا چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: شکیل احمد برولان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تحقیق کرلی جائے اور قبرستان کے حدود سے متعلق کاغذات دیکھ لیے جائیں اگر واقعی قبرستان کا حصہ مذکورہ مکان میں نہیں آیا ہے تو خرید سکتے ہیں اور اگر قبرستان کا حصہ اس میں آیا ہوا ہے تو اس کو خریدنا جائز نہ ہوگا اور اگر کوئی دوسرا آدمی خریدیگا تو ذمہ دار وہی ہوگا آپ پر کچھ نہیں ہوگا۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعي. (قواعد الفقه اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۲۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۱۵ھ

چہار دیواری کے لیے قبرستان کی کچھ زمین فروخت کرنا

سوال [۷۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی گرام سبھا کی تھی اس میں لوگوں نے مردوں کو دفن کرنا شروع کردیا، اسی آراضی کے قریب مکانات ہیں ان مکانات سے گندہ پانی وغیرہ اس آراضی کی قبروں میں جاتا ہے، یہ قبریں تقریباً ۸۰؍سال پرانی ہیں تو اب اس آراضی کے کچھ حصہ کو فروخت کرکے اسی قبرستان میں چہار دیواری وغیرہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، تاکہ بقیہ قبروں کی بے حرمتی نہ

ہو، اور جس حصہ کوفروخت کرنا ہے اس میں قبریں ہیں، لیکن مجبوری صرف یہ ہے کہ کچھ حصہ کی طرف لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں اور گندی نالیاں جس سے قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے اس لیے ان گھروں کے دروازوں کے سامنے کی آراضی کوفروخت کر کے بقیہ قبروں کو چہار دیواری کے ذریعہ سے محفوظ کر سکتے ہیں یا نہیں اور اگر لوگوں کے دروازوں کے سامنے چہار دیواری قائم کرتے ہیں تو فساد ہونے کا خطرہ ہے، اپنے دروازوں کے سامنے چہار دیواری نہیں بنوانے دیں گے، ایسے حالات میں کچھ آراضی انہیں دے کر جھگڑا ختم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: انورحسین قاسم پورگڑھی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی چہار دیواری کے اندر پورا قبرستان آجانا چاہئے اور جس حصہ کوفروخت کرنے کے لیے کہا جارہا ہے سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس حصہ میں قبریں موجود ہیں اور قبروں سمیت اس حصہ پر فروخت کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کیونکہ جب اس میں قبریں موجود ہیں تو سرکاری اعتبار سے بھی اس حصہ کو قبضہ کرنے میں کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا، اور جب ادھر سے لوگ دروازے کھول رہے ہیں تو اس طرف سے اول فرصت میں دیوار بنا دینا چاہیے، فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔

لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها. (عمدة القاری، کتاب الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية، دار احياء التراث العربی بيروت ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۹ھ

قبرستان کے درخت فروخت کر کے چہار دیواری قائم کرنا

سوال [۷۷۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے گاؤں کے عام قبرستان مسجد کے نام ریکارڈ شدہ ہیں وقف کی ملکیت نہیں، قبرستان کو جانوروں سے محفوظ رکھنے کے لیے قبرستان کے اندر جو پرانے درخت ہیں پھلدار نہیں ہیں، فروخت کرکے قبرستان کو گھیرا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بالتفصیل جواب دیں۔

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی حفاظت نہایت ضروری ہے، اس لیے قبرستان کے درختوں کو بیچ کر اس سے حاصل شدہ رقم کے ذریعہ قبرستان کی چہار دیواری قائم کرنا جائز اور درست ہے۔

سئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلى عمارة المسجد قال: نعم، إن لم تكن وقفا على وجه آخر، قيل له: فإن تداعت حيطان المقبرة إلى الخراب يصرف إليها أو إلى المسجد قال إلى ما هي وقف عليه إن عرف. (عالمگیری، کتاب الوقف، قبيل الباب الثالث عشر في الأوقاف التي ستغنى عنها، زکریا قدیم ۲/ ٤٧٦، جدید ۲/ ٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۹ھ

قبرستان کی چہار دیواری کیلئے زمین کو فروخت کرنا

سوال [۷۷۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گاؤں والوں نے پرانے قبرستان کے پیڑ فروخت کرکے اسی قبرستان کے برابر ایک بیگھہ زمین خریدی تھی، جس میں تین قبریں ہیں ایک مینڈھ پر ہے باقی زمین میں کوئی قبر نہیں ہے، قبرستان آبادی کے بیچ میں ہے، گاؤں کے گندے نالوں کا پانی قبرستان میں آنے کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہو رہی ہے، قبرستان کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، گاؤں

والے قبرستان کی حفاظت کے لیے نئی خرید کردہ زمین میں سے کچھ زمین فروخت کرنا چاہتے ہیں، جس میں کوئی قبر نہیں اور اس فروخت کردہ زمین کی رقم سے چہار دیواری کرا کے قبرستان کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں جس سے قبرستان کی بے حرمتی نہ ہو، واضح رہے کہ زمین قبرستان کی ملکیت کے لیے خریدی تھی، وقف نہیں کیا تھا، قبرستان کے تصرف کے لیے خریدی تھی؟

المستفتی: فرقان احمد کندرکی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نئی خرید کردہ زمین باقاعدہ وقف نہیں ہے محض قبرستان کی ملکیت ہے تو ایسی صورت میں قبرستان کی ضرورت اور چہار دیواری وغیرہ کے لیے اس میں سے بقدر ضرورت زمین کو فروخت کر کے قبرستان کی چہار دیواری کرانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۳۵، جدید زکریا ۵۱۵، اہتمام وشوریٰ کی شرعی حیثیت ۵۳۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۶۸)

۵ باب استبدال الأوقاف

مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا

سوال [۷۷۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بھائی نے مدرسہ اور پنج گانہ نماز کے لیے کچھ زمین وقف کردی ہے تو اس زمین میں مدرسہ اور پنج گانہ نماز بہت سال سے ہورہی ہے، پھر ابھی اس کا بھائی اپنے بھائی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس مدرسہ اور پنج گانہ نماز کی جگہ کو اپنی زمین میں لے آیا تو اس مدرسہ اور پنج گانہ نماز کی جگہ میں تعلیم اور نماز کیسی ہوگی؟

المستفتی: عبدالکریم آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین مسجد کے لیے وقف کردی گئی اور اس میں ایک دو مرتبہ اذان اور جماعت ہو چکی ہے تو یہ مسجد شرعی بن گئی ہے، اور قیامت تک مسجد ہی رہے گی اس مسجد کو اپنی جگہ سے منتقل کرنا جائز نہیں، لیکن جب صورت مذکورہ میں مسجد کو منتقل کرلیا گیا اور پہلی مسجد کو توڑ دیا گیا تو پہلی مسجد کی جگہ کی پوری حفاظت ضروری ہے، اور ثانی مسجد میں نماز پڑھنے اور تعلیم دینے میں کوئی حرج نہیں البتہ منتقل کرنے والا گنہگار ہوگا اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/۲۸۰، جدید ڈابھیل ۱۴/۳۰۲)

قلت: وفی الذخیرة: وبالصلاة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف حتی أنه إذا بنی مسجدا و أذن للناس بالصلاة فیه جماعة فإنه یصیر مسجدا. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا دیوبند ٦/٥٤٥، کراچی ٤/٣٥٦، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ٩/١٢٤، رقم: ١١٣٣٦، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ٨/١٥٦ رقم: ١١٤٩٤)

ولو خرب ما حوله أی ولو مع بقائه عامراً و کذا لو خرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر. (شامی، مطلب: فیما لو خرب

المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٥٤٨/٦، كراچى ٣٥٨/٤، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٥٩٥/٢، قديم ٧٤٨/١، هنديه الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به زكريا قديم ٤٥٨/٢، جديد ٤١٠/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۶۶/۳۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۶/۸ھ

مسجد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال [۷۷۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے مسجد کے لیے ایک آراضی وقف کی تھی جس آراضی میں چھپر ڈال کر تقریباً چار سال سے باجماعت نماز ادا کی جارہی ہے، غور طلب بات یہ ہے کہ یہ جگہ بھی تنگ ہے اور راستہ بھی صحیح نہیں ہے اسی زمین کا دوسرا حصہ جو اس کے برابر میں ہے وہ سڑک کے کنارہ پر ہے اگر شرعاً گنجائش ہو تو موجودہ مسجد کے حصہ کو برابر والے حصہ سے بدل لیا جائے؟

المستفتی: محمد ہارون سرائے کھجور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے لیے وقف شدہ آراضی پر جب چھپر ڈال کر اس میں باضابطہ تین چار سال تک نماز ہوتی رہی ہے تو وہ شرعی مسجد ہوچکی ہے وہ اب قیامت تک کے لیے مسجد ہی رہے گی اس زمین کی تبدیلی کسی طرح جائز نہیں ہے۔

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (قوله) ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام والثانى أبدا إلى قيام الساعة الخ. (درمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٥٤٨/٦، كراچى ٣٥٨/٤، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٥٩٥/٢، مصرى قديم ٧٤٨/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۵۸/۳۲)

مسجد منتقل کرنے کا حکم

سوال [۷۷۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنگل میں ایک کھیت کے بالکل درمیان میں ایک مسجد ہے اب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس مسجد کو شہید کردیا جائے یا وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ منتقل کردیا جائے، تاکہ درمیان سے ہٹ کر مسجد ایک گوشہ میں آجائے تو کیا ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات درست ہے؟

المستفتی: قاری عزیز احمد ککرالہ ضلع بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسجد ایک بار بن جاتی ہے تو وہ قیامت تک کے لیے مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے اس کو شہید کرنا جائز نہیں ہوتا، لہٰذا جو مسجد جنگل میں کھیت کے درمیان واقع ہے اس کو شہید کرنا ہرگز جائز نہیں ہوگا، اس کو بحالہ باقی رکھنا اور اس کے تمام حقوق اور احترام کو باقی رکھنا وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے، یہاں تک کہ اگر وہاں سے مسلمانوں کی آبادی بھی ختم ہوجائے تو پھر بھی اس کو وقف بورڈ سے رجسٹریشن کرا کے حفاظت کرنا لازم ہوگا، اور منتقل کرنا جائز نہ ہوگا۔

ولو خرب ما حوله أى ولو مع بقائه عامراً وكذا لو خرب وليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر. (شامی، مطلب: فیما لو خرب المسجد أو غیره، زکریا دیوبند ۶/۵۴۸، کراچی ۴/۳۵۸، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۲/۵۹۵، قدیم ۱/۷۴۸، هندیه الباب الحادی عشر فی المسجد ما یتعلق به زکریا قدیم ۲/۴۵۸، جدید ۲/۴۱۰)

خربت القرية والمسجد ولا يصلى فيه أحد عند الثانى رحمه الله هو مسجد أبدا: لأن كونه مسجدا لايتوقف فى الإبتداء على الصلاة عنده فكذا فى البقاء. (بزازیه، الوقف، الفصل الرابع فی المسجد و مایتصل به زکریا جدید ۳/۱۴۴، وعلی هامش الهندية ۶/۲۷۰) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۴۰)

کیا مسجد کی زمین کو تبدیل کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

سوال [۱۰۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کا موقوفہ مکان ہے جس کا کرایہ مسجد کے اخراجات میں استعمال ہوتا ہے اس مکان کے پچھواڑے میں ایک مسلمان کا مکان تھا جب ان صاحب نے اپنا مکان بنایا اللہ جانے کیا صورت پیش آئی جان بوجھ کر یا انجانے میں اللہ کو ہی معلوم، موقوفہ مکان کی ۵×۳۰ جگہ اس مکان میں آگئی اور پڑوسی مسلمان نے موقوفہ مکان کی جگہ اپنے مکان میں شامل کر کے پکا مکان بنالیا اور اس واقعہ کو چند سال ہوگئے اب جب کہ مسجد کی نئی کمیٹی بنی، موقوفہ مکان کو سرکاری محکمہ کے آدمیوں کے ذریعہ ناپا گیا تو واقعتاً موقوفہ جگہ میں سے تقریباً ۵×۳۰ جگہ اس پکے مکان میں شامل نکلی، اب اگر اس جگہ کو جو کہ پکے مکان میں شامل ہے واپس لیا جائے تو مکان اس نوعیت کا بنا ہوا ہے کہ لمبائی میں از ابتدا تا انتہاء مکان کو توڑ کر ہی اس موقوفہ مکان کی جگہ واپس لی جاسکتی ہے، جبکہ وہ مسلمان غالباً پکا مکان توڑ کر جگہ کی واپسی پر راضی نہیں ہے، یا پھر معاملہ کورٹ میں جائے تو ۱۵/۲۰ سال کی فرصت ہو جائے گی، ان حالات میں چند صورتیں عقلاً سمجھ میں آتی ہیں، کونسی صورت شرعاً درست اور موقوفہ زمین کے احکامات اور پڑوسی مسلمان کے حالات کے مناسب ہوگی بتا دیں؟

(۱) پکا مکان توڑ کر موقوفہ جگہ واپس لی جائے، جبکہ یہ کام اہل شہر ومحلّہ از خود نہیں کر سکتے، معاملہ کورٹ میں جائے گا اور کئی سال فائل میں رہے گا؟

(۲) اس شامل جگہ کی قیمت لے لی جائے؟

(۳) گذشتہ دنوں اور آئندہ کے لیے کمیٹی کرایہ متعین کر لے؟

(۴) اس موقوفہ جگہ جو کہ مکان میں شامل ہو چکی ہے اس کے بدلے کوئی جگہ بدلہ میں وصول کر لی جائے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عتیق الرحمٰن قاسمی، کامٹی ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حسب تحریر سوال مسجد کی جوزمین پڑوسی مسلمان کے مکان میں شامل ہوگئی ہے اوراب وہ مسلمان پڑوسی بھی مکان توڑ کر مسجد کی زمین واپس کرنے پر راضی نہیں ہے، اور معاملہ کورٹ میں لے جانے کی صورت میں وقت وسرمایہ کے ضیاع کے باوجود مسجد کے حق میں فیصلہ یقینی نہیں ہے تو اب مسئولہ صورت میں شرعاً اتنی گنجائش ہے کہ اس زمین کی معتد بہ اور معقول قیمت صاحب مکان سے وصول کرکے مسجد کی ملکیت کے لیے مناسب جگہ پر دوسری زمین خرید لی جائے۔

لايجوز استبدل العامر إلا في أربع: قال الشامي: و الثالثة أن يجحده الغاصب ولا بينة أى و أراد دفع القيمة فللمتولى أخذها ليشترى بها بدلا.

(شامی، كتاب الوقف، مطلب لايستبدل العامر إلا فى أربع، زكريا ٦/٥٨٨، كراچی ٤/٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٨، الفقه الإسلامى و أدلته، مكتبه الهدى انٹرنيشنل ٨/٢٢٠، دار الفكر ١٠/٧٦٧٦، الأشباه والنظائر كراچی ١/٣٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۵۱)

مسجد کے موقوفہ مکان کو دوسری مسجد میں تبدیل کرنا

سوال [۱۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکان جو کہ مسجد کھجور والی کے نام سے وقف ہے، لیکن مسجد مذکورہ مکان سے دور ہے، مکانِ موقوف محلّہ ہذا ہی میں واقع ہے لیکن مسجد مذکور میں شامل کرنا ناممکن ہے اس محلّہ میں دوسری مسجد کی ضرورت کا احساس ہے، اہل محلّہ وذمہ دارانِ مسجد مذکور اس مکان مذکور کو مسجد کی شکل میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں کیا اس مکان مذکور کا مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس موقوفہ مکان کی مسجد کو ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اس کو اس مسجد میں شامل کرنا ممکن ہے، اور ذمہ دارانِ مسجد بھی اس مکان کو دوسری مسجد بنانے کی اجازت دیدیں تو پھر اس مکان کو ضرورت کے پیش نظر دوسری مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۳۲، جدید مطول ۱۰/۱۱۶)

مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجدا أو المسجد رحبة و أرادو أن يحدثوا له بابا و أرادو أن يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذٰلك فإن اختلفوا نظر أيهم أكثر و أفضل فلهم ذٰلك. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به، زکریا قدیم ۲/۴۵۶، جدید ۲/۴۰۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۹، الفتاویٰ التاتارخانية زکريا ۸/۱۵۷ - ۱۵۸، رقم: ۱۱۵۰۰، حاشية الچلپی علی تبيين الحقائق، امدادیه ملتان ۳/۳۳۱ زکریا ۴/۲۷۴، شامی کراچی ۴/۳۷۸، زکریا ۶/۵۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۶۲)

مسجد اور اس کی زمین کا دوسری زمین سے تبادلہ کرنا

سوال [۱۲۷۷۷]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ عرصہ پہلے ایک مسئلہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا جس کی نقل ساتھ میں لگادی گئی ہے، پہلے آپ کے ذریعہ طلب کردہ امور کی وضاحت میں عرض ہے کہ قدیم مسجد کا رقبہ ۵۰۰؍اسکوائر فٹ ہے اور اس سے متصل قطعۂ اراضی میں سے واقف نے ۱۵۰۰؍اسکوائر فٹ جگہ وقف کی ہے، کل ملاکر قدیم مسجد ۵۰۰+۱۵۰۰ وقف کردہ زمین، کل جگہ ۲۰۰۰ اسکوائر فٹ، اب اس وقت یہ مسئلہ پیش آیا ہے کہ:

واقف نے پہلے کہا تھا کہ میں نے مسجد کے علاوہ ۱۵۰۰/ اسکوائر فٹ جگہ وقف کی ہے لیکن اب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ۱۵۰۰/ فٹ جگہ مسجد پکڑ کر میری مراد تھی، یعنی اب میں جو جگہ مدرسہ کو دونگا وہ کل ملا کر ۱۵۰۰/ اسکوائر فٹ ہوگی اور مسجد بھی اس میں گنی جائے گی، اب بلڈر جو جگہ خرید رہا ہے وہ ۱۵۰۰/ اسکوائر فٹ جگہ کی قیمت متعین کریگا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) جب پوری جگہ کی قیمت لگائی جارہی ہے تو اس میں مسجد بھی گنی جائے گی تو کیا اس طرح مسجد کو فروخت کیا جاسکتا ہے؟ واقف کا کہنا ہے کہ اب ہم قیمتاً دیدیں گے اور پھر اسی جگہ کو اس بلڈر سے خرید کر پھر وہاں مسجد بنائیں گے، بلڈر بھی اس پر راضی ہے تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز و درست اور صحیح ہے؟

(۲) پہلے ۱۵۰۰ اسکوائر فٹ کا وعدہ کرنا مختلف شخصیات کے سامنے اپنے وقف کردہ جگہ کا تذکرہ کرنا اور پھر وقت آنے پر اپنے سارے وعدوں کو فراموش کر کے مسجد بھی اسی میں شامل کر کے گننا کیسا ہے؟

(۳) ایسے حالات میں ناظم مدرسہ (جو کہ مدرسہ کے اراکین میں ہیں) کے لیے خاموش رہنا چاہیے یا علاحدگی اختیار کرنی چاہیے یا اگر یہ غلط ہو رہا ہے تو مسجد کی حفاظت کی خاطر اور مدرسہ کی بقاء کے لیے آواز بلند کرنی چاہیے؟

امید ہے کہ آپ کو دی گئی زحمت کے لیے معاف فرما کر جواب کافی وشافی دیں گے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) جب پہلے ہی سے مسجد شرعی موجود ہے اس مسجد اور اس کی زمین کو دوسری زمینوں کے ساتھ فروخت کرنا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ مسجد انسانوں کی ملکیت سے الگ تھلگ رہے گی اور اس کا خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، اب رہی یہ بات کہ مسجد کی جگہ کو چھوڑ کر الگ سے ۱۵۰۰/ سو اسکوائر فٹ زمین مدرسہ کو دینے کا وعدہ کرنا اور پھر اس وعدہ سے مکر جانا اگر واقعی یہ بات صحیح ہے تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، لیکن مالک زمین یہ کہہ رہا ہے کہ میری مراد مدرسہ اور مسجد دونوں کا ۱۵۰۰/ اسکوائر فٹ میں شامل ہونا تھی، گویا کہ ۵۰۰/ اسکوائر فٹ مسجد کا پہلے سے وقف تھا ہی اور اب ہزار فٹ مدرسہ کے لیے وقف

ہے کل ۱۵۰۰/ اسکوائر فٹ ہوجائیں گے، اگر مالکِ زمین واقف یہی مراد لیتا ہے تو وہ اس کے اختیار میں ہے، اگر بالفرض واقف نے مسجد کو چھوڑ کر مدرسہ کے لیے ۱۵۰۰/ اسکوائر فٹ دینے کا اظہار کیا ہے تو صرف اظہار کی وجہ سے وقف نہیں ہوتا بلکہ بوقت وقف جتنے حصے کو وقف کرے گا اتنا ہی وقف ہوگا۔

عن عبد الله بن عمرو أن النبی ﷺ قال: أربع من كن فيه كان منافقا خالصا (إلى قوله) و إذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر . (بخاری، باب علامة المنافق، النسخة الهندية ١/ ١٠، رقم: ٣٤)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

(۳) پہلے سوال کا جواب ۲۸/ جمادی الاولی ۱۴۳۲ھ کو لکھا جا چکا ہے اس کے اوپر پھر واقف کی طرف سے وعدہ خلافی کی بات کو بعینہٖ اسی پیڈ پر لکھ کر بھیجا گیا ہے جس پر پہلے واقف کی طرف سے لکھا گیا تھا، مدعی اور مدعی علیہ دونوں کا پیڈ ایک ہی ہے اس لیے اصل معاملہ کو سمجھنے سے ہم قاصر ہیں، لہٰذا اس معاملہ میں وہاں کے قریبی علماء ومفتیان کرام سے رابطہ قائم کر کے مسئلہ کا حل طلب کریں، وہ اصل حقیقت کے بارے میں تحقیق کر کے شرعی مسئلہ بتائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۰۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

مسجد کی زمین کا تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خسرہ (۱) مسجد موجود آباد بھی ہے خسرہ ۲/ مسجد کے سامنے عام سڑک اور مسجد کے درمیان زید کی زمین (مسجد اور سڑک کے درمیان زید کی زمین) ہے خسرہ ۳/ مسجد سے اتر

جانب مسجد کی خالی غیر آباد زمین اس زمین کے بعد بھی زید کی زمین بعدہٗ عام سڑک ہے۔

مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ خسرہ ۳۲؍ والی زمین جانب شمال غیر آباد یہ زمین مسجد کی ایک عرصہ سے مانی جارہی ہے، گاؤں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسجد کی زمین ہے، ہم بھی اس کو یہی جانتے تھے، اب چونکہ مسجد سے متصل اپنی زمین میں رہن سہن کررہے ہیں ہمارے سامنے مسجد کی خالی زمین ہمارے آنے جانے میں رکاوٹ ہے اور دل بھی گوارہ نہیں کرتا کہ ہم مسجد کی زمین کو استعمال کریں تو ہم کو لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم یہ زمین بدل لو، مسجد کو دوسری جگہ دیدو، تو ہم نے غور وفکر کیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسجد کے سامنے اور خالی پڑی زمین کے سامنے ہماری خود اپنی زمین ہے، لہٰذا مسجد کے ٹھیک سامنے ہم اپنی زمین مسجد کو دیدیں اور باقی جو کمی رہ جاتی ہے وہ ہم دوسری جگہ سے دیدیتے ہیں، زیادہ اگر لینا چاہیں تو اس کے لیے بھی تیار ہیں، یہ بات تو اس وقت تک تھی جب ہم لوگوں کو یہی معلوم تھا کہ خسرہ ۳۲؍ مسجد کی زمین ہے، لیکن جب ہم نے اس زمین کے کاغذات وغیرہ دیکھے تو تقریباً پچاس سال پہلے سروے میں اس زمین کو بہار سرکار نے غیر مجروہ عام کھیتیاں میں لکھا ہوا ہے لہٰذا یہ زمین مسجد کی نہیں رہی، بہار سرکار غیر مجروہ عام کا مطلب ہے کہ کوئی بھی اس کو قبضہ کرسکتا ہے رہ سکتا ہے گاؤں کا پردھان مکھیا غریبوں کے نام سے پٹہ کرسکتا ہے، یا کسی کے نام پر پٹہ کرسکتا ہے، اسی کو یوپی وغیرہ میں گرام سماج کی زمین کہا جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ دریافت کرنا ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ پورے گاؤں والوں کی نگاہ میں ہے کہ مسجد کی زمین ہے تو یہ چاہتے ہیں کہ مسجد کو کوئی نقصان نہ ہو مسجد کا کام بھی ہوجائے اور ہمارا بھی کام ہوجائے، خسرہ ۳۲؍ ہم کو نہیں چاہیے اور خسرہ ۲؍ کی زمین جو کہ ہماری ہے ٹھیک مسجد کے سامنے سڑک تک مسجد کو مل جائے چونکہ یہاں زمین پوری نہیں تو دوسری جگہ اس کمی کو پورا کردیں۔

نوٹ: پورے گاؤں میں اس مسجد کے علاوہ دوسری مسجد نہیں ہے ہم اگر اپنی زمین خسرہ ۲؍ کو استعمال میں لے لیں تو مسجد میں آنے جانے کا راستہ بند ہوجائے گا، اور مسجد میں راستہ دینے کے لیے ہم کو کوئی مجبور بھی نہیں کرسکتا، یہ باتیں تو صرف سمجھانے کے لیے لکھ

دی ہیں، تفصیل کے ساتھ، ورنہ مسئلہ صرف یہ ہے کہ بہارسرکار غیر مجروہ عام جوایک زمانے سے مسجد کے قبضہ میں مانی جارہی ہے خالی ہے، بے مصرف ہے، مسجد اور ہم کواپنی اپنی ضرورت ہے، کیا تبادلہ کر سکتے ہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب سےنوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوالنامہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ تبادلہ کی صورت میں مسجد کا فائدہ زیادہ ہےاس لیے تبادلہ کرنے کی گنجائش ہے، تاکہ مسجد کی توسیع اور نمازیوں کی آمدورفت اورمسجد کی دیگرضروریات سہولت سے پوری ہوسکیں۔

وفيها (أى الأشباه) لايجوز استبدال العامر إلا فى الأربع و تحته فى الشامية: الرابعة أن يرغب إنسان فيه ببدل أكثر غلة و أحسن صقعا فيجوز على قول أبى يوسف و عليه الفتوىٰ كما فى فتاوىٰ قارئ الهداية. (شامی، كتاب الوقف، مطلب لايستبدل العامر إلا فى أربع، زكريا ديوبند ٦/٥٨٨، كراچی ٤/٣٨٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٨، الفقه الإسلامى و أدلته، مكتبه الهدى انٹرنيشنل ٨/٢٢٠، الأشباه والنظائر كراچی ١/٣٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ	الجواب صحیح
۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۸۸)	۱۴۳۴/۵/۴ھ

مسجد کی زمین کا تبادلہ کب جائز ہے؟

سوال [۷۷۱۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ سے ملاقات پرایک مسجد کی موقوفہ آراضی کومسجد کے متصل ایک آراضی سے بدل کرمسجد کی توسیع کا مسئلہ معلوم کیا تھا، وقف نامہ اس وقت تک نظر سےنہیں گذراتھاواپسی پروقف نامہ دیکھاتو معلوم ہواکہ یہ زمین نواب رامپور کی وقف شدہ ہےنواب صاحب نے مؤذن امام اورمسجد کے معمولی صرفہ کے لیے یہ زمین وقف کی ہے، مزید برآں یہ معلوم ہواکہ

زمین مؤذن کے ورثاء کے نام سرکاری کاغذات میں رجسٹرڈ ہوگئی اب تک آمدنی مسجد کے حوالے کررہے ہیں لیکن آئندہ بھی یہ صورت باقی رہے اس پرلوگوں کو کچھ زیادہ اطمینان نہیں ہے، مسجد کے متصل جو زمین ہے وہ مؤذن ہی کی ہے اوراس تبادلہ پر وہ راضی بھی ہے کیا ایسی صورت میں تبادلہ کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے؟

المستفتی: مفتی محمد اشتیاق مفتی مدرسہ رحمانیہ، ٹانڈہ رامپور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ مذکورہ موقوفہ زمین مؤذن کے ورثاء کے نام سرکاری طور پر رجسٹرڈ ہوچکی ہے تو وہ آراضی نیم ہلاکت کا شکار ہوگئی ہے، اورآئندہ تکمیل ہلاکت کا خطرہ ہے، اس لیے واقف کے صدقہ جاریہ کو باقی رکھنے کے لیے مؤذن کی مذکورہ زمین سے تبادلہ کرکے مسجد کے نام سے رجسٹری کرالی جائے تو اس کی گنجائش ہوگی جبکہ مسجد کی کمیٹی بھی اس سے متفق ہو۔

والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح إذا كان بإذن القاضي و رأيه المصلحة فيه. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی استبدال الوقف و شروطه، زکریا ٦/٥٨٣-٥٨٤، کراچی ٤/٣٨٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٦، الفقه الإسلامی و أدلته مکتبه هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٨/٢١٩، دار الفکر ١٠/٧٦٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۵۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۱ھ

نماز کے لیے مخصوص مسجد کی جگہ کو دوسرے مقصد میں استعمال کرنا

سوال [۷۷۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک بڑی مسجد جس میں جمعہ،عیدین وغیرہ کی نمازیں ہوتی ہیں،اس کے صحن میں نماز کے لیے صفوں کا نشان موجود ہے، جس پر جماعت ہوتی ہے،صحن کے آخری حصہ کی صف اور فرش ماربل کا پختہ بنا ہوا ہے،تقریباً آٹھ دس نمازیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک کمرہ بنا کر اس میں پانی کے لیے بجلی کا موٹر لگا دیا ہے،جبکہ یہ کام خارج مسجد میں بھی انجام دیا جاسکتا تھا، ایسی صورت میں جبکہ وہ جگہ نماز کے لیے مخصوص تھی کیا شرعاً کسی دوسرے مقصد کے لیے استعمال کرنا اور اس جگہ کو نماز کی ادائیگی سے محروم کردینا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: عبدالسلام پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ فعل ناجائز ہے،اس کمرہ کو توڑ کر مسجد میں داخل کرلینا ضروری ہے ورنہ ایسا کرنے والے سب گنہگار رہوں گے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. (شامی، کتاب الوقف، قبيل مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زکریا ٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۲/۲۴)

مسجد کی جگہ تبدیل کرنا

سوال [۷۷۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک زمین رہائش کے لیے خریدی،خریدتے وقت یہ ارادہ کیا کہ ایک طرف اتنا حصہ نئی مسجد کی تعمیر کے لیے ہے اس میں مسجد بنوائی جائے گی، چنانچہ جب ارادہ کے مطابق مسجد کے لیے جگہ دیدی، چھپر وغیرہ پڑ گیا، نماز ہونے لگی، دو تین سال نماز اور رمضان میں تراویح بھی ہوئیں، اب محلّہ والے کہتے ہیں کہ اس کے بدلے دوسری جگہ مسجد

تعمیر کرالیں اس کے پیسہ کو وہاں لگالیں گے، تو کیا زمین مذکورہ میں مسجد نہ بنوا کر دوسری جگہ اس کی رقم لگائی جاسکتی ہے، جب کہ واقف وہاں ہی مسجد کے لیے بضد ہے؟

المستفتی: مولوی عبدالباسط بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اول جگہ نماز قائم ہونے کی بناء پر شرعی قاعدے سے وہ مسجد بن گئی ہے، اب وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی، پس اہل محلّہ یا کسی بھی شخص کو اس کے منتقل یا تبدیل کرنے کا اختیار نہ ہوگا، بالفرض اگر مسجد ویران ہوجائے اور کوئی نماز پڑھنے والا بھی وہاں نہ ہو تب بھی اس کی بقاء واجب ہے، اور اگر واقف منتقل کرنے پر رضامند ہو جائے تب بھی جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۳۵)

إذا بنی مسجدا و أذن للناس بالصلاۃ فیہ جماعۃ فإنہ یصیر مسجدا.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا دیوبند ۶/۵۴۵، کراچی ۴/۳۵۶، منحۃ الخالق کوئٹہ ۵/۲۴۸، زکریا ۵/۴۱۶، المحیط البرہانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶، الفتاویٰ التاتارخانیۃ زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴)

فی فتاویٰ الحجۃ: لو صار أحد المسجدین قدیما و تداعی إلی الخراب فأراد أھل السکۃ بیع القدیم و صرفہ فی المسجد الجدید فإنہ لا یجوز. (ہندیہ، کتاب الوقف، الباب الحدی عشر فی المسجد و ما یتعلق بہ، زکریا قدیم ۲/۴۵۸، جدید ۲/۴۱۰، شامی کراچی ۴/۳۵۸، زکریا ۶/۵۴۸، مجمع الأنہر، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۵۹۵، مصری قدیم ۱/۷۴۸، البحر الرائق کوئٹہ ۵/۲۵۱، زکریا ۵/۴۲۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۰۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۱۶ھ

مسجد کی زمین کے تبادلہ کا حکم

سوال [۷۷۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: خسرہ ۱/ زید کی زمین ۹/ ڈسمل، خسرہ ۲/ مسجد ۱۱/ ڈسمل، خسرہ ۳/ مسجد سے اتر جانب ۱۷/ ڈسمل جو برٹش حکومت کے دور سے زید کے والد مرحوم آباد کرتے رہے، بعدۂ تقریباً چالیس سال سے خود زید آباد کر رہا ہے، صورت مسئولہ یہ ہے کہ مسجد سے متصل زید تقریباً سال بھر سے اپنا مکان بنا کر بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے، زید کے خیال میں یہ بات آئی کہ مسجد کی زمین کی پیمائش کرائی جائے اس کے لیے کاغذات وغیرہ دیکھے گئے تو اب یہ بات سامنے آئی کہ یہ ۱۵/ ڈسمل زمین خسرہ ۳/ والی سرکاری کاغذات میں بہار سرکار غیر مجروہ عام مسجد کا ایک کمرہ اور صحن درج ہے، اور یہ بات آج تک کسی کو معلوم نہیں، خود زید کو بھی نہیں اور مسجد جس خسرہ میں بنی ہوئی ہے اسی خسرہ کی تقریباً ایک ڈیڑھ ڈسمل زمین جانب اتر خالی ہے اگر کمرہ وغیرہ والی بات ہوتی تو خسرہ میں ہونی چاہیے لیکن دوسرے خسرہ میں اس کو دکھایا جا رہا ہے۔

بہر حال دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح سرکاری دستاویز میں لکھا ہوا ہونے سے مسجد کی ملکیت تسلیم کی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر تسلیم کر لی جائے تو اس صورت میں خسرہ ۳/ کا تبادلہ مسجد کے فائدے کو دھیان میں رکھ کر کیا جائے تو تبادلہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کا فائدہ یہ ہے کہ مسجد کے سامنے زید کی زمین ہے، بعدۂ عام سڑک اگر زید اپنی زمین کو استعمال میں لے آئے، تو مسجد کا راستہ بالکل ختم ہو جاتا ہے، وجہ اس کی خسرہ ۱/ زید کی زمین خسرہ ۳/ والی کے سامنے آ رہی ہے اور خود خسرہ ۲/ بھی مسجد کے سامنے تو ہے ہی، اسی کے پیش نظر زید چاہتا ہے کہ مسجد کے سامنے جتنی زید کی زمین آ رہی ہے مسجد لے لے اپنا راستہ بنا لے اگر وہ زمین پوری نہیں ہوئی تو کمی کو دور کرنے کے لیے مسجد سے متصل پیچھے باقی ماندہ زمین مسجد کو دی جائے گی، جو مسجد کی آمدنی کا ذریعہ ہوگی اور مسجد پہلے کے مقابلہ مربع ہو جائے گی، شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔

المستفتی: الحاج عبد الرؤف، مقام چکنی، ضلع ارریہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خسرہ ۳/ کی زمین جس کے بارے میں کاغذات میں عام مسجد کا ایک کمرہ اور صحن ہونا درج ہے اور اس پر زید آباد ہے، وہ زمین سرکاری

کاغذات کے اعتبار سے مسجد کی ملکیت ہے جو واقعہ میں بالفعل زید کے تصرف میں چلی آرہی ہے، اور خسرہ ۱؍بھی زید کی ملکیت ہے جو اسی کے تصرف میں ہے تو ایسی صورت میں اگر خسرہ ۳؍کے بجائے خسرہ ۱؍سے مسجد کا فائدہ زیادہ ہوسکتا ہے، تو تبادلہ کی گنجائش ہے۔

مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ إنما تجوز إذا كانت في محلة واحدة و تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة. (هنديه، الباب الرابع، فيما يتعلق بالشرط في الوقف، زكريا قديم ٢/ ٤٠٠، جديد ٢/ ٣٧٥، الدر مع الرد كراچی ٤/ ٣٨٦، زكريا ٦/ ٥٨٦، مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٧٦، مصری قديم ١/ ٧٣٦، البنايه اشرفيه ٧/ ٤٦٠، البحر الرائق كوئٹه ٥/ ٢٢٣، زكريا ٥/ ٣٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۰/۳۰ھ

واقف کی اجازت سے مسجد کی زمین کو دوسری زمین سے بدلنا

سوال [۱۸۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے چند سال قبل اپنی قطعۂ آراضی پر ایک پلاٹ مسجد کے لیے دیا تھا، اور وہ پلاٹ جن صاحب کے حوالہ کیا تھا، انہوں نے کسی عالم دین کو بلا کر تبرکا چند اینٹیں ان سے وہاں رکھوالیں بعدۂ اس جگہ کی نہ تو کوئی حد بندی ہوئی اور نہ ہی اس پر کوئی نماز ادا ہوئی، اب میں اپنی مرضی سے اسی قطعۂ آراضی پر اس کے بدلہ میں دوسرا پلاٹ مسجد کے لیے دینا چاہتا ہوں، جو اس کے مقابلہ میں زیادہ موزوں بھی ہے اور اس پر جلد ہی مسجد تعمیر ہونا اور زیادہ آباد رہنا یقینی ہے، تو کیا مجھے اس تبدیلی کا اختیار ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعمیر مسجد کے لیے جو زمین دی گئی ہے اور اس میں مسجد کی تعمیر کی نیت سے صرف گڑھا کھود کر بنیاد رکھی گئی ہے ابھی تعمیر شروع نہیں ہوئی ہے،

اور سوالنامہ کے مطابق اس زمین سے بہتر آبادی سے قریب واقف کی دوسری زمین موجود ہے، تو ایسی صورت میں واقف کے لیے یا واقف کی اجازت سے اس زمین کے بدلہ میں آبادی سے قریب والی زمین کو مسجد کے لیے لے لینا جائز اور درست ہوگا، اس لیے کہ پہلے والی زمین شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی ہے، لہٰذا اس زمین کو دوسری موزوں زمین سے بدل کر اس دوسری زمین میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے۔

لایصیر مسجدا بمجرد البناء مالم یوجد القبض و التسلیم و بالصلاة فیه بجماعة یقع القبض و التسلیم بلاخلاف. (تاتارخانية، الوقف، لفصل الحادی والعشرون، زکریا ۱۵٦/۸، رقم: ۱۱٤۹٤، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۱۲٤/۹، رقم: ۱۱۳۳۵- ۱۱۳۳٦)

قال أبو حنیفة رحمة الله علیه: لایکون مسجداً حتی یصلی فیه جماعة بإذنه. (تاتارخانية زکریا ۱۵۷/۸، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۱۲٤/۹، رقم: ۱۱۳۳٦)

مبادلة دار الوقف بدار الأخریٰ إنما تجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة الأخریٰ خیرا. (شامی، الوقف، مطلب فی شروط الاستبدال، زکریا دیوبند ۵۸٦/٦، کراچی ۳۸٦/٤)

وإن کان للوقف ریع ولکن یرغب شخص في استبداله إن أعطیٰ مکانه بدلا أکثر ریعا منه فی صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي یوسف والعمل علیه. (شامی زکریا ۵۸۷/٦، کراچی ۳۸۷/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۴/۳۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۲/۲۹ھ

مسجد کے لیے دی گئی زمین کو دوسری بری زمین سے تبدیل کرنا

سوال [۱۷۷۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک زمین جس کا رقبہ سترہ سو مربع فٹ ہے، بغرض حصول ثواب دارین

مسجد بنانے کے لیے وقف کردی ہے لیکن مشورہ سے یہ طے پایا کہ یہ جگہ مسجد کے لیے ناکافی ہے۔

لہٰذا اسی جگہ کچھ فاصلہ پر ایک بڑا پلاٹ (سترہ سو پچاس مربع فٹ) عمرو کا ہے، عمرو سے بات کرنے پر وہ راضی ہوگئے کہ بڑے پلاٹ کے عوض چھوٹا پلاٹ سترہ سو مربع فٹ والا لے لیں اور مسجد کی تعمیر بڑے پلاٹ پر ہو، اس سلسلے میں واقف پلاٹ زید سے بھی گفتگو کی گئی تو ان کا قول یہ ہے کہ اس طرح نیت بدلنے میں کوئی شرعی حرج نہ ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میں بھی بہتر خیال کرتا ہوں کہ مسجد وسیع سے وسیع تر ہو جائے، اس سلسلے میں احکام شرع سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: نیاز احمد انصاری، بارہ بنکی یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسجد کے نام سے مذکورہ زمین وقف کردی گئی ہے تو وہ زمین وقف ہوکر مالک کی ملکیت سے نکل چکی ہے، لیکن ابھی تعمیر کا سلسلہ شروع نہیں ہوا ہے، اور اس سے بڑی زمین اس کے معاوضہ میں مناسب جگہ پر تعمیر مسجد کے لیے مل رہی ہے تو اس کے بدلے میں بڑی والی زمین لے کر اس میں مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس تبدیلی میں مسجد ہی کے لیے زیادہ نفع اور فائدہ ہے، اور نمازیوں کی زیادہ گنجائش بھی تبدیلی کی صورت ہی میں ہے، لہٰذا اس تبدیلی کی وجہ سے واقف کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آئیگی، بلکہ اس کا ثواب اپنی جگہ باقی رہے گا اور بڑی زمین کا ایثار کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا، اور یہ کام مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داروں کی منعقدہ رائے سے ہونا چاہئے۔

وأما الاستبدال بدون الشرط فلایملکه إلا القاضي، قال الشامي بحثا عنه: و إن كان للوقف ريع، ولكن يرغب شخص في استبداله إن أعطى مكانه بدلا أكثر ريعا منه في صقع أحسن من صقع الوقف جاز عند أبي يوسف، والعمل عليه. (شامی زکریا ٦/٥٨٧، کراچی ٤/٣٨٦)

وأما الاستبدال بدون الشرط فلایملکه إلا القاضي بإذن السلطان، حيث

رأى المصلحة فيه، وفي القنية: مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ، إنما تجوز إذا كانتا في محلة واحدة. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۷٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۸۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۳/۱۴۳۱ھ

مسجد کے مکان کا دوسرے مکان سے تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں مرکزی نوری مسجد شہر ’’ہردہ‘‘ سے ملے ہوئے غیر مسلم اور مسلم کے مکانات ہیں اور چار مکان آگے مسجد کے مکانات ہیں، آبادی کی کثرت کی وجہ سے مسجد چھوٹی پڑنے لگی ہے اور نماز پڑھنے، مدرسہ لگانے اور جماعت ٹھہرنے میں دقت ہوتی ہے، ایسی صورت میں مسجد سے لگے ہوئے غیر مسلم اور مسلم کے مکانات مسجد میں لے کر ان کے بدلے میں مسجد کے مکانوں میں سے مکان دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے مکان کو فروخت کرکے اس کی قیمت کو مسجد کے کام میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

وضاحت: جس مکان کا مسجد میں لینے کا ارادہ ہے اس کی قیمت کم ہے، اور جو مکان بدلے میں دینا ہے اس کی قیمت زیادہ ہے، برائے مہربانی جواب میں اس صورت کے حکم کی بھی وضاحت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ مذکورہ مکان مسجد کی ملکیت میں ہے یا وہ موقوفہ مکان ہے، اگر ملکیت میں ہے تو متولی اہل محلّہ کے باہمی مشورہ سے تبادلہ کرسکتا ہے، جس میں مسجد کا زیادہ نفع ہو اور اگر موقوفہ مکان ہے تو جب تک اس مکان سے ادنیٰ فائدہ حاصل ہوتا رہے تبادلہ درست نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۸۸، انوار رحمت ۱۴۲)

فإن أراد المتولی أن يبيع ما اشتریٰ ...... وقال بعضهم: يجوز هذا البيع وهو الصحيح الخ. (البحر الرائق، كتاب الوقف كوئٹه ٥/ ٢٠٧، زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٦، قاضيخان زكريا جديد ٣/ ٢٠٧، وعلى هامش الهندية ٣/ ٢٩٧)

إن الخلاف فی الثالث إنما هو فی الأرض إذا ضعفت عن الاستغلال بخلاف الدار إذا ضعفت بخراب بعضها ولم تذهب أصلا فإنه لايجوز حيئنذ الاستبدال على كل الأقوال. (شامی، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه زكريا ٦/ ٥٨٤، كراچی ٤/ ٣٨٤-٣٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۹۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۳ھ

مسجد کی آراضئ موقوفہ کا استبدال

سوال [۷۷۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) خدمت اقدس میں گذارش ہے کہ میرے دادا جی نے اپنی حیات میں ۱۷؍ کاٹھا زمین مسجد میں وقف کی تھی لیکن انہوں نے ۶؍کاٹھا زمین پر مسجد بنائی، اور باقی زمین ان کے قبضے میں تھی اور اس وقت سے آج تک وہ ہمارے قبضہ میں ہے، ان کی وفات کے بعد ہم نے زمین ناپ کے دیکھی کہ ۱۱؍کاٹھا زمین مسجد میں دینے کے بعد مسجد کی زمین پوری ہوگی، لیکن اگر وہ زمین چھوڑ دیں تو ہمارے جانے آنے کا راستہ اور دیگر ضروریات زندگی سب بند ہوجائیں گی، تو ہم نے اپنے مقامی علماء سے فتویٰ طلب کیا تھا تو ان حضرات نے ہمارے گھر کی پوزیشن اور وہ زمین جو مسجد بلسکا کی باہر ہے جو مسجد کے لیے کارآمد نہیں ہے اس کو دیکھ کر یہ فتویٰ دیا تھا کہ اس زمین کے ۴۲؍ڈبل زمین دینی ہوگی، جو مسجد کے لیے زیادہ کارآمد ہو، ہم نے اسی کے مطابق ڈبل زمین دیدی جو قیمت کے اعتبار سے بھی زیادہ ہے، آج سے ۱۶؍ ۱۷؍سال قبل کی بات ہے، اور اسی کے مطابق گھر دوار بنا کر رہتے ہیں اور سابق متولی اور دیگر

خواص کی موجودگی میں دلیل ریکارڈ وغیرہ ہو چکا ہے، موجودہ متولی صاحب نے کہا کہ یہ عوض بدل کسی بھی صورت میں درست نہیں ہے، لہٰذا یہ زمین چھوڑ دینی ہوگی، حالانکہ وہ زمین مسجد کے لیے کچھ کارآمد نہیں ہے اور اس کو چھوڑ دینے سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہے گا، لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ مسجد کی زمین کا استبدال کسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ مسجد کے لیے زیادہ نفع وکارآمد نہیں، شریعت کے مطابق فتویٰ عنایت فرمادیں، اور حوالہ دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد اظہارالحق ۲۴ر پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقف نے بعد کے متولی وغیرہ کے لیے بوقت وقف استبدال کی شرط لگائی تھی تو استبدال صحیح رہے گا۔

لو شرط الواقف فی الوقف الاستبدال لکل من ولی هذا الوقف صح ذلک ولکل من ولی الوقف ولاية الاستبدال. (قاضیخان، کتاب الوقف، فصل فی مسائل الشرط فی الوقف، زکریا جدید ۳/۲۱۵، وعلی هامش الهندية زکریا ۳/۳۰۸)

الأول أن يشرطه الواقف لنفسه أو لغيره أو لنفسه و غيره فالاستبدال فيه جائز علی الأصح. (الدر مع الدر، مطلب فی استبدال الوقف و شروطه، کوئٹه ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا دیوبند ۶/۵۸۳، الفقه الاسلامی و أدلته مکتبه الهدی انٹر نیشنل دیوبند ۸/۲۱۹، دار الفکر دیوبند ۱۰/۷۶۷۵)

اور اگر واقف نے استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی اور مسجد کے لیے بالکل ناقابل انتفاع ہوچکی ہے، تو قاضیٔ شرعی کی اجازت سے استبدال جائز رہے گا۔

والثانی أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سکت لکن صار بحيث لاينتفع به بالکلية بأن لايحصل منه شيئ أصلا أو لا يفی بمؤنته فهو أيضا جائز علی الأصح، إذا کان بإذن القاضی و رأيه المصلحة فيه. (الدر مع الرد کوئٹه ۳/۴۲۴، کراچی ۴/۳۸۴، زکریا دیوبند ۶/۵۸۳-۵۸۴، الفقه الإسلامی و أدلته، هدی

انٹرنیشنل دیوبند ۸/۲۱۹، دار الفکر ۱۰/۷۶۷۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٦)

اور اگر زمین کسی حد تک منتفع بہ ہے تو کسی کے لیے استبدال جائز نہیں رہے گا اگر چہ اس کا عوض اس سے زیادہ انفع ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۳۰۲)

مسجد کی زمین کا دوسری جگہ سے تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی نے ایک آراضی مسجد کے لیے وقف کر دی اس میں مسجد کی سنگ بنیاد بھی رکھی گئی اور اب تک موجود ہے اور کئی وقتوں کی نماز باجماعت بھی اس میں ادا کی گئی البتہ اس کی چوحدی ہنوز نہیں ہوئی ہے، اب واقف صاحب اس زمین کو بیچنا چاہتے ہیں، تو کیا واقف کے لیے اس وقف کردہ زمین کو بیچنا جائز ہے، اور اس سنگ بنیاد کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ پر مسجد بنائی جاسکتی ہے، اور یہ دوسری جگہ اس پہلی جگہ کے مقابلے میں قیمتی بھی اور اچھی بھی ہے تو کیا اس کا بدلہ دوسری جگہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

نوٹ: کھلے میدان میں نماز بھی ہوئی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین تعمیر مسجد کے لیے دی گئی ہو اس میں صرف گڑھا کھود کر بنیاد رکھ دینے سے وہ مسجد شرعی نہیں ہوتی، اسی طرح کھلے میدان میں چند لوگوں کے یونہی نماز پڑھ لینے سے وہ مسجد شرعی کے حکم میں داخل نہیں ہوتی، بلکہ مسجد شرعی ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ واقف کی اجازت سے اس زمین میں باضابطہ تعمیر ہو اور پھر اذان واقامت کے ساتھ نماز کا سلسلہ شروع ہو جائے اور زمین میں نمازیوں کے نماز پڑھنے کے لیے آنے جانے کی غرض سے راستہ بنا دیا جائے، اور مذکورہ زمین میں یہ سب شرائط نہیں

پائے گئے، اس لیے یہ زمین شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی ،لہٰذا اس زمین کو ایسی زمین سے بدلنا جومسجد کے لیےزیادہ بہتر اور موزوں ہو جائز اور درست ہےاورسوالنامہ میں یہ مذکور ہے کہ دوسری جانب زمین پہلی زمین کےمقابلے میں مسجد تعمیر کرنے کے لیے زیادہ مناسب اور بہتر ہے، اس لیے مذکورہ زمین کے بدلے میں دوسری مناسب زمین لےکر اس میں مسجد تعمیر کرنا جائز اور درست ہوگا۔

لایصیر مسجداً بمجرد البناء مالم یوجد القبض والتسلیم وبالصلاۃ بجماعۃ یقع القبض والتسلیم بلاخلاف. (تاتارخانیة، الفصل الحادی والعشرون فی المساجد، زکریا ۸/۱۵٦، رقم: ۱۱٤۹٤)

قال أبو حنیفۃ رحمه الله: لایکون مسجدا حتی یصلی فیه جماعة بإذنه. (تاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۷، رقم: ۱۱٤۹۷)

لو صلی فیه جماعة بغیر أذان و إقامة سرا لا جهرا لایصیر مسجداً. (تاتارخانیة زکریا ۸/۱۵٦ رقم: ۱۱٤۹٤)

مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة أخریٰ خیرا. (شامی زکریا ٦/۵۸٦، کراچی ٤/۳۸٦، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۲۳، زکریا ۵/۳۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۴٦)

مسجد کے کونے کو عذر کی بناء پر مسجد سے خارج کرنا

سوال [۷۷۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کونہ جو پہلے خارج مسجد تھا اور مسجد کے سیدھ سے باہر تھا کچھ لوگوں کو معلومات نہ ہونے کی بنا پر وہ کونہ انہوں نے مسجد میں داخل کرلیا اس کے مسجد میں داخل ہونے

سے سبھی لوگوں کو راستے کی تکلیف ہوگئی ہے اب سبھی لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ کونہ خارج مسجد ہو جائے اور یہاں کو راستہ نکل جائے جبکہ یہ جگہ تقریباً دو یا تین میٹر ہوگی، اور یہ جگہ مسجد کی دیوار کی سیدھ سے باہر ہے لیکن یہ جگہ مسجد ہی کی ملکیت میں ہے، عرض ہے کہ ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتلائیں کہ کیا ہم اس جگہ کو خارج مسجد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ جگہ اور کونہ مسجد کی ملکیت ہے اور اب وہ حدود مسجد میں آچکی ہے اور اس میں نماز بھی ہو چکی ہے، تو وہ مسجد شرعی کے دائرہ میں داخل ہو چکی ہے، اب اس کو مسجد سے خارج کرنا جائز نہ ہوگا۔

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) ولو على جدار المسجد و تحته في الشامي: مع أنه لم يأخذ من هواء المسجد شيئا.

(الدرمع الرد، كتاب الوقف، قبيل مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۲۵)

مسجد کا بعض حصہ سڑک میں شامل کر کے دوسری جانب زمین لینا

سوال [۷۷۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم ۲-۳ کے درمیان دکھن کنارے پر ایک قدیم مسجد ہے، مسجد پلیٹ فارم سے نشیب میں ہے، اب جبکہ محکمۂ ریلوے پلیٹ فارم کی توسیع کر رہا ہے، مسجد پلیٹ فارم سے تین چار فٹ نیچی ہو جائے گی، آفیسران ریلوے کی درخواست ہے کہ مسجد کی پشت یعنی پچھم سے پلیٹ فارم کے لیے چار پانچ فٹ زمین ریلوے کو دیدی جائے محکمۂ ریلوے اس کے عوض میں مسجد سے متصل زمین دیدیگا اور مسجد کی از سر نو تعمیر کروائے گا، تاکہ مسجد

اونچی ہوجائے اور باہر سے پانی نہ جائے۔

مسجد کا رقبہ درج ذیل ہے:

لمبائی: ۳۴رفٹ ۶ راِنچ ...... چوڑائی: اتری حصہ ۳۱رفٹ ۶ راِنچ، درمیانی حصہ ۳۰رفٹ ۶راِنچ، دکھنی حصہ: ۲۹رفٹ ۶راِنچ

جس حصہ میں نماز ہوتی ہے اس کا رقبہ لمبائی میں ۲۵رفٹ ۶راِنچ اور چوڑائی میں ۲۰ر فٹ ۶راِنچ ہے، محراب کا حصہ ۴رفٹ ہے۔

درج ذیل امور کا شرعی جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں:

(۱) دیوار کا کچھ حصہ پلیٹ فارم کے لیے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) دیوار کا کچھ حصہ دینے کے بعد محکمۂ ریلوے کا مقصد پورا نہ ہوتو کیا محراب کا کچھ حصہ دیا جاسکتا ہے؟

(۳) مفاد عامہ کے پیش نظر اگر حکومت زبردستی محراب کا کچھ حصہ لےتو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

(۴) کیا کوئی ایسی صورت شریعت مطہرہ میں ہے جس سے حکومت اور مسلمانوں میں ٹکراؤ کی نوبت نہ آئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے بعض حصہ کو سڑک میں شامل کرکے اس کے بدلہ میں دوسری جانب مسجد کے لیے زمین دینے یا مسجد بنا کر دینے سے متعلق اکابر اہل فتاویٰ سے بھی سوال کیا جاچکا ہے، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ سے اسی قسم کا سوال کیا جاچکا ہے، اور حضرت گنگوہیؒ نے عدم جواز کو ترجیح دی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۴۵ ۵، جدید زکریا ۵۲۷)

اوراسی طرح کا سوال حضرت تھانویؒ سے کیا گیا اور حضرت تھانویؒ نے شامی وغیرہ کی مختلف عبارات کو شامل کرکے تقریباً ڈھائی صفحہ پر عربی میں جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ معاوضہ میں دینا ناجائز ہے، اور جن عبارات میں ضرورت عامہ کی بنا پر مسجد کے بعض حصہ کو گزرگاہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے ان عبارات کا مطلب یہ نہیں کہ جس حصہ کو گزرگاہ

بنایا جائے وہ مسجد سے خارج ہو جائے گا بلکہ وہ حصہ مسجد ہی میں رہے گا، اوراس حصہ سے ہر طرح کے لوگوں کو گزرنے کی اجازت ہے، حتی کہ کافر کو بھی گزرنے کی اجازت ہے، مگر حائضہ، نفساء اور جنبی کو گزرنے کی اجازت نہیں، اس لیے کہ وہ حصہ مسجد ہی ہے، اسی طرح معاوضہ اور تبادلہ میں مسجد کا کوئی حصہ سڑک اور راستہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۵۵)

اور بعینہ یہی سوال حضرت مفتی کفایت اللہؒ سے کیا گیا تو انہوں نے کافی وضاحت کے ساتھ یہ بات لکھی ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ تبادلہ میں دینا، یا عام لوگوں کے گزر کے لیے سڑک میں دے دینا جائز نہیں ہے، مفتی صاحبؒ کا یہ فتویٰ بعینہٖ ہمارے مذکورہ سوال کے جواب سے ملتا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۶، جدید مطول ۱۰/ ۱۴۴)

اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ سے بھی اسی طرح کا سوال کیا گیا، انہوں نے بھی عدم جواز کا جواب لکھا۔ (امداد المفتیین کراچی ۷۶۰)

اور فتاویٰ عبدالحی میں بھی تقریباً اسی طرح کے عدم جواز کا فتویٰ ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ لکھنؤ ا/ ۲۵۵)

درمختار، البحر الرائق، طحطاوی علی الدر، مجمع الانہر، تبیین الحقائق وغیرہ کتابوں کے مصنفین نے ان سب کتابوں میں درمختار وشامی کی اس عبارت کی طرح عبارتیں نقل فرمائی ہیں، جس میں وسیع مسجد کے زائد حصہ کو ضرورت عامہ کی بناء پر گزرگاہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن سبھی حضرات نے ساتھ میں یہ قید لگائی ہے کہ اس راستہ میں عامۃ المسلمین کے ساتھ کافر بھی گزرسکتا ہے، مگر وہ حصہ مسجد ہی کا حصہ رہے گا، لہٰذا اس حصہ پر سے جنبی، حائضہ اور نفساء کا گذر ہرگز جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہ حصہ مسجد ہے، اور مسجد سے ان لوگوں کا گزرنا جائز نہیں ہے، ان کے علاوہ عام انسانوں کو اپنی دنیوی ضرورت کے لیے بھی گزر کر آنا جانا جائز ہوگا، اسی وجہ سے گزرنے کی اجازت دی گئی مگر بیچنے اور تبادلہ میں دینے کی اجازت نہیں دی گئی، لہٰذا فقہ کی مذکورہ کتابوں کی وہ عبارات جن میں دیوار مسجد تک مسجد میں شامل ہونے کے بعد اس کو مسجد سے خارج کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اس کے اور گزرگاہ اور راستہ بنانے کی اجازت والی عبارت کے درمیان تعارض نہیں ہے۔

واعلم أنه لو ضاق المسجد وبجنبه طريق العامة يوسع منه وكذا بالعكس؛ لأنهما للمسلمين نص عليه محمد كذا في الاختيار، ونحوه في الدرر والتنوير، والمراد بعكسه أن يجعل في المسجد ممر لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، و جاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء والدواب كما في المنح وغيره عن الزيلعي. (سکب الأنهر، كتاب الوقف، دار الكتب العلمية بيروت ٥٩٦/٢، مصرى قديم ٧٤٨/١)

ومعنى قوله كعكسه أنه إذا جعل في المسجد ممرا فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء لما عرف في موضعه. (البحر الرائق زكريا ٤٢٨/٥، كوئٹه ٢٥٥/٥، تبيين الحقائق، مكتبه امداديه ملتان ٣٣٢/٣، زكريا ديوبند ٢٧٤/٤)

قلت: وظاهر كلام المصنف والشارح جوازه إلا أنه لايعطى حكم الطريق من كل وجه. (الطحطاوى على الدر كوئٹه ٥٤٣/٢)

ولايوضع الجذع على جدار المسجد و إن كان من أوقافه. (شامى زكريا ٥٤٨/٦، كراچى ٣٥٨/٤)

اور دیوار مسجد بھی مسجد ہی کے حکم میں ہوتی ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین کراچی ۷۹۴، فتاویٰ خلیلیہ ۱/ ۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲۲/۳۸)

مسجد کا حصہ قیمت یا بلا قیمت پڑوسی کو دینا

سوال [۷۷۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے ایک قطعہ دومنزلہ مکان جنوب رو ایک سال قبل عبد الغفار ولد عبد الغفور

مرحوم جوکہ میرے حقیقی چچا ہوتے ہیں سے خرید کیا ہے مکان کے مشرق جانب رحیم والی مسجد محلّہ کسرول واقع ہے، میرے چچا نے یہ مکان تقریباً تیس سال قبل دو منزلہ بنایا تھا، مکان کی خریداری کرنے کے بعد میرے علم میں آیا کہ اس مکان اور مسجد کے بیچ میں ایک آبچک مسجد کا ہے، جوکہ بسمت جنوب سے شمال کی جانب پیش طاق کے بعد ختم ہو جاتا ہے، جس کا رقبہ ۳ رگز ۱۴ ارگرہ ہے، آبچک کی پیمائش کی فوٹو کاپی سوال کے ساتھ منسلک ہے، مسجد کی تعمیر کے وقت ذیلی منزل میں اسکو شامل کرلیا گیا ہے اور دوسری منزل پر اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، عبدالغفار کے مکان کی تعمیر سے پہلے متولی مسجد ہٰذا نے کہا جب آپ مکان تعمیر کر رہے ہو تو اسے اپنے مکان میں شامل کرلو کیونکہ اگر اسے ایسے ہی چھوڑتے ہو تو یہ آبچک مسجد اور آپ کے مکان دونوں کو نقصان پہنچائے گا، کیونکہ دوسری منزل پر اس چھوٹے سے آبچک کی صفائی کون کرے گا، میں نے اپنے چچا سے مکان خریدنے کے بعد دوسری منزل پر آبچک چھوڑ کر اپنے حصہ میں دیوار کرلی، اور مسجد ہٰذا اور محلّہ کے ذمہ دار حضرات کو موقع کو دکھایا کیونکہ میں مسجد کی آراضی کو اپنے مکان میں شامل کر کے کوئی گناہ کا عمل نہیں کرنا چاہتا ہوں، لیکن مسجد ہٰذا و محلّہ کی دیواروں کو برسات کے پانی و گندگی سے کافی نقصان پہنچے گا، لہٰذا مفتیان شرع سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ میرے لیے اور مسجد کے لیے کوئی ایسا شرعی حل تلاش کریں جس سے میرے اوپر گناہ عائد نہ ہوتا ہو، ویسے میں اس جگہ کی قیمت یا جگہ کے بدلے دوسری جگہ مسجد کو دے سکتا ہوں، کیونکہ دوسری مسجد کے برابر میں میرا مکان ہے، خدا میری مدد کرے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے جس آب چک کا ذکر کیا گیا ہے یہ در حقیقت حکم شرعی کے اعتبار سے آب چک نہیں ہے، بلکہ عین مسجد ہے اس لیے کہ مسجد کے نیچے کی منزل اس حصہ کو شامل کر کے بنی ہوئی ہے، اور دوسری منزل میں اہل مسجد نے ناواقفیت میں اس حصہ کو باہر چھوڑ دیا ہے اور دوسری منزل میں اس حصہ کو مسجد سے باہر چھوڑنے کی وجہ سے وہ حصہ مسجد سے خارج نہ ہوگا، بلکہ داخل مسجد ہی ہوگا، لہٰذا اس حصہ کو پڑوسی کے حوالہ کرنا یا

اس کی تحویل میں دینا کسی طرح جائز نہیں، اس طرح اس حصہ کو نہ ہی مفت میں دینا جائز ہے، اور نہ ہی اس حصہ کا کرایہ لینا جائز ہے، اس لیے کہ وہ عین مسجد ہے، کیونکہ دیوار مسجد بھی حکم مسجد میں داخل ہوتی ہے، اور سوالنامہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ پڑوسی نے اپنے حصہ میں دیوار کھینچ کر اس حصہ کو اپنے حدود سے باہر نکال دیا ہے یہ انہوں نے صحیح کیا ہے، اب ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ تیسری منزل کی چھت کے اوپر چہار دیواری قائم کرکے، اور لینٹر کو باقی رکھ کر مسجد میں چھوڑ دیں اور اوپر سے ٹپر بنادیں تاکہ وہاں پر پانی نہ رکنے پائے اور مسجد کی عمارت نقصان سے محفوظ رہے، اور دیکھنے والے دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ حصہ مسجد کا ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا ولاسكنى. (شامی كتاب الوقف، قبيل مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۸۷)

نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے درمیان کی مسجد کے تبادلہ کا مسئلہ

سوال [۷۷۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نئی دہلی پلیٹ فارم کے بیچ میں ایک مسجد ہے حکومت ہند چاہتی ہے کہ اس مسجد کو ختم کر کے اس جگہ کو ریلوے کے استعمال میں لے آئے، اور اس کے بدلے مسلمان جہاں چاہیں جتنی بڑی مسجد چاہیں بنالیں، کیا اس طرح کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ ایک بار مسجد بن چکی ہے وہ تا قیامت مسجد

ہی رہے گی اس کوکسی دوسرے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، لہٰذا پلیٹ فارم کی مسجد کو ریلوے کے استعمال کے لیے دینا جائز نہیں ہے، اگر چہ حکومت اس کے بدلے میں دوسری جگہ مسجد بنا کردے۔ (مستفاد: فتاویٰ حقانیہ حیدرآباد ۱۰۴/۵، کفایت المفتی قدیم ۳۶/۷، جدید زکریا مطول ۱۰۴/۱۰)

لو كان مسجد في محلة ضاق على أهله ولايسعهم أن يزيدوا فيه فسألهم بعض الجيران أن يجعلوا ذٰلك المسجد له ليدخله في داره ويعطيهم مكانه عوضا ما هو خير له فيسع فيه أهل المحلة؟ قال محمد: لايسعهم ذٰلك. (هنديه، الباب الحادي عشر في المسجد و مايتعلق به، زكريا قديم ۴۵۷/۲، جديد ۴۱۰/۲، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۱۶۲/۸، رقم: ۱۱۵۱۱، المحيط البرهاني كوئٹه ۱۳۰/۷، الملجس العلمي ۱۲۷/۹، رقم: ۱۱۳۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۷/۴۰)

واقف کے وارث کا موقوفہ مکان کو ایک ہزار روپئے کے بدلہ لینا

سوال [۷۷۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آدمی زید نے اپنے چچازاد بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا اور پھر چند دنوں کے بعد اس شخص کا انتقال ہوگیا جس نے رکھا تھا، انتقال سے پہلے اپنے لڑکے بکر سے وصیت کردی تھی کہ اپنے چچا کا خیال رکھنا لیکن کسی وجہ سے وہ لڑکا اپنے چچا سے کنارہ کش ہوگیا، پھر اس لڑکے کے چچا کی طبیعت خراب ہوگئی، پھر بھی اس لڑکے نے اپنے چچا کا کچھ خیال نہ کیا، زیادہ طبیعت خراب ہونے پر اس نے اپنا حصہ مکان کا مسجد کے نام وقف کردیا، جب یہ بات اس کے لڑکے کو معلو ہوئی تو وہ اپنے چچا کا خیال کرنے لگا، تو وقف شدہ مکان اس لڑکے کو دیدیا اور جس مکان میں وہ لڑکا رہتا تھا وہ مسجد میں وقف کردیا، چچانے انتقال کے وقت اس لڑکے سے کہا کہ اگر ایک ہزار روپیہ لے آؤ تو اس مکان کے بدلے میں ایک ہزار روپیہ مسجد میں

دیدوں اور وہ مکان مسجد سے واپس کرلوں اس لڑکے کے پاس اتنی جلدی روپئے نہ ہوسکے اور اس کے چچا کا انتقال ہوگیا، اب اس لڑکے بکر کو قریب ۳۰؍ سال ہوگئے ہیں تو کیا ایک ہزار روپیہ دے کر مسجد سے مکان واپس لوٹا سکتا ہے؟

المستفتی: محمد ابراہیم سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں اب جبکہ عمر کا انتقال ہوگیا ہے اس کے بھتیجے بکر کو مسجد سے وہ مکان ایک ہزار روپیہ کے بدلے میں واپس لینا جائز نہیں ہے۔

أما إذا قال الواقف علی أن لفلان ولایة الاستبدال فمات الواقف لایکون لفلان ولایة الاستبدال بعد موت الواقف. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی الوقف، زکریا قدیم ۲/ ۴۰۰، جدید ۲/ ۳۷۵، قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۲۱۵، وعلی هامش الهندیة ۳/ ۳۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۱۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

مسجد کی زمین میں ذاتی رقم سے رہائشی مکان تعمیر کرنا

سوال [۷۷۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد قریشیان محلہ فیل خانہ کی جگہ تھی اس جگہ میں احسان الٰہی اور ان کے داماد عظمت حسین نے اپنے ذاتی پیسوں سے مکان بنوایا اور اسی مکان میں رہتے رہے، اور کرایہ داری کی رسید احسان الٰہی کے نام آتی رہی، اور کرایہ بھی احسان الٰہی ادا کرتے تھے، پھر ان کے انتقال کے بعد ان کی بیوی کے نام کرایہ داری کی رسید آنے لگی، اور وہ کرایہ ادا کرتی رہیں، پھر ان کی لڑکی شاہدہ کے نام رسید کرایہ داری آنے لگی، اور وہ کرایہ ادا کرتی رہیں۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ احسان الٰہی کے ایک بھائی محبوب الٰہی تھے، (جواب بغیر

شادی شدہ انتقال کر چکے ہیں) اور ایک بھائی نور الٰہی تھے اور ایک بھائی مہر الٰہی تھے جو احسان سے پہلے انتقال کر گئے، نور الٰہی کی دو لڑکیا ہیں: ۱۔ چندا ۲۔ قمر جہاں۔

تو کیا شرعاً اس مکان میں احسان الٰہی کے دیگر بھائیوں یا مذکورہ بھتیجوں کے کسی طرح حقوق نکلتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عظمت حسین فیل خانہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی جگہ پر کسی کے لیے رہائش کی غرض سے ذاتی رقم صرف کر کے مکان بنانا جائز نہیں اور نہ ہی متولی یا ذمہ داران مسجد کے لیے اس کی اجازت دینے کا اختیار ہے، البتہ اگر ذمہ داران مسجد نے اس وقت مسجد کے مفاد کی خاطر اس طرح کرایہ پر دیا تھا کہ مکان کی قیمت کرایہ میں مجریٰ ہو جائے گی، اس کے بعد پھر کرایہ کا سلسلہ جاری رہے گا، تو اس کی اس وقت گنجائش تھی مگر جب احسانِ الٰہی جو اصل کرایہ دار تھا اس کا انتقال ہو چکا ہے تو کرایہ داری کا معاملہ شرعی طور پر ختم ہو چکا ہے، اب معاملہ صاف کر کے زمین و مکان مسجد ہی کو دیدینا لازم ہے، اس میں احسان الٰہی کے ورثاء میں سے کسی کا کوئی حق متعلق نہیں ہے، البتہ مکان کی قیمت کرایہ میں مجریٰ ہونے سے اگر کچھ باقی ہے تو صرف وہی مسجد سے وصول کر سکتے ہیں۔

وإذا مات أحد المتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة. (هدایه اشرفیه دیو بند ۳/ ۳۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱/۱۴۱۷ھ

مسجد کی دیوار توڑ کر اس کو پختہ بنا کر اپنے مکان کی چھت ڈالنا

سوال [۷۷۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک موقوفہ جائیداد بنام مسجد ہے، اس کی ایک دیوار پڑوسیوں نے توڑ کر اپنی پکی دیوار بنا کر اس کے اوپر لینٹر ڈال لیا ہے اب از روئے شرع ان کے لیے کیا حکم ہے؟

المستفتی: لیاقت حسین کاتب، بلاری مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی دیوار بھی مسجد کی طرح وقف میں داخل ہے اس لیے اس کی دیوار توڑ کر کسی کے لیے پکی دیوار بنا کر مالکانہ تصرف کر کے اس پر لینٹر ڈال کر اپنے مکان وغیرہ کی چھت کو قائم کرنا ہرگز جائز نہیں ہے تمام مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ پڑوسیوں کو اس پر مجبور کریں کہ وہ مسجد کی دیوار اور زمین سے اپنا قبضہ چھوڑ دیں۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق فإذا كان هٰذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد الخ. (الدر المختار، كتاب الوقف، قبيل مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ديوبند ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۹۳)

مسجد کے ماتحت مدرسہ یا دینی ہال بنانا

سوال [۷۷۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قوم راعین برادری میں ایک مسجد عمر فاروق کا کام چالو ہے جب مسجد کا کام چالو کیا تو ہم نے بہت سے دیندار اور پیش اماموں کو بلایا تھا، ان کے سامنے ہم نے یہ بات رکھی کہ ہم مسجد دو منزل کی بنوائیں گے، نیچے ہال ہوگا اور اوپر کی منزل پر مسجد ہوگی ان سب لوگوں نے یہ کہا کہ مسجد کی بنیاد زمین پر رکھی گئی ہے، یعنی محراب کا پتھر زمین پر رکھا گیا ہے، اس لیے آپ کو نماز کی جماعت کے لیے پیش امام کو نیچے ہی کھڑا کرنا پڑے گا، یعنی جماعت نیچے ہی

ہوگی، زیادہ نمازی ہونے پر اوپر کی منزل پر نمازی جاسکتے ہیں، امام نیچے ہی کھڑا ہوگا، جماعت اوپر کی منزل پر نہ ہوگی، نیچے کی منزل کا ہال مسجد ہی میں رہے گا، مگر قوم کا ارادہ یہ ہے کہ ہال کے اندر مدرسہ بنادیا جائے گا اور کبھی ضرورت پڑنے پر اس ہال میں برات یا جماعتوں کو بھی ٹھہرالیا جائے گا، جلسہ وغیرہ بھی کرالیں گے، کئی لوگوں نے اعتراض کیا کسی آدمی نے ان کو یہ کہہ دیا کہ نیچے کے محراب کو دیوار کی شکل میں بند کردیا ہے، نیچے محراب نہیں رہا، بلکہ ایک دیوار بن گئی، اسی محراب پر اوپر کی منزل پر دوسرا محراب بن جائے گا، یہ لوگ امام کو اوپر کھڑا کر کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ آپ ہم کو پوری تفصیل کے ساتھ جواب دینے کی مہربانی کریں کہ کیا:

(۱) اوپر کی منزل پر امام نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا نیچے کے ہال کے محراب کو بند کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) ہال کو مدرسہ یا برات یا جلسہ کے یا آئی ہوئی دینی جماعتوں کے سونے کے واسطے کام میں لے سکتے ہیں؟ جواب جلد دینے کی مہربانی کریں۔

المستفتی: حاجی ماسٹر علی محمد جھنجھنوں راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پہلے سے اس جگہ پر مسجد تھی اور نئے سرے سے دوبارہ دومنزلہ مسجد بنائی جارہی ہے جیسا کہ سوالنامہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نیچے کی منزل کی محراب کو ختم کر کے دیوار بنائی جائے اگر واقعۃً ایسا ہی ہے کہ پرانی مسجد کی جگہ پر از سرنو تعمیر کے موقع پر یہ پروگرام بنا ہے، کہ نیچے ہال رکھا جائے اور اوپر مسجد بنائی جائے تو یہ شرعاً جائز نہیں ہے، اس لیے کہ جب ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے تو قیامت تک وہ مسجد ہی رہتی ہے، اس لیے اوپر نیچے دونوں حصے مسجد ہی ہوں گے، نیچے کے حصے کو برات وغیرہ ٹھہرانے کے لیے یا قومی پروگرام وغیرہ کے لیے یا مدرسہ کے لیے متعین کرنا جائز نہیں ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام، والثاني أبدا إلى قيام الساعة وبه يفتي. (شامي، كتاب الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا

٥٤٨/٦، کراچی ٣٨٤/٤، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ٥٩٥/٢، قدیم ٧٤٨/١)

اور اگر وہاں پہلے سے کوئی مسجد نہیں تھی بلکہ نئی زمین لے کر نئی مسجد کا پروگرام بن رہا ہے تو تمام چندہ دہندگان یا زمین دینے والوں کے مشورہ سے ایسا پروگرام بنانے کی گنجائش ہے کہ نیچے کے حصہ کو خارج مسجد کر دیا جائے اور اس کو مدرسہ کی شکل دے کر محلّہ کے بچوں کو وہاں پر تعلیم دینا اور اوپر والے حصہ کو باضابطہ مسجد قرار دینا جائز ہے، لیکن بارات وغیرہ ٹھہرنے کے لیے اس جگہ کو استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، بارات کا ٹھہرنا مفاد مسجد اور مدرسہ کے خلاف ہے، اس لیے جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ دینی جماعتوں کے ٹھہرنے اور دینی جلسہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا علی المسجد قیل لا یستحب ذلک ولکنه لو جعل فی الابتداء هکذا صار مسجدا و ماتحته صار وقفا علیه ویجوز المسجد والوقف الذی تحته ولو أنه بنی المسجد أولاً ثم أراد أن یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل و ینبغی أن یرد إلی حاله.

(حاشیة الچلبی علی التبیین ٣٣٠/٣، زکریا ٢٧١/٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۵۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۹ھ

مسجد کو مدرسہ اور وضوخانہ میں تبدیل کرنا

سوال [۷۷۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گلی نمبر ۳ / بڑے احاطہ کے نکڑ پر ایک مسجد ۱۹۶۲ء میں تعمیر کی گئی تھی اس کے مشرقی حصہ میں کچھ زمین خرید کر مدرسہ قائم کر دیا گیا تھا اس کے اندر حفظ وقرآن کا سلسلہ جاری تھا جس وقت مسجد تعمیر ہوئی تھی، اس وقت مسجد کی زمین کی گہرائی تیرہ یا چودہ فٹ تھی، اس میں پلر کھڑے کر کے مسجد تعمیر کر دی گئی تھی، اور نماز شروع ہوگئی تھی، کچھ دنوں کے بعد نمازیوں کی تعداد بڑھنے پر نیچے انڈر گراؤنڈ میں بھی نماز شروع کر دی گئی تھی، اب اس مسجد کو نئے سرے

سے تعمیر کرنے کے لیے شہید کردیا گیا اوراب نئی تعمیر میں زمین پر جو جگہ مسجد کی تھی اس کو مدرسہ کی شکل میں طالب علموں کی رہائش کے لیے اور ایک سائیڈ میں وضوخانہ اور دو کانوں کے لیے دس بارہ فٹ اوپر لینٹر ڈال دیا گیا ہے اور اس لینٹر کو مسجد کے لیے استعمال کرنے کے لیے سوچا گیا ہے لہٰذا مسجد کی جگہ پر مدرسہ وضوخانہ اور دو کانوں کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: اہل محلہ اصالتپورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے متعلق مستفتیوں سے زبانی معلوم کیا گیا کہ مذکورہ مسجد کے مشرقی جانب دو کانیں تھیں اور اس کے اوپر مدرسہ کی عمارت کھڑی تھی اور مسجد کے جنوبی جانب جو پتلا راستہ جارہا ہے اس جانب دیوار تک حدود مسجد ہی میں شامل تھا، مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ اسی جانب دکانیں وضوخانہ وغیرہ بنانے کا پروگرام ہے، اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو شرعی طور پر اس جانب دکانیں وضوخانہ وغیرہ بنانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ حصہ پرانی مسجد کے حدود میں شامل تھا لہٰذا اس حصہ میں مسجد کے علاوہ کوئی اور کام جائز نہ ہوگا، البتہ مشرقی جانب میں جتنا حصہ پرانی مسجد سے خالی رہا ہو اس حصہ میں وضوخانہ وغیرہ بنایا جاسکتا ہے، اور جس حصہ میں پہلے دکانیں تھیں اس میں آئندہ بھی دکانیں بنائی جاسکتی ہیں، اور جیسے ان کے اوپر پہلے مدرسہ تھا آئندہ بھی اس کے اوپر مدرسہ بنانا درست ہوگا اور جس حصہ میں پرانی مسجد کا حجرہ تھا اس حصہ میں آئندہ بھی حجرہ وغیرہ بنانا جائز ہوگا، مگر پرانی مسجد کی جو حدود تھیں اس میں مسجد کے علاوہ کوئی اور کام کرنا اس حصہ میں سے کوئی بھی چیز مسجد کے علاوہ کسی اور کام میں لینا جائز نہیں ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذٰلک لم يصدق. (شامی کتاب الوقف زکریا ٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۶۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴؍۷؍۱۴۲۵ھ

مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا

سوال [۷۷۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قطعہ آراضی مسجد کی جس پر برسوں مقدمہ بھی چلا اور آخر میں فیصلہ مسجد کے حق میں ہوا، اسی مسجد کے متصل اسلامیہ مدرسہ بھی قائم ہے مدرسہ کے بائیں جانب جگہ کی قلت ہونے کی وجہ سے مسجد نے وہ جگہ مدرسہ کو اس مقصد کیلئے وقف کردی تاکہ تعلیم وتدریس کا مبارک کام بحسن وخوبی انجام پاسکے، مگر مدرسہ نے مسجد کی وقف شدہ زمین پر مدرسہ کی آمدنی کے لیے دکان تعمیر کروادیئے ہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ کیا مسجد کی زمین مدرسہ کو وقف کرنا نیز وقف شدہ زمین پر دکان تعمیر کروانا درست ہے کہ نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت بالدلیل فرمائیں، تاکہ کسی بھی فریق کو اشتباہ نہ رہے، اللہ آپ کو اجر عظیم سے نوازے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے لیے وقف شدہ زمین ہے تو اس کو مدرسہ کے لیے منتقل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر مسجد کی ملکیت کی زمین ہے تو منتقل کرنا جائز ہے مگر مدرسہ پر اس کی قیمت مسجد کو ادا کردینا لازم ہوگا، نیز وقف کی زمین میں دکان بنانا جائز نہیں ہے اس لیے کہ واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۱۷)

نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کرکے اس زمین میں مسجد مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک آراضی جس میں ایک کنواں تھا اور ایک نامعلوم شخص کی قبر تھی اہل محلّہ کافی عرصہ سے اس میں عرس کراتے رہے، لوگوں کا کہنا ہے کہ تین زمانے تک اس میں عرس ہوتا رہا، دورانِ عرس کسی نے اس آراضی کا دعویٰ نہیں کیا، اب اہل محلّہ اس آراضی کو دینی درسگاہ کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں، شرع کا کیا حکم ہے؟ اور اب بھی اس آراضی کا کوئی دعویدار نہیں ہے تو کیا طلبہ اس دینی درسگاہ میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ تراویح وختم قرآن درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ آراضی کسی کی ملک غصب شدہ نہیں ہے اس لیے اس میں نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہو جائے گی، نیز نامعلوم پوشیدہ قبر کو ہموار کر کے مسجد یا مدرسہ بنانے کا جواز حدیث سے ثابت ہے، چنانچہ مسجد نبوی بھی مشرکین کی قبروں پر واقع ہے اور بوسیدہ قبرستان میں مسجد بنانے کا جواز بھی کتب معتبرہ سے ثابت ہے، اس لیے درسگاہوں میں بلا شبہ نماز جائز ہو جائے گی، مگر مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجد لم أر بذٰلك بأسا الخ. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربي ۱۷۹/٤، زكريا ديوبند ٤۳۵/۳، رقم: ٤۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۵ھ

مسجد کے وضوخانہ پر اسکول کا حکم

سوال [۷۷۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں باہر سڑک کی طرف مسجد کی آراضی میں دوکانیں بنی ہوئی ہیں، ان کے پیچھے مسجد کا راستہ اور وضوخانہ ہے اس جگہ پر نماز نہیں ہوتی ہے، دوکانوں اور وضوخانہ کی چھت پر ایک اسکول چل رہا ہے، جس کو تقریباً سترہ سال ہو گئے ہیں وضوخانہ کی چھت کا چھجہ گلی کی

طرف نکلا ہوا ہے اور اس پر اسکول کا بیت الخلاء بنا ہوا ہے، اس اسکول کا کرایہ مسجد کے جملہ اخراجات میں آتا ہے، آپ یہ بتائیں کہ اس جگہ پر اسکول یا دوکانیں جائز ہیں یا ناجائز ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کو کما حقہ کرایہ ادا کرتے ہوں اور اسکول کا راستہ بھی بالکل الگ ہو، اورلڑکے لڑکیوں کی مخلوط تعلیم نہ ہوتی ہو بلکہ صرف لڑکوں کی یا صرف لڑکیوں کی تعلیم ہوتی ہو اور مسجد جب چاہے آسانی سے خالی کرسکتی ہو، تو اسکول کی گنجائش ہے ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/ ۷۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ شوال المکرّم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۳۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۰/۲۳ھ

مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا

سوال [۷۷۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی برائے مسجد خریدی گئی اور چندہ بھی مسجد کی آراضی کے عنوان سے ہی ہوا ہے، مسجد کی تعمیر اور زمین کے لیے ہی لوگوں نے چندہ دیا بحمد اللہ ان پیسوں سے مسجد کے لیے زمین خریدی گئی اور مسجد کی تعمیر کی گئی، مسجد کی آراضی میں چند دوکانیں مسجد کے لیے بنادی گئیں تاکہ ان سے مسجد کی تھوڑی آمدنی ہوتی رہے اور مسجد کی ضروریات میں صرف ہوتی رہے ان دوکانوں کے اوپر کچھ کمرے بنائے گئے ہیں، جس میں جمعہ کی نماز میں نمازیوں کی تعداد بھی رہتی رہی ہے، اور سہ دری کی صفوں سے وہ صف ملی رہتی ہے پھر کچھ دنوں کے بعد ان کمروں میں اسکول چلادیا گیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) مسجد کی آراضی کی خریداری برائے مسجد ہوئی ہے اس میں اسکول چلانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مسجد کی کمیٹی معقول اور مناسب کرایہ اسکول والوں سے لینا چاہے تو اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟

(۳) عام مصلیوں کو اسکول کے قیام سے ناراضگی ہے نیز عام طور پر جماعتیں آتی رہتی ہیں، چونکہ بڑی مسجد ہے، اسکول میں پڑھانے والی مستورات ہیں جس کی وجہ سے بے پردگی ہوتی ہے۔

المستفتی: علیم الدین قاسمی کچھی نگر دھلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی جائیداد اور کمروں میں اسکول چلانا درست نہیں ہاں البتہ دینی مدرسہ چلانے کی گنجائش ہے اور اسکول کی اجازت اس لیے نہیں ہے کہ اگر بعد میں وہاں دینی مدرسہ قائم کرنا چاہیں تو اسکول والے خالی نہیں کریں گے، اسکول والے ہمیشہ مسجد والوں پر غالب ہو جایا کرتے ہیں، اس لیے کرایہ لے کر بھی اسکول چلانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے، تاکہ بعد میں اختلاف اور فتنہ کا سبب نہ بن سکے اور چونکہ مدرسہ بھی ایک دینی ادارہ اور وقف کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے مدرسہ قائم کرنے میں کوئی حرج نہیں، نیز مدرسہ قائم کرنے میں بھی شرط ہے کہ مسجد اور مدرسہ کے ذمہ دار اور متولی ایک ہی شخص ہو اور اگر دونوں کے ذمہ دار الگ الگ ہوں تو پھر مدرسہ پر لازم ہے کہ مسجد کو ان کمروں کا کرایہ ادا کرے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۳۸)

أما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال فللقاضي أن يصرف في ذٰلك لكن على وجه القرض فيكون دينا في مال الفئ. (هنديه، الوقف، قبيل الباب الثاني عشر في الرباطات و المقابر ...... زكريا قديم ٢/٤٦٤، جديد زكريا ٢/٤١٤، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٩٩، رقم: ١١٦٣١، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/١٥٤، رقم: ١١٤٥٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۸۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۴/۲۲ھ

خفیہ طور پر مسجد کی زمین میں ہسپتال یا اسکول بنانا

سوال [۷۷۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کرولہ سرسید نگر کی بڑی مسجد کے سامنے کچھ زمین مسجد ہی کی پڑی ہوئی ہے اور مسجد اور وہ زمین مکمل وقف کرنے والوں نے صرف مسجد کے لیے وقف کیا تھا، پھر بعد میں جو متولی رہا تو اس متولی نے محلّہ والوں کے مشورہ سے خالی زمین پر مدرسہ قائم کیا جس میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اس وقت دو کمرے ہیں، جن میں قرآن کی تعلیم ہوتی ہے اور دو استاذ مسجد کے اندر تعلیم دیتے ہیں کچھ زمین مسجد ہی کے سامنے خالی پڑی ہوئی ہے اب وہاں کے لوگوں میں دو پارٹی ہوگئی ایک پارٹی یہ کہتی ہے کہ مسجد کی اس زمین پر ہسپتال قائم ہوگا اور دوسری پارٹی یہ کہتی ہے کہ مسجد کی اس زمین پر مدرسہ تو قائم ہوسکتا ہے لیکن ہسپتال قائم نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ مدرسہ میں درسگاہ کی کمی ہے مسجد میں تعلیم ہورہی ہے، نیز جن لوگوں نے وقف کیا ہے، وہ لوگ بھی ہسپتال بنانے پر راضی نہیں بلکہ مدرسہ بنانے پر راضی ہیں، آپ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیے کہ کیا مسجد کی زمین پر ہسپتال بنانا جائز ہے؟

(۲) اب کچھ لوگوں نے عدالت کے ذریعہ اپنے پیسوں کے زور سے ہسپتال کے لیے اگریمنٹ کرالیا ہے، تو کیا مسجد کی زمین کو خفیہ طور پر ہسپتال کے لیے اگریمنٹ کرانا شرعاً جائز ہے ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: اہلیان محلّہ سرسید نگر بڑی مسجد کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وہ زمین مسجد اور اس کے متعلقات کے لیے وقف ہوچکی ہے، تو اس زمین میں مسجد اور اس کے متعلقات ہی کا کام ہوسکتا ہے، اور محلّہ کی مسجد کے متعلقات میں دینی تعلیم کے مکتب بھی شامل ہوتے ہیں، جس میں محلّہ کے بچے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، مکتب ومدرسہ باضابطہ گرچہ مسجد کے متعلقات میں نہیں آتے لیکن اقرب اجناس میں ہیں اس لیے کہ خود مسجد کے اندر بھی دینی تعلیم کا درس دینا جائز ہے، مگر مسجد کے اندر بیٹھ کر ڈاکٹر کا مریضوں کو دیکھنا اور ہر طرح کے لوگوں کی آمد ورفت قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اس لیے مدرسہ کو مسجد سے تعلق ہے، ہسپتال اور اسکول کو نہیں ہے، لہٰذا وہاں

باضابطہ مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے، مگر ہسپتال یا اسکول قائم کرنا قطعاً جائز نہیں، بلکہ اگر زوروز بردستی سے ہسپتال یا اسکول قائم ہوجائے تو اس کو ختم کردینا تمام مسلمانوں پر لازم ہے، لہٰذا جن لوگوں نے خفیہ طور پر ہسپتال کے لیے اگریمنٹ کرالیا ہے، وہ شرعاً خائن اور مسجد کی زمین کے غاصب شمار ہوں گے، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ سب مل کر ایسے لوگوں کے اختیارات سے مسجد کی اس زمین کو نجات دلائیں اور پھر کبھی ایسے لوگوں کو مسجد یا اس کی زمین پر اختیار کا موقع نہ دیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۱۵۴، جدید زکریا ۹/۱۳۲)

ویجوز الدرس فی المسجد و إن کان فیه استعمال اللبود والبواری المسبلة لأجل المسجد. (البحر الرائق، کتاب الوقف فصل فی أحکام المسجد، کوئٹه ۵/ ۲۵۰، زکریا ۵/ ۴۱۹، هندیه، الباب الخامس آداب المسجد، زکریا قدیم ۵/ ۳۳۰، جدید ۵/ ۵۳۰)

قیم المسجد لایجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو في فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی. (هندیه الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به زکریا قدیم ۲/ ۴۶۲، جدید ۲/ ۴۱۳، البحر الرائق کوئٹه ۵/ ۵۴۹، زکریا ۵/ ۴۱۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۷/ ۲۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۵ھ

مسجد میں اسکول قائم کرنا

سوال [۷۷۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد اسلامیہ کے اندر علوم عصری (انگریزی سائنس، ٹریننگ، کمپیوٹر) کا رواج ڈالنا کیسا ہے؟ اور اس سے کیا فوائد ہیں؟ اور کیا نقصانات لازم آتے ہیں، کیونکہ ایک صاحب نے اس سلسلہ میں کوشش کی اور جاری کردیا، دیگر حضرات اس اقدام کی ستائش

کرتے ہوئے تقلید بھی کررہے ہیں،، باضابطہ طور پر اخبار میں اس کی اشاعت بھی ہوئی، اور تائید بھی، اخبار کا زیروکس ارسال کیا جارہا ہے اس کا مطالعہ کرکے قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ اگر کوئی قباحت لازم آتی ہے تو مناسب طریقہ سے اس کی اصلاح کیسے کی جائے، اور اس کی صورت کیا ہوگی؟ کیونکہ آپ حضرات تو رہبر قوم ہیں، آپ کا قول قابل تقلید ہوگا اور آپ کا اس سے عوام کو باخبر کرنا ضروری ہوگا۔

اس سلسلے میں حقیر کے ذہن میں کچھ نکات آئے ہیں جو سامنے ہیں:

(۱) مساجد کے اندر دنیا کے اغراض ومقاصد کا بیان کرنا حتی کہ گمشدہ اشیاء کا اعلان کرنا فقہاء کرام منع کرتے ہیں، تو ہنر کے لیے مساجد کی جگہوں کا استعمال کیا معنی رکھتا ہے؟

(۲) مساجد کے اندر چندے سے اسکول کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں یہ کہاں تک درست ہے؟

(۳) اسلام نے صلوات خمسہ کے علاوہ کچھ نوافل بھی رکھیں ہیں، اگرچہ فرض یا واجب نہیں ہیں اور آبادیوں میں اکثر جگہ خرافات رہتی ہیں، اب کوئی اللہ کا بندہ عبادت میں مشغول ہونا چاہے تو اس کے لیے مسجد ہی مناسب ہے، اور اگر وہ بھی اغراض میں استعمال ہونے لگے تو بندہ کہاں جائے؟ پھر مصلی اگر بادل ناخواستہ مسجد چلا بھی جائے تو اس کا سکون غارت ہوجائے؟

(۴) عورت ہر کلاس کے وقت حاضری دے گی، تاکہ درس نہ چھوٹے، اس میں تمام حالات پائے جائیں گے، جبکہ ایام خاص میں مسجد میں داخلے ممنوع ہیں۔

(۵) تعلیم کے بعد بچے خالی اوقات میں کھیل کود بھی کریں گے، جس سے شور شرابہ ہوگا، کیا یہ درست ہے؟

(۶) بہت سی مساجد غیر آباد ہیں، آنے والے وقتوں میں مقاصد کو اول سمجھنے والے حضرات آمدنی کے واسطے شادی بیاہ ودیگر پارٹیوں میں مساجد کی جگہوں کے استعمال کرنے کا تصور بھی کرسکتے ہیں؟

(۷) ادارہ میں ہر قوم وملت کا داخلہ لینا ہوگا، روک نہیں سکتے، اور اس میں غیر مسلم

طلباء بھی ہوں گے، پاک رہیں گے یا ناپاک، خدا جانے، اسی طرح اگلے آدمی نے احتیاط سے ادارہ شروع کیا تو کوئی ضروری نہیں کہ مقلد بھی اسی احتیاط پر قائم رہے، اور نہ رہنے کی صورت میں نقصان کیا ہوگا اور فائدہ کیا؟ وہ سامنے ہے۔

(۸) ظاہری چمک کو دیکھ کر مساجد کو مقاصد دینی کے واسطے استعمال کر کے نتائج سے منہ موڑنا اور تقدس مساجد کا پامال کرنا لازم آتا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟

المستفتی: قاری عبدالقدیر قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے اندر اسکول کی تعلیم ہرگز جائز نہیں ہے، نیز کمپیوٹر وغیرہ کی تعلیم تو مسجد سے خارج ہونی چاہیے نیز عورتوں کا آکر اس میں تعلیم دینا الگ سے امر قبیح ہے، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کے اندر سے اسکول کی تعلیم ختم کرادیں، اور اگر حکومت کی طرف سے اس کا انتظام کیا گیا ہے تو علاقہ کے تمام مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ حکومت سے احتجاج کر کے وہاں سے تعلیم کو ختم کرادیں۔

حدیث پاک میں حرمت مسجد کے خلاف تمام امور کو منع کردیا گیا ہے، یہاں تک کہ گمشدہ اشیاء کے اعلان کو بھی منع کردیا گیا ہے۔

عن أبی عبد اللہ مولی شداد بن الھاد أنہ سمع أباھریرۃ یقول: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من سمع رجلا ینشد ضآلۃ فی المسجد فلیقل: لا ردھا اللہ علیک، فإن المساجد لم تبن لھذا. (سنن أبی داؤد، باب النھی عن انشاد الضلال فی المسجد، النسخۃ الھندیۃ ۱/۶۸، دار السلام رقم: ۷۶۷، صحیح مسلم باب النھی عن نشد الضالۃ فی المسجد، النسخۃ الھندیۃ ۱/۲۱۰، بیت الأفکار رقم: ۵۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال المکرم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۰۰/۲۳)

مسجد ومدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا

سوال [۷۷۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قریہ جمال پور میں ایک آراضی تقریباً ۴؍بیگھہ مسجد قریہ کی ملک تھی، جس وقت چک بندی سرکاری ہوئی اس وقت عوام نے اس ملک کے بدلہ ایک دوسری آراضی جو ۴؍بیگھہ سے کم ہے اپنی مسجد اور مدرسہ نعمت پور کے لیے مقرر کرادی، چنانچہ عوام اس وقت سے یہ سمجھتی رہی ہے کہ یہ تین بیگھہ آراضی ہے جس میں دو بیگھہ مسجد جمال پور کی ہے اور ایک بیگھہ مدرسہ نعمت پور کی ہے، اب کچھ ایام سے گاؤں میں سرکاری پرائمری اسکول بنانے کا مسئلہ آیا ہے جس کے لیے جگہ تجویز پیش کرنے میں عوام میں اختلاف ہوا، بعض لوگوں نے مدرسہ کی مقبوضہ آراضی میں اسکول بنانے کی تجویز پیش کی، دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی کہ مدرسہ کی زمین میں اسکول بنانا جائز نہیں؟

بہرحال خلاصہ یہ ہوا کہ سرکاری کاغذات کی جانچ کرنے پر یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ آراضی جو چار بیگھہ سے کم ہے اس کے تین نمبر ہیں، جن میں ۲؍نمبر مسجد قریہ کے نام ہیں، اور ایک نمبر میں سرکاری کاغذات میں اسکول فارم لکھا ہوا ہے، کسی مدرسہ کا نام درج نہیں، جبکہ عوام وخواص کے ذہن میں پہلے ہی سے مدرسہ کی سمجھی جارہی ہے، کیا اس میں سرکاری اسکول بنوانا جائز ہے یا نہیں؟، بعض لوگ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان تینوں نمبروں میں سے ایک میں اسکول اور دوسرا مدرسہ نعمت پور کے لیے اور تیسرا نمبر مسجد قریہ کے لیے تجویز کردیا جائے تاکہ تنازع ختم ہوجائے تو کیا ایسا کرنا بھی جائز ہے یا نہیں؟ گاؤں میں کچھ لوگ غیر مسلم ہریجن بھی ہیں اور بعض مسلمان بھی اسی جگہ اسکول بنانے پر بضد ہیں، شدید تنازع کا خطرہ ہے، کیا صورت بہتر ہے اور کیا مشورہ ہے؟

المستفتی: اطہر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عوام اور غیر مسلم مدرسہ کو بھی اسکول ہی کہتے ہیں

اور جس وقت سے مدرسہ چل رہا ہے اس وقت سرکاری پرائمری اسکول کا وجود بھی نہ تھا، اور زمین کی آمدنی مدرسہ ہی کے لیے آئی ہے، اس لیے شرعاً وہ زمین مدرسہ ہی کی ہوگی، اور مدرسہ کی زمین میں سرکاری اسکول بنانا شرعاً جائز نہ ہوگا، اور جو مسجد کے نام سے دو بیگہ زمین ہے وہ مسجد کی ہی ملکیت ہوگی، اس میں بھی اسکول بنانا جائز نہ ہوگا، اس کے لیے وہاں کے لوگوں کو دوسری زمین تجویز کرنی چاہیے۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغيرإذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة رستم اتحاد دیوبند ۱/ ۶۱ رقم المادة: ۹۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۸۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۱۲ھ

مسجد کی موقوفہ زمین میں اسکول بنانا

سوال [۷۷۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: منتیا والی مسجد کی زمین مسماۃ منتیا خاتون نے مسجد کے لیے وقف کی تھی، اس میں نیچے والے حصہ میں دینی تعلیم ہوتی ہے اور مسجد ہے، کچھ لوگوں نے دینی تعلیم ختم کر کے اسکو پرائمری اسکول بنا دیا، اس میں ہندی، انگلش کی تعلیم شروع کر دی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جس میں ماسٹرنیاں ہندی انگلش کی تعلیم دیتی ہیں، جبکہ یہ پوری زمین مسجد کے لیے وقف کی ہے، اب وہاں کے ذمہ داران نیچے سمیت پورے کو مسجد بنانا چاہتے ہیں، کہ اسکول ختم ہو کر صرف عبادت گاہ ہی رہے تو ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مصلیان مسجد منتیا والی اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو زمین مسجد کے لیے وقف کی گئی اس میں اسکول

بنانا یا کسی دوسرے مصرف میں استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے، اس میں مسجد بنانا ہی ضروری ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں اسکول ختم کر دینا ضروری ہے، اور نیچے سمیت مسجد بنانا بلاتر دد جائز ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۲۲)

مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ديوبند ٦/ ٦٦٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه ص: ٨٥، رقم: ١٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۲۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۹ھ

کار پارکنگ کی منزل کو مسجد بنانا

سوال [۷۷۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں پونہ میں پانچ منزلہ بلڈنگ ہے اس کے نیچے کار پارکنگ ہے، بلڈنگ کے مالک اب یہ چاہتے ہیں کہ اس پارکنگ میں مسجد بنالیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا بلڈنگ کے نیچے جوتہ خانہ کی شکل میں پارکنگ کا حصہ ہے اس کو مسجد بنایا جاسکتا ہے، اس کے اوپر رہائشی بلڈنگ ہے، اس سے مسجد کی مسجدیت پر کوئی فرق تو نہ آئے گا، اور کیا بلڈنگ کا اچھا اور گندا پانی اس مسجد کے نیچے سے پائپ لائن کے ذریعہ گذار سکتے ہیں؟ اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد شرعی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ زمین سے لے کر عنان آسمان تک وہ مسجد ہی ہو، مکمل وقف علی اللہ ہو کسی کی ملکیت میں نہ ہو اور کار پارکنگ میں مسجد بنانے کی صورت میں چونکہ اوپر والوں کی رہائش علی حالہ باقی رہے گی اس

لیے وہ جگہ مسجد شرعی نہ بنے گی، البتہ عبادت خانہ کے طور پر اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے، لیکن مسجد شرعی کا ثواب اس میں نہیں ملے گا۔

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ. [الجن: ۱۸]﴾

وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وأن المساجد لله. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی أحکام المسجد، زکریا ٦/٥٤٧، کراچی ٤/٣٥٨، البحر الرائق، فصل فی أحکام المسجد، کوئٹہ ٥/٢٥١، زکریا ٥/٤٢١)

لأنه مسجد إلى عنان السماء و كذا إلى تحت الثرىٰ. (شامی، کراچی ١/٦٥٦، زکریا ٢/٤٢٨، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمية بيروت ١/١٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۲۳/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۱۰ھ

مسجد کی جگہ مندر بنانے کی حمایت کرنا

سوال [۷۷۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب ایسے حالات ہوں کہ ایک مسجد میں فرقہ پرست غیر مسلموں نے جبراً بت رکھ کر بت پرستی شروع کردی ہو اور اس مسجد کو منہدم کرکے باقاعدہ بت خانہ بنانے کا ارادہ رکھتے ہوں، اور اس کا اعلان عالمی سطح پر بھی کردیا ہو اس مندر کی تعمیر کے لیے عدالت کے حکم کو توڑ کر بنا نقشہ پاس کیے اس مسجد کے ملحقہ قبرستان میں اس فرقہ پرست غیر مسلموں کے گروہ نے اس مندر کی بنیاد رکھی، جبکہ بنیاد کھودتے ہوئے مردوں کی ہڈیاں نکل آئی ہوں، اور اس حالت میں امت مسلمہ کے جذبۂ ایمانی کو ٹھیس پہنچتی ہو اور امت مسلمہ نے عالمی سطح پر احتجاج کیا ہو، اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے ہوں۔

ان سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل سوال کے جواب سے نوازیں:

کوئی بھی مسلمان خواہ وہ عالم ہو یا عام، مندر کی بنیاد کی وکالت کرے اور اس کو

درست قرار دے تو ایسے عالم یا عام مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا کہا جائیگا؟

المستفتی: فضل الرحمٰن چودھریان، بلندشہر یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کو منہدم کرنا اور قبرستان میں مذکورہ بنیاد رکھنا اور عام مسلمان یا کسی عالم کا کسی مندر کی بنیاد کو درست قرار دینے کے لیے وکالت وحمایت کرنا ناجائز حرام ہے، اور وکیل گمراہ اور مرتکب گناہ کبیرہ ہوگا، اور تمام مسلمانوں پر اس مسجد کی صیانت لازم ہے، لیکن لڑنا اور فتنہ وخونریزی کا سبب بنالینا ہرگز جائز نہیں ہوگا، بلکہ حکومت اور سرکار کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷، کفایت المفتی قدیم ۷/۱۳۴، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۲۰ معارف القرآن ۱/ ۲۳۹)

﴿وقال تعالیٰ: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا. [البقرة: ١١٤]﴾

وتحته فی تفسیر الرازی: السعی فی تخریب المسجد قد یکون لوجهین: أحدهما منع المصلین و المتعبدین والمتعهدین له من دخوله فیکون ذٰلک تخریبا، والثانی بالهدم والتخریب. (تفسیر کبیر ۳/۱۱)

التوکیل بالخصومة لایجوز عند أبی حنیفة سواء کان التوکیل من قبل الطالب أو من قبل المطلوب. (فتاویٰ قاضیخان، کتاب الوکالة، زکریا جدید ۳/۷، وعلی هامش الهندیة ۳/۷) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۱۳/۲۶)

مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا

سوال [۷۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد کی جگہ میں اسکول بنانا کیسا ہے؟ اور اسکول بن بھی گیا ہے، اس کے اندر تعلیم ہندی، انگلش کی دی جاتی ہے، اور مسجد کو اسکول سے نہ آمدنی ہورہی ہے اور نہ ہی کوئی فائدہ ہورہا ہے، بلکہ مسجد کے بیت الخلاء اور استنجاء گھر کو اسکول کے متعلم اور دیگر حضرات دوکاندار وغیرہ استعمال کرکے پورا پورا فائدہ اٹھارہے ہیں، اور جو دوکانیں ہیں ان کا کرایہ بھی اسکول کے حضرات وصول کررہے ہیں، اور اسکول بھی مسجد کی رقم سے بنایا گیا ہے، اور ذمہ دار حضرات کوئی بھی اس طرف دھیان نہیں دیتے، اور اگر یہ سب باتیں شریعت کی نظر میں جائز نہ ہوں تو ان پر کون حضرات گنہگار ہوں گے؟ اور اب کیا صورت ہو کہ مسجد کی زمین مسجد کی دوکانیں مسجد کی بنائی جاسکیں تفصیل کے ساتھ جواب دے کر عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالستار بجنوری، متعلم جامع الہدیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی زمین پر اسکول بنانا اور ہندی اسکول کی تعلیم کے لیے اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے جب کہ مسجد کو اس کا کرایہ بھی نہ مل رہا ہو، نیز مسجد کے بیت الخلاء اور استنجاء خانہ اسکول والوں کو استعمال کرنے کا حق نہیں ہے، نیز مسجد کے پیسہ سے اسکول بنانا بھی ہرگز جائز نہیں ہے، لہٰذا زمین اور عمارت سب مسجد کے سپرد کردینا لازم اور واجب ہوگا، اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو مسجد اور اسکول دونوں کے ذمہ داران سخت گنہگار ہوں گے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، رقم: ٢٧٠، شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/ ٦١، رقم المادة ٩٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ شوال المکرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۳۷)

مسجد کی زمین مندر بنانے کے لیے دینا جائز نہیں

سوال [۷۷۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص مسلمان حافظ حاجی کے گھر کے برابر میں مندر ہے، مندر والے مندر میں ایک بڑا بت رکھنا چاہتے ہیں، اور وہ مندر والے اس حافظ حاجی کو بلا کر لاتے ہیں تا کہ وہ مندر میں بڑا بت رکھنے میں اس کو کوئی اعتراض نہ ہو، کہ مندر وقف کی جگہ پر ہے، زبردستی بنا ہوا ہے اور وہ حافظ حاجی بھی مسجد کی اراضی میں ہی رہتا ہے، وقف اسکول نے اس کو دیکھ بھال کے لیے رکھا ہے، اور وہ حافظ حاجی خوف کی وجہ سے ان کو اجازت دیدیتا ہے، بت کو نصب کرنے کی کیا اس کی اجازت جائز ہے، اور وہ شرک کرنے والا ہوا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مسلمان حافظ حاجی کے لیے وقف کی زمین کو مندر کے لیے دیدینا اور اس میں بت رکھنے کی اجازت دینا ہرگز جائز نہیں ہے، مسجد وقف سے متعلق کمیٹی اور ذمہ داران پر لازم ہے کہ مذکورہ حافظ حاجی صاحب کو مذکورہ ذمہ داری سے معزول کر کے دوسرے قابل اعتماد شخص کو ذمہ دار بنادیں، نیز وقف بورڈ سے رابطہ کر کے مسجد کے وقف کو واپس کرنے کی سعی کریں، مذکورہ اجازت سے مذکورہ حافظ صاحب مشرک نہیں ہوں گے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۳۴، جدید زکریا ۱۰/۴۵۲)

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. [الجن: ۱۸]﴾

عن ابن عمرؓ أن عمر تصدق بمال له علی عهد رسول ﷺ و كان يقال له ثمغ، و كان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إنی استفدت مالا وهو عندی نفيس فأردت أن أتصدق به فقال النبی ﷺ: تصدق بأصله لايباع و لايوهب ولا يورث. (صحيح البخاری، الوصايا باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامی حتی إذا بلغوا ...... النسخة الهندية ۱/۳۸۷، رقم: ۲۶۸۳، ف: ۲۷٦٤)

أن الوقف لایجوز بیعه ولاهبة ولایکون میراثا. (البناية، الوقف اشرفيه ديوبند ۷/٤٢٥، قديم ۲/۹۸۵)

متولى الوقف باع شيئا منه أو رهن فهو خيانة فيعزل أو يضم إليه ثقة. (فتاوىٰ عالمگيرى، الباب الخامس فى ولاية الوقف، زكريا قديم ۲/٤١٣، جديد ۲/۳۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۴۶/۲۵)

مسجد کا کچھ حصہ دوکان بنانے میں لینا

سوال [۷۷۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کا وضوخانہ توڑ کر اس میں دوکانیں بنانے کا پروگرام ہے، جس سے مسجد کی آمد میں اضافہ ہوگا، اور ان دوکانوں سے وصول ہونے والی رقم کو مسجد کے اخراجات میں خرچ کیا جائیگا، لیکن اسی کے ساتھ معلوم کرنا ہے کہ وضوخانہ کی وہ جگہ اتنی نہیں ہے جس میں دوکانیں بن جائیں، بلکہ ان دوکانوں کے لیے مسجد کے صحن میں سے تقریباً ایک صف یا اس سے کچھ زیادہ جگہ لینی پڑے گی تو کیا اس صورت میں مسجد کے صحن میں سے یہ جگہ دوکانوں کے لیے لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

نوٹ: دوکانیں مسجد کی رہیں گی، فروخت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اور اس کی چھت ضرورت پڑنے پر ہر نماز کے لیے استعمال ہوگی۔

المستفتی: ارا کین کمیٹی جامع مسجد قریشیان ٹھاکر دوارہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: مسجد کے صحن میں سے جس حصہ کو دوکان میں لینے کا ارادہ کیا گیا ہے، اس حصہ کو دوکان میں لینا قطعی طور پر جائز نہیں ہے، خدانخواستہ اگر اس حصہ میں دوکان کے لیے عمارت بنالی گئی ہے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس عمارت کو توڑ

کرکے اس حصہ کو حدود مسجد میں داخل کرلیا جائے اس لیے ذمہ داران مسجد پر لازم ہے کہ جو ارادہ کیا ہے اس کو ختم کرلیں۔

قيم المسجد لايجوز له أن يبنى حوانيت فى حد المسجد أو فى فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته و هذا لايجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد. (هنديه، الوقف الباب الحادى عشر فى المسجد و ما يتعلق به، زكريا قديم ٢/٤٦٣، جديد ٢/٤١٣، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٩/١٣٧، رقم: ١١٣٨٢، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٧٨، رقم: ١١٥٦٣)

قال الفقيه أبو الليث رحمه الله لايجوز له أن يجعل شيئا من المسجد مسكنا أو مشتغلا. (فتاوىٰ قاضيخان، باب الرجل يجعل داره مسجدا ...... زكريا جديد ٣/٢٠٤، وعلى هامش الهندية ٣/٢٩٣، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، قديم ١/٤٧٨، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا ٥/٤٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۵ھ

وقف کردہ مکان کو وقف تام ہونے کے بعد بدلنا

سوال [۷۷۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک مکان فی سبیل اللہ دینی مدرسہ کے لیے وقف کیا اور مدرسہ کے متولی کے قبضہ میں دیدیا، اب اس کا ارادہ اس وقف کردہ مکان کو اپنی ملکیت میں واپس لینے کا ہے اور اس جگہ دوسرا مکان یا دوکان وقف کرنا چاہتا ہے، کیا زید کا یہ فعل ازروئے شرع محمدی وفقہ حنفی درست ہے یا نہیں؟ جبکہ واقف نے وقف نامہ کی شرائط میں مندرجہ عبارت تحریر کی ہے کہ:

کہ کوئی بھی متولی یا صدر قطعۂ مذکورہ کو کسی طرح بھی کسی کے حق میں منتقل کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ مدلل بیان کرنے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد طاہر رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زیدکو اپنا موقوفہ مکان واپس لینے کا حق نہیں ہے، اگرچہ وہ اس کے عوض میں دوسرا مکان دے رہا ہو، ہاں البتہ اگر مدرسۂ مذکورہ کے متولی اور کمیٹی کے افراد متدین ہیں اور دوسرا مکان مدرسہ کے حق میں اول مکان کے مقابلہ میں کم درجہ کا نہیں ہے تو متولی اور کمیٹی کی اجازت سے تبادلہ کی گنجائش ہے، مذکورہ شرائط کے تغیر کی گنجائش نہیں ہے۔

وأما الاستبدال ...... بدون الشرط فلايملكه إلا القاضي. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب في استبدال الوقف و شروطه، زكريا ٦/٥٨٣، كراچی ٤/٣٨٦)

والملک یزول ...... بقضاء القاضي ...... أن يسلمه إلى المتولي و تحته في الشامي أي يسلم الواقف و قفه بعد أن نصب له متوليا. (شامي، كراچی ٤/٣٤٤، زكريا ٦/٥٢٧-٥٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۷۳)

مسجد کی زمین پر رفاہی ہسپتال قائم کرنا

سوال [۷۷۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر کی جامع مسجد کی کافی تعداد میں دوکانیں ہیں جن کا کرایہ وغیرہ مسجد اور امام و مؤذن اور دیگر تمام اخراجات کے لیے بہت کافی ووافی ہے، بلکہ کافی روپیہ مسجد کے فنڈ میں موجود ہے، جامع مسجد کا ایک موقوفہ مکان جو کہ قبلہ کی سمت کچھ دوری پر ہے اور چونکہ یہ مکان کافی پہلے کا وقف شدہ ہے، واقف کی تحریر وقف اور اس کی نیت سے متعلق کچھ موجود نہیں ہے، جامع مسجد کمیٹی کے لوگ اس جگہ پر رفاہِ عام کے طور پر ایک ہسپتال بنانا چاہتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوگی کہ اہل خیر حضرات سے چندہ لے کر تعمیر کی جائے، مسلم ڈاکٹروں کو مہیا کیا جائے، چونکہ آج کل ڈاکٹر لوگ بہت زیادہ روپیہ علاج کے نام پر لیتے ہیں، مریضوں سے اتنا

ہی روپیہ لیا جائے جتنا اس کے علاج پر ہوتا ہے، بالخصوص ہمارے اس علاقہ میں عورتوں کی ڈلیوری کا معاملہ بڑا سنگین ہے کہ پرائیویٹ اور سرکاری اسپتالوں میں ڈلیوری عموماً مرد ڈاکٹر ہی کرواتے ہیں، یہ اسپتال قائم کر کے لیڈیز ڈاکٹرنی رکھ کر ڈلیوری کا معقول انتظام کرنا ترجیحات میں سے ہوگا، اسپتال کے تمام اخراجات کے بعد اگر رقم بچے تو وہ رقم ان شاء اللہ جامع مسجد کے فنڈ میں جمع کردی جائے گی، ان حالات کے پس منظر میں:

جامع مسجد کے اس موقوفہ مکان پر اسپتال بنوایا جاسکتا ہے؟ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ شہر کامٹی چھوٹا شہر ہے جن میں دار الاقامہ والے ۲/عدد بڑے مدرسہ اور کئی مساجد میں مکاتب کا انتظام ہے۔

المستفتی: عتیق الرحمٰن قاسمی، کامٹی ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب مسجد کی دیگر ذرائع آمدنی مسجد کے اخراجات کے لیے کافی ہیں اور ان سے مسجد کی ضروریات بحمد اللہ پوری ہو رہی ہیں، تو اراکین کا مذکورہ مکانوں کو ہسپتال بنانا اس طرح جائز ہے کہ ہسپتال کی تعمیر کے عنوان سے مسجد کمیٹی کے ارکان چندہ کر کے ہسپتال تعمیر کریں، اور ہسپتال مع عمارت مسجد کی ملک ہو، مسجد جب چاہے اس جگہ کو کسی دوسرے مصرف میں استعمال کرسکتی ہو، اس میں کسی کو اعتراض و رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہ ہو، اور جب تک وہاں ہسپتال کی جانب سے معقول کرایہ مقرر کریں، ہسپتال انتظامیہ مسجد کو حسب ضابطہ ادا کرتی رہے۔

لو كانت الأرض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس في استئجار بيوتها و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخل كان للقيم أن يبنى فيها بيوتا فيؤاجرها.

(هنديه، الوقف، الباب الخامس في ولاية الوقف، زكريا قديم ٤١٤/٢، جديد زكريا ٣٨٣/٢)

قيم يبيح فناء المسجد ليتجر فيه القوم أو يضع فيه سررا أجرها ليتجر فيها الناس فلا بأس إذا كان لصلاح المسجد. (البحر الرائق، كتاب

الوقف، فصل فی أحکام المسجد، کوئٹه۵/ ۲۴۹، زکریا ۵/ ۴۱۸، هندیه زکریا قدیم ۵/ ۳۲۰، جدید ۵/ ۳۷۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۵۱)

غیر وقف شدہ مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً ۵۳؍سال پہلے مقام جھنڈنا ضلع بلاس پور ہماچل پردیس میں پہلے تو کسی گھر میں ایک مولانا نے بچوں کو دینی تعلیم دینی شروع کی بعد میں مولانا نے چندہ وغیرہ اکٹھا کر کے دو کمرے کچی اینٹ اور گارے سے تعمیر کرایا اور بچوں کو تعلیم دینے لگے، پر جس جگہ پر یہ کمرے تعمیر کیے گئے وہ زمین آبادی کے باہر ہے جس کا مالکانہ حق کسی کے پاس نہیں تھا، اس لیے اس زمین کو وقف نہیں کہا جاسکتا، ریوینیو کارڈ میں اس زمین کا اندراج آبادی ہے، جس کا خسرہ ۱۶۶۱ ہے، ریوینیو کارڈ میں مدرسہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، قانون کے مطابق آبادی زمین پر جو قابض ہوتا ہے اس کو ہی سرکار مالک مانتی ہے، اسی بیچ دو تین سال شروع میں لوگوں نے مولانا کو تنخواہ دی اور بعد میں تنخواہ دینے میں اپنی مجبوری ظاہر کیں، جب مولانا نے لوگوں کی اجازت سے نیچے کے دو کمرے میں دوکان شروع کردی، اور اس کے اوپر رہائش کرنے لگے، یہ سلسلہ پچھلے پچاس سال سے آج تک جاری ہے، ان پچاس سالوں میں مولانا نے مدرسے کی مرمت بھی کروائی، تین بار چھت بدلی، فرش ڈالے، اور دوسرے کئی اور رکھ رکھاؤ کے کام کیے، اسی بیچ مولانا نے تقریباً ۴۸؍سال تک امامت بھی کی مگر اس کا کوئی پیسہ نہیں لیا، اب مولانا صاحب اور لوگوں کے بیچ ان کمروں کو خالی کروانے کے بارے میں فساد ہے، مولانا ان کمروں کو خالی نہ کرکے ان کی جائز قیمت یا زمین کے بدلے میں دوسری جگہ زمین دینے کو تیار ہیں، موجودہ حالت میں یہ زمین مدرسہ کی تعمیر کے

لیے کافی نہیں ہے، اس کے دونوں طرف لوگوں کے مکان بنے ہوئے ہیں، اور ایک طرف سڑک ہے اور آس پاس کوئی زمین دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔

اس ٹکراؤ کو چلتے ہوئے تقریباً ۲۵؍سال سے زیادہ ہو چکے ہیں اور مقدمہ فساد وغیرہ ہونے کا اندیشہ ہے، یہاں کے لوگ جن کے بیچ مولانا صاحب نے ۴۸؍سال سے زیادہ وقت تک امامت کی ہے کچھ اس تنازع کا پرسکون حل چاہتے ہیں، کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ زمین کی قیمت لے کر اس پیسے سے کسی کھلی جگہ پر مدرسہ تعمیر کیا جائے، علماء دین ہمیں بتائیں کہ کیا ان حالات میں مولانا سے ان کمروں کی بازار کے حساب سے قیمت لے کر ان پیسوں سے دوسری جگہ زمین کا تبادلہ کر سکتے ہیں، ایسے حالات میں جب مدرسہ کی زمین وقف نہیں ہے آپ اپنی رائے دیں کہ ان حالات میں کیا کیا جا سکتا ہے؟ جس سے اس فساد کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا جا سکے۔

المستفتی: نسیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ زمین مدرسہ کے لیے وقف نہیں ہے اور جب مولانا صاحب اس کے بدلے میں مدرسہ بنانے کے لیے اس زمین کی قیمت دینا چاہتے ہیں تو اس زمین کی قیمت لے کر دوسری کھلی جگہ میں مدرسہ بنا لینا جائز اور درست ہوگا۔

لو غصب أرضا فبنی فیها أو غرس فإن کانت قیمة الأرض أکثر قلعها وردت وإلا ضمن له قیمتها. (الاشباہ والنظائر ص:۱٤٤)

وکذا لو غصب أرضا فبنی علیها أو غرس ...... یضمن صاحب الأکثر قیمة الأقل وفی الشامیة تحته: أی فلو قیمة البناء أکثر یضمن الغاصب قیمة الأرض ولا یؤمر بالقلع وهذا قول الکرخی، قال فی النهایة: وهو أوفق لمسائل الباب. (شامی، کتاب الغصب، زکریا ۹/۲۸۰، کراچی ٦/۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۵۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۰/۱۴۳۴ھ

مدرسہ کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا

سوال [۷۷۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں ایک دینی درسگاہ ہے جو قوم مسلم کی اعانت سے قائم ہوئی ہے، مدرسہ کے ذمہ دار ناظم کو اس جگہ کی تمنا تھی کہ یہ مل جائے اس جگہ میں قاری عبد اللہ صاحب کا مکان تھا یہ قاری صاحب ناظم مدرسہ کے استاذ بھی تھے، ان کی ایک وارثہ لڑکی تھی ضرورت پر اس نے ایک ہندو کو اس زمین سے متصل جگہ کو مبلغ ساٹھ ہزار روپئے میں فروخت کردی، ناظم مدرسہ کو جب معلوم ہوا تو بڑا رنج ہوا، اس لڑکی کو اس کی سسرال سے جو علیگڑھ میں تھی، بلوایا، فرمایا بیٹی تم نے اپنے والد ماجد کی اس زمین ومکان کو ایک ہندو کو بیچ دیا، جبکہ مسلمان کو دینا چاہیے تھا، اس وارثہ نے کہا کہ میں نے سب لوگوں سے کہا لیکن کسی نے نہیں لیا، بلکہ انکار کردیا، مجھے ضرورت تھی میں نے بیچ دیا، ناظم مدرسہ نے کہا کہ ٹھیک ہے جو ہوا وہ ہوا، یہ بقیہ زمین تم ہم کو دیدو، ہم اس میں تمہارے والد مرحوم کے نام پر مدرسہ قائم کریں گے، اس وارثہ نے کہا بہتر ہے، اگر آپ میرے والد مرحوم کے نام پر جو آپ کے استاذ بھی ہیں مدرسہ کھولیں گے تو میں اس حصہ کو جو اس مکان سے بڑا بھی ہے آپ کو پچاس ہزار روپیہ میں دیتی ہوں، ناظم مدرسہ نے فرمایا ٹھیک ہے، لیکن بیٹی مدرسہ میں اس وقت سرمایہ کی کمی ہے، تیس ہزار روپیہ اور چھوڑ دو، اس وارثہ کے والد ماجد کے نام مدرسہ کھولا، اور اس کا نام مدرسہ رشیدیہ ناشر العلوم رکھا، ۱۳/۱۴ سال تک مدرسہ رشیدیہ اپنی شان وشوکت کے ساتھ ۱۲/ معلموں کی خدمات سے دینی تعلیم کونسل لکھنؤ کے نصاب پر جس میں ہندی وانگریزی کی بھی تعلیم ہوتی، گویا عصری تعلیم کے ساتھ مدرسہ چل رہا تھا، ناظم مدرسہ کی وفات کے بعد ان کے وارثین نے مدرسہ رشیدیہ ناشر العلوم کی تدفین کرکے اس کی جگہ ناظم مدرسہ کے نام کے ساتھ اس کو انگلش میڈیم، میموریل کا جنم دیدیا، جہاں پر اس تعلیم سے قرآن کی آیتوں کے خلاف کہ اللہ نے فرمایا کہ بلند کرتا ہوں ان لوگوں کے درجات جو ایمان لائے، اور جو اہل علم ہیں، اسی

طرح ”**خیر کم من تعلم القرآن و علمه**“ کے خلاف کفر شرک، دہریت، یہودیت و نصرانیت کی تعلیم کو اس جگہ پر دوبالا کردیا، حتی کہ ڈانس بھی لڑکیوں کا اس میں رکھ دیا، باقاعدہ پروگرام کے تحت مسلم بچیوں کی جن کی عمریں ۱۲/۱۳ سال ہیں، نچا کر دیکھ کر، دکھلا کر دوسرے دن اخباروں میں نتائج بھیجے جاتے ہیں، اللہم احفظنا منہ۔

ازروئے شریعت مطہرہ جو بھی حقانی حکم ہو اس کو تحریر کیا جائے، تاکہ فتویٰ دکھا کر ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

وعدہ خلافی، مدرسہ کا نام بورڈ پر انگلش میڈیم کے ساتھ، جگہ و مدرسہ کے نام کی تبدیلی، ڈانس ناچ وغیرہ، دوسرے دن نتائج کا اخبار میں دینا، بے غیرتی کی حد بھی کچھ ہوتی ہے۔

المستفتی: محمد از ہر خادم جامعہ ناصر العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے اپنے والد صاحب سے ملی ہوئی متروکہ جائیداد کو چونکہ ۳۰/ ہزار میں فروخت کر دیا ہے لہٰذا آپ کی اس میں ملکیت باقی نہیں رہی ہے، وہ مدرسہ کی ملکیت میں منتقل ہوگئی اور اگر مدرسہ قومی چندہ کے ذریعہ سے قائم ہوا ہے تو اس کو ماڈرن اسکول میں تبدیل کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہے، اس کو مدرسہ ہی رہنے دینا لازم ہے، نیز اس میں لڑکیوں کا ڈانس وغیرہ کرانا گناہ عظیم ہے۔

إن الملكة تثبت بمجرد العقد إذا استجمع البيع شرائط الانعقاد.

(شرح المجلة للأتاسي ۲/ ۳۵۷)

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۶۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۶/ ۱۴۳۴ھ

مدرسہ کی زمین پر سرکاری مدرسہ یا اسکول بنانا

سوال [۷۷۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مغربی بنگال میں ایک مدرسہ ہے جس میں کثیر تعداد میں علاقائی وبیرونی طلبہ تعلیم پا رہے ہیں اور اس کا خرچ زکوٰۃ وصدقات اور عطیات ہی سے پورا ہوتا ہے، مذکورہ مدرسہ میں کچھ سال پہلے مدرسہ ہٰذا کی ضرورت کے پیش نظر زکوٰۃ وصدقات عطیات ہی کی رقم سے ایک زمین مدرسہ کے متصل ہی خریدی گئی تھی، لیکن اب گاؤں کے بعض لوگ زبردستی اس زمین کو سرکار کے حوالہ کرکے ہائی مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، جبکہ اس ہائی مدرسہ میں مسلم وغیر مسلم دونوں طرح کے مدرسین وملازمین طلبہ وطالبات ہوں گے، اس سلسلے میں اختلافات چل رہے ہیں، بعض زبردستی سرکار کے حوالہ کرکے ہائی مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ دینی مدرسہ کی زمین کو کسی بھی حالت میں نہیں دیا جائیگا، بلکہ دینی مدرسہ کی زمین دینی مدرسہ ہی کی ضرورت میں استعمال کی جائے گی؟

المستفتی: محمد اقبال مالدہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ زمین مدرسہ کے لیے خریدے جانے کی وجہ سے خالص اسی دینی مدرسہ کی زمین شمار ہوگی، بریں بنا اس زمین میں ہائی سرکاری مدرسہ یا اسکول بنانا جائز نہیں ہے اس زمین کو خالص دینی تعلیم کے مدرسہ میں شامل کرنا لازم ہے، نیز یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے پیسہ کے ذریعہ سے زمین خریدنا فقراء اور مساکین کی حق تلفی ہے، ہاں البتہ مجبوری کے تحت دینی مدرسہ کے مدرسین کی تنخواہوں کے لیے تملیک کی گنجائش ہے۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی. (قواعد الفقه ص: ۱۱۰)

البقعة الموقوفة علی جهة إذا بنی رجل فیها بناء ووقفها علی تلک

الجهة يجوز بلا خلاف تبعا لها، فإن وقفها على جهة أخرىٰ اختلفوا فيه والأصح أنه لايجوز. (هنديه، الوقف، الباب الثاني فيما يجوز وقفه و مالايجوز ......، زكريا قديم ۲/ ۳۶۲، جديد ۲/ ۳۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۴۶)	۲۴/ ۷/ ۱۴۳۱ھ

پرانی قبروں پر مدرسہ کا بیت الخلاء بنانا

سوال [۷۷۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مدرسہ جس کے نیچے مزار شریف ہے اور دیگر قبریں بھی موجود ہیں اور اسی مزار شریف کے اوپر پاخانہ بنا ہوا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شکیل سیدی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مزار اور قبریں بہت پرانی ہیں، میت کے گوشت وہڈی اکثر مٹی بن جانے کا ظن غالب ہے مثلاً تیس چالیس سال کی پرانی قبریں ہیں تو پھر اس کے اوپر مکان یا مدرسہ یا مسجد بنانا جائز ہے، اور اس میں ضروریات کے بیت الخلاء وغیرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۳۰۳، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۴)

ولو بلى الميت و صار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه و البناء عليه. (هنديه، الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس، زكريا قديم ۱/ ۱۶۷، جديد ۱/ ۲۲۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۲/ ۳۲۶، ۳۸/ ۳۴۸، ۴۰/ ۳۳، البنايه اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۵۳، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۱/ ۶۱۲، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۱/ ۲۴۶، زكريا ۱/ ۵۸۹، شامي زكريا ۳/ ۱۴۵، كراچی ۲/ ۲۳۸)

وإذا بلى الميت وصار ترابا في قبره جاز نبش القبر و زرعه والبناء عليه و غير

ذٰلک باتفاق. (الفقه علی المذاهب الأربعة، دار الفکر ۱/ ۵۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۰۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۳/ ۱۴۱۸ھ

موقوفہ قبرستان میں دوکان، کارخانہ وغیرہ کی تعمیر

سوال [۱۵۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کمیٹی ہذا کے زیر انتظام علاقہ صدر میں عیدگاہ کے پاس ایک قبرستان ہے جو قانونی طور سے پینتالیس سال سے بند ہے:

(۱) اس قبرستان کی چہار دیواری میں دو دیوار کو آبادی گھیرے ہوئے ہے۔

(۲) دو دیوار آبادی کے گھیرے میں ایک دیوار چوڑائی کی جانب میں قبرستان کمیٹی کے مکانات میں کرایہ دار رہتے ہیں۔

(۳) دوسری دیوار سے لگ کر دیگر لوگ بسے ہوئے ہیں جو ان کی ملکیت کی جگہ ہے۔

(۴) باقی دو دیواروں کے اندرونی حصہ میں پندرہ بیس فٹ خالی جگہ عیدگاہ کے سامنے لب سڑک ہے جہاں اب کچی اور پکی قبروں کے نشانات باقی نہیں ہیں بلکہ اب وہ جگہ ہموار ہے۔

(۵) اس خالی جگہ پر منتظمہ کمیٹی ملت کے ہنرمند افراد کی فلاح و بہبود کے لیے تعمیری کام کرنا چاہتی ہے۔

(۶) ملت کے یہ ہنرمند نوجوان مناسب جگہ نہ ملنے کی بناء پر غیر محفوظ علاقوں میں بڑی دشواریوں کے ساتھ روزی حاصل کر رہے ہیں، اب یہی لوگ اس جگہ پر کارخانے کھولنے اور دیگر کاروبار کرنے کے خواہشمند ہیں۔

(۷) ایسی حالت میں اسی پندرہ بیس فٹ خالی جگہ میں تعمیری کام کرنا کس حد تک مناسب ہے، اس نازک مسئلہ پر ہم شرعی احکام کے تحت آپ کی خدمت میں فتویٰ کی صورت

میں جاننا چاہتے ہیں کہ تمام عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہو جائے اور آئندہ ہمارے تعمیری کام میں رکاوٹ کا سبب نہ بنے۔

(۸) اسی قبرستان میں شرپسند محیر سماجی عناصر اخلاق سوز جرم کرنے سے بھی ہچکچاتے نہیں۔

(۹) مذکورہ خالی جگہ پر مزید ہماری بے توجہی رہی تو آبادی میں اضافہ کے سبب رہائشی قلت سے متأثر افراد اس پر قابض ہو جائیں گے، اور مستقبل میں ہمیں پچھتانا پڑیگا۔

(۱۰) اسی قبرستان میں چند پرانی قبریں شکستہ حالت میں ہیں اور چند برسوں میں یہ قبریں بھی اپنے وجود کو ختم کر دیں گی، اور نشانات بھی باقی نہیں رہیں گے، تو ابھی سے ہی ان کو منہدم کر دیں تو کیا حرج ہے؟

اس سلسلے میں آپ کی خدمت میں دست بدستہ عرض ہے کہ شرعی احکام اور وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے منصوبہ بندی کے تحت تعمیری کام اور ہنر مند افراد کی فلاح بہبود اور نیک مقاصد کے پیش نظر رہنمائی فرمائیں تا کہ کمیٹی ہذا فوری طور پر کام کر سکے، امید ہے کہ ہماری درخواست پر غور وخوض کرتے ہوئے مسئلہ اور شرعی احکام کے تحت اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے، اور منتظمہ کمیٹی کے تعمیر وفلاحی مقاصد پر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

المستفتی: سیول لائنس مسلم قبرستان کمیٹی ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ وجوہات میں مذکورہ موقوفہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں نشاناتِ قبور مٹ چکے ہوں یا شکستہ کچی پکی قبروں کو برابر کر کے ہر صورت میں مکان ودوکان اور کارخانہ وغیرہ کی تعمیر کرنا ناجائز اور حرام ہوگا، عند اللہ سخت گنہگار ہوں گے، البتہ قبرستان شدہ شدہ لوگوں کے قبضہ میں ہو جانے کا سخت خطرہ ہو رہا ہے اور میت کی تدفین بھی وہاں نہیں ہو رہی ہے تو وہاں مسجد یا دینی مدرسہ بنا دیا جائے کسی اور کام میں استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ وقف کا تا قیامت وقف ہی رہنا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۱۳)

أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعات غرض

الواقفين واجبة، كوئٹه ٣/٤٦٤، كراچى ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥)

مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبول مشركى الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار احياء التراث العربى ٤/١٧٩، زكريا ديوبند ٣/٤٣٥، تحت رقم الحديث :٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳/۷)

مزار پر لینٹر ڈال کر مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلّہ اصالت پورہ میں فینسی پریس کے سامنے گلی میں تین مزار ہیں، ان کے متعلق چبوترہ بھی ہے، اہل محلّہ کا خیال ہے کہ مزار کے اوپر لینٹر ڈال کر بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مدرسہ قائم کردیا جائے، آیا ایسا کرنا ازروئے شرع صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وقف کی زمین پر مذکورہ مزار ہیں تو اہل محلّہ اور ذمہ داروں کے مشورہ سے اور اگر زمین ملکیت کی ہے تو اس کے مالک کی اجازت سے مزار کے اوپر لینٹر ڈال کر اس کے اوپر دینی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۷۹)

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة و أقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء (إلى قوله) قالوا: إن كان فى المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذٰلک المكان فلا بأس به. (الهندية، الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر

والخانات، والحياض، زكريا قديم ٢/ ٢٦٧، جديد ٢/ ٤١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۲۶ھ

کیا قبرستان میں بنائی گئی مسجد میں پڑھی گئی نمازیں واجب الاعادہ ہیں؟

سوال [۷۷۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں مسجد بنادی گئی ہے تو اب وہ نماز جو پڑھی جاچکی ہیں وہ اعادہ کی جائیں گی یا نہیں؟ اور وہ ادا کی ہوئی نمازیں مقبول ہوں گی یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالقیوم مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبریں مٹ جانے کے بعد وہاں مسجد بنائی گئی اگر قبرستان کسی کی ملکیت ہو اور مالک کی اجازت سے بنائی گئی ہے تو اب تک جو نمازیں ہوگئی ہیں سب بلا کراہت درست ہوگئی ہیں اور اگر وقف کا قبرستان ہے اور وہاں تدفین کا سلسلہ بھی باقی ہے تو وہاں مسجد بنانا درست نہیں ہے، البتہ جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجد لم أر بذلك بأسا. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار احياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۸۶)

مدرسہ کو مسجد بنانا

سوال [۷۷۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک جگہ بستی والوں نے مل کر ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور ایک عمارت بنائی اسی میں پنجوقتہ نماز بھی ہوتی ہے، اور بچوں کی تعلیم بھی ہوتی ہے، بستی کے سارے بچے وہاں پڑھتے ہیں، وہاں پر جگہ اتنی ہے کہ دو صفیں لگ سکتی ہیں، اب بستی والے چاہتے ہیں کہ آگے ممبر نکال کر امام کی جگہ نکال دی جائے، تاکہ پیچھے دو کے بجائے تین صفیں لگنے لگیں، تو اس مدرسہ کی عمارت کو مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں اور اس میں منارہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعتاً مدرسہ میں مسجد کی ضرورت ہے تو عمارت بنانے والوں کا آپس کی رضامندی سے اس کو مسجد میں تبدیل کرنا جائز ہے، اور اس میں منارہ بھی بنانا جائز ہے، اور ایسی حالت میں وہ عمارت مسجد شرعی کے حکم میں ہوگی، لہٰذا اس کا احترام بھی دیگر مساجد کی طرح کرنا ہوگا، اور مسجد بن جانے کے بعد اس کی مسجدیت کو ختم کر کے عمارت مدرسہ میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۲/ ۴۶۲، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۴۸۷)

و بہ علم أن الفتویٰ علی قول محمد فی آلات المسجد و علی قول أبی یوسف فی تأبید المسجد. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد، کراچی ٤/ ٣٥٩، زکریا ٦/ ٥٤٩، البحر الرائق زکریا ٥/ ٤٢٣، کوئٹہ ٥/ ٢٥٢، بزازیہ جدید زکریا ٣/ ١٤٤، و علی ھامش الھندیة زکریا ٦/ ٦٧٠، فتح القدیر، دار الفکر بیروت ٦/ ٢٣٦، کوئٹہ ٥/ ٤٤٦، زکریا ٦/ ٢١٩، ھندیہ زکریا قدیم ٢/ ٤٥٨، جدید ٢/ ٤١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۹۸)	۱۴۲۱/۶/۲۴ھ

مدرسہ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۷۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ مدرسہ حنفیہ تقریباً تیس پینتیس سال سے قائم ہے، اور تعمیر شدہ ہے، کچھ جگہ خالی ہے، جس کی باؤنڈری مکمل ہے، حسب دستور مدرسہ کی آراضی جو خریدی گئی تھی اس کی رقم چندہ کر کے بذریعۂ حیلۂ تملیک خرچ کی گئی اور فی الحال جو دیواریں قائم ہیں وہ چندہ جو مدرسہ کے نام وصول کیا گیا اسی رقم سے تعمیر شدہ ہیں، اب کچھ محلّہ کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس مدرسہ میں ایک مسجد بھی تعمیر کی جائے، جس کے تعمیر ہو جانے کے بعد محلّہ والوں کی تکلیف دور ہو جائیگی، تو کیا ایسا کرنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا کہ جگہ مدرسہ کے واسطے خریدی گئی تھی اس میں ترمیم کرنے کا حق کسی کو نہیں، نہ جانے کتنے چندہ دہندگان مر بھی چکے ہوں گے۔

المستفتی: محمد شفیع غفرلہ مدرس شمس العلوم کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ خالی زمین زکوٰۃ وصدقۂ واجبہ میں حیلۂ تملیک کر کے اس کی رقم سے خریدی گئی ہے تو ایسی زمین خریدنے کے لیے اگرچہ حیلۂ تملیک فی نفسہ ممنوع تھا، لیکن جب حیلۂ تملیک کر لیا گیا ہے اور اس پیسہ سے مدرسہ کے نام زمین خرید لی گئی ہے تو مدرسہ اس کا مالک ہو چکا ہے، لہٰذا مدرسہ ہی کے مفاد میں اس زمین کا تصرف ہو سکتا ہے، محلّہ کی مسجد کے لیے درست نہ ہوگا، ہاں البتہ مدرسہ کو اس کی قیمت ادا کر کے محلّہ والے خرید کر مسجد بنائیں تو جائز ہو سکتا ہے۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقہ اشرفی دیوبند ص: ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۰ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۳۳)	۱۰/۴/۱۴۱۲ھ

مدرسہ کے نام سے دی گئی زمین پر مسجد اور قبرستان بھی بنانا

سوال [۷۷۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ احقر کے چچا حضرات کی کاشتکاری کی زمین تھی احقر نے ترغیب دی مدرسہ قائم کرنے کے لیے بفضلہٖ تعالیٰ سب حضرات نے بخوشی اس کو قبول کر کے وقف کر دیا، الحمد للہ زمین وسیع ہے اور اس جگہ نئی آبادی بھی ہو رہی ہے، اس لیے احقر یہ چاہتا ہے کہ اس زمین میں مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد اور ایک قبرستان بھی شامل ہو جائے، تاکہ طلبہ اساتذہ و متعلقین مدرسہ کے لیے یہ ضرورت بھی پوری ہو جائے، کیونکہ پرانا قبرستان غیر محفوظ اور متنازع ہے، تو احقر کا یہ اقدام شرعاً کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب واقفین نے مدرسہ ہی کے نام سے زمین وقف کی ہے تو وہ زمین مدرسہ ہی کے لیے متعین ہے، اور مدرسہ کی ضروریات میں عام طور پر مسجد میں شامل ہوتی ہے اس لیے اس میں مدرسہ کے ساتھ مسجد بنانا بلا تردد جائز ہوگا، مگر قبرستان بنانا درست نہ ہوگا، اس لیے کہ مسجد اور مدرسہ واقفین کی غرض کے دائرہ میں ہے، اور قبرستان ان کی غرض کے دائرہ میں نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ص: ۱۳۷)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مرعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٥٤٩)

بخلاف شرط الواقف لأن مخالفة كمخالفته النص. (الأشباه قديم ص: ١٩٢)

الشامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحر الرائق، کتاب الوقف، كوئٹه ٥/٢١٥، زكريا ٥/٣٦٠)

يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، كراچی ٤/٣٥٩، زكريا ٦/٥٤٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۲۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

وقف شدہ غیر مستعمل کنواں پر مدرسہ کی تعمیر کرنا

سوال [۷۷۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد بہت پرانی تھی، اور اسی سے متصل دکھن طرف مدرسہ کی عمارت تھی جب مسجد کی توسیع کا ارادہ ہوا تو مدرسہ کی عمارت ختم کر کے تقریباً ۱۰؍ فٹ دکھن طرف مدرسہ کی زمین میں مسجد کشادہ کرائی گئی اور مسجد کی آخری دیوار بنادی گئی کہ یہ دیوار حد فاصل ہے، اتر طرف مسجد اور دکھن طرف مدرسہ ہے اور اب مدرسہ کی جدید عمارت مدرسہ کے دکھن آخری باؤنڈری پر پچھّم پورب بنی ہوئی ہے، پرانے مدرسہ کی عمارت مسجد میں شامل کیے جانے کے بعد اب مدرسہ کی باقی زمین اتری جانب بحیثیت صحن باقی ہے اور اسی صحن میں مسجد کی جانب مغرب و دکھن مدرسہ کا بنا ہوا بیت الخلاء و پیشاب خانہ ہے اور اسی کے بالکل سیدھ میں جانب مشرق ایک کنواں تھا، جو پچیس تیس سال سے بند ہے، کیونکہ اب واٹر ورکس اور چاپا کل کے ذریعہ پانی ملتا ہے، اب موجودہ زمانہ میں کنواں کی کوئی ضرورت نہیں رہی یہ کنواں اب مدرسہ کی باؤنڈری کے اندر ہے جس پر مدرسہ کے لوگ کمرہ بنوارہے ہیں، جو لینٹر تک جا کر رک گیا، کہ یہ کنواں مسجد کا ہے، اس پر مدرسہ کی تعمیر درست نہیں، جبکہ پرانے اور معمر لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں رفاہ عام کے لیے تھا، جس سے محلّہ کے ہندو و مسلمان سبھی پانی بھرتے تھے، نیز وہ لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں اس لیے یہاں بنا تا تھا کہ محلّہ کے لوگ اور مسجد کے لوگ بھی اس کا پانی استعمال کریں گے، اور مسجد کے اتر جانب مسجد میں چاپا کل لگ گیا ہے، جس سے مصلیان مسجد اپنی ضرورت پوری کرتے ہیں اسی سے دو تین فٹ جانب اتر اور مسجد کے جانب دکھن پندرہ سولہ سال قبل کا بنا ہوا ایک باورچی خانہ ہے موجودہ کمیٹی سے قبل جو کمیٹی تھی انہیں حضرات نے استنجا خانہ اور باورچی خانہ بنوایا تھا جس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا اب موجودہ کمیٹی نے بند کنویں پر تعمیر شروع کی تو اس پر یہ اعتراض کہ یہ مسجد کا ہے۔

اگر سابقہ کمیٹی یہی کام کرتی تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا نیز سابقہ کمیٹی نے یہ جو باورچی خانہ بنوایا ہے تو توسیع شدہ مسجد کی آخری دیوار کی باؤنڈری جب پورب جانب مسجد کی

باؤنڈری میں ملے گی، تو یہ دیوار باورچی خانہ کے اندر سے گذرے گی، جس کا اکثر حصہ دکھن جانب مدرسہ میں اور کچھ حصہ اتر جانب مسجد میں پڑے گا، اور وہ کنواں اس باورچی خانہ کے دکھن دو تین فٹ کے بعد ہے جو بند تھا جس پر تعمیر رکی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کنواں مسجد کا ہے یا جو بھی کنواں مسجد کے قریب ہوتا ہے وہ مسجد ہی کے لیے وقف ہوتا ہے جبکہ مسجد کے لیے وقف کا کوئی ثبوت نہیں اور کیا اس پر مدرسہ کی تعمیر شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: عبداللہ غفراللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب پرانے اور معمر لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ کنواں رفاہ عام کے لیے تھا، کسی کے لیے مخصوص نہیں تھا، اور اب لوگوں کو اس کی ضرورت باقی نہیں رہی، نیز مسجد میں پانی کا انتظام بھی ہو گیا، تو اگر اس کنواں کا واقف یا اس کی اولاد موجود و معلوم ہے تو اس کو حق ہے چاہے مسجد میں دیدے یا مدرسہ میں دیدے اور اگر واقف کی اولاد میں کوئی موجود نہیں یا معلوم نہیں، تو وہ کنواں لقطہ کے حکم میں ہوگا، اور مدرسہ کی تعمیر اس پر صحیح و درست ہو جائیگی مسجد کے قریب ہونے سے مسجد کا نہیں سمجھا جائے گا۔

حوض فی محلة خرب فصار بحیث لاتمکن عمارته و استغنی أهل المحلة عنه إن کان یعرف واقفه یکون له إن کان حیا و لورثته إن کان میتا و أن کان لایعرف واقفه فهو کاللقطة فی أیدیهم یتصدقون به علی فقیر ثم یبیعه الفقیر فینتفع بالثمن. (هندیه، کتاب الوقف الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها، زکریا قدیم ۲/۴۷۹، جدید زکریا ۲/۴۱۹، تاتارخانیة زکریا ۸/۱۹۷، رقم: ۱۱٦۲۸، البحر الرائق کوئٹه ۵/۲۵۲، زکریا ۵/۴۲۲، الفتاویٰ البزازیه جدید زکریا ۳/۱۴۵، وعلی هامش الهندیة زکریا ٦/۲۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۴۱)

مدرسہ کی زمین پر مسجد تعمیر کرنے کا حکم

سوال [۷۷۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مدرسہ مفتاح العلوم کیلئے گاؤں والوں نے ڈیڑھ ایکڑ زمین چندہ کرکے خریدی ہے جو مکمل مدرسہ کے نام پر ہے لیکن وہ جگہ شہر میں آچکی ہے، اس لیے اس جگہ کے اطراف چند مسلم احباب کے مکانات ہیں اور انہوں نے مدرسہ کے ذمہ داروں کے منع کرنے کے باوجود اس جگہ پر چندہ کرکے مسجد تعمیر کی ہے، کیا اس جگہ پر نماز درست ہوگی جبکہ مدرسہ کے ذمہ داروں نے کہا کہ آپ اس ضلع میں دوسری جگہ خرید لیں اس کی مالی امداد کے لیے مدرسہ والے آپ کا تعاون کریں گے، لیکن انہوں نے اس کو مانا نہیں، اور جبراً اس جگہ پر مسجد کی تعمیر ہوئی ہے، شرعی حکم اس سے متعلق کیا ہے؟

المستفتي: شبیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی ملکیت کی زمین میں ذمہ داران کی اجازت اور مدرسہ کی ضرورت کے بغیر مسجد تعمیر کرنا ایسا ہے جیسا کہ غصب کی زمین میں مسجد تعمیر کی گئی، اور غصب شدہ زمین میں مسجد تعمیر کرنے سے مسجد تو صحیح ہوجاتی ہے لیکن اس مسجد میں اس وقت تک نماز پڑھنا مکروہ گا، جب تک ذمہ داران مدرسہ سے حقوق مدرسہ کے لین دین کا معاملہ صاف نہ کرلیا جائے سب سے بہتر شکل یہ ہے کہ جب وہاں مدرسہ بھی بننا ہے، تو مسجد کو مدرسہ کے ذمہ داروں کی تولیت میں دیدیا جائے، اور مدرسہ اور مسجد دونوں کے ذمہ دار ایک ہی ہوجائیں۔

وحکمه: وجوب رد المغصوب إن کان قائما و مثله إن کان هالکا إو قیمته. (البحر الرائق، کتاب الغصب، کوئٹه ۸/۱۰۸، زکریا ۸/۱۹۶)

ووجوب رد عینه فی مکان غصبه إن کانت باقیة، والضمان لو هلکت

ففي المثلي كالكيلي و الوزني و العددي المتقارب يجب مثله، فإن انقطع المثل تجب قيمته. (ملتقى الأبحر، دار الكتب العلمية بيروت ٤/ ٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۳؍۱۴۲۵ھ

گرام سماج کی زمین میں مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں عید گاہ سے متصل آبادی یعنی گرام سماج کی کافی زمین پڑی ہوئی ہے اسی میں ایک طرف سرکاری اسکول بھی بنا ہوا ہے، ہم لوگوں کی رائے ہے کہ اس گرام سماج کی زمین میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے، کیونکہ اس جگہ میلہ بھی لگتا ہے، جس سے خانۂ خدا کی عظمت پامال ہوتی ہے، نیز اس میں کچھ لوگوں نے کوڑا ڈالنے اور اپنے گھورے بنانے شروع کردیئے ہیں، اگر ہم نے وہاں مدرسہ قائم نہ کیا تو وہ زمین میلے ٹھیلے، کوڑا گوبر ڈالنے کی نذر ہو جائے گی، تو کیا ہم ایسی جگہ میں مدرسہ قائم کرسکتے ہیں، نیز اس میں موجودہ پردھان کی اجازت بھی شرط ہے یا نہیں؟ عدم اجازت کی صورت میں ہم مدرسہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد یونس رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گرام سماج کے ذمہ دار کی اجازت کے بغیر وہاں مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں، اگر پردھان ہی گرام سماج کا ذمہ دار ہے تو اس کی اجازت لازم ہے۔

سلطان أذن لأقوام أن يجعلوا أرضا من أرض الكورة في مسجدهم، ويزيدوا فيه و يتخذوا حوانيت موقوفة على مسجدهم؟ قال الفقيه أبو بكر الإسكاف: إن كانت البلدة فتحت عنوة جاز أمره. (تاتارخانية، زكريا ٨/ ١٦٠ رقم: ١١٥٠٧)

عن عمرو بن يثربي قال: خطبنا رسول الله ﷺ فقال ألا! و لايحل

لامرئ من مال أخيه شيء إلا بطيب نفس منه. (مجمع الأنهر، باب الغصب و حرمة مال المسلم، دار الكتب العلمية بيروت ٤ / ١٧١)

عن سماک قال سمعت علقمة بن وائل يحدث عن أبيه أن النبی صلى الله عليه وسلم: اقطعه أرضا بحضر موت. (ترمذی، أبواب الأحكام، باب ماجاء فی القطائع، النسخة الهندية ١/ ٢٥٧، دار السلام رقم: ١٣٨١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۵۲/۳۸)

موقوفہ بوسیدہ قبرستان پر دینی مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک موقوفہ قبرستان ہے اور اس قبرستان کے ایک جانب سے سرکاری روڈ ہے، اور اس روڈ کے کنارے پر قبرستان کی زمین پر لوگوں نے مکانات بنوالیے تھے، کمیٹی کے لوگوں نے لڑ بھڑ کران مکانات کو ختم کرادیا، اب اس جگہ پر پلیر قائم کر کے دینی مدرسہ کے بچوں کی تعلیم اور رہائش کے لیے کمرہ بنانے کا پروگرام ہے، یہ جائز ہوگا یا نہیں، یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جس جگہ پر کمرہ بنانے کا پروگرام ہے اس جگہ پر سیکڑوں سالوں سے تدفین عمل میں نہیں آئی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان میں سیکڑوں سال سے تدفین کا سلسلہ بند ہے اور لوگوں کے ناجائز قبضہ کا خطرہ ہے، اور قبرستان کے اس حصہ میں تدفین کا سلسلہ بھی باقی نہیں رہے تو ایسی زمینوں پر مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹، جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۹۷)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذٰلک بأسا. (قوله) **فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى**

المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار احياء التراث العربی ٤/١٧٩، زکریا دیوبند ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨)

والمقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا و موضع المقبرة مسجدا. (فتح الملهم، مکتبه اشرفیه ٢/١١٨)

ألا ترىٰ أن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبراً للمشركين فنبش و اتخذ مسجدا. (تاتارخانية زکریا ٨/١٨٨ رقم: ١١٥٩٧، والوالجية، مکتبه دار الإيمان ٣/٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۷)

مدرسہ کی آراضی کو مزار میں شامل کرنا

سوال [۷۷۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک آراضی جو مدرسہ اسلامیہ کے نام سے وقف ہے اور اس میں مدرسہ میں پڑھنے والے طلبہ قیام پذیر بھی ہیں، اب کچھ حضرات اسی آراضی کو مزار شریف کی توسیع کے لیے اس میں شامل کرنا چاہتے ہیں، واضح رہے کہ واقف نے متولی اول کو جو خود صاحب مزار ہیں یہ اختیار دیا تھا، کہ متولی اول ہی صرف ایک دو قبر کی اجازت دے سکتے ہیں، اب تین قبریں اس جگہ پر موجود ہیں، ان کے علاوہ متولی ثانی وغیرہ کو کسی قبر کے بنانے کا اختیار نہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ آراضی کو مزار شریف میں شامل کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ عدم جواز کی صورت میں جو لوگ بضد ہو کر اس کو شامل کرنا چاہیں تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟ مدلل ومفصل جواب دیں۔

المستفتی: اختر نوری چاند پوری بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مذکورہ آراضی مدرسہ کے لیے وقف ہے اور واقف نے بوقت وقف صرف ایک دو قبر کی اجازت دی تھی اور تین قبریں اس جگہ پر بن گئیں تو منشأ واقف کے مطابق اب آئندہ اس میں مزید قبروں کی اجازت نہ ہوگی، لہٰذا مذکورہ آراضی کا کوئی بھی حصہ مزید مزار کے لیے دینا اور اس میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا، مدرسہ ہی میں استعمال کرنا لازم ہوگا۔

ولایجوز له أن یفعل إلا ماشرط وقت العقد. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: لایجوز الرجوع عن الشروط، زکریا ٦/٦٨٥، کراچی ٤/٤٥٩)

أما إذا قال الواقف علی أن لفلان ولایة الاستبدال فمات الواقف لایکون لفلان ولایة الاستبدال بعد موت الواقف إلا أن یشترط الولایة بعد وفاته، ولیس للقیم ولایة الاستبدال إلا أن ینص له بذلک. (هندیه، الباب الرابع فیما یتعلق بالشرط فی الوقف، زکریا قدیم ٢/٤٠٠، جدید ٢/٣٧٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۰/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۱۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱۱/ ۱۴۲۴ھ

مدرسہ کی جگہ پر قبرستان بنانا

سوال [۷۷۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں ایک مہتمم صاحب نے مدرسہ کی زمین میں کمیٹی کے مشورہ سے ایک قبرستان بنایا تاکہ اگر کسی طالب علم یا استاذ کا انتقال ہوجائے تو اس میں دفن کیا جاسکے، واضح رہے کہ یہ زمین مدرسہ کے لیے لوگوں سے چندہ کر کے خریدی گئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہمارے مہتمم صاحب کا مذکورہ عمل کیسا ہے؟ کوئی حرج تو نہیں ہے؟

المستفتی: محمد عبدالقدوس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے نام سے جو چندہ کیا جاتا ہےاس چندہ کو مدرسہ ہی کی ضروریات میں خرچ کرنا لازم ہے، اور مدرسہ کے چندہ کے پیسہ سے خریدی ہوئی زمین کوقبرستان بنانا جائزنہیں ہے، بلکہ اس زمین کو مدرسہ ہی کی ضروریات میں استعمال کرنا لازم ہے، چاہے مدرسہ کے لیے کمرہ یادرسگاہ بنائیں یامدرسہ کے لیےآمدنی کاذریعہ بنائیں اوراگرقبرستان بنانا ہوتو قبرستان کے لیےالگ سے چندہ کریں، یا کوئی صاحب خیراپنی زمین دینے کے لیے بخوشی پیش کش کرے تو درست ہے،اوراس کی خلاف ورزی خیانت ہے۔

بعث شمعا فی شهر رمضان إلى مسجد فاحترق و بقي منه ثلثه أو دونه ليس للإمام ولا للمؤذن أن يأخذ بغير إذن الدافع، ولو كان العرف فى ذلك الموضع أن الإمام و المؤذن يأخذه من غير صريح الإذن فى ذلك فله ذلك. (البحر الرائق، کتاب الوقف فصل فی أحکام المسجد کوئٹہ ۵/ ۲۵۰، زکریا ۵/ ۴۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۲۶ھ

مدرسہ کو منتقل کرنا

سوال [۷۷۶۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چندآدمیوں نے اپنی زمین اس لفظ کے ساتھ مدرسہ کودی کہ ’’ہم مدرسہ کو یہ زمین دیتے ہیں‘‘ تو کیااس لفظ سے زمین وقف ہوگئی یانہیں؟۔

(۲) مدرسہ کے متصل ایک صاحب کا پولٹری فارم (مرغی فارم) ہے جس کی بدبو کی وجہ سے مدرسہ کو وہاں سے منتقل کرنا از حد ضروری ہے تو کیا اس زمین کوفروخت کر کے اس قیمت سے مدرسہ کودوسری جگہ منتقل کرسکتے ہیں، اگرایسا نہ کیا جائے تو وہ زمین صرف کاشت ہی کے قابل رہ جاتی ہے، اوراس سے منشاء معطین فوت ہورہا ہے حالانکہ معطین نے یہ زمین

تعلیم وتربیت کے لیے دی ہے، اوراس صورت میں زمین اس قابل نہیں رہ جاتی، اس صورت میں معطین کو سخت تکلیف ہوگی، تو کیا زمین کو فروخت کیا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین دینے والوں کا یہ کہہ کر دینا کہ ہم نے یہ زمین مدرسہ کو دی ہے اگر اس سے مدرسہ کے نام بطور وقف دینے کی نیت رہی ہو اور عرف میں بھی یہی ہوتا ہو تو ایسی صورت میں وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہوگئی ہے اور اگر اس سے مدرسہ کو بطور عطیہ دینے کی نیت رہی ہو تو وہ زمین مدرسہ کی ملکیت میں ہوگئی ہے اور سوالنامہ میں اس جگہ پر مدرسہ چلانے کی دشواریاں پیش کی گئی ہیں کہ مرغی فارم کی بدبو کی وجہ سے طلبہ اور مدرسین کا وہاں پر پڑھنا اور پڑھانا بڑا مشکل ہے اور بدبو کی وجہ سے بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں زمین چاہے وقف کی گئی ہو یا مدرسہ کی ملکیت میں دی گئی ہو دونوں صورتوں میں اس زمین کو بیچ کر اسی پیسہ سے کسی مناسب جگہ پر متبادل زمین خرید کر مدرسہ بنالیا جائے، اور اس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ معطیین کے مقصد اور منشاء کے مطابق جاری کرادیا جائے تو جائز ہے۔

ذکر هلال عن أبی حنیفة إذا قال جعلت أرضی هذه للفقراء إن کان هذا فی تعارفهم وقفا کان وقفا. (تاتارخانیة زکریا ۸/۷ رقم: ۱۱۰۶۷)

مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کان فی محلة أخریٰ خیرا و بالعکس لایجوز. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: فی شروط الاستبدال، کراچی ۳۸۶/٤، زکریا ۵۸۶/٦، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت ۵۷٦/۲، البحر الرائق کوئٹه ۲۲۳/۵، زکریا ۳۷۳/۵)

وکذٰلک سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا خربت عن انتفاع الموقوف علیهم جاز استبدالها بإذن الحاکم بأرض أو دور أخریٰ تکون وقفا مکانها. (إعلاء السنن، باب إذا خرب المسجد أو الوقف لم یعد إلی ملک الوقف ولا یباع، دار الکتب العلمیة بیروت ۲٤۷/۱۳، کراچی ۱۱۲/۱۳)

لایجوز استبدال العامر إلا فی الأربع لو شرطه الواقف (إلی قوله) الرابعة:

أن یرغب إنسان فیه ببدل أکثر غلة و أحسن صعقا. (الدر المختار مع الشامی، مطلب: لایستبدل العامر إلا فی أربع کراچی ۴/ ۳۸۸، زکریا ۶/ ۵۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷ر۱ر۱۴۳۴ھ

مسجد و مدرسہ کی زمین کا تبادلہ کرنا

سوال [۷۷۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعۂ آراضی مسجد و مدرسہ کے لیے خریدی گئی، مدرسہ اسلامیہ اسکول کے نام رجسٹری ہوئی، کل زمین اسلامیہ اسکول کے نام خریدی گئی اب وہ افتادہ پڑی ہے وہاں اس میں کسی قسم کی تعمیر نہیں ہوئی، لیکن وہاں آس پاس آبادی ہوگئی، اس وجہ سے اسے بیچ کر دوسری جگہ زمین لینا چاہتے ہیں تاکہ مدرسہ آبادی سے علاحدہ بنا کر بچوں کی تعلیم وتربیت اچھی ہوسکے، اور شہری مسموم فضا سے محفوظ رہیں تو کیا اس زمین کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ابوالفضل آگرہ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین افتادہ پڑی ہے اور کسی قسم کی تعمیر نہیں ہوئی ہے اور مسجد مدرسہ کے لیے وہ جگہ مناسب نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس زمین کو فروخت کرکے اس کے بدلے میں دوسری مناسب جگہ خرید کر یا تبادلہ کرکے مسجد و مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ اول وہلہ میں مسجد مدرسہ کے نام سے نئی زمین کی رجسٹری کرانا لازم ہے، تاکہ آئندہ کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔

مبادلة الوقف بدار آخر إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو محلة أخریٰ خیرا وبالعکس. (شامی، کتاب الوقف مطلب: فی شروط الاستبدال، کراچی

٣٨٦/٤، زكريا ٦/٤٨٦، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٧٦، البحر الرائق كوئٹه ٥/٢٢٣، زكريا ٥/٣٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۸)

مدرسہ کی زمین پر اسکول کھولنا

سوال [۷۷۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی زمین مسلم یتیم خانہ کے لیے وقف کردی اور چندہ کر کے لوگوں نے یتیم خانہ تیار کرلیا، اور تھوڑے ہی دنوں تک یتیم خانہ چلا تھا کہ کسی وجہ سے بند ہوگیا یا کم بچے پڑھنے لگے، تو اتنے میں اچانک زید کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد اس کے لڑکے ماجد نے اس یتیم خانہ میں اپنے باپ کے نام ایک اسکول تیار کرالیا، جس میں مسلم وغیر مسلم، سکھ عیسائی وغیرہ کے بچے تعلیم حاصل کرنے لگے، تو کیا اس یتیم خانہ کی زمین پر اسکول کھولنا اور دوسری قوم کو تعلیم دینا، اور بچوں کی فیس سے جو بھی آمدنی ہو اس کو تھوڑا بہت یتیم خانہ کے اوپر خرچ کر کے (یعنی دکھلاوے کے لیے) باقی اپنی ضروریات میں خرچ کرنا اور اسکول کے نام پر سال میں ایک مرتبہ انگریزی ڈانس کرانا، جبکہ مسلمان ان حرکتوں سے ناراض ہیں، کیا صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: اور دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت وہاں کے مسلمان یہ چاہ رہے ہیں کہ اب اسکول بند ہوا اور شروع سے صرف یتیم بچے یہاں پڑھیں، اور چلانے کے لیے سب تیار ہیں، لیکن ماجد کے مالدار ہونے کی وجہ سے اور بااثر آدمی ہونے کی وجہ سے لوگ کچھ نہیں بول سکتے ہیں، کہ ہم پھنس جائیں گے، اور سارا بوجھ اس پر آجائے گا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دینی تعلیم کے لیے یتیم خانہ کے وقف کی زمین

میں دینی تعلیم ہی ہونا لازم ہے، ماجد نے جو اسکول کھولا ہے وہ ناجائز قبضہ ہے، اسکول کو ختم کر کے مسلمان یتیم بچوں کی دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا جائے ، واقف نے دینی تعلیم کے لیے وقف کیا ہے اور واقف کی غرض کی رعایت لازم ہوتی ہے۔

و أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفين، واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر شوال المکرّم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹۸)

قبرستان میں پلر لگا کر اس پر مسجد بنانا

سوال [۷۷٦٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نئی مسجد محلّہ حیات نگر سیوہارہ میں مسجد سے ملا ہوا قبرستان ہے مسجد کو وسیع کرنے کے لیے لوگ قبرستان والوں سے اجازت لے کر قبرستان میں ستون کھڑا کر کے اوپر مسجد بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ قبرستان میں قبریں موجود ہیں، آیا قبرستان کے اوپر مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور قبر کے اوپر مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور مسجد اس کے اوپر بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمر محلّہ حیات نگر سیوہارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستفتی سے زبانی معلوم ہوا کہ قبرستان مملوکہ ہے تو ایسی صورت میں مالکوں کی اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے کہ قبرستان میں اونچے اونچے قدآدم پلر اٹھا کر اس کے اوپر لینٹر ڈال کر مسجد بنالی جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ بھی جاری رہے، لہٰذا سوالنامہ میں قبرستان کے اوپر پلر قائم کر کے توسیع مسجد کا جو پروگرام ظاہر کیا گیا ہے وہ مالکوں کی اجازت اور فتنوں سے حفاظت کی شرط پر جائز ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/۵۹۳، احسن الفتاویٰ ٦/۴۰۹)

فإن قلت هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا و ذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها (إلى قوله) لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، وهكذافی المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١)

و المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا أو موضع المقبرة مسجدا وغير ذٰلك. (عمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۹۳)

قبرستان کی آراضی میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۷۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم لوگ محلّہ نودھا کے ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جہاں پر کافی دور تک کوئی مسجد نہیں ہے، نمازیوں کی آسانی کے لیے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں ہمارے محلّہ میں ایک بہت پرانا سادات کا قبرستان ہے، راستہ سے متصل قبرستان کی ایسی زمین ہے جہاں کوئی قبر نہیں ہے، اور نہ ہی قبر کا کوئی نشان باقی ہے اور محلّہ کے اسی نوے سال کی عمر کے معمر حضرات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی یاد میں یہاں پر کوئی قبر نہیں دیکھی اس جگہ پر ہم لوگ قبرستان کی کمیٹی اور سبھی حضرات کی رضا مندی سے مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، قبرستان کی اس آراضی میں مسجد تعمیر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان کی وہ زمین جس میں مسجد بنانے کے لیے سب لوگ رضا مند ہیں اس میں ساٹھ ستر سال سے دفن کا سلسلہ بند ہے اور وہاں دفن کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں قبرستان کے تمام ذمہ داران اور کمیٹی کے افراد اور بااثر لوگوں کے اتفاق رائے سے مسجد کی تعمیر کرنا جائز اور درست ہے، اس لیے کہ مسجد بھی من جملہ اوقاف میں سے ایک وقف ہے اور عبادت کی جگہ ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (وقوله) **فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکاننها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ٤/ ١٧٩ زکریا ٣/ ٤٣٥ تحت رقم الحدیث ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۰۶)

بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۷۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت پرانا قبرستان جس کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ کوئی بھی جگہ ایسی نہ ہوگی جس میں کوئی قبر نہ ہو اس کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کر لی گئی ہے، کیا اس مسجد میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر فرقان علی برامپور سیوہارہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبریں پرانی ہو چکی ہیں اور میت کے اجزاء کے مٹی بن جانے کا غلبۂ ظن ہو تو اس کو برابر کر کے مسجد بنا کر نماز ادا کی جائے تو بلا کراہت نماز

درست ہو جائے گی، چنانچہ مسجد نبوی بھی مشرکین کی بوسیدہ قبروں پر واقع ہے۔

قال أنس: فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين وفيه خرب وفيه نخل فأمر النبي ﷺ بقبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد. (بخاری شریف، الصلاة باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، النسخة الهندية ۱/۶۱، رقم: ٤٢٤، ف: ٤٢٨)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و تيخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۴۹)

بوسیدہ قبرستان میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کے شمالی جانب جہاں پر کوئی قبر نہیں ہے لیکن بعض لوگوں کا قول ہے کہ دو تین قبریں یہاں پر تھیں، اسے برابر کر کے ۱۹۸۹ء میں دوکانیں بنائی گئیں اور انہیں دکانوں پر ۲۰۱۱ء میں ایک مسجد تعمیر کی گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ مسجد بنانا صحیح ہے یا نہیں اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوسیدہ قبرستان میں مسجد بنانا بلاشبہ جائز اور درست ہے لیکن دوکانیں بنانا جائز نہیں، اس لیے جس مسجد کا تذکرہ کیا جا رہا ہے اس کے نیچے کی دوکانوں کو بھی مسجد ہی میں شامل کر لینا چاہیے۔

لـو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بـذٰلک بـأسـا (إلـى قوله) **فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلـى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، بـاب هـل تـنبـش قبور مشركی الجاهلية و تيخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم اشرفی ديو بند٢/ ١١٨)

وحـاصـلـه أن شـرط كـونـه مسـجدا أن يكون سفله و علوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ: وَ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ (الجن: ١٨). (البحر الرائق، الـوقف، فـصل فی أحكام المسجد زكريا ديو بند ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١، شامی، مطلب فی أحكام المسجد زكريا ٦/ ٥٤٧، كراچی ٤/ ٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
یکم ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۷۶)	۱۴۳۴/۱۱/۱ھ

قبرستان کی زمین کومسجد میں صرف کرنا

سوال [۷۷۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی جائداد کومسجد میں صرف کرنا یا اس میں نل وغیرہ لگوانا یا آپس میں تقسیم کرنا، کمیٹی والے ہوں یا عام مسلمان ہوں جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی جائداد قبرستان کی ضرورت سے زائد نہ ہو یا وہاں قبریں موجود ہوں تو قبرستان کی جائداد کو مذکورہ تصرفات میں سے کسی میں بھی تصرف کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۳، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۲، فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۸۷)

شرط الواقف كنص الشارع الخ. (الأشباه و النظائر قديم ص: ١٧٠)

أن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شـامی كوئٹه ٣/ ٤٦٤، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

البتہ قبرستان اگر کسی کی ملکیت کا ہے تو اس کی اجازت سے مذکورہ تمام تصرفات جائز ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۸۹، کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۳، جدید مطول ۱۰/۵۱۲)

لو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیره فی قبره و زرعه والبناء علیه. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، قبیل فصل فی التعزیر، زکریا دیوبند ۱/۵۸۹، مکتبه امدادیه ملتان ۱/۲٤٦، الدر المختار کوئٹه ۱/٦٦٢، کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۱٤٥، البحر الرائق کوئٹه ۱/۱۹٥، زکریا ۲/۳٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۶)

قبرستان کی خالی جگہ میں اتفاق رائے سے مسجد بنانا

سوال [۷۷۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عام قبرستان ہے جو کہ پوری برادران قریش کی ہے جو اوقاف بورڈ میں بھی درج ہے، اور وقتاً فوقتاً اوقاف بورڈ والے اس کی محافظت کے لیے آتے جاتے ہیں، اسی قبرستان میں برادری کے کچھ لوگ نئی مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں اور کچھ برادری کے لوگ مسجد کی تعمیر کے سخت مخالف ہیں، آیا اس صورت میں اس عام قبرستان میں مسجد بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر عام قبرستان ہے اور جہاں مسجد بنانے کا ارادہ ہے وہاں پر کوئی ایسی قبر نہیں ہے جس کے میت کے اجزاء موجود ہونے کا ظن غالب ہو اور نہ آئندہ قبرستان کو اس زمین کی ضرورت ہے تو بلا اختلاف کے تمام مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ سے مسجد بنانے کی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى

المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/٤، زکریا ۴۳۵/۳، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم اشرفی دیوبند ۲۱۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۰۷)

قبرستان کی افتادہ زمین میں مسجد بنانا

سوال [۷۷۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایسی جگہ جہاں عرصۂ دراز قبل قبرستان کی جگہ آبادی میں نکل گئی تھی، اس کے باوجود لوگ دفن کرتے رہے لیکن ۲۵؍سال سے اب تک کوئی نئی قبر نہیں بنی ہے، گرام پردھان کی طرف سے مسجد کے نام اس جگہ کی رسید دس سال قبل کاٹ دی گئی تھی، اور وہاں پر مسجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہے، تو وہاں مسجد بنانا اور اس میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین قبرستان کے لیے وقف تھی اور اس میں دفن کا سلسلہ مدت دراز سے ختم ہو چکا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں پچیس سال سے دفن کا سلسلہ ختم ہونے کا ذکر ہے، اور اس جگہ کے کسی کے قبضہ میں جانے کا خطرہ ہے اور غرض واقف کے مقاصد حاصل نہیں ہو پا رہے ہیں تو ایسی صورت میں اس جگہ پر قبرستان کے ذمہ داروں کے مشورہ سے مسجد کا تعمیر کرنا جائز اور درست ہے اس لیے کہ اوقاف میں سے مسجد اعلیٰ درجہ کا وقف ہوتا ہے اور واقف کی غرض اور مقاصد میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا (إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب

هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ١٧٩/٤، زكريا ٤٣٥/٣، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ١١٨/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ رصفر المظفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۸۲/۳۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا

سوال [۷۷۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے قبرستان کی جگہ تین حصوں میں ہے اور قبرستان کے تینوں حصے مسلم آبادی کے بیچ میں ہیں، اور پورے قبرستان کی دیوار سے حد بندی کر دی گئی ہے، جس کی وجہ سے زمین کے ضائع ہونے کا بھی کوئی اندیشہ نہیں ہے، قبرستان کے تینوں حصوں میں سے ایک حصہ معصوم قبرستان کے نام سے جانا جاتا ہے جس کے قریب میں مسلمانوں کی آبادی تھی، جنہوں نے بائیس سال پہلے قبرستان ٹرسٹ سے معصوم قبرستان کے ایک کنارے پر پانچ چھ فٹ کے گڑھے (کھائی) پر مسجد مدرسہ تعمیر کی اجازت مانگی تھی کہ مسجد کی چھت کا کچھ حصہ اور کچھ دیواریں اور ستون اور بیت الخلاء مسمار (کمزور) حالت میں ہونے کی وجہ سے مرمت کرنے کی اجازت دی جائے اور ساتھ میں مسجد کے دونوں طرف گیلری بنانے اور جماعت کے لیے دو نئے کمرے کی اجازت دی جائے، یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ جگہ ۱۹۹۱ء میں ایک روپئے کے کرائے کے ٹوکن پر دی گئی تھی۔

نوٹ: اراکین مسجد کا اجازت نامہ سوال کے پرچے کے ساتھ شامل ہے۔

سوال یہ ہے کہ (۱) جو جگہ خالص قبرستان کے نام سے وقف ہو اس کو دوسرے ٹرسٹ کو مسجد یا مدرسہ بنانے کے لیے دے سکتے ہیں؟

(۲) ۱۹۹۱ء میں ۲۵۰ فٹ لمبی اور ۱۲۵ رفٹ چوڑی جگہ اس وقت کے ٹرست صاحبان نے صرف ایک روپئے کے کرائے پر مدت متعین کیے بغیر دی تھی، اتنی جگہ کو ایک روپئے کے

کرائے پر ٹرسٹ صاحبان کو مدت متعین کیے بغیر دینے کا شریعت نے اختیار دیا ہے؟

(۳) اردگرد کی زمینوں کو دیکھتے ہوئے ابھی اس زمین کی قیمت (جو ایک روپے کے ٹوکن پر دی گئی ہے) کئی گنا زائد بنتی ہے تو کیا ابھی اسی ایک روپئے کے کرائے کو برقرار رکھیں یا بڑھا سکتے ہیں؟

(۴) مسجد کمیٹی کے کہنے کے مطابق مسجد کے کچھ حصے کمزور ہو گئے ہیں تو کیا قبرستان ٹرسٹ صاحبان پرانی عمارت کی مرمت اور نئی تعمیر کی اجازت دے سکتے ہیں؟

(۵) قریب میں مسجد کی جگہ خرید کر مسجد بنا دی جائے، تو پرانی مسجد کے نام والی عمارت کو جب تک باقی رہے مدرسہ کی غرض میں استعمال کیا جا سکتا ہے؟

(۶) کیا قبرستان کے نام سے وقف جگہ پر مسجد تعمیر کرنا درست ہے؟

(۷) اور اگر عمارت بنا دی ہو تو وہ شرعی مسجد کے حکم میں شمار ہوگی، جس میں ستائیس نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے یا پھر عبادت خانہ شمار ہوگی؟

(۸) اگر عبادت خانہ شمار ہوتی ہو تو اس صورت میں عمارت پر مسجد لکھنا درست ہے یا عبادت خانہ؟

(۹) اگر عبادت گاہ ہے تو اس صورت میں سامنے زمین خرید کر مسجد بنا کر وہاں نماز پڑھنا درست ہے یا پھر عبادت گاہ میں ہی پڑھے؟ اکثر لوگ بائیس سال سے مسجد سمجھ کر ہی وہاں نماز ادا کر رہے ہیں؟

(۱۰) اگر قبرستان کے ٹرسٹ صاحبان اس جگہ کو پہلی صورت پر لانے کے لیے مسجد کمیٹی سے جگہ خالی کرنے کی گذارش کریں تو اس صورت میں ٹرسٹ صاحبان از روئے شرع گناہگار ہوں گے یا نہیں؟

(۱۱) قبرستان کے قرب و جوار میں مسجد کے لیے جگہ کا انتظام ہو سکتا ہو تو قبرستان کی جگہ کو (جو جگہ قبرستان کے غرض سے ہی وقف ہے) مسجد کی غرض میں مشغول رکھا جا سکتا ہے؟

آپ سے گزارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سارے سوالات کا حاصل یہ ہے کہ قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟ تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ جیسے قبرستان وقف ہوتا ہے اس سے اعلیٰ درجہ کا وقف مسجد ہوتی ہے اور قبرستان کے مقابلے میں واقف کو مسجد کا ثواب زیادہ ملتا ہے اس لیے قبرستان کی فاضل زمین پر جس میں دفن نہ ہو رہا ہو، اس پر کمیٹی کے مشورہ سے مسجد شرعی بنانا بلاتردد جائز اور درست ہے، اور پھر مسجد سے کرایہ وصول کرنا درست نہیں ہوگا تاکہ مسجد مکمل طور پر وقف علی اللہ ہو جائے اور واقف کے لیے صدقۂ جاریہ بن کر کے قیامت تک ثواب کا سلسلہ جاری ہو جائے اور اس مسجد سے متصل ضمناً قرآن کی تعلیم کے لیے مکتب کا کمرہ بنایا جائے تو یہ بھی وقف ہے اور اس سے بھی صدقۂ جاریہ کا ثواب واقف کو ملتا رہے گا، اس لیے وہاں کے سارے مسلمانوں کو اس بات پر متفق ہو کر مسجد کا تعاون کرنا چاہیے اور آپس میں اختلاف اور انتشار پیدا نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ مسجد نبوی جو دنیا کے سارے مسلمانوں کا مرجع ہے، پرانے قبرستان کے اوپر ہی بنی ہے اور ساتھ میں اصحاب صفہ کے لیے مدرسہ صفہ کا چبوترہ بھی اسی کے اوپر قائم ہے، ممکن ہے کہ اس جواب سے وہاں کے سب مسلمان اختلاف کو ختم کر کے مسجد کے تعاون میں متفق ہو جائیں۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلى قوله) **فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربی ۱۷۹/٤، زكريا ٤٣٥/٣، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ديوبند ١١٨/٢)

الثامنة فی وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة قال فی الخانية معزيا إلى أبی بكر البلخی إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحر الرائق، كتاب الوقف كوئٹه ٢١٥/٥، زكريا

دیوبند ۵/۰ ۳۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۰۲/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱۱/۱۴۳۴ھ

قبرستان کی فاضل زمین پر مسجد بنانے کا حکم

سوال [۷۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے لوگوں نے آج سے تقریباً بیس برس قبل بالاتفاق قبرستان میں ایک مدرسہ کی تعمیر کے لیے بنیاد رکھی تھی، لیکن اس بنیاد پر تعمیری کام شروع نہیں ہوا تھا کہ اچانک حالات میں تبدیلی آئی اور گاؤں میں اختلاف ہو گیا، اور دو فریق بنام دیوبندی وبریلوی وجود میں آگئے یعنی کچھ لوگ دیوبندیت کے نام سے موسوم ہوئے اور کچھ بریلویت کے نام سے اور دونوں فریقوں کے قبرستان ایک ہی رہے، اور بریلوی مکتب فکر نے اپنا مدرسہ الگ بنالیا، اور دیوبندی مکتب فکر نے الگ بنالیا، اور وہ بنیاد جو قبرستان میں رکھی گئی تھی، جوں کی توں رہی، بریلویوں نے اپنا مدرسہ مسجد میں بنالیا اور دیوبندیوں نے الگ جگہ لے کر اپنا مدرسہ بنالیا، اتفاق کی بات یہ ہے کہ دیوبندیوں کے مدرسہ کی جگہ اسی مدرسہ کے بالکل برابر میں ملی جس کی بنیاد سب لوگوں کے اتفاق سے رکھی گئی تھی، اور دیوبندی مکتب فکر کے مدرسہ کا نام "مدرسہ ابی بن کعب" رکھا گیا، اور مدرسہ ابی بن کعب کا راستہ بھی قبرستان کے درمیان سے ہو گیا اور پہلا والا مدرسہ جس کی بنیاد بیس برس قبل رکھی گئی تھی وہ سارا کا سارا بالکل مدرسہ ابی بن کعب کے سامنے آ گیا، اور مدرسہ ابی بن کعب کے طلبہ اس بنیاد کے احاطہ میں کھیلنے لگے، جو قبرستان میں رکھی گئی تھی، پھر ایک دن ایک سرکاری ملازم (پٹواری) نے آ کر دیکھا تو اس نے قبرستان کے اس حصہ کو مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان قرار دیدیا اور کاغذات میں بھی اسی طرح لکھ دیا کہ یہ زمین مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان ہے، اور اس کے علاوہ بقیہ زمین قبرستان ہے، اور اس بات کا علم لوگوں کو چند ماہ بعد ہوا اور آہستہ آہستہ

یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی، جب بریلویوں کو اس کا علم ہوا، تو انہوں نے تحصیل سے پورے قبرستان کے کاغذات لے لیے، اور یہ دعویٰ کردیا کہ یہ زمین مدرسہ ابی بن کعب کے کھیل کا میدان نہیں ہے، بلکہ یہ قبرستان کی زمین ہے، اور قبرستان ہی کی رہے گی، جب ان ساری باتوں کا علم مدرسہ ابی بن کعب کے مہتمم صاحب کو ہوا، تو انہوں نے کہا کہ بیس برس قبل جب بالاتفاق یہاں مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی تھی تو یہ مدرسہ ہی کی رہے گی، بھلے ہی قبرستان کی زمین میں ہو، اور میں اسے مدرسہ ہی مانوں گا، بھلے ہی اس بنیاد پر مدرسہ تعمیر نہ ہوا ہو، جب کہ گاؤں کے تمام لوگ حتی کہ دیوبندی حضرات بھی حضرت مہتمم صاحب مدرسہ ابی بن کعب کے خاندان کے علاوہ اس بات پر متفق ہیں کہ جب بیس برس قبل والی بنیاد پر مدرسہ تعمیر نہیں ہوا تھا اور حالات خراب ہو گئے تھے، تو اب اس بنیاد کو ختم کر کے اس بنیاد کے ملبے سے اور کچھ اور سامان منگا کر قبرستان کی چہار دیواری کرادی جائے، اور مہتمم صاحب اور ان کے خاندان والے اس کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ گاؤں کے حالات اس وجہ سے کشیدگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

تو آپ سے مطلوب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں مہتمم مدرسہ ابی ابن کعب کا اس طریقہ پر اپنی من مانی کرنا اور پورے گاؤں کے حالات کے خراب ہونے کا باعث بننا صحیح ہے یا نہیں؟ حالانکہ پورے گاؤں کے لوگ، خواہ وہ دیوبندی ہوں یا بریلوی، مہتمم صاحب کے خاندان کے علاوہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس بنیاد پر جب مدرسہ تعمیر نہ ہوسکا، تو اس بنیاد کو اکھاڑ کر قبرستان کی چہار دیواری کرادی جائے، اور قبرستان کا وہ حصہ جو مدرسہ ابی بن کعب کے سامنے آ گیا ہے اور جسے مدرسہ ابی بن کعب کا کھیل کا میدان قرار دیا گیا ہے اسے قبرستان ہی رکھا جائے، واضح رہے کہ جب سے ان دونوں فرقوں (دیوبندی، بریلوی) کا وجود ہوا ہے اسی وقت سے بریلوی مکتب فکر کے قبضہ میں مسجد ہے، اور دیوبندی مکتب فکر کے قبضہ میں عیدگاہ ہے اور دیوبندیوں نے اپنی مسجد اختلاف کے وقت (جو تقریباً ۱۵ یا ۱۶/ برس قبل بنام دیوبندی و بریلوی ہوا تھا) الگ بنائی تھی اور آج تک بحمد اللہ وہ دیوبندی کے قبضہ میں ہے۔

لہٰذا آپ حضرات سے درخواست ہے کہ مذکورہ مسئلہ کو سمجھ کر قرآن وحدیث کی روشنی میں مع حوالہ جات جواب عنایت فرمائیں تا کہ ضرورت کے وقت مراجعت کی جاسکے، خصوصاً

درج ذیل سوالات کے جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیں:

(۱) حضرت مہتمم صاحب کا اس طریقہ پر زور دینا اور اپنی من مانی کرنا کس حد تک درست ہے؟

(۲) مدرسہ کی بنیاد جو بیس برس قبل رکھی گئی تھی اس کا اکھاڑنا کہاں تک درست ہے؟

(۳) مذکور فی السوال مضمون کی صورت میں حضرت مہتمم صاحب کا ساتھ دینا چاہئے یا ان لوگوں کا جو مہتمم صاحب کے مخالف ہیں؟

(۴) مہتمم صاحب کا ساتھ دینے میں ساتھ دینے والا گنہگار تو نہیں ہوگا؟

(۵) قبرستان کی زمین میں مدرسہ بنانا از روئے شرع کیسا ہے؟ جب کہ یہ قبرستان وقف شدہ ہے؟

(۶) مہتمم صاحب کا ساتھ نہ دینے والے کو لوگوں کا ملامت اور لعن طعن کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: ساتھ دینے سے مراد یہ ہے کہ جس طریقہ سے مہتمم صاحب قبرستان میں وضع شدہ بنیاد پر مدرسہ بنانے کے قائل ہیں اسی طرح دوسرے حضرات بھی ہوں، اور اس معاملہ میں مہتمم صاحب کا تعاون کر رہے ہوں۔

المستفتی: حاجی محمد انتظار صاحب جہانگیر پور ضلع غازی آباد یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان میں اگر فاضل زمین پڑی ہوئی ہے جس میں تدفین کی ضرورت نہیں ہے یا قبرستان بالکل پرانا ہو چکا ہے جس میں تدفین کا سلسلہ بالکل بند ہو چکا ہے تو اس میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا شرعاً جائز اور درست ہے اس لیے کہ مسجد اور دینی مدرسہ بھی وقف کی ہی ایک قسم ہے اور اگر قبرستان میں فاضل زمین موجود نہیں ہے جس میں تدفین کی ضرورت نہ ہو یا پرانا بوسیدہ قبرستان نہیں ہے جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو چکا ہو بلکہ تدفین کا سلسلہ جاری ہو تو اس میں مسجد یا مدرسہ قائم کرنا درست نہیں ہے اور سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ شروع میں جس جگہ پر مدرسہ کی تعمیر کے لیے بنیاد رکھی گئی تھی تو وہ قبرستان سے

فاضل زائد زمین ہے آپس کی رنجش اور اختلاف کی وجہ سے وہ مدرسہ نہیں بن سکا اور وہ زمین خوامخواہ افتادہ پڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے اگر اس حصہ میں مدرسہ یا مسجد بن جائے تو واقف کو صدقۂ جاریہ کے اعتبار سے ثواب ملنے کا سلسلہ جاری ہوجائے، مسئلہ شرعی تو یہی ہے جیسا کہ مسجد نبوی بھی مشرکین کے پرانے قبرستان کے اوپر بنی ہوئی ہے جو ذیل کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

عن أنس بن مالک قال قدم النبی ﷺ المدینة ...... و کان یحب أن یصلی حیث أدرکته الصلاة ویصلی فی مرابض الغنم و أنه أمر بناء المسجد فأرسل إلی ملأ بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا و الله لا نطلب ثمنه إلا إلی الله عز و جل قال أنس فکان فیه ما أقول لکم قبور المشرکین و فیه خرب، وفیه نخل فأمر النبی ﷺ بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسوِّیت و بالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد و جعلوا عضادتیه الحجارة و جعلوا ینقلون الصخر وهم یرتجزون و النبی ﷺ معهم و هو یقول اللهم لا خیر إلاخیر الآخرة فاغفر الأنصار و المهاجرة. (بخاری شریف، الصلاة باب هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، النسخة الهندیة ۱/۶۱، رقم: ۴۲۴، ف: ۴۲۸)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا (إلی قوله) **فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین.** (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد دار احیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفیه دیو بند ۲/۱۱۸)

کاش کہ لوگوں میں اختلاف نہ ہوتا اور سیاسی رنگ نہ پکڑتا اور مسجد اور مدرسہ کی عمارت تعمیر ہوجاتی تو بہتر ہوتا، لیکن محض کھیل کا میدان قرار دینا غرض واقف کے خلاف ہے، باقی اختلاف اور فتنہ سے بچنے کا طریقہ اختیار کرنا حتی الامکان لازم ہے، کسی کا ساتھ دینا نہ دینا اس طرح ذاتیات سے متعلق کچھ لکھنا منصب افتاء کے مناسب نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۳۳)

بہت پرانی قبروں پر مسجد بنانا

سوال [۸۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک آراضی پلاٹنگ کرنے کے لیے خریدی اس آراضی کے ایک گوشہ میں کچھ پرانی پکی قبریں بنی ہوئی ہیں، تقریباً دو ڈھائی سو گز آراضی اندازہ کر کے کہ قبرستان ہوگی انہوں نے چھوڑ دی بقیہ فروخت کر دی، اب وہاں آبادی ہوگئی، آبادی کے لیے مسجد کی ضرورت ہے، زید نے کہہ دیا کہ اگر علماء شریعت کی روشنی میں اجازت دیں تو محلّہ والے مسجد بنالیں، میں یہ آراضی مسجد کو دیدوں گا، مقامی بزرگ کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی یہاں کسی کو دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اندازاً وہ قبریں لگ بھگ سو سال پرانی ہوسکتی ہیں تو کیا اس آراضی پر مسجد بن سکتی ہے؟

المستفتی: رضوان قادر دیباسرائے سنبھل مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بہت پرانی قبروں کا نشان ہے اور بڑی عمر کے لوگوں نے اپنی زندگی میں وہاں دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، تو مطلب یہ ہے کہ بہت پرانی قبریں ہیں، لہٰذا وہاں کے مسلمانوں اور ذمہ داروں کے مشورہ اور اتفاق سے، یا اس زمین کے مالک کی اجازت سے اس کے اوپر مسجد بنانا شرعی طور پر جائز ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی جس جگہ پر بنی تھی وہ بھی اسی طرح پرانی قبروں کی جگہ تھی۔

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة،

باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ٤/ ١٧٩،
زكريا ٣/ ٤٣٥ رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۲ھ

مملوکہ قبرستان میں توسیع مسجد باجازت مالکان

سوال [۷۷۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری ملکیت کا آبائی قبرستان واقع سرائے حسینی بیگم متصل مسجد کھجور والی میں لوگ قبریں منہدم کر کے مسجد کی توسیع کررہے ہیں، اس ذیل میں آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ شریعت محمدی کے تحت اس اقدام کا کیا جواز ہے فریقین متفق ہیں کہ اس مسئلہ کا فیصلہ آنجناب کے فتوے پر ہوگا؟

المستفتی: مظفر الدین محلہ نئی بستی محمد روڈ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب قبرستان ملکیت کا ہے تو مالکان قبرستان کی اجازت سے توسیع مسجد میں شامل کرلینا درست ہے جبکہ قبروں میں میت کے اجزاء باقی نہ رہنے کا ظن غالب ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۹، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۱۱، کفایت المفتی قدیم ۱/ ۱۲۳، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۲)

لو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل فى التعزية، مكتبه امداديه ملتان ١/ ٢٤٦، زكريا ديوبند ١/ ٥٨٩، الدر مع الرد كوئٹه ١/ ٦٦٢، كراچى ٢/ ٢٣٣، زكريا ٣/ ١٣٨، البحر الرائق كوئٹه ٢/ ١٩٥، زكريا ٢/ ٣٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۶۰)

بوسیدہ قبروں کو مسجد کی توسیع میں داخل کرنا

سوال [۷۷۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: غالباً دوسال پرانی آراضی قبرستان کی ہے، جس میں قبرستان قائم ہے حد بندی کیساتھ، اورلوگ یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد، اعزہ واقرباء یہاں پر مدفون ہیں اس کے قریب مسجد ہے اس مسجد کو شہید کر کے پندرہ فٹ آراضی قبرستان کی لے کر مسجد کی توسیع کی جارہی ہے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ قبرستان کی آراضی مسجد میں لے سکتے ہیں یا نہیں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: پھندق خاں سالار پور پوسٹ اترا سی کلاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان بوسیدہ ہو گیا ہے جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے تو مالک کی اجازت سے قبرستان کی جگہ کو مسجد کی توسیع میں شامل کرنا شرعاً درست ہے۔

جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار ترابا. (در مختار على الشامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: في دفن الميت، زكريا ۳/ ۱۴۵، كراچی ۲/ ۲۳۸، زكريا ۳/ ۲۳۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۶/ ۳۲۶، ۳۸/ ۳۴۸، ۴۰/ ۱۳۳، البناية اشرفيه ديوبند ۳/ ۲۵۳)

فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/ ۱۱۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۵ھ

پرانے قبرستان میں مسجد بنا کر نماز پڑھنا

سوال [۷۷۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے جہاں پرتقریباً پینتیس سال قبل قبرستان تھا، اب وہاں پر مسجد ہے جس میں نماز پنجگانہ ادا کی جاتی ہے اب عوام کا کہنا ہے کہ یہ جگہ قبرستان کی ہے، لہٰذا اس میں نماز پڑھنا کیسے جائز ہوگا؟ وہاں پر مسجد کا بننا کیسا ہے؟ اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد اعظم ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پرانا قبرستان جس میں دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہو اس میں مسجد تعمیر کرنا بلاشبہ اور بلاتردد جائز ہے اور اس مسجد میں نماز پڑھنا بلا شبہ اور بلا کراہت جائز اور درست ہے، چنانچہ مسجد نبوی جس میں ریاض الجنۃ بھی شامل ہے، پرانے قبرستان کے اوپر تعمیر کی گئی ہے اس میں جو قبریں تھی ان کو برابر کر دیا گیا اور کھجور کے پرانے پیڑ بھی تھے ان کو کاٹ کر کے مسجد نبوی کے لیے ستون کا کام لیا گیا تھا، لہٰذا بوسیدہ قبرستان کے اوپر تعمیر مسجد کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے۔

عن أنس بن مالک قال قدم النبی ﷺ المدینة ...... وکان یحب أن یصلی حیث أدرکته الصلاة ویصلی فی مرابض الغنم و أنه أمر ببناء المسجد فأرسل إلی ملأ بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا: لا والله لا نطلب ثمنه إلا إلی الله عز و جل قال أنس فکان فیه ما أقول لکم قبور المشرکین وفیه خرب وفیه نخل فأمر النبي ﷺ بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسویت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد و جعلوا عضادتیه الحجارة و جعلوا ینقلون الصخر وهم یرتجزون والنبی ﷺ معهم. (بخاری شریف، الصلاة باب هل نبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، النسخة الهندیة ۱/۶۱، رقم: ٤٢٤، ف: ٤٢٨)

هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم

لایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ۲/۱۱۸)

إن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعات غرض الواقفین واجبة، کوئٹه ۳/۴۶۴، کراچی ۴/۴۴۵، زکریا ۶/۶۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۹۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۳۳ھ

قبرستان کی خالی زمین پر عبادت گاہ بنانا

سوال [۷۷۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی آراضی میں مسجد یا عیدگاہ بنانا چاہتے ہیں اور نعشیں دفن ہوتی چلی آئی ہیں، لیکن کچھ حصہ میں پندرہ بیس سال سے کوئی نعش دفن نہیں ہوئی تو اس خالی حصہ میں عبادت گاہ بنانا اور اس میں نماز فرض یا واجب ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد عمران الحق خادم معارف القرآن، گڑھی بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کا جو حصہ تدفین سے خالی پڑا ہوا ہے اور آئندہ بھی اس کی ضرورت نہیں تو قبرستان کی کمیٹی اور ذمہ داران کی اجازت سے اس حصہ پر مسجد یا عیدگاہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، اور نماز فرض وواجب کا ادا کرنا بھی درست ہے۔

هل یجوز أن تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن

موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ۱۷۹/٤، زكريا ٤٣٥/٣، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۱۱۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۴۸/۳۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۱/۱۳ھ

پندرہ سال پرانی قبروں کو ختم کر کے مسجد بنانا

سوال [۷۷۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان میں ایک مسجد پہلے سے آباد ہے جو نماز جمعہ کے لیے ناکافی ہے، مسجد کی توسیع ہورہی ہے، محراب کے بائیں جانب تقریباً دس پندرہ سال پرانی تین کچی قبریں ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ قبروں کو ختم کر کے مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں، موجودہ محراب کو جو اس وقت بیچ میں نہیں ہے باقی رکھا جائے یا ختم کر کے درمیان میں کردیا جائے، جہاں قبریں بنی ہوئی ہیں؟

المستفتی: اشراق احمد آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موقوفہ قبرستان میں مسجد بنی ہوئی ہے جن قبروں کا سوالنامہ میں ذکر ہے اگر ان قبروں کے اندر میت کے مٹی بن جانے کا ظن غالب ہو اور ان کے اقرباء یا دیگر کسی کی طرف سے فتنہ کا بھی اندیشہ نہ ہو تو ایسی صورت میں قبرستان کے ذمہ داروں کی مرضی سے اور میت کے وارثین کی بھی مرضی سے ان قبروں کو برابر کر کے مسجد میں شامل کرنا جائز اور درست ہے، اور محراب مسجد کی اگلی صف کے بیچ میں ہونا مسنون ہے۔

إن الـميت إذا بلى فصار ترابا جاز زرعه و البناء عليه. (هنديه، الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس، زكريا قديم ۱/۱٦۷، جديد ۱/۲۲۸، شامي زكريا ۳/۱۳۸، كراچی ۲/۲۳۳، ۷۲۳۸)

قال ابن القاسم: لـو أن مـقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسـجـدا لـم أر بـذلک بـأسـا و ذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صـرفهـا إلـى الـمسـجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/۱۷۹، زكريا ۳/٤۳٥، رقم: ٤۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/۱۱۸)

إن الـمحـراب إنـما بنى علامة لمحل قيام الإمام ليكون قيامه وسط الصف كما هو السنة. (شـامـي زكريا ۲/٤۱٤، كراچی ۱/٦٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٦/۱۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ ؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۷٦)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۴/۱۴۳۴ھ

قبرستان یا میونسپل بورڈ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۷۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جو آراضی قبرستان کے لیے وقف کی گئی ہو اور اس میں لوگوں کو دفن کیا جاتا ہو اس میں بغیر واقف کی اجازت کے مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۲) جس آراضی کا مالک گرام سماج یا میونسپل بورڈ ہو اس جگہ پر مسجد تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں، ان دونوں اداروں میں برادران وطن اور مسلمان دونوں شامل ہوتے ہیں ایسی صورت میں صرف مسلم ممبران کی اجازت کافی ہوگی یا دونوں کی اور اس جگہ کو بغیر معاوضہ لینا

درست ہے یا نہیں؟

(۳) جس جگہ قبریں نہ ہوں بلکہ امام جس جگہ کھڑا ہوگا اس کے سامنے قبریں موجود ہوں مسجد تعمیر کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حسن مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر واقف زندہ ہے اور وہ تعمیر کی اجازت نہیں دیتا ہے یا واقف زندہ نہیں ہے لیکن پوری زمین صرف قبرستان کے لیے وقف ہوئی ہے اور پورا قبرستان اب بھی دفن کے کام میں آرہا ہے ایسا نہیں کہ قبرستان بوسیدہ ہو چکا ہو اور تازہ دفن بھی نہ ہوتا ہو بلکہ تازہ دفن کا سلسلہ باقی ہے تو ایسے قبرستان میں مسجد بنانا غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥)

(۲) گرام سماج کی زمین اس کی اجازت کے بغیر اور میونسپل کی زمین اس کی اجازت کے بغیر تعمیر مسجد کے کام میں لانا جائز نہیں ہے، اگر تعمیر کرلیا ہے تو کسی طرح اجازت حاصل کرنا یا قیمت ادا کر دینا لازم ہے۔

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه اشرفی ص: ١١٠، رقم: ٢٧٠، شرح المجلة، رستم مكتبه اتحاد ١/٦١، رقم المادة ٩٦)

(۳) جہاں مسجد بنانے کا پروگرام ہے اگر وہ زمین قبرستان کی ضرورت سے زائد ہے اور نہ ہی وہاں پر کوئی ایسی قبر ہے جس کے اعضاء خاک نہ ہوئے ہوں تو وہاں مسجد بنانے کی گنجائش ہے اور محراب کے سامنے اگر قبریں ہیں تو سامنے اگر دیوار حائل ہو جائے تو نماز میں کسی قسم کی کراہت لازم نہ آئے گی، ہاں البتہ دیوار حائل نہ ہو بلکہ کھلا چھوڑ دیا جائے تو نماز میں کراہت آئے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۷، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۰)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر

بذٰلک بأسا. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ۱۷۹/٤، زکریا ۴۳۵/۳، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ۱۱۸/۲) **فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۵)

قبرستان میں مسجد یا کار پارکنگ بنانا

سوال [۷۷۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قطعۂ قبرستان جس میں تقریباً ۶۰/۷۰ سال سے کوئی دفن نہیں ہوا ہے اور ایک عرصہ سے وہاں مچھلی بازار اور کبوتر بازار بھی لگتا ہے اس کی چہار دیواری کرادی گئی ہے اب وقف کمیٹی کے لوگ پلر کھڑے کر کے لینٹر ڈال کر اس پر کمرے بنوا کر ایک دینی مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، نیچے کچی زمین پر کار اسکوٹر پارکنگ بنانا چاہتے ہیں تا کہ مسجد و مدرسہ کے اخراجات پورے ہوتے رہیں، تو کیا یہ جائز ہے اور بہتر ہے اگر بہتر نہیں ہے تو اور کوئی راستہ بتائیں، اگر ہم اس جگہ کو خالی چھوڑتے ہیں تو کچھ لوگ اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں؟

المستفتی: نجم الحسن تمبا کو والان مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس موقوفہ قبرستان میں تقریباً ۶۰/۷۰ سال سے مردوں کے دفن کرنے کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبرستان کے اس حصہ کے اسی طرح خالی پڑے رہنے کی صورت میں وقف کمیٹی کے باہم مشورہ سے وہاں دینی مدرسہ یا مسجد تعمیر کرنے کی گنجائش ہے، اور چونکہ مذکورہ قبرستان موقوفہ ہے اس لیے وہاں کار پارکنگ بنانا جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ واقف کی منشاء کی خلاف ورزی ہوگی، جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے ہاں البتہ نیچے کے حصہ کو بھی مدرسہ یا مسجد کے حصہ میں شامل کرنا جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف ہوتا ہے اسی طرح مسجد

بھی وقف ہوتی ہے، اور مدرسہ بھی وقف کے حکم میں ہی ہوتا ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۹)

لـو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بـذٰلک بـأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايـجـوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلـى الـمسـجـد لأن الـمسـجـد أيضـا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تـمـليكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨)

وأمـا المقبرة الداثرة إذا يبنى فيها مسجد ليصلى فيه فلم أر فيه بأسا، لأن الـمـقـابر وقف وكذا المسجد فمعناهما واحد. (عـمدة القاری، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٤، زكريا ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث ٤٢٨)

سئل الأوزجندی عن المقبرة فی القریٰ إذا اندرست ولم يبق فيها أثر الموتیٰ لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها و استغلالها؟ قال: لا! ولها حكم المقبرة. (فتـاویٰ عـالـمگيری، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر والخانات، زكريا قـديـم ٢/ ٤٧٠، ٤٧١، زكـريـا جـديد ٤/ ٤١٦،الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٩، رقم: ١١٦٠٠، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٩/ ١٤٥، رقم: ١١٤١٤)

شـرط الـواقف كـنـص الشـارع فـی وجوب العمل به و فی المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه اشرفی ديوبند ص: ٨٥، رقم: ١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۲۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۱۶)	۱۴۳۳/۶/۲۴ھ

قبر برابر کر کے مسجد کی صف میں شامل کرنا

سـوال [۷۷۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک مسجد بنائی ہے اور وہ مسجد قبرستان کے کنارے ہے اور مسجد کے آگے ایک قبر ہے کیا اس کو برابر کر کے صف بنادی جائے اور اس کے اوپر نماز ہوگی یا نہیں؟ ،قبر توڑ کر مسجد کے حدود میں داخل کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد مشتاق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس قبر کے اندر میت کے مٹی بنجانے کا ظن غالب ہو چکا ہے بایں طور کہ قبر بہت پرانی ہے تو قبرستان کے ذمہ داران کی اجازت سے اس کو برابر کر کے مسجد میں شامل کر لینے کی گنجائش ہے نیز اس کی وجہ سے آپس میں کسی قسم کا فتنہ بھی نہ ہونا چاہیے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ٤/١٧٩، زکریا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ٢/١١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۲۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰؍۷؍۱۴۱۴ھ

قبرستان میں مسجد و مدرسہ کی تعمیر کی شرعی حیثیت

سوال [۷۷۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے گاؤں میں دو قبرستان ہیں، ایک قبرستان گاؤں کے بالکل متصل ہے بلکہ اب آبادی کے درمیان آچکا ہے جس میں آج سے تقریباً پچیس تیس سال قبل تدفین عمل میں آئی تھی، گاؤں کے قریب والے قبرستان میں لوگوں کے گندگی پھینکنے کی وجہ سے اس میں تدفین کا عمل عرصۂ تیس سال سے موقوف ہے، اور اب ضرورت بھی نہیں ہے اس لیے کہ دوسرا بڑا قبرستان صاف ستھرا تدفین کے لیے گاؤں سے تھوڑی ہی دور پر موجود ہے، تو کیا اس

قبرستان میں مسجد و دینی مدرسہ تعمیر کرسکتے ہیں، جہاں پر اب قبروں کے نشانات بالکل نہیں ہیں، جس میں لوگ غلاظت اور گندگی پھینکتے ہیں اور گھور لگاتے ہیں، اور گاؤں کی آبادی کافی وسیع ہورہی ہے، اس عرصہ میں چند سالوں سے اس علاقہ میں تعمیر مسجد کے لیے جگہ کی تلاش جاری ہے تو اس قدیم قبرستان پر جہاں قبروں کے نشانات بالکل نہیں ہیں اور نہ اس میں تدفین ہوتی ہے اگر مسجد و دینی مدرسہ تعمیر کرتے ہیں تو یہ قبرستان غلاظت وگندگی اور ناجائز قبضوں سے محفوظ ہوجائے گا، اور نمازیوں کے لیے مسجد کی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی، حکم شرع باحوالہ کتب فقہ سے واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد آزاد بیگ ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس قبرستان میں ۳۰/۲۵ رسال سے تدفین کا عمل نہیں ہوا ہے اور نہ ہی اس میں آثار قبر موجود ہیں بلکہ وہ مٹ چکے ہیں اور اس کو کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ بنالیا گیا ہے تو اس جگہ میں مسجد اور دینی مدرسہ قائم کرنا جائز اور درست ہے۔

فإن قلت: هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين؟ قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فاذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين.

(عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مکانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زکریا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، کتاب المساجد، اشرفیه ٢/ ١١٨، هکذا فی فتاویٰ التاتارخانية زکریا ١٨٨/٨، رقم: ١١٥٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۴۱/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۰/۱/۱۴۳۴ھ

۳۱؍سال سے خالی پڑے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان محلّہ بروالان دھرگھاٹ اشی کل اسکول رام گنگا کے کنارے واقع ہے، ۱۹۸۰ء کے فساد میں اس قدیم قبرستان میں فرقہ پرست عناصر نے لوگوں کو تدفین کرنے سے روک دیا اور آس پاس کے زیادہ تر مسلمان یہ علاقہ چھوڑ کر دوسری جگہوں پر چلے گئے، تقریباً ۳۱؍سال سے اس قبرستان میں کوئی تدفین نہیں ہوئی، اور قبرستان کے کچھ حصہ پر غیر مسلموں نے ناجائز مکانات تعمیر کرلیے، باقی بچی آراضی پر کوڑا کباڑا پھیلا دیا، پرانی قبریں اس وجہ سے مفقود ہوگئیں ہیں۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ قبرستان کے دوسرے کنارے پر ۴٦۰ گز جگہ مزید قبرستان کے لیے ہے کیا اس جگہ کے کچھ حصہ پر مسجد اور دینی مدرسہ تعمیر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ۴٦۰؍گز زمین میں کوئی بھی قبر نہیں ہے، تو کیا شریعت رو سے مسجد ومدرسہ تعمیر ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پرانا قبرستان جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو چکا ہو اس میں مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنا بلاشبہ جائز ہے، اسی طرح قبرستان کی وہ جگہ جس میں ابھی تک تدفین نہ ہوئی ہو اور وہ جگہ خالی پڑی ہو اس میں بھی مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنا بلاشبہ جائز ہے۔

عن أنس بن مالك قال قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة ...... وكان يحب أن يصلي حيث أدركته الصلاة ويصلي في مرابض الغنم و أنه أمر ببناء المسجد فأرسل إلى ملأ بني النجار فقال يا بني النجار ثامنوني بحائطكم هذا قالوا والله لا نطلب ثمنه إلا إلى الله عز و جل قال أنس فكان فيه ما أقول لكم قبور المشركين فنبشت ثم بالخرب فسويت وبالنخل فقطع فصفوا النخل قبلة المسجد و جعلوا عضاديته الحجارة و جعلوا ينقلون

الصخر وهم يرتجزون والنبى صلى الله عليه وسلم **معهم** . (بخاری شریف، الصلاة باب هل نبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، النسخة الهندية ١/٦١، رقم: ٤٢٤، ف: ٤٢٨)

لـو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بـذٰلک بـأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايـجـوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلـى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، بـاب هـل تـنبـش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث الـعـربى ٤/١٧٩، زكـريـا ٣/٤٣٥، رقـم: ٤٢٨، فتـح الـمـلـهـم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، هـكـذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۷؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۹۴)	۱۷/۱/۱۴۳۳ھ

قبر کو مسمار کر کے اس پر مسجد یا مدرسہ بنانا

سوال [٧٧٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبر کو مسمار کر کے اس کے اوپر مسجد یا مدرسہ یا مکان بنوانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کو مسمار کر کے اس پر کسی قسم کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہاں عرصۂ دراز سے اموات دفن نہ کیے جاتے ہوں اور زمین بھی مملوکہ ہو تو ایسی صورت میں مالک یا ذمہ دار حضرات وہاں مسجد یا مدرسہ یا مکان وغیرہ کسی بھی طرح کی تعمیر کر سکتے ہیں اور اگر وہ قبرستان موقوفہ ہو اور طویل عرصہ سے اس میں مردے بھی دفن نہ ہوتے ہوں تو اہل محلہ کی اتفاق رائے سے وہاں صرف مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے اور ذاتی تصرف

کرکے وہاں مکان وغیرہ بنوانا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ٦/١٩٧، جدید ڈابھیل ١٥/٣٥٣، امداد الفتاویٰ ٢/٥٧٩، احسن الفتاویٰ ٦/٤٠٩)

لو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل في التعزية، مكتبه امداديه ملتان ١/٢٤٦، زكريا ديوبند ١/٥٨٩، الدر مع الرد كوئٹه ١/٦٦٢، كراچی ٢/٢٣٣، زكريا ٣/١٣٨، البحر الرائق كوئٹه ٢/١٩٥، زكريا ٢/٣٤١)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، هكذا في فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣ر رجب المرجب ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٥٩٤٥)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٣/٧/١٤١٧ھ

پرانے قبرستان میں مدرسہ ومسجد قائم کرنا

سوال [٧٧٨٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قطعۂ آراضی ہے جو پہلے کبھی قبرستان تھا لیکن ایک صدی سے زائد عرصہ سے اس زمین میں تدفین کا عمل بند ہے اس زمین کا خسرہ نمبر ٤٧٢ ہے، اس نمبر کی

آراضی میں ایک مسجد اور مدرسہ ہے وقف بورڈ میں مدرسہ ومسجد کا وقف نمبر تو ملتا ہے مگر یہ ثبوت نہیں ملتا کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کیا ہے یا نہیں؟

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ آراضیٔ مسجد ومدرسہ وقف کہلائے گی مذکورہ آراضی کو مدرسہ ومسجد کے لیے کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟

المستفتی: اقرار احمد محلّہ ملکان کرتپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جیسے قبرستان وقف ہوتا ہے ایسا ہی مسجد اور مدرسہ بھی وقف ہوتے ہیں، لہٰذا بوسیدہ قبرستان میں جس میں تدفین کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اس میں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر شرعی طور پر جائز اور درست ہے اور وقف بورڈ میں ان زمینوں کا صرف وقف کے طور پر مل جانا کافی ہے، مسجد اور مدرسہ کی تفصیل کی ضرورت نہیں، بخاری شریف میں روایت ہے کہ مسجد نبوی بھی پرانے قبرستان میں ہی تعمیر ہوئی ہے اس لیے مسجد اور مدرسہ جس حالت میں ہیں اسی حالت میں باقی رکھنا ضروری ہے اور ہر مسلمان کو مسجد اور مدرسہ کا تعاون کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۰، ۱۵۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨ رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۴)

افتادہ قبرستان میں مسجد یامدرسہ قائم کرنا

سوال [۷۷۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان ہے اس قبرستان کے چاروں طرف غیر مسلموں کی آبادی تھی اس وقت بھی اس قبرستان میں مردے دفنائے جاتے تھے کچھ لاوارث مردے دفن ہونے کی وجہ سے اوران کی دہشت اور بدبو کی وجہ سے اس وقت کے غیر مسلموں نے ضلع مجسٹریٹ کو درخواست دی (اس میں لکھا تھا کہ اس قبرستان کے آس پاس کوئی بھی مسلمان نہیں ہے، بدبو دارمردے دفن ہونے کی وجہ سے ہمارے بچوں میں دہشت اورخوف بیٹھ گیا ہے)اسی وجہ سے ضلع مجسٹریٹ نے مردے دفنانا بند کرادیا تھا، جواب موجودہ حالات میں قانون کی طرف سے کوئی روک نہیں ہے، اب اس قبرستان کے اردگرد مسلمانوں کی آبادی پھیل گئی ہے کچھ لوگوں نے شہادت دی کہ اہل محلّہ کی جانب سے اس قبرستان میں صفائی کا کام چل رہا ہے تاکہ دوبارہ مردوں کو دفنایا جائے، اہل محلّہ کے پچیس فیصد لوگ قبرستان چاہتے ہیں اور پچھتر فیصد لوگوں کی رائے ہے کہ: (۱) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کر اہل محلّہ کے لیے شادی ہال بنایا جائے۔

(۲) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کر دینی مدرسہ بنایا جائے۔

(۳) قبرستان کے اوپر چھت پاٹ کر اسکول بنایا جائے۔

یہ قبرستان تقریباً چالیس سال سے بند تھا اس قبرستان کے چاروں طرف گندے پانی کے پرنالے کھلے ہوئے ہیں لوگ، اپنی دیگر ضروریات کی چیزیں گائے، بھینس، جنریٹر وغیرہ قبرستان کی جگہ پر استعمال کررہے ہیں، یہی پچھتر فیصد لوگوں کی رائے ہے، قبرستان کا خسرہ نمبر۱۸۱ وقف ۹۸۳ ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان اگر افتادہ ہو جائے اوراس میں تدفین کی ضرورت نہ ہو یا تدفین کا سلسلہ بند ہو جائے تو ایسے قبرستان میں صرف مدرسہ اور مسجد قائم

کرنے کی اجازت ہے، اور ذمہ داران قبرستان کے مشورے سے ایسا کرنے کی گنجائش ہے کہ پلر قائم کرکے اوپر مسجد یا مدرسہ قائم کرلیا جائے اور نیچے دفن کا سلسلہ جاری رہے، اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف کی قسم میں سے ہے اسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف کی قسم میں سے ہیں، لیکن قبرستان کو پاٹ کر اس کے اوپر شادی ہال بنانا یا ہسپتال بنانا، یا اسکول بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تینوں چیزیں وقف کی قسم میں سے نہیں ہیں، اور مسجد و مدرسہ وقف کی قسم میں سے ہیں اس لیے ان کی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۱۷۹/٤، زكريا ٤٣٥/٣، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ١١٨/٢، هكذا فی فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٨٨/٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ١٤٤/٩، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۷۵۰/۳۶)

بوسیدہ قبرستان میں مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا

سوال [۷۷۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) قبر سے ٹیک لگانا اور اوپر چڑھنا منع ہے مگر پرانے قبرستان میں کاشت ہوجاتی ہے اور مسجد و مدرسہ بھی تعمیر ہوجاتے ہیں تو ایسی صورت میں ان مردوں کو تکلیف نہیں ہوتی ہوگی، اور کیا وہ مردے کہیں اور منتقل ہوجاتے ہیں؟

(۲) پرانے قبرستان جہاں پر قبریں ظاہر نہ ہوں تو وہاں پر مسجد و مدرسہ یا دوکان و مکان بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ان مردوں کا تعلق اس مٹی کے ساتھ ہوتا ہے چاہے اس پر عمارت ہی کیوں نہ تعمیر کرلی گئی ہو قیامت کے دن وہ وہیں سے اٹھائے جائیں گے، لیکن عالم ثانی و برزخ میں تکلیف وراحت کا تعلق اصالۃً روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم کو جو مٹی بن چکا ہوتا ہے اس کا احساس نہیں ہوتا ہے، اسی وجہ سے عمارت بنانے اور کھیتی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

كما استفيد من الشامي: لو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره و زرعه والبناء عليه. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل فى التعزية، مكتبه امداديه ملتان ۱/۲۴۶، زكريا ديوبند ۱/۵۸۹، الدر مع الرد كوئٹه ۱/۶۶۲، كراچى ۲/۲۳۳، زكريا ۳/۱۳۸، البحر الرائق كوئٹه ۲/۱۹۵، زكريا ۲/۳۴۱)

(۲) ایسے پرانے قبرستان ہوں کہ ان میں دفن کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اور قبریں بھی سب پرانی ہوچکی ہیں تو اس میں ذمہ داران قبرستان کے مشورہ سے مسجد یا مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے، مگر مکان اور دوکان بنانا جائز نہیں ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين (إلى قوله) جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربى ۴/۱۷۹، زكريا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/۱۱۸، هكذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۴/۱۴۱۴ھ

دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مردے دفن کرنا یا مسجد بنانا

سوال [۷۷۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج سے تقریباً ۸۰/سال قبل گاؤں سے باہر کچھ زمین تقریباً تین بیگھہ ہندو و مسلمان زمینداروں کی تھی، طاعون کے زمانہ میں بغیر زمینداروں کی اجازت کے اس میں کچھ لوگوں نے مردے دفن کرنے شروع کر دیئے، زمینداروں نے اس پر اعتراض کیا آخر مقدمہ قاضی عبدالغنی صاحب کے یہاں کر دیا، انہوں نے قبرستان تسلیم نہیں کیا اس کے بعد مان سنگھ مجسٹریٹ کے یہاں مقدمہ کر دیا انہوں نے مردے دفن کرنے کی اجازت دیدی، یہ بڑوں سے سنا ہے، اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے، مردے اس میں دفن ہوتے رہے، اب تقریباً ۲۰/سال سے دفن کرنا ترک کر دیا، اب اس میں کھتے پڑے ہوئے ہیں، ایک کنارہ پر مسجد تعمیر کر دی ہے اور جو باقی ہے اس میں اکثر لوگوں کی رائے اسلامی مدرسہ کی ہے، اب اس کی چہار دیواری کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اس کی ایک سمت میں آبادی ہے، اس کا راستہ بالکل بند ہو جائے گا، لوگوں نے آبادی کو راستہ دینے سے عذر کر دیا ہے، کہ قبرستان میں راستہ جائز نہیں ہے، جبکہ مدت دراز سے آبادی کا راستہ اسی جگہ سے ہے، ایسی شکل میں راستہ کی اجازت ہو سکتی ہے کہ نہیں جبکہ دو سمتوں میں انہیں لوگوں نے پختہ عام راستے اور ایک سمت میں خام راستہ بنا دیا ہے؟

المستفتی: اصغر علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر مردہ دفن کرنا یا مسجد و مدرسہ بنانا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۴۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۳۱۵)

فإن شرط الواقف التأبید والأرض إذا کانت ملکا لغیره فللمالک استردادها و أمره بنقض البناء. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مناظرة ابن الشحنة مع شیخه، زکریا ٦/٥٩١، کراچی ٤/٣٩٠)

لیکن اگر اس مالک نے مسجد یا مدرسہ بنانے کی اجازت دیدی ہے تو اس میں مسجد یا مدرسہ بنانا جائز ہے، قبرستان میں جب قبر کے نشانات مٹ چکے ہوں، اور میت بھی مٹی بن چکی ہو تو اس کے احکام قبرستان کے احکام نہیں ہوں گے اور اس میں راستہ وغیرہ بنانا درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۳۰۳، ۱۵/ ۳۲۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۴/۳۷۴، ۳۹۲)

كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي و صار ترابا. (در مختار زكريا ۳/ ۱٤٥، کراچی ۲/ ۲۳۸)

آبادی کے دونوں جانب لوگوں کے آنے جانے کے لیے کچے پکے راستے موجود ہیں تو بلاضرورت مذکورہ زمین میں راستہ بنانے سے اجتناب کرنا چاہیے، اور اس پرانے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنالینا زیادہ بہتر ہوگا۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار، إحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/ ١١٨، هكذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

نجی قبرستان میں مدرسہ کی تعمیر

سوال [۷۷۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک نجی قبرستان ہے جو کچھ حضرات کا مشترک ہے، سردست وہ آبادی کے بالکل درمیان میں آچکا ہے، چاروں طرف آبادی ہے درمیان میں قبرستان آنے کی وجہ سے چونکہ جگہ خالی پڑی ہوئی ہے تو لوگوں نے اسی میں غلاظت اور گندگی ڈالنی شروع کردی ہے، کافی زمین میں کوڑے کے ڈھیر لگے ہیں اب اس صورت حال کے پیش نظر ہم لوگ چاہتے ہیں کہ اس قبرستان کے کچھ حصہ میں جہاں قبریں بالکل ناپید ہو چکی ہیں ایک دینی مدرسہ مکتب کی شکل میں قائم کردیں جس کی وہاں سخت ضرورت بھی ہے اور اس میں باقی قبرستان کی حفاظت بھی ہے لہٰذا آنجناب سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں شریعت کے فیصلہ سے آگاہ فرمائیں کیا ایسے قبرستان میں مدرسہ بنا سکتے ہیں؟

واضح رہے کہ کچھ عرصہ قبل قبرستان کی کچھ زمین مسجد کو بھی دیدی گئی ہے اب یہ چاہتے ہیں کہ اسی کے متصل ایک مدرسہ تعمیر کریں؟

المستفتی: شمس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ کہ مذکورہ قبرستان کے مشترک مالکان موجود ہیں، لہٰذا ان کی اجازت سے وہاں دینی مدرسہ قائم کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۱۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۶)

وذكر أصحابنا أن المسجد إذا خرب ودثر لم و يبق حوله جماعة، والمقبرة إذا عفت و دثرت، تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد دارا، أو موضع المقبرة مسجدا و غير ذلك. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبول مشركی الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤ /١٧٩، زكريا ديوبند ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث ٤٢٨، فتح الملهم، اشرفيه ديوبند ٢ /١١٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۴۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۱ھ

قبرستان کے اوپر مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارا ایک ذاتی قبرستان ہے ہم اس کے اوپر لینٹر ڈال کر قبرستان سے متصل مدرسہ کی درسگاہیں اس کے اوپر بنانا چاہتے ہیں کیا شرعاً ہم ایسا کر سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں قبرستان کے اوپر لینٹر ڈال کر اس کے اوپر مدرسہ کی درسگاہیں بنانا جائز ہے بشرطیکہ قبریں اتنی پرانی ہو چکی ہوں کہ میت کا بدن مٹی بن جانے کا ظن غالب ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۱۷۳، ۱۰/۲۸۷، جدید ڈابھیل ۱۴/۵۰۷، ۱۵/۳۵۱)

وتقدم أنه إذا بلي الميت وصار ترابا يجوز زرعه والبناء عليه. (شامی، کتاب الصلاة، قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الآس علی القبور، کراچی ۲/۲۴۵، زکریا ۳/۱۵۵، ۳/۱۳۸، در مختار کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۱۴۵، تبیین الحقائق ملتان ۱/۲۴۶، زکریا دیوبند ۱/۵۸۹، هندیه زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸، الفقه علی مذاهب الأربعة، دار الفکر بیروت ۱/۵۳۸، البحر الرائق کوئٹه ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب المرجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۵۴)

قبرستان میں پلر قائم کر کے مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان سرائے حسینی بیگم وقف ۵۲۷ مرادآباد صورت حال یہ ہے کہ قبرستان کی جانب شمال سرکاری سڑک اور نالہ سے متصل ایک لمبی سی آراضی (پٹی کی شکل میں) خالی ہے

جس میں پچاسوں سال سے کوئی قبر نہیں ہے اور نہ ہی قبر کے نشانات ہیں، مذکورہ آراضی پر قبر کھودنے والا جو کہ چوکیدار بھی تھا، کے مکانات بنے ہوئے تھے، جس کو کمیٹی وقف ۵۲ ۷ نے ساڑھے چھ لاکھ روپیہ دے کر خالی کرایا تھا، نیز اسی مذکورہ آراضی کی ایک جانب لکڑی کی ٹال بھی تھی، جس کو کمیٹی نے چالیس ہزار روپیہ دے کر خالی کرایا تھا، اس پر بھی کوئی قبر نہیں ہے، سرکاری نالہ اور سڑک سے متصل نگر نگم کی طرف سے ایک راستہ نمازیوں اور دفن میں آنے جانے والے حضرات کے لیے بنا ہوا ہے جس پر نگر نگم کے چوکے بچھے ہوئے ہیں، راستہ اور سرکاری نالہ کے درمیان قبرستان کی دیوار کھڑی ہے جس میں وضوخانہ وغیرہ بنا ہوا ہے۔

قبرستان وقف ۵۲ ۷ کی کمیٹی جو کہ مدرسہ کی بھی کمیٹی ہے اتفاق رائے سے تعلیمی ضرورت کی بناء پر راستہ و وضوخانہ کے اوپر دس فٹ اونچا پلر کھڑا کر کے درسگاہیں، طلباء کے لیے رہائشی کمرے تعمیر کرا رہی ہے جبکہ نیچے کا حصہ اپنی ہیئت پر باقی ہے۔

کیا قبرستان کی مذکورہ زمین پر درسگاہیں رہائشی کمرے تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں لکھی ہوئی صورت حال اور واقعہ کے مطابق موقوفہ قبرستان کے کنارے کے جس حصہ پر دفن کا سلسلہ پچاسوں سال سے بند ہے، اور وہ زمین ایسی ہی پڑی ہوئی ہے اس میں پلر قائم کر کے دینی مدرسہ کی ضرورت کا کمرہ بنانا جائز اور درست ہے اس لیے کہ دینی مدرسہ کی ضرورت کا کمرہ بھی کسی کی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ بھی وقف ہی میں شامل ہے اس لیے یہ غرض واقف کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے واقف کو ثواب پہنچنے کا سلسلہ جاری رہے گا، اس لیے کمرہ بنانے کا مذکورہ منصوبہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم

لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين . (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ١٧٩/٤، زكريا ٤٣٥/٣، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ١١٨/٢، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ١٨٨/٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ١٤٤/٩، رقم: ١١٤١١)

المقبرة إذا عفت و دثرت تعود ملكا لأربابها فاذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المقبرة مسجدا وغير ذٰلک. (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ١١٨/٢، ومثله فی الهندية زكريا قديم ٤٦٩/٢، جديد ٤١٦/٢، الفتاویٰ الولوالجية ٩١/٣، دار الإيمان سهارنپور)

فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين . (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ١١٨/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۸)

پرانا موقوفہ قبرستان کو ناجائز قبضے سے بچانے کے لیے اس پر دینی مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کے ایک کنارے کا حصہ یوں ہی افتادہ پڑا ہوا ہے، اس میں لوگوں کے قبضہ کرنے اور عمارت بنانے کا خطرہ ہے اس جگہ پر کمیٹی کا ارادہ ہے کہ دینی مدرسہ کا کمرہ بنادیا جائے تا کہ اس میں دینی تعلیم ہو سکے، اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی رہائش ہو سکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان کے ایک کنارے کا حصہ جو یوں ہی افتادہ پڑا ہوا ہے اور اس میں لوگوں کے عمارت بنانے کا خطرہ بھی ہے تو ایسی زمین پر دینی مدرسہ کے

لیے کمرہ بنانا کہ دینی تعلیم ہوسکے اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ رہائش اختیار کرسکیں درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۵۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹، جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۹۷)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/ ۱۷۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۹/ ۱۴۴ رقم: ۱۱۴۱۱)

والمقبرة إذا عفت ودثرت تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المقبرة مسجدا وغير ذٰلک. (فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/ ۱۱۸، عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/ ۱۴۹، زكريا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸)

ألا ترىٰ أن موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبرة للمشركين فنبش واتخذ مسجدا. (تاتارخانية زكريا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، والولوالجية دار الايمان ۳/ ۹۱، المحيط البرهانی المجلس العلمی بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱، هنديه زكريا قديم ۲/ ۴۶۹، جديد ۲/ ۴۱۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۸)

افتادہ قبرستان کو غلاظت پھینکنے کی وجہ سے مدرسہ میں منتقل کرنا

سوال [۷۷۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک قبرستان افتادہ ہے عرصہ دراز سے وہاں پر کوئی دفن نہیں ہوا ہے وہاں لوگوں نے غلاظت ڈالنی شروع کردی ہے، جس کی وجہ سے انتہائی گندگی رہتی ہے اور اس برادری کے افراد وہاں پر ایک دینی درسگاہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو کیا اس جگہ مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد الرحمٰن قاسمی، ٹھاکردوارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان کسی قوم یا جماعت کا وقف کردہ ہے اور بعد میں واقفین کی غرض کے مطابق دفن نہیں ہو رہا ہے، بلکہ دفن کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، تو اس میں مدرسہ یا مسجد بنا کر واقفین کی روح کو ثواب پہنچانا جائز ہے، بلکہ افضل ہے ایسی صورت حال میں مدرسہ یا مسجد بنانا غرض واقف کے خلاف عمل نہیں ہوگا، بلکہ کارِ ثواب سے خالی رکھنا ہی غرض واقف کی مخالفت ہے کیونکہ جب قبرستان افتادہ ہو اور قبریں بوسیدہ ہو جائیں اور باقاعدہ دفن کا سلسلہ باقی نہ رہے ایسے قبرستان میں فقہاء ومحدثین نے تعمیر کو جائز ثابت فرمایا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۳، امداد الفتاویٰ ۲/۵۷۹)

إذا بلی المیت وصار ترابا یجوز زرعه والبناء علیه. (شامی، کتاب الصلاة قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الآس علی القبور، کراچی ۲/۲۳۳، زکریا ۳/۱۵۵، ۳/۱۳۸، در مختار کراچی ۲/۲۳۸، زکریا ۳/۱۴۵، تبیین الحقائق، ملتان ۱/۲۴۶، زکریا دیوبند ۱/۵۸۹، هندیه زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸، الفقه علی مذاهب الأربعة، دار الفکر بیروت ۱/۵۳۸، البحر الرائق کوئٹه ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۱)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لأحد أن یملکها فإذا درست و استغنی عن الدفن فیها جاز صرفها إلی المسجد لأن المسجد أیضا وقف من أوقاف المسلمین لایجوز تملکه لأحد فمعناهما علی هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة و یتخذ مکانها مساجد، دار إحیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، رقم: ۴۲۸،

فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فى فتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٨٨/٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ١٤٤/٩، رقم: ١١٤١١)

نیز سوالنامہ کے مسئولہ قبرستان سے متعلق ۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ کو واقعہ کے خلاف سوال کی نوعیت بدل کر عدم جواز کا فتویٰ حاصل کیا گیا ہے۔

سوال میں لکھا گیا تھا کہ مذکورہ افتادہ قبرستان میں قبریں اتنی تعداد میں ہیں کہ کوئی جگہ خالی نہیں ہے بعد میں دوسری نوعیت کے سوال آنے پر احقر اور جامع الہدیٰ کے مفتی حضرت مفتی عبدالرؤف نے ازخود جا کر دیکھا تو اس میں کوئی قبر دیکھنے میں نہیں آئی صرف ایک پختہ پرانی قبر کے نشانات باقی ہیں اور کچھ نہیں، اس لیے ۱۹؍شوال ۱۴۰۹ھ کو خلاف واقعہ سوال کے جواب میں جو فتویٰ شاہی کے دارالافتاء سے حاصل کیا گیا ہے وہ مذکورہ قبرستان کے حق میں قابل عمل نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۶۱/۲۵)

قبرستان کی جگہ مدرسہ بنانا

سوال [۷۷۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی زمین ہے، جنوب اور دکھن کی طرف سڑک ہے دونوں جانب کچھ لوگوں نے قبضہ کر کے اپنے مکانات اور ایک لمبی چوڑی مارکیٹ دوکانوں کی بنادی ہے اور جنوب کی جگہ ہے جس کو بعض لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ رشوت لے کر وہ زمین دیدی جائے لیکن کچھ سمجھ دار لوگوں نے یہ سوچا ہے کہ اس زمین میں (یعنی قبرستان) کی زمین کے کچھ نیچے کے حصہ میں دوکانیں نکال دی جائیں اور اوپر کے حصے میں مدرسہ اسلامی لائبریری کھول دی جائے جو کرایہ پر دیدی جائے اور اگر اس جگہ کچھ نہیں بناتے ہیں تو غیر لوگ قبضہ کر لیتے ہیں پھر نہ مسلمانوں کے قبضے میں رہتی ہے بلکہ اس میں جھگڑا پیش آجاتا ہے، وہ ایک ایسی بستی ہے

کہ جہاں نہ مدرسہ ہے نہ دین کا کام ہوتا ہے لہٰذا کوئی درمیان راستہ نکلتا ہو تو واضح طور پر تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، جہاں مدرسہ بنانے کا ارادہ کیا ہے اس جگہ قبریں نہیں بلکہ قبرستان کی زمین خالی ہے، اندر کے حصے میں قبریں ہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے قبرستان کی چہار دیواری کر کے حفاظت کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، اس کو دفن ہی کے کام میں استعمال کرنا لازم ہے، لیکن اگر چہار دیواری کے باوجود حفاظت ممکن نہیں ہے تو مدرسہ قائم کر کے دینی تعلیم کے کام میں استعمال درست ہو سکتا ہے ورنہ غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوگا، اور جن لوگوں نے قبرستان کی زمین دبالی ہے وہ سب سخت گنہگار ہوں گے ان پر زمین واپس کرنا لازم ہے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٥٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۹۵)

ذاتی قبرستان میں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کرنے کے لیے مکتب بنانا

سوال [۷۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم برادران اپنے ذاتی قبرستان کو ۹؍فٹ اونچائی پر پاٹ کر اس پر تحفیظ القرآن ودینی تعلیم کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دیں کہ اس ارادے سے قبرستان کو پاٹنا شرعاً جائز ہے، اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

المستفتی: اقبال حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان خاندان والوں کی ذاتی ملکیت کا ہے تو خاندان کے سب لوگوں کے اتفاق اور رضا مندی سے اس قبرستان کے ۹/۸ رفٹ اونچائی پر لینٹر ڈال کر تحفیظ القرآن یا دینی تعلیم کے لیے مکتب یا مدرسہ بنانا جائز اور درست ہے اس میں دو کام ایک ساتھ ہوسکتے ہیں، نیچے تدفین کا سلسلہ بھی جاری رہے اور اوپر تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ (مستفاد: نظام الفتاویٰ ۴/ ۲۰۷، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۳۶۰)

ومن بنى سقاية للمسلمين أو خانا يسكنه بنو السبيل أو رباطا أو جعل أرضه مقبرة لم يزل ملكه عن ذلك حتى يحكم به حاكم عند أبي حنيفة لأنه لم ينقطع عنه حق العبد. (فتاویٰ تاتارخانية، كتاب الوقف، الفصل الثاني والعشرون في الرباطات والمقابر، زكريا ۸/ ۱۸۵، رقم: ۱۱۵۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشوال المکرم ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۰۴)

بوسیدہ قبرستان میں اسکول بنانا

سوال [۷۷۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک پرانی مسجد ہے، اس کے شمال میں قبرستان تھا جنوب میں بھی اور صدر دروازہ مشرق پر بھی تینوں طرف قبریں تھیں، قبرستان بستی میں آجانے کی وجہ سے تدفین بند ہوگئی تھی اس مسجد اور قبرستان کی دیکھ بھال ایک صاحب مسمی حکیم محمد اشرف صاحب مرحوم کرتے تھے، اور وہی متولی تصور کیے جاتے تھے، مسجد اور قبرستان نائیکان کہلاتا تھا، خدا جانے یہ مسجد اور قبرستان ان کی تولیت میں دادِ الٰہی تھا یا اور کسی استحقاق کی بنا پر، اس قبرستان کے جنوبی حصے پر لکڑی کی دوکان موصوف کیا کرتے تھے، جب نمازی تعداد میں بڑھ گئے اور دین کا شغف ہوا تو مسجد کے شمال کی جانب ایک حجرہ بنا دیا گیا اور مدرسہ قائم کیا گیا ۱۹۴۵ء میں ایک نمازی حاجی حمید اللہ کو دینی شغف

غالب ہوا اور وہ درس وتدریس میں لگ گئے، قدیم متولی نے ان کو انتظام مدرسہ اور مسجد بطور مہتمم سپرد کردیا، مدرسہ بنام تعلیم القرآن نائک رائے شیر کوٹ ۱۹۴۵ء سے چل رہا ہے، باہر کے طلبہ کا بھی بندو بست ہے، حجرہ مسجد کی توسیع میں آگیا، اور جانب شمال ایک عمارت پختہ برائے مدرسہ حاجی حمید اللہ کے اہتمام میں تعمیر ہوگئی، اور مدرسہ کی حد بندی کے لیے پیڑ جو قبرستان کے حدود میں کھڑے ہوئے تھے کاٹ کر ان کو فروخت کر کے حد بندی بھی کردی گئی، اب قدیم متولی کا انتقال ہوگیا، ان کی قبر بھی مسجد کے دروازہ کے باہر بنادی گئی اور ایک قبر ان کے خاندان کی جنوب مسجد بنادی گئی، جب مسجد کی توسیع ہوئی تو قدیم متولی کی قبر مسجد کے احاطہ میں آگئی اور دوسری قبر مسجد کے حدود سے باہر ہے، جانب جنوب جب توسیع کی ضرورت پیش آئی تو قدیم متولی کے وارثین حائل ہوئے اور بخوشی توسیع نہیں ہونے دی، جدید متولی اور نمازیوں نے توسیع کرلی، اور تنازعہ مقدمہ عدالت میں داخل ہوگیا، مقدمہ حاجی حمید اللہ جیت گئے، اس کے جانب مشرق اور جنوب متولی حمید اللہ اور مدار المہام ٹھیکیدار عنایت اللہ اور نائب مہتمم حال عبد الشکور نے دوکان تعمیر کرادیں، اور کچھ حصہ میں ملحقہ مسجد بجانب مغرب وجنوب مدرسہ یا اسکول کی عمارت تعمیر کرادی، اس میں رقم پرانے مدرسہ کی صرف ہوئی، اور دو کانوں کا کرایہ مسجد میں لگنے لگا، اور مدرسہ یا اسکول میں تعلیم ہونے لگی، اب کچھ اشخاص کو اعتراض ہے کہ مسجد کی جائیداد میں مدرسہ قائم نہیں ہوسکتا، ناجائز ہے اب شرعاً کیا حکم ہے؟

جبکہ یہ قبرستان تھا اور اب بھی قبریں موجود ہیں، ایک مسجد کے صحن میں اور ایک مسجد کے باہر جنوب میں مسجد کی حد سے باہر ہے یہ جگہ بذریعہ عدالت حاصل ہوئی، کہ عطا کردہ نہ خرید شدہ ہے، جس طرح کرایہ دوکان مسجد میں لگ رہا ہے، مدرسہ یا اسکول بھی کرایہ دے تو یہ کیسا ہے؟ اور جو رقم تعمیر میں صرف ہوئی ہے وہ کرایہ میں محسوب ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا مسجد کی سمجھی جائے گی؟ یا قابل واپسی ہے؟ یا یہ عمارت جو مدرسہ یا اسکول کے جنوب میں ہے اور پرانے مدرسہ کی رقم لگی ہے مہتمم صاحب کی نیت کو مدنظر رکھتے ہوئے عمارت مدرسہ کی شرعاً سمجھی جائے گی؟ شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: منجانب کمیٹی انجمن تعلیم القرآن شیر کوٹ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ پرانے قبرستان میں مسجد تعمیر کی گئی ہے اور اس کے بعد مسجد سے متصل زمین میں مدرسہ یا اسکول قائم کیا جارہا ہے، تو اس سلسلے میں شرعی حکم یہ ہے کہ قبرستان بوسیدہ ہونے کے بعد جب دفن کا سلسلہ موقوف ہوجائے تو مسلمانوں کی رائے سے ایسے پرانے قبرستان میں مسجد یا دینی مدرسہ قائم کرنا جائز ہے لیکن اسکول قائم کرنا جائز نہیں ہے، اور سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ زمین مسجد کی نہیں ہے، بلکہ قبرستان کی ہے اس لیے مسجد کی طرف سے مدرسہ پر اشکال نہیں ہونا چاہیے، ہاں البتہ اگر اسکول قائم کیا جارہا ہے تو اعتراض صحیح ہے اور سب پر ضروری ہے کہ اسکول کا سلسلہ وہاں سے منقطع کرادیں۔

لو أن مقبر ة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ۴/ ۱۷۹، زکریا ۳/ ۴۳۵، رقم: ۴۲۸، فتح الملهم کتاب المساجد اشرفيه ۲/ ۱۱۸، هکذا فی فتاویٰ التاتارخانية زکریا ۸/ ۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ۹/ ۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۷۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۱ھ

بوسیدہ قبرستان میں لڑکیوں کا اسکول بنانا

سوال [۷۷۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) منسلک فتویٰ الف ۵/۳۷۷۶ کی روشنی میں مذکورہ عمارت میں جو کہ قبرستان ملحقہ مسجد میں تعمیر ہوگئی ہے اور قدیمی مدرسہ تعلیم القرآن قائم کردہ ۱۹۴۵ء ملحقہ مسجد بجانب شمال اس کے تحت اگر دوسری جانب جنوب ایک مدرسہ جس میں دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم دونوں دی جائیں اور قانونی مجبوری بھی درپیش ہو اور ملت کی تعلیمی مشکلات کا ازالہ بھی ہو ایسی صورت میں مدرسہ یا ادارہ قائم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) جبکہ مذکورہ عمارت تینوں متولیان کے ایماء ومنشاء سے برائے تعلیم تعمیر کی گئی ہے اور رقم قدیمی مدرسہ کی صرف ہوئی، منسلکہ فتویٰ کی صورت میں یہ عمارت مسجد کی ہوجائے گی تو اس صرف شدہ رقم کو مسجد مدرسہ کو دے گی یا نہیں؟

(۳) جبکہ قبرستان کی زمین میں دوکانیں تعمیر کرکے اس کا کرایہ مسجد کو دیا جارہا ہے تو کیا اس عمارت کو بھی کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی سے صرف شدہ رقم مدرسہ والی مدرسہ کو دی جائے گی یا نہیں؟ یا اگر مدرسہ یا ادارہ کرایہ دار بن کر اس عمارت کو استعمال کرے اور کرایہ کی آمدنی سے مدرسہ کی رقم اگر واپس ہوئی ہے تو اس میں محسوب ہوسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے فتویٰ کے جواب کے بعد جو دوبارہ سوالات کیے ہیں ان سوالات کو ہم نے جناب منشی عبد الرشید صاحب شیر کوٹی جنہوں نے موقع ومحل کو اچھی طرح دیکھا ہے اور حالات سے بھی واقف ہیں سے پوری تفصیل معلوم کی اور معلومات کے بعد ہم کو جو صحیح بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہی ہے کہ بوسیدہ قبرستان میں پہلے مسجد بنی ہے اس کے بعد اس سے متصل خالص دینی مدرسہ بنا ہے پھر اس مدرسہ کے پیسہ سے ایک دوسری جانب لڑکیوں کا اسکول قائم کیا گیا ہے اگر اصل ماجرا اور خلاصۂ واقعہ ایسا ہی ہے تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ مذکورہ بوسیدہ قبرستان میں مسجد ومدرسہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے، مگر جو لڑکیوں کا اسکول قائم کیا گیا ہے وہ قطعاً جائز نہیں ہے، جب وہ عمارت مدرسہ کے پیسے سے بنائی گئی ہے تو وہ عمارت مدرسہ کی ملکیت ہے اس میں خالص دینی تعلیم ہوسکتی ہے لہٰذا

اسکول والے وہ عمارت مدرسہ کو واپس کردیں، تاکہ اس میں قرآن کریم کی تعلیم ہو سکے، اور سائیڈ میں جو دوکانیں بنائی گئی ہیں اس کی آمدنی مسجد یا مدرسہ کو حاصل ہو جائے یہ درست ہے، لیکن وہاں دنیوی تعلیم کے لیے اسکول کا سلسلہ قطعاً مناسب نہیں ہے، اگر کرایہ دے کر بھی وہاں اسکول قائم کیا جاتا ہےتو بعد میں اس کا اثر اچھا نہیں رہتا، اسکول والے مدرسہ والوں پر غالب آجاتے ہیں اس لیے وہاں اسکول جاری نہ رکھا جائے، بلکہ صرف قرآن کریم کی تعلیم کے لیے مدرسہ قائم کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ بھی وقف کی ایک قسم ہے۔

هل يجوز ان تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
١٣؍رجب المرجب ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٨٣١)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٣؍٧؍١٤٢١ھ

افتادہ قبرستان میں مکتب بنانا اور عید کی نماز ادا کرنا

سوال [٧٨٠٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان جو سالوں سے ویران پڑا ہوا ہے تقریباً تیس چالیس سال سے اس میں میت کو دفنایا بھی نہیں جاتا ہے، قبر کے کوئی آثار بھی اس میں نہیں ہیں اب گاؤں والے

اس جگہ میں مکتب بنانا چاہتے ہیں اور اس میں عید کی نماز بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔

اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس جگہ پر اس طرح کا کوئی بھی کام جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: پرانا اور ویران قبرستان جس میں دفن کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو کمیٹی اور ذمہ دار کے مشورہ سے اس پر مسجد یا مدرسہ قائم کرنا درست اور جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان از قبیل وقف ہوتا ہے اسی طرح مساجد ومدارس بھی از قبیل وقف ہوتے ہیں اور اگر قبرستان ملکیت کا ہے تو مالکوں کی اجازت سے مسجد یا مدرسہ اس پر قائم کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت ۱۳۲)

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۷)

پرانے قبرستان میں عیدگاہ بنانے کا حکم

سوال [۷۸۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک زمین گورستان کے نام سے موسوم ہے، البتہ اس وقت کے عمر رسیدہ

حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی میں کبھی بھی دفن وقبر دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے البتہ سنی ہوئی بات یہ ہے کہ آباء واجداد اس زمین کو دفنانے اور قبر دینے میں استعمال کرتے تھے، اوران حضرات کا زمانہ بھی سوسال سے پہلے کا ہے، اسی وقت سے مذکورہ زمین گورستان کے نام سے موسوم ہے، فی الحال لوگ اس زمین میں بیت الخلاء کا کام لیتے ہیں، نیز سباطہ قوم بھی بنی ہوئی ہے مزید دیگر طرح طرح کا کام اس سے لیا جاتا ہے۔

معلوم ہو کہ یہ زمین وقف کی بھی نہیں ہے اب ہم لوگ اس زمین میں عیدگاہ بنانا چاہتے ہیں لہٰذا شرعاً عیدگاہ بنانا درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: الہام منڈل مرشد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ زمین وقف کی نہیں ہے بلکہ فرد واحد کی ملکیت ہے یا کسی قبیلہ اور خاندان کی ملکیت ہے تو اس فرد یا خاندان کے موجودہ لوگوں کی اجازت سے عیدگاہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہوگا، نیز اس میں مدرسہ اور مسجد بنانا بھی جائز ہوگا۔

جاز زرعه و البناء عليه إذا بلى و صار ترابا. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: في دفن الميت كراچی ۲/۲۳۸، زكريا ۳/۱۴۵، شامی كراچی ۲/۲۳۳، ۲۴۵، زكريا ۳/۱۳۸، ۱۵۵، تبيين الحقائق امداديه ملتان ۱/۲۴۶، زكريا ۱/۵۸۹، هنديه زكريا قديم ۱/۱۶۷، جديد ۱/۲۲۸، الفقه على مذاهب الأربعة، دار الفكر بيروت ۱/۵۳۸، البحر الرائق كوئٹه ۲/۱۹۵، زكريا ۲/۳۴۱)

والمقبرة إذا عفت و درست تعود ملكا لأربابها فإذا عادت ملكا يجوز أن يبنى موضع المسجد داراً أو موضع المقبرة مسجدا و غير ذٰلك. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربى ۴/۱۷۹، زكريا ۳/۴۳۵، تكمله فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ۲/۱۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۴۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۲/۱۲ھ

عیدگاہ کی توسیع کے لیے قبرستان کی جگہ لینا

سوال [۷۸۰۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں گودھنا کی عیدگاہ کی توسیع ہونا ضروری ہے، عیدگاہ کا کچھ حصہ جی ٹی روڈ میں شامل ہوگیا ہے اس لیے چھوٹی پڑ جاتی ہے، عیدگاہ کے متصل قبرستان ہے جس میں نئی اور پرانی ہر طرح کی قبریں ہیں اور یہ قبرستان بھی بہت پرانا نہیں ہے، عیدگاہ بننے کے بعد ہی بنایا گیا تھا، جدھر توسیع ہونی ہے ادھر بھی نئی پرانی قبریں ہیں، اور توسیع ہونے کے بعد بھی جو جگہ بچے گی اس میں قبرستان رہے گا، تدفین کا عمل ہوتا رہے گا، گاؤں کے لیے ایک دوسرے قبرستان کا انتظام ہوگیا ہے، اکثر لوگوں کی تدفین وہیں ہونے لگی ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان حالات میں جبکہ قبرستان کا دوسری جگہ بھی نظم ہوگیا ہے، تدفین میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، اس عیدگاہ کے قریب والے قبرستان میں توسیع عیدگاہ کا کام کرالیا جائے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چونکہ دفن کے لیے دوسرا قبرستان موجود ہے، جہاں تدفین کا عمل اس کے مقابلے میں زیادتی کے ساتھ ہو رہا ہے، اور وہاں کے لوگ اس کو عیدگاہ میں شامل کرنے پر راضی ومتفق ہیں اور کوئی فتنہ وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہے تو عیدگاہ میں شامل کرلینا درست ہے، البتہ نئی قبروں کو اس وقت تک ہموار کرنے کی گنجائش نہیں ہے جب تک اس کے اندر کی میت کے مٹی ہوجانے کا ظن غالب نہ ہوجائے۔

ولو بلی المیت و صار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعه والبناء علیه. (ھندیه الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۱٦۷، جدید ۱/۲۲۸، تبیین الحقائق زکریا ۱/۵۸۹، امدادیه ملتان ۱/۲٤٦، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ص: ٦۱۲)

وأما المقبرة الداثرة إذا بنی فیها مسجداً لیصلی فیه فلم أر فیه بأسا،

لأن المقابر وقف، وكذا المسجد فمعناهما واحد. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥ تحت رقم الحديث: ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۹۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۴/ ۱۴۳۲ھ

قبرستان کی وقف شدہ زمین میں عیدگاہ بنانا

سوال [۷۸۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے گاؤں موضع اہرولی ضلع اعظم گڑھ میں ایک میرے خاندان کی مشترکہ زمین ہے جس کے کچھ حصے میں غیر معلوم زمانے سے کچھ لوگ مردوں کی تدفین کرتے تھے اور مابقیہ حصۂ زمین کو لوگ اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرتے تھے، مگر چند سال قبل خاندان مذکورہ کے جملہ افراد نے باتفاق رائے مابقیہ حصۂ زمین کو جس میں تا حال کوئی قبر نہیں ہے، قبرستان کو دیدیا، اور اس اضافہ حصے کے ساتھ پورے قبرستان کی گھیرا بندی کرادی، اور اس وقت پوری زمین قبرستان کے احاطے میں ہے اور اس کیفیت پر چند سال گذر جانے کے بعد خاندان مذکورہ کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ اس اضافی حصہ میں کوئی قبر نہیں ہے لہٰذا اس اضافی حصے میں عیدگاہ کی تعمیر کردی جائے اور خاندان مذکورہ ہی کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب ہم نے اس کو ایک بار قبرستان کے نام وقف کردیا تو وہاں عیدگاہ کی تعمیر کیونکر درست ہوسکتی ہے؟

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مابقیہ حصۂ زمین کو قبرستان کے لیے وقف کردینے کے بعد شرعی نقطۂ نظر سے اس میں عیدگاہ کی تعمیر ہوسکتی ہے؟

المستفتی: محمد ارشد القاسمی اہرولی اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو جگہ قبرستان کے لیے وقف کردی گئی ہے وہ

جگہ مالک کی ملکیت سے نکل چکی ہے اور وہ زمین قبرستان کی ہوگئی ہے اس جگہ کو عیدگاہ میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ جب تک اس جگہ پر تدفین کا سلسلہ شروع نہ ہو اس وقت تک کے لیے عارضی طور پر وہاں پر عید کی نماز پڑھنا جائز ہوگا، اس لیے کہ عید کی نماز سال بھر میں صرف دو مرتبہ پڑھی جاتی ہے، اور یہ نماز قبرستان کی زمین پر کنارے کھلی فضا پر کھیتی کی زمین پر کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہے، مگر عیدگاہ کے نام پر وقف کو منتقل کرنا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۰۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۶۳)

إن المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلايجوز استعماله في غيره. (عالمگيری مع حاشيه قديم ۲/ ۴۷۱، جديد زكريا ۲/ ۴۱۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۹۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۳/۶ھ

پرانے قبرستان کو جنازہ گاہ بنانا

سوال [۷۸۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک گاؤں میں چک بندی کے زمانے سے قبل ایک قبرستان ہے، لیکن اب اس قبرستان میں تقریباً تین سال سے گاؤں کی کوئی میت دفن نہیں ہوتی ہے، اب وہاں پر کسی قبر کا نشان بھی باقی نہیں ہے، کیونکہ میتوں کی تدفین کا سلسلہ جدید قبرستان میں ہو رہا ہے، پرانے قبرستان پر لوگ غاصبانہ قبضہ کر رہے ہیں، پھر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ پرانے قبرستان میں نماز جنازہ ہو جایا کرے کیونکہ میت کی نماز جنازہ کے لیے گاؤں میں کوئی جگہ نہیں ہے، تو کیا پرانے قبرستان میں نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟ ایسا جواب دیں جو مدلل اور باحوالہ ہو۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں نماز جنازہ کے لیے کوئی جگہ مخصوص کرلی جائے یا کوئی قبروں سے خالی جگہ ہو اور نماز پڑھتے وقت قبر سامنے نہ آتی ہو تو قبرستان

میں نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے، لہٰذا پرانا بوسیدہ قبرستان کہ جس میں قبروں کے نشان تک نہیں رہے، اس میں نماز جنازہ بلا تردد درست ہے۔

ولابأس بالصلاة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ولانجاسة ...... وأنها لا تكره في مسجد أعد لها وكذا في مدرسة ومصلى عيد. (طحطاوی علی المراقی، قدیم ص: ۳۲۶، دار الکتاب دیوبند ۱/ ۵۹۵، الدر مع الرد کراچی ۱/ ۳۸۰، زکریا ۲/ ۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۲)

ویران قبرستان میں وقتی طور پر قربان گاہ بنانا

سوال [۷۸۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پرانا قبرستان موجود ہے چک بندی کے اندر کچھ زمین قبرستان کے لیے ملی جو کہ پرانے قبرستان سے بالکل ملی ہوئی ہے اس لیے قبرستان کے اندر بھی کچھ قبر دیدی گئی ہے جبکہ زیادہ حصہ ابھی خالی ہے، اور قبرستان کی کچھ زمین بغل کے کھیت والے قبضہ کیے ہوئے ہیں اب سوال یہ ہے کہ اس گاؤں میں پہلے سے قربانی ہوتی ہے لیکن اس کے لیے کوئی مستقل جگہ نہیں ہے، بلکہ جہاں چاہا کر لیا لیکن اب حکومت اس کے لیے زمین مانگ رہی ہے کہ زمین دکھائیے کہ قربانی کہاں کریں گے، تو گاؤں والوں کے سامنے چند باتیں ہیں:

(۱) اتنی مالی حالت مضبوط نہیں ہے کہ مستقل کہیں زمین بڑے جانوروں کی قربانی کیلئے خرید لیں۔

(۲) اگر قربانی نہیں کرتے ہیں تو پھر حکومت بعد میں قربانی نہیں کرنے دے گی۔

لہٰذا گاؤں والے یہ سوچ رہے ہیں کہ جو زمین قبرستان کی خالی ہے اس میں یا پھر جو

لوگ قبضہ کیے ہوئے ہیں وہ زمین قبرستان کی کسی طرح ان لوگوں سے خالی کرا کے اوراس زمین کی چوہدی کرا کے باؤنڈری بنا کر کے اس میں قربانی کریں تو کیا اس زمین میں قربانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

اور قربانی کی کھال کی قیمت سے قربانی کی جگہ یا قربانی کی چوحدی کے لیے اینٹ وغیرہ لا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: برکت اللہ دیوریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لوگوں کے قبضہ کیے ہوئے حصہ کو ان سے چھڑوا کر اس میں قربان گاہ وقتی طور پر بنانے کی گنجائش ہے اور جب قبرستان کو اس کی ضرورت پڑے گی تو اس کو خالی کر کے قبرستان کو واپس کرنا ہوگا۔

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها ثم إن واحدا من أهل القرية بنى فيها بناء لوضع اللبن وآلات القبر و أجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا أهل القرية أو رضا بعضهم بذٰلک قالوا: إن كان فى المقبرة سعة بحيث لايحتاج إلى ذٰلک المكان فلابأس به و بعد ما بنى لو احتاجوا إلى ذٰلک المكان رفع البناء حتى يقبر فيه. (هنديه، الوقف، الباب الثانى عشر فى الرباطات والمقابر والخانات والحياض، زكريا قديم ٢/٤٦٧، جديد ٢/٤١٦)

(۲) قربانی کی کھال کی قیمت سے قبرستان کی چوحدی وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس پیسہ کو فقیر غریب کو صدقہ کردینا لازم ہے۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلک أو بدراهم تصدق بثمنه. (شامى، كتاب الأضحية، زكريا ٩/٤٧٥، كراچى ٦/٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۰۲/۳۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۱۱/۱۴۱۴ھ

قبرستان کی زمین میں لیٹرین کا گٹر بنانا

سوال [۷۸۰۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محلّہ قائم کی بیر مچھلی بازار میں ایک مکان ہے جس کے شمال میں قبرستان ہے اور کاغذات میں بھی قبرستان ہی درج ہے، اب مالک مکان اس قبرستان میں لیٹرین کا گٹر بنانا چاہتے ہیں جبکہ گٹر کے لیے گڑھا کھودا گیا ہے، تو وہاں پرانی قبریں نکلی ہیں اور ہڈیاں بھی اس کے باوجود گٹر بنانا چاہتے ہیں تو یہ گٹر بنانا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مالک مکان کے لیے اپنے لیٹرین کا گٹر قبرستان میں بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، نیز گٹر کی کھدائی میں میت کی ہڈیاں نکلنے کا بھی ذکر ہے، یہ میت اور اہل قبر کے ساتھ سخت بے حرمتی ہے، شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی ہے۔

فعلیٰ هذا ما ذكره أصحابنا في كتبهم من إن وطء القبور حرام وكذا النوم عليها ليس كما ينبغي فإن الطحطاوي هو أعلم الناس بمذاهب العلماء و لاسيما بمذهب أبي حنيفة ...... قلت لكن قد علمت أن الواقع في كلامهم التعبير بالكراهة لابلفظ الحرمة و حينئذ فقد يوفق بأن ما عزاه الإمام الطحاوي إلى أئمتنا الثلاثة من حمل النهي على الجلوس لقضاء الحاجة يراد به نهي التحريم. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب: في وضع الجريد و نحو الأس على القبور، زكريا ديوبند ۱۵۵/۳، كراچی ۲۴۵/۲، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دار الكتاب ديو بند ص: ۶۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۹۰/۳۷)	۱۴۲۵/۳/۱۲ھ

بوسیدہ قبرستان جو گندگی پھینکنے کا مرکز ہے اس کو کس کام میں لایا جائے؟

سوال [۷۸۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قبرستان جو گندگی پھینکنے کا مرکز بنا ہوا تھا، گندا پانی اس میں جمع ہو جاتا تھا، کئی بار اس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا مگر کچھ دن محفوظ رہا پھر وہی حالت شروع ہو گئی، اس کی حفاظت کسی طرح ممکن نہیں تھی، پھر محلّہ کے کچھ لوگوں نے اس کو بیچنے کا اعلان کر دیا لیکن کامیاب نہ ہوئے، پھر محلّہ کے دوسرے لوگوں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک چھوٹا مکتب بنا دیا جائے تاکہ چھوٹے چھوٹے بچے تعلیم حاصل کرتے رہیں، پھر سب کے مشورہ سے مدرسہ قائم کر دیا گیا، بنیادیں بھر کر ایک میٹر بھراؤ ڈلوا کر دیواریں کھڑی کر کے چھت ڈال دی گئی، اب اس میں ۲۵۰/ طلبہ تعلیم پاتے ہیں اب مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسی حالت میں اس جگہ مدرسہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کو اسی طرح گندگی ڈالنے کے لیے چھوڑ دیں جبکہ حفاظت اس کے علاوہ ممکن نہیں اور قریب ہے کہ لوگ اس میں گھر بنا لیں، اور جو لوگ قبرستان کو گندا کرتے ہیں یا وہاں کوئی کام کرتے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: نذیر احمد ڈڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جب قبرستان بالکل پرانا اور بوسیدہ ہو جائے اور اس میں دفن کا سلسلہ ختم ہو جائے تو پورے قبرستان میں یا اس کے بعض حصہ میں لوگوں کے ناجائز قبضہ کا سلسلہ شروع ہو جائے اور ایسے قبرستان میں مسجد یا مدرسہ بنا لینا چاہیے، تاکہ وقف کا قبرستان وقف ہی کے مصرف میں استعمال ہوتا رہے اور مسجد و مدرسہ بھی وقف ہی ہے اس لیے وہاں پر مسجد بنانا بھی جائز ہے اور مدرسہ بنانا بھی جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۴۳، محمودیہ قدیم ۱۴/ ۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۵۹)

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم:

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا وذٰلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

(۲) جولوگ قبرستان کو گندا کرتے ہیں اوراس میں دیگر غلط کام کرتے ہیں ان کا یہ فعل شرعاً ناجائز ہے، لہٰذا ان کواس سے باز آنا چاہیے۔

ولايجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة الداثرة فلو كان فيها حشيش يحش و يرسل إلى الدواب ولاترسل الدواب فيها. (البحر الرائق، الوقف، فصل فی أحكام المسجد، كوئٹه ٥/٢٥٤، زكريا ٥/٤٢٦، هنديه زكرياقديم ٢/٤٧١، جديد ٢/٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اَعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/۶۷۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۹ھ

قبرستان میں مسجد کا کمرہ بنا کر فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنا

سوال [۷۸۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسجد کے بغل میں کوئی قبر یا قبرستان ہے اس کے اوپر مسجد کے ذمہ دار حضرات نے ایک کمرہ بنایا ہے اوراس کمرہ میں بال وبچے کے ساتھ رہنا سہنا جبکہ قبر نیچے ہے کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر موقوفہ قبرستان میں ایسا ہورہا ہے، تو ناجائز

اور مکروہ تحریمی ہے۔

عن جابر قال: نهى رسول ﷺ أن يجصص القبر، و أن يقعد عليه، و أن يبنى عليه. (صحيح، مسلم، فصل في النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۱/۳۱۲، بيت الأفكار رقم: ۹۷۰)

ويكره أن يبنى على القبر أو يقعد عليه أو ينام أو يؤطا عليه أو يقضى عليه حاجة الإنسان من بول أو غائط. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز زكريا ۱/۵۸۷، امداديه ملتان ۱/۲٤٦، هنديه زكريا قديم ۱/۱٦٦، جديد ۱/۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۶)

صدیوں پرانی قبر کو برابر کر کے اس پر مکان تعمیر کرنا

سوال [۷۸۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے ایک آراضی خریدی اس آراضی میں ایک کافی زمانہ پرانی صدیوں عرصہ کی ایک قبر یعنی ہدیرہ ہے زید اس آراضی میں مکان بنانا چاہتا ہے اور وہ قبر (ہدیرہ) اندر آرہی ہے، تو زید اس قبر یعنی ہدیرہ کو مسمار کر کے اور اس کو ہموار کر کے بالکل نام ونشان مٹا کر اس پر اپنا مکان بنا سکتا ہے یا نہیں اور اس کو مسمار کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں اور زمین کا بیع نامہ داخل خارج نقشہ وغیرہ پاس اور منظور کرایا گیا ہے نگر پالیکا سے اور یہ قبر (ہدیرہ) بھی خرید شدہ آراضی میں موجود ہے جو کہ زید کی ملکیت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب وہ قبر پرانی ہے اور صاحب قبر کے اجزاء کا مٹی بن جانے کا ظن غالب ہے تو مالک زمین کو پختہ قبر کو ختم کر کے زمین کو ہموار کر کے اس پر تعمیر کرنا جائز اور درست ہے۔

وإذا بلی المیت وصار ترابا یجوز زرعه والبناء علیه. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الأس علی القبور، زکریا ۳/۱۵۵، ۱۴۵، کراچی ۲/۲۴۵، ۲۳۸، ۲۳۳، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲۴۶ زکریا ۱/۵۸۹، البحر الرائق ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۳۴۳۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۴/۱۴۱۴ھ

مملوکہ زمین میں ساٹھ سالہ پرانی قبر پر تعمیر کرنا

سوال [۷۸۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک رہائشی مکان میں ۱۹۵۰ء میں مکان مالک کے انتقال ہونے پر ان کی تدفین اسی مکان میں اس وجہ سے کردی گئی کہ اس وقت شہر میں کرفیو لگا ہوا تھا ان کے وارثین سے وہ مکان تقریباً ۱۹۴۰ء میں میرے والد سخاوت اللہ مرحوم نے خرید لیا تھا، وہ قبر آج بھی پکی حالت میں موجود ہے، میں اپنے مکان کی تعمیر نو کرانے جارہا ہوں، کیا میں اس قبر پر کمرہ وغیرہ بناسکتا ہوں استعمال کرسکتا ہوں، اس کی کیا صورت ہوگی، اب تقریباً ساٹھ سال پرانی قبر ہوچکی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی مملوکہ زمین میں جو پچاس ساٹھ سالہ قبر ہے اس قبر کو برابر کرکے رہائشی کمرہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز اور درست ہے۔

وإذا بلی المیت وصار تراباً یجوز زرعه والبناء علیه. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة قبیل مطلب فی وضع الجرید و نحو الأس علی القبور زکریا ۳/۱۵۵، ۱۴۵، کراچی ۲/۲۴۵، ۲۳۸، ۲۳۳، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/۲۴۶ زکریا ۱/۵۸۹، البحر الرائق ۲/۱۹۵، زکریا ۲/۳۴۲)

ولو بلی المیت و صار ترابا جاز ...... والبناء علیه. (هندیه، الباب

الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، زکریا قدیم ۱/۱٦۷، جدید ۱/۲۲۸، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/٢٤٦، زکریا ۱/٥٨٩، البنایة اشرفیه دیو بند ۳/۲٥۳)

کل یتصرف فی ملکه ما شاء. (شرح المجلة رستم اتحاد ۱/٦٥٤، رقم المادة: ۱۱۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۰۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۳/۴ھ

زیر ملکیت قبرستان کو اپنی ضرورت میں صرف کرنا

سوال [۷۸۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے اپنے دادا کو اپنی زمین میں دفن کیا تھا، جس کو کافی عرصہ ہو گیا اب ہم اس زمین کو تقسیم کر رہے ہیں اور دادا کی قبر راستہ اور کچھ بنیاد کے نیچے آرہی ہے، اس طویل عرصہ میں قبر کافی خستہ اور بوسیدہ ہو چلی ہے، کیا ایسی صورت میں اس قبر کو راستہ میں لا سکتے ہیں یا نہیں، شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زمین آپ کی ملکیت ہے اور قبر اتنی پرانی اور بوسیدہ ہو چکی ہے کہ جس سے میت کے مٹی ہو جانے کا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں مالکان زمین اس کو برابر کر کے اپنی ہر ضرورت (راستہ، تعمیر، کھیتی وغیرہ) میں استعمال کر سکتے ہیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/۳۲۱، ۱۰/۳۰۳، ۷/ ۲۳۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۹۱، ۳۷۴، ۳۸۰)

جاز زرعه و البناء عليه إذا بلى الميت و صار ترابا. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زکریا ۳/١٤٥، کراچی ۲/۲۳۸، البحر الرائق کوئٹه ۲/۱۹٥، زکریا ۲/٣٤٢، تبیین الحقائق امدادیه ملتان ۱/٢٤٦، زکریا ۱/٥٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۳۰۳)

قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا

سوال [۷۸۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک آراضی قبرستان کی ہے وہاں موجودہ قبریں ہیں زید نے قبرستان کے اندر کئی تنور کھدوائی اور آگ جلا کر دیگیں بھی پکائی گئیں، تنور کھودتے وقت ہڈیاں وغیرہ بھی نکل آئیں ان کو دفن کر دیا گیا۔

(۲) زید نے وہاں شامیانے کرسی وغیرہ لگا کر لوگوں کے کھانے کا نظم بھی کیا خوب چلت پھرت بھی ہوئی کیا قبرستان کے اندر اس طرح کے پروگرام کرنے کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی آراضی کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، لہٰذا وہاں تنور کھدوا کر دیگیں پکانا شامیانے اور کرسی وغیرہ لگا کر لوگوں کے کھانے کا نظم کرنا اور چلنا پھرنا جائز نہیں ہے، ایسے لوگوں کو توبہ کرنا چاہیے اور آئندہ کے لیے ایسے کام نہ کرنے کا عہد کر لینا چاہیے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۶/ ۴۷۶، ۲/ ۴۲۱، ۷/ ۲۴۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۹۵، ۳۹۳، ۳۹۴، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۲، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۳)

عن جابر قال: نهى رسول ﷺ أن يجصص القبر، و أن يقعد عليه، و أن يبنى عليه. (صحيح مسلم، فصل في النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، بيت الأفكار، رقم: ۹۷۰)

وعن أبي حنيفة رحمة الله تعالىٰ أنه يكره أن يبنى عليه بناء من بيت أو قبة أو نحو ذٰلك لما مر من الحديث آنفا، و كذا يكره وطئه والجلوس عليه كذٰلك. (كبيري قديم، فصل في الجنائز ص: ۵۵۵ لاهور ص: ۵۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۱۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۵/ ۱۴۲۷ھ

قبرستان کی جگہ پر اپنا کارخانہ بنانا

سوال [۷۸۱۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قبرستان کی حدود میں پانچ قبریں بنی ہوئی تھیں، ایک شخص نے ان قبروں کو ہموار کرکے عین اسی جگہ پر اپنا ذاتی کارخانہ تعمیر کرلیا اور اس کی آمدنی اپنے ہی مصارف میں استعمال کرتا ہے اس شخص کا یہ عمل شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

المستفتی: وصی الدین میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص خود قبرستان کا مالک نہیں ہے اس کا قبرستان کے کسی بھی حصہ کو ذاتی استعمال میں لگانا جائز نہیں ہے وہاں کے سربرآوردہ لوگوں پر لازم ہے کہ وہاں سے کارخانہ ہٹا کر اس جگہ کو قبرستان میں شامل کریں اور اگر دفن کا سلسلہ وہاں ختم ہو چکا ہے، تو اس جگہ کو مسجد یا دینی مدرسہ کے کام میں لگالیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۱۲۲)

عن أبی حرۃ الرقاشی عن عمه أن رسول الله قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (شعب الإیمان للبیهقی، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة بیروت ۴/۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلاسبب شرعی الخ. (قواعد الفقه اشرفی ص: ۱۱۰، رقم: ۲۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۶ھ

قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنے، لکڑیاں ڈالنے، وغیرہ کا حکم

سوال [۷۸۱۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: قبرستان کی جگہ پر قبضہ کرنا اورقبروں پرلکڑیاں ڈالنا اور مکان بنانا اور مویشی باندھنااور قضاءحاجت کرنا اورقبروں پرقوالیاں کرانا کیسا ہے؟

المستفتی: مسعوداحمد خاں کاش گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی جگہ پرقبضہ کرنا قبروں پرلکڑیاں ڈالنا، مکان بنانا، مویشی باندھنا، اورقضاءحاجت کرنا نیزقبروں پرقوالیاں کرانا یہ سب اعمال ناجائز ہیں، اہل محلّہ پرلازم ہے کہ قبرستان کوایسےلوگوں سے پاک کریں اوراگرگنجائش ہوتوسب مل کرقبرستان کی چہار دیواری کردیں تا کہ قبرستان دوسروں کے ناجائز قبضہ سے محفوظ ہو جائے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۳۸۳/۱۵)

عن جابر قال: نهى النبي ﷺ أن تجصص القبور وأن يكتب عليها، و أن يبنى عليها، و أن توطأ. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی کراهية تجصيص القبور و الكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دار السلام، رقم: ۱۰۵۲)

عن ابن مسعود يقول: لأن أطأ على جمرة أحب إلى من أن أطأ على قبر رجل مسلم. (المعجم الكبير للطبرانی، دار إحياء التراث العربی ۹/ ۳۲۱ رقم: ۹۶۰۵)

وكره وطؤها بالأقدام. (حاشية الطحطاوی عن مراقی الفلاح، دار الكتاب ديوبند ۶۲۳)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه أو يقضى عليه حاجته. (الفتاویٰ التاتارخانية، الفصل الثانی الثلاثون، الجنائز، القبر والدفن، زكريا ۳/ ۷۳، رقم: ۳۷۴۰، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ۳/ ۹۴، رقم: ۲۴۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۱۷۰/۴۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۶ھ

قدیم قبرستان کوطعام گاہ بنانا

سوال [۷۸۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک قبرستان میں تقریباً پچاس سال سے کوئی میت دفن نہیں ہوئی وہاں میز، کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا صحیح ہے یا غلط؟ جس پر لوگ کرکٹ وغیرہ بھی کھیلتے ہیں اور جہاں پر لوگ مٹی اور روڑہ ڈالتے ہیں لیکن اس جگہ کو لوگ کھانا کھلانے میں استعمال کو غلط قرار دیتے ہیں، اور نقطہ چینی کرتے ہیں جبکہ محلّہ میں کوئی بھی اتنی بڑی جگہ نہیں ہے جسے کھانا کھلانے کے لیے استعمال کیا جاسکے، وہاں کھانا پکوانا نہیں ہے، صرف کھانے کے استعمال میں لانا ہے، لہٰذا مجبوری کے تحت اس جگہ کو استعمال کرنے کا خیال کیا گیا ہے تو اس جگہ کو استعمال کرنا صحیح ہے یا غلط؟

المستفتی: محمد طاہر سیفی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کو کھانا کھلانے وغیرہ کے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ قبرستان قدیم کیوں نہ ہو، اگر اس میں دفن کا سلسلہ بند ہوگیا ہے تو وہاں پر مسجد یا مدرسہ بنا کر دینی کام کا سلسلہ جاری کردینا چاہیے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين، واجبة زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۵۵)

پرانے قبرستان کو شادی ہال بنانا

سوال [۸۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے محلّہ کے پاس میں ایک جگہ پڑی ہوئی ہے اور ایک کونے میں مٹی کا ڈھیر لگا ہوا ہے لوگ اس کو حظیرہ سمجھ رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبرستان ہے، لیکن تقریباً سو سال سے وہاں کوئی دفن ہوتے ہوئے نہیں دیکھا گیا جس میں کچھ زمین پڑوسی کسانوں نے جوت لی ہے، اور باقی پر بھی قبضہ کرنے کا اردہ ہے اور وہاں پر کچھ لوگ کوڑا گوبر وغیرہ بھی

ڈالتے ہیں، اور وہاں پرنالی کا گندہ پانی بھی جارہا ہے، اب سارے اہل محلّہ کا مشورہ یہ ہے کہ اپنے روپئے سے اس جگہ کو ۵؍فٹ بھراؤ ڈال کر ہال بنادیا جائے جس کی آمدنی مدرسہ کو دی جائے گی، اور مدرسہ میں بیرونی طلبہ کے لیے کھانے کا بھی انتظام ہے، آیا اہل محلّہ ایسا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: انور حسین، سرائے سنبھل مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جس جگہ کا ذکر سوالنامہ میں ہے، وہ پرانے زمانے کا قبرستان ہے، اب اگر محلّہ کے لوگ متفق ہوجاتے ہیں اور وہاں دفن کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو اس زمین پر شادی ہال بنانا تو جائز نہ ہوگا البتہ مسجد یا مدرسہ کی عمارت بنانا جائز ہے اس لیے کہ جس طرح قبرستان وقف کا ہوتا ہے اسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف کا ہوتا ہے۔

هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا وذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۱ھ

بوسیدہ قبرستان میں شادی ہال اور ہسپتال بنانا

سوال [۷۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے شہر میں ایک پرانا قبرستان ہے جو پچھلے کئی سالوں تقریباً ۵۶؍سال سے بند ہے، جہاں اب تدفین نہیں ہوتی ہے، اکثر قبریں منہدم بھی ہوگئی ہیں جن کے نشانات باقی نہیں رہے ساتھ ہی کچھ قبریں پکی بھی ہیں جو باقی ہیں، مقامی لوگوں کے قول کے مطابق یہاں کچھ بزرگوں کے مزارات موجود ہیں، یہ وقف کی جائیداد ہے اس قبرستان کی زمین پر نگراں کمیٹی ہے جس نے ایک حصہ پرشادی ہال (میرج گارڈن) بنایا ہے اور اس شادی ہال کو ایک غیر مسلم کو ٹھیکے پر دے دیا ہے جس پر غیر مسلم شادی ودیگر پروگراموں میں ناچ گانے باجے ڈھول بجاتے ہیں جبکہ وہاں مسلمانوں کی قبریں ہیں، اسی نگراں کمیٹی نے دوسرے حصہ پر ایک ہسپتال بنایا، جس میں مسلم غیر مسلم کا علاج ہوتا ہے، اسی قبرستان کے زمین کے کونے میں پوجا پاٹ بھی کرتے ہیں ساتھ ہی شراب خوری بھی ہوتی ہے اس زمین کے نیچے حصہ پر ۲۶؍دوکانیں بنا کر مسلم غیر مسلم کو اجرت پر دی ہیں اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

(۱) کیا قبرستان کی زمین پر شادی ہال (میرج ہال) بنانا اور غیر مسلم کو کرایہ پر دینا اس پر ناچ گانے باجے، ڈھول تاشہ بجانا، ہون کونڈ پوجا پاٹ وشراب خوری کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور اس زمین پر بنے شادی ہال کا بنانا جائز ہے یا شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) قبرستان کی زمین پر ہسپتال بنانا جائز ہے یا اس کا شرع میں کیا حکم ہے؟

(۳) قبرستان کی زمین پر بنی دوکانوں کا مسلم اور غیر مسلم کو اجرت پر دینا جائز ہے یا شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

(۴) مذکورہ میرج ہال کو مندرجہ بالا لہولعب اور تمام حرام خرافات کے ساتھ باقی رکھا جائے گا یا منہدم کیا جائے گا، شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: انتظامیہ کمیٹی کڑھاؤ گھاٹ اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وقف کا قبرستان ہے اور قبرستان بوسیدہ ہو چکا ہے تو اس میں نہ شادی ہال بنانا جائز ہے اور نہ ہی ہسپتال بنانا ، ہاں البتہ اس میں مسجد بنانا یا قرآن وحدیث کی تعلیم کے لیے مدرسہ بنانا جائز ہے، اس لیے کہ مسجد اور مدرسہ بھی از قبیل اوقاف ہیں جو واقف کی غرض کے مطابق ہے، اور مسجد اور مدرسہ کا ثواب واقف کو ملتا رہے گا اور شادی ہال اور ہسپتال از قبیل اوقاف نہیں ہوتے ہیں نیز شادی ہال میں طرح طرح کی خرافات بھی ہوتی ہیں، اس لیے جائز نہیں ہے لہٰذا شادی ہال یا ہسپتال کے نام سے جو عمارت بنائی گئی ہے اسے مسجد یا دینی مدرسہ میں تبدیل کردینا چاہیے، اور جو دوکانیں بنی ہوئی ہیں ان دوکانوں کو مسجد یا مدرسہ کی آمدنی کے لیے متعین کردینا چاہیے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب: مراعاة غرض الواقفين واجبة، زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلک بأسا و ذٰلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه لأحد. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨، هكذا فی فتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بيروت ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر رجب المرجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۱۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/ ۸/ ۱۴۳۴ھ

قبرستان کے اوپر لینٹر ڈال کر روڈ بنانا اور بدلے میں دوسری زمین لینا

سوال [۷۸۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دہلی لکھنؤ روڈ کی توسیع ہو رہی ہے جس میں فور لائن کی سڑک بن رہی ہے اس میں مسلمانوں کے قبرستان کا کچھ حصہ آرہا ہے، حکومت چاہتی ہے کہ قبروں کے اوپر کچھ اونچائی سے سڑک بن جائے اور قبریں جوں کی توں محفوظ رہیں کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو قبرستان روڈ کی توسیع کی وجہ سے روڈ کے درمیان آ گیا ہے اس قبرستان کو اس کی حالت پر باقی رکھ کر اوپر سے لینٹر ڈال کر روڈ بنایا جائے اور مسلمانوں کو اس کے بدلے دوسرا قبرستان دیدیا جائے تو شرعاً مجبوری میں اس کی گنجائش ہے۔

أرض الوقف إذا غصبها غاصب و أجرى عليها الماء حتى صارت بحرا لا تصلح للزراعة يضمن قيمتها، و يشترى بها أرضا أخرىٰ فتكون وقفا مكانها، وكذا أرض الواقف إذا قل نزلها بحيث لا تحتمل الزراعة ولا تفضل غلتها عن مؤنتها ويكون صلاح الأرض فى الاستبدال بأرض أخرىٰ، و إن كان لا كذٰلک، بل اتفق أنه أمكن أن يوخذ بثمن الوقف ماهو خير منه مع كونه منتفعا به . (اعلاء السنن، كتاب الوقف باب يجوز وقف العقار والدور ...... كوئٹه ۱۳/ ۱۶۱، دار الكتب العلمية لبنان ۱۳/ ۱۸۷، ۱۸۸ تحت رقم الحديث ۴۵۲۸، الولو الجية دار الايمان ۳/ ۹۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/ ۱۹۵)

قال إذا ضعفت الأرض الموقوفة عن الاستغلال و القيم يجد بثمنها أرضا أخرىٰ هو أنفع للفقراء وأكثر ريعا كان له أن يبيع هذه الأرض و يشترى بثمنها أرضا أخرىٰ جوز رحمه الله استبدال الأرض بالأرض. (قاضيخان، الوقف، باب الرجل يجعل داره مسجدا ...... زكريا جديد ۳/ ۲۱۰، قديم ۳/ ۳۰۰، بزازيه زكريا جديد ۳/ ۱۳۴، و على هامش الهندية ۶/ ۲۵۴، المحيط البرهانى المجلس العلمى ۹/ ۲۵ رقم:

۱۱۰۱۹، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ۸/۶۳ رقم: ۱۱۲۱۵، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ۲/۵۷۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۱۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۲/۴۰)

قبروں کو مٹا کر پختہ راستہ بنانا

سوال [۷۸۱۹]: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی قبروں پر پختہ راستہ بنا کر ان کا نشان مٹایا جائے اور اس راستہ پر مستقل طور پر چلا جائے تو یہ عمل شرعاً کس حدتک جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان کی قبروں کے نشانات مٹا کر اس پر پختہ راستہ بنانا اور مستقل گذر گاہ بنالینا ناجائز ہے، ایسا کرنے والے سب گنہگار رہوں گے، مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس حرکت سے لوگوں کی روک تھام کریں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۰، ۷/۱۳۴، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۸، ۵۲۰)

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، و أن يكتب عليها وأن يبنى عليها و أن تؤطأ. (سنن الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دار السلام، رقم: ۱۰۵۲)

ويكره أن يبنى على القبر أو يقعد عليه أو ينام عليه أو يوطأ عليه. (هنديه، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس، زكريا جديد ۱/۲۲۷، قديم ۱/۱۶۶، تبيين الحقائق امداديه ملتان زكريا ۱/۵۸۷، امداديه ملتان ۱/۲۴۶)

فعلى هذا ما ذكره أصحابنا فى كتبهم من وطء القبور حرام. (شامى، قبيل مطلب: فى وضع الجريد ونحو الأس على القبور، كوئٹه ۱/۶۶۷، كراچى ۲/۲۴۵،

زکریا ۳/ ۱۵۵، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ۶۲۳)

ویکره القعود علی القبر، ولو وجد طریقا فی المقبرة وهو یظن أنه طریق أحدثوا لایمشی فی ذٰلک. (قاضیخان زکریا جدید ۱/ ۱۲۲، و علی هامش الهندیة ۱/ ۱۹۵)

یکره المشی فی طریق ظن أنه محدث حتی إذا لم یصل إلی قبره إلا بوطء قبر ترکه. (الدر مع الرد کراچی ۲/ ۲۴۵، زکریا ۳/ ۱۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۴۷)

پختہ راستہ بناتے وقت قبر آجائے تو کیا کریں؟

سوال [۷۸۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی جگہ قبرستان ہے، پختہ راستے توڑنے پر قبر کا نشان یا گڑھا یا تختے وغیرہ پائے جائیں تو اس جگہ قبر بنائی جائے یا راستہ پختہ بنا دیا جائے، شرع کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس جگہ اگر گزرگاہ وغیرہ بن جانے کا خطرہ ہو تو قبر کا نشان بنا دینا بہتر ہے۔

عن جابر قال: نهی رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، و أن یکتب علیها وأن یبنی علیها و أن تؤطأ. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة تجصیص القبور و الکتابة علیها، النسخة الهندیة ۱/ ۲۰۳، دار السلام رقم: ۱۰۵۲)

کره وطؤها بالأقدام لما فیه من عدم الاحترام. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح قدیم ۱/ ۳۴۲، دار الکتاب دیوبند ۱/ ۶۲۳، شامی زکریا ۳/ ۱۵۵، کراچی ۲/ ۲۴۵) **فقط واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۴۷)

قبرستان عامہ کی چہار دیواری توڑ کر لب سڑک دوکان بنانا

سوال [۷۸۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شہر روڑ کی آبادی کے اعتبار سے ایک بڑی جگہ ہے، مسلمان اچھی تعداد میں آباد ہیں، اس شہر میں صرف ایک قبرستان ہے، شہر کے پورے مردے اس میں دفن ہوتے ہیں، اس کی جانب جنوب ایک پختہ ڈامر کی سڑک ہے اور قبرستان کی یہ جانب اپنی حد سڑک سے چند فٹ کے فاصلہ پر دیوار سے جو کہ قد آدم ہے محفوظ ہے، اور یہ دیوار کچھ دن پہلے منتظمین نے عام مسلمانوں کے تعاون سے تعمیر کی تھی، اور قبرستان کے اس حصہ سے متعلق نہ کوئی جھگڑا ہے اور نہ ہی دیوار سے محفوظ ہونے کی بنا پر حکومت یا اغیار کے قبضہ کا بظاہر کوئی خوف ہے اور اکثر قبرستان وعیدگاہ وغیرہ ہندوستان میں چہار دیواری سے محفوظ ہیں اور صاف سی بات ہے کہ قبرستان کو کسی آمدنی کی بھی ضرورت نہیں ہوا کرتی، اگر چہ وقتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اس قبرستان کو آم کے درختوں کے پھلوں سے بھی آمدنی ہوتی ہے اور اگر نہ بھی ہو تو ان کو عمومی چندہ سے بہت آسانی سے پورا کیا جاسکتا ہے جس کی مثالیں یہاں پر موجود ہیں، ان حالات میں جنوب کی جانب لب سڑک قبرستان کی دیوار کو توڑ کر اس دیوار سے اندر کی جانب جس میں پرانی قبریں بھی ہیں اگر بالفرض محال نہیں ہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ قبرستان کے اس حصہ میں آئندہ قبریں بنائی جاسکتی ہیں، منتظمین قبرستان اس جگہ پر تقریباً تیس دوکانوں کا منصوبہ بنا کر تعمیر شروع کریں تا کہ ان کے کرایہ سے آمدنی حاصل ہوسکے، بقول منتظمین قبرستان کے فنڈ میں پیسہ بھی نہیں ہے، یہ تعمیر قرض لے کر یا پیشگی کرایہ حاصل کر کے پوری کی جائے گی جس سے بلا وجہ قبرستان پر قرض کا بار بھی ہوجائے گا، جبکہ قبرستان کا شرعی مقصد اور منشاء ومصرف مردوں کا دفن کرنا ہے نہ کہ مارکیٹ بنانا۔

لہٰذا شریعت کی روشنی میں بتلایا جائے کہ منتظمین کا ان دوکانوں کی تعمیر کا منصوبہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بعض لوگ علماء سے معلومات کرنے کے بعد اس تعمیر میں رکاوٹ کر رہے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور اگر نا جائز ہے تو ایسی تعمیر کرنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیونکہ بنیاد وغیرہ کی کھدائی پر مردوں کی ہڈیاں وغیرہ بھی نکلی ہیں جس

سے مردوں کی بے حرمتی معلوم ہوتی ہے، ان دوکانوں سے ہونے والی آمدنی کو کیا کسی دوسرے وقف یعنی مدرسہ، مسجد، مسافر خانہ، پر خرچ کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: عبدالرحیم روڑکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان موقوفہ برائے دفن میں غرض واقف کے خلاف دوکانیں تعمیر کرنا ناجائز ہے، قبروں کی ضرورت کے لیے دوکانوں کو توڑکر اس پر شرعاً قبریں بنائی جاسکتی ہیں، جولوگ علماء سے معلومات کرکے رکاوٹ ڈال رہے ہیں وہ حق پر ہیں، تعمیر کرنے والے ناحق، ناجائز کام کررہے ہیں، نیز جو انتظامیہ غرض واقف اور حکم شرع کے خلاف کرے اس کو معزول کرکے دوسری انتظامیہ قائم کرنا لازم ہے، اس کی آمدنی مسجد، مدرسہ، مسافر خانہ پر صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۵۸۷)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، کوئٹه ۳/٤٦٤، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة و أقبروا فيها (إلى قوله) وبعد ما بنى لواحتاجوا إلى ذلک المکان رفع البناء حتى يقبر فيه. (فتاویٰ قاضيخان، الوقف، فصل فی المقابر والرباطات، زکریا جديد ۳/۲۱۹، وعلى هامش الهندية ۳/۳۱۳، هنديه زکريا قديم ۲/٤٦۷، جديد ۲/٤۱٦)

وإنما تثبت ولاية الاستبدال بالشرط وبدون الشرط لا تثبت. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/۱۹۸)

ولايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز. (الدرمع الرد، مطلب: شروط المتولی کوئٹه ۳/٤۲۱، کراچی ٤/۳۸۰، زکريا ٦/٥۷۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۵۰)

۶ باب المساجد

مسجد کا محافظ کون اور مسجد شرعی کی حد

سوال [۸۸۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:(۱) اللہ کیلئے مسجد بنائی جاتی ہے، مسجد کا محافظ کون ہے مسلمان؟

(۲) مسجد میں پاخانہ، پیشاب گھر کیوں ہے، کسی مسجد میں پاخانہ پیشاب گھر اوپر اور کسی مسجد میں نیچے ہے؟

المستفتی: ریاض الدین شیدی سرائے مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:(۱) مسجد اللہ کا گھر ہے اس کا حقیقی محافظ بھی وہی ہے۔

﴿وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ. [الجن: ۱۸]﴾

لیکن مسجد کی حفاظت جبھی ہوسکتی ہے جب اس میں پانچوں وقت نماز پڑھی جائے اور اس کو آباد رکھا جائے۔

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ. [التوبہ: ۱۸]﴾

مسجد کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں، وہی محافظت کرتے ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

(۲) مسجد شرعی وہ ہے جو جماعت خانہ کے حدود میں ہے جہاں تک صفیں بچھائی جاتی ہیں یا صفوں کے نشان بنائے جاتے ہیں یا مسجد کی تعمیر کرنے والوں نے جہاں تک حدود مسجد میں داخل کرنے کا ارادہ کرلیا ہے اس حدود کے اندر وضو خانہ، پیشاب خانہ، بیت الخلاء وغیرہ کسی قسم کا تصرف جائز نہیں ہے اور اس حدود سے باہر وضو خانہ غسل خانہ، پیشاب گھر،

بیت الخلاء، امام ومؤذن کے کمرے وغیرہ کوئی بھی چیز بنانا جائز ہے، نیچے کی منزل میں بھی جائز ہے اوپر کی منزل میں بھی جائز ہے، لیکن آپ کا سوال واضح نہیں ہے کہ بیت الخلاء، پیشاب گھر کس حصہ میں بنانے کے متعلق سوال ہے اگر شرعی مسجد کے حدود سے باہر ہے تو جائز ہے، آپ کا شبہ کرنا درست نہیں ہے۔

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أى المسجد جاز. (در مختار، الوقف، مطلب فى أحكام المسجد، زكريا ٦/٥٤٧، كراچى ٤/٣٥٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٢٠٢، مجمع الانهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٤، قديم ١/٧٤٧)

وفى تقريرات الرافعي تحت قول لمصالحه: ليس بقيد بل الحكم كذلك إذا كان ينتفع به عامة المسلمين على ما أفاده فى غاية البيان.

(الرافعى فى آخر الشامى، زكريا ٦/٨٠، كراچى ٤/٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

مسجد کی حفاظت کا ذمہ دار کون؟

سوال [۷۸۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں اب بابری مسجد تحریک نے ایک پیچیدہ صورت اختیار کرلی ہے کیونکہ بعض نام نہاد مسلمانوں نے اس سے اختلاف کرنا شروع کردیا ہے جس کی بنا پر عام مسلمانوں میں مختلف شبہات پیدا ہورہے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو بابری مسجد کی حفاظت کے لیے احتجاج اور مظاہرے کرنا اور اس کی حفاظت کے لیے میدان عمل میں آنا من حیث المذہب ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد خان جمالی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی حفاظت تمام مسلمانوں پر فرض ہے البتہ لڑنا جھگڑنا اور فتنہ برپا کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کی صیانت و حفاظت کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرنا اور حکومت ہی سے احتجاج کرنا لازم ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مکتوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلَاةَ.﴾ [التوبہ: ۱۸] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۳)

موجودہ زمانے میں کسی مسجد کو مسجد حرام یا مسجد اقصیٰ یا مسجد نبوی سے موسوم کرنے کا حکم

سوال [۷۸۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد ثلاثہ (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) کے ناموں پر کسی اور مسجد کا نام بھی رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ٹانڈہ بادلی میں مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کا نام مسجد اقصیٰ رکھا گیا ہے بعض حضرات کو اس نام پر اعتراض ہے اس لیے کہ مساجد ثلاثہ کی فضیلت اور خصوصیت ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ نام باقی رکھا جائے یا اس کو تبدیل کیا جائے؟

المستفتی: جلیس احمد ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً اس نام میں جواز کی گنجائش ہے لیکن اس طرح عام مساجد کے نام رکھنے سے عام لوگوں کے دلوں میں مساجد ثلاثہ کی جو عظمت ہے اس میں آہستہ آہستہ خفت ہو جائے گی مثلاً جس مسجد کا نام مسجد اقصیٰ رکھا جائے اس کے قرب لاشعور بچے جن کے کانوں میں عنفوان حواس سے محلّہ کی مسجد کے لیے مسجد اقصیٰ کا لفظ پڑتا

رہے گا، تو بعد میں عاقل بالغ ہونے پر جب اہل مسجد اقصیٰ کا نام آئے گا تو وہ عظمت دلوں میں نہیں ہوگی، جو ہونا چاہیے تھی، اس لیے ایسا نام رکھنا بہتر نہیں ہے فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ شوال المکرّم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۱۹)

حرم میں نماز پڑھنے کی فضیلت کہاں کہاں ہے؟

سوال [۷۸۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ جو حدیث میں ہے کہ بیت اللہ پر روزانہ ایک سوبیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ان میں سے چالیس بیت اللہ میں نماز پڑھنے والوں کے لیے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ حرم شریف میں کہیں بھی نماز پڑھیں تو ان نیکیوں کے حقدار ہوں گے یا خاص خانۂ کعبہ کے اندر یا حطیم میں نماز پڑھنے پر یہ نیکیاں ملیں گی؟

المستفتی: انیس احمد نہٹور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث مبارک میں جو چالیس رحمتیں بیت اللہ میں نماز پڑھنے والوں کے لیے ذکر کی گئی ہیں وہ حدیث شریف اپنی جگہ درست ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ: ينزل الله على أهل المسجد مسجد مكة كل يوم عشرين و مأة رحمة، ستين منها للطائفين، و أربعين للمصلين وعشرين منها للناظرين. (المعجم الأوسط، دار الفكر ٤/ ٣٨١، رقم: ٦٣١٤، وهكذا فى الترغيب و الترهيب للمنذرى ٢/ ١٢٢، رقم: ١٧١٤)

حرم شریف میں کہیں بھی نماز پڑھنے سے یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی، خواہ حطیم کے اندر نماز پڑھے یا اس کے باہر نماز پڑھے، اس لیے کہ حطیم اور اس سے خارجی حصہ سب ہی

مسجد حرام کے حدود میں داخل ہیں اس لیے کہ اس میں خانہ کعبہ کے اندر کا حصہ مراد نہیں ہے، بلکہ مسجد حرام اور مطاف مراد ہے، اس لیے کہ نماز کی جگہ مسجد حرام ہی ہے اور کعبۃ اللہ کے اندر کا حصہ تو قبلہ ہے یہ الگ بات ہے کہ کعبۃ اللہ کے اندر بھی نماز جائز ہے۔

لما كان الاعتبار للتسمية عندنا لم يختص ثواب الصلاة في مسجده عليه الصلاة و السلام بما كان في زمنه. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب: ما زيد في المسجد النبوى هل يأخذ حكمه زكريا ۲/۱۰۷، كراچی ۱/٤٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۳۲/۳۸)

کیا حرمین شریفین میں نماز کی فضیلت عورتوں کے لیے بھی ہے؟

سوال [۷۸۲٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ آیا ہے اس میں مرد اور عورت باہم شریک ہیں، یا صرف مرد کو ہی ثواب ملے گا جیسا کہ خطباب حکیم الاسلام میں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کے بارے میں علامہ منذری نے الترغیب والترہیب میں یہی لکھا ہے کہ حرمین شریفین میں نماز کی جو فضیلت آئی ہے وہ مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں اس میں شامل نہیں ہیں بلکہ ان کا اپنے گھروں اور قیامگاہوں میں نماز ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔

إن قول النبي ﷺ صلاة في مسجد النبي ﷺ تعدل ألف صلاة في غيرها من المساجد إنما أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۲/۸۱٤، ۸۱۵، رقم الباب: ۱۷۷)

اور علامہ شامی نے نقل فرمایا ہے کہ پورے حدود حرم اور حدود مکہ اور حدود مدینہ منورہ

میں سے کہیں نماز ادا کی جائے تو فضیلت حاصل ہو جائے گی، لہٰذا منذری وغیرہ نے جو عورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے یہ باقاعدہ مسجد حرام میں جاکرادا کرنے سے استثناء ہے، مگر حدود حرم میں اپنی قیامگاہ میں فضیلت کا استثناء نہ ہوگا۔

بـل المشهور عند أصحابنا أنه يعم جميع مكة بل جميع حرمها الذى يحرم صيده. (شامی، كتـاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها مطلب: فى أفضل المساجد، زكريا ۲/ ۴۳۲، كراچى ۱/ ۶۵۹)

اور اپنی قیامگاہ میں بےحجابی اور فتنہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے اور مسجد میں جانے میں خطرہ ہے۔

مامن مصلى للمرأة خير من بيتها إلا فى حج أو عمرة إلا امرأة قد يئست من البعولة. (مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۲/ ۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲۰؍ شوال المکرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳۵۱/۲۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۰/۲۰ھ

کعبۃ اللہ کے چاروں طرف کا مطاف اور مسقّف عمارت بھی مسجد حرام ہی ہے

سوال [۷۸۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت مفتی سعید احمد صاحب نے تحفۃ القاری ۳۸۲/۸ پر فتح مکہ کے عنوان کے ذیل میں لکھا ہے کہ ”مسجد حرام“ درحقیقت کعبہ شریف کا نام ہے اور اس کے اردگرد جو مطاف ہے وہ مسجد کا حصہ نہیں اس کو مسجد مجازاً کہا جاتا ہے“ لہٰذا مفتی صاحب سے سوال ہے کہ کیا مطاف اور اس کی چاروں طرف کی عمارت واقعی مسجد نہیں ہے؟ باحوالہ مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قرآن مقدس میں کعبۃ اللہ کو مسجد حرام کہا گیا ہے مگر کتب احادیث وتفاسیر میں ایسی صریح عبارت نہیں ملی جس میں یہ بات واضح کی گئی ہو کہ مطاف اور اس کی چاروں طرف کی عمارتیں مسجد نہیں ہیں، بلکہ کعبۃ اللہ کے مسجد حرام ہونے

کے ساتھ ساتھ مطاف اوراس کی چاروں طرف کی عمارت بھی مسجد حرام ہی میں داخل ہیں، اور جمہور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کعبۃ اللہ کی چاروں طرف کا مطاف اورعمارت بھی حقیقی طور پر مسجد حرام ہے۔

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. [البقرة: ١٤٩]﴾

قلت: قد روى ابن جريج عن عطاء عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال: البيت قبلة لأهل المسجد والمسجد قبلة لأهل الحرم والحرم قبلة لأهل الأرض في مشارقها و مغاربها من أمتي. (تفسير قرطبي، مكتبه دار الكتب العلمية ١٠٦/٢، تفسير قرطبي بيروت ١٥٩/٢)

إنما ذكر الحرم أو المسجد دون الكعبة مع أنها هي القبلة إشارة إلى أن الواجب على النائي استقبال جهة الكعبة دون عينه. (تفسير مظهري زكريا ١/ ١٦٠)

وفي ذكر المسجد الحرام الذي هو محيط بالكعبة دون الكعبة مع أنها القبلة التي دلت عليها الأحاديث الصحاح إشارة إلى أنه يكفي للبعيد محاذاة جهة القبلة. (روح المعاني زكريا ١٤/٢)

فالمراد بالمسجد الحرام حينئذ الحرم سماه المسجد الحرام لأن كله مسجد. (تفسير مظهري زكريا ٣٩٨/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۰/۴۰)

کیا ایک دفعہ نماز پڑھنے سے شرعی مسجد بن جائے گی

سوال [۷۸۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب خیر نے اپنی سکنائی اراضی مسجد کے نام سے چھوڑ دی تھی چند حضرات کے ذریعہ معلوم بھی ہوا کہ ماضی میں اسی آراضی پر نماز بھی ادا کی گئی لیکن بشکل مسجد کوئی تعمیر

نہیں ہوئی، اب کافی عرصہ سے یہ آراضی خالی نہیں پڑی ہے بلکہ قریب کے رہنے والے اس کو استعمال کررہے ہیں، اس وقت موقع پر آراضی مذکورہ پندرہ یا بیس میٹر مربع ہے کیا اس آراضی میں مسجد ہی تعمیر کرائی جائے، یا اس کو فروخت کر کے کسی دوسری مسجد میں رقم لگادی جائے؟ قرآن وحدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب صاحب خیر نے اپنی مذکورہ زمین مسجد کے لیے دیدی ہے اور اس میں اس کی اجازت سے باقاعدہ نماز بھی پڑھی گئی ہے تو وہ زمین شرعی مسجد بن چکی ہے اس لیے اس میں صرف مسجد ہی بن سکتی ہے اس کو فروخت کرنا یا اس کو حرمت مسجد کے خلاف دیگر مصارف میں استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا اور شرعی مسجد ہونے کے لیے بشکل مسجد تعمیر شرط نہیں ہے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاحط النسخة الهندية ١/ ٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

ولو اتخذ أرضه مسجدا ليس له الرجوع فيه ولا بيعه وكذا لا يورث عنه. (تبيين الحقائق، كتاب الوقف، فصل ومن بنى مسجدا لم يزل ملكه، زكريا ٤/ ٢٧٢، امداديه ملتان ٣/ ٣٣٠)

رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوما أن يصلوا فيها بجماعة (إلى قوله) أحدها إن أمرهم بالصلاة فيها أبدا نصا بأن قال صلوا فيها أبدا أو أمرهم بالصلاة مطلقا و نوى الأبد ففي هذين والوجهين صارت الساحة مسجدا

لو مات لا يورث عنه الخ. (فتاویٰ عالمگیری، الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به، زکریا جدید ٢/ ٤٠٩، قدیم ٢/ ٤٥٥، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ٩/ ١٢٥، رقم: ١١٣٣٨، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ٨/ ١٥٧، رقم: ١١٤٩٩)

وفی البحر: الصحيح أنه يصير مسجدا. (البحر الرائق کوئٹه ٥/ ٢٤٨، زکریا ٥/ ٤١٦، قاضیخان زکریا جدید ٣/ ٢٠٢، وعلی هامش الهندیة ٣/ ٢٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٨/ جمادی الثانیہ ١٤١٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٥/ ١٨٠٩)

ذاتی زمین میں مسجد بنا کر نماز کی اجازت دینے سے کیا مسجد شرعی ہو جائے گی؟

سوال [٧٨٢٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (١) میں نے ایک زمین اپنے پیسہ سے خریدی مکان کے نام سے، محکمۂ گورنمنٹ سے اس کو بنانے کا اجازت نامہ لیا، نقشہ میں مکان اور مسجد کچھ نہیں لکھنا پڑتا، بلکہ بلڈنگ ہی لکھتے ہیں، اور بغیر کسی اور سے چندہ لیے بنالیا ہے ابھی بہت کچھ کام باقی ہے مگر نماز نہیں ہو رہی ہے، اپنے اہل محبت بھائی زیادہ ہیں اس لیے کوئی اس مسجد میں نماز کے لیے نہیں آتے ایک صاحب بھی مکان بنارہے ہیں، رہنے پر ایک دو وقت آتے ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کسی اور سے چندہ نہیں لیا ہے پتہ نہیں نماز ہوگی یا نہیں؟

(٢) ایک صاحب کہتے ہیں کہ وقف نہیں کیا اس لیے نماز ہونے میں شک ہے؟ ہم نے مسجد سب کے لیے بنائی ہے، میں روکتا نہیں ہوں بلکہ بلاتا ہوں نماز کے لیے، کمیٹی بنانے میں صدر سکریٹری کے لیے جھگڑے ہوئے پولیس آئی، لگتا ہے کہ مسجدوں میں ان لوگوں نے قبضہ کرلیا ہے، جماعت نہیں جاتی، وہ اپنا پروگرام کرتے ہیں، برائے کرم اوپر کے دونوں مسئلوں پر شرعی اعتبار سے اور قانونی اعتبار سے ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: حافظ شوکت علی فرید نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) دوسروں سے چندہ کیے بغیر ذاتی پیسہ سے بنائی گئی مسجد، شرعی مسجد کے حکم میں ہے، اس میں نماز اور جماعت کرنا درست ہے۔

(۲) جب زمین کے مالک نے مسجد بناکر اپنا قبضہ اٹھا لیا اور ہر ایک کو آنے کی اجازت دیدی اور اذان ونماز شروع ہوگئی تو اب وہ بغیر صریح وقف کے اذان ونماز کی اجازت سے وقف شدہ شرعی مسجد ہوگئی، اس صورت میں مسجد شرعی میں نماز اور جماعت کرنے کا ثواب بھی ملے گا۔

وفي الذخيرة: و بصلاة جماعة يقع التسليم بلاخلاف حتى أنه إذا بنى مسجدا و أذن للناس بالصلاة فيه جماعة فإنه يصير مسجدا. (شامي، الوقف، مطلب: في أحكام المسجد، زكريا ديوبند ٥٤٥/٦، كراچی ٣٥٦/٤، البحر الرائق ٢٤٨/٥، زكريا ٤١٦/٥، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٢٤/٩، رقم: ١١٣٣٦، الفتاوىٰ التاتارخانية زكريا ١٥٦/٨، رقم: ١١٤٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۴۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۲۷ھ

نوتعمیر مسجد کو مسجد کا حکم کب حاصل ہوگا؟

سوال [۷۸۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد نئی تعمیر ہورہی ہے اس کو مسجد کا حکم کب سے دیا جائیگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نئی تعمیر شدہ مسجد کو مسجد کا حکم اس وقت حاصل ہوگا جب اس میں نماز باجماعت شروع ہوجائے۔

التسليم في المسجد أن تصلى فيه جماعة بإذنه -إلى- ويشترط مع

ذلک أن تکون الصلاۃ بأذان و إقامة جهرا لا سرا، لو جعل رجلا واحدا مؤذنا و إماما و أقام و صلی وحده صار مسجدا بالاتفاق. (هندیه، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، زکریا قدیم ۲/۴۵۵، جدید ۲/۴۰۸، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ۸/۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۵/رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۶۰۳)

کیا مسجد شرعی ہونے کے لیے وقف ضروری ہے؟

سوال [۷۸۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا مسجد میں نماز جائز ہونے کے لیے زمین کا وقف ہونا ضروری ہے، اگر کسی نے اپنی زمین میں مسجد بنا کر اجازت عام دیدی یا کسی شخص نے اپنی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دیدی اور لوگوں نے مسجد بنائی اور اس میں نماز ہورہی ہے کیا نماز اس میں جائز ہے یا نہیں؟ یا نماز جائز ہونے کے لیے باضابطہ لکھنؤ سے وقف کرانا ضروری ہے، یا گورنمنٹ کے کھاتے میں وقف کا اندراج ضروری ہے؟

المستفتی: محمد منصور احمد محلّہ رحمت نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز میں مسجد کا ثواب حاصل کرنے کے لیے شرعی مسجد ضروری ہے، اور شرعی مسجد کے لیے وقف ہونا لازم ہے اور کسی شخص کا اپنی زمین میں مسجد بنا کر یہ کہہ دینا کہ میں نے اس کو مسجد بنادی ہے شرعی مسجد ہونے کے لیے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کافی ہے، اور اگر لوگوں نے نماز پڑھنا شروع کردی ہے تو تمام فقہاء کے نزدیک مسجد ہوجائے گی اور اگر لوگوں کو مسجد بنانے کی اجازت دیدی ہے اور لوگوں نے مسجد بنا کر نماز شروع کردی ہے تو بھی سب کے نزدیک وہ شرعی مسجد ہوجائے گی اور شرعی وقف اور مسجد

ہونے کے لیے لکھنؤ یا گورنمنٹ کے کھاتے میں اندراج لازم نہیں ہے۔

ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثانی وشرط محمد والإمام الصلاة فیه بجماعة. (الدر المختار، الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا ٦/٥٤٤ - ٥٤٦، کراچی ٤/٣٥٥ - ٣٥٧، وهکذا فی الهندیة زکریا قدیم ٢/٣٥٥، جدید ٢/٤٠٨، الفتاویٰ التاتارخانیة زکریا ٨/١٥٦، رقم: ١١٤٩٥، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ٩/١٢٤، رقم: ١١٣٣٦)

ولایتم الوقف حتی یقبض ...... ففی المسجد بالإفراز. (الدر المختار، مطلب: شروط الوقف علی قولهما کراچی ٤/٣٤٨، زکریا دیوبند ٦/٥٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۰)

مسجد کے لیے وقف شدہ زمین پر مسجد بنانا

سوال [۷۸۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آراضی جناب حاجی اچھن صاحب ولد حاجی بنیاد حسین صاحب کی واقع محلّہ گوئیاں باغ میں ہے جس پر کافی لمبے عرصہ سے نگر پالیکا کا ناجائز قبضہ ہے اور اس پر کوڑا وغیرہ پڑتا ہے، حاجی اچھن صاحب محلّہ پیرزادہ میں رہتے ہیں یہ ہمیشہ سے اس آراضی کے ذمہ دار ہیں حاجی اچھن صاحب نے اس مقبوضہ جگہ پر مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دی ہے، جس کا متولی جناب عاقل بھائی ولد جناب یوسف بھائی نل والے کو بنایا ہے، آپ سے التماس ہے کہ آپ اس تحریر کو پڑھ کر شریعت کے اعتبار سے فتویٰ دیں کہ اس آراضی پر مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس علاقہ میں کافی دور تک کوئی مسجد نہیں ہے جس سے اس محلّہ کے لوگوں کو نماز ادا کرنے کے لیے بہت دور جانا پڑتا ہے، اس لیے اہل محلّہ نے اس تحریک کو مضبوطی کے ساتھ چلانے کے لیے قدم اٹھایا ہے، مہربانی کر کے جواب تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی اچھن صاحب نے جب اس زمین کومسجد کے واسطے وقف کردیا ہے تواس پر مسجد تعمیر کرنا بلاتردد درست ہے، لیکن پہلے اس زمین سے نگر پالیکا کا قبضہ اٹھانا چاہیے، تاکہ آئندہ مشکلات نہ کھڑی ہوجائیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۱۹۳، ڈابھیل ۱۴/۳۹۱)

ولو قال داری للمسجد أو أعطیتها له صح و یکون تملیکا فیشترط التسلیم. (هندیه، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی، زکریا قدیم ۲/ ٤٦٠، جدید ۲/ ٤١٢) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۳۹)

وقف تام ہونے سے قبل اس پر مسجد تعمیر کرنا

سوال [۷۸۳۳]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی حیات میں ہی سوگز زمین اپنے چار بچوں میں تقسیم کرکے ان سب کے نام کردی تھی، جن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں سب سے چھوٹی بیٹی کی وفات ہو جاتی ہے اس نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے سامنے یہ وصیت کردی تھی کہ اگر میں اپنا نکاح ہونے سے پہلے مرگئی تو میرے نام پے جو مکان ہے وہ مسجد کے نام وقف کردیا جائے، اور میرا سارا سامان کسی غریب لڑکی کی شادی میں جہیز کی شکل میں دیدیا جائے میں تم لوگوں میں سے کسی کو نہیں دوں گی، اس نے یہ وصیت اس لیے کی تھی کہ اس کے سگے عزیز رشتہ دار اس کے ساتھ بدسلوکی کیا کرتے تھے، اس کا نکاح کہیں نہیں کرتے تھے، بالآخر اس نے اپنے گھر والوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ایک دن خودسوزی کرلی، یہاں تک کہ اس نے اسپتال میں بھی دم نکلنے سے پہلے یہی بیان دیا کہ میرا مکان مسجد

کے نام کرنا میرے کسی بھائی بہن وغیرہ کومت دینا، اس کے اس بیان کے گواہ متوفیہ کے دونوں بھائی اور بہن رشتہ دار اور محلّہ کے چندلوگ ہیں، اس کے انتقال کے چالیسویں کے بعد حاجی بدرالدین صاحب سلنڈر روالے کے یہاں ایک پنچایت بیٹھی اس میں تقریباً پینتالیس آدمی موجود تھے، جن میں خاص خاص آدمی یہ ہیں، کانٹھ والے ملاجی عرف بھورے بھائی، نواب علی، حاجی رئیس صاحب، رفیق بھائی، للہ چودھری، راجہ بابو وغیرہ، اور خود حاجی بدر الدین صاحب بھی موجود تھے، ان سب لوگوں نے متوفیہ کے دونوں بھائی ریاست اور لیاقت اور بہن عشرت سے کہا کہ مرنے والی کے مال اور مکان کے سب سے پہلے حقدار تم تینوں ہوتو تم تینوں میں سے جس کو چاہئے اور جتنا چاہیے بتادو تو اس پر تینوں نے یہ جواب دیا کہ مرنے والی نے جو وصیت کی ہے اسی پر عمل کیا جائے تو لوگوں نے پوچھا کہ اس کی کیا وصیت تھی، تو ان تینوں نے بتایا کہ ہماری بہن شروع سے کہتی تھی کہ میرا مکان مسجد کو دیا جائے، اور میرا سامان کسی غریب لڑکی کو بطور جہیز دیا جائے اور ان تینوں نے کہا کہ ہمیں نہ تو اس کے سامان میں سے کچھ چاہیے، اور نہ اس کے مکان میں سے ہمیں اس میں سے لے کر گنہگار نہیں ہونا ہے، ہمیں خدا کو جواب دینا ہے، ہم اس کو ثواب پہنچانے کے لیے اس کی وصیت پر عمل کریں گے۔

ان کی اس بات پر وہاں موجود لوگوں نے واہ واہ کی اور مبارکباد دی اور سب لوگ خوش ہوئے، کہ اس سے اچھی بات کیا ہے؟ بہرحال پنچایت نے ان کی اس بات پر عمل کیا، سامان تو غریب لڑکی کی شادی میں بطور جہیز دیدیا گیا، اور اس وقت مسجد کو مکان کی ضرورت نہیں تھی، تو اس میں تالالگوادیا، کہ جب ضرورت پیش آئے گی تو تالا کھول کر وقف بورڈ کے ذریعہ پکا کام ہو جائے گا، اور اس وقت تحریری طور پر کوئی بیان یا دستخط نوٹ نہیں کیے، اس امید پر کہ پنچایت بے فکر تھی، کہ پینتالیس آدمیوں کے سامنے انہوں نے متوفیہ کی وصیت پر عمل کرنے کا اقرار کیا ہے، اور مسجد کو دینے کا وعدہ کیا ہے، یہ لوگ اپنے قول وقرار اور عہد و پیمان سے نہیں پھریں گے، اور نہ مکر کریں گے، اور نہ مسجد کے مال کے ساتھ دھوکہ بازی کریں گے، اب ایک سال بعد قریب ہی کی مسجد کے پیش امام کو مکان کی ضرورت پڑی تو پنچایت کے لوگوں نے متوفیہ کے دونوں بھائیوں اور بہنوں کو بلا کر وہ مکان مسجد کے نام وقف کرنے کی بات کی

اور تالا کھلوانے کے لیے چابی مانگی تو اب دونوں بھائی ریاست اور لیاقت اپنے قول وقرار سے پھر گئے، اور چابی دینے سے انکار کردیا، لیکن بہن عشرت رضا مند ہے تو جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا ہمشیرہ متوفیہ کی مذکورہ بالا زبانی وصیت کرنے کے بعد اور دونوں بھائیوں کے قول و قرار کرنے پھر مکرنے کے بعد بھی از روئے شرع دونوں بھائی اس مکان متوفیہ کے حصہ دار بن سکتے ہیں؟ اور کیا قبضہ کر کے اپنے تصرف میں لا سکتے ہیں، اگر وہ سہیم ومتصرف نہیں ہو سکتے تو ان کے مکرنے اور انکار کرنے کی صورت میں اہل محلّہ اور ارا کین کمیٹی جبراً اس مکان کا تالا توڑ کر مسجد کے لیے وقف کرنے کے شرعاً مجاز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ شرعی یا قانونی ہو تو رہنمائی فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مکان کے ایک تہائی حصہ میں مرحومہ کی وصیت نافذ ہوگی اور وہ حصہ مسجد کے لیے وقف ہوگا، کیونکہ ایک تہائی میں وصیت کا نفاذ ورثاء کی اجازت پر موقوف نہیں ہے۔

عن عامر بن سعد عن أبيه قال: مرضت، فعادني النبي ﷺ فقلت: يا رسول الله ﷺ أدع الله أن لايردني على عقبي، قال: لعل الله يرفعك و ينفع بك ناسا، قلت: أريد أن أوصي، و إنما لي ابنة، قلت: أوصي بالنصف، قال: النصف كثير، قلت: فالثلث؟ قال: الثلث، والثلث كثير أو كبير، قال: فأوصى الناس بالثلث وجاز ذلك لهم. (صحيح البخاري، باب الوصية بالثلث، النسخة الهندية ١/٣٨٣، رقم: ٢٦٦٣، ف: ٢٧٤٤)

وتجوز بالثلث للأجنبي عند عدم المانع و إن لم يجز الوارث ذلك لا الزيادة عليه إلا أن تجيز ورثته بعد موته وهم كبار. (شامی زکریا ۱۰/۳۳۹، کراچی ۶/۶۵۰)

البتہ دیگر دو تہائی میں مسجد کی طرف سے قبضہ نہیں ہوا اور وارثین اپنے وعدے اور اقرار پر برقرار نہیں رہے، لہٰذا ان دو تہائی میں مسجد کے لیے وقف تام نہیں ہوا، اس بنا پر ان دو تہائی میں ورثاء کی ملکیت باقی ہے، ان کی رضا مندی کے بغیر اس پر زبردستی قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔

عن القاسم أن رجلا استأذن ورثته أن يوصى بأكثر من الثلث، فأذنوا له، ثم رجعوا فيه بعد ما مات، فسئل عبد الله عن ذٰلک، فقال: ذاک النكرة لايجوز. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربى ۹/۲۳۷، رقم: ۹۱۶۱، مسند الدارمي، دار المغنى للنشر و التوزيع ۴/۲۰۳۶، رقم: ۳۲۳۷)

ولايتم الوقف حتى يقبض لم يقل للمتولى لأن تسليم كل شيئ بما يليق به، ففى المسجد بالإفراز وفى غيره بنصب المتولى و بتسليمه إياه ابن كمال.

(شامي الوقف، مطلب: شروط الوقف على قولهما زكريا ۶/۵۳۴، كراچى ۴/۳۴۸)

اور جو وارث اپنے اقرار پر باقی ہے دو تہائی میں سے اس کے حصہ کے بقدر مسجد کے لیے وقف ہوگا، لہٰذا بہن عشرت کی رضا مندی سے اس کا حصہ مسجد کی ملک ہوجائے گا۔

عن الحسن فى الرجل يوصى بأكثر من الثلث فرضي الورثة قال: هو جائز.

(مسند الدارمي، باب فى الذى يوصى بأكثر من الثلث، دار المغنى ۴/۲۰۳۶ رقم: ۳۲۳۷)

إذا أجاز بعض الورثة جاز عليه بقدر حصته. (شامى زكريا ۱۰/۳۴۰، كراچى ۶/۳۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۰۲)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۹/۹ھ

مسجد اور اس کے متعلق چند مسائل

سوال [۷۸۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چند لوگوں نے مل کر مسجد کے لیے ایک زمین خریدی اور لوگوں نے دوسرے محلے کے ایک عالم صاحب کو اپنا سرپرست بنالیا، عالم صاحب نے اور محلّہ کے سارے لوگوں نے چندہ کرکے اس زمین کو لکھالیا، قانونی دشواریوں کی وجہ سے وہ زمین عالم صاحب ہی کے نام رجسٹری ہوگئی، اور اس میں پنجوقتہ نماز شروع ہوگئی، ہم پنجوقتہ نمازیوں نے اپنی بستی کے

بڑے مدرسہ کے مفتی صاحب کو امام بنالیا، دو سال ہو رہے ہیں ان کو امامت کرتے ہوئے، انہوں نے مؤذن کا بھی انتظام کردیا، جو مدرسہ کے طالب علم ہیں، مفتی صاحب کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھاتے ہیں، تنخواہ کا کوئی نظم نہیں ہے، دو چار لوگ مل کر تقریباً پانچ سو روپیہ دیتے ہیں، لیکن کوئی ضروری نہیں دیدیا تو رکھ لیا کوئی مطالبہ نہیں، ایک دو لوگوں کے علاوہ محلّہ کے سارے لوگ اور پنجوقتہ نمازی مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہتے ہیں، کئی مرتبہ امام کے بدلنے کی بات آئی، سارے لوگوں نے کچھ کو چھوڑ کر کے انکار کردیا اور سب نے کہا کہ ہماری مسجد کے امام مفتی صاحب ہی رہیں گے، ہم لوگوں نے صرف یہ سوچا کہ مفتی صاحب کے رہنے میں استفادہ زیادہ ہوسکتا ہے، چنانچہ فجر کے بعد درس قرآن بھی ہوتا ہے، دوسری جانب سر پرست عالم صاحب کو مدرسہ اور اس کے ذمہ داران سے کچھ ذاتی رنجش ہے، اور مفتی صاحب سے سر پرست کا کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن پھر بھی مدرسہ سے رنجش کی وجہ سے وہ ہماری مسجد میں مفتی صاحب کی امامت کے مخالف ہیں، جبکہ مدرسہ علاقہ واطراف میں بہت مشہور ہے، مدرسہ کا تعلق دارالعلوم دیوبند سے ہے، مخالفین میں ایک دو لوگ ہی محلّہ کے ہیں، جو عقیدۃً بریلوی ہیں، خود سر پرست عالم صاحب اہل حق اپنے کو کہتے ہیں لیکن امامت کے مسئلہ میں پنجوقتہ نمازیوں اور اہل حق کی بات نہ مان کر کرے بدعتیوں اور بریلویوں کے ہمراہ ہیں، لہٰذا مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تفصیل سے عنایت فرمائیں:

(۱) جو مسجد چندہ سے تعمیر کی گئی ہے اور سر پرست عالم کے نام درج ہوگئی جو محلّہ سے دور دوسرے محلّہ میں رہتے ہیں کیا ان کا مسجد میں حق ملکیت ہے؟

(۲) کیا سر پرست کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ پنجوقتہ نمازیوں اور اہل محلّہ کی باتوں اور مشوروں کو نظر انداز کردے محض اس لیے کہ اس مسجد کی زمین اس کے نام درج ہے؟

(۳) ایسے امام کو جس سے اکثر نمازی ومحلّہ والے خوش ہوں کیا ان کو امامت سے ہٹایا جاسکتا ہے جبکہ سر پرست کے سوا اہل حق میں سے کوئی مخالفت نہ کرتا ہو اور ہر حال میں مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہتے ہوں؟

(۴) یہ شکایت کرنا کہ امام چونکہ نیاز فاتحہ نہیں کرتے لہٰذا امامت کے حقدار نہیں ہیں؟

(۵) کچھ لوگ غیر محلّہ کے ہیں، مسجد میں بیجا مداخلت کرتے ہیں ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

(۶) سرپرست کا بغیر عذر شرعی کے امام کی مخالفت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: شمس عالم بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جوزمین اہل محلّہ کے چندہ کی رقم سے خریدی گئی اور مسجد کی تعمیر کی گئی اور مصلحتاً عالم صاحب کے نام سے رجسٹری ہوگئی تو شرعی طور پر عالم صاحب اس زمین یا مسجد کے مالک نہیں ہوئے، اور نہ ہی اس میں ان کا مالکانہ تصرف کرنا جائز ہے اور اب اہل محلّہ کو چاہیے کہ عالم صاحب کے نام سے رجسٹری منسوخ کرکے مسجد کے نام سے وقف نامہ مکمل کرالیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۱۱/۱۵، جدید ڈابھیل ۵۴۹/۱۴)

(۲) اہل محلّہ اور اکثر نمازیوں کے مشورہ کو سرپرست کا محض اس لیے نظر انداز کردینا کہ مسجد کی زمین خود ان کے نام ہے جائز نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازیوں کے مشوروں کو سنیں پھر آپس میں کسی ایک رائے پر سبھی حضرات متفق ہوجائیں اور مسجد کی جوزمین ان کے نام ہے فوراً اس سے اپنا نام کٹوا کر مسجد کے نام کردیں، مسجد کی زمین کا کسی فرد کے نام ہونا جائز نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳۱۱/۱۵، جدید ڈابھیل ۵۴۹/۱۴)

فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم. (در مختار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، زكريا ۲۹۷/۲، كراچی ۵۵۹/۱)

(۳) جب تمام اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازی مفتی صاحب کی امامت سے خوش ہیں تو مفتی صاحب کو ہی امام بنانا چاہیے، محض سرپرست اور چند بدعتیوں کی مخالفت کی وجہ سے انہیں امامت سے معزول کرنا صحیح نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۲۵۱/۳)

إن القوم إذا عينوا مؤذنا و إماما كان أصلح مما نصبه البانی فهو أولىٰ. (شامی، الصلاة، باب الأذان، قبيل مطلب هل باشر النبی ﷺ الأذان بنفسه، زكريا ۷۱/۲، كراچی ۴۰۰/۱)

(۴) نیاز فاتحہ کرنا خود بدعت ہے اور اس پر داروگیر کرنا خلاف شریعت عمل ہے، ایسے لوگوں

کی بات پر عمل کرنا گناہ اور معصیت ہے اس لیے ایسے لوگوں کی بات پر عمل نہ کیا جائے اور نہ ہی امام کو امامت سے معزول کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۲۵۱، عزیز الفتاویٰ ۱۲۲، امداد المفتیین ۱۵۷)

(۵) امام مقرر کرنے کا حق اہل محلّہ اور پنجوقتہ نمازیوں کا ہے اس میں غیر اہل محلّہ کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے۔

وإن تنازع في نصب الإمام و المؤذن مع أهل المحلة إن كان ما اختاره أهل المحلة أولىٰ من الذي اختاره الباني فما اختاره أهل المحلة أولىٰ. (الأشباه قديم ص: ١٤١)

(۶) امام جب مفتی اور عالم ہے اور اس میں کوئی شرعی خرابی بھی نہیں اور اکثر اہل محلّہ اس سے خوش ہیں تو سرپرست کو بلا عذر شرعی امام کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے۔

الأحق بالإمامة الأعلم بأحكام الصلاة صحة و فساداً بشرط اجتنابه للفواحش. (در مختار، الصلاة، باب الإمامة، زكريا ٢/ ٢٩٤، كراچی ١/ ٥٥٧، حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، دار الكتاب ديو بند ٢٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۳؍ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۱۸)	۱۴۲۴/۷/۳ھ

مسجد شرعی بننے کے بعد نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنا

سوال [۷۸۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے دادا، پردادا نے ایک مسجد بنائی جو اپنی ذاتی آراضی اور اپنی جیب خاص سے تیار کرائی امام کی تنخواہ اور مسجد کے جملہ اخراجات وہی لوگ اپنی جیب سے پورا کرتے چلے آئے ہیں لیکن بنانے والے کی یہ نیت نہیں تھی کہ اس میں صرف ہم تنہا ہی نماز پڑھا کریں گے بلکہ یہ نیت تھی کہ سب اہل محلّہ اور مسلمان نماز ادا کریں گے، اور سینکڑوں برس سے ادا کرتے چلے آئے ہیں البتہ مسجد اور امام کے جملہ اخراجات بنانے والوں کے خاندان

والے ہی برداشت کرتے ہیں اب زید کے دادا، پردادا جومسجد بنانے والے تھے وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اب زید وغیرہ کبھی کبھی نمازیوں کوطعنہ دیتے ہیں کہ ہماری مسجد ہے اس میں نماز پڑھنے مت آؤ، اس شکل میں جبکہ زید اپنی مسجد میں تمام نمازیوں کونماز پڑھنے سے منع کرے تو عام نمازیوں کو اس مسجد میں نماز پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

(۲) عام نمازیوں کی نماز میں کچھ نقص تو نہیں آتا، جبکہ زید وغیرہ اپنی مسجد میں آنے کو اور نماز پڑھنے کو منع کرتے ہیں؟

(۳) کیا زید کو کہنے کا حق ہے کہ یہ صرف ہماری مسجد ہے اس کو ہم نے بنایا ہے جبکہ بناتے وقت یہ نیت تھی کہ سب نماز پڑھیں گے؟

(۴) اگر زید ہٹ دھرمی سے اس مسجد میں عوام کونماز پڑھنے سے روکے یہ دھونس دے کر کہ مسجد ہماری ہے تو زید وغیرہ گنہگار ہوں گے؟

(۵) عام نمازی اس مسجد میں آکر نماز ادا کرتے رہیں، زید کے کنبے کی پرواہ نہ کریں یا کسی اور مسجد میں جا کر نماز ادا کریں؟

المستفتی: اقبال احمد شیرکوٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کے دادا پردادا نے اللہ تعالیٰ کے واسطے شرعی مسجد بنائی تھی اور اس وقت عام مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے چکے تھے تو مذکورہ مسجد شرعی مسجد بن چکی ہے، زید یا کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ہے کہ نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے منع کرے، منع کرنے والے سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے لوگوں کو بہت بڑا ظالم اور گناہ گار قرار دیا ہے۔

﴿ **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ.** [البقرة: ١١٤] ﴾

وليس لورثته منعهم. (شامي الوقف، مطلب: في أحكام المساجد، زكريا ٦/٥٤٧، كراچی ٤/٣٥٧)

مذکورہ مسجد میں تمام مسلمانوں کو آزادانہ نماز پڑھنے کا حق ہے اس میں وارثین کا کوئی حق اس طرح باقی نہیں رہا ہے کہ وہ کسی کو نماز پڑھنے سے منع کیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸رشوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۵۰)

دوسوسال پرانی مسجد جس کے موقوفہ ہونے کا ثبوت نہ ہو موقوفہ کہلائے گی؟

سوال [۷۸۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد دوسوسال پرانی ہے پہلے یہاں قبرستان تھا سوسال سے اس آراضی میں تدفین کا عمل نہیں ہوتا ہے اس مسجد کے دوطرف اسی خسرہ نمبر ۲۷۴ کی خالی آراضی ہے دوطرف مسجد کی دوکانیں بنی ہوئی ہیں، وقف بورڈ میں یہ مسجد وآراضی و دوکانیں نمبر ۱۰۷۸/ ۲۹۹۳ شیشگران ومردہ گان کے نام سے درج ہیں، اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ اس کے مالک نے اس کو وقف کیا یا نہیں؟

المستفتی: شیشگران، دملکان، کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ آراضی کے موقوفہ ہونے کے لیے اتنا ثبوت کافی ہے کہ مسجد شرعی اس میں قدیم زمانہ سے بنی ہوئی ہے اور خالی زمین میں تدفین کا سلسلہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ یہ جگہیں دفن کے لیے وقف ہیں، اور وقف بورڈ میں اس جائیداد کے وقف نمبر کا مل جانا بھی مذکورہ جائیداد کے وقف کے ثبوت کے لیے کافی ہے، اور مسجد کے دائیں بائیں جو خالی زمینیں پڑی ہوئی ہیں جن میں دفن کا سلسلہ جاری نہیں ہے اس میں مسجد کی توسیع کی بھی گنجائش ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدا لم أر بذٰلك بأسا(إلى قوله) فإذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين لايجوز تملكه

لأحد فمعناهما على هذا واحد. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية، و يتخذ مكانها مساجد، دار إحياء التراث العربي ١٧٩/٤، زكريا ٤٣٥/٣، رقم: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ١١٨/٢، هكذا في فتاوى التاتارخانية زكريا ١٨٨/٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ١٤٤/٩، رقم: ١١٤١١، هنديه زكريا قديم ٤٦٩/٢، جديد ٤١٦/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/۱۴۳۴ھ

کیا عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے؟

سوال [۷۸۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ راجح قول کیا ہے؟

المستفتی: محمد یوسف میواتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عیدگاہ بہت سے احکام میں باتفاق علماء مسجد کا حکم رکھتی ہے، نیز نفس عبادتگاہ ہونے کی حیثیت سے بھی عیدگاہ انتہائی حرمت وعظمت کی حامل ہے، جس طرح موقوفہ عیدگاہ میں کھیل تماشہ کشتی وغیرہ کرنا ناجائز ہے، اسی طرح اس کو گانے باجے کی جگہ بنالینا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۲۸)

وأما المتخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء وأن انفصل الصفوف رفقا بالناس لا في حق غيره به يفتى نهاية. (در مختار مع الشامي، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، زكريا ٤٣٠/٢، كراچی ٦٥٧/١)

وأما المتخذ لصلاة العيد فالمختار أنه مسجد في حق جواز الإقتداء و إن انفصلت الصفوف و فيما عدا ذلك فلا رفقا بالناس. (هنديه زكريا قديم ٤٥٦/٢، جديد ٤٠٩/٢)

البتہ حائضہ ونفساء وغیرہ کے لیے عیدگاہ میں داخل ہونا جائز ہے، اس اعتبار سے مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۱۰۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۲ھ

جہاں سے سارے مسلمان دوسری جگہ چلے گئے ان کی مساجد کا حکم

سوال [۷۸۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ملکی حالات کے پیش نظر بہت سی بستیاں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو گئے، مسجدیں ویران ہو گئیں، اب ایسی شکل میں کیا صورت ہے کہ مسجدیں محفوظ رہیں، بعض کا خیال ہے کہ ان کو مقفل کر کے چھوڑ دیا جائے، اور وقف بورڈ میں اس کا اندراج کرادیا جائے، بعض کا خیال ہے کہ ان کا تمام ملبہ مع ایک فٹ زمین کے اکھاڑ لیا جائے، بہرحال آراء مختلف ہیں شریعت مطہرہ کے نزدیک کیا صحیح شکل ہے ان مساجد کی حفاظت کی؟ اور یہ کہ گناہ بھی لازم نہ آئے؟ اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کیا فرماتے ہیں؟ جواب باصواب سے نواز کر سائل کو ممنون ومشکور فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی مساجد کا وقف بورڈ سے رجسٹریشن کرادینا لازم ہے اور رجسٹرڈ کرانے کے بعد ان مساجد میں تالا لگادیا جائے اور یہ مساجد تا قیامت مسجد ہی کی حکم میں ہوں گی، ان کا ملبہ اور مٹی اکھاڑنے سے مسجد کا حکم ختم نہیں ہوگا۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجدا عند الإمام و الثاني أبدا إلى قيام الساعة. (الدر المختار الوقف، مطلب: فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصری قديم ١/٧٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۳۷)

مسجد شرعی بنا کر داماد کے نام رجسٹری کرنا

سوال [۷۸۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک رشتہ دار حاجی صاحب سے کچھ لوگوں نے جو گاؤں کے اڈے کے قریب رہتے ہیں، مطالبہ کیا کہ وہ اپنی طرف سے اڈے پر مسجد بنوادیں، جس سے مسافروں کو بھی سہولت ملے گی، اور ہم جو اڈے کے قریب رہتے ہیں، آسانی سے اس میں نماز پڑھ سکیں گے، حاجی صاحب نے اڈے پر ایک پلاٹ خریدا جو میرے لڑکے کے نام رجسٹری ہوا، یہ حاجی صاحب کا داماد ہے اس پلاٹ میں سامنے کی جانب غرب مسجد تعمیر ہوئی، مسجد کی عمارت میں دونوں جانب تھوڑا تھوڑا حصہ خارج مسجد رکھا گیا، اسی طرح باہر کے صحن کے دونوں طرف کچھ حصہ چھوڑا گیا ہے، اور سامنے چند دوکانوں کی بنیادیں ہیں جو حاجی صاحب کی لڑکی جو میرے بیٹے کے نکاح میں ہے کے واسطے ہیں۔

مسجد کی تعمیر مکمل ہوئی تو ایک دینی اجتماع کا انعقاد کر کے جس میں دو بڑے عالم امیر شریعت ہریانہ پنجاب وہماچل حضرت مولانا صدیق صاحب اور دارالعلوم میوات (نوح) کے شیخ الحدیث مدظلہم بھی شریک ہوئے تھے، اس میں حاجی صاحب نے اعلان کرایا کہ یہ مسجد میں نے اللہ کے واسطے بنوائی ہے اور میں اس کو تمام مسلمانوں کے لیے عبادت کی خاطر وقف کرتا ہوں۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح سے بانی مسجد کا اعلان کرنا شرعاً معتبر ہے، یا معتبر نہیں؟ اور چونکہ انتظامی امور حاجی صاحب نے اپنے داماد حافظ قاری محمد اسلم صاحب کو سپرد کیے ہیں جو اس مسجد میں بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں اور پنجوقتہ نمازوں کی امامت کرتے ہیں اس لیے وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نباہ رہے ہیں، اگر زمین اپنے نام سے کاغذات میں اتروائی جائے تو خدشہ یقینی ہے کہ جھگڑالو لوگ منتظم کو بے دخل کر سکتے ہیں؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: عبدالرحیم بڈگدوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی صاحب کا مسجد بنا کر اس کے وقف کا اعلان کرنا شرعاً درست ہے اور اب یہ مسجد للہ وقف ہو چکی ہے۔

ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا.

(الدر المختار علی هامش رد المحتار، الوقف، مطلب: فی أحکام المسجد زکریا ٦/٥٤٤، ٥٤٦، کراچی ٤/٣٥٥، ٣٥٧، البحر الرائق کوئٹه ٥/٢٤٨، زکریا ٥/٤١٦، هندیه زکریا قدیم ٢/٣٥٥، جدید ٢/٤٠٨)

البتہ وقف تام ہو چکنے کے بعد کسی فرد خاص کے نام رجسٹرڈ کرنا یا رہنا جائز نہیں، اس لیے مسئولہ صورت میں اب داماد کا نام رجسٹرڈ سے ختم کرا کر تولیت میں منتقل کرا دینا ضروری ہے، کہ داماد کو مسجد کا متولی بنا دیا جائے، تو یہ جائز ہے۔ (مستفاد: رحیمیہ قدیم ۹/۲۳۶)

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له علی عهد رسول الله ﷺ، وکان یقال له ثمغ وکان نخلا، فقال عمر: یا رسول الله! إنی استفدت مالا وهو عندي نفیس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبی ﷺ تصدق بأصله، لایباع ولایوهب ولایورث، ولکن ینفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلک فی سبیل الله وفی الرقاب والمساکین والضیف وابن السبیل ولذی القربیٰ، ولا جناح علی من ولیه أن یأکل منه بالمعروف أو یؤکل صدیقه غیر متمول به. (صحیح البخاری، الوصایا، باب قول الله عز وجل وابتلوا الیتامی حتی إذا بلغوا النکاح، النسخة الهندیة ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

فإذا تم ولزم لایملک و لایعار و لایرهن أی لایکون مملوکا لصاحبه ولایملک أی لایقبل التملیک لغیره. (شامی زکریا ٦/٥٣٩، کراچی ٤/٣٥١، ٣٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۸۹/۳۵)

مسجد کی زمین اپنے نام رجسٹری کرانے کا حکم

سوال [۷۸۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکولہ ضلع میں تعلقہ پاتور کا ایک چھوٹا سا قصبہ کھٹی ہے جہاں پر مسلم اکثریت ہونے کی وجہ سے اللہ کی عبادت اور نماز کے لیے بستی میں ایک مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی تو پرانے بزرگوں نے اللہ کے گھر کی بنیاد رکھی اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، وہاں پر ۱۹۵۲ء تک امام اور مؤذن کی تنخواہ کا انتظام اور مسجد کا نظم ونسق تو جیسا تیسا چلتا رہا، لیکن غریب بستی ہونے کی وجہ سے پریشانی ہونے لگی، قدیم بزرگ گلاب خان، زورآور خان، محمد خاں نامدار خان نے اپنی کھیتیوں میں سے ۱۹۵۲ء میں مسجد کی آمدنی اور امام ومؤذن کی تنخواہ اور دیگر اخراجات کے لیے ۱۱/۱ ایکڑ ۳۸/ گنٹھے زمین کے لیے عطیہ کیے، اور ۱۹۵۲ء میں ٹرسٹ بنا کر اس میں کھیتی کو نوند کر دیا گیا، ٹرسٹیوں نے اس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری جناب اکبر علی صاحب کو دی، جنہوں نے دیانت داری سے اس ذمہ داری کو ۱۹۷۶ء تک انجام دیا، ان کے انتقال کے بعد ان کے داماد جناب عبد المناف صاحب امڑاپوروی کو بلا کر ذمہ داری سونپی گئی، محترم موصوف نے ۱۹۷۹ء میں سات بارا میں (ہیرنی پتر) پر اپنا نام لین کر کے لکھوالیا ۱۹۸۰ء میں کڑ قاعدہ کے ذریعہ پوری کھیتی اپنے نام کر لی، جبکہ بستی کو اس بات کی کچھ بھی خبر نہیں ہوئی، مسجد کا نظم ونسق اور امام ومؤذن کی تنخواہ کا انتظام برابر جاری رہا۔

۱۹۹۶ء میں عبد المناف صاحب کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند عبد القدیر صاحب انہوں نے بھی ۲۰۰۰ء کے بعد امام ومؤذن اور مکتب ودیگر انتظامات کے لیے خرچ کرنا بند کر دیا، جو غریب بستی کے مسلمانوں نے کیا اور آج تک کرتے چلے آرہے ہیں، دیگر جو بھی مسجد کے لیے چندہ ہوتا ہے مثلاً شادیوں کے موقع پر دولہا، دولہن والوں سے کچھ مخصوص رقم اور نکاح میں حاضرین سے عمومی چندہ جو آڈٹ وغیرہ کے خرچ کے نام سے لیا جاتا ہے وہ بھی انہیں صاحب کے پاس رہتا، لیکن مسجد کا تقریباً ۲۰۰۰ء سے ۱۳/ سال کا آڈٹ نہیں ہوا اور ۲۰۰۰ء میں ہی مسجد کے کھیت پر پائپ لائن کے لیے ۵۰۰۰۰ پچاس ہزار روپئے کو آپریٹو

بینک سے قرض لیے جو نہ بھرنے کی صورت میں بینک کی جانب سے کھیت کی ضبطی اور ہراسی کی ڈھونڈی بھی پورے گاؤں میں دو مرتبہ ہوئی۔

۲۰۰۷ء میں گورنمنٹ کی اسکیم کے تحت یہ قرض کی اصل رقم معاف ہوئی، لیکن بیاض کی رقم تھی وہ دہلی سے سعید خاں، لعل خان، شیخ ناظم، حاجی بلدار خاں صاحب، عبدالشریف سے لاکر موصوف کو دیا کہ مسجد کے کھیت کو کلیئر کرو، غریب بستی ہونے کی وجہ سے اور مہنگائی کی زیادتی کی وجہ سے امام ومؤذن صاحب کی تنخواہوں میں بھی اضافہ اور بجلی بل اور پانی کا انتظام اور دیگر انتظامات میں بستی والوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، جس کی بنا پر بستی کے ذمہ داروں نے مسجد کے کاغذات وغیرہ کی معلوم نکالی تو پتہ چلا کہ کھیت موصوف کے نام ہو چکا ہے، جس پر بستی کے لوگوں میں غصہ کی لہر بیدار ہوگئی، لیکن ذمہ داروں نے سمجھایا کہ ہمارے درمیان فیصلہ کرنے والے لوگ ہیں، سارے کاغذات کی زیروکس کاپی اس عرضداشت کے ساتھ جوڑی جارہی ہے آپ خود ہمیں ان کاغذات کی تحقیقات کے بعد فیصلہ کریں۔ آپ کے فرزند عبدالقدیر صاحب اس وقت گاؤں کے اندر موجود ہیں ان کا موبائل نمبر 9923341231 ہے آخر میں آنجناب سے گزارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں وقف کیا ہوا کھیت کو اپنے نام کر لینا اور خود اس سے فائدہ اٹھانا کیا جائز ہے؟ اور عبدالمناف صاحب مرحوم کو اللہ کی شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بستی کے غریب ہونے کی بنا پر چند اہل خیر حضرات نے مسجد کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اپنی اپنی کھیتیاں وقف کردیں، اور یکے بعد دیگرے متولیان حضرات نے بخوبی اس ذمہ داری کو نبھایا لیکن جناب عبدالمناف صاحب نے اس میں خیانت کی، اور مسلمانوں کو دھوکہ دے کر مسجد کی وقف زمینوں کو اپنے نام منتقل کرلیا ہے، شرعاً اس دھوکہ دھڑی سے وہ وقف کی زمین کا مالک نہیں ہوگا، علاقہ کے بااثر لوگوں کو بیچ میں پڑ کر کے وقف کی زمین کو مسجد کے لیے بحال کرنا لازم ہے، اور ایسے خائن متولی کو مسجد کی ذمہ داری سے سبکدوش کردینا لازم ہے، اور اس کے

بعد کسی ایک فرد کو مسجد کی ذمہ داری نہ سونپی جائے؛ بلکہ اس کی ایک کمیٹی بنائی جائے جس میں مختلف خاندان کے مختلف المزاج لوگ شریک رہیں، تاکہ آئندہ کبھی ایسی نوبت نہ آنے پائے کہ مسجد کی زمین میں خیانت ہو سکے۔

فإذا تم و لزم لايملك و لا يعار ولايرهن وتحته فی الشامية: لايكون مملوكا لصاحبه ولايملك أی لايقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه لاستحالة ...... تمليک الخارج عن ملكه. (شامی زکریا ٦/ ٥٣٩، کراچی ٤/ ٣٥٢)

ولو كان خائنا ينزع منه و يوليه غيره سواء شرط الواقف الولاية لنفسه أولا. (مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٦٠٤، مصری قديم ١/ ٧٥٣، وهكذا فی شامی ٦/ ٥٧٨، كراچی ٤/ ٣٨٠، بزازيه ٣/ ١٣٤، وعلی هامش الهندية ٦/ ٢٥٣، البحر الرائق زكريا ٥/ ٤١١، كوئٹه ٥/ ٢٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۰۴)	۱۶/ ۱۱/ ۱۴۳۴ھ

مسجد سے دستبرداری یا منتقلی

سوال [۷۸۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس پر غیر مسلم قبضہ کرنا چاہتے ہیں، مسلم اگر اس کی حفاظت کرنا چاہیں تو ان کے کافی تعداد میں شہید ہو جانے کا یقین ہے، ایسی صورت میں مسجد کی حفاظت کی جائے یا مسجد سے دستبردار ہوا جائے؟

زید کہتا ہے کہ ابن ماجہ میں حدیث مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا خون کعبہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے، اسی طرح فقہاء کی کتابوں میں بوقت ضرورت مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے مذکورہ مسجد سے دست بردار ہونا مناسب ہے، زید کی بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی حفاظت تمام مسلمانوں پر فرض ہے، البتہ لڑنا جھگڑنا ہرگز جائز نہیں بلکہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کی صیانت کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

﴿اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ [التوبہ: ۱۸]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۵۴)

گھر کے مقابلے میں مسجد کی جماعت میں شرکت کا حکم

سوال [۷۸۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب نسبت بزرگ ایک صاحب کے مکان میں تشریف فرما تھے، کھانے کی مصروفیت کی وجہ سے مسجد کی جماعت چھوڑ دی اور صاحب مکان کے یہاں ہی ان بزرگ نے اور ان کے مریدین اور متعلقین نے جماعت کی، ایک دو ساتھی مسجد میں نماز کے لیے چلے گئے، ان مسجد جانے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا، کہ ایک شیخ وقت عالم دین کے پیچھے نماز چھوڑ کر مسجد کی جماعت میں شریک ہوئے جبکہ جماعت تو یہاں مکان پر بھی ہوئی ہے اس سلسلے میں شرعاً فیصلہ فرمائیں، کیا طریقہ بہتر ہے؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملتا، اور جن لوگوں نے گھر میں شیخ کے ساتھ نماز نہ پڑھ کر مسجد کی جماعت میں شرکت کر لی ہے وہی لوگ فضیلت کے زیادہ مستحق ہیں اور مقامی لوگوں کا

مسجد کی جماعت کو بالقصد بلا عذر ترک کرکے شیخ ہی کے ساتھ کسی کے گھر میں نماز پڑھنے کو زیادہ افضل سمجھنا جہالت اور گمراہی کا سبب ہے، کتنا بڑا شیخ اور ولی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ غیر مسجد میں نماز پڑھنے کے مقابلہ میں مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھنا بہرحال زیادہ افضل ہے۔

وإن صلى أحد في بيته بالجماعة لم ينالوا فضل الجماعة التي تكون في المسجد لزيادة فضيلة المسجد و تكثير جماعته و إظهار شعائر الإسلام و هكذا في المكتوبات أي الفرائض لو صلى جماعة في البيت على هيئة الجماعة في المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهي المضاعفة بسبع و عشرين درجة لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة في المسجد، فالحاصل أن كل ما شرع فيه الجماعة فالمسجد فيه أفضل لما اشتمل عليه من شرف المكان وإظهار الشعائر و تكثير سواد المسلمين و ائتلاف قلوبهم. (كبيرى اشرفيه ديوبند ٤٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۴۰)

مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب کب حاصل ہوگا

سوال [۷۸۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جگہوں کی بہ نسبت مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ۲۵؍۲۷؍ گنا ہے اس سلسلے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ مسجد میں نماز پڑھنے کا مذکورہ ثواب جماعت کے ساتھ پڑھنے پر ہے، یا تنہا نماز پڑھنے پر بھی ہے، اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ مقید نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ مسجد میں جماعت چھوٹنے پر لوگ مسجد سے باہر جماعت کر لیتے ہیں تو اس صورت میں مسجد میں تنہاء نماز پڑھنا بہتر ہوگا یا مسجد کے باہر جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا اور اگر جماعت کے ساتھ پڑھنے کے ساتھ مقید ہے تب تو ظاہر ہے کہ مسجد میں جماعت چھوٹنے پر مسجد سے باہر جماعت کر لینا بہتر ہوگا؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں پر تین صورتیں ہیں (الف) حدیث شریف میں ۲۵/ یا ۲۷/ درجہ جو ثواب مذکور ہے یہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے ساتھ خاص ہے، کہ پچیس یا ستائیس درجہ ثواب اسی وقت ملے گا جب کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کی گئی ہو، اور جن روایات کے اندر جماعت کی فضیلت پچیس یا ستائیس درجہ بیان کی گئی ہے وہاں مسجد کی جماعت مراد ہے، اگرچہ ان روایات میں مسجد کی قید صراحت سے نہیں، لیکن ابن ماجہ کی روایت میں مسجد کی قید صراحت کے ساتھ موجود ہے، اس لیے ان روایات میں مسجد ہی کی جماعت مراد ہے۔

عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع و عشرين درجة وفي رواية: بخمس و عشرين درجة. (بخاری شریف، الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، النسخة الهندية ۸۹/۱، رقم: ٦٣٦، ف: ٦٤٥، رقم: ٦٣٧، ف: ٦٤٦)

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ: صلاة الرجل في بيته بصلاة، و صلاته في مسجد القبائل بخمس و عشرين صلاة. (ابن ماجه، الصلاة، باب ماجاء في الصلاة، في المسجد الجامع، النسخة الهندية ۱۰۲، دار السلام رقم: ١٤١٣، المعجم الأوسط، دار الفكر ١٨٥/٥، رقم: ٧٠٠٨)

(ب) مسجد میں جماعت چھوٹ جانے پر اگر مسجد کے علاوہ گھر وغیرہ میں جماعت سے نماز پڑھنا ہے تو مسجد میں تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں بہتر اور افضل ہے، کیونکہ دیگر مقامات میں تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے، لیکن دیگر مقامات کی جماعت کی فضیلت اتنی نہیں ہے جتنی مسجد کی جماعت کی فضیلت ہے، لہٰذا اگر مسجد کی جماعت چھوٹ جائے اور مسجد کے علاوہ کسی پھاٹک یا ہال میں جماعت ہورہی ہے تو مسجد کے اندر تنہا نماز پڑھنے کے مقابلے میں وہاں جاکر کے جماعت سے نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے۔

والصلاة جماعة في البيت وفي السوق أولى من الانفراد. (فتح الباری،

الأذان، باب فضل صلاة الجماعة اشرفيه ديوبند ۱۷۲/۲، تحت رقم الحديث ٦٤٧، دار الفكر ۱۳۵/۲، دار الريان للتراث قاهره ۱٥۹/۲)

فإن كان يفعلها في البيت في جماعة وفي المسجد منفردا كان فعلها في البيت في جماعة أولىٰ. (أعلام الساجد بأحكام المساجد ص: ۳۷٥)

(ج) مسجد کی جماعت ہو جانے کے بعد حدود مسجد کے اندر اہل محلّہ کے لیے جماعت ثانیہ کرنا جس طرح مکروہ ہے اسی طرح مسجد سے متصل خارج مسجد حصہ میں بھی اہل محلّہ کے لیے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ حدود مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کی جو علت ہے وہی علت مسجد سے متصل خارج مسجد حصہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں پائی جاتی ہے، ہاں البتہ اہل محلّہ کے علاوہ دیگر مقامات سے آنے والے مسافرین کے لیے حدود مسجد سے متصل خارجی حصہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، لہٰذا اگر مسجد کی جماعت چھوٹ جائے تو مسجد سے متصل خارجی حصہ میں دوسری جماعت قائم نہ کی جائے، اور ایسی جگہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے مسجد میں تنہا نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے ایسے حالات میں اگر جماعت سے نماز پڑھنا چاہے تو مسجد سے دور کسی ایک جگہ میں جماعت سے نماز پڑھی جائے۔

وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لايؤدي إلى تقليل الجماعة، لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف فيحضرون حينئذ ولأن حق المسجد لم يقض بعد لأن قضاء حقه على أهله. (بدائع الصنائع زكريا ۳۸۰/۱، کراچی ۱٥۳/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۵۴/۳۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۲۷ھ

محراب سے آگے کا حصہ مسجد میں شامل نہیں

سوال [۷۸۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک جگہ ہے جہاں مسجد بنانے کا ارادہ ہے اور معتکفین کے لیے ایک کمرہ کا بھی انتظام ہے، جو امام کے کھڑے ہونے کی جگہ سے آگے پڑ رہا ہے تو کیا وہ مسجد کے حکم میں رہے گا، اور معتکفین اس میں قیام کرسکتے ہیں، واضح رہے کہ مذکورہ کمرہ بقیہ ایام میں امام کی رہائش کے لیے استعمال ہوگا؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محبوب الرحمٰن اعظم گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جس کمرہ کا ذکر کیا گیا ہے اور نقشہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے وہ محراب سے باہر ہے، اور محراب سے باہر کا حصہ حدود مسجد کے دائرے میں نہیں آتا، اس لیے وہ خارج مسجد میں شمار ہوگا، اور اس حصہ میں معتکف کا قیام جائز نہ ہوگا، نیز اس کمرہ کے بنانے کا مقصد بھی امام کی رہائش ہے اور اعتکاف کے لیے حدود مسجد کے اندر ہی رہنا لازم ہے۔

فهو اللبث فی المسجد مع نية الاعتكاف. (هنديه، الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف زكريا قديم ۱/۲۱۱، جديد ۱/۲۷٤، قاضيخان ۱/۱۳۸، و على هامش الهندية ۱/۲۲۱، الدر مع الرد زكريا ۳/٤۲۹، كراچی ۲/٤٤۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ٥/۲۰۹، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح قديم ۳۸۱، دار الكتاب ديوبند ٦۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۶۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۹/۴ھ

قبرستان کے بیچوں بیچ بنی ہوئی مسجد میں نماز کا حکم

سوال [۷۸۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک قدیم قبرستان ہے جس میں تدفین عرصۂ دراز سے بالکل بند ہے، اور اس قبرستان کے بیچ میں ایک قدیم مسجد ہے جس کے ارد گرد پرانی پکی قبریں بھی ہیں اور اس مسجد میں

پنجوقتہ نماز باجماعت وجمعہ بھی ہوتا ہے، شرعاً ایسی مسجد میں نماز پنجگانہ ونماز جمعہ ادا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد اقبال رشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جس مسجد کا ذکر کیا گیا ہے اگر یہ مسجد ایسے قبرستان میں ہے جو شہر یا قصبہ یا بڑے گاؤں کے بیچ میں ہے یا اس کے فنا میں ہے، چھوٹے دیہات میں نہیں ہے تو اس مسجد میں نماز پنجگانہ اور جمعہ کا ادا کرنا جائز اور درست ہے اور مسجد کے قبلہ کی طرف جو قبریں ہوں ان قبروں سے متصل اگر جانب قبلہ میں جنگلہ ہو اور مسجد میں نماز پڑھتے وقت وہ قبریں بالکل سامنے ہوں تو ایسی صورت میں نماز کے وقت ان جنگلوں کو بند کر دیا جائے، یا کپڑا وغیرہ ڈال دیا جائے، تو بہتر ہے۔

لاتکره الصلاة فی جهة قبر إلا إذا کان بین یدیه، بحیث لو ،صلی صلاة الخاشعین وقع بصره علیه. (شامی، الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، زکریا دیوبند ۲/ ۴۲۵، کراچی ۱/ ۶۵۴، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دار الکتاب دیوبند ۳۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۸۷)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۴ھ

بابری مسجد کی حفاظت کے لیے تحریک چلانا

سوال [۷۸۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بابری مسجد کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے جو قدم اب تک اٹھے ہیں یا آئندہ اٹھائیں اور ان کو اس سے جانی ومالی نقصان ہو تو کیا از روئے شرع مطہرہ مسلمانوں کا یہ فعل درست ہوگا یا نہیں؟ اور کیا بابری مسجد کی حفاظت میں مرنے والے مسلمان شہید ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد جمال نگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر غیر مسلموں کی طرف سے اقدام ہو اور مسلمان مدافعت کی سعی کریں اور اسی اثناء میں کوئی مسلمان مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو جائے تو وہ شرعی طور پر شہید کہلائے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۴۷۶/۵)

الشهيد من قتله المشركون. (هدايه، الصلاة، باب الشهيد اشرفي ديوبند ۱۸۳/۱)

هو كل مكلف مسلم طاهر ......قتل ظلما بغير حق الخ. (در المختار، باب الشهيد زكريا۳/ ۱۵۸، ۱۵۹، كراچی ۲/ ۲٤۷)

اور ہندوستان جیسے ملک میں ایسا اقدام ہرگز جائز نہیں ہے کہ جس سے مسلمانوں کی جان و مال تباہ ہو جائے، بلکہ حکمت عملی سے کام لینا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹۱/۷، جدید زکریا مطول ۴۲۱/۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۸۳/۲۶)

کیا بابری مسجد کے لیے چلائی جانے والی تحریک اسلامی ہے؟

سوال [۷۸۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بابری مسجد کی حفاظت کے لیے اگر کوئی تحریک چلائی جائے تو وہ اسلامی تحریک ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی تحریک جو مسلمانوں کی خونریزی اور جان و مال کی تباہی کا باعث نہ ہو بلکہ اس سے محض حکومت اور سرکار کو ظلم والی قانونیت پر بیدار کرنا مقصد ہو تو ایسی تحریک جائز اور مذہبی و اسلامی تحریک کہلائی جا سکتی ہے، اور جو تحریک مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا باعث ہو وہ قطعاً جائز نہیں ہے، اور اس پر ابھارنے والے سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

ويتقدم إلى من يؤمره أن لايحمل المسلمين على مهلكة و لايأمرهم

بـدخول مطمورة يخاف أن يقتلوا تحتها فإن فعل ذٰلك فقد أساء ويستغفر الـلـه تعالىٰ. (إعلاء السنن، كتاب السير، باب فرضية الجهاد و دوامه مع كل امير بر أو فاجر كوئٹه ۱۲/ ٤، دار الكتب العلمية بيروت ۱۲/ ٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۸۳)

بابری مسجد کی اراضی تا قیامت مسجد ہے

سوال [۷۸۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ساڑھے چار سو سال پرانی بابری مسجد میں کچھ شر پسندوں نے تنازع کھڑا کیا کہ یہ مسجد دوسرے فرقہ کی عبادتگاہ توڑ کر جبراً طریقے سے ناجائز تعمیر کی گئی ہے جس پر وقف بورڈ کے مسلمانوں نے مزاحمت کی اور عدالتوں میں مقدمات اب تک زیر سماعت ہیں، تقریباً ۴۳؍سال قبل شر پسندوں نے مسجد کے اندر رات کی تاریکی میں چوری سے مورتیاں رکھ دیں، لیکن مسلمان پرامن طریقے سے قانونی چارہ جوئی کرتے رہے، تقریباً چھ سال قبل بابری مسجد کا دروازہ کھول کر شر پسندوں کو پوجا کی عام اجازت مل گئی، اس صورت میں کیا وہ مسجد رہی یا نہیں؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

اب ملک کی سب سے بڑی عدالت (سپریم کورٹ) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مرکزی حکومت کی یقین دہانیوں کے باوجود شر پسندوں نے بابری مسجد کو شہید کر دیا اس صورت میں کیا مسلمانوں کا مسجد سے استحقاق ختم ہوگیا؟

مسلمانوں کا اصرار ویقین ہے کہ مسجد دوبارہ تعمیر کر کے مسلمانوں کو اس میں نماز کی مکمل آزادی دی جائے، ہندوستان کی مرکزی حکومت یا ریاستی حکومت اگر بابری مسجد کو دوبارہ تعمیر کرتی ہے تو کیا شرعی طور پر یہ جائز ہوگی یا نہیں اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مسجد کی تعمیر کے لیے شرعی طور پر کیا شرائط واحکامات ہیں اس کے منبر کی سیڑھیوں کی تعداد کتنی ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسجد کے اندر مورتی رکھنا کسی حال میں کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے، مسجد میں مورتی رکھنے والا بہت بڑا ظالم شمار ہوگا، تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ حکومت سے قانونی چارہ جوئی کرکے وہاں سے مورتی کو نکلوادیں، نیز مسجد میں اگر جبراً مورتی رکھدی گئی ہے، تو مورتی اندر موجود ہونے کی وجہ سے مسجد کے مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا، مسجد اپنی جگہ تا قیامت باقی رہے گی، اگر مسلمانوں کو وہاں سے مورتی ہٹانے کی کسی طرح قوت حاصل نہ ہو تو مورتی ہوتے ہوئے بھی اس میں نماز پڑھنا بلا کسی کراہت کے جائز اور درست ہے۔

وجود نار بين المصلي و بين قبلته في الجملة و أحسن من هذا عندي أن يقال: لم يفصح المصنف في الترجمة: بكراهة و لا غيرها فيحتمل أن يكون مراده التفرقة بين من بقي ذلك بينه و بين قبلته وهو قادر على إزالته أو انحرافه عنه و بين من لايقدر على ذٰلك فلا يكره في حق الثاني. (فتح الباري، باب من صلى وقدامه تنور، دار الفكر ۱/۵۲۸، اشرفيه ۱/۶۹۵ رقم الباب ۵۱)

نیز مسجد کے شہید کردیئے جانے کے بعد مسلمانوں کو وہاں پر دوبارہ مسجد کی عمارت تعمیر کرنے کا ہمیشہ حق باقی رہتا ہے، چاہے مسلمان خود بنائیں یا حکومت کے توسط سے بنائیں، ہر حال میں بنانا جائز اور درست ہے، اور ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ حکومت سے مسجد کی صیانت کا مطالبہ اور مانگ کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۵۴۵، جدید زکریا ۵۲۷)

نیز جو زمین ایک مرتبہ مسجد بن جائے وہ تا قیامت مسجد ہی کے حکم میں رہتی ہے، اس پر چاہے عمارت قائم رہے یا نہ رہے، وہاں پر مسلم آبادی موجود ہو یا ویران ہو جائے، ہر حال میں وہ زمین مسجد کے حکم میں رہتی ہے، اور سورۂ جن کی آیت ''**وأن المساجد لله**'' سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد میں غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے، حتی الامکان وہاں سے مورتی ہٹا دینا لازم ہے، نیز اس کے بدلے میں اگر دوسری جگہ مسجد بنادی جائے تو شہید شدہ مسجد کے اوپر سے مسجد کا حکم ختم نہ ہوگا، بلکہ اس کے اوپر سے مسجد کا حکم ختم ہونے کے لیے کوئی بھی

صورت نہیں ہے، نیز کسی مسلمان کو یہ حق ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہے کہ مسجد جیسے اللہ تعالیٰ کے گھر کو یہ کہہ کر اغیار کے حوالے کردے کہ یہ مسجد ہم آپ کو دیدیتے ہیں، نیز مسجد چاہے آباد ہو یا ویران، ہرحال میں کسی مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنا جائز نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنے والے کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا ہے۔

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِيْ خَرَابِهَا. [البقرة: ١١٤]﴾

اور سیکولر حکومت میں ہر قوم وملت کو اپنے پرسنل لاء کی حفاظت اور دفع ظلم کے لیے حکومت سے مطالبہ کرنا قانون کے خلاف نہیں ہے، اس لیے قانون کا احترام باقی رکھتے ہوئے بابری مسجد کی بازیابی اور اسی پرانی جگہ پر دوبارہ مسجد تعمیر کردینے کا مطالبہ کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور مسجد کے منبر میں تین سیڑھیوں کا ہونا مسنون ہے، اگر منبر نہ بھی ہو تب بھی مسجد ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۳۷۴)

ومنبره صلى الله عليه وسلم **كان ثلاث درج غير المسماة بالمستراح.** (شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة مطلب: في حكم المرقى بين يدي الخطيب كراچی ۲/ ۱۶۱، زكريا ۳/ ۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۵۴)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍ ۷؍ ۱۴۱۳ھ

کیا مسجد کی مسجدیت کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے؟

سوال [۷۸۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شریعت مطہرہ میں مسجد کی مسجدیت کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہرگز نہیں ہے۔

ولو خرب ما حوله و استغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام و الثانی أبدا إلی قیام الساعة و به یفتی. (الدر المختار مع الرد، الوقف، مطلب: فیما لو خرب المسجد أو غیره زکریا دیوبند ۵٤۸/٦، کراچی ۳۵۸/٤، مجمع الأنهر دار الکتب العلمیة بیروت جدید ۵۹۵/۲، قدیم ۷٤۸/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۸۳/۲۶)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۳ھ

چالیس دن نماز نہ پڑھنے یا مورتیاں نصب کرنے سے مسجدیت ختم نہیں ہوتی

سوال [۷۸۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) بعض نام نہاد مولوی یہ کہتے ہیں کہ جس مسجد میں چالیس روز تک نماز نہ پڑھی جائے وہ مسجد ہی نہیں رہتی تو کیا ان مولویوں کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) معلوم ہوا ہے کہ بابری مسجد میں مورتیاں نصب کردی گئی ہیں تو ایسی صورت میں وہ مسجد رہی ہے یا نہیں؟

المستفتی: لئیق احمد جمال نگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ہرگز درست نہیں، بلکہ ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے تو تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اگرچہ اس میں نماز بھی نہ ہوتی ہو اس کا احترام عام مسجد کی طرح لازم ہے۔

ولو خرب ما حوله و استغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام و الثانی أبدا إلی قیام الساعة و به یفتی. (الدر المختار مع الرد، الوقف، مطلب: فیما لو خرب المسجد أو غیره، زکریا دیوبند ۵٤۸/٦، کراچی ۳۵۸/٤، مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت جدید ۵۹۵/۲، قدیم ۷٤۸/۱، البحر الرائق کوئٹہ ۲۵۱/۵، زکریا

۵/ ٤٢١، تاتارخانية زكريا ٨/ ١٦٤، رقم: ١١٥١٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۸۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۴/۲ھ

واقف نے اگر وقف کے وقت نیچے دوکان وغیرہ کی نیت کی اور اوپر مسجد بنانے کی تو یہ درست ہے؟

سوال [۷۸۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محلّہ یوسف چوک ٹانڈہ بادلی ضلع رامپور میں ایک خالی زمین پڑی ہوئی تھی، جس کی لمبائی تقریباً چالیس فٹ اور چوڑائی انیس فٹ ہے، اس زمین کے مالک محمد شمشاد (جو کہ شہر میرٹھ میں رہتے ہیں) نے یہ زمین مسجد کے نام وقف کردی ہے اس مسجد کا نام تاج مسجد رکھا گیا ہے، جس کا سنگ بنیاد یکم ستمبر ۸۹ء بروز جمعہ کو جناب مولانا محمد نسیم صاحب شیخ الحدیث مدرسہ جامع الہدیٰ کے دست مبارک سے رکھا گیا، جس کی تعمیر معمار کررہے تھے، کہ اچانک خیال پیدا ہوا اور محلّہ والوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مسجد کے نیچے کچھ دوکانیں اور ایک گودام اور غسل خانہ اور وضوخانہ اور باقی سبھی ضرورت کی چیزیں بنادی جائیں اور اوپر مسجد تعمیر کردی جائے، یہ اس لیے سوچا گیا کہ موجودہ جگہ مسجد کی ضروریات کے لیے ناکافی ہے، کیونکہ سارا کام نیچے والے حصہ میں ہوجائے گا، اوپر والے حصہ میں صفوں میں اضافہ ہوجائیگا، جس سے کافی لوگ نماز پڑھ سکیں گے، اوپر جس معمار کا ذکر کیا گیا وہ بیچ سے ہی کام چھوڑ کر چلا گیا، کیونکہ وہ اپنی مرضی سے کام کرنا چاہتا تھا، اب معمار رامپور شہر سے بلایا گیا ہے وہی تعمیر کا کام کررہا ہے، اب کچھ لوگ اعتراض کررہے ہیں کہ آپ لوگ دوکانیں مسجد کے نیچے کیوں نکال رہے ہیں، یہ غلط ہے، اور مسجد نیچے ہی بنی چاہیے، جبکہ مسجد کے اوپر والے اثار مسجد کی بنیاد پر ہی رکھی گئی ہے، جو کہ مسجد کی اصل بنیاد ہے، کام ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ پایا ہے لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اس مقدمہ پر کافی غور وخوض کر کے اس مسئلہ کے صحیح حل سے مستفید فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے لیے وقف کرنے والے شمشاد احمد نے نیچے دوکانیں اور اوپر مسجد بنانے کی اجازت دی ہے تو ابتدائی تعمیر میں فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، اور اگر واقف کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے تو صرف مسجد بنانا لازم ہوگا، دوکانیں وغیرہ بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز فقہاء نے مسجد کی آمدنی کے لیے دوکان بنانے کی تو اجازت دی ہے لیکن غسل خانہ و پیشاب خانہ، وضو خانہ کی اجازت نہیں دی ہے، نیز جو دوکانیں کرایہ پر دی جائیں ان کو ایک کرایہ دار کو مستقل طور پر کرایہ دار بنا کر دیدینا جائز نہیں ہے، اس میں مسجد کا نقصان ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے ہر سال کرایہ دار کو بدلنے کو لازم قرار دیا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۲۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۲۷، امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۸۹)

قال أبو جعفر: الفتویٰ علی إبطال الإجارة طویلة و معقود وتحته إنا نبطلها صیانة للوقف علی الفقراء والمساکین أکثر من سنة لایجوز. (عقود رسم المفتي قدیم ص: ۹۶)

لو جعل تحته حانوتا و جعل وقفا علی المسجد قیل لا یستحب ذلک ولکنه لو جعل فی الابتداء هکذا صار مسجدا وماتحته وقفا علیه ویجوز المسجد والوقف الذی تحته ولو أنه بنی المسجد أولا ثم أراد أن یجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل الخ. (حاشیة چلپي علی الزیلعی، کتاب الوقف، فصل ومن بنی مسجدا لم یزل ملکه ،امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۰، زکریا ۴/ ۲۷۱)

وأما مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، کتاب الوقف مطلب: مراعاة غرض الواقفین واجبة، زکریا ۶/ ۶۶۵، کراچی ۴/ ۴۴۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۵/ ۱۷۴۵)

کیا مسجد میں مالکانہ تصرف کا حق ہے؟

سوال [۷۸۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: مسجد گھیر ملا ملوک کی جنوبی دیوار بارہ فٹ اونچی اور چارفٹ چوڑی ہے، اس دیوار میں سے ۸ر فٹ اونچی اور تین فٹ چوڑی ڈاٹ نکال کر ایک دوکان بنائی ہے، اس دیوار کے اوپری حصہ کو بالکل نہیں چھیڑا گیا ہے، اور نہ ہی مسجد کی چہاردیواری میں کوئی تصرف کیا گیا ہے، صرف سڑک کی جانب سے یہ ڈاٹ نکال کر اور دیوار کے ساتھ افتادہ زمین پر یہ دوکان تعمیر کی گئی ہے تاکہ مسجد کے مصارف میں کام آسکے، کیا شرعی طور پر ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خالد حسین رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں تعمیر چونکہ مسجد کے کسی حصہ یا دیوار پر نہیں کئی گی ہے بلکہ بارہ فٹ اونچی اور چارفٹ چوڑی دیوار میں سے آٹھ فٹ چوڑی ڈاٹ نکال کر یہ تعمیر کی گئی ہے اس لیے یہ ’’درالمختار کتاب الوقف جزء ثانی کے اس مسئلہ کے تحت نہیں آتی...... ’’أما لو تمت المسجدیة ثم أراد البناء منع علیه ولو علی جدار المسجد‘‘۔

نیز مسئلہٴ مذکورہ میں مسجد کی چھت یا دیوار پر عمارت بنانے کی اس وجہ سے ممانعت کی گئی ہے کہ اس سے مسجد کی عظمت واحترام میں کمی آتی ہے، اور صورت مسئولہ کی تعمیر سے مسجد کی عظمت وتوقیر میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، نیز مسجد کی دیواروں کو مسجد نہیں کہتے ہیں، جیسا کہ ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں صفحہ ۴۴۱ پر تحریر کیا ہے:

والمسجد لغة محل السجود و شرعاً المحل الموقوف للصلاة فیه.

لہٰذا مسجد کی زمین سے کچھ حصہ لے کر دوکان یا مکان بنانا جائز نہیں ہے، لیکن مسجد کی دیوار سے کچھ حصہ لے کر جس سے مسجد کی عظمت وحرمت مجروح نہ ہو مسجد کے مصالح اور آمدنی کے لیے تعمیر کرنا جائز ہے، خصوصاً مسجد کے وسائل کی کمی ومصارف کی پیشی وگرانی کے دور کو مدنظر رکھتے ہوئے لیکن تعمیر اہل محلّہ کے اتفاق واتحاد سے ہونا چاہیے۔

عبدالہدیٰ خان عفی عنہ امام مسجد مسٹن گنج رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجدیت کامل ہوجانے کے بعد دیوار مسجد میں

بھی واقف یا غیر کے لیے دوسرے تصرفات جائز نہیں ہیں، چاہے منافع مسجد کے لیے کیوں نہ ہوں، کیونکہ یہ احترام مسجد کے خلاف ہے، جولوگ دیوارِ مسجد میں دیگر تصرفات کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے، نیز جتنی چوڑی دیوار ہے مکمل مسجد ہی کی دیوار کہلائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۵۰۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۶۷)

وإن كان حين بناه خلى بينه و بين الناس ثم جاء بعد ذلك يبني لايتركه و في جامع الفتاوىٰ: إذا قال: عنيت ذلك فإنه لايصدق فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فمن بنى بيتا على جدار المسجد وجب هدمه ولايجوز أخذ الأجرة الخ. (البحر الرائق كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد زكريا ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١)

ولايوضع الجذع على جدار المسجد و لو كان من أوقافه. (البحر الرائق، فصل في أحكام المسجد، زكريا ٥/ ٤١٩، كوئٹه ٥/ ٢٥٠، هكذا في الدر المنتقى ١/ ٧٥٥، شامي، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد كوئٹه ٣/ ٤٠٦، كراچی ٤/ ٣٥٨، زكريا ٦/ ٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ر شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۵۷)

کسی شخص کا اپنی مسجد میں آنے سے روکنا اور اس میں نماز جمعہ وعیدین کا حکم

سوال [۷۸۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنی مسجد میں کسی شخص کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے، اور شدت اختیار کرتا ہے، علماء امت کے نزدیک اس مسجد میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کا یہ فعل کیسا ہے؟ جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: زید مسجد کا متولی ہے۔

المستفتي: محمد فاروق مظاہری نور پور ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد اگر وقف کی زمین پر وقف شدہ ہے تو جمعہ و عیدین و پنجگانہ جائز ہے، البتہ ایسے نمازیوں کو روکنا جو فتنہ وفساد کا باعث نہ ہوں سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

﴿**وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهُ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا.** [البقرة: ١١٤]﴾

ہاں مسجد میں فتنہ وفساد اور نمازیوں کو ایذا پہنچانے والوں کو روکنا جائز ہے، بشرطیکہ روکنے والا ایسا شخص ہو جس کا روکنا فساد میں زیادتی کا باعث نہ ہو۔

ویمنع منه وکذا کل مؤذ ولو بلسانه، وفی الشامی: وکل من آذی الناس بلسانه وبه یفتی. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب: فی الفرس فی المسجد، کراچی ١/٦٦١، ٦٦٢، زکریا ٢/٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۵۸)

مسجد کو اپنی جاگیر سمجھنا

سوال [۷۸۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسجد کی بارہ بیگھہ زمین ”ملک“ نام تھی، نواب رامپور کی طرف سے آزادی ہونے پر وہ زمین فخر الدین کے نام گورنمنٹ کی طرف سے ہوگئی، وہ کچھ دنوں امام بھی رہے اس کے بعد انہوں نے وہ زمین فروخت کردی اس وقت وہ مسجد کچی تھی، مسجد کے نمازیوں میں حاجی عبد الشکور صاحب بھی تھے، ان کا کاروبار فیل تھا، ایک دن انہوں نے فجر کی نماز کے بعد یہ دعا کی کہ اگر میرا کاروبار صحیح چل پڑے تو میں یہ مسجد پکی بنوادوں گا، اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور انہوں نے حسب وعدہ مسجد پختہ بنوادی، اس کے بعد حاجی عبد الشکور صاحب اور

ان کےلڑکے نے لوگوں سے کہا کہ ہم سے مسجد کی جوخدمت ہوسکی ہم نے کی اب آپ لوگ بھی اس مسجد کا تعاون کریں تو اسی وقت سے نمازی لوگ چندہ سے اس کی مرمت کرار ہے ہیں، اورلگ بھگ تیس سال سے چندہ سے مسجد کا کام چل رہا ہے۔

اب حاجی عبدالشکور کےلڑکے عبدالحمید صاحب کہتے ہیں کہ میں جو چاہوں گا وہ ہوگا جس کو چاہوں گا رکھوں گا تو کیا باعتبارشرع ان کو یہ حق حاصل ہے یانہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی عبدالشکورصاحب یاان کےلڑکے عبدالحمید صاحب کواپنے پیسے یالوگوں کے چندہ سے مسجد کوپختہ بنادینے سےشرعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جو چاہیں کریں، اورجس کو چاہیں رکھیں اورجس کو چاہیں نہ رکھیں، کیونکہ اس طرح بنادینے سے وہ مسجد کے مالک نہیں ہوسکتے، مسجد تو اللہ کی ملکیت میں ہوتی ہے اس کا کوئی بھی مالک نہیں ہوتا، اورامور مسجد مسجد کی کمیٹی کے مشورہ سے طے کرنا ضروری ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۱،جدید زکریا مطول۱۰/ ۴۳، ۴۴،فتاویٰ محمودیہ قدیم۱۲/ ۲۹۴،جدیدڈابھیل۱۴/ ۳۶۸)

﴿ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. [الجن: ۱۸] ﴾

وعندها حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولايباع ولايوهب ولايورث كذا في الهداية. (فتاویٰ عالمگیری، كتاب الوقف، الباب الاول، زكريا قديم ۲/ ۳۵۰، جديد ۲/ ۳٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح
۸؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/ ۴۴۷۶)	۱۴۱۶/۶/۱۰ھ

واقف کے ورثاء کا یہ دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے

سوال [۷۸۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبدالکریم نامی ایک شخص نے ۱۹۰۸میں اپنی زمین میں ایک مسجد تعمیر کی اوراس کووقف

کر دیا، ۱۹۵۹ء میں باجازت متولی حوض کی تعمیر عمومی چندہ سے ہوئی، ۱۹۶۲ء میں برآمدہ کی تعمیر بھی عمومی چندہ سے ہوئی، چالیس سال کے بعد ۲۰۰۳ء میں مسجد کی کمیٹی تشکیل دی گئی متولی صاحب نے کمیٹی کو ۸۰۰۰ / روپئے کا مسجد کو مقروض بتایا، قرضہ کی ادائیگی کمیٹی نے مسجد کی موقوفہ جائیداد کی آمدنی سے کردی، مسجد کی دیگر ضروریات مثلاً مؤذن کی تنخواہ وغیرہ نماز جمعہ سے قبل عمومی چندہ سے پوری ہوتی ہیں، کمیٹی کے لوگ حضرات مصلین کی پریشانی کی وجہ سے مسجد کی تعمیر کرانا چاہتے ہیں، متولی صاحب یہ کہتے ہیں کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے اس میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہے، تو کیا متولی صاحب کا مسجد کو اپنی ملکیت قرار دینا صحیح ہے؟ یا اپنی ملکیت بتا کر مسجد کی تعمیر کو روکنا جائز ہے؟ جبکہ نمازیوں کو پریشانی ہو رہی ہے، ایسی صورت میں مسجد کے اخراجات کی ذمہ داری متولی صاحب کی ہے؟ یا کمیٹی ذمہ دار ہے؟ کمیٹی کو متولی صاحب کے سامنے حساب پیش کرنا ضروری ہے یا نمازیوں کے سامنے حساب پیش کیا جائیگا، جبکہ کمیٹی نے ۹/ سال کی مدت میں پوری دیانتداری وذمہ داری سے کام کیا ہے، اور موقوفہ زمین میں دس دوکانیں بھی تعمیر کرائی ہیں، مسجد کے اخراجات بحسن وخوبی پورے ہوئے ہیں، فی الحال خاصی رقم بھی موجود ہے، ایسی صورت میں متولی اور کمیٹی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ وضاحت سے جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتی: حاجی محمد عرفان خزانچی موتی مسجد ٹانڈہ بادلی رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب واقف نے زمین مسجد کے لیے وقف کردی اور اس پر مسجد تعمیر ہو کر نماز شروع ہوگئی تو اس کے وقف کی تکمیل ہو چکی اور وقف کی تکمیل کے بعد واقف کی ملکیت کسی طرح باقی نہیں رہتی، اور واقف اور اس کے ورثاء کا اس میں کسی طرح کا مالکانہ اختیار باقی نہیں رہتا، لہٰذا بعد میں کسی بھی زمانہ میں بھی واقف کے وارثین میں سے کسی کا اس طرح دعویٰ کرنا کہ مسجد ہمارے باپ دادا کی ملکیت ہے، اس میں کسی کو مداخلت کرنے کا حق نہیں ہے، یہ درست نہیں ہے، ایسا دعویٰ باطل ہے، اگر واقف کے وارثین میں سے کوئی اس کی تولیت کا حق صحیح طور پر ادا نہیں کرتا ہے، تو مسجد کی کمیٹی کے لیے، مسجد کی ترقی

اورمنافع کا کام کرنا جائز ہے، اور مسجد کا حساب وکتاب متولی کے سامنے بھی پیش کرنا چاہیے، اورنمازیوں کے سامنے بھی پیش کرنا چاہیے، تاکہ حساب وکتاب میں کسی قسم کا اشکال نہ رہے، اورمسجد کی توسیع اورتعمیر میں ہر مسلمان کوتعاون کرنا چاہیے۔

عن ابن عمر أن عمر تصدق بمال له على عهد رسول الله ﷺ، وكان يقال له ثمغ وكان نخلا، فقال عمر: يا رسول الله! إني استفدت مالا وهو عندي نفيس، فأردت أن أتصدق به، فقال النبي ﷺ تصدق بأصله، لايباع ولايوهب ولايورث، ولكن ينفق ثمره، فتصدق به عمر، فصدقته تلك في سبيل الله وفي الرقاب والمساكين والضيف وابن السبيل ولذي القربىٰ، ولا جناح على من وليه أن يأكل منه بالمعروف أو يؤكل صديقه غير متمول به. (صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله عز وجل وابتلوا اليتامى حتى إذا بلغوا النكاح، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف: ٢٧٦٤)

إن الوقف لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالىٰ الذي لا ملك فيه لأحد سواه وإلا فالكل ملك لله تعالىٰ واستحسن في الفتح قول مالك رحمة الله: أنه حبس العين على ملك الواقف فلايزول عنه ملكه لكن لايباع ولايورث ولايوهب مثل أم الولد والمدبر. (شامي، كتاب الوقف كراچی ٤/٣٣٨، ٣٣٩، زكريا ٦/٥٢٠، ٥٢١)

ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع فيه ولا يبيعه ولايورث عنه. (الهداية ٤/٤١١، كراچی پاكستان مكتبه بشرىٰ ٢/٦٣٧، اشرفيه ديوبند، هنديه زكريا قديم ٢/٣٥٠، جديد ٢/٣٤٦، تاتارخانية زكريا ٨/٣/رقم: ١١٠٥٦)

ومن اتخذ أرضه مسجدا لم يكن له أن يرجع ولايورث عنه يعني بعد صحته بشرطه. (فتح القدير، فصل و اذا بنى مسجداً لم يزل ملكه، دار الفكر بيروت ٦/٢٣٥، زكريا ٦/٢١٨، كوئٹه ٥/٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩/ ذیقعدہ ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١٠٨٣٨)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٩/ ١١/ ١٤٣٣ھ

فتنہ برپا کرنے والے کومسجد سے روک دیا جائے تو کیا اس میں جمعہ پڑھنا صحیح ہے؟

سوال [٧٨٥٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے چار سال ایک مسجد میں امامت کی، اب امامت چھوڑ کر بینک میں ملازمت اختیار کرلی، مسجد مذکور میں زید کے چھوڑنے کے بعد بکر کو امام رکھ لیا گیا، ایک روز زید (امام اول) مسجد کے حجرے میں بکر (امام ثانی) کے پاس آکر بیٹھ گیا، زید کو مسجد کے حجرہ میں دیکھ کر مسجد کی کمیٹی کے صدر نے زید سے کہا، آپ جب یہاں سے چلے گئے تو مسجد کے حجرے میں آپ کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، جب بھی آپ مسجد میں آئیں، نماز پڑھ کر چلے جایا کریں یا جس سے بھی کوئی بات کرنی ہو مسجد ہی میں کریں مگر مسجد کے حجرے میں داخل نہ ہوں، اس بات پر زید نے مسجد کی کمیٹی کے صدر کو بے تحاشہ گالیاں دیں، بلکہ مار پیٹ کا ارادہ کرلیا، لیکن صدر صاحب خاموش ہو گئے، اور زید نے یہ دھمکی دی کہ میں پھر سے پہلی تاریخ سے بینک کی ملازمت چھوڑ کر یہاں پر آؤں گا، اور نماز پڑھاؤں گا، اور مسجد کے حجرے کا تالا توڑ دوں گا، میں دیکھتا ہوں کہ مجھ کو کون روکتا ہے، زید سے بھی سب لوگ ڈرتے ہیں، کیونکہ بدمعاش لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، داڑھی بھی کٹاتا ہے، لباس وغیرہ خلاف شرع استعمال کرتا ہے، اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زید آکر امام ثانی بکر سے مار پیٹ کرے اور حجرے کا تالا توڑ دے اور مسجد میں فساد ہو جائے، پولیس میں اطلاع دے کر زید کو بذریعہ پولیس مسجد میں آنے سے منع کر دیا گیا، گورنمنٹ کالونی میں مسجد ہے، اگر مسجد میں ذرا بھی فساد ہوا تو گورنمنٹ مسجد کو بند کرسکتی ہے، آپ یہ تحریر فرمائیں کہ مسجد مذکور میں جمعہ کی نماز پڑھی جائے تو نماز جمعہ ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر جی ابن شیخ ممبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے اور آئندہ واقعی

زید سے مسجد میں فتنہ وفساد کا خطرہ ہے، اور مسجد ومصلیوں کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھنے کی غرض سے زید پر مسجد میں آنے سے پابندی لگادی گئی ہے تو جب تک فتنہ کا خطرہ باقی رہے گا اس وقت تک کے لیے پابندی جائز رہے گی اوراذن عام کے خلاف نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ مسجد میں بلا کراہت جمعہ ونماز پنج گانہ درست ہوگی ، اور جب زید سے فتنہ کا خطرہ نہ رہیگا تو پابندی ختم کردینی لازم ہوگی۔

و الذی یضر إنما هو منع المصلین لا منع العدو. (شامی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، مطلب: فی قول الخطیب، قال الله تعالیٰ: اعوذ بالله من الشیطان الرجیم کراچی ٢/١٥٢، زکریا ٣/٢٥، منحة الخالق علی البحر الرائق کوئٹہ ٢/١٥١، زکریا ٢/٢٦٤، مجمع الأنهر قدیم ١/١٦٦، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ١/٢٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١ر ربیع الثانی ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/ ١١٩٦)

بے پردگی اور دیگر منکرات سے بچنے کے لیے مسجد کا دروازہ اور کھڑ کی بند کرنا

سوال [٧٨٥٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں دیوار قبلہ میں ایک دروازہ اور چند کھڑکیاں لگائی گئی ہیں مگر اس دروازہ اور کھڑکیوں سے جو کہ لب سڑک ہیں، آنے جانے والے اور گذرنے والے لوگ دکھائی دیتے ہیں، جس سے نمازیوں کے خشوع وخضوع میں فرق پڑتا ہے، اور اس دروازہ سے کئی بار مسجد کا سامان بھی چوری ہو چکا ہے، یہ دروازہ وغیرہ ایک دو آدمیوں نے اپنے مکان کے قریب ہونے کی وجہ سے اپنی سہولت کے لیے کھولا تھا، جبکہ تمام نمازی مسجد کے اصل دو دروازوں سے ہی آتے ہیں، جو بڑے دروازے ہیں ان دروازوں اور کھڑکیوں سے عورتوں کی بے پردگی بھی ہوتی ہے، جو باعث نزاع ہے، فی الحال ان کو تالا لگا دیا گیا ہے، اور فتنہ کو بند کرنے کے لیے ان کو بند کرنا ہی بہتر بلکہ ضروری ہے، لہٰذا از روئے شرع کیا حکم ہے؟ کیا ایسی صورت میں دو آدمیوں کی

ضرورت کی وجہ سے بند دروازہ کھولنا جائز ہے یا بند رکھنا ضروری ہے؟

المستفتی: تسلیم احمد کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جبکہ مسجد کو اس دروازہ کی ضرورت نہیں ہے اور اس دروازہ کی وجہ سے مسجد اور اس کا سامان غیر محفوظ ہے، نیز اس دروازہ اور کھڑکیوں سے عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے اور دیگر مصلی حضرات بھی اس پر رضامند نہیں ہیں تو ایسی صورت میں ان مختلف وجوہ کی بنا پر اہل محلّہ کے لیے اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اس دروازہ اور کھڑکیوں کو بند کردیں، تاکہ مسجد اور اس کے سامان کی بھی حفاظت ہوسکے اور نزاع وغیرہ کا بھی امکان باقی نہ رہے، اور نمازیوں کے خشوع وخضوع میں بھی کسی طرح کا فرق نہ آئے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۵۹۵، امداد المفتیین ۷۹۳، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۰۹، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۵۶)

وكره غلق باب المسجد إلا لخوف على متاعه به يفتى (در مختار) وفي الشامية: لأن المدار على خوف الضرر. (شامي، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب في أحكام المسجد، كراچی ۱/ ۶۵۶، زكريا ۲/ ۴۲۸، البحر الرائق كوئٹه ۲/ ۳۳، زكريا ۲/ ۵۹، فتح القدير مع الكفاية، دار الفكر بيروت ۱/ ۴۲۱، زكريا ۱/ ۴۳۵، كوئٹه ۱/ ۳۶۷، هنديه زكريا قديم ۱/ ۱۰۹، جديد ۱/ ۱۶۸)

كره مرور مار في الصحراء و في مسجد كبير بموضع سجوده في الأصح أو مروره بين يديه إلى حائط القبلة في بيت و مسجد صغير. (شامي، مطلب إذا قرأ قوله تعالىٰ جدك الخ، زكريا ۲/ ۳۹۸، كراچی ۱/ ۶۳۴، فتح القدير، دار الفكر بيروت ۱/ ۴۰۶، كوئٹه ۱/ ۳۵۴، زكريا ۱/ ۴۱۶، طحطاوي قديم ۱۸۸، جديد دار الكتاب ديوبند ۳۴۲، البحر الرائق كوئٹه ۲/ ۱۷، زكريا ۲/ ۲۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۵۴/۳۵)

ہال کو عارضی طور پر مسجد بنانا

سوال [۷۸۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ کافی بڑی آبادی ہے ماشاء اللہ تین مسجدیں ہیں، اورمدرسہ بھی ہے، جس میں مقامی طلبہ کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ بیرونی طلبہ بھی مقیم رہتے ہیں، ایسی آبادی میں ایک کالونی کے نام سے کافی بڑی آبادی ہے وہاں پر کئی سال سے مسجد کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے، کئی مرتبہ لوگوں کا ارادہ ہوا لیکن کچھ برادران وطن کا ذہنی تعصب، فرقہ واریت اورسیاست آڑے آ گئی، اور مسلمان حضرات کثیر تعداد کے باوجود کامیاب نہ ہو سکے، اتفاق سے ایک عالم ایک شیخ کامل کے مجاز ہیں، انہوں نے اسی کالونی میں ایک جگہ خرید لی، جوان کی ذاتی ہے اوراپنے صرفہ سے انہوں نے ہال کی شکل میں اس کو تعمیر کرادیا، اورنل بیت الخلاء ، وضوخانہ وغیرہ سب انہوں نے اپنے ذاتی صرفہ سے تیار کرادیا ہے اوران کا مقصد اس جگہ میں صبح آٹھ بجے سے ایک بجے تک بڑی لڑکیوں کے لیے دینی تعلیم (ضمناً عصری تعلیم) کا بھی نظم کرنا (چنانچہ الحمد للہ اسی کالونی کی تقریباً ۳۵ رلڑکیاں پردہ کے ساتھ آکر قرآن پاک وغیرہ پڑھ رہی ہیں) پڑھانے والیاں بھی ماشاء اللہ عالمہ فاضلہ ہیں بالکل اسی جگہ کے برابر میں ساکنہ ہیں باقی وقت میں ازظہر تا عصر یا ازمغرب تا عشاء تعلیم بالغان کا ارادہ ہے، اوراز عصر تا مغرب مجلس ذکر و وعظ (خانقاہی نظام) ان عالم صاحب نے اپنی اس ذاتی جگہ کا نام خانقاہ رکھا ہے، مساجد کے زیادہ دور ہونے کی وجہ سے کالونی کے لوگوں کی خواہش ہے کہ ہم اس خانقاہ میں اذان پڑھ کر پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرلیا کریں، عالم صاحب کا کہنا ہے کہ جب تک اللہ کرے باقاعدہ مسجد کا انتظام ہو عارضی طور سے اس ہال کو مسجد بنالیں مجھے تو کوئی اشکال نہیں ہے شرعی اجازت ضروری ہے، شرعاً بتلایا جائے کہ اس ہال کو عارضی طور پر مسجد بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ یہ عالم صاحب یہاں سے تقریباً ایک کلو میٹر دور مدرسہ میں مدرس ہیں اور وہیں پر مدرسہ میں ہی ان کی اوران کے بچوں کی رہائش ہے؟

المستفتی: محمد زید علی ڈھکہ جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کسی بھی جگہ بلا کراہت درست ہوجاتی ہے، مذکورہ ہال میں بھی نماز درست ہوجائے گی، لیکن مسجد شرعی کا ثواب نہیں ملے گا، اور مسجد شرعی کا ثواب ملنے کے لیے اس جگہ کا خالصتاً اللہ کے لیے وقف ہوجانا لازم ہے اورحق العبد کا مکمل طور پر منقطع ہوجانا لازم ہے، اس لیے اس وقت تک مسجد کا ثواب نہیں ملے گا جب تک اس جگہ کا مالک کلی طور پر باضابطہ مسجد کے لیے اس کو وقف نہیں کرے گا۔

﴿ وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا. [الجن: ١٨] ﴾

حاصله إن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله و علوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ "وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ تَعَالٰى". (البحر الرائق، الوقف، فصل فی أحكام المسجد، کوئٹه ٥/٢٥١، زکریا ٥/٤٢١، شامی زکریا ٦/٥٤٧، کراچی ٤/٣٥٨)

والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالىٰ: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ الخ. (فتح القدير، زكريا ٦/٢١٨، كوئٹه ٥/٤٤٤، دار الفكر ٦/٢٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦/ صفر المظفر ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١٠٩٦٣/٤٠)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٦/٢/١٤٣٤ھ

کسی ہال میں باجماعت نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملتا

سوال [٧٨٥٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسو گز کے قریب جگہ میں ایک بڑی عمارت ہے جس میں اوپر والا حصہ رہائش گاہ ہے، صاحب مکان نے اوپر والے حصے کو ایک شخص کو کرایہ پر دے رکھا ہے، جو مع بیوی بچوں کے رہتا ہے لیکن نیچے والا حصہ جو ایک ہال کی شکل میں ہے وہ خالی ہے، عرصہ دس سال

ہواان کی مجلس لگتی ہے اور پھر دو تین روز کے بعد وہ چلے جاتے ہیں، اس پس منظر میں صاحب مکان نے اس ہال میں پنج وقتہ نماز پڑھنی شروع کی جس کے لیے وہ مستقل امام بھی رکھے ہوئے ہیں جس میں پانچوں وقت اذان اور باجماعت نماز ہوتی ہے، سوائے جمعہ کے اور وہ آج خانقاہ کے نام سے مشہور ہے، اب دریافت طلب امور یہ ہیں:

(۱) اس جگہ نماز پڑھنے سے دیگر مسجدوں میں نماز کے برابر ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۲) صاحب مکان اگر کبھی اس جگہ سے نماز کا سلسلہ ختم کر کے جگہ اور مکان کو اپنے استعمال میں لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: شفیق الرحمٰن، مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جس ہال کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہال شرعی مسجد نہیں ہے، اور نہ ہی مسجد کے لیے وقف ہے، اور اس میں مسجد کا ثواب بھی نہیں ملے گا، بلکہ عارضی عبادت خانہ ہے اور اس قسم کے عارضی عبادت خانے بڑے بڑے کارخانوں اور مسلم فیکٹریوں میں بھی ہوتے ہیں، سب لوگ وہاں اکٹھے ہو کر باجماعت نماز پڑھتے ہیں، اور بعض جگہ امام ومؤذن بھی متعین ہوتے ہیں اس کی وجہ سے نماز کی جگہ شرعی مسجد نہیں بنتی ہے، وہ بدستور مالک کی ملکیت ہوتی ہے اس میں مالک کو پورا اختیار رہتا ہے جس طرح چاہے تصرف کرے، چاہے اس کو بیچ دے۔

وإن أمرهم بالصلاة شهرا أو سنة ثم مات يورث لأنه لابد من التأبيد والتوقيت ينافيه و مقتضى هذا أن لا يصير مسجدا فيما إذا أطلق. (فتح القدير، الوقف فصل فی أحكام المساجد، زکریا ۶/ ۲۱۸، دار الفكر ۶/ ۲۳۵، کوئٹہ ۵/ ۴۴۵، البحر الرائق کوئٹہ ۵/ ۲۴۸، زکریا ۵/ ۴۱۶، النهر الفائق دار الكتب العلمية ۳/ ۳۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۸۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۶/ ۱۴۲۳ھ

سہ منزلہ عمارت کے مالک کا دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کرنا

سوال [٧٨٦٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سہ منزلہ ایک عمارت ہے اس کا مالک دوسری منزل کو مسجد کے لیے وقف کردے تو یہ وقف صحیح ہے یا نہیں؟ اور مسجد مسجد شرعی کہلائے گی کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالقادر دیوبندی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ نے فقہی جزئیات کو سامنے رکھ کر کافی طویل بحثیں کی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس طرح کی متعدد منزلوں والی عمارت میں سے کسی ایک منزل کی عمارت کو مسجد شرعی کے لیے وقف کردیا جائے تو اوپر اور نیچے کی منزلوں کو بھی مسجد کی ملکیت کے لیے دینا لازم ہے، اور انسان کی ملکیت کے حق کو پوری طرح ختم کرنا ضروری ہے، بدوں اس کے کوئی بھی منزل مسجد شرعی نہیں بن سکتی، لہٰذا مذکورہ صورت کہ صرف دوسری منزل کو مسجد شرعی کے لیے وقف کرکے اوپر اور نیچے کی منزل کو مالک کا اپنی ملکیت میں رکھنا یہ جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اوپر نیچے کی منزل کو بھی مسجد کی ملکیت میں دیدے، اور مسجد ان منزلوں کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی اپنی ضروریات میں صرف کرے، اور اپنے متعلقہ اخراجات پورے کرے تو شرعاً یہ صورت جائز ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ٢/٦٨٣-٦٨٥)

ومن جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت -إلى قوله- ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز، قال ابن الهمام: إذا كان السرداب أو العلو موقوفا لصاحب المسجد فإنه يجوز، إذ لا ملك فيه لأحد، بل هو من تتميم مصالح المسجد. (فتح القدير، كتاب الوقف فصل و إذا بنى مسجدا، دار الفكر ٦/٢٣٤، کوئٹہ ٥/٣٤٤، زكريا ٦/٢١٨)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أى المسجد جاز كمسجد القدس، قال

ابن عابدین الشامی تحته: و به صرح فی الإسعاف فقال: و إذا کان السرداب أو العلولمصالح المسجد أو کانا وقفا علیه صار مسجدا. (شامی ، مطلب: فی أحکام المسجد زکریا ٦/٥٤٧، کراچی ٤/٣٥٧، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٣٧/٢٠٢، مجمع الأنهر دار الکتب العلمیة بیروت ٢/٥٩٤، قدیم ١/٧٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۴۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۳۱ھ

مدرسہ کی دیوار پر لینٹر ڈال کر نماز پڑھنا

سوال [۷۸۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مدرسہ تعمیر شدہ ہے لہٰذا مدرسہ کی متصل آراضی کو تعمیر نو مسجد کے لیے خرید لیا گیا ہے چہ جائیکہ مسجد کو از سر نو تعمیر کیا جاتا، تعمیر کرتے وقت مدرسہ کی تین گز لمبی دیوار پر مسجد کی دیوار تعمیر کرائی گئی ہے اور اس پر لینٹر ڈال دیا گیا ہے، اب ایسی حالت میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) کچھ حضرات نے مسجد میں نماز پڑھنے سے اعتراض کیا تو مسجد کے ذمہ داروں نے مدرسہ کو پندرہ ہزار روپئے اس دیوار کی قیمت ادا کردی، لہٰذا رقم دینے کے بعد نماز درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: رئیس احمد شیر کوٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد نے مدرسہ کی جو زمین اپنے حدود میں دورانِ تعمیر داخل کرلی ہے وہ ذمہ دارانِ مدرسہ کی اجازت کے بغیر یا اس کی قیمت ادا کیے بغیر جائز نہیں تھا، لیکن جب بعد میں مسجد نے اس زمین کی قیمت ادا کردی ہے تو وہ زمین مسجد کی ملکیت ہوچکی ہے، لہٰذا اب پوری مسجد شرعی مسجد ہوگئی اب اس میں کہیں بھی بلا کراہت نماز پڑھنا جائز ہے، یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جب مسجد و مدرسہ کا نظام بالکل الگ الگ ہو اور اگر دونوں کا نظام ایک ہو مسجد مدرسہ کے تابع ہو تو ایسی صورت میں منجانب مسجد مدرسہ کو

اس زمین کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔

أرض وقف علی مسجد و بجنبه أرض فأرادوا إلحاق شیئ من الأرض بالمسجد جاز ولکن یرفعون إلی الحاکم لیأذن لهم فی ذٰلک و کذا مستغل الوقف کالدار والحانوت. (فتاویٰ بزازیه، الوقف، الفصل الرابع فی المسجد وما یتصل به زکریا جدید ۳/۱٤۳، وعلی هامش الهندیة ٦/٢٦٨، هندیه زکریا قدیم ٢/٤٥٦، جدید ٢/٤٠٩، فتح القدیر دار الفکر ٦/٢٣٥، زکریا ٦/٢١٨، کوئٹه ٥/٤٤٥، البحر الرائق کوئٹه ٥/٢٥٥، زکریا ٥/٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۴۴)

صحن مسجد، برآمدہ اور چھت پر جماعت

سوال [٧٨٦٢]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں مصلی کی اصل جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ پر نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟ چھت وغیرہ اور صحن میں بھی کیونکہ اس پر بہت سے لوگ چرچے کرر ہے ہیں کہ دوسری جگہ نماز نہیں ہوتی؟

المستفتی: عبداللطیف پیرزادہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صحن مسجد اور برآمدہ بھی جماعت خانہ میں داخل ہے، لہٰذا اسمیں جماعت کرنا بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح چھت پر بھی اگر جماعت خانہ بنا ہوا ہے تو اس میں بھی گرمی کی وجہ سے جماعت کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۱۱۶، جدید زکریا مطول ۴/۳۰۳)

اور اگر جماعت خانہ چھت پر بنا ہوا نہیں ہے تو نیچے کے جماعت خانہ کو چھوڑ کر چھت پر جماعت کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

الصعود علی سطح کل مسجد مکروه، ولهذا إذا اشتد الحر یکره

أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد. (هنديه، الكراهية، الباب الخامس فى آداب المسجد ...... زكريا قديم ٣٢٢/٥، جديد ٣٧٢/٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٧٠٣/٣٢)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٧/٣/٤ھ

ایسی جگہ پر مسجد بنانا جس کے نیچے کاروبار ہوتا ہو

سوال [٧٨٦٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک ایسی جگہ کا رہنے والا ہوں جہاں پر اکثریت بدعتیوں کی ہے اور دیوبندی خیالات کی کوئی مسجد قریب میں نہیں ہے، لہٰذا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایک مسجد تعمیر کریں، لیکن ہم کو کوئی جگہ نہیں مل رہی ہے، صرف ایک ایسی جگہ مل رہی ہے جس کا مالک یہ کہہ رہا ہے کہ میں اس شرط کے ساتھ یہ جگہ فروخت کر رہا ہوں کہ نیچے کی جگہ میں اپنا کاروبار کروں گا، اور اوپر کی جگہ کو میں تم کو فروخت کرتا ہوں، تو کیا ایسی جگہ پر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد فیصل جسپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ مسجد بنائی جاتی ہے وہ حصۂ زمین تحت الثریٰ سے لے کر ساتویں آسمان تک مسجد ہی کی ملک ہو جاتا ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں، اس جگہ کے نیچے یا اوپر ضروریات ومصالح مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز بنانا جس میں آداب مسجد کی خلاف ورزی ہوتی ہو، ناجائز ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں مسجد شرعی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس جگہ کو خرید کر اوپر نیچے مکمل طور پر وقف کیا جائے اور جہاں پر نیچے دوکانیں وغیرہ ہوں اور اوپر مسجد ہو وہاں یہ لازم ہے کہ وہ بھی مسجد کی ملکیت ہو اور حق عبد اور ملکیت عبد کا اس سے منقطع ہو جانا لازم ہے۔

قال و من جعل مسجدا تحته سرداب أو فوقه بيت و جعل باب

المسجد إلى الطريق و عزله عن ملكه فله أن يبيعه و إن مات يورث عنه لأنه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقا به...... والمسجد خالص لله سبحانه ليس لأحد فيه حق، قال الله تعالىٰ: وَ أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ" مع العلم بن كل شيئ له فكان فائدة هذه الإضافة اختصاصه به وهو انقطاع حق كل من سواه عنه وهو منتف فيما ذكره. (فتح القدير، الوقف، فصل و إذا بنى مسجدا لم يزل ملكه...... كوئٹہ ٥/٤٤٥، زكريا ٦/٢١٨، دار الفكر ٦/٢٣٥)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه، أى المسجد جاز كمسجد القدس ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتا و جعل باب المسجد إلى طريق و عزله عن ملكه لايكون مسجدا وله بيعه يورث عنه خلافا لهما، تحته فى الشامية: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفاعليه صار مسجدا، شرنبلالية: قال فى البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً ان يكون سفله و علوه مسجد لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ (الجن: ١٨) **بخلاف ما إذا كان السرداب و العلو موقوفا لمصالح المسجد فهو كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية.** (در مختار مع الشامى، الوقف، مطلب: فى أحكام المسجد زكريا ٦/٥٤٧، كراچى ٤/٣٥٧، وهكذافى البحر الرائق كوئٹہ ٥/٢٥١، زكريا ٥/٤٢١، مجمع الأنهر دار الكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٤، قديم ١/٧٤٧)

وقد رد فى الفتح ما بحثه فى الخلاصة من أنه لو احتاج المسجد إلى نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ينفق عليه بأنه غير صحيح (إلى قوله) ولاسيما ما يترتب على ذٰلک من تقدير المسجد بسبب الطبخ والغسل و نحوه.

(شامى زكريا ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۰۹)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۲/۲۹ھ

فرم میں مسجد کا ثواب ملے گا یانہیں؟

سوال [۷۸۶۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فرم میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا یانہیں؟

المستفتی: حاجی محمد سلیم منصوری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فرم میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملے گا، لہٰذا کسی فرم کے مالک کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ فرم میں کام کرنے والے کسی مسلمان کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے سے روکے، جبکہ مسجد میں جاکر نماز ادا کرنے میں عذر شرعی میں سے کوئی عذر نہ ہو۔

وإن صلی أحد فی البیت بالجماعة لم ینال فضل جماعة المسجد.
(شامی، الصلاۃ، باب الوتر و النوافل، مبحث التراویح، زکریا ۲/۴۹۵، کراچی ۲/۴۵)

فصل یسقط حضور الجماعة بواحد من ثمانیة عشر شیئا منها مطر و برد شدید و خوف ظالم و ظلمة شدیدة فی الصحیح وحبس و عمی و فلج وقطع وسقام و إقعاد و رجل و وحل و شیخوخة و تکرار فقه بجماعة تفوته و حضور طعام تتوقه نفسه و إرادة سفر و قیامة بمریض و شدة ریح لیلا لا نهارا. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی دار الکتاب دیوبند ۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۱۸)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۶/۴ھ

جماعت خانہ کی جگہ پر زبردستی دوکان بنانا

سوال [۷۸۶۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ جولوگ زبردستی اور ہٹ دھرمی میں جماعت خانہ کی جگہ میں دوکان وغیرہ بنانا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا کسی حدیث وغیرہ میں ایسے لوگوں کے بارے میں کوئی وعید ہے، اگر ہے تو تحریر فرمادیں، تاکہ وہ وعید سن کر خدا کا خوف کریں اور اس طرح کی حرکت سے باز آجائیں، اور مسجد میں ذاتی تصرف نہ کریں؟

المستفتی: محمد نعیم تاجپور بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد اور جماعت خانہ کی جگہ پر دوکان وغیرہ بنانا اور اس میں ذاتی تصرف اور مالکانہ قبضہ کرنا حرام و ناجائز اور غصب کرنا ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ لوگ ناجائز وحرام کے مرتکب ہیں، لہٰذا تمام اہل محلّہ پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو نکال باہر کردیں، حدود مسجد کے اندر کسی قسم کا دنیوی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ متولی یا مسجد کے ذمہ داروں میں سے ہے تو وہاں کے لوگوں پر لازم ہے کہ اس کو ذمہ داری سے سبکدوش کردیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۸۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۵۰)

عن رسول اللہ ﷺ أنه نهی …… وعن البیع و الشراء فیه. (ترمذی شریف، الصلاة باب فیها وفی کراهیة البیع و الشراء …… فی المسجد النسخة، الهندیة ۱/ ۷۳، دار السلام رقم: ۳۲۲)

قیم المسجد لایجوز له أن یبنی حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته و هذا لایجوز. (هندیة، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و ما یتعلق به، زکریا قدیم ۲/ ٤٦٢، جدید ۲/ ٤١٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۴۵)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۹ھ

جس جگہ پر تین سال نماز پڑھی جائے اس پر بیت الخلاء بنانا

سوال [۷۸۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ایک جگہ مسجد کے لیے خریدی گئی، مسجد سے متصل مزید جگہ تھی اس لیے ٹرسٹیان مسجد نے اس خریدی ہوئی جگہ کو شرعی مسجد طے نہیں کیا بلا طے کئے تین سال تک اس جگہ اس خیال سے نماز پڑھتے رہے کہ جب متصل کی جگہ خریدی جائے گی، اس وقت دونوں جگہوں کو ملا کر شرعی مسجد طے کی جائے گی ،اور صحن بیت الخلاء وضوخانہ وغیرہ کس جگہ ہوگا، طے کیا جائے گا، متصل کی جگہ تین سال کے بعد صاحب مکان نے مسجد کے لیے وقف کردی، اس کے بعد اب دونوں جگہوں کو ملا کر تعمیری کام شروع کیا گیا، سوال یہ ہے کہ جو زمین تین سال پہلے خریدی گئی تھی اور اس پر تین سال تک نماز بھی ہوتی رہی تو اب اس جگہ وضوخانہ بیت الخلاء وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد قاسم جھلرہ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کوئی بھی جگہ اس وقت تک مسجد شرعی نہیں ہوتی ہے جب تک اس کو مسجد شرعی بنانے کے لیے ذمہ داران کی طرف سے مکمل ارادہ نہ ہوجائے، اور نماز باجماعت غیر مسجد میں بھی درست ہوجاتی ہے، لہٰذا پہلے والی جگہ اب تک مسجد شرعی نہیں بنی، اس لیے دوسری جگہ کو ملا کر حسب مناسب دونوں جگہ کو ایک ساتھ شامل کرکے ایک مسجد شرعی کی تعمیر کی جاسکتی ہے، اور وضوخانہ، غسل خانہ، پیشاب گھر، بیت الخلاء وغیرہ جس طرف بھی مناسب سمجھیں بنانا جائز ہے۔

وإذا بنى مسجدا لايصير مسجدا حتى يقر بلسانه أنه مسجد لايباع ولايوهب ولايرهن ولايورث و فتح الباب و أذن فيه و أقيم و أذن للناس بالدخول فيه عامة فيصر مسجداً إذا صلى بجماعة فيه. (تاتارخانية، الوقف، الفصل الحادى والعشرون فى المساجد زكريا ۸/۱۵٦ رقم: ۱۱۴۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد عفا اللہ عنہ
۳۰ ؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۸۱)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۴/۳۰ھ

قدیم نمازگاہ میں بیت الخلاء بنانا

سوال [۷۸۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عباسیوں والی مسجد میں کچھ تعمیر کا سلسلہ جاری ہے، مسجد کی دائیں جانب قدیم نمازگاہ کے نیچے دو یا ڈھائی فٹ دیوار کے بیچ میں استنجاء خانہ بنایا جارہا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: اقبال احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین کا جو حصہ ایک دفعہ جب شرعی مسجد میں داخل ہو جاتا ہے اس کے بعد قیامت تک کے لیے اس حصے کے اوپر یا نیچے پیشاب خانہ، غسل خانہ، بیت الخلاء وغیرہ بنانا قطعاً جائز نہیں، اگر کسی نے غلطی سے بنالیا ہے تو اسے توڑ کر ختم کر دینا لازم ہے۔

وكره تحريما الوطء فوقه والبول والتغوط، لأنه مسجد إلى عنان السماء وفي الشامية: وكذا إلى تحت الثرىٰ، بقي لو جعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كمافي مسجد محلة الشحم في دمشق؟ لم أره صريحا.

(شامی، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها، زكريا ۲/۴۲۸، كراچی ۱/۶۵۶)

وفي تقريرات الرافعي: الظاهر عدم الجواز و مايأتي متنا لا يفيد الجواز، لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه على أن الظاهر عدم صحة جعله مسجدا بجعل بيت الخلاء تحته. (تقريرات رافعی زكريا ۲/۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۷۴۳)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۲۸ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۸)

المجلد الثامن عشر

بقية الوقف باب المدارس، كتاب البيوع، البيع الصحيح الفاسد، المرابحه، الصرف، السلم، الاستصناع، الوفاء، الشفعة، المزارعة

۸۴۰۹ ——— ۸۸۵۶

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

٢٤/ بقیة کتاب الوقف

الفصل الثالث: مسجد قدیم

مسئلہ نمبر:　صفحہ نمبر

الفصل الرابع: تعدد مساجد

□ الفصل الخامس: امام ومؤذن کے احکام

۸/ الفصل: مسجد میں تصرف کرنے کا بیان

۹/الفصل التاسع: مسجد کی رقم ضروریات مسجد میں صرف کرنے کا بیان............

۱۰/الفصل العاشر: ایک مسجد کی اشیاء کا دوسری مسجد میں استعمال ....

۱۱/الفصل الحادي عشر: اشیاء مسجد کا استعمال

۱۳/ الفصل الثالث عشر: مساجد کی چیزیں کرایہ پر دینے کا بیان ....

□ ١٤/١ الفصل الرابع عشر: مسجد کی اشیاء کی خرید وفروخت ....

۱۶/۱ الفصل السادس عشر: سرکاری زمین میں تعمیر مسجد

۱۷/۱ الفصل السابع عشر: مسجد میں سرکاری امداد کا حکم

❑ ١٨/ الفصل الثامن عشر: دوسرے کی زمین میں مسجد کی تعمیر ....

۱۹/الفصل التاسع عشر: مسجد میں چندہ کا بیان

۲۰/ الفصل العشرون: مسجد میں صدقات کا حکم

❐ ۲۱/الفصل الحادی والعشرون: مسجد میں تعلیم

❐ ۲۲/الفصل الثانی والعشرون: مسجد کے مائک سے اعلان ......

۲۳/ الفصل الثالث والعشرون: غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا ....

۲۴/ الفصل الرابع والعشرون: مسجد میں حرام مال لگانا ....

❑ ۲۵/ الفصل الخامس والعشرون: غیر مسلم کے پیسے مسجد میں لگانے کے احکام ....

❐ ۲۸/ الفصل الثامن والعشرون: مسجد میں بدبودار چیز داخل کرنے کا بیان ....

۷/باب المصلی

۸/باب المقبرۃ

❑ ۱/الفصل الاول : فی المکروہ والمستحب

۲ /الفصل الثاني: في المصارف

۲۴/ بقية كتاب الوقف

يارب صلِّ وسلِّم دائماً أبداً علىٰ حَبيبکَ خَير الخَلق کلِّهم

الفصل الثالث: مسجد قدیم

ویران شدہ مسجد کا حکم

سوال: [۷۸۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم ساکنان دلپورہ، ضلع مرادآباد اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہیں، فی الحال گاؤں میں ایسی صورت پیش آ گئی کہ اب وہاں پر رہنا دشوار ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس گاؤں میں دو مسجدیں ہیں، ان مساجد کی اینٹ وغیرہ نیز زمین وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ مسجد کو فروخت کر کے دوسری جگہ مسجد بنالیں یہ درست ہے؟

المستفتي: شوکت حسین، دلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو مسجدیں بن چکی ہیں وہ تا قیامت مسجدیں باقی رہیں گی، ان کے سامان وغیرہ منتقل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اگرچہ لوگ وہاں سے منتقل ہو گئے ہوں اور مسجدوں میں نماز نہ ہو رہی ہو۔

ولو خرب ماحوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى الخ، وتحته فى الشامية فلا يعود ميراثاً ولا يجوز

نـقـلـه ونـقـل مـاله إلیٰ مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أولا وهو الفتویٰ. حاوی القدسی. وأکثر المشائخ علیه (مجتبی) وهو الأوجه الخ. (الدر مع الرد، الـوقف ، مـطـلـب فیـمـا لو خرب المسجد أو غیره زکریا ٦/٥٤٨، کراچی٤/٣٥٨، مجمع الأنهر ، دارالـکـتـب الـعـلمیة بیروت ٢/٥٩٥، مصری قدیم ١/٧٤٨، المبسوط للسرخسی ، دارالکتب العلمیة بیروت ١٢/٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۳۳)

اُجڑے ہوئے علاقہ کی ویران مسجد کا حکم؟

سوال: [۷۸۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں کی ایک آبادی تھی بعد میں کسی وجہ سے وہ آبادی اجڑ گئی، آبادی اجڑ جانے کے بعد وہاں کی مسجد ویران پڑی ہے، کوئی نماز پڑھنے والا نہیں ہے، اس مسجد کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس جگہ مسجد بن جائے وہ تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے، اگر چہ وہ مسجد ویران ہو جائے، تب بھی قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اس کا بدلنا یا کسی دوسرے تصرف میں لانا جائز نہیں۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۱۲۹، فتاویٰ حقانیہ حیدرآباد ۸۰/۵، فتاویٰ دار العلوم ۳۲۲/۱۳)

وإذا خرب المسجد واستغنیٰ أهله وصار بحیث لا یصلیٰ فیه عاد ملکاً لواقـفـه أو لـو رثتـه حتی جاز لهم أن یبیعوه أو یبنوه داراً وقیل هو مسجدٌ أبداً وهو الأصح. (هـنـدیـه ، الـوقف، البا ب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به زکریاقدیم ٢/٤٥٨، جدید٢/٤١٠، قاضی خان زکریا جدید٣/٢٠٤، وعلی هامش الهندیة ٣/٢٨٨)

لو خرب ما حول المسجد واستغنی عنه، یبقی مسجداً عند أبی یوسف لأنه إسقاط لملکه فلا یعود إلیٰ ملکه کالإعتاق. (تبیین الحقائق، زکریا ٤/٢٧٢، امدادیہ ملتان٣/ ٣٣٠، ٣٣١، تاتار خانیة زکریا ٨/ ١٦٤، رقم: ١١٥١٩)

قال أبویوسف ؒ هو مسجدٌ أبداً إلیٰ قیام الساعة لا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله إلیٰ مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أولا وهو الفتویٰ. (البحرالرائق، الوقف، فصل في أحکام المسجد، کوئٹه ٥/ ٢٥١، زکریا ٥/ ٤٢١، شامی، زکریا ٦/ ٥٤٨، کراچی ٤/ ٣٥٨، خلاصة الفتاویٰ اشرفی ٤/ ٤٢٤، الولوالجیة، دارالأیمان سهارن پور٣/ ٨٨، مبسوط سرخسی، دارالکتب العلمیة بیروت ١٢/ ٤٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۴۳)

کیا غیر آباد مسجد کی حفاظت لازم ہے؟

سوال: [۷۸۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی گاؤں میں مسلمان رہتے ہیں اور مسجد بھی ہے اب صورت حال یہ ہے کہ اکثر مسلمان دوسری بستی جو روڈ کے کنارے پر ہے، وہاں چلے گئے ہیں، اور تھوڑے مسلمان موجود ہیں، مگر مسجد سے دور ہیں، مسجد کے قریب کی جگہ غیر مسلموں نے خرید لی ہے، اب مسلمانوں پر کیا ضروری ہے، کچھ کہتے ہیں کہ یہاں سے دوسری جگہ مسجد بنالی جائے اور اس کو شہید کر دیا جائے، جبکہ کچھ کہتے ہیں کہ اس کی چہار دیواری اونچی کر دی جائے اور تالا لگا دیا جائے۔

المستفتی: محمد حنیف، عبدالواحد، بخشپور، بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب ایک دفعہ شرعی طور پر مسجد بن جاتی ہے تو وہ

قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، اس کو بالکل ختم کردینا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر وہاں مسلمان اب نہیں رہ رہے ہیں، تو اس کی حفاظت کا انتظام کر کے اس کو محفوظ کر دینا ضروری ہے۔
(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۷، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۴۹)

ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلیٰ قیام الساعة وبه یفتی الخ. (الدرمع الرد، الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أو غیره زکریا ٦/ ٥٤٨، کراچی ٤/ ٣٥٨، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/ ٥٩٥، مصری قدیم ١/ ٤٨، البحر الرائق، کوئٹه ٥/ ٢٥١، زکریا ٥/ ٤٢١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۹۳)

غیر آباد علاقہ میں مسجد کا حکم

سوال: [۷۸۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں تقریباً سات مسلم آباد ہیں، اور باقی سب ہندو ہیں، اور اب وہاں کے مسلم حضرات اپنی آبادی کی کمی کی وجہ سے وہاں سے جانا چاہتے ہیں، اور وہاں پر ایک مسجد بھی ہے، تو اب مسجد کو کیا کیا جائے گا، باقی لوگ اپنے مکان اور زمین وغیرہ کو فروخت کر سکتے ہیں کیا اس مسجد کی اینٹیں دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مسجد کی زمین وجگہ کو کیا کریں، کیا فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں شریعت میں کیا حکم ہے، اور اس کی کیا صورت نکلے گی؟ مفصل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: فخر الدین، سہر ساوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو مسجد تعمیر شدہ مذکورہ گاؤں میں ہے، وہ

تاقیامت مسجد ہی رہے گی ،اس کوفروخت کردینا یااس کومنہدم کردینا ہرگز جائز نہیں ہے، اور نہ ہی اس کا منتقل کرنا درست ہے، بلکہ ایسی مسجد کو وقف بورڈ سے رجسٹرڈ کرا کے حفاظت میں کرلینا لازم ہے۔

علمت أن المفتیٰ به قول أبی یوسفؒ إنه لا یجوز نقله و نقل ماله إلیٰ مسجد اٰخر الخ. (شامی، الوقف ، مطلب فیما لوخرب المسجد أوغیره زکریا٦/٥٤٩، کراچی ٤/٣٥٩)

(وقوله) نقل فی الذخیرة عن شمس الأئمة الحلوانی أنه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولا یحتاج إلیه لتفرق الناس عنه – إلیٰ قوله – وقد مشیٰ الشیخ الإمام محمد بن سراج الدین الحانوتی علی القول المفتی به من عدم نقل بناء المسجد الخ. (شامی، کراچی ٤/٣٥٩، زکریا٦/٥٥٠)

ولو خرب ماحوله واستغنیٰ عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی أبداً إلی قیام الساعة (وبه یفتیٰ) . (الدر المختار ،کراچی ٤/٣٤٨، زکریا ٦/٥٤٨، مجمع الأنهر ، دارالکتب العلمیة بیروت ٢/٥٩٥، مصری قدیم ١/٧٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲رشعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۹۸/۲۶)

الفصل الرابع: تعدد مساجد

دو مساجد کے درمیان کتنا فاصلہ ہو؟

سوال: [۷۸۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو مساجد کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے، جبکہ پہلی مسجد تعمیر شدہ اور آباد ہے اور کچھ لوگ بسب مسجد کے تنگ ہونے اور آبادی کے منتشر ہونے کے دوسری مسجد کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں؟

المستفتي: رکن الدین خان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر پہلی مسجد سے ملی ہوئی خالی زمین ہو یا آسانی سے زمین مل سکتی ہو تو ایسی صورت میں دوسری مسجد تعمیر کرنے کے بجائے پہلی مسجد کی توسیع کرلی جائے، اور اگر توسیع کے لئے کوئی شکل اور گنجائش نہیں ہے، تو دوسری بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور دوسری مسجد کے لئے ایسی جگہ منتخب کرنا بہتر ہے کہ جس جگہ پر مسجد بنانے سے دیکھنے والے اور اجنبی لوگ یہ محسوس نہ کریں کہ پہلی مسجد کے مقابل اور مخالفت میں دوسری تعمیر کی گئی ہے، اور بلا کسی اختلاف کے دونوں مسجدوں میں نماز پڑھی جائے اور دونوں میں کثرت کے ساتھ نمازی نماز پڑھتے رہیں، اس کے لئے بظاہر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے، کہ پہلی مسجد سے معتدبہ فاصلہ پر دوسری تعمیر کی جائے، اس کا فیصلہ وہاں کے لوگ خود کر سکتے ہیں۔

وفی المحیط ضاق المسجد علی الناس وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقیمة کرها، قال وقد صح عن عمر والصحابة أنهم أخذوا أرضین یکره أصحابهما وزاد وهما فی المسجد الحرام حین ضاق بهم. (حلبی کبیر/۶۱۵، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۲۶، رقم: ۱۱۳۴۱، تاتار خانیة ۸/۱۶۰، رقم: ۱۱۵۰۵)

وعن عطاء لما فتح الله الأمصار علی عمر رضی الله عنه أمر المسلمین أن یبنوا المساجد وأن لا یتخذوا فی مدینة مسجد ین یضار أحدهما

الآخر. (تفسیر الکشاف قدیمی ۱/ ٤ ٦ ٥، مطبوعه کلکته) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ　الجواب صحیح:
۴؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ　احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۹۹۱)　۱۴۳۱/۴/۶ھ

مسجد شرعی کے قریب دوسری مسجد بنانا

سوال: [۷۸۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہمارے یہاں قصبہ میں ایک مسجد مغصوبہ زمین میں بنی ہوئی ہے کئی سالوں سے اس میں نماز پڑھی جارہی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا مغصوبہ زمین میں بنی ہوئی مسجد شرعی ہوسکتی ہے؟ اوراس میں پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا حکم ہے، کیا اس مسجد کو شرعی بنانے کی کوئی شکل ہے؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ شرعی مسجد نہیں ہے، اسی مسجد کے بغل میں مسجد کے لئے زمین وقف کی چناں چہ اس زمین میں مسجد کی بنیاد بھی ڈال دی گئی ہے، سوال یہ ہے کہ اب اس موقوفہ زمین میں دوسری مسجد بنائی جائے یا نہ بنائی جائے؟ اور کیا واقف یہ زمین دوسری مسجد کے لئے وقف کرسکتا ہے؟

المستفتي: زبیر احمد، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مغصوبہ زمین پر مسجد بنانا جائز نہیں تھا لیکن جب بنالی گئی تو اس میں نماز اس وقت تک مکروہ رہے گی جب تک اس کے مالک کو قیمت ادا نہ کردی جائے، اور جب مالک کو قیمت ادا کردی جائے گی تو وہ شرعی مسجد ہونے کے ساتھ نماز بھی سب کے لئے بلاکراہت جائز ہوجائے گی، پھر اس کو منہدم کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۶۸، زکریا جدید مطول ۱۰/ ۲۸۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۶۸، امداد المفتیین / ۷۹۸)

(۲) جب پہلی والی مسجد کی قیمت ادا کر کے اس کو شرعی مسجد قرار دینے کی گنجائش ہے تو اس تیار شدہ مسجد کے متصل دوسری مسجد بنانا شرعاً جائز نہ ہوگا، لہٰذا

دوسری مسجد کے لئے جو زمین وقف ہے اس کے مالکان اس زمین کو فروخت کر کے اس پیسے سے کہیں جگہ خرید کر کے وقف کر دیں جہاں مسجد کی ضرورت ہو۔

وفی القنیة: مبادلة دار الوقف بدار أخریٰ إنما یجوز إذا کانتا فی محلة واحدة أو تکون المحلة المملوکة خیرا من المحلة الموقوفة وعلی عکسه لایجوز الخ. (البحرالرائق، الوقف، کوئٹہ ۲۲۳/۵، زکریا ۳۷۳/۵، البنایه اشرفیه ۴۶۰/۷، الدر مع الرد، زکریا ۵۸۶/۶، کراچی ۳۸۶/۴، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۵۷۶/۲، مصری قدیم ۷۳۶/۱، هندیه زکریا قدیم ۴۰۰/۲، جدید ۳۷۵/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۳۵/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۱۱ھ

مسجد سے متصل عناد کی بناء پر دوسری مسجد بنانا

سوال: [۷۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ دس سال قبل ایک قطعہ آراضی بغرض تعمیر مدرسہ ومسجد خریدی گئی اور اس خرید شدہ قطعۂ آراضی کے اندر ایک حصہ مسجد بنانے کے لئے منتخب کر دیا گیا اور ایک حصہ مدرسہ میں تعمیر کر دیا گیا جو حصہ مسجد کے لئے چھوڑا گیا تھا، اس میں مسجد کے لئے سنگ بنیاد رکھ دی گئی ایک سال قبل۔ جس میں تخمیناً پچاس ساٹھ ہزار روپیہ صرفہ میں آیا، جہاں مسجد کا فرش ختم ہوتا ہے وہاں پر فریق ثانی جن سے مسجد و مدرسہ کے واسطے آراضیٔ مذکورہ خریدی گئی تھی ان حضرات نے اپنے کھیت میں مدرسہ کے قریب مسجد تعمیر کرنی شروع کر دی جو مدرسہ کے لئے ناکافی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی ملکیت بھی ہے، اور مسجد بہت چھوٹی بھی ہے، نیز متولیان مسجد سے منتظمہ کمیٹی اور اراکین مدرسہ بہت مرتبہ

اس بات کا استفسار کر چکے ہیں کہ آپ حضرات اس بات کولکھ کر دیدیں کہ مدرسہ والے اس میں نماز پڑھ لیا کریں تو ہم آج ہی سے اس میں نماز پڑھنا شروع کر دیں گے، وہ اس بات پر بضد ہیں کہ ہم ہرگز ہرگز یہ لکھ کرنہیں دیں گے نیز ان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر یہ لکھ کرنہیں دیتے تو یہ لکھ کر دیدو کہ پیش امام مدرسہ والوں ہی کا رہے گا، تو وہ کسی بات پر تیار نہیں ہیں، مدرسہ والے اس لئے ایسا کرتے ہیں، کہ بعد میں کسی قسم کا خلفشار اور باہمی ناچاقی پیدا نہ ہو جائے، جس سے آگے چل کر ایک عظیم فتنہ نہ برپا ہو جائے، نیز اس زیر تعمیر مسجد کے اطراف وجوانب میں کوئی آبادی بھی نہیں ہے، محض مدرسہ سے ضد وتخریب کاری کی بناء پر یہ مسجد تعمیر کرنی شروع کر دی ہے، اس طرح اس زیر تعمیر مسجد کے مصلیان متعین ہیں اور نہ ہی غیر متعین چونکہ اس مسجد کی تعمیر بیابان میں ہورہی ہے، نہ معلوم مسجد بنانے والوں کا کیا مقصد ہے؟ واللہ اعلم بمرادہم، زیر تعمیر مسجد میں بھی وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے ادھر مدرسہ کی مسجد ایک سال سے زیر تعمیر ہے اور فریق ثانی کسی طرح صلح کرنے کے لئے تیار نہیں اور مدرسہ کے لئے آئندہ چل کر ایک فتنہ نظر آرہا ہے، کیونکہ ایک مسجد مدرسہ میں تعمیر ہورہی ہے، اور دوسری مسجد فریق ثانی تعمیر کررہا ہے، نیز مدرسہ سے طلباءعزیز کی بڑھتی ہوئی تعداد فی الفور آٹھ سو سے زائد ہے، جس میں بیرونی طلباء جن کا قیام وطعام و پیراہن منجانب مدرسہ ہے، ان کی تعداد دوسو سے زائد ہے، ان تمام وجوہات اور ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اراکین مدرسہ اس بات کے مستفتی ہیں، کہ مدرسہ کی جو زیر تعمیر مسجد ہے، اس کو یہیں پر روک دیں یا مکمل تعمیر کر دیں اس وقت مسئلہ مفتیان کرام کی استصواب رائے پر رکا ہوا ہے، جو عندالشرع وعندالناس بہتر ہو جواب سے نوازیں؟

(نوٹ) عرصہ آٹھ نو سال تک ارباب مدرسہ مسجد نہ ہونے کی وجہ سے پریشان رہے، جب مدرسہ میں مسجد بنانی شروع کی تو فریق ثانی نے بھی فوراً تعمیر شروع کر دی اور

اب مدرسہ والوں نے تعمیر روک دی ہے، تو وہ بھی چپ بیٹھے ہیں، اور پھر ایسا ہی ہوگا کہ مدرسہ والے کام شروع کریں گے، تو وہ بھی شروع کردیں گے نیز تقدیر اینکہ اگر کوئی طالب علم ان کے نل پر پانی لینے کے لئے چلا جائے تو ناظم صاحب ومدرسین حضرات کی شامت آجاتی ہے، ،اور آسمان سے غضب الٰہی کا نزول ہونے لگتا ہے، مرنے اور مارنے کے لئے تیار جاتے ہیں، یہ تو ان کے اخلاق حمیدہ اور اس سیرت رسائی کا مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر ہے، اگر استفتاء کی طوالت کا خوف درکار نہ ہوتا تو مزید حالات سے مطلع کیا جاتا مشہور مقولہ ہے ''**العاقل تكفيه الإشارة**''؟

المستفتي: منجانب: اراکین وکمیٹی، مدرسہ عربیہ حفظ القرآن، مالیرکوٹلہ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ کے درج شدہ حالات میں جب مدرسہ کو مسجد کی سخت ضرورت ہے اور مسجد کی تعمیر بھی شروع کردی گئی ہے تو اہل مدرسہ کی زیر تعمیر مسجد مسجد شرعی ہوگی بانیان مسجد کو عنداللہ اجر وثواب ملے گا، ان کو اب مسجد کی تعمیر سے نہیں رکنا چاہئے بلکہ اس کی تعمیر حتی الامکان جلدی مکمل کرلینی چاہئے ،فریق ثانی کا ضد وعناد کی بناء پر متصل دوسری مسجد کی تعمیر کرنا جائز نہ ہوگا، اس کی تعمیر کرانے والے حضرات سب سخت گنہگار ہوں گے، ان کو اس طرح ضد وعناد کی بناء پر دوسری مسجد بنانے سے افتراق بین المسلمین کے باعث شرعاً روکا بھی جاسکتا ہے، البتہ اگر دوسری مسجد تیار بھی ہوجائے تو اگر چہ بانیان کو ثواب نہیں ملے گا، لیکن پھر بھی مسلمانوں پر اس مسجد کا احترام واجب اور ضروری ہوگا۔ (مستفاد: معارف القرآن ۴/۴۶۳)

وروى عن عطاء لما فتح الله الأمصار على عمر رضى الله عنه أمر المسلمين أن يبنوا المساجد ، وأن لا يتخذوا فى مدينة مسجد ين يضار أحدهما صاحبه . (روح المعانى ، زكريا ۷/ ۳۱، تحت رقم الأية : ۱۰۸، من سورة التوبة:

تفسیر الخازن ۲/۴۰۷، قدیم ۲/۲۶۶، تفسیر الکشاف ۲/۳۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۱۸)

جھگڑے کی وجہ سے دو مسجدوں میں سے ایک کو بند کرنا

سوال: [۵۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی میں صرف ایک مسجد تھی اس کے بعد دوسری مسجد تقریباً تین سو فٹ کے فاصلہ پر تعمیر ہوگئی، دونوں مساجد میں نماز اور جمعہ ادا ہوتا رہا ہے، بعد والی مسجد ایک ماہ سے بند ہے، آپس میں اختلاف ہوگیا ہے، اب مسجد کا کیا کیا جائے؟ نمازیوں میں جھگڑا ہوتا ہے، اور کہتے ہیں، کہ یہ مسجد اب بند کردی جائے چنانچہ مسجد میں قفل لگا دیا گیا ہے، اور جس شخص نے مسجد کے واسطے زمین دی ہے، اس کی رجسٹری نہیں ہوئی ہے، وہ کہتا ہے، کہ مسجد باقی رہے گی، اس کے بعد ہم رجسٹری کرادیں گے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسلام، گھرچوہٹہ، پوسٹ: فاض وایہ ٹھیٹھا، سپول، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے، تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، اس میں نماز پڑھنا اور اس کا حق ادا کرنا بھی لازم ہوجاتا ہے، اس لئے بعد والی مسجد کو بند کردینا جائز نہیں ہے، اس سے سب لوگ گنہگار ہوں گے، اس عمل سے توبہ کرلیں اور فوراً مسجد کھول دیں، ہاں البتہ دونوں میں سے ایک ہی میں جمعہ قائم کیا جائے اور پانچوں وقت کی نماز دونوں میں ہوتی رہا کرے۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه، يبقى مسجداً عند الإمام والثاني

أبـداً إلـیٰ قیام الساعة وبه یفتی الخ. (درمختـار مع شامی ، الوقف ، مطلب فیما لـو خـرب الـمسـجـد أو غیره زکریا٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨، مجمع الانهر ، دارالکتب العـلمیة بیـروت ٢/٥٩٥، مـصـری قـدیم ١/٧٤٨، البحرالرائق ، زکریا٥/٤٢١، کوئٹه ٥/٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳٦/۷۸۳۱)

غیرآباد مسجد کے قریب آپسی کشیدگی کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال: [۷۸۷٦]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں کی آبادی تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل ہے، جس میں مرد وعورت بچے بوڑھے سب ہی شامل ہیں، اس موضع میں ایک مسجد ہے، اور اس میں چار پانچ افراد نماز پڑھنے جاتے ہیں، بعض اوقات اس سے بھی کم ہوتے ہیں، اور بعض اوقات کہنے سننے سے زیادہ بھی ہوتے ہیں، لیکن کچھ افراد اپنی آپسی کشیدگی کی وجہ سے دوسری مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، کیا ان لوگوں کا ایسی صورت حال میں دوسری مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد یاسین، شکر پوری، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مسجد موجود ہے اس میں نماز پڑھنے کے لئے نمازی نہیں مل رہے ہیں، پھر دوسری مسجد کس کام کے لئے قائم کی جارہی ہے، لہٰذا اس گاؤں کے لوگوں پر لازم ہے کہ موجودہ مسجد کو آباد کریں اور اس کو آباد کئے بغیر دوسری مسجد قائم نہ کریں، اتنی چھوٹی سی جگہ پر دوسری مسجد کی ضرورت بھی نہیں ہے، اور دوسری مسجد قائم کرنے کی اس وقت اجازت ہوتی ہے، جب پہلی مسجد اچھی طرح آباد ہو اور اس کو نقصان پہونچانا

مقصود نہ ہو یا پہلی مسجد کافی دور ہو یا دو محلے الگ الگ ہوں یا پہلی مسجد فل ہوجانے کی وجہ سے جگہ نہ رہتی ہو تو دوسری مسجد قائم کرنے کی اجازت ہے اور جب یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہے، جو مسجد ہے اس میں بھی چار پانچ سے زیادہ نمازی نہیں ہو پاتے اور آبادی بھی بہت چھوٹی ہے، تو ایسی صورت میں دوسری مسجد قائم کرنے کی اجازت نہیں اور دوسری مسجد تعمیر کرکے پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا جائز نہیں ہے۔

قال عطاء لما فتح الله على عمر بن الخطاب الأمصار أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأمرهم أن لا يبنوا في موضع واحد مسجدين يضار أحدهما الآخر. (تفسير خازن ، قديم ۲/ ۲٦٦، جديد۲/ ۲۰۷، روح المعاني زكريا۷/ ۳۱، تحت رقم الآية ۱۰۸، من سورت التوبة)

وفي القرطبي إلا أن يكون المحلة كبيرة فلا يكفي أهلها مسجد واحد فبني حينئذ . (تفسير قرطبي ،دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۱٦۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۲ھ

گاؤں میں ایک بڑی مسجد ہونے کے باوجود دوسری مسجد بنانے کا حکم

سوال: [۷۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں ہے، اس گاؤں میں ایک بڑی مسجد ہے اور اس مسجد میں پورے گاؤں والے نماز پڑھتے ہیں لیکن تمام نمازی حضرات آپس میں لڑائی کرتے رہتے ہیں، ان میں سے چند حضرات کی رائے ہے کہ میں اپنی زمین دے کر دوسری مسجد بناؤں کیا وہ حضرات ایک مسجد رہتے ہوئے دوسری مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ وہ لوگ ایک مسجد کا پیٹ نہیں بھرتے اس کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

المستفتي: صغیراحمد سہرساوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرروزلڑائی جھگڑارہتاہے،اوراس کوختم کرنے کے لئے یہی شکل ہے کہ دوسری مسجد بناکرکچھ لوگ وہاں نمازاداکریں اوردیگرفخرومباہات اوربڑائی دکھانے وغیرہ اغراض نہیں ہیں توگنجائش ہے،اوراگرمذکورہ فاسداغراض کااس میں دخل ہےتودوسری مسجدبناناجائزنہ ہوگا۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدیدڈابھیل۱۴/ ۴۲۵)

إذا كان هذا مباهاة ورياءً أو سمعةً فهو أيضا مكروه بل بناء المساجد بهذه النية الفاسدة يكون مكروها أيضاً الخ. (بذل المجهود، كتاب الصلوٰة، باب فی بنـاء المساجد مطبع سهارنپور۱/ ۲۵۹، دارالبشائر الاسلاميه بيروت۳/ ۱۵۸، مصری ۳/ ۲۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۶؍محرم۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۱۶ھ

چھوٹے گاؤں میں جمعہ قائم کرنے اورچندشرائط پرمسجد بنانے کاحکم

سوال: [۷۸۷۸]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں جوصرف مسلمانوں کی آبادی ہےمگرہمارے گاؤں میں کوئی مسجد نہیں ہےمسجدنہ ہونے کی بناپربہت کم لوگ نمازپڑھتے ہیں، پڑھنے والےبھی اپنی مرضی کے مطابق پڑھتے ہیں، جہالت بہت زیادہ ہے،اس لئے میں نے لوگوں کودینی ماحول میں لانے اوردین کی تبلیغ کے لئے ایک مسجد بنانے کاپروگرام لوگوں کےسامنے رکھاتولوگوں نے چندشرطیں رکھی ہیں،اورکہاہے کہ اگرتم ان شرطوں کوپوراکرسکتے ہوتومسجد بناؤ ہم لوگ تمہاراساتھ دیں گے؟

شرائط: شرط (۱) مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنی پڑے گی؟
شرط (۲) قیام میلاد کرنا ہوگا،
شرط (۳) جنازہ کی نماز کے بعد باقاعدہ بیٹھ کر دعاء کرنی ہوگی؟

تو کیا ایسی صورت میں جبکہ شرائط مانے بغیر مسجد نہیں بنائی جاسکتی ہے تو کیا ان شرطوں کو مانا جائے اور مسجد بنائی جائے؟

نوٹ: ہمارے گاؤں میں شرائط جمعہ نہیں پائے جاتے قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں مہربانی ہوگی؟

المستفتي: محمد کاظم، بانکوڑاوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر آپ کے گاؤں میں جمعہ کی شرائط پائی نہیں جاتی ہیں، اور گاؤں چھوٹا ہے، تو وہاں پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح ودرست نہ ہوگی، جن لوگوں کو امام ابوحنیفہؒ سے محبت ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کے قائل ہیں، ان لوگوں پر ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک اور مذہب کے خلاف شرطیں نہ لگایا کریں۔ اور ان کے مذہب کے مطابق نماز جمعہ اور دیگر نمازوں میں عمل کریں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

لاتجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض (إلىٰ قوله) لو صلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر الخ. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعة کراچی ۲/۱۳۸، زکریا ۳/۷)

(۲) نفس میلاد کرنا اور ذکر ولادت شریفہ جائز اور باعث اجروثواب ہے لیکن بوقت ذکر ولادت شریفہ کھڑا ہوجانا ممنوع اور ناجائز ہے، ائمہ اربعہ اور صحابہ کرام سے اس کا ثبوت نہیں ہے، اس لئے مسلمانوں کو کسی کار خیر کے لئے ایسی شرط لگانا درست نہیں ہے جو شریعت میں نہیں ہے۔

والاحتفال بذكر الولادة الشريفة إن كان خالياً من البدعات

المروجة فهو جائز بل مندوب كسائر أذكاره صلى الله عليه وسلم والقيام عند ذكر ولادته الشريفة حاشا لله أن يكون كفراًالخ. (امداد الفتاویٰ ۶/۳۳۷)

(۳) جنازہ کے بعد باقاعدہ بیٹھ کر دعا کرنا حدیث وقرآن سے ثابت نہیں ہے، اس لئے ایسی شرط کا لگانا بھی خلاف شرع ہے۔

لايقوم بالدعاء بعدصلوٰة الجنازة. (خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلوٰة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع منه إذا اجتمعت الجنائز اشرفیه دیوبند ۱/۲۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۴/۱۴۱۲ھ

کمیٹی سے ناراضگی کی وجہ سے دوسری مسجد بنانا

سوال: [۹۷۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنے گاؤں کی مسجد کمیٹی پر غصہ ہو کر ۱۰/دس فٹ فاصلہ پر رہنے والے اپنے محلّہ میں نئی مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد صحیح ہے لیکن ثواب سے محروم ہوں گے۔

إذا كان هذا مباهاة ورياءً وسمعةً فهو أيضا مكروه بل بناء المساجد بهذه النية الفاسدة يكون مكروها أيضاً الخ. (بذل المجهود، کتاب الصلوٰة، باب فی بناء المساجد مطبع سهارنپور ۱/۲۵۹، دارالبشائر الاسلامیه بیروت ۳/۱۵۸)

وأما لو تمت المسجدية ،ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لايمكن من ذلك. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد، کراچی ۴/۳۵۸،

زکریا٦/٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۳/۲۳)

ضد کی وجہ سے مسجد بنانے کے بعد تصحیح نیت

سوال: [۷۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضد سے جو مسجد بنائی گئی ہو پھر نیت درست کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بوقت بناء اگر نیت درست نہیں تھی تو ثواب نہیں ملے گا، لیکن مسجد کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں ہوگا، اب نیت کرنے سے انشاء اللہ گناہ معاف ہوجائے گا۔

إذا كان هذا مباهاة ورياءً وسمعةً فهو أيضا مكروه بل بناء المساجد بهذه النية الفاسدة يكون مكروها أيضاً الخ. (بذل المجهود، كتاب الصلوٰة، باب في بناء المساجد مطبع سهارنپور ١/٢٥٩، دارالبشائر الاسلاميه بيروت٣/١٥٨)

وأما لو تمت المسجدية، ثم أراد هدم ذلك البناء فإنه لايمكن من ذلك. (شامی، كتاب الوقف، مطلب فی احكام المسجد، كراچی ٤/٣٥٨، زكريا٦/٥٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۳/۲۳)

بڑے گاؤں میں مسجد سے دور ایک ہی محلّہ میں دوسری مسجد بنانا

سوال: [۸۸۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت میں بڑے گاؤں میں رہنے والا ہوں یہ گاؤں شہر سے ایک میل فاصلہ پر ہے، اس میں صرف ایک بڑی مسجد ہے، جس میں بعض محلّہ کے آدمی بسبب دوری کے صرف جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، میں اور بعض محلّہ کے آدمی قریب کی وجہ سے پانچ وقت کی نماز اور جمعہ پڑھتے ہیں، ہم لوگ مسجد کے ۱۰/منٹ کے فاصلہ پر رہتے ہیں، ہر وقت آنا جانا مشکل ہے، ایک مرتبہ تراویح کی نماز میں امام صاحب نے ۵/پارہ قرآن مجید تلاوت کی اس پر ہمارے درمیان اور امام صاحب کے درمیان اور مسجد کے قریب رہنے والے مصلیوں کے درمیان اختلاف ہوا اس اختلاف کے سبب ہم لوگ مسجد کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، کچھ دن گذرنے پر ایک مولانا صاحب کے مشورہ سے اپنے محلّہ میں ایک وقتیہ مسجد بنائی پھر مصلین زیادہ ہونے پر اس میں جمعہ اور عیدین کی نمازیں ادا کرنے لگے ہم لوگ اسی طرح تین سال سے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں، ایک مولانا صاحب اس کو مسجد ضرار بتلاتے ہیں، آیا یہ مسجد ضرار ہے یا نہیں؟ مع حوالہ جواب تحریر فرمائیں۔

نوٹ: مذکورہ بیان سے یہ مسجد ضرار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اصلاح کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ بیان کے بموجب اس مسجد کو مسجد ضرار کا حکم نہیں دیا جا سکتا ہے، کیونکہ مسجد ضرار کی شرائط کفر ونفاق، تفریق بین المسلمین وغیرہ یہاں نہیں ہیں، نیز دس منٹ کا فاصلہ بھی کم نہیں ہے، نئی مسجد بنا لینا دفع حرج کے باعث ہے، اس کو مسجد شرعی کا حکم دیا جائے گا۔ (کفایت المفتی، زکریا جدید مطول ۸۲/۱۰) میں موجود جواب کا مفہوم بھی یہی ہے۔

وفی الذخیرة و بالصلوٰة بجماعة یقع التسلیم بلا خلاف حتی أنه إذا بنی مسجداً وأذن للناس بالصلوٰة فیه جماعة فإنه یصیر مسجداً الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد کوئٹه ۲/ ۴۰۵، کراچی ۴/ ۳۵۶، زکریا ۶/ ۵۴۵، البحرالرائق، کوئٹه ۵/ ۲۴۸، زکریا ۵/ ۴۱۶، المحیط البرهانی ،المجلس العلمی بیروت۹/ ۱۲۴، رقم: ۱۱۳۳۶، تاتار خانیة زکریا ۸/ ۱۵۶، رقم: ۱۱۴۹۴)

نیز تراویح میں پانچ پارے پڑھنا حدیث رسول " عن أبی هریرة رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه قال إذا أم أحدکم الناس فلیخفف الخ. (سنن الترمذی، کتاب الصلوٰة، باب ماجاء إذا أم أحدکم الناس فلیخفف ، النسخة الهندیة ۱/ ۵۵، دارالسلام رقم: ۲۳۶) **" کے بھی خلاف ہے، آپس میں مصالحت کر کے جو لوگ مسجد کے قریب ہوں وہ اسی مسجد میں نماز پڑھا کریں ۔** (مستفاد: امداد المفتیین، دارالاشاعت/ ۷۶۵، عزیز الفتاویٰ، دارالاشاعت/ ۲۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۴۳)

ایک گاؤں میں دو مسجدیں بنانا

سوال: [۷۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں اب سے تقریباً ۱۰/ سال قبل ایک جگہ مکتب بنا ہوا تھا، کچھ لوگوں نے اسے وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ بنا دیا یہ جگہ مکتب کی اسی دن سے ویران پڑی ہے، کتے اور جانور پیشاب پاخانہ کرتے ہیں، واقفین حضرات سے دیکھا نہیں جاتا تو انہوں نے سوچا کہ اس جگہ پر ایک نئی مسجد تعمیر کر دیں جس سے جگہ ویران و برباد نہ ہو اور یہ نیت کر کے مسجد تعمیر کرنے کا منصوبہ بنالیا کہ مسجد کی تعمیر مرکز کی حیثیت سے کریں گے تاکہ باہر کی

جماعتیں آئیں اور یہاں کے بےنمازی اور دین سے بیزار لوگوں کو دین کی طرف مائل کریں، اسی گاؤں میں پچھّم کی طرف ایک پرانی مسجد بنی ہوئی ہے، اور دوسری مسجد پورب کی طرف بنانے کا ارادہ ہے تو جب گاؤں میں لوگوں کو معلوم ہوا تو اعتراض کرنے لگے کہ جب ایک ہی مسجد میں لوگ نماز نہیں پڑھتے مشکل سے تین چار نمازی ہوتے ہیں، تو دوسری کی کیا ضرورت ہے، غرض نئی مسجد تعمیر کرانے والوں کو برا بھلا فسادی وغیرہ جیسے الفاظ سے نوازنے لگے۔

(۱) تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ مذکورہ گاؤں میں مذکورہ نیت کے ساتھ نئی مسجد کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایک صاحب نے نئی مسجد کی رسید چھپوادی تا کہ چندہ وغیرہ کے ذریعہ مسجد کی آمدنی ہو اور تعمیر میں آسانی ہو تو لوگ ان کو بھی برا اور فسادی کہتے ہیں، کیا یہ کام شرعاً غلط تھا؟ اور رسید چھپوانے میں تعاون کرنے والا اجر کا مستحق ہوگا یا گناہ کا؟

(۳) گاؤں کے لوگوں کا نئی مسجد تعمیر کرانے والوں کو برا یا فسادی کہنا یا مسجد کی تعمیر میں خلل ڈالنا کیسا ہے؟ آپ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

(۴) ایک گاؤں میں دو مسجد یا متعدد مساجد بنائی جاسکتی ہیں، یا نہیں؟

المستفتي: محمد عمران، فتح پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جی ہاں اگر چہ پہلی مسجد میں اتنے نمازی نہ ہوتے ہوں کہ اس میں تنگی آجائے تب بھی دوسری مسجد کا بنانا جائز ہے، جبکہ اس کا مقصد صرف بےنمازیوں کو نمازی بنانا ہے، پہلی مسجد کو نقصان پہونچانا مقصد نہیں ہے۔

كما استفيد من عبارة الهندية أهل محلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطا ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحد لا باس به والأولىٰ أن يكون لكل طائفة مؤذن الخ. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب

المسجد زکریا قدیم ٥/ ٣٢٠، جدید٥/ ٣٧٠، البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد زکریا ٥/٤١٩، کوئٹه ٥/ ٢٥٠)

(۲) اگر رسید چھپوانے کا مقصد صرف مسجد کا مفاد ہے، ذاتی مفاد نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، اس کو برا کہنا جائز نہ ہوگا، اور تعاون کرنے والوں کو ثواب مل سکتا ہے۔

(۳) برا کہنا اور تعمیر میں خلل ڈالنا جائز نہ ہوگا۔

(۴) جی ہاں بنائی جا سکتی ہے، کما مر۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱؍۳۷۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷؍۱۲؍۱۴۱۴ھ

ایک گاؤں میں تیسری مسجد بنانا

سوال: [۷۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کلومیٹر کے اندر دو مسجدیں ہیں، آبادی اس طرح ہے کہ کسی جمعہ کو دونوں مسجدوں میں نمازی پورے نہیں ہوتے کچھ جگہ خالی رہ جاتی ہے، اس کے درمیان پھر کچھ لوگ ایک مسجد اور زبردستی بنا رہے ہیں، کیا اس مسجد میں نماز ہوگی یا نہیں؟ اور تینوں مسجدیں گاؤں میں ہیں، ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: عظیم الدین، مسکونہ اتراکھوچہ باڑی، پوسٹ، رام گنج، وایا اسلام پور، ضلع: دیناجپور (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر فتنہ وفساد کے خوف سے تیسری مسجد بنائی جارہی ہے، یا کسی اور عذر کی وجہ سے بنائی جارہی ہے تو تیسری مسجد بنانے میں کوئی گناہ نہیں اور اس مسجد میں نماز بھی بلا کراہت جائز ہوگی، اور مسجد کا ثواب بھی پورا پورا ملے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۵۱۲، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۳۳)

أهل محلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطا ولكل منهم إمام علىٰ حدة ومؤذنهم واحد لابأس به والأولىٰ أن يكون لكل طائفة مؤذن الخ.

(هنديه ، كتاب الكراهية ، الباب الخامس فی أداب المسجد زكريا قديم ٥/ ٣٢٠، جديد ٥/ ٣٧٠، البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المساجد ، زكرياه/٩ ٤١، كوئٹه ٥/ ٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱/۱۴۱۳ھ

الفصل الخامس: امام ومؤذن کے احکام

مسجد کا امام ومتولی کیسا ہو؟

سوال: [۷۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مرحوم نے ایک جائیداد مسجد کے نام وقف کی لیکن امام صاحب اس وقف نامہ کو سالوں سے دبائے بیٹھے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کا مالک میں ہوں اس کے بعد کمیٹی کے اصرار کے باوجود وقف نامہ دکھانے کو تیار نہیں ہیں، بہت ضعیف اور کمزور ہیں فرض نماز کے علاوہ سب نمازیں بیٹھ کر پڑھتے ہیں، مسجد وغیرہ کے نام سے جو بھی چندہ وغیرہ آتا ہے، نیز جمعہ کا چندہ وغیرہ سب خود ہی رکھ لیتے ہیں، جبکہ وہ باقاعدہ انجمن کے ملازم ہیں، انجمن ان کو تنخواہ دیتی ہے، مسجد کے مکان پر قابض ہیں، اس میں لڑکے اور بہو وغیرہ رہتے ہیں، خود مسجد کے حجرے میں رہتے ہیں، اور نیز مسجد کا حجرہ ہوتے ہوئے مسجد کے اندر سوتے ہیں، ریح بڑی زور سے مسجد میں خارج کرتے ہیں، مسجد کے مکان پر ناجائز قبضہ ہے وہ ان کے مصرف میں نہیں بلکہ لڑکوں کے مصرف میں آتا ہے، باوجود تنبیہ کے وہ ایسے شخص کو تراویح میں امام بناتے ہیں، جو انگریزی بال رکھتا ہے اور داڑھی کٹواتا ہے، لیکن صرف اس وجہ سے کہ وہ ملنے والا نذرانہ امام کو دے دیتا ہے، وہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں، رمضان میں جو افطاری وغیرہ آتی ہے جو کہ عام لوگوں کے افطار کے لئے ہوتی ہے، لیکن وہ اکٹھا کر کے اپنے لڑکے کے گھر بھیج دیتے ہیں، مسجد میں آنے والا تیل بھی بیچ کر کھا لیتے ہیں، اب جواب طلب یہ امر ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز کہاں تک درست ہے؟ ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مشتاق احمد قریشی، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ حالات میں ایسا شخص نہ

متولی بننے کے لائق ہے، اور نہ امام- ایسا شخص فاسق ہے نیز انگریزی بال رکھنے والے اورداڑھی منڈوانے والے کٹوانے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، مسجد کے امام اورذمہ دارکاامانت دار، پابندصوم وصلوٰۃ، متبع شریعت ہونا، فسق اورخلاف شرع حرکات سے دوررہنے والا ہونا ضروری ہے۔

ویکره تقدیم الفاسق کراهة تحریم. (صغیری مکتبه مجتبائی دهلی /۲٦٤، حلبي كبير اشرفیه /٥١٣، هدایه اشرفی دیوبند ١/١٢٢، شامی، زكريا ٢/٢٩٩، كراچی ١/٥٦٠)

ولایولی إلا أمین قادر بنفسه أوبنائبه ؛ لأن الولایة مقیدة بشرط النظر. (شامی، الوقف، مطلب في شروط المتولی زکریا ٦/٥٧٨، کراچی ٤/٣٨٠، البحرالرائق، کوئٹه ٥/٢٢٦، زکریا ٥/٣٧٨، هندیه زکریا قدیم ٢/٤٠٨، جدید ٢/٣٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۰/ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۶۶)

غیرامام کا منبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا

سوال: [۷۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا منبر جس پر امام صاحب خطبہ دیا کرتے ہیں، اس منبر کا استعمال کوئی عالم حدیث یا دین کی بات کرنے کے لئے امام کی اجازت کے بغیر کرسکتا ہے یانہیں، ہم نے پڑھا ہے کہ ملکیت والی چیز کے استعمال کیلئے مالک کی اجازت ضروری ہے منبر تو ملکیت نہیں ہے، پھراس کی کیا حیثیت ہے؟

المستفتي: فردوس احمد نعمانی، ناظم: جامعہ مظفریہ جہانگیری، محلّہ ریل پار، ضلع: آسنسول، (بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جمعہ کے دن جمعہ پڑھانے والا امام اگر راضی نہیں ہے تو اس کی اجازت لازم ہے، اور دیگر ایام میں انتظامیہ اور کمیٹی کی اجازت لازم ہے تا کہ نظم وانتظام باقی رہے، نیز جمعہ سے پہلے ممبر پر بیٹھ کر وعظ وتقریر کے بجائے ممبر سے ہٹ کر کرنا چاہئے، تا کہ خطبہ کے مشابہ نہ ہو جیسا کہ امداد الفتاویٰ ۱/ ۶۴۹ میں ہے۔

عن أبی مسعود الأنصاری یقول: قال سمعت رسول اللہ ﷺ -إلیٰ- ولا یؤم الرجل فی سلطانه ولا یجلس علی تکرمته فی بیته إلا بإذنه الخ.

(ترمذی ، الصلاۃ، باب من احق بالإمامة ، النسخة الهندیة ۱ /۵۵، دارالسلام رقم: ۲۳۵)

اس حدیث سے بھی مستفاد ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱۰/ ۱۴۳۱ھ

امام کی رہائش کا انتظام کس پر لازم ہے؟

سوال: [۷۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، امامت کی تنخواہ جو مسجد سے ملتی ہے، وہ زید کی ضروریات پر مکمل خرچ ہو جاتی ہے، اور اب وہ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، تو اسے کرایہ ادا کرنے میں کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور مسجد کی طرف سے اس کو رہائش نہیں دی جارہی ہے، اور تنخواہ بھی اس قدر نہیں ہے کہ اس سے کرایہ ادا کیا جائے، مسجد کے متولیوں کا کہنا ہے کہ فیملی کواٹر دینا ہماری ذمہ داری نہیں ہے، اور زید کا کہنا ہے کہ فیملی کواٹر اور رہائش کا انتظام کرنا متولیان مسجد کے ذمہ ہے، تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زید جو امام ہے اس کے لئے مکمل رہائش کا انتظام کرنا متولیان کے ذمہ ہے یا نہیں؟ یا متولیان کا کہنا شریعت کے مطابق ہے مزید برآں یہ کہ دینی غیرت وحمیت کے پیش نظر ان کا اخلاقی فریضہ بھی بنتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد شاکر قاسمی، امام
مسجد گرین لینڈ کالونی، ضلع: اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد اور مدارس کے اصول وضوابط اس حدیث شریف سے مستنبط ہیں ، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه ، عن جده ، أن رسول الله ﷺ قال: ......والمسلمون على شروطهم ، إلا شرطاً حرم حلالا أو أحل حراماً .

(سنن الترمذی ، الأحکام ، باب ماذکر عن رسول اللّٰہ ﷺ فی الصلح بین الناس ، النسخۃ الهندیة ١/ ٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں سوائے ایسی شرط کے جو کسی حلال چیز کو حرام کردے، یا کسی حرام چیز کو حلال کردے، لہٰذا اس حدیث پر غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آجائے گی کہ تقرر کے وقت آپس میں اگر رہائش کی شرط لگائی گئی ہے، تو مسجد کے ذمہ داروں پر رہائش دینا لازم ہے، اور اگر شرط نہیں لگائی گئی ہے، تو رہائش دینا ان پر لازم نہیں ہے لیکن مسجد کے ذمہ داروں پر یہ لازم ہے کہ امام صاحب کو ہر مہینہ میں اپنے بال بچوں کی خبر گیری کے لئے چھٹی دیا کریں یا ہر ہفتہ ایک دن بال بچوں میں گذارنے کے لئے چھٹی دے دیا کریں، اور اگر یہ بات نہیں ہے تو اگرچہ رہائش دینا لازم اور واجب نہیں ہے، مگر ان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ امام صاحب کی رہائش کا انتظام کریں تاکہ امام صاحب سکون ویکسوئی کے ساتھ اپنی ذمہ داری کا فریضہ انجام دے سکیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ ذی الحجہ ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١٣٣٧)

امامت سے معزولی کے بعد مسجد کے مکان میں رہنے یا اس کے متبادل کے مطالبہ کا حکم

سوال: [۷۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اہالیان ممبئی نے ایک مسلم علاقہ والکیشو رجو متمول لوگوں کا علاقہ ہے وہاں ایک غیر مسلم کی بلڈنگ جو اب اتفاقاً مسجد کے ذمہ داران نے خرید لی ہے، اس کے پہلے منزلہ کو نماز پنجگانہ جمعہ وعیدین کے لئے مختص کردیا تھا اور آج بھی ہے، اس مسجد میں پہلے امام صاحب کا چالیس سال قبل انتقال ہونے کے بعد ان کے داماد کو امام متعین کردیا تھا، اس کمرہ کا کرایہ بجلی کا بل وغیرہ حتی کہ پانی بھی آج تک مسجد کی جانب سے دیا جاتا ہے آج سے دس بارہ سال قبل امام صاحب کو امامت سے دست بردار کیا جاچکا ہے، مگر امام صاحب نے کمرہ پر غاصبانہ قبضہ کررکھا ہے، اسی کمرہ میں امام صاحب کے رشتہ دار دوست احباب آتے ہیں، ظاہر ہے وہ بھی اسی چھت کے نیچے بجلی پنکھا پانی استعمال کرتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ امام صاحب کا مطالبہ ہے کہ مجھ کو متبادل مکان یا اس کے مساوی رقم دے دیں تو میں مکان مسجد کے حق میں خالی کردوں گا، واضح ہو کہ مسجد کو نمازیوں کی ضرورت کے پیش نظر کمرہ کی ضرورت بھی ہے، کیا نمازیوں اور تبلیغی جماعت کے لئے باعث تکلیف نہیں بن رہے ہیں، امام صاحب نے دوران امامت اپنے ہر بچہ کو مکان بھی خرید کردیا ہے، اوران کی شادیوں کے فرائض سے بھی فارغ ہوچکے ہیں، جبکہ ان کا ایک مکان مقفل بھی پڑا ہوا ہے، کیا امام صاحب کا مزید مکان یا رقم کا مطالبہ ظالمانہ نہیں ہے؟ کچھ ذمہ داران مسجد امام صاحب کے مطالبہ کو دیکھ کر کچھ رقم دینے کا ارادہ بھی کرتے ہیں مگر امام صاحب کا مطالبہ خطیر رقم لینے کا ہے کیا یہ مطالبہ پورا کرنا ظالم کی ہمت افزائی کرنا نہیں ہے؟ امام صاحب کے ہمنوا مکان خالی کرنے کو منع کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ آپ سے کوئی مکان خالی نہیں کراسکتا جس کی وجہ سے امام صاحب کے حوصلے

اور بلند ہو جاتے ہیں، کیا یہ ظالم کی مدد کرنا نہیں ہے؟ ممبئی میں ان کے معاونین بہت بڑی تعداد میں ہیں، جو ان کی ہر مد سے مدد کرتے ہیں، جس کے وہ مستحق بھی نہیں ہیں، کیا یہ لوگوں کو دھوکہ نہیں دے رہے ہیں؟

(۱) کیا امام صاحب کا وہاں رہنا جائز ہے؟

(۲) امام صاحب کے رشتہ داروں کے لئے مسجد کا پانی اور بجلی استعمال کرنا جائز ہے؟

(۳) کیا اہالیان ممبئی کا ان کی مدد کرنا جائز ہے؟

(۴) کیا یہ رشوت کے معنیٰ میں نہیں آتا؟

(۵) کیا امام صاحب دیگر ائمہ اور ائمہ کے پیشے کے وقار کو نقصان نہیں پہونچا رہے ہیں؟

(۶) کیا مفتیان شرع اپنے متعلقین کو اس کی مرضی کے مطابق فتویٰ دے سکتے ہیں، امام صاحب مفتیان کرام پر یہ بھی الزام لگاتے ہیں؟

(۷) بلاضرورت مختلف بیماریوں معذوریوں کے نام پر اپنا اور اپنے اہل خانہ کے وظیفے بندھوا رکھے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

المستفتي: العبد قاری حسین احمد، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ پر غور کیا گیا اس میں کچھ چیزیں اصل مسئلہ سے متعلق ہیں، اور کچھ چیزیں ذاتیات سے متعلق ہیں، اور ذاتیات کے بارے میں کچھ لکھنا منصب افتاء کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے اصل مسئلہ جو پیش نظر ہے اس کے بارے میں حکم شرعی لکھا جا رہا ہے، وہ یہ ہے کہ جب امام صاحب اس مسجد کے امام نہیں رہے تو مسجد کا مکان مسجد کو واپس کر دینا امام صاحب پر لازم ہے، جبکہ امام صاحب اس مکان کا کرایہ بھی مسجد کو نہ دیتے ہوں اور جب مسجد کو اس مکان کی ضرورت ہے تو خالی نہ کرنے پر سمجھدار اور معزز مسلمانوں کو بیچ میں ڈال کر خالی کروالینا چاہئے، نیز امام صاحب کا مکان کو خالی کرنے پر متبادل مکان کا مطالبہ کرنا یا اس کے برابر یا کم وبیش رقم کا مطالبہ کرنا ناجائز مطالبہ ہے، امام

صاحب کے لئے اس مکان کے خالی کرنے پر مسجد سے پیسہ لینا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله آجر داره كل شهر بكذا فلكل الفسخ عند تمام الشهر . (شامی، کتاب الإجارة، قبيل باب الإجا رة الفاسدة، زکریا۹/ ٦١، کراچی ٦/ ٤٥)

عن سعيد بن زيد بن عمر وبن نفيل أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من اقتطع شبرا من الأرض ظلماً طوقه الله إياه وم القيامة من سبع أرضين وعنه أيضا إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من أخذ شبراً من الأرض بغير حقه طوقه في سبع أرضين يوم القيامة . (مسلم شريف، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرهما النسخة الهندية٢/ ٣٢،٣٣، بيت الافكار رقم: ١٦١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۸۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۷ھ

امام کا اپنے بیٹے کو امام بنانا اور مسجد کا مکان خالی نہ کرنا

سوال: [۸۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ دراز سے جامع مسجد میں بھاگل پور بہار کے امام اسی مسجد کے مدرسہ میں صدر مدرس بھی تھے، انہوں نے شروع سے ہی اس ڈر سے شہر کے کسی بھی بچہ کو دینی تعلیم اور کلام پاک کی تعلیم میں آگے نہیں بڑھنے دیا کہ آگے چل کر کوئی عالم بن کر ان کے لئے خطرہ یا چنوتی نہ بن جائے، حافظ، قاری بننا تو دور کوئی بچہ بہتر ناظرہ خواں تک نہ بن سکا، پاس کے قصبہ کے ایک حافظ جو اس مدرسہ میں مدرس تھے، ان کی بہتر تعلیم اور کوششوں سے ۵؍ بچوں کا حفظ پورا ہونے اور کئی بچوں کے حفظ میں آگے بڑھنے سے گھبرا کر امام صاحب نے شہر میں اپنی عزت، اثر اور ساتھ ہی کمیٹی پر اپنی پکڑ کے سہارے مدرس کو نکلوا کر اپنے بیٹے کو حافظ

بتاتے ہوئے مدرسہ میں رکھوا دیا، جبکہ اصلیت میں وہ حافظ نہیں تھا، مولانا اسے اپنے بعد اسی مسجد میں امام بنوانے کی سازش کی پہلی سیڑھی پر کامیاب ہوگئے، مولانا کی طرح کمیٹی نے ان کے بیٹے کو بھی ١٠٠ر روپئے ماہوار پر ایک رہائشی مکان دیتے ہوئے ان کی تنخواہ میں ہاتھوں ہاتھ اتنا ہی اضافہ بھی کردیا، بجلی، پانی ہاؤس ٹیکس وغیرہ سبھی اسی کرائے میں شامل تھا، مولانا نے دوسری سیڑھی پر بھی کامیابی حاصل کرلی، جبکہ کسی اور مدرس یا مؤذن کو یہ سہولتیں نہیں دی گئی تھیں، نہ ہی اب تک دی گئیں؟

(۱) لگ بھگ ١٥ر سال بعد مولانا کا انتقال ہوجانے پر ان کے اثر والی کمیٹی کے چند ذمہ داروں نے ہاتھوں ہاتھ ان کے بیٹے کے سر پر وراثت کی پگڑی باندھ کر بنا سندیں دیکھے ہی امام بنا دیا، والد مرحوم کی فطرت کے مطابق انہوں نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی پگڑی بہت مضبوط کرلی، کیونکہ وراثت میں لوگوں کے عقیدے بھی ان کو ملے ہیں، جب انہوں نے بھی اپنے بہت کم عمر بیٹے کو جامع مسجد میں نماز پڑھانے کے مقصد سے زیادہ سے زیادہ موقعہ دینے شروع کردئے، فجر اور عشاء میں خود گھر پر آرام فرماتے ہیں، اور بیٹے کو مسجد میں امامت کے لئے بھیج دیتے ہیں اکثر دن کی نمازیں بھی ان کا بیٹا ہی پڑھاتا ہے، اس بابت کوئی اگر پوچھے تو مولانا لڑنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔

(۲) مولانا صاحب نے اپنی کوٹھی مسجد سے دور تعمیر کروالی ہے، اور اسی میں رہتے ہیں، ایک بڑا مکان دوسرے محلّہ میں تعمیر کرواکر اس میں ١٠/١٢ر کرایہ دار رکھے ہوئے ہیں، لیکن اس میں رہتے ہوئے جو رہائشی سیٹ کمیٹی نے ١٠٠ر روپئے ماہوار پر انہیں دیا تھا، وہ انہوں نے ابھی تک خالی نہیں کیا ہے، بےضرورت تالا ڈال کر قبضہ برقرار رکھے ہوے ہیں۔

(۳) بڑے مولانا کے انتقال کے بعد ان کا بڑا بیٹا جو لکھنؤ میں ڈاکٹر ہے، اپنی والدہ کو ساتھ نہیں لے گیا ہے، مولانا کو کمیٹی سے ملے ہوئے بنا کرائے مفت بجلی، پانی والے مکان میں ہی اپنے تیسرے بیٹے کے ساتھ رہتی ہیں، یہ ریڈیمیڈ کپڑوں کا کاروبار کرتا ہے، اور اب وہ بھی مسجد کے اسی مکان میں اپنی والدہ سے علیحدہ ہوکر رہتا ہے۔

مندرجہ تینوں مسئلوں کے بارے میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی کمیٹی کو اختیار ہے کہ وہ جس کو مناسب سمجھے اسی کے سر پر امامت کا دستار باندھے، لیکن شرط یہ ہے کہ جس کے سر پر امامت کا دستار باندھا جائے اس کے اندر امامت کی اہلیت ہو، صحیح طور پر نماز پڑھانے پر قادر ہو، لیکن غیر حافظ کو حافظ قرآن بتلانا جھوٹ ہے جو قطعاً جائز نہیں ہے، اور جھوٹ کا گناہ جھوٹ بولنے والے کے سر ہوگا، اور کمیٹی کو چاہئے کہ جھوٹے آدمی کو امام نہ بنائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۰/ ۳۰، ۳۲)

عن أنس رضي الله عنه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکبائر، قال: الإشراک باللّٰہ، وعقوق الوالدین، وقتل النفس، وقول الزور. (مسلم شریف، باب بیان الکبائر، أکبر هما، النسخة الهندية ۱/ ٦٤، بيت الافکاررقم: ۸۸)

(۲) مسجد کی عمارت کو معمولی کرایے پر قبضہ میں لیے رکھنا جبکہ مسجد کے دیگر ملازمین کو اس کی ضرورت ہو یہ ناجائز عمل ہے، جب امام صاحب کو اس کے استعمال کی ضرورت نہیں ہے، تو اسے مسجد کے حوالہ کر دینا دیانت داری کا تقاضہ ہے، مسجد کمیٹی کو چاہئے کہ اس سے خالی کرا کر دوسرے ضرورت مند ملازم کو رہائش کے لئے دیدے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۲/ ۲۲۶)

(۳) مسجد کے مکان میں ایسے شخص کی رہائش جو مسجد کا ملازم نہیں ہے، غرض واقف کے خلاف ہے، اس لئے غیر ملازم سے خالی کرا کر وہ رہائشی مکان مسجد کے حوالہ کر دینا لازم اور ضروری ہے، اور سوال نامہ سے ظاہر ہے کہ جو کرایہ مسجد کو دیا جا رہا ہے، وہ مناسب کرایہ سے بہت زیادہ کم ہے، اس لئے مسجد کمیٹی کو چاہئے کہ ایسا عمل کرے جس سے مسجد کا فائدہ پیش نظر رہے۔

ویؤجر بأجر المثل فلا یجوز بالأقل. (شامی، الوقف، مطلب لا یصح إیجار الوقف بأقل من أجر المثل إلا عن ضرورة زکریا ٦/ ٦۰۸، کراچی ٤/ ٤۰۲)

ولایجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل. (الفتاویٰ الهندیة ، زکریا قدیم ٢/٤١٩ ، جدید ٢/٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢؍رمضان ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٢٦٦)

مسجد سے متصل حجرہ میں امام صاحب کی فیملی کا قیام

سوال: [٧٨٨٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے چاروں طرف دوکانیں ہیں، اوپر دوکان کے کمرے بنے ہوئے ہیں، اور راستہ بھی باہر سے الگ ہے، مگر مسجد کی دیوار کے ساتھ مسجد کی کھڑکی اور کمرہ کی کھڑکی ایک ہے، لہٰذا مسجد کے کمرے جس کے نیچے دوکانیں ہیں، اس کمرہ میں سے ایک راستہ مسجد میں بھی کھلتا ہے، مسجد والا راستہ شدید ضرورت پر کھلتا ہے، کیا اس کمرہ میں امام کی فیملی رہ سکتی ہے؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: اہل محلّہ وکمیٹی مسجد دھوبی والی،
محلّہ: بروالاان، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خارج مسجد دوکان یا مکان اور اس میں آنے جانے کے لئے الگ سے راستہ بھی ہے تو اس میں یا اس کے اوپر کے کمرہ میں امام کے لئے فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلاتردد جائز ہے، اگرچہ اس کمرہ سے مسجد کی طرف بھی کھڑکی اور دروازہ لگا ہوا کیوں نہ ہو۔

ولو کان إلیٰ المسجد مدخل من دار موقوفة لابأس للإمام أن یدخل للصلوٰة من هذاالباب لأنه روی أن رسول الله ﷺ کان یدخل من حجرته إلی المسجد الخ. (البحرالرائق ، الوقف ، فصل فی أحکام المسجد کوئٹہ ٥/٢٥٠، زکریا ٥/٤١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ ذیقعدہ ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٧٨٤٩/٣٦)

مسجد کی چھت پر مدرسہ یا امام صاحب کیلئے حجرہ بنانا

سوال: [٧٨٩٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ از سرے نو مسجد بنائی جائے، اور اس کی بناء سے قبل ہی یہ نیت کی جائے کہ اس کی چھت پر مدرسہ اور حجرہ وغیرہ بنایا جائے گا، تو کیا اس نوعیت سے تعمیر کرنا کہ نیچے مسجد اور اوپر مدرسہ یا حجرہ رہے اسی طرح تہہ خانہ میں یہ عمل تعمیر ہو تو کیا جائز ہے؟

المستفتي: محمد انوار قاسمی، مدرسہ اسلامیہ عربیہ دادری، ضلع: گوتم بدھ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر از سرے نو مسجد بنائی جارہی ہے، تو حدود مسجد کی چھت پر امام کے لئے حجرہ یا رہائش گاہ بنانا درست نہیں اور نہ ہی مدرسہ بنانا جائز ہے، ہاں البتہ مسجد کو مسجد رہنے کی حالت میں اس میں بیٹھ کر دینی کتابوں کا درس دینا جائز ہے، اور اگر اوپر مسجد اور نیچے مدرسہ یا حجرہ یا مسجد کی آمدنی کے لئے دوکانیں وغیرہ بنائی جائیں تو اس کی گنجائش ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی مسجد وجود میں نہیں آئی ہے، اس سے پہلے تہہ خانہ اور دوکانیں بنالی گئی ہیں، پھر اس کے اوپر مسجد کا وجود آرہا ہے، اور مسجد وجود میں آنے کے بعد اس کے اوپر مقاصد مسجد کے خلاف کسی اور چیز کی تعمیر درست نہیں ہے، اس لئے کہ اب آسمان تک جتنی منزلیں بنیں گی وہ مسجد ہی شمار ہوں گی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ٢/٦٨٣)

لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفاً على المسجد قيل لايستحب ذلک، ولكنه لو جعل في الإبتداء هكذا صار مسجداً وماتحته صار وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذي تحته. (حاشيه چلپی علی تبيين الحقائق،

الوقف، فصل فی أحکام المسجد امدادیه ملتان۳/ ۳۳۰، زکریا ٤/ ۲۷۱)

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع. (شامی، کراچی ٤/ ۳٥۸، زکریا دیوبند٦/ ٥٤۸، الموسوعة الفقهية الكويتية٢ ١/ ۲۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رشوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۲۱ھ

مسجد کی زمین پر امام صاحب کے لئے مکان بنانا

سوال: [۷۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً چار سال سے امام صاحب مسجد قائم کی بیریاں مرادآباد میں امامت کرتے ہیں امامت کے دوران امام صاحب نے مسجد والوں سے کہا کہ مجھے بچوں کو رکھنے کے لئے مکان کی ضرورت ہے، مسجد والوں نے جواب دیا کہ مسجد کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں، آپ اس حجرہ کو اپنے بچوں کے لئے رہائش گاہ بنا سکتے ہیں، اور جب تک آپ کا دل چاہے مسجد میں امامت کرتے ہوئے آپ معہ اہل وعیال اس میں رہ سکتے ہیں، امام مذکورہ نے اجازت ملنے پر اس حجرہ کو رہائش گاہ بنالیا جس میں ۵۰۶۳/۱۰ رخرچ ہوئے امام صاحب کو اس میں رہتے ہوئے دوسال، ۹ رماہ کا عرصہ ہوا ہے، اب منتظمین مسجد حجرہ کو خالی کرانا چاہتے ہیں، جبکہ امام صاحب اس کو خالی نہیں کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ مذکورہ بالا شرط کے مطابق امام صاحب کو اس میں رہنے کا حق ہے، اس کو کمیٹی والے زبردستی خالی کروارہے ہیں، کیا ایسی صورت میں امام صاحب کی لاگت مبلغ ۵۰۶۳/۱۰ ان کو ملنے چاہئے یا نہیں؟

جب کہ دوسری مسجدوں میں جیسا کہ مولانا محمد سالم صاحب ومولانا محمد اسعد صاحب ودیگر مساجدوں میں امام صاحبان مع اہل وعیال کے رہتے ہیں، نہ کوئی کرایہ ہے نہ کوئی پریشانی ہے ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پیسوں کے سلسلہ میں شریعت کا کیا فیصلہ

ہے؟مفصل جواب سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: امام مسجد،قائم کی بیریاں،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگرامام مسجد نے ذمہ داران مسجد کی اجازت سے مذکورہ حجرہ کی تعمیر کرائی ہےاورمرادآباد کےعرف میں امام صاحب کو بلا کرایہ حجرہ دیا جاتا ہے،تو تعمیر ومرمت میں مذکورہ حجرہ میں جورقم امام مسجد نے صرف کی ہے وہ رقم امام مسجد کوشرعاً واپس ملے گی،اور جب تک پوری رقم واپس نہ ملے اس وقت تک امام کوحجرہ خالی نہ کرنے کاحق ہوگا۔

المعروف عرفاًكالمشروط شرعاًالخ. (الاشباه النظائر/١٥٦)

ومن فروعها عدم وجوب العمارة على الشريك وإنمايقال لمريد ها أنفق واحبس العين إلى استيفاء قيمة البناء أو ما أنفقته فالأول إن كان بغير إذن القاضي والثاني إن كان بإذنه وهو المعتمدالخ. (الأشباه والنظائر /١٤١)

وكما استفاده من الشامی نص محمد أن من استاجر أرضاً فبنى فيها بناء ثم آجرها من صاحبها استوجب من الأجر حصة البناء (إلىٰ قوله) وبه أفتى مشائخنا ولو كان البناء ملكاً والعرصة وقفاً وآجر المتولى بإذن مالك البناء فالأجر ينقسم على البناء والعرصةالخ.

(شامی، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة،مطلب في إجارة البناء زكريا٩ /٦٦، کراچی ٦ /٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
١٤/جمادی الآخرة١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر:١٢٦٥/٢٤)

وضوخانہ پر بنے کمرے میں امام صاحب کا مع اہل وعیال قیام کرنا

سوال: [۷۸۹۲]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے آنگن کے برابر وضوخانہ ہے، اوراس وضوخانہ پر مسجد کےامام صاحب کے لئے حجرہ بناہوا ہے، حجرہ میں آمدورفت مسجد کے آنگن سے ہے، اس حجرہ میں مسجد کےامام صاحب اپنی بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، کیاان کا رہنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: شکیل احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے وضوخانہ پر جوحجرہ امام صاحب کے لئے بناہواہے، اس میں امام صاحب کا اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنا جائز ہے، البتہ مسجد کے جماعت خانہ سے باہرعورتوں کے لئے راستہ ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ ماہواری کی حالت میں عورتوں کے لئے جماعت خانہ سے گذرنا ممنوع ہے۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم۶/۹۱، جدیدزکریا۹/۱۰۵، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۹۸، ڈابھیل۱۴/۵۶۳)

ولاتدخل المسجد. (هدايه ، اشرفی ١/ ٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۹/جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۴۴)

مسجد کے وضوخانہ کے اوپر فیملی کواٹر تعمیر کرنا

سوال: [۷۸۹۳]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے خارج حصہ میں مسجد سے متصل ہی وضوخانہ ہے، اس وضوخانہ کےاوپر بیت الخلاء اورغسل خانہ اور دوچھوٹے چھوٹے کمرے ہیں، کیا ان کمروں میں امام صاحب کا مع اہل وعیال یا

مؤذن وغیرہ کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: ذمہ داران مسجد چاند
والی، پرنس روڈ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد سے خارج حصہ جس میں وضوخانہ غسل خانہ بیت الخلاء وغیرہ بنے ہوئے ہیں، اس کے اوپر بھی غسل خانہ بیت الخلاء اور امام یا مؤذن کے لئے فیملی کوا ٹر وغیرہ بنانا اور اس میں امام یا مؤذن کا اپنی بیوی کے ساتھ رہنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

أما المتخذ لصلوٰة جنازة أو عيد فهو مسجد في حق جواز الاقتداء وإن انفصل الصفوف رفقاً بالناس لا في حق غيره به يفتى نهايه فحل دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد ورباط ومدرسة ومساجد حياض وأسواق لاقوارع الخ. (درمختار، الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها زكريا ۲/ ۴۳۰، كراچی ۱/ ۶۵۷، هنديه، زكريا قديم ۲/ ۴۵۶، جديد ۲/ ۴۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۲/ ۱۴۱۷ھ

امام صاحب یا ان کی اولاد کا مسجد کا پنکھا استعمال کرنا

سوال: [۷۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جہاں امام صاحب رہتے ہیں وہ جگہ مسجد سے ملی ہوئی ہے اور اس میں ایک دروازہ بھی ہے، مسجد کے اس دروازہ میں امام صاحب اور ان کے بچے اس میں سے آنا جانا کرتے ہیں، اور اس دروازہ سے نکل کر مسجد کو آرام گاہ بنالیتے ہیں، اور مسجد کا پنکھا بھی استعمال کرتے ہیں؟

المستفتي: محمد آزاد، تھوپال، ایرونگ، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام صاحب کے حجرے سے ان کے بچوں کا مسجد میں آنا جانا، اور مسجد کا پنکھا استعمال کرنا اس سلسلہ میں حکم شرعی یہی ہے، کہ امام صاحب کا حجرہ اور مسجد دونوں کی بجلی کا میٹر ایک ہے، اور بل منجانب مسجد ادا کیا جاتا ہے، تو یہ اس بات کی وضاحت ہے کہ امام صاحب کی فیملی کو مسجد کی بجلی استعمال کرنے کی اجازت ملی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں امام صاحب اور ان کے بچوں کا مسجد کے پنکھے اور حجرہ کے پنکھے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ ایک نظام کے تحت امام صاحب کو غیر اوقات میں حجرہ کے علاوہ حدود مسجد کے پنکھے استعمال کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، تاکہ لوگوں کو اعتراض نہ ہو اور امام صاحب کو اس کی بھی احتیاط رکھنی چاہئے کہ چھوٹے بچے جو پیشاب پاخانہ کی سمجھ نہیں رکھتے ان کو مسجد میں لانے سے احتراز کرنا چاہئے، تاکہ ان کے پیشاب پاخانہ سے مسجد کا فرش ملوث نہ ہو۔

عن واثلة بن الأشقع ،أن النبی ﷺ قال: جنبوا مساجدکم صبیانکم،

الحدیث: (سنن ابن ماجه ، باب مایکره فی المساجد ،النسخة الهندیة /٥٤، دارالسلام رقم/ ٧٥٠، المعجم الکبیر للطبرانی ، داراحیاء الترث العربی ١٣٢/٨، رقم: ٧٦٠١، ١٧٣/٢٠، رقم:٣٦٩، ٥٧/٢٢، رقم : ١٣٦)

جاز للإمام جعل المسجد طریقاً لاعکسه. (الدرالمنتقیٰ ، کتاب الوقف، فصل إذا بنیٰ مسجداً لایزول ملکه بیروت٥٩٦/٢)

لو بنیٰ بیتا علی سطح المسجد لسکنی الإمام فإنه لایضر فی کونه مسجداً لأنه من المصالح. (البحرالرائق ،کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد ، زکریا٥/ ٤٢١،کوئٹه ٥/ ٢٥١)

لو بنیٰ فوقه بیتا للإمام لایضر لأنه من المصالح. (درمختار ، کتاب الوقف، فرع بناء بیت اللإمام فوق المسجد ،قبیل مطلب فیمالو خرب المسجدأو غیره ،

کراچی ٤/٣٥٨، زکریا ٦/٥٤٨، الدرالمنتقیٰ بیروت، کتا ب الو قف، فصل إذا بنیٰ مسجداً لایزول ملکه ٢/٥٩٤)

وأما إحضار الصبی المسجد فأجاز ه حيث لايعبث به ، ويكف عن العبث إذا نهی عنه ، فإن كان من شأنه العبث أو عدم الكف ، فلا يجوز إحضاره فيه . (الموسوعة الفقهية الكويتية٣٧/٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٧/ذیقعدہ ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/١٠٥١٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٢/١١/٧ھ

امام صاحب کی فیملی کا مسجد کا پانی استعمال کرنا

سوال: [٧٨٩٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے امام صاحب مسجد ہی کے مکان میں جو کہ مسجد سے متصل ہے کرایہ پر رہتے ہیں مع فیملی کے اور مسجد کو کرایہ ادا کرتے ہیں، بعض مقتدیوں کی خواہش ہے، کہ مسجد کی ٹنکی سے موٹر کے ذریعہ مسجد کا پانی امام صاحب کے مکان تک پہونچادیں جبکہ امام صاحب کے مکان میں پہلے سے پانی کا اپنا نظم بھی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح مسجد کی ٹنکی کا پانی بذریعہ موٹر امام صاحب کی فیملی کے استعمال کے لئے دینا درست ہوگا؟

المستفتي: احمد جان، محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: امام صاحب کا کمرہ چونکہ متعلقات مسجد میں سے ہے اس لئے مسجد کی ٹنکی کا پانی موٹر کے ذریعہ سے امام صاحب کی فیملی کے استعمال کے لئے دینا اور فیملی کا اس پانی کو استعمال کرنا شرعاً جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ١٨/٢٠٢، ڈابھیل ١٤/٦٥٥، احسن الفتاویٰ ٦/٤٤٦)

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم. (شامی، الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة

بماهو أقرب إليها زكريا ٦/ ٥٦٠، كراچى ٤/ ٣٦٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ٢٩٢، هنديه زكريا قديم ٢/ ٣٦٨، جديد ٢/ ٣٥٦، البحر الرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٣، زكريا ٥/ ٣٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶؍ ۷۶۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۴ھ

مسجد کے حجرہ کو تعویذ خانہ بنانا

سوال: [۷۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسجد کے امام صاحب کو رہنے کے لئے جو جگہ دی گئی ہے، اس کو امام صاحب نے تعویذ خانہ روحانی جسمانی علاج کے لئے متعین کرلیا ہے، اور امام صاحب دوسری جگہ کرایہ پر رہتے ہیں، کیا ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) امام صاحب کے پاس علاج کے لئے ہندو اور مسلم عورتیں بھی آتی ہیں اور علاج خانہ میں جانے کے لئے مسجد کے اندر جانا پڑتا ہے، اور عورتیں تعویذ کے انتظار میں مسجد کے اندر بیٹھتی ہیں، کبھی کبھی نمازیوں کے ساتھ آمنے سامنے آجاتی ہیں، تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد آزاد، اریونگ، تھوپال، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے حجرے کو تعویذ خانہ بنانا قطعاً جائز نہیں، اسی طرح تعویذ گنڈے کے لئے حدود مسجد میں مسلم غیر مسلم عورتوں کی آمد یہ بھی قطعاً ناجائز ہے۔

سئل أيضا عن إمام مسجد فيه منازل موقوفة لسكنى الإمام هل لهٗ أن يؤاجرها؟ فقال ليس لهٗ ذلك. (تاتار خانية، الفصل الحادي العشرون في المساجد زكريا ٨/ ١٧٨، برقم: ١١٥٦١)

لایجوز أخذ الأجرة منه ولا جعل شیئی مستغلا ولا سکنیٰ کما فی البزازیة .(الدر المنتقیٰ ، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۹۴)

ولا یجوز للقیم أن یجعل شیئا من المسجد مستغلا ولا مسکنا.

(البحرالرائق ، کوئٹه ۵/ ۲۵۱، زکریا۵/ ۴۲۱)

ولایجوز أن یتخذه طریقا بغیر عذر .(فتح القدیر ،قبیل باب الوتر ،زکریا ۱/ ۴۳۵، دارالفکر ۱/ ۴۲۲، کوئٹه ۱/ ۳۶۸، زکریا ۲/ ۴۲۸، کراچی ۱/ ۶۵۶)

ولا یجوز أن تعمل فیه الصنائع لأنه مخلص لله ، فلا یکون محلا لغیر العبادة .(فتح القدیر، زکریا ۱/ ۴۳۵، کوئٹه ۱/ ۳۶۹، دارالفکر ۱/ ۴۲۲)

فالحاصل أن المساجد بنیت لأعمال الآخرة مما لیس فیه توهم إهانتها وتلویثها مما ینبغی التنظیف منه ولم تبن لأعمال الدنیا ولو لم یکن فیه توهم تلویث وإهانة . (کبیری/ ۶۱۱، لاهور)

لأن المساجد ما بنی إلا لها (أی العبادة) من صلوٰة واعتکاف وذکر شرعی وتعلیم علم ، وتعلمه وقراء ة قرآن . (البحرالرائق، کوئٹه ۲/ ۳۴، زکریا۲/ ۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۵۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۷ھ

مسجد کے بورنگ سے امام صاحب کے کمرہ میں کنکشن دینا

سوال: [۷۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے روپیہ سے مسجد کے اندر بورنگ کرواکے ٹنکی بھرنے کے لئے پائپ لگوا رہا ہوں اور اس ٹنکی کے پانی کا ایک پائپ امام صاحب کے کمرہ میں ان کی سہولت کے لئے لگوانا چاہتا ہوں اس لئے کہ امام صاحب اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، پریشانی ہوتی ہے، تو امام صاحب کے کمرہ میں جو مسجد ہی کا کمرہ ہے، اس میں پانی کا کنکشن دے

سکتا ہوں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: محمد اسلام کیت والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب آپ بذات خود اپنے روپئے سے بورنگ بنوا کر ٹنکی بھرنے کے لئے پائپ لگوا رہے ہیں، تو آپ کے لئے یہ بھی اختیار ہے کہ امام صاحب کے کمرہ میں بھی پائپ لگوا دیں۔

فإن شرائط الوقف معتبرة إذالم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء فلم يكن معصية . (شامی، الوقف، مطلب شرائط الوقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع، زكريا ٦/٥٢٧، كراچی ٤/٣٤٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣٠ رجمادی الاولیٰ ١٤١٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٣/٥٧٨٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٩/٥/٣٠ھ

امام صاحب کا مسجد کی بجلی استعمال کرنا اور طلبہ کا مدرسہ کی بجلی سے پریس کرنا

سوال: [٧٨٩٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (١) شہر کی جامع مسجد میں مکتب چل رہا تھا، اس مسجد کے امام کی ذمہ داری تھی، کہ امامت کے ساتھ ساتھ اس مکتب میں پڑھانا بھی ہے، تعلیمی فقدان اور شہر کے بچوں کے انگلش میڈیم اسکولوں میں پڑھنے کی وجہ سے مکتب خالی نظر آرہا تھا، ان حالات کو دیکھتے ہوئے مکتب کو مدرسہ کی شکل دے کر بیرونی طلبہ کے قیام وطعام کا انتظام کیا جس کی وجہ سے کچھ مقامی بچے اور کچھ باہر کے بچے داخل ہوئے اور مدرسہ تعلیمی اعتبار سے ترقی کی

طرف گامزن ہونے لگا، مدرسے کے جملہ انتظامی امور کی دیکھ بھال کے لئے ناظم اور مہتمم صاحبان ہیں، مدرسہ مسجد ہی کی اراضی میں ہے، اور مسجد ہی سے منسلک ہے مدرسہ کے مدرسین وملازمین وغیرہ کے اخراجات مدرسے ہی کے فنڈ سے پورے ہوتے ہیں، مدرسہ کا حساب وکتاب الگ ہے اور مسجد کا حساب وکتاب الگ اور مسجد کے خزانچی بھی دوسرے شخص ہیں، مدرسہ کا بجلی کا کنکشن مسجد ہی سے ہے، خزانچی صاحب مدرسے کے مہتمم صاحب سے بجلی کے خرچ کا مطالبہ کرتے ہیں مسجد کے خزانچی کا مطلوبہ مطالبہ مہتمم صاحب دینے کو تیار ہیں، مگر جواب طلب یہ امر ہے کہ مدرسہ کے مہتمم صاحب مطلوبہ رقم دے دیں یا بجلی کا کنکشن مسجد سے الگ کرلیں، مطلوبہ رقم دینا ہی کافی ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ مدرسے ہی میں امام صاحب کے لئے رہائش کا انتظام بفضلہ تعالیٰ ہوگیا ہے نہ مسجد سے طعام کا نظم ہے نہ مدرسہ سے، امام صاحب کا کہنا ہے کہ موجودہ تنخواہ جو دی جاتی رہی ہے، یہ نا کافی ہے پھر بجلی کے خرچ کا مطالبہ درست نہیں ہے، یہ مدرسے کی طرف سے ہونی چاہئے، یا مسجد کی طرف سے؟ نیز دوسری منزل پر قرآن کی تعلیم ہوتی ہے، اور تیسری منزل پر امام صاحب اپنے بچوں کے ساتھ رہ سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) تیسرا سوال یہ ہے کہ مدرسے میں جو روپئے آتے ہیں، طلبہ ہی کے لئے آتے ہیں، اور طلبہ کے اوپر خرچ ہونا چاہئے، طلبہ کے کپڑوں پر پریس پر مہتمم صاحب کا پابندی لگانا کہاں تک درست ہے؟ برائے کرم وضاحت فرمائیں، کرم ہوگا۔

المستفتي: امتیاز احمد، امام جامع مسجد، وناظم: مدرسہ مفتاح العلوم جامع مسجد سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سوال کا اصل مقصد بجلی کے بل کی ادائیگی سے متعلق ہے کیونکہ مدرسہ کا نظام اور خرچہ اخراجات الگ سے ہے، اور مسجد کا ذمہ دار اور خرچہ اخراجات اس سے بالکل الگ مستقل ہے تو ایسی صورت میں بجلی کا خرچ اور اس کے بل کی ادائیگی بھی مستقل اور الگ الگ ہونی چاہئے، لہٰذا مسجد کے خزانچی کا مدرسہ سے

بجلی کے خرچ کا مطالبہ کرنا درست نہیں ہے، اور سب سے بہتر شکل یہی ہے کہ ماضی میں مدرسہ نے جو بجلی خرچ کی ہے، اس کی ادائیگی کرلیں، اور آئندہ کے لئے الگ سے میٹر لگالیا جائے، تاکہ مسجد کے میٹر کا خرچہ مسجد برداشت کرے اور مدرسہ کے میٹر کا خرچہ مدرسہ برداشت کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۲/ ۳۰)

وإذا رأى حشيش المسجد فرفعه إنسان جاز إن لم يكن له قيمة فإن كان له ادنىٰ قيمة لا يأخذه إلا بعد الشراء من المتولي أو القاضي أو أهل المسجد أو الإمام . (البحر الرائق، الوقف، فصل في احكام المسجد زكريا ٥/ ٤٢٠، كراچي ٥/ ٢٥١)

لو سكن بلا إذن أو أسكنه المتولي بلا أجر كان على الساكن أجر المثل ودخل مالو كان الوقف مسجداً أو مدرسة سكن فيه فتجب فيه أجرة المثل. (شامي، مطلب إذا آجر المتولي بغبن فاحش كان خيانته زكريا ٦/ ٦١٥، كراچي ٤/ ٤٠٨، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤٢٠، جديد ٢/ ٣٨٧، الفقه الإسلامي وأدلته ، مكتبه هدىٰ انٹرنيشنل ديو بند ٨/ ٢٣٣، دارالفكر ١٠ / ٧٦٨٩)

(۲) دوسری بات مسجد کے امام صاحب کی رہائش کی بجلی کا خرچہ کون ادا کرے؟ تو اس سلسلہ میں واضح بات یہی ہے کہ امام صاحب مسجد ہی کے ملازم ہیں، اس لئے امام صاحب کے حجرے اور رہائش گاہ کا خرچہ مسجد کے فنڈ سے ادا کرنا چاہئے، اور سوال نامہ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے، کہ دوسری منزل اور تیسری منزل کی جو بات کہی گئی ہے، یہ حدود مسجد اور جماعت خانہ سے خارج ہے اور جو حصہ حدود مسجد اور جماعت خانہ سے خارج ہو اس حصہ میں امام صاحب کا فیملی کے ساتھ رہائش اختیار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ امام صاحب نے ان جگہوں پر تعویذ گنڈہ وغیرہ کا سلسلہ جاری نہ کر رکھا ہو جو مسجد کے مقاصد کے خلاف ہے۔

لو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع .... ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه

مستغلا و لا سکنی الخ. (درمختار زکریا٦/٥٤٨، کراچی ٤/٣٥٨)

(۳) یہ بات صحیح ہے کہ مدرسہ میں جو روپیہ آتا ہے وہ طلبہ ہی کے لئے آتا ہے، مگر اس پیسہ کو ہر طالب علم اپنے اپنے طور پر بغیر انتظام کے جس طرح چاہے خرچ نہیں کرسکتا؛ بلکہ مدرسہ کے ذمہ دار کے انتظام کے تحت وہ خرچ ہوتا رہے گا، تاکہ مدرسہ کا نظام نہ بگڑے اس لئے مدرسہ کے ذمہ دار کی اجازت کے بغیر بجلی کی پریس استعمال کرنے کی طلباء کو اجازت نہیں؛ کیونکہ نظام کا باقی رکھنا ایک اہم کام ہے اور مدرسہ کے اصول وضوابط حسب ذیل حدیث شریف سے ثابت ہوتے ہیں۔

عن كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حراماً .

(ترمذی شریف، الأحکام ، باب ماذکر عن رسول الله فی الصلح بین الناس ، النسخة الهندية ١/٢٥١، دارالسلام رقم: ١٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/شعبان ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۶۳۴/۴۱)

کیا ائمہ مساجد وقف بورڈ کی شرائط کے پابند ہیں؟

سوال: [۷۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پنجاب وقف بورڈ کی طرف سے ہریانہ پنجاب وہماچل میں سینکڑوں ائمہ کرام پنجوقتہ نمازوں کی امامت اور بچوں کی دینی تعلیم وغیرہ کے ساتھ مساجد کی بہت سی خدمات انجام دیتے چلے آئے ہیں، اور چونکہ یہ خدمات ۲۴/ گھنٹہ ائمہ کو انجام دینی پڑتی ہیں، اس لئے وہ اپنا ذریعہ معاش بھی کوئی اور اختیار نہیں کرسکتے ہیں، صرف وقف بورڈ کی تنخواہ پر ان کی ضروریات کا انحصار ہے، مگر وقف بورڈ ان ائمہ کو کسی نہ کسی

صورت میں برطرف کرنا چاہتا ہے؟

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ ناظرہ (غیر مستند عالم) ائمہ کو علیٰحدہ کیا جارہا ہے، ان میں بہت سے مستند علماء بھی ہیں، جن کی تقرری ناظرہ کی حیثیت میں کی گئی تھی، اور اب ان کی سندوں کو نہیں مانا جارہا ہے؟

(۲) دوسری صورت یہ کہ جو امام ۶۵/ سال کا ہو جائے اسے برطرف کرنا ضروری ہے، اگر اس نے ۶۵/ سال کی عمر کے بعد اپنی ذمہ داری نہیں چھوڑی اور تنخواہ وصول کی ہے تو تنخواہ واپسی کا مطالبہ ہے، جبکہ اعلان یہ کیا گیا تھا، کہ ریٹائرڈ کرنے کے بعد ۶۰/ ہزار روپیہ بورڈ کی طرف سے دیئے دجائیں گے، اب آپ فرمائیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے وقف بورڈ پنجاب کا یہ طریقہ ائمہ کے ساتھ کہاں تک روا ہے، ائمہ کرام عدالتی چارہ جوئی کرنا چاہتے ہیں، اس میں شرعی فتویٰ بھی پیش کریں گے؟

المستفتي: ائمۂ اکرام، پنجاب وقف بورڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وقف بورڈ کی طرف سے یہ قوانین پہلے ہی بنے ہوئے ہیں، اور ائمہ حضرات ان قوانین کو تسلیم کرکے ہی ملازمت قبول کیا کرتے ہیں، اس لئے وقف بورڈ کا اپنے قوانین پر عمل کرنا جائز ہوگا، ہاں البتہ اگر عدالت کے ذریعہ سے قوانین میں تبدیلی ہو جائے تو پھر اس کے مطابق عمل کیا جاسکتا ہے۔

عن كثير بن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحاً حرم حلالاً أو أحل حراماً والمسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً أو أحل حراماً .

(ترمذی شریف، الأحکام، باب ماذکر عن رسول اللّٰه فی الصلح بین الناس، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۵ھ

مسجد کے ضعیف العمر امام کے لئے منجانب مسجد پینشن

سوال: [۷۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مسجد میں امامت پر مامور ہے، نیز مسجد کی تعمیر وتوسیع پر پوری طرح توجہ بھی کرتا رہتا ہے، نیز مسجد کی ہر طرح خدمت کرتا رہتا ہے، اب اس وقت اپنی صحت سے معذور ہے، جس کی وجہ سے امامت کی خدمت انجام نہیں دے سکتا ہے، نہ کوئی دوسری ہی خدمت ہوسکتی ہے، اب اس صورت میں مسجد کی آمدنی سے زید کو تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا اپنی جیب سے مصلیان امام صاحب کا تعاون کر سکتے ہیں، شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمانے کی زحمت گوارہ کریں؟

المستفتي: تفضّل حسین، بسواں
میڈیکل اسٹور، گرری گنج، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال جبکہ مذکورہ امام صاحب کمزوری کی وجہ سے امامت یا مسجد کی کوئی اور خدمت کرنے پر قادر نہیں ہیں، تو اب ان کو مسجد کے فنڈ سے بطور معاوضہ کوئی رقم دینا درست نہیں ہے، البتہ مسجد کے نمازی اپنی طرف سے اس کا تعاون کر سکتے ہیں، اسی طرح اگر مسجد میں چندہ کے ذریعہ آمدنی ہوتی ہو اور انتظامیہ کمیٹی یہ ضابطہ بنالے کہ جو امام صاحب طویل مدت تک مسجد میں رہیں اور پھر بڑھاپے کی وجہ سے معذور ہو جائیں تو بطور امداد مسجد کی طرف سے ان کی پینشن جاری کردی جائیگی، اور حتی الوسع چندہ دہندگان کو پینشن سے متعلق معلوم ہو جائے، تو اس صورت میں مسجد کی آمدنی سے پینشن دینے میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ (مستفاد: محمود یہ ڈابھیل ۱۵/ ۲۹۴، میرٹھ ۲۲/ ۴۰۵)

والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الوقف أو لا ثم ماهو أقرب إلیٰ العمارة...... ثم السراج والبساط کذلک إلیٰ آخر المصالح ...... والبساط بکسر الباء أی الحصیر ویلحق بهما معلوم خادمها وهو الوقاد والفراش فیقدمان . (البحر الرائق، کتاب الوقف، کوئٹه ۵/۲۱۳تا ۲۱۵، زکریا۵/ ۳۵٦تا ۳۵۹)

وللمتولی أن یستأجر من یخدم المسجد یکنسه ونحو ذلک بأجر مثله أو زیادة یتغابن فیها .(هندیه ، زکریا قدیم ۲/ ٤٦۱،جدید۲/ ٤۱۲)

عن عبد الله بن عمر و بن عوف المزنی عن أبیه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالاً أوأحل حراماً ، والمسلمون علی شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حراما .(ترمذی شریف، الأحکام ، باب ماذکر عن رسول الله صلی الله علیه و سلم فی الصلح بین الناس ، النسخة الهندیة ۱/ ۲۵۱، دارالسلام رقم: ۱۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵؍شعبان ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۳۳)	۱۴۳۵/۸/۱۵ھ

مستقل امام کو رمضان میں رقم جمع کر کے ہدیہ دینا

سوال: [۷۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید گاؤں کی ایک مسجد میں امام ہے، جس سے ملحق مدرسہ بھی ہے، تقرر ہوتے وقت طے ہوا تھا، کہ مدرسہ سے تنخواہ ہوگی اور امامت کی کوئی تنخواہ ماہانہ متعین نہ ہوگی ،لیکن دستور یہ رہے گا کہ سال کے اخیر رمضان گذر کر چاندرات کو محلّہ کے لوگ خاصی رقم امام صاحب کو دیں گے،لیکن کتنی دیں گے یہ واضح نہیں کیا گیا تھا، جو ہو جائے وہ امام کا مقدر ہے، خیر اس طرح زید کو کام

کرتے ہوئے آٹھ سال کا عرصہ گذر چکا ہے، بہرکیف ان لوگوں کا رقم دینے کا طریقہ اس طرح ہے کہ رمضان میں تراویح کے اندر تکمیل قرآن کے موقع پر ختم کے نام پر ہزاروں کی تعداد میں روپیہ جمع کرتے ہیں، جس میں سامع بھی اکثر امام صاحب ہی ہوتے ہیں، خیر اس دن حافظ اور سامع کو جو بھی مناسب سمجھتے ہیں، دیدیتے ہیں، رقم چونکہ کافی ہوتی ہے اسی کی بچی ہوئی اور کچھ اکھٹا کرکے چاندرات کو ذمہ دار لوگ جو ہوتے ہیں، اگر کمی دیکھتے ہیں، تو جبریہ طور پر لوگوں سے وصول یابی کرتے ہیں، جس کے ڈر سے کچھ مسجد میں اس وقت آتے بھی نہیں ہیں، اب تمام لوگوں سے وصول شدہ رقم یکجا کرکے ایک ہاتھ میں لے کر امام صاحب کو یہ کہہ کر حوالہ کرتے ہیں، کہ لیجئے امام صاحب یہ آپ کو ہم لوگوں کی طرف سے ہدیہ ہے۔

(۱) دریافت طلب یہ ہے کہ اول یہ لوگ جو رقم جمع کرتے ہیں قرآن کے نام پر، جس کے حصول میں جبریہ طور پر بھی لوگوں سے لینا دیکھا گیا ہے، اس طرح جبریہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بوقت وصول یہ بھی کہتے ہیں کہ اسی میں سے امام صاحب کو بھی تو دینا ہے، وہ ہمارے امام ہیں، پورے سال امامت کی خدمت انجام دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تنخواہ سمجھ کر جمع کرتے ہیں، لیکن دیتے وقت یہ کہہ کر دینا کہ لیجئے امام صاحب یہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے تو آیا یہ ہدیہ ہی ہے یا تنخواہ ہے اور اس طرح لینا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟ برائے کرم مسئلہ کی وضاحت فرمادیں؟

المستفتي: ظریف احمد، میوہ نوادہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تقرر کے وقت یہ طے ہوگیا تھا کہ تنخواہ مدرسے سے ہوگی اور مسجد سے کوئی تنخواہ مقرر نہ ہوگی، تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہے اور پھر سال کے اخیر میں امام کو جو کچھ ہدیہ کے نام سے دیا جاتا ہے، امام کے لئے اس کا لینا جائز ہے اور وہ ہدیہ ہی ہے، تنخواہ نہیں، لیکن اس ہدیہ کے لئے جبری چندہ جائز نہیں ہے، البتہ

صرف اعلان کردیا جائے جو خوشی خوشی لاکر دیدے اس کو تحفہ میں دیا جاسکتا ہے یہ ہدیہ اور تحفہ صرف مستقل امام کے لئے ہے لیکن قرآن سنانے والے حافظ کو ہدیہ اور تحفہ کے نام سے بھی دینا جائز نہیں ہے۔

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقی ،الغصب ، قبيل باب من غصب جارية فباعها ثم جاء رب الجارية ، دارالفكر ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

فالحاصل أن ماشاع فی زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لايجوز لأن فيه الأمر بالقرأة وإعطاء الثواب للآمر والقراء ة لأجل المال ؛ فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلىٰ المستأجر ولولا الأجرة ماقرأ أحد لأحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلىٰ جمع الدنيا إنا لله وإنا إليه راجعون .

(شامی ، الإجارة، باب الإجارة الفاسدة ، مطلب تحرير منهم فی عدم جواز الاستئجار على التلاوة ، زكريا ٩/٧٧، كراچی ٦/٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۸۰۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۲۴ھ

مسجد کی موقوفہ زمین کی آمدنی سے مدرس کو تنخواہ دینا

سوال: [۷۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید نے اپنی کچھ زمین مسجد کے صرفہ کے لئے وصیت کردی تو کیا اس کی پیداوار وغیرہ سے ایسے مدرس کو تنخواہ دی جاسکتی ہے، جس کو اہل محلّہ ہی تنخواہ دیتے ہوں اور باہر سے کسی بھی قسم کا چندہ نہ کیا جاتا ہو نیز وہ امامت کے فرائض بھی انجام دیتا ہو۔

(۲) نیز اسی وصیت کردہ زمین کی پیداوار کو عیدگاہ کی چہار دیواری بنوانے میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد محسن علی، متعلم: تکمیل ادب، مدرسہ امدادیہ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسجد کے نام وقف کی گئی زمین کی آمدنی سے تدریس کی تنخواہ صرف اسی مدرس کو دینا جائز ہے جو اسی مسجد میں تعلیم دیتا ہے، اور اگر مدرسہ اور مسجد دونوں الگ الگ ہیں تو صرف امامت کی تنخواہ دینا جائز ہے تدریس کی تنخواہ دینا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۲۸۲، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۲۷، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۵۵)

والذی یبدأ بہ من ارتفاع الوقف أی من غلتہ عمارتہ شرط الواقف أولا ثم ماھو أقرب إلیٰ العمارۃ وأعم للمصلحۃ کالإمام للمسجد (إلیٰ قولہ) ثم السراج والبساط کذلک إلیٰ أخر المصالح الخ. (شامی، الوقف، مطلب یبدأ بعد العمارۃ بماھو أقرب إلیھا، زکریا ٦/ ٥٦٠، کراچی ٤/ ٣٦٧، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ٣٦/ ٢٩٢، ھندیہ زکریاقدیم ٢/ ٣٦٨، جدید٢/ ٣٥٦، البحرالرائق، زکریا ٥/ ٣٥٦، کوئٹہ ٥/ ٢١٣، ٢١٤)

(۲) وقف مسجد سے حاصل شدہ روپئے کو عیدگاہ پر اور وقف عیدگاہ پر خرچ کرنا اور وقف عیدگاہ سے حاصل شدہ روپیہ سے مسجد بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ غرض واقف کے خلاف ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۱۳۹، ڈابھیل ۱۵/ ۵۸، امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۹۱)

علی أنھم صرحوا بأن مراعاۃ غرض الوقفین واجبۃ الخ. (شامی، کراچی ٤/ ٤٤٥، زکریا ٦/ ٦٦٥)

شرط الواقف کنص الشارع فیجب إتباعہ. (شامی، زکریا ٦/ ٧٣٥، کراچی ٤/ ٤٩٥)

فإن شرائط الواقف معتبرۃ إذا لم تخالف الشرع الخ. (شامی، کراچی ٤/ ٣٤٣، زکریا ٦/ ٥٢٧، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ٤٤/ ١٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۵/۱۴۱۵ھ

مسجد کی آمدنی سے امام ومؤذن کی تنخواہ دینا

سوال: [۷۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی آمدنی سے امام ومؤذن کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ مسجد کو چندہ دینے والے کسی مد کی تفصیل نہیں کرتے ہیں؟

المستفتي: محمد سلیم احمد میر گنج، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چندہ دہندگان عرف میں منافع مسجد کے لئے ہی چندہ دیا کرتے ہیں، اس لئے مذکورہ آمدنی سے امام ومؤذن کی تنخواہ ادا کرنا بھی جائز ہوگا۔

ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو أقرب لعمارته کإمام المسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم الخ. (الدرالمختار مع الشامی، الوقف، مطلب یبدأ من غلة الوقف بعمارته زکریا ۶/۵۹۹، کراچی ۴/۳۶۶، هندیه زکریا قدیم ۲/۳۶۸، جدید ۲/۳۵۶، البحر الرائق، کوئٹه ۵/۲۱۳، زکریا ۵/۳۵۶، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۶/۲۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۷۰)

غریب امام کی مسجد کے فنڈ سے امداد کرنا

سوال: [۷۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں امام صاحب تقریباً ۴۰/سال سے بلا معاوضہ امامت کررہے ہیں مقامی ہیں، ایک دوکان چھوٹی سی کرتے تھے درزی کی، اس سے اپنا گذر اوقات کرتے تھے، اب ان کو ایک حادثہ میں ۱۸/ہزار روپیہ کا بار پڑ گیا کاروباری حالت اچھی نہیں ہے، پریشان ہیں کیا کریں ایسی مجبوری کی حالت میں ہم مسجد کے فنڈ سے ان کی امداد کرسکتے ہیں، تاکہ قرض سے نجات حاصل ہوسکے، شرعی جواز سے ہم کو جانکاری چاہئے عمر ۲۷/سال ہے، اب وہ کام کرنے کے قابل بھی نہیں رہ گئے ہیں، اس لئے قرض کی ادائیگی ضروری ہے، بریں بنا شرعی معلومات کی اشد ضرورت ہے، جواب جلد از جلد عنایت کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے فنڈ سے کسی کی امداد جائز نہیں ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مذکورہ امام صاحب کے لئے منجانب مسجد تنخواہ مقرر کردی جائے اور تنخواہ کے نام سے جتنا چاہے کمیٹی کے مشورہ سے دیا جاسکتا ہے، نیز جب امام صاحب مقروض ہیں، تو صاحب حیثیت اور مالدار لوگ امام صاحب کو اپنی زکوٰۃ کے مد سے بھی امداد کرسکتے ہیں، کیونکہ امام صاحب مستحق زکوٰۃ ہیں، اگر سید نہیں ہیں۔

مدیون لایملک نصاباً فاضلاً عن دینه وفی الظهیریة الدفع للمدیون أولیٰ منه للفقیر الخ. (الدر المختار، الزکاۃ، باب المصرف، زکریا ۲۸۹/۳، کراچی ۳۴۳/۲، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۷۱۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵۹۶/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۱۶ھ

محلّہ والوں سے چندہ کرکے امام ومؤذن کی تنخواہ دینا

سوال: [۷۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی مستقل آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے مسجد سے متعلق محلوں سے اجتماعی چندہ اکٹھا کر کے امام صاحب اور مؤذن کو تنخواہ دی جاتی ہے، کیا یہ درست ہے؟

المستفتي: عبدالحمید عینی، ساہنپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محلّہ سے اجتماعی چندہ اکٹھا کر کے امام ومؤذن کو تنخواہ دینا جائز ہے، جب بخوشی چندہ لیا جاتا ہو، جبراً وصول نہ کیا جاتا ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۴/ ۴۲۷، جدید زکریا دیوبند ۹/ ۱۴۷)

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلک إلیٰ إمام المسجد أو إلیٰ مؤذن المسجد فليس له ذلک إلا إذا كان الواقف شرط ذلک في الوقف. (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به، الفصل الثانى زكرياقديم ۲/ ۴٦۳، جديد ۲/ ۴۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۲/۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ٦۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۲ھ

تنخواہ سے ہٹ کر الگ سے امام کی اعانت کرنا

سوال: [۷۹۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں پردیسی امام فریضۂ امامت انجام دیتے ہیں، تو کیا ہم ان کی ضروریات کا خیال کرتے ہوئے کچھ اعانت کر سکتے ہیں، جبکہ امام کو کچھ ماہوار اور کچھ سبھی محلّہ والوں سے جمع کر کے دوسرے وقت دینے کا ماحول ہے؟

المستفتي: محمد ہارون، سیکر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں تنخواہ سے ہٹ کر الگ سے اعانت کرنا جائز اور درست ہے، بلکہ اعانت کرنے والے کے لئے بہت بشارت ہے۔

عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ...... واللّٰہ فی عون العبد، ما کان العبد فی عون أخيه . (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الستر علی المسلم، النسخۃ الهندیۃ ۲/ ۱٤، دارالسلام رقم: ۱۹۳۰، صحیح مسلم، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر النسخۃ الهندیۃ ۲/ ۳٤۵، بیت الافکار رقم: ۲٦۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵٦۲۲/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

ایام تعطیل کی تنخواہ کا مستحق امام یا نائب

سوال: [۷۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں کسی صاحب کو امام رکھا جائے نماز پڑھانے کے لئے تو تقرری میں ان کے ذمہ نماز پنجگانہ پابندی سے پڑھانا ہے، جس کا ان کو متولی صاحب ماہانہ معاوضہ دیتے ہیں، اب وہ صاحب چھٹی پر گھر جانا چاہتے ہیں، ان کی جگہ دوسرا شخص ان کی غیر موجودگی میں نماز پڑھا رہا ہو تو آپ بتائیے کہ تنخواہ مستقل امام صاحب کو متولی صاحب دیں گے، یا جس نے ان کی غیر موجودگی میں نماز پڑھائی ہے، اس شخص کو ملے گی، جبکہ امام صاحب کا اصرار ہے کہ آپ مجھے دیجئے یہ میرا حق ہے، میں امام ہوں، مسجد کا کام چندہ پر چلتا ہے، آپ وضاحت کے ساتھ جواب دیں؟

المستفتي: متولی حافظ اظہر علی، محلّہ قاضیان، قصبہ سہسپور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تنخواہ کا مستحق مستقل امام ہی ہوگا؛ البتہ مستقل امام نے نائب کے لئے کوئی اجرت مقرر کی ہوتو وہ اس کا مستحق ہوگا، اور اگر اجرت مقرر نہیں کی ہےتو وہ اجر مثل کا مستحق ہوگا۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/ ۲۸۵)

إن النائب لایستحق شیئا من الوقف لأن الاستحقاق بالتقریر ولم یوجد ویستحق الأصیل الکل إن عمل أکثر السنة وسکت عما یعینه الأصیل للنائب کل شهر فی مقابلة عمله الخ. (شامی، مطلب مهم فی الاستنابة فی الوظائف زکریا ٦/ ٦٣١، کراچی ٤/ ٤٢٠، البحر الرائق، کوئٹه ٥/ ٢٣٠، زکریا ٥/ ٣٨٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
یکم رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵ر۶۹۸۴)

امام صاحب کا رخصت کے ایام کی تنخواہ وصول کرنا

سوال: [۷۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید ایک مسجد کے امام ہیں وہ کثرت سے غیر حاضری کرتے ہیں، خاص طور سے نماز فجر میں کچھ زیادہ ہی غیر حاضری رہتی ہے، اور رمضان المبارک میں تو پورا مہینہ ہی غائب رہتے ہیں، جبکہ امام صاحب مقامی ہیں، اور رمضان المبارک کی چھٹی بھی انتظامیہ کی طرف سے طے نہیں ہے، جس کی وجہ سے مصلیان مسجد جماعت کے وقت بلند آواز سے چہ میگوئیاں کرنے لگتے ہیں، اور مسجد میں شور ہونے لگتا ہے، اس طور پر مسجد کے تقدس کی پامالی پر ہی بس نہیں بلکہ بسا اوقات مقتدی حضرات مسجد کی انتظامیہ پر بھی برستے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ اتنا زیادہ ناغہ کرنے والے امام کو آپ حضرات ہٹاتے کیوں نہیں ہیں؟

(۲) امام صاحب غیر حاضری کی تنخواہ بھی بلاخوف وخطر لیتے ہیں، ان کا یہ عمل بھی اہل مسجد کی ناراضگی کا سبب بنا ہوا ہے، مسجد کی انتظامیہ نے امام صاحب کو غیر

حاضری کی طرف توجہ دلائی لیکن امام صاحب بداخلاقی سے پیش آتے ہیں، اس سلسلہ میں مسجد کی انتظامیہ نے میٹنگ کی اور طے کیا کہ مفتیان کرام سے فتویٰ لیا جائے، اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا صفات کا حامل شخص کیا امامت کے لائق ہے جو انتشار کا سبب بنا ہوا ہے؟

المستفتي: اراکین کمیٹی، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: منصب امامت کے مسئلہ کا مدار آپس کی شرائط اور تعامل پر ہے، کہ آپس میں جو شرائط رخصت اور مشاہرہ کے بارے میں طے ہو جائیں، ان کی پابندی ضروری ہو جاتی ہے، یا ائمہ حضرات کی رخصت کے لئے علاقہ میں جو تعامل چل رہا ہے اس کے دائرہ میں رہ کر رخصت حاصل کرنا چاہئے، اگر علاقہ میں ایام رخصت کی تنخواہ لینے دینے کا تعامل ہے تو امام صاحب کے لیے ایام رخصت کی تنخواہ لینا جائز ہے اور اس مسئلہ کا حکم اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن عوف المزني عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم – قال: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالاً أو أحل حراماً، والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالاً أو أحل حراما. (ترمذی شریف، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ۱/۲۵۱، دار السلام رقم: ۱۳۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۲۵/۳۸)

بلا چھٹی کے گھر پر رہنے والے امام صاحب کی تنخواہ کاٹنا

سوال: [۷۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے

گاؤں کی مسجد میں باہر کے امام صاحب رہتے ہیں، مسجد میں امامت کرتے ہیں، اور تقریباً پانچ سو کلو میٹر دور کے ہیں، اور وہ امام صاحب ہمارے گاؤں میں دس مہینہ سے امامت کرتے ہیں، امام صاحب پندرہ دن کی چھٹی لے کر گھر گئے تھے، اور گھر جا کر کسی مجبوری کے حالات سے ایک مہینہ کے قریب آئے تو ان کو ایک مہینہ کی تنخواہ دینی چاہئے یا نہیں؟ ایک مہینہ کی تنخواہ دینی جائز ہے؟

المستفتي: محمد فاروق رحمانی،
امام مسجد، دولت پور، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جتنے دن کی چھٹی باضابطہ امام صاحب لے کر گئے ہیں، ان ایام کی تنخواہ معمول کے اعتبار سے انہیں دی جائے گی، لیکن جن ایام میں وہ غیر حاضری کر کے آئے ہیں یعنی بلا اجازت زائد وقت گذار کر آئے ہیں، تو یہ دیکھا جائے گا، کہ ان کی سالانہ استحقاقی چھٹی میں سے کتنے ایام باقی ہیں، جتنے ایام باقی ہوں گے صرف انہی ایام کی تنخواہ کے وہ مستحق ہوں گے، زائد ایام کی تنخواہ انہیں نہیں دی جائیگی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۲۸۴)

وفی القنیة من باب الإمامة إمام یترک الإمامة لزیارة أقربائه فی الرساتیق أسبوعاً أو نحوه أو لمصیبة أو لا ستراحة لا بأس به و مثله عفو فی العادة والشرع. (شامی، الوقف، مطلب فیما إذا قبض المعلوم وغاب قبل السنة زکریا ٦/ ٦٣٠، کراچی ٤ /٤١٩، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/ ٦٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱/۱۴۲۳ھ

مسجد کی رقم سے مؤذن کے ضامنیوں کو پیسہ دینا

سوال: [۷۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

ایک مؤذن بہار کا رہنے والا سرکاری پالتو جانور کو نشیلی چیز کھلا دینے کی وجہ سے پولس نے اس کو گرفتار کرلیا جس مسجد میں وہ مؤذن تھا، وہاں کے کچھ لوگوں نے ضمانت کر کے اسے چھڑالیا کچھ دنوں کے بعد مؤذن اپنے گھر چلا گیا اور واپس نہیں لوٹا پولیس نے ضمانتیوں کو پکڑا اور بہر حال ضمانتیوں نے پانچ ہزار اپنی جیب سے دے کر چھٹکارا پالیا اب عرض یہ ہے کہ وہ پانچ ہزار روپئے مسجد کے پیسے میں سے لئے جاسکتے ہیں، یا اپنے اوپر اوڑھے جائیں گے، تفصیل سے وضاحت فرمادیں؟

المستفتي: محمد علی، متولی مسجد راجوں والی، اندرا چوک، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد مؤذن صاحب کی ملکیت نہیں ہے، اس لئے مسجد کے روپئے میں سے لینا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعي الخ. (قواعد الفقه، اشرفی/ ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۶٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ شعبان ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۶۶/۲۹)

امام کے لئے دی گئی رقم کا استعمال دوسرے مصرف میں کرنا

سوال: [۷۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ راجستھان اور خاص طور سے شہر سیکر میں ایسا رواج ہے کہ امام کو کچھ ماہوار اور کچھ سالانہ ہدیہ اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اجتماعی طریقہ سے خوشی کے ساتھ بغیر کسی زور زبردستی کے اپنا فرض سمجھ کر دیتے ہیں، تا کہ امام صاحب کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں، اور خوش دلی کے ساتھ اپنا کام کرسکیں دینے والوں کی بھی نیت میں اخلاص ہوتا ہے، اور ایک طریقہ

سے تنخواہ میں شمار بھی گردانا جاتا ہے، اس مرتبہ کمیٹی والوں نے یہ سوچ کر سالانہ آمدنی میں سے کم کر دیا کہ مدرسہ یا مسجد کی دوسری ضروریات میں اس پیسہ کو استعمال کرلیں گے، جبکہ دینے والوں کی نیت صرف امام کے لئے ہوتی ہے تو کیا اس پیسے کو دوسرے مصرف میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ اس پیسہ کا کیا حکم ہے؟ دینے والوں کی نیت کا کیا مسئلہ ہے اور دوسرے مصارف میں استعمال کرنے والوں کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ ائمہ حضرات کو بھکاری، نوکر اور مزدور سے بھی کہیں کم سمجھا اور جانا جاتا ہے؟

المستفتي: محمد ہارون، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر دینے والا امام کے لئے کہہ کر دیتا ہے، اور لینے والا بھی امام ہی کے لئے کہہ کر لیتا ہے، تو اس پیسہ کو امام کے علاوہ کسی اور مصرف میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

حمل على العرف أي على عادات الناس الخ. (درمختار، مطلب فی أن النص أقویٰ من العرف، زکریا۷/۴۰۹، کراچی ۵/۱۷۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۸ھ

امام صاحب کا مسجد کی زمین میں کھیتی کرنا

سوال: [۷۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے صحن سے ملحق تھوڑی سی زمین ویران پڑی ہے، جس کا انتساب ملحقہ قبرستان کی طرف ہوتا ہے، امام صاحب اگر اس جگہ میں سبزی بوکر کے کھائیں تو کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتي: مولانا عبد الناصر، مدرس: مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: امام مسجد کے لئے مفت میں اس زمین سے انتفاع جائز نہیں ہے ہاں البتہ اس زمین کا کرایہ ادا کر کے انتفاع جائز ہوسکتا ہے، اور کرایہ کا پیسہ قبرستان کو ادا کرنا ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۵۳۳، جدید زکریا/۵۱۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۳۰ھ

مساجد کے طاقوں میں رکھے ہوئے پکوان کا امام ومؤذن کے لئے کھانا کیسا ہے؟

سوال: [۷۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ عورتیں مساجد میں کچھ پکوان پکا کر کے طاقوں میں رکھ دیتی ہیں، تو کیا اس پکوان کو مساجد کے ائمہ اور مؤذنین نیز نمازی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نذر مانی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور بغیر نذر کے رکھا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد سالم قاسمی، مدرس مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ فی نفسہ بدعت اور قابل ترک ہے، مگر نفس کھانا حلال ہے، اگر نذر کا کھانا نہیں ہے بلکہ شکر کا ہے تو امام ومؤذن مالدار غریب سب کے لئے کھانا جائز ہے، البتہ اس میں امر ممنوع کی اعانت ہونے کی وجہ سے نہ کھانا ہی مناسب ہے، اور اگر نذر کا کھانا ہے اور امام ومؤذن فقیر ہیں تو ان کے لئے اس کا کھانا جائز ہے، اور اگر فقیر نہیں ہیں تو جائز نہیں ہے۔

مصرف النذر الفقراء الخ. (شامی، کراچی ۲/۲۹۸، زکریا ۳/۲۸۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹؍۳۳۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۲ھ

الفصل السادس: مسجد میں سونے اور ٹھہرنے کا بیان

عبادت کی نیت سے مسجد میں داخل ہونے والے شخص کا مسجد میں سونا

سوال: [۷۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم چار پانچ ساتھی مسجد میں ڈھائی گھنٹہ کی محنت میں تبلیغ کی لائن سے وقت دیتے ہیں، اس درمیان میں کسی ساتھی کے انتظار میں مسجد میں لیٹ جائیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: شمشاد عرفان، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعوت وتبلیغ کی لائن سے مسجد میں جو لوگ وقت دیتے ہیں وہ مسجد میں عبادت اور دینی مذاکرہ کی نیت سے ہی داخل ہوتے ہیں، اور عبادت اور دینی مذاکرہ کی نیت سے مسجد میں داخل ہونا اعتکاف کی نیت کی طرح ہے، لہٰذا جو لوگ اس طرح کی نیت سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں، ان کے لئے اس درمیان مسجد میں سونے کی بھی اجازت ہوجاتی ہے، لہٰذا دعوت کا کام کرنے والوں میں سے جو لوگ اس نیت سے داخل ہوتے ہیں، ان کا مسجد میں سوجانا بھی جائز ہے۔

وإذا أراد أن یفعل ذلک ینبغی أن ینوی الإعتکاف فیدخل فیہ ویذکر اللّٰہ تعالیٰ بقدر مانویٰ. (ھندیہ، کتاب الکراھیۃ، الباب الخامس فی آداب المسجد زکریا قدیم ۵/ ۳۲۱، جدیدزکریا ۵/ ۳۷۱)

وإذا أراد ذلک ینبغي أن ینوی الإعتکاف، فیدخل فیہ، ویذکر اللّٰہ تعالیٰ بقدر مانویٰ أو یصلي، ثم یفعل ماشاء. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، مطلب فی الغرس فی المسجد کراچی ۱/ ۶۶۱، زکریا ۲/ ۴۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷؍ ۸۲۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۴ھ

گاؤں والوں کا ظہر کی نماز کے بعد مسجد کے پنکھے میں آرام کرنا

سوال: [۷۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عام دیہاتوں میں غریب لوگ رہتے ہیں، گاؤں میں بجلی موجود ہونے کے باوجود سبھی لوگ اپنے اپنے گھروں میں پنکھے نہیں لگوا سکتے تو ظہر یا دیگر نمازوں کے بعد آرام کرنے کے لئے مسجد کے پنکھے چلاتے ہیں، کیا ان لوگوں کا یہ فعل درست ہے، یا گنہگار رہوں گے نیز اگر متولی مسجد اجازت دے دے تو کیا ان نمازیوں کا یہ فعل درست ہوسکتا ہے، مفصل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: ابوسالک بردوانی، متعلم: شعبہ افتاء، مدرسہ شاہی، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہ فعل دووجہوں سے ناجائز ہے

(۱) مسجد میں غیر معتکف کے لئے سونا جائز نہیں ہے۔

(۲) مسجد کے پنکھوں کا ذاتی طور پر استعمال ناجائز ہے، اگرچہ متولی اس کی اجازت دیتا ہو، کیونکہ چندہ دہندگان کی غرض کے خلاف ہے، جوکہ ناجائز ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۱۱۷)

ویکره الإعطاء (إلیٰ قوله) وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب – وأكل نحو ثوم ويمنع منه الخ. (الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة، ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد كراچی ۱/۶۶۱، زكريا ۲/۴۳۵)

ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الخامس زكريا قديم ۵/۳۲۱، جديدزكريا ۵/۳۷۱) **فقط واللّٰه سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۶/۴ھ

اہل محلّہ کا مسجد میں سونا اور نہانا

سوال: [۷۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اہل محلّہ کا مسجد میں سونا اور نہانا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی، ہلدوانی، آزادنگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: معتکف کے علاوہ باقی کسی کے لئے مسجد میں سونا جائز نہیں ہے۔

النوم فيه لغير المعتكف مكروه الخ. (كبيرى، فصل فى احكام المساجد قديم /٥٦٨، جديد اشرفيه ديوبند ٦١٢)

ويكره النوم والأكل فيه لغير المعتكف. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الخامس زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديدزكريا ٥/ ٣٧١، شامى، باب ما يفسد الصلوٰة، مطلب فى الغرس فى المسجد كرچى ١/ ٦٦١، زكريا٢/ ٤٣٥)

اور نہانا بھی اس وقت نا جائز ہے کہ جب مسجد ملوث ہونے کا خطرہ ہو، اگر مسجد کا غسل خانہ ہے تو اس میں اگر چندہ دہندگان کی طرف سے عام اجازت ہے اور امام ومؤذن اور نمازیوں کو پریشانی ہوتی ہے، تو اس میں نہانا قباحت سے خالی نہیں ہے، اس لئے محلّہ والوں کو اپنے ذاتی غسل خانہ کا انتظام خود کرنا چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٦/ ٨٧، جدید زکریا ٩/ ٩٦)

فإن كان بحيث يتلوث المسجد يمنع منه لأن تنظيف المسجد واجب. (بدائع، كتاب الاعتكاف، فصل وأما ركن الإعتكاف قديم ٢/ ١١٥، جديد زكريا ٢/ ٢٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۹)

کیا مسجد میں محلّہ کے حافظ صاحب سو سکتے ہیں؟

سوال: [۷۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی مسجد میں ہمارے محلّہ ہی کے ایک حافظ صاحب جو ایک مکتب میں پڑھاتے ہیں، اور تبلیغ کا کام بھی کرتے ہیں شادی کی تھی طلاق ہوگئی، اب بغیر عورت کے ہیں، ان کا گھر موجود ہے، تاہم دن میں روزانہ صبح وشام مسجد کے جماعت خانہ میں دوسری تیسری صف میں چادر وغیرہ بچھائے بغیر سو جاتے ہیں، ان کی یہ عادت روزانہ کی ہے ہم نے مولویوں اور مفتیوں سے سنا ہے کہ مسجد میں محلّہ کے آدمی کا عادت بنا کر سونا منع ہے تو پوچھنا یہ ہے کہ حافظ صاحب کی یہ حرکت کیسی ہے، وہ مسجد میں سو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور سونا کیسا ہے؟ مکروہ تحریمی یا حرام یا ناجائز؟

المستفتي: عبداللہ عبدالرحیم،
قصائی واڑا، ایٹلی واڑی، گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: معتکف، مسافر اور اجنبی آدمی کے لئے مسجد میں سونا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اور مقامی آدمی کا بغیر اعتکاف اور بغیر عبادت کے ارادے کے محض سونے کے لئے عادت بنالینا مکروہ ہے، اگر حافظ صاحب اعتکاف اور تلاوت قرآن، نماز یا دیگر عبادت کے ارادے سے مسجد میں آتے ہیں اور اسی ضمن میں روزانہ سو بھی جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں اور اس کا پتہ حافظ صاحب ہی سے معلوم ہوسکتا ہے، اگر وہ یہ کہتے ہیں، کہ میں اعتکاف کی نیت کر لیتا ہوں تو حافظ صاحب پر کوئی اعتراض واشکال نہیں ہونا چاہئے۔

عن عبد الله بن عمر رضـ أنه كان ينام وهو شاب أعزب لاأهل له في مسجدالنبي صلى الله عليه وسلم. (بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب نوم الرجال فی المسجد ۱/۶۳، رقم: ۴۳۵، ف: ۴۴۰)

عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه قال: أتانا رسول الله ﷺ ونحن

مضطجعون فی مسجده فضربنا بعسیب کان فی یده ، وقال: قوموا لا ترقدوا فی المسجد. (مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمی ۱/۴۲۲، رقم: ۱٦۵۵، کنز العمال ۸/۱۵۳، /۲۳۱۲۱)

ویکره النوم والأکل فیه لغیر المعتکف وإذا أراد أن یفعل ذلک ینبغی أن ینوی الإعتکاف فیدخل فیه ویذکر الله تعالیٰ بقدر ما نویٰ أو یصلی ثم یفعل ما شاء ...... ولا بأس للغریب ولصاحب الدار أن ینام فی المسجد فی الصحیح من المذهب والأحسن أن یتورع فلا ینام . (هندیه ، کتاب الکراهیة، الباب الخامس زکریا قدیم ۵/۳۲۱، جدید ۵/۳۷۱، شامی ، باب ما یفسد الصلوٰة مطلب فی الغرس فی المسجد کراچی ۱/٦٦۱، زکریا ۲/۴۳۵، حلبی کبیر ، فصل فی احکام المساجد قدیم /۵٦۸، جدید اشرفیه دیوبند ٦۱۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ررجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۸۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۷/۱۴۳۰ھ

مسجد کے وضوخانہ میں غسل کرنا

سوال: [۷۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ مسجد کے وضوخانہ والی ٹنکیوں میں غسل جنابت وغیرہ کرتے ہیں، جس سے مسجد کے صحن وغیرہ میں چھینٹیں جاتی ہیں، میں لوگوں کو منع کرتا ہوں پھر بھی نہیں مانتے اور غسل خانہ بھی بنا ہوا ہے صرف دروازہ ٹوٹا ہے تو کیا غسل خانہ میں غسل کرنا چاہئے یا وضوخانہ میں اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: محمد عاقل، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وضوخانہ میں غسل کرنے میں پانی حدود مسجد اور

صحن مسجد میں گرتا ہے تو وہاں بیٹھ کر نہانا ممنوع ہوگا، غسل خانہ ہی میں نہانا چاہئے۔

فإن كان بحيث يتلوث يمنع منه لأن تنظيف المسجد واجب.

(بدائع، كتاب الاعتكاف، فصل و أما ركن الاعتكاف كراچى ٢/١١٥، زكريا ديو بند٢/٢٨٤، شامى، كراچى٢/٤٤٥، زكريا٣/٤٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۲۵ھ

الفصل السابع: توسیع مسجد سے متعلق احکام

پرانی مسجد شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وقتی طور پر ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی تھی جس میں آٹھ نو سال نماز پڑھتے رہے، اب دوسری نئی مسجد بنائی گئی تو لوگ وہیں پر نماز پڑھتے ہیں، پرانی مسجد ایسے ہی پڑی رہی پھر اس مسجد کو شہید کر کے اس کے پتھر نئی مسجد کے صحن کی تعمیر میں لگا لئے گئے اور اس مسجد کو بالکل صاف کر دیا گیا اب وہ جگہ بالکل خالی ہے، لیکن مسجد کے احاطہ میں ہی ہے، تو ایسی مسجد کا کیا حکم ہے؟ وہ جگہ ہمیشہ مسجد کے حکم میں رہے گی یا نہیں؟ اور اس کے شہید کرنے میں اور بالکل صاف کر دینے میں کیا صورت ہوتی ہے؟ آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: امیر خاں، محلّہ محمود گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن لوگوں نے مسجد کو شہید کر دیا وہ لوگ بہت بڑے گنہگار ہیں، تمام مسلمانوں کو اس مسجد کو تعمیر کر کے آباد کرنے کی سعی کرنی چاہئے، مسجد کو شہید کر دینے سے اور اس جگہ کو صاف کر دینے سے مسجد کی مسجدیت باطل نہیں ہوتی ہے، بلکہ قیامت تک وہ مسجد مسجد ہی کے حکم میں رہتی ہے۔

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى. (درمختار مع الشامي، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصری قديم ١/٧٤٨، البحرالرائق، كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا ٥/٤٢١، هنديه زكريا قديم ٢/٤٥٨، جديد ٢/٤١٠، قاضيخان زكريا جديد ٣/٢٠٤، وعلى هامش الهنديه ٣/٢٨٨، مسبوط، دارالكتب العلمية بيروت ١٢/٤٢، الفتاوى الولوالجيه،

دارالإیمان سهارن پور ۳/ ۸۸، خلاصة الفتاویٰ اشرفی ٤/ ٤٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۸۷)

پرانی مسجد شہید کر کے تعمیر جدید کرنا

سوال: [۷۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پرانی مسجد ہے، جس کی چھت ٹوٹی ہوئی ہے، دیواریں مضبوط ہیں، اور مسجد کا صحن بھی خوب کشادہ ہے اوراس کے آس پاس میں قبریں ہیں، مسجد کے منتظم حضرات مسجد کو شہید کر کے تعمیر جدید کرنا چاہتے ہیں، اور ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں، کہ جو قبریں ہیں ان کو مسمار کر کے دوکان یا مکان بنا دیا جائے، جبکہ کچھ مقتدی یہ چاہتے ہیں، کہ قبروں کو مسمار نہ کیا جائے اور نہ ہی مسجد کو شہید کیا جائے، بلکہ چھت کی مرمت کر دی جائے، اور صحن چونکہ خوب لمبا چوڑا ہے اس لئے مسجد کا صحن اندورنی مسجد میں لے کر اضافہ کیا جاسکتا ہے، کیا ایسی صورت میں مسجد کو از سر نو بنانا درست ہے یا پھر مسجد کی توسیع چھت کی مرمت کے ساتھ کر دی جائے، نیز قبروں کو توڑ کر اسے مسمار کر کے اس جگہ دوکان یا مکان بنایا جاسکتا ہے؟

المستفتي: اعظم الدین خان، رامپوری، سرائے روہیلہ، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چھت بوسیدہ ہو چکی ہے نئی چھت کی ضرورت ہے اور مسجد بھی تنگ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے توسیع کی بھی ضرورت ہے اور بنیاد و دیوار بھی مضبوط ہے تو توسیع مسجد کے لئے جو جو دیوار توڑنے کی ضرورت پیش آجائے، شرعاً ان کو توڑنے کی اجازت ہے، اور جو دیوار باقی رکھی جاسکتی ہے، اوراس کو توڑے بغیر توسیع ہوسکتی ہے، تو ان دیواروں کو باقی رکھنا ضروری ہے، بلا وجہ توڑنے کی اجازت نہیں اور توسیع کی صورت میں جو قبریں حدود مسجد میں آرہی ہیں، اگر وہ قبریں مسجد کی ملکیت کی

جگہ میں ہیں، تو ایسی صورت میں ان قبروں کو ہموار کر کے اس جگہ کو حدود مسجد میں جہاں نماز پڑھی جاتی ہے، اس میں داخل کر لینا جائز ہے، اور اگر وہ قبریں مسجد کی ملکیت کی جگہ میں نہیں ہیں، بلکہ وہ جگہ موقوفہ قبرستان کی ہے، اور وہاں دفن کا سلسلہ بھی جاری ہے، تو قبروں کی جگہ کو مسجد میں لینا جائز نہیں ہے، اور اگر دفن کا سلسلہ باقی نہیں رہا ہے اور وہ قبریں ستر اسی سالہ پرانی ہیں، تو موقوفہ قبرستان کی پڑی ہوئی جگہ جس میں قبریں بھی ہیں، حدود مسجد میں لے لینا جائز ہے، اور قبروں کو ہموار کرنے کی بھی گنجائش ہے، اس لئے کہ خود مسجد نبوی قبروں کی جگہ پر بنی ہوئی ہے، لیکن قبروں کی جگہ چاہے مسجد کی ہو اس میں قبروں کو مسمار کر کے مسجد کی آمدنی کے لئے دوکان یا مکان بنانا شرعاً جائز نہیں ہے۔

(فإن قلت) هل يجوز أن تبنى المساجد على قبور المسلمين (قلت) قال ابن القاسم لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً وذلك لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكهافإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين .

(عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا٣/٤٣٥، تحت رقم الحديث /٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد٢/١١٨، وهكذا فی الفتاویٰ التاتار خانية ٨/١٨٨، رقم: ١١٥٩٧، المحيط البرهانی، المجلس العلمی٩/١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۱۲۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۳/۱۸ھ

پرانی مسجد کی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پرانی مسجد کو توڑ کر اسی جگہ پر نئی مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور پرانی مسجد کی جو لکڑی وغیرہ ہے،

اس کوجلاسکتے ہیں یانہیں؟ اور دیگر کام میں لاسکتے ہیں یانہیں؟ یا کیا کیا جائے،قرآن وحدیث کےمطابق فیصلہ فرمائیں؟

المستفتي: معراج الدین،متعلم مدرسہ شاہی،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ لکڑی مسجد میں لگانے کے قابل ہے،تو مسجد ہی میں لگانا لازم ہوگا، اور اگر اس قابل نہیں ہے، تو اہل محلّہ اور کمیٹی کی رائے سے ان کو فروخت کرکے قیمت مسجد کی ضروریات اور تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۲۰۸، ڈابھیل ۱۴/ ۴۹۳، کفایت المفتی ۷/ ۶۱، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۰۷)

هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلىٰ بعض المساجد أو إلىٰ هذا المسجد قال نعم الخ. (شامی، الوقف، في نقل القاضي المسجد ونحوه زكريا ٦/ ٥٥٠، كراچی ٤/ ٣٦٠، منحة الخالق زكريا ٥/ ٤٢٥، كوئٹه ٥/ ٢٥٣، المحيط البرهاني المجلس العلمی ٩/ ١٥١، رقم: ١١٤٤٢، الفتاویٰ التاتارخانية زكريا ٨/ ١٩٧، رقم: ١١٦٢٦، هنديه، زكريا قديم ٢/ ٤٧٩، جديد ٢/ ٤١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۴۸)

تعمیر جدید کی صورت میں مسجد میں ردو بدل کرنا

سوال: [۷۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسجد آٹھ در کی بنی ہوئی ہے، بیچ کے دو در کو توڑ کر ایک در بنانا چاہتے ہیں، تو کیا شریعت میں ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ پرانی مسجد کا جو کھمبا ہے، اس کو وہاں سے ہٹا کر مسجد کے

حدود کے علاوہ باہر وضوخانہ میں لگانا چاہتے ہیں؟ شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد علی، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر نمازیوں کے لئے ایک در بنانے میں سہولت ہے اور مسجد میں وسعت پیدا ہوتی ہے، تو گنجائش ہے۔

(۲) نیز مسجد کے کھمبے کو ہٹا کر اسی مسجد کے وضوخانہ میں لگا سکتے ہیں، جبکہ اس کو ہٹانے میں مسجد کا کوئی نقصان نہ ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۲۵، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۸۱، امداد المفتیین /۷۹۳)

مسجد أراد أهله أن يجعلوا الرحبة مسجداً والمسجد رحبة وأرادوا أن يحدثوا له بابا وأرادوا أن يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلک. (هنديه، الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، وما يتعلق به زكرياقديم ۲/ ٤٥٦، جديد ۲/ ٤٠٩، شامى، كراچى ٤/ ۳۷۸، زكريا٦/ ٥٧٦، الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا ۸/ ۱۵۷، ۱۵۸، رقم: ۱۱۵۰۰، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ۹/ ۱۲۵ رقم: ۱۱۳۳۹، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۳/ ۳۳۱، زكريا ٤/ ۳۷٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۳۰ھ

زیر تعمیر مسجد میں نماز کو موقوف رکھنا

سوال: [۷۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک چھوٹی سی مسجد کی تعمیر ہورہی ہے، جس میں عمارت کا ملبہ پڑا ہوا ہے، اس میں نماز شروع کرنے سے دشواری ہوسکتی ہے، تو ایسی صورت میں جب تک تعمیر نہ ہوجائے اور سہولت سے نماز نہ پڑھ سکیں تب تک اس مسجد میں نماز موقوف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ پڑوس میں دوسری مسجد بھی ہے، جس میں تمام نمازیں ہوتی ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مسجد میں تعمیر ہونے اور ملبہ پڑے ہونے کی وجہ سے نماز پڑھنا دشوار ہو تو ایسی مسجد میں نماز کو موقوف کر کے قریب کی مسجد میں جا کر نماز ادا کرنا جائز ہے اور اس مسجد میں نمازوں کو موقوف کرنے کی وجہ سے لوگ اس وعید میں داخل نہ ہوں گے، جو مسجد کو خراب کرنے اور اس میں ذکر اللہ سے روکنے والوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۲۱/ ۳۴۴، ڈابھیل ۱۴/ ۳۹۷)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا — وَظَاهِرُ الآيَة، العموم فى كل مانعٍ وفى كل مسجدٍ وخصوصُ السببِ لا يمنعهٗ. (روح المعانی زکریا ۱/ ۵۷۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ۳/ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۵۹)

کیا تعمیر جدید کے دوران نماز کا قائم رکھنا ضروری ہے؟

سوال: [۷۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد پرانی اور بوسیدہ ہوگئی تھی، اس کی تعمیر جدید ہو رہی ہے، تو کیا پوری مسجد کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کی جائے یا کچھ حصہ میں نماز با جماعت کرتے رہنا ضروری ہے، یا جب تک تعمیر ہو رہی ہے نماز و جماعت روک دی جائے، یہ مسجد شہر مرادآباد کی ایک چھوٹی مسجد ہے اس کے آس پاس اور قریب میں اور بھی مسجدیں ہیں، وہاں لوگ نماز پڑھ سکتے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمادیں؟ نوازش وکرم ہوگا؟

المستفتي: عبدالقدیر، بانس منڈی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب چھوٹی مسجد ہے اور دوران تعمیر اس میں نماز کو

جاری رکھنا دشوار ہے تو جب تک مسجد تعمیر نہ ہوجائے اس وقت تک کسی الگ جگہ پر نماز کا سلسلہ جاری کر سکتے ہیں، اور جب مسجد تعمیر ہوکر اس قابل ہوجائے کہ بلا کسی دشواری کے اس میں جماعت ہو سکے تب جماعت کا سلسلہ اس میں جاری کیا جائے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا —— وَظَاهِرُ الآية العموم في كل مانعٍ وفي كل مسجدٍ، وخصوصُ السببِ لا يمنعهٗ. (روح المعاني زكريا ١/٥٧٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۳/۱۴۳۵ھ

محراب نیچے منزل میں بنائی جائے یا اوپر والی میں؟

سوال: [۷۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ تمل ناڈو میں شہر وانمباڑی کی مشہور جامع مسجد نیلی کھیت کو چند سال قبل بغرض توسیع شہید کیا گیا اور از سر نو اس کی تعمیر کی گئی اور محراب کو پہلی منزل پر منتقل کر دیا گیا، اور نچلی منزل بند رہتی ہے اور بوقت ضرورت اس کو کھولا جاتا ہے، چونکہ جماعت پہلی منزل پر ہوتی ہے، تو بعض دل کے مریض سیڑھی چڑھ کر جماعت میں شامل ہونے کی اپنی مجبوری ظاہر کر کے نچلی منزل میں ہی نماز ادا کرتے ہیں، دیکھا دیکھی نوجوان بھی نیچے ہی نماز پڑھنے لگے، اور نچلی منزل میں بمقابلہ پہلی منزل کے جماعت کثیر ہونے لگی، جس کی وجہ سے اکثریت کی رائے ہے کہ محراب کو نچلی منزل ہی میں منتقل کر دیا جائے، مگر نچلی منزل کی اونچائی بہت کم ہونے کی بنا پر یہ سوچا جارہا ہے، کہ زمین دو تین گز کھدائی کر کے فرش بچھا دیا جائے، اور نچلی منزل ہی میں محراب ہو اور یہیں مستقل جماعت ہونے لگے اب قابل لحاظ سوال یہ ہے کہ:

(۱) جماعت پہلی منزل میں افضل ہے یا نچلی منزل میں؟

(۲) مسجد کے اگلے حصہ کی طرف قبرستان واقع ہے اور قبرستان اور جامع مسجد کے مابین ایک مستقل دیوار حائل ہے، کیا نچلی منزل کی دو تین گز کھدائی کر کے اسی کو مستقل محراب

بنانے اور وہاں جماعت ہونے سے کسی طرح کی کراہت لازم آتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اوپر کی منزل میں مستقل نماز ہو، معذور مقتدی نیچے کی منزل میں نماز پڑھ لیں، اوران کو اوپر کی منزل کی تکبیر کی آواز پہونچتی ہے تو جائز و درست ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ نیچے کی منزل کو مستقل جماعت گاہ بنایا جائے اور فرش کی حسب ضرورت کھدائی کر کے نیچے کیا جائے، تو یہ بھی جائز ہے، جب قبروں اور محراب کے درمیان دیوار حائل ہے تو وہاں محراب بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ دونوں منزلوں کو مستقل حیثیت دی جائے، اور جس منزل پر چاہے امام کھڑے ہو کر نماز پڑھائے ۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۶/ ۵۲۷)

عن صالح مولی التوأمة قال كنت أصلی أنا و أبوهريرة فوق ظهر المسجد نصلی بصلوة الإمام للمكتوبة . (السنن الكبرى للبيهقي، جماع ابواب موقف الإمام والماموم ...... دارالفكر ٤/ ٢٧٧، رقم: ٥٣٤٥)

والحائل لايمنع الإقتداء إن لم يشتبه حال إمامه بسماع أو رؤية ، قال الشامی: ولما فی البرهان من أنه لوكان بينهما حائط كبير لايمكن الوصول منه إلىٰ الإمام ولكن لايشتبه حاله عليه بسماع أو رؤية لانتقالاته لايمنع صحة الإقتداء في الصحيح. (شامی، كتاب الصلاة ، باب الإمامة زكريا٢/ ٣٣٣ تا ٣٣٤، كراچی ١/ ٥٨٦)

إن كان للسطح باب فی المسجد ولا يشتبه عليه حال الإمام صح الإقتداء فی قولهم، وإن لم يكن له باب فی المسجد ولكن لايشتبه عليه حال الإمام صح الإقتداء به أيضا وإن اشتبه حال الإمام لايصح الإقتداء . (تاتار خانية ، زكريا٢/ ٢٦٦، برقم: ٢٣٨٥)

وإن كان بينه وبين القبر مقدار لوكان فی الصلوٰة ويمر إنسان لايكره

فههنا أيضاً لايكره. (تاتار خانیة زکریا ۲/ ۲۱۳، برقم: ۲۱۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۰۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۸ھ

بالائی منزل پر جانے کیلئے حدود مسجد میں سیڑھی بنانا

سوال: [۷۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں بادر پور میں ایک قدیم مسجد ایک منزلہ تھی مسجد چھوٹی ہونے کی وجہ سے گاؤں والوں نے اس کی توسیع وتعمیر کرنا شروع کیا قدیم مسجد بحال ہے، اور اس کے قریب میں مسجد کی جگہ میں توسیع کی اور مسجد کو ایک منزلہ کے بجائے دو منزلہ بنایا اور اوپر کے منزلہ میں برائے نماز جانے کے لئے مسجد قدیم کے صحن میں جو مسجد کی شرعی حد میں داخل ہے، سیڑھی بنانا شروع کیا حالانکہ مسجد کی شرعی حد کے علاوہ سیڑھی بنانے کے لئے دوسری جگہ موجود تھی، اور ستر فیصد سیڑھی تعمیر ہوچکی تھی اس کے بعد ایک شخص کے متنبہ کرنے پر گاؤں والوں نے ایک مدرسہ کے دار الافتاء سے فتویٰ پوچھا تو وہاں سے عدم جواز کا فتویٰ ملا اور اس کو توڑنے کا حکم دیا پھر گاؤں والوں نے دوسرے مدرسہ کے دار الافتاء سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا اور کہا کہ سیڑھی تعمیر ہونے کے بعد اس کو توڑنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ مسجد کی تعمیر میں بلاضرورت توڑ پھوڑ کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے، نیز مال وقف کی اضاعت لازم آتی ہے، جو جائز نہیں ہے، اور سیڑھی بنانا "ما أعد للصلوٰة" کو "للصلوٰة" ہی مشغول کرنا ہے، اور یہ بلا شبہ جائز ہے، کیونکہ اوپر جانا مقصود نہیں ہے، نماز مقصود ہے تو سوال یہ ہے کہ مسجد کی شرعی حد میں سیڑھی بنانا جائز ہے یا نہیں اور کیا تعمیر شدہ سیڑھی کو توڑنا واجب ہے، یا اس کو توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو توڑنا چاہئے یا نہیں؟

نوٹ: گاؤں والوں نے جواز کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے سیڑھی کا جو کام باقی تھا،

وہ مکمل کرلیا ہے۔

المستفتي: محمد عثمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدود مسجد اور جماعت خانے کے اندر سے اوپر کی منزل اور اوپر کے جماعت خانے میں جانے کے لئے سیڑھی اور زینہ بنانا بلاتردد جائز ہے، اس لئے کہ اوپر کی منزل میں نمازیوں کے جانے کے لئے جو زینہ بنایا جاتا ہے، وہ ''**ما أعد للصلوٰة**'' اور ضرورت صلوٰۃ میں شامل ہوتا ہے، اس لئے سوالنامہ میں دوسرا فتویٰ جو جواز سے متعلق ہے وہی صحیح اور درست ہے، نیز جماعت خانے کے اندر سے اوپر جانے کے لئے زینہ بنانے میں ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے، کہ اس زینہ سے معتکف اوپر نیچے آجاسکتا ہے، نیز مسجد حرام میں اندورن مسجد متعدد زینے اوپر کی منزلوں میں جانے کے لئے بنائے گئے ہیں، لہٰذا جو زینہ اندورن مسجد سے اوپر کے جماعت خانے میں جانے کے لئے بنایا جاچکا ہے، اس کو ناجائز سمجھ کر توڑ دینا جائز نہیں ہوگا، بلکہ مسجد کے مال کو ضائع کرنا بھی لازم آئے گا، اور مسائل شرعیہ کو غلط رخ دینا بھی لازم آئے گا، حضرات فقہاء نے نمازیوں کی ضرورت کے لئے غیر مسقّف مسجد میں سایہ دار درخت لگانے کی اجازت دی ہے، اور ضرورت کی بنا پر حائضہ اور جنبی کے علاوہ لوگوں کو مسجد کے اندر سے گذرنے کی بھی اجازت دی ہے۔

غرس الأشجار في المسجد لابأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذا نز والأسطوانات لا تستقر بدونها وبدون هذا لايجوز ١ه وفي الهندية: عن الغرائب إن كان لنفع الناس بظله ولا يضيق على الناس ولا يفرق الصفوف لابأس به. (شامی، الصلاة، باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکره فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد زکریا ۲/۴۳۵، کراچی ۱/۶۶۱)

وفيه أيضاً نعم يوجد في أطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشي فيها وقت المطر ونحو لأجل الصلوة أو للخروج من الجامع

لالمرور المارين مطلقاً . (شامی، الوقف، مطلب فی جعل شیئی من المسجد طریقاً زکریا ٦/٥٧٥، کراچی ٤/٣٧٨)

إذا جعل في المسجد ممرّاً فإنه يجوز لتعارف أهل الأمصار في الجوامع وجاز لكل واحد أن يمر فيه حتىٰ الكافر إلا الجنب والحائض والنفساء الخ. (هندیه، الباب الحادی عشر فی المسجد، زکریا قدیم۲/٤٥٧، جدید ٢/٤١٠، البحرالرائق، فصل فی أحکام المسجد کوئٹه ٥/٢٥٥، زکریا٥/٤٢٨، تبیین الحقائق، زکریا٤/٢٧٤، امدادیه ملتان ٣/٣٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۵ھ

مسجد کے حوض وصحن اوراس سے ملحق عمارت کے نیچے تہ خانہ بنانا

سوال: [۷۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بستی میں قدیم زمانہ میں ایک بہت چھوٹی سی مسجد تھی مگراب سے تقریباً ستر پچھتر سال قبل اس مسجد کواز سرنو بنایا گیا جو کافی وسیع ہوگئی، اوراس سے ملحق ایک کمرہ امام صاحب کے لئے اور چار کمرے وہاں کے مدرسین کے قیام کے لئے اورایک درس گاہ بھی کافی وسیع بنائی گئی، مدرسہ میں تعلیم بھی شروع سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک ہوتی ہے، پھر کچھ عرصہ کے بعد مسجد کے آگے ایک برآمدہ بھی بنایا گیا اوراب تین چار سال قبل مسجد کے پیچھے جو زمین وقف بضرورت مسجد تھی، اس میں بھی مسجد کی عمارت بنائی گئی اور قدیم مسجد میں غربی جانب یعنی قبلہ کی دیوار میں دروازے کھول دئے گئے، دونوں عمارتیں قدیم وجدید ایک سی ہوگئیں، اور بڑی خوشنما اور کافی وسعت ہوگئی، مسجد کے نیچے اوپر اور باہر جو کمرے بنے ہوئے تھے، ان پر تقریباً دو تین ہزار آدمی بیک وقت نماز ادا کرسکتے ہیں، اب چونکہ وہاں پر تبلیغی سلسلہ میں وفود کثرت

سے آتے رہتے ہیں، توانجینئروں کے مشورہ سے یہ بات طے ہوئی کہ مسجد کے حوض اور صحن کو ختم کیا جائے اور مسجد سے ملحق جو عمارت اور جو زمین پڑی ہوئی ہے، اور برآمدہ کے نیچے اور حوض کی جگہ پر اور ملحقہ جو عمارت اور زمین پڑی ہوئی ہے، اس کے نیچے ایک بہت ہی بڑا وسیع تہ خانہ بنایا جائے جس میں ہزار پندرہ سو آدمی ایک وقت میں بیٹھ کر کھانا کھا سکیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ مسجد کی قدیم عمارت میں اور اس کے حوض اور ملحقہ حجروں میں یہ تصرف کرنا مصالح مسجد سمجھا جائے گا، یا مصالح ضیوف جبکہ فقہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ تعمیر مسجد مکمل ہو جانے کے بعد کسی قسم کا تعمیر میں تغیر نہیں کیا جا سکتا ہے، اور مسجد کے نیچے اگر تہ خانہ بنایا گیا ابتدائے تعمیر کے وقت مصالح مسجد کے لئے یعنی مسجد کا ضروری سامان رکھنے کے لئے تو اس کی گنجائش ہے، امام کی رہائش کے لئے بھی اگر اوپر مکان ابتداء میں بنایا گیا تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، بعد میں امام کے مکان بنانے کے لئے گنجائش نہیں تفصیل کے ساتھ اس کا جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: (حضرت مولانا) افتخار الحسن (صاحب مدظلہ)
کاندھلہ، مظفرنگر (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تبلیغی وفود کسی انسان کے ضیوف اور مہمان نہیں ہیں، اور نہ ہی مدرسہ یا مدرسہ کے منتظم کے مہمان ہیں، بلکہ یہ وفود خالص ضیوف اللہ ہیں، اللہ کے مہمان ہیں، جن کا قیام وطعام سب کچھ اللہ کے گھر میں ہونا ہے، اور سوالنامہ میں جس مسئلے کے بارے میں حکم شرعی معلوم کیا گیا ہے اس کے متعلق کتب فقہ کے جزئیات کا احاطہ کرنے کے بعد جو حکم سمجھ میں آیا ہے، وہ پیش خدمت ہے- سوال نامہ میں جس تہ خانہ کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں دو قسم کی زمین آتی ہیں۔

(۱) مسجد کا برآمدہ اور صحن کا وہ حصہ جو پہلے سے شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل ہے۔ (۲) مسجد سے ملحق کمرے، درس گاہ اور مسجد کا حوض جو پہلے سے شرعی مسجد کے دائرہ

سے خارج ہے، اسی طرح صحن کا وہ حصہ جو پہلے سے شرعی مسجد کے دائرہ سے خارج ہے تو ان دونوں قسموں کی زمینوں میں سے پہلی قسم کی زمین کے نیچے تہ خانہ کا جو حصہ ہوگا، وہ شرعی مسجد ہی رہے گا، اوراس کو شرعی مسجد ہی رکھنے کے لئے نیت کرنا لازم اورواجب ہے اور یہ توسیع مسجد کے حکم میں ہوگی جو کہ جائز ہے۔

رجل بنیٰ مسجداً ثم مات فأراد أهل المسجد أن ينقضوه ويزيدوا فيه فلهم ذلك . (هنديه ، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به زكريا قديم ٢/٥٧ ، جديد ٢/ ٤١٠)

قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلىٰ مكان ليتسع المسجد وأخذوا من الطريق وأدخلوه فى المسجد – إلىٰ قوله– إن كان لايضربهم رجوت أن لايكون به بأس كذا فى المضمرات وهو المختار . (هنديه ،زكريا قديم ٢/٤٥٦، جديد٢/ ٤٠٩، حاشية چلپى ، مكتبه امداديه ملتان٣/ ٣٣١، زكريا ٤/ ٢٧٤، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٥٥، زكريا٥/ ٤٢٨، المحيط البرهانى ،المجلس العلمى ٩/ ١٢٦، رقم: ١١٣٤١، الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا٨/ ١٥٨، رقم: ١١٥٠٢)

اوردوسری قسم کی زمین کے نیچے جو تہ خانہ بنایا جائے گا اس کو شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل کرنا ضروری نہیں بلکہ تہ خانہ کے اس حصہ کو خالص کھانا کھلانے کیلئے متعین کر لینا بھی جائز ہوگا، اور پہلی قسم کی زمین کے نیچے کے تہ خانہ میں بوجہ ضرورت معتکفین اور تبلیغی وفود کو کھانا کھلانا بھی جائز ہوگا، مگر اصالتاً مسجد رہے گی، اور تبعاً کھانا کھلانے کی گنجائش ہے جیسا کہ دیگر مسجدوں میں ہوتا ہے، اگر اس طرح کے پروگرام کے تحت سوال نامہ میں ذکر کردہ وسیع ترین تہ خانہ بنالیا جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، البتہ اگر دونوں قسموں کے تہ خانہ کے اوپر کے حصے کو مکمل شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے کہ دوسری قسم کی زمین کے نیچے تہ خانہ شرعی مسجد سے خارج ہو اور اس کے اوپر کا حصہ شرعی مسجد کے دائرہ میں داخل ہو اس لئے کہ اس حصہ میں جو مسجد کا حصہ بن رہا ہے، وہ ابتداءً بن رہا ہے، پہلے سے نہیں ہے، جیسا کہ اس گنجائش کی طرف سوال نامہ میں اشارہ ہے۔

إذا كان السفل مملوكاً وفوقه مسجد جاز– الخ. (تاتار خانيه

کوئٹه٥/٤٨٣، زکریا ١٦١/٨، رقم: ١١٥٠٨)

إذا كان تحته شيئی ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالیٰ . (تقريرات رافعی تحت الشامی، زکريا٦/ ٨٠)

اوراس کے برخلاف اگر دونوں قسم کی زمینوں کوشرعی مسجد سے خارج کرکے صرف طعام ضیوف کے لئے متعین کرکے تہ خانہ میں شامل کرلیا جائے تو جائزنہ ہوگا، اس لئے کہ اس میں شرعی مسجد کی جگہ کو مسجدیت سے خارج کرنا لازم آتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۲۱ ۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۳/۱۴۲۱ھ

مسجد کے نیچے تہ خانہ بنانا

سوال: [۷۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد جو کہ چھوٹی ہے اوراس کی توسیع کے لئے ایک پلاٹ مسجد کے آگے کے حصے میں خریدا گیا ہے، اور بانی مسجد کی نیت یہ ہے کہ اس پلاٹ کے نیچے تہ خانہ بنائیں گے اوراس تہ خانہ کو گودام یا کارخانہ کے طور پر استعمال میں لائیں گے اوراس سے جو آمدنی ہوگی اس کو مسجد کے مصرف میں خرچ کریں گے، کیا اس طرح کا تہ خانہ بنانا درست ہے، مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: ثاقب انور، پورنوی، امام
مسجد حمزہ، لاجپت نگر، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ پلاٹ میں جب پہلے ہی سے یہ پروگرام ہے، کہ اس پر مسجد بننے سے پہلے نیچے تہ خانہ کو گودام وغیرہ کی شکل دی جائے گی جو کرایہ پر چلے گا جس کی آمدنی مسجد میں آئے گی، اوراس کے اوپر شرعی مسجد بنائی

جائے گی ،اور بیس مینٹ مسجد ہی کی ملکیت میں رہے گا اور جب مسجد کو اس کی ضرورت پڑے گی تو آسانی سے خالی کرایا جاسکے گا، تو ایسی صورت میں چونکہ نیچے کا حصہ مسجد کی ملکیت ہے اور مصالح مسجد کے لئے تہ خانہ وغیرہ بنانا جائز ہے، اور آمدنی اور منافع بھی مصالح مسجد ہی میں شامل ہیں اس لئے اس مقصد کے واسطے مذکورہ پروگرام کے تحت عمارت بنانے کی گنجائش ہے اور اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ پرانی مسجد کا کوئی حصہ گودام وغیرہ میں شامل کرنا جائز نہیں ہے، اس کے نیچے سے اوپر تک مکمل حدود مسجد ہی کے دائرہ میں رہنا لازم ہے۔

لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفاً على المسجد قيل لايستحب ذلك ولكنه لوجعل فى الإبتداء هكذا صار مسجداً وما تحته صار وقفاً عليه ويجوز المسجد والوقف الذى تحته. (حاشية چلپی علی التبيين، الوقف، فصل فی أحكام المسجد، زكريا ٤/ ٢٧١، امدادية ملتان ٣/ ٣٣٠)

وعن بعض المشائخ إذا كان العلو والسفل حوانيت موقوفة على المسجد أو على الأغلب لا بأس به لأن الكل منقطع عن حقوق العباد.

(بنايه، مكتبه اشرفيه ديو بند٧/ ٤٥٥، مستفاد: امداد الفتاوىٰ زكريا ٢/ ٦٨٢، ٦٨٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۳۶۲)

مسجد کی قدیم سطح میں تہ خانہ بنانا

سوال: [۷۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک قدیم مسجد بھی بوجہ بوسیدہ ہونے کے اس کو از سرنو جدید طرز پر تعمیر

کیا گیا اوراس سے قبل زمین کی جس سطح پر نماز پڑھی جاتی تھی، اس سطح کو اپنی جگہ سے کچھ اوپر کر کے اس کے نیچے تہ خانہ بنا دیا گیا، جو مسجد کی ضروری اشیاء کے رکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کی قدیم سطح کو بدل کراس کے اوپر کی سطح پرنماز پڑھنا اور قدیم سطح کو تہ خانہ میں بدل کراس کو سامان وغیرہ کے لئے مختص کرنا کیسا ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: سیدابراہیم قاسمی، پربھنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد قدیم کے نیچے تہ خانہ بنا کر سطح زمین کو اونچا کرنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں آتا ہے، نیز جماعت خانوں کوئی منزلہ بنا کر سب منزلوں پر نماز ہوتی رہے، تو سب منزل پر بھی مسجد کا ثواب ملتا رہے گا، تہ خانہ پر یا اور اوپر کے حصہ میں مسجد ہی کے ضروری سامان مثلاً مسجد کی صفیں، قالین وغیرہ رکھنا بھی بلا تردد جائز ہے، لیکن تہ خانہ یا اوپر کا کوئی حصہ کرایہ پر دینا یا آمدنی کا ذریعہ بنانا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ جس وقت پہلی مرتبہ مسجد بنی تھی، اسی وقت سے اوپر کی فضا اور نیچے کی زمین ہمیشہ کے لئے مسجد کے حکم میں ہوچکی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۳۳، جدید زکریا مطول ۱۰/۴۸۵، محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۱۷)

قال العلاء وكره الوطئ فوقه لأنه مسجد إلىٰ عنان السماء (درمختار) وفي الشامية قال الزيلعي ولهذا يصح اقتداء من على سطح المسجد بمن فيه إذالم يتقدم على الإمام ولا يبطل الإعتكاف بالصعود إليه قوله: (إلىٰ عنان السماء) وكذا إلىٰ تحت الثرىٰ. (شامي، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب في احكام المسجد زكريا۲/ ٤۲۸، كراچی ۱/ ٦٥٦)

وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: وإن المساجد لله بخلاف ماإذا كان

السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد فإنه يجوز إذ لاملك فيه لأحد بل هو من تتميم مصالح المسجد كسرداب بيت القدس . (البحرالرائق، كتاب الوقف ، فصل فی أحكام المسجد كوئٹه ٥/ ٢٥١ ، زكرياه/ ٤٢١)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أي المسجد جاز . (شامی، زكريا٦/ ٥٤٧، كراچی ٤/ ٣٥٧)

ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا سكنىٰ .

(شامی، زكريا كتاب الوقف ، مطلب فی أحكام المسجد ٦/ ٥٤٨، شامی كراچی ٤/ ٣٥٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۲۴ھ

مسجد قدیم کی تعمیر جدید میں تہ خانہ بنانا

سوال: [۷۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے سیوہارہ میں ایک پرانی مسجد ہے، اس کی از سر نو تعمیر ہونے جارہی ہے اس کی تعمیر میں یہ پلان بن رہا ہے، کہ مسجد کے نیچے کی منزل کو تہ خانہ بنادیا جائے، جس میں معذور حضرات یا سنتیں پڑھنے والے سنت پڑھ لیا کریں، اور اوپر کی منزل میں امام صاحب کا مصلیٰ محراب بنادیا جائے اور مسجد کے متصل مدرسہ کو بھی توسیع میں شامل کرلیا جائے تا کہ مسجد وسیع ہوجائے اور اوپر والی منزل میں ہی امام صاحب نماز پڑھائیں، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند میں مسجد رشید میں نیچے تہ خانہ ہے اوپر محراب ہے اوپر نماز ہوتی ہے تو ہم لوگ بھی اسی طرح تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم واضح فرمائیں؟

المستفتي: فرقان احمد، مہندی حسن، اکبر حسین، جابر حسین، محمد شاہد، احمد علی سیوہارہ، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : مذکورہ صورت میں پرانی مسجد کو اپنی جگہ باقی رکھ کر اس کے اوپر کی منزل میں وسعت کے ساتھ تعمیر کرکے امام کا اوپر کی منزل میں کھڑے ہوکر نماز پڑھانا بلا کراہت اور بلا شبہ جائز ہے، اور بوقت ضرورت شدت لو وغیرہ کے زمانے میں نیچے کی منزل میں بھی جماعت بنا کے نماز پڑھی جاسکتی ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ گرمیوں کے زمانے میں اصل مسجد کو چھوڑ کر کے مسجد کے صحن کے حصے میں جماعت بنا کر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہوتا ہے، اس لئے نیچے کی منزل کو بھراؤ کرکے بیکار کر دینے کے بجائے اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے ، بوقت ضرورت اس میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، اسی طرح معذور بھی نیچے نماز پڑھ سکتے ہیں، اور بعد میں آنے والے بھی سنتیں وغیرہ اس میں جاکر پڑھ سکتے ہیں ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۴۱۸، امداد الأحکام ۲/۵۴، عزیز الفتاویٰ طبع دار الاشاعت کراچی ۱/۲۰۵، ۲۰۶)

وحاصله : أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ : وأن المساجد لله . (الجن: ۸)

بخلاف ماإذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد فإنه يجوز .

(البحرالرائق، الوقف، فصل في أحكام المسجد زكريا ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١، شامي، كراچی ٤/ ٣٥٧، زكريا ٦/ ٥٤٧)

اور فتاویٰ رحیمیہ وغیرہ میں جو بات لکھی گئی ہے، وہ بعض مصالح کی بنا پر کہی گئی ہے، اور اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ؍صفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۰۹۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۲؍۱۴۳۴ھ

قدیم مسجد کو منہدم کر کے نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنانا

سوال: [۷۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک قدیم مسجد کو منہدم کر کے اس کی توسیع کرنا چاہتا ہے، لیکن نیچے مدرسہ اور اس کی بالائی منزل پر مسجد بنانا چاہتا ہے آپ شریعت کی روشنی میں مدلل مع حوالہ کے تحریر فرمائیں، کہ کیا زید کا یہ عمل درست ہوگا؟ اور اس طور پر مسجد اور مدرسہ بنانا اور نماز کا ادا کرنا جائز ہوگا؟

المستفتي: مصطفیٰ حسین، تکیہ پیر غائب، جھواں ٹولہ لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب ابتداء میں مسجد تھی تو دوبارہ اس پر مسجد ہی بنانا لازم ہوگا، اور اس کے اوپر یا نیچے با قاعدہ مدرسہ بنانا شرعاً جائز نہیں ہوگا۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق ...... فإذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلا ولاسكنىٰ. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۳۵)

مسجد منہدم کر کے اس کے احاطہ میں مدرسہ اور مسجد بنانا

سوال: [۷۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قدیم مسجد کو منہدم کر کے اس سے آگے مسجد کی بنیاد رکھی جائے اور قدیم مسجد کی جگہ مدرسہ

بنایا جائے تو آگے کی طرف مسجد ہوگی قدیم مسجد کی جگہ مدرسہ ہوگا، تو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟مدلل مع حوالہ کے جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: مصطفیٰ حسین، تکیہ پیر غائب، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے حصہ میں مدرسہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، وہ حصہ تا قیامت مسجد ہی کے حکم میں رہے گا۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى الخ. (الدر المختار، والوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، مجمع الانهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٩٥، مصرى قديم ١/٧٤٨، هنديه زكريا قديم ٢/٤٥٨، جديد ٢/٤١٠، قاضيخان جديد ٣/٢٠٤، وعلى هامش الهنديه ٣/٢٨٨، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ٣/ ٣٣٠، ٣٣١، زكريا ٤/ ٢٧٢، الفتاوىٰ التاتار خانيه زكريا ٨/١٦٤، رقم: ١١٥١٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۳۵)

تعمیر جدید میں نچلی منزل میں وضوخانہ اور دوسری میں مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بوسیدہ مسجد کی از سر نو تعمیر دو منزلہ اس طرح کی جائے کہ نچلی منزل میں وضو خانہ، غسل خانہ، استنجاء خانہ، حجرۂ امام صاحب ومؤذن صاحب رہے، اور اوپر کی منزل میں مسجد جو نماز کے لئے استعمال ہو، یا نچلی منزل کا کچھ حصہ مصارف مسجد کے لئے کرایہ پر دیا جائے، تو کیا مسجد کے واسطے کرایہ پر دینے کے لئے اس طرح مسجد کی تعمیر ہونا شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سفیان، سکریٹری، مسجد محلہ شیخان، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس جگہ مسجد بنادی جائے تو تحت الثریٰ سے آسمان تک اتنی جگہ مسجد کے حکم میں ہوجاتی ہے، لہٰذا مسجد میں جماعت خانہ کے حصہ کوئی تعمیر میں وضوخانہ، غسل خانہ، استنجاء خانہ وغیرہ سے بدلنا جائز نہیں ہے، بلکہ اس جگہ کو جماعت خانہ ہی باقی رکھنا ضروری ہے، اور نہ جماعت خانہ کے حصہ کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۳۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۷۳)

وفی الشامية أمالو تمت المسجدية ثم أراد البناء (إلیٰ قوله) فيجب هدمه ولو علیٰ جدار المسجد الخ. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍۶۴۳۳)

مسجد کی توسیع کے وقت دوکانوں کے اوپر مسجد کا حصہ بڑھانا

سوال: [۷۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد پہلے چھوٹی تھی لیکن بعد میں مسجد میں توسیع کرلی گئی تو کیا توسیع شدہ حصہ تعریف مسجد میں داخل ہے یا نہیں؟ اور یوں بھی کہا جاتا ہے، کہ مسجد عرش معلیٰ تک مسجد ہوتی ہے، اور تحت الثریٰ تک بھی مسجد ہوتی ہے، تو اس توسیع شدہ حصہ کے نیچے دوکانیں بنی ہوئی ہیں، آیا اس حصہ پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس پر لوگ نماز پنجگانہ بھی ادا کرتے ہیں۔

المستفتی: امام جامع مسجد، دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد پہلے سے بنی ہوئی ہے، اوراس کی توسیع کی جارہی ہے اور جس حصہ کی توسیع ہورہی ہے اس میں پہلے سے دو کانیں بنی ہوئی ہیں، اور دوکانوں کے اوپر مسجد کا حصہ بڑھانا ہے تو جائز اور درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دوکانوں کی آمدنی مسجد ہی کوملتی ہو۔(مستفاد:امدادالفتاویٰ ۲/۶۸۳)

وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أى المسجد جاز كمسجد المقدس الخ. (الدر مع الرد، والوقف، مطلب فى احكام المسجد، زكريا ٦/ ٥٤٧، كراچى ٤/ ٣٥٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٠٢، الدار المنتقىٰ،دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٤، قديم ١/ ٧٤٧، مجمع الانهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٤، مصرى قديم ١/ ٥٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۲/۹ھ

مسجد کے نیچے حصہ میں دوکان بنا کر اوپر مسجد بنانا

سوال: [۷۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد ولایت علی خان عرف چھوٹی مسجد محلّہ گڑھی پیر خاں ٹھاکر گنج، لکھنؤ جو کہ محلّہ کی آبادی میں اضافہ کی بناء پر تنگ ہورہی ہے، خاص طور سے رمضان میں کافی دقت پیش آتی ہے، اس مسجد میں تین دوکانیں ہیں جن کی آمدنی سے مسجد کا خرچ پورا ہوتا ہے، اہل محلّہ مسجد کی توسیع کرنا چاہتے ہیں، موجودہ وقت میں مسجد میں بیک وقت نیچے کے حصہ میں بمشکل تمام چالیس نمازی کھڑے ہو سکتے ہیں، اگر مسجد کو اوپر لاکر دیگر تمام ضرورتیں نیچے کے حصہ میں پوری کی جاتی ہیں، تو اس صورت میں لگ بھگ ایک سو چالیس نمازیوں کی گنجائش اوپر ہورہی ہے، اور تین دوکانوں سے بڑھ کر پانچ دوکانیں ہوجارہی ہیں، لیکن ایسا کرنے پر

مسجد کا وہ حصہ جہاں اس وقت پانچ وقت کی نمازیں ادا کی جارہی ہیں، کچھ دوکانوں کے صرفہ میں جارہا ہے، کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: ابوالکلام، گڑھی پیر خاں، ٹھاکر گنج لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ پر ایک مرتبہ مسجد تعمیر ہوگئی وہ زمین قیامت تک مسجد ہی رہے گی، لہٰذا اس جگہ کو دوکان یا کسی اور مصرف میں لینا قیامت تک جائز نہیں ہے، نیز نیچے کا حصہ کسی حال میں بھی دوسرے مصرف میں استعمال نہیں ہوسکتا ہے، صرف مسجد ہی کی حالت میں رہ سکتا ہے، ہاں البتہ اس کے اوپر اور بغل کی دوکانوں کے اوپر مسجد کی دوسری منزل وسیع کر کے بنانا جائز ہے، جو آپ کے قول کے مطابق ایک سو چالیس نمازی اوپر آجائیں گے، اور نیچے کے پرانے حصہ میں بھی ۴۰؍چالیس نمازی آجائیں گے کل ۱۸۰؍نمازی نماز پڑھ سکتے ہیں، صرف یہی شکل آپ اختیار کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/۱۱۲، جدید زکریا دیوبند ۹/۹۳)

قال أبو یوسف: هو مسجد أبداً إلیٰ قیام الساعة إلیٰ قوله كانوا يصلون فيه أولا وهو الفتویٰ وبخلاف ماإذا كان السرداب أوالعلو موقوفاً لمصالح المسجد فإنه يجوز إذ لاملک فيه لأحد بل هو من تتميم مصالح المسجد. (البحرالرائق، الوقف، فصل في أحكام المسجد كوئٹه ٥/٢٥١، زكريا٥/٤٢١، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/٥٩٥، مصرى قديم ١/٧٤٨، شامی، زكريا٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، خلاصة الفتاویٰ اشرفی ٤/٤٢٤، الولوالجية، دارالإيمان سهارنپور٣/٨٨)

وفی المجتبیٰ لايجوز لقيم المسجد أن يبنی حوانيت فی حد المسجد. (البحر الرائق، ،كوئٹه ٥/٢٤٩، زكريا٥/٤١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/٢٢٦، هنديه زكرياقديم ٢/٤٦٢، جديد ٢/٤١٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۳۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۶ھ

غسل خانہ وپیشاب خانہ کی جگہ کو مسجد کے دالان میں شامل کرنا

سوال: [۷۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صحن مسجد کا وہ حصہ جس پر پہلے غسل خانہ وپیشاب خانہ بنے ہوئے تھے، اور پانی کی ٹنکی وہینڈ پمپ تھا، جب مسجد کی جدید تعمیر ہوئی تو اس کو دالان میں شامل کرلیا گیا بوقت تعمیر ایک عالم دین ومفتی صاحب کے مشورہ سے اس کو خارجی حصہ قرار دے کر وہاں جنازہ کی نماز پڑھائی جانے لگی، پہلے اس جگہ اکثر بچہ کی نماز جنازہ ہوا کرتی تھی، اور بڑے جنازہ کی نماز سڑک پر ہوتی تھی، جس سے بارش کے زمانہ میں پریشانی ہوتی تھی، اب کچھ لوگ اس کو مسجد کا حصہ مانتے ہیں، اور کہتے ہیں، یہاں نماز جنازہ نہیں ہوسکتی میری آپ سے گذارش ہے کہ آپ موقع پر پہونچ کر جگہ کا معائنہ فرما کر شرعی فیصلہ صادر فرمائیں؟

المستفتي: شبیر احمد، کچا باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عالم دین مفتی صاحب نے اس جگہ کو اس مصلحت سے خارج رکھنے کا مشورہ دیا ہوگا، کہ اگر مسجد میں شامل کرلی جائے تو پھر بعد میں اس سے نماز جنازہ وغیرہ کا کام لینا ممنوع ہوجائے گا، اگر مسجد سے خارج رکھا جائے تو نماز جنازہ کا بھی کام لیا جاسکتا ہے، اور جماعت کثیرہ کے وقت وہاں جماعت کی صف قائم کی جاسکتی ہے، بس صرف شرعی مسجد کا ثواب وہاں سے حاصل نہ ہوسکے گا، اور جماعت کا ثواب ملتا رہے گا، اور بعد میں حدود مسجد میں شامل کرلینے کی ضرورت ہوتو اہل مسجد اور ذمہ داران مسجد کے اتفاق سے اس کو مسجد میں شامل بھی کیا جاسکتا ہے۔

فی الکبری مسجد أراد أن یجعلوا الرحبة مسجداً (إلیٰ قوله) فلهم

ذلک فإن اختلفوا نظر أيهم أكثر وأ فضل فلهم ذلک . (عالمگیری ، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به زکریا قدیم ۲/ ٤٥٦، جدید ۲/ ٤٠٩، المحیط البرهانی ، المجلس العلمی ۹/ ۱۲٥، رقم: ۱۱۳۳۹، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا ۸/ ۱۵۷، ۱۵۸، رقم: ۱۱۵۰۰، حاشیة چلپی امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۱، زکریا ٤/ ۲۷٤، شامی، زکریا ٦/ ٥٧٦، کراچی ٤/ ۳٧٨)

احقر نے موقع پر جا کر معائنہ کرلیا ہے اہل مسجد کو اختیار ہے کہ چاہے اس کو داخل کرلیں اور چاہے کسی مصلحت سے خارج رکھیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۰۰)

مملوکہ قبرستان میں مسجد کا چھجہ اور جنگلہ کھولنا

سوال: [۷۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے قصبہ میں ایک مسجد دوبارہ تعمیر ہورہی ہے، مسجد کے بائیں طرف ایک مملوکہ قبرستان ہے، اور دائیں طرف عام راستہ ہے، مسجد سے متعلق کچھ حضرات نے مسجد کا لینٹر اس طرح ڈلوایا ہے کہ وہ قبرستان کی طرف چوڑائی میں تقریباً چار فٹ نکلا ہوا ہے، نیز قبرستان کی طرف مسجد کی دیوار میں ایک جنگلہ لگانا بھی چاہتے ہیں، جبکہ قبرستان کے مالکین اس کی مخالفت کررہے ہیں معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح لینٹر نکالنا اور اس پر نماز پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ اسی طرح جنگلہ لگانے کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے، اگر مسجد کے دائیں طرف جنگلہ لگادیا جائے تو اس میں بظاہر کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا ہے لیکن اس طرف راستہ کی دوسری طرف غیر مسلم آباد ہیں، اور بے پردگی کا خوب احتمال ہے، اس بارے میں شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: حاجی قمر الزماں، کٹھور، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مسجد کی پڑوس میں ملکیت کا قبرستان ہے اور مالکان زمین اس قبرستان پر آئندہ کسی قسم کی تعمیر کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں اس کی فضا میں مسجد کا لینٹر آجانے کی وجہ سے قبرستان کا کوئی نقصان نہیں ہے، اس لئے مالکان کو ایک مؤمن ہونے کی وجہ سے اس میں رکاوٹ پیدا نہیں کرنی چاہئے اسی طرح جنگلہ نکالنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہئے ،اس لئے کہ اس میں مالکان وقبرستان کا کوئی نقصان نہیں ہے، کیونکہ مسجد کسی شخص خاص کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، بلکہ اللہ کی ملکیت ہے اس کا ہر مسلمان کو خیال رکھنا چاہئے اور مسجد میں ہوا اور روشنی کیلئے راستہ کی جانب یعنی دائیں طرف جنگلہ نکالنے پر بھی کوئی حرج نہیں ہے، اگر بے پردگی کا خطرہ ہو تو اس سے رکاوٹ کے لئے کوئی معقول نظم کرلیا جائے مثلاً جنگلہ اس طرح لگالیا جائے کہ سامنے کا منظر دکھائی نہ دے ،لیکن ہوا آتی رہے۔ (مستفاد: محمود یہ ڈابھیل ۱۴/ ۴۲۱، ۵۱۱)

المقبرة الداثرة إذا بنى فيها مسجد ليصلى فيه فلم أرفيه بأساً لأن المقابر وقف وكذا المسجد فمعنا هما واحد. (عمدة القاری ، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربى ٤/ ١٧٤، زكريا٣/ ٤٢٨، تحت رقم الحديث: ٤٢٧، ارشادالسارى ، دارالفكر ٢/ ٤٣٧)

قوله : وإن جعل شيئى من الطريق مسجداً الخ. يعنى إذابنى قوم مسجداً واحتاجوا إلىٰ مكان ليتسع فادخلوا شيئاً من الطريق ليتسع المسجد وكان ذلك لايضر بأصحاب الطريق جاز ذلك . (البحرالرائق، الوقف، فصل فى أحكام المسجد كوئٹه ٥/ ٢٥٥، زكريا٥/ ٤٢٨، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤٥٦، جديد ٢/ ٤٠٩، حاشية چلپى امداديه ملتان ٣/ ٣٣١، زكريا ٤/ ٢٧٤، المحيط البرهانى ، المجلس العلمى ٩/ ١٢٦، رقم: ١١٣٤١، الفتاوى التاتارخانية زكريا ٨/ ١٥٨، رقم: ١١٥٠٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۳/۵ھ

قبروں کی جگہ کو ہموار کر کے مسجد کے حصہ میں لینا

سوال: [۷۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد جس کے اندر والے حصہ میں چار صفیں ہیں، ہر ایک صف میں تقریباً ۳۰؍تیس نمازی آتے ہیں، برآمدہ میں بھی چار صفیں ہوجاتی ہیں، لیکن برآمدہ والے حصہ میں بائیں جانب چار قبریں بہت پرانی ہیں، جس کی وجہ سے برآمدہ والی صفوں میں صرف بیس آدمی آتے ہیں، جو نقشہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے، اراکین کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ مزار کو کھود کر اور دو فٹ نیچی کردیں چونکہ ابھی بھی برآمدے کے فرش سے مزارات چار فٹ نیچے ہیں، تو دو فٹ اور نیچی کر کے فرش سے ملا کر مزار والے حصہ پر لینٹر ڈالدیں اور مزار میت کی جگہ بنادیں جہاں دفن کے وقت میت کو رکھا جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ قبر کی کھدائی نہ ہو لیکن اسی کے برابر والی جگہ کھودیں جو بونڈری کے اندر ہی ہے تو مزار اپنی جگہ رہے لیکن آس پاس کی جگہ کھود کر لینٹر ڈالدیں اس صورت میں آدمی اس لینٹر کے نیچے آرام سے کھڑے ہو کر ایصال ثواب کرسکتا ہے، بہر دو صورت ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس لینٹر پر نماز پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ مہربانی فرما کر مفصل جواب تحریر فرمادیں؟

المستفتی: اراکین کمیٹی، مسجد کوکا شاہ، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مزار کی زمین مسجد ہی کی ہے تو بہت زیادہ پرانا ہونے کے بعد ان مزاروں کو ہموار کر کے ان کے اوپر مسجد بنانا جائز ہے، مسجد نبوی بھی پرانے قبرستان پر بنائی گئی تھی، اور اس کی بھی گنجائش ہے کہ اگر قبریں بہت پرانی نہیں ہیں تو اوپر پلر

قائم کرکے پھر اس کے اوپر مسجد یا اس کا برآمدہ وغیرہ بنالیا جائے تاکہ لوگ اس پر نماز پڑھ سکیں، اور اگر قبروں کی جگہ وقف کی نہیں ہے، بلکہ انکی ملکیت کی ہے، تو مالکان کی اجازت سے مذکورہ دونوں طریقوں میں سے کسی بھی طریقہ سے مسجد کے کام میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه الخ. (البحرالرائق، الصلاة، قبیل باب صلاة الشهید زکریا۲/۳۴۲، کوئٹه ۲/۱۹۵، تبیین الحقائق، امدادیه ملتان ۱/۲۴۶، زکریا ۱/۵۸۹، هندیه زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۲۰ھ

توسیع مسجد میں قبروں کو شامل کرنا

سوال: [۷۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے صحن کے بغل میں جنوب کی جانب مسجد کی ایک قدیم خالی جگہ پڑی ہوئی ہے، جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی بنا پر کافی لوگ واپس لوٹ جاتے ہیں، لہٰذا اس کے بارے میں اہل محلّہ کا یہ مشورہ ہے کہ اس پر فرش بچھوا کر صفیں بنوادی جائیں جس سے کہ لوگ آسانی سے نماز ادا کرلیں، اور رمضان المبارک میں ایک طرف بیٹھ کر افطار بھی کرلیا کریں، اس جگہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے، کہ یہاں ایک یا دو قدیم قبریں ہیں، جنکا اس وقت کوئی بھی نام ونشان باقی نہیں ہے، تو فرش بنوا کر اس جگہ میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عزیز خانصاب،
امان فیل، سرائے ترین، ضلع سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب سوال نامہ میں یہ ذکر ہے کہ وہ زمین مسجد کی ہے تو اس صورت میں اس کو مسجد میں ہر طرح سے شامل کرنے کی اجازت ہے، اور بوسیدہ قبروں کو برابر کرکے اس پر فرش بنایا جاسکتا ہے۔

ولو بلى الميت وصار تراباً جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه الخ. (شامی، الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا ٣/١٣٨، كراچی ٢/٢٣٣، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ١/٢٤٦، زكريا ١/٥٨٩، البحر الرائق، كوئٹه ٢/١٩٥، زكريا ٢/٣٤٢، الفقه على المذاهب الاربعة، دارالفكر ١/٥٣٨)

ولو كان بجنب المسجد أرض وقف على المسجد فأرادوا أن يزيدوا شيئاً فى المسجد من الأرض جاز ذلك بأمر القاضى. (البحرالرائق، الوقف، فصل فى أحكام المسجد، كوئٹه ٥/٢٥٦، زكرياه/٤٢٨، حاشية چلپى زكريا ٤/٢٧٤، قديم ٣/٣٣١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ر۶۰۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۲/۱۴۲۰ھ

پرانی قبروں کو ہموار کرکے مسجد کے فرش میں شامل کرنا

سوال: [۷۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری اونچی مسجد بروالان مرادآباد کے صحن میں تقریباً سوسال پرانی قبر ہے محلے میں کوئی وارث بھی نہیں ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب مسجد کی جگہ میں اضافہ کیا جارہا ہے، اس قبر کو مسمار و کھدائی کرکے مسجد میں شامل کردینے کی ضرورت ہے ایسی صورت میں اس پر نماز پڑھنی درست ہوگی یا نہیں؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: استخار بیگ، متولی مسجد بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مذکورہ مسجد کی توسیع میں پرانی قبر کو مسجد کے فرش سے برابر کرکے حدود مسجد کے اندر داخل کر لینے کی گنجائش ہے۔ بشرطیکہ وہ زمین مسجد کی ملکیت کی ہو۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلک بأساً لأن المقابر وقف من أوقاف السلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملکها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلىٰ المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، دارإحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زكريا٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ديو بند٢/ ١١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵؍شعبان ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۳۰)	۱۵/۸/۱۴۳۵ھ

پرانی قبروں کی جگہ کو حدود مسجد میں شامل کرنا

سوال: [۷۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد قبرستان میں واقع ہے اور یہ مسجد بہت پرانی ہے محلّہ کے بڑے بوڑھے سبھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں، کہ یہ مسجد ہمارے ہوش سے پہلے سے بنی ہوئی ہے، مسجد کے پورب میں بالکل ملحق مکتب ہے اور مسجد کے تینوں طرف پچھّم اتر دکھن قبریں ہیں، مسجد سے پچھّم میں بالکل مسجد کے سیدھ کچھ حصہ میں لکھوری اینٹوں کی باونڈری ہے اس باونڈری میں بغیر نشان کی بالکل زمین کے ہموار دو قبریں ہیں، کچھ سال قبل اس حصہ میں نمازیوں نے پھلواری لگائی تھی، اور اس وقت قبروں کے نشانات ختم کردیئے گئے تھے، اس باؤنڈری سے باہر تینوں طرف قبرستان ہے، اب الحمد للہ نمازیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے،

اورخاص خاص موقعوں پر جیسا کہ تبلیغی جماعت کے آ جانے پر یا ماہ رمضان المبارک کے موقع پر یا شہر میں فساد وغیرہ کے موقع پر نمازیوں کی تعداد اتنی بڑھ جاتی ہے، کہ مکتب میں صفیں بچھانی پڑتی ہیں، اور مسجد نمازیوں کیلئے چھوٹی پڑجاتی ہے، اب ضرورت محسوس ہورہی ہے، کہ مسجد کو وسیع کیا جائے، اور پچھّم والا حصہ جو کہ باؤنڈری نما ہے اس کو مسجد میں لیا جائے، مسجد کا اگلا حصہ یعنی کہ امام صاحب کے نماز پڑھانے کی جگہ ان قبروں پر ہوگی جو باؤنڈری میں ہیں، ایسی شکل وصورت میں نماز میں کوئی کراہت تو نہیں ہوگی؟ اور اس جگہ کو مسجد میں لینے کیلئے اس حصہ پر لینٹر ڈال کر مسجد کی عمارت اٹھائی جائے یا بغیر لینٹر کے ہی مسجد کی عمارت بنائی جائے مکمل خاکہ آپکی خدمت میں ارسال ہے آپ علم کی روشنی میں شریعت کے مطابق جواب سے نوازیں آپکا عظیم احسان ہوگا؟

المستفتي: منجانب: منتظمان کمیٹی مسجد چشتی پہلوان، باغپت گیٹ شہر میرٹھ سٹی ۲

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر باؤنڈری کے اندر کی قبریں بہت پرانی ہوچکی ہیں، میت کے اجزاء کے مٹی بن جانے کا ظن غالب ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں اس حصہ کو حدود مسجد کے اندر شامل کر لینے کی گنجائش ہے، اور نماز میں کوئی کراہت بھی نہیں آئیگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۳۳، جدید زکریا مطول ۱۰/۴۸۵)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً الخ. (عمدة القاری شرح بخاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربی ۴/۱۷۹، زكريا ۳/۴۳۵، تحت رقم الحديث/۴۲۸، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ۲/۱۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۴/۱۴۱۳ھ

مسجد کی توسیع میں قبرستان کو شامل کرنا

سوال: [۷۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے صحن میں قبر ہے، اب ضرورت مسجد بڑھانے کی ہورہی ہے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے، تو کیا ان قبروں کو مسمار کرکے مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے، یا بڑھائی جاسکتی ہے، جواب شافی سے مع حوالہ مطلع فرمائیں؟ نوازش وکرم ہوگا؟

المستفتي: محفوظ احمد قریشی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جہاں قبر ہے، وہ زمین اگر مسجد کی ملکیت میں ہے، اور میت کے اجزاء کے باقی نہ ہونے کا ظن غالب ہے تو برابر کرکے مسجد کی تعمیر اس پر درست وجائز ہوگی۔

جاز زرعه والبناء عليه إذا بلی وصار تراباً. (الدر المختار، الصلاة، باب صلاة الجنازة، کوئٹه ۱/۶۶۲، زکریا ۳/۱۴۵، کراچی ۲/۲۳۸، وهکذا زکریا ۳/۱۵۵، ۱۳۸، کراچی ۲/۲۴۵، ۲۴۳، الفقه علی المذاهب الاربعة، دارالفکر ۱/۵۳۸)

ولو بلی الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه الخ. (تبیین الحقائق، ۱/۲۴۶، امدادیه ملتان ۱/۲۴۶، البحرالرائق، زکریا ۲/۳۴۲، کوئٹه ۲/۱۹۵، عمدة القاری داراحیاء التراث العربی ۴/۱۷۹، زکریا ۳/۴۳۵، تحت الرقم الحدیث: ۴۱۸، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفیه ۲/۱۱۸، الفتاوی التاتار خانیة زکریا ۸/۱۸۸، رقم: ۱۱۵۹۷، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱۴۴، رقم: ۱۱۴۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۵۹)

سڑک کے کچھ حصہ کومسجد میں شامل کرنے کا حکم

سوال: [۷۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) محلّہ میں ایک کافی پرانی مسجد موجود ہے، لیکن اسمیں جگہ کی تنگی تھی جس کے باعث مسجد کے منتظمین نے عام راستہ کی جگہ کومسجد کے اندر کرلیا ہے، اور پرانی دیوار کوتوڑ کرنئی جگہ اندر لیکر دیوار تعمیر کرلی ہے، جس کی وجہ سے عام راستہ کافی تنگ سا ہوگیا ہے، کیا شرعاً اس طرح عام راستہ تنگ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور راستہ تنگ کرنے والوں کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟

المستفتي: حاجی محمد اطہر، افضل گڈھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر عام لوگوں کے چلنے کا راستہ محلّہ والوں کا مشترکہ ہے اور عام لوگوں اور گرام پنچایت کی رضامندی اور مشورہ سے راستہ کا حصہ توسیع کیلئے مسجد میں شامل کرلیا ہے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ راستہ کچھ تنگ ہوجائے، اور اگر راستہ کے حصہ کومسجد میں شامل کرنے میں محلّہ والے راضی نہیں ہیں، بلکہ متولی نے اپنی مرضی سے شامل کرلیا ہے، اور اس کی وجہ سے راستہ تنگ اور لوگوں کومستقل پریشانی ہے تو راستہ کے حصہ کومسجد میں شامل کرلینا جائز نہیں۔

قوم بنوا مسجداً و احتاجو إلیٰ مكان ليتسع المسجد و أخذوا من الطريق و أدخلوه في المسجد إن كان يضر بأصحاب الطريق لايجوز ، وإن كان لايضر بهم رجوت أن لايكون به بأس الخ. (عالمگیری، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به زکریا قدیم ۲/ ۴۵۶، جدید ۲/ ۴۰۹، البحرالرائق، زکریا۵/ ۲۲۸، کوئٹه ۵/ ۲۵۵، حاشیة چلپی امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۱، زکریا ۴/ ۲۷۴، المحیط البرهانی ، المجلس العلمی۹/ ۱۲۶، رقم: ۱۱۳۴۱،

الفتاویٰ التاتار خانیة ، زکریا۸/۱۵۸، رقم:۱۱۵۰۲)

(۲) راستہ تنگ کرنے والوں کے بارے میں جو روایت صراحت کیساتھ ملتی ہے وہ اتنی ہے کہ اگر جانبین میں اختلاف ہوجائے تو اختلاف کوختم کرنے کیلئے راستہ کی چوڑائی سات ہاتھ متعین کرلی جائے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ : إذا اختلفتم فی الطریق فاجعلوه سبعة أذرعٍ، الحدیث: (ابن ماجه ،باب إذا تشاجروا فی قدر الطریق، النسخة الهندیة /۱۶۹، دارالسلام رقم: ۲۳۳۹، مسند البزار ، مکتبه العلوم ولحکم ۱۶/۲۵۱، رقم: ۹۴۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۸/۳ھ

راستہ کو مسجد کی توسیع میں شامل کرنا

سوال: [۷۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید عمر بکر زفر چار بھائی ہیں، چاروں بھائیوں کا مشترکہ راستہ ہے، عمر نے مسجد تعمیر کی اور مسجد کا چار فٹ چھجہ مشترک راستہ میں بغیر زید بکر اور زفر کی مرضی کے نکالدیا عمر کے علاوہ باقی بھائیوں کو اسپر اعتراض ہے، چونکہ یہ مشترک راستہ ہے، تو کیا شرعی طور پر عمر کا یہ فعل اور تعمیر درست ہے یا مسجد کی توسیع کے نام پر مخصوص اور عام راستوں کو تنگ کیا جا سکتا ہے؟ حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: ارشاد حسین، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی توسیع کی غرض سے مخصوص یا عام راستہ کے کچھ حصہ کو مسجد میں شامل کرنے کی اگر راستہ چلنے والے تنگی محسوس کرتے ہوئے اس کی اجازت نہ دیں تو راستہ کے حصہ کو مسجد میں شامل کرلینا جائز نہیں ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں

عمر کا یہ فعل اپنے بھائیوں کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں ہے۔

قوم بنوا مسجداً واحتاجوا إلی مکان لیتّسع المسجد وأخذوا من الطریق وأدخلوه فی المسجد إن کان یضر بأصحاب الطریق لایجوز الخ.

(عالمگیری، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد و مایتعلق به زکریا قدیم ۲/ ۴۵۶، جدید ۲/ ۴۰۹، البحرالرائق، زکریا۵/ ۲۲۸، کوئٹه ۵/ ۲۵۵، حاشیة چلپی امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۱، زکریا ۴/ ۲۷۴، المحیط البرهانی ، المجلس العلمی۹/ ۱۲۶، رقم: ۱۱۳۴۱، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا۸/ ۱۵۸، رقم: ۱۱۵۰۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۵/ ۱۴۱۷ھ

موقوفہ ہسپتال کو توسیعِ مسجد کیلئے فروخت کرنا

سوال: [۷۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچھرایوں ضلع جے پی نگر کی جامع مسجد قدیمی ہے اب جبکہ آبادی قصبہ کی بہت بڑھ گئی ہے، تو جمعہ کی نماز کیلئے قصبہ واطراف قصبہ دیہات کے مسلمان جو جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے جامع مسجد آتے ہیں، ان کے لئے مسجد نا کافی ہوتی ہے، لہٰذا مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے، کہ جامع مسجد ہی سے متصل قدیمی ایک زنانہ ہسپتال تھا، جو کہ اب منہدم ہوگیا وہ جگہ زنانہ ہسپتال کیلئے وقف ہے، اب اگر متولی وقف زنانہ ہسپتال سے اس جگہ کو خرید کر توسیع مسجد میں وہ جگہ لے لی جائے اور متولی صاحب اس روپیہ سے کسی دوسری جگہ خرید کر زنانہ ہسپتال قائم کرلیں، جبکہ موجودہ صورت حال اس جگہ کی ایک کھنڈر کی ہے، اور موجودہ حالات میں وہ جگہ ہسپتال کی تعمیر کے لئے بھی ناکافی معلوم ہوتی ہے، تو کیا متولی وقف کو ضرورۃً اس جگہ کا بیچنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتي:صدر مسجد کمیٹی، بچھرایوں، ودیگر
ممبران کمیٹی، چودھری راحت علی صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زنانہ ہسپتال کی جو حالت سوالنامہ میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زنانہ ہسپتال غرض واقف کے مطابق نہیں چل رہا ہے، اور منہدم ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے متولی یا ذمہ دار کے لئے جائز ہے کہ قدیم جامع مسجد کی توسیع کیلئے اسے جامع مسجد کے ہاتھ فروخت کردیں تاکہ جامع مسجد کی توسیع ہو سکے اور اس پیسے کے ذریعہ زنانہ ہسپتال کے لئے کوئی ایسی مناسب جگہ خرید لیں جس میں زنانہ ہسپتال صحیح طور پر چل سکے، اور حکم شرعی یہ ہے کہ موقوفہ جائیداد اگر واقف کی منشاء کے مطابق باقی نہ رہے تو غرض واقف کے مطابق بنانے کیلئے استبدال جائز ہے۔

وكذلك سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا خربت وخرجت عن انتفاع الموقوف عليهم به جاز استبدالها بإذن الحاكم بأرض أو دور أخر تكون وقفا مكانها . (اعلاء السنن، کراچی ١٣/ ١١٢، دارالكتب العلمية بيروت ١٣/ ٢٤٧)

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم أر بذلك بأساً الخ. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرك الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربی ٤/ ١٧٩، زکریا٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث /٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨)

وإن كان للوقف ريع ولكن يرغب شخص فی استبداله إن أعطىٰ مكانه بدلاً أكثر ريعاً منه فی صقعٍ أحسن من صقع الوقف جاز عند أبی يوسفؒ والعمل عليه . (شامی، زکریا٦/ ٥٨٧، کراچی ٤/ ٣٨٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٢٠، البحرالرائق، کوئٹه٥/ ٣٢٣، زكريا ٥/ ٣٧٣)

ولو صارت الأرض بحال لاينتفع بها........ والمعتمد أنه يجوز

للقاضی بشرط أن یخرج عن الانتفاع بالکلیة. (هندیه، زکریا قدیم ٤/ ٢٠١، جدید ٢/ ٣٧٦)

لایجوز استبدال العامر إلا فی الأربع، الرابعة أن یرغب إنسان فیه ببدل أکثر غلة و أحسن صقعا فیجوز علی قول أبی یوسفؒ وعلیه الفتویٰ. (شامی، مطلب لایستبدل العامر إلا فی أربع، زکریا ٦/ ٥٨٨، کراچی ٤/ ٣٨٨، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٤/ ١٩٨، الفقه الاسلامی وأدلته هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٨/ ٢٢٠، الاشباه والنظائر کراچی ١/ ٣٠٥)

إن الوقف إذا خرب وتعطلت منافعه کدار انهدمت أو أرض خرجت .... إن لم یمکن الانتفاع بشئی منه بیع جمیعه. (اعلاء السنن ١٣/ ٢٠٨، کراچی، عباس احمد الباز، مکتبه المکرمه ١٣/ ٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱۱/ ۱۴۳۱ھ

توسیع مسجد کے وقت غیر ضروری مکان کو کرایہ پر باقی رکھنا

سوال: [۶۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب سے مسجد بنی اسی وقت سے مسجد کے سامنے ایک مکان مسجد کا ہے، جو مسجد کے مصارف کیلئے کرایہ پر رہا، پھر مسجد کی توسیع کا مسئلہ درپیش ہوا، تو مکان کو اسمیں شامل کرنا چاہا لیکن مکان اس انداز کا ہے کہ مسجد کی صفیں اسمیں صحیح رخ پر نہیں آ سکتی تھیں، اس لئے مسجد کو دومنزلہ کردیا گیا، اور اس مکان کو علی حالہ چھوڑ کر کرایہ پر جاری رکھا گیا، اس سے حاصل شدہ کرایہ کی رقم مسجد کے مصارف میں کام آتی ہے، بعض لوگ اس پر معترض ہیں کہتے ہیں، کہ مسجد کا یہ مکان خالی کرالیا جائے، حالانکہ وہ مسجد کے کام نہیں آ سکتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس مکان کو کرایہ پر

رکھکر اسکی آمدنی بدستور مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اسرار احمد، دھام پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سوال واقع کے مطابق ہے تو اس مکان کو کرایہ پر باقی رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ اگر جماعت خانہ میں داخل کرنے کی صورت نہ بن سکے تو اس مکان کو مسجد کی آمدنی کیلئے مناسب کرایہ پر باقی رکھنا بہتر ہے تاکہ مسجد کو فائدہ پہونچتا رہے۔

وحيث كان يدفع أجرة مثلها لم يوجد ضرر على الوقف فتترك في يده لعدم الضرر على الجانبين (وبعد أسطر) وكذا أصحاب الكدك في الحوانيت ونحوها فإن إبقاءها في أيديهم سبب لعمارتها ودوام استغلالها ففي ذلك نفع للأوقاف الخ. (شامی، الوقف، مطلب فی استیفاء العمارة بعد فراغ مدة الإجارة بأجر المثل زكريا ٦/٥٩٤، كراچی ٤/٣٩٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤/١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۳/۱۴۲۱ھ

مسجد کے جس حصہ میں نماز ہوتی ہے اس میں جنریٹر روم بنانا

سوال: [۷۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاجی ضیاء النبی متولی وذمہ داران نے موتی مسجد واقع صدر بازار ٹانڈہ کو شہید کرکے از سرنو تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ہے، صورت حال یہ ہے کہ مسجد کے جس حصہ میں نماز ہوتی تھی، اس میں سے تقریباً ۵؍فٹ جگہ الگ کرکے اس میں جنریٹر روم بنانا چاہتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس جگہ پر ایک مرتبہ شرعی مسجد بن جاتی ہے، وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہی رہتی ہے، اس میں نماز اور اعتکاف کے علاوہ دیگر کسی طرح کا کام جائز نہیں ہے، مسجد قدیم جس میں نماز ہوتی تھی، پانچ فٹ جگہ الگ کر کے جنریٹر روم بنانا قطعاً جائز نہیں ہے۔

قيم المسجد لا يجوز له أن يبنى حوانيت في حدالمسجد أو فى فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته، وهٰذا لايجوز.

(هندية، كتاب الوقف، جديد زكريا ٢/٤١٣، قديم ٢/٤٦٢)

قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: لايجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكنا أو مستغلا. (قاضي خان، باب الرجل يجعل داره مسجدا، جديدزكريا ٢/٢٠٤، وعلى هامش الهندية ٢/٢٩٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۹۱۲)

مسجد کے وضوخانہ، حوض، پیشاب خانہ وغیرہ کی جگہ دوکانیں تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موتی مسجد واقع صدر بازار ٹانڈہ کی نماز کی جگہ کے علاوہ اور بھی جگہ ہے، مثلاً وضوخانہ، حوض، پیشاب گھر، حجرہ اور اس کے سامنے کا حصہ جو خالی پڑا ہے، اس حصہ میں وضوخانہ ودیگر ضروریات مسجد اسی طرح مسجد کے مصارف کے لئے دوکانوں کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں؟

المستفتي: حاجی ضیاء النبی، متولی وذمہ داران موتی مسجد، قصبہ: ٹانڈہ، بادلی، ضلع رام پور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مسجد کی نماز کی جگہ کے علاوہ مسجد کی ملکیت کے وضوخانہ، حوض، پیشاب خانہ اور حجرہ وغیرہ کی جگہ چونکہ خارج مسجد ہے، اس لئے خارج مسجد کے حصوں میں مصالح مسجد اور منافع مسجد کی خاطر دوکانیں وغیرہ تعمیر کرنے کی گنجائش ہے۔

وسئل الخجندی عن قیم المسجد یبیح فناء المسجد لیتجر القوم هل له هذه الإباحة فقال إذا کان فیه مصلحة للمسجد فلا بأس به إن شاء اللّٰہ تعالیٰ، قیل له: لو وضع في فناء سوراً فآجرها الناس لیتجروا علیها وأباح لهم فناء ذلک المسجد هل له ذلک فقال: لو کان لصلاح المسجد فلا بأس به. (فتاویٰ هندیه، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، زکریا قدیم ۵/ ۳۲۰، جدید۵/ ۳۷۰) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۴؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۴ھ

الفصل الثامن: مسجد میں تصرف کرنے کا بیان

امام صاحب کے مصلے کا فرش سے ایک ردّہ اونچا ہونا

سوال: [۷۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں جہاں امام صاحب کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، وہ فرش سے ایک ردّہ اونچی ہے، یہ غلط تو نہیں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اونچائی اگر ایک ہاتھ سے کم ہے، تو اسکی گنجائش ہے، اور آپ کے سوال سے بھی یہی معلوم ہورہا ہے، کہ آپ کی مسجد میں جو اونچائی ہے، وہ ایک ہاتھ سے کم ہے۔

وانفراد الإمام على الدكان للنهي وقدر الإرتفاع بذراع ولا بأس بما دونه. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ الخ، کراچی ۱/٦٤٦، زکریا ۲/٤١٥)

وقد قال بعض مشائخنا: إن كان الدكان قدر ذراع يكره، وإن كان دون ذلك لا يكره،...... و عليه الا عتماد. (تاتارخانية، زكريا ۲/۲۱۲ رقم: ۲۱۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۰۸۴/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۳/۱۹ھ

محراب کے نیچے ستون کا بنوانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال: [۷۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک

مسجد جس کے نیچے دوکان بنی ہوئی ہے، محراب کے نیچے بھی ایک دوکان ہے، کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ محراب کے نیچے کی جگہ ٹھوس ہونی چاہئے ،یعنی محراب کے نیچے ستون ہونا چاہئے ،اس وقت محراب کے نیچے کوئی ستون نہیں ہے، آپ حدیث کی روشنی میں یہ بتائیں کہ اس مذکورہ محراب کے نیچے ستون ہونا چاہئے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالشکور دلی والے، کانٹھ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: محراب کے نیچے ستون کا ہونا شرط نہیں ہے! بس سجدہ ایسی سخت جگہ پر ہونا شرط ہے، کہ سجدہ کرنے میں پیشانی اندر کو چلی نہ جاتی ہو! جیسا کہ زیادہ نرم اور موٹے گدے پر ہوتا ہے، اور یہاں ایسی بات نہیں ہے! (احسن الفتاویٰ ۳/۳۳۲)

وأن يجد حجم الأرض و الناس عنه غافلون وفى الشامية تفسيره أن الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلک فصح علىٰ طنفسةٍ وحصير وحنطة وشعير وسرير وعجلة إن كانت على الأرض الخ.

(الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰۃ ، باب صفة الصلوٰۃ ، مطلب فی إطالة الركوع ،کوئٹہ ۱/ ۳۷۰، کراچی ۱/ ۵۰۰ ، زکریا ۲/ ۲۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۹/۲۴)

غلط رخ پر بنی ہوئی اور قابل مرمت مسجد کو شہید کر کے صحیح رخ پر تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں تقریباً ۲۰ ؍سال قبل ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی تھی ، مسجد بہت چھوٹی ہے، اور پوری مسجد پر چھت ہے صحن بالکل نہیں ہے، تین صف اندر اور ڈھائی صف باہر چند سال ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ اس مسجد کا رخ قبلہ رخ کے خلاف ہے جب بذریعہ قطب ستارہ

رات کیوقت نیز بذریعہ قطب نما دیکھا گیا تو واقعی رخ تقریباً ڈھائی فٹ قبلہ رخ کے خلاف ہے جب یہ شکل ہوئی تو اندر تین صفوں کی جگہ دو صفیں ہونے لگیں، اور جگہ کم ہوگئی اس مسجد سے متعلق کچھ حالات اس طرح ہیں کہ مسجد چونکہ پوری مسقّف ہے اسلئے گرمی کے ایام میں عصر مغرب اور عشاء کی نمازیں بے حد مشکل میں ادا ہوتی ہیں، ہر شخص مع امام کے پسینہ میں رہتا ہے، اور اطمینان قلب سے محروم اسی طرح موسم سرما میں بھی دھوپ نہ آنے کی وجہ سے تری کی وجہ سے سردی زیادہ، دوسری بات یہ ہے کہ تعمیری کوتاہی کی بناء پر مسجد کا لینٹر خراب ہو چکا ہے، بارش کے ایام میں ساری چٹائیاں اٹھانی پڑتی ہیں، بعد مرمت بھی ٹھیک نہیں ہو سکا، شارع عام پر ہونیکی وجہ سے راستہ کی دھول مٹی ہوا کے ذریعہ بھاری مقدار میں مسجد میں آتی ہے، یہ تمام چیزیں واقعی ہیں بناوٹ یا غلط بیانی نہیں ہے، اسلئے متعلقین مسجد چاہتے ہیں، کہ مسجد کو شہید کریں اور از سر نو تعمیر صحیح رخ پر کریں، اور مسجد کو اتنا اونچا بنائیں کہ جس جگہ اس وقت مسجد کی چھت ہے اتنی اوپر مسجد کا فرش یعنی کرسی رہے، تاکہ موجودہ تنگی اور موسمی تمام پریشانیاں ختم ہوجائیں اور نماز میں اطمینان قلب حاصل ہو، نیچے کی جگہ کو مسجد کی چٹائی، لوٹے وغیرہ رکھنے کے کام میں لے لیں اور وضوخانہ، غسل خانہ، پرانی جگہ رہیں گے، اسمیں ایک نئی چیز یہ چاہتے ہیں کہ مسجد شارع عام پر ہے اسلئے یہاں دو تین دوکانیں بنادی جائیں اوپر مع دوکانوں کے لینٹر کے مسجد رہے گی اس طرح مسجد کی ضروریات کی کفالت بھی ہوگی، اور موسمی پریشانیاں نیز تنگی ختم ہوسکتی ہے، اس میں آپ سے جواب طلب ہے ازراہ کرم جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد عثمان، ڈھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غلط رخ سے صحیح رخ پر لانے کیلئے نیز مرمت اور توسیع کیلئے شہید کر دینا اور اچھے نہج پر تعمیر کر دینا درست اور جائز ہے۔

كما استفادهٔ من الشامي، ومفاد كلام البحر أو يراد بالعمارة

فیما مرّ الضرورية كرفع سقف أوجدارٍ فيصرف الريع إليها أولاً كما هو مفاد المتون (إلى قوله) ثم لا يخفىٰ أنه لو احتيج قطع الكل للعمارة الضرورية قدمت على جميع الجهات إذ ليس من النظر خراب المسجد الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی قطع الجهات لأجل العمارة زکریا ۵٦۲/٦، کراچی ٤/۳٦۸)

أراد أهل المحلة نقض المسجد وبناؤه أحكم من الأول أن الباني من أهل المحلة ، لهم ذلك وإلا لا الخ. (الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد زکریا٦/٥٤٦، کراچی ٤/۳٥۷)

نیز نیچے کے حصہ میں چٹائی،لوٹا، وغیرہ کیلئے تہخانہ کی شکل دینا اور اوپر کے حصہ کو جماعت خانہ قرار دینا بھی جائز ہے،لیکن نیچے کے حصہ میں دوکان بنانا ہرگز جائز نہیں ہوگا،اگر چہ منافع مسجد کیلئے ہی ہو، کیونکہ وہ قیامت تک مسجد ہی ہے، مسجدیت اس سے منقطع نہیں ہوسکتی۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع و لو قال عنيت ذلك لم يصدق (إلىٰ قوله) فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئا منه مستغلاً ولا سكنى (بزازيه) ولو خرب ما حوله واستغنىٰ عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة و به يفتي . (شامی، کتاب الوقف، زکریا٦/٥٤٨، کراچی ٤/۳٥۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍۹۲۴)

بے پردگی کی وجہ سے مسجد کے گیٹ کا رخ تبدیل کرنے کا حکم

سوال: [۷۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بزم

محمد مسجد محمد اسماعیل باکر کی ملکیت کا ایک جھوپڑا تھا، جس میں بچوں کو روزانہ صبح وشام دینی تعلیم دی جاتی تھی، اس سے قبل باجماعت نماز پڑھنے کے لئے کوئی مسجد نہیں تھی، نماز کیلئے محلّہ والوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی، اس تکلیف کو دیکھتے ہوئے محمد اسماعیل باکر صاحب نے وہ تعلیم والی جگہ اور صحن وغیرہ سب کا سب مسجد بزم محمدی کے نام سے وقف کر دیا، اب تعلیم کے ساتھ امام، مؤذن، خادم، ٹرسٹ سب کا انتظام ہوگیا ہے، اور سارا نظام چلتا رہا، چند سال بعد جھوپڑا اور صحن دونوں کو ملا کر ایک کر دیا، اور اندر کا دروازہ نکال کر باہر ایک دروازہ بنا دیا، مسجد کے شمال میں اور مسجد کے مشرق میں ۹-۱۰ر گھر فیملی والے پہلے سے رہتے ہیں، ان لوگوں کا راستہ مسجد کی مشرقی دیوار کے بغل والی گلی سے ہے ۱۹۹۸ء میں محمد اسمٰعیل باکر صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد مسجد کی تعمیر ہوئی تعمیر سے قبل جو گلی تھی جس سے ۹-۱۰ر گھر کے پریوار اور مرحوم کی فیملی کا راستہ تھا آنے جانے کا وہ اب چھوٹی ہوگئی جس کو دیکھ کر مسجد کے پڑوسی نے اعتراض کیا کہ تعمیر سے قبل مسجد کا گیٹ چھوٹا تھا، تعمیر کے وقت ۶ رفٹ چوڑا کر دیا گیا جس کی وجہ سے مسجد کے پڑوسیوں کو آنے جانے میں تکلیف ہونے لگی پھر اعتراض ہوا کہ گلی والوں سے ٹرسٹی حضرات کی کہاسنی ہوئی پھر گلی والے نظر انداز کر دیئے، عرصہ گذر گیا اب پھر مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے، پہلے نمازی کم تھے، زیادہ بھیڑ یا مجمع نہیں ہوتا تھا، اور مسجد کے پڑوس کا اور مرحوم کی فیملی کا چھوٹا چھوٹا پریوار تھا، اور اب گلی میں رہنے والوں کا اور مرحوم کا پریوار سب کے سب بڑی بڑی فیملی والے ہوگئے، جو بچے تھے آج ان کے بچوں کے بچے جوان ہوگئے جس سے ایک لمبا چوڑا پریوار ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے نمازوں کے وقت مسجد میں نمازیوں کے جانے آنے سے گلی میں رہنے والوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے، اور یہ تکلیف ہمیشہ پانچوں نماز کے وقت رمضان کے پورے مہینے جمعہ کے دن عید کی نماز کا جب انتظام ہوتا ہے تب دینی پروگرام کے وقت پڑوس کا گھر سے نکلنا مشکل ہو جاتا ہے، جمعہ کو باہر بھی نماز ہوتی ہے، اب مرحوم کی لیڈس

اور پڑوسیوں کی لیڈس جوان عورتیں ماں بہن جب ۱۲؍ بجے اسکول بچوں کو کھانا کھلانے جاتی ہیں، اور واپس آتی ہیں، تو گھر جانے کا راستہ نہیں ہوتا ہے، نمازیوں سے اور نمازیوں کے چپل جوتی اتارنے کی وجہ سے بھیڑ رہتی ہے، ایسے وقت میں ۲؍ گھنٹہ یا تو اندر رہیں یا باہر گھر میں مجمع ختم ہونے کا انتظار کرتی رہیں، ان کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے، مذکورہ ۲؍ آمیوں نے ٹرسٹی حضرات سے کہا کہ جب مسجد تعمیر ہورہی ہے، تو جو گیٹ گلی کی طرف ہے، اس گیٹ کو گلی سے ہٹا کر دوسری جانب گیٹ بنادو اس سے ہمیشہ کے لئے گلی والوں کی پریشانیاں دور ہوجائیں گی، جبکہ دوسری جانب جگہ ہے، گنجائش ہے اس بات کو لے کر کافی شور شرابہ ہوا، ٹرسٹی حضرات نے اپنے رسوخ اور دبدبہ کی وجہ سے باندرہ پولیس چوکی میں ہم لوگوں کے خلاف کمپلین کردی ہم لوگوں نے ٹرسٹی سے کہا بیٹھ کر بات سے مسئلہ حل کرلو مگر وہ میٹنگ یا مشورہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، انفرادی طور پر کچھ سے کچھ بول کر ہٹ جاتے ہیں، ہٹ دھرمی کے لئے تیار ہیں، مگر ہماری ماں بہنوں کی تکلیف ان لوگوں کو نظر نہیں آتی ہے، اچھائی کے لئے تو الٹا الزام لگاتے ہیں، کہ مسجد کا کام ہونے نہیں دیتے ہیں، مسجد کے گیٹ کی جگہ بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں، لہٰذا مجھے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب چاہئے ان تکالیف کو دیکھتے ہوئے گیٹ کی جگہ بدل سکتے ہیں یا نہیں؟ دوسری طرف جدھر چوڑا راستہ ہے ادھر وضوخانہ کے لئے ۱۷؍ نل لگے ہوئے ہیں، اس میں سے ۴؍ نل کم کر کے ۶؍ فٹ چوڑا گیٹ بنایا جاسکتا ہے، چونکہ پہلے بیٹھی چال تھی، اب دو محلے کی مسجد تعمیر ہوئی ہے، اور ہر محلے پر وضوخانہ، غسل خانہ، طہارت خانہ، بنایا گیا ہے، آج کل آبادی کے حساب سے ہر وضوخانہ اور ہر مسجد چھوٹی پڑ رہی ہے، اس لئے اگر یہ نل نکال کر گیٹ نکال دیا جائے، تو ہم لوگوں کی ہمیشہ کے لئے تکالیف دور ہوجائیں گی، بس ٹرسٹی حضرات کا یہ کہنا ہے کہ وضوخانہ کے لئے جگہ کم ہوجائیگی اور یہ پرانا دروازہ ۳۵؍ سال سے بنا ہوا ہے، لہٰذا دروازے کی جگہ چینج نہیں ہوگی، اس لئے مجھے شریعت کی روشنی میں

مسئلہ کا حل نکالنا ہے، لڑائی یا جھگڑا نہیں چاہتے، نمازیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو اور دروازہ کی جگہ بدل جائے؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد ایوب، محمد سلیم بن محمد اسمٰعیل باکر مرحوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ مسجد بزم محمدی محمد اسماعیل باکر کی جائیداد میں بنی ہے، اور وہی اس مسجد کا واقف ہے، اور واقف کے خاندان اور پڑوس کے رہنے والوں کو اس طرف کے گیٹ کی وجہ سے بے پردگی اور سخت پریشانیوں کا سامنا ہے، جبکہ سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ دوسری جانب جہاں عام راستہ ہے، اس طرف گیٹ بنانے کی گنجائش ہے، اور اس طرف مسجد کا گیٹ بنانے میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں مسجد کی کمیٹی کی ذمہ داری ہے کہ مسجد کا گیٹ دوسری طرف بنادے، اور پڑوسی اور خاندان کے لوگوں کی بے پردگی سے مسجد اور نمازیوں کو بچائے، پرانے گیٹ کا علی حالہ باقی رکھنا مسجد کے لئے لازم نہیں ہے، بلکہ دوسری طرف بنادینا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ کراچی/ ۵۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۱/ ۱۴۳۶ھ

حکومت کی ناجائز رکاوٹ مسجد شرعی ہونے میں مخل نہیں

سوال: [۷۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص مسجد بنانا چاہتا ہے لیکن سرکار کی طرف سے اجازت نہیں ہے، اب اگر کوئی شخص خفیہ طور پر مسجد بناوے تو وہ شرعی مسجد بنے گی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ایسی جگہ مسجد بنائی جائے جہاں شرعی طور پر کوئی

مانع نہیں ہے، یا اپنی مملوکہ زمین میں مسجد بنائی جارہی ہے ،مگر حکومت نے خواہ مخواہ رکاوٹ ڈال رکھی ہے، تو ایسی صورت میں حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد بنالی ہے تو شرعاً وہ مسجد شرعی ہوگی، اور قیامت تک مسجد ہی رہے گی؟

إن كانت البلدة فتحت صلحاً لا ينفذ أمر السلطان لأن في الأول تصير ملكاً للغانمين فجاز أمر السلطان فيها وفي الثاني تبقى على ملك ملاكها فلا ينفذ أمره فيها. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في احكام المساجد، زكريا ٥/٤١٧، كوئٹه ٥/٢٤٩)

بنى في فنائه في الرستاق دكانا لأجل الصلاة يصلون فيه بجماعة كل وقت فله حكم المسجد. (البحر الرائق، مكتبه زكريا ٥/٤١٩، كراچی ٥/٢٥٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰/۱/۱۴۳۵ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۹۴/۴۰)

مسجد کے صحن میں پانی کا موٹر لگانا یا وضوخانہ بنانا

سوال: [۷۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بڑی مسجد کے صحن میں ایک کمرہ بنا کر اس میں پانی کیلئے بجلی کا موٹر فٹ کیا گیا ہے، جس کے متعلق مفتی صاحبان نے ناجائز لکھا ہے، اور اس کمرہ کو توڑ دینے کا حکم صادر فرمایا ہے، اب اس کے بارے میں دو چیزیں قابل استفتاء ہیں، براہ کرم ان کا جواب ارسال فرما کر اظہار حق فرمائیں؟

کہ جب اس موٹر اور کمرہ کا بنانا صحن مسجد میں ناجائز ہے، پھر اس بجلی کے موٹر سے جو پانی پائپ میں ہو کر آرہا ہے، اس کے پانی سے شرعاً وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد السلام، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : مسجد تیار ہو چکنے کے بعد جماعت خانہ کے حصہ کو کمرہ یا حوض وغیرہ کے ذریعہ گھیر لینا ناجائز ہے، البتہ اگر وہاں کے پانی سے کسی نے وضو کرلیا ہے تو نفس وضو درست ہے اوراس سے نماز بھی صحیح ہے، لیکن مسجد کو حوض یا کمرہ بنانے سے ہر وقت روکا جائے گا، دونوں کا حکم الگ الگ ہے، ناجائز اس لئے ہے کہ نماز کی جگہ کو نماز سے محروم کیا جارہا ہے۔

أما لو تمت السمجدية ثم أراد البناء منع . (درمختار ،کتاب الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد کراچی ٤/٣٥٨، زکریا٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالکتب العلمية بيروت٣/٣٣٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۴/۲۴)

نچلی منزل میں غسل خانہ وغیرہ بنانا اوراوپر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کالا ڈھونگی میں لوگ اس طرح مسجد بنانے کا پروگرام رکھتے ہیں، کہ نچلی منزل میں چند کمرے غسل خانہ وغیرہ بنادیں اوردوسری منزل پر مسجد تعمیر کردی جائے اوراگر ضرورت پڑے تو نیچے کے کمروں میں بچوں کی تعلیم کا نظم کردیا جائے، اوروہ مدرسہ کی ملکیت میں ہوجائے اوردوسری منزل مسجد کی ملکیت رہے کیا یہ عمل درست ہے؟

المستفتي: عبداللہ، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کی بنیاد رکھنے سے قبل نیچے وضوخانہ وغسل خانہ کا پروگرام ہے نیز نیچے مکتب بنانے کے بعد اوپر مسجد بنانے کا پروگرام ہے تو اس طرح کا

پروگرام جائز ہے۔

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء و الناس ينتفعون به قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالیٰ أيضا و منه يعلم حكم كثير من مساجد مصر التى تحتها صهاريج ونحوها الخ. (تقريرات رافعي على الشامى، كتاب الوقف كراچى ٤/ ٨٠، زكريا٦ /٨٠)

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أى المسجد جاز كمسجد القدس، (درمختار مع الشامی، کتاب الوقف، مطلب فی احکام المسجد کراچی٤ /٣٥٧، زکریا٦/ ٥٤٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٠٢، الدرالمنتقیٰ ،دار الكتب العلمية بيروت٢/ ٥٩٤، هدايه اشرفى ديو بند٢/ ٦٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۰۸۹)

مسجد کے جماعت خانہ میں وضوخانہ کی تعمیر

سوال: [۷۹۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے جس کی ایک جانب کی دیوار میں پہلے ایک وضوخانہ تھا، بعد میں مسجد کی توسیع ہوئی نئے وضوخانہ ہی کے برابر کی جگہ میں دوسری منزل پر امام صاحب کا کمرہ اور بیت الخلاء و غسل خانہ تعمیر کیا گیا، اور وضوخانہ کے نیچے بیت الخلاء کی نجاستوں کی ٹنکی بنائی گئی؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب وضوخانہ کا وہ حصہ جو مسجد کی حد کے اندر چلا گیا اسکا کیا حکم ہے؟ کیا اسکا توڑنا ضروری ہے، یا اور کوئی صورت اسکے باقی رکھنے کی ہوسکتی ہے، اسی طرح امام صاحب کا کمرہ اور بیت الخلاء اور بیت الخلاء کی ٹنکی کا حکم بھی واضح فرمائیں؟

المستفتي: بلال احمد، مشرقی کرلا، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:سوالنامہ اورنقشہ سے واضح ہوا کہ مسجد کے جماعت خانہ کے حصہ میں وضو خانہ بنایا گیا تو اسکا حکم یہ ہے کہ جوحصہ ایک دفعہ جماعت خانہ میں آجائے تواس حصہ کا ہمیشہ قیامت تک کیلئے مسجد اور جماعت خانہ ہی رہنا لازم ہے، اسکو وضوخانہ میں لینا جائزنہیں ہے، لہٰذا وہاں سے وضوخانہ ختم کر کے جماعت خانہ میں شامل کرلینالازم اورضروری ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلیٰ قوله) فيجب هدمه ولوعلى جدار المسجد الخ. (درمختار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد، كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ۶۳۱۹)

جنازہ رکھنے کیلئے جانب قبلہ کی دیوار توڑ کر دروازہ لگانا

سوال: [۷۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں کی جامع مسجد کے قبلہ کی دیوار کے پیچھے مسجد کی جگہ ہے اسکے بعد سڑک ہے اگر قبلہ کی دیوار میں محراب کی جگہ پر جہاں امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں، اس جگہ کوتوڑ کر جنگلا یا کھڑکی یا دروازہ لگوادیا جائے تاکہ جنازہ کو مسجد سے باہر رکھ کر امام مسجد میں اپنے مصلے پر کھڑے ہوکر نماز جنازہ ادا کرادے، اور جنازہ کی نماز بھی امام کے پیچھے مسجد میں ہی ادا کرلیا کریں، اس نیت سے مسجد کی قبلہ کی دیوار میں دروازہ وغیرہ لگانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتي:فضل الرحمٰن، بچھرایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح سے جنازہ کوحدودِ مسجد سے باہر رکھ کر امام ومقتدی سب مسجد کے اندر کھڑے ہوکرنماز جنازہ ادا کرنا مکروہ اور ممنوع ہے، اس طرح نماز جنازہ اگراداء کی جائے تو نماز جنازہ کی فرضیت ذمہ سے ساقط ہوجائیگی لیکن ثواب نہیں ملیگا، لہٰذا اس نیت سے دیوار قبلی میں دروازہ لگوانا ممنوع ہوگا! (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۰۵، امداد الفتاویٰ ۱/ ۵۳۳)

وكرهت تحريما وقيل تنزيها في مسجد جماعة هو أي الميت فيه وحده أومع القوم واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم والمختار الكراهة مطلقاً وفي الشاميه سواء كان الميت فيه أو خارجه هو ظاهر الرواية. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی کراهة صلوٰة الجنازة، فی المسجد زکریا۳/ ۱۲۶، کراچی ۲/ ۲۲۵)

وصلوٰة الجنازة في المسجد الذي تقام فيه الجماعة مكروهة سواء كان الميت والقوم في المسجد أو كان الميت خارج المسجد والقوم في المسجد الخ. (عالمگیری، کتاب الصلوٰة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس زکریا قدیم ۱/ ۱۶۵، جدید ۱/ ۲۲۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رصفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۶۶۹)

بالائی منزل پر جانے کیلئے جماعت خانہ میں سیڑھی بنانا

سوال: [۷۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک شرعی مسجد ہے اس سال اس شرعی مسجد پر ایک نئی منزل تعمیر کرنیکا

ارادہ ہے، لیکن اس نئی منزل پر چڑھنے کیلئے سیڑھی کی ضرورت ہے وہ سیڑھی شرعی مسجد کے باہر بھی بن سکتی ہے، اور شرعی مسجد کے اندرونی حصہ میں بھی، شرعی مسجد کے حصہ میں بنانیکی وجہ سے تقریباً سات آٹھ نمازیوں کی جگہ ہمیشہ کیلئے ختم ہوجائیگی ہم نے اپنے یہاں کے مقامی دارالافتاء دارالعلوم چھاپی اور دارالعلوم کاکوسی سے معلوم کیا تو وہ شرعی مسجد کے حصہ میں سیڑھی بنانے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں، وجہ اسکی یہ بتلا رہے ہیں، کہ سیڑھی والا حصہ ہمیشہ کے لئے مسجدیت سے منقطع ہوکر لغیر الصلوٰۃ کے لئے محبوس ہوجائیگا، اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ محمودیہ میں وضوخانہ اور ٹنکی اور احسن الفتاویٰ میں کنواں بنانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، وجہ اس کی یہی بیان کی گئی ہے، **ما اعد للصلوٰۃ** کو غیر صلوٰۃ کے لئے محبوس کرنا لازم آتا ہے، اور جبکہ دوسرے چند مفتیان کرام سے معلوم کیا تو وہ بتارہے ہیں، کہ شرعی مسجد کے باہر کے حصہ میں سیڑھی بنانیکی جگہ ہونے کے باوجود شرعی مسجد میں سیڑھی بنانے کی اجازت ہے وجہ اس کی یہ بتلا رہے ہیں، کہ سیڑھی بھی **ما اعد للصلوٰۃ** میں داخل ہے اس لئے کہ سیڑھی دوسری منزل پر چڑھنے کے لئے ہے، واضح رہے کہ دوسری منزل پورے سال میں صرف دوتین مرتبہ استعمال ہوتی ہے۔

نوٹ: شرعی مسجد سے مراد حرم کا وہ حصہ ہے جو نماز کے لئے طے ہوچکا ہے، اور معتکف اس سے باہر نہیں جاسکتا ہے، اب آنجناب سے گزارش ہے کہ اس بارے میں قول فیصل کیا ہے، اس کی نشاندہی فرمائیں گے؟ والاجر عند اللہ الکریم، بینوا وتوجروا۔

المستفتي: محمد افضل ادرپوری،
مدرس مدرسہ دارالعلوم چھاپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مسجد دومنزلہ بنائی جائے، نیچے بھی جماعت خانہ اور اوپر بھی جماعت خانہ ہی ہو، تو ایسی صورت میں حدود مسجد اور جماعت خانہ کے اندر سے اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے زینہ اور سیڑھی بنانا بلاشبہ جائز

ہے، اس لئے کہ اوپر جانے کا جو زینہ ہے وہ ما اُعِدَّ للصلوٰۃ کا ذریعہ ہے، اور یہ زینہ ما اعد للصلوٰۃ سے خارج نہیں ہے، اگر اس زینہ کی وجہ سے سات آٹھ نمازیوں کی جگہ نیچے کی منزل میں گھر جاتی ہے، تو اس زینہ کے ذریعہ سے اوپر کی منزل میں تقریباً نیچے کی منزل کی تعداد کے برابر جگہ تیار ہوچکی ہے، چھ سات نمازیوں کی جگہ کی کمی پچاسوں نمازیوں کی جگہ کا ذریعہ بن رہی ہے، اس لئے نیچے کے جماعت خانہ کے اندر سے اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے راستہ اور زینہ بنانا ما اعد للصلوٰۃ کے منافی نہیں ہے، نیز اس زینہ کے ذریعہ سے معتکف کیلئے نیچے کی منزل سے اوپر کی منزل میں آنا جانا بھی بلاتردد جائز ہوجائے گا، جیسا کہ مسجد حرام میں بیچ مسجد کے اندر اندر اوپر کے جماعت خانہ کے لئے متعدد زینے بنائے گئے ہیں، ضرورت صلاۃ اور ضرورت طواف کیلئے کئی زینے اندر اندر بنے ہوئے ہیں، اور عدم جواز کیلئے فتاویٰ محمودیہ اور احسن الفتاویٰ کی وضوخانے اور ٹنکی کی مثال ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، اس لئے کہ وضوخانہ، ما اعد للصلوٰۃ نہیں ہوتا ہے، اور اوپر کی منزل ما اعد للصلوٰۃ ہے اور یہ زینہ اس کا ذریعہ ہے اور باہر سے زینہ بنانے کی صورت میں معتکف شخص اس زینے سے اوپر نہیں جا سکتا ہے، اور اندورن مسجد جو زینہ بنایا گیا ہے وہ حدود مسجد سے خارج نہیں ہوتا ہے، بلکہ داخل مسجد شمار ہوتا ہے، نیز جگہ کے گھر جانے کا شبہ یوں بھی دور ہوسکتا ہے، کہ بڑے بڑے آثار کے ذریعہ سے بیچ مسجد میں بڑے بڑے ستون قائم ہوتے ہیں، پھر ان بیچ ستونوں کے درمیان میں صفوں کے برابر جگہ نہیں ہوتی ہے، مگر مسجد کی چھت کو قائم رکھنے کیلئے جماعت خانے کی جگہوں کو ستونوں کے ذریعہ سے مشغول کردیا جاتا ہے، جس میں نمازی، نماز نہیں پڑھ سکتے، لیکن ایسا کرنا بلا شبہ جائز ہے، ایسا ہی اگر اندرون مسجد سے اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے زینہ کے ذریعہ سے کچھ جگہ گھر جائے، یہ بھی بلاشبہ جائز ہے، اس میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے، اور حضرات فقہاء نے اسکی بھی اجازت دی ہے، کہ اگر جماعت خانہ مسقّف نہیں ہے، تو نمازیوں کے سایہ کیلئے درخت لگانا بھی جائز ہے، جیسا کہ فقہاء

کی اس طرح کی عبارات سے ظاہر ہے جو نیچے درج ہیں، اور یہ کہنا کہ اوپر کی منزل سال میں دو تین مرتبہ استعمال ہوتی ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک مسجد بیس صفوں کی بنائی جائے، اور سال بھر اس مسجد میں نمازیوں کے ساتھ صرف تین چار صف مشغول رہتی ہیں، باقی دس، پندرہ صفیں خالی رہتی ہیں، رمضان میں یا سال میں کبھی کبھار ایک دو مرتبہ پوری مسجد کا استعمال ہوتا ہے تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اتنی بڑی مسجد بنانا بے ضرورت ہے، بلکہ آئندہ کی نسلوں اور بڑھتے ہوئے نمازیوں کے پیش نظر وسیع مسجد بنائی جاتی ہے، اور کبھی کبھار مجمع بڑھنے کے پیش نظر بھی بڑی مسجد یا دومنزلہ مسجد بنائی جاتی ہے، اور سال میں دو تین بار استعمال ہونا یا رمضان المبارک میں استعمال ہونا یہ بھی نمازیوں کی ضرورت ہے۔

فی الشامیة: قال فی الخلاصة: غرس الأشجار فی المسجد لابأس به إذا کان فیه نفع للمسجد، بأن کان المسجد ذا نزّ والأسطوانات لاتستقر بدونها وبدون هذا لایجوز اھ، وفی الهندیة: عن الغرائب: إن کان لنفع الناس بظله، ولا یضیق علی الناس ولا یفرق الصفوف لابأس به. (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ، مطلب فی الغرس فی المسجد، زکریا ۲/ ۴۳۵ کراچی ۱/ ۶۶۱)

نعم :یوجد فی أطراف صحن الجوامع رواقات مسقوفة للمشي فیها وقت المطر ونحوه لأجل الصلاة أو للخروج من الجامع لا المرور المارین مطلقاً. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی جعل شیئی من المسجد طریقاً، زکریا ۶/ ۵۷۵، کراچی ۴/ ۳۷۸)

وفی الهندیة: إذا جعل فی المسجد ممراً فإنه یجوز لتعارف أهل الأمصار فی الجوامع وجاز لکل واحد أن یمر فیه حتیٰ الکافر إلا الجنب والحائض والنفساء. (هندیه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، زکریا

قدیم۲/ ۴۵۷، جدید ۲/ ۴۱۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۷۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۵ھ

داخل مسجد بالائی منزل پر جانے کیلئے زینہ بنانا

سوال: [۷۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک اہم مسئلہ میں ہمیں خلجان اور کچھ شبہات ہیں، اور ہم نے وہ شبہات وخلجان پیش کرنے کیلئے غور وفکر کے بعد آپ کی ذات عالی کا انتخاب کیا ہے، یہ توقع رکھتے ہوئے کہ آپ ہمارے شبہات وخلجان کو باحوالہ دلائل فقہیہ کی روشنی میں ضرور دور فرمائیں گے، اور ہمیں استفادہ کا موقع میسر فرمائیں گے،اور یہ بات ذہن میں رہے کہ شبہ کرنے والے بھی مفتی ہیں، لہٰذا محقق ومدلل تحقیق مطلوب ہے، ہم اپنے شبہات وخلجان کو اپنے انداز سے بیان کرتے ہیں،لیکن پہلے صورت مسئلہ لکھتے ہیں؟

ایک قدیم مسجد ایک منزلہ تھی ،مسجد چھوٹی ہونے کی وجہ سے گاؤں والوں نے اس کی توسیع شروع کی اور مسجد کی توسیع کے لئے ایک منزلہ کے بجائے دومنزلہ بنایا اوپر کی منزل میں برائے نماز جانے کیلئے مسجد قدیم کے صحن میں جو مسجد کی شرعی حد میں داخل ہے، سیڑھی بنانا شروع کی (حالانکہ مسجد کی شرعی حد کے علاوہ سیڑھی بنانے کیلئے دوسری جگہ موجود تھی) اور نصف سے زیادہ سیڑھی تعمیر ہوچکی ہے،اب زید اور خالد میں دلائل فقہیہ کی روشنی میں اختلاف ہوا،جسکی تفصیل یہ ہے۔

زید-: کہتا ہے،کہ اس جگہ سیڑھی بنانا جائز نہیں ہے،اور اس کو توڑنا واجب ہے،اور زید اسکے دلائل یہ بیان کرتا ہے،کہ:

(۱) **لو بنی فوقه بيتا للإمام لايضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع الخ.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب

المسجد، کراچی ٤/٣٥٨، زکریا٦/٥٤٨)

(۲) جوجگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے، اسکولغیر الصلوٰۃ محبوس ومشغول کرنا جائز نہیں ہے،اورسیڑھی بناناماا عد للصلوۃ کو لغیر الصلوٰۃ مشغول کرناہے،لہٰذا یہ جائز نہیں ہے۔

(۳) سیڑھی مصالح مسجد میں سے ہے، اور تمامیت مسجد کے بعد، مسجد کی شرعی حد میں مصالح مسجد کیلئے کوئی تعمیر کرنا جائز نہیں۔

(۴) سیڑھی اگر چہ دوسری منزل پر برائے نماز جانے کے لئے ہے، لیکن یہ ضرورت خارج مسجد سیڑھی بنانے سے پوری ہوسکتی ہے۔

(۵) ما اعد للصلوۃ کو صرف سخت ضرورت کی وجہ سے مشغول کرنا جائز ہے اور سخت ضرورت کا معیار یہ ہے کہ وہ ضرورت یا مقصداس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا (یہ ہندیہ کی عبارت کی طرف اشارہ ہے، جوخالد کے دلائل کےتحت آرہی ہے)۔

(٦) اگر بالفرض مسجد کی شرعی حد میں سیڑھی نہ بنانا اولیٰ ہے جیسا کہ خالد کا کہنا ہےتو بھی لوگوں کواولیٰ پر ہی عمل کروانا چاہئے،اورسیڑھی توڑوا دینی چاہئے۔

(۷) اس مسئلہ میں دوسری منزل میں نماز کی ضرورت سال میں بہت کم پڑتی ہے، لہٰذاسیڑھی للصلوٰۃ نہیں ہے۔

خالد-: خالد کہتا ہے کہ مسجد کی شرعی حد میں برائے نماز دوسری منزل میں جانے کیلئے سیڑھی بنانا جائز ہے، لیکن اگر مسجد کی شرعی حد کے علاوہ دوسری جگہ موجود ہوتو مسجد کی شرعی حد میں سیڑھی نہ بنانا اولیٰ ہے، ناجائز نہیں ہے، اور اگر سیڑھی تعمیر کردی ہوتو اس کو توڑ نا نہیں چاہئے،اورخالداپنے دلائل یہ بیان کرتا ہے کہ:

(۱) **أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع الخ.** (شامی، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد ،کراچی٤/٣٥٨، زکریا٦/٥٤٨)

اس عبارت میں تمامیت مسجد کے بعد مصالح مسجد (لغیر الصلوٰۃ) تعمیر کی ممانعت ہے،جیسا کہ عبارت کا سیاق وسباق بتارہاہے، مطلقاً اورلغیر الصلوٰۃ تعمیر کی ممانعت نہیں ہے،

لہٰذا مذکورہ عبارت سے اس سیڑھی کے عدم جواز پر استدلال درست نہیں ہے، اور اگر بالفرض اس عبارت کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے تو تمامیت مسجد کے بعد مطلقاً للصلوٰۃ اور لغیر الصلوٰۃ تعمیر ممنوع ہوگی، جس کا کوئی قائل نہیں اور نہ یہ بات فقہی اعتبار سے درست ہے، کیونکہ فتاویٰ ہندیہ میں صریح جزئیہ موجود ہے۔

أهـل محلة قسموا المسجد وضربوا فيه حائطاً ولكل منهم إمام على حدة ومؤذنهم واحد لابأس به الخ. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الخامس زكريا قديم ٥/ ٣٢٠، جديد ٥/ ٣٧٠)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد کے بیچ میں دیوار بنا کر دو مسجدیں بنانا جائز ہے، ظاہر بات ہے کہ اس صورت میں تمامیت مسجد کے بعد تعمیر کرنا اور ما اعد للصلوٰۃ کو مشغول کرنا لازم آرہا ہے، پھر بھی اس کو جائز کہا گیا ہے، کیونکہ بیچ میں دیوار بنا کر دو مسجدیں بنانا بھی نماز کیلئے ہے، اسلئے یہ للصلوٰۃ کو مشغول کرنا ہے۔

(۲) ما اعد للصلوٰۃ کو لغیر الصلوٰۃ مشغول کرنا ناجائز ہے، لیکن للصلوٰۃ مشغول کرنا بلاشبہ جائز ہے، اور سیڑھی بنانا ما اعد للصلوٰۃ کو للصلوٰۃ ہی مشغول کرنا ہے، لہٰذا سیڑھی بنانا جائز ہے۔

(۳) سیڑھی دومنزلہ مسجد کے لئے جزء مسجد ہے، کیونکہ بغیر سیڑھی کے دوسری منزل میں برائے نماز جانا ممکن ہی نہیں ہے، لھٰذا اس کو مصالح مسجد میں سے کہنا درست نہیں ہے۔

(۴) سیڑھی للصلوٰۃ ہے لہٰذا مسجد کی شرعی حد میں بنانا جائز ہے، اور مسجد کی شرعی حد کے علاوہ دوسری جگہ کا موجود ہونا مانع جواز نہیں بن سکتا ہے، کیونکہ خارج مسجد سیڑھی بنانے کا وجوب اور مسجد کی شرعی حد میں سیڑھی بنانے کی ممانعت کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔

(۵) یہ کہنا کہ ''ما اعد للصلوٰۃ'' میں کوئی تعمیر بنانا صرف سخت ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، اور سخت ضرورت کا معیار یہ ہے کہ وہ ضرورت ما اعد للصلوٰۃ ہی میں پوری ہوسکتی ہو' درست نہیں ہے کیونکہ ہندیہ میں مطلقاً ایک مسجد کی دو مسجدیں کرنے کے لئے بیچ میں دیوار بنانے کی اجازت دی ہے، یہ قید نہیں لگائی ہے کہ ایک مسجد کی دو مسجدیں بنانے کی کوئی

ضرورت واقعیہ موجود ہو، تو بیچ میں دیوار بنانا جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

(۶) اس جگہ سیڑھی نہ بنانا اولیٰ تھا لیکن جب سیڑھی نصف یا زیادہ تعمیر ہو چکی ہے تو اب صرف اولیٰ پر عمل کرنے کیلئے اس کو توڑنا بھی جائز نہیں ہے؟ کیونکہ بلاضرورت مسجد کی تعمیر میں توڑ پھوڑ کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے، نیز مال وقف کی اضاعت بھی لازم آتی ہے، جو کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

(۷) سیڑھی دوسری منزل میں برائے نماز جانے کے لئے ہے، اس لئے وہ للصلوٰۃ ہی ہے، چاہے دوسری منزل میں نماز کی ضرورت سال میں کم پڑتی ہو یا زیادہ اس سے سیڑھی بنانے کے جواز وعدم جواز پر کچھ اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ ماعد للصلوٰۃ کے مشغول کرنے کے جواز وعدم جواز کا مدار للصلوٰۃ ہونے نہ ہونے پر ہے، سخت ضرورت، معمولی ضرورت، قلت ضرورت اور کثرت ضرورت پر ہے ہی نہیں۔

نوٹ: ہم نے زید کے دلائل کے بالمقابل بالترتیب خالد کے دلائل ذکر کئے ہیں۔

تو اب سوال یہ ہے کہ زید اور خالد کی کتنی باتیں دلائل فقہیہ کی روشنی میں درست اور کتنی غلط ہیں، اس سیڑھی کے بنانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور مصالح مساجد میں کون کون سی چیزیں داخل ہیں، آنحضرت سے باحوالہ و مدلل جواب مطلوب ہیں، امید ہے کہ آپ ہمیں اپنی تحقیقات عالیہ سے مستفید فرمائیں گے؟ جتنا جلد جواب موصول ہوگا اتنی ہمیں راحت ہوگی؟

المستفتي: عبداللہ واصد قاءہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کو بغور پڑھا گیا ہے، حدود مسجد اور جماعت خانہ میں، اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے زینہ سے متعلق زید کی طرف سے عدم جواز کے دلائل کو بھی دیکھ لیا ہے، اور خالد کی طرف سے جواز کے دلائل بھی دیکھ لئے گئے ہیں، دونوں طرف سے دلائل پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ خالد کے

دلائل جوجواز سے متعلق ہیں، ان سے ہم کو پوری طرح اتفاق ہے، اور وہی دلائل مذکورہ مسئلہ سے متعلق زیادہ صحیح اور درست ہیں، کہ جماعت خانہ کے اندر سے اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے زینہ بنانا بلاتردد جائز ہے، چاہے جماعت خانہ سے باہر خارج مسجد میں زینہ بنانے کی گنجائش کیوں نہ ہو، اس لئے کہ داخل مسجد میں اوپر کے جماعت خانہ میں جانے کیلئے جو زینہ بنایا جاتا ہے، وہ اسی طرح جزء مسجد ہے، جیسا کہ مسجد کے ستون اور مسجد کی دیوار جزء مسجد ہوتی ہے، نیز داخل مسجد کے زینے سے معتکف کے واسطے اوپر نیچے آنا جانا بلاتردد جائز ہوگا، اور خارج مسجد کے زینہ سے جانا ممنوع ہوگا، نیز مسجد حرام میں اسی وجہ سے اندرونِ مسجد اوپر جانے کیلئے بہت سے زینے بنائے گئے ہیں، حالانکہ اوپر کی منزلیں مسلسل پورے سال استعمال نہیں ہوتی ہیں، صرف رمضان یا موسم حج میں استعمال ہوتی ہیں، اس لئے ہمیشہ اور مسلسل استعمال نہ ہونا عدم جواز کی دلیل نہیں، اور یہ شبہ بھی دور ہو جاتا ہے، کہ زینے کی وجہ سے پانچ سات نمازیوں کی جگہ گھر جاتی ہے، کیونکہ پانچ سات نمازیوں کی جگہ گھرنا جزء مسجد میں سے اوپر کے جماعت خانہ میں بچاسوں نمازیوں کے نماز کیلئے جانے کا ذریعہ ہے، اور خالد نے ہندیہ کے جزئیہ سے دیوار بنانے کے جواز کی جو دلیل پیش کی ہے، وہ عدم جواز کے تمام شبہات کو دور کر دیتی ہے، اور مصالح مسجد سے متعلق کیا کیا چیزیں ہیں، ان کو یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ اصل مسئلہ جماعت خانہ سے زینہ بنانے کے جواز اور عدم جواز سے متعلق ہے، اس لئے اسی کی حدود میں رہ کر مسئلہ کو سمجھنا چاہئے، اور مصالح مسجد میں وضوخانہ، سرداب اور آمدنی کی دکانیں ہوتی ہیں، جو جماعت خانے سے خارج ہوا کرتی ہیں، ان سے متعلق یہاں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے، اور جواز کیلئے خالد نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہی کافی ہیں الگ سے مزید دلائل کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رصفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۸۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

دوکان یا مکان کی چھت پر مسجد بنانا

سوال: [۷۹۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی توسیع کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ حسین بخش دہلی سے فتویٰ حاصل کیا گیا، مسجد بہت تنگ تھی، چھوٹی تھی اور مسجد نیچے سے ٹھوس یعنی سڑک سے ایک منزل اوپر بنی ہوئی تھی، جس پر نماز ہوتی تھی، مسجد کے آگے یعنی ٹھوس جگہ کے سامنے دوکانیں ہیں، جن کی چھت مسجد کے اس حصہ کے مقابل ہیں، جس پر نماز ہوتی ہے، اب مسجد کی توسیع کے لئے دوکانوں کے اوپر کے حصہ یعنی چھت کو خریدا گیا ہے، جس کے لئے مدرسہ حسین بخش دہلی اور دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ حاصل کیا گیا ہے، اور دارالعلوم دیوبند سے عدم جواز کا حکم آیا ہے، مدرسہ حسین بخش کے فتویٰ کی روشنی میں توسیع وتعمیر کا کام شروع کر دیا گیا تھا، دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ تاخیر سے پہونچا دونوں فتوے آپ کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں، تحقیق کیلئے کہ کون سا فتویٰ صحیح ہے، اور اب مدرسہ حسین بخش دہلی کے فتویٰ پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: گلزار مرزا، دہلی، مدرسہ تعلیم القرآن دہلی

جواب منجانب دارالافتاء مدرسہ حسین بخش دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نمازیوں کی کثرت ہو، مسجد تنگ ہو توسیع کی شدید ضرورت ہو، تو سوال میں مذکور مملوکہ دوکانوں کے اوپر کے حصہ کو خرید کر مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے، اس پر نماز درست ہوگی، اور وہ مسجد شرعی کہلائیگی بشرطیکہ آگے چل کر مالکین دکان کی طرف سے مسجد کو کسی قسم کا نقصان پہونچنے کا خدشہ نہ ہو۔

وفی جامع الفتاویٰ إذا كان السفل مملوكاً وفوقه مسجداً جاز–

وعن ابی یوسفؒ أنه أجاز أن یکون الأسفل مسجداً والأعلی ملکاً ...... وعن محمدؒ أنه حین دخل الر ی ورأی ضیق الامکنة جوز ذلک الخ. (فتاویٰ تاتارخانیة زکریا ۸/ ۱۶۱، رقم: ۱۱۵۰۸)

وعن محمدؒ انه حین دخل الری أجاز ذلک کله لما قلنا (من الضرورة). (هدایه، کتاب الوقف، اشرفی دیوبند ۲/ ٦٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	الجواب صحیح:	حررہ زبیر احمد غفرلہ
احقر محمد اویس غفرلہٗ	نصیر الدین غفرلہٗ	مدرسہ حسین بخش دہلی
۱/۱/۱۴۳۳ھ	یکم/۱/۱۴۳۳ھ	یکم محرم ۱۴۳۳ء

جواب منجانب: دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں مسجد کے آگے دوکانوں کے صرف اوپری حصہ کو مسجد میں شامل کرنے اور نیچے کے حصے میں دوکانیں انکے مالکان کی ملکیت میں باقی رہنے کی صورت میں وہ اوپری حصہ شرعی مسجد کا حصہ نہیں کہلائیگا، مسجد شرعی نیچے تحت الثریٰ سے اوپر عنان سماء تک مسجد کے حکم میں ہوتی ہے، نیچے کا حصہ بھی حق عبد سے منقطع ہوکر مسجد کے لئے وقف ہونا چاہئے ورنہ وہ حصہ مسجد کی حد میں داخل نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:	الجواب صحیح:	وقار علی غفرلہٗ
حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ	فخر الاسلام غفرلہٗ	دارالعلوم دیوبند
۳/ محرم ۱۴۳۳ھ	۳/ محرم ۱۴۳۳ھ	۳/ محرم ۱۴۳۳ھ

جواب منجانب: دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد

الجواب وباللہ التوفیق: مسئلہ مذکورہ سے متعلق فقہاء احناف کے مختلف اقوال ہیں، کچھ اقوال ضعیفہ ہیں، اور کچھ اقوال ظاہر الروایۃ میں سے ہیں، جو راجح اور مفتیٰ

بہ ہیں، اورراجح اورمفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اگر دوکان یامکان کی چھت کےاوپرمسجد بنائی جائے تووہ شرعی مسجد اس وقت ہوسکتی ہے، جب نیچے دوکان اورمکان وغیرہ مسجد کے مصالح اورآمدنی کیلئے مسجد ہی کی ملکیت میں مسجد کیلئے وقف ہوں اورمسجد جب چاہے اس کوتوڑکرمسجد کے اندرداخل کرسکے یامسجد کے دیگر مصالح وضوخانہ وغیرہ بنایا جاسکے یاامام صاحب یامؤذن کا کمرہ بنایاجاسکے یامسجد کا سامان وغیرہ رکھنے کیلئے استعمال ہوسکے، اور جب نیچے کا حصہ مسجد کی ملکیت نہ ہواورمسجد پر وقف نہ ہوبلکہ کسی دوسرے انسان کی ملکیت ہوتواوپرکا حصہ مسجد شرعی نہیں بنے گا، اس میں نماز پڑھنے سے شرعی مسجد کا ثواب نہیں ملیگا۔یہی حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ ۲/٦۸۴میں وضاحت کے ساتھ تحریر فرمایاہے، اسی طرح فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل۱۴/ ۴۲۱میں موجود ہے ،لہٰذا مدرسہ حسین بخش کے جواب میں جوفقہاء کی عبارتیں لکھی گئی ہیں، وہ ہدایہ وغیرہ کے اقوال ضعیفہ ہیں، اور دارالعلوم دیوبند کا جواب فی الجملہ صحیح ہے، اب ہم اس سلسلہ میں ظاہرالروایۃ کے مطابق اورمفتیٰ بہ اقوال سے متعلق ذیل میں چند عبارتیں پیش کرتے ہیں۔

ومن جعل مسجداً تحته سرداب أو فوقه بيت وجعل باب المسجد إلىٰ الطريق وعزله بمن ملكه فلهٗ أن يبيعه وإن مات يورث عنه ؛ لأنه لم يخلص لله تعالىٰ لبقاء حق العبد متعلقاً به ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما فى مسجد بيت المقدس وتحته فى الكفاية قوله:" فله ان يبيعه"أى لايكون مسجداً وهو ظاهر الرواية لأن المسجد مايكون خالصاً له تعالىٰ : قال الله تعالىٰ : وأن المساجد لله أضاف المساجد إلىٰ ذاته مع أن جميع الأماكن له فاقتضىٰ ذلك خلوص المساجد لله تعالىٰ ومع بقاء حق العبادفى أسفله أو فى أعلاه لا يتحقق الخلوص. (هدايه مع الكفاية ، كتاب الوقف، فصل وإذا بنى مسجداً لم يزل ملكه ،

دارالفکر بیروت ٦/ ٢٣٤، زکریا ٦/ ٢١٧، کوئٹه٥/ ٤٤٤)

لانـه لـم يخلص لله ؛ لبقاء حق العبد فيه والمسجد لايكون إلا خالصاً لله لـمـاتلونا ، ومع بقاء حق العبد في أسفله أو فی أعلاه أو في جوانبه محيطاً بـه لايتـحـقـق الخلوص كله (إلىٰ قوله) بخلاف مسجد بيت المقدس فإن السرداب فيه ليس بمملوک لأحد بل هو لمصالح المسجد. (تبيين الحقائق، ملتان پاکستان٣/ ٣٣٠،زکریا ٤/ ٢٧١)

لـوجـعـل تـحـتـه حـانوتاً وجعله وقفاً على المسجد قيل : لايستحب ذلک ، ولـكنه لو جعل فی الابتداء هكذا صار مسجداً ، وماتحته صار وقفاً عـلـيـه ويجوز المسجد والوقف الذی تحته . (حـاشيـه چلپی علی التبيين ،امداديه ملتان٣/ ٣٣٠، زکریا ٤/ ٢٧١)

وحـاصـلـه أن شـرط كـونـه مسـجـداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينـقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ : " وأن المساجد لله " بخلاف ماإذا كان السـرداب أو الـعـلـو مـوقوفاً لمصالح المسجد فانه يجوز ، إذلا ملک فيه لأحـد بـل هـو من تتـمـيـم مـصـالـح الـمسجد فهو كسرداب مسجد بيت الـمقدس هذا هو ظاهر المذهب وهنا روايات ضعيفة مذكورة فی الهداية، وبـمـا ذكـرنـا عـلـم أنـه لـوبنی بيتاً على سطح المسجد لسكنىٰ الإمام فإنه لايـضـر فـی كـونـه مسـجداً لأنه من المصالح . (البـحـرالـرائق، کوئٹه٥/ ٢٥١، زکریا٥/ ٤٢١)

هكذا فی الشامية :(کراچی ٤/ ٣٥٧، زکریا ٦/ ٥٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨ ربیع الاول ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٦٣٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری
٨/ ٣/ ١٤٣٣ھ

مسجد کی موقوفہ زمین میں نیچے دوکان اوراوپر مسجد بنانا

سوال: [٧٩٦١]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تعمیر مسجد کا پروگرام ہے اورنیچے دوکانیں بنانے کاارادہ ہے اوراوپر مسجد بنادیں کیاایسا کرسکتے ہیں، کہ نیچے دوکانیں اوراوپر مسجد جبکہ واقفین زمین نے فقط مسجد کیلئے زمین دی ہے؟

المستفتي: مولانا اعجاز احمد، مدرس دارالعلوم چلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگردوہی آدمیوں نے مسجد کے لئے پیسے دئے ہیں، تو وہ لوگ نیچے دوکان بنانے کی اجازت دیں گے، تب اس کی گنجائش ہوسکتی ہے، اور اگرزمین دینے والے دوسرے لوگ ہیں، توان کی مرضی کے بغیر نیچے دوکانیں بنانے کی اجازت نہ ہوگی، اور اگروہ اجازت دیدیں تو اس کی گنجائش ہے، اس لئے کہ واقفین کی غرض کی رعایت لازم ہوتی ہے۔

ان مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامي، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٢ ر صفر المظفر ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٣٨٧٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٥/٢/٢٢ھ

دومنزلہ مسجد بناکر نیچے دوکان بنانا

سوال: [٧٩٦٢]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دومنزلہ ایک جدید مسجد تعمیر کی گئی ہے، مسجد تیار ہونے کے بعد یہ بات طے ہوئی ہے کہ اوپر کی منزل میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے گی، اور نیچے کی منزل دوکان کیلئے کرایہ پردیدی جائیگی، تاکہ اس سے جو کرایہ حاصل ہوگا، اس سے امام ومؤذن کی تنخواہ دی جائے گی، تو بتلائیں کہ مسجد

کے نیچے والی منزل کو دوکان کیلئے کرایہ پر دینا اور اس میں دوکان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي:سعید الاسلام، مدنا پوری، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب نماز پڑھنے کی نیت سے دومنزلہ مسجد تیار کی گئی ہے، تو پوری مسجد مسجد شرعی بن گئی اب مسجد بننے کے بعد نیچے کی منزل کو امام ومؤذن کی تنخواہ وغیرہ کیلئے کرایہ پر دینا اور اس میں دوکان کرنا جائز نہیں۔ (عزیز الفتاویٰ/ ۵۹۷)

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع . (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجدزكريا٦/ ٥٤٨، كراچی ٣/ ٥١٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ٢٩٦)

قيم المسجد لايجوز له أن يبنى حوانيت في حد المسجد أو فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتا أو مسكنا تسقط حرمته وهذا لايجوز .
(فتاویٰ عالمگیری، الباب الحادی عشر فی المسجد وما يتعلق به زكرياقديم ٢/ ٤٦٢، جديد ٢/ ٤١٣، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٤٩، زكريا ٥/ ٤١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ ر رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳٦ /۷۷۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۲۳ھ

حدود مسجد سے باہر مسجد کا سامان رکھنے کیلئے حجرہ بنانا

سوال: [۷۹٦۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں صحن کے آخر میں وضو خانہ ہے، وضوخانہ کے اوپر دوچھتی ہے، جس پر ایک صف نمازیوں کی بن جاتی ہے جب نمازی تعداد میں بڑھ جاتے ہیں، اس دوچھتی کے اوپری منزل میں حجرہ ہے، واضح رہے کہ یہ مسجد پوری طرح تین منزل ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ

جو دو چھتی ہے اس میں صف کی جگہ پر ایک ایسا اسٹور بنایا جاسکتا ہے، جس میں مسجد اور جماعت کے متعلق سامان رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مسجد کا سامان جیسے صفیں لوٹے وغیرہ جماعت کا سامان یعنی وہ جماعتیں جن کا مسجد میں قیام ہوتا ہے، وقتی طور پر ان کا سامان بطور حفاظت اسٹور میں رکھ دیا جائے؟ بیان فرمائیں

المستفتي: سرفراز احمد، محلّہ بارہ دری، سرائے ترین، ضلع: سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وضوخانہ اور اس کے اوپر جو حجرے وغیرہ بنے ہوئے ہیں، وہ سب کے سب حدود مسجد سے خارج شمار ہوتے ہیں اور حدود مسجد سے خارجی حصہ میں مسجد کی ضروریات کیلئے حجرہ بنانا بلاشبہ جائز ہے اور مسجد میں نمازیوں کی کثرت کے وقت ان حجروں میں کھڑے ہوکر نماز میں شرکت کرنے والے کو جماعت کا ثواب تو ملیگا، البتہ حدود مسجد کا ثواب نہیں ملیگا، ان حجروں میں مسجد کی صفیں، لوٹے ضروری سامان وغیرہ رکھنا بھی جائز ہے، نیز تبلیغی جماعت کے لوگوں کا سامان رکھنا بھی بلاشبہ جائز ہے، اب ذمہ داران مسجد کو اختیار ہے، کہ اگر اس جگہ مسجد کا سامان رکھنے کیلئے الگ سے کوئی کمرہ مخصوص کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، نیز اگر حدود مسجد کے اندر جماعت خانہ سے اوپر کی منزل میں یا نیچے تہہ خانہ میں مسجد کا سامان رکھنے کیلئے کوئی جگہ مخصوص کرلیں تو یہ بھی جائز ہے۔

يكره التوضؤ في المسجد إلا إذا كان فيه موضع أعد لذلك لأنه مستثنىٰ منه حينئذ . (حلبي كبير، فصل في أحكام المسجد اشرفيه ديوبند/١ ٦١١)

ولا بأس بأن يتخذ في المسجد بيت يوضع فيه الحصير ومتاع المسجد به جرت العادة من غير نكير .(حلبي كبير، اشرفي ديوبند/٦١٢)

إذا جعل تحته سردابا لمصالحه أي المسجد جاز .

(درمختار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد كراچی٤ /٣٥٧،

زکریا ٦/٥٤٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۴۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۷/۲۵ھ

مسجد کا دروازہ توڑ کر مدرسہ کا چھجا نکالنا

سوال: [۷۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے دروازہ کو توڑ کر مدرسہ کا چھجا نکالنا کیسا ہے؟

المستفتی: شمس الدین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جائز نہیں ہے، بلکہ قیامت تک مسجد ہی کے حکم میں رہے گا!

لو خرب ماحوله واستغني عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبدا إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى الخ. (الدرالمختار مع الشامی، کتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره کوئٹه ٣/٤٠٦، کراچی ٤/٣٥٨، زکریا٦/٥٤٨، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت٢/٥٩٥، قديم ١/٧٤٨، قاضی خان زکریاجدید٣/٢٠٤، وعلیٰ هامش الهندية زکریا٣/٢٨٨، هنديه زکريا قديم ٢/٤٥٨، جديد٢/٤١٠، البحرالرائق، کوئٹه٥/٢٥١، زکریا٥/٤٢١، تاتار خانية زکريا٨/١٦٤، رقم: ١١٥١٩، المبسوط للسرخسي، دارالکتب العلمية بيروت ١٢/٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۳۳/۲۳)

احاطۂ مسجد میں تبلیغی جماعت کی کمیٹی کا اپنے مصارف سے مطبخ تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی

باؤنڈری کے اندر اجتماعی تبلیغی جماعت کمیٹی اپنے مصارف سے جماعتوں کے کھانا بنانے اور ان کا سامان رکھنے کے لئے کمرہ تعمیر کرنا چاہتی ہے، کیا شریعت مطہرہ اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: عبد السلام، سکریڑی منتظمہ کیمٹی جامع مسجد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: اگر مسجد کو اس جگہ کی ضرورت نہیں ہے، تو مسجد کی کمیٹی کی رضامندی سے مناسب قیمت ادا کر کے تبلیغی جماعت کمیٹی کے لئے مالکانہ طور پر اپنے مصارف سے مذکورہ مقاصد کے لئے تعمیر کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔

اشترى المتولي بمال الوقف داراللوقف لا تلحق بالمنازل الموقوفة ويجوز بيعها في الأصح الخ. (الدر المختار، كتاب الوقف، مطلب اشترىٰ بمال الوقف داراً للوقف لا يجوز بيعها، زكريا ٦/٦٢٧، كراچی ٤/٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۵ ر صفر ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۶۷)

منبر سے متصل مغربی جانب مسجد کا بیت الخلاء وغیرہ بنانا

سوال: [٧٩٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی مغربی جانب مسجد کے منبر سے بالکل متصل مسجد کی زمین ہے، اس زمین میں بیت الخلاء اور غسل خانہ بنانے اور نل لگانے کو متعلقین مسجد ناجائز سمجھ رہے ہیں، اسلئے کہ وہ زمین مسجد کی مغربی دیوار کے بالکل متصل ہے، لہٰذا آپ حضور والا سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ وہاں نل، غسل خانہ اور بیت الخلاء بنانا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتي: مصلیان مسجد مرکز والی، معصوم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نمازیوں کو کوئی خلل نہ ہو تو مسجد کی اس زمین میں جو منبر سے متصل مغربی جانب واقع ہے، نل لگانے غسل خانہ بنانے اور بیت الخلاء بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے، شرعاً درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۲)

وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أی المسجد جاز . (درمختار مع الشامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد کراچی ۴/۳۵۷، زکریا ۶/۵۴۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۷/۲۰۲، الدر المنتقیٰ ، دارالکتب العلمية بيروت ۲/۵۹۴، هدايه اشرفی ديوبند ۲/۶۴۴)

وفی تقريرات الرافعی تحت قول لمصالحه : ليس بقيد بل الحكم كذلک إذا كان ينتفع به عامة المسليمن على ما أفادهٗ فی غاية البيان: (الرافعی فی آخر الشامی، زکریا ۶/۸۰، کراچی ۴/۸۰) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۰۳)

مسجد میں انگریزی بیت الخلاء بنانا

سوال: [۷۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں ایک مسجد تعمیر ہوئی ہے، جس میں انتظامیہ نے انگریزی بیت الخلاء بنوا دیا ہے، جس کے بارے میں کافی چہ میگوئیاں ہوتی رہتی ہیں، کہ مساجد ومدارس یہ دین کے قلعے مانے جاتے ہیں، اس میں اس قسم کی چیزیں نہ ہونی چاہئے، جبکہ انتظامیہ جواب میں کہتے ہیں کہ معذورین کیلئے بنوایا گیا ہے، واضح ہو کہ بمبئی جیسے شہر میں بھی نہ کسی مدرسہ میں اس قسم کا بیت الخلاء ہے، نہ مسجد میں بعض لوگ اس کے جواز میں سعودی عرب کی مثالیں دیتے ہیں، کہ وہاں اس قسم

کے بیت الخلاء بنے ہوئے ہیں، بہرحال شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: ابوالحسن، سیتامڑھی، مسجد صفہ منی ممبئی، انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مساجد ومدارس کے عمومی چندے سے انگریزی بیت الخلاء بنانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر ضرورت ہو تو خاص اسی ضرورت کیلئے مستقل چندہ کرلیا جائے یا کسی صاحب خیر کے ذریعہ سے بنوالیا جائے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی مراعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۲/۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۹۸/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۷ھ

اپنے اور مسجد کے پیسہ کو ملاکر تعمیر کرایا گیا کمرہ کس کی ملک ہے؟

سوال: [۷۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جناب حاجی اسماعیل صاحب اپنی بستی کی خستہ حالت کو مدنظر رکھکر مسجد ومکتب کے اخراجات پورے کرنے کی غرض سے مختلف جگہ سے چندہ جمع کر کے تقریباً ۲۴/ ہزار روپۓ لائے اس کے بعد انھوں نے مذکورہ رقم سے چند کمرے بنانے کی غرض سے ایک مربع جگہ خریدی لیکن خریدتے وقت انھوں نے حساب کر کے دیکھا کہ اتنی رقم میں یہ جگہ خریدنے کے بعد اتنے کمرے بننے والے ہیں، تو انھوں نے اس وقت اور ۲۴/ ہزار روپۓ اپنے ذاتی اس جمع شدہ چندے میں شامل کئے، اب کل ۴۸/ ہزار روپۓ ہوئے، مذکورہ جگہ کو خرید کر باقی ماندہ پیسے سے چھ کمرے بنائے تین اپنے اور تین مسجد کے یہ چھ کمرے بنانے کے بعد بھی بلڈنگ کے مغرب سمت تقریباً ۲۰-۲۲/ فٹ جگہ خالی پڑی رہی، بلڈنگ مکمل تیار ہونے کے بعد چھ کمروں کو کرایہ پر دیدیا تین کمروں کا پیسہ حاجی محمد

عمر صاحب جماعت کے حوالے کرتے رہے اور تین کمروں کا پیسہ خود لیتے رہے، لیکن پوری جگہ مع کمرہ کے اپنے نام رجسٹرڈ کرالی اس پر جماعت المسلمین نے حاجی عمر سے کہا کہ مسجد یا جماعت المسلمین کے نام پر چندہ جمع کیا ہے، لہٰذا نصف جگہ مع کمرہ کے مسجد کے نام یا جماعت المسلمین کے نام رجسٹرڈ وقف کردیجئے، جواب میں حاجی عمر صاحب نے کہا کہ تم لوگ خیانت کروگے، جماعت نے کہا کہ آپ ٹرسٹ بناکر رجسٹرڈ کردیجئے تاکہ ہر سال سرکاری دفتر میں حساب ہوتا رہے، ساتھ ہی ساتھ خیانت کا بھی شک نہ ہو، پھر بھی حاجی عمر صاحب نے رجسٹرڈ وقف کرنے سے انکار کردیا لیکن بدستور تین کمروں کا پیسہ جماعت کے حوالے کرتے رہے، اتفاقاً ایک دن جماعت اور حاجی عمر صاحب کے درمیان جھگڑا ہوجاتا ہے، اس دوران بہت ساری باتیں بڑھ جاتی ہیں، بالآخر جماعت نے حاجی عمر صاحب سے کہہ دیا کہ جب تک آپ تین کمروں کو مع ان کی جگہ کے مسجد کے نام یا جماعت کے نام رجسٹرڈ وقف نہیں کریں گے، جب تک آپکے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جماعت المسلمین نے جو پیسہ لینے سے انکار کیا وجہ اس کی یہ ہے کہ حاجی عمر صاحب احسان جتلایا کرتے تھے، اس سے قبل جماعت دس سال تک تین کمروں کا کرایہ لیتی رہی، اب اس جھگڑے کے بعد حاجی عمر صاحب جماعت سے فوراً نکل گئے، اس کے بعد وہ اپنے گھر میں مکتب کھول کر اس پیسے سے مکتب چلاتے رہے، پہلے گاؤں کے پندرہ بیس بچے آتے تھے، بعد میں جماعت نے پابندی لگادی، اسلئے فی الوقت صرف گھر کے بچے پڑھتے ہیں،، لہٰذا کیا شرعاً اس پیسے سے گھر میں مکتب چلانا اور اپنے بچوں کو گھر میں تعلیم دینا صحیح ہے برائے کرم مدلل تحریر فرمائیں؟

نوٹ: جس سے جگہ خریدی گئی ہے اس سے یہ کہا گیا کہ یہ مسجد کیلئے یعنی للہ خریدی جارہی ہے، جس کی وجہ سے بیچنے والے نے قیمت میں ترمیم کردی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہورہا ہے کہ حاجی محمد عمر صاحب

مرحوم نے چھ کمروں میں سے تین اپنے لئے اور تین مسجد ومکتب کیلئے بنوائے تھے اس لئے تین کمرے حاجی عمر صاحب کی ملکیت میں داخل ہوں گے، اور باقی تین کمرے مکتب ومسجد کی ملکیت میں داخل ہوں گے، لہٰذا حاجی محمد عمر صاحب یا ان کے ورثہ پر لازم ہوگا کہ چھ کمروں میں سے تین کمروں کو مسجد ومکتب کے نام رجسٹری کر کے مسجد ومکتب کے ذمہ داروں کے حوالہ کردیں، ان تینوں کمروں کی آمدنی سے خاص کر گھر کے بچوں کو تعلیم دلانا درست نہیں ہوگا، بلکہ اس آمدنی سے عام لوگوں کے بچوں کیلئے مکتب چلانا لازم ہوگا۔

بنى المتولى من مال الوقف في عرصة الوقف أو من مال نفسه للوقف أو لم يذكر شيئاً كان وقفاً بخلاف الأجنبي، وإن أشهد أنه بناه لنفسه كان ملكاً له الخ. (فتاویٰ بزازيه ،كتاب الوقف، الرابع فى المسجد ومايتصل به جديد زكريا ۳/ ۱٤٤، وعلى هامش الهندية زكريا ٦/ ۲۷۰)

وإن بناه من ماله لنفسه وأشهد أنه له فهو له الخ. (شامی، كتاب الوقف، مطلب فى حكم بناء المتولى وغيره فى ارض الوقف زكريا ٦/ ٦٧٩، كراچی ٤/ ٤٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۳۱۶)

رام لکھی ہوئی اینٹوں سے مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹٦۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے بھٹہ سے اینٹیں خریدی مسجد کے واسطے اینٹیں گھر آنے کے بعد جب دیکھا گیا تو اس پر لفظ رام لکھا ہوا تھا، جبکہ رام کو وہ اپنا امام اور خدا مانتے ہیں تو کیا اس طرح کی اینٹ کو مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد عبد المالک، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو اینٹیں مسجد کی تعمیر کیلئے لائی گئی ہیں، جس میں رام لکھا ہوا ہے، اس سے تعمیر کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے جس میں صرف خدا کی عظمت مقصود ہوتی ہے، اور رام غیر مسلموں اور اہل باطل کی عبادت میں عظمت کی چیز ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔

وإن وجدوا في الغنيمة قلائد ذهب أو فضة فيها الصليب والتماثيل فإنه يستحب كسرها الخ. (تاتار خانية ۱۲۱/۷، رقم: ۱۰۱۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ / ۶۵۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷ / ۲ / ۱۴۲۱ھ

۹ / الفصل التاسع: مسجد کی رقم ضروریات مسجد میں صرف کرنے کا بیان

مسجد کی رقم سے ضروریات مسجد کیلئے کمرہ بنانا

سوال: [۷۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد کے پاس اچھی خاصی رقم ہے اور مسجد کے پاس جگہ بھی ہے، مسجد کے متولی اور کمیٹی مسجد کے پیسے سے مسجد کے بالکل برابر میں ایک کمرہ بنانا چاہتے ہیں جس میں تبلیغی جماعت اپنا سامان اور کھانا وغیرہ پکا اور کھالیا کریں، کیا شرعاً متولی یا اراکین کمیٹی کو یہ حق حاصل ہے، کہ وہ اس مسجد کے پیسے سے مذکورہ کمرہ بنوادیں جو مسجد ہی کا ہوگا، زید کا کہنا ہے کہ چندہ دہندگان کی اجازت سے ایسا کر سکتے ہیں، مگر چندہ دہندگان متعین نہیں ہیں، باہر کے لوگ بھی آ کر نماز پڑھ جاتے ہیں، اور مسجد کی گولک میں پیسے ڈال جاتے ہیں، ان سے کیسے اجازت لی جائیگی، شرعاً فقہاء کا جو فیصلہ ہو وضاحت سے تحریر فرمادیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی زمین میں مسجد کے پیسے سے بوقت ضرورت کام آنے والا کمرہ بنانا جائز اور درست ہے، اس میں مسجد کی ضروریات کا سامان بھی رکھا جاسکتا ہے، اور بوقت ضرورت امام ومؤذن کی رہائش اور مہمان بھی رہ سکتے ہیں، اسی طرح تبلیغی جماعت والے بھی اپنی ضروریات اس کمرہ سے پوری کر سکتے ہیں۔

يبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو أقرب لعمارته ...... إلىٰ أخر المصالح. (شامی، الوقف، مطلب یبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها زکریا ۶/ ۵۵۹، ۵۶۰، کراچی ۴/ ۳۶۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۶/ ۲۹۲، هنديه زكريا قديم ۲/ ۳۶۸، جديد ۲/ ۳۵۶)

والذی یبتدأ به من ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف أولا ،ثم ماهو أقرب إلیٰ العمارة وأعم للمصلحة کالإمام للمسجد. (البحرالرائق، ، کوئٹه ۲۱۳/۵، زکریاه/۳۵٦)

لو بنی فوقه بیتا للإمام لایضر لأنه من المصالح. (البحر، کوئٹه ۲۱۵/۵، زکریاه/۳۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۳۲ھ

مدرسہ کی آمدنی کو مسجد کی ضرورتوں میں صرف کرنا

سوال: [۱۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد سے ایک مدرسہ کا الحاق ہے، مدرسہ میں کچھ دوکانیں ہیں، کیا مدرسہ کی آمدنی کو مسجد کی ضرورتوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے، مذکورہ دونوں سوالوں کے جواب واضح فرمائیں؟

المستفتي: ابوالکلام، گردھی، پیرخاں، ٹھاکرگنج، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس مسجد سے مدرسہ ملحق ہے، نیز چندہ مشترکہ طور پر ہوتا ہے اور دونوں کے ذمہ دار ایک ہیں، اور دونوں ایک نظام کے تحت ہیں، اور چندہ دینے والے جانتے ہیں کہ ہمارا چندہ ان سب کاموں میں مشترکہ طور پر خرچ کیا جاتا ہے، تو اس صورت میں مدرسہ کی آمدنی سے مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے، اور اگر دونوں کا نظام الگ الگ ہے اور دونوں کی آمدنی اور چندہ بھی الگ الگ ہے، تو ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹/۲۲۴، جدید زکریا دیوبند ۹/۸۸)

وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجد ين أو رجل مسجداً ومدرسة ، ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلک ،تحته فى الشامية: قال الخير الرملي أقول ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوى .

(الدر مع الرد، الوقف ، مطلب فى نقل أنقاض المسجد ونحوه،کراچی ٤/ ٣٦٠، ٣٦١، زکریا٦/ ٥٥١، ٥٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ۶۰۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۶ھ

مسجد کے کام کے لئے مسجد کی رقم سے کرایہ دینا

سوال: [۷۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے کام کیلئے مسجد کی رقم سے کرایہ یا اجرت دینا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالرحیم ،بڑیڈوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے کام کیلئے مسجد کے روپیہ سے کرایہ اور اجرت دینا درست ہے۔

وللمتولى أن يستأجر من يخدم المسجد، يكنسه ونحو ذلک بأجر مثله. (ہندیہ ، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق بہ ، زکریاقدیم ٢/ ٤٦١ ، جدید ٢/ ٤١٢، الفتاوی التاتار خانیہ ، زکریا ٨/ ١٧٥، رقم: ١١٥٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/ ۶۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۹ھ

مسجد کے روپیہ سے ٹنکی وغیرہ خریدنا؟

سوال: [۷۹۷۳]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے روپئے سے نمازیوں کیلئے پانی پینے کیلئے مہیا کرنا جیسے کہ (۱) ٹنکی کا خریدنا۔ (۲) برف کا خریدنا۔ (۳) جگ گلاس وغیرہ خریدنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: محمد سہراب، ٹال والی مسجد، نئی سڑک، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے روپئے سے مذکورہ چیزوں کا خریدنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر مذکورہ چیزوں کے بغیر مصلیوں کی جماعت بالکل کم ہوجانے کا خطرہ ہوتو بدرجہ مجبوری گنجائش ہے، ورنہ نہیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۰۷)

والذي يبتدأ به من ارتفاع الوقف، أى من غلته عمارته شرط الواقف أولا، ثم ماهوأقرب إلىٰ العمارة وأعم للمصلحة...... ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ آخر المصالح. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب يبدأبعد العمارة بماهو أقرب إليها زكريا ٦/ ٥٦٠، كراچی ٤/ ٣٦٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ٢٩٢، هنديه زكريا قديم ٢/ ٣٦٨، جديد ٢/ ٣٥٦، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢١٣، زكريا ٥/ ٣٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۸۴)

مسجد کی رقم سے اذان کے لئے لاؤڈ اسپیکر خریدنا

سوال: [۷۹۷۴]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد

کے پیسے سے مسجد میں اذان دینے کیلئے لاؤڈ اسپیکر خریدنا چاہتے ہیں، کیا خرید سکتے ہیں؟

المستفتي: صلاح الدین، ڈھکیہ جمعہ، کندرکی، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد اتنی مالدار ہے کہ لاؤڈ اسپیکر خریدنے کی وجہ سے اخراجات مسجد میں کوئی فرق اور نقصان نہیں آتا ہے، تو اسکی گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۹/۲۰۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۴۵۲)

البتہ اس میں کمیٹی اور ذمہ داران مسجد کی اجازت لازم ہے۔

ولهم أيضا أن يفرشوا بالآجر و الحصير ويعلقوا القناديل لكن من أنفسهم لامن مال المسجد إلا بأمر الحاكم الخ. (بزازيه ، الوقف، الفصل الرابع في المسجد وما يتصل به، زكريا جديد۳/۱۴۳، وعلى هامش الهندية ٦/٢٦٨-٢٦٩)

قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقيم وقال: تفعل ما ترى من مصلحة المسجد كان له أن يشتري للمسجد ماشاء. (هنديه، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به زكريا قديم۲/٤٦١، جديد ۲/٤١٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶؍۲۱۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۳/۳ھ

مسجد کی رقم سے مائک خریدنا

سوال: [۷۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے روپیہ سے مسجد کیلئے مائک خریدنا یا مائک خریدنے کیلئے چندہ متعین کرکے یا غیر متعین کرکے لینا اور اس روپیہ سے مائک خریدنا کیسا ہے؟ اور خرید کرکے مسجد کے کام کے علاوہ دوسرے کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سعید الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مائک خریدنے کے وجہ سے مسجد کے ضروری اخراجات پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، تو جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۲۰۲/۹، جدید مطول ۴۵۲/۱۰)

قالوا: إن وسع الواقف ذلک للقیم وقال: تفعل ما تری من مصلحة المسجد کان له أن یشتر ی للمسجد ماشاء. (هندیه، الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق به زکریا قدیم ۴۶۱/۲، جدید ۴۱۳/۲، وهکذا فی المحیط البرهاني المجلس العلمی ۱۳۶/۹، رقم: ۱۱۳۸۱، الفتاوی التاتار خانیة زکریا ۱۷۵/۸، رقم: ۱۱۵۵۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۱۷۰/۲۶)

مسجد کی دوکان کوفروخت کر کے آمدنی تعمیر مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۶۷۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں میں ایک مسجد خستہ حالت میں تھی، گاؤں کے لوگوں نے مسجد کو شہید کر کے از سرنو تعمیر شروع کردی مسجد کی تعمیر کے لئے گاؤں میں چندہ وغیرہ کیا گیا، لیکن گاؤں غریب ہونے کی وجہ سے مسجد کا تعمیری کام مکمل نہ ہوسکا، مسجد سے ۱۰۰/گز کی دوری پر ایک دوسری مسجد ہے، اوراس کے برابر میں دودوکانوں کی جگہ ہے، جو دونوں مسجدوں کے نام ہے، اور مسجد کے لئے وقف نہیں ہے، تو تعمیر مسجد کی کمیٹی اور گاؤں کے لوگ اپنی مسجد کی جگہ فروخت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مسجد کا کام مکمل ہوسکے، کیا مذکورہ صورت حال کے پیش نظر نو تعمیر مسجد کے نام دوکان کی جگہ فروخت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: فہیم انور قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زیرِ تعمیر مسجد کے نام جو دوکان ہے، اور کمیٹی اور گاؤں کے ذمہ دار حضرات اس دوکان کو بیچ کر اس کی آمدنی مسجد میں لگانا چاہتے ہیں، تو شرعی اعتبار سے ذمہ داران کمیٹی کو اس کا اختیار نہیں، اس لئے کہ مسجد کی ملکیت کی جائیداد فروخت ہوجانے کے بعد اگر اس کا بدل دوسری جگہ نہ مل سکے تو خرد برد کے مترادف ہوجاتی ہے، بعد میں مسجد کی آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے آگے چل کر دقتیں پیش آسکتی ہیں، اس لئے اس جگہ کو نہ بیچا جائے، اور مسجد کا تعمیری کام عامۃ المسلمین کے چندہ سے مکمل کرنے کی کوشش جاری رکھی جائے۔

أما أهل تلك المحلة فلهم أن يهدموا و يجددوا بناءه – لكن من مال أنفسهم، أما من مال المسجد فليس لهم ذلك. (هنديه، الباب الحادى عشر فى المسجد، و ما يتعلق به، زكرياقديم ٢/ ٤٥٧،جديد ٢/ ٤١٠)

أهل المسجد إذا باعوا غلة المسجد أو نزل المسجد ——— قال الصدر الشهيد: والفتوىٰ على أنه لايجوز. (التاتارخانية، زكريا ٨/ ١٧٨، رقم: ١١٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۰۰۳/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۲۳ھ

۱۰/۱۰الفصل العاشر: ایک مسجد کی اشیاء کا دوسری مسجد میں استعمال مسجد کی آمدنی کیلئے موقوفہ زمین پر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۷۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں واقف مسجد نے ایک قطعہ زمین مسجد سے کچھ دوری پر دوسرے علاقہ میں مسجد کے خرچہ اخراجات کے لئے وقف کی جس سے مسجد کے امام ومؤذن کی تنخواہ اور دیگر ضروریات پوری کی جاتی ہیں، مسجد کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی نہیں ہے، اب جس علاقہ میں وہ زمین ہے، کچھ لوگ اس میں مسجد بنانا چاہتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس جگہ از روئے شرع مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

المستفتي: اراکین کمیٹی مسجد مدن پور، دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ مسجد کیلئے چونکہ اس قطعہ زمین کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی موجود نہیں ہے، اس لئے جب تک اس مسجد کیلئے کسی ذریعۂ آمدنی کا انتظام نہ کردیا جائے اور اس قطعۂ زمین سے مسجد مستغنی نہ ہوجائے، اس وقت تک اس زمین پر مسجد بنانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۱۶/ ۵۴)

شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (الاشباه کراچی ۲/ ۱۰۶، قواعد الفقه، اشرفی/ ۸۵، رقم: ۱۵۲)

وقد علم بهٰذا التقرير إعمال الغلتين إحياءً للوقف ورعاية شرط الواقف هذا هو الحاصل من الفتاوىٰ وقد علم أنه لايجوز لمتولي الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر. (البحر الرائق، الوقف، زکریا۵/ ۳۶۲، کوئٹه ۵/ ۲۷۱)

سئل عن شمس الأئمة الحلواني أنه سئل عن مسجد أو حوض

خـرب ولایـحتـاج إلیه لتفرق الناس عنه: هل للقاضی أن یصرف أوقافه إلیٰ مسجد آخر أوحوض آخر؟ فقال نعم. (هندیة، الباب الثالث عشر فی الأوقاف التی یستغنی عنها زکریا قدیم ٢/٤٧٨، جدید٢/٤١٩، مجمع الانهر ،دارالکتب العلمیة بیروت ٢/٥٩٦، قدیم١/٧٤٨، ٧٤٩، المحیط البرهاني ، المجلس العلمی٩/١٥١،رقم: ١١٤٤١، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا٨/١٩٦، رقم:٤ ١١٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/۱۱۵۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۲۳ھ

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا کب جائز ہے؟

سوال: [۷۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہمارے یہاں شادیوں کے موقعوں پر دولہا کی طرف سے مسجدوں کیلئے کچھ سامان دینے کا رواج ہے، جس میں بالٹی رسی قرآن پاک رحل لوٹے صفیں گھنٹے بالعموم اور بہت سے لوگ پنکھے وکولر وغیرہ بھی لاتے ہیں، تعمیر وغیرہ کا کام شروع ہوتا ہے، اور بغیر کام کے بھی مسجد کے لوگ اس سامان کو فروخت کر کے حسب مرضی رقم کو خرچ کرتے ہیں، ''یادگار شیخ'' سہارنپور پندرہ روزہ میں ایک استفتاء کے جواب میں مسجد کا سامان بیچنا ناجائز لکھا ہے، آپ وضاحت کیساتھ اس مسئلہ کو صاف تحریر فرمائیں کہ مسجد کے سامان کی فروختگی درست ہے یا نہیں؟ اگر کچھ گنجائش ہے تو کس صورت میں؟ اگر کمیٹی یا متولی کو اختیار ہے تو کس وقت؟

(۲) تقرر کس طرح سے کیا جائیگا ،صرف نمازی ہی کرلیں گے یا بستی ومحلّہ کے سب لوگ بالاتفاق کمیٹی یا متولی بنائیں گے؟

المستفتي:عبد الرحیم، بڑ بڑوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مذکورہ اشیاء مسجد کی ضروریات سے زائد

ہیں، اور فروخت کرنے میں دینے والوں کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں فاضل اشیاء کو فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۰، ڈابھیل ۱۴/ ۵۷۵، فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۵۳۵، جدید زکریا مبوّب/ ۵۱۵)

لـو اشتـریٰ حشیشـا ، أو قندیلا، للمسجد فوقع الاستغناء عنه ، کان ذلک لـه إن کـان حیاً . (البحر الرائق، الوقف، فصل فی أحکام المسجد زکریا ۵/ ۴۲۳، کوئٹه ۵/ ۲۵۲، الدر مع الرد، زکریا ۶/ ۵٤۹، کراچی ٤/ ۳۵۹)

(۲) بہتر شکل یہی ہے کہ سب کے اتفاق سے کمیٹی یا متولی کا تقرر کیا جائے اور اگر محلّہ کے بااثر اور صاحب رائے حضرات کے اتفاق سے بنایا جائے تب بھی جائز اور درست ہوگا۔

کـمـا استفید من عبارة الشـامـی، ویـصـیـر الـقـاضی قاضیاً بتراضی المسلمین الخ. (شامی، الصلاة، باب الجمعة ، زکریا ۳/ ۱٤، کراچی ۲/ ۱٤٤، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیو بند/ ۵۰۷، هندیه زکریا قدیم ۱/ ۱٤٦، جدید ۱/ ۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۹۳/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۳ھ

ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد میں دینا

سوال: [۷۶۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ لوگ کبھی کبھی مسجد کے پیسے چھپا لیا کرتے تھے، لیکن لکھ کر رکھتے تھے، ان کا بھی حساب موجود ہے تو کیا جس مسجد کے پیسے لئے تھے، اسی مسجد میں دینا ضروری ہے، یا دوسری مسجد میں دینے سے کام چل سکتا ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: مشتاق احمد، محلّہ تھانہ امروہہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مسجد کا روپیہ چھپالیا ہے، اسی مسجد کو ادا کرنا ضروری ہے دوسری مسجد کو دینے سے وہ بری الذمہ نہ ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۰۷، فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۵۳۶، جدید مبوب/ ۵۱۵، فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۱۸۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۵۰)

وإن اختلف أحدهما بأن بنیٰ رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً لايجوز لهٗ ذلک. (شامی، الوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه زکریا ٦/ ٥٥١، کراچی ٤/ ٣٦٠، الفقه الإسلامی و أدلته، دارالفکر ١٠/ ٧٦٦٤، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٨/ ٢١٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

ایک مسجد کے بچے ہوئے تعمیری سامان کو دوسری مسجد میں لگانا

سوال: [۷۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کی ایک مسجد کی نئی تعمیر ہوئی ہے، اس کی پرانی اینٹیں کچھ سابوت اور کچھ ٹوٹی ہوئی ہیں، کچھ چھت کی سریا وغیرہ بھی بچی ہوئی ہیں، اب مسجد کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے، سردست اس مسجد میں ضرورت نہیں ہے، جس کی زمین پر یہ اینٹیں رکھی ہوئی ہیں، یا پورا ملبہ پڑا ہوا ہے، وہ وہاں سے جلد ہٹا لینے کا تقاضہ کررہا ہے، نیز اگر اس کو وہاں سے نہ ہٹایا گیا تو ضائع ہونے یا دھیرے دھیرے غائب ہوجانے کا بھی اندیشہ ہے، اسلئے دریافت یہ کرنا ہے کہ ان اینٹوں کو یا بچے ہوئے ملبہ کو کسی دوسری مسجد یا مدرسہ میں جہاں تعمیری کام جاری ہیں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ تحریر فرمادیں؟

المستفتي: متولی مسجد فتح پور، کملاپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں جوائنٹیں اور سریا وغیرہ مسجد کی ضرورت سے زائد ہے اور تحفظ کی کوئی قابل اطمینان صورت بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں زائد از ضرورت ملبہ کو کسی دوسری مسجد یا کسی دینی مدرسہ میں لگانا جائز اور درست ہے۔

يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا٦/٥٤٩، كراچی ٤/٣٥٩، الموسوعة الفقهية الكويتية٤٤/١٦١)

فإن استغنى عنه هذا المسجد يحول إلىٰ مسجد اٰخر. (فتاوىٰ عالمگیری، الباب الحادی عشرفی المسجد وما يتعلق به زكرياقديم٢/٤٥٨، جديد٢/ ٤١٠، البحر الرائق، كوئٹه٥/٢٥٢، زكريا٥/٤٢٣)

والذی ينبغی متابعة المشايخ المذكورين في جواز النقل .... ولا سيما فی زماننا فإن المسجد أو غيره من رباط أو حوض إذا لم ينقل يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كماهو مشاهد. (شامی، زكريا٦/ ٥٥٠، كراچی ٤/ ٣٦٠) مستفاد: انوار رحمت/١٤٤، فتاویٰ محمودیه ڈابھیل١٥/٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۱۱/۱۴۳۲ھ

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرنا

سوال: [۷۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اور وہاں کے مسلمان اپنے مکانوں کو خالی کر کے دوسری جگہ جارہے ہیں، اب جو سامان ہے، اس کو اس مسجد کے لوگ دوسری مسجد میں دینا چاہتے ہیں، اور

اس میں نماز بھی نہیں ہوتی ہے، اور اگر وہ لوگ اس مسجد کے سامان کو وہاں چھوڑ تے ہیں، تو کافر لے جائیں گے، اور مسجد کے منہدم ہونے کا پورا پورا امکان ہے، اور کافروں کے ظلم وستم سے وہ لوگ وہاں سے جارہے ہیں، اب وہ لوگ اس مسجد کا سامان دوسری مسجد کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں؟ مہربانی ہوگی؟ مسجد کا سامان یہ ہے، لاؤڈ اسپیکر، لوٹے صرف دو سامان ہیں؟

المستفتي: لیاقت حسین محلّہ: اسلام نگر، کرولہ ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی وہاں سے تمام مسلمان منتقل ہوکر دوسری جگہ جارہے ہیں، اور اس مسجد کے ویران ہونے کا خطرہ ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے، کہ اس مسجد کو رجسٹرڈ کرالیں اور وقف بورڈ کے ماتحت اسکی حفاظت ہوتی رہے اور اس مسجد کے لوٹے اور لاؤڈ اسپیکر کو دوسری جگہ کی مسجد میں استعمال کرنا شرعاً جائز ودرست ہوگا۔ (مستفاد: امدادالمفتیین کراچی/۷۷۰)

سئل شیخ الاسلام عن أهل قریة رحلوا وتداعی مسجد ها إلی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبه وینقلون إلی دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن یبیع الخشب بأمر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه إلیٰ بعض المساجد أو إلیٰ هذا المسجد؟ قال: نعم الخ. (شامی، الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه، زکریا ٦/٥٥٠، کراچی ٤/٣٦٠، هندیه، زکریا قدیم ٢/٤٧٩، جدید ٢/٤١٩، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ٩/١٥١، رقم: ١١٤٤٢، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا ٨/١٩٧، رقم: ١١٦٢٦، منحة الخالق، زکریا ٥/٤٢٥، کوئٹه ٥/٢٥٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨/رجب ١٤١٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢٥٠/٢٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٨/٧/١٤١٣ھ

ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں صرف کرنا

سوال: [٧٩٨٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ شیر کوٹ کی ایک مسجد المعروف بعلی اس کے دو فنڈ ہیں ایک فنڈ جائیداد کے کرایہ کی بابت جو رقم وصول ہوتی ہے، وہ رقم تو مسجد کی منتظمہ کمیٹی کے خازن کے پاس جمع رہتی ہے، جو مسجد کے ماہانہ اخراجات میں صرف ہوتی ہے، دوسرا فنڈ وہ ہے جو بیاہ شادی وغیرہ میں لوگ مذکورہ (علی مسجد) کو بطور امداد کرتے ہیں، اور وہ نامزد کر کے علی مسجد ہی کو دے کر جاتے ہیں، یہ رقم کمیٹی کے علاوہ برادری کے ایک امین شخص کے پاس جمع ہوتی رہتی ہے، کہ کسی وقت کوئی بڑا کام مسجد میں ہو تو یہ رقم کام آئے گی، اب علی مسجد میں ایک اہم کام کا آغاز ہے دوسرے فنڈ کے متعلق اس فنڈ کے خازن کا یہ کہنا ہے کہ یہ رقم بجائے علی مسجد کے دوسری ایک مسجد میں دیدی جائے، کیونکہ علی مسجد مالدار مسجد ہے، وہ دوسری مسجد رقم کے اعتبار سے کمزور ہے کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ معطی نے یہ رقم علی مسجد کے نام سے دی ہے، آپ صرف امین یا خزانچی ہیں، یہ علی مسجد میں ہی خرچ ہونی چاہئے اب سوال یہ ہے کہ ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد میں خزانچی یا امین کا بغیر اجازت معطی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حاجی اقبال احمد، سکریٹری،
علی مسجد، قصبہ: شیر کوٹ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو پیسے لوگوں نے علی مسجد کو امداد کے طور پر

دیئے ہیں، ان پیسوں کو علی مسجد ہی کے مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے، کسی دوسری مسجد پر ان پیسوں کا صرف کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر دوسری مسجد مالی اعتبار سے بہت کمزور ہے تو علی مسجد کی کمیٹی کے تمام افراد کے اتفاق سے دوسری مسجد کو دیا جاسکتا ہے، نیز اگر معطیین موجود اور متعین ہوں تو ان کو بھی خبر کر دی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۱۸۵، ڈابھیل ۱۴/۵۸۱)

وإن اختلف أحدهما بأن بنیٰ رجلان مسجدین أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف علیهما أوقافاً لایجوز له ذٰلک. (شامی، الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زکریا ٦/ ٥٥١، کراچی ٤/ ٣٦٠، الفقه الإسلامی وأدلته، هدیٰ انٹر نیشنل ٨/ ٢١٨، دارالفکر ١٠/ ٧٦٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۷۳/۹۲۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۲۴ھ

کیا ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد یا مدرسہ میں صرف کرسکتے ہیں؟

سوال: [۷۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کچھ رقم مسجد کی تعمیر میں دی تھی لیکن اس مسجد کی خود اتنی آمدنی ہے کہ ضرورت سے زیادہ بچی رہتی ہے، کیا وہ رقم وہاں سے نکال کرکسی دوسری مسجد کی یا مدرسہ کی تعمیر میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی، اعجاز پریس، کلین، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بینک سے ضائع ہونے کی بات نہیں ہے، تو دوسری مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا، البتہ اگر چندہ دہندگان سے رابطہ قائم کرنا

ممکن ہوتوان کی اجازت سے دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز ہوسکتا ہے، نیز مدرسہ میں صرف کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ مبوب/٦ ۵۳، جدید زکریا مبوب/ ۵۱۵، امدادالفتاویٰ ۲/ ۵۹٦)

وإن اختلف أحدهما بأن بنیٰ رجلان مسجدين أو رجل مسجداً ومدرسةً ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذٰلک. (شامی، الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زکریا٦/ ٥٥١، کراچی٤/ ٣٦٠، الفقه الإسلامی وأدلته، هدیٰ انٹر نیشنل ٨/ ٢١٨، دارالفکر ١٠/ ٧٦٧٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲٦/ ۱۸۴۱)

ایک مسجد کی جانماز معطی کی اجازت سے دوسری مسجد میں دینا

سوال: [۷۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے مسجد میں چندہ دیا اس کی جانماز خریدی گئی اب اس جانماز کا استعمال اسی مسجد میں ہونا ضروری ہے جس کے واسطے اس نے چندہ دیا تھا، یا دوسری مسجد میں چندہ دہندگان کی اجازت سے استعمال کرنا درست ہے؟

المستفتي: مولانا ظہیر احمد، مفتی جامع العلوم، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد یا دینی ادارہ کی جانماز یا دوسری چیز جبکہ ایسے چندہ کی رقم سے خریدی گئی، جو اسی مسجد کے لئے خاص ہے اور چندہ دیتے وقت چندہ دہندہ نے دوسری مسجد میں تصرف کی صراحت نہیں کی ہے، اور وہ جانماز وغیرہ اسی مسجد کی ضروریات کے لائق بھی ہے، تو دوسری مسجد میں تصرف ناجائز ہے، اگر وقت اعطاء رقم دہندہ نے دوسری

مسجد میں تصرف کی بھی صراحت کردی تھی، تو جائز ہے بعد کی اجازت معتبر نہیں، کیونکہ ملکیت سے خارج ہو جانے کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

وإنما تثبت ولاية الاستبدال بالشرط وبدون الشرط لاتثبت الخ.

(قاضیخان، الوقف، فصل فی مسائل الشرط فی الوقف، زکریا جدید۳/۲۱٤، وعلی ھامش الھندیة۳/۳۰۷، البحرالرائق، کوئٹہ٥/۲۰٦، زکریا٥/۳٤٥، الموسوعة الفقھیة الکویتیة٤٤/۱۹۸)

وأجمعوا على أن الواقف إذا شرط الاستبدال لنفسه فى أصل الوقف يصح الشرط والوقف ويملك الاستبدال وأما بدون الشرط أشار فى السير أنه لايملك الاستبدال الخ. (قاضیخان، زکریاجدید۳/۲۱٤وعلی ھامش الھندیة۳/۳۰٦)

والملك يزول أى ملك الواقف فيصير الوقف لازماً للاتفاق على التلازم بين اللزوم والخروج عن ملكه الخ. (الردّ مع الدر، مطلب شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع کوئٹہ ۳/۳۹٥، کراچی ٤/۳٤۳، زکریا٦/٥۲۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۴۳)

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں استعمال کرنا

سوال: [۷۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صحن مسجد میں جو کنواں اور کمرہ تعمیر کیا گیا ہے، اس کی تعمیر میں ایک دوسری مسجد کے چوکے (اینٹیں) استعمال کی گئیں ہیں، جبکہ خود اس دوسری مسجد کا تعمیری کام ہو رہا ہے، لہٰذا شرعاً ایک مسجد کی اینٹیں دوسری مسجد کے غیر شرعی کام میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں براہ کرم مفصل ہر دو سوال

کا جواب باحوالہ تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عبدالسلام، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۴۹، فتاوی رشیدیہ قدیم /۵۳۳، جدید زکریا مبوب/۵۱۲، کفایت المفتی ۷/۶۲، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۳۵، وغیرہ میں صراحت موجود ہے، کہ صورت مذکورہ میں دوسری مسجد کے کام میں استعمال ناجائز ہے!

وإن اختلف أحدهما بان بنىٰ رجلان مسجد ين أو رجل مسجداً أو مدرسة ووقف عليهما أوقافاً لايجوز له ذلك الخ. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زكريا ٦/١ ٥٥، كراچی ٤ /٣٦٠، الفقه الإسلامی وأدلته ، هدىٰ انٹر نیشنل دیوبند٨/٨ ٢١، دارالفكر ١٠ /٤ ٧٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۴/۲۴)

پرانی مسجد کی جائیداد ورقم نئی مسجد میں لگانا

سوال: [۷۹۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پرانی مسجد کی جائداد ورقم نئی مسجد کی تعمیر میں لگانا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتي: ربیع الحق، مرشد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر پرانی مسجد کی جائداد اور رقم اس کی ضرورت سے زائد ہے تو نئی مسجد میں اس کا اثاثہ لگانا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۱۳۹)

یصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أوغیره زکریا ۶/۵۴۹، کراچی ۴/۳۵۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۴۴/۱۶۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۶/۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۴۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۱۰ھ

الفصل الحادي عشر: اشیاء مسجد کا استعمال

مسجد میں موجود تاڑی کے درخت کی آمدنی کا مصرف

سوال: [۷۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی زمین میں یا قبرستان کی زمین میں جو تاڑی کا درخت ہوتا ہے، اس کی تاڑی جو بیچی جاتی ہے، اور اس سے جو آمدنی آتی ہے، اس رقم کو کیا کرنا چاہئے بتایا جائے یعنی یہ کہ مسجد وقبرستان کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں یا سڑک کی نالی وغیرہ درست کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یا اس کے علاوہ کس مصرف میں لایا جاسکتا ہے؟

المستفتي: فیاض الدین، بہار شریف، نالندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تاڑی اور اس کی آمدنی کی حلت اور حرمت کا مدار اس میں نشہ ہونے اور نشہ نہ ہونے پر ہے، اگر نشہ دار نہ ہو صرف میٹھا عرق فروخت ہوتا ہو تو وہ جائز اور حلال ہے اسکی آمدنی اسی مسجد یا قبرستان کے اخراجات تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا ضروری ہے، اور اگر باقاعدہ اس میں نشہ آچکا ہے، تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور یہی مفتی بہ قول ہے، لہٰذا نشہ دار تاڑی کا کاروبار ہرگز نہ کیا کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۲۳۰)

عن ابن عباس قال: حرمت الخمر بعینها قلیلها وکثیرها، والسکر من کلّ شراب. (سنن النسائی، الاشربة، النسخة الهندیة ۲/۲۸۳، دارالسلام رقم: ۵۶۹۵، السنن الکبریٰ للبیهقی، دارالفکر بیروت ۱۳/۸۶، رقم: ۱۷۸۹۲)

وحرمها محمدؒ أي الاشربة المتخذة من العسل والتین ونحوهما قاله المصنف مطلقا قلیلها وکثیرها وبه یفتیٰ. (درمختار کتاب الاشربة، کراچی

٦/ ٤٥٤، زکریا ١٠/ ٣٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۲/ ۱۴۱۷ھ

کیا مسجد کی چیزوں کا استعمال عوام کیلئے جائز ہے؟

سوال: [۷۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک مسجد کا خادم ہوں یہ بازار کی مسجد ہے، نمازیوں میں اکثر دوکاندار حضرات ہیں ،دوکاندار مسجد کا بیت الخلاء استعمال کرتے ہیں، کچھ دوکاندار اپنے برتن بھی مسجد ہی میں دھوتے ہیں، محلّہ کے نمازیوں میں سے کچھ لوگ مسجد کا گرم پانی اپنے گھر پر لیجا کر استعمال کرتے ہیں، کچھ لوگ اپنے کپڑے مسجد میں ہی دھو لیتے ہیں، میں دریافت کرنا چاہتا ہوں، کیا مسجد کی چیزیں عوام کیلئے جائز ہیں، کیا مسجد کی سیڑھی اسٹول وغیرہ لوگوں کو ان کے گھروں کے استعمال کیلئے دیا جا سکتا ہے، کیا مسجد کی چیزیں اجرت لے کر لوگوں کو کچھ وقت کے لئے دی جا سکتی ہیں، کیا انتظامیہ کے مانگنے پر بھی اجرت نہ دئے جانے پر انتظامیہ ذمہ دار ہے؟ جبراً اجرت نہ دینے پر انتظامیہ کیا کرے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتي: ناصر پرویز، مسجد ترپولیہ، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) محلّہ کے لوگوں کا مسجد میں آ کر مسجد کے پانی سے غسل کرنا، کپڑے وغیرہ دھونا اور سردی کے زمانہ میں مسجد کا گرم پانی بالٹیوں میں بھر کر اپنے گھروں میں لے جانا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ یہ ساری چیزیں نمازیوں کیلئے وقف ہوتی ہیں، رفاہ عام کیلئے وقف نہیں ہوتیں اسلئے نمازیوں کیلئے نماز کے اوقات میں تو استعمال کرنا جائز ہے لیکن دیگر لوگوں کیلئے استعمال کی اجازت نہیں ہے، البتہ ہینڈ پائپ (ہتھی کانل) سے پانی لینا جائز ہے، اسلئے کہ ہینڈ پائپ (ہتھی کانل) سے پانی زمین سے نکلتا ہے،

جس کی کوئی قیمت نہیں، دریائی پانی کے مانند ہے۔

ولا یحمل الرجل سراج المسجد إلیٰ بیته . (عالمگیری، کتاب الصلوٰة ، الباب السابع فیما یفسد الصلوٰة ، الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوٰة الخ، زکریا قدیم ۱/ ۱۱۰، جدید ۱/ ۱٦۹)

وإذارأی حشیش المسجد فرفعه إنسان جاز، إن لم یکن له قیمة فإن کان له أدنیٰ قیمة لایأخذه إلا بعد الشراء من المتولی والقاضی أو أهل المحلة أو الإمام . (البحرالرائق، کتاب الوقف ، فصل فی احکام المسجد زکریا٥/ ٤۲۰)

(۲) مسجد کی اشیاء کا عام لوگوں کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لیکن اگر اس کے باوجود استعمال کرلیا تو اس مسجد کیلئے اس پر اجرت لازم ہوگی۔

فإن کان له أدنیٰ قیمة لایأخذه إلابعد الشراء من المتولی والقاضی أو أهل المسجد أو الإمام . (البحرالرائق، زکریا ٥/ ٤۲۰، کوئٹه ٥/ ۲٥۱)

(۳-۴-۵) مسجد کی سیڑھی اور اسٹول وغیرہ لوگوں کے مانگنے پر ان کو عاریۃً نہیں دیا جاسکتا ہے، البتہ اجرت پر دیا جاسکتا ہے، اجرت کے بغیر دینا درست نہیں ہے، اور انتظامیہ کے مطالبہ کے باوجود اگر کوئی شخص اجرت ادا نہ کرے اور ظالمانہ رویہ اختیار کرے تو وہ شخص گنہ گار ہوگا، اور مسجد کی انتظامیہ اس کی ذمہ دار نہ ہوگی، جبکہ انتظامیہ کی طرف سے اجازت نہ ہو۔

سئل القاضی الإمام شمس الاسلام محمود الأوزجندی عن أهل المسجد تصرفوا فی أوقاف المسجد یعنی آجروا المستغل وله متول قال لا یصح تصرفهم ولکن الحاکم یمضی مافیه مصلحة المسجد. (عالمگیری، زکریا قدیم ۲/ ٤٦۳، جدید ۲/ ٤۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۷۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۴/۲۷ھ

مسجد کی دیوار میں تصرف کر کے دوکان بنانا

سوال: [۷۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد گھیر ملاملوک کی جنوبی دیوار بارہ فٹ اونچی اور چار فٹ چوڑی ہے اس دیوار میں آٹھ فٹ اونچی اور تین فٹ چوڑی ڈاٹ نکالکر ایک دوکان بنالی ہے، اس دیوار کے اوپری حصہ کو بالکل نہیں چھوا گیا ہے، اور نہ ہی مسجد کی چار دیواری میں تصرف کیا گیا صرف سڑک کی جانب سے ڈاٹ نکال کر اور دیوار کے ساتھ افتادہ زمین پر یہ دکان تعمیر کی گئی ہے، تاکہ مسجد کے مصارف میں کام آسکے کیا شرعی طور پر ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی رو سے مفصل ومدلل جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: خالد حسین صدیقی،
بازار گنج، شاداب مارکیٹ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسجد کی مسجدیت مکمل ہوگئی ہے، تو اب اس کی دیواروں پر تصرف کر کے دوکان وغیرہ بنانا جائز نہیں ہوگا، نیز اسکی دیوار پر دوسری عمارت کی کڑی رکھنا بھی جائز نہیں ہے، اگر چہ اس سے مسجد کو اجرت وغیرہ بھی ملتی ہو!

أما لو تمّتِ المسجدية ثم أراد البناء منع (قوله) فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلًّا الخ. وفي الشامية وبه علم حكم ما يصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره فإنه لا يحل ولو دفع الأجرة الخ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/٢٩٦، النهر الفائق، الكتب

العلمية بیروت ۳/ ۳۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۲ /۱۱۷۲)

مسجد کی چٹائی وغیرہ کا عیدگاہ میں استعمال کا حکم

سوال: [۷۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی چٹائی اور ٹاٹ کا عیدگاہ میں عید کی نماز ادا کرنے کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں، اسی طرح مسجد کا مائک عیدگاہ میں تقریر اور نماز کیلئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، اصالتپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی چٹائی اور فرش اسی طرح مسجد کا مائک وقف کرنے والے نے اگر خاص مسجد کیلئے وقف کیا ہے، تو اس کو عیدگاہ میں نماز وغیرہ کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ معطی اور واقف کی غرض کے مطابق مسجد ہی میں استعمال کرنا واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/۱۶۳، جدید زکریا ۹/۹۳، عزیز الفتاویٰ کراچی/۵۹۲، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/۲۰۴، جدید ڈابھیل ۴/۶۲۳)

نیز اس طرح کی عبارت جس سے مذکورہ مسئلہ مستفاد ہوتا ہے ہندیہ میں ان الفاظ سے موجود ہے۔

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلک إلیٰ إمام المسجد أو إلیٰ مؤذن المسجد فليس له ذلک إلا إذا کان الواقف شرط ذلک فی الوقف کذا فی الذخيرة. (هنديه، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد الخ، زکریا قدیم ۲/ ٤٦٣، جدید ۲/ ٤١٣، المحيط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ۹/ ۱۳۷، رقم: ۱۱۳۸۱، تاتار خانية زکريا

۱۷٥/۸، رقم: ۱۱٥٥٤)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا٦/٦٦٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۵۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۶/۱۴۲۱ھ

مسجد کی صفوں اور لاؤڈ اسپیکر کو عیدگاہ میں لے جانا

سوال: [۷۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی صفوف اور لاؤڈ اسپیکر کا عیدگاہ میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبد المعید قاسمی، آزاد نگر، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: جب صفیں اسی مسجد کیلئے وقف کی گئی ہیں تو ان وقف شدہ صفوں کو عیدگاہ میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔

ولا يجوز نقله ونقل ماله إلىٰ مسجد آخر الخ. (شامی، کتاب الوقف مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره کراچی ٤/٣٥٨، زکریا٦/٥٤٨، البحرالرائق، کوئٹہ ٥/٢٥١، زکریا٥/٤٢١، خلاصة الفتاویٰ اشرفیه دیوبند ٤/٤٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۷۹/۲۸)

متولی یا عوام کا مسجد کا موٹر چلا کر ذاتی طور پر پانی استعمال کرنا

سوال: [۷۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید

ایک مسجد کا متولی ہے، باجازت متولی ایک ہندو مسجد کے اندر جا کر موٹر چلاتا ہے، اور مسجد کا پانی اپنے استعمال میں لاتا ہے، کیا متولی کو ایسی اجازت دینا اور کسی ہندو کو مسجد کے اندر جانا اور مسجد کا پانی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد حسین، دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متولی اور ذمہ داران کیلئے ہندو یا مسلمان کو مسجد کا موٹر چلا کر ذاتی طور پر پانی استعمال کرنے کی اجازت دینے کا حق نہیں، ہاں البتہ موٹر استعمال کرنے میں جو خرچ ہوتا ہے وہ اگر ہندو یا وہ مسلمان ادا کر دیتا ہے، تو متولی کیلئے اجازت دینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۷۸، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۵۵)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاتمنعوا فضل الماء . الحديث:

(مسلم شريف، كتاب المساقاة ، باب تحريم بيع فضل الماء الذى يكون بالفلاة ، النسخة الهندية ۲/ ۱۹، بيت الافكار، رقم: ۱۵٦٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/ ۱/ ۱۴۱۵ھ

ذاتی ضرورت کیلئے مسجد کی لائٹ پنکھا وغیرہ استعمال کرنا

سوال: [۷۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی لائٹ پنکھے اور دیگر چیزیں اپنی ذاتی ضرورت کیلئے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد شریف، محلّہ رانڈ، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی لائٹ پنکھے اور دیگر چیزیں اپنی ذاتی ضرورت کیلئے استعمال کرنا ممنوع ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۹۶) جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۲۴)

متولی المسجد لیس له أن یحمل سراج المسجد إلیٰ بیته. (هندیه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی زکریا قدیم ۲/۴۶۲، جدید ۲/۴۱۳، فتاویٰ قاضی خان، باب الرجل یجعل داره مسجداً جدید زکریا ۳/۲۰۵، وعلیٰ هامش الهندیة زکریا ۳/۲۹۴، تاتارخانیة زکریا ۸/۱۶۹، رقم: ۱۱۵۳۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۴/۱۴۲۱ھ

مسجد کی بجلی کے بل کی ادائے گی کرنے والے کا اپنے گھر میں کنکشن لینا

سوال: [۷۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسجد کی بجلی کا بل دیتا ہے، یعنی جتنا بل آجائے وہی شخص دیتا ہے، کیا وہ بجلی مسجد میں سے اپنے گھر میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ بجلی لینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

المستفتي: عبد الستار، بچھرایوں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب مسجد کا کوئی نقصان نہیں ہے، اور اسمیں حکومت کی طرف سے کوئی مخالفت نہیں اور یہ قانونی جرم بھی نہیں ہے، تو بجلی کا کنکشن لینا جائز ہوگا جبکہ پورا بل ادا کر دیا جائے، اور اگر قانوناً جرم ہے تو اس سے احتراز لازم ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: وَلاَ تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ إِلىٰ التَّهْلُكَةِ، الآية: (البقرة: ۱۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الأولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۵/۱۴۱۱ھ

مسجد کا کولر بیچ کر بجلی کا بل ادا کرنا

سوال: [۷۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں گل پورہ میں ایک مسجد ہے، جو ہمارے باپ دادا کی بنوائی ہوئی ہے، اور اس میں گاؤں کے سبھی لوگ نماز پڑھتے تھے، اسی دوران ایک صاحب ایک کولر مسجد کے لئے دے گئے تھے، لیکن کچھ حالات بگڑنے کی وجہ سے سے ہم لوگوں نے اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد بنانے کا ارادہ کرلیا ہے، اور مسجد کا بجلی کنکشن ہم لوگوں کے نام تھا، اور ہم لوگوں نے مشورہ کر کے بجلی کے کنکشن کا بل ادا کرنے کے پیسے مانگے وہ لوگ دینے سے منع کرتے ہیں، اس وجہ سے وہ کولر ہمارے قبضہ میں ہے اور اس بل کی قیمت تقریباً ۴ر ہزار روپیہ ہے، تو اس کولر کو بیچ کر اسکی رقم کو بل کے ادا کرنے میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: زاہد حسین، مناظر حسین، گل پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مسجد کے اس کولر کو بیچ کر بل ادا کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ واقف نے نمازیوں کی راحت رسانی کیلئے کولر کو وقف کیا ہے، نہ کہ بیچ کر بل ادا کرنے کیلئے، لہٰذا آپ لوگ بل والے روپیہ کے سلسلہ میں کمیٹی والوں سے بات کریں، لیکن مسجد کے کولر کو بیچنے کی اجازت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/۱۴۸، جدید ڈابھیل ۱۴/۲۷۴، احسن الفتاویٰ ۶/۴۵۰)

شرط الواقف كنص الشارع. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف كنص الشارع، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا ٦/٦٤٩)

لايباع ولايوهب . (شامی، الوقف، مطلب متى ذكر الواقف شرطين متعارضتين الخ، کراچی ٤/٤٤٤، زکریا ٦/٦٦٣)

لو باعوا غلة المسجد الأصح أنه لايجوز. (فتاوىٰ عالمگیری،

الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی زکریاقدیم ۲/ ٤٦٣، جدید ٢/ ٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۷رجمادی الثانیہ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۷۲۶۴/۳۵)

مقروض مسجد میں پانی گرم کرنے کیلئے گیزر لگوانا

سوال: [۷۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد تقریباً اٹھانوے ہزار روپیہ کی مقروض ہے، بجلی کا بل سالوں سے ادانہیں ہوسکا ہے، تو ایسے حالات میں مسجد میں پانی گرم کرنے کیلئے گیزر لگوانا اور اس طرح نمازیوں کوگرم پانی فراہم کرکے مسجد کومزید زیربار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اوراس مسجد میں نماز پڑھنے والے نمازیوں کی نماز میں مسجد کے مقروض ہونے سے کوئی کراہت تو نہیں اس کے شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: ایم محبوب،اصالت پورہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مسجد مقروض ہے گیزر سے پانی گرم کرکے مسجد کومزید مقروض کردینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کوئی صاحب خیر اپنی جیب سے اس کا خرچہ برداشت کرلے تو گنجائش ہے، ورنہ جائز نہ ہوگا اور ٹھنڈے پانی سے وضوکرکے نماز پڑھ لیا کریں۔

عن عمر بن يحيٰ المازني عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاضرر ولا ضرار . (مؤطا امام مالکؒ، کتاب القضاء، القضاء فی الرفق، النسخة الهنديه/ ٣١١)

لاضرر ولا ضرار ، الحديث: (الاشباه، قديم/ ١٣٩)

اوراب تک جومحلّہ والوں نے گیزر چلا کربل میں اضافہ کیا ہے، اس کا خرچہ محلّہ والوں پر لازم ہے، اورجب محلّہ والے بل ادا کردیں گےتوان کی نماز بھی کراہت سے محفوظ ہوجائیگی۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرىٰ، الأية: (الانعام: ١٦٤، الاسراء ١٥، الفاطر: ١٨، الزمر: ٧، النجم: ٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ / شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳ / ۵۴۲۴)

مسجد کا سامان غصب کرنے کا حکم؟

سوال: [۷۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کا کچھ سامان وہاں کے لوگوں نے اپنے صرفہ میں لے لیا ہے، اب وہ لوگ اس سامان کو یا اسکی قیمت کو دینا نہیں چاہتے، تو ایسے لوگوں کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے، اوران لوگوں پر اس سامان کا واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے نوازکر عنداللہ ماجور ہوں؟

المستفتي: محمد یوسف، موضع شاہ نگلا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کا سامان اپنے صرفہ میں لانا ناجائز اورحرام ہے، مسجد کا سامان ان لوگوں سے واپس لینا ضروری ہے، اوراگر سامان موجود نہ ہو تو قیمت وصول کی جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۵۹، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۱۶، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۷۲، فتاویٰ رشیدیہ، قدیم / ۵۳۳، جدید زکریا / ۵۱۲)

وفي الحاوی ویفتی بالضمان في غصب عقار الوقف وغصب منافعه وكذا كل ماهو أنفع للوقف الخ. (البحرالرائق، کتاب الوقف زکریا ۵/ ۳۹۶، کوئٹہ ۵/ ۲۳۷)

أما الوقف فقد قال في الذخيرة : الغاصب إذا غصب الدار الموقوفة فهدم بناء الدار وقطع الأشجار للقيم أن يضمنه قيمة الأشجار والنخيل والبناء إذا لم يقدر الغاصب على ردها ويضمن قيمة البناء مبنيًا وقيمة النخيل نابتاً في الأرض لأن الغصب ورد هكذا (وقوله) ولم يفصل فيه بين المسجد وغيره من الوقف الخ. (شامی، کتاب الغصب مطلب فیما لوهدم حائط، مطبوعه کوئٹه ٥/١٢٧، کراچی ٦/١٨١، زکریا ٩/٢٦٥، هندیه زکریا قدیم ٢/٤٤٨، جدید ٢/٤٠٤، المحیط البرهانی، المجلس العلمی بیروت ٩/١٠٨، رقم: ١١٢٩٩، تاتار خانية، زکریا٨/ ١٤٠، ١٤١، رقم: ١١٤٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۳/۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹ ر رمضان ۱۴۰۸ھ

غیر شرعی مسجد کا ملبہ اپنے کام میں لانا

سوال: [۷۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پلاٹ ۱۵×۳۰ فٹ کا دوکان کیلئے سرکاری کرایہ پر الاٹ ہے جن صاحب نے کرایہ پر اپنے نام الاٹ کرایا، انھوں نے اپنے خرچہ سے اس کو تعمیر کرا کر اگلے حصہ میں دوکان اور پچھلے حصہ میں نماز قائم کرائی وہاں جماعتیں بھی ٹھہرتی تھیں پنج وقتہ نمازیں بھی ہوتی تھیں، رمضان میں تراویح بھی ہوتی تھی، اب وہ جگہ تقریباً دس سال سے بند ہے، کوئی نماز وغیرہ کا سلسلہ نہیں ہے، اس میں کوئی پیسہ چندہ سے نہیں لگا تھا، اب وہ شخص اپنا ملبہ فروخت کر رہے ہیں جبکہ زمین گورنمنٹ سے کرایہ پر ہے، تو اس کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور خریدنے والے کو اس میں رہائش اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حاجی ابرار احمد، لائن مین، نئی کالونی، کالا گڈھ پوڑی گڑھوال، اترا کھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کے انداز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ جس حصہ پر نماز پڑھی جارہی تھی، اس کو باضابطہ مسجد نہیں بنایا گیا اور نہ اس کو مسجد بنانے کا حق تھا، بلکہ عارضی طور پر نماز کیلئے عبادت خانہ کے طور پر بنایا گیا تھا، جیسا کہ بڑے بڑے فرموں اور فیکٹریوں میں بھی یہ سلسلہ اور دستور ہے کہ عارضی طور پر فرم کے کسی ایک حصہ کو نماز کیلئے خاص کر لیتے ہیں، اس میں شرعی مسجد کا ارادہ نہیں ہوتا ہے بلکہ پنجوقتہ نماز اس میں پڑھنا مقصد ہوتا ہے، ایسی جگہ مسجد نہیں بنتی ہے، جب چاہے اسے توڑ کر یا اسی حالت میں اسے دوسرے کام میں لانا جائز ہے، لٰہذا سوالنامہ میں بھی یہی صورت معلوم ہوتی ہے، لٰہذا اس جگہ کے ملبہ کو اپنے دوسرے کام میں لانا یا اس کو فروخت کرنا بلاشبہ جائز ہوگا۔

أو یرضیٰ المؤجر عطفاً علی یغرم بترکه أی البناء والغرس فیکون البناء والغرس لهٰذا والأرض لهٰذا وهذالترک إن بأجر فإجارة وإلا فإعارة فلهما أن یؤاجراهما لثالث ویقسما الأجر علی قیمة الأرض بلا بناء وعلی قیمة البناء بلا أرض فیأخد کل حصّته. (شامی، کتاب الاجارة، باب مایجوز من الاجارة کراچی ۶/ ۳۱، زکریا ۹/ ۱ ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۱۹ھ

مسجد میں آئی مٹھائی و پھل کا استعمال

سوال: [۷۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کچھ مٹھائی لیکر مسجد میں دیکر چلا آیا زید نے کس نسبت سے دی ہے یہ کسی کو معلوم نہیں تو اس مٹھائی کو کیا لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے، یا اس کو بیچ کر مسجد میں دیا جائے۔

فاطمہ نے ارادہ کیا کہ ہمارے پیڑ کے پہلے پھل جو ہوں گے، مسجد میں دونگی اس کے بعد فاطمہ نے اس پھل کو مسجد میں دیدیا اب اس کو مصلی یا امام یا مؤذن صاحب کھا سکتے ہیں یانہیں؟ اگر کھا سکتے ہیں، تو کس شکل میں کھا سکتے ہیں، قیمتاً یا بغیر قیمت کے اگر نہیں کھا سکتے تو اس پھل کو کیا کیا جائے؟

المستفتي: حسیب محمد حسین، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ کھانے پینے کی اشیاء جو مسجدوں میں بھیجی جاتی ہیں، وہ نمازیوں کے کھانے کیلئے بھیجتے ہیں، اور پیڑ کا پہلا پھل اور مرغی کا پہلا انڈا نمازیوں کو کھلا کر برکت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں سارے نمازی اس کو کھا سکتے ہیں، اور کسی کام کے رک جانے کی وجہ سے یوں نذر مانی ہے کہ اگر فلاں کام ہو جائیگا، تو مسجد میں فلاں کھانے کی چیز دونگا، تو ایسی چیز غریب اور فقیر نمازی کھا سکتے ہیں، اور اگر کھانے کی چیز نہیں ہے، تو اس کو یا اس کی قیمت کو مسجد کی ملکیت میں دیدینا لازم ہوگا، کیونکہ غیر ماکول اشیاء نمازیوں کیلئے نہیں بھیجی جاتیں بلکہ صرف مفاد مسجد کیلئے بھیجی جاتی ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۲/۱۳۴، ۱۲/۱۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

شادی میں مسجد کی ٹنکی کا پانی استعمال کرنا

سوال: [۸۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادی بیاہ کے موقع پر کھانا پکانے کیلئے مسجد کی ٹنکی کے پانی کا استعمال جائز ہے یانہیں؟

المستفتی: عارف حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی ٹنکی کا پانی مسجد ہی کے لئے خاص ہے شادی بیاہ کیلئے اس کا استعمال کرنے سے مسجد کی چیز کو دوسرے مقاصد میں لگانا لازم آئے گا، لھٰذا اگر کسی کو مسجد کی ٹنکی کے پانی کی ضرورت ہوتو مسجد کو اس کا کرایہ دے کر کے پانی استعمال کرنا چاہئے، بغیر کرایہ کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

ولایحمل الرجل سراج المسجد إلیٰ بیته. (هندیه، کتاب الصلوٰة قبیل الباب الثامن فی صلوٰة الوتر زکریاقدیم۱/ ۱۱۰، جدید۱/ ۱۶۹، بزازیه، کتاب الوقف، فصل فی المسجد ٦/ ۲۷۰ جدید۳/ ۱٤٤)

ولیس لمتولی المسجد أن یحمل سراج المسجد إلیٰ بیته. (البحرالرائق، کتاب الوقف، فصل ومن بنی مسجداً لم یزل ملکه کوئٹه ٥/ ۲٥۰، زکریا٥/ ٤۲۰، هندیه، الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الثانی زکریا قدیم۲/ ٤٦۲، جدید۲/ ٤۱۳، قاضی خان باب الرجل یجعل داره مسجداً جدید زکریا۳/ ۲۰٥، وعلیٰ هامش الهندیةزکریا۳/ ۲۹٤، تاتار خانیة زکریا۸/ ۱٦۹، رقم: ۱۱٥۳٥)

ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل . (هندیه، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایة الوقف زکریا قدیم ۲/ ٤۱۹، جدید ۲/ ۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

مسجد کے پڑوسیوں کا مسجد سے پانی بھرنا

سوال: [۸۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے پڑوسیوں کا مسجد سے پانی بھرنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی، آزادنگر، ہلدوانی ضلع: نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کنواں مسجد کے حدود سے باہر ہے، تو سب لوگ پانی بھر سکتے ہیں، اور اگر حدود مسجد کے اندر ہو تو عورتوں اور بچوں کو وہاں سے پانی بھرنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ یہ حرمت مسجد کے خلاف ہے، کنویں کے پانی سے کسی کو روکنا ممنوع ہے، ہاں البتہ سرکاری نل کا پانی ہے اور اس کی فیس منجانب مسجد ادا کرنی پڑتی ہے، تو محلّہ والوں کو اس میں سے پانی بھرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۱۶۰، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۲۳۶)

ولا بأس أن يشرب من الحوض والبئر ، ويسقى دابته، ويتوضأ منه . (البحرالرائق، كتاب الوقف ، فصل فی أحكام المسجد زكريا ٥/ ٤٢٧، كوئٹه ٥/ ٢٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۹)

مسجد کا لوٹا لیکر مدرسہ میں وضو کرنا

سوال: [۸۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا لوٹا لیکر مدرسہ میں وضو کرنا اور پانی پینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اشرف الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مسجد و مدرسہ دونوں کے ذمہ دار الگ الگ ہیں اور دونوں کا چندہ بھی الگ الگ آتا ہے، تو مسجد کا لوٹا مدرسہ میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلىٰ إمام المسجد أو (إلىٰ غيره) مؤذن المسجد فليس له ذلك إلا إذا كان الواقف شرط ذلك في الوقف الخ. (هنديه، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد ، الفصل

الثاني في الوقف على المسجد زكريا قديم ٢/٤٦٣، جديد ٢/٤١٣، المحيط البرهاني، المجلس العلمي بيروت ٩/١٣٧، رقم: ١١٣٨١، تاتار خانية زكريا ٨/١٧٥، رقم: ١١٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۶۰۷)

مسجد میں لگے درخت کا پھل کھانا

سوال: [۸۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ استا ذی جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم فتاوی رشیدیہ میں ہے کہ، جو درخت کسی نے مسجد میں نمازیوں کے کھانے کو لگایا ہو ،اس میں سے کھانا درست ہے ،مگر اس مسئلہ کے بارے میں عالمگیری کی عبارت اس طرح ہے۔

مسجد فيه شجرة تفاح للقوم أن يفطر بهذا التفاح قال الصدر الشهيد المختار أنه لايباح كذا في الذخيرة. (الهنديه، ٢/٤٧٧)

تاتارخانیہ ۵/۱۸۷۶ اور شامی میں یہ ہے:

لو غرس شجرة للمسجد فثمر تها للمسجد. (شامی، باب احكام المسجد ٤، كراچی/٤٤٤)

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ نمازیوں کیلئے مسجد سے لگائے گئے درخت کا پھل کھانا درست نہیں ہے، جس میں لگانے والے کی نیت کا کچھ تذکرہ نہیں ہے اگر فتاویٰ رشیدیہ کے مطابق کوئی عربی جزئیہ ہوتو امید ہیکہ جوابی خط میں رقم فرمائیں گے، اور اس بارے میں فتویٰ کیا ہے، وہ تحریر کریں گے مذکورہ مسئلہ فتاویٰ رشیدیہ جو رحیمیہ سے چھپی ہے اس میں /۴۱۴، پر مسجد کے پھل دار درخت کے حکم کے عنوان سے لکھا ہے یہ خط میں ایک ادنیٰ شاگرد عبد السلام معماری سے لکھ رہا ہوں؟

المستفتي: عبد السلام غفرلہ، بردوان، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فتاویٰ رشیدیہ کے موافق عربی عبارت ذیل میں درج ہے:

أما غرس في المسجد من الأشجار المثمرة إن غرس للسبيل وهو الوقف على العامة كان لكل من دخل المسجد من المسلمين أن يأكل منها وإن غرس للمسجد لايجوز صرفهاإلا إلىٰ مصالح المسجد الأهم فالأهم كسائر الوقوف. (البحر الرائق، كتاب الوقف، زكريا٥/٣٤٢، كوئٹه ٥/٢٠٥، درمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب استأجر داراً فيها اشجار كراچی٤/٤٣٢، شامی، زكريا ٦/٦٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۵۵۴)

مسجد کی دیوار پر اپنے گھر کا بھیم یا لینٹر رکھنا

سوال: [۸۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے دکھن طرف عام راستہ ہے جو مغرب سے مشرق یا مشرق سے مغرب کو جاتا ہے، اس راستہ کے دکھن طرف رہائشی مکانات ہیں، مسجد کے بالکل پڑوس میں جو مکان ہے اس کی بالائی منزل کی تعمیر اس طرح کی گئی ہے کہ مسجد کی دیوار پر اور اپنے مکان کی دیوار پر بھیم اور لینٹر ڈال کر راستہ کو پاٹ دیا گیا ہے، اس پر دومنزلہ تعمیر کی گئی ہے، اس پر ایک عالم صاحب نے ہی جواب دیا کہ مسجد مس ذاتی تصرف کسی بھی شخص کیلئے جائز نہیں کیونکہ مساجد وقف ہوتی ہیں، مسجد کی دیوار پر دومنزلہ عمارت تعمیر ہوگئی ہے اسلئے نقصان سے بچانے کیلئے یہ راستہ اختیار کیا جائے، کہ اتنی جگہ کا مناسب کرایہ اہل محلّہ اپنی صوابدید پر طے کردیں اور اس آمد کو مسجد کے صرفہ میں استعمال کریں، تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس طرح کرایہ لیکر معاملہ ختم

کیا جائے تو کیا ایسا کرنا دوسری مساجد کیلئے نظیر ثابت نہیں ہوگا، دوسرے حضرات تو اس سے بہت آگے کی حدیں پار کر جائیں گے، یہاں تک کہ مسجدوں کو ہی گھروں کے طور پر استعمال کرنے لگیں گے یہاں تک کہ مسجد کی دیوار پر سے اس کے بھیم اور لینٹر کو ہٹایا جائے؟

المستفتي: جمیل احمد قاسمی، بازار پہاڑ دروازہ، قصبہ نگینہ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی دیوار پر کسی شخص کو بھی اپنے گھر کا بھیم یا لینٹر رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اور جو دومنزلہ عمارت مسجد کی دیوار پر بنائی گئی ہے اس کا کرایہ بھی اہل مسجد کو لینا جائز نہیں ہے، بلکہ اس دومنزلہ عمارت کو فوراً توڑ کر وہاں سے بھیم اور لینٹر الگ کرلیا جائے، ورنہ سخت گنہگار ہوں گے۔

فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه.

(الدر المحتار مع رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد كراچی ۴/۳۵۸، زكريا۶/۵۴۸، الموسوعة الفقهية الكويتية۱۲/۲۹۶)

وبه علم حكم مايصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوعه على جداره فإنه لايحل ولو دفع الأجرة. (شامی، كراچی ۴/۳۵۸، زكريا۶/۵۴۸)

ولا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه.

(البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل ومن بنى مسجداً لم يزل ملكه زكريا ۵/۴۱۹، كوئٹه۵/۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۴/۱ھ

۱۲/الفصل الثانی عشر: مسجد کی رقم کا دوسری جگہ استعمال

مسجد کا سامان عیدگاہ کیلئے استعمال کرنے کا حکم

سوال: [۸۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد وعیدگاہ کی انتظامیہ کا آمدوصرف علیحدہ ہونے کی صورت میں مسجد کی صفیں ولوٹا و مائک وغیرہ جملہ سامان عیدین کی نماز کیلئے عیدگاہ لیجانے کا کیا حکم ہے، جبکہ عیدگاہ کے قیام سے ہی ایسا ہوتا آرہا ہے، اگر درست نہیں ہے، تو کیا مسجد کی انتظامیہ عاریۃ یا واجبی اجرت پر مذکورہ بالا سامان دے سکتی ہے، حالانکہ اجرت پر دینے کا رواج نہیں ہے؟

المستفتي: حمید الرحمٰن، ساکن رسول پور، کھیری لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی دریاں لوٹا، مائک، جملہ سامان عیدین کی نماز کیلئے عیدگاہ لیجانا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ مسجد کی انتظامیہ یہ سب سامان کرایہ پر دے سکتی ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۰۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۸۰، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۲۰۴، ۱۵/ ۲۳۶، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۲۳، ۶۵۳)

متولی الوقف إذا أسكن رجلاً بغير أجر ذكر هلال أنه لاشئی علی الساكن وعامة المتأخرين من المشائخ أن عليه أجر المثل سواء كانت الدار معدة للاستغلال أولم تكن. (التاتارخانية، زكريا ۸/ ۷۰، رقم: ۱۱۲۳۹، هنديه، كتاب الوقف، الباب الخامس فی ولاية الوقف الخ، زكريا قديم ۲/ ۴۲۰، جديد ۲/ ۳۸۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۷/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۱۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/۱۴۲۲ھ

مسجد کی چیزیں عیدگاہ یا دیگر دینی امور میں استعمال کرنا

سوال: [۸۰۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے فرش مائک وغیرہ عیدگاہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دیگر دینی امور میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد یونس علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے فرش، مائک وغیرہ عیدگاہ اور دوسرے امور دینیہ میں استعمال کرنا واقف کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے، ہاں البتہ کرایہ دیکر گنجائش ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/۱۰۸، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۸۰)

لايجوز نقله ونقل ماله إلىٰ مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا. (رد المحتار، كتاب الوقف، مطلب فيما لوخرب المسجد أوغيره كراچی ٤/۳٥۸، زكريا٦/٥٤۸، البحرالرائق، كوئٹه٥/۲٥۱، زكريا٥/٤۲۱، خلاصة الفتاویٰ اشرفيه ديوبند٤/٤۲٤)

لاتجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل. (الهنديه، الباب الخامس فى ولاية الوقف الخ، زكريا قديم۲/٤۱۹، جديد۲/۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۴/۱۴۱۸ھ

مسجد کے نام پر چندہ کر کے مدرسہ کے اساتذہ کو تنخواہ دینا

سوال: [۸۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد کے نام پر چندہ کر کے اس سے مدرسہ کے اساتذہ کو تنخواہ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ دلائل سے

وضاحت فرما کرشکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتی: نورالامین، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے نام پر چندہ کرکے اس پیسے سے مدرسہ کے اساتذہ کو تنخواہ دینا جائز نہیں ہے، لیکن امام ومؤذن کی تنخواہ مسجد ہی کے اخراجات میں شامل ہے، اس لئے امام ومؤذن کی تنخواہ دینا جائز ہے، ہاں البتہ اگر مسجد کے زیرِ انتظام مکتب چلتا ہے، تو مکتب کا سارا خرچہ مسجد ہی کے ضمن میں آتا ہے، اس لئے مکتب کے استاذ کی تنخواہ مسجد کے اخراجات میں شامل ہونے کی وجہ سے مسجد کے فنڈ سے دینا جائز ہے۔

قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ماإذاكان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتاویٰ. (شامی، كتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زكريا ديوبند ٦/٥٥١، كراچی ٤/٣٦٠، ٣٦١)

أی مصالح المسجد يدخل فيه المؤذن والناظر ويدخل تحت الإمام الخطيب لأنه إمام الجامع. (شامی، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها، كراچی ٤/٣٦٧، زكريا ديوبند ٦/٥٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۳۸/۴۱)	۱۴۳۶/۵/۱۶ھ

مسجد کے نام سے چندہ کر کے مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: [۸۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد کے نام پر چندہ کرکے مدرسہ کی ضروریات میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے صریح جزئیات نقل فرما کرشکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: نورالامین، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے نام سے چندہ کرکے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح مدرسہ کے نام سے چندہ کرکے مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر مسجد کے زیر انتظام مسجد ہی میں مکتب بھی چلتا ہے، تو مکتب کا خرچہ مسجد کے پیسے سے چلانا جائز ہے، اس لئے کہ مکتب مسجد کے ضمن میں ذیلی طور پر چلتا ہے، مستقل نہیں ہے، اسی طرح مدرسہ کے زیر انتظام مدرسہ ہی کی مسجد بھی ہے، تو مدرسہ کے چندہ کے پیسے سے مسجد کا خرچ چلانا بھی جائز ہے، اس لئے کہ مسجد مدرسہ کے ضمن میں شامل ہے، مستقل الگ سے نہیں ہے، اوراس طرح کا معاملہ مسلمانوں میں رائج اور متعارف ہے۔

قال الخير الرملي: أقول: ومن اختلاف الجهة ماإذاكان الوقف منزلين: أحدهما للسكنى والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتاوىٰ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه زکریا دیوبند ٦/٥٥١، کراچی ٤/٣٦٠، ٣٦١)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (عقود رسم المفتی، دارالکتاب دیوبند/١٥٣، قواعدالفقه، اشرفی /٧٤، رقم:١٠١) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱؍۱۲۰۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۵/۱۶ھ

مسجد کے نام سے چندہ کرکے مدرسہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: [۸۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد مدرسہ کے ضمن میں ہے جیسا کہ شاہی مسجد، مدنی مسجد، تو اب سوال یہ ہے کہ اس مسجد کے نام پر چندہ کرکے اس پیسے کو مدرسہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر اس مدرسہ کا کوئی مدرس اس مسجد کے نام پر چندہ کرکے حاصل شدہ رقم سے اپنی تنخواہ وصول کرلے تو

اس طرح مسجد کے نام پر چندہ شدہ رقم سے تنخواہ لینا مدرس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ جب مدرس صاحب اس پیسے سے تنخواہ وصول کرتے ہیں، تو وہ پیسے مدرسہ میں بالکل جمع نہیں کرتے؟

المستفتي: محمد عبدالستار، جلپائی گوڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کے ماتحت اوراس کی زمین میں جو مسجد بنی ہوتی ہے، آمدنی اور خرچ کے اعتبار سے وہ مدرسہ کے تابع ہوتی ہے، اس کے خرچہ اور اخراجات کے لئے الگ سے چندہ کرکے ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، اوراس کی گنجائش ہے، کہ مدرسہ کے نام سے جو چندہ آتا ہے، اس کے ذریعہ اس مسجد کی ضروریات پوری کی جائیں اسی طرح جو مدرسے اور مکتب کسی مسجد کے ضمن اور ماتحت میں چلتے ہوں، اس کا خرچہ اور اخراجات مسجد کی آمدنی کے ذریعہ سے پورا کرنا جائز ہے، لیکن چندہ کرنے والے کے لئے چندہ کا پیسہ دفتر میں یا ذمہ دار کے پاس جمع کئے بغیر اپنے طور پر اس میں سے اپنی تنخواہ وصول کرلینا اس کیلئے جائز نہیں ہے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ پہلے دفتر یا ذمہ دار کے پاس جمع کردے، اس کے بعد اپنا مشاہرہ وصول کرے۔

والذی یبدأبہ من ارتفاع الوقف: أی من غلتہ – عمارتہ شرط الواقف أولا، ثم ماھو أقرب إلی العمارۃ وأعم للمصلحۃ کالإمام للمسجد والمدرس للمدرسۃ یصرف إلیھم إلیٰ قدر کفایتھم ثم السراج والبساط کذلک إلیٰ آخر المصالح. (شامی، کتاب الوقف، مطلب: یبدأ بعد العمارۃ بما ھو أقرب إلیھا، زکریا ۶/ ۵۶۰، کراچی ۳/ ۳۶۷، ھندیہ، زکریا قدیم ۲/ ۳۶۸، جدید ۲/ ۳۵۶، البحرالرائق، زکریا ۵/ ۳۵۶، کوئٹہ۵/ ۲۱۳)

الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل وقد أمرہ بالدفع إلیٰ فلان فلا یملک الدفع إلیٰ غیرہ کما لو أوصیٰ لزید بکذا لیس للوصی الدفع

إلیٰ غیره . (شامی، الزکاة، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاءً، زکریا ۳/ ۱۸۹، کراچی ۲/ ۲۶۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۶/۱۷ھ

مسجد کی مد سے مدرس کی تنخواہ دینا

سوال: [۸۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مدرس کو جو امامت بھی کرتا ہو اور امامت کی اجرت نہ لیتا ہو مسجد کی مد سے مدرس کی تنخواہ دی جاتی ہے جبکہ چندہ مسجد کے نام سے ہوتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد ریحان، اسرائیل، کالا گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرس کو مدرسہ کی تنخواہ مسجد کے مد سے دینا اس وقت درست ہے جبکہ مدرسہ مسجد کے نظام کے تحت چلتا ہو یا مسجد مدرسہ کے نظام کے تحت چلتی ہو اور دونوں کا نظام ایک ہی ذمہ دار کے ماتحت ہو۔

ويبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو أقرب لعمارته كإمام مسجد ومدرس مدرسة يعطون ، وفي الشامية: ثم ماهو أقرب إلىٰ العمارة وأعم للمصلحة . (الدرالمختار ، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بماهو اقرب إليها كراچی ٤/ ٣٦٧، زكريا ٦/ ٥٦٠)

الذي يبدأ من ريع الوقف عمارته، شرط الواقف أم لا، ثم إلىٰ ماهو أقرب إلىٰ العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة .

(هنديه، الباب الثالث فى المصارف زكريا قديم ٢/ ٣٦٨، جديد ٢/ ٣٥٦، البحرالرائق،

زکریا٥/٣٥٦، کوئٹہ٥/٢١٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١/١/١٤٢٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/٥٩٥٠)

مسجد کی دوکانوں کی آمدنی مدرسہ کی تعمیر میں لگانا

سوال: [٨٠١١]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین جو مدرسہ و مسجد کے نام وقف ہے، اسی زمین میں مدرسہ ہے اور اسی زمین میں مسجد ہے، مسجد میں جو امام نماز پڑھاتے ہیں، مدرسہ میں بھی وہی امام بچوں کو پڑھاتے ہیں، اور تنخواہ مسجد ہی سے دی جاتی ہے، اسی زمین میں مسجد کی دوکانیں ہیں، جس کا کرایہ آتا ہے، تو کیا ان دوکانوں کی آمدنی سے اس مدرسہ کی از سر نو تعمیر کرنا جائز ہے، جبکہ اس مدرسہ کا تعلق مسجد ہی سے ہے؟

المستفتي: محمد تسلیم راعینی، محمد وسیم قاسمی،
بازار کلاں، قصبہ منڈوار، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مدرسہ و مسجد دونوں کیلئے مخلوط طور پر وقف کیا ہے، تو دوکانوں کی آمدنی میں سے مدرسہ میں بھی اور مسجد میں بھی اور دونوں کی تعمیر میں بھی خرچ کر سکتے ہیں، اسلئے کہ یہ غرض واقف کے خلاف نہیں ہے۔

انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکريا ٦/٦٦٥، کراچی ٤/٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩ رشوال ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٥٠١٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٩/١٠/١٤١٧ھ

مسجد کی آمدنی دارالافتاء و مدرسہ کے مصارف میں لگانا

سوال: [۸۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک مسجد میں دارالافتاء قائم ہے، جس میں مفتی صاحب کی تنخواہ مسجد ہی کی آمدنی سے دی جاتی ہے، نیز اگر کتابیں خریدنے کی ضرورت ہو تو کتابیں بھی مسجد ہی کی آمدنی سے خریدی جاتی ہیں، الغرض دارالافتاء کے تمام مصارف، مسجد کی آمدنی سے ادا ہوتے ہیں، تو اس طرح مسجد کی آمدنی سے دارالافتاء کے مصارف ادا کرنا جائز ہے یانہیں؟ واضح ہو کہ دارالافتاء مسجد ہی کے تابع ہے، نیز مسجد کی آمدنی اتنی ہے کہ ان مصارف کا مسجد پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا ہے؟

نیز مسجد میں مدرسہ بھی چلتا ہے، فی الحال تو مدرسین کی تنخواہ چندہ وصول کر کے ادا کی جاتی ہے، مسجد والے چاہتے ہیں، کہ مدرسین کی تنخواہ مسجد کی آمدنی سے ہی دی جائے مدرسہ مسجد ہی کے تابع ہے تو ایسا کرنا جائز ہے یانہیں؟

المستفتي: محمد زبیر مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دارالافتاء اور مدرسہ دونوں مسجد ہی کے تابع ہیں، اور مسجد ہی کے خرچہ سے دارالافتاء اور مدرسہ قائم کیا گیا ہے، اور سب چیزوں کا ذمہ دار فرد واحد ایک ہی شخص ہے یا سب چیزوں کی ذمہ دار مسجد کی کمیٹی ہی ہے، اور مسجد ہی کی رسید سے سب کیلئے چندہ کیا جاتا ہے، اور الگ رسید کے ذریعہ سے الگ الگ چندہ کا انتظام نہیں ہے، اور مسجد کے الگ ذمہ دار یا دارالافتاء کے الگ ذمہ دار نہیں ہیں، اور چندہ وغیرہ بھی صرف مسجد ہی کے نام سے ہوتا ہے، اور اسی سے سب کے اخراجات پورے ہوتے ہیں، اور اکثر چندہ دہندگان کو اس کا علم بھی ہے، کہ منجانب مسجد، مسجد اور دارالافتاء اور مدرسہ کے سب کا خرچہ چلتا ہے، تو ایسی صورت میں نہ دارالافتاء مسجد سے الگ ہے اور نہ ہی مدرسہ مسجد سے

الگ ہے، سب چیزوں کی آمدنی اورخرچہ مشترک طور پر جائز اوردرست ہے ہاں البتہ اگر دارالافتاء کے ذمہ دار مسجد سے الگ ہیں، یامدرسہ چلانے کا ذمہ دار مسجد سے الگ کوئی دوسرا ہے یادارالافتاء یامدرسہ کی رسیدیں مسجد سے الگ الگ ہیں، توایسی صورت میں مسجد کی آمدنی سے دارالافتاء اور مدرسہ کا خرچہ درست نہیں ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/۶۷۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۸/۸/۱۷۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۵۴)

اتّحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه : لانهما حينئذ كشيئى واحد وفى الشامية: لآن غرضه إحياء وقفه وذلک يحصل بما قلنا. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی نقل انقاض المسجد کراچی ٤/٣٦٠، زکریا٦/٥٥١)

أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة ، بأن بنىٰ مدرسة ومسجداً ، وعين لكلٍّ وقفا، وفضل من غلة أحدهما ، لايبدل شرط الواقف ، وكذا إذا اختلف الواقف لاالجهة ، يتبع شرط الواقف ، وقد علم بهذا التقرير إعمال الغلتين إحياء للوقف ورعاية شرط الواقف ، هذا هو الحاصل من الفتاوىٰ، وقد علم أنه لايجوز لمتولى الشيخونية بالقاهرة صرف أحد الوقفين للآخر. (البحرالرائق، کوئٹہ ٥/٢١٦، زکریا٥/٣٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۳۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۱۹ھ

مسجد کے فنڈ سے افطار کا انتظام کرنا

سوال: [۸۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان شریف میں مسجد کے مصلیوں کیلئے مسجد کے فنڈ سے افطار کا انتظام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

درصورت مذکورہ افطار کا بندوبست کسطرح ہونا چاہئے؟

المستفتي: مسیح الرحمٰن قاسمی، ۲۴ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے فنڈ کو مسجد کی ضروریات میں ہی استعمال کرنا ضروری ہے، اسکے خلاف کرنیکی صورت میں منتظمہ کمیٹی پر ضمان واجب ہوگا۔

أهل المسجد تصرفوا، في أوقاف المسجد.........! لايصح تصرفهم . (هنديه كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى زكريا قديم ٢/٤٦٣، جديد٢/٤١٤)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامى، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة كراچى ٤/٤٤٥، زكريا٦/٦٦٥)

ہاں اگر کمیٹی اور محلّہ والوں کی طرف سے آپس کے مشورہ سے یہ بات طے ہوجاتی ہے، کہ افطار وضیافت کا ایک فنڈ مقرر کرلیا جائے، اور لوگ بخوشی اسی فنڈ میں چندہ دیدیں تو اس پیسہ سے افطاری کا نظم کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۷/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۲۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۷/۱۴۲۶ھ

مسجد یا مدرسہ کی رقم ذاتی تجارت میں لگانا

سوال: [۸۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک امام مسجد نے دو ہزار روپئے مسجد کی جمع میں سے اٹھائے اوران سے سامان خریدا اور ایک مہینہ بعد اس سامان کو بیچ دیا جس سے ۵۵۰/روپیہ نفع ہوا، اور ایک مہینہ بعد مسجد کی رقم پھر مسجد کی جمع میں رکھدی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام مسجد کیلئے وہ نفع استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: رئیس احمد، قصبہ: منگلور،

محلّہ پٹھان پورہ، ضلع: ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد یا مدرسہ کی رقم امانت ہوتی ہے، ذمہ دار کیلئے اس رقم سے اپنی تجارت کرنا جائز نہیں ہے، یہ سخت خیانت ہے اس گناہ سے توبہ کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۵۳۴، جدید زکریا/۵۱۳)

عن ابى هريرة عن النبى صلى عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان. (صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق ١/١٠، رقم: ٣٣)

ومقتضى ماقاله أبو السعود أنه يقبل قوله في حق براءة نفسه، لا في حق صاحب الوظيفة، لأنه أمين فيما فى يده، فيلزم الضمان في الوقف، لأنه عامل له، وفيه ضرر بالوقف. (شامى، كتاب الوقف، مطلب إذا كان الناظر مفسداً لا يقبل قوله كراچى ٤/٤٤٩، زكريا ٦/٦٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۵۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۲۱ھ

مسجد یا مدرسہ کی رقم سے کاروبار کرنا یا قرض دینا

سوال: [۸۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس مسجد اور مدرسے کی رقم ہے کیا اس رقم کو کسی کاروبار میں لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس میں سے کسی کو قرض دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی مدرسہ یا مسجد ضرورت مند ہو تو اس رقم سے اس کا تعاون کردیں تو کیا حکم ہے؟

المستفتي: مولانا عبدالناصر، مدرس:

مدرسہ ہذا،محلّہ :لالباغ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:مسجد یامدرسہ کی رقم کوکاروبار میں لگانا جائزنہیں اگر لگادیگاتو لگانے والا ذمہ دارضامن ہوگا،نقصان کی تلافی اپنی جیب سے کریگا،اورجونفع ہوگاوہ مسجد یامدرسہ کوملے گا۔(مستفاد:احسن الفتاویٰ ۶/۴۶۳،فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۸۸)

ومقتضى ماقاله أبو السعود أنه يقبل قوله في حق براء ة نفسه، لا فى حق صاحب الوظيفة ، لأنه أمين فيما فى يده ، فيلزم الضمان في الوقف، لأنه عامل له ، وفيه ضرر بالوقف. (شامي، كتاب الوقف، مطلب إذا كان الناظر مفسداً لا يقبل قوله كراچى ٤/ ٤٤٩، زكريا٦/ ٦٧٠)

نیزمسجد یا مدرسہ کی رقم کسی خاص شخص کوبطورقرض دینا جائزنہیں ۔ (مستفاد:احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۱۷،فتاویٰ محمودیہ قدیم۱۶/ ۱۰۷،جدیدڈابھیل۱۵/۵۰۳)

وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانة فى يده ووجوب أدائه عند طلب مالكه، والوديعة لاتودع ولاتعار ولا تؤاجر ولا ترهن وإن فعل شيئاً منها ضمن. (هنديه، كتاب الوديعة زكريا قديم ٤ /٣٣٨، جديد ٤ /٣٤٩، البحرائق، كوئٹه ٧/ ٢٧٥، زكريا٧/ ٤٦٧)

نیزمسجد یا مدرسہ کی رقم دوسری ضرورت مندمسجد یامدرسہ کوبطورقرض دینے کی گنجائش ہے۔(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم۲/ ۱۷۸،جدیدزکریا۹/ ۸۸،۸۹)

اورتعاون اس وقت کرنے کی گنجائش ہے کہ جب تعاون کرنے والی مسجد یامدرسہ کو اس رقم کی کبھی بھی ضرورت نہ ہو۔(مستفاد:فتاویٰ محمودیہ قدیم۱۲/ ۲۸۳،جدیدڈابھیل۱۵/ ۴۸)

يجب عليه أن يجعل لكل نوع منها بيتا يخصه ولا يخلط بعضه ببعض ، وأنه إذا احتاج إلىٰ مصرف خزانة ، وليس فيها مايفى به ، يستقرض من خزانة غيرها، ثم إذا حصل للتى استقرض لها مال، يُرَدّ إلىٰ

المستقرض. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب العشر، مطلب فی بیان بیوت المال، کراچی ۳۳۷/۲، زکریا ۲۸۱/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۴/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۱۳۱/۳۴)

مسجد کی رقم سے اپنی ضرورت پوری کر کے واپس مسجد کو دینا

سوال: [۸۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مرتبہ میں اور میرے دوست اپنے محلّہ کی مسجد کے لئے کچھ روپیہ چندہ اکٹھا کر کے لائے اس رقم میں سے ہم نے ۵۰/۵۰ روپیہ لے لئے تھے، اب ہم اس رقم کو (یعنی ۵۰/۵۰ روپئے کو مسجد کو ادا کرنا چاہتے ہیں، تو آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ہم یہ رقم مسجد کو کس طرح اداء کریں، آپکی عین نوازش ہوگی؟ اور آپ ہمارے اس گناہ کے لئے خدا سے بھی دعاء کریں کہ خدائے پاک ہمیں اس غلطی کے لئے معاف فرمائیں؟

المستفتي: محمد عارف نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر دونوں پچاس، پچاس روپیہ مسجد کو ادا کر دیں گے، تو ادا ہو جائیگا، اور مسجد کا کوئی حق آپ دونوں کے ذمہ باقی نہیں رہیگا!

ولو جمع مالاً لينفقه في بناء المسجد فأنفق بعضه في حاجته ثم رد بدله في نفقة المسجد لايسعه أن يفعل ذلك فإذا فعله (إلىٰ قوله) قالوا شرحوا له في الاستحسان الجواز إذا أنفق مثله في المسجد ويخرج عن العهدة فيما بينه وبين الله تعالىٰ. (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل ومن بنی مسجداً لم یزل ملکه کوئٹه ۲۵۱/۵، زکریا ۴۲۰/۵، فتاویٰ قاضی خان جدید زکریا ۲۰۹/۳، وعلیٰ هامش الهندية زکریا ۲۹۹/۳، تاتار خانية زکریا ۱۹۸/۸، رقم: ۱۱۶۲۹)

البتہ کی ہوئی خیانت پر ندامت سے توبہ کر لینی چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ : إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. (النساء: ۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۳۵/۲۵)

مسجد کا پیسہ ذاتی معاملات کیلئے بطور قرض دینا

سوال: [۸۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی آمدنی سے کسی شخص کو اپنے ذاتی معاملات کیلئے قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سردار، بمبئی، لیٹنگ، کیلو، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر مسجد کی پوری کمیٹی کی اجازت سے ایسے مالدار شخص کو بطور قرض کے مسجد کی ضرورت سے فاضل رقم دی جائے، جو امانت دار قابل اطمینان ہو تو اسکی گنجائش ہوگی۔

يقرض القاضى مال الوقف والغائب واللقطة واليتيم من ملئى مؤتمن وتحته فى الشامى، يسع للمتولى إقراض مافضل من غلة الوقف لو أحرز.

(الدر المختار مع الشامی، کتاب القضاء، مطلب للقاضی اقراض مال الیتیم، ونحوه کراچی ٥/٤١٧، زکریا ٨/ ١١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ؍صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۲۴/۲۵)

مسجد کی رقم کسی کو بطور قرض دینا

سوال: [۸۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا کوئی شخص مسجد کی لمبی رقم کو اس حالت میں جبکہ مسجد خود مقروض ہو اپنے ایسے دوست کو دے جس سے مسجد کا کوئی فائدہ بھی نہ ہو یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عقیل احمد، فروز آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی رقم لمبی ہو یا مختصر مسجد کی ضروریات کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے کسی دوسرے شخص کو قرضہ کے طور پر دینا جائز نہیں ہے۔

مع أن القيم ليس له إقراض مال المسجد ...... فلو أقرضه ضمن، وكذا المستقرض. (البحرالرائق، کتاب الوقف، زکریا ۵/۴۰۱، کوئٹہ۵/۲۳۹)

اور جو شخص مسجد کی رقم کو اس طرح مالکانہ طور پر جس کو چاہے جہاں چاہے دیتا ہو ایسا آدمی شرعاً مسجد کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا ہے، محلّہ کے سب لوگوں کو مل کر ایسے شخص کو ذمہ داری سے سبکدوش کر دینا چاہئے۔

ولو شرط الولاية لنفسه وكان خائناً تنزع منه وإن شرط الواقف أن لاتنزع لأنه مخالف للحكم الشرعي فيبطل. (مجمع الانهر، کتاب الوقف، فصل إذا بنى مسجداً لايزول ملكه، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۶۰۲)

فاستفيد منه أنه إذا تصرف بمالايجوز كان خائنايستحق العزل.

(البحرالرائق، کتاب الوقف کوئٹہ ۵/۲۳۴، زکریا ۵/۳۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۲ھ

تبلیغی جماعت والوں کیلئے مسجد کے فنڈ سے بیت الخلاء بنانا

سوال: [۸۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے فنڈ سے تبلیغی جماعت والوں کیلئے بیت الخلاء و پیشاب گھر بنائے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عطاء الرحمٰن، کوری روانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے فنڈ سے محض تبلیغی جماعت والوں کیلئے بیت الخلاء اور پیشاب گھر بنانا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ ایسا ہوسکتا ہے، کہ اس کام کیلئے الگ سے چندہ جمع کیا جائے پھر اسی پیسہ سے مذکورہ چیزوں کی تعمیر کی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۶۶، ڈابھیل ۱۴/ ۳۱۵)

لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلىٰ حوض وعكسه. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد کراچی ۴/ ۳۵۹، زکریا ۶/ ۵۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۸ھ

مسجد کی رقم سے سڑکیں بنانا

سوال: [۸۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے روپئے سے مسجد میں بیت الخلاء، غسل خانہ، مسجد میں آمدورفت کی سہولت کیلئے سڑکیں بنانا، یا پرانی بنی ہوئی سڑک کی مرمت کرانا، اسی طرح لوگوں کی راحت رسانی کیلئے مسجد کے آگے پارک بنانا، یا مسجد کے احاطہ میں پھول وغیرہ درخت خرید کر لگانا، از روئے شریعت کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تشفی بخش جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: مفظر الحق، گڈاوی، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے پیسے سے مسجد میں بیت الخلاء غسل خانہ وغیرہ بنانا تو جائز ہے، تاکہ وقت بوقت نمازیوں کی ضرورت پوری ہوسکے، البتہ مسجد کے پیسہ سے سڑکیں بنانا یا ان کی مرمت کرانا، نیز پارک وغیرہ بنانا شرعاً جائز نہیں، ایسی چیزوں کی ضروریات باہمی تعاون سے پوری کی جائیں۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۶۱)

إن أرادوا أن يجعلوا شيئاً من المسجد طريقاً للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلک وأنه صحيح. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشرفی المسجد زکریا قدیم ۲/ ۴۵۷، جدید زکریا دیوبند ۲/ ۴۰۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۰/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۲۹)

مسجد کے پیسے سے عام راستے کی نالی بنوانا

سوال: [۸۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا پانی عام راستے کے کنارے بہتا ہے، مگر چونکہ نالی پختہ نہیں ہے، اسلئے کوڑے کباڑے میں رکتا ہے جس سے نمازیوں کو بھی پریشانی ہوتی ہے، اور مسجد کے متصل آبادلوگوں کو بھی سخت دشواری کا سامنا ہے، اگر مسجد کے پیسہ سے نالی بنا کر دور پہونچایا جائے تو اسکی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرحیم، بڈبڈوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندیہ میں ہے: **إن أرادوا أن يجعلوا شيئاً من المسجد طريقاً للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلک وأنه صحيح.**

(هنديه، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد زکریا قدیم ۲/ ۴۵۷، جدید ۲/ ۴۰۹)

جیسا کہ اس عبارت سے مسجد کی زمین میں لوگوں کیلئے عام گذرگاہ بنانا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اسی طرح مسجد کے پیسے سے نالی بنانا بھی ممنوع ہے ہاں البتہ نالی بنانے کیلئے لوگوں سے الگ سے چندہ کیا جاسکتا ہے، پھر اس چندہ کے پیسہ سے نالی بنا کر دور تک پہونچا یا جاسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۵۶۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲ھ

مسجد کے پیسے سے جنازہ کی چارپائی وتختہ وغیرہ خریدنا

سوال: [۸۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں مسجد کیلئے جو پیسہ گاؤں ہی سے چندہ کرتے ہیں، گاؤں والوں کے مشورہ سے وہی پیسہ امام ومؤذن مسجد کی دیگر ضروریات بیت الخلاء وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں، اور اسی مسجد کے پیسے سے گاؤں والوں کے ہی مشورہ سے جنازہ کی چارپائی اور نہلانے کا تختہ بھی خرید لیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا چندہ دہندگان کی اجازت سے مسجد کے پیسے سے جنازہ کی چارپائی تختہ وغیرہ خرید سکتے ہیں، جبکہ یہ سب سامان مسجد ہی کے کمرہ میں رکھا رہتا ہے؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے لئے جو چندہ کیا جاتا ہے، اس کو مسجد ہی کی ضروریات میں خرچ کرنا لازم ہے، اور جنازہ کی چارپائی وغیرہ مسجد کی ضروریات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے؛ اسلئے اسکا انتظام محلّہ کے لوگ اپنے ذاتی پیسہ سے کریں مسجد کا پیسہ اسمیں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إليه ،فلا

یـملک الدفع إلیٰ غیره. (شـامـی،کتـا ب الـز کاة ، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/۲٦۹، زکریا ۳/۱۸۹)

ولیـس لـقیـم الـمسـجد أن یشتری جنازة وإن ذکر الواقف أن القیم یشتری جنازة . (هندیه، کتا ب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد ، الفصل الثانی زکریا قدیم ۲/٤٦۲، جدید ۲/٤۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۲/۴/۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۱۸ھ

۱۳/ الفصل الثالث عشر: مساجد کی چیزیں کرایہ پر دینے کا بیان

کیا متولی اور کرایہ داروں پر معاہدہ کی پابندی لازم ہے؟

سوال: [۸۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل کی پردادی کی کچھ جائداد تھی جس کو انھوں نے وقف علی الا ولا د کر دیا اور تقرر متولی کیلئے یہ شرط رکھی کہ تا قیام نسل میری اولاد ذکور میں سے ہی متولی ہوتے رہیں گے، اسی طرح سائل اس جائیداد کا متولی ہے، واقفہ نے انتظامی امور سے متعلق جملہ اختیارات متولی کو عطا کئے ہیں، اس جائیداد میں اس وقت علی گڑھ میں کچھ مکانات اور کچھ دوکانیں اور کچھ آراضی ہے جو سب ہی کرایہ پر اٹھے ہوئے ہیں، ان میں کچھ کرایہ دار ۱۹۵۷ء سے آباد ہیں، اور کچھ اس سے پہلے کے بھی ہیں، اور کچھ اس کے بعد کے بھی ہیں، مکانوں اور دوکانوں کے جو کرایہ دار ہیں وہ اپنے زیر کرایہ داری جائیداد کی مرمت و دیکھ بھال اور اپنی آسائش اور ضرورت کے لحاظ سے ردو بدل وغیرہ اپنے صرفہ سے کرواتے رہتے ہیں، اور جن لوگوں نے آراضی کرایہ پر لی ہے، وہ اس شرط پر ہے کہ آراضی پر اپنی ضرورت کے لحاظ سے اپنے صرفے سے تعمیرات کروالیں گے، اسطرح وقف کی آراضی پر کرایہ داروں نے اپنی ضرورت کے مطابق تعمیرات کروالی ہیں، اور ان تعمیرات کی مرمت و دیکھ بھال اپنے صرفے سے خود کرواتے رہتے ہیں؟

(۲) ۱۹۹۵ء سے پہلے وقف جائیداد پر قانون کرایہ داری کا نفاذ ہوتا تھا، جس کے تحت دوکانیں ومکانات ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے یہاں سے الارٹ ہوتے تھے، متولی کو دوکانیں ومکانات کو کرایہ پر اٹھانے یا دوکانوں مکانوں وآراضی کے کرایہ میں اضافہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں تھا، ۱۹۹۵ء میں قانون پاس کرکے وقف جائیدا دکو کرایہ داری سے مستثنیٰ کر دیا گیا جس کے تحت متولی کو قانوناً وقف جائیداد کو کرایہ پر اٹھانے کرایہ دار سے خالی کرانے اور کرایہ میں اضافہ کرنے اور وقف جائیداد کی آمدنی میں اضافہ کرنے کی غرض سے نئی تعمیرات کرانے کا حق حاصل ہو گیا، وقف جائیداد کے قانون کرایہ داری سے مستثنیٰ ہونے کے بعد

وقف بورڈ کی جانب سے متولیان کیلئے ہدایت جاری کی گئی کہ وقف جائیداد کے کرایہ میں موجودہ بازار در سے اضافہ کیا جائے، اور جو جو کرایہ دار موجودہ بازار در سے کرایہ میں اضافہ کرنے کیلئے تیار نہ ہواس کو بے دخل کرنے کی کارروائی کی جائے؟

(۳) جب کرایہ داروں سے کرایہ اضافہ کرنے کیلئے کہا گیا تو کچھ کرایہ داروں نے کرایہ میں معمولی سا اضافہ کردیا جو موجودہ بازار کا پچیس فیصدی بھی نہیں ہے، کرایہ میں اضافہ کرتے وقت جو اقرار نامہ لکھا گیا اس میں ایک شرط یہ بھی رکھی گئی ہے، کہ کرایہ دار تین سال کے بعد اصل کرایہ میں پانچ فیصد کا اضافہ کرتا رہے گا، لیکن کچھ کرایہ دار ایسے ہیں، جو کرایہ میں معمولی سا اضافہ بھی کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں؟

(۴) اس وقت حالات یہ ہیں، جو مکان اس وقت سو روپیہ ماہوار کرایہ پر اٹھا ہوا ہے، اس کا کرایہ موجودہ بازار در سے سات آٹھ ہزاروں روپیہ ماہوار بنتا ہے اتنا کرایہ دینے کیلئے کرایہ دار تیار نہیں ہے اگر کرایہ دار کے خلاف بے دخلی کی کارروائی کی جاتی ہے، تو عدالت میں برسوں لگ جاتے ہیں، اور میں عدالتی اخراجات اور پریشانیوں کی وجہ سے عدالتی کارروائی سے بچتا ہوں؟

(۵) جن کرایہ داروں نے کرایہ میں معمولی سا اضافہ کیا ہے انھوں نے ایک اقرار نامہ لکھا ہے، جس میں کرایہ دار اور متولی کی رضامندی سے کچھ شرائط لکھی گئی ہیں، جیسے کرایہ ماہ بماہ ادا کردوں گا، ذیلی کرایہ دار نہیں رکھوں گا، بغیر متولی اجازت کے مکان یا دوکان میں کوئی ردوبدل یا نئی تعمیرات نہیں کروں گا، جس کام کیلئے مکان یا دوکان یا آراضی کو کرایہ پر لیا ہے، صرف اسی کام کیلئے استعمال کروں گا، اور قانوناً بھی کرایہ دار مندرجہ بالا شرائط کا پابند ہے، ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس ماہ کا کرایہ ہے اسی ماہ میں ادا کروں گا، مندرجہ بالا حالات وواقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا فرماتے ہیں:

الف: کہ کرایہ دار جو وقف کے مکان میں رہ رہا ہے، یا کاروبار کررہا ہے یا دوکان میں کاروبار کررہا ہے، لیکن متولی کے طلب کرنے کے باوجود بازار در سے کرایہ نہیں دیتا، متولی

کا کہنا ہے کہ یا تو موجودہ بازار درسے کرایہ دو یا جگہ خالی کردو تو کیا ایسی صورت میں کرایہ دار غاصب سمجھا جائے گا، اور کیا کرایہ دار عنداللہ ماخوذ ہوگا؟ اور ایسے کرایہ دار جو مکان دوکان یا آراضی پر بطور غاصب قابض ہیں، کیا اس جگہ پر ان کی نماز عنداللہ مقبول ہوگی؟

ب: مکان یا دوکان میں جو کرایہ دار آباد ہیں، انھوں نے بغیر متولی کی اجازت کے ذیلی کرایہ دار رکھ رکھے ہیں، یا جن لوگوں نے آراضی کرایہ پر لے کر مکان تعمیر کرلیا اس میں بغیر متولی کی اجازت کے ذیلی کرایہ دار رکھتے ہیں، جبکہ قانون یہ ہے کہ اگر کسی نے وقف کی زمین کرایہ پر لیکر تعمیرات کرالیں تو وہ تعمیرات وقف کی ملکیت ہوجائیں گی، ایسی صورت میں کیا ذیلی کرایہ دار رکھنا جائز ہوگا، اور کرایہ دار نے ذیلی کرایہ دار سے جو رقم بطور کرایہ وغیرہ وصول کی ہے، کیا وہ رقم کرایہ دار کیلئے حلال ہوگی؟

ج: اگر کرایہ دار ماہ بماہ کرایہ ادا نہیں کرتا یا ذیلی کرایہ دار رکھتا ہے یا مکان رہائش کیلئے کرایہ پر لیا تھا، اور اس میں کاروبار بھی کرتا ہے، یا دوکان جس کام کیلئے لی تھی اس کام کے بجائے یا اس کام کے ساتھ ساتھ دوسرا کام بھی کرتا ہے، یا متولی کی اجازت کے بغیر مکان یا دوکان میں ردو بدل یا نئی تعمیرات کرتا ہے، تو کیا کرایہ دار وعدہ خلافی کا مرتکب مانا جائے گا، اور گنہگار رہوگا؟

د: کرایہ دار مکان میں رہ رہا ہے، یا کاروبار کررہا ہے، یا دوکان میں کاروبار کررہا ہے، یا وقف کی آراضی کرایہ پر لیکر اپنے صرفہ سے تعمیرات کرانے کے بعد اس میں رہ رہا ہے، یا کاروبار کررہا ہے، لیکن متولی کے طلب کرنے کے باوجود موجودہ بازار درسے کرایہ نہیں دیتا اور متولی یہ کہتا ہے، کہ یا تو موجودہ بازار درسے کرایہ دو یا جگہ خالی کردو لیکن کرایہ دار نہ تو موجودہ بازار درسے کرایہ دیتا ہے، اور نہ جگہ خالی کرتا ہے، تو کیا اس جگہ پر کرایہ دار کا قبضہ غاصبانہ سمجھا جائے گا، اور اس جگہ پر کاروبار کرکے کرایہ دار جو پیسہ کمارہا ہے، کیا وہ پیسہ کرایہ دار کیلئے حلال ہوگا؟

ہ: جن لوگوں نے وقف کی آراضی کرایہ پر لیکر اپنے صرفہ سے تعمیرات کروالیں اور قانوناً وہ تعمیرات وقف کی ملکیت ہوگئیں تو کیا وہ کرایہ دار ان تعمیرات میں بغیر متولی کی

اجازت کے ردوبدل یا نئی تعمیرات کر سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد مجیب علی خاں، انونہ ہاؤس، سول لائن، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کی منتشر فائل کے منتشر سوالات کا جواب ایک ساتھ دیا جاتا ہے، سوالنامہ میں مذکورہ جن شرائط کیساتھ مقید کر کے وقف کی جائیداد کرایہ پر دی گئی ہے، اور فریقین پر ان شرائط کی پابندی لازم اور واجب ہے، اور جن شرائط کے مطابق کرایہ بڑھانے کی قید لگائی گئی ہے، ان کی پابندی کرایہ دار پر لازم ہے متولی کی اجازت سے کرایہ دار کا وقف کی عمارت میں تعمیر ومرمت کرنا جائز ہے اور تعمیر ومرمت کا خرچہ کرایہ میں مجریٰ ہوتا رہے گا، لہٰذا اگر کرایہ دار کرایہ نامہ میں لگائی گئی شرائط کی پابندی نہیں کرتا اور ضابطہ کے مطابق کرایہ نہیں بڑھاتا ہے، تو اس کے اوپر لازم ہے کہ جائیداد کو خالی کردے اور متولی کیلئے جائز ہے کہ کرایہ دار سے خالی کرا کر اپنے قبضہ میں لے لے پھر مناسب کرایہ پر دوسرے لوگوں کو کرایہ پر دیدے اور اگر کرایہ دار کسی بھی بات پر عمل کرنے کیلئے تیار نہیں ہے، تو قبضہ غاصبانہ کے مرادف ہوگا، اور گناہ عظیم کا مرتکب ہوگا، اور وہاں پر نماز پڑھنا غصب کی زمین پر نماز پڑھنے کے درجہ میں ہوگا، یعنی اس کی نماز مکروہ ہوگی، حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان آپس کے معاملات میں شرائط متعین کریں اس کی پابندی لازم ہے اسی طرح جس بات پر صلح اور اتفاق کرلیں، اس کی پابندی بھی لازم ہے اور اسکی خلاف ورزی جائز نہیں ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراماً، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً. (سنن الترمذی، الأحکام، باب ماذکر عن رسول الله

صلی اللہ علیه و سلم فی الصلح بین الناس ، النسخة الهندية ۱ / ۲۵۱ ، دار السلام رقم: ۱۳۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ / شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۵۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۸/۱۶ھ

ذمہ داران مسجد کا کرائے دار سے ایک لاکھ روپیہ مانگنا

سوال: [۸۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر کی جامع مسجد کی دوکانوں میں سے ایک دوکان پچیس سال قبل سے محمد اسلم نے بطور کرایہ لے رکھی ہے اسی دوکان پر محمد اسلم کی روزی روٹی زندگی کے اخراجات چلتے ہیں کچھ مہینے پہلے مسجد کے ذمہ داروں نے محمد اسلم سے ایک لاکھ روپئے کا مطالبہ کیا اور ایک لاکھ نہ دینے پر دوکان خالی کرنے کو کہا محمد اسلم نہایت ہی غریب آدمی ہے، اور ابھی قریب ہی اس کی دونوں آنکھوں کا آپریشن بھی ہوا ہے، ایک لاکھ روپئے دینے کی قطعاً اس کی حیثیت نہیں ہے، محمد اسلم نے ذمہ داروں سے یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو دوکان کے کرایہ میں اضافہ کرنا ہو تو میں راضی ہوں، مگر میں ایک لاکھ روپئے نہیں دے سکتا، بالآخر ایک دوسرا شخص ایک لاکھ روپئے ذمہ داروں کو دینے پر تیار ہو گیا، اور محمد اسلم کو کہا کہ تم دوکان خالی کر دو ہم یہ دوکان دوسرے شخص کو دے رہے ہیں، محمد اسلم کے انکار کرنے پر معاملہ کورٹ میں گیا، اور کورٹ میں مسجد والوں نے جج کو ایک موٹی رقم دے کر فیصلہ اپنے حق میں کروالیا، دریافت طلب امور یہ ہیں؟

(۱) جج کو رشوت کی رقم مسجد کی آمدنی سے دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس طرح جج کو خرید کر اپنے حق میں کروایا گیا فیصلہ کیا شرعاً قابل قبول ہے؟

(۳) اس بدترین حرکت میں جاہل، خاندانی قاضی بھی ملوث ہے کیا شہر قاضی کی یہ حرکت درست ہے؟ کیا ایسے قاضی سے نکاح پڑھوانا جائز ہے؟

(۴) اسی قاضی نے کورٹ میں کھلم کھلا جھوٹے بیان بھی دیئے اور لوگوں نے کہا کہ تم نے قاضی صاحب بہت جھوٹ بولا ہے، تو قاضی نے کہا کہ کورٹ میں تو جھوٹ ہی چلتا ہے، اسلئے میں نے بھی جھوٹ بولا قاضی کی یہ دلیل کہاں تک صحیح ہے، ایسے قاضی پر شریعت کیا حکم لگاتی ہے؟

المستفتي: امام الدین جوئے، سابق صدر ضلع وقف کمیٹی کھرگون، مدھیہ پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ میں جامع مسجد کے ذمہ داروں کا محمد اسلم سے بیجا ایک لاکھ روپئے کا مطالبہ کرنا اور نہ دینے کی صورت میں اس سے دوکان خالی کرانا ناجائز اور محمد اسلم پر ظلم وزیادتی ہے، اور وہ ایک لاکھ روپیہ مسجد کیلئے حلال نہ ہوگا، کیونکہ سوال نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد اسلم دوکان کا برابر کرایہ ادا کرتا رہا ہے، اور کرایہ میں اضافہ کرنے پر بھی راضی ہے۔

المستاجر الأول أولیٰ من غیره إذا قبل الزکاة وتحته فی الشامیة: قد علم مما قررناه أن قولهم إن المستأجر الأول أولیٰ إنما هو فیما إذا زادت أجرة المثل في أثناء المدة قبل فراغ أجرته وقد قبل الزیادة، وأما إذا فرغت مدته، فلیس بأولیٰ إلا إذا کان له فیها حق القرار، وهو المسمیٰ بالکردار علی ما قدمناه مبسوطاً فی مسألة الأرض المحتکرة من أن له الاستبقاء بأجرة المثل دفعاً للضرر عنه مع عدم الضرر علی الوقف. (شامی، الوقف، مطلب مهم فی معنی قولهم المستأجر الاولیٰ، زکریا ٦/ ٦١٠، کراچی ٤/ ٤٤٠)

(۲) مسجد کی آمدنی کو رشوت میں دینا قطعی طور پر ناجائز ہے، اور جو ذمہ دار مسجد کی آمدنی کو رشوت میں خرچ کرے گا، اس کے اوپر مسجد کے اس پیسے کا تاوان لازم ہوگا۔

قال فی البحر! قدمنا أنه لا یعزله القاضی بمجرد الطعن فی أمانته بل

بخيانة ظاهرة ببينة ...... وإن امتناعه من التعمير خيانة وكذا لو باع الوقف أو بعضه أو تصرفاً تصرفاً جائزاً عالماً به . (شامی، الوقف ، مطلب يأثم بتولية الخائن ، زكريا ٦/٥٧٨، كراچی ٤/٣٨٠، البحرالرائق، كوئٹه ٥/٢٤٥، زكريا٥/٤١١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/١٠٤)

عن عبد الله بن عمرو قال لعن رسول الله ﷺ الراشي والمرتشي . (ترمذی شريف، باب ماجاء في الراشي والمرتشي في الحكم ، النسخة الهندية ١/٢٤٨، دارالسلام رقم:١٣٣٧)

(۳) جج کو رشوت دے کر اپنے حق میں فیصلہ کرانا شرعاً ناجائز ہے۔

الرشوه أربعة أقسام منها ماهو حرام على الآخذ والمعطي وهو الرشوة على تقليد القضاء والأمارة والثاني ارتشاء القاضي ليحكم وهو كذلك ولوالقضاء بحق .... وفي الخانية: أجمعوا أنه إذا ارتشىٰ لا ينفذ قضاءه فيما ارتشىٰ فيه قلت حكاية الإجماع منقوضة بما اختاره البزدوي واستحسنهُ في الفتح وينبغي اعتماده للضرورة في هذا الزمان وإلا بطلت جميع القضايا الواقعة الآن لأنه لاتخلوا قضية عن أخذ القاضي الرشوة المسماة بالمحصول قبل الحكم وبعدهٗ فيلزم تعطيل الأحكام . (شامی، القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهداية ، زكريا ٨/٣٤، ٣٥، كراچی ٥/٣٦٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢/٢٢٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٥٩٨، فتح القدير ، دارالفكر حلبي مصر ٧/٢٥٤، زكرياديوبند٧/٢٣٦، كوئٹه ٥/٣٥٨)

(۴-۵) ایسا قاضی جو عدالت میں جا کر جھوٹی گواہی دے وہ مرتکب کبیرہ ہے اور مرتکب کبیرہ فاسق ہوتا ہے، اور قاضی کا یہ کہنا کہ عدالت میں تو جھوٹ ہی چلتا ہے، بے اصل ہے، شریعت نے نکاح میں بہت سہولت رکھی ہے، چنانچہ فاسق کی گواہی کے ساتھ اور فاسق نکاح خواں کے ذریعہ سے بھی نکاح شرعاً درست ہوجاتا ہے، لہٰذا مذکورہ قاضی کے فاسق

ہونے کے باوجود اس کا نکاح پڑھانا جائز اور درست ہوگا، لیکن افضل اور بہتر یہی ہے کہ متبع شریعت عالم دین کے ذریعہ سے ہی نکاح پڑھوایا جائے۔

والفاسق من فعل كبيرة أو أصر على صغيرة . (شامی، کتاب الشهادات، باب القبول وعدمه زكريا۸/ ۲۰٤، کراچی ٥/ ٤٨٣)

ويندب إعلانه وتقديم خطبته وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدول . (شامی، زکریا٤/٦٦، کراچی ٣/ ٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/ ٢٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۰۴/۳۹)

موقوفہ کرایہ کی دوکان میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی

سوال: [۸۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکیم یامین حسین خان کے دو بیٹے ہیں۔

(۱) نسیم حسین۔

(۲) تسلیم حسین۔ نسیم حسین خاں والد کی وفات سے ۲۶ / ۲۷ سال قبل الگ ہوگئے تھے، وہ اپنا الگ کاروبار کررہے تھے، تسلیم حسین خاں والد صاحب کے ساتھ رہے، اور باپ کی تحویل میں کرایہ کی دو کانیں تھیں، ایک دوکان وقف کی جائیداد کی جو کہ سرکاری قانون کے اعتبار سے متولی جب چاہے خالی کراسکتا ہے، اور دوسری دوکان باضابطہ قانون کے مطابق کرایہ داری کی نہیں اور اس دوکان کے کرایہ کی کوئی سند بھی نہیں صرف زبانی اور تعلقات کے کرایہ کی ہے، اس دوکان کے خالی کرانے میں کرایہ دار کو کچھ نہیں مل سکتا اور نسیم حسین کے پاس کاروبار کیلئے ذاتی دوکان ہے اب والد کی وفات کے بعد کرایہ کی مذکورہ دونوں دوکانیں تسلیم حسین کے پاس آگئی ہیں، مگر تسلیم حسین کا کہنا ہے کہ ایک دوکان شرع کی رو سے مجھے بھی ملنی

چاہئے ،تواب سوال یہ ہے کہ اس طرح کی کرایہ کی دوکان میں کیاوراثت کاتعلق ہوسکتا ہے؟

المستفتي: حکیم تسلیم حسین ،اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقف کی جائیداد کی دوکان کرایہ پر لینے سے ملکیت میں نہیں آتی کیونکہ موقوفہ زمین میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی نیز آجکل حکومت ہند کا قانون بھی یہی ہے کہ اوقاف کی جائیداد جوکرایہ پر ہے، ذمہ داران وقف اسے خالی بھی کراسکتے ہیں، اورمناسب کرایہ بھی بڑھا سکتے ہیں، اسی طرح جو دوکان غیر ضابطہ کرایہ پر ہے جس کی قانونی رسید وغیرہ نہیں ملتی ہے، ایسی دکانوں کے خالی کرانے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی ہے، اورنہ ہی پگڑی وغیرہ دینی پڑتی ہے، اورنہ ہی کرایہ دار کو پگڑی ملتی ہے، کرایہ دار کی جواولاد مالک کوکرایہ ادا کرتی چلی آرہی ہے، وہی پگڑی سمجھی جاتی ہے، اوراس میں شریعت کی رو سے وراثت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، لہٰذا کرایہ دار کی دوسری اولاد کو اسمیں اپنے حق وراثت کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ شریعت کی رو سے وراثت مرحوم کی ملکیت میں جاری ہوتی ہے، اوریہ دکانیں مرحوم کی ملکیت کی نہیں ہیں۔

إن الأجارة عندنا تنعقد ساعة فساعة على حسب حدوث المنافع شيئاً فشيئاً ،وإن كان كذلك في ما يحدث من المنافع فی يد الوارث لم يملكها المورث لعدمها ، والملك صفة الموجود لاالمعدوم فلا يملكها الوارث إذ الوارث إنما يملك ماكان على ملك المورث فمالم يملكه يستحيل وراثته بخلاف بيع العين . (بدائع الصنائع ، كتاب الإجارة ، باب ماينتهى به عقد الإجارة زكريا ٤/ ٩٠، كراچی ٤/ ٢٢٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۲۵ھ

مسجد کی آراضی کو کرایہ دار سے خالی کرانا

سوال: [۸۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد موقوفہ سے ملحق ایک آراضی افتادہ موقوفہ مسجد مذکور کے متعلق ایک کرایہ دار کو عرصہ بیس سال کا ہوا کرایہ پر اس شرط کیساتھ دی گئی تھی، کہ وہ اپنے خرچ سے اس میں اپنا موٹر گیرج برائے مرمت وغیرہ تعمیر کرکے اپنے تصرف میں لاوے، اور جو کچھ تعمیر میں خرچ ہوگا، وہ کرایہ میں مجرا ہو جائے گا، خرچہ تعمیر گیرج بعد حساب فہمی کرایہ میں مجریٰ ہو چکا ہے، اور کرایہ بھی دوگنا مقرر کر دیا گیا ہے، اب مسجد کی توسیع کیلئے موٹر گیرج کی آراضی میں سے کچھ آراضی اپنی زیر تعمیر مسجد کیلئے ضرورت درپیش ہے، کرایہ دار سے کہا گیا، تو وہ کرایہ دار نصف آراضی اپنی زیر کرایہ داری میں سے دینے کو تیار ہے۔

(۱) کہ میں یا میرے وارثان وقائم مقامان ہی موجودہ کرایہ بدستور دیتے رہا کریں گے؟

(۲) متولی کو کبھی کسی وقت میں کرایہ کے اضافہ کرنیکا کوئی حق نہ ہوگا؟

(۳) اگر میں یا میرے وارثان یا قائم مقامان کسی دوسرے شخص یا پارٹی کی شرکت میں کوئی دیگر کام کرنا چاہیں گے تو متولی کو اعتراض نہ ہوگا، یہاں پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ کرایہ دار موصوف اب تک تین اشخاص کو اس آراضی میں جگہ دیکر مختلف کام کرتے رہے اور ان تینوں کی کل آمدنی سے نصف خود لیتے رہے جبکہ مسجد کو صرف مقررہ کرایہ ہی ادا کرتے رہے، بقیہ آمدنی جو مقررہ کرایہ سے آٹھ دس گنا زیادہ تھی، خود فائدہ اٹھاتے رہے، اب دریافت طلب مسئلہ حسب ذیل ہے۔

(۱) کیا کسی موقوفہ آراضی پر بحیثیت کرایہ دار ہمیشہ کیلئے اپنی وراثت قائم کر سکتا ہے؟

(۲) کیا موجودہ کرایہ پر ہمیشہ کیلئے پابندی لگانا کہ آئندہ کسی کرایہ کے اضافہ کا کوئی حق متولی کو نہ ہوگا شرعاً جائز ہے؟

(۳) کیا جس کام کیلئے کرایہ دار کو آراضی دی گئی ہے وہ اپنی طرف سے کسی دیگر شخص

کے ذریعے شرکت کر کے کوئی دیگر کام کر کے مقررہ کرایہ کے علاوہ بقیہ آمدنی سے خود فائدہ اٹھاسکتا ہے، جبکہ مسجد کو صرف مقررہ کرایہ ہی دیا جاتا ہے؟

(۴) کیا موقوفہ آراضی کا کرایہ دار اپنی مرضی سے خود بغیر متولی کی رضامندی کے دیگر غیر متعلقہ لوگوں کے ذریعے یہ فیصلہ کرلے کہ وہ اپنے زیر کرایہ داری میں سے صرف نصف آراضی مسجد کے مفاد کیلئے دیدے جبکہ کل آراضی میں پندرہ سولہ دوکانات تعمیر ہونے سے مسجد کو کافی آمدنی ہوسکتی ہے، جس سے اس کا خرچ بخوبی پورا ہوسکتا ہے؟

(۵) کیا موجودہ کرایہ کے علاوہ جو زائد کام سے فائدہ خود حاصل کیا ہے، وہ شرعاً جائز ہے؟

گذارش ہے کہ براہ کرم مذکورہ بالا حالات پر غور فرما کران پانچوں مسائل کا مکمل شرعی نقطۂ نظر سے جواب مرحمت فرمایئے، اور شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتي: محمد جان، متولی مسجد منشی
کریم اللہ والی، وقف ۶۵۳، پرنس روڈ،
گاندھی نگر، مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) وقف کی سکنائی جائیداد کو ایک سال سے زیادہ اور صحرائی جائیداد کو تین سال سے زیادہ کرایہ کیلئے دینا جائز نہیں ہے، نیز مذکورہ معاملہ میں کرایہ دار کی موت کے بعد بھی کرایہ داری کی باقی رہنے کی شرط شرعاً باطل ہے، اور شرائط فاسدہ کی بناء پر عقد کرایہ داری فسخ ہوجاتا ہے، اس لئے مذکورہ کرایہ داری شرعاً ناجائز اور فاسد ہے، اسلئے اس معاملے کو ختم کر کے مسجد کی پوری جائیداد مسجد کے حوالے کردینا لازم ہے۔

الإجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع. (هدايه، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة اشرفی ۳/۱ ۳۰)

وإذا مات أحدالمتعاقدين وقد عقد الإجارة لنفسه انفسخت الإجارة الخ. (هدايه، باب فسخ الإجارة اشرفی ۳/ ۳۱۵، قدوری/ ۱۰۵)

وبھا أي بالسنة یفتی فی الدار وبثلاث سنین في الأرض الخ. (الدر المختار، الوقف، فصل یراعی شرط الواقف فی إجارته زکریادیوبند٦/٦٠٥، کراچی ٤/٤٠٠، الموسوعة الفقھیة الکویتیة ٤٤/١٧٧، الفقه الإسلامی وأدلته، دارالفکر ١٠/٧٦٨٨، ھدیٰ انٹر نیشنل دیوبند٨/٢٣٢، مجمع الأنھر دارالکتب العلمیة بیروت٣/٥١٤، قدیم ٢/٣٦٩)

(۲) یہ شرط منفعت وقف کے خلاف ہے اور ناجائز ہے نیز اجرت مثل سے کم میں وقف کی جائیداد کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

ویؤجر بأجر المثل فلا یجوز بالأقل الخ. (الدر مع الرد، مطلب فی الإجارة الطویلة بعقود، زکریا ٦/٦٠٨، کراچی ٤/٤٠٢، الفقه الإسلامی وادلته، دارالفکر ١٠/٧٦٨٩، ھدیٰ انٹر نیشنل دیوبند٨/٢٣٣، ھندیه، زکریا قدیم ٢/٤١٩، جدید ٢/٣٨٧، مجمع الانھر، دارالکتب العلمیة بیروت٣/٥١٤، مصری قدیم ٢/٣٦٩)

(۳-۴) جب معاملہ شرعاً واجب الفسخ ہے تو بعد کے سارے معاہدے اور معاملے ناجائز ہیں، ان پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

(۵) کرایہ داری ختم کر کے مسجد کو جائیداد واپس کرنا اور جتنے عرصہ کرایہ دار نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے، اس کے مثل اجرت مسجد کو دیدینا لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۰۳)

نیچے دوکان اوپر مسجد کا حکم

سوال: [۸۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کیلئے ایک زمین خریدی گئی اور پروگرام یہ ہے کہ نیچے تہ خانہ بنایا جائے گا، پھر اس کے اوپر

مسجد کا جماعت خانہ بنایا جائے گا، جیسے کہ مسجد رشید بنی ہوئی ہے، اور نیچے کے تہہ خانہ کو مسجد کی آمدنی کیلئے کرائے پر دیا جائے گا، جس کو کرایہ دار اپنا مال گودام بنائے گا، یا دوکان وغیرہ بنائے گا، جس میں خرید وفروخت ہوگی اور کرائے دار مسجد کو ماہانہ کرایہ دیتا رہے گا، جس سے مسجد کی ضروریات پوری ہوتی رہیں گی، جیسے کہ یہاں کی سنہری مسجد ہے، تو اس طرح نیچے آمدنی کی دوکانیں اور اوپر شرعی مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں، اور ظاہر بات ہے کہ جب تہہ خانہ میں خرید وفروخت ہوگی، تو وہ مسجد کی زمین تو ہوسکتی ہے، لیکن مسجد کی حد میں داخل نہیں ہوسکتی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کیلئے خریدی گئی زمین میں مسجد کی مصلحت کے پیش نظر نیچے کے حصہ میں مسجد کی آمدنی کیلئے دوکان وغیرہ بنانا اور اوپر شرعی مسجد بنانا جائز ہے، اور اس میں یہ شرط بھی ہے کہ نیچے کے حصہ میں جو دکان وغیرہ بنائی جائے وہ بھی مسجد ہی کی ملکیت میں رہے اور مسجد جب چاہے اس کو خالی کرا کے مسجد میں کر سکتی ہے! (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۳، فتاویٰ رحیمیہ ۹/۹۳)

ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كمافى مسجد بيت المقدس كذا فى الهداية. (هنديه ، الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد ومايتعلق به زكريا قديم ٢/٤٥٥، جديد ٢/٤٠٨)

وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أي المسجد جاز كمسجد المقدس . (شامى، كراچى ٤/٣٥٧، زكريا٦/٥٤٧)

بخلاف ماإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد فإنه يجوز إذلا ملك فيه لأحد بل هو من تتميم مصالح المسجد فهو كسرداب مسجد بيت المقدس هذاهو ظاهر المذهب. (البحرالرائق، زكريا٥/٤٢١، كوئٹه ٥/٢٥١)

ولوجعل تحته حانوتاً وجعله وقفا على المسجد قيل لا يستحب ذلك ولكنه لو جعل في الابتداء هكذا صار مسجداً وماتحته صار وقفا عليه ويجوز

المسجد والوقف الذی تحته . (تبیین الحقائق، زکریا ٤/٢٧١، امدادیہ ملتان٣/٣٣٠)

ولو جعل العلو مسجداً والسفل وقفا على المسجد وأخرجه من يده يجوز وكذلك لو جعل السفل مسجداً للناس أو سردابا وقفا على ذلك وأخرجه من يده يصح لأنه لله تعالىٰ . (تاتار خانية زكريا٨/١٦٢، رقم: ١١٥١٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۱/۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶۹/۴۰)

نیچے دوکان اوراوپر مسجد بنانے کا حکم

سوال: [۸۰۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند بھائیوں نے اپنی جگہ برائے تعمیر مسجد وقف کی ہے، مسجد کے موجودہ ذمہ دار یہ چاہتے ہیں، کہ مسجد دوسری منزل پر بنادی جائے، اوراس کے نیچے دوکانیں اور ہال کی تعمیر ہوجائے تاکہ آمدنی کا سلسلہ بھی ہوجائے، اور ہوا روشنی کا اس کے ذیل میں نظم ہوجائے آپ مہربانی فرماکر تحریر فرمائیں، کہ اس طور پر تعمیر کرنا درست ہے؟

المستفتي: حاجی عقیل الرحمٰن، کلاتھ مرچنٹ، تحصیل: ٹانڈہ، ضلع: رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر وقف کرنیوالوں کی طرف سے اس کی اجازت ہے تو تعمیر کی ابتداء میں اس طرح دوکانیں وغیرہ بنانے کی فقہاء نے اجازت دی ہے بشرطیکہ مسجد کے منافع ومصالح مقصود ہوں اور اگر واقف کی طرف سے اجازت نہیں ہے، تو جائز نہیں ہے، اس لئے کہ غرض واقف کی رعایت واجب ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۰۷، فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۶۲، جدید زکریا دیوبند۹/ ۹۳، کفایت المفتی ۷/ ۱۷، جدید

زکریا مطول۱۰/ ۱۲۵، فتاویٰ محمودیہ ا/ ۴۹۶ ،ڈابھیل۱۴/ ۵۲۳)

لو جعل تحته حانوتاً وجعله وقفا على المسجد قيل لايستحب ذلك ولكنه لوجعل فى الابتداء هكذا صا ر مسجداً و ماتحته وقفا عليه ويجوز المسجد والوقف الذى تحته ولو أنه بنىٰ المسجد أولا ثم أراد أن يجعل تحته حانوتاً للمسجد فهو مردود باطل الخ. (حاشية چلپی على التبيين، الوقف، فصل في أحكام المسجد زكريا٤/ ٢٧١، امداديه ملتان٣/ ٣٣٠)

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة كوئٹه٣/ ٤٦٤، كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۵۷)

مسجد کے حصہ اور وضوخانہ کی جگہ پر دوکان بنانا

سوال: [۸۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد کے دائیں بائیں جانب مسجد سے متصل جماعت خانہ سے الگ احاطۂ مسجد میں داخل کچھ جگہ خالی تھی جس میں دائیں جانب ایک کنارہ پر امام صاحب کا حجرہ اور دوسرے کنارے پر ایک کمرہ بنا ہوا تھا، حجرہ اور کمرہ کے درمیان جگہ خالی تھی، جس میں محلّہ کے بچے پڑھتے تھے، بائیں جانب میں ایک کنارے پر دوکان تھی، باقی جگہ خالی تھی جس میں مسجد کا سامان جنازہ کی چارپائی وغیرہ رکھی رہتی، قدیم طرز پر بنی ہوئی مسجد نمازیوں کیلئے ناکافی ہوگئی تھی، حتی کہ بسا اوقات بہت سے لوگوں کو مسجد میں جگہ نہیں مل پاتی تھی، اہل محلّہ نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس کے دائیں بائیں جانب کو مسجد میں شامل کرکے وسعت پیدا کرلی جائے لہٰذا اس ارادہ کو لیکر قدیم مسجد کو شہید کرکے ازسرنو

تعمیر کی گئی جس سے مسجد میں کافی وسعت ہوگئی، دائیں جانب کا اندر باہر کا مکمل حصہ مسجد میں اور بائیں جانب کا اندر کا حصہ مسجد میں اور باہر کے توڑے ہوئے حصہ میں وضوخانہ بنایا گیا ہے، باقی حصہ مسجد ہی میں شامل رہا اب کچھ عرصہ بعد کچھ لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ مسجد کی جگہ میں دوکان تھی، وہاں اب بھی دوکان بنالی جائے، کیونکہ مسجد کا حق صرف مینار تک ہے، تو اب اس میں معلوم یہ کرنا ہے کہ جو جگہ مسجد کے اندر شامل کرلی گئی تھی اور تعمیر کے وقت اس میں دوکان وغیرہ کا کوئی ارادہ نہیں ہے جیسا کہ قدیم مسجد کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کر کے نیز دائیں جانب کے اندر باہر کے حصہ کو مسجد میں شامل کرنے اور بائیں جانب کے اندر حصہ کو شامل کرنے اور باہر کے کچھ حصہ کو شامل کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ اہل محلّہ کا ارادہ اس جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کا ہے، دوکان وغیرہ کا نہیں ہے، تو کیا اس صورت حال کے ہوتے ہوئے اب وضوخانہ کو ختم کر کے اور جو حصہ مسجد میں شامل کیا تھا، اس کو ختم کر کے دوکان وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حسین احمد، خادم: مدرسہ فیض القرآن، قصبہ، نگینہ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جماعت خانہ سے متصل دائیں اور بائیں جانب کی افتادہ زمین تعمیر نو میں جماعت خانہ میں شامل کرلی گئی اور مکمل طور پر مسجد ہوگئی تو اب اس جماعت خانہ کے کسی حصہ کو خارج کر کے اس پر دوکان وغیرہ بنانا قطعاً جائز نہیں ہے، بلکہ جو حصہ مسجد میں شامل ہوگیا ہے، وہ قیامت تک مسجد ہی شمار ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۱۷۶)

اب رہی وضوخانہ کی پٹی تو اس کو مصالح مسجد و منافع مسجد میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، اگر دوکان کے کرایہ کی مسجد کو شدید ضرورت ہے اور مسجد کو اس سے زیادہ فائدہ ہوسکتا ہے، تو صرف وضوخانہ کی پٹی ہی میں دوکان بنانے کی گنجائش ہے اس سے زائد ایک انچ دوکان وغیرہ کیلئے بڑھانا قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔

أما لو تمت المسجد ية ثم أراد البناء منع فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. (درمختار مع الشامی، الوقف، مطلب فی أحكام المسجد زكريا٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت٣/٣٣٠) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۶۹/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۱ھ

صحن مسجد کے نیچے دو کانیں تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد سطح زمین سے سات فٹ اونچائی پر واقع ہے اس میں داخل ہونے کیلئے چھ سیڑھیاں ہیں جانب شمال مسجد سے متصل ایک کمرہ مع برآمدہ ہے جو ایک زمانہ میں مدرسہ کے طور پر مستعمل رہا ہے، مسجد کے جنوبی جانب بھی ایک حجرہ ہے، مسجد کی پوری عمارت قدیم ہونے کی وجہ سے خستہ ہے جس کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، مسجد کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے، اہل محلّہ چاہتے ہیں، کہ مسجد کی کفالت کیلئے صحن مسجد کے نیچے والے حصہ میں دو کانیں تعمیر کرلیں ان دوکانوں کی چھت صحن مسجد میں شامل ہوگی، اب سوال یہ ہے کہ

(۱) کیا جانب شمال والا حجرہ جو مدرسہ کی حیثیت میں بھی رہا ہے، مسجد میں شامل کیا جا سکتا ہے؟

(۲) کیا صحن مسجد کے نیچے دوکانیں بنائی جاسکتی ہیں، امید کہ وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں گے؟

المستفتي: جناب تسلیم احمد، محلّہ: چودھریان، قصبہ سہسپور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانب شمال والا حجرہ جو مسجد کے زیرِ تحت مدرسہ کی شکل میں تھا، اس کو مسجد میں شامل کرلینا شرعاً جائز اور درست ہوگا، لیکن صحن مسجد جو حدود مسجد میں داخل ہے اس کے نیچے دوکانیں بنانا جائز نہیں ہوگا۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلیٰ قوله) فإذا كان هذا في الوقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولايجوز أخذ الأجرة منه الخ. (درمختار، الوقف، مطلب فی احكام المسجد زكريا٦/٥٤٨، كراچی ٤/٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية١٢/٢٩٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵رشوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۰/۱۵ھ

مسجد کے نیچے خالی حصہ کو دوکان بنانا

سوال: [۸۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد تین منزلہ ہے جس کے نیچے والی منزل جو ہے اس میں دس فٹ چوڑائی میں کمرے بنے ہوئے ہیں، اور سولہ فٹ جگہ ٹھوس ہے، نماز دوسری منزل پر پڑھتے ہیں، امام گاہ بھی دوسری منزل پر ہے اس وجہ سے مسجد دوسری منزل کو قرار دیا ہے، اور وہ جگہ بالکل خالی ہے، اگر ان کمروں کو دوکان کیلئے کرایہ پر دیدیا جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز پہلی منزل میں یعنی بالکل نیچے کبھی باجماعت نماز ادا نہیں ہوتی ہے، جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: ضمیر الدین، موضع شہزاد پور، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نچلی منزل بانیان نے شروع ہی سے مسجد کی غرض

سے نہیں بنائی بلکہ اس کو خارج مسجد رکھکر دوسری منزل سے مسجد کا سلسلہ شروع کیا ہے، اگر واقعۃً ایسا ہی ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ دوسری منزل ہی سے مسجد کا سلسلہ شروع ہے اسلئے نچلی منزل میں مسجد کی آمدنی کی غرض سے دوکان وغیرہ کی گنجائش ہے، مگر جو حصہ ٹھوس تھا، اس کو اب مسجد کے جماعت خانہ کے علاوہ کسی دوسرے کام میں لینا قیامت تک کیلئے کسی طرح جائز نہ ہوگا، بلکہ اس کا مسجد کے لئے رہنا لازم ہوگا۔

وإذا كان السرداب والعلو لمصالح المسجد أو كان وقف عليه كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد لقوله تعالىٰ وأن المساجد لله بخلاف ماإذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد كسرداب بيت المقدس هذا هو ظاهر الرواية. (شامی، الوقف، مطلب فی احکام المسجد زكريا ٦/٥٤٧، كراچي ٤/٣٥٧، البحرالرائق، زكريا ٥/٤٢١، كوئٹه ٥/٢٥١)

لیکن پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے، کہ جب سے اس عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی، اس وقت سے یہ منزل خالی کیوں رہی آخر کس وجہ سے بنائی گئی، سوال میں یہ واضح نہیں ہے، اگر یہ بات واضح ہوجاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍ ۶۱۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۵/۱۰ھ

مسجد کے نچلے حصہ کو رہائش گاہ بنانا

سوال: [۸۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے نچلے حصہ میں عورت ومرد رہ سکتے ہیں یا نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد عباس، رائے پور، رانی پور روڈ، ضلع، جھانسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورت ومرد کا فیملی کی حیثیت سے مسجد کے نیچے کی

منزل یا تہہ خانہ کو رہائش گاہ بنالینا جائز نہیں ہے، نیز آداب مسجد کے خلاف امور کا اس میں صادر ہونا جائز نہیں۔

لأنه مسجد إلیٰ عنان السماء (إلیٰ قوله) وكذا إلیٰ تحت الثریٰ الخ.

(الدر المختار، الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب فی أحكام المسجد زكريا ۲/۴۲۸، كراچی ۱/۶۵۶)

وكذايكره أن يتخذ طريقاً وأن يحدث فيه حديث الدنيا الخ.

(البحرالرائق، الوقف، فصل فی احكام المسجد كوئٹه ۵/۴۲۰)

ولا يحل للجنب والحائض والنفساء الوقوف عليه الخ. (شامی، كراچي ۱/۶۵۶، زكريا ۲/۴۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۴۴)

پٹہ پر زمین لیکر مسجد کی آمدنی کیلئے دوکانیں بنانا

سوال: [۸۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد یا مسجد کیلئے مکانات یا دوکانیں بنانا جس کے کرایہ سے مسجد کا خرچ پورا ہوتا رہے، سرکار سے یا نگر پالیکا وغیرہ سے پٹے پر زمین لیکر تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مظہر احمد، بنیانگر، دہرادون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ شکل میں مسجد کے منافع اوراس کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینا شرعاً جائز اور درست ہے، بشرطیکہ آئندہ آگے چل کر اختلاف اورنزاع کا خطرہ نہ ہو۔

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة قال في

الخانية : معزيا إلىٰ أبى بكر البلخى إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به . (البحرالرائق، ، الوقف، زکریا ۵/ ۳۶۰، کوئٹه ۵/ ۲۱۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۴/ ۱۴۳۵ھ

مسجد کے فائدے کیلئے مسجد کے نیچے چوپال بنانا

سوال: [۸۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں اٹھسینی میں ایک چھوٹی مسجد ہے اس کے آگے جانب قبلہ ایک چوپال ہے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے لوگوں نے مسجد کی توسیع کا ارادہ کیا کہ چوپال کو مسجد میں شامل کرلیا جائے، اسی نیت سے چوپال کوتوڑ کراس کی بنیاد کھدوائی گئی، اور چہار دیواری کرادی مسجد کی محراب باہر نکلی ہوئی تھی، چوپال والی دیوار سیدھی کرنیکی غرض سے محراب کے اگلے حصہ کو بھی توڑ دیا گیا ہے، نئی جگہ میں ابھی نماز شروع نہیں ہوئی ہے، اب لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ اس نئی جگہ کو مسجد میں شامل کرنیکی غرض سے کھدوایا گیا ہے، اور چہاردیواری کرائی گئی ہے، اس کا بھراؤنہ کرکے اس کے اوپر لینٹر ڈال کر نیچے چوپال اور اس کے اوپر مسجد بنالیں مسجد کے نیچے جس کو چوپال بنایا جائیگا، اس کا استعمال مختلف مقاصد کیلئے ہوگا، مثلاً بارات کا قیام جنازہ کی نماز کسی قومی کام کا مشورہ وغیرہ؟ کیا مذکورہ صورت میں شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: رفیع الدین، امام مسجد عائشہ، اٹھسینی، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ چوپال پر مسجد کی نیت سے تعمیر مکمل ہوگئی ہے، تو اس کو مسجد ہی رکھنا لازم ہوگا، اور اگر ابھی تعمیر مکمل نہیں ہوئی ہے اور جن مختلف مقاصد

کیلئے استعمال کا ارادہ ہےان کا کرایہ مسجد کو جائے گا، اوران مقاصد میں شریعت کیخلاف کوئی عمل نہیں ہوگا ،تو نیچے چوپال رکھنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۸۸، کفایت المفتی ۷/ ۱۷، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۲۵)

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع الخ. (شامی الوقف مطلب فی أحكام المسجد زكريا ٦/ ٥٤٨ ، كراچی ٤/ ٣٥٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٢/ ٢٩٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٣٠)

وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أي المسجد جاز كمسجد القدس الخ. (درمختار زكريا ٦/ ٥٤٧، كراچي ٤/ ٣٥٧، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤٥٥، جديد ٢/ ٤٠٨، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٤٢١، كوئٹه ٥/ ٢٥١)

یہ یادرکھیں کہ بارات میں خلاف شریعت باتیں پیش آتی ہیں، اسلئے بارات کا قیام جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ؍صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

مسجد کی سیڑھی کے نیچے کمرہ بنا کر کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں پرانی مسجد کی جگہ نئی مسجد تعمیر ہورہی ہے، کنارۂ صحن مسجد (لب سڑک) اوپر منزل میں جانے کیلئے سیڑھی ہے، سیڑھی کے نیچے جو جگہ خالی تھی اسے کمرہ کی شکل دیدی گئی اس جگہ گرمیوں میں نمازیں پڑھی گئی ہیں، کیا اس کمرہ کو کرایہ پر جس سے مسجد کی آمدنی ہونے لگ جائے دیا جاسکتا ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: عبدالاحد، تاجر کتب بڑہار ضلع: شہدول، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سیڑھی کے نیچے کا حصہ مسجد سے خارج ہے، تو جائز ہے، اور اگر وہ جگہ مسجد کا ہی ایک حصہ ہے تو جائز نہیں ہوگا، متولی مسجد سے معلوم کریں کہ وہ مسجد کا حصہ ہے یا نہیں؟

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلى قوله) فيجب هدمه ولو علىٰ جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلا الخ. (شامي، مع الدر المختار، الوقف، مطلب في أحكام المسجد زكريا٦/٨ ٥٤، كراچي ٤/٣٥٨، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت٣/ ٣٣٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍۹۳۷)

مسجد کیلئے کرایہ کی دوکانیں وگودام بنانے کا حکم

سوال: [۸۰۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین مسجد کی تعمیر کے واسطے وقف کی گئی ساتھ ہی واقف نے مسجد کی ضرورت کیلئے ایک یا دو دوکانیں بنانے کیلئے اجازت دیدی ابتدائی نقشہ کے مطابق یہ دوکانیں مسجد شرعی سے خارج حدود مسجد میں آرہی تھیں، اور کافی حد تک دیواریں بلند ہوگئیں تھیں کہ ذمہ داران نے یہ کہا کہ مسجد شرعی کے نیچے کچھ حصہ میں حوض دوکانیں وغیرہ بنائی جائیں، اس پروگرام کی منظوری کے بعد اس پر عمل درآمد کیلئے مسجد کی وہ دیواریں اور بنیادیں منہدم کردی گئیں جو پروگرام میں حائل تھیں، پھر تیسری بار پروگرام بدلا اور اب نقشہ یہ ہیکہ نیچے کے حصہ میں دوکانیں گودام و وضوخانہ رہے اور پھر مکمل مسجد رہے، اور یہ سب کام عامۃ المسلمین کے چندہ سے

ہورہا ہے، اب سوال طلب بات یہ ہے کہ نچلے حصہ میں مکمل دوسری چیزیں اوراوپر کے حصہ میں مسجد رہے کیا اس طرح تعمیر کرانا جائز ہے؟

اوراس بنی ہوئی مسجد کو مسجد شرعی کہیں گے؟ اوراگر یہ نا جائز ہے تو کیا ایک اور دو شکلیں جائز تھیں واضح اور مدلل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: لیاقت علی عفاعنہ، محلّہ: چوک ٹانڈہ بادلی، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرواقف نے اجازت دی ہے تو بیت الخلاء کے علاوہ باقی وضوخانہ کرایہ کی دوکانیں اور گودام وغیرہ کی شدت ضرورت کی بناپر فقہاء نے اجازت دی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ گودام اور دوکان کے کرایہ دار ہرسال بدلے جاتے رہیں اور کرایہ دارکوایک سال سے زائد اجازت دینا اور باقی رکھنا جائز نہیں ہے۔

إذا كان فوقه مسكن أو مستغل يتعذر تعظيمه وعن أبى يوسف أنه يجوز فى الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل كأنه اعتبر الضرورة وعن محمد أنه حين دخل الرى أجاز ذلك كله وتحته فى العناية عن محمد أنه أجاز ذلك كله أي ما تحته سرداب وفوقه بيت مستغل أو دكاكين الخ. (هدايه مع العنايه، الوقف، فصل فى أحكام المسجد، دارالفكر مصرى٦/ ٢٣٥، زكريا ٦/ ٢١٧، ٢١٨، كوئٹه ٥/ ٤٤٥)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل إذاكان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع عامة المسلمين صار ذلك لله تعالىٰ منه ومنه يعلم حكم كثير من مساجد المصر التى تحتها صهاريج ونحوها الخ. (تقريرات رافعى كراچى ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠، تبيين الحقائق، مكتبه

امدادیه ملتان ۳/ ۳۳۰، زکریا ٤/ ۲۷۱)

والظاهر عدم الصحة جعله مسجد يجعله بيت الخلاء تحته فقراء الذمي تحت عبادة الثاني، لم أره صريحاً. (تقریرات رافعی کراچی ٤/ ۸۵، زکریا٦/ ۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۵۲)

مسجد کے گودام اور وضوخانہ کی چھت پر کمرہ بنا کر کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے برابر میں ایک کمرہ ہے جو مسجد کا گودام ہے اسکی چھت اور وضوخانہ کی چھت ملی ہوئی ہے، اب سوال یہ ہے کہ دونوں کی چھت کے اوپر کمرہ بنواسکتے ہیں، جو رہائش کیلئے کرایہ پر اٹھادیں تا کہ مسجد کو آمدنی ہوجائے؟

المستفتي: حافظ محمد جان، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ حصہ حدود مسجد سے باہر ہے اور مسجد کو ضرورت ہے کہ کرایہ پر دیکر آمدنی حاصل کر کے ضرورت پوری کی جائے، تو مسجد کی کمیٹی کی اجازت سے جائز ہوسکتا ہے، لہٰذا کمرہ کے اوپر کمرہ بنا کر کرایہ پر دینے کی گنجائش ہے، مگر وضوخانہ کے اوپر کرایہ وغیرہ کے کمرہ بنانے سے فقہاء نے منع فرمایا ہے، جبکہ وضوخانہ پہلے سے بنا ہوا ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۸)

هل يجوز أن تؤجر قطعة منها بقدر ماينفق عليها أم لا؟ أجاب مقتضى مافى الخلاصة جواز ذلك .... وهذه المسئلة دليل على أن المسجد المحتاج إلىٰ النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه . (تقریرات رافعی زکریا٦/ ۸۰، کراچی ٤/ ۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴۳۹/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

شرعی مسجد کے نیچے دوکانیں بنا کر کرایہ پر دینے کا حکم

سوال: [۸۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد گھیر سعید خاں جو کہ محلّہ فیض گنج میں واقع ہے، اسکی ایک کمیٹی ہے، جسکے سکریٹری اختر حسین وخزانچی مہدی حسن خاں صاحب ہیں انہیں حضرات نے مندرجہ ذیل کام کوانجام دیا ہے؟

(۱) مسجد کے فرش پر پانچ وقت نمازیں ادا کی جاتی ہیں، اس فرش کو کھدوا کر کچھ دوکانیں نکالی گئی ہیں۔

(۲) اور تقریباً ڈیڑھ دو فٹ جگہ زمین بغیر اجازت میونسپل بورڈ کے مسجد میں لے لی گئی ہے؟

(۳) ان دوکانوں کی آمدنی شریعت کی نظر میں کیسی ہے؟

(۴) وہ آمدنی مسجد میں خرچ کیجا سکتی ہے یا نہیں؟

(۵) جن لوگوں نے اس کام کوانجام دیا ہے ان کی شریعت کی رو سے کیا سزا ہے؟

المستفتي: مولانا الطاف الرحمٰن، پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: مسجد مکمل ہونے کے بعد جماعت خانہ کے فرش کے نیچے دوکان بنا کر کرایہ پر دینا ہرگز جائز نہیں ہے، چاہے مسجد کی آمدنی کی ہی غرض سے کیوں نہ کیا گیا ہو۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلک لم يصدق فإذا كان هذا فی الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز اخذ الأجرة منه ولا أن يجعل شيئاً منه مستغلاً ولا

سکنی الخ. (الدر المختار، الوقف، مطلب في أحكام المسجد زكريا ٦/٥٤٨، كراچى ٤/٣٥٨، وهكذا فى البزازية زكريا جديد ٣/١٥٢، وعلى هامش الهندية ٦/٢٨٥)

(۲) میونسپل بورڈ کی اجازت کے بغیر اس کی زمین پر دوکان بنا کر مسجد کیلئے آمدنی فراہم کرنا اور اسکو مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۲۱۷، ڈابھیل ۱۴/ ۶۱۴، کفایت المفتی ۷/ ۴۴، جدید مطول ۱۰/ ۱۳۳)

(۳-۴) مذکورہ دوکانوں کی آمدنی اسوقت تک مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہوگا جب تک کہ میونسپل بورڈ سے اجازت حاصل نہ کی جائے، یا اس کا معاوضہ میونسپل بورڈ کو ادا نہ کردیا جائے۔

أما لو أنفق فى ذلک مالاً خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره له لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب الخ. (شامى، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها قبيل مطلب فى أفضل المساجد زكريا ٢/٤٣١، كراچى ١/٦٥٨)

(۵) جن لوگوں نے ایسا کیا وہ سب شرعاً گنہگار ہوں گے، ان پر لازم ہے کہ جماعت خانہ کا حصہ دوکانوں سے خالی کرکے مسجد کے حوالہ کردیں اور جو حصہ میونسپل بورڈ کا ہے میونسپل بورڈ کی اجازت کے مطابق اس میں عمل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۸۱)

مسجد کے نیچے بغرض آمدنی ہال بنانا

سوال: [۸۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے خاندان کے لوگوں نے اپنی ملکیت کی ایک بڑی جگہ میں سے ایک ٹکڑا مسجد کیلئے وقف کیا کئی برس تک یہ جگہ بغیر تعمیر کے پڑی رہی اسی جگہ پر ایک سوکھا کنواں تھا جو تعمیر کیلئے تکلیف

دہ تھا، اسے مٹی سے بھرنا ضروری تھا، مگر اخراجات زیادہ تھے، اسی لئے وقف کرنے والوں اور متولیان نے مشورہ میں طے کیا کہ مسجد کی عمارت کے نیچے بیس مینٹ (تل گھر) بنایا جائے اور تل گھر بنانے کے لئے پانچ فٹ گہرا تیس بائی چالیس (۴۰×۳۰) فٹ کا گڑھا کھود کر اس کی مٹی سے اس سوکھے کنویں کو پاٹ دیا جائے، اور نیچے کے اس ۴۰×۳۰ کے ہال کو مسجد کی آمدنی کیلئے شادی بیاہ ولیمہ کیلئے کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی سے مسجد کے اخراجات پورے کئے جائیں، اور اس کا خاص خیال رکھا جائے کہ اس ہال میں کوئی بھی غیر شرعی عمل نہ ہونے پائے، اور باقی کے دنوں میں اس ہال کو مدرسہ کی دینی تعلیم، دینی جلسہ اور بوقت ضرورت نماز کیلئے بھی استعمال کیا جائے، چنانچہ اسی طرح تعمیر کی گئی، تعمیر کے تقریباً تمام اخراجات بھی واقف لوگوں نے کئے ہیں، اوپر مسجد کی تعمیر کا کام جاری ہے وضوخانہ وغیرہ کا کام بھی جاری ہے ابھی تک مسجد میں نماز شروع نہیں ہوئی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے:

(۱) کیا نیچے کے (۴۰×۳۰) فٹ کے ہال (تل گھر) کو مسجد کے اخراجات کی غرض سے شادی بیاہ کیلئے کرایہ پر دیا جا سکتا ہے؟

(۲) اگر جواب ہاں میں ہو تو کیا اسی کرایہ کی آمدنی کو مسجد کے اخراجات کیلئے خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: نثار احمد، حاجی عبدالستار، ۱۳۵۴/۱ اسلام پورہ، نشاط روڈ، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: سوالنامہ کے بموجب ابھی تک زمین کا وہ موقوفہ ٹکڑا خالی پڑا ہوا تھا، اور اس پر اب مسجد تعمیر کی جارہی ہے، تو ایسی صورت میں مسجد کے نیچے والے حصہ کی تعمیر مسجد کی نیت سے نہ کی جائے، بلکہ مسجد کی آمدنی کی نیت سے کی جائے اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ وہ حصہ ہمیشہ مسجد کی ملکیت رہا کرے گا، اور اسمیں ایسا کوئی پروگرام کرنے سے گریز کرنا چاہئے جو غیر شرعی ہو اور مسجد اور نمازیوں کیلئے فتنہ کا ذریعہ بنتا ہو بعض شادیوں

میں ڈھول تاشہ باجا اور ویڈیو فلم وغیرہ کام ہوتے ہیں، اسطرح کا کوئی پروگرام اس میں جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ مہذب طریقہ سے مہمانوں کو بٹھانے اور کھانا کھلانے کا پروگرام کیا جاسکتا ہے، اور اس کا کرایہ وصول کر کے مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے، تفصیل (امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۵) میں ملاحظہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ / ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸ / ۱۰۰۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۱۰ھ

مسجد کی دوکان کوکرایہ پر دینے سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال: [۸۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی آراضی میں ۴/ دوکانیں تعمیر کی گئیں ہیں، ۳/ دوکانیں ایک صاحب نے کرایہ پر لی ہیں، اور مبلغ ۲۵/ روپیہ ماہوار کرایہ کے حساب سے ۱۵/ سال کا کرایہ پیشگی ادا کر دیا اور ایک دوکان میں نے مبلغ ۲۵/ روپیہ ماہوار کرایہ پر لی اور ۱۵/ سال کا کرایہ پیشگی ادا کر دیا اور کمیٹی سے تحریر لکھوالی میں سعودیہ عربیہ کاروباری سلسلہ میں چلا گیا، میں نے اپنے چچا کو مبلغ ۷۰/ روپیہ ماہوار کرایہ پر دیکر بٹھا دیا اور میں وہ کرایہ وصول کرتا رہا۔

میرے اور میرے چچا کے درمیان اختلاف پیدا ہوا میں نے دوکان خالی کرنے کو کہا میرے چچا نے انکار کر دیا اسمیں ۳/ ثالثوں نے یہ فیصلہ دیا کہ کہ مبلغ ۵/ ہزار روپیہ میرے چچا مجھکو دیدیں اور ۷۵/ روپیہ ماہوار کرایہ مسجد کو دیدیں اگر چہ میں اور میرے چچا راضی نہ تھے، مگر مجبوراً مجھ کو اور چچا کو یہ فیصلہ منظور کرنا پڑا، اسکے بعد ارباب کمیٹی مسجد نے میرے چچا کو مبلغ ۷۵/ روپیہ ماہوار کرایہ پر دیدی اور تحریر لکھدی اور اب کمیٹی مسجد میرے چچا سے مبلغ ۷۵/ روپیہ ماہوار کرایہ وصول کر رہی ہے، جبکہ ۳/ دوکانوں سے مبلغ ۲۵/ روپیہ ہی وصول کئے جارہے ہیں۔

(باعث استفسار مندرجہ ذیل امور ہیں)

(۱)اس طرح مبلغ ۵۷؍روپیہ میرے چچا سے جو وصول کئے جارہے ہیں، وہ مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲)ان ۵۷؍روپیہ کا میں مستحق ہوں یا نہیں؟

(۳)ابتک جو ۵۷؍روپیہ وصول کئے جارہے ہیں، اگر مسجد اس کی مستحق نہیں وہ رقم مسجد سے واپس لیجائے یا نہیں؟

(۴)کیا یہ کرایہ دار کسی اور شخص کو کم وبیش کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: حاجی تسلیم احمد قریشی،
محلّہ افغانان شرگت، معرفت محمد محفوظ الرحمٰن
غفرلہ مہتمم مدرسہ رحمانیہ، شرگت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دووجہوں سے مسجد کی دوکانوں کی کرایہ داری موجودہ کرایہ داروں سے ختم کرنا واجب ہے!

(۱)مسجد کی جائداد کو ایک آدمی کے ہاتھ ایک سال اور زیادہ سے زیادہ ۳؍سال اس سے زائد کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

(۲)مسجد کی دوکانوں کا کرایہ موجودہ زمانہ کے اعتبار سے کم ہی نہیں بلکہ غبن فاحش ہے!

قيل تقيد بسنة مطلقاً وبها أى بالسنة يفتى فى الدار وبثلاث سنين فى الأرض (إلىٰ قوله) **قلت لكن قال أبو جعفر الفتوىٰ على إبطال الإجارة الطويلة ولو بعقود ويؤجر بأجر المثل فلا يجوز بالأقل وفى الشامية وعليه الفتوىٰ الخ.** (الدر المختار مع الشامي، الوقف، فصل يراعى شرط الواقف فى إجارة زكريا ٦/٦٠٥، كراچى ٤/٤٠٢، مجمع الانهر ، دار الكتب العلمية بيروت٣/٥١٤، مصرى قديم ٢/٣٦٩، الفقه الاسلامى و أدلته ، دارالفكر ١٠/٧٦٨٩، هدى انٹرنيشنل ديوبند٨/٢٣٣)

نیز یہ بھی ناجائز ہے کہ کرایہ دار کسی دوسرے کو کرایہ پر دیدے بلکہ آپکو سعود یہ جاتے

وقت مسجد کے حوالہ کر کے جانا چاہئے تھا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۲۵۷)

(۱) درست ہے۔ (۲) مسجد ہی اسکی مستحق ہے۔ (۳) نہیں لی جائیگی۔ (۴) جو بھی زیادہ کرایہ دیگا اس کو دینی چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۲/۲۴)

مسجد کی دوکان اور مکان کرائے پر دینا

سوال: [۸۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مسجد کی دوکانوں میں سال ہا سال سے کرایہ دار ہے، ایک دوکان میں بذات خود کاروبار کرتا ہے، اور ایک دکان میں اشتراک کر کے مختلف شکلوں میں دوکان پر کاروبار کرتا کراتا رہتا ہے، اب ایک دوکان خالی ہونے کی بناء پر مندرجہ ذیل شرائط پر اشتراک واخوت باہمی کیساتھ شرعی جدو جہد میں پاک وصاف کاروبار کرنا چاہتا ہے، اللہ قبول فرمائے آسان فرمائے۔

(۱) یہ کہ زید کرایہ دار ہے کرایہ نامہ اسی کے نام رہے گا؟

(۲) یہ کہ زید پچاس ہزار اور عمر وبکر ایک ایک لاکھ مالیت لگائیں گے؟

(۳) یہ کہ دوکان میں موجود جزوی فرنیچر زید کا ہے اسی کا رہے گا، اور حسب ضرورت مزید فرنیچر عمر وبکر لگائیں گے، اور وہ انھیں کا ہوگا؟

(۴) یہ کہ دوکان میں زید جزوی طور پر ہی وقت دیا کرے گا، اور عمر وبکر حسب ضرورت جان لگائیں گے، اور مزید مال کی ضرورت پڑنے پر حسب ضرورت جان وگنجائش زید عمر وبکر مشورہ کر کے لگایا کریں گے؟

(۵) یہ کہ یہ اشتراک حسب موقع وضرورت تاعمر یا تاضرورت ہوگا، اور کسی وقت یا مدت کی کوئی قید نہ ہوگی؟

(۶) یہ کہ دوکان کا کرایہ وبجلی جرنیٹر وغیرہ کے تمام اخراجات فرم کے ہونگے اور کرایہ جو

مسجد کی طرف سے طے شدہ ہے وہی فرم ادا کرتی رہے گی، اور رسید زید کے نام ہی کٹتی رہے گی؟

(۷) یہ کہ مال کے نفع ونقصان کے تینوں برابر کے شریک ہوں گے؟

(۸) یہ کہ زید کرایہ دار کو مسجد کمیٹی سے اجازت کے بغیر اپنی کرایہ داری میں خالی دوکان پر مزید شرکت دار بنانے کی شرعی اجازت ہے یا نہیں؟ اور یہ شرکت دوکان کی کرایہ داری میں صرف فرم کی طرف سے ادائیگی کرایہ داری وکاروبار میں ہوگی؟ کرایہ دار مندرجہ بالا طریقہ پر زید ہی رہے گا؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن انصاری محلّہ قاضیان شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی ملکیت کی دوکان اور مکانوں کو ایسی شرائط کیساتھ کرایہ پر دینا اور لینا جائز نہیں ہے جن شرائط کی بنیاد پر کرایہ دار کو مالکانہ تصرف کا حق حاصل ہوجائے، سوالنامہ میں جس انداز سے کرایہ داری کا ذکر کیا گیا ہے، وہ مالکانہ تصرف کے مرادف ہے، اس لئے مسجد کی ملکیت کی جائیداد کو سوالنامہ میں مذکورہ شرائط کے ساتھ کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، بلکہ منجانب مسجد ایسی شرطیں لگانا ضروری ہیں، جن شرائط کی بنیاد پر مسجد کا مالکانہ حق مکمل باقی رہے، اور مسجد جب چاہے کرایہ دار سے خالی کراسکے اور جب چاہے کرایہ بڑھا سکے، یا خالی کرانے میں اور کرایہ بڑھانے میں اور کرایہ دار کی تبدیلی میں مسجد کو مکمل اختیار حاصل ہونا لازم ہے، اور کرایہ دار کو کوئی اختیار اس سلسلہ میں حاصل نہیں ہونا چاہئے، اگر کرایہ داری کی رسیدیں کٹیں تو ان تمام رسیدوں میں ان اختیارات کی صراحت ہونی چاہئے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر تین سال میں کرایہ دار کی تبدیلی ہونی چاہئے، تاکہ کرایہ دار اس میں اپنا تسلط نہ جمائے۔

وبها أي بالسنة يفتىٰ في الدار وبثلاث سنين في الأرض – قال أبو جعفر الفتوىٰ على إبطال الإجارة الطويلة ولو بعقود لتحقق المحذور المار فيها هو أن طول المدة يؤدي إلىٰ إبطال الوقف . (شامی، الوقف، فصل یراعی شرط الوقف فی إجارته زکریا ٦/ ٦٠٥ تا ٦٠٧، کراچی ٤/ ٤٠٠، ٤٠٢)

ولم تزد فی الأقاف علیٰ ثلاث سنین فی الضیاع وعلیٰ سنة فی غیرها (درمختار) وفی الشامیة: وکذا أرض الیتیم – وأکثر کلامهم علی أنه المختار المفتیٰ به لو جود العلة فیهما، وهی صونهما عن دعویٰ الملکیة بطول المدة. (شامی، کتاب الإجارة، زکریا ۹/۸، کراچی ۶/٦)

تاہم سوالنامہ میں شرکت کی جوشکل بیان کی گئی ہے، وہ شرکت فی العنان کے دائرے میں آتی ہے، لیکن اس کی صحت کیلئے شرط یہ ہے کہ جس شریک کا جتنا مال لگا ہو اس کو اتنا ہی فیصدی نقصان برداشت کرنا پڑے، لہٰذا یہ شرط لگانا کہ نقصان میں برابر کے شریک ہوں گے، یہ شرط باطل ہے، بلکہ نقصان میں اپنی حصہ داری کے اعتبار سے شریک ہوں، اور باقی شرائط جوسوالنامہ میں بیان کی گئیں ہیں، ان کیساتھ شرکت درست ہے، اور مسجد کی کرایہ داری سے مذکورہ شرکت کا معاملہ بالکل الگ ہے، یہ معاملہ کسی بھی جگہ پر کیا جا سکتا ہے، اس کو مسجد کی کرایہ داری کیساتھ جوڑنا بے موقعہ ہے۔

اشترکا فجاء أحدهما بألف والآخر بألفین علی أن الربح والوضیعة نصفان فالعقد جائز، والشرط فی حق الوضیعة باطل، فإن عملا وربحا فالربح علی ماشرطا، وإن خسرا فالخسران علی قدر رأس مالهما. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الشرکة، الباب الثالث في شرطة العنان، الفصل الثانی فی شرط الربح الوضیفةوهلاك المال زکریا قدیم ۲/ ۳۲۰، جدید۲/ ۳۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۲۱/۳۸)

وقف کی جائیداد کا کرایہ کس تناسب سے ہو

سوال: [۸۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد تھی، جو پرانی نہیں تھی، اس مسجد کا نقشہ بدلنے کیلئے دوبارہ تعمیر کرانے کی وجہ سے مسجد کو شہید کرکے تعمیری کام ہورہاہے، اس مسجد کی سات دوکانیں تھی، اور پرانے کرایہ

داردوکانیں چلا رہے تھے، ان دوکانوں سے انکے اہل وعیال کا گزارہ چل رہا تھا، جب مسجد کی کمیٹی نے مسجد کا کام شروع کرانا چاہا تو دوکانداروں سے کہا کہ ہم مسجد کو دوبارہ تعمیر کرانا چاہتے ہیں، آپ لوگ دوکانیں خالی کردیں، دوکاندارحضرات نے مسجد کمیٹی کے متولی صدر خزانچی ممبران سے کہا کہ آپ لوگ ہمکو ایک تحریر لکھت روپ میں عنایت فرمادیں انھوں نے دوکاندارحضرات سے کہا کہ آپ لوگ اللہ پر بھروسہ رکھیں ہم لوگ آپ کو دوکانیں دوبارہ بناشرط واپس دیں گے، ہم لوگوں نے یہ بات سنکر دوکانیں خالی کردیں، اس وقت مسجد کا اور دوکانوں کا تعمیری کام مکمل ہوگیا ہے، تو ہم نے کہا کہ اب ہمکو دوکانوں کی چابی دیدو اب مسجد کی کمیٹی کے کارکنان ہمکو جواب دیتے ہیں، کہ اب ہمارے پاس کرایہ دار آرہے ہیں، ہم لوگ پرانے کرایہ دار ہیں اور۱۹۷۰ء کے ہیں، ان دوکانوں کا کرایہ ۳۰/روپئے ماہ سے بڑھتے بڑھتے ۶۰۰/روپئے ماہ وار ہے، اور ہم لوگ ان دوکانوں سے اپنے اہل وعیال کا گزارہ کررہے تھے، وہ کافی عرصہ سے بند ہوگیا، اور یہ لوگ پرانے کرایہ داروں کو دوکانیں دینا نہیں چاہتے، یہ مسجد کے کارکن لوگ ہماری روزی روٹی چھین رہے ہیں، اللہ کے گھر کا سہارا لیکر کہ اللہ روزی دیتا ہے، یہ چھین رہے ہیں، میری آپ مفتیان کرام سے عرض ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟ آپ کی عنایت ہوگی؟

المستفتي: معراج، محلّہ مقبرہ، بازاروالی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے متولی اور ذمہ داران پرانے کرایہ داروں کو وعدے کے مطابق دوکانیں کرایہ پر دینے کیلئے آمادہ ہیں، جیسا کہ سوالنامہ سے واضح ہے لیکن ساتھ میں اس زمانہ کے متعارف اور مناسب کرایہ کا مطالبہ کیا ہے، یہ مطالبہ صحیح اور درست ہے، اور آئندہ کیلئے بھی ذمہ داروں پر لازم ہے کہ ہر زمانہ کے مناسب کرایہ بڑھاتے جائیں، ورنہ مسجد کی حق تلفی ہوگی، اور ذمہ داروں پر لازم ہے کہ

مسجد کی جائیداد اور اس کے حقوق کی حفاظت کریں، اور کرایہ داروں کا یہ کہنا ''کہ ہم لوگ اپنے اہل وعیال کا گزارہ کررہے تھے، اور وہ کافی عرصہ سے بند ہوگیا اور مسجد کے کارکن مسجد کا سہارا لے کر ہماری روزی روٹی چھین رہے ہیں'' غلط ہے، بلکہ کرایہ داروں نے اب تک مسجد کا حق مارا ہے، اور مسجد کی حق تلفی کرکے بچوں کی روزی روٹی کا انتظام کہاں تک درست ہوسکتا ہے، بلکہ مناسب کرایہ کے ذریعہ مسجد کا حق مسجد کو دے کر اپنے بچوں کی روٹی کا انتظام کریں، تو درست ہے ورنہ کرایہ داروں کی طرف سے مسجد پر ظلم ہوگا، نیز مسجد کمیٹی کیلئے مناسب یہی ہے کہ قانون ہند کے مطابق ۱۱ر مہینے کا اگریمنٹ کرلیا کریں اور ہر سال اسکی تجدید کیا کریں تاکہ کوئی کرایہ دار مناسب کرایہ ادا کرنے میں آنا کانی کرے تو اس سے دوکانیں آسانی کے ساتھ خالی کرائی جاسکیں اور دوسروں کو مناسب کرایہ پر دے سکیں، اور مسجد حق تلفی سے محفوظ رہے۔

ولو آجر الناظر بدون أجر المثل يلزم مستأجرها تمام أجر المثل عند بعض علمائنا وعليه الفتویٰ، قیل: إن استأجر داراً لوقف بمدة طویلة إن کان السعر بحالها حیث لم یزد ولم ینقص یجوز وإن غلا أجر مثلها یفسخ العقد ویجدد ثانیا، وکذا إذا استأجرها إلیٰ سنة فغلا السعر بعد مضی نصف السنة یفسخ العقد ویجب المسمیٰ ویجدد ثانیا. (مجمع الانهر، کتاب الإجارة، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۵۱٤، مصری قدیم ۲/ ۳٦۹)

وإن کانت الزیادة أجر المثل فالمختار قبولها فیفسخها المتولی، فإن امتنع فالقاضی ثم یؤجرها ممن زاد: فإن کانت داراً أو حانوتاً أو أرضا فارغة عرضها علی المستأجر فإن قبلها فهو أحق ولزمه الزیادة من وقت قبولها فقط. (درمختار مع الشامی، الإجارة، مطلب فی بیان المراد، بالزیادة علی أجر المثل زکریا ۹/ ۳۰، ۳۲، کراچی ٦/ ۲۳، ۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦/ذی الحجہ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۱۷۹۱/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۲/۲۹ھ

مسجد کی دوکان کا کرایہ بڑھانا

سوال: [۸۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد شیخوں والی کی کئی دوکانیں ہیں، ایک دوکان تقریباً بیس سال سے میرے پاس کرایہ پر ہے، اور رسید بھی میرے ہی نام سے کٹتی چلی آرہی ہے اب متولی صاحب نے کرایہ زیادہ حاصل کرنے کے لالچ کی بناء پر رسید میرے بیٹے کے نام کاٹ دی اور کرایہ ۴۰۰/روپیہ وصول کرلیا، جبکہ دیگر اور دوکانوں کا کرایہ اب ۱۵۰/روپیہ ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ جو دوکان میرے نام کرایہ پر بیس سال سے ہے اب جبکہ ہم نے کرایہ داری ختم نہیں کی تو بیٹے کے نام رسید کاٹنا کیسا ہے؟ رسید باپ ہی کے نام کاٹنی چاہئے، یا باپ کا نام ختم کرکے بیٹے کے نام رسید کاٹی جاسکتی ہے، جبکہ دیگر دوکانوں کے برابر باپ بھی کرایہ دینے کو تیار ہے، مسجد کے متولی اور کمیٹی والوں کا یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد اور دیگر اوقاف کی جائیداد کو اتنی طویل مدت کیلئے کرایہ پر دینا ممنوع ہے، زیادہ سے زیادہ تین سال کے معاہدہ کی گنجائش ہے، اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ ساتھ مسجد کی کمیٹی کو کرایہ میں بار بار اضافہ کرنا جائز ہے، لہٰذا اگر باپ کو مطلع کرنے کے باوجود کرایہ میں اضافہ نہیں کیا ہے، اور بیٹا بجائے ڈیڑھ سو روپیہ کے چار سو روپیہ دینے کیلئے تیار ہے، تو مسجد کمیٹی کو بجائے باپ کے بیٹے کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔

من استأجر داراً كل شهر بدرهم فالعقد صحيح في شهر واحد فاسد في بقية الشهور إلا أن يسمىٰ جملة الشهور معلومةً فان سكن ساعة من

الشهر الثاني صح العقد فيه وليس للمواجر أن يخرجه إلى أن ينقضي وكذلك كل شهر سكن في أوله. (هـدايه ، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة اشرفی ۳/ ۳۰۲، قدوری/ ۱۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: (۳۳/ ۵۷۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۳۰ھ

مسجد کی دوکان کا کرایہ بڑھانا

سوال: [۸۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کرایہ دار محلّہ قاضی باغ کاشی پور کا ہوں، جس کا پچھلا کرایہ ۱۲۰/ روپیہ چلا آرہا ہے، اب نئی کمیٹی کا مسجد پر تسلط ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا رعب جمائے ہوئے یہ کہتے ہیں، کہ اگر آپ مسجد کی دوکان میں رہنا چاہتے ہیں، تو اپنا کرایہ چار سو روپیہ مہینہ دیجئے نہیں تو خالی کردیجئے اگر آپ نے چار سو روپیہ نہیں دیا تو ہم سامان نکال کر پھینک دیں گے، جب کہ ہم کو کسی طرح کی کوئی سہولت وغیرہ مسجد کی کمیٹی نہیں دیتی اور یہ سب کام اپنے ہاتھ سے کرانے پڑتے ہیں، اور ہر ماہ کرایہ وقت پر ادا کرتے ہیں، ایسی حالت میں آپ سے درخواست ہے کہ احکام شریعت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: شرافت حسین، محلّہ قاضی باغ، الیکٹریشن، کاشی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی جائیداد کے بارے میں شرعی حکم یہی ہے کہ زمانہ اور حالات کے اعتبار سے موجودہ زمانہ میں ایسی جائداد کا عام طور پر جو کرایہ ہوسکتا ہے، اس سے کم میں کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر مذکورہ دوکان چار سو روپیہ کرایہ کے لائق ہے تو ذمہ داران مسجد کیلئے اس سے کم میں کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، اور مثل کرایہ نہ دینے پر آپ سے دوکان خالی کرانے کے مجاز ہیں۔

ولا يوجر الوقف إلا بأجر المثل حتى لو آجر بدون أجر المثل لزمه اتمامه بالغاً بلغ وعليه الفتوىٰ. (مجمع الانهر، کتاب الوقف، فصل دارالکتب العلمية بيروت ۲/۵۹۷، مصری قديم ۱/۷۵۰، الدر مع الرد، مطلب فی إجارة الطويلة بعقود، زکريا ۶/۶۰۸، کراچی ۴/۴۰۲)

ولا تجوز إجارة الوقف إلا بأجر المثل الخ. (هنديه، الباب الخامس في ولاية الوقف، قديم۲/۴۱۹، جديد۲/۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۵۶)

مسجد کے کمرہ میں مدرس کا بلا کرایہ رہنا

سوال: [۸۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں مسجد ہی کی رقم سے امام صاحب کیلئے کمرہ بنایا گیا تھا، اس میں امام صاحب اپنے اہل وعیال کیساتھ رہتے تھے، پھر اپنے اہل وعیال کیساتھ اپنے نجی مکان میں چلے گئے اب اس جگہ میں مدرسہ کے دو مدرس کا مع اہل وعیال کے بغیر کرائے کے اس حالت میں رہنا کہ مسجد کی بجلی پانی اور دوسری چیزوں کے ذریعہ فائدہ اٹھاتے ہوں، اوران کی طرف سے کچھ ایسے کام پائے جارہے ہوں، جس کی وجہ سے پولیس کے ذریعہ مسجد کی بے حرمتی کا اندیشہ ہو کیسا ہے؟ مثلاً مدرس کا سالا اسی حجرہ میں لڑکی بھگا کرلے آیا؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: حاجی جاوید، اعظم، رشید احمد، محلّہ حاجی پور، ضلع: فیروز آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مدرسہ مسجد سے منسلک ہے تو ایسی صورت میں مسجد کے حجرے میں مدرس کی رہائش میں کوئی حرج نہیں ہے، اوراگر مدرسہ مسجد سے منسلک نہیں ہے، بلکہ دونوں الگ الگ ہیں، اور دونوں کا انتظام بھی الگ الگ ہے تو ایسی صورت

میں بغیر کرایہ کے مسجد کے حجرہ میں مدرس کی رہائش درست نہیں ہے، ہاں البتہ اگر مدرس وہاں پر رہائش اختیار کرنے کے ساتھ نماز بھی پڑھادیتا ہے، تو بلا کرایہ رہائش جائز ہے؟

ولا تجوز إعارة الوقف والإسكان فيه . (هنديه ، الباب الباب الخامس زكريا قديم ۲/ ۴۲۰، جديد۲/ ۳۸۷)

وليس للقيم أن يسكن فيها أحداً بغير أجر. (تاتار خانية، الفصل السابع، تصرف القيم في الأوقاف زكريا۸/ ۶۷، رقم ۱۱۲۲۴، المحيط البرهانى ، المجليس العلمى ۹/ ۲۹، رقم: ۱۱۰۳۰، هنديه ، زكرياقديم ۲/ ۴۱۸، جديد ۲/ ۳۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۱/ ۱۴۳۳ھ

مسجد کی دوکانیں کم اجرت میں کرائے پر دینا

سوال: [۸۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر کامٹی میں جو جامع مسجد گری بازار تمبا کو میں ہے، اس میں جو کرایہ دار ہیں وہ پانچ سال سے کرایہ نہیں دے رہے ہیں، کرایہ دار میں سے کوئی دس سال سے ہے کوئی پندرہ سال سے ہے، کوئی بیس سال سے ہے آج سے تقریباً پانچ سال پہلے پرانی کمیٹی نے ان سے ۳۵۰؍روپیہ کرایہ طلب کیا تھا، جو دوکانداروں نے دینے سے انکار کیا پھر ایک اور ثالث کمیٹی نے ان دونوں کے بیچ میں آ کے فیصلہ کیا کہ دونوں پارٹی کے متعلق ثالث جو فیصلہ دے اس کو مانیں گے ،ثالث کمیٹی کے فیصلہ کو چونکہ ہر دو فریق ماننے کیلئے تیار تھے، اسلئے ثالث کمیٹی نے دونوں سے ایک کورے کاغذ پر دستخط لے لئے اور فیصلہ دیدیا کہ دوکاندار دوسو پچاس روپئے مہینہ دیں گے، اور دوکانوں کا ٹیکس بھی دیں گے، لیکن پھر دوکانداروں نے اس بات سے انکار کردیا اور بات طے نہیں ہوئی پھر مارچ ۱۹۹۶ء میں دوسری کمیٹی آئی اس نے اپنی طرف سے دوسو روپیہ مہینہ کرایہ طے کیا، اور ٹیکس مسجد کی طرف رکھا اس پر بھی وہ راضی نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہم

پرانے کرایہ میں کچھ بڑھا کردیں گے، ان کا پرانا کرایہ کسی کا ۴۲، کسی کا ۷۰، کسی کا ۲۸، کسی کا ۶۳، کسی کا ۱۳۰، اور کسی کا ۱۵۰ روپیہ ہے، جس سے مسجد کا خرچ پورا نہیں ہوتا ایک بات یہ بھی ہے کہ ان دوکانداران نے غیر مسلموں سے ساز باز کررکھی ہے، اوران کے اشارے پر کام کررہے ہیں، کیا ایسے دوکانداروں کو رکھنا چاہئے یا خالی کروانا چاہئے، عام مسلمانوں کا کہنا ہے کہ خالی کروانا چاہئے، اب آپ جو فیصلہ دیں گے، انشاء اللہ اس پر ہی عمل ہوگا؟

المستفتي: محمد اسلم لہارو، معرفت:
مفتی عتیق الرحمٰن مدرسہ اسلامیہ
دارالعلوم، کامیٹی، ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس علاقہ کی تمام دوکانوں کو جتنی اجرت میں کرایہ پر دیا جاتا ہے، اس سے کم اجرت پر مسجد کی موقوفہ زمین اور دوکانیں کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی پہلے سے موجود کرایہ دار اتنی اجرت دینے سے انکار کردے تو اسے خالی کروادینا چاہئے، کیونکہ اس سے وقف اور مسجد کا بڑا نقصان ہے۔

ويؤجر بأجر المثل فلا يجوز بالأقل أي لا يصح ايجار الوقف بأقل من أجرة المثل إلا عن ضرورة. (شامی، الوقف، مطلب لا يصح ايجار الوقف، بأقل من أجرة الاعن ضرورة، زكريا ٦/ ٦٠٨، کراچی ٤/ ٤٠٦، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤١٩، جديد ٢/ ٣٨٧، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٧، مصرى قديم ١/ ٧٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۸۳۶/۳۲)

چندہ کی شرط لگا کر مسجد کا کمرہ کم کرایہ پر دینے کا حکم

سوال: [۸۰۴۷]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی جائیداد میں ایک کمرہ خالی ہے، کمیٹی والوں نے یہ طے کیا ہے، کہ جو کمرہ لینا چاہے اسے مبلغ پندرہ ہزارروپئے ۱۵۰۰۰/ مسجد میں چندہ دینا ہوگا، رقم دینے کے عوض میں اس گھر کا کرایہ ۲۵۰ ؍روپیہ رکھا گیاہے، جبکہ اس وقت اس کا کرایہ ۴۰۰ ؍روپئے ہونا چاہئے، کیا کمرہ کے عوض میں یہ روپئے لینا درست ہے؟ اگر کوئی شخص آکر یہ کہے کہ یہ کمرہ مجھے دیدیجئے میں مسجد کو پندرہ ہزارروپیہ چندہ دوں گامگر کرایہ ۲۵۰ ؍روپیہ دوں گا، جبکہ اس کا کرایہ چارسوروپئے ہونا چاہئے تھا، کیا اس شرط پر چندہ کی یہ رقم لینا درست ہے؟ شریعت کی نظر میں اس کی کیا حقیقت ہے واضح فرمائیں؟

المستفتي: وسیم احمد، کانکی نارہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پندرہ ہزارروپیہ چندہ دینے کی شرط کے ساتھ مسجد کا کمرہ کچھ رقم کم کر کے کرایہ پر دینا ازروئے شرع درست نہیں ہے، کیونکہ یہ شرط شرط فاسد ہے، لہٰذا اس شرط کے بغیر کرایہ داری کا معاملہ کیا جائے، اور کرایہ دار سے پورے چارسو روپیہ کرایہ مقرر کیا جائے۔

تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع يفسدها............ كشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمةالدار............ . (شامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، زکریا۹/ ٦٤، کراچی ٦/ ٤٦)

ويؤجر بأجر المثل فلايجوز بالأقل . (الدرمع الرد، الوقف، مطلب لايصح إيجار الوقف بأقل، زکریا٦/ ٦٠٨، کراچی ٤/ ٤٠٦، هکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته ،دارالفکر مجمع الانهر، دارالکتب العلمية بيروت٣/ ٥١٤، مصری قديم ٢/ ٣٦٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۹۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۵ھ

مسجد کے کرایہ دار سے مرمت وغیرہ کی شرط لگانا

سوال: [۸۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی مسجد کا ایک مکان ہے جو نا قابل رہائش ہے، اب متولی صاحب اس کو کرایہ پر دینے کی بات کر رہے ہیں، لیکن ان کی شرائط یہ ہیں، کہ جو مکان کرایہ پر لے گا اس کو مکان از سر نو تعمیر کرنا ہوگا، اور تعمیر ہونے کے بعد بنانے والے کا اس مکان سے کوئی تعلق نہ ہوگا، وہ مکان مسجد ہی کی ملکیت میں رہیگا اور نیز اس کو اپنی لگائی ہوئی لاگت کو واپس لینے کا بھی حق نہ ہوگا، دوسری شرط یہ ہے کہ کرایہ پر لینے والے کو ایڈوانس روپئے جمع کرانے ہوں گے، جو نہ تو کرایہ میں کٹیں گے اور نہ ہی مکان خالی کرنے پر واپس ملیں گے، یہ شرائط متولی اور مسجد کی کمیٹی نے طے کی ہیں، اب بعض لوگ ماہانہ کرایہ ۱۰۰۰/ روپیہ اور ایڈوانس ڈھائی لاکھ روپیہ دینے کو تیار ہیں، اور بعض لوگ کرایہ ۴۰۰۰/ روپیہ اور ایڈوانس پچیس ہزار روپئے دینے کو تیار ہیں، تو اب دریافت یہ کرنا ہے، کہ متولی مسجد اور کمیٹی کا مذکورہ شرط لگانا درست ہے یا نہیں؟ اور متولی اور کمیٹی والوں کو مذکورہ کرایہ داروں میں سے کس کو کرایہ پر دینا چاہئے، کرایہ کم اور ایڈوانس زیادہ دینے والوں کو یا ایڈوانس کم اور کرایہ زیادہ دینے والوں کو شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: خلیفہ محمد اسلم قریشی، فیل خانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) متولی اور مسجد کے ذمہ داروں کا یہ شرط لگانا کہ کرایہ دار پر لازم ہوگا، کہ مکان کو از سر نو تعمیر کرے اور تعمیر کا خرچہ یا تعمیر کے ملبہ کو واپس لینے کا کرایہ دار کو حق نہ ہوگا، یہ غیر شرعی شرط ہے، ایسی شرط لگانا جائز نہیں ہے، بلکہ اس کا حق ہوگا کہ

یا تو تعمیر کا ملبہ واپس لے لے یا مسجد اس کی قیمت ادا کرے۔

ولو استأجر أرضا موقوفة وبنىٰ فيها حانوتاً وسكنها........... ثم ينظر إن كان رفع البناء لا يضر بالوقف فله رفعه، لأنه ملكه وإن كان يضر به فليس لهٗ رفعه ، لأنه وإن كان ملكه فليس لهٗ أن يضر بالوقف ثم إن رضى المستأجر أن يتملكه القيم للوقف بالقيمة مبنياً أو منزوعاً، أيهما ماكان أخف يتملكه القيم . (البحر الرائق، الوقف، زكريا ٣٩٨/٥،كوئٹه ٢٣٧/٥، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٣٥/٩، رقم: ١١٠٥١، تاتار خانية ،زكريا ٧٣/٨، برقم:١١٢٤٧)

رجل استأجر أرضاً موقوفة ، وبنى فيها حانوتاً وسكنها........... فبعد ذلك رفع البناء إن كان لايضر بالوقف فللباقى رفعه، وإن كان يضر ليس لهٗ رفعه فبعد ذلك، إن رضىٰ المستأجر ان يتملكه القيم مبنياً أو منزوعاً أيهما كان أقل فيهما. (هنديه ، الوقف، الباب الخامس ،زكرياقديم٢/ ٤٢٢، جديد ٢/ ٣٨٨)

(۲) اور یہ شرط بھی ناجائز شرط ہے کہ ایڈوانس روپیہ جو جمع ہوگا وہ نہ کرایہ پر لگے گا اور نہ زر ضمانت کے طور پر خالی کرتے وقت واپس ملیگا، اب رہی ماہانہ کرایہ کی بات تو اس کے بارے میں متولی اور کمیٹی کے لوگوں کو اختیار ہے کہ مسجد کے فائدہ کے لئے زیادہ سے زیادہ کرایہ پر دیا جائے، اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے، کہ مسجد کے اوقاف کو ہمیشہ کے طور پر کرایہ داری کے لئے نہ دیا جائے ، بلکہ ایک سال یا تین سال کے اگریمنیٹ کے طور پر دیا جائے، تاکہ تبدل زمانہ کی وجہ سے آئندہ کرایہ بڑھانے میں پریشانی نہ ہو۔(تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ا/ ۲۰۹،بحوالہ محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۴۳)

لأن للناظر التصرف فى الوقف بمافيه الحظ و المصلحة . (تنقيح الفتاوىٰ الحامديه ١/ ٢٠٩، بحواله محموديه ڈابهيل ١٤/ ٣٤٣)

روى عن الفقيه ابى جعفرؒ أنه كان يقول فى الوقف لايؤجر أكثر من

سنة . (تاتار خانية زكريا/۸/٦۸، رقم:۱۲۳۲۲)

المختار أن يفتي في الضياع بالجواز في ثلاث سنين –إلىٰ– لاينبغي أن يوجر أكثرمن ثلاث سنين. (المحيط البرهاني ، المجلس العلمي ۹/ ۳۱، رقم: ۱۱۰۳٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۲٦ھ

موقوفہ جائیداد کی آمدنی بڑھنے کا حکم

سوال: [۸۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی کچھ جائیداد غیر منقول وقف للہ تعالیٰ کی اور کل آمدنی کا حق دار مسجد ومدرسہ کو بنادیا گیا جس وقت جائیداد وقف کی گئی اسوقت کل کرایہ کی آمدنی تیس روپیہ تھی، جس میں سے دوروپیہ ماہوار مسجد کیلئے وقف کی گئی تھی، اور بقیہ مدرسہ کیلئے یہ دوروپیہ ماہوار عرصہ دراز سے دیا جارہا ہے اب جب جائیداد موقوفہ کی کرایہ کی آمدنی پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوچکی ہے، اب مسجد والوں کا کہنا ہے، کہ جب آمدنی وقف کی بڑھ گئی ہے اس حساب سے مسجد کو بھی بڑھا کر دیا جائے جبکہ وقف نمبر ۴ میں یہ تحریر ہے کہ مسجد کو دوروپیہ ماہوار دیا جاتا رہیگا، برائے مہربانی مندرجہ بالا مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟ عنایت ہوگی؟

المستفتي: محمد یامین، بدھ بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آمدنی بڑھ گئی ہے تو اس حساب سے مسجد کو بھی بڑھا کر دینا ہوگا۔

وإن شرط الواقف قسمة الريع على الجميع بالحصة أو جعل لكل قدر أو كان ماقدره للإمام ونحوه لا يكفيه فيعطى قدر الكفاية لئلا يلزم

تعطيل المسجد (إلىٰ قوله) **والشعائر بقدر ما يقوم به الحال** (**قوله**) **أن مراد الواقف انتظام حال مسجده أو مدرسته الخ.** (شامي، الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها زكريا٦/٥٦١، كراچى ٤/٣٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣٠رذی الحجہ ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/١٠٣٩)

مسجد کی زائد از ضرورت زمین کو کرایہ پر دینا

سوال: [٨٠٥٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین مسجد کے نام وقف ہے، فی الحال مسجد کا کوئی کام اسمیں نہیں ہو رہا ہے، اب کمیٹی کے ذمہ داران گاؤں والوں کے مشورہ سے اسمیں مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، شرعی اعتبار سے مسجد کیلئے وقف شدہ اس زمین میں مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، محلّہ خواجہ فیروز، شاہجہاں پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ زمین مسجد کی ضروریات سے زائد ہے تو مسجد کیلئے یہ جائز ہے کہ اہل مدرسہ کو کرایہ پر دیدے اور اہل مدرسہ اس زمین میں کرایہ ادا کرکے مدرسہ چلاتے رہیں، تاکہ مسجد کو بھی اس زمین کی آمدنی حاصل ہوتی رہے، اور مدرسہ بھی چلتا رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ٦/٦٧، جدید زکریا دیوبند ٩/١٥٣، فتاویٰ محمودیہ ١٢/٢٥٤، ڈابھیل ١٤/٦١٣)

لزم أجر المثل بناء على المفتى به عند المتأخرين من أن منافع العقار تضمن إذا كان وقفاً أو معداً للاستغلال . (شامي، الوقف، مطلب سكن داراثم ظهر أنها وقف يلزمه أجرة ماسكن زكريا٦/٥٤٠، كراچي ٤/٣٥٢، هنديه زكريا قديم ٢/٤١٩، جديد ٢/٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۷۸۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۲۳ھ

مسجد کے اوپر مدرسہ بنا کر کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اور مسجد کی جگہ میں مدرسہ قائم ہے اور وہ مدرسہ مسجد کے اوپر ہے، اور اس میں لڑکے تعلیم پاتے ہیں، اب مسجد کو مدرسہ کا کرایہ یا بتی کا کرایہ لیکر مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسکا مفصل جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: حاجی احمد رضا صاحب
عرف حاجی کلن گلاب والی مسجد محلّہ
پیرزادہ، ضلع مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد بن چکنے کے بعد اس کے اوپر مدرسہ بنا کر کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے!

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلىٰ قوله) فيجب هدمه ولو على جدار المسجد ولا يجوز أخذ الأجرة منه الخ. (الدرالمختار مع الشامی، الوقف، مطلب فی أحکام المسجد، زکریا٦/٥٤٨، کراچی ٣٥٨/٤، کوئٹہ٣/٤٠٦، بزازیہ زکریاجدید٣/١٥٢، وعلىٰ هامش الهندية٦/٢٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۱/۲۴)

مسجد کے فائدے کیلئے دس بیگہ زمین کو بائیس بیگہ بتانا

سوال: [۸۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فدوی نے جامع مسجد ٹانڈہ کی موقوفہ آراضی برائے کاشت پانچ سال کیلئے ٹھیکہ پر لی ٹھیکہ سے متعلق تمام شرائط معاملات نائب متولی صاحب سے طے ہوئے، نائب متولی صاحب نے زمین کا رقبہ بائیس بیگہ بتلایا ہے، فدوی کے معلوم کرنے پر کہ بائیس بیگہ سے کم تو نہیں ہے، تو نائب متولی نے فرمایا کہ ہم نے کئی بار پیمائش کرائی ہے، رقبہ پورا بائیس بیگہ ہے، لہٰذا بیس ہزار روپیہ سالانہ کے اعتبار سے پانچ سال کے لئے مبلغ ایک لاکھ روپیہ میں معاملہ طے ہوگیا اور کمیٹی کے پاس پچیس ہزار روپیہ بطور پیشگی قسط جمع کردئے گئے، لیکن جب فدوی آراضی پر پہنچا، اور زمین پر قبضہ لیا، تو وہاں پر لوگوں نے بتلایا کہ یہ آراضی دس بیگہ ہے، اور سرکاری کاغذات میں بھی ۱۶ رڈسمل (دس بیگہ) ہی ہے، میں نے یہ بات نائب متولی صاحب ودیگر ممبران کمیٹی کو تحریراً اور بالمشافہ بتلائی کہ میرا معاملہ ۲۲ ربیگہ کا ہے، اور آراضی صرف دس بیگہ ہے، لہٰذا زمین چھوڑ رہا ہوں، اور میرا پیسہ واپس کردیا جائے، اس پر کمیٹی والے بضد ہیں کہ آپ کو پورا پیسہ دینا ہوگا، اور زمین بھی پورے پانچ سال رکھنی ہوگی، اگر آپ زمین چھوڑتے ہیں، تو ہم زمین نیلام کردیں گے، اور اس میں جو نقصان ہوگا، وہ آپکا ہوگا، مسجد نقصان نہیں اٹھائیگی، ایسی صورت میں دس بیگہ کی جگہ بائیس بیگہ بتا کر مسجد کے فائدہ کیلئے زیادہ آمدنی کرانے والی کمیٹی روز قیامت عند اللہ العظیم لائق عذاب ہوگی یا مستحق ثواب ہوگی، اور اس طرح دھوکہ دیکر جبراً دھاندلی سے لئے ہوئے پیسہ کا مسجد صحیح مصرف ہوگی، جبکہ میرا معاملہ صراحتاً بائیس بیگہ کا ہے، جس کا اقرار نائب متولی صاحب کو آج بھی ہے، اور رقبہ دس بیگہ ہے از روئے شرع مجھے کتنی رقم ادا کرنی ہوگی؟

المستفتي: ماسٹر محمد حنیف، محلّہ سمندرین، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ آنے کے بعد معاملات طے کرنے کے معاہدہ نامہ کیلئے بھی ہم نے مطالبہ کیا تو معاہدہ نامہ کی ایک فوٹو کاپی سائل نے لاکر پیش کی اوراسی معاہدہ نامہ کی دوسری عین فوٹو کاپی مسجد کمیٹی کی طرف سے جناب قاری نعیم صاحب مدظلہ کے توسط سے دارالافتاء میں داخل ہوئی، تینوں کاغذات کو بغور دیکھا گیا ہے کہ معاہدہ ۲۲/ بیگہ پر ہوا ہے، اور پانچ سال کی مدت میں ایک لاکھ روپیہ کرایہ دینے کی بات طے ہوئی ہے، جس کی پوری تفصیل معاہدہ نامہ میں موجود ہے، جس میں فریقین اور گواہوں کے دستخط بھی ہیں، لیکن ایک افسوس کی بات سامنے آئی کہ مسجد کی کمیٹی کی طرف سے جناب قاری نعیم صاحب کے توسط سے جو معاہدہ نامہ کی فوٹو کاپی دارالافتاء میں داخل ہوئی، اس میں ایسی جعل سازی کی گئی ہے جسے ہر دیکھنے والا دیکھ کر افسوس کریگا، کہ جو فوٹو کاپی سائل محمد حنیف نے داخل کی ہے، بعینہ اسی طرح کی فوٹو کاپی مسجد کمیٹی نے بھی داخل کی، مگر مسجد کمیٹی نے یہ جعل سازی کی ہے کہ ۲۲/ بیگہ جو لفظوں میں لکھا ہوا ہے، وہ اپنی جگہ موجود ہوتے ہوئے اس کے اوپر عددوں میں جو ۲۲/ لکھا ہوا ہے، اسکو بارہ بنادیا ہے اور ۲۲/ کے نیچے عبارت میں ۱۲/ لکھدیا پھر بھی عبارت میں ۲۲/ اپنی جگہ پر موجود ہے، مسجد کمیٹی کے اس جعل سازی کو معاہدہ نامہ دیکھنے کے بعد ہر شخص محسوس کرسکتا ہے، اور ایسی جعل سازی نہ شرعاً جائز ہے اور نہ قانوناً، اور نہ ہی معاشرہ میں کوئی مسلمان اس کو جائز قرار دے سکتا ہے، شریعت میں ایسے جعل ساز اور خائن متولی کو مسجد کی تولیت سے برطرف کردینے کا حکم ہے، ایسے لوگ امور دینیہ کے ذمہ دار نہیں بن سکتے، اس لئے مسجد کمیٹی پر لازم ہے کہ جیسے ۲۲/ بیگہ سے متعلق معاہدہ طے ہوا ہے ویسے ہی ۲۲/ بیگہ فریق ثانی کو دیدے، ورنہ موقع پر جتنی بیگہ موجود ہے اتنی بیگہ کا معاملہ دوبارہ الگ سے کریں، اور فریق ثانی کا پیسہ پیشگی لیکر دبالینا قطعاً ناجائز اور حرام ہے، مسجد کی کمیٹی پر لازم ہے، کہ معاملہ شریعت کے مطابق کرلے، اگر ۲۲/ بیگہ نہیں

دے سکتے ہیں، تو فریق ثانی کا پیسہ واپس کردے، ورنہ جتنی بیگہ موقع پر موجود ہے اسکا معاملہ دوبارہ الگ سے طے کرے، اور پہلا معاملہ مسترد کر کے فریق ثانی کا پیسہ واپس کردے، اور مسجد اپنی زمین واپس لے لے یہی شریعت کا حکم ہے۔

ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه ، لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به . (شامی، الوقف، مطلب فی شروط المتولی زکریا ٥٧٨/٦، کراچی ٣٨٠/٤، البحرالرائق، کوئٹه ٢٢٦/٥،زکریا ٣٧٨/٥، هندیه زکریا قدیم٤٠٨/٢، جدید٣٨٠/٢)

وليس للبائع فى البيع الفاسد أن يأخذ المبيع حتى يرد الثمن . (هدایه، اشرفی، ٦٥/٣)

أن سعيداً بن زيد قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: من ظلم من الأرض شيئاً طوقه من سبع أرضين . (بخاری شریف، باب إثم من ظلم شيئاً من الأرض ، النسخة الهندية ٣٣٢/١، رقم: ٢٣٨٨، ف:٢٤٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷؍شعبان ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۳۵/۳۷)	۱۴۲۵/۸/۷ھ

مسجد کی دوکان کا کرایہ نہ ادا کرنے والے کا حج کرنا

سوال: [۸۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک شخص مسجد کی دوکان پر ستر مہینے سے بنا کرایہ دیئے ناجائز طور پر قابض ہے تقاضوں کے بعد بھی نہ کرایہ ادا کرتا ہے نہ دوکان خالی کرتا ہے، اس شخص کے متعلق کیا شرعی حکم ہے؟

(۲) یہ شخص حج کیلئے جارہا ہے کیا مسجد کا کل پیسہ کرایہ ستر ماہ ادا کئے بنا اس کا حج کیلئے

جانا شرعاً جائز ہے ستر ماہ کا کرایہ بحساب چار سو روپیہ ماہوار اٹھائیس ہزار روپیہ ہوتا ہے؟

(۳) اس شخص سے مسلمانوں کو کیسے معاملات رکھنے چاہئیں؟

المستفتي: عظیم عرشی الصابری، گول گھر، منڈی چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داروں پر لازم ہے کہ مسجد کی دوکان شخص مذکور سے فوراً خالی کروالیں اور جس طرح بھی دباؤ اور اثر ڈالا جاسکتا ہے، ڈال کر مسجد کا پیسہ اس سے وصول کرنا ضروری ہے۔

ولو غصبها من الواقف أو من واليها غاصب فعليه أن يردها إلى الواقف فإن أبى وثبت غصبه عند القاضي حبسه حتى رد. (عالمگیری، الوقف، الباب التاسع في غصب الوقف زکریا قدیم ۲/۴٤۷، جدید ۲/۴۰۳، ٤۰٤)

(۲) مسجد کا قرض اٹھائیس ہزار روپیہ ادا کرنا حج پر مقدم ہے مسجد کے قرض کا بار لیکر حج کیلئے جانا عبادت کا کارنامہ نہیں ہے، بااثر لوگوں کو مسجد کا پیسہ وصول کرنے میں اس شخص پر اپنا اثر استعمال کرنا ضروری ہے۔

وكذا الغريم لمديون لا مال له يقضي به والكفيل لو بالإذن فيكره خروجه بلا إذنهم كما في الفتح وظاهره أن الكراهة تحريمية. (شامی، کتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام زکریا ۳/٤٥٤، کراچی ۲/٤٥٦)

(۳) مسلمانوں کو اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے، یہ بات واضح ہے کہ جس طرح معاملہ کرنے سے مسجد کا حق مسجد کو وصول ہوجائے وہی اختیار کرنا چاہئے، اگر بائیکاٹ اور حقہ پانی بند کرنے سے کام چل سکتا ہے، تو حقہ پانی بند کردیا جائے، اور اگر کوئی طاقت استعمال کرنے سے مسجد کا حق وصول ہوجائے تو طاقت استعمال کرنی چاہئے، ایسا شخص ظالم اور خائن ہے مسجد کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ اس شخص سے کسی بھی طریقہ سے مسجد کا حق وصول کریں۔

وأما عزل الخائن وإقامة غيره ممن يحفظ الوقف إلىٰ ما قال...... وإن

عزله واجب على كل مسلم يستطيعه فإنه من قبيل إنكار المنكر . (تقریرات رافعی مع شامی، زکریا ٦/ ٨٤، کراچی ٤/ ٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۹۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱۱/۱۹ھ

میلے کیلئے کرایہ پر دی گئی مسجد کی زمین کے کرایہ کا حکم

سوال: [۸۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی ایک زمین ہے اس کو کرایہ پر دیا جاتا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ کرایہ پر لینے والا اس زمین پر کوئی پروگرام کرا کر روپیہ کماتا ہے، مثلاً میلا فیشن وغیرہ اور اس کمائی سے مسجد کا کرایہ ادا کرتا ہے، تو اس روپیہ سے مسجد کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد ریاض الدین، کولکاتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بطور کرایہ مسجد کو جو رقم حاصل ہوئی ہے، وہ درست اور صحیح ہے اس سے مسجد کی تعمیر درست ہے، البتہ آئندہ یہ خیال رکھیں کہ ایسے شخص کو زمین کرایہ پر نہ دیں جو اس میں گناہ معصیت کا پروگرام کراتا ہو۔

وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۲)

وتصح إجارة أرض للبناء والغرس وسائر الانتفاعات كطبخ آجر وخزف ومقيلا ومراحا حتى تلزم الأجرة بالتسليم . (درمختار مع الشامی، الإجارة، باب مايجوز من الإجارة ومايكون خلافاً فيها زكريا ٩/ ٤٠، كراچی ٦/ ٣٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۶/۵/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۱۸/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۴ھ

مسجد کی کرایہ دار عورت اگر تنگدست ہوتو کیا کریں؟

سوال: [۸۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد سنبھلی گیٹ مرادآباد کی ایک دوکان کی کرایہ دار بیوہ تھی، عدالت سے وہ بے دخل ہوگئی اس پر دوکان کا کرایہ وخرچہ باقی ہے، جسکے ڈگری کی کارروائی چل رہی ہے، اسکے پاس اتنا نہیں ہے، کہ وہ ادا کرسکے ایسی صورت میں متولی کو کیا کرنا چاہئے، نیز اسکی کوئی اولاد بھی نہیں ہے، اور نہ کوئی ذریعہ معاش ہے، ایسے حالات میں کیا معاملہ کیا جائے، رہنمائی فرمائیں؟

المستفتي: نسیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال نامہ میں درج شدہ صورت میں متولی کو اللہ تعالیٰ کا فرمان ''وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلىٰ مَيْسَرَةٍ . (البقرة: ۲۸۰)'' پر عمل کرنا چاہئے! یعنی استطاعت تک مہلت دینی چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(فتویٰ نمبر الف: ۹۶۴/۲۴)

مسجد کی بالائی منزل پر ٹیلر کی دوکان کرنا

سوال: [۸۰۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد دومنزلہ ہے نیچے نماز باجماعت ہوتی ہے، اور اوپر کی منزل خالی ہے اب اگر بالائی منزل پر کوئی ٹیلر ماسٹر سلائی کی دوکان کرتا ہے، تو قرآن وحدیث کی رو سے ایسا کرنا کیسا ہے؟ وضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد زکریا، امام مسجد چوراہا، منڈی چوک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جائز نہیں ہے۔

وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفاً عليه صار مسجداً . (الدر مع الرد، الوقف، مطلب في أحكام المسجد زكريا٦/٥٤٧، كراچی ٣٥٧/٤، كوئٹه ٤٠٦/٣، البحرالرائق، زكريا٥/٤٢١، كوئٹه٥/٢٥١)

عن واثلة بن الاشقع، أن النبي ﷺ قال: جنبوا مساجدكم صبيانكم، ومجانينكم، وشراء كم، وبيعكم، وخصوماتكم، ورفع أصواتكم، الحديث: (سنن ابن ماجه، باب مايكره في المساجد، النسخة الهندية ٥٤/١، دارالسلام رقم: ٧٥٠، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ١٧٣/٢٠، رقم: ٣٦٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۶/۲۳)

مسجد کے مکان میں کرایہ دار کا جوا وغیرہ کھیلنا

سوال: [۸۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مسجد کے مکان میں رہتا ہے، زید کے لڑکے مسجد ہی کے مکان میں جوا بازی وغیرہ کرتے ہیں، اور جوے ہی کے پیسہ سے زیورات اور کپڑے رنگائی کا کام کرتے ہیں، تو زید کے لڑکے رنگ کی چوری بھی کر لیتے ہیں، اور زید کا لڑکا ایسی عورت کیساتھ رہتا ہے، جس کا کوئی شوہر نہیں ہے، نعوذ باللہ من ذلک اور وہ عورت غیر مسلمہ ہے، زید کی بہو کے ذریعہ یہ ساری باتیں معلوم ہوئیں، اور اہل محلّہ کو بھی یہ حالات معلوم ہیں، ان تمام کاموں کے باوجود زید اپنے آپ کو متقی و پرہیز گار بھی سمجھتا ہے، تو مسئلہ دریافت یہ کرنا ہے، کہ زید اور اس کے لڑکوں کا مسجد کے مکان

میں رہنا کیسا ہے؟ جبکہ زید نے اپنی پوتی کے نام فکسڈ ڈپازٹ بھی کرا رکھا ہے؟
المستفتي: تجمل حسین، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۲۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۲۲ھ

مسجد کی دوکانوں میں ریڈیو کی دوکان کھولنا

سوال: [۸۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی دوکانوں میں ریڈیو کی دوکان کھولنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمود احمد، محلّہ لوہانی، قصبہ پہانی، ہردوئی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ویڈیو فلم وغیرہ تماشائی کیلئے ہی مسجد کی دوکان کرایہ پر دی ہے، تو واپس کرلینا ضروری ہے، اور اگر اس غرض سے نہیں دی ہے، لیکن بعد میں کرایہ دار نے اس کو اس قسم کے خرافات کی دوکان بنالی ہے، اور اسکی آواز وغیرہ مسجد میں بھی آرہی ہے، تو ایسی صورت میں خالی کرالینا چاہئے، تاکہ نمازیوں کو نقصان نہ ہو، نیز اگر آواز بھی نہیں آرہی ہے، تب بھی تعاون علی المعصیۃ کو ختم کرنے کیلئے خالی کرالینا چاہئے۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوىٰ وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۲)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۱۴/۲۹)

مسجد کی دوکان شراب فروخت کرنے والے کو کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسجد کی ایک دوکان ہے اور اس دوکان کو کسی مسلمان کو کرایہ پر دی اور اس کرایہ دار نے اپنا کاریگر ہندو کو رکھا اور یہ کاریگر مسجد کی دوکان میں شراب بیچا کرتا ہے، اس پر مسجد والوں نے اعتراض کیا اور دوکان بند کردی، کچھ دنوں کے بعد اس کاریگر نے کرایہ دار سے معافی مانگی پھر اسی کو دوکان میں بٹھا دیا، تو معافی مانگنے کے بعد اس ہندو کاریگر کو دوکان میں بٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس دوکان میں شراب بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد حسین، دولت باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی دوکان ایسے لوگوں کے ہاتھ میں کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، جس کی وجہ سے مسجد اور نمازیوں کیلئے پریشانی کا باعث ہو مثلاً اس دوکان میں ریڈیو باجا یا آزاد لوگوں کی مستقل آمد ورفت یا شراب وغیرہ کا تماشہ ہوتا ہو یہ سب امور تعاون علی المعصیت کے مرادف بھی ہیں، اسلئے اسمیں احتیاط کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۰۸، جدید زکریا دیوبند ۹/۱۱۳)

وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدہ: ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۳۰/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۱۸ھ

مساجد کی املاک سودی کاروبار کرنے والوں کو دینا

سوال: [۸۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد کی املاک کو ذمہ دار لوگ سودی کاروبار (بینک) کیلئے کرایہ پر دئے ہوئے ہیں، اور اس سے

جوکرایہ وصول ہوتا ہے، وہ مصارف مسجد میں صرف ہوتا ہے،مثلاً امام ومؤذن کی تنخواہوں اور دیگر مصارف میں شہر بنگلور میں دیکھا جارہا ہے، کہ اکثر مساجد کی املاک سودی کاروبار کرنیوالے بینکوں کوکرایہ پر دی گئی ہیں، جس میں فی الوقت شہر کے ۶یا ۷/مساجداورادارے شامل ہیں،اوراس معاملہ کودیکھ کرلوگ اپنی ذاتی جائیداد بھی سودی کاروبار کیلئے کرائے پر دے رہے ہیں، لیکن ان کے پاس یہ وجہ جواز کی ہے، کہ مساجد کی املاک بھی سودی کاروبار کیلئے دیدی گئیں ہیں،اس سلسلہ میں ان سوالوں کا جواب مطلوب ہے؟

(۱)مساجد کی یا اپنی املاک کوسودی کاروبار کرنے والوں کوکرایہ پر دینا جائز ہے یانہیں؟

(۲)اس معاملہ سے حاصل ہونے والا کرایہ حلال ہے یا حرام؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق:(۱)اعانت علی المعصیۃ کی وجہ سے کرایہ پر دینا ناجائز ہے، دینے والے گنہگار ہوں گے۔

قولہ تعالیٰ:وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلٰى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ.(المائدہ: ۲)

(۲)البتہ حاصل شدہ کرایہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلاکراہت جائز اور حلال ہوگا، کیونکہ کرایہ اپنی املاک اور جائیداد کی منفعت ہے!اورسودی کاروبار کا گناہ فاعل مختار پر ہوگا۔

وإنما تحصل المعصية بفعل فاعل مختار الخ. (شامی، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغیرہ زکریا ۵۶۲/۹، کراچی ۳۹۲/۶)

اورحضرات صاحبین کےنزدیک اجرت کراہت تنزیہی کےساتھ حلال ہوگی!

لو أجره دابة لينقل عليها الخمر أو آجر نفسه ليرعىٰ له الخنازير يطيب له الأجر عنده وعندهما يكره الخ. (شامی، زکریا ۵۶۲/۹، کراچی ۳۹۲/۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۰۹/۵/۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۲۲۵/۲۴)

مسجد کا سامان ہندو کو کرایہ پر دینا

سوال: [۸۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کی ملکیت میں کچھ پلیٹیں ہیں، جو مسجد کی غرض سے کرایہ پر دی جاتی ہیں، کیا غیر مسلموں کو بھی کرایہ پر دے سکتے ہیں، اور مسجد کیلئے اسکی اجرت جائز ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرشید، مدرسہ شاہی، سلیم پور، بجور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث شریف میں غیر مسلموں کے استعمال شدہ برتنوں وغیرہ سے احتیاط کا حکم وارد ہوا ہے، بحالت مجبوری خوب مبالغہ کیساتھ پاک کر کے استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے تو مسلمانوں کی بالارادہ اپنے برتنوں کو غیر مسلموں کے استعمال میں دینے سے بالکل بے احتیاطی یہ منشاء رسول کے خلاف ہے، اسلئے اس سے بچنا لازم ہے، البتہ اگر اجرت وصول کر لی ہے، تو وہ بلا کراہت مسجد کیلئے جائز ہے، کیونکہ اس میں کوئی خبث ونجاست شامل نہیں ہے، آئندہ کیلئے احتیاط لازم ہے۔

عن ابی ثعلبة الخشبی، أنه سأل رسول الله ﷺ قال: إنا نجاور أهل الكتاب وهم يطبخون فی قدورهم الخنزير، ويشربون فی آنيتهم الخمر، فقال رسول الله ﷺ: إن وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا، وإن لم تجدوا غيرهما فارحضوها بالماء وكلو واشربو. (سنن ابي داؤد باب فی استعمال آنية أهل الكتاب، النسخة الهندية ۲/ ۵۳۷، دارالسلام رقم: ۳۸۳۹)

الأكل والشرب في أواني المشركين يكره. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۰/ ۱۰۵، هنديه زكرياقديم ۵/ ۳۴۷،جديد ۵/ ۴۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۹۰)

مسجد کے مائک سے اعلان کرنا

سوال: [۸۰۶۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں ودیہاتوں میں مساجد کے مائک سے گاؤں میں فروخت ہونے والی اشیاء کپڑے، سبزی اور برتن وغیرہ کے اعلانات ہوتے ہیں، اسی طرح کسی کے یہاں شادی ہوتو کھانا شروع ہونے پر مہمانوں کومسجد کے مائک سے اعلان کے ذریعہ اطلاع دی جاتی ہے، اور ہر اعلان پر متعینہ فیس بھی لی جاتی ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مساجد کے مائک سے کسی بھی قسم کے اعلانات جائز ہیں یانہیں؟ اگر جائز ہیں تو مطلقا یاکسی خاص قسم کے اعلانات؟ مفصل جواب باوضاحت مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: (مولانا) عبدالعظیم، امام مسجد موضع پاؤٹی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مسجد کا مائک جماعت خانہ سے الگ حجرہ میں رکھا ہوا ہے، تو فیس لےکر اس مائک سے اعلان کرنا بلاکراہت جائز ہے، اس لئے کہ اس میں مسجد ہی کا فائدہ ہے، بس اتنی بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، کہ اس اعلان کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو، اور خاص طور پر گاؤں دیہاتوں میں مسجد کی آمدنی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے، اور اگر مسجد کا مائک جماعت خانہ کے اندر ہے جیسا کہ بعض مساجد میں محراب ہی کے پاس ہوتا ہے، تو ایسے مائک سے ہر طرح کا اعلان کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے۔

القيم إذا اشترىٰ من غلة المسجد حانوتاً أو داراً أن يستغل أويباع عندالحاجة جاز له، إن كان له ولاية الشراء. (هنديه، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی، زكريا قديم ۲/۴۲۲، جديد ۲/۴۱۳)

ويجب على الحاكم أن يأمره بالاستيجار بأجرة المثل ويجب عليه أجر المثل بالغاً مابلغ وعليه الفتوىٰ. (البحرالرائق،

کتاب الوقف، زکریا ٥/ ٣٩٥، کوئٹه ٥/ ٢٣٥، هندیه، زکریا قدیم ٢/ ٤١٩، جدید ٢/ ٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ر صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۷۸/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۷ھ

مسجد کے مائک سے تقریر کرنا

سوال: [۸۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد اتنی بڑی ہے، کہ اس میں نماز جمعہ میں اتنے نمازی ہوتے ہیں کہ اگر بغیر مائک کے وعظ وتقریر کی جائے، تو خطیب کی آواز تمام مصلیان کو نہیں پہونچ سکتی ہے، لیکن اس مسجد میں مائک کے ذریعہ تقریر اس غرض سے کی جاتی ہے، تاکہ بستی کے بقیہ مصلیان بھی مسجد میں حاضر ہو کر نماز جمعہ ادا کر لیں؟

حضرت مفتی صاحب سے ہمارا سوال صرف اتنا ہے کہ سوال میں مذکور مسجد میں مائک کے ذریعہ سے وعظ وتقریر کرنا یہ عمل جائز ہے یا بدعت، تسلی بخش جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سائل نے سوالنامہ میں اس بات پر زور دیا ہے کہ مذکورہ مسجد میں مائک کے ذریعہ وعظ وتقریر کرنا یہ عمل جائز ہے یا بدعت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جائز اور درست ہے، اور وعظ وتقریر کا مقصد یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو دینی اور اصلاحی فائدہ پہنچے، لہٰذا اس مسجد میں مائک کے ذریعہ تقریر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ويجوز الدرس بسراج المسجد وإن كان موضوعاً فيه للصلاة...... إلىٰ ثلث الليل. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، زكريا٥/ ٤٢٠، كوئٹه ٥/ ٢٥٠، خلاصة الفتاوىٰ ٤/ ٤٢٢)

لو وقف على دهن السراج للمسجد لايجوز وضعه جميع الليل بل

بـقـدر حاجة المصلين ، يجوز إلىٰ ثلث الليل أو نصفه إن احتيج إليه للصلاة فيه . (هـنـديـه ، البـاب الـحادى عشر ، فى المسجد الفصل الأول ، زكريا قديم ۲/ ٤٥٩ ، جديد۲/ ۱ ۱ ٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۸۷۱/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۲/۱۴۳۶ھ

۱۴/ الفصل الرابع عشر: مسجد کی اشیاء کی خرید وفروخت

مسجد میں مسجد کی اشیاء کوفروخت کرنا

سوال: [۸۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مرتبہ مسجد میں کچھ اشیاء مسجد کے اخراجات سے زائد ہوجاتی ہیں جیسے پنکھے یا گھڑیاں انہیں ذمہ داران مسجد فروخت کرسکتے ہیں، مسجد میں اعلان کرکے کہ مسجد کی فلاں شیئ فروخت ہوگی بعد فراغت نماز باہر مسجد کے فرش پران اشیاء کا نیلام کرتے ہیں، تو مسجد کے فرش پر مسجد کی اشیاء فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اقبال احمد، سکریٹری شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد نماز وجماعت کیلئے متعین کی گئی ہے، اسلئے وہاں کسی قسم کی خرید وفروخت کرنا (خواہ مسجد ہی کا سامان ہی کیوں نہ ہو) ناجائز ہے۔

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الشراء والبيع في المسجد، الحديث: (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب التحلق يوم الجمعة قبل الصلوٰة، النسخة الهندية ١/١٥٤، دارالسلام رقم: ١٠٧٩، السنن الترمذي، كتاب الصلوٰة، باب ماجاء في كراهية البيع والشراء، النسخة الهندية ١/٧٣، دارالسلام رقم: ٣٢٢)

وكره أي تحريماً لأنها محل إطلاقهم إحضار مبيع فيه كما كره فيه مبايعة غير المعتكف مطلقاً (قوله مطلقا) للنهي سوا إحتاج لنفسه أو عياله أو كان للتجارة أحضره أو لا. (شامي، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، كراچی ٢/٤٤٩، زكريا ٣/٤٤٠)

قالوا يكره إحضار السلعة للبيع والشراء، لأن المسجد محرز عن حقوق العباد وفيه شغله بها ويكره لغير المعتكف البيع والشراء فيه. (هدايه، اشرفی دیوبند ۱/ ۲۳۰، البحرالرائق، کوئٹہ ۲/۳۰۳، زکریا ۲/ ۵۳۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۳۶)

مسجد کا سامان بیچنا

سـوال: [۸۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک پرانی مسجد تھی، جس کو توڑ کر نئی بنائی گئی ہے اور اس مسجد کی کچھ چیزیں بچ گئی ہیں، اور اسی گاؤں میں ایک مدرسہ بھی ہے، جس میں اسی گاؤں کے بچے پڑھتے ہیں، تو اس مدرسہ میں مسجد کی بچی ہوئی چیزیں استعمال کی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اگر استعمال میں لائی جاسکتی ہیں، تو کس طریقہ پر قیمتاً یا بغیر قیمت کے؟

(۲) مسجد کی بچی پرانی چیزوں کو فروخت کرنا یا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اسکو مطبخ بیت الخلاء وضوخانہ وغیرہ میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ پھر کس میں لگایا جائے؟

المستفتي: عزیز الرحمٰن، ۲۴/ پرگنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) پرانی مسجد کے ملبہ اور دیگر اشیاء جو بچ گئی ہیں اور مسجد کو ان اشیاء کی ضرورت بھی نہیں ہے تو انکو فروخت کر دینا جائز ہے، اور مدرسہ والے لینا چاہیں تو قیمت ادا کر کے لے سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۱۷۴، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۷۸)

وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتاج إليه وإن استغنى عنه أمسكه حتى يحتاج إلىٰ عمارته، فيصرف فيها......... وإن تعذر إعادة عينه إلىٰ موضعه بيع وصرف ثمنه إلىٰ المرمة

صرفا للبدل إلیٰ مصرف المبدل . (هدایه، کتاب الوقف، اشرفی دیوبند۲/ ٦٤٢، الدر المختار، کتاب الوقف، مطلب فی الوقف إذا خرب ولم یمکن عمارته کراچی ٤/ ٣٧٦، ٣٧٧، زکریا٦/ ٥٧٣)

(۲) فروخت کرنا اور خریدنا دونوں جائز ہے اور خریدنے والے کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے صرف کرے لہٰذا خریدنے والا مدرسہ مطبخ بیت الخلاء وغیرہ میں بھی لگا سکتا ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/ ۲۵۱، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳۷۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱/ ۱۴۱۷ھ

مساجد کی اشیاء کے خرید وفروخت کا حکم

سوال: [۸۰٦٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نو تعمیر مسجد میں صفوں وغیرہ کی ضرورت پیش آئے تو پہلی مسجد والے اگر رعایتی قیمت پر کچھ سامان دیدیں جیسا کہ یہاں مسجدوں کے سامان کو لوگوں کیلئے فروخت کیا جاتا ہے، تو کیا شرعاً درست نہیں کہ اس دوسری مسجد کی بھی اعانت ہو جائے کیا شرعاً اس میں کچھ قباحت ہے؟

المستفتي: عبدالرحیم، بڑ بڑوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے صفوف قابل استعمال ہیں، تو انہیں فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مسجد کی ضرورت سے زائد ہیں اور کام میں نہیں آرہی ہیں، تو ایسی صورت میں اگر یہ صفوف کسی نے دی ہیں تو اسکی اجازت سے دوسری مسجد میں فروخت کرنے کی گنجائش ہے، اور پیسہ اسی مسجد میں خرچ ہوگا، اور اگر کسی شخص نے نہیں دی ہیں، بلکہ مسجد میں پہلے سے خریدی گئی تھیں اور اب ضرورت سے زائد ہونے کی وجہ سے فروخت کرنا ہے، تو ذمہ داران مسجد اس کو فروخت کر سکتے ہیں، لیکن پیسہ اسی میں خرچ ہوگا، اور دوسری مسجد والوں کیلئے رعایتی قیمت میں ان صفوف کو خرید کر اپنی مسجد میں استعمال کرنا بلا تردد جائز

ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۳۰۴، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۷۱)

وكـذا لو اشترىٰ حشيشا أو قنديلاً فوقع الاستغناء عنه كان ذلك له إن كـان حيـاً ولورثته إن كان ميتاً. (البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد كوئٹه ٥/ ٢٥٢، زكريا ٥/ ٤٢٣، شامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره كراچی ٤/ ٣٥٩، زكريا ٦/ ٥٤٩)

ومـا انهـدم مـن بـناء الوقف وألته صرفه الحاكم في عمارة الوقف إن احتـاج إليـه، وإن استغـنـىٰ عـنـه أمسكه حتى يحتاج إلىٰ عمارته فيصرف فيهـا.......... وإن تـعذر إعادة عينه إلىٰ موضعه بيع وصرف ثمنه إلىٰ المرمة صـرفاً للبدل إلىٰ مصرف المبدل. (هدايه، كتاب الوقف، اشرفی دیوبند ۲/ ٦٤٢، درمختار، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يمكن عمارته كراچی ٤/ ٣٧٦، زكريا ٦/ ٥٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ۳/ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۳/ ۱۴۲۱ھ

وقف شدہ قرآن کریم مسجد سے باہر لے جانا

سوال: [۸۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے لئے وقف شدہ کلام پاک کا مسجد سے باہر لے جانا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی،
آزادنگر، ہلدوانی، ضلع: نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وقف شدہ کلام پاک کو باہر لیجانا ممنوع ہے۔
(مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۹۶، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۸۵)

إذا وقف كتبا وعين موضعها فإن وقفها على أهل ذلك الموضع لم

یجز نقلها منه الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی نقل کتب الوقف من محلها، کراچی ٤/٣٦٦، زکریا٦/٥٥٩)

وبهذا عرف حكم نقل كتب الأوقاف من محالها للانتفاع بها...... فإن كان الواقف وقفها على المستحقين في وقفه لايجوز نقلها . (منحة الخالق على البحر الرائق، کوئٹه ٥/٢٠٢، زکریا ٥/٣٣٨، درمختار کراچی ٤/٣٦٥، زکریا٦/٥٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۷۹)

مسجد کے بوسیدہ قرآن کم قیمت میں ہدیہ پر دینا

سوال: [٨٠٦٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں بہت سارے قرآن شریف ہیں، جو ایک کوٹھری میں رکھے ہوئے ہیں، پانی کی نمی سے گل کر خراب ہوگئے جو کچھ بچے ہیں، وہ بھی بہت زیادہ بوسیدہ ہو چکے ہیں، مسجد کے امام نے مشورہ دیا کہ اب یہ قرآن شریف نہایت کم قیمت میں ہدیہ پر دیدیئے جائیں، تاکہ کسی کے پڑھنے کے کام آجائیں، اور مسجد میں پیسے آجائیں مگر مسجد کا منتظم اس بات کو نہیں مانتا وہ کہتا ہے کہ چاہے خراب ہوں مگر اتنا سستا ہم نہیں دیں گے، کیا اس طرح مسجد کا مال خراب کرنا خصوصاً قرآن کریم کو برباد کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد الرحیم، بڑبڑوی عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس سلسلہ میں امام صاحب کا مشورہ مناسب ہے اس پر عمل کرنا چاہئے، نیز دوسری مسجد میں جب دیئے جائیں تو اس مسجد سے قیمت لینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مفت میں دیئے جائیں، اسلئے کہ دینے والوں نے تلاوت ہی کیلئے

دیئے ہیں، بیچنے کی اجازت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۷۷، جدید زکریا ۹/ ۴۸)

إذا وقف مصحفا علیٰ أهل مسجد لقراءة القرآن إن كانوا يحصون جاز، وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ في ذلك المسجد وفي موضع آخر ولا يكون مقصوراً على هذا المسجد. (البحر الرائق، کتاب الوقف، کوئٹه ۵/ ۲۰۲، ۲۰۳، زکریا ۵/ ۳۳۸)

وما فضل من حصير المسجد وزينته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل في مسجد أخر. (اعلاء السنن، کتاب الوقف، باب حکم حصیر المسجد الخ، دارالکتب العلمیة بیروت ۱۳/ ۲۳۳، کراچی ۱۳/ ۱۹)

وعن الثاني ينقل إلىٰ مسجد أخر بإذن القاضي ومثله حشيش المسجد وحصيره مع الاستغناء عنهما،...... فيصرف وقف المسجد...... إلىٰ أقرب مسجد. (درمختار کراچی ۴/ ۳۵۸، زکریا ۶/ ۵۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۳/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۳/۱۴۲۱ھ

مسجد کی چیز دوسری جگہ لے جانا

سوال: [۸۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں وقف شدہ قرآن یا دینی کتابیں جو لوگ استعمال میں نہیں لا رہے ہیں، بلکہ یونہی مسجد میں رکھی ہوئی ہے، زید چاہتا ہے کہ اس قرآن یا کتابوں کو اپنے استعمال میں لائے تو اس کا کیا طریقہ ہے یونہی مسجد سے لے کر آ جائے یا انتظامیہ سے بات کر کے اسکا کچھ عوض دے کر لائے شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: علی حسین بن عبدالقدوس، متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد میں جو قرآن کریم وقف کیا جاتا ہے، وہ مسجد ہی میں تلاوت کی غرض سے وقف کیا جاتا ہے، اسے گھروں اور دوکانوں میں لیجانے کی اجازت نہیں ہے، ہاں اگر دوسری مسجد میں قرآن کریم نہیں ہے، اور یہاں ضرورت سے زائد ہے تو دوسری مسجد میں منتقل کیا جاسکتا ہے، اور جب زید یہ چاہتا ہے، کہ مسجد میں رکھے ہوئے قرآن پاک اور دینی کتابیں استعمال ہونی چاہئیں، تو زید کو چاہئے کہ مسجد میں بیٹھ کر وقف شدہ قرآن کریم کی تلاوت اور وقف شدہ دینی کتابوں کا مطالعہ کرے، لیکن ان کو مسجد سے اپنے گھر یا دوسری جگہ لیجانے کی اجازت نہیں ہے۔

وقف مصحفا على أهل مسجد للقراء ة إن يحصون جاز وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه ولايكون محصوراً على هذا المسجد وبه عرف حكم نقل كتب الأوقاف عن محالها...... فإن وقفها على مستحقي وقفه لم يجز نقلها (درمختار) قال الشامي: تحته ''يقرأ فيه'' فإن ظاهره أنه يكون مقصوراً علىٰ ذلک المسجد وهذا هو الظاهر حيث كان الواقف عين ذلک المسجد. (شامی، كتاب الوقف، مطلب متى ذكر للوقف مصرفاً لا بد ان يكون فيهم تنصيص على الحاجة كراچی ٤/٣٦٥، زكريا٦/٥٥٨)

ومافضل من حصير المسجد وزينته ولم يحتج إليه جاز أن يجعل فى مسجد آخر. (اعلاء السنن، كتاب الوقف، باب حكم حصير المسجد الخ، دارالكتب العلمية بيروت١٣/٢٣٣، كراچی ١٣/١٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۰۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۴/۱۴۳۱ھ

آلات مسجد ومدرسہ کے استغناء کی صورت کا حکم

سوال: [۸۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آلات

مسجد و مدرسہ کا استغنی کی صورت میں مسئلہ کا حکم مختلف فیہ ہے، اور امام محمد کے قول کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، کہ آلات مسجد و مدرسہ استغنی کی صورت میں اصل مالک کی ملکیت کی طرف لوٹ جائیگا، اگر وہ زندہ ہو، ورنہ ورثاء اسکے مالک ہوں گے؟

جبکہ عرف عام یہ ہو چکا ہے، کہ متولی حضرات اور مہتمم حضرات آلات مسجد و مدرسہ سے استغنی کی صورت میں ان چیزوں کو فروخت کر کے مسجد و مدرسہ کیلئے کوئی دوسری چیزیں خرید لیتے ہیں، اور واقفین بھی اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے ہیں، گویا ان کی جانب سے دلالۃ اجازت ہوتی ہے، کہ استغنی کی صورت میں تم اسے فروخت کر سکتے ہو تو آیا عرف عام کی بناء پر امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، جبکہ امام ابو یوسفؒ کا قول انفع للوقف بھی ہے؟

المستفتي: مفتی حسام الدین، مقیم امراوتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے سامان وآلات، جن کی مسجد کو ضرورت نہیں ہے، انکے بارے میں فقہاء نے جو اختلاف نقل فرمایا ہے، کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسجد کی ملکیت میں رہیگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک مالک کو واپس کیا جائے گا، اور امام محمدؒ کے قول کو مفتی بہ لکھا گیا ہے، تو اس سلسلے میں چند باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں، کہ امام محمدؒ کے قول پر مالک کو واپس کئے جانے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ آلات منتفع بہ نہ رہے ہوں، اگر کسی طرح کا ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یا ان کو بیچ کر ان کی قیمت مسجد یا مدرسہ کی دوسری ضروریات میں لگائی جاسکتی ہے، تو امام محمدؒ کے نزدیک بھی مالک کو واپس نہیں کیا جائے گا، نیز اگر مختلف چندہ کے پیسوں سے وہ سامان مہیا کیا گیا ہے، تب بھی مالکوں کو واپس نہیں ہوگا، اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ ہوگا، ہاں البتہ اگر کوئی متعین چیز مالک نے مسجد کو دی ہے، تو امام محمدؒ کے قول کے مطابق مالک یا اسکے ورثاء کو واپس کر دیا جائیگا، ورنہ اس کی قیمت سے مسجد کی دوسری ضروریات پوری کی جائیں گی، علامہ شامیؒ نے اس پر آخری فیصلہ لکھا ہے، اسلئے کہ وقف میں انفع للوقف پر ہی فتویٰ ہوتا ہے، علامہ شامیؒ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قال في الدر : وعاد إلى الملك أي ملك الباني أو ورثته عند محمدؒ وعن الثاني ينقل إلىٰ مسجد آخر بإذن القاضي وتحته في الشامية: فيرجع إلىٰ الباني أو ورثته عند محمدؒ خلافاً لأبي يوسفؒ ، لكن عند محمدؒ إنما يعود إلىٰ ملكه ماخرج عن الانتفاع المقصود للواقف بالكلية ،كحانوت احترق، إلىٰ قوله فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلىٰ بعض المساجد. (درمختار مع الشامي، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد، كراچی ٤/٣٥٨، ٣٥٩، زكريا ٦/٥٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۸۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۵ھ

غرض واقف کے خلاف اشیاء مسجد کے استعمال کا حکم

سوال: [۸۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد ہاشم خاں مرحوم پاکستانی نے بحیات خود ایک فوقانی مسجد کے برآمدہ کیلئے کچھ روپیہ محبوب خاں مرحوم کو برموقع چندہ عنایت فرمایا تھا، محبوب خاں کے وارثوں کے کہنے کے مطابق، مگر محبوب خاں نے کسی وجہ کے باعث وہ پیسہ مسجد کے متولی کو نہیں دیا تھا، اسی اثنا میں محبوب خاں اس دنیا سے رحلت فرما گئے، اور محمد ہاشم خاں بھی محبوب خاں کے چند ہفتہ بعد انتقال کر گئے، محبوب خان کے وارثوں نے اس پیسہ کی انیٹ سریا سمنٹ لاکر مسجد کے مقام پر رکھدیا ہے، مسجد کے متولی کا کہنا ہے کہ برآمدے کے بالمقابل مسجد کے حجرے کی چھت اور مسجد کے مکتب کا لینٹر پڑنا نہایت ضروری ہے؟ ورنہ مسجد کو کافی نقصان پہونچ سکتا ہے؟ محبوب خاں کے وارثین اس بات سے اتفاق نہیں کرتے ہیں وہ کہتے ہیں، مسجد فوقانی کی چھت بننا چاہئے، دونوں میں آپسی اختلافات بھی ہیں، کیا متولی اس سریے وغیرہ سے حجرے کی چھت بنوا سکتے ہیں، جواب سے سرفراز فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: مصلیان حنفی مسجد، پیتا پاڑی، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: برآمدہ مسجد کے نام جورقم ہاشم خاں نے دی ہے وہ رقم خاص طور پر مسجد یا مسجد کے برآمدہ پرخرچ کرنالازم ہوگا، خارج مسجد حجرہ کی چھت بنانا اس رقم سے چندہ دہندہ کی غرض کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا٦/٦٦٥ كراچی ٤/٤٤٥)

نیز حجرہ کی چھت کی اگر زیادہ ضرورت ہوتو اس کیلئے الگ سے رقم فراہم کیجا سکتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶ /۲۲۴۰)

قبضہ کے اندیشہ سے مسجد کی موقوفہ زمین فروخت کرنے کا حکم

سوال: [۸۰۷۲]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے مسجد کے لئے ایک زمین وقف کی تھی، زید کا انتقال ہوگیا موقوفہ زمین ایسی جگہ پر ہے، جس پر اہل بدعت کے قبضہ کر لینے کا پورا یقین ہے، اس لئے اس کوفروخت کرکے اس کے بدلے دوسری ایسی جگہ خرید کر جہاں مسجد کی شدید ضرورت ہے وقف کر دی جائے ،تو ان پیسوں کو یہ جگہ خریدنے میں استعمال کیا جا سکتا ہے، یانہیں؟

المستفتی: محمداشرف ،محلّہ قاضی پورہ، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مذکورہ وقف کی جائیداد پراہل بدعت کے قبضہ کرلینے کاسخت خطرہ ہے،تواس غیرمحفوظ وقف کی جائیداد کوفروخت کرکے اس کے بدلے میں دوسری مناسب اورمحفوظ جگہ پر جہاں مسجد کی ضرورت ہے مسجد کے لئے اسی پیسے سے

زمین خرید کر مسجد بنوا دینا جائز ہے۔

وكذلك سائر الوقوف عنده إلا أنها إذا خربت وخرجت عن انتفاع الموقوف عليهم به جاز استبدالها بإذن الحاكم بأرض أو دار أخرى تكون وقفا مكانها . (اعلاء السنن ،كتاب الوقف الأرض الخ، باب إذا خرب المسجد أو الوقف ،دارالكتب العلمية بيروت ۲٤۷/۱۳، کراچی ۱۱۲/۱۳)

وفي القنية مبادلة دار الوقف بدار أخرىٰ إنما يجوز إذا كانتا في محلة واحدة أو تكون المحلة المملوكة خيرا من المحلة الموقوفة وعلى عكسه لايجوز ، وإن كان المملوكة أكثر مساحة وقيمة وأجرة .
(البحرالرائق، كتاب الوقف ، کوئٹہ ۲۲۳/۵، زکریا ۳۷۳/۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۰۴/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۱۸ھ

مساجد کے قرآن ضرورت مند شخص یا مکتب میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: [۸۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر لوگ ثواب کی نیت سے غم یا خوشی کے موقع پر قرآن مجید مساجد میں تلاوت کی غرض سے رکھوا دیتے ہیں، اوراس طرح ایک بڑی تعداد میں قرآن مسجد میں اکھٹے ہوتے رہتے ہیں ،جن کوکبھی کھولنے کی نوبت بھی نہیں آتی، کیا مسجد کی کمیٹی والے ان قرآن مجیدوں کوضرورت مندوں یا مکتب و مدرسہ میں دے سکتے ہیں ، جہاں طالب علموں کے کام آسکیں؟ ہماری مسجد میں پچاس پچپن قرآن مجید بالکل نئے رکھے ہوئے ہیں،جن کو پڑھنے کی نوبت تک نہیں آتی ؟

المستفتي: ماسٹر عبدالحق، ہلدوانی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن کریم مسجد میں دینے والوں کا مقصد قرآن کے ان نسخوں میں تلاوت کرنا ہے، اور جب ایک مسجد میں قرآن کی تعداد اس قدر زیادہ ہوجائے، جس کی وجہ سے قرآن کریم کے بعض نسخے مہینوں اور سالوں تک تلاوت کے کام نہیں آتے ہیں جس کی وجہ سے دینے والوں کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت میں ضرورت سے زائد نسخوں کو دوسری مسجد میں دینا جہاں قرآن کے نسخے نہیں ہوتے ہیں یا بہت ہی کم ہوتے ہیں، جائز اور درست ہے، اسی طرح مدارس میں درجۂ حفظ کے بچے اور تلاوت کرنے والوں کو دینا بھی جائز ہے، اس لئے کہ دینے والوں کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

لو وقف المصحف على المسجد أى بلا تعيين أهله قيل يقرأ فيه أى يختص بأهل المترددين إليه، وقيل: لا يختص به أي فيجوز نقله إلىٰ غيره .

(شامی، مطلب فی نقل كتب الوقف من محلها، كراچی ٤/٣٦٦، زكريا ٦/٥٥٩)

وقف مصحفاً على أهل مسجد للقراءة إن يحصون جاز وإن وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه، ولايكون محصوراً على هذا المسجد وبه عرف نقل الكتب الأوقاف من محالها للانتفاع به .

(درمختار، مطلب متىٰ ذكر للوقف مصرفا لابد أن يكون فيهم تنصيص على الحاجة، كراچی ٤/٣٤٥، زكريا ٦/٥٥٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۰۸/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۴/۲۱ھ

۱۵/ الفصل الخامس عشر: مسجد میں مدرسہ وغیرہ تعمیر کرنا

مسجد کو مسمار کر کے مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں قدیم مسجد جو بالکل نا کافی ہے اور لب سڑک ہونے کی وجہ سے شور وشغف بھی رہتا ہے، اسلئے ہم لوگ قدیم مسجد سے پیچھے کی طرف ہٹ کر نئی مسجد کی بنیاد ڈال چکے ہیں، اور اس قدیم مسجد کو مرمت کر کے مسجد ماتحت مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، تو از روئے شرع کیا ایسا کرنا درست ہے یا اس کی کیا شکل ہے، مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب کسی زمین پر ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے، تو وہ زمین قیامت تک کیلئے مسجد ہی رہتی ہے، اسکو مسجد کے علاوہ کسی اور امور میں منتقل کرنا جائز نہیں رہتا ہے، اس لئے اس کو مدرسہ میں منتقل کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ قدیم مسجد کو مسجد باقی رکھتے ہوئے جدید حصہ کو قدیم کیساتھ ملانا جائز ہوسکتا ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولوقال عنيت ذلك لم يصدق (قوله) ولوخرب ماحوله واستغنىٰ عنه يبقىٰ مسجداً عند الإمام الخ. (درمختار كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد كراچی ۳۵۸/٤، زكريا ٥٤٨/٦، بزازيه جديد زكريا ١٥٢/٣، وعلى هامش الهنديةزكريا ٢٨٥/٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣٣٠/٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۰/۱۴۱۹ھ

مسجد کی چھت پر مدرسہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسجد کے وضوخانوں اور دوکانوں کی چھت پر جو اسی مسجد کی ملک ہیں کوئی دینی مدرسہ جسمیں ذیلی طور پر پرائمری درجات قائم ہوں، مصلیان ومتولیان مسجد تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جائز ہے یانہیں؟ ازراہ کرم مدلل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: داستان برادرس، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ چھت مسجد ہی کی ملک میں ہے اسپر مدرسہ کی عمارت بنا کر اسکو مدرسہ کی ملک میں کرلینا غرض واقف کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، البتہ یہ صورت جواز کی نکل سکتی ہے، کہ مسجد کے پیسے سے عمارت بنا کر مدرسہ سے اسکا کرایہ وصول کر کے مسجد کے منافع میں صرف کیا جائے تو جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۹۵، جدید زکریا دیوبند ۹/ ۱۳۶)

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا٦/٦٦٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴ر ۹۳۸)

مسجد ومدرسہ اوپر نیچے بنانا کیسا ہے؟

سوال: [۸۰۷٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے ۲۰۰ر گز زمین دی ہے ان کا کہنا ہے کہ اسمیں مسجد اور مدرسہ دونوں اوپر نیچے قائم کرنا ہے، اب آپ یہ فرمائیے کہ مسجد نیچے اوپر مدرسہ یا مدرسہ نیچے اور مسجد اوپر تعمیر کی جائے،

اس میں بہتر کون سی صورت ہوگی تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا؟

المستفي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنائی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

إذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أی المسجد جاز كمسجد القدس الخ. (درمختار کتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد کراچی ٤/٣٥٧، زکریا ٦/٥٤٧، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٧/٢٠٢، الدر المنتقیٰ دارالکتب العلمیة بیروت٢/٥٩٤، ھدایه اشرفی دیوبند ٢/٦٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۸۱۸/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱۴ھ

مسجد کے بیت الخلاء اور غسل خانہ کے اوپر مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے بیت الخلاء غسل خانے کے اوپر مدرسہ والے درجۂ حفظ کے لئے ایک کمرہ مدرسہ کے پیسوں سے بنانا چاہتے ہیں، اسی میں بچے پڑھیں گے اور اسی میں رہیں گے، مجبوری یہ ہے کہ مدرسہ والوں کے پاس اتنی جگہ نہیں ہے یا جگہ ہے تو وہاں پر رات میں بچے جنگل قریب ہونے کی وجہ سے ڈرتے ہیں رہ نہیں پائیں گے، اس حالت میں مسجد کی متعلقہ زمین جو غسل خانوں کے اوپر ہے مدرسہ کے پیسوں سے کمرہ بنا کر پڑھائی شروع کر سکتے ہیں؟

(۲) کیا مسجد کے فنڈ سے خارج مسجد کی جگہ پر جو مسجد ہی کی زمین ہو کمرہ بنا کر درجۂ حفظ کے بچوں کی تعلیم اور ان کی رہائش کیلئے مسجد کا کمرہ دے سکتے ہیں، اگر متولی اور گاؤں والوں کا مشورہ ہو؟

المستفتي: ابرار احمد، محن پور، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :(۱-۲)مسجد کے بیت الخلاء اور غسل خانہ کے اوپری حصہ میں دینی تعلیم کیلئے مدرسہ بنانا جائز ہے،لیکن شرط یہ ہے کہ مسجد اور مدرسہ دونوں کے ذمہ دار اور کمیٹی ایک ہو،اگر مسجد و مدرسہ دونوں کے ذمہ دار اور کمیٹی الگ الگ ہوں گے، تو پھر مسجد کی زمین میں مدرسہ بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔(مستفاد:انوار رحمت/ ۱۴۸)

الثامنة: في وقف المسجدأ يجوز أن يبنیٰ من غلته منارةً قال في الخانية: معزياً إلیٰ أبی بکر البلخی إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به الخ. (البحرالرائق، کتاب الوقف، کوئٹه ۵/ ۲۱۵، زکریا ۵/ ۳۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۹۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۱/۳۰ھ

نیچے مدرسہ اوپر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قطعۂ آراضی اس نیت سے خریدی گئی ہے کہ تہ خانہ کے حصہ کو مدرسہ کیلئے تعمیر کیا جائے ،اور اوپر کے حصہ کو مسجد کیلئے اور یہ تعمیر مکمل بھی ہو چکی ہے، اور یہ عمارت مسجد و مدرسہ کیلئے چندسال سے استعمال بھی ہورہی ہے ،جبکہ تہ خانہ کے حصہ میں درسگاہ اور دار الاقامہ دونوں ہیں یہ واضح فرمائیں کہ مذکورہ بالا صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مشاہد حسین مظاہری ،مدرسہ
مدینۃ العلوم، رام نگر، صوبہ: کرناٹک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :اگر شروع ہی سے یہی پلان ہے کہ نیچے مدرسہ اور

اوپر مسجد تعمیر کرنا ہے، تو یہ عمل جائز ہے اور نیچے کا حصہ خارج مسجد اوراوپر کا حصہ داخل مسجد ہوگا۔
(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۷، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۲۵، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۵)

فإن قيل لو جعل تحته حانوتا و جعله وقفا على المسجد ...... قيل لا يستحب ذلك ، ولكنه لوجعل فى الابتداء هكذا صار مسجداً وماتحته صار وقفاً عليه ، ويجوز المسجد والوقف الذى تحته ، ولو أنه بنىٰ المسجد أولاً، ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل . (حاشية چلپي على التبيين ، كتا ب الوقف، امداديه ملتان۳/ ۳۳۰، زكريا ٤/١/ ٢٧)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالىٰ أيضا : ومنه يعلم حكم كثير من مساجد مصرا لتى تحتها صهاريج ونحو ها . (تقريرات رافعي على الشامي، كراچى ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۵/۱۴۱۵ھ

اوپر مسجد اور نیچے مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگوں نے جس وقت مدرسہ دارالعلوم اشرفیہ کی جگہ خریدی تھی، اس وقت یہ پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ مدرسہ کی دوسری منزل پر طلبہ اور مدرسین وغیرہ کے واسطے مسجد بنائیں گے، اور نیچے کی منزل میں مدرسہ چلائیں گے کیا یہ بات حضرت مفتی صاحب قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم لوگوں کی ٹھیک ہے یانہیں؟ نیز اس پر ہم مستقل مسجد بنائیں یا عارضی؟

مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد اقبال حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر پہلے سے یہی پروگرام ہے کہ نیچے مدرسہ اور اوپر مسجد بنانی ہے اور نقشہ تیار کرنے سے پہلے یہ طے ہو چکا ہے، اور مسجد اور مدرسہ دونوں کا ذمہ دار بھی ایک ہی ہے تو اسکی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ عبدالحئی، مکتبہ تھانوی ۲/۳۲۲، امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۵، احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۴۳)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به؟ قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالیٰ أيضا: ومنه يعلم حكم كثير من مساجد مصر التى تحتها صهاريج ونحوها. (تقريرات رافعي على الشامي، كراچی ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠، حاشية چلپى على التبيين، فصل ومن بنىٰ مسجداً لم يزل ملكه، امداديه ملتان٣/ ٣٣٠، زكريا ٤/ ٢٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۲۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۳/۷ھ

اوپر مسجد نیچے مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین کا بیعانہ دیا ۲؍۳ ہزار روپیہ مسجد کیلئے اور نیت کی کہ نیچے حصہ میں مدرسہ اور مدرسہ کی چھت پر مسجد ہوگی، آیا یہ درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب اس نیت سے زمین خریدی جائے کہ نیچے

مدرسہ اوراوپر مسجد بنائی جائیگی تواس زمین میں اسی نیت کے مطابق عمل کرنا جائز ہے۔
(مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۶۸۴)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به؟ قيل إذا كان تحته شيئی ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالیٰ أيضا: ومنه يعلم حكم كثير من مساجد مصرا لتی تحتها صهاريج ونحو ها. (تقريرات رافعی علی الشامی، كراچی ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠، حاشية چلپی علی التبيين، فصل ومن بنیٰ مسجداً لم يزل ملكه، امداديه ملتان٣/ ٣٣٠، زكريا ٤/ ٢٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۲۰۳/۳۱)

مدرسہ کی چھت پر مسجد بنانا

سوال: [۸۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ خازن العلوم دڑھیال مین روڈ پر واقع ہے مدرسہ کے سامنے جانب مشرق یہ روڈ ہے، صورت حال یہ ہے کہ ندی کا پل قریب ہونے کی وجہ سے مدرسہ کے سامنے روڈ کی اونچائی قریب بیس فٹ ہے، مدرسہ کی سطح زمین سے روڈ سے ملا ہوا ندی کا حفاظتی باندروڈ پانچ فٹ نیچا ہے، جو مدرسہ کے شمال میں ہوتا ہوا مغرب کی طرف چلا گیا ہے مدرسہ شمال مشرق کی طرف ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں، جو مدرسہ کے استعمال کے ساتھ ساتھ روڈ سے نکلنے والوں کی نماز ادا کرنے میں کام آسکے اسلئے صورت یہ ہے کہ وہ مسجد سطح مدرسہ سے ۱۵/فٹ اونچی بنائی جائے، اور باہر والوں کی آمد و رفت باند سے کی جائے اور مدرسہ والوں کی آمد ورفت مدرسہ دارالطعام یا تعلیمی درسگاہ میں استعمال کرلیا جائے، اس صورت میں دریافت

طلب امر یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

المستفتي: محمد عثمان، جامعہ عربیہ خازن العلوم دڑھیال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جہاں پہلے سے مسجد نہیں تھی وہاں پر اس طرح کرنا کہ نیچے مدرسہ کی ضروریات کیلئے درسگاہ، امتحان گاہ، وغیرہ کا کام لیا جائے اس کے بعد اوپر کی منزل شرعی مسجد کے طور پر مدرسہ کے نظام کے مطابق بنائی جائے جبکہ نیچے کی منزل کسی کی ملکیت میں نہ ہو بلکہ وہ بھی وقف ہی ہو تو یہ جائز اور درست ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مدرسہ والے مسجد میں زینہ سے چڑھ کر پہونچیں اور باہر کے لوگ روڈ کی طرف سے ڈائریکٹ مسجد میں پہونچ جائیں۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۱۴/۴۲۱، امداد الفتاویٰ ۲/۶۸۴)

فعلیٰ هذا المساجد التي في المدارس بجرجانبة خوارزم مساجد لأنهم لايمنعون الناس من الصلاة فيها. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل ومن بنىٰ مسجدا لم يزل ملكه زكرياه/٤١٨، كوئٹه ٥/٢٤٩)

إذا كان تحته شيئي ينتفع به عامة المسلمين يجوز، لأنه إذا انتفع به عامة المسلمين صار ذلك لله تعالىٰ أيضاً. (شلبي على الزيلعي، فصل ومن بنىٰ مسجداً لم يزل ملكه امداديه ملتان٣/٣٣٠، زكريا ٤/٢٧١، تقريرات رافعي على الشامي، كراچی ٤/٨٠، زكريا ٦/٨٠)

إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لمصالح المسجد فإنه يجوز إذ لا ملك فيه لأحد بل هو من تتميم مصالح المسجد فهو كسرداب مسجد بيت المقدس هذا هوظاهر المذهب. (فتح القدير، زكريا ٦/٢١٨، كوئٹه ٥/٤٤٥، دارالفكر بيروت ٦/٢٣٤، شامي، مطلب في أحكام المسجد كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٧)

ولا يضر جعله تحته سرداباً لمصالحه فيجوز كما في بيت المقدس.

(مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۷۴۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۷/۲ھ

مسجد کو مدرسہ سے تبدیل کرنا

سوال: [۸۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پندرہ ہزار اسکوائر فٹ کا قطعۂ آراضی جس میں میں اور میرے رشتہ دار رہائش پذیر ہیں، اس جگہ میں ایک قدیم مسجد جو آبائی طور پر ہمارے زیر تولیت تھی موجود ہے، یہ مسجد تقریباً ۳۵/ سال سے ویران تھی، اسلئے کہ اس سے بالکل قریب کشادہ اور بڑی عمومی مسجد موجود ہے، آج سے دس سال قبل اس غیر آباد قدیم مسجد میں ایک مدرسہ کی بنیا د رکھی گئی اور اسی وقت میں نے ۱۵/سو اسکوائر فٹ جگہ مدرسہ کو وقف کردی اب ہم نے اس پورے قطعۂ آراضی کو بلڈر کو بیچنے کا فیصلہ کیا ہے، مسجد چھوڑ کر ۵۰۰۰/ اسکوائر فٹ میں چاروں طرف سے جگہ چھوڑ کر تعمیر کرنے کی اجازت حکومت سے ملتی ہے، اب ۱۵/سو اسکوائر فٹ جگہ جو میں نے مدرسہ کیلئے وقف کردی تھی، اس میں تین شکلیں درج ذیل ہیں،(کل جگہ ۱۵/ ہزار اسکوائر فٹ مدرسہ کیلئے وقف کردہ ۱۵/سو اسکوائر فٹ)۔

(۱) ۱۵/سو اسکوائر فٹ کا پورا پلاٹ مدرسہ کیلئے دیدیا جائے، نیچے سے اوپر تک۔

(۲) ۱۵/سو اسکوائر فٹ کا ایک فلور مدرسہ کو دیدیا جائے اور اس فلور کے اوپر کا حصہ بلڈر کے استعمال کیلئے دیدیا جائے، اس صورت میں مدرسہ کو صرف ایک فلور ۱۵/سو اسکوائر فٹ کا استعمال کرنیکی اجازت ہوگی۔

(۳) ۵سو ۵سو اسکوئر فٹ تین فلور پر ایک دوسرے کے اوپر مدرسہ کو دیدیا جائے، ان تینوں صورتوں میں سے کون سی صورت وقف کے پورا ہونے کے لئے شرعاً درست اور صحیح اور

جائز ہے، جواب دیں؟

المستفتي: حسن ہاشم شیخ، مدرسہ دارالا برار، پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جوزمین ایک دفعہ شرعی مسجد بن جاتی ہے، وہ قیامت تک کیلئے مسجد ہی رہتی ہے، اس کوکسی اور کام کے لئے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا قدیم مسجد کا جوحصہ پہلے سے متعین ہے اس کے دائرہ میں مسجد ہی باقی رکھنا لازم اورواجب ہے، چاہے اس کے بالکل قریب دوسری کشادہ مسجد موجود ہوتب بھی وہ مسجد ہی رہے گی، اس کو مدرسہ میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر پرانی مسجد کی حدود سے زائد حصہ مدرسہ کیلئے دیا گیا ہے، تووہ مسجد کے ایک جانب ہو یا متعدد جانب ہواس میں کمرے بنا کراحاطۂ مسجد کے طور پر مدرسہ کے کام میں لایا جاسکتا ہے، لیکن سوالنامہ میں قدیم مسجد کا رقبہ کتنا ہے اس کوواضح نہیں کیا گیا ہے، صرف مدرسہ کا رقبہ بتلایا گیا ہے، جس کے اندروہ قدیم مسجد شامل معلوم ہوتی ہے، لہٰذا آپ نے قدیم مسجد کے رقبہ کو مدرسہ کیلئے جووقف کیا ہے، وہ درست نہیں ہوااور پہلے دوسرے اور تیسرے فلورکی بات مسجد کا مسئلہ حل ہونے کے بعد ہی سامنے آسکتی ہے، اورقدیم مسجد کے اوپر جتنی منزلیں بنائی گئی ہیں، وہ مسجد ہی ہوں گی، اس میں سے کوئی حصہ اورکوئی منزل بلڈرکوفروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

إذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه. (هدايه، كتاب الوقف اشرفی دیوبند۲/ ٦٤٠)

ولا يجوز تغير الوقف عن هيئته، فلا يجعل الدار بستاناً ولا الخان حماماً ولا الرباط دكاناً. (هنديه، الباب الرابع، فی المتفرقات، زكريا قديم ۲/ ٤٩٠، جديد ۲/۴۲۳)

قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ: ''وأن المساجد لله''.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی أحکام المسجد کراچی ٤/٣٥٨، زکریا ٦/٥٤٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۲۸ھ

مسجد کیلئے موقوفہ مکان میں مدرسہ بنانا

سوال: [۸۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بیوہ عورت نے اپنا مسجد سے متصل مکان مرنے سے پہلے مسجد کے نام اسلئے وقف کر دیا تھا، کہ مسجد کی آمدنی بڑھے اور مسجد کی توسیع ہو مگر اس جگہ پر بجائے مسجد کی توسیع کے ایک مکتب بشکل مدرسہ قائم کر دیا گیا اب اس میں بیرونی طلبہ کا بھی قیام ہے، مکان جس نظریہ سے وقف کیا گیا تھا، کہ مسجد کی توسیع وآمدنی بڑھے لیکن نہ تو مسجد کی توسیع ہوئی نہ آمدنی میں اضافہ ہوسکا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد کی زمین میں مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے کیا مدرسہ کا کرایہ مسجد میں لگایا جا سکتا ہے،؟ جواب سے نوازیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالماجد، محلّہ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مسجد کی توسیع نہیں ہوسکی ہے اور توسیع کی ضرورت ہے تو اس جگہ پر اس وقت تک کیلئے مدرسہ قائم رکھنا درست ہوسکتا ہے جب تک توسیع مسجد کا پروگرام نہ ہو اور پروگرام ہونے تک مدرسہ پر لازم ہے کہ مسجد کا کرایہ ادا کرتا رہے، اور جب توسیع مسجد کا پروگرام شروع ہو جائے تو مدرسہ پر لازم ہے کہ اس زمین کو خالی کردے تاکہ غرض واقف کے مطابق مذکورہ زمین توسیع مسجد کے اندر داخل کی جاسکے، اور وہاں مدرسہ قائم کرنا جائز نہ ہوگا، اسلئے کہ غرض واقف کی رعایت کرنا واجب ہے۔

وإن مراعاة غرض الواقفین واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب

مراعاة غرض الواقفين واجبة كراچی ٤/٤٤٥، زكريا٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶۴۹/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۱۸ھ

مکتب کی رقم مسجد کی تعمیر میں لگانا

سوال: [۸۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد میں مکتب تھا، جو کہ تقریباً چار سال مسجد میں قائم رہا اور اب تین سال سے مکتب ختم ہو چکا ہے، مکتب کے چلانے کی نوعیت یہ تھی کہ کم وبیش بارہ آدمی تنخواہ دیتے تھے، اس کے علاوہ بھی کچھ امداد دوسرے لوگ کرتے تھے، اب مکتب ختم ہونے کے بعد اسکی رقم تقریباً دو ہزار روپیہ جمع ہے، جس مسجد میں مکتب تھا اسی مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے، تو کیا اس مکتب کی بچی ہوئی رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں، جبکہ مکتب میں چندہ دینے والے اکثر لوگوں سے مذکورہ رقم کو مسجد میں لگانے کے واسطے معلوم بھی کر سکتے ہیں، کیونکہ اکثر چندہ دینے والے مسجد ہی کے نمازی ہیں، تو کیا اس صورت میں یہ رقم مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے اگر نہیں ہے، تو پھر اس رقم کو کہاں استعمال کریں، مدلل جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چندہ دہندگان کی اجازت سے مسجد میں مذکورہ رقم خرچ کرنا جائز اور درست ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۹۵)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، كتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/٤٤٥، زكريا٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/جمادی الآخرۃ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۳۲/۲۸)

مسجد کا روپیہ مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال:[۸۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا روپیہ مدرسہ کے کام میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ جواب دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: متولی حاجی احمد رضا
صاحب، عرف حاجی کلن گلاب والی
مسجد، محلّہ پیرزادہ، مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مالکانہ طور پر مدرسہ کے کام میں خرچ کردینا جائز نہیں ہے، البتہ بشرط وصول قرض دیا جاسکتا ہے! (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۴۹۱، جدید ڈابھیل ۱۵/۴۷)

أن للمتولي إقراض مال المسجد بأمر القاضي. (شامی، کتاب القضاء مطلب للقاضی اقراض مال الیتیم کراچی ۵/۴۱۷، زکریا ۷/۱۱۱)

القيم لو أقرض مال المسجد ليأخذه عند الحاجة وهو أحرز من إمساكه فلا بأس به. (البحر الرائق، کتاب الوقف، کوئٹہ ۵/۲۳۹، زکریا ۵/۴۰۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۶۱)

مسجد سے ملحق مدرسہ کو مسجد کے تابع کرنا

سوال: [۸۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ جو مسجد کی جائداد میں ہے، لیکن خارج مسجد ہے جو تمام شہر کے لوگوں سے ابتداء سے

الگ ہی رہی ہے، مسجد کی کمیٹی بہت بدلی لیکن کسی کمیٹی نے اعتراض نہیں کیا لیکن معترض موجود کمیٹی ہے اور کہتی ہے کہ مسجد کو اس مدرسہ کا کرایہ دیا جائے یا مسجد کی کمیٹی کو مدرسہ سونپ دیا جائے، جبکہ شہر کے لوگ اس بات کے خلاف ہیں، اکثریت یہ چاہتی ہے کہ مسجد اور مدرسہ کی کمیٹیاں الگ ہی رہیں، شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: شاہد رضا، رانی کھیت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مدرسہ چلانے کا تجربہ علماء دین ہی کو ہوتا ہے، اگر مدرسہ اور مسجد دونوں کا انتظام کسی متبع شریعت عالم دین کے ہاتھ میں ہو جائے تو سب سے بہتر ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ غیر علماء کے ہاتھ میں الگ الگ انتظام ہے، تو دونوں کمیٹی بغیر اختلاف وانتشار کے آپس میں ایک ہو جائیں، اور مسجد و مدرسہ ایک ہی کمیٹی بغیر انتشار کے چلا سکتی ہو تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اگر اختلاف وانتشار کا خطرہ ہو تو جو نظام چلا آرہا ہے اسی کو باقی رکھنا ضروری ہے، تاکہ کوئی اختلاف وجود میں نہ آسکے۔

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ. (سورۂ بقرہ رقم الآية: ۲۱۷)

اور جب شروع سے ہی دونوں اداروں میں سے کوئی ایک دوسرے کا کرایہ دار نہیں ہے، تو آج کرایہ داری کا مسئلہ اٹھانا فتنہ کو ہوا دینا ہے، اگر یہ سوال ہوتا ہو کہ مسجد کی زمین میں مدرسہ قائم ہوا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے تو صدیوں سے ہوتا آیا ہے، جیسا کہ مرکز نظام الدین مسجد کی زمین میں ہے، مدرسہ امینیہ مسجد کی چہار دیواری میں ہے، مدرسہ حسین بخش مسجد کی زمین میں ہے، مدرسہ عبد الرب مسجد کی چہار دیواری میں ہے، مدرسہ عالیہ فتحپوری مسجد کی چہار دیواری میں قائم ہوا، اور مدرسہ شاہی مراد آباد مسجد کی چہار دیواری میں قائم ہے، اور کبھی کبھار دونوں کی انتظامیہ بھی الگ الگ رہی، مگر ایک دوسرے سے کرایہ داری کا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔

عن زبير بن العوامؓ عن النبي ﷺ قال: والذي نفسي بيده لاتدخلوا

الـجـنة حتـى تومنوا ولا تؤمنوا حتىٰ تحابوا . (ترمـذی، ابواب صفة القيامة باب بلاترجمة ، النسخة الهندية ٢/٧٧، دارالسلام رقم: ٢٥١٠)

عـن أنــس ؓ قـال: قـال رسول الله ﷺ لاتـقـاطـعـوا ولا تدابروا ولاتبـاغـضوا ولا تـحاسدوا وكونوا عبادالله إخوانا الخ. (ترمذی، کتاب البـر والـصـلة ، بـاب مـا جـاء فـى الـحسـد ، الـنسـخة الهندية ٢/١٥، دارالسلام رقم:١٩٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹؍۱۰۵۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

مسجد کی زمین میں مسافرخانہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۸۷]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ راجہ بازار جامع مسجد کولکاتہ شہر کی معروف ومشہور مسجد ہے جوتقریباً ۱۰۰؍سال سے زیادہ قدیم ہے، واقف نے زمین وقف کرنے کے بعد اس کے ایک حصہ میں مسجد کی ایک منزل تعمیر بھی کی تھی، جس کے اوپر چھت تھی، آبادی کے پیش نظر تقریباً ۲۰؍سال قبل اس کی توسیع ہوئی تھی اب وہ پانچ منزلہ ہے یہ ۱۵۳نمبر کیشب چندرسین اسٹریٹ کولکاتہ نمبر۹ پرواقع ہے؟

دوسرا حصہ وقف جائیداد ہے جو مسجد سے متصل ہے لیکن سڑک کی جانب ہے یہ بھی مسجد کے ساتھ تعمیر شدہ ایک منزلہ تھی، جس کے اوپر چھت تھی اور مینار یں بنی ہوئی تھیں، مغرب وعشاء کے علاوہ جمعہ کی نمازیں بھی لوگ اہتمام سے پڑھتے تھے، اس کے نیچے کے حصہ میں مسجد کا مین دروازہ اور چند دوکانیں تھیں، جس کی آمدنی کے کچھ حصوں سے مسجد کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے، یہ شکل وہیئت بھی مسجد کے ساتھ ۱۰۰؍سال سے زیادہ پرانی تھی، جو ۱۵۱نمبر کیشب چندرسین اسٹریٹ میں واقع ہے، مسجد کی موجودہ انتظامیہ نے اسی دوسرے حصہ کو اپنے پلان کے مطابق توسیع مسجد کے بجائے نئے

مسافر خانہ کی تعمیر کا کام ڈیڑھ ماہ قبل شروع کیا تھا، اب تک چار منزلہ ڈھلائی ہو چکی ہے، ایک منزلہ ڈھلائی باقی ہے، جبکہ کولکاتہ کارپوریشن سے انھوں نے مسجد کو دکھا کر پانچ منزلہ نقشہ نکالا ہے، واضح رہے کہ یہ تعمیر عوامی چندہ سے ہوئی ہے، نیز انتظامیہ کے ارکان تقریباً ۸ سے ۱۰ لوگوں پر مشتمل ہے جس میں ایک بھی شخص اہل علم نہیں نہ ہی مفتی سے فتویٰ حاصل کیا ہے، نتیجۃً اسے پورے چار علاقوں کے عوام کا اعتماد حاصل نہیں عوام راجہ بازار انتظامیہ کے اس رویہ سے سخت ناراض ہیں، کیونکہ ۲۰؍سال قبل پانچ منزلہ جامع مسجد کی توسیع کے باوجود فی الوقت خاص کر جمعہ کی نماز میں مصلیوں کو عام سڑک پر نماز پڑھنی پڑتی ہے، جس کے نتیجہ میں عام مسافروں اور گاڑیوں کی آمد ورفت کو بند کر دیا جاتا ہے، اور ہر وقت فساد ہونے کا ڈر لگا رہتا ہے، اس کے علاوہ نئے مسافر خانہ کی تعمیر میں بہت ساری خامیاں ہیں مثلاً مسافر عورتوں، لڑکیوں اور شر پسند لڑکوں کا ہجوم اختلاط سے بے پردگی کے فتنے، گندگیاں آلودگیاں، پان سگریٹ اور ناجائز مشروبات کے استعمال کا خدشہ، موبائل کے گانے اور شوروغل کی آواز علاحدہ اس کے کسی ناخوشگوار واقعہ یا حادثہ کا ڈر، پولیس کی آمد وگرفتاریوں کا امکان، میڈیا کے اسلام دشمنی کے مواقع، مسجد کا اندھیرا ہونا، ہوا کا بند ہونا، لوڈ سیڈنگ میں مصلیوں کو سخت دقت کا سامنا کرنا اور برسات میں نمازیوں کے آمد ورفت سے افراتفری کا ہونا نیز عبادات میں خلل کا ہونا، مسجد کی عظمت وتقدس اور اس کے آداب واحترام کی پامالی وغیرہ وغیرہ اسکے علاوہ آئندہ دس بیس سالوں میں آبادی میں زبردست اضافہ سے مسجد کا بالکل ناکافی ہونا لازمی ہے، لہٰذا عوام کی طرف سے کچھ ذمہ دار حضرات متولی مسجد سے براہ راست ملے اور ان کو ان نقصانات اور عوام کی بے چینیوں سے آگاہ کیا، متولی نے انتظامیہ کی بہت سی باتوں کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا، اور بالآخر مسجد کی توسیع کیلئے راضی ہو گئے اور ثبوت کے طور پر متولی مسجد نے اپنے معتمد بھائی کو ۲۲؍اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ کو بھیجا جنھوں نے نماز کے بعد عوام کے سامنے اعلان کیا کہ اگر عوام چاہتی ہے تو اس جگہ جامع مسجد ہی کی توسیع ہوگی

،واضح رہے کہ مسجد کے تمام اخراجات حسب معمول عوامی چندہ سے پورے کئے جاتے ہیں، لہٰذا عوامی ضرورت ہے کہ اس دوسرے حصہ کی زیر تعمیر تمام ایک تا پانچ منزلوں کو جامع مسجد کی توسیع میں شامل کرلیا جائے، اور پرانی شکل و ہیئت کے مطابق نیچے کے حصہ میں مسجد کا مین دروازہ اور چند دوکانیں بنائی جائیں، مندرجہ بالا حالات کے پیش نظر آپ سے گذارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی حکم ارشاد فرمائیں کہ آیا ’’اس نئ زیر تعمیر جگہوں پر جامع مسجد کی توسیع کی جائے یا مسافر خانہ کی تعمیر‘‘؟

المستفتي: محمد یونس محمد نظام الدین،
محمد شمیم، منجانب: باشندگان راجہ بازار
۱۶۶، کیشب چندر سین اسٹریٹ کولکاتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں جب مسجد کے اخراجات کی تکمیل کیلئے مزید کسی ذریعۂ آمدنی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مسجد کی دوکانوں اور عوامی چندہ سے اس کی ضروریات واخراجات پورے ہورہے ہیں، اور مصلیان کی کثرت کے پیش نظر مسجد کی توسیع کی سخت ضرورت ہے، تو ایسی صورت میں متولی اور ذمہ داران مسجد کو چاہئے کہ وہ موقوفہ زیر تعمیر جگہوں پر مسجد کی توسیع کریں، نیز مسافر خانہ کی تعمیر کی صورت میں مسجد کی بے احترامی اور بے ادبی بھی ہے، اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

سئل الفقيه أبو جعفر عن وقف بجنب المسجد والوقف على المسجد فأرادوا أن يزيدوا في المسجد من ذلك الوقف قال يجوز .

(تاتارخانية ۱۵۷/۸، برقم: ۱۱۵۰۰، زکریا)

أرض وقف على مسجد و الأرض بجنب ذلك المسجد وأرادوا أن يزيدوا في المسجد شيئاً من الأرض جاز لكن يرفعوا الأمر إلى القاضي ليأذن لهم، ومستغل الوقف كالدار والحانوت على هذا . (هنديه، كتاب

الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد زکریا قدیم ۲/۴۵۶،جدید ۲/۴۰۹، خانیة جدید زکریا ۳/۲۰۴، وعلی هامش الهندیة زکریا۳/۲۹۳)

قیم المسجد لایجوز لهٗ أن یبنیٰ حوانیت فی حد المسجد أوفی فنائه لأن المسجد إذا جعل حانوتاً ومسکناتسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمه حکم المسجد . (هندیه ، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد وتصرف القیم قدیم زکریا ۲/۴۶۲، جدید۲/۴۱۳، خانیه جدید زکریا ۳/۲۰۴، وعلی الهندیة زکریا۳/۲۹۳)

قیم المسجد إذا أراد أن یبنی 'حوانیت فی حد المسجد أو فی فنائه لایجوز. (فتاویٰ تاتار خانیة ، زکریا ۸/۱۷۸ ، برقم: ۱۱۵۶۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۲/۲ھ

نیچے مدرسہ ودوکانیں اوراوپر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۸۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جگہ مدرسہ ومسجد کے نام سے خریدی گئی تھی اس میں دوسال سے مدرسہ چل رہا ہے لوگوں نے سوچا کہ مدرسہ کے اوپر مسجد تعمیر کی جائے ، شمال کی جانب چار دوکانیں نکال کراور مدرسہ کا مدرسہ کے برآمدہ پرلینٹر ڈال کراوپر مسجد تعمیر کی جائے آیا نیچے مدرسہ ودوکانیں اوراوپر مسجد تعمیر ہوسکتی ہے یانہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرما کرمشکور فرمائیں؟

المستفتي: منجانب: اراکین مدرسہ
جامعہ مدینۃ الاسلام، مصطفیٰ چوک،
چوکی سہوارہ، ضلع مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب چندہ دینے والوں نے مسجد ومدرسہ دونوں کیلئے

چندہ دیا ہے، اور عمارت بنانے سے پہلے ہی سے نیچے دوکان و مدرسہ اور اوپر مسجد بنانے کا پروگرام ہے، تو شرعاً اس کی اجازت ہے، کہ پہلے دوکان و مدرسہ کی تعمیر مکمل کرلیں پھر اسکے بعد اوپر مسجد تعمیر کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۱۰۳، جدید زکریا ۹/۱۱۰)

فإن قيل لو جعل تحته حانوتا وجعله وقفا على المسجد ...... قيل لا يستحب ذلك، ولكنه لوجعل في الابتداء هكذا صار مسجداً وماتحته صار وقفاً عليه، ويجوز المسجد والوقف الذى تحته، ولوأنه بنىٰ المسجد أولا، ثم أراد أن يجعل تحته حانوتا للمسجد فهو مردود باطل. (حاشية چلپى على التبيين، كتاب الوقف، امداديه ملتان ۳/۳۳۰، زكريا ٤/ ۲۷۱)

فإن قيل أليس مسجد بيت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به قيل إذا كان تحته شيئى ينتفع به عامة المسلمين يجوز لأنه إذا انتفع به عامتهم صار ذلك لله تعالىٰ أيضا: ومنه يعلم حكم كثير من مساجد مصرا لتى تحتها صهاريج ونحو ها. (تقريرات رافعى على الشامى، كراچى ٤/ ۸۰، زكريا ٦/ ۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۹)

مسجد کیلئے خریدی گئی زمین میں رہائشی مکان تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا محلّہ جب آباد ہوا تو محلّہ والوں نے مسجد کیلئے بھی زمین خریدی جب مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو مسجد کو قبلہ نما بنانے کی غرض سے مسجد کی زمین میں کمی محسوس کی گئی کہ جگہ کم ہے مسجد کی زمین کے متصل ہی ایک مسلمان کا باغ تھا، محلّہ والوں نے باغ والے سے کہا کہ مسجد کیلئے کچھ زمین کی ضرورت ہے تو باغ والے نے کہا تمہیں جتنی ضرورت ہے لےلو اور مسجد کیلئے

مفت زمین ہے، کوئی قیمت نہیں لوں گا، مسجد بنالو لہٰذا مکمل مسجد کا اندرونی حصہ مفت والی زمین پر بنایا گیا، اور جو خریدی ہوئی زمین تھی، اس پر کچھ حصہ برآمدے کا ہے، اور کچھ بیرونی فرش اور وضوخانہ ہے بقیہ زیادہ حصہ میں ایک مکان بنادیا گیا جو ابھی کرایہ پر چلتا ہے، اب محلّہ کی آبادی بڑھ چکی ہے، اس وقت کے مقابلہ میں نمازیوں کی تعداد بھی زیادہ ہے، لہٰذا مسجد کا فرش چھوٹا محسوس کیا جارہا ہے، اور وضوخانہ تنگ ہے جو پہلے سے تنگ تھا، کہ کوئی آدمی کھل کر اچھی طرح وضو نہیں کرسکتا دیگر مسجد کے اتر کی جانب پڑوس میں مکان ہے، جو مسجد کی طرف سے پردہ کی دیوار بنا ہوا ہے، اگر مسجد اپنی دیوار تعمیر کرے تو مسجد کا فرش اور زیادہ ہی تنگ ہوجائیگا، اسلئے اب مصلیان مسجد یہ چاہتے ہیں، کہ جو سامنے مسجد کا مکان ہے اس کو کرایہ دار سے خالی کرالیا جائے، اور مسجد کی توسیع کردی جائے، تاکہ مسجد بڑی ہوجائے، اور وضوخانہ بھی بڑا ہوجائے، تاکہ مصلیان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو جو نمازوں میں تکلیف پیش آرہی ہے دور ہوجائے، خصوصاً جمعہ کے دن اور سخت گرمی کے وقت باہر نماز پڑھنے کی سہولت ہوجائے، اسلئے مکان مسجد خالی کرایا جائے، اسمیں کچھ لوگ آڑے آرہے ہیں، کہ مکان خالی نہ ہو، اور کرایہ پر چلتا رہے، اکثر نمازیوں کی تعداد مکان خالی کرا کے مسجد کی توسیع چاہتے ہیں، بلکہ آٹھ دس ماہ قبل ایک اعلان مسجد میں مصلیان مسجد نے کیا تھا، کہ اب مکان کرایہ پر نہ دیا جائیگا، اور اب مسجد کی توسیع ہوگی، مگر متولیان مسجد نے مکان دوبارہ کرایہ پر چڑھا دیا، اور مسجد کی توسیع اب تک نہ ہوسکی، کیونکہ متولیان مسجد بے نمازی ہیں نہ دیندار نہ دیانتدار مسجد فنڈ کی رقم دوستوں پر استعمال کراتے ہیں، آپ سے گذارش ہے کہ ان حضرات کے متعلق جو مکان مسجد کا کرایہ دار سے خالی کرانا نہیں چاہتے اور توسیع مسجد میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، تو شریعت کی نظر میں کیسے ہیں، شرعی طور پر ان حضرات کیلئے کیا حکم ہے، دوسرے یہ کہ مسجد کی عمارت بلا قیمت والی زمین پر بنی ہوئی ہے، اور اصل جگہ جو مسجد کے لئے خریدی گئی تھی وہ مکمل طور پر مسجد میں شامل نہیں ہے، مکان بنا ہوا ہے تو کیا حکم ہے اس زمین کا؟

(۱) مکان خالی کرانے میں جو حضرات آڑے آرہے ہیں، ان کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) ایسے متولیان مسجد جو فنڈ مسجد کا غلط استعمال کرائیں اور مکان خالی کرانے میں آڑے آئیں شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: مصلیان مسجد نئی سرائے، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جو زمین مسجد بنانے کیلئے خریدی گئی تھی، اسے مکمل طور پر مسجد میں استعمال کرنا ضروری ہے، اس میں رہائشی مکان بنانا جائز نہیں؟ لہٰذا ذمہ داران مسجد کو مکان خالی کرا کرا سے مسجد میں داخل کرنا بلاتردد جائز ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، الآية:

(المائدہ : ۲)

(۲) جو متولی خائن ہو یا غافل ہو یا شریعت کے مطابق مسجد کا انتظام صحیح طور پر نہ کرتا ہو، جس سے مسجد کو نقصان پہونچتا ہو اور اسکی خیانت شرعی شہادت سے ثابت ہو جائے، تو ایسا متولی علیٰحدگی کے قابل ہے، اور اس کی جگہ کسی دیندار، صالح، امین اور لائق شخص کو متولی بنایا جائے، تا کہ مسجد کا نظام شریعت کے مطابق رہے۔

قال في الإسعاف ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود الخ.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی کراچی ٤/ ٣٨٠، زکریا٦/ ٥٧٨، البحرالرائق، کوئٹہ ٥/ ٢٢٦، زکریا ٥/ ٣٧٨، هنديه زکریاقدیم٢/ ٤٠٨، جدید ٢/ ٣٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۳/۱۴۲۰ھ

دوبارہ آیا ہوا سوال اور الگ سے جواب

سوال: [۸۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا محلّہ جب آباد ہوا تو ہمارے محلّہ والوں نے مسجد کیلئے زمین خریدی جب مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو زمین میں کمی محسوس کی مسجد کی زمین کے متصل باغ ہے، محلّہ والوں نے باغ والے سے کہا کہ مسجد کیلئے کچھ زمین کی اور ضرورت ہے تو باغ والے نے کہا تم کو جتنی ضرورت ہے مفت لے لو اور مسجد بنالو، لہٰذا مسجد مکمل مستعار جگہ پر بنالی گئی جو زمین خریدی تھی مسجد کیلئے اس میں کچھ فرش بنا ہوا ہے اور پھر وضو خانہ، بقیہ زمین میں مکان بنا دیا گیا جو کرایہ پر چلتا ہے، اب محلّہ کی آبادی بہت بڑھ چکی ہے، کہ مسجد کا بیرونی فرش صحن والا حصہ بہت چھوٹا محسوس ہو رہا ہے، اور وضو خانہ بھی تنگ نظر آرہا ہے، وضو خانہ تو اول ہی سے تنگ بنایا گیا تھا، کہ آدمی اچھی طرح سے بیٹھ کر وضو نہیں کرسکتا ہے، اور مسجد کی اتر کی جانب دیوار بھی نہیں ہے، بلکہ مسجد کے پڑوس میں اتر کی جانب مکان ہے اس مکان ہی کے ذریعہ اتر کی جانب سے پردہ ہے اگر مسجد کی طرف سے اتر کی جانب دیوار بنائی جائے تو مسجد کا فرش اور بھی زیادہ تنگ ہوجائے گا، اس لئے اب یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ سامنے جو مسجد کا مکان ہے اس کو کرایہ دار سے خالی کرا کے مسجد کی توسیع کردی جائے، تاکہ فرش اور وضو خانہ دونوں ہی وسیع ہوجائیں اور مصلیان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو جو نمازوں میں تکلیف پیش آرہی ہے دور ہوجائے، خصوصاً جمعہ کے دن اور سخت گرمی میں باہر نماز پڑھنے کی سہولت ہوجائے، اس سلسلہ میں مکان خالی کرانے میں کچھ لوگ آڑے آرہے ہیں، اکثر نمازی مکان خالی کرا کے مسجد کی توسیع چاہتے ہیں، بلکہ آٹھ ماہ قبل ایک اعلان مسجد میں مصلیان نے کیا تھا، کہ اب مکان کرایہ پر نہ دیا جائیگا، اور مسجد کی توسیع ہوگی، مگر متولیان مسجد نے جو بے نمازی ہیں نہ دیندار نہ دیانتدار مکان دوبارہ کرایہ پر چڑھا دیا، اور مسجد کی توسیع نہ ہوسکی، آپ سے گذارش ہے

کہ وہ حضرات جوکرایہ پر مکان دیکر خالی کرانا نہیں چاہتے، اور توسیع مسجد میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، شریعت کی نظر میں کیسے ہیں؟ شرعی طور پر ان حضرات کیلئے کیا حکم ہے؟ دوسرے یہ کہ مسجد کی مکمل عمارت مستعار جگہ میں ہے خریدی ہوئی جگہ میں کچھ حصہ فرش کا ہے، کچھ حصہ میں وضوخانہ ہے زیادہ حصہ میں مکان مسجد ہے، عنداللہ شریعت کے مطابق مکمل ومدلل جواب سے سرفراز فرمائیں؟

المستفتي: مصلیان مسجد، محلّہ نئ سرائے، قصبہ دھامپور، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب مسجد بنانے کیلئے باضابطہ زمین خریدی گئ ہے، تو اس زمین پر مسجد بنا کر اس کے بڑے حصہ پر رہائشی مکان بنا کر کرایہ پر دینا ہرگز جائز نہیں ہے، بلکہ مسجد اسی میں بنانی چاہئے تھی، یہ بات ہم کو سمجھ میں نہیں آتی ہے، کہ مسجد کی زمین کرایہ پر دیکر مستعار زمین پر مسجد کیوں بنائی گئ، اور اسمیں کیا مصلحت تھی، سائل کو واضح کرنا چاہئے تھا، بہرحال ایک جگہ جب مسجد بن جاتی ہے، تو وہ قیامت تک کیلئے مسجد ہی رہتی ہے، اس کو مسجد سے دوسرے امور میں منتقل کرنا جائز نہیں، لہٰذا جس مستعار جگہ پر مسجد شرعی بنالی گئ ہے، اس زمین کی قیمت منجانب مسجد مالک کو ادا کر کے مسجد کی ملکیت میں لے لینا اور اس کا مسجد کے نام وقف ہوجانا لازم ہے، تا کہ یہ مسجد آئندہ ہمیشہ کیلئے وقف شدہ شرعی مسجد بن جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۴۹)

إن المسجد إذا خرب یبقی مسجداً أبداً. (درمختار مع الشامی، کتاب الوقف، مطلب فیما لو خرب المسجد أوغیرہ کراچی ۴/۳۵۹، زکریا ۶/۵۴۹)

اسکے بعد مسجد اپنی ضرورت کے مطابق خرید شدہ زمین کو ہر طرح اپنے استعمال میں لے سکتی ہے، نمازیوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے اگر توسیع کی ضرورت پڑے تو کرایہ کا مکان توڑ کر حدود مسجد اور مسجد کی ضروریات وضوخانہ وغیرہ میں شامل کرلینا ذمہ

داران مسجد کیلئے بلا تردد جائز ہےاور مسجد کی ان ضروریات کے باوجود کرایہ پر دینا ذمہ داروں کیلئے ہرگز جائز نہیں ہے، نیز کرایہ دار پر لازم ہے کہ جس وقت بھی مسجد کیلئے خالی کرنا پڑے فوراً خالی کردے، اورخالی کرانے میں رکاوٹ پیدا کرنا کسی بھی مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے، یہ اسکی ایمانی حمیت کیخلاف ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلٰى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، الآية: (المائده : ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ۶۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱/۲۵ھ

مسجد کی دیوار پر دوکان بنانا

سوال: [۸۰۹۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی دیواریں اورچھت وغیرہ اتاردی گئیں ہیں، اور مسجد کی دیواریں کافی چوڑی ہیں، اگر اس دیوار میں سے آدھی دیوار دوکان کیلئے لے لیجائے تو اس بارے میں علماء دین کی کیا رائے ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسعد لکھیم پوری، امام مسجد
ہری چگ، اصالت پورہ، مراد آباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب پہلے ایک دفعہ مسجد بن گئی تو وہ شرعی طور پر مع دیوار کے مسجد کے حکم میں داخل ہوچکی ہے، اسلئے بعد میں اس کی دیوار میں دوکان وغیرہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق (إلیٰ قوله) فكيف بغيره فيجب هدمه ولوعلیٰ جدار المسجد ولا

يجوز أخذ الأجرة منه الخ. (الدر المختار ،كتاب الوقف، مطلب فی أحكام المسجد كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، بزازيه جديد زكريا ٣/١٥٢، وعلىٰ هامش الهندية زكريا ٦/٢٨٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/٢٩٦، النهر الفائق ، دارالكتب العلمية بيروت ٣/٣٣٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ / محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۲۲۷۵)

۱۶/ الفصل السادس عشر: سرکاری زمین میں تعمیر مسجد

رفاہِ عام کی جگہ میں مسجد کی دوکانیں بنانا

سوال: [۸۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ڈونگپوری ٹانڈہ میں ایک مسجد واقع ہے مسجد کے بعد عام راستہ ہے، اس راستہ کی ایک جانب میں کنواں ہے جو عام لوگوں کے پانی پینے کے واسطے تھا، اب وہ کنواں پاٹ دیا گیا ہے، اور یہ جگہ راستہ میں عام لوگوں کے فائدہ کیلئے چھوٹی ہوئی ہے، اس چھوٹی ہوئی جگہ کی سیدھ میں میری چار دوکانیں اور مکان ہے مسجد کے کچھ لوگ کہہ رہے ہیں، کہ اس گرام سماج کی جگہ میں مسجد کی دوکان بنوادی جائے، میرا کہنا ہے کہ جو جگہ رفاہ عام کیلئے تھی، وہ راستہ ہی میں چھوٹی رہے، تاکہ عام آدمی اس جگہ سے فائدہ اٹھائیں، سائل معلوم کرنا چاہتا ہے، کہ لقطہ یعنی گری پڑی چیز یا رفاہ عام کی یا گرام سماج کی جگہ جبراً مسجد کیلئے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حاجی ظہور احمد ولد عبد الشکور
ڈونگ پوری، ٹانڈہ، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب عام لوگوں کے پانی پینے کے لئے گرام سماج کی طرف سے یہ کنواں کھودا گیا تھا، اور اس میں سے عام لوگ فائدہ اٹھا رہے تھے، اور اب عام لوگوں کو اس کنویں کے پانی کی ضرورت نہیں ہے، اور ڈونگپوری ٹانڈہ مسلمانوں کا گاؤں ہے، اور مسجد بھی عامۃ المسلمین کی نماز کیلئے وقف علی اللہ ہے کسی ایک فرد کی ملکیت نہیں ہے، اسلئے وہاں کے عام لوگ جو چاہتے ہیں، گرام سماج سے اجازت لے کر وہ کام کر سکتے ہیں، چاہے اس جگہ کو عام لوگوں کے مشورہ سے یوں ہی چھوڑ دیں یا گرام سماج سے اجازت لیکر مسجد کے فائدہ کیلئے دوکان بنا دیں ہر طرح کا اختیار ہے۔

لايجوز لأحد أن يتصرف فی ملک الغير بغير إذنه وفی حاشيته والإذن عام سواء كان صراحةً أو دلالة . (قواعد الفقه ، اشرفي/ ١١٠، رقم: ٢٧٠، شرح المجلة ، رستم مكتبه اتحاد ٦١/١، رقم المادة :٩٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٩٦/٢٨، مجلة الأحكام العدلية ، كراچی ٢٧/١، رقم: ٩٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۴۴؍۱۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵؍۷؍۱۴۳۳ھ

گرام سماج کی زمین کس کی ملک ہے؟

سوال: [۸۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ بلریا گنج بازار والی مسجد سے متصل (اتر جانب) گرام سماج کی زمین ہے، جس کو مسجد کی کمیٹی مسجد کی زمین بتارہی ہے، اور کہہ رہی ہے کہ آپ کی زمین نہیں ہے، جبکہ وہ زمین میرے گھر اور دوکان کا واحد صحن ہے اگر اسے گرام سماج کا ہی مان لیا جائے تو کیا مسجد کو ایسی زمین عطا کی جاسکتی ہے، کیا مسجد کمیٹی کیلئے اس زمین میں تصرف کرنا جائز ہوگا؟

المستفتي: منجانب: ضیاء الرحمٰن ،بلریا گنج اعظم گڑھ، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مسجد کے پاس زمین کے کاغذات ہیں، اور کاغذات میں مذکورہ زمین بھی شامل ہے تو وہ زمین مسجد کی ملکیت ہے، آپ کو وہ زمین خالی کرکے مسجد کے حوالے کردینی چاہئے ، اور اگر آپ کے پاس اس زمین کے کاغذات ہیں، اور مسجد کے پاس نہیں ہیں، تو وہ زمین آپ کی ہے، اور اگر کسی کے پاس کاغذات نہیں ہیں، اور گرام سماج کے پاس کاغذات ہیں، تو وہ زمین گرام سماج کی ہے، لہٰذا نہ مسجد اسپر قبضہ کرسکتی ہے، اور نہ ہی آپ کو اسپر قبضہ کرنے کا حق ہے، البتہ گرام سماج تحریری طور پر جسکو اجازت دیدے وہ اس پر قبضہ کرسکتا ہے۔

سئل نجم الدين النسفى عن رجل ادعى أرضاً فى يد رجل أنها ملكه و فى يد هذا المدعى عليه بغير حق فقال المدعى عليه هى ليست بملكى إنما هى وقف على كذا و أنا متوليها فطلب القاضى من المدعى عليه بينة على ماقال فلم تمكنه إقامة البينة على ماقال فأمر القاضى المدعى عليه بتسليم الأرض إلىٰ المدعى لتكون فى يده إلى أن يقيم البينة على ماقال قال كل ذلک خطأ ليس ينبغى للقاضى أن يطلب البينة من المدعى عليه على مقالته و لا أن يأمر المدعى عليه بتسليم الأرض إلى المدعى و إنما يأمر المدعى بإقامة البينة على دعواه الملک على المدعى عليه و بينته على ذلک على المدعى عليه مقبولة لأنه متول فى زعمه و المتولى خصم لمن يدعى الملک لنفسه فى الوقف. (هنديه ، كتاب الدعوىٰ ، الباب السابع عشر فى المتفرقات زكريا قديم ٤/١٥٣، ١٥٤، جديد٢/١٥٧، الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا١٣/٤٦٧، رقم: ١٩٨٧٤ ، المحيط البرهانى ، المجلس العلمى ١٧/٩٣، رقم: ١٧٤١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۱/۱۱۶۷۸)

پردھان کی طرف سے الاٹ کردہ گرام سماج کی زمین میں تعمیر مسجد کا حکم

سوال: [۸۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرام پردھان پٹواری اور قانون گوتینوں نے مل کر گرام سماج کی زمین مسجد کیلئے الاٹ کردی اور کچھ رقم لے لی تو یہ کیسا ہے؟ ایسی جگہ پر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: حافظ محمد حنیف، خوشحال پور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گرام پردھان، پٹواری اورقانون گو نے گرام سماج کی جوز مین مسجد کو رقم لیکر کے دی ہے، وہ مسجد کی ملکیت میں داخل ہو جائیگی، لیکن اس میں لازم یہ ہے کہ باقاعدہ سرکاری ضابطہ کے مطابق مسجد کے نام کاغذی کارروائی کی تکمیل کی جائے ،تاکہ مسجد کے نام اوراس کی ملکیت ہونے میں کسی قسم کا تر ددنہ رہے، اس کے بعد اس جگہ پر شرعی مسجد بنانا بلاشبہ جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین / ۴۹۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۹۷، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۷۸، ۱۷۹)

ويتفرع على اشتراط الملك أنه لايجوز وقف الإقطاعات إلا إذا كانت الأرض مواتا أو كانت ملكاً للإمام فأقطعها الإمام رجلاً. (عالمگیری، كتاب الوقف، الباب الأول زكريا قديم ٢/ ٣٥٤، جديد٢/ ٣٤٨، البحرالرائق، كوئٹه٥/ ١٨٨، زكريا ٥/ ٣١٤، الدر مع الرد، مطلب في وقف الإقطاعات ، زكريا٦/ ٥٩٥، ٥٩٦، كراچی ٤/ ٣٩٣، الفقه الإسلامي وادلته، دارالفكر ١٠/ ٧٦١٣، هدیٰ انٹرنیشنل ديوبند٨/ ١٦٤، الموسوعة الفقهية الكويتية٦/ ٨٦، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت٣/ ٣١٢) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رصفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۲ھ

سرکاری زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سرکاری زمین میں مسلموں نے مسجد بنانا شروع کیا اور بعد میں غیر مسلموں نے رکاوٹ ڈال دی بالآخر معاملہ عدالت میں گیا ہے اور اب تک زیر بحث ہے، پھر ایک فریق نے اس زمین کے متصل ہی جگہ خرید کر مسجد بنالی اور آراضیٔ متنازعہ فیہ کا کچھ حصہ

بھی اس میں آ گیا تو اس صورت میں اس مسجد کا کیا حکم ہے، اس میں نماز پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اسمیں جو نمازیں پڑھی گئی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ پھر ایسی مسجد کی تعمیر کیلئے اعانت کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد ہاشم قاسمی، پرولیا، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب دوسری جگہ خرید کر مسجد بنائی گئی ہے، تو وہ شرعاً مسجد بن چکی ہے، اور اس میں نماز بھی بلا کراہت جائز ہے لیکن جو حصہ مسجد کی زمین نہیں ہے بلکہ سرکاری زمین ہے، تو جب تک اس زمین کی قیمت ادا نہ کردی جائے، یا سرکار سے اس کی اجازت حاصل نہ کی جائے گی اس وقت تک اس حصہ میں نماز مکروہ ہوتی رہے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۹۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۷۸، ۱۷۹)

بنیٰ مسجداً في أرض غصب لابأس بالصلاة فيه – إلیٰ – فالصلاة فيها مكروهة تحريماً. (شامی، الصلاة، مطلب فی الصلاة فی الأرض المغصوبة …… زکریا ۲/ ٤٥، کراچی ۱/ ۳۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸ر۷ ۲۹۹)

سرکاری زمین پر تعمیر مسجد

سوال: [۸۰۹٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سرکاری زمین ہے جسے سرکار نے جانوروں کی چراگاہ کے طور پر خالی چھوڑ رکھا ہے، قانونی طور پر خود سرکار بھی اس کو دوسرے کام میں استعمال مستقلاً کر نہیں سکتی ہے، تو کیا بلا اجازت اس زمین پر مسجد کا تعمیر کرنا درست ہوگا؟

المستفتي: محمد سردار، کٹک، اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سرکار کی اجازت کے بغیراس زمین میں مسجد بنانا جائز نہیں ہوگا، لٰہذا اس کے لئے اولاً اجازت حاصل کی جائے، اس کے بعد ہی مسجد کی تعمیر کا ارادہ کیا جائے۔

بنیٰ مسجداً علی سور المدینة لاینبغی أن یصلی فیه لأنه حق العامة فلم یخلص لله تعالیٰ کالمبنیٰ فی أرض مغصوبة ومدرسة السلیمانیة فی دمشق مبنیة فی أرض المرجة التی وقفها السلطان نورالدین الشهید علی أبناء السبیل بشهادة عامة أهل دمشق والوقف یثبت بالشهرة فتلک المدرسة خولف فی بنائها شرط وقف الأرض الذی هو کنص الشارع فالصلوٰة فیها مکروهة تحریماً فی قول وغیر صحیحة له فی قول آخر الخ. (شامی، الصلاة، مطلب فی الصلاة، فی الأرض المغصوبة …… زکریا ۲/۴۵، کراچی ۱/۳۸۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۲/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۲/۱۴۱۷ھ

حکومت کی اجازت کے بغیر سرکاری زمین میں تعمیر مسجد

سوال: [۸۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی زمین ایک جگہ صرف چار میٹر تھی، زید نے کچھ زمین سرکاری دبا کر اور سرکاری کرمچاریوں سے ملکر نقشہ بنوا کر مسجد تعمیر کروانا شروع کردی، اس دوران کچھ شرپسندوں نے شرپیدا کیا اور تعمیر مسجد کو زبردستی لکھوایا بعد میں زید سے صرف چار میٹر جو زید کی تھی، زید پر زور ڈال کر وقف کرالی، مسجد کی چوڑائی ۴۰ میٹر اور لمبائی ۳۰ میٹر ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین زید سے جو وقف کرائی ہے، وہ چار میٹر ہے باقی سرکاری ہے تو ایسی حالت میں اس مسجد میں نماز

ہوگی یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیں، عین نوازش ہوگی؟

نوٹ: اس زمین میں جو سرکاری زمین ہے، وہ وقف نہیں ہوئی ہے، اور نہ کوئی معاوضہ سرکار کو دیا گیا ہے، اور یہ سرکاری زمین وقف کرنے کا حق کس کو ہے؟

المستفتي: اشتیاق احمد، محلہ امام باڑہ، بہیڑی، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد بن چکی ہے، تو حکومت کی زمین کا حصہ حکومت سے اجازت حاصل کرنے کے بعد ہی مسجد شرعی کے حکم میں ہوگا، کسی ترکیب سے حکومت سے اجازت حاصل کرلینا ضروری ہے، ورنہ وہ حصہ مغصوبہ زمین کے حکم میں ہونے کی وجہ سے نماز مکروہ ہوگی، یا وقف شرعی نہ ہونے کی وجہ سے مسجد نہ ہوگی۔

كما استفاده من الشامي، و مدرسة السليمانية في دمشق......... والوقف يثبت با لشهرة فتلك المدرسة خولف في بناء ها شرط وقف الأرض الذى هو كنص الشارع فالصلوٰة فيها مكروهة تحريماً في قول وغير صحيحة في قول آخر الخ. (شامی، الصلاة، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة ...... زكريا ٢/ ٤٥، كراچی ١/ ٣٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍ ۹۲۱)

سرکاری افتادہ زمین پر مسجد بنانا

سوال: [۸۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری غیر مزروعہ افتادہ زمین پر مسجد بنانا ازروئے شرع درست ہے یا نہیں؟ اور اس صفت سے متصف مسجد میں نماز پڑھنے سے مسجد یا جماعت کا ثواب ملیگا یا نہیں؟

المستفتي: ابوالحسن، سیتا مڑھی،
مسجد صفہ، کلمبوی، نئی بمبئی، انڈیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : سرکاری غیر مزروعہ افتادہ زمین پر سرکار سے باقاعدہ اجازت لیکر مسجد بنانا درست ہے اور اگر بغیر اجازت بنالی ہے تو میونسپلٹی سے کسی طرح اجازت حاصل کرلیں اور اس مسجد میں نماز پڑھنے سے انشاء اللہ مسجد اور جماعت کا ثواب بھی ملیگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۱۹۶، ۱۹۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۷۸، ۱۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ؍صفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۱۷ھ

میونسپلٹی بورڈ کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال : [۸۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے تھوڑی زمین وقف کردی جس میں پانچ چھ سال کے بچے کی تعلیم اور پنجگانہ نماز ہوتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد ایم اے ایل سے مطالبہ کرنے پر ایم اے ایل نے تیس ہزار روپئے دئے پھر زمین وقف کرنے والے کی بغیر رضا مندی سرکاری زمین میں سرکار کی بغیر اجازت عمارت بنائی اور اس روپئے سے اینٹ سمنٹ خریدا اور سرکاری باغ سے لکڑی چوری کر کے بیچ رہے تھے، تو خرید کر اس عمارت کیلئے استعمال کیا تو اسمیں تعلیم اور پنجگانہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: ماسٹر عبد الحمید، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : اگر زمین میونسپلٹی بورڈ کی ہے اور میونسپلٹی کی اجازت کے بغیر اسمیں مسجد تعمیر کرلی گئی ہے، تو وہ مسجد مسجد شرعی ہے، لیکن اسمیں اس وقت تک نماز مکروہ رہے گی، جب تک کہ زمین کی قیمت میونسپلٹی کو ادا نہ کردی جائے، یا اجازت حاصل کرلی نہ جائے، اگر اجازت حاصل نہ کرسکے تو مسجد کو ختم کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ مسجد قیامت تک کیلئے

مسجد ہی رہے گی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۹۲، کفایت المفتی ۷/۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۸۰)

بنیٰ مسجداً في أرض غصب لا بأس بالصلاة فيه وفی الواقعات...... فالصلاة فيها مكروهة تحريماً فی قول. (شامی، الصلاة، مطلب فی الصلاة فی الأرض المغصوبة ...... زكريا ۲/۴۴، ۴۵، کراچی ۱/۳۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۳۲)

سرکاری زمین میں پر بلا اجازت دوکان بنا کر کرایہ مسجد میں استعمال کرنے کے کا حکم

سوال: [۸۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے سامنے ایک سرکاری زمین ہے، اور مسجد کی کمیٹی والے اس سرکاری زمین میں حکومت کی اجازت کے بغیر دوکانیں تعمیر کرا کر دوکانداروں سے کرایہ وصول کر رہے ہیں، اور وہ رقم مسجد کی تعمیر میں لگا رہے ہیں، نیز ضرورت کے پیش نظر وہ دوکانداروں سے پیشگی کرایہ وصول کر کے مسجد میں لگا دیتے ہیں، تو اس طرح بلا اجازت حکومت کی سرکاری زمین میں دوکان تعمیر کرانا اور ان کا دوکانوں کا کرایہ وصول کر کے مسجد میں لگانا شرعاً کیسا ہے؟ مفصل و مدلل جواب تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: مولانا ربیع الاسلام آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سرکار کی اجازت کے بغیر سرکاری زمین پر قبضہ کر کے دوکانیں تعمیر کر کے کرایہ پر دینا مسجد کے لئے ناجائز ہے اور اس کا پیسہ مسجد میں خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ مسجد کی ضروریات میں پاک صاف پیسہ خرچ کرنا لازم ہے، اور یہ پیسہ گھپلہ کا پیسہ

ہے؛ ہاں البتہ اگر میونسپلٹی نے مسجد کو اجازت دی ہو یا زمین کی قیمت ادا کر دی گئی ہو تو جائز ہے۔

قال رسول الله ﷺ : أيها الناس ! إن الله طيب ، لايقبل إلا طيباً . (مسلم شريف، باب قبول الصدقة ، من الكسب الطيب وتربيتها، النسخة الهنديه ۱/ ۳۲٦، بيت الافكار رقم: ۱۰۱۵، مسند أحمد ۲/ ۳۲۸، رقم: ۸۳۳)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه . (شرح المجلة ،رستم اتحاد ۱/ ٦۱، رقم المادة /۹٦)

أما لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره ؛ لأن الله لايقبل إلا الطيب ، فيكره تلويث بيته بما لايقبله . (شامی، زکريا مطلب في أحكام المسجد زكريا ۲/ ۴۳۱، كراچی ۱/ ٦۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۳٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۸٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ٦/ ۱۴۳٦ھ

سرکاری زمین یا شاہ راہ پر مسجد کے لئے بورنگ بنانا

سوال: [۸۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ
(۱) سرکاری زمین پر مسجد کے لئے یا اپنے گھر اور کارخانہ کے لئے بغیر سرکاری اجازت کے بورنگ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) سرکاری ہینڈ پائپ لگا ہوا ہے اس میں ہم لوگوں نے اپنی سہولت کے لئے میونسپل بورڈ چیرمین کی اجازت کے بغیر سمر سیبل لگالیا ہے، کیا اس سمر سیبل سے کسی بھی مسجد میں پانی لے جانے کی اجازت ہے؟

(۳) مسجد کی بورنگ یا اپنی ذاتی بورنگ عوامی راستہ پر (جو نگر پالیکا سے سمینٹڈ ہے) کر کے مسجد یا اپنے گھر میں پانی لے جایا جاتا ہے، اور راستہ کو بورنگ کرنے کے بعد اس کو بالکل درست پہلے جیسا کر دیا گیا ہے، مسجد کے اندر بورنگ کے لئے جگہ بھی نہیں ہے،

سوال یہ ہے کہ اس طرح عوامی راستہ پر جو مسجد کی ملکیت نہیں ہے، مسجد کے لئے بغیر چیرمین کی اجازت کے بورنگ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: مجیب الرحمٰن، جامعہ عربیہ، گوری نوادہ سمدھن، قنوج، فروخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سرکاری زمین سے کون سی زمین مراد ہے، اس کو واضح کرنا چاہئے تھا، بہرحال اگر سرکاری زمین سے راستہ، سڑک، گلی وغیرہ مراد ہے جو میونسپلٹی کے زیرتحت ہوتی ہیں، اس میں مسجد یا کسی کے گھر یا کارخانہ کے واسطہ بورنگ کیا جارہا ہے، اوراس سے سرکار کو کوئی نقصان نہیں ہے، اور نہ ہی راستہ چلنے والوں کو کوئی پریشانی ہے، اور سرکاری راستوں اور گلیوں میں عوام کا ذاتی بورنگ کرنے کا تعامل ہے، اس میں سرکار کی طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں مسجد کے لئے بورنگ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اوراس پانی سے طہارت حاصل کرنے اور وضو کرنے میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے۔

(۲) سرکاری ہینڈ پائپ عوام کے پانی حاصل کرنے کے لئے لگائے جاتے ہیں، جن سے عام طور پر غریب لوگ اپنی ضرویات پوری کرتے ہیں، اور سرکار کی طرف سے کسی کے لئے بھی کسی طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے، کوئی بھی وہاں سے پانی حاصل کرسکتا ہے؛ لہٰذا اگر ہینڈ پائپ میں مسجد تک پانی پہنچانے کے لئے موٹر لگا دیا جائے، اور عام لوگوں کو اس موٹر کی وجہ سے پانی حاصل کرنے میں کسی قسم کی دشواری اور پریشانی نہ ہو، تو مسجد کے لئے موٹر کے ذریعہ پانی حاصل کرنا جائز ہے، اور اگر عام لوگوں کو ہر وقت پانی حاصل کرنے میں دشواری اور پریشانی لاحق نہیں ہے، تو مسجد کی طرف سے اس میں موٹر لگانا جائز نہ ہوگا، اور سائل نے ہینڈ پائپ میں سمرسیبل لگانے کی جو بات کہی ہے، وہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، ہاں البتہ موٹر لگانے کی بات ہم نے لکھ دی ہے۔

(۳) تیسرے سوال کا جواب نمبر ۱ میں گذر چکا ہے کہ عوامی راستہ میں بورنگ کرنے کی صورت میں اگر چلنے والوں کو پریشانی نہیں ہوتی ہے، تو اس میں مسجد کے واسطے بورنگ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

إذا بنیٰ قوم مسجداً واحتاجوا إلیٰ مکان لیتسع فأدخلوا شیئا من الطریق لیتسع المسجد وکان ذلک لایضر بأصحاب الطریق جاز ذلک .

(البحرالرائق، کتاب الوقف، جدید زکریا ۵/۴۲۸، کوئٹہ ۵/۲۵۶، مثله فی الهندیة، کتاب الوقف جدید زکریا دیوبند ۲/۴۱۰، قدیم ۲/۴۵۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رمحرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۸۵۵/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۱/۱۴۳۶ھ

غیر مسلم سے پٹہ کی زمین ٹھیکہ پر لیکر مسجد و مدرسہ بنانا

سوال: [۸۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صوبہ مغربی بنگال کے ضلع بیربھوم میں تلے ڈانگال کے نام سے ایک گاؤں ہے اس گاؤں کے قریب کھیتی باڑی کیلئے ہندو اور مسلمان دونوں مذہب کے لوگوں کی کافی زمین ہے، اسی زمین کے پاس ایک غیر مسلم ہندو ڈوم کے نام پر آدھا بیگہ زمین سرکار نے پٹہ میں کردی ہے، اس پٹہ والی زمین کی حیثیت یہ ہے کہ کبھی بھی وہ زمین کسی کے نام پر رجسٹری نہیں ہوسکتی ہے، اور نہ کوئی آدمی اس زمین کا مالک بن سکتا ہے، اور نہ کوئی کسی کے نام پر ریکارڈ کرواسکتا ہے، اور نہ وہ زمین کسی دینی مدرسہ یا مسجد کیلئے وقف ہوسکتی ہے، بلکہ ہمیشہ اس زمین کی اصل مالک سرکار ہی رہے گی، تو کیا کوئی اپنا مسلمان بھائی پندرہ بیس ہزار روپئے دے کر غیر مسلم ڈوم کے نام کی زمین کو ۱۰۰ ر سال کیلئے ٹھیکہ پر لیکر اس زمین میں دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کی تعمیر کرائے تو شریعت کے لحاظ سے جائز اور درست ہے یا نہیں؟ جبکہ اس زمین کے بازو میں اپنے مسلم بھائیوں کی رجسٹری والی

اور وقف کے قابل والی زمین موجود ہے، ممکن ہے کہ ان میں سے کسی مسلم بھائی سے دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کیلئے مانگے جانے پر کوئی بھی خدا کا بندہ زمین وقف بھی کرسکتا ہے، یا بصورت دیگر کسی بھی مسلم بھائی سے زمین خرید کراس کو دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کیلئے وقف کروادیا جائے، جو رجسٹری اور وقف کے قابل ہوتو غورطلب بات یہ ہے کہ کیا کرنا چاہئے، کہ غیر مسلم سے پٹہ والی وہ زمین جس کا کوئی آدمی کبھی بھی مالک نہیں بن سکے گا، اور جس کی رجسٹری بھی نہیں ہوسکتی، اور وقف بھی نہیں ہوسکتی، ایسی زمین پندرہ بیس ہزارروپیہ دے کراس کو لے لیا جائے، اوراس میں دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کی تعمیر کی جائے یا کسی اپنے مسلم بھائی سے رجسٹری اوروقف کے قابل زمین خرید کراس زمین میں دینی مدرسہ یا مسجد شرعی کی تعمیر کرائیں، جائز ہے یا ناجائز صحیح اور درست شریعت میں کیا ہے؟

المستفتی: محمدزین العادین القاسمی،
جامعہ اسلامیہ، دارالعلوم صدائی پور،
رحمت اللہ اسلام، بیربھوم، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد شرعی کے تحقق کیلئے ضروری ہے کہ مسجد کی جگہ ہمیشہ کیلئے مسجد کے نام پر وقف ہواور قیامت تک اس کا کوئی انسان مالک نہ ہواور سوسال کا پٹہ خود ہی بتارہا ہے، کہ سوسال کے بعد وہ مسجد غیروں کی ملکیت میں جاسکتی ہے، اسلئے اس جگہ پر شرعی مسجد نہیں بن سکتی، لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت میں ضروری ہے کہ مسجد اور مدرسہ کے نام سے مستقل طور پر زمین حاصل کرکے اس پر مسجد اور مدرسہ بنایا جائے، مذکورہ غیر مسلم سے پٹہ کی زمین ٹھیکہ پر حاصل کرکے اس پر مسجد اور مدرسہ نہ بنایا جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۴۲، جدیدزکریا مطول ۱۰/۳۵۰)

رجل له ساحة لا بناء فيها أمر قوماً أن يصلوا فيها بجماعة فهذا

علی ثلاثة أوجه إن أمرهم بالصلوٰة فیها أبداً نصا بأن قال صلوا فیها أبداً أو أمرهم بالصلوٰة مطلقاً ونوی الأبد ففی هذین الوجهین صارت الساحة مسجداً لومات لایورث عنه وإما أن وقّت الأمر بالیوم أو الشهر أو السنة ففی هذا الوجه لاتصیر الساحة مسجداً لومات یورث عنه. (هندیه، الوقف، الباب الحادی عشر، فی المسجد وما یتعلق به زکریا قدیم ۲/ ۴۵۵، جدید ۲/ ۴۰۹، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/ ۱۲۵، رقم: ۱۱۳۳۸، الفتاویٰ التاتار خانیة زکریا۸/ ۱۵۷، رقم: ۱۱۴۹۹)

ولو خرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجداً عند الإمام والثانی إلیٰ قیام الساعة وبه یفتیٰ. (شامی الوقف، مطلب فیما لوخرب المسجد أوغیره ،زکریا ۶/ ۵۴۸، کراچی ۴/ ۳۵۸، مجمع الانهر، دارالکتب العلمیة بیروت۲/ ۵۹۵، مصری قدیم ۱/ ۷۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۵ھ

سماج کی آراضی پر مسجد بنانا

سوال: [۸۱۰۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سماج کی آراضی مسلمانوں کے محلّہ میں ہے، اور مسلمانوں نے ہی اس پر قبضہ کررکھا ہے، جبکہ آراضی کا مالک بھی سماج ہی ہے، مسلمان بالاتفاق اس مذکورہ آراضی پر مسجد تعمیر کرانا چاہتے ہیں، مسجد بنانا کیسا ہے؟ ہندؤں کے محلّہ میں جوسماج کی آراضی ہیں ان پر بھی وہی لوگ قابض ہیں، اوراپنے اپنے طور پر استعمال کرتے ہیں، جبکہ مالک سماج ہی ہوتا ہے، اور مسلمانوں کے استعمال سے آج تک ہندؤں کو کوئی اعتراض نہیں ہوا ہے، مسلمان اکثریت میں ہیں اور ہندو اقلیت میں ہیں؟

المستفتي: الحاج نیتا سخاوت حسین
انصاری، شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سماج کی جگہ پر مسجد بنانے سے پہلے محلّہ میں رہنے والوں سے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان اجازت لے لینی چاہئے، اور باقاعدہ حکومت کے ذمہ داروں سے بھی اس جگہ مسجد بنانے کی تحریری اجازت حاصل کر لینی چاہئے، مثلاً گاؤں کے پردھان اس کی تحریر دیدیں اور اس پر مہر ثبت کردیں اور حکومت کی طرف سے پردھان اور پٹواری کو اس کی اجازت دینے کا اختیار ہے، تو ان کی تحریری اجازت کے ذریعہ مسجد بنانا درست ہے۔

وأما إذا وقف السلطان من بيت المال أرضا للمصلحة العامة فذكر في الخانية جوازه. (شامی، الوقف مطلب للسلطان مخالفة الشرط إذا كان الوقف من بيت المال زكريا٦/ ٦٥٤، كراچی ٤/ ٤٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۰۳/۳۸)

دوسرے کی زمین میں بلا اجازت مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں گردھر پور ضلع بستی میں زید نے ایک مسجد بنائی اور جس زمین پر مسجد تعمیر کی گئی وہ خالد و بکر کی تھی، بکر اس زمین کو دینے پر راضی تھا، اور خالد راضی نہیں تھا، چنانچہ مسجد تعمیر ہوگئی اور عرصہ دراز سے مسجد میں نماز بھی پڑھی جاتی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ مسجد کو باقی رکھا جائے، یا دوسری مسجد بنائی جائے، اس مسجد کی تعمیر میں کچھ اینٹ بھٹے والے سے ادھار لی گئی تھیں، ان کی قیمت بھی نہیں ادا کی گئی، تو کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: منجانب: باشندگان بستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اب جب اس زمین پر مسجد بن گئی تو وہ قیامت تک کیلئے مسجد ہی رہے گی، مگر اس میں نماز پڑھنا اس وقت تک مکروہ رہیگا، جب تک خالد کو راضی نہ کرلیا جائے یا اس کے حصہ کی قیمت ادا نہ کردی جائے، نیز بھٹے والے کی اینٹ کی قیمت ادا کرنا بھی لازم ہوگا، اگر فوری ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے تو ان حقداروں سے ان کی مرضی کے مطابق مہلت لینا لازم ہے، ورنہ ذمہ داران مسجد گنہگار رہوں گے، اور اس مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہوگا، جب خالد اور بھٹے والے کا حق ادا ہوجائیگا تو نماز بلاکراہت درست ہوتی رہے گی، اور مسجد کا ثواب بھی ملتا رہے گا۔

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه الخ. (قواعد الفقه، اشرفی /١١٠، رقم: ٢٧٠، شرح المجلة رستم مکتبه اتحاد ٦١/١، رقم المادة: ٩٦، الموسوعة الفقهية الكويتية٢٨ ٣٩٦)

لو غصب ساجة أی خشبة وأدخلها فی بنائه فإن كانت قيمة البناء أكثر يملكها صاحبه بالقيمة (قوله) لو غصب أرضا فبنیٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن لهٗ قيمتها الخ. (الاشباه قديم: ١٤٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٨/ ذی الحجہ ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٥٠٥٩)

○□❖□○

۱۷/ الفصل السابع عشر: مسجد میں سرکاری امداد کا حکم

گرام سماج کی زمین مسجد کی ملک ہوگی یا قابض کی؟

سوال: [۸۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بلرام گنج بازار والی مسجد سے متصل (اتر جانب) گرام سماج کی زمین ہے، جس کو مسجد کی کمیٹی مسجد کی زمین بتارہی ہے، اور کہہ رہی ہے کہ آپ کی زمین نہیں ہے، جبکہ وہ زمین میرے گھر اور دوکان کا واحد صحن ہے، اگر اسے گرام سماج ہی کی زمین مان لی جائے تو کیا مسجد کی کمیٹی کا اس میں تصرف کرنا جائز ہوگا؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، بلرام گنج، اعظم گڈھ یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسجد کے پاس زمین کے کاغذات ہیں، اور کاغذات میں مذکورہ زمین بھی شامل ہے، تو وہ زمین مسجد کی ملکیت ہے آپ کو وہ زمین خالی کر کے مسجد کے حوالہ کردینا چاہئے اور اگر آپ کے پاس اس زمین کے کاغذات ہیں، اور مسجد کے پاس نہیں ہیں، تو وہ آپ کی زمین ہے اور اگر آپ میں سے کسی کے پاس کاغذات نہیں ہیں، بلکہ گرام سماج کے پاس کاغذات ہیں، تو وہ زمین گرام سماج کی ہے، لہٰذا نہ مسجد اسپر قبضہ کرسکتی ہے، اور نہ ہی آپ کو اسپر قبضہ کرنے کا حق ہے البتہ گرام سماج تحریری طور پر جس کو اجازت دیدے وہ اسپر قبضہ کرسکتا ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ جب قبضہ ۳۳/ سال یا ۳۶/ سال سے زیادہ کا نہ ہو بلکہ اس سے کم عرصہ سے چلا آرہا ہو، لیکن اگر ۳۶/ سال سے زیادہ عرصہ سے قبضہ چلا آرہا ہے اور گرام سماج کی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں ہوا ہے، تو ایسی صورت میں جس کا قبضہ ہے، اسی کی زمین شمار ہوگی۔

ثم اعلم أنه نقل العلامة ابن الغرس في الفواكه البدرية عن المبسوط: إذا ترك الدعویٰ ثلاثا وثلاثين سنة ولم يكن مانع من

الدعویٰ ثم ادعی لاتسمع دعواہ لأن ترک الدعویٰ مع التمکن یدل علی عدم الحق ظاهراً و مثله فی البحر وفی جامع الفتاویٰ وقال المتأخرون من أهل الفتویٰ : لاتسمع الدعویٰ بعد ست ثلاثین سنة.
(شامی ، کتاب الخنثیٰ زکریا ۱۰/ ۴٦۸، کراچی ٦/ ۷٤۱، کتاب القضاء ، مطلب إذا ترك الدعویٰ ثلاث وثلاثین سنة لاتسمع زکریا۸/ ۱۱۷، کراچی ٥/ ٤۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۱۰/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱٦۷۸/۴۱)

ودھا یکی کوٹہ کی رقم مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم ودھا یک کا پیسہ جو ودھا یکی کوٹہ سے ہے، اس کو ذاتی مسجد میں یا مسجد کی چہار دیواری پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟ بینوا توجروا

المستفتي: محمد شاہد رضا، رانی کھیت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کا پیسہ مدرسہ یا مسجد میں لگانا جائز ہے، اسی طرح ودھا یکی کوٹہ کا پیسہ لگانا بھی جائز ہے، ہاں البتہ اکابر سرکاری پیسہ مدارس میں لگانے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، مگر جواز کی بات اپنی جگہ باقی ہے۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۲۲/ ۲۲، امداد الفتاویٰ ۲/ ٦٦۴)

ولو أن ذمیا أوصیٰ بأن یشتری بثلث ماله رقابا...... أو یبنی به مسجد للمسلین إن کان ذلک لقوم بأعیانهم صحت الوصیة. (هندیه ، الباب الثامن فی وصیة الذمی والحربي ، زکریا قدیم ٦/ ۱۳۱، ۱۳۲، جدید٦/ ۱٥۲)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر مسجداً بناه كافر أو أوصي ببنائه ترميمه إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني أوسياسي الخ. (تفسیر مراغی ٧٤/٤، بحواله محمودیه میرٹھ ١٢٣/٢٢)

لو وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، الوقف، زكريا ٣١٦/٥، كوئٹه ١٩٠/٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٥٦٨/٢، مصری قدیم ٧٣١/١، بدائع الصنائع زكريا ٤٣٩/٦، کراچی ٣٤١/٧، شامی، زكريا ٥٢٤/٦، کراچی ٣٤١/٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شوال ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۵۱۱/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۰/۲۸ھ

گرام سبھا کی زمین فروخت کرکے قیمت مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری بستی میں چار مسجدیں ہیں، اور چاروں ہی زیر تعمیر ہیں، اور سخت ضرورتمند ہیں، ایک محلّہ میں پردھان بھی ہیں، انھوں نے معلوم کیا اگر گرام سبھا کی زمین ہم فروخت کرکے اپنے محلّہ کی مسجد میں لگالیں اور اس رقم سے مسجد تعمیر کرالیں کیا یہ درست ہے، بستی میں کچھ غیر مسلم بھی آباد ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ایسا کرنے میں خلاف قانون یا مسلم وغیر مسلم میں اختلاف کا سبب نہ ہو، تو گنجائش ہے، اسلئے کہ گرام سبھا کی زمین میں ہندو مسلم سب کا تعلق ہوتا ہے، اور مسجد صرف مسلم دھرم سے متعلق ہے، لہٰذا گرام سبھا کی زمین فروخت کرکے قیمت کو مسجد میں لگانے میں پردھان کی اجازت کے ساتھ ساتھ وہاں کے غیر مسلم کی طرف

سے رکاوٹ نہ ہونا بھی لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۱۸۸، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۱۳، فتاویٰ احیاء العلوم ۱/۳۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۳/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹۴۳/۳۱)

MP یا MLA کو ملنے والے حکومتی فنڈ کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت کی طرف سے MLA اور MP کو ایسا فنڈ ملتا ہے، جسکو اپنی مرضی سے کسی جگہ بھی خرچ کرسکتا ہے، اور وہ اپنی خوشی سے مسجد اور مدرسہ کے تعمیری کام میں دے تو لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

یا اس کام کیلئے بوقت ضرورت مانگا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ کیونکہ جب تک اسکے علم میں نہ دیا جائے اسکو ہماری ضرورت کا علم کیسے ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ مدرسہ کا رجسٹرڈ کرایا جاسکتا ہے یا نہیں، تاکہ حکومت میں یہ ریکارڈ رہے کہ یہاں مدرسہ اتنے دنوں سے قائم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد وسیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر ایم پی یا ایم ایل اے قربت وثواب کی نیت سے اپنی خوشی سے یا بوقت ضرورت طلب کرنے پر ذکر کردہ فنڈ سے مسجد یا مدرسہ میں کچھ رقم دے تو اسے لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر اس طرح کی رقم دے کر وہ مدرسہ وغیرہ میں اپنے اختیارات جمانا چاہتے ہوں، اور اسکے عمل میں دخیل ہونا چاہتے ہوں، تو نہ لیا جائے۔ (مستفاد: محمودیہ جدید ۱۵/ ۶۲۱، کتاب الفتاویٰ ۴/ ۲۰۹)

اختلف الناس فی أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: یجوز مالم یعلم أنه یعطیه من حرام، قال محمد؛ وبه نأخذ مالم نعرف شیئاً حراماً بعینه

، **وهو قول أبي حنيفة وأصحابه.** (هنديه، الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا قديم ٥/٣٤٢، جديد ٥/٣٩٦)

درء المفاسد أولىٰ من جلب المنافع؛ أي إذا تعارض مفسدة ومصلحة قدم رفع المفسدة. (شرح المجلة رستم، مكتبه اتحاد ديوبند ١/٣٢، رقم: ٣٠، قواعد الفقه، اشرفی /٨١، رقم: ١٣٣)

(۲) مدارس وغیرہ کا رجسٹریشن کرانا بلاشبہ جائز ہے، اسی لئے ہمارے اکابر نے اداروں اور انکے دستور اساسی کا عصر حاضر کے قوانین کے تحت رجسٹریشن کرایا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۲ھ

غیر مسلم MP یا MLA کا سرکاری رقم مسجد میں دینا

سوال: [۸۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر کوئی غیر مسلم ایم ایل اے یا ایم پی سرکاری رقم میں سے مسجد کی تعمیری کاموں کیلئے دے یا عیدگاہ اور قبرستان کیلئے دے تو کیا شرعاً ان کی یہ رقم لی جاسکتی ہے؟

(۲) نیز اگر غیر مسلم حضرات اپنی ذاتی رقم میں سے دیں تو کیا لے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمادیں؟

المستفتي: مولوی سلیم الدین، محلّہ کچا قلعہ نزد پالو بی بی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) ایم پی ایم ایل اے کو رفاہ عام کیلئے منجانب سرکار جو رقم ملتی ہے، اگر اس رقم میں سے مسلم یا غیر مسلم ایم پی یا ایم ایل اے تعمیر مسجد یا عیدگاہ یا قبرستان کیلئے کچھ پیسے دیدے تو اس کا مسجد عیدگاہ وقبرستان میں خرچ کرنا جائز اور درست

ہے، لیکن شرط ہے کہ سرکار کی طرف سے یا غیر مسلموں کی طرف سے احسان جتانے کی کوئی بات پیش نہ آئے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۹ امداد المفتیین / ۱۰۱۹)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس. (شامی، الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة زكريا ٦/ ٥٢٤، كراچی ٤/ ٣٤١، البحرالرائق، زكريا ٥/ ٣١٦، كوئٹه ٥/ ١٩٠)

(۲) جو غیر مسلم کار خیر سمجھ کر اپنی ذاتی رقم مسجد یا مدرسہ کی تعمیر یا ضروریات میں خرچ کرنے کیلئے دیں، تو اسکو لیکر مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنا بلاتر دد جائز ہے، اسمیں بھی شرط یہ ہے کہ غیر مسلم کی طرف سے آئندہ احسان جتانے کی بات پیش نہ آئے، اور نہ ہی یہ خطرہ ہو کہ ان کی عبادت گاہوں پر خرچ کرنے کے لئے مسلمانوں پر دباؤ کی شکل پیش آجائے گی (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۸۷، عزیز الفتاویٰ/ ۵۹۹)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس. (شامی ، الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة ، زكريا ٦/ ٥٢٤، كراچی ٤/ ٣٤١، مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٦٨، مصری قديم ١/ ٧٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۵ / ربیع الاول ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۰۶/۳۷)	۱۴۲۵/۳/۲۶ھ

مسلم پردھان کا پنچایت کی زمین پر لگے سوکھے درخت کی قیمت مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے پردھان مسلم ہیں، پنچایت کی زمین پر سوکھے پیڑ کھڑے ہیں کیا پردھان ان کو

کٹوا کر مسجد یا مدرسہ میں لگوا سکتے ہیں، جبکہ گاؤں کے باشندے کچھ غیر مسلم بھی ہیں، اگر غیر مسلم اعتراض کریں اور یہ شرط رکھیں کہ ہماری دھرم شالہ مندر وغیرہ میں بھی دیں کیا یہ اعتراض ان کا بجا ہے، یا پردھان کا حق ہے وہ چاہے جہاں لگائے شرعاً جو فیصلہ ہو بیان فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گرام سماج کی زمین دراصل سرکار کی ملکیت ہوتی ہے، اگر سرکار نے پردھان کو پورا اختیار دے رکھا ہے، کہ جہاں مناسب سمجھے اور جہاں ضرورت سمجھے وہاں پر اس زمین کی آمدنی خرچ کرے تو پردھان کو اختیار ہے کہ ان پیڑوں کو کٹوا کر اسکا پیسہ مسجدوں اور مدرسوں میں لگائے اور اگر اجتماعیت کو باقی رکھنے کیلئے مندروں کیلئے بھی پیسے دیدے تو پردھان کو اسکا اختیار ہے۔

قال الشامي، تحت قول المصنف، ليس للمشرف التصرف...... ومقتضاه أنه لو تعورف تصرفه مع المتولي اعتبر. (شامی، الوقف، مطلب لیس للمشرف التصرف زکریا٦/٦٨٣، کراچی ٤/٤٥٨)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (شامی، الوقف، مطلب فی التعامل والعرف زکریا ٦/٥٥٦، کراچی ٤/٣٦٤، قواعد الفقه اشرفی/٧٤، رقم: ١٠١، المبسوط، دارالکتب العلمية بيروت١٩/ ٤١، ٣٠/ ٢٢٠، البنايه، اشرفيه ديوبند٩/ ٢٣٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/ ٢٦١، ٣٠/ ٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۰۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۶ھ

مسجد میں سرکار کی بجلی استعمال کرنا

سوال: [۸۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک

صاحب نے ہمارے محلّہ کی مسجد میں بتیاں لگانے کے لئے مقامی کاؤنسلر سے بات کی ہے کہ سرکار/کارپوریشن کی بجلی لائن سے مسجد میں بتیاں روشن کی جائیں جبکہ مسجد اپنے اخراجات کے معاملہ میں خودکفیل ہے مسجد میں پنکھے اور بتیوں کا معقول انتظام ہے، ایسی حالت میں کاؤنسلر کی مدد سے کارپوریشن/سرکار کی بجلی لائن میں مسجد میں اضافی بتیاں روشن کرنا مناسب وجائز ہے؟ مسجد میں کاؤنسلر کے ذریعہ جو اضافی روشنی کا بندوبست کیا جارہا ہے، اس اضافی روشنی کے بل کا بوجھ مسجد کے ذمہ نہ ہوگا؟

المستفتي: محمد سلیم، کولوٹولہ، اسٹریٹ، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرکاری بجلی سرکار کی اجازت کے بغیر مسجد میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر سرکار کی طرف سے باضابطہ طور پر استعمال کی اجازت مل جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور آپ کے یہاں کا معاملہ کیسا ہے؟ آپ کو خود معلوم ہوگا۔

عن أبی حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفسه منه. (السنن الکبریٰ للبیقهی، الغصب، قبیل باب من غصب جاریة فباعها ثم جاء رب الجاریة، دارالفکر ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷٤۰)

لایجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي. (شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال زکریا ٦/١٠٦، کراچی ٤/٦١، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۷/۳٥٤، قواعد الفقه اشرفی/۱۱۰، رقم: ۲٦۹)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه أوولایة علیه وإن فعل کان ضامناً. (شرح المجلة رستم، مکتبه اتحاد ۱/٦۱، رقم المادة: ۹٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۲/۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۷ھ

حکومت کا مسجد کا بجلی بل معاف کرنا

سوال: [۸۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سابق تیسرے نمبر پر مسجد کے متولی نے بجلی کا بل نہیں جمع کیا وجہ یہ ہوئی کہ جتنا روپیہ ہونا چاہئے تھا اتنا روپیہ مسجد کے بیلنس میں نہیں تھا، بعد میں سابق متولی صاحب کے صاحبزادے متولی مسجد ہو گئے لگ بھگ ۵/سال تک متولی رہے، انھوں نے بھی اپنے وقت میں بجلی کا بل نہیں ادا کیا بجلی کا بل لگ بھگ ۶/ ہزار کا تھا، ان کے پاس مسجد کا بیلنس لگ بھگ ۳/ ہزار تھا اب موجودہ متولی کو پچھلا بھی اور اگلا بھی بجلی کا بل جمع کرنا ہے، جبکہ مسجد کے پاس کل رقم ۴/ ہزار کے قریب ہے، اور مسجد کی آمدنی ہر ماہ لگ بھگ ۵۰۰/سو روپیہ ہونی چاہئے دو کانوں کے کرایہ سے، لیکن پچھلے سات سال سے دو کانوں کا کرایہ نہیں وصولا گیا موجودہ متولی نے کوشش کر کے پچھلا باقی کرایہ وصول کیا لیکن برآمد کی ہوئی آمدنی میں اتنی رقم نہیں ہے جس سے مسجد کا بل ادا ہو سکے، ایک صاحب نے کہا میں آدھا بل بجلی کمپنی سے معاف کرا دوں گا تو کیا مسجد کا آدھا بل بجلی کمپنی سے معاف ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مدلل و مفصل تحریر کیجئے، بجلی کمپنی کے جو بابو ہیں، انھوں نے کہا ہم لوگ آدھا لیکر ختم کروا دیں گے؟

المستفتي: عبید اللہ خان، بختیارن نگری، محلّہ مولوی گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بجلی کمپنی کے افسران کو حکومت کی طرف سے معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، تو کمپنی کی طرف سے معاف کرنے سے معاف ہو جائیگا، اور مسجد پر کوئی حق باقی نہیں رہیگا۔

رجل له علی رجل ألف درهم (إلیٰ قوله) یقول حططت عنک خمس مائة علی أن تنقدلی خمس مائة، ولم یوقت لذلک وقتا ففی هذا الوجه إذا قبل الغریم بذلک برئ عن خمس مائة الخ. (قاضی خان، کتاب

الصلح ، فصل في الإبراء عن البعض ...... زكريا جديد ۳/ ۵۵، وعلى هامش الهندية ۳/ ۹۰)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۲۷۲)

مسجد کے بیت الخلاء میں MLA کے کوٹے کا پیسہ لگانا

سوال: [۸۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسجد کا قدیم دروازہ ہے اس کے باہر روڈ تک جگہ کچھ خالی پڑی ہے، جس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہیں ہے، اس جگہ میں بیت الخلاء پیشاب خانے اور غسل خانے بنانے کا ارادہ ہے، جس کی ضرورت بھی بہت زیادہ ہے، تو غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس کے خرچ میں ودھایک ندی یعنی علاقہ کے ایم ایل اے کے کوٹے کا سرکاری پیسہ لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: راکین کمیٹی بڑی مسجد مرکز والی، رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اصل یہ ہے کہ جو چیز جس غرض سے دی گئی ہے، اسے اسی مصرف میں خرچ کیا جائے، لہٰذا سوال میں مذکورہ مسجد کے دروازہ کے باہر روڈ تک کا حصہ اگر مسجد ومصلیان کی ضروریات بیت الخلاء وغیرہ کیلئے چھوڑا گیا تھا، تو اس میں بیت الخلاء پیشاب خانے وغیرہ بنانا درست ہے، اور ان چیزوں کی تعمیر میں ایم ایل اے کے سرکاری کوٹے کا پیسہ لگانا درست ہے۔

ومصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم ...... مصالحنا كسد ثغور وبناء قنطرة وجسر وكفاية العلماء وكذا النفقة على المساجد كما في زكاة الخانية فيدخل فيه الصرف على إقامة شعائرها من وظائف الإمامة والأذان ونحوهما. (شامي، كتاب الجهاد، باب العشر

والخراج والجزية، مطلب في مصارف بيت المال زكريا ٦/٣٤٨، ٣٤٩، كراچی ٤/٢١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۰۴۷)

مسجدوں کے لئے سرکاری سولر لائٹ لینے کا حکم

سوال: [۸۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حکومت کی طرف سے مسجدوں کے لئے سورج سے چارج ہونے والی لائٹیں دی گئی ہیں، کیا مسجدوں میں حکومت کی طرف سے پیش کردہ ایسی چیزوں کا استعمال جائز ہے؟

المستفتي: محمد مسلم عابدی، معصوم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر مسلم سرکاری تعاون مسجد کے لئے حاصل کرنا جائز اور درست ہے، لہٰذا مسجد کی روشنی کے لئے سورج سے چارج ہونے والی لائٹ کا استعمال کرنا بھی شرعاً جائز اور درست ہوگا۔

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحر الرائق، كتاب الوقف، زكريا ٥/٣١٦، كوئٹه ٥/١٨٩، مجمع الأنهر جديد، مكتبه فقيه الأمت ٢/٥٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر المظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۳ھ

مسجد میں چوری کی بجلی کے استعمال کا حکم

سوال: [۸۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

دیہات کی اکثر مساجد میں بغیر کنکشن کے بجلی استعمال کی جارہی ہے، یہاں تک کہ موٹر کے ذریعہ پانی کی ٹنکی بھی بھری جاتی ہے، اوراس پانی کا استعمال وضواور غسل وغیرہ کے لئے کیاجاتا ہے، جبکہ حکومت کی طرف سے بغیر کنکشن کے مسجد میں بجلی جلانا ممنوع ہے کیا ایسے پانی سے وضواور غسل وغیرہ کرنا درست ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب سے آگاہ فرمائیں؟ ممنون ومشکور رہوں گا؟

المستفتي: محمد مسلم عابدی، معصوم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: حکومت کی طرف سے کنکشن لگائے بغیر چوری کے کنکشن سے مسجد میں ٹنکی وغیرہ بھرنا فی نفسہ یہ عمل ناجائز ہے، اوراس کا گناہ ذمہ دار مسجد پر ہوگا، مگراس سے جو پانی حاصل کیا گیا ہے، وہ بہر حال پاک اور جائز ہے اس سے وضو غسل وغیرہ سب جائز ہے، اوراس پانی سے وضو کر کے جونمازیں پڑھی گئی ہیں، وہ سب جائز ہیں، بس ناجائز بجلی کے حاصل کرنے کے گناہ کا وبال ذمہ داروں پر ہوگا نمازیوں پراس کا اثر نہیں پڑے گا۔

لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته . (شامی، الغصب، فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح، زكريا ۹/ ۲۹۱، كراچی ٦/ ۲۰۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۲۹٦، شرح المجلة رستم، اتحاد ۱/ ٦۱، رقم المادة: ۹٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفرالمظفر ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۲/۱۳ھ

۱۸/ الفصل الثامن عشر: دوسرے کی زمین میں مسجد کی تعمیر

غیر کی زمین میں مسجد کا دروازہ کھولنا

سوال: [۸۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو بھائیوں کی آراضی مسجد کے سامنے افتادہ ہے، دونوں بھائیوں نے آپس میں تقسیم کرلی اس میں سے ایک بھائی نے اپنا حصہ مسجد کو دیدیا مسجد والوں نے مسجد کی توسیع کیلئے تعمیر شروع کی تو یہ آراضی افتادہ جو کہ مسجد میں دیدی تھی، اس کو مسجد میں شامل کرکے دروازہ مسجد کا اس آراضی کی جانب لگالیا جو مسجد میں نہیں دی گئی تھی، اور وہ آراضی دوسرے بھائی کے حصے میں تھی، وہ مسجد میں نہیں دینا چاہتا ہے، اس صورت میں مسجد کا دروازہ اس اراضی کی جانب لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالسلام، سلیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص اپنی زمین بخوشی مسجد کو نہیں دیتا ہے، اس کی بغیر رضامندی کے اس کی زمین کی طرف مسجد کا دروازہ کھول کر اس کی زمین کو اہل مسجد کے لئے گذرگاہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۳۵)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملک الغير بغير إذنه الخ. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند/ ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۶۲/۲۵)

متنازعہ جگہ پر مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کا

ایک پلاٹ آراضی فریق نمبر ایک اور فریق نمبر دوم کا خالی پڑا ہوا تھا، اسمیں آدھا حصہ فریق دویم سے مسجد کمیٹی نے خریدلیا، ابھی اس جگہ کا بٹوارہ نہیں ہوا تھا، کمیٹی مسجد نے اس جگہ کے کچھ حصہ میں ٹین شیٹ ڈال کر نماز پڑھنی چاہی، تو فریق اول نے عذر کیا کہ اس میں آدھا حصہ ہمارا ہے، تو کمیٹی مسجد نے کہا کہ فی الحال ہم کچھ بنا نہیں رہے ہیں، بلکہ صرف ٹین ڈال کر نماز ادا کرنا چاہتے ہیں؟

فریق اول نے اس شرط پر کہ بلاکسی کھدان کے مٹی سے اینٹ کی چھ فٹی دیوار پر ٹین ڈال کر نماز پڑھ لو بٹوارہ ہونے پر آپ اپنے حصہ میں مسجد تعمیر کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں، نیز بعد کچھ عرصہ گذر جانے کے فریق اول نے مسجد کمیٹی سے کہا کہ آپ اس پلاٹ کا بٹوارہ کرلیں تو مسجد کمیٹی نے کہا کہ مذکورہ جگہ کے بدلے میں جتنی جگہ آ پکی ہوگی اتنی جگہ اسکے آس پاس خرید کر ہم آپ کو دیدیں گے؟

نیز کمیٹی مسجد کی نیت میں فرق آ گیا اور انھوں نے اپنا قبضہ مان کر اس خالی پڑے پورے پلاٹ کی باؤنڈری کھینچ دی؟

فریق اول نے اس پر اعتراض کیا کہ آپ نے بلا بٹوارہ کئے خالی پڑے پلاٹ کی باؤنڈری کیوں کھینچی، اسپر مسجد کمیٹی نے کہا کہ اب جگہ پر ہمارا قبضہ ہو گیا ہے، (یعنی فریق نمبر ایک کے حصہ پر)

(۱) اس متنازعہ جگہ پر نماز پڑھنا یا مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) فریق اول اب اجازت نہ دے کہ جب تک اس متنازعہ جگہ کا بٹوارہ نہ ہو جائے اس جگہ نماز نہ پڑھی جائے، اس حالت میں اس جگہ میں نماز ہوگی یا نہیں؟

(۳) مسجد کمیٹی اپنی طاقت کے بل پر یا قابض ہونے کے بل پر فریق اول کو اپنی مرضی کے مطابق معاوضہ دیکر مسجد تعمیر کرلے جس میں فریق اول نقصان میں بھی ہے، اور ناراض بھی ہے کیا اس شکل میں تعمیر مسجد میں ادائیگی نماز جائز ہے؟

المستفتي: عبدالرشید، جھنڈا چوک، کواٹ دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ زمین کا نصف حصہ واقعی فریق اول کی ملکیت ہے تو فریق اول کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس جگہ مسجد بنانے سے وہ شرعی مسجد نہیں ہوگی، اس میں نماز مکروہ ہوا کرے گی، اور شرعی مسجد اس وقت بن سکتی ہے کہ جب فریق اول کو اس زمین کی مناسب قیمت ادا کر کے راضی کرلیا جائے گا، یا وہ بخوشی بغیر کسی کے دباؤ کے اس جگہ مسجد بنانیکی اجازت دیدے، اسکے بغیر مسجد بنانا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ٦/ ١٢٧، جدید زکریا ٩/ ١٢٣)

فریق اول کے لئے بہتر یہی ہے کہ مسجد کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مناسب قیمت لیکر زمین مسجد کی ملکیت میں دیدے، کیونکہ یہ ایک دینی ضرورت ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، قبيل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفكر بيروت٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠، مشكوٰة ١/ ٢٥٥)

وتحته في المرقاة أى بأمر أو رضا الخ. (مرقاة كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، امداديه ملتان٦/١١٨)

لا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند/ ١١٠)

لو غصب أرضاً فبنىٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها. (الاشباه قديم/ ١٤٤)

وكذا تكره فى أرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أومكروبة. (در مختار كتاب الصلوٰة، مطلب فى الصلوٰة فى الأرض المغصوبة، كراچى ١/ ٣٨١، زكريا ٢/ ٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ رشوال ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/ ٣٦٤٩)

بیوہ کی اجازت کے بغیر جبراً اس کی زمین میں مسجد تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک بیوہ عورت کی زمین جو محلّہ کٹگھر مرادآباد کی مسجد کے پڑوس میں ہے مسجد کے متولی اور دیگر کچھ محلّہ کے لوگوں نے بغیر اجازت بیوہ کی زمین مسجد میں شامل کر لی بیوہ عورت نے ہر چند منع کیا لیکن اس کی کسی نے نہ سنی معلوم طلب یہ امر ہے کہ اس طرح بیوہ عورت کی زمین جبراً چھین کر مسجد میں شامل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو مسجد کے متولی اور ان کا ساتھ دینے والے افراد کیلئے کیا حکم ہے؟

(۲) جو نمازیں لوگوں نے اس زمین پر پڑھی ہیں ان نمازوں کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث واقوال فقہاء کی روشنی میں مفصل جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: فاطمہ بیگم بیوہ
محبوب عرف بالے مرحوم،
محلّہ کٹگھر، مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقعی بیوہ عورت کی زمین زبردستی لیکر مسجد میں داخل اور شامل کر لی گئی ہے، تو مسجد کا وہ حصہ جس میں بیوہ کی زمین آئی ہے، اسمیں نماز مکروہ ہوگی، ہاں البتہ زمین کی قیمت سے عمارت کی قیمت زیادہ ہے تو بیوہ کو مکمل زمین کی قیمت ادا کر دینے سے وہ حصہ بھی شرعی مسجد کے دائرے میں داخل ہو جائے گا، پھر نماز بھی مکروہ نہ ہوگی، لیکن زبردستی زمین پر قبضہ کرنے والے سب گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے، بیوہ سے معافی مانگ کر راضی کر لینا ضروری ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، قبيل باب من غصب

جارية فباعها الخ ، دارالفكر بيروت ٥٠٦/٨ ، رقم: ١١٧٤٠ ، دارقطنى ،كتاب البيوع ، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢/٣، رقم: ٢٨٦١)

لا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملك الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه ، اشرفى ديو بند/١١٠)

لو غصب أرضاً فبنىٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها الخ. (الأشباه قديم/١٤٤)

وكذا تكره فى أرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أومكروبة. (در مختار كتاب الصلوٰة ، مطلب فى الصلوٰة فى الأرض المغصوبة،کراچی ٣٨١/١، زكريا ٤٤/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۹۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱/۱۴۱۳ھ

یتیم بچہ کی زمین پر مدرسہ یا مسجد بنانا

سوال: [۸۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک یتیم بچہ کی زمین پر اس کی بغیر اجازت کے مدرسہ بنانا جائز ہے کہ نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد عباس پوسٹ: رانی پور روڈ، جھانسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یتیم بچہ کی زمین پر بغیر اس کی اجازت شرعیہ مدرسہ یا مسجد بنانا ہرگز جائز نہیں، یہ شرعاً سخت ظلم ہے، اس میں امور مدرسہ انجام دینا جائز نہیں ہوگا، جب تک کہ یتیم کے بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت شرعیہ حاصل نہ کرلی جائے، یا اسکی پوری قیمت ادا نہ کردی جائے ، قیمت ادا کردینے کے بعد زمین تیمم کی ملکیت سے نکل کر مدرسہ کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی۔

ومدرسة السليمانية فى دمشق مبنية فى أرض المرجة التى وفقها السلطان نورالدين الشهيد على أبناء السبيل بشهادة عامة أهل دمشق والوقف يثبت بالشهرة فتلك المدرسة خولف فى بنائها شرط وقف الأرض الذى هو كنص الشارع فالصلوٰة فيها مكروهة تحريماً فى قول وغير صحيحة له فى قول آخر .... وكذا ماؤها مأخوذ من نهر مملوك ومن هذا القبيل حجرة اليمانيين فى الجامع الأموى الخ. (شامی، كتاب الصلوٰة مطلب فى الصلوٰة فى الأرض المغصوبة، کراچی ۱/۳۸۱، زکریا ۲/۴۵)

قولهٗ عليه الصلوٰة والسلام ألا لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه ، الحديث: (السنن الكبرىٰ للبيهقى ، الغصب ، قبيل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفكر بيروت ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷۴۰، مشكوٰة ۱/۲۵۵)

وتحته فى المرقاة أى بأمرٍ أو رضا الخ. (مرقاة ، كتاب البيوع ، باب الغصب والعارية ، الفصل الثانى، امداديه ملتان ۶/۱۱۸)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعى الخ. (عالمگیری، کتاب الحدود ، فصل فى تعزير ، زكريا قديم ۲/۱۶۷، البحرالرائق، ، باب التعزير زكريا ۵/۸۶، کوئٹہ ۵/۴۱، شامی، كتاب الحدود ، مطلب فى التعزير بأخذ المال ، زكريا۶/۱۰۶، کراچی ۴/۶۱)

وفى الأشباه: لو غصب أرضاً فبنىٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن لهٗ قيمتها الخ. (الأشباه والنظائر قديم/۱۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۴۸/۲۵)

مشترکہ زمین میں مسجد بنانا

سوال: [۸۱۲۰]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زیداورعمر کی مشترکہ زمین تھی زید نے عمر کی اجازت کے بغیر مسجد کی بنیادرکھدی، بعدازاں زید کا حصہ متعین ہوگیا، کیازید کا جواپنا حصہ ہے وہی مسجد ہے یا پوری آراضی جس میں عمر بھی شریک ہے اب وہ زمین زیداورعمر دونوں سے بکرکومل گئی، بکراس میں اپنا گھر بنانا چاہتاہے، کیا گھر بنانا اس زمین میں جائز ہے اگرنہیں تو بکر کیا کرے؟ یازید خوداس زمین پر جہاں مسجد کی بنیادرکھی ہوئی ہے، گھر بنانا چاہےتو صحیح ہے کہ نہیں؟

المستفتي: عبداللہ نثاری، پوسٹ: بنتھو، سنت کبیرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مشترکہ زمین میں زید کے لئے اپنے شریک عمر کی اجازت کے بغیر مسجد کی بنیادرکھنا جائزنہیں ہے، اورمحض مسجد کےارادہ سے بنیادرکھ دینے کی وجہ سےشرعی طور پر مسجد کے حکم میں داخل نہیں ہوتی ، اورشرعی مسجداس وقت کہلاتی ہے، کہ جب اسمیں اذان واقامت کے ساتھ کم ازکم ایک مرتبہ نماز ہوچکی ہواور یہاں ایسانہیں ہے، اسلئے مذکورہ زمین میں نہ مکمل حصہ مسجد شمار ہوگا، اور نہ ہی زید کا حصہ لہٰذا ابھی دونوں کواختیار رہے کہ تقسیم کے بعد یاتقسیم سے پہلے اس زمین کوجس مصرف میں چاہیں، استعمال کریں اگر دونوں نے بخوشی بکر کے ہاتھ فروخت کردیاہے، یاہبہ کردیاہے، تو بکر دوکان بنائے یامسجد بنائے سب کچھ جائز ہے۔(امدادالمفتیین / ۲۵۹، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۵، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳۸۷)

التسليم في المسجد أن تصلى فيه جماعة بإذنه (إلىٰ قولها) ويشترط مع ذلک أن يكون الصلاة بإذان وإقامة جهراً لاسراً . (عالمگیری، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، زكريا قديم ٢/ ٤٥٥، جديد ٢/ ٤٠٨)

والحاصل أن وقف المشاع مسجداً أو مقبرة غير جائز مطلقاً اتفاقاً.

(البحرائق، کتاب الوقف کوئٹه۵/ ۱۹۷، زکریا ۵/ ۳۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رشوال المکرّم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۶ ۸۱۵)

مشترکہ زمین میں کسی ایک وارث کا مسجد بنانا

سوال: [۸۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مشترکہ جائیداد تین بھائیوں کی ۵۴۰۰ رگز پلاٹ نمبر ۵۶۹ ہے، جس کی ابھی تک باقاعدہ تقسیم نہیں ہوئی ہے، بڑے بھائی محمد نوشے مرحوم کے وارثین اسی پلاٹ کے ایک حصہ میں مسجد تعمیر کرانے کیلئے حدود متعین کردیئے ہیں، نماز بھی شروع کرادی ہے، دوسرے دو فریق عبدالوحید عرف پیارے مرحوم اور رعبدالسلام مرحوم کے وارثین مسجد پر رضامند نہیں ہیں، تو کیا شرعاً نوشے میاں کے ورثاء کا مسجد تعمیر کرنا تقسیم سے پہلے درست ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

نوٹ: ایسی جگہ پر جو نماز ہورہی ہے وہ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

المستفتي: علی محمد، محمد یامین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بشرط صحت سوال وبعد ادائے حقوق ماتقدم مذکورہ جائیداد تینوں وارثین کی ملکیت ہے، اور تینوں برابر کے حصہ دار ہیں، لہٰذا تقسیم سے قبل کسی ایک وارث یا اس کے ورثاء کو مشترکہ جائیداد کا کوئی جزء دوسرے وارثین کی اجازت کے بغیر مسجد کو دینا ہبہ کرنا وقف کرنا جائز نہیں ہے، اگر ایسا کریں گے تو انکے حصہ سے مجریٰ ہوجائیگا، اور اگر ان کے حصہ کی مقدار سے زائد ہے تو زائد میں وقف، ھبہ، بیع وغیرہ نافذ نہ ہوگی، دوسرے ورثاء کو زائد حصہ واپس لینے کا حق ہوگا، اور اگر زائد ہو بایں طور کہ نوشے مرحوم کے ورثاء کے حصہ سے مسجد کی زمین مجریٰ اور منہا ہوجائے گی، تو دوسرے ورثاء کو اپنا حق پورا مل جائے گا، تو

اس مسجد میں نماز بلا کراہت درست ہوجائے گی، بہر حال عبدالوحید اور عبدالسلام کے وارثین کے حصہ میں سے کسی جزء کو ان کی اجازت کے بغیر مسجد میں شامل کرنا جائز نہ ہوگا، اگر کریں گے تو اس میں اس وقت تک نماز مکروہ تحریمی ہوگی، جب تک ان کا حق ادا نہ ہوگا۔

لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند/۱۱۰)

والحاصل أن وقف المشاع مسجداً أومقبرة غیر جائز مطلقا اتفاقا.

(البحرالرائق، کتاب الوقف کوئٹه ۵/۱۹۷، زکریا ۵/۳۲۹)

وکذاتکره فی أرض مغصوبة أو للغیر لو مزروعة أو مکروبة .

(درمختار، کتاب الصلوٰة، مطلب فی الصلوٰة فی الأرض المغصوبة، کراچی ۱/۳۸۱، زکریا۲/۴٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱رشوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۵۰۰۲)

مغصوبہ زمین میں نماز اور مسجد بنانے کا حکم

سوال: [۸۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد مغصوبہ زمین میں مکمل بنالی گئی ہے، اس میں نماز بھی ہونے لگی، پھر کسی نے کہا کہ یہ تو مغصوبہ زمین میں بنالی گئی ہے، اس میں نماز بھی نہ ہوگی، لہٰذا دوسری جگہ خرید کر مسجد بنائی جائے، اس فیصلہ کے مطابق مسجد کی نیت سے زمین خرید کر مسجد کیلئے وقف کردی گئی اور تعمیر کا کام شروع ہوگیا، ابھی بنیاد ہی رکھی گئی تھی، کہ کسی عالم نے مشورہ دیا کہ پہلی مسجد بیکار ہوجائیگی آپ لوگ ایسا کریں اس مغصوبہ زمین کی قیمت اس کے مالک کوادا کردیں، اور اسکو مسجد باقی رکھیں۔

الف: دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر اجازت مل جائے تو دوسری جگہ جو مسجد کی نیت سے

خریدکر وقف کردی گئی، اور اس کی بنیاد بھی رکھی جا چکی آیا وہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس کو گھر یا کسی اور کام میں لا یا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا یونہی پڑی رہنے دی جائے؟

ب: اگر اجازت نہ ملے تو مغصوبہ زمین میں ادا کردہ نمازیں مصلین سے ساقط ہوئیں یا نہیں؟

ج: اور وقف کردہ زمین کو منسوخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: محمد فرقان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الف: واقف نے چونکہ مسجد ہی کیلئے زمین دی ہے اور بنیاد بھی رکھی جا چکی ہے، لہٰذا اب اس موقوفہ زمین میں مسجد ہی تعمیر کرنا لازم ہے، لیکن شرعی مسجد کا حکم اس وقت جاری ہوگا، جب تکمیل عمارت کے بعد نماز شروع کردی جائے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱/ ۴۹۸، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳۸۸)

شرط الواقف كنص الشارع أى فى المفهوم والدلالة والعمل به . (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا ٦/٦٤٩)

إذا بنىٰ مسجداً وأذن للناس بالصلوة فيه جماعة فإنه يصير مسجداً .

(تاتارخانية، زکریا ۸/۱٥٦، رقم: ۱۱٤۹٤، منحة الخالق على البحرالرائق، فصل فی أحكام المسجد، کوئٹه ٥/٢٤٨، زکریا ٥/٤١٦)

ب: جو نمازیں مغصوبہ زمین پر پڑھی گئی ہیں، وہ کراہت کیساتھ ادا ہوگئیں اور اجازت کے بعد کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۴۶، جدید زکریا ۱۰/۳۳۶)

كذا تكره فى .... أرض مغصوبة أو للغير . (درمختار) إلا إذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها لايكرهه فلا بأس الخ . (شامی، کتاب الصلوٰة، مطلب فی الصلوٰة فی الأرض المغصوبة، کراچی ۱/٣٨١، زکریا ٢/٤٤)

ج: جب وقف مکمل اور تمام ہوگیا،تو اب اس کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے ۔
(مستفاد:محمودیہ قدیم ۱۲/۲۸۷، جدید ڈابھیل ۲۸۴/۱۴)

فإذا تم ولزم لايملك ولايعار ولا يرهن .(درمختار كتاب الوقف، كراچی ٤/ ٣٥١، ٣٥٢، زكريا ٦/ ٥٣٩، هدايه ، اشرفی ديوبند٢/ ٦٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۶۶۹۴/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۹ھ

خانقاہ کی جگہ پر مسجد بنانا

سوال: [۸۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد بڑھ والی مسجد کے نام سے مشہور ہے اس بڑھ والی مسجد کو آج سے برسوں پہلے ایک بزرگ حیدرآباد سے تشریف لائے تھے، انھوں نے ہی تعمیر کرائی تھی ،مسجد کے بالکل برابر میں کافی جگہ پڑی ہوئی ہے ،اس میں ایک خانقاہ بھی تھی ، جو اسی بزرگ نے بنوائی تھی ،اس کے بعد وہ بزرگ پھر حیدرآباد واپس تشریف لے گئے ، پھر مسجد دوبارہ شہید کرکے تعمیر کرا دی گئی مسجد کی صورت حال یہ ہے کہ نماز پڑھی جاتی ہے، آبادی بڑھنے کی وجہ سے مسجد کی جگہ ناکافی معلوم ہوتی ہے اس لئے لوگوں کا خیال ہے کہ اس جگہ کو مسجد میں ملا لیا جائے ، ساری جگہ کو مسجد ہی کرلیں ،اس پر کچھ معترض حضرات کو اعتراض ہے ،وہ لوگ کہتے ہیں، اس جگہ پر خانقاہ ہی بن جانا چاہئے ، کیونکہ خانقاہ کی جگہ پر مسجد نہیں بن سکتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے ، کہ اس جگہ کو مسجد بڑھانے کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز اس جگہ کو مسجد بنایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟اس جگہ پر فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: گولڈن الیکٹرک اسٹور، آزادنگر، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب خانقاہ میں متبع شریعت کوئی بزرگ بیٹھ کر تبلیغ

ودعوت اور ہدایت کا کام نہیں کر رہا ہے، اور وہ کسی خاص شخص کی ملکیت بھی نہیں ہے، تو علاقہ کے ذمہ دار لوگ مل کر اس جگہ پر مسجد بنالیں تو اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہے، وہ شرعی مسجد ہوجائیگی اس میں نماز بلاکراہت جائز اور درست ہوجائیگی، کیونکہ افتادہ زمین کے حکم میں ہے، اور افتادہ زمین میں اہل محلّہ مل کر مسجد بنا سکتے ہیں، نیز اگر مذکورہ جگہ خانقاہ کیلئے وقف کی گئی تھی، اور اب خانقاہ نہیں چل رہی ہے، تب بھی مسجد بنائی جاسکتی ہے، جیسا کہ افتادہ قبرستان میں بھی اس طرح مسجد بنانے کی اجازت ہے۔

ولو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنیٰ قوم عليها مسجداً لم أر بذلک بأساً الخ. (عمدة القاری شرح بخاری، کتاب الصلوٰة ،باب هل تنبش قبور مشرکي الجاهلية ، داراحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زکریا٣/٤٣٥، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفیه دیوبند ١١٨/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱؍۳۷۵۴)

موروثی زمین میں مسجد کی ملکیت کا دعویٰ کرنا

سوال: [۸۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے دادا نے اب سے تقریباً سو سال پیشتر ایک عمارت بنائی تھی جو کہ وراثۃً مجھ تک پہونچی جس پر میں قابض ہوں، جو کہ جامع مسجد محلّہ دربار سرائے ترین کے باہر والے چبوترہ کی حدود میں آتی ہے، جس کو کچھ لوگ مسجد کی کہہ رہے ہیں، میں اس عمارت کو منہدم کرا کر دوبارہ تعمیر کرانا چاہتا ہوں، وہ لوگ مجھے تعمیر سے روکنے کیلئے پولیس کا سہارا لے رہے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں ازروئے شریعت اس کا مالک ہوں یا نہیں؟ جواب مع حوالہ وترجمہ اردو میں کرکے عنایت فرمائیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: حاجی محمد ادریس خاں، دربار سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی حکم یہ ہے کہ جب کوئی جائیداد کسی شخص کے قبضہ میں چلی آرہی ہو اور اس میں کسی نے اپنی ملکیت یا حق کا دعویٰ نہ کیا ہو، اور اسی حالت میں ۳۰-۴۰ سال کا عرصہ گذر جائے پھر اس کے بعد کوئی اسمیں اپنے حق کا دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، اور وہ جائیداد جس کے قبضہ میں چلی آرہی تھی، اسی کی ملکیت مانی جاتی ہے، لہٰذا سوسال گذر جانے کے بعد محلّہ کے لوگوں کا مسجد کا حق اس میں ہونے کا دعویٰ شرعاً جائز نہ ہوگا، اور نہ ہی مسجد کیلئے اس زمین کو استعمال کرنا جائز ہوسکتا ہے، نیز اسمیں مذکورہ مالک کی اجازت اور رضامندی کے بغیر مسجد بنانا جائز نہیں ہوگا، وہ شرعی مسجد نہیں بنے گی۔

إن الدعویٰ بعد مضی ثلاثین سنة أو ثلاث وثلاثین لاتسمع إذا کان الترک بلاعذر الخ. (شامی، کتاب الدعویٰ، باب التحالف، مطلب لاتسمع الدعویٰ بعد مضی ثلاثین سنة الخ ...... (کراچی ۹۷/۸، زکریا ٦٥٤/١١، کتاب الخنثیٰ کراچی ٧٤١/٦، زکریا ٤٦٨/١٠، کتاب القضاء، مطلب إذا ترك الدعویٰ ثلاثاً وثلاثین سنة لاتسمع کراچی ٤٢٢/٥، زکریا ١١٧/٨، البحرالرائق، کتاب الدعویٰ، فصل فی دفع الدعویٰ کوئٹه ٢٢٨/٧، زکریا ٣٨٦/٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۴۳/۳۴)

دوسرے کی زمین میں بلا اجازت تعمیر مسجد کا حکم

سوال: [۸۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ریاست رامپور کے زمانہ میں ٹانڈہ بادلی میں علی بہادرخان تھانہ کے انچارج تھے، تھانے دار سے میرا بگاڑ ہوگیا میں نے داروغہ جی کی شکایت افسران بالا سے کردی جس کی وجہ سے داروغہ جی نے مجھے کئی ناجائز مقدموں میں ملوث کردیا اور حالات یہاں تک خراب

ہوئے کہ میری زندگی تنگ وتاریک کردی، جولڑکا منور علی اس وقت مسجد کا متولی ہے اس کا پردادا حاجی پتن اس وقت سربراہ کار تھے، وہ بھی مجھ سے رنجش رکھتے تھے، جس کی وجہ سے تھانہ اور تحصیل کا عملہ میرے سخت خلاف تھا میں نے کبھی بھی ان کے دباؤ میں آ کر ان سے خوشامدانہ بات نہیں کی بلکہ خودداری کے تحت میں یہاں کی زندگی سے تنگ آ کر ٹانڈہ چھوڑ کر چلا گیا کیونکہ داروغہ نے میرا سیٹ کھول دیا تھا، میری رہائشی وکاشت کی جو آمدنی اسکو تحصیل کے عملہ کی مدد سے منشی محمد سمیع جو تحصیل میں وثائق نویش، اور مسجد کے متولی تھے، میری آراضی پر غاصبانہ قبضہ کر کے کاغذات سرکاری میں مسجد تحصیل والی متولی محمد سمیع کے نام سے اندراج کرا دیا اور عرف عام میں یہ مشہور کر دیا کہ یہ زمین مسجد کیلئے وقف ہوگئی ہے حالانکہ میں نے کبھی بھی اپنی زمین مسجد کو وقف نہیں کی ہے، آج جب میں اپنی جائیداد کا مطالبہ متولی ودیگر ذمہ داران مسجد ومحلّہ سے کرتا ہوں تو کہتے ہیں، کہ یہ آراضی وقف شدہ ہے، اور مسجد کی ملکیت ہے بشرع شریف یہ بتلایا جائے کہ یہ آراضی بنا میری مرضی ورضامندی کے مسجد کی ملکیت ہوسکتی ہے، کیا اسکی آمدنی مسجد کے مصارف میں لگائی جاسکتی ہے؟

المستفتي: محمد شاہد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ نے مسجد کی ملکیت کیلئے کسی طرح اجازت نہیں دی ہے، تو وہ آراضی شرعی طور پر مسجد کی ملکیت میں صحیح اور شرعی طریقہ سے داخل نہیں ہوئی ہے، وہ آپ کی زمین ہے، آپ قانونی چارہ جوئی کر کے اپنا حق حاصل کرنے کے مجاز ہیں، اگر مسجد کے ذمہ داران آپ کو مسجد کی طرف سے مذکورہ آراضی کی قیمت ادا کریں گے، تو شرعی طور پر مسجد اس آراضی کی باقاعدہ مالک ہوجائیگی ورنہ وہ آراضی غصب کی ہوجائیگی، ان میں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہوگا، اس کی آمدنی مسجد کیلئے جائز نہ ہوگی۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال

امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقی، قبيل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفكر بيروت ٥٠٦/٨، رقم: ١١٧٤٠، دارقطنی، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢/٣، رقم: ٢٨٦١)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعی ولا يجوز لأحد أن يتصرف فی ملك الغير بغير إذنه الخ. (قواعد الفقه، اشرفی ديوبند/١١٠)

وكذا تكره فی أرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أو مكروبة. (درمختار، كتاب الصلوٰة، مطلب فی الصلوٰة فی الأرض المغصوبة، كراچی ٣٨١/١، زكريا٤٤/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۳۵/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۴ھ

دوسرے کی زمین میں جبراً بلا اجازت تعمیر مسجد کا حکم

سوال: [۸۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری ملکیت کی زمین میں میری بغیر اجازت کے مسجد تعمیر کر دی گئی ہے، اور مجھ سے جبراً مسجد کیلئے زمین وقف کرنے کا مطالبہ کیا ہے، لیکن میں نے انکار کر دیا ہے، اب اس صورت میں میری ملکیت کی زمین میں بغیر اجازت مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے، اب اس صورت میں کچھ مجھ سے معافی مانگ رہے ہیں، خدا اور رسول اللہ کا واسطہ دیکر مجبور کر رہے ہیں، اور مجھے غربت میں اتنی وسعت نہیں ہے، کہ بغیر قیمت معاف کر دوں تو ایسی صورت میں انکا مطالبہ کرنا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا!

المستفتي: محمد رفیق عالم اشرفی، ساکن بروارہ خاص، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مالک کی بغیر مرضی کے اسکی زمین میں مسجد

بنانے سے شرعی مسجد نہیں ہوتی ہے، اسمیں مسجد کا ثواب نہیں ملتا ہے، نماز اس میں غیر مقبول اور مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔

ومدرسة السليمانية في دمشق مبنية في أرض المرجة التي وقفها السلطان نورالدين الشهيد على أبناء السبيل بشهادة عامة أهل دمشق والوقف يثبت بالشهرة فتلك المدرسة خولف في بنائها شرط وقف الأرض الذي هو كنص الشارع فالصلوٰة فيها مكروهة تحريماً في قول وغير صحيحة له في قول آخر. (شامی، کتاب الصلوٰة، مطلب في الصلوٰة في الأرض المغصوبة ،کوئٹه ۱/۲۸۱، کراچی ۱/۳۸۱، زکریا ۲/٤٥)

(وقوله) قال تاج الشريعة أما لو أنفق من ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله الخ. (شامی، کتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة الخ، قبيل مطلب في أفضل المساجد کوئٹه ۱/٤٨٧، کراچی ۱/٦٨٥، زکریا ۲/٤٣١)

البتہ اگر مالک کو زمین کی قیمت لینے پر راضی کرلیا جائے، اور پوری قیمت اس زمین کی ادا کردی جائے، تو مسجد شرعی ہوجائے گی، ادائیگی قیمت سے قبل اس زمین میں نماز مکروہ تحریمی ہی ہوا کریگی۔

الضرر يزال ومنها لو غصب أرضاً فبنىٰ فيها أو غرس فإن كانت قيمة الأرض أكثر قلعها وردت وإلا ضمن له قيمتها الخ. (الاشباه والنظائر، قديم/١٤٤)

نیز مالک اگر بلا قیمت ادا کئے نہ دے تو وہ گنہ گار نہ ہوگا، اسکو ہر وقت حق ہے، اپنے حق کا مطالبہ کرے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ / جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۲۱)

بلا اجازت دوسرے کی زمین میں تعمیر مسجد

سوال: [۸۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں جو مسجد ہے وہ پہلے غلطی سے کسی کی زمین میں بنادی گئی تھی اب اس کو کہا جاتا ہے، کہ آپ اس کی قیمت لے لیں یا زمین کے بدلے زمین لے لیں، لیکن وہ آدمی کسی بھی صورت میں تیار نہیں ہے، اور ہر وقت ناراضگی کا اظہار کرتا ہے، کیا اس صورت میں اس مسجد میں نماز پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل آئیگا؟ اور اب اس مسجد کو کیا کیا جائے گا؟

المستفتي: محمد انوار الحق قاسمی،
گونڈی پہاڑی، جامتاڑا، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی کی زمین اس کی اجازت کے بغیر مسجد بنانے سے مسجد شرعی نہیں بنتی اور جب تک مالک راضی ہوکر نماز کی اجازت نہ دے دے، اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت میں مالک کی عدم رضا کی وجہ سے اسکی زمین میں بنائی ہوئی مسجد مسجد شرعی نہیں ہے، اور اس میں نماز پڑھنے سے نماز اس وقت تک مکروہ تحریمی ہوگی، جب تک اسکی قیمت اسے نہ دیدی جائے۔ (مستفاد: امدادالأحکام ۲/۶۱ محمودیہ قدیم ۶/۲۱۶، جدید ڈابھیل ۱۵/۱۷۱)

وتكره في أرض الغير بلا رضاه وإذا ابتلى بالصلوٰة في أرض الغير وليست مزروعة أو الطريق إن كانت لمسلم صلى فيها، وإن كانت لكافر صلىٰ في الطريق. (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى ، فصل فى المكروهات قديم /۱۹۷، جديد ، دارالكتاب ديوبند/۳۵۸/

وكذا تكره في أرض مغصوبة أو للغير لو مزروعة أو مكروبة.

(درمختار مع الشامى، الصلوٰة ، مطلب فى الصلوٰة فى الأرض المغصوبة كراچى ۱/ ۳۸۱، زكريا۲/ ٤٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶؍۷۹۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۳؍۱۴۲۴ھ

مالک کی رضامندی کے بغیر زمین مسجد میں شامل کرنا

سوال: [۸۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جائیداد میں پانچ بھائی شریک ہیں، اس جگہ کو تین بھائی بیچنا چاہتے ہیں، اور مسجد کے لوگ خریدنا چاہتے ہیں، اور دو بھائی بیچنے پر رضامند نہیں ہیں، تو جو بھائی راضی نہیں ہیں، ان کی بھی زمین کو بغیر مرضی کے زبردستی بیچنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کے لوگوں کیلئے ایسی زمین کو خریدنا کیسا ہے؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتي: بنے شاہ، انحد اد پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حصہ دار اپنا حق فروخت کرنے سے راضی نہیں ہیں، ان کے حصہ کو انکی مرضی کے بغیر مسجد کیلئے لے لینا ہرگز جائز نہیں ہے، پہلے ان کی مرضی لازم ہے، لٰہذا جو تین بھائی بیچنا چاہتے ہیں، ان کے حصہ میں عقد بیع نافذ ہوجائیگی، اور جو دو بھائی راضی نہیں ہیں، ان کے حصہ کی خریداری جائز نہ ہوگی، اور زبردستی ان کی زمین لیکر مسجد میں شامل کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، قبيل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفكر بيروت ۸/۶ ۵۰، رقم: ۱۱۷۴۰، دارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۲۲/۳، رقم: ۲۸۶۱)

لا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملك الغير بغير إذنه ولا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي الخ. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند/ ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲؍۱۷۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰؍۲؍۱۴۱۷ھ

غیر کی زمین کو مسجد کیلئے وقف کرنا

سوال: [۸۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیر بخش کے پانچ لڑکے عبد الرحمٰن، کالے، عبد الرحیم، چھوٹے، منا ہیں، یہ سب سید سر تاج حسین کی ایک زمین کو سید سر تاج حسین کی اجازت سے تصرف کرتے رہے ہیں، ۲۶؍سال کے بعد جبکہ مذکورہ پانچوں بھائی اپنے اپنے حساب وکتاب کھانا پینا وغیرہ الگ الگ کر لئے تھے، عبد الرحمٰن نے مذکورہ زمین کو مالک سر تاج حسین سے اپنی کمائی سے اپنے نام دس ہزار روپئے میں خرید کر اپنے نام بیعانہ بھی کر لیا تھا، پھر تقریباً ایک سال کے بعد عبد الرحیم نے عبد الرحمٰن کی اجازت کے بغیر پانچواں حصہ مسجد میں وقف کر دیا ہے، جبکہ عبد الرحمٰن ہرگز راضی نہیں ہے، تو کیا عبد الرحمٰن مالک کی اجازت کے بغیر عبد الرحیم نے جو وقف کیا ہے، شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اور عبد الرحمٰن کو اپنی زمین کو مسجد کو اپنے سے روکنے اور مخالفت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ نیز مسجد والوں نے عبد الرحمٰن کے خلاف دعویٰ بھی کر رکھا ہے کیا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

المستفتي: عبد الرحمٰن، محلّہ لال مسجد، امروہہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: اگر سوالنامہ کا درج شدہ واقعہ صحیح ہے، تو عبد الرحمٰن کی اجازت کے بغیر عبد الرحیم نے جس حصہ کو وقف کیا ہے، اس کا وقف شرعاً صحیح نہیں ہوا ہے، اور نہ مسجد کا حق اسمیں ثابت ہوسکتا ہے، بلکہ اس زمین کا مالک شرعاً عبد الرحمٰن ہی ہے اسکی زمین پر قبضہ کرنے کیلئے دعویٰ دائر کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہوگا۔

الخامس من شرائطه الملك وقت الوقف الخ. (البحر الرائق، کتاب

الوقف کوئٹه ٥/١٨٨، زکریا٥/٣١٤، مجمع الأنهر قدیم ١/٧٣٠، جدید دارالکتب العلمیة بیروت ٢/٧/٥٦٧، هندیه زکریا قدیم ٢/٣٥٣، جدید٢/٣٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴؍۱۲۱۶)

دوسرے کی زمین میں مسجد کی دوکانیں بنانا

سوال: [۸۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سرکاری زمین ہے جس پر بہت سے لوگوں کے مکانات وگھر وغیرہ بنے ہوئے ہیں، ایک شخص نے اسی سرکاری زمین میں چھپر ڈال رکھا تھا، وہاں پر مسلمانوں کی آبادی میں کوئی بھی کنواں نہیں تھا، بستی کے مسلمانوں نے کنواں بنانے کیلئے اس شخص سے جگہ مانگی اس جگہ میں اس شخص کی رضامندی سے کنواں بنوادیا گیا وہ کنواں کچھ مدت کے بعد خراب ہوگیا، اب گاؤں کے کچھ افراد اس جگہ میں مسجد کی دوکانیں بنوانا چاہتے ہیں، اس کے وارثین اب اس جگہ میں مسجد کی دوکانیں بنوانے پر رضامند نہیں ہیں، اس میں اختلاف ہونے پر معاملہ تھانہ تک پہونچ گیا، یہاں تک کہ زمین کے وارث کی بیوی نے تھانہ میں رپورٹ درج کرادی کیونکہ اس عورت کا شوہر اس وقت یہاں موجود نہیں بلکہ سعودی عرب میں ہے اب اس زمین پر پولیس نے کام رکوادیا ہے، اب بیرونی کچھ پنچوں نے یہ فیصلہ دیا کہ اس عورت کو سات ہزار روپیہ دیکر مسجد کی دوکانیں بنوادی جائیں اس عورت نے سات ہزار روپیہ وصول کر کے فیصلہ پر انگوٹھا بھی لگادیا اس فیصلہ کے تین دن بعد اس عورت نے تھانہ میں جاکر یہ رپورٹ کی کہ مجھے معلوم نہیں تھا، کہ کس معاملہ کے تحت میرا انگوٹھا لگایا جارہا ہے، اب وہ عورت زمین لینے کیلئے اس فیصلہ کو جھوٹا ثابت کر رہی ہے، اس جھگڑے کو دیکھتے ہوئے دوبارہ بیرونی پنچ اکٹھا ہوئے گاؤں کی دونوں پارٹیوں کے پانچ پانچ افراد بلوائے گئے، ان کے بیان سنکر یہ فیصلہ طے پایا گیا کہ اس جھگڑے کا استفتاء بھیج

کرمفتیان کرام سے جواب منگوایا جائے۔

نوٹ: اس عورت کے پاس زمین کے سرکاری کاغذات موجود ہیں، تو اس جگہ میں مسجد کی دوکانیں بنوانا جائز ہوگا یانہیں؟

المستفتي: سخاوت حسین، سابق:
ایم ایل اے، شریف نگر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے، کہ پنچوں کے دباؤ میں اس کوسات ہزار لینا پڑا نیز جس کاغذ پر انگوٹھا لگوایا گیا ہے، وہ اس کو پڑھ کر سنایا نہیں گیا، نیز اس زمین کا اصل مالک اس کا شوہر ہوگا، تو ایسی صورت میں سات ہزار روپیہ میں اس زمین کی فروختگی درست نہ ہوگی، نیز مدعیوں کے پاس سرکاری کاغذات موجود ہونے کا مطلب یہی ہے، کہ دعویٰ کرنیوالے اس زمین کے حقیقی مالکان ہیں اسلئے مالکان سے باضابطہ خریدنے اور ان کے ایثار کے بغیر اس زمین میں مسجد کی دوکانیں بنانا شرعی طور پر جائز نہ ہوگا، اور سوالنامہ کی صورت حال سے واضح ہوتا ہے، کہ مالکان اس زمین کو دینا نہیں چاہتے ہیں، یا باضابطہ پوری قیمت میں دینا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کی رضامندی سے پوری قیمت ادا کئے بغیر اس زمین میں مسجد کیلئے بھی دوکانیں بنانا جائز نہ ہوگا۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، قبیل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفکر بیروت ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷٤۰، دارقطنی، کتاب البیوع، دارالکتب العلمية بیروت ۳/۲۲، رقم: ۲۸٦۱)

لا يجوز لأحد أن يتصرف فی ملک الغير بغير إذنه ولا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعی الخ. (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند/ ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍ ۵۴۷۷)

غیر کی زمین میں مسجد کی دوکانیں بنانا

سوال: [۸۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے گاؤں کے چوراہے پر ۳؍ یتیموں اور ان کے دو حقیقی چچا کی زمین خالی پڑی ہوئی ہے، اسی زمین سے متصل دوسری زمین بھی ہے، جو کہ جامع مسجد کی وقف کی زمین ہے، جس کا کل رقبہ ۶۸؍ اڑسٹھ ڈسمل ہے، ایک ڈسمل ۴۳۵؍ چار سو پینتیس مربع فٹ ہوتا ہے، حافظ ریاض احمد خان جامع مسجد کے حال میں امام بھی ہیں، اور متولی بھی ہیں، حافظ ریاض احمد نے مسجد کی وقف کی ہوئی زمین پر مسجد کے لئے دوکانیں بنوانی شروع کیں، بغل کی زمین کے مالک نے حافظ ریاض سے کہا کہ آپ مسجد کی زمین کو پہلے سرکاری اعتبار سے ناپ کرالیں، تاکہ بعد میں کوئی تنازعہ کھڑا نہ ہو، حافظ ریاض احمد خان نے اس کی بات نہیں مانی، اور اندازے سے دوکانیں تعمیر کرادیں، جب بغل والے کو شک وشبہ ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ یا تو میری زمین کم ہوسکتی ہے یا مسجد کی زمین کم ہوسکتی ہے، بعد میں تنازع زیادہ ہوجائیگا، اس سے بہتر ہے کہ ابھی زمین کو سرکاری محکمہ کے تحت ناپ کرا کر معاملہ کو حل کرلیا جائے، اب بغل والے نے لیکھ پال اور قانون گو کو بلوا کر اپنی اور مسجد کی وقف شدہ زمین کی سرکاری پیمائش کروائی، جس میں واضح ہوگیا کہ بغل والے کی ۱۲؍ ڈسمل زمین مسجد کی وقف کی زمین میں شامل ہوکر مسجد کی دوکانیں تعمیر ہوئی ہیں، اب حافظ ریاض خان سے بغل والا یعنی مالک زمین نے اپنی ۱۲؍ ڈسمل زمین کا مطالبہ کرتا ہے یا اس زمین کا معاوضہ مانگتا ہے، تو حافظ ریاض خان زمین دینے سے انکار کرتے ہیں، اور معاوضہ دینے سے بھی انکار کرتے ہیں، کیا اب اس امام یعنی حافظ ریاض احمد کے پیچھے ہماری نماز ہوگی یا نہیں؟ اور دوکانوں کے کرایہ سے امام، مؤذن اور خادمین کی تنخواہ لینا دینا جائز ہے

کہ نہیں؟ حافظ ریاض احمد خان اگر زمین واپس نہیں کرتے ہیں، تو اللہ کے یہاں ان کا کیا مواخذہ ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل اور مدلل جواب مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: افتخار احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں ذکر کردہ صورت حال اگر واقعی اور درست ہے تو متولی مسجد حافظ ریاض احمد خان صاحب کو چاہئے کہ اپنے اطمینان کے لئے قابل اعتماد اور بھروسہ مند پیائش کاروں سے اپنے طور پر زمینوں کی دوبارہ پیائش کرالیں اگر بغل والوں کے ذریعہ کرائی گئی پیائش صحیح نکلتی ہے تو ان کی بارہ ڈسمل زمین جسے مسجد کی زمین میں شامل کر کے اس پر دو کانیں تعمیر کی گئی ہیں، وہ انہیں کی ملکیت ہیں، اور ان کو یہ حق حاصل ہے، کہ متولی اور ذمہ داران مسجد سے اپنی زمین کی قیمت کا مطالبہ کریں، اگر وہ قیمت نہ دے سکیں، تو عمارت کی قیمت مسجد کو دیکر کے پوری عمارت جو ان کی زمین پر تعمیر ہے مع زمین اپنے قبضہ میں لے لیں یہ درمیانی اور صلح کی صورت ہے، ورنہ شرعی طور پر انہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنی زمین پر تعمیر شدہ عمارت کو مسمار کر کے اس کا ملبہ مسجد والوں کے حوالہ کر کے اپنی زمین اپنی ملکیت میں لے لیں، نیز اہل محلّہ اور جامع مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داران کے ذمہ لازم ہے، کہ ایسے ضدی اور خائن متولی کو برطرف کردیں جس کی وجہ سے مسجد کی طرف سے دوسروں کی زمین پر ناجائز قبضہ عمل میں آیا ہے، اس جواب کے بعد امام اور مؤذن کی تنخواہ پر کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے، کیونکہ امام اور مؤذن کی تنخواہ متولی اور کمیٹی پر لازم ہے وہ کسی سے بھی لاکر پیش کردیں، ان کی تنخواہ ان کے لئے حلال ہے، لیکن اراکین کمیٹی اور متولی مسجد پر بہر صورت یہ بات لازم ہے، کہ وہ شرعاً جواز کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان کی تنخواہوں کی فراہمی کریں۔

قال رسول الله ﷺ: من اقتطع شبراً من الأرض ظلماً طوقه الله إياه

یوم القیمة سبع أرضین الخ . (مسلم شریف، کتاب المساقاة والمزارعة، باب تحریم الظلم، وغصب الأرض وغیرها، النسخة الهندیة ۲/ ۳۲، بیت الافکار رقم: ۱۶۱۰، مسند احمد ۲/ ۴۳۲، رقم: ۹۵۷۹، مشکوٰة / ۲۵۵)

قوله تعالیٰ : ’’والصلح خیر‘‘ لفظ عام یقتضی أن الصلح الذی تسکن إلیه النفوس ویزول به الخلاف خیر علی الإطلاق . (فتح القدیر للشوکانی ۱/ ۵۲۱)

لایجوز التصرف فی مال غیره بغیر إذنه ولا ولایته . (الاشباه کتاب الغصب کراچی ۲/ ۹۸)

ومن غصب أرضاً فغرس فیها أو بنیٰ قیل له اقلع البناء والغرس وردها . (هدایه مع الفتح، کتاب الغصب، فصل فیما یتغیر بعمل الغاصب کوئٹه ۸/ ۲۶۹، زکریا ۹/ ۳۴۸)

وینزع وجوباً لو غیر مأمون أوظهر به فسق کشرب خمر ونحوه – قال– الشامی: قال فی البحر: واستفید منه أن للقاضی عزل المتولی الخائن . (شامی، کتاب الوقف، مطلب : یأثم بتولیة الخائن، کراچی ۴/ ۳۸۰، زکریا ۶/ ۵۷۸)

غالب مال المهدي إن حلالاً لا بأس بقبول هدیته وأکل ماله . (بزازیه، کتاب الکراهیة، الفصل الرابع فی الهدیة والمیراث، جدید زکریا ۳/ ۲۰۳، و علی هامش الهندیة زکریا ۴/ ۳۶۰) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۴۷)

غاصب سے مسجد کیلئے زمین خریدنا

سوال: [۸۱۳۲]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک زمین ہے جس کا مالک زید ہے، خالد کے پاس کافی دنوں سے کرایہ پرتھی، زید اور خالد کے درمیان کافی مقدمہ چلا عدالت نے خالد کوزمین کا مالک قرار دیا جبکہ اہل محلّہ وقرب وجوار کے لوگ یہ کہتے ہیں، کہ زمین زید کی ہے لیکن مقدمہ کے ذریعہ خالد مالک بن گیا تو اب آپ تحریر کریں کہ اگر اس زمین کوخالد سے مسجد تعمیر کرنے کیلئے خریدا جائے تو اس زمین پر مسجد کا تعمیر کرنا صحیح ہے یانہیں؟ جبکہ خالد حقیقۃً اس زمین کا مالک نہیں ہے، بلکہ زید ہے خالد تو جھوٹے مقدمہ کےذریعہ مالک بنا ہے؟

المستفتي: محمد تسلیم راعینی، بازارکلاں، قصبہ منڈوار، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگروہ واقعی زید کی ہےاورجھوٹے مقدمہ کے ذریعہ سے خالد نے حاصل کیا ہے، توزید کی اجازت کے بغیر اس زمین میں مسجد بنانا ممنوع ہوگا، کیونکہ غصب کی زمین ہے خالد کیلئے اس میں تصرف جائزنہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، قبيل باب من غصب جارية فباعها الخ، دارالفكر بيروت ۸/۵۰۶، رقم: ۱۱۷۴۰، دارقطني، كتاب البيوع، دارالكتب العلمية بيروت ۳/۲۲، رقم: ۲۸۶۱)

لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغير إذنه و لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي الخ. (قواعد الفقه، اشرفي ديوبند/ ۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۹رشوال ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۱۰/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱۰/۲۹ھ

۱۹/ الفصل التاسع عشر: مسجد میں چندہ کا بیان

موعود مسجد کو چندہ نہ دیکر دوسری مسجد کو دینے کا حکم

سوال: [۸۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے وعدہ کیا تھا کہ فلاں مسجد میں اتنا روپیہ دونگا، اگر اس آدمی نے مذکورہ مسجد کے علاوہ دوسری مسجد میں اس روپیہ کو دیدیا ہے تو شریعت کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہوگا؟ جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: سعید الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرچہ دوسری مسجد میں دینا بھی جائز ہے البتہ پہلی مسجد جس کیلئے وعدہ کررکھا تھا اس کو دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۵۱۴، جدید میرٹھ ۲۲/ ۲۸۵، ۲۸۶، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۱۲)

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ. (المائدہ: ۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۷۰)

ذمہ داران مسجد کی بدعنوانی کی وجہ سے چندہ واپس لیکر دوسری مسجد میں دینا

سوال: [۸۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں ایک قدیم مسجد کی تعمیر جدید کیلئے چندہ ہوا لیکن تعمیر کے وقت ایک محلّہ کے لوگوں کا امام صاحب کے متعلق اختلاف ہوا چونکہ مسجد کی جگہ میں اپنے ذاتی مکان کا دروازہ نکال لیا ہے، لٰہذا وہ امامت کے قابل نہیں، دوسرے محلّہ والوں نے امام صاحب سے دروازہ

نکالنے کو منع کیا لیکن امام صاحب نہیں مانے اس پر محلّہ والوں نے کہا ہمارا چندہ ہمیں واپس کردو ہم اپنی مسجد علیٰحدہ بنائیں گے، امام صاحب نے واپس کردیا، اور دوسرے فریق نے دوسری مسجد بنائی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جدید مسجد کی تعمیر میں جو واپس کیا ہوا چندہ لگا ہے وہ صحیح ودرست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو واپسی کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتي: عبدالسلام، موضع ملک، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسجد کے ذمہ دار کی بدعنوانی کی وجہ سے چندہ واپس لیکر دوسری مسجد میں لگانا چندہ دہندگان کیلئے جائز ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۵۹۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۳۲/۳۱)

مسجد میں دی ہوئی رقم واپس لینا

سوال: [۸۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے عمر کو کچھ روپئے دئے اور عمر مسجد کا متولی ہے، زید نے جو روپئے دئے تھے عمر کو تو وہ روپئے مسجد میں صرف کرنے کیلئے دئے تھے، زید نے وقت میں کوئی قید نہیں لگائی تھی، عمر نے زید کے روپیوں کو زید کے حکم کے مطابق خرچ کردیا صرف کرنے کے بعد دونوں میں جھگڑا ہوگیا، اب زید کہہ رہا ہے کہ میرے روپئے واپس کردو تو اب زید کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

المستفتي: انیس الرحمٰن، کٹھاری، متعلم: مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسجد میں دیا ہوا روپیہ واپس نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد:

کفایۃ المفتی ۷/ ۲۳۵، جدید مطول ۹/ ۳۵۹)

اور واپسی کا مطالبہ ثواب سے محرومی کا سبب ہے۔

قال الله تعالیٰ: یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذیٰ ، الأية: (سوره بقره: ۳)

أی لاتبطلوا ثواب صدقاتکم بالمن والأذیٰ کإبطال المنافق الذی ینفق ماله رئاء الناس الخ. (تفسير مدارك ١/ ١٩٤، تفسير خازن قديم١/ ١٩٤، معارف القرآن / ٣٠، ١ /٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۸۳)

چندہ دیتے وقت پچاس کا نوٹ دیکر چالیس روپیہ واپس لینا

سوال: [۸۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں چندہ دیتے ہوئے کسی نے پچاس کا نوٹ دیا، اور اسکو صرف دس روپئے دینا تھا، اس لئے چالیس روپیہ واپس لینا ہے، تو اس طرح کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ بیع تو نہیں؟

المستفتي: مولانا ظہیر احمد مفتی جامع العلوم، کانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رائج شدہ نوٹ اگر چہ ثمن حقیقی نہیں ہے، لیکن وہ ثمن عرفی ہے، اور اس کے لین دین کا مدار بھی عرف عام ہی پر ہوگا، اور عرف میں دس روپئے کی غرض سے پچاس کا نوٹ دیکر چالیس واپس لینے کو دس ہی دینا سمجھا جاتا ہے، نہ کہ پچاس دیکر چالیس لینا اسلئے یہ نہ مبادلۃ المال بالمال ہے اور نہ ہی عقد صرف ہے، بلکہ تبرع محض ہے، جو بلا شبہ جائز ہے۔

والعرف فی الشرع له اعتبار: لذا علیه الحکم قد یدار. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر مطلب فی السفر بالزوجة زكريا٤/ ٢٩٥، کراچی ٣/ ١٤٧، مطلب فی

الشرط الفاسد إذا ذكر بعد العقد وقبله زكريا ۲۸۷/۷، کراچی ۸۸/۵)

واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إليه فى مسائل كثيرة حتى جعلوا ذلك أصلا فقال تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة الخ.

(عقود رسم المفتی قدیم /۹۵، الاشباہ والنظائر قدیم/۱۵۰)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (قواعد الفقہ، اشرفی/۷۴، رقم: ۱۰۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۴۳/۲۴۷)

مسجد کی صفائی اور تعاون کا عہد کر کے مکرنے کا حکم

سوال: [۸۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کچھ اہل محلّہ نے مجھکو مسجد کا متولی مقرر کر دیا اور کچھ لوگ ممبر بنے مسجد کی قلیل آمدنی ہونے کی وجہ سے ممبروں نے آپس میں ہی ۲۰/ روپیہ فی ماہ مسجد کیساتھ تعاون کیلئے مجھ سے کہا، اور عہد کیا کہ آپ کے ساتھ ہر طرح سے تعاون اور مسجد کی صفائی وغیرہ میں ساتھ رہیں گے، کیونکہ مسجد میں کوئی مؤذن مستقل اور صفائی کیلئے نہیں ہے۔

(۲) ممبروں نے چندماہ ساتھ دیا وہ بھی چندنے اور جو رقم ہر ماہ دینے کی بات کہی تھی، وہ بھی ختم کر دی صرف ایک ممبر برابر رقم مسجد کو دے رہا ہے، اور ایک ممبر کبھی کبھی صفائی کر دیتا ہے، کچھ ممبر یہ کہتے ہیں کہ ہم کو تو زبردستی ممبر بنا دیا گیا ہے، لہٰذا سب کام متولی ہی کو کرنا پڑ رہا ہے، اہل محلّہ بھی کسی طرح کا تعاون نہیں کرتے، خاص کر جمعہ کو پوری مسجد کی صفائی کرنی ہوتی ہے، اور متولی کو ہی یہ کام اکیلئے انجام دینا پڑتا ہے، کوشش کر کے اسکول کے لڑکے اسکول کے ذمہ داروں سے بات کر لیتے ہیں، جو صفائی کر دیتے ہیں۔

لھذا آپ بتلائیں جن ممبروں نے ۲۰/ روپیہ تعاون دینے کیلئے مسجد کو کہا تھا،

اورانھوں نے چند ماہ دیا اسکے بعد بند کردیا ہر ماہ ان کو یاد بھی دلادیا گیا، کیاان کے اوپر مسجد کا یہ روپیہ باقی ہے، اوران کو یہ بقایا روپیہ دینا فرض ہے، یانہیں ان کے اوپر مسجد کا قرض رہا یانہیں اورممبروں نے متولی کا ساتھ دینا چھوڑ دیا اسکے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

(۳) اس طرح مسجد کے نمازیوں کیلئے استنجاء خانہ جو پہلے سے بناہوا تھا، وہ راستے میں تھا، اورآنے جانے پر بدبوآتی تھی، استنجاء خانہ دوسری جگہ کردیا گیا ہے، اس کے خرچ کیلئے اعلان کیا گیا ایک صاحب نے کہا کہ چھت پر جوخرچ آئیگا وہ میں ادا کرونگا، استنجاء خانہ تیار ہونے پر خرچ کا بل انکو دیا تو انھوں نے کہا میں ایک دوروز میں آپ کو دیدونگا، بعد میں انھوں نے دینے سے انکار کردیا، انکار کے بعدان صاحب سے پھر کہا بھی نہیں جبکہ یہ صاحب ایک مذہبی ادارے کے ذمہ دار بھی ہیں؟

المستفتي: اقبال احمد، متولی مسجد پیر شاہ والی،
محلّہ: بندوقچیاں، دھامپور، ضلع: بجنور، (یو پی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مسجد کی صفائی ستھرائی ثواب کا کام ہے، تمام ہی ذمہ داروں پر اسکا انتظام لازم ہے۔

عن عائشةؓ قالت: أمر رسول الله ﷺ ببناء المساجد في الدور وأن تنظف وتطيب. (سنن أبي داؤد، باب اتخاد المساجد في الدور، النسخة الهندية ۱/ ٦٦، دارالسلام رقم: ٤٥٥)

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: من أخرج أذى من المسجد بنى الله له بيتا في الجنة. (ابن ماجه، باب تطهير المساجد وتطيبها، النسخة الهندية ٥٥، دارالسلام رقم/ ٧٥٧)

(۲) بیس روپیہ ماہانہ طے شدہ کی ادائیگی ازروئے شرع ممبران پر لازم اورواجب نہیں ہے، البتہ عہدو پیمان کی وجہ سے اخلاقاً واستحساناً ممبران کوادا کردینی چاہئے، کیونکہ وعدہ

کی خلاف ورزی کرنا شرعاً مذموم ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ. (المائدہ: ۱)

(۳)اور جس شخص نے پیشاب خانہ کیلئے رقم دینے کا وعدہ کیا اور اسکے مطابق کام کرادیا گیا تو اب اس رقم کی ادائیگی اس شخص کے ذمہ لازم ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ۱۲/۲۷۲، ڈابھیل ۱۵/۳۱۲، میرٹھ ۲۲/۲۸۴، رحیمیہ قدیم ۶/۱۲۳، جدید ۹/۱۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۱/۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۰۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۷ھ

ضرورت مسجد کیلئے لئے گئے قرض کا ذمہ دار کون؟

سوال: [۸۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس مسجد کی ماہوار آمدنی بذریعہ کرایہ (یعنی مسجد کی کچھ دوکانیں ہیں) ۸۵۰/ روپئے ہے، اس مسجد کے متولی نے لوگوں کو حساب دیتے ہوئے بتلایا کہ اس وقت مسجد کے کاموں میں جو روپئے خرچ ہوئے ہیں وہ قرض لے کر خرچ کئے گئے ہیں، اور قرض ۲۵۰۰/ روپئے ہوگئے ہیں، نیز مسجد کی جائیداد یعنی دوکان کے کرایہ داران پر تقریباً اتنا ہی (یعنی ۲۵۰۰ روپئے) باقی ہیں، جو کرایہ داروں نے اب تک ادا نہیں کئے ہیں، مذکورہ بالا صورتوں میں مقروض مسجد کہلائے گی یا مقتدی یعنی جب تک متولی مسجد کو قرض سے بری نہ کرے اسوقت تک مذکورہ بالا قرضوں کے اندر مقروض مسجد کہلائے گی یا مقتدی مسجد، مدلل ومفصل شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: بہادر عالم قریشی محلّہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جبکہ ۸۵۰/ روپئے ماہوار مسجد کی آمدنی ہے اور بوقت ضرورت شدیدہ کمیٹی کی اجازت سے یا کمیٹی نہ ہونے کی صورت میں

دیانتدار متولی نے قرض لے کر مسجد کی ضروریات میں صرف کیا ہے، تو وہ قرض مسجد ہی کے ذمہ لازم ہوگا، اور مسجد کی آمدنی میں سے ادا کیا جائیگا، اور شرعاً مسجد ہی مقروض کہلائے گی نہ کہ مقتدیان مسجد۔

لايجوز الاستدانة على الوقف إلا إذا احتيج إليها لمصحلة الوقف كتعمير الخ وفي الشامية هو المختار أنه إذا لم يكن من الاستدانة بدٌّ يجوز بأمر القاضي إن لم يكن بعيداً عنه الخ. (الوقف، مطلب في الاستدانة على الوقف،زكريا٦/٦٥٧، كراچی ٤/٤٣٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٣)

ويجوز للمتولي إذا احتاج إلىٰ العمارة أن يستدين على الوقف ويصرف ذلک فيها والأولىٰ أن يكون بإذن الحاكم الخ. (البحرالرائق، كوئٹه ٥/٢١١، زكريا٥/٣٥٣)

والاستدانة أما إذا كان للوقف غلة فأنفق من مال نفسه لإصلاح الوقف فإن له أن يرجع بذلک في غلة الوقف. (البحرالرائق، كوئٹه ٥/٣١١، زكريا٥/٣٥٢، منحة الخالق، كوئٹه ٥/٢١١، زكريا ٥/٣٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رصفر المظفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۳۹)

جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں چندہ کرنے کا حکم

سوال: [۸۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے یہاں جمعہ کی نماز میں سلام کے بعد دعاء کرکے مسجد کے اخراجات کیلئے کچھ لوگ اٹھ کر پیسہ وصول کرتے ہیں، اور امام صاحب کچھ باتوں کا اعلان کرتے ہیں، جس کی وجہ سے اور دعاء کرنے میں تاخیر ہوتی ہے؟

المستفتي: محمودالحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اجتماعی دعاء ضروری نہیں ضرورتمند تنہا مانگ کر جاسکتے ہیں، مسجد میں اس طرح چندہ کرنا اگر مصلی کے سامنے گذرنا نہ ہو اور شق صفوف نہ ہو اورنمازی کیلئے ایذاء کا باعث نہ ہو تو جائز ہے، ورنہ ناجائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ / ۲۸ ۷، کفایت المفتی / ۱۲۵، جدید مطول ۵/ ۲۷۱، فتاویٰ محمودیہ قدیم/۴۸۲، جدید ڈابھیل ۸/ ۲۹۰)

ويكره إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس في المختار الخ. (شامی، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، و مايكره فيها قبيل مطلب في انشاء الشعر زكريا ٢/٤٣٣، كراچی ١/٦٥٩، مجمع الأنهر ،دارالكتب العلمية بيروت ٤/١٨٦، مصری قديم ٢/٥٢٨، بزازيه زكريا جديد ١/٥١، و على هامش الهندية زكريا قديم ٤/٧٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۷۷)

مسجد کیلئے چندہ کی گئی رقم سے بیت الخلاء وغیرہ بنانا

سوال: [۸۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کیلئے جو چندہ گاؤں سے کیا جاتا ہے، یا باہر سے لایا جاتا ہے، کبھی مسجد کی نئی تعمیر ہوتی ہے، اس کیلئے چندہ کیا جاتا ہے، کبھی پرانی مسجد کی ضروریات کیلئے چندہ کیا جاتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے، کہ اس چندہ کی رقم سے مسجد کے بیت الخلاء پیشاب خانے غسل خانے وضوخانے حوض وغیرہ بھی بناسکتے ہیں، جبکہ نہ چندہ لینے والا اسکی صراحت کرتا ہے، نہ چندہ دینے والا مخصوص کرکے دیتا ہے، کہ یہ رقم فلاں حصہ پر ہی لگنی چاہئے، اس عمومی چندہ سے مسجد کی ہر قسم کی ضروریات پوری کرسکتے ہیں۔

المستفتي: ابرار احمد قاسمی، محسن پور، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کیلئے چندہ کی گئی رقوم سے بیت الخلاء، غسل خانہ اور حوض وغیرہ بنانا درست ہے، کیونکہ یہ ساری چیزیں مسجد کی مصالح میں سے ہیں، لہٰذا مسجد کی رقومات کا ان چیزوں کی تعمیر میں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے۔

ویبدء من غلته بعمارته ثم ماهو أقرب بعمارته(درمختار) وفی الشامية: أي من غلته عمارته شرط الواقف أو لا ثم ماهو أقرب إلى العمارة وأعم للمصلحة كالإمام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف إليهم إلىٰ قدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ أخر المصالح هذا إذا لم يكن معيناً فإن كان الوقف معيناً على شيئی يصرف إليه بعد عمارة البناء.

(فتاویٰ شامی، الوقف، مطلب يبدأ من غلة الوقف بعمارته زكريا ٦/٥٥٩، ٥٦٠، كراچی ٤/٣٦٦، ٣٦٧، وهكذا فی الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٨٨، البحرالرائق، زكريا ٥/٣٤٨، كوئٹه ٥/٢٠٨، مجمع الأنهر دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٨٤، مصری قديم ١/٧٤١) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۱/۱۰ھ

محصلین مسجد کا چندہ کی رقم سے نصف لینے کا حکم

سوال: [۸۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محصلین مسجد کیلئے چندے کی رقوم میں سے نصف حصہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے چندہ کے نصف حصہ کو چندہ لانے والوں کو دیا جائے اور اس کو چندہ کی اجرت قرار دیا جائے تو اس طرح کمیشن پر چندہ جائز نہیں، بلکہ چندہ کیلئے تنخواہ دار ملازم رکھ لیا جائے تو جائز ہے، ہاں البتہ تنخواہ دار ملازم کو صرف حسن کارکردگی کی بناء پر تنخواہ کے ساتھ ساتھ کچھ انعام دیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

وشرطها كو ن الأجرة والمنفعة معلومتين الخ. (درمختار کتاب الإجارة، زکریا ۹/ ۷، کراچی ۶/ ۵)

ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة الخ. (هدايه، کتاب الإجارة، اشرفی دیوبند۳/ ۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۱/ ۱۴۲۶ھ

مسجد کی ضرورت پوری کرنے کیلئے محلّہ والوں سے رمضان میں چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے مہینے میں ہماری مسجد میں اخراجات بڑھ جاتے ہیں، مثلاً مسجد کے باہری حصہ میں بارش اور دھوپ سے بچنے کیلئے ٹینٹ لگایا جاتا ہے، اور لائن کا معاملہ صحیح نہ ہونیکی وجہ سے پورا مہینہ جنریٹر استعمال ہوتا ہے، جس میں تقریباً ۸۰، ۹۰ ر لیٹر تیل سے زیادہ خرچ ہوتا ہے، اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، مزید وضوخانہ بیت الخلاء صفائی کرنیوالے کی مزدوری اسکے علاوہ امام ومؤذن اور مسجد سے منسلک جو مکتب ہے اسکے مدرس کی کبھی تنخواہ اور کبھی ڈبل تنخواہ اس کا آمد کے اوپر دارومدار ہے دی جاتی ہے، اور مسجد کے فنڈ میں اتنی رقم نہیں ہے، کہ اس سے ساری ضروریات پوری کی جاسکیں جس کی وجہ سے مجبوراً ہم تمام ممبران کمیٹی اپنے محلّہ میں مسجد کے اخراجات کو سامنے رکھ کر چندہ

وصول کرتے ہیں، تاکہ مسجد کے تمام اخراجات کو آسانی پورا کرسکیں، پھر ہم لوگ اس مذکورہ رقم کو اکٹھا کرتے ہیں، اور اس میں سب سے پہلے ٹینٹ اور صفائی کی مزدوری اور ڈیزل کی رقم ادا کرتے ہیں، پھر جب رقم بچ جاتی ہے تو اس رقم سے امام ومؤذن ومکتب کے مدرس کو آمد کے اوپر ڈبل تنخواہ یا صرف تنخواہ دیتے ہیں، اور اگر کبھی ڈبل تنخواہ سے بھی زائد بچ جاتی ہے، تو امام ومؤذن اور مکتب کے مدرس کے درمیان مقام کے اعتبار سے تقسیم کر دیتے ہیں، یعنی امام صاحب کو زیادہ پھر مؤذن صاحب کو پھر مکتب کے مدرس میں تقسیم کر دیتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) ہم لوگوں کا اس طرح محلّہ میں مسجد کی اخراجات کیلئے چندہ وصول کرنا اور محلّہ والوں کا چندہ دینا کیسا ہے؟

(۲) کیا یہ وصول شدہ رقم تراویح کی اجرت میں داخل ہے یا نہیں؟

(۳) وصول شدہ رقم میں سے امام ومؤذن ومکتب کے مدرس وغیرہم کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں جو پس منظر پیش کیا گیا ہے، اس کے تحت میں محلّہ والوں سے مسجد کی ضروریات کیلئے چندہ کرنا اور اس چندہ کے پیسہ کو جس ترتیب سے خرچ کرنے کا سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے، وہ شرعاً جائز اور درست ہے، اسمیں کوئی حرج نہیں ہے، اور سوال نامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے، کہ تراویح پڑھانے والا امام ہمیشہ کا مستقل امام ہے، اور مستقل امام کی صورت میں ختم قرآن کی اجرت نہیں ہے، اسی طرح وصول شدہ رقم سے جنریٹر کا تیل اور مکتب کے مدرسین وغیرہ کی تنخواہ وغیرہ ادا کرنا سب جائز ہے۔

ولا لأجل الطاعات مثل الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (درمختار مع الشامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الاستئجار علی الطاعات زکریا ۷٦/۹، کراچی ٦/٥٥، امدادالفتاویٰ ٢/٧٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱؍ ۱۱۶۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۱۲ھ

مسجد میں گولک کے ذریعہ سے جمع شدہ رقم مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس کی کچھ جگہ بچی ہوئی ہے، تو اس میں مدرسہ کے نام پر تعمیر ہوئی ہے، بھلے سے اس میں ابھی مدرسہ نہیں لگ رہا ہے، ساتھ ہی پوری زمین کی باؤنڈری بھی ہوئی ہے، تعمیرات میں بیت الخلاء استنجاء خانہ وضوخانہ امام کا کمرہ کچن اور ایک دو کمرے اس نیت سے بھی بنائے گئے ہیں کہ اگر موقع لگا اور ضرورت پڑی تو اس کو کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی مسجد کے مصرف میں استعمال کی جائیگی، مسجد اور مدرسہ کا نظام ایک ہی ہے، ایک ہی انتظامیہ کے تحت سب چل رہے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسجد میں جمعہ کے دن گلک چلائی جاتی ہے، اس سے کچھ آمدنی ہو جاتی ہے، ظاہر ہے اس میں پیسے ڈالنے والوں کی نیت کا اندازہ لگانا مشکل ہے، کہ کس نے کس نیت سے ڈالا ہے تو اس رقم کو مسجد کے علاوہ مدرسہ کی مذکورہ تعمیرات میں نیز مسجد کے بیت الخلاء و وضوخانہ کی تعمیر میں لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ نفی کی صورت میں جو رقم استعمال ہو چکی ہے، اس کا کیا ہوگا، نیز استعمال کی کیا شکل ہو سکتی ہے، اور کہاں کہاں خرچ کیا جا سکتا ہے؟

المستفتي: منیر احمد، بیت العزیز سہاگ پور، شہڈول، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مساجد میں گولک کے اندر جو چندہ جمع ہوتا ہے، وہ زکاۃ یا صدقات واجبہ کا نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ صدقۂ نافلہ یا امداد و تعاون کی نیت سے دیا جاتا ہے، بریں بنا اس گولک میں جمع شدہ رقم مسئولہ صورت میں مسجد اور مدرسہ کی تمام ضروریات میں بلا کسی تفصیل کے خرچ کی جا سکتی ہے، اسلئے کہ حسب تحریر سوال چندہ دہندگان کو معلوم

ہے کہ مسجد ومدرسہ کی انتظامیہ کمیٹی ایک ہی ہے۔

اتحد الوقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه بسبب خراب وقف أحدهما جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه لأنهما حينئذ كشيئى واحد. (شامی، الوقف، مطلب فی نقل أنقاض المسجد ونحوه، زكريا٦/٥٥١، كراچی ٤/٣٦٠، مجمع الانهر ،دارالكتب العلمية بيروت٢/٥٩٦، مصرى قديم ١/٧٤٩)

مسجد له مستغلات و أوقاف أراد المتولى أن يشترى من غلة الوقف للمسجد دهنا أو حصيراً -إلىٰ- كان له أن يشترى للمسجد ماشاء. (هنديه ، الباب الحادى عشر فى المسجد وما يتعلق به زكريا قديم ٢/٤٦١، جديد ٢/٤١٣، المحيط البرهانى ، المجلس العلمى ٩/١٣٦، رقم: ١١٣٨١، الفتاوىٰ التاتار خانية زكريا٨/١٧٥، رقم: ١١٥٥٤)

رجل أعطى درهما فى عمارة المسجد أو نفقة المسجد أومصالح المسجد صح ، لأنه وإن كان لايمكن تصحيحه تمليكاً بالهبة للمسجد فإثبات الملك للمسجد علىٰ هذا الوجه صحيح فيتم بالقبض كذا فى الواقعات الحسامية. (هنديه ، زكريا قديم ٢/٤٦٠، جديد ٢/٤١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۲۵)

مسجد بنانے کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے، اور گاؤں کافی بڑا ہے، تقریباً ایک ڈیڑھ ہزار افراد رہتے ہیں، اس میں ایک اور مسجد کی ضرورت ہے، میں اپنی جگہ میں مسجد بنانا چاہتا ہوں، لیکن اتنی رقم نہیں ہے کہ خود اپنی ذاتی رقم سے مسجد تعمیر کرسکیں، تو چندہ کرسکتے ہیں، یا نہیں؟

جواب تحریر فرمادیں کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد شبیر الحق، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں جب مسجد کی سخت ضرورت ہے تو اس کیلئے چندہ کرنا جائز اور درست ہے، لیکن کسی پر جبر واکراہ نہ کیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴۹۳/۱۶، جدید ڈابھیل ۱۴۸/۱۵)

رجل أعطیٰ درهما فی عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح. (هندیه، الباب الحادی عشر فی المسجد ومایتعلق به، زکریا قدیم ۲/ ٤٦٠، جدید ۲/ ۲/ ٤١٢)

رجل بنیٰ مسجدا لله تعالیٰ فهو أحق الناس بمرمته وعمارته وبسط البواری والحصیر والقنادیل والأذان والإقامة والإمامة إن كان أهلاً لذلک فإن لم یكن فالرأی في ذلک إلیه. (هندیه، زکریا قدیم ۱/ ۱۱۰، جدید۱/ ۱۶۹)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، قبیل باب من غصب جارية .... دارالفکر بیروت ۸/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۴۸۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

مسجد کی ضرورت پوری ہونے کے بعد بھی چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کا تعمیر نو کیلئے چندہ مانگ سے مسجد کے دروازے پر کتنے دن تک کر سکتے ہیں، جبکہ پہلی منزل تیار ہے، دوسری منزل کیلئے چندہ کررہے ہیں، ایک شخص روزانہ تقریباً چار سال سے دو روپئے کی وصولیابی ہر دوکاندار سے کرتا ہے، کیا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا جا سکتا ہے، اس

صورت میں مسجد کی اہانت تونہیں ہے، لوگ ان دونوں کے اس فعل کے بارے میں برا بھلا کہتے ہیں، لیکن کسی کی ایک نہیں سنتا اس طریقہ کار کو روکنے کی کیا صورت ہے؟

المستفتي: محمد راغب حسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خاص کر ہندوستانی مساجد وغیرہ کی تعمیر وصرف کا مدار عوام اور اہل خیر حضرات کے چندہ پر منحصر ہے، اور حدیث شریف میں بھی مساجد کی تعمیر کرانے والے کی بڑی فضیلت وارد ہے اسلئے مساجد میں چندہ وغیرہ کے ذریعہ بڑھ چڑھ کر حصہ لینا باعث سعادت اور توفیق خداوندی ہے، اور اس سے گریز کرنا اور گراں سمجھنا محرومی ہے، البتہ خوش دلی کے ساتھ بقدر ضرورت چندہ کرنا چاہئے، جبر واکراہ کے ساتھ چندہ کرنا ممنوع اور ناجائز ہے، جو اپنی خوشی سے دے، اس سے لیا جائے، اور جو نہ دے اس پر جبر کرنا گناہ ہے اور ایسے مال کا مسجد میں لگانا بھی ناجائز ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں بحسب ضرورت خوش دلی سے چندہ لیا جائے، اور جب مسجد کی تعمیر کی ضرورت پوری ہو جائے تو پھر تعمیر کے نام پر چندہ کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ اس نام سے چندہ بند کر دینا لازم ہوگا، اور ضرورت پوری ہونے کے بعد اگر مذکورہ شخص وصول کرنے سے باز نہیں آتا ہے، تو اس سے رسیدیں ضبط کر لی جائیں اور لوگ بغیر رسید کے چندہ نہ دیں۔

عن محمد بن لبید، أن عثمان بن عفان، أرادبناء المسجد............ فقال: سمعت رسول الله ﷺ یقول: من بنیٰ مسجداً للّٰہ بنیٰ اللّٰہ له فی الجنة مثله. (صحیح مسلم، باب فضل بناء المسجد والحث علیها، النسخة الهندیة ۱/ ۲۰۱، بیت الافکار رقم: ۵۳۳، مسند الدارمي دارالمغنی ۲/ ۸۷۵، رقم: ۱۴۳۲)

لأن الله تبارک وتعالیٰ لایقبل إلا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله. (شامی، الصلاة، باب مایفسد الصلاة، ومایکره فیها قبیل مطلب فی أفضل المساجد زکریا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍جمادی الأخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۱۹/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۱ھ

کمیشن پر مسجد کا چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر کوئی شخص مسجد شریف کا چندہ کرے تو کیا وہ کمیشن لے سکتا ہے؟ اگر اسی شہر میں سے چندہ کرے جس شہر میں مسجد شریف ہے تو کتنا حصہ لے سکتا ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص دوسرے شہر سے مسجد شریف کا چندہ کر کے لائے تو کتنا کمیشن لے سکتا ہے، مسجد کے چندہ سے کمیشن لینا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد خورشید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص باقاعدہ تنخواہ دار ملازم نہیں ہے، اسکا محض کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں ہے، اسی شہر میں ہو یا دوسرے شہر میں ہو جائز نہیں ہے، اور اگر باقاعدہ تنخواہ دار ملازم ہے، اور چندہ کر کے لاتا ہے، پھر تنخواہ کے علاوہ کچھ رقم بطور انعام دی جاتی ہے تو یہ جائز اور درست ہے، لیکن یہ انعام نصف چندہ سے کم رہنا لازم ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۵)

ويصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة الخ. (هدايه، كتاب الإجارات اشرفي ۳/ ۲۹۳)

وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين. (شامی، زکریا ۹/ ۷، کراچی ۶/ ۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۴۸/۳۱)

جوٹنکی مسجد میں لگادی گئی اس کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جوٹنکی مسجد میں لگادی گئی ہے، اسکی مزدوری و قیمت ادا کردی گئی ہے، اب ان رسیدوں کو دکھا کر چندہ کیا جارہا ہے، یہ چندہ مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ یعنی استعمال میں آسکتا ہے، یانہیں؟ جواب سے سرفراز فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: ریاست علی، محلّہ کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رسید کے اندر جس کام کی تفصیل ہے اس رسید سے اس کے علاوہ دوسری غرض سے چندہ کرنا دھوکہ ہے، اسلئے جائز نہیں۔

عن أبي هريرة ؓ أن رسول الله ﷺ قال: من حمل علينا السلاح فليس منا ومن غشنا فليس منا. (صحيح مسلم، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، النسخة الهندية ۱/۷۰، بيت الافكار رقم: ۱۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۷۸۹)

ایک باغ کی جگہ دوسرے باغ کی قیمت مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۸۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے زمانۂ قدیم میں اپنی مملوکہ آراضی میں سے ایک حصہ اپنے قبرستان کیلئے مخصوص کیا اور اسمیں آم کا باغ لگایا، باغ کی آمد برابر مسجد میں صرف ہوتی رہی زید انتقال کرگیا اور ورثاء نے جہاں پر زید کی دیگر ملکیت کو تقسیم کیا وہاں پر قبرستان کیلئے مخصوص کردہ آراضی بھی تقسیم کی گئی

اور باغ کاٹ دیا گیا بعدۂ ورثاء نے باتفاق رائے اس آراضی میں دوسرا باغ لگایا اور اس زمین کو مسجد وقبرستان کیلئے مخصوص کردیا لیکن سرکاری کاغذات میں وہ زمین بنام مسجد درج ہے، اور گاؤں کا کوئی دوسرا قبرستان بھی نہیں تھا، علاوہ اس زمین کے جس کو لوگوں نے خاص اپنی ملکیت سے متعین کیا تھا، اب چونکہ گرام سبھا کی جانب سے بھی قبرستان متعین ہوگیا ہے، جو اسی پہلے قبرستان کے متصل ہے، تو کیا گرام سبھا کی جانب سے تجویز کردہ قبرستان کے بعد اس پہلے قبرستان میں مردوں کو دفن کیا جاسکتا ہے؟ نیز ماء مستعمل اور کوڑا کرکٹ وغیرہ اس باغ میں ڈالنا جبکہ کافی بدبو محسوس ہوتی ہے، کیسا ہے؟

المستفتي: وکیل احمد قاسمی، مدرس مدرسہ اسلامیہ، قصبہ، بڈنالہ، ضلع: رڑکی، ہری دوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید نے اپنی مملوکہ زمین سے جس جگہ کو خاص کرلیا ہے، اس جگہ کی آمدنی مسجد میں لگانا جائز ہے، کیونکہ درخت اسی کی ملکیت میں ہیں، اسے جہاں چاہے استعمال کرے اس کو اس بات کا اختیار ہے۔

مقبرة عليها أشجار عظيمة فهٰذا علىٰ وجهين إما إن كانت الأشجار نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرة أو نبت بعد اتخاذ الأرض مقبرة ففي الوجه الأول المسئلة على قسمين إما إن كانت الأرض مملوكة لها مالك أو كانت مواتا لا مالك لها واتخذها أهل القرية مقبرة ففي القسم الأول الأشجار بأصلها على ملك رب الأرض يصنع بالأشجار وأصلها ماشاء . (فتاویٰ عالمگیری، الوقف، الباب الثاني عشر، زکریا قدیم ۲/ ۴۷۳، ۴۷۴، جدید۲/ ۴۱۷، ۴۱۸)

جب گرام سماج نے میت دفن کرنے کیلئے دوسری جگہ متعین کردی ہے، تو اب وہ زمین جو مسجد کے نام درج ہے، اس زمین میں میت کا دفن کرنا جائز نہیں، اور وہ مسجد کی ملکیت ہے، اس کی آمدنی مسجد کو ملتی رہے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۱۴۸، ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۳)

أنفق مالا في إصلاح قبر فجاء رجل ودفن فيه ميتة وكانت الأرض موقوفة يضمن ما أنفق فيه . (شامي ، الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، زكريا ۳/۱۴۵، كراچی ۲/۲۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۱/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۲۰ھ

مسجد کیلئے کئے گئے چندہ سے مسجد کا موٹر پائپ وغیرہ خریدنا

سوال: [۸۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسجد میں مختلف طریقوں پر لوگ مسجد کی امداد کرتے ہیں، لوگوں سے یعنی محلّہ والوں سے سالانہ چندہ بھی لیا جاتا ہے، اور بیاہ شادیوں میں بھی لوگ مسجد کی امداد کرتے ہیں، اور بھی مختلف طرح سے لوگ روزانہ چندہ دیتے رہتے ہیں، علیٰحدہ سے کسی خاص کام کیلئے جب ہی چندہ کیا جاتا ہے جب مسجد میں کوئی تعمیری کام کرایا جاتا ہے، اور اس مختلف طرح کے چندہ سے ہی مسجد کے تمام مصارف پورے ہوتے ہیں، مثلاً امام کی تنخواہ چٹائی وغیرہ اور پانی کے نل کی مرمت وغیرہ کا خرچہ اس کے بعد بھی کچھ بچ جاتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ اس بچی ہوئی آمدنی میں سے پانی کی ٹنکی اور پائپ موٹر وغیرہ جسکی مسجد میں شدید ضرورت ہے لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بہت سے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ وقف کے مال سے مسجد میں نل وغیرہ نہیں لگایا جاسکتا ہے، اور نہ ہی مسجد کی پتائی قلعی چونہ میں اسکو صرف کیا جاسکتا ہے؟ اور نہ گرم پانی میں اسے صرف کیا جاسکتا ہے؟

المستفتي: محمد ایوب، امام مسجد صغیر والی، فضل گڈھ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مابقیہ رقم ضرورت مسجد مثلاً پائپ، موٹر، پانی، گرم پانی کرنے وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

ولـو أن قـومـاً بـنـى مسـجـداً وفضل من خشبهم شيئى قالوا يصرف الفاضل فى بنائه ولايصرف إلىٰ الدهن والحصير هذا إذ سلموه إلىٰ المتولى ليبـنـى بـه الـمسـجـد، وإلاّ يـكـون الـفـاضل لهم يصنعون به ماشاؤوا الخ.

(البحـرالـرائق، الوقف، فصل في أحكام المسجد، زكريا ٥/ ٤٢٠، كوئٹه ٥/ ٢٥٠، هنديه زكريا قديم ٢/ ٤٦٤، جديد٢/ ٤١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۵/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۵/۱۴۱۵ھ

مسجد کے برآمدہ کیلئے دی گئی رقم دیگر ضروریات میں صرف کرنا

سوال: [۸۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد ہاشم خاں مرحوم پاکستانی نے بحیات خود ایک فوقانی مسجد کے برآمدہ کیلئے کچھ روپیہ محبوب خاں مرحوم کو برموقع چندہ عنایت فرمایا تھا، محبوب خاں کے وارثوں کے کہنے کے مطابق مگر محبوب خاں نے کسی وجہ کے باعث وہ روپیہ مسجد کے متولی کو نہیں دیا تھا، اسی اثناء میں محبوب خاں اس دنیا سے رحلت فرما گئے، اور محمد ہاشم خاں بھی محبوب خاں کے چند ہفتہ بعد انتقال کر گئے، محبوب خاں کے وارثوں نے اس پیسہ کی اینٹ سریا سمنٹ لاکر مسجد کے مقام پر رکھدیا ہے، مسجد کے متولی کا کہنا ہے کہ برآمدہ کے بالمقابل مسجد کے حجرے کی چھت اور مسجد کے مکتب کا لینٹر پڑنا نہایت ضروری ہے، ورنہ مسجد کو کافی نقصان پہونچ سکتا ہے؟

محبوب خاں کے وارثین اس بات سے اتفاق نہیں کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسجد کی فوقانی چھت بنی چاہئے، دونوں میں آپسی اختلافات بھی ہیں، کیا متولی اس سریئے وغیرہ سے حجرے کی چھت بنواسکتے ہیں؟ جواب سے سرفراز فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: حنفی مصلیان، مسجد پیتا پاڈل، چاند پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برآمدۂ مسجد کے نام جو رقم ہاشم خاں نے دی ہے، وہ رقم خاص طور پر مسجد یا مسجد کے برآمدہ پر خرچ کرنا لازم ہوگا، خارج مسجد حجرے کی چھت بنانا اس رقم سے چندہ دہندہ کی غرض کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہوگا۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥)

نیز اگر حجرہ کی چھت کی زیادہ ضرورت ہو تو اس کیلئے الگ سے رقم فراہم کیجا سکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۴۰)

تعمیری چندہ سے مؤذن وخادم مسجد کو تنخواہ دینا

سوال: [۸۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد کی تعمیر کی رقم سے مؤذن وخادم مسجد کو بطور تنخواہ دی جا سکتی ہے؟

المستفتي: حضرت مولانا نصیر احمد صاحب،
ناظم: کتب خانہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رقم جمع کرنیوالوں کی غرض کے خلاف ہونے کی کی وجہ سے جائز نہیں ہے، ہاں البتہ رقم دہندہ کی اجازت سے جائز ہوسکتا ہے۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۴۵)

دیگر اوقاف کی دوکانوں کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر آگرہ میں اسلامیہ لوکل ایجنسی کے نام سے ایک سوسائٹی ہے، جو وقف بورڈ آف یوپی کا ادارہ ہے جس کی ملکیت میں جہاں بہت ساری دوکانیں اور مکانات ہیں، جن کی آمدنی سوسائٹی کے پاس آتی ہے، مزید عطیات بھی آتے ہیں، اب اس کمیٹی کے تحت شہر آگرہ کی متعدد مساجد ہیں جن کی نگرانی کمیٹی کرتی ہے جیسے کہ آئمہ اور مؤذنین کی تنخواہ خاک روب کی تنخواہ مزید مسجد کی مرمت اور تزئین انہیں کی ذمہ داری میں ہوتی ہے، تو کیا مذکورہ بالا آمدنی ان مساجد کی تزئین و مرمت میں خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: آفاق احمد قریشی،
سکریٹری، اسلامیہ لوکل ایجنسی، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوسائٹی کے ماتحت وقف کی دوکانوں کی آمدنی مساجد کے ائمہ و مؤذنین خاک روب کی تنخواہ اور مسجد کی مرمت و تزئین میں صرف کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ مسجد بھی وقف ہے، بلکہ وہ سب سے اعلیٰ درجہ کا وقف ہے، اور زکاۃ کے علاوہ جو عطیات آتے ہیں، ان کو بھی مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے۔

أن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد دار احياء التراث العربى ۱۷۹/٤، زكريا ٤٣٥/٣، تحت رقم الحديث: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ١١٨/٢)

يصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلىٰ أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه تحته فى الشامية: يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامى، والقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٥٤٩/٦، كراچى ٣٥٩/٤،

الموسوعة الفقهية الكويتية٤٤/ ١٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۸۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۱۲ھ

فصل کے موقع پر مسجد کیلئے دئے گئے غلہ کی رقم مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ہمارے گاؤں میں فصل کے موقعہ پر لوگ مسجد کیلئے غلہ دیتے ہیں، بعض دسویں حصہ کے اعتبار سے اور بعض اسکی رعایت کئے بغیر بعد میں اس کو نیلام کر کے مسجد کے کسی بھی مصرف میں استعمال کرتے ہیں، کیا اس طرح جمع شدہ غلہ کی رقم کو مسجد کے مصارف تعمیرات وغیرہ میں استعمال کرنا جائز ہے، اور مسجد کی آمدنی اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

(۲) فصل کے موقع پر جو غلہ مسجد میں جمع ہوا ہے، اس پر اگر عشر کا اطلاق ہوگا تو اسکو کہاں کہاں دے سکتے ہیں؟ کیا امام کو بھی دے سکتے ہیں؟ واضح طور پر مفصل ومدلل جواب سے مطلع فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد اشفاق، مکن پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مساجد و مدارس میں جو غلہ آتا ہے، وہ امداد ہی کا ہوتا ہے، اسلئے اس کی رقم سے تنخواہ دینا یا تعمیر میں لگانا سب جائز ہے، اور اس میں شخصی ملکیت بھی متصور نہیں ہے۔

والتمليك في غير الملك لايتصور. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في الشرائط التي ترجع إلىٰ المال زكريا٢/ ٨٨، كراچی ٢/ ٩، حاشية چلپی امداديه ملتان ٢٥٢/١، زكريا ١٩/٢ ، الموسوعة الفقية الكويتية٢٣٦/٢٣ ، ١٧٣/٤٤)

(۲) اتر پردیش کی کوئی زمین عشری نہیں ہے، اسلئے یہاں کی زمین پر عشر واجب نہیں

ہے، لہٰذا یہاں کی پیداوار سے جو کچھ مساجد و مدارس کو دیا جاتا ہے، وہ بہرحال امداد وعطیہ ہے چاہے، اس کا نام عشر رکھے یا امداد یا عطیہ، لہٰذا اس کو تنخواہوں میں خرچ کرنا بلاتردد جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۱۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ محرم ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۳۰۵/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۵ھ

مسجد اور مدرسہ کیلئے الگ الگ چندہ کرنا

سوال: [۸۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں میں مسجد تعمیر ہورہی ہے، لیکن مسجد کے نیچے تہ خانہ کی شکل کا ایک ہال رہے گا، اوراوپر مسجد تعمیر ہوگی اور ابھی سے منتظمین کا ارادہ ہے کہ اس ہال میں مدرسہ یا مکتب رہے گا، اوراوپر مسجد رہے گی، تو دریافت یہ امر ہے کہ کیا اس تہ خانہ کی تعمیر کیلئے الگ سے چندہ کرنا پڑے گا، یا جو چندہ مسجد کیلئے ہوا ہے وہ بنیاد سے لیکر اوپر تک لگے گا، شرعی حکم تحریر فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد عمران، سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مسجد بنانے سے قبل نیچے مدرسہ بنانے کا ارادہ ہے تو وہ حصہ مسجد سے خارج ہوگا، اوراس کا حکم مسجد سے بالکل الگ ہوگا، اسلئے کہ اسکا خرچ بھی مدرسہ ہی کے نام سے وصول کرنا ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۸۱، جدید زکریا ۹/ ۸۷)

أما إذا اختلف الواقف أو اتحد الواقف واختلفت الجهة بأن بنيٰ مدرسة ومسجداً، وعين لكل وقفا، وفضل من غلة أحدهما، لايبدل شرط الواقف، وكذا إذا اختلف الواقف لاالجهة، يتبع شرط الواقف .... هذا هو الحاصل من الفتاویٰ وقد علم منه أنه

لایجوز لمتولی الشیخونیة بالقاهرة صرف أحد الوقفین للآخر . (البحرالرائق، کتاب الوقف زکریا ٥/٣٦٢، کوئٹہ٥/٢١٦، ٢١٧، وهکذا في الدر مع الرد، مطلب فی نقل القاضی المسجد نحوه، زکریا ٦/٥٥١، کراچی ٤/٣٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱؍۳۶۵۴)

شادی میں مسجد و مدرسہ کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شادی کے دن مدرسہ اور مسجد کیلئے چندہ لیا جاتا ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: شمس الحق، جھارکھنڈی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شادی کے دن لڑکے یا لڑکی والوں کی طرف سے بخوشی اگر مدرسہ یا مسجد میں چندہ دیا جائے تو لینا درست ہے، زبردستی دباؤ کے ساتھ مشروع نہیں؟

عن أبي حرة الرقاشی ، عن عمه أن رسول اللہ ﷺ قال: لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه . (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الغصب، قبیل باب من غصب جاریة ثم باعها.......... دارالفکر ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

لایجوز لأحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی. (قواعد الفقه، اشرفی/ ١١٠، رقم: ٢٦٩) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍۷؍۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵؍۷۳۰۴)

مسجد اور مدرسہ کا مشترکہ چندہ

سوال: [۸۱۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چند حضرات نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنانے کا پروگرام بنایا اس کیلئے زمین خریدی گئی قیمت کی ادائیگی کیلئے چندہ کیا گیا کچھ چندہ بنام مدرسہ اور کچھ چندہ بنام مسجد اور اکٹھا کرنیکے بعد زمین والوں کو دیدیا گیا، ادا کردہ رقم میں تقریباً نصف رقم وہ ہے جو مسجد کے نام سے جمع کی گئی ہے، اس کے حساب سے مسجد کو تقریباً آدھی ہی زمین ملنی چاہئے لیکن ہمارا ارادہ مسجد کو ابتداء ہی سے ایک ثلث یا اس سے بھی کم دیئے جانے کا ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا اپنے ارادہ کے مطابق مسجد و مدرسہ بنانے کی صورت میں منجانب مدرسہ مسجد کو زمین کے تناسب سے رقم واپس کرنی پڑے گی یا نہیں؟

المستفتي: سیف اللہ نگلیاں عائل، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جتنی رقم مسجد کے نام سے جمع ہوئی ہے، وہ سب مسجد ہی کے مد میں خرچ کرنا لازم ہے، لھذا مذکورہ سوال میں آدھی زمین مسجد کی ہوگی یا ایک ثلث زمین مسجد کو دیکر بقیہ کی قیمت مسجد کو دیدی جائے، جو مسجد کے صرفہ میں خرچ کی جائے ورنہ جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۹۶، فتاویٰ محمودیہ ۶/۲۱۰، ڈابھیل ۱۵/۱۵۰)

علیٰ أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ.

(شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، كراچی ٤/٤٤٥، زكريا ٦/٦٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۸۶)

مسجد و مدرسہ کے چندے اور اپنے پیسوں سے مکان تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنی بستی کی خستہ حالت کو دیکھ کر مسجد ومکتب کے لئے مختلف جگہوں سے مختلف لوگوں سے چندہ وصول کیا پھر للہ ایک جگہ خریدی ساتھ ہی اپنی ذاتی رقم بھی صرف کی اور مذکورہ جگہ کی قیمت نصف چندہ شدہ پیسے سے ادا کی اور نصف اپنی ذاتی رقم سے ادا کی پھر نصف خرچ سے مذکورہ جگہ کے اوپر چھ کمرے بنائے، لیکن مذکورہ شخص نے نصف جگہ مع کمرے کے مسجد کے نام چڑھاتے ہوئے اپنے نام پر رجسٹری کرائی، اور ایک مدت تک ان چھ کمروں کا نصف کرایہ مسجد کے حوالے کرتا رہا، اتفاقاً مذکورہ آدمی کے ساتھ جماعت المسلمین کا کسی بات پر جھگڑا ہو جاتا ہے، اور جھگڑے کے دوران مذکورہ شخص اس کمرے کے اوپر احسان جتلا بیٹھتا ہے، جس کے سبب جماعت المسلمین کا مذکورہ شخص سے کہنا ہے کہ آپ نصف جگہ کے ساتھ تین کمرے مسجد کے نام پر وقف کر کے رجسٹرڈ کرا دیں اس لئے کہ آپ نے چندہ کے پیسے سے یہ نصف جگہ اور نصف کمرے تیار کئے ہیں، اور چندہ وہ بھی مسجد کے نام پر کیا ہے، لیکن مذکورہ شخص مسجد کے نام پر یا جماعت المسلمین ٹریسٹ کے نام رجسٹری یا وقف کرنے کیلئے تیار نہیں ہے، جس کے سبب جماعت المسلمین مذکورہ شخص کو جماعت سے خارج کر دیتی ہے، اور یہ بھی کہہ دیتی ہے کہ آپ کے احسان کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اب جماعت المسلمین نے ان تینوں کمروں کا کرایہ لینا چھوڑ دیا اس لئے مذکورہ شخص نے اپنے مکان میں مکتب کھول کر اپنے بچوں کو دینی تعلیم دینے کا انتظام کیا، لیکن تعلیم دینے والے معلم کا ماہانہ معاوضہ ان تینوں کمروں کے کرایہ مسجد کے نام پر نہ دیتے ہوئے مذکورہ معلم کو دیا جاتا ہے، اب اس صورت حال میں مذکورہ شخص اور مذکورہ معلم کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے، نیز مذکورہ شخص جب مرض الموت میں پہونچتا ہے، وہ اپنے دو بیٹوں کو یہ وصیت کرتا ہے کہ دیکھو میرے بعد اگر تم جماعت کے

ساتھ پڑھاؤ تو بھی یہ جائیداد مسجد کے نام یا جماعت المسلمین کے ٹریسٹ کے نام پر وقف کر کے حوالہ نہ کرنا اور رجسٹرڈ نہ کرنا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی وصیت کی کہ اس پیسہ میں خیانت بھی نہ کرنا جو میں نے شکل دی ہے، اس پر خرچ کرتے چلے جانا یہ کہہ کر وہ دنیا سے چل بستا ہے، اب ان دونوں بیٹوں سے سب جماعت المسلمین کا کہنا ہے، کہ آپ کے والد نے مسجد کے نام پر چندہ جمع کیا تھا، اور اس سے مسجد کے لئے جو جائیداد بنائی تھی، اس کو مسجد کے نام پر وقف کر کے رجسٹری کردو اس لئے کہ مرحوم نے کہا تھا، کہ ہم نے افریقہ سے مسجد کے نام پر اتنے پیسے جمع کئے ہیں، اور اس سے مسجد کے نام پر اتنے پیسے جمع کئے ہیں، اور یہ جو جائیداد بنا رہا ہوں وہ للہ ہے، لہٰذا جب انھوں نے اپنی زبان سے جماعت کے سامنے سب باتوں کا اقرار کیا تو شرعاً اس جائیداد کو مسجد کے نام کرنا ضروری ہے، لیکن یہ دونوں بیٹے یہ کہہ کر عذر کر دیتے ہیں، کہ مرحوم کی وصیت ہے کہ وقف نہیں کرنا، لٰھذا برائے مہربانی ہر ایک کے لئے یعنی معلم اور ان دونوں بیٹوں کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟ ہمیں جلد از جلد تحریر فرمائیں تاکہ ہم خانہ جنگی سے بچ سکیں، اور شرع کے اوپر عمل کرنا سہل ہو جائے، آپ کی بہت بہت مہربانی ہوگی؟

المستفتي: احقر عبدالعظیم صدیقی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ حالات کے پیش نظر جس شخص نے بستی کی خستہ حالت کی بنا پر مسجد و مکتب کے نام سے چندہ کر کے زمین خریدی ہے، اگر وہ زمین خریدتے وقت اور اپنی طرف سے ذاتی طور پر نصف رقم دیکر کمرہ بنواتے وقت اس بات پر گواہ یا اعلان نہیں کیا تھا، کہ نصف کمرے میری ذاتی ملکیت ہوں گے، تو تمام کمرے شرعاً مکتب و مسجد کے لئے وقف ہو چکے ہیں، شخص مذکور کی کوئی ملکیت اس میں نہیں ہوگی، البتہ اگر نصف کمرے اپنی ذاتی ملکیت ہونے کا اعلان یا گواہ بنائے تھے، تو مذکورہ کمروں میں نصف کا حق اس کو حاصل ہوگا، لیکن سوالنامہ میں یہ بھی ہے کہ شخص مذکور نے بوقت انتقال اس بات کی

وصیت کی ہے کہ اس میں خیانت نہ کرنا تو اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ مذکورہ چندہ و کمرے سب مکتب قائم کرنے کیلئے فراہم کئے تھے، نہ کہ مسجد کے لئے تو اگر واقعہ ایسا ہے تو چاروں کمرے مکتب کے لئے ہوجائیں گے، اور اگر نصف مکتب کیلئے اور نصف مسجد کیلئے بنائے گئے تھے، تو نصف مسجد کے نام اور نصف مکتب کے نام کردینا واجب ہوگا، ورنہ چندہ دہندگان کی غرض کی مخالفت لازم آئیگی، اور چندہ دہندگان کی غرض کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔

بنى المتولى من مال الوقف فى عرصة الوقف أو من مال نفسه للوقف أولم يذكر شيئا كان وقفاً بخلاف الأجنبى وإن شهد أنه بناه لنفسه كان ملكا له . (فتاویٰ بزازیہ ، الوقف ، الفصل الرابع فى المسجد ،وما يتصل به زكريا جديد٣/ ١٤٤، وعلى هامش الهنديه ٦/ ٢٧٠)

فإن كان البانى المتولى عليه فإن كان بمال الوقف فهو وقف سواء بناه للوقف ، أو لنفسه أوأطلق وإن من ماله للوقف أو اطلق فهو وقف إلا إذا كان هو الواقف وأطلق فهو له كما فى الذخيرة وإن بناه من ماله لنفسه وأشهد أنه له فهو له الخ . (شامى، مطلب فى حكم بناء المتولى وغيره فى أرض الوقف ،زكريا ٦/ ٦٧٩ كراچى ٤/ ٤٥٥، الموسوعة الكفقهية الكويتية٤٤ /١٨٥)

المتولى لو أنفق على الوقف من ماله وشرط الرجوع له الرجوع الخ . (عالمگیری ، الباب الخامس فى ولاية الوقف زكريا قديم ٢/ ٤١٦، جديد ٢/ ٣٥٤)

المتولى إذا أنفق من مال نفسه فيرجع فى مال الوقف له ذلك فإن شرط الرجوع يرجع وإلا فلا. (البحرالرائق، كوئٹہ ٥/ ٢١٢، زكريا ٥/ ٤٤٨)

صح أيضاً وقف كل منقول قصداً فيه تعامل للناس وفى الشامية: ولما جرى التعامل فى زماننا فى البلاد الرومية وغيرها فى وقف الدراهم والدنانير دخلت تحت قول محمد المفتى به الخ. (شامى، مطلب فى وقف الدراهم والدنانير زكريا ٦/ ٥٥٥، كراچى ٤/ ٣٦٣)

إن مراعاة غرض واقفين واجبة الخ . (شامى، مطلب مراعاة غرض الواقفين

واجبة کراچی ٤/ ٤٤٥، زکریا ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۹۸)

قبرستان کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے قبرستان میں کچھ پیڑ خودرو ہیں، اور ایک باغ گاؤں والوں نے قبرستان میں لگایا ہے آم کا، عرصہ دراز سے گاؤں والے قبرستان سے لکڑی کاٹ کر مسجد میں پانی گرم کرنے کے کام میں لاتے ہیں، اور جو باغ ہے اسکی آمدنی بھی مسجد میں لگاتے ہیں، زید کہتا ہے، ایسا کرنا ناجائز ہے شرعی فیصلہ سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: شوکت حسین، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی آمدنی اسی قبرستان میں لگانا ضروری ہے، کسی اور جگہ صرف کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر قبرستان کو بالکل ضرورت نہیں ہے، مثلاً چہاردیواری بنانا وغیرہ تو قبرستان کے ذمہ داروں کے مشورہ سے آمدنی کو مسجد یا مدرسہ میں صرف کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۰۶، ڈابھیل ۱۵/ ۱۷۱، کفایت المفتی ۷/ ۱۲۱، جدید مطول ۱۰/ ۲۳۳، احسن الفتاویٰ ٦/ ۴۱۸)

علی أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الوقفين واجبة کراچی ٤/ ٤٤٥، زکریا ٦/ ٦٦٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۴/۲۵ھ

قبرستان کے درخت یا ان کی آمدنی مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے درختوں کو کاٹ کر اسی درخت کو یا اس کی قیمت کو مسجد کے کاموں میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی کیا صورت ہے، اسی طرح اگر اسی پیسہ سے مسجد کیلئے زمین خرید کر مسجد کے نام پر وقف کردی تو جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد اسرائیل، مدنا پوری، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اسی مقبرہ میں صرف کرنے کی کوئی صورت ہے تو اس میں صرف کریں، ورنہ اس سے قریب قبرستان میں صرف کریں۔

كما استفاده من الشامي، لايجوز صرف وقف مسجد خرب إلىٰ حوض وعكسه وفى شرح الملتقىٰ يصرف وقفها لأقرب مجانس لها الخ.

اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ذمہ داروں کے مشورہ سے مساجد کے کاموں میں صرف کر سکتے ہیں۔

سئل نجم الدين فى مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلىٰ عمارة المسجد قال نعم إن لم تكن وقفا على وجه آخر ،قيل له فإن تداعت حيطان المقبرة إلىٰ الخراب يصرف إليها أو إلىٰ المسجد قال إلى ماهى وقف عليه إن عرف وإن لم يكن للمسجد متولي ولا للمقبرة فليس للعامة التصرف فيها بدون إذن القاضي. (هنديه الوقف ، الباب الثاني عشر فى الرباطات والمقابر ...... زكريا قديم ٢/٤٧٦ ، جديد ٢/٤١٨ ، المحيط البرهاني ، المجلس العلمي ٩/١٤٩ ، رقم: ١١٤٣٤ ، الفتاوىٰ التاتار خانية ،زكريا ٨/١٩٤ ، رقم: ١١٦١٧ ، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶۰/۲۳)

قربانی کی کھالوں کی رقم کوتملیک کے بعد مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کی کھالوں کی رقم تملیک کرکے کچھ لوگ مسجد کی تعمیر میں لگاتے ہیں، اوراس کو جائز بتاتے ہیں،تو کیااس طرح تملیک درست ہے؟ اور تملیک کے بعد حاصل ہونے والی رقم تعمیر مسجد میں لگ سکتی ہے، کیاتملیک بلاضرورۃ کے ہوسکتی ہے؟ عموماً مساجد کی تعمیر میں تزئین پر زور دیا جاتا ہے،تو کیاتزئین میں یہ رقم لگائی جاسکتی ہے، قبرستان وغیرہ کی زمین کیلئے تملیک سے حاصل شدہ رقم لگ سکتی ہے، دلائل شرعیہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں،نوازش ہوگی

المستفتي: (حضرت مولانا) محمد سالم القاسمی، مدرس جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی،مرادآباد، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئلہ مذکورہ میں دوچیزوں کوملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) نفس حیلۂ تملیک کب جائز ہے،اورکس قسم کی ضرورت کیوجہ سے جائز ہوسکتا ہے۔

(۲) حیلۂ تملیک کر چکنے کے بعد جہاں چاہے وہاں خرچ کا جائز ہونا یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں، دونوں کوالگ الگ سمجھنا چاہئے ، اور دونوں پر حکم بھی الگ الگ لگے گا، امراول کا حکم یہ ہے کہ ایسی شدید ضرورت پیش آجائے کہ اگر حیلۂ تملیک کرکے رقم حاصل نہ کی جائے تو حرام اورمعصیت میں مبتلا ہونے کا سخت خطرہ ہے، یا دینی ضرورت پوری نہ ہونے کی وجہ سے زبردست دینی نقصان ہونے کا خطرہ ہے،تو حیلہ جوفی نفسہ ناجائز ہے حرام اورمعصیت سے بچنے کیلئے اور دینی نقصان سے بچنے کیلئے عارضی طور پر جائز ہوجاتا ہے، اوراس طرح حیلہ سے گناہ بھی نہ ہوگا، اوراگر زبردست دینی نقصان یاحرام ومعصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہیں ہے، اور مسلمانوں کی امداد سے ضرورت

پوری ہوجاتی ہے،توحیلۂ تملیک ہرگز جائزنہیں ہے،اسلئے کہ صدقۂ واجبہ اوررقم چرم قربانی وغیرہ فقراء ہی کا حق ہے، بغیرضرورت شدیدہ اس کوتلف کرنا ہرگز جائزنہیں ہے، اور سوالنامہ کی درج شدہ شکل میں تعمیر مساجد اورقبرستان کے اخراجات میں ایسی شدید ضرورت نہیں ہے،مسلمانوں کی امداد سے بآسانی یہ ضرورت پوری ہوسکتی ہے، نیز تزئین مساجدتوکسی بھی درجہ کی ضرورت میں داخل نہیں ہے،اس لئے حیلۂ تملیک کرکے خرچ کرنے والے سب لوگ سخت ترین گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

والاحتيال للهروب عن الحرام والتباعد عن الوقوع فی الآثام لابأس به بل هو مندوب إليه وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان (قوله) ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری ، كتاب الحيل ، باب شرك الحيل ، دارا حياء التراث العربي ٢٤/ ١٠٨ ، ١٠٩ ، زكريا ٩/ ٢٣٩ ، تحت رقم الحديث: ٦٩٥٣ ، الفتاویٰ التاتار خانية زكريا ١٠/ ٣١١ ، رقم : ١٤٨٤ ، ٦ ٤٨٤ ، هنديه زكريا قديم ٦/ ٣٩٠ ، جديد٦/ ٣٩٣)

امرثانی کاحکم یہ ہے کہ اگرحیلۂ تملیک ہوچکاہے،تواب وہ رقم صدقہ کے دائرہ سے باہرہوچکی ہے، اسلئے تعمیر مساجد وغیرہ مذکورہ اموریں خرچ کی جائے توصحیح بھی ہوجائیگی، لیکن بےموقع حیلۂ تملیک کرنے کا گناہ بھی الگ سے ہوگا،تومعلوم ہوا کہ ایسی صورت میں حیلۂ تملیک کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور حیلہ شدہ رقم کو امور مذکورہ میں خرچ کرنا بھی صحیح ہوجاتا ہے،اب حیلہ کرنے والے خودخیرمنائیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۹رمحرم الحرام۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/۲۹۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۱۳ھ

بلاحلالہ مطلقۂ ثلاثہ کورکھنے والے سے مسجد میں چندہ لینا

سوال: [۸۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مقصود نامی ایک شخص نے اپنی بیوی فاطمہ کو مقبرہ اول درگاہ نئی آبادی میں تین مرتبہ ایک مجلس میں طلاق دیدی ہے، اور اسکا فتویٰ مدرسہ شاہی سے فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۳۵۶ کے حوالہ سے ۱۹/۹/۸ کو آیا اور مدرسہ جامعہ نعیمیہ سے مذکورہ بالاتحریر ۱۹/۹/۸۸ کو درمختار کے حوالہ سے فتویٰ مل گیا کہ طلاق واقع ہوگئی بغیر مطالبہ مہر وخرچہ کا اہل محلّہ اور دوسرے محلّہ کے اشخاص اور لڑکی نے کہا کہ ۱۰/۱۰/۸۸ کو آئینہ عالم میں بھی نکل گیا کہ مقصود حسین نے مذکورہ بیوی کو طلاق دیکر گھر سے نکالدیا ہے، اور وہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی، اور عدت کرنے لگی مقصود حسین نے عدالت کو اپنی پریشانی دکھا کر فاطمہ کو پولیس کے ذریعہ عدالت میں پیش کر کے اپنی بیوی بنا کر اپنے گھر لے آیا اور بیوی فاطمہ بھی مقصود کے ساتھ چلی آئی، اب اہل محلّہ سخت پریشان ہیں، کہ اس حالت میں مقصود سے کیا واسطہ رکھیں اور اس کا پیسہ مسجد میں بطور چندہ لیں یا نہ لیں اس گناہ سے اہل محلّہ کس طرح سبکدوش ہوسکتے ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں سب مسلمانوں کو آگاہ کیجئے، عین مہربانی ہوگی؟

المستفتی: اہل محلّہ مقبرہ اول درگاہ نئی آبادی، عبدالوحید، بقلم خود عاشق حسین، گھوڑے والے، عبدالغفار، عبداللطیف، عبد الرشید، عبدالوحید، محمد عرفان محمد یامین، محبوب حسن، شاہد حسن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مطلقۂ ثلثہ کو بلا حلالہ کے اپنے پاس رکھنا حرام اور زنا کاری ہے اور گناہ کبیرہ وعذاب الٰہی کا سخت خطرہ ہے، علاقہ اور برادری والوں پر لازم ہے کہ اسے سمجھا کر علیحدہ کردیں اور اگر باز نہ آئے تو باز آنے تک برادری وعلاقہ کے لوگ اس سے بائیکاٹ کرلیں، نکاح، شادی، کھانا پینا لین دین مسجد میں چندہ وغیرہ سب معاملات میں مقاطعہ کرلیں ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔

بقوله تعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ . (هود: ۱۱۳)
وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ . (المائده: ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۴/۱۱۷)

ہر فرد سے بلا امتیاز غریب وامیر جبراً تین کلو اناج وصول کرنے کا حکم

سوال: [۸۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ کی جتنی بھی مساجد ہیں سب میں فی یونٹ چندہ اکھٹا کیا جاتا ہے، مثلاً کسی کے ۲/ بچے ہوں تو اس کو ۳/کلو فی یونٹ کے حساب سے ۶/کلو ہر فصل پر اناج دینا ہوتا ہے، اگر کسی کے ۱۰/ بچے ہوں تو ۳۰/کلو اناج دینا ہوتا ہے، خواہ وہ امیر ہو یا غریب اور اگر کوئی نہ دے بوجہ غربت یا تنگدستی تو اس سے جبر واکراہ کیا جاتا ہے، بصورت دیگر قبرستان میں دفن کرنے نہ دینا اسی طریقہ سے پنچایت فنڈ سے برتن نہ دینا وغیرہ قانون لاگو کر دیا جاتا ہے، اس لئے آپ سے درخواست ہے، کہ براہ کرم مسئلہ کا مفصل باحوالہ جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟ اللہ آپ کو اس کا بہترین بدلہ دے گا؟

المستفتی: محمد نوشاد، تاراپور، بڑھاپور، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جو قانون بنایا گیا ہے، کہ گھر کے ہر ممبر کے لحاظ سے ۳/کلو فی ممبر کے حساب سے اناج وصول کیا جائے گا، تو یہ اس وقت درست ہے، جبکہ تنگدست اور غریب کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے، غریب آدمی پر جبر واکراہ کے ساتھ اناج وصول کرنے کے لئے دباؤ ڈالنا شرعاً جائز نہیں ہے، سرمایہ داروں پر لازم ہے، کہ غریبوں کو اس سے مستثنیٰ کر کے خود یہ بوجھ اٹھائیں۔

عن أنس بن مالکؓ أن رسول الله ﷺ قال لایحل مال امرئٍ مسلم إلا بطیب نفسہٖ. (دار قطنی ،دارالکتب العلمیة ۳/۲۲، رقم: ۲۸۶۲)

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا عن طیب نفسه. (دارقطنی ، البیوع ، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/۲۲/رقم: ۲۸۶۳ شعب الإیمان ، باب فی قبض الید عن الأموال المحرمه ، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/۳۸۷، رقم: ۵۴۹۲)

عن عمرو بن یثربی قال: شهدت رسول الله ﷺ في حجة الوداع بمنیٰ فسمعته یقول: لا یحل لامرئ من مال أخیه شیئی إلا ما طابت به نفسه. (دارفطنی ، البیوع، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/۲۲، رقم: ۲۸۶۰) *فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم*

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۰۱۹/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۵/۱۴۳۶ھ

۲۰ /الفصل العشرون: مسجد میں صدقات کا حکم

صدقات واجبہ کی رقم سے مسجد کا غسل خانہ وغیرہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں موضع حسام پور ضلع مرادآباد میں ایک جدید مسجد تعمیر ہوئی ہے، اس میں پیسہ کی قلت کی وجہ سے غسل خانہ، پاخانہ، پیشاب گھر اور وضوخانہ کی نالی کچھ پیسہ زکوٰۃ وفطرہ کا رکھا ہوا تھا، اس سے بنوادیا اب اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ شریعت کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: حافظ محمد یامین، حسام پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد یا کسی بھی طرح کی تعمیر میں زکوٰۃ یا صدقات واجبہ کی رقم کا صرف کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اسلئے جن لوگوں نے غسل خانہ، پیشاب خانہ وضو خانہ وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ صدقہ فطر کی رقم خرچ کی ہے، وہ شرعاً خائن ہیں، ان کے ذمہ لازم ہے کہ وہ مسجد کے فنڈ یا اہل محلّہ سے وصول کر کے زکوٰۃ وفطرہ کی خرچ شدہ رقم کو واپس کریں۔

لايجوز أن يبنىٰ بالزكاة المسجد اه . (عالمگیری، الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف، زکریا قدیم ۱/۱۸۸، جدید ۱/۲۵۰)

قال رحمه الله وبناء مسجد أي لايجوز أن يبني بالزكاة المسجد؛ لأن التمليك فيها شرط ولم يوجد . (تبیین الحقائق، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۳۰۰، زکریا ۲/۱۲۰)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لاإباحة كمامر لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد . (شامی، الزکاۃ، باب المصرف، زکریا ۳/۲۹۱، کراچی

۲/ ۳٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۲۴)

روزہ کے فدیہ کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے مسجد بن رہی ہے، روزوں کا پیسہ مسجد میں لگادوں، یا مدرسہ میں کھانے کیلئے دیدوں؟

المستفتی: سیدہ بیگم، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: روزے کا فدیہ غریب مسکین، لوگوں کو دینا لازم ہے، مسجد میں دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں دینا بھی جائز نہیں ہے، البتہ مدرسہ کے غریب طلباء کو دینا جائز ہے۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهُ فِدْيَةٌ (أي اعطاء ها) طَعَامُ مِسْكِيْنَ . (سورہ بقرہ آیت :۱۸۳، روح المعانی زکریا ۲/ ۸۷)

ومصرف الزكوٰة هو فقير وتحته فى الشامية: وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغيره ذلك من الصدقات الواجبة . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۸ھ

قربانی کی کھال کی قیمت مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر مسلمانان عالم جن جانوروں کی قربانی کرتے ہیں، ان کی چرم کا صحیح مصرف کیا ہے؟ آیا مسجد کی تعمیر میں اس چرم کو فروخت کر کے اس کا روپیہ لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: انتظار حسین، کھسیا کنڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چرم قربانی کو بیچ کر رقم مسجد میں لگائی جائے تو یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ جب قربانی کی کھال بیچ دی گئی تو اب اس رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے، مساجد وغیرہ میں صرف کرنا ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۹/ ۳۱۷، جدید زکریا ۱۰/ ۴۱، فتاویٰ محمودیہ جدید ۱۷/ ۴۶۰، ڈابھیل ۱۷/ ۴۶۰، امداد الفتاویٰ زکریا ۳/ ۵۶۶، کفایت المفتی ۸/ ۲۴۷، جدید زکریا مطول ۱۲/ ۱۵۲، عزیز الفتاویٰ ۱/ ۱۳۷)

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه لأن القربة انتقلت إلیٰ بدله. (هدايه، كتاب الأضحية اشرفی ٤/ ٤٥٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ ۵/ صفر ۱۴۲۹ھ (الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۳۸)	الجواب صحیح: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۲/۵ھ

زکوۃ، تیجہ، چالیسویں کی رقم مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوۃ کی

رقم تیجہ چالیسویں کی رقم مسجد میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: جسیر احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی رقم مسجد میں لگانا جائز نہیں:

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ۳/ ۲۹۱، كراچی ۲/ ۳٤٤، وهكذا في التبيين زكريا ۲/ ۱۲۰، امداديه ملتان ۱/ ۳۰۰، هنديه زكريا قديم ۱/ ۱۸۸، جديد ۱/ ۲٥۰)

اور تیجہ چالیسواں شریعت میں جائز ہی نہیں ہے، لہٰذا نہ تیجہ وغیرہ کی اجازت ہے اور نہ ہی اسکی رقم مسجد میں دینے کی اجازت ہے، یہ اہل ہنود کی رسم ہے، جو مسلمانوں میں بھی داخل ہوگئی ہے۔

ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع الخ. (شامی، الصلاة، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی كراهة الضيافة من الميت، زكريا ۳/ ۱٤۸، كراچی ۲/ ۲٤۰، مرقاة، باب المعجزات، الفصل الثالث امداديه ملتان ۱۱/ ۲۲۳، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱٦/ ٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۱۹ھ

راستہ میں نل لگانے کیلئے دیئے گئے چندہ کو مسجد میں لگانا

سوال: [۸۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے چندہ برائے نل علی الطریق کیا اور اس میں مسلم غیر مسلم سب کا چندہ شامل تھا، چند دنوں تک نل رہا اس کے بعد فروخت کردیا گیا تو اس روپیہ کا کیا کیا جائے، کیا مسجد میں لگا سکتے ہیں یا

نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد ابراہیم، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو چندہ عام لوگوں سے ان کے فائدہ کے پیش نظر نل لگانے کیلئے کیا گیا تھا، اب اس نل کے خراب ہوجانے کے بعد نل کو بیچ کر اس رقم سے دوسرا نل لگوادیا جائے، ہاں اگر دوسرا نل لگوانے کی کوئی شکل نہ بن سکے اور اہل چندہ موجود نہیں ہیں، تو مسجد میں لگا سکتے ہیں، اور ان کی موجودگی میں برضاء اہل چندہ مسجد میں لگا سکتے ہیں۔

والثاني أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت لكن صار بحيث لاينتفع به بالكلية بأن لايحصل منه شئى أصلا أو لا يفي بمؤنته فهو أيضا جائز على الأصح الخ . (شامي، الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه زكريا ٦/٥٨٣، ٥٨٤، كراچی ٤/٣٨٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤/١٩٦، الفقه الإسلامي وأدلته هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٨/٢١٩، دارالفکر ١٠/٧٦٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵۲۳/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۷/۱۴۱۴ھ

جبراً چندہ وصول کرنا

سوال: [۸۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بستی کے سردار نے دینی معاملات میں چندہ فکس کر رکھا ہے، کہ اتنا چندہ دینا ہی پڑے گا، اور زبردستی چندہ لینے کی کوشش بھی کرتے ہیں، عید قربان کے موقع پر بستی کے سردار اور ممبران نے اپنی طبیعت سے چرم قربانی کی رقم فکس کردی ہے، کہ ہر قربانی کرنیوالے کو اتنی رقم دینی ہوگی، اور نہیں دینے پر بستی کی طرف سے زبردست ایکشن بھی ہوگا، اب دریافت طلب

امر یہ ہے کہ ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور ایسا کرنے والوں پر حکم شرع کیا عائد ہوتا ہے، کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حصول ثواب کی غرض سے چندہ دینا باعث اجرو ثواب ہے، اور کسی سے زبردستی چندہ وصول کرنا یا بقرعید کے موقع پر قربانی کرنیوالے کے ذمہ کوئی متعینہ رقم لازم کرنا یہ سراسر ظلم وزیادتی ہے، جو کہ شرعاً کسی طرح جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَرَبِّهِمْ وَلَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ . (سورة البقرة: ٢٧٤)

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله ﷺ ألا لاتظلموا، ألا لايحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه . (مشكوٰة شريف/ ٢٥٥، شعب الإيمان للبيهقی ، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة ، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٤٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرىٰ للبيهقی الغصب ، قبيل باب من غصب جارية دارالفكر ٨/٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۶۵)

تعویذ کی اجرت مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۸۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں بذات خود چراغی پر روحانی علاج کرتا ہوں اور مریضوں سے ہدیہ بطور کچھ لے لیتا ہوں، اور اس روپیہ کو میں مسجد یا مدرسہ میں امداد بطور دینا چاہتا ہوں، کیا یہ کام جائز ہے یا ناجائز اور اس روپیہ کو میں مسجد یا مدرسہ میں بطور امداد دے سکتا ہوں یا نہیں؟ تشفی بخش جواب

سے نوازیں ممنون ہوں گا؟

المستفتي: محمد ہارون ولد امیر حسن
پیلسہ جاگیر، قصبہ نور پور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں جو چراغی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس سے چراغ کے ذریعہ تعویذ گنڈہ کرنا مراد ہے؟ اگر یہی مراد ہے تو اس طرح چراغ اور اس کی روشنی کے ذریعہ تعویذ گنڈہ کا علاج کرنا کہیں سے ثابت نہیں ہے، اور جائز طریقہ سے جو تعویذ گنڈہ کا علاج کیا جاتا ہے، اس کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے۔

والرقى المجهولة والتى بغير العربية ومالا يعرف معناها فهذه مذمومة لاحتمال أن معناها كفر أو قريب منه أو مكروهة وأماالرقى بآيات القرآن وبالأذكار المعروفة فلانهى فيه . (شرح النووى على مسلم ، النسخة الهندية ۲/۲۱۹)

إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب ولا يدرى ماهو ولعله يدخله سحر أوكفر أوغير ذلک ، وأما ماكان من القرآن أوشيئى من الدعوات فلا بأس به . (شامى، كتاب الحظر والإباحة زكريا ۹/۵۲۳، كراچى ۶/۳۶۳)

إن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بمالا يقبله .(شامى، الصلاة ، باب مايفسد الصلاة ، ومايكره فيها قبيل مطلب فى أفضل المساجد زكريا ۲/۴۳۱، كراچى ۱/۶۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۶۰/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۲۳ھ

۲۱/الفصل الحادی والعشرون: مسجد میں تعلیم

حدود مسجد میں بچوں کو تعلیم دینے کی شرعی حیثیت

سوال: [۸۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی حدود کے اندر مکاتب کی شکل میں چھوٹے بچے اور بچیوں کو تعلیم دینا شریعت کی رو سے کیسا ہے؟ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد مشرد، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے اندر مکتب قائم کرکے چھوٹے بچوں اور بچیوں کی قرآن کریم اور دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے، اور استاذ کی تنخواہ مسجد کے ذمہ دار یا مکتب کے ذمہ دار ادا کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں، اور جن بچوں کو پڑھایا جاتا ہے، ان بچوں سے فرداً فرداً فیس نہیں لی جاتی تو مسجد کے اندر اس طرح کے مکتب قائم کرکے تعلیم کا سلسلہ قائم کرنا بلاشبہ جائز ودرست ہے، ہاں البتہ بچوں سے فرداً فرداً فیس لیکر کے مسجد میں تعلیم دینے کو بعض فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور یہاں ایسا نہیں ہے، اس میں فقہاء کی دونوں طرح کی عبارتوں کی تطبیق ہوگئی اور دیگر کتب فقہ میں جو دونوں طرح کی عبارتیں ہیں، اس کا بھی وہی مطلب ہے جو لکھا گیا ہے۔

فلا يجوز لأحد مطلقا أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد لأن المسجد ما بنيٰ إلا لها من صلاة واعتكاف و ذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقرآءة القرآن – حتى لو كان للمدرس موضع من المسجد يدرس فيه. (البحر الرائق، كتاب الصلوٰة، باب ما يفسد ومايكره فيها، زكريا ۲/ ٦٠، كوئٹه ۲/ ۳٤)

وفي الخلاصة : تعليم الصبيان في المسجد لابأس به . (شامی، كتاب الخطر والإباحة، باب الاستبراء وغيره زكريا ۹/ ٦١٣، كراچی ٦/ ٤۲۸، الموسوعة

الفقهية الكويتية٣٧/٦ ٢٠، خلاصة الفتاوىٰ اشرفيه ١/٩٩ ٢)

جلس معلم أو وراق فى المسجد فإن كان يعلم أو يكتب بأجر يكره إلا لضرورة . (شامی، زکریا٩/ ٦١٣، کراچی ٦/٨ ٤٢)

معلم الصبيان بأجر لو جلس فيه لضرورة الحر لا بأس به وكذا التعليم إن بأجر كره إلا لضرورة . (بزازيه ، الفصل السادس والعشرون فى حكم المسجد جديد١ /٥٥، وعلى هامش الهندية ٤ /٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۱۹ھ

مسجد میں بچوں کو تعلیم دینا

سوال: [۱۷۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں میں ایک مسجد ہے اور اس میں امام صاحب گاؤں کے بچوں کو کلام پاک کی تعلیم دیتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد انصار، موضع سہالی بلاری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد میں بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینا درست ہے، جبکہ مسجد کے علاوہ کوئی جگہ نہ ہو البتہ مسجد کا احترام ملحوظ رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۳۰۰، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۲۰۶)

أما المعلم الذى يعلم الصبيان بأجر إذا جلس فى المسجد يعلم الصبيان بضرورة الحرأ وغيره لايكره . (عالمگیری، الصلوٰة، فصل کره غلق باب المسجد زکریا قدیم ۱/ ۱۱۰، جدید۱/ ۱۶۹)

لیکن بچے اتنے چھوٹے ہوں جو پاکی ناپاکی کی تمیز نہ کرسکتے ہوں اور پاخانہ پیشاب کرنے

کا خطرہ ہوتو ایسے بچوں کو مسجد میں بٹھا کر تعلیم نہیں دینی چاہئے کہ کہیں مسجد ملوث نہ ہوجائے۔

عن واثلة بن الاسقع، أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم، وشراء کم، وبیعکم، وخصوماتکم الحدیث: (سنن ابن ماجه، باب مایکره فی المساجد، النسخة الهندیة/٥٤، دارالسلام رقم: ٧٥٠، المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربي ١٣٢/٨، رقم: ٧٦٠١، ١٧٣/٢٠، رقم: ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ر جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ر۶۱۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵ر۵ر۱۴۲۰ھ

چھوٹے بچوں کو مسجد میں تعلیم دینا

سوال: [۸۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید جو کہ ایک مدرسہ میں تنخواہ دار معلم ہے وہ اپنے بچوں کو مسجد میں بیٹھ کر پڑھاتا ہے، کل بچے بھی مسجد میں بیٹھتے ہیں، جن میں نابالغ چھوٹے بچے بھی ہیں، جو پاکی ناپاکی کو نہیں جانتے اور مدرسہ میں ان استاذ کی متعلقہ درسگاہ بھی ہے، اراکین مدرسہ کے کہنے پر اور اصرار پر بھی وہ اپنی درسگاہ میں نہیں پڑھاتے ایسی صورت حال میں مفصل ومدلل جواب مطلوب ہے، صورت مسئولہ میں مسجد میں بیٹھنا کیسا ہے، دوسرے ان استاذ کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتي: احمد حسین، رکن مدرسہ عربیہ جامع العلوم شہر رامنگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب چھوٹے بچوں کے پڑھنے کیلئے باقاعدہ درسگاہ موجود ہے، اور ذمہ داران مدرسہ بھی درسگاہ ہی میں پڑھانے کا حکم کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں بلاضرورت اور مجبوری ایسے چھوٹے بچوں کو مسجد میں پڑھانا اور شورتماشہ کا سبب بننا احترام مسجد کے خلاف امور کا مرتکب ہونا ہے جو ناجائز اور ممنوع ہے۔

عن واثلة بن الاسقع ، أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: جنبوا مساجدکم صبیانکم ،مجانینکم ، وشراء کم ، وبیعکم ، وخصوماتکم الحدیث: (سنن ابن ماجه ، باب مایکره فی المساجد ، النسخة الهندية/٥٤، دارالسلام رقم: ٧٥٠، المعجم الكبير للطبراني ، داراحياء التراث العربي ١٣٢/٨، رقم: ٧٦٠١، ١٧٣/٢٠، رقم: ٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷۷۲/۲۸)

مسجد میں مکتب قائم کرنا

سوال: [۸۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیہات کی اکثر مسجدوں میں صحیح وقت پر اذان اور جماعت سے نماز پابندی سے نہیں ہو پاتی ہے، کیونکہ دیہات کے آدمی اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں تو کیا ایسی مسجدوں کے اندر مکاتب قائم کرنا کہ بچوں کی تعلیم بھی ہو اور وقت پر اذان ونماز بھی ہو تو یہ درست ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

المستفتي: اسرار الحق، کشن گنج، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد میں نماز با جماعت پابندی کے ساتھ قائم کی جائے ،اس مقصد سے مسجد میں مکتب قائم کرنا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد میں ایسے ناسمجھ بچوں کو نہ لایا جائے، جن کے مسجد میں پیشاب پائخانہ کردینے کا خطرہ ہو اور مسجد کے آداب واحترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴۵۶/۶)

عن واثلة بن الاسقع ، أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ، وشراء کم ، وبیعکم ، وخصوماتکم الحدیث: (سنن ابن ماجه ، باب ما یکره فی المساجد ، النسخة

الهندية/٤ ٥، دار السلام رقم: ٧٥٠)

قوله لا لدرس وذكر لأنه مابني لذلك وإن جاز فيه الخ . (شامي، الصلوٰة ، باب مايفسد الصلاة ، وما يكره فيها ، مطلب فيمن سبقت يده إليٰ مباح زكريا ٢/٣٧ ٤ ، كراچی ١/٦٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۹ھ

بچوں کو مسجد میں تنخواہ لیکر پڑھانا

سوال: [۸۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بچوں کو مکتب میں قرآن وغیرہ پڑھانے کیلئے مسجد سے الگ کوئی مستقل جگہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں تنخواہ لیکر مسجد میں بچوں کو مکتب قائم کرکے پڑھانا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد برہان، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تنخواہ دار شخص کیلئے مسجد میں بچوں کو مکتب قائم کرکے پڑھانا بلا کراہت جائز اور درست ہے جبکہ ان بچوں سے الگ سے کوئی فیس نہ لیتا ہو اس سلسلہ میں فقہاء کے دو طرح کے جزئیات دیکھنے میں آئیں گے، بعض وہ جزئیات ہیں، جن میں بظاہر ممانعت نظر آئیگی، ان جزئیات کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی دور حکومت میں مفتی، قاضی اور مدرس کو سرکاری بیت المال سے وظیفے کے طور پر تنخواہیں ملتی تھیں، پھر ایسے مدرسین مسجد میں بیٹھ کر ٹیوشن پڑھایا کرتے تھے، جن لڑکوں کو مسجد میں بیٹھ کر پڑھایا کرتے تھے، انہیں سے فیس بھی لیا کرتے تھے، اس طرح مسجد میں بیٹھکر ٹیوشن پڑھانا اور انہیں بچوں سے الگ سے فیس لینا آج بھی مکروہ اور ممنوع ہے، اور دوسری قسم کی جزئیات صاف الفاظ کے ساتھ بلا کراہت جواز کے حق میں ہیں، ان کا مطلب یہی ہے، کہ تنخواہ دار مدرس ان لڑکوں سے کسی قسم کی فیس نہ لیتا ہو،

یہی مطلب ہے حضرات فقہاء کے دونوں قسم کے جزئیات کا لٰھذا مساجد یا مدارس کے تنخواہ دار ملازم کیلئے مسجد میں مکتب پڑھانا بلاکراہت جائز اور درست ہے، جبکہ ان بچوں سے الگ سے کوئی فیس وغیرہ نہ لیتا ہو۔

ویکره أن يخيط فى المسجد لأنه أعد للعبادة دون الإكتساب وكذا الوراق والفقية إذا كتب بأجرة أو المعلم إذا علم الصبيان بأجرة . (قاضیخان، کتاب الطهارة، فصل فی المسجد زکریا جدید ۱/۴۳، وعلى هامش الهندية ۱/۶۵)

وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز. (بزازيه، كتاب الكراهية، الفصل الاول نوع في المسجد زكريا جديد ۳/۲۰۱، وعلى هامش الهنديه ۶/۳۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۲۶ھ

مسجد میں اجرت لے کر بچوں کو قرآن پڑھانا

سوال: [۸۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے اندر تعلیم قرآن کا سلسلہ چندماہ سے چل رہا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اس کا قیام مسجد کے اندر کیا گیا ہے، باہر کسی اور جگہ بالکل کوئی نظام نہیں ہے۔

(۲) اس کو فروغ دینے اور سنبھالنے کیلئے محلّہ والوں نے ایک مستند ومشاق قاری وعالم دین کو بٹھا رکھا ہے۔

(۳) پڑھنے والے طلبہ پر ماہانہ فیس مقرر کردی گئی ہے، اور یہ طلبہ بخوشی ادا کرتے ہیں، اور یہی درحقیقت معلم صاحب کی تنخواہ کا واحد ذریعہ ہے، چندہ وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہیں رکھا گیا ہے، اب ہم آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ کیا یہ نظام شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ مسجد کے اندر فیس لیکر تعلیم دینا جائز

نہیں ہے، لھذا آپ فیصلہ فرمادیں نیز یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، کہ اگر کوئی شخص اس عمل میں دخل اندازی کرکے، نظام کو بند کرانا چاہتا ہے، بلاوجہ طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتا ہے، تو شرعاً اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: احقر محمد عرفان قاسمی،
واہل محلّہ ضیا خیل، ضلع: شاہجہانپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس مسئلہ کے بارے میں کتب فقہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ مسجد میں بلاضرورت درس وتدریس کا کام کرنا مکروہ ہے اور ضرورت کی وجہ سے مسجد کے اندر درس دینے کی گنجائش ہے، فقہاء نے شدت گرمی کی علت جگہ جگہ لکھی ہے کہ گرمی سے بچنے کیلئے ضرورۃً مسجد میں درس دینا بلاکراہت جائز ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ اگر دینی تعلیم اور قرآن کریم کی تعلیم کیلئے کوئی جگہ ہی نہ ہو تو مجبوراً مسجد میں تعلیم دینا یہ بھی اہم ترین ایک ضرورت ہے، اور فتاویٰ بزازیہ میں ایک جگہ اجرت اور فیس لے کر کے درس دینے کو مکروہ لکھا ہے، اب دونوں قسم کی عبارات کے درمیان تطبیق اور موافقت کی بہتر شکل یہی معلوم ہوتی ہے، کہ جس طرح بغیر اجرت کے حسبۃً للہ مسجد کے اندر درس دینا بلاکراہت جائز ہے، اسی طرح تنخواہ دار معلم جو براہ راست بچوں سے فیس نہیں لیتے ان کے لئے بھی بچوں کو مسجد میں درس دینا بلاکراہت جائز ہے، اور بچوں سے فیس لے کر ٹیوشن پڑھانا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے، لہٰذا مذکورہ مسئلہ میں مناسب شکل یہ ہے کہ جن بچوں کو پڑھایا جاتا ہے، دوسرے آدمی ان بچوں سے فیس وصول کرلیں پھر بچوں کو پڑھانے والے معلم کو ہر مہینہ تنخواہ کے طور پر دیا جائے تو کراہت بھی ختم ہوجائیگی، ایسی صورت میں فقہاء کی دونوں قسم کی عبارتوں کے درمیان کا تعارض بھی ختم ہوجاتا ہے، اب فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے۔

وتعليم الصبيان فيه بلاأجر و بالأجر يجوز. (بزازیه، کتاب الکراھیة،

الفصل الأول نوع فی المسجد زکریا جدید۳/ ۲۰۱، وعلی هامش الهندیة۶/۳۵۷)

معلم الصبیان بأجر لو جلس فیه لضرورة الحر لا بأس به وکذا التعلیم إن بأجر کره إلا للضرورة وإن حسبة لا . (بزازیه ،زکریاجدید۱/ ۵۵، وعلی هامش الهندیة ۸۲/۴)

أما الکاتب ومعلم الصبیان فإن کان بأجر یکره وإن کان حسبةً فقیل لایکره والوجه ماقاله إبن الهمام أنه یکره التعلیم إن لم یکن ضرورةً ؛ لأن نفس التعلیم ومراجعة الأطفال لایخلوعما یکره فی المسجد . (حلبی کبیر، اشرفیه / ۶۱۱، ۶۱۲)

ویکره أن یخیط فی المسجد لأنه أعد للعبادة دون الا کتساب کذا الوراق والفقیه إذا کتب بأجرة وأما المعلم إذا علم الصبیان بأجرة وإن فعلوا بغیر أجرة فلا بأس به . (خانیة ، کتاب الطهارة فصل فی المسجد زکریا جدید۱ /۴۳، وعلی هامش الهندیة ۱/۶۵، ۶۶)

معلم جلس فی المسجد أو ورّاق کتب فی المسجد، فإن کان المعلم یعلم بالأجروالورّاق یکتب لغیره ،یکره لهما إلا أن یقع لهما الضرورة . (تاتار خانیة ،زکریا ۱۸ /۶۶، رقم: ۲۸۴۷)

أما المعلم الذی یعلم الصبیان بأجر إذا جلس فی المسجد یعلم الصبیان لضرورة الحر أو غیره لایکره وفی نسخة الإمام جعل مسئلة المعلم کمسئلة الکاتب . (هندیة ، الصلاة، فصل کره غلق باب المسجد زکریا قدیم ۱ /۱۱۰، جدید۱ /۱۶۹)

ومعلم الصبیان القرآن کالکاتب إن کان لأجر لا وحسبة لا بأس به . (اعلاء السنن ۵/ ۱۳۳، دارالکتب العلمیة بیروت ۵/ ۱۷۹، الموسوعة الفقهیة ۳/ ۲۰۶، فتح القدیر کوئٹه ۱/ ۳۶۹، زکریا ۱/ ۴۳۵، دارالفکر ۱/ ۴۲۲، خلاصة الفتاویٰ اشرفیه ۱/ ۲۲۹، حلبی کبیر، مسهیل اکیڈمی لاهور/ ۶۱۲، حاشیة ابن ماجه

/ ٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱؍۷؍۱۱۵۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱؍۷؍۱۴۳۵ھ

منجانب مسجد یا مدرسہ تنخواہ یافتہ معلم کیلئے بلافیس مسجد میں تعلیم دینا

سوال: [۸۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا ادارہ دینیات جو کہ ممبئ سینٹر پر واقع ہے اس کی ماتحتی میں بفضلہٖ تعالیٰ تقریباً بیس ہزار مکاتب چل رہے ہیں، جو کہ امدادی وغیر امدادی مکاتب کا مجموعہ ہیں، ہماری پوری کوشش یہ رہتی ہے، کہ ہم ان مکاتب کو خود کفیل بنائیں کہ جس مقام پر جو مکتب واقع ہے ان کے ذمہ داران خود تعاون کر کے یا بچوں سے فیس وصول کر کے مکاتب چلائیں، جس سے اساتذہ کی تنخواہ اور دیگر ضروریات میں خرچ کیا جاوے؟

آپ سے سوال یہ عرض کرنا ہے، کہ اکثر مکاتب مساجد میں چلتے ہیں، کیونکہ مکاتب اور مساجد میں ایک جوڑ ہے اب سوال یہ ہے کہ مساجد میں مکاتب کی تعلیم ہورہی ہے، اور مکاتب چلانے کیلئے اساتذہ کی تنخواہ کیلئے رقم کی ضرورت ہے تو اس ضرورت کو مساجد میں پڑھنے والے طلبہ سے فیس وصول کر کے پوری کرسکتے ہیں، یانہیں؟ اگر نہیں تو معقول اور مناسب طریقہ تجویز فرمائیں، تاکہ حدود شرع میں رہ کر یہ کار خیر انجام دیا جاسکے؟

المستفتي: ادارہ دینیات، ممبئ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں منجانب مسجد یا منجانب مدرسہ یا منجانب انجمن یا کسی اور جانب سے تنخواہ یافتہ معلم کیلئے طلبہ سے فیس لئے بغیر تعلیم دینا بلا کراہت جائز ہے، لیکن جن طلبہ کو پڑھایا جارہا ہے، انہی سے فیس لے کر مسجد میں درس دینا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اسلئے طلبہ سے فیس لیکر مساجد میں مکاتب چلانے سے گریز کرنا چاہئے۔

ولو جلس المعلم فی المسجد............ فان کان المعلم یعلم للحسبة فلا بأس به ، وإن کان بالأجرة یکره . (هندیه ، کتاب الکراهیة ، الباب الخامس فی آداب المسجد...... زکریا قدیم ۵/۳۲۱، جدید۵/۳۷۱)

معلم الصبیان القرآن کالکاتب ، وإن کان لأجر یکره الخ. (فتح القدیر زکریا۱/۴۳۵، کوئٹه ۱/۳٦۹، دارالفکر ۱/۴۲۲)

یکره الصناعة فیه عن خیاطة و کتابة بأجر و تعلیم صبیان بأجر لابغیره. (الاشباه والنظائر کراچی ۴/٥٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۲۳/۳۹)

با اجرت معلم کا مسجد میں درس دینا

سوال: [۸۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تنخواہ دار مدرس کو مسجد کے اندر پڑھانا از روئے شرع کیسا ہے؟

المستفتي: عارف حسین، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں دینی تعلیم کا درس دینا مثلاً قرآن حدیث فقہ تفسیر کا درس دینا بلا تردد اور بلا کراہت جائز ہے اور جن فقہی جزئیات میں عدم جواز یا کراہت کی بات لکھی ہوئی ہے، ان جزئیات کا مدار اس بات پر ہے کہ مسجد کے اندر طلبہ سے فیس لے کر ٹیوشن کے طور پر پڑھانا جائز نہیں ہے، اور جن طلبہ کو پڑھایا جارہا ہے ان سے کچھ لئے بغیر درس دیا جائے ، تو اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند کا آغاز چھتہ مسجد کی تعلیم سے ہوا ہے، اور مرکز نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں تعلیمی سلسلہ کے ذریعہ سے مدرسہ کاشف العلوم مرکز نظام الدین قائم ہوا ہے،

اس کے بعد وہاں سے تبلیغی دعوت کا سلسلہ بھی شروع ہوا ہے اسی طرح سینکڑوں کی تعداد میں تاریخی مدارس کی ابتداء مساجد ہی سے ہونا ثابت ہے اور ان مدارس میں طلبہ سے فیس لے کر نہیں پڑھایا جاتا۔

وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز. (بزازيه، كتاب الكراهية، الفصل الاول نوع فى المسجد، زكريا جديد ۳/ ۲۰۱، وعلى هامش الهندية ۶/ ۳۵۷)

يجوز الدرس فى المسجد وإن كان فيه استعمال اللبود، والبوارى المسبلة لأجل المسجد. (البحرالرائق، كوئٹه ۵/ ۲۵۰، زكريا ۵/ ۴۱۹، هنديه زكرياجديد ۵/ ۳۷۰، قديم ۵/ ۳۲۰)

لأن المساجد مابنىٰ إلا لها (للعبادة) من صلوٰة واعتكاف وذكر شرعى وتعليم علم، وتعلمه وقراءة القرآن. (البحرالرائق، كوئٹه ۲/ ۳۴، زكريا ديو بند ۲/ ۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

مسجد میں اجرت لیکر تعلیم دینا

سوال: [۸۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدرسہ جامع الہدیٰ میں ایک بڑی مسجد ہے جس کی ایک منزل مکمل ہوچکی ہے، اور دوسری منزل کی تعمیر جاری ہے، مہتمم مدرسہ کا آئندہ وقت میں مسجد کی دونوں منزلوں یا دوسری منزل میں حفظ قرآن اور عربی تعلیم شروع کرنے کا ارادہ ہے، یہ بھی واضح رہے کہ مدرسہ کی عمارت وسیع ہے اور حفظ قرآن اور عربی درجات اس میں جاری ہیں، صاحب احسن الفتاویٰ نے لکھا ہے، کہ تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں پڑھانا جائز نہیں ہے، کیا اس مسئلہ کا مدار تنخواہ دار ہونے پر ہے، اگر ایسا ہے تو اس زمانہ میں غیر تنخواہ دار مدرس کا ملنا ایک مشکل مسئلہ ہے، فتاویٰ رحیمیہ میں

چھوٹے بچوں کیلئے ناجائز اور بڑے بچوں کیلئے بدرجہ مجبوری کچھ مخصوص وقت کیلئے جائز ہے، اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم میں جائز لکھا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مسجد کی پہلی منزل یا دوسری یا تیسری یا دوچھتی میں حفظ قرآن یا عربی درجات لگا سکتے ہیں نیز جواب میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کیا اس مسئلہ میں تنخواہ دار اور غیر تنخواہ دار کا کوئی فرق ہے، اسی طرح چھوٹے یا بڑے بچوں کا اور حفظ اور عربی تعلیم کا کوئی فرق ہے؟

المستفتي: مفتی اشرف، جامع الہدیٰ، کھاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر اجرت لیکر دینی کتابوں کی تعلیم وتدریس کا فقہاء کی بعض عبارات سے مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ويكره أن يخيط في المسجد لأنه أعد للعبادة دون الاكتساب وكذا الوراق والفقيه إذا اكتب بأجرة أو المعلم إذا علم الصبيان بأجرة. (قاضيخان، كتاب الطهارة، فصل في المسجد، زكريا جديد ١/٤٣، وعلى هامش الهندية ١/٦٥)

اور بعض عبارات سے اجرت کیساتھ تعلیم وتدریس بلا کراہت جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وتعليم الصبيان فيه بلا أجرة وبالأجر يجوز. (بزازيه، الكراهية، الفصل الأول نوع في المسجد، زكريا جديد٣/٢٠١، وعلى هامش الهندية٦/٣٥٧)

اب فقہاء کی ان متعارض عبارتوں کے درمیان تطبیق اور موافقت کی صورت یہ ہے کہ جن عبارتوں میں کراہت یا عدم جواز لکھا گیا ہے، یہ اس زمانہ کی بات ہے، جس میں مفتی، قاضی، فقیہ، مدرس وغیرہ کو منجانب حکومت تنخواہ دی جاتی تھی، اور پھر الگ سے اجرت لیکر ٹیوشن پڑھانا مکروہ ہے، اور یہ حکم آج بھی ہے، اور جن عبارتوں سے جواز کا ثبوت ہوتا ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ تنخواہ دار مدرس جس مدرسہ کا مدرس ہے اسی مدرسہ کے طلباء کو مسجد کے اندر درس دیدے تو یہ بلا کراہت جائز ہے، اسلئے کہ اس مدرس کو منجانب

مدرسہ تنخواہ ملتی ہے اور جن طلباء کو پڑھایا جاتا ہے، ان کی طرف سے الگ سے کوئی اجرت نہیں ملتی ہے، اسلئے مدارس کے مدرسین کیلئے مدارس کے طلباء کومسجد کے اندر درس دینا بلاکراہت وبلاتر دد جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷ر۸۴۷)

مسجد میں اجرت لیکر پڑھانا

سوال: [۸۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں تدریسی خدمت انجام دینا کیسا ہے؟ اور اس کی اجرت کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: ساجد انور، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر تنخواہ دار ملازم کیلئے ہوشیار بچوں کو دینی تعلیم کا درس دینا بلاکراہت جائز ہے، جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ ہو۔

وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز . (فتاویٰ بزازیه ، كتاب الكراهية، الفصل الاول نوع في المسجد ، زكريا جديد٣/٢٠١ ، وعلى هامش الهندية ٣٥٧/٦)

اور فقہ کے بعض دوسرے جزئیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، کہ اجرت لیکر مسجد میں درس دینا ممنوع اور مکروہ ہے، ان عبارات اور جزئیات کا مطلب یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھ کر ٹیوشن پڑھایا جائے، کہ جن طلباء کو پڑھایا جائے ان طلباء سے فیس لی جائے، اور حکومت اسلامی کے شروع دور میں منجانب حکومت مدرس قاضی مفتی کیلئے تنخواہیں مقرر تھیں، اور تنخواہ ہونے کے ساتھ الگ سے اجرت لیکر مسجد میں درس دینے کو مکروہ اور ممنوع قرار دیا گیا تھا، لھذا اگر منجانب حکومت تنخواہ پانے والا مدرس یا منجانب مدرسہ تنخواہ پانے والا مدرس مسجد میں درس دیتا ہے، اور طلباء سے الگ سے فیس اور اجرت نہیں لیتا ہے ، بلکہ منجانب حکومت

یا منجانب مدرسہ جو تنخواہ ملتی ہے، اسی پر اکتفاء کرتا ہے، تو ایسی صورت میں مسجد میں بیٹھکر دینی تعلیم دلانا بلا کراہت جائز اور درست ہے، فقہ کی دونوں قسموں کی عبارتوں کا مطلب یہی ہے، اس سے دونوں کے درمیان مطابقت اور موافقت ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۱۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۴/۲۱ھ

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں تعلیم دینا

سوال: [۸۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا تنخواہ دار مدرس مسجد میں تعلیم وتدریس کا کام انجام دے سکتا ہے، اگر دے سکتا ہے، تو اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا، جس میں بعض فقہاء کرام نے مساجد میں تعلیم بالاجر کو ناجائز لکھا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: بندہ محمد شفیق قاسمی، خادم التدریس:
مدرسہ بیت العلوم، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس بارے میں فقہاء کی دو قسم کی عبارتیں موجود ہیں، (۱) وہ عبارات جن میں اس بات کی وضاحت ہے، کہ اجرت لیکر مسجد میں درس دینا جائز نہیں ہے، اور بلا اجرت کے درس دینا جائز ہے، نیز اس کی بھی فقہاء نے وضاحت کی ہے، کہ اتنے چھوٹے بچوں کی تعلیم مسجد میں نہیں ہونی چاہئے، جن سے پائخانہ وپیشاب کا خطرہ ہے، اسی طرح مجنون پاگل کو مسجد میں داخل کرنے سے گریز کرنے کی وضاحت کی ہے تاکہ مسجد کا احترام باقی رہے، اور قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم احترام مسجد کیخلاف نہیں ہے، جیسا کہ بحر کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

وكذا التأديب فيه أي لايجوز التأديب فيه إذا كان بأجر وينبغي أن

یجوز بغیر أجر وأما الصبیان فقد قال النبی صلی اللہ علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم. (البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المسجد کوئٹه ۵/ ۲۵۰، زکریا ۵/۴۱۹)

(۲) دوسری قسم کی عبارات وہ ہیں، جن میں مطلقاً اس بات کی صراحت موجود ہے، کہ اجرت اور بلا اجرت دونوں صورتوں میں مسجد میں درس دینا جائز ہے، بشرطیکہ احترام مسجد کا خیال رکھا جائے، جیسا کہ حسب ذیل عبارات سے واضح ہے۔

لایجعل شیئی من الطریق مسجداً ولا شیئی من المسجدطریقا للعامة وتعلیم الصبیان فیه بلا أجر وبالأجر یجوز. (بزازیه علی هامش الهندیه ٦/٣٥٧، جدید ٣/ ٢٠١)

اب دونوں قسم کی عبارتوں کے درمیان تطبیق اورموفقت کی شکل یہی ہے کہ حضرات فقہاء کے زمانہ میں قاضی مفتی اور مدرس کے وظائف منجانب حکومت مقرر ہوا کرتے تھے، پھر مسجد کے اندر بچوں سے الگ اجرت لیکر ٹیوشن کے طور پر جولوگ درس دیا کرتے تھے، تو ان کے لئے یہ مسئلہ لکھدیا کہ انہی بچوں سے اجرت لے کر ٹیوشن کے طور پر پڑھانا ممنوع ہے، آج بھی یہی حکم ہے، کہ کوئی عالم باتنخواہ ہو یا بے تنخواہ مسجد میں بیٹھ کر ٹیوشن پڑھائے گا تو اسکی اجازت نہیں ہوگی، جیسا کہ فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے، جن میں اجرت لیکر مسجد میں تعلیم دینے کی ممانعت ہے، لیکن اگرکوئی عالم کسی مدرسہ کا باتنخواہ مدرس ہے، اور اس مدرسہ کے طلبہ کو مسجد میں درس دیتا ہے، اور منجانب مدرسہ جو تنخواہ ملتی ہے، اسکے علاوہ طلبہ سے الگ سے پڑھانے کی اجرت نہیں لیتا ہے، تو بلاشبہ جائز و درست ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے ساتھ میں اس طرح کی عبارات بھی وضاحت کیساتھ لکھی ہیں، کہ اگر بغیر اجرت مسجد میں پڑھاتا ہے تو جائز ہے یعنی ان بچوں سے کوئی اجرت نہیں لی جاتی ہے، جن کو مسجد میں پڑھایا جاتا ہے، اور صدیوں سے اکابر ومشائخ نے مسجد میں جو درس دیا ہے، یا مسجد سے جو درس حاصل کیا ہے وہ اسی طریقہ سے تھا اور آج بھی بہت سے بڑے بڑے مدارس میں

یہی سلسلہ جاری ہے، کہ مدارس کے باتنخواہ مدرسین مسجد کے اندر منجانب مدرسہ درس دیا کرتے ہیں، مگر بچوں سے کچھ نہیں لیتے، تو حاصل یہ نکلا کہ مسجد میں اجرت لیکر ٹیوشن پڑھانا جائز نہیں ہے، اور بچوں سے اجرت لئے بغیر تنخواہ دار یا بے تنخواہ علماء کیلئے احترام مسجد کا خیال رکھتے ہوئے، درس دینا بلاتردد جائز ہے، جیسا کہ بزازیہ کی عبارت اوپر گذر چکی ہے، اور ذیل کی اس طرح کی عبارات سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔

فلايجوز لأحد مطلقاً أن يمنع مؤمنا من عبادة يأتي بها في المسجد لأن المسجد ما بنيٰ إلا لها من صلاة واعتكاف وذكر شرعي وتعليم علم وتعلمه وقراءة قرآن الخ. (البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها زكريا ٢/ ٦٠، كوئٹه ٢/ ٣٤)

يجوز الدرس في المسجد وإن كان فيه استعمال اللبود والبواري المسبلة لأجل المسجد. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٥٠، زكريا٥/ ٤١٩، هنديه زكريا قديم ٥/ ٣٢٠، جديد ٥/ ٣٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۰۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۱۵ھ

مسجد میں اجرت لے کر تعلیم دینے کا حکم

سوال: [۸۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بندۂ ناچیز ایک فتویٰ کا طالب ہے، جو مندرجہ ذیل عبارتوں میں درج ہے، ایک مسجد ہے جس میں اہل محلّہ کے بچے بحیثیت مدرسہ وقت مقررہ کے مطابق حصول علم دین کیلئے بھی آتے ہیں، جن کو مسجد ہذا کے امام صاحب تعلیم دیتے ہیں، اور ان کی فیس مسجد کے متولی صاحب کے پاس جمع ہوتی ہے، اور اہل محلّہ کے چند افراد ایسے بھی ہیں جو اپنے اپنے بچوں کو خصوصی تعلیم کے

لئے اوراسکولی بچے وقت پرمدرسہ نہ پہونچ پانے کی بناء پربغیر وقت مدرسہ دریں مسجد روانہ کرتے ہیں، اور امام صاحب مسجد ہذا میں بٹھا کر تعلیم دیتے ہیں، اوران کے پیچھے لگائے ہوئے وقت کا اجر(فیس) بھی لیتے ہیں،تو کیاامام صاحب کیلئے یہ جائز ہے کہ مسجد میں بیٹھا کردرس دینے کے بعداپنے بتائے ہوئے وقت کا اجر(فیس) لیں؟

المستفتي: شمس الحق، انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندراجرت لیکرتعلیم وتدریس کے جواز وعدم جواز سے متعلق دونوں قول فقہاء سے منقول ہیں،مگرراجح قول یہی ہے کہ بلاکراہت جائزہے،جبکہ بچوں کے مسجد میں پیشاب و پاخانہ کاخطرہ نہ ہو۔

وتعليم الصبيان فيه بلا أجر وبالأجر يجوز. (بزازيه، كتاب الكراهية، الفصل الاول نوع في المسجد، زكريا جديد٣/ ٢٠١، وعلى هامش الهندية ٦/ ٣٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ	احقرمحمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر:۳۳/ ۵۷۵۰)	۱۶/۵/۱۴۱۹ھ

معلم مدرسہ کا مسجد میں درس وتدریس کا حکم

سوال: [۸۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) ایک معلم جو مدرسہ میں درس وتدریس کا کام انجام دے رہاہے، اور مدرسہ میں درسگاہ بھی موجود ہے،جس میں درس کا کام انجام نہیں دیتا، بلکہ روزانہ مسجد میں پڑھاتا ہےاوریہی مشغلہ ہے جبکہ تنخواہ مدرسہ سے لیتا ہے،تو کیاایسی صورت میں وہ معلم مسجد میں درس دے سکتا ہے، یانہیں،ازروئے شرع تشفی بخش جواب مطلوب ہے؟

(۲) دوسرا مسئلہ غورطلب یہ ہے کہ اگرمدرسہ کی کمیٹی اس معلم کومسجد میں پڑھانے کی

اجازت دیتی ہے،تو کیا وہ پڑھا سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر اجازت نہ دی گئی تو ایسی صورت میں کیا جواز ہوگا،قرآن وحدیث کے زیر اثر جواب دیں؟

المستفتي: احمد علی، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) مسجد کے اندر اجرت لیکر دینی کتابوں کی تعلیم وتدریس کے بارے میں فقہاء کی بعض عبارات سے مکروہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ویکرہ أن یخیط فی المسجد لأنہ أعد للعبادۃ دون الاکتساب ، وکذا الوراق ، والفقیہ إذا کتب بأجرۃ أو المعلم إذا علم الصبیان بأجرۃ . (قاضیخان، کتاب الطھارۃ ، فصل فی المسجد ،زکریا جدید۱/۴۳، وعلی ھامش الھندیۃ ۱/۶۵)

اور بعض عبارات سے اجرت کے ساتھ تعلیم وتدریس کا بلا کراہت جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وتعلیم الصبیان فیہ بلا أجر وبالأجر یجوز . (فتاویٰ بزازیہ ، کتاب الکراھیۃ، الفصل الاول نوع فی المسجد ، زکریا جدید۳/۲۰۱، وعلی ھامش الھندیۃ ۶/۳۵۷)

اب فقہاء کی ان متعارض عبارتوں کے درمیان تطبیق اور موافقت کی صورت یہ ہے کہ جن عبارتوں میں کراہت یا عدم جواز لکھا گیا ہے، یہ اس زمانہ کی بات ہے، جسمیں مفتی ، قاضی،فقیہ ،مدرس وغیرہ کومنجانب حکومت تنخواہ دی جاتی تھی، اور پھر الگ سے اجرت لے کر مسجد میں تعلیم دیا کرتے تھے یعنی مسجد کے اندر تنخواہ دار ملازم کے لیے الگ سے اجرت لے کر ٹیوشن پڑھانا مکروہ تھا، اور یہ حکم آج بھی ہے، اور جن عبارتوں سے جواز کا ثبوت ہوتا ہے،ان کا مطلب یہ ہے کہ تنخواہ دار مدرس جس مدرسہ کا مدرس ہے اسی مدرسہ کے طلباء کو مسجد کے اندر درس دیدے تو یہ بلا کراہت جائز ہے، اسلئے کہ اس مدرس کو منجانب مدرسہ تنخواہ ملتی ہے اور جن طلباء کو پڑھایا جاتا ہے، ان کی طرف سے الگ سے کوئی اجرت نہیں ملتی ہے، اسلئے مدارس کے مدرسین کیلئے مدارس کے طلباء کو مسجد کے اندر درس دینا بلا کراہت و بلا تردد

جائز ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۷/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ۶۲۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۰ھ

۲۲/ الفصل الثاني والعشرون: مسجد کے مائک سے اعلان

مسجد کے مائک سے اعلانات کرنا

سوال: [۸۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مسجد میں عام چندہ سے تقریباً بیس سال پہلے لاؤڈ اسپیکر (مائک) جوکہ مسجد سے متصل جامع مسجد کے حجرہ میں رکھا ہوا ہے، اسمیں اذان کے علاوہ ہر قسم کے اعلانات ہوتے ہیں، مثلاً خرید وفروخت کی چیز کے گم ہوجانے ہر قسم کے میلے نماز جنازہ، تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں میلاد کا مسجد یا مدرسہ کیلئے کوئی شخص چندہ دے اسکا اور اسی طرح چوٹی سہرا ختنہ وغیرہ کا اور جو بھی آمدنی اعلان کے ذریعہ ہوتی ہے، وہ مسجد میں لگتی ہے، یہ تمام اعلانات مسجد کے مائک سے کیسے ہیں؟

المستفتی: محمد ابصار، امام جامع مسجد حسن پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے مائک سے مسجد کے اندر جملہ اعلانات جائز نہیں، ہاں البتہ مائک مسجد سے باہر ہوتو اجرت لیکر اسکی گنجائش ہے۔

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلك إلیٰ امام المسجد أو إلیٰ مؤذن المسجد فليس له ذلك إلا إن كان الواقف شرط ذلك . (هنديه، الوقف، الباب الحادى عشر فى المسجد، الفصل الثانى فى الوقف على المسجد الخ، زكرياقديم ٢/ ٤٦٣، جديد٢/ ٤١٣، المحيط البرهانى، المجلس العلمى بيروت ٩/ ١٣٧، رقم:

۱۱۳۸۱، تاتار خانیة ، زکریا ۸/ ۱۷۵، رقم: ۱۱۵۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ / صفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵ / ۷۰۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۲/۲۳ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کرنا

سوال: [۸۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے، اوراس میں اذان لاؤڈ اسپیکر سے ہوتی ہے، اور لاؤڈ اسپیکر حجرہ کے اندر رکھا ہوا ہے، اور حجرہ مسجد سے ملا ہوا ہے، البتہ حجرہ خارج مسجد ہے، تو کیا اسمیں کوئی دنیاوی اعلان کر سکتے ہیں، مثلاً راشن کارڈ والا اعلان لگوائے، کہ تیل چینی لے لو یا جو دوائی بچوں کو پولیو والی سرکار کی طرف سے پلائی جاتی ہے، وہ لوگ اعلان لگواتے ہیں، یا اس کے علاوہ اور کوئی آدمی کوئی چیز فروخت کرنیوالا گاؤں کے اندر جاتا ہے جیسے ریڈی اور کپڑا جوتے وغیرہ اوراس اعلان کی اجرت مسجد کو دیتا ہے، تو کیا اس طرح اعلان حجرہ میں کر سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح اجرت اور کرایہ دیکر مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کرنا جائز ہے، بلا اجرت جائز نہیں ہے۔

ثم السراج والبساط كذلک إلیٰ آخر المصالح ،هذا إذا لم يكن معيناً ، فإن كان الوقف معينا علیٰ شيئی يصرف إليه بعد عمارة البناء .

(شامی، کتاب الوقف ، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو اقرب إليها كراچی ٤ /٣٦٧، زكريا ٦/ ٥٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ / شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ / ۶۳۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۰/۱۷ھ

مسجد کے مائک سے مختلف اعلان کرنا

سوال: [۸۱۸۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے عام طور پر اس طرح اعلانات کئے جاتے ہیں،(۱) جیسے ایک ضروری اعلان سن لیجئے ط بعد نماز .... فلاں شخص کے مکان پر ایک زنانہ اجتماع ہے، سبھی مستورات سے گذارش ہے کہ............وغیرہ؟

(۲) ایک ضروری اعلان سن لیجئے فلاں بن فلاں کا انتقال ہوگیا ہے،مرحوم کی نماز جنازہ مسجد............میں بعدنماز ....ہوگی ،اورتدفین عیدگاہ کے قبرستان میں ہوگی؟

(۳) ایک ضروری اعلان سن لیجئے فلاں شخص کا جنازہ ان کے گھر پر آ گیا ہے،جن صاحب کوصورت دیکھنی ہو وہ آ کر دیکھ لیں؟

(۴) گمشدہ بچے یاکسی چیز کی گمشدگی کا اعلان ....وغیرہ؟

کیا ایسے اعلانات کیلئے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟

المستفتي: طاہرنواز ولدسبط حسن،
محلّہ: اصالت پورہ،ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کا مائک مسجد کی ضروریات کےعلاوہ دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائزنہیں ہے،سوالنامہ میں جن امور کےاعلان کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہیں، کہ مسجد کی طرف سے اعلانات کی فیس متعین کردی جائے، اور فیس ادا کر کےاعلان کرنے کی گنجائش ہے،البتہ سوالنامہ میں کچھ چیزیں ایسی بھی ذکر کی گئیں ہیں،جن کا اعلان نامناسب ہے مثلاً میت کی صورت دیکھنے کا اعلان ۔ (مستفاد:محمودیہ جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۸،فتاویٰ رحیمیہ جدید،زکریا ۹/ ۱۱۲)

ثم السراج والبساط كذلك إلىٰ آخر المصالح ، هذا إذا لم يكن

معیناً، فإن کان الوقف معینا علیٰ شیئی یصرف إلیه بعد عمارة البناء . (شامی، کتاب الوقف ، مطلب یبدأ بعد العمارة بما هو اقرب إلیها کراچی ٤/٣٦٧، زکریا ٦/٥٦٠)

وإذا أراد أن یصرف شیئاً من ذلک إلیٰ امام المسجد أوإلیٰ مؤذن المسجد فلیس له ذلک إلا إذا کان الواقف شرط ذلک . (تاتار خانیة زکریا ٨/١٧٥، رقم: ١١٥٥٤، المحیط البرهانی ، المجلس العلمی بیروت٩/١٣٧، رقم: ١١٣٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۳۱ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے مختلف قسم کے اعلان کا حکم

سوال: [۸۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) عام طور پر مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے بلا تکلف ہر قسم کے اعلانات کئے جاتے ہیں، خصوصاً دیہات اور قصبات کی مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے تو بہت ہی معمولی معمولی چیزوں کے اعلانات بڑے ہی مضحکہ خیز انداز میں کئے جاتے ہیں، اس قسم کے اعلانات مساجد اور مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے کرنا ازروئے شرع کیسا ہے، درست ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا یا کسی دینی کام کیلئے چندہ کا اعلان کرنا اسی طرح مساجد کے لاؤڈ اسپیکر کو اس کام کیلئے استعمال کرنا، مساجد میں یا مساجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے گمشدہ چیزوں کے اعلانات کرنا اسی طرح ماہ رمضان المبارک میں سحری کے وقت مساجد کے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ وقت کا اعلان کرنا یا تلاوت نعت وغیرہ پڑھنا یا ان کی کیسٹ چلانا درست ہے، یا نہیں؟

المستفتي: عبدالستار، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :(۱) اگرلاؤڈ اسپیکر مسجد کے چندہ اوراسکی آمدنی سے خرید کرلگایا گیا ہے،تو اس کو اذان ونماز کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگراعلانات کی اجرت مسجد کوملتی ہو،تو اجرت دیکراعلان کی گنجائش ہے ۔(مستفاد،فتاویٰ رحیمیہ قدیم۹/ ۲۴۸،جدیدزکریا۹/۱۴۳،فتاویٰ محمودیہ قدیم۶/ ۱۶۰،جدیدڈابھیل۱۵/ ۳۷)

المسجد المحتاج إلیٰ النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماینفق علیه .

(تقریرات رافعی مع الشامی، کراچی ٤/ ٨٠، زکریا٦/ ٨٠)

اوراس میں یہ بھی شرط ہے، کہ لاؤڈ اسپیکر مسجد کی حدود سے باہر کمرہ وغیرہ میں رکھا ہواہو، اوراگراندورن مسجد ہوتو اجرت لیکربھی اعلان کی گنجائش نہیں ہے ۔(مسائل امامت/ ۳۷۵)

فإن المساجد لم تبن لهذا دلیل علی کراهة کل فعل لم تبن المساجد له فیه . (اعلاء السنن ، دارالکتب العلمیة بیروت٥/ ١٧٥)

لم تبن (المساجد) لهذا أی لنشر الضالة ونحوه بل لذکر اللّٰہ تعالیٰ وتلاوة القرآن والوعظ. (مرقاة باب المساجد ، امدادیه ملتان ٢/ ١٩٩)

(۲) عام حالات میں اپنی ذات کیلئے یاکسی دینی کام کیلئے مسجد میں سوال کرناممنوع ہے،اوراس کالاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سے مسجد میں شوروغل ہوگا، نمازیوں کوخلل اور مسجد کی بے حرمتی ہوگی ،البتہ اگرکسی خاص حالت میں امداد اورتعاون کی ضرورت پیش آئے ، اورمسجد میں شورشرابے کااندیشہ نہ ہو نیز نمازیوں کوبھی کوئی خلل واقع نہ ہوتو اسکی گنجائش ہے ۔

والمختار أن السائل إن کان لایمر بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب ولا یسأل إلحافاً بل لأمر لابد منه فلا بأس بالسوال والإعطاء . (شامی، باب الجهة مطلب فی الصدقة علیٰ السوال المسجد کراچی ٢/ ١٦٤، زکریا ٣/ ٤٢)

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے صرف سحری کے وقت کا اعلان کرنا جائز ہے، اسکے علاوہ

گمشدہ چیزوں کا علان، نعت خوانی تلاوت یا اسکی کیسٹ وغیرہ لگانا سب مکروہ ہے۔

وتصان عن البيع والشراء وانشاد الأشعار وإقامة الحدود ونشدان الضالة . (حلبی، فصل فی أحکام المسجد اشرفیه دیوبند/ ٦١٠)

لا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالاعمال . (هنديه ، كتاب الكراهية، الباب الرابع زكريا قديم ٥/ ٣١٦، جديد ٥/ ٣٦٥، معارف القرآن ٤/ ١٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۸۲۱/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۶/ ۱۴۱۹ھ

مسجد کے مائک سے بالعوض اعلان کرنا

سوال: [۸۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے مائک سے دنیاوی اعلان ہوتا ہے، مثلاً سبزی کپڑا گنا ودیگر چیزوں کی فروختگی کا تو کیا اس طرح اعلان جائز ہے، اور اس اعلان کے عوض جو پیسے ملتے ہیں، ان کو مسجد کی تعمیر ودیگر اخراجات میں لگانا کیسا ہے؟ اور اگر مائک مسجد میں نہیں بلکہ دوسری جگہ پر ہے، مثلاً مائک مسجد کے کمرہ میں ہے، اور اس کا ہارن مسجد کی چہاردیواری کے اندر یا اس کے باہر ہے، تو کیا اس طرح سے جو اعلان کیا جاتا ہے، کیسا ہے، اور اس اعلان کا پیسہ مسجد کے اخراجات میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں اس کی وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد یاسین، چمپارنی،
گرام مغلپور، راجو پور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے مائک سے دنیاوی اعلانات نہیں کرنے

چاہئیں اسلئے کہ مائک مسجد میں اذان وغیرہ دینی کام کیلئے لگایا جاتا ہے، اعلانات کیلئے نہیں۔

شرط الواقف کنص الشارع الخ. (درمختار مع الشامی، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم شرط الواقف کنص الشارع، کراچی ٤/٤٣٣، زکریا ٦/٦٤٩)

اور مائک سے اعلان کے عوض اگر پیسے مل چکے ہیں تو مسجد کی تعمیر ودیگر اخراجات میں لگانا درست ہے، آئندہ احتراز کیا جائے۔

الفاسد من العقود ما کان مشروعاً بأصله دون وصفه ...... وحکم الأول وهو الفاسد وجوب أجر المثل بالاستعمال. (درمختار مع الشامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة کراچی ٦/٤٥، زکریا ٩/٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۴/۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۴/۱۳ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کر کے اجرت لینا

سوال: [۸۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے یہ اعلان کرنا کہ فلاں جگہ قرآن خوانی ہے سبھی لوگ پہونچیں یا یہ کہ فلاں وقت جنازہ کی نماز ہوگی یا یہ کہ فلاں چیز کھوگئی ہے، جسے ملے فلاں جگہ پہونچا دے یا دیگر اعلانات کرنا اوراس اعلان کے روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مشکور احمد، سہا را والا، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لاؤڈ اسپیکر مسجد کے جماعت خانہ سے الگ اور اس کی حدود سے باہر ہے، تو اجرت لیکر اعلان کرنا اوراس رقم کو مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ذمہ داران مسجد کی اجازت اور مسجد کا مفاد پیش نظر نہ ہو۔ (مستفاد:

امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۲۶)

المسجد المحتاج إليٰ النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه . (تقریرات رافعی مع الشامی، کتاب الوقف، کراچی ٤/ ٨٠، زکریا ٦/ ٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۸ھ

مسجد سے الگ مائک سے اعلان کرانے کا کرایہ لینا

سوال: [۸۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ بالخصوص دیہات میں مساجد کے ذرائع آمدنی نہ ہونے کے درجہ میں ہیں، جس کی وجہ سے مؤذن کا انتظام تک نہیں ہو پاتا ائمہ کی تنخواہیں قلیل در قلیل ہونے کے باوجود بمشکل پوری ہو پاتی ہیں، لیکن عام طور پر مساجد میں مائک رکھنے کا دستور ہو گیا ہے، اور چھوٹی بڑی سب مساجد میں اذانیں مائک سے ہوتی ہیں، شرعاً معلوم یہ کرنا ہے، کہ مائک مسجد کی حد سے باہر کمرہ میں اور ہارن بھی حدود مسجد مینارہ وغیرہ سے بالکل الگ کمرہ کے اوپر بلند جگہ بنا کر اس پر رکھدیئے جائیں اور جو شخص اعلان کرائے اس سے اعلان کا معاوضہ لے لیا جائے مثلا ایک اعلان پر پانچ روپیہ تو کیا مسجد کی آمدنی کی یہ شکل رواہے، مسجد کی ضرورت وغیرہ کو سامنے رکھ کر مفصل ومدلل جواب باصواب سے نوازیں؟ عنایت ومہربانی ہوگی؟

المستفتي: حافظ محمد عبد الحمید صاحب،
قریشی ڈھکہ، حسن پور، جے پی نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مائک جماعت خانہ سے باہر ہے، اور

اس کے ہارن بھی مسجد سے باہر ہیں، تو مسجد کے ایسے مائک سے کرایہ دیکر اعلان کرنا جائز اور درست ہے، اور اس کرایہ کی آمدنی مسجد کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۸/۲۱۰، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۸، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۹۹، جدید زکریا ۹/۱۴۴)

المسجد المحتاج إلیٰ النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ما ینفق علیه . (التقریرات الرافعی مع الشامی، کتاب الوقف، کراچی ٤ / ٨٠، زکریا ٦ / ٨٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۹۸/۳۶)

مسجد کے مائک سے نماز جنازہ اور جلسہ کا اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں مائک لگا ہوا ہے، گاؤں یا موضع کے کسی آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے، تو اس مائک سے اعلان کر دیا جاتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ اس طرح مسجد کا مائک استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسجد کی ضرورت نہیں ہے، عام ضرورت ہے لوگوں کیلئے یا کسی کی تقریر ہونی ہو تو اسی سے اعلان کر دیا جاتا ہے، تو کیا یہ اعلان کرنا جائز ہے؟

المستفتي: سمیع اللہ، مدرس مکتب ہلدھر مئو، ضلع گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر واقف نے لاؤڈ اسپیکر اس نیت سے دیا ہے کہ اس پر نماز جنازہ اور جلسہ وغیرہ کا بھی اعلان کر دیا جائے تو جائز ہے، اور اگر واقف نے صرف مسجد کیلئے وقف کیا ہے، تو اس پر دوسری چیزوں کا اعلان بلا اجرت کے جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۷/ ۲۲۱، ۱۷/ ۲۲۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۱، ۳۵، آپ کے

مسائل اور انکا حل قدیم ۲/۱۴۴، جدید زکریا ۳/۲۶۱)

متولی الوقف إذا أسكن رجلاً بغير أجرة ذكر الهلال رحمة الله تعالیٰ لاشيئی علی الساكن وعامة المتأخرين من المشايخ رحمهم الله تعالیٰ أن عليه أجر المثل سواء كانت الدار معدةً للاستغلال أو لم تكن صيانة للوقف وعليه الفتویٰ . (هنديه، كتاب الوقف، الباب الخامس فی ولاية الوقف الخ۔ (زكريا قديم ۲/ ۴۲۰، جديد ۲/ ۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷؍ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۲۹)	۱۴۱۸/۱۲/۷ھ

مسجد کے مائک سے موت یا کسی بچہ کے کھو جانے کا اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے یہ بتلایا ہے کہ مسجدوں میں جو سحری کے وقت ٹائم کا اعلان کیا جاتا ہے، وہ حرام ہے، اور کسی کی موت کا اعلان یا کسی کا بچہ کھو جانے پر اسکا اعلان سب حرام ہے، اسپیکر مسجد کا ہوتا ہے، اس کو ان باتوں کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے، یہ مندرجہ بالا باتیں جائز ہیں یا ناجائز جواب سے مطلع فرمائیں؟ مہربانی ہوگی؟

المستفتي: عبد الغفار محلّہ کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے اسپیکر سے سحری کا اعلان بقدر ضرورت کیا جا سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد ہی سے سحری کا اعلان اذان کی شکل میں ہوتا تھا:

عن عبد الله بن مسعودؓ أن النبی صلی الله عليه وسلم قال لايمنعن

أحدكم أذان بلال من سحوره فإنه ينادی أو يؤذن ليرجع غائبكم أو لينتبه نائمكم ، الحديث: (طحاوی ، كتاب الصلوٰة ، باب التأذين للفجر الخ ، النسخة الهندية ١/ ٨٣، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ١٨٠ ، رقم: ٨٣٢)

اور کسی کی موت کا اعلان یا گم شدہ کا اعلان کرایہ دیکر کیا جاسکتا ہے، بغیر اجرت ادا کئے اعلان نہیں۔

المسجد المحتاج إلیٰ النفقة تؤجر قطعه منه بقدر ماينفق عليه . (تقريرات رافعی علی الشامی، كتا ب الوقف، كراچی ٤/ ٨٠، زكريا ٦/ ٨٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۰/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۰/۱۴۱۹ھ

جمعہ، عیدالفطر وغیرہ کے موقع پر مسجد میں چندہ کرنا اور نام کا اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جمعہ، عیدالفطر وعیدالاضحیٰ وغیرہ کے موقع پر بچے اور بڑے مسجد میں چندہ دیتے ہیں بچے بھی اپنے اپنے نام کا اعلان کراتے ہیں شرعی اعتبار سے جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتي: عبدالوحید، مؤذن، مسجد بنجاران، ساہن پور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسلمانوں میں کارخیر میں خرچ کی ترغیب کیلئے اعلان کی گنجائش ہے جب کہ اس اعلان کی وجہ سے نمازیوں کو خلل نہ ہوتا ہو اور مسجد کا مفاد بھی مقصود ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۲۳۸)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة قال فى الخانية : معزيا إلىٰ أبي بكر البلخى إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به . (البحرالرائق، کتاب الوقف، کوئٹه ٥/ ٢١٥، زکریا ٥/ ٣٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۳/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۴۰/۳۸)

مسجد کے مائک سے سحری کا اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص رمضان المبارک کے مہینے میں مسجد کے اندر مسجد ہی کے مائک سے گاؤں کے لوگوں کو سحری کھانے کیلئے بیدار کرتا ہے، اور گاؤں کے لوگ بھی اس سے راضی ہیں، تو بتلایئے کہ اس شخص کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟

المستفتي: محمد معین الدین، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر گاؤں والوں ہی نے ملکر مسجد میں مائک لگایا ہے اور وہ سب اس بات پر راضی ہیں، تو مذکورہ شخص کا سحری میں بیدار کرنا درست ہے اور اگر کسی خاص شخص نے مائک مسجد کیلئے وقف کیا ہے، تو پھر اس سے اجازت حاصل کئے بغیر سحری میں مسجد کے مائک سے لوگوں کو بیدار کرنا جائز نہ ہوگا۔

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥)

وإذا أراد أن يصرف شيئاً من ذلک إلىٰ إمام المسجد أو إلىٰ مؤذن

المسجد فليس له ذلك إلا أن كان الواقف شرط ذلك في الوقف .

(هنديه ، كتاب الوقف، الباب الحادى عشر في المسجد، الفصل الثاني، زكريا قديم ٢/٤٦٣، جديد ٢/٤١٣، المحيط البرهاني ، المجلس العلمي بيروت ٩/١٣٧، رقم: ١١٣٨١، تاتارخانية زكريا ٨/١٧٥، رقم: ١١٥٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۵۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۲۱ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے مسجد میں چندہ کرنا

سوال: [۸۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل دیہات کے اندر مساجد میں تہوار کے موقع پر مثلاً عید الفطر وعید الاضحیٰ وغیرہ پر مساجد کے اندر مسجد ہی کے لاؤڈ اسپیکر سے مسجد ہی کے لئے چندہ کیا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ نیز گم شدہ چیز کا مسجد کے اندر پانچ روپیہ وغیرہ دیکر اعلان کرانا کیسا ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد قاسم ، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عید الفطر وعید الاضحیٰ وغیرہ کے موقعہ پر مساجد کے اندر مساجد ہی کے لاؤڈ اسپیکر سے مساجد کیلئے جو چندہ کیا جاتا ہے، یہ جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ کراچی ۲/ ۴۲۸)

لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ کام مسجد کے باہر کیا جائے ، کیونکہ بسا اوقات مسجد میں شور وشغب تک کی نوبت آ جاتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۲۸۲، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۲۷۴)

رہا مسجد کے اندر گم شدہ اشیاء کا اعلان کرنا تو اگر لاؤڈ اسپیکر کا ہارن مسجد کے مینار پر ہے تو یہ اعلان کرنا مسجد ہی میں اعلان کرنے کے حکم میں ہوگا، جو شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، لہٰذا اس سے رکنا واجب ہے۔

عن أبی عبد الله مولیٰ شداد بن الهاد أنه سمع أباهریرةؓ یقول: قال رسول الله ﷺ : من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردها الله علیک فإن المساجد لم تبن لهذا. (صحیح مسلم، کتاب المساجد، با ب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، النسخة الهندیة ۱/ ۲۱۰، بیت الافکار رقم: ۵۶۸)

فان المساجد لم تبن لهذا دلیل علی کراهة کل فعل لم تبن المساجد له فیه. (اعلاء السنن، ابواب احکام المساجد، باب کراهیة ادخال الصبیان والمجانین فی المسجد، کراچی ۵/ ۱۲۹، دارالکتب العلمیة بیروت ۵/ ۱۷۵)

تجب أن تصان عن إدخال الرائحة الکریهة (إلیٰ قوله) وعن حدیث الدنیا وعن البیع والشراء وإنشاد الأشعار وإقامة الحدود ونشدان الضالة والمرور فیها لغیر ضرورة ورفع الصوت والخصومة الخ. (حلبی کبیر فصل فی احکام المسجد، رحیمیه دیو بند / ۵۶۶، اشرفیه دیوبند/ ۶۱۰، صغیری، مکتبه مجتبائی دهلی / ۳۰۱، شامی، کتاب الصلوٰة، باب مایفسد الصلوٰة ومایکره فیها کراچی ۱/ ۶۶۰، زکریا ۲/ ۴۳۳، ۴۳۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۲۹/۲۵)

مسجد کے مائک سے مدرسہ کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے مائک سے جسکا ساؤنڈ بھی مینارہ پر رکھا ہے، مدرسہ کیلئے چندہ مانگنا اور چندہ دینے والے صاحب کا نام لے کر اعلان کرنا کہ فلاں صاحب نے اتنے روپئے دیئے ہیں، اللہ انکے مال میں برکت دے اور اسی میں مائک کو کئی کئی گھنٹہ مشغول رکھنا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مفصل و مدلل تحریر فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: عبد الغفار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :اگر مائک کےاستعمال کا کرایہ مسجد کو دیا جاتا ہے،تو کمیٹی کے مشورہ سے اوراجازت سے اسکی گنجائش ہےاور بلاکرایہ مسجد کے مائک کا استعمال امور مسجد کے علاوہ کیلئے جائز نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۳۶،جدید ڈابھیل ۱۴/ ۶۵۳)

البتہ اسی مسجد کی ضرورت کیلئے بلا کرایہ استعمال ہوسکتا ہے؟

المسجد المحتاج إلیٰ النفقة توجر قطعه منه بقدر ماینفق علیه . (تقریرات رافعی علی الشامی، کتا ب الوقف، کراچی ٤/ ٨٠، زکریا ٦/ ٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۲/۳ھ

مسجد کے مائک پر مسجد سے غیر متعلق اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صورت مسئولہ یہ ہے کہ جولاؤڈ اسپیکر مسجد میں اذان کیلئے لگایا گیا ہے،اسی مائک سے مسجد سے غیر متعلق اعلان بھی کیا جاتا ہے، مثلاً کسی کو کوئی چیز فروخت کرنی ہے، یا کوئی چیز کسی کی گم ہوگئی ہے،اس کا اعلان کرنا اوراس پر اجرت لینا مسجد کی آمد کیلئے اسی طرح نعت وغیرہ پڑھنا درست ہے یانہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: حاجی محمد اطہر، کتب فروش،
مین بازار، افضل گڈھ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :اگر لاؤڈ اسپیکر اوراس کا ہارن دونوں حدود مسجد سے باہر ہیں،اور مسجد سے غیر متعلق اعلانات سے مسجد کی آمدنی ہوتی ہے،تو گنجائش ہے، نیز نعت وغیرہ بھی مسجد سے غیر متعلق امور میں ہے اس کی اجرت مسجد کو ملنی چاہئے، جیسا کہ

شامی کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے۔

لو احتاج المسجد إلیٰ نفقة تؤجر قطعه منه بقدر ما ینفق علیه الخ. (شامی، کتاب الوقف، قبیل مطلب فیما لو خرب المسجد، کراچی ٤/ ٣٥٨، زکریا ٦/ ٥٤٨، تقریرات رافعی علی الشامی، کراچی ٤/ ٨٠، زکریا ٦/ ٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ررمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۳۹)

مسجد کے مائک سے دنیاوی چیزوں کا اعلان

سوال: [۸۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے خرید وفروخت کا سامان یا گمشدہ چیزیں اور دیگر دنیاوی چیزوں کا اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد زاہد حسین، گونڈوی،
مدرسہ تعلیم القرآن، موضع چوپڑ پوری،
پوسٹ: بلد پور، ضلع بلند شہر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر اسپیکر مسجد کے منارو غیرہ پر ہے، تو وہ اندورن مسجد میں اعلان کرنے کے حکم میں ہوگا، یہ ناجائز اور ممنوع ہے، اس سے روکنا واجب ہے۔

وتجب صیانة المسجد عن إدخال الرائحة الکریهة (إلیٰ قوله) وعن حدیث الدنیا وعن البیع والشراء وإنشاد الأشعار وإقامة الحدود ونشدان الضالة. (صغیری، مکتبه مجتبائی دهلی/ ٣٠١، حلبي کبیر، فصل فی احکام المساجد ،رحیمیه دیو نبد/ ٥٦٦، اشرفیه دیو بند/ ٦١٠)

اوراگرحدودمسجد سے باہر ہے،تو بھی ناجائز ہےاسلئے کہ سامان مسجد کا دوسری اغراض میں استعمال جائزنہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة ،زکریا ۶/ ۶۶۵، کراچی ۴/ ۴۴۵)

شرط الواقف كنص الشارع الخ. (الاشباه والنظائر قديم/ ۱۷۰، شامی، مطلب فی تولهم شرط الواقف كنص الشارع کراچی ۴/ ۴۳۳، زکریا ۶/ ۶۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۸۷)

مسجد کے مائک سے بیع وشرا اور گمشدگی کے اعلان کا حکم

سوال: [۸۱۹۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا مائک جوکہ اذان پڑھنے کے لئے ہوتا ہے، اس کے ذریعہ بیع وشراء گمشدگی کی تلاش اور میت اوراس کی نماز جنازہ وغیرہ کا اعلان کرنا کیسا ہے؟ یہ بات بھی واضح رہے کہ مسجد کی کمیٹی نے فی اعلان کچھ فیس مثلاً دس روپئے وغیرہ مقرر کی ہے، جواعلان کرانے والے سے لی جاتی ہے، تو اس سلسلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بذریعہ فیس اعلان کرنے کا شرعاً جواز معلوم ہوتا ہے، بینوا وتوجروا۔

المستفتي: محمد سلمان قاسمی،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مصالح مسجد کے پیش نظر کرایہ لیکر مسجد کے مائک سے اعلان کرانا جائز ہے، اس لئے کہ مسجد کے منافع بھی مصالح مسجد میں شامل ہیں، البتہ مائک اوراس کے پیکر کو مسجد شرعی کی حدود سے باہر رکھنا ضروری ہے۔

الشامنه في وقف المسجد أيجوز أن يبنیٰ من غلته منارة قال فی

الخانية : معزيا إلىٰ ابى بكر البلخى إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به . (البحرالرائق، کتاب الوقف ، زکریا ۵/ ۳٦۰، کوئٹہ ۵/ ۲۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۶۴/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۹ھ

گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا

سوال: [۸۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے اندر یا خارج مسجد کوئی چیز گم ہو جائے، تو اس کا اعلان مسجد میں کیا جا سکتا ہے یا یہ کہ اندورن مسجد خارج مسجد کے حکم سے جدا گانہ ہے؟

المستفتي: محمد حامد، کرلا، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو چیز اندورن مسجد گم ہو جائے تو اس کا علان اس شرط کیساتھ جائز ہے، کہ شور وشغب نہ ہو اور نمازیوں کو خلل نہ ہو، اور اگر بیرون مسجد گم ہوگئی ہے، تو حدود مسجد سے باہر دروازہ پر کھڑے ہوکر اعلان کرنا جائز ہے، اندرون مسجد ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۵۳/۱۵، جدید ڈابھیل ۲۱۱/۱۵)

وأما إنشاد الضالة فله صورتان إحداهما إن ضل شيئى فى خارج المسجد وينشده فى المسجد لاجتماع الناس فهو أقبح وأشنع وأما لو ضل فى المسجد فيجوز الإنشاد بلا شغب الخ. (العرف الشذى على هامش الترمذى، ابواب الصلوٰة، باب كراهية البيع والشراء انشاد الضالة فى المسجد ۱/ ۸۰)

قال الشيخ وأما إنشادالضالة فله صورتان : إحداهما : وهى أقبح و أشنع بأن يضل شيئى خارج المسجد ثم ينشده فى المسجد

لأجل اجتماع الناس، والثانية: أن يضل فی المسجد نفسه فينشده فيه وهذا يجوز إذا كان من غير لغط وشغب. (معارف السنن ،اشرفیه دیوبند ۳/۳۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۶/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۰۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۶/۱۴۱۵ھ

مسجد کے اندر گم شدہ بچے اور چیز کا اعلان کرنا

سوال: [۸۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گم شدہ بچے اور چیز کا مسجد سے اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: عبدالمعید قاسمی، آزادنگر، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر اعلان ممنوع ہے، البتہ حدود مسجد سے باہر آکر اعلان کرنیکی گنجائش ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: إذا رأيتم من ينشد فيه ضالة فقولوا: لا ردها الله عليک. (سنن الترمذی، ابواب البیوع، باب النهی عن البيع فی المسجد ، النسخة الهندية ۱/۲٤٦،دارالسلام رقم: ۱۳۲۱ ، صحيح مسلم،كتاب المساجد ، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد ، النسخة الهندية ۱/۲۱۰، بيت الافكار رقم: ٥٦٨)

إذا رأيتم من ينشد ضالة فی المسجد فقولوا لاردها الله عليک .

(شامی، كتاب الصلوٰة باب مايفسد الصلوٰة الخ ، مطلب فی انشاد الشعر ،كراچی ۱/٦٦٠، زكريا ۲/٤٣٣)

تجب تصان عن إدخال الرائحة الكريهة –إلىٰ – وعن حديث

الدنيا والبيع والشراء وإنشاد الأشعار وإقامة الحدود ونشدان الضالة. (كبيرى فصل فى احكام المساجد، رحيميه ديوبند/٥٦٦، اشرفيه ديوبند/٦١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰۷۹/۲۸)

مسجد کے مائک سے مختلف امور کا اعلان کرنا

سوال: [۸۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مساجد کے مائک سے اہل بستی اپنے کاروباری سلسلے کیلئے اعلان کراتے ہیں، مثلاً نور محمد صاحب کے یہاں ۴؍روپیہ کیلو گڑ بک رہاہے، فرید احمد صاحب کے ہوٹل پر دو چار روپیہ کیلو ملیگا وغیرہ وغیرہ دوسرا اعلان اسطرح کا ہوتاہے، کہ تسلیم احمد کی بکری جس کا رنگ کالا ہے، گم ہوگئی ہے، جن صاحب کو ملے وہ انکے مکان پر پہونچادے، حدیہ ہیکہ مساجد کے مائک سے غیر مسلم حضرات بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں، مذکورہ اعلان پر امام مسجد یا متولی صاحبان ۲، ۵؍روپیہ فی اعلان اجرت لیتے ہیں، جس کو مسجد کے صرفہ میں لاتے ہیں، یہ اعلان برائے افادۂ عام کیساہے؟ نیز اس پر اجرت لینا کیساہے؟

(۲) مسجد کے متولی یا امام اکثر مذہبی تقریبات کے موقع پر مسجد کے مائک پر یہ اعلان کرتے ہیں، کہ محلّہ والے اپنے اپنے بچوں کو پیسہ لیکر بھیجیں، جو بچہ پیسہ لاتاہے، اس کا مع اسکے ورثاء کے دعائیہ الفاظ سے تعارف کراتے ہیں، اس شکل سے بچوں کے ورثاء کے دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے، اوروہ خوب پیسے بھیجتے ہیں، مذکورہ بالا طریقہ سے چندہ کرنا کیساہے؟

المستفتي: مختار احمد، مدرسہ درویشاں سلیم پور، سہس پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :(۱)اگر مائک اوراس کا ہارن دونوں حدود مسجد سے باہر ہیں، اور مسجد کی آمدنی کی غرض سے کرایہ لیکراعلان کیا جاتا ہے،تو اس کی گنجائش ہے۔(امدادالفتاویٰ۲/ ۷۲۸)

اور اگرحدودمسجد کے اندر مائک یاہارن ہے اور ہرطرح کا اعلان اسمیں کیاجا تاہے، توجائزنہیں ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ قال: إذا رأيتم من يبيع أو يبتاع في المسجد فقولوا لاأربح الله تجارتک وإذا رأيتم من ينشد فيه ضالة فقولوا لا ردالله عليک ، الحديث: (سنن الترمذی، ابواب البیوع ، باب النهی عن البيع فی المسجد ، النسخة الهندية ۱/ ۲٤٦، دارالسلام رقم: ۱۳۲۱، صحيح مسلم ، كتاب المساجد ، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۰، بيت الأفكار رقم : ٥٦٨ ، مشکوٰة ۱/ ۷۰)

(۲)اگر مذہبی تقریب ہےاور چندہ مسجد ہی کیلئے ہواوراوقات نماز کےعلاوہ میں ہوتو اس کی گنجائش ہے۔(امدادالفتاویٰ۳/ ۷۲۸،و۲/۷۱۰)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲۰/رجب۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۸۸۱/۲۶)

مسجد کے مائک سے مرغی،بکری کا اعلان کرنا

سوال: [۸۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ ایک گاؤں ہے گاؤں کے رہنے والے اکثر مسلمان ہیں ، کچھ ہندولوگ بھی رہتے ہیں، گاؤں کے آخر میں ایک ندی ہے، ندی کے پاس گاؤں والوں کے اکثرلوگوں کی زمین جائیداد ہے، ہندولوگوں کی بھی زمین ہے،اورگاؤں کے رہنے والوں میں سےبعض کی زمین وہاں نہیں ہےزمین میں ریشم کےتوت کا پتہ دھان آم اناج وغیرہ ہوتا ہے،بعض

وقت چور زمین جا کر چوری کرتا ہے، بدمعاشوں نے ریشم کا پتہ وغیرہ فصلوں میں بیل بکری کو چرا دیا ہے، اس لئے گاؤں والوں نے زمین کی پیداوار کی حفاظت کیلئے ایک فصل حفاظت کمیٹی تیار کی ہے، اور پیداوار کی حفاظت کرنے کیلئے پولیس کیمپ بھی بٹھایا ہے، اور پولیس کا خرچہ وغیرہ خود گاؤں والے دیتے ہیں، اس کے باوجود کبھی کبھی چوری ہوجاتی ہے، فصل حفاظت کمیٹی کبھی کبھی میٹنگ بلا کر مشورہ کرتی ہے، کہ فصل کس طرح محفوظ رکھی جائے، اور پولیس والوں کے خرچہ اور چندہ کے بارے میں بھی مشورہ ہوتا ہے، اور میٹنگ اور مشورہ گاہ میں ممبر لوگوں کو بلانے کیلئے اعلان کی ضرورت پڑتی ہے، ہندو ممبر بھی کمیٹی کے اندر ہیں، تو سوال یہ ہے کہ اس کمیٹی کے ممبر لوگوں کو میٹنگ ومشورہ میں بلانے کیلئے مسجد کے اندر کھڑے ہوکر مسجد کے مائک اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں، اور جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد مسجد کے مصلیوں کے سامنے اعلان کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح آجکل سرکاری ڈاکٹر آتے ہیں، دوائی اور بچوں کو پولیو ڈوز دینے کیلئے تو اس کا بھی اعلان مسجد کے اندر کھڑے ہوکر مسجد کے مائک کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اور کبھی کبھی گاؤں والوں کا بکرا مرغی وغیرہ گم ہوجاتا ہے، تو اس کا اعلان مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے ہوتا ہے، حالانکہ مائک کا لاؤڈ اسپیکر مشین وغیرہ مسجد کے اندر رکھا ہوا ہے، یعنی اگر اعلان کرنا پڑتا ہے، تو مسجد کے اندر کھڑے ہوکر اعلان کرنا پڑتا ہے، تو اس صورت میں مذکورہ تمام اعلانات مسجد کے مائک کے ذریعہ مسجد کے اندر کھڑے ہوکر کرنا جائز ہے، یا نہیں، برائے کرم جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: محمد حسین، بھاگلپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدود مسجد کے اندر مرغی بکری کا اعلان اسی طرح گاؤں پنچایت کے لوگوں کا اعلان ممنوع ہے ہاں البتہ اگر مائک حدود مسجد سے باہر اذان خانہ یا کمرہ میں ہو اور اس کا ہارن میناروں پر ہو اور کمرہ یا اذان خانہ میں کھڑے ہوکر اعلان کیا

جاتا ہے، اور مسجد کو اس اعلان کا معاوضہ دیا جاتا ہے، تو اس کی گنجائش ہے، کیونکہ معاوضہ کی صورت مسجد کی مصلحت ہے، مگر وہ بھی اندر نہیں۔

عن أبی عبد الله مولیٰ شداد بن الهاد أنه سمع أباهريرةؓ يقول: قال رسول الله ﷺ: من سمع رجلا ينشد ضالة فی المسجد فليقل لا ردها الله عليک فإن المساجد لم تبن لهذا. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، با ب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۰، بيت الافكار رقم: ۵۶۸، سنن الترمذی، ابواب البيوع، باب النهی عن البيع فی المسجد، النسخة الهندية ۱/۲۴۶، دارالسلام رقم: ۱۳۲۱)

نهى رسول الله ﷺ عن الشراء والبيع فی المسجد وأن تنشد فيه الأشعار وأن تنشد فيه الضالة. (شرح كبيری، فصل فی احكام المسجد، اشرفيه ديو بند/۶۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۳؍ شوال ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۷۲)	۲۳/۱۰/۱۴۱۸ھ

مسجد میں سائل کا سوال کرنا اور سفیر کا چندہ کرنا

سوال: [۸۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مسجد میں سائل کو سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد میں سفیر مدرسہ کو چندہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، برتن فروش، شاہی بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱-۲) مسجد میں اگر نمازیوں کو کوئی خلل نہ ہو تو سائل کا سوال اور مدارس کے سفراء کا چندہ کی بات کرنے کو ضرورت کے تحت حضرت تھانوی

قدس سرہٗ نے امداد الفتاویٰ ۲/۲۹۷، میں جائز قرار دیا ہے۔

ویکره التخطی للسؤال بکل حال قال فی النهر : والمختار أن السائل إن کان لا یمر بین یدی المصلی ولا یتخطی الرقاب ولا یسأل إلحافا بل لأمر لا بدمنه ، فلابأس بالسؤال والإعطاء . (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب الجمعه مطلب فی الصدقة علی سؤال المسجد ، کراچی ۲/۱٦٤، زکریا ۳/۴۲، فتاویٰ بزازیه ، باب صلوٰۃ الجمعة ، نو ع ، جدید زکریا ۱/۵۱، وعلیٰ هامش الهندیة ،زکریا ٤/٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۸۸٦)

مسجد کا مائک ذاتی کاموں کیلئے استعمال کرنا

سوال: [۸۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے مائک سے اپنے ذاتی کاموں کیلئے اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: اہلیان، جامع مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: مسجد کے مائک سے اپنے ذاتی کاموں کے لئے اعلان کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ فقہاء ومحدثین کی ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے۔

عن أبی عبد الله مولیٰ شداد بن الهاد أنه سمع أباهریرةؓ یقول : قال رسول الله ﷺ: من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردها الله علیک فإن المساجد لم تبن لهذا. (صحیح مسلم، کتاب المساجد ، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد ، النسخة الهندیة ۱/۲۱۰، بیت الافکار رقم: ۵٦۸،

سنن الترمذی ، ابواب البیوع ، باب النهی عن البیع فی المسجد ، النسخة الهندية ۲٤٦/۱ ، دارالسلام رقم: ۱۳۲۱)

ولا ینشدها فی المسجد لأن المسجد لم یبن لهٰذا. (اوجزدارالقلم بیروت۲۹۸/۱۳)

وأما إنشاد الضالة فله صورتان إحداهما إن ضل شیئی فی خارج المسجد وینشده فی المسجد لاجتماع الناس فهو أقبح وأشنع وأما لو ضل فی المسجد فیجوز الإنشاد بلا شغب. (العرف الشذی علیٰ هامش الترمذی، ابواب الصلوٰة ، باب کراهية البیع والشراء وانشاد الضالة فی المسجد۱/۸۰، معارف السنن، اشرفیه دیو بند۳/۳۱۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۹/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۷۶/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۹/۱۴۲۲ھ

۲۳/ الفصل الثالث والعشرون: غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا

غیر مسلم ملازم سے مسجد کے کاموں میں تعاون لینا

سوال: [۸۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز کیلئے کسی غیر مسلم ملازم سے تعاون مثلاً صفائی کرانا چٹائی بچھوانا اور اسی طرح لوٹے بھروانے کا کام لے سکتے ہیں، یا نہیں؟

المستفتي: محمد شفیع، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم میں پاکی ناپاکی کا اعتبار نہیں ہوتا اسلئے غیر مسلم مسجد کی صفائی اور چٹائی بچھوانے کیلئے نہ رکھا جائے، اور قرآن کریم میں مسجد حرام میں داخل ہونے کو منع کیا گیا ہے، اگر چہ ایک قول میں دوسری مساجد اس میں داخل نہیں ہیں، مگر احتیاط یہی ہے کہ غیر مسلم کو کسی بھی مسجد میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلاَ يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ . (البقرہ: ۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ر شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۲۶ھ

کافر کا مسجد میں داخل ہو کر گھومنا

سوال: [۸۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا کافر مسجد میں داخل ہوسکتا ہے، ٹہل سکتا ہے، گھوم سکتا ہے؟ مسجد و محراب تک جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد حنیف، محلّہ بینٹھ اتوار، سرائے ترین، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد میں بے ضرورت داخل ہوکر کے گھومنا اور ٹہلنا مسلمان کیلئے بھی ممنوع ہے، اسلئے کہ مسجد عبادت کی جگہ ہے ہاں البتہ کسی بھی ضرورت کیلئے داخل ہونا جائز اوردرست ہے ، اور کافر بھی مسجد میں کسی ضرورت کیلئے داخل ہوسکتا ہے، اورچل سکتا ہے، مثلاً کوئی اعتکاف میں بیٹھا ہوا ورغیر مسلم کو اس سے کوئی ضرورت ہے یااس معتکف کوکسی غیر مسلم سے ضرورت ہے، تو اس طرح کی ضرورت کیلئے کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز اوردرست ہے، جب مسجد میں داخل ہوگا، تو اس میں چلے گا بھی اور چلنے میں محراب تک اورکسی بھی کونے تک پہونچ سکتا ہے، اورحدیث شریف میں کافر کا مسجد میں داخل ہونے کا ذکر موجود ہے۔

عن الحسن أن وفد ثقيف أتوا رسول الله ﷺ ، فضربت لهم قبة في مؤخر المسجد لينظروا إلىٰ صلاة المسلمين ، إلىٰ ركوعهم وسجودهم، فقيل : يارسول الله ! أتنزلهم المسجد وهم مشركون ؟ فقال: إن الأرض لاتنجس ، إنما ينجس ابن آدم . (المراسيل لأبي داؤد /٦، رقم: ١٧، مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمي ١/ ٤١٤، رقم: ١٦٢٢، المصنف لابن أبي شيبة، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٦٥، رقم: ٨٨٦٧)

عن عثمان بن أبي العاص أن وفد ثقيف لماقدموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم انزلهم المسجد ليكون أرق لقلوبهم، الحديث : (سنن ابى داؤد، الخراج، باب ماجاء في خبر الطائف ، النسخة الهندية ٢/ ٤٢٨، دارالسلام رقم: ٣٠٢٦، صحيح ابن خزيمه ، المكتب الإسلامى ١/ ٦٥٠، رقم: ١٣٢٨، المعجم الكبير للطبرانى ، دارالاحياء التراث العربي ٩/ ٥٤، رقم: ٨٣٧٢، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٢١٨، رقم: ١٨٠٧٤)

ولابأس أن يدخل الكافر وأهل الذمة المسجد الحرام وبيت

المقدس وسائر المساجد لمصالح المسجد وغيرها من المهمات .

(البحرالرائق، الوقف، فصل في احكام المسجد ،زكرياه/ ٤٢٠، كوئٹه٥/ ٢٥١)

وجاز دخول الذمي مسجداً مطلقاً قال الشامي: ولو جنباً كما في الاشباه . (درمختار مع شامي ، كتاب الحظر والإباحة ، باب الإستبراء وغيره زكريا ٩/ ٥٥٥، كراچی ٦/ ٣٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۱/۱۴۳۴ھ

غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا

سوال: [۸۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ الیکشن کے امید وار غیر مسلم حضرات مع اپنے ہمراہیوں کے مسجدوں میں داخل ہوں، اسی طرح کیا غیر مسلم حضرات مسجدوں میں نکاح کی محفلوں میں شرکت کرنے اور دولہا دولہن کو مبارک بادی پیش کرنے کیلئے حاضری دے سکتے ہیں، نیز یہ بات بھی میں گوش گذار کردینا چاہتا ہوں کہ یہ یقینی بات ہے کہ اس طرح مسجدوں میں آنے والے یہ غیر مسلم لوگ ظاہری وباطنی نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں، مثلاً آنے والوں میں اکثر وبیشتر پیشاب کرنے کے بعد طہارت کا اہتمام نہیں کرتے۔

(۲) یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں سے بعض جنبی ہوں؟

(۳) یہ بھی احتمال ہے کہ ان میں سے بعض کے کپڑے بھی ناپاک ہوں؟

(۴) ہندوستان کے اکثر علاقوں میں چونکہ شراب پینے پر پابندی نہیں ہے، لہٰذا آنے والوں میں بیشتر لوگ شراب، وائنس، برانڈی وہسکی وغیرہ پی کر آگئے ہوں؟

الغرض یہ ہندولوگ ہر طرح کی گندگی ونجاست میں گھرے رہتے ہیں، بالعموم ان ظاہری وباطنی نجاستوں سے پاک نہیں ہوتے ہیں، لہٰذا ان تمام حالات کو مدنظر رکھکر ان

سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد اشرف علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب تک غیر مسلم کے بدن کا نجاست حقیقیہ کے ساتھ ملوث ہونا ظاہراً ثابت نہ ہو تو غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز اور درست ہے، حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں غیر مسلم مسجد نبوی میں داخل ہوتے تھے، ہم ظاہری نجاست کے مکلّف ہیں، ان کے اندورنی حالات کے مکلّف نہیں ہیں، لہٰذا کسی مسلمان کی مسجد کے اندر نکاح کی مجلس میں کوئی غیر مسلم داخل ہوجاتا ہے، تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے روکنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں البتہ سوالنامہ میں شراب پیکر داخل ہونے کا بھی ذکر ہے، تو شراب کی بو ہر شخص کو معلوم ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں مسجد میں داخل ہونے سے روک لیا جائے۔

عن الحسن أن وفد ثقيف أتوا رسول الله ﷺ فضربت لهم قبة في مؤخر المسجد لينظروا إلىٰ صلوٰة المسلمين إلىٰ ركوعهم وسجودهم، فقيل: يارسول الله! أتنزلهم المسجد وهم مشركون؟ فقال: إن الأرض لاتنجس، إنما ينجس ابن آدم. (مراسیل ابو داؤد/٦، رقم: ١٧)

وعن سعيد بن المسيب أن أبا سفيان، كان يدخل المسجد بالمدينة وهو كافر، غير أن ذلك لايصلح له في المسجد الحرام، لما قال الله تعالىٰ: إنما المشركون نجس فلايقربوا المسجد الحرام، الأية. (مراسیل ابو داؤد /٦، رقم: ١٨)

أقول: دلت هذه الأحاديث على أن نجاسة الكفر غير مانعة من دخول المسجد وهى ليست من النجاسات الحكمية أو الحقيقية البدنية، بل هى من نجاسات الآثام والأوزار، ونجاسة الآثام هى المرادة في قوله

تعالیٰ: ''إنما المشركون نجس'' فلا تعارض بين الآية والأحاديث حتى يمكن القول بكونها منسوخة بالآية لاسيما إذا كانت رواية الحسن مشيرة إلىٰ ان قصة وفد ثقيف متأخرة من نزول الآية . (اعلاء السنن كراچی ۱۷/ ۴۵۳، دارالكتب العلمية بيروت ۱۷/ ۴۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۳۵/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۳ھ

مسجد میں نکاح کی منعقد مجلس میں غیر مسلم کی شرکت

سوال: [۸۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ اپنے گھر کی لڑکیوں کا نکاح حکم شرعی کے مطابق مسجد میں منعقد کرتے ہیں، چونکہ ہمارے کاروباری تعلقات کچھ غیر مسلموں سے بھی ہیں، جس کی وجہ سے ہماری دعوت پر وہ لوگ بھی مجلس نکاح میں شرکت کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا ایسے مواقع پر ان غیر مسلموں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، اگر اجازت ہے تو کن شرائط کیساتھ اور اگر اجازت نہیں تو کس وجہ سے؟

المستفتي: محمد سلیم، محمد یعقوب،
روشن بدھوار روڈ، مالیگاؤں، ناسک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مسلم نکاح میں شرکت کیلئے مسجد میں جاسکتا ہے، بشرطیکہ بدن ظاہری نجاست سے پاک ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ نجاست ان کی اعتقادی ہے۔

وجاز دخول الذمی مسجداً ولو جنباً كما فی الاشباه (إلیٰ قوله) قال

فی الهداية : ولنا ماروی أنه عليه الصلوٰة والسلام أنزل وفد ثقيف فی مسجده وهم كفار ولأن الخبث في اعتقادهم فلا يؤدی إلیٰ تلويث المسجد . (شامی مع الدرالمختار ، كتاب الحظر والإباحة ، باب الاستبراء وغيره ، زكريا ۹/ ۵۵۵، كراچی ۶/ ۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ر۶۴۱۴)

۲۴/الفصل الرابع والعشرون : مسجد میں حرام مال لگانا

مسجد میں مالِ حرام لگانا

سوال: [۸۲۰۹]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں میں شیعہ تونہیں ہیں، سب سنی ہیں،لیکن ایک زمانہ سے شیعوں جیساعمل چلا آ رہاہے، کہ محرم بھی بنتاہے، اور کربلا کی ایک زمین ہے جوتقریباً پندرہ بیس بیگہ ہے اسکی آمدنی غریب مسجد میں لگانے کی گنجائش ہے یانہیں؟

المستفتي: علیم الدین، سردن نگر، جسپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کربلا کے نام سے زمین کامتعین کرناشرعی طور پر ناجائز اورممنوع ہے اور اس سے شرعی وقف نہیں ہوتا ہے، اوراس کوعبادت کا کام سمجھنا بھی گناہ ہے، جب علاقہ کےلوگوں نےاس نام سے یہ زمین متعین کی تھی،اس وقت ان لوگوں کو مسائل شرعیہ سے واقفیت نہیں تھی، کہ کربلا کے نام سے بھی شریعت میں کوئی زمین وقف ہوسکتی ہے، یانہیں؟ حالانکہ یہ وقف شرعی طور پردرست نہیں ہوا تھا، اب علاقہ کے ذمہ دارلوگوں کو مشورہ کرکے اس زمین کے بارے میں یہ طے کرلینا چاہئے، کہ ضرورت مندمساجدومدارس کیلئے اس زمین کو وقف کردیں،اورکربلا کے نام باقی نہ رکھیں پھراس کی آمدنی ان مساجد اورمدارس میں خرچ کی جائے۔

ومن شرائط الوقف أن يكون قربة في ذاته وعند التصرف فلا يصح وقف المسلم أو الذمي على البيعة والكنيسة أو على فقراء أهل الحرب. (عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الأول في تعريفه زكريا قديم ۲/ ۳۵۳، جديد ۲/ ۳۴۷، الدر مع الرد، كراچى ۴/ ۳۴۲، زكريا ۶/ ۵۲۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/ ۱۵۹، الفقه الإسلامي وأدلته ، هدىٰ انٹر نيشنل ديوبند ۸/ ۱۹۳، دار الفكر ۱۰/ ۷۶۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۸۴/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۲۳ھ

مدرسہ و مسجد میں حرام مال لگانا

سوال: [۸۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دینی مدارس کے چلانے کیلئے صدقات وزکوٰۃ وامدادی رقم لینی چاہئے، کسی عالم دین، فاضل دیو بند وفاضل مظاہر علوم کے لئے دینی مدرسہ چلانے کیلئے شراب کی دوکان والے سے چندہ لینا اسی طرح مٹکہ چلانے والے سے اسکے گھر پر جا کر مدرسہ کیلئے چندہ طلب کرنا یا زکوٰۃ طلب کرنا اور لینا کیسا ہے؟ اور جبکہ ان علماء کو معلوم ہے کہ یہ شراب اور مٹکہ کا دہندہ کرتے ہیں، اسکے باوجود انکے پاس چندہ کو جاتے ہیں، شراب کا دھندہ حرام، مٹکہ لگانا حرام مٹکہ کا دھندہ حرام تو پھر کیا مدرسہ کیلئے ایسی رقم کا لینا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب نقل کیا جائے، اور اگر نا جائز ہے، تو بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب نقل کیا جائے، اور پھر ایسے علماء کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، جو چیزیں نص قطعی سے حرام ثابت ہیں، وہ اپنے لئے جائز قرار دیتے ہیں، کیا ان علماء کے پیچھے نماز کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں امید ہے کہ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے؟

المستفتي: محمد خواجہ، نیو جنتا، ضلع لاتور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدرسہ اور مسجد کیلئے مال حرام اور شراب وغیرہ کا پیسہ ناجائز اور ممنوع ہے، اگر معلوم ہوتے ہوئے شراب کا پیسہ لیکر مدرسہ میں لگایا جائے، تو لگانے والا اور دینے والا دونوں گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۶۷)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ. (البقرہ: ۲٦۷)

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسو ل اللهﷺ: أيها الناس ! إن الله طيب لايقبل إلا طيباً . (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها،النسخة الهندية١ /٣٢٦، بيت الافكار، رقم: ١٠١٥)

لو أنفق في ذلک مالا خبيثا ، أومالا سببه الخبيث والطيب فيكره ؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا يقبله . (الدرمع الرد ، كتاب الصلاة، قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ٢ /٤٣١، كراچی ١ /٦٥٨)

اور قطعی حرام چیز کو کوئی عالم اپنے لئے جائز قرار دے یہ نا قابل تصور بات ہے، جس عالم کے متعلق لکھا گیا ہے، جب تک ان سے براہ راست معلومات نہ ہو حکم لگانا ہمارے لئے روانہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۹۹)

ناجائز آمدنی مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص جوا سٹہ کا کام کرتا تھا، اور اب کچھ عرصہ سے اس نے جوا سٹہ کا کام چھوڑ دیا ہے، اور اس پیسے سے دیگر کاروبار شروع کر دیا ہے، تو اب یہ اس پیسے کی آمدنی میں سے مسجد میں کچھ کام کرانا چاہتا ہے، لہٰذا یہ پیسے مسجد میں لگائے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: جمشید، محلّہ پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ناجائز آمدنی خواہ جوا اور سٹہ کے ذریعہ حاصل کی ہو خواہ اور کسی ذریعہ سے مسجد اور دوسرے کاروبار میں لگانا درست نہیں ہے، لہٰذا سوالنامہ میں ذکر کردہ آمدنی چونکہ جوا اور سٹہ کے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے جو شرعاً ناجائز ہے اس لئے اس

آمدنی سے مسجد کی تعمیر کرانا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/۴۶۹، ڈابھیل ۱۵/۱۱۶)

أما من رأى المكاس يأخذ من أحد شيئا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذه من ذلک الآخر فهو حرام. (شامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیرہ، زکریا ۹/۵۵۳، کراچی ۶/۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۸۸)

مال حرام مسجد اور انکے متعلقات میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مذکورہ گاؤں چاکھل میں مسلمان چار برادری کے بستے ہیں۔

(۱) قریشی (قصائی) انکا کاروبار بکری ذبح کر کے بیچنا، بھیڑ بکری پالنا، خریدنا، بیچنا اور ہر گھر سے ایک دو فرد کا سعودی عرب وغیرہ میں ملازمت کرنا۔

(۲) منیہار، انکا کاروبار چوڑی بنانا بیچنا، دوسری تجارت وغیرہ کرنا۔

(۳) قاضی (فقیر) انکا بھی کاروبار ملازمت بمبئی وغیرہ میں ہے اور مزدوری کرتے ہیں۔

(۴) چوبدار (قلال) ان کا اکثر کاروبار شراب کا ہے، یا شراب کے ٹھیکوں پر ملازمت کرنا اور دیگر کام کاج جیسے مذکورہ برادری کے ہیں، انکے برائے نام ہیں، یہ چاروں برادری والے مل کر مسجد مدرسہ کے ملازم کو تنخواہ دیتے ہیں، اور بھی مسجد ومدرسہ کے کاموں میں برابر کا حصہ لیتے ہیں، اور جس طرح تینوں برادری والے مسجد ومدرسہ کے ملازم کو کھانا کھلاتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کھانا وغیرہ کھلاتے پلاتے ہیں، غرض ہر موقع پر مالی امداد کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ مسجد ومدرسہ میں انکا مالی تعاون یا امام ومدرس کی تنخواہ یا کھانا وغیرہ کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ پوری مسلم آبادی سماجی اعتبار سے ایک

ہے، اور ہرایک کا پورا پورا حق ہے، اگر یہ اتفاق واتحاد مسجد ومدرسہ کیلئے نہ رکھیں تو غیروں کو ایمان پر حملہ کرنا آسان ہوگا، اور مسجد ومدرسہ کا کام چلنا دشوار ہوگا، کیونکہ جہالت میں سبھی یکساں ہیں، جیسا کہ میں نے سوال نمبر ایک میں روشنی ڈالی ہے، نیز امام ومدرس کا متولی کے گھر ٹیوشن پڑھا کر پیسے یا کپڑے وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ سبھی سوالوں کے جوابات مدلل تحریر فرمائیں، عین نازش ہوگی؟

المستفتي: مصلیان مسجد مقام
جاکھل، جھن جھنوں، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جن لوگوں کی آمدنی خالص حرام کی ہے انکے روپئے پیسے سے حتی الامکان بچا جائے، لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی حلال کاروبار بھی وہ لوگ کرتے ہیں، یا حلال مال سے مالی تعاون کرتے ہیں، تو گنجائش ہے، ورنہ قلال برادری سے مال لینا جائز نہیں ہوگا۔

إن كا ن غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لايقبل. (هنديه، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا جديده/٣٩٦، قديم ٥/٣٤٢)

غالب مال المهدي إن حلالا لا بأس بقبول هديته...... مالم يتعين أنه من حرام وإن غالب ماله الحرام لايقبلها. (بزازيه، كتاب الكراهية، الفصل الرابع، زكرياجديد٣/٢٠٣، وعلى هامش الهندية ٦/٣٦٠) **فقط والله سبحانه وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۸/۸ھ

مسجد میں لگے ہوئے مالِ حرام کے مکافات کی شکل

سوال: [۸۲۱۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص تعلیم یافتہ یعنی حفظ وقرأت کا جاننے والا جو کہ امامت بھی کرتا ہے، اور امامت کرتے کرتے ایک عرصہ گذر چکا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ پندرہ سال امامت کی ہے، اتنے عرصہ اب تک زکوٰۃ فطرہ چرم قربانی کا پیسہ مسجد میں لگایا اور لگوایا یہ فعل امام صاحب کا ہمہ وقت رہا، عوام الناس اس بارے میں بالکل لاعلم تھے، کہ پیسہ کس مد کا لگ رہا ہے، دیکھ بھال کرنے پر اس بات کا علم ہوا کہ مسجد میں پیسہ غلط لگا ہے، اس بارے میں غور وفکر ہے کہ مسجد کو مدرسہ کے قرض سے کس طرح بری کیا جائے، کیا صورت اختیار کرنی چاہئے، قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتي: محمد یسین انصاری،
قصبہ سرجن نگر، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی آمدنی میں سے اتنی رقم مدرسہ کو ادا کردی جائے، جتنی رقم چرم قربانی کی مسجد میں لگائی گئی ہے، تو شرعاً مسجد مذکورہ قرضہ سے بری ہوجائیگی۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۸۰، امداد الفتاویٰ کراچی ۲/ ۶۵۳)

رجل غصب ساجةً وأدخلها في بنائه فإنه يتملك الساجة وعليه قيمتها فإن قيمة الساجة والبناء سواء فإن اصطلحا على شيئى جاز الخ. (فتاویٰ قاضیخان، كتاب الغصب، فصل فيما يصير به المرء غاصباً وضامنا، زكريا جديد۳/ ۱٦٥، وعلى هامش الهندية ۳/ ۲٤۲، هنديه، زكريا قديم ٥/ ۱۲٤، جديد ٥/ ۱٤٦، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت۲۳/ ٥٤، مجمع الضمانات ۱/ ۱۳٥، الاشباه والنظائر قديم/ ۱٤٤، جديد

زکریا ۱/۲۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۴۱)

مخنث کا مکان مسجد کے نام وقف کرنا

سوال: [۸۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مخنث حاجی زاہد حسین نام کے اپنے مکان کو جو کہ پختہ بنا ہوا ہے، مسجد کے نام کردینا چاہتے ہیں، کیا وہ مکان جو ناچنے گانے کی کمائی سے تیار ہوا ہے مسجد کے نام کروانے سے کوئی قباحت تو نہیں ہے، اس مکان کے مسجد کے نام ہوجانے سے محلّہ کا جو گندہ ماحول ہے مخنثات کی جو ٹولیاں یہاں پھرتی رہتی ہیں، وہ بھی ختم ہوجائیں گی، اور آوارگی و بے شرمی کا جو بازار گرم ہے، وہ بھی ٹھنڈا پڑجائیگا، اب آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ اس مکان کو مسجد کے نام کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: مسعود احمد، وعبد الرائم، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مکان خالص حرام کمائی (یعنی گانے بجانے وغیرہ) سے تعمیر کیا گیا ہے، تو اس کو مسجد کے نام وقف کرنا بھی جائز نہیں۔ (امداد المفتیین /۸۰۴)

أما المغني والنائحة والقوال إذا أخذ المال هل يباح له، إن من غير شرط يباح لأنه أعطاه المال من طوع من غير عقد وإن من عقد لايباح له لأنه أجر على المعصية. (البحرالرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع زكريا ٨/٣٦٥، كوئٹه ٨/١٩٩، الدر مع الرد، كراچی ٦/٤٢٤، زكريا ٩/٦٠٨)

البتہ مسجد کے نام معمولی قیمت مثلاً ہزار دو ہزار ہی روپیہ پر خرید لیا جائے، اس کے بعد

مسجد کے نام وقف کردیا جائے، تو یہ وقف خریدار کی طرف سے صحیح ہوجائے گا، اور ایسی صورت میں وہ مکان مسجد کیلئے جائز ہوجائیگا۔

وفی فتاویٰ أهل سمر قند رجل دخل علی السلطان فقدم إليه بشيئی مأکول فان اشتراه بالثمن حل له أكله هكذا ذكر . (هنديه ، كتاب الكراهية ، الثانی عشر فی الهدايا والضيافات زكريا قديم ٥/٣٤٢، جديده/٦ ٣٩٦، الفتاویٰ التاتار خانية زكريا١٨/ ١٧٥، رقم: ٢٨٤٠٨، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ٨/٧٣، رقم: ٩٦١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۳/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۳/۱۴۲۰ھ

ہجڑے کا مسجد کیلئے زمین وقف کرنا

سوال: [۸۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہجڑے نے جس کی آمدنی حرام کی ہے اپنی ایک زمین ۷ ارگز مسجد کیلئے بطور وصیت اس طرح وقف کی اور رجسٹری بھی کرادی کہ جب تک میں حیات ہوں میرا ہی قبضہ ہے، اور میں ہی اسکا مالک ہوں، اور میرے مرنے کے بعد مسجد کیلئے ہے، کیا ایسی صورت میں اگر اس زمین کی پوری قیمت بلانیت ثواب محتاج اور نادار مسلمانوں کو دیدی جائے اس کے بعد اس زمین کی آمدنی کو مسجد کی ضروریات میں صرف کیا جائے، تو یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ واقف کا انتقال بھی ہو چکا ہے، اور اس کا کوئی وارث بھی نہیں ہے؟

المستفتي: نورالعارفین، رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہجڑے کی حرام آمدنی سے خریدی ہوئی زمین مسجد میں وقف کرنا جائز نہیں ہے، اور ذمہ داران مسجد کا اس زمین کو مسجد کیلئے قبول کرنا بھی

جائز نہیں ہے، اور اگر ہجڑے نے اس طرح وقف و وصیت کردی ہے اور اس کے بعد وہ مر گیا ہے تو ذمہ دارانِ مسجد پر لازم ہے کہ اس وقف کو مسجد کے نام سے قبول نہ کریں، بلکہ اس کے وارثین کو واپس کردیں اور اگر ممکن ہو تو جہاں جہاں سے ہجڑے نے حرام پیسہ حاصل کیا تھا، وارثین اس کو وہیں واپس کردیں اگر ممکن نہ ہو تو غریبوں میں بلانیت ثواب صدقہ کردیں اور اگر کوئی وارثِ شرعی نہیں ہے تو اہل حل وعقد اور دینی ذمہ دار لوگ اس زمین یا پیسے کو مسلمان غریبوں میں تقسیم کردیں، اور سوالنامہ میں مسجد کیلئے جو حیلہ لکھا گیا ہے، وہ مسجد کے حق میں درست نہیں ہے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل لهٗ بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس لهٗ حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء . (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، دارالبشائر الإسلامية ۱/۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، مطبع سهارنپور قديم ۱/۳۷، هنديه، زكريا جديد ۵/۴۰۴، قديم ۵/۳۴۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۴/۲۴۶، الدر مع الرد، زكريا ۹/۵۵۳، كراچی ۶/۳۸۵، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ۶/۲۷، زكريا ۷/۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍۹۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۵/۶ھ

ہجڑے کی کمائی سے بنائی گئی مسجد کا حکم

سوال: [۸۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہجڑے کی کمائی سے مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہجڑے کی کمائی مطلقاً حرام نہیں ہے، لہٰذا ہجڑے کی وہ کمائی جو جائز طریقہ پر مثلاً بھیک مانگ کر جمع کردہ رقم ہے تو وہ جائز ہے، اس کو مسجد یا

مدرسہ کی تعمیر میں لگانا درست ہے، اور جورقم حرام طریقہ سے کمائی گئی ہو جیسے بدکاری، اور منکرات وغیرہ کے ارتکاب کے ذریعہ سے تو وہ حرام ہے اور حرام آمدنی کو مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں لگانا قطعاً جائز نہیں؟

كل مسجد بنى مباهاة أو رياءً أو سمعةً أو لغرض سوىٰ ابتغاء وجه الله أوبمال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار . (تفسير كشاف ١/٥٦٣، تفسير مدارك٧/٣٥٤)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لايقبل الله صدقة من غلول فإن الحديث دال على حرمة التصدق بمال الخبيث وقد نص الله في كتابه ، يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنَ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَلاَ تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ . (بذل المجهود، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء، مكتبه سهارن پور، قديم ١/٣٧، دارالبشائر الاسلاميه ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث : ٥٩)

إن الله لايقبل إلاّ ماكان من كسب طيب فمفهومه أن ماليس بطيب لايقبل . (فتح الباري، كتاب الزكاة، باب لاتقبل صدقة من غلول، اشرفيه ديوبند٣/٣٥٦، تحت رقم الحديث: ١٤١٠، دارالفكر ٣/٢٧٩) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۷۸)

زنانہ پن اختیار کرنے والے کے مکان کو مسجد میں استعمال کرنا

سوال: [۸۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک شخص جن کا نام عبدالقیوم تھا، انھوں نے اپنی زندگی میں زنانہ پن اختیار کرلیا تھا، ۳۰؍تیس ۳۵؍پینتس سال سے ہجڑوں کیساتھ گانا بجانا کرتے تھے، اس سے کمایا ہوا پیسہ تھا، جگہ خرید کر

مکان بنالیا قریب ایک سال پہلے وہ مکان مسجد کو دیدیا، لیکن جب تک وہ زندہ رہے انہیں کا قبضہ رہا، یہ دینا انکا بذریعہ وصیت یا بذریعہ بیعانہ ہے ابھی پانچ روز قبل انکا انتقال ہوگیا اپنے پیچھے دو حقیقی بھتیجے محمد فاروق، محمد محفوظ اور دو بھتیجیاں چھوڑیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی کمائی کا مال مسجد کے لئے قبول کرنا درست ہے یا نہیں؟ جبکہ مسجد کے اخراجات کیلئے مسجد کی چار دوکانیں اور جمعہ کے دن بذریعہ گولک بھی آمدنی ہوتی ہے، اور اس مال میں سے بھتیجے بھتیجیوں کی وراثت قائم ہوگی یا نہیں؟

(۲) ہمارے یہاں مفتی محمد آفتاب علی صاحب سے جب یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اس مکان کو فروخت کر کے حیلہ کرلو اور مسجد میں وہ پیسہ صرف کردو وہیں ایک دوسرے مولانا نے جب مفتی صاحب سے کہا کہ ناجائز مال کو حیلہ کر کے مسجد میں نہیں لگایا جاسکتا ہے، جب تک کہ ضرورت شدیدہ نہ ہو کہ بغیر اسکے وہ کام ہو ہی نہیں سکتا، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ کتب فقہ میں اسکی اجازت ہے، کوئی قید نہیں ہے، اور یوں فرمایا کہ زکوٰۃ وصدقات اور بینک کا سود بھی حیلہ کر کے مسجد میں لگایا جاسکتا ہے، اس طرح حیلہ کرنا واقعی کتب فقہ میں موجود ہے، تو مع حوالہ کے جواب مرحمت فرمائیں، نیز اگر شرائط ہوں تو وہ بھی حوالہ سے تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد محفوظ خاں، محلّہ پینٹھا توار، سرائے برتن، معرفت جناب اطہر شاہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مکان مسجد میں دینے کی جو بات ہے اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ اگر بذریعہ بیعانہ ہبہ کردیا ہے، تو ہبہ قبضہ سے قبل تام نہیں ہوگا، لہٰذا ایسی صورت میں پورا مکان بطور وراثت دونوں بھتیجوں کو برابر برابر مل جائیگا، کیونکہ مسجد کو قبضہ نہیں دیا ہے۔

لايجوز الهبة إلا مقبوضة والمراد نفي الملک . (هدايه، كتاب

الهبة ، اشرفی ۳/۲۸۳)

عن النضر بن أنس قال نحلني أنس نصف داره قال: فقال أبو بردة: إن سرک يجوز لک فاقبضه ، فإن عمر بن الخطاب قضی فی الأنحال، أن ماقبض منه فهو جائز، ومالم يقبض فهو ميراث . (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الهبات، باب ماجاء في هبة المشاع ، دارالفكر ۹/۱۵۸، رقم: ۱۲۱۸٦)

اوراگر وصیت ہےتو صرف ایک تہائی میں نافذ ہوسکتی ہے، باقی دوتہائی دونوں بھتیجوں کوملیں گے،اور بھتیجیاں وارث نہیں ہوتی ہیں۔

(۲) فتاویٰ دارالعلوم قدیم کی عبارت دیکھ لی گئی ،حضرت مولانا مفتی آفتاب علی خاں کی بات کسی حد تک اس سے منطبق ہے، اگرچہ دوسرے عالم کی موافقت میں جزئیات موجود ہیں، ہماری رائے میں ایسی کمائی سے خریدا ہوا مکان فروخت کرکے حیلہ کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ مسجد کواس طرح کے حرام اور مشتبہ مال سے ہمیشہ پاک رکھنے کا حکم ہے، نیز یہاں پر مسجد کواتنی ضرورت بھی نہیں ہے، کہ مال مشتبہ میں حیلہ کرکے مسجد میں لگایا جائے۔

لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب فيكره ثلويث بيته بما لايقبله .

(شامی، الصلاة ، باب مايفسد الصلاة و مايكره فيها قبيل مطلب فی أفضل المساجد ، زکریا ۲/۴۳۱، کراچی ۱/۶۵۸)

عن أبي هريرة –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن الله طيب لايقبل إلا طيباً . (مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمی ۵/۱۹، رقم: ۸۸۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۸/۳۰ھ

طوائف کی مسجد

سوال: [۸۲۱۸]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد واقع محلّہ اہیران شہر گونڈہ جس کو طوائف مرحومہ ہیرانے اپنی آمدنی (بذریعہ طوائفانہ) پیشہ سے حاصل رقم سے ایک آراضی واسطے مسجد حاصل کی اپنی ہی آمدنی سے اس کی تعمیر کرائی تو کیا یہ مسجد مسجد کے آداب میں سے ہے، کیا اس مسجد میں نماز ہوجائیگی؟ کیا اس مسجد میں جماعت وغیرہ فرائض واجبات کا ثواب حاصل ہوگا، اگر اس مسجد کو منہدم کرکے پھر سے تعمیر کیا جائے، تو اس میں اعانت کی جاسکتی ہے؟

المستفتي: مسرور احمد خاں، گونڈہ، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جبکہ طوائف ہیرانے اپنی حرام آمدنی سے حاصل شدہ رقم سے مسجد کیلئے زمین خرید کر اس میں مسجد تعمیر کرائی تھی، تو یہ جگہ مسجد کے لئے وقف ہوگئی، لیکن چونکہ اس کی زمین حرام مال سے خرید کردہ ہے، اور اس کی تعمیر میں بھی حرام مال لگا ہوا ہے، اس لئے یہ مسجد وقف ہونے کے باوجود مسجد شرعی نہیں کہلائیگی، اور اس میں نماز پڑھنا اس وقت تک مکروہ رہے گا، جب تک اس مسجد کی قیمت حلال مال کے ذریعہ سے ادا نہ ہوجائے، لھٰذا اگر طوائف کے ورثاء ہوں تو اس کی زمین اور عمارت کی قیمت طوائف کے ورثاء کو دیدیں اور طوائف کے ورثاء نہ ہونے کی صورت میں مسجد کی طرف سے نیت کرکے نادار فقراء کو دیدیں تو اسکے بعد یہ مسجد شرعی بھی بن جائے گی، اور مسجد کا ثواب بھی حاصل ہوجائے گا، اسلئے کہ اب مسجد مع زمین کے طوائف کے پیسہ کی نہیں رہی ہے، بلکہ حلال اور پاک پیسہ کی بن گئی ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں جو تصریح فرمائی ہے اس کا یہی خلاصہ اور حاصل ہے، ملاحظہ فرمایئے ۔ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۶۷، احسن الفتاویٰ ۶ /۴۳۲، کفایت المفتی جدید ۷/۲، جدید زکریا

مطول۱۰/۲۸۰، باقیات فتاویٰ رشیدیہ/ ۳۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۷۹/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۹ھ

طوائف کی کمائی سے بنائی ہوئی مسجد کب شرعی مسجد بن سکتی ہے؟

سوال: [۸۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی مسجد طوائف کی کمائی سے بنائی گئی ہے، اس کے شرعی مسجد ہونے کی کیا شکل ہوسکتی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جومسجد طوائف کی کمائی سے بنائی گئی ہے، اس کو شرعی مسجد بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی اتنی رقم جو تعمیر مسجد میں صرف ہوئی ہے، اگر ممکن ہو تو مالک کو واپس کردی جائے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اتنی رقم فقراء پر صدقہ کردی جائے، تو یہ مسجد مسجد شرعی بن جائے گی۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۷/۳، قدیم ۷/ ۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۸۳)

لـو مـات رجـل وكسبـه مـن ثـمـن الباذق والظلم أو أخذ الرشوة تعود الـورثة ولا يـأخذون منه شيئاً وهو الأولىٰ لهم ويردونه على أربابه إن عرفوهم وإلا يتـصـدقـوا بـه لأن سبيـل الـكسـب الـخبيـث التصدق إذاتعذر الـرد.

(البحرالرائق، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع كوئٹه ٨/ ٢٠١، زكريا ٩/ ٣٦٩)

والـواجب في الكسب الخبيث تفريغ الذمة والتخلص منه برده إلىٰ أربابه إن علموا وإلا إلىٰ الفقراء. (الموسوعة الفقهية ٣٤/ ٢٤٥)

إذا مات الرجل وكسبه خبيث فالأولىٰ لو رثته أن يردّ والمال إلىٰ أربابه فان لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. (هنديه، زكريا قديم ٥/ ٣٤٩، جديد ٥/ ٤٠٤)

وأمـا إذاكـان عـنـد رجل مال خبيث فإما إن ملكه بعقد فاسد أوحصل لـه بـغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلىٰ مالكه ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فـليـس لـه حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء. (بـذل الـمجهود، كتاب الطهارة، باب

فرض الوضوء، مکتبه سهارن پور قدیم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلامیه ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۴۷۷)

طوائف کی زمین عمومی چندہ سے خرید کر اس پر مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طوائف کی زمین پر عوام الناس کی رقم سے خرید کر مدرسہ یا مسجد کی تعمیر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طوائف کی زمین اگر حلال کمائی یا حلال طریقہ سے حاصل شدہ ہے تو اسے مسجد یا مدرسہ کیلئے خریدنا جائز ہے، اور اگر حرام آمدنی یا فعل حرام کے عوض ملی ہوئی ہے، تو اسے خریدنا ہرگز جائز نہیں ہے، اسلئے کہ حرام چیز تبدل ملک سے حلال نہیں ہوتی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۱۲، ڈابھیل ۱۵/ ۱۲۱، امداد الفتاویٰ ۳/ ۲۴، و ۴/ ۵۴۴)

الحرام ينتقل أي تنتقل حرمته وإن تداولته الأيدیٰ وتبدلت الأملاک ويأتي تمامه قريباً (قوله) ولا للمشترى فيكون بشراء ه منه مسيئاً لأنه ملكه بكسب خبيث الخ. (شامی، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فی تعیین الدراهم فی العقد الفاسد زکریا ۷/ ۳۰۰، کراچی ۵/ ۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲؍۴۷۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۳؍۱۴۱۷ھ

مسجد میں حرام سامان یا اسکی قیمت دینا

سوال: [۸۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مسجد میں حرام روپیہ یا اس کا سامان دیتا ہے، اور مہتمم کو اس سے آگاہ بھی کر دیا مہتمم صاحب نے اس کو قبول کر لیا اور لوگوں نے اعتراض کیا اب اس مال یا روپیہ کو واپس کر دیا جائے یا نہیں ؟مفصل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: حافظ رئیس احمد، شیر کوٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد یا تعمیر مسجد میں حرام مال یا حرام طریقہ سے خریدا ہوا سامان دینا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے دیدیا ہو تو اسکو واپس کر دیا جائے، اگر تعمیر کرادی گئی ہے، تو اسکی قیمت واپس کر دینی چاہیئے خواہ مہتمم صاحب لئے ہوں یا کوئی اور متولی صاحب لئے ہوں، بہر صورت حرام مال مسجد میں لینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۹۸، ڈابھیل ۱۵/ ۵۴، احسن الفتاویٰ ۶/ ۶۳۲)

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إن الله طيب لايقبل إلا طيباً. (مسند احمد بن حنبل ۲/ ۳۲۸، رقم: ۸۳۳۰)

أما لو أنفق فى ذلک أى المسجد مالا خبيثاً و مالا سببه الخبيث والطيب فيكره. (شامی، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، و مايكره فيها، قبيل فى أفضل المساجد زكريا ۲/ ۴۳۱، كراچی ۱/ ۶۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۲۸)

ناجائز آمدنی والے شخص کی تعمیر کردہ مسجد میں نماز کا حکم

سوال: [۸۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے

گھر کے پاس نئی مسجد تعمیر ہورہی ہے، جسمیں نماز شروع ہوگئی ہے، مسجد تعمیر کرانے والا فخریہ یہ کہتا ہے، کہ ہماری مسجد ہے یہ بات وہ اپنی تقریر میں ضرور کہتا ہے، مسجد تعمیر کرانے والا شخص ظاہراً مالدار ہے، مگراس کی آمدنی کا کوئی جائز ذریعہ نہیں، نہ وہ نوکری کرتا ہے، نہ کوئی تجارت اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ اتنا سارا پیسہ کہاں سے آیا جس سے مسجد تعمیر ہورہی ہے، اس شخص کی باتوں سے یہ معلوم ہوا، ۲۷ ؍لاکھ روپیہ مسجد میں صرف ہوگا، مگراس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ پیسہ کہاں سے موصول ہورہاہے، اس بات کو کبھی منظر عام پر نہیں رکھا کہ کہاں سے کتنا پیسہ موصول ہوا، وہ شخص مجھ سے رنجش بھی رکھتاہے، وہ شخص دینی کم سیاسی زیادہ ہے اور گاؤں میں رہتا نہیں ہے، جبکہ گاؤں ہی کا رہنے والا ہے، کبھی کبھار گاؤں آتا ہے، جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ یا شادی بیاہ کے موقعہ پر اور نماز بھی پنجگانہ نہیں پڑھتا ہے، چونکہ مسجد میرے گھر کے پاس ہے، لہٰذا اوپری باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بتائیے کہ میرا اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بالتفصیل جواب مطلوب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :جب مسلمان شخص مسجد تعمیر کرارہا ہے، تو ہم کو ”ظُنُّوا بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ خَيْراً . (المعجم الكبير للطبراني ، داراحياء التراث العربي ۱۵۶/۲۳ ، رقم: ۲۳۹) کے تحت یہی خیال کرنا چاہئے، کہ جائز اور حلال پیسہ سے یہ شخص مسجد تعمیر کررہا ہے ، نیز ہم کو اس طرح کھود کرید کرکے تحقیق وتفتیش کا حق بھی حاصل نہیں ہے، لہٰذا اس مسجد میں آپکا اور دیگر لوگوں کا نماز پڑھنا بلاتردد جائز ہے۔

وَلاَ تَجَسَّسُوْا وَلاَ يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً ، الأية: (حجرات /۱۲)

رہا اس کا نماز نہ پڑھنا تو یہ اس کا اپنا فعل ہے ، نماز نہ پڑھنے کا گناہ اس پر ہوگا، نمازیوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۹۸۰/۳۵)

ناچنے والی عورتوں کا روپیہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا ناچنے والی عورتوں کا روپیہ مسجد میں کسی بھی شکل میں لگانا جائز ہے یا نہیں، نیز اگر اسمیں آدھے روپیہ حلال کمائی کے ہیں، تو کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد طیب، متعلم دورۂ حدیث،
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، شہر مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد خدا کا مقدس اور پاکیزہ گھر ہے، اسکی تعمیر اور درستگی میں حلال اور پاکیزہ مال ہی استعمال کیا جائے، حرام کمائی مسجد میں استعمال کرنا ممنوع اور مکروہ ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکیزہ مال قبول فرماتے ہیں، لھذا حرام اور مشتبہ مال سے مسجد بنانے کی قطعاً اجازت نہیں، ہاں البتہ اگر وہ صرف حلال کمائی میں سے ہی دیتی ہے، حرام میں سے نہیں دیتی تو اس صورت میں مسجد میں لگانے کی گنجائش ہے، اگر آدھا حلال اور آدھا حرام مخلوط پیسے دیتی ہے تو جائز نہیں۔ (مستفاد: رحیمیہ ۶/ ۹۹، جدید زکریا ۹/ ۱۰۸، محمودیہ ۵/ ۸۸، ڈابھیل ۱۵/ ۸۴)

عن أبي هريرة –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله طيب لايقبل إلا طيباً. (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب...... النسخة الهندية ۱/ ۳۲۶، بيت الأفكار رقم: ۱۰۱۵)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد، زكريا

۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۷/ ۱۴۲۲ھ

سودی رقم مسجد میں صرف کرنے کا حکم

سوال: [۸۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نادار محلّہ ہے محلے والوں نے ایک مسجد بنالی ہے چھت ٹین کی ہے کم آباد محلّہ ہے محلّہ میں صاحب ثروت لوگ نہیں ہیں، بجلی کا کھمبا بھی دور وہاں سے بجلی لینے کیلئے چند کھمبوں کی ضرورت ہے، جس پر تقریباً بیس ہزار روپئے خرچ ہوں گے، اور یہ بیس ہزار بمشکل ہیں ایسی شکل میں اگر مسجد کا بیت الخلاء و پیشاب گھر و کھمبے بیاج کے روپیوں سے تعمیر کرالیں تو کیا گنجائش ہے یا نہیں؟ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۹۲ میں) درست بتایا ہے، آپ کیا فرماتے ہیں، نیز مصرف بھی بتائیں، آپ کا انتظار ہے، فقہی جدید مسائل/ ۳۹۸ میں ناجائز لکھا ہے؟

المستفتي: عظیم اللہ، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیاج کا روپیہ مسجد میں خرچ کرنا تقدس مسجد کے خلاف ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اور مسجد کے بیت الخلاء، پیشاب گھر اور کھمبے میں صرف کرنا بھی جائز نہیں ہے، بعض اہل فتویٰ نے گنجائش لکھی ہے، ان کی دلیل ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، دعویٰ اور دلیل میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔

عن ابي هريرة رضـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله طيب لايقبل إلا الطيب.

(سنن الدارمي ، باب في أكل الطيب ، دارالمغنی للنشر التوزيع ۳/ ۱۷۸۶، رقم: ۲۷۵۹)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره ، لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب ، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی،

كتاب الصلاة ، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد ، زكريا ٢/ ٤٣١ ، كراچی ١/ ٦٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۲/۱۱/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱۱/۶ھ

سودی قرض لیکر مساجد و مدارس تعمیر کرنا

سوال: [۸۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا سودی قرضہ لیکر مساجد یا مذہبی یا اسلامی ادارے کی املاک تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب جلد عنایت فرما کر مشکور ہوں؟

المستفتي: حبیب اللہ خان، مدرسہ مسیح العلو، بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ ناجائز اور حرام ہے، کرنے والے گناہ کبیرہ کے مرتکب اور لعنت خداوندی کے مستحق ہوں گے۔

عن جابرؓ قال : لعن رسول الله ﷺ ، آكل الربوٰ، ومؤكله ، وكاتبه ، وشاهديه ، وقال: هم سواءً . (صحيح مسلم ، باب لعن أكل الربا، وموكله ، النسخة الهندية ٢/ ٢٧ ، بيت الافكار رقم: ١٥٩٨)

اس قسم کا معاملہ کرنے والے سب سخت گنہگار اور وعید کے مستحق ہوں گے، البتہ اس طرح سے جو عمارت بن چکی ہے، وہ شرعاً مسجد وغیرہ کی ملکیت میں داخل ہو جائیگی، کیونکہ اسمیں کوئی سود کا پیسہ لگایا نہیں گیا ہے! فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۲۵)

بینک سے قرض لیکر مسجد بنانا اور آراضی مساجد پر بینک کی تعمیر

سوال: [۸۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ڈاکٹر محمد ہاشم پڑاؤ والی محلّہ مسجد کنجری سرائے کا متولی ہوں، میرے ایک عزیز دوست ابرار حسین صاحب عرف منے میاں چاہتے ہیں، کہ بینک سے قرض لے کر مسجد کو دوبارہ بنایا جائے، نیچے نئی دوکانیں اسکے اوپر بینک اور اسکے اوپر مسجد تعمیر کرائی جائے، کیا حدیث اور شریعت کی روشنی میں ایسا کرنا جائز ہے، یا ناجائز؟ جبکہ مسجد کی آمدنی ایک ماہ کی دوکانوں اور مکان سے مبلغ چارسو پندرہ روپیہ ہے، میں دل کا مریض ہوں، میں حساب وکتاب دینا چاہتا ہوں کیا میں ان حالات میں ابرار صاحب کو حساب وانتظام دے سکتا ہوں یا نہیں؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد ہاشم، نارتھ ریلوے
ہوسپٹل منزل، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کا قرض سودی ہوتا ہے، اوراس کو مسجد میں لگانا ناجائز اور ممنوع ہے۔

لو أنفق في ذلک مالاً خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالىٰ لا يقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بمالا يقبله الخ. (شامی، الصلاۃ، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸، کوئٹہ ۱/ ۴۸۷)

نیز دوکانیں اور بینک مسجد کی زمین پر تعمیر کرا کے اوپر مسجد بنائی جائے، یہ صورت ہرگز جائز نہیں ہے، اگر کوئی ایسا کرے گا، تو عمارت توڑ کر زمین مسجد میں داخل کرلی جائے گی۔

لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع (إلىٰ قوله) فيجب هدمه ولو

علی جدار المسجد ولا یجوز أخذ الأجرة منه ولا أن یجعل شیئاً منه مستغلاً ولا سکنیٰ الخ. (الدر مع الرد، الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد أوغیره، زکریا ۶/۵۴۸، کراچی ۴/۳۵۸، کوئٹه ۳/۴۰۶، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۲/۲۹۶، النهر الفائق، دارالکتب العلمية بيروت ۳/۳۳۰)

نیز موجودہ حالات میں ابرار صاحب کو متولی بنانا جائز نہیں ہوگا، کسی متبع شرع شریف کو بنایا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۹/۲۴)

بینک میں مسجد کی جمع شدہ رقم پر ملے سود کو بیت الخلاء میں لگانا

سوال: [۸۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی کچھ رقم بینک میں تھی، اس رقم پر سودی رقم تقریباً پچاس ہزار ہوگئی ہے، آیا اس رقم کو مسجد کے بیت الخلاء یا مدرسہ کے بیت الخلاء میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد علیم الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بینک میں مسجد کی جمع شدہ رقم پر جو سود ملا ہے، وہ حرام ہے، اسلئے اسکو مسجد یا مدرسہ کے بیت الخلاء میں نہیں صرف کر سکتے بلکہ بینک سے نکال کر فقراء کو دینا لازم ہے، اور جن علماء نے مسجد کے بیت الخلاء میں صرف کرنے کی اجازت دی ہے، ان کی دلیل مضبوط نہیں ہے۔

أَحَلَّ اللّٰہُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. (البقرہ: ۲۷۵)

عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: أيها الناس ! إن الله طيب لايقبل إلا طيباً. (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، النسخة

الهندية ۱/ ۳۲٦، بيت الافكار رقم: ۱۰۱۵)

أمـا لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعـالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد، زكريا ۲/ ۴۳۱، كراچی ۱/ ٦۵۸)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل لهٗ بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلىٰ مالكه فليس لهٗ حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث :۵۹، هنديه، زكريا قديم ۵/ ۵۴۸، جديد ۵/ ۴۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۳/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۲۳ھ

بینک سے حاصل شدہ رقم مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بینک کے اکاؤنٹ میں جو رقم ڈالتے ہیں، ایف ڈی کی صورت میں جو رقم جمع ہوتی ہے، اس پر جو انٹرسٹ حاصل ہوتا ہے، کیا اس کو مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جا سکتا ہے؟

المستفتي: اہلیہ محمد ناصر، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کے سود کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، اور ایف ڈی میں جو زائد رقم ملتی ہے، وہ سود ہی ہے، اور اللہ تعالیٰ حرام مال کو قبول نہیں کرتا۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۲/ ۷۹۹)

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. (البقرہ: ۲۷۵)

عن أبي هريرة –رضی اللہ عنہ– أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: إن الله طيب لايقبل إلا طيباً. (مسند بزار، مکتبه العلوم و الحکم ۱۷/۱۴٤، رقم: ۹۷٤۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍شوال ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴؍۶۳۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۰/۲۳ھ

سودی رقم عیدگاہ یا مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) جو شخص بینک سے سود پر لین دین کرتا ہے، کیا اس کا پیسہ عیدگاہ یا مسجد میں لگایا جاسکتا ہے۔

(۲) عیدگاہ یا مسجد کے کام میں چندہ دینا اولیٰ ہے یا دینی درسگاہ مدرسہ میں؟

المستفتي: اخلاق احمد، سلیم پور، گڑھی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود کا پیسہ مسجد یا عیدگاہ میں لگانا جائز نہیں ہے، بلکہ فقراء کو بلانیت ثواب صدقہ کردینا لازم ہے۔

فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء الخ. (بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، سهارن پور قدیم ۱/۳۷، دارالبشائر الاسلامیه ۱/۳۵۹، تحت رقم الحدیث: ۵۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳٤/۲٤٦، الدر مع الرد، زکریا ۹/۵۵۳، کراچی ٦/۳۸۵، البحرالرائق، زکریا ۹/۳٦۹، کوئٹه ۸/۲۰۱، تبیین الحقائق، مکتبه امدادیه ملتان ٦/۲۷، زکریا ۷/٦۰)

عیدگاہ یا مسجد کے کام میں چندہ دینا اور دینی درسگاہ مدرسہ میں چندہ دینا دونوں اعلیٰ

درجہ کا ثواب کا کام ہے، البتہ مدارس میں ثواب زیادہ ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۵۴/۳۲)

مسجد میں لگی ہوئی سودی رقم کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال: [۸۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پرانی مسجد جس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے، کچھ سود کا روپیہ اس میں لگا دیا گیا ہے، مثلاً ۶۰/ ہزار روپیہ تھا، جسمیں سودی بھی تھا اس سے تعمیر کردی گئی، لیکن یہ معلوم نہیں ہے، کہ اسمیں سود کتنا تھا، اب مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سودی رقم مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، ایسی مسجد میں نماز مکروہ ہوتی ہے، لیکن جتنی رقم سود کی اسمیں خرچ کردی ہے، اتنی ہی رقم کوئی شخص اپنی طرف سے مذکورہ سودی رقم کے عوض میں اگر شخصی سود ہے، تو اس کو واپس کردے، اور اگر بینک کا سود ہے، تو غرباء کو بلانیت ثواب صدقہ کردے تو پھر شرعی مسجد بن جائیگی اور نماز بلا کراہت ہوجائیگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۸۰)

من ملك أموالا غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، زکریا ۳/ ۲۱۸، کراچی ۲/ ۲۹۱، الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ ۲۳/ ۲۴۹)

لا يباح الانتفاع به قبل أداء البدل في الصحيح من المذهب. (شامی، مطلب فی التصدق من المال الحرام زکریا ۳/ ۲۲۰، کراچی ۲/ ۲۹۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷۶۸/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۲/۱۴۱۴ھ

سودی رقم سے تجارت کرنے والے شخص کی رقم مسجد میں لگانے اور ان کی دعوت کھانے کا حکم

سوال: [۸۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ میں بکرا منڈی ہے، جہاں بیوپاری خرید وفروخت جانوروں کی کرتے رہتے ہیں، کچھ احباب سود کی رقم لیکر کاروبار کرتے ہیں، ایسے حضرات کی رقم مسجد کی تعمیر میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ اور ایسے لوگوں کے یہاں دعوت میں جانا شادی کی تقریبات میں شرکت کرنا اور کھانا وغیرہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت کے ساتھ تشریح فرمائیں؟

المستفتي: عزیز احمد نعمانی، فاضل دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم کے ذریعہ کاروبار کرنا شرعاً ناجائز ہے اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کو مسجد میں لگانا درست نہ ہوگا، مسجد میں خالص حلال اور طیب روپیہ لگانا چاہئے، اور اگر ایسے شخص کی غالب آمدنی یہی ہے، تو اس کے یہاں کھانا پینا ہدیہ لینا، اور دعوت قبول کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (البقرہ: ۲۷۵)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره، لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا قبیل مطلب في أفضل المساجد، زکریا ۲/۴۳۱، کراچی ۱/۶۵۸)

عن أبي هريرة –رضى الله عنه– أن النبى صلى الله عليه وسلم، قال: إن الله طيب لايقبل إلا طيباً. (صحیح مسلم، باب قبول الصدقۃ، من الکسب الطیب

و تربیتها ، النسخة الهندية ١/ ٤٢٦، بيت الافكار رقم: ١٠١٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۸۲/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۸/۱۵ھ

سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے استنجاء خانہ وغسل خانہ کی تعمیر میں بینک سے ملا ہوا بیاج اور سود استعمال کیا جا سکتا ہے؟ بہت سی جگہوں پر دیکھا گیا ہے، اس رقم سے بیت الخلاء وغیرہ بنوایا گیا ہے؟ اگر استعمال کرنا درست ہے تو مسجد کی چھت اور لٹرین باتھ روم کی چھت کو ملا دینا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: ولی الدین، شہڈول، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سودی رقم کو مسجد کے بیت الخلاء استنجا خانہ کی تعمیر میں استعمال کرنا قطعاً درست نہیں ہے، اور سودی رقم کسی بھی عنوان سے مالک تک پہونچانا ممکن نہ ہو تو بلانیت ثواب فقراء میں تقسیم کر دینی چاہئے، اور بعض علماء نے بیت الخلاء اور رفاہ عام میں خرچ کرنے کی گنجائش لکھی ہے، ان کے دلائل مسئلہ سے منطبق نہیں ہوتے۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل لهٗ بغير عقد، ولا يمكنه أن يرده إلىٰ مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس لهٗ حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء . (بذل المجهود ، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء ، سهارنپور قديم ١/٣٧، دارالبشائر الإسلاميه ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث :٥٩، البحرالرائق، كوئٹه ٨/ ٢٠١، زكريا ٩/ ٣٦٩، الدر مع الرد، زكريا ٩/ ٥٥٣،

کراچی ٦/٣٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ؍صفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۶۷/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۱۰ھ

سود کے پیسہ سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا

سوال: [۸۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سود کے پیسہ سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا یا اجتماع کے موقع پر بیت الخلاء بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد صدیق، عمری کلاں، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود کے پیسہ سے بیت الخلاء بنانا جائز نہیں ہے، چاہے مسجد ومدرسہ کا ہو یا ذاتی یا قومی بلکہ اگر حکومت سے سودی رقم ملی ہے، تو انکم ٹیکس سیل ٹیکس میں دینا جائز ہے اور اگر ٹیکس نہیں ہے، تو فقراء میں بلانیت ثواب تقسیم کر دینا لازم ہے۔

لايمكنه أن يرده إلىٰ مالكه ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء الخ. (بذل المجهود، كتاب الطهارة باب فرض الوضوء سهارن پورقديم١/٣٧، دارالبشائر الإسلاميه ١/٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، هنديه، زكريا قديم ٥/٣٤٩، جديده ٥/٤٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۵۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۶/۸ھ

غیر مسلم کی شراب وخنزیر اور سودی رقم کو مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی

ازسرنوتعمیر کی گئی تھی ،تعمیر کے بعد لینٹر چھت ڈالنے کے لئے رقم نہ ہونے کی بنا پر مسلم اور غیر مسلم دونوں فرقوں کے لوگوں سے چندہ لیا گیا جبکہ کچھ غیر مسلم ایسے بھی ہیں، جنھوں نے خوشی سے چندہ دیا ہے، اور کتنے غیر مسلموں کا کاروبار شراب وغیرہ کا بھی ہے، اور یہ رقم مسجد میں لگادی گئی ہے، آیا اب اسمیں نماز جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: غیر مسلموں سے مسجد کی تعمیر وغیرہ کیلئے ازخود چندہ وصول کرنا درست نہیں ہے، ہاں اگر وہ کار خیر سمجھ کر ازخود مسجد کیلئے چندہ دیں تو وہ رقم مسجد میں لگانا جائز اور درست ہے، اور غیر مسلم کی وہ آمدنی جو اس کے مذہب میں حلال ہے وہ جائز آمدنی شمار ہوتی ہے، لہٰذا اگر غیر مسلم شراب وخنزیز اور سود کے پیسے کوحلال سمجھتے ہیں، پھر وہ پیسہ کار خیر سمجھ کر دیتا ہے، تو اس کا لگانا جائز ہے، لیکن چوری ڈکیتی کے پیسہ کو غیر مسلم بھی حرام سمجھتے ہیں، اس لئے ان کی چوری ڈکیتی کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، اور غیر مسلم کا پیسہ جس مسجد میں لگایا گیا ہے اس مسجد میں نماز پڑھنا بلا تردد جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/۱۵۴)

لو وقف علىٰ مسجد بيت المقدس فانه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، کتاب الوقف، کوئٹه ۵/ ۱۹۰، زکریا ۵/ ۳۱۶)

لأنه مباح بدليل صحته من الكافر كالعتق والنكاح وتحته في الشامية: بل التقرب به موقوف على نية القربة فهو بدونها مباح حتى يصح من الكافر. (درمختار مع الشامی، مطلب لو وقف على الاغنياء وحدهم لم يجز زكريا ٦/ ٥٢١، كراچی ٤/ ٢٣٩، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٣/ ١١٠، ٤٤/ ١٢٩)

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على أولاده أو على الفقراء أو على فقراء أهل الذمة فإن عمم جاز الصرف إلىٰ كل فقير مسلم أو كافر. (البحرالرائق، زكريا

٥/٣١٦، کوئٹه ٥/١٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

مسجد میں چوری کی بجلی کا استعمال

سوال: [۸۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل اکثر مقامات کی مساجد میں دیکھا گیا ہے، کہ وضو کے واسطے جو پانی گرم کیا جاتا ہے، ہیٹر اور گیزر سے گرم کیا جاتا ہے، اور بہت سے مقامات کے مسجد کے ذمہ دار حضرات میٹر بند کر دیتے ہیں، اور یا کسی طریقہ سے بجلی چوری کر کے پانی گرم کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے پانی سے وضو کرنا شرعی طور پر کیا حکم رکھتا ہے، اور اس سے نماز میں کوئی خرابی آتی ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ مدلل جواب مرحمت فرمائیں گے؟

المستفتي: مولانا امام الدین، رام نگر، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد خالص عبادت کا مقام ہے، اسمیں چوری کی چیز استعمال کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اب تک جو نماز اس پانی سے وضو کر کے ادا کی گئیں وہ نمازیں صحیح اور جائز ہو جائیں گی، اور جان بوجھ کر ایسے پانی کو وضو میں استعمال کرنا ناجائز اور ممنوع ہے، اور اب تک جو بجلی چوری سے استعمال کی گئی ہے، اس کا بل تمام نمازیوں پر ادا کرنا لازم ہوگا؟

عن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ألا لاتظلموا، ألا لایحل مال امریٔ إلا بطیب نفس منه. (مشکوٰۃ شریف/ ٢٥٥، شعب الإیمان للبیهقی، باب في قبض الید عن الأموال المحرمة، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه الخ لایجوز لأحد

أن يأخذ مال أحد الخ. (قواعد الفقه، اشرفي ديوبند/ ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، ۲۷۰، شرح المجلة رستم اتحاد۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶، الموسوعة الفقهية الكويتية۲۸/۲۹۶، ۲۱/۱۱۲، ۲۸/۲٦٤، ۳۷/۳٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۳۴۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/ ۶/ ۱۴۱۴ھ

چوری کے پیسے سے مسجد کا مائک خریدنا

سوال: [۸۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کسی غیر مسلم کی دوکان پر نوکری کرتا ہے، وہ مالک کی غیر موجودگی میں دوکان سے روپیہ چرا کر اپنے گاؤں کی مسجد کیلئے مائک ایملی فائر وغیرہ خریدتا ہے، تو بتلائیے کہ اس شخص کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ اور اس مائک کے ذریعہ سے اذان دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اذان دیدی گئی تو اذان ہوگی یا نہیں؟ اذان دینے والا گنہگار تو نہ ہوگا، قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد ظفر عالم، سعید نگر، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد اللہ کا مقدس گھر ہے، اور اللہ کے نزدیک روئے زمین پر سب سے محبوب جگہ یہی مسجد ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أحب البلاد إلى الله مساجدها.

(مسلم شريف، باب أحب البلاد إلى الله مساجد ها، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۶، بيت الافكار رقم: ٦٧١، صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامی ۲/ ۲٦۹، رقم: ۱۲۹۳)

اس لئے مسجد میں بالکل حلال اور پاکیزہ مال استعمال کرنا چاہئے، مال حرام اور مال مشتبہ سے بچنا چاہئے، لہٰذا مسجد میں مال حرام یا ایسا مال جس کے حصول کا سبب حرام ہو خرچ کرنا جائز نہیں۔

أمـا لو أنفق في ذلک مالا خبیثاً ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره ، لأن الله تعـالیٰ لایقبـل إلا الـطیب ، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله. (شامی، کتاب الصلاۃ ، باب ما یفسد الصلاۃ وما یکره فیها قبیل مطلب في أفضل المساجد ، زکریا ۴۳۱/۲، کراچی ۶۵۸/۱)

لہٰذا مسئولہ صورت میں اس شخص کا یہ فعل ناجائز اور حرام ہے، اور جتنی اذانیں اس مائک سے دی گئیں ہیں، کراہت کے ساتھ صحیح ہوجائیں گی، اور اگر بعد میں وہ مالک اجازت دیدے تو وہ کراہت ختم ہوجائے گی۔

والأرض الـمـغـصـوبة أو رأی صاحبها لایکرهه فلا بأس . (شامی، الـصـلاۃ ، مـطلب فی الصلاۃ ، فی الأرض المغصوبة زکریا ۴۴/۲، کراچی ۳۸۱/۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۰۱۴/۳۵)	۱۴۲۲/۱/۸ھ

میٹر کے بغیر مسجد و مدرسہ میں لائٹ کا استعمال

سوال: [۸۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ کی مسجد میں شروع ہی سے لائٹ کا میٹر لگا ہوا نہیں ہے، ایسے میں تاروں سے کرنٹ لے رکھا ہے، جس سے مسجد میں لائٹس پنکھے سمر سیبول وغیرہ سب چیزیں چلتی ہیں، اور لائٹ محکمہ کی طرف سے اب تک نہ کوئی اعتراض ہوا نہ گرفت اور مسجد سے قریب ایک مدرسہ ہے، اس میں بھی لائٹ جارہی ہے، تو کیا اس طرح مسجد و مدرسہ میں بغیر میٹر لائٹ کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شرعاً وقانوناً اور اس مسجد میں کیا ہمارا وضو درست ہوگا یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد فراست علی، سرائے ترین، عائشہ مسجد، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرسرکار کی طرف سے مسجد یا مدرسہ میں فری لائٹ دی گئی ہے، تواس کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اوراگر سرکار کی اجازت کے بغیر چوری کے تار ڈال کر مسجد کی مذکورہ ضرورتوں میں لائٹ کا استعمال ہورہا ہے، پھر مسجد سے مدرسہ کی طرف بھی لائٹ منتقل کی جارہی ہے، تو یہ سب ناجائز ہے اس کا گناہ مسجد کے ذمہ داران پر ہوگا، اورنمازیوں کے سر نہ ہوگا، نمازیوں کی نماز بلاکراہت درست ہوجائیگی ۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ زکریا۴/ ۱۴۵، محمودیہ ڈابھیل۱۵/ ۱۰۷)

إمرأة زوجها في أرض الجور ، إن أكلت من طعامه ولم يكن عين ذلك الطعام غصبا فهي في سعة من تناوله والإثم على الزوج . (شامی، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالا صراحاً، زکریا ۷/ ۳۰۲، کراچی ۵/۹۹، کراچی ٦/۳۸٦،زکریا ۹/۵۵۳، ۵۵٤)

لایجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه. (شرح المجلة ۱/ ٦۱، رقم المادة : ۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۷۳۹/۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱۱/ ۱۴۳۵ھ

مسجد کی تعمیر میں شیعہ سے بغیرحق کے روپئے لینا

سوال: [۸۲۳۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضلع بجنور کے موضع شکر پور میں شیعہ حضرات نے اپنی ایک مسجد تعمیر کی تھی، جس میں سنی حضرات نے کچھ حصہ نہیں لیا تھا، اورنہ کسی نے کوئی رقم دی تھی، لیکن دونوں فرقوں کے حضرات اتفاق رائے سے اس مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اب کچھ سنی حضرات نے شیعوں کی اس بنائی ہوئی مسجد میں اس نیت سے کہ شیعوں کی مسجد میں ان کی دی ہوئی اذان سے ہماری نماز نہیں ہوتی

ہے، نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے، اور فرقۂ شیعہ کے لوگوں سے مسجد کی نصف قیمت جس کی رقم تقریباً پچیس ہزار روپئے اور اس مسجد کا سامان نصف صف وغیرہ لینا چاہتے ہیں، اور شیعہ حضرات نصف قیمت پچیس ہزار روپئے اور نصف سامان دینے پر رضامند ہیں، لیکن سنی حضرات میں سے کچھ حضرات نصف قیمت اور نصف سامان لینے پر رضامند نہیں ہیں، اور یہ کہتے ہیں، کہ اس مسجد میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے، اور نہ ہم نے اس کی تعمیر میں کوئی حصہ لیا ہے، اب تک ہم نے ان کی مسجد میں نماز پڑھی، یہ ان لوگوں کا اخلاقی فعل تھا کہ انھوں نے ہم کو منع نہیں کیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا فرقۂ شیعہ کے لوگوں سے ان کی مسجد کی نصف قیمت ونصف سامان لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا سنی حضرات اس رقم کو اور سامان کو اپنی مسجد میں یا اپنی تیسری مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد یاسین، شکر پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب شیعہ لوگوں کی مسجد میں سنیوں کا کوئی پیسہ لگا ہوا نہیں تو پھر مسجد کے تعمیری خرچہ میں سنیوں کو آدھی قیمت لینے کا کوئی حق نہیں ہے، اور اس نام سے شیعوں سے پیسہ لیکر سنیوں کی مسجد میں لگانے کا شرعی طور پر کوئی جواز نہیں، اگر سنیوں کو اپنی مسجد بنانی ہے، تو اپنے پیسے سے الگ سے بنائیں۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: لايحل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الغصب، قبيل باب من غصب جارية فباعها ثم جاء رب الجارية، دار الفكر ۵۰۶/۸، رقم: ۱۱۷۴۰)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، اشرفي ديوبند/ ۱۱۰، رقم: ۲۶۹، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱۲/۲۱، ۲۶۴/۲۸، ۳۵۴/۳۷، مجلة الأحكام العدلية ۲۷/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍۷؍۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۶؍۷۷۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲؍۸؍۱۴۲۳ھ

سٹہ کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک صاحب نے سٹہ کا پیسہ مسجد کیلئے دیا تو کیا اس سے تعمیری ضرورتوں میں خرچ کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ یا کیا شکل اختیار کی جائے؟

المستفتی: عبدالرؤف، کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سٹہ کا پیسہ مسجد کے کسی مصرف میں لگانا جائز نہیں ہے۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۳/ ۳۷۶، جدید ڈابھیل ۱۶/ ۳۹۷)

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ : أيها الناس! إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً. (صحيح مسلم، باب قبول الصدقة، من الكسب الطيب و ترتيبها، النسخو الهنديه ۱/ ۳۲۶، بيت الافكار رقم: ۱۰۱۵، مشكوٰة شريف ۱/ ۲۴۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍شعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵؍۶۸۸۳)

تعزیر بالمال کی سزا میں لئے گئے پیسہ کو مسجد ومدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دولڑکے ایک لڑکی کو لیکر فرار ہورہے تھے، کسی نے راستہ میں ان کو دیکھ لیا دیکھنے والے نے ان دونوں لڑکوں اور لڑکی کو پکڑ کر کے پردھان کے حوالہ کردیا پردھان نے ان تینوں کو پولیس کے حوالہ

کردیا، پھرلڑکے اورلڑکی والوں کے کہنے پرگاؤں کے بڑے ذمہ دارحضرات ان تینوں کوچھڑا کرلے آئے اس کے بعدانھوں نے پنچایت بلائی، پنچوں نے پہلے یہ شرط رکھدی کہ ہم جو فیصلہ کریں گے اس کو ماننالازم ہوگا، چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں لڑکے سزاکےطور پر پچیس پچیس ہزارروپئے ہمارے حوالہ کریں ہم اس کو جہاں چاہیں گےخرچ کریں گے، چنانچہ دونوں لڑکوں نے بخوشی پچیس پچیس ہزارروپئے ان کے حوالہ کردیئے، اب سوال یہ ہے کہ ان پیسوں کومسجد، مدرسہ یاعیدگاہ کی تعمیرومرمت میں لگاسکتے ہیں، یانہیں؟ یااس کےعلاوہ کوئی اورمدبھی ہے جس میں ان پیسوں کوخرچ کرسکیں؟

المستفتي: عبدالخالق، شریف نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مالی جرمانہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے، لہٰذا پنچوں نے ان دونوں لڑکوں سے جوپچیس پچیس ہزار روپئے سزا کے طور پر وصول کئے ہیں، اس کوواپس کرناضروری ہے، مسجدومدرسہ عیدگاہ کی تعمیرمرمت یاکسی اور مدمیں اس کوخرچ کرنا جائزنہیں ہے۔

التعزير بأخذ المال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال . (شامی، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب فی التعزیر بأخذ المال، زکریا ۱۰۶/۶، کراچی ۶۱/۴، ۶۲)

وعند أبي يوسفؒ يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة الثلاثة لايجوز ومعنى التعزير بأخذ المال على المتولي به إمساك شيئ من ماله عنده مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (هندیه، کتاب الحدود، فصل فی التعزیر زکریا جدید ۱۸۱/۲، قدیم ۱۶۷/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبه: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۹۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۷ھ

مالی جرمانہ کا پیسہ مساجد و مدارس میں لگانا

سوال: [۸۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کے یہاں چوری ہوئی اس نے ایک شخص کو چوری کا مجرم ٹھہرایا اب ایک ہفتہ کے اندر وہ سامان اہل معاملہ کے گھر سے دستیاب ہوگیا جب گاؤں والوں کے سامنے یہ فیصلہ آیا تو انھوں نے فریقین پر جرمانہ عائد کردیا اب سوال یہ ہے کہ جو جرمانے کا پیسہ وصول کیا گیا ہے، یہ پیسہ مسجد کے اندر لگ سکتا ہے؟ اگر نہیں لگ سکتا ہے تو اس کا مصرف بتائیے؟

المستفتی: سراج الحق، سرجن نگری، ٹھاکردوارہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعی طور پر مالی جرمانہ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اور جن لوگوں سے مالی جرمانہ حاصل کیا گیا ہے، ان کے روپئے انہیں واپس کردینا واجب ہے، مساجد اور مدارس اور کار خیر میں لگانا جائز نہیں ہے۔

عن أبی حرة الرقاشي عن عمه ، أن رسول الله ﷺ قال: لایحل مال امرئ مسلم ،إلا بطیب نفس منه . (شعب الإیمان ، باب في قبض الید عن الأموال المحرمة ، دارالکتب العلمیة بیروت ٤ /٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

التعزیر بالمال کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ، والحاصل أن المذهب عدم التعزیر بأخذ المال . (البحرالرائق، کتاب الحدود ، فصل فی التعزیر ، زکریا ٥/٦٨، کوئٹه ٥/٤١، النهر الفائق، دالکتب العلمیة بیروت ٣/١٦٥، الموسوعة الفقهیة الکویتیة٣٧/٣٥٤)

ماحرم أخذه حرم إعطاء ه الخ. (الإشباه قدیم /٢٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۳/ ۱۴۱۳ھ

جرمانہ کے پیسے سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا

سوال: [۸۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شادی شدہ لڑکا دوسرے شخص کی بیوی سے زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تو ایک مفتی صاحب کے فیصلہ کے مطابق دونوں کو ۱۰۰، ۱۰۰/ کوڑے مارے گئے، پھر گاؤں کے لوگوں نے متفق ہوکر لڑکے سے تین ہزار اور عورت سے دو ہزار روپیہ جرمانہ کے طور پر لئے تھے، اسی روپیہ کے ذریعہ مسجد کا بیت الخلاء بنانا چاہتے ہیں، تو کوڑے لگانا اور جرمانہ لینا اور اسی پیسہ سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: شاہجہاں شیخ، مرشد آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اسلامی شریعت میں غیر شادی شدہ لوگوں کے زنا میں مبتلا ہونے کی وجہ سے حاکم اسلام کی نگرانی میں سو سو کوڑے لگانے کا حکم ہے، اور شادی شدہ کو حاکم اسلام کی نگرانی میں سنگسار کرکے ختم کردینے کا حکم ہے، لیکن ہمارے ہندوستان میں حاکم اسلام نہیں ہے، اسلئے حاکم اسلام کی نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے حد لگانے کا حکم نہیں ہے، لیکن علاقہ اور برادری پنچایت کے ذریعہ سے جو بھی مناسب سزا دی جاسکے دی جائے، بشرطیکہ سزا دینے والوں پر کوئی ردعمل نہ ہو اور اس کے ساتھ توبہ کرانا بھی لازم ہے، مگر مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ واقعہ میں مالی جرمانہ جو لیا گیا ہے، اس کو مسجد کے بیت الخلاء یا کسی اور جگہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، جن سے مالی جرمانہ لیا گیا ہے، انہیں کو واپس کردینا لازم ہے۔

عن أبی حرة الرقاشي عن عمه، أن رسول الله ﷺ قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، اللغصب قبیل باب من

غصب جارية فباعها ثم جاء ت الجارية ، دارالفكر ٨/٥٠٦ ، رقم: ١١٧٤٠)

لايجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي .

(عالمگری، كتاب الحدود، فصل في التعزير ، زكريا قديم ٢/١٦٧، جديد ٢/١٨١،

البحرالرائق، ٥/٤١ ، زكريا ٥/٦٨ ، الدر مع الرد، زكريا٦/١٠٦ ، كراچي ٤/٦١)

معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شئ من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيد الحاكم إليه . (شامي ، مطلب في التعزير، بأخذ المال زكريا٦/١٠٦،

كراچی ٤/٦١ ، البحرالرائق ، كوئٹه ٥/٤١ ، زكريا ٥/٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷؍۸۶۸۸)

ہندوستان میں چوری وغیرہ کے جرم میں لیا ہوا روپیہ مساجد کی تعمیر وغیرہ میں لگانا کیسا ہے؟

سوال: [۸۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان کے اندر کسی گاؤں میں آدمی نے چوری یا ڈکیتی کی یا زنا کیا گاؤں والوں نے اس سے کوئی سامان یا روپیہ وغیرہ جرمانہ کے طور پر لیا تو مسجد کی تعمیر میں یا مدرسہ کی تعمیر میں عوام کے فائدے کیلئے اس سامان یا روپیہ کو استعمال کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد کاظم ، بانکوڑوی، مغربی بنگال،
دورۂ حدیث، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت اسلامی میں مالی جرمانہ حاصل کرنا ناجائز اورحرام ہے، اورحاصل شدہ مال اصلی مالک کو واپس کردینا واجب ہے، اوراس حاصل شدہ

مال کو مسجد یا مدرسہ کے تصرف میں لانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۴/۱۳۴، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۵/۱۷۳، ڈابھیل ۱۴/ ۱۳۴۹)

عن أبی حرة الرقاشي عن عمه ، أن رسول الله ﷺ قال: لایحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه . (السنن الکبریٰ للبیهقی ، اللغصب قبیل باب من غصب جاریة فباعها ثم جاء ت الجاریة ، دارالفکر ۸/ ۵۰٦، رقم: ۱۱۷٤۰)

لایجوز لاحد أن یأخذ مال أحد بلا سبب شرعی الخ وتحته عدم جواز التعزیر بالمال الخ. (قواعد الفقه ، اشرفي دیوبند/ ۱۱۰، رقم: ۲٦۹، الموسوعة الفقهیة الکویتیة۳۷ /۳٥٤ ، البحرالرائق، کوئٹه ٥ /٤١، زکریا ٥/٦٨، شامی ، زکریا ٦/ ١٠٦، کراچی ٤ /٦١ ، هندیه زکریا قدیم ٢ /١٦٧، جدید ٢ /١٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۷۸)

شراب کی کمائی مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۸۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید شراب کا ٹھیکہ دار ہے، ہندؤں کے بازار میں دوکان ہونے کی وجہ سے ان کے جاگرن میں پیسہ دیتا ہے، زید مسجد کے مصرف اور مدرسہ وغیرہ کے سلسلہ میں پیسے دینا چاہتا ہے، اس کا کہنا ہے، کہ مسجد میں جو روپے دوں گا، میری جائز کمائی کا ہوگا، اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کو شک ہوا اور ناراض بھی ہوئے ،تو اس نے مسجد میں بیٹھ کر بتایا کہ میرا پیسہ دوسرے کاروبار کا ہے، جیسے اینٹوں کا بھٹہ جائیداد مکان دوکانوں اور بس وغیرہ کا کرایہ اس گفتگو میں یہ حضرات شامل تھے، حاجی عبدالحی صاحب حافظ محمد ہاشم صاحب عبدالمجید صاحب ، حاجی انوار حسین صاحب، سجاد حسین صاحب، اسٹینہ ولٹیر وغیرہ کیا اس صورت میں زید کا پیسہ مسجد و مدرسہ اور دیگر کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے، یانہیں ؟ شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو قرآن

وحدیث کی روشنی میں مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: حاجی عبدالحی صاحب،
محمد قاسم صاحب، اے ون ٹیلر،
فورہ چوک، چندوسی، ضلع، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مسلمانوں کے نزدیک اس بات کی صداقت ثابت ہوجائے، کہ مذکورہ شخص اپنی جائز کمائی سے ہی مسجد و مدرسہ میں دیتا ہے تو اس کی جائز آمدنی کا لگانا جائز ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۴/ ۱۱۸)

حرام و مشتبہ کمائی کا مدرسہ یا مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے۔

أما لو أنفق في ذلک مالا خبیثاً ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره، لأن اللّٰہ تعالیٰ لایقبل إلا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله. (شامی، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ، وما یکره فیها، قبیل مطلب في أفضل المساجد، زکریا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۵۴)

خنزیر کے بالوں کے برش بنانے والوں کا چندہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) خنزیر کے بالوں کے برش بنانے والے حضرات سے مدرسہ میں چندہ لینا اور ان حضرات کی چرم مدرسہ میں لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مساجد میں چندہ کی صندوقچی جمعہ کے روز رکھی جاتی ہے، اس میں خنزیر کے بالوں والے برش کے تاجر قمار باز دھوکہ دہی سے غلہ کے تاجر یعنی یہ تاجر کسانوں کو دھوکہ دیکر

زیادہ تول کرلاتے ہیں، ایسے لوگوں سے مدرسہ یا مسجد میں چندہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: مولانا سلامت اللہ، شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خنزیر کے بالوں کے برش کا کاروبار کرنا جائز نہیں ہے، لٰہذا اگر اس کے کاروبار کرنیوالے حضرات کا ذریعہ معاش صرف یہی ہے تو ایسے لوگوں سے مدرسہ کیلئے چندہ لینا جائز نہیں ہے، البتہ اس کے علاوہ اگر اور بھی حلال ذرائع معاش ہیں، اور یہ معلوم نہ ہو کہ جو رقم مدرسہ میں دے رہا ہے، وہ حرام ہے یا حلال تو ایسے لوگوں سے چندہ لینا جائز ہے اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ جو رقم مدرسہ کیلئے دے رہا ہے، وہ حرام ہے، تو جائز نہیں ہے۔

أما لو أنفق في ذلك مالا خبيثاً ومالا سببهٔ الخبيث والطيب فيكره .

(شامی ، الصلاة ، باب ما يفسد الصلاة ، ومايكره فيها ، قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ٢/ ٤٣١ ، كراچی ١/ ٦٥٨، بزازيه زكريا جديد ٣/ ٢٠٣، وعلى هامش الهندية٦/ ٣٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲ / ۴۹۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۶/۲۶ھ

خنزیر کے بالوں کا برش بنانے والوں کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ برش والوں کی رقم مسجد و مدرسہ میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ کیا ایسے مدارس کو ہم بھی زکوٰۃ وغیرہ دے سکتے ہیں، جن کے متعلق ہمیں علم ہے کہ وہ خنزیر کے بالوں کے برش بنانے والوں سے بھی اسطرح کی رقوم لیتے ہیں، اس صورت میں حلال وحرام کی آمیزش کا ہونا از روئے شرع کیسا ہے؟ کیا ہمارے لئے ان کا مالی تعاون کرنا جائز ہے؟

المستفتي: احسان علی صدیقی، اصفر منزل، قصبہ شیرکوٹ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برش والوں کی حلال رقم جائز اور خالص حرام یا اکثر حرام ناجائز ہے وہ لوگ مدرسہ یا مسجد میں ایسی رقم نہ دیں، اورارباب مدرسہ ومسجد بھی ایسی رقم سے احتراز فرمائیں، جب تک صراحت سے نہ کہہ دیں کہ یہ حلال پیسہ ہے۔

وإن غالب ماله الحرام لا يقبلها ...... إلا إذا قال أنه حلال الخ. (مجمع الانهر، كتاب الكراهية، فصل فی الكسب مصری قديم ٢/٥٢٩، دارالكتب العلمية بيروت ١٨٦/٤، ١٨٧، هنديه زكريا قديم ٣٤٢/٥، جديد ٣٩٦/٥، بزازيه زكريا جديد٢٠٣/٣، وعلى هامش الهندية٣٦٠/٦)

اگر اہل مدرسہ مال زکوٰۃ کو صحیح مصرف میں خرچ کریں یا ضرورت شدیدہ کی بناء پر حیلۂ تملیک کرکے ضرورت مدرسہ میں خرچ کریں تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اوران کو زکوٰۃ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، برش والوں سے چندہ لینے کی وجہ سے اسکی زکوٰۃ میں کوئی خرابی نہیں آئے گی۔فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵رذی الحجہ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۱۰۲۹/۲۴)

دوسرے کی غصب کردہ زمین کی اجرت مسجد میں دینا

سوال: [۸۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کسی کی زمین قبضہ کرکے کہتا ہے، کہ یہ مسجد کی زمین ہے اس میں دوکان بنا کر اس کا کرایہ مسجد کو بھی نہیں دے رہا ہے، مسجد کی زمین ہونے کا کوئی ثبوت بھی نہیں ہے، کیا ذمہ داران مسجد کو اس کا کرایہ لینا درست ہے، نیز مدعی کا اپنی زمین ہونے کا ثبوت بھی ہے، کئی دفعہ مقدمہ بھی جیت گیا ہے، لیکن پھر بھی مذکورہ شخص اپنی غلطی سے ظلم سے مسجد کی زمین بتلارہا ہے، اورکرایہ مسجد کو بھی نہیں دے رہا ہے، کیا ذمہ داران مسجد کو کرایہ لینا جائز ہے، جبکہ وہ یہ بھی جانتا ہے، کہ یہ مسجد کی زمین نہیں ہے، اس صورت میں کون کون لوگ گنہگار رہوں گے اس

سلسلہ میں مظلوم مکمل وضاحت چاہ رہا ہے؟

المستفتي: محمد عارف، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے نام سے کسی دوسرے کی زمین کو قبضہ کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے ایسی زمین کی آمدنی نہ قبضہ کرنے والے کیلئے حلال ہے، اور نہ ہی مسجد کیلئے، شرعی طور پر لازم ہے کہ جس کی زمین ہے، اسے واپس کردے۔

عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: من اقتطع شبرا من الأرض ظلما، طوقه الله إياه يوم القيامة من سبع أرضين. (صحيح مسلم، باب تحريم الظلم وغصب الأرض غيرها، النسخة الهندية ٢/ ٣٢، بيت الافكار رقم: ١٦١٠)

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي. (قواعد الفقه، اشرفيه/ ١١٠، رقم: ٢٧٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢، ٢٨/ ٢٦٤، ٣٧/ ٣٥٤، الدر مع الرد، زكريا ٦/ ١٠٦، كراچی ٤/ ٦١، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ٥/ ٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۰۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۸/۱۴۲۳ھ

مغصوبہ زمین میں مسجد بنانے کا حکم

سوال: [۸۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گرام کودی دوانہ میں جامع مسجد محلّہ بازار میں ہے، اسکے سابقہ دروازہ کی دیوار سے آگے گرام سماج کی جگہ ہے اس میں ہفت روزہ بازار لگتا ہے، یہ جگہ بازار کے تمام

ہندو مسلم کی ملکیت ہے، اس میں جو بازار کا ٹھیکہ لئے ہوئے ہے اس کو نقصان ہورہا ہے، اور جو دوکان والے اس جگہ پر بیٹھے چلے آئے ہیں، اب وہ یہاں بیٹھیں گے، اس میں دوکانداروں کو بہت تکلیف ہے بیٹھنے کی جگہ مسجد میں ملالی گئی ہے، جس میں دوصفوں کی جگہ لے لی ہے، جس کی وجہ سے کچھ پبلک کو اعتراض ہے، جھگڑا فساد کی وجہ سے کوئی کچھ اس میں لب کشائی نہیں کرسکتا ہے، اپنے سر جھگڑا کون مول لے اسی حالت میں اس بڑھی ہوئی جگہ میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں؟ عین کرم ونوازش ہوگی؟

المستفتي: اکرم حسین انصاری، محمد عباس، انیس احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب دوصفوں کی مقدار مسجد میں غیر کی ملکیت داخل ہوگئی، تو اتنے حصہ کی قیمت بانیان مسجد گرام سماج کے ذمہ دار کو دیدیں، تو وہ حصہ بھی مسجد شرعی میں داخل ہوجائے گا، اور اس میں مسجد کا ثواب حاصل ہوگا اور بلا کراہت نماز ادا ہوجائیگی، مسجد میں شامل ہوجانے کے بعد اب اسے مسجد سے خارج کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ قیمت ادا کرنا لازم ہوگا، اور قیمت ادا کرنے سے پہلے پہلے نماز وہاں پر مکروہ ہوگی۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۴۶۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۲۵۷)

ومنها لو غصب أرضاً فبنیٰ فیها أو غرس فإن کانت قیمة الأرض أکثر قلعها وردت إلا ضمن لهٗ قیمتها الخ. (الاشباہ والنظائر،قدیم ۱/ ۱٤٤، وهکذا فی فتاوی قاضیخان زکریا جدید ۳/ ۱٦٥، وعلی هاش الهندية ۳/ ٤۲ هندیه زکریا قدیم ٥/ ۲٤، جدید ٥/ ۱٤٦، المبسوط السرخسی، دار الکتب العلمية بیروت ۲۳/ ٥٤) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۲۴)

مساجد کوڈسکاؤنٹ دینے والی کمپنیوں سے سامان خریدنا

سوال: [۸۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی سامان اسپیکر وغیرہ مسجد کیلئے خریدا ہو جا کمپنی سے اور اس نے دس فیصد چھوٹ دی یعنی منجانب کمپنی مسجد اور عبادت گاہوں کو دس فیصد کی رعایت چھوٹ ملتی ہے، اب مفہوم طلب امر یہ ہے کہ وہ رعایت چھوٹ جو کمپنی کی طرف سے عبادت گاہوں کو دیجاتی ہے، مسجد کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عظمت حسین، مانپور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کمپنی اپنی چیز کی خود مالک ہے، اور مالک کو یہ حق حاصل ہے، کہ اپنی ملکیت کی چیز جس کو جتنے میں چاہے دیدے اسلئے مذکورہ رعایت مسجد و عبادت گاہ کیلئے بلا قباحت جائز اور درست ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملك الخ. (بیضاوی، ۱/۷، مکتبہ رشید) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸؍۲۹۱۱)

واپس نہ لینے کی نیت سے دیئے گئے قرض کو مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر نے زید سے قرض کے طور پر کچھ رقم لی، زید نے بکر کو رقم دیتے وقت یہ نیت کرلی، کہ مجھے یہ رقم واپس نہیں لینی، اور بکر سے کہہ بھی دیا کہ آپ مجھے یہ واپس نہ کریں، لیکن بکر کی نیت شروع ہی سے یہ ہیکہ مجھے یہ رقم واپس کرنی ہے، لھٰذا ایک موقع پر بکر نے کہا بھی کہ آپ کی رقم کا بندوبست ہو چکا ہے، زید نے کہا کہ آپ واپس نہ کریں بلکہ اپنا کام چلائیں، بکر نے کہا نہیں، بلکہ مجھے واپس ہی کرنی ہے، زید نے خیال کیا کہ چونکہ میری نیت واپس لینے کی نہیں تھی، اور

یہ واپس ہی کرنا چاہتا ہے، تو اس کو کسی مسجد کی تعمیر میں صرف کر دوں، لہٰذا دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ رقم تعمیر مسجد میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو دوسرا مصرف کیا ہے؟

المستفتي: جلیس احمد، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر بکر مستحق زکوٰۃ ہے اور زید نے دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی ہے اور غرض عطیہ دینا ہے تو بکر اسکا مالک بن چکا ہے، اس میں اب زید کا تصرف جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر بکر سے کہہ دے کہ تم ہی اپنی خوشی سے وہ رقم مسجد کو دیدو تو درست ہے، اور اگر بکر مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، اور زید نے زکوٰۃ کی نیت بھی نہیں کی ہے، تو واپسی درست ہے، اور زید اسکو واپس لیکر چاہے اپنے اوپر خرچ کرے یا مسجد کے لئے دیدے تو دونوں جائز ہے، البتہ مسجد میں دینا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہوگا۔

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک الخ. (بیضاوی شریف، مکتبہ رشید ۱/۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشعبان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۰۵)

جوا اور شراب کی آمدنی سے تعمیر کیا گیا مکان مسجد کیلئے خریدنا

سوال: [۸۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکان مسجد کے پڑوس میں ہے جس کو خریدنا ہے، مسجد کیلئے لیکن اس میں بات یہ ہے، کہ مسجد کے پڑوس کی ملکیت صحیح آمدنی سے خریدی ہوئی نہیں ہے، حرام آمدنی جوا اور شراب کے کاموں سے مکان بنایا گیا ہے، لھٰذا سوال یہ ہے کہ ایسا مکان مسجد کو وسیع کرنے کیلئے خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ یا یہ کہ ایسا مکان مسجد کی آمدنی کیلئے خرید کر کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مسجد میں نہ لیں صرف آمدنی کیلئے خرید سکتے ہیں، نیز ایسا مکان مسجد کے جماعت خانہ میں استعمال نہ ہو بلکہ صرف

وضوخانہ یا یہ کہ جماعت کوکھانا کھلانے کیلئے خریدلیں تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد الیاس، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اہل مسجد کوواضح طور پرمعلوم ہے کہ پڑوس کا مذکورہ مکان جوا اورشراب کی آمدنی سے تعمیر کیا گیا ہے، تو مسجد کے لئے ایسا مکان خریدنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی ایسا مکان خرید کر کے آمدنی کا ذریعہ بنانا جائز ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیزوں کوقبول کرتا ہے، لہٰذا مسجد کے لئے اس مکان کوخریدنے سے گریز کیا جائے۔

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ أيها الناس إن اللّٰه طيب لا يقبل إلاطيباً. (مسلم شريف، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وترتيبها، النسخة الهندية ١/٣٢٦، بيت الافكار رقم: ١٠١٥، ترمذی شريف ٢/١٢٨، رقم: ٢٩٨٩، الترغيب و الترهيب لليافعی /١٩١، رقم: ٧٨٣)

وفی حديث طويل قال رسول اللّٰه ﷺ لا يكتسب عبد مال حرام فيتصدق فينفق فيبارك له فيه ولا يتصدق له فيقبل منه ولا يترك خلف ظهره إلا كان زاده إلیٰ النار الخ. (شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/٣٩٥، ٣٩٦، رقم: ٥٢٤، مسنداحمد بن حنبل ١/٣٨٧، رقم: ٣٦٧٢، مسند بزار، مكتبه العلوم والحكم ٥/٣٩٢، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ١٠/٢٩٢، ١/٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۵ھ

سنیما ہال کے جنریٹر کی بجلی مسجد میں استعمال کرنا

سوال: [۸۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان نے جنر یٹر خریدا سینما ہال چلانے کیلئے اس نے بغیر کسی اجرت کے بخوشی اس جنر یٹر میں سے مسجد کو بجلی دیدی تو اس کا استعمال کرنا مسجد میں کیسا ہے؟

المستفتي: محمد صدیق، عمری کلاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو جنر یٹر سینما ہال چلانے کیلئے خریدا گیا ہو اور سینما ہال میں اس کا استعمال بھی ہونے لگا ہو اس جنر یٹر سے کسی مسجد میں بجلی دینا (بخوشی اور بلا کسی اجرت کے ہو تب بھی) جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/۱۹۳، جدید ڈابھیل ۱۵/۱۱۶، احسن الفتاویٰ ۶/۴۳۲، کفایت المفتی ۷/۶۸، جدید مطول)

أما لو أنفق في ذلک مالا خبيثاً ومالا سببه الخبيث و الطيب فيكره ، لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب ، فيكره تلويث بيته بما لا يقبله.

(شامي، کتاب الصلاة ، باب ما يفسد الصلاة ، وما يكره فيها ، قبيل مطلب في أفضل المساجد ، زکریا ۲/۴۳۱، کراچی ۱/۶۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۶۶)

جہیز میں روپیہ لے کر مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو لڑکا شادی کرنے کیلئے لڑکی والے سے نقد روپیہ لیتا ہے، پھر اس روپیہ میں سے مسجد کو دیتا ہے، تو یہ روپیہ مسجد میں لگانا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد اسماعیل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی کے اندر لڑکی کے لئے مہر کے نام سے

لڑکے یا لڑکی کے ذمہ داروں سے مال وصول کرنا جائز ہے، لیکن لڑکے کو لڑکی یا لڑکی کے ذمہ داروں سے کسی قسم کے مال کا مطالبہ شرعی طور پر ناجائز اور حرام ہے، لہٰذا جو مال لڑکا یا لڑکے والے لڑکی یا لڑکی والے سے دباؤ کیساتھ یا صراحت کے ساتھ مطالبہ سے وصول کرتے ہیں، وہ رشوت ہے۔ (مستفاد: مجموعۃ الفتاویٰ ۲/ ۱۹۱)

ولا إلزام على المتبرع لعدم أهلية اللزوم. (هدايه، كتاب الهبة، اشرفي ۳/ ۲۸۳)

اور رشوت کا پیسہ مسجد مدارس یا کسی بھی کار خیر میں دینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۷۲، قدیم زکریا)

لو أنفق في ذلك مالاً خبيثاً ومالاً سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب. (شامي، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، و مايكره فيها قبيل مطلب في أفضل المساجد زكريا ۲/ ۴۳۱، كراچی ۱/ ۶۵۸)

اس رشوت اور مال حرام کو اصل مالک کو واپس کردینا واجب ہے، لہٰذا لڑکی والے سے لیا ہوا پیسہ لڑکی والے ہی کو واپس کردینا واجب ہے۔

وإن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يردهٗ علىٰ مالكه إن وجد المالك. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوع مكتبه سهارن پور ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳۵۹، تحت رقم الحديث: ۵۹، هنديه زكريا قديم ۵/ ۳۴۹، جديد ۵/ ۴۰۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۳ھ

شادی کے موقع پر مسجد میں دیئے گئے کولر گھڑی وغیرہ کا حکم

سوال: [۸۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کا رواج بن گیا ہے، کہ شادی بارات میں پنکھا، کولر گھڑی وغیرہ مسجد کو ضرور دیتے ہیں، رواج کے طور پر قطع نظر اس سے کہ مصلی ہی کے سر پر لگے یا مسجد یا مسجد میں کہیں اور تو ایسے پنکھے اتنے

ہو گئے کہ مسجد میں اندر باہر سب جگہ پنکھے اور کولر لگ گئے اب مسجد میں ضرورت نہیں ہے، پھر بھی آرہے ہیں، تو یہ پنکھا امام صاحب کے کمرہ میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ امام صاحب کا کمرہ مسجد کی حدود کے اندر ہے اس کے بارے میں از راہ کرم مطلع فرمادیں، عین کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد انعام احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کے یہاں کے عرف ورواج کے مطابق مسجد میں دینے والے کا مقصد مسجد کی ملکیت میں دینا ہے، اور مسجد میں ہی استعمال کی قید نہیں ہے، تو یہ مسجد کی آمدنی کے حکم میں ہوگا، اور مسجد کی کمیٹی کے مشورہ سے امام ومؤذن کے کمرہ میں لگوانا اور فروخت کر کے اسکی رقم کو مسجد کی ضرویات میں خرچ کرنا سب جائز ہوگا۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص الخ المعروف كالمشروط .

(رسم المفتی ۱/ ۹٤)

اور اگر ایسا عرف نہیں ہے، اور دینے والے صرف مسجد ہی میں چلانے کیلئے دیتے ہیں، تو دینے والے کی اجازت سے امام ومؤذن کے کمرہ میں استعمال کرنا جائز ہوگا۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ . (شامی، الوقف، مطلب واعاة غرض الواقفين واجبة كراچی ٤/ ٤٤٥، زكريا ٦/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱/۴ھ

عید میلاد النبی کے جلوس سے مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ کرنا

سوال: [۸۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں عید میلاد النبی کے موقع پر لوگوں کا ایک ہجوم نکلتا ہے، جس کو جلوس کہتے ہیں، اس جلوس کا سارا انتظام مسلمان کرتے ہیں، لیکن غیر مسلم بھی اس میں شریک رہتے ہیں،

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہماری مسجد کے لوگ اس جلوس میں مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ کرتے ہیں، کیا اس طرح مجمع عام میں چندہ کرنا اور مسجد کے مصرف میں لگانا درست ہے، جبکہ معلوم نہیں ہوتا کہ لوگوں کی کمائی حلال ہے یا حرام؟

المستفتي: ناصر عبدالقدیر شیخ، کاشی واڑی،
بھوانی پیٹھ، دس نمبر کالونی، پورنہ ۴۲

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مجمع عام میں مسجد کیلئے چندہ وصول کرنا اور اسے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، اور کسی مسلمان سے مسجد کے واسطے تعاون حاصل کرنے میں شرعی اعتبار سے مسجد والے اس بات کے مکلّف نہیں ہیں، کہ چندہ دینے والے کے بارے میں تفتیش کریں کہ حلال کا پیسہ ہے یا حرام کا بلکہ ایک مسلمان کے بارے میں حسن ظن لازم ہے، کہ مسجد میں چندہ حلال مال ہی سے دے رہا ہوگا۔

عن أبي هريرة رضـ قال قال رسول الله ﷺ إذا دخل أحدكم على أخيه المسلم فأطعمه طعاماً فليأكل من طعامه ولايسأله عنه فإن سقاه شراباً من شرابه فليشرب من شرابه ولايسأله عنه. (مسند احمد بن حنبل ۲/۳۹۹، رقم: ۹۱۷۳، المعجم الاوسط، دارالفکر ۴/۸۸، رقم: ۵۳۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۰۰۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۶/۱۴۳۱ھ

مسجد کا بیت الخلاء دکھلا کر سرکار سے وصول کی گئی رقم کا حکم

سوال: [۸۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں سرکاری اسکیم کے تحت اگر کوئی شخص بیت الخلاء بنواتا ہے، تو وہ شخص گرام پنچایت یا سرکاری دفتر میں درخواست پیش کردے تو اس کو حکومت کی جانب سے ایک معقول رقم ملتی ہے،

مسجد یامدرسہ کا بیت الخلاء دکھلا کر امام و مدرس صاحب نے اپنے نام کی درخواست داخل کر کے پیسہ وصول کرلیا ہے، مولانا اور امام صاحب کا کہنا ہے، کہ اس ملنے والی رقم کا حقدار میں ہوں چونکہ حکومت سے ملنے والی رقم میرے نام پر ہے، کیونکہ اگر میں اپنے نام پر دوبارہ گھر کا سنڈاس بنوا کر رقم حاصل کرنا چاہوں، تو نہیں مل سکتی، لہٰذا اس رقم کا حقدار میں ہوں، مسجد یامدرسہ کو صدقہ وتعاون نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ مذکورہ رقم کا حقدار کون ہے؟ امام ومدرس یا مسجد ومدرسہ؟

المستفتي: محمد ایوب صاحب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ سرکار کی طرف سے مذکورہ رقم سرکاری اسکیم کے تحت بیت الخلاء بنانے والے کو ملتی ہے، اور مسجد یا مدرسہ کا بیت الخلاء چونکہ اسی مسجد و مدرسہ کیلئے خاص ہے، وہ کسی امام یا مدرس کا ذاتی نہیں ہے اس لئے اس بنیاد پر ملنے والی رقم مسجد یا مدرسہ ہی کی ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۲۸۵، جدید زکریا ۹/ ۶۸)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع ،في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه ، اشرفی/ ٨٥، رقم: ١٥٢)

ومن اختلاف الجهة ماإذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للإستغلال فلا يصرف أحدهما، للآخر وهي واقعة الفتوىٰ. (شامی، والوقف، مطلب في نقل أنقاض المسجد ونحوه زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦١) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ علم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۹۹)

منکوحۃ الغیر سے نکاح کرنے والے کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا اس شخص کے اوراس کے ماں باپ وغیرہ کے پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں، کیا اس شخص کو اوراس کے بھائی، باپ وغیرہ کو مسجد میں آنے سے روکا جانا چاہئے؟

(۲) کیا اگر وہ شخص جماعت میں شامل ہو جائے تو نمازیوں کی نماز میں فرق تو نہیں آئیگا، آپ ان سوالوں کے جواب شریعت مطہرہ کی روشنی میں دیجئے گا، اور عام فہم زبان میں سمجھا دیجئے گا، تا کہ ہر ایک آدمی بخوبی سمجھ سکے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اگر حلال کمائی کا پیسہ ہے تو مسجد میں لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۰۱)

توبہ واستغفار کر کے باز آنے تک برادری پنچایت سے علیٰحدہ کر دیں؟ لیکن مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے۔

(۲) اس کے شامل ہونے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آئیگی۔

وإن هجرة أهل الأهواء والبدع واجبة على مر الأوقات مالم يظهر منه التوبة والرجوع إلىٰ الحق. (مرقاة المفاتيح، الأدب باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع ...... الفصل الأول، مكتبه امداديه ملتان ۹/ ۲۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۹۴)

۲۵/ الفصل الخامس والعشرون: غیر مسلم کے پیسے مسجد میں لگانے کے احکام

غیر مسلم کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ رمضان المبارک کے مہینے میں شدید گرمی کی وجہ سے گاؤں کی مسجد میں پنکھے کولر وغیرہ چلانے کے لئے جنریٹر چلتا تھا، تو گاؤں کے ایک غیر مسلم نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ آپس میں مشورہ کرلو کہ اگر میرے روپیوں سے خرید کر تیل چلایا جا سکتا ہو تو میں ہی تیل کے پیسے دیدوں، ان میں دو تین عالم لوگ بھی تھے، لوگوں نے ان سے مشورہ کیا تو انھوں نے کہا کہ چلایا جا سکتا ہے، جب اس غیر مسلم نے پیسے دیدئے اور تیل جل گیا تو کچھ مسلمانوں نے کہنا شروع کیا کہ غیر مسلم کے پیسے مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے، اور کچھ لوگ کہہ رہے تھے، کہ اس طرح لگانا جائز ہے، یعنی مسلمانوں میں دو گروہ ہوگئے اور یہ اختلاف اب تک جاری ہے، اور پورے گاؤں کے مسلمانوں کو یہ بات بھی معلوم ہے کہ اس غیر مسلم شخص کا پیسہ حلال کمائی کا ہے، لہٰذا گذارش ہے کہ جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد عمر، بڈھن پوروہ،
تحصیل: بسواں، ضلع: سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم شخص کار خیر سمجھ کر مسجد میں روپیہ دے اور آئندہ مندر وغیرہ کی تعمیر کے موقع پر مسلمانوں کو روپیہ دینے پر مجبور نہ کرے، تو بلا تردد جائز ہے، اور جو مسلمان غیر مسلم کے پیسے لگانے کو ممنوع سمجھتے ہیں وہ مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے، اس لئے ان لوگوں کو بتا دیا جائے، کہ غیر مسلم کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے، اور اس کی وجہ سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا، لٰھذا جنریٹر کے تیل کے لئے غیر مسلم شخص جو پیسہ دے

رہا ہے، اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ثواب میں کوئی کمی آئے گی۔

شرط وقف الذمی أن یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء أو علی مسجد القدس . (شامی، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة زکریا ٦/٥٢٤، کراچی ٤/٣٤١)

وأما الإسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط کونه قربة عندنا وعندهم . (البحر الرائق، زکریا ٥/٣١٦، کوئٹه ٥/١٨٩)

وللمسلمین أن یقبلوا من الکافر ...... إذا لم یکن فی ذلک ضرر دینی ولا سیاسی . (تفسیر المراغی ٤/٧٤، بحواله محمودیه میرٹھ ٢٥/٤٨٧)

وإن قال الذمی: جعلت غلة هذه الصدقة فی سراج بیت المقدس ودهنه فهو جائز . (تاتار خانیة ٨/٢٠١، برقم: ١١٦٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۱۶)	۱۴۳۲/۵/۱۹ھ

تعمیر مساجد میں ہندو حکومت یا اشخاص کی رقم لگانا

سوال: [۸۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسجد کی تعمیر کے لئے ہندو حکومت اور ہندو لوگوں سے چندہ لینا درست ہے یا نہیں؟

(۲) نیپال سرکار گرامین پنچایت کے ذریعہ اب حلقہ کی ترقی کیلئے سال میں دو تین دفعہ کچھ نقد رقم دیتی ہے، فی الحال بھینسوا نیپال کی پنچایت میں سرکار کی طرف سے نقد رقم آئی تھی، یہاں کے کچھ دنیا دار مسلمانوں نے ہندو مکھیا سے سانٹھ گانٹھ کر کے ۵۵؍ ہزار روپئے مسجد کی ڈھلائی کیلئے پاس کرائے اور ان لوگوں نے اس کی ٹھیکیداری لے لی اور مسجد کی ڈھلائی بھی کرادی، مگر چھڑ سمنٹ، چھری وغیرہ کی جو مقدار مسجد کی ڈھلائی میں لگی ان ٹھیکیداروں نے دوکانداروں سے سب سامان میں مقدار بڑھا

کروا ؤچر بنوایا اور فاضل سامان کا بھی روپیہ پنچایت سے مسجد کے نام پر لے کر اور رکھیا سے پاس کرا کر مکھیا اوران ٹھیکداروں نے آپس میں بانٹ لیا لوگوں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے مسجد کے نام پر پنچایت سے روپئے لیکر کیوں ناجائز فائدہ اٹھایا، جبکہ آپ لوگ مسلمان ہیں، توان مسلمان ٹھیکیداروں نے جواب دیا کہ اس دور میں سب کچھ جائز ہے خاص طور سے نیپال جیسے غریب دیش میں، پوچھنا یہ ہے کہ ایسے اشخاص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، دینی اور شرعی اعتبار سے ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور مسجد کے نام پر غلط واؤچر کے ذریعہ روپئے پنچایت سے لیکر آپس میں بانٹ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) آج سے تقریباً چالیس سال قبل ایک جگہ مسجد کی تعمیر ہوئی اس کی چھت کی ڈھلائی کڑی اور شہتیر پر ہوئی، اب ازسرنو چھت کی ڈھلائی چھڑ بالو سمنٹ اور چھرّی سے کرائی گئی ہے، چھت کی شہتیریں اور کڑیاں نکال دی گئی تھیں، مرحوم کے لڑکے یہ شہتیریں اور کڑیاں اٹھا کر لے گئے یہ کہتے ہوئے کہ ہمارے والد مرحوم نے یہ دیں تھیں، اب مسجد میں یہ لکڑیاں نہیں لگیں گی اسلئے ہماری ہوئیں، اور ان لڑکوں نے ان لکڑیوں کو فروخت کرکے روپیہ اپنے پاس رکھ لئے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ لکڑیاں کس کی ملکیت ہوں گی، مرحوم کے لڑکوں کا لکڑیاں فروخت کرکے روپئے اپنے پاس رکھ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اب لکڑیوں کو فروخت کردینے کے بعد روپیوں کا حقدار کس کو قرار دیا جائے گا، نیز مرحوم کے لڑکوں کا یہ عمل بھی جائز ہوگا یا ناجائز؟ ایسی مسجد میں نماز پڑھنی کیسی ہے جس کی پوری تعمیر میں آدھی رقم حرام کی لگی ہو جس کی تصدیق بھی ہوچکی ہے؟ شریعت کی روشنی میں مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: راج محمد انصاری، موضع دہی،

پوسٹ: سکٹا بازار، مغربی چمپارن، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مسجد کی تعمیر کیلئے ہندو حکومت اور ہندو لوگوں کا چندہ

لیناشرعاًدرست ہے،بشرطیکہ اس کی وجہ سے وہ مسجد کے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں۔

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم كما لو وقف على أولاده أو على الفقراء أو على فقراء أهل الذمة فإن عمم جاز الصرف إلىٰ كل فقير مسلم أو كافر. (البحرالرائق،كتاب الوقف، كوئٹه ۱۸۹/۵، زكريا ۳۱٦/٥)

لو وقف علىٰ مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عند نا وعندهم. (البحرالرائق، كوئٹه٥/ ١٩٠، زكريا ٥/٣١٦)

(۲) سوالنامہ میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، اگر وہ واقعہ کے مطابق ہے تو مذکورہ لوگوں کا مذکورہ عمل دھوکہ دہی ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، اور مسجد کی تعمیر سے بچا ہوا پیسہ ٹھیکیداروں کا آپس میں بانٹ لیناشرعاً جائز نہیں ہے، وہ مسجد ہی کا حق ہے، لہٰذا اس کو مسجد کے فنڈ میں جمع کرنا لازم ہے، اس کو کھانے والے خائن ہیں اس کو مسجد کے فنڈ میں جمع کرکے اپنی اس غلط حرکت سے توبہ لازم ہے۔

ولو أن قوماً بنوا مسجداً وفضل من خشبهم شيئى قالوا: يصرف الفاضل في بنائه ولايصرف إلىٰ الدهن والحصر هذا إذا سلموه إلىٰ المتولى ليبنىٰ به. (البحرالرائق، كوئٹه٥/ ٢٥٠، زكريا ٥/ ٤٢٠)

(۳) شہتیر مسجد کی ملکیت ہے، مرحوم کی اولاد اور وارثوں کو لے کر جانے کا حق نہیں ہے، اگر وہ شہتیر بیچ دی گئی ہیں، تو ان پیسوں کا مسجد کے فنڈ میں جمع کردینا لازم ہے، ورنہ اللہ کے یہاں سخت ترین سزا کے مستحق ہوں گے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۴۸۷)

وصرف الحاكم أو المتولى نقضه أى المنقوض من خشب وحجر و أجر وغيرها أو ثمنه إن تعذر إعادة عينه إلىٰ عمارته إن احتاج وإلا حفظه ليحتاج إلا إذا خاف ضياعه فيبيعه ويمسك ثمنه ليحتاج. (شامي، الوقف، مطلب في الوقف، إذا خرب ولم يكن عمارته ، كراچی ٤/ ٣٧٧، زكريا٦/ ٥٧٣)

(۴) مسجد کی تعمیر میں حرام مال کیسے لگا ہے، اس کو صاف طور پر وضاحت کے ساتھ اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ پیسہ کیسے حرام ہے، اس وضاحت سے پہلے حکم شرعی بیان کرنا مناسب نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۳۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۱۸ھ

غیر مسلم کا پیسہ مسجد یا مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو غیر مسلم بنیت ثواب اور قربت سمجھ کر مسجد یا مدرسہ میں پیسہ دے تو اس پیسہ کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا کیسا ہے؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتی: محمد عمر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بنیت ثواب دینے والے غیر مسلم کا پیسہ مسجد یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں لگانا بلاکراہت جائز ہے، تاہم یہ خیال رکھا جائے، کہ بعد میں مسلمانوں پر احسان نہ جتلائے، اگر یہ اندیشہ ہو کہ بعد میں مسلمانوں سے اپنے مذہبی امور میں چندہ کیلئے پیش کش کریگا، تو نہ لیا جائے ۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ/ ۵۳۸، احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۳۹، محمودیہ ڈابھیل ۱۵/ ۱۳۶، میرٹھ ۲۲/ ۱۱۵)

فإن كان الموصىٰ به شيئاً هو قربة عندنا وعندهم بأن أوصىٰ بثلث ماله أن يتصدق به علىٰ فقراء المسلمين – أو بعمارة المسجد الأقصىٰ ونحو ذلك جاز في قولهم جميعاً. (بدائع، كتاب الوصايا، فصل في شرائط ركن الوصية، زكريا ٦/ ٤٣٩)

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة

عندنا وعندهم . (البحرالرائق ،کتاب الوقف ، زکریا ٥/٣١٦ ، کراچی ٥/١٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر خاص:۴۰/۱۱۴۹۵)

مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کا روپیہ لگانا

سوال: [۸۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) مساجد کی تعمیر جدید یا مرمت میں اہل ہنود غیر مسلم اقوام کا روپیہ لگانا شرعاً کیسا ہے؟ نیز اگر جائز ہے تو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا نہیں؟

(۲) نیز یہود ونصاریٰ وشیعہ اگر مسجد تعمیر کرادیں یا مسجد کی مرمت کرادیں یا چندہ وغیرہ میں شریک ہوں تو شرعاً کیا حیثیت ہے، درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ جواب تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: مرزا عمر بیگ، کوہ نور کالونی،
قصبہ: اورنگ آباد، صوبہ مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) غیر مسلم ہنداور یہود ونصاریٰ اگر عبادت اور کار خیر سمجھ کر مسجد کیلئے روپیہ پیسہ دیدیں اور بظاہر ان کی کوئی ایسی غرض اس سے نہیں ہے، کہ جس سے بعد میں مسلمانوں کو ان کی عبادتگاہوں پر پیسہ خرچ کرنے پر مجبور کیا جاسکے تو ان کا پیسہ لیکر مسجد میں لگانا شرعاً جائز ہے اور شیعہ غالی کو باجماع کافر قرار دیا گیا ہے، اور کافر اور شیعہ کا روپیہ بھی مساجد میں لگانا جائز ہے، جبکہ وہ کار خیر سمجھ کر بخوشی دیتا ہو۔ (فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۵۳۷، جدید زکریا/ ۵۱۷)

شرط وقف الذمي أن يكون قربة عند نا وعندهم كالوقف على

الفقراء أو على مسجد القدس. (شامی، کتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة ، کراچی ٤/ ٣٤١ ، زکریا ٦/ ٥٢٤ ، البحرالرائق، کوئٹه ٥/ ١٨٩ ، زکریا ٥/ ٣١٦ ، تاتارخانية زكريا٨/ ٢٠١ ، رقم: ١١٦٣٦)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر ...... **إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني ولا سياسي**. (تفسير المراغي ٤/ ٧٤، بحواله محموديه ميرٹھ ٢٥/ ٤٨٧)

اور بعض لوگوں نے شیعہ اور قادیانی کو مرتد قرار دیکران کے پیسہ کو مسجد میں لگانے کی ممانعت کی ہے، اسلئے کہ مرتد کا وقف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک موقوف رہتا ہے، یہاں تک کہ اسلام پر دوبارہ لوٹ کر آ جائے۔

لو وقف في حال ردته فهو موقوف عند الإمام الخ. (شامی، کتاب الوقف، قبيل فصل يراعى شرط الواقف في اجارته ،زکریا ٦/ ٦٠٤، کراچی ٤/ ٤٠٠)

اور حکم ارتداد میں تردد ہے اسلئے کہ اس زمانہ کے شیعہ اور قادیانی کا کفر اپنے باپ دادا سے چلا آ رہا ہے، اور یہ لوگ از خود اسلام سے منحرف نہیں ہوئے بلکہ آباء کے کفریہ عقیدہ پر قائم ہیں، اور اپنا ایک خاص مذہب مستقل سمجھتے ہیں، اسلئے ان پر کفر کا حکم لاگو ہوگا، اور ارتداد کا حکم قابل تردد ہے، اور کافر کا پیسہ مسجد میں لگانا جائز ہے، جیسا کہ مذکورہ دلائل اور عبارات فقہاء سے واضح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۶ھ

غیر مسلم کا چندہ مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی تعمیر کیلئے روڈ پر بینر لگا دیا ہے چندہ کیلئے اب اگر کوئی غیر مسلم روپیہ ڈال دے چندہ میں اور ہمیں معلوم نہیں ہے تو کیا غیر مسلم کا پیسہ مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں، اس روپیہ کو تعمیر مسجد میں

یاامام کے حجرہ میں یا دیوار وغیرہ مسجد کے کنارہ میں غیر مسلم کے روپیہ سے کرواسکتے ہیں، یانہیں؟ حجرہ مسجد سے خارج ہونے کی صورت میں کیا مسئلہ ہے، اور مسجد سے متصل ہوتو اس کی صورت میں کیا مسئلہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معلوم اور غیر معلوم دونوں طرح کے غیر مسلم کا چندہ مسجد میں لگانا شرعاً جائز اور درست ہے، بشرطیکہ غیر مسلم اس احسان کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی مذہبی تقریب میں شرکت پر مجبور نہ کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۶۴)

کما فی البدائع : أو بعمارة المسجد الأقصیٰ ونحو ذلک جاز فی قولهم جمیعاً لأن هذا مما یتقرب به المسلمون وأهل الذمة الخ. (بدائع، کتاب الوصایا، فصل فی شرائط رکن الوصیة کراچی ۷/ ۳٤۱، زکریا ٦/ ٤۳۹)

اور غیر مسلموں کو اپنے کارِ خیر کا بدلہ دنیا میں مل جاتا ہے۔

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إن الله لا یظلم مؤمناً حسنة یعطی بها فی الدنیا ویجزی بها فی الآخرة وأما الکافر فیطعم بحسنات ماعمل بهالله فی الدنیا، حتی إذا أفضی إلیٰ الآخرة لم تکن له حسنة یجزیٰ بها. (صحیح مسلم، کتاب صفة المنافقین وأحکامهم، باب جزاء المؤمن بحسناته فی الدنیا والآخرة الخ، النسخة الهندیة ۲/ ۳۷٤، بیت الافکار رقم ۲۸۰۸/) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۲۲)	۱/ ۷/ ۱۴۱۲ھ

ہندؤں کا پیسہ مسجد میں لگانا

سوال: [۸۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

ہندؤں کا پیسہ مسجد میں یا عیدگاہ میں لگانا جائز ہے یانہیں؟ ہلدور کی جامع مسجد میں ایک ہندو نے اپنے جنریٹر کا کنکشن دے رکھا ہے، اس کی روشنی میں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے، اور ہندو کوئی پیسہ نہیں لیتا ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسماعیل، ہلدور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہندو ثواب یا عبادت سمجھ کر اپنا پیسہ مسجد یا عیدگاہ میں دینا چاہیں، اور کوئی دوسرا مانع مثلاً شرکت کا دعویٰ کرنیکا یا مسلمانوں پر احسان جتانے کا یا کسی بھی قسم کے فتنہ وفساد کا اندیشہ نہیں ہے تو اس صورت میں ان کا روپیہ مسجد اور عیدگاہ میں لگانا اور ان کے جنریٹر کی روشنی میں مغرب کی نماز ادا کرنا شرعاً جائز اور درست ہے، اور نماز میں اس سے کوئی خرابی نہیں آتی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۴۷۰، ۱۰/۱۸۸، جدید ڈابھیل ۱۵/۱۴۲، ۱۳۸)

ولو أوصیٰ (ذمی) بثلث ماله بأن یحج عنه قوم من المسلمین أو یبنیٰ به مسجداً للمسلمین إن کان ذلک لقوم بأعیانهم صحت الوصیة وتعتبر تملیکاً لهم وکانوا بالخیار إن شاء وُحجوا به وبنوا المسجد وإن شاء وُلا. (عالمگیری، کتاب الوصایا، الباب الثامن قبیل مسائل شتیٰ، زکریا قدیم ٦/١٣٢، جدید ٦/١٥٢)

وإن قال الذمی: جعلت غلة هذه الصدقة فی سراج بیت المقدس ودهنه فهو جائز. (تاتارخانیة، زکریا ٨/٢٠١، رقم: ١١٦٣٦، بدائع الصنائع ٦/٤٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۷/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۷۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۲۳ھ

غیر مسلم کا چندہ مسجد میں لگانے کا حکم

سوال: [۸۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں غیر مسلم کا چندہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ آپ کے یہاں سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس کو مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہٗ نے شائع فرمایا ہے، اس میں امداد الفتاویٰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسجد میں غیر مسلم کا چندہ لگانا بلا کراہت جائز ہے۔ (ایضاح المسائل/ ۱۳۶) اس پر کچھ لوگوں نے شور مچا رکھا ہے قرآن وحدیث کے حوالے سے وضاحت مطلوب ہے؟

المستفتي: غلام قادر، مہتمم جامعہ ضیاء العلوم جامعۃ الطیبات، پونچھ جموں وکشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غیر مسلم کا چندہ ایسی صورت میں مسجد میں لگانا بلا کراہت اور بلا تردد جائز اور درست ہے، جبکہ اس کو عبادت اور کار خیر سمجھ کر دیتے ہوں، اور اس میں یہ خطرہ بھی نہ ہو کہ کل کو مسلمانوں پر احسان جتلائیں یا اپنے دھرم کے امور میں چندہ دینے پر مسلمانوں کو مجبور کریں، اور ایضاح المسائل میں امداد الفتاویٰ کے حوالہ سے جو مسئلہ لکھا ہے وہ صحیح اور درست ہے، اور شرعی مسئلہ پر کسی کو بلا تحقیق شور مچانے کا حق نہیں ہے، اور حضرات فقہاء نے کتب فقہ میں جو مسائل لکھے ہیں، وہ سب قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھے ہیں۔

أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس الخ. (شامی، کتاب الوقف، مطلب من يثبت الوقف بالضرورة، کراچی ۴/ ۳۴۱، زکریا ۶/ ۵۲۴)

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم. (البحر الرائق، کوئٹہ ۵/ ۱۸۹، زکریا ۵/ ۳۱۶، ہندیہ، زکریا قدیم

۳۵۲/۲، جدید ۳۴۷/۲)

حدیث پاک میں کثیر تعداد کی روایات ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے تعمیر کردہ کعبہ کو اسی حالت میں باقی رکھا اس کو توڑ کر دوبارہ تعمیر نہیں فرمایا۔ (ابو داؤد، کتاب المناسك، باب الصلوٰة من الكعبة، النسخة الهندية ۲۷۷/۱، بخاری شریف، کتاب المناسك، باب فضل مكة و بنيانها ۲۱۵/۱)

اوراس طرح کی کئی حدیثیں موجود ہیں کہ حضرت سید الکونین علیہ السلام نے کافر بادشاہوں کا تحفہ اور ہدیہ قبول فرمایا:

عن علی عن النبی ﷺ أن كسرىٰ أهدىٰ له فقبل وإن الملوك أهدوا إليه فقبل منهم . (ترمذی، ابواب السير، باب ماجاء فی قبول هدايا المشركين، النسخةالهندية، ۲۸۶/۱، دارالسلام، رقم: ....)

عن بريدة قال أهدى أمير القبط لرسول الله صلى الله عليه وسلم جاريتين أختين و بغلة فأما البغلة فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يركبها وأما إحدىٰ الجاريتين فتسر اها فولدت ابراهيم . الحديث : (المعجم الاوسط، دارالفكر ۳۶۳/۲، رقم: ۳۵۴۹)

اسی طرح شاہ مقوقش نے اسکندریہ سے آپ ﷺ کیلئے ہدیہ روانہ کیا آپ ﷺ نے قبول فرمایا۔ (المعجم الاوسط، دار الفكر ۲۷۳/۵، رقم: ۷۳۰۵)

اسی طرح روم کے شاہ نے آپ ﷺ کیلئے ہدیہ بھیجا اور آپ ﷺ نے قبول فرمایا: (المعجم الاوسط، دارالفكر ۳۶/۲، رقم: ۲۴۱۶)

اور غیر مسلم جو کار خیر میں خرچ کرتے ہیں، اسکا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے، آخرت میں ان کا حصہ نہیں ہے۔

عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله ﷺ إن الله لايظلم مؤمنا حسنة، يعطى بها فى الدنيا ويجزىٰ بها فى الآخرة، وأما الكافر فيطعم

بحسنات ماعمل بهالله فی الدنیا حتی إذا أفضیٰ إلیٰ الآخرة لم تکن لهٗ حسنة یجزیٰ بها، الحدیث: (مسلم شریف، کتاب صفة المنافقین وأحکامهم، باب جزاء المؤمن بحسناته فی الدنیا والآخرة، النسخة الهندیة ۳۷٤/۲ بیت الأفکار رقم: ۳۸۰۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۷۷/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۱۳ھ

غیر مسلم کی رقوم مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر کوئی غیر مسلم بغیر سوال کئے ہوئے کچھ رقم تعمیر مسجد کیلئے دے تو کیا اس رقم کو لینا چاہئے یا نہیں؟ (۲) اگر لے لیں تو پھر اس کو کس مصرف میں لایا جائے، مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد صدیق، دہلی گیٹ، محلّہ بڑوال، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) غیر مسلم اگر ثواب کی نیت سے تعمیر مسجد میں چندہ دے تو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ آئندہ مسلمانوں پر احسان نہ جتلائے یا اسکی خاطر مسلمانوں کو ان کے دھرم کے امور میں خرچ کرنا نہ پڑے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۶۶۴)

وفی البحر وأما الإسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذی بشرط کونه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، کوئٹہ ۱۸۹/۵، زکریا ۳۱۶/۵، هندیه زکریا قدیم ۳۵۲/۲، جدید ۳٤۷/۲، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۵٦۸/۲)

(۲) دینے والے نے جس مصرف کیلئے دیا ہے، اسی مصرف میں خرچ کرنا لازم ہے۔

شرط الواقف کنص الشارع. (شامی، کتاب الوقف، مطلب فی قولهم

شرط الواقف كنص الشارع ، كراچی ٤/٤٣٣، زكريا ٦/٧٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۶۰/۳۴)

مدارس ومساجد میں غیر مسلم کی رقم صرف کرنا

سوال: [۸۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مدارس ومساجد میں غیر مسلموں کی رقم چلتی ہے یا نہیں؟ اور اگر چلتی ہے تو کس قسم کی رقم؟ ایک حاجی صاحب خانہ کعبہ سے لوٹنے کے بعد کہہ رہے ہیں، کہ ہم نے مولانا مکی صاحبؒ سے مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ قطعاً نہیں چلتی ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد مدرسہ میں کافر کا چندہ لینے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ اپنے اعتقاد میں قربت وثواب سمجھتا ہو۔ (مستفاد: امداد المفتیین ۱/ ۵۹۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۸۷، ۲/ ۴۷۶، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۱۳۶، ۱۳۸)

وفي الشامية: حتى يصح من الكافر (إلىٰ قوله) بخلاف الوقف فإنه لا بد فيه من أن يكون في صورة القربة. (ردالمحتار مع الدر المختار ، كتاب الوقف، مطلب لو وقف على الاغنياء ، كراچی ٤/٣٣٩، زكريا ٦/٣٢١، محموديه قديم ١٠/١٨٨، جديد ڈابهيل ١٥/ ١٣٨)

لو وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم. (البحرالرائق، كوئٹه ٥/١٨٩، زكريا ٥/٣١٦)

اگر واقعی مکی صاحب نے اس کو ناجائز کہا ہے، تو یہ درست نہیں ہے، نیز وہ حنفی مسلک کے مفتی بھی نہیں ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ر محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۴۷۶/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱/۲۵ھ

ہیجڑوں یا کافروں کا روپیہ مسجد یا عیدگاہ میں لگانا

سوال: [۸۲٦۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ
(۱) ہیجڑوں کا دیا ہوا روپیہ کیا مسجد میں لگا سکتے ہیں اور ہندو کا روپیہ مسجد کی تعمیر وغیرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) ہجڑوں کا روپیہ کیا مسجد کے حجرے کی تعمیر میں جبکہ حجرہ مسجد سے باہر بنا ہوا ہے، لگا سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور ہندو کا روپیہ بھی اس حجرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) تملیک کر کے روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) فطرہ زکوٰۃ کا پیسہ مسجد میں یا حجرہ میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۵) ہیجڑوں کا روپیہ کیا عیدگاہ کی تعمیر میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: ڈاکٹر خلیل احمد، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ہیجڑے کا دیا ہوا روپیہ مسجد یا مسجد کے حجرہ میں لگانا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مسجد خدا کا گھر ہے، اور خدا پاکیزہ مال ہی قبول کرتا ہے۔

أما لو أنفق في ذلک مالا خبیثا ومالا سببه الخبیث والطیب فیکره لأن اللّٰه تعالیٰ لایقبل إلا الطیب. (شامی، الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ الخ، قبیل مطلب فی افضل المساجد، کراچی ۱/ ٦۵۸، زکریا ۲/ ٤۳۱)

البتہ ہندو کا چندہ مسجد میں لگانا جائز اور درست ہے، جبکہ وہ بنیت ثواب دیتا ہو۔
(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۵۵۳، جدید زکریا/ ۵۱۸، امداد الفتاویٰ ۲/۶۷۲)

نیز مسجد کے حجرہ وغیرہ میں بھی ہندو کا روپیہ خرچ کرنا جائز ہے۔

وأما الإسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط کونه قربة عندنا وعندهم. (البحر الرائق، کتاب الوقف، کوئٹہ ۵/ ۱۸۹، زکریا ۵/ ۳۱٦، هندیه،

زکریا قدیم ۲/۳۵۲، جدید۲/۳٤۷، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/٥٦٨)

(۳) زکوٰۃ وصدقات کا روپیہ مسجد اور اس کے کمروں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، ایسا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

لا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد . (درمختار ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱)

(۴) زکوٰۃ وصدقات کی رقم کو تملیک کرا کے مسجد اور اس کے حجروں کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے۔

وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد. (درمختار مع الشامی، کراچي۲/۲۷۱، زکریا ۳/۱۹۱)

(۵) ہیجڑوں کا روپیہ تعمیر عیدگاہ میں لگانا جائز نہیں۔

أما لو أنفق فی ذلک مالاً خبیثاً .... فیکره . (شامی، کراچي ۱/٦٥٨، زکریا ۲/٤۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۱۲/۲۵ھ

ہندوؤں کا مساجد ومدارس میں چندہ دینا

سوال: [۸۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری فیکٹری میں ہندو ومسلمان دونوں کام کرتے ہیں، اور آپس میں خوب میل ملاپ بھی رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے پروگرام میں حصہ لیتے ہیں، ہندو کا درگا پوجا یا اور کوئی پوجا ہوتی ہے، تو مسلمان سے بھی چندہ لیتے ہیں، اور مسلمان بھی مسجد ومدرسہ کے لئے چندہ لیتے ہیں، تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد صلاح الدین، نوہٹہ، سہرسا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اگر ہندو مساجد ومدارس میں ثواب اور نیک کام سمجھ کر امداد دیتا ہے، اور کبھی اسکا احسان جتانے کا احتمال بھی نہیں ہے، اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے مذہبی پروگرام میں شرکت پر مجبور کرنے کا اندیشہ بھی نہ ہو تو چندہ لے سکتے ہیں۔
(فتاویٰ محمودیہ ا/۴۷۰، امداد الفتاویٰ ۲/۶۹۱)

أن شرط وقف الذمي أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس الخ. (شامي، كتاب الوقف، مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، مطبوعه كوئٹه ۳/ ۳۹٤، كراچي ٤/ ۳٤۱، زكريا ٦/ ٥٢٤)

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمي بشرط كونه قربة عندنا وعندهم الخ. (البحرالرائق، كوئٹه ٥/١٨٩، زكريا ٥/ ٣١٦، منحة الخالق، كوئٹه ٥/ ١٨٩، زكريا ٥/ ٣١٦، هنديه ، زكريا قديم ٢/ ٣٥٢، جديد ٢/ ٣٤٧، مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٦٨)

لیکن سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں مسلمان بھی غیر مسلموں کے مذہبی پروگرام میں شرکت کیا کرتے ہیں، اسلئے صورت مذکورہ میں ہندوؤں کا چندہ لیکر مساجد ومدارس میں لگانا جائز نہیں ہوگا، نیز مسلمانوں پر لازم ہے کہ نہ اس طرح میل ملاپ رکھیں اور نہ ان کے پروگرام میں شرکت کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۸۸)

وللمسلمين أن يقبلوا من الكافر ...... إذا لم يكن في ذلك ضرر ديني ولا سياسي . (تفسير المراغي ٤/ ٧٤، بحواله محمودیه میرٹھ ٢٥/ ٤٨٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۴۰)

اہل ہنود کی رقم براہ راست مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر اہل ہنود کچھ رقم اپنی خوشی سے مسجد کی تعمیر میں دینا چاہیں، تو کیا وہ رقم لے سکتے ہیں، اور تعمیر مسجد یا دیگر مسجد کے مصارف میں خرچ کر سکتے ہیں۔

(۲) کسی کافر کی دی ہوئی رقم براہِ راست مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں، یا کوئی اور شکل ہے؟

المستفتي: غیاث الدین قاسمی، قصبہ اوجھاری، حسن پور، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱-۲) اگر اہل ہنود تعمیر مسجد کو کار خیر سمجھ کر رقم دیتے ہیں، اور اس میں ایسا کوئی مقصد یا اندیشہ نہیں ہے، کہ کل کو ہندوؤں کیلئے مسلمانوں سے رقم حاصل کریں تو اہل ہنود کی رقم براہ راست مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۶۴، ۲/ ۶۶۷)

أن شرط وقف الذمی أن یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علیٰ الفقراء أو علی مسجد القدس الخ تحت قول صاحب الدر وأن یکون قربة فی ذاته.

(شامی، کتاب الوقف، مطلب قد یثبت الوقف بالضرورة، کراچی ۴/ ۳۴۱، زکریا ۶/ ۵۲۴)

وأما الإسلام فلیس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط کونه قربة عندنا وعندهم. (البحر الرائق، کوئٹه ۵/ ۱۸۹، زکریا ۵/ ۳۱۶، هندیه، زکریا قدیم ۲/ ۳۵۲، جدید ۲/ ۳۴۷، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۶۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ا محرم ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱/۱ھ

غیر مسلم کی رقم سے مسجد کا تعمیری کام کرانا

سوال: [۸۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی تعمیر میں کسی غیر مسلم کے روپیہ لگائے جاسکتے ہیں؟ اور تعمیری کام کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں مدلل بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کا چندہ مسجد میں لگانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ کل کو مسلمانوں سے اپنی مذہبی چیزوں پر تعاون کا مطالبہ نہ کرے گا، اور وہ ایک کار خیر سمجھ کر مسجد کو چندہ دیتا ہو، تو ایسی صورت میں غیر مسلم کا چندہ مسجد میں لگانا درست ہے۔

وأما الإسلام فليس من شرطه فصح وقف الذمی بشرط كونه قربة عندنا وعندهم...... لو وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم. (البحر الرائق، كتاب الوقف، كوئٹه ٥/١٨٩، ١١٩٠، زكريا ٥/٣١٦)

لمافى البحر وغيره أن شرط وقف الذمی ان يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس. (شامی، الوقف، مطلب قدی يثبت الوقف بالضرورة، كراچی ٤/٣٤١، زكريا ٦/٥٣٤)

وأما الإسلام فليس بشرط .... وشرط صحة وقفه أن يكون قربة عندنا وعندهم .... بخلاف ماإذا وقف على مسجد بيت المقدس فإنه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٥٦٨)

ولأن درء المفاسد أولىٰ من جلب المصالح. (الأشباه والنظائر، زكريا /٢٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۰۹۸۴)

۲۶/ الفصل السادس والعشرون: مسجد میں وعظ وتقریر وغیرہ

مسلمانوں کی عزت اور جان ومال کیلئے مسجد میں جلسہ کرنا

سوال: [۸۴۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے، کئی شہروں میں مسلمانوں کا انتہائی سفاکانہ قتل عام ہوا، اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی درجہ میں جاری ہے مسلمان کی عبادت گاہ بابری مسجد (اجودھیا) میں بتوں کی پوجا پاٹ کی جارہی ہے، مختلف مقامات پر تقریری اورتحریری طریقوں سے اسلامی شریعت کونقصان پہنچایا جارہاہے، ایسی حالت میں زید اسکے رفقاء اور معززین شہر کامسجد میں جمع ہوکر مسلم پرسنل لاء اور اسکی اہمیت اور اسکے تحفظ کے سلسلے میں عوام کوآگاہ کرنا بابری مسجد کی زیادتی نیز مختلف شہروں میں مسلمانوں کے بے رحمانہ قتل عام کے سلسلے میں بنائے ہوئے اتحاد بین المسلمین کی دعوت دینا اور حکومت وقت سے پُرامن اجتماع کرنا کیسا عمل ہے، جبکہ اس سے زیادہ مناسب مقام کوئی اور نہ ہو کیونکہ عام مقامات پر ہر قسم کے اجتماع کی حکومت وقت نے پابندی لگادی ہو یہ ملحوظ رہے کہ زید دیندار مسلمان اور ایم ایل اے ہے۔

المستفتي: مرتضیٰ علی خان، محلّہ شتر خانہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسلمان کی جان مال عزت وآبرو عبادت گاہوں اور مسلم پرسنل لاء کی حفاظت کی غرض سے اجتماعی جلسہ مساجد میں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس میں کوئی بات آداب مسجد کے خلاف نہ ہو، مثلاً نعرہ لگانا، آواز بلند کرنا، شور وغل کرنا وغیرہ۔

المساجد يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة (إلىٰ قوله) ورفع الصوت والخصومة الخ. (غنية المستملى، فصل فى احكام

المسجد، رحیمیه دیوبند/٥٦٦، اشرفیه دیوبند/٦١٠، صغیری مطبع مجتبائی دهلی/٣٠١، شامی، کتاب الصلوٰة، باب ما یفسد الصلوٰة کراچی ١/٦٦٠، زکریا ٢/٤٣٣، ٤٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۱۰)

مسجد کے مائک سے بچوں کی اجتماعی دعا اور نعت خوانی کا حکم

سوال: [۸۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے مائک سے بچوں کی اجتماعی دعا مثلاً ''حمد وثناء ہو تیری کون ومکاں والے'' یہ دعا پڑھی جاتی ہے، اور وہ بچے مسجد میں پڑھتے ہیں، نیز اکثر وبیشتر بعد المغرب نعت خوانی ہوتی ہے، تو کیا یہ مسجد کے مائک سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتي: نثار احمد، رائپور سادات، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے مائک کو بلا اجرت استعمال کرنا مسجد کی حق تلفی ہے، بلا کرایہ اور بلا اجرت مسجد کے مائک کا استعمال محض نعت خوانی کیلئے جائز نہیں ہے، البتہ اجرت وکرایہ کیساتھ مسجد کے مفاد کے پیش نظر گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۲۰۸، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۵)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبنى من غلته منارة؟ قال في الخانية معزيا إلىٰ أبي بكر البلخي: إن كان ذلک من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به. (البحر الرائق، کتاب الوقف کوئٹه ٥/٢١٥، زکریا ٥/٣٦٠)

لو احتاج المسجد إلىٰ نفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه. (تقریرات رافعی مع الشامی، کراچی ٤/٨٠، زکریا ٦/ ٨٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲ / ۴۴۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۶ھ

مسجد کے مائک میں نعت وغیرہ پڑھنا

سوال: [۸۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجدوں میں جو مائک ہوتا ہے، وقف کی چیز ہوتی ہے، سحری کے وقت بنیت ایقاظ صائمین تلاوت قرآن ونعت خوانی لوگ ایک دو گھنٹہ تک کرتے رہتے ہیں، کیا مسجد کی اشیاء کو اس قدر بے دریغ خرچ کرنا لوگوں کے فائدے کیلئے جائز ہے؟ نیز کیا علاوہ ازیں ابن نجیم مصریؒ کی الاشباہ الخ میں بیان کردہ قاعدہ ''**الأمور بمقاصدها**'' کے تحت ذکر کردہ جزئیہ کے زمرہ میں یہ تلاوت قرآن کریم نہیں آئے گا، جبکہ اسوقت کی تلاوت صرف لوگوں کے بیدار کرنے کیلئے ہوتی ہے، بندہ نے عبارت شامیہ، اردو فتاوے اور الاشباہ الخ کو مدنظر رکھ کر عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے، عالیجناب کی رائے وفتویٰ اس بارے میں کیا ہے، نیز اسکے لئے دارالعلوم بھی استفتاء بھیجا گیا ہے، نیز لوگ کافی پریشان ہیں اس لئے جلد از جلد بھیجنے کی زحمت گوارہ فرمائیں؟ کرم ہوگا؟

المستفتي: عبدالغفار، پیرولیاوی
ڈاک، مقام مرولیا، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رمضان المبارک کی راتوں میں مائک وغیرہ کے ذریعہ سے وقفہ لیکر دو تین بار سحری کا اعلان کرنا جس سے لوگوں کو وقت کا علم ہو جائے جائز ہے، لیکن مسلسل تلاوت اور نعت خوانی چار وجہوں سے ناجائز ہے۔

(۱) مسجد کے مائک کو بلاضرورت استعمال کرنا۔

(۲) مائک لگا کر راتوں کو مسلسل نعت خوانی اور شور شغب کرنا اہل ہنود و اغیار کا شعار ہے، جو مندروں میں ہوا کرتا ہے۔

(۳) ہر سننے والا تلاوت قرآن کی سماعت کا اہتمام نہیں کرسکتا ہے، جس سے قرآن کی سخت ترین بے ادبی ہوتی ہے۔

(۴) سونے اور عبادت کرنے والوں کو خلل ہوتا ہے، جو ممنوع ہے۔

لأن تعظيم القرآن والفقه واجب الخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الكراهية، الباب الرابع زكرياقديم ٥/٣١٦، جديده ٥/٣٦٥)

ولا يقرأ جهراً عند المشتغلين بالأعمال ومن حرمة القرآن أن لايقرأ في الأسواق . (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الكراهية ، الباب الرابع زكريا قديم ٥/٣١٦، جديده ٥/٣٦٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شوال المکرّم ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۹۲)

کیا عورتوں کا اجتماع مسجد میں کرسکتے ہیں؟

سوال: [۸۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عورتوں کا اجتماع مسجد میں کرسکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ، مہراج گنجی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کے اندر عورتوں کا اجتماع کرنا خطرہ اور فتنہ سے خالی نہیں ہے، اسلئے کہ مسجد عام مردوں کی جگہ ہے، اس میں مردوں کی آمد و رفت کی پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے، اس وجہ سے عورتوں کا اجتماع کرنا احتیاط کے خلاف ہے، ہاں البتہ اگر ایسے وقت میں ایک آدھ گھنٹہ کیلئے اجتماع کرلیا جائے جس میں نہ شروع میں نماز کا وقت ہو

اورنہ آخر میں نماز کا وقت ہو، بلکہ دونوں جانب وقت نماز سے ایک آدھ گھنٹہ کا فاصلہ ہے، مثلاً صبح کو۹؍ بجے سے گیارہ بجے تک کے درمیان اجتماع سے فراغت ہو جاتی ہے، اور اس درمیان میں وہاں پر مردوں کی آمد ورفت پر سخت پابندی لگادی جائے، تو اتفاقی طور پر سال میں ایک آدھ مرتبہ اس طرح کا اجتماع مسجد میں کرلیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ عام عورتیں پاکی کی حالت میں ہوں، اور فتنہ کا کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔

لابأس بالجلوس فی المسجد للوعظ إذا أراد به وجه الله تعالیٰ .

(عالمگیری، کتاب الکراهية ، قبيل الباب الخامس فی آداب المسجد الخ ، زکریاقدیم ۳۱۹/۵، جدید ۳۶۸/۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۸۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۲۴ھ

مسجد میں نعت شریف پڑھنا

سوال: [۸۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مسجد میں نعت شریف حضور ﷺ کی شان میں پڑھتا ہو تو پڑھنا مسجد میں کیسا ہے؟ آپ حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عرفان، گرام باقی پور،
تحصیل: بلاری، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اچھی نعت مسجد میں اس قدر پڑھنا جائز ودرست ہے کہ اسکی وجہ سے نمازی اور دوسرے اذکار میں مشغول لوگوں کو خلل نہ ہو، حضور ﷺ نے مسجد میں برے اشعار پڑھنے سے منع فرمایا ہے، اور اچھی نعت کی اجازت دی ہے۔

أنه صلى الله عليه وسلم نهىٰ أن تنشد الأشعار في المسجد وأن تباع فيه السلع (إلىٰ قوله) أنه صلى الله عليه وسلم وضع لحسان منبراً ينشد عليه الشعر بحمل الأول علىٰ ما كانت قريش تهجوه به ونحوه مما فيه ضرر، أو على ما يغلب على المسجد حتى يكون أكثر من فيه متشاغلاً به (إلىٰ قوله) فما غلب عليه كره ومالا فلا الخ. (شامی، باب مايفسد الصلوٰة، ومايكره فيها، مطلب في انشاد الشعر، کراچی ۱/ ٦٦٠، زکریا ۲/ ٤٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۰۲)

۲۷/ الفصل السابع والعشر ون: مسجد میں مستحب اور مکروہ کاموں کا بیان

مینار اور کمان بنانے کا حکم

سوال: [۸۲۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے محلّہ کی مسجد بنوار ہا ہوں حسب ذیل سوالات ذہن میں آرہے ہیں، ان سوالات کے جوابات شرعی اصول کی روشنی میں ارسال فرما کر میری ذہنی الجھن کو دور کریں تو نوازش ہوگی۔

(۱) مینار اور کمان کی مسجد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) کیا مسجد کی تعمیر کیلئے جو چندہ لوگوں نے دیا ہے، مینار اور کمان کی تعمیر پر خرچ کر سکتے ہیں؟

(۳) اگر کوئی اپنا ذاتی پیسہ خرچ کرنا چاہے تو کتنی رقم میناروں اور کمانوں کی تعمیر پر خرچ کر سکتا ہے؟

(۴) مینار کی اونچائی اور خوبصورتی پر کتنا خرچ کیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ خرچ اسراف اور ابذار میں شامل ہوگا؟

المستفتي: حمید اللہ، نور منزل، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے مینار عام طور پر خارج مسجد ہوتے ہیں، اور مسجد کے نام سے جو لوگ پیسہ دیتے ہیں، وہ اس نیت سے دیتے ہیں کہ ہمارے پیسہ کے ذریعہ مسجد بنے گی جس میں ہمیشہ لوگ نماز پڑھیں گے، جس سے ہمارے لئے صدقۂ جاریہ ہوتا رہے گا، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ذمہ داران مسجد تعمیر مسجد کے نام سے جو چندہ کرتے ہیں، وہ سارا پیسہ حدود مسجد ہی میں لگائیں؟ اور مینار کیلئے الگ سے چندہ کریں، اور مینار اس لئے بنائے جاتے ہیں، تا کہ مسجد کی شناخت رہے تا کہ اجنبی مسافروں کو بھی پتہ چل سکے کہ یہ مسجد ہے اور اس کی کوئی مقدار بھی شریعت میں متعین نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص اپنی

جیب خاص سے مینار بنانا چاہے، تو اس کو اختیار ہے جس شان کا چاہے مینار بنالے شرعاً اس پر کوئی نکیر نہیں ہے، البتہ بعض فقہاء نے اتنی گنجائش لکھی ہے، کہ اگر مینار پر چڑھ کر اذان دی جاتی ہے، اور اس سے نمازیوں کو اذان کی آواز صاف سنائی دیتی ہے، تو مسجد کے پیسہ سے اس کے بنانے کی گنجائش ہے ورنہ نہیں، اور اس زمانہ میں مینار کے اوپر مائک کے لاؤڈ اسپیکر کا ہارن رکھا جاتا ہے، وہیں سے آواز لوگوں تک پہونچتی ہے، اس لئے مسجد کے پیسہ سے ان کو بنانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ولا بأس بنقشه خلا محرابه ...... بجص وماء ذهب لو بماله الحلال لامن مال الوقف فإنه حرام . (در مختار، باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیھا، کراچی ۱/۶۵۸، زکریا ۲/ ۴۳۰-۴۳۱)

الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلىٰ فلان فلا يملك الدفع إلىٰ غيره. (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/۲۶۹، زکریا ۳/ ۱۸۹)

ويجوز أن يبنىٰ منارة من غلة وقف المسجد إن احتاج إليها ليكون أسمع للجيران وإن كانوا يسمعون الأذان بدون المنارة فلا . (ھندیہ، الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، زکریا قدیم ۲/ ۴۶۲، جدید۲ /۴۱۳، البحرالرائق، کوئٹہ ۵/ ۲۱۵، زکریا ۵/ ۳۶۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۱۳ھ

مسجد کی تعمیر میں سنگ مرمر اور دیگر قیمتی پتھر لگانا

سوال: [۸۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

آ جکل مساجد میں سنگ مرمر اور دیگر نفیس اور قیمتی پتھر استعمال کئے جاتے ہیں، تو کیا یہ پتھر لگوانا تعمیر میں شمار ہوگا یا تزئین میں اس کا کیا حکم ہے؟ دار العلوم دیو بند کی مسجد جدید کو مد نظر رکھ کر جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: مفتی عتیق الرحمٰن، مدرسہ اسلامیہ، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: مساجد میں عمدہ اور نفیس پتھر لگانے کیلئے کوئی صاحب حیثیت شخص پیسہ دیتا ہے، تو اس کے لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور دار العلوم کی مسجد میں عمدہ ترین جو پتھر لگایا جا رہا ہے، وہ چندہ دہندگان کی مرضی سے لگایا جا رہا ہے، اور اس وقت تو تمام چندہ دہندگان کو اس کا علم ہے کہ مسجد کے نام سے اب جو چندہ کیا جا رہا ہے، وہ صرف پتھر لگانے کیلئے کیا جا رہا ہے، اس لئے اس طرح چندہ دہندگان کی مرضی سے مسجد کی تزئین جائز ہے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة غرض الوقفين واجبة، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰۶۴/۳۱)

صفوں میں رنگوں سے مصلّٰی نما شکل بنانا

سوال: [۸۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے مسجد کا فرش کرایا تو فرش میں ہم نے امام صاحب کے نماز پڑھانے کی جگہ پر رنگ بھروادیا مسجد کے اندر بھی اور باہر صحن میں بھی فرش پر رنگ سے مصلیٰ بنوادیا اب کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ شریعت کیخلاف ہے، اور اس طرح مصلیٰ بنے رہنے سے بے ادبی ہوتی ہے، جبکہ ہمارا کہنا ہے کہ ہم نے صفیں سیدھی کرنیکی وجہ سے یہ کام کیا ہے، اور اس طرح بنے رہنے سے کوئی

نقصان نہیں ہے، آپ شریعت کا حکم تحریر فرمائیں کیا اس کو بنا رہنے دیں یا ختم کرادیں؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتی: سعید احمد، دھینگر پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کے فرش پر جہاں امام کھڑا ہوتا ہے، وہاں پر مصلے کی شکل میں رنگ بھر دینا جس سے مصلے کا نشان نمایاں ہوجائے، بلاکراہت جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی بے ادبی نہیں ہے اور مصلیوں کا اس کے اوپر سے ہوکر چلنا بھی بے ادبی نہیں ہے، اسی طرح جس مسجد میں پوری مسجد مشرق سے مغرب تک مصلے بنادئے جاتے ہیں، اس میں بھی کسی قسم کی کراہت نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۳۳، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۴/۲۷، جدید زکریا ۶/ ۳۱)

ولا بأس بنقشه خلا محرابه فإنه يكره .... وقيل يكره في المحراب دون السقف والمؤخر وظاهره أن المراد بالمحراب جدار القبلة. (درمختار كتاب الصلوة، باب مايفسد الصلوة وما يكره فيها كراچی ۱/ ۶۵۸، زكريا ۲/ ۴۳۰، ۴۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱/۲۳ ۱۴ھ

پھول والے ٹائلس کو تصویر تصور کرنے کا حکم

سوال: [۸۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد جس کی تعمیر جدید کی گئی ہے، اس میں حسب دستور محراب میں خوشنماں ٹائلوں کو استعمال کیا گیا ہے، جن پر پھول بنے ہوئے ہیں، اور دور سے دیکھنے والا ان کو پھول ہی تصور کرتا ہے، لیکن بعض حضرات یہ شبہ پیش کررہے ہیں، کہ اگر یہ ٹائل ایک دوسرے سے جدا

کر کے دیکھے جائیں تو وہ پھول ہی ہیں، لیکن جب حسب قاعدہ ان چار ٹائلوں کو ملایا جائے، تو اگر چہ وہ پھر بھی پھول ہی محسوس ہوتے ہیں، لیکن اگر ان پر قریب سے اور غور کے ساتھ مع تصور نظر ڈالی جائے، تو وہ معبودان باطلہ میں سے کسی کی تصویر بھی محسوس ہونے لگتی ہے، اس صورتحال میں کیا ان ٹائلوں کو مسجد میں باقی رکھا جائے، یا نکالنا ضروری ہے؟

المستفتي: افتخار عالم، سہسپور، محلّہ نئی بستی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ ٹائلوں کو دیکھ لیا گیا ہے، ان میں ایسے پھول ہیں جن پر نظر پڑتے ہی تصویر یا مورتی جیسی محسوس نہیں ہوتے بلکہ بہت غور سے نظر جمانے کے بعد اس کا تصور ہوتا ہے، تو ایسی چیزوں پر تصویر کا حکم لاگو نہیں ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کی وجہ سے نماز میں کراہت آئیگی، اسلئے ان ٹائلوں کو نکالنا لازم نہیں ہے۔

ولوكانت الصورة صغيرة بحيث لاتبدو للناظر لايكره لأن الصغار جدا لا تعبد الخ. (هدايه، الصلوٰة باب مايفسد الصلوٰة، فصل فى المكروهات، اشرفى ديوبند ۱/۱۴۲)

أو كانت الصورة صغيرة جدا بحيث لا تبدو أى لاتظهر للناظر إذا كان قائما وهى على الأرض أى لاتتبين تفاصيل أعضائها فلا يكره. (حلبى كبير، فصل فى كراهية الصلوٰة، اشرفيه ديوبند/ ۳۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴ر ۶۰۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۲/۱۴۲۰ھ

مسجد کی دیواروں پر منقش ٹائلس لگانا

سوال: [۸۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونا ڈانگا کی مسجد کی اندرونی دیوار میں چاروں طرف فرش سے ۲ر فٹ اونچائی تک منقش شدہ ٹائل

یعنی پتھر لگا ہوا ہے، اور مشرقی جانب اور جنوبی جانب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے روضۂ مبارک کی عمارت کی تصویر ہے اور قبلہ کی جانب کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی کی تصویر شدہ پتھر ہے، جسمیں اللہ، محمد، یا علی یا فاطمہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا ہے، ان تمام چیزوں کو ایسی صورت میں رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد شفیق، متولی مسجد سوناڈانگا، بردوان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کی دیواروں پر خصوصاً قبلہ کی دیوار پر نقش ونگار کرنا نیز دیواروں کے کسی حصہ پر آیات واحادیث یا ان کا ترجمہ لکھنا یا اللہ یا محمد یا علی یا فاطمہ اسی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا مکروہ ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۳/ ۱۴۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۸۵)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار کو روضۂ مبارک کہنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ روضۂ مبارک کا لفظ صرف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کیلئے بولا جاتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اطہر کے علاوہ باقی دوسرے کسی بھی بزرگ کے مزار کو روضۂ مبارک کہنا سردار دو عالم ﷺ کی شان میں گستاخی ہے، اسلئے روضۂ مبارک کا لفظ نہ بولا جائے۔

ویکره التکلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فی جدار القبلة وفی الشامیة: کره بعض مشایخنا النقش علی المحراب وحائط القبلة لأنه یشغل قلب المصلی. (درمختار مع الشامی، باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکره فیها مطلب کلمة لا بأس دلیل علی المستحب غیره، زکریا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸، نووی شرح مسلم، کتاب المساجد، باب کراهیة الصلوٰۃ، فی ثوب له اعلام ۱/ ۲۰۸، الفقه علی المذاهب الأربعة، دارالفکر بیروت ۱/ ۲۸۷)

ولیس بمستحسن کتابة القرآن علی المحاریب والجدران لما یخاف من سقوط الکتابة وأن توطأ. (عالمگیری، الباب السابع فیما یفسد الصلوٰۃ، الفصل الثانی فیما یکره فی الصلوٰۃ، وما لا یکره، زکریا قدیم ۱/ ۱۰۹، جدید ۱/ ۱۶۸)

مسجد کی عمارت مضبوط اور نفیس ہو مگر اس کے ساتھ سادگی کا خاص خیال رکھنا بھی ضروری ہے، پھول بیل بوٹے گل کاری نقش ونگار کی بھر مار دیوار میں کرنا ممنوع ہے، مسجد کی سادگی کے بارے میں حدیث ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أمرت بتشييد المساجد قال ابن عباس لتزخر فنها كما زخرفت اليهود والنصارىٰ. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلوٰة، باب في بناء المساجد، النسخة الهندية ١/ ٦٥، دارالسلام رقم/ ٤٤٨، مشكوٰة شريف ١/ ٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر رجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۷/ ۱۴۱۶ھ

مسجد کی مختلف جگہوں پر پھول رکھنا یا اسکے درخت لگانا

سوال: [۸۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مسجد کے اندر ممبر پر برائے زینت گل دان مع پھولوں کے رکھنا کیسا ہے؟ اسکی تفصیل اس طرح ہے کہ اس شہر کی ایک مسجد میں گذشتہ دو ماہ سے یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ مسجد کے ممبر پر ایک بڑا گلدان مع پھولوں کے محض زینت کی غرض سے رکھا ہے، جمعہ کے دن نماز جمعہ کا خطبہ پڑھنے کیلئے جب امام صاحب ممبر پر تشریف لیجاتے ہیں، تو وہ گلدان ممبر سے ہٹا لیا جاتا ہے، اور پھر بعد نماز جمعہ گلدان دوبارہ ممبر پر رکھ دیا جاتا ہے؟

(۲) مسجد کے باہر میدان میں باغیچہ بنانا کیسا ہے؟ باغیچہ بنانے کیلئے عوام سے مسجد کی تعمیر کے نام پر وصول کیا گیا روپیہ پیسہ صرف کرنا کیسا ہے؟ جبکہ مسجد کے باہر کا میدان واضح طور پر مسجد کے اختیار میں نہیں ہے، مسجد کے باہر کے میدان کو تفریح گاہ بنانا کیسا ہے؟

(۳) مسجد کے صحن میں داخلی دروازہ کے اندر پھولوں کی کنڈیاں جن میں کھاد ڈالی جاتی ہے، وہ رکھنا کیسا ہے؟

(۴) مسجد کے باہر کے میدان میں جہاں جنازہ کی نماز پڑھائی جاتی ہے، وہاں گھاس اگانے کیلئے کھاد وغیرہ ڈال کر گھاس اگائی گئی ہے، گھاس کو زندہ رکھنے کیلئے پانی ڈالا جاتا ہے، اس گیلی (تر) گھاس پر جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۵) مسجد کے بیرونی حصوں میں مثلاً مسجد کے میناروں پر گنبد پر اور مسجد کے سامنے باہر میدان میں روزانہ بے تحاشا روشنی کرنا کیسا ہے؟

(۶) ایک شخص سرکاری ادارہ لائف انشورنش کارپوریشن(Laif Inshorainsh cor Poershan) میں ملازم ہے، کیا ایسا شخص کسی مسجد کی انتظامیہ کمیٹی کی تعلیمی دینی ادارہ کے کسی معزز عہدہ پر فائز رہ سکتا ہے، کیا ایسا شخص امامت کا فریضہ انجام دے سکتا ہے؟

(۷) عوام سے مسجد کی تعمیر کے نام پر وصول کیا گیا چندہ کسی دوسرے کام پر صرف کرنا کیسا ہے؟ جبکہ مسجد کا بہت سا تعمیری کام باقی ہے، ان باقی کاموں میں مسجد کے پانچ عدد دروازوں کا کام اور صحن میں فرش لگانا ہے؟

المستفتي: احمد فیروز، اقبال معرفت شمس،
ناولٹر پرانی عارف ہوٹل کے پیچھے محمد علی روڈ،
مومن پورہ، ناگپور، صوبہ: مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ممبر پر زینت کیلئے پھولوں کا گلدان وغیرہ رکھنا مکروہ ہے، اسلئے کہ نماز میں خیال دوسری طرف متوجہ ہوجاتا ہے، اور خشوع باقی نہیں رہتا، حالانکہ نماز میں خشوع مستحب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/۱۷۲، جدید زکریا ۹/۷۹، کفایت المفتی قدیم ۹/۲۳۱، جدید زکریا مطول ۱۰/۳۸۵)

ویکره التکلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً فی جدار القبلة (وفی الشامیة) کأخشاب ثمینة وبیاض بنحو سبیداج قوله وظاهره الخ أي ظاهر التعلیل بأنه یلهی. (درمختار مع الشامی، الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ، مطلب

کلمة لا بأس دلیل علیٰ المستحب غیرہ زکریا ۲/ ۴۳۱، کراچی ۱/ ۶۵۸)

(۲) جو چندہ مسجد کی تعمیر کے نام سے وصول کیا گیا ہو، اس کو تعمیر کے کام میں ہی لگایا جائے، اس سے مسجد کے باہری صحن میں پھلواری لگانا جائز نہیں، اگر پھلواری وغیرہ لگائے گا تو اسکا ضمان لازم ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۶۳، جدید ڈابھیل ۲۳/ ۲۱۴)

وإذا كان على عمارة المسجد لايشترى منه الزيت والحصير ولا يصرف منه للزينة والشرفات ويضمن إن فعل . (فتح القدير ، كتاب الوقف، الفصل الاول فی المتولی ، دارالفکر بیروت ٦/ ٢٤١، زکریا ٦/ ٢٢٣، کوئٹه ٥/ ٤٥٠)

(۳) دیسی کھاد ناپاک ہوتی ہے، اس کو حدودِ مسجد میں رکھنا جائز نہیں ہے، نیز مسجد کے پیسے سے صحن مسجد میں پھولوں کی کنڈیاں رکھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۱۵۹، جدید زکریا ۹/ ۱۳۴)

أما المتولى يفعل من مال الوقف مايرجع إلىٰ إحكام البناء دون ما يرجع إلىٰ النقش حتى لو فعل يضمن . (عالمگیری، الباب السابع ، فی مایفسد الصلوٰة ، الفصل الثانی زکریا قدیم ١/ ١٠٩، جدید ١/ ١٦٨)

(۴) جب تک دیسی کھاد کے اثرات باقی رہیں گے، اس پر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے، جب اس کے اثرات ختم ہوجائیں گے، یا وہ گھاس اتنی لمبی یا گھنی ہوجائے کہ وہ کھاد گھاس کے اندر چھپ جائے، تو اس پر نماز پڑھنا درست ہے، کیونکہ قدم کی جگہ کا پاک ہونا شرط ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۳/ ۴۴۰)

ثم الشرط (إلىٰ قوله) ومكانه أى موضع قدميه أو إحداهما إن رفع الأخرىٰ. (درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰة باب شروط الصلوٰة کراچی ١/ ٤٠٢، زکریا ٢/ ٧٣تا ٧٥)

(۵) مسجد کے میناروں وگنبدوں پر ضرورت سے زائد روشنی کرنا جائز نہیں ہے، اس میں فضول خرچی ہے، قرآن پاک میں اس کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَلا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا، إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ . (بنی اسرائیل : ۲٦)

بے جا خرچ نہ کرو بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، دوسری جگہ ارشاد ہے: ''**اِنَّهُ لا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ**'' اللہ تعالیٰ ضرورت سے زائد خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، لھذا ان شنیع افعال سے بچنا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۲/ ۱۶۰، جدید زکریا ۹/ ۷۰، فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۵۴۷، جدید زکریا/ ۵۱۹)

(٦) ایسے شخص کو مسجد و مدرسہ کا ذمہ دار نہیں بنانا چاہئے اور نہ ہی ایسے شخص کو امام بنانا چاہئے، بلکہ کسی متبع شریعت کو امام بنایا جائے، البتہ اگر وہ توبہ کرلے تو اسکو مسجد کا ذمہ دار بنایا جا سکتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲۸۳، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۳۴۷، فتاویٰ دار العلوم ۳/ ۱۳۴)

(۷) وصول شدہ کو مسجد کے تعمیری کام میں ہی خرچ کرنا واجب ہے، ورنہ متولی اس کا ضامن ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲/ ۲٦۳، جدید ڈابھیل ۲۳/ ۲۱۴)

وإذا كان على عمارة المسجد لا يشترى منه الزيت والحصير ولا يصرف منه للزينة والشرفات ويضمن إن فعل . (فتح القدير ، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٤١، كوئٹه ٥/ ٤٥٠، زكريا ٦/ ٢٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱٦/٦/۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱٦/٦/۲٦ھ

مسجد کی زمین میں پھولوں کے درخت لگانا اور گملے رکھنا کیسا ہے؟

سوال: [۸۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مسجد میں کسی صاحب نے گملے کے اندر آم کا یا انار کا یا کھجور کا یا اس کے علاوہ کوئی ایسا درخت لگایا جو مسجد کیلئے موضوع نہیں ہے، تو کیا اس کو فروخت کر کے یا اسکے بدلے میں کوئی اور درخت پھول وغیرہ لگادے جو مسجد کیلئے موضوع ہو تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی

میں جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتي: محمد نذیرالدین، امام مسجد محلّہ کٹھیرہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں ایسا درخت لگانا جس سے سایہ یا زمین خام ہوتو خشکی اور صلابت وغیرہ منافع مسجد مقصود ہوتو جائز ہے، اور گملے میں لگائے ہوئے درخت اور پھول اور زینت کے درختوں میں مسجد کا کوئی نفع ثابت نہیں ہوتا ہے، اس لئے نہ پھول کا درخت لگانا درست ہے اور نہ ہی گملے رکھنا۔

وإن غرس في المسجد فإن قصد الظل لا يكره وإن قصد منفعة أخرىٰ يكره. (الاشباه قديم /٥٦)

غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذا نزٍ والأسطوانات لاتستقر بدونها وبدون هذا لا يجوز الخ. (شامی، کتاب الصلوٰة، مطلب فی الغرس فی المسجد زکریا ٢/٤٣٥، کراچی ١/٦٦١، کوئٹہ ١/٤٨٩)

ويكره غرس الأشجار في المسجد، لأنه يشبه البيعة، إلا أن يكون به نفع للمسجد كأن يكون ذا نز أو اسطوانية لا تستقر فيغرس ليجذب عروق الأشجار ذلك النز، فحينئذ يجوز، وإلا فلا. (البحرالرائق، باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها فصل: كره استقبال القبلة زكريا ٢/٦٢، كوئٹہ ٢/٣٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۴۴)

حدودِ مسجد سے باہر پھولوں کے پیڑ پودے لگانا

سوال: [۸۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی زمین میں خوشبودار پھولوں کے پیڑ پودے لگانا جن پودوں کی وجہ سے نمازیوں کو نماز میں کوئی خلل

واقع نہیں ہوتا جو مسجد کی دیواروں سے لگے ہیں، پودے گملوں میں مسجد کے زینہ جنگلے پر لگا رکھے ہیں، ان پیڑ پودوں کولگانا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدود مسجد سے باہر مسجد کی ملکیت کی زمین میں خوشبودار پھولوں کے پیڑ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ حدود مسجد میں ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۴۷۰، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۲۲٦)

ولو غرس فی المسجد یکون للمسجد ، لأنه لا یغرس لنفسه فی المسجد. (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الوقف باب الرجل یجعل داره مسجداً ، جدید زکریا ۲۱۷/۳ ، وعلی هامش الهندیة ،زکریا ۳/ ۳۱۰، هندیه ، الباب الثانی عشر فی الرباطات والخانات والمقابر الخ، زکریا قدیم ۲/ ٤٧٤ ، جدید ۲ /٤١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۹۹/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۱۰/۱۴۱۷ھ

پرچار والے کیلنڈر مساجد میں آویزاں کرنا

سوال: [۸۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل جو کمپنی اور فیکٹری والے اور بڑی دوکانوں والے اور بڑے ڈاکٹر حضرات اپنی کمپنی فیکٹری دوکانوں کے پرچار کیلئے بھی اور کسی درجہ میں لوگوں کو تاریخ وغیرہ بھی معلوم ہوجائے، سالانہ کیلنڈر مساجد میں آویزاں کرتے ہیں کیا ان کا ایسا کرنا درست ہے، جبکہ ان کیلنڈروں میں تصاویر نہیں ہوتی ہیں، اگر درست نہیں ہے تو کیا مساجد سے ان کیلنڈروں کو ہٹانا درست ہے؟ جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث میں مسجد کے اندر دنیوی اعلانات کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور موجودہ دور میں اعلان وتشہیر کا ایک ذریعہ تجارتی کیلنڈر بھی ہیں، بریں بنا ایسے کیلنڈروں کا مساجد میں آویزاں کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

أبو هريرةؓ يقول قال رسول الله ﷺ من سمع رجلاً ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فإن المساجد لم تبن لهذا . (مسلم شريف ، كتاب المساجد ، باب النهي عن نشد الضالة في المسجد ، النسخة الهندية ۱/۲۱۰، بيت الأفكار رقم : ۵٦٨، سنن الترمذى ، ابواب البيوع ، باب النهى عن البيع فى المسجد ، النسخة الهندية ۱/۲٤٦، دارالسلام، رقم: ۱۳۲۱)

تجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة –إلىٰ– وعن حديث الدنيا وعن البيع والشراء وإنشاد الأشعار وإقامة الحدود وإنشاد الضالة الخ. (كبيرى ، فصل فى احكام المسجد ، رحيميه ديو بند/۵٦٦، اشرفيه ديو بند/ ٦١٠، مرقاة شرح مشكوٰة ، باب المساجد ومواضع الصلوٰة ، امداديه ملتان ۲/۱۹۹، اشرفى ديو بند ۱/٤٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۰/۴۰)

مسجد میں غیر جاندار کی تصویر لگانا

سوال: [۸۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بنام سندری جو کہ بغیر جاندار ہے، اس کی تصویر مسجد میں خوبصورتی کیلئے لگانا جائز ہے یا نہیں؟ مع حوالہ مدلل جواب تحریر فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: غیر جاندار کی تصویر بنانا اور رکھنا علی

الاطلاق جائز ہے۔

الحنفية قالوا تصوير غير الحيوان عن شجرة ونحوه جائز الخ. (الفقه على مذاهب الاربعة، كتاب الحظر و الإباحة، أحكام التصوير، دارالفكر بيروت ٢/١ ٤)

لیکن زیادہ خوبصورتی اورزینت کیلئے مسجد میں لگانا مکروہ ہے، جس سے نمازی کا ذہن منتشر ہوسکتا ہے۔

الأولىٰ أن تكون حيطان المسجد أبيض غير منقوش ولا مكتوب عليها ويكره ان تكون منقوشا بصور أو كتابة الخ. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فی أحكام المسجد، کوئٹه ٥/١ ٣٥، زكريا ٥/ ٤٢٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ ذیقعدہ ١٤٠٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢٦/٢٣)

مسجد میں میوزک والی گھڑیاں لگانا

سوال: [٨٢٨٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں ایسی گھڑیاں لگانا جس میں سنگیت بولتا ہے، تو اسے مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: نوشاد علی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میوزک اور باجے کی آواز شریعت میں پسند نہیں ہے، پھر یہ آواز مسجد کے اندر اور زیادہ بری ہے، اسلئے ایسی گھڑی مسجد میں نہ لگائی جائے، ہاں البتہ سادی آواز کے ساتھ ٹائم بتلانے والی گھڑی رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

استماع صوت الملاهی كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه الصلوٰة والسلام استماع الملاهی معصية والجلوس عليها فسق الخ.

(درمختار، کتاب الحظر والإباحة، کراچی ٦/٣٤٩، زکریا٩/٥٠٤، تاتارخانية زکریا١٨/١٨٩، رقم: ٢٨٤٦٦، الفتاویٰ البزازیه، کتاب الکراهية، الفصل الثالث فیما یتعلق بالمناهي جدید زکریا٣/٢٠٢، وعلی هامش الهندیة ،زکریا ٦/٣٥٩، مجمع الأنهر، دارالکتب العلمیة بیروت ٤/٢٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۵ھ

سنگیت اور میوزک والی گھڑی مساجد میں لگانا

سوال: [۸۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکبر پور کی جامع مسجد میں ایک گھنٹہ ہے، جو سنگیت پہلے بجاتا ہے، اس کے بعد گھنٹہ بجاتا ہے، تو کیا ایسا گھنٹہ مساجد میں لگانا درست ہے یا نہیں؟ اور یہ گھنٹہ مسجد میں اسلئے لگایا گیا تھا، کہ مسجد کے جو مؤذن ہیں وہ نابینا ہیں اس سے ٹائم کا پتہ چلتا رہتا ہے، جواب سے آگاہ فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سنگیت اور میوزک والی گھڑی جس میں باقاعدہ ساز ہوتا ہے، اس کا مسجد میں لگانا درست نہیں ہے، اور نابینا مؤذن کو وقت معلوم کرنے کیلئے بغیر سنگیت کے صرف گھنٹہ والی گھڑی کافی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۱۳۱، جدید زکریا ۹/۱۲۶، امداد الفتاویٰ ۲/۷۱۸)

استماع صوت الملاهي کضرب قصب ونحوه حرام لقوله علیه السلام استماع الملاهي معصیة الخ. (شامي، کتاب الحظر والإباحة، کراچی ٦/٣٤٩، زکریا ٩/٥٠٤، تاتارخانية ، زکریا ١٨/١٨٩، رقم: ٢٨٤٦٦، الفتاویٰ البزازیه ، کتاب الکراهية ، الفصل الثالث فیما یتعلق بالمناهي ، جدید زکریا ٣/٢٠٢، وعلیٰ هامش الهندیة ، زکریا٦/٣٥٩، مجمع الأنهر ، دارالکتب العلمیة بیروت٤/٢٢٣)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۶۸۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۹ھ

مسجد میں ٹوپیاں رکھنا اوران میں مصلیوں کا نماز پڑھنا

سوال: [۸۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مساجد میں تاڑ کے پتے کی یا پلاسٹک کی ٹوپیاں رکھی رہتی ہیں، مصلی حضرات خالی سر آتے ہیں، اوران ٹوپیوں کو پہن کر نماز پڑھتے ہیں، پھر اتار کر چل دیتے ہیں۔

(۱) کیا اس طرح ٹوپیوں کو مسجد میں رکھنا صحیح ہے، ان ٹوپیوں کو پہن کر نماز میں کوئی کراہت تو نہیں آئے گی، کہ ایسی ٹوپی کسی اچھی مجلس میں پہننے کو لوگ گوارہ نہیں کر سکتے؟

(۲) اگر ان ٹوپیوں کے بجائے اچھی خوبصورت ٹوپی مسجد میں رکھی جائیں تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ مفصل جواب سے نوازیں؟ کرم ہوگا؟

المستفتي: ماہتاب عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تاڑ کے پتے کی ٹوپیاں یا چٹائی اور پلاسٹک کی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، اسلئے کہ مسجد کے اندر نماز کیلئے ایسے لباس میں حاضر ہونا مکروہ ہے جس کو پہن کر معزز مجلسوں اور تقریبوں میں شریک ہونا پسند نہ کیا جاتا ہو اور یہ ٹوپی ایسی ہے جس کو پہن کر شادی بیاہ کے پروگراموں یا دیگر معزز مجلسوں میں اور تقریبات میں شرکت پسند نہیں کریں گے، اس لئے ایسی ٹوپی پہننا مکروہ ہے، اگر کپڑے کی اچھی ٹوپیاں رکھدی جائیں اوران کو پہن کر لوگ نماز پڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(مستفاد: ایضاح المسائل/۱۳۳،۱۳۴)

وكره صلاته في ثياب بذلة يلبسها في بيته (درمختار) قال

الشامی تحته: ولا یذهب به إلیٰ الأکابر، والظاهر أن الکراهة تنزیهیة.
(شامی، کتاب الصلوٰة، باب مایفسد الصلوٰة، مطلب فی الکراهیة، النسخة الهندیة، کراچی ۱/۶۳۸، زکریا ۲/۴۰۷)

وتکره الصلاة فی ثیاب البذلة کذافی معراج الدرایة. (هندیه، الباب السابع فیما یفسد الصلوٰة، الفصل الثانی فیمایکره فی الصلوٰة وما لایکره، زکریا قدیم ۱/۱۰۷، جدید ۱/۱۶۵، مجمع الأنهر قدیم ۱/۱۲٤، جدید، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۱۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۷۳)

مسجد میں صفوں کے آگے چپلوں کو ٹین کے ڈبہ میں رکھنا

سوال: [۸۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر مسجد میں پہلی صف کے آگے جوتے چپل رکھنے کیلئے ٹین کے ڈبے وغیرہ بنوادئے جائیں، جس میں نمازی اپنے چپل بغرض حفاظت رکھ لیں، تو کیا نماز میں کوئی قباحت یا کراہت آئے گی، شاہی مسجد میں بھی اس طرح جوتے چپل رکھنے کا نظم ہے، شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: لیاقت حسین، امام شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا جوتا چپل جس میں نجاست لگی ہوئی نہ ہو مسجد میں رکھنا بلا کراہت جائز ہے، اور ایسے جوتے چپل کو مسجد میں ٹین کے ڈبے میں رکھنا جائز ہے، چاہے ٹین کے ڈبے مسجد کی دیوار قبلی سے متصل رکھے ہوں یا دائیں بائیں یا نیچے کی جانب ہوں، ہر طرح سے جائز ہے پس نمازیوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ اگر اس کے

جوتے میں نجاست لگی ہوئی ہوتو اس کو مسجد میں داخل نہ کریں۔

وینبغی لداخله تعاهد نعله وخفه (درمختار) لكن إذا خشي تلويث فرش المسجد بها ينبغي عدمه . (شامی، کتاب الصلوٰۃ، باب مایفسد الصلوٰۃ، ومایکره فیها کراچی ۱/۶۵۷، زکریا۲/۴۲۹، البحرالرائق، فصل فی کره استقبال القبلة، زکریا ۲/۶۱، کوئٹه ۲/۳۴، کفایت المفتی قدیم ۳/۱۵۰، جدید زکریا مطول ۱۰/۳۶۲، امداد الاحکام ۲/۵۷، مسائل مساجد/۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۵۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۶/۹ھ

مسجد وقبرستان سے کتنی دوری پر بیت الخلاء تعمیر کریں؟

سوال: [۸۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد وقبرستان سے کتنی دوری پر بیت الخلاء بنانا جائز ہے؟

المستفتي: عبدالصمد، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اتنی دوری پر بیت الخلاء بنانا جائز ہے جہاں سے مسجد اور قبرستان میں بدبو نہ آتی ہو، اور آجکل جو فلش وغیرہ کے بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں، جب پانی بہا دیا جائے تو ان سے قریب میں بھی بدبو نہیں آتی ہے، لہٰذا آپ فلش کا بیت الخلاء قریب میں بھی بنایا جاسکتا ہے، اور کچا بیت الخلاء اتنی دور بنانا چاہئے جہاں سے بدبو نہ آسکتی ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/۱۹۲، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۵۴۶)

يكره........ بول وغائط في ماء ولوجاريا ...... وبجنب مسجد ومصلى عيد. (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الطهارة، فصل في الاستنجاء، كراچى ١/٣٤٢، ٣٤٣، زكريا ٢/٥٥٥، ٥٥٦، البحرالرائق، باب الأنجاس، زكريا

۱/ ۴۲۲، کوئٹه ۱/ ۲۴۳)

ويحرم فيه السؤال ويكره الإعطاء ...... وأكل نحو ثوم ويمنع منه وتحته أي كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة ...... قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت : علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ...... ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولا أو غيره . (شامی ، کتاب الصلوٰۃ مطلب فی الغرس فی المسجد ،کراچی ۱/ ٦٦١ ، زکریا ۲/ ۴۳٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ

مساجد میں نعرہ بازی کرنا

سوال: [۸۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مساجد کے اندر تقریروں کے موقع پر کیا نعرہ بازی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالباسط، مہاراشٹری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جلسہ اور تقریر وغیرہ کے موقع پر مسجد کے اندر نعرہ بازی کرنا احترام مسجد کے خلاف ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

والسادس أن لايرفع فيه الصوت من غير ذكر الله تعالىٰ . (هنديه ، كتاب الكراهية ، الباب الخامس فى آدابه المسجد زكريا قديم ٥/ ٣٢١، جديده ٥/ ٣٧٢)

ويكره في المسجد الإعطاء ورفع صوت بذكر . (شامی، الصلوٰة ، باب مايفسد الصلوٰة ، ومايكره فيها ، كراچی ١/ ٦٦٠، زكريا٢/ ٤٣٣)

هل يكره رفع الصوت بالذكر والدعاء قيل نعم وفي الشامية : وحمل مافي فتاوىٰ القاضي على الجهر المفرط. (شامی، كتاب الحظر والإباحة

، فصل في البيع ،کراچی ٦/ ٣٩٨، زکریا ٩/ ٥٧٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۲۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۱ھ

ٹیکس سے بچنے کیلئے مسجد کی آمدنی اصل سے کم بتانا

سوال: [۸۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک جامع مسجد ہے مسجد کے نام سے تقریباً ۶۰؍بیگہ زمین ہے، زمین کی آمدنی کو بجلی چٹائی لاؤڈ اسپیکر دیگر چیزوں میں خرچ کیا جاتا ہے، وہ مسجد چند سال پہلے وقف بورڈ سرکار کے حوالہ کردی گئی تھی سرکار پہلے زمین کا ٹیکس وغیرہ نہیں لیتی تھی، اب چند سال سے اس زمین کا خرچ اور ٹیکس وصول کرتی ہے، پوری زمین میں آج جتنی آمدنی ہوتی ہے اس کا ٹیکس جوڑ کر لیتی ہے، بجلی خرچ الگ لیتی ہے، کیا یہ صورت ہمارے لئے جائز ہے کہ ایک سال میں مثلاً ایک ہزار روپیہ کی آمدنی ہوئی، اور سرکار کو ہم حساب اس طرح دیں کہ اس سال ہماری آمدنی ۳۰۰/۲۵۰؍رہوئی ہے، تو اس روپیہ کو بچا کر مسجد کی ضروریات میں خرچ کریں اگر یہ صورت جائز ہے تو تفصیلا جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرؤف، متعلم دورۂ حدیث شریف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ کہا جاسکتا ہے کہ ڈھائی سو یا تین سو آمدنی ہوئی ہے، اور یہ نہ کہا جائے کہ کہ تین سو سے زائد آمدنی نہیں ہوتی ہے، تو دفع ظلم کیلئے اسطرح توریہ جائز ہے، بلکہ فقہاء جھوٹ کو بھی جائز کہتے ہیں۔

وقد اتفق الفقهاء على أنه لو جاء ظالم يطلب إنسانا مختفيا ليقتله أو يطلب وديعة لإنسان ليأخذ ها غصبا و يسأل عن ذلك واجب على من علم ذلك إخفائه وإنكار العلم به وهذا كذب جائز الخ. (شرح المسلم للنووي،

کتاب الفضائل ، باب من فضائل ابراهیم۲/ ۲٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۵۷)

نمازیوں کا دوسرے کی زمین سے مسجد میں آنا جانا

سوال: [۸۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے اس کے دو دروازے ہیں، ایک مین دروازہ ہے، جو بازار کی طرف واقع ہے، ادھر سے مسجد میں آنے پر کوئی ممانعت نہیں ہے، اور نہ کسی کو کوئی اعتراض ہے، اور جو دوسرا دروازہ ہے، وہ سائڈ سے تعمیر کے وقت کھولا گیا ہے، اس دروازہ سے مسجد میں آنے کیلئے ایک صاحب کی جگہ میں ہو کر گذرنا پڑتا ہے، اگر چہ وہ جگہ فی الحال یوں ہی خالی پڑی ہے، وہاں سے گذرنے میں کسی چیز کا کوئی نقصان نہیں ہے، لیکن صاحب جگہ کو ادھر سے آنے پر اور نکلنے کی صورت میں اعتراض ہے، جب مقتدی حضرات نماز کیلئے آتے ہیں، تو گالیاں دیتا ہے، اور لعن طعن کرتا ہے، اور کہتا ہے، کہ بازار میں ہو کر مسجد میں آؤ میری جگہ میں ہو کر آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن مین گیٹ سے آنے کی صورت میں راستہ بہت طویل ہو جاتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ چونکہ وہ کسی طرح سے بھی لوگوں کے نکلنے پر راضی نہیں ہے، اور نمازی حضرات برابر نکل رہے ہیں، اور نماز ادا کر رہے ہیں تو اس صورت میں ان نمازی حضرات کی نمازوں میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا، کراہیت یا عدم ثواب کس چیز کو ان کا فعل مستلزم ہے، وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: محمد صدیق، لالپور کلاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صاحب زمین کو اپنی زمین سے گذرنے سے منع کرنے کا حق ہے، اور اپنی زمین پر دروازہ کھولنے سے بھی منع کرنے کا حق ہے، اسلئے

نمازیوں کومسجد کے اصل مین دروازہ سے آنا چاہئے ،اورصاحب زمین کوگذرنے والوں کومنع کرنیکا توحق ہےمگر گالیاں دیناجائزنہیں ہے،گالیاں دیناگناہ کبیرہ ہے،اورمنع کرنے کے بعداس کی زمین سے نمازیوں کا زبردستی آناجاناجائزنہیں ہے،زبردستی آنے جانے کا گناہ ہوگا،مگرمسجدمیں جونمازپڑھی جائیگی وہ نمازبہرحال درست ہوگی۔

عن عبادة قال إن من قضاء رسول الله صلى الله عليه وسلم وطرفه هذا: لاضرر ولاضرار . (مسند الامام احمد بن حنبل ۵/۳۲۷، رقم: ۲۳۱۵۹)

عن عمر وبن يحيٰ المازني ، عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: لا ضرر ولا ضرار . (مؤطا امام مالك، كتاب القضاء، القضاء ف الرفق / ۳۱۱)

أن لرب الارض المنع من الدخول في أرضه . (الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۵/ ۱۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۸۵)

مسجد کے نیچے سے نجاست کا پائپ ڈالنا

سوال: [۸۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پہاڑی علاقہ میں ایک مسجد ہے، جس میں بیت الخلاء وغسل خانہ نہ ہونے کی وجہ سے نمازیوں مسافروں کو بہت پریشانی ہوتی ہے، مسجد کے حدود کے باہرکوئی مسجد کی زمین نہیں ہے، تاہم متولی صاحب نے مسجد کے باہر اپنی زمین میں بیت الخلاء وغیرہ بنوادیاہے، لیکن مسجد کے چاروں طرف متولی صاحب کامکان ہے، اورزمین ہے، اورکہیں ایساراستہ نہیں ہے، مجبوراً متولی صاحب نے چند معتبر علماء کے مشورہ سے وضواورغسل کا پانی اور بیت الخلاء کا پانی مسجد کے بیچ وبیچ پورب سے پچھّم فرش کوایک فٹ کھود کر پلاسٹک کے مضبوط پائپ کے ذریعہ منبر ومحراب کے درمیان سے مسجد سے تقریباً پندرہ فٹ دورسیورلائن میں ڈال دیاہے، پانی کے اوپرفرش کی دوتہیں بنادی گئی ہیں، جس سے مسجد میں کسی قسم کی نجاست وگندگی اور بدبوآنے کا

کوئی امکان نہیں ہے، اس بات کولیکر چندلوگوں میں چہ میگوئیاں ہورہی ہیں، اس کے بارے میں شرعی فیصلہ کیاہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: احقر معین الدین ڈوئی والا، دہرادون، اترانچل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مسجد پہلے سے مکمل ہے، توآسمان سے تحت الثریٰ تک پوری فضا مسجد میں شامل ہے، لہٰذا مسجد کے نیچے کی طرف سے اوراوپر کی طرف سے نجاستوں کا پائپ ڈالنا جائز نہیں ہے، اگر پائپ نکالنے کیلئے کوئی راستہ نہیں ہے ، تو متولی صاحب کے مکان یادوکان کے نیچے سے پائپ ڈالا جائے، مسجداور جماعت خانہ کے نیچے سے نجاست کاپائپ ڈالناجائز نہیں ہے، اسلئے مسجد کےفرش کے نیچے سے جو پائپ ڈالا گیاہے، اس کووہاں سے ختم کردیناضروری ہے۔(کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۰، جدیدزکریامطول ۱۰/ ۱۲۷)

الظاهر عدم الجواز ومايأتي متنالا يفيدالجوا ز لأن بيت الخلاء ليس من مصالحه. (تقريرات رافعي على الشامي، كتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة، زكريا۲/ ۸۵، كراچی ۱/ ۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۱/شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۱۷۴)

حدودمسجد میں نالی بنانا

سوال: [۸۲۹۵]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قدیم مسجد تھی، تنگ ہونے کی بناءپرجب اسکی توسیع کی گئی، تواس قدیم مسجد کوشہید کرکے توسیع شدہ مسجد کےصحن میں لےلیاگیا اب پہلی مسجد کے حدود میں جواس وقت توسیع شدہ مسجد کا صحن بنالیا گیااس میں نالی بنانا چاہتے ہیں، توکیا حدودمسجد میں نالی بنانا درست ہے یانہیں؟

المستفتي: عبدالوحید، مدرسہ کاشف العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :جب ایک دفعہ مسجد بن جاتی ہے، تو قیامت تک کیلئے وہ مسجد ہی رہتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں قدیم کو حدود مسجد اور جماعت خانہ کے دائرہ میں رکھنا واجب ہے اس کی حدود میں کہیں بھی نالی یا وضوخانہ وغیرہ بنانا جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ١٥/١٩٦، جدید ڈابھیل ١٤/٥٣٧)

عن عائشةؓ أن رسول اللّٰہ ﷺ أمر بالمسجد أن تبنیٰ فی الدور وأن تطهر وتطیب. (سنن ابن ماجه ، ابواب المساجد ، باب تطهير المساجد وتطييبها ، النسخة الهندية /٥٥، دارالسلام رقم: ٧٥٨)

أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع. (درمختار ، كتاب الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد ،كراچی ٤/٣٥٨، زكريا ٦/٥٤٨، الموسوعة الفقهيةالكويتية ٢٩٦/١٢، النهر الفائق، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٣٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١/٨/١٤١٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٤٥٥٥)

مسجد کی اراضی میں گاڑیاں کھڑی کرنا

سوال: [٨٢٩٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جامع مسجد پختہ سرائے جو تبلیغی جماعت کا مرکز بھی ہے، حدود مسجد سے متصل ایک آراضی ہے جو مسجد کی ملکیت میں ہے، جمعرات کو اس مسجد میں اجتماع بھی ہوتا ہے، تو اجتماع میں شرکت کرنے والے حضرات اس آراضی میں جو مسجد کی ملکیت میں ہے، جس میں نماز نہیں ہوتی ہے، اپنی سائیکل اور اسکوٹر وغیرہ کھڑی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد عثمان، پختہ سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: متولی اور ذمہ داران مسجد کی اجازت سے مذکورہ آراضی میں نمازیوں کا اسکوٹر، سائیکل اور گاڑی وغیرہ کھڑی کرنا شرعاً جائز ہوگا، کیونکہ یہ کام بھی مسجد کے مصالح میں سے ہے۔

قال تفعل ماترى من مصلحة المسجد الخ. (عالمگیری الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الثانی فی الوقف علی المسجد، زکریا قدیم ٢/ ٤٦١، جدید ٢/ ٤١٣)

يجوز لهم أن يبنوا خارج المسجد من المساكين ماكان مصالحة لأهل الاستحقاق الخ. (فتاویٰ ابن تیمیه ٣١/ ٢٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۰۴)

حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاجاً مسجد کو مقفل کرنا

سوال: [۸۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مسجد کے امام ومؤذن کیلئے یہ جائز ہے، کہ حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاج کرنے کی غرض سے شہر کی جامع مسجد کو مقفل کردے، اور عام مسلمانوں کو اسمیں جمعہ وجماعات کے قیام سے روک دے، کیا یہ فعل قرآن پاک کی آیت ”وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا“ کے تحت نہیں آتا ہے؟

المستفتي: طاہر حسین، محلّہ گدپواڑہ، دیوبند، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اسلامی شریعت میں مساجد کو آباد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کو مؤمن ہونے کی علامت بتلائی گئی ہے، چنانچہ قرآنی فیصلہ ہے۔ ”اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ“ الآیۃ اور آگے فرمایا گیا ہے، ”وَلَمْ

یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ'' (البراءۃ: ١٨) **یعنی مساجد کو آباد رکھنے میں مؤمن اللہ پاک کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے**، لہٰذا کسی محض جائز مطالبہ کو حکومت سے منوانے کیلئے اپنی مساجد کو غیرآباد بنا کر نمازیوں کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روک دینا کسی امام ومتولی یا اور کسی کیلئے ہرگز جائز نہیں ہے، چاہے مطالبہ اسکی وجہ سے پورا نہ ہو، امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں آیت بالا کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ:

أن المقصود الأعظم من بناء المساجد إقامة الصلوات الخ. (٩/١٦)

اور '' **إنما يعمر الخ**'' میں تعمیر مساجد سے مراد پنجوقتہ نمازوں میں مساجد میں حاضری دینا ہے۔

المراد من عمارة المسجد الحضور فيه الخ. (تفسیر کبیر ٩/١٦)

اور یہ بات شریعت اسلامی کے مقتضیٰ اورشعار کے مخالف ہے کہ مسلمان اپنی جانب سے مسجد کو مقفل کرکے اسے غیرآباد اور ویران بنانے میں بےضرر ہیں، مسلمانوں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے روکنے والے کو شریعت اسلامی میں ظالم وجابر بتلایا گیا ہے، جو سوالنامہ میں درج شدہ آیت کے تحت داخل ہے، اگرچہ آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق مفسرین نے نشاندھی کی ہے، لیکن ضابطہ شرعی ہے کہ '' **العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب**'' لہٰذا حکم تمام مساجد کو عام ہے، اور مساجد کو ویران کرنے کی سعی کا مطلب نمازی وعبادت گذار کو مسجد میں داخل ہونے سے روکنا ہے۔

السعي في تخريب المسجد قد يكون لو جهين أحدهما منع المصلين والمتعبدين والمتعهدين له من دخلوله فيكون ذلک تخريباً، والثاني بالهدم والتخريب الخ. (تفسیر کبیر ١١/٤، سورہ بقرہ: آیت /١١٤)

علامہ آلوسی روح المعانی میں رقم طراز ہیں: **وسعى في خرابها أي بتكريرها بالتعصبات وغلبة الهوىٰ ومنع أهلها بتهييج الفتن اللازمة لتجاذب قوى النفس ودواعي الشيطان والوهم الخ.** (روح المعاني، البقرة تجب تفسير الآية:

۱۱۴، زکریا دیو بند ۱/ ۵۷۴)

آج کل مسلمانوں کو ویسے ہی نماز روزہ اور مسجد سے لگاؤ کم ہے، اور بہت کم لوگ مساجد میں آکر باجماعت نماز پڑھتے ہیں، تو اس طرح مساجد کو مقفل کر دینے کے بعد کتنے لوگ نماز ہی غائب کر دیں گے، اور اس ملک میں ایسا اقدام کفار کی نظر میں اپنے ہی ہاتھوں اپنی مساجد اور نماز جیسی عظیم الشان بنیادی عبادت کو بے وقعت بنانیکا زبردست ذریعہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۹۰)

مسجد کی رقم سے خریدی گئی اینٹوں سے استنجاء کرنا

سوال: [۸۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ مسجد کیلئے اینٹ خرید کر رکھی گئی اور اس سے لوگ استنجاء کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ اینٹ مسجد کی رقم سے خریدی گئی ہے؟

المستفتي: احمد علی، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجد کی اینٹوں کو استنجاء کے ڈھیلے بنانا جائز نہیں ہے، البتہ گری پڑی اینٹوں کے ٹکڑے جنکی کوئی اہمیت نہیں ہے، ان سے ڈھیلا لینے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ تعمیر مسجد کی اشیاء کو بالقصد ناپاک کرنا کراہت سے خالی نہیں ہے، پھر بھی اگر کسی نے ڈھیلا لے لیا پھر وہ خشک ہو چکا تو وہ خشک ہونے کے بعد پاک بھی ہو جائیگا، اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ:

عن أبی قلابة قال: جفوف الأرض طهورها. (مصنف عبدالرزاق، قبیل کتاب الجمعة: المجلس العلمی بیروت ۳/ ۱۵۸)

وإن أصابت الأرض نجاسة فجفت بالشمس وذهب أثرها جازت الصلوٰة على مكانها. (هدايه، كتاب الطهارة، باب الأنجاس وتطهيرها، اشرفی دیو بند ۱/ ۷٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۰ھ

پرندوں کی بیٹ کی وجہ سے صحن مسجد کا درخت کاٹنا

سوال: [۸۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے صحن میں ایک درخت لگا ہوا ہے، اسپر پرندے بیٹھ کر مسجد کے فرش پر بیٹ کرتے ہیں، بیٹ کی وجہ سے فرش پر گندگی ہوتی ہے، اور کوڑا بھی ہوتا ہے، گندگی اور کوڑے کو دیکھ کر کچھ لوگوں کا خیال ہوا کہ اس درخت کو کٹوایا جائے، کچھ لوگ کہتے ہیں، کہ بزرگوں کی نشانی ہے، اس کو نہ کٹوایا جائے، شرعی حکم سے آگاہ کریں کہ گندگی دور کرنے کیلئے اسکو کٹوایا جائے یا بزرگوں کی نشانی کو باقی رکھا جائے، جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبد القدیر محلہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر پرندوں سے ماکول اللحم کبوتر گوریا وغیرہ پرندے مراد ہیں، تو ان کی بیٹ پلید نہیں ہے، مسجد ناپاک نہیں ہوگی۔

كما فى الدر المختار مع الشامى، خرء كل طيرٍ (إلىٰ قوله) فإن مأكولا فطاهرٌ وفى الشامية كحمام وعصفور الخ. (شامی، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، مبحث فی بول الفارة وبعرها الخ، کراچی ۱/ ۳۲۰، زکریا ۵۲۵، کوئٹه ۱/ ۲۱۳)

وذرق مايؤكل لحمه من الطير طاهر عندنا مثل الحمام والعصافير.

(هنديه، زكريا قديم ۱/ ٤٦، جديد/ ۱۰۱)

اور اگر غیر ماکول اللحم پرندہ مثلاً کوا چیل وغیرہ مراد ہیں، تو ان کی بیٹ شرعاً ناپاک ہے، درخت کو اس صورت میں کاٹ کر مسجد کو پاک وصاف رکھنا لازم ہے۔

كما في الدر المختار وإلا فَمخَفَّفٌ وفي الشامية أي وإلا يكن مأكولاً كالصقر والبازي والحدأة فهو نجس مخفف عنده مغلظ عندهما الخ.

(شامی، کوئٹہ ۱/۲۱۳، کراچی ۱/۳۲۰، زکریا ۱/۵۲۵)

اگر دونوں قسم کے پرندے ہیں، تو بھی درخت کاٹ دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۴۳)

مسجد میں اگلدان رکھنا اور اس میں تھوکنا

سوال: [۸۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امام ومصلیوں کو منہ میں تمباکو رکھ کر مسجد میں بیٹھنا اور محراب کے اندر رکھے ہوئے ڈبہ میں تھوکنا کیسا ہے؟ جواب دیں؟

المستفتي: نعمانی نیوڈیلکس واچ، سروس کوتی روڈ، کنٹگل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شدید ضرورت نہ ہو تو مسجد کے اندر اگلدان رکھنا اور اس میں تھوکنا جائز نہیں ہے!

حرمة المسجد (إلىٰ قوله) والثاني عشر أن لا يبزق فيه الخ.

(فتاویٰ عالمگیری، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد زكريا قديم ٥/٣٢١، جديد ٥/٣٧٢)

لأن تنزيه المسجد من القذر واجب. (حلبي كبير، فصل في أحكام

المسجد ، اشرفیه دیو بند/۲ ٦١٢)

نیز اگر تمبا کو کی بد بوظاہر ہو تو اسکو منہ میں رکھکر مسجد میں داخل ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۲/۱۴۲، جدید زکریا/ ۵۵۰)

قلت : فيفهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمىٰ بالتتن فتنبه ، وقد كرهه شيخنا العمادى فى هديته إلحاقا له بالثوم و البصل بالاولىٰ. (الدر مع الرد، كتاب الأشربة، كراچى ٦/٤٦٠، زكريا ١٠/٤٤، حاشية الطحطاوى على المراقى ، دارالكتاب ديو بند/٦٦٥)

نیز تمبا کو کو منہ میں لیکر تلاوت کرنا قرآن کریم کی بےادبی ہے، اسلئے مکروہ ہے۔

والظاهر كراهة تعاطيه حال القراء ة لما فيه من الإخلال بتعظيم كتاب الله تعالىٰ الخ. (شامى، قبيل كتاب العيد ، كراچى ٦/٤٦١، زكريا ١٠/٤٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۳۱۰)

مسجد کے دیوار پر پوسٹر لگانا

سوال: [۸۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجدوں کی دیوار پر تصویر والے پوسٹر وغیرہ چسپاں کرنا کیسا ہے؟ کوئی گناہ یا خلاف شرع غلط طریقہ تو نہیں ہے؟ تسلی بخش جواب دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: احقر محمد اسلم مسجد ملا قاسم، لال مسجد، روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسجدوں کی دیواروں پر جاندار کی تصویروں والے

پوسٹر چسپاں کرنا جائز نہیں ہے، البتہ غیر ذی روح کی تصویر والے پوسٹر ہوں جیسا کہ لال قلعہ کی تصویر تاج محل کی تصویر کسی مشہور پیڑ کی تصویر وغیرہ تو ایسے پوسٹروں کو بھی مسجد کی پچھلی دیواروں یا دائیں بائیں دیواروں پر چسپاں کرنا چاہئے۔

وأن یکون فوق رأسه أوبین یدیه أو بحذائه یمنة أویسرة أو محل سجوده تمثال أی مرسوم فی جدار أوغیره أوموضوع أومعلق . (شامی، زکریا ۲/۴۱۷، حلبی کبیر، فصل کراهیة الصلوٰة ، اشرفیه دیوبند/۳۵۹)

أو لغیر ذی روح لایکره لأنها لا تعبد. (درمختار مع الشامی، کتاب الصلوٰة ، باب مایفسد الصلوٰة وما یکره فیها، مطلب إذا تردد الحکم بین سنة و بدعة الخ۔ (کراچی ۱/۶٤۹، زکریا۲/٤۱۸)

وأما صورة غیر ذی الروح فلا خلاف فی عدم کراهة الصلوٰة علیها أو إلیها. (حلبی کبیر، فصل فی کراهیة الصلوٰة ، اشرفیه دیوبند/۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/۱۴۲۸ھ

مسجد کے دالان میں آئینہ نصب کرنا

سوال: [۸۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کے دالان میں دو ستون ہیں، اور دونوں ستونوں پر دو بڑے بڑے آئینہ نصب ہیں جن میں لوگ وضو کرنے کے بعد اپنے چہرے دیکھتے ہیں، اور کبھی نماز کے اوقات کے علاوہ کچھ لوگ وضو کر کے چہرہ دانت بھی دیکھتے ہیں اور کنگھا بھی کرتے ہیں، تو مسجد میں اس طرح کا آئینہ لگانا کیسا ہے؟ اور لوگوں کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتي: عبد الجبار، جامع مسجد، مین روڈ، ہندو پور، اننت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز کی روح خشوع وخضوع ہے، یہ روحانیت خدا کی طرف سے دلی توجہ ہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے، لہٰذا مسجد کے ستون میں آئینہ نصب کرنا جبکہ وہ نمازی کے سامنے ہو نماز میں خلل کا باعث ہوگا، لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے، اورلوگوں کا چہرے اور دانت دیکھنے کا عمل درست نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/۴۸۲، جدید ڈابھیل ۶/ ۶۷۷، رحیمیہ قدیم ۱۰/۲۳۴، جدید زکریا ۹/۷۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے دروازہ پر خوبصورت پردہ دیکھ کر فرمایا کہ ہٹادو کیونکہ اس کی تصویریں نماز میں میری توجہ کو مبذول کراتی ہیں۔

عن أنس قال: کان قرام لعائشةؓ سترت به جانب بیتها، فقال لها النبی صلی الله علیه وسلم أمیطی عنی فإنه لاتزال تصاویره تعرض لی فی صلاتی.

(صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب کراهیة الصلوٰة فی التصاویر ۲/۸۸۱، رقم: ۵۷۲۵، ف: ۵۹۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۵/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۶۲)

مسجد کی تعمیر کے درمیان اس میں چپل پہن کر چلنا

سوال: [۸۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کی دوبارہ تعمیر ہورہی ہے، تو تعمیر کی وجہ سے مسجد کے صحن میں سیمنٹ، بجر فٹ وغیرہ پڑے ہوئے ہیں، تو ایسی صورت میں پیروں کے گندے ہونے کے اندیشہ کی وجہ سے مسجد کے صحن میں چپل پہن کر چل سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چپلوں پر ناپاکی نہ لگی ہو تو مسئولہ صورت میں چپل

پہن کر مسجد کے صحن میں چلنا جائز ہے، بشرطیکہ اس جگہ پر نماز نہ ہوتی ہو۔ (مستفاد: کفایت المفتی زکریا ۳/۲۱۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۳۶۲،۳۶۳)

عن عصمة قال نظر رسول ا للہ ﷺ إلیٰ رجل يمشي في نعليه بين المقابر فقال يا صاحب السبتيه اخلع نعليک . (مجمع الزوائد، دارالکتب العلمية بيروت ۳/ ٦١)

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِیَ یَامُوسیٰ إِنِّیْ أَنَارَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ إِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوىٰ. (سوره طه: آیت/۱۲)

قلت لكن إذا خشي تلويث فرش المسجد بها ، ينبغي عدمه وإن كانت طاهرة وأما المسجد النبوی فقد كان مفروشا بالحصافی زمنه صلی الله عليه وسلم بخلافه فی زماننا ولعل ذلک محمل مافی عمدة المفتی من أن دخول المسجد متنعلا من سوء الأدب. (فتح الملهم ، باب جواز الصلوٰة فی النعلين، اشرفيه ديوبند ۲/ ١٤٧ ، شامی، باب مايفسد الصلوٰة ، مطلب فی أحكام المسجد كراچی ۱/ ٦٥٧، زكريا ۲/ ٤٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۳/۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۶۰/۴۰)

حدود مسجد میں مستری ومزدور کا حقہ بیڑی پینا

سوال: [۸۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدود مسجد میں راج اور مزدور حقہ بیڑی پیتے ہیں، منع کرنے پر یہ جواب دیتے ہیں، کہ کام کرنیوالوں کیلئے حقہ بیڑی پینا درست ہے، کیونکہ بیڑی یا حقہ مسجد کے باہر پینے کیلئے جائیں گے تو کام میں حرج ہوگا، تو کیا ان راج اور مزدوروں کے لئے حدود مسجد میں حقہ بیڑی پینا درست اور جائز ہے یا خلاف شرع امر ہے؟ جواب دیں۔

المستفتي: عبدالواحد، مدرسہ کاشف العلوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کی ترمیم کے وقت مزدوروں کا مسجد کے حدود میں بیڑی حقہ وغیرہ پینا ہرگز جائز نہیں ہے، جب تک حدود مسجد میں کام کیا جائے، اس وقت تک حقہ بیڑی بند کردینا لازم ہے۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۹۱)

قلت : فيفهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمىٰ بالتتن فتنبه ، وقد كرهه شيخنا العمادى فى هديته إلحاقا له بالثوم و البصل بالاولىٰ. (الدر المختار مع الشامى، كتاب الأشربة ،كراچی ٦/ ٤٦٠، زكريا ١٠/ ٤٤، حاشية الطحطاوى على المراقى ، دارالكتاب ديو بند/ ٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رشعبان ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۵۵)

منبر پر جاکٹ، کوٹ یا دودھ کا ڈبہ رکھنا

سوال: [۸۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ سردیوں میں جاکٹ، کوٹ، چادر وغیرہ اتار کر ممبر پر ہی رکھ دیتے ہیں، بعض لوگ فجر کی نماز کے وقت دودھ کا ڈبہ ساتھ لاتے ہیں، اور ممبر پر ہی رکھدیتے ہیں، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ممبر پر کوئی سامان یا کپڑا وغیرہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بیٹھ کر تقریر کرنے میں کوئی قباحت تو نہیں، سبھی جزئیوں کا جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، چوبان بانگر، نیوسیلیم پور، دہلی ۵۳

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر جاکٹ چادر کوٹ نیز دودھ کا ڈبہ وغیرہ ممبر پر

رکھنے کی وجہ سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہیں ہوتا تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر نمازیوں کا ذہن منتشر ہوتا ہے، تو قابل ترک ہے۔

بقی فی المکروهات أشیاء أخر.......... منها الصلاة بحضرة ما یشغل البال ویخل بالخشوع کزینة ولهو ولعب . (شامی ، باب مایفسد الصلوٰة ، مطلب فی بیان السنة والمستحب والمندوب والمکروه الخ ، کراچی ۱/ ٦٥٤ ، زکریا ۲/ ٤٢٥ ، البحرالرائق ، کوئٹه ۲/ ١٤ ، زکریا ۲/ ۲٥ ، نورالایضاح ، امدادیه دیوبند / ۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۶ھ

مسجد کے صحن میں چارپائی لگا کر بیٹھنا

سوال: [۸۳۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری مسجد میں جو صحن ہے اور اس کا وہ حصہ جو ذمہ داران مسجد کی طرف سے اجتماعی طور پر طے شدہ ہے کہ وہ حدود مسجد میں داخل ہے، اس حدود مسجد والے صحن میں کچھ احباب ایک پلنگ پر بغیر کسی شرعی عذر کے بیٹھتے بھی ہیں، اور آرام بھی کرتے ہیں، اکثر احباب کو شکایت ہے کہ ایسا عمل کرنا قطعی طور پر غلط ہے اور یہ مسجد کے آداب کے خلاف ہے جبکہ مسجد میں اسی صحن سے لگا ہوا دوسرا حصہ صحن کا حدود مسجد سے باہر ہے، اور اس میں جگہ بھی ہے، پھر بھی وہ لوگ مسجد کے حصہ میں ہی پلنگ بچھا کر بیٹھنے کا یا آرام کرنے کا عمل کرتے ہیں، باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ اس سے متعلق مسئلہ معلوم کیا جائے، تو گذارش ہے آپ اس سے متعلق جواب مرحمت فرمائیں کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد اسحاق، جے پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدود مسجد کے اندر ذکر واذکار کے علاوہ دنیاوی گفتگو کرنا اور چارپائی یا بغیر چارپائی مقامی لوگوں کا بیٹھ کر باتیں کرنا اور آرام کرنا سب ناجائز اور ممنوع ہے، اس سے احتراز لازم ہے، چارپائی وہاں سے فوراً نکال دینا چاہئے۔

بکراهة الحديث أى كلام الناس فى المسجد لكن قيده بأن يحبس لأجله والكلام المباح فيه مكروه يأكل الحسنات الخ. (البحرالرائق، کتاب الصلوٰة، باب مايفسد الصلوٰة، فصل فی کره استقبال القبلة کوئٹه ۲/۳۶، زکریا ۲/۶۳)

والكلام المباح وقيده فى الظهيرية بأن يجلس لأجله وتحته فإنه حينئذ لايباح بالاتفاق، لأن المسجد مابني لأمور الدنيا . (شامی، مطلب فی الغرس فی المسجد، کراچی ۱/۶۶۲، زکریا ۲/۴۳۶، هندیه زکریا قدیم ۵/۳۲۱، جدید ۵/۳۷۲) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۴۸/۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۵/۱۴۱۹ھ

بچوں کے پاجامہ کی تری سے کیا صف ناپاک ہوجاتی ہے؟

سوال: [۸۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں صف کو کوئی بچہ اپنے کپڑوں میں پاخانہ کرکے ناپاک کردیتا ہے، حالانکہ پاخانہ خشک نہیں ہے، صف گندگی کی وجہ سے سے گیلی ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے بدبو اور مکھیاں ہوتی ہیں، جبکہ امام صاحب مسجد کہتے ہیں، کہ کوئی بات نہیں طہارت کے پانی کی وجہ سے پاجامہ گیلا تھا، اس لئے صف ناپاک نہیں ہوئی، کہنے والے کو جھٹلاتے ہیں؟

المستفتي: سیدوارث علی، محلّہ قاضیخان، سہسپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال میں سائل اور امام کے درمیان

جومناقشہ پیش کیا گیا ہے،اس کے بارے میں کون صحیح ہے اورکون غلط ، فیصلہ کرنا مشکل ہے، اورسائل کی بات سمجھ سے بالاتر ہے، اس لئے کہ کوئی بھی مسلمان ایسانہیں کرسکتاہے، کہ بچہ نے مسجد میں پاخانہ کیاہو، اوراسی پاخانہ کے ساتھ اس کومسجد میں بٹھائے رکھے چہ جائیکہ امام ایسا کرے،ایسا کرناکسی مسلمان سے متوقع نہیں،اوراگر بچے حدودمسجد سے باہراستنجاء خانہ میں استنجاء وپیشاب کرکے مسجد میں آئے ہیں،اوراستنجاء کرنے کے بعداس کی تری بچوں کے پاجامہ یاکپڑوں میں لگی ہوئی ہوتو وہ ناپاک نہیں ہے ، جیسا کہ امام صاحب کےقول سے واضح ہوتاہے، پھربھی بہتر یہی ہے کہ چھوٹے بچوں کے مسجد میں بیٹھنے کیلئے الگ سےکوئی دری یاٹاٹ وغیرہ بچھادینا چاہیئے ، اور بچے اسی پر بیٹھ کر پڑھاکریں ، اور پڑھائی کے بعد اٹھاکر رکھ دیا جائے، اگر مذکورہ مسجد میں ایسا ہی کیا جارہاہے، اس کے باوجودمعترض اعتراض کررہاہے، تواس کا اعتراض غلط ہے،اورامام صاحب پرکوئی گناہ نہیں۔

قول الشارح وإلا فيكره أي حيث لم يبالوا بمراعاة حق المسجد من مسح نخامة أو تفل في المسجد ، وإلا فإذا كانوا مميزين ويعظمون المساجد بتعلم من وليهم فلا كراهة في دخولهم ١ه سندى. (تقريرات رافعي مع الشامي، كتاب الصلوٰة ، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها ، كراچی ۱/ ۸٦، زكريا ۲/ ۸٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۲/ ۶/ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/ ۹۰۲۷)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۲/ ۶/ ۱۴۲۷ھ

ناپاک کپڑا بیگ وغیرہ میں رکھ کر مسجد میں رکھنا

سوال: [۸۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اکثر میراتین دن کی جماعت میں جانے کا اتفاق ہوتاہے، اگراس دوران غسل کی حاجت ہوجاتی ہے،توفوراً غسل کرلیتاہوں،لیکن ناپاک کپڑےکودھونے میں پریشانی ہوتی ہے، کیااس

ناپاک کپڑے کو پلاسٹک کی تھیلی میں رکھ کر چمڑے کے کپڑے کے بیگ میں رکھ کر وہ بیگ مسجد میں رکھ سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتي: شبلی حبیب، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ فوراً غسل کر لیتے ہیں، تو اسی درمیان کپڑے میں جس جگہ ناپاکی لگی ہوئی ہے اسے بھی دھولیا کریں، اور دھونے کے لئے اگر آپ کے پاس صابن نہیں ہے، تو تین مرتبہ بغیر صابن کے دھولینے سے بھی کپڑا پاک ہو جاتا ہے، اور پورا کپڑا دھونا لازم نہیں ہے، صرف جس جگہ ناپاکی ہو یا ناپاکی کا شبہ ہو اسی حصہ کا دھونا کافی ہے اس کے بعد اس کپڑے میں کوئی شک نہیں رہتا۔

عن عائشةؓ قالت كنت أغسل الجنابة من ثوب النبي ﷺ، فيخرج إلىٰ الصلاة وإن بقع الماء في ثوبه. (بخاری شریف، كتاب الوضوء، باب غسل المني ومزكه الخ ۱/۳۶، حديث: ۲۲۹)

عن سليمان بن يسار قال: سئلت عائشة عن المني يصيب الثوب فقالت: كنت أغسله من ثوب رسول الله ﷺ فيخرج إلىٰ الصلاة وأثر الغسل في ثوبه، بقع الماء. (بخاری شریف ۱/۳۶، حديث ۲۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۷۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۳/۵ھ

مسجد کا ملبہ ناپاک جگہ میں استعمال کرنا

سوال: [۸۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد کا ملبہ لکھوری اینٹ مسجد کے کسی کام کی نہیں متولی مسجد نے اعلان کر دیا کہ جس کا جی چاہے، اٹھا لیجائے متولی کا منشا یہ بھی ہوگا کہ اسطرح بلا کسی اجرت کے جگہ کی صفائی ہو جائیگی، لوگوں نے وہ اینٹیں اپنے گھروں میں فرش میں غسل خانہ میں پائخانہ وغیرہ میں لگائیں تو کیا مسجد

کے ملبہ کو متولی کی اجازت اوراعلان سے مفت استعمال کرنا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کا ملبہ جو مسجد کے کسی کام میں نہ آسکے اس کو ناپاک جگہ میں اور جہاں بے ادبی ہوتی ہو ایسے کام میں استعمال کرنا درست نہیں ہے، نیز مسجد کا ملبہ اپنے گھر میں متولی کی اجازت سے بھی مفت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/۱۶۶، جدید زکریا ۹/ ۹۵، محمودیہ قدیم ۱/ ۵۰۴، جدید ڈابھیل ۱۴/ ۴۹۹)

ولا ترمى برأية القلم المستعمل لاحترامه كحشيش المسجد وكناسته لايلقى فى موضع يخل بالتعظيم . (الدر المختار مع الشامى، كتاب الطهارة ، قبيل باب المياه ، كراچى ١/ ١٧٨، زكريا ٢/ ٣٢٢، هنديه ، كتاب الكراهية،الباب الخامس فى آداب المسجد ،زكريا قديم ٥/ ٣٢٤، جديده/ ٣٧٥)

ويصرف نقضه إلىٰ عمارته إن احتاج وإلا حفظه (إلىٰ قوله) وإن تعذر إعادة عينه بيع و صرف ثمنه إلىٰ العمارة . (تبيين الحقائق،كتاب الوقف، امداديه ملتان٣/ ٣٢٨، زكريا ٤/ ٢٦٧)

ويصرف إلىٰ عمارته إن احتاج وإلا حفظ إلىٰ وقت الحاجة وإن تعذر صرف عينه يباع ويصرف ثمنه إليها . (مجمع الأنهر ،دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۸۰)

الجواب صحیح
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ
۱۵/۴/ ۱۴۱۷ھ

۲۸/ الفصل الثامن والعشرون: مسجد میں بدبودار چیز داخل کرنے کا بیان

مسجد میں مورٹین جلانا

سوال: [۸۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے مدرسہ کے احاطہ میں مسجد ہے، جنگل کا کنارہ ہے، مسجد میں مچھر بہت لگتے ہیں، کیا کچھوا چھاپ اگربتی مسجد میں جلا سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد اصفر، سڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کچھوا چھاپ اگربتی کی طرح ہے جیسے اگربتی کی خوشبو ہوتی ہے کچھوا چھاپ کی خوشبو بھی تقریباً اسی طرح ہوتی ہے، اسلئے کچھوا چھاپ جلانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؟

عن واثلة بن الأسقع أن النبی ﷺ قال: ...... اتخذوا علی أبوابها المطاهر وجمروها فی الجمع. (سنن ابن ماجه، باب مایکره فی المساجد، النسخة الهندية ۱/ ٥٤، دارالسلام رقم: ٧٥٠، المعجم الكبير للطبرانی ،داراحياء التراث العربي ٢٢/ ٥٧، رقم: ١٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸؍ ۹۵۴۰)

بدن پر مچھر مارنے والی دوائی لگا کر نماز پڑھنا

سوال: [۸۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز پڑھنے کے دوران مکھی اور خاص طور پر ان دنوں میں مچھر بہت کاٹتے ہیں نمازی کو، تو اس

سلسلہ میں ایک دونمازیوں نے سوال کیا ہے کہ مچھروں سے بچنے کیلئے اوڈ و ماس جو دوائی ہوتی ہے، یااس کے علاوہ اورکوئی دوالگا کرنماز پڑھ سکتے ہیں یانہیں؟ اس سے نماز میں کوئی کمی اوروضوخراب تونہ ہوگا؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: اشرف علی، ٹیچر: اسلامیہ جونیر ہائی اسکول، قصبہ: شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگراوڈ وماس وغیرہ کی بدبو بالکل نمایاں ہے جس سے دوسروں کوبھی تکلیف ہوسکتی ہے، تو نماز میں کراہت آ سکتی ہے، اوراگر بالکل نمایاں نہیں ہے، مشکل سے محسوس ہوتی ہے، تو کراہت نہیں، اسکا فیصلہ آپ خود کیجئے گا۔

والذی استعمل دواءً کریهة الرائحة یؤذی الناس بریحه لا یجوز لهم الخروج إلی المسجد والشهود إلیٰ الجماعة. (بذل المجهود، کتاب الأطعمة، باب فی الثوم، دارالبشائر الإسلاميه ۱۱/ ۵۵۱، تحت رقم الحديث: ۳۸۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۶۴۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۲۱ھ

مساجد میں گیس کی لالٹین جلانے کا حکم

سوال: [۸۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اس وقت جو گیس کا لالٹین چل رہا ہے، مسجدوں کے اندر جلانا ممنوع تو نہیں ہے، اگر اس کی پر چھائی نمازی کے آگے یا پیچھے سے پڑتی ہو تو کیا نماز کے اندر کوئی خلل بھی پیدا ہوگا یانہیں؟ مفصل تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: قمرالدین طلعت، رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ زمانہ میں جوگیس لائٹ چل رہی ہے، اس میں ناگوار بدبو نہ ہونے کی وجہ سے اس کا مسجد میں جلانا بلاکراہت جائز ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۹۸، کفایت المفتی ۳/ ۱۲۷، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۷۸)

نیز اس کی پرچھائی سے نمازی کی نماز میں کسی قسم کا خلل نہیں ہوتا ہے۔

ولو توجه إلىٰ قنديل أوسراج لم يكره. (هنديه، الصلاة، الباب السابع الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالايكره، زكريا قديم ١/ ١٠٨، جديد ١/ ١٦٧، قاضيخان، زكريا جديد ١/ ٧٥، وعلى هامش الهندية ١/ ١١٩، البنايه، اشرفيه ديو بند ٢/ ٤٥٩، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٧/ ٥٠٦، رقم: ٩٤٢٣، حاشيه چلپي، مكتبه امداديه ملتان ١/ ١٦٦، زكريا ١/ ٤١٥، الدر مع الرد، زكريا ٢/ ٤٢٣، كراچي ١/ ٦٥٢، حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح، دار الكتاب ديو بند/ ٣٦٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ر شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۵۷)

مسجد کے اندر گیس سلنڈر جلانا

سوال: [۸۳۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گیس سلنڈر مسجد کے اندر جلانا جائز ہے یا ناجائز وضاحت کے ساتھ جواب مطلوب ہے؟

المستفتي: سعید الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گیس سلنڈر میں سے چلاتے وقت بہت معمولی سے بدبو نکلتی ہے، اس کے بعد کسی قسم کی بدبو ظاہر نہیں ہوتی اس کا استعمال کرنے والے سب لوگوں کو تجربہ ہوگا، لہٰذا احتیاطاً مسجد کے باہر جلانے کے بعد جلتے ہوئے سلنڈر کو مسجد میں

رکھنے میں کسی قسم کا مضائقہ نہ ہوگا، حدیث پاک سے یہی بات واضح ہوتی ہے۔

عن علي، أنه قال: نهی عن أكل الثوم إلا مطبوخاً. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الرخصة في أكل الثوم مطبوخاً، النسخة الهندية ۲/۳، دارالسلام رقم: ۱۸۰۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۱۷ھ

مساجد میں گیس سلنڈر کا استعمال

سوال: [۸۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل رسوئی گیس سلنڈر کو عام طور پر مساجد میں روشنی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، لیکن کئی مرتبہ کے تجربہ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے، کہ جلتے وقت اس میں بو نکلتی ہے تو ایسی صورت میں کیا مسجد کے اندر اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے؟

المستفتي: محمد حفیظ الرحمٰن، قصبہ صدھن، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خارج مسجد مثلاً استنجاء خانہ کے پاس غسل خانہ کے نزدیک اسی طرح جوتے اتارنے کی جگہ اور امام کے یا مؤذن کے حجرے میں گیس کا ہنڈا جلا سکتے ہیں، اسی طرح مسجد میں خارج جگہ اگر ہے تو اسمیں بھی رسوئی گیس کا ہنڈا جلانا جائز ہے، لیکن صحن مسجد یا دالان مسجد جو حرم کے متصل ہوتا ہے، جس میں دھوپ کی وجہ سے جاڑوں میں اور گرمی یا برسات وغیرہ میں نماز پڑھتے ہیں، اور جماعت ہوتی ہے اور جہاں معتکف کے جانے اور بیٹھنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا وہ مسجد کا حصہ سمجھا جاتا ہے، اس میں اور حرم مسجد میں رسوئی گیس کا ہنڈا جلانا جائز نہیں ہے، چنانچہ حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من أكل هذه الشجرة المنتنة

فلا یقربن مسجدنا الخ.

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اس بدبودار درخت لہسن یا پیاز میں سے کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ جائے کہ جس سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (مظاہر حق ۲/ ۲۲۹، مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم)

صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں، اس میں ہر بدبودار چیز داخل ہے، چاہے کھانے کی قسم ہو یا کھانے کی قسم نہ ہو۔ (۱/ ۲۲۹)

لہٰذا جب سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حلال چیز کو کھا کر آنے میں بدبو کی وجہ سے منع فرمادیا کہ فوراً کھا کر مسجد میں نہ آئے کھانے والا، تو پھر مسجد میں رسوئی گیس کا ہنڈا جلتے وقت اسمیں سے بدبو نکلتی رہتی ہے، جیسا کہ آپ نے سوال میں لکھا ہے، فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت محدث گنگوہیؒ کا فتویٰ مٹی کے تیل جلانے کا مسجد میں مکروہ تحریمی لکھا ہے، کیونکہ اس میں بدبو ہوتی ہے، اور ہر بدبودار چیز کا مسجد میں داخل کرنا ممنوع ہے، (خلاصہ) فتاویٰ رشیدیہ/ ۴۰۸)

لہٰذا صورت مسئولہ میں گیس ہنڈا مسجد میں جلانا منع ہے، اسی طرح گیس کا چولھا جلانا اور مٹی کے تیل کا اسٹوپ جلانا مسجد میں منع ہے، خارج مسجد حصہ میں جلاسکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر العباد: عبدالحمید نعمانی قاسمی
ادارہ تحقیقات شرعیہ آگرہ
۴/ شوال ۱۴۱۵ھ

دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہاہر جلانے کے بعد جلنے کی حالت میں مسجد میں رکھنے میں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ جلنے کی حالت میں ظاہر اور نمایاں بدبو نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ مٹی کے تیل کا چراغ جلنے کی حالت میں بدبو نمایاں ہوتی ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۲۴)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: رسوئی گیس لالٹین میں جلنے کی حالت میں بدبو نہیں ہوتی ہے، اسلئے مسجدوں کی روشنی کیلئے اس کے استعمال میں کوئی علتِ ممانعت نظر نہیں آتی۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

مسجد میں مٹی کے تیل سے لالٹین جلانا

سوال: [۸۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کتب فتاویٰ میں مذکور ہے کہ مساجد میں مٹی کے تیل کی لالٹین کو روشنی کیلئے استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن جن مساجد میں بجلی اور موم نہیں ہے، ان میں لالٹین کو روشنی کیلئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

المستفتي: عبداللہ متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر جلتے ہوئے لالٹین سے بدبو نہیں آتی ہے، تو اسے باہر جلا کر خوب صاف ستھرا کر کے مسجد کے اندر رکھ دیا جائے، جس سے کسی قسم کی بدبو نہ ہوتی ہو تو اس کی گنجائش ہے، اسلئے کہ علت کراہت بدبو کا پھیلنا ہے، اور اگر صاف ستھرا کرنے کے باوجود جلتے ہوئے لالٹین سے بدبو پھیلتی ہے، تو جلتے ہوئے مٹی کے تیل کا لالٹین

مسجد میں رکھنا کسی طرح بھی جائز نہیں اور بدبونہ پھیلنے کی صورت میں بھی بہتر شکل یہ ہے کہ لالٹین کو حدود مسجد سے باہر رکھدیا جائے، اور آجکل کے زمانہ میں جو گیس کے لالٹین آرہے ہیں، اسے احتیاط سے جلایا جائے تو اس سے بدبو نہیں پھیلتی اور حدیث شریف میں کراہت کی جو علت بیان کی گئی ہے، وہ بدبو کا پھیلنا ہے جو یہاں مفقود ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴۶۰/۲، ۱۷۳/۱۰، جدید ڈابھیل ۲۴۸/۱۵)

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل من هذه ، قال أول مرة: الثوم ، ثم قال: الثوم والبصل والكراث ، فلا يقربنا في مساجدنا. (ترمذی شریف ، باب ما جاء في كراهية أكل الثوم والبصل ، النسخة الهندية ۲/۳، دارالسلام رقم: ۱۸۰/۶)

وفی هامشه قال محمد إنما كره ذلک لريحه فإذا أمته طبخا فلابأس به وهو قول أبی حنيفةؒ والعامّة أی من العلماء حاشيه ۲ . (ترمذی شریف ۳/۲)

الأول فيما تصان عنه المساجد يجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام من أكل الثوم والبصل والكراث فلا يقربن مسجدنا فإن الملائكة تتأذى مما يتاذیٰ منه بنو آدم . (حلبی کبیر، سهیل اکیڈمی ، لاهور/ ۶۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۴۵/۳۵)

مسجد میں گھی کا چراغ جلانا

سوال: [۸۳۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد میں گھی کا چراغ جلانا جائز ہے یا ناجائز ہے، تفصیل کیساتھ جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: حافظ دلشاد احمد، مدرسہ مظہر العلوم، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد میں گھی کے چراغ جلانے میں کوئی قباحت نہیں، اسلئے کہ اس میں کسی قسم کی بدبو نہیں ہوتی ہے۔

عن واثلة بن الأسقع أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ...... اتخذوا علی أبوابها المطاهر، وجمروها في الجمع. (سنن ابن ماجه، باب مایکره فی المساجد، النسخة الهندیة ۱/ ٥٤، دارالسلام رقم: ۷٥۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

مسجد کے اندر اگر بتی جلانے کا حکم

سوال: [۸۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الحمد للہ خدا کے فضل وکرم سے ہم یہاں دینی کام انجام دے رہے ہیں، درج ذیل مسئلہ بتادیں؟ کیا مسجد کے اندر ہم اگر بتی جلا سکتے ہیں، خصوصاً نماز کے وقت؟

المستفتي: محمد فیروز عالم، جلگاؤں، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم ہے، اور خوشبو دار رکھنا بھی بہتر ہے، مگر اگر بتی ہی کے ذریعہ سے خوشبودار بنانے کی ضرورت نہیں لوبان کے ذریعہ یا عطر چھڑکنے کے ذریعہ سے بھی یہ کام ہوسکتا ہے، بسا اوقات اگر بتی کی راکھ مسجد میں گرنے سے گندگی پھیلتی ہے، اور بعض اگر بتی ناپاک چیز سے بنائی جاتی ہے، لہٰذا اگر بتی کے بجائے کسی دوسری چیز سے خوشبو کی جائے تو بہتر ہے، ہاں اگر کبھی کبھی خوشبو کیلئے پاک اگر بتی جلالی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، اور نماز کے وقت میں التزام کی ضرورت نہیں ہے، بعض دفعہ

نماز کے وقت اگربتی جلانے کی وجہ سے اس کے دھوئیں سے نمازیوں کو تکلیف بھی ہوتی ہے۔

عن واثلة بن الأسقع أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ...... اتخذوا علی أبوابها المطاهر، وجمروها فی الجمع. (سنن ابن ماجه، باب مایکره فی المساجد، النسخة الهندية ۱/ ۵۴، دارالسلام رقم: ۷۵۰، المعجم الكبير للطبرانی، داراحياء التراث العربی ۲۲/ ۵۷، رقم: ۱۳۶)

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: من أخرج أذى من المسجد بنىٰ الله له بيتا في الجنة. (سنن ابن ماجه، باب تطهير المساجد و تطييبها، النسخة الهندية ۱/ ۵۵، دارالسلام رقم: ۷۵۷)

عن عائشة أن رسول الله ﷺ أمر بالمساجد أن تبنىٰ فی الدور، وأن تطهر وتطيب. (سنن ابن ماجه، باب تطهير المساجد وتطييبها، النسخة الهندية ۱/ ۵۵، دارالسلام رقم: ۷۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۷۴)	۱۴۲۱/۴/۹ھ

بدبودار پینٹ کا مسجد میں استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال: [۸۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) بندہ پینٹ کا کام کرتا ہے، مسجد و مدرسہ اور دیگر مکانات کے دروازے پر پینٹ کا کام کرتا ہوں، مسجد میں مٹی کا تیل اور دیگر بدبو جواس کے ساتھ لاحق ہے، پھیل جاتی ہے، زید کہتا ہے، کہ مسجد وغیرہ کے دروازے پر پینٹ چڑھانا درست نہیں ہے، بلکہ رکھا زکر پینٹ چڑھانا چاہئے، کیا از روئے شرع زید کا کلام صحیح ہے، مطلع فرمائیں کرم ہوگا؟

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جس برش سے پینٹ کیا جاتا ہے، وہ برش خنزیر کے بالوں سے بنا ہوتا ہے کیا اس کا استعمال کرنا صحیح ہے، جبکہ مسجد وغیرہ میں بھی وہی کام میں لانا پڑتا ہے

مفصل تحریر فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد انوار، پینٹ والے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہر بدبودار چیز کو مسجد میں داخل کرنا شرعاً ناجائز ہے، لہٰذا اگر پینٹ میں بدبو ہوتی ہے، تو مسجد میں اسکا استعمال جائز نہیں ہوگا، حدیث شریف میں بدبودار چیزوں کو کھا کر بھی مسجد میں داخل ہونے سے ممانعت کی گئی ہے۔

عن جابر قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: من أكل هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فإنّ الملائكة تتأذى مما يتأذّى منه الإنس. (صحيح مسلم المساجد، باب النهى من أكل ثوماً، النسخة الهنديه ۱/۲۰۹، صحيح البخارى، النسخة الهندية ۱/۱۱۸، رقم: ۸٤٦، ف:۸٥٤)

ويلحق بما نص عليه فى الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولا أوغيره وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفى غيره أيضاً بالبصل والكراث لكثرة أكلهم لها وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أوبه جرح له رائحة الخ. (اعلاء السنن، أبو اب أحكام المساجد، باب كراهة الدخول من أكل الثوم والبصل، كراچى ٥/١٣٧، دارالكتب العلمية بيروت٥/١٨٧، الدر مع الرد، زكريا ٢/٤٣٥، كراچى ١/٦٦١)

(۲) خنزیر کا بال نجس العین ہے اس کا برش مسجد میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

وأما الخنزير فشعره وعظمهٗ وجميع أجزائه نجسةالخ. (البحرالرائق، كتاب الطهارة، زكريا ١/١٩١، كوئٹه ١/١٠٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵؍۱۳۸۳)

مسجد میں تمبا کو استعمال کرنا

سوال: [۸۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تمبا کو مسجد میں استعمال کرنا آداب مسجد کے خلاف ہے یا نہیں؟

المستفتي: ایچ کے نعمانی، نیوڈیلکس واچ، سروسکوٹی روڈ کنٹگل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تمبا کو مسجد میں استعمال کرنا بدبو کی وجہ سے آداب مسجد کے خلاف اور مکروہ ہے۔

قلت: فيفهم منه حكم النبات الذى شاع فى زماننا المسمىٰ بالتتن فتنبه، وقد كرهه شيخنا العمادى فى هديته إلحاقا له بالثوم والبصل بالأولىٰ. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الأشربة، كراچی ٦/ ٤٦٠، زكريا ١٠/ ٤٤، حاشية الطحطاوى على المراقى، دارالكتاب ديو بند/ ٣٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۱۰/۲۴)

۷/ باب المصلی

عیدگاہ کے تحقق کے لئے رجسٹری یا عمارت ضروری ہے یا نہیں؟

سوال: [۸۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پورنیہ ضلع کے قصبہ سرسی میں تقریباً دوسو گھر مسلمانوں کی آبادی کے ہیں، ہر دو مسلم برادری کے لوگ رہتے ہیں، ایک لذاف برادری کے لوگ ہیں دوسرے راعن برادری کے لوگ ہیں، یہ دونوں برادری کے لوگ آج سے تقریباً بیس سال قبل سے عید بقرعید کی نماز ایک عیدگاہ میں ادا کرتے تھے، جو زمین عبدالعزیز راعینی کی ہے، یہ زمین رجسٹری شدہ نہیں ہے عیدگاہ کے نام سے، بلکہ عبدالعزیز کے نام ہے، آج سے چار سال قبل دونوں برادری کے لوگوں نے پنچایت کے طور پر بیٹھ کر عبدالعزیز راعینی سے کہا کہ آپ عیدگاہ کے نام زمین کی رجسٹری کردیجئے تو عبدالعزیز نے رجسٹری کرنے سے انکار کردیا اور کہا جس کو عیدگاہ میں نماز پڑھنی ہو پڑھے اور جس کو نہ پڑھنی ہو نہ پڑھے ہم رجسٹری نہیں کریں گے، لیکن نماز پڑھنے سے بھی نہیں روکیں گے، اس بات پر عبدالعزیز کے چند رشتہ داروں کے علاوہ باقی گاؤں کے سبھی لوگوں نے ایک نئی عیدگاہ قائم کی نئی قائم شدہ عیدگاہ بھی آج سے تقریباً پچاس سال قبل ایک غیر مسلم شخص نے اپنے سپاہی محمد عمر کو عید بقرعید کی نماز پڑھنے کے لئے دیا تھا، جس میں محمد عمر اکیلے عید وبقرعید کی نماز ادا کرتے تھے، محمد عمر کے انتقال کے بعد اس گاؤں کے لوگوں نے قبرستان بنادیا، اور جب عبد العزیز راعینی نے رجسٹری کرنے سے انکار کردیا تو گاؤں والوں نے محمد عمر کی عیدگاہ میں اینٹیں گرا کر عیدگاہ بنالیا لیکن یہ کام یعنی عیدگاہ بنانا اس حصہ میں ہوا جدھر قبریں نہیں تھیں، اس کو احاطہ میں لیکر درخت کے پودے لگادئے لیکن یہ کام قبرستان والی زمین کو احاطہ میں کرنا اس پیسے سے ہوا جو دوسرے قبرستان کی گھاس کی آمدنی تھی، دوتین سال تک

دونوں برادری کے لوگ سوائے عبدالعزیز کے چند رشتہ داروں کے سبھی محمد عمر والی عیدگاہ میں عید بقرعید کی نماز ادا کرتے رہے، اس سال دونوں برادریوں میں اختلاف ہوگیا دونوں برادری کے لوگ دو حصوں میں تقسیم ہوگئے راعینی برادری عبدالعزیز والی عیدگاہ میں نماز ادا کرنے لگے اور کہتے ہیں، کہ یہ دوسری عیدگاہ ایک غیر مسلم کی ہے اور اس کو قبرستان کے پیسوں سے بنایا گیا ہے، اسلئے ہم نماز نہیں پڑھیں گے، ادھر لداف برادری کے لوگوں کا کہنا ہے، ہم لوگ عبدالعزیز والی مسجد میں نماز نہیں پڑھیں گے، اسلئے کہ وہ رجسٹری نہیں کررہا ہے، آپ یہ بتائیں کہ کونسی عیدگاہ میں نماز جائز ہے، یا دونوں میں جائز ہے، قبرستان کی آمدنی سے عیدگاہ بنانا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد الیاس قاسمی، گرام سرسی، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عبدالعزیز کو اختیار ہے کہ اپنی ملکیت کی زمین کو عیدگاہ کیلئے وقف کرے یا نہ کرے، کسی کو زبردستی کا حق نہیں ہے، اور عیدگاہ کی نماز کیلئے باقاعدہ عیدگاہ ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ کسی بھی میدان میں عید کی نماز پڑھی جائیگی، اس سے نماز عید کا مسنون طریقہ ادا ہوجائیگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۵۳۰، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۲۲)

نیز محمد عمر والی عیدگاہ میں نماز پڑھنے سے بھی مسنون طریقہ ادا ہوجائیگا، اسلئے کہ غیر مسلم کی دی ہوئی زمین میں بھی مسجد یا عیدگاہ بنانا شرعی طور پر جائز ہوتا ہے۔

وأما الإسلام فليس بشرط فلو وقف الذمي (إلیٰ قوله) ويجوز أن يعطى المساكين المسلمين الخ. (هنديه، كتاب الوقف، الباب الاول زكريا قديم ۲/۳۵۲، جديد ۲/۳۴۷، البحر الرائق، زكريا ۵/۳۱۶، كوئٹه ۵/۱۸۹، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۵۶۸، الدر مع الرد، كراچی ۴/۳۴۱، زكريا ۶/۵۲۴)

نیز قبرستان کو اگر روپیوں کی ضرورت نہیں ہے تو اس کی آمدنی کمیٹی اور ذمہ داروں کے مشورہ اور اجازت سے عیدگاہ میں لگانا جائز ہے، اس لئے کہ عیدگاہ بھی وقف

ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۳/۱۴۱۶ھ

کیا عید کی نماز درست ہونے کیلئے عیدگاہ کی رجسٹری لازم ہے؟

سوال: [۸۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عیدگاہ جو عرصہ دراز سے عید کی نماز کیلئے استعمال ہورہی ہے، لیکن وہ زمین جس میں عیدگاہ بنی ہوئی ہے، گاؤں کے پردھان کی ہے، اب عیدگاہ میں لوگ دو پارٹی ہوکر ایک تو یہ کہتی ہے کہ جب تک پردھان صاحب زمین کو عیدگاہ کے نام پر رجسٹری نہ کردیں ہم اس میں عید کی نماز نہیں پڑھیں گے؟ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا پردھان کے رجسٹری کئے بغیر اسمیں عید کی نماز پڑھنی جائز ہے، جبکہ پردھان کا کہنا ہے کہ آپ لوگ نماز پڑھئے لیکن میں رجسٹری نہیں کروں گا؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد حنیف مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عیدگاہ کیلئے تحریری ثبوت اور رجسٹری لازم اور ضروری نہیں ہے، البتہ جو زمین عیدگاہ کیلئے وقف ہو وہاں نماز افضل ہے، مذکورہ سوال میں چونکہ پردھان کی جانب سے اجازت ہے اسلئے وہاں عید کی نماز پڑھنا درست ہے، مگر وہ زمین عیدگاہ کیلئے وقف نہ ہوگی، جب تک پردھان کی طرف سے سرکاری انداز سے عیدگاہ کیلئے تحریری دستاویز نہ ہوں اس وقت تک وہ زمین عیدگاہ کیلئے وقف نہیں سمجھی جاسکتی۔
(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/۵۳۰، جدید ڈابھیل ۱۵/۳۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۱/۱۴۲۱ھ

گرمی، سردی سے بچاؤ کیلئے عیدگاہ کو مسقّف بنانا

سوال: [۸۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عیدگاہ ہے جس میں تقریباً پچاس سال سے نماز دوگانہ ہی ادا کی جاتی رہی لیکن اس وقت کچھ مجبوری کے تحت کچھ لوگ اس میں نماز پنجگانہ ادا کر رہے ہیں، اوران کا خیال ہے کہ اس میں کچھ دور تک ٹین وغیرہ ڈال کر سردی گرمی اور برسات سے بچاؤ کیا جائے، کیا اس طرح اسمیں ٹین وغیرہ ڈال کر اس کو مسقّف کرنا جائز ہے؟

المستفتي: اشفاق افضل اعظمی، متعلم، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر نمازیوں کے آرام کے واسطے سردی گرمی اور برسات سے بچاؤ کیلئے عیدگاہ کا کچھ حصہ مسجد کی طرح مسقّف کردیا جائے، تو یہ جائز ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۲۱۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۳ھ

آٹھ گاؤں والوں کا مل کر ایک عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں کے پاس سات آٹھ گاؤں بہت ہی قریب قریب خالص مسلمانوں کے آباد ہیں، ان گاؤں کے رہنے والے نماز عید ادا کرنے کیلئے قصبہ میں جایا کرتے تھے، چار پانچ سال سے حالات خراب ہوئے تمام گاؤں کے رہنے والوں میں مشورہ ہوا کہ حالات خراب ہیں، اگر ہم لوگ قصبہ میں نماز ادا کرنے جائیں، تو ہمارے بیوی بچے گھر وبار سب

غیر محفوظ ہوجاتے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کے گاؤں کے پاس غیر مسلموں کے بھی گاؤں ہیں، آپس میں مشورہ سے آٹھوں گاؤں کے بیچ میں عیدگاہ بنائی گئی، جسمیں چار پانچ سال سے نماز عید برابر ہورہی ہے، کافی تعداد نمازیوں کی ہوجاتی ہے، اگر ان سے کہا جاتا ہے، کہ دیہات میں نماز عید واجب نہیں، تو کہتے ہیں کہ نہ پڑھنے سے بہتر ہے جو کبھی نماز نہیں پڑھتا کم ازکم اس بہانہ سجدہ کرلیتا ہے ہم چندلوگ ابھی اس عیدگاہ میں نماز نہیں پڑھتے ہیں قصبہ میں ہی نماز کیلئے جاتے ہیں، کیا ہم لوگوں کا ایسی عیدگاہ میں نماز پڑھنا درست ہے یا جولوگ نماز ادا کرتے ہیں ان کیلئے کیا حکم ہے؟

المستفتي: جمال احمد، جوگیاپوری،
مدرسہ وجامع مسجد کاسگنج، بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباالله التوفيق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہاں کے لوگوں پر نماز جمعہ اورنماز عید لازم نہیں ہے، اور عید کی نماز صحیح ہونے کی شرط وہاں موجود نہیں ہے، اس لئے وہاں عید کی نماز صحیح نہ ہوگی، اور جولوگ قصبہ میں جاکر عید کی نماز پڑھتے ہیں، ان کی نماز عید صحیح ہوجائیگی اوران کےقصبہ میں جانے اورگاؤں میں نماز عید نہ پڑھنے پراعتراض کرنے والے غلطی پر ہیں۔

عن علی، قال: لاجمعة، ولاتشريق، ولا صلاة فطر، ولا أضحی، إلا في مصر جامع، أو مدينة عظيمة. (المصنف لابن أبی شيبة، الصلاة، من قال لاجمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع، مؤسسه علوم القرآن ٤/٤٦، رقم: ٥٠٩٩)

تجب صلاتهما فی الأصح علی من تجب عليه الجمعة بشرائطها.

(درمختار، کتاب الصلوٰۃ، باب العيدين، زکریا ٣/٤٥، کراچی ٢/١٦٦، هنديه، زکریاجدید ١/٢١١، قدیم ١/١٥٠، المبسوط للسرخسی، دارالکتب العلمية بيروت ٢/٣٧، هدایه اشرفی ١/١٧٢)

صلوٰة العيد فى القرىٰ تكره تحريماً الخ. (درمختار کراچی ٢/١٦٧، زکریا ٣/٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣/ربیع الثانی ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩٥٤/٣١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٥/٤/٣ھ

ایک بستی میں دوعید گاہ بنانا

سوال: [٨٣٢٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک عیدگاہ ہے لیکن اب وہ آبادی کے اندر آگئی ہے، اور نا کافی بھی ہوگئی ہے، اس میں عیدین میں پورے آدمی نہیں آپاتے ہیں، جہاں عیدگاہ ہے وہاں بڑھانے کی بھی گنجائش نہیں ہے، اس عیدگاہ سے تقریباً آدھا کلومیٹر سے کچھ کم مغرب کی طرف ایک آراضی چندافراد نے عیدگاہ کیلئے وقف کردی ہے، اور کہا کہ یہاں پر عیدگاہ بنالیں اب مسئلۂ مذکورہ میں زید کہتا ہے، کہ ایک بستی میں ایک عیدگاہ کے علاوہ دوسری عیدگاہ بنانا جائز نہیں تو زید کا کہنا درست ہے یا نہیں؟ اور ہم لوگ عیدگاہ دوسری جگہ بنالیں یا نہیں؟ ازراہ شرع مدلل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: قاری ابراراحمد، امام وخطیب:
شاہی مسجد، ضلع: ہردوئی، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: عیدگاہ کا آبادی سے باہر صحراء میں ہونا مسنون ہے، بعض روایات کے مطابق مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے، تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی اس فضیلت کو چھوڑ کر آبادی سے باہر صحراء اور جنگل میں جا کر عید کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے، اسلئے جو عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہے اس کو مسجد یا مدرسہ کے کام میں لاکر اس کے بدلہ میں آبادی سے باہر نئی عیدگاہ

بنالینا سنن نبوی کے عین مطابق ہے۔

عن أبی سعید الخدري رضي قال: کان رسول الله ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلیٰ المصلي . (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخروج إلیٰ المصلی بغیر منبر، النسخۃالھندیۃ ۱/ ۱۳۱، رقم:۹٤٦، ف: ۹٥٦)

السنة الخروج إلیٰ الجبانة إلا لأهل مکة ففی المسجد وقال الشافعیؒ فی الأم بلغنا أن رسول الله کان یخرج فی العیدین إلیٰ المصلیٰ بالمدینةوکذا من بعده إلا من عذر مطر ونحوه الخ. (عمدۃ القاری شرح بخاری، داراحیاء التراث العربي ٦/ ۲۸۱، زکریا ٥/۱۷۱، تحت رقم الحدیث: ۹٥٦، الأم ، کتاب صلاۃ العیدین الخروج إلیٰ الأعیاد، بیت الافکار الدولیۃمکمل /۱۷٤، رقم: ٤٦١)

نیز چھوٹی بستی میں ایک ہی عیدگاہ ہونا چاہئے جو آبادی سے باہر ہو، اور بڑے شہروں میں ہر چہار جانب متعدد عیدگاہ ہونے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ بہتر ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/۳۵)

وتجوز إقامة صلاة العید فی موضعین ، وأما إقامتها فی ثلاثة مواضع فعند محمدؒ تجوز . (ھندیہ ، الباب السابع عشر في صلاۃ العیدین ، زکریا جدید ۱/ ۲۱۱، قدیم ۱/ ۱٥۰)

وأما صلاة العیدفي موضعین وأکثر منهما فجائز إجماعاً . (حاشیہ چلپی ، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۱۹، زکریا ۱/ ٥۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍ ۵۷۵۳)	۱۴۱۹/۵/۱۶ھ

پہلی عیدگاہ کو فروخت کر کے اس کی رقم دوسری عیدگاہ میں لگانا

سوال: [۸۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عیدگاہ ہے اور وہ آبادی کے اعتبار سے آج کے دور میں بہت تنگ ہوچکی ہے، لہٰذا گاؤں

والوں نے کشادگی چاہتے ہوئے دوسری جگہ عیدگاہ بنانے کا ارادہ کیا ہے، اور وہ گرام سماج کی جگہ کھلیان ہے، اور وہ کافی کشادہ جگہ ہے، اس لئے گاؤں والوں نے اس زمین میں عیدگاہ بنانے کا ارادہ کیا ہے، اور تمام لوگ پرانی عیدگاہ بیچنا چاہتے ہیں، اور اس کی قیمت نئی عیدگاہ میں لگانا چاہتے ہیں، تو کیا عیدگاہ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس صورت میں؟ اور اگر بیچنا جائز نہیں ہے، تب کس صورت میں حضرت والا سے مؤدبانہ التماس ہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ کو مدلل اور مفصل طریقہ سے نقل فرما کر مشکور فرمائیں؟

المستفتي: محمد عتیق الرحمٰن، ککروہ، تھانہ شہزادنگر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عید کی نماز آبادی سے باہر صحراء اور جنگلوں میں جاکر پڑھنا مسنون ہے، اسی کو الخروج إلی الجبانۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے،، حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسجد میں ایک نماز کا پڑھنا ۵۰۰۰۰/ ہزار نمازوں کے برابر حیثیت رکھتا ہے، لیکن پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبادی سے باہر صحراء اور میدانوں میں جاکر عید کی نماز ادا فرماتے تھے، اس وجہ سے عیدگاہ ہمیشہ آبادی سے باہر کچھ فاصلہ پر ہونی چاہئے، لہٰذا جو عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے اور آبادی بھی دلی بمبئی کی طرح بہت بڑی نہیں ہے، بلکہ اس آبادی سے باہر مسنون طریقہ سے عید کی نماز پڑھنے کیلئے دوسری عیدگاہ بنانا ممکن ہے اور مسلمانوں کا عید کے دن وہاں پہونچ جانا ممکن ہوسکتا ہے، تو ایسی صورت میں آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنالینا مسنون ہوگا اور آبادی کے اندر عیدگاہ کا حکم وہی ہے جو آبادی کے اندر مساجد میں عید کی نماز پڑھنے کا ہے، اب اس تفصیل کے بعد سوال کا جواب ملاحظہ فرمایئے جو عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہے، اور موقوفہ ہے اس کو عام لوگوں کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں ہے، ہاں البتہ اس میں دو کام ہوسکتے ہیں۔

(۱) سب مسلمان مل کر اس میں دینی مدرسہ قائم کردیں اور اس کا وقف بحالہ باقی رہے اسی طرح کسی دینی مدرسہ کے ہاتھ اسے فروخت کردیں اور اہل مدرسہ اس میں مدرسہ ہی

کا کام لیں گے، اوراس کا پیسہ دوسری عیدگاہ میں خرچ کردیا جائے دوسری شکل یہ ہے کہ اس میں مسجد تعمیر کردی جائے، تو یہ بھی جائز ہے، اسلئے کہ مسجد بھی وقف ہی ہوتی ہے، اور آبادی کے لوگ دوسری عیدگاہ کیلئے آپس میں دوبارہ پیسہ وصول کرلیں، اورسب مل کرآبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنائیں اور مسجد و مدرسہ قائم کرنا اسلئے جائز ہے، کہ جس طرح عیدگاہ وقف ہےاسی طرح مسجد اور مدرسہ بھی وقف ہے۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنیٰ قوم عليها مسجداً لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلیٰ المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين . (عمدة القاری ، الصلاة ، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية يتخذ مكانها مساجد ، داراحياء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زکریا ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث: ٤٢٨، فتح الملهم ، كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۵۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۱۶ھ

ایک عیدگاہ سے متعلق چند سوالات

سوال: [۸۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع پارس منی ایک بڑی بستی ہے جہاں مسلم وغیر مسلم کی بڑی آبادی ہے، ایک خاندان کی مشترکہ زمین میں ایک نامعلوم زمانے سے عیدگاہ قائم ہے، زمین کے بٹوارہ اور آپس میں تقسیم ہونے پر عیدگاہ والی زمین اتفاق سے ایک غریب کے حصہ میں آئی جس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی زمین نہیں تھی، خود وہ غریب بھی چاہتے تھے، کہ عیدگاہ والی

زمین مجھ غریب کے حصہ میں اگر آئے تو میری خوش نصیبی اور سعادت مندی ہوگی، مرضئ خداوندی ایسے ہی ہوئی لیکن کچھ آدمیوں کو یہ اعتراض ہوا کہ گاؤں کے اندر مالدار زمین دار ہوتے ہوئے ایک غریب آدمی کی زمین پر عیدگاہ اور وہ زمین بھی ناکافی ہے، تو ایسی عیدگاہ میں نماز پڑھنا کیسے درست ہوسکتا ہے، لہٰذا ایک صاحب ثروت نے عیدگاہ اور مدرسہ کیلئے تقریباً ایک ایکڑ زمین رجسٹرڈ کردی اور ۱۹۸۶ء کی عیدالفطر کے بعد عیدالاضحیٰ کیلئے نئی عیدگاہ کی زمین میں نماز کا اعلان کردیا گیا کچھ آدمیوں کو اپنی نماز کی صحت وعدم صحت کی فکر ہوئی تو مختلف جگہوں سے فتویٰ منگائے گئے تو ہر ایک کا جواب یہی تھا، کہ پرانی عیدگاہ میں نماز پڑھنے والوں کی نماز صحیح ہوگی اور نئی عیدگاہ میں نماز پڑھنے والے اپنی نماز کی خیر منائیں، ان فتوؤں کے تحت پرانی عیدگاہ میں بقرعید ۱۹۸۶ کی نماز بدستور پرانے امام کی اقتداء میں جو جامع مسجد کے بھی امام ہیں ہوئی عیدگاہ میں ابھی تک ۸۶ء سے عید وبقرعید کی نماز ہوتی چلی آرہی ہے، الغرض دونوں جگہوں پر نماز ہورہی ہے، ادھر مذکورہ غریب لوگوں کے اعتراضات (جگہ بھی ناکافی ہے) کو دور کرنے کیلئے ۸۶ء کے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے اندر ہی اس حصہ کی کچھ باقی بچی زمین بھی اس کے سمیت عیدگاہ کیلئے رجسٹرڈ کرادی لیکن جھکاؤ میلان زیادہ تر لوگوں کا صاحب ثروت کیساتھ ہی رہا، تقریباً ۴۰ ر فیصد پرانی عیدگاہ اور ۶۰ ر فیصد نئی عیدگاہ میں نمازی ہوتے ہیں، نیز عیدگاہ کی بقیہ زمین پر ۸۷ء ہی میں مدرسہ کلیمیہ کے نام جو پٹنہ بورڈ سے ملحق ہے، لیکن مدرسین بل منظور نہ ہونے کی وجہ سے عوام یا مدرسین کا کوئی لگاؤ مدرسہ سے نہیں رہا، اس صورت مذکورہ کو دیکھ کر اور گاؤں کی ضلالت وجہالت دیکھ کر احقر نے احساس کیا کہ اتنے بڑے گاؤں میں حکومت کی امداد سے آزاد ہوکر باضابطہ محض اکابر کے طرز پر تعلیم ہونی ضروری ہے، مذکورہ مدرسہ ملحق ہونے کی وجہ سے اکابر کے طرز اور درس نظامی کی حیثیت سے چلانا دشوار تھا، اسلئے مذکورہ غریب کی مذکورہ زمین جو رجسٹرڈ کے ساتھ بڑھائی گئی تھی، ۴۰ ر فیصد نمازی کی وجہ سے پہلی زمین ہی کافی اور بہت ہے چنانچہ پرانی عیدگاہ کے

نمازیوں کے باہم مشوروں سے اس پرانی عیدگاہ کے بعد میں بڑھائے جانے والے حصہ میں ایک مدرسہ درس نظامی کا ۹۶ء میں افتتاح کیا گیا تاکہ جہالت وتاریکی دور ہو اورقرآن وحدیث کی تعلیم عام ہو گاؤں کے ایسے آدمی جونئ عیدگاہ سے متعلق ہیں، وہ اعتراض کرتے ہیں، کہ عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ قائم کرنا غلط ہے، مذکورہ صورت حال کے پیش نظر حسب ذیل سوالات کے جوابات دلائل کے ساتھ دیکر عندالناس مشکور اور عنداللہ ماجور ہوں؟

(۱) عیدگاہ کیلئے زمین کا رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے یانہیں؟

(۲) غریب وامیر کی زمین میں مسجد وعیدگاہ کیلئے کون سی زمین بہتر ہے، دونوں کے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ؟

(۳) پہلی عیدگاہ کے ہوتے ہوئے دوسری عیدگاہ کا بنانا یادوسری نئ عیدگاہ میں نماز پڑھنا درست ہے یانہیں؟ یانئ عیدگاہ قائم کرنے کیلئے کیاشرائط ہیں؟

(۴) قرآن وحدیث کے مدلل مسائل پرعمل نہ کرنا کیسا ہے؟

(۵) ایک گاؤں میں دوعیدگاہ دونوں میں عوام وخواص یعنی عالم وغیر عالم دونوں شریک ہیں، دونوں عیدگاہوں میں نماز پڑھنے والوں کی نماز درست ہوگی یاکسی ایک کی اس کی وضاحت فرمائیں؟

(۶) پرانی عیدگاہ کی وہ زمین جوعیدین کی نماز میں ۶۰ رفیصد نمازی نہ ہونے کی وجہ سے استعمال نہیں ہوتی ہے، اس پر مدرسہ کا بنانا درست ہے یانہیں؟

(۷) عیدگاہ یامساجد کی جگہ میں پڑھنے والے بچوں اور عام آدمی کیلئے غسل خانہ پیشاب خانہ، پاخانہ وغیرہ کا بنانا درست ہے یانہیں؟

(۸) عیدگاہ پرمسجد کی دوری کی وجہ سے طلباء اورقرب وجوار کے باشندوں کیلئے اذان کے ساتھ پنجوقتہ نماز باجماعت کا ادا کرنا کیسا ہے، نیز دھوپ یابارش کیلئے چھپریا سائے کانظم کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: ان تمام سوالوں کے جوابات مفصل عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد محی الدین، پارس منی، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) شرعی طور پر عیدگاہ کے عیدگاہ ہونے کیلئے رجسٹرڈ ہونا ضروری نہیں ہے، البتہ کسی کے غلط قبضہ اور غلط تصرف کے خطرہ سے بچنے کیلئے رجسٹرڈ کرایا جاتا ہے۔

وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ، يزول ملكه بمجرد القول. (هدايه، كتاب الوقف، اشرفيه اشرفى ٢/٦٣٧)

(۲) غریب وامیر کی زمین میں سے ہر ایک میں مسجد وعیدگاہ بنانا جائز ہے اور جس میں اخلاص اور للّٰہیت زیادہ ہوگی اسی کی زمین میں بنانا زیادہ بہتر ہوگا۔

لَنۡ تَنَالُوۡا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ. (آل عمران: ٩٢)

(۳) پہلی عیدگاہ کے ہوتے ہوئے بلاضرورت دوسری عیدگاہ بنانا مسلمانوں میں تفرقہ اور انتشار کا باعث ہے، اسلئے دوسری عیدگاہ نہ بنانی چاہئے۔

(۴) قرآن وحدیث کے کس مسئلہ پر عمل نہیں ہورہا ہے، اس مسئلہ اور عمل کو متعین فرمادیں، اس کے بعد جواب پر غور ہوگا۔

(۵) بلاضرورت دوسری عیدگاہ بنانا انتشار کی وجہ سے ممنوع ہے لیکن اگر بنانے کے بعد نماز پڑھ لی جائے، تو نماز درست ہوجائیگی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

(۶) عیدگاہ کیلئے پوری زمین وقف کردی ہے، اور آئندہ چل کر پوری زمین کی عیدگاہ کیلئے ضرورت ہوسکتی ہو تو اس میں مسجد یا مدرسہ بنا کر تنگ نہ کرنا چاہئے، لیکن ضرورت سے زائد زمین ہے، تو اس کو مسجد یا مدرسہ کیلئے استعمال کی گنجائش ہے۔

(۷) جی نہیں۔

(۸) جی ہاں جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲ر ۴۵۸۷)

مسجد کی جگہ عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد ہے، جو بہت پہلے زمانے کی ہے، وہ اب اس شکل میں ہے کہ بالکل کھنڈر ہو چکی ہے، اور وہ آبادی سے باہر ہے، اب کوئی اس میں نماز نہیں پڑھتا ہے، اور گاؤں میں ایک دوسری مسجد ہے، جس میں لوگ نماز ادا کر لیتے ہیں، تو ہمارا یہ خیال ہے کہ اس مسجد کی دیواروں کو توڑ کر اس جگہ عیدگاہ بنا دی جائے، تو کیا یہ جائز ہے؟ اور اینٹیں اس میں بہت ہیں، ان کو بیچ کر کسی مد میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتي: محمد طاہر، تحصیل سوار، موضع ٹانڈہ کلاں، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرچہ مسجد کے اردگرد کی آبادی ختم ہوگئی ہو شرعاً مسجد مسجد ہی رہے گی، اس کو شہید کرنا اور اس کے ملبہ کو اجاڑ کر منتقل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اور مذکورہ مسجد قیامت تک کیلئے مسجد ہے، اس کو توڑ کر عیدگاہ بنانا جائز نہیں ہوگا، اور تمام مسلمانوں پر اس مسجد کی حفاظت کرنا لازم ہے۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى الخ. (الدر المختار، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أوغيره زكريا ٦/ ٥٤٨، كراچى ٤/ ٣٥٨، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت٢/ ٥٩٥، مصرى قديم ١/ ٧٤٨، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٥١، زكريا ٥/ ٤٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷؍ ۲۶۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱؍ ۴؍ ۱۴۱۲ھ

آباد مسجد کو توڑ کر عیدگاہ بنانے کا حکم

سوال: [۸۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصۂ دراز سے عیدین کی نماز ایک مسجد میں پڑھتے تھے، بعد میں مسجد کو شہید کر کے عیدگاہ کی شکل دیدی گئی ہے، مسجد کو بزرگوں نے چشم دید دیکھا ہے، نیز سرکاری کاغذات میں بھی مسجد ہی درج ہے، مسجد کا کل رقبہ چار بیسہ ہے، باقی غیر مستعمل قبرستان اور کچھ ایل ایم سی کی زمین یعنی مشترک ہے، پورے گاؤں کے آدمی یعنی سب مسلمان موجودہ عیدگاہ میں نہیں آسکتے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں دوسری جگہ عیدگاہ بنا سکتے ہیں، اگر بنا سکتے ہیں، تو مذکورہ عیدگاہ کی حفاظت کی کیا شکل ہوگی، عیدین کی نمازیں عیدگاہ میں مندوب و بہتر ہیں، یا مسجد میں اس پر بھی روشنی ڈالیں؟

المستفتي: ڈاکٹر علی، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) آباد مسجد کو توڑ کر عیدگاہ یا کسی دوسرے امور میں منتقل کر دینا قطعاً ناجائز ہے، مسجد کی وہ زمین قیامت تک مسجد رہے گی، جنھوں نے ایسا کیا ہے، وہ سب کے سب گنہگار رہوں گے۔

قال أبویوسف هو مسجد أبداً إلیٰ قیام الساعة لایعود میراثاً ولایجوز نقله ونقل ماله إلیٰ مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أو لا وهو الفتویٰ کذا في الحاوی القدسی وأکثر المشائخ علی قول أبی یوسفؒ ورجح في فتح القدیر قول أبی یوسف بأنه الأوجه. (البحرائق، کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد، کوئٹه ۵/ ۲۵۱، زکریا ۵/ ۴۲۱، شامی، زکریا ۶/ ۵۴۸، کراچی ۴/ ۳۵۸،

مجمع الأنهر، دارالکتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٥، مصری قديم ١/ ٧٤٨)

(۲) عیدین کی نماز اس عیدگاہ میں پڑھنا سنت اور افضل ہے جو آبادی سے باہر صحراء اور جنگل میں ہے، اور جو عیدگاہ آبادی میں داخل ہوگئی اس میں پڑھنا اور جامع مسجد میں پڑھنا دونوں برابر ہے۔

عن علي – رضی الله عنه – قال: الخروج إلیٰ الجبان فی العیدین من السنة . (المعجم الأوسط، دارالفکر ٣/ ١١٦، رقم: ٤٠٤٠)

والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح . (شامی، کتاب الصلوٰة، باب صلاة العیدین، زکریا ٣/ ٤٩، کراچی ٢/ ١٦٩، المحیط البرهاني، المجلس العلمي ٢/ ٤٨٤، رقم: ٢٢٤١، زاد المعاد ١/ ٤٤١، هندیه، زکریا جدید١/ ٢١١، قدیم ١/ ١٥٠)

(۳) اگر بڑی عیدگاہ کی ضرورت ہے تو سب لوگوں کا متفق ہوکر آبادی سے باہر عیدگاہ کیلئے کوئی جگہ تجویز کر لینا مناسب ہے، اور موجودہ عیدگاہ جو پرانی مسجد ہے مسجد کی جگہ پر مسجد ہی تعمیر کرنا لازم ہے، اور حدود مسجد کے علاوہ بقیہ جگہ میں کوئی دینی مدرسہ قائم کردینا چاہئے اس سے حفاظت بھی ہوگی اور دین کی ترقی بھی ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۶۱)

مسجد توڑ کر عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گاؤں سیہ سرائے میں سڑک کے پاس عام قبرستان کے ایک کونے میں پچھلے سال سے ایک مسجد تعمیر ہے، جس میں پنجگانہ جماعت تو نہیں ہوتی ہے، لیکن لوگ اور مسافر نماز پڑھتے رہتے ہیں، اب گاؤں کے سب لوگ ہی اس مسجد کو عید کی نماز پڑھنے کیلئے بنانا چاہتے ہیں، کیونکہ عید کی

نماز پڑھنے کیلئے کوئی میدان نہیں ہے، مسجد کو بدستور رکھتے ہوئے، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

المستفتي: محمد منتظر، سید مزرعہ، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مسجد ایک مرتبہ شرعی طریقہ سے مسجد بنالی جائے وہ ہمیشہ مسجد ہی کے حکم میں رہے گی اسکو غیر مسجد کے کام میں لانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۳۷، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۱۴۹)

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام والثاني أبداً إلىٰ قيام الساعة وبه يفتى. (الدر مع الرد، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره زكريا ٦/ ٦٦٥، كراچى ٤/ ٤٤٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٥٩٥، مصرى قديم ١/ ٧٤٨، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٥١، زكريا٥/ ٤٢٠)

البتہ مسجد کو بدستور قائم رکھتے ہوئے عید کی نماز اس میں پڑھنا درست ہے، ایک مرتبہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عید کی نماز بارش کی وجہ سے مسجد میں پڑھائی ہے۔

عن أبي هريرة رضـ أنه أصابهم مطر في يوم عيد، فصلى بهم النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العيد فى المسجد. (ابوداؤد شريف، باب يصلى بالناس فى المسجد إذا كان يوم مطر، النسخة الهندية ١/ ١٦٤، دارالسلام رقم: ١١٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۸۴)

عیدگاہ منہدم کر کے مسجد بنانا

سوال: [۸۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موضع کلہابگلہ ضلع مرادآباد کی عیدگاہ جو آبادی کے باہر تھی، اب گاؤں کی آبادی کے بڑھ جانے کی

وجہ سے عیدگاہ آبادی میں آ گئی ہے، اور گاؤں میں صرف ایک مسجد ہے، جو نمازیوں کیلئے دور بھی ہوگئی ہے، اس لئے گاؤں والوں کی خواہش ہے کہ موجودہ عیدگاہ کو منہدم کر کے اس جگہ پر دوسری مسجد تعمیر کر لی جائے، اور عیدگاہ دوسری جگہ بنالی جائے، شرعی جواب سے نوازا جائے؟

المستفتي: حافظ عبد السلام، ناظم دفتر جامعہ اسلامیہ عربیہ رحمانیہ، ٹانڈہ بادلی، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ گاؤں میں جواز عیدین کی شرائط موجود ہیں، تو پورے گاؤں کے لوگ متفقہ طور پر آبادی کے اندر آئی ہوئی عیدگاہ کو مسجد بنانے کی نیت کر لیں، اور سب مل کر سنت کے مطابق آبادی سے باہر عیدگاہ بنالیں، تو محض جائز ہی نہیں بلکہ یہی عین سنت ہے، کیونکہ عید کی نماز میں اصل سنت آبادی سے باہر جا کر نماز عید ادا کرنا ہے، لہٰذا گاؤں والوں کا مذکورہ پروگرام مقتضی شریعت کے بالکل مطابق ہے۔

عن أبي سعيد الخدري قال كان النبي ﷺ يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى. (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب الخروج إلىٰ المصلى بغير عذر، النسخة الهندية ١/١٣١، رقم: ٩٤٦، ف:٩٥٦)

عن علي رضي الله عنه قال: من السنة الصلاة في الجبان. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/٩٦، رقم: ٥٣٣١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٢٠٩، مستفاد: فتاویٰ رحيميه ٦/٨٢، جديد زكريا ٩/٩٨)

ثم خروجه ماشيا إلىٰ الجبانة وهي المصلى العام الخ. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب العيدين، زكريا ٣/٤٨، ٤٩، كراچی ٢/١٦٨)

والخروج إلىٰ الجبانة سنة لصلوٰة العيد، وإن كان يسعهم المسجد الجامع عندعامة المشائخ هو الصحيح الخ. (البحرالرائق، كوئٹه ٢/١٥٩، زكريا ٢/٢٧٨، هنديه، زكرياقديم ١/١٥٠، جديد١/٢١١، قاضيخان، زكريا جديد١/١١٤،

وعلی هامش الهندية ١/ ١٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۲۶)

عیدگاہ کیلئے وقف کی گئی زمین پر مسجد بنانا

سوال: [۸۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آراضی عیدگاہ کیلئے وقف تھی بعد میں واقفین حضرات نے اس آراضی کو مسجد کیلئے تبدیل کیا تو کیا یہ تبدیلی جائز ہے؟ جب اس عیدگاہ کی زمین کو دوبارہ مسجد کیلئے وقف کیا گیا تو کچھ شرائط بھی رکھی گئی تھیں، ان میں سے ایک شرط یہ تھی، کہ اس مسجد کیلئے ایک متولی کے ساتھ ساتھ ۹؍افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ہوگی کمیٹی میں دو افراد واقفین کے ورثاء میں سے چنے جائیں گے، پھر وہی دو افراد اپنی مرضی سے ۲؍دیگر افراد کو چنیں گے، پھر متولی خود ایک فرد کو چنے گا، پھر باقی چار افراد عام لوگوں میں سے چناؤ کے ذریعہ چنے جائیں گے، یہ شرط جمہوریت کے خلاف معلوم ہوتی ہے، اسلئے اکثر محلّہ والوں کا ان واقفین سے کہنا ہے کہ آپ حضرات اس شرط کو بدل کر کوئی دوسری شرط رکھیں، جو جمہوریت کے مطابق ہو اس پر وہ حضرات کچھ خاص لوگوں کے سامنے رضامند ہو گئے اور ایک کمیٹی بھی ہاتھوں ہاتھ ان کی رضامندی سے تشکیل دی گئی جن کی شکل یہ ہے کہ ۱۳؍افراد پر مشتمل کمیٹی ہوگی جن میں واقفین کے ورثاء میں سے ۳؍افراد اور باقی افراد چناؤ کے ذریعہ یا قرعہ کے ذریعہ چنے جائیں گے، لیکن کچھ روز بعد جب دلیل ہوتی ہے، تو واقفین حضرات کہتے ہیں، کہ ہم اس شرط کو نافذ کر تو دیتے مگر شریعت اس تبدیلی کی اجازت نہیں دیتی کیا اقرار کے بعد پھر ان کا یہ کہنا صحیح ہے، کیا شریعت میں واقعی اس تبدیلی کی کوئی اجازت نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو حوالہ سے لکھیں؟ اور ہے تب بھی حوالہ

سے ثابت کریں کیا غلط شرط کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی؟

المستفتي: شریف الاسلام، ۲۴؍ پرگنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ کے لئے وقف کی گئی زمین کو اگر واقفین ضرورت کی بنا پر مسجد میں تبدیل کردیں تو یہ تبدیل کرنا جائز ہے، اور واقفین کو کمیٹی کیلئے افراد منتخب کرنے کا پورا پورا اختیار ہے، کسی کو کسی قسم کی شکایت اور اعتراض کا حق حاصل نہیں ہے، البتہ واقفین کو اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ کمیٹی کے افراد منتخب کرتے وقت ایسے لوگوں کا انتخاب کریں جن سے آگے چل کر مسجد کیلئے دینی یا دنیوی کسی قسم کی شکایت کا خطرہ نہ ہو۔

لو أن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنىٰ قوم عليها مسجدا لم أر بذلک بأساً وقوله فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلىٰ المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين . (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركى الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربى ٤/ ١٧٩، زكريا ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحديث/ ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد اشرفيه ٢/ ١١٨)

أما الواقف فله عزل الناظر مطلقاً به يفتى . (شامى، الوقف، مطلب في عزل الناظر، زكريا ٦/ ٥٨٠، ٦/ ٦٤١، كراچى ٤/ ٢٨٢، ٤/ ٤٢٧)

إن الولاية للواقف ثابتة مدة حياته ، وإن لم يشترطها وأن له عزل المتولى . (شامى، زكريا ٦/ ٦٣٣، كراچى ٤/ ٤٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۵۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۶/۱۴۲۶ھ

قدیم مسجد کو توڑ کر عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر پرانی مسجد کو توڑ کر وہاں پر عیدگاہ بنانا چاہیں تو کیسا ہے؟ حوالہ کیساتھ جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں، تاکہ ہمارے درمیان اختلاف ختم ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ آپ کو ثواب دارین سے سرفراز فرمائے، کرم ہوگا؟

المستفتي: ربیع الحق، مرشد آبادی، صوبہ مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے، قیامت تک کیلئے اس کا مسجد ہی رہنا لازم اور ضروری ہے، ہاں البتہ جمعہ ہونا ضروری نہیں ہے، پانچوں وقت کی نماز ہو جانا کافی ہے۔

إن المسجد إذا خرب يبقى مسجداً أبداً. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجدأو غيره، زكريا ٥٤٩/٦، كراچي ٣٥٩/٤، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٥٩٥/٢، مصرى قديم ٧٤٨/١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٢٥/٣٧، الفقه الإسلامى، وأدلته دارالفكر ٧٦٧٢/١٠، هدىٰ انٹر نيشنل ديو بند ٢١٧/٨)

لأنه مسجد إلىٰ عنان السماء وكذا إلىٰ تحت الثرىٰ كما فى البيرى عن الاسبيجابى. (شامى، الصلاة، مطلب فى أحكام المسجد، زكريا ٤٢٨/٢، كراچي ٦٥٦/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۴۸/۳۸)	۱۴۲۶/۶/۱۰ھ

آبادی میں واقع عیدگاہ کو مدرسہ بنانا

سوال: [۸۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید

نے کچھ آراضی عیدگاہ کے نام وقف کی وقف کرتے وقت وہ آراضی آبادی سے باہر تھی، لیکن آہستہ آہستہ آبادی بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ عیدگاہ آبادی کے اندر ہوگئی، اوراس میں مکتب کی شکل میں بچوں کی دینی تعلیم بھی ہونے لگی اب لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس عیدگاہ میں مستقل مدرسہ قائم کردیا جائے، اور عیدگاہ کیلئے آبادی سے باہر دوسری زمین خرید لی جائے، اور یہ خریداری مخصوص لوگوں کے عطیہ سے ہوگی ،تو ایسا کرنا صحیح ہے یانہیں؟مفصل ومدلل بیان فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي:بشیر احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:جب عیدگاہ آبادی کے اندرآ گئی ہے تواس کو مدرسہ بناکر وہاں تعلیم جاری کرنا اوراس کی جگہ آبادی سے باہر زمین خرید کر عیدگاہ بنانا جائز ہے۔(مستفاد:ایضاح المسائل/۳۵)

عن أبی سعید الخدری قال کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی . (صحیح البخاری، کتاب العیدین، باب الخروج إلیٰ المصلی، بغیر عذر، النسخة الهندية ۱/۱۳۱، رقم: ۹٤٦، ف: ۹٥٦)

والثاني: أن لایشرطه سواء شرط عدمه أو سکت ؛ لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة ، بأن لا یحصل منه شیئی أصلاً ،أو لا یفي بمؤنته فهو أیضاً جائزعلی الأصح. (الدر مع الرد، الوقف ، مطلب في استبدال الوقف وشروطه ، زکریا ٦/٥٨٣، کراچی ٤/٣٨٤، الأشباه والنظائر، کراچی ١/٣٠٥، الموسوعة الفقهية الکویتية ٤٤/١٩٦، الفقه الإسلامی وأدلته ، دارالفکر ١٠/٧٦٧٥، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند٨/٢١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/ ۳۹۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۱۳ھ

عیدگاہ کو مدرسہ بنا کر دوسری عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے کچھ آبادی عیدگاہ کیلئے وقف کی وقف کرتے وقت وہ آراضی آبادی سے باہر تھی، لیکن آہستہ آہستہ آبادی بڑھتی گئی یہاں تک وہ عیدگاہ آبادی کے اندر ہوگئی، اس میں مکتب کی شکل میں بچوں کی دینی تعلیم بھی ہونے لگی، اب لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اس عیدگاہ میں مدرسہ قائم کردیا جائے اور عیدگاہ کیلئے آبادی سے باہر دوسری زمین خریدی جائے، اور وہ خریداری مخصوص لوگوں کے عطیہ سے ہوگی، ایسا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، مدرسہ بشیریہ سکر ہٹہ خورد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ کی کمیٹی اور ذمہ داروں کی اجازت سے جو عیدگاہ آبادی میں آگئی ہے اس میں دینی مدرسہ بنانا اور اس کے عوض میں آبادی سے باہر دوسری عیدگاہ بنانا شرعاً جائز ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۵۴، ڈابھیل ۱۵/۳۳۵)

عن علي – رضی الله عنه – قال: الخروج إلیٰ الجبان فی العیدین من السنة . (المعجم الأوسط، دارالفکر ۳/۱۱۶، رقم: ۴۰۴۰)

والثاني: أن لایشرطه سواء شرط عدمه أو سکت ؛ لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیة ، بأن لا یحصل منه شیئی أصلاً ،أو لا یفي بمؤنته فهو أیضاً جائز علی الأصح. (شامی، الوقف، مطلب في استبدال الوقف و شروطه، زکریا ۶/۵۸۳، ۵۸۴، کراچی ۴/۳۸۴، الأشباه والنظائر، کراچی ۱/۳۰۵، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۴/۱۹۶، الفقه الإسلامي وأدلته، هدیٰ انٹر نیشنل دیو بند ۸/۲۱۹، دارالفکر ۱۰/۷۶۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۵/۱۴۱۴ھ

عیدگاہ کومسجد میں تبدیل کر کے شہر کے باہر عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج سے تقریباً ۳۵/سال پہلے ہمارے علاقہ میں ایک عیدگاہ بنانے کیلئے قرب وجوار کے تمام مسلمانوں نے مشورہ کیا چنانچہ جگہ کا انتخاب ہمارے گاؤں کے اندر ایک چوراہے کے پاس لب سڑک لکھنؤ اور سلطانپور روڈ پر کیا گیا، لیکن اسی وقت میرے گاؤں سے متصل ایک دوسرے گاؤں والوں نے دوسری عیدگاہ بنانا شروع کردی، دونوں کے درمیان فاصلہ ۱۰۰/۱۵۰/میٹر ہی کا ہے، ادھر عام حضرات کی رائے سے یہ عیدگاہ بھی تعمیر کی گئی، اب ادھر کچھ سالوں سے اس چوراہے پر دوکانیں بن گئی ہیں اوراس کے آس پاس کچھ مکانات بھی بن گئے ہیں، اورصبح وشام مسلمانوں کی خاصی تعداد یہاں رہتی ہے، اس وجہ سے یہاں ایک مسجد کی ضرورت ہے، اس بارے میں اس چوراہے کے پاس تمام گاؤں والوں کی مرضی ہے کہ میرے گاؤں کی سرحد میں پائی جانے والی عیدگاہ جوتمام قرب وجوار کے مسلمانوں کی رائے سے عیدگاہ بنی تھی، اسے جامع مسجد بنا دیا جائے لیکن ہمارے گاؤں والوں کا کہنا ہے کہ ہم تم کو اسی سڑک کے آس پاس دوسری زمین مسجد کیلئے دے سکتے ہیں، پر اپنے آباء واجداد کی بنائی ہوئی عمارت اور عیدگاہ میں مسجد نہیں بنانے دیں گے، ادھراس چوراہے اور بازاروالے ہماری عیدگاہ میں ٹین شیٹ لگا کر پانچوں وقت کی نماز اور جمعہ ادا کر رہے ہیں، نیز یہ واضح رہے کہ عیدگاہ کی زمین میرے گرام سبھا کی ہے، جسے میرے دادا مرحوم سابق پردھان نے عیدگاہ کے لئے وقف کیا تھا، لیکن وقف بورڈ میں اس کا اندراج نہیں ہوا ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس عیدگاہ کو جامع مسجد بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ میرے گاؤں والوں کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟ (زمین میرے ہی گاؤں کی ہے) رضامندی میں گاؤں کی اکثریت کا اعتبار ہوگا یا ایک ایک فرد کی رضامندی ضروری ہے، نیز اس وقت اس میں جونماز پڑھی جارہی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ گاؤں کے بعض حضرات

ناپسند کرتے ہیں، اگر میرے گاؤں کا کوئی فرد اس میں نماز پڑھنے سے منع کرے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے؟

المستفتي: مقبول احمد، منڈوی،
شاہ پور، ضلع: سلطان پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ کو مسجد بنانے کیلئے وہاں کے ذمہ داران اور عیدگاہ کے متولی یا کمیٹی کی مرضی لازم ہے، نیز جب عیدگاہ آبادی کے اندر آجائے تو اسکو مسجد میں منتقل کرکے آبادی سے باہر عیدگاہ بنانا بہتر ہے، مگر یہ کام ذمہ داروں کی رضامندی سے کرنا لازم ہے۔

عن علي رضي الله عنه قال: من السنة الصلاة في الجبان. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/٩٦، رقم: ٥٣٣١، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٢/٢٠٩)

والثاني: أن لايشرطه سواء شرط عدمه أو سكت؛ لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية، بأن لا يحصل منه شيئ أصلاً، أولا يفي بمؤنته فهو أيضاً جائز على الأصح. إذا كان بإذن القاضي ورأيه المصلحة فيه.

(الدر مع الرد، الوقف، مطلب في استبدال الوقف وشروطه، كراچی ٤/٣٨٤، زكريا ٦/٥٨٣، ٥٨٤، الأشباه والنظائر، كراچی ١/٣٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٩٦، الفقه الإسلامي وأدلته، هدیٰ انٹرنیشنل دیوبند ٨/٢١٩، دار الفكر ١٠/٧٦٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۳۹)

گرام پنچایت کی زمین میں عیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گرام سبھا میں تین گاؤں شامل ہیں جس میں ایک جگہ خالی پڑی ہے اور وہاں پر میلہ لگتا ہے، اور اس کے متصل دوسرے گاؤں کے لوگ اور اس گاؤں کے لوگ تعزیہ دفن کرتے ہیں، حالانکہ دوسرے گاؤں کے لوگ اعتراض کرتے ہیں اور وہ جگہ گرام پنچایت کی ہے، اور نہ تو اس کی خریداری عیدگاہ کے نام سے ہوئی ہے، اور نہ ہی اس کی کوئی رسید عیدگاہ کے نام کسی پردھان نے ابھی تک کاٹی ہے، موجودہ پردھان نے بغیر کسی لکھا پڑھی کے عیدگاہ بنانے کی اجازت دیدی ہے، اور اعتراض کردہ اس گرام سبھا میں شامل نہیں ہیں، تو ایسی صورت حال میں وہاں عیدگاہ کی تعمیر درست ہے یا نہیں؟ اگر سنگ بنیاد رکھدیا گیا ہے، تو وہاں نماز عید پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: ظہیر احمد، دھراوان، دوھرارہ، ضلع کھیر لکھیم پور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ زمین نہ گرام سبھا کی ہے اور نہ ہی کسی مخصوص شخص کی ملکیت ہے بلکہ گرام پنچایت کی زمین ہے، تو ایسی صورت میں اگر پردھان نے گرام پنچایت کی اجازت سے عیدگاہ کیلئے متعین کردی ہے، یا خود پردھان گرام پنچایت کا ذمہ دار ہے، اور اس نے عیدگاہ بنانے کی اجازت دیدی ہے تو شرعی طور پر اس کو عیدگاہ کے لئے متعین کرنا اور اس کو عیدگاہ بنانا درست ہوجائے گا، بہتر یہ ہے کہ اس کے لئے کاغذات میں لکھا پڑھی کردی جائے، تاکہ آئندہ کسی اختلاف اور جھگڑے کا شکار نہ بن سکے، اور اگر وہ زمین کسی افسر سے متعلق ہے تو اس سے تحریری اجازت لینی چاہئے تاکہ بعد میں اختلاف کا سبب نہ بن سکے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۴۴، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۳۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۶۸۱/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۵ھ

سرکاری اسکول کوعیدگاہ بنانا

سوال: [۸۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اسکول جو سرکاری ملکیت میں ہے، لوگوں نے اجازت دی کہ اس کو عیدگاہ بنالیا جائے، لیکن سرکار نے اجازت نہیں دی ہے، اب اسکول کے صحن کو عیدگاہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد ابوسعید مالاہی، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سرکار اور میونسپلٹی کی اجازت کے بغیر محض عوام کی اجازت سے اسکول کی زمین اور اس کے صحن کو عیدگاہ بنالینا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/۴۴، جدید زکریا مطول ۱۰/۳۲۵)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه ، أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه . (شعب الإيمان ، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة ،دارالكتب العلمية بيروت ٤ /٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

لايجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلاسبب شرعي ، لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك الغير بغيرإذنه . (قواعد الفقه ، اشرفی /١١٠، رقم: ٢٦٩، ٢٧٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۲۷ھ

عیدگاہ میں شادی ہال یا اسکول بنانا

سوال: [۸۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر میں عیدگاہ کی حفاظت کے پیش نظر چہار دیواری کردی گئی تھی، لیکن اب عیدگاہ کے کچھ حصہ میں ٹین شیٹ ڈال کر شادی ہال بنا کر باراتوں کو ٹھہرایا جاتا ہے، اور باراتوں کے کھانے وغیرہ تیار کرنے کیلئے باورچی خانہ بھی تیار کردیا گیا ہے، نیز عیدگاہ میں جہاں نماز ہوتی تھی اسی حصہ میں بیت الخلاء پیشاب خانہ وغیرہ بھی بنادیا گیا ہے، اور شادی بیاہ وغیرہ کے موقعہ پر فوٹوگرافی بے پردہ عورتوں کی آمد ورفت نیز ناچ گانا وشراب نوشی بھی ہوتی ہے، نیز مستقبل میں عیدگاہ کو پاٹ کر لڑکیوں کا انگلش میڈیم اسکول قائم کیا جارہا ہے، اوران تمام چیزوں پر زکوٰۃ وصدقات وچرم قربانی کی رقوم بھی خرچ کی جاتی ہیں۔

اب جواب طلب امر یہ ہے کہ عیدگاہ کو قیام بارات کیلئے استعمال کرنا طلباء وطالبات کیلئے اسکول یا ہوسٹل قائم کرنا، نیز ان چیزوں پر چرم قربانی زکوٰۃ وصدقات کی رقوم کو خرچ کرنا شرعاً جائز ہے یانہیں؟ اور جولوگ ان امور کیلئے اپنی رقوم دیتے ہیں، کیا ان کے صدقات وزکوٰۃ ادا ہوجاتے ہیں، یانہیں؟ ایسے شخص کو متولی باقی رکھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسے شخص کو تولیت سے علیٰحدہ کرکے عوام کو دوسرے متولی کا انتخاب کرنا شرعاً لازم ہے یانہیں؟

سوال کے ہر جز کا جواب مفصل ومدلل تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد حنیف قریشی، اسماعیل نگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ عیدگاہ بہت سے امور میں مسجد کا حکم رکھتی ہے، اسلئے وہاں پر شادی ہال بنانا اور باراتوں کے کھانے کیلئے باورچی خانہ بنانا اور بیت الخلاء پیشاب خانہ وغیرہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے، نیز وہاں پر ایسی بارات کا ٹھہرانا جس میں ناچ گانا شراب نوشی وغیرہ حرام امور کا ارتکاب ہوتا ہو، ناجائز وحرام اور گناہ کبیرہ ہے، اور

اس سے بڑھ کر اسمیں انگلش میڈیم اسکول قائم کرنا موقوفہ عیدگاہ پر ناجائز قبضہ ہے، وہاں کے تمام مسلمانوں پر لازم ہے، کہ جومتولی یا ذمہ دار یہ حرکتیں کررہا ہے، اس کوفوری طور پر برطرف کرکے دوسرا دیانتدار حلال وحرام اور جائز وناجائز امور سے واقف کار اور خدا کا خوف رکھنے والے شخص کوعیدگاہ کا متولی یا ذمہ دار بنائیں، نیز وہاں جب اسکول ہی قائم کرنا جائز نہیں ہے، تو زکوٰۃ وصدقات واجبہ کا مصرف کہاں سے ہوگا۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ کراچی ا/ ۵۸۰، امداد المفتیین کراچی/ ۸۱۵)

وقال بعضهم له حكم المسجد حال أداء الصلوٰة لاغير وهو والجبانة سواء ويجنب هذا المكان كما يجنب المسجد احتياطاً.

(البحرالرائق، الوقف، فصل في أحكام المسجد، زكريا ٥/٤١٧، كوئٹه ٥/٢٤٨، حاشية چلپي، مكتبه امداديه ملتان ١/١٦٨، زكريا ١/٤٢٠، الدر مع الرد، كراچی ٤/٣٥٦، زكريا٦/٥٤٥)

لم يخرجه القاضي من الولاية إلابخيانة ظاهرة الخ. (هنديه، الوقف، الباب الخامس، زكرياجديد٢/ ٣٩٠، قديم ٢/٤٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٦/ ١٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ رشوال المکرّم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۱۰/ ۱۴۱۹ھ

مسجد اور عیدگاہ کی آمدنی مخلوط کرکے رکھنا

سوال: [۸۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد وعیدگاہ کی آمد وخرچہ ایک جگہ رہتا تھا، کیونکہ گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے، اور ایک ہی عیدگاہ یہ اشتراک جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ خرچ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، مسجد کا خرچ زیادہ ہے اور عیدگاہ کا کم لہٰذا جواب دیکر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید، امام مسجد مانپونگر، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح اشتراک جائز نہیں ہے، بلکہ دونوں کی آمدنی الگ الگ رکھنا لازم ہے، ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/ ۵۹۶، مجموعۃ الفتاویٰ ۲/ ۱۴۶)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنى والآخر للاشتغال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتوىٰ الخ.

(شامي، الوقف، مطلب في نقل انقاض المسجد ونحوه ، زكريا ٦/١ ٥ ٥، كراچی ٤/ ٣٦١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵؍ ۱۷۱۷)

عیدگاہ کو شادی بیاہ کیلئے دینا

سوال: [۸۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) شہر میرٹھ کی عیدگاہ کو شادی بیاہ کیلئے دینا جائز ہے یا نہیں؟ بالخصوص جبکہ شادیوں میں عموماً کھلم کھلا شراب کا استعمال ہو جاتا ہو؟

(۲) موجودہ دور میں عام طور پر شادیوں کی تقریبات میں مرد و عورتیں ایک ساتھ شرکت کرتے ہیں، شرعی طور پر پردہ کا لحاظ ایسی تقریبات ختم کر دیتی ہیں، جس سے نوجوان لڑکے و لڑکیاں عیدگاہ کے مقام کا خیال نہیں کرتے، معاشرہ میں اس عمل سے نقصان ہو رہا ہے، گویا عیدگاہ کی حرمت پامال ہو رہی ہے؟

(۳) عیدگاہ کا کوئی ذمہ دار شخص کیا اپنی ذمہ داری سے بچ سکتا ہے، جبکہ وہاں شراب نوشی ہو؟

(۴) کیا اس غیر ذمہ دار شخص کو یہ اختیار حاصل ہے، کہ وہ چشم پوشی سے کام لے از راہ کرم مدلل و مفصل جواب تحریری کتاب وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں تاکہ قوم کو آنے والے فتنوں سے محفوظ رکھنے میں آپ کا جواب معاون ومددگار ہو سکے؟

المستفتي: وصی الدین، ومسلمانان شہر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱-۲) عیدگاہ من وجہ مسجد ہے، اس لحاظ سے اس کا احترام لازم ہے، لٰہذا وہاں پر ایسی شادی کے لوگوں کو ٹھہرانا سخت ترین گناہ ہے، جو شراب نوشی کرتے ہیں، نیز سوالنامہ میں جتنی خرافات کا ذکر ہے، ان میں سے کسی بھی امر کا ارتکاب عیدگاہ میں جائز نہیں ہے۔

(۳-۴) عیدگاہ کے ذمہ داروں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کو وہاں جانے نہ دیں، ورنہ گناہ میں خود بھی شامل ہوں گے، غیر ذمہ دار لوگ اگر منع کرنے پر قادر ہیں، تو ان کو بھی ممانعت کرنے میں حصہ لینا چاہئے۔

أما مصلى العيد لايكون مسجداً مطلقاً وإنما يعطى له حكم المسجد فى صحة مصلى العيد بالإمام وقال بعضهم (إلىٰ قوله) ويجنب هذا المكان عما يجنب عنه المساجد احتياطاً الخ. (شامي، الوقف، قبيل في احكام المسجد، زكريا ٦/ ٥٤٥، كراچي ٤/ ٣٥٦، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٢٤٨، زكريا ٥/ ٤١٧، حاشية چلپی امدادیه ملتان ١/ ١٦٨، زكريا ١/ ٤٢٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رمحرم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱/۲۸ھ

عیدگاہ کو بازار لگانے کیلئے کرایہ پر دینا

سوال: [۸۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چوکھا کے پل پر جو منگل کا بازار لگتا تھا، کسی بنا پر اب وہ وہاں سے ختم ہوگیا ہے، اب اگر اس کو عیدگاہ کے میدان میں لگایا جائے، اور اس کی آمدنی عیدگاہ کے فرش یا اس چہار دیواری میں لگائی جائے تو کیسا ہے؟ اگر اس جگہ جائز نہیں تو رانڈ اور بیواؤں پر صرف کیا جائے، تاکہ اس پیسہ سے وہ اپنی ضروریات پوری کرسکیں، لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: حافظ شبیر احمد، رحمت نگر، گلی نمبر۲، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: عیدگاہ بہت سے احکام میں باتفاق علماء مسجد کا حکم رکھتی ہے، نیز نفس عبادت گاہ ہونے کی حیثیت سے بھی عیدگاہ انتہائی حرمت وعظمت کی حامل ہے، جس طرح موقوفہ عیدگاہ میں کھیل تماشہ، کشتی وغیرہ کرنا اسی طرح اس کو گانا باجے کی جگہ بنا لینا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، اسی طرح عیدگاہ کو بازار کی جگہ بنالینا جہاں پر نہ جانے کتنے امور خلاف شرع انجام پائیں جس سے عیدگاہ کی حرمت وعظمت پامال ہوتی رہے، قطعاً جائز نہیں، جبکہ حدیث شریف میں آقاء نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ سب سے اچھی جگہ مساجد ہیں، اور سب سے بری جگہ بازار ہیں، چونکہ عیدگاہ بھی بہت سے امور میں مسجد کا حکم رکھتی ہے، اسلئے بازار جیسی بری جگہ کیلئے عیدگاہ کو استعمال کیلئے کرایہ پر دینا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۲۸، فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۲۱۵، کفایت المفتی ۳/۱۴۲، جدید زکریا مطول ۱۰/۴۵۰، امداد المفتیین / ۸۱۵، مسائل عیدین/۲۷، ۷۷، مسائل مسجد/ ۲۶۰)

ویجنب هذا المكان كما يجنب المسجد احتياطاً. (البحرالرائق، الوقف، فصل في احكام المسجد، كوئٹه ۵/ ۲٤۸، زکریا ۵/ ٤۱۷، الدر مع الرد، زکریا ٦/ ٥٤٥، کراچی ٤/ ۳٥٦، حاشية چلپی امدایه ملتان ۱/ ۱٦۸، زکریا ۱/ ٤۲۰)

عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ لجبريل: .... خير

البقاع المساجد ، بیوت اللہ فی الأرض ......شر البقاع الأسواق. (المعجم الأوسط ، دارالفکر ۵/۲۲۳، رقم: ۷۱۴۰، مجمع الزوائد ، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۷۹)

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال أحب البلاد إلیٰ اللہ تعالیٰ مساجدھا و أبغض البلاد إلیٰ اللہ تعالیٰ أسواقھا. (مسلم شریف، باب آحب البلاد إلیٰ اللّٰہ تعالیٰ مساجد ھا ، النسخۃ الھندیۃ ۱/۲۳۶، بیت الأفکار رقم: ۶۷۱، صحیح ابن خزیمہ المکتب الإسلامي ۱/۶۳۷، رقم: ۱۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۴)

وقف کی زمین میں میلہ لگانا اور اس کے کرایہ کا حکم

سوال: [۸۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے قصبہ میں عیدگاہ اور قبرستان وقف علی الخیر ہیں، عیدگاہ سے متصل ہی قبرستان ہے، ہمارے یہاں عیدگاہ کا متولی قبرستان وعیدگاہ دونوں کا انتظام کرتا ہے، اور آمد وخرچ کا حساب بھی ان ہی کے پاس ہے، عیدگاہ متولی کے زیر انتظام ایک میدان ہے، میدان وقف علی الخیر ہے، جس میں ہر سال عید الفطر کے موقع پر ایک ہفتہ کیلئے ایک میلہ لگایا جاتا ہے، اس میلہ کا انتظام عیدگاہ متولی کی طرف سے کیا جاتا ہے، عیدگاہ متولی اس میلہ کا ٹھیکہ نیلام کرتا ہے، متولی اس میلے کے ٹھیکے سے ہونے والی آمدنی کے کچھ حصہ کو عیدگاہ وقبرستان پر خرچ کرتا ہے، اس میلے میں ہوٹل اور ریسٹورینٹس کے علاوہ فسق وفجور کے تمام پروگرام ہوتے ہیں، ناچنے گانے اور سرکس وغیرہ کے پروگرام بھی ہوتے ہیں، ناچنے گانے کی پارٹیاں ہوتی ہیں، سرکس اور دوسرے تفریحی پروگراموں میں نیم برہنہ خواتین بھی ناچتی ہیں، دوسرے کرتبوں میں جسم کی نمائش کرتی ہیں، اس میلہ میں خواتین مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، خواتین بالخصوص جوان لڑکیاں مردوں کی بھیڑ میں میلہ میں شریک ہوتی

ہیں، اس میلہ کی نیلامی سے حاصل ہونے والی آمدنی کو عیدگاہ متولی عیدگاہ وقبرستان کے انتظام پر خرچ کرتا ہے، عید کی نماز کے موقع پر عیدگاہ میں نماز وخطبہ کے لئے لاؤڈ اسپیکر وغیرہ بھی اس پیسہ سے لگائے جاتے ہیں، عیدگاہ وقبرستان میں پودوں کیلئے پانی صفائی کیلئے مالی وچوکی دار کی تنخواہ بھی اسی میلہ کی آمدنی سے ادا کی جاتی ہے، حالات مذکورہ میں مسئلہ استفتاء ہے، کہ کیا میلہ کی آمدنی مذکورہ حالات میں جائز ہے یا ناجائز؟ میلہ کی آمدنی کو کیا عیدگاہ اور قبرستان میں مذکورہ کوائف میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ اس طرح کی آمدنی اگر عیدگاہ کی نماز پر خرچ کی جائے، تو اس نماز کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وقف الی اللہ کے قطعہ آراضی پر ایسے میلے ٹھیلے لگائے جاسکتے ہیں، جس میں فسق وفجور کو بڑھاوا ملتا ہے، متولی کو جب اس بارے میں متوجہ کیا جاتا ہے، تو متولی صاحب کہتے ہیں، ہم خاندانی طور پر متولی چلے آرہے ہیں، میں مالک ہوں جو چاہے کروں؟ جب کہ وقف قانون کے تحت متولی مالک نہیں ہوتا ہے، اور متولی صرف تین سال کیلئے مقرر ہوتا ہے، متولی صاحب اس وقف کو اپنی ذاتی جائداد سمجھتے ہیں، اگر کوئی متولی وقف کے املاک میں میلہ لگا کر اس طرح کے فسق وفجور کو بڑھاوا دیتا ہے، تو اس کے بارے میں کیا شرعی احکامات ہیں، براہ کرم شریعت کی روشنی میں استفتاء مرحمت فرمائیں؟

المستفتي: شہاب الدین غوری،
محلّہ منہاران، ٹانڈہ، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی بھی وقف کا متولی وقف جائداد کا مالک نہیں ہوتا ہے، وہ صرف منتظم اور نگراں ہوتا ہے، اور اس کے اوپر لازم ہوتا ہے، کہ وقف جائداد کا انتظام شریعت کے دائرہ میں رہ کر کے کرتا رہے، اور اس بات کا خیال رکھے کہ وقف جائداد کے انتظام میں خلاف شریعت کوئی عمل کر کے اپنی آخرت برباد نہ کرے، سوالنامہ میں جس میدان کا ذکر کیا گیا ہے، وہ میدان نہ قبرستان کا جز ہے، اور نہ ہی

عیدگاہ کا جز ہے، بلکہ دونوں سے الگ تھلگ ایک تیسرا میدان ہے منتظم کیلئے اسکوٹھیکہ اور کرایہ پر دینا جائز اور درست ہے، لیکن منکرات کے عمل اس میدان پر کرنے کی نیت سے دینے میں تعاون علی المعصیت کی وجہ سے متولی گنہگار رہوگا، مگراس میدان کا جوکرایہ آتا ہے، وہ میدان اورجائداد کا کرایہ ہوتا ہے، معصیت کے عمل کا کرایہ نہیں ہے، پس یہ میدان کے کرایہ کا پیسہ فی نفسہ جائز اورحلال ہے، اورمعصیت ومنکرات کا عمل فاعل مختار کا عمل ہے، جس کا گناہ فاعل مختار پر ہی ہوگا، اوراس گناہ کا وبال اس متولی صاحب کے سر بھی ہوگا، جس نے اس میدان پر منکرات کی کھلی عام اجازت دے رکھی ہے، لٰھذا متولی صاحب کوخود اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔

وجاز اجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نارٍ أو كنيسةً أو بيعةً أو يباع فيه الخمر . (تحتهٗ فى الشامية) هذا عنده أيضاً لأن الإجارة على منفعة البيت ولهٰذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه وإنما المعصية بفعل المستأجر وهو مختار فينقطع نسبته عنه . (شامی، كتاب الخطر والإباحة ، باب الأستبراء وغيره ، فصل فى البيع، زكريا ۹/۵٦۲، کراچی ٦/۳۹۲)

ولا بأس بأن يؤاجر المسلم داراً من الذمي ليسكنها فإن شرب فيها الخمر أوعبد فيها الصليب أوأدخل فيها الخنازير لم يلحق المسلم إثم في شيئى من ذلك لأنه لم يؤاجرها لذلك ، والمعصية في فعل المستاجر وفعله دون قصد ربّ الدار فلا إثم على ربّ الدار فى ذلك . (المبسوط لسرخسی، دارالكتب العلمية بيروت ١٦/٣٩)

إذا استأجر الذمي من المسلم داراً يسكنها فلا بأس بذلك وإن شرب فيها الخمر أوعبد فيها الصليب أوأدخل فيها الخنازير ولم يلحق المسلم في ذلك بأس ؛ لأن المسلم لايؤاجرها لذلك إنما آجرها

للسکنیٰ کذا فی المحیط...... ذمي استأجر داراً من مسلم فاتخذها مصلیً لنفسه لم یمنع لأنه لیس في اتخاذه مصلیًّ لنفسه إحداث بیعة ولا إظهار شیئی من شعائر دینهم فی أمصار المسلمین ......و إذا استأجر الذمي من المسلم بیتاً لیبیع فیه الخمر جاز عند أبي حنیفةؒ . (عالمگیری ، کتاب الإجارة ، الباب السادس عشر في مسائل الشیوع فی الإجارة، زکریا قدیم ۴/۴۴۹، ۴۵۰،جدید ۴ /۴۸۶)

وَلاتَعَاوَنُوا عَلٰى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (مائدہ: ۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰؍۱۱۲۴۸)

شراب کی مشین بنانے والے کی اجرت کو عیدگاہ میں استعمال کرنا

سوال: [۸۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر میرٹھ کی عیدگاہ اور حاجی صاحب کے قبرستان پر دو پھاٹک لگے ہوئے ہیں، انکا مکمل خرچ ایک ایسے شخص نے اٹھایا ہے جو کہ شراب کی مشین بناتا ہے، اس نے دونوں گیٹ اپنی جانب سے بنوا کر لگوائے ہیں ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے، اس کے یہ گیٹ لگوانے جائز تھے؟ مفصل بیان فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: وصی الدین، ومسلمانان شہر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نفس مشین بنانا اور اس کو فروخت کر کے اس کی آمدنی کا استعمال کرنا حلال ہے، اسلئے مذکورہ پھاٹک کی تعمیر جائز رقم سے ہوئی ہے، اس پر کوئی اشکال نہیں ہے، اور مشین کے ذریعہ سے جو شراب بناتا ہے، وہ شراب بنانے والے کا اپنا فعل

ہے وہ مشین بنانے والے کا فعل نہیں۔

وجاز تعمیر کنیسة وحمل خمر ذمي بنفسه أو دابته بأجر وتحته في الشامية ولو آجر نفسه ليعمل فى الكنيسة ويعمرها لا بأس به لأنه لا معصية فى عين العمل الخ. (درمختار مع الشامی، کتاب الحظر والإباحة، باب الإستبراء وغیره، زکریا ۹/ ۵٦٢، کراچی ٦/ ۳۹۱، وهکذا فی الهندية، زکریا قدیم ٤/ ٤٤٩، ٤٥٠، جدید ٤/ ٤٨٦)

ہاں البتہ بالقصد ایسا کام نہ کرنا ہی بہتر ہے، تاکہ امام صاحب اور صاحبین سب کے قول کے مطابق کراہت سے پاک رہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۶ھ

عیدگاہ کو مزین کرنا

سوال: [۸۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عیدگاہ کی محراب اور اس کے آس پاس بہت زیادہ نقش ونگار چھوٹی بڑی برجیاں بنانا جو علامتی نشان سے بہت زیادہ ہوں کیسا ہے؟ اگر پہلے سے محراب منقش ہو تو اسکی مطابقت میں ادھر ادھر مماثلت کا وقف کی رقم سے کیا حکم ہے؟

المستفتي: حمید الرحمٰن، ساکن رسول پور، امیر نگر، ضلع: کھری لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عیدگاہ میں محراب یا سمت قبلہ کی دیواروں میں اس قدر نقش ونگار بنانا جو نمازیوں کے خشوع میں خلل ڈالے ناجائز اور مکروہ ہے، یہاں یہ بات یاد رہے، کہ مال وقف وہیں خرچ کیا جائیگا جس کے لئے واقف نے وقف کیا ہو۔ (مستفاد:

فتاویٰ محمودیہ۶/۳/۱۷۱، ڈابھیل۱۵/۳۴۴،عزیز الفتاویٰ ا/ ۵۸۷)

ولا بأس بنقشه خلا محرابه فإنه يكره لأنه يلهي المصلي ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصاً في جدار القبلة . (درمختار مع الشامي ، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها، مطلب كلمة لابأس دليل على أن المستحب غيره، زكريا۲/ ۴۳۰، ۴۳۱، كراچی ۱/ ۶۵۸)

وفيه على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامي، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين ، واجبة زكريا ٦/ ٦٦٥ ، كراچی ٤/ ٤٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۷/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۷۳۱۰/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۲۲ھ

عیدگاہ میں کرکٹ کھیلنا

سوال: [۸۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عیدگاہ کے اندر کرکٹ یا پھر اس کے علاوہ کوئی دوسرا کھیل کھیلنا درست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مطلوب ہے؟

المستفتي:سخاوت حسین،شریف نگر،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :مسجد کی طرح عیدگاہ کا احترام کرنا ضروری ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی کھیل کھیلنا جائز نہیں اوراس کو بے حرمتی سے بچانا بھی ضروری ہے۔ (مستفاد:احسن الفتاویٰ۶ / ۴۲۸)

قال في الشامية: عبارة النهاية: والمختار للفتوىٰ أنه مسجد في حق جواز الاقتداء الخ لكن قال في البحر ظاهره أنه يجوز الوطء

والبول و التخلی فیه ولا یخفی ما فیه فإن البانی لم یعدهٗ لذلک فینبغی أن لا یجوز ، وإن حکمنا بکونه غیر مسجد وإنما تظهر فائدته فی حق بقیة الأحکام وحل دخوله للجنب الحائض . (الدرمع الرد، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة، ومایکره فیها ، مطلب في احکام المسجد ، زکریا ۲/ ۴۳۰، کراچی ۱/ ۶۵۷ ، مصری ۱/ ۱۵۸ ، النهر الفائق، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۸۸ ، البحرالرائق، زکریا ۲/ ۶۵، کوئٹه ۲/ ۳۶)

وأیضاً فی کتاب الوقف عن الخانیة: ویجنب هذا المکان عما یجنب عنه المساجد إحتیاطاً . (بحر،کتاب الوقف، فصل في أحکام المسجد ، کوئٹه ۵/ ۲۴۸، زکریا ۵/ ۴۱۷، الدرمع الرد، کراچی ۴/ ۳۵۶، زکریا ۶/ ۵۴۵، حاشیة چلپی امدادیه ملتان ۱/ ۱۶۸ ، زکریا ۱/ ۴۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۵ھ

۸/ باب المقبرة

کیا متفقہ قرارداد پر عمل کرنا ضروری ہے؟

سوال: [۸۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہمارے یہاں نگینہ میں ایک قبرستان کی کمیٹی نے تشکیل کے بعد اپنی پہلی میٹنگ میں اتفاق رائے سے ایک قرارداد پاس کی کہ مستقبل میں قبرستان کی کمیٹی سبھی کام اتفاق رائے سے کرے گی اور اگر اتفاق رائے نہیں بن سکی تو اکثریت رائے سے قرارداد پاس کر کے کام کو تکمیل تک پہونچایا جائے گا، نیز تمام اراکین چاہے وہ صدر صاحب ہوں یا سکریٹری یا خزانچی ہو یا ممبران ہوں سب کی رائے کا برابر احترام کرتے ہوئے قرارداد اکثریت رائے یا باتفاق رائے سے پاس کی جائیگی، اور کام کو آگے بڑھایا جائے گا، اسی فارمولہ کی روشنی میں کمیٹی کئی سال سے قبرستان کا انتظام چلاتی آرہی ہے، چند یوم قبل کمیٹی کے ایک ممبر صاحب نے کسی عالم کے حوالہ سے ایک بات رکھی کہ باوجود مندرجہ بالا قرارداد پاس کرنے کے صدر محترم کو یہ اختیار رہے کہ وہ چاہیں، باقی تمام کمیٹی کا فیصلہ پلٹ سکتے ہیں، اور اکثریت رائے اور اتفاق رائے کا احترام نہ کر کے اپنی مرضی سے نئے فارمولہ کی قرارداد پاس کرسکتے ہیں، اپنی مرضی کے مطابق کیا یہ صحیح ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر کمیٹی کی ضرورت ہی کیا ہے؟

(۲) چند یوم قبل اسی کمیٹی کے صدر صاحب انتقال کر گئے (اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) ان کے انتقال کے بعد جب پہلی میٹنگ ہوئی تو عام میٹنگ کی طرح ایک یا دو ممبران صاحبان نے یہ اعلان کیا کہ آج شام کو قبرستان کی کمیٹی کی میٹنگ دوکانوں کے کرائے بڑھانے کے بارے میں ہوگی، اور جب شام کو میٹنگ شروع ہوئی تو اچانک نئے صدر کے انتخاب کا کام اس طرح عمل میں آیا کہ ایک صاحب نے دوسرے

صاحب کا نام میٹنگ کی صدارت کے لئے رکھا باقی کمیٹی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا انہیں دوسرے صاحب نے میٹنگ کی صدارت سنبھالتے ہوئے ان سے پہلے صاحب کو جنہوں نے ان کا نام پیش کیا تھا، ان کو مستقبل کیلئے صدر منتخب کردیا جبکہ ان صاحب کا نام کسی بھی رکن نے پیش نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے علاوہ تین یا چار نام کمیٹی سے ہٹ کر آئے، (برادری ہی کے لوگ) تھے، لیکن قائم مقام صدر صاحب نے ان پر غور نہ کرکے اپنی مرضی سے صدر چن کر اعلان کردیا کہ آگے کیلئے صدر یہ ہوں گے، یہاں پر یہ کہنا بھی ضروری ہوگا کہ یہ (قائم مقام صدر صاحب وہی صاحب ہیں، جنھوں نے چند یوم قبل یہ بات کمیٹی کے سامنے رکھ کر ہلچل پیدا کردی تھی، کہ صدر صاحب کو یہ اختیار ہے کہ وہ باقی کل کمیٹی کی بات کو مانے یا نہ مانے) یہ صدارت کے انتخاب کی کارروائی کے دوران ایک رکن جو کہ سکریٹری کے عہدہ پر کام کرتے چلے آرہے ہیں، انھوں نے قائم مقام صدر صاحب سے کہا کہ مستقبل کے صدر صاحب کا چناؤ آج نہ کیا جائے، بلکہ اس کیلئے کم از کم تین یوم پہلے ایجنڈا گھومنا چاہئے، اور سب کو پتہ چلنا چاہئے کہ جو میٹنگ ہونے جارہی ہے وہ کس سلسلہ میں ہے، تاکہ سبھی اراکین خوب سوچ سمجھ کر پوری تیاری سے آئیں، لیکن قائم مقام صدر صاحب نے فرمایا کہ میں تو اپنا فیصلہ کر چکا ہوں، میں پھر عرض کررہا ہوں کہ اس میٹنگ کی کارروائی کی اطلاع دن کے دن دی گئی تھی، اور پورا ایجنڈا بتایا بھی نہیں گیا تھا، اس صورت حال میں کیا میٹنگ کے قائم مقام صدر صاحب کو اپنی مرضی سے مستقبل کے صدر صاحب کو چننے کا حق حاصل ہے یا پوری کمیٹی اتفاق رائے یا اکثریت رائے سے نئے صدر کا انتخاب کرے وہ بہتر ہے؟ جو بھی حل ہو اس کو بیان فرمائیں؟

المستفتي: تنویر عالم شمسی، اکابران اسٹریٹ، قصبہ: نگینہ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب قبرستان کی کمیٹی تشکیل دیدی گئی اور سب

نے اتفاق رائے سے یہ طے کرلیا کہ کمیٹی جو کام بھی کرے گی وہ سب کے مشورہ اور اتفاق رائے یا اکثریت رائے سے کیا کرے گی اور اس کے پابند سبھی ہوں گے، خواہ صدر ہوں یا سکریٹری یا دیگر ممبران ، تو اب اس قرارداد کے بعد صدر یا کسی کو حق نہیں پہونچتا کہ اس متفقہ قرارداد کے خلاف اپنی مرضی کے مطابق عمل کرے، اس لئے کہ اسلام میں شوریٰ اور مشورہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسلام کے بنیادی اصول اور قواعد میں سے ہے، قرآن کریم کی آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا مسلسل تعامل اس کی روشن سند ہے، نیز صدور حضرات کام کرنے میں بالکل آزاد نہیں ہیں بلکہ اہم معاملات میں ارباب حل وعقد سے مشورہ کرنے کے پابند ہیں، اس لئے اس سوال نامہ کے مطابق جب پہلے صدر کا انتقال ہوگیا، تو اب دوسرے صدر کا انتخاب بھی سب کے آپسی مشورے سے ہوگا، بغیر مشورے کے تنہا کسی آدمی کا دوسرے آدمی کو صدر منتخب کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں صرف قائم مقام صدر کے انتخاب کرنے سے اس نو منتخب صدر کو شرعاً صدر نہیں قرار دیا جائے گا۔ (مستفاد: معارف القرآن ۲/۲۲۴)

عن عبدالرحمن بن عوف قال: حج عمر فأراد أن يخطب الناس خطبة –إلىٰ– إنه لا خلافة إلا عن مشورة. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب المغازى، ماجاء في خلافة أبي بكر رضى الله عنه وسيرته في الردة، مؤسسه علوم القرآن جديد ۲۰/۵۷۳، رقم ۳۸۱۹۷)

قال ابن عطية: و الشورى من قواعد الشريعة وعزائم الأحكام من لايستشير أهل العلم و الدين فعزله واجب هذا مالا خلاف فيه وقد مدح الله المؤمنين بقوله "وأمرهم شورىٰ بينهم...... وقال ابن خويز منداد: واجب على الولاة مشاورة العلماء فيما لايعلمون وفيما أشكل عليهم من أمور الدين و وجوه الجيش فيما يتعلق بالحرب ووجوه الناس فيما يتعلق بالمصالح و وجوه الكتّاب والوزراء

والعمال فيما يتعلق بمصالح البلاد وعمارتها وكان يقال ماندم من استشار وكان يقال من اعجب برأيه ضل. (تفسير قرطبی، دارالكتب العلمية ١٦١/٤، تحت رقم الآية ١٥٩، من آل عمران قديم ٢٥٠/٤)

روى ذلک عن الحسن البصری والضحاک قالا: ماأمر الله تعالیٰ نبيه بالمشاورة لحاجة منه إلیٰ رأيهم وإنما أراد أن يعلمهم مافی المشاورة من الفضل ولتقتدی به أمته من بعده. (التفسير للقرطبی، قديم٢٥٠/٤، دارالكتب العلمية بيروت١٦١/٤، تحت رقم الآية: ١٥٩، من سورة آل عمران) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦؍ جمادی الثانیہ ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١٠٤٢٨/٣٩)

قبرستان کی زمین قبرستان میں اور کاشت کی زمین کا شتکار کے حوالہ کرنا

سوال: [٨٣٤٧]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبدالغفار ساکن موضع مونڈھا آئمہ آراضیٔ کاشت کا کچھ حصہ قبرستان میں چلا گیا ہے، اور کچھ حصۂ قبرستان میری آراضی کاشت میں آگیا ہے، اور جو حصہ قبرستان کا ہے، اس میں قبریں بھی ہیں، اور جو حصہ آراضی کا ہے اس میں قبریں نہیں ہیں، جبکہ نقشہ کی رو سے قبرستان کا حصہ قبرستان میں لینا چاہتے ہیں، اور جو حصہ آراضی کا ہے اسکو آراضی میں لینا چاہتے ہیں، اور قبرستان کے حصہ میں جو قبریں ہیں ان کے توڑنے میں جھگڑے کا اندیشہ ہے، لہٰذا نقشہ کی رو سے قبرستان کا حصہ آراضی میں لے لیا جائے، یا آراضی کا حصہ قبرستان کو چھوڑ دیا جائے؟

المستفتي: عبدالستار، مونڈھا آئمہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شرعی طور پر حکم یہی ہے کہ قبر سمیت جو زمین ہے وہ قبرستان کو ملنی چاہئے، اور قبر سے خالی زمین کاشت میں ہمیشہ شامل رہی ہے اس کو کا شتکار کے

حوالہ کرنا چاہئے، اور اگر سرکاری نقشہ اس کے خلاف بنا ہے، اور قبر سمیت قبرستان کی زمین کاشتکار کے حصہ میں آرہی ہے، اور کاشتکار کی زمین قبرستان کے حصہ میں جارہی ہے، تو درخواست دیکر سرکاری نقشہ میں ترمیم کرانا ضروری ہے۔

عن ابن عباس – رضی الله عنهما – قال: قال رسو ل الله ﷺ: لاضرر ولاضرار . (سنن ابن ماجه، الأحكام، من بنىٰ في حقه مايضر بجاره، النسخة الهندية /۱۵۹، دارالسلام رقم: ۲۳۴۱، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۳۰۲/۱۱، رقم: ۱۱۸۰۶، المعجم الأوسط دارالفكر ۲۹۲/۱، رقم: ۱۰۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۶۳)

قدیم قبرستان کے بدلہ میں دوسری جگہ قبرستان بنانا

سوال: [۸۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ گودی روانہ میں گورستان ہے، جسمیں گندگی کافی رہتی ہے، کیونکہ پورے قصبہ کا پانی گندگی بارش وغیرہ کے ساتھ بہہ بہہ کر گورستان سے گذرتا ہوا جاتا ہے، اور غیر مسلم اس گورستان میں کوڑا کرکٹ وغیرہ بھی ڈالتے ہیں، اور وہ قصبہ کے اندر ہوگیا ہے، بہر کیف تمام ملبہ وہیں جا کر جمع ہوتا ہے، تو وہاں کے لوگوں کا یہ مشورہ ہے، کہ اگر شریعت سے یہ بات ثابت ہوجائے، کہ اس کے بدلہ میں دوسری جگہ مل جائے، اور اس کو دوسری جگہ کے بدلہ میں دیدیا جائے، تو ٹھیک ہوگا یا نہیں؟ جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرائیں؟

المستفتي: اکبر حسین انصاری، نیاز احمد، رئیس احمد۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تک قبرستان مذکورہ میں دفن ممکن ہوا سوقت

تک اس کو فروخت کرکے دوسری زمین قبرستان کیلئے خریدنا جائز نہیں ہوگا، اگر ضرورت محسوس ہوتو چہار دیواری کردی جائے، اوراس میں تبادلہ درست نہ ہوگا۔

عن ابن عمر ، أن عمر تصدق بمال له علیٰ عهد رسول الله ﷺ ، وكـان يقال له ثمغ ، وكان نخلا ، فقال عمر يا رسول الله : إني استفدت مالا وهو عندي نفيس ، فأردت أن أتصدق به ، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: تصدق بأصله ، لايباع ، ولا يوهب ، ولا يورث. (صحيح البخاری ، الوصايا ، باب قول الله عزوجل وابتلوا اليتامىٰ حتىٰ إذا بلغوا النكاح ، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨٣، ف:٢٧٦٥)

إنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الوقفين واجبة. (شامی ،الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زكريا٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥، كوئٹه ٣/٤٦٤)

أرض لأهل قرية جعلوها مقبرة وأقبروا فيها (إلىٰ قوله) وبعد مابنى لواحتاجوا إلىٰ ذلک المكان رفع البناء حتى يقبر فيه الخ. (قاضيخان ، فصل فی المقابر والرباطات ، زكريا جديد ٣/٢١٩، وعلى هامش الهندية٣/٣١٣، هنديه زكريا قديم ٢/٤٦٧، ٤٦٨، جديد ٢/٤١٦)

وإنما يثبت ولاية الاستبدال بالشرط الخ. (الموسوعة الفقهية الكويتية٤٤/١٩٨، مستفاد: امدادالفتاوىٰ ٢/٥٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١/صفر المظفر ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١١٢٦/٢٤)

قبر کی مٹی لاکر دوسری جگہ قبر بنانا

سوال: [٨٣٤٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ڈاکٹر ستیانارائن شرما بھارت سرکار کی طرف سے بنائی گئی کمیٹی ٦٦ آف دی ایمینینٹ فریڈم فائٹرس'' کاایک ممبر ہوں، ہماری دلی خواہش ہے کہ یہاں دلی میں مہرولی میں

آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی ایک یادگار قائم کریں اس مقصد کے تحت ہم رنگون (میانمار) سے ان کے مزار کی مٹی لاکر مہرولی میں ان کی خود کی بنائی ہوئی قبر میں جواب تک خالی پڑی ہے، دفن کرنا چاہتے ہیں، کیا اسلامی قانون میں اسکی اجازت ہے، نیز کیا اسی قبر میں ان کی بیوی زینت صاحبہ کی قبر کی مٹی لاکر آخری شہنشاہ کی قبر میں دفنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ وضاحت فرمائیں نوازش ہوگی

نیز ہم شکرگزار ہوں گے اگر آپ ہمیں یہ معلومات فراہم کردیں، کہ ہم رنگون میں جاکر کن لوگوں سے ملیں جو ہمیں اس تاریخی حقیقت کے بارے میں بتاسکیں، مہربانی ہوگی؟

المستفتي: ستیانارئن شرما

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اسلامی شریعت میں کسی بڑے آدمی کے مزار کی مٹی دوسری جگہ لاکر اس کی قبر بنا کر یادگار قائم کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا آخری شہنشاہ بہادر شاہ ظفر اوران کی بیوی کی قبر کی مٹی لاکر یادگار کے طور پر قبر بنانے کی اسلامی شریعت اجازت نہیں دیتی ہے، اس لئے مذہب اسلام سچائی پر قائم ہے اور فرضی اور جھوٹا نقشہ ایک دھوکہ اور فریب ہے جس کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إياكم والكذب فإن الكذب يهدى إلى الفجور ، وإن الفجور يهدى إلى النار . (ترمذی شریف ۲/ ۱۹)

میانمار کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں ہے، اور کن صاحبان کے پاس بہادر شاہ ظفر کے متعلق کاغذات ہیں ہم کو یہ بھی علم نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱/۱۴۳۴ھ

قبرستان کی خودروگھاس کی قیمت سے چہاردیواری بنانا

سوال: [۸۳۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی چہاردیواری کی وجہ سے زمین پر خودروگھاس اور کانٹے دار جھاڑیاں رونما ہونے کی وجہ سے میت دفنانے میں دشواری ہوتی ہے، یعنی چلنے پھرنے میں نیز حشرات الأرض ہونے کا احتمال ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے، کہ اس خودروگھاس کوفروخت کرکے اس کی قیمت کواس قبرستان کی چہاردیواری کی پتائی وقلعی کے کام میں لایا جاسکتا ہے، یانہیں؟ یااس گھاس کوآگ لگا کر صاف کردیا جائے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتي: محمد عیاض بانکوی، متعلم مدرسہ ہذا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کی گھاس اورکانٹے دارجھاڑیاں کاٹ کر فروخت کرنا، اوران کی قیمت قبرستان کی چہاریواری اسکی مرمت اوراس کی قلعی وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہے۔

حطب نبت فی المقبرة ثمنه يصرف فی مصالح المقبرة. (تاتار خانیه، الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون، الجنائز، القبر، والدفن، زکریا ۳/ ۷٦، برقم: ۳۷۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۷٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۷/ ۱۴۳۳ھ

قبرستان میں ممبران کے نام کا پتھر لگوانا

سوال: [۸۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱)

قبرستان میں اراکین وممبران کے نام کا پتھر لگانا کہاں تک درست ہے؟

(۲) قبرستان کی زمین پر دیگر اشخاص کے قبضہ سے بچانے کی حالت میں جبکہ دیگر لوگ اسپر قبضہ کرکے اپنا بنانا چاہتے ہیں، ایسی صورت میں اراکین وممبران کا اس قبرستان کی چوحدی کراکے اس قبرستان میں سب ہی ممبران واراکین کے نام کا پتھر بنواکر اس قبرستان کی چوحدی میں تعمیر کرادیا گیا تاکہ دیگر اس پر قابض نہ ہوسکیں، ایسی صورت میں اوپر لکھے دونوں سوالوں کا جواب آپ ہمیں تفصیل سے لکھیں؟

المستفتي: محمد اسلم کپڑے والے، نالہ بازار،
گاندھی چوک جلیسر سٹی (ایٹہ)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر قبرستان موقوفہ ہے، تو اس میں محض ناموری کیلئے ممبران قبرستان اپنے نام کے پتھر لگارہے ہیں، تو درست نہیں ہے! البتہ اگر اس کے بغیر قبرستان کی حفاظت ممکن نہیں ہے، تو درست اور جائز رہے گا۔

(۲) اگر قوم کے چندہ سے چوحدی یا تعمیر کرائی گئی ہے، اور چوحدی کے بعد دوسروں کے قبضہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے تو ممبران کے نام کا پتھر لگانا ایک قسم کی دھوکہ دہی ہے، کہ غیر کے پیسے سے بنواکر اپنی طرف منسوب کردیا ہے! حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے۔

عن أبي ذر أنه سمع رسول اللّٰه ﷺ يقول: ...... ومن أدعى ماليس له فليس منا، وليتبوأ مقعده من النار . (صحيح مسلم، باب بيان حال إيمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، النسخة الهندية ۱/۵۷، بيت الأفكار رقم: ٦١)

اور اگر ممبران اپنے ذاتی پیسے سے بنواکر پتھر لگارہے ہیں، تو جائز ہے، یا پتھر لگائے بغیر حفاظت ممکن نہیں ہے، تو بھی جائز ہے ورنہ نہیں!

نوٹ: آپکا سوال واضح نہیں ہے، اس لئے اگر مگر کرکے جواب لکھنا پڑا کہ قبرستان ملکیت کا ہے یا موقوفہ ہے؟ تعمیر کس چیز کی ہے؟ چوحدی کس کے پیسہ سے کی گئی ہے؟ سب

کی تفصیل لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۴۷/۲۵)

خلاف شرع امور میں قبرستان کو استعمال کرنا

سوال: [۸۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) محلّہ اصالت پورہ ملحقہ بڑی مسجد ایک قدیم قبرستان جو باڑہ کے نام سے جانا جاتا ہے، اور قریش برادری کیلئے وقف ہے، جسکا رجسٹریشن نمبر ۹۲۰ ہے، جس میں کچھ لوگ اپنی گائے بھینس اور گھوڑے وغیرہ باندھتے ہیں، جوٹی پیشاب کرتے ہیں۔

(۲) قبرستان میں گوبر کے ڈھیر لگا کر ذخیرہ کرتے اور پھر اسکو فروخت کرتے ہیں۔

(۳) غسل خانے، پاخانے اوران کے گٹر بنوار کھے ہیں،۔

(۴) کمرے، زینے، چبوترے، بیٹھکیں اور گیرج بنوار کھے ہیں۔

(۵) ٹیمپو وگھوڑے گاڑی وغیرہ کھڑے کرتے ہیں۔

(۶) میلے، ٹھیلے، کرکٹ اور کبڈی وغیرہ کھیلتے ہیں۔

(۷) پختہ وچوبی دکانیں بنوارکھیں ہیں، اوراس پر بیٹھ کر کاروبار کرتے ہیں۔

(۸) اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ، فضلی، وا اینٹ، پتھر اور روڑے کے انبار لگا کر قبرستان کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

(۹) کمیٹی قریش برادری کے تعاون سے اسکی حفاظت کے واسطے باؤنڈری کرانا چاہتی ہے۔

(۱۰) برادری اپنے بھرپور تعاون سے جلد از جلد باؤنڈری کرانا چاہتی ہے۔

(۱۱) لیکن مذکورہ ۱ تا ۸ چند لوگ یہ حیلہ ہائے حجت باؤنڈری کرانے کی مخالفت

کررہے ہیں، انکا یہ عمل کیسا ہے؟

(۱۲) باؤنڈری کرانے والوں کا یہ پروگرام کیسا ہے؟ باؤنڈری کرانی چاہئے یانہیں؟ ازراہ کرم شرعی حکم سے مطلع فرما کرعنداللہ ماجورہوں؟

المستفتي: چودھری عتیق احمد قریشی، سکریٹری ۹۲۰رقبرستان ''باڑہ'' وجملہ برادران قریش اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: موقوفہ قبرستان قوم اور برادری کے درمیان اللہ کی امانت ہے، اس امانت میں کسی قسم کی خیانت ہوئی تو پوری برادری اس خیانت کی ذمہ دار ہوگی، سوال نامہ میں آٹھ چیزیں درج کی گئیں ہیں، گائے، بھینس، گھوڑے وغیرہ باندھتے ہیں، ان کے پیشاب پاخانہ سے قبرستان میں گندگی ہوتی ہے، قبرستان کی زمین میں گوبر کا ڈھیر لگا کراس کی فروختگی ہوتی ہے، غسل خانہ، پیشاب خانہ وغیرہ بناتے ہیں، نیز قبرستان کی زمین میں کمرے، زینے چبوترے، گیرج وغیرہ بنوائے گئے ہیں، ٹیمپو، گھوڑا گاڑی وغیرہ قبرستان میں کھڑے کئے جاتے ہیں، اور کرکٹ، کبڈی وغیرہ کھیلتے ہیں، دوکانیں، مکان وغیرہ قبرستان میں بنائے گئے اور گھروں کا کوڑا کرکٹ، فضلات، اینٹ پتھر، روڑے وغیرہ قبرستان میں ڈالکر قبرستان کو بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ تمام امور قبرستان میں جن کی تفصیل سوال نامہ میں درج ہے، ان میں سے کوئی بھی کام قبرستان کی حدود میں ناجائز اور حرام ہے، اور قبرستان کے حق میں خیانت ہے، اس لئے تمام برادری پر لازم ہے، کہ قبرستان کی باؤنڈری کرا کر قبرستان کو مذکورہ تمام امور سے محفوظ کرلیں ورنہ خدا کے یہاں برادری کے تمام ذمہ داروں سے سوال ہوگا، اور جولوگ باؤنڈری کو منع کرتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں، ان کو منع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ کمیٹی کے ساتھ تمام برادری کو مل کر قبرستان کی باؤنڈری میں شریک ہونا چاہئے تاکہ کل قیامت کے دن اللہ کے یہاں جواب سے حفاظت ہوجائے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۱۴، کفایت المفتی قدیم ۷/ ۱۲۵، جدید مطول

۱۰/ ۵۱۷،محمودیہ ۱/ ۳۰۳،ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۴،رحیمیہ ۳/ ۱۷۸، جدید زکریا ۹/ ۵۲)

لأن شرط الواقف كنص الشارع . (درمختار علی شامی، زکریا ٦/ ٦٤٩، کراچی ٤/ ٤٤٣)

لأنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة . (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥)

شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة. (قواعد الفقه اشرفی/ ٨٥، رقم: ١٥٢)

شرط الواقف كنص الشارع مالم يكن مخالفا للشرع. (الموسوعة الفقهية الكويتية٣٦/ ١٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ صفر ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۲/ ۱۴۲۲ھ

قبرستان کی جگہ حاصل کرنے کیلئے سڑک پر میت دفن کرنا

سوال: [۸۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شیر پور میں ایک علاقہ کونڈوا کے نام سے معروف ہے، یہاں مسلمانوں کی آبادی کثیر ہے، لیکن آبادی کے تناسب سے کوئی ایسا بڑا قبرستان نہیں ہے، جہاں مسلمان اپنے مردوں کی تدفین کا کام آسانی سے انجام دے سکیں، ایک انتہائی چھوٹا سا قبرستان ہے، لیکن وہ قانونی نہیں ہے، بس وہاں دفن کرتے چلے آرہے ہیں، وہ کبھی بھی ختم کیا جاسکتا ہے، جس کے نتیجے میں سخت مشکلات ودشواریاں درپیش ہیں، مسلمان اپنے مردوں کی تدفین انتہائی دور دراز کے علاقوں میں کرنے پر مجبور ہیں، قبرستان کی جگہ کے حصول کیلئے وارڈ کے غیر مسلم کارپوریٹرس بھی مسلمانوں کا بھرپور تعاون کررہے ہیں، لیکن حکومت قبرستان کیلئے جگہ دینے میں ٹال مٹول اور ظلم سے کام لے رہی ہے، اس ظلم

اورٹال مٹول کوختم کرنے اورقبرستان کی جگہ کےحصول کے لئے ایک تدبیر اہلیان کونڈوا کے ذہن میں ہے، وہ تدبیر یہ ہے کہ مسلمان بڑی تعداد میں ایک جنازہ کولیکر کونڈوا کی شاہراہ عام پر پہونچ جائیں اور بیچ سڑک پر قبر کھود کر مردے کوقبر میں اتاردیں اور یہ کہا جائے، کہ چونکہ ہمارے پاس قبرستان کیلئے جگہ نہیں ہے، اسلئے ہم اپنے مردوں کو سڑک ہی پر دفن کریں گے،اس موقع پر پولیس اورحکومت کے افسران بھی پہونچ جائیں گے،اورحکومت مسلمانوں کیلئے قبرستان کی جگہ کی فوراً منظوری دیدے گی، اورمسلمانوں کواس بات پرآمادہ کرنے کی کوشش کرے گی کہ مسلمان اپنے مردے کوسڑک پر دفن نہ کریں ایک صورت اس معاملہ کی یہ بھی ہوسکتی ہے، کہ مسلمان سڑک پرکھودی گئی قبر میں کسی حقیقی مردے کونہ اتاریں، بلکہ مصنوعی طور پر کسی چیز کا مردہ بنالیں اوراسےہی قبر میں دفن کریں،اس پورے عمل میں وارڈس کے غیرمسلم کارپوریٹرس کا مسلمانوں کو پورا پورا تعاون حاصل رہے گا،اور وہ لوگ بھی اس عمل میں شریک رہیں گے،لیکن یہ حضرات اپنے طور پر کرنا نہیں چاہتے ہیں، کہ مبادا ہم مسلمانوں کے فائدہ کیلئے ایک کام کریں اور مسلمان ہی ہمیں بدنام کریں، کہ ہم نے ایک مسلم مردے کی توہین کی ہے، یہ تدبیرانتہائی مؤثرہے،اورحکومت اسی موقع پرفوراً قبرستان کی جگہ دینے پرآمادہ ہوجائیگی تو کیا تدبیرکو اختیارکرسکتے ہیں،کیا ”الضرورات تبیح المحظورات ،المشقة تجلب التیسیر“ اور”إذا ضاق الامر تصح“ ،نیز”إعلم أن الكذب قد يباح ويجب والضابط فيه كما فی تعيين المحارم وغيره وعن الأحياء ان كل مقصود محمود، يمكن التوصل إليه بالصدق والكذب جميعاً فالكذب فيه حرام ، وإن امكن التوصل إليه بالكذب وحده فمباح ان ابيح تحصيل ذلك المقصود وواجب ان وجب تحصيله“ جیسی عبارتوں سےاس کا جوازنکل سکتا ہے، اس سلسلہ میں حکم شرعی کوجلدازجلدواضح فرمائیں؟

المستفتي: محمدالیاس،امتیازاحمد،

مدرسہ بیت العلوم سروے نمبر۴۲ رکونڈوا
خرد، اشوکا میوز کے پیچھے، پونہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : سڑک پر مردہ کودفن کرنا جائز نہیں ہے، شریعت میں قبروں کے اوپر سے چلنے پھرنے کی بھی ممانعت آئی ہے، اور سڑک پر دفن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تازہ قبر کے اوپر سے مسلم وغیر مسلم ہر شخص کا مسلسل روندتے ہوئے چلنا لازم آجائے گا، جو ایک مسلمان میت کی ہتک حرمت ہے، جس کی شریعت ہرگز اجازت نہیں دیتی اور اس تدبیر کے اختیار کرنے سے یہ یقینی بھی نہیں ہے، کہ حکومت دباؤ میں آ کر مسلمانوں کا مطالبہ پورا کردے اور فرضی قبر بنانے کی جو تدبیر پیش کی گئی ہے، یہ تدبیر بھی کامیابی تک پہونچ جائے ضروری نہیں ہے، اسلئے کہ مسلمانوں کو براہ راست حکومت سے مطالبہ کی جو بھی صورت ممکن ہو، وہ اختیار کر کے اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، علاقہ کے ایم پی منسٹر وغیرہ کے واسطے سے یہ حق حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور سڑک پر دفن کی تدبیر کے سلسلہ میں جو اصولی جزئیات پیش کئے گئے ہیں، وہ اس صورت میں ہے، جس میں کسی مسلمان (زندہ یا مرہ) کی ہتک حرمت کا خطرہ نہ ہو، نیز منجانب حکومت مسلمانوں کی عزت پر حملہ کا خطرہ نہ ہو، اور جو تدبیر پیش کی گئی ہے، اس میں ہتک حرمت یقینی ہے، اور زندہ لوگوں کی عزت پر حملہ کا خطرہ بھی ہے، اسلئے کہ پولیس والوں کے ڈنڈے چلنے میں کوئی دیر نہیں ہوگی۔

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور ، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (ترمذی، باب ماجاء فی کراهية تجصيص القبور، والكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۲)

أن أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ كره وطء القبر والقعود أو النوم أو قضاء الحاجة عليه. (شامی، الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی اهواء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، زكريا ۳/۱۵٤، كراچی ۲/۲٤٥، تبيين

الحقائق ، امدادیہ ملتان ١/٢٤٦ ، زکریا ١/٥٨٧ ، ھندیہ زکریا قدیم ١/١٦٦ ، جدید ١/٢٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥ر رجب ١٤٣٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/٩٧٦٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٥/٧/١٤٣٠ھ

کھیت میں واقع قبر پر مکان تعمیر کرنا یا کاشت کرنا

سوال: [٨٣٥٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک حاجی صاحب کو ان کے لڑکوں نے وصیت کے مطابق اپنی زمین میں مرنے کے بعد دفنا دیا اور وہ کھیت کی زمین تھی ، کچھ عرصہ کے بعد میرے والد صاحب کے ہاتھ ان لڑکوں نے وہ کھیت کی زمین مع قبر کے فروخت کردی، والد صاحب نے قبر برابر کر کے اس کھیت کی زمین میں رہائش کیلئے مکان بنوالیا تقریباً دو سال تک اس مکان میں رہے اسکے بعد والد صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی ، ڈاکٹروں اور حکیموں کو دکھلایا علاج کرایا کچھ فائدہ نہیں ہوا بلکہ بیماری بڑھتی رہی، حتی کہ والد صاحب بہت کمزور ہوگئے ، آخر کار ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ ان کو کسی اچھے دیندار عامل کو دکھایئے ، پھر سہارن پور کے ایک اچھے عامل کے پاس گئے ، جو حضرت جی کے نام سے مشہور ہیں، انھوں نے کہا کیا کام کرتے ہو، والد صاحب نے جواب دیا مزدوری کرتا ہوں تو عامل صاحب نے کہا آپ مزدوری نہیں کرتے ہیں، بلکہ بزرگ حاجی نمازی آدمی کی قبر پھوڑتے ہیں، تو انھوں نے کہا ایسا ہے، جب تک آپ ان بزرگ کا حظیرہ نہیں چنوائیں گے، (پکی قبر بنوانا) تو آپ کی حالت ایسی ہی رہے گی، اسکے بعد والد صاحب نے گھر آکر جہاں پہلے قبر بنی ہوئی تھی ، دوبارہ اسی جگہ پکی قبر بنوادی اسکے بعد والد صاحب بالکل ٹھیک ہوگئے ، یہ قبر حویلی کے اندر ہے ، پیر اور جمعرات کو اس میں چراغ جلاتے ہیں، اب پوچھنا یہ ہے کہ اس میں چراغ جلانا شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا ناجائز؟

دوسری بات یہ پوچھنی ہے،اس قبر کو توڑ پھوڑ کے برابر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر توڑتے ہیں، تو پھر طبیعت خراب ہو جاتی ہے،تو ایسی حالت میں کیا کریں؟

المستفتي: عتیق الرحمٰن، بجنوری، نور پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب مالک زمین نے اپنی ملکیت کی زمین پر اپنی قبر بنانے کی وصیت کی ہے، یہ شریعت کے مطابق درست اور صحیح ہے، لہٰذا قبر کے احترام کو باقی رکھتے ہوئے قبر کی جگہ کو محفوظ کر کے اس سے ہٹ کر ہی تعمیر اور کھیتی کی جانی چاہئے، اس کے بعد وارثوں نے زمین فروخت کر دی ہے، تو خریدار کیلئے بھی اس قبر کا احترام باقی رکھنا ضروری ہے، اور اگر زمین کے بیچ میں قبر کی زمین آ گئی ہے، تو اس جگہ کو چھوڑ کر کھیتی کرنی چاہئے، اور مکان بھی اس جگہ کو چھوڑ کر تعمیر کرنا چاہئے، اور یہی عمل خریدار کو بھی کرنا چاہئے، کہ قبر کی جگہ کو چھوڑ کر کھیتی کرے یا تعمیر کرے۔

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (ترمذی، باب ماجاء فی کراهية تجصيص القبور، والكتابة عليها، النسخة الهندية ١/٢٠٣، دارالسلام رقم: ١٠٥٢)

ويكره الجلوس على القبور ووطؤه وحينئذ فما يصنعه من دفنت حول أقاربه خلق من وطء تلك القبور إلى أن يصل إلىٰ قبر قريبه مكروه ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة. (شامی، الصلاة،باب صلاة الجنازة، مطلب فی اهداء ثواب القراءة، للنبی صلی الله عليه وسلم، زکريا٣/١٥٤، کراچی ٢/٢٤٥، تبيين الحقائق، امداديه ملتان ١/٢٤٦، زکريا ١/٥٨٧، هنديه زکريا قديم ١/١٦٦، جديد١/٢٢٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۷/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۱۸/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۸/۱۴۲۷ھ

پرانی قبر پر مٹی ڈالکر برابر کرنا

سوال: [۸۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پرانی قبر جو بیٹھ گئی ہو، اور اوپر سے گڑھا نما نظر آتی ہو، تو کیا ایسی قبر پر اوپر سے مٹی ڈال کر درست کرنی چاہئے، یا درست نہیں کرنی چاہئے، کیا ایسی قبر درست کرنا واجب ہے یا بہتر ہے؟

المستفتي: شاہنواز احمد، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو پرانی قبر بیٹھ گئی ہو اور اوپر سے گڈھا نما نظر آتی ہو، اس میں بے خیالی میں کسی کے گرنیکا بھی خطرہ ہو، تو اس پر مٹی ڈال کر برابر کردینا جائز اور درست ہے، واجب نہیں ہے۔

عن مكحول قال: بينا رسول الله صلى الله عليه وسلم جالس على قبر ابنه، إذا رأى فرجة فقال للحفار إئتني بمدرة لأسدها أما أنها لا تضر ولا تنفع؛ ولكن يقر بعين الحي. (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب حسن عمل القبر، المجلس العلمي ۳/ ۵۰۸، رقم: ۶۴۹۹)

إذا خربت القبور فلا بأس بتطينها كذا فى التتار خانية، وهو الأصح، وعليه الفتوىٰ كذا فى جواهر الأخلاطى. (هنديه، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس، زكريا قديم ۱/ ۱۶۶، جديد ۱/ ۲۲۷، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، دارالكتاب ديو بند/ ۶۱۲، الفتاوىٰ التاتارخانية، زكريا۳/ ۷۲، رقم: ۳۷۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/ ۴/ ۱۴۲۹ھ

قبر کی چوڑائی اور گہرائی کی مقدار

سوال: [٨٣٥٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر کے اوپری حصہ کی چوڑائی کتنی ہونی چاہئے؟ اور نیچے والے حصہ کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟ شریعت کی رو سے وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: یوسف، مہرولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کے اوپر کے حصہ کی چوڑائی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے، ہاں البتہ گہرائی کے بارے میں حکم یہ ہے کہ نصف قدآدم کے برابر اس کی گہرائی ہو پھر اس کے بعد نیچے کا حصہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے، اس کی گہرائی اتنی ہو جتنی میں میت کو اس میں آسانی کے ساتھ لٹایا جا سکے اور بعض جگہ دیکھنے میں آیا ہے، اوپر کے حصہ کی گہرائی بہت کم ہوتی ہے، اور نیچے کے حصہ کی گہرائی نصف قدآدم سے زیادہ کرتے ہیں یہ خلاف سنت ہے۔

وینبغي أن یکون مقدار عمق القبر إلیٰ صدر رجل وسط القامة وکلما زاد فهو أفضل ، وعرضه قدر نصف قامته . (عالمگیری ، الصلاة ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع ، زکریاجدید ١/٢٢٧، قدیم ١/١٦٦)

وفی القهستانی وطوله علی قدر طول المیت وعرضه علی قدر نصف طوله . (شامی ، زکریا ٣/١٣٩، کراچی ٢/٢٤٣، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،دارالکتاب دیوبند/٦٠٧، الموسوعة الفقهیة الکویتیة٣٢/٢٤٦، مجمع الأنهر ، دارالکتب العلمیة بیروت ١/٢٧٥، مصری قدیم ١/١٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢؍ جمادی الثانیہ ١٤٢٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨؍٩٣٢٢)

مالک کی اجازت کے بغیر قبرستان میں میت دفنانا

سوال: [٨٣٥٧]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آراضی جس کا خسرہ ٦١ /ربھورا کا آباء واجداداًمالک ہوں جس میں لوگ زبردستی میری مرضی کے بغیر میری کمزورحالت کا فائدہ اٹھاکراپنے مردوں کو دفن کرتے چلے آرہے ہیں،اسی آراضی پرایک مسجد پٹن شہید ہے، اراکین مسجد مسجد کی توسیع جانب شمال کرنا چاہتے ہیں، دریافت طلب امریہ ہے کہ لوگوں کا اس آراضی پر جبراً دفن کرنا اور اراکین مسجد کا مجھ سے اجازت لیکر قبروں کےاوپر لینٹرڈال کران کی عظمت کوباقی رکھتے ہوئے مسجد کی توسیع کرنا کیسا ہے؟ بالدلائل شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب تحریرفرماکرممنون ہوں!

المستفتي: مطلوب علی،کھوکھران،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب قبرستان ذاتی ملکیت کاہے،تو حرمت مسلم کوباقی رکھتے ہوئے اسمیں خودتصرف کرنے کا حق ہے،اوراسی طرح دوسروں کواسمیں تصرف کیلئے اجازت دینا بھی جائز ہے،لہٰذاایسی قبریں جن میں ابھی میت کا بدن یاہڈیاں صحیح سالم باقی رہنے کاظن غالب ہو،ان کو برابر نہ کرکےاپنی جگہ باقی رکھتے ہوئے اوپر لینٹرڈال کر مالک کی اجازت سے مسجد کی تعمیرکرنا شرعاً جائزاوردرست ہے۔(مستفاد: کفایت المفتی ٧/١٢٢،جدیدزکریا مطول ١٠/٥٠٣)

وإذا دفن الميت في أرض غيره بغير إذن مالكها فالمالك بالخيار إن شاء أمر بإخراج الميت ، وإن شاء سوى الأرض وزرع فيها. (عالمگیری، الصلاة ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس ، زکریا قدیم ١/١٦٧، جدید ١/٢٢٨)

ولو بلىٰ الميت وصار تراباً جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. (تبیین الحقائق، زکریا ١/٥٨٩، امدادیه ملتان ١/١٦٧، جدید ١/٢٢٨)

موضع مسجد رسول الله ﷺ كان مقبرة للمشركين فنبشت واتخذت مسجداً . (قاضيخان ، زكريا جديد ٣/ ٢١٩، وعلى هامش الهندية٣/ ٣١٣)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٨/ جمادی الثانیہ ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٦٨٠٠/٣٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٨/ ٦/ ١٤٢١ھ

قبر کھودنے کے دوران نکلی ہوئی لکڑی کا حکم

سوال: [٨٣٥٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے اندر کی لکڑی دس بارہ کوئنٹل ہے اس لکڑی کو کیا کرنا چاہئے یہ لکڑی قبروں کے اندر کی نکلی ہوئی ہے؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبروں سے نکالی لکڑی صاحب قبر کے وارثین کی ملکیت ہے لھذا ان تمام لوگوں کی رضامندی سے فروخت کرکے باتفاق رائے جہاں چاہے، خرچ کریں، البتہ بہتر یہ ہے کہ قبرستان کے مصرف میں صرف کردیں۔

رجل كفن ميتا من ماله ثم وجد الكفن في يد رجل كان له (إلىٰ قوله) **وكذا لو كفن ميتاً فافترسه اسبع كان الكفن له لأنه بقي على ملكه الخ.** (قاضيخان ، الصلاة، باب في عسل الميت .... زكريا جديد ١/ ١١٨ ، وعلى هامش الهندية١/ ١٩٠، المحيط البرهاني ، المجلس العلمي ٣/ ٦٨، رقم: ٢٤٣٠، البحرالرائق كوئٹه ٢/ ١٧٨، زكريا ٢/ ٣١٢) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/ شعبان ١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤١٣٩/٣١)

عیدگاہ کی قبریں برابر کرنا

سوال: [۸۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کی عیدگاہ میں ایک قبر تھی، اب اس کو توڑنے کے بعد عیدگاہ دوبارہ بنائی گئی ہے، اب اسکے اندر پانچ قبریں ہیں، جن کو زمین سے ملا دیا گیا ہے، کیا اسمیں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں عین کرم ہوگا

المستفتی: محمد افسر علی قصبہ، دڑھیال، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہاں اب دفن نہیں ہوتا ہے، اور موجودہ قبریں پرانی ہوچکی ہیں تو برابر کر کے عیدگاہ میں نماز کی جگہ بنالینا جائز ہے، اس میں نماز پڑھنے میں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

موضع مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم كان مقبرة للمشركين فنبشت واتخذها مسجداً. (هنديه، الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات، والمقابر، زكريا قديم ٢/ ٤٦٩، جديد٢/ ٤١٦، قاضيخان، زكريا جديد٣/ ٢١٩، وعلى هامش الهندية ٣/ ٣١٣، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٩/ ١٤٤، رقم: ١١٤١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ارشعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۲۶)

قبرستان پر لینٹر ڈال کر امام صاحب کیلئے کمرہ بنانا

سوال: [۸۳۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میرا آبائی قبرستان مسجد سے ملحق ہے، اور مسجد کے امام کیلئے میں اور میرے اہل خانہ

قبرستان پر چھ فٹ اونچا لینٹر ڈال کر حجرہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں، کیا اس طرح حجرہ بنانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۲) اور اس تعمیر شدہ حجرہ کی چھت پر نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: سرفراز علی، مغلپورہ دوئم، پرنس روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ قبرستان قومی اور عامۃ المسلمین کا نہیں ہے، بلکہ سرفراز علی کے باپ دادا کی ملکیت ہے اور انھوں نے عامۃ المسلمین کیلئے وقف بھی نہیں کیا ہے، تو ایسی صورت میں سرفراز کو مذکورہ طریقہ سے لینٹر ڈال کر حجرہ بنانے کی اجازت ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کوئی ستون کسی قبر کے اوپر نہ آئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۱۲۰، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۶)

المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء.

(بیضاوی/ ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ر صفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۲/ ۱۴۱۵ھ

قبروں سے نکالی گئی اینٹوں کا حکم

سوال: [۸۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے اندر قبر کی دیوار کی بہت سی اینٹیں ہیں جس کی قیمت ہزاروں روپیہ ہے دیوار گر جانے کی وجہ سے ساری اینٹیں تتر بتر اور منتشر ہوگئی ہیں، اب اس قبرستان کو مٹی سے بھرنے کی سخت ضرورت ہے، لهٰذا ہم لوگ چاہتے ہیں، کہ وہ ساری اینٹیں نکال لیں اور اسی اینٹ کو فروخت کر کے قبرستان کے کام میں لے آویں، قبروں کی ساری اینٹیں نکال کر یا گری ہوئی اینٹیں نکال کر اس کو فروخت کرنا یا ان اینٹوں کو دیوار اور باؤنڈری میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟

نوٹ: اگر اینٹیں نہیں نکالی گئیں تو مٹی بھرنے کی صورت میں ہزاروں روپیہ کی اینٹیں مٹی کے اندر دب کر ہزاروں روپیہ کی چیز کا نقصان ہوگا؟

المستفتي: محمد اویس، سیتامڑھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ اینٹیں وہیں کام میں لائی جاسکتی ہوں مثلاً چہاردیواری وغیرہ میں جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے، تو اس کی بھی اجازت ہے، اور اگر وہاں کام میں نہ آسکتی ہوں اور ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اسکی بھی اجازت ہے، کہ فروخت کر کے اس کا پیسہ قبرستان کی دیگر ضروریات میں صرف کرلیا جائے۔

سئل عن وقف انهدم ...... هل تباع أنقاضه من حجر وطوب وخشب أجاب إذا كان الأمر كذلک صح بيعه . (شامی، الوقف، مطلب في الوقف إذا خرب ولم يكن عمارته، زكريا ٦/٥٧٣، كراچی ٤/٣٧٦، البحرالرائق، زكريا ٥/٣٦٨، كوئٹه ٥/٢٢٠، الفقه الإسلامي وادلته، دارالفكر ١٠/٧٦٧٤، هدیٰ انٹر نیشنل دیوبند ٨/٢١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۹۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

قبروں کو توڑ کر پختہ راستہ یا پیشاب کی نالی بنانا

سوال: [۸۳۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی قبروں کو توڑ کر چوکوں سے پختہ راستہ بنوانا اور پیشاب کی نالی نکالنا اور قبروں پر دوکانیں بنانا اور مدرسہ کے لئے گڈھا کھودنا کیسا ہے؟

المستفتي: شمس الدین، محلّہ بارہ داری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبروں کو توڑ کر پختہ راستہ یا پیشاب کی نالی یا دوکان یا گڈھا وغیرہ بنانا سب ناجائز ہے۔

عن جابر، قال: نهىٰ رسول الله ﷺ، أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه. (صحيح مسلم، الجنائز، فصل فى النهى عن تجصيص القبر والبناء وعليه، النسخةالهندية ۱/۳۱۲، بيت الافكار رقم: ۹۷۰)

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (سنن الترمذى، الجنائز، باب ماجاء فى كراهية، تجصيص القبور، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۲)

ويكره أن يبنىٰ على القبور أو يقعد عليه أو ينام عليه أو يوطأ عليه أو يقضى عليه حاجة الإنسان من بول أو غائط الخ. (تبيين الحقائق، باب الجنائز، مكتبه امداديه ملتان ۱/۲٤٦، زكريا ۱/۵۸۷، هنديه، زكريا قديم ۱/۱٦٦، جديد ۱/۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۳۴۳)

قبرستان کے خادم کو معزول کرنا

سوال: [۸۳٦۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں چراغاں کرنے والے خادم کو خدمت سے معزول کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

المستفتي: عبدالمنان، کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں مذکورہ خرافات کرنے والے خادم کو

فوراً ہٹادینا ضروری اورلازم ہے، ورنہ بستی کے رہنے والے سب گناہ گار ہونگے، حدیث شریف میں آیا ہے:

فقال أبو سعيد: أما هذا فقد قضى ماعليه سمعت رسول الله ﷺ يقول: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده ، فإن لم يستطع فبلسانه ، فإن لم يستطع فبقلبه و ذلک أضعف الإيمان . (صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان ،النسخة الهندية ۱/ ۵۰، بيت الأفكار رقم: ۴۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رشعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۳۳)

گانا بجانا اور عرس وقوالی کو ختم کرنے کی غرض سے قبر کوڈھانا

سوال: [۸۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ولی زید نامی چند سال قبل انتقال فرماگئے اوران کی قبر کے تعلق سے چند خرافات نمودار ہوئیں سارا مقبرہ عدم محفوظ ہونے کے باوجودان کی قبر کی انتہائی حفاظت حتی کہ اوپر سے بند کی ہوئی ہے،اور ہر تزیینات سے مزین ہرروز قبر کی دیوار پر بتیاں جلائی جاتی ہیں،ایک خادم خالد نامی متعین ہے، جو قبر کے پاس گھر بنا کر رہتا ہے، اسکی بیوی قبر کی تعظیم میں مشرکانہ طرز اختیار کرتی ہے، ہر سال معینہ دن واوقات میں مختصر سا عرس ہوتا ہے، جس میں بے شمار غیر شرعی باتیں ہوا کرتی ہیں، ہر ہفتہ میں خادم کے یہاں گانے بجانے کیساتھ نام نہاد عبادت بندگی نمائش ہوا کرتی ہے، مسئلہ اب تک سنگین نہیں ہے، اگر توجہ کی جائے،تو یہ خرافات بند کی جاسکتی ہیں۔

المستفتي: عبدالمنان کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: قبر کی دیوار پر بتیاں وچراغ جلانا،قبر کی تعظیم میں

مشرکانہ طرز اختیار کرنا مثلاً بوسہ دینا سجدہ کرنا طواف کرنا، قبر کے پاس ہرسال عرس کرنا قوالی، گانا وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۵۴، کفایۃ المفتی جدید مطول ۲/ ۲۶۸، رشیدیہ / ۱۰۹، فتاویٰ عزیزیہ ۱/ ۱۰۴، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۸۹)

عن ابن عباس قال: نهى رسول الله ﷺ زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج. (سنن الترمذی، باب ماجاء في كراهية أن يتخذ على القبر مسجدا، النسخة الهندية ۱/ ۷۳، دارالسلام رقم: ۳۲۰، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۲۲۹، رقم: ۲۰۳۰، ۲۶۰۳، ۲۹۸۶، ۳۱۱۸)

لايجوز مايفعله الجهال بقبور الأنبياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد إليها ومن الاجتماع بعد الحول وليتمونه عرساً الخ. (تفسير مظهري، زكريا؟ فتاوىٰ احياء العلوم ۱/ ۱۷۶، تبليغ الحق /۸۰۷، بحواله فتاوىٰ محموديه ۱/ ۲۱۹، ڈابھيل ۳/ ۲۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رشعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۳۳)

قبرستان میں تالا لگا کر فاتحہ پڑھنے سے روکنا

سوال: [۸۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں تالا ڈالکر مدفون کے اعزاء کو قبور پر فاتحہ پڑھنے سے روکنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتي: محمود حسن خاں، گھیر سعید خاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تالا ڈالنے والے کی ملکیت کا قبرستان ہے، تو اس کو اسکا اختیار ہے، اعزاء گھر بیٹھ کر یا باہر سے فاتحہ پڑھکر ثواب پہونچایا کریں، ثواب ہر حال میں پہونچ جاتا ہے، اور اگر قبرستان موقوفہ ہے، تو متولی وغیرہ کو بلاضرورت تالا ڈالکر

بندر کھنے اور اعزاء کو برائے زیارت جانے آنے سے روکنے کا حق نہیں ہے، اگر واقف کی طرف سے اسکی اجازت تھی، تو متولی کو غرض واقف کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔

إن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة ،کوئٹہ ۳/ ۴۶۴، کراچی ۴/ ۴۴۵، زکریا ۶/ ۶۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۶۴)

شیعہ خواجہ چودھری کے عقائد رکھنے والے کو اہل سنت کے قبرستان میں دفن کرنا کیسا ہے؟

سوال: [۸۳۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عقیدہ شیعہ خواجہ بوھری ان حضرات کو مسلمانان اہل سنت والجماعت کے قبرستان میں دفن کرنا کیسا ہے؟ اگر ان میں سے کسی کو لاعلمی کی وجہ سے دفن کر دیا گیا بعد میں عقیدہ کا علم ہوا تو یہ امر عندالشرع کیسا ہے؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: میاں ماہمکر، مقام پاپڑی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ ایسا شیعہ ہے کہ اس پر کفر کا حکم لگ چکا ہے اور بوھری اور آغا خان پر کفر کا حکم لگ چکا ہے، تو اس کو سنت طریقہ سے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا چاہئے تھا، لیکن جب دفن کے بعد علم ہوا ہے، تو مسلمانوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ہی دفن شدہ کو قبر سے نکالنا درست ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۱/ ۲۸۸، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۹)

وإن أهالوا التراب عليه لم يخرج. (الفتاویٰ التاتارخانیہ زکریا ۳/ ۸۰، رقم:

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (۱۰۳۷۶۱)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ذیقعدہ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴۵۰/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۱۱/۱۴۱۱ھ

زائرین قبور کے فائدہ کیلئے قبرستان میں اپنے مکان کا چھجہ نکالنا

سوال: [۸۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا گھر قبرستان کے برابر میں ہے، مکان بہت چھوٹا ہے، قبرستان کی ایک انچ جگہ بھی میرے گھر میں نہیں ہے، میں اپنے مکان کا چھجہ دو یا تین فٹ کا قبرستان میں نکلوانا چاہتا ہوں، جس سے میرے مکان کی چھت تھوڑی بڑی ہو جائیگی، اور جو لوگ قبرستان میں دعا کرنے یا کسی کو دفن کرنے آتے ہیں، وہ لوگ بھی نیچے برسات میں اس کے نیچے کھڑے ہو جایا کریں گے، ہم چھجہ اسلئے نکلوا رہے ہیں، کہ ہمارے مکان کی جگہ نیچے سے کم ہے تاکہ لینٹر ڈال کر تھوڑی اوپر سے بڑی جگہ ہو جائیگی، ہم چار بھائی دو بہنیں ہیں، والد والدہ اب سے دس سال پہلے گذر چکے ہیں، ہمارے اوپر کوئی بڑا نہیں ہے، جو ہمارا ساتھ دے سکے ہماری آمدنی بھی اتنی نہیں ہے، جو ہم دوسرا مکان خرید سکیں، ہم سب بھائیوں کو اسی تھوڑی جگہ میں ہی گذارا کرنا ہے، ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، ہمیں چھجہ نکالنے کی اجازت دیدیجئے، وہ قبرستان ہمارے پردادا کے سسر کا ہے؟

المستفتي: منصور احمد، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں کسی کیلئے اپنے مکان کا چھجہ نکالنا جائز نہیں، چاہے اس سے بارش یا دھوپ میں سایہ حاصل کرنے کا فائدہ ہوتا ہو تب بھی جائز نہیں۔

لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لأحد أن یملکها الخ. (عمدة القاری، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیة

ویتخذمکانها مساجد، داراحیاء التراث العربي ٤/ ١٧٩، زکریا ٣/ ٤٣٥، تحت رقم الحدیث/٤٢٨، فتح الملهم، کتاب المساجد اشرفیه ٢/ ١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ محرم ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۸۰)

قبرستان کی چہار دیواری میں سودی وحرام کمائی کی رقم لگانا

سوال: [۸۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کویر گاؤں میں جو شہر سے متصل ہے، مسلم قوم کیلئے قبرستان کی جگہ موجود ہے، جس کا کسی بھی قسم کا حفاظتی انتظام نہیں ہے، اور چاروں طرف سے جگہ خالی ہونیکی وجہ سے غیر لوگوں کی آبادی بستی چلی آرہی ہے، اسلئے اس کی حفاظت کی خاطر کمپاؤنڈ بنوانے کا مشورہ ہوا ہے، لٰھذا اس کمپاونڈ کی تعمیر کا خرچ بہت بڑا ہے، اسلئے اسکی تعمیر میں کون کون سی مد کی رقم لگا سکتے ہیں، کیا اس میں سود کی رقم نمبر۲ کے کاروبار کی رقم لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ ٹی وی کیبل کے ذریعہ جو آمدنی ہوتی ہے، کیا وہ رقم اس کام میں لگا سکتے ہیں؟ مسئلہ کی مع الدلیل وضاحت فرمائیں؟ عنایت ہوگی؟

المستفتي: بشیر احمد، کویر گاؤں، احمد نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان کی حفاظت کیلئے چہار دیواری اور کمپاؤنڈ بنانا شرعی طور پر جائز اور درست ہے، لیکن اس میں حلال اور پاک پیسہ لگانا لازم ہے، سود کا پیسہ لگانا جائز نہیں ہے، اور نمبر دو کے کاوربار سے کیا مراد ہے، اس کو واضح کیجئے، اس کے بعد حکم شرعی واضح کیا جاسکتا ہے؟ اور ٹی وی کیبل کے ذریعہ آمدنی یہ ناچ گانے کی اجرت ہے، اس کا پیسہ بھی وہاں لگانا جائز نہیں ہے، علاقہ کے لوگ اپنے پاک پیسہ سے کمپاؤنڈ بنائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۰۳، جدید ڈابھیل ۱۵/ ۳۸۳)

أمالو أنفق في ذلك مالا خبيثاً وما لا سببه الخبيث والطيب فيكره لأن الله لايقبل إلا الطيب فيكره تلويث بيته بما لا يقبله . (شامي، الصلاة، باب مايفسد الصلاة، ومايكره فيها ، قبيل مطلب في افضل المساجد ، زكريا ۲/ ۴۳۱، كراچی ۱/ ۶۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱/ ۱۴۲۴ھ

قبرستان کی جالی دار باؤنڈری کو ختم کرنا

سوال: [۸۳۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی باؤنڈری کے اندر ایک قبر ایسی ہے، کہ اسکی چاروں طرف دور دور تک جالی دار باؤنڈری قائم ہے، اور اس بونڈری کے اندر تین قبریں بن سکتی ہیں، اور یہ ۵۵؍سال پہلے کی ہے، کیا اس جالی دار باؤنڈری کو ختم کرنے کی اجازت ہے، تاکہ اسمیں اور بھی قبریں بن سکیں، یاد رہے کہ یہ قبرستان وقف کا ہے، کسی کی اپنی ملکیت کا نہیں ہے، اور جالی دار باؤنڈری بھی کسی کی ملکیت نہیں ہے، حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد اسلم، ضیاء الحسن،
بھوڑ سرکوئی، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: موقوفہ قبرستان میں علاقہ کے ہر فرد کی تدفین جائز اور درست ہے، اور جس قبر کے چاروں طرف جالی بنا کر تین چار قبروں کی جگہ گھیر لی گئی ہے یہ ایک قسم کا موقوفہ قبرستان کے حصہ پر قبضہ کرنا ہے، جو شرعاً درست نہیں ہے، لٰہذا جالیوں کو ختم کر کے اس حصہ میں جو جگہ خالی ہے، اسمیں دوسرے مردوں کو دفن کرنے

کا موقع دینا ضروری ہے۔

لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها . (عمدة القاری ، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد ،داراحياء التراث العربی ۱۷۹/۴ ،زکريا ۴۳۵/۳، تحت رقم الحديث:۴۲۸ ، فتح الملهم ، کتاب المساجد ، اشرفيه ۱۱۸/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹؍۱۰۱۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۳۱ھ

۱/الفصل الأول: فی المکروہ والمستحب

قبرستان میں درخت لگانا

سوال: [۸۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں پیڑ لگانا کیسا ہے؟ کیونکہ اس مہنگائی کے دور میں اگر قبرستان میں پیڑ ہوتے ہیں، تو بہت سہولت ہوتی ہے، جب کسی کا انتقال ہوتا ہے، تو اسی قبرستان سے پیڑ کاٹ کر وہیں پر قبر میں پاٹن ڈال دیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ قبرستان میں پیڑ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر قبرستان میں پیڑ ہوں تو ان کو کاٹ کر اسی قبرستان میں جو مردے دفن ہوتے ہیں، ان پر وہ لکڑی ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی،
مقام و پوسٹ: سیڈھا، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں اسی قبرستان کی ضروریات اور دفن میت کی ضرورت کیلئے پیڑ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۱، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ

قبرستان میں رہائش گاہ بنانا

سوال: [۸۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں رہائش گاہ کرنا اور رہائش کا گندہ پانی قبرستان میں بہانا یا قبرستان میں قبروں

پر راستہ بنا کر جانا یا قبروں پر بھاگنا پتنگ بازی کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل تحریر کریں؟

المستفتي: حنیف خاں، مغلپورہ اول
ومنتظمہ کمیٹی، قبرستان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں رہائش گاہ بنانا اس میں چلنا پھرنا پتنگ بازی کرنا اور قبروں پر سے راستہ بنانا اس میں دوڑنا بھاگنا سب امور ناجائز ہیں، اور سخت گناہ کا باعث ہے۔

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة، تجصیص القبور، النسخة الهندیة ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۸)

والموقوفة فيحرم فيها البناء مطلقاً. (کتاب الفقه ۱/۵۳۶)

ويكره أن يبنىٰ على القبر أو يقعد أوينام عليه أو يوطأ عليه الخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الصلوٰة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زکریا قدیم ۱/۱۶۶، جدید ۱/۲۲۷)

وكره أبو حنيفة أن يوطأ علىٰ قبر أويجلس عليه أو ينام عليه. (بدائع الصنائع، قبیل فصل فی الشهیدقدیم ۱/۳۲۰، جدیدزکریا ۲/۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۸۹/۲۹)	۱۴۱۴/۴/۱ھ

قبر کے اردگرد چہاردیواری بنوانا

سوال: [۸۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں

کے اردگرد چہاردیواری حفاظت کیلئے بنوانا کیسا ہے؟
(۲) اگر چہاردیواری بنوادی گئی ہوتو کیا اس کو توڑا جائے یا نہیں؟
المستفتي: محمد واحد، محلّہ لوہانی، قصبہ پہانی، ضلع: ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) قبروں کے اردگرد چہاردیواری بنانا مکروہ اور ممنوع ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۷۷، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۸۹)

(۲) اگر چہاردیواری کو توڑ دینے سے کسی قسم کے فتنہ اور اختلاف کا خطرہ نہ ہوتو ختم کردینا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۷۸)

عن جابر، قال: نهىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم، أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه. (صحيح مسلم، الجنائز، فصل فى النهى عن تجصيص القبر والبناء وعليه، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، بيت الافكار رقم: ٩٧٠، سنن الترمذى، الجنائز، باب ماجاء فى كراهية تجصيص القبور الخ، النسخة الهندية ١/ ٢٠٣، دارالسلام رقم: ١٠٥٨)

فى غريب الخطابى: أنه نهى عن تقصيص القبور وتكليلها، التقصيص التجصيص والكتكليل بناء الكلل وهى القباب والصوامع التى تبنى على القبور. (تاتارخانية، زكريا ٣/ ٧٢، رقم: ٣٧٣٩) فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۵/۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۱۴)

قبروں کی توڑ پھوڑ کے ذریعہ بے حرمتی کرنا

سوال: [۸۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر

قبروں کوتوڑا جائے اور انکا نشان مٹایا جائے ،تو اس عمل سے کس حدتک بے حرمتی و بے عزتی قبور یا مردے جوان میں دفن ہیں،ان کی شرعاً ہوتی ہے؟

المستفتي: محمود حسن خاں، ساکن مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس طرح موقوفہ قبرستان کی قبروں کوتوڑ کر مسمار کردینا ناجائز اور حرام ہے، جس طرح زندہ مؤمن کی بے عزتی اور بے حرمتی ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح مردہ مؤمن کی بھی ناجائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/۱۳۴، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۲۱)

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حيا. (ابن ماجه ، باب في النهي عن كسر عظام الميت ، النسخة الهنديه ١/١١٦ ، دارالسلام رقم: ١٦١٦)

قال الطيبي: فيه إشارة إلىٰ أنه لا يهان الميت كما لا يهان الحي. (مرقاة المفاتيح ، امداديه ملتان ٤/٧٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۶۴)

قبرستان میں جوتا پہن کر چلنا

سوال: [۸۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں جوتا پہن کر جانا کیسا ہے؟

المستفتي: شمیم احمد ولد حاجی نبی حسین، محلّہ: لالباغ، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: قبرستان میں اگر قبروں سے بچتے ہوئے چلتا ہے، تو جوتے پہن کر اور برہنہ پیر دونوں طرح بلا کراہت جائز ہے، اور اگر قبروں کے اوپر پیر رکھ کر چلتا ہے، تو مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۴۲۱/۲، جدید ڈابھیل ۳۹۳/۱۵)

والمشى فى المقابر بنعلين لايكره عندنا كذا فى السراج الوهاج . (هـنـديـه ، الصلوٰة ، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز ، الفصل السادس فى القبر والدفن زكرياقديم ١٦٧/١، جديد١ /٢٢٨)

ولايكره المشي فى المقابر بالنعلين عندنا. (حاشية الطحطاوى على مراقى ، فصل فى زيارة القبور، دارالكتاب ديو بند/ ٦٢٠)

كره وطئها بالأقدام .(حاشية الطحطاوى ، دارالكتاب ديو بند/٦٢٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱/۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵۱۱/۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۱/۱۴۱۲ھ

قبرستان میں جوتے چپل پہن کر چلنا

سوال: [۸۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مقامات پر قبرستان میں قبروں کے درمیان فاصلہ نہیں ہوتا ہے، اور قبرستان خس وخاشاک سے بھی صاف نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے دفن میں شریک ہونے والے مع جوتوں کے قبرستان میں جاتے ہیں، اسی طرح جو حضرات ایصال ثواب کیلئے قبرستان جاتے ہیں، وہ بھی جوتے پہنکر ہی جاتے ہیں، اسلئے دریافت یہ کرنا ہے، کہ جوتے چپل وغیرہ پہن کر اس طرح کے قبرستان میں جانا درست ہے، یا نہیں؟

المستفتي: خلیل احمد، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : قبرستان میں جوتے چپل پہن کر چلنا درست ہے، لهٰذا دفن کرنے والے حضرات کا خس وخاشاک کی وجہ سے اسی طرح ایصال ثواب کرنے والے حضرات کا قبرستان میں جوتے چپل پہن کر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قال فی شرح السنة یجوز المشی بالنعل فی القبور . (مرقاة، کتاب الإیمان ، باب اثبات عذاب القبر ، الفصل الأول ، امدادیه ملتان ۱/۱۹۸)

وفیه جواز لبس النعل لزائر القبور الماشی بین ظهرانیها. (عمدة القاری ، کتاب الجنائز، باب المیت یسمع خفق النعال، داراحیاء التراث العربي بیروت ۸/۱٤۷، زکریا۶/۲۰۲)

والمشی فی المقابر بنعلین لایکره عندنا کذا فی السراج الوهاج .
(هندیه ، الصلوٰة ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل السادس فی القبر والدفن ، زکریا قدیم ۱/۱۲۷، جدید ۱/۲۲۸)

ولا یکره المشی فی المقابر بالنعلین عندنا. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ، فصل فی زیارة القبور ، دارالکتاب دیو بند/۶۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۰۶۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۲۸ھ

قبرستان میں جانور چرانا اور عورتوں کا جانا

سوال: [۸۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر ہردہ کے قبرستان میں چوکیدار کے جانور چرتے ہیں، جو قبروں کو روندتے اور نجاست کر دیتے ہیں، اسی طرح چوکیدار کے گھر کی اور کچھ دوسری عورتیں پانی بھرنے اور دیگر ضروریات کے لئے قبرستان میں آتی ہیں، دریافت طلب امور یہ ہیں کہ

(۱) کیا جانوروں کا قبرستان میں اس طرح کھلا چھوڑ دینا جائز ہے؟

(۲) عورتوں کا قبرستان میں پانی بھرنے اور دیگر ضروریات کیلئے جانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفي: معراج حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں اسطرح جانوروں کو چرنے کیلئے چھوڑ دینا کہ وہ جانور چرتے ہوئے قبرستان کو روندتے رہیں، یہ قبروں کے احترام کے خلاف ہے، اس لئے فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے۔ (مستفاد: کفایۃ المفتی جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۷)

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی کراهية تجصيص القبور، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۸)

وكره وطؤها بالأقدام لأن فيه من عدم الاحترام. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، فصل فی زيارة القبور، قديم /۳٤۲، جديد دارالكتاب ديوبند/۶۲۳)

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها، آثار المقبرة هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر: لايباح قيل له: فإن كان فيها حشيش؛ قال يحش فيها ويخرج إلى الدواب فذلك أيسر من دخول الدواب. (تاتارخانية، زكريا۸/ ۱۹۰، رقم: ۱۱۶۰۱)

(۲) عورتوں کو پانی بھرنے کیلئے قبرستان جانے کی بات واضح نہیں ہو پائی کہ قبرستان میں پانی بھرنے کیلئے جانے کا کیا مطلب ہے، اگر اس سے یہ مراد ہے، کہ محلّہ میں پانی بھرنے کا نظم نہیں ہے، اور پانی کا نل قبرستان میں موجود ہے، اور غریب گھرانوں کی عورتیں اس نل سے پانی بھرنے کیلئے قبرستان جاتی ہیں، تو اگر قبروں سے بچتے ہوئے نل تک پہونچنے کا کوئی راستہ ہے تو اس راستہ سے ہوکر غریب گھرانے کی عورتوں کا وہاں جاکر پانی بھرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ولو وجد طريقا فى المقبرة وهو يظن أنه طريق أحد ثوه وتحته

الأموات لايمشي في ذلک وإن لم يقع في ضميره لابأس بأن يمشي فيه .
(مراقی الفلاح مع الطحطاوی قديم /٢ ٣٤٢، جديد دارالكتاب ديو بند/٣ ٦٢٣، فتاویٰ قاضی خان ، الصلوٰة ، بيان أن النقل من بلد إلیٰ بلد مكروه، جديد زكريا ١/ ١٢٢، وعلی هامش الهندية ، زكريا ١/ ١٩٥، تاتا رخانية زكريا ٣/٧٣، رقم: ٣٧٤٠)

يكره المشي في طريق ظن أنه محدث حتى إذا لم يصل إلىٰ قبره إلىٰ بوطء قبر تركه . (شامی، باب الجنازة، مطلب فی إهداء ثواب القرأة للنبی ﷺ ، كراچی ٢/ ٢٤٥، زكريا ٣/ ١٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۱۱/ ۱۴۳۱ھ

قبرستان میں جانور چرانا اور کرکٹ وغیرہ کھیلنا

سوال: [۸۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) مسلمانوں کے قبرستان میں جانوروں کا چرانا اور کرکٹ اور فٹ بال وغیرہ جیسے کھیل کود کرنا کیسا ہے؟

(۲) خرید وفروخت کرنا اور بے تکلف نشست گاہ بنانا اور حدود قبرستان یعنی کناروں پر پاخانہ کوڑیاں اور عام مسلمانوں کی کوڑیاں ڈالنا کیسا ہے؟ اور قبرستان میں عام راستہ بنانا جس میں عورتیں بھی اور سواریاں بھی گذرتی ہیں۔

(۳) لکڑی اور گھاس وغیرہ سے جو آمدنی قبرستان کو ہوتی ہے، اس کو مدرسہ پر خرچ کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح مذکورہ چیزوں کو دیکھ کر ان پر نکیر نہ کرنا اور ذمہ دار ان حضرات کا تماشا بنے رہنا کیسا ہے؟

المستفتي: جمیعۃ الحفاظ، والعلماء، شریف نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :(۱-۲) قبرستان میں جانوروں کو چرانا، کرکٹ اور دیگر کھیل کود کرنا بے تکلف نشست گاہ بنانا، خرید وفروخت کرنا، اور قبرستان کے کناروں پر پاخانہ اور دیگر گندگی ڈالنا جائز نہیں ہے، اسی طرح قبرستان میں عام راستہ بنانا جائز نہیں، ان سب چیزوں سے قبروں کی بے حرمتی ہوتی ہے، لہٰذا ان سب افعال سے کلی اجتناب کیا جائے۔

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها آثار المقبرة هل يباح لأهل المحلة الانتفاع بها؟ قال أبو نصر: لايباح قيل له : فإن كان فيها حشيش؛ قال يحش فيها ويخرج إلى الدواب فذٰلك أيسر من دخول الدواب . (تاتارخانية ، زكريا۸/ ۱۹۰، رقم: ۱۱٦۰۱)

فلو كان فيها حشيش يحش ويرسل إلى الدواب ولا ترسل الدواب فيها . (عالمگيرى، كتاب الوقف، الباب الثانى عشر الرباطات والمقابر الخ، زكريا قديم ۲/ ٤۷۱، جديد ۲/ ٤۱٦، البحرالرائق،فصل فى أحكام المساجد ، زكريا ٥/ ٤۲٦، كوئٹه٥/ ۲٥٤)

عن ابن مسعودؓ يقول: لأن أطأ علىٰ جمرة أحب إلي من أطأ علىٰ قبر رجل مسلم. (المعجم الكبير للطبرانى، داراحياءالتراث العربي بيروت۹/ ۳۲۱،رقم: ۹٦۰٥)

ويكره أن يوطأ على القبر يعنى بالرجل أويقعد عليه أو يقضى عليه حاجته . (تاتار خانية ، زكريا ۳/ ۷۳، رقم : ۳۷٤۰، شامى، باب صلوٰة الجنازة ، مطلب فى اهداء ثواب القراء ة للنبى صلى الله عليه وسلم كراچى ۲/ ۲٤٥، زكريا ۳/ ۱٥٤)

(۲) قبرستان کی آمدنی کو قبرستان میں ہی میں خرچ کرنا چاہئے، ہاں البتہ اگر قبرستان کو اس آمدنی کی ضرورت نہیں ہے، تو قبرستان کے ذمہ داروں کے متفقہ مشورہ سے دینی مدرسہ پر اس پیسہ کو خرچ کرنا جائز ہے۔

حطب نبت فى المقبرة ثمنه يصرف في مصالح المقبرة . (تاتار خانية ، زكريا۳/ ۷٦، رقم: ۳۷٥۱)

سوال کے پہلے جز میں مذکورہ چیزوں سے روکنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، بالخصوص قبرستان کے ذمہ دار حضرات کو ان پر روک لگانی چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۴۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۷؍۱۴۲۵ھ

قبرستان کو راستہ اور کھلیان بنانا

سوال: [۸۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک قبرستان ہے جس میں پہلے سے راستہ نہیں تھا، بعد میں راستہ بنادیا گیا، اور جب قبروں کے نشانات ختم ہوچکے، تو اس کو کھلیان بنالیا گیا، جس میں دونی بھی ہوتی ہے، اب اس صورت میں قبرستان سے گذرنا اور دونی کرنیکا شرعا کیا حکم ہے؟

المستفتي: نظام الدین، گورکھپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کو راستہ بنا کر گذرنا اور کھلیان بنا کر اسمیں دونی وغیرہ کرنا سب ناجائز ہے ایسا کرنے والے سب گناہ گار رہوں گے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ ایسی حرکتوں سے لوگوں کی روک تھام کریں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/۱۲۰، ۷/۱۲۴، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۰۸، ۵۱۷)

عن أبي سعيد الخدري رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه الخ. (السنن الكبرىٰ للبيهقى، الغصب، باب نصرة المظلوم، دارالكتب العلمية بيروت ٦/١٥٨، رقم: ١١٥١٣)

ويكره أن يبنىٰ على القبر أو يقعد أوينام عليه أو يوطأ عليه الخ.

(فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الصلوٰة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس

فی القبر والدفن زکریا قدیم ١/١٦٦، جدید ١/٢٢٧، بدائع الصنائع، قبیل فصل فی الشهیدقدیم ١/٣٢٠، جدید زکریا ٢/٦٥)

فعلى هذا ماذكره أصحابنا في كتبهم من أن وطء القبور حرام الخ.

(شامی، باب صلوٰة الجنائز، قبیل مطلب فی وضع الجرید ونحو الأس علی القبور، کوئٹه ١/٦٦١، کراچی ٢/٢٤٥، زکریا ٣/١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۔۔/۱۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۹۴)

قبرستان میں گاڑیاں چلانا، گھر بنانا، کرکٹ وغیرہ کھیلنا

سوال: [۸۳۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کیا قبرستان میں ٹرک اسکوٹر سائیکل رکشہ چلایا جاسکتا ہے؟

(۲) کیا قبرستان میں قبروں پر دوکانیں بنوا کر سودا فروخت کیا جاسکتا ہے؟

(۳) کیا قبروں پر رہنے کیلئے مکان تعمیر کیا جاسکتا ہے؟

(۴) قبروں پر کھیل کود کرکٹ وغیرہ کھیلا جاسکتا ہے؟

(۵) قبروں پر بیٹھ کر کچھ لوگ دنیاوی باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(۶) قبروں پر گھروں کا گندا کوڑا اینٹ روڑا وغیرہ ڈال دیا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

(۷) قبروں پر جانور باندھ دیتے ہیں، وہ جانور گوبر قبروں پر کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد انیس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) قبرستان میں ٹرک اسکوٹر یا سائیکل رکشہ وغیرہ چلانا یا اس کو گذرگاہ بنانا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۱۲۳، جدید زکریا مطول ۱۰/۵۱۲)

وسئل هو أيضا عن المقبرة فى القرىٰ إذا اندرست ، ولم يبق فيها أثر الموتى لا العظم ولا غيره هل تجوز زراعتها واستغلالها؟ قال: لا ، ولها حكم المقبرة. (تاتار خانية ، زكريا ١٨٩/٨ ، رقم: ١١٦٠٠ ، هنديه زكريا قديم ٤٧٠/٢ ، ٤٧١ ، جديد ٤١٦/٢)

(۲) قبروں پر دوکانیں بنوانا اور وہاں خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱۲۰/۷، جدید زکریا مطول ۵۰۸/۱۰، امداد الفتاویٰ ۵۷۹/۲)

ولايجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة الخ. (البحرالرائق، كتاب الوقف، فصل فى احكام المساجد ، كوئٹه ٢٥٤/٥ ، زكريا ٤٢٦/٥ ،)

(۳) قبرستان کی زمین میں مکان تعمیر کرنا جائز نہیں ۔ (احسن الفتاویٰ ۴۲۴/۶، امداد الفتاویٰ ۵۷۹/۲)

الموقوفة فيحرم فيها البناء مطلقاً الخ. (كتاب الفقه ٥٣٠/١)

(۴-۵) قبروں پرکھیل کود کرنا اوران پر بیٹھ کر دنیاوی باتیں کرنا مکروہ ہے۔

(۶-۷) قبروں کا احترام کرنا ضروری ہے، وہاں گندگی کوڑا کرکٹ وغیرہ ڈالنا اور جانوروں کو باندھنا ناجائز اورحرام ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۱۲۶/۷، جدید زکریا ۵۱۸/۱۰)

ويكره القعود والنوم على القبر ويحرم البول والغائط ونحوهما. (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة،دارالكتب العلمية بيروت ٥٣٦/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۸۱۰/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱۱ھ

قبرستان میں ٹریکٹر ٹرالی کے ذریعہ سے مٹی کا بھراؤ کرنا

سوال: [۸۳۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان ہے، جس میں موسم برسات میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا ہے، اور اس کے بعض حصہ میں قبریں ہیں، بعض میں نہیں، لہٰذا منتظمہ کمیٹی نے قبرستان کی اصلاح کیلئے مٹی ڈال کر بھراؤ کا کام شروع کر دیا ہے، مٹی بذریعہ ٹریکٹر ٹرالی اندر قبرستان میں لائی جاتی ہے، جس پر بعض لوگوں کو اعتراض ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح مٹی لانا درست ہے، یا نہیں؟ جو صورت بھی ہو رہنمائی فرمائیں؟

المستفتي: منتظمہ کمیٹی، موقوفہ قبرستان، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں مٹی لیجانے کی اگر کوئی اور صورت ممکن نہ ہو تو ٹریکٹر ٹرالی کے ذریعہ قبرستان میں مٹی لیجانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ایسی جگہ سے ٹرالی گذارنی چاہئے، جہاں قبریں نہ ہوں یا قبریں نمایاں نہ ہوں۔

لایوطأ القبر إلا لضرورة. (شامی، الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، مطلب فی الاهداء ثواب القراءة للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم، کراچی ۲/۲۴۵، زکریا ۳/۱۵۴)

إذا بلي المیت وصار ترابا یجوز زرعه والبناء علیه ومقتضاه جواز المشي فوقه. (شامی، کراچی ۲/۲۴۵، زکریا ۳/۱۵۵، هندیه، زکریا قدیم ۱/۱۶۷، جدید ۱/۲۲۸)

وإذا خربت القبور فلا بأس بتطیینها. (تاتارخانیة، زکریا ۳/۷۲، رقم: ۳۷۳۷) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۵؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۸۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۲/۱۴۳۱ھ

قبرستان کی صفائی کیلئے ٹریکٹر چلوانا

سوال: [۸۴۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک پرانا قبرستان ہے، جس میں فی الحال تدفین نہیں ہورہی ہے، وہ قبرستان اونچا نیچا ہے، اور جھاڑ پھوس بہت جنگل کی طرح ہے، لوگوں کا مشورہ ہے کہ اس کی صفائی کیلئے اس میں ٹریکٹر چلوادیا جائے، تو شرعاً اس میں ٹریکٹر چلانا تاکہ قبرستان برابر ہوجائے، اور صفائی ہوجائے، جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: شمشاد عالم قاسمی، امام جامع مسجد،
محلّہ: خانپور، بارہ بستی، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبرستان میں جھاڑ پھوس وغیرہ ہوتو ان کو کاٹ کر صاف کرنا بلا تردد جائز ہے، لیکن جبکہ وہاں قبریں موجود ہیں تو ٹریکٹر کے ذریعہ قبروں کو روندکر صاف اور ہموار کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ ممنوع اور ناجائز ہے، کیونکہ اس سے قبرستان کی بے حرمتی اور توہین ہوگی، البتہ مزدوروں کے ذریعہ قبروں کے احترام کیساتھ ساتھ قبرستان کی صفائی کرائی جاسکتی ہے۔

عن جابر قال: نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ. (سنن الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۸)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل (إلىٰ قوله) لا يمشي لأنه يجب تعظيم قبر المسلم. (تاتارخانية زكريا ۳/۷۳، رقم: ۳۷۴۰، شامي، باب صلوٰة الجنائز، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، كراچی ۲/۲۵۴، زكريا ۳/۱۵۴)

فلو كان فيها حشيش يحش ويرسل إلى الدواب ولا ترسل الدواب فيها كذا في البحر الرائق. (هنديه، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر الخ، زكريا قديم ٢/ ٤٧١، جديد ٢/ ٤١٦، البحر الرائق، فصل في أحكام المسجد، كوئٹه ٥/ ٢٥٤، زكريا ٥/٤٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷؍۸۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱؍۱۱؍۱۴۲۵ھ

قبرستان میں کوڑا کرکٹ ڈالنا اور چارپائی لگا کر مجلس قائم کرنا

سوال: [۸۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان جاری ہے، کوڑا کرکٹ ڈالنا چارپارئیاں ڈال کر بیٹھنا یا ایسے ہی بیٹھ کر فحش گوئیوں میں مشغول ہونا بچوں کا کرکٹ وغیرہ کھیلنا یا ٹریکٹر ٹرالی وغیرہ کو قبرستان میں کسی کام کے لئے لے جانا یا کھڑا کرنا جانوروں کا بے مہار اس میں گھومنا، یہ اعمال کیسے ہیں؟ اور ان کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: ارشاد احمد، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں کوڑا ڈالنا، چارپائیاں ڈال کر بیٹھنا، کھیل تماشہ اور خرافات کرنا سب ناجائز اور سخت گناہ ہے۔

أن وطء القبور حرام وكذا النوم عليها ليس كما ينبغي الخ. (شامی، باب صلوٰة الجنازة، قبيل مطلب في وضع الجريد على القبور، كراچی ٢/ ٢٤٥، زكريا ٣/ ١٥٥)

ويكره أن يوطأ على القبر يعني بالرجل أو يقعد عليه أو يقضى عليه حاجته. (تاتارخانية، زكريا ٣/ ٧٣، رقم: ٣٧٤٠)

لايجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة. (البحر الرائق، فصل في أحكام

المسجد ، کوئٹه ٥/ ٢٥٤، زکریا ٥/ ٤٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۰؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۳؍۵۵۹۰)

قبرستان میں کھانا کھلانا کیسا ہے؟

سوال: [۸۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں میت کے ورثاء کے کہے بغیر اخوت و بھائی چارگی کے سبب گاؤں کے لوگ قبر کھودنے کا کام انجام دیتے ہیں، اور میت کے ورثاء اس کے لئے ناشتہ کا انتظام کرتے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ قبرستان میں کھانا کھلانا کیسا ہے، چونکہ غیر مسلم بھی اس طرح نعش لے جانے کے بعد کھانے کا نظم کرتے ہیں، ان سے تشبہ ہونے کی بناء پر جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟ بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد عیاض، بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبر کھودنے والا اگر کام کرکے تھک جائے، اور اس کو کھانے کی ضرورت پیش آجائے تو قبرستان سے باہر آکر آبادی میں چاہے اپنے پیسہ سے کھائے یا دوسرا آدمی اسے کھلا دے، تو اس کی گنجائش ہے لیکن یہ کام قبرستان میں نہیں ہونا چاہیئے، اور فقہاء نے ایسے موقع پر قبرستان میں کھانے پینے کو مکروہ لکھا ہے، اور اگر میت کے گھر والے ہی کھانا کھلاتے ہیں، تو قبرستان میں نہ کھلائیں بلکہ آبادی میں میت کے گھر میں کسی دوسرے کے گھر میں کھلائیں۔

ويكره نقل الطعام إلى القبر في المواسم – إلىٰ قوله – وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها ، لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ .

(شامی، الصلاۃ، باب صلوۃ الجنازۃ، مطلب فی کراھۃ الضیافۃ من أھل المیت، کراچی ٢/ ٢٤٠، زکریا ٣/ ١٤٨، حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، دارالکتاب دیوبند/٦١٧، فتاویٰ بزازیہ، جدید زکریا ١/ ٥٤، وعلی ھامش الھندیۃ، زکریا ٤/ ٨١)

ویکرہ کل مالم یعھد من السنۃ. (شامی، کراچی ٢/ ٢٤٥، زکریا ٤/ ١٥٣، فتح القدیر، قبیل باب الشھید، کوئٹہ ٢/ ١٠٢، زکریا ٢/ ١٥٠) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧؍رجب المرجب ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٧٧٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٨/ ٧/ ١٤٣٣ھ

قبرستان کی جھاڑیوں کو ہیرو ہل سے صاف کرنے کا حکم

سوال: [٨٣٨٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان تقریباً چودہ بیگہ کا ہے، اس کے کچھ حصے ایسے ہیں، جس میں تدفین کا سلسلہ جاری ہے، اور کچھ حصے ایسے ہیں جس میں تیس چالیس سال سے کوئی تدفین کا علم ہم لوگوں کو نہیں ہے، اور پورے قبرستان میں جھاڑیاں بہت پیدا ہوگئی ہیں، اور ان جھاڑیوں کی وجہ سے پورے قبرستان میں بہت سانپ پیدا ہوگئے ہیں، اور لوگ قبرستان میں تدفین کے لئے جانے سے ڈرتے ہیں، اور سانپ کا حال یہ ہے کہ بجائے انسانوں سے بھاگنے کے انسانوں کا پیچھا کرتے ہیں، اس لئے خاص طور پر رات کے وقت میں تدفین کے لئے کوئی بھی ہمت نہیں کرتا لوگوں کو ہر وقت سانپ کا خطرہ رہتا ہے، اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں، کہ ان جھاڑیوں کو کاٹ کر کے قبرستان کو صاف ستھرا کریں، اور جدھر قبریں موجود ہیں، ادھر مزدور لگا کر کے صاف کردیا جائے، اور جن حصوں پر کوئی قبر نہیں ہے، ان حصوں پر ہیرو ہل چلا کر جھاڑیوں اور گھاسوں کو ختم کردیں، تو ایسا کرنے میں شریعت کی طرف سے اجازت ہے یا نہیں؟ حکم شرعی سے واضح فرمائیں؟

المستفتي: محمد اسلم ضیاء الحسن، بھوڑ سرکوئی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ قبرستان کے جس حصہ میں کوئی قبر نمایاں نہیں ہے، اور سانپ کے خطرہ سے تدفین کے لئے جانے والوں کو چلنے پھرنے میں خطرہ ہے، تو اس حصہ پر ہیروہل چلا کر جھاڑیوں کو ختم کرکے صاف ستھرا کردینا شرعاً جائز اور درست ہے، اور جس حصہ میں تدفین کا سلسلہ جاری ہے، اور اس میں بھی جھاڑیوں میں سانپ کی وجہ سے تدفین کے لئے جانے والوں کو خطرہ ہے، تو اس حصہ میں مزدور لگا کر قبرستان کو صاف ستھرا کردینا جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ قبرستان کا اصل مقصد تدفین ہے، اور جھاڑیوں کے سانپ تدفین میں شرکت کرنے والوں کے لئے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں؛ لہٰذا تمام جھاڑیوں کو صاف کرکے قبرستان کو بے خطر بنا دینا بلاتردد جائز اور درست ہے۔

ولما بلي الميت وصار تراباً جاز دفن غيره وزرعه. (البحرالرائق، كتاب الجنائز، قبيل باب صلاة، الشهيد، كوئٹه ٢/٣٤٢، زكريا ٢/٣٤٢، هنديه، زكريا قديم ١/١٦٧، جديد ١/٢٢٨، شامی، كراچی ٢/٢٤٥، زكريا ٣/١٥٥)

كانت الشجرة نبتت بنفسها فحكمها يكون للقاضي: إن رأى قلعها وبيعها وإنفاقها على المقبرة جاز له ذلك. (الموسوعة الفقهية ٣٨/٣٤٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۸/۷/۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۱۷)	۸/۷/۱۴۳۱ھ

۲/ الفصل الثانی: فی المصارف

زیر ملکیت قبرستان میں دوکان بنا کر آمدنی مسجد میں لگانا

سوال: [۸۳۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسجد مغلوں والی واقع محلّہ مغلپورہ مرادآباد کے جملہ انتظام زید کے آباء واجداد کرتے چلے آئے ہیں، اوراب جہاں تک ممکن ہوتا ہے، زید اپنے بزرگوں کی تعمیر کردہ مسجد کے اخراجات کے ضمن میں اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں، مسجد مذکورہ کے چاروں طرف زید کا خاندانی قبرستان ہے، جس کے ایک حصہ میں زید کے علم کے مطابق کبھی کوئی قبر نہیں بنائی گئی، تو قبرستان کی مذکورہ آراضی میں کرایہ حاصل کرنے کی غرض سے کوئی عمارت دوکان وغیرہ تعمیر کی جاسکتی ہے اور کیا اس عمارت دوکان وغیرہ کی آمدنی (کرایہ) مسجد مذکورہ کے اخراجات میں صرف کرسکتے ہیں؟

المستفتي: احسان یابیگ، مغلپورہ اول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مذکورہ قبرستان زید کے باپ دادا کی ملکیت ہے، تو مذکورہ ملحقہ زمین میں دوکان بنا کر مسجد کی آمدنی کی فراہمی کی گنجائش ہے، اور اگر قبرستان ملکیت کا نہیں ہے، بلکہ عام مسلمانوں کے لئے موقوفہ ہے تو جائز نہیں ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی ۷/۱۲۲)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء.

(بیضاوی شریف، مکتبہ رشید ۱/۷)

ومن اختلاف الجهة ما إذا كان الوقف منزلين أحدهما للسكنیٰ والآخر للاستغلال فلا يصرف أحدهما للآخر وهي واقعة الفتویٰ. (شامی،

الوقف ، مطلب فی نقل انقاض المسجدو نحوه ، زکریا ٦/٥٥١ ، کراچی ٤/٣٦١)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱رصفر المظفر ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۳۸۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۲/۲۱ھ

قبرستان کی آمدنی کے لئے پختہ قبروں کو توڑ کر دوکانیں بنانا

سوال: [۸۳۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی پختہ قبروں کو توڑ کر ان پر قبرستان کی آمدنی کے لئے دوکانیں یا دیگر تعمیرات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عوام اس توڑ پھوڑ کو پسند نہیں کرتے ہیں، قبرستان کے تنگ ہونے کا بھی خطرہ ہے؟ جواب دیں؟

المستفتی: بہار حسین انصاری، محلّہ عبد اللہ
محلّہ: باڑہ، بلاری، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تازہ ترین قبروں کو مسمار کرکے ان پر کسی بھی طرح کی تعمیر کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اس سے میت کی توہین لازم آتی ہے، حدیث شریف میں اس پر ممانعت وارد ہوئی ہے، نیز قبرستان مردوں کی تدفین کے لئے وقف ہوتا ہے، اس کی تمام زمین کو دفن کے کام میں استعمال کرنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دیگر امور میں استعمال کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں قبرستان میں قبروں کو مسمار کرکے دوکانیں یا دیگر تعمیرات کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، باا ثر اور ذمہ دار لوگوں پر اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱۷۹/۸، جدید زکریا ۶۰/۹)

عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: كسر عظم الميت ككسره حياً.

(سنن ابن ماجه ، باب فی النهی عن كسر عظام الميت ، النسخة الهندية ١١٦/١ ،

دارالسلام رقم: ١٦١٦، سنن أبی داؤد، باب فی الحفار یجد العظم هل ینتکب ذلک المکان؟ النسخة الهندیة ٢/٤٥٨، دارالسلام رقم:٣٢٠٧)

قال الطیبی فیه اشارة إلیٰ أنه لا یهان المیت کما لا یهان الحی.

(مرقات شرح مشکوٰة، مکتبه امدادیه ملتان ٤/٧٩)

انهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفین واجبة. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفین واجبة زکریا ٦/٦٦٥، کراچي ٤/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۰۸/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۶ھ

گورے غریباں کی قبر کی جگہ دینے کے روپئے لینا

سوال: [۸۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان جس کا نام گور غریباں ہے وہ زمانۂ قدیم سے غریبوں کے لئے عام تھا، لیکن چند اشخاص نے چند سالوں سے اس قبرستان میں قبر کی جگہ کی قیمت ۱۵۰/روپیہ لینا شروع کر دیا ہے، اور قبر کھدائی والا قبر کھدائی کے ۱۵۰/روپیہ فی قبر لیتا ہے، اور میت کی چادر اور جوڑا لیتا ہے، اور قبر کھدائی اس کے علاوہ دوسرے شخص سے نہیں کرا سکتے، تو یہ سب پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: نعیم اللہ، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مذکورہ قبرستان وقف کا ہے، اور سوالنامہ سے یہی واضح ہوتا ہے، کہ قبرستان وقف کا ہے، تو اس میں دفن کے لئے جگہ کی قیمت وصول کرنا شرعی طور پر جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ قیمت وصول کرنے میں غرض واقف کی مخالفت لازم آتی

ہے،اور وقف میں واقف کی غرض کی رعایت کرنا واجب ہوتا ہے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة ، کراچی ٤/٤٤٥، زکریا ٦/٦٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱ر ۳۸۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۱۵ھ

قبرستان کے فنڈ سے برتن خرید کر کرائے پر دینا

سوال: [۸۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان عام ہے، جس کا تعلق صرف ایک موضع سے ہے، دوسری کسی بھی بستی کا اس قبرستان پر کوئی حق حاصل نہیں ہے، اور اس قبرستان میں کچھ پیڑ وغیرہ لگے ہیں ،اوران پیڑوں کوفروخت کرنے پراس قبرستان کو ۲۷ رہزار روپیہ کی آمدنی آئی ہے، اور آگے بھی قبرستان کو آمدنی کی توقع ہے ،لیکن اس کو اس قبرستان پر بظاہر خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ، اس بستی کے لوگ یہ چاہتے ہیں، کہ شادی بیاہ یا دیگر تقریبات میں مسلمانوں کو برتن کی ضرورت ہوتی ہے، تو لوگ شہر جاکر کرایہ پر منگواتے ہیں ، اس قبرستان کی رقم سے قبرستان ہی کی طرف سے برتن منگوالیا جائے ، اور پھر جو حضرات بھی اپنی تقریبات میں اس برتن کو استعمال کریں باضابطہ ان سے کرایہ لیا جائے ، جو قبرستان کے فنڈ میں جمع رہے، ازروئے شرع جائز ہوتو اجازت عطا فرمائیں تا کہ بستی کے مسلمانوں کو فائدہ ہو دوسری زحمت سے بچ سکیں؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟ نوازش وکرم ہوگا؟

المستفتي: ننھے پہلوان منصوری،
موضع ہرگن پور، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :اگر برتن خرید کرکرایہ پر دینے کا مقصد قبرستان کی آمدنی میں اضافہ اور ترقی ہے تو ایسا عمل جائز اور درست ہے، جیسا کہ درمختار کی عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے، کہ مصالح وقف کے لئے اس طرح آمدنی بڑھانا جائز ہے۔

وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أي المسجد جاز الخ. (درمختار ، الوقف ، مطلب في أحكام المسجد ،زكريا ٥٤٧/٦، كراچی ٣٥٧/٤ ، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٠٢/٣٧، مجمع الأنهر ، دارالكتب العلمية بيروت ٥٩٤/٢، مصری قديم ٧٤٧/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸؍۳۱۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۴؍۱۴۱۳ھ

قبرستان کی گھاس بٹائی پر دینا

سوال: [۸۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی گھاس وغیرہ کو بٹائی پر دینا کیسا ہے، کہ گھاس ہونے کی وجہ سے میت کو دفن کرنے میں دشواری ہوتی ہے، اور جانور کا اندیشہ بھی ہوتا ہے؟

المستفتي:رضوان علی،اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :قبرستان کی گھاس وغیرہ بٹائی پر دینا جائز ہے،اور اس کی آمدنی کو مصارف قبرستان میں صرف کیا جائے ،غرباء ومساکین کی تجہیز وتکفین میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

قال في الاسعاف ولو كان في أرض الوقف شجر فدفعه معاملة بالنصف مثلاً جاز. (الشامی، الوقف ، مطلب استاجروا داراً فيها أشجار ، زكريا ٦٤٨/٦، ٦٤٩، كراچی ٤٣٣/٤)

الفاضل من وقف المسجد هل يصرف إلى الفقراء قيل لايصرف وإنه صحيح ولكن يشترى به مستغلا للمسجد. (هندية، الباب الحادى عشر في المسجد وما يتعلق به، الفصل الثانى، زكريا جديد ٢/٤١٤، قديم ٢/٤٦٣، المحيط البرهانى، المجلس العلمى ٩/١٣٨، رقم: ١١٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٩؍صفر المظفر ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٤٦٦٨)

قبرستان کی آمدنی کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟

سوال: [٨٣٩٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی آمد (گھاس درخت) کی رقم سے قبرستان یا نماز جنازہ کی جگہ کی حد بندی کرنا، مسہری تخت بنانا، غیر مسلم کو کفن دینا، نیز غریب مسلمان لڑکی کی شادی اور غریبوں کی دیگر ضروریات پر خرچ کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محی الدین، انجمن
رہنمائے ملت، پارسمنی، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی آمدنی کو سوال میں مذکور مصارف میں سے کسی بھی مصرف میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں، کیونکہ یہ وقف کی چیز ہے، اس لئے اسی وقف میں خرچ ہونی چاہئے، ہاں اگر پورے قبرستان کی حد بندی کی ضرورت ہو تو اس میں بھی خرچ کیا جا سکتا ہے، اگر اس قبرستان کو بالکل ضرورت نہ ہو تو قریبی کسی قبرستان میں یا مسجد میں اس کی آمدنی لگادی جائے۔

وفي شرح الملتقىٰ يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٩، كراچی ٤/٣٥٩، الموسوعة

الفقهية الكويتية٤٤ /١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۲۴)

قبرستان کی خودرو گھاس کی آمدنی مسجد میں لگانا

سوال: [۸۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں گھاس جو کہ اپنے آپ پیدا ہوتی ہے، اس کی دیکھ بھال کرنے کے بعد فروخت کی جاتی ہے، اور اس پیسہ کو مسجد میں لگایا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اور پیسہ لوگ بطور قرض لے کر اپنے کام میں بھی لاتے ہیں؟

المستفتي: محمد صاد الدین، نوریٹہ، سہرسا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: موقوفہ قبرستان کی آمدنی قبرستان کے علاوہ کسی اور جگہ لگانا جائز نہیں ہے، ہاں اگر اس قبرستان میں بالکل ضرورت نہ ہو تو پھر اس کے قریب ترین مسجد یا مدرسہ میں لگا سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۰۶)

قال بعضهم الذى فيها لا يصرف القاضى الفاضل من وقف المسجد (إلىٰ قوله) قيل ويعارضه مافى الإمام قاضيخان فى أن الناظر له صرف فاضل الوقف إلىٰ جهات البر بحسب مايراه . (حاشيه حموى مع الأشباه قديم ١/ ١٦٠)

نیز قبرستان کی رقم بطور قرض دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

أما المال الموقوف على المسجد الجامع إن لم تكن للمسجد حاجة للحال فللقاضى أن تصرف فى ذلك لكن على وجه القرض . (هندية ، الوقف ، الباب الحادى عشر فى المسجد ، ومايتعلق به ذكريا قديم ٢/ ٤٦٤ ، جديد ٢/ ٤١٤ ، المحيط البرهانى ،المجلس العلمى ٩/ ١٥٤ ، رقم: ١١٤٥٢ ، الفتاوىٰ التاتار خانية ، زكريا

۱۹۹/۸، رقم: ۱۱۶۳۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۰ھ

قبرستان کی لکڑیوں سے مسجد کا پانی گرم کرنا

سوال: [۸۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک سرکاری قبرستان ہے، اس میں ایک صاحب نے اس غرض سے درخت لگا دیئے کہ قبرستان میں سایہ رہے گا، اب درخت لگانے والے کا تو انتقال ہوگیا اور درخت کافی پرانے ہوچکے ہیں، بعض مرتبہ ان کی شاخیں خود ٹوٹ کر گر جاتی ہیں، یا کاٹ کر اس کی لکڑی مسجد میں پانی گرم کرنے کے لئے استعمال کرسکتے ہیں یانہیں؟ واضح رہے کہ قبرستان کے چاروں طرف آبادی ہے، اس میں باونڈری کی بھی ضرورت نہیں تو ایسے حالات میں اس قبرستان کے درختوں کی لکڑیاں کاٹ کر سردیوں میں مسجد میں پانی گرم کرسکتے ہیں یانہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

المستفتي: محمد یوسف، لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کے درخت کی لکڑیوں کو سردیوں میں مسجد میں پانی گرم کرنے کے لئے جلانا جائز نہیں ہے، اگر قبرستان کو ضرورت نہیں تو دوسرے قبرستان کے مصرف میں اس کا پیسہ خرچ کیا جائے، اور اگر یہ بھی نہیں ہے، تو لکڑیوں کو فروخت کرکے مسجد کی تعمیر ومرمت اور امام مؤذن کی تنخواہوں میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے، نیز مسجد کی ملکیت کے پیسہ سے لکڑیاں جلانے کے لئے خریدنا بھی جائز نہیں، ہاں اس مد کے لئے مستقل چندہ کیا جائے تو جائز ہے۔

لايجوز لأهل القرية الانتفاع بالمقبرة الدائرة فلو كان فيها

حشیش یحش . (البحر الرائق، الوقف، فصل في احکام المسجد ، زکریا ۵/۴۲۶، کوئٹه ۵/۲۵۴)

وإن استغنی عن حصر المسجد وخشبه وحشیشه نقل إلیٰ مسجد آخر عند أبي یوسف وقال بعضهم یباع ویصرف فی مصالح المساجد ولا یجوز صرف نقضه إلیٰ عمارة البئر لأنها لیست من جنس المسجدالخ.
(الجوهرة النیرة، امدادیه ملتان۲/ ۲۱، دارالکتاب دیوبند ۲/۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۹۸/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/۱۴۲۴ھ

قبرستان کی رقم مسجد میں لگانا

سوال: [۸۳۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں : کہ قبرستان کی رقم مسجد میں لگانا بوجہ یہ کہ مسجد کی چھت گرنے والی ہے، اور قبرستان کی آمدنی کے علاوہ کوئی اور آمدنی نہیں ہے، اور نہ ہی لوگوں کے پاس اتنی وسعت ہے کہ وہ اس سے اس کی تعمیر کرالیں، جس کی بناء پر لوگ چاہتے ہیں، کہ قبرستان کی رقم مسجد کی مرمت میں لگادی جائے ،تو اس کا لگانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد فاروق، سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : موقوفہ قبرستان کی رقم مسجد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے ،ہاں البتہ اگر قبرستان میں کوئی ضرورت نہ ہوتو مسجد کی شدید ضرورت کی صورت میں اہل محلّہ کے باہمی مشورہ سے قبرستان کی زائد رقوم مسجد میں لگانے کی گنجائش ہے۔
(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۰۶، ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۱)

شرط الواقف کنص الشارع . (الاشباه والنظائر قدیم /۱۷۰)

وأما الاستبدال ولو للمساكين بدون الشرط فلا يملكه إلا القاضي. (الدر المختار مع الشامي، الوقف، مطلب فى اشتراط الإدخال والإخراج، زكريا ٦/٥٨٥، كراچی ٤/٣٨٦)

لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لأحد أن يملكها فإذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضا وقف من أوقاف المسلمين. (عمدة القاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربي ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، تحت رقم الحديث/٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۷/۳۰ھ

قبرستان کی آمدنی مسجد میں صرف کرنا

سوال: [۸۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں تمام گاؤں والوں کا ایک قبرستان ہے جس میں چند سال قبل لوگوں کے باہم مشورہ سے درخت لگائے گئے تھے، اور یہ طے ہوا تھا، کہ ان درختوں سے جو بھی نفع حاصل ہوگا، وہ دینی امور میں صرف کیا جائے گا، چنانچہ جب اس قبرستان کے درخت تیار ہوگئے، تو ان کو کاٹ کر فروخت کر دیا گیا، اور قبرستان کمیٹی نے اس رقم میں سے کچھ حصہ گاؤں کی ایک مسجد میں لگا دیا اور اب بھی تقریباً پچاس ہزار روپیہ کی رقم گاؤں کی دوسری مسجد میں لگانا چاہتی ہے، تو گاؤں والے یہ کہہ رہے ہیں، کہ قبرستان کی آمدنی کو مسجد وغیرہ میں نہیں لگایا جا سکتا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں میں اختلاف ہو رہا ہے، اس لئے وضاحت فرما دیں کہ قبرستان کی آمدنی مسجد میں لگائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور پہلے جو آمدنی مسجد میں

لگائی جا چکی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد امین، سیتاپور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی آمدنی کا پیسہ اگر قبرستان میں ضرورت نہیں ہے، تو کمیٹی اور ذمہ داروں کے مشورہ سے قریب کی مسجد میں لگانا جائز اور درست ہے، اور اگر قریب والی مسجد کی ضرورت پوری ہوگئی ہے، تو دوسری مسجد میں بھی لگانا جائز ہے، لہٰذا پہلی مسجد میں جو لگایا گیا ہے، وہ درست ہے، اور آئندہ جو دوسری مسجد میں لگانے کا پروگرام ہے وہ بھی درست ہے۔

وكذا الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما فيصرف وقف المسجد والرباط والبئر والحوض إلى أقرب مسجد أو رباط أو بئر إليه وتحته يصرف وقفها لأقرب مجانس لها. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٥٤٩/٦، كراچی ٣٥٩/٤)

في مجموع النوازل: سئل نجم الدين عن أشجار فى مقبرة هل يجوز صرفها فى عمارة المسجد قال: نعم إن لم يكن وقفاً على وجه آخر. (تاتارخانية، زكريا ١٩٤/٨، رقم: ١١٦١٧، هنديه زكريا جديد ٤١٨/٢، قديم ٤٧٦/٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤٩/٣٨، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ١٤٩/٩، رقم: ١١٤٣٤)

وإن غرس للمسجد لايجوز صرفها إلا إلىٰ مصالح المسجد الأهم، فالأهم كسائر الوقف وكذا إن لم يعلم غرض الغارس ومقتضاه فى البيت الموقوف إذا لم يعرف الشرط ان يأخذه المتولى لبيعها ويصرفها فى مصالح الوقف. (البحرالرائق، الوقف زكريا ٣٤٢/٥، كوئٹه ٢٠٥/٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۸۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۲/۱۴ھ

قبرستان کی آمدنی مسجد کو بطور قرض دینا

سوال: [۸۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا قبرستان کی آمدنی کو بطور قرض مسجد کو دے سکتے ہیں؟

المستفتي: رضوان علی، اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: موقوفہ قبرستان کی آمدنی کو جبکہ قبرستان کو کسی قسم کی ضرورت نہ ہو اور قرضہ دینے میں آمدنی زیادہ محفوظ ہو مسجد کیلئے بطور قرض دے سکتے ہیں۔

أراد المتولی أن يقرض مافضل من غلة الوقف ذكر في وصايا فتاویٰ أبي الليث رحمه الله رجوت أن يكون ذلک وسعا إذاكان اصلح وأحرز للغلة من إمساک الغلة. (هندية، الوقف، الباب الرابع عشر في المتفرقات، زكريا جديد۲/۴۲۳، قديم۲/۴۹۰، الفتاویٰ التاتار خانية، زكريا۸/۲۰۹، رقم: ۱۱۶۶۱، المحيط البرهاني، المجلس العلمي۹/۱۶۵، رقم: ۱۱۴۹۰، ۱۱۴۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۶۸/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۱۹ھ

قبرستان کا پیسہ مسجد و مدرسہ میں لگانا

سوال: [۸۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک موقوفہ قبرستان ہے اس قبرستان کی ملکیت میں تقریباً دو بیگہ زمین ہے، اور وہ زمین

کرایہ پر دی جاتی ہے، کرایہ دار اس میں جانوروں کی کُٹی وغیرہ بوتا ہے، اور کبھی دھان گیہوں وغیرہ بھی بوتا ہے، کرایہ میں اس کا کافی پیسہ آتا ہے، اور قبرستان کے برابر میں اسکی دوکانیں ہیں، جس کی کافی آمدنی ہے، یہ تمام پیسہ قبرستان کا ہے، لیکن قبرستان کو اس پیسہ کی ضرورت نہیں، ایسی صورت میں یہ پیسہ اس گاؤں کے غریب مدارس میں خرچ کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ جس گاؤں میں یہ قبرستان ہے، نیز اس گاؤں میں مسجد بھی ہیں، تو قبرستان کے ذمہ داران اس پیسہ کو اس گاؤں کی غریب مسجدوں میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کی رو سے جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: علیم الدین، جسپور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کی مملوکہ زمین اور اس سے متعلقہ دوکانوں کی آمدنی کا پیسہ کثیر مقدار میں ہے، اور قبرستان کو ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ان پیسوں کو قبرستان کی کمیٹی اور محلّہ کے سرپنچ اور ذمہ داروں کے مشورہ سے مساجد و مدارس میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے ۔ (مستفاد: امدادالفتاویٰ ۲/۵۹۳، کفایت المفتی ۷/۲۷۵، جدید زکریا مطول ۱۰/۱۹۳)

لوأن مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنیٰ قوم عليها مسجداً لم أر بذلک بأسا وذلک لأن المقابر وقف من أوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لأحد أن يملكها إذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها إلى المسجد لأن المسجد أيضاً وقف من أوقاف المسلمين . (عمدة القارى، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركی الجاهلية ويتخذ مكانها مساجد، داراحياء التراث العربی ٤/١٧٩، زكريا ٣/٤٣٥، تحت رقم الحديث: ٤٢٨، فتح الملهم، كتاب المساجد، اشرفيه ٢/١١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۶/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۶۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۶/۱۴۲۳ھ

قبرستان کے روپئے کو مسجد یا مکتب میں لگانا

سوال: [۸۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں والوں کا مشترکہ قبرستان ہے، جس میں درخت لگے ہوئے تھے، اب ان درختوں کو بیچ کر ان کی رقم کو بینک میں جمع کر دیا گیا ہے، گاؤں کے لوگ اس رقم کو مکتب میں لگانا چاہتے ہیں، اور اس کی کچھ رقم مسجد کی تعمیر میں خرچ کی جا چکی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے، ان مصارف میں اس رقم کو خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: نیاز احمد، بسدہا، بسواں، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر قبرستان میں سر دست رقم کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ آئندہ بھی اس کی ضرورت نہیں پڑے گی، تو اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں لگانا بلاشبہ جائز ہے، اگر اس کے بعد کچھ پیسہ بچ گیا ہے، تو اس کو مکتب میں لگانا بھی جائز ہے۔

وسئل نجم الدين فی مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلیٰ عمارة المسجد قال: نعم إن لم تكن وقفاً علی وجه آخر، قيل له: فان تداعت حيطان المقبرة إلی الخراب هل يصرف إليها أو إلیٰ المسجد ؟ قال: إلیٰ ما وقف عليه. (هنديه، الوقف، الباب الثاني عشر فی الرباطات، والمقابر، زكريا قديم ۲/۴۷٦، جديد۲/۴۱۸، الفتاویٰ التاتارخانية، كوئٹه ۵/۸۷۵، زكريا۸/۱۹٤، رقم: ۱۱٦۱۷، المحيط البرهانی، المجلس العلمی ۹/۱٤۹، رقم: ۱۱٤۳٤، الموسوعة الفقهية الكويتية۳۸/۳٤۹)

وما فضل من ريع الوقف واستغنی عنه فإنه يصرف فی نظير تلك

الجهة. (فقه السنة بيروت ۵۲۹/۳، مستفاد: انوار رحمت/۱۵۳) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۰۸۰/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۶ھ

قبرستان کے درختوں کی آمدنی مسجد کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: [۸۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں لگائے گئے درختوں کی قیمت مسجد کی تعمیر اور غرباء ومساکین کی تدفین میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ لگائے گئے درختوں کی قیمت کے صرفہ کی تعیین لگاتے وقت نہ کی گئی ہو۔

المستفتی: عبد اللہ قاسمی، ضلع: مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کی قیمت اسی قبرستان کی چہار دیواری وغیرہ پر صرف کی جائے، لیکن اگر اس قبرستان کو ضرورت نہیں ہے، تو قریب ترین دوسرے قبرستان میں خرچ کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو تو مسجد کی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے، جب مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں، تو مساکین کی تدفین میں نہ خرچ کی جائے۔

فيقدم أولاً العمارة الضرورية ثم الأهم فالأهم من المصالح الخ.

(شامی، الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بماهو أقرب إليها، زكريا ۵۶۱/٦، كراچی ٤/٣٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/شعبان ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۴۵/۳۳)

قبرستان کے درختوں کی آمدنی سے مدرسہ تعمیر کرنا

سوال: [۸۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک گاؤں کے قبرستان میں کچھ درخت تھے، جنہیں گاؤں کے لوگوں نے سولہ ہزار دوسو روپیہ میں فروخت کردیا ہے، اور فی الحال اس گاؤں میں کوئی مدرسہ بھی نہیں ہے، اور بچوں کو تعلیم مسجد کے اندر دی جارہی ہے، تو کیا اس فروخت شدہ درخت کے روپئے سے مدرسہ تعمیر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس گاؤں کے لوگ مدرس کی تنخواہ بھی نہیں دے پاتے ہیں، تو کیا اس روپیہ سے مدرس کی تنخواہ بھی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: نثار احمد، بستوی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان کی مذکورہ آمدنی کی قبرستان کو ضرورت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں صرف کرنے کی گنجائش ہے، مگر مدرسین کی تنخواہ میں نہ دیکر تعمیر میں لگانا ہی بہتر وضروری ہوگا۔

وسئل نجم الدين في مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلىٰ عمارة المسجد قال: نعم إن لم تكن وقفاً علي وجه آخر. (هنديه، الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات ....، زكريا قديم ٤٧٦/٢، جديد ٤١٨/٢، الفتاوىٰ التاتارخانية، زكريا ١٩٤/٨، رقم: ١١٦١٧، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٤٩/٩، رقم: ١١٤٣٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٤٩/٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر شعبان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۶۳)

ضرورت مند قبرستان کی آمدنی مسجد ومدرسہ میں استعمال کرنا درست نہیں

سوال: [۸۴۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے گاؤں میں قبرستان کے اندر درخت لگے تھے، جن کو فروخت کر دیا گیا ہے، اور قبرستان میں چہار دیواری بھی نہیں ہے، اور اگر گاؤں کے ذمہ دار لوگوں سے چہار دیواری بنوانے کے لئے کہا جائے تو نہیں بنائیں گے، تو ایسے حالات میں مسجد یا مدرسہ میں رقم لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتي: سخاوت حسین، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قبرستان میں چہار دیواری کی ضرورت ہے تو اس پیسہ سے قبرستان کی چہار دیواری بنانا لازم ہے، اس میں خرچ نہ کر کے مسجد و مدرسہ میں لگانا جائز نہ ہوگا، اور اگر قبرستان کی ضرورت سے زائد رقم ہے تو اس کو مسجد یا مدرسہ میں لگانا جائز ہے۔

ويصرف وقفها لأقرب مجانس لها الخ. (شامی، الوقف، مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره، زكريا ٦/٥٤٩، كراچی ٤/٣٥٩، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٤/١٦١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ر محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۸۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۱/ ۱۴۱۵ھ

قبرستان کی لکڑی مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: [۸۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد کے ضمن میں قبرستان ہے، اور مسجد ہی کے احاطہ میں مدرسہ بھی ہے، مسجد کے ذمہ داران بخوشی قبرستان کی لکڑیاں مدرسہ کو دینا چاہتے ہیں، مسجد کی آمدنی بہت زیادہ ہے، کیا قبرستان کی لکڑیاں مدرسہ میں استعمال کر سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد یعقوب رشیدی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے صحن میں مدرسہ بھی ہے، اور قبرستان کو نہ ان لکڑیوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی قیمت کی تو قبرستان کے ذمہ داران کی اجازت سے ان لکڑیوں کی قیمت کو مدرسہ میں استعمال کرسکتے ہیں۔

قال فی فقه السنة: وما فضل من ربح الوقف واستغنى عنه فإنه يصرف فی نظير تلك الجهة كالمسجد إذا فضلت غلة وقفه عن مصالحه صرف فی مسجد آخر لأن الواقف غرضه فی الجنس والجنس واحد فإن هذا الفاضل لاسبيل إلىٰ صرفه إليه ولا إلىٰ تعطله فصرفه فی جنس المقصود أولىٰ وهو أقرب الطرق إلىٰ مقصود الواقف. (فقه السنة بيروت ٦/ ٥٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۱ھ

قبرستان کی آمدنی کو امام یا معلم کی اجرت میں دینا

سوال: [۸۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے گھر یا کسی سامان کو فروخت کرکے کسی امام یا کسی مدرسہ کے معلم کو اجرت یا روپئے پیسے دئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ تفصیل سے جواب دیں، نوازش ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موقوفہ قبرستان کی آمدنی کو کسی امام یا معلم کی اجرت میں دینا درست نہیں ہے، بلکہ قبرستان ہی میں صرف کرنا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۰۶)

شرط الواقف كنص الشارع. (الاشباه والنظائر، قديم/ ۱۷۰، قواعد الفقه، اشرفی ديوبند/ ۸۵، رقم: ۱۵۲، الدر مع الرد، كراچی ٤/ ٤٣٣، زكريا ٦/ ٦٤٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۷/ ۱۴۱۶ھ

قبرستان کی کوئی چیز عیدگاہ میں لگانا

سوال: [۸۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کی کوئی چیز عیدگاہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ جبکہ قبرستان ضرورت مند ہو؟

المستفتي: وصی الدین، ومسلمانان شہر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب قبرستان ضرورت مند ہے تو قبرستان کی چیز عیدگاہ وغیرہ میں لگانا اور صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة الخ. (شامی، الوقف، مطلب مراعاة غرض الواقفين واجبة، زکریا ٦/ ٦٦٥، کراچی ٤/ ٤٤٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱/ ۱۴۱۹ھ

قبرستان میں پڑی ہوئی اینٹ قبرستان میں لگانا

سوال: [۸۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان کے اندر جو قبر کی اینٹ پڑی ہیں، ان کو قبرستان کے کام میں لا سکتے ہیں کہ نہیں؟ مثلاً اس اینٹ سے گھیرابندی یا مٹی بھروانا وغیرہ؟

المستفتي: محمد یونس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کی اینٹ سے مراد اگر دفن سے بچی ہوئی اینٹیں ہیں تو وارثین کی اجازت سے استعمال جائز ہے، بلا اجازت جائز نہیں؟

لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک الغیر بغیر إذنه الخ. (قواعد الفقه، اشرفی /۱۱۰، رقم: ۲۷۰، شرح المجلة رستم اتحاد ۱/۶۱، رقم المادة: ۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۰/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۶۷۱)	۱۴۱۹/۳/۱۰ھ

واقف کا قبرستان کی آمدنی غریبوں پر خرچ کرنا

سوال: [۸۴۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ۱۰۰/گز زمین پر بانس لگائے، اور بانس کافی تعداد میں بڑھ رہے ہیں، اور زمین اور بانس قبرستان میں دے دیئے ہیں، اور کچھ بانس فروخت کر کے غریب کو دینا چاہتا ہوں، کیا دے سکتا ہوں یا نہیں؟ خلاصہ تفسیر فرمائیں؟

المستفتي: عبد القیوم ٹھٹھیرہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ اپنی زمین و بانس قبرستان کے لئے دے چکے ہیں، اور دیتے وقت آپ نے تبدیلی کی شرط بھی نہیں لگائی ہے، تو اب ان میں سے کچھ بانس فروخت کر کے غریبوں پر تقسیم نہیں کر سکتے ہیں، ہاں اگر قبرستان میں کوئی ضرورت نہ ہو مثلاً حفاظت کے لئے چہار دیواری کی ضرورت نہ ہو یا آدمی رکھنے کی ضرورت نہ ہو وغیرہ

وغیرہ تو پھر باہمی مشورے سے کسی مدرسہ یا عیدگاہ یا غریبوں پر صرف کر سکتے ہیں، تاکہ آمدنی کی رقم ضائع نہ ہو۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۵/ ۳۰۶، ڈابھیل ۱۵/ ۳۷۰)

فإذا تم ولزم لایملک ولا یملک ولایعار ولایرهن (در مختار) ولا یملک أي لایکون مملوکاً لصاحبه ولا یملک أي لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه ولا یعار ولا یرهن لا قتضائهما الملک. (شامی، الوقف، زکریا ٦/ ٥٣٩، کراچی ٤/ ٣٥٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۶/ ۱۴۱۵ھ

مملوکہ قبرستان کے درخت کاٹ کر استعمال کرنا

سوال: [۸۴۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں جو بانس یا دیگر درخت ہیں اس کو کاٹ کر اپنے گھر میں لگانا یا بیچنا یا اور دیگر کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ قبرستان اپنی زمین میں نہیں ہے، اور اس میں کسی کی شرکت بھی نہیں ہے، قرآن وحدیث کے مطابق فیصلہ فرمائیں؟ آپ کا کرم ہوگا؟

المستفتي: معراج احمد، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان ملکیت کا ہے، اور اپنی ملکیت کے قبرستان کے درختوں کو کاٹ کر اپنے کام میں لانا جائز ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۷/ ۱۱۵، جدید زکریا مطول ۱۰/ ۵۱۵)

فإن کانت الأرض یعرف مالکها فالأشجار بأصلها للمالک یصنع بالأشجار وأصلها ماشاء الخ. (قاضی خان، الوقف، فصل فی الأشجار، زکریا

جدید۳/۲۱۷، ۲۱۸، وعلی هامش الهندیة ۳/۳۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ر رجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۸۵۰)

اپنے وقف کردہ قبرستان کے درخت سے فائدہ اٹھانا

سوال: [۸۴۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی نے اپنے خاندان والوں کے لئے اپنے ذاتی کھیت میں قبرستان کے لئے جگہ چھوڑ رکھی ہے، اور آم جامن وغیرہ کے کچھ درخت پہلے سے لگا رکھے ہیں، اور اب وہ ان درختوں کو بیچ کران کی رقم اپنی دوا وغیرہ میں خرچ کرنا چاہتا ہے، تو کیا ان درختوں کو بیچ کران کی رقم کو علاج ومعالجہ میں خرچ کرسکتا ہے، عام حالت میں ان درختوں کی رقم کا کیا حکم ہے؟ او ربحالت مجبوری کیا حکم ہے؟ اور اگر خود خرچ نہ کرسکے تو کون سے مصرف میں خرچ کرنا چاہئے؟ اور اگر خرچ کر چکا ہے تو کیا حکم ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد نعیم، برا، بسواں، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ جگہ میں جو درخت قبرستان بنانے سے پہلے لگے ہوئے ہیں، آپ ان کو کاٹ کر اپنے استعمال میں بلا تکلف لا سکتے ہیں۔

مقبرة عليها أشجار عظيمة فهٰذا علىٰ وجهين إما إن كانت الأشجار نابتة قبل اتخاذ الأرض مقبرة، أو ينبت بعد اتخاذ الأرض مقبرة، ففي الوجه الأول، المسئلة على قسمين إما إن كانت الأرض مملوكة لها مالك أو كانت مواتا لامالك لها و اتخذ أهل القرية مقبرة، ففي القسم الأول الأشجار بأصلها على ملك رب الأرض يصنع بالأشجار وأصلها ماشاء وفي القسم الثاني الأشجار بأصلها على حالها القديم. (هندیه، الوقف، الباب

الثانی عشر فی الرباطات...... زکریا جدید۲/ ۴۱۷، ۴۱۸، قدیم ۲/ ۴۷۴، المحیط البرهانی، المجلس العلمی ۹/ ۱۴۷، رقم: ۱۱۴۲۳، الفتاویٰ التاتار خانیة، زکریا ۸/ ۱۹۲، رقم: ۱۱۶۰۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۵ھ

قبرستان میں کھیتی اور اس میں آمدنی کا حکم

سوال: [۸۴۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک قبرستان کی آراضی ہے جہاں تدفین نہیں ہوتی ہے، تو ایک صاحب اس نیت سے اس میں کھیتی کرنا چاہتے ہیں، کہ اس میں جھاڑ جھنکاڑ وغیرہ نہ ہو اور اس کھیتی سے حاصل ہونے والی آمدنی بوقت ضرورت قبرستان کی ضروریات میں صرف ہو تو کیا مذکورہ شخص کے لئے قبرستان کی آراضی میں کھیتی کرنا درست ہے؟

المستفتي: محمد سفیان قاسمی، لکھن پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان کے جس حصہ میں تدفین کا سلسلہ جاری ہے، اس حصہ میں کھیتی کرنا جائز نہیں ہے، اور جو حصہ تدفین اور قبروں سے بالکل خالی پڑا ہوا ہے، اس حصہ میں قبرستان کی تمام کمیٹی اور ذمہ داروں کے مشورہ اور رضامندی سے کھیتی کرنے کی گنجائش ہے، اس کی آمدنی قبرستان کی ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہے، اور اگر قبرستان کو ضرورت نہ ہو تو قریب کی مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۱۵۳)

ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره في قبره وزرعه والبناء عليه. (الفتاوی الهندیة، کتاب الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن، جدید زکریا۱/ ۲۲۸، قدیم ۱/ ۱۶۷، مثله فی الشامیة، زکریا ۳/ ۱۳۸، کراچی ۲/ ۲۳۳)

سئـل نـجم الدين في مقبرة فيها أشجار هل يجوز صرفها إلىٰ عمارة الـمسجد ؟ قال : نعم ! إن لـم تكن وقفا على وجه آخر. (هنديه ، کتاب الوقف، قبيل البـاب الثالث عشر فی الأوقاف التی لايستغنی ،جديد زکريا٢/٨ ٤١ ، قديم ٢/٧٦ ٤ ، مثله فی الخانية جديد زکريا ٣/١٧ ٢) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣؍جمادی الثانیہ ١۴٣٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴١؍١٣٠٠٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢؍٦؍١۴٣٦ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۰)

المجلد العاشر

بقية الجنائز من الصلوٰة الجنائز

الی باب الشهيد، كتاب الزكوٰة

۳۸۹۴ ——— ۴۴۰۴

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

فہرست مضامین

١٠/بقية كتاب الجنائز

٦/ باب صلاة الجنازة

مسئلہ نمبر: صفحہ نمبر

❐ ۱۱ / باب القبور

۱۲/باب التدفين

۱۳/ باب الدعاء بعد الدفن وغیره

۱۴/ باب إلقاء الأشجار والعطور......

❐ ۱۵/باب البناء علی القبور

❐ ۱۶/ باب التعزیة والحداد (سوگ منانا)

۱۷ / باب زیارة القبور

۱۸/باب ایصال الثواب للمیت

❑ ۱۹ / باب الشهيد

۱۱ / کتاب الزکوٰۃ

۱/باب الزکاۃ ومتعلقاتها

۲/باب وجوب الزکاۃ

۳/باب زكاة الذهب والفضة والحلي

❏ ۴/باب أموال التجارة

۵/باب أداء الزکوٰۃ

❑ ۶/باب المصرف

۱۰ بقیة كتاب الجنائز

۱۰ / باب صلاة الجنازة

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِم

نماز جنازہ کا مسنون طریقہ

سوال: [۳۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اس کی ترکیب اور کیفیت کیا ہے؟ اس کو بیان فرمائیں عین نوازش ہوگی، بینوتو جروا۔

المستفتي: شعیب احمد، میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز جنازہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو جائے، اور مقتدی امام کے پیچھے صف بندی کریں، اور ہر دو صف کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف معمولی فاصلہ کافی ہے، اور بہتر یہ ہے کہ کم از کم تین صف بنائیں، لہٰذا اگر مقتدی کم ہوں، مثلاً صرف پانچ ہی آدمی ہوں، تو پہلی اور دوسری صف میں دو دو اور تیسری صف میں ایک شخص کھڑا ہو اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ جس کے جنازہ میں تین صفیں ہوں، اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، اور جنت نصیب ہوتی ہے، اس کے بعد نماز جنازہ شروع کرنے کے لئے امام تکبیر کہے اور تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ

اٹھا کر باندھ لے اوراس کے بعد ثناء پڑھے، پھر ثناء سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر دوسری تکبیر کہے، اور درود ابراہیمی پڑھے اور درود ابراہیمی سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر تیسری تکبیر کہہ کر بالغ مرد وعورت کے لئے مذکورہ دعا پڑھے۔

اللّٰهم اغفر لحينا، وميتنا، وشاهدنا ، وغائبنا، وصغيرنا، وكبيرنا، وذكرنا ، وأنثانا، اللّٰهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان .

لیکن اگر میت بالغ کی جگہ نابالغ لڑکا یا لڑکی ہے،تو دعاء میں درج ذیل الفاظ پڑھے۔

اللّٰهم اجعله لنا فرطاً و اجعله لنا أجراً وذخراً ، واجعله لنا شافعاً ومشفعاً . البتہ لڑکی کی صورت میں **اجعلها** پڑھے، پھراس کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے اور چھوڑنے کے بعد دونوں طرف سلام پھیر دے، دلائل ملاحظہ فرمایئے:

عن مرثد بن عبدالله اليزني قال: كان مالك بن هبيرة إذا صلىٰ على جنازة ، فتقال الناس عليها جزّأهم ثلاثة أجزاء ، ثم قال: قال رسول الله ﷺ: من صلى عليه ثلاثة صفوف فقد أوجب . (سنن الترمذي، الجنائز ، باب كيف الصلاة على الميت والشفاعة له ، النسخة الهندية ١/ ٢٠٠، دارالسلام رقم: ١٠٢٨)

عن أبي هريرةؓ ، قال نعى النبي ﷺ إلى أصحابه النجاشي، ثم تقدم فصفوا خلفه فكبر رابعاً. (صحيح البخارى ، الجنائز ، باب الصفوف على الجنازة ، النسخة الهندية ١/١٧٦، رقم:١٣٠٤، ف: ١٣١٨)

عن الشعبى قال: التكبيرة الأولىٰ على الميت ثناء على الله ، والثانية صلاة على النبى صلى الله عليه وسلم ، والثالث دعاء للميت، والرابعة تسليم. (مصنف عبد الرزاق، باب القراءة والصلاة فى الدعاء للميت، المجلس العلمي٣/٤٩١، رقم: ٦٤٣٤)

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ كان إذا صلى على جنازة ، قال:

اللّٰهم اغفر لحينا، وميتنا، وشاهدنا، وغائبنا، وصغيرنا، وكبيرنا،وذكرنا، وأنثانا، اللّٰهم من أحييته منّا فأحيه على الإسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان . (المستدرك، كتاب الجنائز، قديم ١/٣٥٨، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٢/٢/٥١، رقم:١٣٢٦، سنن الترمذى الجنائز، باب مايقول فى الصلاة على الميت، النسخة الهندية ١/١٩٨، دارالسلام رقم: ١٠٢٤)

عن يونس عن الحسن أنه كان إذا صلى على الطفل قال: اللّٰهم اجعله لنا فرطاً واجعله لنا أجراً . (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب الدعاء على الطفل، المجلس العلمي٣/٥٢٩، رقم: ٦٥٨٨)

وفى الصبي والمجنون يقول: اللّٰهم اجعله لنا فرطاً، واجعله لنا ذخراً، واجعله لنا شافعا ومشفعاً. (شرح النقايه، باب فى الجنائز، مكتبه اعزازيه ديوبند ١/١٣٤)

وسننها أربع: قيام الإمام بحذاء صدر الميت ذكراً أو أنثىٰ والثناء بعدالتكبيرة الأولىٰ، والصلاة، على النبى ﷺ بعد الثانية، والدعاء للميت بعد الثالثة ..... ويسلم بعد الرابعة من غير دعاءٍ . (نورالإيضاح، باب أحكام الجنائز، كتب خانه امداديه ديوبند/١٢٩، ١٣٠)

ولا يعقد بعد التكبير الرابع؛ لأنه لا يبقى ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح أنه يحل اليدين ثم يسلم .(سعايه شرح شرح الوقايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة ٢/١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ار جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۷ھ

نمازِ جنازہ کی نیت کس طرح کی جائے

سوال: [۳۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

نیت کی میں نے جنازہ کی نماز فرض کفایہ چار تکبیروں کے ساتھ دعا واسطے اس میت کے ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منھ میرا کعبہ شریف کی طرف پیچھے اس امام کے اللہ اکبر، اس تفصیل کے ساتھ نیت کا ثبوت کہیں سے ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو نیت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ نیت کے عربی الفاظ بھی نقل فرمادیں، جواب بحوالہ عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد افتخار، پوکھر بھنڈا، ضلع دیوریا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں درج شدہ الفاظ کا استعمال کرنا، قرآن وحدیث اور ائمۂ مجتہدین میں سے کسی سے ثابت نہیں اور نہ ہی اس کے عربی الفاظ قرآن وحدیث اور کسی فقہ کی کتاب میں موجود ہیں، بلکہ یہ بعد کے لوگوں کے اپنی طرف سے بنائے ہوئے الفاظ ہیں، اس لئے نماز جنازہ میں اتنی نیت کر لینا کافی ہے، کہ میں اس امام کے پیچھے اس میت کی دعاء کیلئے نماز جنازہ پڑھتا ہوں، اور یہ بھی کہنا زبان سے ثابت نہیں ہے، بلکہ صرف دل ودماغ میں سوچ لینا کافی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۸۹، جدید ڈابھیل ۸/ ۵۴۸، بہشتی زیور ۱۱/ ۳۱)

وفی صلوٰة الجنازة ینوی الصلوٰة لله تعالیٰ و الدعاء للميت.

(الأشباه قديم / ٦٢)

وفي صلاة الجنازة ينوي الصلاة لله تعالىٰ، والدعاء للميت. (هنديه، كتاب الصلاة، الفصل الرابع فى النية زكريا ١/ ٦٦، جديد٢/ ١٢٣ حلبى كبير، الصلاة، الشرط السادس النية، اشرفيه ديو بند /٩ ٢٤، البنايه، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة التي تتقدمها، اشرفيه ديو بند٢/ ١٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم ر ۵/ ۱۴۲۱ھ

نماز جنازہ کا طریقہ

سوال: [۳۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ میں مقتدی امام کے پیچھے درود شریف اور میت کی دعاء جو پڑھی جاتی ہے وہ پڑھے یا خاموش رہے، اسی طرح جنازہ کی نماز میں کتنے فرائض ہیں، اور کتنی سنتیں ہیں، یعنی کیا کیا رکن فرض اور کیا کیا سنتیں ہیں، مفصل ومدلل انداز میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد مصطفیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس طرح امام پر تکبیرات کہنا فرض ہے، اسی طرح مقتدی کیلئے بھی تکبیرات کہنا فرض ہے، جس طرح امام کیلئے ثناء دورد شریف اور دعا وغیرہ پڑھنا مسنون ہے، اسی طرح مقتدی کیلئے بھی مذکورہ چیزیں پڑھنا مسنون ہے، غرض یہ کہ جو چیزیں امام پر فرض ہیں، وہی مقتدی پر بھی فرض ہیں، اور جو چیزیں امام کیلئے مسنون ہیں، وہی چیزیں مقتدی کے حق میں بھی مسنون ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ امام تکبیرات اور سلام بلند آواز سے کہے گا، اور مقتدی آہستہ سے کہیں گے۔

والإمام والقوم فيه سواء .... ويخافت في الكل إلا في التكبيرات والإمام والقوم فيه سواء. (عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون، في الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت زكريا ١/١٦٤، جديد١/٢٢٥)

ويسر الكل إلا التكبير ..... لكن في البدائع! العمل في زماننا على الجهر بالتسليم. (درمختار مع الشامي كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي كراچی ٢/٢١٣، زكريا ٣/١١١)

اور نماز جنازہ میں دو فرض ہیں (۱) چار تکبیریں۔ (۲) قیام اور ایک واجب سلام ہے پھیرنا، اور تین چیزیں مسنون ہیں، (۱) پہلی تکبیر کے بعد ثناء۔ (۲) دوسری تکبیر کے بعد درود

شریف۔ (۳) تیسری تکبیر کے بعد دعاء۔

ورکنها التكبيرات والقيام. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبي كراچی ۲/۲۰۹، زکریا۳/۱۰۵، مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، باب أحكام الجنائز، فصل فی الصلوٰة عليه جديد دارالكتاب ديوبند/ ۵۸۰، قديم /۳۱۸)

ويسلم وجوبا بعد التكبيرة الرابعة من غير دعاء بعدها فی ظاهر الرواية. (مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، جديد مكتبه دارالكتاب قديم/ ۳۲۱)

والثناء بعد التكبيرة الأولیٰ والصلوٰة على النبی صلى الله عليه وسلم بعد التكبيرة الثانية والدعاء للميت ولنفسه وجماعة المسلمين بعد التكبيرة الثالثة الخ. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، أحكام الجنائز، فصل فی الصلاة، عليه، دارالكتاب ديوبند/۵۸۳، ۵۸۴، قديم / ۳۲۰، شامی كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنائز، مطلب هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصبی كراچی ۲/۲۰۹، زكريا ۳/ ۱۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۷۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

کیا جنازہ میں مقتدی کیلئے دعاء پڑھنا لازم ہے؟

سوال: [۳۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ کی نماز میں دعائیں پڑھنا مقتدی کیلئے ضروری ہے؟

المستفتي: ولی الرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: جنازہ میں دو چیزیں فرض ہیں، (۱) چار تکبیرات۔

(۲) کھڑے ہوکر نماز پڑھنا اور تین چیزیں سنت ہیں۔

(۱) حمد وثناء جس کو ثناء پڑھنے سے تعبیر کرتے ہیں، (۲) درود شریف پڑھنا۔ (۳) اخیر میں دعاء پڑھنا۔

عن سعيد بن أبي سعيد المقبرى عن أبيه أنه سأل أبا هريرة كيف تصلي على الجنازة ؟ فقال أبو هريرةؓ : أنا لعمر الله أخبرك اتبعها من أهلها ، وإذا وضعت كبرت ، وحمدت الله ، وصليت على نبيه ثم أقول اللّٰهم إنه عبدك . الحديث: (موطا مالك ، الجنائز ، باب مايقول المصلي على الجنازة ، النسخةالهندية / ۷۹)

عن الشعبي قال: التكبيرة الأولىٰ على الميت ثناء على الله ، والثانية صلاة على النبي ﷺ، والثالثة دعاء للميت ، والرابعة تسليم . (مصنف عبدالرزاق ، باب القراءة والدعاء في الصلاة على الميت ، المجلس العلمي۳/۴۱۹، رقم: ۶۴۳۴)

وركنها التكبيرات ، والقيام ، وسننها التحميد، والثناء والدعاء فيها. (تنوير الأبصار مع الدر المختار ، كتاب صلاة ، باب صلاة الجنازة ، زكريا۳/۱۰۵، ۱۰۶، كراچی۲/۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۰۵/۳۶)

متعدد میتوں پر ایک ساتھ نماز جنازہ پڑھنا

سوال: [۳۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) اگر ایک ساتھ دو چار جنازے آجائیں تو ان سب کی نماز ایک ساتھ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کئی جنازے ایک ساتھ آجائیں تو ان جنازوں کی چار پائیاں کس طرح رکھی

جائیں، اور امام صاحب کہاں کھڑے ہوں؟

المستفتي: عبدالسبحان، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر ایک ساتھ کئی جنازے آجائیں تو ان سب کی نماز الگ الگ پڑھنا لازم یا ضروری نہیں ہے، بلکہ سب کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنا بھی بلاکراہت جائز اور درست ہے۔

عن ابن عباس قال: أتي بهم رسول الله ﷺ يوم أحد فجعل يصلي على عشرة عشرة وحمزة هو كما هو، يرفعون وهو كما هو موضوع.

(سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في الصلاة على الشهداء ودفنهم، النسخة الهندية ١/١٠٩، دارالسلام رقم: ١٥١٣، وهكذا في مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب إذا اجتمعت الجنائز الرجال، المجلس العلمي ٣/٤٦٩، رقم: ٦٣٥٦، شرح معاني الآثار، باب الصلاة على الشهداء بيروت ٢/٣٣، رقم: ٢٨١٢)

ولو اجتمعت الجنائز يخير الإمام إن شاء صلى على كل علىٰ حدة، وإن شاء صلىٰ علىٰ الكل دفعة بالنية على الجميع. (عالمگيري، الباب الحادي والعشرون، في صلاة الجنازة، الفصل الخامس في الصلاة على الميت زكريا ١/١٦٥، جديد ١/٢٢٦)

(۲) اگر متعدد میتوں کی نماز ایک ساتھ پڑھنا ہو تو ان کی چار پائیوں کے رکھنے کی مختلف شکلیں فقہاء نے بیان کی ہیں، اور ان میں آسان شکل یہی ہے کہ سب کے سینے ایک دوسرے کے مقابل اور برابر میں ہوں، اور امام ان تمام میتوں کے سینے کے برابر میں کھڑا ہو جائے۔

عن إبراهيم في الجنائز إذا اجتمعت قال: تصفها صفا، بعضها أمام بعض وتصفها جميعاً يقوم الإمام وسطها، الحديث: (كتاب

الآثار لمحمد بن الحسن ، الجنائز ، باب الصلاة على جنازة الرجال و النساء ، الرحيم اکیڈمی کراچی ۱/۲۱٤، رقم: ۲٤۳)

وإن شاء جعلها صفا ممايلي القبلة واحداً خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة ممايلي الإمام ليقوم بحذاء صدر الكل . (در مختار مع الشامي ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، كراچى ۲/۲۱۹، زكريا۳/۱۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۳/۱۴۲۸ھ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھنا

سوال: [۳۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور قرأت کا ثبوت سراً یا جہراً کسی حدیث سے ہے یا نہیں؟ ایک صاحب فرماتے تھے، کہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اس کا ثبوت ملتا ہے؟

المستفتي: بشیر الدین، مونگیری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا ذکر موجود ہے، دوسری سورتیں پڑھنا کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔

عن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب .

الحديث: (ترمذي ، الجنائز ، باب ماجاء في القراءة على الجنازة بفاتحة الكتاب ، النسخة الهندية ۱/۱۹۸، دارالسلام رقم: ۱۰۲٦)

درحقیقت بات یہ ہے کہ نماز جنازہ میں دعاء کا حکم ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

أبو ابراهيم الأشهلي عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه

وسلم إذا صلى على الجنازة، قال: اللّٰهم اغفر لحينا وميتنا، وشاهدنا، وغائبنا، وصغيرنا، وكبيرنا، وذكرنا، وأنثانا (إلىٰ قوله) اللّٰهم من أحييته منا فأحيه على الإسلام، ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان. (ترمذی، الجنائز، باب مایقول فی الصلاۃ علی المیت ،النسخۃ الهندیۃ ۱/۱۹۸، دارالسلام رقم: ۱۰۲٤)

عن أبي هريرةؓ سمعت النبي ﷺ يقول: إذا صليتم على الميت فأخلصوا له الدعاء. (سنن أبي داؤد، الجنائز، باب الدعاء للميت، النسخة الهندية ۲/٤٥٦، دارالسلام رقم: ۳۱۹۹)

اور سورۂ فاتحہ کو قرأت کے ارادہ سے نہیں بلکہ دعا کے ارادہ سے پڑھنے کی گنجائش ہے، اور ابن عباس کی روایت میں دعاء کے ارادہ سے پڑھنا مقصود ہے۔

ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء، فلا بأس به، وإن قرأها بنية القراءة لا يجوز، لأنها محل الدعاء دون القراءة. (هنديه، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت زکریا ۱/۱٦٤، جدید ۱/۲۲٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۱۱/۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۱۸ھ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال: [۳۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں نام نہاد اہل حدیث (غیر مقلدین) اکثر وبیشتر مسائل کے متعلق بحث کرتے رہتے ہیں، جس کی بنا پر میرے ذہن میں بھی بسا اوقات خلجان پیدا ہوجاتا ہے، امید ہے کہ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

کیا حضور اکرم ﷺ سے بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہے؟ اگر نہیں تو

احناف کا مسلک اس کے برخلاف کیوں ہے؟

المستفتي: ابوالکلام، سدھارتھ نگری۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سورۂ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنا صاف طور پر حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے سے متعلق حضرات صحابہؓ سے منقول ہے، حضور ﷺ سے پڑھنا ثابت نہیں ہے، حضور ﷺ کے بعد بہت سے صحابہ سے بھی سورۂ فاتحہ کا نماز جنازہ میں نہ پڑھنا ثابت ہے، ملاحظہ فرمایئے:

عن أبی سعید المقبری عن أبیه أنه سأل أبا هریرة کیف تصلي علی الجنازة فقال: أبو هریرة إنا لعمر الله أخبرک اتبعهامن أهلها ، فإذا وضعت کبرت وحمدت الله وصلیت علیٰ نبیه ثم أقول اللّٰهم عبدک وابن عبدک وابن أمتک کان یشهد أن لا إلٰه إلا أنت وأن محمداً عبدک ورسولک ، وأنت أعلم به اللّٰهم إن کان محسنا فزد في إحسانه ، وإن کان مسیئاً فتجاوز عنه سیآته ، اللّٰهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده. (مصنف ابن أبی شیبه ، الجنائز ، مایبدأ فی التکبیرة الأولیٰ فی الصلاة علیه الخ ، مؤسسه علوم القرآن ۷/۲۵۲، ۳/۲۹۵ ، رقم: ۱۱۴۹۵ ، مصنف عبد الرزاق ، الجنائز ، باب القراءة والدعاء فی الصلاة علی المیت المجلس العلمي ۳/۴۸۸، حدیث: ۶۴۲۵)

عن نافع أن ابن عمر کان لا یقرء فی الصلاة علی الجنازة . (مصنف ابن أبی شیبه ، کتاب الجنائز ، من قال لیس علی الجنازة قراءة مؤسسه علوم القرآن ۷/۲۵۸، ۳/۲۹۸، رقم: ۱۱۵۲۲)

أن ابن مسعود قال: إن النبی ﷺ لم یوقت فیها قولا ولا قراءة .

(مغنی ابن قدامه بیروت ۲/ ۱۸۰)

عـن عـلـى أنـه كـان إذا صلى علىٰ ميت يبدأ فيحمد الله ويصلى عـلـى الـنبى صلى الله عليه وسلم ثم يقول أللّٰهم اغفر لأحيائنا وأمواتنا وألف بيـن قلوبنا وأصلح ذات بيننا واجعل قلوبنا على قلوب خيارنا .
(مـصـنف ابـن أبـى شيبه ،الجنائز ، من قال ليس على الميت دعاء الخ مؤسسه علوم القرآن ۷/۲۵۱، ۳/۲۹۵، رقم: ۱۱٤۹٤)

عـن أبـي الـمـنهـال قال سألت أبا العالية عن القراء ة فى الصلاة على الـجنازة بفاتحة الكتاب فقال ماكنت أحسب أن فاتحة الكتاب تقرء إلا فى صلوٰة فيها ركوع وسجود . (مصنف ابن أبي شيبه ، كتاب الجنائز ، من قال ليس على الجنازة قراء ة جديد مؤسسه علوم القرآن ۷/۲۵۸، ۳/۲۹۹، رقم: ۱۱۵۲٤)

عـن موسىٰ بن على عن أبيه قال قلت لفضالة بن عبيدة هل يقرء على الميت شىء قال لا. (مـصـنف ابـن أبى شيبه ، الجنائز، من قال ليس على الجنازة قراء ة مؤسسه علوم القرآن ۷/۲۵۹، ۳/۲۹۹، رقم: ۱۱۵۲۵)

عـن سـعيـد بـن أبي بـردـة عـن أبيه قال: قال له رجل أقرء على الجنازة بفاتحة الكتاب، قال: لا تقرء . (مـصنف ابن أبي شيبه ،الجنائز ، من قال ليس على الجنازة قراءة مؤسسه علوم القرآن ۷/۲۵۹، رقم: ۱۱۵۲٦، ۳/۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۷/۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۲۶ھ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بنیت قرأت حنفیہ کے یہاں کیوں ممنوع ہے؟

سوال: [۳۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز

جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں؟ تو کن کن ائمہ کے نزدیک جائز ہے؟ اور حنفیہ کے یہاں عدم جواز کی علت کیا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں بنیت قراءت سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مکروہ ہے، حنفیہ مکروہ تحریمی کے قائل ہیں اور مالکیہ مکروہ تنزیہی کے، ہاں دعا کی نیت سے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی مطلقاً اجازت ہے، اور شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بنیت قراءت سورۂ فاتحہ کا پڑھنا جائز ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بنیت قراءت سورۂ فاتحہ کے نماز جنازہ میں مکروہ ہونے کی علت یہ ہے کہ نماز جنازہ قرائت کا محل نہیں ہے بلکہ یہ موقع دعا ہے۔

وقراءة الفاتحه مكروهة تحريماً بنية التلاوة ، جائزة بنية الدعاء عند الحنفية ومكروهة تنزيها عند المالكية ، وركن عند الآخرين. (الفقه الإسلامی وادلته صلاة الجنازة ، وأحكام الجنائز والشهداء والقبور ، مكتبه هدی انٹر نیشنل۲/ ٤٣٦)

وليس فيها قراءة القرآن عندنا وهو قول عمر وابنه وعلي وأبي هريرة رضـ وبه قال: مالك وقال الشافعيؒ و أحمدؒ يقرأ الفاتحة فى الأولىٰ وهو مروي عن ابن عباس أنه صلى على جنازة فقرأ فاتحة الكتاب قال لتعلموا أنها سنة رواه الترمذی وغيره ، ولنا ماقدمناه من قول عمر وغيره ولو قرأ الفاتحة بنية الثناء والدعاء جاز. (حلبي كبير ، الصلاة ، فصل فی الجنائز/٥٨٦، مكتبه اشرفيه)

ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء فلا بأس به ، وإن قرأها بنية القراءة لا يجوز لأنها محل الدعاء دون القراءة . (هنديه ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت ، زكريا ١/ ١٦٤، اتحاد جديد ١/ ٢٢٥)

وعین الشافعی الفاتحة فی الأولیٰ وعندنا تجوز بنیة الدعاء وتکره بنیة القراء ة لعدم ثبوتها فیها عنه علیه الصلاة والسلام ، وتحته فی الشامیة : وبه قال أحمد ، لأن ابن عباسؓ صلی علی جنازة فجهر الفاتحة وقال عمداً فعلته لیعلم أنها سنة ، ومذهبنا قول عمر وابنه وعلي وأبي هریرةؓ وبه قال مالک کما فی شرح المنیة ، وقوله تکره بنیة القراء ة : فی البحر، عن التجنیس والمحیط : لا یجوز لأنها محل الدعاء دون القراء ة ومثله في الولوالجیة والتاتار خانیة وظاهره أن الکراهة تحریمیة . (شامی ، کتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، زکریا۳/ ۱۱۱، کراچی ۲/ ۲۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/ ۲۸ ۱۱۵)

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اورضم سورۃ

سوال: [۳۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا اورضم سورۃ کرنا نیز جہر کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر مذکورہ باتوں کا ثبوت ہے تو وہ مقتدی جو متبعین امام ابوحنیفہؒ ہیں کیا کریں؟ آیا وہ بھی امام کیساتھ پڑھیں یا خاموشی کے ساتھ سنیں،اورصرف تکبیرات کہیں: یا نماز ہی نہ پڑھیں، احناف کی نماز کس شکل میں صحیح ہوگی؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: جلیس احمد ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :نماز جنازہ میں بنیت قرأت سورۂ فاتحہ کا پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، البتہ اگر بنیت دعا سورۂ فاتحہ پڑھی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے،لیکن جہراً پڑھنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے، اورضم سورۃ کسی طرح جائز نہیں ہے، کیونکہ سورۃ

بنیت دعا نہیں پڑھی جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۱۷، ۵/ ۳۲۶، ۵/ ۳۴۷)

ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء فلا بأس به وإن قرأها بنية القراءة لا يجوز لأنها محل الدعاء دون القراءة الخ. (فتاویٰ عالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت زکریا ۱/ ۱٦٤، جدید ۱/ ۲۲٥، شامی، کتاب الصلوٰة، باب صلوٰة الجنازة، زکریا ۳/ ۱۱۱، کراچی ۲/ ۲۱۳، ۲۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۸/۶/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۱۳)

نماز جنازہ میں ہر تکبیر پر ہاتھ کیوں اٹھایا جاتا ہے؟

سوال: [۳۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیگر ائمہ کے نزدیک نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ہر تکبیر پر ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے ہیں صرف پہلی تکبیر ہی پر اٹھائے جاتے ہیں، دونوں فریق کی دلیل کیا ہے؟ جواب دیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ کی صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھانا مسنون ہے ان کی دلیل درج ذیل احادیث مبارکہ ہیں۔

عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ كان يرفع يديه على الجنازة في أول تكبيرة ثم لا يعود. (سنن الدار قطنی، کتاب الجنائز، باب وضع الیمنی علی الیسری، ورفع الأیدی عند التکبیر دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ٦۲، رقم: ۱۸۱٤)

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ كبر على الجنازة فرفع يديه فى أول تكبيرة ووضع اليمنى على اليسرىٰ. (ترمذی شریف، الجنائز، باب ماجاء

في رفع اليدين على الجنازة ،النسخة الهندية ١/٢٠٦، رقم:٢٠٦، دارالسلام رقم: ١٠٧٧)

عن معمر عن بعض أصحابنا أن ابن عباسؓ كان يرفع يديه فى التكبيرة الأولىٰ ثم لايرفع بعد وكان يكبر أربعاً. (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الجنائز ، باب رفع اليدين فى التكبير على الجنائز ، المجلس العلمي٣/ ٤٧٠، رقم: ٦٣٦٢)

حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز جنازہ کی ہر رکعت میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے،ان حضرات کی دلیل درج ذیل احادیث مبارکہ ہیں۔

أن ابن عمر كان يرفع في التكبيرات الأربع على الجنازة. (مصنف عبد الرزاق ، الجنائز ، باب رفع اليدين فى التكبير على الجنائز ، المجلس العلمي٣/ ٤٧٠، رقم: ٦٣٦٠)

عن نافع عن ابن عمر قال كان يرفع يديه فى كل تكبيرة على الجنازة. (مصنف ابن أبى شيبه ، فى الرجل يرفع يديه فى التكبير على الجنازة ، مؤسسه علوم القرآن جديد٧/٢٥٤، رقم: ١١٤٩٨)

أن عمر بن عبد العزيز كان يرفع يديه فى كل تكبيرة من تكبير الجنازة . (مصنف ابن أبي شيبه ، فى الرجل يرفع يديه فى التكبير على الجنازة ، مؤسسه علوم القرآن جديد٧/٢٥٤، رقم: ١١٤٩٩)

عن معمر عن الزهرى قال: ترفع يديک فى كل تكبيرة من التكبيرات الأربع وبه نأخذ. (مصنف عبد الرزاق ، الجنائز ، باب رفع الدين فى التكبيرعلى الجنائز ، المجلس العلمي٣/٤٦٩، رقم: ٦٣٥٧)

لہذا اس مسئلہ میں کسی کو کسی پر نکیر نہیں کرنی چاہئے ،کیونکہ دلائل سب کے پاس موجود ہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۰/۱۱۵۲۶)

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑنے کا مسئلہ

سوال: [۳۹۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ میں دعا سے فارغ ہونے کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر دونوں ہاتھ چھوڑ دینا پھر دونوں طرف سلام پھیرنا کیسا ہے، اور ہاتھ چھوڑنے کی کیا وجہ ہے، کیا ہاتھ چھوڑ نے سے سنت کا ترک کرنا لازم تو نہیں آتا، قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: لئیق احمد رفیقی نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: افضل اور اولیٰ نماز جنازہ میں یہی ہے کہ دعا پڑھ کر چوتھی تکبیر کہنے کے بعد پہلے ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، اور اسکے بعد سلام پھیرا جائے، اسلئے کہ چوتھی تکبیر کہنے کے بعد سلام پھیرتے وقت نہ تو کوئی دعا ہے، اور نہ تحریمہ باقی ہے لہذا ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرنا ہی افضل اور اولیٰ ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/ ۳۲۹، کفایت المفتی قدیم ۴/ ۹۶، جدید زکریا ۴/ ۱۰۹، جدید زکریا مطول ۲/۵ ۳۵، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۹۹، جدید زکریا ۷/ ۳۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۶/ ۴۶۰، جدید ڈابھیل ۸/ ۵۵۵، امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۵۷، امداد الأحکام ۲/ ۴۴۲)

ولايعقد بعد التكبير الرابع لأنه لا يبقىٰ ذكر مسنون حتى يعقد فالصحيح أنه يحل اليدين ثم يسلم الخ. (سعايه شرح شرح وقايه، كتاب الصلاة باب صفة الصلاة ۲/ ۱۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۶۹)

نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دینا

سوال: [۳۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز

جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد سلام کے وقت ہاتھ باندھے رہیں یا ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیریں شرعی مسئلہ واضح فرمائیں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد عمران، سیوہارا، بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ چوتھی تکبیر کہنے کے بعد پہلے ہاتھ چھوڑ دیں اس کے بعد سلام پھیریں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام پھیرتے وقت نہ تو تحریمہ باقی ہے اور نہ کوئی دعاء اس لئے پہلے ہاتھ چھوڑ نا اور پھر سلام پھیرنا افضل ہے۔

(مستفاد: عزیز الفتاویٰ/ ۳۲۹، امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۵۷، امداد الأحکام ۲/ ۴۴۲، ایضاح المسائل/ ۴۷)

ومن هنا يخرج الجواب عما سئلت في سنة ست وثمانين أيضا من أنه هل يضع مصلي الجنازة بعد التكبير الأخير من تكبيراته ثم يسلم أم يرسل ثم يسلم وهو أنه ليس بعد التكبير الأخير ذكر مسنون فليس فيه الإرسال.

(سعايه، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بيان إرسال يدين …… بعد التكبير الأخير من تكبيرات صلاة الجنازة، مطبوعه مصطفائى ۲/ ۱۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۱۳ھ

چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے کا مسئلہ اور بارش میں جوتے پہن کر نماز پڑھنا

سوال: [۳۹۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) نماز جنازہ میں دعا سے فارغ ہونے کے بعد بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ نا اور ہاتھ چھوڑنے کے بعد سلام پھیرنا یا چوتھی تکبیر کے بعد دائیں طرف سلام پھیرنے کے ساتھ ہاتھ چھوڑنا کیسا ہے؟ اور کیا وجہ ہے؟

(۲) اگر بارش کی وجہ سے زمین میں کیچڑ ہوجائے اور ناپاک ہونے کا ظن غالب ہوتو جوتے اتار کران پر پیر رکھ کرنماز پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ دعا پڑھ کر چوتھی تکبیر کہنے کے بعد پہلے ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں اس کے بعد سلام پھیرا جائے ،اس کی وجہ یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے وقت نہ تو تحریمہ باقی ہے اور نہ کوئی دعاء ہے اسلئے پہلے ہاتھ چھوڑنا اور پھر سلام پھیرنا افضل اور اولیٰ ہے۔(مستفاد:عزیز الفتاویٰ/۳۲۹،ایضاح المسائل/۷۴)

ومن هنا يخرج الجواب عما سئلت في سنة ست وثمانين أيضا من أنه هل يضع مصلى الجنازة بعد التكبير الأخير من تكبيراته ثم يسلم أم يرسل ثم يسلم وهو أنه ليس بعد التكبير الأخير ذكر مسنون فليس فيه الإرسال . (سعايه، مطبوعه مصطفائی، ، كتاب الصلاة ، باب صفة الصلاة ۲/ ۱۵۹)

(۲) اگر بارش کی وجہ سے زمین میں کیچڑ ہوجانے کی وجہ سے نجاست کا ظن غالب ہے تو جوتے اتارکر پھر ان جوتوں پر پیر رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا جائز اور درست ہے۔
(مستفاد: ایضاح المسائل/۷۳،فتاویٰ رشیدیہ قدیم ۴/۴۳۳، جدید زکریا/ ۴۰۸،احسن الفتاویٰ ۴/۱۹۲)

ولو افترش نعليه وقام عليها جاز فلا يضر نجاسة ما تحتها لكن لا بد من طهارة نعليه مما يلي الرجل لا مما يلي الأرض . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، كتاب الصلاة ، باب أحكام الجنائز ، دارالكتاب ديوبند / ۵۸۲، قديم /۹ ۳۱، ومثله فى التاتار خانيه ، كتاب الصلاة، الفصل الثانى فى الفرائض زكريا ۲/ ۳۱،رقم: ۱۵۹٤، كوئٹه قديم ۱/ ٤۲۱، عالمگيرى ، الباب الثالث في شروط الصلاة ، الفصل الثاني فى طهارة ما يستر به العورة وغيره زكريا ۱/ ٦۲، جديد ۱/ ۱۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۸۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۷/۱۴۲۱ھ

نماز جنازہ میں امام صاحب دعا بھول جائیں تو؟

سوال: [۳۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ میں اگر امام صاحب سے سہواً دعا چھوٹ جائے تو ایسی صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ اسی طرح مقتدی سے بھولے سے دعا چھوٹ جائے تو اسکی نماز ہوگی یا نہیں؟ نیز اس کے اعادہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ جواب دیں؟

المستفتي: عبدالحمید محلّہ: بندوقچیان، قصبہ: دھامپور، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت پر دعاء پڑھنا صرف مسنون ہے ارکان صلوٰۃ میں سے نہیں، لہذا بھولے سے چھوٹ جانے کی صورت میں نماز میں کوئی فساد نہیں آیا، نماز ادا ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/۳۴۳، محمودیہ قدیم ۲/۳۷۴، جدید ڈابھیل ۸/۵۵۰)

ولیس الدعاء من أرکانھا علی التحقیق. (حاشیة الطحطاوی علی مراقي الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل في الصلاة علیه دارالکتاب دیوبند /۵۸۵، قدیم /۳۲۱)

ورکنھا شیئان التکبیرات الأربع والقیام. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، کراچی ۲/۲۰۹، زکریا ۳/۱۰۵، حلبي کبیر، فصل فی صلاة الجنازة، الرابع الصلاة علی المیت اشرفیه دیوبند /۵۸٤، زکریا ۳/۱۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۴؍۱۴۲۱ھ

نابالغ بچے یا بچی کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے؟

سوال: [۳۹۰۸ (الف)]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ
(۱) نابالغ بچہ کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے۔
(۲) نابالغ لڑکی کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے، اور کس طرح پڑھی جائے؟
(۳) اگر لڑکا، لڑکی ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو دعا کس طرح پڑھی جائے؟ مفصل بیان کریں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: احسان الحق قاسمی سیتا پوری،
گرام مہولیہ، پوسٹ ریوان، ضلع: سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نابالغ بچہ کی نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد حسب ذیل دعا پڑھی جائے۔

اللّٰهم اجعله لنا فرطاً اللّٰهم اجعله لنا زخراً، اللّٰهم اجعله لنا شافعاً و مشفعاً .... (البحر الرائق، الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، زکریا ۲/۳۲۳، کراچی کوئٹہ ۲/۱۸٤، الفتاویٰ التاتار خانیه زکریا ۲/٤٥، رقم: ۳٦۸٥)

(۲) جو لڑکی نابالغ ہے اس کی نماز جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد دعا کے الفاظ میں مذکر کی ضمیر کی جگہ مؤنث کی ضمیر استعمال کرنے کا حکم ہے، لہٰذا نابالغ لڑکی کی نماز جنازہ میں دعا کے الفاظ اس طرح سے پڑھنے کا حکم ہے، جو ذیل میں درج ہے۔

اللّٰهم اجعلها لنا فرطاً اللّٰهم اجعلها لنا زخراً، اللّٰهم اجعلها لنا شافعاً ومشفعًا و في مجمع الأنهر وإن كان الميت مؤنثا أنث الضمائر الراجعة إليها. (طحطاوی مع المراقی جدید دارالکتاب دیوبند/٥٨٦، ومثله فی مجمع الأنهر، مکتبه فقیه الأمت دیوبند ۱/۲۷۱)

(۳) نابالغ لڑکا اور لڑکی ایک ساتھ جمع ہو جائیں اور دونوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھی جائے، تو تیسری تکبیر کے بعد دعا کے الفاظ میں تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا جائے گا، جو ذیل

میں درج ہیں، ملاحظہ فرمایئے۔

اللّٰهم اجعلهما لنا فرطاً اللّٰهم اجعلهما لنا ذخراً اللّٰهم اجعلهما لنا شافعاً ومشفعاً.

فقہاء کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وينبغي أن يلاحظ المصلي في دعائه التذكير والتأنيث والتثنية والجمع بما يناسب حال الميت الذي يصلي عليه. (الموسوعة الفقهيه الكويتيه ١٦/٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

نابالغ لڑکے ولڑکی کی نماز جنازہ کی دعا میں کون سی ضمیر پڑھیں

سوال: [۳۹۰۸(ب)]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر نابالغ لڑکا یا نابالغ لڑکی کی میت ہو تو دونوں کی نماز جنازہ ساتھ پڑھی جائیگی یا علیحدہ علیحدہ، اگر ساتھ پڑھی جائیگی تو ضمیر مذکر کیساتھ یا مؤنث کے ساتھ؟

المستفتي: جلیس احمد، ٹانڈہ بادلی، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: علیحدہ علیحدہ پڑھنا اور دونوں کی نماز ایک ساتھ پڑھنا دونوں طرح جائز ہے، اور جب دونوں کی نماز ایک کیساتھ پڑھی جائے تو دعا میں تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا جائے گا، تثنیہ کی ضمیر مذکر ومؤنث دونوں کی یکساں ہوا کرتی ہے، اس لئے کوئی شبہ نہیں ہے۔

وينبغي أن يلاحظ المصلي في دعائه التذكير والتأنيث والتثنية والجمع بما يناسب حال الميت الذي يصلي عليه. (الموسوعة الفقهيه الكويتيه ١٦/٢٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۴۰)

جس بچہ کے زندہ یا مردہ نیز مذکر ومؤنث ہونے کا پتہ نہ چلے تو اس کی نماز جنازہ میں کون سی دعا پڑھی جائے

سوال: [۳۹۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت حمل سے تھی وہ کسی وجہ سے جنگل گئی اور جنگل میں اس کے بچہ پیدا ہوگیا اور بچہ ہونے کے بعد عورت مرگئی، اور وہ بچہ بھی مرا ہوا ہے، اور اس بچہ کو کوئی جانور ناف سے لیکر شرمگاہ تک کھا گیا، کوئی پہچان نہیں ہے، لہذا کوئی ثبوت بتائیں کہ کیا پہچان ہوگی کیونکہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے وقت کوئی نہیں تھا، بچہ جو ہوا یہ بھی پتہ نہیں کہ زندہ پیدا ہوا یا مردہ پیدا ہوا، لہذا بچہ کی کیا پہچان ہوگی، اور نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ دعا میں بھی فرق ہے، لہذا کوئی پہچان بتائیں کہ لڑکا ہے یا لڑکی کیونکہ کفن دفن بھی ہوگیا؟

المستفتي: محمد موسیٰ، مدرسہ ازہر العلوم،
اصالت پورہ ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جبکہ بچہ پر ذکور واناث کی کوئی علامت موجود نہیں ہے، تو مسلمان اس کا مکلّف نہیں ہے، اور تغلیباً لڑکے کی دعا پڑھ لی جائے، نیز نماز جنازہ میں دعا نہ فرض ہے اور نہ واجب بلکہ سنت ہے، اس لئے بلا دعا بھی جنازہ وتکبیرات اربعہ پڑھ لی جائیں، تو فرضیت ادا ہوجائے گی، اور جنازہ میں صرف قیام اور چار تکبیرات فرض ہیں، نیز مذکورہ حالت میں بچہ کو زندہ پیدا شدہ تسلیم کرکے اسپر نماز جنازہ پڑھ لی جائے۔

ورکنها شيئان التكبيرات الأربعة والقيام، وسنتها ثلثة التحميد، والثناء، والدعاء فيها الخ. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچی ۲/ ۲۰۹، زکریا ۳/ ۱۰۵، حلبی کبیر، فصل فی صلاۃ الجنازۃ، الرابع

الصلاة علی المیت اشرفیه دیو بند/ ٥٨٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رصفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/ ۱۱۴۰)

نماز جنازہ میں تین تکبیر پر سلام پھیر دینا

سوال: [۳۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) نماز جنازہ میں تین تکبیروں کے بعد امام نے ایک طرف سلام پھیر دیا، پھر یاد آیا تو میت کی دعا پڑھی اس کے بعد دونوں طرف سلام پھیرا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز جنازہ ادا ہوگئی یا نہیں؟ لوگوں میں اختلاف ہورہا ہے، کوئی کہتا ہے کہ نماز ہوگئی کوئی کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

(۲) نماز نہ ہونے کی صورت میں اس نماز کو کافی سمجھ کر میت دفن کردی گئی تو اب کیا کیا جائے؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: فیض الحسن، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز جنازہ میں چار تکبیرات فرض ہیں، ان میں سے کسی ایک کے ترک سے نماز فاسد ہوجائے گی، لہٰذا امام کے چوتھی تکبیر چھوڑ دینے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی، اوراعادہ لازم ہوگا۔

الإمام إذا اقتصر على ثلثة فسدت فيما يظهر، وإذا فسدت على الإمام فسدت على المأموم لترك ركن من أركانها. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل الصلاة عليه قديم / ٣٢٢، دارالكتاب ديو بند/٥٨٧، هنديه، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت زكريا ١/ ١٦٤، جديد ١/ ٢٢٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/ ٢٨)

(۲) اس حالت میں دفن کرنے کے بعد میت کے سڑنے اور پھٹنے سے پہلے یعنی گرمیوں میں تین دن کے اندر اندر اور سردیوں میں چھ سات دن کے اندر اندر نماز قبر پر پڑھی جائے گی، اگر یہ مدت گذر گئی تو اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۳۲۸)

عن أبي هريرةؓ أن امرأة سوداء كانت تقم المسجد ، أو شاباً ففقدها رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأل عنها أو عنه ؟ فقالوا : مات ، قال أفلا كنتم آذنتمونى؟ قال: فكأنهم صغروا أمرها ، أو أمره ، فقال: دلوني على قبره، فدلوه ، فصلى عليها ، ثم قال: إن هذه القبور مملوءة ظلمة على أهلها، وإن الله عزوجل ينورها لهم بصلاتى عليهم .

(صحيح مسلم ، الجنائز ، باب الصلاة على القبر ، النسخة الهندية ۱ /۳۰۹، بيت الأفكار رقم: ۹۵٦ ، صحيح البخارى ، الجنائز ، باب الصلاة على القبر بعد ما يدفن ، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۸، رقم: ۱۳۲۲ ، ف: ۱۳۳۷)

وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلوٰة أو بها بلا غسل ، أو ممن لا ولاية له صلي على قبره استحساناً مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير وقيل يقدر ثلاثة أيام . (شامى ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنائز، زكريا ۳/ ۱۲۵ ، كراچى ۲/ ۲۲٤ ، هنديه ، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز ، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت زكريا۱/ ۱٦۵ ، جديد۱/ ۲۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۴/ ۱۴۱۷ھ

نماز جنازہ میں تین یا پانچ تکبیر کہنے کا حکم

سوال: [۳۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی امام نے جنازہ کی نماز میں پانچ تکبیریں کہدیں یا تین تکبیریں کہیں ایک چھوڑ دی تو اس صورت

میں نماز جنازہ درست ہوجائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق : نماز جنازہ کے اندر اگر امام نے تین تکبیریں کہی ہیں تو نماز فاسد ہوگئی، دوبارہ نماز کو ادا کرنا ہوگا۔

وصلوٰة الجنازة أربع تكبيرات ولو ترك واحدةً لم تجز صلاته هكذا في الكافي . (عالمگیری، البا ب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت زکریا ۱/۱٦٤ ، جدید ۱/۲۲٥ ، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٦/٢٨)

الإمام إذا اقتصر على ثلاثة فسدت فيما يظهر، وإذا فسدت على الإمام فسدت على المأموم لترك ركن من أركانها . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، باب أحكام الجنائز ، فصل الصلاة عليه دارالكتاب ديو بند/٥٨٧)

اور اگر امام نے پانچ تکبیریں کہی ہیں، تو نماز درست ہوگئی۔

عن ابن جريج، قال: أخبرني الحارث بن عبد الرحمن بن أبي ذباب أنهم لم يختلفوا أن النبى ﷺ صلى على النجاشى ، ببقيع المصلى ، قال عبد الرزاق ، وكان الثورى إذا كبر على الجنازة أربعا سلم ولم ينتظر الخامسة، وأنا على ذلك .(مصنف عبد الرزاق ، باب التكبير على الجنائز ، المجلس العلمى ٣/٤٨٣ ، رقم: ٦٤٠٨)

ولو كبر إمامه خمساً لم يتبع لأنه منسوخ فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم ، به يفتى . (در مختار ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، كراچى ٢/٢١٤ ، زكريا ٣/١١٢ ، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز ، فصل الصلاة عليه ، دارالكتاب ديوبند/٥٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۶/۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۸ھ

نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنا

سوال: [٣٩١٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرادآباد کے قریب ایک گاؤں میں امام صاحب نے نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہدیں، پھر ایک دن کے بعد لوگوں نے خیال کیا کہ امام صاحب نے چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہی ہیں، تو کیا اس پانچویں تکبیر سے نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر فاسد ہوگئی تو دوبارہ پڑھی جائیگی تو اس کی کیا شکل ہوگی، حال یہ ہے کہ مردہ کو دفن کیے ہوے ایک دن ہو چکا ہے، اور نماز کے دوران کچھ مقتدیوں کو پانچویں تکبیر کا خیال بھی ہوا لیکن انہوں نے لقمہ نہیں دیا، اس کے باوجود انھوں نے اتباع کی تو کیا جاننے کے باوجود پانچویں تکبیر کی اتباع کرنے سے نماز صحیح ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتي: محمد شاہنواز، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نماز جنازہ میں چار تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیریں کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی، اور جب نماز فاسد نہیں ہوئی تو اب دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اور جنھوں نے پانچویں تکبیر میں اتباع کی ہے ان کی نماز بھی صحیح ہوگئی۔

أما كونها أربعاً فعليه الأئمة الأربعة ..... قال أبو عمر بن عبد الله انعقد الإجماع على الأربع فلو كبر الإمام خمسا لا يتبعه المقتدي بل يقف ساكتا حتى يسلم فيسلم معه لأن الزيادة على الأربعة منسوخة، ولا متابعة في المنسوخ. (حلبی کبیر، فصل فی الجنائز، اشرفیه دیوبند/٥٨٦)

ولو كبر إمامه خمسا لم يتبع لأنه منسوخ فيمكث المؤتم حتى يسلم معه إذا سلم به يفتى. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة کراچی ٢/٢١٤، زکریا ٣/١١٢، مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، فصل قدیم

مصری ١/١٨٤، دارالکتب العلمیه بیروت جدید١/٢٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۹۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۹ھ

جس شخص سے نماز جنازہ میں کئی تکبیریں چھوٹ جائیں تو وہ کس طرح پڑھے؟

سوال: [۳۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نماز جنازہ میں امام کے ساتھ شروع میں شریک نہ ہوسکا، بلکہ تین تکبیر نکلنے کے بعد شریک ہوا تو اب یہ کس طرح نماز پوری کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: یہ شخص فوراً نیت نہ باندھے بلکہ امام کی چوتھی تکبیر کا انتظار کرے، جب امام چوتھی تکبیر کہے تو اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائے اور پھر امام کے سلام پھیرنے کے بعد جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے پہلے چھوٹی ہوئی تکبیریں مکمل کر لے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۵۹۴/۸، میرٹھ ۱۰۵/۱۳)

ولو كبر الإمام تكبيرة أو تكبيرتين أو ثلاث تكبيرات، ثم جاء رجل لا يكبر، ولكنه ينتظر حتى يكبر الإمام فيكبر معه، ثم إذا سلم الإمام قضىٰ ما عليه قبل أن ترفع الجنازة. (بدائع، فصل في بيان كيفية الصلاة على الجنازة كراچی ٣١٤/١، زكريا ٥٣/٢، كذا فى الشامي: كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا ١١٤/٣، كراچی ٢١٧/٢، تاتار خانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون صلاة الجنازة، زكريا٣/ ٥٠، رقم: ٣٦٩٥، هنديه، البا ب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت زكريا ١٦٥/١، جديد ٢٢٦/١،

خانية على الهندية، باب في غسل الميت وما يتعلق به زكريا١/١٩٢، جديد ١/١٢٠)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٦/ربیع الثانی ١٤٣٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٤٩٥)

نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کرنے کا حکم

سوال: [٣٩١٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی بستی یا گاؤں میں کوئی نماز جنازہ پڑھانے والا نہ ہو اور میت کو بغیر نماز کے دفن کر دیا جائے یا بچہ کا جنازہ بغیر نماز کے دفن کر دیا جائے، تو اس صورت میں اب نماز قبر پر پڑھ لی جائے یا نہیں؟ اگر پڑھ لی جائے تو جماعت کریں یا فرداً فرداً ادا کی جائے گی، جو بھی صورت ہو بیان فرمائیں؟ نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد یسین، محمود پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جب تک میت کا جسم پھٹنے اور سڑنے کا گمان غالب نہ ہو جائے، اسوقت تک قبر پر باجماعت نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے، اور سڑنے گلنے کی خاص مدت متعین نہیں ہے، بلکہ اسکا مدار سردی گرمی اور مٹی کی تاثیر وغیرہ پر ہے۔
(مستفاد: بہشتی زیور ١١/٩٢، فتاویٰ دار العلوم ٥/ ٢٨٨)

عن أبي هريرة رضی الله عنه، أن أسود رجلاً أو امرأة، كان يقم المسجد فمات ولم يعلم النبی صلى الله عليه وسلم بموته، فذكره ذات يوم فقال: ما فعل ذلك الإنسان قالوا: مات يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أفلا آذنتموني، فقالوا: إنه كان كذا و كذا قصته، قال: فحقروا شأنه، قال: فدلوني على قبره، فأتى قبره فصلى عليه.

(صحيح البخاری ، الجنائز ، باب الصلاة على قبر بعد ما يدفن ، النسخة الهندية ١/١٧٨، رقم: ١٣٢٢، ف: ١٣٣٧، صحيح مسلم ، الجنائز، باب الصلاة على القبر، النسخة الهندية ١/٣٠٩، بيت الأفكار رقم: ٩٥٦ ، سنن أبي داؤد، الجنائز، باب الصلاة على القبر، النسخة الهنديه ٢/٤٥٧، دارالسلام رقم: ٣٢٠٣، مسند أحمد بن حنبل ٣/١٥٠، رقم: ١٢٥٤٥)

وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير صلاة أوبها بلا غسل أو ممن لا ولاية له صلي على قبره استحساناً مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، زكريا٣/١٢٥، كراچی٢/٢٢٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۶۷۳)

عورت اور مرد کے جنازے ایک ساتھ آجائیں تو چارپائیوں کی ترتیب کا کیا حکم ہے؟

سوال: [۳۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر عورت مرد دونوں طرح کے جنازے ایک ساتھ آجائیں تو کس ترتیب سے چارپائیاں رکھی جائیں؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتي: عبد السبحان، جامع مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرد کا جنازہ امام کی طرف رکھا جائے اور عورت کا جنازہ مرد والے جنازہ سے جانب قبلہ میں رکھا جائے، یعنی مرد کو امام سے قریب رکھا جائے

اورعورت کواس کے بعدرکھاجائے ،اسی طرح اگرکئی مرداورکئی عورتیں ہوں توامام سےقریب مردوں کورکھاجائے،اورمردوں میں بھی جوسب سےافضل ہوگااس کوبالکل امام سےقریب رکھاجائے،اس کے بعدجانب قبلہ میں عورتوں کوآگےرکھتےجائیں،اس طریقہ سےسب جنازہ کی نمازایک ساتھ پڑھی جائے،حرمین شریفین میں حج کےموقع پراسی طرح کئی کئی جنازہ کی نمازایک ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

عن عمار مولیٰ الحارث بن نوفل أنه شهد جنازة أم كلثوم وابنها فجعل الغلام مما يلي الإمام ، فأنكرت ذلک وفی القوم : ابن عباس وأبو سعيد الخدري ، وأبو قتادة ، وأبو هريرة فقالوا : هذه السنة . (سنن أبي داؤد ، الجنائز ، باب إذا حضر جنائز رجال و نساء من يقدم ، النسخة الهندية ٢/٤٥٥ ، دارالسلام رقم: ٣١٩٣، سنن النسائی ، الجنائز ، باب اجتماع صبي وامرأة ، النسخة الهندية ١/٢١٧، دارالسلام رقم: ١٩٧٣، ١٩٧٤، مصنف عبد الرزاق ، الجنائز ، باب كيفية الصلاة على الرجال والنساء ، المجلس العلمي٣/٤٦٥، رقم: ٦٣٣٧)

فيصف الرجال إلىٰ جهة الإمام ثم الصبيان ثم الخناثی ثم النساء . (عالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی صلاة الجنازة ، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت زکریا ١/١٦٥، جدید ١/٢٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
٢٧/٣/١٤٢٨ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٨/ ٩٣٢٨)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
٢٧/٣/١٤٢٨ھ

متعددنابالغ بچوں کی نمازجنازہ میں کونسی دعاپڑھیں؟

سوال: [٣٩١٦]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگرنابالغ بچے اوربچی کاجنازہ جمع ہوجائے اوران کی نمازجنازہ اکٹھاپڑھنے کی ضرورت ہوتوکون سی دعا

پڑھی جائیگی لڑکے والی یا لڑکی والی یا اس کے علاوہ کوئی اور؟

المستفتي: عبدالحمید، بندوقچیان، دھامپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب نابالغ لڑکے اور لڑکی کا جنازہ اکٹھا ہوجائے اور ایک ساتھ نماز ادا کرنے کی ضرورت ہو تو ایسی صورت میں لڑکے کی دعا پڑھنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۶۸)

ولا يستغفر للصبي ولكن يقول اللهم اجعله لنا فرطاً واجعله لنا أجراً وذخراً واجعله لنا شافعاً ومشفعاً. (هدايه كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۸۰، درمختار على الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچى ۲/ ۲۱۵، زكريا ۳/ ۱۱۳)

عن الحسن، أنه كان إذا صلى على الطفل قال: اللهم اجعله لنا فرطاً، واجعله لنا أجراً. (مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب الدعاء على الطفل، المجلس العلمي ۳/ ۵۲۹، رقم: ۶۵۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۳/ ۱۴۲۸ھ

بڑوں کے ساتھ نابالغ بچوں کے جنازے رکھنے کی ترتیب

سوال: [۳۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بڑوں کے ساتھ نابالغ بچوں کے جنازے بھی ہوں تو بچوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ اور ان کو کس ترتیب سے رکھا جائے؟

المستفتي: عبدالسبحان، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بڑوں کے ساتھ نابالغ بچے بھی ہوں تو ان کے جنازوں کو امام کے سامنے رکھنے کی ترتیب یوں ہوتی ہے کہ اگر بڑوں میں سے مرد ہوں، تو امام کے سامنے مرد کا جنازہ رکھا جائے، اس کے بعد نابالغ بچوں کا جنازہ رکھا جائے، اور اگر مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ہوں تو مردوں اور بچوں کے بعد عورتوں کا جنازہ رکھا جائے، اور اگر صرف نابالغ بچے اور عورتیں ہوں تو امام سے قریب بچوں کا جنازہ رکھا جائے، اس کے بعد عورتوں کا جنازہ رکھا جائے، اور بالغوں کے ساتھ جب نابالغوں کی نماز بھی ایک ساتھ پڑھنا ہو تو پہلے بالغوں کی دعا پڑھی جائے اس کے بعد نابالغوں کی دعا پڑھی جائے، پھر اس کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرا جائے۔

فيصف الرجال إلىٰ جهة الإمام ثم الصبيان ثم الخناثىٰ ثم النساء ثم المراهقات . (عالمگیری، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة علی المیت زکریا ١/١٦٥، جدید ١/٢٢٦)

بقي ما إذا كان فيهم مكلفون وصغار والظاهر أنه يأتي بدعاء الصغار بعد دعاء المكلفين . (طحطاوی علی المراقی، باب أحکام الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته، دارالکتاب دیوبند /٥٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧ ربیع الاول ١٤٢٨ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٣٢٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٧/٣/١٤٢٨ھ

نماز جنازہ کی صفوں میں جگہ چھوڑنا

سوال: [٣٩١٧]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ کی صفوں کے درمیان سجدہ کے بقدر جگہ چھوڑنا کیسا ہے، اور نہ چھوڑنے کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عبدالعلیم، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ میں صفوں کے درمیان جگہ چھوڑنا بے اصل ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ٥/٢٨٩، محمودیہ قدیم ١٦/ ٤٤٨، میرٹھ ١٣/ ٢٠٨، ڈابھیل ٨/ ٥٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤ /٧ /١٤٢٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٠٧٠)

نماز جنازہ کی صفوں میں کتنا فصل ہو؟

سوال: [٣٩١٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صحن مدرسہ میں نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے، مدرسہ والے جنازہ رکھنے کی جگہ نیز صفوں کیلئے زمین پر پختہ نشان بنا رہے ہیں، تاکہ قبلہ رو ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے، جب صفوں کا نشان ڈالا گیا تو ہر دو صف کے درمیان کا فاصلہ دو فٹ بیٹھتا ہے اس پر مدرسہ کے ایک مولوی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ اتنا فاصلہ نہ رکھا جائے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ صفیں اس انداز ے سے بنیں کہ دو صفوں کے درمیان نہ تو کوئی فاصلہ ہو اور نہ اتنی تنگی ہو کہ پچھلی صف والے کا سینہ اگلی صف والے نمازی کی پیٹھ سے مس رہے، اس پر دوسرے مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں اگر اتنا (دو صفوں کے درمیان دو گز کا فاصلہ چھوڑ کر کہا) فاصلہ ہو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیا واقعی نماز جنازہ میں صفوں کا فاصلہ مساجد کی صفوں کی طرح رکھ کر نماز پڑھنا اور ہر دو صفوں کو متصل بنانا ایک ہی حیثیت رکھتا ہے یا بہتر ہے کہ درمیان میں کوئی معتد بہ فاصلہ نہ رکھا جائے؟

المستفتي: مفتی شباہت علی، سہس پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پہلے مولوی صاحب کا قول صحیح اور درست ہے کہ

مساجد کی صفوں کی طرح فاصلہ رکھنا ضروری نہیں بلکہ اتنا فاصلہ کافی ہے کہ پچھلی صف والوں کا سینہ اگلی صف والوں کی پیٹھ سے مس نہ کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ١٤/ ٢٩٨، میرٹھ ١٣/ ٢٠٨، ڈابھیل ٨/ ٥٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤ر صفر ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٦٨٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢/٢٤/ ١٤١٧ھ

مسلمان اور کافر کی لاش مخلوط ہو جائیں تو نماز جنازہ کا طریقہ

سوال: [٣٩١٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ساتھ دو آدمی سفر کررہے تھے، جن میں ایک مسلمان تھا اور دوسرا ہندو تھا، اور دوران سفر ایسا حادثہ پیش آیا جس میں دونوں کے جسم کا نچلا حصہ بالکل غائب ہوگیا، اور مسلم کے چہرے پر داڑھی بھی نہیں تھی، جس سے انتقال کے بعد ایک کو دوسرے سے ممتاز کیا جائے، تو اس صورت حال میں کس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اور کس کی شریعت کے مطابق تجہیز وتکفین کی جائے، کیونکہ وہاں ان دونوں کو پہچاننے والا کوئی بھی نہیں ہے؟

المستفتي: حبیب احمد قصبہ، پھول بہڑ، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مسلم اور غیر مسلم کی پہچان نہ ہوسکے تو دونوں کو سامنے رکھکر نماز جنازہ پڑھی جائیگی، اور نیت یہ ہونی چاہئے، کہ مسلم کی نماز جنازہ ادا کررہے ہیں، اور شریعت کے مطابق دونوں کی تجہیز وتکفین کی جائیگی اور پھر ان کو دفن بھی مسلمانوں کے قبرستان میں کیا جائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ١/ ٤٢٨)

وقال بعضهم يصلى عليهم وينوى بالصلوٰة والدعاء للمسلمين لأنهم إن عجزوا عن تعيين العمل للمسلمين لم يعجزوا عن تمييز القصد فى الدعاء لهم وقال بعضهم يدفنون فى مقابر المسلمين الخ. (بدائع الصنائع،

فصل فی صلاة الجنائز ، فصل فی بیان شرائط وجوب الغسل کراچی ۱/ ۳۰۳، زکریا۲/ ۳۱، هندیه ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل الثانی فی الغسل زکریا ۱/۱۵۹، جدید ۱/ ۲۲۰، شامی ، کتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، زکریا۳/۹۳، کراچی ۲/ ۲۰۰، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۶/ ۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۱۶ھ

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

سوال: [۳۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے، اور حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے؟ اس کو وضاحت کے ساتھ تحریر کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: احناف اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں، جبکہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جائز ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت نجاشیؓ پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی، حضرات حنفیہ اور مالکیہ فرماتے ہیں، کہ آپ ﷺ کے سامنے نجاشی کے درمیان کے حجابات اٹھا دیئے گئے تھے، اور آپ ﷺ کے سامنے حضرت نجاشیؓ کا جنازہ کر دیا گیا تھا، اور وہ آپ ﷺ کے لئے غائبانہ نہیں تھا، بلکہ آپ ﷺ کے سامنے ایسا منکشف کر دیا گیا تھا، کہ آنحضرت ﷺ نے جنازہ کو اپنے سامنے دیکھ کر نماز پڑھائی ہے، لہٰذا آپ ﷺ کے لئے حضرت نجاشیؓ کا جنازہ حاضر تھا غائب نہیں تھا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۲۷، محمودیہ ڈابھیل ۸/ ۶۶۲)

هذا تشریع منه وسنة لإمامة الصلوٰة علیٰ کل غائب وهذا قول الشافعیؒ وأحمدؒ فی إحدی الروایتین عنه ، وقال أبو حنیفةؒ ومالکؒ : هذا

خاصٌّ به وليس ذلک لغيره. (أوجز المسالك جديد دمشق ٤/٤٤٤، رقم: ١٤٥١٨)

وبهـذا الـقيد علم أنها لا تجوز علىٰ غائبٍ ، وأمّا صلوٰته عليه الصلوٰة والسـلام عـلـى الـنجاشي فإما لأنه رفع له سريره حتى رآهٗ بحضرته. (حلبي كبير ، فصل فى الجنائز، اشرفيه ديو بند/٥٨٣)

فـلا تـجـوز علىٰ غائب ، وأما صلوٰته علىٰ النجاشي فإما لأنه رفع له عـليـه الصلوٰة والسلام سريره حتىٰ رآه بحضرته ، فتكون صلوٰة من خلفه عـلـىٰ ميتٍ يـراهُ الإمـام وبـحـضـرتـه دون المأمومين وهذا غير مانعٍ من الاقتداء. (البحرالرائق ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، كوئٹه ٢/١٨٩، زكريا ٢ / ٣١٤، ٣١٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۰۰)

غائبانہ نماز جنازہ

سوال: [۳۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مسلمان فسادات میں شہید ہوگئے ہیں، ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ غائبانہ نماز جنازہ کی شرعاً کیا حیثیت ہے، اور اس کا شریعت میں ثبوت ہے یا نہیں؟ مفصل مع حوالہ جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا۔

المستفتي: رئیس احمد، محلّہ دولت باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہے، اور نہ ہی وہ شرعی طور پر معتبر ہوگی، اسلئے کہ نماز جنازہ کے صحیح ہونے کیلئے میت کا سامنے موجود ہونا شرط ہے، اور وہ شرط یہاں مفقود ہے اور حضور ﷺ

نے حضرت نجاشیؓ اور حضرت معاویہ بن معاویہ مزنیؓ کی جونماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی ہے اسکی وجہ یہی تھی کہ ان دونوں حضرات کا جنازہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ حضور ﷺ کے سامنے کردیا تھا، اسلئے آپ ﷺ نے اس طرح ادا فرمائی ہے، کہ بظاہر غائبانہ ہے درحقیقت غائبانہ نہیں ہے، اور اب یہ خصوصیت کسی کو حاصل نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۲/۷۲، احسن الفتاویٰ ۴/۲۰۰، فتاویٰ دار العلوم ۵/۳۴۶)

قال أصحابنا لا يصلى على ميت غائب وقال الشافعيؒ يصلى عليه استدلالاً بصلوٰة النبی ﷺ على النجاشي وهو غائب ولا حجة له فيه لما بينا على أنه روى أن الأرض طويت له ولا يوجد مثل ذلک فی حق غيره الخ. (بدائع ، فصل فی صلاة الجنازة ، قبيل فصل بيان كيفية الصلاة على الجنازة زكريا ٢/٤٨ ، كراچی قديم ١/٣١٢)

وعن أبی حنيفةؒ والمالكية لا يشرع ذلک الخ. (بذل مصرى ، الجنائز، باب الصلاة على المسلم بموت فی بلاد الشرك ميرٹھ ٤/٢٠٨ ، جديد دارالبشائر الإسلاميه دمشق ١٠/٤٩٤ ، مصرى ١٤/١٧٥ ، هكذا شامی ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، زكريا ٣/١٠٤ ، كراچی ٢/٢٠٩ ، البحرالرائق ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا ٢/٣١٤ ، ٣١٥ ، كوئٹه ٢/١٨٩ ، حلبي كبير، فصل فی الجنائز، اشرفيه ديوبند/٥٨٣ ، حاشية الطحطاوى على مراقی الفلاح ، باب أحكام الجنائز ، فصل الصلاة على الميت ، دارالكتاب ديوبند/٤٧٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ارشعبان ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۶۲/۲۹)

ولی کی اجازت سے پڑھائی گئی نماز جنازہ دوبارہ پڑھنا

سوال: [۳۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے

کچھ دنوں قبل میت کی نماز جنازہ سورج غروب ہونے سے قبل ادا کی تاکہ قبل ازمغرب تدفین عمل میں آسکے لیکن کچھ اصحاب نے کہا تدفین میں دیر لگ جائیگی ،مغرب کاوقت بالکل قریب ہے، اس لئے مغرب بعد تدفین کریں گے، اس پر سب کا اتفاق ہوگیا، پھر نماز مغرب کے بعد کچھ اورعزیز ورشتہ دار آ گئے، جنھوں نے نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی ،ان لوگوں نے نماز جنازہ دوبارہ پڑھنے پر اصرار کیا تو اس اصرار پر سب لوگوں نے دربارہ نماز جنازہ ادا کی تو سوال یہ ہے کہ ہم لوگ عنداللہ گنہگار تو نہیں ہوئے ، نیز دوبارہ نماز جنازہ ادا کی تو یہ ہم حنفیوں کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج، سعودیہ عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب نماز جنازہ ولی کی اجازت وشرکت سے پڑھ لی جائے، تو دوبارہ میت کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ناجائز کام کا ارتکاب موجب گناہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۴۹)

ولا يصلى على ميت إلا مرة واحدة والتنفل بصلوة الجنازة غير مشروع. (عالمگيری ، الباب الحادی والعشرون في الجنائز ، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت ، زكريا ١/ ١٦٣ ، جديد ١/ ٢٢٥ ، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز ، السلطان أحق بصلاته ، دارالكتاب ديوبند/ ٤٨٧)

وإن صلى الولى لم يجز لأحد أن يصلى بعده. (شامی ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة كراچی ٢/ ٢٢٣ ، زكريا ٣/ ١٢٤ ، هنديه ، الباب الحادی و العشرون فى الجنائز، الفصل الخامس فى الصلاة على الميت زكريا ١/ ١٦٤ ، جديد ١/ ٢٢٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۹)

ولی کی اجازت یا عدم اجازت سے پڑھی گئی نماز جنازہ کا تکرار

سوال: [۳۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک میت کی نماز جنازہ متعدد مرتبہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ولی نے پڑھ لی ہوتو کیا حکم ہے؟ اور اگر ولی نے نہ پڑھی تو کیا حکم ہے لیکن اس کی اجازت سے پڑھی گئی ہو۔

المستفتي: محمد ایوب، بارہ بنکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ولی نے نماز جنازہ نہیں پڑھی ہے اور اسکی طرف سے اجازت بھی معلوم نہیں ہے، تو متعدد بار پڑھی جاسکتی ہے، لیکن جو لوگ ایک بار پڑھ چکے ہیں، وہ دوبارہ نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں۔

فإن صلى غيره أي غير من له حق التقدم بلا إذن ولم يقتدبه أعادها هو إن شاء ولا يعيد معه أي مع من له حق التقدم من صلى مع غيره. (مراقی الفلاح علی الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، السلطان أحق بصلاته، دارالکتاب دیوبند / ۵۹۱، قدیم / ۳۲۴، مجمع الأنهر، کتاب الصلاة باب صلاة فصل دارالکتاب العلمية بيروت ۱/۲۶۹، هنديه، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت زكريا ۱/۱۶۳، جديد ۱/۲۲۵، شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا ۳/۱۲۳، کراچی ۲/۲۲۳)

اور اگر ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی ہے، یا اسکی اجازت سے پڑھی گئی ہوتو دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/۳۳۰)

أما إذا أذن له أو لم يأذن ولكن صلى خلفه فليس له أن يعيد لأنه سقط حقه بالإذن أو بالصلاة مرة وهى لا تتكرر. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، السلطان، أحق بصلاته، دارالکتاب دیوبند / ۵۹۱، قدیم

/۳۲٤، شامی ، کتاب الصلاۃ ، باب صلاۃ الجنازۃ ، زکریا۳/۱۲٤، کراچی ۲/۲۲۳، هندیه ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز ، الفصل الخامس فی الصلاۃ علی المیت زکریا۱/۱٦٤، ۱/۲۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۶ھ

نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسنا

سوال: [۳۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز جنازہ کے دوران ایک شخص قہقہہ مار کر ہنستا ہے، تو قہقہہ سے وضوٹوٹ جائیگا یا نہیں؟ یا نماز بھی فاسد ہوجائیگی؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: اصغر علی، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے البتہ نماز جنازہ باطل ہوجائیگی۔

فلا تنقض فی صلاۃ جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ لکن یبطلان. (شامی ، کتاب الصلاۃ، باب الوضوء کراچی ۱/۱٤۵، زکریا۱/۲۷٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۰۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۳۰ھ

نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال: [۳۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز

جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ وضاحت کیساتھ جواب سے نوازیں۔

المستفتي: مولانا محمد کاظم، مدرسہ رحمانیہ، ٹانڈہ بادلی، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا حدیث وفقہ اور اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے، اور خود نماز جنازہ شرعاً دعا ہے، اسلئے بعد میں دعا بدعت ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید زکریا ۴/ ۹۷، قدیم ۴/ ۸۵، جدید زکریا مطول ۵/ ۳۴۴، فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۳۰۵)

ولا يدعو للميت بعد صلاة الجنازة لأنه يشبه الزيادة في صلوٰة الجنازة الخ. (مرقات، كتاب الجنائز، الدعاء بعد صلاة الجنازة مرتان، امداديه ملتان ٤/ ٦٤، مصری قديم ٢/ ٣٦٩)

ولا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنائز، لأنه دعا مرة لأن أكثرها دعاءٌ الخ. (فتاویٰ بزازيه على هامش الهنديه، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون ٤/ ٨٠، جديد ١/ ٥٣)

ولا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلاة الجنازة. (الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الجنائز، المتفرقات زكريا ٣/ ٩٠، رقم: ٣٧٩٤، المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون، الجنائز، المجلس العلمي ٣/ ١٠٩) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۶/۱۴۱۱ھ

نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال: [۳۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نماز

جنازہ کے بعد فوراً میت کو سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا رواج ہے کیا ایسا کرنا شرع کے اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، ۲۴ ر پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: نماز جنازہ بذات خود دعا ہے، اس لئے مزید دعا کی ضرورت نہیں اور باقی یہ طریقہ کہ نماز جنازہ کے بعد میت کو سامنے رکھ کر دعا کرنا تو یہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اور سلف سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا مذکورہ طریقہ کو چھوڑ دینا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ ا/ ۲۲۵، عزیز الفتاویٰ/ ۳۳۶)

ولا يدعو للميت بعد صلوٰة الجنازة لأنه يشبه الزيادة فی صلاة الجنازة . (مرقاة ، كتاب الجنائز، الدعاء بعد صلاة الجنازة ، مرقاة ، امداديه ملتان ٦٤/٤ ، مصرى قديم ٦٤/٣)

لا يقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنائز ، لأنه دعا مرة لأن أكثر ها دعاء .

(بزازيه على هامش الهنديه، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون ٨٠/٤، جديد ٥٣/١، البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل فی السلطان أحق بصلاته زكريا٣٢١/٢، كراچی ١٨٣/٢ ، خلاصة الفتاوىٰ ، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز ، نوع منه إذا اجتمعت الجنائز) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲ ر شعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۷۸/۳۸)

۱۱/ باب القبور

ایک ہی قبر میں چند مردوں کو دفن کرنا

سوال: [۳۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض شہروں میں جگہ تنگ ہونے کی بنا پر ایک شخص قبرستان کیلئے جگہ خرید لیتا ہے، اور اس قبر میں ایک نعش کو دفن کرنے کے بعد پھر اسی کے خاندان میں سے کچھ مدت کے بعد کسی کا انتقال ہوتا ہے، تو اس کو بھی اسی میں دفن کرنا چاہتا ہے، اسی طرح سے یکے بعد دیگرے سب کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا چاہتا ہے، تو اس طریقہ پر کئی نعش کو ایک ہی قبر میں دفن کرنا کیسا ہے؟ نیز اگر دفن کر سکتا ہے تو کتنی مدت پر؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: امتیاز احمد، بہراوی، گریڈیہ بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایک ہی قبر میں متعدد مردوں کو دفن کرنا شرعاً جائز ہے، مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ پہلے سے دفن کردہ مردہ کے گوشت و پوست وغیرہ گل کر بالکل ختم ہوگئے ہوں اس سے پہلے قبر کھودنے میں چوں کہ میت کی ہتک حرمت لازم آتی ہے، (جو ممنوع ہے) اس لئے دوسرا مردہ دفن کرنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۴۰، فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۳۷۸)

ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت زكريا ۳/ ۱۳۸، كراچی ۲/ ۲۳۳، تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، قبيل فصل فى التعزية امداديه ملتان ۱/ ۲۴۶، زكريا ۱/ ۵۸۹، هنديه، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ۱/ ۱۶۷، جديد ۱/ ۲۲۸، البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة

الجنازة ، قبيل باب الشهيد كوئٹه ۲/ ۱۹٤، زكريا۲/ ۲ ۳٤)

وفی فتح القدير ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا إن بلى الأول فلم يبق له إلا عظم . (فتح القدير ، كتاب الصلاة ، باب الجنائز ، قبيل باب الشهيد ، زكريا ۲/ ١٥٠، كوئٹه ۲/ ۱۰۱، دارالفكر مصري قديم ۲/ ۱٤۱، هكذا فی حلبی کبير ، فصل فی الجنازة اشرفيه / ٦٠٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۱۷)	۱۴۱۸/۶/۵ھ

صندوق یا بکس میں دفن کرنا

سوال: [۳۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کا انتقال ہوگیا اس کے دفن کیلئے لکڑی کا ایک بکس بنوایا گیا اس بکس میں میت رکھی گئی اس کے بعد بکس کے ساتھ ہی اس کو دفن کیا گیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد اشرف، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: اگر زمین نرم ہے تو بکس اور صندوق میں رکھکر دفن کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، ہاں البتہ اگر زمین نرم نہیں ہے، اور بلا ضرورت صندوق میں رکھکر دفن کیا جاتا ہے تو مکروہ ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۲۹۵، ڈابھیل ۹/ ۵۴)

ولا بأس باتخاذ تابوت .... له عند الحاجة كرخاوة الأرض (تحته فی الشامية) أي يرخص ذلک عند الحاجة وإلا كره . (الدر مع الرد ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی دفن الميت زكريا ۳/ ۱٤۰، كراچی ۲/ ۲۳٤، وهكذا فی الهندية، الباب الحادی والعشرون صلاة الجنائز ، الفصل السادس فی القبر

والدفن زکریا ۱/۱٦٦، جدید ۱/۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۸٦)

مسجد یا مدرسہ کے ذمہ دار کا احاطۂ مسجد یا مدرسہ میں دفن ہونا کیسا؟

سوال: [۳۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ مسجد یا مدرسہ کی زمین میں محض ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے دفن ہوتے ہیں یا تو ان کے کہنے کی وجہ سے دفن کیا جاتا ہے، یا ان کے وارثین کے کہنے کی وجہ سے دفن کیا جاتا ہے، تو اس طرح دفن کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسجد یا مدرسہ کے احاطہ کی زمین میں مسجد یا مدرسہ کے ذمہ دار کو دفن کرنا شرعاً جائز نہیں، اس لئے کہ یہ حکماً غصب ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔
(منتخبات نظام الفتاویٰ ۲/ ۳۴۷، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۹۳، محمودیہ ڈابھیل ۱۴/ ۳۳۹، میرٹھ ۲۱/ ۱۲۷)

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن، قال ابن عابدين قوله: لا يملك: أي لا يكون مملوكا لصاحبه ولا يملك أي لا يقبل التمليك لغيره، بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه. (شامی، کتاب الوقف، فبيل فی شرط واقف الكتب أن لا تعار إلا برهن زکریا٦/ ۵۳۹، کراچی ٤/ ۳۵۲)

شرط الواقف كنص الشارع أي في وجوب العمل به وفى المفهوم والدلالة. (شامی، کتاب الوقف، مطلب في قولهم شرط الواقف كنص الشارع زکریا٦/ ٦٤٩، کراچی ٤/ ٤۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الاُخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵٦۱)

میت کو قبر میں رکھنے والوں کا جوتے چپل پہنے رکھنا

سوال: [۳۹۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو دفن کرتے وقت جوتے چپل پیر میں رکھنا کیسا ہے؟ مثلاً میت کو قبر میں اتارنے والوں اور تختہ رکھنے والوں کا اپنے پیروں میں چپل رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو دفن کرتے وقت میت کو قبر میں اتارنے والوں اور تختہ رکھنے والوں کا اپنے پیروں میں جوتے چپل پہنے رکھنا جائز ہے ہاں البتہ خلاف ادب ہے! (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۳۱۴)

ومن السنة أن لا يطأ القبور فی نعليه ويستحب أن يمشی علی القبور حافياً.

(حاشية الطحطاوی ، باب أحكام الجنائز، فصل فی زيارة القبور دارالكتاب ديوبند/ ٦٢٠)

عن بشير مولیٰ رسول الله ﷺ ، قال: بينما أنا أما شي رسول الله ﷺ مر بقبور .... ثم حانت من رسول الله ﷺ نظرة ، فإذا رجل يمشي في القبور عليه نعلان ، فقال: يا صاحب السبتيتين ، ويحک ألق سبتيتيک، فنظر الرجل ، فلما عرف رسول الله ﷺ خلعهما فرمیٰ بهما.

(أبو داؤد كتاب الجنائز، باب المشي بين القبور فی النعل ، النسخة الهنديه ٢/ ٤٦٠، دارالسلام رقم: ٣٢٣٠، نسائی ، كتاب الجنائز، كراهية المشيي بين القبور ، فی النعال السبتية ،النسخة الهندية ١/ ٢٢٣، دارالسلام رقم: ٢٠٥٠)

يخلع النعال إذا دخل المقابر ، وهذا مستحب ، وقال الجمهور من العلماء بجواز ذلک ، وهو قول الحسن و ابن سيرين والنخعي والثوری وأبي حنيفة ومالکٍ والشافعی وجماهير الفقهاء من التابعين. (حاشيه بذل المجهود ، كتاب الجنائز، باب المشي بين القبور فی النعل جديد دارالبشائر الإسلاميه بيروت ١٠/ ٥١٩)

وأقل أحواله الندب ولأن خلع النعلين أقرب إلى الخشوع وزيُّ أهل التواضع واحترام أموات المسلمين وإخبار النبي ﷺ بأن الميت يسمع قرع نعالهم لاينفي الكراهة . (المغنی ۲/۲۲۳)

والمشي في المقابر بنعلين لا يكره عندنا . (هنديه، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زکریا ۱/۱۶۷، جديد ۱/۲۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۱۵)

دوران تدفین قبرستان میں جوتا چپل پہن کر چلنا

سوال: [۳۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں جوتے چپل پہن کر چلنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً میت کو دفن کرنے جانا ہوا ہے اور جہاں پر قبر بنی ہے وہاں تک پہونچنے کیلئے بہت سی قبروں کے درمیان سے گزرنا پڑ رہا ہے تو ایسی صورت میں جوتا چپل پہن کر قبر تک جانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں قبروں کے درمیان جوتے چپل پہن کر چلنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۱۳۹، میرٹھ ۱۳/ ۳۱۱)

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ أن الميت يسمع خفق نعالهم إذا ولو مدبرين واستدل به على جواز المشيي بين القبور بالنعال. (فتح الباری ، کتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال تحت رقم: ۱۳۳۸، دارالريان للتراث بيروت ۳/ ۲۴۵، اشرفيه ديوبند ۳/ ۲٦٤)

عن جرير بن حازم قال: رأيت الحسن وابن سيرين يمشيان بين القبور في نعالهما .(مصنف ابن أبي شيبه، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۵۱۳/۷، برقم: ۱۲۲۷)

قال الخطابي : خبر أنس رضي يدل على جواز لبس النعل لزائر القبور وللماشي بحضرتها وبين ظهرانيها. (بذل المجهود ، كتاب الجنائز، باب المشي بين القبور في النعل قديم مطبوعه سهارنپور ۲۱۳/۴، جديد دارالبشائر الإسلاميه بيروت ۵۲۰/۱۰)

وفي قوله ؑ : إنه يسمع خفق نعالهم ، إذا ولو اعنه دليل على إباحة دخول المقابر بالنعال . (ابن حبان ، فصل في زيارة القبور زكريا الزجر عن دخول القابر بالنعال ۶۸/۵)

والمشي في المقابر بنعلين لا يكره عندنا. (هنديه ،الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن زكريا ۱۶۷/۱، جديد ۲۲۸/۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ محرام الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۸)

قبر کس کیفیت کی ہونی چاہیے؟

سوال: [۳۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عام طور سے جو یہاں قبر کھودی جاتی ہے، جس کو شق کہتے ہیں، اسکی چوڑائی اور لمبائی اور اوپری حصہ کتنا ہونا چاہیے۔ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد ہاشم، بہرائچی، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: چوڑائی اتنی ہو کہ اندر کے حصہ میں آرام سے

میت کو لٹایا جاسکے ، اور اوپر کے حصہ میں دونوں جانب اندر کے حصہ سے اتنا زائد کیا جائے ،جس سے تختہ وغیرہ اچھی طرح رک جائے ،اورلمبائی میت کی لمبائی کے برابر ہواورگہرائی میں اوپر کا حصہ نصف قد کے برابر ہواورنیچے کا حصہ اتنا گہرا ہو کہ میت کو رکھنے کے بعد تختہ میت کے جسم سے نہ لگے۔

والشق أن يحفر حفيرةً كالنهر ويبنى جانباها باللبن أوغيره ويوضع الميت بينهما ويسقف عليه باللبن أوالخشب ولا يمس السقف الميت الخ. (شرح كبيرى ، فصل فى الجنائز، اشرفيه ديو بند/٥٩٥، حاشية الطحطاوى على المراقى ، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها ، دارالكتاب ديو بند /٦٠٧، هنديه،كتاب الصلوٰة ، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ١/١٦٦، جديد ١/٢٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ :شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/ ۶۴۰۰)

قبر کی گہرائی کتنی ہو؟

سوال: [۳۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر کا صندوق جس جگہ پر تختے بچھائے جاتے ہیں،اس جگہ کی گہرائی زمین کی سطح سے کتنی ہونی چاہئے؟،نیز تختے رکھنے کی جگہ کے بعد نیچے کتنی گہرائی اور ہونی چاہئے؟

المستفتي:قمر الدین،کھیڑا ٹانڈہ،رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :قبر کی گہرائی کے بارے میں مغربی یوپی میں کچھ لاپرواہی سے کام لیا جاتا ہے،صندوق سے اوپر والے حصے کی گہرائی بہت ہی کم رکھی جاتی ہے ،حالانکہ شرعاً اسکی گہرائی قدآدم کے برابر یا کم سے کم صندوق والے حصے پرتختہ رکھنے کے بعد

جب اس کے اوپر کوئی انسان کھڑا ہو جائے تو نصف قد آدم کے برابر سطح زمین سے نیچے کی گہرائی ہونی چاہئے، اور صندوق والاحصہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے اسکی گہرائی بقدر ضرورت رکھی جائے، جیسا کہ حدیث اور فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

عن الحسن قال: أوصی عمر أن یجعل عمق قبره قامة و بسطة.
(المصنف لابن أبي شيبه، الجنائز، ماقالوا إعماق القبر مؤسسه علوم القرآن بيروت ٣٢٤/٧، رقم: ١١٧٨٤)

يحفر القبر نصف قامة أو إلیٰ الصدر ولمن يزد كان حسناً وفی الحجة: روی الحسن بن زياد عن الإمام أنه قال طول القبر علی قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة ...... ثم يوضع الميت بينهما، ويسقف عليه باللبن أو الخشب ولا يمس السقف الميت. (طحطاوی علی المراقی، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی حملها و دفنها، دارالكتاب ديوبند/٧ ٦٠، شامی، كتاب الصلوٰة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن الميت زكريا ١٣٩/٣، كراچی ٢٣٤/٢، مجمع الأنهر، كتاب الصلوٰة، باب صلاة الجنائز، دارالكتب العلميه بيروت ٢٧٥/١، تاتار خانية، الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر فی القبر والدفن زكريا ٧٦/٣، رقم: ٣٧٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۶۹)

قبر میں اوپر کے حصے کی گہرائی کتنی ہو؟

سوال: [۳۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے، اوپر والا حصہ کتنا گہرا ہونا چاہئے؟ اور نیچے والا حصہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے، اس کی گہرائی کتنی ہونی چاہئے؟

اسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبر کے دو حصے ہوتے ہیں، (۱) ایک وہ حصہ جس میں میت کو رکھا جاتا ہے۔ (۲) اور ایک تختوں سے اوپر والا حصہ، اس کی گہرائی پورے قد آدم ہو، ورنہ کم از کم آدمی کے نصف قد کے برابر ہونی چاہئے، اور اندر کے حصہ کی گہرائی کم از کم اتنی ہونی چاہئے کہ اس پر تختہ رکھنے سے تختہ میت سے نہ لگے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۳/ ۹۵، محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۴۸، میرٹھ ۱۳/ ۴/ ۲۵، دار العلوم ۵/ ۳۸۵)

عن الحسن قال: أوصى عمرؓ أن يجعل عمق قبره قامةوبسطة .

(مصنف ابن أبي شيبه ، الجنائز، ماقالوا في اعماق القبر مؤسسه علوم القرآن بيروت ۷/ ۳۲٤، برقم: ۱۱۷۸٤)

(يوضع فيها الميت) بعد أن يبنى حافتاه باللبن أو غيره ثم يوضع الميت بينهما ويسقف عليه باللبن أو الخشب ولا يمس السقف الميت. (حاشية الطحطاوي ، الصلاة ، باب أحكام الجنائز ، فصل في حملها و دفنها ، دارالكتاب ديوبند/ ۶۰۷)

وينبغي أن يكون مقدار عمقه إلى صدر رجل وسط القامة وكل ما ازداد فهو أفضل ؛ لأن فيه صيانة الميت عن الضياع . (الجوهرة النيرة ، باب الجنائز دارالكتاب ديوبند ۱/ ۱۳۱، مراقي الفلاح الصلاة ، باب أحكام الجنائز، / ۲۲۰، هنديه، الباب الحادي والعشرون في صلوٰة الجنائز، الفصل السادس في القبر و الدفن زكريا ۱/ ۱۶۶، جديد ۱/ ۲۲۷)

عن محمد أنه قال: ينبغي أن يكون مقدار العمق إلىٰ صدر رجل وسط القامة ، قال : وكل ما از داد فهو أفضل ، وعن عمرؓ : أنه قال: يعمق القبر إلىٰ صدر الرجل ، وإن عمقوا مقدار قامة الرجل فهو أحسن.

(تـاتـارخانية ، الصلاة ، الفصل الثلاثون فی الجنائز، نوع آخر فی القبر والدفن زکریا۳/۷٦،
برقم: ۳۷۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۱۷)

قبر کے اندرونی حصہ کی مٹی سے لپائی کرنا

سوال: [۳۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں قبر تیار کرنے کے بعد اس کی ملتانی مٹی سے لپائی کرتے ہیں، پھر جنازہ رکھتے ہیں، کیا لپائی کرنا سنت ہے، ملتانی کے علاوہ دوسری مٹی سے نہیں کر سکتے؟ ضروری ہے ملتانی مٹی سے؟ مذکورہ بالا مسائل کا مکمل حل فرما کر ممنون فرمائیں وعند اللہ ماجور ہوں؟

المستفتي: عبد العظیم، مسجد بساتیان،
قصبہ: نول گڑھ، صوبہ: راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبر کے اندرونی حصہ میں ملتانی مٹی سے لپائی کرنا کسی بھی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے، اسلئے ایسے امور کا التزام بدعت وکراہت سے خالی نہ ہوگا، حدیث شریف میں آیا ہے۔

عن عائشة قالت : قال رسول الله ﷺ : من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهورد. (صحيح البخاری ، کتاب الصلح ، باب إذا اصطلحوا علی جور فالصلح مردود ۱/۳۷۱، رقم: ۲٦۱۹، ف: ۲٦۹۷، صحيح مسلم، کتاب الأقضية ، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور النسخة الهندية ۲/۷۷، بيت الأفكار رقم:۱۷۱۸، سنن أبی داؤد ، کتاب السنة ، باب فی لزوم النسخة الهندية ۲/٦۳۵،

دارالسلام رقم: ٤٦٠٦، مشکوۃ شریف ۱/ ۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۷؍۱۴۱۳ھ

ڈھائی ہوئی قبر کو ہموار کرنا

سوال: [۳۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر قبر ڈہ جائے، تو اس کو مٹی چڑھا کر ہموار کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفي: عبداللہ عمر قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ڈھائی ہوئی قبر پر مٹی چڑھا کر ہموار کرنا جائز ہے۔
(مستفاد فتاویٰ دار العلوم ۵/ ۳۷۵، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۱۱۴، میرٹھ ۱۳/ ۳۰۸)

وإذا خربت القبور فلا بأس بتطيينها لما روي أن النبی ﷺ مر بقبر ابنه إبراهيم فرأى فيه حجراً سقط منه فسدّه وأصلحه ثم قال من عمل عملاً فليتقنه. (تاتار خانية، الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز،، نوع آخر فی القبر والدفن زكريا ٣/ ٧٢، برقم: ٣٧٣٧)

عن مكحولٍ قال: بينما رسول الله ﷺ جالس على قبر ابنه، إذ رأى فرجة فقال للحفار: ائتني بمدرة لأسدها أما أنها لا تضر، ولكن يقرّ بعين الحي. (مصنف عبدالرزاق، بيروت ٣/ ٥٠٨، برقم: ٦٤٩٩، كنز العمال، دارالكتب العلمية ١٥/ ٢٥٦، برقم: ٤٢٣٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۷)

قبر میں ملنے والی ہڈیوں کا کیا کریں

سوال: [۳۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر کھودی گئی اس میں مردار کی ہڈیاں نکلیں تو وہ ہڈیاں اس میں دفنا ئیں گے یا نہیں؟

المستفتي: افضل حسین قاسمی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر سے نکلی ہوئی پرانی ہڈیوں کو اسی قبر کے کنارے دبا دیا جائے، پھر میت کو اسی قبر میں دفن کیا جا سکتا ہے، اس قبر کو بند کر کے دوسری قبر کھودنا ضروری نہیں اور نہ ہی ان ہڈیوں کو پھینکا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۳۱۰، جدید ڈابھیل ۹/ ۹۶، فتاویٰ دارالعلوم ۵/ ۳۷۸)

ولا یدفن اثنان فی قبر واحد إلا لضرورة ولا یحفر قبر لدفن اٰخر إلا إن بلي الأول فلم یبق له إلا عظم إلا أن لا یوجد بد فیضم عظام الأول ویجعل بینهما حاجزاً من تراب. (فتح القدیر، باب الجنائز، فصل فی الدفن زکریا دیوبند ۲/ ۱۵۰، کوئٹہ ۲/ ۱۰۲، دارالفکر مصری ۲/ ۱۴۱، شامی، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت زکریا ۳/ ۱۳۸، کراچی ۲/ ۲۳۳) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

مصنوعی دانتوں کو قبر میں رکھنا

سوال: [۳۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مصنوعی دانت مرتے وقت اگر منھ میں نہ ہوں تو کیا قبر میں رکھ دینا چاہیے؟

المستفتي: احمد نجیب، آندھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مصنوعی دانت چونکہ انسان کے جسم کا جزو نہیں ہیں، اسلئے مرتے وقت ان کو نکال دینا چاہئے، اور صورت مسئولہ میں جبکہ وہ پہلے ہی سے باہر ہیں، تو انھیں قبر میں نہیں رکھا جائے گا۔

وينزع عنه ما ليس من جنس الكفن نحو السلاح والجلود والفرو والحشو والخف والقلنسوة. (عالمگيرى، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد زكريا ١٦٨/١، جديد ٢٢٩/١)

ويدفن بدنه وثيابه إلا ماليس من جنس الكفن، كالفرو والحشو والخف والسلاح. (مجمع الأنهر، كتاب الجنائز، باب الشهيد، دارالكتاب العلمية بيروت ٢٧٩/١)

وينزع عنه ماليس صالحا للكفن كالفرو والحشو والسلاح والدرع. (نور الإيضاح، باب الشهيد، امداديه ديو بند/١٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۳؍۱۴۲۸ھ

دفن کرنے کے بعد ایک قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا

سوال: [۳۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو نہلا وکفنا کر اور نماز جنازہ پڑھ کر دفنا دینے کے بعد قبر سے نکالنا اور کسی دوسرے مقام پر لیجا کر دفنانا کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ یا حرام، پوری تشریح فرما دیں مہربانی ہوگی؟

المستفتي: سعادت حسین، اسلام نگر، قصبہ: سیوہارہ، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی طور پر دفن کر چکنے کے بعد دوسری جگہ دفن

کرنے کے لئے قبر کے اندر سے میت کو نکالنا ناجائز اور سخت گناہ ہے، جبکہ جہاں دفن کیا گیا وہاں سے نکالنے پر وہاں کے ذمہ داروں کی طرف سے کوئی اصرار نہ ہو، لہٰذا اگر ایسا کیا گیا ہے،تو کرنے والے سب گنہگار رہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۷۷۴)

ولا يجوز نقله أي الميت بعد دفنه بأن أهيل عليه التراب ، وأما قبله فيخرج بالإجماع بين أئمتنا طالت مدة دفنه أو قصرت للنهى عن نبشه والنبش حرام حقا لله تعالىٰ إلا أن تكون الأرض مغصوبة فيخرج لحق صاحبها إن طلبه . (مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى، كتاب الصلاة ، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها، دارالكتاب ديوبند/٤ ٦١، ٦١٥)

ولا يجوز نقله بعددفنه بالإجماع إلا أن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بالشفعة . (نورالايضاح ، الصلاة، باب الجنائز، فصل فى حملها ودفنها امداديه ديوبند/ ١٣٤)

أمابعد الدفن فيحرم إخراجه ونقله إلا إذا كانت الأرض التى دفن فيها مغصوبة أو أخذت بعد دفنه بشفعة . (الفقه علىٰ المذاهب الأربعة مباحث الجنائز، مبحث الشهيد، نبش القبر، دارالفكر بيروت ١/٥٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳ رشوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۷۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۳ھ

شک کی بنیاد پر دفن کے بعد میت کو قبر سے نکالنا

سوال: [۳۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل ہری چگوں والی مسجد کے قریب قبرستان کا مہتمم ومتولی ہے، پولس تقریباً ۱۸/۱۹ر دن کی پرانی میت (ایک عورت) کو قبر سے کھودنا چاہتی ہے، اور نکالنا چاہتی ہے، کیا شرعی اور مذہبی نقطۂ

نظر سے میت کی بے حرمتی ہوگی اور آپ شرعی اور مذہبی نقطۂ نظر سے اپنا فتویٰ دینے کی زحمت فرمائیں کہ یہ کہاں تک جائز ہے؟

المستفتي: محمد منظور احمد قریشی، ہری چگوں والا قبرستان، اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محض شکوک وشبہات کی وجہ سے دفن کے بعد میت کو قبر سے نکالنا اسلامی شریعت میں جائز نہیں ہے، نہ حکومت کے لوگوں کیلئے جائز ہے اور نہ ہی عوام مسلمانوں کیلئے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۸۹، جدید زکریا ۴/ ۲۰۱، جدید زکریا مطول ۵/ ۵۱۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۲۹۶، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۳۴)

ولا يخرج منه بعد إهالة التراب. (درمختار، باب الجنائز، مطلب فی دفن الميت كراچی ۲/ ۲۳۸، زكريا ۳/ ۱۴۵)

والنبش حرام حقا لله تعالىٰ، قال الطحطاوی، ولا يباح نبشه بعد الدفن أصلاً. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، باب أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، دارالكتاب ديوبند/ ۶۱۴، ۶۱۵، حلبي كبير، فصل فی الجنائز، مسائل متفرقة من الجنائز، اشرفيه ديوبند/ ۶۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/ ۱۱/ ۱۴۲۰ھ

معائنہ کی غرض سے دفن شدہ نعش کو نکالنا

سوال: [۳۹۴۱ (الف)]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا قتل ہوگیا ہے، اور اس کو نماز جنازہ پڑھ کر دفن بھی کر دیا گیا ہے، اتفاق سے اب یہ صورت درپیش ہے کہ قاتل کی گرفتاری اور بعض قانونی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے نعش کا

معائنہ بے حد ضروری ہے کیا اس طرح کی ضرورت کی وجہ سے دفن شدہ نعش کو قبر سے نکالنے کی کوئی گنجائش ہے، اگر کوئی گنجائش ہو وضاحت سے تحریر فرمائیں؟

المستفتي: مقصود احمد قاسمی، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعی طریقہ سے دفن کے بعد اب صرف نعش کے معائنہ کیلئے قبر سے نکالنا شرعاً جائز نہ ہوگا۔

ولا يخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق آدمي كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة الخ. (در مختار، باب الجنائز، مطلب فی دفن الميت كراچی ۲/۲۳۸، زكريا ديو بند۳/۱۴۵)

والنبش حرام حقا لله تعالىٰ، قال الطحطاوی، ولا يباح نبشه بعد الدفن أصلاً. (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، باب أحكام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، دارالكتاب ديو بند/۶۱۴، ۶۱۵، حلبي كبير، فصل فی الجنائز، مسائل متفرقة من الجنائز، اشرفيه ديو بند/۶۰۷)

نیز معائنہ بھی غیر مسلموں کا ہوتا ہے، اس میں میت اور اسلام کی ہتک حرمت لازم آسکتی ہے۔

عن ابن مسعود قال: أذى المؤمن في موته كأذاه في حياته. (المصنف لإبن أبي شيبه، كتاب الجنائز، ماقالوا فی سبب الموتی وماكره من ذلك تحقيق شيخ عوامه، مؤسسه علوم القرآن ۷/۴۳۲، رقم: ۱۲۱۱۵)

أكرام الميت مندوب إليه في جميع مايجب كإكرامه حيا، وإهانته منهي عنها كما في الحيوٰة. (شرح الطيبی، الجنائز، باب دفن الميت تحت رقم الحديث/۱۷۱۴، كراچی ۳/۳۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۸۲)

چوبیس گھنٹہ پہلے قبر تیار کر کے رکھنا

سوال [۳۹۴۱(ب)]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چوبیس گھنٹہ پہلے قبر کھودی گئی، چوبیس گھنٹہ میں میت کو یہاں لاکر دفن کرنا ہے، تو ایسی صورت میں میت کے دفن سے پہلے قبر کے پاس کسی آدمی کا موجود رہنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کھودنے کے بعد تدفین سے پہلے قبر کی حفاظت کے لئے قبر کے پاس کسی آدمی کا رہنا لازم اور ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت ربیع بن خثیمؒ وغیرہ نے کئی دن قبل اپنی قبر تیار کر رکھی تھی مگر کسی کو قبر پر نگرانی اور حفاظت پر مامور نہیں کیا گیا تھا۔

مات أبو سفيان بالمدينة، وصلى عليه عمر بن الخطابؓ، وقبر في دار عقيل بن أبي طالب بالبقيع، وهو الذي حفر قبر نفسه قبل أن يموت بثلاثة أيام .

(اعلاء السنن، أبواب الجنائز، باب استحباب غرز الجريدة الرطبة على القبر، دار الكتب العلمية بيروت ۸/۳٤٥، كراچي ۸/۳۰۲، المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب أبي سفيان بن الحارثؓ قديم ۳/۲٥٥، جديد مكتبة نزار مصطفىٰ الباز بيروت ۵/۹۰۵، رقم:۵۱۰۸)

من حفر قبراً لنفسه فلا بأس به ويؤجر عليه، هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة،الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر في القبر والدفن، زكريا ۳/۷٦، رقم:۳۷٤۹، هندية،الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر و الدفن، زكريا قديم ۱/۱٦٦، زكريا جديد ۱/۲۲۷)

ويـحـفـر قبـرًا لنفسه، وقيل يكره والذي ينبغي أن لا يكره تهيئة نحو الكفن. (شـامـي، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في اهداءِ ثواب القراء ة للنبي صلى الله عليه وسلم، زكريا ۳/ ۱۵٤، كراچي ۲/ ۲٤٤)

قـولـه: بـخلاف القبر، لقوله تعالىٰ: وماتدري نفس بأي أرض تموت حـفـره لايـنا في الآية لنفعه في الجملة ولو لغيره. (تـقـريرات رافعي على شامي، زكريا ۳/ ۱۲٤، كراچي ۲/ ۱۲٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(فتویٰ نمبر: الف رجسٹر خاص)

زندگی میں اپنی قبر تیار کر کے اس میں دفن کی وصیت کرنا

سوال: [۳۹۴۱(ج)]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ: اپنی زندگی میں اپنی قبر کھود کر تیار کر لیتے ہیں اور متعلقین سے کہتے ہیں، اسی میں مجھے دفن کرنا ہے کیا اس طرح اپنی زندگی میں قبر تیار کر کے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: عمیر، غازی آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اپنی زندگی میں ہی قبر تیار کر کے رکھ لینا اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے دل ودماغ میں موت وقبر کی باتیں تصور میں رہتی ہیں اور موت وقبر کی باتیں تصور میں رہنا اور ان کو یاد رکھنا باعث اجر وثواب ہے حدیث شریف میں ایسے شخص کو عقلمند اور سمجھدار بتایا گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا ”**يارسول الله! أي المومنين أكيس**“، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”**أكثرهم للموت ذكراً وأحسنهم استعداداً له قبل أن ينزل بهم أولئک من الأكياس**“ یہ ایک لمبی حدیث کا مختصر حصہ ہے۔

ملاحظہ ہو مستدرک حاکم جدید ۸/ ۳۰۷۹، رقم: ۸۰۶۲۳، اس سلسلے میں مزید چند روایات اور جزئیات ملاحظہ فرمائیے:

حدثنا محمد بن عمر قال: أبوسفيان بن الحارث بن عبد المطلب بن هاشم......... ومات أبو سفيان بن الحارث بالمدينة بعد أخيه نوفل بن الحارث بأربعة أشهر إلا ثلاث عشرة ليلة ويقال: مات سنة عشرين وصلى عليه عمر بن الخطاب، وقبر في دار عقيل بن أبى طالب بالبقيع وهو الذي حفر نفسه قبل أن يموت بثلاثة أيام. (المستدرك للحاكم، ذكر مناقب أبي سفيان بن الحارث الخ-۳/۲۸٤، ۲۸۵، مکتبه نزار مصطفى الباز ٥/۱۹۰٥، رقم: ٥١٠٨)

ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته فلا بأس به ويؤجر عليه، هكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الجنائز، القبر والدفن ۳/۷٦، رقم: ۳۷٤۹)

ومن حفر قبراً لنفسه فلا بأس به ويؤجر عليه. (هنديه كتاب الصلاة، الجنائز، الفصل السادس: فى القبر والدفن ۱/۱٦٦، قديم جديد ۱/۲۲۷، حلبى كبير /٦۱۰، قبيل فى احكام المسجد، طحطاوى على المراقى، الجنائز، فصل فى حملها ودفنها /٦۱٥)

ويحفر قبراً لنفسه أي لابأس به. (شامى، كراچى، باب صلاة الجنازة ۲/۲٤٤، زكريا۳/۱٥٤)

اعلم أن استعداد الكفن للمرأ لا بأس به وحفر القبر قبل أوانه لا يحمد............. والدليل على الثانى ما فى فتح البارى قال بن بطال وقد حفر جماعة من الصالحين قبور هم على الموت. (اعلاء السنن ۸/۲۷۱، ۲۷۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ
(فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

١٢ / باب التدفين

میت کو قبر میں لٹانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

سوال: [٣٩٤٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو قبر میں دائیں کروٹ پر لٹانا چاہئے یا سیدھا لٹانا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو قبر میں دائیں کروٹ پر لٹانا مسنون ہے، البتہ سیدھا لٹا کر صرف چہرہ قبلہ سمت کر دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

عن ابن عباس رضـ أن رسول الله ﷺ دخل قبراً ليلاً، فأسرج له سراج، فأخذه من قبل القبلة الحديث. (سنن الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی الدفن بالليل، النسخة الهندية ١/٢٠٤، دارالسلام رقم: ١٠٥٧، المعجم الكبير للطبرانی، دارإحياء التراث العربي ١١/١٤١، رقم: ١١٢٩٥)

ويوجه إلىٰ القبلة على جنبه الأيمن بذلك أمر النبی ﷺ عليا لما مات رجل من بنی عبد المطلب فقال: ياعلى! استقبل به القبلة استقبالا، وقولوا جميعا باسم الله وعلى ملة رسول الله، وضعوه بجنبه ولا تكبوه على وجهه ولا تلقوه على ظهره كذا فی الجوهرة والحلبی. (حاشية الطحطاوی، على مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/٦٠٩)

ويوضع فی القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة. (خلاصة الفتاویٰ، باب الجنائز، ١/٢٢٦، مكتبه فقيه الأمت، حلبي كبير، كتاب الصلاة فصل فی الجنائز، اشرفيه ديوبند/٥٧٦)

ویوضع فی القبر علی شقه الأیمن متوجها إلی القبلة . (تاتار خانیة، کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون، الجنائز، القبر والدفن زکریا۳/۶۶ ۹، رقم: ۳۷۲۹)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۲۵)

میت کو قبر میں دائیں کروٹ قبلہ رخ لٹانا

سوال: [۳۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حافظ، عالم، مفتی، پیر، مرشد کو بعد وصال لحد میں کروٹ سے قبلہ رخ رکھا جائے یا عام میت کی طرح؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتي: حافظ محمد ایوب، علیگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ حکم صرف حافظ عالم مفتی کیلئے نہیں بلکہ عام مسلمانوں کیلئے یہی حکم ہے کہ قبر میں دائیں کروٹ پر قبلہ رخ رکھا جائے، اس میں عام مسلمان اور حافظ، عالم ومفتی کا کوئی فرق نہیں۔

عن عبید بن عمیر عن أبیه أنه حدثه وکانت له صحبة، أن رجلا سأله فقال: یارسول اللّٰه (إلی قوله) البیت الحرام قبلتکم أحیاء وأمواتاً . (سنن أبي داؤد، الوصایا، باب ماجاء فی التشدید فی أکل مال الیتیم، النسخة الهندیة ۲/۳۹۷، دارالسلام رقم: ۲۸۷۵، المعجم الکبیر للطبرانی، دار إحیاء التراث العربي۱۷/۴۷، رقم: ۱۰۱، المستدرک، کتاب الإیمان قدیم ۱/۵۹، مکتبه نزار مصطفی الباز جدید ۱/۸۶، ۸۷، رقم: ۱۹۷، کتاب التوبة والإنابة قدیم ۴/۲۵۹، جدید ۷/۲۷۳۴، رقم: ۷۶۶۶)

ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة الخ .(فتاویٰ عالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل من مکان إلی مکان آخر زکریا ۱/ ۱٦٦، جدید ۱/ ۲۲۷، کراچی ۲/ ۲۳٦، کوئٹه ۱/ ٦٦۰، احسن الفتاویٰ ٤/ ۲۲٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍ربیع الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۹۱)

قبر پر تختہ کس طرف سے بچھانا بہتر ہے؟

سوال: [۳۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جنازہ یعنی میت قبر میں رکھنے کے بعد لکڑی کا تختہ سرہانے یا پائنتانے کس طرف سے بچھانا بہتر ہے؟ کیا عورت میت یا مرد میت کے لئے تختہ بچھانے میں کوئی فرق ہے؟

المستفتي: محمد جابر خاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبر میں لکڑی کا تختہ یا بانس وغیرہ کس طرف سے بچھانا بہتر اور افضل ہے، صراحت سے اس کی کوئی قید شریعت سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اختیار ہے کہ جدھر سے بھی مناسب ہو ادھر سے بچھائے اور اس میں مرد عورت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

ویستوي اللبن علیه والقصب لما روی أنه علیه الصلاة والسلام جعل علی قبره اللبن . (تبیین الحقائق ۱/ ٥۸٦)

ویبنی جانباه باللبن أو غیره ویوضع المیت ویسقف .(کبیری، فصل فی الجنائز، اشرفیه دیوبند/ ٥۹۸، حاشیة الطحطاوی ، باب أحکام الجنائز ، فصل فی حملها ودفنها جدید دار الکتاب دیوبند/ ٦۰۹، قدیم/ ٥۰۳، الفقه علی المذاهب الأربعة مکمل

/۲۹۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۴۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۳ھ

تدفین کی دعاء منہا خلقنکم کا ثبوت

سوال: [۳۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر پر مٹی ڈالتے وقت جو دعاء پڑھی جاتی ہے، **منها خلقنكم**، الأیۃ: کیا کسی حدیث شریف میں موجود ہے، اگر موجود ہے تو مع حوالہ تحریر فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں: ان الفاظ کے ساتھ دفن کے وقت دعاء پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے، ملاحظہ فرمائیے:

عن أبي أمامة (رضى الله عنه) قال: لما وضعت أم كلثوم ابنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى القبر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم منها خلقنكم وفيها نعيد كم ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ الخ. (مسند احمد ٥/٢٥٤، رقم: ٢٢٥٤٠)

ہاں البتہ سند میں علی بن یزید ضعیف ہے۔ (تقریب التہذیب رقم: ۴۸۳۳)

عن أبي هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى على جنازة ثم أتى قبر الميت فحثىٰ عليه من قبل رأسه ثلاثاً. (سنن ابن ماجه /١١٢)

يستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثاً لما روى عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى على جنازة ثم أتى القبر فحثىٰ عليه من قبل رأسه ثلاثاً ويقول: فى الحثية الأولى: منها خلقنكم وفى الثانية: وفيها نعيدكم، وفى الثالثة: ومنها نخرجكم تارة أخرىٰ.

(الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/١٤، وحاشية الطحطاوى، الجنائز، دار الكتاب

دیو بند/ ۶۱۰، ۶۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۳۹۴۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۵/۱۹ھ

قبر میں مٹی بیٹھ کر ڈالیں یا کھڑے ہوکر

سوال: [۳۹۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مردہ کو دفن کرتے وقت بیٹھ کر مٹی ڈالنا چاہئے یا کھڑے ہوکر دینا چاہئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دفن کے وقت بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر مٹی دینا صراحت کے ساتھ صحیح حدیث میں کوئی تشریح نظر سے نہیں گذری لہٰذا جس طرح بھی سہولت ہو اس طرح دینا جائز ہے، اس میں قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۹۳)

قبر میں مٹی ڈالنے کا صحیح طریقہ

سوال: [۳۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو قبر میں رکھنے کے بعد حاضرین مقبرہ کھڑے ہوکر مٹی ڈالیں گے یا بیٹھ کر، سرہانے کی طرف سے یا پاؤں کی طرف سے ایک مرتبہ یا تین مرتبہ؟ صراحت کے ساتھ صحیح طریقہ مع حوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد مصدق حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :قبر پر تین مٹھی مٹی میت کے سرہانے کی طرف سے کھڑے ہوکر ڈالنا مستحب ہے،اوراگر مٹی دینے والوں کی بھیڑ زیادہ ہوجائے تو جس طرف سے گنجائش ہواسی طرف سے مٹی دینے کی گنجائش ہے۔

عن أبي هريرةؓ أن رسول الله ﷺ صلى على جنازة ، ثم أتى قبر الميت ، فحثى عليه من قبل رأسه ثلاثاً . (سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء في حشو التراب في القبر ،النسخة الهندية ، دارالسلام/ ١٥٦٥ ، المعجم الأوسط ، من اسمه عبد الرحمن دارالفكر ٣/ ٣٠٨، رقم: ٤٦٧٣)

ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثو في قبره ثلاث حثيات من التراب بيديه جميعاً ، ويكون من قبل رأس الميت . (عالمگيری، الباب الحادی والعشرون، صلاة الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن زكريا١/ ١٦٦ ، جديد ١/ ٢٢٧، وهكذا في حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/ ٦١١، الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت زكريا٣/ ١٤٣، كراچی ٢/ ٢٣٦، البنايه ، باب الجنائز، فصل في الدفن اشرفيه ديو بند٣/ ٢٥٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱/۸/۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۹۴۰۳)	۱۴/۸/۱۴۲۸ھ

دفن کے کئی دن بعد آنے والے کا قبر پر مٹی ڈالنا

سوال: [۳۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص اپنے رشتہ دار کے جنازے میں شریک نہیں ہوا، کئی دنوں کے بعد حاضر ہوا اب وہ قبر پر مٹی ڈالنے کی فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ قبر پر مٹی کتنی مدت تک ڈال سکتے ہیں؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتی: مولانا عارف باللہ،۲۴/ پرگنہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باضابطہ مسنون طریقہ سے میت کی تدفین ہوچکی ہواور قبر بھی صحیح طریقہ سے بنادی گئی ہوپھر کئی دن کے بعد کسی رشتہ دار کا اس ارادہ سے قبر پر مٹی ڈالنا کہ اس کو مٹی ڈالنے کی فضیلت حاصل ہوجائے کسی معتبر کتاب میں ہماری نظر سے نہیں گزرا ہاں البتہ ایسا کرنا جائز ہے کہ اگر قبر کے اوپر کوئی پتھر وغیرہ ہو یا قبر ڈھل گئی ہوتو اس کو برابر کردینے کی گنجائش ہے۔

وذكر في بعض المواضع أنه لا بأس بالطين للقبور لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه مر بقبر ابنه إبراهيم فرأى فيه حجراً فستره فقال من عمل عملاً فليتقنه. (الولوالجيه ۱/۱٦۷، مكتبه دارالايمان، سهارنپور)

وفى النوازل: سئل أبو نصر عن تطيين القبر؟ قال: لا بأس به وفى الغياثية وعليه الفتوىٰ. (التاتار خانية، جديدزكريا۳/ ۷۱)

عن ابن عون قال: سئل محمد بن سيرين هل تطين القبور ؟ فقال: لا أعلم به بأساً. (المصنف لابن ابي شيبة، الجنائز، فى تطيين القبر وما ذكر فيه ۷/ ۳٦۲، رقم: ۱۱۹۲۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۹۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۱۳ھ

تختہ وغیرہ کے بغیر میت پر مٹی ڈالنا

سوال: [۳۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کہتا ہے کہ میت کے اوپر تختہ وغیرہ کے بغیر مٹی ڈالی جائے گی، کیونکہ میت کو مٹی لگنا ضروری ہے، بکر کہتا ہے کہ اس طرح میت کے اوپر تختہ وغیرہ کے بغیر مٹی ڈالنا جائز نہیں؟ لہٰذا دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟

المستفتي: فخر الزماں، کشن گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیدھی قبر کی صورت میں قبر کے دو حصے ہوتے ہیں نیچے حصہ میں میت کو رکھا جاتا ہے، اور اوپر کے حصہ میں میت کے اوپر کی جانب تختہ یا بانس بچھا کر پھر مٹی ڈالنے کا حکم ہے، زید کا قول درست نہیں اور بکر کا قول درست ہے۔

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص أن سعد بن أبي وقاص قال في مرضه الذي هلک فیه الحدوا لي لحداً، وانصبوا علی اللبن نصبا، کما صنع برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم . (مسلم، الجنائز، فی استحباب اللحد، النسخة الندية ۱/ ۳۱۱، بیت الأفکار رقم: ۹٦٦)

ویسقف علیه اللبن ولا یمس السقف المیت الخ. (شرح کبیری غنیة المستملی، فصل فی الجنائز، اشرفیه دیوبند/ ۵۹۵) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۸۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۱/۲۸ھ

قبر میں رکھنے کے بعد سینے پر ہاتھ رکھ کر دعا کرنا

سوال: [۳۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو قبر کے اندر رکھ کر اسکے سینے پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا ''بسم اللہ وعلیٰ ملت رسول اللہ'' کے پڑھنے کے سلسلے میں جو بھی حکم ہو اس کو وضاحت سے بیان فرمائیں؟

المستفتي: حافظ محمد لقمان علی، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ پوری دعا میت کو قبر میں

رکھتے وقت مطلقاً پڑھنا ثابت ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: قال رسول الله ﷺ : إذا وضعتم موتاكم في قبورهم فقولوا بسم الله وعلى ملة رسول الله . (المستدرك ، الجنائز، مكتبه نزار مصطفى الباز ۲/ ۵۲۳، وهكذا فى سنن الترمذى ، الجنائز، باب ماجاء مايقول إذا أدخل الميت في قبره ،النسخة الهندية ۱/ ۲۰۲، دارالسلام رقم: ۱۰٤٦ ، سنن ابن ماجه ،الجنائز، باب ماجاء فى إدخال الميت القبر ،النسخة الهندية ۱/ ۱۱۱، دارالسلام رقم: ۱۵۵ ، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۲۷، رقم: ٤٨١٢، ٤٩٩٠، ٥٢٣٣، ٥٣٧٠، ٦١١١)

ويقول واضعه بسم الله وعلى ملة رسول الله . (هنديه ، الباب الحادى والعشرون ، فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر و الدفن زكريا ۱/ ۱٦٦ ، جديد ۱/ ۲۲۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۷/ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۸/ ۱۴۲۸ھ

عورت کو دفن کرتے وقت پردہ کرنا

سوال: [۳۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورت کی تدفین کے وقت نامحرم کا قبر کے پاس کھڑا ہونا یا قبر میں دیکھنا ازروئے شرع کیسا ہے؟ جواب سے نوازیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: جلیس احمد، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کی تدفین کے وقت پردہ کے اہتمام کا حکم حدیث میں وارد ہوا ہے، اسلئے نامحرم کیلئے قبر میں دیکھنا ممنوع ہے۔

عن علي بن أبي طالبؓ أنه أتاهم قال: ونحن ندفن ميتاً وقد بسط الثوب على قبره، فجذب الثوب من القبر وقال: إنما يصنع هذا بالنساء. (السنن الكبرى للبيهقي، الجنائز، باب ماروی فی ستر القبر بثوب، دارالفكر ٥/٣٩٩،رقم: ٧١٤٩)

ويسجى قبر المرأة بثوب لما روى أن فاطمةؓ سجي قبرها بثوب الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن كراچی ٣١٩/١، ٣٢٠، زكريا ٦٣/٢، ٦٤، المبسوط للسرخسي، باب غسل الميت، دارالكتاب العلمية بيروت ٦٢/٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۷۶/۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۵/۲ھ

پاٹن کس طرف سے بچھائے جائیں

سوال: [۳۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات مردے کو قبر میں رکھنے کے بعد اگر عورت ہے تو اس کے پاؤں کی جانب سے پاٹن (پٹرے وتختے) رکھتے ہیں، اور اگر مرد ہے تو سرہانے کی طرف سے پاٹن رکھتے ہیں، اور بعض لوگ اس کا الٹا کرتے ہیں، یعنی اگر مرد ہے تو اس کے پاؤں کی طرف سے اور اگر عورت ہے تو اس کے سرہانے کی طرف سے پاٹن رکھتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرد ہو تو پاٹن سرہانے کی جانب سے رکھا جائے، اور عورت ہو تو پاؤں کی طرف سے یا اس کے برعکس کتب فقہ میں مجھے اس طرح کی کوئی صراحت نہیں ملی، لیکن پاٹن رکھنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ مٹی میت پر نہ گرنے پائے۔

(ويسوى اللبن عليه والقصب) قوله القصب قال في الحلية وتسد

الفرج التی بین اللبن بالمدرو القصب کي لا ینزل التراب منها علی المیت . (شامی ، کتاب الصلاۃ ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت ، کراچی ۲/۲۳٦ ، زکریا ۳/۱٤۲ ، کبیری ، صلاۃ الجنائز، باب الدفن اللحد اشرفی جدید /۵۹۸، ۵۵٤، کبیری ، صلاۃ الجنائز، باب الدفن فی اللحد ، اشرفی جدید/۵۹۷ /۵۹۸ ،قدیم: ۵۵٤)

ہاں البتہ بغلی قبر کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ اینٹوں کو میت کے دائیں اور قبلہ کی جانب سے رکھا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۵۲٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

میت کو پوسٹ مارٹم کیلئے قبر سے نکالنا

سوال: [۳۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دفن کے بعد میت کو پوسٹ مارٹم وغیرہ کے لئے قبر سے نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دفن کے بعد قبر کھولنا اور میت کو پوسٹ مارٹم کے لئے نکالنا جائز نہیں ، اسی طرح کسی اور وجہ سے بھی بلا کسی شدید عذر کے نکالنا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی جدید ۴/۲۰۱، جدید زکریا مطول ۵/ ۵۱۷،قدیم ۸۴/ ۱۸۹، محمودیہ میرٹھ ۱۳/ ۲۹۷، محمودیہ ڈھابیل ۹/۱۳۴)

ولا یسع إخراج المیت من القبر بعد مادفن إلا إذا کانت الأرض مغصوبة . (خانیة علی هامش الهندیه، باب فی غسل المیت وما یتعلق به زکریا ۱/ ۱۹۵،جدید ۱/ ۱۲۱ ، کذا فی الإشباه والنظائر / ۲۵۲، زکریا)

والنبش حرام حقا للہ تعالیٰ. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، باب

أحكام الجنائز، فصل في حملها و دفنها جديد، دار الكتاب ديوبند/ ٤ ٦١ ، قديم /٥٠٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤٣٥/٦/١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/١١٥٥٦)

پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت

سوال: [٣٩٥٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آدمی کے جل جانے یا ایکسیڈنٹ ہوجانے یا اور کسی بنا پر ہلاک ہوجانے پر اس کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، جس میں مردہ کو چیر پھاڑ کر کے اسکی بے حرمتی ہوتی ہے، یہ حکومت کا قانون ہونے کی بنا پر ہوتا ہے، لیکن شریعت کی روسے پوسٹ مارٹم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو قابل احترام قرار دیا ہے، میت کے بدن کو چھونے سے منع فرمایا ہے، اس سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے، تو پوسٹ مارٹم کی شرعاً کیسے گنجائش ہوسکتی ہے، اس بارے میں مفصل تحقیق کر کے مسئلہ کو وضاحت کیساتھ مدلل لکھیں، نوازش ہوگی؟

المستفتي: احمد علی، خادم تحفیظ القرآن،
مدرسہ شاہی، ضلع، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میت کا پوسٹ مارٹم کرنا از روئے شرع جائز نہیں ہے، اسلئے کہ یہ انسانی حرمت کے خلاف ہے، شریعت انسان کی بے حرمتی کی قطعاً اجازت نہیں دیتی ہے، لہذا پوسٹ مارٹم کرنا شرعاً ناجائز وحرام ہے۔

والآدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته فكما لا يجوز التداوي بشيىء من الآدمي الحي إكراما له لا يجوز التداوي بعظم الميت.

(شرح السير الكبير ١/ ٩٠، بحواله جواهر الفقه قديم ٤/ ٥١، جديد زكريا ٧/ ٦٢)

قال رسول الله ﷺ كسر عظم الميت ككسر عظم الحي . (ابو داؤد، كتاب الجنائز، باب فى الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان ، النسخة الهندية ٢/٤٥٨ ، دارالسلام رقم: ٣٢٠٧)

أخرج ابن أبى شيبه عن ابن مسعود قال: أذى المؤمن فى موته كأذاه فى حياته ۔ (مصنف ابن أبى شيبه ، مؤسسه علوم القرآن ٧/ ٤٣٢، رقم: ١٢١١٥)

قال الطيبى إنه لا يهان الميت كما لا يهان الحي . (حاشية /٦، مشكوٰة، كتاب الجنائز، باب دفن الميت ، الفصل الثانى /١٤٩)

إكرام الميت مندوب إليه فى جميع مايجب كإكرامه حيا، وإهانته منهى عنها كما فى الحيوٰة . (شرح الطيبي ، كتاب الجنائز، باب دفن الميت تحت رقم الحديث/ ١٧١٤، مطبوعه كراچى ٣/٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ صفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲ھ

میت کا پوسٹ مارٹم کرانا

سوال: [۳۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت میں پوسٹ مارٹم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شریعت میں پوسٹ مارٹم جائز نہیں؛ کیونکہ بدن انسانی مرنے کے بعد بھی اسی طرح قابل تکریم ہے، جس طرح مرنے سے پہلے، تاہم قانونی مجبوری کی بناء پر پوسٹ مارٹم کرالیا گیا تو ورثاء گنہگار نہ ہونگے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/ ۱۴۷، کفایت المفتی جدید ۴/ ۲۰۰، جدید زکریا مطول ۵/ ۵۱۷، قدیم ۴/ ۱۸۸، کتاب الفتاویٰ ۳/ ۲۵۰)

عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: كسر عظم الميت ككسره حيًا.

(أبوداؤد شریف، کتاب الجنائز، باب فی الحفار یجد العظم هل ینتکب ذلك المکان، النسخةالهندیة ۲/۴۵۸، دارالسلام رقم: ۳۲۰۷)

لا یجوز بیع شعر الآدمی ولا الانتفاع به ولا بشيءٍ من أجزائه: لأن الآدمی مکرم غیر متبذل فلا یجوز أن یکون شیئًا من أجزائه مهاناً مبتذلاً.

(مجمع الأنهر، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، فقیه الأمة ۳/۸۵، کذا فی سکب الأنهر ۳/۸۵، اوجز المسالك ۴/۵۸۷، دمشق، بیروت) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۰۵)

ایکسیڈنٹ میں ملنے والے معاوضہ کا حکم

سوال: [۳۹۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا، کیا زید کے ورثاء کو گاڑی والے کی جانب سے یا اس کمپنی سے جس سے اس گاڑی کا بیمہ ہو یا حکومت کی طرف سے معاوضہ اور پیسہ لینا جائز ہے؟

المستفتي: عبداللہ، مرادآبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حادثہ یا ایکسیڈنٹ میں انتقال ہونے والے کو حکومت یا دوسرے فریق کی طرف سے جو معاوضہ ملتا ہے مرحوم کے ورثاء کیلئے اس معاوضہ کا لینا جائز ہے، اور راجح قول کے مطابق وہ معاوضہ میت کے تمام شرعی ورثاء کے درمیان میت کے ترکہ کی طرح تقسیم ہوجائے گا۔ (مستفاد: انوار رحمت/۳)

عن إبراهيم عن عليؓ فی الفارسين يصطدمان قال يضمن الحی دية الميت وعن الحكم عن عليؓ فی الفارسين اصطدما فمات أحدهما أنه يضمن الحي دية الميت. (نصب الرایه، کتاب الدیات، باب جنایة البهیمة، والجنایة علیها،

دارنشر الکتب الإسلامیہ، لاہور، پاکستان ٤ /٣٨٦، المصنف لإبن أبی شیبہ، کتاب الدیات، الرجل یصدم الرجل مؤسسہ علوم القرآن، بیروت ١٤/ ٢٢١، رقم: ٢٨٢٠٧، ٢٨٢٠٥)

وإذا اصطلح القاتل وأولیاء القتیل علی مال سقط القصاص ووجب المال قلیلاً کان أو کثیراً. (ہدایہ، کتاب الجنایات، باب القصاص فیما دون النفس، اشرفی دیوبند٤/ ٥٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۲۴ھ

ایکسیڈنٹ یا حادثہ میں مرنے والوں کا معاوضہ

سوال: [۳۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ریل وغیرہ سے کوئی آدمی مر گیا تو اس کے ورثاء کو سرکار کچھ رقم دیتی ہے؟

(۲) بس سے مر جائے تو بس کا مالک کچھ رقم اپنی خوشی سے دیتا ہے؟

(۳) اسی طرح بس سے مرنے والے کے وارث بس والے سے زبردستی بذریعۂ مقدمہ جان کا بدلہ لیتے ہیں، ان تینوں شکلوں میں رقم لینا درست ہے یا کوئی فرق ہے؟ نیز مرنے والے کے بچہ یتیم ہیں لیکن ان کے باپ نے بہت سی جائیداد چھوڑی ہے جنگل میں زمین کافی ہے ویسے بھی صاحب ثروت ہیں گاؤں کے بڑے لوگوں میں شمار ہوتا ہے، دادا وغیرہ موجود ہیں اب یہ دادا اپنی پوتی پوتے وغیرہ کیلئے بس والے سے بذریعۂ مقدمہ زبردستی رقم لیتے ہیں تو یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا غریب مالدار کا کچھ فرق ہے؟

المستفتي: امام مسجد، بشن پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ۱/۲/۳؍ جی ہاں تینوں شکلوں میں وارثین کیلئے ضابطہ کے مطابق طے شدہ رقم وصول کرنا جائز ہے، اور وارثین غریب ہوں یا مالدار ہر دو

صورت میں لینا جائز ہے۔

عن علیؓ فی فارسین اصطدما فمات أحدهما ، فضمن الحي الميت،

عن علیؓ فی الفارسين يصطدمان قال: يضمن الحي دية الميت . (المصنف لإبن أبی شيبه، كتاب الديات الرجل يصدم الرجل مؤسسه علوم القرآن ، بيروت ٢٢١/١٤، رقم: ٢٨٢٠٥، ٢٨٢٠٧، نصب الرايه ، كتاب الديات ، باب جناية البهيمة ، والجناية عليها ، دارنشرالكتب الإسلاميه ، لاهور ، پاكستان ٣٨٦/٤)

ولو أن فارسين أحدهما يسير و الآخر واقف أو رجلين أحدهما يمشى و الآخر واقف فاصطدما فعلى السائر و الماشى الكفارة (و قوله) فضمان التى عطبت على الآخر الخ . (قاضی خان ، على الهندية ، كتاب الجنايات ، فصل فى القتل الذى يوجب الدية زكريا٣/٤٤٤، جديد٣/٣٢٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۲۶)	۲۲/۴/۱۴۱۶ھ

سونا نگلنے والے کا پیٹ چاک کرنا

سوال: [۳۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے ۳۰/۴۰ ہزار روپئے کا سونا نگل لیا وہ سونا اس کے پیٹ میں چلا گیا اب سوال یہ ہے کہ اس میت کے پیٹ کو چاک کر کے سونا نکالنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: نسیم احمد، مہاراسٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر شخص مذکور نے بالقصد دوسرے شخص کا سونا نگل لیا اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا تو ایسی صورت میں اس کا پیٹ چاک کر کے سونا نکال لینا جائز

اور درست ہے، اگر چہ مال کی صیانت وحفاظت کے مقابلہ میں انسان کا احترام اور حرمت اعلیٰ اور فائق ہے، لیکن جب اس نے بالقصد سونے کو نگل لیا ہے، تو اس کی طرف سے تعدی کی وجہ سے اس کا احترام زائل ہو گیا، لہٰذا اس کا پیٹ چاک کر کے سونا نکالنا درست ہوگا۔

ولو بلع مال غيره ومات هل يشق ؟ قولان والأولىٰ نعم وفى الشامية: لأنه وإن كان حرمة الأدمي أعلى من صيانة المال لكنه أزال احترامه بتعديه.

(شامی، كتاب الصلوٰة، باب صلوٰة، مطلب فی دفن الميت، زكريا۳/ ۱٤٥، ۲۳۸)

إذا ابتلع لؤلؤة قيل ظاهره أن ماذكره هو المذهب وهو رواية عن محمد ومقتضىٰ ماعلل به أنه لوابتلع دنا نير غيره يشق بطنه والمنقول خلافه ففى البزازية أنه يشق بطنه فى اللؤلؤة والدنانير وقوله فى موضع آخر ماهو موافق لما قيل ثم قال ولعل الذى اقتضاه تعليل المصنف هو الصحيح. (الحموی على الأشباه قديم تحته القاعدة الخامسة / ١٤٥)

إذا ابتلع الرجل درة فمات ولم يدع مالا عليه القيمة .... وفى الاختيار جعل عدم شق بطنه عن محمد ثم قال: وروى الجرجانى عن أصحابنا أنه يشق لأنه حق الآدمى مقدم على حق الله تعالىٰ ومقدم على حق الظالم المتعدى انتهى وهذا أولىٰ. (فتح القدير، كتاب الصلوٰة، قبيل باب الشهيد كوئٹه ۲/ ۱۰۲، زكريا ۲/ ۱۵۰۹، حلبى كبرى، فصل فى الجنائز، اشرفيه ديو بند/ ٦٠٨)

لیکن اگر اپنا ذاتی سونا نگلا ہے تو اس کے متعلق کوئی صریح عبارت نہیں ملی۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

۱۳ / باب الدعاء بعد الدفن وغیرہ

دفن میں مدد کرنے والوں سے میت کی طرف سے معافی مانگنا

سوال: [۳۹۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب لوگ جنازہ کو قبرستان لیکر جاتے ہیں تو کچھ لوگ میت کو دفن کرنے میں مشغول ہوجاتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ اپنے عزیز واقارب کی قبروں پر فاتحہ خوانی میں لگ جاتے ہیں اور پھر مٹی ڈالتے وقت سب حاضر ہوجاتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا درست ہے، یا سب کو دفن میں شریک رہنا چاہئے، نیز دفن کے بعد میت کے عزیز واقارب میں سے کوئی ایک دفن میں مدد کرنے والوں سے میت کی طرف سے معافی مانگتا ہے کہ جس نے جو کام کیا ہو خدا کیلئے معاف کردیں تو کیا اس طرح معافی مانگنا درست ہے جبکہ دفن کرنا تو سب کا حق ہے؟

المستفتي: جمیل احمد، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جنازہ کے ساتھ جانے والے لوگ دفن کی بھیڑ کے وقت وہاں بھیڑ لگانے کے بجائے اپنے عزیزواقارب کی قبروں کی زیارت میں لگ جائیں یہ بہتر اور افضل ہے، اور بھیڑ کم ہوجائے تو جاکر مٹی دے کر دفن میں شریک ہوجائیں، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، ایک مسلمان کے جنازہ کے ساتھ چلنا اور اس کو دفن کرنا یہ دوسرے مسلمانوں پر اس مرنے والے کا حق اور اخلاقی فریضہ ہے، لہٰذا میت کی طرف سے دفن میں مدد کرنیوالوں اور کام میں شریک ہونے والوں سے معافی مانگنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: للمسلم علی المسلم ست بالمعروف، یسلم علیه إذا لقیه، ویجیبه إذا دعاه، ویشمته

إذا عطس، ويعوده إذا مرض، ويتبع جنازته إذامات، ويحب له ما يحب لنفسه. (سنن الترمذی، أبواب الأدب، باب ماجاء في تشميت العاطس، ألنسخة الهندية ۲/ ۱۰۲، دارالسلام رقم: ۲۷۳۶، الأدب المفرد، دارالكتاب العلميه بيروت/ ۲۷۱، ۲۷۲، رقم: ۹۲۲، مسند الدارمي، دارالمغني ۳/ ۱۷۲۰، رقم: ۲٦۷۵، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۸۹، رقم: ٦۷۳، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۳/ ۸۱، رقم: ۸۵۰، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۹/ ۳۵۱، رقم: ۹۷۴۸، مشكوٰة شريف ۱/ ۳۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/ ۷/ ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۷/ ۱۴۲٦ھ

تدفین کے بعد پسماندگان سے مصافحہ ومعانقہ کرنا

سوال: [۳۹٦۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں یہ رسم عام ہے کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے، اس کے بعد اس کے قریبی رشتہ دار مثلاً بیٹے بھائی چچا وغیرہ سب ترتیب سے ایک جگہ کھڑے ہو جاتے ہیں، اور تدفین سے فراغت پر لوگ یکے بعد دیگرے آکر مذکورہ وارثین سے ملاقات کرتے ہیں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ اگر قبرستان مسجد کے قریب ہے تو تدفین کے بعد مذکورہ حضرات مسجد میں ہی آکر ترتیب سے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور لوگ ان حضرات سے مصافحہ ومعانقہ کرتے ہیں، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا تدفین کے بعد میت کے پسماندگان سے مصافحہ ومعانقہ کرنا مسنون ہے یا مستحب یا واجب یا بدعت وغیرہ اسی طرح مسجد میں کھڑے ہو کر اس عمل کو انجام دینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد نوید، میل وشارم، تملناڈو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی شخص کے انتقال کے موقع پر اس کے پسماندگان اورعزیز واقارب کی تعزیت کرنا اور ان سے تسلی وغیرہ کے کلمات کہنا مستحب ومسنون ہے، حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:

عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من عزیٰ ثكلى كسي بردا في الجنة. (ترمذی شریف، الجنائز، باب آخر فی فضل التعزیة ، النسخة الهندية ۲۰٦/۱ ، دارالسلام رقم: ۱۰۷٦)

قيس أبو عمارة قال سمعت عبد الله بن أبي بكر بن محمد أبي عمرو بن حزم يحدث عن أبيه عن جده عن النبي ﷺ أنه قال: مامن مؤمن يعزي أخاه بمصيبة ، إلا كساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة. (ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في ثواب عن عزیٰ مصاباً ، النسخة الهندية ۱۱۵/۱ ، دارالسلام رقم: ۱٦۰۱)

لیکن اس تعزیتی اور تسلی کی ملاقات کیلئے بہترین جگہ میت کا گھر ہے اور میت کے گھر میں نہ ہوسکے تو کہیں بھی ملاقات ہوجائے تو یہ جائز اور درست ہے، چاہے مسجد میں ہوجائے، یا قبرستان میں ہوجائے یا میت کے رشتہ دار کے گھر ہوجائے ، یا خطوط کے ذریعہ ہوجائے ، ہرطرح کی ملاقات سے یہ سنت ادا ہوجائے گی ،لیکن اس کے لئے قبرستان یا قبرستان کے قریب کی مسجد میں ملاقات لازم نہیں ہے، ہاں البتہ اگرسہولت اور آسانی کیلئے یہاں بھی یہ کام ہوجاتا ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے، بشرطیکہ ان جگہوں پر بطوررسم نہ ہو تسلی کے لئے ان سے مصافحہ اور معانقہ کرنا اور اس دوران ان سے تسلی کے کلمات کہنا جائز اور درست ہے۔

إن النبي صلى الله عليه وسلم عزّى رجلاً، فقال: يرحمك الله ويأجرك. (السنن الكبرىٰ ، الجنائز، باب مايقول في التعزية من الترحم على الميت والدعاء له ولمن خلف دارالفكر بيروت ٤١٣/٥ ، برقم: ۷۱۹۳)

ولا بأس –إلیٰ– و بتعزية أهله وترغيبهم فى الصبر. (درمختار ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، قبيل مطلب فى الثواب على المصيبة كراچى ۲/۲۳۹، زكريا۳/۱٤٦، ۱٤۷)

التعزية لصاحب المصيبة حسن. (عالمگيرى، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، مسائل فى التعزية زكريا ۱/۱٦۷، جديد ۱/۲۲۸، البنايه ، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فى الدفن اشرفيه ديوبند۳/۲٦۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۲۹ھ

میت کو دفنانے کے بعد اجتماعی دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں میت کو دفنانے کے بعد اس کی قبر کے اردگرد قبلہ رخ کھڑے ہوکر اس طرح اجتماعی دعا کرنا کہ ایک دعا کرے اور بقیہ آمین کہیں جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: مفتی محمد سمیر، استاد مدرسہ فلاح دین،
ضلع عثمان آباد صوبہ، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں میت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہے لیکن اس طرح اجتماعی دعا صراحت سے ثابت نہیں کہ ایک شخص دعا کرائے اور باقی سب آمین کہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ قبر کے مخالف جانب ہوکر اپنے اپنے طور پر انفرادی دعا کریں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۳۰۷، فتاویٰ عثمانی ۱/۲۷۶، ۲۷۷، احسن الفتاویٰ ۴/۲۲۵)

عن ابن مسعودؓ رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبد الله ذى النجادين الحديث، وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه .
(فتح البارى ، كتاب الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة ، قديم ١١/١٤٤، زكريا ١١/١٧٣، تحت رقم الحديث ٦٣٤٣)

عن عائشةؓ قالت: ...... حتى جاء البقيع فقام فأطال القيام ثم رفع يديه ثلث مرات قال النووى تحته فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه . (مسلم شريف، الجنائز، باب مايقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها ، النسخة الهندية ١/٣١٣، تحت رقم الحديث، بيت الأفكار/٩٧٤)

يستحب الوقوف بعد الدفن قليلاً والدعاء للميت مستقبلاً وجهه . (شرح الصدور ، باب مايقال عند الدفن والتلقين طبع لاهور كشميرى بازار/٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دفن میت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ چونکہ ایضاح المسائل میں احسن الفتاویٰ سوم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مستحب ہے، حالانکہ احسن الفتاویٰ کی پہلی جلد میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب لکھتے ہیں، کہ بدعت ہے، اسلئے حضرت والا سے درخواست ہے کہ تحقیقی جواب مرحمت فرمائیں؟

المستفتی: مبارک حسین القاسمی، خادم:
مدرسہ بدر العلوم، بیر پور تھان، ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز اور درست ہے، اور ایضاح المسائل/۶۷ پر یہی مسئلہ فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلۃ قدیم ۱۱/۱۴۴، اشرفیہ ۱۱/۱۷۳، تحت رقم الحدیث: ۶۳۴۳ پر ہے اور احسن الفتاویٰ جلد اول کے حوالہ سے جو اشکال کیا ہے، کہ اس میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب نے بدعت لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نے پہلے بدعت لکھا تھا، لیکن بعد میں صریح جزئیہ مل جانے کی بنا پر اپنے سابق فتویٰ سے رجوع کر کے جواز کا قول لکھا ہے، جو (احسن الفتاویٰ ۴/۲۲۴) پر موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱/۲۱ھ

دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم

سوال: [۳۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت دفنانے کے بعد میت کے لوگ قبرستان کے باہر آنے پر سب ملکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، کیا یہ عمل صحیح ہے یا بدعت ہے؟ مسئلہ کا حل تو آپ ہی کر سکتے ہیں تا کہ قوم بدعت اور گناہ سے بچ جائے، اس کیلئے آپ کی طرف متوجہ ہوا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے اندر یا قبرستان کے باہر اجتماعی انداز سے دعا کا ثبوت نہیں ہے، البتہ انفرادی طور پر مطلقاً دعا کرنا ثابت ہے، اور دعاؤں میں بھی ہاتھ اٹھانے کی گنجائش ہے، لیکن بہتر شکل یہ ہے کہ قبروں سے دوسری طرف رخ کر کے دعا کی جائے، قبروں کی طرف ہو کر دعا نہ کی جائے تا کہ اشتباہ اور

شکوک وشبہات سے حفاظت ہوجائے۔

وفی حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ رأیت رسول اللہ ﷺ فی قبر عبد اللہ ذی النجادین الحدیث وفیہ لما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا یدیه أخرج أبو عوانة فی صحیحه. (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة بیروت قدیم ۱۱/ ۱۴۴، زکریا ۱۱/ ۱۷۳، تحت رقم الحدیث/ ۶۳۴۳)

عن ابن مسعودؓ قال: وللہ لکأني أریٰ رسول اللہ ﷺ في غزوة تبوک – إلیٰ– فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا یدیه یقول: اللّٰهم إني أمسیت عنه راضیا فارض عنه، وکان ذلک لیلاً، فواللہ لقد رأیتنی ولوددت أني مکانه. (مرقاةشرح المشکاة، باب في دفن المیت، الفصل الثاني، مکتبه امدادیه ملتان ۴/ ۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶/۲/۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۴۸)	۲۶/۲/۱۴۲۴ھ

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ متبعین اہل سنت والجماعت بوقت دفن ویسے ہی دعا کیا کرتے تھے میت کیلئے یعنی بغیر ہاتھ اٹھا کر اور بہت عرصے سے یہی طریق ان کا رہا اور اسے علماء دیوبند واکابر امت کا معمول بہ سمجھ کر کرتے تھے، اور ویسے تو اکابر امت حضرت شیخ الحدیث زکریا صاحبؒ حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحبؒ اور حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ سب کا عمل یہ دیکھا گیا ہے، کہ قبر کے پاس بغیر ہاتھ اٹھا کر میت کیلئے دعا فرماتے تھے، اب کچھ دنوں سے جنوبی افریقہ کے بعض علاقہ میں علماء دیوبند کی طرف سے منسوب بعض علماء وشیوخ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے سلسلہ میں یہ عمل رائج کرنے لگے، کہ

سب حاضرین قبلہ کی طرف منھ کرکے ہاتھ اٹھاتے ہوئے دعا کریں، اور استدلال میں صحیح ابی عوانہ اور تخریج حافظ فی الفتح کی حدیث پیش کرنے لگے، یہاں تک کہ اس سلسلہ میں ان حضرات کی طرف سے ایک کتاب چھپ چکی ہے کہ جس میں اس بات کو ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے، کہ یہ جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا ہے سنت ہے اور حدیث پاک سے مؤید ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بزرگان دین متین اور علماء اکابر نے اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا آیا کہ وہ اس حدیث سے ناآشنا تھے، (العیاذ باللہ) یا یہ کہ کوئی اور وجہ تھی، جس کی بنا پر انھوں نے رفع یدین عندالقبر اگر چہ استقبالاً للمقبلۃ ہو ترک فرمادیا تھا؟ کیا نو پید علماء وشیوخ کا حدیث پر عمل ومستدل اصح اور قابل اتباع ہے یا ماضی کے علماء اعیان ومشائخ عظام کا تعامل وطریق زیادہ قابل اتباع اور لائق عمل ہے، **افتونا ماجورین وادخلوا الجنة مسرورین.**

المستفتي: احقر شعیب رافت، ساکن ڈڈ یر، جنوبی افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میت کو دفن کرنے کے بعد میت کے واسطے قبرستان میں دعا مانگنا جائز ہے لیکن ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جائے یا بغیر ہاتھ اٹھائے اس سلسلہ میں ایک صحابی کا واقعہ ملتا ہے، کہ سفر تبوک کے موقع پر ان صحابی کی وفات ہوگئی تھی، ان کو دفن کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کی طرف متوجہ ہوکر ان الفاظ کے ساتھ دعا فرمائی: "**اللّٰهم إني أمسيت عنه راضياً فارض عنه**" اس دعا کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے تھے یا نہیں اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں صحیح ابوعوانہ کے حوالہ سے ہاتھ اٹھانے کی روایت نقل فرمائی ہے، اسی طرح امام عزالدین بن الاثیر نے اسدالغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہاتھ اٹھانے کی روایت نقل فرمائی ہے لیکن صحیح ابوعوانہ اور اسد الغابہ کی وہ حدیث شریف کس درجہ کی ہے اس کی نشاندہی نہیں فرمائی ہے، نیز اس وقت

صحیح ابوعوانہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے، اسلئے ہم بھی براہ راست اس حدیث شریف کی سندی حیثیت سے واقفیت حاصل نہ کر سکے اور صاحب اسد الغابہ نے بھی حدیث کی پوری سند نقل نہیں فرمائی ہے، اور حضرت امام ابوبکر ہیثمی نے مجمع الزوائد میں مسند بزار کے حوالہ سے اس حدیث شریف کو نقل فرمایا ہے مگر اس میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر موجود نہیں ہے، اور ساتھ میں امام ابوبکر ہیثمی نے اس حدیث کے راوی عباد بن احمد العرزمی کو متروک کہا ہے، لہذا ان روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ استقبال قبلہ کے ساتھ قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور بغیر ہاتھ اٹھائے دعا مانگنا بھی جائز ہے، لھذا اس مسئلہ کو آپس کے اختلاف کا سبب نہ بنایا جائے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ أنه قال: لكأني أرىٰ رسول الله ﷺ في غزوة تبوک وهو في قبر عبد الله ذی النجادین (إلیٰ ماقال) فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه يقول: اللّٰهم إني أمسيت عنه راضياً فارض عنه.
(اسد الغابه، دارالفکر ۱۲۴/۴، مرقاة شرح المشکاة، باب فی دفن المیت، الفصل الثانی، مکتبه امدادیه ملتان ۷۵/۴)

وفي حديث ابن مسعود رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبد الله ذي النجادين الحديث، وفيه: فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه أخرجه أبو عوانه في صحيحه. (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة بیروت قدیم ۱۴۴/۱۱، اشرفیه ۱۷۳/۱۱، تحت رقم الحدیث /۶۳۴۳)

وعن عبد الله يعني ابن مسعودؓ قال: لكأني أسمع رسول الله ﷺ في غزوة تبوک وهو في قبر عبد الله ذی النجادین إلى ماقال: فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة فقال: اللّٰهم إني أمسيت عنه راضياً فارض عنه، رواه البزار عن شيخه عباد بن أحمد العرزمي وهو متروک. (مجمع الزوائد ۳۶۹/۹، مسند البزار، مکتبه العلوم والحکم ۱۲۲/۵، رقم: ۱۷۰۶)

سوال نامہ میں جن اکابر ومشائخ کا عمل ہاتھ نہ اٹھانے کے متعلق پیش کیا گیا ہے، وہ اپنی جگہ درست ہے مگران اکابر نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے جواز کا فتویٰ بھی صادر فرمایا ہے، ان کے عمل میں احتیاط کا پہلو ہے، کہ عوام میں قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا معمول اس طرح جاری نہ ہوجائے کہ استقبال قبلہ کو چھوڑ کر قبر کی طرف دعا مانگنے لگیں اسلئے ان اکابر نے عملی طور پر احتیاط کا راستہ اختیار کیا اور جب فتویٰ لکھنے اور مسئلہ بتانے کا موقع آیا تو حدیث کی روشنی میں مسئلہ بتایا، اور حدیث میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا جواز ثابت ہے چنانچہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن صاحبؒ کا فتویٰ ملاحظہ فرمایئے، دعا بغیر ہاتھ اٹھا ئے بھی کی جاسکتی ہے، اور ہاتھ اٹھا کر بھی۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۴۰۶، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۴۷ تا ۱۴۶) پر بھی یہ بات کہی گئی ہے، اور حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں اور مفتی کفایت اللہ صاحب نے کفایت المفتی میں دونوں طرح جائز لکھا ہے۔ (امداد الفتاویٰ زکریا ۱/۳۰۷، کفایت المفتی قدیم ۴/ ۴۸، جدید زکریا ۴/ ۶۰، جدید زکریا مطول ۵/ ۳۴۱)

لہٰذا اس مسئلہ کو اختلاف کا سبب نہ بنایا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۹۴/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۱۴ھ

دفن کرنے کے بعد اجتماعی طور پر جہری دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں پر عموماً لوگ قبرستان میں میت کو دفن کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں، اور کوئی عالم یا امام مسجد بآواز بلند دعا کراتے ہیں باقی سبھی حضرات آمین کہتے ہیں، ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا بالجہر کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو اسمیں کس درجہ کی کراہت ہے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بہتر ہے یا بنا ہاتھ اٹھائے سری دعا بہتر ہے یا جہری؟

المستفتي: عبد الجبار، اننت پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہاتھ اٹھا کر قبروں کی طرف رخ کر کے اجتماعی طور پر بالجہر دعا کرنا ثابت نہیں، البتہ اتنا ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ہے، لہٰذا اگر کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو قبر کی طرف پشت یا دائیں بائیں الگ ہو کر قبلہ کی طرف رخ کر کے جبکہ سامنے قبریں نہ ہوں ہاتھ اٹھا کر دعا کر سکتا ہے، تاکہ شبہ نہ ہو کہ اہل قبر سے مانگ رہا ہے، البتہ اجتماعی دعا کا التزام نہیں ہونا چاہئے کبھی کبھار ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (مستفاد: امداد الاحکام زکریا ۱/ ۳۱۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/ ۸۰، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۴۶، احسن الفتاویٰ زکریا ۴/ ۲۲۴)

قال ابن تيمية في اقتضاء الصراط المستقيم فإنه إنما يرخص فيما إذا سلم عليه ثم أراد الدعاء أن يدعو مستقبل القبلة أما مستدبر القبر أو منحرفاً عنه ولا يدعو مستقبل القبر. (بحواله امداد الأحكام ۱/ ۳۱۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ۵/ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۱۶۲)

دفن کے بعد کے اعمال

سوال: [۳۹۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) مٹی دینے کے بعد فوراً بعد التدفین حضور اکرم ﷺ کا عمل کیا تھا؟ اور آپ ﷺ نے بعد التدفین حضرات صحابہ کو کن کن اعمال کا حکم دیا تھا؟

(۲) بعد التدفین یہ اعلان کرنا کہ بھائیو ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اول درود شریف ایک بار سورۂ فاتحہ ایک بار، قل ہو اللہ گیارہ بار، پھر آخر میں درود شریف ایک بار پڑھکر یہ کہیں کہ یا اللہ جو قرآن ہم نے پڑھا ہے اس کا ثواب حضور اکرم ﷺ کی روح کو پہونچا کر اس میت کی روح کو اس کا ثواب پہونچا یہ طریقہ سنت رسول کے مطابق ہے؟

(۳) بعد التدفین مطلقاً بغیر سورۃ کی تعداد بتائے کچھ قرآن کریم سے پڑھ کر ایصال ثواب کرنا سنت رسول ہے یا خلفاء راشدین کا یہ معمول رہا ہے؟

(۴) کیا دعاء مغفرت اور ایصال ثواب میں کچھ فرق ہے؟

المستفتي: مسلمانان، شریف نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) دفن کرنے کے بعد کچھ دیر کے لئے قبر پر ٹھہرنا اور میت کے لئے دعاء مغفرت اور ثابت قدمی کی دعاء کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کیا ہے، اور صحابہ کرامؓ کو بھی حکم فرمایا ہے، جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے۔

عن عثمان بن عفانؓ قال كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسئل. (ابو داؤد شريف، الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت، النسخة الهندية ۲/۴۵۹، دار السلام رقم: ۳۲۲۱، السنن الكبرىٰ للبيهقى، الجنائز، باب مايقال بعد الدفن قديم ۴/۵۶، دار الفكر ۵/۴۰۳، رقم: ۷۱۶۳)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ بقرہ کا اول وآخر سے پڑھنے کا حکم منقول ہے:

عن عبد الله بن عمرؓ يقول: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره. (المعجم الكبير للطبرانى، دار احياء التراث العربي ۱۲/۳۴۰، رقم: ۱۳۶۱۳، شعب الإيمان للبيهقى، باب فى الصلاة، من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور، دار الكتب العلمية بيروت ۷/۱۶، رقم: ۹۲۹۴، مشكوٰة شريف/۱۴۹)

(۲) سوالنامہ میں ذکر کردہ طریقہ پر اول درود شریف ایک بار سورۂ فاتحہ ایک بار قل ھو

اللہ شریف گیارہ بار پھر آخر میں درود شریف ایک بار پڑھکر یہ کہنا کہ یا اللہ جو قرآن ہم نے پڑھا ہے اس کا ثواب حضور اکرم ﷺ کی روح کو پہونچا کر اس میت کی روح کو اس کا ثواب پہونچا یہ طریقہ قرآن وحدیث وفقہ سے ثابت نہیں ہے البتہ اس تعیین اور تخصیص کے ساتھ کسی خاص طریقہ کو صحیح سمجھ کر ثواب پہونچانے کی گنجائش ہے، اور اس میں مذکورہ تعیین وتخصیص کے ساتھ کسی خاص طریقہ کو صحیح قرار دینے کا ثبوت نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۷۷۳)

وفي شرح اللباب ويقرأ من القرآن ما تيسر لهٗ من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يٰسٓ وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص إلى قوله ثم يقول: اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة قبيل مطلب في قراءة الميت وأهداء ثوابها له كراچی ۲/۲۴۳، زکریا۳/ ۱۵۱)

(۳) بعد التدفین بغیر کسی تعیین عدد کے کوئی بھی سورۃ یا سورۃ کا جز پڑھکر میت کو ایصال ثواب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اس کا ثبوت حدیث شریف میں مذکورہ ہے کہ آپ ﷺ نے بعد التدفین سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

عن عبد الله عمر ؓ يقول: سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلىٰ قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره. (المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي ۱۲/ ۳٤٠، حديث ١٣٦١٣، مجمع الزوائد ٣/ ٤٤، مشكوٰة شريف /١٤٩)

(۴) دفن کے بعد دعائے مغفرت اور ایصال ثواب دونوں کا ثبوت ہے اور دعائے مغفرت حسب ذیل حدیث سے ثابت ہے۔

عن عثمان بن عفان قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم واسألوا له بالتثبيت فإنه الآن يسئل. (سنن أبي داؤد، الجنائز، باب الإستغفار عند القبر للميت، النسخة

الهندية ٢/٤٥٩، دار السلام رقم: ٣٢٢١)

اور ایصال ثواب حدیث کی روشنی میں فقہاء کی حسب ذیل عبارت سے ثابت ہے۔

وفي شرح اللباب ويقرأ من القرآن ما تيسر لهٗ من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يٰسٓ وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص إلى قوله ثم يقول : اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه إلى فلان أو إليهم . (شامي ،كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة قبيل مطلب في قراءة الميت وأهداء ثوابها له كراچی ٢/٢٤٣، زکریا٣/١٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۵/۶ھ

بعد دفن اجتماعی طور پر دعا کرنا

سوال: [۳۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سی جگہوں پر دیکھا گیا ہے کہ جب مردہ کو قبر میں دفن کرکے فارغ ہوتے ہیں، تو تمام حاضرین ہر چہار جانب سے قبر کو گھیر کر کھڑے ہوجاتے ہیں ،اور اجتماعی دعا امام صاحب کراتے ہیں، اور میت کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد انوار الحق قاسمی، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان کے اندر یا قبرستان کے باہر اجتماعی انداز سے دعا کا ثبوت نہیں ہے، البتہ انفرادی طور پر مطلقاً دعا کرنا ثابت ہے، اور دعاؤں میں بھی ہاتھ اٹھانے کی گنجائش ہے، لیکن بہتر شکل قبروں سے دوسری طرف رخ کرکے دعا کی جائے، قبروں کی طرف ہوکر دعا نہ کی جائے، تاکہ اشتباہ اور شکوک وشبہات سے حفاظت ہوجائے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۰۷، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۴۴)

وفی حدیث ابن مسعودؓ رأیت رسول اللہ ﷺ فی قبر عبد اللہ ذی النجادین : الحدیث وفیہ فلما فرغ من دفنہ استقبل القبلة رافعاً یدیہ أخرج أبو عوانة فی صحیحہ . (فتح الباری ، کتاب الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة بیروت قدیم ۱۱/ ۱۴۴، اشرفیہ ۱۱/۱۷۳، تحت رقم الحدیث ۶۳۴۳)

عن عثمان بن عفانؓ قال: کان النبی ﷺ إذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ ، فقال: استغفروا لأخیکم ، و اسألوا لہ بالتثبیت ، فإنہ الآن یسأل . (سنن أبي داؤد، الجنائز، باب الإستغفار، عند القبر للمیت ، النسخة الهندیة ۲/ ۴۵۹، دارالسلام رقم: ۳۲۲۱)

وجلوس ساعة بعد دفنہ لدعاء وقراءة بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمہٗ(قولہ جلوس الخ) لما فی سنن أبي داؤد کان النبی ﷺ إذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبرہ وقال : استغفروا لأخیکم واسئلوا اللہ لہ التثبیت فإنہ الآن یسأل الخ. (شامی ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیت کراچی ۲/ ۲۳۷، زکریا ۳/ ۱۴۳، حشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، دارالکتاب دیوبند/ ۶۱۶)

قال الطحطاوی إذا فرغوا من دفن المیت یستحب الجلوس (المکث) عند قبرہ بقدر ما ینحر جزور ویقسم لحمہ. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۶/ ۴۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۷/۳/ ۱۴۲۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۶۳)	۷/۳/ ۱۴۲۴ھ

دفنانے کے بعد قبر کی طرف متوجہ ہوکر سورہ بقرۃ کی آیات پڑھنا

سوال: [۳۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو

دفنانے کے بعد تمام آدمی جمع ہوکر قبر کیطرف متوجہ ہوکر کچھ پڑھتے ہیں، اسکے بعد قبلہ رخ ہوکر دعامانگتے ہیں؟ کیا یہ درست ہے؟

المستفتي: حافظ لقمان علی، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میت کو دفنانے کے بعد ایک آدمی کا سرہانے کھڑے ہوکر کے سورۂ بقرہ کی شروع کی آیتیں مفلحون تک اور دوسرے کا پائتانے کھڑے ہوکر سورۂ بقرہ کی اخیر کی دو آیتوں کا پڑھنا حدیث سے ثابت ہے۔

وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت كراچی ۲/۲۳۷، زکریا ۳/۱۴۳)

عن عبد الله بن عمرؓ سمعت النبی ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره. (شعب الإيمان، باب فی الصلاة علی من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور، دارالكتب العلمية بيروت ۷/۱۶، رقم: ۹۲۹٤، المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربي ۱۲/۳٤۰، رقم: ۱۳٦۱۳، مشکوٰة شريف/۱٤۹)

اور اس دوران دوسرے افراد بھی حسب سہولت قرآن کی دوسری آیتیں پڑھ کر میت کو ثواب پہونچادیں تو یہ بھی جائز اور درست ہے، لیکن دوسرے لوگوں کا اس قبر کی طرف متوجہ ہوکر پڑھنا ثابت نہیں ہے، کسی بھی طرف ہوکر کے پڑھ سکتے ہیں، اور بعد میں قبلہ رو ہو کر کے دعا کرنا جائز اور درست ہے بعض روایات سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ دفن کے بعد قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز اور درست ہے مگر اس میں بہتر یہ ہے کہ قبر سے رخ دوسری طرف موڑ کر دعا کی جائے تاکہ لوگوں کو شکوک وشبہات پیدا نہ ہوں۔

فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه . (فتح الباری، کتاب

الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة قديم ١١/ ١٤٤، اشرفيه ١١/ ١٧٣، تحت رقم الحديث ٦٣٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۲ھ

دفن کے بعد فاتحہ خوانی کرنا

سوال: [۳۹۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں کسی آدمی کو دفن کرنے گئے بعد دفن کے آواز لگائی جاتی ہے کہ فاتحہ پڑھ لو کچھ آدمی ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھتے ہیں، اب شرعی اعتبار سے ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

المستفتي: مقیم احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا یا دعا کرنا مباح ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ جس وقت قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھے یا دعا کرے تو اپنا رخ قبلہ کی جانب کرے یہی طریقہ سنت کے مطابق ہے، آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کی قبر کے قریب جا کر قبلہ رخ ہو کر ان کیلئے دعاء مغفرت فرمائی، اسلئے اگر قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ یا دعا کریں تو سنت طریقہ کو اپنائیں۔ (مستفاد: محمود یہ ۲/ ۳۹۴، ۴۰۶، کفایت المفتی قدیم ۴/ ۱۸۳، جدید زکریا مطول ۴/ ۱۹۴، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۲۴، امداد الفتاویٰ ۱/ ۷۳۰)

وفي حديث ابن مسعودؓ رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبد الله ذي النجادين: الحديث وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه أخرجه أبو عوانة في صحيحه. (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة

رافعاً یدیه قدیم ۱۱/۱٤٤، اشرفیه ۱۱/۱۷۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۲۳۳/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۵/۲۸ھ

قبر پر سورۂ بقرہ پڑھنے کا طریقہ

سوال: [۳۹۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں قبر کے مکمل ہونے کے بعد بعض بزرگ لوگ یہ کرتے ہیں کہ سرہانے کے پاس اپنے ہاتھ کی انگلی رکھ کر سورۂ بقرہ کی اول آخر آیتیں پڑھتے ہیں اس کے بعد پھر پیر کی طرف بھی یہی عمل کرتے ہیں، تو کیا ایسے عمل کی شریعت میں کوئی اصل ہے؟

المستفتی: محمد عثمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دفن کے بعد جب قبر مکمل ہو جائے تو میت کے سرہانے سورہ بقرۂ کا اول رکوع مفلحون تک اور پائنتی کی جانب سورۂ بقرہ کا آخری رکوع آمن الرسول سے آخر تک پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، اور یہ عمل مستحب ہے۔

عن عبد الله بن عمرؓ سمعت النبی ﷺ یقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة (أي إلىٰ المفلحون) وعند رجليه بخاتمة البقرة (أی آمن الرسول إلیٰ آخره). (رواه البيهقی فی شعب الإيمان، الحديث (مشكوة شريف /١٤٩، المعجم الكبير دار احياء التراث العربی ١٢/٣٤٠، رقم: ١٣٦١٣، شعب الإيمان للبيهقی، باب فی الصلاة من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور، دار الكتب العلمية بيروت ٧/١٦، رقم: ٩٢٩٤)

وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة

البقرة وخاتمتها. (شامی، کتاب الصلاة،باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت کراچی ۲/۲۳۷، زکریا۳/۱۴۳، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فی زیارة القبور، دارالکتاب دیوبند/۶۲۱، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/۴۲، ۲۱/۲۰، ۳۳/۶۲)

لیکن شہادت کی انگلی کا قبر پر ٹیکنا ثابت نہیں بعض کتابوں میں اسکو بزرگوں کا معمول لکھا ہے لیکن صرف بعض بزرگوں کا معمول ہونا حجت شرعی نہیں ہے، نیز الدرالمنتقی میں اس کو بدعت لکھا ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۵۲، جدید زکریا ۴/۶۴، ۶۵، جدید زکریا مطول ۵/۳۴۴، دارالعلوم ۵/۳۹۱)

ومن البدع وضع اليد على القبر. (الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة، الجنازة، قبيل باب الشهيد، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۷۷، قديم ۱/۱۸۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۴۳/۳۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۱ھ

بعد دفن جنازہ میں شریک ہونے والوں کے لئے کھانے کا اہتمام

سوال: [۳۹۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد مبارک کے والد کا انتقال ہوگیا اور کفن دفن میں شریک ہونے والے مہمانوں کیلئے محمد مبارک نے کھانے کا انتظام کیا تو آئے ہوئے مہمانوں کیلئے یہ کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دفن میں شرکت کرنیوالے سبھی لوگوں کا میت کے گھر کھانے کا اہتمام بے اصل ہے اس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ اہل میت اور ان کے بیرونی مہمان کھانا کھائیں تو اسمیں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت

المفتی قدیم۴/ ۱۰۷، جدید زکریا۴/ ۱۲۱،۱۲۲، جدید زکریا مطول۶/ ۵۳-۵۴)

ویکره اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة. (شامی، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت كراچی ۲/ ۲٤۰، ۳/ ۱٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۳/ ۱۴۲۵ھ

تدفین کے بعد کھانا کھانے کیلئے اعلان کرنا

سوال: [۳۹۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں مردے کو دفن کرنے کے بعد ایک آدمی اعلان کرتا ہے کہ تمام مہمان کھانا کھا کر جائیں، یہ اعلان کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد عقیل مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف سے ثابت ہے کہ میت کے گھر والے غم ورنج کی پریشانی میں مبتلا ہوتے ہیں، ان کو اپنا کھانا بنانے کا بھی موقع نہیں ہوتا ہے، اس لئے پڑوسیوں کیلئے مسنون ہے کہ میت کے گھر والوں کو کھانا پہونچا دیں، لہذا مقامی لوگ جو جنازہ میں شرکت کیلئے آتے ہیں، ان کو میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانا کھلانا خلاف شریعت اور خلاف سنت ہے، اور ان پر دباؤ ڈالنا ناجائز اور حرام ہے، ہاں البتہ میت کے باہر کے جو مہمان اعزاء یا متعلقین میں سے کوئی آئے تو ان کے کھانے کے لئے انتظام کرنا جائز ہے اور وہ انتظام بھی اگر پڑوسی کریں تو زیادہ بہتر ہے، لہذا تدفین کے بعد باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے کھانے کا اعلان کیا جاتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن مقامی لوگوں کو کھانے کیلئے اعلان کرنا مشروع نہیں ہے۔

عن عبد الله بن جعفر قال: لما جاء نعي جعفر حين قتل قال النبی ﷺ اصنعوا لآل جعفر طعاماً، فقد أتاهم أمر يشغلهم أو أتاهم ما يشغلهم.

(مسند أحمد بن حنبل ۱/۲۰۵، رقم: ۱۷۵۱)

عن عائشة زوج النبی ﷺ : أنها كانت إذا مات الميت من أهلها، فاجتمع لذلك النساء، ثم تفرقن إلا أهلها وخاصتها، أمرت ببيرمة من تلبينة فطبخت، ثم صنع ثريد فصبت التلبينة عليها، ثم قالت: كلن منها فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: التلبينة مجمة لفؤاد المريض تذهب ببعض الحزن. (صحيح البخاری، كتاب الأطعمة، باب التلبينة، النسخة الهندية ۲/۸۱۵، رقم: ۵۲۰۶، ف: ۵٤۱۷)

أما الطعام الذی يصنع للمأتم فإنه يجوز أن يصنعه لأهل الميت غيرهم، ويحمله إليهم ويأكل معهم فی اليوم الأول لأنهم مشغولون. (الفقه علی المذاهب الأربعة، كتاب الحظر والإباحة، الوليمة وقتها، دارالفكر۲/۳۳)

وباتخاذ طعام لهم قال فی الفتح ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلی الله عليه وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء هم ما يشغلهم ولأنه برومعروف ويلح عليهم فی الأكل لأن الحزن يمنعهم من ذلك فيضعفون .... ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة ....يكره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول و الثالث. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الثواب علی المصيبة كراچی ۲/۲٤۰، زكريا۳/۱٤۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۷ھ

۱۴ / باب إلقاء الأشجار والعطور على القبور

قبر میں بیر کی شاخ رکھنا

سوال: [۳۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیر کی شاخ قبر میں رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیر کی شاخ قبر میں رکھنا روافض کا شعار ہے، قرآن وحدیث اور فقہ سے اس کا ثبوت نہیں ہے، اس کا ترک کر دینا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۲۷۸، جدید زکریا/ ۲۵۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/ ۳۹۹، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۰۴)

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم. (سنن ابوداؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء فى لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، سنن سعبد بن منصور، كتاب الجهاد، باب من قال الجهاد ماض، دارالكتب العليمة بيروت ۲/ ۱۴۳، رقم: ۲۳۷۰، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۵۱، رقم: ۵۱۱۴، ۵۱۱۵، ۵۶۶۷، المصنف لابن أبى شيبة، كتاب فضل الجهاد، مؤسسه علوم القرآن بيروت ۱۰/ ۲۷۲، رقم: ۱۹۷۴۷، ۱۹۷۸۳، ۱۷/ ۵۲۴، رقم: ۳۳۶۸۷)

ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة. (هنديه، الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ۱/ ۱۶۶ جديد ۱/ ۲۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۲۸)

دفناتے وقت تختوں پر بیر کی ٹہنی ڈالنا

سوال: [۳۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں عام دستور ہے کہ میت کو دفناتے وقت تختوں پر بیری کی ٹہنی ڈالا کرتے ہیں، سائل معلوم کرنا چاہتا ہے کہ یہ عمل کس درجہ کا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتي: قمر الدین، کھیڑا ٹانڈہ، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبر کے صندوق کے اوپر تختہ رکھنے کے بعد مٹی ڈالنے سے پہلے اسکے اوپر بیری کی شاخ رکھنا شریعت سے ثابت نہیں ہے، فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ محمودیہ میں اس کو روافض کا شعار اور بدعت لکھا ہے اس لئے اس سے احتراز لازم ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۱۰۴، فتاویٰ رشیدیہ جدید زکریا/ ۲۵۸، ایضاح المسائل/۷۶)

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم.

(سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، مسند احمدبن جنبل ۲/ ۵۱، رقم: ۵۱۱۴، ۵۱۱۵، ۵۶۶۷)

ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة. (هنديه، الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ۱/ ۱۶۶، جديد ۱/ ۲۲۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۶۹)

قبر کی نشاندہی کیلئے قبر پر پودا لگانا

سوال: [۳۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا

انتقال ہوا اس کو کفنانے کے بعد نعش کو قبر میں اتار دیا گیا پھر اس کو بانس یا تختہ سے پاٹ دیا گیا اب اس پر بیری کی ٹہنی ڈالنا پھر مٹی دینا یا مٹی ڈالکر بیری کی ٹہنی ڈالنا کیسا ہے؟ کیا ہم اس عمل کو کر سکتے ہیں اگر نہیں تو کیوں نیز قبر کی نشاندہی کیلئے کوئی چیز گاڑ دینا قبرستان میں درخت یا ٹہنی کے قبیل سے بطور علامت کے شریعت میں یہ عمل کیسا ہے؟

المستفتي: محمد انوار الحق، دربھنگوی،
مدرسہ شاہی، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر میں تختے کے اوپر مٹی ڈالنے سے پہلے بیری کی شاخ رکھنا کہیں سے ثابت نہیں ہے، حضرت گنگوہیؒ نے روافض کا عمل لکھا ہے، اسلئے اس کو ترک کر دینا لازم اور ضروری ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۶۷، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۳۰۵، ۱۳/۴۴۵، جدید ڈابھیل ۹/۱۰۴، ۱۰۵، فتاویٰ رشیدیہ قدیم/ ۲۷۸، جدید زکریا/ ۲۵۸)

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من تشبه بقوم فهو منهم.

(سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، النسخة الهندية ۲/ ۵۵۹، دارالسلام رقم: ۴۰۳۱، مسند احمدبن جنبل ۲/ ۵۱، رقم: ۵۱۱۴، ۵۱۱۵، ۵۶۶۷)

ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة. (هنديه، الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ۱/ ۱۶۶، جديد ۱/ ۲۲۸)

ہاں البتہ مٹی ڈالنے کے بعد قبر کے اوپر بطور علامت اور نشانی کے کوئی چیز رکھدی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔

عن المطلب قال: لما مات عثمان بن مظعون أخرج بجنازته فدفن فأمر النبي ﷺ رجلا أن ياتيه بحجر فلم يستطع حمله، فقام إليها رسول الله ﷺ وحسر عن ذراعيه - إلى - ثم حملها فوضعها عند رأسه وقال: أتعلم بها قبر أخي وأدفن إليه من مات من أهلي. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب

في جمع الموتی فی قبر والقبر یعلم ، النسخة الهندیة ٢/٤٥٧، دارالسلام رقم: ٣٢٠٦)

ویتقوی بما أخرجه أبوداؤد بإسناد جیدأن رسول الله ﷺ حمل حجراً فوضعها عندرأس عثمان بن مظعون وقال: أتعلم بها قبرأخي الخ. (درمختار، کتاب الصلاۃ ، باب صلوٰۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت زکریا٣/١٤٤،کراچی ٢/٢٣٨)

وفی الظهیریة : ولو وضع علیه شیئی من الأشجار أو کتب علیه شیئی فلا بأس به عند البعض . (البحرالرائق ، کتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته کوئٹه ٢/١٩٤، زکریا٢/ ٣٤٠، ٣٤١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ربیع الاول ١٤١٨ھ
(الف فتویٰ نمبر:٣٣/٥٢٠٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤١٨/٣/١ھ

قبر پر شاخ گاڑنا

سوال: [٣٩٧٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے منی پور کے علاقہ میں یہ معاملہ رائج ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر لکڑی کی شاخ گاڑ دی جاتی ہے تو گاڑنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مولانا محمد سالم صاحب کہتے ہیں کہ قبر پر لکڑی کی شاخ گاڑنا جائز ہے، دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جو دو قبروں پر عذاب ہورہا تھا، کھجور کی ایک شاخ کے دوٹکڑے کرکے گاڑ دیا تھا، اسلئے ہم بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور اس بارے میں حضرت مولانا عبدالسلام صاحب فرماتے ہیں کہ دفن کے بعد لکڑی کی کوئی شاخ گاڑنا جائز نہیں ہے، یہ مخصوص تھا نبی کریم ﷺ کیساتھ، اور مسئلہ مذکورہ ہی کے بارے میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کا جواز صحابہؓ سے بھی ملتا ہے۔

(فتاویٰ شامی وعالمگیری) اور اس کو ضروری قرار دیتے ہیں، تاکہ عذاب قبر سے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے صاحب قبر کونجات ملے، اوراس بارے میں حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نے دلیل یہ دی ہے کہ احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے کہ دفن کرنے کے بعد لکڑی کی شاخ گاڑنا یا پھول ڈالنا ناجائز اور بدعت ہے، تواس پر حضرت مولانا محمد سالم صاحب کہتے ہیں کہ احسن الفتاویٰ میں جو بدعت اور ناجائز لکھا ہے اس کو ہم نہیں مانتے، اسلئے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے؟

المستفتي: عبدالسلام، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک سے اتنا ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دوقبروں پر کہ جن قبر والوں کو عذاب ہورہا تھا، جس کا علم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی ہو چکا تھا، کھجور کی شاخ کے دو حصے کر کے ایک اس پر اور اس پر لگادی تھی ، اور یہ فرمایا تھا کہ امید ہے جب تک یہ شاخیں نہ سوکھیں گی اس وقت تک ان دونوں سے عذاب خفیف ہوجائے گا، اب اس میں علماء امت کا اختلاف ہے کہ یہ امر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ مخصوص تھا اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت تھی، یا اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر قیاس کر کے کوئی شاخ لگادی جائے تو عذاب میں تخفیف ہوگی ، چنانچہ شاخ گاڑنے کا استحباب متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ بعض اکابر نے اس سے منع فرمایا ہے اور علماء احناف کے اقوال اس سلسلہ میں متردد ہیں، اب رہا یہ امر کہ قبر پر شاخ گاڑنا جائز ہے یانہیں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو سمجھنے کیلئے حضرات صحابہؓ کا تعامل دیکھنا لازم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے سوائے حضرت بریدۃ بن حصیبؓ کے کسی صحابی سے یہ چیز منقول نہیں ہے، کہ کسی صحابی نے اپنی قبر پر شاخ گاڑنے کی وصیت کی ہو یا دوسرے کی قبر پر شاخ گاڑنے کو اپنا معمول بنالیا ہو، یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے جو کہ حدیث مذکور کے راوی ہیں یہ منقول نہیں کہ انھوں نے تخفیف عذاب کیلئے یہ طریقہ اختیار کیا ہو اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوجاتی ہے، کہ یہ عمل اگرچہ

جائز ہے لیکن سنت جاریہ اور عادت مستقلہ بنانے کی چیز نہیں ہے، اور اس کا التزام واہتمام تعامل صحابہؓ کو دیکھتے ہوئے بلا شبہ بدعت شمار ہوگا، البتہ اگر اتفاقاً کوئی کسی قبر پر گاڑ بھی دیتا ہے، تو اس پر نکیر کی ضرورت نہیں ہے جبکہ مستقل ہر قبر پر نہ گاڑا جاتا ہو۔

فالحق أن يعطى كل شيئ حقه ولا يجاوز عن حده وهو الفقه فى الدين: اور احسن الفتاویٰ کی عبارت پر غور کیا جائے تو اس میں تعامل صحابہؓ کو دلیل بنا کر صرف التزام اور اہتمام کو بدعت کہا ہے، مطلقاً بدعت نہیں کہا ہے، اب عربی عبارتیں ملاحظہ ہوں: (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/ ۱۸۵)

ومن الحديث ندب وضع ذلک للاتباع ويقاس عليه ما اعتيد فى زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه وصرح بذلک أيضاً جماعة من الشافعية وهذا أولىٰ مماقاله بعض المالكية من أن التخفيف عن القبرين إنما حصل ببركة يده الشريفة أو دعائه لهما فلا يقاس عليه غيره الخ.

(درمختار مع الشامی، باب الجنائز، مطلب فى وضع الجريد ونحو الآس على القبور كراچی ۲/ ۲۴۵، زكريا ۳/ ۱۵۵)

وفى المرقاة قال النووى أما وضعهما على القبر فقيل إنه عليه الصلوٰة والسلام سأل الشفاعة لهما فأجيب بالتخفيف إلى أن ييبسا وقد ذكر مسلم فى آخر الكتاب فى حديث جابر أن صاحبى القبرين أجيبت شفاعتى فيهما أى برفع ذلک عنهما ما دام القضيبان رطبين وقيل: إنه كان يدعو لهما فى تلک المدة، وقيل: لأنهما يسبحان ماداما رطبين (إلى أن قال) قد ذكر البخارى أن بريدة بن الحصيب الصحابى أوصىٰ أن يجعل فى قبره جريدتان فكأنه تبرک بفعل مثل رسول الله ﷺ وقد أنكر الخطابى ما يفعله الناس على القبور من الأخواص ونحوها بهذا الحديث وقال لاأصل له. (

مرقاة كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء، مسئلة وضع الريحان وجرائد النخل على القبر،

امدادیه ملتانی ۱/۱۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۵۸)

قبر پر شاخ گاڑنا

سوال: [۷۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں پر شاخ ڈالنے سے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے کہ ہمارے یہاں اس کا عام رواج ہے، اوران کا استدلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کیا ہے اب جو حضرات اس کام سے گریز کرتے ہیں تو ان پر طرح طرح سے طعن وتشنیع کرتے ہیں وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: عبداللہ، کیبونگ، تھوپال، منی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن دوقبروں پر شاخ گاڑدی تھی، آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ ان دونوں قبروں میں عذاب ہورہا ہے، تو آپ ﷺ نے کھجور کی ایک شاخ کو دوحصہ کرکے ایک ایک حصہ ایک ایک قبر پر گاڑکر رفع عذاب کیلئے دعا فرمائی اس سے عذاب ٹل گیا یہ چیز صرف حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی کسی کو یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ کس قبر میں عذاب ہورہا ہے وحی کے ذریعہ سے حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی بھی انسان کو معلوم نہیں ہوسکتا پھر اس کے بعد آپ ﷺ کی زندگی میں بے شمار صحابہ دنیا سے وفات پاگئے مگر کسی کی بھی قبر پر آپ ﷺ نے شاخ نہیں گاڑی ہے، اور آپ ﷺ کے بعد صرف حضرت بریدہؓ نے اپنی قبر میں شاخ گاڑنے کی فرمائش کی تھی، ان کے علاوہ خلفاء راشدین اور بڑے بڑے صحابہؓ دنیا سے گذر گئے مگر کسی نے اپنی قبر میں کسی

طرح کی شاخ گاڑنے کی وصیت نہیں کی، اور نہ ہی کسی کی قبر میں شاخ گاڑی گئی ہے، اور صحابہ کے بعد ائمہ مجتہدین تابعین تبع تابعین ہزاروں کی تعداد میں دنیا سے رخصت ہوئے مگر کسی کی قبر پر شاخ نہیں گاڑی گئی، لہٰذا شاخ نہ گاڑنا زیادہ بہتر ہے، اور اگر کسی کی قبر میں اتفاقاً گاڑ دی جائے تو اس پر سختی کیساتھ نکیر کی ضرورت نہیں ہے، ہاں البتہ کسی علاقہ میں اگر شاخ گاڑنا لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے تو وہاں پر شاخ نہ گاڑنے کا سلسلہ جاری ہوجانا چاہئے، تاکہ لوگوں کے دلوں سے غیر لازم چیز کے لازم ہونے کا عقیدہ ختم ہوجائے۔

وقد استنكر الخطابى ومن تبعه وضع الناس الجريد ونحوه فى القبر عملاًبهذا الحديث قال الطرطوشى لأن ذلك خاص ببركة يده، وقال القاضى عياض لأنه علل غرزهما على القبر بأمر مغيب وهو قولهٗ ليعذبان قلت لايلزم من كوننا لا نعلم أيعذب أم لا أن لا نتسبب لهٗ فى أمر يخفف عنه العذاب أن لو عذب كما لا يمنع كوننا لا ندرى أرحم أم لا أن لا ندعو لهٗ بالرحمة وليس فى السياق ما يقطع على أنه باشر الوضع بيده الكريمة .

(فتح البارى، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله دارالريان للتراث ۱/ ۳۸۳، اشرفيه ۱/ ۳۲۰، رقم: ۲۱٦)

القول بالخصوصية هو الصواب لأن الرسول عليه الصلوٰة والسلام لم يغرز الجريدة إلا على قبور علم تعذيب أهلها ولم يفعل ذلك...... ولوكان مشروعا لبادروا إليه وأما مافعله بريدة فهواجتهاد منه والاجتهاد يخطىء ويصيب والصواب من ترك ذلك . (حاشية فتح القدير ۳/ ۲۲۳، حديث/ ۱۳٦۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ر صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۹۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۲/ ۱۴۲۴ھ

قبر پر پھول یا ہری پتی گھاس وغیرہ ڈالنا

سوال: [۳۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں کی قبر پر پھول ڈالنا یا کسی بھی طرح کی ہری گھاس یا ہری پتیاں ڈالنا یا چھوٹی گھاس اور چھوٹے پودے لگانا کیسا ہے؟

المستفتي: دلشاد حسین انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلمانوں کی قبروں پر پھول ڈالنا یا کسی بھی طرح کی ہری گھاس یا ہری پتیاں ڈالنا یا چھوٹی گھاس اور چھوٹے پودے لگانا حضور اکرم ﷺ خلفائے راشدین، جمہور صحابہ، ائمہ مجتہدین اور سلف وخلف میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے، اس لئے مسلمانوں کو ان چیزوں سے گریز کرنا چاہئے، البتہ ایک حدیث شریف میں اس بات کا ذکر ہے کہ دو قبروں پر عذاب ہورہا تھا حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی کے ذریعہ اس کا علم ہوا آپ ﷺ نے کھجور کی کچی شاخ کو دو حصہ میں کرکے ایک ایک حصہ ان دونوں قبروں پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخیں ہری اور کچی رہیں گی عذاب میں تخفیف ہوجائیگی یہ آپ ﷺ کی خصوصیت اور دست مبارک کی برکت تھی اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی قبر پر نہ کوئی شاخ گاڑی ہے اور نہ ہی کوئی پیڑ پودے لگائے ہیں، پھر آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور تمام صحابہ کے دور میں صرف حضرت بریدہؓ کے علاوہ باقی کسی نے بھی اپنی قبر پر یا دوسروں کی قبروں پر شاخ نہیں گڑوائی ہے، لہٰذا کوئی شخص کسی کی قبر پر ہری ٹہنی گاڑ دیتا ہے تو اس پر کوئی نکیر کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ حضرت بریدہؓ نے گڑوائی ہے، اور اگر کسی کی قبر پر ٹہنی نہ گاڑی جائے تو اس پر بھی کوئی ترغیب کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ حضرت بریدہؓ کے علاوہ کسی بھی صحابیؓ یا ائمۂ مجتہدین میں سے کسی نے ٹہنی نہیں گڑوائی ہے۔

وذكر أثر بريرةؓ وهو يؤذن بمشروعيتها ثم أثر ابن عمر المشعر بأنه

لاتأثیر لما یوضع علی القبر بل التأثیر للعمل الصالح. (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب الجریدة علی القبر الخ، دارالریان للتراث العربي بیروت ۳/۲٦٥، اشرفیه دیو بند۳/۲۸۷، الرقم ۱۳٦۱)

وضع الناس الجرید ونحوه فی القبر عملاً بهذا الحدیث...... قال الطرطوشی لأن ذلک خاص ببرکة یده . (اعلاء السنن، کتاب الجنائز،باب استحباب غرز الجریدة الرطبة علی القبر، دارالکتب العلمیة بیروت۸/ ۳۳۱، کراچی۸/۲۸۹، معارف السنن، کتاب الطهارة، باب التشدید فی البول اشرفیه دیو بند۱/۲٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۴؍جمادی الاولیٰ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/۳/۱۰۰۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۵/۱۴۳۱ھ

قبر پر کتنی شاخیں گاڑیں

سوال: [۳۹۷۹]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر پر شاخ گاڑنا جائز ہے یانہیں، اگر جائز ہے تو ایک دو یا چار شاخ گاڑنا ضروری ہےاور چاروں شاخوں کو چار آدمی گاڑ دیتے ہیں،اورچاروں قل پڑھتے ہیں، ان کا یہ عمل کیسا ہے؟

المستفتي: محمد شعیب، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبر پر شاخ گاڑنے کو لازم نہ سمجھا جائے کبھی شاخ گاڑ دیجائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور اگر کسی قبر پر شاخ نہ گاڑی جائے تو اس پر اعتراض کا بھی حق نہیں ہے۔

ومن الحدیث ندب وضع ذلک للاتباع ویقاس علیه ما اعتید فی

زمانـنا مـن وضـع أغـصـان الآس ونـحوه وصرح بذلك أيضاً جماعة من الشـافـعية وهـذا أولىٰ مـماقاله بعض المالكية من أن التخفيف عن القبر ين إنـمـا حـصـل ببـركة يـده الشـريفة أو دعائه لهما فلا يقاس عليه غيره الخ.

(درمختارمع الشامی ، باب الجنائز، مطلب فی وضع الجريد ونحو الآس على القبور کراچی ۲/ ۲٤٥، زکریا۳/ ۱٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رمحرم ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۲ھ

قبر پر درخت لگانا

سوال: [۳۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی قبر پر بطور نشانی درخت لگانا کیسا ہے؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، شہباز پور، کلاں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کو علما بہتر نہیں سمجھتے ہیں، اور جس حدیث شریف میں حضور ﷺ کا شاخ گاڑنا ثابت ہے وہ حضور ﷺ کے ہاتھ کی برکت اور حضور ﷺ کیساتھ خاص ہے، اسلئے اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۷۴)

وقـد استنكر الخطابي ومن تبعه وضع الناس الجريد ونحوه فى القبر عـملاًبهـذا الـحديـث قـال الطرطوشي لأن ذلك خاص ببركة يده، وقال الـقـاضـى عياض لأنه علل غرزهما على القبر بأمر مغيب وهو قولهٗ ليعذبان قـلـت لايـلـزم مـن كوننا لا نعلم أيعذب أم لا أن لا نتسبب لهٗ فى أمر يخفف عـنـه العذاب أن لو عذب كما لا يمنع كوننا لا ندرى أرحم أم لا أن لا ندعو لـهٗ بالرحمة وليس فى السياق ما يقطع على أنه باشر الوضع بيده الكريمة .

(فتح الباری ، کتاب الوضوء ، باب من الکبائر أن لا یستتر من بوله، دارالریان للتراث بیروت ۳۸۳/۱، اشرفیه دیوبند ۳۲۰/۱)

وضع الناس الجرید ونحوه فی القبر عملاً بهذا الحدیث قال الطرطوشی لأن ذلک خاص ببرکة یده . (اعلاء السنن ، کتاب الجنائز،باب استحباب غرز الجریدة الرطبة علی القبر ، دارالکتب العلمیة بیروت۸/۱۳۳۱، کراچی۸/۲۸۹، معارف السنن ، کتاب الطهارة ، باب التشدید فی البول اشرفیه دیوبند ۱/۲۶۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۱۱)

کیا علمائے دیوبند قبروں پر شاخ گاڑنے کو منع کرتے ہیں

سوال: [۳۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں پر ٹہنی گاڑنا عالمگیری وطحطاوی میں جائز لکھا ہے، پھر علمائے دیوبند کیوں منع کرتے ہیں؟

المستفتي: محمد حسیب، سمرہن، فرخ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کے اوپر ٹہنی گاڑنے کو علمائے دیوبند منع نہیں کرتے بلکہ اس کو ضروری سمجھنے سے منع کرتے ہیں جو کسی کتاب سے ثابت نہیں ہے۔

قال الطیبی : وفیه من أصر علیٰ أمر مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف من أصر علیٰ بدعة أو منکر. (مرقاة ، کتاب الصلوٰة، باب الدعاء في التشدید ، امدادیه ملتان ۳۰۳/۲، شرح الطیبی ، کتاب الصلوٰة ، باب الدعاء فی التشهد تحت رقم الحدیث ۹۴۶/۶، إدارة القرآن

والعلوم الإسلامية كراچى ٢/ ٣٧٤)

فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروها. (سباحة الفكر في الجهر بالذكر، الباب الأول، تحت الثاني والاربعون /٣٤، مجموعه رسائل اللكنوى ٣/ ٤٩٠، بحواله محموديه ڈابھیل ٣/ ٢٦٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ رشوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۸۴)

بعد دفن قبر پر اگربتی جلانا گلاب کا پھول چھڑکنا

سوال: [۳۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اعلان کر کے کہتے ہیں کہ فاتحہ پڑھ دیجئے، اس میں سب لوگ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں نیز قبر پر اگربتی جلاتے ہیں، گلاب کا پھول چھڑکتے ہیں، آیا یہ مسئلہ کس حد تک صحیح ہے، قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ہمارے امام صاحب کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: سیرت حسین انصاری، مہتمم
مدرسہ ترتیل القرآن مانپور، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: میت کو دفن کرنے کے بعد دعا واستغفار کرنا مستحسن ہے شریعت مطہرہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے، البتہ اجتماعی دعا کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، بہتر یہ ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کرے، اور اگر ہاتھ اٹھانا ہو تو قبر کی طرف پشت کرے اور قبلہ کی طرف رخ کرے، پھر دعا کرے، ایسا کرنا حدیث سے ثابت ہے۔

عن عبد الله بن مسعودؓ أنه قال لكأني أرى رسول الله ﷺ في غزوة تبوك وهو في قبر عبد الله ذي النجادين: إلىٰ قوله – فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه يقول : اللّٰهم إني أمسيت راضيا فارض عنه . (اسد الغابه ٤/ ١٢٤)

وفي حديث ابن مسعودؓ رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبد الله ذي النجادين : الحديث وفيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه أخرج أبو عوانة في صحيحه الخ . (فتح الباری ، کتاب الدعوات ، باب الدعاء مستقبل القبلة زکریا ١١/ ١٧٣، قدیم بیروت ١١/ ١٤٤، تحت رقم الحدیث /٦٣٤٣)

وعن عبد الله يعني ابن مسعودؓ قال لكأني أسمع رسول الله ﷺ في غزوة تبوك وهو في قبر عبد الله ذي النجادين: (إلىٰ قوله) فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة ، فقال : اللّٰهم إني أمسيت راضيا فارض عنه .

(مجمع الزوائد ج ٩/ ٣٦٩)

نیز قبر پر اگربتی جلانا اور پھول چھڑکنے کی رسم بدعت ہے، حضور ﷺ سے لیکر دور صحابہ اور اکابر علماء تک کہیں بھی اس کا ثبوت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ١٦/ ٤٦٣)

عن ابن عباس قال: لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج . (ابوداؤد شریف، کتاب الجنائز، باب فی زیارة النساء القبور، النسخة الهندية ٢/ ٤٦١، دارالسلام رقم: ٣٢٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٣/ ربیع الاول ١٤٢٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٢٩٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٣/ ٣/ ١٤٢٥ھ

۱۵/ باب البناء علی القبور

کن لوگوں کی قبروں پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے؟

سوال: [۳۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا قبر کے اوپر سر ہانے کی طرف اللہ، محمد اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ٹائلیں اور مردے کے نام کا پتھر لگانا جائز ہے؟

المستفتي: ارشاد علی ولد عباس علی،
محلّہ گذری چھتہ جے پی نگر، امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبر پر کتبہ لگانا ان بڑے آدمیوں کیلئے گنجائش ہے جو ملکی یا عالمی سطح پر دینی خدمات کرنے والے عالم دین وبزرگ ہوں، باقی اور کسی کیلئے مشروع نہیں ہے، نیز ان کے کتبہ پر بھی اللہ محمد اور "**لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ**" کی ٹائلیں لگانا قطعاً جائز نہیں ہے، ہاں البتہ ان کے نام اس پر لکھے جا سکتے ہیں۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۶۷)

لا بأس بالكتابة إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن (درمختار) وفى الشامية يكره كتابة شيءٍ عليه من القرآن أو الشعر أو إطراء مدح له ونحوذلک الخ. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا۳/۱۴۴، ۱۴۵، كراچی ۲/۲۳۷، ۲۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ر رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۸۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۷/۱۴۲۱ھ

قبر پر کتبہ لگانا کیسا ہے؟

سوال: [۳۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے والد صاحب جناب ڈاکٹر مرغوب الٰہی صاحبؒ کا انتقال ہوگیا وہ ایک بہت ہی مشہور بزرگ تھے، میں ان کے قبر پر ایک پتھر تاریخ وفات کا لگانا چاہتا ہوں، جس سے قبر کی پہچان ہوسکے ان کی تاریخ وفات ۲۲/اپریل بروز پیر ہے تو قبر پر پتھر لگانا شرعاً منع تو نہیں ہے؟ اگر کوئی بھی گنجائش ہوتو تاریخ وفات کا پتھر لگانے کی اجازت دی جائے۔

المستفتي: مرغوب دواخانہ، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدیث پاک میں قبروں پر کتبہ لگانے کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح حضرات فقہاء نے بھی اسکی ممانعت نقل فرمائی ہے۔

عن جابرؓ قال نهي رسول الله ﷺ أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها وأن توطأ . (ترمذی ، الجنائز، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور ، والكتابة عليها، النسخة الهندية ۱/۲۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۲ ، مشکوٰۃ /۱۴۹، المعجم الأوسط ۸/۳۴۱، حديث : ۷۶۹۵)

وكره أبو يوسفؒ الكتابة عليه ذكره الكرخيؒ لما روى عن جابر بن عبد الله عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا تجصصوا القبور ولا تبنوا عليها ولا تقعدوا ولا تكتبوا عليهالأن ذلک من باب الزينة ولا حاجة بالميت إليها ولأنه تضييع المال بلا فائدة فكان مكروها. (بدائع الصنائع ، قبيل فصل في أحكام الشهيد كراچی ۱/۳۲۰، زكريا۲/۶۵، كبيری ، فصل فی الجنائز، اشرفيه ديوبند /۵۹۹، هنديه ، الباب الحادی والعشرون ، الفصل السادس فی القبر والدفن زكريا ۱/۱۶۶)

لیکن اگر اتنی بڑی شخصیت ہے کہ ان سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کرنے والے

اندرون ملک اور بیرون ملک میں ان کے تلامذہ یا مریدین ہیں، جو وقتاً فوقتاً دور دراز سے اندورن ملک اور بیرون ملک سے ان کی قبر کی زیادت کیلئے آسکتے ہیں جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت شیخؒ، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نوراللہ مرقدہم کی شخصیات ہیں، تو اتنے بڑے عالم دین اور شہرۂ آفاق بزرگ ہوں، تو ان کی پہچان کیلئے کتبہ لگانے کی گنجائش ہے، جیسا کہ فتاویٰ شامی وغیرہ کی عبارات سے یہی واضح ہوتا ہے، لیکن آپ کے والد اپنی جگہ ایک بڑے بزرگ ضرور تھے مگر ملک بھر میں پھیلے ہوئے کثیر تعداد میں ان کے تلامذہ و مریدین نہیں تھے، اسلئے ان کی قبر پر کتبہ لگانے اور پتھر لگانے کی گنجائش نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۱۴/۷۵۱)

قبروں پر نام وتاریخ وفات کا کتبہ لگانا

سوال: [۳۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنے عزیز واقارب کی قبر کے سرہانے پہچان اور یادداشت کیلئے نام اور تاریخ وفات پتھر پر کندہ کرا کے لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: کمیٹی قبرستان، احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہر قسم کے عزیز واقارب کی قبروں پر کتبہ لگانا ممنوع ہے البتہ اگر ایسی شہرۂ آفاق شخصیت ہے کہ جن کے علم وفضل کا فیض امت کیلئے عام ہو تو ان کی قبر کی زیارت کیلئے چونکہ دور دراز سے اجنبی لوگ بھی آیا کریں گے، جن کو قبر کا علم نہ ہوگا، تو ضرورۃً ایسے شہرۂ آفاق لوگوں کی قبر پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے۔

وقيل لايكره البناء إذا كانت الميت من المشائخ والعلماء والسادات إلى قوله لا بأس بالكتابة إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن . (درمختار ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، زكريا٣/١٤٤، ١٤٥، كراچی ٢/٢٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۱۰/۱۴۲۵ھ

قبر کی چاروں جانب پختہ عمارت تعمیر کرنا

سوال: [۳۹۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کی قبر کے چاروں جانب پتھر پختہ دیوار کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، بعض کہتے ہیں کہ احاطہ کرنا جائز ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ جائز نہیں ہے، سو آپ اس مسئلہ کو واضح فرمادیں۔ عین نوازش ہوگی

المستفتي: محمد شعیب، آسام

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبر کی چاروں جانب پختہ دیوار بنانا جائز نہیں ہے، اور جو لوگ ناجائز کہتے ہیں وہ حق پر ہیں۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه . (صحيح مسلم ، الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ١/ ٣١٢، بيت الأفكار رقم: ٩٧٠، مصنف عبد الرزاق ، الجنائز، باب الجدث والبنيان ، المجلس العلمى ٣/ ٥٠٤، رقم ٦٤٨٨)

يحرم البناء عليه للزينة ويكره لو للإحكام بعد الدفن الخ. (شامی کتاب

الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ زکریا ۳/ ۱٤٤، کراچی ۲/ ۲۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۲۹۹)

قبر پر عمارت بنانا

سوال: [۳۹۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا اوپر سے قبر کی چہار دیواری دو چار فٹ کی بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یہاں پر قبرستان کمیٹی مشورہ اور غور کررہی ہے کہ قبروں پر اس قسم کے پتھروں اور چہار دیواریوں کو صاف کر کے پلین کردیا جائے، کیا کمیٹی کا یہ اقدام درست ہے، اس میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: منجانب: کمیٹی احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صرف قبر کے چاروں طرف چہار دیواری بنانا ممنوع ہے البتہ قبرستان کے چاروں طرف چہار دیواری بنانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

عن جابر رضی قال: نهى رسول الله ﷺ أن يجصص القبر، وأن يقعد عليه، وأن يبنى عليه. (صحيح مسلم، الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، بيت الأفكار رقم: ۹۷۰)

ولا يرفع عليه بناء أي يحرم لو للزينة. (در مختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة زكريا ۳/ ۱٤٤، كراچی ۲/ ۲۳۷)

جن قبروں کی چہار دیواری اور کتبہ ختم کرنے کا پروگرام ہے، اگر وہ شہرۂ آفاق مشائخ اور علماء میں سے نہیں ہیں تو قبرستان کمیٹی کے مشورہ سے اس شرط کے ساتھ ختم کردینا درست ہے کہ ان چہار دیوری اور کتبہ کے ختم کردینے کی وجہ سے کسی قسم کا فتنہ اور اختلاف سامنے نہ

آ ئے ''الفتنة أشد من القتل''۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ؍شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۷۹)

قبروں پر کتبہ وغیرہ لگانا

سوال: [۳۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں پر کتبہ وغیرہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟ کتبہ لگانے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: افتخار احمد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عام لوگوں کی قبروں پر کتبہ لگانا مشروع نہیں ہے، البتہ اگر کوئی اتنے بڑے اکابر ومشائخ میں سے ہوں جن کے متعلقین اندرون ملک اور بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہوں اور دور دراز سے آنے والے لوگ ان کی زیارت کے خواہش مند ہوں تو بطور پہچان کے اتنے بڑے عالم اور بزرگ کی قبر پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۹۹)

عن جابرؓ قال نهى رسول الله ﷺ أن تجصص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها ، وأن تؤطأ . (ترمذی شریف، الجنائز، باب ماجاء في كراهة تجصيص القبور و الكتابة عليها ، الهسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۲، مشکوٰۃ شریف ۱/ ۱۲۸)

لا بأس بالكتابة إن احتيج إليها حتى لا يذهب الأثر ولا يمتهن ، وفى الشامية: فإن الكتابة طريق إلى تعرف القبر بها . (شامی ، كتاب الصلاة، باب صلاة، الجنازة كراچی ۲/ ۲۳۷، ۲۳۸، زكريا ۳/ ۱۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ؍رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶ ؍۷ ؍۱۴۲۳ھ

۱۶/ باب الحداد والتعزية

موت ہو جانے کی وجہ سے کھانا نہ پکانا

سوال: [۳۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کے یہاں کوئی مرجائے تو اس کے پورے خاندان میں کھانا نہیں پکایا جاتا، یہاں تک کہ گھر میں چولھا تک نہیں جلتا شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی کے یہاں میت ہو جانے کی وجہ سے اہل خانہ رنج وغم میں نڈھال رہتے ہیں اور میت کی تجہیز وتکفین میں مشغول رہتے ہیں، اسلئے کھانا پکانے کا انہیں موقع نہیں ملتا یہی وجہ ہے کہ ان کے قریبی رشتہ داروں اور پڑسیوں کیلئے یہ مستحب ہے کہ اس دن ان کیلئے کھانے کا انتظام کریں۔

عن عبد الله بن جعفر، قال: لما جاء نعي جعفر، قال رسول الله ﷺ اصنعو لآل جعفر طعاماً، فقد أتاهم ما يشغلهم، أو أمر يشغلهم. (سنن ابن ماجه، أبواب ماجاء فى الجنائز، باب ماجاء فى الطعام يبعث إلىٰ أهل الميت، الهسخة الهندية ١/ ١١٥، دارالسلام رقم: ١٦١٠، مصنف عبد الرزاق، الجنائز، باب الطعام على الميت، المجلس العلمى ٣/ ٥٥٠، رقم: ٦٦٦٥، ٦٦٦٦، مسند البزار، مكتبه العلوم و الحكم ٦/ ٢٠٤، رقم: ٢٢٤٥)

(قوله وباتخاذ طعام لهم) قال فى الفتح: ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلى الله عليه وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاماً فقد أتاهم مايشغلهم – لأن الحزن يمنعهم من ذلک فيضعفون. (درمختار مع الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة،

الجنازة ، مطلب فی الثواب علی المیت کراچی ۲/ ۲٤٠، زکریا۳/ ۱٤۸، کبیری/ ٥٦٥)

لیکن اس دن اہل میت کے یہاں کھانا پکائے جانے اور چولہا جلانے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ؍ربیع الاول۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/ ۶۵۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۳ھ

کیا تین دن تک سوگ منانا ضروری ہے

سوال: [۳۹۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض عالم لوگوں سے سنا ہے کہ تین دن تک میت کے گھر کا کھانا پینا درست نہیں ہے، کیونکہ مرنے والے کا سوگ گھر والوں پر تین دن ہے، کیا تین دن کا سوگ مرگ ضروری ہے، یا اس سے کم بھی سوگ مرگ ہوسکتا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں سوگ مرگ کی کیا حقیقت ہے اور کیا قید ہے کتنے دن اور کتنے وقت ہے واضح فرمائیں؟

المستفتي: محمد فاروں جھن جھنوں، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ صحیح ہے کہ میت کے گھر تین دن تک دعوت کا کھانا کھانا ممنوع ہے، اسلئے کہ دعوت خوشی کی چیز ہوتی ہے، اوران ایام میں اہل میت غم میں ہوتے ہیں۔

عن جرير بن عبد الله البجلي قال: كنا نرى الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام من النياحة. (سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء فی النهي عن الاجتماع إلى أهل الميت وصنعة الطعام ، النسخة الهندية ١/ ١١٦، دارالسلام رقم: ١٦١٢)

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور (إلى قوله) ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول والثالث. (شامی ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب في كراهة الضيافة من أهل

المیت زکریا دیو بند۳/ ۱٤٨، کراچی ٢/ ٢٤٠)

نیز تین دن تک اہل میت کا سوگ منانا جائز اور ثابت ہے۔

عن زینب بنت أبي سلمة ، أخبرته ، قالت : دخلت على أم حبيبة زوج النبی صلى الله عليه وسلم فقالت: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لايحل لا مرأة تؤمن بالله واليوم الآخر تحد على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشراً. (صحيح البخاری، الجنائز، باب إحداد المرأة على غير زوجها ، النسخة الهندية ١/ ١٧١، رقم: ١٢٦٧، ف: ١٢٨١)

الجلوس للمصيبة ثلاثة أيام رخصة الخ. (عالمگیری، الباب الحادی والعشرون ، فی الجنازة ، مسائل التعزية زكريا ١/ ١٦٧ جديد ١/ ٢٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۳/۳ھ

میت کے اہل خانہ کا تین دن تک کھانا نہ پکانا اور دوسروں کا کھانا بھیجنا

سوال: [۳۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حدیث جعفرؓ سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اہل میت کے یہاں ایک دن اور ایک رات تک کھانا پہونچانا مستحب ہے، سوال یہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں کے بعد تین دنوں کے اندر اندر ممانعت کا کوئی حکم ہے یا نہیں؟ کھانا بنانے کے سلسلے میں اگر ممانعت کا حکم ہو تو کس درجہ کا حرمت کا یا کراہت تنزیہی کا؟ ہمارے علاقہ مارواڑ میں عمومی ذہن یہ ہے کہ انتقال کے بعد تین دن تک اہل میت کے یہاں کھانا نہ بنانا چاہئے، اور نہ ہی کھانا چاہئے، اس سلسلہ میں کوئی اصل ہے کہ نہیں؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں تا کہ ہم غم

کے حالات کوسنت کے مطابق ادا کریں۔

المستفتي: محمد امین، پھولوی،
ضلع جیسل میر، صوبہ: راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: میت کے گھر والوں کیلئے تین دن سوگ منانا حدیث سے ثابت ہے، اوران تین دنوں تک میت کے گھر والوں کے لیے پڑوسی اوراعزاء کی طرف سے کھانا بھیجنا بھی ثابت ہے، اوراگر کہیں سے کھانا نہ آئے تو میت کے گھر والوں کے لئے خود کھانا بنا کر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عن زينب بنت أبى سلمة، قالت: .... إني كنت عن هذا لغنية، لو لا أني سمعت النبى ﷺ يقول: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث .الحديث: (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب إحداد المرأة على غير زوجها، النسخة الهندية ١/ ١٧٠، رقم: ١٢٦٦، ف: ١٢٨٠)

عن عبد الله بن جعفرؓ قال: قال رسول الله ﷺ: اصنعوا لآل جعفر طعاما، فإنه قد أتاهم ما يشغلهم. (ابوداؤد، الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، النسخة الهندية ٢/ ٤٤٧، دارالسلام رقم/ ٣١٣٢)

قال المحدث السهارنفورى: والمراد طعام يشبعهم يومهم وليلتهم، فإنه الغالب أن الحزن الشاغل عن تناول الطعام لايستمر أكثر من يوم؛ وقيل: يحمل لهم طعام إلى ثلاث أيام مدة التغزية .(بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب صنعة الطعام لأهل الميت، دارالبشائر الإسلاميه ١٠/ ٤٠٣، رقم الحديث/٣١٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۳۳)

نوحہ کرنا حرام ہے

سوال: [۳۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو دفن کرنے کیلئے گھر سے اٹھا کر لیجاتے وقت عورتوں کا زورزور سے رونا جائز ہے؟

المستفتي: محمد یوسف یعقوب، بساڈ، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زور سے رونا چاہے میت سامنے ہو یا اٹھاتے وقت ہو ہر حال میں ناجائز اور حرام ہے، حدیث شریف میں اسکی سخت ممانعت آئی ہے ہاں البتہ انتہائی غم وصدمہ کی بناء پر بغیر آواز کے آنسو جاری ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عن جابر بن عبد الله قال جيئ بأبي يوم أحد – إلىٰ– فسمع صوت صائحة ، فقال من هذه ؟ فقالوا: بنت عمرو أو أخت عمرو قال: فلم تبكي؟ أو: لا تبكي، فمازالت الملائكة تظله بأجنحتها حتى رفع . (بخاری ، الجنائز، باب مايكره من النياحة على الميت ، النسخة الهندية ١/١٧٢، رقم: ١٢٧٩، ف: ١٢٩٣)

وقد اجتمعت الأمة على تحريم النوح الخ. (ولا بأس بالبكاء بدمع في منزل الميت الخ. (طحطاوی على المراقی ، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/٦٠٧، قديم /٣٣٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ر رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۷/۴ھ

تعزیتی جلسہ

سوال: [۳۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تعزیتی

جلسہ کا ثبوت قرآن وحدیث سے ہے یا نہیں؟ اور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: خوشید احمد، تاج گنج، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعزیت کے معنیٰ میت کے پسماندگان کو تسلی دینے اوران کو صبر کی تلقین کرنے کے ہیں، اوراس طرح تعزیت کرنا مسنون اور باعث اجر وثواب ہے، لیکن اگر میت اور میت کے پسماندگان سے تعلق رکھنے والے کثیر تعداد میں لوگ ہیں اور سب لوگوں کا الگ الگ طور پر تعزیت کرنا دشوار ہو تو سب لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو کر تعزیتی جلسہ منعقد کریں اور سب کی طرف سے میت کے پسماندگان کو تسلی کی اطلاع کردیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تعزیتی جلسہ کا مطلب اجتماعی تعزیت کرنا ہے، اور کسی بھی طریقہ سے تعزیت کرنا حدیث سے ثابت ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرعن النبی ﷺ قال من عزیٰ مصاباً فله مثل أجره . (ترمذی ، الجنائز، باب ماجاء فی ثواب من عزیٰ مصاباً ، النسخة الهندية ١/ ٢٠٥، دارالسلام رقم: ١٠٧٣)

قال النبی ﷺ مامن مؤمن يعزي أخاه بمصيبته إلا كساه اللّٰہ من حلل الكرامة يوم القيامة . (ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء فی ثواب من عزیٰ مصاباً ، النسخة الهندية ١/ ١١٥، دارالسلام رقم: ١٦٠١)

وتستحب التعزية للرجال والنساء اللاتي لا يفتن وتحته لأن المقصود منها ذكر ما يسلي صاحب الميت ويخفف حزنه ويحضه على الصبر . (مراقی الفلاح ، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند /٦١٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۳۳ھ

تعزیتی جلسہ کرنا

سوال: [۳۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں: کہ

(۱) آج کل کسی معروف شخصیت کے انتقال پر مختلف مقامات پر تعزیتی جلسے کرنے کا رواج ہے ایسے جلسے کرنا کیسا ہے؟ بعض علماء کرام تو کہتے ہیں کہ تعزیت تو خاندان والوں سے ہوتی ہے اور بعض شرکاء کا یہ کہنا ہے کہ ہم سب ان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، تو کیا اس طرح خراج عقیدت پیش کرنا خیر القرون یا کہیں اور سے ثابت ہے؟

(۲) زید کا کہنا ہے کہ مروجہ تعزیتی جلسے بدعت یا ہندوانی رسم یا کنڈ وینسن میٹنگ یا شرندھان جلی اربت ہے، جس میں یہ لوگ بھی مرنے والے کی خصوصیات اپنے اپنے طور پر بیان کر کے مندرجہ بالا ہندی جملے بولتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

(۳) اسلاف کی یاد میں تعزیتی جلسے کرانے کے لیے علماء کو بلانا اور اس کے لئے عوام سے چندہ کرنا اور علماء کا شرکت کے لئے تعزیتی جلسوں میں آنا اور اس موقع پر چندہ کی رقم سے آمد و خرچ کا کرایہ لینا درست ہے یا نہیں؟

(۴) تعزیتی جلسوں کا سلسلہ کتنے دنوں تک شریعت سے ثابت ہے؟

المستفتی: مصر حسین عفی عنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) تعزیت کے معنی تسلی دینے کے ہیں اصلاح شرع میں میت کے پسماندگان کو غمخواری کے ساتھ دلاسہ دینا اور ان کے غم میں شریک ہو جانا ہے، اور یہ شریعت میں مطلوب و مستحسن اور حدیث سے ثابت ہے، لیکن اگر کوئی شخصیت ایسی عظیم ہو جس کے متعلقین صرف رشتہ داروں تک محدود نہ ہوں بلکہ عوام وخواص کا بڑا طبقہ اس کی جدائی گی پر غمگین ہو تو کسی جگہ پر جلسہ یا اجتماع کی شکل میں جمع ہو کر ایسی شخصیت کا ذکر کرنا اور پسماندگان کو تعزیت پیش کرنا حسب ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) اس جلسہ کا اصل مقصد میت کے متعلقین کو تسلی دینا ہو محض نام ونمود اور ریاکاری مقصود نہ ہو۔ (۲) مذکورہ شخصیت کے اوصاف بیان کرنے میں مبالغہ سے کام نہ لیا جائے، (۳) مرحوم کے ایسے اوصاف اجاگر کئے جائیں جو آنے والوں کے لئے مشعل راہ ہوں۔ (۴) اس جلسہ میں کوئی گناہ اور منکر کی بات شامل نہ ہو، مثلاً مرد وعورت کا اختلاط وغیرہ ان شرائط کے ساتھ تعزیتی جلسہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۲۵۴، آپ کے مسائل اور انکا حل محقق ومدلل ۴/۴۳۴)

ویستحب التعزیة للرجال والنساء التی لا یفتن لقوله علیه السلام من عزی مصاباً فله مثل أجره، رواه الترمذی وابن ماجه عن ابن مسعودؓ وقوله علیه السلام من عزی ثکلی کسي بردین فی الجنة رواه الترمذی عن أبي بردة . (شرح النقایه، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مکتبه اعزازیه دیوبند۱/۱٤۰)

عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال: مامن مؤمن یعزی أخاه بمصیبة إلاکساه الله سبحانه من حلل الکرامة یوم القیامة . (سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء فی ثواب من عزی مصاباً، النسخة الهندیة ۱/۱۱٥، دارالسلام رقم: ۱٦۱۰)

عن عبد الله عن النبی ﷺ قال: من عزی مصاباً فله مثل أجره. (سنن الترمذی ، الجنائز، باب ماجاء في أجر من عزی مصاباً ، النسخة الهندیة ۱/۲۰٥، دارالسلام رقم:۱۰۷۳، سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في ثواب من عزی مصاباً ،النسخة الهندیة ۱/۱۱٥، دارالسلام رقم: ۱٦۰۲، السنن الکبری للبیهقی ، الجنائز، باب یستحب من تعزیة أهل المیت رجاء الأجر في تعزیتهم، دارالفکر ٥/٤۱۱، رقم: ۷۱۸۹)

عن أبي بردةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من عزی ثکلی کسي بردا فی الجنة. (سنن الترمذی، الجنائز، باب آخر في فضل التعزیة ، النسخة الهندیة ۱/۲۰٦، دارالسلام رقم: ۱۰۷٦)

عن معاذ بن جبلؓ أنه مات ابن له فکتب إلیه رسول الله ﷺ یعزیه

بـابنـه فكتب إليه بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله صلى الله عـليه وسلم إلى معاذ بن جبل، سلام عليک، فإني أحمد إليک الله الذى لا إلـه إلا هـو، أمـا بعـد! فـأعـظم الله لک الأجـر وألهـمک الـصبـر ورزقـنـاوإيـاک الشكر، فإن أنفساوأموالنا و أهلينا من مواهب الله الهنيئة وعـواريـه الـمستـودعة .... متعک الله بـه في غبطة وسرور، وقبضه منک بأجـر كثيـر الـصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته، فاصبر، ولا يحبط جزعک أجرک فتندم، واعلم أن الجزع لايرد ميتا ولا يدفع حزنا وما هـو نـازل فكأن قد والسلام. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ١٥٦/٢٠، رقم: ٣٢٤، المعجم الأوسط ، دار الفكر ٣٧/١، رقم: ٨٣، المستدرك للحاكم ، مكتبه نزار مصطفى الباز ١٩٣٠/٥، رقم: ٥١٩٣، مجمع الزوائد ٣/٣)

(۲) چوں کہ احادیث شریفہ میں مرحومین کی خوبیوں اورمحاسن کاذکرکرنیکاحکم دیا گیا ہے،اس لئے ایسے تعزیتی پروگراموں میں جو بیانات کئے جاتے ہیں،اگر وہ مذکورہ شرائط کے مطابق ہوں تو انہیں ہندوانی رسم وغیرہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

عن ابن عمرؓ، أن رسول الله ﷺ قـال: اذكـروا مـحاسن موتاكم، وكفوا عن مساويهم. (ترمذی ، الجنائز، باب آخر ،النسخة الهندية ١٩٨/١، دارالسلام رقم: ١٠١٩، سنن أبي داؤد ، الجنائز، باب في النهى عن سب الموتى ،النسخة الهندية ٢/، دارالسلام رقم: ٤٩٠٠، صحيح ابن حبان ، دار الفكر ٨/٤، رقم: ٣٠١٦)

(۳) تعزیتی جلسہ کے لئے بیرونی مقررین کو بلانے اوراس کے واسطے با قاعدہ چندہ وغیرہ کرنے کا اہتمام ثابت نہیں ہے،لہذا یہ طریقہ قابل ترک ہے۔

(۴) صحیح حدیث میں ہے کہ عام لوگوں کا سوگ تین دن سے زیادہ نہ منایا جائے اور تعزیتی جلسہ میں بھی ایک طرح سے سوگ کی مشابہت ہے اس لئے تین دن کے بعد تعزیتی جلسہ کرنا مناسب نہیں ہوگا ،البتہ اگر کوئی شخص بروقت موجود نہ ہو دور دراز اسفار میں ہو تو وہ

بعد میں آکر بھی میت کے متعلقین سے انفرادی طور پر تعزیت کرسکتا ہے۔

التعزية لصاحب المصيبة حسن –إلى– ووقتها من حين يموت إلى ثلاثة أيام ويكره بعدها إلا أن يكون المعزي أو المعزى إليه غائباً فلا بأس بها .

(هنديه ، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، مسائل التعزية زكريا ١ /١٦٧، جديد ١ /٢٢٨)

عن زينب بنت أبي سلمة قالت: دخلت على أم حبيبة زوج النبى ﷺ –إلى– لايحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشر الخ. (بخارى ، الجنائز، باب تحد المتوفى عنها زوجها، أربعة أشهر وعشرا ،النسخة الهندية ٢ /٨٠٣، رقم: ٥٣٣٤)

التعزية هى أن يسلى أهل الميت ويحملهم على الصبر بوعد الأجر ويرغبهم فى الرضا بالقضاء والقدر ويدعو للميت المسلم ، وقال الحنفية: لا بأس بالجلوس للتعزية فى غير المسجد ثلاثة أيام وأولها أفضلها، وقال فى الفتاوىٰ الظهيرية : لابأس بها لأهل الميت فى البيت أو المسجد والناس يأتونهم ويعزونهم .... ولا بأس كما ذكر الحنفية : برثاء الميت بشعر وغيره لكن يكره الإفراط فى مدحه. (الفقه الإسلامى وأدلته، صلاة الجنازة ، وأحكام الجنائز، والشهداء والقبور، المطلب الثالث التعزية وتوابعها هدى انٹرنیشنل ديوبند، ٢ /٤٧٧، شامى ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة كراچى ٢ /٢٣٩، ٢٤١، زكريا ٣ /١٤٧، ١٤٩، ٤٨٠، تاتارخانيه ، كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون ، الجنائز، التعزية والماتم زكريا ٣ /٩٣، برقم : ٣٨٠٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب المرجب ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۲۰۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/ ۱۴۳۵ھ

تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

سوال: [۳۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تعزیت کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ ہمارے علاقہ میں تعزیت کے لئے جانے والے بغیر مصافحہ اور سلام کے چپ چاپ بیٹھ جاتے ہیں، پھر انمیں سے ایک کہتا ہے کہ کلام پڑھو تو سب پڑھتے ہیں کوئی چاروں قل پڑھتا ہے، کوئی درود شریف پڑھتا ہے، کوئی سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے، بعد میں ہمارے رواج کے اعتبار سے تعزیت کے الفاظ پیش کرتے ہیں، پھر کھڑے ہوکر مصافحہ کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کلام پڑھنے سے مراد کیا ہے، کوئی قرآنی آیات یا کوئی درود ہو تو قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ بغیر سلام ومصافحہ کے آکر بیٹھ جانا مطابق سنت ہے یا مخالف سنت ہے، تعزیت کا مسنون طریقہ بتاتے ہوئے ہمارے لئے عمل کی راہ کھولیں؟

المستفتی: محمد امین، پوکرن، ضلع جیسلمیر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تعزیت کے معنی مرحوم کے پس ماندگان سے تسلی کے کلمات کہنے کے ہیں، لہذا میت کے گھر جاکر انکے اعزاء واقرباء سے کچھ تسلی کے کلمات کہہ دیئے جائیں اور پیش آمدہ مصیبت پر صبر کرنیکا ثواب وغیرہ بتاکر انکا غم ہلکا کرنیکی کوشش کی جائے، اور تعزیت کے لئے آنیوالوں کا حاضرین سے سلام ومصافحہ کرنا مسنون ہوگا، کیونکہ سلام ومصافحہ ہر ملاقات کے وقت مسنون ہے، اور اس سے گناہ جھڑتے ہیں، اور یہ بھی ملاقات کا ایک موقعہ ہے اور کلام پڑھنے کی شرعاً کوئی اصطلاح نہیں ہے اور نہ ہی اسکی کوئی شرعی حیثیت ہے، البتہ اگر حاضرین قرآن وغیرہ پڑھ کر مردے کو بخش دیں تو ایصال ثواب کی حیثیت سے یہ درست ہوگا۔

قال رسول الله ﷺ: مامن مؤمن يعزى أخاه بمصيبة إلا كساه الله من حلل الكرامة يوم القيمة. (سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في ثواب من

عزی مصاباً ، النسخة الهندية ١/١١٥ ، دارالسلام رقم: ١٦٠١)

أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة ... أو قراءة قرآن أو ذكرا . (البحرالرائق، كتاب الحج عن الغير زكريا٣/١٠٥ ، كوئٹه ٣/٥٩)

عـن أبـي هـريـرةؓ قال : قال رسول الله ﷺ : إذا لـقـي أحدكم أخاه فليسلم عليه الخ. (أبوداؤد، الأدب ، باب فى الرجل يفارق الرجل ثم يلقاه أيسلم عليه ، النسخة الهندية ٢/٧٠٧، دارالسلام رقم: ٥٢٠٠)

عـن رجـل من عـنـزة قـال لأبـي ذر...... هـل كـان رسول الله ﷺ يصافحكم إذا لقيتموه ؟ قال : ما لقيته قط إلاّ صافحنى . (ابو داؤد ، الأدب ، باب في المعانقة النسخة الهندية ٢/٧٠٨، دار السلام رقم: ٥٢١٤)

أن الـمـصافحة مستحبة عند كل لقاء . (شامی كتاب الحظر والإباحة ، باب الاستبراء وغيره ، كراچی ٦/٣٨٠، زكريا٩/٥٤٧)

قال رسول الله ﷺ : إن الـمـؤمن إذا لقي المؤمن فسلم عليه وأخذ بيـده فـصافحه تناثرت خطايا هما كما يتناثر ورق الشجر. (المعجم الأوسط قديم ١/١٨٤، رقم: ٢٤٧، مجمع الزوائد٨/٧٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٣/ربیع الاول ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/١٠٣٣٣)

❍❖❍

١٧/ باب: زيارة القبور

مزار کی شرعی حیثیت

سوال: [۳۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ الحمدللہ ہمارا پورا علاقہ آج تک مزارات، قبر پرستی اور اس پر کی جانے والی تمام بدعات وخرافات سے محفوظ ہے، عوام کی اکثریت اس بات سے بھی واقف نہیں کہ کچھ لوگ قبروں پر چادریں چڑھانے ان سے اپنی مرادیں مانگنے اور رب ذوالجلال کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے اپنی پیشانی کو سجدہ ریز کرنے کے بھی قائل ہیں، وہ تو بس یہی جانتے ہیں کہ سجدہ صرف اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کیا جاتا ہے، اور مرادیں اللہ ہی سے مانگی جاتی ہیں، اور پورا بھی صرف اسی کی ذات کرتی ہے، لیکن افسوس کہ ایک اور گاؤں ہی کے اہم سماجی ذمہ دار کے گھر کے پیچھے ایک مصنوعی قبر دیکھی جو چاروں طرف سے بڑے اہتمام کے ساتھ گھری ہوئی تھی، اور اردگرد اس کے خوب صفائی بھی ہورہی تھی، مزید یہ کہ اب اس کے پختہ مزار میں تبدیل ہونے کیلئے بنیاد بھی کھودی جاچکی ہے، بعد مغرب اس مصنوعی قبر کے پاس چراغ بھی جلتے دیکھا گیا ہے، صفائی کی یہ حد ہے کہ ہر جمعہ کو اس کے قریب واقع سڑک کو بھی خوب اہتمام کے ساتھ صاف کیا جاتا ہے، معتبر ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ نعوذ باللہ اب وہاں سجدے بھی کیئے جاتے ہیں، وہ صاحب اس نئی بدعت کی ابتدا کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ہم گھریلو اور ذہنی اعتبار سے کافی پریشان تھے، کئی عالموں نے ہمیں یہ مشورہ دیا ہے کہ مذکورہ جگہ پر کوئی بزرگ مدفون ہیں آپ اس جگہ کی خاص صفائی ستھرائی کا اہتمام کیجئے، جبکہ گاؤں ہی کا ایک جاہل شخص جس پر بقول بعض جنات آیا کرتے ہیں، اور اس حالت میں ادھر ادھر کی بکنے لگتا ہے، اس نے ایک رات ایسا ہی کیا اور اس مذکورہ جگہ کے

قریب کھڑے ہوکر چلانے لگا کہ یہاں بہت بڑے بزرگ لیٹے ہوئے ہیں، اسے فوراً صاف کرواور یہاں مزار بناؤ، آدھی رات کواس کی چیخ پر قرب وجوار کے بہت سے لوگ بھی اکٹھا ہوگئے، وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا، چنانچہ مذکورہ وجوہات کی بنا پراس وقت وہاں مکمل قبر کی شکل بن چکی ہے، ہمیشہ خوب صفائی ہورہی ہے، اورقبر کے چاروں جانب فی الحال بانس کی ڈھڈی سے اسے گھیر بھی دیا گیا ہے، اور پختہ مزار بنانے کیلئے بنیاد بھی کھودی جاچکی ہے، واضح رہے کہ آج کل وہاں کبھی بھی کسی کو دفن نہیں کیا گیا ہے، وہ جگہ ہمیشہ سے پاخانہ پیشاب کوڑا کرکٹ کیلئے استعمال ہوتی رہی ہے۔

اورحسن اتفاق کہ اس عمل کے کچھ ہی دن بعدان صاحب کوکسی طرح کچھ مالی نفع بھی حاصل ہوگیا جوان کی عقیدت کا مزید باعث ہے یہ پوری صورت حال ہے، ہمیں پورا گمان بلکہ پختہ یقین ہے کہ اگران کے توہمات اور خیالات کوقرآن وحدیث اور فقہ وشریعت کی روشنی میں دفع نہیں کیا گیا، اوراس نئی بدعت پرروک نہیں لگائی گئی تو آہستہ آہستہ یہ مصنوعی قبر ایک بڑے مزار کی شکل اختیار کرلیگی، جس پر وہ تمام بدعات وخرافات ہونگی جن کا تجربہ اور مشاہدہ کیا گیا ہے، اور یہاں کے خالی الذہن مسلمانوں کیلئے یہ ایک عظیم فتنہ بن جائیگااور آنے والی نئی نسلیں اپنے صحیح عقیدے سے ہاتھ دھوبیٹھیں گی۔

سوال یہ ہے کہ آخر کیابقول ان صاحب کے محض کسی عالم کے مشورہ دیدینے سے اور ایک جاہل وناواقف شخص کے کہہ دینے سے ایسی جگہ مصنوعی قبر بنادینا جائز ہے، جہاں کبھی بھی قبر کا نام ونشان نہ رہا ہو، اورکیا ایسا عمل کسی نئے عظیم فتنے کی بنیاد نہیں ہوگا، اور ایسے عمل کی ابتدا کرنے والے پرآئندہ تمام نسلوں کے گناہوں کا بوجھ نہ آئیگا، اور ایسے شخص کے عقیدے کی اصلاح کیونکر ممکن ہے، اورقبر سے استفادہ کی کیا حیثیت ہے؟

حضوروالا سے مؤدبانہ وعاجزانہ درخواست ہے کہ اس دردناک صورت حال کا قرآن و حدیث اورفقہ وشریعت کی روشنی میں مکمل ومفصل اور مدلل وتشفی بخش حل پیش فرمادیں، جس سے پیدا ہونے والے عظیم فتنہ پر قابو پایا جاسکے اور قوم کا ایمان وعقیدہ محفوظ رہ

سکے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء .**

المستفتی: خورشید انور نعمانی، استاد: دارالعلوم ارریا، بیرگاچھی چوک، ارریہ بہار۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوالنامہ میں رات کے وقت میں جو اعلان کا ذکر ہے یہ سب کی سب شیطانی حرکتیں ہیں جس شخص نے مزار اور کسی بزرگ کی قبر کا اعلان کیا ہے، اس پر شیطان سوار ہے اور شیطانی آواز ہے پھر اس کے بعد وہاں پر قبر بنانے کا جو سلسلہ شروع کیا جارہا ہے یہ بھی شیطان کا مشورہ ہے، اور اس طرح وہاں پر قبر بنا کر مزار کا سلسلہ جاری کرنا قطعی حرام اور ناجائز ہے، مسلمانوں کو ایسے عقیدہ سے بچنا چاہئے ،اور جو لوگ بھی وہاں مزار بنانے میں شریک ہونگے وہ سب اس گناہ کی لعنت میں شامل ہوں گے، اسلئے وہاں کے ذمہ دار مسلمانوں پر لازم ہے کہ قطعاً مزار بنانے نہ دیں اور تمام نشانات کو فوراً ختم کرادیں اور اس عظیم فتنہ سے مسلمانوں کو بچائیں۔

قال رسول اللہ ﷺ .... وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة فی النار . (صحیح ابن خزیمة ، کتاب الجمعة ، باب صفة خطبة النبی ﷺ ... المکتب الإسلامي ۲/۸٦٤، رقم: ۱۷۸۵)

إياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة . (ابو داؤد شریف، کتاب السنة ، باب لزوم السنة ،النسخة الهندیة ۲/٦۳۵، دارالسلام رقم: ٤٦۰۷، سنن الترمذي، باب ماجاء فی الأخذ بالسنة ، واجتناب البدع ،النسخة الهندیة ۲/۹٦، دارالسلام رقم: ۲٦۷٦، سنن ابن ماجه ، کتاب السنة ، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین ، النسخة الهندیة ۱/۵، دارالسلام رقم: ٤٦)

من أحدث فيها حدثا، أو آوىٰ محدثا، فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه صرف ولا عدل . (صحیح البخاری ، ابواب

فضائل المدينة ، باب حرم المدينة ، النسخة الهندية ۱/ ۲۵۱ ، رقم: ۱۸۳۲ ، ف: ۱۸۷۰ ، مشکوٰۃ شریف ۱/ ۳۰)

من أحدث في امرنا هذا ماليس منه فهو رد. (بخاری شریف ، الصلح، باب إذا اصطلحوا على جور فالصلح مردود ، النسخة الهندية ۱/ ۳۷۱، رقم: ۲۶۱۹، ف: ۲۶۹۷)

نهى رسول الله ﷺ أن يجصص القبر وأن يبنى عليه و أن يقعد عليه. (مسلم شريف، الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه ، النسخة الهندية ۱/ ۳۱۲، بيت الافكار رقم: ۹۷۰، سنن الترمذی ، الجنائز، باب ما جاء فی کراهية تجصيص القبور ، والكتابة عليها ، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۲)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۹۰)

کن کن لوگوں کی قبروں کی زیارت کیلئے مسافت سفر طے کرنا جائز ہے؟

سوال: [۴۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کن کن لوگوں کی قبر کی زیارت کے لئے سفر شرعی کی مسافت طے کرنا جائز ہے؟ اور جواز کی دلیل کیا ہے؟

المستفتي: قاری احسان قاسمی، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انبیاء، اولیاء، مشائخ اور اساتذہ اور والدین کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر شرعی کی مسافت طے کرکے جانا جائز ودرست ہے۔ (مستفاد: غیر مقلدین کے چھپن اعتراضات کے جوابات/ ۱۳۰)

ذهب جمهرة الأمة إلیٰ أن زیارة قبره ﷺ من أعظم القربات و السفر إلیها جائز بل مندوب . (معارف السنن ، باب ماجاء أی المساجد أفضل ، بحث شد الرحیل إلی غیر المساجد الثلاثة الخ اشرفیه دیوبند۳/ ۳۲۹)

عن بریدة قال: قال رسول الله ﷺ قد کنت نهیتکم عن زیارة القبور، فقد أذن لمحمد فی زیارة قبر أمه فزوروها، فإنها تذکر الآخرة –إلی– قال أبو عیسیٰ حدیث بریدة حدیث حسن صحیح والعمل علی هذا عند أهل العلم لایرون بزیارة القبور بأساً. (ترمذی شریف، الجنائز، باب ماجاء فی الرخصة في زیارة القبور، النسخة الهندیة ۱/ ۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵٤)

عن أبي هریرةؓ قال: زار النبی ﷺ قبر أمه ، فبکی وأبکی من حوله ، فقال: استأذنت ربي في أن أستغفر لها فلم یؤذن لي، واستأذنته في أن أزور قبرها فأذن لي ، فزوروا القبور، فإنها تذکرالموت . (صحیح مسلم ، کتاب الجنائز، فصل في جواز زیارة قبور المشرکین ومنه الإستغفارلهم ، النسخة الهندیة ۱/ ۳۱٤، بیت الأفکار رقم: ۹۷٦، المصنف لإبن أبي شیبه ، کتاب الجنائز، من رخص فی زیارة القبور مؤسسه علوم القرآن۷/ ۳٦٦، رقم: ۱۱۹۲۹ ، سنن أبي داؤد، الجنائز، باب في زیارة القبور، النسخة الهندیة ۲/ ٤٦٦ ، دارالسلام رقم: ۳۲۳٤)

قال محمد وبهذا کله نأخذ، لابأس بزیادة القبور للدعاء للمیت ولذکر الأ خرة ، وهو قول أبي حنیفة رحمه الله تعالیٰ . (کتاب الآثار للإمام محمدؒ، باب زیارة القبور ، الرحیم اکیڈمی کراچی /۹ ۲۱ ، رقم: ۲٦۹)

کان إذا زار قبور أصحابه یزورها للدعاء لهم الترحم علیهم والاستغفار لهم وهذه الزیارة التی سنها لأمته وشرعها لهم وأمرهم أن یقولوا إذا زاروها السلام علیکم یا أهل القبور الدیار من المؤمنین والمسلمین وإنا إن شاء الله بکم لا حقون نال الله لنا ولکم العافیة الخ.

(زاد المعاد ۱/۵۲۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۵/۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۳۰)

زیارۃ قبور اور ایصال ثواب کا مستحب طریقہ

سوال: [۳۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے دادا کا انتقال ہوگیا ہے، اور میں کبھی کبھی جاکر قبر کی زیارت کرتا ہوں، اور کچھ قرآن پاک پڑھ کر ایصال ثواب کرتا ہوں، مجھے آپ سے دریافت کرنا یہ ہے کہ قبر کی زیارت کیلئے کب جانا چاہئے، اور کب نہیں جانا چاہئے؟ اور کون سے دن قبروں کی زیارت کیلئے جانا افضل ہے؟ اور وہاں جاکر قرآن کریم کی کون کون سی سورتیں پڑھ کر ایصال ثواب کرنا چاہئے؟ اسکی کیا ترتیب ہے؟ جواب دیں؟

المستفتي: محمد مصطفیٰ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبر کی زیارت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے اس سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور جمعہ کے دن زیارت کیلئے جانا افضل ہے، اسی طرح سے سنیچر اور پیر، جمعرات کو بھی جانا افضل ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/۳۰۲، جدید ڈابھیل ۹/۱۸۶)

بزيارة القبور أي لا بأس بها بل تندب كما في البحر عن المجتبىٰ – إلا أن الأفضل يوم الجمعة والسبت والإثنين والخميس فقد قال محمد بن واسع الموتىٰ يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوماً قبله ويوماً بعدهٗ فتحصل أن يوم الجمعة أفضل. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور، کراچی ۲/۲۴۲، زکریا دیوبند ۳/۱۵۰، هندیه، کتاب الکراهية، الباب السادس

عشر في زيارة القبور و قرأءة القرآن فی المقابر زكريا ٥/ ٣٥٠، جديد ٥/ ٤٠٥)

اور جو قرآن یاد ہو اس میں سے پڑھے اگر حافظ قرآن ہو تو اس کیلئے بہتر یہ ہے کہ پہلے سورۂ بقرہ پڑھے مفلحون تک اور آیت الکرسی پڑھے، پھر سورہ بقرہ کا آخری رکوع پڑھے اور سورہ یٰسین اور سورۂ ملک، تکاثر، اور سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ یا دس مرتبہ یا سات مرتبہ یا تین مرتبہ پڑھے، پھر اس کے بعد ایصال ثواب کرے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۴/ ۳۰۲، جدید ڈابھیل ۹/ ۱۸۶)

وفی شرح اللباب ويقرأ من القرآن ماتيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسى وآمن الرسول وسورة يٰسين وتبارك الملك، وسورة التكاثر، والإخلاص اثنى عشر مرة أو عشراً أو سبعاً أو ثلاثون ثم يقول اللّٰهم أوصل ثواب ما قرأناه إلىٰ فلان أو إليهم . (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة كراچی ٢/ ٢٤٢، زكريا ٣/ ١٥١، فتاویٰ هنديه، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور ... زكريا٥/ ٣٥٠، جديد ٥/ ٤٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

کیا اہل قبور سلام سن کر اس کا جواب دیتے ہیں

سوال: [۳۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں داخل ہوتے وقت حکم ہے ''**السلام عليكم يا أهل القبور**'' کہا جائے جب ہم سلام کرتے ہیں تو جواب کون دیتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتي: عبد الحفیظ، کرولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں داخل ہوتے وقت اہل قبور کو

سلام کرنا جائز اور مسنون ہے، اور اہل قبور اس کو سنتے ہیں، اور اس کا جواب دیتے بھی ہیں، اور حدیث سے ثابت ہے۔

عن أبي هريرةؓ قال: إذا مر الرجل بقبر يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام وعرفه، وإذا مر بقبر لا يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام. (شعب الإيمان، باب في الصلاة، على من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور، دارالكتب العلميه بيروت ۷/۱۷، رقم: ۹۲۹۶، المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي ۴/۲۰ ۳۶، حديث: ۸۵۰، مجمع الزوائد بيروت ۳/۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۸۰۷)

راستہ گزرتے ہوئے مزارات کو سلام کرنا

سوال: [۴۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل جگہ جگہ جو مزارات بنالئے ہیں، جو اکثر بے حقیقت ہیں عوام راستہ گذرتے ہوئے ان کو سلام پیش کرتے ہیں، اور بعض حضرات ان کے مجاوروں کو چندہ کے طور پر کچھ روپیہ وغیرہ بھی دیتے ہیں، تو کیا عوام کا یہ فعل صحیح ہے اور اگر سلام کرنا صحیح ہے تو اس سلام کے الفاظ کیا ہیں؟ وہی ہیں جو اہل قبور کے سلام کے ہیں یا کوئی اور الفاظ ہیں؟

المستفتي: محمد ادریس، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن مزاروں کے بارے میں غالب گمان صحیح ہونے کا ہے ان سے گذرتے وقت ان الفاظ کے ساتھ سلام بھیجا جائے گا، جو احادیث شریفہ سے ثابت ہے اور احادیث شریفہ میں چودہ قسم کے الفاظ کا ذکر آیا ہے، جن کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين، وإنا إن

شاء الله بكم للاحقون أسأل الله لنا و لكم العافية . (مسلم شريف، الجنائز، باب مـايـقـال عـند د خول القبور والدعاء لأهلها، النسخة الهندية ١/ ٣١٤، بيت الأفكار رقم: ٩٧٥، سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ماجاء فيما يقال إذا ادخل المقابر ، النسخة الهنديه ١/ ١١١ ، دارالسلام رقم: ١٥٤٧)

(٢) السـلام عـلـىٰ أهـل الـديار من المؤمنين والمسلمين ويرحم الله الـمستـقـدمين منا والمستأخرين وإنا انشاء الله بكم للاحقون. (مسلم شريف، الـجـنـائـز، بـاب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، النسخة الهندية ١/ ٣١٤، بيت الأفـكـار رقـم: ٩٧٤، سـنـن نسـائـى ، الـجنائز، الأمر بالإستغفار للمؤمنين ، النسخةالهندية ١/ ٢٢٢، دارالسـلام رقـم: ٢٠٣٧، مـصـنف عبـد الـرزاق ، الـجنائز، باب في زيارة القبور ، المجلس العلمى ٣/ ٥٧٠،رقم: ٦٧١٢، ٣/ ٥٧٥، رقم: ٦٧٢٢)

(٣) السلام عليكم دار قوم مؤمنين وأتاكم ما توعدون غدا مؤجلون وإنا إن شاء الله بكم لاحقون . (مسلم شريف١/ ٣١٣، بيروتى حديث : ٩٧٤)

(۴) السـلام عـليـكـم يـا أهل القبور يغفر الله لنا و لكم أنتم سلفنا و نـحن بالأثر . (تـرمـذى شـريف، الـجـنائز، باب مايقول الرجل إذا ادخل المـقابر ، النسخة الهندية ١/ ٢٠٣، دارالسلام رقم: ١٠٥٣، مشكوٰة شريف / ١٥٤)

(٥)السـلام عـليكم دار قوم مؤمنين أنتم لنا فرط وإنا بكم لاحقون ، أنتم لنا فرط ونحن لكم تبع أسأل الله العافية لنا ولكم. (نسائى شريف، الجنائز، الأمـر بـالإستـغفار للمؤمنين،النسخة الهندية ١/ ٢٢٢، دارالسلام رقم: ٢٠٤٠، صحيح ابن حبان ، دارالفكر ٥/ ٦٩، رقم: ٣١٧٣)

(٦) السـلام عـليكم دار قوم مؤمنين أنتم لنا فرط وإنا بكم لاحقون ، الـلّٰهم لا تـحرمنا أجرهـم ولا تفتنا بعدهـم . (ابـن ماجه شريف، الجنائز، باب ماجاء مـا يـقال إذا أدخل المقابر ، النسخة الهنديه ١/ ١١١، دارالسلام رقم: ١٥٤٦، مسند البزار ،

مکتبہ العلوم والحکم ۱۸/ ۱۹٤، رقم: ۱۷۸)

(۷)السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا بکم لاحقون ، اللّٰهم لا تحرمنا أجرهم ولا تفتنا بعدهم . (مسند امام احمد بن حنبل ٦/ ۱۱۱، حدیث/ ۲۵۳۱۲)

(۸) سلام علیکم دار قوم مؤمنین وأنتم لنا فرط وإنا بکم لاحقون ، اللّٰهم لا تحرمنا أجرهم ولا تفتنا بعدهم . (مسند امام احمد بن حنبل ٦/ ۷۱، حدیث/ ۲٤۹۲۹)

(۹) سلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا بکم لاحقون ، اللّٰهم لاتفتنا بعدهم . (مسند احمد بن حنبل ٦/ ۷٦، حدیث/ ۲٤۹۷۹)

(۱۰) السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا إن شاء الله بکم لاحقون .

(ابو داؤد شریف ، الجنائز، باب مایقول إذا أتی المقابر أو مربها ، النسخة الهندیة ۲/ ٤٦۲، دارالسلام رقم: ۳۲۳۷)

(۱۱) السلام علیٰ أهل الدیار من المؤمنین . (المعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربي ۲/ ٤٦، حدیث/ ۱۲۳٦)

(۱۲) السلام علیٰ أهل القبور من کان منکم من المؤمنین والمسلمین أنتم لنا فرط ونحن لکم تبع عافانا الله وإیاکم . (المعجم الکبیر، داراحیاء التراث العربي ۱۹/ ٤٤٦، حدیث/ ۱۰۸۳)

(۱۳) السلام علیکم یا أهل القبور من المؤمنین والمسلمین استغفر الله لنا ولکم أنتم سلفنا ونحن بالاثر. (المعجم الکبیر، دار احیاء التراث العربي ۱۲/ ۸٤، حدیث/ ۱۲٦۱۳)

(۱٤) السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا وإیاکم متواعدون غداً ومتوکلون وإنا إن شاء الله بکم لاحقون . (نسائی شریف، الجنائز، الأمر بالإستغفار للمؤمنین ،النسخة الهندیه ۱/ ۲۲۲، دارالسلام رقم: ۲۰۳۹)

ان مذکورہ الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ کا استعمال نہ کرنا چاہئے ، اور وہاں کے

مجاوروں کو بطور چندہ کچھ دینا ناجائز اور حرام ہے۔

ومايؤخذ من الدراهم، والشمع، والزيت، ونحوها إلىٰ ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل وحرام. (طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب مایلزم الوفاء به دارالکتاب دیو بند/۶۹۳ قدیم /۳۷۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۵/۱۴۲۵ھ

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال: [۴۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت کو قبرستان میں ایصال ثواب کیلئے دعا کیلئے ہاتھ پھیلا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: فرقان احمد، دلپت پور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کی گنجائش ہے، البتہ اس بات کا لحاظ ضرور رکھا جائے، کہ جس کی مغفرت کی دعا کی جائے، اس کی قبر سے دوسری طرف رخ موڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے تاکہ کم علم لوگوں کو شک وشبہ پیدا نہ ہو سکے، اور اجتماعی طور پر قبرستان میں دعا مانگنا ثابت نہیں ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۴/۲۲۴)

في حديث عبد الله بن مسعودؓ رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبد الله ذي البجادين – الحديث– وفيه: فلمّا فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه. (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، قدیم ۱۱/۱۴۴،

اشرفیہ ۱۱/۷۳، تحت رقم الحدیث ۶۳۴۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۷/۱۴۳۱ھ

قبر بوسی کا مسئلہ

سوال: [۴۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بوقت ملاقات علماء وصلحاء وبزرگوں کے دست وپا کا بوسہ لینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ ایسے ہی جب لوگ زیارت قبر یا اولیاء کے مزارات پر جاتے ہیں تو مزار کے پائتانہ کو بوسہ لیتے ہیں تو اس طرح بوسہ لینا کیسا ہے؟ بریلوی حضرات فتاویٰ رشیدیہ اور تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے بڑے زور دار انداز سے اس مسئلہ کا جواز پیش کرتے ہیں، آنجناب سے درخواست ہے کہ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں، کرم ہوگا۔

المستفتي: محمد یامین اصغر، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جذبۂ محبت، جذبۂ شوق، اور جذبہ احترام میں ہاتھ چوم لیا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ، زکریا مسئلہ نمبر ۱۷۵، ۱/۱۴۲، قدیم: ۱۶۶)

لا بأس بتقبیل ید الرجل العالم و المتورع علی سبیل التبرک .

(شامی ، کتاب الحظر والإباحة ، باب الإستبراء وغیرہ کراچی ۶/۳۸۳، زکریا دیوبند ۹/۵۴۹، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صفة الأذکار الواردة بعد صلاة الفرض ، دارالکتاب دیوبند/۳۱۹)

اور بہتر وافضل یہ ہے کہ پیر کو نہ چوما جائے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ/۱۰۳)

البتہ اولیاء اللہ وبزرگان دین کی قبروں کا بوسہ لینا اوران کے مزارات کے پائتانہ وغیرہ کا بوسہ لینا کفار ومشرکین کا طریقہ ہے، اسلئے قطعاً ناجائز اور حرام ہے، اور پائتانہ میں نہ

تو بزرگوں کا براہ راست ہاتھ ہوتا ہے، اور نہ براہ راست پیر ہوتا ہے، اور اس کا بھی یقین نہیں ہے، کہ ان کے ہاتھ پیر اس قبر میں صحیح وسالم موجود ہیں یا سڑ گل کر مٹی بن گئے ہیں، تو پھر کس چیز کا بوسہ، نیز حدیث شریف میں اس کو یہود ونصاریٰ کی عادت وعمل بتایا گیا ہے۔ ۔

(مستفاد:عزیز الفتاویٰ/ ۹۰، احیاء العلوم ۱/ ۱۴۰)

وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضي به آثمان لأنه يشبه عبادة الوثن . (شامي ، كتاب الحظر والإباحة ، باب الإستبراء وغيره كراچی ٦/ ٣٨٣، زكريا ٩/ ٥٥٠، عالمگيری ، كتاب الكراهية ، الباب الثامن والعشرون ، في ملاقاة الملوك والتواضع لهم وتقبيل أيديهم ٥/ ٣٦٩، جديد ٥/ ٤٢٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍۷؍۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۲۱ھ

روزانہ فجر کے بعد زیارت قبور کیلئے جانا

سوال: [۴۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسجد ہے جس میں لوگ فجر پڑھکر التزام کے ساتھ اعلان کئے بغیر قریب کے قبرستان میں جا کر زیارت کرتے ہیں، اور امام صاحب دعا کرتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

المستفتي: احقر محمد علیم الدین قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قبرستان میں جا کر میت کیلئے استغفار کرنا اور دعا مانگنا فی نفسہ جائز ہے، لیکن قبرستان میں جمع ہو کر قبروں کی زیارت کا التزام اور اس کے بعد میں امام صاحب کا اجتماعی دعا کرانا حدیث وفقہ اور دور صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں، البتہ

انفرادی طور پر قبرستان میں جاکر اہل قبور کو سلام کرکے اور اہل قبور کو دیکھ کر آخرت کی یاد دہانی حاصل کرنا حدیث سے ثابت ہے، اور ساتھ میں اہل قبور کیلئے کچھ پڑھ کر ثواب پہونچادینا جائز ہے، مگر جو طریقہ سوالنامہ میں مذکور ہے، شریعت سے اس کا ثبوت نہیں۔

عن ابن مسعودؓ أن رسول الله ﷺ قال: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا، وتذكر الآخرة. (سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في زيارة القبور، النسخة الهندية ١١٢/١، ١١٣، دارالسلام رقم: ١٥٧١، مكتبه نزار مصطفى الباز جديد ٥٣٥/٢، رقم: ١٣٨٧، مشكوٰة شريف ١٥٤/١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٥ر ربیع الاول ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٧٦٠٣/٣٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٥/٤/١٤٢٣ھ

زیارت قبور کیلئے عورت کا قبرستان جانا

سوال: [٤٠٠٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زیارت قبور عام مسلمین کیلئے یا اپنے کسی عزیز کی قبر کی زیارت اور ایصال ثواب کیلئے عورت کسی شرط کیساتھ قبرستان جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: کمیٹی قبرستان احمد گڑھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حدیث پاک کے اندر زیارت قبور کی علت بتلائی گئی ہے، اس سے آخرت کی یاد آتی ہے، اور یہ بات عام ہے، خواہ عام قبروں کی زیارت کی جائے یا اپنے کسی عزیز واقارب کی قبر کی کیجائے، لہٰذا علت مذکورہ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے، کہ زیارت قبور عام مسلمین کیلئے ہے، البتہ حدیث پاک کے اندر اس بات

کی صراحت ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو پابندی کے ساتھ اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرے تو اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے، اور اس کا شمار صالحین میں ہوگا، اور چونکہ عورتوں کا دل کمزور ہوتا ہے، قبروں کے پاس جا کر جزع وفزع کرتی ہیں اسلئے ان کا قبرستان نہ جانا بہتر ہے، البتہ اگر کوئی عورت اپنے اوپر قابو یافتہ ہو اور سنت طریقہ کے خلاف کوئی حرکت نہیں کرتی ہے تو ایسی عورت کیلئے گنجائش ہے، اور اگر قابو یافتہ نہیں ہے، تو نہ جانا ہی بہتر ہے، رہا مسئلہ ایصال ثواب کا تو قبرستان پر نہ جا کر کے گھر میں بیٹھے بیٹھے بھی ایصال ثواب کرسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ زکریا مسئلہ نمبر ۱۱۱۵ ص: ۵۸۴، قدیم/ ۵۹۲)

كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة . (مشكوٰة شريف / ١٥٤، سنن ابن ماجه، الجنائز باب ماجاء في زيارة القبور، النسخة الهنديه ١/ ١١٢-١١٣، دار السلام رقم: ١٥٧١، المستدرك، كتاب الجنائز، قديم ١/ ٣٧٤، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز جديد ٢/ ٥٣٥، رقم: ١٣٨٧)

زار قبر أبويه أو أحدهما في كل جمعة غفرلهٗ وكتب براً. (مشكوٰة شريف/ ١٥٤ شعب الايمان، باب في بر الوالدين، فصل في حفظ حق الو الدين بعد موتها دار الكتب العلمية بيروت ٦/ ٢٠١، رقم: ٧٩٠١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۸؍ شوال ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۷۹)	۱۴۲۵/۱۰/۲۸ھ

عورتوں کا مزارات پر جانا اور چادر چڑھانا

سوال: [۴۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا عورتوں کا عرس وغیرہ کے موقع پر مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ یا جیسا کہ عام رواج ہے کہ پیرو جمعرات، جمعہ کو مزارات پر حاضر ہوکر شیرینی چادر وغیرہ چڑھائی جاتی ہیں آیا یہ فعل

جائز ہے یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: مولانا حنیف، مدرسہ مدینۃ العلوم، محلّہ کھتاڑی، رام نگر، ضلع: نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایصال ثواب کی غرض سے مذکورہ ایام میں مزارات پر جانا ثابت ہے البتہ شیرینی اور چادر وغیرہ چڑھانا ثابت نہیں ہے، محض بدعت ہے۔

إن الأفضل يوم الجمعة والسبت والإثنين والخميس فقال محمد بن واسع الموتى يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوماً قبله ويوماً بعده فتحصل أن يوم الجمعة أفضل الخ . (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی زیارة القبور، زکریا دیوبند ۳/ ۱۵۰، کراچی ۲/ ۲۴۲، هندیه، کتاب الکراهیة الباب السادس عشر في زيارة القبور وقراءة القرآن فی المقابر ۵/ ۳۵۰، جدید۵/ ۴۰۵)

اور عرس کے موقع پر عورتوں کا مزارات پر جانا ممنوع ہے۔(بہار شریعت مصنفہ مولانا امجد علی بریلوی ۴/ ۱۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۹۷)

عورتوں کیلئے قبروں کی زیارت کا حکم

سوال: [۴۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زیارت قبور خصوصاً اولیاء کرام یا انبیاء کرام کے مزارات کی حاضری کا کیا حکم ہے؟ مردوں اور عورتوں کیلئے ایک ہی حکم ہے یا علیحدہ اگر عورتوں کے واسطے بوجہ فساد عقیدہ ممانعت ہے تو اس مرض میں مرد بھی کم نہیں عورتوں کیلئے علیحدہ حکم کی وضاحت کی جائے، تاکہ دلیل کیسا تھ ان کو اس سفر سے روکا جاسکے بعض بوڑھی عورتیں کہہ دیتی ہیں کہ ہم اب ناپاک نہیں ہوتیں ہم بھی اب

ایصال ثواب کیلئے حاضر ہونا چاہتی ہیں، ہمارے لئے خصوصاً کیوں ممانعت ہے یہاں سے کچھ لوگ باقاعدہ سرہند اور براس کے مزارات کی زیارت کیلئے پروگرام بنا کر بشمول مستورات عرس اور عرس کے علاوہ بھی جانے لگے ہیں ان لوگوں کو کیسے روکا جائے؟

المستفتي: محمد یونس، جامع مسجد، احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں زیارت قبور کیلئے جانا مستحب ہے، اور عورتوں کیلئے زیارت قبور کرنا سو اگر مقصود نوحہ کرنا اور غم تازہ کرنا ہو تو جائز نہیں ہے، اور اگر عبرت اور برکت کیلئے ہے تو صرف بڈھیوں کیلئے پردہ کے اہتمام کے ساتھ اگر چہ جائز ہے لیکن نہ جانا ہی بہتر ہے، اور جوانوں کیلئے تو ہرگز جائز نہیں ہے اور عورتوں کیلئے ممانعت کی وجہ فساد عقیدہ کیساتھ ساتھ دراصل فتنہ کا خوف اور فساد زمانہ ہے، جیسا کہ نماز کیلئے مساجد میں آنے کی ممانعت ہے اور سرہند اور براس وغیرہ مقامات پر جانا زیارت کیلئے اگر چہ مرد اور بوڑھی عورت کیلئے جائز ہے، لیکن تاریخ متعین کر کے یا عرس وغیرہ میں شرکت کیلئے جانا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۱/۷۵۳)

وقال الخير الرملي إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ماجرت به عادتهن فلا تجوز وعليه حمل حديث لعن الله زائرات القبور وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين ، فلا بأس إذاكن عجائز ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد. (شامي ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب في زيارة القبور كراچی ۲/۲۴۲، زكريا ديوبند ۳/۱۵۱)

وفي الطحطاوي بل تحرم في هذالزمان الخ. (طحطاوی علی المراقی ، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور ، دارالكتاب ديوبند/ ۶۲۰، قديم / ۳۴۰)

عرس میں جانے والی عورتوں کے شوہروں کی ذمہ داری ہے کہ ان کو عرس میں جانے

سے روکیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۷/۲ھ

عورتوں کے لئے زیارت قبور

سوال: [۴۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کا اعزہ کی قبروں کی زیارت کے لئے جانا کیا حکم رکھتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مکمل پردے میں محرم کے ساتھ اپنے قریبی عزیز کی قبر پر جانا عورت کے لئے مباح ہے، بشرطیکہ نوحہ وغیرہ نہ ہو جیسا کہ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ کی قبر پر گئی تھیں، (لیکن نہ جانا ہی بہتر ہے)۔ (مستفاد: کفایت المفتی زکریا ۴/۱۹۴، جدید زکریا مطول ۵/۵۵۹، مکتبہ امدادیہ ۴/۱۸۳، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۱۹۱، میرٹھ ۱۳/۳۲۹، آپکے مسائل ۴/۴۰۶)

قوله: ولو للنساء، وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهنّ.

(شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارت القبور كراچی ۲/۲۴۲، زكريا ۳/۱۵۰)

والأصح أنّ الرّخصة ثابتة للرّجال والنّساء، وحاصله أن محل الرخص لهن، إذا كانت الزيارة على وجه ليس فيه فتنة. (حاشية الطحطاوی على المراقی، فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ديوبند/ ۶۲۰)

فالصواب الذى ينبغي عليه الاعتماد هو جواز الزيارة للنساء، إذا كان الأمن من تضييع حق الزوجة والتبرج والجزع والفزع، ونحوه من الفتن. (بذل المجهود، الجنائز، باب فى زيارت النساء القبور، دارالبشائر الإسلامية

۱۰/۵۲۸، تحت رقم الحديث/٦٢٣٦)

عن عبد الله بن مليكة قال: توفي عبد الرحمن بن أبى بكر رضی بالحبشي قال فحمل إلى مكة فدفن فيها فلما قدمت عائشة رضی أتت قبر عبدالرحمن . الحديث: (ترمذی ، الجنائز، باب ماجاء فی الزيارة للقبور للنساء ، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم الحديث /۱۰۵۵)

ويرد عليه أن عائشة كيف زارت مع النهى ، ويمكن أن يجاب أن النهي محمول على تكثير الزيارة ، لأنه صيغة مبالغة ولذا قالت: لو شهدتک ما زرتک لأن التكرار ينبئ عن الإكثار . (حاشية ترمذی، النسخة الهندية ۱/۲۰٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۴۶)

عورتوں کا اولیاء کی قبروں پر جانا

سوال: [۴۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عورتوں کا قبروں پر جا کر چادر چڑھانا اور بوس وکنار کرنا کیسا ہے اور کیا عورتیں صاحب قبر کو برہنہ نظر آتی ہیں، اور عورتوں کے لئے قبر پر جانے کا کیا حکم ہے؟ کیا اولیاء اللہ کی قبر پر جاسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتي: مسعود احمد خان، کاس گنج، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں زیارت قبور سے منع فرمایا بعد میں یاد آخرت اور عبرت حاصل کرنے کی غرض سے زیارت قبور کی اجازت ہوگئی، لیکن یہ اجازت صرف مردوں کے واسطے ہے عورتوں کیلئے نہیں ہے، اس لئے کہ عورتیں قبروں اور مزارات پر جا کر عبرت حاصل نہیں کرتیں بلکہ یا تو جزع فزع کرتی ہیں، یا

اولیاءاللہ سے مرادیں مانگتی ہیں، یہ دونوں چیزیں ناجائز اورحرام ہیں، اوراس نیت سے قبروں پرچادر چڑھانا کہ چادر چڑھانے کی وجہ سے صاحب قبرکوفائدہ پہونچتاہے، یا چادر چڑھانے کے نتیجہ میں چادر چڑھانے والے کی مراد پوری ہوگی، یہ دونوں باتیں ناجائز ہیں، اسی طرح بوسہ دینا بھی جائز نہیں، حدیث میں وارد ہے کہ قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت ہوتی ہے اوریہی بات فقہاء نے بھی لکھی ہے، اب رہی یہ بات کہ میت کی روح کو عورتیں ننگی نظر آتی ہیں، احقرؒ کی نظر سے نہیں گذری۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم لعن زوارات القبور. (ترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی كراهية زيارة القبور للنساء، النسخة الهندية ۱/۲۰۳، دارالسلام رقم: ۱۰۵۶)

وأعلم بأنها كلما قصدت الخروج كانت فی لعنة الله والملائكة وإذا خرجت يحفها الشيطان من كل جانب، وإذا أتت القبور يلعنها روح الميت، وإذا رجعت كانت فی لعنة الله. (تاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الجنائز، المتفرقات زكريا۳/۹۲، رقم: ۳۸۰۲)

ولا يمس القبر ولا يقبله فإنه من عادة أهل الكتاب. (طحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ديوبند/۶۲۰)

تكره الستور علی القبور. (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت كراچی ۲/۲۳۸ زكريا۳/۱۴۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمدقاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۶۸)

الجواب صحیح:
احقرمحمدسلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۴/۶/۲۶ھ

قبروں پرچادر چڑھانا

سوال: [۴۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبروں پر

چادر چڑھانا، پھول شیرینی چڑھانا کیسا ہے؟

المستفتي: زبیر عالم انصاری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قبروں پر چادر پھول شیرینی وغیرہ چڑھانا خلفائے راشدین، ائمہ مجتہدین وسلف صالحین سے ثابت نہیں ہے یہ سب بدعات ممنوعہ ہیں، مسلمانوں کو ان سب خرافات سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۲/ ۳۸۱، ۱/ ۲۰۹، ۱۱/ ۴۳، جدید ڈابھیل ۹/ ۲، ۱۷۴، ۱۷، امداد الفتاویٰ ۵/ ۳۴۰)

قال العيني: إن إلقاء الريا حين ليس بشيئی. (فيض الباری، الجنائز، باب الجريد على القبر كوئٹہ ۲/ ۴۸۹)

كره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء... ويكره الستور على القبور. (شامی، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فی النظر واللمس كراچی ۶/ ۳۶۳، زكريا ۹/ ۵۲۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۷۳)

حاجت روائی کی خاطر چراغاں کرنا

سوال: [۴۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گھر میں ایک گھنٹہ چراغی کرنے کو کہتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟ اوپر سے کہتے ہیں انھیں چراغوں سے مانگو یہی بیڑا پار لگائیں گے۔

المستفتي: محمد جاوید، محلّہ شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گھر پر چراغی دینا اور ان چراغوں سے مانگنا اور انکو

حاجت روا سمجھنا موجب شرک ہے،توبہ کرکے باز آجانا لازم ہے۔(مستفاد:محمودیہ۱/ ۲۰۶)

أن اسراج السرج الکثیرة فی السلک والأسواق بدعة الخ. (نفع المفتی والسائل/۱۳۸، فتاویٰ محمودیه قدیم ۱/ ۲۲۵، ڈابھیل ۳/ ۲۶۰، من تنقیح الشامی الحامدیه ۲/ ۳۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/ ۸۹۹)

۱۸/ باب إيصال الثواب للميت

کیامؤمن اپنی قبر میں ثواب کا محتاج ہے؟

سوال: [۴۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب مؤمن بندہ کا انتقال ہوجاتا ہے، تو وہ قبر میں ثواب کیلئے محتاج ہوجاتا ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبدالسلام، ضلع پورنیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں مؤمن بندہ اپنی قبر میں خود ثواب کا محتاج ہوتا ہے۔

عن عبد الله بن عباس رضـ قال: قال النبي ﷺ ما الميت في القبر إلا كالغريق المتغوث، ينتظر دعوة تلحقه من أب، وأم، أو أخ، أو صديق، فإذا لحقته كانت أحب إليه من الدنيا ومافيها، وإن الله عزوجل ليدخل على أهل القبور من دعاء أهل الأرض أمثال الجبال، وإن هدية الأحياء إلى الأموات الاستغفار لهم. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في بر الوالدين، فصل في حفظ حق الوالدين بعد موتهما، دارالكتب العلمية بيروت ٢٠٣/٦، رقم: ٧٩٠٥، باب في الصلاة، على من مات من أهل القبلة، فصل في زيارة القبور ١٦/٧، رقم: ٩٢٩٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۹)

ایصال ثواب زندہ مردوں دونوں کو کیا جاسکتا ہے

سوال: [۴۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا قرآن پڑھ کر زندہ کو بھی بخشا جاسکتا ہے؟ یا صرف مردوں کو کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن خوانی اپنی کرنی چاہئے؟ یہ کیسا ہے درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد شفیع احمد بحرین، معرفت: مولانا عبدالجبار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دونوں کیلئے درست ہے۔

الأصل أن كل من أتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره (تحته في الشامية) أى من الأحياء والأموات. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الحج، باب الحج، عن الغير مطلب فيمن أخذ في عبادته شيئا من الدنيا كراچی ۲/ ۵۹۵، ۵۹۶، زکریا ٤/ ۱۰، ۱۱، مطبوعه كوئٹه /٦ ۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رشوال ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱۴/۲۳)

ایصال ثواب سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یا راحت میں اضافہ ہوتا ہے!

سوال: [۴۰۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایصال ثواب کرنے سے مردے کی روح کو کیا فائدہ پہونچتا ہے، یعنی اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے یا اسکی راحت میں اضافہ ہوتا ہے؟

(۲) قبر پر جب کوئی فاتحہ پڑھنے جاتا ہے، یا گھر پر ایصال ثواب کرتا ہے تو کیا

مردے کی روح کو خبر ہو جاتی ہے، اور اس کی روح خوش ہوتی ہے، یا روح کو بالکل خبر نہیں ہوتی کہ اس کیلئے کیا کیا جا رہا ہے؟

المستفتي: احقر محمد احمد خان، فیض گنج، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) میت کو ثواب پہونچانے سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، درجات کی بلندی میں ترقی ہوتی ہے، حزن میں کمی ہوتی ہے، سرور میں اضافہ ہوتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰/۲۸۴، جدید ڈابھیل ۹/۲۱۸)

عن أنس أنه سأله ، ﷺ فقال یا رسول اللّٰہ ﷺ إنا نتصدق عن موتانا ، ونحج عنهم وندعولهم ، فهل یصل ذلک إلیهم ؟ قال : نعم ، إنه لیصل إلیهم ، وإنهم لیفرحون به کما یفرح أحدکم بالطبق إذا أهدیٰ إلیه ،رواہ ابو حفص الکبیر العکبری . (فتح القدیر ، کتاب الحج ، باب الحج عن الغیر زکریا ۳/۱۳۳ ، کوئٹہ ۳/٦٦، مصری قدیم ۳/۱٤۳)

(۲) میت کو جب ایصال ثواب کیا جاتا ہے، تو مردہ کو اس سے خوشی ہوتی ہے، اور زندوں کے اچھے برے اعمال جن کا تعلق سب سے ہوتا ہے، اسکی میت کو اطلاع دی جاتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲/۴۰۹، جدید ڈابھیل ۱/۵۹۷)

عن أنس بن مالک ؓ یقول: قال النبی ﷺ إن أعمالکم تعرض علی أقاربکم وعشائرکم من الأموات ، فإن کان خیرًا استبشروا به ، وإن کان غیر ذلک ، قالوا: اللّٰهم لا تمتهم حتی تهدیهم کما هدیتنا . (مسند أحمد بن حنبل ۳/۱٦٥ ، رقم: ۱۲۷۱۳ ،و مثله فی المعجم الأوسط للطبرانی ، من أسمه أحمد دار الفکر بیروت ۱/٥٦، ٥۷ ، رقم: ۱٤۸ ، المعجم الکبیر للطبرانی دار احیاء التراث العربي ٤/۱۲۹ ، رقم: ۳۸۸۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍رجب ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۷/۱۴۲۰ھ

مرنے کے بعد بعض جائز وناجائز اعمال

سوال: [۴۰۱۴]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آدمی کے مرنے کے بعد اس کے حق میں شریعت کی رو سے کیا کیا کرنا چاہئے ، نیز لوگ تیجہ چالیسواں کرتے ہیں تو یہ کرنا جائز اور درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد طیب سیتاپوری، متعلم: مدرسہ شاہی، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: انسان کے مرنے کے بعد جو چیز شریعت میں ثابت اور محبوب ہے اور میت کے حق میں مفید اور کارگر ہے وہ اس کیلئے ایصال ثواب کرنا ہے، اس کے علاوہ دیگر چیزیں تیجہ و چالیسواں وغیرہ اور دیگر رسومات سب بے اصل ہیں، جن کا سلف و خلف و خیر القرون تک کہیں بھی کسی سے ثبوت نہیں ملتا بلکہ فقہاء نے ان تمام رسومات کو بدعت قبیحہ فرمایا ہے، اسلئے مسلمانوں کو ان رسومات وبدعات سے احتراز واجتناب کرنالازم ہے۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله، إلا من ثلاثة ، إلا من صدقة جارية ، أوعلم ينتفع به ، أو ولد صالح يدعوله . (صحيح مسلم ، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته ،النسخة الهندية ۲/ ٤١، بيت الأفكار رقم : ١٦٣١)

ويكره الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا فى الشرور وهى بدعة مستقبحة (قوله) ويكره اتخاذ الطعام أى فى اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع. (شامى ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت كراچى ٢/ ٢٤٠،زكريا٣/ ١٤٨)

وإطعام الطعام فى الأيام المخصوصة كالثالث والخامس و التاسع

والعاشر والعشرين والأربعين والشهر السادس والسنة بدعة . (شرح منهاج بحواله امداد المفتيين ٢/ ١٥٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۷؍۱۴۲۱ھ

کیا میت کوثواب پہنچتا ہے؟

سوال: [۴۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر مردہ کو ایصال ثواب کیا جائے تو اسے ثواب پہونچتا ہے یا نہیں؟ اگر ثواب پہونچتا ہے تو کیا اس ایصال ثواب سے عذاب وعقاب میں بھی کمی ہوجاتی ہے، یا نہیں؟ قرآن وحدیث میں اس کی کوئی صراحت ہوتو تحریر فرمائیں؟

المستفتي: جاوید عالم بن ظہیر عالم، لاجپت نگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نیک کام مثلاً صدقہ خیرات حج بدل اور تلاوت وغیرہ کرکے ایصال ثواب کرنے سے یقیناً مردے کوثواب پہونچتا ہے اور اس کے ذریعہ سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، اور ثواب پہونچانے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكراً أو حجاً أو غير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة . (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير زكريا ٣/ ١٠٥، كوئٹه ٣/ ٥٩)

قال الخطابي وفيه دليل على استحباب تلاوة الكتاب العزيز على القبور لأنه إذا كان يرجى عن الميت التخفيف بتسبيح الشجر فتلاوة القرآن سورة يٰس خفف الله عنهم يومئذ. (عمدة القارى، كتاب الوضوء، باب من

الکبائر أن لا یستتر من بوله زکریا ۲/۵۹۸، تحت رقم الحدیث: ۳۱۸/۳،۲۱۶۱)

عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده قال قال رسول الله ﷺ لأبي إذا أردت أن تتصدق صدقة فاجعلها عن أبویک فإنه یلحقهما و لا ینتقص من أجرک شیئاً. (شعب الإیمان، دارالکتب العلمیة بیروت ٦/٢٠٤،حدیث ٧٩١١)

عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله ﷺ من حج عن والدیه بعد وفاتهما کتب له عتقاً من النار وکان للمحجوج عنهما أجر حجة تامة من غیر أن ینقص من أجور هما شیئاً. (شعب الإیمان، دارالکتب العلمیه بیروت ٦/٢٠٤، حدیث: ٧٩١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۰۹/۳۸)	۱۴۲۹/۵/۱۵ھ

کیا ایصال ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے

سوال: [۴۰۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم لوگ میت کیلئے ایصال ثواب قرآن نماز صدقہ خیرات وغیرہ سے جو کرتے ہیں، تو کیا وہ سب ثواب مرحومین کو پہونچ جاتا ہے؟ یا ہم کو بھی اس تلاوت، خیرات، صدقہ، نماز وغیرہ کا ثواب ملتا ہے؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج، سعودی عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کریم کی تلاوت نیز ذکر واذکار نماز روزہ وغیرہ اسی طرح غرباء ومساکین پر صدقہ خیرات کرکے مرحومین کو جو ثواب پہونچایا جاتا ہے، تو اسمیں مرحومین کو ثواب پہونچنے کیساتھ ساتھ پڑھنے والوں یا صدقہ کرنے والوں کو بھی برابر

کا ثواب ملتا ہے کسی کے ثواب میں کمی نہیں کی جاتی ہے۔

وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تصدق بصدقة تطوعاً أن يجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شيئاً رواه الطبراني فى الأوسط وفيه خارجة بن مصعب الضبي وهو ضعيف. (مجمع الزوائد، باب الصدقة على الميت دارالكتب العلمية بيروت ٣/١٣٨، ١٣٩، رقم: ٤٧٦٩)

فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة سواء كان المجعول له حيا أو ميتا من غير أن ينقص من أجره شيئى وأخرج الطبراني والبيهقي فى الشعب عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً فليجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيئى. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، دارالكتاب ديوبند/ ٦٢٢، قديم/ ٣٤١، هكذا فى الشامى، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فى القراءة للميت وإهداء ثوابها له، كراچى ٢/٢٤٣، زكريا٣/ ١٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۷۹)

قرآن خوانی، میلاد، خیرات اور نوافل کے ثواب کی مقدار

سوال: [۴۰۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے چار لڑکے تھے اس شخص کا انتقال ہوگیا، ایک لڑکا کہتا ہے کہ میں اپنے باپ کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کرونگا، دوسرے لڑکے نے کہا کہ میں میلاد شریف کرونگا، تیسرے لڑکے نے

کہامیں اپنے باپ کیلئے خیرات کروں گا، چوتھے لڑکے نے کہامیں اپنے باپ کیلئے نفل پڑھکر ثواب پہونچاؤنگا اب آپ یہ بتائیں کہ سب کوالگ الگ کام کرنے میں کتنی نیکیاں ملیں گی؟

المستفتي: محمد ابراہیم، ڈاکخانہ، ہاتھی پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآن پڑھنے والے کی طرف سے ہرایک آیت کے عوض دس آیتوں کا ثواب اورصدقہ کرنے والے کی طرف سے ہرایک روپیہ کے عوض دس روپیہ کا ثواب اورنفل پڑھنے والے کی طرف سے ہرایک نفل کے عوض دس نوافل کا ثواب ملتا رہے گا اورثواب دس سے لیکرسات سوگنا تک ملتا رہے گااوراللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

مَنۡ جَاءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا. (الإنعام: ١٦٠)

اورحدیث شریف میں آیا ہے۔

عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ كل عمل ابن آدم يضاعف، الحسنة أمثاله إلى سبع مأة ضعف الحديث. (صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب فصل الصيام ،النسخة الهندية ١/ ٣٦٣، بيت الأفكار رقم: ١١٥١)

اورمروجہ میلادشریف کرنے والے کی طرف سے اس مرحوم باپ کوکوئی ثواب کی امید نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۳؍محرم ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۹۲)

الجواب صحیح:
احقرمحمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱/۳ھ

کیامردہ ایصال ثواب کرنے والے کو پہچانتا ہے؟

سوال: [۴۰۱۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیاپنج گانہ اذان قبرستان میں مردے سنتے ہیں اوراگرقبرستان میں پہونچ کرکوئی ایصال ثواب کرتا ہے تو قبروں والے اسے پہچانتے ہیں یانہیں؟ جبکہ وہ رشتہ داریاماں باپ اہل وعیال

ہوں؟مفصل جواب تحریرفرمائیں؟

المستفتي: محمدعثمان،فینسی کارنر،راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بعض احادیث شریفہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے، کہ مردہ اتنی دور کی بات سن لیتا ہے جتنی دور سے عام طور پر لوگ سنا کرتے ہیں، حدیث شریف میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، کہ جب تم قبرستان کے پاس سے گذرو تو ان کو ان الفاظ سے سلام کرو ''**السلام عليكم يا دار قوم مؤمنين**'' نیز حدیث قلیب بدر کے بارے میں اگر چہ کچھ اختلاف ہے لیکن حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے صراحت کے ساتھ یہ روایت مروی ہے کہ مردہ اپنی قبر میں سنتا ہے۔

عن ابن عمر قال وقف النبي ﷺ على قليب بدر فقال هل وجدتم ما وعدربكم حقاً ثم قال إنهم الآن يسمعون ما أقول لهم . (بخاری شریف، کتاب المغازی، باب قتل أبی جهل، النسخة الهندية ۲/۵۶۷، رقم: ۳۸۳۷، ف: ۳۹۸۰)

عن أنس عن النبي ﷺ قال العبد إذا وضع في قبره وتولّى وذهب أصحابه حتى أنه يسمع قرع نعالهم . (بخاری شریف، کتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال ۱/۱۷۸، رقم: ۱۳۲۳)

اگر قبرستان سے مسجد متصل ہے اوراس میں اذان دی جارہی ہے، تو اس مسجد کی اذان اس قبرستان کے مردے اتنی دور تک سن سکتے ہیں جتنی دور تک مؤذن کی آواز پہونچتی ہے، جب مردے قبرستان سے گذرنے والے لوگوں کے جوتے کی آواز سنتے ہیں تو اذان کا سننا بھی انہیں روایات سے ثابت ہے۔

عن أنس عن النبي ﷺ قال العبد إذا وضع في قبره وتولّى وذهب أصحابه حتى أنه يسمع قرع نعالهم . (بخاری شریف، کتاب الجنائز، باب الميت يسمع خفق النعال، النسخة الهندية ۱/۱۷۸، رقم: ۱۳۲۳)

اورسوالنامہ میں سوال قائم کیا گیا ہے، کہ کوئی رشتہ دار قبرستان میں جا کر ایصال ثواب کرتا ہے، تو مردہ اس کو پہچان بھی لیتا ہے، اور اس سے مانوس بھی ہوتا ہے، حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح کے اندر اس طرح کی روایتیں نقل فرمائی ہیں۔

قال ابن عبد البر ثبت عن النبی ﷺ أنه قال مامن مسلم یمر علی قبر أخیه کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه إلا ردالله علیه روحه حتی یرد علیه السلام ، فهذا نص فی أنه یعرفه بعینه ، ویرد علیه السلام . (الروح /۲۳)

عن عائشة رضی الله عنها قالت : قال رسول الله ﷺ ما من رجل یزور قبر أخیه ویجلس عنده إلا استأنس به ورد علیه حتی یقوم . (کتاب الروح /۲۵)

عن أبی هریرةؓ قال: إذا مر الرجل بقبر أخیه فسلم علیه رد علیه السلام وعرفه وإذا مر بقبر لا یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام . (کتاب الروح /۲۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۵۷۰/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۳/۱۴۲۳ھ

ایصال ثواب کا بہتر طریقہ

سوال: [۴۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایصال ثواب کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟

المستفتي: حبیب الرحمٰن، ساکن شہباز پور کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس کیلئے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں ہے، تلاوت قرآن صدقہ وخیرات وغیرہ کار خیر میں سے جس سے چاہے، کر دیا کریں۔

سواء كانت صلوٰة أو صوماً أو صدقةً أو قراء ة أو ذكراً أو طوافاً الخ. (شامی، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فيمن أخذ من عبادته شيئاً من الدنيا زكريا٤/ ١٠، كراچی ٢/ ٥٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ / ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۳/ ۱۴۱۲ھ

غریبوں کو کھانا کھلائیں یا مسجد و مدرسہ کی تعمیر کرائیں

سوال: [۴۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک بڑی رقم خرچ کر کے اللہ کے نام پر مہمانوں رشتہ داروں دوست واحباب غریبوں یتیموں بیواؤں مسکینوں ناداروں کو کھانا کھلا کر اس کا ثواب والدین کی روح کو پہونچایا جائے یا وہ رقم مسجد کی توسیع وتعمیری کام میں خرچ کی جائے؟

(۲) کس کام کو کرنے سے مقصد پورا ہوگا، کھانا کھلانے سے یا مسجد کی توسیع وتعمیر میں خرچ کرنے سے؟ بالتفصیل جواب سے نوازیں؟

المستفتی: محمد نعیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مہمانوں، رشتہ داروں اور یتیموں وغیرہ کو کھانا کھلا کر ثواب پہونچانے اور مسجد کی توسیع وتعمیر میں خرچ کر کے ثواب پہونچانے ہر دو کام سے مقصد پورا ہو جائیگا، مگر مسجد کی توسیع وتعمیر میں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ صدقۂ جاریہ ہے، اس کا ثواب برابر ملتا رہیگا۔

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: سبعة يجري للعبد أجرهن وهو في قبره بعد موته من علم علما، أو كرى نهراً، أو حفر بئراً، أو غرس

نـخلاً، أو بـنـي مسجداً، أو ورث مصحفاً، أو ترک ولدا یستغفر له بعد موته.
(شعب الإیمان للبیهقی ، باب فی الزکاۃ ، فصل فی الاختیار في صدقة التطوع ، دارالکتب العلمیة بیروت ۳/ ۲٤۸، رقم: ۳٤٤۹، ومثله۳٤٤۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۸۷)

مالی صدقات کا ثواب مرحومین کو پہونچانا کس حدیث سے ثابت ہے؟

سوال: [۴۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مالی صدقات کا ثواب مرحومین کو پہونچانا کسی حدیث شریف سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حدیث شریف تحریر فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالی صدقات کا ثواب مرحومین کو پہنچانا جائز اور افضل ہے جو مندرجہ ذیل روایات سے ثابت ہے۔

عن ابن عباسؓ أن رجلاً قال: یارسول اللہ ﷺ! إن أمي توفیت أفینفعها إن تصدقت عنها، قال نعم، قال: فإن لي مخرفاً فأشهدک أنی قد صدقت به عنها. (ترمذی شریف، أبواب الزکاۃ ، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت ، النسخة الهندیة ۱/ ۱٤۵، دارالسلام رقم: ٦٦۹، سنن نسائی، فضل الصدقة عن المیت ، النسخة الهندیة ۲/ ۱۱٤، رقم: ۳٦۵۵، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۳۷۰، رقم: ۳۵۰٤، صحیح ابن خزیمه ، المکتب الإسلامی ۲/ ۱۱۹۷، رقم: ۲۵۰۰، سنن أبی داؤد ، باب فیمن مات من غیر وصیة یتصدق عنه ، النسخة الهندیة ۱/ ۳۹۸، دارالسلام رقم: ۲۸۸۲، المستدرك ، کتاب الزکاۃ ، قدیم۱/ ٤۲۱، مکتبه نزار مصطفی الباز ۲/ ۵۹۱، رقم: ۱۵۳۱)

أنبأنا ابن عباسؓ أن سعد بن عبادة أخا بنی ساعدة توفیت أمه وهو

غائب عنها، فأتى النبى ﷺ فقال: يارسول الله ﷺ! إن أمى توفيت وأنا غائب عنها فهل ينفعها شيء إن تصدقت به عنها، قال: نعم، قال فإنى أشهدک أن حائطى المخراف صدقة عليها. (بخارى شريف، كتاب الوصايا، باب الاشهاد في الوقف والصدقة والوصية، النسخة الهندية ١/٣٨٧، رقم: ٢٦٨١، ف: ٢٧٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۴۰)

کیا عبادات بدنیہ کا ثواب پہونچانا بھی حدیث سے ثابت ہے؟

سوال: [۴۰۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عبادات بدنیہ کا ثواب دوسروں کو پہنچانا درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس سلسلے میں کوئی نص ہو تو تحریر کریں۔ ممنون ہوں گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عبادات بدنیہ کا ثواب مرحوم والدین کو اور دوسروں کو پہنچانا جائز ہے جو حسب ذیل روایات سے ثابت ہے۔

عن الحجاج بن دينار قال: قال رسول الله ﷺ إن من البر بعد البر أن تصلي عليهما مع صلاتک، وأن تصوم عنهما مع صيامک، وأن تصدق عنهما مع صدقتک. (مصنف لإبن أبى شيبه، كتاب الجنائز، ما يتبع الميت بعد موته، مؤسسه علوم القرآن جديد ٧/٤٨٤، رقم: ١٢٢١٠)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رجل: يارسول الله ﷺ! إن أبي مات، ولم يحج، أفأحج عنه؟ قال: أرأيت لو كان على أبيک دين أكنت تقضيه؟ قال: نعم، قال:

فدين الله أحق . (سنن النسائي، مناسك الحج، تشبيه قضاء الحج بقضاء الدين ، النسخة الهندية ۲ /۳، دارالسلام رقم: ۲٦٤٠ ، مسند الدارمی دارالمغنی ۲/ ۱۱٥٧ ، رقم: ۱۸۷۸)

عن أبي أسيد مالك بن ربيعه قال: بينما نحن عند النبي صلى الله عليه وسلم إذ جاءه رجل من بني سلمة فقال: يارسول الله ﷺ : أبقي من بر أبوي شيء أبرهما به من بعد موتهما قال: نعم ،الصلوٰة عليهما والاستغفار لهما ، وإيفاء بعهودهما من بعد موتهما وإكرام صديقهما وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما . (ابن ماجه، ابواب الأدب ، باب صل من كان أبوك يصل ، النسخة الهندية ١/ ٢٦٠ ، دارالسلام رقم: ٣٦٦٤، الأدب المفرد ، دارالكتب العلمية بيروت/ ٢٤ ، رقم: ٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: الف خاص/ ۱۱۵۲۵)

کیا قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو نہیں پہونچتا

سوال: [۴۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سعودی عرب سے شائع ہونے والے قرآن کریم کے ترجمہ سورۃ النجم کی آیت ۳۹، میں جو مولانا محمد علی جوناگڑھی کا ہے ''**وأن ليس للإنسان ماسعىٰ**'' کے حاشیے میں لکھا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو نہیں پہنچتا ہے، لہٰذا آنجناب سے مؤدبانہ استدعا ہے کہ قرآن واحادیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں، کہ کیا واقعی قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو نہیں پہونچتا ہے؟

المستفتي: حاجی معراج الدین، جھبو کا نالہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سعودی عرب سے شائع شدہ جس قرآن کریم کا

حوالہ سوالنامہ میں دیا گیا ہے،اس کا ترجمہ مولانا محمد علی جونا گڑھی غیر مقلد کا ہے،اوراس کے حاشیہ میں تفسیر دوسرے غیر مقلد عالم مولانا صلاح الدین یوسف کی ہے،اورسورۂ نجم کی مذکورہ آیت کے حاشیہ نمبر ۵ کے ذیل میں دو باتیں لکھی ہیں۔

(۱) قرآن خوانی کا ثواب مردوں کونہیں پہنچتا ہے،جیسا کہ سوالنامہ میں درج ہے، یہی غیر مقلدین کا عقیدہ ہے۔

(۲) دوسری بات یہ لکھی ہے،کہ دعا اور صدقہ وخیرات کا ثواب مردوں کو پہنچ جاتا ہے،اورقرآن کریم پڑھ کرمیت کوثواب پہنچانے اور دعا صدقہ وخیرات کے ذریعہ ثواب پہنچانے کے درمیان فرق غیر مقلدین اپنی طرف سے کرتے ہیں،حالانکہ حدیث شریف میں مردوں کے سامنے سورۂ یٰسین پڑھنے اور دفن کے بعد سرہانے اور پائے تانے میں کھڑے ہوکرسورۂ بقرہ کے شروع وآخر کی آیات پڑھنے کی ترغیب آئی ہے، اگراس پڑھنے سے مردوں کوثواب نہیں پہنچتا ہےتو حدیث میں جو پڑھنے کی ترغیب ہے اس کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی’’ضرورثواب پہنچتا ہوگا،نیز صلاح الدین یوسف نے جو اپنے قلم سے لکھا ہے کہ دعا کا ثواب پہنچ جاتا ہے،تو یہ بھی تو دوسرے کا عمل اور دوسرے کی محنت ہے،جس کا ثواب میت کو پہنچ رہا ہے، نیز جب دعا کا ثواب پہنچ جاتا ہے،تو قرآن کریم کی تلاوت کر کے اللہ سے یوں دعا کی جائے کہ’’اے اللہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں میت کو پہنچا دے،‘‘ تو اس طرح دعا کر کے ثواب پہنچانے میں کیا رکاوٹ ہے،جیسا کہ صلاح الدین صاحب خود اس طرح دعا کے ذریعہ ثواب پہنچنے کے قائل ہیں،اورقرآن خوانی کا ثواب بھی دعا کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے،لہذا صلاح الدین یوسف کا دعا کے ذریعہ ثواب پہنچنے کا اقرار کرنا پھرقرآن خوانی کا ثواب دعا کے ذریعہ پہنچنے کا انکار کرنا یہ دو متضاد باتیں ہیں جو درست نہیں ہے، اور جو علماء قرآن خوانی کا ثواب میت کو پہنچنے کے قائل ہیں، وہ بھی دعا کے ذریعہ ہی سے پہنچانے کو کہتے ہیں، اس لئے دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

عن معقل بن يسارؓ قال: قال رسول الله ﷺ :إقرؤا يٰس على موتاكم . (أبو داؤد، باب القراءة عند الميت ، النسخةالهندية ١ /٤٤٥، دارالسلام رقم: ٣١٢١، سنن ابن ماجه ، باب ماجاء فيما يقال عند المريض إذا حضر ، النسخة الهندية ١/٤ ١٠، دارالسلام رقم: ١٤٤٨، المعجم الكبير ، دار احياء التراث العربي ٢٠/٢١٩، ٥١٠/، مسند احمد ٥/٢٦، /٢٥٦٧، مسند أبي داؤد طيا لسى، دارالكتب العلمية بيروت ١/٤٩٨، رقم: ٩٧٣، صحيح ابن حبان ، دارالفكر ٤/٣، رقم:٢٩٩٨)

عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه قال قال: لي أبي : يا بُنييّ إذا أنا مت فالحدني،فإذا وضعتنى في لحدي فقل بسم الله وعلىٰ ملة رسول الله ثم سن على الثرىٰ ثم اقرأ عند رأسى بفاتحة البقرة وخاتمتها فإنى سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك . (المعجم الكبير، داراحياء التراث العربي١٩/ ٢٢١، ٤٩١)

عن عطاء بن أبي رباح سمعت عبد الله بن عمر سمعت النبى ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلىٰ قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة الكتاب وعند رجليه بخاتمة البقرة فى قبره. (شعب الإيمان ، دارالكتب العلمية بيروت١٦/٧ ، ٩٢٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۴۱/ ۱۱۸۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۸ھ

قرآن پڑھ کر متعدد اموات کو ثواب پہنچانا

سوال: [۴۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ساتھ جب ایصال ثواب کرنا ہو تو ایک ساتھ ایک ہی میت کو ایصال ثواب کیا جائے، یا ایک ساتھ متعدد اموات کو بھی ثواب پہنچایا جا سکتا ہے، مثلاً قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھ کر ایصال

ثواب کرنا ہے تو اس کا ثواب ایک میت کو جائےگا یا متعدد کو بھی پہنچایا جا سکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآن مجید یا صدقات نافلہ کا ثواب بیک وقت متعدد اموات کو پہنچانا جائز ہے؛ بلکہ افضل یہی ہے کہ ایصال ثواب کرتے وقت تمام مؤمنین کی نیت کرلی جائے۔ (مستفاد: محمودیہ ڈابھیل۳/ ۸۶، امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۳۷)

الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شئٌ هو مذهب أهل السنة والجماعة .

(شامی ، کتاب الصلاة ، باب صلاةالجنازة ، مطلب فی القراء ة للميت و إهداء ثوابها لهٗ کراچی ۲/ ۲۴۳، زکریا ۳/ ۱۵۱، الفتاویٰ التاتارخانيه ،کتاب الزکوٰ ة ، الفصل السادس عشر، إيجاب الصدقة ومايتصل به زکريا ۳/ ۲٦۸، رقم: ٤۳۳٤)

عن أبی هريرةؓ مرفوعاً من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو اللّٰه أحد، وألهاكم التكاثر، قال: أللّٰهم ! إني جعلت ثواب قراء تي من كلامک لأهل المقابر من المؤمنين و المؤمنات كانوا شفعاء لهٗ إلى يوم القيامة . (شرح الصدور/ ۲۱۰)

من مر على المقابر فقرأ فيها إحدىٰ عشرة مر ة" قل هو اللّٰه أحد" ثم وهب أجرهٗ الأموات أعطي من الأجر بعد د الأموات. (کنز العمال ۱۵/ ۲۷٦، /رقم الحديث: ٤۲۵۸۹)

من صام أو صلىٰ أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة . (شامی ، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی القراءة للميت وإهداء ثوابها له کراچی ۲/ ۲٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۵۴)

نابالغ بچہ کا ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نابالغ بچہ کے قرآن پڑھنے کا ایصال ثواب دوسرے تک پہونچے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد آفتاب عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نابالغ بچے اگر قرآن کریم پڑھکر کسی کو اس کا ثواب پہونچائیں تو اس سے خود ان کے اجر میں کمی نہ ہوگی اور میت کو ثواب پہونچ جائے گا۔

وقد قالوا حسنات الصبي لهٗ لا لأبويه. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ۳/۱۱٤، كراچی ۲/۲۱٤، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند/۵۸۷)

وتصح عباداته وإن لم تجب عليه واختلفوا فی ثوابها والمعتمد أنه لهٗ الخ. (الأشباه، كراچی ۲/۱٤۲)

والأصل فيه أن الإنسان لهٗ أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، كوئٹه ۳/۵۹، زكريا ۳/۱۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/۱۲/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۳۵)

نابالغ کو ایصال ثواب اور دودھ بخشنا

سوال: [۴۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چھوٹے بچے کی وفات کے بعد اس کے لئے قرآن مجید پڑھنا یا پڑھوانا کسی اور چیز کے ذریعہ ایصال

ثواب کرنا سنت طریقہ ہے یانہیں؟ اور بچے کوثواب کی ضرورت پڑتی ہے یانہیں؟ اور بہت سی عورتیں دودھ بخشواتی ہیں کہتی ہیں اللہ نے بخشا میں نے بخشا یہ طریقہ صحیح ہے یاغلط؟

المستفتي: محمد شفیع، قصبہ منڈاور، محلّہ افغانان، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نابالغ اور چھوٹے بچے کے لئے بھی قرآن کریم پڑھکر ایصال ثواب کرنا مسنون ہے اور بچے کو بھی ثواب مل جاتا ہے، بچے کو بھی ثواب ورفع درجات کی ضرورت ہے۔

كما استفاده من الدرالمختار وهو دعاء له أيضا بتقدمه في الخير لا سيما وقد قالوا: حسنات الصبي له لا لأبويه بل لهما ثواب التعليم وفي الشامية حاصله أنه إذا كانت حسناته أى ثوابهاله يكون أهلاً للجزاء والثواب، فناسب أن يكون ذلك دعاءً له أيضًا لينتفع به يوم الجزاء الخ.

(الدرالمختار مع الشاميه ، كتاب الصلاة ، باب صلاة ، الجنازة ، كراچی ٢/ ٢١٥، زكريا٣/ ١١٤، مطبوعه كوئٹه ١/ ٦٤٦، مصرى ١/ ٨١٩ ، هكذا في الطحطاوى على المراقى ،كتاب الصلاة ، باب أحكام الجنائز، دارالكتاب ديوبند ٥٨٧، قديم / ٣٢٢)

عورتوں کا دودھ بخشوانے کا طریقہ قرآن کریم وحدیث وفقہ میں احقر کی نظر سے نہیں گذرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۶۶۰)

قبر کے پاس قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا

سوال: [۴۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنا ازروئے شرع کیسا ہے؟ کیا کوئی شخص قبر کے پاس بیٹھ کر

قرآن شریف دیکھ کر پڑھ سکتا ہے؟

المستفتي: واجد الحق، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی کو زبانی یاد نہیں ہے تو قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس کو ایک رسم بنالینا اور اس کا التزام کرنا درست نہیں ہے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ قدیم ٧/٢٤٦، جدید ڈابھیل ٩/٢٦٤، کفایت المفتی قدیم ٤/١٨٤، جدید زکریا ٤/١٩٦، جدید زکریا مطول ٥/٦٠٣)

(وجوزها) أى القراءة عند القبر (محمد وبه) أى بقول محمد (أخذ) للفتوىٰ لما فيه من النفع. (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية فصل فى المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت ٢٢٠، مصرى قديم ٢/٥٥٢، الهندية،الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى القبر والدفن زكريا ١/١٦٦)

من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (شرح الطيبى ،كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد كراچى ٢/٣٧٤، رقم الحديث: ٩٤٦، مرقاة ، مكتبه امداديه ملتان ٢/٣٥٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٤٩٣٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١/٧/١٤١٧ھ

قبر پر بیٹھ کر قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا

سوال: [٤٠٢٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبرستان میں قرآن کریم کا دیکھ کر پڑھنا جیسے والد صاحب کی قبر پر پڑھنا کیسا ہے؟ جواب سے مطلع کریں نوازش ہوگی؟

المستفتي: محمد اسلم عفی عنہ، مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قبرستان میں یا کسی مخصوص قبر کے پاس عذاب میں تخفیف، خیر و برکت اور رحمت کی غرض سے قرآن کریم کی تلاوت دیکھ کر یا زبانی کرنا مستحب ہے۔

قال الخطابي: فيه دليل على استحباب تلاوة الكتاب العزيز على القبور ؛ لأنه إذاكان يرجىٰ عن الميت التخفيف بتسبيح الشجر ، فتلاوة القرآن العظيم أعظم رجاءً وبركة. (عمدة القاری ، كتاب الوضوء ، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله ، بيروت قديم ۱۱۸/۳، زكريا ۵۹۸/۲، تحت رقم الحديث /۲۱۶)

ولايكره الدفن ليلاً وله إجلاس القارئين عند القبر وهو المختار ، وفي الشامية : ولايكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار . (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب في وضع الجريد ونحو الآس على القبور زكريا۳/۱۵۵، ۱۵۶، كراچی ۲/۲۴۶، نعمانيه ۱/۶۶۸، عالمگیری، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زكريا۱/۱۶۶، جديد۱/۲۲۷، نفع المفتی والسائل/۱۲۳)

وفي البحر لا بأس بقرأءة القرآن عند القبور وربما تكون أفضل من غيره ويجوز أن يخفف الله عن أهل القبور شيئاً من عذاب القبر. (البحرالرائق ، كتاب الصلاة، قبيل باب الشهيد كوئٹه ۲/۱۹۵، زكريا۲/۳۴۲)

اور نفس قبر پر بیٹھنے کو بعض فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔

ويكره الجلوس على القبر ووطؤه الخ. (شامی ، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی إهداء ثواب القراءة للنبی صلى الله عليه وسلم زكريا ديوبند۳/۱۵۴، كراچی ۲/۲۴۵، نعمانيه ۱/۶۶۷)

البتہ یہ اعتقاد رکھنا کہ قرآن کریم کو وہاں لے جائے یا عند القبر پڑھے بغیر ثواب نہیں پہونچتا ہے تو یہ بدعت اور ممنوع ہے۔

من اعتقد الوجوب فی أمرٍ لیس بواجب شرعاً أو عمل معاملة الواجب معه یکون هذا خطأ من الشیطان و بدعة مذمومة . (بذل المجهود، کتاب الصلاة، باب کیف الانصراف من الصلاة، سهارنپور قدیم ۲/۱۵٦، دارالبشائر الإسلامیه جدید ٤/٦٧٧، تحت رقم الحدیث /۱۰٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۵۱)

قبر پر قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا

سوال: [۴۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قبر پر ایصال ثواب کیلئے قرآن کریم یا پارہ میں دیکھ کر تلاوت کرنا کیسا ہے؟ اسی طرح تلاوت کھڑے ہوکر کرنی چاہئے یا بیٹھ کر؟ نیز قبر کی کس جانب ایصال ثواب کرنے والے کو بیٹھنا یا کھڑا ہونا چاہئے؟ مفصل بیان فرمائے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر زبانی یاد ہو تو زبانی ہی پڑھنا چاہئے، لیکن اگر زبانی یاد نہیں ہے تو قبر کے پاس بیٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/۴۲، جدید ڈابھیل ۹/۲۶۴، کفایت المفتی قدیم ۴/۱۸۴، جدید زکریا ۴/۱۹۶، جدید زکریا مطول ۵/۲۰۳)

قراءة القرآن عند القبور ، عند محمد رحمه الله تعالیٰ لایکره ، ومشایخنا رحمهم الله تعالیٰ أخذوا بقوله . (هندیه ، الباب الحادی والعشرون ، فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن زکریا ۱/۱٦٦، جدید ۱/۲۲٧)

وأخذ من ذلک جواز القراءة علی القبر ، والمسئلة ذات خلاف — إلیٰ — وقال محمد تستحب لورود الآثار وهو المذهب المختار . (حاشیة

الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الصلاة، باب أحکام الجنائز، فصل في زیارة القبور ، دارالکتاب دیوبند / ٦٢١)

نیز میت کے پیروں کی طرف سے کھڑے ہوکر ایصال ثواب کرنا بہتر ہے۔

ثـم من آداب الزیا رة ، مـاقـالـوا: مـن أنـه یـأتی الزائر من قبل رجلي الـمتوفیٰ لا من رأسه لا خ. (شـامـی ، کتـاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب فی زیارة القبور کراچی ۲/ ۲٤٣، زکریا دیو بند ۳/ ۱٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۱)

ایصال ثواب کیلئے تیجہ اور سوا لاکھ کلمہ طیبہ پڑھنا

سـوال: [۴۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کی وفات کے بعد تیسرے دن جو تیجہ کیا جاتا ہے، یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ نیز سوا لاکھ مرتبہ کلمہ شریف ختم کرنے کا ثواب میت کو ہوگا یا نہیں؟ اور کیا اس کا ختم کرنا تیجہ میں شامل ہے؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: تصدق حسین، کھرک پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی کی وفات پر بلاوقت اور دن کی تعیین کے میت کیلئے کسی بھی طرح کا ایصال ثواب کرنا خود میت کے حق میں بھی مفید ہے اور ایصال ثواب کرنے والے کے حق میں بھی لہذا سوا لاکھ مرتبہ کلمہ شریف کا ختم کرنا یہ بھی ایصال ثواب میں شامل ہے، اور اس کا نام تیجہ نہیں بلکہ وفات کے تیسرے دن جو التزامات کئے جاتے ہیں، اس کو تیجہ کہا جاتا ہے، اسکا قرآن وحدیث میں کہیں ثبوت نہیں لہذا یہ شرعاً جائز نہیں، اسلئے کہ تیجہ دسواں بیسواں وغیرہ کا التزام مسلمانوں میں اہل ہنود سے آیا ہے۔

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع . (شامی ، کتاب الصلاة، باب صلاةالجنائز، ، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت زکریا۳/۱٤۸، کراچی ۲/ ۲٤۰، بزازیه علی الهندیه ، الصلاة، الخامس والعشرون فی الجنائز، وفیه الشهید زکریا٤/ ۸۱۹، جدید۱/٤/ ٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۷۲۲۱/۳۵)

کلمۂ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انتقال کے بعد غیر متعین دنوں میں سوا لاکھ مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھ کر بخشتے ہیں اور پھر ان کو کھلا کر رخصت کرتے ہیں؟ کیا ایسا کرنا درست ہے؟

المستفتي: محمد یونس، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایصال ثواب کی نیت سے غیر متعین طور پر اور تیجہ وغیرہ کے لوازمات کو چھوڑ کر کلمۂ طیبہ پڑھنا درست ہے، اس کا ثواب میت کو پہونچتا ہے آہستہ پڑھنا افضل ہے لیکن اس میں تیسرے دن کی خصوصیت جائز نہیں ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۴۵۱، ۱۷/ ۴۴۵، جدید ڈابھیل ۹/ ۲۴۴)

والأصل فیه أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذکراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غیر ذلک عند أصحابنا للکتاب والسنة . (البحرالرائق ، کتاب الحج ، باب الحج عن الغیر ، زکریا۳/ ۱۰٥، کوئٹه ۳/ ٥۹، الهدایه ، کتاب الحج ، باب الحج عن الغیر اشرفیه

دیوبند ۱/۱۹٦، الفتاویٰ التاتار خانیه ، کتاب المناسك ، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ، زکریا۳/٦٤٨، رقم: ٥٢٤٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۱۳ھ

نماز، روزہ اور مالی صدقہ کا ثواب مرحومین کو بخشنا

سوال: [۴۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کوئی نفل نماز اپنے والدین کے لئے پڑھ کر بخشی جائے تو اسکا ثواب مردے کو ملتا ہے یا نہیں؟

(۲) کوئی پیسہ روپیہ مسجد کی تعمیر میں اپنے کسی بزرگ یا کوئی شخص بھی اسکو ان روپیوں کا ثواب اگر بخشا جائے تو ملتا ہے یا نہیں؟

(۳) کوئی بھی صدقات وغیرہ مرحومین کی جانب سے کرنے پر اس کا ثواب مرحومین کو ملتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عزیز الحسن، امروہہ گیٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نفل نماز پڑھکر اپنے والدین کو اس کا ثواب پہونچانے سے والدین کو ثواب پہنچ جاتا ہے، اور ان کو فائدہ ہوتا ہے۔

الأصل أن كل من أتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره، وإن نواها عند الفعل لنفسه وتحته في الشامية سواءً كانت صلاة أو صوماً أو صدقةً أو قراءةً أو ذكراً أو طوافاً ، أو حجاً ، أو عمرةً أو غير ذلك الخ. (الدر المختار مع الشامی ، کتاب الحج ، باب الحج عن الغیر ، زکریا ٤/١٠، کراچی ٢/٥٩٥)

(۲) جی ہاں ملتا ہے۔

(۳) جی ہاں اس کا ثواب مرحومین کو مل جاتا ہے، جیسا کہ سوال ایک میں گزرا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ ؍ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶ / ۲۰۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸ ؍ ۱۲ ؍ ۱۴۱۰ھ

تراویح میں پڑھے گئے قرآن شریف کا ثواب بخشنا

سوال: [۴۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تراویح میں جو قرآن پڑھا جاتا ہے کیا اس کا ثواب قرابت دار مرحومین کو پہونچا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبداللہ طارق، بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں مرحومین کو قرآن کریم پڑھنے کا ثواب پہونچایا جاسکتا ہے، حدیث سے ثواب پہونچانا ثابت ہے۔

إن المرأة سألت النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن أبيها مات ولم يحج قال حجي عن أبيك ، الحديث : (نسائی شریف، مناسك الحج ، تشبيه قضاء الحج بقضاء الدين ، النسخة الهندية ۲ / ۳، دارالسلام رقم: ۲٦٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ؍ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲ / ۴۶۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸ ؍ ۱ ؍ ۱۴۱۷ھ

چنے پڑھوا کر ایصال ثواب

سوال: [۴۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی والدہ کافی ضعیف ہوچکی ہیں، بچنے کی امید نہیں ہے، زید کی یہ خواہش ہے کہ والدہ ہی

کی زندگی میں ان کے نام ایصال ثواب کردیں، چنانچہ زید گاؤں کے مکتب کے بچوں اور چند علماء کو اپنے گھر دعوت دیکر قرآن خوانی کراتا ہے، اور چنے پڑھوا تا ہے، اور پھر ان چنوں میں شکر وغیرہ ملا کر کلمہ خوانی کے بعد تمام لوگوں اور بچوں میں شیرینی کے طور پر تقسیم کرتا ہے، اور کلمہ پڑھے ہوئے چنوں میں سے کچھ چنے پکواتا ہے، اور پھر باضابطہ آئے ہوئے علماء طلبہ اور گاؤں کے لوگوں کو بیٹھا کر ناشتہ اور کھانا کھلاتا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زندہ آدمی کیلئے مذکورہ طریقہ پر ایصال ثواب کرنا علما طلبا اور گاؤں کے لوگوں کو ایسے موقع پر بیٹھا کر کھلانا اور کھانا اور کلمہ پڑھے ہوئے چنے کا تمام لوگوں میں تقسیم کرنا اور کچھ چنے پکوا کر آئے ہوئے لوگوں کو کھلانا شرعاً کہاں تک درست ہے؟ سوال مذکورہ کا مدلل ومحقق جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتي: محمد شفیق الرحمٰن، سعید نگر، بواری ٹولہ، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایصال ثواب زندہ مردہ دونوں کیلئے کیا جا سکتا ہے، لہٰذا اگر زید کی والدہ ضعیف ہے اور وہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے افاقہ کیلئے کلمہ خوانی یا قرآن خوانی یا دیگر عبادات وغیرہ کے ذریعہ ایصال ثواب کرائے تو یہ شرعاً جائز اور درست ہے لیکن سوال میں ذکر کردہ طریقہ کہ چنے پڑھ کر کھلانا یہ شرعاً ثابت نہیں؟ یہ لوگوں کی من گڑھت بدعت ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔ (مستفاد: دارالعلوم ۵/ ۴۳۷، امدادالفتاویٰ ۵/۲۶۱)

من صام أو صلّى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة . (شامی، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراءة للميت واهداء ثوابها له كراچی ۲/ ۲۴۳، زكريا ۳/ ۱۵۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۰؍ شعبان ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۶۸)

درود شریف پڑھ کر ایصال ثواب

سوال: [۴۰۳۵]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص درود شریف وغیرہ پڑھکر ثواب پہونچائے کسی میت کو تو پہنچ جائیگا یا نہیں؟

المستفتي: محمد ہاشم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کوئی بھی نیک عمل کر کے مثلاً نماز روزہ،صدقہ خیرات،درود شریف پڑھ کر میت کوثواب پہونچنے کی نیت کرنے سے ثواب پہونچ جاتا ہے۔

من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة ،اللّٰهم أوصل مثل ثواب ما قرأته لفلان . (شامی ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ ، مطلب فی القراءۃ للمیت وإهداء ثوابها له کراچی ۲/ ۲۴۳، زکریا ۳/ ۱۵۲، الموسوعۃ الفقهیۃ الکویتیۃ ۱۶/ ۴۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

ایصال ثواب کی نیت سے مسجد میں صفیں خرید کر دینا

سوال: [۴۰۳۶]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی شخص کے گھر موت ہوگئی اب وہ شخص دسواں وتیجہ نہ کرتے ہوئے اس پیسہ کی صفیں خرید کر میت کے واسطے ایصال ثواب کی نیت سے مسجد میں پہونچادے تو کیا ان صفوں پر نماز ادا ہوسکتی ہے اگر نہیں ادا ہوسکتی تو ان پیسوں کا مصرف کیا ہے؟

المستفتی: سراج الحق، سرجن نگر، ٹھاکردوارہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تیجہ دسواں وغیرہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی اتنا پیسہ اپنی خوشی سے برائے ایصال ثواب مسجد میں صفیں خرید کر دیتا ہے، تو جائز اور درست ہے ان شاء اللہ میت کو زیادہ سے زیادہ ثواب پہونچنے کی امید ہے۔

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: سبع يجري للعبد أجرهن من بعد موته، وهو في قبره، من علم علما، أو كرى نهراً أو حفر بئراً، أو غرس نخلا، أو بنى مسجداً، أو ورث مصحفاً، أو ترك ولداً يستغفر له بعد موته.

(مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ۱۳/۴۸۳، رقم: ۷۲۸۹)

الأصل أن كل من أتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره وتحته في الشامي سواء كانت صلوٰة أو صوماً، أو صدقة الخ. (درمختار مع الشامی، کتاب الصلاۃ، باب الحج عن الغیر زکریا ۴/۱۰، کراچی ۲/۵۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۱۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۲۲ھ

بلا وضو کئے ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بغیر وضو کئے مردوں کو ایصال ثواب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو ثواب میں کسی قسم کی کمی تو نہیں ہوگی؟

المستفتي: محمد احمد، فیض گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر قرآنی آیات زبانی پڑھکر یا ذکر واذکار کے ذریعہ ایصال ثواب کرتا ہے تو اس کیلئے وضو ضروری نہیں بلا وضو بھی ایصال ثواب ہوجائیگا، اور

پورا پورا ثواب ملے گا، لیکن وضو کرنے کی صورت میں الگ سے وضو کا بھی ثواب ملیگا۔

یجوز للمحدث الذی یقرأ القرآن. (البحر الرائق کتاب الطهارة باب الحیض زکریا۱/۳۵۱، کراچی ۱/۲۰۲، وهکذا فی الهندیة، کتاب الکراهیة، الباب الرابع فی الصلاة، والتسبیح وقراءة القرآن قدیم زکریا۵/۳۱۷، جدید ۵/۳٦۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶رشعبان ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۸۹)

نماز جنازہ کے بعد ایصال ثواب کیلئے اعلان کرنا

سوال: [۴۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آج کل کی تیز رفتار زندگی اور اس میں بھی شہری زندگی ایسی ہے کہ آدمی اپنے گھر والوں کو ہی مشکل سے وقت دے پاتا ہے، چہ جائیکہ کسی اور کو وقت دے ایسے حالات میں اگر کسی کا انتقال ہوجائے، تو ایصال ثواب کیلئے مستقل وقت نکالنا بھاری کام ہے، کیونکہ آدمی اپنے لئے ہی قرآن نہیں پڑھتا چہ جائیکہ دوسرے کیلئے وقت نکالے اب اگر نماز جنازہ کے بعد اعلان کردیا جائے کہ فلاں مسجد میں مرحوم کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی رکھی گئی ہے، اور اس میں شیرینی وغیرہ کا قطعاً کوئی انتظام نہ کیا جائے، تو کیا یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ اس طرح اعلان کردینے جگہ اور وقت مقرر کردینے سے آدمی اپنے کام آگے پیچھے کرکے ایصال ثواب کیلئے پہونچ ہی جاتا ہے، بغیر کسی التزام کے اس طرح قرآن خوانی کرنا کس درجہ کا ممنوع ہے، حرام ناجائز یا مکروہ؟

المستفتي: محمد زید مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نماز جنازہ کے بعد قرآن خوانی اور ایصال ثواب

کیلئے لوگوں کی سہولت کی غرض سے کسی خاص وقت اور جگہ کا اعلان کر دیا جائے، تا کہ اس وقت لوگ جمع ہو کر تلاوت کرلیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بدعت اور ناجائز اس صورت میں ہے، جبکہ اس کام کیلئے کسی خاص دن کی تعیین کر لی جائے، اور اس دن کا التزام کیا جائے، جیسا کہ تیسرے دن تیجہ کے طور پر کیا جائے، اور دسویں دن دسویں کے طور پر کیا جائے، یہ ہندوؤں کی رسم ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ڈابھیل ۹۲/۳)

يكره القوم أن يقرؤا القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع والانصات، وقيل: لا بأس به . (طحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار، دارالكتاب ديوبند/ ٣١٨، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٣/ ٦٢، حلبي كبيري، كتاب الصلاة، القراءة خارج الصلاة، اشرفيه ديوبند/ ٤٩٧، ٣١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۶۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۷/۲ھ

کسی دوسرے مقام پر ایصال ثواب اور کھانا

سوال: [۴۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے، اسکے وارثین ایصال ثواب کی نیت سے دس بیس پڑھنے والوں کو بلا کر کلام پاک پڑھواتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص رمضان کے مہینہ میں یا کسی اور مہینہ میں ثواب کی نیت سے یا برکت کی نیت سے دس بیس افراد کو بلوا کر اپنے گھر کلام پاک پڑھواتا ہے، تو اسمیں کلام پاک کا پڑھوانا کیسا ہے؟ اور اپنی خوشی سے ان کو افطار یا ناشتہ کراتا ہے اسکے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتي: منشی امام الدین، قصبہ راجہ کا تاجپور، ضلع: بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : ایصالِ ثواب کیلئے کلام پاک پڑھوانا جائز ہے یہ باعث خیر وبرکت ہے چاہے رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں مگر اس موقع پر اگر شیرینی کھانا دعوت وغیرہ کا سلسلہ ہے تو نہ ثواب کی امید ہے اور نہ ہی خیر وبرکت کی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۴۶۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

ایصالِ ثواب کے لئے دن کی تعیین کرنا

سوال: [۴۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا انتقال ہوتا ہے، بعدہٗ اس کے ورثاء ان کے ایصال ثواب کے واسطے تین دن متعین کر کے قرآن خوانی یا چلہ کی صورت میں اجتماع قائم کر کے میت کے حق میں بخشواتے ہیں تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ یا پھر بغیر دن متعین کئے ایسا کرتے ہیں، تو کیا جائز ہے یا ناجائز؟ اس کی صحیح صورت شریعت میں کیا ہے؟

المستفتي: عزیز الرحمٰن، ۲۴ر پرگنہ، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب باعث اجر وثواب اور باعث خیر وبرکت ہے، اس سے میت کو ثواب پہونچتا ہے، مگر اس میں مخصوص دن کی تعیین کرنا شریعت سے ثابت نہیں، خاص دن کی تعیین بدعت اور ممنوع ہے، ایصال ثواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی رسم ورواج کی پابندی اور دعوتی اہتمام کے عزیز واقرباء ایصال ثواب کی غرض سے قرآن خوانی کر کے اس کا ثواب میت کو پہونچا دیں تو انشاء اللہ میت کو بھی ثواب پہونچے گا، اور پڑھنے والوں کے لئے بھی باعث اجر وثواب ہوگا۔

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع (إلی قوله) واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقرأة سورة الانعام، أو الإخلاص . (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت زکریا۳/۱۴۸، کراچی ۲/۲۴۰، فتاویٰ دارالعلوم ۵/۴۵۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۷۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۳/۱۴۱۷ھ

مروجہ اجتماعی قرآن خوانی سے متعلق چند سوالات

سوال: [۴۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ زمانے میں قرآن خوانی کا رواج بہت زیادہ بڑھتا جارہا ہے، یعنی اگر دوکان یا کارخانہ شروع کریں، یا سفیدی کرائیں، یا اپنا مکان بنائیں، یا کوئی جائیداد خریدیں، یا کسی کا انتقال ہوجائے، یا کوئی بیمار ہوجائے، یا کوئی مشین چالو کریں، یا عقیقہ کریں، یا ختنہ کرائیں، یا کسی کی شادی ہو، اس قسم کے اور بہت سے امور میں قرآن خوانی ضروری سمجھتے ہیں، کیا یہ قرآن خوانی جائز ہے، جو بہت سے نقصانوں کا سبب ہے؟

(۱) مدارس اسلامیہ ومساجد میں مستقل قرآن خوانی کے لئے دس پندرہ یوم پہلے بکنگ کرائی جاتی ہے، اسلئے کہ اس سے پہلے نمبر ہی نہیں آتا، جبکہ ایک دن میں کئی جگہ قرآن خوانی کرانی پڑتی ہے، اور بعض دفعہ بچوں کو دور دراز بھی جانا پڑتا ہے، اور مدارس میں بچوں کی تعلیم کا وقت صبح ۷/ بجے سے گیارہ بجے تک اور ظہر سے عصر تک اور مغرب سے عشاء تک ہوتا ہے، اور درمیان میں جو تھوڑا بہت وقت ملتا ہے اسمیں طلباء اپنی دوسری ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں، جو ان کا حق ہے، اور ضروری بھی ہے، دریافت طلب امر یہ

ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بچوں کو ایسے وقت بھیجا جائے جس سے بچوں کی تعلیم کا نقصان نہ ہو، تو اب کونسا ایسا وقت ہے جس میں بچوں کو قرآن خوانی کیلئے بھیجا جائے، یعنی ان کی تعلیم کو ضائع کیا جائے یا ضرورت کو؟

(۲) کیا اللہ کے نبی ﷺ کے زمانے میں بھی قرآن خوانی کا ایسا ہی رواج تھا، صحابہ کرام بھی کاروبار کرتے تھے، مکان بھی بناتے تھے، شادی بیاہ بھی کرتے تھے، بیماری وموت بھی واقع ہوتی تھی، کیا صحابۂ کرامؓ نے بھی کسی کی موت یا اور موقع پر اس طرح قرآن خوانی کرائی ہے؟ کیا اس کا کسی کتاب میں کوئی ثبوت ہے؟

(۳) مروجہ قرآن خوانی خواہ ایصال ثواب کیلئے ہو یا کسی اور غرض کے لئے جس میں ختم قرآن کے بعد کھانے یا چائے وغیرہ کی دعوت کی جاتی ہے یا کہیں نقدی رقم دی جاتی ہے، یہ پڑھنے اور پڑھوانے والوں کے لئے جائز ہے؟ اجرت میں داخل تو نہیں؟

(۴) کیا اسطرح قرآن خوانی کرانا یعنی کھانے پینے اور رقم کے لئے ریا تو نہیں؟

(۵) اس طرح جمع ہوکر قرآن خوانی کا شرعاً کیا جواز اور کیا مقام ہے؟

المستفتي: اللہ مہر، ناظم جامعہ اسلامیہ چنڈ بڑی روڈ، تحصیل خاص، قصبہ بڈھانا، ضلع: مظفرنگر، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) بلا التزام مالا یلزم فی نفسہ قرآن کریم کی تلاوت خواہ ایصال ثواب کے لئے ہو یا سوالنامہ میں درج شدہ مواقع میں خیر وبرکت کے لئے ہو بہت زیادہ ثواب وبرکت کے ساتھ اہمیت رکھتی ہے، لیکن کسی کے یہاں جا کر اجتماعی قرآن خوانی کو لازم وضروری سمجھنا دس پندرہ یوم پہلے سے بکنگ کرانا بچوں کی تعلیم جو انکا اصل مشغلہ ہے، اس میں حرج ڈال کر دن میں کئی کئی دفعہ کئی جگہ اور دور دراز اسکے لئے جانا نیز قرآن خوانی میں بدعنوانیاں وغیرہ وغیرہ خرافات کی بنا پر مروجہ قرآن خوانی ناجائز اور بدعت سیئہ ہے، علاقہ کے دینی ذمہ دار افراد کو چاہئے کہ اس قسم کی رسومات پر روک تھام اور

پابندیاں عائد کردیں، نیز ارباب مدرسہ کا فرض ہے کہ بچوں کو ہر ایسی چیز سے محفوظ رکھیں جو ان کی تعلیم میں نقصان دہ ہو چاہے وہ چیز فی نفسہ اچھی کیوں نہ ہو، ان کے لئے تعلیم سے اہم کوئی چیز نہیں ہے، اتفاقاً اگر ختم قرآن کریم کی نوبت آجائے تو بچوں کو بھیجنے کے بجائے مدرسہ ہی میں قرآن کریم پڑھکر ثواب پہونچا دیا کریں، مروجہ لوازمات وبدعنوانیوں کی بنا پر بعض فقہاء نے اجتماعی قرآن خوانی کو ناجائز اور مکروہ قرار دیا ہے، چاہے سوالنامہ میں درج شدہ مواقع ووجوہات کے بغیر کیوں نہ ہو۔

عن المحيط من المشايخ من قال قراء ة القرآن بالجماعة جهراً ويسمىٰ بالفارسية سپاره خواندن مكروه الخ . (نفع المفتی والسائل /۱۲٤، المحيط البرهاني ، كتاب الكراهية والإستحسان ، الفصل الرابع ، الصلاة والتسبيح وتلاوة القرآن والذكر ، المجلس العلمی جديد ۵۱۳/۷ ، رقم: ۹٤۵۲)

ومن المشايخ من قال قراء ة القرآن بالجماعة بالأجزاء الثلاثين مكروهة لما فيه من الغلط (قوله) قراء ة القرآن للدنيا مكروهة الخ. (البنايه ، كتاب الكراهية مسائل متفرقة ،اشرفيه ديو بند۲۳۷/۱۲)

(۲) آنحضرت ﷺ کے دور میں مروجہ قرآن خوانی کا ثبوت کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گذرا اور نہ اسکی نظیر ملی ہے۔

(۳) مروجہ قرآن خوانی چاہے ایصال ثواب کیلئے ہو یا سوالنامہ میں درج شدہ وجوہات میں سے کسی کے لئے یا کسی اور غرض کیلئے ہر صورت میں شیرینی تقسیم کرنا، چائے پلانا، کھانا کھلانا، نقدی رقم دینا سب ناجائز اور حرام ہے، اور قرآن خوانی کی اجرت میں داخل ہے، قرآن کریم کو بے وقعت بنا کر چند پیسوں کے عوض بیچنے کے مترادف ہے، اس سے احتراز لازم اور واجب ہے، کھانے والے کھلانے والے لینے والے اور دینے والے سب سخت گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

الآخذ والمعطى آثمان الخ. (البنايه ، كتاب الكراهية مسائل متفرقة ،اشرفيه

دیو بند ۲ ۱/۲۳۷)

یکـره اتـخـاذ الـطـعـام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للـختـم أو لقراءة سورة الإنعام أو الإخلاص (إلیٰ قوله) وأطال فی ذلک فـی الـمـعـراج وقال وهذا القرآن وغیر ذلک مماهو شاهد فی هذه الأزمان وما کان کذلک فلا شک فی حرمته الخ. (شامی ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ ، مطلب فی الکراهیة الضیافة من أهل المیت زکریا ۱٤۸/۳، ۱٤۹، کراچی ۲٤۰/۲، کوئٹه ۱/٦٦٤)

نیز اس زمانہ میں کھانا چائے وغیرہ بھی بلاشرط اجرت ہی ہے، کیونکہ اگر انتظام نہ کیا جائے تو آئندہ جانے سے اعراض کریں گے، جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے، تو عرف میں اس کو اجرت کہا جائے گا۔

المعروف کالمشروط الخ .(رسم المفتی قدیم /۹٤)

(۴) جی ریا میں داخل ہے۔

وهذه الأفعال کلها للسمعة والریاء الخ. (شامی ،زکریا۱٤۸/۳، کراچی ۲٤۰/۲)

(۵) ناجائز ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍رجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۴/۲۴)

قرآن خوانی کیلئے اعلان اور لوگوں کو جمع کرنا کیسا ہے؟

سوال: [۴۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم گجراتی جنکے باپ دادا یہ کام کرتے آئے ہیں کہ ہمارے گھروں میں جب کسی آدمی کا انتقال

ہوجاتا ہے، تو تیسرے چوتھے روز لوگوں کو جمع کر کے قرآن پاک کی تلاوت فرما کر مرحوم کیلئے ایصال ثواب اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اگرچہ اس عمل کو معین دن اور وقت اور اہتمام کی بنا پر علماء دیوبند منع فرماتے ہیں،لیکن یہی گجراتی حضرات ہندوستان چھوڑ کر یہاں انگلینڈ پہونچے اور ساتھ ساتھ وہ طور وطریقے جو وطن میں کرتے تھے، وہ ساتھ ہیں لیکن یہاں ان میں تھوڑی سی اصلاح ہوئی اور وہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی کے یہاں پر انتقال ہوتا ہے یا ہندوستان سے اپنے عزیز اور رشتہ داروں کے انتقال کی خبر آتی ہے تو خاص کر جمعہ کے دن اور گاہ گاہ کسی دوسرے دن مسجد کے امام صاحب اعلان فرماتے ہیں کہ مرحوموں کے ایصال ثواب کے لئے یٰسین شریف کا ختم ہوگا اس اعلان کے بعد جن صاحبان کے پاس فرصت اور وقت ہوتا ہے وہ مسجد میں نماز کے بعد بیٹھ جاتے ہیں، اور وہ بھی سو میں سے پانچ فی صد بیٹھتے ہیں، اور پانچ دس منٹ بیٹھ کر یٰسین پاک پڑھتے ہیں ، اور دعا فرما کر مجلس برخاست ہوجاتی ہے، اور اسکے بعد کوئی شیرینی وغیرہ کی تقسیم نہیں ہوتی ہے، اور مرحوم کے گھر جا کر کھانا وغیرہ کا اہتمام نہیں ہوتا اور تیسرے چوتھے روز گھر پر جمع ہو کر جو اہتمام وطن میں کرتے تھے وہ ختم ہوگیا ، اور لوگ اطمینان کر لیتے ہیں کہ ہم نے اپنے مرحوموں کیلئے ایصال ثواب کرلیا مزید اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔

نوٹ: یہ اعلان بعض مرتبہ کئی جمعہ تک مسلسل چلتا ہے کیونکہ یہاں پر علاقہ میں بہت سارے دیہاتوں کے لوگ رہتے ہیں، اور کسی نہ کسی کے انتقال کی خبر آتی رہتی ہے، اسلئے مسلسل چلتا ہے، اس کے باوجود کوئی جمعہ خالی بھی ہوجاتا ہے، اور جمعہ ہی کو یہ اعلان ہو ضروری نہیں ہے، دوسرے دنوں میں بھی چل سکتا ہے، لیکن جمعہ کو زیادہ تر اعلان اسلئے ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن لوگ زیادہ جمع ہوتے ہیں ، ورنہ دوسرے دنوں میں بھی اعلان ہوسکتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا ہوتا بھی ہے، اب اس معاملہ میں ہمارے یہاں ایک نوجوان عالم دین جو جلال آباد سے فارغ ہو کر تشریف لائے ہیں، اور ہمارے یہاں دین کی خدمت کرتے ہیں ، انہوں نے اعلان کیا کہ ہمارے یہاں یہ طریقہ جو اعلان کر کے جمع

ہوکر یٰسین شریف پڑھتے ہیں یہ بدعت ہے اسکو بند کرو تو اس طرح اعلان کر کے جمع ہوکر پڑھنا بند کر دیا، لیکن لوگوں کو ان کے اس اعلان پر اطمینان نہیں، کیونکہ جب دوسرے علماء کرام جو یہاں پر ہیں اور وہ علماء کرام جو ہندوستان و پاکستان سے تشریف لاتے ہیں، ان میں سے بعض اور وہ بھی جید اور سالہا سال سے بڑی بڑی درسگاہوں میں خدمات پر مامور ہیں ان سے اس بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں، پڑھ سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ساتھ ساتھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر یٰسین شریف اس طرح پڑھنا بدعت ہے تو یٰسین شریف پڑھنے کا اہتمام دارالعلوموں میں اور خانقاہوں میں اور مرکزوں میں کیوں کرتے ہیں، ان وجوہات کی بنا پر لوگوں کو اطمینان نہیں ہے، ہاں بعض ایسے بھی ہیں جو ہمارے اس عالم دین کے ہم خیال ہیں، ساتھ جن لوگوں کو اطمینان نہیں ہے، وہ اور وہ لوگ جو اپنے مرحوم کو ایصال ثواب خود نہیں کر سکتے انہوں نے وہی اہتمام جو وطن میں کرتے تھے اسکو پھر سے اپنے گھروں میں شروع کر دیا ہے، یعنی تیسرے چوتھے روز لوگوں کو گھروں میں جمع کرتے ہیں، اور قرآن خوانی کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ دودھ اور کھانا پینا شروع ہوگیا ہے، اور بعض جگہ پر بدعتی مسجد کے امام اور بچوں نے ہمارے صحیح العقائد لوگوں کے گھروں میں آ کر ختم پڑھنا اور دعا کرنا شروع کر دیا ہے، کیونکہ وہ تو کام اور اہتمام کے عادی ہیں اور ہمارے بچے اور علماء کسی کے گھر پر جاتے نہیں ہیں، یٰسین شریف اس طرح پڑھنا بدعت ہے تو اس سے بڑی بڑی بدعتیں جو ہمارے یہاں ہمارے گھروں میں یہاں پر پہلے نہیں تھیں وہ شروع ہوگئیں ہیں، اگر دو مصیبتیں ہوں تو چھوٹی اور آسان کو اختیار کر لیں کیونکہ ان دونوں بدعتوں میں چھوٹی اور آسان بدعت کو کر لینے سے بڑی بدعتوں سے بچ جانا اچھا ہے۔

حضرت اقدس مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کے فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷ کے سوال وجواب سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

المستفتی: اسماعیل احمد مکوریا، دارالعلوم کنتھاریا، بھروچ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ختم قرآن بہت مبارک اور باعث خیر وبرکت ہے، اور ختم قرآن کریم کے ذریعہ ایصال ثواب بھی جائز اوراس کا ثواب میت کوپہنچنے کی قوی امید ہے، لیکن ختم شریف کیلئے تداعی اور اعلان کو امدادالفتاویٰ ۴/۵۶۰، احسن الفتاویٰ ۱/۳۶۲، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/۱۸۲، جدید زکریا ۳/۳۱ نفع المفتی والسائل/۱۲۴، میں مکروہ اور بدعت نقل کیا ہے۔

إن ختم القرآن بالجماعة جهراً ويسمىٰ بالفارسية سپاره خواندن مكروه الخ. (نفع المفتى / ١٢٤)

نیز فتاویٰ عالمگیری ، کتاب الكراهية، الباب الرابع فى التسبيح وقراءة القرآن الخ زکریا ۵/ ۳۱۷ میں بھی مکروہ نقل فرمایاہے، البتہ فتاویٰ محمودیہ قدیم ۶/ ۱۳۶، جدید ڈابھیل ۳/۹۲ میں طحطاوی علی المراقی کی عبارت سے استدلال کرکے اسکی گنجائش نقل فرمائی ہے، اورسوالنامہ میں جوصورت حال نقل کی گئی ہے، کہ جمعہ کوختم یاسین شریف کا سلسلہ ختم ہونے کی وجہ سے باقاعدہ گھر گھر مٹھائی شیرینی کھانا و دعوت وغیرہ کے لوازمات کیساتھ ختم قرآن کا سلسلہ شروع ہوچکا ہے، تو اسکوختم کرنے کیلئے جمعہ میں ختم قرآن اورتعزیت کااعلان کرنے کی گنجائش ہے۔

إن من ابتلىٰ ببليتين وهما متساويان يأخذ بأيتهما شاء وإن اختلفا يختار أهونهما الخ. (الإشباه قديم /١٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۱۵۷)

قرآن خوانی کیلئے اعلان کرکے بلانا

سوال: [۴۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

ہمارے مدن پورہ کا یہ دستور ایک مدت سے چلا آرہا ہے، کہ میت کو قبرستان میں دفن کرکے فارغ ہونے کے بعد یہ اعلان کیا جاتا ہے، کہ کل صبح قرآن خوانی ہے، اور کلمۂ طیبہ کا ختم ہے، آپ سب حضرات شرکت فرمائیں، چنانچہ حسب اعلان قرآن خوانی ہوتی ہے اور ختم کلمۂ طیبہ ہوتا ہے، اس پر اب موجودہ دور میں کچھ حضرات کو اعتراض ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ قبرستان میں اعلان درست نہیں ہے، نیز یہ بھی کہتے ہیں، کہ قرآن خوانی کیلئے اس طرح عام اعلان کرکے خواہ وہ قبرستان میں ہو یا گھر پر پہونچ کر ہو یا لوگوں کے گھر جا کر ہو درست نہیں ہے، آپ از روئے شرع مدلل ومفصل جواب مرقوم فرمادیں۔

المستفتي: حاجی عبدالمجید، پانڈے حویلی، وارانسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن خوانی کیلئے اس طرح اعلان کرنے کو حضرات تھانویؒ نے امدادالفتاویٰ میں مکروہ اور بدعت لکھا ہے، لہٰذا اعتراض کرنے والوں کا اعتراض درست ہے۔ (امدادالفتاویٰ زکریا ۴/ ۵۶۰، فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۶/ ۱۸۱، جدید زکریا ۳/ ۳۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳رشوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۰/۲۳ھ

ایصال ثواب کیلئے اجتماعی قرآن خوانی کا حکم

سوال: [۴۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسئلہ ایصال ثواب کیلئے اجتماعی قرآن خوانی کا ہے، میت کے ایصال ثواب کیلئے اجتماعی قرآن خوانی کا کیا ثبوت ہے، کیا مروجہ اجتماعی قرآن خوانی دور نبوی ﷺ میں رائج تھی، یا دور خلافت اور آثار صحابہ سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟ اگر نہیں تو اہل حق کے حلقوں میں اس کا رواج کیوں ہے، اکثر مدارس عربیہ میں بھی ایصال ثواب کیلئے

اجتماعی قرآن خوانی کرائی جاتی ہے، ایسا کیوں؟

المستفتی: شفیق احمد غازی، گوگا واں، مدھیہ پردیش

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا فی نفسہ درست اور مستحسن ہے لیکن مروجہ طور پر اجتماعی قرآن خوانی کہ قرآن پڑھنے کے بعد کھانا وغیرہ اس کا ثبوت شریعت مطہرہ میں نہیں ہے، لہٰذا جو لوگ مروجہ قرآن خوانی میں بذات خود شرکت کرتے ہیں یا بچوں کو بھیجتے ہیں، ان کو اس مسئلے سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ اس طرح قرآن پڑھنے سے خود پڑھنے والوں کو ثواب نہیں ملتا تو وہ میت کو ثواب کہاں سے پہونچا سکتے ہیں۔

فالحاصل أن ماشاع فی زمانناعن قراءة الأجزاء بالأجرة لایجوز. (شامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاشدة، مطلب فی الإستیجار علی الطاعات کراچی ۶/۵۶، زکریا ۹/۷۷)

بل الضرر صار فی الإستئجار علیه حیث صار القرآن مکسبا وحرفة یتجربها (وقوله) فمن أین یحصل له الثواب الذی طلب المستأجر أن یهدیه لمیته. (شرح عقود رسم المفتی سعیدیه /۳۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۸۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۹ھ

قرآن خوانی میں تلاوت کے بعد کچھ سورتیں پڑھ کر دعا کرنا

سوال: [۴۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بہت سے لوگ قرآن خوانی کرتے ہیں قرآن کی تلاوت کرنے کے بعد بعض لوگ کچھ سورتیں پڑھتے ہیں، کوئی الحمد کی سورۃ پڑھتا ہے کوئی دس سورتیں پڑھتا ہے، کوئی سورہ یاسین پڑھتا ہے، اس کے بعد دعا کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے قرآن وحدیث سے اس کا جواب دیجئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کا ثبوت قرآن وحدیث اور ائمہ مجتہدین اور سلف خلف میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے، یہ بعد کے لوگوں کی ایجاد کردہ ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۳؍رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/ ۲۷۶۸)

گھر بلاکر قرآن خوانی کرانا

سوال: [۴۰۴۶]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) کسی شخص کا انتقال ہوجاتا ہے،تو اس کے وارثین ایصال ثواب کی نیت سے اپنے گھر دس بیس افراد کو بلاکر قرآن شریف پڑھواتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے۔

(۲) ایک شخص رمضان شریف میں اپنے گھر دس بیس افراد کو بلا کر کلام پاک پڑھواتا ہے،ثواب یا برکت کی نیت سے اور اس کے بعد افطار کراتا ہے، اس طرح قرآن شریف پڑھنااور پڑھوانا اور افطار کرانا اور کرنا کیسا ہے؟

(۳) ایک شخص غیر رمضان میں اپنے گھر دس بیس اشخاص کو بلا کر برکت اور ثواب کی نیت سے قرآن خوانی کراتا ہے اور اس کے بعد اپنی خوشی سے اور مہمان نوازی کے طور پر پڑھنے والوں کو ناشتہ کراتا ہے، اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے اور پڑھنے والوں کا قرآن خوانی کیلئے جانا اور ناشتہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: منشی امام الدین، تاج پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایصال ثواب کیلئے قرآن کریم کی تلاوت بہت اچھا عمل ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کے لوازمات نہ ہوں ، نیز رمضان وغیر

رمضان دونوں میں بغیر کھانا اور مٹھائی وغیرہ کے لوازمات کے باعث ثواب اور خیر وبرکت ہے، مگر کھانا یا ناشتہ یا مٹھائی وغیرہ کے لوازمات کے ساتھ ثواب بھی نہیں ملے گا، اور خیر وبرکت کا باعث بھی نہ ہوگا، بلکہ یہ بدعت ہی ہوتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۱/۳۶۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۵۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱/۱۴۱۸ھ

مدرسہ کے طلبہ سے ایصال ثواب کرانا

سوال: [۴۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ زمانہ میں مسلم قوم بالخصوص چھوٹے طبقہ میں علم کا فقدان ہے اور پڑھنے لکھنے کا شوق نہیں اور پڑھے لکھے بھی قرآن تیز نہیں پڑھ سکتے ایسی حالت میں چند حفاظ کرام اور ناظرہ خواں اسلامی مدرسہ کے بچوں کو ایصال ثواب کیلئے جمع کر کے قرآن خوانی کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: قرآن خوانی کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا باعث اجر وثواب ہے، مگر اس میں دعوت وشیرینی وغیرہ تقسیم کرنا جائز نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۴/۱۲۲، جدید زکریا ۴/۱۳۶، جدید زکریا مطول ۵/۵۷۳)

فالحاصل: إن اتخاذ الطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. (البزازيه على الهندية الخامس والعشرون في الجنائز، قبيل السادس والعشرون في حكم المسجد زكريا ٤/ ٨١، جديد ١/ ٥٤)

ومنها الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أو بعده وبإعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أو يسبح أويهلل له وكلها بدع منكرات باطلة والمأخوذ منها حرام للآخذ وهو عاص بالتلاوة والذكر

لأجل الدنيا . (شامی ، کتاب الصلاة، باب الإجازة الفاسدة مطلب فی الاستئجار علی الطاعات زکریا ٩/ ٧٨، کراچی ٦/ ٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٤ ر رجب ١٤١٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٥٣٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٥/ ٧/ ١٤١٦ھ

مدرسہ کے اوقات میں طلبہ سے قرآن خوانی کرانا

سوال: [٤٠٤٨]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مروجہ قرآن خوانی جو کہ بڑی شخصیت کے انتقال پر ہوا کرتی ہے، آیا شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے، یا ناجائز؟ جبکہ مدرسہ کے اوقات کے اندر تعلیم چھوڑ کر قرآن خوانی کے لئے مجبور کیا جاتا ہے، اور مدرسہ کے طلباء عزیز جو کہ شہر کے اندر گھر گھر جا کر قرآن خوانی کرتے ہیں، آیا اس کے جواز کی کیا کوئی صورت ہے؟ جبکہ اس کے اندر حرص لالچ کا بھی ایک گوشہ ہے، اور کتنی صورتوں سے ناجائز ہے، جبکہ علمائے دیوبند کے فتاویٰ بھی قرآن خوانی کے خلاف ہیں۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب دیکر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: سلمان فارسی اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کے ایصال ثواب کیلئے فی نفسہ قرآن پڑھ کر ثواب پہونچانا جائز اور مباح ہے، لیکن ایسے مباح کام کیلئے تداعی اور مدرسہ کی تعلیم کے اوقات کے اندر تعلیم چھوڑ کر قرآن خوانی کیلئے مجبور کرنا جائز نہیں ہے، نیز ختم قرآن وغیرہ کیلئے دعوت دیکر لوگوں کو جمع کرنا نیز کھانا کھانے وغیرہ کی دعوت دینا مکروہ ہے۔

قال فی المرقاة: من أصر علی أمر مندوب وجعله عزما ولم یعمل بالرخصة فقد أصاب عنه الشیطان من الإضلال ، فکیف من أصر علی بدعة أو منکر (وفیه أیضاً) أن الله یحب أن یوتی رخصة کما یحب أن یوتی

عـزائمه الخ. (مرقاة شـرح مشـكـوٰة ، الصلاة، باب الدعاء فی التشهد ملتانی ۲/۳۵۳، شرح الطیبی ،الصلاة، با ب الدعاء فی التشهد کراچی ۲/۳۷٤)

وفـی الشامیة: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبـوع ونـقـل الـطـعـام إلی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة الـقـرآن وجـمـع الـصلحاء والقراءة للختم أو لقراءة سورة الإنعام، أو الإخـلاص (إلـیٰ قـولـه) وهـذه الأفـعـال کـلها للسمعة والریاء فیحترز عنهاالخ. (شامی ، کتاب الصلاة، با ب صلاة الجنازة ، مطلب فی کراهة الضیافة من أهـل الـمیت زکریا ۳/۱٤۸، کراچی ۲/۲٤۱، وهکذا فی شرح سفر السعادة /۲۷۳، و مدارج النبوة ۱/٤۲۱، بحـوالـه فتاویٰ رحیمیه قدیم ۲/۳٤۱، جدید زکریا۷/۹۸، اختلاف امت او ر صراط مستقیم ۱/۱۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۴۹)

طلبہ کا قرآن خوانی کے بعد کھانا پینا

سوال: [۴۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض مدارس کے طلبہ قرآن خوانی کرتے ہیں جو شخص قرآن خوانی کیلئے دعوت دیتا ہے، طلبہ ان کے گھر قرآن شریف لیکر جاتے ہیں، ایک پارہ یا اس سے کچھ کم وبیش پڑھتے ہیں پھر یہ طلباء اوراہل خانہ جمیع مسلمانوں کیلئے دعاء مغفرت کرتے ہیں، پھر اسی جگہ ناشتہ اور کھانا کھلایا جاتا ہے، تو کیا اس طرح کرنا صحیح ہے، اور اگر صحیح نہیں ہے تو قرآن خوانی کرانے والے شخص کو ثواب ملیگا یا نہیں؟ اور جمیع مسلمانوں کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے تو میت کو اس کا ثواب ہوگا؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :مذکورہ طریقہ پرقرآن خوانی درست نہیں ہے،ایسی قرآن خوانی کا ثواب نہ قرآن خوانی کرانے والے کوملتا ہے نہ میت کو ہاں البتہ اگر کھانے پینے کے لوازمات نہ ہوں تو خیروبرکت سے خالی نہ ہوگی۔(مستفاد: فتاویٰ رشیدیہ/ ۲۶۸،محمودیہ۱۴/ ۲۸۸)

فالحاصل: إن ما شاع في زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لا يجوز لأن فيه الأمر بالقراء ة وإعطاء الثواب للآمر والقراء ة لأجل المال فإذا لم يكن للقارىء ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر. (شامي ، كتاب الإجارة ، باب الإجارة الفاسدة ، مطلب في الإستئجار على الطاعات زكريا ۹ /۷۷، كراچی ٦/ ٥٦)

إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا لليمت ولا للقارىء. (شامی، کراچی ٦/ ٥٦، زکریا ۹/ ۷۷)

ولا يصح الإستئجار على القراء ة وإهداها إلى الميت لأنه لم ينقل عن أحد من الأئمة الإذن في ذلك. (شامی ، كراچی ٦/ ٥٧، زكريا ۹/ ۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۵؍رجب ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/ ۵۳۹۱)

اکٹھے ہوکر بآواز بلند قرآن خوانی اوراسکے بعد کچھ انعام لینا یا کھانا پینا

سوال: [۴۰۵۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میت ہونے کے بعد میں قرآن خوانی میت والوں کے مکان پرخواہ عورتوں سے کی جائے یا مردوں سے یا مدارس کے طلبہ سے اورقرآن خوانی کے بعد امام کوطلبا کے اساتذہ کو یا مدارس اسلامیہ کو انعام دیا جائے یا کھانا چائے وغیرہ کی جائے،اس شکل میں قرآن خوانی جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح عورتوں کا اورمردوں کا یا طلبا کا مجمع میں بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟ کیونکہ علماء کے

نزدیک اس طرح اکٹھے ہوکر بلند آواز سے تلاوت ممنوع ہے؟

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ایسی تلاوت کو جسمیں منازعت کی سی شکل ہوجائے اور ایک دوسرے سب اپنی اپنی آوازیں پڑھیں ناجائز اور حرام لکھا ہے۔ (فتاویٰ افریقیہ/ ۲۹)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اکٹھے ہوکر بآواز بلند قرآن خوانی کو حضرات فقہاء نے ممنوع اور مکروہ تحریمی لکھا ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

إن ختم القرآن بالجماعة جهراً ويسمىٰ بالفارسية سپاره خواندن مكروه الخ. (نفع المفتي والسائل /١٢٤، المحيط البرهاني، كتاب الكراهية والاستحسان، الفصل الرابع الصلاة، والتسبيح وتلاوة القرآن والذكر، المجلس العلمي جديد ٧/٥١٣، رقم: ٩٤٥٢، الفتاوىٰ التاتار خانيه، كتاب الكراهية، الفصل الرابع رفع الصوت عند قراءة القرآن زكريا ١٨/٥٨، رقم: ٢٨٠٢٣)

نیز جن علاقوں میں قرآن خوانی کے بعد کھانا چائے یا انعام وغیرہ کا دستور ہے، وہاں یہ سب چیزیں بمنزلہ اجرت کے ہوتی ہیں، اس لئے یہ طریقہ ناجائز اور ممنوع اور ثواب سے محرومیت کا باعث ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۱/ ۳۶۱) نیز مولانا احمد رضا خان صاحب کا اس طریقہ کو ناجائز لکھنا صحیح ودرست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ رمضان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۶۶)

قرآن خوانی کے بعد کچھ کھانا پینا یا ہدیہ پیش کرنے کا حکم

سوال: [۴۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) کچھ لوگ اپنے کسی مرحوم رشتہ دار کیلئے بغرض ایصال ثواب قل خوانی، کلمہ خوانی وغیرہ کراتے ہیں، اور حاضرین مجلس کیلئے بخوشی کچھ کھانے پینے کا انتظام بھی کرتے ہیں، یہ کھانا حاضرین کیلئے

کیسا ہے، اگرنا جائز ہے تو اس کے جواز کی کوئی تاویلی صورت بھی ہے؟

(۲) بعض حضرات مدرسہ کے طلبا سے قرآن خوانی وغیرہ کراتے ہیں، اور بطور ہدیہ کچھ دیتے بھی ہیں، یہ کیسا ہے، مطلقاً ممنوع ہے یا جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟

المستفتي: ربیع الاسلام قاسمی، مدرس
مدرسہ معماری، بردوان (مغربی بنگال)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآن کریم پڑھکر میت کوایصال ثواب کرنا جائز اور مستحسن ہے، لیکن مروجہ طریقہ اوراس میں کھانے پینے کے لوازمات کی وجہ سے مکروہ تحریمی اور بدعت شنیعہ ہے،اس کا ترک کرنا لازم ہے، نیز یہ رواج ہو چکا ہے، کہ اگر کچھ کھانے پینے کا انتظام نہ کیا جائے ،تو آئندہ کبھی قرآن خوانی کیلئے اس کے یہاں کوئی نہیں جائیگا تو ایسی صورت میں میت کوقرآن خوانی سے کوئی ثواب نہیں ملیگا بلکہ الٹا قرآن خوانی کرانے والے اورشرکت کرنے والے گنہگار رہوں گے۔

ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت لأنه شرع في السرور لا في الشرور وهي بدعة مستقبحة . (إلى قوله) واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم أو لقراء ة سورة الإنعام أو الإخلاص الخ. (شامي كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة ، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت زكريا٣/١٤٨، كراچی ٢/٢٤٠)

ہدیہ دینے کے مواقع بہت ہیں صرف یہی موقع ہدیہ دینے کا نہیں ہے اور بنام ہدیہ قرآن خوانی کے موقع پر جو دیا جاتا ہے، وہ درحقیقت ہدیہ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ایک قسم کی اجرت ہے،قرآن خوانی سے کسی بھی طرح کا معاوضہ حاصل کرنا ثواب سے محروم کردیتا ہے، اورجب خودقاری ثواب سے محروم ہوجاتا ہے،تو وہ دوسروں کو ایصال ثواب کہاں سے کریگا، اسلئے بطور ہدیہ بھی اس موقع پر کچھ لینا جائز نہ ہوگا۔

إن ماشاع فی زماننا من قراء ة الأجزاء بالأجرة لا یجوز (إلی قوله) فإذا لم یکن للقاریء ثواب لعدم النیة الصحیحة فأین یصل الثواب إلی المستأجر ولو لا الأجرة ماقرأ أحد لأحدٍ فی هذالزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا ووسیلة إلی جمع الدنیا الخ. (شامی کتاب الإجارة، مطلب فی الإستئجار علی الطاعات زکریا۹/ ۷۷، کراچی ٦/ ٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۵۹۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۳/ ۱۴۱۲ھ

فاتحہ کی حقیقت

سوال: [۴۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فاتحہ کی حقیقت کیا ہے، کیونکہ آج کل مسلک دیوبند میں بھی عام رواج ہوگیا ہے، فاتحہ پڑھنا گناہ تو نہیں یا فاتحہ کے بغیر مردوں کو ثواب نہیں پہونچتا، اور فاتحہ کا طریقہ کیا ہے؟

المستفتي: محمد شریف، فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: فاتحہ کی حقیقت شریعت میں بس اتنی ہے کہ کسی نے کوئی نیک کام کیا اس پر جو کچھ اس کو ثواب ملا اس نے اپنی طرف سے وہ ثواب کسی دوسرے کو دیدیا، یا اللہ! یہ میرا ثواب فلاں کو دیدیجئے یہی فاتحہ ہے، اس کے علاوہ فاتحہ کے نام سے جو لوگوں میں رائج ہے نہ وہ فاتحہ ہے نہ شریعت میں اس کا ثبوت ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ٦/ ۴۸)

من صام أو صلیٰ أو تصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة. (شامی، کتاب الحج، الحج

عن الغیر کراچی ۲/ ۲۹۵، زکریا۳/ ۱۵۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۱۷ھ

مروجہ فاتحہ خوانی کے بعد کھانا کھانا کیسا ہے؟

سوال: [۴۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) فاتحہ مروجہ یعنی سامنے کھانا یا کچھ شیرینی رکھ کر اس پر ’’**الم ذلک الکتاب لاریب فیه**‘‘ سے لیکر ’’**مفلحون**‘‘ تک اور سورہ حشر کی آخری تین آیات اور چار قل پڑھتے ہیں پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں اس کے بعد کھانے کو تناول فرماتے ہیں یہ امر کیسا ہے؟

(۲) فاتحہ مروجہ کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور کس نے اس کام کو شروع کیا ہے؟

(۳) ایسے کھانے کو کھانا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: محمد عبد الصمد، بلاسپور گیٹ،
امام کھیر والی مسجد، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) فاتحہ خوانی کا مروجہ طریقہ بے اصل ہے اور اس کا ثبوت نہ تو قرآن سے ہے، اور نہ ہی حدیث نبوی سے اور نہ فقہ کی کتابوں سے ہے، بلکہ حضرات فقہاء نے اسکو بدعت لکھا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ۱/ ۸۱، احیاء العلوم/ ۱۴۸، فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱/ ۲۲۹، جدید ڈابھیل ۳/ ۶۸، امداد المفتیین/ ۱۵۷)

قراء ة الفاتحة والإخلاص والكافرون، على الطعام بدعة. (فتاویٰ سمر قندی بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۳/ ۱۹۳، جدید زکریا ۲/ ۱۱۶)

(۲) فاتحہ مروجہ کی ابتداء کہاں سے ہوئی ہے، اس کا کہیں سے ثبوت نہیں ملتا ہے، البتہ ہندوستانی مسلمانوں نے ہندوانی تہذیب سے متأثر ہوکر ان کے افعال کو اپنا لیا ہے،

جیسا کہ ''تحفۃ الہند'' کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ جب ان غیر مسلموں میں سے کوئی مرجاتا تھا تو اس کے مرنے پر کھانا پکا کر پنڈت سے اس پر وید پڑھواتے تھے، اسی رسم کو مسلمانوں نے بھی اپنالیا۔ (تحفۃ الہند/ ۸۵)

نیز جو ہدیۃ الحرمین کے حوالہ سے بعض لوگوں نے کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دسواں اور چالیسواں کیا اور کھجور پر فاتحہ دی تو یہ غلط اور بے ثبوت بات ہے، کتب معتبرہ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (فتاوی رشیدیہ قدیم/۱۵۲، جدید زکریا/۱۲۷)

(۳) فاتحہ کا یہ طریقہ ناجائز ہے مگر نفس کھانا حرام نہیں ہے، بلکہ اسکی حلیت باقی رہتی ہے، اور اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اسکو ضروری جاننا برا ہے، اور بہتر یہ ہیکہ جو کچھ پڑھنا چاہیں پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہونچا دیں اور کھانے کو تصدق کی نیت سے فقراء کو کھلا دیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ قدیم/۱۵۳، جدید زکریا/ ۱۲۷، احیاء العلوم/ ۱۴۸)

صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاة أو صوماً أو صدقة أو غیر ها کذا فی الهدایة . (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القرأة للمیت واهداء ثوابها له، زکریا ۳/ ۱۵۱، کراچی ۲/ ۲۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۹۹)

کھانے پینے کی چیزوں پر فاتحہ پڑھنا

سوال: [۴۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کھانے پینے کی چیزیں مثلاً شیرینی، بریانی اور پانی وغیرہ سامنے رکھ کر فاتحہ کرنا کیسا ہے؟

المستفتي: محمد مبین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی بھی کھانے پینے کی چیز کو سامنے رکھ کر مروجہ طریقہ پر فاتحہ دینا اور اس کے ساتھ دیگر ممنوع التزامات کرنا اور یہ خیال کرنا کہ اس کے بغیر میت کو ثواب نہیں پہونچ سکتا، یہ سب بدعت اور ممنوع ہے، فاتحہ کی صرف اتنی اصل شریعت میں موجود ہے، کہ آدمی کسی بھی نیک عمل کا ثواب میت پہونچا سکتا ہے، نیک عمل میں ذکر تلاوت صدقہ وخیرات کسی کو کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا سب شامل ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۵/۳۰۴، بہشتی زیور ۶/ ۴۸)

من صام أو صلیٰ أو تصدق وجعل ثوابه لغیره من الأموات والأحیاء جاز ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السنة والجماعة الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراءة للمیت وإهداء ثوابها له، کراچی ۲/ ۲۴۳، زکریا ۳/ ۱۵۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۴/۱۸ھ

کھانے پر فاتحہ خوانی کا حکم

سوال: [۴۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسلمانوں میں کھانے پر فاتحہ خوانی کا جو رواج ہے کہ جب تک اس کھانے پر فاتحہ نہیں پڑھی جائیگی کھانا نہیں کھاتے اور نہ ہی کھلاتے ہیں، تو کیا یہ مروجہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فاتحہ خوانی کا مروجہ طریقہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور نہ ہی صحابہؓ وتابعین اور ائمہ مجتہدین سے بلکہ یہ بے اصل اور بدعت ہے جس کا ترک لازم ہے۔ (مستفاد: محمودیہ قدیم ۱۵/ ۴۰۷، جدید ڈابھیل ۳/ ۶۸)

قراءة الإخلاص والكافرون على الطعام بدعة . (فتاویٰ سمرقندی، بحواله فتاویٰ رحیمیه قدیم ۱۹۳/۳، جدید زکریا ۱۱۶/۲)

وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة . (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، کراچی ۲۳۵/۲، زکریا ۱۴۱/۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۲۰۰۱/۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

میت کے ورثاء اور مالداروں کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا

سوال: [۴۰۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ہمارے علاقہ میں یہ عام رواج ہے، کہ جب کسی کے گھر کسی آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے، تو تجہیز وتکفین کے چوتھے یا پانچویں روز یا کسی اور دن میت کے نام پر ورثاء میت کھانا کھلاتے ہیں، جس میں ورثاء میت امیر غریب اور مدرسہ کے طلبہ ومدرسین کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں، تو کیا امیر ومدرسین (جو کہ صاحب نصاب ہیں) کو اس طرح کی دعوت میں شرکت کرنا اور کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) خود ورثاء میت کو اسی کھانے سے کھالینا کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳) ورثاء میت طلبہ سے قرآن خوانی کرا کے دعوت دیکر طلبہ ودیگر لوگوں کو کھلاتے ہیں، تو کیا اس قرآن خوانی کا ثواب میت کو ملے گا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

اسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) میت کے ورثاء کی طرف سے میت کے ایصال ثواب کیلئے غریبوں کو کھانا کھلانا بلاتردد جائز اور درست ہے لیکن اس میں دن کی تعیین جائز نہیں ہے۔

لہٰذا تیجہ اور چوتھے دن اور دسویں وغیرہ کی رسم جائز نہیں ہے۔

ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع

(شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی کراهیة الضیافة من أهل المیت، زکریا ۳/۱۴۸، کراچی ۲/۲۴۰)

(۲) ورثاء میت کا بھی اس کھانے میں شریک ہونا جائز ہے۔

(۳) قرآن خوانی کرا کے کھانا کھلانے کی رسم جائز نہیں ہے، اس سے ثواب کی امید نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۲۳/۱۵، جدید ڈابھیل ۹/۲۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۳/۱۴۱۵ھ

خودکشی کرنے والے کو ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی نے جہیز کے دباؤ میں آکر زہر کی گولی کھالی یا اسکو کھلائی گئی اور وہ اس دنیا فانی سے رخصت ہوگئی، اب اگر اس کے نام پر صدقہ وخیرات کیا جائے، تو اس کو ثواب پہونچے گا یا نہیں؟

المستفتي: حاجی صفدر علی خان، مدرس جامعہ اسلامیہ، ضلع: بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس طرح عام میت کو صدقہ وخیرات کا ثواب پہونچ جاتا ہے، اسی طرح خودکشی کرنے والے کو بھی پہونچ جاتا ہے، اور مذکورہ صورت میں اگر لڑکی نے از خود زہر کی گولی کھا کر دم توڑا ہے تو خودکشی میں داخل ہوگی، اور ایصال ثواب اس کے حق میں درست ہے، اور اگر کسی دوسرے نے کھلائی ہے، تو خودکشی نہیں ہے بلکہ درجۂ شہادت حاصل ہونا بھی ممکن ہے، اس کے حق میں بھی ایصال ثواب بلاشبہ درست ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۲۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۷۲)

رقم لے کر ایصال ثواب کرنا

سوال: [۴۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی آدمی نے عمر سے چالیس یوم تک ایصال ثواب کیلئے قرآن مجید پڑھوایا چالیس یوم جب پورا ہوا تو اس آدمی نے عمر کو کچھ نقد رقم دی یہ لینا کیسا ہے؟ مہربانی فرما کر مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتي: بشیر احمد قاسمی، مدرسہ بشیریہ، سکرہٹہ خورد، بھوجپور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس طرح چالیس دن یا کم وبیش ایصال ثواب کیلئے رقم لیکر قرآن کریم کی تلاوت سے ثواب نہیں ملتا ہے، بلکہ دونوں گنہگار رہوں گے، اور ثواب سے دونوں محروم ہوں گے اور میت کو بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ویکره اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقرأ للختم الخ. (شامی، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی کراهة الضیافة من أهل المیت زکریا ۳/۱۴۸، کراچی ۲/۲۴۰)

ولا یصح الإستئجار علی القراءة وإهدائها إلی المیت الخ. (شامی، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب فی الإستئجار علی الطاعات زکریا دیوبند ۹/۷۸، کراچی ۶/۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ر رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۷/۱۴۱۲ھ

۱۹ / باب الشهید

شہید حقیقی کی تدفین کیسے کی جائے

سوال: [۴۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قصبہ اغوان پور میں ایک صاحب کا قتل ہوا امام صاحب نے کفن وغسل دینے کو منع فرمایا، لھذا امام صاحب کی رائے کے مطابق نہ اس کو کفن دیا گیا اور نہ ہی اس کو غسل دیا گیا کیا اس طرح جائز ہے، بچے کو کھانا دینے جارہا تھا تو راستے میں کسی دشمن نے گولی ماردی، اسی وقت انتقال ہوگیا، اور وارثوں کو قاتل کے بارے میں علم ہے لیکن انھوں نے کوئی بدلہ ابھی تک نہیں لیا اور نہ ہی تھانہ میں رپورٹ درج کی ہے۔

المستفتي: مولانا محمد یعقوب، اغوان پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں مقتول شرعاً شہید حقیقی ہے اور شہید حقیقی کا حکم یہی ہے کہ اسی کپڑے میں بغیر غسل نماز جنازہ پڑھکر دفن کردیا جائے، ہاں البتہ اگر بدن پر جو کپڑے ہیں وہ بہت کم ہیں تو اس کے رہتے ہوئے ضرورت پوری کرنے کیلئے مزید کپڑا ابھی لگایا جاسکتا ہے، امام صاحب کا عمل اور رائے صحیح ہے۔

من قتله أهل الحرب أو أهل البغي أو قطاع الطريق ، فبأي شيئ قتلوه لم يغسل الخ. (هدايه ، كتاب الصلوٰة ، باب الشهيد زكريا ۳/ ۲٤، رقم: ٦ ٤ ٦ ٣)

وكذا يكون شهيداً لو قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ولو تسببا أو بغير آلة جارحة فإن مقتولهم شهيد بأي آلة قتلوه. (درمختار ، كتاب الصلوٰة، باب الشهيد زكريا ۳/ ۱٦٠، كراچی ۲/ ۲٤۹)

فينزع عنه ما لا يصلح للكفن ويزاد إن نقص ماعليه عن كفن السنة وينقص إن زاد لأجل أن يتم كفنه المسنون ويصلى عليه بلا غسل ويدفن بدمه وثيابه الخ. (الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب الشهيد زكريا۳/۱٦۱، كراچی ۲/۲٥۰)

ويزيدون فى أكفانهم ماشاؤا، وينقصون ماشاؤا، وقيل: معناه يزاد علىٰ ما عليه من الثياب إذا قل، حتى يبلغ السنة وينقص عما عليه، إذا كثر، حتى يقصر على السنة. (الفتاویٰ التاتار خانية، الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز، قسم أخر فى تكفين الشهيد زكريا۳/۲٤، رقم: ۳٦٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۵ھ

کیا فسادات میں مقتول مسلمان شہید ہوں گے؟

سوال: [۴۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مسلمان جو فسادات کے وقت غیر مسلم حکومت کی پولیس سپاہی، پی ایس سی، کے ہاتھوں ظلماً قتل کردئے جاتے ہیں تو کیا یہ مسلمان شہید ہوں گے یا نہیں؟

المستفتي: شبیر احمد، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو مسلمان فسادات کے موقعہ پر مقابلہ میں نہیں آتے ہیں اور ان کو پی ایس سی پولیس ظلماً قتل کردیتی ہے، وہ سب کے سب شہید ہیں البتہ جو لوگ ابتداءً غیر مسلم یا پولیسوں کے مقابل میں آتے ہیں اور اس میں مرجاتے ہیں ان کا شہید کے دائرہ میں آنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ، جدید ڈابھیل ۹/ ۲۹۷)

عن ابن عباس رضؓ عن النبی ﷺ: من قتل دون مظلمة فهو شهيد. (مسند

احمد بن حنبل ۱/ ۳۰۵، رقم: ۲۷۸۰، المعجم الكبير للطبرانى ، دار احياء التراث العربي بيروت ۸۶/۷، رقم: ٦٤٥٤)

المقتول مدافعاً عن نفسه أو ماله أو المسلمين أو أهل الذمة فإنه شهيد . (شامی ، کتاب الصلوٰة ، باب الشهيد زكريا ۱۵۹/۳، كراچی ۲۴۸/۲)

ومن قتل مدافعا عن نفسه أو ماله أو عن المسلمين أو أهل الذمة بأي آلة قتل بحديد أو حجر أو خشب فهو شهيد كذا فى محيط السرخسي.

(هنديه ، كتاب الصلوٰة ، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد زكريا ۱۶۸/۱، جديد ۲۲۹/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۵/۲۵ھ

کیا ہندو مسلم لڑائی میں قتل ہونے والے شہید ہیں؟

سوال: [۴۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص اپنے وطن سے کسی جگہ کا سفر کر رہا ہے یعنی علی گڈھ سے بمبئی کا سفر کر رہا ہے، اور اسی سفر کے درمیان کوئی شخص غیر مسلم کی لڑائی میں گرفتار کر لیا گیا، اس شخص کو ان غیر مسلموں نے مسلمان سمجھ کر قتل کر دیا یا جان سے مار دیا ہو تو کیا ایسی حالت میں مرنے والا شہیدوں میں شمار ہوگا؟ یا اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا یا اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا؟

المستفتي: محمد فاروق، سکندر اراؤ، ہاتھرس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو شخص ہندو مسلم لڑائی میں گرفتار ہو کر قتل کر دیا گیا ہو اس شخص کا شمار شہداء میں ہوگا، اور جو احکامات شہداء پر جاری ہوتے ہیں وہی احکامات اس پر بھی جاری ہوں گے اور اللہ رب العزت فرض کے علاوہ تمام گناہ معاف فرما دیں گے، اور وہ

شخص عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔

عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ: من قتل دون مظلمة فهو شهيد. (مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۰۵، رقم: ۲۷۸۰، المعجم الکبیر للطبرانی ، دار احیاء التراث العربي بیروت۷/ ۸٦، رقم: ٦٤٥٤)

المراد بشهيد الآخرة من قتل مظلوماً . (شامی ، کتاب الصلاة، باب الشهيد ، مطلب في تعداد الشهداء کراچی ۲/ ۲۵۲، زکریا ۳/ ١٦٤)

عن عبد الله ابن عمروا بن العاص أن النبی ﷺ قال: القتل فی سبيل الله يكفر كل شئي إلا الدين . (صحیح مسلم ، کتاب الإمارة ، باب من قتل فی سبيل اللّٰه كفرت خطاياه إلا الدين ، النسخة الهندية ۲/ ۱۳۵، بيت الأفكار رقم: ۱۸۸٦ ،مشكوٰة ۲/ ۳۳۱)

أن عمرو بن مالک الجنبيّ أخبره أنه سمع فضالة بن عبيد يحدث عن رسول الله ﷺ أنه قال: كل ميت يختم علىٰ عمله إلا الذي مات مرابطاً في سبيل الله فإنه ينمى له عمله إلى يوم القيمة ويأمن فتنة القبر ، الحديث : (ترمذی ، ابواب فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل من مات مرابطاً، النسخةالهندية ۱/ ۲۹۱، دارالسلام رقم: ١٦٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱؍۳؍ ۱۴۲٦ھ

ہندو پاک کے درمیان لڑنے والے مسلمان شہید ہیں یا نہیں

سوال: [۴۰٦۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پاکستان کی حکومت اسلامی ہے اور ہندوستان کی حکومت غیر مسلم ہے تو دونوں ملکوں سے اگر لڑائی ہو اور پاکستان کی جانب سے لڑنے والے تمام مجاہد اسلامی ہوں اور ہندوستان کی جانب سے لڑنے والے غیر مسلم ہوں لیکن کچھ مسلمان بھی ہوں اور ہندوستان کے

مسلمانوں کو پاکستان کے مسلمان جہاد کے میدان میں ماردیں تو ہندوستان کے مسلمانوں کو شہید مانا جائے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد انظر عالم، کشن گنج، صدیق منزل ۱۵ ہتھورا، ضلع: باندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس جنگ میں مرنے والے سپاہیوں کو شہید کہا جاتا ہے، جو صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنیکی غرض سے جنگ لڑتے ہیں، اور ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جو جنگ ہوتی ہے اس میں نہ پاکستان کی فوج کے ذہنوں میں اللہ کا کلمہ بلند کرنے کا مقصد ہوتا ہے اور نہ ہی ہندوستان کی طرف سے لڑنے والے سپاہیوں کے دل میں یہ بات ہوتی ہے، کہ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کیلئے لڑا جا رہا ہے، اسلئے دونوں طرف کے فوجیوں کی لڑائی جہاد اسلامی کے دائرے میں شامل نہیں ہے، بلکہ دونوں طرف کی لڑائی اقتدار کی لڑائی ہے اور اقتدار کی لڑائی میں مرنے والے ان شہداء میں شامل نہیں ہو سکتے جنکے بارے میں قرآن وحدیث میں بشارت آئی ہے۔

عن ابي موسیٰ قال جاء رجل إلی النبی صلی الله علیه وسلم، فقال الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیریٰ مکانه فمن فی سبیل الله قال من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله . (بخاری شریف، کتاب الجهاد، باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا، النسخة الهندیة ۱/ ۳۹۴، حدیث: ۲۷۲۶، ف: ۲۸۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۶۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۷/۸ھ

ایکسیڈنٹ میں مرنے والا شہید ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) خالد موٹر سائیکل سے جارہا تھا کہ راستہ میں پیچھے سے کسی گاڑی والے نے عمداً ٹکر ماردی جس کے نتیجہ میں وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگیا تو کیا اس صورت میں خالد کو شہادت کا درجہ ملیگا یا نہیں؟ اگر ملیگا تو شہادت اخروی یا دنیوی یا دونوں اور اس کے صغائر و کبائر کے بارے میں کیا حکم ہے، دونوں معاف ہوں گے یا صرف صغائر، نیز اگر خالد نے اسی کے ساتھ ساتھ شراب بھی پی رکھی ہو تو کیا حکم ہے؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ خالد بغیر کسی ارادہ کے گاڑی کی زد میں آجاتا ہے، اور موقع پر ہی وفات ہوجاتی ہے، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ خالد نے دوسری صورت میں شراب نہیں پی رکھی تھی؟

المستفتي: محمد حاکم، چاندپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حقیقی معنوں میں شہید وہ ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جہاد کرتے ہوئے قتل کیا جائے یا ظالموں نے اس کو ظلماً قتل کیا ہو بقیہ جو ایکسیڈنٹ اور حادثاتی اموات سے مرنے والے ہیں وہ صرف شہید اخروی ہیں، لہٰذا ان کو غسل دے کر ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور احادیث میں گناہوں کے معافی کا جہاں بھی تذکرہ ہے مراد صغائر ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کبائر کو بھی معاف کرسکتا ہے، ایکسیڈنٹ سے مرنے والا اگرچہ شراب پی کر مرا جب بھی وہ شہید اخروی ہوگا، یہ اور بات ہے کہ اس کو شراب پینے کا گناہ ملیگا، اس تفصیل سے سوالنامہ کی دونوں شکلوں کا جواب آگیا۔

وقيد بالقتل لأنه لومات حتف أنفه وابترد أو حرق أو غرق أوهدم لم يكن شهيداً في حكم الدنيا، وإن كان شهيد الآخرة. (شامی، کتاب الصلاة،

باب الشهيد كراچی ٢/ ٢٤٨، زكريا ٣/ ١٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۶۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۳ھ

ایکسیڈنٹ سے ہلاک ہونیوالے شہید حکمی

سوال: [۴۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایکسیڈنٹ سے جو لوگ مرجاتے ہیں وہ دنیوی اعتبار سے بھی شہید ہیں یا صرف اخروی اعتبار سے کیا ان کو غسل وغیرہ دیا جائے گا؟

المستفتي: عنایت علی، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ایکسیڈنٹ سے ہلاک ہونیوالے شرعاً شہید اخروی ہیں، غسل دینا لازم ہوگا۔

ولو انهزم المسلمون فوطئت دابة المسلم مسلما وصاحبها عليها أو سائق لها أو قائد غسل الخ. (فتاویٰ تاتار خانية ،الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون، فی الجنائز، قسم أخر يتصل بمسائل الشهيد زكريا٣/٢٣، رقم: ٣٦٤١، قديم ٢/ ١٤٤، فتاویٰ عالمگيری ، كتاب الصلوٰة ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهيدزكريا١/ ١٦٨، جديد١/ ٢٣٠، وهكذا البحر الرائق ، كتاب الجنائز، باب الشهيد زكريا ٢/ ٣٤٤، كوئٹه٢/ ١٩٦، احسن الفتاویٰ ٤/ ٢٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۸۶/۲۵)

مال کی حفاظت میں مقتول شہید ہے یا نہیں

سوال: [۴۰۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دہلی کے مدینہ بکڈ پو کے شائع شدہ کیلنڈر تقویم ۱۹۸۹ء کے اپریل کے ماہ نامہ میں بطور اقوال زریں چند الفاظ پر مشتمل مندرجہ ذیل عبارت ہے۔ (جو شخص اپنے مال کے پیچھے مارا جائے وہ شہید ہے)۔

(۱) مذکورہ بالا عبارت کی صداقت کس حدیث سے ثابت ہے؟

(۲) وہ کون سا مال ہے جس پر مرنا باعث شہادت ہے، جبکہ اہل اسلام کی نظر میں مال کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟

(۳) شہادت کا درجہ کیا ہے؟

لہٰذا مندرجہ بالا تین نکات کو سامنے رکھ کر اس عبارت کی وضاحت فرمادیجئے، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: محمد شریف، محلّہ قاضی ٹولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مذکورہ بالا عبارت کی صداقت بخاری ومسلم ترمذی کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

عن عبد الله بن عمرو قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من قتل دون ماله فهو شهيد. (صحيح بخاری، كتاب المظالم، باب من قتل دون ماله، النسخة الهندية ۱/۳۳۷، رقم: ۲۴۱۶، ف: ۲۴۸۰، صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل على أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق كان القاصد مهدر الدم الخ، النسخة الهندية ۱/۸۱، بيت الأفكار رقم: ۱۴۱، سنن الترمذی، ابواب الديات، باب ماجاء من قتل دون ماله فهو شهيد، النسخةالهندية ۱/۲۶۱، دارالسلام رقم: ۱۴۱۹)

(۲/۳) وہ مال جسکو مالک نے حلال طریقے سے حاصل کیا ہے، اور اہل اسلام کی نظر

میں ایسے مال کی اہمیت ہے جو حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہو، اور اسکی زکوٰۃ ادا کردی جاتی ہو، اور ایسے مال کی حفاظت میں اگر قتل ہو جائے تو شہادت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ (نووی ۱/۸۱)

عن أبي هريرةؓ قال: جاء رجل إلىٰ رسول الله ﷺ فقال: يارسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي قال: فلا تطعه مالک، قال: أرأيت إن قاتلني، قال: قاتله، قال: أرأيت إن قتلني قال: فأنت شهيد، الحديث.

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الدليل علىٰ أن من قصد أخذ مال غيره بغير حق كان القاصد مهدرالدم الخ، النسخة الهندية ١/٨١، بيت الأفكار رقم: ١٤٠)

اور اہل اسلام نے جس مال کی مذمت کی ہے وہ، وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جاتی ہو، یا غلط طریقے سے حاصل کیا جاتا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۸۶/۲۵)

کیا اپنی جان ومال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا شہید ہے؟

سوال: [۴۰۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک بستی کا پردھان تھا، جو ہر وقت گاؤں کے بناؤ سدھار کی فکر میں رہتا تھا، گاؤں کے راستے بیوہ عورتوں کی دیکھ بھال غریبوں کی ہمدردی غرض جو اوصاف ایک ذمہ دار میں ہونے چاہئے زید ان کا حامل تھا، لیکن گاؤں کے کچھ بدمعاش لوگ اس سے دشمنی رکھتے تھے، کیونکہ زید سے پہلے اس کے باپ نے تقریباً ۳۵؍ سال پردھانی کی اور لوگوں نے خوشی سے اس کو ووٹ دیا کیونکہ گاؤں کے اندر کارنامے اچھے تھے، اب چند بدمعاش زید سے دشمنی رکھتے تھے، اسلئے زید اپنی حفاظت کی غرض سے

لائیسنس والی بندوق اپنے پاس رکھتا تھا، ایک دن گاؤں کا راستہ ٹھیک ہورہا تھا، زید اسکی دیکھ بھال کرر ہا تھا، دوپہر کو کام پورا ہونے کے بعدزید واپس گھر کو آرہا تھا، لیکن گاؤں کی پنچایت کے ایک ممبر سے کوئی مشورہ کرنے کیلئے زید اس کے پاس بیٹھ گیا اچانک وہ بندوق جو اس کے پاس تھی ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گری اور اس کا گھوڑا ایک اینٹ کے کنارے سے پچ ہوا اور بندوق چل گئی اور اس کی گولیاں زید کی چھاتی کے اوپر پڑیں اور زید فوراً انتقال کر گیا۔

اب مسئلہ صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ زید بندوق صرف اپنی حفاظت کیلئے رکھتا تھا، اور میں نے ایک حدیث میں پڑھا ہے کہ جو شخص اپنی جان و مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے، تو کیا زید کو حکماً شہادت کا درجہ ملے گا، یا نہیں؟ یا ایسی موت کے متعلق حدیث شریف میں کوئی صراحت کیساتھ حکم موجود ہے؟ اگر کوئی ایسا حکم ہو تو تحریر فرمائیں، اور مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتي: عتیق الرحمٰن قاسمی، مدرسہ تعلیم القرآن، صدرالدین نگر، پوسٹ: خاص، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہت ممکن ہے کہ سوالنامہ کی مذکورہ صورت میں زید کو بھی شہادت کا درجہ مل جائے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن سعيد بن زيد قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد. (مسند احمد بن حنبل ۱/۱۹۱، رقم: ۱۶۵۲، سنن أبی داؤد، قبيل كتاب الأدب، النسخة الهندية ۲/۶۵۸، دارالسلام رقم: ۴۷۷۲، سنن النسائی، كتاب المحاربة من قاتل دون دينه، النسخة الهندية ۲/۵۵۵، دارالسلام رقم: ۴۱۰۰، سنن الترمذی، ابواب الديات، باب ماجاء من قتل دون ماله فهو

شهيد النسخة الهندية ١/ ٢٦١، دارالسلام رقم: ١٤٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۱۱/۳۲)

کیا بندوق سے ظلماً مارا ہوا شخص شہید ہے

سوال: [۴۰۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص کسی کو ظلماً بندوق سے ماردے اور وہ مسلمان بھی ہو تو وہ شہید حقیقی ہے یا نہیں؟ مدلل و مفصل ذکر فرمائیں؟

المستفتي: فضل الرحمٰن، متعلم مدرسہ شاہی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں یہ شخص مقتول شہید حقیقی ہوگا، کیونکہ شہادت حقیقی کے ثبوت کیلئے غیر مسلم ہونا اور آلہ کا آلہ جارحہ قاطعہ ہونا مشروط نہیں ہے۔

عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ: من قتل دو ن مظلمة فهو شهيد. (مسند احمد بن حنبل ١/ ٣٠٥، رقم: ٢٧٨٠، المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربي بيروت ٧/ ٨٦، رقم: ٦٤٥٤)

الشهيد من قتله (إلى قوله) أو قتله المسلمون ظلماً ولم يجب بقتله دية فيكفن ويصلى عليه ولا يغسل ...(وقوله) فبأي شيء قتلوه لم يغسل لأن شهداء أحد ماكان كلهم قتيل السيف والسلاح الخ. (هدايه، كتاب الصلاة، باب الشهيد، اشرفيه ديوبند ١/ ١٨٣)

والشهيد من قتله أهل الحرب –إلى– أو قتله مسلم ظلما عمداً بمحدد.

(نور الایضاح ، باب أحکام الشهید ، امدادیه دیو بند /۵ ۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۷۶)

حاملہ عورت کا ولادت کے دردزہ میں انتقال

سوال: [۴۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاملہ عورت ولادت کے دردزہ میں فوت ہوجائے تو اسکا اللہ کے یہاں کیا مقام ہے؟ کیا اس کو درجۂ شہادت حاصل ہوگا، اگر اسکو درجۂ شہادت حاصل ہوتا ہے، تو اس کے ثبوت میں کوئی حدیث وارد ہوتو تحریر فرمادیں۔

المستفتي: یعقوب احمد، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو عورت ولادت کے دردزہ میں فوت ہوجائے اسکو شہادت کا مقام حاصل ہوتا ہے، حدیث شریف میں اسکی شہادت سے متعلق حضور اکرم ﷺ کا واضح ارشاد وارد ہوا ہے کہ جو عورت ولادت کے موقع پر دردزہ کی وجہ سے فوت ہو جائے، تو اس کو شہادت کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے، اور اس کو شہیدوں کا مقام حاصل ہو جاتا ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الله بن عبد الله بن جابر بن عتيک عن أبيه عن جده أنه مرض فأتاه النبي ﷺ يعوده فقال قائل من أهله إنا كنا لنرجوا أن تكون وفاته قتل شهادة في سبيل الله فقال رسول الله ﷺ إن شهداء أمتي إذا لقليل القتل في سبيل الله شهادة والمطعون شهادة والمرأة تموت بجمع شهادة يعني الحامل والغرق والحرق والمجنوب يعني ذات الجنب شهادة.

(سنن ابن ماجه، ابواب الجهاد، مايرجى فيه، الشهادة ،النسخة الهندية /۱ ۲۰۱، دارالسلام رقم: ۲۸۰۳، سنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب فضل من مات بالطاعون، النسخة الهندية ۲/ ٤٤٣، دارالسلام رقم: ۳۱۱۱، سنن نسائى، كتاب الجنائز، الشهيد، النسخةالهندية ١/ ٢٢٤، دارالسلام رقم: ٢٠٥٦، مسند احمد بن حنبل ٥/ ٣٢٣، رقم: ٢٣١٣٦)

عن عبادة بن الصامت قال: عاد النبی ﷺ إبن رواحة فقال رسول الله ﷺ ماتعدون شهداء أمتي؟ فقالوا: من قتل فی سبيل الله: فقال رسول الله ﷺ إن شهداء أمتی إذا لقليل القتل شهادة والبطن شهادة، والطاعون شهادة والمرأة يقتلها ولدها جمعاء شهادة. (شعب الإيمان ۲/ ۱٦۹،رقم: ۹۸۷۸، ۹۸۷۹، ۹۸۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۵۲)

حاملہ عورت ولادت میں فوت ہوجائے تو پیٹ چیر کر بچہ نکالنا

سوال: [۴۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حاملہ عورت ولادت کے دردزہ میں فوت ہوجائے اوراس کے پیٹ میں بچہ ہوتو ایسی صورت میں اگر بچہ پیٹ میں مرجائے تو اس کو ماں کے ساتھ دفن کردیا جائے گا، یا بچہ کو پیٹ چاک کر کے نکالا جائے گا، اسی طرح اگر پیٹ میں بچہ زندہ ہو یا زندہ ہونے کا غالب گمان ہوتو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ فقہی جزئیات کیساتھ ساتھ اگر کوئی نص حدیث بھی ہوتو تحریر فرمادیں، نوازش ہوگی۔

المستفتي: شعیب احمد، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر عورت کے پیٹ میں بچہ پہلے ہی ختم ہو چکا

ہے، اور بچہ کی موت کا یقین بھی ہے تو ایسی صورت میں پیٹ چاک کر کے بچہ نکالنا لازم نہیں، لیکن اگر ماں کی موت کے بعد پیٹ میں بچہ کی زندگی کا یقین یا ظن غالب ہے تو ایسی صورت میں ماں کے پیٹ کو چاک کر کے بچہ کو نکالنا لازم اور ضروری ہے، جیسا کہ فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

امرأة ماتت والولد يضطرب في بطنها ، قال محمدؒ يشق بطنها، ويخرج الولد لايسع إلا ذلك. (خانيه على الهندية ، كتاب الصلاة، باب في غسل الميت وما يتعلق به زكريا ديوبند ١/١٨٨، جديد١/١١٧، هنديه ، كتاب الصلوٰة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر زكريا ديوبند ١/١٥٧، جديد ١/٢١٨، شامي ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميت ،كراچی ٢/٢٣٨، زكريا٣/١٤٥، التفاویٰ التاتار خانيه ، كتاب الصلوٰة ، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر في الخطأ الذي يقع في الباب زكريا ٣/ ٨٢، رقم: ٣٧٧٠)

لو أن حاملاً ماتت في بطنها ولد يضطرب فإن كان غالب الظن أنه ولد حي وهو في مدة يعيش غالباً فإنه يشق بطنها لأن فيه إحياء الآدمي فترك تعظيم الآدمي أهون من مباشرة سبب الموت. (تحفة الفقهاء ٣/٣٤٣، بحواله جديد فقهي تحقيقات ١/ ٣١٤، هنديه ، كتاب الكراهية ، الباب الحادي والعشرون فيما يسع من جراحات بني آدم والحيوانات الخ زكريا ٥/ ٣٦٠، جديد ٥/٤١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۷/ ۱۴۲۱ھ

کتاب الزکوٰۃ

١ / باب الزکاۃ ومتعلقاتہا

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا ☆ عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمْ

زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب

سوال: [٤٠٧٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنے چار بچوں کے ہمراہ جس میں دولڑکے اور دولڑکیاں ہیں، ایک لڑکا قریب بالغ ہونے کو ہے، جو آپکے مدرسہ میں پڑھتا ہے، اور ایک لڑکی بالغ ہونے کو ہے، باقی دو بچے چھوٹے ہیں، میرے پاس کچھ مال ہے جو مجھے میرے والدین کی طرف سے وراثت میں ملا ہے، اس کی تفصیل ذیل میں لکھتی ہوں، میرے شوہر کی آمدنی بہت کم ہے، جس سے ٹھیک طرح گھر کے اخراجات بھی پورے نہیں ہو پاتے ہیں، یہ مال میں نے اپنے بچوں کی شادی بیاہ کے لئے محفوظ کر رکھا ہے، مہربانی فرما کر تحریر فرمائیں کہ کیا مجھے زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے، اس کا اجر وثواب کیا ہے؟ اور نہ نکالنے پر کیا کیا عذاب اور دنیاوی کیا کیا نقصان ہوتے ہیں، یہ بھی تحریر کریں، نیز ١٠/ تولہ چاندی، ٦/ تولہ دو آنہ سونا اور نقد روپیہ بینک میں ٣٥٠٠٠ ہزار ہے؟

المستفتیہ: شاہین افسر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں آپ پر جمع

شدہ سونا، چاندی اور روپیہ سے زکوٰۃ نکالنا فرض ہے!

ليس فيما دون مأتي درهم صدقة – فإذا كانت مأتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (هدايه، كتاب الزكاة، باب زكاة المال أشرفي ١/١٩٤)

ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرين مثقالا ففيها نصف مثقال. (هدايه، كتاب الزكاة، باب زكوٰة المال، المكتبة الأشرفيه ١/١٩٥، الدر المختار مع الشامی، زکریا ٣/٢٢٤، کراچی ٢/٢٩٥)

اگر آپ نہ نکالیں گی تو دردناک عذاب الٰہی کی مستحق ہوجائیں گی۔

(قوله تعالىٰ) والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها فى سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم، الآية. (سورة التوبة:٣٤)

نیز دنیا میں بھی ایسی دولت میں برکت نہیں ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۷۵)

بیت المال قائم کرنا

سوال: [۴۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر کی ۱۹/ برادریوں نے مل کر ایک بیت المال قائم کیا ہے، جس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں زکوٰۃ کی رقم کو ان کے حق داروں تک پہونچانے کی ذمہ داری لی ہے، کیا اس بیت المال میں زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد الحمید راعین، پائک روڈ، پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بیت المال کے ذمہ دار دیانتدار افراد ہوں اور

صحیح مصرف پر صرف کرتے ہوں تو جائز ہے۔ (کفایت المفتی قدیم ۴/ ۳۰۳ تا ۴/ ۳۰۷، زکریا جدید ۴/ ۳۲۳، ۳۲۴، جدید زکریا مطول ۶/ ۲۹۶-۲۹۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۲۹)

بیت المال سے قرض دینا

سوال: [۴۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں بیت المال کا فنڈ ہے لوگ بطور قرض اس سے رقم لینا چاہتے ہیں، کیا اس رقم کو قرض میں دیا جا سکتا ہے؟ نیز اس رقم کے خرچ کی بھی کوئی حد ہے جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک سال کے اندر اندر اس رقم کا ختم کرنا ضروری ہے جبکہ ضرورت مند کب آ جائے معلوم نہیں؟

المستفتی: محمد اسماعیل، چورو، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے بیت المال وغیرہ کی صحیح نگرانی حکومت اسلامی اور قوت نافذہ کے ذریعہ ہوتی ہے، ورنہ ہر شخص اپنا بیت المال قائم کرکے لوگوں کی زکوٰۃ وصدقات کے پیسے بٹورنے کا سلسلہ قائم کریں گے، نیز زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے بیت المال سے بطور قرض کسی کو دینا اور پھر واپس لینا حنفیہ کے نزدیک درست نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/ ۳۰۳)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة. (شامی، زکریا ۳/ ۲۹۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۰۲)

زکوٰۃ وصول کرنے کی کمیٹی بنانا

سوال: [۴۰۷۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ

الف: ہمارے محلّہ میں ایک کمیٹی ہے جس کا نام زکوٰۃ کمیٹی ہے اس کمیٹی کے ممبران لوگوں سے زکوٰۃ صدقہ فطرہ چرم قربانی وصول کرتے ہیں، اور غرباء کو تقسیم کرتے ہیں، اور اس کا فنڈ بنا کر بھی رکھتے ہیں، حسب ضرورت تقسیم کرنے کیلئے نیز ضرورتمندوں کی لڑکیوں کی شادی بھی کراتے ہیں، اور غریب کو جو چاہتا ہے، اسے مختصر سا کاروبار بھی کرادیتے ہیں،

(**ب**) اور زکوٰۃ کا پیسہ غریب کی شادی میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حافظ فرید احمد، محلّہ لوہاری سرائے، نگینہ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: **الف**: حکومت کی ماتحتی کے بغیر اس طرح کی کمیٹی قائم کرنا بہت سے مفاسد کی وجہ سے مشروع اور درست نہیں، اور تجربہ میں دیکھا گیا ہے، کہ جہاں اس طرح کی کمیٹیاں قائم کی گئیں ہیں، وہاں لوگ شروع شروع میں صحیح کام کرتے رہے، اور بعد میں زکاۃ کا پیسہ خرد برد کردیا، اور زکاۃ کا پیسہ ہڑپ کرلیا ان پر نہ کوئی مقدمہ قائم ہوسکا اور نہ داروگیر ہوسکی، اسلئے اس طرح کی کمیٹی قائم کرکے زکوٰۃ کا پیسہ وصول کرنا حکومت کی ماتحتی سے آزاد ہوکر جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد الأحکام ۳/۴۵)

(**ب**) مالک زکاۃ اپنے طور پر دیکھ بھال کرکے واجبی ضرورت کے مطابق فقیر لڑکی کی شادی میں دے سکتا ہے، کمیٹی کے حوالہ نہ کرے نیز یہ خیال رہے کہ پانچ ہزار روپئے تک اس فقیر کے پاس پہونچنے کے بعد دوبارہ زکوٰۃ کا پیسہ نہیں دیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ پانچ ہزار کے بعد نصاب کا مالک ہوجاتا ہے، ہاں البتہ اس کے بعد زکاۃ کے علاوہ جیب خاص کا پیسہ دیا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۷)

ولا یجوز دفع الزکاۃ إلیٰ من یملک نصاباً، ویجوز دفعها إلیٰ من

یملک أقل من النصاب . (عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف، زکریادیوبند ۱/۱۸۹، جدید ۱/۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/۷۴۰٦)

زکوٰۃ وفطرہ کا پیسہ بیت المال کی شکل میں جمع کرنا

سوال: [۴۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک برادری اپنے زکوٰۃ وفطرہ اور چرم قربانی کا پیسہ ایک بیت المال کی شکل میں جمع کر کے صرف اپنی برادری کے مستحق لوگوں پر صرف کرسکتی ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں اس کا مفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

المستفتي: مشکور الظفر، قریشی نگر،
ایس وي روڈ، باندرہ، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اس طرح بیت المال شرعی بیت المال نہیں ہوا کرتا ہے، اسلئے کہ اس میں اگر غبن وخیانت وغیرہ ہوجائے تو اسکی تلافی کیلئے شرعی قانون کے مطابق دار وگیر نہیں ہوسکتی نیز دیکھنے میں آیا ہے، کہ جہاں جہاں اس طرح بیت المال قائم ہوا ہے، وہاں خیانت وغبن ہوا ہے، پھر اسکی کوئی تلافی نہیں ہوسکی، اسلئے حکومت اور امارت کی ماتحتی کے بغیر اس قسم کا بیت المال قائم کرنا اور اس میں زکوٰۃ وغیرہ کی رقم جمع کرنا اور دینے والے کا دینا ہرگز جائز نہیں ہوگا، نیز مستحق فقراء اپنے حقوق سے محروم ہوجائیں گے۔

لیس من أخلاق المؤمنین الفرار من أحکام اللہ بالحیل الموصلة إلیٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری شرح بخاری، داراحیاء التراث العربی

بیروت ٤ ٢/ ١٠٩، زکریا دیوبند ١٦/ ٢٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۳/۱۴۱۳ھ

غریب علماء کے نام ٹرسٹ قائم کرنا

سوال: [۴۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شہر گودھرا میں علماء کی جماعت ہر پندرہ دن پر ایک مرتبہ جڑتی ہے، جس میں یہ حضرات معاشرہ میں پھیلے ہوئے رسم ورواج اور منکرات کولیکر اصلاح معاشرہ کے عنوان سے کام کرتے ہیں، اس مرتبہ کی مجلس میں عوام کی طرف سے ایک بات رکھی گئی کہ شہر میں علماء کی تعداد زیادہ ہے، جن میں سے علماء کی ایک تعداد حالات اور تنگی کا شکار ہے، اور بعض علماء گھر میں ولادت کے موقع پر یا کوئی ایسی بیماری لاحق ہوگئی جس میں وہ صاحب فراش ہوگئے، یا ایسی بیماری جس میں آپریشن کی ضرورت پڑتی ہے نیز بعض دفعہ بڑی عمر ہوجانے کی وجہ سے معذوری کے باعث مدرسہ سے معزول کردئے جاتے ہیں، بالآخر سخت تنگی کا شکار ہوجاتے ہیں، ان سب موقعوں پر علماء کو حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اور اپنی ضرورت کا اظہار لوگوں کے سامنے کرنا پڑتا ہے، تو یہ بات علماء اور عوام دونوں کیلئے باعث عار ہے، لہٰذا علماء اگر ایک جماعت بنا کر اس رمضان کے موقع پر تھوڑا سا چندہ جمع کرلیں جس سے سال بھر ایسے حالات میں علماء کی مدد کی جائے، تاکہ ان کو عوام کے سامنے اپنی ضروریات رکھنی نہ پڑیں۔ یہ درخواست عوام کی طرف سے رکھی گئی۔۔۔

چنانچہ علماء کے درمیان مشورہ ہوا اور علماء نے ارادے بھی کئے کہ یہ کام ضرور کرنا چاہئے، اب آپ سے دو باتیں پوچھنی ہیں۔

اول: تو یہ کہ چندہ میں للہ رقم کے ساتھ زکوٰۃ بھی وصول کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جس کو صرف مستحقین پر ہی خرچ کیا جائیگا؟

دوم: ہمارے شہر میں ایک دوٹرسٹ اور ہے جو للّٰہ رقم اور زکوٰۃ کو وصول کرکے سال بھر غریب لوگوں کی مدد کرتے ہیں، وہاں علماء بہت کم جاتے ہیں، جس کی بنیاد پر یہ علماء کی جماعت صرف اور صرف علماء کے نام سے لوگوں کو ماہانہ ممبر بنا کر ان سے وصول کرے اور صرف علماء پر خرچ کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد سلطان سمول، گودھرا، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علماء کے نام سے اس طرح کا ٹرسٹ قائم کرکے غریب علماء کو ٹرسٹ کا محتاج بنانا ہم مناسب نہیں سمجھتے ہیں، اور علم اور اہل علم کی تخفیف کی بات اس سے سمجھ میں آتی ہے، اگر کوئی عالم ضرورت مند ہو جائے، تو کوئی سرمایہ دار انفرادی طور پر انکا خصوصی تعاون کرے، تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، مگر فلاں ٹرسٹ کا محتاج بنانے میں ٹرسٹ کے سارے ذمہ داروں کو یہ معلوم ہو جائے گا، کہ فلاں عالم کو اتنے پیسے دیئے گئے ہیں، اور کتنے علماء ٹرسٹ کے محتاج ہیں، ان سب کے نام درج ہو جائیں گے، اس کو ہم علماء کی عزت نفس کے خلاف سمجھتے ہیں، اس لئے ہم اس طرح کے ٹرسٹ قائم کرنے کو مناسب نہیں سمجھتے، اور صدیوں کے اکابر ومشائخ سے اس طرح کی نظیر کا ثبوت نہیں ملتا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۸/۵ھ

فقیر زکوٰۃ کی رقم کہاں خرچ کرے؟

سوال: [۴۰۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی غریب کو زکوٰۃ کا پیسہ دیا جائے تو وہ جس مد میں چاہے اس میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا کسی

خاص مد میں ہی خرچ کرنا ضروری ہے؟

المستفتي: وصی الدین، کرولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زکوٰۃ کسی غریب کو دی جاتی ہے، تو وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے، اسلئے وہ جس شرعی مصرف میں چاہے، خرچ کرسکتا ہے۔

وهل له أن يخالف أمره لم أره والظاهر نعم لأنه؛ مقتضیٰ صحة التمليك قال الرحمتي والظاهر أنه لا شبهة فيه لأنه ملكه إياه عن زكاة ماله. (شامی، کراچی ۲/ ۳٤٤، زکریا ۳/ ۲۹۳، مرقاۃ، مکتبہ امدایہ ملتان ۲/ ٤٤٧)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

محلّہ کی کمیٹی کا زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے برادری کے غرباء پر خرچ کرنا

سوال: [۷۷۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے محلّہ میں ایک کمیٹی ہے اسمیں ذمہ دار افراد ہیں جو برادری کے جملہ امور کی دیکھ بھال کرتے ہیں، یہ کمیٹی چاہتی ہے کہ محلّہ کی زکوٰۃ فطرہ وغیرہ ایک جگہ جمع کرلیا جائے، اور برادری کے غرباء پر خرچ کیا جائے، مثلاً غرباء کی شادی پر یا جو افراد کاروبار کرنا چاہتے ہیں، لیکن نادار ہیں ان کو ان کے پیروں پر کھڑا کیا جائے، اور اسی میں سے بیواؤں پر خرچ کیا جائے، جو نادار ہیں اور اسی میں سے ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے، وقتاً فوقتاً مدارس کو بھی دیا جائے، اس طرح یہ زکوٰۃ سال بھر خرچ کی جائے گی، مسئلہ مذکورہ کو مدلل ومفصل تحریر فرمادیں، اور اس کام کو اہل علم کی سرپرستی میں کیا جائیگا۔

المستفتي: محمد سلیم ملتانی، اہاری سرائے، نگینہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: کسی کمیٹی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی برادری کی زکوٰۃ وفطرہ جمع کرے اور پھر برادری کے غریبوں بیواؤں اور نادار لوگوں پر خرچ کرے کیونکہ مسلمانوں سے زکوٰۃ فطرہ وغیرہ وصول کر کے مصارف میں خرچ کرنا خلیفۃ المسلمین کی ذمہ داری ہے، کہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ ،صدقہ واجبہ وغیرہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرے اور بیت المال کے قیام کیلئے اسلامی حکومت لازم ہے، جو بیت المال کی حفاظت دیکھ بھال تصرف فوجی طاقت کے ذریعہ کرتی رہے گی، اور یہ امور ہندوستان میں موجود نہیں ہیں، اسلئے ہندوستان میں عام مسلمانوں کیلئے زکوٰۃ ،فطرہ اور صدقات واجبہ کا آپس میں اکٹھا کرنا شرعی طور پر درست نہیں ہے، اور اس کا انجام بھی صحیح نہیں ہوتا۔

بيت المال يطلق على الجهة التى تملك المال العام للمسلمين والمال العام هنا: هو كل مال تثبت عليه اليد في بلاد المسلمين .
(الموسوعة الفقهية ٨/ ٢٤٢)

بيوت المال أربعة لكل : مصارف بينتها العالمونا ، فأولها الغنائم والكنوز، ركاز بعد ها المتصدقونا : وثالثها خراج مع عشور، وجالية يليها العاملونا، ورابعها الضوائع مثل مالا، يكون لهٗ أناس وارثونا . (شامی ، كتاب الزكاة ، قبيل باب المصرف كراچی ٢/ ٣٣٧، ٣٣٨، زكريا٣/ ٢٨١، ٢٨٢، الهندية ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف ، فصل مايوضع فی بيت المال أربعة ، أنواع زكريا١/ ١٩٠، جديد ١/ ٢٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۸۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱٦ھ

اپنی برادری کوزکوٰۃ دینے کیلئے زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے رکھنا

سوال: [۴۰۷۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کی رقم کو جمع کر کے روکنا اس غرض سے کہ اپنی برادری کے فقراء و مستحقین کو ضرورت پیش آنے پر اس رقم سے ان کی مدد کی جائے گی شرعاً کیسا ہے؟ اور ایک ہی برادری کے مستحقین کوزکوٰۃ کے دینے میں مخصوص کرنا جبکہ دوسری برادری کے مستحقین موجود ہوں کیسا ہے؟

المستفتي: شبیر احمد قاسمی، جلگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال میں جوشکل بیان کی گئی ہے وہ صدقہ واجبہ کے بیت المال کی شکل ہے اور ہندوستان میں فی الحال اس طرح بیت المال قائم کرنے اور اس کی حفاظت کی شرائط موجود نہیں ہیں، اسلئے زکوٰۃ دہندگان سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے کسی شخص واحد یا کسی انجمن میں جمع کر لینا خطرے سے خالی نہیں ہے، اسلئے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، بلکہ زکوٰۃ دہندگان اپنی مرضی سے مستحقین یا ان کے وکلاء اور مدارس کے سفراء کو از خود دیدیا کریں، نیز اگر برادری میں زیادہ ضرورت مند موجود ہیں، تو ان کو دیدیں، اور اگر دوسری برادری میں اور زیادہ ضرورت مند موجود ہوں، تو دوسری برادری کے لوگوں کو بھی ضرور دیدینا چاہئے، اور زکوٰۃ کی رقم جتنا زیادہ ضرورت مند کو دی جائے گی، اتنا ثواب بھی زیادہ ملے گا۔

وكره نقلها إلا إلىٰ قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلين الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۳/ ۳۰٤، كراچی ۲/ ۳٥۳، مجمع الانهر، دارالكتاب العلميه بيروت ۱/ ۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر شعبان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۴۹)

زکوٰۃ کا ثواب مرحومین کو پہونچانا اور اپنی رسید دوسروں کے نام سے کٹوانا

سوال: [۴۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عمرو صاحب مال ہے اور صاحب عیال ہے اور گھر کا مالک بھی ہے، اس کے مال کی زکوٰۃ تیس ہزار روپئے نکلتی ہے، زکوٰۃ کی رقم جب وہ مدرسہ میں دیتا ہے تو کچھ اپنے نام سے کچھ اپنے اہل وعیال کے نام سے کچھ اپنے اہل وعیال بالغ نابالغ سب کے نام سے جو حیات ہیں رسید کٹاتا ہے، اور کچھ اپنے مرحومین دادا، دادی، نانا، نانی کے نام سے رسید کٹاتا ہے، عمرو کا اپنے گھر کے مالک ہونے کے اعتبار سے اپنے اہل وعیال بالغ نابالغ کے نام سے جو حیات ہیں، اور مرحومین کے نام سے زکوٰۃ کی رقم کی رسید کٹانا کیسا ہے؟

عمرو رسید کٹاتے وقت نہ معلوم کیا نیت کرتا ہے، نیز اگر کوئی صاحب مرحوم کے نام بنیت ثواب زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں یا کسی غریب مسکین کو دیتا ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور مرحومین کو ثواب ملیگا یا نہیں؟ نیز عمرو کو اپنے ہی نام سے رسید کٹانی چاہئے، یا اہل وعیال بالغ نابالغ کے نام سے جو حیات ہیں رسید کٹا دے تو کیا کوئی حرج ہے؟ یا اس کے متعلق جو بھی مسئلہ ہو تحریر فرمادیں، دونوں سوال کے جواب بحوالہ تحریر کریں؟ نوازش ہوگی۔

المستفتي: منظور عالم قاسمی، مدرس: مدرسہ اسلامی باب العلوم، بابوگنج ضلع: پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: اگر زکوٰۃ کی نیت سے رقم دیتا ہے، اور دوسرے کو ثواب پہونچنے کیلئے رسید دوسرے اہل وعیال اور مرحومین کے نام سے کٹواتا ہے، تو اس سے عمرو کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی اور دوسرے زندہ ومرحومین کو ثواب بھی پہونچ جائیگا، عمرو کو

اختیار ہے کہ اپنی زکوٰۃ کا ثواب کسی کو بھی پہونچادے، اور کسی کے نام سے بھی رسید کٹا دے!

صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بأن للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰةً أو صوماً أو صدقة (إلیٰ قوله) لإطلاق کلامهم وإنه لا فرق بین الفرض والنفل الخ. (شامی، کراچی ۲/۲٤۳ کوئٹه ۲/۲٥٦، زکریا۳/۱٥۱ البحرالرائق، کوئٹه ۳/٥۹، زکریا۳/۱۰٥)

ومن أعطی مسکیناً دارهم وسماها هبة أو قرضاً ونوی الزکوٰة فإنها تجزیه وهو الأصح. (فتاویٰ عالمگیری، زکریا ۱/۱۷۱، کتاب الزکاة، الباب الأول: فی تفسیرها الخ جدید ۱/۲۳۲، زیلعی، امدادیه ملتان ۱/۲٥۸، زکریا۲/۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱رمحرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰٦۱/۲۴)

غیر صاحب نصاب کیلئے سوال کرنا کیسا ہے؟

سوال: [۴۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب نصاب نہیں ہے کیا وہ لوگوں سے زکوٰۃ فطرہ لے سکتا ہے، جبکہ ایسے شخص کو کھانے پینے کی کوئی پریشانی نہیں ہے، مگر اتنا سرمایہ نہیں ہے کہ جو صاحب نصاب ہوجائے، اگر ایسے شخص کو زکوٰۃ فطرہ دیں تو کیا ادا ہوجائے گا؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڈھا، بجنور۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص کھاتا پیتا ہو مگر صاحب نصاب نہ ہو تو اس کے لئے سوال کرنا منع ہے، لیکن اگر کوئی اس کو زکوٰۃ یا صدقہ فطر دیدے تو دینے والے کی زکوٰۃ یا صدقہ فطر ادا ہوجائیگا۔

ویجوز دفعها إلی من یملک أقل من النصاب وإن کان صحیحاً

مکتسباً.(هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف ١/١٨٩، جديد ١/٢٥١)

لا يحل أن يسأل شيئاًمن القوت من له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب . (درمختارمع الشامى، كراچى ٢/٣٥٤، زكريا ديوبند٣/٣٠٦، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح دارالكتاب ديوبند/٧٢٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٦/٣٤١)

لاتحل لمن يملك قوت يومه بعد سترة بدنه .(هنديه، زكريا١/١٨٨، جديد١/٢٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۵ھ

جس شخص کو زکوٰۃ دی اس کے یہاں کھانا کھانا

سوال: [۴۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک صاحب نصاب شخص ہیں، ان کی ایک ایسے فقیر سے گہری دوستی ہے، جس کو زید خود ہر سال صدقہ فطر اور زکوٰۃ کی رقم دیا کرتے ہیں، تو کیا زید کیلئے اس فقیر کے یہاں ضیافت و مہمان نوازی کرنا اور اسمیں فقیر کا تحفہ وغیرہ قبول کرنا درست ہے؟

المستفتي: مختار عالم، پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کا اس فقیر کے یہاں آمدورفت کرنے اور اس کا تحفہ قبول کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے، اور زید کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی، البتہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس کے یہاں جا کر کھانے پینے سے اور اس سے تحفہ تحائف قبول کرنے کی نیت نہیں ہونی چاہئے۔

عن عائشة رضـ **أنها أرادت أن تشتري بريرة للعتق -إلیٰ- فقال: هو لها**

صدقة ولنا هدية ،الحديث: (بخاری شریف، کتاب الزکاة، باب الصدقة علی موالی ازواج النبی صلی الله علیه و سلم ،النسخة الهندیة ۱/۲۰۲، رقم: ۱٤۷۱، ف: ۱٤۹۳)

وفی فتح الباری ،وجواز أکل الغنی ماتصدق به علی الفقیر إذا أهداه له، وجواز قبول الغنی هدیة الفقیر. (فتح الباری، دارالریان للتراث العربی بیروت۹/۳۲٤، اشرفیه دیوبند۹/۵۱۷، دارالفکر بیروت۹/٤۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷/۶۹۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۱ھ

ولی کا یتیم کے زکوٰۃ کے مال کو اپنے مال میں ملانا

سوال: [۴۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مہرالنساء نامی عورت اپنے ماموں کے یہاں پلی بڑھی ماموں نے ہی ایک جگہ اس کی شادی کر دی چار بچے ہونے کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا، مہرالنساء ان بچوں کولیکر ماموں کے یہاں منتقل ہوگئی، عوام الناس اس کو بیوہ ہونے اور بچوں کے یتیم ہونے کی بناپر زکوٰۃ فطرہ اور دیگر صدقات دیتے ہیں، تو اس مال کو ماموں کے مال میں ضم کر دیا جاتا ہے، پھر مشترکہ مال سے وہ عورت بچے ماموں اور ماموں کے گھر کے دیگر افراد اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، یہاں تک کہ بعض دفعہ پڑوسی بھی اسی مال سے دعوت وغیرہ کے موقع پر کھانا کھاتے ہیں، تو کیا اس عورت اور بچوں کے علاوہ دیگر حضرات کیلئے اس مشترکہ مال کا استعمال صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالحمید، تری پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مہرالنساء مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کے لئے صدقہ فطرہ ودیگر صدقات واجبہ لیکر کے ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے، پھر اس کے

پیسہ اوراس کے مال کو ماموں کے مال میں ضم کرنے کی اس شرط پر گنجائش ہے کہ ماموں کے گھر کے افراد اور مہرالنساء اوراس کے چاروں بچوں کے درمیان افراد کا شمار کرلیا جائے ،مہرالنساء اوراس کے بچے کل ملاکر پانچ ہیں اور ماموں اوران کے گھر کے افراد کتنے ہیں، دیکھ لیا جائے فی آدمی خرچہ کا حساب لگالیا جائے ،مثلاً ماموں اوران کے گھر کے افراد کل دس ہیں، اورمہرالنساء اوراس کی اولاد پانچ ہیں ،تو ایسی صورت میں ماہانہ خرچہ میں مثلاً اگر مہرالنساء دو ہزارروپیہ دے تو ماموں کو چار ہزارروپیہ دینا ہوگا،کل چھ ہزار روپیہ مخلوط کرکے سب کیلئے ایک ساتھ میں ملاکر کھانا وغیرہ تیار کرنے کی جو اجازت ہے، اس میں اس طرح کے حساب کی قید کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے،لہٰذا اگر پڑوسی وغیرہ کی دعوت کی جاتی ہے،تو دعوت کے موقعہ پر اسی حساب سے ماموں کے مال کا اضافہ کرنا ضروری ہو جائے گا۔(مستفاد:تفسیر شیخ الہند پارہ۴/ ۹۹)

وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْيَتَامىٰ قُلْ اِصْلاَحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُم وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ الخ. (پارہ ۲ سورۂ بقرہ/ ۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/شعبان ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/ ۸۹۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۸/۱ھ

۲/باب وجوب الزکاة

نمو کی تعریف اور وجوب زکوٰۃ کی شرط

سوال: [۴۰۸۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نمو کی حقیقت اور اس کی صورتیں کیا کیا ہیں؟

المستفتي: مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نمو کے معنی بڑھوتری اور باب زکوٰۃ میں اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) نمو حقیقی: اس کا مطلب یہ ہے کہ مال توالد وتناسل اور تجارت کی شکل میں بڑھتا رہے۔

(۲) نمو تقدیری: اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مال ازخود یا اپنے نائب وغیرہ کے ذریعہ سے مال کو بڑھانے اور ترقی کرنے پر قدرت رکھتا ہو اور وجوب زکوٰۃ کیلئے مال نامی کا ہونا شرط ہے، چاہے نمو حقیقی ہو یا تقدیری۔

وفی الشرع هو نوعان حقیقی وتقدیری، فالحقیقی الزیادة بالتوالد والتناسل والتجارات، والتقدیری تمکنه من الزیادة بکون المال فی یده أو ید نائبه الخ. (شامي،

ترجمہ: اور اصلاح شرع میں نمو کی دو قسمیں ہیں۔
(۱) نمو حقیقی۔
(۲) نمو تقدیری اور حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ توالد وتناسل اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ اضافہ ہو اور

تقدیری کا مطلب یہ ہے کہ صاحب مال ازخود یا اپنے نائب کے ذریعہ مال کو بڑھانے پر قدرت رکھتا ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ٣/ ١٧٩، كراچی ٢/ ٢٦٣، البحر الرائق، كتاب الزكاة زكريا ديوبند ٢/ ٣٦٢، كوئٹه ٢/ ٢٠٦، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ديوبند ١/ ١٧٤، بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، و مراتب الديون زكريا ديوبند ٢/ ١٩١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٧/ ٦٣، ٣١/ ٢٦٧، ٣٦/ ٣٩، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح قديم / ٣٨٩، دارالكتاب ديوبند/ ٧١٥)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۳)

حوائج اصلیہ کی شرط

سوال: [۴۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حوائج اصلیہ کی شرائط اور حاجت اصلیہ کی تعریف اور اس کا دائرہ کیا ہے؟ اور کیا حاجت اصلیہ کا تعین ہر دور اور ماحول میں اس کے اعتبار سے کیا جائیگا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اکیڈمی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حوائج اصلیہ میں وہ اشیاء داخل ہیں، جنکے بغیر انسانی زندگی بسر کرنا دشوار ہوجائے، اور آج کل کے دور میں بہت سی غیر ضروری اشیاء کو

لوگوں نے اپنے لئے یوں ہی ضروری کرلیا ہے، جو درحقیقت حوائج اصلیہ کے دائرہ میں نہیں آتی ہیں، اور حوائج اصلیہ دوقسموں پر ہے۔

(۱) حاجت اصلیہ حقیقیہ اس کے اندروہ اشیاء شامل ہوتی ہیں جس کے بغیر انسان کو ہلاکت کا خطرہ ہے، مثلاً ضروری نفقہ اور اخراجات اور رہائشی مکانات اور آلات جنگ اور سردی اورگرمی کے وہ کپڑے جن کی اپنے موسم کے اعتبار سے ہر وقت ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) حاجت اصلیہ تقدیریہ اس کے اندروہ اشیاء داخل ہوتی ہیں انسان جن کے بارے میں ہر وقت صحیح معنی میں متفکر رہتا ہے، مثلاً واجب الأ دا قرض اور پیشہ اور کاریگری کے اوزار وآلات اور گھر کے ضروری اثاث وسامان اور سواری کے جانور اور علماء کیلئے دینی کتابیں یہ سب حوائج اصلیہ میں شامل ہیں، لہذا اگر کسی کے پاس نقد رقم موجود ہے، لیکن اس پر قرض بھی ہے یا کسی عالم نے ضروری کتابیں خریدنے کیلئے کچھ رقم الگ کررکھی ہے یا کسی کاریگر نے اوزار کیلئے کسی کو رقم دے رکھی ہے، یا گھر کے سامان اور سواری کیلئے کچھ پیسہ دے رکھا ہے، اس پر زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

وهي ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة ودور السكنى والآت الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد أو تقديراً كالدين فإن المديون محتاج إلى قضائه بما في يده من النصاب دفعا عن نفسه الحبس الذى هو كالهلاك وكالآت الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب

ترجمہ: حوائج اصلیہ میں ہر وہ شئ شامل ہوتی ہے جو انسان سے حقیقی معنی میں اسباب ہلاکت کو دور کرتی ہے، جیسا کہ نفقہ رہائشی مکان، جنگی آلات، گرمی سردی کے ضروری کپڑے۔ یا تقدیراً اور باطناً ہلاکت کو دور کرتی ہے، جیسے کہ واجب الادا قرض جو اس کے قبضہ میں بقدر نصاب مال ہے، اس کے ذریعہ ادا کیا جائیگا، اپنے سے قید وغیرہ کو دور کرنے کیلئے اور قید بھی ہلاکت کے درجہ میں ہے صناعت کے اوزار اور گھر کے اثاث

و كتب العلم لأهلها فإن الجهل عندهم كالهلاك، فإذا كان له دراهم مستحقة بصرفها إلى تلك الحوائج صارت كالمعدومة كما ان الماء المستحق بصرفه إلى العطش كان المعدوم . (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة لمن المبيع وفاءً زكريا ديوبند ۱۷۸/۳، كراچی ۲۶۲/۲)

اورسواری کے جانوراورعلماء کیلئے دینی کتابیں اسلئے کہ جہالت ان کےنزدیک ہلاکت ہے، لہٰذا ان ضروریات میں خرچ کے لئے جورقم موجود ہے وہ کالعدم ہوگی، جیسا کہ پیاسے کے حق میں پینے کے پانی کوکالعدم قرار دیکر اس پر وضوواجب نہیں ہوتا ہے۔

شامی کی مذکورہ عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کی حقیقت اورعلاقہ ہر دور کے اعتبار سے حاجات اصلیہ میں تفاوت ہوسکتا ہے، مثلاً عوام کیلئے کتب حدیث کتب فقہ وغیرہ حاجات اصلیہ کے دائرہ میں نہیں آتی اور علماء کیلئے حاجات اصلیہ میں سے ہیں، اور ایسی جگہ جہاں سواری کے جانوروں کو کام میں لایا جاتا ہے، اور وہاں اسکوٹر، سائیکل وغیرہ چلانے کیلئے کوئی راستہ بھی نہیں ہے، وہاں سواری کے جانورحوائج اصلیہ میں شامل ہوں گے، اور گاڑی اسکوٹر وغیرہ شامل نہیں ہوں گی، اور شہروالوں کیلئے یہ سب اشیاءحوائج اصلیہ میں شامل ہوں گی، نیز اگر ایسی جگہ جہاں گاڑی وغیرہ چلانے کا راستہ نہیں ہے، وہاں کے لوگ اگر گاڑی وغیرہ رکھ لیں تو وہ اشیاء حوائج اصلیہ سے اگرچہ زائد ہیں لیکن مال نامی نہ ہونے کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۴)

غیر استعمالی گھریلو سامان پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) برتن جو بالکل زائد ہیں کبھی کبھار ضرورت کے موقع پر استعمال ہوتے ہیں، ان میں نصف برتن تو صرف شادی بیاہ کے موقع پر ہی استعمال میں آتے ہیں، کچھ برتن گھر کی زینت کیلئے بھی ہیں۔

(۲) بچوں کے کھلونے جو نمائش کے طور پر شیشے میں رکھے ہوئے ہیں، زینت کیلئے اس میں چند کھلونے کئی سال سے رکھے ہوئے ہیں، اس میں کچھ کھلونے ایسے ہیں، جس سے سال بھر میں کبھی کھیل لیا ورنہ اسی میں رہتے ہیں؟

(۳) کپڑے جو ضرورت سے زائد رکھے ہوئے ہیں، دو دو سال یا کم وبیش ہو جاتے ہیں جن کو استعمال کرنے کی نوبت نہیں آتی ہے؟

(۴) عطر جو ضرورت سے زائد نمائش کے طور پر شیشے میں رکھا ہوا ہے، بہت کم استعمال میں آتا ہے؟

(۵) جس کا ذاتی کتب خانہ ہو جس میں کتابیں رکھی ہوئی ہیں، وہ برائے فروخت نہیں ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

(۶) قیمتی قلم اور قیمتی گھڑی جو کبھی کبھار استعمال میں آتی ہیں، بقیہ وقت محفوظ رہتی ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ گھریلو سامان میں زکوٰۃ کن کن چیزوں پر واجب ہے تفصیل سے وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں؟

المستفتي: ملک محمد ابراہیم بن ہاشم، خضر آباد،
نسواں اسٹریٹ تملناڈ، میل وشارم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تمام اموال میں زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے دو صفتوں میں سے ایک صفت کا اس مال کیساتھ متصل ومتصف ہونا لازم ہے۔

(۱) نمو وبڑھوتری کی صفت ، اور یہ صفت حقیقی بھی ہوسکتی ہے ، جیسا کہ سائمہ جانوروں میں توالد وتناسل ، اور حکمی بھی ہوسکتی ہے ، جیسا کہ سونا چاندی گھر میں رکھا ہوا ہو چاہے زیورات کی شکل میں کیوں نہ ہوں ، حکمی طور پر ان میں نمو سمجھا جاتا ہے ، اسی طرح وہ روپیہ پیسہ جو محض جمع کر رکھا ہے ، تجارت میں نہیں لگایا ہے اس میں بھی رکھے ہوئے ہونے کی حالت میں صفت نمو کا حکم ہے ۔

(۲) تجارت : جن اموال میں یہ صفت موجود ہے ، ان کی بھی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے ، اگر چہ تجارت میں ایک پیسہ کا بھی نفع نہ ہو تب بھی رأس المال پر زکوٰۃ واجب ہے ، اور مال تجارت میں ہر طرح کا مال شامل ہے ، لہٰذا جن اشیاء میں ان دونوں صفتوں میں سے کوئی بھی صفت نہ ہو یعنی نہ نمو کی صفت ہو اور نہ ہی تجارت کی صفت ہو تو ایسی اشیاء میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے ، چاہے گھر میں بیکار کیوں نہ پڑی ہوئی ہو ، اب دیکھنا یہ ہے کہ سوالنامہ میں جتنی چیزوں کا ذکر ہے ان میں ان دونوں صفتوں میں سے کوئی صفت موجود ہے یا نہیں ، اب سائل خود غور کر کے دیکھ لے کہ سائل کی سوال کردہ چھ چیزوں میں سے کسی بھی چیز میں ان دونوں صفتوں میں سے کوئی بھی صفت موجود نہیں ہے ، لہٰذا صرف شادی بیاہ میں استعمال ہونے والے برتن اور بچوں کے کھلونے اور نمائش کی چیزیں اور ضرورت سے زائد استعمالی کپڑے اور شیشی میں رکھا ہوا عطر اور ذاتی کتب خانہ کی کتابیں ان میں سے کسی میں بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے ، اسلئے کہ مذکورہ اشیاء میں نہ تو نمو کی صفت ہے اور نہ ہی تجارت کی صفت ہے ، فقہاء کی عبارتیں ملاحظہ فرمائیے :

دليلنا لأن الزكاة عبارة عن النماء وذلك من المال النامي على التفسير الذي ذكرناه وهو أن يكون معداً للإستنماء وذلك بالإعداد للإسامة في المواشي والتجارة في أموال التجارة . (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في دين الزكاة زكريا ٢/ ٩٢)

ليس فيما يشترى للتجمل والزينة من خادم ومتاع ولؤلؤ وجوهر

وفلوس للنفقة شئی. (تاتار خانیه ، کتاب الزکاة ، الفصل الثالث فی بیان زکاة عروض التجارة زکریا۳/۱۷۳، رقم: ۴۰۳۱، ۲/۲۴۴)

ولیس فی دور السکنیٰ وثیاب البدن وأثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوٰۃ لأنها مشغولة بالحاجة الأصلیة ولیست بنامیة أیضا وعلیٰ هذا کتب العلم لأهلها. (هدایه ، کتاب الزکاة المکتبة الأشرفیة ۱/۱۸۶)

وقال صاحب الهامش تحت هذه العبارة: لو لم یکن من أهلها ولیست هی للتجارة لایجب فیها الزکوٰۃ أیضا ، وإن کثرت لعدم النماء . (حاشیة هدایة نمبر۱۸)

لأن الوجوب فی الکل باعتبار التجارة یعنی أن سبب وجوب الزکاة ملک النصاب النامی والنماء أما بالإسامة أو بالتجارة . (عنایه، کتاب الزکاة ، باب زکاة المال فصل فی العروض قدیم ۲/۲۲۲، زکریا ۲/۲۲۹، کراچی ۲/۱۶۹)

النماء إما تحقیق یکون بالتوالد والتناسل والتجارات أو تقدیری یکون بالتمکن من الاستنماء بأن یکون فی یده أو ید نائبه لأن السبب هو المال النامی فلا بدمنه تحقیقاً أو تقدیراً. (مجمع الانهر کتاب الزکاة ، قدیم بیروت ۱/۱۹۳، جدید۱/۲۸۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۳/۱۴۲۵ھ

زائد برتن وشوکیس وغیرہ میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۰۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ انسان کی ضرورت کے علاوہ کے برتن وشوکیس وغیرہ کی چیزوں میں زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: محمد زبیر مومن ورش پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: استعمالی شوکیس برتن وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وليس في دورالسكنىٰ وثياب البدن وأثاث المنازل ... زكوٰة لإنها مشغولة بحاجته الأصلية . (شامی، کتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۳/۱۷۸، كراچی ۲/۲۶۲، هدايه، جيسور كتاب الزكاة ۱/۱۸۶)

ومنها فراغ المال (إلىٰ قوله) وكذا طعام أهله وما يتجمل به من الأواني إذا لم يكن من الذهب والفضةالخ. (فتاویٰ عالمگيری، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسير ها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/۱۷۳، جديد ۱/۲۳۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۶۵)

دیگچی برتن وغیرہ حوائج اصلیہ میں داخل ہیں

سوال: [۴۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دیگچی اور برتن وغیرہ حوائج (ضروریات) میں سے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: محمد طارق، مدرس ہدایت العلوم، مدار پور، پوسٹ: چتون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دیگچی برتن وغیرہ سونے چاندی کے نہیں تو وہ حوائج ضروریہ میں داخل ہیں زکاۃ کی ادائیگی میں ان چیزوں کی قیمت نہیں لگائی جائیگی۔

وبهذا الشرط خرجت الثياب التي لاترادلتجارة سواء كان صاحبها محتاجاً إليها أولا وأثاث المنزل والحوانيت والعقارات والكتب لأهلها

أو غير أهلها . (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/ ۲٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ۷/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۷۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

ملک تام کی تعریف

سوال: [۴۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ملک تام وجوب زکوٰۃ کیلئے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ ملک تام سے کیا مراد ہے؟

المستفتي: مجاہد الاسلام، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شئی میں مالک کو ملکیت اور قبضہ دونوں حاصل ہوجائیں، اس پر ملک تام کا اطلاق کیا جاتا ہے، اور اگر صرف ملکیت حاصل ہوجائے، لیکن قبضہ حاصل نہ ہو جیسا کہ قبضہ سے قبل طے شدہ مہر کی عورت مالک ہوجاتی ہے لیکن مہر پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملکیت تامہ عورت کو حاصل نہیں ہوتی ہے، اسی طرح اگر مال پر قبضہ تو ہوجائے لیکن ملکیت درحقیقت اپنی نہ ہو بلکہ کسی اور کی ہو تو ایسی صورت میں بھی ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ قرضدار شخص جو مال کما کر قبضہ کرتا ہے، یا ہبہ وغیرہ کے توسط سے اس کے قبضہ میں آتا ہے، تو ایسی صورت میں قرضدار کے قبضہ میں تو مال آ گیا لیکن مال کیساتھ قرض خواہ کا حق بھی لاحق ہوجاتا ہے، اور اس کے ذریعہ سے قرض ادا کرنا اس پر واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا اس مال کا مالک درحقیقت قرض خواہ ہی ہوا کرتا ہے، اسلئے مقروض کے حق میں اس مال میں ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی ہے اسی وجہ سے مقروض پر اس مال کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوتی ہے۔

ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملك

کملک المکاتب والمدیون لاتجب فیه الزکوٰة . (عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب الاول فی تفسیرها و صفتها وشرائطها ۱/۱۷۲، جدید۱/۲۳۳، ومثله فی الجوهرة النیرة، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیوبند ۱/۱۳۷، قدیم کراچی ۱/۱۳۹)

ترجمہ: **ملک تام وہ ہے کہ جس میں قبضہ وملکیت دونوں جمع ہوجائیں، اور بہرحال جب صرف ملکیت حاصل ہو اور قبضہ نہ ہوجیسا کہ قبل القبض عورت کا مہر یا قبضہ حاصل ہو لیکن ملکیت نہ ہوجیسا کہ مکاتب اور مدیون کی ملکیت تو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔** فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۳۶)

حولان حول کے بعدزکاۃ واجب ہوتی ہے

سوال: [۴۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس شروع سال سے مثلاً شوال سے ۵؍تولے سونا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے شعبان میں چل کر اس کو دوتولہ چاندی یا پچاس روپئے اور مل گئے تو کیا اس شکل میں اسکی مالیت نصاب کے بقدر پہونچ جائیگی، ایک شخص شروع سال سے تو غیر صاحب نصاب تھا اب اخیر سال میں اس کے پاس روپیہ آ گیا تو کیا اب سے اس پر سال گذرنا شرط ہے یا شوال میں پہونچ کر اس پر زکوٰۃ فرض ہوجائیگی؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، مقام
وپوسٹ: قصبہ: سیڈھا، ضلع: بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں اس کا شروع سال شعبان سے شمار ہوگا، اب آئندہ سال شعبان تک سونے کے ساتھ چاندی یا روپیہ موجود رہے گا تب اسکی

زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، اس سے قبل نہیں، وحال علیہا الحول کا مطلب بھی یہی ہے۔

عن عائشةؓ قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا زكاة في مالٍ ، حتى يحول عليه الحول . (سنن ابن ماجه، كتاب الزكاة ، باب من استفاد مالًا ، النسخة الهندية ۱/ ۱۲۸، دارالسلام رقم: ۱۷۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

الجواب صحیح:	کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ	۲۰؍ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
۱۴۱۴/۲/۲۰ھ	(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۲۳)

سال کی ابتدا وانتہا میں نصاب مکمل ہونے پر وجوب زکوٰۃ

سوال: [۴۰۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صورت حال اس طرح سے ہے کہ زید کے پاس کچھ مال دادا الٰہی ہے اور کچھ بذات خود خریدا ہوا ہے، جس میں کچھ زیورات بھی ہیں، اور نقد بھی اور غلہ بھی خرچہ سے زائد رہتا ہے، بعض مرتبہ زید ایک لاکھ روپیہ کا مقروض بھی ہو جاتا ہے، اور بعض موقع ایسا بھی ہوتا ہے کہ زید کا روپیہ دوسروں پر ہوتا ہے قابل طلب امر یہ ہے کہ زید پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس طرح سے ہوگی، اور نہیں تو کس وجہ سے، نیز بیل بھینس کی قسم سے کچھ جانور بھی ہیں اس کو بھی تحریر فرمائیں کہ کون سے مد پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

المستفتي: محمد شعیب، شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گھر کے غلوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور سونے چاندی کے زیورات پر سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اگر شروع سال میں نصاب کے برابر یا اس سے زائد کا مالک ہوتا ہے، اور اسی طرح اخیر سال میں بھی قرض وغیرہ مجری کر کے نصاب یا اس سے زائد باقی رہتا ہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اتنے کی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے جو اخیر سال میں قرض وغیرہ منہا کرنے کے بعد باقی بچے اور سال کے

درمیان میں قرض وغیرہ کی وجہ سے نصاب سے کم ہوجائے تو اسکا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ونقصان النصاب فی الحول لا یضر إن کمل فی طرفیه لأنه یشق اعتبار الکمال فی أثنائه الخ. (البحر الرائق ، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ المال زکریا ۲/ ۴۰۰، کراچی ۲/ ۲۲۹، الدرالمختار، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ المال زکریا ۳/ ۲۳۳، کراچی ۲/ ۳۰۲)

اور مذکورہ جانور پر زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت یوں ہے تیس پر ایک سال کی گائے یا بھینس دیناواجب ہے، اور چالیس پر دوسالہ ایک بھینس اور پھر ساٹھ پر ایک سالہ دو بھینس یا گائے ،اورستر پر ایک سالہ اور دوسالہ ایک واجب ہوگا ، اس سے زائد ہوجائے تو دوبارہ استفتاء کیجئے گا۔(مستفاد :احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۷۱)

لیس فی أقل من البقر صدقة فإذا کانت ثلثین سائمة وحال علیها الحول ففیها تبیع أو تبیعة وفی أربعین مسن أومسنة ، فإذا زادت علیٰ أربعین وجب فی الزیادۃ بقدر ذلک إلیٰ ستین ثم فی الستین تبیعان أو تبیعتان وفی سبعین مسنة وتبیع . (هدایه ، اشرفیه ۱۹۰، ۱۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ۳/ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۳۲)

وجوب زکوٰۃ کیلئے سال گذرنا شرط ہے

سوال: [۴۰۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے کھاتے (بینک) میں کبھی روپیہ ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا ہے، یعنی جمع ہوتا رہتا ہے، اور ساتھ ہی نکلتا رہتا ہے، کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ زید اپنی تنخواہ سے کچھ ہر ماہ روپیہ نکال دیا کرے تا کہ بعد میں زکوٰۃ نہ نکالنی پڑے؟

المستفتي: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :زکوٰۃ سال پورا ہونے پرادا کرنا واجب ہوتی ہے، لہٰذا بینک میں روپیہ جمع کرنے میں اور نکالتے رہنے میں یہ دیکھا جائے کہ جس وقت نصاب پورا ہوا ہے، اس وقت آئندہ سال پورا ہونے پر نصاب کے بقدر باقی ہے یا نہیں؟ اگر نصاب کے بقدر باقی ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

عن علي عن النبي ﷺ ببعض أول الحديث، قال: فإذا كانت لك مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليك شيئى يعنى فى الذهب حتى تكون لك عشرون ديناراً ، فإذا كانت لك عشرون ديناراً وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فمازاد فبحساب ذلك . (سنن أبی داؤد ، الزكاة ، باب فی زكاة السائمة ، النسخة الهندية ۱/۲۲۱، دارالسلام رقم: ۱۵۷۳)

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: لاتجب في مالٍ زكاة ، حتى يحول عليه الحول ، قال محمد: وبهذا نأخذ وهو قول أبي حنيفة رحمہ اللہ إلا أن يكتسب مالاً فيجمعه في مال عنده مما يزكي ، فإذا وجبت الزكاة فى الأول زكى الثاني معه ، وهو قول أبي حنيفة رحمہ اللہ، وابراهيم النخعي رحمهما الله تعالىٰ. (مؤطا امام محمد، کتاب الزکاة ، باب المال مت تجب فيه الزكاة ، اشرفی بکڈپو دیوبند ۱/۱۷۳، ۱۷٤، رقم: ٣٢٦)

وحولان الحول وهو فى ملكه وثمنية المال كالدراهم والدنانير ...... فتلزم الزكاة كيفما أمسكهما ولو للنفقة وتحته فى الشامية ، والشرط تمام النصاب فى طرفى الحول الخ. (شامی ، کتاب الزکاۃ ، کراچی ۲/٢٦٧، زکریا۳/۱۸٦)

اور ایسی کوئی صورت ہم نہیں بتلا سکتے کہ تنخواہ میں سے کچھ نکال دینے سے زکوٰۃ نہ دینی پڑے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳رصفر ۱۴۲۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۳۹)	۱۴۲۵/۲/۳ھ

پہلے عشرہ میں زکوٰۃ نکالنے والے کا دوسرے عشرہ میں جمع کردہ رقم کی زکوٰۃ

سوال: [۴۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے کچھ ساتھیوں نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اپنی زکوٰۃ نکالی اور حج کی رقم ۴۰۰۰۰ے/ر ہزار روپئے دوسرے عشرہ میں بھیجی، کیا ان لوگوں پورے ۴۰۰۰۰ے/ر روپئے کی زکوٰۃ دینا لازم ہے؟

المستفتي: حجاج کرام، حلقہ نہٹور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب ہر سال زکوٰۃ نکالنے کا وقت رمضان کا پہلا عشرہ ہے اور پہلا عشرہ گذر جانے تک اس کے پاس وہ پیسہ موجود ہے جس کو حج کیلئے جمع کیا ہے، تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی لازم ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک، ۱۶۰/)

ما إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه ، فحال الحول ، وقد بقي معه نصاب فإنه يزكى ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضا في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول.

(شامی ، كتاب الزكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً ، زكريا ۱۷۹/۳، كراچی ۲۶۲/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ر شوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۲۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱۰/۱۸ھ

حولان حول کے بعد زکوٰۃ صحیح مال پر

سوال: [۴۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس تین لاکھ روپئے ہیں وہ ان کی زکوٰۃ دیتا ہے اب اس نے ایک لاکھ روپیہ کا ایک بلڈنگ میں بنیت تجارت دوسرا مالا خرید لیا جیسا کہ بمبئی، کلکتہ وغیرہ میں فروخت ہوتے ہیں،

نیچے کا مالا (منزل) کسی اور نے خریدلیا ہے دوسرا کسی اور نے تیسرا کسی اور نے اب معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ مکان کی زکوٰۃ کس طرح دے گا آیا جب نقدکیش پرحولان حول ہوا سی وقت دے گا، یا جب سے مکان خریدا ہے اسی وقت سے ادا کریگا، ان کے جوابات مدلل نمبرات کے حساب سے دیں، نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تبدل جنس کی وجہ سے حول جدید لازم نہیں بلکہ حول قدیم کے اعتبار سے پورے تین لاکھ کی ملکیت کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

لو استبدل مال التجارة بمال التجارة وهي العروض قبل تمام الحول لا يبطل حكم الحول سواء استبدلها بجنسها أو بخلافه بلا خلاف لتعلق وجوب زكوٰتها بمعنى المال وهو المالية والقيمة وهو باق الخ. (شامی، الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم زکریا۳/ ۲۰۹، کراچی ۲/ ۲۸٤)

ولا ينقطع حكم الحول لوكان الاستبدال قبل تمامه بل يتحول الوجوب إلى البدل فيبقى ببقائه ويسقط بهلاكه كما نقلناه صريحاعن البدائع فما قيل من أنه لا تجب زكوة البدل بهذا الاستبدال بل يعتبر له حول جديد خطأ صريح فافهم. (شامی، الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم زکریا۳/ ۲۱۰، کراچی ۲/ ۲۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ شعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۰۹)

کیا ایک مرتبہ زکاۃ نکالدینے کے بعد دوبارہ اس مال پر زکوٰۃ نہیں

سوال: [۴۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اہل نصاب ہے زید نے اپنی رقم کی زکوٰۃ اس سال نکال دی اور دوسرے سال اس کے پاس وہی

رقم فاضل رکھی ہے، تو اس رقم کی زکوٰۃ دوسرے سال نکالے یا نہ نکالے زید کہتا ہے، کہ میں نے اسکی زکوٰۃ نکال دی ہے، اب نہیں نکالونگا، اب وہ رقم تین یا چار سال فاضل رکھی رہی تو اس رقم کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ وہ زکوٰۃ دے یا نہ دے؟

المستفتي: بشیر احمد، نرولی نئی بستی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کے پاس جو رقم فاضل رکھی رہی جب تک وہ رقم بقدر نصاب ہے تو اس وقت تک اسمیں سے زکوٰۃ دینا لازم ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی شرط صاحب نصاب ہونا ہے، اور اس پر سال گذر جانا ہے، اور یہ دونوں باتیں یہاں پر موجود ہیں۔

عن عائشةؓ قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا زكاة في مالٍ ، حتى يحول عليه الحول . (سنن ابن ماجه، كتاب الزكاة ، باب من استفاد مالاً ، النسخة الهندية ١/١٢٨، دارالسلام رقم: ١٧٩٢، مسند البزار ، مكتبة العلوم الحكم ١٨/٢٥٩، رقم: ٣٠٣)

وسبب افتراضها ملك نصاب . (شامی ، كتاب الزكاة ، كراچی ٢/٢٦٧، زكريا ٣/١٧٤)

اور یہاں پر سال گذر چکا ہے، لہٰذا زکوٰۃ دینا لازم ہے، اگر ادا نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/۱/۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۱/۱۴۲۱ھ

نصاب زکوٰۃ کی مقدار

سوال: [۴۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کتنے مال پر فرض ہوتی ہے؟

المستفتي: انور جمال، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس کی ملکیت میں موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱۲/گرام ۳۶۰/ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت کے برابر نقد روپیہ پیسہ ہوتو ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۰۲، کتاب المسائل ۲/۱۳۵)

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس في ما دون خمس ذود صدقة من الإبل، ولیس فیما دون خمس أواق صدقة، ولیس فیما دون خمسةأوسق صدقة. (صحیح البخاری، الزکاة، باب زکاة الورق، النسخة الهندیة ۱/۱۹٤، رقم: ۱٤۲۷، ف: ۱٤٤۷، صحیح مسلم، الزکاة، النسخة الهندیة ۱/۳۱٥، بیت الأفكار رقم: ۹۷۹)

نصاب فضة مائتا درهم بالإجماع. (الموسوعة الفقهية ۲۳/۲٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۵۵۳)

موجودہ اوزان کے اعتبار سے زکوٰۃ کا نصاب

سوال: [۴۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کا وزن موجودہ اوزان (۱۰/گرام) کے حساب سے کتنا ہوگا تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: حافظ فرقان، تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کا نصاب قدیم اوزان کے اعتبار سے ۱۲/تولہ کے حساب سے ½-۵۲/تولہ چاندی ہے اور ۱۲/ماشہ کا ایک تولہ گیارہ گرام

۶۶۴ رملی گرام کا ہوتا ہے، تو اس حساب سے ۱۲ر ماشہ کےاور ½ ۵۲ رتولہ ہوئے اور دس گرام کا انگریزی تولہ جوموجودہ زمانہ میں رائج ہے کے حساب سے ۶۱ رتولہ دوگرام تین سوساٹھ ملی گرام چاندی ہوتی ہے، اس کی قیمت صرافہ سے معلوم کرلی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ رتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۷۷)

سونے، چاندی کا نصاب شرعی موجودہ اوزان کے اعتبار سے

سوال: [۴۰۹۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) موجودہ اوزان کے اعتبار سے نصاب چاندی کیا ہے؟

(۲) موجودہ اوزان کے اعتبار سے نصاب سونا کیا ہے؟

(۳) موجودہ اوزان کے اعتبار سے صدقہ فطر کی مقدار کیا ہے؟

المستفتي: مولانا محمد عمر صاحب، نائب مہتمم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) چاندی کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۶۱۲ رگرام، ۶۰ ۳ رملی گرام چاندی ہے۔ (۲) سونے کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۸۷ رگرام، ۴۸۰ رملی گرام سونا ہے۔ (۳) صدقہ فطر کی صحیح مقدار ۱۳۵ر تولہ گیہوں ہے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۲/ ۴۲۸) جو موجودہ اوزان کے اعتبار سے ڈیڑھ کلو ۴۷ رگرام ۶۴۰ رملی گرام گیہوں ہوتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۹۲)

جیب میں رکھے ہوئے خرچ کے پیسے بھی نصاب میں شامل ہیں

سوال: [۴۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس نصاب زکوٰۃ مکمل ہونے میں صرف سو پچاس روپئے کم ہیں یعنی اگر سو پچاس روپئے ملائے جائیں تو نصاب مکمل ہوسکتا ہے، اب جیب میں جو روزمرہ کے اخراجات کیلئے سو پچاس روپئے ہوا کرتے ہیں، ان کو ابتدائے سال سے نصاب میں اگر ملایا جائے تو نصاب مکمل ہو کر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا یا نہیں؟ اور اسی طرح انتہائے سال میں سو پچاس روپئے ملائے جائیں تو زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: مشتاق احمد اعظمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نصاب کے مکمل ہونے کے لئے اپنی ملکیت کے سارے پیسے شمار کرنا لازم ہے، اور سو پچاس روپیہ جیب میں جو خرچہ کیلئے رکھے جائیں وہ بھی اس کی ملکیت ہی ہے، اس لئے سال کی ابتدا میں اگر خرچ کے لئے جو جیب میں رکھے گئے ہیں اس کو ملانے کے بعد نصاب پورا ہوجاتا ہے، اسی طرح سال کی انتہا میں بھی سو پچاس روپیہ خرچ کیلئے جو جیب میں رکھے ہوئے ہیں، اس کو ملانے سے نصاب پورا ہوجاتا ہے تو ایسی صورت میں اس کے اوپر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہے، بس شرط یہ ہے کہ درمیانی سال میں کوئی ایسا وقت نہ گذرا ہو جس میں اس اس کی ملکیت میں کچھ بھی نہ رہا ہو بلکہ سال کے درمیان میں اس کے پاس کچھ نہ کچھ ضرور رہا ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ زکریا ۴/۳۰۱، فتاویٰ عثمانی ۲/۶۲)

ولنا: أن كمال النصاب شرط وجوب الزكاة فيعتبر وجوده في أول الحول وآخره لا غير لأن أول النصاب وقت انعقاد السبب وآخره وقت ثبوت الحكم فأما وسط الحول فليس بوقت انعقاد السبب ولا وقت ثبوت الحكم فلا معنىً لاعتبار كمال النصاب فيه ، إلا أنه لا بد من بقاء شيءٍ من

النصاب الذی انعقد علیه الحول لیضم المستفاد إلیه : الخ. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، بیان ما یقطع حکم الحول ومالا یقطع زکریا ۲/ ۱۰۰)

وثمنیة المال کالدراهم والدنانیر لتعینها للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزکاة کیف ما أمسکهما ولو للنفقة. (الدر مع الرد زکریا ۳/ ۱۸۶، کراچی ۲/ ۲۶۷، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة دارالکتاب دیو بند/ ۷۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱۷ھ

موجودہ دور کے تولہ کے حساب سے سونے کا نصاب آٹھ تولہ سات گرام ۴۸۰/ ملی گرام ہے

سوال: [۴۰۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ڈیڑھ سال سے میرے پاس اپنی شادی کے تقریباً آٹھ تولے کے زیورات سونے کے ہیں، اورمیری آمدنی قریب ایک ہزار روپیہ ماہانہ ہے، جس میں میرا خرچ پورا ہو جاتا ہے، آمدنی سے کوئی پیسہ نہیں بچ پاتا ہے اس لئے برائے مہربانی آپ یہ بتائیں کہ میں زکوٰۃ کس صورت میں ادا کروں؟ مفصل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد یونس قریشی محلہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سونے کا نصاب ۱۲/ ماشہ کے تولے کے حساب سے ½ ۷/ تولہ ہے جس کا وزن ۱۰/ گرام کے تولہ حساب سے آٹھ تولہ سات گرام ۴۸۰/ ملی گرام ہوتا ہے، اگر آپ کے پاس اتنا سونا ہے، تو بازار سے قیمت معلوم کر کے ہزار میں

۲۵/روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ نکالیں اوراگرسونا اس سے کم ہے،اورتھوڑی سی چاندی بھی ہے، یا کچھ روپیہ ہےتو سونے کی قیمت کوچاندی کے نصاب میں لیجا کر ہزارمیں ۲۵/روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ نکالیں اور۱۰/گرام کےتولہ سے ۶۵/روپیہ فی تولہ کے حساب سے ۳۹۸۰/روپیہ چاندی کا نصاب بنتا ہے،اوراگرسونا مذکورہ وزن سےکم ہےاورچاندی بالکل نہیں ہے، نیز روپیہ بھی بالکل نہیں ہے،اورسال گذرنے پرتنخواہ کا روپیہ بھی نہیں ہےتب زکوٰۃ واجب نہیں ورنہ واجب ہوگی۔

عن عمرو بن يعلي فذكر الحديث نحو حديث الخاتم قيل لسفيان : كيف تزكيه؟ قال تضمه إلى غيره . (سنن أبي داؤد ، الزكاة ، باب الكنز ما هو زكاة الحلى ، دارلسلام / ۲۹۲، رقم: ۱۵٦٦)

عن عبيد الله بن عبيد قال: قلت لمكحول: يا أباعبد الله إن لي سيفاً فيه خمسون وما ئة درهم فهل علي فيه زكاة ؟ قال: أضف إليه ما كان لک من ذهب وفضة ، فإذا بلغ مأتي درهم ذهب وفضة فعليک فيه الزكاة . (المصنف لابن أبي شيبة ، الزكاة في الرجل تكون عنده مائته درهم وعشرة دنانير مؤسسه علوم القرآن ٦/ ۳۹۳، رقم: ۹۹۷۹)

وتضم قيمة العروض إلى الذهب والفضة وكذا يضم بعضها إلىٰ بعض وإن اختلف أجناسها(قوله) وكذلک الذهب والفضة بالقيمة حتى يتم النصاب عند أبى حنيفةؒ كماإذا كان معه مائة درهم وخمسة مثاقيل قيمتها مائة درهم فعليه الزكوٰة عند أبى حنيفةؒ الخ. (الجوهره ، النيرة، كتاب زكاة العروض ، دارالكتاب ديوبند/۱ ۱۵، ۱/ ۱۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۹۵)

کیا دور حاضر میں سونے کے نصاب کو انفع للفقراء قرار دیا جاسکتا ہے؟

سوال: [۴۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شریعت اسلامی نے انسان پر سونے، چاندی، کرنسی، اور مال تجارت میں زکوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے، فی زمانا یہ چاروں چیزیں زیادہ لوگوں کے پاس موجود رہتی ہیں، اور لوگ اس کی زکوٰۃ ادا کرتے چلے آرہے ہیں۔

سونے اور چاندی کا نصاب تو منصوص ہے کرنسی اور مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے اور حرمان زکوٰۃ کیلئے مستقل نصاب نہیں ہے، اس کے لئے معیار سونے اور چاندی کا نصاب ہے۔ البتہ سونے اور چاندی میں چاندی کا کرنسی سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہا جیسا کہ ہمارے اکابر نے اس کی وضاحت کی ہے، نیز سونا بھی براہ راست کرنسی باقی نہیں رہا لیکن اب بھی کس کسی ملک کی کرنسی کی قدر متعین کرنے میں سونے کا اہم رول ہوتا ہے، اسے دنیا کے تمام مرکزی بینکوں میں ایک اہم محفوظ سرمایہ مانا جاتا ہے، دنیا کے مختلف ممالک سونے کے محفوظ ذخیرہ کی وافر مقدار رکھتے ہیں، تاکہ ان کی کرنسی مضبوط رہے، اور خاص ڈالر کے مقابلہ میں کمزور نہ ہوجائے، خلاصہ یہ ہے کہ کرنسی کی قدر کا کچھ نہ کچھ تعلق اور ربط اب بھی باقی ہے۔

موجودہ دور میں چاندی کی قیمت میں ایسا انحطاط پیدا ہوگیا کہ اب چاندی کا نصاب زکوٰۃ ۶۱۲ر گرام چاندی بہت معمولی ہوگیا، اب اس وقت چاندی کا نصاب ہندوستان میں ۳۰ر ہزار روپئے میں پورا ہوجاتا ہے، جبکہ سونے کا نصاب دولاکھ سے بھی متجاوز ہے، تو ان حالات میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اگر کوئی شخص فقط سونے کا مالک ہو تو سونے کے مکمل حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی؟

اگر کوئی چاندی کا مالک ہو تو چاندی کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی؟

اگر کچھ مقدار چاندی اور کچھ مقدار سونا ہو تو حضرات صاحبین کے مسلک کے مطابق ضم بالقیمت کے بجائے ضم بالاجزاء کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟ امام صاحبؒ نے

جس دور میں ضم بالقیمت کا اعتبار کیا تھا، اس میں سونے اور چاندی کی قیمت کے درمیان توازن تھا، یعنی دوسودرہم چاندی اور بیس دینار سونے کی قدر برابر تھی، موجودہ حالات اس سے بالکل مختلف ہے۔

کرنسی اور مال تجارت میں زکوۃ واجب ہونے نیز حرمان زکوۃ کیلئے سونے اور چاندی کے نصاب میں سے کس نصاب کو معیار قرار دیا جائے؟ اس سلسلہ میں امام صاحبؒ کا مسلک انفع للفقراء بتایا جاتا ہے، کسی دور میں چاندی کا نصاب ضرور انفع للفقراء تھا لیکن اب دیکھا جائے تو چاندی کے نصاب کی قدر بہت ہی کم ہے، نیز فقراور غناء کا تعلق عرف واحوال سے ہے، ہر زمانے کے حالات کے لحاظ سے اس زمانہ کے لوگوں کی ضروریات ہوتی ہیں، خود فقہاء نے حاجات اصلیہ کو متعین کرنے میں ان کو ملحوظ رکھا ہے، اگر اس پہلو سے دیکھا جائے تو آج ایک سرکاری ملازم کی تنخواہ چاندی کے نصاب سے زیادہ ہوتی ہے، نیز ثمنیت کا پہلو سونے میں بہ مقابلہ چاندی کے زیادہ ہے، نیز لوگوں کے تعامل اور قیمت کے استحکام کے اعتبار سے سونے کا چلن بھی زیادہ ہے، اس کی قدر سے شریعت کا منشاء بھی پورا ہوتا ہے، کہ فقراء پر زکوۃ واجب نہ ہو، اغنیاء پر واجب ہو، اور فقراء زکوۃ سے محروم نہ ہوں، اغنیاء محروم ہوں، تو کیا کرنسی اور مال تجارت میں بجائے چاندی کے سونے کو معیار بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ دور حاضر میں چاندی کا نصاب فقراء کیلئے انفع ہے یا نہیں؟

آ گے رمضان المبارک آرہا ہے مسلمانوں کی اکثریت اس ماہ میں اپنی زکوۃ ادا کرتی ہے، لوگ برابر تعین نصاب کے سلسلہ میں شک وشبہ میں مبتلا رہتے ہیں، کہ زکوۃ کس معیار والے آدمی کو دی جائے، اکثریت کے پاس چاندی کے نصاب کے بقدر مالیت تو رہتی ہے تو اس صورت حال میں ” **تغير الأحكام بتغير الزمان** “ کے پیش نظر سونے کے نصاب کو انفع قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: نثار احمد، گودھرا، خادم: جامعہ رحمانیہ گودھرا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس طرح سونے اور چاندی میں زکاۃ کا حکم منصوص

ہے اسی طرح مال تجارت میں بھی زکاۃ کا حکم منصوص ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن سمرة بن جندب قال: أما بعد! فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع . (ابوداؤد ، الزكاة ، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها زكاة ، النسخة الهندية ١/ ٢١٨، دارالسلام رقم:١٥٦٢ ، سنن دار قطنى ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١١١، رقم: ٢٠٠٨)

عن ابن عمر قال ليس فى العروض زكاة الاما كان للتجارة . (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، دار الفكر ٦/ ٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

ہاں البتہ سونے اور چاندی کا نصاب الگ الگ طور پر منصوص ہے اور اموال تجارت کا نصاب مستقل طور پر منصوص نہیں ہے، بلکہ اس کو سونے اور چاندی کے نصاب کے ساتھ ملانے کا حکم ہے، اور اسی سے کرنسی کا نصاب بھی ثابت ہوجاتا ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن عبيد الله بن عبيد قال قلت لمكحول ياأباعبد الله إن لى سيفا فيه خمسون ومأة درهم فهل علي فيه زكاة ؟ قال: أضف إليه ماكان لك من ذهب و فضة فإذا ابلغ مائتى درهم ذهب وفضة فعليك فيه الزكاة .

(المصنف لابن أبي شيبة ، مؤسسه علوم القرآن ٦/ ٣٩٣، رقم: ٩٩٧٨، ٩٩٧٩)

عن حماس قال مر علي عمر فقال أد زكاة مالك قال قلت: مالي مال أزكيه إلا فى الخفاف والأدم قال قومه وأد زكاته . (مصنف عبد الرزاق ، المجلس العلمى ٤/ ٩٦، رقم: ٧٠٩٩، دار قطنى ، دارالكتب العلميه بيروت ٢/ ١٠٩، رقم: ١٩٩٩)

اور یہ کہنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہےکہ اکابر نے کرنسی کو چاندی کے ساتھ نہیں جوڑا ہے؛ بلکہ اکابر سے اس سلسلے میں یہی بات ثابت ہے، کہ کرنسی کو چاندی کے ساتھ جوڑا جائے، ملاحظہ فرمایئے: (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴/ ۶۳، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۳۹۳)

اور یہ بات بھی قابل تردد ہے کہ کرنسی کا تعلق صرف سونے سے ہے چاندی سے نہیں، بلکہ ہماری معلومات کے مطابق بعض ملکوں کی کرنسی کا تعلق سونے سے ہے، جیسا کہ کویت،

بحرین، مسقط کے دینار، برطانیہ کا پاؤنڈ، یورو، ڈالر اور امریکن ڈالر وغیرہ ان کا تعلق سونے سے ہے، اور سعودی ریال، امارات متحدہ کا درہم اور برصغیر کے روپئے کا تعلق چاندی سے جڑا ہوا ہے، ملاحظہ فرمایئے: (رحمۃ اللہ الواسعہ ۴/۶۳)

جمهور الفقهاء يرون وجوب الزكاة في الأوراق المالية لأنها حلت محل الذهب والفضة في التأمل ويمكن ...... صرفها بالفضة بدون عسر.

(الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ۱/۶۰۵، مكمل /۳۳۵)

اور آج کے زمانہ میں چاندی اور سونے کی قیمت میں پچھلے زمانہ کے مقابلے میں زیادہ تفاوت ہے، اور انفع للفقراء کا اعتبار ہر زمانہ میں کیا گیا، اور آج بھی انفع للفقراء کا اعتبار کیا جائے گا، اور انفع للفقراء چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے ہی میں ہے، اس لئے چاندی کے نصاب کا اعتبار کر کے زکاۃ دینا لازم ہے، اور جب سونا اور چاندی دونوں کا نصاب مکمل نہ ہو تو سونے کے نصاب کو چاندی کے نصاب کے ساتھ ملا کر زکاۃ دینا لازم ہوگا، اور سائل کا یہ کہنا کہ ایک سرکاری ملازم کی تنخواہ بھی پچیس تیس ہزار روپیہ ہوتی ہے، تو صحیح بات یہ ہے کہ جس کی تنخواہ پچیس تیس ہزار روپیہ ہے وہ فقیر نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس کو چاندی کے نصاب کے بقدر سالانہ نصاب پورا ہونے پر زکاۃ ادا کرنا لازم ہوگا، اور یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ کسی دور میں چاندی کا نصاب انفع للفقراء تھا، اور آج یہ بات نہیں ہے؛ بلکہ آج کے دور میں بھی چاندی کا نصاب ہی انفع للفقراء ہے، مثلاً چاندی کا نصاب اگر تیس ہزار روپیہ میں پورا ہوتا ہے، اور سونے کا نصاب ڈہائی لاکھ روپیہ میں پورا ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں ہندوستان میں اگر پانچ کروڑ افراد چاندی کے نصاب کے مالک ہیں اور پچاس لاکھ افراد سونے کے نصاب کے مالک ہیں تو انفع للفقراء کس میں ہے، خود ہی غور فرمایئے، پانچ کروڑ افراد زکاۃ نکالنے والے ہوں تو فقراء کا زیادہ فائدہ ہے یا پچاس لاکھ افراد زکاۃ نکالنے والے ہوں تب فقراء کا زیادہ فائدہ ہے، ظاہر بات ہے کہ جب پانچ کروڑ افراد زکاۃ نکالنے والے ہوں تب فقراء کا زیادہ فائدہ ہے، اس لئے امام

صاحب کے قول پر ہی فتویٰ دینا لازم ہوگا، لہٰذا چاندی کے نصاب کے جولوگ مالک ہوجائیں اورزکاۃ ادا نہ کریں تو وہ گنہ گار ہوں گے، اورسونے کے نصاب کو انفع قرار دینا خلاف واقعہ اور بداہت کا انکار ہے۔

وعن أبي حنيفةؒ أنه يقوم بما فيه إيجاب الزكاة حتى إذا بلغ بالتقويم بأحد هما نصاباً ولم يبلغ بالآخر قوم بما يبلغ نصاباً، وهو إحدى الروايتين عن محمدؒ، ولوكان بالتقويم بكل واحد منهما يبلغ نصاباً، يقوم بما هو أنفع للفقراء من حيث الرواج، وإن كانا في الرواج سواء يتخير المالك، وفي شرح الطحاوي: فأما في بلادنا اليوم يقوم عروض التجارة على كل حال بالدراهم لأن النقد عندنا هوالدراهم.

(تاتارخانية، زكريا ديوبند٣/١٦٤، ١٦٥، رقم: ٤٠٠٠)

يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجا. (شامي، زكريا٣/٢٣٤، كراچی ٢/٣٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍رجب ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۳۴ھ

درمیان سال میں لائے ہوئے مال تجارت پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ہر سال رمضان میں زکاۃ ادا کرتا ہوں اس سال رمضان سے دو مہینے پہلے میں دو لاکھ کا مزید مال لایا ہوں، تو رمضان میں اس نئے مال کی زکاۃ بھی دینی ہوگی؟

نیز یوم الأ داء میں جتنا مال موجود ہے اس پورے مال کا حساب لگا کر زکاۃ دینی ہوگی؟

المستفتي: محمد ادریس، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمضان سے دومہینہ پہلے تجارت کی غرض سے جو مال آپ لائے ہیں، بقیہ مال تجارت کے ساتھ اس کو شامل کرکے رمضان میں اسکی بھی زکاۃ نکالنی ضروری ہے۔

عن ابن عباسؓ : فی الرجل یستفید مالاً؟ قال: یزکیه حین یستفیده . (المصنف لإبن أبي شيبه ، كتاب الزكاة ، من قال يزكيه إذا استفاده، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٤٨١ ،رقم: ١٠٣٢٦)

والمستفاد وسط الحول یضم إلی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الأصل وفی الشامی قوله ولو بهبة أو إرث: أدخل فیه المفاد بشراء أو میراث . (شامی، كتاب الزكاة الغنم، مطلب محمد امام فی اللغة واجب التقليد فيها من أقران سيبويه كراچی ٢/٣٠٧، زكريا ٣/٢١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۱۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

سال کے درمیان اضافہ شدہ پر بھی زکوٰۃ لازم

سوال: [۴۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس پانچ لاکھ روپئے ہیں، اس نے سال پورا ہونے پر ان پیسوں کی زکوٰۃ نکالی، لیکن اگلے سال درمیانی سال میں مزید دولاکھ کا اضافہ ہوگیا، سوال یہ ہے کہ اگلے سال یہ شخص پانچ لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرے یا سات لاکھ کی جبکہ ان دولاکھ پر ابھی پورا سال نہیں گذرا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس شخص کے ذمہ پورے سات لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہوگی، سال میں حاصل شدہ دولاکھ پر اگرچہ سال نہیں گذرا لیکن یہ دولاکھ

روپئے ان پانچ لاکھ کے تابع ہونگے جن پر سال گزر چکا ہے اور مجموعہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔
(مستفاد: محمودیہ ڈابھیل ۹/۳۱۰، میرٹھ ۱۴/۵۲)

فمن ملک مأتی درهم وحال الحول وقد حصلت في أثنائه أو في وسطه مائة درهم يضمها إليه ويزكي عن الكل . (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة دارالكتب العلميه بيروت ۱/۳۰۷، مصرى قديم ۱/۲۰۷، ۱/۲۰۷، كذا في تبيين الحقائق، كتاب الزكاة ، باب صدقة الغنم زكريا ۲/ ٦۲، هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الأول في تفسيرها وصفتها و شرائطها زكريا ۱/ ۱۷٥، جديد ۱/ ۲۳۷، هدايه ، كتاب الزكاة ، فصل فى الغنم، اشرفيه ديوبند ۱/۱۹۳، بدايع ، كتاب الزكاة زكريا ۲/ ۹٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۷۷)

ضم نصاب کی صورت میں مزکی کا سونے چاندی یا ان کی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سعید کے پاس بقدر نصاب چاندی بھی ہے، اور سونا بھی ہے، یا دونوں ملا کر بقدر نصاب ہے، تو سونے چاندی کی زکوٰۃ الگ الگ اور دونوں ملے ہوئے کی زکوٰۃ کس طرح نکالے آیا سونے چاندی کی قیمت نکالکر اس روپیہ کی زکوٰۃ کا چالیسواں حصہ نکالے یا سونے چاندی ہی کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ نکالے، اگر سونے چاندی کی بھی زکوٰۃ نکالے تو زیورات کی زکوٰۃ نکالنے کی کیا ترکیب ہوگی؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: منظور عالم قاسمی، مدرس مدرسہ باب العلوم، بابو گنج، ضلع: پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سعید کو اختیار ہے چاہے سونے چاندی کا

چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالے اور چاہے چالیسویں حصہ کی قیمت زکوٰۃ میں ادا کرے، یہی زیورات کا بھی حکم ہے!

وجاز دفع القیمة فی زکوٰة وعشر وخراج وفطرة الخ. (شامی ، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم زکریا دیوبند ۳/ ۲۱۰، کراچی ۲/ ۲۸۵، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، قدیم / ۳۹۰، دارالکتاب دیوبند/۷۱)

ویجوز دفع القیم فی الزکاة عندنا، ویعتبر فیهما أن یکون المؤدی قدر الواجب وزناً ، ولو أدی من خلاف جنسه یعتبر القیمة بالإجماع . (هندیه، زکریا دیوبند ۱/ ۱۷۸، جدید ۱/ ۲۴۳، ۲۴۰، مجمع الأنهر ، دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۳۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۰۹/۱/۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۶۴)

مال نصاب پر گذشتہ برسوں کی زکاۃ

سوال: [۴۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری شادی ۱۹۳۷ء میں ہوئی، مجھے اندازاً ۱۴ر تولہ سونا دونوں طرف ملا، میرے شوہر کی آمدنی قلیل تھی جس کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہ ہوسکی میں بھی ادا نہیں کرسکی ۱۹۵۲ء میں لڑکے کی شادی میں ڈیڑھ تولہ سونا دیدیا، اس کے بعد ۱۹۶۳ء میں لڑکی کی شادی میں دو تولہ زیور سونا دیدیا، اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں میرا لڑکا میرے زیور کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے لیکن ۱۹۳۷ء سے ۱۹۷۵ء تک کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکی مہربانی کرکے مجھے شرعی حکم دیا جائے کہ اس سلسلہ میں کیا مسئلہ ہے یہ بات بھی واضح رہے کہ زیور کا وزن میں نے انداز سے لکھا ہے، امید کہ اس سے زائد نہیں ہوگا؟ شریعت کی روشنی میں جواب دیں؟

المستفتیه: رحینہ بیگم، ولد سرفراز صدیقی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ پر ۱۹۳۷ء سے ۱۹۷۵ء تک کی زکوٰۃ ادا کرنا شرعاً واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۹۹)

البتہ اس میں تفصیل یہ ہے کہ ۱۴/ تولہ میں اول سال کیلئے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کر دیا جائے پھر دوسرے سال کیلئے چالیسواں منہا کے ماباقی میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیں اس کے بعد جو بچے گا اس میں سے چالیسواں حصہ پھر تیسرے سال کیلئے زکوٰۃ میں دیں اس طرح ۱۹۵۲ء تک کرتے چلے آئیں پھر مابقیہ میں سے اولاً ڈیڑھ تولہ منہا کرلیا جائے، اس کے بعد جو بچے گا، اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکال لیا جائے، پھر بعد والے سال کیلئے مابقیہ میں سے چالیسواں زکوٰۃ میں نکال دیا جائے، اس طرح ۱۹۶۳ء تک کیلئے کرتے جائیے، پھر ۱۹۶۳ء میں دو تولہ منہا کرلیا جائے، اس کے بعد جو بچے گا اس میں چالیسواں حصہ ۱۹۷۴ء کیلئے نکال لیا جائے، پھر ۱۹۷۴ء میں ڈھائی تولہ منہا کرلیا جائے، اس کے بعد جو بچے مابقیہ حساب میں ہوگا، مذکورہ طریقہ سے ادا کرنا ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۶۵، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۶۴)

المستفاد: عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفانؓ، كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه، حتى تحصل أموالكم فتؤد منها الزكاة، قال محمد: وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله فإن بقي بعد ذلک ما تجب فيه الزكاة، ففيه زكاة وثلث مائتا درهم، أو عشرون مثقالاً ذهباً، فصاعداً، وإن كان الذى، بقى أقل من ذلک بعد مايدفع من ماله الدين، فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفةؒ

(مؤطا امام محمد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۷۲، ۱۷۳، رقم: ۳۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۸۱/۲۳)

گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں

سوال: [۴۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے مال پر ۴/سال گزر چکے ہیں، اوراس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہے، تو اب اس مال پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

المستفتي: عقیل احمد، حسن پور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی گذشتہ چار سال کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی واجب ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۱۶۰/۶)

تجب زكوته ما مضٰى من السنين و النا س عنه غافلون الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال زکریا دیوبند۳/۲۳٦، کراچی ۲/۳۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۹۰/۲۴)

حج کے لئے رکھے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا نفلی حج کا ارادہ ہے اوراس نے کافی محنت سے حج کیلئے روپیہ کمایا ہے، اوراس روپیہ پر حولان حول ہوجاتا ہے، تو جس طرح نفل نماز کی نیت باندھنے کے بعد اگر نماز توڑ دی جائے تو اس کا پڑھنا واجب ہوجاتا ہے، تو کیا اسی طرح حج کی نیت سے حج کا پیسہ جمع کرکے اس پر زکوٰۃ ہوگی، یا حج واجب ہوگا، جبکہ اس روپیہ پر سال گھوم جائے؟

المستفتي: امام جامع مسجد، دھنورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حج کیلئے جو روپیہ جمع کیا جاتا ہے، اوراس پر سال

گذر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے، اور اگر زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بسہولت حج ادا کرنے کیلئے رقم موجود ہو تو حج کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا دونوں فرض ہوجاتا ہے۔

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول، وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكى ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول.

(شامی، کتاب الزکوٰۃ، مطلب فی زکوٰۃ ثمن المبیع وفاءً، زکریادیوبند۳/ ۱۷۹، کراچی ۲/ ۲۶۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر صفر ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۲/ ۱۴۱۳ھ

حج کی منظوری پر جو رقم جمع نہیں ہوئی اس کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حج کیلئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ اسمیں سے کچھ رقم حج کمیٹی میں جمع کردی گئی ہے، اور منظور بھی ہوگئی ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آچکا ہے اور اسمیں سے کچھ اپنے پاس باقی ہے تو ان میں سے کس رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص اگر پہلے سے صاحب نصاب ہے ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا آیا ہے، تو جو رقم حج کمیٹی میں جمع کردی گئی ہے، اور حج کی منظوری بھی آچکی ہے تو جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور جو رقم اس نے جمع نہیں کی ہے، اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، اور اگر مذکورہ شخص پہلے سے صاحب نصاب نہیں تھا، تو اگر بقیہ رقم بقدر نصاب ہے تو سال پورا ہونے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۱۶۰، کتاب المسائل ۲/ ۲۱۶)

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقى معه منه

نصاب فإنه يزكى ذلك الباقي ،وإن كان قصده الإنفاق منه ايضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول .

(شامی ، کتاب الزکوٰۃ ، مطلب فی زکوٰۃ ثمن المبیع وفاءً زکریا۳/۱۷۹، کراچی ۲/۲۶۲)

وتجب الزكوٰة في كل مالٍ سواء كان نامياً فاضلاً عن الحاجة الأصلية أو لا . (بدائع الصنائع ، کتاب الزکوٰۃ ،مراتب الدیون ، زکریا ۲/ ۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۴ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۳/۴۰)

حج کمیٹی میں دی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک صاحب پر حج فرض ہے انھوں نے حج کمیٹی میں مثلاً جمادی الاخریٰ میں مکمل رقم دولاکھ جمع کردی ، یہ صاحب ذیقعدہ کی کسی تاریخ کو روانہ ہوں گے، اور رمضان کی ۲۱ر تاریخ پر زکوٰۃ نکالتے ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ اپنے فرض حج کی ادائیگی کیلئے جمع کردہ دولاکھ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، اگر ہاں تو کیوں اور نہ تو اسکی وجہ بھی بتلا دیجئے؟

(۲) مندرجہ مسئلہ میں حج کمیٹی کے بجائے پرائیویٹ ٹور ہو تو مسئلہ پر کوئی فرق پڑے گا؟

(۳) مندرجہ بالا صورت میں بجائے مکمل رقم کے ڈاؤن پیمنٹ کے طور پر کچھ رقم دی گئی ہو اور بقیہ رقم بعد میں ادا کرنے کی بات ہو تو کیا مابقیہ رقم پر زکوٰۃ آئیگی؟ براہ کرم واضح فرمائیں، کہ مابقیہ رقم کی حیثیت کیا ہے؟ نیز اگر بکنگ کرالی ہو لیکن رقم بالکل نہ دی ہو تو کیا حکم ہے؟

(۴) اوپر ذکر کردہ شکلوں میں فرض حج نہ ہو بلکہ نفل حج ہو، عمرہ ہو یا تفریحی تجارتی سفر ہو تو کیا حکم ہوگا ؟

المستفتی: مفتی عبد الرشید نعمانی، دارالافتاء والارشاد، شبھاس نگر، اندھیری ایسٹ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:(۱)جب رمضان آنے سے پہلے دولاکھ روپیہ حج کے نام سے جمع کردیے ہیں اور حج کی منظوری بھی آ گئی ہے تو ایسی صورت میں اس جمع شدہ رقم پرزکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، بلکہ وہ خرچ ہو چکا ہے، زکوٰۃ واجب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ رقم اس کی ملکیت سے خارج ہو چکی ہے، اور وجوب زکوٰۃ کیلئے ملک تام کا ہونا لازم ہے۔

(۲) حج کمیٹی کے بجائے اگر پرائیویٹ ٹور میں حج کیلئے رقم جمع کردی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ یہاں بھی اگرچہ مال پر ملکیت باقی ہے لیکن قبضہ جو وجوب زکوٰۃ کی شرط ہے نہ ہونے کی وجہ سے اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔(مستفاد: انوار مناسک/ ۱۶۱، محمود یہ ڈابھیل ۹/ ۳۴۷)

ومنها الملك التام هو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لاتجب فيه الزكوٰة الخ. (هنديه، كتاب الزكوٰة، الباب الأول في تفسير ها وصفتها و شرائطها ١/ ١٧٢، جديد ١/ ٢٣٣، ومثله في الجوهرة النيره، كتاب الزكوٰة، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٣٩)

(۳) مندرجہ بالا صورت میں بجائے مکمل رقم جمع کرنے کے ڈاؤن پیمنٹ کے طور پر کچھ رقم جمع کی ہے، اور بقیہ رقم بعد میں ادا کرنیکی نیت سے اپنے پاس رکھ رکھی ہے، اور وہ مال نصاب تک پہونچتا ہے اور اس پر سال بھی گذر گیا ہے، تو جتنی رقم جمع کر چکا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور مابقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر بکنگ کرادی لیکن رقم بالکل ادا نہیں کی تو کل مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(۴) مذکورہ مسئلہ میں فرض حج ہو یا نفل سفر عمرہ ہو یا تفریحی یا تجارتی سفر سب میں وہی حکم ہوگا، جو اوپر ذکر کیا گیا ہے، کہ جتنی رقم جمع کر چکا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اور جو رقم باقی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ جو رقم زر مبادلہ کی بعد میں واپس

ملے گی، اس پر دین قوی ہونے کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک /۱۶۰، کتاب المسائل ۲/ ۲۱۶)

إذا أمسكة لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معهٗ منه نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي، وإن كان قصدهٗ الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلیٰ حوائجه الأصلية وقت حولان الحول الخ. (شامی، كتاب الزكوٰة مطلب في زكوٰة ثمن المبيع وفاءً زكريا ۳/ ۱۷۹، كراچی ۲/ ۲۶۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷ رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۷ھ

حج کیلئے بھیجی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم اپنی زکوٰۃ کا حساب رمضان کے آخری عشرہ میں لگاتے ہیں، اسی وقت ہمارا سال پورا ہوتا ہے، اس سال ہم حج کے لئے جارہے ہیں، ہم نے شروع میں رمضان سے کئی مہینے پہلے دس ہزار سات سو روپئے حج کے فارم کے ساتھ جمع کردیئے تھے، اور باقی مکمل رقم رمضان کے شروع میں بھیج دی معلوم یہ کرنا ہے، کہ کیا ان ۵۸۰۰۰ر ہزار روپئے کی زکوٰۃ ہم نکالیں یا اس رقم میں سے جو رقم ہم کو حج پر جاتے ہوئے واپس ملے گی، صرف اس کی زکوٰۃ نکالیں شرعاً کیا فیصلہ ہے؟

المستفتي: حجاج کرام، حلقہ نہٹور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: جب ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، تو آخری عشرہ تک جس رقم پر ملک تام حاصل ہوگی، صرف اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، لہٰذا سعودیہ ریال کی شکل میں جو کرنسی واپس ملنی یقینی ہوتی ہے، وہ چونکہ دین قوی

میں شامل ہوتی ہے، اسلئے اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔ (مستفاد: ندائے شاہی، اکتوبر ۲۰۰۸ء)

ومهنا الملک التام وهو ما اجتمع فيه الملک و اليد وأما إذا وجد الملک دون اليد كالصداق قبل القبض ، أو وجد اليد دون الملک كملک المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكاة . (هنديه، كتاب الزكاة ، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱ / ۱۷۲ ، جديد ۱ /۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸رشوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۲۹ھ

پرائیویٹ ٹور کو حج کیلئے دی گئی رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آپ کے ارسال کردہ جواب سے حج کمیٹی اور دیگر ٹور ایجنٹ حضرات کی حیثیت کا تعین ہوگیا کہ وہ ایک حیثیت سے بکنگ کرانے والوں کے وکیل ہیں، الحمد للہ بندہ کا نظریہ بھی یہی تھا، بس کسی معتمد کی تائید کی ضرورت تھی، ان کی حیثیت کے متعین ہوجانے سے ایک بات طے ہوجاتی ہے، کہ ان کے پاس جمع کردہ رقم ''امانت'' ہے خواہ رقم پوری ہو خواہ کم وبیش ہو، لہٰذا پرائیویٹ ٹوروں میں رقم جمع کرنے کے بعد جب تک رقم ٹکٹ کی خریداری کاغذات کی تیاری، ہوٹل میں بکنگ وغیرہ میں صرف نہیں کی گئی ہے، تب تک اس کی امانتی حیثیت اگر برقرار ہے، اور اسی دوران کسی کا سال زکوٰۃ مکمل ہوجائے، تو ضابطہ کے مطابق زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے، ہاں البتہ اگر جمع کردہ رقم پر تصرفات ہوچکے ہیں، تب تو زکوٰۃ کا مسئلہ نہیں ہے، چنانچہ بعض حضرات چھ آٹھ ماہ قبل اور اب تو پرائیویٹ ٹوروں میں سال دو سال پہلے بھی مکمل یا نصف رقم دے کر بکنگ کرا لیتے ہیں، اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ ہر کسی کا سال زکوٰۃ رمضان ہی میں پورا نہیں ہوتا بلکہ درمیان سال میں

کبھی بھی حولان حول ہوسکتا ہے، اسلئے اس طرح کی صورتیں پیش آسکتی ہیں، بلکہ آتی ہیں کہ رقم علیٰ حالہ بغیر کسی تصرف کے باقی ہے، اور سال مکمل ہوگیا تو کیا اب بھی رقم کی امانت والی حیثیت کے علی الرغم صرف اس بنیاد پر عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم لگایا جانا درست ہوگا، کہ رقم ملکیت سے خارج ہوچکی ہے، اور مذکورہ ممکنہ صورتوں کے باوجود علی الاطلاق صرف رقم جمع کردینے سے ہی عدم وجوب زکوٰۃ کا حکم کردینا صحیح ہوگا یا ان کی وجہ سے احکام میں فرق ہوکر تفصیل ناگزیر ہوگی؟

واضح رہے کہ احکام میں تفصیل کا خانہ صرف پرائیویٹ ٹوروں سے متعلق ہے خواہ حج وعمرہ کے ہوں، یا سیاحتی اورتجارت کے ہوں، حج کمیٹی سے متعلق نہیں کیونکہ ہماری اپنی معلومات کے مطابق قرعہ اندازی میں نام نکل آنے کے بعد جب وقت مقررہ پر رقم جمع کردی جاتی ہے، تو اگلے سارے مراحل حکومتی سطح پر طے ہونے کی وجہ سے فوراً روبہ عمل ہوجاتے ہیں، اس لئے ان میں زکوٰۃ علی الاطلاق واجب ہوگی، جیسا کہ آنجناب کا جواب بھی ہے، نیز دوسری گذارش یہ ہے، کہ پرائیویٹ ٹوروالوں کے پاس جمع کردہ رقم سے اگر ٹکٹ، ہوٹل بکنگ وغیرہ امور انجام دیئے جاچکے ہوں لیکن انہیں صرف ڈاؤن پیمنٹ یا نصف رقم مثلاً ادا کی گئی ہو، بقیہ رقم کی ادائیگی باقی ہو جس کا دینا ضروری ہو اور اتنی رقم پاس موجود بھی ہو جو بقدر زکوٰۃ بھی ہو اور اسی اثناء میں زکوٰۃ کا سال مکمل ہوجائے، تو چونکہ اس بقیہ رقم کو ادا کرنا حولان حول کے وقت بھی ضروری ہے، اس لئے شامی کی تصریح:

بخلاف ما إذا حال الحول وهو مستحق الصرف إليها. (شامی، زکریا ۱۷۹/۳، کراچی ۲۶۲/۲)

کے پیش نظر زکوٰۃ لازم نہیں ہونی چاہئے، ممکن ہے کہ علامہ شامیؒ کی بیان کردہ عبارت کے سمجھنے میں بندہ غلطی کررہا ہو، یا مسئلہ مبحوث فیہا پر اس کا انطباق درست نہ ہو اس لئے جناب والا سے درخواست ہے کہ کچھ توجہ منعطف فرما کر دونوں گذارشات کے سلسلہ میں بندہ کی رہنمائی فرما کر ممنون ہوں؟

المستفتي: بندہ عبدالرشید عفی عنہ نعمانی، بمبئی ایسٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) پرائیویٹ ٹور والوں کے پاس پیسہ جمع ہوجانے کے بعد جب تک پیسوں کی آسانی سے واپسی کا اعتماد باقی رہے، اس وقت تک اس پیسہ پر زکاۃ کا حکم لاگو ہوگا اور واپسی کا اعتماد ختم ہوجانے کے بعد وہ پیسہ خرچہ میں شمار ہوجائیگا۔

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي وإن كان قصده الإنفاق منه أيضا لعدم استحقاق صرفه إلىٰ حوائجه الأصلية وقت حولان الحول. (شامی، کتاب الزكوٰة، مطلب في زكوٰة ثمن المبيع وفاءً كراچی ۲/۲۶۲، زكريا ۳/۱۷۹)

(۲) جس شخص نے پرائیویٹ ٹور والوں کو نصف رقم دیدی ہے اور بقیہ نصف رقم دینی باقی ہے، اور پرائیویٹ ٹور والوں نے ان کے ٹکٹ اور ہوٹل بکنگ وغیرہ کروادیئے ہیں تو مابقیہ رقم حاجی یا سیاحی پر قرض ہوگئی جس کا اسے پرائیویٹ ٹور والوں کو ادا کرنا لازم ہے، اور ضروری ہے اس لئے اس بقیہ رقم پر زکاۃ واجب نہ ہوگی۔

عن السائب بن يزيد، قال: سمعت عثمان يخطب وهو يقول: إن هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤده، ثم ليؤد زكاة مافضل. (مصنف عبد الرزاق، الزكاة، باب الزكاة إلا فى فضل، المجلس العلمى ٤/٩٢، رقم: ٧٠٨٦)

ومهنا الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كالصداق، قبل القبض أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكاة. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتهاوشرائطها زكريا ١/١٧٢، جديد ١/٢٣٣)

فارغ عن الدين والمراد دين له مطالب من جهة العباد سواء كان الدين لهم أو لله تعالىٰ. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت ١/٢٨٦، مصرى قديم ١/١٩٣، شامى، كتاب الزكاة، مطلب الفرق بين السبب والشرط

والعلة زكريا٣/١٧٦، كراچی ٢/ ٢٦٠، هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب فی تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا١/١٧٣، جديد١/٢٣٤، عنايه ٢/ ١٦٠، خانيه ١/ ٢٥٥، جديد ١/ ١٥٧، البحر الرائق، كتاب الزكاة ، فصل فی مال التجارة٢/ ٢٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۱۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۴/۲۹ھ

گروپ لیڈر کے پاس جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال [۴۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ گروپ کے ذریعہ حج پر جانیکا ارادہ ہے گروپ لیڈر رمضان کے بعد کارروائی شروع کریگا، لیکن اس نے حاجی سے رجب میں روپیہ وصول کر کے جمع کرلیا ہے، اگر اتفاقاً منظوری نہ ہوئی تو ساری رقم واپس آجائیگی اور گروپ لیڈر کے پاس نصف شوال تک یہ رقم محفوظ رہتی ہے، اور حاجی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ پروگرام کینسل کر کے روپیہ واپس لے لے تو ان روپیوں پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گروپ لیڈر کے پاس جمع شدہ رقم ابھی حج کی ضروریات میں خرچ نہیں ہوئی ہے، اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آچکا ہے، اور اس جمع شدہ رقم کا واپس لینا ممکن ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر وہ رقم گروپ لیڈر کے پاس نہ ہو اس نے حج کی کارروائی میں لگادی تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

لو دفع إلی إنسان ودیعة ثم نسی المودع فإن کان المدفوع إلیه من معارفه فعلیه الزکوٰة. (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، الشرائط التی ترجع إلی المال زکریا٢/ ٨٩)

لا تجب الزکوٰة إلا بثلاث شرائط کمال النصاب وحولان الحول

والتمكن في الأداء . (مبسوط سرخسي ، كتاب الزكاة، وفيه زكاة الإبل ، دارالكتب العلميه بيروت٢ /١٧٤)

إذا أمسكه لينفق فيه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب ، فإنه يزكي ذلك الباقي وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل ، لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول. (شامي، كتاب الزكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً زكريا٣/ ١٧٩، كراچی ٢/ ٢٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۶/۳ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۵۳)

حج کمیٹی کی واپس کردہ رقم کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے اپنی حج کی پوری رقم زکوٰۃ کا حساب لگانے سے پہلے حج کمیٹی آف انڈیا کو بھیج دی تھی، لیکن حج پر جانے سے پہلے بیماری کی وجہ سے کینسل کی درخواست دیدی اب جب ہماری یہ رقم حج کمیٹی واپس کرے گی تو کیا اس پر سال آئندہ زکوٰۃ آئے گی، یا جو رمضان گذر رہا ہے اسی کی زکوٰۃ دی جائے گی ، اس سلسلہ میں تفصیل سے وضاحت فرمادیں؟ امسال بھی اور ہر سال حج پر جانے والوں کے سامنے زکوٰۃ کے یہ مسائل پیش آتے ہیں؟

المستفتي: حجاج کرام، حلقہ نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب یہ رقم واپس ہوجائیگی تو پوری کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہوجائیگی۔ (مستفاد: انوار مناسک/۱۶۰، ۱۶۲)

إذا أمسكه لينفق فيه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه

نصاب ، فإنه يزكى ذلك الباقي وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل ، لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول. (شامی، کتاب الزکاۃ ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاءً زکریا۳/ ۱۷۹، کراچی ۲/ ۲٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸رشوال ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۲۹ھ

مال حرام پر زکوٰۃ اور حج کا حکم

سوال: [۴۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض اوقات کسی شخص کے پاس مال حرام اس مقدار میں جمع ہوتا ہے، کہ حج کو کافی ہو مگر یہ سمجھتا ہے، کہ یہ تو مال حرام ہے، اس میں حج کرنا اور بھی زیادہ برا ہے، اور مال حلال میرے پاس ہے نہیں اس لئے میرے ذمہ حج فرض نہیں اور یہ ہی خیال بعض لوگوں کا زکوٰۃ میں بھی ہے، پس یہ لوگ نہ حج کرتے ہیں، نہ زکاۃ دیتے ہیں، سوخوب سمجھ لینا چاہئے کہ مدار فرضیت حج وزکاۃ خاص مقدار مال کا مالک ہونا ہے، اس کے حلال ہونے کا فرضیت میں دخل نہیں اسلئے ایسے شخص کے ذمہ حج اور زکاۃ دونوں فرض ہیں، اس مسئلہ کا حکم بیان فرمائیں۔

المستفتي: محمد شریف، مسلم فنڈ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : مال حرام پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے، اس میں سے چالیسواں حصہ نکال کر کے زکاۃ کے نام پر دینا درست نہیں ہے اور مال حرام کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے کسی بھی عنوان سے وہاں واپس کردیا جائے، اور اگر واپسی کے لئے کوئی راستہ نہ ہو تو ایسی مجبوری میں کل کا کل بغیر نیت ثواب نادار فقیروں میں تقسیم کردینا واجب ہے، اور زید کا یہ کہنا کہ مال حرام سے زکاۃ نکالی جائے درست نہیں ہے۔

وإن لم يكن له سواها نصاب فلا زكاة عليه فيها ، وإن بلغت نصاباً لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكاة عندنا. (شامی، کتاب الزکوٰۃ ، باب الزکوٰۃ الغنم، مطلب فی التصدق من مال الحرام زکریا۳/۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۱، منحۃ الخالق علی البحرالرائق، کتاب الزکوٰۃ ، کوئٹہ ۲/۲۰۵،زکریا۲/۳٦۰، الفتاویٰ التاتار خانیہ، کتاب الزکوٰۃ ، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزکوٰۃ زکریا۳/۳۳۳، رقم: ۴۲۱۸)

لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكاة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه و مثله فى البزارية قال فى الشرنبلالية: وبه صرح فى شرح المنظومة : ويجب عليه تفريغ ذمته ، برده إلىٰ أربابه إن علموا وإلا إلىٰ الفقراء . (منحة الخالق علی البحرالرائق، کتاب الزکوٰۃ ، کوئٹہ ۲/۲۰۵، زکریا ۲/۳۵۹، ۳٦۰، ومثله فی الطحطاوی علی الدر ، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنم ، کوئٹہ۱/۴۰۴)

اور مال حرام سے حج کرنا بھی جائز نہیں ہے، لیکن اگر حج کو جائے گا اور مکہ معظمہ پہونچ کر کے وقوف عرفہ اور طواف زیارت ، وقوف مزدلفہ، رمی جمرات اور سعی وغیرہ کرلیتا ہے، تو فریضہ حج اس کے اوپر سے ساقط ہوجائے گا، مگر عنداللہ مقبول نہیں ہوگا ، اور زکاۃ اور حج میں فرق یہ ہیکہ کہ زکاۃ خالص مالی عبادت ہے اس لئے سرے سے اس کی زکاۃ ادا ہی نہیں ہوتی ہے اور حج اصلاً بدنی عبادت ہے مگر مکۃ المکرّمہ تک رسائی کے لئے زادِ راہ اور مال بھی لازم ہو جاتا ہے، لہذا حج میں مال ثانوی درجہ میں ہے، اور ادائے نسک اولی درجہ میں ہے جو بغیر مال کے بھی ادا ہو جاتا ہے، جیسا کہ اگر کوئی مکہ کا رہنے والا پیدل حج کرلیتا ہے، تو بلا شبہ حج ادا ہو جاتا ہے، اس میں مال کی ضرورت نہیں پڑتی تو اس لئے اگر مال حرام کے ذریعہ سے مکہ تک رسائی ہوجائے پھر اس کے بعد ارکان حج وہ ادا کرلیتا ہے، تو فریضہ حج ساقط ہوجائیگا، مگر مال حرام کے ذریعہ سے وہاں تک رسائی کی وجہ سے اس کا حج قبول نہیں ہوگا، اب اس تفصیل سے زکاۃ اور حج کے درمیان فرق سمجھ میں آ گیا ہوگا،

اورسائل کا یہ کہنا کہ فرضیت حج وزکاۃ دونوں کا مدار خاص مقدار مال کا مالک ہونا ہے، چاہے مالِ حرام ہو یا حلال درست نہیں ہے۔

وقدرة زادٍ وراحلة .... فلا تجب بإباحة ولا بمالٍ حرام لكن لو حج به جاز لأن المعاصى لاتمنع الطاعات ، فإذا أتى بها لا يقال إنها غير مقبولة.

(الدر المنتقىٰ ، كتاب الحج، ١/٣٨٥، ٣٨٦)

يجب عليه أن يهيء الزاد ونفقة الطريق من وجه حلالٍ ويحذر الحرام. (المسالك فى المناسك بيروت ١/١٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۹ر محرام الحرام ۱۴۳۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۰۲)	۱۹/۱/۱۴۳۵ھ

مالِ حرام کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماہ نامہ ندائے شاہی شمارہ مئی ۹۳ء میں رشوت اور مال حرام کی زکوٰۃ کے مسئلہ سے ایک مسئلہ اور ذہن میں آیا بلکہ سالوں سے اسپر غور تھا، بینک کے سود کی اگر وضاحت ہو جائے تو بہتر تھا، جو لوگ بینک میں رقم جمع کر کے ایف ڈی کرا لیتے ہیں، اور وہ رقم دوگنی اور پھر تین گنی ہو جاتی ہے، اسپر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ بیاج والی رقم پر واجب ہے یا اصل رقم پر؟

المستفتي: محمد یونس، امام جامع مسجد، احمد گڈھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بینک کی سودی رقم اور ایف ڈی اور جیون بیمہ وغیرہ میں جو اضافہ سود ملتا ہے، وہ سب مال حرام ہیں اور انسان اس قسم کی رقموں کا مالک نہیں ہوا کرتا ہے، اور وجوب زکوٰۃ کے لئے ملک تام شرط ہے، اس لئے ایسی رقموں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوا کرتی بلکہ پوری کی پوری بلانیت ثواب صدقہ کر دینا واجب ہے۔

لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوٰة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه. (شامی، کتاب الزکوٰة، باب زکوٰة الغنم، قبيل مطلب فی التصدق من مال الحرام زکریا ۳/۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۲/۱۴۱۴ھ

مال حرام میں زکوٰة کا حکم

سوال: [۴۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات زکاة نہ دینے کا یہ عذر کرتے ہیں، کہ صاحب ہمارا مال تو حلال کا ہے نہیں اور حرام مال میں زکاة ہی نہیں سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مسئلہ حرام مال میں زکاة نہیں علی الاطلاق غلط ہے حرام مال جب اپنے مال میں مل گیا وہ ملک میں داخل ہو گیا گو ملک خبیث ہی ہو اور وجوب زکاة کیلئے ملک ہونا شرط ہے طیب ہونا شرط نہیں؟ البتہ طیب ہونا مقبولیت کی شرط ہے، سو زکاة واجب ہوگی گو مقبول نہ ہوگی؟

رہا یہ کہ جب قبول نہ ہوگی تو دینے سے کیا فائدہ جواب یہ ہے کہ نہ دینے سے جو عذاب ہوتا ہے، اس سے محفوظ رہے گا اور قبول نہ ہونے سے عذاب نہیں ہوتا بلکہ ثواب سے محرومی رہتی ہے، تو کیا عذاب نہ ہونا اور ثواب نہ ہونا دونوں ایک بات ہیں ہر گز نہیں البتہ جو کسب حرام کا عذاب ہے وہ الگ ہے اس کی نفی نہیں کی جاتی لیکن نہ دینے سے دو عذاب کا استحقاق ہوگا کسب حرام کا الگ اور زکاة نہ دینے کا الگ اور اب زکاة دینے کے بعد ایک ہی ہوگا تو کیا یہ دونوں بھی یکساں ہیں ہر گز نہیں کیا یہ بیان کردہ مسئلہ صحیح ہے؟

المستفتي: محمد شریف، مسلم فنڈ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مال حرام پر زکاة واجب ہی نہیں ہے، اس میں سے

چالیسواں حصہ نکال کر کے زکاۃ دینا درست نہیں ہے، اور مال حرام کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے کسی بھی عنوان سے وہاں واپس کردیا جائے، اوراگر واپسی کیلئے کوئی راستہ نہ ہوتو ایسی مجبوری میں کل کا کل مال بغیر نیت ثواب نادار فقیروں میں تقسیم کردینا واجب ہے اور زید کا یہ کہنا کہ حرام مال میں زکاۃ نہیں علی الاطلاق غلط ہے درست نہیں ہے۔

لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوٰة ؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه، ومثله في البزازية قال في الشر نبلا ليه وبه صرح في شرح المنظومه ويجب عليه تفريغ ذمته برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلىٰ الفقراء. (منحة الخالق على البحرالرائق ، كتاب الزكوٰة ، زكريا۲/۳۵۹، ۳۶۰، كوئٹه۲/۲۰۵، وهكذا في شامي، كتاب الزكوٰة، باب زكوٰة الغنم ، قبيل مطلب في التصدق من المال الحرام زكريا ديوبند۳/۲۱۸، كراچى ۲/۲۹۱، الفتاویٰ التاتارخانية ، كتاب الزكوٰة الفصل العاشر في بيان مايمنع وجوب الزكوة زكريا ۳/۲۳۳، رقم: ۴۲۱۸)

ولو بلغ المال الخبيث نصاباً لا يجب فيه الزكاة لأن الكل واجب التصدق. (بزازيه على هامش الهنديه، كتاب الزكوٰة ، نوع آخر رجلان دفع كل منهما زكاة ماله إلى واحد زكريا ۴/۸۶، جديد ۱/۵۸)

إنما لا يقبل الله المال الحرام لأنه غير مملوك للمتصدق وهو ممنوع من التصرف فيه الخ. (عمدة القارى ۸/۲۶۹، فتح البارى ۳/۳۷۸)

أما إذا لم يكن له مال وغصب أموال الناس وخلطها ببعضها فلا زكاة عليه ويجب عليه تفريغ ذمته برده إلى أربابه إن علموا وإلا إلىٰ الفقراء .

(طحطاوى على الدر المختار ، كتاب الزكوٰة ، باب زكوٰة الغنم ، كوئٹه۱/۴۰۴)

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث -إلى- ولا يمكنه أن يرده إلىٰ مالكه ، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه ، فليس لهٗ حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء. (بذل ، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء ، دارالبشائر الإسلاميه ۱/۳۵۹،

سهارن پور قدیم ۱/ ۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱/۱۴۳۵ھ

رشوت اور مال حرام کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ مال جو کسی شخص کے قبضہ میں بطور حرام آتا ہے، مثلاً رشوت کا مال بینک کا سود وغیرہ اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اسلامی، پٹنہ (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سود اور مالِ رشوت اور مال حرام کا قابض شرعی طور پر مالک نہیں ہوتا ہے اور وجوب زکوٰۃ کیلئے ملکیت تامہ شرط ہے، اسلئے ایسے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۶، عزیز الفتاویٰ کراچی/۶۲ ۳، کفایت المفتی قدیم ۴/۲۴۲، جدید زکریا ۴/ ۲۵۶، جدید زکریا مطول ۶/ ۱۵۳)

وفي القنية لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوٰة لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه الخ. (شامی کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الغنائم زکریا ۳/ ۲۱۸، کراچی ۲/ ۲۹۱، بزازیه علی هامش الهندیه،

ترجمہ: یعنی مال حرام اگر بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ نادار فقراء پر پورا کا پورا صدقہ کر دینا واجب ہے، اور اس کے بعض حصہ کا تصدق کافی نہیں ہے۔

کتاب الزکوٰۃ، نوع آخر رجلان دفع کل منهما زکاة ماله إلى واحد زکریا ٤/ ٨٦، جدید ١/ ٥٨)

اور ایسے مال کے بارے میں حکم شرعی اور واجب یہی ہے کہ پورا مال اصل مالک کو واپس کردیا جائے اور اگر اصل مالک تک رسائی ممکن نہ ہوتو بلانیت ثواب نادار فقراء کو صدقہ کردینا واجب ہے۔(مستفاد: امداد المفتیین کراچی/ ۴۵۵)

صرح الفقهاء بأن من اكتسب مالاً بغير حق فإما أن يكون كسبه بعقد فاسد كالبيوع الفاسدة والاستئجار على المعاصي والطاعات أو بغير عقد كالسرقة والغصب والخيانة والغلول ففي جميع الأحوال المال الحاصل له حرام عليه ولكن إن أخذه من غير عقد لم يملكه ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء.

(بذل المجهود، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، دار البشائر الإسلاميه

ترجمہ: یعنی حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ جو شخص بغیر حق کے کوئی مال حاصل کرے جیسا کہ بیوع فاسدہ، اجارہ فاسدہ، اور معصیت اور ممنوع الاجارہ طاعات سے حاصل کرتا ہے، تو تمام صورتوں میں حاصل شدہ مال اس پر حرام ہے وہ اس کا مالک نہیں ہوتا ہے، اگر مالک مل جائے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے، ورنہ فقراء کو صدقہ کردینا واجب ہے۔

۱/۳۵۹، سهارن پور قديم ۱/۳۷، ومضمونه في الشامي، كتاب الزكوٰة ، باب زكوٰة الغنم كراچی ۲/۲۹۱، زكريا ديوبند ۳/۲۱۸)

اگر حاصل شدہ مال حرام کے بارے میں قابض اصل مالک کو تاوان وغیرہ دیکر بری ہوجاتا ہے، یا اس سے صلح کرکے اس کو راضی کرلیتا ہے، تو ایسی صورت میں علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں، کہ قابض مقبوضہ مال کا مالک ہوجاتا ہے، اوراس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوجاتی ہے۔

لكن علمت أنه لاتجب زكوته إلا إذا استبرأمن صاحبه أو صالح عنه فيزول خبثه الخ. (شامی ،كتاب الزكوٰة ، باب زكوٰة الغنم زكريا ۳/۲۱۹، كراچی ۲/۲۹۱)

ترجمہ: یعنی لیکن آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ مال حرام پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے مگر جب قابض صاحب مال کو عوض وغیرہ دیکر براء ت حاصل کرلیتا ہے، یا اس سے صلح کرلیتا ہے، تو خبث اور حرمت ختم ہوجاتی ہے۔

اور اگر مال حرام کو قابض نے اپنے حلال مال کیساتھ مخلوط کردیا ہے، تو اسکی دو شکلیں ہیں، شکل نمبر ایک قابض کے پاس مال حرام کے علاوہ حلال مال بقدر نصاب یا اس سے زائد موجود ہو تو مال حرام کو مستثنیٰ کرکے بقیہ مال کی زکوٰۃ ادا کرنا اس پر واجب ہے شکل نمبر دو قابض کی ملکیت میں مال حرام کے علاوہ حلال مال بقدر نصاب موجود نہیں ہے۔

وإذا لم تتميز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوك لهٔ لاتجب عليه بمقدار المغصوب وتجب في الزائد. (تقريرات رافعي ، كراچی ۲/۱۳۲، زكريا ديوبند ۳/۱۳۲)

ترجمہ: جب مال حرام اور مغصوب کا مملوکہ نصاب سے مخلوط ہونے کی وجہ سے امتیاز نہ کرسکے تو مقدار مغصوب کو مستثنیٰ کرکے بقیہ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۴۰)

مال حرام کی زکوٰۃ کے بجائے پورا مال صدقہ کردینا لازم ہے؟

سوال: [۴۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس صرف حرام مال ہے، اور وہ یہ کہکر زکاۃ نہیں دیتا کہ مال حرام پر زکاۃ واجب ہی نہیں ہے، تو کیا واقعی مالِ حرام پر زکات واجب نہیں ہے؟ جبکہ دوسرا شخص کہتا ہے کہ اللہ کے یہاں مالِ حرام مقبول نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مالِ حرام کی زکاۃ نکالنے سے فریضہ ادا ہوجائیگا، اورکسب حرام کا گناہ الگ سے ہوگا، اورزکاۃ نہ دینے کی صورت میں زکاۃ نہ دینے کا گناہ بھی ہوگا، اگر زکاۃ دیدیگا، تو ایک ادا ہوجائیگا، مفتی صاحب بتایئے ان میں سے کس کی بات صحیح ہے، اور مال حرام پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: قاری احسان الحق قاسمی، سیتاپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مالِ حرام پر زکاۃ واجب نہیں ہے، اور مال حرام کا حکم یہ ہے کہ جہاں سے آیا ہے، وہاں واپس کردیا جائے، اوراگر واپسی ممکن نہ ہوتو سارا مال غریبوں میں بلانیت ثواب تقسیم کردیناواجب ہے۔

لو كان الخبيث نصاباً لا يلزمه الزكوٰة ؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه. (شامی، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الغنم، قبیل مطلب فی التصدق من مال الحرام زکریا۳/۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۱، منحة الخالق علی البحرالرائق، کتاب الزکوٰۃ، زکریا ۲/۳۵۹، کوئٹه ۲/۲۰۵)

من ملك أموالاً غير طيبة ٍ أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً ، وإن لم يكن له سواها نصابٌ فلا زكاة عليه في تلك الأموال ، وإن بلغت نصاباً . (تاتارخانية ، كتاب الزكوٰة ، الفصل العاشر في بيان

مایمنع وجوب الزکوٰۃ زکریا ۳/ ۲۳۳، رقم: ۴۲۱۸)

ولو بلغ المال الخبیث نصاباً لایجب فیه الزکاۃ؛ لأن الکل واجب التصدق. (بزازیه علی الهندیة، کتاب الزکوٰۃ، نوع آخر رجلان دفع کل منهما زکاۃ ماله إلیٰ واحد زکریا ۴/ ۸۶، جدید ۱/ ۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۸۳)

مخلوط مال میں حرام مال واپس کرنے کے بعد مابقیہ پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مولانا تھانویؒ کی کتاب اغلاط العوام میں ص/ ۱۲۸، و۱۴۲ پر ایک مسئلہ ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ڈرتے ڈرتے آپ کو ارسال کردیا، جس کا جواب (الف ۱۰/ ۱۱۳۹۵) مجھے مل چکا، کتاب اغلاط العوام اگر ہو تو دونوں مسئلوں کو دوبارہ دیکھ لیا جائے، شاید کاتب سے لکھنے میں غلطی ہوگئی ہو؟

المستفتي: شریف احمد، مسلم فنڈ، نجیب آباد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اغلاط العوام فی الحال ہمارے سامنے نہیں ہے، لیکن حضرت تھانویؒ کی بعض تحریر سے وہی بات مترشح ہوتی ہے، جو سائل نے پہلے سوال میں لکھی تھی لیکن امداد الفتاویٰ میں اصلاح تسامح کے عنوان سے اس کا تدارک فرمالیا ہے، کہ اگر سارا مال مال رشوت اور حرام کا ہے، تو پورا مال مالک کو واپس کردینا واجب ہے، اور اگر واپس نہ ہو سکے تو پورا مال بغیر نیت ثواب فقیروں کو دیدینا واجب ہے، اور اگر رشوت اور مال حرام حلال مال کے ساتھ مخلوط ہو چکا ہے، تو مقدار حرام مکمل واپس کردینا یا بلا نیت ثواب صدقہ کردینا واجب ہے، اور مقدار حلال اگر نصاب کے بقدر ہے تو اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی

اوراگر نصاب کے بقدر نہیں ہے تو اس کی زکوٰۃ دینا لازم نہیں ہے، اور امداد الفتاویٰ کے حاشیہ میں بھی اس بات کو واضح کردیا گیا ہے، اس لئے سائل کو اگر اغلاط العوام کی عبارت سے کچھ شبہ ہورہا ہو تو اس کا ازالہ ہوجانا چاہئے، اس لئے کہ اصل حکم شرعی یہی ہے جو ہم نے لکھ دیا ہے، ملاحظہ ہو۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۱۴-۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۲ھ

بقدر حلال پر زکوٰۃ - اور بقدر حرام واجب التصدق

سوال: [۴۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کے پاس حلال مال بھی ہے اور حرام بھی، حرام غالب ہے اور حلال مغلوب ہے اور دونوں مل چکے ہیں ایسی صورت میں اسکی زکاۃ کیسے نکالیں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس شخص کے حلال مال کے ساتھ حرام مال مخلوط ہوجائے حرام مال غالب اور حلال مغلوب ہو نیز حلال بقدر نصاب بھی نہ ہو تو اس مال میں زکاۃ واجب نہ ہوگی اور جو مقدار حرام کی ہے اس کا کل مال واجب التصدق ہے، اور اگر حلال بقدر نصاب ہے تو صرف اس حلال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۸۶، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۳۳۱، محمودیہ میرٹھ ۱۴/۳۳)

ولـذا قـالـوا: لو أن سلطانا غصب مالاً وخلطه صار ملكا له حتى وجبت عليه الزكاة وورث عنه على قول أبي حنيفة لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاك. (البحرالرائق، کتاب الزکوٰۃ، زکریا ۲/ ۳۵۹، کوئٹہ ۲/ ۲۰۵)

لوخلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه لأن الخلط استهلاك - وهذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل

عنه يوفى دينه ، وإلا فلا زكاة كمالو كان الكل خبيثا. (درمختار ، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنم کراچی ۲/ ۲۶۰، ۲۶۱، زکریا۳/۲۱۷)

لو بلغ مال الخبث نصابا لا يجب فيه الزكاة ، لأن الكل واجب التصدق . (بزازیه علی هامش الهندیه، ، کتاب الزکوٰۃ ، نوع آخر رجلان دفع کل منهما زکاة ماله إلیٰ واحد زکریا ۱/۸۶،جدید۱/ ۵۸)

من ملك أموالا غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامنا ، وإن لم يكن سواها نصاب فلا زكاة عليه فى تلك الأموال، وإن بلغت نصاباً لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سببا لو جوب الزكاة عندنا..... لا بد أن يكون معه نصاب زائد على مايوفى دينه لأن ماكان مشغولاً بالدين لا زكاة فيه ، وإنما يزكى مازاد عليه إذا بلغ نصاباً..... وعلى هذا فلم تجب عليه زكاة ما غصبه بل الزكاة ماله الزائد عليه. (منحة الخالق ، کتاب الزکوٰۃ ، زکریا ۲/ ۳۶۰، کوئٹه۲/ ۲۰۵، شامی، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنم زکریا۳/۲۱۷، کراچی ۲/۲۹۱)

وإذا لم تتميز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوك له لا تجب عليه بمقدار المغصوب وتجب فى الزائد. (تقریرات رافعی کراچی ۲/ ۱۳۳، زکریا۳/ ۱۳۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۱۶/۴۰)

حرام وحلال برابر ہوتو زکوٰۃ کیسے نکالیں؟

سوال: [۴۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حلال مال غالب ہے حرام مال مغلوب ہے یا دونوں برابر ہیں تو ایسی صورت میں اس مخلوط مال کی زکاۃ

کیسے نکالیں گے؟ مفصل جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب حلال مال غالب اور حرام مغلوب ہو یا دونوں برابر ہوں اور حلال مال بقدر نصاب ہوتو حلال مال سے زکاۃ نکالنا لازم ہوجائیگا، اور بقدر نصاب نہ ہوتو زکوٰۃ لازم نہیں؟ اور حرام حصہ کل کا کل صدقہ کردینا لازم ہوگا؟

لوخلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه لأن الخلط استهلاک – وهذا إذاكان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه. (شامی ، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنائم زکریا۳/ ۲۱۷،کراچی ۲/ ۲۹۱)

لو أن سلطانا غصب مالا وخلطه صار ملكاله حتى وجبت عليه الزكاة– لأن خلط دراهمه بدراهم غيره عنده استهلاک . (البحرالرائق، کتاب الزکاۃ ، زکریا ۲/ ۳۵۹، کوئٹہ ۲/ ۲۰۵)

من ملک أموالا غير طيبة أو غصب أموالاً وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامناً ، وإن لم يكن سواها نصاب فلا زكوٰة عليه فيها، وإن بلغت نصاباً لأنه مديون ومال المديون لا ينعقد سبباً لوجوب الزكوٰة عندنا.

(شامی، کتاب الزکوٰۃ ، باب زکوٰۃ الغنائم کراچی ۲/ ۲۹۱، زکریا۳/ ۲۱۸)

لكن لابد أن يكون معه نصاب زائد على مايوفى دينه لأن ماكان مشغولا بالدين لا زكاة فيه وإنما يزكى مازاد عليه إذا بلغ نصاباً – وعلىٰ هذا فلم تجب عليه زكاة ما غصبه بل زكاة ماله الزائد عليه. (منحۃ الخالق ، کتاب الزکاۃ ، کوئٹہ۲/ ۲۰۵، زکریا۲/ ۳۶۰)

فأفاد بقوله : وإن لم يكن لها سواها نصاب الخ، إن وجوب الزكاة مقيد بما إذا كان له نصاب سواها– لكن لا يخفى أن الزكاة حينئذ إنما تجب فيما زاد عليها لا فيها. (شامی، کتاب الزکاۃ ، باب زکوٰۃ الغنائم

زکریا۳/۲۱۸، کراچی ۲/۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۲۰/۴۰)

حلال کو حرام سے الگ کر کے زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حرام مال غالب ہو اور حلال مغلوب ہو اور حلال مال نصاب کے بقدر ہو جب دونوں مخلوط ہو جائیں، تو زکوٰۃ کیسے نکالی جائیگی، اتنا تو معلوم ہے کہ حلال مال نصاب کے بقدر ہے لیکن مقدار کا صحیح علم نہیں تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کیسے نکالی جائیگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شخص کے پاس حرام وحلال دونوں طرح کے مال ہوں دونوں میں اختلاط ہو گیا ہو اور حلال مال بقدر نصاب یا اس سے زائد ہے تو ایسی صورت میں حلال مال کو حرام سے علیحدہ کر کے اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی، اور اس کی مقدار میں تحری کر کے قلب کے رجحان کے مطابق زکوٰۃ نکالنی ہوگی۔

وإذا لم تتميز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوک لهٗ لاتجب عليه بمقدار المغصوب وتجب فی الزائد. (تقریرات رافعي، کراچی ۲/۱۳۲، زکریا دیوبند ۳/۱۳۲)

لابد أن يكون معه نصاب زائد على مايوفي دينه لأن ما كان مشغولا بالدين لا زكوٰة فيه، وإنما يزكي ما زاد عليه إذا بلغ نصاباً.... وعلى هذا فلم تجب عليه زكوٰة ما غصبه بل زكوٰة ماله الزائد عليه. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الزكوٰة زكريا ۲/۳٦۰، کوئٹه ۲/۲۰۵)

إن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً بالفراغة من الحاجة . (هدايه، كتاب الزكوٰة ، اشرفيه ديوبند ١/ ١٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۸۶)

حلال مال، حرام کے مقابلہ میں مغلوب ہو اور بقدر نصاب ہو تو زکوٰۃ کیسے؟

سوال: [۴۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حرام مال غالب اور حلال مغلوب ہے اور حلال جو مغلوب ہے وہ بھی بقدر نصاب ہے، اور دونوں مخلوط ہو گئے ہیں، تو ان کی زکوٰۃ کس طرح نکالی جائیگی؟ اتنا معلوم ہے کہ حلال مال بقدر نصاب یا اس سے زائد ہے، لیکن صحیح طور پر مقدار معلوم نہیں ہے، تو اس صورت میں اسکی زکوٰۃ کیسے نکالیں گے؟ جواب سے نوازیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حرام مال غالب اور حلال مغلوب ہو لیکن حلال مال بقدر نصاب ہو تو حلال مال کی زکوٰۃ حرام مال سے الگ کر کے ادا کرنا واجب ہے، اور حلال کی مقدار میں تحری کر کے رجحان قلب کے مطابق زکوٰۃ نکالی جائیگی ، اور حرام مال کل کا کل بلانیت ثواب صدقہ کر دینا لازم ہے۔ (مستفاد: جدید فقہی تحقیقات نعیمیہ دیوبند ۶/ ۳۴۴)

لابد أن يكون معه نصاب زائد على مايوفي دينه لأن ما كان مشغولا بالدين لا زكوٰة فيه ، وإنما يزكى ما زاد عليه إذا بلغ نصاباً.... وعلى هذا فلم تجب عليه زكوٰة ما غصبه بل زكوٰة ماله الزائد عليه . (البحرالرائق، كتاب الزكوٰة زكريا ٢/ ٣٦٠، كوئٹه ٢/ ٢٠٥)

إن وجوب الزكاة مقيد بما إذا كان له نصاباً سواها لكن لا يخفى أن الزكاة حينئذٍ إنما تجب فيما زاد عليها. (شامى ، كتاب الزكوٰة ، باب زكوٰة الغنم ،

زکریا ۳/ ۲۱۸، کراچی ۲/ ۲۹۱)

وإذا لم تتميز الأموال المغصوبة عن النصاب المملوک لہٗ لاتجب علیہ بمقدار المغصوب وتجب فی الزائد. (تقریرات رافعي ، کراچی ۲/ ۱۳۲، زکریا دیوبند ۳/ ۱۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ /محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۷)

مالِ مغصوب کی زکاۃ کس پر واجب ہے

سوال: [۴۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپئے لئے اور دوسال کے بعد صرف ایک لاکھ روپئے واپس کئے اور پچاس ہزار روپیہ دینے سے انکار کردیا تو اس صورت میں ایک لاکھ روپیہ کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ اور بقیہ کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایک لاکھ روپیہ جو وصول کیا ہے، اسپر زمانہ گذشتہ کی زکوٰۃ مالک (بکر) پر واجب ہوگی اور پچاس ہزار روپیہ جسکے دینے سے صاف انکار کردیا ہے اور بکر کو وصول کرنیکی کوئی صورت نہیں ہے، اور زید کے ہاتھ میں ان روپیوں پر سال گذر چکا ہے، تو اس کی زکوٰۃ زید پر واجب رہے گی، اور زید سخت گنہگار بھی ہوگا، کیونکہ وہ غاصب کے حکم میں ہوگیا۔

ولو اغتصب رجل ألفاً من رجل فجاء آخر واغتصب الألف من الغاصب (إلی قولہ) فحال الحول علی مال الغاصبین کان علی الغاصب الأول زکوٰۃ ألفہ. (ہندیہ، کتاب الزکوٰۃ، الباب الأول في تفسیرہا وصفتہا

وشرائطهازکریا ۱/۱۷۳، جدید ۱/۲۳۵، البحر الرائق، کتاب الزکوٰۃ، زکریا ۲/۳۵۹، کوئٹه ۲/۲۰۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۵/۳ھ
(الف فتویٰ رجسٹر خاص)

وقف شدہ معقول فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہیں

سوال: [۴۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سائل کے پاس وقف کا معقول فنڈ ہے جو کہ اس نیت سے جمع کیا گیا ہے، کہ خدانخواستہ اگر وقف پر کوئی قانونی ادبار آئے تو اس سے قانونی طور پر مقابلہ آرائی کیلئے سرمایہ ہونے پر ہی لڑا جا سکتا ہے، تو ایسی صورت میں اس پر زکوٰۃ ہوتی ہے یا نہیں؟ میرے پاس عزت دار مسلمان ضرورت مند قرض خواہ آتے ہیں، تو اسی رقم میں سے بطور ضمانت زیور رکھکر ان کی ضروریات بغیر کسی مادی منافع کے حل کر دی جاتی ہیں، وقت معینہ پر وہ لوگ رقم واپس دے جاتے ہیں، اور اپنی چیز واپس لے جاتے ہیں، میرے ذہن میں صرف ایک خیال یہی رہتا ہے، کہ یہ شخص ضرورت پوری نہ ہونے پر کسی سودی کاروباری کے پاس جائے گا یہ بہت ہی نقصان کا سبب بنے گا، مجھے دراصل یہ پتہ کرنا ہے، کہ شرع میں اس عمل کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ جواب سے سرفراز فرمائیں؟ نوازش ہوگی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سائل کے پاس وقف کا جو معقول فنڈ ہے وہ بقدر نصاب ہونے اور سال گذرنے کے باوجود اس میں زکوٰۃ واجب نہیں اسلئے کہ زکوٰۃ انسان کی ملکیت پر واجب ہوتی ہے، اور وقف کی مالیت انسان کی ملکیت نہیں ہوتی ہے، اسلئے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

ومنها الملک فلا تجب الزکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک . (بدائع الصنائع ، کتاب الزکاۃ ، الشرائط التی ترجع إلی المال کراچی قدیم ۲/۹، زکریا ۲/۸۸، شامی ، کتاب الزکاۃ ، قبیل باب نصاب الإبل زکریا دیوبند۳/۱۹۹، کراچی ۲/۲۵۹)

جب مجبوریوں اورضرورتوں کی بناپرآپ قرض دیناچاہتے ہیں، تو آپ اپنی جیب خاص سے دیں مال وقف میں سے دینے کی صورت میں آپ خائن ہونے کی وجہ سے مستحق تولیت بھی باقی نہ رہیں گے۔

وفی البزازیه : إن عزل القاضی للخائن واجبٌ علیه ومقتضاه الإثم بترکه . (مجمع الأنهر ، کتاب الوقف ، دارالکتب العلمیه بیروت ۲/۶۰۲، قدیم مصری ۱/۷۵٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۷۹)

مدارس، مساجد، قومی ورفاہی فنڈ کے مال پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس مال کا کوئی مالک معین نہ ہو جیسے مدارس اور اداروں میں جمع ہونے والی رقم ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدارس اسلامیہ اور مساجد اور دیگر قومی اور رفاہی فنڈ بیت المال وغیرہ شخص حقیقی نہیں ہے، بلکہ یہ سب اشیاء اشخاص حکمی میں شامل ہیں، اور اسلامی شریعت نے زکوٰۃ کا فریضہ شخص حقیقی کی ملکیت تامہ پر واجب کیا ہے، اور شخص حکمی کی

ملکیت پر واجب نہیں کیا ہے، اسلئے مساجد مدارس قومی فنڈ اور بیت المال وغیرہ کی ملکیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف وخيل المسبلة لعدم الملك وهذا لأن في الزكوٰة تمليكا والتمليك في غير الملك لا يتصور الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، الشرائط التي ترجع إلىٰ المال زكريا ٨٨/٢، كراچی ٩/٢،الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة الإبل، دارالكتاب ديو بند/١٤٢)

وقف کے جانور اور رفاہی گھوڑے میں شخص حقیقی کی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسلئے کہ وجوب زکوٰۃ کیلئے کسی شخص کو مالک بنا دینا شرط ہے، اور غیر کی ملکیت میں تملیک متصور نہیں ہے۔ فقط **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۳۹)

صاحب نصاب طالب علم پر زکوٰۃ کا وجوب

سوال: [۴۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید طالب علم ہے، صاحب نصاب بھی ہے، تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے، قربانی کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد زبیر، مومن داس، پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اگر صاحب نصاب ہے، تو اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، اور قربانی بھی واجب ہے، اگر چہ وہ طالب علم ہی کیوں نہ ہو۔

وشرط افتراضها عقل وبلوغ وإسلام وحرية (إلىٰ قوله) و سببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام فارغ عن دين (إلىٰ قوله) وعن

حاجته الأصلية الخ. (الـدر الـمختار مع الشامی، كتاب الزكاة زكريا ۳/۱۷۳، ۱۷٤، كراچی ۲/۲۵۸، ۲۵۹)

الأضـحية واجبة عـلـى حـر مسـلـم مقيم موسر فی يوم الأضحی عن نفسه الخ. (هدايه ، كتاب الأضحية ، اشرفی بكڈپور ديوبند ٤/٤٤٣، قديم ٤/٢٢٧)

وشـرائـطهـا الإسـلام والإقامة واليسار الذی يتعلق به وجوب صدقة الفطر الخ. (الدر المختار مع الشامی، كراچی ٦/٣١٢)

ومـلـک نصاباً يجب عليه الأضحية. (عـالمگيری كتاب الأضحية ، الباب الأول فـی تـفسيـرهـا، وأركـانهـا وصـفتها وحكمها ، فی بيان من تجب عليه ومن لاتجب زكرياو كوئٹه ٥/٢٩٢، جديد ١/٣٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۷۱/۲۵)

پرائیویڈنٹ فنڈ پرزکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ضلع پریشد کے پرائمری اسکول میں ایک معلم کی حیثیت سے کام کررہا ہوں نوکری کے دوران ہم پر حکومت کی جانب سے ضلع پریشد فنڈ کھولنے کو ضروری قرار دیا جاتا ہے، اس فنڈ کے کھاتے میں ہم کو اپنی تنخواہ کا چھ فی صد حصہ جمع کرانا پڑتا ہے، اس جمع ہونے والی رقم پر حکومت سود بھی دیتی ہے جو کہ ہمارے فنڈ کے کھاتے پر جمع ہوجاتا ہے، اسی طرح ہم اپنی مرضی سے چھ فیصد سے زائد رقم بھی جمع کرتے ہیں، اس طرح جو بھی رقم سال بھر میں جمع ہوتی ہے، اسپر سود اور ایک سال سے پہلے جتنی رقم جمع ہے جس میں پچھلا سود بھی ہوتا ہے، سب کو ملا کر پھر سود دیتی ہے، یعنی سود مرکب کی شکل ہوجاتی ہے، اس جمع شدہ رقم کا ایک تہائی حصہ ضرورت پڑنے پر حکومت سے حاصل کیا جاسکتا ہے، جو دو طریقہ سے حاصل ہوتا ہے۔(۱) جتنا روپیہ آپ حکومت سے حاصل کر

رہے ہیں، وہ بطور قرض لیا جائے اور قسط وار دوبارہ اپنے کھاتے پر جمع کر دیا جائے۔

(۲) جتنا روپیہ لے رہے ہیں، وہ واپس نہ کیا جائے، اسی طرح جب حکومت کوئی کمیشن مقرر کرتی ہے، تو اس دوران تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے، اس میں حکومت کچھ رقم ادا کرتی ہے، اور کچھ کھاتے میں جمع کر دیتی ہے، لہٰذا ایسی تمام رقم پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ سود کی رقم کا کیا حکم ہے؟ ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ کا حساب کس طرح کیا جائے گا؟ چھ فیصد یا اس سے زیادہ رقم جو ہر مہینہ فنڈ میں جمع کی جاتی ہے، اس پر زکوٰۃ دی جائیگی؟

المستفتي: فاروقی مجیب الرحمٰن، مؤمن پورہ، ایولہ، ضلع: ناسک

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اسی فنڈ کے بینک سے تنخواہ ملتی ہے، اور تنخواہ لیتے وقت چھ فیصد حصہ وضع کر لیا جاتا ہے، تو ملازم کو اس چھ فیصد پر ملک تام حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اس چھ فیصد کی زکوٰۃ دینا ملازم پر لازم نہیں اور چھ فیصد وضع شدہ رقم پر جو اضافی رقم منجانب حکومت ملتی ہے، وہ سود نہیں ہے کیونکہ اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لئے کہ سود اس کو کہا جاتا ہے، کہ آدمی اپنا مملوکہ اپنے اختیار سے جمع کرے اور اس پر اضافہ ملے اور یہاں ایسا نہیں ہوا اور اس اضافی رقم کے ملنے سے پہلے اسکی زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہے، یہ پرائیویٹ فنڈ ہی کی ایک قسم ہے، جب تک اس فنڈ کا پیسہ ملازم کو مکمل مالکانہ طور پر حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک ملازم کو شرعاً اس کا حقیقی مالک نہیں شمار کیا جائیگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ ملازم جب اپنے فنڈ سے پیسہ نکالتا ہے، تو اسے قسطوار واپس جمع کرنا پڑتا ہے، اور سائل نے جو دوسری شکل لکھی ہے کہ جتنا پیسہ نکالا ہے وہ واپس نہیں کرنا ہے، اگر یہ شکل پیش آجائے تو رقم نکالنے کے بعد ملازم کو اس پر ملکیت تامہ حاصل ہو جائیگی، اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، حاصل یہ کہ جو رقم ملازم کے قبضہ میں آجائے اسی کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اور جو رقم قبضہ میں نہ آئے قبضہ سے پہلے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں۔

ومـنـهـا الـمـلـک التـام هو ما اجتمع فيه الملک و اليد ، و أما إذا وجـد الـمـلـک دو ن اليد .... أو وجد اليد دو ن الملک ..... لاتجب فيه الزكاة. (هـنـديه، كتاب الزكاة ، الباب الأول فى تفسيرها وصفتها و شرائطها ، زكريا ۱/ ۱۷۲، جديد ۱/ ۲۳۳)

اور مذکورہ چھ فیصد سے زائد جو رقم ملازم اپنے اختیار سے جمع کرتا ہے، حکماً اس پر ملازم کو قبضہ تام حاصل ہے، اس لئے لازمی طور پر وضع ہونے والی چھ فیصد سے زائد جتنی بھی رقم ملازم اپنے فنڈ میں جمع کریگا، ملازم پر اس رقم کی زکوٰۃ لازم ہوگی ،اور اس پر جو اضافہ ملیگا وہ سود کے دائرے میں داخل ہوگا، اور اس سود والے حصہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ اس پوری سودی رقم کو کسی بھی عنوان سے سرکار کو واپس کرنا لازم ہے، مثلاً انکم ٹیکس ، سیل ٹیکس جائیداد کی رجسٹری اسٹامپ فیس وغیرہ کے عنوان سے حکومت کو جمع کردے اور اگر ان میں سے کوئی شکل نہ ہو تو رقم بغیر نیت ثواب نادار فقیروں کو دینا لازم ہے۔

مـن اكتسـب مـالا بـغيـر حـق .... فـفـي جـميع الأحوال المال الـحاصل له حرام .... ويجب عليه أن يرده على مالكه.......... ويريد أن يـدفـع مـظـلـمتـه عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلىٰ الفقراء. (بـذل الـمـجـهـود ، كتـاب الـطـهـارة ، باب فرض الوضوء سهارن پور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳۵۹)

إذا كـان عـنـد رجـل مـال خبيـث ولا يـمكنه أن يرده إلى مالكه ويـريـد أن يـدفـع مـظـلـمتـه عـن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء . (بـذل الـمـجـهود ، كتاب الطهارة ، باب فرض الوضوء ، سهارنپور قديم ۱/ ۳۷، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۳۵۹)

يـنـبـغي المتصدق الحرام أن يزعم بتصدق المال تخليص رقبته ولايـرجو الثواب منه . (الـعرف الشـذى على هامش الترمذى، كتاب الطهارة

۱/۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رمحرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۶۸/۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۲۶ھ

GPF پرزکوٰۃ فرض ہے یانہیں؟

سوال: [۴۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سرکاری مدرسین کی تنخواہ سے عوض کر کے جو رقم GPF کے نام پر جمع ہوتی ہے، اس میں زکوٰۃ فرض ہے یانہیں؟

المستفتي: شمسا د احمد الاعظمی، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر سرکاری مدرسین کی تنخواہ سے عوض کر کے جی پی ایف کے نام پر جمع ہونے والی رقم سے سرکاری پرائیویٹ فنڈ مراد ہے، تو وہ پیسہ جب تک ملازم سرکار سے وصول کر کے اپنی ملکیت میں منتقل نہیں کریگا، اس وقت تک اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ملک تام لازم ہے اور اس میں ملک تام حاصل نہیں ہوتی ہے۔

ومنها الملک التام هو ما اجتمع فيه الملک واليد، وأما إذا وجد الملک دون اليد، کالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملک کملک المکاتب والمديون، لاتجب فيه الزکوٰة. (عالمگیری، کتاب الزکوٰۃ الباب الاول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/۱۷۲، جدید ۱/۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۱/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۳۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱ھ

زکوٰۃ کے مسائل

سوال: [۴۱۲۹]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) صاحب نصاب شخص پر جس کے پاس صرف ساڑھے سات تولہ سونا ہے اوراس پر سال گذر گیا ہے اس پر کتنی زکوٰۃ فرض ہے؟

(۲) اگرکسی شخص کے پاس ۸/تولہ سونا ہے، تو کیا وہ شخص ساڑھے سات تولہ سونے کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا پورے ۸/تولہ کی ادا کریگا؟

(۳) اگرکسی شخص کی مستورات کے پاس دس تولہ سونا ہے، اور۵/تولہ سونا مستورات کے روزمرہ استعمال میں ہے، تو کیا وہ ۵/تولہ سونا زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اور باقی پانچ تولہ پر کتنی زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟

(۴) سونے سے اصلی سونا ہے اور بازار میں ۲۲/کیرٹ سونا زیورات کی شکل میں ملتا ہے، تو کیا زیور کی قیمت ۲۴/کیرٹ پر لگائی جائیگی، جس پر زکوٰۃ ادا کی جائیگی؟

المستفتي: سید محمود حسن، جونیر انجینئر، ٹیلی فون، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اسکا چالیسواں یعنی چالیس روپے میں ایک روپیہ دینا واجب ہے اگر قیمت دی جائے تو ہزار میں ۲۵/روپیہ حساب ہوتا ہے۔

من ذهب أو ورق ربع عشر الخ. (الدر المختار، الزكاة، باب زكاة المال زكريا ۳/ ۲۲٤، كراچی ۲/ ۲۹۸)

(۲) پورے آٹھ تولہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

وقالا: ما زاد بحسابه وهي مسئلة الكسور الخ. (الدرالمختار، الزكاة، باب زكاة المال زكريا۳/ ۲۲۹، ۲۳۰، كراچی ۲/ ۳۰۰)

(۳) جوسونا روزمرہ کے استعمال کا ہے، اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، لہذا پورے

۱۰/تولہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا۔

ولو تبراً أو حلیا مطلقاً مباح الاستعمال أولا وتحته فی الشامی ماتتحلیٰ به المرأة من ذهب أو فضة. (الدر المختار، الزکاۃ، باب زکاۃ المال زکریا۳/۲۲۷، کراچی ۲/۲۹۸)

وفی تبر الذهب والفضة وحلیها و أوانیها الزکوٰۃ . (هدایه، الزکاۃ، باب زکاۃ المال، فصل فی الذهب، اشرفی بکڈپو دیوبند ۱/۱۹۵)

(۴) اگر ملاوٹ (کیرٹ) سونے پر غالب نہیں ہے تو وہ خالص اور اصلی سونے کے حکم میں ہے اس میں پورے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

وإذا کان الغالب علی الورق والفضة فهو فی حکم الفضة الخ. (هدایه، الزکاۃ، باب زکاۃ المال، فصل فی الفضة اشرفی بکڈپو دیوبند ۱/۱۹۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۶۴)

والد کی فیملی میں رہنے والی اولاد صاحب نصاب ہو تو دونوں پر زکوٰۃ وقربانی واجب ہے

سوال: [۴۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ایک لڑکا ہے زید نے اپنے گھر کا سرپرست اور مالک زیورات کا نقدی پیسوں کا آمد وخرچ سب کچھ کا اپنے بیٹے کو بنادیا اور سب کچھ اپنے بیٹے کے حوالہ بھی کردیا زید گھر پر کچھ کام وغیرہ نہیں کرتا ہے سب کچھ بیٹا کرتا ہے جبکہ باپ بیٹا شرکت میں ہیں، کھانا رہنا سب کچھ یکجا اور شرکت میں ہے، معلوم یہ کرنا ہیکہ ان حالات میں زکوٰۃ حج قربانی سب کچھ بیٹے پر واجب

ہے یاباپ پراگر بیٹے پرواجب ہےتو ''انت و مالک لابیک'' کا کیا مطلب ہوگا؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید کا بیٹا زید کی ہی فیملی میں ہے، اوراسی کے سرمایہ کے بل بوتے پر بیٹے نے کاروبار سنبھالا ہے تو ایسے حالات میں بیٹے کی ساری کمائی باپ کی ملکیت شمار ہوگی، اوراس سرمایہ میں سے زکوۃ نکالنا باپ کے اوپر لازم ہے، اورقربانی بھی باپ پر لازم ہے، ہاں البتہ اگر بیٹے کو الگ سے اتنے سرمایہ کا مالک بنادیا جو نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو تو ایسی صورت میں بیٹے کے اوپر بھی اس نصاب کی زکاۃ نکالنا اورقربانی کرنا لازم ہوگا۔

إذا عمل رجل في صنعة واحدة هو ابنه الذى فى عياله عند غرسه شجرة فتلك الشجرة للأب لا يشاركه ولده فيها. (شرح المجلة لرستم، اتحاد بکڈپو، دیوبند ۱/۷٤۱، رقم: ۱۳۹۸)

أب وابن يكتسبان فى صنعة واحدة ولم يكن لهما مال فالكسب كله للأب، إذا كان الابن فى عيال الأب لكونه معيناً له الخ. (هنديه، كتاب الشركة، الباب الرابع فى شركة الوجوه زكريا ۲/۳۲۹، جديد ۲/۳۳۲، شامى، كراچى كتاب الشركة فحصل فى الشركة الفاسدة مطلب اجتمعافى دار واحدة واكتسبا الخ، زكريا ٦/٥٠٢، كراچى ٤/۳۲٥)

وتتم الهبة بالقبض الكامل لأنها من التبرعات والتبرع لايتم إلا بالقبض. (شرح المجلة لرستم اتحاد بکڈپو، دیوبند ۱/٤٦۲)

وتتم بالقبض الكامل لقوله عليه السلام لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة مكتبة دارالكتب العلمية ۳/٤۹۰، شامى، كتاب الهبة، زكريا ۸/٤۹۰، ٤۹۳، كراچى ٥/٦۸۸، ٦۹۰، هدايه، كتاب

الهبة، المكتبة الاشرفيه ٣/ ٢٨٣)

ومنها كون المال نصاباً. (هنديه، كتاب الزكاة، زكريا ١/ ١٧٢)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۵۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱۲/۲۵ھ

ایک ہزار روپیہ پر سال گذرنے سے زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس کاشت کی زمین پانچ بیگہ ہے جس میں غلہ دھان گیہوں وغیرہ پیدا ہوتا ہے، اور رہنے کیلئے مکان ہے اور گھریلو ضروریات سامان کے علاوہ نہ بقدر نصاب سونا ہے نہ چاندی ہے نہ دونوں ملاکر بقدر نصاب ہے اور نہ بقدر نصاب روپیہ ہے نہ مال تجارت اور وہ کسی مدرسہ یا اسکول کا مدرس ہے یا ماسٹر ہے جس میں اس کو تین سو روپئے ماہوار تنخواہ ملتی ہے، اور اس کے پاس اپنی زمین کی پیداوار دھان گیہوں اور اتنی تنخواہ سے تمام ضروریات پوری کرنے کے بعد سال بھر میں ایک ہزار روپئے بچے اور اس پر حولان حول بھی ہوا یہی حال بعینہ زید کے دوسرے بھائی کا ہے، اور زید کے تیسرے بھائی بکر کا ہے اور یہ تینوں بھائی جدا جدا کھاتے کماتے زندگی بسر کرتے ہیں، یعنی آپس میں کسی کا کسی سے کوئی تعلق نہیں کیا یہ تینوں بھائی جدا جدا صاحب نصاب ہیں، یا نہیں؟ نیز اگر یہ تینوں بھائی یا دو بھائی آپس میں سب چیزوں کیساتھ مل جل کر کھانے کمانے اور رہنے سہنے لگیں تو کیا یہ تینوں بھائی یا دو بھائی ملکر ایک صاحب نصاب ہو سکتے ہیں، یا نہیں اور اس بچی ہوئی رقم ایک ہزار روپئے پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتی: منظور عالم قاسمی، مدرس:
مدرسہ باب العلوم، بابوگنج، پرتاپ گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سال گذرنے پر ایک بھائی کے پاس جو رقم بچتی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے بقدر نصاب ہونا شرط ہے، چونکہ فی زمانناایک ہزار روپے مقدار نصاب کونہیں پہونچتے ہیں اسلئے مذکورہ صورت میں کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

وسبب افتراضها ملك نصاب حوليّ الخ. (درمختار، مع الشامی، کتاب الزکاۃ، قبیل مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة زکریا دیوبند۳/۱۷٤، کراچی ۲/۲۵۹)

نیز اگر سب بھائی مل جل کر ایک ساتھ کھاتے پیتے ہیں، اور مال مشترک ہےاورسب کے مال مشترک میں سے سال گذرنے پر ایک نصاب کے بقدر مال بچتا ہے، جس میں سب کا حق ہے تو کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، جب تک کہ ہر ایک کے حصہ میں پورا نصاب نہ بچے۔

ولا تجب الزكوٰة عند نا فى نصاب مشترك وفى الشامية المراد أن يكون بلوغه النصاب بسبب الاشتراك وضم أحد المالين إلى الآخر بحيث لايبلغ مال كل منهما بانفراده نصاباً الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال زکریا دیوبند۳/۲۳۵، کراچی ۲/۳۰٤، فتاویٰ دارالعلوم ٦/۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۶۴)

چوبیس ہزار روپیہ پر کتنی زکوٰۃ ہے؟

سوال: [۴۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چوبیس ہزار ۲۴۰۰۰ر روپیہ پر کتنی زکوٰۃ ہوتی ہے، تحریر فرمادیں؟

المستفتي: محمد ناظر ہتمبا کووالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: روپیہ پیسہ میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینالازم ہوتا ہے،لہذا ۱ہزار میں ۲۵/روپیہ اور ۲۴/ہزار ۴۰۰/روپیہ زکوٰۃ میں دینالازم ہوگا۔

أخرج ابن ابي شيبة عن عبيدة قال سألت إبراهيم لهٔ مأة درهم وعشرة دنانير؟ قال يزكي من المأة درهم درهمين ونصفا ومن الدنانير بربع دينارقال وسألت الشعبي يحمل الأكثر على الأقل – أو قال:– الأقل على الأكثر فإذا بلغت فيه الزكاة زكاه. (مصنف ابن ابی شیبه ، کتاب الزكاة ، فی الرجل تكون عندها مائة درهم وعشرة دنانير مؤسسه علوم القرآن ٦/٣٩٣، برقم: ٩٩٧٨)

وفی الخانية : فی كل مأتی درهم خمسة دراهم و فی كل عشرين مثقالاً نصف مثقال. (تاتارخانية ، كتاب الزكاة ، زكاة المال زكريا ٣/١٥٥، برقم: ٣٩٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۸ھ

۷۵/ہزار کی مالیت زکوٰۃ جبکہ ۲ہزار کا مقروض ہو

سوال: [۴۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس پچھتر ہزار روپیہ ہیں،ان کی زکوٰۃ ادانہیں کی ہے، ان روپیوں کی زکوٰۃ میرے اوپر ۱۷۵۰/روپیہ واجب ہوئی میں دو ہزار روپیہ کا قرضدار ہوں اگر مجھکو زکوٰۃ دینی ہے تو کس حساب سے دینی ہے، کتنے روپیوں کی زکوٰۃ ادا کروں جواب سے نوازیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ کے اوپر ۷۵/ہزار روپئے کی

زکوٰۃ واجب ہے تو ہزار میں ۲۵؍روپیہ کے حساب سے ۷۵؍ہزار کی ۱۸۷۵؍روپیہ زکوٰۃ بنتی ہے، اور جب آپ دوہزار روپیہ کے مقروض ہیں تو آپ پر۷۳؍ ہزار روپیہ کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے اور۷۳؍ ہزار روپیہ کی زکوٰۃ ۱۸۲۵؍روپیہ بنتی ہے، لہٰذا آپ پر ۱۸۲۵؍روپیہ زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اور دوہزار کے مقروض ہونے کی وجہ سے اس کی زکوٰۃ ۵۰؍روپیہ نکالنا واجب نہیں۔

عن السائب بن يزيد، أن عثمان بن عفان كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤددينه ،حتى تحصل أموالكم فتؤدون منها الزكوٰة . (موطا امام مالك، كتاب الزكاة ، باب الزكوٰة فى الدين ، اشرفى بكڈپو ديوبند/١٠٧)

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان رضي الله عنه كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم فتؤدوامنها الزكاة ، قال محمد : وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله فإن بقي بعد ذلک ماتجب فيه زكوٰة ففيه زكاة ، وتلک مائتا درهم أو عشرون مثقالاً ذهباً فصاعدا .... وهو قول أبي حنيفة رحمه الله . (موطا امام محمد ، كتاب الزكوٰة ، باب زكاة أموالكم ، اشرفى بكڈپو، ديوبند١/١٧٣، رقم: ٣٢٣)

ولا مديون مطالب من العباد فى قدر دينه فإنه إذا كان له أربع مائة درهم مثلاً إلى ما قال ولو كان دينه مأتين تجب زكوٰة مأتين .
(مجمع الأنهر، كتاب الزكاة ، قديم ١/١٩٤، دارالكتاب العلميه بيروت ١/٢٨٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۹۱)

ڈیڑھ لاکھ روپیہ پر حولان حول کی صورت میں زکوٰۃ کا وجوب

سوال: [۴۱۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک مکان فروخت کیا ڈیڑھ لاکھ میں بغرض خریداری دیگر مکان مگر اب تک اس روپئے کا مکان نہیں خریدا ہے، نیز اس روپئے پر حولان حول بھی ہو چکا ہے، اب صورت مذکورہ میں زید کے اس ڈیڑھ لاکھ روپئے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتي: محی الدین، محلّہ قاصدی ٹولہ، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس ڈیڑھ لاکھ روپئے پر زکوٰۃ واجب ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم قدیم ۲/۱)

عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: لا زكاة في مال امرئٍ حتى يحول عليه الحول. (سنن الدار قطني، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة بالحول، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۷٦، رقم: ۱۹۷۰)

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال عليه الحول وقد بقي معه منه نصاب، فإنه يزكي ذلک الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل. (شامي، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند۳/۱۷۹، كراچی ۲/۲٦۲) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۴/۲۴)

مالک مکان کو یکمشت دی گئی رقم کی زکوٰۃ کس کے ذمہ لازم ہے؟

سوال: [۴۱۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

ایک شخص نے کرایہ پر دوکان لی مالک نے دوکان دیتے وقت کچھ رقم تقریباً ۶۰۰۰۰/روپیہ لیے اور مالک دوکان نے کہا کہ جب دوکان خالی کروگے یہ رقم واپس دونگا، تو دریافت یہ کرنا ہے، کہ اس ساٹھ ہزار روپیہ کی زکوٰۃ کون ادا کرے، کرایہ دار جس نے رقم دی ہے، یا جس کے پاس جمع ہے، یعنی مالک دوکان؟ اور ہر سال ادا کرے یا جب کرایہ دار کو واپس ملے گی؟

المستفتي: مولانا حامد علی، نئی بازار، قصبہ: تمبور، ضلع: سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کرایہ دار پیشگی یکمشت جو رقم مالک مکان اور دوکان کو ادا کرتا ہے، مالک مکان اس کا مالک ہوجاتا ہے، اسکی زکوٰۃ بھی مالک مکان ہی پر لازم ہوا کرتی ہے، کرایہ دار پر اس کی زکوٰۃ لازم نہیں، اسلئے کہ اس رقم پر کرایہ دار کی ملکیت تامہ حاصل نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۱)

إذا عجل الأجرة لايملك الاسترداد . (شامی، كتاب الإمارة زكريا ۹/۱۳، كراچی ۶/۱۰)

المستأجر إذا عجل الأجرة ، قبل استيفاء المنفعة لم يملك الاستراد . (المحيط البرهانی، كتاب الزكاة، الفصل السادس تعجيل الزكاة ، المجلس العلمی جديد۳/۱۹۶، رقم: ۲۷۳۵)

ولو عجل الأجرة إلى رب الدار لايملك الاستراد . (هنديه، كتاب الإجارة ، الباب الثاني متى تجب الأجرة ، وما يتعلق به من الملك وغيره ، زكريا ديوبند۴/۴۱۲، جديد ۴/۴۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/شوال ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۶۴/۳۷)

بائع کو دی گئی ایڈوانس رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا کس پر لازم ہے؟

سوال: [۴۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احمد نے فلیٹ بک کرایا ہے، اور بطور ایڈوانس (پیشگی) مالک کو کچھ رقم دی ہے لیکن ابھی وہ پوری طرح فلیٹ کا مالک نہیں ہوا ہے اور نہ ہی وہ رقم بغیر فلیٹ خریدے واپس ہوسکتی ہے، فلیٹ کا مصرف فلیٹ ملنے کے بعد کرایہ پر کسی کو دیدیا جائیگا ایسی حالت میں اس رقم پر جو ایڈوانس دی ہے، زکوٰۃ نکالنا فرض ہے یا نہیں؟

المستفتي: احقر حبیب اختر، محلّہ قانون گویان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے منزل کی خریداری میں رقم بائع کے حوالہ کردی ہے اور وہ رقم واپس بھی نہیں ہوسکتی ہے، تو اب آپ اس رقم کے مالک نہیں رہے، لہذا آپ پر اسکی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، بلکہ اس کا مالک فروخت کرنے والا ہوچکا ہے، لہذا اسکی زکوٰۃ بائع پر ہی واجب ہوگی۔

إذا عجل الأجرة ، لا يملک الاسترداد . (شامی، کراچی ۶/ ۱۰)

وفی العتابیہ، وإذا عجل الأجرة إلیٰ ربها لایملک الاسترداد . (البحرالرائق، کتاب الإجارة کوئٹہ ۸/ ۵، زکریا ۸/ ۹) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۵)

کرایہ دار کی پیشگی ادا شدہ رقم اور پگڑی کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کرایہ کی مد میں دی گئی پیشگی رقم یا ڈپوزٹ جو عقد اجارہ کے فسخ ہوجانے یا مدت پوری ہونے پر کرایہ دار

کو واپس کیا جاتا ہے، اس نقد کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی، کرایہ دار پر یا مالک مکان پر؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کرایہ دار پیشگی یکمشت جو رقم مالک مکان اور مالک دوکان کو ادا کرتا ہے، مالک مکان اس کا مالک ہوجاتا ہے، اسکی زکوٰۃ بھی مالک مکان ہی پر لازم ہوا کرتی ہے، کرایہ دار پر اسکی زکوٰۃ لازم نہیں ہے، اسلئے کہ اس رقم پر کرایہ دار کی ملکیت تامہ حاصل نہیں ہے۔

إذا عجل الأجرة لا يملك الاسترداد. (شامی، کتاب الإجارة کراچی ٦/ ١٠، زکریا ٩/ ١٣)

ترجمہ: یعنی اگر کرایہ دار پیشگی اجرت اور کرایہ ادا کردیتا ہے تو مالک مکان اس کا مالک ہوجاتا ہے، لہٰذا واپسی کا حق نہیں ہوگا۔

ڈپوزٹ اور بیع الوفاء کی رقم کی زکوٰۃ

اگر اس طرح مکان یا دوکان یا زمین وغیرہ خرید وفروخت کی جائے، کہ مشتری جو قیمت ادا کرتا ہے، وہ بائع کے پاس مثل امانت کے ہے، اور جب بائع اتنی رقم مشتری کو ادا کردے گا تو مبیع واپس مل جائے یا عقد کیلئے مدت متعین کی جائے، اور مدت پوری ہونے یا عقد فسخ ہونے پر مشتری اور مستاجر کو اپنی دی ہوئی پوری رقم واپس مل جائے، تو ایسے معاملہ کو بیع الوفاء بیع الامانت اور بیع الرہن وغیرہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں ادا شدہ رقم کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ تو اس میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوبکر محمد بن فضلؒ فرماتے ہیں کہ اگر اجرت رقم کی شکل میں ہے تو اسکی زکوٰۃ صرف بائع پر واجب ہوتی ہے۔

حكى عن الشيخ الإمام أبي بكر محمد بن الفضل أنه قال إن كانت الأجرة من

ترجمہ: شیخ ابوبکر محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ اگر اجرت درہم ودینار کی شکل میں ہے تو اسکی زکوٰۃ بائع پر لازم ہے اسلئے کہ قبضہ کی

الـدراهـم أومـن الـدنـانيـر كـان زكـوتهـا عـلـىٰ الآجـر لأنه ملكها بـالقبض وعند انفساخ الإجارة لا يـلـزمـه رد عيـن الـمقبوض وإنما يلزمه رد غيرها فكان بمنزلة دين لحقه بعد الحول الخ. (قاضي خان علـى هـامـش الهـندية ، كتاب الزكاة ، فـصـل فـي مال التجارة زكـريـا ديـوبند ۱/۲۵۳، ۲۵٤، جديد۱/۱٥٦)

وجہ سے اس کو ملک تام حاصل ہو چکا ہے، اور فسخ اجارہ کے وقت عین مقبوض کی واپسی لازم نہیں ہے، بلکہ اسکے علاوہ ادا کرنا لازم ہے، تو یہ بمنزلہ اس دین کے ہوگا جو بعد حولان حول اس پر لازم ہوا ہے۔

اور امام زاہد علی بن محمد بزدویؒ اور مجد الأ ئمہ سرختگیؒ وغیرہ فرماتے ہیں، کہ بائع اور مشتری دونوں پر اسکی زکوۃ واجب ہوگی بائع کے اوپر اسلئے لازم ہے کہ اس کو ملک تام حاصل ہے اور مشتری پر اسلئے لازم ہے کہ وہ بمنزلہ ثمن رہن ہے لیکن علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسکی زکوۃ صرف مشتری پر واجب ہوگی، اور اسی کو انھوں نے ''ینبغی'' کے لفظ سے راجح قرار دیا ہے۔

وقال الشيخ الإمام الزاهد على بـن مـحـمـد البزدويؒ ومجدد الائـمه السرختيگيؒ إن زكوتها تجب على المستأجر أيضا لأن الـناس يعدون مال الإجارة دينا عـلـى الآجـر وفـي بيع الوفـا الـمعهـود بسـمـر قـنـد تجب زكوة الثمرة على البائع وعلى

ترجمہ: حضرت امام زاہد علی بن محمد البزدویؒ اور مجدد الائمہ سرختگی فرماتے ہیں، کہ اسکی زکوۃ مستاجر پر بھی لازم ہے، اسلئے کہ لوگ مال اجارہ کو موجر پر قرض اور دین شمار کرتے ہیں، اور وہ بیع وفا جو سمرقند میں معروف ومشہور ہے اسمیں ثمن کی زکوۃ بائع پر واجب ہے، اور امام بزدویؒ اور سرختگی کے نزدیک مشتری پر بھی اسکی زکوۃ واجب ہے۔

قول الشيخ الإمام الزاهد علي بن محمد البزدوي ومجدد الائمه السرختيگی تجب على المشتری أيضا الخ. (قاضيخان هامش الهنديه، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة زكريا ديوبند ١/٢٥٤، جديد ١/١٥٦)

اورعلامہ شامیؒ مشتری پر وجوب ثابت کرنے کیلئے یوں عبارت نقل فرماتے ہیں۔

ينبغي لزومها على المشتري فقط على القول الذي عليه العمل الآن من أن بيع الوفاء منزل منزلة الرهن، وعليه فيكون الثمن دينا على البائع الخ. (شامي، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً زكريا ديوبند ٣/١٧٧، كراچی ٢/٢٦١)

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ مناسب اور اولیٰ یہی ہے کہ اسکی زکوٰۃ صرف مشتری پر لازم ہواس قول کے مطابق جس پراس زمانے میں عمل ہے، اور اسلئے کہ بیع الوفاء بمنزلہ رہن قراردی جاتی ہے، لہٰذا ثمن بائع کےاوپر بطور قرض لازم ہے۔

حاصل یہ نکلتا ہے کہ قول راجح کے مطابق صرف مشتری پر واجب ہے لیکن احتیاط اسی میں ہے، کہ بائع ومشتری دونوں ایسی رقم کی زکوٰۃ ادا کردیا کریں، بیع الوفاء کے جواز کیلئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے یہ قید لگائی ہے، کہ دستاویز کے وقت بیع کو مطلق عن الشرط رکھا جائے بیع مع الشرط کی عبارت اور قید نہ لگائی جائے۔ (فتاویٰ مظاہر العلوم ۱/۳۹۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(رجسٹر خاص)

ڈپوزٹ کی زکوٰۃ کس پرواجب ہے؟

سوال: [۴۱۳۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے بازار میں ایک دوکان دیگر شخص سے پندرہ ہزارروپیہ ماہوار کرایہ پرلی ہے، اس میں کرایہ دار نے مبلغ پانچ لاکھ روپیہ پیشگی مالک دکان کوشرائط کے مطابق دیئے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کہ مذکورہ رقم پانچ لاکھ روپیہ پر جو زکاۃ واجب ہوئی ہے تو اس زکاۃ کو مالک دوکان ادا کرے گا یا کرایہ دار پرواجب الادا ہوتی ہے؟

المستفتي: محمد جنید، لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہونے کیلئے مال پر قبضہ اور ملک تام ضروری ہے، اور کرایہ دار جو اس رقم کا مالک ہے اس پر زکاۃ اسلئے ادا کرنا واجب نہیں ہے، کہ فی الحال اس کا قبضہ نہیں ہے، اور مالک مکان یا مالک دوکان جس نے اس شرط پر مذکورہ رقم پر قبضہ کیا ہے، کہ مکان یا دوکان خالی کراتے وقت اتنی رقم واپس کردے گا، اس پر اتنی رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا اسلئے لازم نہیں ہے کہ وہ مذکورہ رقم کے بقدر مقروض ہے، یا اس پر ملک تام اس کو حاصل نہیں ہے، گویا وہ رقم دین ضعیف کے حکم میں ہے، اور اگر دین متوسط کے درجہ میں مانا جائے تب راجح قول کے مطابق اس پر قبضہ یا ملک تام حاصل ہونے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۳۱)

عن عبد الله بن دینار، عن ابن عمر قال: زکوا ما کان في أیدیکم، وما کان من دین في ثقة، فهو بمنزلة ما في أیدیکم، وما کان من دین ظنون فلا زکاة فیه حتی یقبضه. (السنن الکبري للبیهقی، کتاب الزکاة، باب زکاة الدین إذا کان علی معسر أو جاحد، دارالفکر ٦/ ٦٩، رقم: ٧٧١٧)

وأما دین الوسط فما وجب له بدلاً عن مال لیس للتجارة (وقوله)

وفيـه روايتـان عنـه وروى ابـن سـماعة عن أبي يوسف عن أبى حنيفة أنه لا زكوة فيـه حتـى يقبـض الـمأتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه الخ. (بدائع، كتاب الزكاة، مراتب الديون زكريا۲/ ۹۰، كراچی ۲/ ۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۹۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵؍۱۰؍۱۴۳۰ھ

امانت کی زکوٰۃ کی ادائے گی کس پر لازم ہے؟

سوال: [۴۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۲؍سال سے بہن نے دولاکھ روپئے اپنے بھائی کے پاس رکھے ہیں، لہذا اسکی زکوٰۃ کون ادا کرے، بھائی یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے پاس سے زکوٰۃ دے دیتا ہوں تم فکر نہ کرو؟

المستفتي: ایک اللہ کا بندہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب بہن نے بطور امانت بھائی کے پاس رکھے ہیں اور اب بہن اپنی امانت واپس مانگ رہی ہے، تو بھائی پر لازم ہے کہ بلاتاخیر امانت واپس کردے، اور بہن اپنے مال کی زکوٰۃ خود ادا کریگی، بھائی کو اس میں کوئی اختیار نہیں، اور اگر بھائی اس امانت کے واپس کرنے میں تاخیر کریگا، یا ٹال مٹول کریگا، تو خائن شمار ہوگا، اور سخت گنہگار ہوگا۔

عن عبد الله بن عمر و أن النبي ﷺ قال: أربع من كن فيه كان منا فقا خـالـصـاً، ومـن كـانـت فيـه خـصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يـدعهـا، إذا أؤتمن خان الحديث: (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب علامة

العنافق ١/١٠، رقم: ٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۹/۲۵ھ

ذاتی مکان میں زکوٰۃ واجب نہیں

سوال: [۴۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنی رہائش گاہ جس میں رہنے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر فرض نہیں ہے، مگر چونکہ اس مکان میں رہنا نہیں ہوتا کیوں کہ کمپنی کے کام کی وجہ سے دوسرے شہر میں سکونت اختیار کرلی ہے تو اس رہائش گاہ میں رہنے کے باعث زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا نہیں؟ اگر ہو تو کس رقم پر؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی اصلی رہائش کا مکان شرعاً حاجت اصلیہ میں داخل ہے اگرچہ ملازمت کی وجہ سے جائے ملازمت میں رہائش اختیار کرلی ہو، کیونکہ جب کبھی ملازمت چھوٹ جائیگی تو اپنی اصلی رہائش کے مکان میں آکر رہنا ہوگا، لہذا ایسے ذاتی مکان میں شرعاً زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وفارغ عن حاجته الأصلية وتحته في الشاميه وليس في دور السكنىٰ (إلىٰ قوله) زكوٰة لأنها مشغولة بحاجته الأصلية وليست بنامية الخ.

(الدرالمختارمع الشامی، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/۱۷۸، کراچی ۲/۲۶۲، الجوهرة النیرة، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند ۱/۱۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

ناقص مکان اورزمین پرزکوٰۃ کاحکم

سوال: [۴۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے شعبان میں ایک پلاٹ خریدا نیت یہ تھی، کہ اس پلاٹ میں کمرے بنا کر فروخت کروں گا، چنانچہ تعمیر شروع کردی کچھ تعمیر ہوچکی ہے، زید کی زکوٰۃ کا سال رمضان کا آخری عشرہ ہوتا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید جب زکوٰۃ کا حساب لگائے تو اس پلاٹ اور پلاٹ پر تعمیر کیا ان سب کی قیمت بھی جوڑے گا، یا جب کبھی تعمیر مکمل ہوجائے گی، اس وقت اس پلاٹ پر بنے ہوئے کمروں کی قیمت پر زکوٰۃ آئیگی شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد اصغر، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: تجارت کی نیت سے جو پلاٹ خریدا ہے اور اس پر تجارت کی نیت سے جو تعمیر کی گئی ہے سب مال تجارت میں شامل ہے لہذا ادائے زکوٰۃ کے وقت زمین و ناقص عمارت کی جو بھی قیمت ہوگی اس قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

عن سمرة بن جندب ؓ قال: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر نا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة، النسخة الهندية ١/٢١٨، دارالسلام رقم: ١٥٦٢)

عن ابن جريج، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمي ٤/٩٧، رقم: ٧١٠٥)

وإن اشترىٰ شيئاً ونواه التجارة كان للتجارة. (حاشية چلپى على التبيين، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ٢/٢٩، امداديه ملتان ١/٢٥٦، هدايه، كتاب الزكاة، اشرفيه

دیو بند۱/۱۸۷، ۱/۲۵٦)

وتعتبر قيمته يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء (تحته فى الشامية) وفى المحيط: ويعتبر قيمة يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح. (الدر المختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم زكريا ديوبند۳/ ۲۱۱، كراچی ۲/ ۲۸٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۱۰/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱۰/۱۴۳۱ھ

فروخت شدہ مکان کی قیمت پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مکان فروخت کیا جسکی قیمت ایک لاکھ بیس ہزار روپئے ہے جس میں سے ساٹھ ہزار مل چکے ہیں خریدار سست اور کچھ بدطینت شخص ہے اپنی طرف سے ادائیگی کی بالکل فکر نہیں کرتا بلکہ انتہائی اصرار اور کثیر آمد ورفت کے بعد بڑی مشکل سے رقم ادا کرتا ہے، ہم کو دیر سویر پورا پیسہ وصول کر لینا ممکن ہے تو اس رقم پر زکوٰۃ کے وجوب کی کیا صورت ہے، وصول کردہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہونیکے لئے حولان حول شرط ہے، یا نہیں نیز جو رقم خریدار نے ادا نہیں کی ہے، اسکی زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور وصولیابی کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے، براہ کرم سوال کے تمام گوشوں پر مناسب روشنی ڈالیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مکان کی قیمت کا جو پیسہ وصول ہو چکا ہے اسکی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اگر آپ پہلے سے صاحب نصاب ہیں، تو اس پیسہ پر الگ سے سال گذرنا لازم نہیں بلکہ سالانہ جن تاریخوں پر زکوٰۃ ادا کیا کرتے ہیں، ان تاریخوں سے پہلے پہلے مکان کا جو پیسہ ہاتھ آئے اسکی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اور خریدار کی طرف سے جو

پیسہ وصول نہیں ہوا ہے، اور مطالبہ کے باوجود ٹال مٹول کا سلسلہ ہے اس پیسہ کی وصولی سے پہلے اسکی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ جتنا وصول ہوتا رہے اتنے کی زکوٰۃ واجب ہوتی جائیگی۔

والذی أراه حقا وأدین الله علیه : أن حکم الورق المالی کحکم النقدین فی الزکوٰۃ سواء بسواء الخ. (تکملة فتح الملهم، کتاب المساقاة والمزارعة ، حکم الأوراق المالیة ،المکتبة الأشرفیه دیوبند ۱ /۵۱۷)

ومن کان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالاً من جنسه ضمه إلیٰ ماله ، وزکاهٗ سواءً . (هندیه ، کتاب الزکاة ، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/۱۷۵، جدید ۱/۲۳۷)

والمستفاد ولو بهبة أو إرث وسط الحول یضم إلیٰ نصاب من جنسه. (الدر المختار مع الشامی ، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم ، کراچی ۲/۲۸۸، زکریا۳/۲۱٤)

یقر المدیون بالدین وبملائته ولایقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم . (شامی ، الزکاة، المصرف زکریا۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴۲/۳۸)

تصویروں کو فروخت کر کے اسکی آمدنی سے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص اگر تصویروں کی فروختگی سے حاصل شدہ آمدنی سے زکوٰۃ ادا کرے تو کیا اسکی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی؟

المستفتي: عبد الرحمٰن، جلگاؤں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ تجارت سے جو رقم حاصل ہوگی نصاب پورا ہونے پر اس رقم کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا واجب ہوگا۔

ومنها الملک التام وهو ما اجتمع فيه الملک واليد الخ. (هندیه، کتاب الزکاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، زکریا ۱/۱۷۲، جدید ۱/۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۴۹)

کیا NSC پر زکوٰۃ واجب ہے؟

سوال: [۴۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک سرکاری ٹیچر ہوں جب بھی ہماری تنخواہ بڑھتی ہے تو سرکار اس کا پچھلا پیسہ (N.S.C.) بنا کر دیتی ہے جس کا پیسہ ہمیں ۵/سال بعد مع سود کے ملے گا، تو (NSC) پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ جبکہ پیسہ سرکار کے پاس ہے اسپر جو زائد پیسہ ملے گا وہ جائز ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں حل فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتي: احقر شبلی حبیب، پیرزادہ، میاں ہوٹل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تنخواہ بڑھتے وقت پچھلے مہینوں کے پیسہ کے لئے جو این ایس سی (NSC) آپ کو ملتی ہے، اور وہ پیسہ فوری طور پر نکالنے کا حق نہیں ہوتا، ایسی صورت میں پیسہ نکالنے سے پہلے آپ اس کے شرعی مالک نہیں ہیں، اور ملک تام حاصل ہونے سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اور اس پر جو اضافی رقم ملے گی وہ سود کے دائرے میں داخل نہیں اور یہ پراویڈنٹ فنڈ (PF) پر اضافہ ملنے کی طرح ہے، اور

اس پر قبضہ سے پہلے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

ومنها الملک التام ، هو ما اجتمع فيه الملک واليد .... وأما إذا وجد الملک دون اليد ...... أو وجد اليد دون الملک ...... لا تجب فيه الزكوة . هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الأول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/ ۱۷۲، جديد ۱/ ۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱/ ۱۴۳۲ھ

مالدار تاجر پر زکوٰۃ اور ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص مال سپلائی کرنیکی تجارت کرتا ہے، جسمیں تقریبا چالیس ہزار روپئے کی سالہا سال لوٹ پاٹ ہوتی رہتی ہے، اور تقریباً ۲/ لاکھ کا مال گھر میں موجود ہے عید الفطر تک مال سپلائی ہونیکی امید ہے، پچیس ہزار روپئے بینک میں موجود ہیں ان اموال پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو اسکی ادائیگی اور حساب کی کیا صورت ہے واضح فرمائیے؟

المستفتي: توحید عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق : سوال میں ذکر کردہ تاجر شخص شرعاً مالدار اور مالک نصاب ہے، اور اس پر زکوٰۃ فرض ہے، اور اسکے لئے حکم یہ ہے کہ یہ شخص جس دن اور جس تاریخ کو پہلی مرتبہ نصاب کے بقدر مال کا مالک ہوا تھا، اس سال اس تاریخ کو مذکورہ مال تجارت اور بینک میں جمع رقم اگر اسکی ملکیت میں موجود ہے تو ان دونوں کی زکوٰۃ اس تاجر پر شرعاً واجب ہے۔

عن سمرة بن جندب قال : أما بعد فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن

نخرج الصدقة من الذی نعد للبیع . (سنن أبي داؤد ، الزكاة ، باب العروض إذا كان للتجارة هل فيها، زكاة النسخة الهندية ١/٢١٨، رقم ١٥٦٢)

تجب الزكوٰة أيضا فی عروض تجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما .

(مجمع الانهر بيروت ، كتاب الزكاة، باب زكاة الذهب والفضة والعروض ١/٣٠٦)

الزكوٰة واجبة فی عروض التجارة . (تاتار خانية ، كتاب الزكاة ، الفصل الثالث، زكاة عروض التجارة زكريا٣/١٦٤، رقم: ٣٩٩٩، قديم ١/٢٣٧)

والذی أراه حقاً وأدين الله عليه : إن حكم الورق الماليّ كحكم النقدين فی الزكاة سواء بسواءٍ(إلى قوله) فمن ملك النصاب من الورق الماليّ ومكث عنده حولاً كاملاً وجبت عليه زكوته باعتبار زكوٰة الفضة .

(تكمله فتح الملهم ، كتاب المساقاة والمزارعة ، حكم الأوراق المالية ، المكتبة الاشرفيه ديو بند١/٥١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ربیع الاول۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۹۹۴۶)

پیتل کی بنائی گئی تصویروں کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۴۶]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص پیتل کی تصاویر بنائے تو اسکی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: عبیدالرحمٰن پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نفس تصویر کشی حرام اور عذاب الٰہی کا باعث ہے، البتہ اس میں حاصل شدہ رقم کا مالک ہوجاتا ہے، کہ اصل شئی اور محنت کا پیسہ ہے اسلئے اسپر زکوٰۃ بھی واجب ہوجائے گی۔

الكسب يملك بملك الأصل. (قواعد الفقه/ ١٠٠، رقم: ٢٢٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۷۱۳)

شادی کیلئے جمع شدہ مال میں زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنی بہن کی شادی کے واسطے کچھ مال الگ سے جمع کیا جو مقدار نصاب ہے، تو زید پر زکوٰۃ واجب ہے یا اس کی بہن پر؟

المستفتي: محمد زبیر بن نور محمد مومن داس پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب تک بہن کے حوالے نہ کردے گا، اسوقت تک زید پر زکوٰۃ ادا کرنی واجب رہے گی۔

الزكوٰة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم إذا ملك نصابا ملكاً تاماً وحال عليه الحول الخ. (هدايه، كتاب الزكاة، اشرفی بکڈپو دیوبند، مطبوعه جيسور ۱/ ۱۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۷۱)

مکان وشادی کیلئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے مکان بنانے اور بچوں کی شادی کرنے کیلئے کچھ زیور اور روپیہ رکھا ہے، جو مکان بنانے اور

شادی کے لئے نا کافی ہے،سال گزرنے پر زید پر زکوۃ واجب الأ دا ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: شفیع احمد اعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو رقم مکان بنانے یا شادی کی نیت سے رکھی جائے سال گذرنے پر اس رقم کی زکوٰۃ اداء کرنا بھی لازم اور واجب ہے۔

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال عليه الحول وقد بقي معه منه نصاب ، فإنه يزكي ذلک الباقي ، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلىٰ حوائجها الأصلية وقت حولان الحول الخ . (شامی، كتاب الزكاة ، مطلب في زكوٰة المبيع وفاءً كراچی ۲/ ۲۶۲، زکریا ۳/ ۱۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رصفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

ضرورت کیلئے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بھی ضرورت کیلئے تھوڑی تھوڑی رقم جمع کی اور اس پر سال گذر جائے اور وہ رقم نصاب کو پہونچ جائے تو زکاۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اس پیسہ کی ضرورت بھی ہے گذر بسر کیلئے ایک دوکان خریدنی ہے اسی لئے رقم جمع کی ہے؟

المستفتي: احمد نجیب، آندھروی،
پیلو جامع مسجد، اسٹیشن روڈ، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: انسان خواہ کسی بھی ضرورت کیلئے رقم جمع کرے اور اس پر سال گذر جائے، اور وہ مال نصاب کے بقدر ہو تو سال گذرنے کے بعد اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

عن علي عن النبی ﷺ ببعض أول هذا لحديث، قال: فإذا كانت لک مائتا درهم وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم، وليس عليک شيئ يعني في الذهب حتى تكون لک عشرون ديناراً، فإذا كانت لک عشرون ديناراً، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فمازاد فبحساب على ذلک. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، النسخة الهندية ١/٢٢١، دارالسلام رقم: ١٥٧٣)

شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو ملكه وثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكاة كيفما أمسكهما ولو للنفقة. (شامی، كتاب الزكاة، كراچی ٢/٢٦٧، زكريا٣/١٨٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱؍ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۳/۱۴۲۸ھ

بینک میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس شادی سے پہلے کے اپنے دس ہزار روپیہ بینک میں جمع ہیں میرے شوہر کو اس کا علم نہیں ہے، تو کیا شرعاً اس کی بھی زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟

المستفتیہ: منور جہاں، پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دس ہزارروپیہ جو بینک میں جمع ہے اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اور جتنے سالوں کی زکوٰۃ ادانہیں کی گئی ہے، ان کی بھی نکالنا لازم ہے اوردس ہزارروپیہ میں سے ڈھائی سوروپیہ سالانہ زکوٰۃ نکلے گی ۔(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۱۰۸، رحیمیہ ۲/۱۴)

عن علي عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ببعض أول هذا لحديث، قال: فإذا كانت لک مائتا درهم وحال عليها الحول، ففيها خمسة درهم ، وليس عليک شيئ يعني في الذهب حتى تكون لک عشرون ديناراً ، فإذا كانت لک عشرون ديناراً ، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فمازاد فبحساب على ذلک ، فقال فلا أدري أعلي يقول فبحساب ذلک أو رفعه إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ، الحديث. (سنن أبي داؤد ، كتاب الزكاة ، باب في زكاة السائمة ، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۱، دارالسلام رقم: ۱۵۷۳)

وأما مقدار الواجب من هذا النصاب فماهو مقدار الواجب من نصاب الذهب والفضة ، وهو ربع العشرلأن نصاب مال التجارة مقدر بقيمته من الذهب والفضة ،فكان الواجب فيه ما هوالواجب في الذهب والفضة وهو ربع العشر ولقول النبي صلى اللّٰه عليه وسلم " ها توا ربع عشر أموالكم " من غير فصل . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة ، صفة الواجب في أموال التجارة ، زكريا۲/ ۱۱۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۰ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/۴/۱۴۲۵ھ

حولان حول کے بعد بینک یا ڈاکخانہ میں جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمود صاحب نصاب ہے اور اس کی ساری رقم بغرض حفاظت سرکاری بینک یا ڈاکخانہ میں جمع ہے، یا کسی مکان یا دوکان کی ڈپازٹ کے طور پر دوسرے آدمی کے پاس جمع ہے، (ڈپازٹ) یعنی کوئی مکان یا دوکان بطور کرایہ لینا ہوتا ہے، تو کچھ روپیہ صاحب مکان کے پاس جمع کرنا پڑتا ہے، جب کرایہ دار مکان یا دوکان چھوڑتے ہیں، تو وہ روپے صاحب مکان کرایہ دار کو واپس کردیتے ہیں، اسی کو ڈپازٹ کہتے ہیں، تو کیا ان رقموں پر جو ڈاکخانہ یا بینک میں جمع ہے صاحب رقم کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہ رقم صاحب رقم کے قبضہ میں نہیں ہے، تینوں سوالوں کے جواب مدلل بحوالہ تشفی بخش دینے کی زحمت فرمائیں؟

المستفتي: منظور عالم قاسمی، مدرس
مدرسہ باب العلوم پرتاپ گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک اور ڈاکخانہ میں جو رقم جمع ہے، اس پر سال گذرتے ہی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

أما إن كانت عند معارفه وجبت الزكوٰة لتفريطه بالنسيان في غير محله الخ. (طحطاوی علی المراقی، کتاب الزکاۃ اشرفي دیو بند/۷۱۷)

اور جو رقم ڈپازٹ کے طور پر دے رکھی ہے، اس پر وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں، اور جب وصول ہوجائیگی تو گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی واجب ہوجائیگی۔

ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد، أما إذا وجد الملك دون اليد، كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملك (إلى قوله) ولا على الراهن، إذا كان الرهن في يد المرتهن الخ. (ھندیہ، کتاب

الزکاة ، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا/ ۱/ ۱۷۲، جدید۱/ ۲۳۳)

وفی الشامی ولا علی المرتهن لعدم ملک الرقبة ولا علی الراهن لعدم الید الخ. (شامی ، زکریا۳/ ۱۸۰، کراچی ۲/ ۲۶۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۴/۱۰۶۴)

قرض کی زکوٰۃ کی ادائے گی کا حکم

سوال: [۴۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے داماد کوان کا گھر بنانے کے لئے بطورقرض ایک سال کی میعاد کے لئے ودلاکھ پچھتر ہزار روپئے دیئے، ایک سال گذرنے کے بعدوہ قرضہ ادانہیں کرسکے تو آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ جب تک وہ قرضہ نہیں لوٹائیں گے، قرضہ کی رقم میں زکاۃ ادا کریں گے، زید کا داماد ہر سال ۲۷۵۰۰۰؍دولاکھ پچھتر ہزارروپیہ پرزکاۃ ادا کررہاہے، شرعا یہ معاہدہ کیسا ہے؟ کیا اس کا جواز ہے، اورزید کوزکاۃ ادانہ کرنے کا گناہ تو نہ ہوگا؟

المستفتي: محمد افتخار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زیدنے اپنے داماد کوبطورقرض ایک سال کی میعاد کیلئے جورقم دی ہے اورسال گذرنے پرداماد کےقرض واپس نہ کرنیکی صورت میں زیداوراس کے داماد کے درمیان جومعاہدہ ہوا ہے وہ شرعاًناجائز ہے، اورداماد پرہرسال کی رقم کی زکاۃ ادا کرنالازم نہیں، اس لئے کہ اس کے اوپروہ قرض ہے وہ اس کا پیسہ نہیں اوروصولیابی سے پہلے اسکی زکاۃ اداکرنازید پرلازم نہیں، اس لئے کہ دین متوسط ہےاوردین متوسط میں راجح قول کےمطابق وصولیابی سے پہلے زکاۃ واجب نہیں ہوتی؛ بلکہ وصولیابی کے بعدزکاۃ واجب ہوتی ہے،اوراب تک داماد نے جوادا کیا ہے، وہ نفلی صدقہ وخیرات میں شامل ہوگا۔

عن ابن عمر قال: زكاة أموالكم حول إلىٰ حولٍ، فما كان من دين ثقة فزكوه، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقضيه صاحبه. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الزكاة، في زكاة الدين مؤسسه علوم القرآن جديد٦/ ٤٨٥، رقم: ١٠٣٥١)

كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة سواء كان الدين للعباد كالقرض. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول فی تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ١/ ١٧٢، جديد ١/ ٢٣٤)

إن رواية ابن سماعة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المأتين ويحول الحول من وقت القبض هي الأصح من الروايتين عن أبى حنيفة. (شامی، كتاب الزكاة، باب زكاة المال مطلب فی وجوب الزكاة، في دين المرصد كراچی٢/ ٣٠٦، زكريا٣/ ٢٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ شوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/ ۱۰/ ۱۴۳۴ھ

قرض کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

سوال: [۴۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے عمر کو پچاس ہزار روپیہ قرض دیئے عمر ہر سال ۱۰؍ ہزار روپئے زید کو دیکر کل پانچ سال میں پچاس ہزار کی زکوٰۃ نکالے یا جیسے جیسے عمر لوٹا تا جائے، اتنی رقم نصاب میں ملا کر ادا کرے مثلاً ایک سال ۱۰؍ ہزار لوٹائے تو نصاب میں ۱۰؍ ہزار ملا کر پھر دوسرے سال مزید دس ہزار لوٹائے تو اب کل بیس ہزار نصاب میں ملائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے جو عمر کو پچاس ہزار روپیہ قرض دیا ہے، اور

اس قرض کی واپسی ایک سال میں دس ہزار کے حساب سے ہوتی رہے گی، تو ایسی صورت میں اس کو دین قوی نہیں کہا جا سکتا بلکہ دین متوسط ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ جتنا وصول کرتا رہے گا، اتنے کی زکاۃ دینا لازم ہوگا، اور عمر پر زکاۃ اسلئے واجب نہیں ہوگی کہ درحقیقت وہ رقم زید کی ہے عمر کی نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر/ ۲۰۵)

عن عائشة رضی الله عنها قالت: ليس فی الدين زكاة ۔ (المصنف لابن أبي شيبة ، كتاب الزكاة ، من قال ليس فی الدين زكاة حتی يقبض مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٤٨٧، رقم: ١٠٣٦٤)

عن ابن عمرؓ قال: زكوا ما كان في أيديكم ، وما كان من دين فی ثقة فهو بمنزلة ما في أيديكم ، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقبضه . (السنن الكبریٰ للبيهقی ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على معسر أو جاحد دارالفكر ٦/ ٦٩، رقم: ٧٧١٧)

و روی ابن سماعة ، عن أبی يوسف عن أبی حنيفه رحمهم الله تعالیٰ أن الدين نوعان ، وجعل الوسط كالضعيف وهو اختيار الكرخی . (المبسوط ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال ، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٩٥)

إن رواية ابن سماعة أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المأتين ويحول الحول من وقت القبض هي الأصح من الروايتين عند أبي حنيفةؒ . (شامی ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال ، مطلب فی وجوب الزكاة ، في دين المرصد زكريا ديو بند٣/ ٢٣٨، كراچی ٢/ ٣٠٦، امداد الفتاویٰ ٢/ ٤٦ تا ٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/۸/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۰۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۸/۱۴۲۸ھ

مدیون پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی تاجر

مسلمان نے کاروبار کیلئے بینک سے مثلاً ایک لاکھ روپئے قرض لے رکھے ہیں، اوراس کے پاس ایک لاکھ کا زیور یا رقم ذاتی اپنے گھر میں موجود ہے لیکن اگر بینک کا قرض ادا کردے تو اس کے پاس کچھ نہیں بچتا ایسے تاجر مسلمان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ ایک عالم یہ فرماتے ہیں کہ یا تو خدا کا حق اور قرض ادا کرو یا بینک کا ورنہ گنہ گار رہو گے، اس مسئلہ کو حل فرما کر شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: داستان برادرس، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بینک کا قرض ادا کرنے کے بعد بقدر نصاب باقی نہ رہے تو اسپر زکوٰۃ واجب نہیں ہے بلکہ اسکو زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز ہے۔

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين، فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم، فتؤد منها الزكاة؛ قال محمد: وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله، فإن بقى بعد ذلك ما تجب فيه الزكاة، ففيه زكاة .... وإن كان الذى بقى أقل من ذلك بعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة رحمہ اللہ. (مؤطا امام محمد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، اشرفي ديوبند ۱/۱۷۲، ۱۷۳، رقم: ۳۲۳)

ومديون لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه وفى الظهيرية: الدفع للمديون أولىٰ منه للفقير الخ. (الدر المختار كتاب الزكاة باب المصرف، زكريا ۳/۲۸۹، كراچی ۲/۳٤۳، کوئٹه ۲/٦٦)

البتہ قرض سود پر لینا ناجائز اور مستحق لعنت ہے۔ (مسلم شریف)

عن جابر رضی اللہ عنہ قال لعن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء. (صحيح مسلم، باب لعن آكل الربا ومؤكله، النسخة

الهندية ۲/۲۷، بیت الأفکار رقم: ۱۵۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍شوال ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۳۸)

قرض کے علاوہ مابقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی

سوال: [۴۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فی الحال زید کے پاس کچھ بھی رقم نہیں ہے، لیکن زید ۲۰؍رمضان کو بیس ہزار روپئے کا مالک ہوجائے گا، زید پہلے سے تیس ہزار روپئے کا مقروض بھی ہے، تو کیا زید کل رقم کی زکوٰۃ دے گا، یا بچی ہوئی رقم کی زکوٰۃ دے گا یا نہیں؟

نوٹ: زید اس رقم کو ہر ماہ ۱۵۰۰؍یا ۲۰۰۰؍روپیہ کرکے ایک لاٹری میں جمع کرتا تھا، ایک ممبر ہونے کی حیثیت سے اور اس لاٹری میں سود وغیرہ بھی نہیں لیا جاتا ہے، اور نہ دیا جاتا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں واضح جواب سے نوازیں، عین نوازش ہوگی؟

المستفتي: نور عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر تیس ہزار روپیہ کا مقروض ہے تو چالیس ہزرا کا مالک ہوگا تو اس پر صرف دس ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا بقیہ ۳۰؍ہزار کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۱)

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان ؓ **كال يقول: هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين، فليقضه، وزكوا بقية أموالكم.** (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ماقالوا في الرجل يكون عليه الدين من قال: لا يزكيه، مؤسسه علوم القرآن ۶/ ۵۴۸، رقم: ۱۰۶۵۸)

في قدر دينه متعلق بقوله: فلا تجب فإنه إذا كان له أربع مئة درهم

مثلاً : وعليه دين كذلك لاتجب عليه الزكاة ، ولو كان دينه مأتين تجب زكاة مئتين . (مجمع الأنهر ، كتاب الزكاة ، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٨٧، مصرى قديم ١/١٩٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۲/۹/۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۲۹)

قرض کی زکوٰۃ کون ادا کرے گا

سوال: [۴۱۵٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بھائی کے پاس دوسرے بھائی کے کچھ پیسے نکل رہے ہیں، لیکن فی الحال ادائیگی کے پیسے نہیں ہیں اس لئے اس نے چند سال میں ادائیگی کا وعدہ کیا تو اس درمیان ان پیسوں کی زکوٰۃ کس کے ذمہ واجب ہوگی؟

المستفتي: محمد سلیم، کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس کے اوپر ادائیگی لازم ہے وہ مقروض ہے اور مقروض کے اوپر قرض کے پیسے کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اور جب فوری طور پر ادائیگی کی شکل نہیں ہے تو ایسی صورت میں مالک کے اوپر بھی ان پیسوں کی زکوٰۃ فی الحال واجب نہیں ہے جب پیسہ وصول ہوجائے گا تو اس کی زکوٰۃ واجب ہوگی ۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۴۸، ایضاح النوادر ۲/ ۲۸)

عن نافع عن ابن عمر قال : ليس فى الدين زكاة . (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة، باب لازكاة إلا ناض ، المجلس العلمى ٤/١٠٣، رقم: ٧١٢٥)

عن ابن عمر قال: زكاة أموالكم حول إلى حول ، فما كان دين ثقة فزكوه ، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقضيه صاحبه . (المصنف لابن

أبي شيبة ، كتاب الزكاة ، في زكاة الدين، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٤٨٥، رقم: ١٠٣٥١)

ولو كان الدين على مقر ملىء أو على معسر -إلى قوله -وعن محمدٌ لازكوٰة وهو الصحيح. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة ، زكريا ديوبند ٣/١٨٤، ١٨٥، كراچی ٢/٢٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۱/۸/۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۷۱)

دین اور قرض کی زکوٰۃ کس پر لازم

سوال: [۴۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دین کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی دائن پر جسکی ملک ہے لیکن قبضہ نہیں یا مدیون پر جس کے قبضہ وتصرف میں ہے لیکن اس کے ملک میں نہیں یا دین کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہ ہوگی، کیا اگر مدیون باوجود قدرت کے دین کی ادائیگی میں ٹال مٹول کررہا ہے، اوراس مال کوتجارت میں لگاکراستفادہ کررہا ہوایسی صورت میں اس مدیون پرزکوٰۃ واجب قراردی جاسکتی ہے؟

وصولیابی کی امیدی اور ناامید کےاعتبار سے دین کی قسمیں اور وجوب زکوٰۃ کا حکم کیا ہوگا؟ اوراگرزکوٰۃ واجب ہوگی تو کب اور وصولیابی کے بعد سابق کی زکوٰۃ بھی دین ہوگی یا وصول ہونے کے بعد مستقبل کی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی ،فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دیون کی زکوٰۃ سے متعلق اہم ترین تین شکلیں علی الترتیب یہاں پر درج کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) وہ دین جوتجارتی مال یا قرض کے طور پر لازم ہے، اور مدیون اس قرض کا اقرار بھی کرتا ہے اور مدیون ادائیگی پر قدرت بھی رکھتا ہے، اور دائن بآسانی اس کو وصول بھی کر

سکتا ہے، تو ایسے دین کو دین قوی کہا جاتا ہے، اور اسکی زکوٰۃ دائن پر واجب ہوا کرتی ہے، اس میں شریعت نے یہ رعایت دی ہے کہ وصول ہونے سے قبل ادا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب نصاب کے پانچویں حصہ کے بقدر وصول ہوجائے تو اس وصول شدہ کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں ادا کرتا جائیگا، اور حضرت امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ کے نزدیک جو کچھ بھی وصول ہوتا رہے گا اسکی زکوٰۃ چالیسویں حصہ کے حساب سے نکالنا واجب ہوگا، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح اور مفتی بہ ہے۔

أما القوي فهو الذی وجب بدلاً عن مال التجارة كثمن عرض التجارة من ثياب التجارة وعبيد التجارة أو غلة مال التجارة ولا خلاف في وجوب الزكاة إلا أنه لا يخاطب بأداء شيءٍ من زكوٰة ما مضى مالم يقبض أربعين درهماً فكلما قبض أربعين درهماً أدى درهما واحدا وعند أبي يوسفؒ ومحمدؒ كلما قبض شيئا يؤدى زكوته قلّ المقبوض أو كثر الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل من الشرائط التی ترجع إلى المال قديم ۲/ ۱۰، زكريا۲/ ۹۰، مثله رسائل الأركان /۱٦٥، مجمع الأنهر ۱/ ۱۹٥، قاضيخان، كتاب الزكاة، فصل فی مال التجارة زكريا ۱/ ۲٥۲، جديد۱/ ۱٥٥، ۱٥٦، البحر الرائق، كوئٹه ۲/ ۲۰۷، زكريا۲/ ۳٦۳)

ترجمہ: دین قوی وہ ہے جو مالِ تجارت وغیرہ کا بدل ہو جیسا کہ تجارتی کپڑے اور غلام وغیرہ سامان تجارت کا ثمن یا مال تجارت کی آمدنی اور اس میں وجوب زکوٰۃ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، لیکن سنین ماضیہ کی زکوٰۃ چالیس درہم یعنی نصاب کے پانچویں حصہ کے بقدر قبضہ ہونے سے پہلے واجب نہ ہوگی اور چالیس درہم وصول ہونے پر ایک درہم زکوٰۃ میں ادا کرنا لازم ہوگا اور حضرات صاحبین کے نزدیک جو کچھ بھی وصول ہوگا اسکی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، مقبوض کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔

(۲) اگر مدیون دین کا اقرار کررہا ہے مگر مفلس ہونیکی وجہ سے قرض ادا کرنے سے قاصر ہے، تو ایسی صورت میں اگر حاکم نے اس کو مفلس تصور کر کے اس پر افلاس کا حکم نہیں لگایا ہے تو دین متوسط کے حکم میں ہونے کی وجہ سے قبضہ ہونے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی دائن پر لازم ہوگا، اور اگر حاکم نے افلاس کا حکم لگا دیا ہے، تو مال ضمار اور دین ضعیف کے حکم میں ہونے کی وجہ سے قبضہ کرنے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا حضرت امام محمدؒ کے نزدیک دائن پر واجب نہ ہوگا، اس لئے کہ قبضہ سے قبل اس کے وصول پر دائن کو قدرت حاصل نہیں ہے اور حضرات شیخین کے نزدیک سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہے اس لئے کہ اس میں جانب فقراء کی رعایت پائی جاتی ہے، اور صاحب درمختار، صاحب تحفہ اور قاضی خان وغیرہ نے حضرت امام محمدؒ کے قول کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے، اور باقانی نے کافی سے نقل کر کے شیخین کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

ولو كان الدين (إلى قوله) على معسر أو مفلس أى محكوم بإفلاسه أو على جاحد عليه بينة وعن محمدؒ لا زكوٰة وهو الصحيح (وتحته فى الشامية) لولم يفلسه القاضى وجبت الزكوٰة بالاتفاق (إلى قوله) وهو الصحيح صححهٗ فى التحفة كما فى غاية البيان وصححه فى الخانية أيضا (إلىٰ قوله) ونقل الباقانى تصحيح الوجوب عن الكافى

ترجمہ: اگر تنگدست اور مفلس پر قرض ہے اور حاکم نے اس پر مفلس ہونے کا حکم لگادیا یا منکر پر دین ہے جس پر گواہ موجود ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک قبضہ ہونے پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے (اور شیخین کے نزدیک واجب ہے) اور اگر قاضی نے مفلس قرار نہیں دیا ہے، تو بالاتفاق سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہے، اور امام محمدؒ کے قول کو تحفہ غایۃ البیان خانیہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور باقانی نے کافی سے وجوب کے قول کی تصحیح نقل کی ہے۔

الخ. (الدر المختار مع الشامی ، کتاب الزکاة ، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء زکریا۳/۱۸٤، کراچی ۲٦۷، ومثله فی مجمع الانهر ، کتاب الزکاة ، المکتبة دار الکتب العلیمة ۲۸۸/۱، عنایه ، کتاب الزکاة ، زکریا ۱۷۷/۲، کراچی ۱۲۳/۲، بدائع ، کتاب الزکاة ، فصل وأما الشرائط التی ترجع إلیٰ المال زکریا ۸۹/۲، قدیم ۹/۲)

(۳) دین کا اقرار کررہا ہے، اور اس کے پاس ادا کرنے کیلئے مال بھی ہے لیکن ٹال مٹول کررہا ہے، اور مروز فردا میں کئی سال گذر گئے، اور دائن کو اس کے حاصل کرنے پر قدرت بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں قبضہ ہونے کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا دائن پر واجب نہیں ہوگا صرف مستقبل کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۳۵)

یقر المدیون بالدین وبملائته ولا یقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم. (شامی ، کتاب الزکاة ، باب المصرف ، زکریا۳/۲۹۱، کراچی ۳٤٤/۲)

مدیون دین کا اور مالداری کا اقرار کرتا ہے، اور دائن اس کے چھڑانے پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو وہ بمنزلہ عدم کے ہے، اور عدم پر شرعی حکم لاگو ہوکر زکوٰۃ وغیرہ واجب نہیں ہوا کرتی ہے۔

وأما دین الوسط فماوجب له بدلا عن مال لیس للتجارة (إلی قوله) وفیه روایتان عنه وروی ابن سماعه عن أبی یوسف عن أبی حنیفة أنه

ترجمہ: اور بہرحال دین متوسط وہ ہے جو اس کے ایسے مال کے بدلے واجب ہے جو مال تجارت نہیں ہے اور اس کے وجوب میں امام ابو حنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں، اور ابن سماعہ امام ابو یوسفؒ سے اور وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے

لا زكوٰة فيه حتى يقبض المأتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه الخ. (بدائع، كتاب الزكاة، فصل و ماالشرائط التى ترجع إلى المال زكريا ۲/ ۹۰، قديم ۲/ ۱۰، منحة الخالق، كتاب الزكاة، زكريا ۲/ ۳٦٣، كوئٹه ۲/ ۲۰۷، ومثله فى الشامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، مطلب فى وجوب الزكاة فى دين المرصد زكريا۳/ ۲۳۸، كراچى ۲/ ۳۰٦، ومثله فى مجمع الانهر، كتاب الزكاة، المكتبة دارالكتب العلمية ۱/ ۲۸۹)

نقل فرماتے ہیں، کہ اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے حتی کہ دوسو درہم قبضہ کرلے اور اس پر قبضہ کے بعد سال گذر جائے، اور یہی امام صاحب کی دونوں روایتوں میں سے صحیح اور راجح روایت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۱)

قرض وصول ہونے سے پہلے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں

سوال: [۴۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب نصاب ہے اور پہلے سے زکوٰۃ دیتا چلا آرہا ہے، اب اس کے زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت متعین ہے، مگر اس وقت فی الحال جو پیسہ باہر گیا ہوا ہے قرض کی شکل میں یا مال کی شکل میں اور اس کے واپس آنے میں وقت ہے تو کیا اس گئے ہوئے مال کی یہ شخص اس وقت زکوٰۃ ادا کریگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں قرض وصول ہونے سے قبل زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہوجائیگا تو اس کا چالیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۲۶، احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۲۶)

عن أبي مليكة، عن عائشةؓ قالت: ليس فيه (الدين) زكاة حتى يقبضه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، من قال: ليس فى الدين زكاة حتى يقبضه مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٤٨٦، رقم: ١٠٣٥٩)

إلا أنه لا يخاطب بأداء شيئى من زكوٰة مامضى مالم يقبض أربعين درهماً فكلما قبض أربعين درهماً أدىٰ درهماً واحداً. (بدائع، كتا ب الزكاة، مراتب الديون زكريا٢/ ٩٠، قديم كراچى ٢/ ١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍صفر المظفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۱۹ھ

قرض وصول ہونے پر اس کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے بکر کو کچھ روپیہ قرض دیا ایک سال کا عرصہ گزر گیا، بکر نے قرض ادا نہیں کیا، قرض وصول ہونے پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مقدار کیا ہوگی؟

المستفتي: شفیع احمد الاعظمی، بحرین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مقروض مفلس ہونے کی وجہ سے قرض ادا نہیں کر پایا تھا، تو یہ دین متوسط ہے امام محمدؒ کے نزدیک سنین ماضیہ کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے،

اور شیخینؒ کے نزدیک لازم ہے، اور مفلس نہیں ہوا تھا، بلکہ قدرت کے باوجود ادا نہیں کیا تھا، تو یہ دین ضغیف ہے ایسی صورت میں سنین ماضیہ کی زکوٰۃ کسی کے نزدیک لازم نہیں ۔(مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۲۸ تا ۳۰)

عن عبد بن دينار ، عن ابن عمرؓ قال: زكوا ما كان فى أيديكم ، وما كان من دين فى ثقة، فهو بمنزلة ما في أيديكم ، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقبضه . (السنن الكبرىٰ للبهقى ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على معسر أو جاحد، دار الفكر ٦٩٣، رقم: ٧٧١٧)

عن عطاء قال: ليس على صاحب الدين الذي هو له ، ولا الذي هو عليه زكاة. (المصنف لابن أبي شيبه ،كتاب الزكاة ، من قال: ليس فى الدين زكاة، حتى يقبض ،مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٤٨٦، رقم: ١٠٣٦١)

دیون کی تفصیل مندرجہ جوالوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ (المبسوط للسرخسى ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال دارالكتب العلمية بيروت ٢ /١٩٥، شامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال زكريا ٣/٢٣٦تا ٢٤٠، كراچى ٢/٣٠٥تا ٣٠٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٣/ ٢٤٠، مجمع الانهر ، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٢٨٩، مصرى قديم ١/ ١٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رصفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

مال غیر مقبوض پر قبضہ سے پہلے زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) احقر ایک معمولی تاجر ہے اور ۴/۵/ سال سے باہر پیسہ رکا ہوا ہے، جس کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی باقاعدہ نہیں ہورہی ہے۔

(۲) ایک سال سے ٹیکس جمع کرنے کی وجہ سے قرضدار ہوگئے، اسکی ادائیگی مع سود

کے کرنی ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کس طرح ہوسکتی ہے؟

المستفتي: اشرف علی محلّہ، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے پاس رکھے ہوئے مال کے علاوہ دوسرا مال نہیں ہے تو رکا ہوا مال وصول ہونے تک زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں ہے، جب وصول ہوجائے گا، تو سنین ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگا۔

عن الليث بن سعد، أن عبد الله بن عباس ، وعبدا لله بن عمرؓ قالا : من أسلف ما لا فعليه زكاته في كل عام ، إذا كان في ثقة . (السنن الكبریٰ للبيقهی، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين ، إذا كان على ملي موفیٰ ،دارالفكر ٦/٦٨، رقم: ٧٧١٣)

عن ابن أبي مليكة ، عن عائشةؓ قالت : ليس فيه (دين) زكاة حتى يقبضه . (المصنف لابن ابي شيبة ، كتا ب الزكاة ، من قال: ليس فی الدين زكاة حتى يقبض ٦/٤٨٦، رقم: ١٠٣٥٩)

فالدين القوی (إلى قوله) وأموال التجارة وكذا غلة مال التجارة (إلیٰ قوله) فإذا قبض أربعين درهماً زكی درهماً الخ . (مجمع الأنهر ، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت ١/٢٨٩، مصری قديم ١/١٩٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۹۵)

قرض کی وصولیابی کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ عرصہ کم وبیش چالیس سال ہوگیا جو رقم وصول ہوگی اسپر زکوٰۃ کس حساب سے واجب ہے؟

المستفتي: عبد العزیز، برتن بازار، شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: وصولیابی پر سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۴۵، ۵۲، ۷۷، ۸۲، ۹۰، ۹۵)

الـديـون ثلثة: دين قوى وهو بدل مال التجارة والقرض ودين وسط (إلىٰ قوله) ففى الدين تجب الزكوٰة إذا حال الحول ويتراخىٰ الأداء إلىٰ أن يـقبض أربعين درهماً وكلما قبض أربعين درهماً يلزمه درهم الخ. (قاضيخان على هامش الهندية، كتاب الزكاة، فصل في مال تجارة ۱/ ۲۵۲، جديد ۱/ ۱۵۵، وهكذا فى الشامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال زكريا ديوبند ۳/ ۲۳۶، كراچى ۲/ ۳۰۵، مصرى نعمانيه ۲/ ۲۷، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/ ۱۷۵، جديد ۱/ ۲۳۶)

البتہ اتنا لحاظ رہے کہ یافتہ رقم میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد والے سال کیلئے اداشدہ کو منہا کرکے ما بقیہ میں سے اس کا چالیسواں حصہ دینا ہے، پھر اس طرح ہر بعد والے سال کیلئے بیچ والے سال اداشدہ مجریٰ کرکے ہی زکوٰۃ ادا کرتے جائیں، اگر آخر میں نصاب کے مقدار نہ رہے، اور بیچ سال میں آکر کم ہوجائے تو اس کے ما بعد کیلئے زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

عـن السـائـب بـن يـزيـد أن عثـمـان بن عفان﷛ كال يقول: هذا شهر زكـاتـكم، فمن كان عليه دين، فليؤد دينه، حتى تحصل أموالكم فتؤد منها الزكاة؛ قال محمد﵀: وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من مـالـه، فإن بـقـى بـعـد ذلك مـا تجب فيه الزكاة، ففيه زكاة وتلك مائتا درهـم، أو عشرون مثقالاً ذهبا فصاعداً، وإن كان الذى بقى أقل من ذلك بـعد ما يدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة، وهو قول أبي حنيفة﵀. (مؤطا امام محمد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، اشرفي ديوبند ۱/ ۱۷۲، ۱۷۳، رقم: ۳۲۳)

عن حميد بن عبد الرحمن أن عبد الرحمن بن عبد القاری و كان علی بيت مال عمرؓ قال: –إلیٰ– ولكنهم كانوا إذا قبضوا الدين أخرجوا عنها لما مضى منها. (السنن الكبریٰ للبيهقي، كتاب الزكاة، باب زكاة الدين، إذا كان علی معسر أو جاحد، دار الفكر ٦/٦٩، رقم: ٧٧١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۶۹۵)

طویل الأجل قرض اورکونسا دین مانع زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کون سا دین مانع زکوٰۃ ہے دین کی قسمیں اوران کے احکام کیا ہیں، دین طویل الأجل آج کے دور میں زراعتی قرض تعمیر مکان کیلئے قرض، اوراس طرح کے مختلف قرض سرکار اپنے شہریوں کو دیتی ہے، جن کیلئے پانچ سال سے لیکر ۳۰، ۴۰ ؍سال کی طویل مدت مقرر کی جاتی ہے، اس مدت کے دوران قسطوار قرض کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، اس قرض کی مقدار بھی عموماً بہت بڑی ہوتی ہے، مثلاً زید نے اپنے کسی تجارتی کاروبار کیلئے پانچ کروڑ روپئے قرض لئے جسے پچاس قسطوں میں ادا کرنا ہے، یعنی سالانہ دس لاکھ روپئے ادا کرنا ہے یا کسی شخص نے ٹریکٹر کی خریداری کیلئے ایک لاکھ روپیہ قرض لیا جسے دس سال میں دس ہزار سالانہ کے لحاظ سے ادا کرنا ہے ان صورتوں میں وجوب زکوٰۃ کیلئے اموال زکوٰۃ سے پورے قرض کو منہا کیا جائے گا، یا سالانہ واجب الأداء قسط وضع کر کے باقی اموال پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائیگی؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ تمام دیون جو مدیون پر واجب الادا ہوتے ہیں،

وہ سب وجوب زکوٰۃ کو مانع ہیں اس لئے موجودہ دور میں تجارت کوفروغ دینے کیلئے اور فیکٹری اور فرم وغیرہ قائم کرنے کیلئے پبلک حکومت سے جو قرض لیتی ہے، اور ادائیگی کیلئے سالانہ ماہانہ قسط مقرر کی جاتی ہے، اور طویل الأجل قرض کے بارے میں بھی یہی حکم ہے، کہ مقدار قرض کو منہا کرنیکے بعد مابقیہ مال اگر نصاب کو پہونچ جاتا ہے، تو اسکی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور اگر نصاب کو نہیں پہونچتا ہے تو زکوٰۃ ہی اس مدیون پر واجب نہ ہوگی، نیز اگر ایک کروڑ روپیہ قرض میں لے رکھا ہے اور سالانہ پانچ لاکھ کے حساب سے بیس سال میں ادا کرتا ہے، تو سالانہ قسط کے لحاظ سے مجریٰ نہ ہوگا بلکہ پورے ایک کروڑ کو منہا کیا کریگا۔

فارغ عن الدين والمراد دين لهٔ مطالب من جهة العباد سواء كان الدين لهم أولله تعالىٰ وسواء كانت المطالبة بالفعل أو بعد زمان فينتظم الدين المؤجل . (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۲۸۶، مصرى قديم ۱/۱۹۳، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول فى تفسيرها وصفتها و شرائطها زكريا۱/۱۷۲، ۱۷۳، جديد ۱/۲۳٤، الدر مع الرد، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند۳/۱۷٦، ۱۷۷، كراچى ۲/۲٦۰، البحرالرائق، كتاب الزكاة، كوئٹه ۲/۲۰٤، زكريا ديوبند ۲/۳۵۷، ۳۵۸)

مال نصاب قرض سے بری ہو اور قرض سے ایسا قرض مراد ہے کہ منجانب العباد اس کا مطالبہ ہو چکا ہے وہ دین بندوں کا ہو یا اللہ تعالیٰ کا اور مطالبہ فی الحال اور بالفعل ہو یا مدت اور زمانے کے بعد، لہٰذا دین مؤجل بھی مانع زکوٰۃ میں شامل ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۴۵)

قسطوں میں وصول ہونے والی رقم پر زکوٰۃ کس طرح ادا کریں؟

سوال: [۴۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آڑت کے فائدہ کا روپیہ باہر رہتا ہے، اس روپیہ پر زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے، روپیہ قسطوں میں وصول ہوتا ہے، دس سال سے آڑت کا کام کرتا ہوں، مگر میرے پاس روپیہ اکٹھا نہیں رہتا ہے، کاغذوں میں رہتا ہے، تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ جواب باصواب سے ممنون فرمائیں، عین عنایت ہوگی؟

المستفتي: محمد یامین قریشی، آڑھتی موانہ کلاں، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ایک نصاب کا خمس یا اس سے زیادہ قسطوں میں وصول ہوجائے، اسکی زکوٰۃ ادا کردیا کریں، نیز اگر گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہے تو اسکی بھی ادا کرنا واجب ہوگا۔

اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثه قوی و متوسط و ضعیف فتجب زکوتها، إذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض أربعین درهماً من الدین القوی کقرض و بدل مال تجارة فکلما قبض أربعین درهماً یلزمه درهم. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، زکریا دیوبند ۳/۲۳۶، کراچی ۲/۳۰۵، مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۸۹، قدیم مصری ۱/۱۹۵، کوئٹہ ۲/۳۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۵۲)

بونڈس اور حکومت کو بطور قرض دی گئی رقم کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

بونڈس سے مراد یہ ہے کہ اکثر حکومتیں یا مختلف کمپنیز لوگوں سے قرضے مانگتی ہیں، اور ان قرضوں کی واپسی کیلئے کچھ مدت ۵/سال دس سال وغیرہ مقرر کرتی ہے، اور کچھ شرح فیصد سود کا بھی اعلان کرتی ہیں، اور بطور ثبوت قرض دہندہ کو سارٹیفکٹ ایشو کرتی ہیں، وہی بونڈ ہے سوال یہاں پر صرف اتنا ہے کہ جو کچھ سود کے نام پر دیا جاتا ہے، اس کی حرمت میں تو کوئی شبہ نہیں؟ قرض دہندہ نے جو سرمایہ بونڈس پر لگایا ہے، اس کی زکوٰۃ اسے ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ادا کرنی ہوگی تو سال بہ سال یا بونڈ کے کیش کرانے کے وقت سبھی گذرے ہوئے برسوں کی یا صرف آئندہ کی؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حکومت اور کمپنی وغیرہ کو طے شدہ مدت اور معاہدہ کے تحت جو رقم بطور قرض دی جاتی ہے، وہ شرعی طور پر دین قوی کے حکم میں ہوتی ہے، اسلئے قبضہ ہونے کے بعد سنین ماضیہ کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوا کرتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری کی البحر الرائق کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

الدين على ثلثة أقسام قوى وهو بدل القرض ومال التجارة (قوله) ففي القوى تجب الزكوٰة إذا حال الحول ويتراخى القضاء إلىٰ أن يقبض أربعين درهماً فيها درهم وكذا فيما زاد بحسابه الخ.

(البحر الرائق، كتاب الزكاة، الزكاة كوئٹه ۲/۲۰۷، زكريا ۲/۳٦۳)

ترجمہ: قرض اور دین تین قسموں پر ہے، (۱) دین قوی اور وہ بدل قرض اور مال تجارت ہے تو دین قوی کے اندر حولان حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے لیکن ادائیگی چالیس درہم کے قبضہ کرنے تک موقوف رہے گی، اس کے بعد جتنا وصول ہوتا رہے گا اس کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کیا کریگا۔

عن عبد الله بن دينار ، عن ابن عمرؓ قال: زكوا ماكان في أيديكم ، وما كان من دين في ثقة ، فهو بمنزلة مافى أيديكم ، الحديث: (السنن الكبرىٰ للبيهقى ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على معسراً وجاحد ، دار الفكر ٦/ ٦٩ ، رقم: ٧٧١٧)

عن الليث بن سعد أن عبد الله بن عباس ، وعبدالله بن عمر رضى الله عنهما، قالا: من أسلف مالاً فعليه زكاته فى كل عام، إذاكان فى ثقة . (السنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الزكاة ، باب الدين مع الصدقة ، دارالفكر ٦/ ٦٨، رقم: ٧٧١٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۰)

۳/باب زكاة الذهب والفضة والحلى

سونے چاندی کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۵]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱) سونا نہ ساڑھے سات تولہ ہے، اورنہ ہی چاندی ۵۲/تولہ ہے کم کم مقدار میں سوناچاندی ہے تو اس کیلئے زکوٰۃ کا کیاحکم ہے؟

(۲) اگرسوناساڑھے سات تولہ ہے، اورچاندی ۵۲/تولہ ہے تواسکی زکوٰۃ دینے کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سونااورچاندی جب نصاب سے کم ہیں تو دونوں کی قیمت لگا کرنصاب بنالیا جائے اور جب دونوں ملکرچاندی کے نصاب کو پہونچ جائیں توزکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔

عن الحسن أنه كان يقول: إذا كانت له ثلاثون ديناراً ومئة درهم، كان عليه فيها الصدقة، وكان يرى الدراهم والدنانير عينا كله. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الزكاة، فى الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانيز، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٣٩٣، ٣٩٤، رقم: ٩٩٨٠)

عن عبيدة قال: سألت إبراهيم عن رجل له مئة درهم وعشرة دنانيز؟ قال: يزكي من المئة درهم درهمين ونصفا ومن الدنانيز بربع دينار، قال: وسألت الشعبي فقال: يحمل الأكثر على الأقل، أوقال: الأقل على الأكثر، فإذا بلغت فيه الزكاة زكاهٗ. (المصنف لابن أبي شيبة، كتا ب الزكاة، فى الرجل تكون عنده، مئة درهم وعشرة دنانيز، مؤسسه علوم القرآن ٦/٣٩٣، رقم: ٩٩٧٨)

وتضم قيمة العروض إلىٰ الثمنين والذهب إلى الفضة قيمةً. (حاشية

الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکوٰۃ، دارالکتاب دیو بند/۷۱۷، قدیم /۳۹۰، هندیه، کتاب الزکوٰۃ، الباب الثالث الفصل الثاني في العروض زکریا دیو بند۱/۱۷۹، جدید ۱/۲۴۱، کنزالدقائق، کتاب الزکاۃ،باب زکاۃ المال قدیم ۱/۲۰)

(۲) جب سونا اور چاندی اپنے نصاب کو پہونچ جائیں تو دونوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔(مستفاد: ایضاح المسائل/۱۰۴)

عن علي رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ ببعض أول الحدیث قال: فإذا کانت لک مائتا درهم وحال علیها الحول، ففیها خمسة دراهم، ولیس علیک شیئی یعنی فی الذهب حتی تکون لک عشرون دیناراً، فإذا کانت لک عشرون دیناراً، وحال علیها الحول ففیها نصف دینار، فمازاد فبحساب ذلک. (سنن أبي داؤد، کتاب الزکاۃ، باب في زکاۃ السائمة، النسخة الهندیة ۱/۲۲۱، دارالسلام رقم:۱۵۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/۴۵۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۷/۵ھ

موجودہ اوزان کے اعتبار سے سونے چاندی کا نصاب زکوٰۃ

سوال: [۴۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے کتنا ہوتا ہے، اور تولہ کی مقدار کیا ہوتی ہے، بالتفصیل مع الدلائل تحریر فرمائیں؟ عین نوازش ہوگی۔

المستفتي: عبدالباری، دربھنگہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سونے میں زکوٰۃ کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۸۷؍گرام، ۴۸۰؍ملی گرام ہے اور موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے آٹھ تولہ سات

گرام ۴۸۰ رملی گرام سونا ہوتا ہے، اور چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۶۱۲ ر چھ سو بارہ گرام اور ۳۶۰ رتین سو ساٹھ ملی گرام ہے اور موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱ رتولہ دو گرام اور ۳۶۰ رملی گرام چاندی ہوتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رشعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳۲۲/۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲ رشعبان ۱۴۱۱ھ

صرف چھ تولہ سونا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں

سوال: [۴۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس چھ تولہ سونا ہے اس کے علاوہ نہ چاندی ہے نہ نقد پیسہ ہے نہ تجارتی سامان ہے صرف چھ تولہ سونا ہے، ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ تقریباً ۲۵ رہزار روپیہ کی مقدار کا سونا اس کے پاس ہے اگر کسی کے پاس اتنا روپیہ ہو کہ جتنے میں ساڑھے باون تولہ چاندی مل جائے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے؟ تو کیا اس چھ تولہ سونے کی چاندی بنا کر زکوٰۃ نکالیں گے؟ یا نقد روپئے میں تبدیل کر کے زکوٰۃ نکالیں گے یا سرے سے اس پر زکوٰۃ ہی واجب نہیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر صرف چھ تولہ سونا ہے، اور نہ چاندی اور نہ ہی نوٹ وسکہ ہے تو اس پر سرے سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور نہ ہی اس سونے کو چاندی یا روپیہ بنا کر زکوٰۃ دینے کی ضرورت ہے۔

عن علي عن النبي ﷺ ..... وليس عليك شيئ يعني في الذهب، حتى تكون لك عشرون ديناراً، فإذا كانت لك عشرون ديناراً، وحال عليها الحول ففيها نصف دينار، فمازاد فبحساب ذلك. (سنن أبي داؤد،

كتاب الزكاة ، باب في زكاة السائمة ، النسخة الهندية ۱/۲۲۱، دارالسلام رقم:۱۵۸۳)

نصاب الذهب عشرون مثقالاً وتحته فی الشامی فمادون ذلک لازکوٰة فيه الخ .(شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال، زکریا دیوبند۳/۲۲٤، کراچی ۲/۲۹۵)

نصاب الذهب عند جمهور الفقهاء عشرون مثقالاً، فلا تجب الزكاة في أقل منها. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/۲٦۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۳۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۲/۲۰ھ

سوتولہ چاندی سے زائد مقدار پر زکوٰۃ کا وجوب

سوال: [۴۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس سوتولہ چاندی ہے اور اس پر سال گذر چکا ہے، اور اس شخص کے اوپر سوتولہ چاندی کی قیمت سے زیادہ قرض ہے، اور قرضہ دینے والے شخص کی طرف سے مطالبہ بھی نہیں ہے اور قرض دینے والے سے تقریباً آٹھ دس مہینہ تک مطالبہ نہ کرنے کی امید ہے، اور اگر قرض دینے والا مطالبہ کرے گا تو دوسری جگہ سے قرض لیکر اس پہلے قرضہ کو ادا کرسکتا ہے، تو ایسی صورت میں سوتولہ چاندی پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ اور اگر دوسرے شخص سے قرض نہ لیکر اسی چاندی کو بیچ کر قرض ادا کردیا جائے، تو چاندی پر جو سال گذر چکا ہے تو اس چاندی کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد طالب، علی گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شخص مذکور کے پاس صرف سوتولہ چاندی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے اور سوتولہ سے وہ قرضہ ادا کرنا ہے، جو سوتولہ سے

زائد ہے تو ایسی صورت میں اس سوتولہ میں سال گذرنے کے باوجود بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے ، اور اگر اس سوتولہ سے قرض ادانہیں کرنا ہے، بلکہ قرض ادا کرنے کیلئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے ، تو ایسی صورت میں اس قرضہ کا تعلق سوتولہ سے نہیں ہوگا ، اور جب قرضہ کا تعلق اس سوتولہ سے نہیں ہوگا ، تو اس پر زکوٰۃ لازم ہوجائیگی ، اور اگر دوسری جگہ سے قرضہ لیکر پہلا قرضہ ادا کردیا ہے، اور دوسرے قرضہ کو اسی سوتولہ سے ادا کرتا ہے ، تو پھر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی ، اور فقہاء نے جہاں جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ قرضدار کیلئے زکوٰۃ لیکر قرض ادا کرنا جائز ہے، وہاں پر یہی مراد ہے کہ اپنی ساری ملکیت سے قرضہ ادا کردیا جائے، اس کے بعد بھی قرض باقی رہے تو بقیہ قرض زکوٰۃ سے ادا کرنا جائز ہوتا ہے ۔ (مستفاد : ایضاح المسائل/ ۱۱۱)

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه قال و الغارم من لزمه دين أوله دين على الناس لا يقدر على أخذه وليس عنده نصاب . (شامي على الدر، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ديوبند۳/ ۲۸۹، كراچی ۲/ ۳٤۳، هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف زكريا ديوبند۱/ ۱۸۸، جديد۱/ ۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۶۹۴)	۱۴۲۶/۲/۲ھ

ایک ہزار روپیہ کے سونے پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

سوال: [۴۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ہزار روپیہ کے سونے پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

المستفتي: منصور احمد، تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اگر آپ کو ہزار روپیہ میں ساڑھے سات تولہ یا اس سے زیادہ سونا مل سکتا ہے، تو ہزار روپیہ کے سونے پر اس کا چالیسواں حصہ یعنی پچیس روپیہ زکوۃ میں دینا واجب ہوگا۔

عن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : يا علي إني عفوت عن صدقة الخيل .... ولكن هاتوا ربع العشورمن كل مائتى درهم خمسةدرهم ، ومن كل عشرين ديناراً نصف دينار ، وليس في مائتي دراهم شيئى حتى يحول عليها الحول، فإذا حال عليها الحول ففيها خمسة دراهم ،فمازاد ففي كل أربعين درهما درهم . (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة ، باب صدقة العين ، المجلس العلمي ٤/٨٨، رقم: ٧٠٧٧)

عن ابن عمر وعائشة أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يأخذ من كل عشرين ديناراً فصاعداً نصف دينار، ومن الأربعين ديناراً . (سنن ابن ماجه ، أبواب الزكاة ، باب زكاة الورق والذهب ، النسخة الهندية ١/١٢٨، دار السلام رقم: ١٧٩١)

ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فإذا كانت عشرون مثقالا ففيها نصف مثقال الخ. (هدايه ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال فصل فى الذهب ، اشرفيه ديوبند١/١٩٥)

نصاب زربست مثقال است كه هفت ونيم توله باشد الخ. (مالا بد منه، مطبوعه لكهنؤ/١٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۹۸)

سامان تجارت اور تھوڑے سونے پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۷۰]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس کچھ سامان تجارت ہے لیکن بقدر نصاب نہیں اور تھوڑا سونا ہے وہ بھی نصاب کی مقدار نہیں ، البتہ سب ملایا جائے تو چاندی کا نصاب پورا ہوتا ہے، پھر بھی سونے کا نصاب پورا نہیں ہوتا ہے،تو مذکورہ صورت میں زید پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو اس کی وجہ کیا ہے؟

المستفتي: محمد اشفاق، ہاوڑہ مغربی، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں اگر سامان تجارت کی قیمت کو سونے سے ملاکر چاندی کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے،تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی،اس کی وجہ یہ ہے کہ چاندی کے نصاب کا اعتبار کرنے کی صورت میں فقراء کا فائدہ زیادہ ہے، جب چاندی کے نصاب کا اعتبار نہ کیا جائے تو زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہوتی،تو ایسی صورت میں فقراء کا نقصان ہےاس لئے ایسی صورت میں فقہاء نے چاندی کے نصاب کااعتبار کیا ہے۔

حدثنا سفيان الثوري عن عمر بن يعلىٰ الطائفي الثقفي عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم وفي إصبعي خاتم من ذهب فقال: ’’ تؤدي زكاة هذا‘‘ فقلت : يارسول الله ! وهل في ذا زكاة ؟ قال نعم ، جمرة عظيمة ، قال الوليد : فقلت لسفيان كيف تؤدي زكاة خاتم وإنما قدره مثقال أو نحوه؟ قال: تضيفه إلى ما تملك فيما يجب في وزنه الزكاة ثم تزكيه . (السنن الكبریٰ للبیهقی، باب تحریم تحلی الرجال بالذهب ، دارالحدیث القاهره ٤/٤٢١، رقم: ٧٥٨٥)

وتضم قيمة العروض إلىٰ الذهب والفضة حتى يتم النصاب . (هدايه ، كتاب الزكاة ،با ب زكاة المال ،اشرفيه ديو بند١ /١٩٦)

یقومها بما هو أنفع للمساکین احتیاطاً لحق الفقراء الخ. (هدایه، کتاب الزکاة، باب زکاة المال اشرفیه دیوبند۱/ ۱۹۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۳۱ھ

سونا، چاندی علیحدہ طور پر بقدر نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ کس طرح نکالے

سوال: [۴۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس تقریباً آدھا کلو چاندی اور ڈھائی تولہ سونا ہے دونوں میں سے کسی کا بھی نصاب مسئلہ کے مطابق پورا نہیں ہے پوچھنا یہ ہے کہ سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس طرح ادا کروں؟ دونوں کی یا ایک کی؟

المستفتي: عبد السلام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسئولہ صورت میں آپ پر صرف ایک نصاب کی زکوٰۃ لازم ہوگی جس کا طریقہ یہ ہے کہ سونے کی موجودہ قیمت لگا کر اس کو چاندی تسلیم کرلیں اور چاندی کا نصاب بارہ ماشہ کے ساڑھے باون تولہ (۵۲½ ؍تولہ) کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۶۱۲ ؍گرام ۳۶۰ ؍ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱ ؍تولہ ۲ ؍گرام ۳۶۰ ؍ملی گرام اگر چاندی کی قیمت بن جاتی ہے، تو چاندی کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۰۲)

عن عبيدة قال: سألت إبراهيم عن رجل له مئة درهم وعشرة دنانير؟ قال: يزكي من المئة درهم درهمين ونصفاً، ومن الدنانيز بربع دينار، قال: وسألت الشعبي فقال يحمل الأكثر على الأقل أو قال: الأقل على الأكثر، فإذا

بلغت فيه الزكاة زكاةً. (المصنف لابن ابي شيبة ،الزكاة ، ماقالوا فى الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانيز ، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٣٩٣، رقم:٩٩٧٨)

ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة الخ.

(درمختار، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال زكريا ديوبند٣/٢٣٤ ، كراچى ٢/٣٠٣، هدايه ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال ، فصل فى الذهب ،اشرفيه ديوبند ١/١٩٦، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، كتاب الزكاة ، دارالكتاب ديوبند/٧١٧، قديم /٣٩٠، هنديه ،كتاب الزكاة الباب الثالث الفصل الثاني فى العروض زكريا ديوبند١/١٧٩، جديد ١/٢٤١، كنزالدقائق ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال قديم ١/٢٠، بدائع الصنائع، كتاب الزكاة ، فصل في صفة الذهب زكريا ديوبند٢/١٠٦ ، خانيه على هامش الهنديه ،كتاب الزكاة ، فصل في مال التجارة ، زكرياديوبند١/٢٥٠، جديد ١/١٥٤، الفتاوىٰ التاتار خانيه ، الفصل الثاني ، زكاة المال كوئٹه ٢/٢٤٥، زكريا ديوبند ٣/١٥٨، رقم: ٣٩٨٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷رجمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۵/۶۷۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۶/۱۴۲۱ھ

سونا، چاندی الگ الگ نصاب کو نہیں پہونچے تو؟

سوال: [۴۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس کچھ روپئے ہیں جو چاندی کے نصاب تک نہیں پہونچتے ہیں، اور تھوڑا سونا ہے وہ بھی سونے کے نصاب تک پہونچتا نہیں ہے، لیکن روپئے اور سونا دونوں ملائے جائیں تو چاندی کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے، پھر بھی سونے کا نصاب پورا نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں زید کو کیا کرنا ہے؟ کیا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ کس حساب سے ہوگی؟

المستفتي: اشفاق، ہاوڑہ، مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب روپئے اور سونے کو ملا کر چاندی کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت میں آپ پر زکوۃ واجب ہوگی۔

عن عبيد الله بن عبيد، قال: قلت لمكحول: يا أبا عبدالله! إن لي سيفا فيه خمسون ومئة درهم، فهل علي فيه زكاة؟ قال: أضف إليه ما كان لک من ذهب وفضة، فإذا بلغ مئتي درهم ذهب وفضة، فعليک فيه الزكاة. (المصنف لابن ابي شيبة، كتاب الزكاة، في الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانير، مؤسسه علوم القرآن جديد ٣٩٣/٦، رقم: ٩٩٧٩)

وتضم قيمة العروض إلى الثمنيين والذهب إلى الفضة قيمة. (حاشية الطحطاوي على المراقي، كتاب الزكوٰة، دارالكتاب ديوبند /٧١٧، قديم: ٣٩٠، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثالث الفصل الثاني في العروض زكريا ديوبند ١٧٩/١، جديد ٢٤١/١)

فمن ملک النصاب من الورق المالي ومكث عنده حولاً كاملاً وجبت عليه زكاته باعتبار زكاة الفضة. (تكمله فتح الملهم، كتاب المساقاة والمزارعة، حكم الأوراق المالية، اشرفيه ديوبند ٥١٧/١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۱۲۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۷/۹ھ

سوا کلو چاندی اور ۴؍ تولہ سونے کی زکوۃ کس طرح ادا کی جائیگی؟

سوال: [۴۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر سوا کلو چاندی اور چار تولہ سونا دونوں چیزوں کو ملا کر نصاب کو پہونچتی ہیں تو ½ ۵۲؍ چاندی کا حساب لگایا جائے گا؟ یا ڈھائی تولہ سونے کا حساب لگایا جائیگا؟ اول چاندی سونے میں تبدیل

ہوگی یا سونا چاندی میں تبدیل ہوگا؟ یا دونوں کی قیمت ایک جگہ جمع کیا جائے گی؟ مسئلہ کی اس طرح وضاحت فرمائیں کی بات صاف سمجھ میں آجائے؟

المستفتي: عقیل احمد، حسن پور، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوا کلو چاندی میں دو نصاب پورے ہوکر کچھ زائد ہوتا ہے، اولاً ۱۰۵ ر تولہ چاندی کی زکوٰۃ ادا کردی جائے، اس بقیہ چاندی کو ۴ر تولہ سونے کے ساتھ ملا کر اگر سونے کے ساتھ نصاب کو نہیں پہونچتا ہے تو دیکھا جائے کہ چاندی کے نصاب کو پہونچتا ہے یا نہیں؟ اگر چاندی کے نصاب کو پہونچ جاتا ہے، تو قیمت لگا کر چاندی کے نصاب کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کردی جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۱۰۸)

عن عبيد الله بن عبيد، قال: قلت لمكحول : يا أبا عبدالله ! إ ن لي سيفا فيه خمسون ومئة درهم ، فهل علي فيه زكاة؟ قال: أضف إليه ما كان لک من ذهب وفضة، فإذا بلغ مئتي درهم ذهب وفضة ، فعليک فيه الزكاة. (المصنف لابن ابي شيبة ، كتاب الزكاة ، فى الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانير ،مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٣٩٣، رقم: ٩٩٧٩)

ويضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال كوئٹه ٢/ ٣٧، زكريا ديوبند٣/ ٢٣٤، كراچى ٢/ ٣٠٣، مجمع الأنهر ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الذهب والفضة والعروض ، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٠٦، ٣٠٧، قديم ١/ ٢٠٧، المبسوط للسرخسى، كتاب الزكاة، باب المال ،دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ١٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ر محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۹۰)

پانچ تولہ سونا اور تین تولہ سونے کے بقدر روپئے پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے پاس ۵ر تولہ سونا ہے اور تین تولہ سونے کی مقدار روپیہ ہے تو سونا اور روپیہ ملا کر میرے اوپر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: مزمل الحق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پانچ تولہ سونا اور تین تولہ سونے کے بقدر روپئے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہے، اسلئے کہ روپئے کو چاندی کے درجے میں مان لیا گیا ہے، لہذا دونوں چیزیں ملا کر نصاب مکمل ہو رہا ہے، اگر یہ بات سونے چاندی میں ہوتی تو ایک کو دوسرے کیساتھ ملایا جاتا اسلئے یہاں روپئے کو سونے کیساتھ ملایا جائیگا۔

عن الحسن أنه كان يقول: إذا كانت له ثلاثون ديناراً ومئة درهم، كان عليه فيها الصدقة، وكان يرى الدراهم والدنانير عينا كله. (المصنف لابن أبي شيبه ، كتاب الزكاة، في الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانيز ،مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٣٩٣، ٣٩٤، رقم: ٩٩٨٠)

عن عمر بن يعلى الطائفي الثقفي عن أبيه عن جده قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم وفي إصبعي خاتم من ذهب فقال: تؤدي زكاة هذا فقلت يارسول الله ! وهل في ذا زكاة؟ قال: نعم جمرة عظيمة ، قال الوليد : فقلت بسفيان : كيف تؤدى زكاة خاتم وإنما قدره مثقال أو نحوه ؟ قال : تضيفه إلى ماتملك فيما يجب في وزنه الزكاة ، ثم تزكيه . (السنن الكبرى للبيهقي، باب تحريم تحلي الرجال بالذهب ، دار الحديث القاهره ٤/٤٢١ ، رقم الحديث/٧٥٨٥)

ويضم الذهب إلىٰ الفضة وعكسه بجامع الثمنية . (الدر المختار

مع الشامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ۲/۳۰۳، زکریا ۳/۲۳۴)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۹۴۴)

چار تولہ سونا اور دو تولہ چاندی سے وجوب زکوٰۃ

سوال: [۴۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کسی کے پاس چار تولہ سونا اور دو تولہ چاندی ہے اس کے علاوہ نقدی کچھ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسپر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتي: حافظ رئیس الدین، محلّہ مانپور، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر چار تولہ سونے کی قیمت دو تولہ چاندی کے ساتھ ملانے سے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کو پہونچ جائے تو حساب کرکے زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔

عن عبيد قال–إلىٰ–وسألت الشعبي فقال: يحمل الأكثر على الأقل، أو قال: الأقل على الأكثر، فإذا بلغت فيه الزكاة زكاهٗ. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الزكاة، فى الرجل تكون عنده مئة درهم وعشرة دنانير، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٣٩٣، رقم: ٩٩٧٨)

وكذلک الذهب إلىٰ الفضة بالقيمة حتى يتم النصاب عند أبي حنيفةؒ الخ. (الجوهر النيره، كتاب الزكاة، باب زكاة العروض، دارالكتاب ديوبند ١/١٥١، كراچى ١/١٥٣)

قومه بالأنفع للفقير. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال

زکریا دیوبند ۲۲۹/۳، کراچی ۲۹۹/۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۵۸۳)

سونے چاندی کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کریں؟

سوال: [۴۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) عمر کے پاس دس تولے سونا ہے، جس کی قیمت اگر وہ اپنے سونے کو بازار میں بیچنا چاہے، تو ۲۴۰۰۰؍ ملتے ہیں، لیکن اگر وہ اتنا سونا بازار سے خریدتا ہے، تو اس کو ۲۹۰۰۰؍ روپئے اس کی قیمت دینی ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ عمر کو زکوٰۃ ۲۴۰۰۰؍ روپیہ پر دینی ہے یا ۲۹۰۰۰ پر دینی ہے، جبکہ وہ حقیقت میں ۲۴۰۰۰؍ روپیہ کی مالیت کا مالک ہے۔

(۲) عمر جمادی الثانیہ میں ۴۰۰۰۰؍ روپیہ کی مالیت کے ایسے سامان کا مالک ہوتا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اس نے زکوٰۃ نکالنے کا رمضان کا مہینہ طے کر رکھا ہے کیا وہ اپنی اس چالیس ہزار روپیہ پر زکوٰۃ اس چھ ماہ کے بعد آنے والے رمضان کے مہینے میں نکالے گا، یا پھر ڈیڑھ سال آنے والے رمضان المبارک کے مہینے میں یا پھر ایک سال کے بعد جمادی الثانیہ کے ہی مہینے میں۔

(۳) ایک شخص دو تولہ سونے اور بیس تولہ چاندی کا مالک ہے کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، کیونکہ دو تولہ سونے سے ۹۶ تولہ چاندی خریدی جا سکتی ہے؟

المستفتي: احقر عبد الحق، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) اس مسئلہ میں فقہاء نے دونوں پہلوؤں پر عمل کی گنجائش لکھی ہے قوت خرید کی قیمت کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے، کہ اس میں فقراء کا فائدہ زیادہ

ہےاور قوت فروختگی کی قیمت کا اعتبار یوں کیاجاتا ہے، کہ وہ درحقیقت اتنی ہی قیمت کا مالک ہے،اور فقہاء نے انفع للفقراء کے پیش نظر قوت خرید پر فتویٰ لکھنے کو بتلایا ہے،لیکن اگر کوئی قوت فروختگی کے اعتبار سے زکاۃ ادا کرے گا تو وہ بھی بلا تردد جائز ہے، اسلئے کہ وہ اتنے ہی کا مالک ہے،لہٰذا دونوں طرح کی گنجائش ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/۱۰۷،کتاب المسائل۲/۱۵۱)

والمعتبر وزنهما أداء ووجوبا وقال الشامی: يعنی يعتبر أن يكون المؤدی قدر الواجب وزناً عند الإمام والثانی .... واعتبر محمد الأنفع للفقراء. (شامی ، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال کراچی ۲/ ۲۹۷، زکریا۳/ ۲۲۷)

وجاز دفع القيمة فی زكاة وفی الشامية : ثم إن المعتبر عند محمد الأنفع للفقير من القدر والقيمة. (شامی، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ الغنم کراچی ۲/ ۲۸۵، زکریادیوبند ۳/ ۲۱۰، ۲۱۱،حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الزکاۃ ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲٤)

(۲) عمر جمادی الثانیہ کی جس تاریخ میں صاحب نصاب ہوا ہے آئندہ سال جمادی الثانیہ کی اسی تاریخ میں اس پر زکوٰۃ نکالنا واجب ہے اگر وہ اس سے پہلے صاحب نصاب نہ رہا ہو، البتہ چونکہ رمضان المبارک میں زکاۃ نکالنے کی فضیلت ہے اور وہ یہ فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے،تو اس کیلئے مناسب ہے کہ جمادی الثانیہ میں زکاۃ کا حساب لگا کر رقم علیٰحدہ کردے اور پھر اس کو رمضان المبارک میں تقسیم کردیا کرے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۲۱، کتاب المسائل۲/۱۳۳)

عن علي ، قال: ليس فی مالٍ زكاة حتیٰ يحول عليه الحول. (مسند أحمدبن جنبل ۱/ ۱۲۸، رقم: ۱۲٦٥، المصنف لابن أبي شيبة ، كتاب الزكاة ، المال يستفاد ، متى تجب فيه الزكاة ، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٤٧٩، رقم : ١٠٣١٤، ١٠٣١٥، سنن الدارقطني ، كتاب الزكاة ، باب وجوب الزكاة بالحول ، دارالكتب العلمية بيروت۲/ ۷۷، رقم:١٨٧٥)

وشرط افتراض أدائها حولان الحول وهو فی ملکه . (الدر مع الرد، کتاب الزکاۃ ، الباب الأول فی تفسیر ها وصفتها و شرائطها زکریا دیو بند ۱/ ۱۷۵)

وسببه أی سبب افتراضها ملک نصاب حولی نسبة للحول وقال الشامی: أی الحول القمری لا الشمسی. (شامی ، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/ ۲۵۹، زکریا ۳/ ۱۷۵)

(۳) اگر سونے اور چاندی دونوں کے زیورات یا اشیاء ملکیت میں ہوں لیکن کسی ایک کا نصاب بھی پورا نہ ہو تو دونوں کو ملا کر قیمت لگائی جائیگی، اگر دونوں کی قیمت چاندی کے نصاب کو پہونچ جائے، تو زکاۃ واجب ہوجائیگی، لہذا مسئولہ صورت میں چونکہ سونے اور چاندی کی قیمت چاندی کے نصاب کو پہونچ رہی ہے، اس لئے اس پر زکاۃ واجب ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۰۵، کتاب المسائل ۲/ ۱۳۵)

ویضم الذهب إلیٰ الفضة وعکسه بجامع الثمنية قيمة. (درمختار) وفی الشامية : فمن له مأة درهم وخمسة مثاقيل قيمتهامأة عليه زكاتها الخ. (شامی ، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ المال کراچی ۲/ ۳۰۳، زکریا ۳/ ۳۳٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۳۶)

زیورات کی زکوٰۃ کس حساب سے دی جائیگی

سوال: [۱۷۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے کا بھاؤ برابر بڑھ رہا ہے، زیور کی زکوٰۃ کس حساب سے دی جائیگی، شرع کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: محمد نسیم ہتمبا کووالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زیورات کی قیمت حضرات صاحبین کے قول کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی کے دن مارکیٹ میں خریداری کا جو بھاؤ ہو اسی کے حساب سے لگانا لازم ہے، اس میں فقراء کا فائدہ ہے یعنی خریدنے میں اگر پچاس ہزار روپیہ کا اور بیچنے میں پینتالیس ہزار کا بنتا ہے، تو پچاس ہزار کی زکوٰۃ نکلے گی۔

عن الحسن في رجل اشترى متاعاً فحلت فيه الزكاة ؟ فقال: يزكيه بقيمته يوم حلت. (المصنف لابن أبي شيبه ، كتاب الزكاة، ماقالوا في المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

عن ابن جريج ، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة ، باب الزكاة من العروض ، المجلس العلمي٤/٩٧، رقم: ٧١٠٥)

ولو أراد أن يؤدي القيمة جاز عندنا لكن عند أبي حنيفةؒ في الزيادة والنقصان جميعاً يؤدي قيمتها يوم الحول وعند هما في الفصلين جميعاً يؤدي قيمتها يوم الأداء في النقصان وفي الزيادة. (بدائع، كتاب الزكاة ، فصل التصرف في مال الزكاة، زكريا ديوبند٢/١١٥، كراچی قديم ٢/٢٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۵۳۷)

سونے چاندی کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کی جائے؟

سوال: [۴۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے چاندی کی زکاۃ کس اعتبار سے ادا کی جائے گی، خریدی ہوئی قیمت کے اعتبار سے یا موجودہ

بازاری قیمت کے اعتبار سے؟

المستفتي: مولوی محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سونے اور چاندی کی زکاۃ موجودہ بازاری قیمت کے اعتبار سے نکالی جائے گی۔

عن ابن جريج قال: سمعت أناأنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة ، الزكاة من العروض ، المجلس العلمى ٩٧/٤،رقم: ٧١٠٥)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يو م الأداء .... وهو الأصح . (شامی، كتاب الزكاة ، باب زكاة الغنم كراچی ٢٨٦/٢، زكريا ٢١١/٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲ر ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۴۹/۳۸)	۱۴۲۹/۱۱/۱۳ھ

زیورات کی زکوٰۃ کس قیمت سے ادا کی جائے؟

سوال: [۴۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس دس تولے سونے کے زیورات ہیں، مانا کہ اس وقت مارکیٹ میں سونے کی قیمت چھ ہزار روپئے فی تولہ ہے، زید کے پاس جو زیورات ہیں اگر وہ انہیں مارکیٹ میں فروخت کرنا چاہے تو وہ پانچ ہزار روپئے فی تولے کے حساب سے فروخت ہوتے ہیں، آپ سے یہ معلوم کرنا ہے، کہ زید جو زکوٰۃ نکالے وہ اوپر دی گئی کون سی قیمت کے حساب سے نکالے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ بات واقعی ہے کہ زیورات بازار سے خریدنے کے بعد اسی بازار میں اسی صراف کے ہاتھ فروخت کرنا چاہیں، تو ٹانکے کاٹنے کے نام سے

وزن سے کچھ مقدار مجریٰ کر کے لیتے ہیں، جس سے مثلاً بارہ سو روپیہ کی خریدی ہوئی چیز کی قیمت ایک ہزار رہ جاتی ہے، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا کرتے وقت خریداری کی قیمت کا لحاظ کر کے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں چھ ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

وتعتبر القيمة يوم الوجوب ، وقالا يوم الأداء (تحته فی الشامية ، وفی المحيط) يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامی، كتاب الزكاة ، باب زكاة الغنم زكريا ديوبند ۳/۲۱۱، كراچی ۲/۲۸٦)

عن الحسن فی رجل اشتری متاعاً فحلت فيه الزكاة ؟ فقال: يزكيه بقيمته يوم حلت . (المصنف لابن أبي شيبه ، كتاب الزكاة، ماقالوا فی المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ، مؤسسه علوم القرآن جديد٦ /٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۲۳۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

رشتہ دار کے پاس رکھی چاندی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے پاس کچھ چاندی ہے اس کو کسی رشتہ دار کے پاس استعمال کے واسطے دیا ہے، تو کیا اس پر بھی زید کے ذمہ زکوٰۃ واجب ہے؟

المستفتي: محمد زبیر، مومن داس، پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زید کے واپسی کا مطالبہ کرنے پر بغیر انکار کے دیدینے کا یقین ہے تو زید ہی پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔

عن الليث بن سعد ، أن عبد الله بن عباسؓ وعبد الله بن عمر قالا : من أسلف مالا فعليه زكاته في كل عام، إذا كان في ثقة. (السنن الكبریٰ للبیهقی ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذاكان على ملى موفى دار الفكر ٦/٦٨، رقم: ٧٧١٣)

اعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة قوى ومتوسط وضعيف فتجب زكاتها، إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لافوراً بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض الخ. (الدر المختار مع الشامی ، كتاب الزكاة ، باب زكاة المال زكريا ديوبند٣/٢٣٦، ٢٣٧، كراچی ٢/٣٠٥، حاشية الطحطاوی علی المراقی ، كتاب الزكاة، دارالكتاب ديوبند/٧١٧، قديم /٣٩٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۷۱)

گروی رکھے ہوئے زیور پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۱۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت کے پاس اچھا خاصہ زیور تھا، وہ اسکی زکوٰۃ دیتی رہی ہے، لیکن اب سارا زیور گروی رکھا ہوا ہے، اس کے پاس صرف ۶ رتولہ سونا زیور باقی ہے اور گروی والے زیور کی دور تک چھوٹنے کی کوئی صورت سامنے نہیں ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ دے یا نہ دے اور دے تو کتنے زیور پر چاندی بالکل نہیں ہے؟

المستفتیہ: انجم آراء، محلّہ رفعت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی ملکیت کو قرضہ سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے کہ قرضہ کے بقدر مجریٰ کرنے کے بعد اگر نقدی وزیور وغیرہ کو ملا کر چاندی کے نصاب کے

بقدر بچ جاتا ہے تو اس کی زکوٰۃ دینی لازم ہوگی اور اگر چاندی کے نصاب کو نہیں پہونچتا ہے، تو زکوٰۃ دینی لازم نہ ہوگی، بلکہ قرضہ ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ لے سکتی ہے۔

عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان ؓ **كان يقول: هذا شهر زكاتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه حتى تحصل أموالكم فتؤدوا منها الزكاة، قال محمد** ؒ **: وبهذا نأخذ من كان عليه دين وله مال فليدفع دينه من ماله فإن بقي بعد ذلك ماتجب فيه الزكاة ففيه زكاة وتلك مائتا درهم أو عشرون مثقالاً ذهباً فصاعداً وإن كان الذى بقي أقل من ذلك بعد مايدفع من ماله الدين فليست فيه الزكاة وهو قول أبي حنيفة** ؒ . (مؤطا إمام محمد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال اشرفی دیوبند۱/ ۱۷۲، ۱۷۳، رقم: ۳۲۳)

مديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه . (الدر مع الرد، كتاب الزكاة ، باب المصرف زکریادیوبند۳/ ۲۸۹، کراچی ۲/ ۳۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۳۸۵)

مسلم فنڈ میں رکھے زیور پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بعض حضرات اپنا زیور بطور حفاظت مسلم فنڈ میں رہن رکھتے ہیں اور روپیہ قرض لیتے ہیں دو فائدے کیوجہ سے ایک تو زیور کی حفاظت رہتی ہے، دوسرے روپیہ لیکر کاروبار کرتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کیا ایسے زیور پر زکوٰۃ فرض رہتی ہے، یا زکوٰۃ ختم ہے جیسا کہ راہن اور مرتہن پر زکوٰۃ نہیں ہے، بہت لوگوں نے یہ جزئیہ سن کر اپنے اپنے زیورات رہن پر رکھنا شروع کردیئے ہیں شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرشید، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مسلم فنڈ میں چاہے حفاظت کی غرض سے بطور رہن زیور رکھا جائے یا پیسوں کی ضرورت کی وجہ سے قرض لینے کی غرض سے زیور رہن میں رکھا جائے، ہرصورت میں رہن میں رکھے ہوئے زیور پر زکوٰۃ واجب نہیں، مرتہن پر اسلئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے کہ مرتہن کو ملک رقبہ حاصل نہیں ہے، اور راہن پر اسلئے واجب نہیں ہوتی ہے کہ مال رہن پر راہن کا قبضہ باقی نہیں رہتا ہے، اور وجوب زکوٰۃ کیلئے ملک تام لازم ہے، اور بغیر قبضہ کے ملک تام حاصل نہیں ہوتی ہے، اس لئے راہن پر بھی مال رہن کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اور رہن چھوڑ کر کے واپس حاصل کر لینے کے بعد بھی راہن پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے، اس لئے سوال نامہ میں ذکر کردہ صورتوں میں مسلم فنڈ میں گروی رکھے ہوئے زیور کی زکوٰۃ کسی پر بھی واجب نہیں ہے۔

لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة ولاعلى الراهن لعدم اليد وإذا استرده الراهن لايزكى عن السنين الماضية قوله ومن موانع الوجوب الرهن إذا كان في يد المرتهن لعدم ملك اليد ، وليس فيها ما يدل على أنه لايزكى بعد الاسترداد لكن قال في الخانية السائمة إذا غصبها ومنعها عن المالك وهو مقر ثم ردها عليه لازكاة على المالك فيما مضىٰ وكذا لورهنها بألف وله مائة ألف فحال الحول على الرهن في يد المرتهن يزكى الراهن ماعنده من المال إلا ألف الدين . (شامی، کتاب الزكاة كراچی ۲/ ۲۶۳، زکریا۳/ ۱۸۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۰۱)

گزشتہ سالوں کی ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زبیدہ کے پاس بیس سال تک چار تولہ سونا اور ڈھائی سوگرام چاندی رہی پھر پانچ سال کے عرصہ میں پہلے آدھا تولہ پھر ایک تولہ سونا کم ہوگیا، پھر مزید تین سال کے بعد سب چاندی سونا تقسیم کردیا تواب قابل دریافت امر یہ ہے کہ اس اٹھائیس سال کے عرصہ کی جوزکوٰۃ نہیں دی ہے، اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے، براہ کرم حساب لگا کر مطلع فرمائیں؟

المستفتي: انعام احمد قاسمی، کاسگنج، جامع مسجد، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد مابقیہ سے دوسرے سال کی زکوٰۃ ادا کریں، اور پھر اسی طرح حتی کہ جب تک نصاب سے کم نہ ہوجائے زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، اور جب نصاب سے کم رہ جائے، تو پھر زکوٰۃ لازم نہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۶۵، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۴۵)

وفی البدائع إذا کان لرجل مأتا درهم أوعشرون مثقال ذهب فلم یؤد زکاته سنتین یزکی السنة الأولیٰ. (بدائع، پاکستانی ۲/ ۷، کتاب الزکاة، دین الزکاة، زکریا دیوبند ۲/ ۸٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱٦؍ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۹۵۹)

سالوں سے مدفون زیورات کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صغریٰ بیگم کے پاس تقریباً ڈیڑھ کلو ذاتی زیورات ہیں جس میں دوڈھائی تولہ سونا اور بقیہ چاندی ہے یہ زیورات پچیس سال سے مدفون تھے، اب شوہر کے انتقال کے بعد اس نے وہ زیورات

نکالے ہیں، اور شوہر کیلئے صدقۂ جاریہ کے طور پر مسجد وغیرہ کی تعمیر میں وہ زیورات دینے کا ارادہ ہے اب سوال یہ ہے!

(۱) کیا پچھلے پچیس سال کی اس زیور کے اوپر واجب ہونے والی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، اگر زکوٰۃ دی جاتی ہے تو مسجد میں دینے کیلئے تھوڑا بہت ہی زیور بچ پائے گا، اور بیوہ کے پاس اسکے علاوہ کچھ نہیں ہے؟

(۲) بیوہ کے لڑکوں کا مطالبہ یہ ہے کہ والدہ زیور تقسیم کریں جبکہ والدہ کا ارادہ نہیں ہے، کیونکہ وہ ان کا ذاتی زیور ہے، تو کیا اولاد کا یہ مطالبہ کرنا درست ہے، شریعت کی روشنی میں جواب سے نوازیں؟

المستفتي: محمد شاکر، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جو زیورات ۲۵؍سال سے مدفون تھے اور ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کی گئی ہے، ان کی زکوٰۃ ادا کرنا صغریٰ بیگم پر واجب ہے اور ان کی زکوٰۃ ادا کرنے کی شکل یہ ہوگی کہ سوالنامہ کے مطابق ۱۴۰۵ھ میں یہ زیور دفن کئے گئے ہیں، ۱۴۰۶ھ کی زکوٰۃ کل زیورات کی چالیسواں حصہ شمار ہوگی، پھر ۱۴۰۷ھ میں ماباقی کا چالیسواں، پھر ۱۴۰۸ھ میں اسکے ماباقی کا چالیسواں حصہ، اسی طرح حساب لگا کر ۱۴۳۰ھ میں ڈھائی تولہ سونے کو چھوڑ کر چاندی کی زکوٰۃ کا حساب یہ بیٹھا ہے کہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۱/۲: ۱۴۷؍تولہ چاندی ہے اور پچیس سال کی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد ۸۷؍تولہ ۳؍گرام اور ۱۵؍ملی گرام یعنی ۸۷۳؍گرام ۱۵؍ملی گرام چاندی بچتی ہے، اس کو صغریٰ بیگم جہاں چاہے خرچ کرسکتی ہے، اور چونکہ چاندی کیساتھ سونا بھی ہے ایسی صورت میں سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر قیمت لگائی جائے، اور ۲۵؍سال تک جو قیمت بیٹھے اس کا ہر سال خود حساب لگا کر زکاۃ نکال دیں۔

(مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ۹/ ۳۸۰، ۳۸۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۳۴، ۳۵)

(۲) جب تک صغریٰ بیگم زندہ ہے اس میں نہ بیٹوں کا حق ہے اور نہ ہی بیٹیوں کا حق ہے، وہ جس طرح چاہیں صرف کرسکتی ہے۔

ولایمنع الشخص من تصرفه في ملكه . (الدر مع الرد، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره ، مطلب اقتسموا داراً وأراد كل منهم فتح با ب لهم ذلك زكريا ديوبند ۱٥۲/۸، كراچی ٤٤۷/٥)

والمالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک . (بيضاوی شريف، كتب خانه ، رشيديه دهلی ۷/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۷۱)	۱۴۳۱/۵/۲۲ھ

زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا شوہر پر واجب ہے یا بیوی پر

سوال: [۴۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری شادی ۱۲/ سال قبل ہوئی تھی، اللہ کی رحمت سے ۴/ بچے ہیں، پہلے میرے کاروباری حالات بہت اچھے تھے، ہر سال زکوٰۃ بھی ادا کرتا تھا، دوسال سے کاروبار بالکل ختم ہو چکا ہے، اور میں نوکری پر ہوں بتیس سو روپیہ ماہوار میری تنخواہ ہے دونوں کے پاس ذاتی جمع پونجی کچھ نہیں، دوسال سے میں زکاۃ نہیں ادا کرپا رہا ہوں، میرے اوپر کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، بیوی کی زکوٰۃ میں ہی ادا کرتا ہوں بیوی کے پاس زیور کے علاوہ کوئی رقم نہیں ہے، اور نہ کوئی کاروبار، میں اس کا مہر بھی نہیں ادا کرسکا، زکوٰۃ سال کی تقریباً تین ہزار روپیہ بنتی ہے ، دوسال سے یہی سوچ رہا ہوں اور اللہ کی ذات سے امید ہے کہ کاروبار ہو گیا تو زکوٰۃ ادا کردوں گا، لیکن حالات یہ بتا رہے ہیں، کہ کاروبار سے فی الحال جڑنا مشکل ہے؟

(۱) کیا زیور ماں اپنے بچوں کے نام کرسکتی ہے اور کچھ اپنے پاس رکھ لے؟

(۲) لڑکے اور لڑکیوں میں برابر تقسیم ہوگا؟

(۳) بچوں کے بالغ ہونے پر زکوۃ ان پر فرض ہوگی جبکہ کوئی آمدنی کا ذریعہ نہ ہو؟

(۴) ضرورت پڑنے پر اس کو خرچ کیا جاسکتا ہے؟

(۵) مہر کی رقم جو کہ لگ بھگ تیس بتیس ہزار روپیہ بنتی ہے، غیر مؤجل ہے عورت کو اس کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟

(۶) بچوں کے نام جو زیور کریں، اس کو بیچ کر ایف ڈی بچوں کے نام کرا سکتے ہیں، کیا ایف ڈی جائز ہے؟

المستفتي: نواب، تمباکو اسٹریٹ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) مذکورہ زیورات کے مالک آپ نہیں ہیں آپ کی بیوی ہے کاروبار کے بند ہونے کی وجہ سے آپ مفلس ہو چکے ہیں، تو آپ پر تو زکوۃ دینا واجب نہیں لیکن آپ کی بیوی مالدار صاحب نصاب ہے اسلئے اس پر زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، گذشتہ دو سالوں کی جو زکوۃ نہیں ادا کی گئی ہے، اس کا بھی ادا کرنا لازم ہے، اور زیورات کی زکوۃ اصلاً ان ہی زیورات میں سے ادا کرنا لازم ہوتا ہے، البتہ اگر اس کے علاوہ روپیہ پیسہ ہو تو اس سے ادا کرنا بھی جائز ہے، دین مہر کی زکوۃ اس وقت تک ادا کرنا عورت پر لازم نہیں ہے، جب تک دین مہر اس کو وصول نہ ہو جائے، اور جب دین مہر وصول نہیں ہوا ہے تو عورت پر اس کی زکوٰۃ بھی لازم نہیں، اسلئے کہ اداءِ زکوٰۃ کیلئے ملک تام شرط ہے، اور یہاں ملک تام نہیں، اگر زیورات کو بچوں کے نام کر دیا جائے تب بھی پچھلے سالوں کی زکوۃ معاف نہیں ہوگی، اور ایک بات یاد رکھنی چاہئے، کہ زکوٰۃ سے بچنے کیلئے اس طرح کا حیلہ کاروبار میں بے برکتی کا سبب بنتا ہے، نیز اگر حیلہ کر کے بچوں کو مالک بنا دیا جائے، تو پھر بچوں سے واپس لینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ کھانے پینے میں محتاجی پیش آجائے تو بقدر ضرورت اس میں سے لیکر کھانے پینے میں خرچ کرنیکی گنجائش ہے اور بچوں کے بالغ ہونے کے بعد ان پر بھی ان زیورات کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔

سبب افتراضها ملک نصاب حولی تام -إلی- وافتراضها عمری ای علی التراخي (تحته فی الشامی) ففی أي وقت أدی یکون مؤدیا للواجب ویتعین ذلک الوقت للوجوب، وإذا لم یؤد إلیٰ آخر عمره، یتضیق علیه الوجوب حتی لولم یؤد حتی مات یأثم . (شامی، کتاب الزکاة، کراچی ۲/۲۵۹، ۲۷۱، زکریا۳/۱۷٤، ۱۹۱)

والمعتبر وزنهما أداء ووجوباً لاقیمتهما وفی الشامیة: وهذا إن لم یؤد من خلاف الجنس، وإلا اعتبرت القیمة إجماعاً . (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ۲/۲۹۷، زکریا۳/۲۲۷)

ومنها الملک التام وهو ما اجتمع فیه الملک والید وأماإذا وجد الملک دون الید کالصداق قبل القبض لاتجب فیه الزکاة .(هندیه، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا دیوبند۱/۱۷۲، جدید ۱/۲۳۳)

وإذا فعله حیلة لدفع الوجوب -إلیٰ- قال أبو یوسف: لایکره -إلیٰ- وقال محمد: یکره واختاره الشیخ حمید الدین الضریر لأن فیه إضراراً بالفقراء وإبطال حقهم مآلا..... الفتویٰ.... فی الزکاة علی قول محمد. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم کراچی۲/۲۸٤، زکریادیوبند۳/۲۰۸، الموسوعة الفقهیة الکویتیة۲۳/۲۸۷)

ومنها أن یهبه لطفله قبل التمام بیوم (تحته فی الشامي) لکن لایمکنه الرجوع فی هذه الهبة لکونها لذي رحم محرم منه نعم إن احتاج إلیه فله الإنفاق منه علی نفسه بالمعروف. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال قبیل باب المعاشر کراچی ۲/۳۰۸، زکریا۳/۲٤۱)

(۲) سودحاصل کرنے کے لئے ایف ڈی کرانا جائز نہیں ہے۔(مستفاد:ایضاح النوادر ۱/ ۱۷۵)فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۵۳۵/۳۸)

بیوی کے زیورات میں شوہر پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی

سوال: [۴۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیوی کے زیورات میں شوہر کو کب زکوٰۃ دینی ضروری ہوگی؟

المستفتي: محمد زبیر، مومن داس، پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زیورات پر بیوی کی ملکیت وقبضہ کی صورت میں بیوی پر ہی اس کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہے، لیکن اگر بیوی اپنے قبضہ سے نکال کر شوہر کو مالک بنادے، تو اس صورت میں شوہر پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم وضروری ہوگا، ورنہ بیوی کے ذمہ زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

الزكوٰة واجبة على حر مسلم عاقل بالغ إذا ملك نصاباملكاً تاماً وحال عليه الحول. (هدايه، كتاب الزكاة، اشرفيه ديو بند ۱/۱۸۵، مطبوعه جيسور ۱/۱۶۵)

ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد الخ. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا دیوبند ۱/۱۷۲، جدید ۱/۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۶۵/۲۵)

بیوی کے زیورات یا مال کی زکوٰۃ شوہر کا ادا کرنا

سوال: [۴۱۸۷]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بیوی کے زیورات یامال کی زکوٰۃ شوہر اپنے مال سے ادا کردے یا جتنی زکوٰۃ نکلتی ہے شوہر اتنی قیمت خود ادا کردے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: شیخ عبدالکریم، بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت اپنے زیورات یامال کی زکوٰۃ خود ادا کرے گی، لیکن عورت کی جانب سے صراحتاً یادلالۃً اجازت ملنے پر شوہر اپنے مال سے ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔

من أدیٰ زکوٰۃ مال غیره من مال نفسه بأمر من علیه الزکوٰۃ جاز.

(تاتار خانیه، کتاب الزکاة، الفصل التاسع المسائل المتعلقة بمعطي زکریا دیوبند۳/۲۲۷، رقم: ۴۱۹۹، کوئٹه ۲/۲۸٤، البنایه، کتاب الزکاة، قبیل باب صدقة السوائم، اشرفیه دیوبند۳/٤۳۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲ھ

شادی کیلئے رکھے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ ماں باپ پر یالڑکی پر؟

سوال: [۴۱۸۸]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کی شادی کے لئے رکھے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ کس کے ذمہ لازم ہے، باپ پر لازم ہے یالڑکی پر؟

اسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شادی کیلئے رکھے ہوئے زیورات لڑکی کے حوالے نہیں کیئے گئے ہیں، بلکہ ماں باپ کی ملکیت میں ہیں، تو ان کی مالیت کے اعتبار سے ماں باپ پر زکوٰۃ واجب رہے گی، اور اگر لڑکی کی ملکیت میں دے دیے ہیں تو جب تک وہ

نابالغ ہیں، ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور بالغ ہونے کے بعد اگر نصاب وغیرہ کی شرائط پوری ہوتی ہیں، تو سال گزرنے پر لڑکی ہی پر زکوٰۃ کا وجوب ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/۶/ ۳۷۶، میرٹھ ۱۴/ ۸۱، کتاب المسائل ۲/۲۲۰)

وسببه أي سبب افتراضها ملک نصاب حولي...... تام. (شامی، کتاب الزکاۃ زکریا ۳/۱۷٤، کراچی ۲/۲٥۹)

وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام خرج المجنون والصبی فلا زکوٰۃ فی مالهما – وإنما یعتبر ابتداء الحول من وقت الإقامة کالصبي إذا بلغ یعتبر ابتداء الحول من وقت البلوغ؛ (البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، زکریا۲/۳٥۳، کوئٹہ ۲/۲۰۲)

ومنها العقل والبلوغ فلیس الزکاۃ علی صبي ومجنون......... وکذا الصبی إذا بلغ یعتبر ابتداء الحول من وقت بلوغه. (هندیه، کتاب الزکاۃ، الباب الأول في تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/۱۷۲، ماجدیه ۱/۱۷۲، هندیه جدید اتحاد ۱/۲۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۱۱۴۹۰/۴۰)

سسرال سے ملے ہوئے زیورات کی زکوٰۃ کس پر

سوال: [۴۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ لڑکی کو میکہ کی طرف سے جو زیورات ملتے ہیں، اس پر لڑکی کی ملکیت ہونے پر کوئی تردد نہیں ہے لیکن سسرال کی طرف سے مہر کے علاوہ جو زیورات ملتے ہیں ان کی زکوٰۃ کون ادا کریگا، لڑکی پر واجب ہے یا لڑکے پر اگر خدانخواستہ علیحدگی واقع ہو جائے تو یہ زیورات لڑکے کو واپس مل جاتے ہیں، اور اگر علیحدگی عمل میں نہیں آتی ہے تو وہ زیورات دلہن کے

پاس رہتے ہیں، اسی کے تصرف میں رہتے ہیں، وہ اپنے اولاد کی شادیوں میں دیتی ہے جو چاہے کرسکتی ہے؛ اس بات کو پیش نظر رکھ کر اس کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟ جو بھی جواب ہو تحریر فرمائیں کرم ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میکہ کی جانب سے جو زیورات لڑکی کو ملے ہیں ان کی زکوٰۃ خود لڑکی پر فرض ہے اور جو زیورات سسرال کی جانب سے ملے ہیں، اگر انہیں دلہن کی ملکیت میں دے دیا گیا ہے، تو زکوٰۃ دلہن پر فرض ہوگی اور اگر دلہن کے پاس بطور عاریت کے رکھے ہوئے ہیں، تو ایسی صورت میں شوہر پر زکوٰۃ فرض ہوگی، کیونکہ وجوب زکوٰۃ کیلئے ملکیت تام کا ہونا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ عثمانی ۲/۴۲، کتاب الفتاویٰ ۳/۲۸۲)

وسببه أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي...... تام . (شامی، کتاب الزكاة زكريا ۳/۱۷٤، كراچی ۲/۲۵۹)

الزكاة واجبة على الحر العاقل البالغ المسلم، إذا ملك نصابا ملكاً تاماً وحال عليه الحول . (تاتارخانيه، كتاب الزكاة، وجوب الزكاة وسببها وحكمها زكريا ٤/۱۳٤، برقم: ۳۹۳٤)

وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام والحرية وملك نصاب حولي فارغ عن الدين. (البحر الرائق، كتاب الزكاة زكريا ۲/۳۵۵، كوئٹه ۲/۲۰۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۷۸)

شادی میں ملے ہوئے زیورات پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۹۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جب سے میری شادی ہوئی ہے، میرے زیور کی زکوٰۃ نہیں نکالی گئی آیاان زیورات کی زکوٰۃ واجب ہے یانہیں؟ اورانکی زکوٰۃ کس طرح سے ادا کی جائے گی؟

المستفتيه:منور جہاں، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگرآپ کے زیورات کی مقدارنصاب کے بقدر یا اس سے زائد ہے تواس کی زکوٰۃ نکالنافرض ہے، اوراب تک جتنے سالوں کی زکوٰۃ نہیں نکالی گئی، سب کی زکوٰۃ نکالناواجب ہے، اوراگرآپ کے پاس کچھ نقدی رقم نہیں ہے توانہی زیورات میں سے کچھ بیچ کرزکوٰۃ اداکرنالازم ہے۔

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن امرأتين أتتا رسول الله، وفي أيدهما سواران من ذهب، فقال لهما! أتؤديان زكاته؟ قالتا: لا، قال: فقال لهما رسول الله ﷺ: أتحبان أن يسوركما الله بسوارين من نار؟ قالتا: لا، قال: فأديا زكاته. (سنن الترمذی، كتاب الزكاة، باب ماجاء فی زكاة الحلي، النسخة الهنديه ۱۳۸/۱، دارالسلام رقم: ٦٣٧، المعجم الكبير للطبرانی، دار احياء التراث العربي٤ ۱۷۰/۲، رقم: ٤٣١، مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب التبر والحلي، المجلس العلمي٤ /۸۵، ٨٦، رقم: ٧٠٦٥، مسند أحمد بن حنبل ۱۷۸/۲، رقم: ٦٦٦٧، ۲۰٤/۲، رقم: ٦٩٠١، ۲۰۸/۲، رقم: ٦٩٣٩)

وفی تبر الذهب والفضة وحليهما وأوانيهما زكوة. (هدايه، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، فصل فی الذهب، اشرفيه ديو بند ۱۹۵/۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۱۳/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۳/۲۳ھ

ایضاح المسائل کے ایک مسئلہ کی وضاحت

سوال :[۴۱۹۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایضاح المسائل/ ۱۰۵ پر ایک مسئلہ نظر سے گذرا جس میں تحریر ہے کہ سونے چاندی کی زکوٰۃ خریداری کی قیمت سے ادا کی جائے گی، چاہے دام زیادہ ہو، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ششم طبع جدید/ ۱۰۸ پر تحریر ہے کہ سوتولہ چاندی میں ڈھائی تولہ چاندی دینالازمی ہے، قیمت لگا کر دینا ہوتو جو قیمت زکوٰۃ نکالنے کے وقت چاندی کی وہاں کے بازار میں ہے اس حساب سے ادا کرے،خرید کے دن کا حساب معتبر نہ ہوگا، دریافت طلب بات یہ ہے کہ ایضاح المسائل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خریداری کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے اور فتاویٰ دارالعلوم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خرید کے دن کا حساب معتبر نہیں ہے پس ان دونوں میں کون صحیح ہے یا دونوں ہی صحیح ہیں میرے سمجھنے کا فرق ہے، وضاحت سے تسلی بخش جواب سے نوازیں،عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: دلدارعلی،شفاعت امروہہ گیٹ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق:سونا چاندی دوقسموں پر ہیں۔

(۱) وہ جو اپنے گھر کے لئے خریدا جاتا ہے، اس میں تجارت کا ارادہ نہیں ہوتا ہے تو ایسے سونے چاندی میں خریداری کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا بوقت ادائیگی بازاری بھاؤ کا اعتبار ہوگا اور فتاویٰ دارالعلوم میں یہی شکل مراد ہے۔

(۲) وہ سونا چاندی جو گھر کیلئے نہیں خریدا بلکہ تجارت کیلئے خریدا ہے مثلاً دہلی سے لاکر مرادآباد میں فروخت کرنے کی نیت ہے تو ایسی صورت میں خریداری کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے،اور ایضاح المسائل میں یہی شکل ہے، اس کی سرخی سمیت دوبارہ نظر ثانی فرمائیں،انشاءاللہ تعالیٰ بات سمجھ میں آجائیگی یہ ایسا ہے کہ جیسے تاجر دہلی سے کپڑا بیچنے کیلئے لاتا ہے،تو اسکی زکوٰۃ خریداری کے حساب سے نکال کردینے کا حکم ہے، انشاءاللہ تعالیٰ امید کہ

شبہ دور ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹۲۲/۲۸)

ہیرے جواہرات کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہیرے جواہرات کی تجارت کی جاتی ہے، جو لوگ ہیرے اور جواہرات کی تجارت کرتے ہیں، بظاہر مال تجارت ہونے کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی ہی لیکن دوسرا سوال یہ ہے کہ جو لوگ انکم ٹیکس اور دیگر سرکاری قوانین کی زد سے بچنے کیلئے نقد روپیوں یا سونے چاندی کی صورت میں اپنے سرمائے کو محفوظ کرنے کے بجائے ہیرے جواہرات لاکھوں روپئے کے خرید کر محفوظ کردیتے ہیں، ظاہر ہے کہ ہیرے جواہرات حوائج اصلیہ میں سے نہیں ہیں اور بڑی مالیت رکھتے ہیں، شرعاً ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

بعض اوقات خواتین محض تزئین وآرائش کیلئے ہیرے جواہرات استعمال کرتی ہیں ان کا مقصد تمول نہیں ہوتا ہے، وجوب زکوٰۃ کے بارے میں ان کا کیا حکم ہوگا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ہیرے جواہرات اگر تجارت کیلئے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اگر تجارت کیلئے نہیں ہیں، بلکہ گھروں میں برائے زینت یا کسی اور مقصد سے جمع کر رکھا ہے تو ہیرے و جواہرات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسلئے کہ ہیرے جواہرات اگر چہ حوائج اصلیہ سے زائد ہیں لیکن وجوب زکوٰۃ کیلئے مال نامی ہونا بھی شرط ہے، اوران میں نمو اور بڑھوتری کی شرط نہیں پائی جاتی ہے، اسلئے ہیرے جواہرات چاہے

کتنے ہی مقدار میں ہوں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

عن عمر و بن شعيب ، عن أبيه ، عن جده ، قال: قال رسول الله ﷺ : لازكاة في حجر . (السنن الكبریٰ للبيهقی، كتاب الزكاة ، باب مالا زكاة فيه من الجواهر غير الذهب والفضة ،دارالفكر ٦/ ٦٠، رقم: ٧٦٨٣)

عن سعيد بن جبير قال: ليس في حجر زكاة، إلا ما كان لتجارة من جوهر ولا ياقوت ولا لؤلؤ ولا غيره إلا الذهب والفضة وروينا نحو هذا القول عن عطاء ، وسليمان بن يسار وعكرمة والزهرى والنخعي ومكحول. (السنن الكبرى للبيهقى، كتاب الزكاة، باب مالا زكاة فيه من الجواهر غير الذهب والفضة، دارالفكر ٦/ ٦١، رقم: ٧٦٨٥، انظر للتفصيل المصنف لابن أبى شيبة، كتاب الزكاة ، فى اللؤلؤ والزمرد ، مؤسسه علوم القرآن ٦/ ٤٤٧، ٤٤٨، رقم: ١٠١٦٢ تا ١٠١٧١)

أما اليواقيت واللآلى والجواهر فلا زكوٰة فيها وإن كانت حليا إلا أن تكون للتجارة. (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة ، باب زكاة الذهب ، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٤٩، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثالث الفصل الثانى فى العروض زكريا ديوبند ١/ ١٨٠، جديد ١/ ٢٤١)

ترجمہ: یاقوت، موتی، جواہرات اگر تجارتی نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ زیور کی شکل میں کیوں نہ ہوں۔

والجواهر واليواقيت فلا شيئى فيها. (هنديه، كتاب الزكاة، قبيل، الباب السادس في زكاة الزرع والثمار زكريا ديوبند ۱/۱۸۵، جديد ۱/۲٤٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۸/۱۹۷)

ترجمہ: یاقوت وجواہرات میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

فإن الحوائج الأصلية أعم من الدين والنامى أعم منها لأنه يخرج به كتب العلم لغير أهلها وليس من الحوائج الأصلية الخ. (شامی، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۳/۱۷۸، كراچی ۲/۲٦۲)

ترجمہ: اسلئے کہ حوائج اصلیہ میں دین بھی شامل ہے اور نمو بھی دین کو شامل ہے اور اسی نمو کی قید کی وجہ سے غیر اہل کیلئے کتب دینیہ نصاب کے دائرہ سے خارج ہوجاتی ہے، حالانکہ وہ غیر اہل کیلئے حوائج اصلیہ میں سے نہیں ہیں۔

اور غیر نامی اشیاء اگر بقدر نصاب یا نصاب سے زیادہ حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو مالک پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے، اس کی وجہ سے صرف مستحق زکوٰۃ بننے سے محروم ہوتا ہے، اسلئے ہیرے وجواہرات میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

وكذا الكتب وإن لم تكن لأهلها إذا لم تنو للتجارة غير أن الأهل له أخذ الزكوٰة، وإن ساوت نصباً (تحته فى الشامية) وأما غير الأهل فإنهم يحرمون بالكتب من أخذ الزكوٰة لتعلق الحرمان بملك

ترجمہ: ایسے ہی کتابیں اگر چہ نااہل کیلئے ہوں جبکہ تجارت کی غرض اسمیں نہ ہو (تو اسمیں زکوٰۃ نہیں ہے) لیکن اگر با اہل عالم کی کتابیں ہیں تو اس کیلئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہوگا، کتابیں چاہے کئی نصاب کے بقدر کیوں نہ ہوں اور غیر اہل ان کتابوں کی وجہ سے مستحق زکوٰۃ ہونے سے محروم ہوجائیگا جبکہ نامی اور

قـدر نـصـاب غيـر محتاج إليه وإن لـم يكن نامياً. (الـدر مع الرد، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند٣/١٨٢، كراچی ٢/٢٦٥)

تجارتی نہ ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۴۷)

۴/باب أموال التجارة

مال تجارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صاحب نصاب ہے، ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اس کے پاس مال تجارت میں کچھ رومال ٹوپیاں وغیرہ بھی ہیں مگر رومال کی خرید پچاسی روپیہ کے حساب سے ہے اور وہ ایک سو دس یا سوا سو روپیہ میں بیچتا ہے، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ وہ زکوٰۃ لاگت کے اعتبار سے ادا کرے یا جس قیمت میں بیچتا ہے، اس قیمت کے اعتبار سے ادا کرے؟

المستفتي: محمد ساجد، بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ ادا کرتے وقت ٹوپی رومال وغیرہ کی جو قیمت بازار میں ہو اسی کا لحاظ کر کے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، خواہ وہ قیمت خرید سے زائد ہو یا کم ۔(مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۰۵، ایضاح النوادر۲/ ۴۱، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۱۴۱)

عن الحسن في رجل اشترىٰ متاعاً فحلت فيه الزكاة؟ فقال: يزكيه بقيمته يوم حلت. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ماقالوا فى المتاع يكون عندالرجل يحول عليه الحول، مؤسسه علوم القرآن ٦/ ٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

عن ابن جريج، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تجرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمى ٤/ ٩٧، رقم: ٧١٠٥)

وفى المحيط يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامى، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، كراچى ٢/ ٢٨٦، زكريا٣/ ٢١١، هكذا فى الهنديه، كتاب الزكاة،

الباب الثالث الفصل الثاني فی العروض زکریا ۱/ ۱۸۰، جدید ۱/ ۲٤۱، بدائع، کتاب الزکاۃ، صفة الواجب فی أموال التجارۃ زکریادیوبند۲/ ۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۱۱/ ۱۴۲۱ھ

مال تجارت میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

سوال: [۴۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک سال میں ۶؍ لاکھ روپیہ کا دھندا کرتا ہوں ہمارے پاس روپیہ ایک یا دو دن ہی رہتا ہے، روپیہ آج ہمارے پاس آتا ہے کل یا پرسوں کو ہم اس کا مال خرید کر بیچ دیتے ہیں، ہمارے پاس اس مال کا فائدہ بھی نہیں رہتا سب مال ہی میں لگا رہتا ہے، اس میں اپنے خرچ میں جتنا آجاتا ہے وہی اسمیں سے نکلتا ہے روپیہ سارا غیر مسلموں پر رہتا ہے، براہ کرم تحریر فرمائیں ہمیں زکوٰۃ کس طرح دینا ہے۔

المستفتي: عبدالستار، سیوہارہ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کی درج شدہ شکل میں آپ کی ملکیت میں مال تجارت ہے اگر پورا مال فروخت ہوکر روپیہ ہاتھ میں آجانے کے بعد زکوٰۃ ادا کرنی ہے، تو ہزار میں ۲۵؍ روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ میں نکالدیا کریں، اور اگر مال فروخت ہونے سے پہلے ادا کرنی ہے، تو مال کی قیمت لگا کر ہزار میں ۲۵؍ روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ میں نکالدیں، اور اگر کچھ روپیہ ہے اور کچھ مال تجارت ہے تو روپیوں میں سے ہزار میں ۲۵؍ روپیہ کے مال کی قیمت لگا کر ہزار میں ۲۵؍ روپیہ کے حساب سے زکوٰۃ میں نکالدیا کریں۔

عن سمرۃ بن جندب قال: أما بعد: فإن رسول اللہ ﷺ کان یأمرنا أن نخرج الصدقة من الذی نعد للبیع. (سنن أبي داؤد، الزکاۃ، باب العروض إذا

كانت للتجارة، هل فيها زكاة، النسخة الهندية ١/٢١٨، دارالسلام رقم: ١٥٦٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٧/٢٥٣، رقم: ٧٠٢٩، ٧/٢٥٧، رقم: ٧٠٤٧، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة، دارالفكر ٦/٦٢، رقم: ٧٦٩٠)

عن حماس قال: مرعلي عمر فقال : أدزكاة مالک ، قال: قلت مالي مال أزكيه إلا في الخفاف والأدم قال: قومه وأدزكاته. (مصنف عبد الرزاق، كتاب الزكاة، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمي ٤/٩٦، رقم: ٧٠٩٩، السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة، دارالفكر ٦/٦٤، رقم: ٧٤٩٦)

الزكوٰة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت الخ. (الجوهرة، كتاب الزكاة، باب زكاة العروض، دارالكتاب ديوبند ١/١٥٠، كراچی ١/١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر رجسٹر خاص)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۷/۱۴۲۱ھ

تجارت کے مال کی زکوٰۃ کیسے نکالی جائے گی؟

سوال: [۴۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید تجارت کرتا ہے، اب اسے زکوٰۃ ادا کرنی ہے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مالیت کس اعتبار سے لگائی جائیگی، جتنے میں مال خریدا ہے اس کا اعتبار کیا جائیگا یا جتنے میں بکے گا، اس کا اعتبار کیا جائیگا، چنانچہ زید کے پاس اس وقت ساٹھ ہزار کا مال ہے جو وہ خرید کر لایا ہے، جبکہ زید جب اسے فروخت کریگا، تو تقریباً ایک لاکھ کا ہوجائیگا، اب آیا ساٹھ ہزار کی زکوٰۃ نکالے یا ایک لاکھ کی واضح فرمائیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن غازی، شہر میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کے پاس جو مال ہے، اسکی فی الحال ادائیگی

زکوٰۃ کے وقت جو قیمت بازار میں بنتی ہے، اس کا اعتبار کیا جائیگا، اور اسی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائیگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۱۴۱، و۶/ ۱۴۹، ایضاح النوادر ۲/ ۴۲)

عن الحسن رجل اشترى متاعاً فحلت فيه الزكاة؟ فقال: يزكيه بقيمته يوم حلت. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزكاة، ماقالوا في المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

وعنده تعتبر قيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء (تحته في الشامية) وفي المحيط يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، زكريا ديوبند ٣/ ٢١١، كراچي ٢/ ٢٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۲/ ۱۴۲۰ھ

مشترکہ کاروبار میں زکوٰۃ کی ادائے گی کیسے ہو؟

سوال: [۴۱۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو فریق کافی عرصہ سے کاروبار میں بقدر حصہ نفع ونقصان میں شریک تھے، ۳۱/ مارچ ۱۹۹۰ء کو فریقین کی اتفاق رائے سے شرکت ختم ہوگئی، یہ دونوں فریق ہر سال اپنے مشترکہ فنڈ سے زکوٰۃ اپنے اپنے سرمایہ کے بقدر ادا کرتے چلے آئے ہیں، ۳۱/ مارچ کو شرکت ختم ہوگئی ہے علاحدگی والے سال میں بھی زکوٰۃ ادا کی ہے تقسیم شدہ زکوٰۃ کے بارے میں ایک فریق کا کہنا یہ ہے کہ نصف نصف زکوٰۃ نام میں درج کرنی ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ تقسیم شدہ زکوٰۃ کو بقدر سرمایہ فریقین کے نام درج کرنی ہے، اس بارے میں شریعت مطہرہ کی روشنی میں کیا درست ہے؟

المستفتي: محمد یامین جمالی، شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی ہر فریق کے سرمایہ کے حساب

سے کرنا ہرفریق پرلازم ہے،لہذا اس کا حساب اوراندارج بھی اسی حساب سے کرنا دونوں فریق پرلازم ہے،اورجن شرائط پرشروع سے کاروبارچل رہاہے،ان کالحاظ بھی علاحدگی تک باقی رکھنالازم ہے۔

قال سفيان: لايجب حتى يتم لهذا أربعون شاة، ولهذا أربعون شاة. (صحيح البخاري، تعليقا، الزكاة، باب ما كان من خليطين فإنهما يتراجعان بنيهما بالسويه، النسخةالهندية ١/ ١٩٥)

عن الثوري قال: قولنا : لايجب على الخليطين شيئى إلا أن يتم لهذا أربعين و لهذا أربعين . (مصنف عبد الرزاق، الزكاة، باب الخليطين، المجلس العلمي ٤/ ٢١، رقم: ٦٨٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمدقاسمی عفااللہ عنہ
۱۲؍صفر۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/ ۳۰۱۹)

کمپنی اورمشترکہ کاروبارکے حصہ داروں کی زکوٰۃ

سوال: [۴۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی بھی کمپنی میں متعددشرکاء ہوتے ہیں، اوراپنے اپنے حصہ کے مطابق اثاثے اورآمدنی کے مالک ہوتے ہی، بعض ایسی صورتیں ہوسکتی ہیں، جس میں کمپنی کا مجموعی اثاثہ اور مالیت کروڑوں روپئے کوپہنچتا ہوجس میں نصاب وجوب زکوٰۃ موجود ہے لیکن اس کے شرکاءاورحصہ داروں کی تعدادا تنی بڑی ہے کہ کمپنی کی مجموعی مالیت کی تقسیم حصہ داروں پر کی جائے تو ان میں سے کوئی بھی صاحب نصاب نہیں ہوتا، یا کچھ لوگ صاحب نصاب نہیں ہوتے سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ وجوب زکوٰۃ میں کمپنی کی مجموعی مالیت کا اعتبار رہوگا، یاہرفرد کے انفرادی حصہ کا؟

المستفتي: مجاہدالاسلام قاسمی،فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مشترکہ تجارت اور کمپنی فیکٹری وغیرہ کے حصہ داروں کی زکوٰۃ مجموعہ رقم اور مال پر واجب نہیں ہوتی ہے، بلکہ ہر حصہ دار کی زکوٰۃ اس کے حصہ کے حساب سے ادا کرنا واجب ہوگا، لہٰذا جس کا حصہ نصاب کو پہونچے گا اس پر اپنے حصہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور جس کا حصہ نصاب کو نہیں پہونچتا ہے اور اس کے پاس اس کے علاوہ اتنا مال نہیں ہے، جس کو ملاکر نصاب مکمل ہوسکتا ہو تو ایسے حصہ دار پر زکوٰۃ ہی واجب نہیں ہے اور جس کے پاس شرکت کے حصہ کے علاوہ اتنا مال ہے جسکو ملاکر نصاب مکمل ہوجاتا ہے، اس پر زکوٰۃ تو واجب ہوجاتی ہے، لیکن وہ اپنے حصہ کی زکوٰۃ اپنے طور پر نکالا کرے گا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/ ۶۷)

قال سفيان : لاتجب حتى يتم لهذا أربعون شاةً، ولهذا أربعون شاةً.

(صحيح البخاري، تعليقاً الزكاة، باب ماكان من خليطين فإنهما يتراجعان بينهما بالسوية، النسخة الهندية ۱/ ۱۹۵)

ولاتجب الزكاة عندنا في نصاب مشترك من سائمة ومال تجارة ، وإن صحت الخلطة (إلىٰ قوله) وإن تعدد النصاب تجب إجماعاً ويتراجعان بالحصص فإن بلغ نصيب أحدهما نصاباً زكوة دون الآخر الخ. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال زكريا ديوبند ۳/ ۲۳۵، ۲۳٤٦، كراچی ۲/ ۳۰٤)

ترجمہ: ہمارے نزدیک جانوروں اور مال تجارت کے ایک مشترکہ نصاب پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ اس میں اختلاط واشتراک صحیح ہوچکا ہے اور اگر نصاب متعدد ہوجائے، تو ان نصابوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور حصہ دار حضرات اپنے اپنے حصوں کے حساب سے ایک دوسرے سے مراجعت کریں گے، اور اگر کسی کا حصہ نصاب کو پہونچتا ہے، اور کسی کا نہیں پہونچتا ہے تو جس کا حصہ نصاب کو پہونچتا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی دوسرے پر نہیں۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۶)

استعمالی مشینوں پر زکوٰۃ

سوال: [۴۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ماروتی کا انٹینا (ایریل) تیار ہوتا ہے، ہمارے پاس تقریباً چار پانچ مشینیں ہیں جن سے مال تیار ہوتا ہے، ہم نے ایک کتاب میں پڑھا تھا، کہ مشین پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ کچے مال پر زکوٰۃ واجب ہے، اس وقت ہمارے کارخانہ میں کچے مالوں میں سے پانچ ہزار روپیہ کا تار پانچ ہزار روپیہ کا پائپ اور تین ہزار روپیہ کا اسفنج ہے، اتنا مال تقریباً ہر مہینے آتا ہے، اور سات ہزار روپیہ کا مال تیار ہے سال بھی پورا ہوگیا ہے، بینک میں ہمارے چالیس ہزار روپیہ جمع ہے، سال بھی پورا ہوگیا ہے، اب آپ شریعت کی رو سے بتائیں کہ زکوٰۃ صرف چالیس ہزار کی دینی پڑے گی یا پانچ ہزار روپیہ کا جو تار اور پانچ ہزار روپیہ کا جو پائپ اور تین ہزار کا اسفنج اور سات ہزار روپیہ کا جو تیار مال ہے، اس سب کی بھی زکوٰۃ دینی پڑے گی یا نہیں؟ جواب دیں؟ کل کتنی رقم کی زکوٰۃ دینی پڑے گی؟

المستفتی: ضیاء الرحمٰن، چوہان بانگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: استعمالی مشینوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اسلئے کہ وہ از قبیل آلات ہیں، اور مشینوں کے علاوہ چالیس ہزار نقد اور کچے اور تیار شدہ مال جن کی قیمت سوالنامہ میں بیس ہزار بتلائی گئی ہے، جن کا مجموعہ ساٹھ ہزار ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

وکذلک (فلا زکاۃ علی) آلات المحترفین الخ. (درمختار، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/۱۸۳، کراچی ۲/۲۶۵، مجمع الأنهر، کتاب الزکاۃ، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۸۶، تبیین الحقایق، کتا ب الزکاۃ، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۵۳، زکریا ۲/۲۳، ہندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول في تفسيرها وصفتها و شرائطها زکریا ۱/۱۷۲، جدید ۱/۲۳۴، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳/۳۱۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۵ھ

سامان تجارت کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال: [۴۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سامان تجارت پر زکوٰۃ کا مسئلہ کیا ہے کہ جیسے مشینری کا کاروبار ہے کمپنی سے مشینری کرڈیٹ پر منگوائی جاتی ہے، اوراس کی قیمت کی رقم کمپنی ایک متعینہ مدت کے بعد آ کر لیجاتی ہے، جب مشینری فروخت نہیں ہوتی تب بھی کمپنی کواس کی قیمت ادا کرنی ہوتی ہے، جس میں بعض مشینری فوراً فروخت ہوجاتی ہے، اور بعض کو سال بھی لگ جاتا ہے، یا اس سے بھی زیادہ وقت تک مشینری فروخت نہیں ہوتی اسلئے اب اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائیگی، اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ اس کا شرعی حکم کیا ہے، بیان فرمائیں؟

المستفتي: بشیر احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سامان تجارت میں زکوٰۃ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ نصاب کے بقدر ہو اوراس پر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، لہٰذا کمپنی سے جس مشینری کا تجارت کیلئے منگا کر کاروبار کیا جاتا ہے، تو نصاب کی مقدار کو پہونچ جانے اور سال

گذرنے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے، خواہ وہ آپ کے پاس سے اس درمیان فروخت ہو یا نہ ہو اسکی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اسکی قیمت اس طرح لگائی جائے کہ یقینی طور پر جتنے میں فروخت ہونے کی امید ہے اتنی قیمت لگا کر اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

عن عبد الله بن أبي سلمة : أن أباعمرو بن حماس أخبره: أن أباه حماسا كان يبيع الأدم والجعاب ، وأن عمر قال له : ياحماس أد زكاة مالک، فقال: والله مالي مال ، إنما أبيع الأدم والجعاب ، فقال: قوّمه وأد زكاته . (المصنف لابن ابي شيبه ، كتاب الزكاة ، ماقالوا فی المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ، مؤسسه علوم القرآن جديد ۶/۵۲۵، رقم: ۱۰۵۵۷)

وفی عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق مقوما بأحدهما إن استويا فلو أحدهما، أروج تعين التقويم به . (تنویر الابصار مع الدر المختار ، کتاب الزکاة، باب زکاة المال زکریادیو بند۳/۲۲۸، ۲۲۹، کراچی ۲/۲۹۸، ۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۳۴)

تجارت کے سامان پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک دوکان چلاتا ہے، جس میں مثلاً سات لاکھ روپئے کا سامان ہے اور اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ جمع شدہ رقم ہے، مثلاً تین لاکھ روپئے ہیں تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا دونوں مال یعنی جو دوکان میں سات لاکھ کا سامان ہے اور جو اس کے پاس تین لاکھ جمع ہیں تو دونوں میں زکوٰۃ واجب ہے، یا صرف جمع شدہ رقم تین لاکھ میں زکوٰۃ واجب ہے اور سات لاکھ کا جو سامان دوکان میں ہے اس میں زکوٰۃ نہیں ہے؟

المستفتي: محمد جہانگیر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دوکان میں جو سامان برائے فروخت ہوتا ہے، وہ تجارت کا سامان ہوتا ہے، اور مال تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، لہٰذا دوکان میں جو سات لاکھ روپئے کا سامان برائے فروخت رولنگ میں موجود ہے، اس کی اور نقد جو تین لاکھ روپئے موجود ہیں اس کی بھی کل دس لاکھ روپئے میں سے زکوٰۃ نکالنا اس پر لازم ہوگا۔

عن سمرة بن جندب ،قال أمابعد ! فإن رسول الله ﷺ كان يأمر نا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع. (سنن أبي داؤد، الزكاة،باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة ، النسخةالهندية ١/٢١٨، دارالسلام رقم: ١٥٦٢)

عن حماس قال: مرعلي عمر فقال: أد زكاة مالك ، قال: قلت: مالي مال أزكيه إلا فى الخفاف والأدم ، قال: قومه ، وأد زكاته . (مصنف عبد الرزاق ، الزكاة، باب الزكاة من العروض ، المجلس العلمي ٤/٩٦، رقم: ٧٠٩٩)

الزكاة واجبة فى عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب ،كذا فى الهداية. (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الثالث ، الفصل الثاني العروض زكريا ١/١٧٩، جديد ١/٢٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴؍صفر ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۹۴/۳۸)	۱۴۲۹/۳/۴ھ

پلاٹ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید سرکاری ملازم ہے، دفتر کے کچھ لوگوں نے ایک کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی بنائی اور کچھ زمین

خرید کراس میں رہائشی پلاٹ نکالے، زید نے بھی اس میں ممبر بن کر پلاٹ خریدا شہر کے کنارے پر کھیتی کی زمین تھی جس کو رہائش کیلئے منظور کروایا گیا یہ تقریباً ۲۵/سال پرانی بات ہے اس وقت وہاں آبادی نہیں تھی، غالباً ارادہ یہی تھا کہ ایک چیز ہے کبھی بھی آگے ضرورت پڑنے پر کسی مصرف میں استعمال کی جاسکتی ہے، اگر آئندہ آبادی ہوئی تو دوکان بھی نکالی جاسکتی ہے، یا کچھ تعمیر کر کے رہنے کیلئے کرایہ سے بھی دی جاسکتی ہے، کوئی پختہ نیت کسی بات کی نہیں تھی، اس قسم کی جگہ کبھی قابو میں آتی ہے کبھی مسائل بھی سامنے آتے ہیں، بہر حال بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جگہ ریلوے یارڈ بنانے کیلئے مخصوص کی گئی ہے، معلوم یہ کرنا ہے، کہ کیا اس زمین کے پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ کچھ پراپرٹی ڈیلر کی طرف سے اس پلاٹ کو خریدنے کی پیش کش کچھ سال پہلے آئی تھی بذریعۂ پوسٹ کارڈ؟

المستفتي: میر افتخار حسین، نیو کالونی، ناگپور، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب خریداری کے وقت زمین کوفروخت کرنے کا ارادہ نہیں تھا بلکہ اپنی کسی بھی ضرورت میں لانے کا ارادہ تھا، دوکان بنانے یا رہائشی مکان بنانے یا کرایہ پر دینے کا ارادہ رہا ہو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے ہاں البتہ آئندہ جب اس زمین کوفروخت کر کے نقد پیسہ ہاتھ میں آجائے گا تو اس پیسہ پر زکوٰۃ واجب ہوسکتی ہے۔

عن ابن عمرؓ قال: لیس فی العروض زکاۃ، إلا ما کان للتجارۃ.

(السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ، دارالفکر ٦/ ٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

قالوا وتشترط نیۃ التجارۃ فی العروض ولابد أن تکون مقارنۃ للتجارۃ فلو اشتریٰ شیئاً لنفسہ ناویاً أنہ إن وجد ربحاً باعہ لا زکاۃ علیہ.

(الأشباہ والنظائر زکریا/٧٩، قدیم ٣٨، کذا فی الشامی، کتاب الزکاۃ، قبیل باب الدائم کراچی ٢/ ٢٧٤، زکریا دیوبند ٣/ ١٩٥، حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/ ٧١٨، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ٢٣/ ٢٧٢)

ولو نویٰ التجارة فما خرج من أرضه العشرية أوالخراجية أو المستأجرة أو المستعارة لا زكاة عليه . (الاشباہ زکریا/۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۵/۱۴۳۴ھ

تجارتی زمین پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال: [۴۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کو رہائشی مکان یا جگہ کی ضرورت ہے لیکن مکان بنانے یا جگہ خریدنے کے بقدر رقم نہیں ہے، بلکہ پچاس ہزار روپئے ہیں تو زید نے اپنے ان پچاس ہزار روپئے کا ایک پلاٹ خرید کر ڈالدیا اس نیت سے کہ دو چار سال میں اس کو بیچ کر مکان بنالوں گا، یا جگہ خرید لوں گا تو اب اس شکل میں زید پر اس پلاٹ کی قیمت پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟ یہ تجارت کا سامان شمار ہوگا یا نہیں؟

المستفتي: ممتاز احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بیچنے کے ارادے سے زمین خریدی ہے، تو یہ زمین تجارتی سرمایہ کے حکم میں ہے، لہٰذا اس زمین کی قیمت پر ہر سال کی یقینی قیمت کے حساب سے ہر سال زکوٰۃ نکالنا لازم ہے۔

عن سمرة بن جندب ،قال أمابعد ! فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع. (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة ، النسخة الهندية ۱/۲۱۸، دارالسلام رقم: ۱۵۶۲)

زكاة التجارة تجب فى الأرض . (شامی، کتاب الزکاة، قبیل باب السائمة کراچی ۲/۲۷۵، زکریا ۳/۱۹۶)

والأصل أنه ماعدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة.

(درمختار شامی، کتاب الزکاة ،قبیل باب السوائم کراچی ۲/۲۷۳، زکریا۳/۱۹٤)

فالصريح أن ينوى عند عقد التجارة أن يكون المملوک للتجارة. (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها و شرائطها زکریا ۱/۱۷٤ ، جديد ۱/۲۳٥)

الزكاة واجبة فى عروض التجارة كائنة ماكانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الورق والذهب . (هنديه، كتاب الزكاة ، الباب الثالث الفصل الثانى فى العروض زکریا ۱/۱۷۹، جدید ۱/ ۲٤۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ :شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۱۱/۸/۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۹/ ۱۰۴۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۸/۱۴۳۲ھ

فروخت کرنے کیلئے خریدی گئی زمین پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار ہے، اس میں زکوٰۃ کے سلسلے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں زکوٰۃ نکالنے کا کوئی آسان طریقہ دریافت کرنا ہے تاکہ اس طریقے کے مطابق زکوٰۃ کا حساب لگانے میں آسانی ہوجائے، دشواریاں لاحق نہ ہوں، ہمارے کاروبار کے سلسلے میں جن سوالات کے جوابات مطلوب ہیں وہ بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں؟

(۱) زید نے ایک زمین خریدی عمر سے اور زمین کی قیمت ۳/لاکھ عمر کو ادا کردی گئی، بعد میں پتہ چلا کہ یہ جگہ عمر کی نہیں تھی، عمر تو دادا قسم کا آدمی تھا، اس کا اصل مالک تو محمد سلیم ہے اور محمد سلیم کے پاس زمین کے اصل پروف اور کاغذات بھی ہیں، جو محمد سلیم کی ملکیت کو ثابت کرتے ہیں، تو محمد سلیم سے دوبارہ سودا کرکے ۴/لاکھ روپئے محمد سلیم کو ادا کردئے اور محمد سلیم کے ساتھ دوسرے بھی شریک تھے انہیں بھی دولاکھ ادا کئے کل ٦/لاکھ ادا کرکے زید نے دوبارہ سودا کیا، نیز اس پوری زمین میں کچھ حصہ کی زمین میں گورنمنٹ کارپوریشن تھا، جس کو

چھڑانے میں مزید ۱/لاکھ کی رقم خرچ ہوئی تو اس صورت میں اس زمین کوحاصل کرنے میں پہلے سودے میں ۳/لاکھ اور دوسرے سودے میں ۶/لاکھ اور ایک لاکھ گورنمنٹ کوادا کیے تو کل ۱۰/لاکھ کی زمین سمجھ کر ۱۰/لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یا بعد میں محمد سلیم مع شریکان کو جو ۶/لاکھ دیئے اس کی صرف زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے، اس زمین کی زکوٰۃ ادا کرنے میں کتنی مالیت کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے؟

(۲) زید نے ایک زمین خریدی اور اس زمین میں بلڈنگ بنانے کا رادہ ہے لیکن نیچے کے حصے میں دو کانیں ہوں گی اور پہلے منزلہ سے فلیٹ ہوں گے، اور جو دو کانیں بنانے کا ارادہ ہے اس میں زید ہی کاروبار کرنا چاہتا ہے، ہوٹل اور اسٹورس بنانے کا ارادہ ہے اور ان دوکانوں کو بنا کر فروخت نہیں کرنا ہے اس کے اوپر پہلے منزلہ پر جو فلیٹ بنائے جائیں گے، اسے فروخت کرنیکا ارادہ ہے تو اب سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ مال تجارت میں واجب ہے اور بلڈنگ کے نیچے کا حصہ جہاں دو کانیں تعمیر ہوں گی اور اس کے لئے جتنی زمین کا استعمال ہوگا، اس کی زکوٰۃ زید پر واجب ہے یا نہیں؟ زمین خریدنے میں جو رقم لگائی ہے اس میں سے زکوٰۃ کا حساب لگانے میں زمین اور تعمیر کی مجموعی رقم سے کتنی رقم کس طرح منہا کی جائے؟ اس میں زکوٰۃ کا حساب لگانے کی آسان صورت کیا ہوگی؟

المستفتي: مولانا آصف، پالنپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو زمین خریدی گئی ہے، اگر وہ زمین فروخت کرنے کیلئے خریدی گئی ہے، چاہے خالی زمین فروخت کرنا مقصود ہو یا اس پر عمارت تعمیر کر کے فروخت کرنے کا ارادہ ہو دونوں صورتوں میں اس زمین کی زکوٰۃ سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے موقع پر ادا کرنا لازم ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت کی قیمت لگائی جائیگی؟ تو حکم شرعی یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت اس زمین کی قیمت جو بیٹھے گی وہی ادا کرنی ہوگی، جیسا کہ مذکورہ سوال میں زمین کی قیمت ۱۰/لاکھ روپئے بیٹھ گئی

اورزکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت مثلاً اس کی قیمت صحیح طور پر ۸/لاکھ بیٹھتی ہے تو ۸/لاکھ کی زکوٰۃ ادا کیجائیگی، اوراگر۱۲/لاکھ بیٹھتی ہے تو ۱۲/لاکھ اوراگر۵/لاکھ بیٹھتی ہے تو ۵/لاکھ ادا کی جائیگی۔ (مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۴۱)

وعندهما في الفصلين جميعاً يؤدي قيمتها يوم الأداء في النقصان (إلىٰ قوله) وفي الزيادة . (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأماصفة الواجب في أموال التجارة التصرف في مال الزكاة، زكريا۲/ ۱۱۵، كراچی ۲/ ۲۳)

(۲) اگر زمین کے اوپر عمارت بن گئی ہے مثلاً ۴/منزلہ عمارت بن گئی ہے، اور ہر ایک منزل کی قیمت متعین ہوگئی ہے تو نیچے کی منزلوں کی قیمت پر جو ذاتی استعمال کیلئے پہلے سے ارادہ کررکھا ہے اس پر زکوٰۃ نکالنا لازم نہیں ہے اور باقی تین منزلوں کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ومنها (أي من شروط وجوبها) كون النصاب ناميا حقيقة بالتوالد والتناسل والتجارة. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا۱/ ۱۷٤، جديد۱/ ۲۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۶۷)

تجارتی زمین پر زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال: [۴۲۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک بلڈر ہوں مکان بنا کر بیچتا ہوں میں نے مکان کی زمین خریدی کہ مکان بنا کر بیچوں گا لیکن کسی وجہ سے ایک بھی مکان نہ بنا سکا، اور ایک سال مکمل ہوگیا تو کیا صرف زمین پر زکاۃ واجب ہوگی اگر ہوگی تو کس اعتبار سے جس قیمت میں زمین خریدی ہے اس اعتبار سے یا ابھی فی الحال جو زمین کی قیمت ہے اس اعتبار سے؟

المستفتي: مولوی محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپنے مکان بنا کر بیچنے کی نیت سے زمین خریدی اور کسی وجہ سے زمین پر مکان نہیں بنا سکے اور اس زمین کو خریدے ہوئے ایک سال گذر گیا تو اس زمین پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اسلئے کہ یہ تجارتی زمین ہے، جو تجارتی سامان کے حکم میں ہے، اور زکوٰۃ موجودہ قیمت کے اعتبار سے نکالی جائے گی۔

عن سمرۃ بن جندب ،قال أمابعد ! فإن رسول اللّٰہ ﷺ كان يأمر نا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع. (السنن الكبریٰ للبيهقى ، كتاب الزكاة ، باب زكاة التجارة ، دارالفكر ٦/ ٦٢، رقم: ٧٦٩٠)

عن ابن جريج قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته . (مصنف عبد الرزاق ، الزكاة ، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمي ٤ /٩٧، قم: ٧١٠٥)

وما اشتراه لها أي للتجارة كان لها لمقارنة النية لعقد التجارة . (شامی ، كتاب الزكاة، قبيل باب السوائم ، کراچی ٢ /٢٧٣، زکریا٣ /١٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۷ھ

بلڈر کے مکان وزمین پر زکوٰۃ سے متعلق ایک مسئلہ

سوال: [۴۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک بلڈر ہوں ۲۰۰۲ء میں میں نے دس لاکھ روپیہ لگائے جس سے زمین خریدی ۲۰۰۵ء تک معاملہ یونہی رہا اور کوئی مکان کہیں نہ بن سکا ۲۰۰۶ء سے مکان بننا شروع ہوئے اور ۲۰۰۷ء میں پورا فلیٹ تیار ہوگیا، ۲۰۰۶ء اور ۲۰۰۷ء کے درمیان ۵/ مکانات فروخت ہوئے اس کے علاوہ تین مکانات قسطوں پر فروخت کئے جنکی آدھی قیمت آچکی ہے اور آدھی قسطوں میں آئیگی، اس کے علاوہ ۱۰/ مکان ابھی فروخت ہونا باقی ہیں، میں اپنی

سمجھ سے ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۵ء تک تو دس لاکھ کی زکاۃ نکالتا رہا لیکن ۲۰۰۶ء کے بعد کی زکاۃ کس طرح ادا کروں نیز جو مکان ابھی فروخت نہیں ہوئے ہیں کیا ان کی بازاری قیمت کے اعتبار سے انمیں بھی زکاۃ فی الفور واجب ہوگی یا فروخت ہونے کے بعد؟ برائے کرم ذرا تفصیل سے جواب دیں؟

المستفتي: محمد زبیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ نے ۲۰۰۲ء میں فلیٹ تعمیر کرانے کی غرض سے جو زمیں دس لاکھ میں خریدی ہے ۲۰۰۵ء تک ہر سال سال پورا ہونے کے وقت کی یقینی قیمت کی زکوٰۃ آپ پر واجب ہے قیمت خرید (دس لاکھ) ہی کی زکوٰۃ آپ پر واجب نہیں بلکہ اگر قیمت کچھ بڑھ گئی تھی تو اسی کے حساب سے زکاۃ واجب ہے اور اگر قیمت گھٹ گئی تھی تو اس کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے، اور ۲۰۰۶ء سے ادء ازکوٰۃ کی شکل یہ ہے کہ سال پورا ہونے کے وقت اس زمین پر جتنے مکانات تعمیر ہو چکے تھے، چاہے وہ مکمل ہوں یا نامکمل زمین اور مکان سب کی اسی وقت کی مالیتی یقینی قیمت لگا کر زکوٰۃ نکالنی ضروری ہے، یہ حکم ان مکانات کا ہے جو اس وقت تک فروخت نہیں ہوئے ہیں، بلکہ آپ کی ملکیت میں تھے، اور جو مکان فروخت ہو چکے تھے، ان کے وصول شدہ پیسوں پر زکوٰۃ واجب ہے، اسی طرح جو مکان قسطوں پر فروخت ہوئے تھے، ان کی جتنی قسطیں آ چکی تھیں اس کی زکوٰۃ نکالنی ضروری ہے۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۷/ ۳۶۵، ۳۷۰، جدید زکریا ۷/ ۱۵۸، ۱۶۰)

ويشترط في عروض التجارة أن تكون قيمتها نصاباً كاملاً في ابتداء الحول وانتهائه ولا عبرة لنقصان فيما بين ذلك. (تاتارخانيه، كتاب الزكاة الفصل الثالث زكاة عروض التجارة، كوئٹه ۲/ ۲۴۰، زكريا ديوبند ۳/ ۱۶۸، رقم: ۴۰۱۱)

أو في عرض تجارة قيمته نصاب –إلىٰ– مقوما بأحدهما إن استويا فلو أحدهما أروج تعين التقويم به. (شامی، كتاب الزكاة، باب زكاة المال كراچی

۲/ ۲۹۸، زکریا۳/ ۲۲۸، ۲۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۳ھ

فلیٹ اور بلڈنگ کے خریداروں کی پیشگی رقم پرزکوۃ

سوال: [۴۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار ہے، اس میں زکوۃ کے سلسلے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، زکوۃ نکالنے کا کوئی آسان طریقہ دریافت کرنا ہے، تاکہ اس طریقے کے مطابق زکوۃ کا حساب لگانے میں آسانی ہوجائے، دشواریاں لاحق نہ ہوں، ہمارے کاروبار کے سلسلے میں جن سوالات کے جوابات مطلوب ہیں، وہ بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں!

(۱) زید نے بلڈنگ بنانے کیلئے زمین خریدی اور زمین خرید کر .B.M.C سے پلان پاس کروا کر فلیٹ کی بکنگ شروع کردی، ابھی تعمیر کا کام شروع نہیں ہوا ہے صرف پلان پر بکنگ کردی ہے، تو یہ بکنگ جائز ہے یا نہیں؟ اور بکنگ میں جو رقم آئی ہوئی ہے، اس پرزکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ بلڈنگ کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا ہے ڈھانچہ کھڑا ہوگیا ہے اور ۷۵/ فیصد بلڈنگ کی تعمیر ہوگئی اور ۹۰/ فیصد فلیٹ کی بکنگ ہوگئی ہے اور اس میں بعض لوگوں نے پورے پیسے ادا کردئے ہیں، اور بعض لوگوں نے ۵۰/ فیصد رقم ادا کی ہے، اور بعض لوگوں نے کچھ بھی رقم ادا نہیں کی ہے، اور بسا اوقات فلیٹ کینسل ہوتے ہیں، تو ان کی رقم واپس کرنی پڑتی ہے، اور ان ہی کی رقموں سے بلڈنگ کا کام ہوتا ہے، اب اگر ایک سال پورا ہوجائے تو اس ادھورے کام میں زکوۃ کس طرح ادا کیجائے، کیونکہ ابھی اس میں بلڈنگ کا اور کام باقی ہے، جس کو مکمل کرنے میں ۷/ یا ۸/ مہینے لگ جاتے ہیں، اس میں نفع کا بھی کوئی

اندازہ نہیں کہ کتنا نفع ہوگا، نفع کا اندازہ لگانا مشکل ہے، پورے نفع کا بھی کوئی اندازہ اس وقت ہوگا، جب تمام لوگوں کو فلیٹ کا قبضہ دیدیا جائے تو ابھی ایک سال پورا ہونے پر ناتمام تعمیر کے نفع کا اندازہ کیسے لگایا جائیگا اور زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے۔

المستفتی: مولانا آصف، پالنپوری، روم نمبر ۳
حاجی چال پٹھان واڑی ،ستی مارگ ،بمبئی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ کے وجوب کیلئے ملکیت تامہ لازم اور شرط ہے، اگر ملکیت تامہ حاصل نہیں ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی ، اور ملکیت تامہ کیلئے دو چیزیں لازم ہیں، (۱) قبضہ۔ (۲) ملکیت۔ لہٰذا اگر ان دونوں میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی ،مثلاً ملکیت ہے مگر قبضہ نہیں یا قبضہ ہے لیکن ملکیت نہیں تو زکوٰۃ واجب نہیں ،لہٰذا سوالنامہ میں درج کردہ شکل میں خریداروں کی پیشگی رقم جو حاصل ہوئی ہے، اس پر اس وقت تک ملکیت تامہ حاصل نہیں ہوتی جب تک فلیٹ تیار کرکے خریداروں کو قبضہ نہ دیدیا جائے ،لہٰذا خریداروں کو فلیٹ پر قبضہ دینے سے پہلے پہلے اس کی زمین اور مالیت کی زکوٰۃ بلڈروں پر لازم ہے، جب بلڈروں نے فلیٹ کی زمین اور مالیت کی زکوٰۃ خریداروں کو قبضہ دینے سے پہلے پہلے ادا کردی ہے تو خریداروں کی طرف سے جو پیشگی رقم ملی ہوئی ہے، اس کی زکوٰۃ بلڈروں پر لازم نہیں ہے اس لئے کہ پیشگی رقم کے مقابلہ میں فلیٹ کی جو مالیت بیٹھتی ہے اس کی زکوٰۃ بلڈروں نے ادا کردی ہے، اور اگر بلڈر پیشگی قبضہ کی ہوئی رقم کی زکوٰۃ ادا کردیں گے، تو فلیٹ کی زمین اور مالیت میں سے اتنی کی زکوٰۃ ادا کرنا بلڈروں پر لازم نہ ہوگا۔

ومنها الملك التام هو ما اجتمع فيه الملك واليد (إلىٰ قوله) وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لاتجب فيه الزكاة. (هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الاول في تفسيرها وصفتها و شرائطها زكريا ۱/ ۱۷۲، جديد ۱/ ۲۳۳)

(۲) دوسرے سوال کا جواب بھی پہلے سوال کے جواب میں آچکا ہے کہ ایسے ناتمام

اور نامکمل فلیٹ کی زکوٰۃ بلڈروں پر لازم ہے اور جو پیسہ پیشگی آیا ہو اس کی زکوٰۃ بلڈروں پر لازم نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر ربیع الاول ۱۴۲۶ھ
(فتویٰ نمبر الف: ۸۷۶۶/۳۷)

تجارتی پلاٹ اور اموال تجارت میں کس طرح پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سامان تجارت جو تاجر کے قبضہ میں ہے ادائیگی زکوٰۃ کے دن اس کی مالیت کا تعین کس نرخ سے کیا جائے، اپنی لاگت کے حساب سے کریں یا اس دن کی قوت خرید کا اعتبار کیا جائے؟ پھر یہ کہ تھوک کے بھاؤ کا اعتبار ہوگا، یا پھٹکر فروختگی کا اعتبار ہوگا؟

جو لوگ آراضی کی خرید وفروخت کو ایک تجارتی کاروبار کے طور پر کرتے ہیں، سال پورا ہونے پر نقد رقم کے علاوہ جو آراضی انکی ملکیت میں ہیں، وہ آراضی بھی اموال زکوٰۃ میں شمار ہوں گی؟ اور ان پر زکوٰۃ کا وجوب قیمت خرید کے اعتبار سے ہوگا، یا متوقع قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اموال زکوٰۃ میں اداء زکوٰۃ کیلئے چار قسم کے نرخ سامنے آتے ہیں۔

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس دن سال ختم ہونیکی وجہ سے زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوا ہے، اگر اسی روز زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے، اور پھر بھاؤ میں گھٹاؤ بڑھاؤ ہوجائے تو حولان حول کے دن جو بھاؤ عمومی طور پر پایا جاتا تھا اسی بھاؤ کا اعتبار کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

عند أبي حنيفةؒ في الزيادة والنقصان جميعاً يؤدى قيمتها يوم الحول. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل التصرف في مال الزكاة، زكريا ديوبند ۲/۱۱۵، كراچی قدیم ۲/۲۳، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الثاني في العروض زكريا ديوبند ۱/۱۸۰ جديد ۱/۲٤۱)

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حولان حول کے بعد اگر زکوٰۃ ادانہیں کی ہے، اور مال کے بھاؤمیں گھٹاؤبڑھاؤ ہوجائے، توجب بھی ادا کریگا حولان حول کے دن کے بھاؤ کا اعتبار کر کے ادا کریگا۔

(۲) حضرت امام ابو یوسفؒ ومحمدؒ کے نزدیک اگر یوم الحول میں زکوٰۃ ادانہیں کی ہے تو وقت گذر جانے کے بعد جس دن بھی اسکی زکوٰۃ ادا کی جائیگی، اسی دن کی قوت خرید کے نرخ کا اعتبار کر کے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، لہٰذا اگر بھاؤ گھٹ جائے تو گھٹے ہوئے کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کیجائے گی، اوراگر بڑھ جائے تو بڑھے ہوئے کی قیمت لگا کرادا کرنا لازم ہوگا۔

وعندهما في الفصلين جميعاً يؤدى قيمتها يوم الأداء في النقصان (إلىٰ قوله) وفي الزيادة الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل التصرف في مال الزكاة، زكريا ديوبند ۲/۱۱۵، كراچی قدیم ۲/۲۳)

ترجمہ: اور حضرات صاحبین کے نزدیک عین شیئ میں سے ادا کرے دونوں صورتوں میں یوم الأداء کے نرخ کا اعتبار ہے چاہے مال کی قیمت کم ہوگئی ہو یا زیادہ۔

(۳) متوقع قیمت فروخت کا اعتبار کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کی جائے لیکن یہ ایک امر متردد فیہ ہے، اورزکوٰۃ مال متعین اور مال یقینی اور ملکیت یقینیہ پر ہی واجب ہوا کرتی ہے

اسلئے متوقع نرخ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۴) رأس المال اور لاگت کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے یہ ایک امر یقینی اور متعین ہے، اگر اس کا اعتبار کیا جائے، تو ملکیت تامہ اور ملکیت لازمہ پر زکوٰۃ ادا کرنا پایا جاتا ہے، اور شریعت اسلامی نے ملکیت لازمہ پر زکوٰۃ واجب کی ہے، ملکیت متردد فیہ پر زکوٰۃ واجب نہیں کی ہے، اس وجہ سے اس شکل کا اعتبار کرنے میں اگر چہ عبارات فقہیہ زیادہ ساتھ نہیں دیتی ہیں لیکن وجوب زکوٰۃ کی اصل علت اور بنیاد پر غور کرنے سے اس شکل کی قوت نظر آتی ہے، اسلئے اس صورت کو اگر جائز کہا جائے، تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور کتب فقہ کی عبارات اول الذکر دونوں شکلوں کی مؤید ہیں، لہٰذا حاصل یہ نکلے گا کہ تیسری شکل کے جواز کے دائرے میں آنے کیلئے کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور چوتھی شکل اصل و بنیاد وعلت کے لحاظ سے جواز کے دائرے میں آ سکتی ہے، اور اول و دوم کیلئے کتب فقہ کی صریح عبارات موجود ہیں، اسلئے ان تینوں شکلوں میں سے کسی بھی ایک کو معمول بہ بنایا جاسکتا ہے، مگر حضرت امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق یوم الحول کے نرخ کا اعتبار کرنا راجح معلوم ہوتا ہے، اور تجارتی پلاٹ پر بھی مذکورہ تفصیل اور احکام لاگو ہوں گے، اور تھوک اور پھٹکر فروخت ہونیوالے اموال میں اداء زکوٰۃ میں حسب مناسب قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر تھوک بھاؤ میں فروخت ہونے والے اموال ہیں تو تھوک بھاؤ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور اگر پھٹکر میں فروخت ہونے والے اموال ہیں تو پھٹکر بھاؤ کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۸)

تجارتی پلاٹ کی زکوٰۃ کس وقت کی قیمت کے اعتبار سے ہوگی؟

سوال: [۴۲۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تجارتی

پلاٹ اور زمین پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں، اگر زکوٰۃ واجب ہے تو کس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائیگا۔ مفصل بیان فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو پلاٹ یا زمین بیچنے کی نیت سے خریدے گئے تو ان کی موجودہ قیمت (وقت اداء) کا اعتبار ہوگا، اسی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۵، محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۴۱۴، میرٹھ ۱۴/ ۱۳۰، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/ ۱۰۷، ایضاح النوادر/ ۴۲، ۴۱، ایضاح المسائل/ ۱۰۶، کتاب المسائل ۲/ ۲۱۷)

عن ابن جريج قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته .

(مصنف عبد الرزاق ، الزكاة ، باب الزكاة من العروض ، المجلس العلمي ٤ /٩٨، رقم: ٧١٠٥)

عن الحسن ، في رجل اشترىٰ متاعاً فحلت فيه الزكاة ؟ فقال : يزكيه بقيمته يوم حلت. (المصنف لابن أبي شيبه ، الزكاة ، ماقالوا ، في المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/ ٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

وجاز دفع القيمة في الزكاة وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء ويقوم في البلد الذي المال فيه (في الشامية) وفي المحيط يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامي، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم زكريا٣ / ٢١١، كراچی ٢ /٢٨٦، ٢٨٥)

لأن الوجوب الأصلي عندهما هو ربع عشر العين وإنما له ولاية النقل إلى القمية يوم الأداء فيعتبر قيمتهايوم الأداء والصحيح أن هذا مذهب جميع أصحابنا. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة ،صفة الواجب في اموال التجارة زكريا٢/ ١١١)

وعندهما في الفصلين جميعا يؤدى قيمتها يوم الأداء في النقصان (إلىٰ قوله) وفي الزيادة . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، التصرف في مال الزكاة زكريا٢/ ١١٥، كراچی ٢/ ٢٣)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصابا من الذهب والورق . (هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الثالث الفصل الثاني في العروض زكريا ۱/ ۱۷۹، جديد ۱/ ۲٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۲)

پٹرول کی زکوٰۃ وخمس کی شرعی حیثیت

سوال: [۴۲۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موجودہ زمانے میں پٹرول ایک بہت قیمتی شیٔ ہوگئی ہے پٹرول کے ذخائر رکھنے والے ممالک دنیا کے افق پر چھائے ہوئے ہیں، اور یہ ایسی بیش بہا دولت بن گئی ہے کہ دینا کے کسی ملک کو اس سے استغنا نہیں ہے، مزید یہ کہ جن ممالک میں پٹرول کے کنوئیں ہیں، ان کے یہاں مال وزر کی ریل پیل لگ گئی ہے، اس لئے ہم مسلمان شریعت کی نگاہ سے اپنے مال کی زکوٰۃ فقراء، غرباء، مساکین وغیرہ کو دیتے ہیں اور شریعت نے ہر مال میں زکوٰۃ مقرر کی ہے، لہٰذا پٹرول بھی چونکہ معدنی اشیاء ذخائر میں شمار ہوتا ہے، لہٰذا مساکین وغیرہ کو دیتے ہیں اور شریعت نے ہر مال میں زکوٰۃ مقرر کی ہے، لہٰذا اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی یا خمس، صورت مسئلہ میں پٹرول کو فرضی ملکیت قرار دیا جائے، یا قومی ملکیت اور اس کی زکوٰۃ یا خمس کی وصولی کون کرے گا، حکومت وقت یا مسلمانوں کی کوئی کمپنی؟ کیوں کہ منشاء سوال یہ ہے کہ کیا حکومت کو قانونی واعتباری شخص مانتے ہوئے اس سے پٹرول کی زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے؟ بایں سبب کہ اس وقت عالم عرب میں بہت سے علماء حضرات حکومت سے پٹرول پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ کررہے ہیں، کیوں کہ حکومت کے بجٹ میں بعض مصارف زکوٰۃ جیسے محتاج مسافر کی مدد، اور نومسلم کی مدد، کے لئے رقم مختص نہیں ہوتی ہے، جبکہ بعض دیگر علماء حضرات حکومت سے پٹرول پر خمس یا زکوٰۃ لینے کو

غلط سمجھتے ہیں، کیوں کہ پورے پٹرول پر بیت المال کی ملکیت ہےاور زکوٰۃ کے طور پر بعض مال کوحکومت کے نکال دینے کے بعد اسی فیصد میں حکومت اپنے آپ کو آزاد سمجھ لے گی، جس سے بیت المال کے غلط استعمال کا خدشہ ہے۔

امید ہے کہ آنجناب مسئلہ مذکورہ کا کافی شافی جواب دلائل کیساتھ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

نوٹ: آنجناب کا جواب دلائل کے ساتھ ایک کتاب میں جو اسی موضوع پر شائع ہونے والی ہے ذکر کیا جائے گا۔

المستفتي: عطاءاللہ شاہ بخاری، جامع مسجد، مونگیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پٹرول کے بارے میں کئی روز تک غور وخوض کیا گیا تمام فقہاء احناف کی جزئیات اور عبارات اس سلسلے میں حتمی طور پر ایک ہی طرح ہیں کہ پٹرول پر خمس واجب نہیں ہے، ہاں البتہ اس کی تجارت کی صورت میں زکاۃ کی شرائط کے مطابق زکاۃ نکالی جائیگی، اب رہی وہ حکومتیں جن کے دائرے مملکت میں پٹرول کا خزانہ نکلتا ہے، جیسے سعودی مملکت اور کویت حکومت وغیرہ جن میں پٹرول کے خزانہ کے خزانہ نکل رہے ہیں، اور وہ حکومتیں دیگر ممالک میں پٹرول اور ڈیزل وغیرہ کی تجارت کرتی ہیں ان کی تجارت کے اعتبار سے ڈھائی فیصد اس کی زکوٰۃ نکال کر کے اپنے مملکت کے مصرف زکاۃ پر خرچ کرنا ان پر لازم ہوگا، اور شرعی بیت المال کی چاروں قسموں میں سے ایک قسم بیت المال فقراء ہوتا ہے، جس میں زکاۃ وغیرہ جمع ہوتی ہے، اسی بیت المال اور اسی فنڈ میں اس کو اکھٹا کرنا چاہئے، پھر وہاں سے زکاۃ کے مصرف پر خرچ کرنا چاہئے، اور اپنے اکابر میں سے فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے جو لکھا ہے، اس کا بھی حاصل یہی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۳۵۸، میرٹھ ۱۴/ ۶۸)

ہاں البتہ امام احمد بن حنبل کے بارے میں امام بدرالدین عینیؒ نے شرح بخاری

میں یہ نقل فرمایا ہے کہ ان کے نزدیک پٹرول میں بھی خمس واجب ہے، اور علامہ عینیؒ کی عبارت آگے نقل کی جارہی ہے، لیکن مسلک حنبلی کے اہم فقیہ ابن قدامہؒ نے المغنی میں یہ نقل فرمایا ہے کہ ان سب چیزوں میں فوری طور پر مقدار زکوٰۃ واجب ہے یعنی ربع عشر ڈھائی فیصد واجب ہے، ابن قدامہؒ کی عبارت بھی ذیل کی عبارتوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، تو حاصل یہ نکلا کہ حنفیہؒ کے نزدیک تجارت کی صورت میں زکوۃ کے اصول کے مطابق پٹرول کی زکاۃ نکالی جائیگی، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اور حنابلہ کے نزدیک بعض عبارات سے وجوب خمس کی بات معلوم ہوتی ہے، اور بعض عبارات سے فوری طور پر وجوب زکوۃ کی بات معلوم ہوتی ہے، اور پٹرول کے ذخیرے جن ممالک میں ہیں، وہ حکومتیں چوں کہ حنبلی مسلک کی ہیں، اس لئے فوری طور پر خمس یا ربع عشر نکالنے کے بعد بقیہ ذخیرہ کی جب تجارت ہوجائے تو تجارت کے اصول کے مطابق سالانہ اس کی زکوۃ بھی نکالی جائے، اب عربی عبارتیں ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

وذكر حميد بن زنجويه النسائي في كتاب الأموال عن علي بن أبي طالب رضى الله تعالىٰ عنه أنه جعل المعدن ركازاً وأوجب فيه الخمس ومثله عن الزهري وروى البيهقي من حديث مكحول أن عمر بن الخطابؓ ... جعل المعدن بمنزلة الركاز فيه الخمس، فافهم، الوجه الرابع في المعدن وهو أنواع ثلاثة مايذوب بالنار -إلى- ومايكون مائعاً كالقار والنفط والملح المائي ونحوها، فالوجوب يختص بالنوع الأول دون النوعين الأخيرين عندنا وأوجب أحمد في الجميع ومالك والشافعي في الذهب والفضة خاصةً وعموم الحديث حجة عليه. (عمدة القاري بيروت، كتاب الزكاة، باب في الزكاة الخمس تحت رقم /١٤٩٩، ٩/١٠٣، زكريا٦/٥٦٧)

أحدها في صفة المعدن الذي يتعلق به وجوب الزكاة وهو كل ماخرج من الأرض مما يخلق فيها من غيرها مماله قيمة كالذي ذكره

الخرقى ونحوه من الحديد -إلى- وكذلك المعادن الجارية كالقار والنفط والكبريت ونحوذلك - إلى- الفصل الثاني فى قدر الواجب وصفته وقدر الواجب فيه ربع العشر وصفته أنه زكاة وهذا قول عمر بن العزيز ومالك. (المغنى ۲/ ۳۳۰، ۳۳۱)

اعلم أن المستخرج من المعادن أنواع ثلاثة منهاجامد يذوب وينطبع كالذهب والفضة والحديدوالرصاص والنحاس -إلى- ومنها مائع لايجمد كالماء والزئبق والنفط -إلىٰ- وكذلك الذائب الذى لايتجمد أصلا فلا شيئى فيه لأن أصله الماء والناس شركاء فيه شرعاً قال صلى الله عليه وسلم الناس شركاء فى ثلاث فى الماء والكلأ والنار فمايكون فى معنى الماء وهو أنه يفور من عينه ولا يستخرج بالعلاج ولا يتجمد كان ملحقاً بالماء فلا شيء فيه . (المبسوط،كتاب الزكاة، باب المعادن وغيرها ، دارالكتب العلمية ۲ /۲۱۱، ۲۱۲)

وأما المائع كالقير والنفط فلاشيئى فيه ويكون للواجد لأنه ماء وإنه مما لايقصد بالاستيلاء فلم يكن فى يد الكفار حتى يكون من الغنائم فلايجب فيه الخمس . (بدائع الصنائع ،كتاب الزكاة ، زكاة المعادن زكريا۲/۱۹٤)

فاعلم أن المستخرج من المعدن ثلاثة أنواع -إلى- (الثالث) ماليس بجامد كالماء والقير والنفط ولايجب الخمس إلا فى النوع الأول .

(فتح القدير، كتاب الزكاة، باب المعادن والركاز اشرفيه ۲/ ۲۳۹، کراچی ۲/۱۷۹)

والنوع الثاني ماكان مائعاً كالقار والنفط ولاشئى فيه لأنه مائع بمنزلة الماء . (الكفايه، كتاب الزكاة، باب المعادن والركاز ۲/۱۷۹، کراچی مع الفتح)

اعلم أن المستخرج من المعدن ثلاثة أنواع -إلى- وماليس بجامد كالماء والقير والنفط ولايجب الخمس إلا فى النوع الأول . (طحطاوى على

الدر، کتاب الزکاۃ ، باب الرکاز کراچی ۱/۴۱۵)

وثالثها مائع لا يتجمد كالماء والقير والنفط ولايجب الخمس إلا فى النوع الأول . (تبيين الحقائق كتاب الركاز ، باب الركاز ، زكريا۲/۲۳۴)

ولاشيئى فى عين القير والنفط والملح سواء كان فى أرض عشر أو خراجٍ. (الفتاویٰ التاتارخانية ، كتاب الزكاة ، المعادن والركاز ، الكنوز۳/۳۴۷، رقم: ۴۵۳۵)

ولافى عين قير أي زفت ونفط دهن يعلو الماء مطلقاً أي فى أرض خراجٍ أو عشر . (شامی ، کتاب الزکاۃ، باب العشر کراچی ۲/۳۳۱، زکریا۳/۲۷۳)

وأما المائع كالقير والنفط وماليس بمنطبع ولا مائع كالنورة والجص والجواهر فلاشيئى فيها وكلها لواجدها . (الموسوعة الفقهيه ۳۸/۱۹۴)

وأما المائع كالقير والنفط –إلى– فلا شيئى فيها. (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الخامس فى المعادن والركاز زكريا۱/۱۸۵، جديد ۱/۲۴۶)

والمائع ماكان كالقار –الزفت– والنفط ،زيت البترول الغاز ونحوهما – إلىٰ– وأما المائع القار والنفط الملح فلاشيئى فيه أصلاً . (الفقه على المذاهب الأربعة ۱/۶۱۲، ۶۱۳)

والمعادن ثلاثة أنواع –إلىٰ– مائع ليس بجامد كالقار (الزفت) والنفط (البترول) ولايجب الخمس إلا فى النوع الاؤل. (الفقه الإسلامى ، الهدى انٹر نيشنل ديو بند، زكاة المعادن والركاز، الهدىٰ انٹر نيشيل ديوبند ۲/۶۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۹)

تجارتی زمین کی زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

قاضی انصار حسین صاحب نے دوقطعہ زمین اس غرض سے خریدی تھی کہ ایک قطعہ پر مکان بنائیں گے اور دوسرے قطعہ کو قیمت بڑھنے کے بعد فروخت کر کے اس کا پیسہ تعمیر میں لگادیں گے کچھ عرصہ بعد اس زمین کو فروخت کردیا گیا جس کو فروختگی کی نیت سے خریدا تھا، اور وہ زمیں ابھی باقی ہے جس کو مکان بنانے کی نیت سے خریدا تھا اب ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ دوسرے قطعہ پر مکان بنانے کا ارادہ نہیں اور اب اس کو بھی فروخت کرنے کا ارادہ ہوگیا ہے، اب مسئلہ شرعی یہ معلوم کرنا ہے کہ موجودہ زمین جس کو مکان بنانے کیلئے خریدا گیا تھا اسے فروخت کرنے سے پہلے اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی دوسری بات یہ بھی معلوم کرنی ہے، کہ جو زمین فروختگی کے لئے خریدی گئی تھی اس کو خریداری کے تقریباً پانچ چھ سال بعد فروخت کردیا گیا تھا، مگر ان پانچ چھ سالوں کی زکوٰۃ ادانہیں کی گئی تھی ، سوال یہ ہے کہ ان پانچ چھ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی لازم ہے یانہیں؟ اور کس ویلیو سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی ، اور فروختگی کے بعد جو پیسہ آیا تھا اس کی بھی زکوٰۃ ادانہیں کی گئی اس کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائیگی؟ جو بھی طریقہ ہو اس کو شریعت کی روشنی میں بیان فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتي: قاضی عبدالماجد، شوکت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ میں دوقطعہ زمین کا ذکر ہے ان میں سے جو زمین مکان بنانے کیلئے خریدی گئی تھی اور بعد میں ایسے حالات پیدا ہوگئے ہیں کہ اب اس زمین پر مکان بنانے کا ارادہ نہیں ہے، بلکہ اس کو فروخت کرنے کا ارادہ ہے تو اس زمین کی قیمت پر اس وقت تک زکوٰۃ لازم نہیں ہے ، جب تک کہ اس کو فروخت کر کے پیسہ کی شکل میں اس کی قیمت ملکیت میں نہ آجائے ، اب رہی دوسری زمین جس کو قیمت بڑھنے پر فروخت کرنے کے ارادہ سے خریدا تھا، تو اس زمین کی ہرسال زکوۃ ادا کرنا لازم تھا، اور جن پانچ چھ سالوں کی زکاۃ ادانہیں کی گئی تھی ان

سالوں کی قیمت معلوم کرکے زکوۃ نکالنا لازم ہے، اگر عام لوگوں سے ان سالوں کی قیمت معلوم نہ ہوسکے تو متعلقہ سرکاری محکمہ سے ان سالوں کی قیمت معلوم ہوجائیگی، اسے معلوم کرکے زکوۃ نکالنا ضروری ہے، اور زمین کو فروخت کرنے کے بعد جو پیسہ قبضہ میں آیا ہے، اس پیسہ کی زکوۃ ہزار میں سے پچیس روپیہ اور ایک لاکھ میں ڈھائی ہزار روپیہ کے حساب سے نکالنا لازم ہے، اگر کئی سالوں کی زکوۃ ادانہیں کی گئی ہے، تو ہر سال ڈھائی فیصد کے حساب سے نکالنے کے بعد دوسرے سال پچھلے سال کے ڈھائی فیصد کم کرکے بقیہ میں سے ڈھائی فیصد نکالے جائیں۔

عن نافع، عن ابن عمرؓ قال: لیس فی العروض زکاۃ، إلا ما کان للتجارة. (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الزکاة، باب زکاة التجارة، دارالفکر ٦/٦٤، رقم: ٧٦٩٨، المصنف لابن أبي شیبه، کتاب الزکاة، ماقالوا فی المتاع یکون عند الرجل یحول علیه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جدید٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٦٠)

عن أبي عمر و بن حماس ،عن أبیه، قال: کنت أبیع الأدم و الجعاب، فمر بي عمربن الخطاب، فقال لی: أد صدقة مالک، فقلت یاأمیر المؤمنین إنما هو فی الأدم، قال: قومه ثم أخرج صدقته. (سنن الدار قطنی، الزکاة، باب تعجیل الصدقة، قبل الحول ،دارالکتب العلمیه بیروت٢/١٠٩، رقم: ١٩٩٩)

ولو نویٰ التجارة بعد العقد أو اشتریٰ شیئاً للقنیة ناویاً أنه إن وجد ربحا باعه لاز کاة علیه (تحته فی الشامیة) ولو نوی الخ محترز قوله وشرط مقارنتها لعقد التجارة. (الدر مع الرد، کتاب الزکاة، قبیل باب السوائم زکریا دیوبند٣/١٩٥، کراچی ٢/٢٧٤)

وتشترط نیة التجارة فی العروض ولابد أن تکون مقارنة للتجارة فلو اشتریٰ شیئاً لنفسه ناویاً أنه إن وجد ربحاًباعه،لازکاة علیه. (الاشباه والنظائر قدیم /٣٨، زکریا/٧٩)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ما كانت إذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق أو الذهب .... ويشترط نية التجارة وفي هامش الهداية أي حالة الشراء أما إذا كانت النية بعد الملك فلا بد من اقتران عمل التجارة بنية لأن مجرد النية لايعمل . (هدايه ، كتاب الزكاة ، فصل في العروض اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۷۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۱۲ھ

پیشگی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور اس کے بھائی بہنوں کو والد کے ورثہ میں ایک پلاٹ ملا، پلاٹ کو بیچنے کے لئے ایک شخص (عمر) سے بات ہوگئی، قیمت طے ہوگئی عمر کو کچھ کاغذات بنانا ہے، اس دوران عمر نے کچھ رقم پیشگی ادا کی، زید کو بھی پیشگی رقم ملی، اور زید کا معمول ۱/ رمضان کو زکاۃ کا حساب کرنیکا ہے، تقریباً دو ماہ قبل پیشگی رقم ملی، کیا زید کو پیشگی رقم پر بھی زکاۃ ادا کرنی ہوگی؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

المستفتي: محمد افتخار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جو پیشگی رقم ادا کی گئی ہے وہ رقم اگر بیعانہ اور معاہدۂ بیع کے طور پر ہے تو اس کی زکوۃ ادا کرنا زید پر لازم نہیں اس لئے کہ بیع تام نہیں ہوئی اور یہ رقم بطور امانت کے ہے، اگر خریداری کی بات ختم ہوجاتی ہے، تو اس رقم کی واپسی شرعاً لازم ہے، اور اگر پیشگی دی گئی رقم بیعانہ اور معاہدۂ بیع کے طور پر نہیں ہے بلکہ عقد بیع مکمل ہونے کے بعد

قیمت کا ایک حصہ دیا گیا ہے تو اس کی زکوۃ ادا کرنا لازم ہے۔

وأما المستفاد في أثناء الحول فيضم إلى مجانسه ويزكى بتمام الحول الأصلي. (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الزكاة، دارالكتاب ديوبند/٧١٥، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها و صفتها وشرائطها زكريا ١/١٧٥، جديد ١/٢٣٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ رشوال ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۲۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۱۰/۱۴۳۴ھ

بیعانہ کی رقم ادا کرنے کے بعد مابقیہ رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اپنی زکوٰۃ ہر سال رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں نکالتا ہے، زید نے رجب کے شروع میں ایک مکان خریدا بیعانہ کے طور پر کچھ رقم رجب میں دیدی باقی رقم عیدالفطر کے بعد دینے کا وعدہ کرلیا معلوم یہ کرنا ہے کہ زید جب رمضان کے شروع میں زکوٰۃ ادا کرے گا تو کیا اس رقم کی بھی زکوٰۃ دے گا جس کا مکان کے خریدنے پر عیدالفطر کے بعد ادائیگی کا وعدہ کیا ہے، یا مکان کے خریدنے کی رقم الگ نکال کر تب بقیہ رقم کی زکوٰۃ نکالے شرعاً کیا حکم ہے؟ جواب دیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے بیعانہ کے طور پر جو رقم ادا کردی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لیکن باقی رقم جو اس نے عیدالفطر کے بعد دینے کا وعدہ کیا ہے، وہ زید ہی کی ملکیت میں ہے، اسلئے اس رقم کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی، جبکہ مکان پر قبضہ نہ کیا

ہو۔ (مستفاد انوار مناسک/۱۶۰)

إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي ، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضاً في المستقبل . (شامي، كتاب الزكاة ، مطلب في زكاة ثمن المبيع وفاءً ، كراچی ۲/ ۲۶۲، زكريا۳/ ۱۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/۱۰/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۰/۱۴۲۷ھ

تجارتی زمین پر ہر سال ادائیگی زکوٰۃ کے وقت کی قیمت معتبر ہے

سوال: [۴۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زمین بغرض تجارت خریدی ہو بلڈنگ تعمیر کرنے کے لئے ایسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کب واجب ہوگی یعنی جب سے زمین خریدی ہو یا بلڈنگ بنانے کے بعد فروخت کی ہو یا صرف ہوئے منافع پر زکوٰۃ دینی واجب ہوگی؟

المستفتي: عبد الرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر یہی کاروبار ہے تو پورے سرمایہ کی زکوٰۃ ہر سال جس وقت ادا کی جاتی ہے اسی وقت سے قیمت لگا کر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا، اگر یہ پہلا سرمایہ ہے تو خریداری پر سال گذرنے کے بعد اس کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا۔

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: أما بعد! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة ، النسخة الهندية ۱/ ۲۱۸، دار السلام رقم: ۱۵۶۲)

عن ابن عمرؓ قال: لیس فی العروض زکاۃ إلا ما کان للتجارۃ. (السنن الکبریٰ للبیهقی ، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ ،دارالفکر ٦/٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

عن عائشةؓ قالت: سمعت رسول الله ﷺ یقول: لازکاۃ في مالٍ حتی یحول علیه الحول . (سنن ابن ماجه ، کتاب الزکاۃ، باب من استفادمالاً، النسخةالهندیة ١/١٢٨، دارالسلام رقم:١٧٩٢)

عن الحسن ، في رجل اشتریٰ متاعاً فحلت فیه الزکاۃ؟ فقال: یزکیه بقیمته یوم حلت . (المصنف لابن أبي شیبة ، کتاب الزکاۃ، ماقالوا فی المتاع یکون عندالرجل یحول علیه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جدید٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

وتشترط نیة التجارۃ فی العروض الخ. (الأشباہ قدیم /۳۸،زکریا/۷۹)

لازکوٰۃ فی مال حتی یحول علیه الحول الخ. (هدایه ، کتاب الزکاۃ، اشرفیه دیو بند١/ ١٨٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/۲۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

وکیل بالشراء کے پاس پھنسے ہوئے روپیوں پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے بلڈر کو دولاکھ روپئے مکان خریدنے کیلئے دیئے لیکن بلڈر نے چارسال کے بعد کسی وجہ سے مکان میرے حوالہ کیا تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ان چارسالوں میں ان دولاکھ روپیوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں ؟ اور اگر بلڈر یہ مکان نہ دے بلکہ میرا روپیہ ہی واپس کردے تو ان روپیوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ واضح ہو کہ یہ مکان بغرض تجارت خریدا تھا رہائش کیلئے نہیں؟ جواب سے نوازیں، عنایت ہوگی ؟

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ کی عبارت سے اصل حقیقت واضح نہیں ہو پائی ہے اگر سوال کا مطلب یہی ہے کہ آپ نے بلڈر کو اسی مکان کو خریدنے کیلئے روپیہ دیا ہے، جو مکان بلڈر نے چار سال بعد آپ کے حوالے کیا تھا، اور یہ مکان آپ نے تجارت کیلئے ہی خریدا ہے، تو ایسی صورت میں بلڈر نے چار سال پہلے آپ سے جو دو لاکھ روپئے لے لئے وہ آپکی ملکیت سے خارج ہوگئے اب تجارتی مکان آپکی ملکیت میں چار سال بعد آیا ہے، تو اگر آپ کا روپیہ یا مکان آپ کو ملنے میں کوئی تردد نہیں تھا، بلکہ یقینی تھا کہ مثلاً مکان آپکو ملنا ہی ملنا ہے لیکن آپ نے رعایۃً ان کے پاس چھوڑے رکھا یا اس کو کرایہ پر دے رکھا تھا، اور جب آپ چاہتے تو اپنا روپیہ یا مکان اپنے قبضہ میں لے سکتے تھے، تو ایسی صورت میں آپ پر دو لاکھ روپیہ کی مالیت کی چار سال کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہوگی، اور اگر وہ روپیہ بلڈر کے پاس جا کر پھنس گیا اور پیسہ یا مکان پر قبضہ کرنا آپ پر آسان نہیں تھا، تو آپ پر پچھلے چار سالوں کی زکوٰۃ لازم نہیں۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۲۷)

عن الليث بن سعد أن عبد الله بن عباس ، وعبد الله بن عمر رضي الله عنهم ، قالا : من أسلف مالاً فعليه زكاته في كل عام ،إذا كان في ثقة . (السنن الكبرىٰ للبيهقي ، كتاب الزكاة ، باب زكاة الدين إذا كان على ملي موفي ، دارالفكر ٦/ ٦٨ ، رقم: ٧٧١٣)

عن نافع ، عن ابن عمر قال: زكاة أموالكم حول الىٰ حول ٍ ، فما كان من دين ثقة فزكوه ، وماكان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتىٰ يقبضه صاحبه. (المصنف لابن ابي شيبة ، كتاب الزكاة ، في زكاة الدين ، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/ ٤٨٥، رقم: ١٠٣٥١)

أما القوى وهو الذى وجب بدلا عن مال التجارة إلىٰ قوله يؤدى زكوٰته قل المقبوض أو كثر . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل وأما الشرائط التي

ترجع إلیٰ المال مراتب الدیون کراچی ۲/۱۰، زکریا۲/۹۰، البحرالرائق، کتاب الزکاة، کوئٹه ۲/۲۰۷، زکریادیوبند ۲/۳٦۳، ۳٦٤، هندیه، کتاب الزکاة، الباب الاول في تفسیرها وصفتها و شرائطها زکریا۱/۱۷۵، جدید ۱/۲۳٦، قاضیخان علی هامش الهندیه، کتاب الزکاة، فصل فی مال التجارة زکریا۱/۲۵۳، جدید ۱/۱۵۵، مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/۲۸۹، قدیم مصری ۱/۱۹۵)

أما الدین الضعیف وهو الذي وجب له بدلاً عن شیئی (إلیٰ قوله) ولا زکوٰة فیه مالم یقبض کله ویحول علیه الحول بعد القبض.
(بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل وأما الشرائط التی ترجع إلیٰ المال مراتب الدیون زکریادیوبند۲/۹۰، کراچی ۲/۱۰)

یقر المدیون بالدین وبملاء ته ولایقدر الدائن علی تخلیصه منه فهو بمنزلة العدم. (شامی، زکریا۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ رجب ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۳۹)

جس مال تجارت کی قیمت ادا کر کے قبضہ نہیں کیا اس کی زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مال تجارت جس کی قیمت پیشگی ادا کردی گئی ہو لیکن مال کی وصولی اب تک نہیں ہوسکی ہے، وہ قیمت جوادا کی جا چکی ہے، اور وہ مال جو خریدار کے ملک میں آچکا لیکن قبضہ میں نہیں آیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس مال تجارت کی مشتری نے قیمت ادا کردی ہے

لیکن ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اسکی زکوٰۃ مشتری پر واجب نہیں ہے۔(مستفاد:عزیز الفتاویٰ ۱/۳۴۶)

ولا فيما اشتراه لتجارة قبل قبضه. (الدر المختار، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۱۸۰/۳، كراچی ۲۶۳/۲)

ترجمہ: یعنی جو مال تجارت کی غرض سے خریدا ہے اس پر قبضہ سے قبل زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

المبيع قبل القبض لاتجب فيه الزكاة. (حاشيه چلپی علی هامش التبيين، كتاب الزكاة، امداديه ملتان ۲۵۷/۱، زكرياديوبند ۳۰/۲)

ترجمہ: یعنی قبضہ سے قبل مبیع میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

اور قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ مشتری پرواجب ہوگی یانہیں ؟ تو اس میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے قاضی خان کی عبارت سے واضح ہوتا ہے، کہ مشتری پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔

رجل له سائمة اشتراها رجل للسيامة ولم يقبضها حتى حال الحول ثم قبضها لا زكوٰة على المشتري فيما مضى ؛ لأنها كانت مضمونة على البائع بالثمن. (شامی، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند۱۸۰/۳، كراچی ۲۶۳/۲، وهكذا قاضيخان على هامش الهنديه، كتاب الزكاة، قبيل فصل فی أداء الزكاة زكريا ديوبند ۲۶۰/۱، جديد ۱۶۰/۱)

ترجمہ: کسی شخص کے پاس چرکر گذارا کرنے والے جانور رہیں ان کو دوسرے شخص نے نسل بڑھانے اور چرا کر پالنے کی نیت سے خرید کر قبضہ نہیں کیا ہے، حتی کہ سال گذر گیا تو سنین ماضیہ کی زکوٰۃ مشتری پر واجب نہ ہوگی، اسلئے کہ وہ بائع کی ضمانت میں ہے۔

لیکن راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ مال تجارت میں قبضہ کے بعد مشتری پر سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب اور ضروری ہے، اسلئے کہ قبضہ سے قبل جو ملکیت ناقص ہوتی ہے اس پر بھی قبضہ کے بعد استصحاب حال کے قاعدہ سے ملکیت تامہ کا حکم لاگو ہوجاتا ہے۔

وأما بعده (أی بعدالقبض)فیزکیه عما مضی . (شامی ، کتاب الزکاۃ ، زکریا دیوبند ۳/ ۱۸۰، کراچی ۲/ ۲۶۳)

ترجمہ: یعنی مال تجارت میں قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

لاتجب الزکوٰۃ معناہ قبل قبضه ، وأما بعد قبضه فتجب زکوته فیما مضی کالدین القوي الخ. (البحرالرائق ، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۲/ ۳۶۵، کوئٹہ ۲/ ۲۰۹)

ترجمہ: یعنی قبضہ سے قبل مشتری پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لیکن قبضہ کے بعد سنین ماضیہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہے جیسا کہ دین قوی کا حکم ہے۔

اور مشتری نے مبیع کی جو قیمت بائع کو ادا کردی ہے، اس پر بائع کی ملکیت اور قبضہ دونوں جمع ہوکر ملکیت تامہ کے دائرے میں داخل ہوچکی ہے، اسلئے اسکی زکوٰۃ ادا کرنا بائع پر لازم ہوگا، مشتری پر نہیں ہوگا۔

رجل اشتری عبداً للتجارۃ یساوي مأتي درهم ونقد الثمن ولم یقبض العبد حتی حال الحول فمات العبد عندالبائع کان علی بائع العبد زکوۃ المائتین...... فلأنه ملک الثمن (إلی قوله) لازکوٰۃ علی المشتری لأن الثمن زال عن ملکه إلی البائع . (البحرالرائق ، کتاب الزکاۃ، کوئٹہ ۲/ ۲۰۳، ۲۰۴، زکریا

ترجمہ: یعنی کسی شخص نے بغرض تجارت ایسا غلام خریدا جس کی قیمت دوسو درہم ہے ، اور ثمن ادا کردیا لیکن قبضہ نہیں کیا حتی کہ سال گذر گیا اور غلام بائع کے یہاں ہلاک ہوجائے، تو دوسو درہم کی زکوٰۃ بائع پر لازم ہے، اس لئے کہ وہ اس ثمن کا مالک ہوچکا ہے ، اور مشتری پر زکوٰۃ نہیں ہے، اسلئے کہ اس کی ملکیت سے نکل کر بائع کی ملکیت میں داخل ہوکر اس پر سال گذر چکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

دیو بند ۲/ ۳۵۷، قاضیخان علی
هامش الهندیه، کتاب الزکاۃ، قبیل
فصل في أداء الزکاۃ زکریا
دیو بند ۱/ ۲۵۹، جدید ۱/ ۱۵۹)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۳۷)

غیر مقبوض مال کی زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید چمڑہ کا کاروبار کرتا ہے، بعض مرتبہ رقم ایسی رک جاتی ہے، کہ ملنے کی جلدی امید نہیں ہوتی ہے، اگر ایسی رقم سے کچھ رقم مل جائے تو زکوٰۃ فوراً واجب ہوگی ؟ یا پھر سال گذرنے پر اور گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ تو واجب نہیں ہے صرف رقم کا چالیسواں حصہ ہی کافی ہوگا؟ یا گذشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ مفصل بیان کریں

المستفتي: رحمت اللہ قاسمی، مدرسہ دار العلوم سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر جب چاہے رقم نہیں ملتی ہے تو ایسی رکی ہوئی رقم پر وصول ہونے سے پہلے زکوٰۃ دینا واجب نہیں جتنی رقم وصول ہوتی رہے اتنے کی زکوٰۃ ادا کر دیا کریں، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ایسی صورت میں دینا راجح قول کے مطابق واجب نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۲۸)

عن عبد الله بن دينار، عن ابن عمر رضـ قال: زكوا ما كان في أيديكم، وما كان من دين ثقة، فهو بمنزلة ما في أيديكم، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقبضه. (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الدین إذا کان

علی معسر أو جاحد دارالفکر ٦/٦٩، رقم: ٧٧١٧)

ولو کان الدین علی مقر ملیء أو علیٰ معسر أو مفلس أی محکوم بإفلاسه أو علی جاحد علیه بینة وعن محمد لا زکوٰۃ وھو الصحیح . (الدر المختار مع الشامی ، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند٣/١٨٤، ١٨٥، کراچی ٢/٢٦٦، ٢٦٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸رصفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۱۹۷۸)

ناقص اور نامکمل مکان کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ

سوال: [۴۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا چار مکان بنانے کا ارادہ ہے، جس میں سے ہر ایک کی قیمت ساڑھے تین لاکھ روپیہ رکھی ہے، جن میں سے ایک مکان مکمل تیار ہے ، دوسرے میں پلاسٹر اور ٹائلس کا کام باقی ہے اور دوسرے دو مکان نامکمل ہیں یعنی صرف دیواریں اور چھت مکمل ہوئی ہے، ان سے اوپر کی منزل کی تعمیر ابھی باقی ہے، تو ان مکانوں کی زکوۃ کس طرح ادا کروں ؟ فروختگی کی قیمت ساڑھے تین لاکھ روپیہ کے اعتبار سے ہر مکان کی زکوٰۃ ادا کروں یا جو مکان مکمل ہے اس کی مکمل اور جو ناقص ہے اس کی اسی اعتبار سے زکاۃ ادا کروں؟

المستفتي: مولوی محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو مکان مکمل تعمیر ہو چکا ہے، اس کی زکوۃ اس کی مکمل قیمت کے حساب سے نکالی جائیگی اور جو مکان ناقص تعمیر ہوا ہے، اس کی زکوۃ اس کی ناقص قیمت کے حساب سے نکالی جائیگی۔

عن ابن جریج قال: سمعت أنا أنها قیمة العروض یوم تخرج زکاته.

(مصنف عبدالرزاق ، الزكاة، باب الزكاة من العروض ، المجلس العلمي ٤/٩٧، رقم: ٧١٠٥)

عن الحسن في رجل اشترى متاعاً فحلت فيه الزكاة؟ فقال يزكيه ، بقيمته يوم حلت. (المصنف لابن أبي شيبة ، كتاب الزكاة، ماقالوا فى المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء وهو الأصح . (شامی، کتاب الزكاة، باب زكاة الغنم كراچی ٢/٢٨٦،زكريا٣/٢١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۷ھ

استعمال کیلئے خریدے گئے پلاٹ کی رقم پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے ایک پلاٹ ۱۹۹۳ء میں اپنے استعمال کی نیت سے خریدا تھا لیکن اب زید اس کو فروخت کر کے کوئی دوسرا مکان یا پلاٹ خریدنا چاہتا ہے، کیا زید کو اس فروخت شدہ پلاٹ کی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنی فرض ہوگی یا نہیں؟ اگر ہاں تو کب سے ابھی فروخت نہیں کیا ہے؟

المستفتي: سید آفتاب علی، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صرف فروخت کرنے کی نیت سے وہ پلاٹ تجارتی نہ ہوگا، جبکہ خریدتے وقت استعمال کی نیت رہی ہو سوالنامہ میں ہے کہ ابھی تک فروخت بھی نہیں کیا ہے، بلکہ صرف ارادہ ہے تو ایسی صورت میں ایسے پلاٹ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ جب فروخت کردیگا اور اس کے بعد سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آنے سے پہلے دوسرا پلاٹ استعمال کیلئے خریدے گا تو بھی اس کی زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔

عـن ابـن عـمـر ؓ قـال: لیـس فـی العروض زکاة، إلا ما کان للتجارة .
(السنن الکبریٰ للبیهقی ، کتاب الزکاة، باب زکاة التجارة ، دارالفکر ٦/ ٦٤،رقم: ٧٦٩٨)

عـن ابن عمر قال: لیس فی العروض زکاة ؛ إلا عرض في تجارة فإن فیه زکاة . (الـمـصنف لابن ابي شبية ،کتاب الزکاة، ماقالوا فی المتاع یکون عند الرجل یحول علیه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جدید ٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٦٠)

قـالوا فی الزکاة لو نویٰ فیما کان للتجارة أن یکون للخدمة کان لـلـخـدمةو إن لـم یـعـمـل، بـخـلاف عـکسـه وهو ماإذا نویٰ فیما کان لـلـخـدمة ،أن یـکون للتجارة لایکون للتجارة حتی یعمل لأن التجارة عـمـل فـلا یتـم بـمـجـرد الـنیة والـخدمة ترک التجارة فتتم بها الخ.
(الأشباه قدیم / ٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
ار محرم ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۷۹)

مکان بنانے کے ارادے سے خریدی گئی زمین میں تجارت کی نیت کرنا

سـوال: [۴۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک زمین خریدی تھی جس پر کہ میرا ارادہ مکان بنا کر رہنے کا تھا، کیونکہ میرے پاس اپنا کوئی مکان نہیں کرایہ کے مکان میں رہتا ہوں جہاں پر زمین خریدی تھی وہاں پر آبادی نہ ہونے کی وجہ سے مکان بنا کر رہنا ممکن نہیں اب پچھلے ایک سال سے میں ہر چند یہ کوشش کررہا ہوں کہ کم از کم جتنے قیمت کی میں نے زمین خریدی تھی اتنے ہی کی بک جائے چاہے مجھ کو کوئی فائدہ نہ ہو مگر ہر چند لوگوں سے ذکر کرنے اور رابطہ کرنے کے باوجود وہ زمین نہیں بک سکی فائدہ تو درکنار اس کی قیمت بھی نہیں مل پا رہی ہے، اس طرح وہ پیسہ پھنسا ہوا ہے، کیا مجھ کو اس مکان کی قیمت کی زکوٰۃ دینی چاہئے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کبھی میرے دل

میں کسی وقت یہ خیال آیا ہو کہ یہ زمین فائدہ سے بک جائے گی تو کسی دوسری جگہ زمین یا مکان لے لوں گا؟ تشفی بخش جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: نظام الدین، محلّہ رفعت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اگرچہ یہ نیت کیوں نہ کی ہو کہ جب نفع ملے گا تو بیچ دیں گے۔

عن نافع، عن ابن عمر، قال: لیس فی العروض زکاۃ، إلا عرض فی تجارۃ، فإن فیه زکاۃ. (المصنف لابن أبي شیبه، کتاب الزکاۃ، ماقالوا: فی المتاع یکون عندالرجل یحول علیه الحول، مؤسسه علوم القرآن جدید ۶/ ۵۲۶، رقم: ۱۰۵۶۰، السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ، دارالفکر ۶/ ۶۴، رقم: ۷۶۹۸)

وتشترط نیة التجارۃ فی العروض ولابد أن تکون مقارنة للتجارۃ فلو اشتریٰ شیئا لنفسه ناویاً أنه إن وجد ربحاً باعه لازکوٰۃ علیه الخ.

(الأشباہ قدیم/ ۳۸، وهکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند ۱/ ۷۱۸، قدیم/ ۳۹۱، الولوالجیة، کتاب الزکاۃ، فقیه الامت ۱/ ۱۸۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍ جمادی الاول؍ ۱۴۱۸ھ

مکان بنانے کی نیت سے خریدے گئے پلاٹ پر فروختگی سے قبل زکوٰۃ نہیں

سوال: [۴۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس ایک پلاٹ مکان بنانے کیلئے موجود ہے، بعد میں ارادہ بدل گیا کہ جب قیمت بڑھ

جائیگی تو پلاٹ فروخت کردوں گا، تو ایسی صورت میں اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں ؟ جواب سے نوازیں عنایت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شخص نے مکان بنانے کیلئے پلاٹ خریدا پھرارادہ بدل گیا کہ قیمت بڑھ جانے پر اس کو فروخت کروں گا، تو اس پر زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں ہے، جب تک کہ اسے فروخت نہ کردے گا، فروختگی کے بعد ہی رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن نافع، عن ابن عمر قال: لیس فی العروض زکاۃ إلا ماکان للتجارۃ. (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ التجارۃ، دارالفکر ٦/٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

اشتریٰ شیئا للقنیۃ ناویاأنہ إن وجد ربحاً باعہ لازکوٰۃ علیہ . (الدر مع الرد، کتاب الزکاۃ، قبیل باب السائمہ زکریا دیوبند٣/١٩٥، کراچی ٢/٢٧٤)

رجل اشتریٰ خادما للخدمۃ وھو ینوی إن أصاب ربحاً یبیعہ فحال علیہ الحول لازکوٰۃ علیہ لأن المشتری للخدمۃ کذلک یکون إذا أصاب ربحاً یبیعہ. (الولوالجیۃ دارالایمان سہارنپور، کتاب الزکاۃ ١/١٨٣)

وتشترط نیۃ التجارۃ في العروض ولابد أن تکون مقارنۃ للتجارۃ فلو اشتریٰ شیئاً للقنیۃ ناویاً أنہ إن وجد ربحاً باعہ لازکوٰۃ علیہ. (الاشباہ زکریا١/٧٩، قدیم /٣٨)

لکن لاتجب الزکوٰۃ إلا إذا اتجر لأن التجارۃ فعل لایتم بمجرد النیۃ. (شرح حموی زکریا١/٧٩، قدیم /٣٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍جمادی الاُخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۸)

تجارت کی نیت سے خریدنے کے بعد پلاٹ پر مکان بنانے کے ارادہ سے زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی؟

سوال: [۴۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے تجارت کی نیت سے پلاٹ خریدا پھر ارادہ کیا کہ اسے بیچنا نہیں ہے، بلکہ مکان بنانا ہے اب اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شخص نے تجارت کی نیت سے پلاٹ خریدا پھر ارادہ بدل گیا کہ اسمیں مکان بنانا ہے، تو اب اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲/۲۱۴)

عن ابن عمر ، قال: ليس في العروض زكاة، إلا عرض في تجارة ، فإن فيه زكاة. (المصنف لإبن أبي شيبه ، كتاب الزكاة، ماقالوا: في المتاع يكون عندالرجل يحول عليه الحول ،مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٥٢٦، رقم: ١٠٥٦٠)

لو نوىٰ بمال التجارة الخدمة كان للخدمة بالنية. (الاشباه ١/١٧٢، زكريا)

بخلاف مالو نوىٰ فيما هو للتجارة أن يكون للخدمة حيث يصح بمجرد النية لأن التروك يكتفى فيها بمجردها. (شرح حموى زكريا ١/٧٩، قديم /٣٨)

ومن اشترىٰ جارية للتجارة و نواها للخدمة بطلت عنها الزكاة. (هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الاول ، في صفتها وتفسيرها وشرائطها زكريا ١/١٧٤، جديد ١/٢٣٦)

والفرق أى بين التجارة حيث لاتتحقق بالفعل وبين عدمها بأن نواه للخدمة حيث تحقق بمجرد النية . (شامى، كتاب الزكاة ،قبيل باب السوائم

کراچی ۲/ ۲۷۲، زکریا ۳/ ۱۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۷۳)

تجارت کی نیت سے خریدے گئے پلاٹ میں رہائشی مکان بنانا

سوال: [۴۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دو پلاٹ خریدے دوسرا جو ضرورت سے زائد ہے جسکی قیمت **۵۰۰۰**۷/ ہزار روپئے ہے، پلاٹ خریدتے وقت تجارت کی نیت تھی لیکن اب رہائش کا مکان بنانا چاہتا ہوں تو اس پلاٹ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتي: توحید عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دوسرا پلاٹ جسے خریدتے وقت تجارت کی نیت تھی، اسکی قیمت بھی نصاب کے بقدر ہے لیکن بعد میں جب ارادہ بدل گیا اب اس پلاٹ پر رہائشی مکان بنانا چاہتا ہے، ایسی صورت میں اس پلاٹ کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہے، یعنی جس دن سے مکان بنانے کا پکا ارادہ کرلیا ہے، اور بیچنے کا ارادہ ختم کردیا ہے، اس دن سے وہ پلاٹ مال تجارت نہیں رہا۔

ومن اشترى جارية للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزكاة لاتصال النية بالعمل. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/ ۱۷٤، جديد ۱/ ۲۳٦، هدايه، كتاب الزكاة، اشرفيه ديوبند ۱/ ۱۸۷)

لو كان عبد للتجارة ينوي أن يكون للخدمة بطل عنه الزكوٰة بمجرد النية. (تاتارخانيه، كتاب الزكاة، الفصل الثالث، زكاة عروض التجارة، زكريا

دیو بند۳/١٦٦، رقم: ٤٠٠٥، کوئٹه ٢/٢٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۴٦/۳۸)

استعمالی عمارت یا دوکان کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس عمارت میں فیکٹری یا دوکان یا دفتر ہے اس عمارت کی خرید کی رقم یا موجودہ وقت کی مالیت پر زکوٰۃ دینا واجب ہوگا یا اس عمارت میں بیٹھ کر کئے ہوئے کاروبار کی بدولت صرف منافع پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ جو بھی مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: عبید الرحمٰن، پرنس روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ استعمالی عمارت دوکان ودفتر کی رقم یا موجودہ مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ ان عمارتوں میں بیٹھ کر جو کاروباری آمدنی حاصل ہوگی اس پر سال گذرنے پر زکوٰۃ واجب ہے۔

ولیس في دور السکنیٰ وثیاب البدن وأثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکاة لأنها مشغولة بحاجته الأصلیة الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/١٧٨، کراچی ٢/٢٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۹۳/۲٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۱۱ھ

فلیٹ اور بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارا بلڈنگ بنا کر فروخت کرنے کا کاروبار ہے، اس میں زکوٰۃ کے سلسلے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں، زکوٰۃ نکالنے کا کوئی آسان طریقہ دریافت کرنا ہے، تاکہ اس طریقے کے مطابق زکوٰۃ کا حساب لگانے میں آسانی ہوجائے، دشواریاں لاحق نہ ہوں، ہمارے کاروبار کے سلسلے میں جن سوالات کے جوابات مطلوب ہیں وہ بالترتیب تحریر کئے جاتے ہیں؟

(۱) زید نے زمین خرید کر بلڈنگ بنانا شروع کی، حکومت کی طرف سے ۴ر منزلہ عمارت بنانے کی اجازت تھی، ۴ر منزلہ عمارت مکمل ہوگئی، اور .F.S.I بھی پوری ہوگئی، اب زید کا ارادہ مزید ۳ر منزلہ زیادہ کرکے ۷ر منزلہ بلڈنگ بنانے کا ہے تو اب زید کو دوسرے شخص سے .F.S.I لینی پڑتی ہے جس کو T.D.R کہتے ہیں، اور اس T.D.R کو خریدنے کیلئے جس سے خریدا جاتا ہے، اسے رقم دینی ہوتی ہے، اور اس .T.D.R کو خرید کر .B.M.C میں پاس کروانا پڑتا ہے، .B.M.C پاس کرکے ایک کاغذ میں مزید .F.S.I دیکر مزید ۳ر منزلہ عمارت تعمیر کرنیکی اجازت دیدیتی ہے، لیکن اچانک حکومت کا قانون بدل جاتا ہے، کہ دوسرے سے خریدا ہوا .T.D.R مخصوص علاقہ میں استعمال کرنیکی اجازت نہیں ہے، زید کی اس مخصوص جگہ میں بلڈنگ ہونے کی وجہ سے زید مزید ۳ر منزلہ عمارت نہیں بنا سکتا ہے، اب بلڈنگ کا کام رک گیا، اس میں زید کا کافی نقصان ہوتا ہے اب جو رقم .T.D.R خریدنے میں دی وہ اجازت صرف کاغذات میں تھی، اب اس کو استعمال کرکے پانچویں منزل کا کام شروع نہیں کیا ہے، لہٰذا .T.D.R خریدنے میں جو رقم لگی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ .T.D.R خریدنے میں جو رقم لگی ہے، وہ ہماری مجموعی اموال زکوٰۃ سے منہا ہوگی یا نہیں؟

(۲) خریدار کو زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ مثلاً خالد نے ا رفلیٹ بک کروایا بعد

میں زیادہ رقم ملنے پر فروخت کرنے ہی کی نیت سے فلیٹ بک کروایا تھا، کل فلیٹ کی قیمت ۹/لاکھ روپئے ہے، ابھی ۵/لاکھ روپئے ادا کردئے ہیں، اور بلڈنگ کا ڈھانچہ اور فلیٹ تقریباً وجودی شکل میں تعمیر ہوگیا ہے، بقیہ ۴/لاکھ روپئے کی رقم فلیٹ کا قبضہ ملنے پر ادا کی جائے گی تو خریدار کوز کوٰۃ کی تاریخ میں زکوٰۃ کس طرح ادا کرنی ہوگی، نامکمل تعمیر جو فلیٹ ہے اس کا نفع اسی کے اندازہ سے لگا کر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا صرف ۵/ لاکھ کا حساب کر کے ۴/لاکھ قرض شمار کر کے ۹/لاکھ سے منہا ہوں گے، خریدار کوز کوٰۃ ادا کرنیکی کیا صورت ہوگی، نفع کا اندازہ لگانا دشوار ہے تو آسان صورت کیا ہے، جس حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے؟

المستفتی: مولانا محمد آصف، پالنپور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) زید نے زمین خرید کر ۴/منزلہ عمارت حکومت کی اجازت سے تعمیر کر لی اب مزید ۳/منزلہ اور تعمیر کرنے کے لئے .T.D.R خرید کر .B.M.C میں پاس کروالیا ہے پھر حکومت کا قانون بدل جانے کی وجہ سے .T.D.R کو استعمال کر کے مزید ۳/منزلہ تعمیر کرنے پر زید قادر نہیں ہے، تو ایسی صورت میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت تعمیر شدہ عمارت کی جو قیمت ہوگی اس کی مالیت کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، کاغذات میں جو پیسہ لگا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وعندهما في الفصلين جميعا يؤدى قيمتها يوم الأداء في النقصان (إلى قوله) وفي الزيادة. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل وأماصفته الواجب في أموال التجارة، التصرف في مال الزكاة زكريا۲/ ۱۱۵، كراچی ۲/ ۲۳)

(۲) جب تک فلیٹ تیار ہوکر قبضہ میں نہ آئے اسوقت تک فلیٹ کا مالک نہیں ہوتا ہے، اسلئے مکمل عمارت کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب نہیں ہے ہاں البتہ ۵/لاکھ روپئے جو ادا کیا ہے وہ بہرحال اسکی ملکیت ہیں وہ ضائع ہونے والے نہیں، اس لئے قبضہ سے پہلے صرف ۵/لاکھ ہی کی زکوٰۃ ادا کرنا اس پر لازم ہوگا، ۹/لاکھ کی نہیں، اسلئے کہ جو ۵/لاکھ

روپئے جمع کردیا ہے، وہ دین قوی کے درجہ میں ہیں اور دین قوی پر زکوٰۃ واجب ہے۔
(مستفاد: ایضاح النوادر۲/ ۲٦)

عن الليث بن سعد، أن عبد الله بن عباسؓ، وعبدالله بن عمرؓ قالا: من أسلف مالاً فعليه زكاته في كل عامٍ إذا كان في ثقة. (السنن الكبري للبيهقي، كتاب الزكاة، باب زكاة الدين إذا كان على مليء موفي، دارالفكر٦/ ٦٨، رقم:٧٧١٣)

ولا خلاف في وجوب الزكاة فيه إلا أنه لا يخاطب بأداء شيء من زكوة ما مضى مالم يقبض أربعين درهماً فكلماقبض أربعين درهماً أدى درهماً واحداً. (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، مراتب الديون زكريا ٢/ ٩٠، كراچی ٢/ ١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ربیع الاول ۱۴۲٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷٦۸)

رہائش کیلئے خریدی گئی زمین پر فلیٹ تعمیر کرکے فروخت کرنے پر زکوٰۃ کا حکم؟

سوال: [۴۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری ایک زمین ہے جس کو میں نے اپنی رہائش کیلئے خریدا تھا، اب میں اپنی ذاتی رقم سے اسکی تعمیر کرنا چاہتا ہوں، ساتھ میں یہ بھی نیت ہے، کہ اسکے فلیٹس فروخت کروں باقی اپنی رہائش کیلئے رکھ لوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس میں زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی، آیا قبل از تعمیر ان فلیٹ کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا بعد فروخت کے یا اس کی کیا شکل ہوگی؟ مسئلہ کی صاف وضاحت فرمائیں کرم ہوگا؟

المستفتی: محمد ضوان، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب آپ نے مذکورہ زمین کو رہائش ہی کے ارادہ

سے خریدا ہے تو اس زمین کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور تعمیر کے بعد جو فلیٹ فروخت کیا جائیگا، اس کی فروختگی کے بعد جو پیسہ آئیگا اس پیسے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

عن ابن عمرؓ ،قال: ليس في العروض زكاة، إلا ما كان للتجارة .

(السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الزكاة، باب زكاة التجارة، دارالفكر ٦/ ٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

ولا (زكاة) في دور السكنىٰ ونحوها وفي الشامية كالحوانيت والعقارات . (شامي، كتاب الزكاة، كراچی ٢/ ٢٦٥،زكريا ٣/ ١٨٢)

ولو نوىٰ فيما كان للتجارة أن يكون للخدمة كان للخدمة وإن لم يعمل ، بخلاف عكسه وهو ما إذا نوىٰ فيما كان للخدمة أن يكون للتجارة لايكون للتجارة حتى يعمل لأن التجارة عمل فلا تتم بمجرد النية والخدمة ترك التجارة فتتم بها . (الأشباه والنظائر قديم / ٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شوال ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۶۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۰/۱۶ھ

کرایہ پر دی گئی جائیداد کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال: [۴۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو جائیداد کرایہ پر دی گئی ہے، تو اس عمارت کی خرید کے وقت کی قیمت پر یا صرف کرایہ سے حاصل ہوئی آمدنی میں بعد اخراجات عمارت کے زکوٰۃ فرض ہوگی یا عمارت مذکورہ کی موجودہ وقت کی مالیت پر؟ جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبید الرحمان، پرنس روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کرایہ پر دی گئی جائیداد مال تجارت نہیں ہے، بلکہ آلۂ آمدنی ہے اس لئے جائیداد کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے بلکہ جائیداد کے کرایہ آمدنی پر

زکوٰۃ واجب ہے۔

ولا فی ثیاب البدن ... وأثاث المنزل ودور السکنی ونحوها وتحته فی الشامیةأی کثیاب البدن الغیر المحتاج إلیها وکالحوانیت والعقارات الخ. (الدر المختار مع الشامی ، کتاب الزکاة، مطلب في زکاة ثمن المبیع وفاءً زکریا۳/ ۱۸۲، کراچی ۲/ ۲٦٥)

ولو اشتری قدوراً من صفر یمسکها أویؤاجرها لاتجب فیها الزکاة،کما لاتجب في بیوت الغلة . (قاضیخان علیٰ هامش الهندیه ، کتاب الزکاة فصل في مال التجارة زکریا۱/ ۲٥۱، جدید ۱/ ۱٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/۲۳۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

ٹینٹ ہاؤس کے سامانوں کی زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ وہ کرایہ کا سامان جو کرایہ پر شادی وغیرہ ودیگر تقریبات کے موقع پر از راہ سہولت لوگ لے جاتے ہیں، اس سامان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں؟

المستفتي: آفتاب عالم، قصبہ لہر پور، ضلع سیتا پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: ٹینٹ ہاؤس کے تمام سامان آمدنی کے ذرائع اور اسباب ہیں، اور آمدنی کے ذرائع اور آلات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ ان آلات کے ذریعے سے جو آمدنی ہوگی اسپر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اسلئے ٹینٹ ہاؤس کے سامان پر زکوٰۃ لازم نہیں۔

ولو اشترى قدوراً من صفر يمسكها أويؤاجرها لاتجب فيها الزكاة. (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الثالث ، الفصل الثاني فى العروض زكريا۱/ ۱۸۰، جديد ۱/ ۲٤۱، قاضيخان على هامش الهندية، كتاب الزكاة، فصل في مال التجارة، زكريا۱/ ۲٥۱، جديد ۱/ ۱٥٥، الفتاوىٰ التاتارخانية ، كتاب الزكاة، الفصل الثالث زكاة عروض التجارة زكريا۳/ ۱٤۹، رقم: ٤۰۱۷)

ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودورالسكنى ونحوها -إلى- وكذلك آلات المحترفين. (الدر المختار ، كتاب الزكاة، مطلب فى زكاة ثمن المبيع وفاءً ، زكريا ديوبند۳/ ۱۸۲، ۱۸۳، كراچی ۲/ ۲٦٤، ۲٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ر شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۴)

دوکان اور اسکول کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی کی ذاتی دوکان یا اسکول کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

المستفتي: زوار احمد، مال پور، جے پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ مکان یا اسکول کی آمدنی کو شامل کرکے زکوٰۃ نکالنا لازم ہے، اور ذاتی مکان اور ذاتی اسکول کی آمدنی پر الگ سے سال گذرنا لازم نہیں۔

ومن كان لهٗ نصاب فاستفاد فى أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به . (هدايه ، كتاب الزكاة ، فصل فى الغنم ، اشرفيه ديوبند۱/ ۱۹۳، هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب الأول ، فى تفسيرها وصفتها وشرائطها ، زكريا ۱/ ۱۷٥، جديد ۱/ ۲۳۷،

شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم، مطلب محمد إمام فی اللغة ...... زکریا۳/ ۲۱٤، کراچی۲/ ۲۸۸، حاشیه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة، دارالکتاب دیو بند/ ۷۱٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ۵/ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۲/ ۱۴۲۳ھ

کپڑوں کے تھانوں کی زکوٰۃ تخمینہ سے ادا کرنا

سوال: [۴۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی کپڑے کی دوکان ہے کپڑا کافی تعداد میں گوداموں دوکانوں میں بھرا ہوا ہے، سال بھر اس کو بیچا بھی جاتا ہے، اوراس میں خرید کرر کھا بھی جاتا ہے، زکوٰۃ دیتے وقت اس کو ناپنے میں بڑی پریشانی ہوتی ہے، لہذا اس صورت کے اندر کپڑے کی زکوٰۃ کا حساب کیسے لگایا جائیگا، آیا ناپنا ہی ضروری ہے یا شریعت نے اس کے علاوہ کوئی اور سہولت بھی دی ہے؟

المستفتي: وسیم الدین شمسی، پیلا تالاب، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر تمام ٹکڑوں اور تھانوں کو ناپنے میں دشواری اور پریشانی ہے تو تخمینہ سے زکوٰۃ نکالی جاسکتی ہے، مگر ایسی صورت میں تخمینہ سے کچھ زائد دینا بہتر ہے، تاکہ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۱۴۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/ ۲/ ۱۴۱۶ھ

تجارتی مرغیوں پر زکوٰۃ ہے انڈے اور بچے پیدا کرنے والی پر نہیں

سوال: [۴۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مرغی فارم چلانے والے پر فارم کی مرغیوں کی زکاۃ لازم ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرغی فارم کی مرغیوں کو بیچنا مقصود نہیں ہے بلکہ ان سے انڈے اور چوزے حاصل کرنا مقصود ہے، تو ان مرغیوں پر زکاۃ نہیں، لیکن اگر مرغیوں کو بیچنا مقصود ہے تو پھر ان مرغیوں کی رقم پر سال گذرنے کے بعد زکاۃ واجب ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۳۰۰، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۴۲۸، میرٹھ ۱۴/ ۱۴۳، کتاب الفتاویٰ ۳/ ۳۴۶)

عن سمرة بن جندب ؓ قال: أما بعد! فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع. (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب العروض إذا كانت للتجارة هل فيها من زكاة، النسخة الهندية ١/ ٢١٨، دارالسلام رقم: ١٥٦٢)

عن ابن عمر ؓ قال ليس في العروض زكاة، إلا ماكان للتجارة. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الزكاة، باب زكاة التجارة، دارالفكر ٦/ ٦٤، رقم: ٧٦٩٨)

والأصل أن ماعدا الحجرين والسوائم إنما يزكى بنية التجارة، تحته في الشامية، الحجرين وما عدا ماذكر كالجواهر والعقارات والمواشي العلوفة والعبيد والثياب والأمتعة ونحو ذلك. (شامی، كتاب الزكاة، قبيل باب السوائم زكريا ٣/ ١٩٤، كراچی ٢/ ٢٧٣)

فإن كانت للتجارة فحكمها حكم العروض يعتبر أن تبلغ قيمتها نصاباً. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثاني، الفصل الخامس فيما لاتجب فيه الزكاة، زكريا ١/ ١٧٨، هنديه اتحاد جديد ١/ ٢٤٠)

الزكاة واجبة في عروض التجارة كائنة ماكانت أي سواء كانت من جنس ماتجب فيه الزكاة أومن غيره كالثياب والحمير. (الجوهرة النيرة، كتاب الزكاة، باب زكاة العروض، دارالكتاب ديوبند ١/ ١٥٠، مكتبه تهانوی

۱/۱۸۰، تاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث زكاة عرض التجارة، زكريا ۳/۱٦٤، برقم: ۲۹۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف خاص فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۵۰۸)

کمپنی کی عمارتوں میں رہائش پذیر ملازموں پر بلڈنگ کی زکاۃ واجب ہے یا کمپنی پر

سوال: [۴۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بلڈنگ کمپنی کی ہے، جسمیں کمپنی مذکورہ کے کارندے قیام پذیر ہیں تو ایسی صورت میں اس بلڈنگ پر زکوٰۃ کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟

المستفتي: عبیدالرحمٰن، پرنس روڈ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمپنی کی طرف سے کمپنی کے کارندوں کے قیام کیلئے جو کالونیاں بنائی جاتی ہیں ان کی عمارت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ یہ سب کمپنی اور فیکٹری چلانے کے اسباب میں داخل ہیں، اسلئے ان عمارتوں پر زکوٰۃ نہیں بلکہ پوری کمپنی کی جو آمدنی ہوتی ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

لأنها مشغولة بحاجته الأصلية وليست بنامية الخ. (شامی، کتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۲/۱۷۸، كراچی ۲/۲۲٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۲۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴/۷/۱۴۱۱ھ

پگڑی کی زکوٰۃ کس پر

سوال: [۴۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بھیونڈی میں نوے فیصد کپڑے کا کاروبار ہوتا ہے، پاورلوم کپڑا تیار کرنے والی مشین کے ذریعہ کپڑا تیار کرتے ہیں، زید بھیونڈی میں رہتا ہے، اس نے پاورلوم لگانے کیلئے ایک جگہ اور پاورلوم کا موٹر بنانے کیلئے ایک دوکان رہنے کیلئے ایک مکان غیر مدت متعینہ تک کرایہ پر لیا اس جگہ دوکان ومکان والے کو زید نے پیشگی بطور پگڑی کے جسکو بھیونڈی کی عام فہم زبان میں (ڈپاشن) کہتے ہیں، ایک لاکھ روپیہ دیا جو بھیونڈی میں جگہ دوکان ومکان وغیرہ کرایہ پر لینے کا دستور ہے، جب زید وہ جگہ ودوکان ومکان خالی کریگا تب ہی وہ صاحب جگہ ودوکان ومکان کی پگڑی (ڈپاشن) کا ایک لاکھ روپیہ واپس کریگا، زید اس جگہ دوکان ومکان کا کرایہ ہر ماہ الگ سے دیتا ہے، زید نے وہ جگہ ودوکان ومکان خالی کرنے کے ارادہ سے نہیں لیا ہے، اور نہ وہ صاحب جگہ خالی کراسکتا ہے، صاحب جگہ ودوکان ومکان نے اسکی قیمت سے زیادہ (ڈپاشن) لیا ہے، اور صاحب جگہ اسکی (ڈپاشن) رقم سے کاروبار کرتا ہے، اور روپیہ کماتا ہے، بھیونڈی میں ۹۰ رفیصد مذکورہ بالا نوعیت پر لوگ کاروبار کرتے ہیں، تو ایسی صورت مذکورہ میں مثلاً: زید پر یا اہل بھیونڈی پر جو بھی مذکورہ بالا نوعیت پر کاروبار کرتے ہیں، (ڈپاشن) رقم کی زکوٰۃ صاحب جگہ وکرایہ دار پر فرض ہے؟

ہر دوصورت میں کس علت سے فرض ہے، زید کہتا ہے، کہ ڈپاشن صاحب جگہ کے قبضہ میں ہے، اور وہ اس سے فائدہ حاصل کررہا ہے، جب تک میں جگہ خالی نہیں کرونگا، رقم واپس نہیں مل سکتی ہے، نہ میں خالی کرونگا، اور نہ وہ خالی کراسکتا ہے، جیسا کہ بھیونڈی میں رواج ہے، جن لوگوں نے جب سے لیا ہے، خالی نہیں کیا ہے، کرایہ دیتے ہیں یا غیر مدت معینہ کی صورت میں ہے جو بھیونڈی کا دستور ہے؟

المستفتي: منظور عالم قاسمی، مدرس
مدرسہ باب العلوم، بابوگنج، پرتاب گڈھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ رقم کی زکوٰۃ نہ کرایہ دار پر ادا کرنی

واجب ہے اور نہ قابض مالک مکان ودوکان پر، اور کرایہ دار پر اسلئے واجب نہیں کہ ادائیگی زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے قبضہ شرط ہے، وہ یہاں مفقود ہے، اور قابض مالک جائداد پر اسلئے اداکرنی واجب نہیں ہے، کہ ملکیت شرط ہے، اور یہاں ملکیت تامہ نہیں ہے، گویا کہ یہ مال رہن کے حکم میں ہوگا۔

ومنها الملک التام وهو ما اجتمع فيه الملک واليد، وأما إذا وجد الملک دون اليد ، کالصداق قبل القبض أو وجد اليد، دون الملک (إلیٰ قوله) ولا علی الراهن إذا کان الرهن فی يد المرتهن الخ.
(فتاویٰ عالمگیری، کتاب الزکاة الباب الاول فی تفسيرها وصفتها و شرائطها زکریا ۱/۱۷۲، جدید۱/۲۳۳، الجوهرة النيرة ، کتاب الزکاة، کراچی قدیم ۱/۱۳۹، دارالکتاب دیوبند ۱/۳۷، البحرالرائق، کتاب الزکاة،کوئٹہ ۲/۲۰۳، زکریا۳/۳۵۵، شامی، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند۳/۱۸۰، کراچی ۲/۲۶۳، حاشیه چلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الزکاة ، امدادیه ملتان ۱/۲۵۵، زکریادیوبند۲/۲۷)

ولو قال خذ هذه الألف الوضح حتی آتيک بحقک واشهدلي بالقبض فأخذ فهو رهن الخ . (عالمگیری، کتاب الرهن ، الفصل الثاني فيما يقع به الرهن ومالا يقع زکریادیوبند۵/۴۳۴، جدید۵/۴۹۰ ، قاضیخان علی هامش الهندیه ، زکریا دیوبند۳/۵۹۴ ، کتاب الرهن ، فصل فی الفاظ الرهن ، جدید۳/۴۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۱/۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۱/۲۴)

کمپنی کے حصص اور شیئرز کی زکوٰۃ

سوال: [۴۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مختلف تجارتی کمپنیاں اپنے شیئرز فروخت کرتی ہیں، یہ شرکت کی ایک صورت ہے، کمپنی قائم کرتے وقت کچھ اکائیاں طے کرلی جاتی ہیں ہر یونٹ (اکائی) ایک شیئر ہوتا ہے، اور اس کی ایک خاص قیمت ہوتی ہے، کمپنی جو کچھ منافع کمائیگی شیئرز ہولڈرس اس میں اپنے حصے کے تناسب سے نفع کے حقدار ہوں گے، شیئرز دراصل کسی تجارتی کمپنی کے ایک خاص حصہ کی ملکیت ہے واضح رہے کہ بعد کو ان شیئرز کی خرید وفروخت ہوتی ہے، اور کمپنی کے نفع ونقصان اور اس کے ساکھ کے پیش نظر ان شیئرز کی قیمت گھٹتی اور بڑھتی ہے، پہلا سوال یہ ہے کہ ان شیئرز پر ایک تجارتی سرمایہ ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت ان شیئرز کی مالیت کا تعین ان کی بنیادی قیمت کو سامنے رکھ کر کیا جائیگا؟ یا بروقت اداءِ زکوٰۃ مارکیٹ میں اس کا جو نرخ ہو اس کا اعتبار کیا جائیگا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کمپنی کے حصص اور شیئرز میں تجارتی سرمایہ ہونے کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہوا کرے گی اور اسکی زکوٰۃ کی ادائیگی میں لاگت اور منافع دونوں کا اعتبار کرکے دونوں کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اور اس کے سرمایہ میں سے جتنی مقدار کمپنی کے غیر نامی اثاثوں میں خرچ ہوا ہے، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور جو مقدار نامی اثاثوں میں لگا ہے، اس کے منافع کی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہے اور اگر اس کا پورا حصہ نامی اثاثہ میں لگایا گیا ہے تو پورے حصہ رأس المال اور منافع دونوں کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔

اور اگر شیئرز مارکیٹ میں شیئرز کو خرید کر فروخت کیا کرتا ہے، اور فروختگی کی غرض سے حصص خریدا کرتا ہے، تو کل لاگت مال تجارت کے دائرہ میں آکر کل پر زکوٰۃ واجب ہوا کرے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱۴/۲، جدید زکریا دیوبند ۷/ ۱۵۱، جدید فقہی مسائل ۱/۱۳۲، اسلامی فقہ ۱/۴۳۱، جواہر الفقہ قدیم ۱/ ۳۸۵، جدید زکریا دیوبند ۳/ ۲۳۱، امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۱، فتاویٰ

دارالعلوم ۶/ ۴۰، ایضاح المسائل/ ۱۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۴۹)

شیئرز کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں

سوال: [۴۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماجد نے ٹاٹا اسٹیل کی کمپنی سے ایک سال پہلے ایک شیئر ایک لاکھ روپئے میں خریدا تھا، آج کی مارکیٹ میں اس کی قیمت دو لاکھ ہوگئی ہے، اور ماجد اس کو بیچنا نہیں چاہتا ہے، گھر میں رکھے ہوئے تھے اب زکوٰۃ اسکی اصل خریداری والی قیمت پر ہوگی یا مارکیٹ کی قیمت کا اعتبار ہوگا جبکہ یہ شیئر تیسرے سال میں پچاس ہزار کا بھی ہوسکتا ہے، اور پانچ لاکھ کا بھی ایسی شکل میں زکوٰۃ کب کس طرح اور کس قیمت پر ہوگی مفصل جواب باصواب و باحوالہ سے نوازیں؟

المستفتي: محمد اظہر الاسلام قاسمی، کاشی پوری،
خادم: دارالعلوم جامع الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خریدار کی قیمت کا اعتبار شیئر کی زکوٰۃ میں نہیں ہوتا ہے بلکہ مارکیٹ کی موجودہ قیمت کا اعتبار ہوتا ہے، اگرچہ آئندہ اس کی قیمت میں کمی زیادتی ہوسکتی ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۱، ایضاح المسائل/ ۱۰۶)

عن ابن جريج، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته.
(مصنف عبد الرزاق، الزكاة، باب الزكاة من العروض، المجلس العلمي ٤/ ٩٧، رقم: ٧١٠٥)

وإن أدى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الثالث، الفصل الثاني في العروض زكريا ١/ ١٨٠، جديد ١/ ٢٤١)

ولو ازدادت قيمتها قبل الحول تعتبر قيمتها وقت الوجوب بالإجماع.

(الفتاویٰ التاتار خانیه، کتاب الزکاة، الفصل الثالث زکاة عروض التجارة، زکریادیوبند ۳/ ۱۷۰، رقم: ۴۰۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱؍۱۰؍۱۴۱۲ھ

شیئرز کی اصل رقم اور منافع دونوں پر زکوٰۃ

سوال: [۴۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ماجد نے پانچ لاکھ روپئے لگا کر شیئر کیا اور ہر روز شیئر اسٹاک سے شیئرز لیتا اور بیچتا ہے، اس خرید وفروخت میں اس نے دو لاکھ کا نفع کمایا اور پھر اس نفع سے بھی آگے کو شیئر ہی خریدے اور بیچے یہ سلسلہ چلتا رہا جسمیں نفع ونقصان بھی ہوتا رہتا ہے، مگر اکثر نتیجۃً نفع ہی ہوتا ہے، اب زکوٰۃ اصل پر واجب ہوگی یا نفع پر، یا اصل اور نفع دونوں پر جبکہ نفع پر سال پورا نہیں گذرا کیونکہ نفع کی آمدنی سے بھی شیئر خریدے جاتے رہے، اس شکل میں زکوٰۃ کب کتنی اور کس طرح واجب ہوگی؟

(۲) ماجد نے پانچ لاکھ روپئے اصل سرمایہ لگا کر شیئر خریدے اس سے سال بھر میں دو لاکھ نفع کمایا اب اصل نفع ملا کر سات لاکھ ہوگیا پھر اس نے اس سات لاکھ سے شیئر ہی خریدے اور ان شیئرز کی قیمت مارکیٹ میں مہینے اور دو مہینے کے بعد دس لاکھ ہوگئی، اب زکوٰۃ اصل سرمایہ پانچ لاکھ پر دیں یا مع نفع دو لاکھ (سات لاکھ) کی دیں، یا اس کی اس بازاری ویلو پر جو کہ دس لاکھ ہے جبکہ سال ویلو اور پروفٹ پر پورا نہیں گذرا اور یہ سلسلہ سال بھر اسی طرح جاری رہتا ہے، اب زکوٰۃ کب واجب ہوگی، حالانکہ زکوٰۃ کے واجب ہونے کیلئے سال بھر گذرنا شرط ہے؟ دونوں سوالوں کے جوابات تفصیل سے دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: اظہر الاسلام، خادم: جامع الہدیٰ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اصل ونفع دونوں پر زکوٰۃ واجب ہے، اگر چہ نفع پر سال نہ گذرا ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۱، ایضاح المسائل/ ۱۰۶)

(۲) ایسی صورت میں دس لاکھ کی زکوٰۃ ادا کرنی لازم ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۱، ایضاح المسائل/ ۱۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۱۰/ ۱۴۱۲ھ

شیئرز کی زکوٰۃ میں رأس المال اور منافع دونوں کا اعتبار

سوال: [۴۲۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ماجد نے ایک لاکھ کا شیئر (حصہ) ٹاٹا اسٹیل کے اسٹاک کے ایک شخص سے خریدا اور ایک سال پورا ہوگیا تو مذکورہ کمپنی ٹاٹا اسٹیل نے ماجد کو ۳۰۰۰۰ر روپئے بطور ڈرافٹ (نفع) کے دیا اور شیئر ابھی ماجد کے پاس ہی ہے، اور سال گذرنے کے بعد اس شیئر کی قیمت ۲ر لاکھ روپئے ہوگئی، مگر ابھی اس نے شیئر کو بیچا نہیں ہے، ہاں اگر بیچے تو دو لاکھ مل جائیگا، مگر اس قیمت میں ہر سال چھ مہینے پر گھٹنے بڑھنے کا سلسلہ بھی رہتا ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ نکالنے کی کیا شکل ہوگی، آیا زکوٰۃ اصل خریداری پر ہے، یا پروفٹ پر ہے، یا اس رقم پر ہے، جو کہ کمپنی نے دی ہے، نیز اس شیئر کی ویلو جو ایک سال بعد بڑھ گئی ہے، اور شیئر ابھی بیچا بھی نہیں ہے، تو اس شکل میں زکوٰۃ اصل خریداری والی قیمت کے اعتبار سے واجب ہوگی یا اس کی اس قیمت کے اعتبار سے جو کہ اس وقت مارکیٹ میں چل رہی ہے، واضح رہے کہ اسکی ویلو گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، یا اس کے نفع پر جو کہ کمپنی نے دیا تھا، یا جب اس کو ایک سال یا دو سال یا تین سال کے بعد بیچے تو اس بیچنے میں جو فروفٹ نفع ملا زکوٰۃ اس فروفٹ پر ہی نکالیں

یا کہ صرف اصل قیمت پر ہی نکالی جائیگی۔

المستفتي: اظہرالاسلام، خادم: مدرسہ جامع الہدیٰ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ ادا کرتے وقت شیئر کے رأس المال اور نفع دونوں کی جو قیمت ہوتی ہے، اسکی زکوٰۃ ادا کرنی واجب ہے یعنی رأس المال کیساتھ منافع کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی لازم ہے، اگر چہ قیمت کبھی بڑھتی اور کبھی گھٹتی رہتی ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۲۱، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۱۴۰، ایضاح المسائل/ ۱۰۶)

عن ابن جريج ، قال: سمعت أنا أنها قيمة العروض يوم تخرج زكاته. (مصنف عبد الرزاق ، الزكاة، باب الزاكاة من العروض ،المجلس العلمى٤/٩٧، رقم: ٧١٠٥)

عن الحسن في رجل اشترى متاعاً فحلت فيه الزكاة؟ فقال يزكيه ، بقيمته يوم حلت. (المصنف لابن أبى شيبة ، كتاب الزكاة، ماقالوا فى المتاع يكون عند الرجل يحول عليه الحول ، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/ ٥٢٦، رقم: ١٠٥٥٩)

وكذلك الجواب فى مال الزكاة ، إذاكان جارية تساوى مأتين فى جميع ماذكرنا من تغير السعرإلى زيادة أونقصان . (بدائع الصنائع ،كتاب الزكاة، التصرف في مال الزكاة، زكريا ٢/ ١١٥، كراچی ٢/ ٢٣)

وإن أدى القيمة تعتبر قيمتها يوم الوجوب . (هنديه، كتاب الزكاة ، الباب الثالث ، الفصل الثانى فى العروض زكريا ١/ ١٨٠، جديد مطول ١/ ٢٤١)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۱ رشوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۵۸)

انشورنس میں جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے

سوال: [۴۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک رقم پندرہ سال سے قسطوار انشورنس میں جمع ہورہی تھی، ۱۵/سال پورے ہونے کے بعد اکٹھی ہوئی رقم ہمیں موصول ہوگئی ہے، کیا اس کی زکاۃ ادا کرنی ضروری ہے، اسی طرح دوسری رقم ۱۵/اپریل تک ملے گی اس کے لئے کیا کرنا ہوگا؟

المستفتي: ظہیر عالم، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں رقم وصول ہونے پر گزشتہ پندرہ سال کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا، اور قسطوار جمع کرنے میں ہر سال اس رقم میں جتنا قسط میں اضافہ ہورہا ہے، اس کے حساب سے زکوٰۃ میں بھی اضافہ ہوگا، البتہ اصل رقم پر جو سود ملے گا تو اس کی زکوٰۃ لازم نہیں ہے۔

اور نہ ہی اسکو اپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہوگا، بلکہ فقراء کو بلانیت ثواب تقسیم کردینا لازم ہوگا، اور جو رقم ۱۵/اپریل کے بعد ملے گی اسکی زکوٰۃ بھی مذکورہ حساب سے وصول ہونے پر ادا کرنا لازم ہوگا۔

عن نافع عن ابن عمرؓ قال: زكاة أموالكم حول إلى حولٍ فما كان من دين ثقة فزكوه، وما كان من دين ظنون فلا زكاة فيه حتىٰ يقبضه صاحبه. (المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الزكاة، في زكاة الدين، مؤسسه علوم القرآن جديد ٦/٤٨٥، رقم: ١٠٣٥١)

عن محمد عن عبيدة قال: سئل علي عن الرجل يكون له الدين الظنون أيزكيه؟ فقال: إن كان صادقا فليزكه لما مضى إذا قبضه. (المصنف لأبن أبي شيبه، كتاب الزكاة، في زكاة الدين، مؤسسه علوم القرآن جديد٦/٤٨٦، رقم: ١٠٣٥٦)

فتجب زكاتها إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لافوراً بل عند قبض أربعين درهما من الدين القوي. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب زكاة المال

زکریادیوبند۳/۲۳٦، کراچی ۲/۳۰٥، هندیه ، کتاب الزکاة، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها، زکریا ۱/۱۷٥، قاضیخان علی هامش الهندیه، کتاب الزکاة، فصل فی مال التجارة زکریا دیو بند۱/۲٥۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / شوال ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۳۳)

❑❍❖❍❑

۵/ باب أداء الزکوٰۃ

مالیت کا حساب لگائے بغیر محض اندازے سے زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو مسلمان زکوٰۃ تو ادا کرتے ہیں لیکن صرف اندازہ سے بغیر حساب جوڑے یا کم زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، کیا ایسے اشخاص کی زکوٰۃ کی ادائیگی قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ ایسے اشخاص کیلئے شرعی حکم کیا ہے؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: سید آفتاب علی، جامع مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مالیت کا حساب لگا کر ہی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے اگر بغیر حساب کے ادا کردی ہے، تو بعد میں حساب لگا کر دیکھ لے جتنی مالیت کی زکوٰۃ بنتی ہے اتنی کی ادائیگی ہوگی، اور جو مال زائد ہو اس کی زکوٰۃ پھر سے ادا کرنی ہوگی، اور اگر اتنی زیادہ رقم زکوٰۃ میں دی ہے، کہ حساب کے بعد مقدار زکوٰۃ واجب سے زائد ہے اب کوئی ذمہ داری نہیں رہی مگر ہر سال کے حساب کا التزام ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۱۴۸، ایضاح المسائل/ ۱۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۷۲)

زکوٰۃ دیتے وقت یہ نیت کرنا کہ مستحق ہے تو زکوٰۃ ورنہ امداد

سوال: [۴۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید

نے اپنے ایک رشتہ دار کی مدد زکوٰۃ کی رقم سے اس نیت کے ساتھ کی کہ اگر اس رشتہ دار کو شرعاً زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، تو زکوٰۃ ورنہ امداد اب معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اس میں تو دوہرا ثواب ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ادا کرتے وقت زید کو اس کا علم نہ تھا، اب معلوم ہوا ہے زید کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا دوبارہ دے۔

المستفتي: عبداللہ معرفت سراج الاسلام، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: صورت مذکورہ میں اداءِ زکوٰۃ کے وقت اگر زید کو غالب گمان تھا کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اگر غالب گمان یہ تھا کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، البتہ زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہوگیا کہ وہ واقعی غریب ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

وإذا دفعها إليه وهو شاك ولم يتحر أوتحرى ولم يظهر لهٔ أنه مصرف أو غلب على ظنه أنه ليس بمصرف فهو على الفساد إلا إذا تبين أنه مصرف الخ. (عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف زکریا۱/ ۱۹۰، جدید مطول ۱/۲۵۲، تبیین الحقائق ، کتاب الزکاة ، باب المصرف زکریا۲/۱۲۹، درمختار مع الشامی، کتاب الزکوٰة ، باب المصرف ، مطلب فی حوائج الأصلية زکریا ۳/ ۳۰۳، کراچی ۲/ ۳۵۲، هدایه ، کتاب الزکوٰة ، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز ، اشرفی دیوبند ۱/ ۲۰۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

زکوٰۃ کی الگ کردہ رقم کے علاوہ سے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ قربانی کا چمڑہ ادھار بیچ دیا خریدنے والے نے کہا ۱۵/ دن کے بعد روپیہ ادا کروں گا، اتنے میں

مختلف جگہوں کے مدرسہ سے مولانا صاحب اور فقیر مسکین ہر روز آتے ہیں، میں نے چندہ وصول کرنیوالوں سے کہا کہ ابھی تک چمڑہ کا پیسہ نہیں آیا ہے، تو ان سب لوگوں نے کہا کہ ہم لوگ بہت دور سے آئے ہیں، پھر آنا مشکل ہے، اسلئے میں نے اپنی طرف سے ان سب کو روپیہ دیدیا جب چمڑے کا روپیہ ملیگا، تو اسے اپنی ضرورت میں خرچ کرلیں گے، اس طرح زکوٰۃ کا روپیہ بھی میرے باپ کے پاس تھا، اس وقت باپ موجود نہیں تھے، ایک مولانا صاحب چندہ وصول کرنے آئے میں نے مولانا کو اس نیت سے پچاس روپیہ دیدئے کہ جب باپ آئیگا، تو ۵۰/روپیہ لےلوں گا تو یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب دے کر ممنون فرمائیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: مزمل الحق، آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زکوٰۃ کا پیسہ پہلے سے نکال کر رکھا ہے، اور جس وقت زکوٰۃ وصول کرنے والے سامنے آجائیں اور اس وقت زکوٰۃ کا الگ کیا ہوا پیسہ اپنے پاس نہیں ہے اسی طرح فقیر آجائے اور بروقت زکوٰۃ کا پیسہ نہ ہو اور اپنے استعمال کا دوسرا پیسہ ہو تو ایسی صورت میں ایسا کرنا جائز ہے، کہ اپنی جیب سے اس نیت سے زکوٰۃ میں دیوے کہ جہاں زکوٰۃ کا پیسہ رکھا ہے بعد میں وہاں سے لے لیں گے، اور اپنی جیب سے فوری طور پر زکوٰۃ وصول کرنے والے کو دیدے تو جائز اور درست ہوگا، اسی طرح زکوٰۃ کا پیسہ پہلے سے الگ کیا ہوا نہیں ہے اور یہ ارادہ ہے کہ بعد میں حساب کرکے جوڑ لیں گے تو جو بھی زکوٰۃ کے پیسے لینے آئے زکوٰۃ کی نیت سے دیدئے جائیں، اور اس کا حساب رکھا جائے، اخیر میں سالانہ حساب جوڑتے وقت اس کو بھی جوڑ لیا جائے، تو زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی اور ایسا کرنا جائز ہوگا۔

ولو تصدق أی الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسک دراهم الموكل ودفع

من ماله ليرجع ببدلها فى دراهم المؤكل صح. (شامی، کتاب الزكاة، مطلب فی زكاة ثمن المبيع وفاء زكريا۳/۱۸۹، کراچی ۲/۲۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۷۱۲/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۲ھ

غیر مستحق کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی

سوال: [۴۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن لوگوں نے زکوٰۃ فطرہ لینے کی عادت بنا رکھی ہے، یا عوام یوں جانتے ہیں کہ اگر زکوٰۃ اور فطرہ ان کو نہ دیا تو ادا نہیں ہوگا، حالانکہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے، تو کیا زکوٰۃ ادا ہوگی؟ شریعت کی رو سے مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

المستفتي: گلزار احمد سہارنپوری امام
مسجد جھاڑی، ضلع: سیکر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زکوٰۃ دہندہ کو یہ معلوم ہے کہ مذکورہ لوگ مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں، تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لو دفع بلا تحر لم يجز إن أخطأ وفى الشامية: أما لو تحرى فدفع لمن ظنه غير مصرف أو شك ولم يتحر لم يجز حتى يظهر أنه مصرف الخ. (در مختار مع الشامی، کتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب فی حوائج الاصلية زكريا۳/۳۰۲، شامی/۳۰۳، کراچی ۲/۳۵۲)

وأما إذا شك ولم يتحر أو تحرى فدفع وفى أكبر رأيه أنه ليس بمصرف لايجزيه الخ. (هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، اشرفی دیوبند۲/۲۰۷، فتح القدير، دارالفكر بيروت ۲/۲۷۶، کوئٹہ پاکستان

۲/ ۲۱۵، زکریا دیوبند ۲/ ۲۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۲۰۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۱۰ھ

حولان حول سے قبل زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم نے اس سال کی زکوٰۃ ادا کردی ہے اب ہمارے پاس ایک ضرورت مند مسلمان حاضر ہوتا ہے، اور اس کو پیسوں کی بہت سخت ضرورت ہے، ہم اپنے پاس سے بھی اسکو نہیں دے سکتے ہم چاہتے ہیں، کہ اس کو ایک یا دو سال آئندہ آنے والے سال کی زکوٰۃ دیدیں تو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: بشیر احمد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ صاحب نصاب ہیں اور اتنی مالیت کے مالک ہیں، کہ سال آئندہ بھی آپ پر زکوٰۃ لازم ہو تو ایسی صورت میں زکوٰۃ دینا درست ہے، اور زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی۔

عن عليؓ أن العباس سأل رسول الله ﷺ في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلك. (سنن الترمذی، الزکاۃ، باب ماجاء فی تعجیل الزکاۃ، النسخۃالھندیۃ ۱/ ۱۴٦، دارالسلام رقم: ٦٧٨)

ولو عجل ذو نصاب زكاته لسنين صح لوجود السبب (درمختار) أى سبب الوجوب وهوملك النصاب النامي فيجوز التعجيل لسنة وأكثر.

(شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم، مطلب استحلاك المعصية القطعية كفر

زکریا۳/ ۲۲۰، کراچی ۲/ ۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۴۱)

پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ پیشگی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

المستفتي: فیض محمد، فوجی رحمت نگر کرولہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پیشگی زکوٰۃ یعنی اگلے سال کی زکوٰۃ اسی سال ادا کردینا بلا کراہت درست ہے، لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے، کہ زکوٰۃ کس شخص کو دے رہے ہیں، اس کا خاص خیال رکھیں اور سودی قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ ہرگز نہیں دینی چاہئے ورنہ ایک قسم کی لعنت میں خود زکوٰۃ دہندگان بھی شامل ہوجائیں گے۔

عن عليؓ أن العباس سأل رسول الله ﷺ فی تعجیل صدقته قبل أن تحل ، فرخص له فی ذلک . (سنن الترمذی، الزکاۃ، باب ماجاء فی تعجیل الزکاۃ، النسخۃالهندیة ۱/ ۱٤٦، دارالسلام رقم: ٦٧٣)

ویجوز تعجیل الزکوٰۃ قبل الحول إذ املک نصاباً عندنا. (تاتار خانیه، کتاب الزکاۃ، الفصل السادس فی تعجیل الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/ ۱۸٤، رقم: ٤٠٦٤، حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۱۵، هندیه، کتاب الزکاۃ، البا ب الاول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/ ۱۷٦، درمختار، کتاب الزکوٰۃ، باب زکوٰۃ الغنم، مطلب استحلال المعصیة القطعیة کفر زکریا۳/ ۲۲۰، کراچی

۲/۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۳/۱۷ھ

سوال: [۴۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آنے والے ۱۹۹۸ء کی رمضان میں دی جانے والی زکوٰۃ کسی ضرورتمند کو پیشگی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر دے دی گئی تو ادا ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: روشن جہاں، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سن ۱۹۹۸ء کی زکوٰۃ رمضان آنے سے پہلے ادا کرنا جائز ہے۔

عن عليؓ أن العباس سأل رسول الله ﷺ في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلك. (سنن الترمذی، الزکاة، باب ماجاء فی تعجیل الزکاة، النسخةالهندية ۱/۱۴٦، دارالسلام رقم: ٦٧٣، سنن أبي داؤد، الزكاة، باب في تعجيل الزكاة، النسخة الهندية ۱/۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱٦۲٤، سنن ابن ماجه، الزكاة، باب تعجيل الزكاة، قبل محلها، النسخة الهندية/۱۲۸، دارالسلام رقم: ۱۷۹٥، مسند احمد بن حنبل ۱/۱۰٤، رقم: ۸۲۲، مسند الدارمي، الزكاة، باب تعجيل الزكوٰة ۲/۱۰۱۷، رقم: ۱٦٧٦)

ويجوز تعجيل الزكاة بعد ملك النصاب الخ. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرهاوصفتها و شرائطها زكريا ۱/۱۷٦، جديد ۱/۲۳۷)

ولو عجل ذو نصاب زكوته لسنين أو لنُصب صح لو جود السبب. (در مختار، كتاب الزكوٰة، باب زكوٰة الغنم، مطلب استحلال المعصية القطعية كفر زكريا ۳/۲۲۰، كراچى ۲/۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۳۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۶/۶ھ

سوال: [۴۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص پر زکوٰۃ واجب ہے، اور اس نے پوری زکوٰۃ نکالدی زکوٰۃ نکالدینے کے بعد کسی غریب رشتہ کے یہاں سے خط آیا، کہ میری لڑکی کی شادی ہونے والی ہے، لہٰذا آپ مدد کریں، وہ شخص آئندہ سال جو زکوٰۃ اسپر واجب ہوگی وہ زکوٰۃ کا مال اس غریب رشتہ دار کو دے سکتا ہے، یا نہیں؟

المستفتي: مختار احمد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں آئندہ سال کیلئے پیشگی زکوٰۃ ادا کر دینا جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/ ۲۶)

عن علي رضـ أن العباس سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم في تعجيل صدقته قبل أن تحل، فرخص له في ذلك. (سنن الترمذی، الزکاة، باب ماجاء فی تعجیل الزکاة، النسخةالهندية ۱/ ۱٤٦، دارالسلام رقم: ٦٧٣)

ويجوز تعجيل الزكوٰة قبل الحول إذ ملك نصاباً عندنا. (تاتار خانيه، كتاب الزكاة، الفصل السادس فی تعجيل الزكاة، زكريا ديوبند ۳/ ۱۸٤، رقم: ٤٠٦٤)

ولو عجل ذو نصاب لسنين صح. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، كتاب الزكوٰة، دار الكتاب ديوبند/ ۷۱٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۴۴)

پیشگی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد فقیر ہوگیا

سوال: [۴۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید صاحب نصاب ہے ہر سال اپنی ملکیت کی ۲۷/رمضان المبارک کو زکوٰۃ ادا کرتا ہے، بلکہ تقریباً ایک ہزار روپئے پیشگی زکوٰۃ ادا کردیتا ہے، امسال رمضان سے پہلے شعبان میں زید نے رہائش کیلئے ایک پلاٹ خریدا جس کی وجہ سے وہ تقریباً بیس ہزار روپئے کا مقروض ہوگیا اب دریافت یہ کرنا ہے، زید کے اوپر اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ زید پیشگی رقم زکوٰۃ ادا کرے تو ہزار روپئے جو پیشگی ادا کی ہے اتنی رقم کم ادا کرے یا جتنی زکوٰۃ بنتی ہے اتنی ادا کرے کیونکہ ایک ہزار وہ پیشگی ادا کرچکا ہے، آئندہ اگر زید صاحب نصاب ہو تو کیا وجوب زکوٰۃ کی تاریخ ۲۷/رمضان رہے گی؟ یا جس مہینے کی جس تاریخ میں وہ صاحب نصاب ہوگا وہ تاریخ رہے گی؟

المستفتي: محمد شفیق چودھری، محلہ حکیمان خانپور، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جبکہ زید خود ہی مقروض ہوگیا ہے اور اب اس کے پاس اتنا مال بھی نہیں ہے، جو نصاب کے بقدر اور ضرورت سے زائد ہو تو ایسی صورت میں اب اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، اور زید نے جو رقم زکوٰۃ کے طور پر پیشگی ادا کردی ہے، اور اب دوسرے سال میں اس کے پاس نصاب کے بقدر مال نہیں ہے تو وہ گذشتہ سال ادا کی گئی پیشگی رقم نفلی صدقہ شمار کی جائیگی، اسلئے کہ پیشگی ادا کردہ رقم کو زکوٰۃ میں شمار کرنے کیلئے دوسرے سال میں بھی نصاب کا ہونا ضروری ہے اور حسب تحریر وسوال زید دوسرے سال میں صاحب نصاب نہیں ہے، اسلئے پیشگی ادا کی گئی رقم بھی زکوٰۃ نہیں مانی جائیگی، اور آئندہ کبھی صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زید از سر نو تاریخ کی تعیین کرکے اسی کے مطابق زکوٰۃ ادا کیا کریگا۔

صح لمالك النصاب أو أكثر أن يؤدي زكاة سنين قبل أن تجيئ تلك السنين حتى إذا ملك في كل منها نصاباً أجزأه ما أدىٰ من قبل لأن السبب المال النامي وقد وجد . (مجمع الانهر ، كتاب الزكاة ، قبيل باب العاشر جديد بيروت ۱/۳۰۸، قديم ۱/۲۰۸)

أو كان النصاب كاملاً وقت التعجيل ثم هلك جميع المال صار ما عجل به تطوعاً . (عالمگیری، کتاب الزكاة ، الباب الاول في تفسيرها وصفتها و شرائطها زكريا۱/ ۱۷٦، جديد مطول ۱/۲۳۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۲/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۸٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۲/۱۴۲۸ھ

انگریزی تاریخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنے والاقمری تاریخ کا تعین کس طرح کرے؟

سوال: [۴۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ شروع ہی سے میں انگریزی تاریخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرتا ہوں ، اب میں قمری تاریخ کا تعین کس طرح کروں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آئندہ کیلئے تو آپ کسی قمری تاریخ کا تعین کرلیں اوراب تک آپ جو شمسی تاریخ کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرتے چلے آئے ہیں،تو اس میں ہر سال جو تقریباً چند دنوں کا فرق چلا گیا ہے، اس کی تلافی کیلئے آپ شمسی سال کیلئے 260 کا حساب کریں اور جو فرق نکلتا ہو اسکی مزید زکوٰۃ ادا کریں؟

(مولانا ومفتی) محمد تقی عثمانی (مدظلہٗ العالی)

وضاحت: مذکورہ مسئلہ میں شمسی سال کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے تو دوروپیہ پچاس پیسہ کے بجائے دوروپیہ ساٹھ پیسہ سیکڑہ کے حساب سے ادا کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حساب سے ادا کرنے کی صورت میں اڑتیس سال میں ایک سال قمری سال کی زکوٰۃ خود بخود ادا ہوجائیگی کیونکہ شریعت میں زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے ادا کرنے کا حکم ہے۔

وحولها أى الزكاة قمري لاشمسي. (درمختار، كتاب الزكاة، قبيل باب زكاة، المال كراچی ۲/ ۲۹٤، زكريا۳/ ۲۲۳)

العبرة فى الزكاة للحول القمرى كذا فى القنية . (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها، زكريا ۱/ ۱۷۵، جديد مطول ۱/ ۲۳٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷٦۲۷)	۱۱/۵/۱۴۲۷ھ

گذشتہ سال کی زکوٰۃ کس قیمت سے نکالی جائے؟

سوال: [۴۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سونے پر زکوٰۃ ادا کرنے میں سال پورا ہوگیا تھا، لیکن زکوٰۃ نہیں نکال سکا دوسرا سال لگ گیا اب وہ چاہتا ہے، کہ زکوٰۃ کی قضا نکالے وہ زکوٰۃ کی قضا گذشتہ سال کے مارکیٹ ریٹ پر نکالے گا یا پھر حال کے ریٹ پر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: گذشتہ سال کی زکوٰۃ امسال کی قیمت کے اعتبار سے ادا کرنا ہوگی، یہی راجح اور مفتی بہ قول ہے۔

وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا: يوم الأداء الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم كراچی ۲/ ۲۸٦، زكريامع الدر۳/ ۲۱۱)

فیعتبر قیمتها یوم الأداء والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا لأن المذهب عندهم أنه إذا هلک النصاب بعد الحول تسقط الزکوٰة سواء کان من السوائم أومن أموال التجارة الخ. (بدائع، کتاب الزکاة، فصل فی صفة الواجب فی اموال التجارة قدیم ۲/۲۲، جدید زکریا ۲/۱۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

کپڑے کے ذریعہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کس دن کی قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال: [۴۲۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کپڑے کا تاجر ہوں زکاۃ میں کپڑا ادا کرنا چاہتا ہوں تو کپڑے کی کونسی قیمت کے اعتبار سے زکاۃ ادا کروں جس قیمت میں خرید تا ہوں وہ یا جس میں بیچتا ہوں وہ قیمت؟

المستفتي: محمد ادریس احمد، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اداءِ زکوٰۃ کے وقت کپڑوں کی فروختگی کی حتمی اور یقینی قیمت لگا کر جتنی بھی قیمت بنے اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

وفي عرض تجارة قیمته نصاب مقوما بأحدهما. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ۲/۲۹۸، زکریا ۳/۲۲۸)

وجاز دفع القیمة فی زکوٰة وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا: یوم الأداء وفی الشامی یعتبر یوم الأداء بالإجماع وهو الأصح. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم کراچی ۲/۲۸۶، زکریا ۳/۲۱۱)

فیعتبر یو م الأداء والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا لأن المذهب عندهم أنه إذا هلک النصاب بعد الحول تسقط الزکوٰۃ سواء کان من السوائم أومن أموال التجارۃالخ. (بدائع ، کتاب الزکاۃ، فصل فی صفة الواجب فی أموال التجارۃ قدیم۲/ ۲۲، جدید زکریا ۲/ ۱۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ شعبان ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۸/۱۶ھ

ادائیگیٔ زکوٰۃ کے وقت کی قیمت معتبر ہے

سوال: [۴۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کمپنی نے کوئی جگہ خریدی ہو جس کو توڑ کر دوبارہ تعمیر کرا کر فروخت کرنا ہو تو بعد تعمیر کے فروخت کرنے پر یا خرید کے وقت کے نرخ پر یا فروخت کے وقت بازار کے بھاؤ کے مطابق رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا صرف ہوئے منافع پر اخراجات وغیرہ مجرا کرنے کے بعد بچی رقم پر؟ جواب دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس وقت زکوٰۃ ادا کی جائے اسی وقت کے بھاؤ اور قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے، زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے، چنانچہ اگر فروختگی کے فوراً بعد ادا کی جائے، تو اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اسی طرح قبل تعمیر ادا کرے یا بعد تعمیر جس وقت ادا کرے اسی وقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے ادا کرنی ہوگی، نفع ونقصان کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ موجودہ حالت کی قیمت معتبر ہوگی۔

تعتبر القیمة الخ (درمختار) ویعتبر یوم الأداء بالإجماع وهو الأصح

الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ ، باب زکاۃ الغنم کراچی ۲/۲۸۶، زکریا۳/۲۱۱)

فیعتبر قیمتها یو م الأداء والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا لأن المذهب عندهم أنه إذا هلک النصاب بعد الحول تسقط الزکوۃ سواء کان من السوائم أومن أموال التجارۃالخ. (بدائع، کتاب الزکاۃ، فصل فی صفة الواجب فی الاموال التجارۃ قدیم۲/۲۲، جدید زکریا ۲/۱۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/۲۳۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

زکوٰۃ میں یوم الأداء کی قیمت کا اعتبار ہے

سوال: [۴۲۵۱]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسی جائیداد پر جوکہ ادھوری بنی ہوئی خریدی ہواس کوسال دوسال میں تعمیرمکمل کرکے فروخت کرنیکا ارادہ ہوصرف حاصل ہوئے منافع پرزکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوگی یاخرید کے وقت کی قیمت پر یاموجودہ مالیت پر؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، پرنس روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: موجودہ مالیت کی قیمت لگاکرزکوٰۃ اداکرنالازم ہوگا۔

وتعتبر القیمة یوم الوجوب وقالا یوم الأداء وفی الشامیة تعتبر یوم الأداء بالإجماع وهو الأصح الخ. (شامی ، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم کراچی ۲/۲۸۶، زکریا۳/۲۱۱)

فیعتبر قیمتهایو م الأداء والصحیح أن هذا مذهب جمیع أصحابنا.

(بدائع الصنائع ، کتاب الزکاۃ، فصل فی صفة الواجب فی الاموال التجارۃ قدیم ۲/۲۲،

جدید زکریا دیوبند۲/ ۱۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۱/۸/۳ھ

بہن کے کھاتے یا موبائیل وغیرہ میں زکوٰۃ کی رقم ڈالنا

سوال: [۴۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بہن غریب مستحق زکوٰۃ ہے زکوٰۃ کے پیسے اگر زید بغیر اپنی بہن کو بتائے اس کے موبائل میں ڈال دے ریچارج کرادے، تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، کبھی اپنی بہن کے بینک اور مسلم فنڈ کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے، تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یہ تملیک فقراء ہے، مفصل جواب سے نوازیں؟

المستفتي: عبدالرشید قاسمی، سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زکوٰۃ میں اگر پیسے ادا کئے جائیں تو فقراء کو ایسے طریقہ پر مالک بنادینا ضروری ہے کہ وہ اس پیسہ سے اپنی جو بھی ضرورت پوری کرنا چاہیں کرسکیں لہٰذا بینک اور مسلم فنڈ کے کھاتہ میں ڈالنے کی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اس لئے کہ وہ اس پیسے کا اپنے اختیار سے جس ضرورت میں چاہے استعمال کرسکتی ہے، اور موبائل میں ڈالنے سے اس وقت زکوٰۃ ادا ہوگی جب اس سے اس بارے میں اجازت لے لی جائے، اور بغیر اجازت ڈالنے کی صورت میں تبرع مانا جائیگا اس لئے کہ وہ پیسہ اس کے اختیار میں اس طرح نہیں پہونچا ہے کہ جس ضرورت میں چاہے وہ خرچ کرسکے۔

ولا يشترط علم الفقير أنها زكوٰة على الأصح حتى لو أعطاه شيئاً وسماهٔ هبة أو قرضاً ونویٰ به الزكاة صحت. (مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ،

جدید دارالکتاب دیوبند/۵ ۷۱، قدیم / ۳۹۰ ، هندیه ، کتاب الزکاة ، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها و شرائطها زکریا ۱/۱۷۱، جدید مطول ۱/۲۳۳، البحرالرائق ، کتاب الزکاة، زکریا ۲/ ۳۷۰، کوئٹه ۲/۲۱۲)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة (قال فی الشامیة) فلا یکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک ولو أطعمهٔ عنده ناویا الزکاة لاتکفی. (شامی مع الدر ، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا۳/ ۲۹۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۱۰۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۳ھ

زکوٰۃ میں گھٹیا چیز دینے سے متعلق ایک مفصل فتویٰ

سوال: [۴۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ راقم الحروف کی معرفت آپ حضرات کی خدمت میں تین سوالات پر مشتمل ایک استفتاء پیش گیا گیا تھا، جو اس عریضہ کیساتھ ارسال خدمت ہے۔

راقم الحروف کی نظر میں سوال نمبر (۱) اور سوال نمبر (۳) کے جوابات پر نظر ثانی کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں اپنی معروضات پیش کر رہا ہوں امید ہے کہ تسلی بخش جواب سے نوازیں گے؟

معروضات متعلقہ جواب سوال نمبر (۱):

فتویٰ میں لکھا گیا ہے، بہت گھٹیا چیز زکوٰۃ میں دینا درست نہیں ہے، بلکہ درمیانی اور اوسط درجہ کی چیز دینی چاہئے ، اس لئے مسئولہ صورت میں جو کپڑا دو تین بار پہنا جا چکا ہے، اسکو زکوٰۃ میں دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ جو چیز بھی ایک مرتبہ استعمال کر لی جاتی ہے، وہ گھٹیا ہی شمار ہوتی ہے۔

ان الساعی لیس له أن یأخذ خیار الأموال بل یأخذ الوسط بین

الخيار والردى. (عمدة القاری ۸/۲۳۸)

اس جواب پر راقم الحروف کو چند شبہات ہیں۔

شبہ نمبر (۱): عمدۃ القاری کی جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے اسمیں لفظ ردی کا استعمال خیار اور وسط کے مقابلہ میں ہوا ہے، لہٰذا اس سے درجۂ سوم کے سوائم مراد ہیں، اور یہ ادنیٰ کا مرادف ہے، اور ادنیٰ چیز کو زکوٰۃ میں دینا بلا کراہت جائز ہے، جیسا کہ درمختار کی درج ذیل عبارت سے واضح ہے۔

وإن لم يجد أى المصدق، وكذا إن وجد فالقيد اتفاقي ماوجب من ذات سن دفع المالک الأدنیٰ مع الفضل جبراً على الساعي لأنه دفع بالقيمة . (در مختار زکریا ۳/۲۱۳)

شبہ نمبر (۲): فقہاء کرامؒ کے نزدیک خلاف جنس سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں چیز کی قیمت کا اعتبار کیا گیا ہے، نہ کہ اس کی حیثیت کا، جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارات سے واضح ہے؟

(۱) أما إذا أدى من خلاف جنسه فالقيمة معتبرة اتفاقاً.

(۲) فإذا أدى خمسة أقفزة رديئة عن خمسة جيدة لم يجز عنده حتى يؤدى تمام قيمة الواجب وجاز عندهما .(رد المختار زکریا ۳/۲۱۱)

(۳) وإن كان من خلاف جنسه يراعى فيه قيمة الواجب ، حتى لو أدىٰ أنقص منه لايجوز إلا بقدره . (بدائع الصنائع زکریا ۲/۱۲۷)

ان تصریحات کے باوجود ردی چیز کو زکوٰۃ میں دینے کو غلط کیسے کہا جا سکتا ہے، جبکہ فقہاء کرامؒ اسے مکروہ یا خلاف اولیٰ بھی نہیں کہہ رہے ہیں۔

المستفتي: خورشید انور قاسمی، خادم تدریس:
جامعہ قاسمیہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سائل نے عمدۃ القاری کی عبارت پر شبہ ظاہر

کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ ’’عمدۃ القاری کی عبارت میں ردی کا استعمال خیار اور وسط کے مقابلہ میں ہوا ہے، لہٰذا ردی سے درجۂ سوم کے سوائم مراد ہیں، اور یہ ادنیٰ کا مرادف ہے، اور ادنیٰ چیز کو زکوٰۃ میں دینا بلا کراہت جائز ہے‘‘، اس کے بعد سائل نے درمختار کی عبارت ’’ **وان لم يجد المصدق** ‘‘ سے ’’ **لانه دفع بالقيمة** ‘‘ تک کی عبارت نقل کی ہے، اس پوری عبارت پر بار بار غور کر کے دیکھا گیا ہے، اس میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ صرف ادنیٰ چیز کو زکوٰۃ میں دینا بلا کراہت جائز ہے، بلکہ ساتھ میں ایک قید لگی ہوئی ہے، ’’ **الا دنیٰ مع الفضل** ‘‘ تنہا ادنیٰ شئ کو زکوٰۃ میں بلا کراہت دینے سے متعلق ہم کو کہیں عبارت نہیں ملی اور سائل نے جو عبارت نقل کی ہے، وہ تنویر الابصار کی ایک مستقل عبارت کے اخیر میں ایک قید اتفاقی ہے، اس قید اتفاقی پر صاحب درمختار نے تبصرہ فرمایا ہے، مستقل عبارت یہ ہے: ’’ **والمصدق لا يأخذ إلا الوسط** ‘‘ ،صدقہ وصول کرنے والا درمیانی درجہ کی چیز زکوٰۃ میں لیگا، نہ ادنیٰ لینے کی اجازت ہے نہ ہی اعلیٰ، پھر صاحب تنویر الابصار نے یہ قید لگا کر مسئلہ اٹھایا ہے کہ اگر اوسط درجہ کی شے دستیاب نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ اس قید کو صاحب درمختار نے اتفاقی قرار دیا ہے، پھر آگے تنویر الابصار کی عبارت ہے کہ درمیانی درجہ کی شئ دستیاب نہ ہونے کی صورت میں ادنیٰ کو فضل کے ساتھ ملا کر دیا جائے، اور اس میں قیمت کا اعتبار کیا جائے، اس لئے سائل کی پہلی عبارت سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے، کہ محض ادنیٰ شی کو زکوٰۃ میں دینا بلا کراہت جائز ہے، بلکہ اعلی اور بہتر شئ کی طرف سے ادنیٰ شئ زکوٰۃ میں دینا کم از کم مکروہ ہے، اس لئے صاحب تنویر الابصار نے حصر کیساتھ ’’ **المصدق لا ياخذ الا الوسط** ‘‘ کی عبارت نقل کی ہے، اور یہی اصل مسئلہ شرعی ہے، ہاں البتہ اعلی اور عمدہ چیز کی جانب سے ادنیٰ چیز زکوٰۃ میں ادا کرے تو اس کی قیمت لگانا واجب ہے، اور ادائے زکوٰۃ میں امام محمدؒ کے قول کے مطابق انفع للفقراء کا اعتبار کیا گیا ہے، اور انفع للمفقراء کو پیش نظر رکھ کر زکوٰۃ ادا کرنا زیادہ افضل اور بہتر ہے، لہٰذا جب ادنیٰ شی کے ذریعہ سے

زکوٰۃ ادا کرنے کا ارادہ ہوتو بہتر شکل یہ ہے کہ اس شی کو فروخت کر کے اس کی قیمت فقراء کو دے دی جائے ، اسلئے کہ استعمالی کپڑے کے مقابلہ میں روپیہ پیسہ انفع للفقراء ہے ، اس لئے پچھلے فتویٰ میں لکھا گیا تھا ، کہ درمیانی اور اوسط درجہ کی چیز دینی چاہئے ، جیسا کہ درمختار اور تنویر الابصار کی اس مستقل عبارت سے واضح ہے ، جہاں سے سائل نے اپنی عبارت نقل کی ہے ، اور استعمالی کپڑے دینے کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا تھا کہ ''اسکو زکوٰۃ میں دینا صحیح نہیں ہے'' ، ہوسکتا ہے ، لفظ ''صحیح نہیں ہے'' سے سائل نے یہ سمجھا ہو کہ زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوگی بلکہ روپئے پیسے کے عوض میں دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی فتویٰ میں صحیح نہیں کا لفظ کراہت کی وجہ سے بولا گیا ہے عدم جواز کی وجہ سے نہیں ، اور اس کے لکھنے میں یہ مصلحت بھی پیش نظر رہی ہے کہ آج کل کے زمانہ میں ادنیٰ درجہ کے سرمایہ دار کا حال بھی ایسا ہے ، کہ ایک آدھ مرتبہ پہننے کے بعد اس کپڑے سے اکتا جاتے ہیں ، پھر نیا کپڑا بنانے لگتے ہیں خاص طور پر عورتوں کا حال تو یہ ہے کہ ہر شادی ہر تقریب ہر خوشی کے موقع پر نیا جوڑا بنواتی ہیں ، دو تین دفعہ پہننے کے بعد اسے رکھ دیتی ہیں ، اس طریقہ سے سال پورا ہوتے ہوتے کافی تعداد میں کپڑے جمع ہو جاتے ہیں ، اور انھیں وہ کپڑے بہر حال فقراء اور غریب رشتہ داروں کو دینے ہیں ، اور ادھر زکوٰۃ بھی واجب ہو رہی ہے ، تو ایسے کپڑوں کو روپیہ پیسہ اور عمدہ سرمایہ کی زکوٰۃ کے عوض میں نکالنا چاہتے ہیں ، اور ساتھ میں یہ سمجھتے ہیں کہ جن پیسوں کی زکوٰۃ نکالنا ضروری تھا ، استعمالی کپڑوں کے سہارے سے اس کے ذمہ سے سبکدوش ہو جائیں گے ، لہذا ان سے اگر یہ کہہ دیا جائے ، کہ استعمالی کپڑے سرمایہ کی زکوٰۃ میں دیئے جاسکتے ہیں تو وہ ہزار ہا روپیہ جو زکوٰۃ میں دینا لازم ہوتا ہے ، وہ بچالیں گے اور یہ کپڑے ان پیسوں کے عوض میں دے دیں گے حالانکہ یہ کپڑے انھیں بہر حال آج نہ ہو تو کل فقیر اور غریب رشتہ داروں کو دینا ہے ، نیز ایسے کپڑے کی قیمت اپنے طور پر لگائیں گے ، مثلاً اگر سو روپئے کا جوڑا ہے تو اس کی قیمت کم از کم پچاس روپیہ لگا کر زکوٰۃ میں دیں گے حالانکہ صورت

حال یہ ہے کہ اگر سو روپئے کا استعمالی جوڑا اور پچیس روپیہ فقیر کے پاس رکھ کر اختیار دیا جائے گا تو فقیر وہ استعمالی جوڑا نہیں لیگا اور پچیس روپیہ لے لیگا، اس لئے ’’صحیح نہیں‘‘ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور علماء کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ زمانہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے، اور حالات زمانہ کے اعتبار سے استعمالی کپڑے زکوٰۃ میں دینے کا مسئلہ بتلانا کسی طرح مناسب نہیں، ہم نے اپنے یہاں کے بہت سے طلبا سے اس سلسلے میں معلومات کی ہے کہ اگر سو روپیہ کا جوڑا جو ایک دو مرتبہ استعمال کیا ہوا ہو اور بیس روپئے رکھے جائیں اور اختیار دیا جائے تو کس کو اختیار کروگے، تو سب نے کہا بیس روپیہ لیں گے، اور اس کی ایک مثال یوں بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ مدارس کے لوگ کسی سرمایہ دار کے پاس چندہ لینے جائیں، اور وہ یہ کہے کہ میری طرف سے پانچ ہزار روپئے کی رسید کاٹ دیجئے اور وہ استعمالی کپڑے لاکر ڈال دے اور یہ کہے کہ ان کپڑوں کی تیاری میں بارہ ہزار روپیہ خرچ ہوا ہے میں نے اس کی قیمت پانچ ہزار لگائی ہے، پھر مدرسہ کے دفتر میں آکر کے پانچ ہزار روپئے کی رسید کا حساب لگائیں تو اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ کتنی چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، یہ چہ میگوئیاں بھی درجۂ کراہت سے خالی نہیں، ان مصلحتوں کی بناء پر لفظ ’’صحیح نہیں‘‘ استعمال کیا گیا ہے، اور دوستوں کو یہی مشورہ دینا چاہئے، کہ استعمالی کپڑا زکوٰۃ میں نہ دیا جائے، نیز فقہا نے خلاف جنس کی صورت میں قیمت لگانے کی قید ضرور لگائی ہے، اس لئے ہونا یہی چاہئے کہ استعمالی کپڑوں کو فروخت کرکے جو اس کا پیسہ حاصل ہو وہی فقیروں کو دیدے، ایسی صورت میں استعمالی کپڑوں کی صحیح قیمت بھی کھل کر سامنے آجائیگی، اور فقہاء اور محدثین نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ میں عیب دار چیز دینا جائز نہیں ہے، اور جو کپڑا استعمال کیا جاچکا ہے، وہ دوسروں کے حق میں عیب دار ہوجاتا ہے، اس لئے اس کی قیمت آدھی سے زیادہ گھٹ جاتی ہے، اور سائل نے یہ جو فرمایا ہے کہ استعمالی کپڑے ادنیٰ کے درجہ میں ہیں، قابل غور بات ہے بلکہ استعمالی کپڑے ایک قسم کے عیب دار بن

جاتے ہیں، اورعیب دار کے بارے میں حدیث میں آیا ہے۔

عـن سـالـم عـن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب كتاب الصدقة فلم يخرجه إلىٰ عماله –إلىٰ– لا يؤخذ في الصدقة هرمة ولا ذات عيب. (ترمذی شریف، كتاب الزكاة، باب ماجاء فی زكوٰة الإبل والغنم، النسخة الهندية ١/١٣٦، دار السلام رقم: ٦٢١)

نیز اگر استعمالی کپڑے کو ادنیٰ کے مرادف مانا جائے تب بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اسلئے کہ خلاف جنس اشیاء کی طرف سے ادا کرنے کی صورت میں ایک تو اس کی قیمت صحیح نہیں لگ پاتی دوسرے انفع للفقراء بھی نہیں ہے ہماری عبارت ''صحیح نہیں'' کا محمل یہی ہے اور سائل نے آخر میں جو عبارات نقل فرمائی ہیں ان کا محمل بھی یہی ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/۸/ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۸/ ۱۴۲۴ھ

مستحق زکوٰۃ کو تحفہ یا ہدیہ کہہ کر زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مستحق زکوٰۃ ہے لیکن وہ زکوٰۃ لینا نہیں چاہتا ہے، اگر کوئی زکوٰۃ کہہ کر دیتا ہے، تو وہ منع کر دیتا ہے، اگر اس مستحق زکوٰۃ کو رقم ہدیہ کہہکر دیدے تو زکوٰۃ دینے والا گنہگار تو نہیں ہوگا؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، سلیم مسجد،
چوہان بانگر، سیلم پور، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے، اس کو زکوٰۃ کی نیت سے تحفہ یا ہدیہ کہہکر زکوٰۃ دینا جائز ہے، زکوٰۃ دینے والا گنہگار نہیں ہوگا۔

أشار إلىٰ أنه لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة أو قرضا تجزيه

فی الأصح. (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء زکریا ۳/۱۸۷، کراچی ۲/۲۶۸)

ولا یشترط علم الفقیر أنها زکاۃ علی الأصح حتی لو أعطاه شیئا، وسماه هبة أوقرضا ونوی به الزکاۃ صحت. (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۱۵)

وکذا لو وهب مسکینا درهما ونواه من زکاته أجزأه، لأن العبرۃ بالنیة فلا یتغیر بلفظ الهبة. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، قبیل باب صدقة السوائم زکریا دیوبند۲/۳۳)

ولایشترط علم الفقیر بأنها زکاۃ علی الأصح لما فی البحر عن القنیة، والمجتبیٰ الأصح إن من أعطیٰ مسکینا دراهم، وسماها هبة أو قرضا، ونویٰ الزکاۃ فإنها تجزیه لأن العبرۃ لنیة الدافع لالعلم المدفوع إلیه. (مجمع الانهر، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب العلمیة بیروت ۱/ ۲۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۶۵)

بالغ اولاد کی طرف سے والدین کا زکوٰۃ وفطرہ ادا کرنا

سوال: [۴۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بالغ اولاد کی طرف سے اگر باپ زکوٰۃ وفطرہ دے تو ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتي: محمد فرقان، بھٹی محلّہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ادا ہو جائے گا۔

کما فی الهندیة، لایؤدی عن زوجته ولا عن أولاده الکبار،

وإن كانوا فی عیاله ، ولو أدی عنهم أو عن زوجته بغیر أمرهم أجزأ هم استحساناً الخ. (هندیه ، کتاب الزکاة ، الباب الثامن فی صدقة الفطر زکریا ۱/۱۹۳، جدید ۱/۲۵۵)

لا عن زوجته وولده الكبير العاقل ، ولوأدی عنهما بلا إذن أجزأاستحسانا للإذن عادة: أی لو فی عیاله وإلا فلا . (درمختار ، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر زکریا ۳/۳۱۷، کراچی ۲/۳۲۳)

ولایؤدی عن زوجته ...... ولاعن أولاده الکبار وإن کانوا فی عیاله لانعدام الولایة، ولو أدی عنهم أوعن زوجته بغیر أمر هم أجزأهم استحساناً لثبوت الإذن عادة . (هدایه ، کتاب الزکاة ، باب صدقة الفطر ، اشرفی دیو بند ۱/۲۰۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: رجسٹر خاص)

قرض بتا کر دینے سے ادائیگیٔ زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے سونے کے زیورات گروی رکھکر سودی قرضہ لے رکھا ہے، زید میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ قرضہ ادا کر کے زیور چھڑا لے، عنقریب وہ زیور اصل رقم اور سود وغیرہ میں ختم ہو جائیگا زید کا ایک ہمدرد عمرو یہ چاہتا ہے، کہ زید کی طرف سے قرضہ کی رقم مطلوبہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کر کے وہ زیورات چھڑا لے عمرو یہ رقم زید کو نہ دیکر براہ راست بنئے سے زیور چھڑانا چاہتا ہے، اور دی گئی رقم کو زکوٰۃ نہ بتا کر قرض کے طور پر بتانا چاہتا ہے، کیونکہ زید غیرت مند شخص ہے زکوٰۃ لینے میں تأمل کریگا، چنانچہ پھر وہ زیور زید کے

حوالے کردیگا اب زید رقم مطلوبہ دیدے فبہا ورنہ زکوٰۃ کی نیت کرلی ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ عمرو کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟ مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرمائیں سمجھ میں آجائے، مہربانی ہوگی

المستفتي: سراج الاسلام، کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر عمرو زید کے قرضہ کی رقم زید سے اجازت لیکر اس کے قرضخواہ کو براہ راست دیدے بغیر زید کے قبضہ کرائے اور یہ بھی ظاہر نہ کرے کہ میں نے یہ رقم زکوٰۃ سے ادا کی ہے، تو عمرو کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی البتہ بعد میں اگر زید وہ رقم عمرو کو واپس کرے تو عمر کو لینا جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ کہدے کہ میں نے وہ رقم معاف کی یا ہبہ کی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۵۰، ایضاح المسائل/۱۱۳)

أما دين الحي الفقير فيجوز لو بأمره. (در مختار، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤، زکریا ۳/۲۹۱، فتح القدير، کتا ب الزکاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه من لا يجوز کوئٹه ۲/۲۰۸، زکریا ۲/۲۷۲، مصری بیروت ۲/۲٦۸)

ولو قضى دين الفقير بزكاة ماله إن كان بأمره يجوز. (عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب السابع مایوضع في المصارف، قبیل فصل مایوضع فی بیت المال، زکریا ۱/۱۹۰، جدید ۱/۲٥۲)

ومن أعطىٰ مسكيناً دراهم وسماها هبة أو قرضاً ونوىٰ الزكوٰة فإنها تجزيه وهو الأصح. (عالمگیری، کتا ب الزکاة، الباب الاول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/۱۷۱، جدید مطول ۱/۲۳۳، البحر الرائق، کتاب الزکاة، زکریا ۲/۳۷۰، کوئٹه ۲/۲۱۲، شامی، کتاب الزکاة، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء زکریا ۳/۱۸۷، کراچی ۲/۲٦۸، خانیه علی الهندیه، کتاب الزکاة، قبیل فصل فی تعجیل الزکاة زکریا ۱/۲٦٤، جدید مطول ۱/۱٦۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۸۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۴/۲۱ھ

مقروض کو مالک بنائے بغیر صرف زبان سے کہہ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی

سوال: [۴۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص مقروض ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، دوسرا آدمی زکوٰۃ کی رقم ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ شخص زکوٰۃ کی رقم سیدھے طور پر مقروض کے قرض خواہ کو یہ کہکر دے سکتا ہے، کہ فلاں آدمی پر جو آپ کا قرضہ ہے یہ رقم اس میں منہا کرلو یا وہ رقم لیکر مقروض کو دینی پڑے گی اور وہ اپنا قبضہ کر کے قرض خواہ کو دے پہلی صورت اس لئے اختیار کرنی ہے کہ بعض دفعہ جب مقروض کے پاس رقم آجاتی ہے، تو وہ قرضہ ادا نہیں کرتا، بلکہ دوسری ضرورت میں لگا دیتا ہے، تو پہلی صورت میں جب زکوٰۃ کی رقم قرض خواہ کو دے گا تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟ جواب دیں

المستفتي: مستری عبدالرب، قصبہ بچھرایوں، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بہتر صورت یہی ہے کہ اولاً مقروض کے ہاتھ میں دیدی جائے، پھر اسی وقت قرض خواہ مقروض کے ہاتھ سے حاصل کرلے، نیز یہ صورت بھی جائز ہے کہ مقروض قرض خواہ کو حکم کرے کہ زکوٰۃ دہندہ سے اولاً مقروض کی طرف سے وکیل بنکر بطور زکوٰۃ وصول کرلے پھر مقروض سے دوبارہ اجازت لیکر اپنے قرض کے نام سے رکھ لے۔

أما دين الحي الفقير فيجوز لو بأمره وتحته في الشامي أي يجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه والدائن يقبضه لحكم النيابة عنه ثم يصير قابضاً لنفسه الخ. (الدرالمختار مع الشامی، کراچی باب المصرف ۲/ ۳٤٤، زکریا۳/ ۲۹۱، ۲۹۲)

ومحمل هذا أن يكون بغير إذن الحي، أما إذا كان بإذنه وهو فقير

فیجوز عن الزکاۃ علیٰ أنه تملیک منه و الدائن یقبضه بحکم النیابة عنه ثم یصیر قابضاً لنفسه . (فتح القدیر، کتاب الزکاۃ، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه و من لایجوز کوئٹہ ۲/ ۲۰۸،زکریا۲/ ۲۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۰۶)

فقیر کو نصاب سے زیادہ زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل جوز کوٰۃ کی رقم کسی کو دیکر تملیک کراتے ہیں، کیا یک مشت اتنی رقم ایک غریب کو دینا درست ہے اور پھر جب وہ اسی رقم کو دوبارہ مدرسہ میں دیگا تو کیا اس کی بھی رسید کاٹی جائیگی ، اور پھر مدرسہ کے حساب میں کتنی رقم لکھی جائیگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق :ایک فقیر کو یکمشت نصاب سے زیادہ دینا مکروہ ہے اور حیلۂ تملیک میں بھی نصاب سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔

وکرہ إعطاء فقیر نصابا أو أکثر . (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ،مطلب فی حوائج الأصلیة ،کراچی ۲/ ۳۵۳، زکریا دیوبند ۳/ ۳۰۳)

ویکرہ لمن علیه الزکاۃ أن یعطی فقیراً مائتی درهم أو أکثر و لو أعطی جاز ، وسقط عنه الزکاۃ. (بدائع الصنائع ،کتاب الزکاۃ، فصل في مصارف الزکاۃ، زکریا دیوبند ۲/ ۱۶۰)

اور جب فقیر مدرسہ کو بطور عطیہ دیدیگا تو مدعطیہ میں اس کو درج کرنا اور اس کی رسید بھی دیدینی چاہئے ،تا کہ مدعطیہ کا حساب صحیح رہے، اور جب فقیر کو دیدے تو اس وقت اخراجات

میں اس کو درج کر لینا چاہئے ،تاکہ دونوں قسم کے حسابات صحیح رہیں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵رمحرم الحرام ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۲/ ۴۳۰۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۱/۲۵ھ

بقدر نصاب زکوٰۃ کی رقم کسی کو دینا

سوال: [۴۲۵۹]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بڑی سے بڑی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو یعنی ایک شخص کو ایک لاکھ روپیہ زکوٰۃ کی نیت سے دیں تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی صرف ادائیگی معلوم کرنی ہے؟

المستفتي:عبدالکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق:جی ہاں کراہت کے ساتھ ادا ہوجائیگی۔

وكره إعطاء فقير نصابا أو أكثر . (الدرالمختار،كتاب الزكاة، باب المصرف ،مطلب فى حوائج الأصلية كراچى ۳۵۳/۲، زكريا۳/۳۰۳)

ويكره لمن عليه الزكوٰة أن يعطى فقيراً مائتى درهم أو أكثر ولو أعطى جاز، و سقط عنه الزكاة. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة ، فصل فى مصارف الزكوٰة زكريا ديو بند۲/ ۱۶۰)

لیکن ایک مدرسہ کیلئے دینے میں کراہت لازم نہیں آتی اسلئے کہ مدرسہ میں مستحقین کی تعداد کافی ہوتی ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ررمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/ ۲۸۴۲)

اداءِ زکوٰۃ میں ضم نصاب کا حکم

سوال: [۴۲۶۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ چاندی اورسونے کے نصاب میں سے کون سانصاب اصلی تسلیم کیاجائے، آج کے دور میں جبکہ سونے اورچاندی کے نرخ میں زمین وآسمان کا فرق ہے، نصاب حرمت زکوٰۃ (غنایعنی کسی شخص کوغنی قراردیکراس کیلئے زکوٰۃ لینا ممنوع قراردیاجائے) اوراسی طرح نصاب موجب زکوٰۃ کی کم سے کم مقدار چاندی کے نصاب سے مقرر کی جائے گی یاسونے کے نصاب سے؟ بینو توجروا جزاک اللہ۔

المستفتي: (مفتی وقاضی) مجاہدالاسلام قاسمی، فقہ اسلامی، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وجوب زکوٰۃ کیلئے شریعت اسلامی نے مال نامی ہونے اورحوائج اصلیہ سے فارغ ہونے کے ساتھ ساتھ نصاب مال کے مالک ہونے کی شرط بھی لگائی ہے، تاکہ لاضرر ولاضرار کے قانون کے تحت کسی کوکوئی نقصان نہ ہواوراسلامی شریعت نے سونا اور چاندی کوالگ الگ معیارقرار دیاہے، اسی وجہ سے دونوں اپنی اپنی جگہ مستقل اصلیت کاحکم رکھتے ہیں، اسلئے بلاوجہ کسی ایک کوہی اصل ٹھہرانا بے اصل اوربے دلیل بات ہوگی، اسلئے جب دونوں الگ الگ اپنے نصاب کوپہونچ جائے توالگ الگ زکوٰۃ نکالنا بھی واجب ہوتا ہے، اورجب تفاوت ہوجائے اورایک کا نصاب مکمل ہوجائے، اوردوسرے کامکمل نہ ہو یاکسی کا نصاب کامل نہ ہوتو شریعت نے انفع للفقراء کوپیش نظر رکھ کرایک کودوسرے کیساتھ ملاکر دونوں کوایک کے حکم میں قرار دیکر نصاب مکمل کرکے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، اوراس طرح ضم نصاب کی صورت میں انفع للفقراء کوملحوظ رکھنے کاحکم فرمایاہے، اور انفع للفقراء اسی میں ہے کہ سونے کو چاندی کیساتھ ملاکر پورے کو چاندی کا نصاب بنادیا جائے۔ (مستفاد: فتاویٰ

محمودیہ قدیم ۱۱/ ۲۹، جدید ڈابھیل ۹/ ۳۷۵، کفایت المفتی جدید ۴/ ۲۷۰، قدیم ۴/ ۲۵۴، جدید زکریا مطول ۶/ ۱۷۲، امداد الفتاویٰ ۲/ ۳۹، فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۱۵۰)

وجوب الضم إذا لم يكن كل واحدمنهما نصاباً بأن كان أقل من النصاب فأما إذا كان كل واحد منهما نصاباً تاماً ولم يكن زائداً عليه لايجب الضم بل ينبغي أن يؤدى من كل واحد منهما زكوته ولو ضم أحدهما إلىٰ الآخر حتى يؤدى كله من الذهب أو الفضة فلا بأس به عندنا ولكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء. (بدائع الصنائع جديد زكريا ديوبند ۲/ ۱۰۸)

ترجمہ: سونے چاندی میں سے ایک کو دوسرے کیساتھ ضم کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے، کہ جب دونوں کا نصاب مکمل نہ ہوا اور نصاب سے کم ہو اور اگر دونوں کا نصاب مکمل ہو تو انضمام لازم وواجب نہیں ہے، بلکہ ایسی صورت میں بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ دونوں کی زکوٰۃ الگ الگ ادا کیجائے، اور اگر ملا کر ادا کی جائے تو بھی حنفیہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے، لیکن واجب یہی ہے کہ اس کے ساتھ قیمت لگائی جائے، جس میں فقراء کا زیادہ فائدہ اور نفع ہو۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۱)

مستحق کے نام سے زکوٰۃ لیکر اپنے اوپر خرچ کرنا

سوال: [۴۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید نے اپنے ماموں سے کہا کہ ایک بزرگ صاحب وہ غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں آپ مجھے اپنی زکوٰۃ کی رقم دے دیجئے انھوں نے زید کو زکوٰۃ کی رقم دیدی کہ وہ میں ان کو دیدوں، پھر وہ زید نے

اپنے اوپر صرف کرلی اور کچھ رقم والدہ صاحبہ کو یہ کہہ کر دیدی کہ یہ فلاں بزرگ نے مجھے ہدیہ کے طور پر دی ہے، والدہ صاحبہ نے اس کو خرچ کرلیا اور کچھ سامان وغیرہ خرید لیا، اب زید کی والدہ کا پوچھنا یہ ہے کہ اس رقم سے خریدا گیا سامان استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ زید کے والد صاحبِ نصاب ہیں، اور زید ابھی تعلیم حاصل کررہا ہے؟

المستفتي: زید کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید نے مذکورہ زکوٰۃ کی رقم طے شدہ مستحق تک نہ پہونچا کر اپنی ذات پر خرچ کرلی تو زید خائن بھی ہوا اور اس رقم کا ضامن بھی بن گیا، لہٰذا اب زید کے اوپر دو کام لازم ہیں۔

(۱) خیانت کے گناہ کی توبہ کرنا۔

(۲) زکوٰۃ کی رقم کا پورا تاوان ادا کرنا اور جب تک زید تاوان کی ادائیگی اور توبہ نہیں کرتا اس وقت تک سخت ترین گناہ گار ہوگا، نیز مذکورہ زکوٰۃ کی رقم سے جو سامان خریدا گیا ہے، یہ اس وقت تک استعمال میں لانا جائز نہیں ہے، جب تک اس کا تاوان طے شدہ مستحق کو مکمل طور پر نہ پہونچادے۔

ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء فلو ضاعت لاتسقط عنه الزكوٰة. (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/ ۲۷۰، زکریا ۳/ ۱۸۹، البحر الرائق، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۲/ ۳۶۹، کوئٹہ ۲/ ۲۱۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۴۶)

گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائےگی کا طریقہ اوراس کے استعمال کا حکم

سوال: [۴۲۶۲]: کیافرماتے ہیں علماءکرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ(۱)دس سال سے حساب کرکے مال کی زکوٰۃ ادانہیں کی تو اسکی دائیگی کی کیاشکل ہوگی؟

(۲) زکوٰۃ کی رقم کا استعمال کہاں اورکس پر ہوسکتا ہے؟

(۳) پچھلی رقم جس کی زکوٰۃ حساب کرکےنہیں نکالی وہ رقم آج ہم استعمال کریں تو کس طرح سے؟

(۴) بغیرزکوٰۃ دئے ہوئے رقم سے پلاٹ خریدا اوراب اس رقم کی زکوٰۃ نکالنا چاہتے ہیں،تواس کی کیاشکل ہوگی؟

المستفتي:محمداختر خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :(۱)اولاًپورے مال کی زکوٰۃواجب ہے،پھر ادائیگی کے بعدجورقم بچے اوروہ نصاب تک پہونچےتو دوسرے سال کی زکوٰۃ نکالی جائےاسی طرح منہاکرنے کے بعداگر بقایارقم نصاب تک پہونچےتو تیسرے سال کی ادا کی جائے، وعلیٰ ہذاالقیاس۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ۲/۴۳،احسن الفتاویٰ۴/۲۷۵)

إذا كان لرجل مائتا درهم أو عشرون مثقال ذهب فلم يؤد زكوته سنتين يزكي السنة الأولىٰ وليس عليه للسنة الثانية شيء عند أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالىٰ وعند زفرؒ يؤدى زكوة سنتين . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، دين الزكاة زكريا۲/۸٦)

(۲) ہروہ شخص جوصاحب نصاب وسیدنہ ہواس کوزکوٰۃ دینا جائزہےاوراپنےفقیر عزیزمقدم ہیں لاوارث بچے نادارطالب علم اور بیواؤں پربھی زکوٰۃ کوخرچ کرنا چاہئے۔(مستفاد:محمودیہ۱۷/۱۳۵،۳/۹۴)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من لهٗ أدنى شيئى وفى الشامى: والأظهر أن يقول من لايملک نصاباً . (شامی ، کتاب الزکاۃ ، باب الصرف کراچی ۲/۳۳۹، زکریا ۳/۲۸۳)

(۳) چونکہ ہر صاحب نصاب پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے اسلئے جمع شدہ رقم پر اولاً گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نکالی جائے اور جو رقم بچ جائے اس کو استعمال کرلیا جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۳۴)

(۴) ہر وہ شخص جس کے پاس حاجت اصلیہ ضروریہ سے زائد اتنا مال خواہ زیور ومکان یا زمین ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور اس پر سال گذر جائے، تو اس پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہے اسلئے پلاٹ خریدنے سے قبل جو کچھ بھی آپ کے پاس رقم تھی جس پر سال گذر گیا ہو تو اس کا حساب لگا کر اب زکوٰۃ نکالدی جائے۔

نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتا درهم وفى الشامى: فمادون ذلک لازكاة فيه . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال کراچی ۲/۲۹۵، زکریا ۳/۲۲٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۴۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۱۱/۱۴۲۲ھ

مال تجارت کی زکوٰۃ کی ادائے گی کا طریقہ

سوال: [۴۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے چند آدمیوں کیساتھ شریک ہوکر ایک پلاٹ خریدا پلاٹ پندرہ لاکھ روپئے میں خریدا ہے، خریداروں نے تین لاکھ روپئے ادا کئے ہیں، بارہ لاکھ باقی ہیں، اسی پلاٹ کو شریک حضرات نے ۱۷/لاکھ میں فروخت کردیا، ۱۷/لاکھ کی جو فروخت ہوئی ہے وہ مکمل ایک سال

کے بعد ہوئی شرکاء صرف تین تھے، جنھوں نے بارہ لاکھ کی ادھاری پر پلاٹ خریدا تھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوٰۃ تین لاکھ کی رقم پر واجب ہے، جس پر حولان حول ہوا ہے، یا پورے مال پر؟ جو دولاکھ روپئے نفع کیساتھ ۵/ لاکھ روپئے کی شکل میں آ رہا ہے کیونکہ ۱۲/ لاکھ قرض ہے؟

المستفتي: محمد رضوان قاسمی، سورت

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مال تجارت کی نیت سے خریدی گئی جائیداد پر زکاۃ فروختگی کے دن کی قیمت کے اعتبار سے واجب ہوتی ہے، نہ کہ خرید کے دن کے اعتبار سے اور چونکہ اس پلاٹ کو خریدے ہوئے مکمل ایک سال گذر چکا ہے، لہٰذا فروختگی میں ملنے والے سترہ لاکھ روپیہ میں سے پانچ لاکھ پر زکاۃ واجب ہوگی، اور بارہ لاکھ قرض ہونیکی وجہ سے اس پر زکاۃ واجب نہ ہوگی۔

أما إذا اختلفا قوم بالأنفع . (شامی ، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال کراچی ۲/ ۲۹۹، زکریا۳/ ۲۲۹)

واعتبار الأنفع مذهب أبی حنیفةؒ ومعناه یقوم بما یبلغ نصاباً إن کان یبلغ بأحدهما ولا یبلغ بالآخر احتیاطاً . (تبیین الحقائق ، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال زکریا قدیم ۱/ ۲۷۹، ۲/ ۷۸، مجمع الانهر ، کتاب الزکاۃ ،باب زکاۃ الذهب والفضة والعروض ، المکتبة دارالکتب العلمیة ۱/ ۳۰٦)

کل دین لهٔ مطالب من جهة العباد یمنع وجوب الزکاة سواء کان الدین للعباد کالقرض وثمن البیع . (هندیه ، کتاب الزکاۃ ، کوئٹه وزکریا ۱/ ۱۷۲، جدید مطول ۱/ ۲۳٤، الباب الأول في تفسیر ها ـ الخ ومنها الفراغ عن الدین ، ومثله فی تبیین ۲/ ۲٤، شامی ، کتاب الزکاۃ، مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة کراچی ۲/ ۲٦۰، زکریا۳/ ۱۷٤، بدائع الصنائع ، کتاب الزکاۃ، فصل واما شرائط الفرضیة الخ زکریا

قدیم ۲/ ٦، ۲/ ۳/ ۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۰۱/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۴/ ۱۴۳۵ھ

مستحق زکوٰۃ ملازم کو دی ہوئی چیز واپس لیکر دوسرے کو دینا

سوال: [۴۲٦۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کسی مالک نے اپنے ملازم کو اس کے نجی کام کیلئے زکوٰۃ کی مد سے کوئی چیز دلوائی اور اس کے بعد وہ ملازم اپنی ملازمت چھوڑ کر چلا جاتا ہے، تو کیا مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اسکی وہ چیز کسی اور ملازم کو دیدے، جواب تحریر فرمادیں، تاکہ مذہب اسلام کی رو سے فیصلہ کیا جاسکے؟

المستفتي: حسنین اختر شمسی، منظور ایکسپورٹس، قانون گویان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں زکوٰۃ ادا ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو بالکل مالک بنادے اور اس میں پھر زکوٰۃ دہندہ کی کوئی غرض لاحق نہ ہو، لہذا اب جب مذکورہ سوال میں مالک اس کا اقرار کررہا ہے کہ زکوٰۃ کا پیسہ ملازم کو مستحق زکوٰۃ ہونیکی وجہ سے دیدیا ہے تو ملازم اس رقم کا مالک بن چکا ہے، اب اس میں زکوٰۃ دینے والے کو کوئی اختیار نہیں ہے، لہذا اس ملازم سے واپس لینا غصب ظلم اور حرام ہوگا، اور ملازمت چھوڑ کر چلاجانا ایک الگ مسئلہ ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا ۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳۴٤)

**الزکاۃ یجب فیها تملیک المال، لأن الإیتاء فی قوله تعالیٰ ”وآتو

الزكاة" . (البقرة: ٤٣) **يقتضى التمليك ، ولا تتأدى بالإباحة .** (تبيين الحقائق ،كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ٢/١٨) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۳/۴ھ

چھوٹے بھانجے کو اسکول خرچ میں زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا میں اپنی زکاۃ اپنے سگے نابالغ بھانجے کو دے سکتا ہوں، یعنی اس کے اسکول وغیرہ کی فیس وغیرہ میں خرچ کرسکتا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کا بھانجہ مستحق زکوٰۃ ہے تو آپ اس کو اپنی زکوٰۃ دے سکتے ہیں، کہ وہ اس کو اپنے خرچ مثلاً فیس وغیرہ میں لے آئے، لیکن آپ براہ راست زکوٰۃ سے فیس اور دیگر اخراجات پورے نہیں کرسکتے ہیں، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک فقراء شرط ہے، بصورت دیگر آپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ولا إلى من بينهما ولاد (درمختار) وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولىٰ لأنه صلة وصدقة. (شامی، کتا ب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٦، زکریا ۳/۲۹۳)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا . (درمختار علی شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٤،زکریا ۳/۲۹۱)

الزكاة يجب فيها تمليك المال، لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ " وآتو الزكاة" . (البقرة: ٤٣)

يقتضى التمليك ، ولا تتأدى بالإباحة . (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، زكريا

دیوبند۲/۱۸۱) **فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۴۹۷۵)

نئے سلے ہوئے کپڑے زکوٰۃ میں دینا

سوال: [۴۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کچھ کپڑے سلے ہوئے ایسے بھی ہیں جو پہنے نہیں ہیں بالکل نئے ہیں، کیا انکو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیا کپڑا جو استعمال نہ کیا گیا ہو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، مگر بازار میں جس قیمت میں فروخت کیا جائیگا، وہی قیمت لگانا ضروری ہے۔

تمليك خرج الإباحة فلو أطعم يتيما ناويا الزكوٰة لايجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه ،أى كما يجزئه لو كساه . (شامی مع الدر المختار، كتاب الزكاة، كراچی ۲/۲۷۵،زكريا۳/۱۷۱)

الزكاة يجب فيها تمليك المال، لأن الإيتاء فى قوله تعالىٰ " وآتو الزكاة ". (البقره: ۴۳) يقتضى التمليك ، ولاتتأدى بالإباحة . (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۲/۱۸)

فلو أطعم يتيما ناويا به الزكاة لاتجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه . (حاشية الطحطاوى على المراقى ، كتاب الزكاة ، دارالكتاب ديوبند/ ۷۱۴)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍۲؍۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۲؍۱۴۲۴ھ

استعمال شدہ کپڑا زکوٰۃ میں دینا

سوال: [۴۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) میرے پاس کچھ کپڑے سلے ہوئے ایسے ہیں جو میں نے ایک یا دو بار پہنے ہیں، ایک دو بار دھل بھی چکے ہیں، کیا ان کی قیمت گھٹا کر زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں؟

(۲) کچھ کپڑے سلے ہوئے ایسے بھی ہیں، جو پہنے ہوئے نہیں ہیں بالکل نئے ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں؟

المستفتي: مشتاق احمد، لکھنؤ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بہت گھٹیا چیز زکوٰۃ میں دینا درست نہیں ہے، بلکہ درمیانی اور اوسط درجہ کی چیز دینی چاہئے، اسلئے مسئولہ صورت میں جو کپڑا دو تین بار پہنا جا چکا ہے، اس کو زکوٰۃ میں دینا صحیح نہیں، کیونکہ جو چیز بھی ایک مرتبہ استعمال کرلی جاتی ہے، وہ گھٹیا ہی شمار ہوتی ہے۔

عن عبد الله بن معاوية ، قال: قال النبي ﷺ : ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الإيمان –إلىٰ– وأعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه كل عام ولايعطى الهرمة ولا الدرنة ولا المريضةولا الشرط اللئيمة ولكن من وسط أموالكم فإن الله لم يسألكم خيره ولا يأمركم بشره . (سنن ابي داؤد ، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة ، النسخةالهندية ۱/ ۲۲۳، دارالسلام رقم: ۱۵۸۲)

إن الساعی ليس له أن يأخذ خيار الأموال بل يأخذ الوسط بين الخيار والردى. (عمدة القاری ، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة ، زكريا ٦/ ۳۲۸، دارإحياء التراث العربي بيروت ۸/ ۲۳۸)

(۲) نیا کپڑا جو استعمال نہ کیا گیا ہو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، مگر بازار میں جس قیمت

میں فروخت کیا جائیگا وہی قیمت لگانا ضروری ہے۔

ھی تملیک خرج الإباحة فلو أطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لایجزیه إلا إذا دفع إلیه المطعوم کمالو کساہ أی کما یجزئه لو کساہ الخ. (شامی مع الدر المختار، کتاب الزکاۃ، کراچی ۲/ ۲۵۷، زکریا۳/ ۱۷۱)

فلو أطعم یتیما ناویا به الزکاۃ لاتجزیه إلا إذا دفع إلیه المطعوم کما لو کساہ . (حاشیة الطحطاوی علی المراقی، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۱٤)

فالکسوۃ لاشک أنه یجوز لو جود الرکن وھو التملیک فیھا وفی الملتقط: وعلیه الفتویٰ. (التفاویٰ التاتار خانیة، کتاب الزکاۃ، الفصل الثامن فی من توضع فیه الزکاۃ، زکریا۳/ ۲۱٤، رقم: ٤١٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/۲/ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۳۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۲/ ۱۴۲۴ھ

مستعمل کپڑے زکوٰۃ میں دینا

سوال: [۴۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مستعمل کپڑے جو دھوبی کے یہاں کے دھلے ہوئے ہوں کپڑوں کی شکل بھی اچھی ہو نئے کپڑوں کی قیمت سے کم کر کے زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: اہلیہ محمد ناصر، بھٹی محلّہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی استعمالی چیزیں شرعاً ادنیٰ اور گھٹیا مال میں شمار ہوتی ہیں، ایسی چیزوں کو زکوٰۃ میں دینے سے شریعت نے منع کیا ہے۔

عن عبد اللہ بن معاویة، قال: قال النبی ﷺ: ثلاث من فعلھن فقد طعم طعم الإیمان –إلیٰ– وأعطی زکاۃ ماله طیبة بھا نفسه رافدۃ علیه کل عام ولایعطی الھرمة ولا الدرنة ولا المریضةولا الشرط اللئیمة ولکن من

وسط أموالكم فإن الله لم يسألكم خيره ولا يأمركم بشره . (سنن ابي داؤد، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة ، النسخةالهندية ۱/ ۲۲۳، دارالسلام رقم: ۱۵۸۲)

ويحرم على رب المال إخراج شرالمال الخ. (نووی ۱/ ۳۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۱۴ھ

زکوٰۃ میں بری کا استعمالی کپڑا دینا

سوال: [۴۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نئی شادی شدہ لڑکی ہے اسکو جو جوڑا دیا گیا تھا، اس نے اس کو ایک دو دفعہ استعمال کیا اور رکھدیا پھر نہیں پہنا، اب محلّہ میں غریب لڑکی کی شادی ہو رہی ہے، اس کی شادی میں اپنا استعمالی جوڑا بطور زکاۃ دینا چاہتی ہے تو کیا وہ جوڑا زکاۃ میں دیا جا سکتا ہے؟ اگر دیا جا سکتا ہے تو اسکی کیا قیمت لگے گی؟ مفصل بیان فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بری کے جوڑے کو استعمال کرنے کے بعد زکاۃ میں دینا درست ہے، اور استعمال کرنیکی وجہ سے اسکی جو قیمت کم ہوگئی ہے، کپڑے کی قیمت میں سے اتنی مقدار مجرا کر کے زکوٰۃ میں کم کرنا لازم ہے، مثلاً جوڑا ایک ہزار کا ہے، اور استعمال کی وجہ سے اس کی قیمت پانچ سو روپیہ رہ گئی ہے، تو زکوٰۃ کے طور پر دینے سے پانچ سو روپئے کا شمار ہوگا۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۲/ ۱۲، آپ کے مسائل اور انکا حل ۵/ ۱۳۱)

لو عال يتيما فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التمليك . (البحرالرائق ، كتاب الزكاة، كوئٹه ۲/ ۲۰۱، زكريا ۲/ ۳۵۳)

المـال الذى تجب فيه الزكاة أدى زكاته من خلاف جنسه أدى قدر قيمة الواجب . (هندیه ، کتاب الزکاة، الباب الثالث فی زکاة الذهب ...... الفصل الثانی فی العروض زکریا ۱/ ۱۸۰، جدید مطول ۱/ ۲٤۲)

وأجـمعوا أنه لو أدّى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ۲/ ۲۹۷، زکریا۳/ ۲۲۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۶۹)

استعمال شدہ کپڑے اور برتن زکوٰۃ میں دینا

سوال: [۴۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جو کپڑے سلے ہوئے استعمال میں آچکے ہوں ان کو وقت کے لحاظ سے کم قیمت لگا کر زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، اور جو برتن ٹوٹے ہوئے نہ ہوں مستعمل ہوں تو ان کو زکوٰۃ میں دے سکتے ہیں، برائے مہربانی تفصیل سے ان مسئلوں کا جواب لکھ دیجئے؟

المستفتي: محمد ناصر، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: استعمالی کپڑے اور استعمالی ٹوٹے ہوئے برتن وغیرہ انسان کے بالکل ادنیٰ اور گھٹیا مال ہیں اور حدیث شریف میں زکوٰۃ میں خراب اور گھٹیا مال دینے سے سخت ممانعت آئی ہے، بلکہ اوسط درجہ کا مال دینے کا حکم وارد ہوا ہے، اسلئے ایسا مال زکوٰۃ میں دینے سے زکوٰۃ دہندہ گناہ گار ہوگا، ہاں البتہ ان کو فروخت کر کے قیمت زکوٰۃ میں دی جائے تو جائز اور درست ہے۔

عن عبد الله بن معاوية ، قال: قال النبى صلى الله عليه وسلم :

ثلاث من فعلهن فقد طعم طعم الإيمان –إلىٰ– وأعطى زكاة ماله طيبة بها نفسه رافدة عليه كل عام ولايعطى الهرمة ولا الدرنة ولا المريضةولا الشرط اللئيمة ولكن من وسط أموالكم فإن الله لم يسألكم خيره ولا يأمركم بشره . (سنن ابي داؤد ، كتاب الزكاة، باب فى زكاة السائمة ، النسخة الهندية ۱/۲۲۳، دارالسلام رقم: ۱۵۸۲)

ويحرم على رب المال إخراج شرالمال الخ. (نووى ۱/۳۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۸/ ۳۱۵۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۴/۲۳ھ

زکوٰۃ میں رقم کے بجائے کپڑا، برتن وغیرہ دینا

سوال: [۴۲۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ میں رقم کے بجائے برتن کپڑا دیا جاسکتا ہے یانہیں؟

المستفتي: روشن جہاں،ابومنصور کمپنی،محلہ بھٹی، ضلع: مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق :اگر کپڑا اور برتن کی قیمت بازاری بھاؤ کے اعتبار سے کم نہیں ہے،تو دیا جاسکتا ہے ۔(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۱۲،احسن الفتاویٰ ۴/۲۹۲)

وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة الخ. (شامى، كتاب الزكاة، باب زكاة المال كراچى ۲/۲۹۷، زكريا۳/۲۲۷)

المال الذى تجب فيه الزكاة، إن أدى زكاته من خلاف جنسه أدى قدر قيمة الواجب . (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الثالث فى زكاة الذهب والفضة ،

الفصل الثانی فی العروض زکریا۱/ ۱۸۰، جدید مطول ۱/۲۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۷۸)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب بچوں کو کپڑے اور کتابیں دینا

سوال: [۴۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ تقریباً ڈیڑھ سال سے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا ہے، ماشاء اللہ بچے ایک سو سے زائد ہیں مگر فی الحال بیرونی بچوں کا داخلہ مصلحتاً نہیں لیا گیا ہے، مقامی بچوں میں بھی بہت سے بچے غریب ہوتے ہیں، تو ایسے کمزور بچوں کو کپڑے اور کتابیں مال زکوٰۃ وصدقات واجبہ وچرم قربانی کی رقم سے خرید کردے سکتے ہیں؟

المستفتي: محمد نونس، مہتمم: مدرسہ طارق ابن زیاد، احمد گڑھ، سنگرور، صوبہ: پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ صدقات واجبہ اور چرم قربانی کی رقم سے غریب نادار طلبہ کو کپڑے اور کتابیں خرید کر مالک بنادینا جائز ہے۔

والأوجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخصاً لجواز سؤاله من الزكاة وغيرها وإن كان قادراً على الكسب. (شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف زکریادیوبند۳/ ۲۸۶، کراچی ۲/ ۳۴۰، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۸/ ۳۳۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۰۸۴)

بعد التملیک زکوٰۃ کی رقم سے تبلیغی حضرات کیلئے لحاف سلوانا

سوال: [۴۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں الحمد للہ تبلیغی جماعتوں کا سلسلہ ہے باہر سے آنے والی جماعتیں بعض علاقوں میں موسم گرم ہوتا ہے، اور اس وقت یہاں ٹھنڈی ہوتی ہے، تو ان کیلئے بمد زکوٰۃ تملیک کرا کر لحاف گدے بنائے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمایا جائے؟ نوازش وکرم ہوگا؟

المستفتي: فرزند علی، ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حیلۂ تملیک ہر دینی کام کیلئے جائز نہیں ہے بلکہ اس کیلئے شرط یہ ہے، کہ ایسا دینی کام ہو جس کے بغیر اسلامی معاشرہ خطرہ میں پڑ سکتا ہے اور زکوٰۃ کا پیسہ اس میں خرچ کئے بغیر چلنا ممکن نہ ہو تب حیلۂ تملیک کر کے اس میں رقم صرف کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، اور مذکورہ صورت میں تبلیغ کی تحریک پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا وہ بدستور جاری رہے گی، اسلئے مذکورہ صورت میں حیلۂ تملیک جائز نہ ہوگا۔

ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القاری، دار احياء التراث العربي بيروت ۲۴/ ۱۰۹، جديد زكريا ديوبند ۱۶/ ۲۳۹)

نیز اس بارے میں مرکز سے منسلک ذمہ دار علماء حضرات سے مشورہ کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۷۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۱۲ھ

زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے مسلمانوں کی حفاظت کی غرض سے اسلحے خرید نا

سوال: [۴۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا زکوٰۃ وصدقات کی رقم سے دین کی حفاظت ومسلمانوں پر ہونے والے مظالم سے بچنے کیلئے اسلحہ وغیرہ خرید سکتے ہیں، یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد قاسم، محلّہ لال باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے ذریعہ سے اسلحہ خریدنا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اسلئے کہ اداء زکوٰۃ کیلئے تملیک فقراء شرط ہے، اور یہاں یہ مفقود ہے، لہٰذا بناء مسجد اور حج وجہاد وغیرہ میں زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لاإباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامي كبناء القناطير والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه . (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳۴۴، زكريا۳/۲۹۱)

وعلى هذا يخرج صرف الزكاة إلىٰ وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقايات ، وإصلاح القناطر ، وتكفين الموتىٰ ودفنهم أنه لايجوز ، لأنه لم يوجد التمليك أصلاً. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل في اركان الزكاة زكريا ديوبند ۲/۱۴۲)

الزكاة يجب فيها تمليك المال ، لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ وآتوا الزكاة. (البقرة : ۴۳)

یقتضی التملیک ، ولا تتأدی بالإباحة . (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، زکریادیوبند ۲/۱۸ ۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۳۶)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب شخص کو سامان خرید کر دینا

سوال: [۴۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جھگڑے کے دوران اگر ہم زکوٰۃ کے پیسے سے کسی مسلمان کی کسی طرح کی امداد کرنا چاہیں، تو وہ جائز ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ کی رقم سے کوئی سامان خرید کر کسی غریب کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: حاجی محمد حنیف صاحب محلّہ کچا باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر وہ مسلمان غریب نادار مستحق زکوٰۃ ہے تو زکوٰۃ کے پیسے سے امداد جائز ہے اور اگر مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تو جائز نہیں ہوگا، اور نہ ہی زکوٰۃ ادا ہوگی۔

عن ابن عمر ، عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني الحديث: (سنن الترمذی، کتاب الزکاۃ، با ماجاء من لاتحل له الصدقة ، النسخة الهندية ١/ ١٤١ ، دارالسلام رقم: ٦٤٧)

لایجوز صرف الزكاة إلى الغني لعموم قوله تعالىٰ : إنما الصدقات للفقراء . (التوبة: ٦٠)

وقول النبی صلی اللہ علیه وسلم : لاتحل الصدقة لغني. (بدائع الصنائع ،کتاب الزکاۃ، فصل فی مصارف الزکاۃ زکریا دیوبند ۲/ ۱۵۷)

ولا إلىٰ غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال

الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۲۹۵، کراچی ۲/ ۳۴۷)

اگرغریب مسلمان کوزکوٰۃ کے پیسہ سے سامان خرید کردیا جائے توزکوٰۃ ادا ہوجائے گی اوراس میں سامان کی قیمت کا اعتبار کرنا ہوگا۔

اما إذا أدى من خلاف جنسه فالقيمة معتبرة الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الغنم زکریا۳/ ۲۱۱، کراچی ۲/ ۲۸۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۲۳)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب کو حج کرانا

سوال: [۴۲۷۶]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا میں کسی غریب کوزکوٰۃ کی رقم دیکر حج کی ترغیب دلاسکتا ہوں کہ تم چاہو تو اس رقم سے حج کرسکتے ہوتم اسکے مالک ہو؟

المستفتي: عبدالکریم، الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جی ہاں اورخیر کی ترغیب دینے میں الگ سے ثواب بھی ملے گا۔

عن سهل بن سعد قال: قال رسول الله ﷺ: الدال على الخير كفاعله. (المعجم الکبیر للطبرانی، داراحیاء التراث العربی ۶/ ۱۸۶، رقم: ۵۹۴۵، ۱۷/ ۲۲۷، رقم: ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۱)

لیکن مقدار نصاب سے زائد دینے کی کراہت بھی لازم آئے گی۔

ويكره لمن عليه الزكاة أن يعطى فقيراً مائتى درهم أو أكثر ولو

أعطیٰ جاز ، وسقط عنه الزكاة . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل فی مصارف الزكاة ، زكريا ۲ / ۱٦۰)

وكره إعطاء فقير نصابا أو أكثر. (الدرالمختار ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، مطلب فی الحوائج الاصلية كراچی ۲ /۳۵۳، زكريا۳/ ۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ررمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۲)

زکوٰۃ کی رقم سے قرآن کریم اور دینی کتابیں خرید کر تقسیم کرنا

سوال: [۴۲۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب ثروت ہے حولان حول کے بعد ماوجب رقم بنیت زکوٰۃ علیحدہ کردی ہے، پھر یہ خیال آیا کہ اسی رقم سے (جو بنیت زکوٰۃ علیحدہ کردی ہے) کلام پاک وغیرہ خرید کر دیدوں تو اس میں زیادہ بہتر ہے تو اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مزکی کی بنیت زکوٰۃ علیحدہ کردہ رقم کو ازیں قبل کہ کسی فقراء ومساکین کو مالک بنائے تصرف کا حق ہے کہ نہیں؟ مثلاً کلام پاک یا دینی کتابیں یا کپڑا خرید کر فقراء ومساکین ہی کو دیدیا جائے، تو درست ہے کہ نہیں؟

المستفتي: عارف حسین، بابوگنج، پرتاپ گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: جی ہاں مدز کوٰۃ کی رقم سے قرآن کریم یا دینی کتابیں خرید کر مستحق کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی ،اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۳)

وفی سبيل الله وهو منقطع الغزاة ، وقيل: الحاج، وقيل: طلبة العلم.

(درمختار ، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ۳ /۲۸۹، كراچی ۲ /۳۴۳، مراقی الفلاح

مع حاشية الطحطاوى ، كتاب الزكاة، باب المصرف دارالكتاب ديوبند/ ٧٢٠، الفتاوىٰ التاتارخانية ،كتاب الزكاة ، الفصل الثامن فى من توضع فيه الزكاة زكريا ٣/ ٢٠٤ ، رقم: ٤١٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۴۹ ۵۵)

زکوٰۃ کی رقم سے فیس ادا کرنا

سوال: [۴۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بہار کے سیلاب زدہ علاقہ میں ایک گاؤں کا رہنے والا ہے، گاؤں میں ہی زید کے پاس ڈھائی بیگہ زمین ہے، کھیتی کسانی ہرسال سیلاب سے متاثر ہوتی ہے، گاؤں میں رہنے سہنے کیلئے زید کے پاس کچا مکان بھی ہے، زید نے اپنے گاؤں کی ڈھائی بیگہ زمین بٹائی پر دیدی ہے اور زید مرادآباد میں آکر پرائیویٹ نوکری کرتا ہے، جس میں زید کو سات ہزار روپیہ مہینہ کی تنخواہ ملتی ہے کبھی اگر زید چھٹی لیکر اپنے وطن کو جاتا ہے، تو اس کی تنخواہ نہیں ملتی ہے، سیلاب کی زد سے بچنے کے بعد بٹائی دار جو بھی اناج آدھا حصہ میں بانٹ کر دیتا ہے، اس اناج سے اور تنخواہ کے روپئے سے زید اپنے گھر کے اخراجات مع بیوی بچوں کے نبھاتے ہوئے چل رہا ہے، اسی سے بچوں کی پڑھائی لکھائی بھی چل رہی ہے، زید کی ایک ۱۲؍سال کی بیٹی ہے جو مرادآباد کے ایک دینی مدرسہ کے ہوسٹل میں رہ کر دینی تعلیم حاصل کر رہی ہے، ہوسٹل کا خرچہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ہوسٹل کا خرچہ پورا نہیں ہو پارہا ہے، زید کی بیٹی ایک پردیسی بچی ہے، ایسی صورت میں زکوٰۃ کے پیسے سے زید کی بیٹی کے ہوسٹل کا خرچہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ کا پیسہ جو بھی دیا جائے گا، وہ زید کی بیٹی کے ہی ہاتھ سے مدرسہ میں دیا جائیگا، زید کو اس پیسے سے کوئی مطلب نہیں رہے گا، کیا ایسی صورت میں ایک پردیسی بچی ہونے کے ناطہ زید کی بیٹی زکوٰۃ کے پیسے

سے دینی تعلیم پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد عمر مقام گھواں، ڈگروا، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ لڑکی بالغ ہو چکی ہے اور وہ نصاب زکوٰۃ کی مالک نہیں ہے تو براہ راست زکوٰۃ کا پیسہ اس کے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے، اور وہ مدرسہ میں کھانے وغیرہ کی فیس میں وہ پیسہ جمع کر سکتی ہے، اور اگر نابالغ ہے تو بالغ آدمی اس کی طرف سے وکیل بن کر اس کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ لیکر اس کے کھانے اور خرچہ وغیرہ کی تعلیمی فیس مدرسہ میں دیدے تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ جدید ۹/ ۵۳۵)

إذا دفع الزكاة إلىٰ الفقير لايتم الدفع مالم يقبضها، أويقبضها للفقير من لهٗ ولاية عليه نحو الأب والوصي يقبضان للصبي والمجنون ...... ولوقبض الصغير وهو مراهق جاز وكذا لوكان يعقل القبض بأن كان لايرمي ولايخدع عنه . (هنديه قديم، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف، قبيل فصل ما يوضع في بيت المال أربعة انواع ١/ ١٩٠، جديد ١/ ٢٥٢)

فان لم يكن عاقلا فقبض عنه أبوه أو وصيه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو ملتقطه صح. (شامى، كتاب الزكاة، زكريا ٣/ ١٧١، كراچى ٢/ ٢٥٧، تاتارخانية كتاب الزكاة، الفصل الثامن فى من توضع فيه الزكاة زكريا ٣/ ٢١٢، رقم: ٤١٥٣، قديم ٢/ ٢٧٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰؍ شوال ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۱۰/۳۰ھ

زکوٰۃ کے روپئے سے ہنر سیکھنے کیلئے ماسٹر رکھنا

سوال: [۴۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ طالب علم جس کے لئے صدقہ وزکوٰۃ کا استعمال کرنا درست ہے اگر اسی پیسے سے کسی ہنر سکھانے

کیلئے ماسٹر رکھا جائے اور طالب علم خارج وقت میں اس ہنر کو سیکھے تو کیسا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: احقر نجیب الرحمٰن، بھاگلپوری، مدرس: مدرسہ فیض الاسلام، بروالان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ وصدقہ کے پیسے سے ہنر سکھانے کیلئے ماسٹر رکھنا جائز نہیں ہے، اور اس سے زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اسلئے کہ اس میں تملیک فقراء نہیں ہے، اور ادائے زکوٰۃ کیلئے تملیک فقراء شرط ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا الخ. (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳۴۴)

الزکاۃ فیھا یجب تملیک المال، لأن الإیتاء فی قولہ تعالیٰ وآتو الزکاۃ. (سورۃ البقرۃ:۴۳) یقتضی التملیک ولاتتأدی بالإباحۃ. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۲/۱۸)

فھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولامولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ للّٰہ تعالیٰ ھذا فی الشرع. (ھندیہ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول زکریا دیوبند۱/۱۷۰، جدید۱/۲۳۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۳؍صفر ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۵۴۶)

مدزکوٰۃ سے سید کا قرض ادا کرنا

سوال: [۴۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی سید ہاشمی اگر کسی شخص سے قرضہ لیکر مدرسہ میں اور مسجد وغیرہ میں یا کسی فقیر کو دے اور سید خود صاحبِ

نصاب نہ ہوتو سید کے کہنے سے سید کا قرضہ مدز کوٰۃ سے قرضدار کودیں تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یانہیں؟ نکتہ یہ سمجھنا ہے کہ سید کوز کوٰۃ لینا جائزنہیں عین زکوٰۃ کا مال سید کو ملتاہے بلکہ اس کا قرضہ قرضدار کوپہونچتاہے، اسکی گنجائش ہے یانہیں؟

المستفتي: عبد اللہ، مظفرنگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سید ہاشمی کا قرض مدز کوٰۃ سے ادا کرنا جائزنہیں ہے، اسلئے کہ اس میں سید کو مال زکوٰۃ کا مالک بنانا لازم آتا ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۲۴۲)

ہاں البتہ اس کیلئے ایک شکل یہ نکل سکتی ہے کہ کوئی فقیر شخص کسی سے قرض لیکر سید کا قرض ادا کرے پھر زکوٰۃ کی رقم وہی فقیر وصول کرکے اپنا لیا ہوا قرض ادا کردے۔

عن عائشة رضـ –إلى– فقلت هذا ما تصدق به على بريرة، فقال: هو لها صدقة، ولنا هدية. (صحيح البخاری، الزكاة، باب الصدقة على موالي أزواج النبی ﷺ، النسخة الهندية ۱/۲۰۲، رقم: ۱۴۷۱، ف: ۱۴۹۳)

عن عطاء بن يسار أن رسول الله ﷺ قال: .... أو لرجل كان له جار مسكين، فتصدق على المسكين فأهداها المسكين للغني. (سنن أبي داؤد، الزكاة، باب من يجوز له الصدقة وهو الغنى، النسخة الهندية ۱/۲۳۱، دارالسلام رقم: ۱۶۳۵، مسند أحمد بن حنبل ۳/۵٦، رقم: ۱۱۵۵۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۴/ رجمادی الاولی ۱۴۱۴ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۵۴)	۱۴۱۴/۵/۴ھ

شادی کیلئے زکوٰۃ کی رقم لینا

سوال: [۴۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک غریب بے سہارا اور یتیم لڑکی ہوں میرے والد صاحب لمبی بیماری کے بعد ۲۰۰۵ء میں انتقال کرگئے، ایک بھائی کی اسکول میں نوکری ہے میں خود ایک صاحب اختیار لوگوں

میں ملازمت کرتی ہوں (یعنی کمپیوٹر آپریٹری کی) مجھے خدمت انجام دیتے ہوئے ۱۲؍سال کا عرصہ ہوگیا لیکن حضرت میری تنخواہ بہت ہی کم ہے گذارہ بھی مشکل سے ہوتا ہے، جہاں میں نوکری کرتی ہوں ان صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کی شادی کا پورا خرچ ہم کریں گے، اور یہ وعدہ مالک صاحب نے اپنے دونوں بیٹوں اورفرم کے ملازم کے سامنے کیا تھا، اور مجھے اپنی بیٹی کہا تھا، اور جب تک حیات رہے بیٹی ہی سمجھا ہے، لیکن جناب عالی اب آپ سے عرض مدعا یہ ہے کہ میرے مالک صاحب کا ۲۰۰۷ء میں انتقال ہوگیا، اور میری شادی مارچ کے مہینے میں طے ہوگئی ہے جو کچھ پیسہ جمع تھا، وہ رشتہ کے سلسلہ میں اورشادی کی تاریخ میں خرچ کر چکا ہے، اوراللہ پاک کوحاضر جان کر کے عرض کررہی ہوں، کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے، کہ میں اس سے شادی کرسکوں میں نے ان کے بیٹے سے مدد کی اپیل کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ کیا تمہارے اوپر زکاۃ واجب ہے، (یعنی زکاۃ خرچ کی جاسکتی ہے)اور وہ میرے حالات جانتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو آپ کی اجازت چاہئے، اللہ نے انہیں بہت باحیثیت بنایا ہے، اور اللہ سے دعا ہے کہ ان کے رزق وروزی میں برکت فرمائے، آپ سے مؤدبانہ عرض ہے، کہ برائے کرم اپنی رائے سے مطلع کردیں؟ (ایک بیٹی)

المستفتي: آصف حسین، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس لڑکی کی شادی ہونی ہے، اگر وہ واقعتاً مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کے جہیز کے سامان اور زیورات وغیرہ کیلئے یک مشت زکاۃ کا پیسہ دے کر اسے مالک بنانا جائز ہے، لیکن اگر کسی ایک شخص نے اس طرح پیسہ دیدیا ہے تو وہ مالک نصاب ہوچکی ہے، اسلئے اب کسی دوسرے سے زکوٰۃ کے پیسے نہیں لے سکتی، لہٰذا اس بات کی رعایت کرتے ہوئے زکوٰۃ کا پیسہ دیا جاسکتا ہے، نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر زکوٰۃ کے پیسے لے کر شادی میں کھانا کھلایا جائے، تو اسمیں خود زکاۃ دینے والا بھی اپنی زکوٰۃ کا کھانا

کھائیگا، اگر چہ فتویٰ کی رو سے جائز ہے، لیکن تقویٰ کیخلاف ہے، اسلئے اس کی بھی احتیاط کرنی چاہیے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۴۶)

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة آيت: ٦٠)

مصرف الزكاة الخ هو فقير وهو من لهٗ أدنىٰ شيئى أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق فى الحاجة ومسكين من لاشيئى لهٗ . (شامى، كتاب الزكاة ، باب المصرف زكريا ديوبند٣/ ٢٨٣،٢٨٤، كراچى ٢/ ٣٣٩)

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً وكان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم لايخص كلا أولا يفضل بعد دينه نصاب فلا يكره . (شامى ، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب فى الحوائج الأصلية زكريا ديوبند٣/ ٣٠٣، كراچى ٢/ ٣٥٣، المحيط البرهاني ، كتاب الزكاة، الفصل الثامن يوضع فيه الزكا ة ، المجلس العلمي ٣/ ٢١٩، رقم : ٢٨٠٦،هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف ، زكريا ديوبند ١/ ١٨٨، جديد ١/ ٢٥٠)

عن سالم ، أن عبد الله بن عمر رضـ كان يحدث: أن عمر بن الخطاب رضـ تصدق بفرس فى سبيل الله ، فوجده يباع، فأراد أن يشتريه، ثم أتى النبى صلى الله عليه وسلم، فاستأمره فقال: " لاتعد فى صدقتك" فبذلک كان ابن عمر رضـ لايترک أن يبتاع شيئاً تصدق به إلا جعله صدقة. (بخارى، باب هل يشترى الرجل صدقته ، النسخة الهندية ١/ ٢٠١، ٢٠٢، حديث: ١٤٦٧، ف: ١٤٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۲/ ۱۴۳۱ھ

زکوٰۃ کی رقم غریب کی شادی میں دینا

سوال: [۴۲۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں امام صاحب تقریباً چوبیس سال سے ہیں آمدنی بھی مختصر ہے، عیال دار ہیں اب امام صاحب اپنی لڑکی کی شادی کررہے ہیں، عیال دار ہونے کی وجہ سے قرضدار بھی ہیں، حضرت سے معلوم کرنا یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی شادی کے موقع پر زکوٰۃ کی رقم سے ہم ان کی مدد کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر امام صاحب مستحق زکاۃ فقیر ہیں، تو ان کو زکاۃ کا پیسہ دینا اوران کیلئے لینا جائز اور درست ہے، اورزکاۃ کا پیسہ حاصل ہونے کے بعد وہ اپنی ضروریات میں کہیں بھی خرچ کرسکتے ہیں، چاہے اپنے اہل وعیال پر خرچ کریں یا بچی کی شادی میں خرچ کریں۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة آیت: ٦٠)

فی الدر: ومصرف الزكاة هو فقير وهو من لهٗ أدنیٰ شيئی أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق فی الحاجة ومسكين من لا شيئی لهٗ.

(درمختار مع الشامی، کتاب الزکاة باب المصرف کراچی ۲/۳۳۹، زکریا۳/۲۸۳، ۲۸٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/رجب ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۷۰)

زکوٰۃ کے پیسہ سے شادی کرانا

سوال: [۴۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک غریب آدمی ہے جس کی دولڑکیاں ہیں، اوراسکے پاس اتنا ذریعہ وپیسہ نہیں ہے جس سے کہ وہ ان دونوں لڑکیوں کی شادی کرسکے، اس شخص کے پاس نہ ہی کپڑا اور نہ ہی زیور وبرتن ہے جسکی وجہ سے ان دونوں لڑکیوں کی شادی میں تاخیر ہورہی ہے، لہٰذا اگر میں زکوٰۃ کا پیسہ ان دونوں

لڑکیوں کی شادی کی مد میں صرف کردوں تو میری زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ اس شخص کے پاس تھوڑا سا کپڑا ہے جو کہ اس مد کے لئے ناکافی ہے، مثلاً سات آٹھ جوڑے ایک لڑکی کے حق میں ہیں، جواب سے نواز کر شکریہ کا موقع دیں؟

المستفتی: عبدالمجید قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ غریب غیر صاحب نصاب ہے تو اس کو نصاب سے کم زکوٰۃ کا مالک بنا سکتے ہیں اسی طرح غریب کی بالغہ لڑکیوں کو بھی نصاب سے کم کی مالک بنا سکتے ہیں، جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کریں گی، البتہ مذکورہ صورت میں شادی کے لئے ایک لڑکی کے حق میں سات آٹھ جوڑے کافی ہیں، اسلئے شادی کی رسوم پوری کرنے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ ان غریب لڑکیوں کو نقدی مالک بنا دینا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۹۳)

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ لمعاذ بن جبل حين بعثه إلىٰ اليمن: إنک ستأتی قوماً أهل الكتاب فإذا جئتهم فادعهم إلىٰ أن يشهدوا أن لا إله إلا اللّٰه وأن محمدا رسول اللّٰه -إلىٰ- فإن هم اطاعوا لک بذلک فأخبرهم أن اللّٰه قد افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم وترد علىٰ فقرائهم ،الحديث: (صحيح البخاری، كتاب الزكاة، باب اخذ الصدقة من الأغنياء الخ۔ (النسخة الهندية ۱/۲۰۲، رقم: ۱٤۷٤، ف: ۱٤۹٦)

خذها من أغنيائهم وردها فی فقرائهم الخ. (الدر المختار ،كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/۳٤۲، كوئٹه ۲/٦٦، زكريا۳/۲۸۸)

وكره إعطاء فقير نصابا أو أكثر الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة باب المصرف ، مطلب فی الحوائج الاصلية كراچی ۲/۳۵۳، كوئٹه۲/۷٤، زكريا۳/۳۰۳)

يكره لمن عليه الزكاة أن يعطي فقيراً مائتی درهم أوأكثر ولو أعطى

جاز وسقط عنه الزکوٰة. (بدائع الصنائع، کتاب الکاة، فصل فی مصارف الزکاة زکریا۲/ ۱۶۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۸۲/۲۴)

غریب بچی کی شادی میں بقدر نصاب زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زینب ۸؍سالہ بیوہ ہے اس کے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں، لڑکا بڑا ہے شادی شدہ ہے سات ماہ سے اپنی سسرال میں رہ رہا ہے، بڑی لڑکی کی شادی ہوگئی ہے وہ بھی اپنی سسرال میں رہ رہی ہے، اب بیوہ کے پاس دو جوان لڑکیاں ہیں، بڑی جوان لڑکی کی شادی ہونے والی ہے، چونکہ مسماۃ کے پاس کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، وہ سلائی اورمزدوری کر کے اپنی اور بچیوں کی زندگی بسر کر رہی ہے، کیا بڑی لڑکی کی شادی کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، کیونکہ ۵؍ ہزار کی رقم پر صاحب نصاب ہونہ جائے رقم دس ہزار سے زائد کوئی صاحب دینا چاہتے ہیں؟

المستفتی: امیر النساء، لالباغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگراس کے پاس اب تک ساڑھے باون تولہ چاندی یااس کی قیمت کے برابر روپیہ وغیرہ نہیں ہے اور نہ ہی غلہ وغیرہ ہے، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت اس زمانہ میں تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہے، تو اسکی شادی کیلئے اکٹھے چار ساڑھے چار ہزار روپیہ دینا بلا کراہت جائز ہے، اور پانچ ہزار سے زیادہ دینا مکروہ ہے۔

وکره إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر الخ. (در مختار، کتاب الزکاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الاصلیة، زکریا دیوبند۳/ ۳۰۳، کراچی ۲/ ۳۵۳)

ويكره أن يدفع إلى رجل مائتي درهم فصاعداً ، وإن دفعه جاز .
(هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف زكريا ديو بند ۱/ ۱۸۸، جديد ۱/ ۲۵۰، هدايه ، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز، اشرفيه ديو بند ۱/ ۲۰۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۳۴)

بذریعہ چیک زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک متمول شخص ہے مدارس کا بھی تعاون کرتا ہے، وہ ایک مذہبی مدرسہ میں ماہانہ کچھ رقم زکوٰۃ کی دیتا ہے، اور ایک ہی مرتبہ پورے سال کی امداد کا چیک کاٹ دیتا ہے، ہر ماہ اتنی رقم جس کا مدرسہ والوں سے وعدہ ہے فلاں بینک سے لے لی جائے، اس میں زکوٰۃ کی رقم پر تملیک کی صورت پائی جا رہی ہے، یا نہیں؟ یہ رقم مدرسہ ماہ بماہ کیش کراتا رہتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو رہی ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد شعبان، بستوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت درست ہوگی جب مستحق زکوٰۃ کو وہ رقم ادا کر دی جائے، اور مستحق یا اس کا وکیل اس پر قبضہ کر لے اور چیک کاٹنے کی صورت میں زکوٰۃ کی رقم پر ذمہ داران مدرسہ کا قبضہ نہیں ہوتا ہے، لہٰذا محض چیک کاٹنے کی وجہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک ذمہ داران مدرسہ بینک سے رقم نکال کر اپنے قبضہ اور تحویل میں نہ لے لیں، نیز بینک میں بیلنس ختم ہو جانے یا کسی اور وجہ سے مدرسہ والوں کو وہ رقم نہ مل سکے تو زید پر دوبارہ زکوٰۃ کی ادائیگی لازم اور ضروری ہوگی اور بینک سے رقم نکال کر اس پر قبضہ کرنے کے بعد ادائے زکوٰۃ کی بات اس صورت میں ہے جب ذمہ

داران مدرسہ کومنجانب مدرسہ طلبہ کا وکیل تسلیم کرلیا جائے ،اور سوالنامہ میں جس شکل کا ذکر ہے اس سے تملیک نہیں ہوتی۔

ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء (وفی الشامیة) فلو ضاعت لاتسقط عنه الزكاة .(درمختار مع الشامی ،کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/ ۲۷۰، زکریا۳/۱۸۹)

إذا دفع الزكاة إلىٰ الفقير لايتم الدفع مالم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه . (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف زکریا ۱/ ۱۹۰، جدید۱/ ۲۵۲، البحرالرائق ، کتاب الزکاۃ، زکریا ۲/ ۳۶۹، کراچی ۲/ ۲۱۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴؍۷؍۱۴۲۶ھ

چیک کے ذریعہ دی گئی رقم زکوٰۃ کی ادائیگی کی تفصیل

سوال: [۴۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کو آنحضرت کی کتاب ایضاح النوادر حصہ دوم کے ایک مسئلہ میں طالب علمانہ شبہ ہے، جس کی بنیاد یقیناً عدم واقفیت وقلت علم ہے، مسئلہ یہ ہے کہ چیک کے ذریعہ دی گئی رقم زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کا حکم لگایا گیا ہے، جبکہ طالب علم نے چیک کو فیس میں جمع کرادیا ہو۔

شبہ یہ ہے کہ مہتمم نے جب طالب علم کو چیک دیا اور طالب علم نے اس پر قبضہ کیا تو کیا یہ قبض علی الدین کہلائے گا، جبکہ طالب علم کے بس میں نہیں ہے کہ وہ از خود جا کر چیک دے کر دین وصول کر سکے کیونکہ اس پر تو مہتمم کے دستخط ہوتے ہیں، نیز جب وہ قبض دین سے عاجز ہے اور چیک کو فیس میں جمع کرا کے گویا وہ مہتمم کو پہلے اپنی طرف سے قبضہ کا وکیل بنا رہا ہے، اور پھر مہتمم اپنی طرف سے اس پر قبضہ کریگا، تو کیا یہ قبض دین کی توکیل صحیح ہے، جبکہ طالب علم خود قبض دین سے عاجز ہے، غرض یہ کہ قبض سے عجز کے وقت بھی قبضہ متحقق

ہوجاتا ہے، نیز ایسے قبضہ کے بعد قبض کی توکیل صحیح ہے حضرت والا سے درخواست ہے کہ مکمل ومدلل، مفصل اور باحوالہ طریقہ سے اس طالب علمانہ شبہ کو رفع فرمائیں، جزاکم اللہ۔

المستفتي: محمد حذیفہ گجراتی، متعلم مظاہر العلوم، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفيق: چیک کی دو قسمیں ہیں۔(۱) ادارہ کے اندر اس کا اعتبار ہے حکومت اور عوام میں اسکا اعتبار نہیں ہے، تو یہ صحیح معنیٰ میں مال کا بدل نہیں، اگر آپ نے ایسا ہی چیک مراد لیا ہے تو ایضاح النوادر کی عبارت سے مطلب نکالنے میں مغالطہ ہے۔(۲) سرکاری چیک جو بینک ہی سے حاصل ہوسکتا ہے بڑے ادارہ اور فرم اور کمپنی کی رقم جب بینک میں جمع ہوجائے تو ادارہ بینک سے سرکاری چیکوں کی پوری پوری کاپی اور بک حاصل کرسکتا ہے، ایک ایک بھی کافی تعداد میں چیک ہوتا ہے، اگر مہتمم اور ذمہ دار اس پر طالب علم کا نام لکھ کر دستخط کردے اور ہر طالب علم اپنے دستخط کرکے دفتر میں جمع کردے تو طالب علم کی طرف سے ارباب دفتر بینک سے رقم نکال سکتے ہیں، نیز طلبہ بھی نکال سکتے ہیں، تو ایضاح النوادر میں اسی سرکاری چیک کا ذکر ہے اس سے صحیح طور پر تملیک ہوجاتی ہے، اور ایسی صورت میں قبضہ دین سے عاجز نہیں ہوتا اور طالب علم کی طرف سے ذمہ دار وکیل ہوتا ہے، اس لئے یہ شکل جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۳۷)

زکوٰۃ کی رقم مریض کی دوا یا تعمیر میں لگانا

سوال: [۴۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا زکوٰۃ کے پیسہ مریض کی دوا یا مکان کی تعمیر میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

مہربانی فرما کر شریعت کے لحاظ سے اس کے بارے میں فتویٰ سے آگاہ فرمائیں؟

المستفتي: حافظ سمیع الاسلام، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مریض اگر مستحق زکوٰۃ ہے اس کے علاج میں زکوٰۃ کا پیسہ بطور تملیک لگایا جا سکتا ہے، لیکن تعمیر مکان میں لگانا جائز نہیں ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحۃ کمامر لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳۴۴، زکریا ۳/۲۹۱)

الزکاۃ یجب فیھا تملیک المال، لأن الإیتاء فی قولہ تعالیٰ وآتوا الزکاۃ. (البقرہ: ۴۳)

یقتضی التملیک ولا تتأدی بالإباحۃ. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند ۲/۱۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۶۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۵/۱۱ھ

زکوٰۃ کی رقم سے اسپتال میں غرباء کا علاج کرانا

سوال: [۴۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ

کی رقم سے ایک اسپتال میں غرباء کا علاج کرنا مقصود ہے اسپتال کے ذمہ داران ایک وکالت نامہ کا فارم چھپوانا چاہتے ہیں، جس میں یہ جملہ تحریر ہو، ''میں فقیر و مسکین ہوں اسپتال کی طرف سے مقررہ فیس ادا نہیں کرسکتا، اسلئے میں ذمہ دار اسپتال کو اپنی طرف سے اتنی رقم وصول کرنے اور میرے لئے علاج کا نظم کرنے کا وکیل بناتا ہوں''، اس فارم پر مریض کے دستخط لے لئے جائیں گے اور اسپتال کے ذمہ داران زکوٰۃ وصول کرکے اس کے ذریعہ سے مریضوں کے علاج کے اخراجات پورے کریں کیا شرعاً یہ طریقہ درست ہے اور اس طریقہ سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائیگی یا نہیں؟ کیا اس میں اس بات کی گنجائش ہے کہ رمضان میں زکوٰۃ وصول کرلی جائے، اور پھر سال بھر مریضوں کا علاج کیا جاتا رہے، اور یہی طریقہ اسکول کی تعلیم کے اخراجات کے سلسلہ میں اختیار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

مستفتي: عبداللہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے مستحق زکوٰۃ مسلمان فقیر کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا کر دینا ضروری ہے، اور مسئولہ صورت میں مستحق اور غیر مستحق کی تعیین ممکن نہیں ہے، اسی طرح مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی تمیز نہیں ہے، لہٰذا اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر زکوٰۃ کی رقم براہ راست مستحق زکوٰۃ فقیر کو دیدی جائے، جس کو وہ اپنے علاج ومعالجہ میں بااختیار طور پر خرچ کرلے تو یہ جائز ہوگا، اسی طرح اسکولی بچوں کے مستحق زکوٰۃ سرپرستوں کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے، جس سے وہ بچوں کی تعلیمی ضروریات یا اپنی ذاتی ضروریات میں آزادانہ طور پر صرف کریں، تو یہ جائز ہے اس پر زکوٰۃ دہندگان کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہونی چاہئے، لہٰذا سوالنامہ میں درج شدہ صورت میں زکوٰۃ کے پیسہ کو رمضان یا غیر رمضان میں جمع کرنا بے موقع اور بے محل ہے اس سے احتیاط ضروری ہے خود زکوٰۃ دہندگان کو ایسے مواقع میں زکوٰۃ دینے سے احتیاط کرنی چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (التوبة: ٦٠)

عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني ، الحديث: (سنن الترمذی ، الزکاة، باب ماجاء من لاتحل له الصدقة ، النسخة الهندیه ۱/ ۱٤۱، دارالسلام رقم: ٦٤٧)

لایجوز صرف الزکاۃ إلی الغني ..... لعموم قوله تعالیٰ إنما الصدقات للفقراء وقول النبی ﷺ : لاتحل الصدقة لغني. (بدائع الصنائع ، کتاب الزکاۃ،فصل فی مصارف الزکاۃ زکریادیوبند-/۲ ١٥٧)

الزکاۃ هی تملیک جزء مال عینه الشارع وهو ربع عشر نصاب حولي من مسلم فقیر . (تنویر الأبصار مع الدرالمختار ، کتا ب الزکاۃ، زکریا ۳/ ۱۷۰تا ۱۷۲، کراچی ۲/ ۲٥٦تا ۲٥٨)

ومنها أ ن یکون مسلما ، فلا یجوز صرف الزکاۃ إلی الکافر بلا خلاف لحدیث معاذ" خذها من أغنیائهم ورد ها فی فقر ائهم " أمر بوضع الزکاۃ فی فقراء من یؤ خذ من أغنیائهم وهم المسلمون فلا یجوز وضعها فی غیرهم . (بدائع الصنائع ، کتاب الزکاۃ ، فصل فی مصارف الزکاۃ زکریا ۲/ ١٦١، صحیح البخاری ، کتاب الزکاۃ ، باب أخذ الصدقة من الأغنیاء الخ ، النسخةالهندیة ۱/ ۲۰۲، رقم: ١٤٧٤، ف: ١٤٩٦)

ولا تدفع إلی ذمي ولا إلیٰ غني یملک قدر نصاب . (شامی، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤٧،۳٥۱، زکریادیوبند۳/ ۲۹٥،۳۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۵۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۹ھ

زکوٰۃ کی رقم سے پتھری کی دوا منگا کر تقسیم کرنا

سوال: [۴۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد اپنی

زکوٰۃ کی رقم کما حقہ ادا کرتا ہے، رمضان المبارک میں وغیر رمضان المبارک میں بھی لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت کچھ رقم اس میں سے بچا لیتا ہے، اور اس رقم سے غیر ملک مثلاً جرمنی دبئ وغیرہ سے پتھری کی دوا منگوا کر لوگوں میں تقسیم کرتا ہے، جو دوا خالد لوگوں میں تقسیم کرتا ہے، اس میں ہندو مسلم کسی کی تمیز نہیں جو لوگ آتے ہیں، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان حسب ضرورت دوا لے جاتے ہیں، اور انہیں فائدہ بھی ہو جاتا ہے، تو کیا زکوٰۃ کی رقم بچا کر دوا منگوانا اور تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ خالد کا یہ عمل کئی سالوں سے ہے؟

المستفتي: محمد شاہد، پاکبڑہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے مسلمان مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر رقم ادا کرنا لازم ہے، اور مذکورہ صورت میں غیر مسلم ہندو، مسلمان مستحق اور غیر مستحق سب کے درمیان بلا امتیاز دوا تقسیم ہو جاتی ہے، لھذا خالد کا یہ عمل شرعی طور پر درست نہیں ہے، کیونکہ غیر مسلموں اور غیر مستحق زکوٰۃ مسلمان کو زکوٰۃ ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، حالانکہ مسئولہ صورت میں زید خود بھی جانتا ہے کہ وہ غیر مسلم اور مسلمان مستحق غیر مستحق سب کو بلا امتیاز دے رہا ہے، اس لئے مذکورہ طریقہ پر زکوٰۃ کے پیسے سے دوا تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ومنها : أن يكون مسلما فلا يجوز صرف الزكاة إلى الكافر بلا خلاف لحديث معاذ " خذها من أغنيائهم و ردها في فقرائهم " أمر بوضع الزكاة في فقراء من يؤخذ من أغنيائهم وهم المسلمون فلا يجوز وضعها في غير هم . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة ، فصل في مصارف الزكاة ، زكريا ديوبند ٢/ ١٦١ ، صحيح البخاري ، كتاب الزكاة ، باب أخذ الصدقة من الأغنياء الخ، النسخة الهندية ١/ ٢٠٢ ، رقم: ١٤٧٤ ، ف: ١٤٩٦)

الزكاة هي تمليك جزء عينه الشارع من مسلم فقير . (شامي ، كتاب

الزکاة، کراچی ۲/۲۵۷، زکریا ۳/۱۷۲، هندیه، کتاب الزکاة، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها وشرائطها زکریا ۱/۱۷۰)

ولا تدفع إلیٰ ذمي. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الأصلیة کراچی ۲/۳۵۱، زکریا ۳/۳۰۱)

لو دفع بلا تحر بأن لم یخطر بباله أنه مصرف أولا لم یجز إن أخطأ أی تبین له أنه غیر مصرف. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف مطلب فی الحوائج الأصلیة کراچی ۲/۳۵۳، زکریا ۳/۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۱/۱۹ھ

غریب کا قرض اپنی زکوٰۃ کی رقم سے ادا کرنا

سوال: [۴۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا ایک رشتہ کا بھائی ہے وہ کافی غریب ہے انھوں نے لڑکی کی شادی کی تھی، جس میں ان کو بطور قرض کے کچھ رقم دی تھی لیکن وہ رقم ادا نہ کر سکے وہ رقم میں نے معاف کردی اور بھی لوگوں کا ان پر قرض ہے، وہ اس قابل نہیں کہ وہ ادا کرسکیں تو کیا میں اپنی زکوٰۃ کے پیسہ سے ان کا قرض ادا کرسکتی ہوں، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مطلع فرمائیں۔

المستفتي: اہلیہ حاجی سراج احمد
مرچنٹ محلّہ اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی ہاں ان سے اجازت لیکر ان کی طرف سے وکیل بن کر آپ اپنی زکوٰۃ کی رقم سے ان کا قرض ادا کرسکتی ہیں، اس سے قرض بھی ادا ہوجائیگا، اور

آپ کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۱۳، احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۵۰)

أما إذا كان بإذنه وهو فقير فيجوز عن الزكاة على أنه تمليك منه ، والدائن يقبضه بحكم النيابة عنه ، ثم يصير قابضاً لنفسه . (فتح القدير ، الزكاة ، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز زكريا۲/ ۲۷۲، کوئٹہ ۲/ ۲۰۸، دارالفکر ۲/ ۲٦۸، حاشية چلپی علی تبیین الحقائق ، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۳۰۰، زکریا ۲/ ۱۲۰، شامی زکریا دیوبند۳/ ۲۹۲، کراچی ۲/ ۳٤۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۲۲)

قرضدار سے زکوٰۃ کی رقم لیکر قرضہ کی ادائے گی

سوال: [۴۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بکر کا مقروض ہے اور زید کے پاس بکر کے قرض کی ادائیگی کے لئے کوئی شکل وصورت نہیں ہے، بحالت مجبوری کیا زید بکر سے ماہ رمضان شریف کی زکوٰۃ حاصل کرنے کے بعد بکر کا قرض ادا کرسکتا ہے؟ مفصل ومدلل بیان فرمائیں؟

المستفتي: محمد لقمان، دریبہ پان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں زید کا بکر کی زکوٰۃ پر قبضہ ہوجانے کے بعد زید اس مال سے بکر کا قرض ادا کرسکتا ہے۔

وأداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لايجوز وحيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكوته ثم يأخذها عن دينه الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة کوئٹہ ۲/ ۱۳، کراچی ۲/ ۲۷۱، زکریادیوبند۳/ ۱۹۰، ۱۹۱، الموسوعة الفقهية

الکویتیة ۲۴۵/۳٦، الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الحیل، الفصل الثالث في مسائل الزکاۃ، زکریا دیوبند ٦/۳۰۱، جدید٦/۳۹٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ررمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹٦/۲۴)

مقروض کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال: [۴۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے چاروں مکان ۱۴ر لاکھ میں فروخت ہوں گے، مجھ پر دو لاکھ قرضہ بھی ہے، اور مجھے اپنے ذاتی مکان کی تعمیر کیلئے تقریباً ٦ر لاکھ روپیہ چاہئے، اور کم از کم ایک لاکھ روپیہ میرے لڑکے کی شادی کا خرچ ہے تو میں زکوٰۃ کس طرح ادا کروں مکمل ۱۴ر لاکھ کی یا ۷ر لاکھ ضرورت اصلیہ اور ۲ر لاکھ قرضہ کی رقم منہا کرکے ۵ر لاکھ کی زکاۃ ادا کروں؟

المستفتي: مولوی محمد زبیر، احمد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس وقت آپ چودہ لاکھ روپئے میں مکانات فروخت کریں گے تو اس وقت دو لاکھ قرضہ کی رقم منہا کرکے بقیہ بارہ لاکھ روپئے کی زکاۃ ادا کریں گے، اور ذاتی مکان کی تعمیر اور لڑکے کی شادی میں خرچ کرنے کیلئے جس رقم کی آپ کو ضرورت ہے اس کو منہا کرنا درست نہیں ہے، اسلئے کہ لڑکے کی شادی اور مکان کی تعمیر کا جو خرچہ ہے وہ خرچ ہو جانے سے پہلے پہلے خرچہ میں شمار نہیں ہے، اسلئے اس کی زکوٰۃ لازم ہے۔

ومدیون للعبد بقدر دینه فیزکی الزائد إن بلغ نصاباً. (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/۲٦۳، زکریا۳/۱۸۰)

إذا أمسکه لینفق منه کل مایحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه

نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي ، وإن كان قصدهٗ الإنفاق منه أيضاً في المستقبل . (شامی، کتاب الزکاۃ، مطلب فی زکاۃ ثمن المبیع وفاء کراچی ۲/ ۲۶۲، زکریا۳/ ۱۷۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱۱/۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱۱/۱۴۲۷ھ

زکوٰۃ کی رقم سے مقروض کے قرض کی ادائیگی اور زکوٰۃ کا حکم

سوال: [۴۲۹۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہماری شادی کے کچھ مہینے بعد ہمارے میکہ میں پریشانی کے حالات ہوگئے ہم پانچ بہنیں ہیں، تین کی شادی ہوگئی ہے، دو بہنیں شادی سے باقی ہیں، ہماری شادی کے بعد ہماری امی حالات سے پریشان ہوکر مجھ سے کچھ سونے کی چیزیں لے گئیں کہ ان کو رکھ کر کچھ دن گذر ہو جائے گا، حالات ٹھیک ہوتے ہی نکال کر دیدوں گی، میں نے اس بھروسے پر دیدیں کہ اگر امی نہیں نکال پائی تو میں ہی کچھ نہ کچھ کر کے نکلوا لوں گی، میرے شوہر کو اس بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں تھا، مگر نہ تو میں ہی ان چیزوں کو نکلوا پائی اور نہ ہی میری امی، حالت یہ ہوگئی کہ وہ چیزیں بیاج جمع نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہوگئیں، ہمارے والد کا بھی انتقال ہوگیا، اب ہمارے میکہ میں کمائی کا بھی کوئی سہارا نہیں ہے، اللہ کے حکم سے لے دے کر گذر ہوتا ہے، میرے شوہر کو بھی اب اس بات کا پتہ ہوگیا، اور سسرال میں کسی اور کو اس بات کا پتہ نہیں ہے، لہٰذا اب ہماری امی نے مجھ سے یہ کہا ہے کہ جو ہم رمضان میں روپئے نکالتے ہیں، اس میں سے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنا زیور پورا کرلو، تم ہمیں بھی تو دیتی ہو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے ان چیزوں کی بھرپائی کردی، کیونکہ میری نظر تمہاری شوہر سے نہیں ملتی، بڑی شرم آتی ہے، ہم کھا پی بھی وہی رہے ہیں، اپنے شوہر سے جب میں نے یہ کہا تو انھوں نے پہلے منع کردیا، پھر میرے سمجھانے پر انھوں نے کہا کہ آپ سے معلومات

کرنے کے بعد ہی میں کچھ کہوں گا، لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ اس بارے میں کچھ مشورہ دیں بڑی مہربانی ہوگی؟

المستفتي: نظام الدین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہئے، کہ آپ اپنے ذاتی مال یا زیور کی زکوٰۃ اپنی والدہ کو نہیں دے سکتیں، اس سے آپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، البتہ اگر آپ کے شوہر اپنے مال کی زکوٰۃ آپ کی والدہ کو دیں جوان کی خوشدامن ہیں، تو شوہر کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، اور اس زکوٰۃ کی رقم کو خود ہی اپنے پاس یہ سمجھ کر روک لینا کہ آپ کا جو زیور والدہ نے لیکر استعمال کرلیا ہے، زکوٰۃ سے اس کی بھرپائی کردی جائے، یہ درست نہیں ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ آپ کے شوہر زکوٰۃ کی رقم اولاً اپنی خوش دامن صاحبہ کے ہاتھ میں دیدیں اور پھر وہ رقم آپ کے قرض کی ادائیگی میں آپ کے حوالے کردیں، تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی، اور قرض کی بھرپائی بھی ہو جائیگی۔

لايجوز الدفع إلىٰ أصوله وهم الأ بوان الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا۲/۱۲۲)

ولا يدفع إلى أصله وإن علا . (عالمگيری، كتاب الزكاة الباب السابع فی المصارف زكريا ۱/۱۸۸، جديد ۱/۲۵۰)

لايجوز دفع الزكاة ...... إلىٰ والديه ...... وإن علو .(خانيه على الهنديه، كتاب الزكاة، فصل فيمن توضع فيه الزكاة، زكريا۱/۲۶۷، جديد ۱/۱٦٤)

ولايصرف إلىٰ من بينهما ولا د(درمختار) وتحته فى الشامية: وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۳/۲۹٤، كراچی ۲/۳٤٦)

ويجوز (دفع الزكاة) إلىٰ سائر قرابته . (خانيه على الهنديه، كتاب الزكاة،

فصل فی تعجیل الزکوٰۃ زکریا ۱/۲٦۷، جدید ۱/١٦٤)

ولو وهب دينه من فقير ونوىٰ زكوة دين آخر له علىٰ رجل آخر أونوىٰ زكوة عين له لم يجز الخ. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ۱/۱۷۱، جديد ۱/۲۳۳)

وأداء الدين عن العين وعن دين يقبض لايجوز . (هنديه ۱/۱۷۱، جديد ۱/۲۳۳)

وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكوته ثم يأخذها عن دينه . (درمختار ۳/۱۹۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰ر شعبان ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۲۸)

اپنے مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دے کر اس سے قرضہ وصول کرنا

سوال: [۴۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا روپیہ جس کا میں وکیل بنادیا گیا ہوں، اسکو اگر کسی ایسے غریب کو دوں جس کے ذمہ خود میرا روپیہ قرض ہے، تا کہ وہ میرا روپیہ ادا کردے، تو اسکا مجھ کو اختیار ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟ جواب باصواب سے مطلع فرماکر عند اللہ ماجور ہوں؟

المستفتي: محمد ابوبکر، پریتم پور، دھول پور، فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کو اسکا اختیار ہے اور زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، جبکہ آپ کا مدیون قبضہ کے بعد آپ کو دیدے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۸)

كما استفاد من الهندية والحيلة في ذلك أن يتصدق صاحب المال على الغريم بمثل ماله عليه من المال العين ناويا عن زكوٰة ماله ويدفعه إليه فإذا قبضه الغريم دفعه إلى صاحب المال قضاءً بماعليه

من الدين يجوز الخ. (هـنـديه ، كتاب الحيل ، الفصل الثالث فى مسائل الزكاة، زكـريا ٦/١/ ٣٩١، جديد ١/ ٣٩٥ ، البحر الرائق، كتاب الزكاة، زكريا ديو بند ٢ / ٣٧٠ ، كـوئـٹـه ٢ /٢١١ ، الـدر الـمـختـار ، كتـاب الـزكاة مطلب فى زكاة ثمن المبيع وفاء كراچى ٢ /٢٧١ ، زكريا٣ / ١٩٠)

وللوكيل بدفع الزكوٰة أن يدفعها إلى ولد نفسه كبيراً كان أو صغيراً وإلى امرأته إذا كانوا محاويج ،ولا يجوز أن يمسك لنفسه شيئاً إلا إذا قال: ضعها حيث شئت الخ. (البحـرالـرائق، كتاب الزكاة، زكريا ديو بند ٢ /٣٦٩، كـوئـٹـه ٢ /٢١١ ،الـدر الـمـختـار ، كتـاب الزكاة، مطلب فى زكوٰة ثمن المبيع وفاءً زكريا ١٨٨/٣ ، كراچى ٢٦٩/٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۸)

زکوٰۃ کی رقم مدیون کے قبضہ میں دیکر واپس لینے سے زکوٰۃ وقرض کی ادائیگی

سوال: [۴۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص زید نے بکر سے قرضہ پر روپیہ لیا اب زید کے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے، کہ قرضہ ادا کرے تو کیا بکر ان روپیوں کو اپنی زکوٰۃ میں مجرا کرسکتا ہے؟ یا زید کے ہاتھ میں دینا ضروری ہے؟ کیا اس طرح قرضہ ادا ہوجائیگا؟

المستفتي: دستگیر عالم، کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: محض مجریٰ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ اول مدیون کے قبضہ میں دیکر مالک بنادیا جائے، پھر مدیون کے ہاتھ سے اپنے قرض کے نام سے وصول کرلیا جائے، تب جائز ہوسکتا ہے، ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

وأداء الـديـن عن العين وعن دين سيقبض لايجوز وحيلة الجواز أن

یـعـطـي مدیو نه الفقیر زکوته ثم یأخذها عن دینه الخ. (الـدر المختار، کتاب الزکاة، بـاب الـمـصـرف زکریا دیوبند ۳/ ۱۹۰، ۱۹۱، کراچی ۲/ ۲۷۱، الـمو سوعة الـفـقـهية الـکـویتية ۲۴۵/۳٦، هـنـديـه، کتـاب الـحيـل زکـریـا ديـو بـنـد ۳۹۱/٦، جديد ۳۹٤/۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴/ رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/ ۷/ ۱۴۱۲ھ

ادائیگیٔ زکوٰۃ کیلئے قرض دار کا مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۲۹٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بسا اوقات مقروض قرض ادا نہیں کرپاتے اپنی مجبوری کی بنا پر قرض ادا نہ کر کے بری ہونا چاہتے ہیں، کیا ایسی صورت میں قرض خواہ ان کو معاف کر کے ایسی رقوم کو اپنی قابل اداز کوٰۃ میں مجرا کر سکتے ہیں، خلاصہ احکام شرعی سے آگاہ کریں؟

المستفتی: عبدالحق، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جی نہیں بلکہ مقروض کو قبضہ دینا شرط ہے۔

عن الشعبی أن شریحاً ومسروقاً کانا لایجیزان الصدقة، حتی تقبض. (مصنف عبد الرزاق، بـاب لاتجوز الصدقة إلا بالقبض، المجلس المعلمي ۱۲۲/۹، رقم: ۱٦۵۹۱)

وأداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لایجوز وحیلة الجواز أن یعطی مدیونه الفقیر زکوته ثم یأخذها عن دینه الخ. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/ ۱۹۰، ۱۹۱، کراچی ۲/ ۲۷۱، هندیه، کتاب الحیل، فصل الثالث فی مسائل الزکوٰة، زکریا دیو بند۳۹۱/٦، جدید۳۹۵/٦، المو سوعة الفقهية

الکویتیة ٣٦/٢٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۱/۲۴)

مقروض فقیر شخص کا زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنانا

سوال: [۴۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب نصاب تو نہیں ہے، لیکن چھوٹا موٹا کام کرکے روزانہ کچھ نہ کچھ بقدر کفاف کما لیتا ہے، اور سال کا اکثر حصہ مقروض رہتا ہے، اس کا مکان گرنے کے قریب ہے، تو کیا زکاۃ کی رقم سے ایسے شخص کے مکان کی تعمیر کروائی جاسکتی ہے؟ یا مرمت کروائی جاسکتی ہے؟ مرمت میں تقریباً ۳۵؍ ہزار اور تعمیر میں تقریباً ۲؍ لاکھ خرچ ہونگے؟

المستفتي: محمد زبیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب مستحق زکوٰۃ آدمی ہے تو زکوٰۃ کا پیسہ اسے دیا جاسکتا ہے، وہ ان پیسوں سے گرنے والے مکان کی تعمیر کرائے یا مرمت کرائے اور ایسا کرنا بھی درست ہے، کہ تعمیر ومرمت کا سامان خرید کرکے زکوٰۃ کی نیت سے اس کے حوالہ کردیا جائے، اور مزدوری دینے کے بقدر پیسہ اس کے ہاتھ میں دیدیا جائے، اور اگر آپ براہ راست تعمیر یا مرمت کی نگرانی کریں اور پیسہ مزدوروں کو دے کر سامان خرید کر مکان میں لگا دیں تو یہ بہتر شکل نہیں، بلکہ بہتر شکل وہی ہے، جو اوپر لکھی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۱۵، ۱۱۶)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحةً. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ٢/٣٤٤، زکریا ٣/٢٩١)

وجاز دفع القمیةفی زکوٰة وعشر وفطرة . (الدر مع الرد، کتاب الزکاة،

باب زکاة الغنم ، کراچی ۲/۲۸۵، ۲۸۶، زکریا۳/ ۲۱۰، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاة، باب المصرف ،دارالکتاب دیو بند/ ۷۲٤، زکریا ۳/ ۲۱۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۲۳ھ

فقیر کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان خرید کر دینا

سوال: [۴۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص کرایہ کے مکان میں رہتا ہو مگر صاحب نصاب نہ ہو تو اس شخص کو مدز کوٰۃ سے مکان خرید کر دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ وہ اس وقت جس مکان میں رہتا ہے، وہ بھی اسکی اصلی ضرورت شمار ہوگی یا ذاتی مکان ہونا ضروری ہے؟

المستفتي: عبد اللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زکوٰۃ کی رقم سے مکان خرید کر مستحق زکوٰۃ کو مکان کا مالک بنادیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۹۰، ایضاح المسائل/ ۱۱۵)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا الخ. (درمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

الزكاة يجب فيها تمليك المال ، لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ: ”وآتوا الزكاة (البقرة: ٤٣) **يقتضي التمليك ولا تتأدى بالإباحة .** (تبيين الحقائق، کتاب الزکاة، زکریا دیو بند۲/ ۱۸)

فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من كل وجه لله تعالىٰ هذا في الشرع. (هنديه

کتاب الزکاة، الباب الأول زکریا دیوبند ۱/ ۱۷۰، جدید ۱/ ۲۳۲)

اورضرورت اصلیہ میں ذاتی مکان شمار ہوگا، کرایہ کامکان اسکی ملکیت نہیں ہے۔

وهی مسکنه وأثاث مسکنه الخ. (عالمگیری، کتاب الزکاة، باب المصارف زکریا ۱/۱۸۹، جدید ۱/ ۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۴/۵/۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۶ھ

زکوٰۃ کی رقم سے کمرے بنوانا

سوال: [۴۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایسا مسلم ادارہ جس میں عصری ودنیوی تعلیم وتربیت کا بندوبست ہے سارے اساتذہ اور طلباء مسلم ہیں، غیر مستطیع طلباء کی فیس بھی معاف ہے دینی تعلیم سب بچوں کیلئے لازمی ہے، (قرآن شریف، ناظرہ، ضروری مسائل یا اسلامی تاریخ وغیرہ) کیا ایسے ادارے میں زکوٰۃ کے فنڈ سے تعمیری کام کرایا جاسکتا ہے، چونکہ بلڈنگ بچوں کے بیٹھنے کیلئے ناکافی ہے، لہٰذا منتظمین کی خواہش ہے کہ زکوٰۃ کی مد سے کچھ کمرے بنوادیئے جائیں، کچھ لوگوں کی رائے اس کے برعکس ہے؟

المستفتي: انورحسین، پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کی مد سے کمرے بنوانا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة کمامر ولا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد ولا إلی کفن میت وتحته فی الشامیة، کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل مالا تملیک فیه الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة باب المصرف

زکریا۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤)

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل مالا تمليك فيه. (هنديه ، كتاب الزكاة ، الباب السابع فى المصارف زكريا١ /١٨٨ ، جديد ١/ ٢٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر شوال ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۸۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۰/۱۴ھ

مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر دینا

سوال: [۴۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے، وہ یہ کہ ہم نے ایک مکان خریدا ہے، نیچے کے حصہ میں مالک مکان رہتا ہے، اس نے خالی کر کے ہمیں چابی دیدی اور اوپر ایک دوسرے آدمی کا قبضہ ہے، اس کی ایک بیوی اور چھ لڑکیاں اور ایک پندرہ سالہ لڑکا ہے یہ لوگ رہتے ہیں، اس آدمی کا انتقال ہوگیا ہے، اب اس وقت اس کی بیوہ اور یتیم بچے اس مکان پر رہتے ہیں، اب اس وقت ہمیں مکان کی ضرورت ہے، ہم ان سے خالی کرانا چاہتے ہیں، مگر مفتی صاحب! اگر ہم ان یتیم بچوں کو مکان سے نکالتے ہیں تو یہ انسانیت کے خلاف ہے، اگر ہم زکوٰۃ کے روپئے جو ہماری نکلی ہے دو یا تین سال کی اس رقم کو اکھٹا کر کے اس رقم کا مکان خرید کر اس بیوہ کو دیدیں تو کیا ہماری یہ زکوٰۃ کا روپیہ ادا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تفصیل کیساتھ فتویٰ دیجئے گا؟ آپ کا شکر گزار ہوں گا؟

المستفتي: جمال احمد، پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مرحوم کی بیوی و بچے مستحق زکوٰۃ ہیں، تو زکوٰۃ کی رقم

سے مکان خرید کر کے ان کو مالک بنا دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا الخ. (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤)

الزکاۃ یجب فیها تملیک المال ، لأن الإیتاء فی قوله تعالیٰ: ’’وآتوا الزکاۃ (البقرة: ٤٣) **یقتضی التملیک ولا تتأدی بالإباحة .** (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، زکریا دیوبند۲/۱۸)

لیکن نصاب زکوٰۃ سے زیادہ کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔

وکره إعطاء فقیر نصابا أو أکثر . (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الأصلیة کراچی ۲/۳۵۳، زکریا۳/۳۰۳)

ویکره لمن علیه الزکاۃ، أن یعطی فقیراً مائتی درهم أو اکثر ولو أعطی جاز و سقط عنه الزکاۃ . (بدائع الصنائع ،کتاب الزکاۃ، فصل فی مصارف الزکاۃ، زکریا ۲/۱٦٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۴۵۸/۲۵)

زکوٰۃ کی رقم سے مکان بنا کر مستحق کو دینا

سوال: [۴۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک فلاحی ورفاہی ادارہ جو کہ اپنے ممبران اور مسلمانان بنگلہ دیش کے رفاہی اور ریلیف کے کاموں میں مدد کے علاوہ اپنے ممبران سے مد زکوٰۃ کے ٹکہ بھی جمع کرتا ہے، اور اس کو غرباء اور ضرورتمندوں کے علاج معالجہ، ادائیگی قرض، شادی دختران اور وقتی امداد کے طور پر خرچ کرتا ہے۔

رہائش کے کرایہ میں مستقل نا قابل برداشت اضافے اور مسلسل مکان بدلتے رہنے کی

مجبوری، پریشانی اوراذیت مزید سفید پوشی کے بھرم کی نزاکتوں کی اہمیت کومحسوس کرتے ہوئے اور روز مرہ کی بڑھتی ہوئی گرانی کے عذاب اورخاص طور پر کرایہ کے بوجھ تلے دبی سسکتی انسانیت کی تسکین کی خاطر اب ادارہ کاارادہ رہائشی فلیٹ ،مکانات تعمیر کرنے کا ہے جوزکوٰۃ کی رقم کو بذریعہ حیلہ (تملیک) کے بعد ہی ممکن العمل ہے ادارہ منصوبے کی تشکیل کے ابتدائی مراحل سے تعمیر کے بعد کے جملہ مسائل سے نبرد آزما رہنے کیلئے حفظ ماتقدم کےطور پراسے اپنی زیرنگرانی اورزیراہتمام رکھنا چاہتا ہے، تاکہ اس کاانفرادی طور پرغلط اور بے جااستعمال ممکن نہ ہو سکے،مثلاً اسکی فروخت اورحکومت کے بقایاجات وغیرہ ادارہ تعمیر شدہ فلیٹ ،رہائش بیوگان ،یتیم بوڑھے لوگ جواب معاش کے قابل نہیں ،اورایسے لوگ جومعاشی اعتبار سے کمزوراور پریشان ہیں کوبحیثیت کرایہ دارادارہ کے دستوری طور پر بہت ہی قلیل اورمعمولی کرایہ لیکرآہستہ آہستہ بسانے کاارادہ رکھتاہے، واضح ہوکہ حاصل شدہ معمولی کرایہ بھی اس کام میں استعمال ہوگا،لھٰذا کیادین اسلام میں شرع محمدی کے روسے اس طریقہ کار پر بذریعہ حیلہ تملیک عمل درآمد کیاجاسکتاہے، واضح ہوکہ ادارہ کی معلومات کے مطابق مدرسوں کی تعمیراور دوسرے کاموں کیلئے زکوٰۃ کی رقم حاصل کرکے اس طریقۂ کار کے ذریعہ عمل درآمداورتعمیرات وغیرہ کے کام بھی کئے جاتے ہیں،جبکہ زیادہ ترمدارس میں مطلوبہ رقم حاصل کرنے کیلئے ایک اچھی خاصی رقم حاصل شدہ رقم ہی سے بطورکمیشن دیگراخراجات وغیرہ کے نذرہوجاتی ہے،غیرممالک سے بھی وفودآتے اورجاتے ہیں،جس میں کافی خرچ مثلاً کرایہ رہنا سہنا کھانا پینا سواری خرچ وغیرہ ہوتاہے، وہ بھی کٹ جاتا ہے، جبکہ ہمارے ادارے میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے،اور رقم کی وصولیابی میں کسی قسم کاکوئی خرچ نہیں ہوتاہے، برائے کرم وضاحت سے جواب مرحمت فرمائیں؟ تاکہ کوئی بات تشنہ نہ رہنے پائے،اوربات بھی اچھی طرح واضح ہوجائے؟

المستفتي: انیس احمد شمسی،ویلفیر سوسائٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہ جائز ہوسکتاہے، کہ زکوٰۃ کے پیسوں سے

مکانات بنا کر پورے پورے مکانات متعین طور پر مستحق زکوٰۃ فقیر کو قبضہ دیکر مالک بنا دیا جائے، اور پھر اس سے کسی قسم کا کرایہ وغیرہ وصول نہ کیا جائے، مگر مکانات بنا کر کرایہ پر دینے کے لئے حیلہ تملیک کرانا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ حیلہ تملیک ہر جگہ جائز نہیں ہے، بلکہ صرف ناگزیر انداز سے دینی ضرورت کے لئے جائز ہوسکتا ہے، اور سوال نامہ میں ذکر کردہ رفاہی ادارہ وغیرہ عام طور پر اپنی ترقی اور فروغ کے لئے اس طرح کی اسکیمیں چلاتے ہیں، اس لئے جائز نہ ہوگا، مدارس پر ان اداروں کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ انھیں مدارس کے ذریعہ سے اسلام زندہ ہے۔

أما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان وقال النسفي، في الكافي عن محمد بن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق الخ. (عمدة القارى، داراحياء الترث العربى بيروت ٢٤/ ١٠٩، زكريا ديوبند ١٦/ ٢٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۹٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/ ۱۱/ ۱۴۱۸ھ

مال زکوٰۃ سے مکان تعمیر کر کے فقیر کو مالک بنانا

سوال: [۴۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) بعد تعمیرات مکمل طریقہ پر بیع نامہ کروا دیا جائے گا، مالکانہ حیثیت قائم کر دی جائے گی، میرا کوئی تعلق نہ ہوگا؟

(۲) میری سرپرستی کا اب کوئی تعلق نہیں ہوگا، جبکہ میں بیع نامہ تحریر کردوں گا؟

(۳) کسی قسم کا مفاد وابستہ نہیں کرنا ہے، چونکہ مکان ایک امانت ہے اس کا صرف استعمال کرنا ہے؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتی: احقر عاقل کامل، اسماعیل، محلّہ: ٹھیرہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زکوٰۃ کی رقم سے مکانات تعمیر کرا کے فقیر نادار مستحق زکوٰۃ کو مستقل طور پر بعینا مہ کرا کے خودمختارانہ مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، اوراس میں تعمیر کرانے والے کا کوئی تصرف باقی نہ رہے، اورنہ آئندہ کوئی سرپرستی یا احسان جتانے کی کوئی بات پیش آئے، تو مالک زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، نیز ایک فقیر کوایک نصاب سے زائد دینے کی وجہ سے مکروہ نہ ہوگا۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا اباحةً . (الدر المختار، كتاب الزكاة باب المصرف زكريا۳/۲۹۱، كراچی ۲/۳٤٤)

وكره إعطاء فقير نصابا أو اكثر إلا إذا كان مديوناً الخ . (الدر المختار مع الشامی ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، مطلب فی حوائج الأصلية زكريا۳/۳۰۳، كراچی ۲/۳۵۳، البحرالرائق، زكريا۲/٤۳۵، كوئٹه ۲/۲٤۹)

اورمکروہ نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ مکان پر قبضہ ہونیکی وجہ سے فقیر صاحب نصاب نہیں ہوگا، بلکہ بمنزلہ نصاب سے زائد قرضدار کو نصاب سے زائد دینے کے حکم میں ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۹۰)

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذاكان المدفوع إليه مديوناً الخ .

(الدر المختار مع الشامی، كتاب الزكاة، باب المصرف ، مطلب فی حوائج الأصلية زكريا۳/۳۰۳، كراچی ۲/۳۵۳، فتاویٰ بزازيه علی الهندية زكريا ٤/۸۵، جديد۱/۵۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۲۴۰/۲۴)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب کوکرایہ پر مکان دلوانا

سوال: [۴۳۰۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک مکان ہے جس کو مسجد کیلئے خریدا ہے، اسمیں پہلے سے کرایہ پر غریب لوگ رہتے ہیں، جو دوسری جگہ مروجہ پگڑی دیکر کرایہ کا مکان نہیں لے سکتے، ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم سے کرایہ کا مکان دلوا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اور مسجد کی رقم دیکر اس کرایہ دار کی مدد کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: حاجی محمد یسین، احمد آباد، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو غریب فقیر مستحق زکوٰۃ ہیں، ان کو زکوٰۃ کی رقم حوالہ کرکے مالک بنادیا جائے، اس کے بعد وہ جو چاہیں کریں، اس روپیہ سے کرایہ کا مکان بھی لے سکتے ہیں، مروجہ پگڑی شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحةً. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة باب المصرف کراچی ۲/ ۳۴۴، زکریا۳/ ۲۹۱، ایضا ح النوادر /۹ ۱۰)

فهی تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک من کل وجه للّٰه تعالیٰ هذا فی الشرع. (هندیه، کتاب الزکاة، الباب الأول زکریا دیوبند۱/ ۱۷۰، جدید ۱/ ۲۳۲)

الزکاة یجب فیها تملیک المال، لأن الإیتاء فی قوله تعالیٰ: "وآتوا الزکاة. (البقرة: ۴۳)

یقتضی التملیک ولا تتأدی بالإباحة. (تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، زکریا دیوبند ۲/ ۱۸)

(۲) مسجد کی رقم سے کسی فقیر کی مدد جائز نہیں ہے، جو متولی مسجد کی رقم کو مسجد کی ضروریات کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا چاہتا ہے، وہ تولیت کے لائق نہیں ہے، اس کو الگ کرکے دوسرے دیانتدار متولی کا تقرر لازم ہے۔

مراعاة غرض الواقفین واجبة. (الشامی، کتاب الوقف، مطلب مراعاة

غرض الواقفين واجبة زكريا ٦/٦٦٥، كراچی ٤/٤٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۹۷۰/۳۲)

پگڑی میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

سوال: [۴۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم سال کی زکوٰۃ کے روپیہ اکٹھا کرکے جتنی رقم یہ کرایہ دار مانگ رہا ہے، اس کو تین سال کے بعد ساری زکوٰۃ کی رقم جو قریب پندرہ ہزار روپیہ ہوتی ہے کسی جگہ جمع کرلیں جب یہ رقم اکٹھی ہوجائے، تو اس رقم کو کرایہ دار کو دیکر مکان کا حصہ خالی کرانا کیسا ہے؟ اس کا فتویٰ آپ تفصیل سے مع حوالہ کے تحریر فرمائیے گا، جزاک اللہ۔

المستفتي: محمد جمال، پیرغیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پگڑی میں زکوٰۃ کی رقم سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ مستحق زکوٰۃ کو ادا کرنا واجب ہوگا۔

الزكوٰة تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، قديم ملتان ١/٢٥١، جديد زكريا ديوبند ٢/١٧، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الاول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ١/١٧٠، جديد ١/٢٣٢)

لايدفع إلى غني بسبب ملك نصاب الخ. (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف جديد زكريا ٢/١٢٣، قديم ١/٣٠٢، الجوهرة، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز جديد، دارالكتاب ديوبند ١/١٥٥، قديم ١/١٥٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۰۵)

کیا پگڑی پر فقیر کو مکان لے کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟

سوال: [۴۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر پگڑی پر فقیر کو مکان لیکر دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی یا نہیں؟ کیونکہ پگڑی دینے کے بعد بھی کرایہ دار کو کرایہ دینا پڑتا ہے، اگر فقیر کو پگڑی کی قیمت نقد دیں گے تو نصاب کا مالک بن جائے گا؟ ایسی صورت میں کیا کریں؟

المستفتي: عبد اللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مدز کوٰۃ سے فقیر کو پگڑی پر مکان لیکر دیا جاتا ہے، تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اسلئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے شرط یہ ہیکہ زکوٰۃ کی رقم کا فقیر کو بلا شرط عوض مالک بنادیا جائے، اور وہ شرط یہاں مفقود ہے اور جو مکان ہے اس کا بھی فقیر مالک نہیں ہے، بلکہ اسکو مکان میں صرف حق سکونت حاصل ہے اور اسکا بھی کرایہ ادا کرنا پڑیگا۔

ولو دفع إليه داراً ليسكنها عن الزكاة لايجوز. (عالمگیری، کتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف زكريا ۱/۱۹۰، جديد ۱/۲٥۲)

ہاں البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ رقم پر فقیر کو مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، اور پھر وہ خود پگڑی ادا کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحةً. (الدر المختار مع الشامی، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۳/۲۹۱، كراچی ۲/۳٤٤، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند ۲/۱۸، هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول زكريا ديوبند ۱/۱۷۰، جديد ۱/۲۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۹/۳۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ

سودی قرض لیکر زکوٰۃ ادا کرنا

سوال: [۴۳۰٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک آدمی کے پاس بقدر نصاب سامان ہے اس پر زکوٰۃ اور قربانی واجب ہے، لیکن زکوٰۃ یا قربانی کیلئے پیسہ نہیں ہے، صرف دوسرے مال ہیں، اور وہ مال بیچنا بھی نہیں چاہتا اور جائز قرض بھی نہیں ملتا تو زکوٰۃ اور قربانی ادا کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ کیا سودی قرض لے سکتے ہیں، اداءِ زکوٰۃ اور قربانی کیلئے؟

المستفتي: عمران بہاری، انکلیشور، گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی قرض لے کر زکوٰۃ یا قربانی ادا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جو مال موجود ہے سودی قرض کے بغیر اسی کو بیچ کر زکوٰۃ یا قربانی ادا کرنا لازم ہے، اور شریعت میں اسکو بیچنے کی طبیعت نہ چاہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۱۴/۱۲۴)

الزکوٰۃ واجبة فی عروض التجارة الخ، وکان إلحاق هذه الأموال بالذهب والفضة أولیٰ وإذا وجب اعتبار المقدار بهما یعتبر بأیهما. (تاتارخانیة، کتاب الزکاة، الفصل الثالث، زکاة عروض التجارة زکریا۳/ ۱٦٤، رقم: ۳۹۹۹)

في عرض تجارة قیمته نصاب من ذهب أو ورق ..... ففی کل أربعین درهما درهم. (درمختار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال کراچی ۲/ ۲۹۸، ۲۹۹، زکریا ۳/ ۲۲۸، ۲۲۹)

وفی عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب أی یجب ربع العشر في عروض التجارة، إذا بلغت نصاباً من أحدهما. (البحر الرائق، کتاب الزکاة،

باب زکاۃ المال زکریا۲/ ۳۹۸، کوئٹہ ۲/ ۲۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ ر ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۶۴)

سودی قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید بہت زیادہ مقروض ہے اور کوئی صورت قرض کی ادائیگی کی نظر نہیں آتی کیا زید بہت زیادہ مالدار بکر سے وہ رقم جو زکوٰۃ کی مد میں بکر نے نکالی ہے لیکر اسے سودی قرضہ کی ادائیگی میں دیدے اور پھر سہولت سے وہ قرض اسے واپس کردے اور بکر اس کے بعد زکوٰۃ نکال دے اگر یہ گنجائش ہو تو تحریر فرمادیں؟

المستفتي: آل حسن، مغلپورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مدزکوٰۃ کے پیسے کو بطور قرض کی ادائیگی میں دینا درست نہیں ہے، اگر بطور قرض دینا ہے، تو زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے پیسے دیدیں نیز سودی قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ کا پیسہ دینا ممنوع ہے، اسلئے کہ اس میں من وجہ سودی معاملہ میں تعاون ہے، آجکل کے زمانہ میں لاکھوں کی تعداد میں سودی قرض لیکر لوگ اپنے آپ کو سرمایہ داروں کے سامنے فقیر ثابت کرتے ہیں، پھر سرمایہ دار سے زکوٰۃ کا پیسہ لیکر سودی قرض ادا کرکے پھر اپنا کاروبار اور تجارت کو فروغ دیتے ہیں، یہ سخت خرابی کی بات ہے، زکوٰۃ کا پیسہ فقیروں کا حق ہے کاروبار اور تجارت کو فروغ دینے کیلئے سودی قرض لینے والوں کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۲۹)

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورہ المائدۃ، آیت: ۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۵۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۸ھ

زکوٰۃ کا پیسہ سودی قرض میں دینا

سوال: [۴۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے ایک کاروبار شروع کیا تھا، جس میں کچھ پیسہ میں نے اپنی زمین بیچ کر لگایا تھا، اور کچھ پیسہ میں نے قرض کی شکل میں بینک سے لیا تھا، جس میں ضمانت کے طور پر میں نے اپنے گھر اور جائداد کے کاغذات رکھے تھے، میرے پاس موجودہ جائیداد کی شکل میں رہنے کا مکان ہے جس میں میں اپنے بھائی اور بہنوں کیساتھ رہتا ہوں، جوکہ مشترکہ ملکیت ہے ایک کاروبار کی جگہ ہے جس میں موجودہ طور پر کوئی کاروبار نہیں ہوتا ہے، جوکہ تقریباً ساڑھے تین سو گز میں ہے، گاؤں میں لگ بھگ تین ایکڑ کاشتکاری کی زمین ہے ایک کریشر جوکہ گاؤں میں ہے چار بیگہ زمین میں ہے، اور ایک فصلی کام ہے، یہ کاروبار بھی تین سال سے نقصان میں چل رہا ہے، جس کے اوپر تقریباً ۱۵؍ لاکھ کی دینداری ہوچکی ہے، فی الحال میرے پاس کسی ذریعہ سے معاش نہیں ہے، صرف کھیتی کی زمین سے کچھ اناج آتا ہے، ایک پلاٹ جوکہ شہر میں ہے، ۸۰؍ گز کا ہے، اور ۳۰۰؍ گز کا پلاٹ جس میں مقدمہ بازی چل رہی ہے، مقدمہ ہائی کورٹ اور رامپور کورٹ میں چل رہا ہے، میں نے جو نیا کاروبار کیا تھا، اس میں بھی تقریباً پانچ لاکھ ٦۰؍ ہزار کی دینداری ہے جس کے تقاضہ میرے اوپر لگاتار ہورہے ہیں، اوپر لکھی جائداد میں ٦؍ بہنیں اور ٦؍ بھائی حصہ دار ہیں، ایسی صورت میں مجھے بتائیں کہ میں اپنا قرضہ ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم کا استعمال کرسکتا ہوں یا نہیں؟

موجودہ جائداد میں اور کاروبار میں سائل اپنا حصہ ختم کر چکا ہوتو وہ چونکہ مالدار اور صاحب نصاب نہیں رہ گیا، لہٰذا وہ قرض ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے لے سکتا ہے، صاحب نصاب ہونے اور نہ ہونیکی ذمہ داری سائل پر ہے؟

جو شخص صاحب نصاب نہ ہو وہ اپنا قرضہ ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کی رقم حاصل کرسکتا ہے؟

المستفتي: محمد الیاس

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے پاس کھیتی کی زمین ہے اور تین سو گز کی زمین جس پر مقدمہ چل رہا ہے، اس کے علاوہ اسی گز کا پلاٹ بھی ہے، تو کھیتی کی زمین یا پلاٹ فروخت کرکے قرض ادا کرنا چاہئے، زکوٰۃ کا پیسہ فقیروں اور مسکینوں کا حق ہے، نیز زکوٰۃ کا پیسہ سودی قرض میں دینا جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا پیسہ سودی قرضہ میں دے گا، تو سود کی لعنت زکوٰۃ کا پیسہ دینے والے کی گردن پر بھی پڑے گی۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الْمَسَاكِيْنَ .(سورة التوبة: ٦٠)

وعن جابر قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربواء ومؤكله وكاتبه وشاهده ، الحديث: (صحيح مسلم، كتاب المساقاة والمزارعة ، باب الربا ، النسخة الهندية ٢/٢٧، بيت الافكار رقم: ١٥٩٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۲۲؍ شوال ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ٦۹۱٦)

زکوٰۃ کی رقم سے سودی قرض ادا کرنے یا منہا کرنے کا حکم

سوال: [۴۳۰۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلہ یہ ہے کہ عمر نے خالد سے روپئے قرض کے طور پر مانگے خالد نے اسے زیور گروی رکھکر تقریباً پچاس ہزار روپئے دیئے اب بہت دن ہوگئے سود پر سود بڑھتا گیا عمر کو اتنی استطاعت نہیں ہے، کہ وہ زیور چھڑا کر خالد کے حوالے کردے، ادھر جب سود کا خوب اضافہ ہوگیا تو خالد نے زکوٰۃ کے پیسہ سے سود ادا کردیا اور آدھا عمر نے اور آدھا خالد نے اصل پیسہ دیکر

زیور چھڑا لیا اب عمر کو اتنی استطاعت نہیں ہے، کہ وہ بقیہ پیسہ دیدے کیا خالد ان بقیہ پیسوں کو زکوٰۃ کے مال سے منہا کرسکتا ہے؟

المستفتي: محمد شاکر عالم، تخت والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال کے اندر دو معاملے بالکل الگ الگ ہیں۔ (۱) معاملہ: عمر کا خالد سے قرضہ لینا۔ (۲) خالد کا تیسرے شخص سے زیور گروی رکھ کر پچاس ہزار روپیہ سودی معاملہ میں لینا، یہ دونوں معاملہ شرعاً الگ الگ ہیں، پہلا معاملہ جو عمر اور خالد کے درمیان ہے اس میں خالد نے عمر کو پچاس ہزار روپیہ قرض دیا ہے، اور قرض دیکر سود لینا قطعاً حرام ہے، لہٰذا خالد عمر سے صرف پچاس ہزار روپیہ جو بطور قرض دیا تھا وہی لے سکتا ہے، اس کے علاوہ کسی اور پیسہ کا دیندار نہیں ہے، اور دوسرا معاملہ خالد اور تیسرے آدمی کا ہے اس میں خالد نے تیسرے آدمی کے پاس زیور گروی رکھ کر پیسہ لیا ہے، اب اگر تیسرا آدمی مسلمان ہے تو اس کیلئے خالد کو دیئے ہوئے قرضہ کے اوپر مزید سود لینا جائز نہیں ہے، اور اگر تیسرا آدمی مسلمان نہیں ہے، تو خالد اس سے سود کی دینداری میں شرعاً کسی طرح کا ذمہ دار نہیں ہے، اسلئے کہ اس معاملہ کا تعلق خالد اور تیسرے آدمی سے ہے، عمر اور تیسرے آدمی سے نہیں ہے، نیز خالد کیلئے بھی یہ قطعاً جائز نہیں تھا، کہ زیورات کو گروی رکھکر سود پر قرض لے اس کی وجہ سے خالد سخت گنہگار ہوگا اور لعنت کا مستحق ہوگا اور دیندار بھی خالد ہی ہوگا۔

عن ابن مسعودؓ قال لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا ومؤكله وشاهده وكاتبه. (ترمذي شريف، ابواب البيوع، باب ما جاء في أكل الربوا، النسخة الهندية ۱/۲۲۹، دارالسلام رقم: ۱۲۰۶، مسلم شريف، كتاب المساقاة والمزارعة، باب الربا، النسخة الهندية ۲/۲۷، بيت الأفكار رقم/۱۵۹۷)

لہٰذا اب تک خالد نے عمر سے جو کچھ پیسہ لیا ہے چاہے سود ادا کرنے کے نام پر لیا ہو یا اصل رقم وصول کرنے کے نام پر ہو یا تیسرے آدمی کو دینے کے نام پر لیا ہو وہ تمام رقم اسی میں

مجریٰ ہوگی جوقرضہ خالد نے عمر کو دیا تھا، اسکے بعد پھر بھی جو قرضہ عمر کے ذمہ باقی ہے اور وہ مستحق زکوٰۃ بھی ہے تو خالد کیلئے جائز ہے کہ زکوٰۃ کا پیسہ عمر کے قبضہ میں دیدے اس کے بعد عمر سے یہ کہے کہ اب تمہارے پاس پیسہ آ گیا ہے، میرا قرضہ ادا کرواوراسی محفل میں وہ پیسہ قرض کے نام سے لے سکتا ہے، ایسی صورت میں عمر کا قرضہ بھی ادا ہوجائے گا، اور خالد کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی اورصرف ارجسٹ کرنے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوگی۔

اعلم أن أداء الدين عن المال الذی عنده لایصح والحیلة أن یعطی زکوته ثم یأخذ عن دینه الخ. (طحطاوی علی المراقی الفلاح/۵ ۷۱، دارالکتاب دیوبند، درمختار مع الشامی، کتاب الزکاة، مطلب فی زکاة ثمن المبیع وفاء زکریا۳/ ۱۹۰، کراچی ۲/ ۲۷۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸؍۷؍۱۴۲۲ھ

٦ / باب المصرف

صاحب نصاب کون ہے؟

سوال: [۴۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہندوستان میں صاحب نصاب کیلئے کتنی رقوم یا کتنے سامان کا ہونا شرط ہے؟

المستفتي: محمد شکیل، سکسینا، پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کی رقوم یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا تجارتی سامان ہوتو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہے، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا روپیہ کتنا بنتا ہے، صرافے سے معلوم کر لیجئے! (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۹۴)

اعتبرت القيمة إجماعاً الخ. (شامی، کتاب الزکاة، باب زکاة المال زکریا۳/۲۲۷، کراچی ۲/۲۹۸، جواهر الفقه ۱/۳۸۵)

تجب الزكاة في الذهب والفضة إذا بلغ النصاب ونصاب الذهب عشرون مثقالا وهو الدينار، ونصاب الفضة مائتا درهم. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعه كتاب الزكاة، زكاة الذهب والفضة ۱/۶۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶ ؍ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۸۸)

صدقۂ واجبہ اور زکوٰۃ کے مستحق کون؟

سوال: [۴۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صدقے

کے مستحق کون کون آدمی ہیں؟

المستفتي: شرف الحق، ضلع بیر بھوم، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: قرآن کریم میں صدقہ وزکوٰۃ کے جو مصارف مذکور ہیں، ان میں سے بعض منسوخ ہیں، اسلئے اس زمانہ میں درحقیقت صرف فقراء ہی مستحق ہیں، اور فقراء کے مختلف انواع ہیں۔

(۱) طالبان علوم نبوت۔

(۲) غرباء۔

(۳) مساکین۔

(۴) قرضدار۔

(۵) وہ مسافر جس کا توشہ ختم ہو چکا ہو۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۹، فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۲۹، معارف القرآن ۸/ ۴۰۸)

إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكوة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة داعية إلى مالا بد منه الخ.

(طحطاوی علی المراقی ،کتاب الزکاۃ ، باب المصرف ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۰، قدیم /۳۹۲ ، شامی ،کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/ ۲۸۵، کراچی ۲/ ۳۴۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۲۵)

فقیر و مسکین کسے کہتے ہیں؟

سوال: [۴۳۱۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ فقیر اور

مسکین کسے کہتے ہیں؟ ایک ہی ہیں ہیں یا کوئی فرق ہے؟

المستفتي: شرف الحق، بیر بھوم، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقیر جس کے پاس نصاب سے کم ہو، مسکین جسکے پاس کچھ نہ ہو، لیکن استحقاق زکوٰۃ میں کچھ اختلاف نہیں۔ (مستفاد: بیان القرآن ۴/۱۲۰، معارف القرآن اشرفی ۴/۱۶۶)

فقیر وهو من له أدنیٰ شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غیر تام مستغرق في الحاجة، ومسکین من لا شيء له. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/۲۸۳، ۲۸٤، کراچی ۲/۳۳۹، فتاویٰ عالمگیری زکریا ۱/۱۸۷، جدید ۱/۲٤۹، بزازیه علی هامش الهندیه زکریا٤/۸۵، جدید۱/۵۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم/ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۵۵)

فی سبیل اللہ کا مصداق

سوال: [۴۳۱۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کا آپکے نزدیک کیا مصداق ہے فی سبیل اللہ کے دائرے میں کون کون داخل ہیں، اس میں وسعت دیکر عمومیت پیدا کر سکتے ہیں؟ اگر فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غازی اور حاجی کو قرار دیا جائے اور بقول بعض طالبان علم کو قرار دیا جائے، تو ان کیلئے فقر کی شرط ہے یا نہیں؟ نیز مصارف زکوٰۃ کو قیاس شرعی کا محل قرار دیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ یا نص پر موقوف رہے گا، اوراس زمانہ میں مختلف دینی اور دعوتی کاموں کیلئے بے پناہ سرمایہ کی ضرورت ہے تو کیا مدارس، مساجد، اورا کیڈمیاں

ودیگر رفاہ عام میں جو شخص حکمی کے دائرے میں ہیں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرسکتے ہیں یانہیں؟ اور یہ امور فی سبیل اللہ کے مصداق بن سکتے ہیں؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی،فقہ، اکیڈمی، پھلواری شریف، پٹنہ،(بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: فی سبیل اللہ کے لفظی معنیٰ بہت عام ہیں، جوکام اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کیلئے کئے جائیں وہ سب فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم کے دائرے میں آجاتے ہیں، اور جولوگ فی سبیل اللہ کے بارے میں پیغمبر علیہ السلام کے تفسیری اقوال وبیان وائمہ مفسرین اور فقہاء مجتہدین کے ارشادات سے گریز اور قطع نظر کرتے ہوئے محض لفظی ترجمہ کے عموم کے ذریعہ سے قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کا مصداق متعین کرنے میں زبردست دھوکہ اور مغالطہ لگا ہے، اور انھوں نے لفظ کے عمومی مفہوم کو دیکھ کران تمام نیک کاموں کو فی سبیل اللہ کے دائرے میں داخل کردیا ہے، جو کسی نہ کسی حیثیت سے عبادات میں داخل ہیں، چنانچہ تعمیر مساجد، مدارس، شفا خانہ، مسافر خانہ وغیرہ اور کنویں، نل، سڑکیں وغیرہ بنانا اور تمام رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ ان سب کو فی سبیل اللہ کے دائرے میں داخل کرکے مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، جو سراسر غلط اور قول رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام، اور اجماع امت کی تفسیر کے خلاف ہے، جیسا کہ امام رازی نے امام قفال کی تفسیر کی نشاندہی کرتے ہوئے، اسی طرح کی بات نقل فرمائی ہے۔(مستفاد: معارف القرآن، اشرفی دیوبند۴/ ۴۰۷ تفسیر کبیر ۱۶/ ۱۱۳)

نیز لفظ فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم سے تفسیر کرنیوالوں کے کلام میں خود تعارض بھی واقع ہوا ہے، جیسا کہ حضرت نواب صدیق حسن خانصاحب نے اپنی تصنیف الروضۃ الندیہ میں لفظ فی سبیل اللہ کے عموم کو پیش نظر رکھ کر تمام علماء اور علمی خدمات انجام دینے والوں کو فی سبیل اللہ کے دائرے میں داخل کردیا ہے، چاہے وہ علماء فقیر ہوں یا مالدار۔(الروضۃ الندیہ ۱/ ۲۰۷)

پھر نواب صاحب ہی نے اپنی تفسیر فتح البیان میں عمومیت کی تردید کرتے ہوئے فی سبیل اللہ کے مفہوم کو غازیین میں منحصر کردیا ہے۔ (فتح البیان ۴/۱۴۱)

اس سے واضح ہوتا ہے، کہ عمومیت کے قائلین خود اپنے قول میں متردد اور مضطرب ہیں، نیز ماضی قریب میں علامہ رشید رضا مصری اور مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ نے بھی لفظ فی سبیل اللہ کے عمومی مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ سے استدلال کرتے ہوئے ، فی سبیل اللہ کے مصداق کو ہر دینی کام میں عام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (مستفاد: فقہی اسلامی ۱/ ۴۶۱)

جو اجماع امت اور قول رسول اللہ ﷺ کے خلاف اور مغالطہ پر محمول ہے اور حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے فی سبیل اللہ کے مصداق میں ۔ (حدیث ابو داؤد، کتاب المناسک، باب العمرۃ، النسخۃ الہندیۃ ۱/۲۷۲، دارالسلام رقم: ۱۹۸۸)

اور حدیث بخاری کی صراحت کی وجہ سے اس حاجی کو داخل فرمایا ہے جس کے اسباب سفر ختم ہو چکے ہوں اور حضرت امام محمدؒ کا حجاج کو شامل کرنا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ میں رہ کر ہے اور اسمیں قیاس اور توسع سے امام محمدؒ نے کام نہیں لیا ہے، نیز جس حاجی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدزکوٰۃ سے سواری کا جانور دلوایا ہے وہ فقیر اور نادار تھا، جو الفاظ حدیث سے واضح ہوتا ہے، اسلئے امام محمدؒ نے حاجی کیلئے منقطع الحاج کی قید اور شرط بھی لگائی ہے، لہذا ایسے حجاج فقراء کے دائرہ میں داخل ہونیکی وجہ سے بہرحال مستحق زکوٰۃ ہیں۔

وفي سبيل الله منقطع الغزاة عند أبي يوسف رحمة الله عليه لأنه المتفاهم عند الاطلاق، وعند محمدؒ منقطع الحاج ؛ لما روى أنّ رجلا جعل بعيراً له في سبيل الله فأمره رسول الله صلى	ترجمہ: اور فی سبیل اللہ کے مفہوم میں غازی ہی مراد ہے جس کے پاس اسباب جنگ نہ ہونے کی وجہ سے سے مجبوراً جنگ میں جانے سے رکنا پڑ رہا ہے یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اس لئے کہ جب مطلقاً فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے، تو اس سے

الله علیه وسلم أن یحمل علیه الحاج ولا یصرف إلی أغنیاء الغزاة عندنا لأن المصرف هو الفقراء . (هدایه، کتاب الزکاة، باب من لایجوز، اشرفیه دیوبند۱/ ۲۰۵، قدیم ۱/ ۱۸۵)

یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے، اورحضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وہ مراد ہے، جواسباب سفرختم ہونے کی وجہ سے حج کرنے سے قاصر ہو چکا ہو، اس لئے کہ حضوراکرم ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ دیدیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی کو سواری کیلئے دینے کا حکم فرمایا اورزکوٰۃ مالدار غازی کو نہ دیا جائے، ہمارے نزدیک اسلئے کہ مصرف زکوٰۃ فقراء ہی ہیں۔

اورامام احمد بن حنبلؒ اوراسحاق بن ابراہیم کے نزدیک بس غازی کے ساتھ ساتھ ضرورت مند حاجی بھی اسمیں داخل ہے۔

وعن أحمد وإسحق الحج من سبیل الله . (فتح الباری ، کتاب الزکاة، باب قول اللّٰہ تعالیٰ وفی الرقاب والغارمین ۳/ ۳۳۲، اشرفیه دیوبند۳/ ۴۲۳، تحت رقم الحدیث : ۱۴۶۸)

ترجمہ: یعنی امام احمد اوراسحاق کے نزدیک حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

اب معلوم ہوا کہ علاوہ عاملین کے باقی مصارف زکوٰۃ میں فقراء کی شرط ملحوظ ہے اورصاحب درمختار وغیرہ نے جو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں طالب علم کو داخل فرمایا ہے اس کا مطلب بھی علامہ ابن عابدین شامی وغیرہ نے واضح کردیا ہے، کہ فقراء صحابہ جو اصحاب صفہ سے موسوم تھے وہ درحقیقت دربارنبوت میں تشنگی علوم نبوت کی وجہ سے ہی رہا کرتے تھے، اسلئے فقہاء نے جہاں طالب علم کو مستحق زکوٰۃ قراردیا ہے، وہاں فقیر ہونے کی بھی قید لگائی ہے اوراسی کو ترجیح دی ہے، اسلئے صاحب درمختار وغیرہ کی عبارات سے کوئی اشکال واقع نہ ہونا چاہئے۔

وقیل طلبة العلم وتحته فی الشامی وهل یبلغ طالب

ترجمہ: اورکہا گیاہے کہ طالب علم بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے اورشامی میں ہے

رتبة من لازم صحبة النبی صلی الله علیه وسلم لتلقی الأحکام عنه کأصحاب الصفة فالتفسیر بطالب العلم وجیه خصوصاً الخ. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند ۲۸۹/۳، کراچی ۳۴۳/۲)

کہ کیا کوئی طالب علم اس شخص کے مرتبہ کو پہونچ سکتا ہے، جس نے پیغمبر علیہ السلام کی صحبت اختیار کی ہے، حضور علیہ السلام سے احکام دین حاصل کرنے کیلئے جیسا کہ اصحاب صفہ، لہذا خاص طور پر فقراء طلبہ کے ساتھ فی سبیل اللہ کی تفسیر کرنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوگا۔

ائمۂ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور فقہاء ومحدثین اور مفسرین کے نزدیک فی سبیل اللہ کا مصداق صرف منقطع الغزاۃ ہے، مجاہد فی سبیل اللہ کے علاوہ باقی اور کوئی اس کے دائرے میں داخل نہیں ہے اسلئے کہ اس زمانہ میں عام محاورہ میں فی سبیل اللہ سے جہاد مراد ہوا کرتا تھا، بس صرف اتنا فرق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مجاہد فی سبیل اللہ کا فقیر ہونا شرط ہے، اور دیگر ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک فقیر ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ غازی غنی بھی فی سبیل اللہ کے مصداق میں داخل ہے یہی تفصیل قدر فرق کیساتھ فتح الباری، مغنی ابن قدامہ، ہدایۃ المجتہد، اوجز المسالک، بدائع، کتاب الفقہ، تاتارخانیہ، درمختار، سیر کبیر، مجمع الانھر، البحر الرائق، وغیرہ چاروں مذاہب کی کتابوں میں موجود ہے۔ (بدایه المجتهد، الزکاة، الفصل الثانی فی الصفة التی تقتضی صرفها إلیهم، دارالفکر بیروت ۲۷۷/۱، اوجز المسالك، الزکاة، أخذ الصدقة ومن یجوز له أخذها قدیم ۲۲۳/۳، جدید ۷۸/۶، مجمع الأنهر، کتاب الزکاة، باب فی بیان أحکام المصارف قدیم ۲۲۱/۱، دارالکتب العلمیة بیروت جدید ۳۲۵/۱، بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل فی المصارف کراچی ۴۵/۲، زکریا دیوبند ۱۵۴/۲، السیر الکبیر ۲۴۵/۴،

البحرالرائق ، کتاب الزکاة ، باب الوحدت ۲/۲٤۲ ، تاتارخانیه ۲/۲۷۰، درمختار، زکریا ۳/۲۸۹، کراچی ۲/۳٤۳، هدایه ، مکتبه اشرفی بکڈپو دیوبند ۱/۲۰۵ ، کتاب الفقه ۱/٦۲۱، احسن الفتاویٰ ٤/۲۵۳)

اورحافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں۔

وأما سبيل الله فالأكثر على أنه يختص بالغازى غنياً كان أو فقيراً إلا أن أبا حنيفةؒ قال يختص بالغازى المحتاج. (فتح الباری ، کتاب الزکاة، باب قول الله وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله بیروت ۳/۳۳۲، اشرفیه، دیوبند۳/٤۲۳، رقم: ۱٦٤۸)

ترجمہ: بہرحال فی سبیل اللہ کے بارے میں اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ مجاہد فی سبیل اللہ کیساتھ خاص ہے مجاہد چاہے فقیر ہو یا مالدار، مگر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے محتاج اور فقیر مجاہد کیساتھ خاص کردیا ہے۔

اورعلامہ موفق الدین بن قدامہ نے ائمۂ اربعہ کا مسلک ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے۔

أنهم الغزاة فى سبيل الله لأن سبيل الله عند الإطلاق هو الغزو (إلىٰ قوله) فإذا تقرر هذا فإنهم يعطون ، وإن كانوا أغنياء وبهذا قال مالك والشافعى وإسحق وأبو ثور وأبو عبيد وابن المنذر وقال ابو حنيفةؒ وصاحباه لاتدفع إلا إلى فقير الخ. (المغنی ٦/۳۳۲)

ترجمہ: حضرات فقہاء کہتے ہیں، کہ فی سبیل اللہ کا مصداق صرف غازی ہے، اسلئے کہ جب مطلقاً فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے، تو اس سے عرف عام میں جہاد ہی مراد ہوتا ہے، اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجاہد ہی مراد ہے، توان کو زکوٰۃ کا مال دیاجائے، اگر چہ وہ مالدار کیوں نہ ہواور اسی کوامام مالک امام شافعی اسحٰق ابوثور ابوعبیدہ بن المنذر وغیرہ نے اختیار کیاہے، اورامام ابوحنفیہؒ اورصاحبین کہتے ہیں، کہ صرف فقیر ہی کو دیاجا سکتا ہے۔

اور اس مضمون کی عبارتیں ائمۂ اربعہ کے مذاہب کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں، لہٰذا حاصل یہ نکلے گا، کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم کو عام کر کے اس کے تحت مساجد، مدارس، مسافر خانہ، شفاخانہ، وغیرہ کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہ ہوگا، یہ جو سوال پیش کیا جاتا ہے، کہ موجودہ دور میں مدزکوٰۃ کے بغیر اس قسم کے کار خیر کا انجام پذیر ہونا بہت دشوار گذار ہے یہ سوال سلف کے زمانہ میں پایا جاتا ہے، جب سلف نے اسکی اجازت نہیں دی ہے، اور کام چلتا رہا ہے، تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کیلئے خدا کی ذات سے امید ہے کہ یہ چلتا رہے گا، اور کچھ نہ کچھ پریشانیاں ہر زمانہ میں رہی ہیں، اور آئندہ بھی اس قسم کی دشواریوں سے چھٹکارہ نہیں ہوسکتا مگر سلف اور اجماع امت سے ہٹنا کسی بھی طرح جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۳۰۵۶)

بدائع کی عبارت سے غلط فہمی

سوال: [۴۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بدائع الصنائع کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ فی سبیل اللہ کا دائرہ بہت وسیع ہے، ہر نیک کام اس میں داخل ہوسکتا ہے، تو اگر فی سبیل اللہ میں عمومیت جائز نہیں ہے تو عبارت بدائع کا کیا مطلب ہوگا؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی،
فقہ اکیڈمی، پھلواری، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام علاء الدین کاسانیؒ کی بدائع الصنائع کی عبارت سے بعض لوگوں کو زبردست دھوکہ اور مغالطہ ہوا ہے، اور ان کی عبارت کے شروع حصہ سے فی سبیل اللہ کی عمومیت ضرور ثابت ہوتی ہے، لیکن انھوں نے عبارت کے آخر میں

جو احتیاج اور فقر کی قید لگائی ہے اسکی وجہ سے شروع کی عمومیت خود بخود ختم ہو جاتی ہے، اور امام کاسانیؒ کی پوری عبارت ہم یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

وأما قوله تعالىٰ وفي سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله وسبيل الخيرات ، إذا كان محتاجاً وقال أبو يوسفؒ المراد منه فقراء الغزاة لأن سبيل الله إذا أطلق في عرف الشرع يراد به ذلك وقال محمدؒ المراد منه الحاج المنقطع الخ. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة ، فصل المؤلفة قلوبهم كراچی ۲/ ٤٥، زکریا ۲/ ١٥٤)

بہر حال اللہ تعالیٰ کا قول وفی سبیل اللہ سے تمام نیک کام مراد ہیں، لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہوگا، جو اللہ کی اطاعت اور خیر کے راستہ میں محنت کرتا ہے، بشرطیکہ وہ محتاج اور فقیر ہو اور ابو یوسفؒ نے صرف فقیر غازی مراد لیا ہے، اسلئے کہ عرف شرع میں جب فی سبیل اللہ بولا جاتا ہے، تو اس سے صرف جہاد مراد ہوا کرتا ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ حاجی ہے جس کا زادراہ اور اسباب سفر ختم ہو چکے ہوں۔

اب بدائع کی مذکورہ عبارت میں دوبارہ غور کیا جائے، اس میں صرف اتنی عمومیت تو ضروری ہے کہ فی سبیل اللہ کے دائرہ میں ہر نیک کام کرنے والے داخل ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی ہے کہ وہ نیک کام کرنے والا محتاج فقیر ہو اور ائمۂ اربعہ جمہور فقہاء بھی ہر فقیر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیتے ہیں، بس اتنا فرق ہے، کہ صاحب بدائع نے ہر نیک عمل کرنے والے فقیر کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کر کے مصرف قرار دیا ہے، اور جمہور نے ہر فقیر کو مصرف زکوٰۃ قرار دیا ہے، لیکن فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل نہیں کیا ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ مفتی بغداد علامہ آلوسیؒ جیسے فقیہ اور مفسر وقت کو بھی بدائع کی عبارت نقل کرنے میں

مسامحت ہوگئی ہے، کہ انھوں نے بھی '' إذا کان محتاجاً '' کی شرط کونقل نہیں کیا ہے۔

(روح المعانی، سورۂ توبہ تحت الآیۃ ۵۹، ۶۰، جدید زکریا ۱۰/ ۱۷۹، قدیم ۱۰/ ۱۲۳)

بہر حال جن لوگوں نے بدائع کی عبارت سے عمومیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان کو ''إذا کان محتاجاً '' کی شرط پر توجہ نہ کرنے کی بنا پر مغالطہ ہوا ہے۔ (فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۷)

کیا فی سبیل اللہ کے مصداق، مدارس، مساجد اور اکیڈمیاں ہوسکتی ہیں؟

سوال: [۴۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا فی سبیل اللہ کے دائرہ میں شخص حکمی جو محتاج ہے، وہ داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ محتاج شخص حقیقی کے دائرہ میں داخل ہونے کا سوال نہیں ہے، بلکہ محتاج شخص حکمی یعنی مدارس، مساجد، اکیڈمیاں وغیرہ داخل ہوسکتی ہیں یا نہیں؟

المستفتي: مجاہد الاسلام قاسمی، فقہ اسلامی،
پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے مفہوم میں حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے صرف فقیر غازی کو داخل کیا ہے، اور حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے غازی فقیر اور غازی غنی دونوں کو داخل فرمایا ہے، لیکن غزاۃ کی شرط کیساتھ مقید کیا ہے، اور امام احمد بن حنبل اور اسحق بن راہویہؒ اور امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک غازی کیساتھ ساتھ محتاج حاجی بھی بنص حدیث داخل ہے، اور صاحب درمختار نے محتاج غازی وحاجی اور طالب علم کو بھی شامل فرمایا ہے، لیکن جہاں جہاں عمومیت کی

بات ہے وہاں فقر واحتیاج کی بھی قید ہے، لھذا اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم کو عام کیا جائے، تو شخص حقیقی کے فقر اور احتیاج کی قید کیساتھ کیا جاسکتا ہے اس کے بغیر عمومیت کی اجازت نہیں ہوسکتی ہے، اور شخص حکمی کو احتیاج کی وجہ سے فی سبیل اللہ کے دائرہ میں موجودہ دور میں بھی داخل نہیں کیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ جن ضرورتوں کی بنا پر شخص حکمی (تعمیر مساجد، تعمیر مدارس، تعمیر مکاتب، اور اکیڈمیوں اور رفاہی اداروں کی ضرورتوں) کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کرنے سے جو سوال پیدا ہورہا ہے، وہی سوال اور ضرورتیں زمانہ رسالت اور ائمہ مجتہدین کے دور میں بھی پائی جاتی تھیں، اس کے باوجود کہیں یہ ثابت نہیں ہیکہ اس طرح کی ضرورت کو فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل کیا گیا ہے، ہاں البتہ دیگر صدقات نافلہ کی ترغیب دی گئی ہے ہم کو بھی اس طرح صدقات نافلہ کی ترغیب دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، اسلئے یہ ضرورتیں توسع کا باعث نہیں بن سکتی ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۵۸)

زکوٰۃ وصدقۂ فطر کا بہترین مصرف

سوال: [۴۳۱۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ صدقہ فطر اور زکوٰۃ کا بہترین مصرف مدارس ہیں، کیا ان کا کہنا درست ہے؟ اور زکوٰۃ مدارس ہی میں دینا چاہئے؟

المستفتي: محمد فاروق، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ مفتی صاحب کا کہنا صحیح اور درست ہے اسلئے کہ مدارس میں غریب طلبہ پر خرچ ہوتا ہے، لہٰذا زکوٰۃ وصدقات واجبہ صرف ان مدارس میں

دیئے جائیں جن میں بیرونی طلباء اور مطبخ ہو کیونکہ ان پر خرچ کرنے پر زکوۃ بھی ادا ہو جاتی ہے، اور دین کی خدمت بھی ہوتی ہے، اور نیک لوگوں پر خرچ ہو جاتا ہے۔

التصدق على العالم الفقير أفضل الخ. (درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۵٤، زکریا دیوبند۳/ ۳۰٤، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲، هندیه، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف زکریا دیوبند ۱/ ۱۸۷، جدید۱/ ۲٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ صفر المظفر ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۲/۶ھ

زکوۃ کس کو دیں طلبہ کو یا غریب لوگوں کو؟

سوال: [۴۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے پڑوس اور رشتہ داروں میں ایسے یتیم و مسکین ہیں جو بے نمازی شریر ہیں، ان کے لئے کوئی کمانے والا بھی نہیں اور ایک طرف اجنبی اور دوسرے خاندان و گاؤں میں اچھے لوگ نماز روزہ کی پابندی کرنے والے یتیم و مسکین ہیں، ان میں بھی کوئی کمانے والا نہیں اور ایک طرف مدرسہ کے طلباء موجود ہیں ان کے ماں باپ بھی موجود ہیں، اور مدرسہ بھی چندہ وغیرہ سے بھرا ہے، مال کے اعتبار سے کسی قسم کی کمی نہیں ہے، تو اس صورت میں کس کو زکوۃ وصدقہ دینا اچھا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث میں آیا ہے، کہ قریبی رشتہ داروں کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی کا بھی ثواب ملتا ہے، اسی طرح اہل علم اور علماء کو دینے سے علم دین کا بھی ثواب ملتا ہے، لیکن اگر قریبی رشتہ دار شرارتوں اور برائیوں میں مبتلا ہوں

اورزکوٰۃ کے پیسہ کا برائیوں میں خرچ کرنے کا اندیشہ ہوتوان کوزکوٰۃ دینے سے ڈبل ثواب نہیں ملے گا، لہٰذا ان کے مقابلہ میں اہل علم علماء اور دینی طلبہ اور دوسرے نیک صالح غریب لوگوں کوزکوٰۃ دینا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

التصدق علیٰ العالم الفقیر أفضل . (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/ ۳۵٤، زکریا دیوبند ۳/ ۳۰٤، حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکاۃ، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲، هندیه ، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف زکریا دیوبند ۱/ ۱۸۷، جدید ۱/ ۲٤۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۹۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۳ھ

غیر مالک نصاب غریب کوزکوٰۃ لینا

سوال: [۴۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں چار پانچ سال سے بہت زیادہ پریشان ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تیاری کا کام تھا اس میں مجھ کونقصان ہوگیا، اور پیسہ کسی پارٹی نے دیا بھی نہیں جس کی وجہ سے کافی قرضدار ہوگیا، قرض کی ادائیگی میں اپنا زیور اور مال تھا وہ بھی اور چھوٹے بھائیوں نے اپنا زیور فروخت کرکے قرض ادا کردیا لیکن آج تک مکمل قرض ادا نہیں ہوا ۲۵؍ پرسینٹ باقی رہ گیا ہے، کیونکہ میرا کوئی کاروبار اس طرح کا نہیں ہے، کہ میں قرض ادا کرسکوں، مزدوری کرکے اپنے آٹھ بچوں کا خرچ چلاتا ہوں وہ بھی بہت پریشانی سے ہوتا ہے، ایک مکان والد مرحوم کا ہے، وہ بھی بینک میں رکھا ہوا ہے، کچھ لوگوں کا قرض ایسا باقی ہے جو لوگ بہت زیادہ برا بھلا کہتے اور گالی دیتے ہیں، ایسی حالت میں زکوٰۃ کا پیسہ لینا اور قرض کی ادائیگی کرنا یا کوئی کاروبار کرنا کیسا ہے؟ اب کوئی سرمایہ نہیں ہے جس سے قرض کی

ادائیگی ہوسکے؟ جواب سے نوازیں

المستفتي: محمد یامین، مقبرہ دوئم، کیت والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے پاس سونا، چاندی یا نقدی وغیرہ بقدر نصاب قرض چکانے کے بعد نہیں بچتا ہے، تو آپ کیلئے زکوٰۃ کے روپیہ سے اپنا قرض ادا کرنا جائز ہوگا، کیونکہ آپ شرعا زکوٰۃ کے مصرف ہیں۔

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه، وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولىٰ منه للفقير الخ. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ۲۸۹/۳، کراچی ۳۴۳/۲، کوئٹہ ۶۷/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۸/ شعبان ۱۴۱۰ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۹۱۶)

غریب شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے

سوال: [۴۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کی حالت یہ ہے کہ اس کی کمائی اتنی ہے کہ روزی روٹی چلتی ہے، اور قرضہ بہت ہے، اتنی کمائی نہیں ہو پاتی ہے کہ جس سے قرضہ ادا کرسکے، اب آپ سے سوال یہ ہے کہ قرضہ ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ وفطرہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ حضرت مفصل جواب سے نوازیں گے؟

المستفتي: محبّ اللہ، خادم: مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں لے سکتا ہے۔

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه ، وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولىٰ منه للفقير الخ. (الدر المختار ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۹، كراچی ۲/ ۳۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۰۲۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۲/۴ھ

سخت مجبوری میں زکوٰۃ کا روپیہ لینا

سوال: [۴۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ۶/ سال سے بہت زیادہ پریشانی میں چل رہا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا کام تیاری کا تھا، جو کہ مال باہر جاتا ہے، اس میں مجھ کو کافی نقصان ہو گیا، کئی پارٹیوں نے پیسہ نہیں دیا اور اپنا کام ختم کر دیا اس میں میرے اوپر قرض زیادہ ہو گیا قرض کی ادائیگی میں اپنا جو کچھ زیور تھا فروخت کر کے قرض میں دیدیا اور چھوٹے بھائیوں نے بھی کافی سہارا دیا جس قابل تھے، اس کے باوجود قرض ایک حصہ ابھی باقی ہے، جو کہ لگ بھگ ۲۵/ پرسینٹ ہے، اس میں سیل ٹیکس کا بھی ہے جو کہ بغیر رشوت کے کام نہیں ہو سکتا، اس وقت میرا اور کوئی سہارا نہیں ہے، کہ قرض سے نجات پاسکوں ایک مکان ہے جو بینک میں رکھا ہے اس پر پیسہ محمد اکرام مرحوم میرے بھائی تھے انھوں نے لیا تھا، اس میں گیارہ حصہ دار ہیں، اور مکان بینک سے ابھی تک واپس نہیں ملا ہے، عدالت میں کیس چل رہا ہے، میری آمدنی اتنی نہیں ہے کہ گھر کا خرچہ بھی صحیح طریقہ سے پورا کرسکوں میرے ۸/ بچے اور ۲/ ہم خود ۱۰/ آدمیوں کا خرچہ اس حالت میں نہ تو قرض ادا ہو رہا ہے اور نہ ہی سیل ٹیکس سے پیچھا چھوٹ رہا ہے، کئی ایسے لوگ ہیں جن سے منھ چھپانا پڑتا ہے، کیونکہ وہ لوگ راستہ میں طرح طرح کی گالیاں بھی دیدیتے ہیں، اور برا بھلا بھی کہتے ہیں،

اور سیل ٹیکس والے بھی بہت پریشان کررہے ہیں، ایسے حالات میں زکوٰۃ یا بینک میں جو لوگ پیسہ رکھتے ہیں اس کا سود ملتا ہے اس سے قرض یا سیل ٹیکس میں دیکر اپنی جان چھڑا سکوں؟ جو بھی شریعت کی رو سے بہتر ہو جواب سے نوازیں کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد یامین ولد مشتاق حسین مرحوم،
مقبرہ دویم، کیت والی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ایسی مجبوری کے تحت مقروض آدمی کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ قبول کرکے اپنا قرض ادا کرنا شرعاً جائز ہے، نیز اس ناداری کی حالت میں سودی رقم سے قرض ادا کرنا بھی جائز ہوگا اس لئے کہ بینک کے سودی رقم کا مستحق نادار فقیر ہی ہوا کرتا ہے۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديونا أو كان صاحب عيال الخ. (الدر المختار، کراچی ۲/۳۵۳، زکریا ۳/۳۰۳)

أما إذا كان عند رجل مال خبيث فأما إن ملكه بعقد فاسد أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه ويريد أن يدفع مظلمة عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء الخ. (بذل مصری ۱/۱۴۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۹۷)

کیا رکشا چلانے والا صاحب نصاب ہے؟

سوال: [۴۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بہت غریب ہے، کرائے کا رکشا چلا کر گذر بسر کرتا ہے، جسکی وجہ سے اس کی محنت کے چھ سات روپئے بلکہ اور بھی آٹھ دس روپیہ کرائے کی شکل میں رکشا مالک کو چلے جاتے ہیں،

کیاانجمن زکوٰۃ کے پیسے سے رکشا خرید کر اسے اس رکشا کا مالک بنا سکتی ہے؟ تاکہ وہ خود کفیل ہوجائے ،امید ہے کہ برائے کرم تشفی بخش جواب دے کر پہلی فرصت میں جلد از جلد ارسال فرمائیں گے؟ ممنون ہوگا ؟

المستفتي:سکریٹری، امدادی کمیٹی، ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر رکشا چلانے والا نصاب زکوٰۃ کا مالک نہیں ہے، تو اس کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز ہے، زکوٰۃ کے روپئے سے رکشا یا دوسری چیز خرید کر دینا بھی جائز ہے۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة . (شامی، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف ، زکریا دیو بند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۵/۱۸۰۰)

جس شخص پرصدقۃ الفطر واجب ہواسکوزکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۲۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص صاحب نصاب ہے، مگر زکوٰۃ اس پر واجب نہیں ہے، صدقۂ فطر واجب ہے، مثلاً نقد روپئے دو ہزار ہیں ، اور تقریباً تین ہزار روپئے کے برتن ہیں جو ضرورت سے زائد ہیں، اور مال تجارت بھی نہیں ہے تو ایسے شخص کو جو صاحب نصاب ہو اور اس پر فطرہ واجب ہو اور زکوٰۃ واجب نہ ہو تو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص پرصدقۂ فطر واجب ہواسکوزکوۃ دینا

جائز نہیں؛ لہٰذا اگر کسی نے اس کے صاحب نصاب کا علم ہونے کے باوجود اس کو زکوٰۃ دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

عن عبد الله بن عمرو، عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني ولالذی مرة سوي. (سنن الترمذی، الزکاة، باب ماجاء من لاتحل له الصدقة ، النسخة الهندیه ۱/ ۱٤۱، دارالسلام رقم :٦٥٢)

ولا إلیٰ غني یملک قدر نصاب . (در مختار علی شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/ ۳٤۷، زکریا ۳/ ۲۹٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۴۹۸۸)

صدقۂ فطر کے نصاب کا مالک مستحق زکوٰۃ نہیں

سوال: [۴۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) سونا، چاندی، روپیہ، پیسہ یا تجارتی سامان نصاب کے برابر پہنچ جائے تو اس کے اوپر زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں؟ لیکن سوال یہ ہیکہ صدقۂ فطر کا نصاب بننے کیلئے تجارتی سامان، روپیہ، پیسہ اور سونا چاندی کا ہونا لازم نہیں ہے، بلکہ حاجت اصلیہ سے زائد کوئی بھی سامان ہو، یا رہائشی مکان سے الگ کوئی مکان ہو یا گھر میں سال بھر کا غلہ رکھا ہو یا ضرورت سے زائد برتن ہوں، ان چیزوں کو ملانے کے بعد نصاب کو پہنچ جاتا ہے، تو اس کو صدقۂ فطر ادا کرنا پڑتا ہے، یہ بات کہاں تک درست ہے مفتی صاحب واضح فرمادیں؟

(۲) اسی میں دوسرا سوال یہ ہے کہ آدمی صدقۂ فطر کے نصاب کا مالک ہے صدقۂ فطر ادا کرنا اس پر لازم ہے مگر نصاب زکوٰۃ کا مالک نہیں ہے، تو صدقۂ فطر کے

نصاب کا جو مالک ہے اس کیلئے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اس کو مع دلیل تحریر فرمائیں؟

المستفتی: محمد یعقوب، ناہل، غازی آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جی ہاں یہ بات صحیح ہے کہ صدقۂ فطر کے واجب ہونے کیلئے تجارتی سامان اور مال نمو کا ہونا لازم نہیں ہے، بلکہ حاجت اصلیہ سے زائد کوئی بھی چیز ہو اور وہ نصاب کے بقدر ہو جائے، اس کے اوپر صدقۂ فطر کا ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے، مثلاً ضرورت سے زائد کوئی مکان ہے چاہے اسے کرایہ پر دیا ہو یا ایسے ہی خالی پڑا ہو اسی طرح ضرورت سے زائد سردی یا گرمی کے کپڑے ہیں یا اتنا بڑا مکان ہے جس کے چند کمروں میں رہائشی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، اور کچھ کمرے رہائشی ضرورت سے بھی زائد ہیں، جنکی قیمت نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے، تو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) جس آدمی کے پاس صدقۂ فطر کے نصاب کے بقدر ضرورت سے زائد سامان ہے مثلاً سردی و گرمی کے کپڑے جو ہر وقت کے استعمال سے زائد ہیں، یا دیہاتی آدمی کے لئے سال بھر کا غلہ ہے اور شہر کے کاروباری آدمی کے پاس ایک مہینہ سے زائد کھانے کا غلہ ہے مثلاً اتنا غلہ موجود ہے، جو دو مہینے تک کھایا جا سکتا ہے، تو ایک مہینہ کا غلہ حاجت اصلیہ میں داخل ہے اور ایک مہینہ سے زائد غلہ حاجت اصلیہ میں داخل نہیں ہے، اور اس کی قیمت نصاب کو پہنچ جائے اسی طرح کوئی پلاٹ پڑا ہوا ہے، چاہے اس پر اپنا مکان بنانے کا ارادہ کیوں نہ ہو، اور اس کی قیمت نصاب سے زائد ہے تو وہ مستحق زکوٰۃ نہیں، اسکو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور نہ ہی اسکے لئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز ہے۔

إذا كان له دار لا يسكنها ويؤاجرها أو لا يؤاجرها يعتبر قيمتها في الغنى، وكذا إذا سكنها وفضل عن سكناه شيئ يعتبر فيه قيمة الفاضل في النصاب . (خانية على الهندية، كتاب الصوم ، فصل فى صدقة الفطر

۱/۲۲۷، جدید۱/۱۴۱)

ھی واجبة علی الحر المسلم المالک لنصاب فاضل عن حوائجه الأصلية ، وإن لم يكن نامياً وبه تحرم الصدقة وتجب الأضحية (وتحته فی مجمع الأنهر) وإن لم يكن النصاب نامياً كدار لا تكون للسكنى، ولو كان له دار واحدة يسكنها وفضلت عن سكناه يعتبر الفاضل ، إن كانت قيمته نصاباً وكذا مافضل عن الثلاثة من الثياب للشتاء والصيف ، وعن فرسين للغازي وفرس وحمار للغير . (ملتقیٰ الأبحر مع مجمع الأنهر ، كتاب الصوم ، صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۳۵، الفتاویٰ التاتار خانية ،كتاب الصوم ، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر زكريا ديوبند۳/۴۵۳، رقم: ۴۸۳۱، ۴۸۳۲)

ولا يجوز دفع الزكاة إلیٰ من يملک نصاباً أي مال كان، دنانير أو دراهم أو سوائم أو عروضاً للتجارة أو لغير التجارة فاضلاً عن حاجته فی جميع السنة ، والشرط أن يكون فاضلاً عن حاجته الأصلية وھی مسكنه وأثاث مسكنه ، وثيابه وخادمه ، ومركبه ، وسلاحه ، ولا يشترط النماء إذ ھو شرط وجوب الزكاة . (ھندیه ، كتاب الزكاة ، الباب السابع فی المصارف ۱/۱۸۹، جديد ۱/۲۵۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۱۸۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۱/۲۸ھ

کسی کو زبردستی زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید ذات کا فقیر ہے، اس کے ماں باپ مانگتے ، اور قبر کھودتے تھے، اور مردے کو

غسل دینے کا کام کرتے تھے، اور خود بھی کچھ دنوں تک ایسا کیا، لوگ قبرستان میں اناج لے جاتے ہیں، اور زید کو اناج لینے پر مجبور کرتے ہیں، تو کیا زید کیلئے یہ لینا ضروری ہے جبکہ زید لینا نہیں چاہتا ہے؟

(۲) زید نے ایک مرتبہ سوچا کہ میں اگرچہ ذات کا فقیر ہوں لیکن میرے اندر اتنی طاقت ہے کہ میں مزدوری کرسکتا ہوں اور میرے اولاد بھی ہے، اور میں مقروض ہوں، تو کیا اگر مجھے لوگ زبردستی زکوٰۃ صدقات وخیرات وغیرہ دیں تو میرے لئے لینا ضروری ہے، جبکہ میں اسکو لینا نہیں چاہتا؟

المستفتي: محمد ظہور شاہ، سہس پور، علی نگر، ڈ دولی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) جب آپ لینا نہیں چاہتے تو لوگوں کو آپ پر زور وزبردستی کرنے کا کوئی حق نہیں، آپ اگر نہ لیں تو آپ پر ملامت کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔

عن عمرو بن يحي المازني عن أبيه أن رسول الله ﷺ قال: لاضرر ولاضرار. (موطا للإمام مالك، النسخة الهندية / ۳۱۱)

(۲) آپ نہ لیں تو لوگوں کو زور دینے کا حق نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۱/۳۰ھ

استحقاق زکوٰۃ سے متعلق سوالات وجوابات

سوال: [۴۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک خاتون پرائیویٹ اسکول میں ملازمت کرتی ہے، اسکی تنخواہ ۲۴۰۰ روپئے ہے، اس نے

شوہر پیشہ سے وکالت کرتے ہیں، مگرآمدنی بہت قلیل ہے گھریلو اخراجات میں مختصر تعاون کرتے ہیں، خاتون خود ہی کسی طرح گھریلو اخراجات کو پورا کرتی ہیں، تنگی سے گذر بسر ہوتا ہے، کرایہ کے مکان میں رہتی ہے ۱۵۰۰/سو روپئے ماہانہ کرایہ ادا کرتی ہے، ایک لڑکا ہے جو بیمار رہتا ہے، جس کے علاج میں ۱۱۰۰، ۱۲۰۰/ ماہانہ خرچ ہوتا ہے، اور اسکی تعلیم بھی جاری ہے اس پر بھی رقم خرچ ہوتی ہے۔

اس کے پاس زیور یا ازقسم نقد کچھ نہیں ہے، زیور اور تانبے کے برتن فروخت ہو چکے ہیں، اخراجات کی تنگی رہتی ہے اور اپنے ذاتی مکان کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔

مستحق زکوٰۃ ہونے کیوجہ سے دوسروں نے اس کو زکوٰۃ کی رقم دی جس کو قسطوں سے ادا کرکے اس نے ایک زمین اپنے لڑکے کیلئے (جوکہ خود غریب ہے) مکان بنانے کیلئے خرید لی ہے؟ (ابھی رجسٹری نہیں ہوئی ہے)

قابل دریافت امر یہ ہے کہ کیا اس زمین کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے اس لڑکے پر صدقۂ فطر اور قربانی کا وجوب ہوجائے گا، (جبکہ یہ زمین مکان کیلئے ہے جو حاجت اصلیہ میں سے ہے، اور اس کے پاس کوئی دوسرا مکان نہیں ہے، اپنی والدہ کے ساتھ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے)

یا حاجت اصلیہ میں شمار ہوکر اس کی قیمت محسوب نہ ہوگی، اور اس زمین کیوجہ سے صدقۂ فطر اور قربانی کا وجوب نہ ہوگا، اور یہ زمین مانع اخذ زکوٰۃ بھی نہ ہوگی؟

(۲) زکوٰۃ کی رقم ایسی خاتون یا اسکے لڑکے کو لینا جائز ہے تو علاج اور تعلیم میں تو فوراً روپئے خرچ ہوتے ہیں، مگر مکان بنانے کیلئے روپیہ جمع کرنا پڑے گا، تو کس حد تک جمع ہوجائے، کہ اسکے بعد زکوٰۃ نہ لے؟

(۳) نیز اگر زکوٰۃ کی رقم لے سکتا ہے تو کیا بغیر سوال کئے کوئی دیدے تب ہی لے سکتا ہے، یا اظہار حال اور سوال کرنے کی اجازت ہے؟

المستفتي: نوید احمد، کریلی، الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق :(۱)اگر مذکورہ فی السؤال خاتون اوران کے شوہر خاندان سادات سے نہیں تو صورت مسئولہ میں وہ مصارف زکوٰۃ میں سے ہیں، ان کو اگر کوئی زکوٰۃ دیدے تو اس کو قبول کر کے اپنے اوپر خرچ کرنا جائز ہے، بقدر ضرورت زمین برائے مکان کی قیمت محسوب کرنے سے زکوٰۃ وقربانی کا وجوب نہیں کیونکہ یہ زمین حاجت اصلیہ میں شمار ہے۔

ھکذا فی رد المحتار تحت (قوله وفارغ عن حاجته الأصلية الخ.) كالنفقة ودور السكنىٰ. (الدر مع الرد، زکریا دیوبند۳/۱۷۸، کراچی ۲/۲۶۲)

(۲)برائے مکان اس مقدار میں زکوٰۃ لے کہ نصاب کی مقدار سے کم رہے، جب وہ مکان میں صرف ہو جائے تو پھر اتنی مقدار لے لے کہ نصاب کو نہ پہونچے اسی طرح مکان بنالے۔

(۳)بغیر مانگے کوئی دیدے تو اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ جس شخص کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہے یا کمانے پر قادر ہے، ایسے شخص کو سوال کرنا جائز نہیں، فضائل صدقات میں اس کی تفصیلات کو ملاحظہ کرلیا جائے، اس کے بعد کچھ معلوم کرنیکی ضرورت ہو تو سوال کریں۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:محمود حسن غفرلہ بلندشہری
۱۴۲۸/۵/۵ھ
(فتویٰ:۵۶۱ھ)

دارالافتاء مدرسہ اسلامیہ عربیہ وصیۃ العلوم الہ آباد کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

حامدا ومصليا ومسلما :صورت مسئولہ میں دارالعلوم دیوبند سے جوفتویٰ دیا گیا ہے، اس میں تسامح ہے، کیونکہ مذکورہ زمین سے مستفتی کا تعلق نہ تو سکونت کے اعتبار

سے ہے، کہ اس کو دار سکنی کا مصداق قرار دے کر حاجت اصلیہ میں شمار کیا جائے، اور نہ ہی اس زمین سے مستفتی کا تعلق نفقہ کے اعتبار سے ہے، (مثلاً اس کو کرائے پر دے رکھا ہو اور اس کی آمدنی اپنی ضروریات میں صرف کررہا ہو) کہ اس کو نفقہ کا مصداق قرار دے کر حاجت اصلیہ میں شمار کیا جائے، بلکہ حقیقی صورت یہ ہے کہ مستفتی مستقبل میں اس زمین پر مکان بنا کر سکونت اختیار کرنے کا عزم وارادہ رکھتا ہے، اور مستقبل کی ضروریات حاجت اصلیہ میں شرعاً شامل نہیں۔ (مثلاً اگر کسی کے پاس رہنے کے لئے مکان نہ ہو اور کرائے کے مکان میں رہتے ہوئے اپنی آمدنی سے تھوڑا تھوڑا پس انداز کر کے مکان بنانے کے لئے بقدر نصاب رقم جمع کرلے تو اس پر شرعاً صدقۂ فطر وقربانی واجب ہو جاتی ہے، اور سال گذرنے پر زکوٰۃ بھی واجب ہو جاتی ہے، اور یہ شخص مصرف زکوٰۃ بھی نہیں رہتا حالانکہ اس کی رقم مستقبل میں مکان بنانے کی ضرورت سے ہے اس لئے بندہ کے نزدیک صورت مسئولہ کا صحیح جواب یہ ہے کہ مستفتی پر صدقہ وقربانی واجب ہوگی اور زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہوگا، جس کی تائید مندرجہ ذیل فقہی عبارات اور فتاوے سے ہوتی ہے۔

فقہی عبارات: (۱) أما الغنا الذی یحرم به أخذ الصدقة وقبولها فهو الذي تجب به صدقة الفطر والأضحية وهو أن يملك من الأموال التى لاتجب فيها الزكوٰة ما يفضل عن حاجته وتبلغ قيمة الفاضل مائتي درهم من الثياب والفرس والدور والحوانيت والدواب والخدم زيادة على مايحتاج إليه كل ذلك للابتذال والاستعمال لاللتجارة والإسامة ،فإذا فضل من ذلك مايبلغ قيمته مائتي درهم وجب عليه صدقة الفطر والأضحية وحرم عليه أخذ الصدقة. (بدائع الصنائع، ۲/۱۵۸، جدید زکریا دیوبند)

(۲) الحاجة الأصلية هی مایدفع الهلاک عن الإنسان تحقيقا كالنفقة ودور السكنیٰ وآلات الحرث والثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد أو تقديرا كالدين فإن المديون محتاج إلىٰ قضاءه بما فی يده من النصاب دفعاً عن نفسه الحبس الذی هو كالهلاک . (قواعد الفقه/۲۵۷)

(۳) فالأولىٰ التوفيق بحمل مافی البدائع وغيرها على ماإذا أمسكه

لينفق منه كل مايحتاجه فحال الحول وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلک الباقی ، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضافی المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلیٰ حوائجه الأصلية وقت حولان الحول الخ. (شامی، مطبوعه مكتبه زكريا ديوبند ۳/۱۷۹، كراچی ۲/۲۶۳)

(۴) **ولو له عقار يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصابا وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم وقيل قوت شهر فمتیٰ فضل نصاب تلزمه .** (شامی، ۹/۴۵۲)

فتاوے: (۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امدادالفتاویٰ ۲/۳۰ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں، روایات مذکورہ سوال سے توزیادہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔۔۔۔مگر اس میں قدرے تفصیل ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اس عقار سے یہ شخص استغلال نہیں کرتا تب تو خود اس کی قیمت کا اعتبار ہے پس اگر وہ فاضل عن حاجۃ الاصلیہ قیمت بقدر نصاب ہے،تو مانع اخذ زکوٰۃ اور موجب فطر واضحیہ ہے الخ۔

(۲) نیز امدادالفتاویٰ ۲/ ۲۹ پر ہے،سوال: ایک شخص کے پاس دوسو روپئے نقد ہیں، جن پر سال گزر گیا ہے،مگر اس خیال سے جمع کر رکھے ہیں کہ اپنے رہنے کے واسطے مکان خریدے یعنی اس کے پاس رہنے کے واسطے مکان نہیں ہے، بلکہ اپنی ہمشیرہ کے مکان میں قیام پذیر ہے، نیز اس پر قرض بھی نہیں ہے،لہٰذا اس صورت میں زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس میں اختلاف ہے،مگر راجح وجوب زکوٰۃ ہے۔

(۳) فتاویٰ رحیمیہ ۲/۸۸ پر جناب مفتی عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔اپنا گھر چاہے کرایہ پر دیا ہو یا مفت یا خالی پڑا ہوا اور خود دوسرے مکان میں کرایہ پر رہتا ہو یا مفت ہر ایک صورت میں قربانی اور فطرہ کے متعلق مالداری میں اس مکان کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ یہ مکان فی الحال حاجت اصلیہ سے زائد ہے۔فقط ہٰذا ماعندی واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد: (المفتی) محمد ضیاء الدین القاسمی عفی عنہ
دارالافتاء: مدرسہ اسلامیہ عربیہ وصیۃ العلوم
۲۳/۳۵ بخشی بازار، روشن باغ، الہ آباد

دارالافتاء مدرسہ شاہی مرادآباد کا جواب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال اوراس کا جواب جو دارالعلوم کی طرف سے دیا گیا ہے، اورآنجناب کی طرف سے دیا گیا ہے، سب چیزوں پر نظر ڈالی گئی حاصل یہ ہے کہ سوال نامہ میں مکان تعمیر کیلئے بمشکل وہ زمین خرید کر ڈال دی گئی ہے جس پر مکان بنانے ہی کا ارادہ ہے وہ زمین افتادہ زمین کے درجہ میں ہے اور افتادہ زمین کی وجہ سے زکاۃ ،صدقۂ فطر، اوراضحیہ لازم نہیں اور مال کے اعتبار سے وہ زمین رہائشی مکان بنانے کیلئے ہے جو حاجت اصلیہ کے دائرے میں داخل ہے، اور افتادہ زمین کے بارے میں امداد الاحکام (۳/ ۴۵) میں وضاحت سے لکھا گیا ہے، کہ اگر ہزار بیگھہ بھی ہو تب بھی اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے، اور زکاۃ لے کر اپنی ضرورت پوری کرنے کی اجازت ہے، اورآنجناب نے جو امداد الفتاویٰ کا حوالہ پیش کیا ہے اس میں غور کرنے کی ضرورت ہے، اگر زمین ایسی ہے کہ جس سے آمدنی ہوتی ہے جو اپنے اور اہل وعیال کے خرچ سے بچتی نہیں ہے، تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک اس کے لئے زکاۃ سے ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے ، حضرت تھانویؒ نے یہ جو لکھا ہے، کہ اگر اس عقار سے وہ شخص استغلال نہیں کرتا تو خود اسکی قیمت کا اعتبار ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی جگہ کہ جس سے آمدنی حاصل کی جاسکتی ہے، مگر پھر بھی اس سے آمدنی حاصل نہیں کی جارہی ہے، ایسے ہی فالتو میں ڈال رکھا ہے، نہ یہ کہ مکان بنانے کیلئے جو زمین خرید کر ڈال دیا ہے اس کی قیمت کا اعتبار ہے، اسلئے کہ وہ زمین قابلِ استغلال اور قابلِ آمدنی ہی نہیں ہے، اس لئے سوال مذکور میں مکان بنانے کیلئے جس زمین کا ذکر ہے وہ زمین یا تو افتادہ زمین کے حکم میں ہوگی یا ایسے دارسکنیٰ کے حکم میں ہوگی جس کا کل حصہ استعمال میں نہیں آرہا ہے، بلکہ بعض حصہ فالتو پڑا ہوا ہے، تو ایسے مکان اور ایسی زمین کے بارے میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے،

کہ اس پر زکاۃ، صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے، اور اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے بقدر ضرورت زکاۃ لینا بھی جائز ہے، اسی قول پر فتویٰ ہے اسلئے آنجناب کا لکھا ہوا جواب اور دار العلوم کا لکھا ہوا جواب دونوں میں سے دار العلوم کا فتویٰ صحیح ہے اب آنجناب کی تشفی کے لئے حکم مذکور کے مطابق چند جزئیات پیش خدمت ہیں، ممکن ہے کہ ان جزئیات سے آپ کا اشکال دور ہو جائے۔

وفيها عن الصغرىٰ له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لايسكن الكل يحل له أخذ الصدقة فى الصحيح وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أودار غلتها ثلاثة آلاف و لاتكفي لنفقته و نفقة عياله سنة يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفاً وعليه الفتوىٰ. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف، قبيل مطلب فى جهاز المرأة هل تصير به غنية كراچی ۲/ ۳٤۸، زكريا ۳/ ۲۹٦)

وإذا كانت له دار يسكنها تحل له الصدقة، وإن لم تكن الدار جميعا مستحقة بحاجته بأن كان لايسكن الكل وهو الصحيح . (التاتار خانية كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند۳/ ۲۱۵، رقم: ٤۱٦۲، كوئٹه ۲/ ۲۷٦)

سئل محمد بن الحسن عمن له أراضي يزرعها أو حانوت يستغلها وفى الخانية أو دار غلتها تساوى ثلاثة آلاف قال إن كان غلتها تكفى لنفقته ونفقة عياله سنة لايحل له أخذ الزكاة، وإن كانت غلتها لاتكفي لنفقته ونفقة عياله سنة، قال محمد يحل له أخذ الزكاة، وإن كان قيمتها يبلغ ألوفاً وفى الفتاوى العتابية وعليه الفتوىٰ . (تاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة زكريا ديوبند۳/٦ ۲۱، رقم: ٤۱٦۷، كوئٹه ۲/ ۲۷۷)

لوكان له حوانيت أو دار غلة تساوى ثلاثة آلاف درهم وغلتها لاتكفي لقوته وقوت عياله يجوز صرف الزكاة إليه فى قول محمد رحمه

الله تعالیٰ. (خانیه علی هامش عالمگیری، کتاب الزکاة، فصل فیمن توضع فیه الزکاة، زکریا دیوبند۱/۲۶٦، جدید ۱/۱٦۳، عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف زکریا دیوبند۱/۱۸۹، جدید ۱/۲۵۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۵۲/۳۸)

صدقات واجبہ کے مصارف

سوال: [۴۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) صدقات واجبہ، فطرہ، زکوٰۃ، صدقہ (چرم قربانی یا اس کی قیمت) وغیرہ کا مصرف کون ہیں؟ کیا تملیک ادائیگی کیلئے ضروری ہے؟

(۲) اگر کچھ لوگوں نے مل کر کوئی تنظیم ایسی قائم کر رکھی ہے، کہ وہ مجموعی طور پر اس طرح کی رقوم جمع کر کے اس کو صحیح مصرف پر خرچ کرتے ہیں، مثلاً غریب لڑکیوں کی شادی، بیوہ یا بے سہارا مستحق افراد، غریب و نادار طلبا وغیرہ، کیا اس تنظیم کے سربراہ ذمہ دار کو وہ رقم فوراً خرچ کرنا ضروری ہے یا اگر کچھ وقت مناسب موقع محل کے انتظار میں گذرے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے؟

(۳) کیا جمع شدہ رقم کو کسی غریب مستحق کو دیتے وقت یہ ضروری ہے کہ اس کو بتایا جائے کہ زکوٰۃ یا صدقہ سے ہم امداد کر رہے ہیں، اگر قرض کے نام سے دیا اور حقیقت میں وہ زکوٰۃ کی رقم ہے اب اگر وہ قرض جان کر رقم کو واپس کرتا ہے، تو کیا وہ رقم کسی دوسرے مستحق کو اسی طرح دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے علاوہ قرض کے نام پر دی گئی رقم کو اس نے نہیں لوٹایا تو زکوٰۃ یا صدقات ادا ہونگے یا نہیں؟

(۴) کیا جمع شدہ رقم کو تنظیم اپنے کسی استعمال میں لا سکتی ہے جبکہ رقم کی واپسی شرط ہو؟

المستفتي: محمد احمد، فیل خانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق : صدقات واجبہ،فطرہ،زکوٰۃ کے مصارف قرآن کے بیان کردہ اصول کے مطابق آٹھ ہیں ،فقیر، مسکین ،حکومت اسلام کی شرط کیساتھ عامل ، جوغلام بدل کتابت ادا کرکے آزاد ہونا چاہے اس کے بدل کتابت کی ادائیگی کیلئے جواس وقت دنیامیں موجودنہیں ، مقروض ، اللہ کے راستہ میں نکلنے والا جیسے مجاہد فی سبیل اللہ ، ابن السبیل یعنی مسافرکہ جو حالت سفر میں صاحب نصاب نہ ہو ، مؤلفۃ القلوب ،تالیف قلب کیلئے جن کے اسلام کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں لیکن اب تالیف قلب کیلئے زکوٰۃ دینے کاحکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنَ السَّبِيْلِ . (سورة توبه: ٦٠)

فهذه ثمانية أصناف وقد سقط منها المؤلفة قلوبهم لأن الله أعز الإسلام وأغنىٰ عنهم وعلىٰ ذلك انعقد الإجماع . (هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز ، اشرفيه ديوبند ١/٢٠٤)

عن ابن سيرين عن عبيدة قال : جاء عيينة بن حصن والأقرع بن حابس إلى أبي بكر رضى الله عنه ،فقالا : يا خليفة رسول الله ﷺ! إن عندنا أرضاً سبخة ليس فيها كلأ ولامنفعة ، فإن رأيت أن تقطعناها لعلنا نزرعها ونحرثها، فذكر الحديث فى الإقطاع و إشهاد عمرؓ عليه ومحوه إياهٗ ، قال: فقال عمر رضى الله عنه : إن رسول الله ﷺ كان يتألفكما ، والإسلام يومئذ ذليل ، وإن الله قد أعز الإسلام ، فاذهبافاجهدا جهدكما ، لا أرعى الله عليكما إن رعيتما ، ويذكر عن الشعبى أنه قال: لم يبق من المؤلفة قلوبهم أحد، إنما كانوا على عهد رسول اللهؐ ، فلما استخلف أبو بكر رضى الله عنه انقطعت الرشا، وعن الحسن قال: أما المؤلفة قلوبهم فليس اليوم . (السنن

الکبریٰ للبیهقی، کتاب قسم الصدقات باب سقوط سهم ، المؤلفة قلوبهم ..... دارالفکر ۱۰/ ۱۱۳، رقم:۱۳٤٦٤، ۱۳٤٥٦، ۱۳٤٦٦)

عن عامر ، قال: إنما كانت المؤلفة قلوبهم على عهد رسول الله ﷺ، فلما ولي أبوبكر انقطعت . (المصنف لابن أبي شيبة ، الزكاة ، في المؤلفة قلوبهم يوجدون اليوم أو ذهبوا ، مؤسسه علوم القرآن ٦٩/٧، رقم: ١٠٨٦٤)

صدقہ نافلہ مذکورہ مصارف کے علاوہ مالدار کو بھی دے سکتا ہے، کیونکہ یہ اس کیلئے ہبہ کے درجے میں ہوگا۔

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني لأنها تجري مجرى الهبة . (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة ، باب مصارف الزكاة زكريا ديوبند ١٥٧/٢)

چرم قربانی فروخت کرنے سے پہلے خود بھی استعمال کرسکتا ہے، اور اغنیاء کو ہدیۃً بھی دے سکتا ہے، اور فقراء ومساکین پر صدقہ کرسکتا ہے، لیکن اگر روپیہ پیسوں کے عوض فروخت کردیا تو خواہ کسی نیت سے فروخت کیا ہو اس کا صدقہ کردینا واجب ہے، اور اس کا مصرف صرف فقراء ومساکین ہیں۔(جواہر الفقہ ۱/ ۴۵۷)

يتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب . (هنديه جديد ٣٤٧/٥، كتاب الأضحية الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية ، والانتفاع بها زكريا ديوبند قديم ٣٠١/٥، تبيين الحقائق ، كتاب الأضحية مكتبه امداديه ملتان٨/٦)

اور مستحق کو ملکیت دینے کا نام تملیک ہے اور یہی سب میں شرط ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا وفي الشامية : فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك . (درمختار مع الشامي، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٣٤٤/٢، زكريا٢٩١/٣)

(۲) تنظیم کی شکل ہندوستان جیسے ممالک میں کامیاب نہیں ہے ، اگر اہل تنظیم ان پیسوں میں خورد برد کردیں تو ان پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا ہے، اور ایسی تنظیم قائم کرنے

والے عام طور پر خداترس اور متبع شریعت متقی لوگ نہیں ہوتے ہیں، اور ایسے متبع شریعت لوگ اس قسم کی ذمہ داری اس ملک میں لینے کیلئے تیار نہیں ہیں، اس لئے ایسی تنظیم قائم کرنا ہندوستان جیسے مما لک میں زکوٰۃ کی رقم کو خطرہ میں ڈالنا ہے، اس لئے مدارس دینیہ کے علاوہ اگر دیگر مستحق فقراء کو زکوٰۃ کی رقم دینا ہے، تو اہل خیر حضرات براہ راست فقراء کو مالک بنادیں، درمیان میں واسطہ نہ بنائیں، ہاں البتہ مدارس دینیہ میں سفراء وغیرہ کے واسطے سے مدارس میں زکوٰۃ کی رقم پہونچانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ یہاں کوئی خرد برد نہیں ہوسکتی ہے، جیسا کہ مشاہدہ ہے اور ہندوستان کے مدارس اسی طرح چل رہے ہیں۔

(۳) زکوٰۃ کا پیسہ غریب مستحق کو دیتے وقت یہ بتلانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ یا صدقہ کی رقم ہے، البتہ بتلانا اولیٰ اور بہتر ہے۔

إذا أراد الرجل أداء الزكاة الواجبة قالوا: الأفضل الإعلان والإظهار. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ١/١٧١، جديد ١/٢٣٣، خانيه على هامش الهنديه، كتاب الزكاة، فصل في أداء الزكاة زكريا ١/٢٦٠، جديد ١/١٦٠)

قرض کے نام سے جو رقم دی ہے، اور زکوٰۃ کی نیت سے دی ہے، اگر وہ واپس کرتا ہے، تو اس کا واپس لینا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ کہدے کہ میں نے معاف کردیا ہے۔ (مستفاد ایضاح المسائل/۱۱۳)

قرض کے نام پر جو رقم دی گئی ہے، وہ زکوٰۃ دیتے وقت ادا ہوگئی۔

ومن أعطىٰ مسكينا دراهم وسماها هبة أو قرضا ونوىٰ الزكاة فإنها تجزيه وهو الأصح. (عالمگيری، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها زكريا ١/١٧١، جديد ١/٢٣٣)

(۴) اسی وجہ سے مدزکوٰۃ کیلئے تنظیم قائم کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ تنظیم فقراء کو چھوڑ کر اپنے اغراض ومقاصد میں خرچ کرنا شروع کردے گی، اس لئے ہندوستان جیسے

ممالک میں مدزکوٰۃ کیلئے تنظیم کی اجازت نہیں ہے، اور متعدد تنظیموں کے بارے میں معلومات حاصل ہوچکی ہیں، کہ مدزکوٰۃ کی رقم جمع کرنے کے بعد وہ رقم دوسرے اغراض میں ذمہ داران اپنے مفاد میں معمولی معمولی بہانہ سے خرچ کردیتے ہیں، یا غبن کرکے بیٹھ جاتے ہیں، اس لئے ایسی تنظیم قائم کرنیکی اجازت ہی نہیں ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رصفر ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۴/۷۷/ ۶۴۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۲/۲ھ

رشتہ داروں اور طلباء مدارس کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں بہت دقت محسوس ہونے لگی ہے، چاہتا ہوں کی پڑوسیوں میں ، رشتہ داروں میں جو غریب ہیں ان کو دوں مدارس اسلامیہ میں نہ دوں نہ معلوم مدرسہ والے کیسے کرتے ہوں گے،تملیک کرتے ہیں، اور نہ معلوم کیا کیا کرتے ہیں تو آپ سے شریعت مطہرہ کی روشنی میں مشورہ طلب ہے میں کیا کروں؟

المستفتي:عبدالکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کو اختیار ہے چاہے مدارس کو دیں یا غریب پڑوسیوں کو دیں، نیز طالبان دین اور غریب رشتہ داروں کو دینے میں ڈبل ثواب ملتا ہے مدارس کے طلبہ کیلئے دینے میں ایک ثواب اداء زکوٰۃ کا اور ایک ثواب خدمت دین کا ملتا ہے،اور غریب رشتہ دار کو دینے میں ایک ثواب اداء زکوٰۃ کا اور ایک ثواب صلہ رحمی کا ملتا ہے۔(مستفاد: ایضاح المسائل/۱۲)

عن سلمان بن عامر الضبي، قال : قال رسول الله ﷺ : الصدقة على المسكين صدقة ، وعلى ذى القرابة اثنتان ، صدقةو صلة . (سنن ابن ماجه ، الزكاة ، باب فضل الصدقة ، النسخة الهندية ١/ ١٣٢،دارالسلام رقم: ١٨٤٤،صحيح ابن

خزیمه ، المكتب الإسلامي ۲/ ۹۹٤، رقم: ۲۰٦۸، ۲/ ۱۱٤۸، رقم: ۲۳۸٤، المعجم الكبير للطبراني ، دار احياء التراث العربي ٥/ ۱۰۱، رقم: ٤۷۲۳)

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل . (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف ۱/ ۱۸۷، جديد ۱/ ۲٤۹، شامی، کتاب الزکاة ، باب المصرف زكريا ديو بند ۳/ ۳۰٤، کراچی ۲/ ۳٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹ ررمضان ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۲)

صاحب نصاب اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اعزاء واقرباء میں پڑوسیوں میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے پاس تھوڑا بہت سونا چاندی ہوتا ہے، یعنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو کیا ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبدالکریم، الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اعزاء واقرباء میں سے جو لوگ صاحب نصاب ہیں، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

عن عبد الله بن عمرو، عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني ولالذی مرة . (مسند احمد بن حنبل، ۲/ ۱٦٤، رقم: ٦٥۳۰، ۲/ ۱۹۲، رقم: ٦۷۹۸)

ولا إلىٰ غني يملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أى مال كان الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف ، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصيربه غنية ، زکریا دیو بند ۳/ ۲۹٥، کراچی ۲/ ۳٤۷) فقط **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ررمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/۲۸۴۲)

کن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

سوال: [۴۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اپنی خالہ اپنے چچا کے بچوں اور ماموں کے بچوں اپنی بہنوں کے بچوں اپنی لڑکی کے بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا ناجائز؟

نوٹ: میرے لڑکے کی زکوٰۃ اس کی پھوپھی کے بچوں پر یا میرے چچا کے بچوں کے اوپر جو کہ لڑکے کے بڑے دادا ہوتے ہیں، اور میری خالہ کے اوپر جو کہ میرے لڑکے کی دادی ہوتی ہیں کے بچوں پر زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: غلام صابر، محلّہ کسرول، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے اصول وفروع کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے میں دو ثواب ملیں گے۔ (۱) زکوٰۃ کا ثواب۔ (۲) صلہ رحمی کا ثواب۔

لہٰذا اپنی خالہ، چچا، ماموں، اور بہنوں کے بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، نیز پھوپھی کے بچے یا آپ کے چچا کے بچے کو آپ کے لڑکے کی زکوٰۃ دینا جائز ہے، بشرطیکہ ان میں کوئی اصل یا فرع نہ ہو، اپنی لڑکی کے بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

عن سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إن الصدقة علی المسکین صدقة و علی ذی الرحم اثنتان صدقة وصلة. (سنن النسائی، کتاب الزکاة ، باب الصدقة علی الأقارب ، النسخة الهندیة ۱/۲۷۸، دارالسلام رقم: ۲۵۷۸، سنن ابن ماجه ، الزکاة، باب فضل الصدقة ، النسخة الهندیه ۱/۱۳۲، دارالسلام رقم: ۱۸۴۴)

ولا یدفع المزکی زکوٰة ماله إلی أبیه وجده وإن علاء ولا إلی ولده وولد ولده وإن سفل الخ. (هدایه ، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن

لایجوز ، اشرفیه دیوبند ۱/ ۲۰۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ار رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۷۸)

زکوٰۃ کا طریقہ اور رشتہ داروں یا کنبہ کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ
(۱) زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے؟
(۲) کیا زکوٰۃ کا پیسہ اپنے رشتہ داروں یا کنبہ کے لوگوں میں بھی تقسیم کرسکتے ہیں؟

المستفتي: نور الاسلام، سیدھی سرائے، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) زکوٰۃ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ نصاب پر سال گذرنے کے بعد چالیسواں حصہ نکال کر غریب فقیر مسکین کو ثواب اور فرض کی ادائیگی کی نیت سے دیدیا جائے۔

(۲) زکوٰۃ اپنے اصول وفروع کو نہیں دے سکتے ہیں، ان کے علاوہ بھائی بہن اور چچا پھوپھی اور ماموں خالہ اور ان کی اولاد کو دینے سے دوہرا ثواب ملتا ہے۔ (۱) صلہ رحمی کا۔ (۲) زکوٰۃ کی ادائیگی کا۔

عن سلمان بن عامر ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إن الصدقة على المسكين صدقة ، وعلى ذى الرحم اثنتان : صدقة وصلة . (سنن النسائی، الزكاة ، الصدقة على الأقارب ، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۸، دار السلام رقم: ۲۵۸۳، سنن الترمذى ، الزكاة، باب فضل الصدقة على الأقارب ، النسخة الهندية ۱/ ۱۴۲، دار السلام رقم: ۶۵۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۱۱/ ۱۴۱۷ھ

زکوٰۃ کی رقم سے بیٹے کا قرض ادا کرنا

سوال: [۴۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک بیوہ عورت نے اپنے لڑکے کے واسطے کاروبار کئی مرتبہ کروایا جبکہ بیوہ کا ذریعۂ معاش صرف مکان کا کرایہ ہے اس بیوہ کا مکان کافی بڑا ہے، کرایہ بھی اچھا آتا ہے، اور اس کا بینک بیلنس بھی کافی ہے، اس کا لڑکا صوم وصلوٰۃ کا اس وقت پابند ہے وہ بیوہ چاہتی ہے کہ اپنے فرزند کا قرضہ اپنے روپئے سے اتاردے اس بیوہ پر زکوٰۃ کا روپیہ واجب ہے، جو کہ ابھی تک کسی وجہ سے ادا نہیں ہوسکا تھا، اور اس کے لڑکے پر قریب ۱۴/ ہزار روپیہ کا قرضہ ہے جس کی وجہ سے لڑکا کافی پریشان ہے، جناب عالی سے مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے، کہ کیا وہ بیوہ عورت اپنے فرزند کا قرضہ اپنے اس زکوٰۃ کے روپیہ سے ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتی ہے تو کس طریقہ سے؟ یہ نہایت ہی ضروری بات ہے، چونکہ اب اس بیوہ عورت کا فرزند مکمل طریقہ سے اللہ کے حکم پر اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر گامزن ہے۔ لہٰذا مفصل جواب سے نوازیں آپ کا کرم ہوگا؟

المستفتي: محمد شان الٰہی، فیل خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین کا اپنے اصول وفروع کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، لہٰذا بیوہ ماں کا اپنے لڑکے کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، لہذا مذکورہ صورت میں زکوٰۃ کی رقم سے بیٹے کا قرضہ ادا کرنا ہرگز جائز نہیں۔

ولا يدفع المزكي زكاة ماله إلىٰ أبيه وجده وإن علا، ولا إلىٰ ولده

وولد ولده وإن سفل الخ . (هدايه ، كتاب الزكاة ، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز ، اشرفيه ديو بند ١/٢٠٦)

ولا يدفع إلىٰ والده وإن علا ، ولا إلىٰ ولده وإن سفل ، لأنه ينتفع بملكه فكان الدفع إليه دفعاً إلىٰ نفسه من وجه فلا يقع تمليكا مطلقاً. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل فى ركن الزكاة، زكريا ديو بند ٢/ ١٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٦ ررجب ١٤٢٠ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/٦٢٣٨)

اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا

سوال: [٤٣٣٢]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا باپ اپنی لڑکی یا لڑکے کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

المستفتي: عبداللہ تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اپنی لڑکی یا لڑکے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ **قال: لابأس أن تجعل زكاتك في ذوى قرابتك ، مالم يكونوا في عيالك** . (المصنف لابن أبي شيبة ، الزكاة، ماقالوا فى الرجل يدفع زكاته إلى قرابته، مؤسسه علوم القرآن ٦/٥٤٣، رقم: ١٠٦٣٣، مصنف عبد الرزاق ، الزكاة، باب لمن الزكاة ، المجلس العلمي ٤/١١٢، رقم: ٧١٦٣)

ولا يدفع المزكى زكاة ماله إلىٰ أبيه وجده وإن علا، ولا إلىٰ ولده

وولد ولده وإن سفل الخ . (هدایه ، کتاب الزکاة ، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، اشرفیه دیوبند ١/٢٠٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٨/٤/١٤١٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣١/٣٩٦٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٨/٤/١٤١٥ھ

بیٹی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [٤٣٣٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی بیٹی شادی شدہ ہے لیکن غریب ہے مستحق زکوٰۃ ہے زید تو اپنی زکوٰۃ بیٹی کو نہیں دے سکتا ہے، داماد شرابی اور جواری ہے اس لئے داماد کو نہیں دے سکتا ہے، زید کا ایک لڑکا شادی شدہ ہے، زید نے اپنی زکوٰۃ اپنے بیٹے کو یہ کہہ کر دے دیئے کہ ان پیسوں کو کسی مستحق زکوٰۃ کو دے دینا، اس لڑکے نے وہ پیسے اپنی بہن یعنی زید کی لڑکی کو دے دیئے کیا زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟ شریعت کی روشنی میں جواب چاہئے؟

المستفتي: سعید احمد، سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زید نے بیٹے کو اداءِ زکوٰۃ کا وکیل بنایا اور بیٹے نے زکوٰۃ کی رقم اپنی بہن کو دیدی تو اس سے باپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ زکوٰۃ کی رقم بیٹی کو ملی ہے اور ایسا بالقصد ہوا ہے، اور بیٹی کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

ولا یعطی للولد. (ھندیه ، زکریا دیوبند ١/١٨٨، جدید ١/٢٥٠، کتاب الزکاة الباب السابع فی المصارف)

ولا إلیٰ من بینهما ولاد. (شامی، کراچی ٢/٣٤٦، زکریا ٣/٢٩٤)

إن کل ماجاز للإنسان أن یتصرف بنفسه جاز له أن یؤکل غیره .

(الفقه علی المذاهب الأربعة ، دارالفکر ٣/ ١٨١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤/ شعبان ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ١٠٤٧٨)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٢/٨/١٤ھ

بیٹے کا باپ کو زکوٰۃ دینا

سوال: [٤٣٣٤]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور بکر دونوں نے ایک بزنس کی جس میں کچھ رقم اپنے پاس سے اور کچھ رقم قرض لیکر لگائی، بزنس چل رہی ہے، اور فائدہ بھی ہورہا ہے، مگر یہ لوگ قرض ادا نہیں کر سکتے کیونکہ قرض ادا کرنے کی صورت میں بزنس بند ہوسکتی ہے، لیکن یہ دونوں اپنا قرض فائدے سے مجریٰ کر کے باقی فائدے کی سالانہ زکوٰۃ نکالتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کہ زید کا باپ کافی قرض دار ہے، یہاں تک کہ اس پر کچھ قرض تو بیاج کا ہے جس کے ادا ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے، اور قرض بڑھتا ہی چلا جارہا ہے، اور زید بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے، کہ باپ کا قرض ادا کر سکے، لہٰذا زید اور بکر اپنی بزنس کے فائدے میں سے جو زکوٰۃ نکالتے ہیں اس سے زید کے باپ کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر قرض دیا جائے تو اس صورت میں زید اور بکر کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں۔

المستفتي: مہندی حسن، نئی بستی، جسپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں زید کیلئے اپنے باپ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، البتہ زید کے شریک کیلئے اپنے حصۂ زکوٰۃ کو الگ کر کے اس سے زید کے باپ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، جبکہ وہ مستحق زکوٰۃ ہو۔

ولا إلیٰ من بینهما ولاد أی بینه وبین المدفوع إلیه لأن منافع الأملاک بینهم متصلة فلا یتحقق التملیک علی الکمال الخ. (شامی ،

کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤٦، زکریا ۳/۲۹۳)

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه . (درمختار مع الشامی ، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ۲/۳٤۳، زکریا۳/۲۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رشعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۸۱)

فقیر خسر کو داماد زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا سسر باحیات ہے لیکن سسر بہت غریب ہے اسلئے کہ جو کام کرتے تھے، وہ کام وغیرہ بھی بہت دنوں سے نہیں چل رہا ہے، جس کی بنیاد پر وہ مفلسی میں مبتلا ہے اسلئے ان کا داماد ان کو اپنی زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دے سکتا ہے تو اس کی کیا مقدار ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب زید کا خسر مفلس اور مستحق زکوٰۃ ہے تو زید کیلئے ان کو اپنی زکوٰۃ دینا جائز اور درست ہے اسلئے کہ زید کا خسر اصول یا فروع میں داخل نہیں ہے، بشرطیکہ زید کا خسر سید نہ ہو لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مقدار نصاب یا اس سے زائد زکوٰۃ نہ دی جائے، ورنہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (سورۃ توبہ: ٦٠)

عن سلمان بن عامر الضبي، قال : قال رسول الله ﷺ : الصدقة على المسكين صدقة ، وعلى ذى الرحم اثنتان ، صدقة وصلة . (مسند الدارمي، دار المغني ۲/۱۰٤٦، رقم: ۱۷۲۲، سنن الترمذی ، الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقة على ذى القرابة ، النسخة الهندية ۱/۱٤۲، دارالسلام رقم: ٦٥٨)

مصرف الزکوٰة والعشر هو فقیر وهو من له أدنیٰ شیئی أی دون نصاب أو قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة . (درمختار مع الشامی ، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ۲/۳۳۹، زکریا۳/۲۸٤)

ولا یدفع المزکی زکوٰة ماله إلیٰ أبیه وجده وإن علا، ولا إلیٰ ولده وولد ولده وإن سفل . (هدایه ، کتاب الزکاة ، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لا یجوز ، اشرفیه دیوبند ۱/۲۰٦)

ولاتدفع إلیٰ بنی هاشم لقوله علیه السلام ، یابنی هاشم إن الله حرم علیکم غسالة الناس وأوساخهم . (هدایه ، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز ، اشرفیه دیوبند۱/۲۰٦)

وکره إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر . (درمختار مع الشامی ، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۳۰۳، کراچی ۲/۳۵۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۸۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۳ھ

مالدار والد کی غریب اولاد کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بکر ایک دولت والا ہے، بکر کے بچے بھی ہیں، عاقل بالغ ہیں، بچے غریب ہیں، باپ مالدار ہے، کیا بکر کے ان بچوں کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز ہے؟

المستفتي: عبد الرحمٰن، کھتولی، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: صاحب دولت کی بالغ غریب اولاد کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز اور درست ہے۔

فإن کان الابن کبیراً جاز الخ. (خانیه علی هامش الهندیه، کتاب الزکاة،

فصل فيمن توضع فيه الزكاة، زكريا ديو بند١/٢٦٦، جديد١/١٦٣)

بخلاف ماإذا كان كبيراً فقيراً ، لأنه لا يعد غنياً بيسار أبيه وإن كانت نفقته عليه. (هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، اشرفيه ديوبند١/٢٠٦، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف ، مكتبه امداديه ملتان ١/٣٠٣، زكريا ديوبند٢/١٢٥، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ، كتاب الزكاة، باب المصرف دارالكتاب ديوبند/٧٢٠)

بخلاف الكبير فإنه لا يعد غنياً بغنى أبيه الخ. (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند٣/٢٩٩، كراچى ٢/٣٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۲۰/ ۱۴۱۱ھ

دولت مند شخص کی نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید ایک دولت مند شخص ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، لیکن زید غلط راستے پر گامزن ہے، اس کے نتیجے میں وہ اپنے بچوں اور بیوی کی طرف بالکل آنکھ بند کیے ہوئے ہے، ایسے حالات میں جبکہ یہ چھوٹے چھوٹے بچے اور ان کی والدہ اپنے ذاتی نفقات میں پریشان ہیں، کیا زکوٰۃ کا پیسہ ان کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالرحمٰن، کھتولی، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صاحب دولت کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر بیوی فقیر اور نادار ہے تو بیوی کو دینا جائز اور درست ہوسکتا ہے۔

وإنما منع من الدفع لطفل الغنى لأنه يعد غنياً بغناء أبيه الخ.

(البحرالرائق، کتاب الزکاۃ ، باب المصرف زکریا۲/۴۲۹)

ولا یجوز إلیٰ صغیر والدہ غنی الخ. (قاضیخان علی هامش الهندیه، کتاب الزکاۃ ، فصل فیمن توضع فیه الزکاۃ، زکریا دیوبند ۱/۲۶۶، جدید ۱/۱۶۳)

ویجوز دفع الزکوٰۃ إلیٰ فقیرۃ زوجها موسر فی قول أبي حنیفةؒ ومحمدؒ فرض لها النفقة أولم تفرض الخ . (قاضیخان علی هامش الهندیة ، کتاب الزکاۃ، فصل فیمن توضع فیه الزکاۃ ، زکریا دیوبند۱/۲۶۶، جدید ۱/۱۶۳، طحطاوی علی المراقی ، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ، دارالکتاب دیوبند /۷۲۰، قدیم /۳۹۳)

لایعد غنیاً إلی قوله ولا الزوجة بغنی زوجها الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۹۹،کراچی ۲/۳۵۰)

ولا إلیٰ ولد غني إذا کان صغیراً لأنه یعد غنیاً بمال أبیه .... بخلاف امرأۃ الغني لأنها و إن کانت فقیرۃ ، لا تعد غنیة بیسار زوجها وبقدر النفقة لاتصیر موسرۃً . (هدایة ، کتاب الزکاۃ ، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز ، اشرفیه دیوبند۱/۲۰۶) ***فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم***

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/۲۲۶۹)

نافرمان وشرابی اولاد کو زکوٰۃ، امداد دینے یا وراثت سے محروم کردینے کا حکم

سوال: [۴۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ

(۱) ایک شخص بے نمازی ہے ، روزہ بھی کبھی نہیں رکھتا دین کے احکامات کا مذاق بناتا ہے،مردے کو دفن کے بجائے جلانے کو بہتر کہتا ہے،شراب بھی پیتا ہے،کمال درجہ کا جھوٹا ہے،حرام خور ہے کوئی کام نہیں کرتا نکما ناکارہ کبھی کچھ کام کرآئے تو شراب وکباب میں پٹ کردیا، ماں باپ کا نافرمان اس درجہ کہ گالی گلوچ مار پیٹ سے بھی ان کا استقبال کرنے سے گریز نہیں کرتا کچھ بھی سمجھائے اپنی روش سے باز نہیں آتا، گھر کا سامان چرا کر بیچتا رہتا ہے،

نہایت بدزبان اور کچھ بھائی اور کبھی باپ ان کو پیسے دیتے رہتے ہیں، لیکن ان کے طرز زندگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیا ان کو بھائیوں کی طرف سے زکاۃ دی جاسکتی ہے؟

(۲) ماں باپ کی طرف سے امداد کرنا ضروری ہے؟

(۳) والدین کی میراث سے محروم کردینا جائز ہوگا؟

(۴) والدین کے ورثاء سے محروم کردینا ضروری ہوگا؟

(۵) والدین کے ورثاء سے محروم کردینا قابل مواخذہ ہوگا؟ سائلوں کو جھڑکنا بھی اس کا محبوب عمل ہے، خدا کا بھی انکار کردیتا ہے، اور یہ شخص بغیر شادی شدہ ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا ہے، اس کی عمر تقریباً ۵۸؍سال کی ہے؟

المستفتي: تلخیص احمد، قاضی ٹولہ، مراد باد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) مذکورہ شخص جب والد اور بھائیوں کی فیملی میں ایک ساتھ رہتا ہے، تو اسے زکاۃ کا پیسہ الگ سے دینے کا کوئی مطلب نہیں، نیز اس کا شرابی کبابی ہونا خود سوالنامہ میں مذکور ہے ایسے شخص کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا ایک شرابی کی حوصلہ افزائی اور مدد کرنا ہے، اسلئے اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست نہ ہوگا۔

قال الله تعالىٰ: وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سوره المائده، الآية ۲)

ولايجوز صرفها إلىٰ أهل البدع. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳۵٤، زكريا ديوبند ۳/ ۳۰٤، سكب الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳۲)

(۲) ماں باپ پر ایسے لڑکے کی امداد کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ ماں باپ اور بھائیوں پر لازم ہے کہ اس کے ہاتھ پر اتنا پیسہ نہ دیں جس سے وہ شراب پی سکے یا جوا سٹے میں لگائے۔

ولا يجب على الأب نفقة الذكور الكبار. (هنديه، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر، الفصل الرابع فی نفقة الاولاد زكريا ديوبند ۱/ ۵٦۳، جديد ۱/ ٦۰۹)

وإن كان في ولده فاسق لاينبغي أن يعطيه أكثر من قوته كيلا يصير معينا له على المعصية . (هنديه ، كتاب الهبة ، الباب السادس في الهبة للصغير زكريا ديوبند ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦)

(٣، ٤، ٥) اگر والدین اپنی حیات میں جائیداد دیگر لڑکوں کو ہبہ کر کے اس فاسق لڑکے کو محروم کردیں تو یہ جائز اور درست ہے اور والدین کے ذمہ اس لڑکے کو محروم کرنا نہ تو لازم ہے، اور نہ ہی ان سے اس محروم کرنے پر عند اللہ مواخذہ ہوگا، لیکن والدین کے لئے اس لڑکے کو عاق کرنیکی وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح والدین کی وفات کے بعد دوسرے وارثین اس لڑکے کو والدین کے ورثاء سے محروم نہیں کر سکتے۔

ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلىٰ وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه . (هنديه ، كتاب الهبة ، الباب السادس في الهبة للصغير زكريا ديوبند ٤/ ٣٩١، جديد ٤/ ٤١٦ ، البحر الرائق ، كتاب الهبة ،كوئٹه ٧/ ٢٨٨، زكريا ديوبند ٧/ ٤٩٠)

الإرث جبري لايسقط بالإسقاط . (تكمله رد المحتار ، كتاب الدعوىٰ باب التحالف، زكريا ديوبند ١١/ ٦٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۷؍۱۴۳۱ھ

کیا بھائی بھائی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

سوال: [۴۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کا ایک حقیقی بھائی ہے، جو نہایت غریب ہے زید اس کو اپنی زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

المستفتي: محمد خلیل، محلہ کاشی پور، ضلع: رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب حقیقی بھائی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، نیز دوہرا ثواب ملتا ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۹۲، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/۳۳۲)

عن سلمان بن عامر الضبي، قال : قال رسول الله ﷺ : الصدقة على المسكين صدقة ، وعلى ذى القرابة اثنتان ، صدقة وصلة . (سنن ابن ماجه ، الزكاة ، باب فضل الصدقة ، النسخة الهندية ١/١٣٢، دارالسلام رقم: ١٨٤٤، صحيح ابن خزيمه ، المكتب الإسلامي ٢/٩٩٤، رقم: ٢٠٦٨، ٢/١١٤٨، رقم: ٢٣٨٤، المعجم الكبير للطبراني ، دار احياء التراث العربي ٥/١٠١، رقم: ٤٧٢٣)

وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام ، والأخوال الفقراء بل هم أولىٰ ؛ لأنه صلة وصدقة. (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/٢٩٣، كراچى ٢/٣٤٦)

الأفضل صرف الصدقة إلىٰ أخواته ذكوراً أو إناثاً . (مجمع الأنهر ، كتاب الزكاة، باب فى بيان أحكام المصارف ، قبيل باب صدقة الفطر ، دارالكتب العلمية بيروت جديد ١/٣٣٣، قديم ١/٢٢٦) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۲۵۲)

تجارت کو فروغ دینے کیلئے بھائی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا سگا چھوٹا بھائی ذاکر کاروبار سے پریشان ہے، لیکن اسکی شادی نہیں ہوئی ہے، میرے پاس زکوٰۃ کے پیسے ہیں، جو مجھے دینے ہیں، کیا میں اسکو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتا ہوں؟ اور کاروبار کیلئے بیس ہزار روپئے دے سکتا ہوں؟

المستفتي: عظیم اللہ، مانپور، سڑک والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کا بھائی آپ کی فیملی میں شامل نہیں ہے، کھانا پینا رہن سہن سب الگ الگ ہے اور وہ تقریباً پانچ ہزار روپیہ کی مالیت کا مالک نہیں ہے، تو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، مگر زکوٰۃ فقراء کے پیٹ بھرنے اور ان کی ضرورت پوری کرنے کیلئے ہے تجارت کو فروغ دینے کیلئے نہیں ہے، نیز پانچ ہزار میں آدمی صاحب نصاب بن جاتا ہے، اور مقدار نصاب سے زیادہ ایک فقیر کو دینا مکروہ ہے۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلية، كراچی ۲/ ۳۵۳، زكريا ديوبند۳/ ۳۰۳، بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في مصارف الزكاة، زكريا ديوبند ۲/ ۱۶۰، الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الزكاة، الفصل الثامن فيمن توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند۳/ ۲۲۱، رقم: ۴۱۸۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رصفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۲/ ۱۴۲۵ھ

بھائی کا اپنی بہن یا بھائی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بھائی اپنی بہن یا بھائی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

المستفتي: عبداللہ، تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اپنے بھائی بہن کو زکوٰۃ دینے سے دوہرا ثواب ملتا ہے۔

عن سلمان بن عامر، عن النبي ﷺ قال: إن الصدقة على المسكين صدقة، وعلى ذي الرحم اثنتان: صدقة وصلة. (سنن النسائي،

الزکاۃ ، الصدقة علی الأقارب ، النسخة الهندیة ۱/۲۷۸، دارالسلام رقم :۲۵۷۸)

لأنه صلة و صدقة الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیو بند۳/۳۹۳، کراچی ۲/۳۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۱/۳۹۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۴/۸ھ

کیا بھائی بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

سوال: [۴۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں نے عرصہ ۵؍سال سے اپنے کاروبار کا مکمل طریقہ سے اپنے لڑکے کو مالک بنادیا ہے، اور کاروباری معاملات سے اپنا دخل ختم کردیا، مگر میرا اور میری بیوی بچوں کا تمام خرچ میرے لڑکے کے ذمہ ہے اور ہم اسی کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں، کیا میرا لڑکا اپنی حقیقی بہن جو کہ شادی شدہ ہے اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: ریاست حسین، طویلہ اسٹریٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر واقعی آپنے اپنے سارے کاروبار کا مکمل طریقہ سے اپنے مذکورہ لڑکے کو ہبہ کر کے مالک بنادیا ہے اور اب اسمیں آپکا کوئی دخل نہیں ہے اور آپ کے مرنے کے بعد اس میں بطور میراث آپکا کوئی ترکہ بھی نہیں رہے گا نوعیت اسی طرح کی ہے تو آپ کا وہ لڑکا اپنے کاروبار اور آمدنی کی زکوٰۃ اپنی حقیقی بہن کو جو مستحق ہے دے سکتا ہے۔

وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولىٰ لأنه صلة وصدقة الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف

زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۳، کراچی ۲/ ۳٤٦، مجمع الانهر ، دارالکتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳۳، قديم ۱/ ۲۲٦، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱ر رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱ر رمضان ۱۴۱۴ھ

حقیقی بہن کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے دولڑکے مجھ سے علیٰحدہ رہتے ہیں، جو کہ مجھ سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے وہ اپنی حقیقی شادی شدہ بہن کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: ریاست حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: آپ کے جولڑکے آپ سے بالکل الگ رہتے ہیں، وہ اپنی حقیقی بہن کو ہرحال میں زکوٰۃ دے سکتے ہیں، چاہے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۰)

الأفضل صرف الصدقة إلىٰ أخواته ذكوراً أو إناثاً. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۳۳، قديم ۱/ ۲۲٦، حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، دارالکتاب دیوبند/ ۷۲۲، شامی، کراچی ۲/ ۳٤٦، زکریا ۳/ ۲۹۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ر رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم ر رمضان ۱۴۱۴ھ

بالغ غیر شادی شدہ بہن کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کے ماں باپ غریب ہیں، خود زید مالدار ہے، اور ماں باپ کی شرکت سے الگ ہے، لیکن زید کی ایک بہن ہے جو بالغ ہے اور وہ بہن زید کی شرکت میں ہے، کبھی کبھی ماں باپ کی شرکت میں رہتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے، کیا زید اپنی اس بالغ غیر شادی شدہ بہن کو جو ماں باپ کی شرکت میں ہے، زکوٰۃ دے سکتا ہے، جبکہ وہ بہن کبھی کبھی خود زید کے پاس بھی رہتی ہے، کیا اس شکل میں بھی اپنی اس بہن کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

المستفتي: محمد اصغر سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوال سے واضح ہوا کہ مذکورہ بالغ لڑکی زید مالدار کی حقیقی بہن ہے، جو کبھی غریب ماں باپ کے پاس اور کبھی زید سرمایہ دار کے پاس رہتی ہے، اس کا نان نفقہ نکاح ہوجانے تک زید ہی پر لازم ہے، اور جن کا خرچہ واجب ہوتا ہے، ان کو خرچہ کی جگہ پر زکوٰۃ دینا جائز نہیں اس لئے اپنی بالغ غیر شادی شدہ بہن کو زکوٰۃ کے بجائے واجبی خرچہ جیب خاص سے دیا کرے، اور غریب ماں باپ کا نفقہ بھی بیٹے پر لازم ہوتا ہے۔

وتجب نفقة الاناث الكبار من ذوى الأرحام وإن كن صحيحات البدن، إذا كان بهن حاجة إلىٰ النفقة. (هنديه، زكريا ۱/۵۶۶، الفصل الخامس فى نفقة ذوى الأرحام، كتاب الطلاق، جديد ۱/۶۱۲)

ويجبر الولد الموسر على نفقة الأبوين المعسرين. (هنديه، زكريا ۱/۵۶۴، كتاب الطلاق الفصل الخامس فى نفقة ذوى الأرحام، جديد ۱/۶۱۰)

ولو دفع زكوٰته إلىٰ من نفقته واجبة عليه من الأقارب جاز، إذا لم يحسبها من النفقة الخ. (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۳/۹۳، كراچى ۲/۳۴۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۸۸)

بہن کا بھائی کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک بہن اپنے بھائی کے گھر پانی کی سہولت کے لئے نل لگوانے کے واسطے زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ بھائی کی مالی حالت بہت خستہ ہے قرضدار بھی ہے؟

(۲) گھر میں والدہ بھی ہیں، جن کا خرچ اخراجات بھائی کے ذمے ہے جبکہ زکوٰۃ ماں پر واجب نہیں ہے؟

(۳) بہن جو زکوٰۃ کا روپیہ لگانا چاہتی ہے، باہر رہتی ہے، مگر کبھی کبھی بھائی کے گھر آنا جانا ہوتا ہے، تو پانی کا استعمال بھی ہوگا؟

(۴) بہن کے پاس زکوٰۃ کے علاوہ دوسرا ذریعہ نہیں ہے، براہ کرم مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر مسئلہ بتانے کی زحمت کریں؟

المستفتي: ذوالفقار احمد قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳-۴) اپنے بھائی کو زکوٰۃ دینا دوہرا ثواب ہے، جبکہ بھائی غریب صاحب نصاب نہ ہو، بہن بھائی کو زکوٰۃ کے پیسے کا مالک بنادے، پھر بھائی اپنے طور پر نل یا دوسری ضروریات میں خرچ کردے، نیز بھائی زکوٰۃ کے پیسے سے جو نل وغیرہ لگوائے گا، اس سے بہن کو پانی پینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عن سلمان بن عامرؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الصدقة علی المسکین صدقة، وإنها علی ذی الرحم اثنتان، إنها صدقة وصلة. (مسند

أحمد بن حنبل ٤/١٨، رقم: ١٦٣٤٢، ٤/١٧، ١٨، رقم: ١٦٣٣٠، ١٦٣٣١، ١٦٣٣٨، ١٦٣٤١، ٤/٢١٤، رقم: ١٨٠٢٨، ١٨٠٢٩، ١٨٠٣٠)

الأفضل صرف الصدقة إلىٰ أخواته ذكوراً أو إناثاً . (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصارف، قبيل باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت ١/٣٣٣، قديم ١/٢٢٦، حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصرف، دارالكتاب ديوبند/٧٢٢)

وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولىٰ لأنه صلة وصدقة . (شامى، كتاب الزكاة، باب المصرف، زكريا ديوبند ٣/٢٩٣، كراچى ٢/٣٤٦، مصرى ٢/٨٦، كوئٹه ٢/٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۸۸۱)

بہن کا بھائی کو بطور قرض زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر زکوٰۃ کا روپیہ بطور قرض دیدیا جائے، اور اس روپئے سے نل لگالیا جائے، بھائی یہ روپیہ تھوڑا تھوڑا کرکے ادا کردے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

المستفتي: ذوالفقار احمد قریشی، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا روپیہ بطور قرض میں دینا جائز نہیں ہے، بلکہ مستحق کو مالک بنادینا واجب ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة الخ. (شامى، كتاب الزكاة، باب

المصرف ، زکریا دیوبند۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤، کوئٹہ ۲/٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۸۱)

بہن بھائی بہنوئی سالے وغیرہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: [۴۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر بھائی غریب ہے تو بہن اس کو زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟ یا بہن غریب ہے تو بھائی دے سکتا ہے یا نہیں؟ بہنوئی کو سالہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ ساس بہو کو دے سکتی ہے یا نہیں؟ نیز ساس داماد کو دے سکتی ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں؟

المستفتي: رضیع الدین، محلّہ گوئیاں باغ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غریب بھائی اور بہن کو زکوٰۃ دینے سے دو ثواب ملتے ہیں، (۱) زکوٰۃ ادا کرنے کا (۲) صلہ رحمی کا، نیز بہنوئی کو سالہ اور ساس بہو کو اور داماد کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

عن سلمان بن عامر الضبي ؓ ذكر: أن النبي ﷺ قال: إن الصدقة على المسكين صدقة، وإنها على ذى الرحم اثنتان، صدقة وصلة. (سنن الدارمی، دارالمغني ٢/١٠٤٦، سنن الترمذی، الزكاة، باب ماجاء فى الصدقة على ذى القرابة، النسخة الهندية ١/١٤٢، رقم: ٦٥٨، مشكوٰة شريف ١/١٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۰۹)

بھائی بھتیجہ، بہن بھانجی، پھوپھی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خاص رشتہ داروں میں زکوٰۃ کن کن کو دے سکتے ہیں، مثلاً بھائی، بھتیجہ، بہن، بھانجی، یا پھوپھی وغیرہ کو دے سکتے ہیں؟ نیز اگر بہن کا شوہر انتقال کر جائے تو اس کے بال بچوں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ جواب دیں نوازش ہوگی؟

المستفتي: رفاقت حسین، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بھائی، بھتیجہ، بہن، بھانجی یا پھوپھی ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بلکہ دوہرا ثواب ہے۔

عن سلمان بن عامر الضبي رضـ **قال: قال النبي** ﷺ: **الصدقة على غير ذى الرحم صدقة، وعلى ذى الرحم اثنتان، صدقة وصلة.** (المصنف لابن أبي شيبة، الزكاة، ماقالوا فى الرجل يدفع زكاته إلىٰ قرابته، مؤسسه علوم القرآن ٦/٥٤٤، ٥٤٥، رقم: ١٠٦٤٣)

كما فى الشامى، وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء بل هم أولىٰ لأنه صلة وصدقة الخ. (شامی، کتاب الزکاة، با المصرف زکریا دیوبند٣/٢٩٣، کراچی ٢/٣٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲ر رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۲۷/۲۳)

الجواب صحیح:
حفظ الرحمٰن غفرلہٗ
۱۴۰۷/۹/۱۲ھ

ساتھ میں رہنے والی بھابھی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۴۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم تین بھائی ہیں، دو بھائی دہلی میں کام کرتے ہیں اور جو کچھ کماتے ہیں، بڑے بھائی کے حوالے

کردیتے ہیں، بڑے بھائی گھر کی دیکھ بھال بلکہ گھر کی ساری ذمہ داریاں نبھاتے ہیں، ہم تینوں بھائی اور والدین ایک ہی مکان میں رہتے ہیں، کھانا پینا بھی ساتھ ہی ہوتا ہے، یعنی ایک ہی جگہ کھانا پکتا ہے، آپس میں محبت بہت زیادہ ہے، تینوں بھائی والدین کی بھی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں، اب دریافت یہ کرنا ہے، کہ گھر کی کل جائداد مثلاً کھیتی زمین اس کی پیداوار اور مکان کے مالک تو والدمحترم ہیں، لیکن روپئے پیسے اور سونے چاندی کے زیورات کے مالک ہمارے بڑے بھائی ہیں، اور ہر سال اسکی زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں، بڑے بھائی کی اہلیہ ہماری بھابھی کے پاس بھی کچھ زیورات ہیں، جنکی وہی مالک ہیں، لیکن نصاب کی مقدار سے کم ہیں، تقریباً دوڈھائی ہزار روپیہ کے زیورات کی مالک ہیں، اب میں (سائل) الحمدللہ صاحب نصاب ہوں، جبکہ پیسے بڑے بھائی کو بھی دیتا ہوں لیکن پھر بھی میری ملکیت میں اتنے پیسے ہیں، جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یعنی کم وبیش اس وقت میرے پاس دس ہزار روپئے ہیں، اب اگر میں اپنی بھابھی کو زکوٰۃ کی رقم دیدوں یا کپڑے وغیرہ دیکر ان کو مالک بنادوں تو کیا میری زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

(۲) نیز میری بھابھی بہت غیرتمند ہیں، اگر ان کو پتہ چل گیا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے یا زکوٰۃ کی رقم کے زیورات ہیں، تو وہ ہرگز نہیں لیں گی، تو اس صورت میں ان کو کس طرح مالک بناؤں؟

المستفتي: ضیاء الرحمٰن، سلیم مسجد
چوہان بانگر، محلّہ: سلیم پور، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) مسئولہ صورت میں جبکہ کھانا پینا ایک ساتھ ہے، تو بھابھی کو زکوٰۃ دینا اپنے کو زکوٰۃ دینا ہے، نیز آپکی بھابھی زکوٰۃ کی مستحق بھی نہیں ہیں، جیسا کہ سوال کی وضاحت سے معلوم ہوتا ہے، اور زکوٰۃ کا مستحق محتاج فقیر ہی ہوا کرتا ہے، اسلئے آپکا اپنی بھابھی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، اور دینے پر زکوٰۃ ادا بھی نہ ہوگی۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ . (التوبة: ٦٠)

عن عبد الله بن عمرو ، قال : قال رسول الله ﷺ : لاتحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي . (مصنف عبد الرزاق ، الزكاة، باب كم الكنز ولمن الزكاة، المجلس العلمي ٤/ ١١٠، رقم: ٧١٥٥)

مصرف الزكوٰة والعشر هو الفقير. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ٢/ ٣٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٨/ ذی الحجہ ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٩٦٥)

نابالغ کو زکوٰۃ دینا

سوال: [٤٣٥٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا نابالغ کو زکاۃ دی جاسکتی ہے؟

المستفتي: حبیب اللہ تاج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق : نابالغ جو عاقل ہوشیار و سمجھ دار ہو نیز مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

دفع الزكوٰة إلىٰ صبيان أقارب برسم عيد أو إلىٰ مبشر أو مهدي الباكورة جاز . (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف کراچی ٢/ ٣٥٦، زکریا ٣/ ٣٠٧)

لیکن اگر نابالغ مالدار کا بچہ ہے تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

ولا إلىٰ طفله ـــــ أی طفل الغني . (شامی، کراچی ٢/ ٣٤٩، زکریا ٣/ ٢٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٣٠/ ذی الحجہ ١٤٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٩٧٥)

سید کو زکوٰۃ

سوال: [۴۳۵۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ احقر کا داخلہ مکمل ہو چکا ہے، لہٰذا کھانا جاری کر دیا جائے، بہت زیادہ ممنون و مشکور ہوں گا؟

المستفتي: سید عادل، رامپوری

چونکہ سال اول کا امدادی کوٹہ پورا ہو گیا ہے، یہ طالب علم سادات میں سے ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی بنا پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی سے درخواست ہے، کہ اس طالب علم کا خصوصی طور پر کھانا جاری فرما دیا جائے۔

محمد عمر، نائب مہتمم مدرسہ شاہی، یکم ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ

سادات کیلئے یہ کھانا جائز ہوگا؟

رشید الدین حمیدی، مہتمم مدرسہ شاہی، مرادآباد ۔۲۲/۵/۱۴۰۹ھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سادات کیلئے زکوٰۃ وصدقہ واجبہ کا کھانا کھانا جائز نہیں ہے، اسکے علاوہ تملیک شدہ صدقہ یا امداد کا کھانا کھانا جائز ہے۔

لا نعلم خلافا فى أن بنى هاشم لا تحل لهم الصدقة المفروضة وقد قال النبى ﷺ إن الصدقة لا تنبغى لآل محمد هى أوساخ الناس الخ. (كتاب المغنى، ۲/ ۲۷٤، عالمگيری، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف زكريا ۱/ ۱۸۹، جديد ۱/ ۲۵۱، الدر المختار مع الشامى ، كتاب الزكاة، باب المصرف ، مطلب فى الحوائج الأصلية زكريا ۳/ ۲۹۹، كراچى ۲/ ۳۵۰، البحرالرائق ، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۲/ ٤۲۹، ۲/ ۲۷٦، مجمع الأنهر ، كتاب الزكاة، باب فى بيان أحكام المصرف ، مكتبه دارالكتب العلميه ۱/ ۳۲۵)

عن عبد الله بن الحارث بن نوفل الهاشمى..... وقال فى الحديث : ثم

قـال لنا إن هذه الصدقات إنما هی أو ساخ الناس، وإنها لاتحل لمحمد، ولا لآل لـمحمد، الحديث : . (صحيـح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبی ﷺ الصدقة، النسخة الهندية ١/ ٣٤٤، بيت الأفكار رقم: ١٠٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۷۵)

سید اور بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۵۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے شہر پر نام بٹ کے ایک صاحب آپ کی کتاب ایضاح المسائل لائے تھے، مطالعہ کا موقعہ ہوا الحمد للہ سارے ضروری اور جدید مسائل کو یکجا کر کے آپنے امت مسلمہ کی دینی ضرورت کو پورا کر دیا ہے، "**فجزاکم اللہ خیر الجزاء**" اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ سید اور بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اس سلسلہ میں یہ عرض ہے، کہ کتب فقہ کے عام متون میں بس یہی مسئلہ تحریر ہے، لیکن حالات زمانہ کا جائزہ لیتے ہوئے متاخرین فقہاء اور مفتیان عظام نے اس میں وسعت دیدی ہے، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ (امداد المفتیین ۱-۲/ ۲۸ مطبوعہ امدادیہ دیوبند) میں تحریر فرماتے ہیں علامہ شامیؒ نے بعض اقوال ایسے نقل کئے جن سے جواز ثابت ہوتا ہے، اور ضرورت زمانہ اور حاجات سادات اسی کو مقتضی ہے کہ جواز کا فتویٰ حسب روایات شامی دیا جائے، چنانچہ احقر اور بعض اکابر واساتذۂ احقر بھی جواز کا فتویٰ دیتے رہے ہیں، عبارت شامی کی یہ ہے بعد نقل کرنے اقوال ممانعت لکھتے ہیں:

وروی أبوعصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلی بنی هاشم فی زمانه لأن عوضها هو خمس الخمس لن يصل إليهم لإهمال الناس الخ.

اور حضرت موصوف کے فرزند عالی مقام حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ درس ترمذی

میں اس پر بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں جو۔

باب ماجاء فی کراهية الصدقة للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وأهل بيته ومواليه .

کے تحت موجود ہے اور ابوعصمہ نے تو امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اس کی نقل کی ہے، کہ بیت المال کا خمس ختم ہونے کے بعد بنو ہاشم کیلئے زکوٰۃ لینا جائز ہے، امام طحاویؒ نے بھی عن محمد عن ابی یوسف کے طریق سے ایک روایت یہی نقل کی ہے، بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی قول ہے (آگے مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں) ہمارے زمانہ کے فقہاء کو اس پر غور کرنا چاہئے، کہ کیا اس دور میں بنو ہاشم میں فقر کی کثرت کو دیکھتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ کی مذکورہ بالا روایت پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (درس ترمذی ۲/ ۴۷۶)

ملفوظات علامہ انور شاہ کشمیری جمع کردہ مولانا سید احمد رضا بجنوری، ناشر بیت الحکمۃ دیوبند۔

فرمایا میرے نزدیک سید کو زکوٰۃ کا مال لینا سوال کرنے سے بہتر ہے، امام رازی وطحاوی بروایت امام ابوحنیفہؒ قائل جواز ہوئے ہیں، اور امام رازی کو فقہ فی النفس حاصل ہے، اسلئے میں جواز کا فتویٰ دیتا ہوں/ ۲۶۶، مذکورہ بالا تحقیق کو دیکھتے ہوئے ان حضرات کو زکوٰۃ دیدینے میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا ہے، رسالہ بحث ونظر /۳، اپریل مئی جون ۱۹۹۰ء میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے کئی دلائل پیش کر کے پر زور طریقہ سے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

المستفتي: محمد ایوب غفرلہ، مدرسہ عربیہ دار العلوم،
پرنام بٹ، ضلع: شمالی آرکاٹ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) آنجناب کی مرسلہ تحریر بغور پڑھی گئی، آنجناب کی تحریر میں سید وبنی ہاشم کیلئے زکوٰۃ کے جواز میں امداد المفتیین کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی طرف سے جواز کی جو نسبت کی گئی ہے وہ متردد فیہ ہے، اسکی دو وجہ ہے۔

(۱) امداد المفتیین ۴/ ۲۸ میں جو جواب ہے اس کے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم ہی کے ہونے میں تردد ہے، اس میں کئی حضرات کے فتاویٰ ہوا کرتے تھے، اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے لکھے ہوئے فتاویٰ پر عام طور پر مرحوم کے دستخط بھی ہوا کرتے ہیں۔

(۲) خود حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کا لکھا ہوا فتویٰ ان کے دستخط کیساتھ اسی امداد المفتیین کے صفحہ ۴/ ۳۵ میں موجود ہیں، کہ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے صاف عبارت میں لکھا ہے کہ نہ سید کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور نہ ان کیلئے لینا جائز ہے، اور اگر کسی نے دیدی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، نیز آگے چل کر اسی فتویٰ میں یہ لکھا ہے کہ اگر حیلۂ تملیک کر کے فقیر کی طرف سے بنی ہاشم کو بطور ہدیہ دیجائے، تو مضائقہ نہیں پھر ۴/ ۲۸، میں حضرت مفتی صاحب مرحوم کا یہ لکھنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ کہ احقر اور بعض اکابر اور اساتذۂ احقر بھی فتویٰ جواز کا دیتے رہے ہیں، جس میں موصوف کے دستخط بھی نہیں ہیں، نیز شاید اسی وجہ سے اس فتویٰ کو کراچی سے شائع شدہ امداد المفتیین میں درج نہیں کیا ہے، صرف عدم جواز والا فتویٰ نقل کیا گیا ہے، لہٰذا اس فتویٰ کو کس طرح بنیاد بنایا جاسکتا ہے، اور اسی وجہ سے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بحث کر کے چھوڑ دیا ہے، اپنی کوئی رائے پیش نہیں کی ہے، اور حضرت امام رازی شافعی المسلک تھے، لیکن علامہ کشمیری ان سے متاثر تھے، اسلئے امام رازی کے قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور وہ اکابر اور علماء عظام کا دور تھا، ان میں سے کسی نے حضرت علامہ کشمیری کے فتویٰ کا اعتبار نہیں کیا ہے، نیز طحاویؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے عدم جواز کا قول بہت مضبوط انداز سے نقل فرمایا ہے، اور جواز کے قول کو بہت کمزور انداز سے نقل فرمایا ہے، اسی وجہ سے اکابر اہل فتاویٰ میں سے اس قول کو کسی نے اختیار نہیں کیا ہے، اسلئے سوالنامہ میں پیش کردہ دلائل احقر کے نزدیک ایسے نہیں ہیں، کہ جن کی وجہ سے ظاہر الروایۃ کو ترک کیا جاسکے، اب احقر مختصر الفاظ میں اپنا جواب تحریر کرتا ہے، سید اور بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کے عدم جواز کی اصل علت اوساخ الناس

ہی ہے، نیز اگر خمس بیت المال کے حصوں کو بھی علت قرار دیا جائے، تو وہ اتنی بڑی اہم علت نہیں ہے، جتنی اہمیت اوساخ الناس کی علت ہونے میں ہے، حدیث شریف کا ذخیرہ بھرا پڑا ہے، جس میں علت حرمت بار بار اوساخ الناس ہی کو قرار دیا ہے، تو اگر حصول خمس بیت المال کی علت ختم ہوگئی ہے تو پھر اوساخ الناس کی علت سے وجود کا انکار کس طرح کیا جاسکتا ہے، اسلئے احقر کے نزدیک اکابر مفتیان کرام کی طرح سید و بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن الحارث بن نوفل الهاشمی..... وقال فی الحديث : ثم قال لنا: إن هذه الصدقات إنما هی أو ساخ الناس، وإنها لاتحل لمحمد، ولا لآل لمحمد، الحديث :. (صحيح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبی ﷺ الصدقة، النسخة الهندية ١/ ٣٤٤، بيت الأفكار رقم: ١٠٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رجب ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۲۵۲)

سیدہ بیوہ عورت کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۵۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے یہاں ایک سیدہ عورت ہے جو بیوہ ہے اس کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے ایسی صورت میں اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیدہ عورت کو زکوٰۃ دینا درست نہیں اگر اسکو جان بوجھ کر زکوٰۃ دی جائیگی تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اسے دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، لہٰذا اسکا صدقات نافلہ ہی کے ذریعہ سے تعاون کرنا چاہئے۔

عن عبد اللّٰہ بن الحارث بن نوفل الهاشمی..... وقال فی الحديث : ثم

قال لنا: إن هذه الصدقات إنما هی أو ساخ الناس، وإنها لاتحل لمحمد ، ولا لآل لمحمد ، الحديث : . (صحيح مسلم ، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبی ﷺ الصدقة ، النسخة الهندية ١/ ٣٤٤، بيت الأفكار رقم: ١٠٧٢)

ولا إلیٰ بنی هاشم .... ثم ظاهر المذهب إطلاق المنع (تحته فی الشامية) يعنی سواء فی ذلک کل الأزمان ، وسواء فی ذلک دفع بعضهم لبعض ودفع غيرهم لهم . (شامی، کتاب الصدقات باب المصرف ، مطلب فی الحوائج الأصلية ، کراچی ٢/ ٣٥٠، زکريا٣/٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شعبان ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۰۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۷/۸/۱۷ھ

کیا آل ہاشم کو بھی صدقات واجبہ دینا جائز نہیں؟

سوال: [۴۳۵۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جن سادات کو صدقات واجبہ دینا جائز نہیں وہ آل ہاشم ہیں، یا صرف حضرت علیؓ کی وہ اولاد جو حضرت فاطمہؓ سے ہیں، اور جن سادات کو صدقۂ واجبہ کا استعمال ناجائز ہے، کیا ان کی بالغ اولاد کو مدارس عربیہ میں سے برائے حصول علم دین امداد لینے کا جواز ہے؟

المستفتي: نور العابدین، محلّہ بارو دگراں،
پوسٹ: نولگڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جن سادات کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، ان میں حضرت علیؓ کی اولاد کے ساتھ ساتھ تمام بنو ہاشم داخل ہیں، اور حضرت فاطمہؓ کی اولاد کی بھی کوئی خصوصیت نہیں ہے، بلکہ حضرت علیؓ کی دوسری بیوی کی اولاد بھی داخل ہیں۔

ولا إلی بنی هاشم الخ. (درمختار ، کتاب الزکاة، باب المصرف ، زکریا

دیو بند۳/ ۲۹۹، کراچی ۲/ ۳٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۳)

صاحب نصاب لڑکی کی شادی کیلئے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۵۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ صاحب نصاب ہو جانے کے بعد اپنی لڑکی کی شادی کیلئے دوسرے تیسرے چوتھے شخص سے مالِ زکوٰۃ لینا کیسا ہے؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتي: ابوقمر، مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لینے والے کیلئے حرام ہے نیز اگر معلوم ہو جائے تو دینے والے کیلئے بھی حرام ہے، نیز انکی زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔

وإذا حرم السؤال عليه إذا ملك قوة يومه فهل يحرم الإعطاء له إذا علم حاله (إلىٰ قوله) **يأثم بذلك لأنه إعانة على الحرام الخ.** (البحرالرائق، زکریا۲/ ٤٣٧، کراچی ۲/ ۲٥٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۳۷)

زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی کھال کس کو دی جائے؟

سوال: [۴۳۵٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ، فطرہ وقربانی کی کھالوں کو کس کو دینا چاہئے، بزرگوں سے سنا ہے کہ مستحق بہن بھائی چچا پھوپھی خالہ ماموں اس کے بعد قرابت داروں کو پڑوسیوں کو دینا چاہئے، اس کے خلاف مدرسے

والے رمضان شریف میں مدرسوں کی ضرورت دکھا کر زکوٰۃ فطرہ کا پیسہ وصول کر کے لیجاتے ہیں، اس پیسے کا کون زیادہ مستحق ہے؟

المستفتي: عبد القدیر، اصالتپورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دو قسم کے لوگوں کو دینے سے ڈبل ثواب ملتا ہے، (۱) قریبی رشتہ دار، مثلاً بھائی، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہ۔ (۲) طالب علم اور علماء، رشتہ داروں کو دینے سے ڈبل ثواب اسلئے ہے کہ اس میں اداء زکوٰۃ اور صلہ رحمی دونوں موجود ہیں، علماء اور طلبہ کو دینے سے ڈبل ثواب اسلئے ہے، کہ اداء زکوٰۃ اور خدمت دین دونوں موجود ہیں، لہٰذا دونوں قسم کے لوگوں کو دینے میں زیادہ ثواب ہوگا، ہاں البتہ اس کا بھی لحاظ رکھنا بہتر ہوتا ہے کہ جو زیادہ محتاج ہو اس کو مقدم رکھا جائے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/۱۱۰)

عن سلمان بن عامر أن رسول الله ﷺ قال: إن الصدقة على المسكين صدقة، وإنها على ذى رحم اثنتان، إنها صدقة وصلة. (صحيح ابن خزيمه، المكتب الإسلامي ۱۱۴۸/۲، رقم: ۲۳۸۴، المستدرك، كتاب الزكاة، قديم ۴۰۷/۱، مكتبه نزار مصطفى الباز ۵۷۳/۲، رقم: ۱۴۷۶، صحيح ابن حبان، دارالفكر ۱۰۳/۴، ۱۰۴، رقم: ۳۳۴۱)

التصدق على العالم الفقير أفضل. (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الزكاة، باب المصرف، دارالكتاب ديوبند/۷۲۲، هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف زكريا ديوبند ۱۸۷/۱، جديد ۲۴۹/۱، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف مكتبه امداديه ملتان ۳۰۲/۱، زكريا ديو بند ۱۲۴/۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۵۵۲/۳۳)

ایک فقیر کو بیک وقت مکمل نصاب کا مالک بنانا

سوال: [۴۳۵۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسئلۂ تملیک جو آجکل مدارس دینیہ میں رائج ہے اگر کسی فقیر کو زکوٰۃ کی اتنی رقم دی جائے جس سے وہ خود صاحب نصاب ہو جائے، آیا جائز ہے یا نہیں؟ بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں، نیز زکوٰۃ محتاجوں کو دی جاتی ہے، اور آجکل مدارس کے اندر کثیر رقم ہونے کے باوجود وہ زکوٰۃ حاصل کرتے ہیں، جبکہ فنڈ میں ان مدارس کا کافی روپیہ رہتا ہے مگر پھر بھی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں، کیا یہ صورت جائز ہے؟ اور ان کا زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے، اگر ایسی صورت میں کوئی زکوٰۃ ادا کرتا ہے، تو زکوٰۃ کا ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: اختر حسین قاسمی، مدرسہ مصباح الظفر،
ڈھکہ حسن پور، ضلع: مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی ایک فقیر کو زکوٰۃ میں سے اتنی رقم دینا جس سے صاحب نصاب بن جائے مکروہ ہے، زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ تو ادا ہوگی مگر ساتھ ساتھ کراہت بھی لازم آتی ہے۔

كره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر الخ. (در مختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب في حوائج الأصلية كراچی ۲/۳۵۳، زكريا ديوبند۳/۳۰۳، الفتاویٰ التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، زكريا ديو بند۳/۲۲۱، رقم: ٤١٨٥، هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، اشرفيه ديو بند ۱/۲۰۷)

نیز مدرسہ شخص حقیقی نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں بہت سارے مستحق طلبہ ہوتے ہیں، اسلئے مدارس میں زیادہ تعداد میں زکوٰۃ دینا جائز ہے، اور بینک میں حفاظت کیلئے تو رکھنا جائز ہے، لیکن سودی کھاتہ اور فکسڈ ڈپازٹ کھاتہ میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۱۲۲)

غریب کو مال زکوٰۃ دیکر صاحب نصاب بنانا

سوال: [۴۳۵۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے اپنے کسی عزیز غریب کو نادار مفلوک الحال خیال کرکے اس کی جوان لڑکی کی شادی کیلئے بمد زکوٰۃ ۴؍ ہزار روپیہ دئے جس سے وہ مفلوک الحال اب صاحب نصاب ہوگیا، دوسرے شخص نے ۲؍ ہزار روپئے دیئے، تیسرے شخص نے ۵؍ ہزار روپئے دیئے اور یہ سب رقم بمد زکوٰۃ دی گئی کیا دوسرے اور تیسرے شخص کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی کہ نہیں؟

المستفتي: ابوقمر، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اول شخص کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی لیکن ایکدم صاحب نصاب بنادینے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔

کرہ إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر الخ. (در مختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مطلب في حوائج الأصلیة کراچی ۲/۳۵۳، زکریا دیوبند ۳/۳۰۳، البحرالرائق، زکریا دیوبند ۲/۴۳۵، کوئٹہ ۲/۲۴۹)

اسکے بعد دوسرے اور تیسرے شخص نے اول شخص کے واقعہ کے علم ہوتے ہوئے یا مدفوع إلیہ سے اس سلسلہ میں بلاتحقیق یا شک وتردد ہوتے ہوئے دیا ہے، تو ان دونوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اور اگر ان دونوں نے مصرف زکوٰۃ ہونے کے یقین کے ساتھ دیا ہے، تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، ورنہ نہیں۔

لو دفع بلا تحر لم یجز إن أخطأ وفی الشامیة أما تحری فدفع لمن ظنہ غیر مصرف أو شک ولم یتحر لم یجز حتی یظہر أنہ مصرف الخ.

(الدرالمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مطلب فی حوائج الأصلیة

زکریا۳/۳۰۲۳، کراچی ۲/۳۵۲)

وأما إذا شک ولم یتحر أو یتحر فدفع وفی أکبر رأیه أنه لیس بمصرف لایجز یه إلا إذا علم أنه فقیر هو الصحیح الخ. (هدایه، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، اشرفی دیوبند۱/۲۰۴، هندیه، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف، زکریا۱/۱۹۰، جدید۱/۲۵۱، تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا۲/۱۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۳۷)

زکوٰۃ کی رقم سے جنگی ہتھیار خریدنا یا تنخواہ میں دینا

سوال: [۴۳۵۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) ایک گاؤں جہاں مسلم آبادی زیادہ مقدار میں ہے لیکن اس گاؤں کے اردگرد غیر مسلموں کا علاقہ ہے گاہ بگاہ غیر مسلم اس گاؤں پر حملہ کرتے رہتے ہیں، وہاں کے مسلمان حالات کے پیش نظر دشمنوں سے مقابلہ کیلئے اسی گاؤں کے مدرسہ کے روپئے سے جن گی اور دفاعی ہتھیار خریدنا چاہتے ہیں، یا اس مدرسہ کے روپئے کو دیگر مسلم مفاد میں صرف کرنا چاہتے ہیں، تو کیا شریعت میں اسکی اجازت ہے؟

(۲) مدرسہ میں آئی ہوئی زکوٰۃ کی رقم سے بغیر لڑکوں سے تملیک کے استادوں کو تنخواہ دینا عمارت بنوانا لڑکوں کے کھیل کود کیلئے بال وغیرہ خریدنا مدرسہ کے اندر پھول وغیرہ لگانا کہاں تک درست ہے؟

المستفتي: محمد مظفر الحق، گڈاوی، مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱-۲) زکوٰۃ فقراء ومسکین کا حق ہے، اسکو ہتھیار

وغیرہ کی خریداری نیز مروجہ تملیک اور بلا تملیک کے مدرسین کی تنخواہوں میں صرف کرنا اسی طرح تعمیرات اور سوالنامہ میں مذکور امور میں صرف کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، اسطرح کی ضروریات باہمی تعاون سے پوری کی جائیں زکوۃ مستحقین پرہی صرف کرنا لازم ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (سورة التوبة: ٦٠)

مصرف الزكوٰة ...وهو الفقير . (درمختار ، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٢/٣٣٩) زكريا ٣/٢٨٣)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة . (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ٢/٣٤٤، زكريا ٣/٢٩١)

وأما تفسيرها فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولامولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ هذا في الشرع. (هنديه ، كتاب الزكاة، الباب الاول زكريا١/ ١٧٠، جديد١/ ٢٣٢)

الزكاة يجب فيها تمليك المال، لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ وآتوا الزكاة. (البقرة: ٤٣) **يقتضي التمليك ولا تتأدى بالإباحة .** (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند٢/ ١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠ رمحرم الحرام ١٤٢٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٧٠٢٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٣/١/١٤٢٢ھ

وکیل کا زکوۃ کی رقم مؤکل کی بیوہ اولاد کو دینا

سوال: [٤٣٦٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید اور زید کی بالغ اولاد ایک ساتھ محنت کرتے ہیں، اور کمائی والد صاحب کے پاس جمع ہوتی ہے، اب جمع شدہ رقم پر زکوۃ واجب ہوگئی، زید نے زکوۃ کی رقم بالغ اولاد کو دیدی کہ جس کو چاہو ادا کردو جو تمہاری نگاہ میں مستحق ہو ایسی صورت میں کیا یہ بالغ اولاد اپنی بہن جو بیوہ ہے اور

ازحد پریشان ہے اس کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتی ہے؟

المستفتي: محمد ارمان، جامع مسجد، کاسگنج، ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بالغ اولاد اس مال زکوٰۃ کی مالک نہیں ہے، بلکہ مستحقین کو دینے کیلئے وکیل ہے، اسلئے بالغ اولاد کیلئے باپ کی زکوٰۃ باپ کی بیٹی کو دینا جائز نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

لایدفع المزکی زکوٰۃ ماله إلی أبیه وجده وإن علا ولاإلیٰ ولده وولد ولده وإن سفل الخ. (هدایه، کتاب الزکاة، باب من یجوز، دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز ،اشرفی دیوبند ۱/ ۲۰٦)

ولا یدفع إلیٰ والده وإن علا ولاإلیٰ ولده وإن سفل، لأنه ینتفع بملکه ،فکان الدفع إلیه دفعاً إلیٰ نفسه من وجه، فلا یقع تملیکا مطلقاً.

(بدائع، کتاب الزکاة، فصل فی رکن الزکاة، زکریا دیوبند۲/ ۱٤۳)

ولا یعطی من الزکاة والداً، وإن علا، ولاولداً، وإن سفل، وفی الخانیة من قبل الذکور والإناث. (الفتاویٰ التاتار خانیة، کتاب الزکاة، الفصل الثامن فی من توضع فیه الزکاة، زکریا۳/ ۲۰٦، رقم: ٤۱۳۷)

ولایجوز دفع الزکاة، إلیٰ أولاده وأولاد أولاده من قبل الذکور والإناث وإن سفلوا. (خانیة علی الهندیة، کتاب الزکاة، فصل فی من توضع فیه الزکاة، زکریا دیوبند۱/ ۲٦۷، جدید۱/ ۱٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ۹/ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۸٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/ ۹/ ۱۴۱۹ھ

تنخواہ نہ کافی ہونے والے ملازم کا زکوٰۃ لینا

سوال: [۴۳۶۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ لینے کے حقدار کون لوگ ہیں، ایک شخص پرائیویٹ ملازم ہے اس کی ماہانہ تنخواہ ایک ہزار روپئے ہے اس کے پاس ذاتی مکان ہے ساڑی بننے کیلئے ایک لوم بھی ہے، اس کی آمدنی گھر کے اخراجات کیلئے خاطر خواہ کافی نہیں ہوتی ہے، وہ شخص کثیر الأ ولاد بھی ہے، جس کی وجہ سے پریشانی وتنگ دستی کا شکار رہے، کیا ایسے شخص کی زکوٰۃ سے مدد کی جاسکتی ہے؟

المستفتي: شمشاد احمد الاعظمی، چندن پورہ، مئو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر پرائیویٹ ملازم ایک ہزار روپیہ تنخواہ سے اپنی اور بال بچوں کی ضروریات پوری نہیں کرپاتا ہے اور محتاج رہتا ہے تو وہ مستحق زکوٰۃ ہے، بقدر ضرورت زکوٰۃ کے پیسے سے بال بچوں کی ضرورت پوری کرسکتا ہے۔

وإن كان غلتها لا تكفى لنفقته ونفقة عياله سنة قال محمدؒ يحل لهٗ أخذ الزكوة، وإن كان قيمتها يبلغ ألوفاً وفى العتابية وعليه الفتوىٰ.

(تاتارخانيه، كتاب الزكاة، الفصل الثامن، من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند ٣/٢١٦، رقم: ٤١٦٧، كوئٹه ٢/٢٧٧، وهكذا فى المحيط البرهانى، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من يوضع فيه الزكاة، المجلس العلمي ٣/٢١٦، رقم: ٢٧٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۳۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۲/۱۴۲۹ھ

تجارت اور اچھی مزدوری کرنے والے کا زکوٰۃ لینا

سوال: [۴۳۶۲]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص تجارت کرتا ہے، اور اچھی اجرت کی مزدوری کر لیتا ہے، تو یہ شخص زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ جواب دیں کرم ہوگا؟

المستفتي: مظہر الاسلام، فرف بابوڈھیرہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص محنت مزدوری کی طاقت رکھتا ہے، یا تجارت کرتا ہے، صحیح اور تندرست بھی ہے اچھی اجرت پر کام کرتا ہے، تو حدیث شریف میں ایسے شخص کو زکوٰۃ لینے سے منع کیا گیا ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني، ولا لذي مرة سوي. (سنن الترمذی، کتاب الزکاة، باب من لاتحل له الصدقة ،النسخة الهندية ۱/ ۱٤۱، دارالسلام رقم: ٦٥۲، مسند الدارمي ، دار المغني ۲/ ۱۰۲۰، رقم: ۱٦۷۹، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱٦٤، رقم: ٦٥۳۰، ۲/ ۱۹۲، رقم: ٦۷۹۸)

البتہ اگر مقروض ہو تو اس کو قرض کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۴)

۲۵، ۳۰/ بیگہ زمین کے مالک کا ادائے قرض کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا

سوال: [۴۳۶۳]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مستحق زکوٰۃ نے اہل نصاب کو یہ خط لکھا کہ آپ اپنی زکوٰۃ سے میرا قرضہ ادا کردیں کیا مستحق زکوٰۃ مقروض کا یہ سوال جائز ہے یا نہیں؟ مستحق مقروض کے پاس ۲۴/ بیگہ زمین بھی ہے یہ زمین گاؤں کے پاس ہے جس میں فصل کا بہت زیادہ اجاڑ ہے، جس کی وجہ سے کوئی خریدنے

کیلئے تیار نہیں ہے، صاحب نصاب اور مستحق زکوٰۃ کے لڑکے کا دوستانہ ہے، جب مستحق زکوٰۃ کا لڑکا صاحب نصاب سے ملنے گیا تو صاحب نصاب نے اس لڑکے سے یہ کہا کہ تمہارے والد صاحب کا یہ خط آیا ہے، یہ لڑکا سرکاری ملازم بھی ہے، جو ۱۵۰۰۰/ ہزار روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتا ہے، اور مالدار بھی ہے، اور والد صاحب کا قرضہ ادا کرنے میں والد صاحب کا کوئی تعاون نہیں کرتا بلکہ اس خط کی فوٹو کاپی کراکے عام لوگوں کو سنایا جس کی وجہ سے بوڑھا باپ رسوا ہوا لڑکے کے لئے باپ کے حق میں ایسا کرنا کیسا ہے؟ اہل نصاب کا کسی کو مستحق زکوٰۃ کا خط پڑھوانا یا سنانا جائز ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟

المستفتي: حاجی عبدالرحمٰن، ردرپور، ضلع رام پور،

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو آدمی ۲۵،۳۰/ بیگہ زمین کا مالک ہے اور بیٹا دس پندرہ ہزار روپیہ تنخواہ پر ملازم ہے اس کا قرضہ ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ پہلے اپنے سارے سرمایہ سے قرضہ ادا کرے گا، اور یہ کہنا درست نہیں کہ زمین کے خریدار نہیں ہیں، زمین کے خریدار اس لئے نہیں مل رہے ہوں گے، کہ زمین جس معیار کی ہوگی اس سے زیادہ پیسہ مانگا جارہا ہوگا، نیز زمین کے ذریعہ قرضہ ادا کیا جاسکتا ہے، نیز جن لوگوں کا قرضہ ہے زمین کے معیار کے مطابق قیمت لگا کر ان کے نام فروخت کردی جائے۔

عن عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني، ولا لذي مرة سوي. (سنن أبی داؤد، کتاب الزکاة، باب من یعطی من الصدقة، وحد الغني، النسخة الهندیة ۱/ ۲۳۱، دارالسلام رقم: ۱۶۳۴، سنن ابن ماجه، الزکاة، باب من سأل عن ظهر غنی، النسخة الهندیة ۱/ ۱۳۲، دارالسلام رقم: ۱۸۳۹)

وإن كان أحدهما عيناً والآخر موصوفاً فی الذمة فإن جعل العين منهما مبيعاً والدين ثمنا جاز. (عالمگیری، کتاب البیوع، الفصل الثالث، فی معرفة المبیع والثمن والتصرف فیهما قبل القبض زکریا دیوبند ۳/ ۱۳، جدید۳/ ۱۵)

ولا إلیٰ غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة من أي مال کان . (درمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ، قبیل مطلب فی جهاز المرأة هل تصیر به غنیة زکریا دیوبند۳/۲۹۵، ۲۹۶، کراچی ۲/۳۴۷)

نیز جس سے زکوٰۃ کا پیسہ مانگا گیا ہے ایسے صاحب نصاب جائداد شخص کے بارے میں اس نے اگر تحقیقات کی ہیں، تو یہ کوئی بری بات نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۹۲/۳۸)

غیر صاحب نصاب جائیداد کے مالک کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۶۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ ایسے لوگوں کو دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ جو صاحب جائداد ہوں مگر وہ اتنا روپیہ نہیں رکھتے جس کی زکوٰۃ ادا کی جائے؟

المستفتي: روشن جہاں، ابومنصور کمپنی، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ کوئی زیور وغیرہ بھی اتنا نہ ہو جس سے صاحب نصاب بن جائے، لیکن ایسے صاحب جائداد شخص کی شایان شان نہیں ہے، کہ وہ دوسروں کے اموال کا میل (زکوٰۃ) کھائے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ. (سورۃ التوبة: ٦٠)

عن سعید بن جبیر قال: یعطی من الزکاۃ من له الدار والخادم والفرس وأخرج أیضا ، عن شبیب بن عبد الملک قال: سألت مقاتل بن حیان عن رجل في الدیوان له عطاء وفرس، وهو محتاج ، أعطیه من الزکاۃ،

قال: نعم . (المصنف لإبن أبی شیبة ، الزکاة، من له دار وخادم یعطی من الزکاة، مؤسسه علوم القرآن ٦/٥١٧، رقم: ١٠٥١٦، ١٠٥١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۷۷۸)

مالداروں کے گھر رہنے والی غریب لڑکی کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۶۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکی جو غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے، وہ ہمارے ساتھ رہتی ہے، اسکی ساری ضرورتیں تعلیم کھانے پینے اور دیگر خرچ کی ذمہ داری ہماری ہے کیا اس کی ضرورتوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

المستفتي: محمد ناصر، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر وہ لڑکی مستحق زکوٰۃ ہے، تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے، لیکن یہ شرط ہے کہ اگر وہ لڑکی آپ کے یہاں کام کرتی ہے، تو زکوٰۃ کے پیسے سے اس کو اجرت دینا درست نہیں ہے، ہاں البتہ اس کی اجرت کے علاوہ الگ سے اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے، اور ایسا کرنا درست نہیں ہے کہ آپ اس سے گھر کی نوکرانی بنا کر کام لیتے رہیں، اور اس کی ضروریات کی تمام چیزیں مد زکوٰۃ سے ادا کرتے رہیں، اور اسی کی بنا پر وہ آپ کے یہاں نوکرانی بن کر رہ رہی ہے، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کے پیسے اجرت میں شمار ہو جائیں گے۔

لشخص مخصوص هو أن يكون فقيراً ونحوه من بقية المصارف غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ . (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح ، کتاب الزکاة دارالکتاب دیوبند / ٧١٤،

قدیم /۳۸۹، البنایه ، الزکاۃ، اشرفیه دیوبند۳ /۲۸۸، هندیه ، کتاب الزکاۃ، الباب الاول زکریا دیوبند ۱ /۱۷۰، جدید۱ /۲۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۷۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۳/۲۲ھ

حج کیلئے زکوٰۃ کا سوال کرنا

سوال: [۴۳۶۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی حافظ یا مولوی قاری ہوکر حج کے لئے زکوٰۃ کا سوال کرے تو کیا ان کو زکوٰۃ حج کیلئے دینا جائز ہے یا نہیں اور اس کا سوال کرنا ٹھیک ہے یا غلط؟

المستفتي: محمد عثمان فینسی کارنر، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: کسی بھی غیر مصرف اور غیر مستحق کیلئے زکوٰۃ کا سوال کرنا جائز نہیں ہے، زکوٰۃ صرف فقراء کا حق ہے، حج کو جانے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ مانگنا مشروع نہیں ہے۔

ذهب جمهور العلماء إلىٰ أنه لايجوز الصرف فى الحج من الزكاة لأن سبيل الله فى آية مصارف الزكاة مطلق وهو عند الإطلاق ينصرف إلىٰ الجهاد فى سبيل الله . (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲۳ /۳۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۵۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۳/۱۵ھ

نابینا حاجی کی مدد کیلئے بینا کو زکوٰۃ کی رقم سے بھیجنا

سوال: [۴۳۶۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک نابینا شخص حج کو جانا چاہتا ہے، اس کی مدد کیلئے ایک صاحب زکوٰۃ کے پیسہ سے ایک بینا شخص کو بھیجنا چاہتے ہیں، تو کیا اس آدمی کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟

المستفتي: محمد حنیف، پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے کسی کو حج کرانا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ منشاء زکوٰۃ کے خلاف ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کو فقیر کی ملکیت میں پورے طور پر منتقل کردیا جائے، اوراس کے بعد اس زکوٰۃ دینے والے کا اس میں کوئی دخل نہ ہو، اور وہ فقیر جہاں چاہے اسے اپنی مرضی سے خرچ کرے خواہ اپنے بال بچوں پر خرچ کرے یا اس سے حج کرے لیکن اس رقم سے حج کرانے کا مطلب یہ ہے کہ اس زکوٰۃ میں فقیر کو آزادانہ تصرف کا حق نہیں دیا گیا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں زکوٰۃ کے ادا ہونے میں بھی تردد ہوتا ہے، اسلئے زکوٰۃ کے پیسے سے کسی کو حج نہ کرایا جائے، بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ اپنی جیب خاص اور مد تعاون سے حج کرائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۰۲)

تبلیغ والوں کو مد زکوٰۃ سے کھانا کھلانا

سوال: [۴۳۶۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) یہ کہ مرادآباد میں تبلیغی جماعتیں آتی رہتی ہیں، ہر ہفتہ بروز جمعرات قریب نماز مغرب ساری جماعتیں مسجد سرائے پختہ مرکز تبلیغ مرادآباد میں آجاتی ہیں بعد نماز عشاء سب کو فری کھانا دیا جاتا ہے، جماعتیں ۴۸/میل سے کم کی بھی ہوتی ہیں، اور ۴۸/ میل سے زیادہ کی

بھی ہوتی ہیں، کبھی کبھی غیر ملکی جماعتیں بھی ہوتی ہیں، سوال یہ ہے جس طرح طلباء مدارس اسلامیہ کیلئے مطبخ کا خرچہ مدزکوٰۃ سے کیا جاتا ہے کیا ان جماعتوں کے کھانے کا خرچہ مد زکوٰۃ سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ اس میں مخیّر صاحبان کی زکوٰۃ بلاشبہ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

(۳) یہ کہ اس کھانے میں مقامی انتظامیہ صاحبان کا شریک ہوکر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعزیز، سابق بزازحال،
ظروف مرچنٹ بازار، شاہی مسجد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) سائل کا مقصد سوالنامہ میں ذکر کردہ لوگوں کا ابن السبیل کے دائرہ میں داخل ہونا ہے، قرآن کریم میں جو ابن سبیل کا لفظ آیا ہے، اس کا مصداق ہر قسم کا مسافر نہیں ہے، بلکہ صرف وہ مسافر مراد ہے، کہ جس کے پاس حالت سفر میں اپنی ضروریات کے لئے کچھ بھی نہیں ہے، اور جس مسافر کے پاس بقدر ضرورت روپیہ وغیرہ ہو وہ ابن السبیل کے دائرہ میں نہیں آتا ہے، اس لئے تبلیغ والوں کو ابن السبیل یا فی سبیل اللہ کے دائرہ میں داخل سمجھ کر ان کو مدزکوٰۃ سے کھانا کھلانا ہرگز جائز نہیں ہے۔
(مستفاد: معارف القرآن ۴/ ۴۰۹)

عن الضحاک فی رجل سافر وهو غني فنفد ما معه فی سفره واحتاج، قال: يعطى من الصدقة فی سفره، لأنه ابن سبيل. (مصنف ابن أبي شيبه ،الزكاة، ماقالوا فيما رخص فيه من المسالة لصاحبها ۷/ ۳۷، رقم: ۱۰۷۸۹)

وفی کتاب علی بن صالح الجوزجانی أن ابن السبيل هو الذی لايقدر علی ماله وهو غني، ولو يقدر علیٰ أن يستقرض ، فالقرض خير له من قبول الصدقة ، وإن قبل الصدقة أجزئ أن يعطيه . (الفتاویٰ التاتار خانية ،

كتاب الزكاة، الفصل الثامن فى من توضع فيه الزكاة، زكريا٣/ ٢٠٤، رقم: ٤١٣٥)

(۲) ایسی صورت میں مخیّر حضرات کی زکوٰۃ ادا ہونے میں واقعی شبہ اور تردد باقی رہ جاتا ہے۔

(۳) مقامی صاحب نصاب حضرات کا شریک ہونا ہرگز جائز نہیں ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (سورة التوبة: ٦٠)

عن ابن عمر ، عن النبى ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغنى، الحديث :

(سنن الترمذى، الزكاة، باب ماجاء من لا تحل له الصدقة النسخة الهنديه ١/ ١٤١، دارالسلام رقم: ٦٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ رشوال المکرّم ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۶۵)

ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے زکوٰۃ وصدقہ دینا

سوال: [۴۳۶۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک لڑکا دہلی کے میڈیکل کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا تھا، وہ قوم کا سید نہیں تھا، اسکے والد کا انتقال ہو چکا ہے، رہنے کیلئے ذاتی مکان ہے، اسکے علاوہ کچھ زمین اور جائداد بھی ہے، جس کی تقسیم ابھی ورثاء میں نہیں ہوئی ہے، اسکے پاس تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لئے روپیہ نہیں ہے، اس لڑکے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد احمد، فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ لڑکے کا حصہ اور اسکے حصہ کی جائداد کی آمدنی نصاب کی مقدار کو پہونچ جاتی ہے، تو اس کو زکوٰۃ وصدقہ فطر وغیرہ دینا شرعاً جائز

نہیں ہے، اوراگر نصاب کی مقدار کونہیں پہونچتی ہے تو جائز ہے اور جائیداد کا تقسیم نہ ہونا کوئی عذر نہیں ہے، منافع لازمی تقسیم ہوسکتے ہیں۔

سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقه عياله سنة يحل له أخذ الزكوٰة وإن كانت قيمتهاتبلغ ألوفًا وعليه الفتوىٰ، وعندهما لايحل الخ. (شامی، کتاب الزكاة، باب المصرف، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية زكريا ديوبند٣/٢٩٦، كراچی ٢/٣٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ رمضان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۳۹۶/۲۵)

صاحب نصاب کو علاج کے لئے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۷۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص کے پاس پانچ ہزار روپیہ نقد ہیں، اور وہ بیمار ہے ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، علاج کیلئے ڈاکٹر اس کو علاج کیلئے دس ہزار روپیہ بتاتا ہے، جوکہ اس کے پاس نہیں ہیں، صرف پانچ ہزار روپئے ہیں تو کیا اس شخص کے پاس پانچ ہزار نقد موجود ہونے کے باوجود اس کو مدزکوٰۃ سے پانچ ہزار روپیہ دیئے تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟

المستفتي: عبد اللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور کے پاس بقدر نصاب روپئے موجود ہیں، توزکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اسکی صورت یہ ہوگی کہ وہ اپنا علاج کرائے اور جب کل روپئے یا اتنے روپئے خرچ ہوجائیں کہ وہ بقدر نصاب مالک ہی نہ

رہے، تو اسکو مدز کوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی اور اس کے لئے لینا بھی جائز ہوجائیگا، یا یوں کرے اولاً پانچ ہزار روپیہ قرض لے کر علاج کرے اور علاج کے بعد قرض ادا کرنے کیلئے مدز کوٰۃ سے اسکو پانچ ہزار روپیہ دیدے۔

مصرف الزكوٰة (إلىٰ قوله) هو فقير وهو من له أدنى شيئى ومسكين من لا شيئى له . (درمختار مع الشامی ، كتاب الزكاة ، باب المصرف، زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۳، ۲۸٤، كراچی ۳/ ۳۳۹، عالمگيری ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی الصارف ۱/ ۱۸۷، جديد ۱/ ۲٤۹)

ويجوز دفعها إلىٰ من يملك أقل من النصاب ، وإن كان صحيحاً مكتسباً. (عالمگيری ، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف زكريا ۱/ ۱۸۹، جديد ۱/ ۲۵۱)

مديون لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه . (درمختار مع الشامی، كتاب الزكاة، باب المصارف زكريا ديوبند ۳/ ۲۸۹، كراچی ۲/ ۳٤۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ ۵/ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/ ۵/ ۱۴۱۴ھ

غریب مریض کے علاج ومعالجہ کے لئے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۷۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا مدز کوٰۃ سے غریب نادار کینسر کے بیماروں کی دوا علاج کے لئے دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ ایک ہسپتال بمبئی میں وکرناٹک میں اس خدمت کو انجام دے رہا ہے۔

المستفتي: عبدالحق محلہ اصالت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غریب نادار مریضوں کو مالکانہ قبضہ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی اس کے بغیر ہسپتال وغیرہ میں دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، نیز وہاں بدعنوانیاں بھی ظاہر ہیں۔

عن الشعبی ، أن شریحاً ومسروقاً کانا لایجیز ان الصدقة حتی تقبض. (مصنف عبد الرزاق ، باب لا تجوز الصدقة إلا بالقبض ، المجلس العلمی۹/ ۱۲۱، رقم: ۱٦٥٩۱)

یشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة ولا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد الخ. (الدرالمختار ، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند۳/ ۲۹۱، کراچی ۲/ ۳٤٤، مصري ۲/ ۸٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ رمضان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۰۱)

صدقات وزکوٰۃ ہسپتال میں صرف کرنا

سوال: [۴۳۷۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مراد آباد میں ایک ہسپتال ہندو حضرات کے زیر اہتمام ان کے چندہ اور گورنمنٹ کی امداد سے بن رہا ہے، مریضوں کو بغیر کسی فیس کے دیکھا جاتا ہے، اور علاج بھی ہو رہا ہے، اس ہسپتال کی تکمیل کے بعد مریضوں کو دہلی آنے جانے کی ضرورت نہیں رہے گی، معلوم یہ کرنا ہے، کہ ایسے ادارہ میں جو رفاہ عام کے طور پر ہو کسی مسلمان کو بغرض خدمت خلق اور بہ نیت ثواب اس کی خدمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے فوراً براہ کرم مطلع فرما کر رہبری فرمادیں۔ آپ کا ممنون ہوں گا؟

المستفتي: احقر ظفر حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ ادارے میں بغرض خدمت خلق زکوٰۃ وصدقہ فطر کے ذریعہ خدمت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، اس میں دینے سے زکوٰۃ وصدقہ فطر ادا نہیں ہوگا۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر ولا یصرف إلیٰ

بنـاء نـحـو مسـجـد ولا إلـیٰ كـفـن ميت وتـحـتـه فی الشامية : كبناء القناطر والسقايات ، وإصلاح الطرقا ت وكری الأنهار والحج والجهاد، وكل مالا تـمـليـک فيه الخ. (الـدر مـخـتـار مـع الشـامـی ، كتـاب الـز كاة، باب المصرف زكريا ديو بند۳/۱ ۲۹، كراچی ۲/۳٤٤)

ہاں البتہ بغرض خدمت خلق بنیت ثواب نفلی امداد کی گنجائش ہے! لیکن وہ ثواب حاصل نہیں ہوسکتا جو مسلم ادارے میں دینے سے حاصل ہوسکتا ہے! (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/ ۲۷۷، معارف القرآن ۸/ ۴۰۶، مطبوعہ ربانی بکڈ پو، مالا بدمنہ/۱۱۳ مطبوعہ نامی لکھنؤ) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۹۹)

زکوٰۃ کی رقم غریبوں کیلئے تیارشدہ ہوسپٹل میں لگانا

سوال: [۴۳۷۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ جس ہوسپٹل کی عمارت میں غریبوں کی دوائیاں اور دیگر ضروریات مثلاً دوائی بغیر پیسے ہے، اور کمرے کی رہائش وغیرہ کا کوئی کرایہ غریب مریض سے نہیں لیا جاتا ہے، مزید بات یہ ہے کہ ان تمام اخراجات سے ہوسپٹل گیارہ لاکھ کا مقروض ہو چکا ہے، تو کیا اس ہوسپٹل میں زکوٰۃ کا پیسہ لگایا جاسکتا ہے، کہ نہیں اور اگر کسی نے لگا دیا تو کیا زکوٰۃ ادا ہوجائیگی کہ نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ ہسپتال میں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا جائز نہیں ہے، چاہے ہسپتال مقروض ہوگیا ہو، اگر اس میں زکوٰۃ کا پیسہ لگایا جائے، تو زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور جس نے ہسپتال میں زکوٰۃ کا پیسہ دیا ہے اسپر دوبارہ اپنی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، حتی کے مسجد میں لگانے سے بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔

عـن الثوری قـال: الـرجـل لايعطی زكاة ماله .... فی كفن ميت ولا ديـن ميـت، ولا بـنـاء مسـجـد ، ولا شراء مصحف ، الحديث : (مـصـنف عبد

الرزاق ، كتاب الزكاة، باب لمن الزكاة، المجلس العلمي بيروت ٤/١١٣، رقم: ٧١٧٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ولا يصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وفي الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه الخ. (شامی، كتاب الزكاة، باب المصرف ، کراچی ٢/٣٤٤، زكريا٣/٢٩١)

وعلى هذا يخرج صرف الزكاة، إلىٰ وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقايات وإصلاح القناطر وتكفين الموتىٰ ودفنهم أنه لايجوز، لأنه لم يوجد التمليك أصلاً. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل في اركان الزكاة، زكريا ٢/١٤٢)

ولاتصرف في بناء مسجد وقنطرة .... ورباط .... ولا يبنى بها قبر، ولا يقضى بها دين ميت، ولايعتق عبد ولا يكفن ميتا. (الفتاویٰ التاتار خانية ، كتاب الزكاة، الفصل الثامن ، في من توضع فيه الزكاة، زكريا٣ /٢٠٨، رقم: ٤١٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۶۵۸)

صاحب نصاب فقیر برادری کے افراد کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۷۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہمارے علاقہ میں پرانی رسم چل رہی ہے، کہ لوگ صدقہ فطرہ اپنے یہاں کے فقیروں کو دیتے ہیں، جو ایک ذات یا برادری کے نام سے جانی جاتی ہے، جو میاں خاندان کے نام سے مشہور ہے ہوسکتا ہے، کہ کسی زمانہ میں واقعتہً یہ لوگ اس لائق ہوں کہ جن کی زکوٰۃ فطرہ وغیرہ کے ذریعہ سے مدد کی جا سکے لیکن اس وقت ان کی حیثیت مالی اعتبار سے زیادہ

اچھی نہ صحیح مگر پھر بھی متوسط درجہ کی حیثیت رکھتے ہیں، کیا ایسے لوگوں کو زکوٰۃ یا صدقہ فطر یا کسی قسم کے صدقات دینا درست ہے؟ اور کیا دینے والوں کو ثواب ملیگا، اور کیا ایسی ہی حالت رشتہ دار کی ہو تو اسے دینا درست ہے؟

المستفتي: ابوالکلام، سدھارتھ نگری۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں، اگر آپ کے رشتہ دار اور سوالنامہ میں ذکر کردہ افراد صاحب نصاب ہیں، جیسا کہ سوالنامہ سے پتہ چلتا ہے، اور ان کے صاحب نصاب ہونے کا علم پہلے سے ہے، تو انہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور نہ ہی انھیں دینے سے زکوٰۃ کا فریضہ ذمہ سے ساقط ہوگا، ایسے رشتہ داروں اور لوگوں کی صدقات نافلہ کے ذریعہ مدد کرنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ٦/٢٠٢، ٦/٢١١)

عن عبد اللّٰہ بن عمرو، عن النبی ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني، ولا لذي مرة سوي. (سنن ابي داؤد، الزكاة، بابمن يعطى من الصدقة وحدالغني، النسخة الهندية ١/٢٣١، دارالسلام رقم: ١٦٣٤، مصنف عبد الرزاق، الزكاة، باب كم الكنز ولمن الزكاة، المجلس العلمي ٤/١١٠، رقم: ٧١٥٥، مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم ٦/٢٣٨، رقم: ٢٢٧١، المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ٤/١٤، رقم: ٣٥٠٤، ١٣/٨، رقم: ٢٠)

ولا إلىٰ غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، قبيل مطلب فى الجهاز هل تصيريه غنيه، زكريا ديوبند٣/٢٩٥، ٢٩٦، كراچى ٢/٣٤٧)

وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني لأنها تجرى مجرىٰ الهبة. (بدائع الصنائع، كتبا الزكاة، باب مصارف الزكاة، زكريا ديوبند٢/١٥٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۱۲۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۷؍۱۴۲۴ھ

سود یا زکوٰۃ کی رقم سے موٹر لگوانا

سوال: [۴۳۷۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک عورت صاحب حیثیت رہی ہے، لیکن کافی عرصہ سے اس کے شوہر کا کام خراب ہوگیا ہے، اور قرضدار ہے جسکی وجہ سے وہ بہت تنگ حال ہے اسکی عورت کا زیور بھی گروی ہے، البتہ سات تولہ یا کچھ زیادہ زیورات بھی اس کے پاس ہیں، اس کو پانی کی بہت تکلیف ہے اوپری منزل ہے پانی نہیں پہونچتا اسکی بہن بینک کے سود سے اس کے یہاں موٹر لگانا چاہتی ہے، اس کیلئے کیا حکم ہے اور اگر زکوٰۃ اس پر خرچ کی جائے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتي: فرحت جہاں، محلّہ قانون گویاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جتنا اس پر قرض ہے اس کو منہا کرنے کے بعد موجودہ زیور ونقدی ملا کر چاندی کے نصاب کو اگر پہونچ جاتا ہے، تو اس کو زکوٰۃ وغیرہ دینا جائز نہیں ہے اور اگر نصاب کے بقدر باقی نہیں رہتا ہے، تو اس کو زکوٰۃ کے پیسہ سے امداد کرنا جائز ہے، اور اگر بالکل نہیں بچتا ہے، تو سود کا حرام اور خبیث پیسہ بھی اس کو دیا جاسکتا ہے، اور اس سے وہ پانی کا نل وغیرہ لگواسکتی ہے۔

عن عطاء بن يسار، أن رسول الله ﷺ قال: لاتحل الصدقة لغني، إلا لخمسة: لغاز في سبيل الله، أو العامل عليها، أو لغارم، الحديث: (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، النسخة الهندية ۱/ ۲۳۱، دارالسلام رقم: ۱٦۳۵)

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا۳/۲۸۹، كراچى ۲/۳۴۳)

ومنها الغارم: وهومن لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلاعن دينه .

(هنديه ، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف زكريا ۱/۱۸۸، جديد۱/۲۵۰، تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديو بند۲/۱۱۵، مراقى الفلاح مع حاشية ، كتاب الزكاة، باب المصرف دارالكتاب ديو بند/۷۱۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۳۸۴)

زکوٰۃ کی رقم تجہیز وتکفین میں خرچ کرنا

سوال: [۴۳۷۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ کا پیسہ کسی قریبی رشتہ دار مردے کے گور وکفن میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: محمد جاوید اختر، محلہ مقبرہ دوئم، حظیرے والی مسجد، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جائز نہیں ہے۔

عن الثورى قال: الرجل لايعطى زكاة ماله .... فى كفن ميت ولا دين ميت، ولا بناء مسجد ، ولا شراء مصحف ، الحديث: (مصنف عبد الرزاق ، كتاب الزكاة، باب لمن الزكاة، المجلس العلمى بيروت ۴/۱۱۳، رقم: ۷۱۷۰)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد ولاإلىٰ كفن ميتٍ وقضاء دينه الخ. (الدر المختار مع الشامى،

کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا۳/۲۹۱، کراچی ۲/۳٤٤)

ولا یجوز أن یکفن بهامیت ولا یقضی بها دین المیت کذا فی التبیین.

(هندیه ، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف ، زکریا دیوبند ۱/۱۸۸، جدید ۱/ ۲۵۰)

ولا تصرف فی بناء مسجد وقنطرة ، ولا یبنی بها قبر، ولا یقضی بها دین میت، ولا یعتق عبد ، ولا یکفن میتاً. (الفتاوی التاتارخانیة ، کتاب الزکاۃ، الفصل الثامن فی من توضع فیه الزکاۃ، زکریا دیوبند۳/۲۰۸، رقم: ٤١٤٠)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۲۷/۲۴)

ڈپوزٹ میں دینے کیلئے زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۷۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ آجکل مہنگائی ہمارے یہاں اتنی بڑھ گئی ہے کہ ایک معمولی رہنے کا مکان کا خریدنا بھی ہر ایک کے بس میں نہیں اسلئے یہاں کے غریب مسلمان پگڑی سے خریدنے سے قاصر ہیں، اور مجبوراً ڈپوزٹ میں مکان رکھ لیتے ہیں، اور بعضوں کو تقریباً ۴۰ سے ۵۰؍ ہزار تک ڈپوزٹ دینا پڑتا ہے، اور وہ بھی یہی زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے ڈپوزٹ سے مکان رکھتے ہیں، اور اپنی پوری پونجی اسی میں لگا دیتے ہیں، اور ہاتھ میں بالکل نقد رقم نہیں رہتی ہے، گو کہ ڈپوزٹ کی رقم بطور امانت جمع رہتی ہے، لیکن اگر یہ غریب شخص اپنی ڈپوزٹ کی رقم لے لیتا ہے، تو اس کا پورا کنبہ گھر سے باہر ہو جاتا ہے، اور اس کے گھرانہ کیلئے رہنے کی ضرورت جو اس کیلئے ازحد ضروری ہے، رہ جاتی ہے، اسلئے ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ ڈپوزٹ میں رکھی ہوئی رقم ضرورت رہائش کیلئے ہے، اور یہ رقم ضرورت سے زائد نہیں ہے؟

ہمارے ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تقریباً ۴۰؍ ہزار تک ہوتی ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مذکورہ میں مکان لینے والے کے پاس بقدر نصاب رقم موجود ہو یا بقدر نصاب رقم ڈپوزٹ میں دے چکا ہو جو واپس ملنے والی ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں، لیکن اگر نصاب کے بقدر مال اس کے پاس نہ ہو اور نہ ڈپوزٹ میں دی ہو تو وہ زکوٰۃ کی رقم لے سکتا ہے، پھر مکان مالک کو ڈپوزٹ میں دے سکتا ہے۔

(قوله والفقير له أدنى شيئى) وهو ما دون النصاب أو قدر نصاب غير تام وهو مستغرق في الحاجة . (فتح القدير، کوئٹہ ۲/ ۲۰۲، زکریا دیوبند ۲/ ۲۶۰، البحر الرائق، زکریا دیوبند ۲/ ۴۱۹، کوئٹہ ۲/ ۲۴۰، الدر المختار مع الشامی، زکریا ۳/ ۲۸۳، کراچی ۲/ ۳۳۹، بدائع الصنائع، زکریا ۲/ ۱۴۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۲ھ

زکوٰۃ کی رقم کمیٹی کی رجسٹری وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: [۴۳۷۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں سالانہ زکوٰۃ کی رقم نکالتا ہوں مدارس کیلئے نیز غرباء ومساکین کو ادائیگی کے لئے ایک شخص کو وکیل بنادیا تھا، تاکہ وہ اپنی تحقیق کی بنیاد پر غرباء پر زکوٰۃ کی رقم صرف کردے اب تک اس طرح ادائیگی ہوتی رہی لیکن اس سال میں نے ارادہ کیا ہے، کہ ایک کمیٹی اپنی نجی بنا کر رجسٹریشن کرا کر صرف اپنی ہی رقم اس رجسٹرڈ کمیٹی کی نگرانی میں غرباء پر صرف کریں تاکہ ایک باقاعدہ نظام کے تحت ادائیگی ہو جائے، رجسٹرڈ کمیٹی اس لئے کرانا چاہتا ہوں تاکہ کوئی اختلاف نہ ہو کام کرنے والوں میں چونکہ میں خود اپنی مشغولی میں رہتا ہوں، اسلئے پوچھنا یہ ہے کہ کمیٹی کے رجسٹرڈ کرانے وکرایہ بھاڑا کے جملہ اخراجات اسی مد زکوٰۃ سے کرسکتا ہوں یا الگ سے اخراجات پورے کریں نیز اگر ایک شخص کو مستقل اسی کام پر لگادیا جائے، تاکہ وہ

بمدز کوٰۃ مستحق کو پہونچادے اس کی تنخواہ الگ سے دیں یا اسی رقم سے؟ جواب تحریر فرمادیں۔
المستفتي: محمد انیس، سانڈی، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ سوال میں زکاۃ کی رقم کو کمیٹی کے رجسٹرڈ کرانے اور کرایہ وغیرہ کے جملہ اخراجات پورا کرنے میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی رقم سے مذکورہ ملازم کو تنخواہ دینا بھی جائز نہیں ہے، اگر ایسا کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ، لايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات ..... وكل مالاتمليك فيه.(درمختارمع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف ،کراچی ٢/٣٤٤، زکریا ٣/٢٩١)

قوله لشخص مخصوص هو أن يكون فقيراً ونحوه من بقية المصارف غيرها شمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ.

(طحطاوی علی المراقی ، دارالکتاب دیوبند/٧١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجمادی الثانیہ ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١٠٧٠٨/٣٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٣٣/٦/٢ھ

صدقات واجبہ کی رقم سے بیت المال کی رسید چھپوانا

سوال: [٤٣٧٩]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک ادارہ کے تحت بیت المال قائم ہے، اس کا مقصد علاقہ کے غرباء کے مریضوں کے علاج اور مسکین بچوں کی تعلیم کیلئے رقم فراہم کرنا ہے، اور یہ رقم زکوٰۃ صدقۃ الفطر اور چرم قربانی سے فراہم ہوتی ہے، آیا اس بیت المال کی اس رقم سے بیت المال کے لئے رسید چھپوانا قربانی کیلئے چھری تیز کروانے اور کھال وصول کرنے والوں کی اجرت وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ تشریح کے ساتھ جواب دیں؟

المستفتي: ریاض احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ اورصدقات واجبہ کی رقم سے بیت المال کیلئے رسید چھپوانا چھری تیز کروانے اور کھال وصول کرنے والوں کو اجرت دینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ زکوٰۃ اورصدقات واجبہ کی رقم کے مستحق فقراء اورمساکین ہیں۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (درمختار مع الشامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف کراچی ٢/ ٣٤٤، زکریا٣/ ٢٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

١٥/ ٣/ ١٤٢٨ھ

(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٢١٢)

زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ کی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کرنا

سوال: [٤٣٨٠]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زکوٰۃ، فطرہ صدقہ کی رقم سے مسافر خانہ تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتي: عبدالعظیم، مسجد بساتیان، نولگڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ، فطرہ اورصدقہ واجبہ کی رقم مسافر خانہ کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

عن الثوری قال: الرجل لايعطي زكاة ماله .... في كفن ميت ولا دين ميت، ولا بناء مسجد، ولا شراء مصحف، الحديث: (مصنف عبد الرزاق، کتاب الزکاة، باب لمن الزکاة، المجلس العلمي بيروت ٤/ ١١٣، رقم: ٧١٧٠)

ولايصرف إلىٰ بناء نحو مسجد وتحته في الشامية كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار الخ. (الدر المختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا ٣/ ٢٩١، کراچی ٢/ ٣٤٤، زکریا٣/ ٢٩١)

وعلیٰ هذا يخرج صرف الزكاة إلیٰ وجوه البر من بناء المساجد والرباطات ، والسقايات وإصلاح القناطر وتكفين الموتى ودفنهم أنه لايجوز ، لأنه لم يوجد التمليک أصلاً . (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، فصل في ركن الزكاة، ٢/١٤٢)

ولا تصرف فی بناء مسجد وقنطرة ، ولايبنى بها قبر، ولا يقضى بها دين ميت، ولا يعتق عبد ، ولا يكفن ميتاً. (الفتاویٰ التاتار خانية ،كتاب الزكاة، الفصل الثامن فی من توضع فيه الزكاة، زكريا ديوبند ٣/٢٠٨، رقم: ٤١٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲۰۲/۲۸)

زکوٰۃ کی رقم سے تعمیری قرض کی ادائیگی

سوال: [۴۳۸۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مدرسہ کے ذمہ داران نے ادارہ کی تعمیری ضرورت کیلئے ایک صاحب خیر سے قرض لیا اور ضرورت بھر کی تعمیر کر لی گئی اب کافی عرصہ ہوگیا مدرسہ کے پاس عطیہ اور تعمیر کی مد میں کوئی آمدنی نہیں ہو پا رہی ہے، مطبخ اور تنخواہوں کی ضروریات بھی بڑی مشکل سے پوری ہو رہی ہیں، تو کیا مد زکوٰۃ کی رقم سے تملیک کے بعد تعمیری قرض کی ادائیگی کی کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

المستفتي: ظہیر احمد قاسمی، ناظم:
مدرسہ بحر العلوم، سانڈہ، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شرعاً ایسا قرض لینا جائز نہیں ہے، جس کی

ادائیگی کے لئے پہلے سے کوئی اسباب موجود نہ ہوں، اگر اس طرح کی اجازت مل جائے کہ قرض لے کر تعمیر کرلی جائے، اور اسکے بعد زکوٰۃ کے پیسے سے تعمیری قرض ادا کیا جائے تو یہ ایک ایسا حیلہ ہے جس کے ذریعہ زکوٰۃ کے مستحقین کی حق تلفی لازم آتی ہے، پھر یہ سلسلہ مدارس سے تجاوز کر کے اسکولوں اور ہسپتالوں میں بھی جاری ہو جائیگا، اس لئے اس قرض کی ادائیگی زکوٰۃ کی رقم کے بجائے امداد ہی کی رقم سے کرانی ضروری ہے اور اس مقصد کیلئے حیلہ تملیک کرنا درست نہیں ہے۔

وقال محمدؒ يكره لمافيه من القصد إلىٰ إبطال حق الفقراء بعد وجود سببه. (عمدة القارى، كتاب الحيل، باب فى الزكاة، داراحياء التراث العربي بيروت ٢٤/١١١، زكريا ديوبند١٦/٢٣٩)

وإن كانت لإبطال حق مسلم فلا بل هى إثم وعدوان. (فتح البارى، كتاب الحيل، دارالريان للتراث ١٢/٣٤٢، ١٢/٣٢٦)

ومااحتال به حتى يبطل حقاً أو يحق باطلاً أوليدخل به شبهة فى حق فهو مكروه. (فتح البارى، كتاب الحيل، باب فى الزكاة، دارالريان للتراث بيروت١٢/٣٤٧، اشرفيه ديوبند١٢/ ٤١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱۱/۱۴۳۰ھ

کیا مقروض مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال: [۴۳۸۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک مسلمان بے روزگار ہو اور پہاڑ برابر قرض میں مبتلا ہو بے روزگاری اور تنگی کی بہت زیادہ کیفیت ہو اور قرض دینے والے اسے بہت زیادہ پریشان کر رہے ہوں، تو کیا اس حالت میں وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اور کیا زکوٰۃ کا پیسہ لیکر قرض ادا کیا جا سکتا ہے؟

المستفتي:افسرعلی، بارہ دری، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق:سوالنامہ پرغور کیا گیااس کے بعد شرعی حکم واضح کیا جارہاہے،ہمارے مرادآباد میں قرض کے شکار دوقسم کےلوگ ہوتے ہیں۔

(۱)ایک وہ غریب اور محنت کش لوگ ہیں، جو اپنی محنت ومزدوری اور معمولی کاروبار سے گذارہ کررہے ہیں، اور بے روزگاری کی وجہ سے اپنے اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے دوسروں سے قرض لیکر بچوں کی روٹی روزی کا انتظام کرتے ہیں، اور پھر محنت ومزدوری کے پیسے قرضہ کی ادائیگی کیلئے نہیں ہوپاتے تو ایسے لوگوں کے قرض کی ادائیگی کیلئے زکاۃ دہندگان کا اپنی زکوٰۃ دینا اوران کا زکوٰۃ لیکراپنا قرض ادا کرنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

(۲) دوسرے قسم کے قرضدار وہ لوگ ہوتے ہیں، جو بڑے اور اونچے کاروبار کرتے ہیں،اور سرمایہ داری اور تجارت کوفروغ دینے کیلئے کبھی سرکار سے قرض لیتے ہیں،اور کبھی سرمایہ دار دوستوں سے قرض لیتے ہیں، ایسے قرض کی ادائیگی کیلئے زکاۃ کا پیسہ نہیں ہوتاہے، کیونکہ وہ فقراء اور غرباء کا حق ہے، اور بسا اوقات لوگ ایسا بھی کرتے ہیں، کہ کوئی چیز مہنگے ریٹ میں ادھار میں خرید تے ہیں،اور پھر نقد میں سستی بیچتے ہیں،مثلاکوئی چیز ۲۲۰/روپئے ادھار میں خرید کر۲۰/روپیہ کا نقصان اٹھا کر۲۰۰/روپیہ میں فروخت کردیتے ہیں، تاکہ نقد پیسہ ہاتھ میں آجائے، اوراس طرح کرتے ہوئے دسیوں لاکھ روپیہ اپنے اوپر قصداً قرض میں چڑھالیتے ہیں، یہ ضرورت کا قرض نہیں ہے بلکہ بالقصد دوسروں کے پیسے کوہڑپ کرناہے، پھراس طرح کے قرض لینے کے بعد دوسرے سرمایہ داروں سے اس قرض کی ادائیگی کیلئے دسیوں لاکھ کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں، ایسے قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ دہندگان کا اپنی زکوٰۃ دینا ناجائز اور فقراء و مستحقین کی سخت ترین حق تلفی ہے،اس طرح قرض لینے والے اپنی جائیداد اپنا گھر سب کچھ بیچ کر اپنا قرض ادا کریں۔

عن عبد الله ؓ قال: قال رسول الله ﷺ : من اقتطع مال امرئ مسلم بيمين كاذبة ، لقي الله وهو عليه غضبان ، قال عبدالله : ثم قرأ رسول الله ﷺ ، مصداقه من كتاب الله تعالىٰ : إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمناً قليلاً ،أولئك لا خلاق لهم فى الآخرة ولا يكلمهم الله .
(الآية: بخاری شریف، ابواب التفسیر ، باب قول اللّٰہ تعالىٰ: وجوه يومئذ ناضرة إلىٰ ربها ناظرہ ۲/۱۱۰۹،رقم: ۷۱۴۵، ف: ۷۴۴۵)

عن أبي أمامة أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع حق امرئٍ مسلم بيمينه ، فقد أوجب الله له النار، وحرم عليه الجنة ، فقال له رجل : وإن كان شيئا يسيراً يارسول الله ﷺ قال: وإن قضيباً من أراك . (مسلم شريف ، كتاب الإيمان ، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار ، النسخة الهندية ۱/ ۸۰، بيت الأفكار رقم: ۱۳۷، نسائی شریف، القضاء في قليل الماء و كثيره ، النسخة الهندية ۲/۲۶۳ ،دارالسلام رقم: ۵۴۱۹، سنن الدارمي دارالمغنی۳/۱۶۹۶ ، رقم: ۲۶۴۵، مسند أحمد بن حنبل ۵/۲۶۰، رقم: ۲۲۵۹۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍شعبان ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۸۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۸/۱۹ھ

کیا مقروض مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال: [۴۳۸۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں محمد الیاس کچھ عرصہ قبل کافی مقروض ہوگیا، اورکوئی کام بھی نہیں چل رہا ہے، ۸؍ماہ سے مکان کا کرایہ ادا نہیں کرسکا ہوں سخت ضرورتمند ہوں قرضہ ادا کرنے کی کوئی صورت بظاہر نہیں ہے،تو آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اہل خیر حضرات کی زکوٰۃ مجھے دینے سے ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتي: محمد الیاس، محلہ بابریان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستحق زکوٰۃ مقروض کے قرض کی ادائیگی میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے، مگر یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیئے، کہ اگر کچھ لوگوں کے دینے سے قرض ادا ہوجائے، اورنصاب کے برابر اضافہ بھی ہوجائے، تو اسکے بعد اس شخص کو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا۔

وکره إعطاء فقیر نصاباً أو أکثر إلا إذا کان المدفوع إلیه مدیوناً الخ.

(درمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند٣/٣٠٣، کراچی ٢/٣٥٣، بدائع زکریا٢/١٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١۴/١/١۴١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ۴٦٠٩)

مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴٣٨۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک عزیز اپنے کاروبار میں لاکھوں کے مقروض (قرضدار) ہوگئے ہیں، میں ان کے قرضہ کی ادائیگی کیلئے اپنے شہر کے چند صاحب حیثیت حضرات سے رجوع ہورہا ہوں رائے مطلوب یہ ہے کہ رقم دینے والے حضرات کیا قرضدار کو قرض حسن دے سکتے ہیں، اور وہ لوگ کیا قرض حسن رقم کو زکوٰۃ میں ڈال سکتے ہیں، تاکہ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوجائے، اور لینے والے کیلئے وہ رقم قرض حسن ہوجائے، آپ مفتی حضرات کی اس مسئلہ میں کیا تجویز ہے؟

المستفتي: عبدالقادر، واجدنگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ شخص قرضہ مجریٰ کرنے کے بعد ساڑھے

باون تولہ چاندی کی قیمت (تقریباً چار ہزار روپیہ) کی مالیت کا مالک رہ جائیگا تو مدز کوٰۃ میں سے اس کو دینا جائز نہ ہوگا، اور اگر قرضہ کو مجریٰ کرنے کے بعد چار ہزار روپیہ کا مالک نہیں رہتا ہے، تو اس کو قرض ادا کرنے کیلئے مدزکوٰۃ میں سے دینا جائز ہوگا، اگر ایک دو شخص کے دینے سے قرض ادا ہوکر چار ہزار کا مالک بھی ہوجاتا ہے، تو اس کے بعد کسی اور شخص سے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہ ہوگا، اور نہ ہی زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہوگی، اس کا لحاظ رکھتے ہوئے صاحب حیثیت حضرات سے ملاقات کرسکتے ہیں۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذاكان المدفوع إليه مديوناً الخ. (درمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف مطلب فى حوائج الأصلية كراچى ٣٥٣/٢، زكريا ٣٠٣/٢)

فإن كان مديوناً، فدفع إليه مقدار مالو قضىٰ به دينه ولا يبقى له شيئى أو يبقى دون المأتين لابأس به . (هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع، فى المصارف زكريا ١٨٨/١، جديد ٢٥٠/١)

فإن كان عليه دين يجوز أن يعطيه قدر مايقضى دينه، وزيادة دون مأتين. (مجمع الانهر، كتاب الزكاة، باب فى بيان أحكام المصرف، دارالكتب العليمة بيروت ٣٣٣/١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
٣٠ر شوال ١٤١٧ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ٥٠١١/٣٢)	١٤١٧/١٠/٣٠ھ

سوال: [٤٣٨٥]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرے ایک عزیز پر مبلغ پچھتر لاکھ روپیہ کا قرضہ ہوگیا ہے، اور لوگ برابر رقم وصول کرنے کا تقاضہ کررہے ہیں، ان کی بازار میں ١٦٠٠٠٠٠ر روپیہ کی وصولیابی بھی ہے جو کہ تھوڑی تھوڑی کرکے وصول ہوگی اور ان کے پاس تقریباً ٢٤٠٠٠٠٠ر روپیہ مالیت کی جائیداد ہے جو کہ برائے فروخت ہے لیکن خریدار نہ ہونے کی وجہ سے ابھی فروخت نہیں ہوئی ہے، اگر

یہ دونوں رقومات وصول ہوجائیں تو بھی ٣٥٠٠٠٠٠ رپینتیس لاکھ روپیہ کم رہے گا، جوکہ ان کو ادا کرنا ہے ایسی حالت میں کیا یہ قرض حسن لے سکتے ہیں، اور دینے والے حضرات کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟

المستفتي: عبدالقادر، واجدنگر، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال سے واضح ہوتا ہے کہ شخص مذکور ٧٥٠٠٠٠٠ رپچھتر لاکھ روپیہ کا مقروض ہونے کے ساتھ ساتھ ٤٠٠٠٠٠٠ رکا مالک بھی ہے تو اولاً چالیس لاکھ کا قرض ادا کردے اس کے بعد ٣٥٠٠٠٠٠ رکا مقروض رہ جائیگا، تو یہ قرض صاحب حیثیت حضرات سے زکوٰۃ لیکر ادا کرسکتا ہے، جب قرض ادا کرنے کے بعد چار ہزار روپیہ کی مالیت کا مالک رہ جائیگا، تو پھر زکوٰۃ لینا جائز نہ ہوگا، اور نہ ہی زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً الخ. (درمختار، کتاب الزکاة، باب المصرف مطلب فی الحوائج الأصلية زكريا ديوبند ٣٠٣/٣، كراچی ٣٥٣/٣، الفتاویٰ التاتار خانية زكريا ٢٢١/٣، رقم: ٤١٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢ رذیقعدہ ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/٥٠١٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢/١١/١٤١٧ھ

مقروض شخص کی زکوٰۃ سے امداد کرنا

سوال: [٤٣٨٦]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص اپنے والد کے مکان میں رہتا ہے، اور یہ مکان اسی گز کا کرولہ پر ہے جس کے پانچ وارث ہیں، اور وہ مکان بک کر اس کے حصہ میں جو پیسہ آئے اس سے کچھ قرض اتار دے،

اور پھر دوبارہ کچھ قرض لیکر آزادنگر ایم ڈی اے میں قبضہ کے پیسے دیکر ایک مکان ۲۵/میٹر کا فراہم کر لے اس مکان کی رجسٹری اس کے نام ہے، جس کو پیسہ دیئے ہیں، اس مکان کو اپنے نام کرانے کے واسطے اس کے پاس مکان کی قسط جمع کرنے کو پیسہ نہیں ہیں، اور رجسٹری کے خرچ کے لئے بھی پیسہ نہیں ہیں، یہ کام اس لئے کیا تھا، کہ مکان کے کرایہ کے دباؤ سے بچ جائے، اس وقت اس کی ملازمت بھی ختم ہوگئی ہے، اس کے پاس کوئی جائیداد یا کسی بھی طرح کا بینک کا یا اور کوئی بچت کھاتہ نہیں ہے، اور نہ اس کے پاس کوئی جمع رقم ہے اور زیور بھی نہیں ہے، اور قرضدار ہے اور کوئی کام کاروبار یا نوکری بھی نہیں ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں، یہ شخص جسامت اور قامت سے بھاری بھرکم ہے اور دیندار ہے، شریعت کا پابند ہے اور کسی سے کہنے میں شرم محسوس کرتا ہے؟

المستفتي: محمد شمس الدین، آزادنگر، ایم ڈی اے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مذکورہ شخص مالی اعتبار سے اتنا کمزور ہے کہ جس کی وجہ سے وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور اس کے یہاں زیورات بھی نہیں ہیں، تو مد زکاۃ سے اس کی امداد کی گنجائش ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنَ. (سورة التوبة: ٦٠)

ويجوز دفعها إلىٰ من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً كذا في الزاهدي. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف زكريا ١/ ١٨٩، جديد ١/ ٢٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١رشعبان ١٤٣٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/١٠٤٧٠)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
١٤٣٢/٨/١٤ھ

قرضدار کوزکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: [۴۳۸۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ محمد صدیق والد تصدق حسین شاہ بلاقی صاحب کی زیارت مکرب پور کا رہنے والا ہوں، کافی وقت سے پریشان چل رہا ہوں، لگ بھگ ۱۲۵۰۰/ کا قرض ہے میری آمدنی ۷۰۰/روپے مہینہ ہے جو کہ ۶۵۰/ پڑتی ہے ایک میرا لڑکا جسکو ہر روز ۱۰/روپئے ملتے ہیں، مہینہ میں ۱۶/دن اسکا کام ہوتا ہے، ۱۶۰/روپئے مہنیہ اس کی آمدنی ہے، ۸۱۰/روپیہ یہ میری مہینہ کی آمدنی ہے اور میرے آٹھ بچے ہیں، لوگوں کے قرض دینے کی کوشش کرتا ہوں لیکن آمدنی کم ہونے کی وجہ سے کسی کا قرض ادا نہیں کرسکتا، لیکن ایک روز مرنا ہے، اور اللہ کو منھ دکھانا ہے، صرف ادا کرنا چاہتا ہوں، اب آپ مجھے اس کا فتویٰ دیں اگر کوئی صاحب مجھے زکوٰۃ کی مد میں سے پیسے دینے چاہیں، تو وہ میرے لئے زکوٰۃ لیکر قرض ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

المستفتي: محمد صدیق

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں قرض ادا کرنیکی غرض سے آپ کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز ہے، اور اس سے زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ بھی ادا ہوجائیگی۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع مديوناً أو كان صاحب عيال الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلية زكريا ديوبند۳/۳۰۳، كراچی ۲/۳۵۳، مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، قبيل باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية بيروت۱/۳۳۳، هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع فی المصارف زكرياديوبند۱/۱۸۸، جديد۱/۲۵۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/۱۹۵۵)

مقروض کو قرض سے زائد زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۸۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر کوئی شخص ۲۰۰۰۰ر کا مقروض ہے تو اس کو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے زائد کی رقم زکوٰۃ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اس شخص کی اپنی کوئی قابل زکوٰۃ ملکیت نہیں ہے؟

المستفتي: ریاست حسین، طویلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بیس ہزار روپیہ کے مقروض کے پاس اگر کوئی دوسری رقم یا دولت نہیں ہے، تو اسکو قرض ادا کرنے کیلئے پورے بیس ہزار روپیہ تک زکوٰۃ میں دینا جائز ہے اور اگر مثلاً دس ہزار موجود ہے تو اس کو پورا قرض ادا کرنے کیلئے مزید دس ہزار زکوٰۃ میں دینا جائز ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۱۱)

ومديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف زکریا دیوبند ۳/ ۲۸۹، کراچی ۲/ ۳۴۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ر رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱ر رمضان ۱۴۱۴ھ

غریب مقروض کو مالدار قرضخواہ کا زکوٰۃ کی رقم دینا

سوال: [۴۳۸۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک رقم قرض لی، قرضدار بہت بدحال ہوگیا، اور قرضہ ادا نہ کرسکا، قرض دینے والا بہت دولت مند ہے اور کافی روپیہ زکوٰۃ کا ادا کرتا ہے، اگر یہ دولت مند

شخص جس طرح دوسروں کوزکوٰۃ تقسیم کرتا ہے، اس مقروض کوبھی کچھ رقم دیدے، اور وہ مقروض پوری طرح مالک (قبضہ کرلے) بننے کے بعد اس رقم میں سے اپنا قرض ادا کرے، تو کیا یہ فعل درست ہوگا؟ اور زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟

المستفتي: محمد حبیب، محلّہ قانون گویاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر مقروض کی ملکیت میں جتنا مال ہے، اس سے زائد قرض ہے، یا قرض ادا کردینے سے نصاب کی مقدار دولت نہیں رہے گی، تو سوالنامہ میں درج شدہ صورت شرعاً جائز ہوگی۔

والحيلة في ذلک: أن يتصدق صاحب المال على الغريم بمثل ماله عليه من المال العين ناوياً عن زكاة ماله ويدفعه إليه، فإذا قبضه الغريم ودفعه إلىٰ صاحب المال قضاء بما عليه من الدين يجوز. (هنديه، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، زكريا ديوبند٦/ ٣٩١، جديد٦/ ٣٩٤، وهكذا في الدر مع الرد، كتاب الزكاة، زكريا ديوبند٣/ ١٩٠، ١٩١، كراچی ٢/ ٢٧١، الموسوعة الفقهية الكويتية٣٦/ ٢٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۳۴)

زکوٰۃ کی رقم سے قرض کی ادائیگی

سوال: [۴۳۹۰]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلۂ ذیل کے بارے میں: کہ میں سائل رفیق احمد ولد عبد المجید، ساکن: گرام لاکڑی فاضل پور، پرگنہ ضلع مرادآباد غریب ومفلس نادار اور عیال دار ہوں میری دولڑکیاں ہیں جن میں سے ایک لڑکی کی شادی کرچکا ہوں، اور ایک لڑکی کنواری ہے چھ لڑکے ہیں جن میں صرف دولڑکے برسر روزگار ہیں، جب کہ آمدنی

سے گھر کا خرچہ بھی صحیح طریقہ پرنہیں چل پاتا ہے، جس کی وجہ سے میں کافی قرضدار ہوگیا ہوں، اور کچھ زیور وغیرہ بھی رہن پڑا ہوا ہے، جسکا مسلسل سود بھی ہورہا ہے، اس صورت میں ازروئے شرع شریف میں زکوٰۃ کا روپیہ وغیرہ لے سکتا ہوں یا نہیں؟ ازرائے مہربانی مطلع فرمائیں؟

المستفتي: رفیق احمد، لاکڑی فاضل پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ بالکل فقیر ہیں اور مقروض ہیں، تو زکوٰۃ کے پیسے سے قرض ادا کرسکتے ہیں، مگر اس کو کمائی کی شکل نہ بنائیں۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال الخ. (در مختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب في الحوائج الأصلية كراچی ۲/۳۵۳، زكريا ۳/۳۰۳)

فإن كان مديوناً فدع إليه مقدار مالو قضى به دينه لايبقى له شيئى أو يبقى دون المأتين لابأس به. (هنديه، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف زكريا ۱/۱۸۸، جديد ۱/۲۵۰)

فإن كان عليه دين يجوز أن يعطيه قدر مايقضى دينه، وزيادة دون مأتين. (مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية بيروت ۱/۳۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۹۸۸)

مالدار مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۹۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید مالی پریشانی میں گرفتار ہے، اپنے لڑکوں کی ملازمت حاصل کرنے کی غرض سے سود پر روپیہ قرض لیکر ملازمت حاصل کرنے میں رشوت دی جس کی وجہ سے مزید مقروض ہوچکا ہے، اس کے

علاوہ گھریلو حالات مالی اعتبار سے بیحد کمزور ہیں، زیدان حالات میں امداد کا خواہشمند ہے، بکر کے پاس مد زکوٰۃ کی رقوم موجود ہیں، اور یہ زید کی زکوٰۃ سے مدد کرنا چاہتا ہے، کیا ایسی صورت میں مد زکوٰۃ سے امداد کر سکتے ہیں، اس طریقے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمایا جائے۔

المستفتي: فیض محمد، فوجی ریٹائر، رحمت نگر، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ اللہ کے فقراء ومساکین کا حق ہے، انہیں کو زکوٰۃ پہونچنی چاہئے، آجکل کے زمانے میں افسوس کی انتہا نہ رہی کہ مالدار لوگ بڑی بڑی تجارت کیلئے بھاری قرض لے لیتے ہیں، اوراس کے بعد نقصان ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو مستحق زکوٰۃ ثابت کرکے دوسرے مالداروں کی زکوٰۃ کی رقم اپنے قرض کی ادائیگی اور اپنی ضروریات میں صرف کرتے ہیں، نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے، کہ درحقیقت زکوٰۃ ایسے طریقہ پر ایک حیلہ کیساتھ بڑے بڑے تاجروں کو پہونچ رہی ہے، اور جولوگ بنیادی طور پر فقیر ومسکین ہیں، ان تک زکوٰۃ کا ایک فیصد اورسوا حصہ بھی نہیں پہونچ رہا ہے، زکوٰۃ دہندگان اس کا ضرور خیال رکھا کریں کہ ان کی زکوٰۃ اصل مستحق کو پہونچ رہی ہے، یا عارضی مستحق کو پہونچ رہی ہے، اور یہ تاجر جو اپنے کو مستحق زکوٰۃ ثابت کرتے ہیں، وہ عارضی اور وقتی طور پر ہیں، اگرچہ مسئلہ کی رو سے ایسے مقروض تاجر کے قرضہ کی ادائیگی میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے مذکورہ صورت میں بھی ایسا ہی ہے، کہ سائل عارضی اور وقتی طور پر مستحق ہے۔

قوله(ومديون) (تحت في الشامية) فإنما جاز الدفع إليه لأنه فقير يداً . (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف ، زکریا دیوبند٣/ ٢٩١، کراچی ٢/ ٣٤٣)

نیز رشوت اور سود پر قرض لینا خود باعث لعنت اور بربادی ہے، جس کا نتیجہ خود ظاہر ہے، اور ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینے کی صورت میں سودی لین دین میں تعاون کرنا ہے، جس میں کسی خیر کی امید نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۵۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷؍۳؍۱۴۲۱ھ

مالدار کا اپنا قرض ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ لینا

سوال: [۴۳۹۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ (۱) زید ایک زراعت پیشہ آدمی ہے، انکی ملکیت میں آٹھ بیگہ زمین ہے اس آٹھ بیگہ زمین میں سے تین بیگہ زمین بیس ہزار روپئے قرض کے عوض دوسرے کے پاس رہن پر ہے، اس رہن پر رکھی ہوئی زمین کی پیداوار قرض خواہ خود لیتا ہے، زید کو اس سے کچھ نہیں ملتا ہے، اب زید کے پاس پانچ بیگہ زمین زراعت کیلئے ہے نیز زید نے زراعت کیلئے ایک ٹریکٹر بھی خریدلیا ہے، جس کی قیمت تقریباً ساٹھ ہزار ہے، اس ٹریکٹر سے زید اپنی کھیتی کرتا ہے، اور موقع ملنے پر دوسرے کے کھیت کی بھی جوتائی کرتا ہے، مذکورہ صورت حال کے باوجود زید کی مالی حالت بہت خراب ہے کھیت کی پیداوار اور ٹریکٹر کی آمدنی زید کی آٹھ اولاد مع زوجین کے گذر بسر کیلئے ناکافی ہے بہت مشکل سے سال گذرتا ہے قرض کی ادائیگی زمین یا ٹریکٹر فروخت کر کے ہوسکتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ زید کی مذکورہ حالت کے پیش نظر کیا زید کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، تاکہ زید اپنا قرض ادا کر سکے، زید کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟ جبکہ ٹریکٹر اور زمین کی قیمت نصاب کو پہونچ جاتی ہے، مفصل ومدلل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں؟

(۲) بالغ اولاد جو غیر شادی شدہ ہیں، اور والدین کی کفالت میں ہیں، کیا والدین کے غنی ہونے سے اس بالغ غیر شادی شدہ اولاد پر بھی غنی ہونیکا حکم لگے گا، اگر یہ محتاج وغریب ہوں تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ غنی اور فقر میں یہ مستقل بنفسہ ہیں یا والدین کے تابع ہیں؟

المستفتي: محمد داؤد، محلہ، کیتھا، بھاگل پور، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید کے پاس ساٹھ ہزار روپئے کا ٹریکٹر ہے اور زراعت کیلئے ۵/ بیگہ زمین ہے اس کے علاوہ ۳/ بیگہ زمین رہن پر رکھی ہوئی ہے، تو اس کیلئے بیس ہزار قرض ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں ہے، اس کو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، جو ۳/ بیگہ زمین رہن پر ہے، چاہے اس میں سے بیچ کر اپنا قرضہ ادا کرے یا ٹریکٹر بیچ کر قرضہ ادا کرے، زید مستحق زکوٰۃ نہیں ہوا ہے، اور رہن پر رکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ اگر کسی وجہ سے قرض ادا نہ کر سکے تو رہن پر رکھی ہوئی چیز فروخت کر کے قرض ادا کر دیا جائے، یہی رہن کا مقصد ہے، لہٰذا مقصد رہن کے مطابق رہن پر رکھی ہوئی زمین بیچ کر قرضہ ادا کر دے۔

فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مائتي درهم حرم عليه أخذ الصدقة. (شامي، كتاب الزكاة، باب المصرف، قبيل مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية كراچی ۲/۳۴۷، زكريا ۳/۲۹۶، بدائع الصنائع، مطبوعه كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة، زكريا ۲/۱۵۸)

(۲) اگر بالغ اولاد ہے اور باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہیں اور ایک ہی فیملی میں رہتے ہیں، اور ایک ساتھ کھانا پکایا جاتا ہے اور بالغ اولاد اپنی ساری کمائی باپ کو دیتی ہیں، تو ایسی صورت میں ساری دولت کا مالک باپ ہوتا ہے بیٹے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی مگر بیٹے کیلئے زکوٰۃ لینا درست نہیں ہے، جبکہ وہ کمانے پر قادر ہے، اور کما کر باپ کو دیتا ہے، ہاں البتہ دور دراز سفر میں پہونچ جائے فی الجملہ وقتی طور پر باپ کی فیملی میں نہیں ہے، الگ رہتا ہے، جیسا کہ مدارس اسلامیہ کے بالغ طلبہ ہیں، اگرچہ ان کے ماں باپ غنی ہوں مگر یہ کماتے نہیں ہیں، اور دور دراز رہتے ہیں، اسلئے ان بالغ لڑکوں کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ استعمال کرنا جائز ہے، اسی طرح وطن میں رہکر باپ کی فیملی سے الگ رہے کھانا پینا الگ رہے ان کی سالانہ آمدنی نصاب کو نہ پہونچے تو ان کے لئے بھی زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الإبن في عياله لكونه معيناله . (شامي، كتاب

التـركة ، مـطـلـب اجتمعافى دار واحدة ، واكتساباو لا يعلم التفات فهوبينهما بالسوية كراچی ٤ /٣٢٥، زكريا ديوبند٦/٢ ٠ ٥)

وإبـن السبيـل (وتـحتـه فـي فتـح القدير) فيجوز له أن يأخذ وإن كـان لـه مال في وطنه لايقدر عليه للحال . (هـدايه ، مع الفتح ، كتاب الزكاة، بـاب مـن يـجـوز دفـع الـصـدقـات إليـه ومـن لا يـجـوز زكريا ديوبند٢/ ٢٦٩، كوئٹه ٢/ ٢٠٥، دارالفكر مصرى قديم ٢٦٤/٢)

الملک في المدفوع نفع لمولاه وهو غني فكان دفعا إلىٰ الغني. (بدائع الصنائع ، كتاب الزكاة، باب مصارف الزكاة، زكريا ٢ /١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٢ر صفر ١٤٢٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨١٧٧)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٦/٢/١٨ھ

غیر مستحق کا زکوٰۃ لے کر تجارت کرنا

سوال: [٤٣٩٣]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کوئی شخص زکاۃ دینے کے قابل نہیں ہے، مگر وہ زکاۃ لے کر (تقریبا ٦٠ر ہزار روپئے کی) تجارت کرنا چاہتا ہے، تو کیا وہ یہ زکاۃ ٦٠ر ہزار روپیہ کی کثیر رقم لیکر تجارت کرسکتا ہے، اگر نہیں تو اس زکاۃ کی رقم کو بطور قرض استعمال کرسکتا ہے، اگر کرسکتا ہے، تو کس طرح کیونکہ تجارت میں نفع اور نقصان دونوں ہی ہوتے ہیں؟

نوٹ: رقم ٦٠ر ہزار سے زیادہ لمبی ہوسکتی ہے؟

المستفتي: ڈاکٹر شمیم انور، محلّہ بھٹی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فقراء اور مساکین کی ضرورت پوری کرنے کے لئے فرض فرمایا ہے، اس لئے نہیں کہ زکوٰۃ کے ذریعہ سے کسی کی

تجارت کوفروغ دیا جائے ،اور مستحقین کو اس سے محروم کردیا جائے،اس لئے مذکورہ شخص کو تجارت کے لئے اتنی بڑی رقم کی زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا ،اور نہ ہی زکوٰۃ کی رقم کو بطور قرض دینا جائز ہے،اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ زکاۃ کے مستحق صرف فقیر ومسکین ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ. (سورة التوبة: ٦٠)

نیز حدیث شریف میں ایسے شخص کو مال زکوٰۃ حاصل کرنے سے سختی سے منع کیا گیا جو صحیح وتندرست اور کمانے کی قدرت رکھتا ہو۔

لايحل الصدقة لغني و لا لذی مرة سوی. (ترمذی شریف، الزکاة، باب ماجاء فی فضل الصدقة ، النسخةالهندية ١/ ١٤٢، دارالسلام رقم: ٦٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۴۴۴)

کاروبار شروع کرنے کیلئے مدز کوٰۃ سے کتنی رقم دے سکتے ہیں؟

سوال: [۴۳۹۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مد زکوٰۃ سے کسی کو کاروبار کے واسطے دینے کی کیا کوئی حد مقرر ہے، کیا اتنی ہی رقم دیجا سکتی ہے جتنی صاحب نصاب نہ بنائے یا اس حد سے زیادہ بھی کاروباری ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے رقم دی جاسکتی ہے؟

المستفتي: محمد اختر شمسی، پیراماؤنٹ ٹریڈنگ
کارپوریشن، طویلہ اسٹریٹ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس کو دیا جائے وہ اگر زکوٰۃ کا مصرف ہے اور کاروبار اور تجارت ہی کیلئے زکوٰۃ کا پیسہ دیا جارہا ہے، تو صرف نصاب کے برابر دیا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ دینا ناجائز اور مکروہ ہے، نیز اگر اس کو دیا جارہا ہے، اس کے پاس پہلے سے کچھ رقم موجود ہے، تو نصاب پورا ہونے میں اس رقم کا بھی حساب رکھنا چاہئے۔

وکره إعطاء فقیر نصاباً أو أكثر وتحته فی الشامية عن هشام قال سألت أبا یوسفؒ عن رجل لهٗ مائة وتسعة وتسعون درهما فتصدق علیه بدرهمین قال یأخذ واحداً ویرد واحداً الخ. (شامی، کتاب الزکاۃ، باب المصرف، مطلب فی الحوائج الاصلیۃ زکریا ۳/۳۰۳، کراچی ۲/۳۵۳، مجمع الانہر، کتاب الزکاۃ، قبیل باب صدقۃ الفطر، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۳۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۶۶)

تجارت کوفروغ دینے کیلئے زکوٰۃ حاصل کرنا

سوال: [۴۳۹۵]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک کاروباری قرضدار ہے، اور اسکا کاروبار بند ہے، وہ اپنا مشکل سے گذارا کر رہا ہے ب ت ث سے قرضہ لیا زکوٰۃ کے پیسہ سے الف کے پاس اب کچھ خدا کی طرف سے غیب سے مدد ہوئی ہے وہ اپنا کام چلانا چاہتا ہے لیکن کچھ مزید اور پیسوں کی ضرورت ہے اب وہ ب سے ضرورت طلب کرتا ہے جو کہ صاحب حیثیت ہے اور ان کے پاس زکوٰۃ کا پیسہ دینے کیلئے ہے، الف، ب سے زکوٰۃ کے نام سے لیکر کام چلا سکتا ہے، یا نہیں؟ جبکہ ب کو معلوم ہے یہ کاروبار کیلئے لے رہے ہیں، زکوٰۃ کا پیسہ دینے میں ب کو اس بات کا شک ہے میں الف کو کاروبار کی کمی پورا کرنے کیلئے یہ پیسہ دوں یا نہ دوں، اگر الف نے یہ پیسہ واپس نہیں کیا تو کیا ب پر سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی اور الف کو یہ پیسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتي: عنایت کریم، حسن پور، مرد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: تجارت کوفروغ دینے کیلئے زکوٰۃ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ قرض کی ادائیگی کیلئے زکوٰۃ کی رقم حاصل کرنا جائز ہے، اور اگر قرض کی مقدار وافر انداز میں ہے، تو اسی تناسب سے وافر مقدار کی زکوٰۃ حاصل کرنا بھی اداءِ قرض کیلئے جائز ہے۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً الخ.
(در مختار، كتاب الزكاة، باب المصرف، مطلب فى الحوائج الأصلية زكريا ديوبند ۳/۳۰۳، كراچى ۲/۳۵۳)

قال محمدؒ فى الأصل: إذا أعطى من زكاته مائتي درهم أو ألف درهم إلىٰ فقير واحد، فإن كان عليه دين مقدار ما دفع عليه.... فإنه يجوز ولايكره. (الفتاوىٰ التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، زكرياديوبند ۳/۲۲۱، رقم: ۴۱۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۹۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۴/۱۴۱۵ھ

کاروباری مقروض فقیر کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۹۶]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں کافی مقدار میں مقروض ہو چکا ہوں معمولی کاروبار ہے اور کاروبار بھی کسی سے دس ہزار روپیہ قرض لیکر کیا ہے، اور اس میں صرف دو ہزار کا سامان ہی رہ گیا ہے، باقی سب گھر میں خرچ ہو چکا ہے، اور ان پیسوں کی جو آمد ہوتی ہے، وہ بھی گھر میں خرچ ہو جاتی ہے، ذہن بہت پریشان ہے کیا ایسی صورت میں میرے لئے زکوٰۃ لینا درست ہے، اور زکوٰۃ کی رقم سے اپنا قرض ادا کرسکتا ہوں؟

المستفتي: محمد اقبال، دریبہ پان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر آپ کی دوکان سے آپ کا اور آپ کے اہل خانہ کا گذر بسر نہیں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آپ مقروض بن گئے ہیں، اور یہاں تک حالات پیش آ گئے ہیں کہ آپ واقعی مستحق زکوٰۃ بن گئے ہیں، تو ایسی صورت میں آپ کیلئے زکوۃ لے کر ضرورت پوری کرنا اور قرضہ ادا کرنا جائز ہے، لیکن یاد رکھئے کہ تجارت کو

فروغ دینے کیلئے زکوٰۃ نہ لی جائے ۔

وذکر فی الفتاویٰ فیمن له حوانیت ودور للغلة لکن غلتها لاتکفیه وعیاله أنه فقیر، ویحل لهٗ أخذ الصدقة عند محمدؒ. (شامی، کتاب الزکاة، باب المصرف، قبیل مطلب فی جهاز المرأة هل تصیربه غنیة، کراچی ۲/ ۳۴۸، زکریا دیوبند ۳/ ۲۹۶، الفتاویٰ التاتار خانیة، کتاب الزکاة، الفصل الثامن من توضع فیه الزکاة، زکریا دیوبند ۳/ ۲۱۶، رقم: ۴۱۶۷، المحیط البرهاني، کتاب الزکاة، الفصل الثامن یوضع فیه الزکاة، المجلس العلمي ۳/ ۲۱۶، رقم: ۲۷۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۹۷)	۱۴۲۹/۵/۶ھ

تجارتی مقروض کو زکوٰۃ دینے کا شرعی حکم

سوال: [۴۳۹۷]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بطور مضاربت عبداللہ نے پانچ سرمایہ داروں سے پیسے لیکر اس کو عمر کے پاس کاروبار میں لگایا عمر نے اس کو تیسری جگہ لگایا، ایک زمانہ تک عبداللہ کو جو نفع ملتا رہا وہ فیصد کے حساب سے ارباب اموال کو نفع دیتا رہا پھر اچانک عمر نے جس جگہ پیسہ لگایا تھا، اس فریق ثالث نے وہ پیسہ ہڑپ لیا، اب سرمایہ داروں نے عبداللہ سے مطالبہ شروع کیا اور چونکہ عبداللہ پورے پیسے کاروبار میں لگا چکا تھا، اس لئے وہ بالکل تنگدست اور فقیر ہوگیا، اور عمر نے بھی وہ سارے پیسے کاروبار میں لگا دیئے تھے، تو دونوں بالکل کنگال ہوگئے، اب ہم لوگوں نے آپس میں زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے پہلے عبداللہ کو دی کہ وہ اپنے قرض خواہوں کا قرضہ ادا کرے، پھر ہم نے دوبارہ زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے عمر کو بھی بڑی رقم زکوٰۃ کی دی تاکہ وہ عبداللہ کا قرضہ ادا کرے، اور عبداللہ جو بالکل کنگال ہوچکا ہے، عمر کی طرف سے ملنے والی اس رقم سے کاروبار شروع کردے، تو عبداللہ کیلئے اس پیسہ کو لیکر اپنے ذاتی استعمال یا کاروبار میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارا مقصود یہ

ہے کہ عبداللہ اور عمر اپنے قرضداروں سے سبکدوش ہوجائیں، اور عبداللہ چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرکے اپنے پیروں پر کھڑا ہوجائے؟

المستفتي: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عبداللہ کو عمر کی طرف سے قرضہ کی واپسی کی شکل موجود ہے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی رقم سے عبداللہ کا قرضہ چکاکر عبداللہ کا کاروبار شروع کرانا، قطعی طور پر جائز نہیں ہے، یاد رکھیں کہ زکاۃ کی رقم کے مستحق فقراء اور مساکین ہی ہوتے ہیں، تجارت کو فروغ دینے کیلئے قرضہ ادا کرنے کے نام سے زکاۃ کے پیسے کو گھما پھرا کر ایک شخص کو دینا جائز نہیں ہے، اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ حضرات فقہاء نے مقروض کو اپنا قرض ادا کرنے کیلئے زکاۃ دینے کی جو گنجائش لکھی ہے اس سے مراد فقہاء کے زمانہ کا قرض ہے، اس زمانہ میں وہی شخص مقروض ہوا کرتا تھا، جسکو اپنے گھر میں خود کھانے اور بال بچوں کے کھانے کے لئے نہیں ہوتا تھا، وہ اپنے اور بال بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے دوسروں سے قرض لیتا تھا، پھر اس قرض کی ادائیگی میں پھنسا رہتا تھا، ایسے مقروض کو زکاۃ دینے کو فقہاء نے جائز لکھا ہے، یہاں پر یہ شکل قطعاً نہیں؟ بلکہ یہاں تجارت کو فروغ دینے ہی کی شکل ہے، نیز سوالنامہ میں اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے، کہ عبداللہ نے چار پانچ آدمیوں سے مضاربت کا پیسہ لیا تو اس نے کیوں لیا، اور دوسرے شخص کو کیوں دیا ہے، اور وہ اس نے کس کاروبار میں لگایا ہے یا کس کو دیا یہ صرف نام کی مضاربت ہے۔

كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة. (هنديه، قديم٦/ ٣٩٠، جديد٦/ ٣٩٣، كتاب الحيل، الفصل الأول، زكريا ديوبند ٦/ ٣٩٠، عمدة القاري، دار إحياء التراث العربي ٢٤/ ١٠٩، زكريا ديوبند١٦/ ٢٣٩، تحت رقم الحديث: ٦٩٥٣، الفتاوىٰ التاتار خانية، زكريا ١٠/ ٣١١، رقم: ١٤٨٤٥)

لیس له أن یبیع ما اشتریٰ إلا بأمر رب المال فإن باع بغیر أمره فحکمه کحکم بیع الفضولی لایجوز إلا بإجازة المالک . (هندیه ، کتاب المضاربة ، الباب الأول زکریا دیوبند ۴/ ۲۸۵، جدید ۴/ ۲۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۴/ ۱۴۳۵ھ

تجارتی مقروض مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سوال: [۴۳۹۸]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں ایک ہٹا کٹا شخص ہوں، مگر کانوں سے بہرہ اور ٹانگوں سے تھوڑا کمزور ہوں ،ایک زمانے سے بہت زیادہ تنگ دستی، بے روزگاری،اور بہت زیادہ قرض میں مبتلا ہوں ،اور اللہ کے فضل وکرم سے بہت عزت دار بھی ہوں، قرضداروں نے بہت پریشان کرر کھاہے، قرض کی ادائیگی کیلئے کچھ بھی اسباب میرے پاس نہیں ہیں، تو کیا میں قرض ادا کرنے کیلئے کسی مالی مدد زکوٰۃ وغیرہ لینے کا مستحق ہوں یا نہیں؟ اور میں صاحب نصاب بھی نہیں ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوالنامہ پرغور کیا گیا اس کے بعد شرعی حکم واضح کیا جاتا ہے، ہمارے مرادآباد میں قرض کے شکار دو قسم کے لوگ ہیں۔

(۱) ایک وہ غریب اور محنت کش لوگ ہیں، جو اپنی محنت ومزدوری اور معمولی کاروبار سے گذارہ کررہے ہیں، اور بے روزگاری کی وجہ سے اپنے اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے دوسروں سے قرض لیکر بچوں کی روٹی روزی کا انتظام کرتے ہیں، اور پھر محنت ومزدوری کے پیسے قرضہ کی ادائیگی کیلئے نہیں ہو پاتے تو ایسے لوگوں کے قرض کی ادائیگی کیلئے زکاۃ دہندگان کا اپنی زکوٰۃ دینا اوران کا زکوٰۃ لیکر اپنا قرض ادا کرنا شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

(۲) دوسرے قسم کے قرضدار وہ لوگ ہوتے ہیں، جو بڑے اوراونچے کاروبار کرتے

ہیں، اور سرمایہ داری اور تجارت کو فروغ دینے کیلئے کبھی سرکار سے قرض لیتے ہیں، اور کبھی سرمایہ دار دوستوں سے قرض لیتے ہیں، ایسے قرض کی ادائیگی کیلئے زکاۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ فقراء اور غرباء کا حق ہے، اور بسا اوقات لوگ ایسا بھی کرتے ہیں، کہ کوئی چیز مہنگے ریٹ میں ادھار میں خریدتے ہیں، مثلاً کوئی چیز ۲۲۰ر روپیہ ادھار میں خرید کر ۲۰ر روپئے کا نقصان اٹھا کر ۲۰۰ر روپیہ میں فروخت کردیتے ہیں، تاکہ نقد پیسہ ہاتھ میں آجائے، اور اس طرح کرتے ہوئے دسیوں لاکھ روپیہ اپنے اوپر قصداً قرض میں چڑھالیتے ہیں، یہ ضرورت کا قرض نہیں ہے، بلکہ بالقصد دوسروں کے پیسے کو ہڑپ کرنا ہے، پھر اس طرح کے قرض لینے کے بعد دوسرے سرمایہ داروں سے اس قرض کی ادائیگی کے لئے دسیوں لاکھ کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں، ایسے قرض کی ادائیگی میں زکاۃ دہندگان کا اپنی زکوٰۃ دینا ناجائز اور فقراء و مستحقین کی سخت ترین حق تلفی ہے، اس طرح قرض لینے والے اپنی جائیداد، اپنا گھر سب کچھ بیچ کر اپنا قرض ادا کریں۔

عن عبد اللّٰہؓ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ : من اقتطع مال امرئٍ مسلم بيمين كاذبة ، لقي الله وهو عليه غضبان ، قال عبدالله : ثم قرأ رسول الله ﷺ ، مصداقه من كتاب الله تعالىٰ : إن الذين يشترو ن بعهد الله و أيمانهم ثمناً قليلاً ،أولئک لا خلاق لهم فی الآخرة و لا يكلمهم الله الآية .

(بخاری شریف، کتاب التوحید، باب وجوه يومئذ ناضرة إلىٰ ربها ناظره، النسخة الهندية ۱۱۰۹/۲، رقم: ۷۱۴۵، ف: ۷۴۴۵)

عن أبي أمامة أن رسول الله ﷺ قال: من اقتطع حق امرئٍ مسلم بيمينه ، فقد أوجب الله له النار، وحرم عليه الجنة ، فقال له رجل : وإن كان شيئا يسيراً يارسول الله قال: وإن قضيباً من أراک . (مسلم شريف ، الإيمان ، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار ، النسخة الهندية ۱/ ۸۰، بيت الأفكار رقم: ۱۳۷ ، نسائی شریف، القضاء في قليل الماء و كثيره ، النسخة الهندية ۲/ ۲۶۳، دارالسلام رقم: ۵۴۲۱، سنن الدارمي دارالمغنی ۱۶۹۶/۳، رقم: ۲۶۴۵، مسند أحمد بن حنبل

۵/ ۲۶۰، رقم: ۲۲۵۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ رشعبان ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۷/۱۴۳۱ھ

سودی قرض ادا کرنے کیلئے زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۳۹۹]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ایک شخص بینک سے سود پر ایک لاکھ کی رقم لیکر کپڑے کی دکان کھولتا ہے، تجارت کرتا ہے، پھر دوسرے بینک سے ایک لاکھ رقم سود پر لیکر ایک مکان بنوا کر اس میں رہتا ہے، پھر ایک اچھی موٹر کار قسطوں پر لیتا ہے، اچھا کھاتا پیتا ہے، گھر میں فرنیچر وغیرہ بھی اچھا خاصہ ہے لیکن یہ تمام چیزیں مکان دوکان موٹر وغیرہ بینکوں کے پیسوں سے ہیں، گاڑی بھی ادھار سے ہے، اب اگر اس شخص کے پاس جتنا اس نے بینکوں سے قرضہ لیا ہے، اس رقم سے اگر پچاس ہزار کا خسارہ ہو تو کیا اس باقی گاڑی کا قرضہ اور بینک کا ایک لاکھ پچاس ہزار کا مال موجود ہوتے ہوئے یہ شخص زکوٰۃ لینے کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ یعنی پچاس ہزار تک کی رقم زکوٰۃ سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

المستفتي: عبد اللہ، مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سود پر قرض لیکر کاروبار کرنا مکان وغیرہ تعمیر کرنا جائز نہیں ہے۔

عن جابرؓ قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شریف، باب لعن آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ۲/ ۲۷، بيت الأفكار رقم: ۱۵۹۸)

لیکن جب اسکو خسارہ ہوگیا اور اس کے پاس قرض ادا کرنے کے بقدر رقم نہیں رہی

بلکہ اسمیں پچاس ہزار روپیہ کم ہوگئے تو ایسی صورت میں یہ شخص مقروض شمار کیا جائیگا، اوراس کو قرض ادا کرنے کیلئے مدز کوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی۔

وفی الدر المختار مصرف الزكاة (إلىٰ ان قال) مديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه. (درمختار مع الشامی، کتاب الزکاة، باب المصرف زکریا دیوبند۳/۲۸۹، کراچی ۲/۳٤٣)

ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولايملك نصاباً فاضلاً عن دينه أو كان له مال على الناس لايمكنه أخذه والدفع إلى من عليه الدين أولىٰ من الدفع إلى الفقير. (عالمگیری، کتاب الزکاۃ، الباب السابع فی المصارف، زکریا دیوبند١/١٨٨، جدید١/٢٥٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۳۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۵/۱۴۱۴ھ

غریب قاتل کوزکوٰۃ دینا

سوال: [۴۴۰۰]: کیافرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ سوسائٹی جس کا نام عباس ویلفئر آرگنائزیشن رجسٹرڈ ہے میں (محمد یسین) اس کمیٹی کا صدر ہوں ہم لوگوں نے پبلک سے جو روپیہ اکھٹا کیا ہے، وہ روپیہ فطرہ، چرم قربانی وغیرہ زکوٰۃ وصدقات سے وصول کیا گیا ہے، اس روپیہ کو ہم یتیم، بیوہ، مریض ودینی تعلیم پر خرچ کرتے ہیں، ہمارے پاس ایک ایسے شخص کی درخواست آئی ہے جوکہ مسلمان ہے لیکن اس شخص نے ایک مسلمان بھائی کو قتل کیا ہے، وہ نہایت ہی کمزور وغریب آدمی ہے، اوراسکی والدہ بیوہ ہیں، اور یہ شخص اسوقت جیل میں بند ہے، اوراسکی والدہ نے قتل کیس کے لئے ہم لوگوں سے مدد کی درخواست کی ہے آپ سے گذارش والتماس ہے کہ ہم لوگ اس شخص کی اس روپیہ سے مدد کرسکتے ہیں، یانہیں؟ آپ اس کیلئے ہمیں مشورہ وفتویٰ دیں، آپ کی مہربانی ہوگی۔

المستفتي: محمد یاسین، عباسی ویلفئر
آرگنائزیشن رجسٹرڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سوالنامہ میں درج شدہ قاتل شخص اگر غیر مالک نصاب غیر سید ہے، تو اسکو دینے سے زکوٰۃ صدقہ فطرہ وغیرہ ادا ہوجائے گا، البتہ مومن کے قاتل کی مدد اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے دینے والا گنہگار ہوگا۔

قوله تعالیٰ: وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورة المائدة: ۲۰)

نیز ضروری بات یہ ہے کہ مذکورہ سوسائٹی کے صدر سے زبانی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ وصدقہ فطر، اور چرم قربانی کا پیسہ بچوں کو تعلیم دینے والے استادوں کی تنخواہوں وغیرہ میں بھی دیا جاتا ہے، جس سے زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے، اس طرح صدقہ فطرہ وغیرہ بھی ادا نہیں ہوتا ہے، اسلئے کہ ان میں تملیک فقراء شرط ہے، جو یہاں مفقود ہے لہذا مذکورہ سوسائٹی میں زکوٰۃ وصدقہ، فطرہ وغیرہ دینے والوں کی زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ وغیرہ ادا نہیں ہوگا، دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة الخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف كراچی ۲/ ۳٤٤، زكريا۳/ ۲۹۱)

ولا تدفع إلىٰ غني يملك نصاباً الخ. (ملتقىٰ الأبحر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف مصرى قديم ۱/ ۲۲۳، دارالكتب العليمه بيروت جديد ۱/ ۳۲۸، البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا۲/ ٤۲٦، كوئٹه ۲/ ۲٤٤، فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الزكاة، الباب السابع فى المصارف كوئٹه وزكريا۱/ ۱۸۹، جديد۱/ ۲٥۱، زيلعى، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ۱/ ۱۲۳، كوئٹه ۱/ ۳۰۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ / جمادی الأخریٰ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۷۷۱)

شیعہ کو زکوٰۃ دینا

سوال: [۴۴۰۱]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ کیا کسی شیعہ کو زکوٰۃ کی مد میں سے امداد کی جاسکتی ہے، کیونکہ زیادہ لوگ (شیعہ حضرات) اپنے آپ کو سید کہتے ہیں، اور میری معلومات میں یہ ہے کہ سید حضرات کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، برائے مہربانی تفصیلی جواب سے نوازیں، کرم ہوگا؟

المستفتي: حسنین اختر، قانون گویان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شیعہ غالی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی ان کا ذبیحہ بھی جائز نہیں ہے، اور ان کے ساتھ بیاہ شادی بھی جائز نہیں ہے، اور ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ وہ سید ہیں، وہ سب جعلی طور پر اپنے آپ کو سید کہتے ہیں۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۲۸۰)

ولا يجوز صرفها لأهل البدع كالكرامية لأنهم مشبهة فى ذات الله وكذا المشبهة فى الصفات وقال الشامى، تحت هذه العبارة: عبارة البزازية ولايجوز صرفها للكراميةالخ. فالمراد هنا بالبدع المكفرات الخ.

(الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند۳/۳۰۴، ۳۰۵، کراچی ۲/۳۵۴، سكب الأنهر على مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العليمة بيروت ۱/۳۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ / ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۲۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶ / ۳ / ۱۴۲۵ھ

کیا شیعہ کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

سوال: [۴۴۰۲]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ضرورت مند شیعہ حضرات کو زکوٰۃ کی مد میں سے رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتي: حبیب اختر، قانون گویان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وہ شیعہ جن پر کفر کا فتویٰ صادر ہو چکا ہے، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۱)

ولا يجوز صرفها لأهل البدع (تحته في الشامية) فالمراد هنا بالبدع المكفرات الخ. (الدر مع الرد، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند ٣/ ٣٠٤، كراچی ٢/ ٣٥٤، سكب الأنهر على هامش مجمع الانهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العليمة بيروت ١/ ٣٣٢)

وعند الحنفية: يجوز إعطاء الزكاة للمنتسبين إلىٰ الإسلام من أهل البدع، وإن كانوا من الأصناف الثمانية، مالم تكن بدعتهم مكفرة مخرجة لهم عن الإسلام. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٣/ ٣٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۱۸۳۸)

غریب غیر مسلم کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا

سوال: [۴۴۰۳]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غریب غیر مسلم کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا کیسا ہے، کیا زکوٰۃ ادا ہو جائیگی؟

المستفتي: قاری تحسین، مدرس مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم فقیر کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا جائز نہیں ہے۔

عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ : ..... فإن هم أطاعوا لك بذلك فأخبرهم، أن الله قد افترض عليهم صدقة تؤخذ من أغنيائهم ترد على فقرائهم، الحديث: (صحيح البخاري، الزكاة، باب أخذ الصدقة من الأغنياء، النسخة الهندية ١/٢٠٢، رقم: ١٤٧٤، ف:١٤٩٦، صحيح مسلم، الإيمان، باب الدعاء إلى الشهادتين، النسخة الهندية ١/٣٦، بيت الأفكار رقم: ١٩٠)

لاتدفع إلىٰ ذمي الخ. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف زكريا ديوبند٣/٣٠١، كراچی ٢/٣٥١)

ولايجوز أن يدفع الزكاة إلىٰ ذمي. (هدايه، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، اشرفيه ديوبند١/٢٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۰۸)

زکوٰۃ وصدقۃ الفطر غیر مسلم کو دینا

سوال: [۴۴۰۴]: کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ غیر مسلم کو زکوٰۃ کا مال یا اسی طرح سے صدقۃ الفطر اور عشر دینا درست ہے یا نہیں؟

المستفتي: اسرار الحق، مظاہری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلم کو زکوٰۃ وعشر دینا جائز نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس کے ذمہ سے فریضہ ساقط نہ ہوگا۔

ولا تدفع إلىٰ ذمي وجاز دفع غيرها وغير العشر والخراج إليه. (شامی، كتاب الزكاة، با المصرف كراچی ٢/٣٥١، زكريا٣/٣٠١)

غیر مسلم کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں ہے، لیکن اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے،

بعض فقہاء نے ناجائز کہا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے گنجائش بتائی ہے، لیکن ان حضرات کے نزدیک بھی کافر کے مقابلہ میں مسلمان فقیر کو دینا بہتر ہے، اور زیادہ افضلیت اور ثواب کا باعث ہے۔

واختلفوا فی صدقة الفطر ..... قال أبو حنیفةؒ ومحمدؒ یجوز إلا أن فقراء المسلمین أحب إلینا کذا فی شرح الطحاوی. (عالمگیری، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف زکریا دیوبند ۱/۱۸۸، جدید ۱/۲۵۰، هکذا فی الشامی، کراچی ۲/۳۵۱، زکریا ۳/۳۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۰۵۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۲۷ھ

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ

فتاویٰ قاسمیہ

منتخب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

خادم الافتاء و الحدیث جامعہ قاسمیہ

مدرسہ شاہی مرادآباد، الہند

(جلد ۱۲)

المجلد الثانی عشر

کتاب الحج بتمام ابوابھا النکاح الیٰ

باب نکاح المکرہ

۴۸۷۴ ——— ۵۳۴۸

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، الہند

01336-223082

فتاویٰ قاسمیہ

صاحب فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد القاسمی

پہلا ایڈیشن محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

ناشر

مکتبہ اشرفیہ، دیوبند، ضلع سہارنپور، الهند

01336-223082

ASHRAFI BOOK DEPOT

DEOBAND, SAHARANPUR, INDIA

Phone: 01336-223082

Mob. : 09358001571،08810383186

مکمل اجمالی فهرست ایک نظر میں

❖❖ ❍❖❍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

١٤/ کتاب الحج

☐	١ / باب من یجب علیه الحج	٣٢

۳/ باب رسومات الحج　۱۷۱

۴/ باب المیقات والإحرام　۱۸۴

❑ ۷/ باب مسائل منی ومزدلفہ وعرفات ۲۸۶

۱۵/ کتاب النکاح

❏	۱/ باب فضائل النکاح وغیرها	۴۸۵

❑	۴/ باب الجهاز	۵۹۵

❑ ۶/ باب من أحق بالإنكاح ۷۰۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴/ کتاب الحج

۱/ باب من یجب علیہ الحج

حج کب فرض ہوا؟ اور کیا حضور ﷺ نے فرضیت سے قبل کوئی حج کیا؟

سوال [۴۸۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کب فرض ہوا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی فرضیت سے پہلے کوئی حج کیا ہے؟ آپ کے حج کو حجۃ الوداع کیوں کہتے ہیں۔ ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو حج کا امیر بنا کر بھیجا تھا، وہ حج آپؓ کا فرض تھا یا نفلی؟ جس طرح حضرت مفتی شبیر احمد صاحب نے آپ ﷺ کے عمروں کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد چار عمرہ ادا فرمائے ہیں، ایسے ہی حج کے بارے میں معلومات کرنی ہے۔

المستفتی: سعید احمد قاسمی، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج کب فرض ہوا ہے اس کے بارے میں اختلاف اور متعدد اقوال ہیں: ۹ھ، ۶ھ، ۵ھ، ان میں سے راجح ۹ھ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل متعدد حج ادا فرمائے ہیں۔ اور ہجرت کے بعد صرف ایک حج ادا فرمایا ہے، جس کو حجۃ الوداع بھی کہا جاتا ہے، اس کو حجۃ الوداع اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ آپ

ﷺ کی زندگی کا آخری حج تھا اور ۹ھ میں حج فرض ہونے پر سب کا اتفاق ہے؛ اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت میں جو حج ہوا ہے وہ حج فرض ہی تھا۔

فإنه عليه الصلاة والسلام حج سنة عشر، وفرضية الحج كانت سنة تسع. (فتح القدير، كتاب الحج، زكريا ٢/ ٤١٩، كوئٹه ٢/ ٣٢٤، دار الفكر ٢/ ٤١٤)

فرضية الحج كانت سنة تسع أو سنة خمس أو سنة ست. (مرقاة، كتاب المناسك، الفصل الأول، كوئٹه ٥/ ٢٦٣، وهكذا في الدرالمختار زكريا ٣/ ٤٥٠، كراچی ٢/ ٤٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۱/۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۲۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۹ھ

حج فرض ہونے کے بعد ادا نہ کرنے کا گناہ

سوال [۴۸۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کسی شخص پر حج فرض ہوجائے اور وہ نہ کوشش کرے نہ ارادہ کرے اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوجائے تو ایسے شخص کے لئے قرآن وحدیث میں کیا وعیدیں آئی ہیں؟

المستفتی: صغیر احمد رامپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس شخص پر حج فرض ہوا اور اس نے نہ حج ادا کیا اور نہ اس کے لئے کوشش کی اور اسی حال میں موت واقع ہوگئی، تو ایسے شخص کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہودیت کی موت مرے یا نصرانیت کی موت مرے۔

عن أبي أمامة، قال: قال رسول الله ﷺ: من لم يمنعه عن الحج حاجة ظاهرة، أو سلطان جائر، أو مرض حابس، فمات ولم يحج، فليمت

إن شاء يهوديا، وإن شاء نصرانيا. (سنن دارمي، باب من مات ولم يحج، دارالمغني ۲/ ۱۱۲۲، رقم: ۱۸۲٦، وهكذا في المصنف لابن أبي شيبة، الحج، في الرجل يموت ولم يحج وهو موسر، مؤسسة علوم القرآن ۸/ ٤٥۸، رقم: ١٤٦٦٥)

عن علي –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من ملك زادا وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج، فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا. **الحديث** (ترمذي، الحج، باب ماجاء في التغليظ في ترك الحج، النسخة الهندية ۱/ ۱٦۷، دارالسلام، رقم: ۸۱۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۴۵۸)

حج فرض ہونے کے بعد ادائے گی میں تاخیر نہ کریں

سوال [۴۸۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب سرکاری ملازم تھے، اب وہ ریٹائر ہوگئے ہیں، انہیں ریٹائرمنٹ کے وقت دو لاکھ اسی ہزار روپئے ملے تھے، اس میں سے انہوں نے چالیس ہزار روپئے قرض کے دئے ان کے تین لڑکے ہیں، جس میں سے انہوں نے ایک لاکھ روپئے ایک لڑکے کو دیا، پچاس ہزار دوسرے کو دیا، اب ان کے پاس نوے ہزار روپئے بچے ہوئے ہیں، انہوں نے حج کے لئے درخواست دی، درخواست منظور ہوگئی؛ لیکن وہ نوے ہزار جو انہوں نے حج کے لئے رکھے تھے وہ اپنے تیسرے لڑکے کو اس لئے دے دیا کہ سودی مقروض تھا، اب ان کے پاس کوئی روپیہ نہیں بچا جس سے وہ حج کو جائیں، شریعت کی رو سے انہوں نے صحیح کیا یا غلط؟ ان کو آئندہ ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ اور ملے گا، اب اس رقم سے وہ حج کریں یا نہ کریں؟ جب کہ وہ کرائے کے مکان میں رہتے ہیں، ان کا مکان بالکل بوسیدہ ہے، تو اس

روپیہ سے مکان کی مرمت کریں، تاکہ مکان کے کرائے سے بچ سکیں یا حج کو جائیں؟

المستفتی: عامر فہیم خان، صدر ہاسپیٹل رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے والد صاحب پر مذکورہ رقم ملنے کی وجہ سے شرعاً حج فرض ہو چکا، جس کی ادائے گی ضروری ہے، اب آئندہ ملنے والی رقم سے پہلے حج کرنا ضروری ہے، مکان وغیرہ کی مرمت بعد میں کریں؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہوا اور وہ حج نہ کرے، تو ممکن ہے کہ وہ یہودیت کی موت مرے یا نصرانیت کی موت مرے۔

عن علي –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: من ملك زادا وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج، فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا. الحديث (ترمذي، الحج، باب ماجاء في التغليظ في ترك الحج، النسخة الهندية ١/ ١٦٧، دارالسلام، رقم: ٨١٢)

وفي البحر: هو فرض بشرط حرية وبلوغ وعقل وصحة وقدرة زاد وراحلة. (البحرالرائق، كتاب الحج، كوئٹه ٢/ ٣١١، زكريا ديوبند ٢/ ٥٤٤، هكذا في الدرمختار على الشامي، زكريا ٣/ ٤٥٥-٤٥٨، كراچی ٢/ ٤٥٨-٤٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۴ھ

حج کس پر فرض ہوتا ہے؟

سوال [۴۸۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی زندگی میں اولاد کے درمیان اپنی تمام جائیداد تقسیم کردی، اولاد

اپنے اپنے حصوں پر قابض ہوگئی، زید کے ایک لڑکے نے زید کو اپنے پاس رکھ لیا، کھانے پینے کے تمام اخراجات یہی لڑکا برداشت کرتا ہے، زید کا یہ لڑکا مالدار ہے، حج کے لئے جانا چاہتا ہے؛ لیکن محلّہ کے کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ حج زید پر فرض ہے نہ کہ لڑکے پر؛ اس لئے پہلے زید کو حج کے لئے بھیجنا ضروری ہے، اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو خود حج کرے، ایسی صورت میں زید کے لڑکے کو کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: محمد عابد بجنوری، متعلم دار العلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید نے اپنی جائیداد اور سرمایہ الگ الگ تقسیم کر کے تمام لڑکوں کو قبضہ دے کر مالک بنا دیا ہے، تو سب لڑکے اپنے اپنے قبضہ شدہ کے مالک بن گئے، اسی طرح وہ لڑکا بھی اپنے حصہ کا مالک بن چکا ہے جس نے اپنے باپ کو ساتھ رکھا ہے؛ اس لئے کہ اس نے بھی اپنے حصہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور باپ کو ساتھ رکھنا گویا کہ ایسا ہے جیسا کہ بیوی نے اپنے شوہر کو رہائشی مکان ہبہ کر دیا ہے، پھر بیوی مع ساز وسامان کے شوہر کے ساتھ اسی مکان میں رہنے لگی، تو قبضہ شوہر ہی کا شمار ہوتا ہے۔ اور بیوی شوہر کی فیملی کے تابع ہو کر رہتی ہے، ایسا ہی یہاں بھی باپ اپنے بیٹے کی فیملی کے تابع ہو کر رہ رہا ہے؛ لہٰذا قبضہ شدہ جائیداد اور سرمایہ بیٹے کی ملکیت ہے، اس کے بعد بیٹے نے جو کمایا ہے، اس کا مالک بھی بیٹا ہی ہے، ایسا نہیں ہے کہ بیٹا باپ کی فیملی میں ہے؛ بلکہ باپ بیٹے کی فیملی میں ہے؛ اس لئے سرمایہ کا مالک بیٹا ہی ہے؛ لہٰذا بیٹے ہی پر حج فرض ہے، ہاں البتہ اگر باپ کے پاس الگ سے حج فرض ہونے کے لئے سرمایہ ہے تو اس پر بھی حج فرض ہو جائے گا، مگر یہاں بیٹے کا حج کو جانا لازم ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/ ۱۷۸، جدید میرٹھ ۱۵/ ۳۶۴)

إذا وهبت المرأة دارها من زوجها، وهي ساكنة فيها ولها أمتعة فيها، والزوج ساكن معها حيث يصح. (شامي، كتاب الهبة، زكريا ديوبند ١٢/ ٥٨٥، الفتاوى التاتارخانية زكريا ١٤/ ٤٣١، رقم: ٢١٦٠٧، المحيط البرهاني، كتاب الهبة

والـصـدقة، الـفـصـل الثاني ما يجوز من الهبة وما لا يجوز، المجلس العلمي ۹/ ۱۷۵، رقم: ۱۱۵۲۹، مـجـمـع الأنهـر مـصـري قـديـم ۲/ ۳۵٤، دارالکتب العلمية بيروت ۳/ ٤۹۱، قاضيخان على هامش الهندية ۳/ ۲۸٦، جديد ۳/ ۱۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/۶/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/۶۸۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۶/۱۴۲۳ھ

کیا حاجی پر واپسی تک گھر والوں کا نان ونفقہ لازم ہے؟

سوال [۴۸۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی سے باہمی تعلقات جو میاں بیوی میں ہونے چاہئیں وہ دونوں کے درمیان نہیں ہیں، صرف رسمی گفت وشنید ہو رہی ہے، اب میں حج بیت اللہ کے لئے ۲۳/ مئی ۱۹۹۲ء کو جا رہا ہوں، اس کی اطلاع میں نے بذات خود اپنی بیوی کو نہیں دی ہے، ہمارے دو لڑکے ہیں، جن کی پرورش ان کی ماں کر رہی ہے، اب اس حال میں میں حج بیت اللہ کے لئے جا سکتا ہوں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسماعیل ولد محمد اسحاق صدیقی مون بلڈنگ کسرول

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حج کو جانے کے لئے شوہر پر اتنا واجب ہے کہ واپسی تک بیوی کے پورے اخراجات نان ونفقہ اور رہائش کا انتظام کردے۔ اور اسی طرح اپنی اولاد کی ضروریات کے اسباب فراہم کرنا بھی واجب ہے۔ اور بیوی کو باقاعدہ اطلاع دینا واجب نہیں ہے۔

الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلا عن المسكن، وما لا بد منه، وعن نفقة عياله إلى حين

عوده. (هداية، كتاب الحج، أشرفيه ديو بند ۱/ ۲۳۱، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ۲/ ۲، زكريا ۲/ ۲۳۵)

لیکن گھریلو سکون اور انتظام کو برقرار رکھنے کے لئے مصلحت کے طور پر بیوی کو بتلا دیا جائے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۷۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۱۳ھ

استطاعت سے پہلے حج کرنا

سوال [۴۸۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میرا ایک لڑکا ہے، اس کی اولاد بیوی وغیرہ بھی ہیں، وہ لڑکا نااہل ہے، کچھ کام کرنا نہیں چاہتا، مجھے اس کے بچوں کی دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے، اگر میں ان کی دیکھ بھال نہ کروں تو فاقوں کی نوبت آجائے، میرے پاس اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں حج بھی کرسکوں اور ان کی دیکھ بھال بھی کرسکوں، ان حالات میں میرا حج کرنا بہتر ہوگا یا اپنے لڑکے کی اولاد کی پرورش کرنا تربیت کرنا بہتر ہوگا؟ شریعت کی روشنی میں مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: کفیل احمد شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کے پاس حج کا پورا خرچہ میسر نہیں ہے، تو آپ پر حج کرنا فرض نہیں ہے، آپ پر حج اس وقت واجب ہوگا کہ جب گھر کے تمام لوگوں کے اخراجات کے بعد اتنی رقم زائد ہو جس سے حج کے لئے پورے سفر خرچ اور اس درمیان میں گھر والوں کے لئے بھی پورے اخراجات میسر ہوں، ورنہ حج فرض نہیں اور پوتے پوتیاں جن کی ذمہ داری آپ ادا کرتے ہیں وہ بھی آپ کے گھر کے لوگوں میں شامل ہیں۔

إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلا عن المسكن ومالا بد منه، وعن نفقة عياله إلى حين عوده. الخ (هداية، أشرفيه ديوبند ١/ ٢٣٢، وهكذا في الشامي زكريا ديوبند ٣/ ٤٦٠، ٤٦٢، كراچی ٢/ ٤٦١-٤٦٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۱ھ

حاجیوں کو مع اپنی محرم عورتوں کے مسائل حج سیکھنے کے لئے جمع کرنا

سوال [۴۸۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: علاقہ پالن پور کے ایک گاؤں میں چند عالم مل کر حاجیوں کا ایک پروگرام دن میں چند گھنٹوں کے لئے قائم کرتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ قرب وجوار کے دیہات کے رہنے والے حجاج کرام مرد وعورتیں اس مجلس میں حاضر ہوتے ہیں، واضح رہے کہ ہر عورت اپنے محرم مرد کے ساتھ حاضر ہوتی ہے۔ اور اس مجلس میں عورتوں کے لئے پردہ کا انتظام ہوتا ہے، ایک جانب مستورات اور دوسری جانب مرد حضرات بیٹھتے ہیں اور درمیان میں دبیز کپڑے کی آڑ ہوتی ہے، ایک عالم صاحب حاجیوں کو حج کے ارکان، آداب دعا اور عملی ترتیب بتاتے ہیں، اس کے بعد وقت ہونے پر دوپہر کے کھانے کا انتظام ہوتا ہے، جس میں عورتوں کا انتظام علیحدہ پردہ کی رعایت کے ساتھ ہوتا ہے اور اس میں کھانا تقسیم کرنے والی بھی عورتیں ہی ہوتی ہیں۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ اس طرح مختلف گاؤں کے حاجیوں کو مع اپنی محرم عورتوں کے جمع کرنا از روئے شرع اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

(۲) کیا کسی بھی دینی تعلیم کے لئے عورتوں کو جمع کرنا مطلقاً ممنوع ہے، یا شرائط کے ساتھ اس کا جواز بھی ہے، وجوہات ممانعت کیا اور شرائط جواز کیا ہیں رہنمائی فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں حاجیوں کے جس پروگرام کا ذکر کیا گیا ہے پردۂ شرعی کی رعایت کرتے ہوئے ایسے پروگرام کی شرعاً اجازت ہے؛ اس لئے کہ اس پروگرام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حج کے طریقہ سے ناواقف مرد اور عورتیں حج کا طریقہ سیکھ کر اس اہم فریضہ کو مسنون طریقہ پر ادا کرسکیں، نیز ہر حاجی کو جانے سے پہلے حج کے ضروری مسائل ذہن نشین کرنا نہایت ضروری ہے، ورنہ فریضۂ حج صحیح طور پر ادا نہیں ہوسکتا، اور اس اہم دینی فریضہ کے سیکھنے کے لئے سوال نامہ میں ذکر کردہ شکل اور عورتوں کا محرم کے ساتھ آکر کے شریک ہوکر سیکھنا جائز اور درست ہے، جیسا کہ محرم کے ساتھ سفر حج میں جاکر حج کا فریضہ ادا کرنا جائز ہے۔

واعلم أن تعلم العلم یکون فرض عین، وهو بقدر مایحتاج لدینه. (تحته فی الشامیة:) وفرض علی کل مکلف ومکلفة -إلی- والحج لمن وجب علیه. (الدرمع الرد، المقدمة، زکریا ۱/ ۱۲۵-۱۲۶، کراچی ۱/ ۴۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۳۰/ ۲۹۱-۲۹۲) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۱۸)

کیا نفلی حج کرنے والوں کی وجہ سے حج فرض کرنے والوں کی درخواست منظور نہیں ہوتی

سوال [۴۸۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہر سال نوافل اور حج بدل کرنے والے حج کو جاتے ہیں، جن کی وجہ سے فرائض حج والوں کی درخواستیں کوٹہ کم ہونے کی وجہ سے نامنظور ہوجاتی ہیں، اس حالت میں جو حجِ فرض کو درخواست نامنظوری کی وجہ سے نہیں جارہا ہے، یا اس کا انتقال ہوجاتا ہے، تو ان نوافل حج کرنے والوں پر اس فرض حج نہ کرنے والے کا گناہ ہوگا یا نہیں؟ اگر یہ نوافل والے

درخواست نہ دیتے تو ان کی درخواست منظور ہوجاتی۔ اور پھر نوافل حج کرنے والے ہر سال فارم میں جو حلف نامہ ہوتا ہے اس میں لکھ دیتے ہیں کہ ہم نے حج نہیں کیا، سراسر جھوٹ یہ کیسا ہے؟ نوافل حج، نوافل حج بدل سے بیواؤں مسکینوں، محتاجوں کی لڑکیاں جو آج ایسی ہی بے نکاحی بیٹھی ہیں اور کوئی ان کو جہیز نہ ہونے کی وجہ سے دیکھ تک نہیں رہا، تو اس حالت میں نفلی حج بہتر ہے یا ایسی لڑکیوں کی شادی کرا دینا یہ زیادہ افضل ہے؟

المستفتی: سعید احمد ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ کہنا کہ حج نفل کرنے والوں کی وجہ سے حج فرض کرنے والوں کی درخواست منظور نہیں ہوتی، اس کی وجہ سے فریقین پر شرعاً کوئی اثر نہیں پڑتا، حج نفل کو جانے والوں کے لئے شرعاً جانا جائز ہے اور جو لوگ حج فرض کی درخواست منظور نہ ہونے کی وجہ سے حج کو نہ جاسکے شریعت کی طرف سے ان پر کوئی الزام نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان پر تاخیر کا گناہ ہوگا۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ حج نفل کرنے والے حج نفل نہ کریں اور بیواؤں و مسکینوں کی شادیوں میں خرچ کریں یہ صرف سائل کے دماغ کی بات ہے، شرعاً اس کے اوپر کوئی دباؤ نہیں ہے، دنیا کا معائنہ کر کے دیکھیں کہ کتنے لوگ صاحب حیثیت ہیں، مگر حج کو بھی نہیں جارہے ہیں اور نہ ہی بیواؤں و مسکینوں کی شادی بیاہ میں اتنا خرچ کررہے ہیں جتنے میں حج کو جاسکتے ہیں، یہ اشکال حج کرنے والوں پر کیوں ہورہا ہے، آخر حج نہ کرنے والوں پر کیوں نہیں ہورہا ہے؟ جو نفلی عبادات ہورہی ہیں ان پر پابندی کے علاوہ کوئی حاصل نہیں، جب کہ شرعاً ان کے اوپر کوئی پابندی بھی نہیں ہے، ہاں البتہ شرعاً یہ پابندی ہے کہ وہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ بطور زکوۃ غرباء اور مسکینوں میں تقسیم کریں، اس کے بعد شریعت کی طرف سے اس کے مال پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۱۷ھ

کیا ماہ شوال مکہ میں پانے والے پر حج فرض ہے؟

سوال [۴۸۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: رمضان میں عمرہ کرنے والا جب کہ مکہ میں عید کی نماز پڑھے اور شوال کا مہینہ پالے، تو کیا اس شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے؛ حالانکہ اس پر حج فرض نہیں تھا؟

المستفتی: نوح سبوح، محلّہ بھٹی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل حکم یہی تھا کہ جس شخص پر حج فرض نہیں ہے اور وہ رمضان میں عمرہ کرنے کے بعد عید کی نماز مکہ میں ادا کرلے اور ماہ شوال کا کوئی حصہ مکہ مکرمہ میں پالے تو اس کے اوپر حج کرنا فرض ہو جاتا ہے؛ اس لئے کہ اس نے حج کا مہینہ مکہ میں پالیا؛ لیکن دو وجہوں کی وجہ سے یہ حکم بدل گیا ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ حکومت سعودیہ کی طرف سے رمضان میں عمرہ کرنے والے کے لئے حج تک قیام کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر پتہ چلے تو گرفتار کرلیا جائے گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ غریب آدمی جس کے اوپر حج فرض نہیں تھا، اگر اس کے اوپر حج فرض قرار دیا جائے تو گھر واپس آنے کے بعد دوبارہ حج کے لئے جانا تکلیف مالا یطاق کا مکلّف بنانا ہے؛ اس لئے کہ اس کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے، اسی لئے شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق راجح اور مفتی بہ یہی ہے کہ مذکورہ اعذار کی وجہ سے اس کے اوپر حج فرض نہیں ہے۔

قلت: وقد أفتى بالوجوب مفتي دار السلطنة العلامة أبو السعود وتبعه في سكب الأنهر، وكذا أفتى به السيد أحمد بادشاه، وألف فيه رسالة، وأفتى سيدي عبدالغني نابلسي بخلافه، وألف فيه رسالة؛ لأنه في هذا العام لا يمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر، فيحرم عن الآمر، ويحج عنه، وفي تكليفه بالإقامة بمكة إلى قابل ليحج عن نفسه،

ویترک عیاله ببلده حرج عظیم، وکذا في تکلیفه بالعود وهو فقیر حرج عظیم أیضا. (شامي، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، مطلب: في حج الضرورة، زکریا ٤/ ٢٢، کراچی ٢/ ٦٠٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۱/۲۴ھ

رمضان میں عمرہ کرنا بہتر ہے یا نفلی حج؟

سوال [۴۸۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ماہ مبارک رمضان شریف میں عمرہ کرنے کا ثواب زیادہ ہے یا نفلی حج کرنا بہتر ہے؟ امید کہ جوابات سے محظوظ فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد احمد گڑھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فی نفسہٖ تمام ایام کی بہ نسبت رمضان شریف میں عمرہ کرنا افضل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

عن ابن عباس –رضي اللّٰہ عنه– أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: فعمرة في رمضان تقضي حجة أو حجة معي. (صحیح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، النسخة الهندیة ١/ ٤٠٩، بیت الأفکار، رقم: ١٢٥٦)

لیکن عمرہ کی بہ نسبت نفلی حج کرنا عقلاً وشرعاً افضل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمرہ کرنا ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ کے درمیان تمام گناہوں کا کفارہ بنتا ہے؛ لیکن حج مبرور کی جزاء جنت ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما، والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة. (صحيح البخاري، الحج، باب وجوب العمرة وفضلها، النسخة الهندية ١/ ٢٣٨، رقم: ١٧٣٩، ف: ١٧٧٣، صحيح مسلم، الحج، باب في فضل الحج والعمرة، ويوم عرفة، النسخة الهندية ١/ ٤٣٦، بيت الأفكار، رقم: ١٣٤٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۶۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۵/۵/۱۴۲۱ھ

عورت کے لئے نفلی حج بہتر ہے یا کار خیر میں رقم صرف کرنا

سوال [۴۸۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آج کل کے زمانہ میں موسم حج میں افعال حج کی ادائے گی کے وقت مردوں اور عورتوں کا ازدحام اور خلط ملط بہت زیادہ ہوتا ہے، خاص طور پر بوقت طواف عورت کا جسم مرد کے جسم سے ملتا ہے اور باوجود کوشش کے اس سے پرہیز نہیں کیا جاسکتا، جب کہ پہلے زمانہ میں عورتوں کو کچھ احتیاط کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے حالات میں کسی ایسی عورت (جس پر شرعاً حج فرض نہیں) کے لئے نفل حج کو جانا بہتر ہوگا یا پیسہ کار خیر میں صرف کرنا اولیٰ ہوگا؟

المستفتی: مولانا بلال احمد، خادم التدریس دار الحدیث بدر پور، کریم گنج، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورت کا سفر حج میں جانے کے لئے ساتھ میں محرم کا ہونا یا شوہر کا ہونا لازم ہے، اور یہ حج فرض ہو یا نفلی حج ہو، اس میں کوئی فرق نہیں

ہے، اب رہی یہ بات کہ حج میں بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے تو حج میں بھیڑ ہونے کی بات نئی چیز نہیں ہے؛ بلکہ سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ حجۃ الوداع میں بھی بھیڑ تھی، حجۃ الوداع میں ایک لاکھ بیس ہزار افراد تھے، اس میں بھی زبردست ازدحام تھا اور اس زمانہ میں اتنا وسیع انتظام بھی نہیں تھا؛ بلکہ اس زمانہ کے مطاف کا حصہ آج کے مقابلہ میں بیسواں حصہ بھی نہیں تھا جو مقام ابراہیم کے اندر اندر کا حصہ تھا۔ اور اس کے بعد حجاج کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اور دورِ نبوت کے بعد حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ہر سال حج کو جاتی تھیں؛ لہٰذا اگر عورت محرم کے ساتھ حج کو جارہی ہے تو ازدحام کو علت بنا کر اس پر روک لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور حج کے علاوہ کارِ خیر میں خرچ کرنا یہ بھی ایک اچھا کام ہے؛ لیکن حج اور دوسرے کارِ خیر میں مقابلہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر یہی بات ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر سال حج کو نہ جاتیں اور سفرِ حج میں جو خرچ ہوسکتا تھا اسے کارِ خیر میں خرچ کرکے گھر بیٹھ جاتیں؛ لیکن ایسا نہیں کیا؛ بلکہ حج کو جاتی رہیں؛ اس لئے شرعی شرائط کے ساتھ حج کو جانے والی عورت کو دوسرے کارِ خیر کی ترغیب دے کر سفرِ حج سے روکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۶/۵۲۹)

عن عائشة أم المؤمنين قالت: قلت يا رسول الله! ألا نغزو ونجاهد معكم؟ فقال: لكن أحسن الجهاد وأجمله، الحج، حج مبرور، فقالت عائشة: فلا أدع الحج بعد إذ سمعت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم. (صحيح البخاري، المناسك، باب النساء، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٣، ف: ١٨٦١)

الصدقة أفضل من الحج تطوعا كذا روى عن الإمام لكنه لما حج وعرف المشقة أفتى بأن الحج أفضل. (شامي، كتاب الحج، باب الهدي، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة، زكريا ديوبند ٤/ ٤٦، كراچی ٢/ ٦٢١، منحة الخالق،

کوئٹہ ۲/ ۳۱۰، زکریا دیوبند ۲/ ٥٤٤، التاتارخانية، کوئٹہ ۲/ ٥٧٦، زکریا دیو بند ۳/ ٦٨٦، رقم: ٥٣٥٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۱۰/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۲۴ھ

منظوری نہ ملنے کی وجہ سے حج کی رقم علاج میں خرچ ہو جانے پر کیا حج نہ کرنے کا گناہ ملے گا؟

سوال [۴۸۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سال گذشتہ ہم پر حج فرض تھا، درخواست بھی دی تھی، مگر منظور نہ ہوئی، امسال ایسی بیماری ہوئی کہ سارے پیسے بیماری میں لگ گئے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر ہماری موت آ گئی تو حج نہ کرنے کا گناہ تو ہم پر نہیں ہوگا؟

المستفتی: سعید احمد سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حج کے اخراجات فراہم ہو جانے کے بعد حج کی منظوری کی درخواست وغیرہ دینا سفر حج کی کوشش جاری رکھنے میں شامل ہے؛ لیکن اس کوشش کے باوجود حج کی منظوری نہیں ہوسکی اور حج کمیٹی کے علاوہ گروپ سے جانے کی بھی کوئی شکل نہیں بن سکی حتی کہ اگلے سال کے آنے سے پہلے پہلے بیماری وغیرہ میں پیسہ خرچ ہو چکا ہے، تو ایسی صورت میں جب تک دوبارہ حج کے اخراجات کا پیسہ فراہم نہ ہو جائے اور سفر حج کی رکاوٹیں ختم نہ ہو جائیں اس وقت تک حج کرنا فرض نہیں ہے اور ایسے حالات میں حج کئے بغیر موت آ جائے تو نہ گنہگار ہوگا، اور نہ حج بدل کرانا لازم ہوگا۔

والذي يظهر أنه يعتبر مع غلبة السلامة عدم غلبة الخوف حتى إذا غلب الخوف على القلوب في المحاربين لوقوع النهب و الغلبة

منهم مرارا، أو سمعوا أن طائفة تعرضت للطريق ولها شوكة والناس يستضعفون أنفسهم عنهم لا يجب. (فتح القدير، كتاب الحج، دارالفكر مصري قديم ۲/ ۴۱۸، زكريا ديوبند ۲/ ۴۲۵، كوئٹه ۲/ ۳۲۹، البحرالرائق، زكريا ۲/ ۵۵۰، كوئٹه ۲/ ۳۱۴)

وإنما فسر النبي صلى الله عليه وسلم الاستطاعة بالزاد والراحلة لكونهما من الأسباب الموصلة إلى الحج لا لاقتصار الاستطاعة عليهما، ألاترى! أنه إذا كان بينه وبين مكة بحر زاخر لا سفينة ثمة أو عدو حائل يحول بينه وبين الوصول إلى البيت لا يجب عليه الحج مع وجود الزاد والراحلة، فثبت أن تخصيص الزاد والراحلة ليس لاقتصار الشرط عليهما بل للتنبيه على أسباب الإمكان. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، شرائط فرضيته، زكريا ۲/ ۲۹۶)

والذي يظهر أنه يعتبر مع غلبة السلامة عدم غلبة الخوف حتى لو غلب لوقوع النهب والغلبة من المحاربين مرارا، أو سمعو أن طائفة تعرضت للطريق ولها شوكة والناس يستضعفون أنفسهم عنهم لايجب.
(شامي، زكريا ۳/ ۴۶۲، كراچی ۲/ ۴۶۳)

وكذا كل من وجب عليه الحج إما حجة الإسلام أو القضاء، أوالنذر إذا مات قبل التمكن من أدائه سقط عنه الحج، ولا يجب عليه الوصية. (غنية الناسك، باب شرائط الحج، كراچی جديد ص: ۳۳/ مكتبه خيريه ميرٹھ قديم/ ۱۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ صفر ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۱۵ھ

بواسیر کے مریض کا حج کرنا

سوال [۴۸۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مجھے بواسیر کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے سفر میں طہارت میں دشواری ہوتی ہے، اس بیماری کی وجہ سے کچھ نہ کچھ نجاست لگ جاتی ہے، تو کیا میں ایسی حالت میں بھی حج جیسی عظیم عبادت کے لئے سفر کرسکتا ہوں میرے اوپر حج فرض ہے؟

المستفتی: افتخار الاسلام، قاضی ٹولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حسب تحریر سوال آپ اس حالت میں بھی حج کا فریضہ ادا کرسکتے ہیں، اپنی سہولت کے لئے آپ یہ طریقہ اختیار کریں کہ انڈرویئر وغیرہ پہننے کے بجائے ایک لمبا کپڑا لے کر اسے لنگوٹ وغیرہ کی طرح باندھ لیں۔

أو لبس مخيط لبسا معتادا، ولو اتزره ...... لا شيء عليه. (شامي، كتاب الحج، باب الجنايات، كراچی ۲/ ۵٤۷، زكريا ديوبند ۳/ ۵۷۷، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند ۷٤۲)

ما خيط بعضه ببعض لا بحيث يحيط بالبدن مثل المرقعة، فلا بأس بلبسه. (شامي، زكريا ۳/ ٤۹۹، كراچی ۲/ ٤۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۱۴/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۳/۱۷ھ

پہلے حج بدل کی قسم کھانے کا حکم

سوال [۴۸۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ

ذیل کے بارے میں: میری ایک بہن تھی، بڑی ہونے کے ناطہ سے وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھی، کئی سال پہلے میں نے ان سے محبت میں کہہ دیا تھا کہ اگر میرے بچے بڑے ہوکراس قابل ہوئے کہ مجھے حج کو بھیجیں تو میں خدا کی قسم اپنا حج نہ کر کے آپ کی طرف سے کروں گی، اس وقت مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ پہلے اپنا حج کیا جاتا ہے، بعد میں حج بدل کیا جاتا ہے، یہ مسئلہ بعد میں معلوم ہوا ان کے کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ قسم میں نے کھائی تھی اور امسال حج کو جانے کا ارادہ ہے، تو اس قسم کو کیسے پوری کروں اور اتنی حیثیت بھی نہیں ہے کہ دوسرے کو بھیج دوں، یا خوددوبارہ جا سکوں؟

المستفتیه: والدہ پرویز ناظم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پہلے اپنا حج کرنا ضروری ہے، اس کے بعد گنجائش ہوتو دوسرے کی طرف سے حج کیا جاتا ہے؛ لہٰذا آپ بھی پہلے اپنا ہی حج کریں۔ اور حج سے واپس آکر کے قسم کا ایک کفارہ دے دیں اور قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو دونوں وقت کا کھانا دینا یا اس کا پیسہ دینا ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۱۶۷)

والحج مطلقا هو الفرض، فإذا أخره إلى العام الثاني بلا عذر يأثم لترك الواجب. (غنية، مقدمة في تعريف الحج وما يتعلق به، كراچی جديد، ص: ١١، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ، ص: ٢)

ولو غدى مسكينا وأعطاه قيمة العشاء أجزأه، وكذا إذا فعله في عشرة مساكين، ولو عشاهم في رمضان عشرين ليلة أجزأه. (شامي، كراچی ٣/ ٧٢٦، زكريا ٥/ ٥٠٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۷۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۴/۲۳ھ

مستطیع کے لئے پہلے حج کو جانا لازم ہے یا بیرون ملک جماعت میں؟

سوال [۴۸۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس اتنی رقم ہے کہ وہ حج بیت اللہ کے لئے جا سکے، جب کہ اس نے حج نہیں کیا ہے، اس پر حج فرض ہے، زید تبلیغی جماعت سے بھی وابستگی رکھتا ہے، جماعت کے کچھ لوگ زید سے کہتے ہیں کہ ایک جماعت بغرض تبلیغ دین غیر ممالک جارہی ہے تم اس میں شریک ہوجاؤ، زید کا کہنا ہے کہ مجھے حج کے لئے جانا ہے، جماعت کے کچھ افراد اس پر زور دے رہے ہیں کہ اس سال جماعت میں غیر ممالک چلئے اگلے سال حج بیت اللہ کے لئے جایئے، زید کو کس پر کس کو ترجیح دینی چاہئے کہ زید جماعت میں غیر ملک جائے یا کہ حج بیت اللہ کے واسطے؟

المستفتی: مرزا سلیم بیگ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جب زید پر حج فرض ہو چکا ہے، تو اس کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے حج کو ادا کرے بعد میں موقع ہو تو جماعت میں چلا جائے؛ کیوں کہ فرضیت حج کے بعد حج کے لئے جانا ضروری ہے اس میں تاخیر کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ خدانخواستہ حج کی ادائے گی سے پہلے موت آجائے گی تو گنہگار رہوگا۔

عن علي –رضی الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ملك زادا وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا. (سنن الترمذي، الحج، باب ماجاء في التغليظ في ترك الحج، النسخة الهندية ۱/ ۱۶۷، دارالسلام، رقم: ۸۱۲)

وهو فرض على الفور، وهو الأصح فلا يباح له التأخير بعد الإمكان

إلى العام الثاني. (هندية، كتاب الحج، الباب الأول ۱/ ۲۱٦، جديد زكريا ۱/ ۲۸۰)
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۷۲)

کیا باپ کی فیملی میں رہ کر کمانے والے شخص پر حج فرض ہے؟

سوال [۴۸۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کا بیٹا اپنے کاروبار کے نتیجہ میں اس قدر مالدار ہوگیا ہے کہ وہ بآسانی فریضۂ حج ادا کرسکتا ہے، نیز کاروبار میں والد کا کچھ حصہ بھی نہیں ہے، تو ایسی شکل میں زید حج کرے گا یا اس کا بیٹا حج کرے گا؟ جب کہ زید نے اپنے بیٹے کو اپنے سے الگ نہیں کیا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ حج فرض کس پر ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) زید اور اس کے بیٹے عمر نے مل کر کوئی کاروبار اپنایا، جس کے نتیجہ میں اتنا مال جمع ہوگیا کہ ان دونوں میں سے ایک حج کا فریضہ انجام دے سکتا ہے، سوال یہ ہے کہ اب حج کون کرے گا؟ صحیح جواب مرحمت فرمائیں، نیز یاد رہے کہ یہاں بھی باپ بیٹا ایک ہی فیملی میں ہیں، یعنی بٹوارہ نہیں ہوا ہے؟

المستفتی: ڈاکٹر کفایت اللہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ایسی صورت میں بیٹے پر حج کرنا فرض ہے، اگر بیٹے کے پاس گنجائش زیادہ ہے اور اپنے ساتھ باپ کو بھی حج کرائے، تو بیٹے کے لئے بڑی سعادت ہوگی؛ اس لئے کہ سفر کے خرچ اور دیگر اخراجات پر بیٹے کو قدرت حاصل ہے، باپ کو نہیں۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. [آل عمران: ۹۷]

إن القدرة علی الزاد والراحلة لا بد فیها من الملک دون الإباحة والعاریة الخ. (شامي، کتاب الحج، قبیل مطلب في قولهم: یقدم حق العبد علی حق الشرع، کراچی ۲/ ٤٦١، زکریا دیو بند ۳/ ٤٦٠، هندیة، زکریا دیو بند ۱/ ۲۱۷، جدید زکریا ۱/ ۲۸۱)

(۲) اگر بیٹا باپ کی فیملی میں ہے، پھر دونوں کی محنت سے مال جمع ہوا ہے، تو سارا مال باپ کی ملکیت ہے، باپ پر حج فرض ہوگا، بیٹے پر نہیں۔ اور اگر بیٹا باپ کی فیملی میں نہیں ہے، دونوں کا چولہا الگ الگ ہے اور کاروبار مشترک ہے جس کا بٹوارہ نہیں ہوا ہے، تو مال دونوں کے درمیان نصف نصف ہے اور دونوں میں سے کسی پر حج فرض نہ ہوگا۔

الأب وابنه یکتسبان في صنعة واحدة ولم یکن لهما شيء، فالکسب کله للأب إن کان الابن في عیاله؛ لکونه معینا له. (شامي، فصل في الشرکة الفاسدة، مطلب اجتمعا فی دار واحدة واکتسبا ولا یعلم التفاوت فهو بینهما بالسویة، زکریا دیوبند ٦/ ۵۰۲، کراچی ٤/ ۳۲۵، وهکذا فی شرح المجلة اتحاد بك ڈپو دیوبند ۲/ ۷٤۱، رقم: ۱۳۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱/۱۷ھ

والدین کا اولاد کے مال سے حج کرنا

سوال [۴۸۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر والدین پر حج فرض نہ ہو؛ لیکن اولاد نے اپنے مال سے والدین کو حج کرایا تو والدین کا حج فرض ادا ہوگا یا نفل؟

المستفتی: عبدالکریم بی بلڈنگ روم، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدین اپنی اولاد کے مال سے حج ادا کریں، اس سے حج فرض ادا ہوگا، خواہ ان پر حج فرض نہ رہا ہو، بشرطیکہ انہوں نے نفل کی نیت نہ کی ہو۔

وأما الفقير ومن بمعناه كمن له مال مستغرق بالديون أو بحقوق المسلمين كالظلمة من الأمراء والسلاطين إذا حج سقط عنه الفرض إن نواه، أو أطلق النية. (غنية الناسك، باب شرائط الحج، جديد كراچى، ص: ٣٢، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ، ص: ١٤) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۳۳)

کیا باپ کے حج سے پہلے بیٹے کا حج ہو جائے گا؟

سوال [۴۸۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بیٹے پر حج فرض ہوگیا اور باپ نے ابھی حج نہیں کیا ہے، تو کیا اگر بیٹا حج کو جانے کا ارادہ کرے تو اس کو باپ سے اجازت لینی پڑے گی اور باپ کے حج سے پہلے بیٹے کا حج ہو جائے گا یا نہیں؟

المستفتی: محمد نیر پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل سے زبانی معلوم ہوا کہ زید اپنے باپ کی فیملی میں ہے، ایسی صورت میں ساری دولت کا مالک باپ ہی ہوگا؛ لہٰذا حج باپ ہی پر فرض ہوگا، حج کے لئے باپ ہی کو جانا چاہئے؛ البتہ اگر باپ خود نہیں جا رہا ہے بیٹے کو حج کا شوق

ہے، تو باپ کی دولت میں سے خرچ لے کر باپ کی اجازت ہی سے جاسکتا ہے، باپ کی اجازت کے بغیر ایسی صورت میں بیٹے کو حج کے لئے جانا منع ہے۔

الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة، ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معينا له. (شامي، فصل في الشركة الفاسدة، مطلب: اجتمعا فى دار واحدة واكتسبا ولا يعلم التفاوت، فهو بينهما بالسوية، زكريا ديوبند ٦/ ٥٠٢، كراچى ٤/ ٣٢٥، شرح المجلة، مكتبه اتحاد ديو بند ٢/ ٧٤١، رقم: ١٣٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۱۳/۳۲)

غرباء کو حج کرانے کے لئے چندہ جمع کرنا

سوال [۴۸۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) چند ہمدردان ملت اسلامیہ نے ایک کمیٹی مدینہ ویلفیئر سوسائٹی کے نام سے بغرض مالی تعاون کمزور وعازمین حج تشکیل دی ہے، جس کا نصب العین اقتصادی طور پر کمزوری کے باعث حج کے سفر کے لئے مالی تعاون فراہم کرنا ہے، جو کہ عام احباب اہل خیر کے چندے سے جمع کیا جائے گا، کیا اس جمع شدہ رقم سے مالی اعتبار سے کمزور عازمین حج کا مالی تعاون شریعت اسلامی کے اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے چندہ سے اگر ایک لاکھ روپیہ کی رقم جمع ہو جائے اور مستحقین طلب کرنے والے ایک دو نہیں بلکہ پچاس سے زیادہ ہو جائیں، تو کس کو ترجیح دی جائے؟ براہ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں۔ اگر طالب امداد پچاس ہوں تو حاصل شدہ رقم کو کسی اہم معزز اور معتبر شخص کے ہاتھ سے قرعہ اندازی کر کے مستحق کی مدد جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: ضمیر الدین وشکیل الدین، نئی بستی مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: غریب کمزورلوگوں پر نہ حج فرض ہے نہ لازم اور نہ ہی ان کو حج میں بھیجنے کے لئے چندہ جمع کرنا شرعی طور پر جائز ہے۔ اور نہ یہ شرعی ضروریات میں داخل ہے، جب ان کو حج کرانے کے لئے چندہ جمع کرنا ہی جائز نہیں تو آگے قرعہ اندازی کی ساری باتیں فضول ہیں۔

وقد اختلف في حج الفقير، فقال أصحابنا والشافعي: لا حج عليه.

(أحكام القرآن للجصاص، باب فرض الحج، سهيل اكيڈمی لاهور ۲/ ۲۵)

ولو وهب له مال ليحج به لا يجب قبوله، سواء كان الواهب ممن تعتبر منته كالأجانب، أو لا تعتبر كالأبوين والمولودين. (فتح القدير، كتاب الحج، دارالفكر مصري قديم ۲/ ٤١٠، زكريا ۲/ ٤١٦، كوئٹه ۲/ ۳۲۲، عالمگيری،زكريا ديوبند ۱/ ۲۱۷، جديد مطول ۱/ ۲۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۰۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۱۱ھ

رشتہ طے ہوجانے کے بعد میاں بیوی کے نام سے حج کی درخواست دینا

سوال [۴۸۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک رشتہ تین چار ماہ پہلے ہوا اور شادی ونکاح کی تاریخ ۱۵؍ جون ۲۰۰۶ء ہونا قرار پائی ہے۔ اور حج جانے کے لئے آخری تاریخ ۳۱؍۸؍۵؍ درخواست دینے کی ہے، تو نکاح سے پہلے درخواست دونوں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ میں چوں کہ رشتہ پکا ہوگیا ہے اور مہینہ بھر کے اندر اندر نکاح اور رخصتی ہونے والی ہے؛ اس لئے مایؤول کے اعتبار سے دونوں کو میاں بیوی کہا جاسکتا ہے۔ اور جس وقت دونوں حج کو جائیں گے اس وقت دونوں حقیقی معنی میں میاں بیوی ہوجائیں گے، اس لئے فارم میں میاں بیوی لکھنے کی گنجائش ہے، مگر چونکہ کبھی عین وقت میں بھی رشتہ ختم ہوجاتا ہے؛ اس لئے بہتر یہی ہے کہ پہلے عقد نکاح ہوجائے پھر حج کا فارم بھر دیں اور رخصتی وقت مقررہ پر ہوجائے۔

أو تسمية الشيء باسم مایؤول ذلک الشيء إلیه في الزمان المستقبل نحو إني أراني أعصر خمرا، أي عصیرا یؤول إلی الخمر.
(مختصر المعاني/۳۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۰۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۱۲ھ

اشہر حج آنے سے قبل مستطیع کے روپئے تلف ہوگئے

سوال [۴۸۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے پاس جائز طریقہ سے ایک لاکھ روپئے آئے اور اشہر حج آنے سے پہلے پہلے وہ تلف ہوگئے، تو اس پر حج فرض ہوا یا نہیں؟

المستفتی: قمر الدین قاسمی، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج کے مہینے آنے سے پہلے پہلے جب روپیہ تلف ہوگیا تو شرعی طور سے اس کے اوپر حج فرض نہیں ہوا۔

لـو مـلک الـزاد والراحلة فی أول السنة قبل أشهر الحج، أو قبل أن يـخـرج أهـل بـلـده إلى مكة فهو في سعة من صرف ذلک إلى حيث أحب، وإذا صـرف ماله، ثم خرج أهل بلده لا يجب عليه الحج، فأما إذا جاء وقت خـروج أهـل بـلـده، فيلزمه التأهب فلا يجوز له صرفه إلى غيره، فإن صرفه إلى غير الحج أثم وعليه الحج. (عـالمگیری، کتاب الحج، الباب الأولی فی تفسیر الحج ۱/ ۲۱۹، جدید زکریا مطول ۱/ ۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۴/۳/۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۳/۱۸ھ

حج نہ کر کے اس کی رقم دیگر دینی مصارف میں خرچ کرنا

سوال [۴۸۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مالدار شخص ہے اور اس کی روزی بھی شرعی اعتبار سے کمائی گئی ہے، یعنی بالکل جائز روزی ہے، زید خود حج کے لئے نہ جاکر اپنے مقام پر ہی حج کے علاوہ دیگر کاموں میں خرچ کرتا ہے، جیسے دینی مدرسہ کی تعمیر، مسجد کی تعمیر کرانا، یا کسی غریب کی بیٹی کی شادی کرانا، تو کیا یہ سب چیزیں حج نہ کرنے کا شرعی اعتبار سے بدل ہوجائیں گی؟

المستفتی: ذاکر قریشی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفیق: زید جب کہ مالدار ہے اور اس پر حج فرض ہو گیا ہے، تو پہلے حج کرے، پھر غریب بھائیوں کی امداد کرے، پھر مدرسہ ومسجد بنوائے، حج ایک مستقل عبادت ہے، یہ چیزیں اس کی بدل نہیں بنیں گی۔

فرض مرة على مسلم، حر، مكلف، صحيح، بصير، ذي زاد وراحلة

فضلا عما لا بد منه. (تنویر الأبصار مع الشامي، کتاب الحج، کراچی ۲/ ٤٥٥، زکریا دیو بند ۳/ ٤٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۸۹)

وعدہ خلافی کر کے حج نہ کرانا

سوال [۴۸۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے چار لڑکے ہیں جن میں دو کا کاروبار علیحدہ علیحدہ تھا، دو بھائیوں کا ایک جگہ تھا، بڑے بھائی کی شادی ہو چکی تھی اور چھوٹے کی نہیں ہوئی تھی، جب حج کو گئے تھے اس وقت ساجھے میں تھے، دو سال حج کئے ہوئے ہو گئے، حج کرتے ہوئے مکہ میں میرے یعنی ماں کے سامنے یہ کہا تھا کہ میں اپنے چھوٹے بھائی کو اور اس کی بیوی کو شادی ہو جانے پر حج کراؤں گا، اب چھ ماہ گذر گئے، چھوٹے بھائی کی شادی ہو چکی ہے، اب کاروبار سے دونوں علیحدہ ہو رہے ہیں، حج کے لئے چھوٹے بھائی نے پیسہ دینے کو بڑے بھائی سے کہا، تو بڑے بھائی نے اور اس کی بیوی نے صاف منع کر دیا، دین کی رو سے اس کا کیا مسئلہ ہے؟ کیا صحیح ہے؟

المستفتیة: والدہ پرویز محلّہ رحمت نگر، کرولہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چھوٹے بھائی کا بڑے بھائی پر اتنا پیسہ پہلے سے لازم نہ تھا جس سے حج کو جا سکے، تو بڑے بھائی کی طرف سے ایثار کا وعدہ تھا، اب اگر وعدہ پورا نہیں کر رہا ہے تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا اور وعدہ خلافی کرنے والا دین کے اعتبار سے بہت بڑا گنہگار شمار ہوتا ہے۔

عـن عبـدالله ابن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له. الحديث (المعجم الكبير، دار احياء التراث العربي ۸/ ۲۲۷، رقم: ۱۰۵۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شوال المکرّم ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۱۷)

لوگوں کا حق مار کر حج کو جانا

سوال [۴۸۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحبہ حج کو جارہی ہیں اور اپنے سوتیلے بیٹے کو اس کا حق اس کے والد کی جائیداد میں سے نہیں دیا ہے، جو حصہ والد کی جائیداد ترکہ میں ملنا چاہئے اس پر حج کو جانے والی سوتیلی ماں قابض ہیں، تو جو کسی کا حق دبائے ہوئے ہو اور اس پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہو، تو کیا اس کا حج قبول ہوگا یا نہیں؟ اور اسے حج کے لئے جانے سے پہلے سوتیلے بیٹے کا حق ادا کردینا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: عبداللہ مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سائل کا بیان صحیح ہے تو مرنے والے کے لڑکے کو اس کے والد مرحوم کی میراث میں سے اس کا حق نہ دے کر اس مال میں سے لے کر حج کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ایسا حج قبول نہیں ہوتا ہے۔ مذکورہ صاحبہ پر واجب ہے کہ شوہر کے مذکورہ بیٹے کو اس کا حق دے دے اور نہ دے کر دبا لینا گناہ کبیرہ، حرام اور ظلم وغصب ہوگا، اور نہ ہی اس مال سے حج کرنے سے حج قبول ہوگا۔

اِنَّ الَّـذِيْـنَ يَـأْكُـلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا.

[سورة النساء، آيت: ۱۰]

لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. (قواعد الفقه، أشرفيه ديوبند، ص: ١١٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢١/ ١١٢، ٢٨/ ٢٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ؍ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۲ھ

بہن کا حصہ نہ دینے والے کا حج قبول ہوگا یا نہیں؟

سوال [۴۸۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے، میں نے اپنی سب جائیداد کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، جو کہ تینوں کے نام کر دیا ہے، بڑے لڑکے جس مکان میں رہتے ہیں، اسی میں لڑکی کا حصہ بھی شامل ہے، لڑکی شادی شدہ ہے، مگر رہنے کے لئے گھر سے پریشان ہے، میں اپنے چھوٹے لڑکے کے پاس رہتی ہوں، میرے بڑے بیٹے لڑکی کو حصہ دینے پر راضی نہیں ہیں، اب میرا بڑا لڑکا ان کی بیوی اور میں تینوں حج پر جا رہے ہیں، کیا ایسی صورت میں جب کہ لڑکی کو اس کا حق نہیں مل سکا، میرے اور میرے بیٹے کا حج قبول ہوگا؟ اس بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں؟

المستفتیة: ظفری بیگم گوئیاں باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر مذکورہ جائیداد آپ ہی کی ملکیت ہے آپ کے شوہر کا وہ ترکہ نہیں ہے جو اس کے وارثین کے درمیان مشترک ہے، تو آپ کا اپنی زندگی میں لڑکی کو بھی لڑکوں کے برابر دے کر مالک بنا دینا شریعت کے مطابق ہے، جس لڑکے نے اپنی بہن کے حصہ پر قبضہ جما رکھا ہے، اس پر لازم ہے کہ بہن کا حصہ بہن کو فوراً دے دے۔

فسوى بينهم يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى.

(درمختار، کتاب الهبة، قبیل الرجوع في الهبة، زکریا ۸/ ۵۰۱-۵۰۳، کراچی ۵/ ٦٩٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۱۰/۳۰ھ

ایضاً

سوال [۴۸۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دو بھائی آپس میں شرکت سے کام کرتے ہیں، بڑے بھائی چھوٹے بھائی کو عرصہ پانچ سال سے حساب نہیں دیتے اور نہ پانچ سال سے زکوۃ دی ہے، اب چھوٹے بھائی حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جارہے ہیں، اس حالت میں حج ہو جائے گا یا نہیں؟ بہت کوشش کی، مگر حساب نہیں کرتے کہ کتنے روپے ہیں، مجبوراً حج کے لئے بغیر حساب صاف کئے چلا جانا چاہیے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرؤف محلہ بھٹی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب وجوب حج کی شرائط پائی گئیں، تو حج ادا کرنا واجب ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. [آل عمران: ۹۷]

عن ابن عمر -رضي الله عنه- قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول الله! مايوجب الحج؟ قال: الزاد والراحلة.

(سنن الترمذي، الحج، باب ماجاء في إيجاب الحج بالزاد والراحلة، النسخة الهندية ۱/ ۱٦۸، دارالسلام، رقم: ۸۱۳)

الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا

علی الزاد و الراحلة فاضلا عن المسکن و مالا بد منه. (هداية، كتاب الحج، أشرفيه ديو بند ١/ ٢٣١)

حج کی ادائے گی زکوۃ کی ادائیگی پر موقوف نہیں، نیز جس مال کی زکوۃ ابھی ادا نہیں کی گئی ہے اس سے حج جائز ہے؛ البتہ زکوۃ ادا نہ کرنے کا گناہ الگ ہوگا، جب بڑے بھائی حساب نہیں دیتے اور نہ ہی زکوۃ ادا کرتے ہیں، تو چھوٹے بھائی کو ان سے اپنا معاملہ حساب کر کے الگ کر لینا چاہئے اور اپنی زکوۃ خود ادا کر دیا کریں؟ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۲/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۶۴)

بھائی کا بہنوں کا حصہ نہ دے کر حج کو جانا

سوال [۴۹۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا لڑکا محمد احسان میاں حج بیت اللہ کو جا رہا ہے بہنوں کو حصہ نہ دے کر، اب ایسی صورت میں اس کے حج کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے، ایسا کرنے والے کو کیا عمل کرنا چاہئے جو شریعت کی رو سے درست ہو؟

المستفتی: حافظ طاہر حسین، اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بہنوں کی جائیداد کے پیسے سفر حج میں خرچ کرے گا تو وہ غصب کا پیسہ ہے اور غصب کے پیسے سے حج کرنے سے حج مقبول نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر اس کے پاس اپنی ذاتی رقم اتنی ہے کہ جس سے وہ حج کر سکتا ہے، بہنوں کا کوئی پیسہ حج میں خرچ نہیں کرتا، تو اس کا حج صحیح ہو جائے گا اور بہنوں کا حق اس کے اوپر باقی رہے گا، جس کا ادا کرنا اس کے اوپر لازم ہے۔

ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فإنه لا یقبل بالنفقة الحرام کما ورد

فی الحدیث مع أنه یسقط الفرض عنه معها، ولا تنافی بین سقوطه وعدم قبوله، فلا یثاب لعدم القبول ولا یعاقب عقاب تارک الحج. (فتاوی شامي، کتاب الحج، زکریا ۳/ ۴۵۳، کراچی ۲/ ۴۵۶، هندیة، زکریا ۱/ ۲۲۰، جدید ۱/ ۲۸۳، مجمع الأنهر دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۶۴/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۲۶ھ

ضعیف وکمزور والدہ کو حج پر لے جائیں یا اہلیہ کو؟

سوال [۴۹۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پچھلے تین سالوں سے میں فریضۂ حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، اسی لحاظ سے میں نے اپنا اپنی والدہ اور اپنی اہلیہ کا پاسپورٹ بھی بنوالیا ہے، تینوں کے جانے کا ارادہ رکھتا تھا؛ لیکن کافی سالوں سے والدہ بیمار رہتی ہیں، مگر اب دو سال سے ان کی بیماری زیادہ تکلیف دہ ہوگئی ہے، ان سے ٹانگوں سے چلا نہیں جاتا ہے، دیوار پکڑ کر یا کسی کے سہارے سے اپنی ضروریات سے بڑی مشکل سے فارغ ہوتی ہیں اور سانس کا بھی مرض ہے، بے انتہاء سانس پھولتا ہے، میں نے والدہ سے کہا آپ اب اس قابل نہیں ہیں، آپ سے سفر بھی نہیں ہوسکتا اور وہاں پر ارکان بھی کس طرح پورے کریں گی؟ اس لئے میں اہلیہ کو لے کر چلا جاتا ہوں، آپ مجھے اجازت دے دیں، یہ بات سن کر وہ بہت ناراض ہوئیں اور کہا کہ میں تمہیں اجازت نہیں دوں گی، اور تمہیں بھی نہیں جانے دوں گی، فریضۂ حج ادا کرنے کی بے انتہاء خواہش رکھتا ہوں؛ کیوں کہ اس وقت میرے مالی حالات بھی سازگار ہیں، کل کا کچھ پتہ نہیں کل کیا ہو، لہٰذا علماء حضرات سے درخواست ہے کہ میرے مسئلہ کا حل واضح کریں۔

المستفتی: شہزاد عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بہت زیادہ ضعیف کمزور عمر دراز عورت حج کے ارکان ادانہیں کرسکتی۔سوال نامہ میں جوحالات لکھے گئے ہیں ایسے حالات میں اس کے لئے ارکان حج ادا کرنا بہت ہی مشکل بات ہے، اگر وہ حج نہ کرے گی ،تو اللہ کی طرف سے کوئی داروگیر نہیں ہوگی، ہاں البتہ اگر سرمایہ دار ہے، تو ان کی طرف سے کسی تندرست آدمی کے ذریعہ سے حج بدل کرایا جاسکتا ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: كان الفضل رديف النبي ﷺ، فجاءت امرأة من خثعم –إلى– فقال: إن فريضة الله أدركت أبي شيخا كبيرا لا يثبت على الراحلة، أفأحج عنه؟ قال: نعم، وذلک في حجة الوداع.

(صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج المرأة عن الرجل ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨١٧، ف: ١٨٥٥)

منها: أن يكون عجزه مستمرا إلى الموت عادة، كالمريض الذى لايرجى برؤه، وكالأعمى والزمن، ومتى كان عاجزا بحيث لا يرجو القدرة على الحج إلى الموت، ثم أناب من يحج عنه وحج عنه النائب، فقد سقط الفرض عنه، ولو زال عذره وقدر على الحج بعد. (الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ١/ ٧٠٧، غنية الناسك كراچی جديد، ص: ٣٢٠، قديم ص: ١٧٢، أنوار مناسك /٥٤١)

وأما من يجب عليه أن يحج عنه في حياته: وهو المسلم البالغ العاقل الحر العاجز عن الحج بنفسه، إما بكسر أو زمانة لا يرجى زوالها، أو مرض لا يرجى برؤه. الخ (البحر العميق، الباب الثامن في الحج عن الغير، المكتبة المكية ٤/ ٢٢٣٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۲۵)

حج پر والدہ کو ساتھ لے جائیں یا بیوی کو؟

سوال [۴۹۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں حج کرنے اپنی بیوی کے ساتھ جانا چاہتا ہوں، میرے والد والدہ موجود ہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان کو پہلے بھیج دوں؛ لیکن میرے پاس اتنا انتظام نہیں ہے کہ میں چاروں کو لے کر جاؤں، اس کے بارے میں مجھے فتوی دیں کہ میں کیا کروں؟

المستفتی: انوار ٹھیکیدار پا کبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اولاً آپ کا حج کرنا فرض ہے، بیوی کو لے جانے کی والدین بخوشی اجازت دیں تو بیوی کو ساتھ لے جائیں اور ناگواری کی صورت میں والدہ صاحبہ کو بیوی پر ترجیح دے کر والدہ کو ساتھ لے جائیں؛ کیوں کہ حسن سلوک کی زیادہ حقدار یہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا. [أحقاف: ۱۵] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۲۵)

حج کے لئے بیوی کو ساتھ لے جائیں یا والدہ کو؟

سوال [۴۹۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں حج کرنا چاہتا ہوں اور ساتھ میں میری بیوی بھی جانا چاہتی ہے، میرے پاس دو آدمیوں کا انتظام ہے، میری والدہ حیات ہیں، میں نے ان سے اجازت چاہی حج کے لئے تو ان کا بھی ارادہ حج کرنے کا ہے، اس لئے انہوں نے مجھے پوری طرح سے

اجازت نہیں دی حج کے لئے ،اس کے بارے میں اب میں کیا کروں؟ کیا میں ان کو چھوڑ کر جاؤں یا نہیں یا ساتھ لے کر جاؤں تو اتنا انتظام نہیں ہے؟

المستفتی: ٹھیکیدار ظہیر عرف ملا جی، چمر وادلپت پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: والدہ صاحبہ جب آپ کو پورے طور پر اجازت نہیں دے رہی ہیں اور آپ کے پاس اپنے خرچ کے علاوہ مزید ایک فرد کو لے جانے کی استطاعت ہے، تو بہتر یہی ہے کہ اپنے ساتھ والدہ صاحبہ کو لے جائیں، ان کے احسانات کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اپنی بیوی پر ان کو ترجیح دیں اور جب کسی موقع پر وسعت ہو جائے تو بیوی کو ساتھ لے جائیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر ارشاد فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا. [أحقاف: ١٥] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١ ربیع الثانی ١٤٢٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٧/ ٨٣٢٦)

چھوٹی بیوی کو حج پر ساتھ لے جانے سے کیا بڑی بیوی کی حق تلفی نہ ہوگی؟

سوال [٤٩٠٤]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حقوق العباد ادا کرنے میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ مساوات نہیں رکھتا، اسکی دو بیویاں ہیں، بڑی بیوی سے زید کا کئی سال پہلے سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں، صرف اس کے لئے محدود خرچ ماہانہ دیتا ہے، اب حج بیت اللہ کے لئے بھی چھوٹی بیوی کو ساتھ لیجانے کا ارادہ ہے، کیا اس بڑی بیوی کی حق تلفی نہ ہوگی؟

المستفتی: راشد قاضی سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کے ذمہ بیویوں کے درمیان عدل اور مساوات کرنا ضروری ہے، حتی کہ ان کے خورد ونوش اور رہن سہن ہر چیز میں برابری کا برتاؤ کرنا واجب ہے، رہی یہ بات کہ سفر میں چھوٹی بیوی کو لیجانا، تو اس بارے میں شریعت نے کسی قسم کی قید نہیں لگائی، اس کا شوہر کے مزاج اور دلی میلان پر دار و مدار ہے؛ لہٰذا جس بیوی کو چاہے اپنے ہمراہ سفر میں لے جاسکتا ہے کہ اس کا مزاج سفر سے موافق ہو، تاہم بہتر یہ ہے کہ دونوں میں قرعہ اندازی کرکے جس کا نام نکل آئے اس کو ساتھ لے جائے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ٣]

عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد سفرا، أقرع بين نسائه، فأيتهن خرج سهمها خرج بها معه. الحديث (صحيح البخاري، الهبة، باب هبة المرأة لغير زوجها وعتقها، النسخة الهندية ١/ ٣٥٣، رقم: ٢٥٢١، ف: ٢٥٩٣)

ومنها وجوب العدل بين النساء في حقوقهن -إلى- والسكنى والبيتوتة. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، حكم النكاح، فصل ومنها وجوب العدل، كراچی ٢/ ٣٣٢، زكريا ديوبند ٢/ ٦٤٦-٦٦٧)

لا حق لهن في القسم حالة السفر، فيسافر الزوج بمن شاء منهن، والأولى أن يقرع بينهن فيسافر بمن خرجت قرعتها. (الهداية، كتاب النكاح، باب القسم، اشرفيه ديوبند ٢/ ٣٤٩، الهندية، زكريا ديوبند ١/ ٣٤١ جديد زكريا ١/ ٤٠٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/۶/۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۶/۱۴۱۸ھ

کیا زمین کوفروخت کر کے حج پر جانا ضروری ہے؟

سوال [۵۹۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بکر کے پاس نقد بالکل نہیں ہاں اتنی زمین ہے کہ اس زمین سے اتنا ٹکڑا جس میں حج ہوسکتا ہے فروخت کر دیا جائے اور باقی زمین بچوں کے گذارے کے لئے کافی رہے گی، تو اس حالت میں بکر پر حج فرض ہے یا نہیں کہ زمین کا ٹکڑا فروخت کر کے حج ادا کرے؟

المستفتی: سعید احمد ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر زمین اتنی زیادہ ہے کہ اس کی آمدنی سے گھر کی ضروریات پوری ہونے کے بعد آمدنی بچ جاتی ہے اور بچی ہوئی آمدنی سے حج کیا جاسکتا ہے، تو اس کے اوپر حج فرض ہے، چاہے اس آمدنی سے حج کرے یا زمین کا کوئی ٹکڑا بیچ کر حج کرے، بہر حال حج کرنا اس کے اوپر لازم ہوجائے گا۔ اور اگر زمین اتنی زیادہ نہیں ہے کہ جس کی آمدنی اور پیداوار سے گھر کی ضروریات پوری ہوجاتی ہوں تو ایسی صورت میں اس کے اوپر حج فرض نہیں ہے۔ اور زمین کا ٹکڑا بیچ کر حج کو جانا اس پر لازم نہیں ہے، ہاں البتہ اس کو اختیار ہے کہ اس کو حج کا ذوق وشوق ہو اور اپنی زمین بیچ کر اس عبادت کا شوق پورا کرنا چاہے تو اس کو اجازت ہے لازم نہیں۔

وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفي لزاده ولراحلته ذاهبا وجائيا، ونفقة عياله وأولاده، ويبقى له من الضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج، وإلا لا. (قاضيخان على هامش الهندية، كتاب الحج، زكريا ديوبند ١/ ٢٨٢، جديد زكريا ١/ ١٧٣، هندية ١/ ٢١٨، جديد زكريا ١/ ٢٨٢)

وإن كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة،

یبقی بعد رجوعه من ضیعته قدر ما یعیش بغلته الباقي یفترض علیه الحج، وإلا فلا، کذا في الخانیة. (غنیة الناسك، باب شرائط الحج، جدید کراچی ۲۰- ۲۱، قدیم مطبع خیریه ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۲/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۵/۶۰۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۲/۱۴۲۰ھ

کیا زیورات کو بیچ کر حج کرنا ضروری ہے؟

سوال [۴۹۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے پاس تیس ہزار روپیہ ہے اور گھر میں سونے چاندی کے زیوارت ہیں، جو خود اس کی ملکیت میں ہیں، بیوی استعمال کرتی ہے، نقد اور مذکورہ زیورات دونوں کو ملاکر حج پر استطاعت ہوجاتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں زید پر ان زیورات کو بیچ کر حج کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زیورات کو ہی بیچنا لازم نہیں بیچے یا نہ بیچے، جب وہ صاحب حیثیت ہوگیا تو اس پر حج کرنا فرض ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. [آل عمران: ۹۷]

قال الشامي: الأول شروط الوجوب: وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج، وإلا فلا، وهي سبعة ...... ومنها: الاستطاعة. (شامي، کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام، کراچی ۲/ ۴۵۸، زکریا ۳/ ۴۵۵)

السادس: الاستطاعة، وهي القدرة علی زاد یلیق بحاله. (غنیة الناسك،

باب شرائط الحج، جدید کراچی ١٦، قدیم مطبع خیریه، میرٹھ ٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۳۴ ۶۰۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱/۴/۱۴۲۰ھ

حج کے لئے جمع شدہ رقم سے حج کرے یا مکان کا کرایہ ادا کرے؟

سوال [۴۹۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کے پاس ذریعۂ آمد صرف امامت کی تنخواہ ہے، گھریلو اخراجات کی ذمہ داری بھی بہت حد تک شخص مذکور پر ہے، حج کی تمنا ہے اور حج کے مصارف کے لئے ایک لاکھ کا انتظام کیا ہے، مگر چھوٹے بیٹے کے ساتھ نبھاؤ نہ ہونے کے اندیشہ سے کوئی مکان قیمتاً یا کرایہ پر اگر لینا پڑا تو پھر حج کی رقم کم ہو جائے گی، کیا ایسی ضرورتوں کو پورا نہ کیا جائے اور حج کا فریضہ لازماً ادا کیا جائے؟ نیز مذکورہ صورت میں حج فرض بھی ہے یا نہیں؟ اگر یہ ساری رقم حج میں صرف کر دی جائے گی تو پھر پسماندگان کے لئے کچھ بھی نہیں رہے گا۔

المستفتی: عبدالرحیم بڈیڈوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شخص مذکور پر اس سے پہلے زندگی میں کبھی فریضۂ حج ادا کرنے کے بقدر پیسوں کا انتظام نہیں ہوا تھا اور یہ انتظام پہلی مرتبہ ہوا ہے اور اس پیسہ کی فراہمی کے بعد کوئی حج کا موسم شخص مذکور کے اوپر نہیں گذرا ہے اور اس کے پاس رہائش کے لئے کوئی مکان بھی نہیں ہے اور ابھی حج کا موسم آنے میں کئی مہینے باقی ہیں، تو ایسی صورت میں اس رقم کو رہائشی مکان کے انتظام میں خرچ کر دیتا ہے، تو اس پر حج فرض نہیں ہوا ہے۔ اور اگر اس رقم کے ہوتے ہوئے حج کا موسم آجائے اور اس سے پہلے پہلے مکان میں خرچ نہیں کیا ہے، تو شخص مذکور پر حج کرنا فرض ہو جائے گا؛ لہٰذا اگر حج نہ کر کے اس پیسہ کو مکان کے انتظام

میں لگا دے گا اور حج کا موسم اس کے اوپر سے گذر جائے گا تو حج نہ کرنے کا گناہ بھی ہوگا۔ اور فریضۂ حج کی ذمہ داری بھی شخص مذکور پر باقی رہے گی۔

وإن لم يكن له مسكن ولا شيء من ذلك وعنده دراهم تبلغ به الحج، وتبلغ ثمن مسكن، وخادم، وطعام، وقوت وجب عليه الحج، وإن جعلها في غيره أثم لكن هذا إذا كان وقت خروج أهل بلده. (شامي، كتاب الحج، كراچی ۲/ ٤٦٢، زكريا ديوبند ۳/ ٤٦١، وهكذا في الهندية ١/ ٢١٧، جديد زكريا ١/ ٢٨١)

ومن لا مسكن له ولا خادم وهو محتاج إليهما، وله مال يكفيه لقوت عياله من وقت ذهابه إلى حين إيابه، وله مال يبلغه، فليس له صرفه إليهما إن حضر وقت خروج أهل بلده. (غنية الناسك، باب شرائط الحج، جديد كراچی، ص: ٢٠، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ، ص: ۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۰۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۲۴ھ

تعمیرِ مکان، بچوں کی شادی اور حج میں سے پہلے کس کو انجام دیں؟

سوال [۴۹۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسلمان کے پاس جو صاحب مال اور صاحب حیثیت ہے اور حج بیت اللہ شریف ادا کر سکتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ میرے بچے جوان ہیں اور مجھے مکان بھی تعمیر کرانا ہے۔ اور حج کو بھی جانا ہے، ان تینوں باتوں میں سے پہلے اس کو کس کام کو انجام دینا چاہئے؟

المستفتی: حاجی عبد الغنی، عبد الحئی، محلّہ اصالت پورہ مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شخص مذکور پر پہلی فرصت میں حج کرنا فرض اور ضروری ہے، دوسرے امور بعد میں حسب موقع انجام دئے جائیں؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہو اور وہ حج نہ کرے، تو ممکن ہے کہ وہ یہودیت یا نصرانیت کی موت مرے۔

عن علي –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ملك زادا وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج، فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا. الحديث (ترمذي، الحج، باب ماجاء في التغليظ في ترك الحج، النسخة الهندية ١/ ١٦٧، دارالسلام، رقم: ٨١٢)

وفي البحر: هو فرض بشرط حرية وبلوغ وعقل وصحة وقدرة زاد وراحلة. (البحرالرائق، كتاب الحج، زكريا ديوبند ٢/ ٥٤٤، ٢/ ٣١١، هكذا في شامي زكريا ٣/ ٤٥٥، ٤٥٨، كراچی ٢/ ٤٥٨-٤٥٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٤/ محرم الحرام ١٤٢٢ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٧٠٤٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٤٢٢/١/٢٤ھ

حج فرض ہونے کے بعد سارے روپئے شادی اور عمارت میں لگانے کا حکم

سوال [٤٩٠٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص پر حج فرض ہو گیا، مگر روپیہ اس نے شادی میں یا تعمیر مکان میں لگا دیا اور مرنے تک اس کے پاس اتنی رقم جمع نہ ہو سکی کہ حج کا فریضہ انجام دے سکے، تو کیا وہ شخص تارک حج مرا یا فریضۂ حج اس سے ساقط ہو گیا؟

المستفتی: قمر الدین قاسمی، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراس کے علاقہ سے حاجیوں کے حج کے لئے روانہ ہونے کا سلسلہ ابھی شروع نہیں ہوا ہے، اس سے پہلے پہلے مکان خرید لیا ہے، یا مکان تعمیر کرنا شروع کردیا یا شادی کرلی ہے اوراس میں پیسہ خرچ ہوگیا، توایسی صورت میں اس شخص پر حج فرض نہیں ہوااورترک حج کا گناہ اس پر نہ ہوگا۔ اوراگرحاجیوں کی روانگی کا وقت آگیاہے، یاحج کامہینہ گذرگیا، پھربھی حج نہیں کیا، اس کے بعد مکان تعمیرکرلیایا شادی کرلی، تو ایسی صورت میں اس کے اوپر حج فرض ہو چکا ہے، پھرمرتے دم تک سرمایہ حاصل نہیں ہوسکا، تواس کے اوپرترک حج کا گناہ ہوگا۔

لو كان عنده ما لو اشترى به مسكنا، وخادما لا يبقى بعده ما يكفي للحج لا يلزمه -إلى- وفي الأشباه: معه ألف وخاف العزوبة إن كان قبل خروج أهل بلده فله التزوج، ولو وقته لزمه الحج. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحج، زكريا ديوبند ٣/ ٤٦١، كراچی ٢/ ٤٦٢، وهكذا فی حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند ص: ٧٢٨)

إذا كان له مال يكفي للحج، وليس له مسكن ولا خادم، أو خاف العزوبة، فأراد أن يتزوج ويصرف الدراهم إلى ذلك إن كان قبل خروج أهل بلده إلى الحج يجوز؛ لأنه لم يجب الأداء بعد، وإن كان وقت الخروج فليس له ذلك؛ لأنه قد وجب عليه. (فتح القدير، دارالفكر مصري قديم ٢/ ٤١٣، زكريا ديوبند ٢/ ٤١٨، كوئٹه ٢/ ٣٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الاول ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۹۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۸/۳/۱۴۲۴ھ

مستطیع پہلے حج کرے یا اولاد کی شادیوں کا نظم؟

سوال [۴۹۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے سات لڑکے ۲/لڑکی کل ۹/اولادیں ہیں، ان میں سے سب سے بڑے کا رشتہ ہوگیا ہے، باقی دولڑکی اور ایک لڑکا بالغ ہیں، باقی سب نابالغ اور چھوٹے ہیں، تعلیم حاصل کررہے ہیں، جس کا رشتہ ہوگیا ہے، وہ بھی تعلیم حاصل کررہا ہے، ایک زمین آدھا بیگہ اب سے دس سال قبل خریدی تھی، بچوں کے مکانات کے لئے اوراب تک مکانوں کی نیت ہی ہے، اس وقت اس زمین کی قیمت لگ بھگ ڈیڑھ لاکھ روپئے ہے، زید کو والدہ مرحومہ کے ترکہ سے چالیس ہزار روپئے ملے ہیں اور کچھ ملازمت سے تھوڑا تھوڑا کرکے جمع کیا جو کہ بیس ہزار روپئے ہوتے ہیں، اس وقت زید کے پاس مبلغ ۶۰/ہزار روپئے ہیں، اوران کی بھی چاول وغیرہ کی بھر سال پڑی ہے، نقد فی الحال کچھ نہیں ہے، زید کی اہلیہ اس بات پر مصر ہے کہ تم اس رقم سے اپنا حج کرلو، ہمارا خدا حافظ ہے، جس نے پیدا کیا ہے، وہ ہمارا خود انتظام کرے گا، زید کہتا ہے کہ بچوں کے مکانات کا معاملہ ہے، جس بچے کا رشتہ ہوگیا ہے لڑکی والے شادی کو کہہ رہے ہیں، میرے پاس اس رقم کے علاوہ اور کچھ اثاثہ نہیں، ایک لڑکا جس کا رشتہ نہیں ہوا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہمارا مکان بنواکر دو صرف ملازمت ہے، اس میں اخراجات ہی بڑی مشکل سے ہو پاتے ہیں، مگر زید کی اہلیہ اسی بات پر مصر ہے کہ تم اپنا حج کرلو، ہم کو خدا کے بھروسہ پر چھوڑو، اب زید بڑی مشکل میں ہے، زید کیا کرے ان حالات میں زید پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض نہیں ہے اور زید اہلیہ کے اصرار پر حج کرلے تو فریضۂ حج آئندہ کے لئے ادا ہوجائے گا یا پھر کرنا پڑے گا، ویسے زید کا ظاہری طور پر کسی جائیداد کا کسی بھی رشتہ دار غیر رشتہ دار کا کوئی سہارا نہیں ہے، اس وقت گھر کے گیارہ نفر (۹/بچے دو ہم) کا بوجھ زید ہی کے سر پر ہے۔ مسئلہ کے ہر جزو پر غور وخوض کرکے تسلی بخش جواب سے مطلع فرمادیں کوئی جزو مسئلہ کا تشنہ نہ رہ جائے۔

المستفتی: سعید احمد ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں زید پر حج کرنا فرض ہے؛ کیوں کہ سوال نامہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال میں مذکورہ مالیت ان حوائج اصلیہ سے زائد ہے شریعت جن کا اعتبار کرتی ہے۔ اور سوال نامہ میں جن چیزوں کو بطور عذر پیش کیا گیا ہے ان کو شریعت اعذار تسلیم نہیں کرتی؛ لہٰذا زید پر حج کر لینا فرض ہے، حج کرنے کے بعد اپنی اولاد کے لئے مکانات اور ان کی شادیوں کا نظم کریں۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۱/۳۹۴)

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا. [آل عمران: ۹۷]

ومن الشرائط: الاستطاعة: وهي أن يملك مالا فاضلا عن مسكنه، وفرشه، وثياب بدنه، وفرسه، وسلاحه، ونفقة عياله، وأولاده الصغار مدة ذهابه وإيابه. (قاضيخان على هامش الهندية، كتاب الحج ١/ ٢٨٢، جديد ١/ ١٧٢، وهكذا في الشامي زكريا ديوبند ٣/ ٤٦٠، كراچی ٢/ ٤٦١) **فقط واللّٰہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۵)

لڑکی کی رخصتی کرے یا نفلی حج؟

سوال [۴۹۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والد صاحب پانچ مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کر چکے ہیں، ان کے دو لڑکے اور ایک لڑکی غیر شادی شدہ ہیں، لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے، جس کی رخصتی باقی ہے اور اس بار پھر میرے والد صاحب زمین بیچ کر حج کو جانا چاہتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ فقط والسلام

المستفتی: احقر عشرت اللہ خان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی کی رو سے لڑکی کی شادی اور رخصتی میں اتنا خرچ نہیں ہوتا ہے کہ جس سے حج کرنے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے، شریعت اسلامی میں کم سے کم صرفہ سے شادی کی ترغیب ہے؛ اس لئے شرعاً حج نفل لڑکی کی شادی ورخصتی کو مانع نہیں ہے؛ لہٰذا کم سے کم صرفہ سے لڑکی کی رخصتی کر کے پھر حج نفل کا ارادہ بہتر ہے اور زمین بیچ کر کے حج کرنا مالک زمین کے لئے جائز ہے۔

وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضياع مالو باع مقدار ما يكفى الزاد والراحلة ذاهبا وجائيا، ونفقة عياله، وأولاده، ويبقى له من الضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج، وإلا فلا. (هندية، كتاب الحج، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته، ووقته وشرائطه، وأركانه، زكريا ديوبند ۱/ ۲۱۸، جديد ۱/ ۲۸۱-۲۸۲، قاضيخان على هامش الهندية ۱/ ۱۸۲، جديد زكريا ۱/ ۱۷۳، غنية الناسك جديد كراچى ص: ۲۰-۲۱، قديم مطبع خيريه ميرٹھ، ص: ۷)

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. الخ (بيضاوي ۱/ ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۷۷)

بیٹی کی شادی کی وجہ سے حج کو مؤخر کرنا

سوال [۴۹۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمر کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ وہ حج کرسکتا ہے، لیکن گھر میں لڑکی جوان ہے رشتہ ہو گیا ہے، مگر ابھی شادی میں دیر ہے، اور آج سماج میں جہیز کا لین دین اتنا بڑھ چکا ہے

کہ اگر جہیز نہ دیا جائے تو کوئی لڑکی کو سونگھتا بھی نہیں، اس حالت میں اگر عمر حج کرتا ہے، تو لڑکی کی شادی کا مسئلہ رہ جاتا ہے۔اور اگر شادی کرتا ہے تو حج رہ جاتا ہے، تو عمر کیا کرے؟ اگر جہیز کا لین دین نہ ہو تو لڑکی گھر میں بیٹھی رہے گی، کوئی رشتہ نہیں آسکتا اور اگر رشتہ ہو گیا ہے، تو رشتہ منقطع ہوسکتا ہے، کیا کرنا چاہئے؟ عمر کی اتنی حیثیت نہیں کہ دونوں کام کرسکے، تھوڑا تھوڑا کر کے رقم جمع کی ہے۔

المستفتی: سعید احمد ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں عمر کے اوپر حج کرنا فرض ہے، رسم ورواج کو اللہ تعالیٰ کے فرض پر مقدم کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد جو کچھ سرمایہ رہے اس سے بیٹی کی شادی کا انتظام کیا جائے۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۴/۳۹۴)

وفي الأشباه، معه ألف وخاف العزوبة إن كان قبل خروج أهل بلده، فله التزوج، ولو وقته لزمه الحج. (الدرمع الرد، كتاب الحج، زكريا ديوبند ۳/ ٤٦١، كراچی ۲/ ٤٦٢)

إذا وجد ما يحج به، وقد قصد التزوج، يحج به ولا يتزوج؛ لأن الحج فريضة أوجبها الله تعالىٰ على عبده. (هندية، الباب الأول في تفسير الحج، زكريا ديوبند ۱/ ۲۱۷، جديد ۱/ ۲۸۰، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ۲/ ۳، زكريا ديوبند ۲/ ۲۳٦)

ذكر ابن شجاع عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ قال: سئل عمن له مال أيحج به أم يتزوج؟ قال: بل يحج به، فذلک دليل على أن الوجوب عنده على الفور. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٦٣، ١٦٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۲/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۲/۱۴۲۰ھ

لڑکی کی شادی کریں یا حج؟

سوال [۴۹۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں حج بیت اللہ کو اپنی زوجہ کے ہمراہ جانا چاہتا ہوں، میرے تین لڑکے ہیں جو دس سال سے کم ہی عمر کے ہیں، دو لڑکیاں ہیں ایک لڑکی چار سال کی ہوگی، دوسری لڑکی الحمد للہ جوان ہے، میرا خیال ہے کہ بڑی لڑکی کو اس کے ماموں کے پاس چھوڑ جاؤں گا، لڑکوں کو بھی تقسیم کردوں گا، میرے بڑے بھائی کا مشورہ ہے کہ لڑکی کا نکاح کرنا پہلے فرض ہے، مجھے اس حالت میں کیا کرنا چاہئے؟

المستفتی: عبداللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی کا نکاح فریضۂ حج کی ادائے گی کے لئے رکاوٹ نہیں ہے، حقیقی ماموں شرعی محرم ہے، اس کے پاس جوان لڑکی کو چھوڑ کر جاسکتے ہیں، جب کہ ماموں اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے رہا ہو، حج سے واپس آکر اس کی شادی کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. [آل عمران: ۹۷]

أشهر الحج، وهي شوال، وذوالقعدة، وعشر ذي الحجة، فرض مرة على الفور في الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، قديم ص: ۳۹۶، دارالكتاب ديوبند ۷۲۶-۷۲۷)

وأن لا يجب في العمر إلا مرة، كذا في محيط السرخسي، وهو فرض على الفور، وهو الأصح، فلا يباح له التأخير بعد الإمكان إلى العام

الثاني. (هندية زكريا ديوبند ۱/ ۲۱٦، جديد زكريا ۱/ ۲۸۰، وهكذا في الشامي زكريا ديوبند ۳/ ٤٥٤، كراچی ۲/ ٤٥٦-٤٥۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍شوال ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۴۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۰/۲۰ھ

غیر مستطیع کا قرض لے کر حج کو جانا

سوال [۴۹۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے حج کا فارم بھرا تھا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری اور میری والدہ صاحبہ کی حج کی منظوری آگئی، اس وقت میرے پاس روپیہ کا انتظام نہیں ہے؛ کیوں کہ میرے روپئے جس پر ہیں وہاں سے مجھے نہیں مل پا رہے ہیں اور جہاں جہاں سے روپئے مجھے آنے تھے وہ بھی نہیں آرہے ہیں، جہاں سے روپئے آنے تھے اس کے وعدہ کے حساب سے میں نے لوگوں سے پہلے ہی روپئے ادھار لے رکھے ہیں، کہ وہاں سے آئیں گے تو دے دوں گا، جب تک روپئے میرے ہاتھ میں نہیں آجاتے میں نہیں بتا سکتا کہ میرے روپئے مجھے کب تک واپس ملیں گے، اب حج کے فارم کی تاریخ ۲۰۱۰/۶/۳۰ء آخری ہے۔ کیا میں مزید اور روپئے لوگوں سے ادھار لے کر حج کو جا سکتا ہوں؛ کیوں کہ میرے روپئے جہاں پر پھنسے ہوئے ہیں ان میں سے ایک دو کی مالی حالات بہت خراب چل رہے ہیں، میں ان پر سخت تقاضہ بھی نہیں کر سکتا، اسی وجہ سے میرے اوپر قرض ہو گیا ہے، مہربانی فرما کر مجھے بتائیں کہ میرے مسئلہ کا حل کیا ہے؟

المستفتی: محمد طارق پیر غیب، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے پاس حج کو جانے کا مکمل خرچ نہیں ہے، تو آپ کے اوپر قرض لے کر حج کو جانا لازم نہیں ہے؛ کیوں کہ حج پر جانا اسی شخص

کے ذمہ لازم ہوتا ہے جس کے پاس اتنا پیسہ ہو جس کے ذریعہ سفر حج کا مکمل خرچ پورا ہوسکے اور اس کے علاوہ سفر حج کو جانے سے لے کر واپس آنے تک گھر والوں کا خرچ بھی مکمل موجود ہو، جب آپ کے پاس اتنا پیسہ نقد موجود نہیں ہے اور نہ ہی بغیر قرض لئے رقم فراہم ہونے کی کوئی شکل ہے، تو آپ کے لئے حج کو جانا لازم نہیں۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ما يوجب الحج؟ قال: الزاد والراحلة. هذا حديث حسن. (سنن الترمذي، الحج، باب ماجاء في إيجاب الحج بالزاد والراحلة،النسخة الهندية ١/ ١٦٨، دارالسلام رقم: ٨١٣، سنن ابن ماجة، المناسك، باب مايوجب الحج، النسخة الهندية ١/ ٢٠٨، دارالسلام، رقم: ٢٨٩٦)

فرض على مسلم ذي زاد وراحلة فضلا عن مالابد منه. (شامي، كتاب الحج، زكريا ديوبند ٣/ ٤٥٥، ٤٦١، كراچی ٢/ ٤٥٥- ٤٦١)

وتفسير الزاد والراحلة، فهو أن يملک من المال مقدار ما يبلغه إلى مكة ذاهبا وجائيا راكبا لا ماشيا بنفقة وسط لا إسراف فيها، ولا تقتير فاضلا عن مسكنه وخادمه، وفرسه، وسلاحه، وثيابه، وأثاثه، ونفقة عياله، وخدمه، وقضاء ديونه. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٢٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۷/۱۴۳۱ھ

فیس دے کر حج کی منظوری کرانا

سوال [۴۹۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کمیٹی آف انڈیا ملک کے ہر صوبہ کے ہر ضلع سے مقررہ تعداد میں حاجیوں کو

قرعہ کے ذریعہ منتخب کرتی ہے، اس سال میں نے بھی درخواست دی تھی، میرا نام قرعہ میں نہیں آسکا، اب معلوم ہوا ہے کہ کچھ ایجنٹ ہوتے ہیں وہ اپنی کچھ فیس لے کر حج کمیٹی میں انتخاب کرادیتے ہیں، اغلب یہی ہے کہ وی آئی پی کوٹے کی سیٹیں ہوتی ہیں، جن کو وہ کسی طرح حاصل کرلیتے ہیں، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح فیس دے کر اپنا انتخاب کرانا درست ہے، جب کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کام کے لئے ایجنٹ کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں، تو اس صورت میں حج کی مقبولیت میں کوئی کمی تو نہیں ہوگی؟

المستفتی: محمد انعام اللہ نور منزل دودھ پور، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وکیل اور ایجنٹ کو اجرت دے کر حج میں جانے کے لئے اپنے لئے مخصوص کوٹہ سے سیٹ منتخب کرانا درست ہے، اس سے حج کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور ایجنٹ کا اس طرح اجرت لے کر کام کرنا جائز اور درست ہے۔

وفي الحاوي: سئل محمد بن مسلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، زكريا ۹/ ۸۷، كراچی ٦/ ٦٣)

تصح الوكالة بأجر و بغير أجر –إلى قوله– لأن الوكالة عقد جائز لايجب على الوكيل القيام بها، فيجوز أخذ الأجرة فيها. (الفقه الإسلامي وأدلته، تعريف الوكالة وركنها و مشروعيتها، هدى انٹر نيشنل ٤/ ٧٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۳ھ

تصویروں کی آمدنی سے حج کرنے کا حکم

سوال [۴۹۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ایک شخص تصویروں کی آمدنی سے اپنی والدہ اور والد کو حج بیت اللہ کراتا ہے، اور بعد میں خود بھی حج کرتا ہے، تو کیا اس کا حج ہوگیا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالقدیر شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کی آمدنی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز اور حلال ہے۔ امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور کراہت کے باوجود تجارت کرنے والا اس آمدنی کا مالک ہوجاتا ہے شرعاً؛ اس لئے اپنا اور والدین کا فریضۂ حج اس آمدنی سے ادا ہوجائے گا؛ البتہ قبولیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

الكسب يملك بملك الأصل. (قواعد الفقه، أشرفی بك ڈپو دیو بند، ص: ۱۰۰، رقم: ۲۲۳)

إذا آجر دابة ليحمل عليها الخمر أو نفسه ليرعى له الخنازير، فإنه يطيب له الأجر عنده، وعندهما يكره. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل فی البيع، كوئٹه ۸/ ۲۰۳، زكريا ۸/ ۳۷۲، شامي، كراچی ٦/ ۳۹۲، زكريا ديو بند ۹/ ٥٦۲، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٦/ ۲۹، زكريا ديو بند ۷/ ٦٤)

ومن استأجر حمالا يحمل له الخمر، فله الأجر في قول أبی حنيفة، وعند أبي يوسف ومحمد لا أجر له، كذا ذكر في الأصل، وذكر في الجامع الصغير أنه يطيب له الأجر في قول أبي حنيفة، وعندهما يكره. (بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، مطلب فيما يرجع إلى المعقود عليه، كراچی ٤/ ۱۹۰، باب الاستئجار إلى العمل، زكريا ديو بند ٤/ ٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۵۹)

حجامت کی آمدنی سے حج کرانے کا حکم

سوال [۴۹۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایسا شخص ہے جس کا پیشہ بال کاٹنا اور داڑھی مونڈنا اور چہرہ وغیرہ بنانا ہے اور اکثر اس کے پاس غیر مسلم ہی آتے ہیں، اگر وہ اس کام کو چھوڑتا ہے، تو کوئی دوسرا کام اس کے پاس نہیں ہے جس سے اس کے بال بچوں کا خرچ چلے؛ لہٰذا وہ اس کمائی سے اپنے والدین کو حج کراسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: افتخار احمد، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نائی کے بال کاٹنے کی اجرت جائز اور حلال ہے، اب شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ داڑھی مونڈنا اور مونڈوانا دونوں گناہ کے کام ہیں اور جس شخص کی داڑھی مونڈی جاتی ہے، اس کے اوپر دو طرح کے گناہ ہیں: ایک داڑھی مونڈوانے کا دوسرے داڑھی مونڈوا کر عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے کا۔ اور نائی پر ایک گناہ ہے کہ اس نے داڑھی مونڈ دی ہے، اب رہی اس کی اجرت کی بات، اگر استرہ اور صابون یا کریم وغیرہ نائی کی طرف سے ہے، تو اس طرح کی اجرت کو فقہاء نے حلال کہا ہے؛ لیکن پھر بھی تعاون علی المعصیت کی وجہ سے اجرت میں کراہت تنزیہی کی بات سمجھ میں آتی ہے، حرام نہیں ہوتی؛ اس لئے اس پیسے سے حج کو جانے کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

في نوادر هشام عن محمد: رجل استأجر رجلا ليصور له صورا، أو تماثيل الرجال في بيت أو فسطاط، فإني أكره ذلک، وأجعل له الأجر، قال هشام: تأويله إذا كان الاصباغ من قبل الأجير. (تاتارخانية، كتاب الإجارة، الفصل الخامس عشر في الاستئجار على المعاصي، زكريا ١٥/ ١٣٠، رقم: ٢٢٤٣١)

وجاز إجارة بيت بسواد الكوفة ...... ليتخذ بيت نار أو كنيسة أو بيعة، أو يباع فيه الخمر. (تحته في الشامية:) هذا عنده أيضا. الخ (شامي، كراچی ٦/ ٣٩٢، زكريا ٩/ ٥٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۵۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/ ۴/ ۱۴۳۴ھ

وکالت کی آمدنی سے حج بیت اللہ کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۴۹۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کا پیشہ وکالت ہے، اس پیشہ کی آمدنی جائز ہے یا نہیں؟ زید کا ذریعۂ آمدنی وکالت کے علاوہ زمینداری بھی ہے، زید کا حج بیت اللہ کے سفر کا ارادہ ہے، کیا اس سفر کے لئے اس آمدنی سے اخراجات کرنے سے حج درست سمجھا جائے گا؟

المستفتی: راشد نگم قاضی سرائے

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: وکالت کا پیشہ جائز ہے، بایں طور کہ مؤکل کا وکیل کو عدالت میں لے جانا اور اپنے کام کے لئے محبوس رکھنا متقوم فی الشرع ہے، جس طرح بسا اوقات ایک مقدمہ میں کئی کئی وکیل ہوتے ہیں، ان میں سے بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں، جب عدالت کا وقت ختم ہو جاتا ہے، تو سب چلے جاتے ہیں اور فیس لے لیتے ہیں، حالانکہ ان خاموش بیٹھنے والوں نے عدالت میں کسی کی نصرت نہیں کی، تو ایسا ہی وکیل بھی اس حبس کی بنا پر اجرت لے تو جائز ہے، جب اس کا پیشہ شرعاً درست ہوا تو اس کی آمدنی سے حج بیت اللہ کا سفر بھی جائز سمجھا جائے گا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/ ۹۷)

تصح الوكالة بأجر و بغير أجر –إلى قوله– لأن الوكالة عقد جائز

لایجب علی الوکیل القیام بها، فیجوز أخذ الأجرة فیها. (الفقه الإسلامي وأدلته، تعریف الوکالة ورکنها ومشروعیتها، هدی انٹر نیشنل ٤/ ٧٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/۶/۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۳۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۶/۱۴۱۸ھ

حج یا عمرہ کے لئے حلال اور پاک مال ضروری ہے

سوال [۴۹۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے پڑھا ہے کہ حج یا عمرہ کے لئے حلال اور پاکیزہ مال فراہم کرنا لازم اور ضروری ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پاک مال ہی کی عبادت قبول کرتا ہے، حرام اور مشتبہ مال سے حج یا عمرہ کرنا جائز نہیں، اس سے حج وعمرہ قبول نہ ہوگا۔

(۱) زید کہتا ہے کہ حج یا عمرہ کے لئے پاکیزہ مال فراہم کرنا لازم اور ضروری نہ لکھ کر کے کوئی اور لفظ استعمال کرنا چاہئے۔

(۲) حرام اور مشتبہ مال سے حج یا عمرہ کرنا جائز نہیں کا لفظ استعمال نہ کر کے کوئی اور لفظ استعمال کرنا چاہئے، یہ میری ناقص رائے ہے یا میرے سمجھنے میں فرق ہے، ساتھ میں دونوں مسئلے نتھی ہیں، ان پر نظر ثانی کی جائے۔

المستفتی: محمد شریف مسلم فنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن حضرات نے یہ لکھا ہے کہ حج یا عمرہ کے لئے حلال یا پاکیزہ مال فراہم کرنا لازم اور ضروری ہے، وہی صحیح اور درست ہے۔ اور زید کا قول درست نہیں ہے، اس کے سمجھنے میں کمی ہے، اسی طرح حج یا عمرہ حرام اور مشتبہ مال سے کرنا جائز نہیں ہے، یہ تعبیر بھی اپنی جگہ درست ہے۔ اور عین مسئلہ کی ترجمان اور فقہاء کی عبارات کا

ترجمہ وخلاصہ ہے؛ لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ حرام اور مشتبہ مال سے حج یا عمرہ کرنا جائز نہیں کا لفظ نہ استعمال کرکے کوئی اور لفظ استعمال کرنا چاہیے درست نہیں ہے۔

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام. (البحرالرائق، كتاب الحج، كوئٹه ۲/ ۳۰۹، زكريا ۲/ ۵۴۱، شامي، كراچى ۲/ ۴۵۶، زكريا ۳/ ۴۵۳، هندية، قديم زكريا ۱/ ۲۲۰، جديد زكريا ۱/ ۲۸۳، ومثله في غنية الناسك، كراچى جديد، ص: ۲۱، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ، ص: ۸، المسالك في المناسك، دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۱۵۵، المناسك لملا علي قاري، كراچى/ ۸، هداية السالك إلى المذاهب الأربعة في المناسك دارالبشائر الإسلاميه ۱/ ۱۳۳)

وقدرة زاد وراحلة، فلا تجب بإباحة ولا بمال حرام. (الدرالمنتقى، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۸۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۱۱۳۹۵)

مال مخلوط میں سے صرف حلال مال سے حج کرنا

سوال [۴۹۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک کمیٹی میں آپس میں بیس آدمی مشورہ کرکے ایک ایک ہزار روپیہ فی کس ماہوار جمع کرتے ہیں اور پھر اس بیس ہزار کی اپنی اپنی ضرورت کے اعتبار سے بولی بولتے ہیں، کوئی اٹھارہ ہزار اور کوئی سترہ ہزار اور کوئی سولہ ہزار لگاتا ہے، اب مثلاً سترہ ہزار والے کو سترہ ہزار دے دیئے اور تین ہزار جو بچے وہ آپس میں تمام ممبران نے نفع کے طور پر تقسیم کرلئے، جب کہ جس نے اپنی ضرورت شدیدہ کی وجہ سے سترہ ہزار لئے ہیں اس کو آخر تک بیس ہزار پورے کرنے پڑیں گے، جس مہینہ میں منافع ہوں گے اس کو بھی برابر باقی ماندہ رقم کے منافع

ملتے رہیں گے، تو اس کی اصل رقم میں یہ سود ملتا چلا جائے گا، تو اس طرح ایک آدمی نے مثلاً تین لاکھ روپئے جمع کئے، جس میں ڈھائی لاکھ، مثلاً اس کی اصل رقم ہے اور پچاس ہزار اس طرح منافع کے ہیں، تو کیا وہ اپنی اصل رقم کے ذریعہ فریضۂ حج ادا کرسکتا ہے، یا ساری رقم مل جانے کی وجہ سے اس رقم سے اس کا حج نہیں ہوسکتا جو بھی شکل ہو جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: ثناءاللہ خان سٹھلہ میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنی اصل رقم کے ذریعہ سے فریضۂ حج بلا کراہت ادا کرسکتا ہے۔ اور سود والی رقم سے جائز نہیں ہے اور اگر دونوں مخلوط ہو چکے ہیں، تو ان کو اولاً الگ کرلے، پھر اصل رقم کو سود سے ملنے نہ دے جو سود کا حصہ ہے اس کو اسی نسبت سے ان لوگوں کو واپس کردے جن سے یہ رقم آئی ہے۔ اور اگر یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے تو فقراء کو بلانیت ثواب دے دے، روپیہ ازقبیل دیون خالص ہے؛ اس لئے گنجائش ہے، ورنہ اختلاط مضر ثابت ہوجاتا، پھر احتیاط بہتر ہے۔

ويجب عليه أن يرده على مالكه إن وجد المالك، وإلا ففي جميع الصور يجب عليه أن يتصدق بمثل تلك الأموال على الفقراء. (بذل المجهود مصري ١/ ١٤٧، قديم ١/ ٣٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۱۱/ ۱۴۲۰ھ

مال حرام سے حج کرنا

سوال [۴۹۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حدیث شریف میں آیا ہے کہ مال حرام سے حج کیا جائے تو حج قبول نہیں ہوتا، اس

پرسوال یہ ہے کہ حج ادا بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ادا ہو جاتا ہے تو اس کو مال حرام سے حج کو جانا چاہئے اور اگر حج ادا نہیں ہوتا، تو اس پر حج فرض ہی نہیں ہونا چاہئے؟ لہٰذا جس کے پاس کثیر تعداد میں مال حرام ہے اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ ہمارا سوال قبولیت وعدم قبولیت کے بارے میں نہیں ہے؛ بلکہ ادا اور صحت ادا کے بارے میں سوال ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کے پاس کثیر تعداد میں صرف مال حرام ہوتو اس پر حج فرض نہیں ہے؛ البتہ اگر اس نے اسی مال حرام سے حج کرلیا ہے، تو فریضۂ حج اس کے اوپر سے ساقط ہو جائے گا؛ لیکن حج کا ثواب نہ ملے گا؛ بلکہ مال حرام سے حج کرنے کی وجہ سے وہ شخص سخت گنہگار رہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ١٠/ ٣١١-٣١٥)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إذا خرج الرجل حاجا بنفقة طيبة، ووضع رجله في الغرز، فنادى: لبيك –إلى– وإذا خرج بالنفقة الخبيثة، فوضع رجله في الغرز، فنادى: لبيك، ناداه مناد من السماء لا لبيك ولا سعديك، زادك حرام، ونفقتك حرام، وحجك غير مبرور. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٤/ ٦٦، رقم: ٥٢٢٨)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله ﷺ قال: من أم هذا البيت من الكسب الحرام شخص في غير طاعة الله، فإذا أهل ووضع رجله في الغرز أو الركاب وانبعثت به راحلته، قال: لبيك اللهم لبيك، ناداه مناد من السماء: لا لبيك ولا سعديك، كسبك حرام، زادك حرام، وراحلتك حرام، فارجع مأزورا غير مأجور، وأبشر بما يسوؤك. الحديث

(مسند البزار، مكتبه العلوم والحكم المدينة المنورة ١٥/ ٢٢١، رقم: ٨٦٣٨)

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام ...... مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا

يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج. (شامي، كتاب الحج، مطلب في من حج بمال حرام، كراچی ۲/ ٤٥٦، زكريا ۳/ ٤٥٣، هندية، قديم زكريا ۱/ ۲۲۰، جديد زكريا ۱/ ۲۸۳)

فلا تجب بالإباحة ولا بمال حرام لكن لو حج به جاز؛ لأن المعاصي لا تمنع الطاعات، فإذا أتى بها لا يقال إنها غير مقبولة. (سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۸٥، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۸۳)

ولا بمال حرام، ولو حج به سقط عنه الفرض؛ لكنه لا تقبل حجته.

(غنية الناسك، باب شرائط الحج، كراچی، ص: ۲۱، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ، ص: ۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۹۰)

بقدر استطاعت مال حرام ہو تو حج کا حکم

سوال [۴۹۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک مالدار آدمی ہے؛ لیکن اس کی مالداری غیر شرعی طریقہ سے یعنی مکمل حرام روزی ہے، تو کیا اس شخص پر حج فرض ہوگا، یہ شخص اپنی حرام کمائی سے حج ادا کرسکتا ہے؟ اسے حج ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: ذاکر قریشی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مال حرام ملک میں داخل نہیں ہوتا؛ اس لئے ایسا شخص جس کے پاس صرف مال حرام ہی ہو اس پر حج فرض نہیں، اس پر لازم ہے کہ حرام مال کو دور کر کے

جلد ہی حلال روزی تلاش کرے۔ اور مال حرام جب اپنے مال میں مخلوط ہوجائے تو ملک میں داخل تو ہوجاتا ہے، مگر دین شمار ہوتا ہے؛ اس لئے مال حرام سے زائد اگر بقدر استطاعت مال ہوتو حج فرض ہوجائے گا۔ اور حج حلال اور پاکیزہ مال ہی سے کرے، مال حرام سے حج مقبول نہیں، اگرچہ فرض ساقط ہوجائے گا، اپنا مال مشتبہ ہوتو اس سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ کسی غیر مسلم سے قرض لے کر حج کرے اور اپنے مال سے قرض ادا کرے۔ (مستفاد: امدادالفتاوی ۳/۱۶۰)

الرشوة لا تملک بالقبض. (درمختار، کتاب الحظر والإباحة، کراچی ٦/ ٤٢٣، زکریا ٩/ ٦٠٧)

كالحج بمال حرام (در) مع أنه يسقط الفرض عنه معها. الخ (شامي، مطلب فيمن حج بمال حرام، زكريا ديوبند ٣/ ٤٥٣، كراچى ٢/ ٤٥٦)

ولا بمال حرام، ولو حج به سقط عنه الفرض؛ لكنه لا تقبل حجته. (غنية الناسك، باب شرائط الحج، جديد كراچى ٢١، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ٨)

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبة. (هندية، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته، زكريا ديوبند ١/ ٢٢٠، جديد ١/ ٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۷/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۸۹)

رشوت دے کر حج کرنا

سوال [۴۹۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا رشوت دے کر حج کرنا جائز ہے؟

المستفتی: مشتاق مؤمن سابق ممبر صوبہ مہاراشٹر حج کمیٹی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی دلال کو پیسہ دے کر حج پر جانے کے انتظامات کرائے جارہے ہیں، تو یہ رشوت نہیں؛ بلکہ دلالی کی اجرت ہے جو شرعاً جائز ہے؛ البتہ اگر کسی بااختیار افسر کو باقاعدہ رشوت دے کر کاغذات میں خرد برد کے ذریعہ اپنا نام نکلوا کر حج کو جارہا ہے، تو یہ رشوت ہوگی، اس کی حرمت حدیث شریف سے ثابت ہے، اس طرح رشوت دے کر حج کو جانے سے حج تو ادا ہوجائے گا؛ لیکن رشوت دینے کی بنا پر گنہگار رہوگا۔

سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به. (شامي، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، كراچی ۶/ ۶۳، زكريا ۹/ ۸۷)

عن أبي سلمة بن عبدالرحمن بن عوف عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: الراشي والمرتشي في النار. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۳/ ۲۴۷، رقم: ۱۰۷۳، المعجم الصغير للطبراني ۱/ ۵۷، رقم: ۵۸)

عن عبدالله بن عمرو قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (مسند أحمد بن حنبل ۲/ ۱۶۴، رقم: ۶۵۳۲، ۲/ ۱۹۰، رقم: ۶۷۷۸- ۶۷۷۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۵۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۱/۱۴۳۲ھ

حج کی منظوری کرانے کے لئے رشوت دینے کا حکم

سوال [۴۹۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے حج بیت اللہ کرنے کے لئے پانی کے جہاز سے اسی سال منظوری

کرانے کی غرض سے تین ہزار روپئے بطور رشوت دئے، اس رشوت کی وجہ سے فرائض میں کوئی نقص تو نہیں ہوگا، شرعی حکم تحریر فرمائیں؟

المستفتی: عبدالحکیم نینی تالی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج کے فارم کو منظور کرانے کے لئے رشوت دینا جائز نہیں ہے، اگر رشوت دے دی تو اس کا گناہ ہوگا اور حج کا فریضہ ذمہ سے ساقط ہوجائے گا، اس سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

عن أبي سلمة بن عبدالرحمن بن عوف عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: الراشي والمرتشي في النار. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ۳/ ۲۴۷، رقم: ۱۰۳۷، المعجم الصغير للطبراني ۱/ ۵۷، رقم: ۵۸)

عن عبدالله بن عمرو قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (سنن أبي داؤد، القضاء، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ۲/ ۵۰۴، دار السلام، رقم: ۳۵۸۰) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹/ رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۳۸)

بینک سے لون لے کر حج کرنا

سوال [۴۹۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگ بینک سے لون لے کر حج کرنے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری فصل برباد ہوگئی؛ اس لئے مجبوراً لون لیا ہے، اس شکل میں حج ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد الیاس بن مرزا جی عبدالرحیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک سے لون لے کر یا اسی طرح کسی ناجائز معاملہ سے حاصل شدہ مال سے حج کرنے سے فریضۂ حج تو ادا ہوجائے گا؛ لیکن حج مقبول کا ثواب نہیں ملے گا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۳/۱۹۲، ۹/ ۱۶۷، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۳۱۱)

وفي الشامية: قال في البحر: ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج. (شامي، كتاب الحج، مطلب في من حج بمال حرام، كراچی ۲/ ٤٥٦، زكريا ديوبند ۳/ ٤٥٣، وهكذا في الهندية، زكريا ديوبند قديم ۱/ ۲۲۰، جديد ۱/ ۲۸۳ مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۳۸۳، قديم ۱/ ۲٦۱، غنية الناسك جديد كراچی، ص: ۲۱، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ، ص: ۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۴۳۱)

بینک سے قرض لے کر حج کو جانا

سوال [۴۹۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اس سال حج کو جانا چاہتا ہے، حج فرض ہے، مگر ساری رقم دوسروں پر ادھار ہے اور حج کمیٹی نے ۳۱؍ جولائی تک ساری رقم جمع کرنے کو کہا ہے، جب کہ زید کا قرض ستمبر کو وصول ہوگا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا بینک سے قرض لے کر حج کو جاسکتے ہیں، جب کہ کسی رشتہ داری وغیرہ سے قرض نہیں مل رہا ہے اور بینک سے قرض لینے میں سود دینا پڑ رہے گا؟

المستفتی: زاہد حسین سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کے پاس ۳۱/ جولائی تک جمع کرنے کے لئے حلال پیسہ موجود نہیں ہے، تو شریعت نے سود پر قرض لے کر حج کو جانے پر مجبور نہیں کیا ہے؛ بلکہ جب پیسہ وصول ہو جائے گا اس کے بعد آپ پر حج کو جانا لازم ہے، اگر حج کمیٹی سے جانے کی شکل نہ بنے تو انٹرنیشنل ٹور کے ذریعہ سے حج کو جانا چاہئے، مگر سودی قرض لے کر حج کو نہیں جائیں گے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: أيها الناس! إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا. الحديث (صحيح مسلم، الزكوة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، النسخة الهندية ١/ ١٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٠١٥)

عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٨)

ولا بمال حرام ولو حج به سقط عنه الفرض؛ لكنه لا تقبل عنه حجته. (غنية الناسك، باب شرائط الحج، جديد كراچی، ص: ٢١، قديم مطبع خيريه ميرٹھ، ص: ٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۵/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/۱۴۲۹ھ

حج کے لئے بینک سے قرض لینا

سوال [۴۹۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں کئی کاشتکار ہیں، جو حج کو جانا چاہتے ہیں، مگر سارا پیسہ گنے کا میل والوں پر ادھار ہے جو اگلے سال ملے گا، کیا ایک سال کے لئے بینک سے قرض لے کر حج کو جا سکتے ہیں؟

المستفتی: زاہد حسین سیڈھا، بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اگلے سال سے پہلے پہلے پیسہ نہیں مل پائے گا تو ان لوگوں پر حج کو جانا لازم نہیں، جب اگلے سال پیسہ مل جائے گا تب ان پر حج کو جانا لازم ہوگا، مگر بینک سے سودی قرض لے کر حج کو نہیں جائیں گے؛ بلکہ حلال اور پاک پیسے سے حج کو جانا ضروری ہے، ہاں البتہ اگر غیر سودی قرض مل جائے تو اس سے حج کو جائیں؛ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو قبول نہیں کرتے اور پاک کو قبول کرتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ سود دینے والے اور سود لینے والے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے، تو سود دینا لعنت ہے، اور حج کرنا رحمت ہے، لعنت کے ذریعہ سے رحمت حاصل ہونا مشکل ہے، حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن جابر –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء. (مسلم شريف، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، النسخة الهندية ٢/ ٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٥٩٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/۵/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۶۱/۲۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۵/۱۴۲۹ھ

پگڑی کی رقم سے حج کرنے کا حکم

سوال [۴۹۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پگڑی کی رقم کسی نیک کام میں صرف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ جیسے حج وغیرہ

المستفتی: محمد فہیم مغل پورہ اول لاکڑی والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طویل مدتی کرایہ داری سے دستبرداری کے عوض میں جو پیسہ ملا ہے، تو اس پیسے کو کرایہ دار اور اس کے وارثین کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کی دو جماعتیں ہیں؛ اس لئے یہ پیسہ مشکوک ہوگیا اور حج جیسی عبادت میں ایسا مشکوک پیسہ خرچ نہیں کرنا چاہئے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس! إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا. الحديث (صحيح مسلم، الزكوة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، النسخة الهندية ١ / ١٢٧، بيت الأفكار، رقم: ١٠١٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۱۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۹ھ

سرکاری ملازم کا بیماری کی چھٹی لے کر حج کو جانا

سوال [۴۹۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک سرکاری اسکول کا ٹیچر ہے اور اس پر حج فرض ہے؛ لہٰذا وہ حج کو جانا چاہتا ہے؛ لیکن پریشانی یہ ہے کہ وہ اسکول سے اتنے دنوں کی چھٹی نہیں لے سکتا کہ جس میں حج کرلے، سوائے اس کے کہ بیماری کا عذر بتا کر چھٹی لے اور حج کو جائے یا یہ کہ حج کو چلا جائے اور آکر حاضری لگادے، تو کیا اس صورت میں اس کا حج صحیح ہے؟ اور اگر وہ حاضری نہ لگائے، تو اس کی نوکری ختم ہونے کا خطرہ ہے، اب وہ کیا کرے؟

المستفتی: محمد فیاض عالم ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سرکاری ملازم کو فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے

اتنی لمبی چھٹی نہیں مل سکتی ہے، جس میں وہ فریضۂ حج ادا کرکے واپس آسکے، تو اس کے لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ بطور ''توریہ'' بیماری کی رخصت حاصل کرکے فریضۂ حج ادا کرلے اور حج فرض ادا ہوجانے کے بعد حج نفل کے لئے یہ توریہ جائز نہیں ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ جدید ١٥/ ٥٣٧، امداد الاحکام ٣/ ١٦٤)

وفي الأشباه: إذا تعارض مفسدتان روعی أعظمها ضررا بارتكاب أخفهما. (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة قديم: ١٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٥/٢/١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٤٤٥)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٥/٢/١٤٢٩ھ

سعودی میں دوران ملازمت حج کرنے کا حکم

سوال [٤٩٣٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ملازمت کے لئے سعودی عرب گیا، اسی دوران حج کا موسم آگیا، اب میں چھٹی لےکر وہیں سے حج کے لئے چلا گیا اور حج سے فراغت پاکر پھر اپنی جائے ملازمت پر آگیا تو میرا حج ہوگیا یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد اطہر، کتب فروش مین مارکیٹ، افضل گڑھ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ کا حج بلاشبہ صحیح اور درست ہوگیا ہے۔

آفاقي لما صار كالمكي وجب عليه، فلو نواه نفلا لزمه الحج ثانيا.

(شامي، كتاب الحج، زكريا ديوبند ٣/ ٤٥٩، كراچی ٢/ ٤٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠ ربیع الاول ١٤١٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٩/ ٣٢٥٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
١٠/٣/١٤١٤ھ

حکومت کے قانون کے خلاف ہر سال حج کرنا

سوال [۴۹۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کے فارم پر حلفیہ بیان لکھا ہوتا ہے کہ پانچ سال میں میں نے حج نہیں کیا ہے، جب کہ ہمارے بہت سے اکابر ہر سال حج کے لئے جاتے ہیں، کچھ ٹور وغیرہ سے جاتے ہیں، کچھ حج کمیٹی سے جاتے ہیں، عوام کی طرف سے ہم پر بہت بڑا سوالیہ نشان ہے، از راہ مہربانی عوام کو مطمئن کرنے کے لئے ہم کو تسلی بخش جواب انڈیا اور سعودیہ کے اس پنج سالہ قانون اور شریعت کی روشنی میں عنایت فرمادیجئے۔

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پنج سالہ قانون سعودی حکومت کا نہیں ہے؛ بلکہ صرف ہندوستانی حج کمیٹی کا ہے، اسی لئے حج کمیٹی سے پانچ سال کے اندر اندر دوسرے حج کا سفر کرنے کی اجازت نہیں ملتی ہے۔ ہندوستانی حج کمیٹی کی طرف سے ممانعت کی علت یہ تھی کہ حج کمیٹی سے جانے والوں کو منجانب حکومت جہاز کے ٹکٹ کی سبسڈی ملتی ہے، مثلاً انٹرنیشنل اور گروپ سے جانے والے کا ٹکٹ کرایہ -/60,000 روپیہ ہے، تو حج کمیٹی سے منظوری میں صرف -/18,000 روپیہ ہے۔ اور ٹکٹ کا باقی پیسہ حکومت ہند بھرتی ہے؛ اس لئے اس سبسڈی کی وجہ سے حج کمیٹی سے ممانعت ہے۔ اور چونکہ سعودیہ کی طرف سے ایسا قانون نہیں ہے؛ اس لئے سعودی سفارت خانہ کی طرف سے انٹرنیشنل پاسپورٹ کے ذریعہ ہر سال اور بار بار حج کا ویزا لگتا ہے جو علماء ہر سال یا پانچ سال کے اندر اندر دوبارہ یا سہ بارہ حج کو جاتے ہیں، وہ انٹرنیشنل پاسپورٹ کے ذریعہ گروپ لیڈر کے توسط سے ویزا لگا کر جاتے ہیں، اس میں کسی قسم کی قانون شکنی نہیں ہے اور نہ ہی جھوٹا حلفیہ بیان ہوتا ہے۔ اور جس فارم پر حلفیہ بیان ہوتا ہے وہ صرف حج کمیٹی ہی کا فارم ہوتا ہے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں پھر بھی اگر شبہ

ہوتو از خود تحقیق بھی فرمالیں۔اور ہم نے یہ بات تحقیق کے بعد ہی لکھی ہے، بعد میں چل کر دوسرا قانون بھی بن گیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۴/۱۸ھ

دوران حج ایکسیڈنٹ کی بنا پر حج کمیٹی سے رقم لینا

سوال [۴۹۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں حنفی مسلک سے منسلک ہوں، ضروری عرض یہ ہے کہ میں گذشتہ سال ۲۰۰۸ء میں حج کمیٹی سے حج کرنے گیا تھا، وہاں پر دوسری گاڑی سے میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا، جس کی وجہ سے میرا وہاں بازو کاٹ دینا پڑا اور داہنی ٹانگ کی ہڈی بھی کئی جگہ سے ٹوٹ گئی تھی، ایکسیڈنٹ بہت زبردست ہوا تھا، میری ٹانگ کی ہڈی ابھی تک جڑی نہیں ہے، گیارہ مہینے ہوگئے ہیں، اب ڈاکٹر نے کہا ہے کہ شاید ایک آپریشن اور کرنا پڑے، میری کپڑوں کی سلائی کی کرایہ کی دوکان ہے، میرے دو بیٹے ہیں، اسی دوکان میں بیٹھتے ہیں، میرا روزگار یہی ہے، اب کام ہلکا ہوگیا ہے، سعودی عرب کی حکومت کا یہ قانون ہے کہ جس گاڑی سے آپ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، اس کے ڈرائیور سے آپ کو معاوضہ مل سکتا ہے، یہ سوچ کر کہ ڈرائیور روٹی روزی کمانے خود مکہ مکرمہ آیا ہے، وہ معاوضہ کیسے ادا کرے گا، میں نے اسے معاف کردیا، اپنے وطن پہنچنے کے بعد اب پتہ چلا کہ جو حضرات حج کمیٹی کی معرفت حج کرنے جاتے ہیں ان تمام صاحبان کا انشورنس ہوتا ہے اور جس نوعیت کا میرا ایکسیڈینٹ ہوا ہے، اس کے لئے انشورنس کمپنی مجھے تین لاکھ تک دے سکتی ہے، تو کیا میں یہ رقم شرعاً لے سکتا ہوں؟ جب کہ میری ٹانگ کا آپریشن ہونا باقی ہے اور اس کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے، اور اگر جواب ہاں میں ہے تو یہ بھی بتادیں کہ اس رقم کو لینے کے بعد میرے حج میں کوئی

خرابی تو نہیں آئے گی؟ یا میرے ثواب اور اجر میں کمی تو نہیں آئے گی، جو اللہ کے یہاں مجھے ملے گا ان شاء اللہ، اگر یہ رقم میرے کام نہیں آسکتی تو کیا میں یہ رقم حج کمیٹی سے لیکر کسی ضرورت مند کی ضرورت پوری کرسکتا ہوں؟

المستفتی: اخلاص احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہوائی جہاز سے سفر کرنے والا نہ انشورنس کے نام سے پیسے جمع کرتا ہے اور نہ ہی اس کو بتایا جاتا ہے اور نہ ہی اس کو اس قسم کی کوئی خبر رہتی ہے، وہ تو صرف ہوائی جہاز کے کرایہ کی نیت سے کرایہ ہی جمع کرتا ہے، اس کے بعد اگر حج کمیٹی کی طرف سے یا جہاز کمپنی کی طرف سے علاج کے لئے تین لاکھ روپئے مل رہے ہیں، تو اس کو ہم ایک قسم کا تعاون سمجھتے ہیں اور بیمار آدمی کے لئے کسی کا بھی تعاون حاصل کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت، ص: ۳۴۲-۳۵۷، وایضا مستفاد محمودیہ جدید ۹/ ۳۳۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۹۳۲/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۳/۱۰ھ

حکومت ہند سے حاجیوں کو ملنے والی سبسڈی جائز ہے یا نہیں؟

سوال [۴۹۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حکومت حاجیوں کو جو سبسڈی دیتی ہے اس کا لینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حکومت کی طرف سے حاجیوں کو جو سبسڈی ملتی ہے وہ ایک تعاون ہے، اس کے لینے میں کوئی قباحت اور کوئی کراہت نہیں؛ بلکہ بلا شبہ جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ ۱۰/ ۲۲۵)

قال الفقيه أبو الليث: اختلف الناس في أخذ الجائزة من السلطان، قال بعضهم: يجوز مالم يعلم أنه يعطيه من حرام، قال محمد: وبه نأخذ مالم نعرف شيئا حراما لعينه. (هندية، زكريا قديم ٥/ ٣٤٢، اتحاد جديد ٥/ ٣٩٦)

إن عمر بن الخطاب كان يعطيهم العطاء ولا يزكيه. (مصنف ابن أبي شيبة بيروت ٦/ ٥٢٨، رقم: ١٠٥٦٩)

غالب مال المهدي إن كان حلالا، لا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١٨٦، بزازية على هامش الهندية قديم زكريا ٦/ ٣٦٠، جديد زكريا ٣/ ٢٠٣، قاضي خان على هامش الهندية قديم زكريا ٣/ ٤٠٠، جديد زكريا ٣/ ٢٨٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳ رجمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۱)

قرعہ اندازی کے ذریعہ حج ادا کرنے کا حکم

سوال [۴۹۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ ہے کہ ایک کمیٹی چند آدمی کے تحت قائم ہے، جس میں سالانہ رقم کچھ جمع کرتے ہیں اور اس رقم کے ذریعہ پھر قرعہ اندازی کر کے اس روپئے سے یکے بعد دیگرے حج کرتے ہیں اور جو شخص حج کر کے آگیا اس کا نام قرعہ میں نہیں ڈالا جاتا ہے، اور پھر حج سے آتے ہی دوسرا قرعہ ڈالا جاتا ہے، تاکہ آئندہ سال کے لئے فارم جمع کیا جا سکے اور اس میں قید نہیں ہے کہ دس ہزار روپئے ہی جمع کرنا ہے؛ بلکہ حج کمیٹی کی طرف سے جتنا خرچ آئے گا سب کے ذمہ ہوگا اور اگر جس شخص نے حج کرلیا ہے، پھر اس کے پاس اتنا مال ہوگیا ہے کہ وہ اپنے مال سے حج کرسکتا ہے، تو جو حج پہلے کیا ہے وہ فرض ہوگا؟ اور پھر دوسرا حج جو کرے گا

فرض ہوگا یا نفل ہوگا؟ کیوں کہ پہلا حج کمیٹی کے تحت تھا، دوسرا حج اپنے ذاتی پیسے سے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ بانکوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرعہ اندازی کے ذریعہ بعض ممبران کا نام نکلنے پر ان کو حج کے لئے بھیجنا اور بعض کو محروم کردینا لاٹری کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے؛ اس لئے مذکورہ طریقہ پر حج نہیں کرنا چاہئے، تاہم اگر کرلیا جائے گا تو فریضۂ حج تو ادا ہوجائے گا؛ لیکن حج مقبول کا ثواب نہیں ملے گا اور سرمایہ دار بننے کے بعد دوبارہ حج کرے گا، تو وہ حج نفل ہی ہوگا۔ (مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۱۵/ ۴۷۹)

وذكر في الأجناس: القرعة ثلاث: الأولى: لإثبات حق وإبطال حق آخر، وإنها باطلة. (تاتارخانية، كتاب القسمة، الفصل الخامس في الرجوع عن القسمة، زكريا ١٧/ ١٧٧، رقم: ٢٦٨٧٦)

مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج، أي لأن عدم الترك يبتني على الصحة، وهي الإتيان بالشرائط والأركان والقبول المترتب عليه الثواب يبتني على أشياء كحل المال والإخلاص. (شامي، كتاب الحج، مطلب في من حج بمال حرام، زكريا ديوبند ٣/ ٤٥٣، كراچى ٢/ ٤٥٦، هندية، زكريا ١/ ٢٢٠)

ولا بمال حرام ولو حج به سقط عنه الفرض؛ لكنه لا تقبل حجته، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج. (غنية الناسك، باب شرائط الحج، كراچى ص: ٢١، مكتبه خيريه ميرٹھ ص: ٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۶۰۲)

حج وعمرہ کی مختلف اسکیموں کا حکم

سوال [۴۹۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت میرا نام محمد اسحاق شریف ہے، اڑیسہ کا رہنے والا ہوں، میں نے ایک ٹورٹراویلس شروع کیا ہے، حضرت دینی معلومات زیادہ نہیں رکھتا، اسی لئے چار صورتیں لکھ کر آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، براہ کرم آپ میری رہبری فرمائیں کہ سب صورتیں جائز ہیں یا نہیں؟ براہ کرم تفصیل سے وضاحت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

(۱) میں نے عمرہ کی ایک اسکیم بنائی ہے، مختلف پیکیج ہوں گے یعنی ۲۵/ ہزار، ۳۶/ ہزار، ۵۰/ ہزار وغیرہ، اس میں سب سے پہلے تین ہزار پانچ سو روپیہ دے کر ممبر بننا ہوتا ہے، پھر قسط وار بھی رقم پوری کر سکتے ہیں، ایک ہزار کر کے یا نہیں تو درمیان میں بھی اکٹھے بقیہ رقم پیکیج کا دے کر عمرہ میں جا سکتے ہیں، یہ صورت درست ہے یا نہیں؟

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ انہیں ممبران کے درمیان ہر مہینہ کی بارہ تاریخ کو قرعہ اندازی کی جاتی ہے، اب اس میں ان ممبروں میں سے جس کا بھی نام آجائے گا اس کو ۳۱/ ہزار روپیہ چھوٹ ملے گی، پھر یہ ۳۱/ ہزار روپیہ چھوٹ لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے ممبروں سے اگلے دو آدمی کو ممبر بنا دیا، پھر ان دونوں نے چار آدمیوں کو بنا دیا، پھر اس نے چار سے چھ آدمی کو بنا دیا، غرض یہ کہ یہ سلسلہ وار چلتے ہوئے ایک ہزار بائیس آدمی تک پہنچ جائے تو ہر اول والے شخص کو پچاس ہزار روپئے انعام یا چھوٹ ملے گی، تو یہ رقم لینا درست ہے یا نہیں؟

(۴) اگر کسی ممبر نے ۳۰/ آدمی کا ایک گروپ تیار کرایا، تو اس تیار کرانے والے شخص کو ۵۰/ ہزار روپیہ نقد یا عمرہ ادا کرا دیا جائے گا، پچاس ہزار پیکیج کا، تو کیا اس رقم سے عمرہ ادا کرنا درست ہوگا؟ براہ کرم جلد جواب مرحمت فرمائیں بہت ہی کرم ہوگا۔ والسلام

المستفتی: محمد اسحاق شریف، معرفت عبد الرحمٰن مدرسہ کاشف العلوم برہم پور اڑیسہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج اور عمرہ کے لئے جو بھی اسکیم قسط وار رقم جمع کرکے چل رہی ہے اور سوال نامے میں جو شکلیں لکھی گئیں ہیں، ان میں سے کوئی بھی جواز کے دائرہ میں داخل نہیں ہیں؛ اس لئے حج وعمرہ کے لئے اس طرح کی اسکیمیں چلانا جائز نہیں ہے اور اس کے عدم جواز سے متعلق گذشتہ سالوں میں بار بار مفصل جواب لکھا جا چکا ہے۔

الربا يقتضي أخذ مال الإنسان من غير عوض؛ لأن من يبيع الدرهم بالدرهمين نقدا أو نسيئة فيحصل له زيادة درهم من غير عوض، ومال الإنسان متعلق حاجته، وله حرمة عظيمة ...... وأخذ الدرهم الزائد متيقن.

(تفسير رازي ۷/ ۹۳، الموسوعة الفقهية ۲۲/ ۵٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رشوال ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۰۲/۳۹)

حج بیسی اور اس کے ذریعہ حج کا حکم

سوال [۴۹۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) فریضۂ حج کی ادائیگی میں آسانی پیدا کرنے کے لئے حج بیسی کے نام سے ایک طریقہ رواج پا رہا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے یہاں بیس ممبر تشکیل کئے گئے، فی ممبر سالانہ سات ہزار روپئے سے ایک لاکھ چالیس ہزار روپئے جمع کرکے قرعہ اندازی سے جن دو ممبروں کے نام آجائیں ان کو وہ رقم دے دی جاتی ہے، جس سے وہ سفر حج کرتے ہیں، اس طرح شرعاً یہ طریقہ کیا حکم رکھتا ہے؟

(۲) اگر یہ درست ہے تو فریضۂ حج کی فرضیت ذمہ سے ادا ہوئی یا نہیں؟ اگر ہو جاتی ہے، تو پہلے جانے والے ممبروں پر دوسرے ممبروں کا یہ قرض ہوا؛ لہٰذا ان پہلے جانے والوں پر

زکوۃ کا کیا حکم ہے، جب کہ اس قرض کی ادائیگی تو دس سال میں پوری ہوگی۔

حج بیسی کے شرائط یہ ہیں:

(۱) یکم ربیع الاول کو فی ممبر ایک ہزار روپئے ادا کرنا لازم، بقیہ رقم ختمِ شوال پر۔

(۲) اگر حج کرنے سے پہلے کسی ممبر کی موت واقع ہو جائے تو اب تک بھری گئی رقم اس کے ورثاء کو واپس کر دی جائے گی۔

(۳) اگر حج کرنے کے بعد کسی ممبر کی موت واقع ہو جائے تو اس کے ورثا سے ان کے رضامندی کے ساتھ بقیہ رقم وصول کی جائے گی، اگر وہ بخوشی نہ دیں تو پھر تمام ممبران اپنی طرف سے اس مرنے والے ممبر کو اپنا حق معاف کرتے ہوئے اس کی قسط کو اپنے اوپر تقسیم کر لیتے ہیں۔

المستفتی: ممتاز احمد قاسمی، خادم الاسلام بھا کری پیپاڑی شہر راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) فریضۂ حج اس شخص پر لازم ہوتا ہے جو صاحب استطاعت یعنی اتنے پیسے کا مالک ہو کہ کسی سے قرض لئے بغیر حج کو آنے جانے اور وہاں کی رہائش اور دیگر تمام اخراجات پورے ہونے کا پیسہ اس کے پاس موجود ہو، نیز اس کے علاوہ اس کی واپسی تک اس کے گھر والوں کے لئے پوری مدت کا خرچ موجود ہو، ان تمام اخراجات کے پورے ہونے کا پیسہ جس کے پاس ہو اسی پر حج کا فریضہ لازم ہوتا ہے، دیگر لوگوں پر لازم نہیں ہوتا؛ اس لئے حج کا فریضہ ادا کرنے کے لئے اس طرح کی اسکیم اور حیلہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، نیز حج بیسی کی جو شکل بیان کی جارہی ہے، اس میں ۲۰؍ممبروں میں سے ہر ایک چاہے گا کہ میرا نمبر پہلے آئے، مگر ایسا نہیں ہوتا، ۲۰؍میں سے صرف دو ہی کا آتا ہے۔ اور باقی کا نمبر نہیں آتا، پھر شک وتردد میں رہتے ہیں کہ دوسری مرتبہ میں بھی نمبر آتا ہے یا نہیں؟ تو اس طرح تعلیق الشیء علی الخطر ہونے کی وجہ سے جوا اور قمار کی مشابہت بھی موجود ہے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی؛ اس لئے حج کا یہ طریقہ قابل ترک اور ممنوع ہوگا۔

(۲) اگراس طرح کا معاملہ کرلیا گیا، تو پہلے جانے والوں پراتنے پیسے کی زکوۃ لازم ہے، جتنے پیسے ان کی ملکیت کے ہیں، دیگر ممبروں کا جوقرض ان کے سرسوار ہو چکا ہے، ان پیسوں کی زکوۃ ان دونوں پر لازم نہیں؛ کیوں کہ ان دونوں کو دیگر ممبروں کی طرف سے آیا ہوا پیسہ بہرحال ادا کرنا لازم ہے، مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ معاملہ درست ہوگیا۔

لأن القمار هو الذى يستوي فيه الجانبان في احتمال الغرامة على مابينا. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيوع، زكريا ديوبند ٩/ ٥٧٨، كراچى ٦/ ٤٠٣، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٦/ ٢٢٨، زكريا ديوبند ٧/ ٤٦٧)

وعليه الفتوى فلو استقرض مائتي درهم، وحال عليها الحول عنده، وليس له إلا ثياب البذلة ونحوها مما ليس مال زكوة لا زكوة عليه، ولو كانت الثياب تفي بالدين؛ لأن الدين عليه يصرف إلى الدراهم التي عنده دون الثياب. (شامي، كتاب الزكاة، كراچى ٢/ ٢٦٤، زكريا ٣/ ١٨١- ١٨٢) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۸۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۲/ ۱۴۲۶ھ

حج کمیٹی اور ٹور ایجنٹ اجیر ہیں یا وکیل بالأجرة؟

سوال [۴۹۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کمیٹی وعمرہ ٹور اینڈ ٹراویلز اور تفریحی ٹور اینڈ ٹراویلز، فقہی نقطۂ نظر سے کس زمرہ میں آتے ہیں، یہ اجیر ہیں یا وکیل بالأجرة ہیں یا کچھ اور؟

المستفتی: مفتی عبد الرشید نعمانی بمبئی مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حج کمیٹی اور ٹراویل ایجنٹ من وجہ حجاج کی طرف

سے وکیل ہیں اور من وجہ حجاج کے لئے کفیل بالدرک اور ضامن ہیں۔ وکیل اس حیثیت سے ہیں کہ حکومت ہند اور حکومت سعودیہ سے قانونی دائرہ میں رہ کر حاجیوں کے لئے کاغذات تیار کر کے فراہم کردیتے ہیں۔ اور کفیل بالدرک اس حیثیت سے ہیں کہ تمام سہولیات کی ذمہ داری لیتے ہیں، ہوائی جہاز کے جس کٹیگری میں بات طے ہوتی ہے، اس کٹیگری میں سیٹ دلواتے ہیں اور مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ کے ٹرانسپورٹ کی ذمہ داری اور مکۃ المکرّمہ اور مدینۃ المنورہ کے رہائش کی ذمہ داری اسی طرح منی کی رہائش کی بھی ذمہ داری لیتے ہیں، اگر خدانخواستہ کسی حاجی کا پروگرام کسی وجہ سے کینسل ہوجائے تو ساری رقم کی واپسی کے ذمہ دار ہوتے ہیں، اس حیثیت سے کفیل بالدرک ہیں۔

قال الأستاذ الدكتور وهبة الزحيلي: تصح الوكالة بأجر وبغير أجر.

(الفقه الإسلامي وأدلته، جديد هدى انٹر نيشنل ديوبند ٥/ ٤٥٨)

إذا اشترطت الأجرة في الوكالة وأوفاها الوكيل اسحق الأجرة.

(شرح المجلة تسليم رستم باز، اتحاد بك ڈپو ديوبند ٢/ ٧٨٩، رقم: ١٤٦٨)

قال رحمه الله: (وكفالته بالدرك تسليم) معناه إذا باع رجل دارا مثلا، فكفل رجل للمشتري عن البائع بالدرك، وهو ضمان الثمن عند استحقاق المبيع، فكفالته تسليم للمبيع وإقرار منه أنه لا حق له فيها حتى لو ادعى أن الدار ملكه أو ادعى فيها الشفعة أو الإجارة لا تسمع دعواه؛ لأن الكفالة إن كانت مشروطة في البيع توقف جوازه على قبول الكفيل للكفالة في المجلس. (تبيين الحقائق جديد زكريا ٥/ ٥٧، قديم إمداديه ملتان ٤/ ١٦٤)

وأما الكفالة بالمال فجائزة معلوما كان المكفول به أو مجهولا إذا كان دينا صحيحا مثل أن يقول: تكفلت عنه بألف، أو بمالك عليه أو بما يدركك في هذا البيع؛ لأن مبنى الكفالة على التوسع، فيتحمل

فيهـا الـجهالة، وعلى الكفالة بالدرک إجماع، وكفى به حجة، وتحته فـي الـفتـح: وعـلـى ضمان الدرک إجماع، وضمان الدرک أن يقول لـلـمشتـري: أنـا ضامن للثمن إن استحق المبيع أحد مع جواز أن يظهر استحقاق بعضه أو كله . الخ (هداية مع فتح القدير، زكريا ٧/ ١٧١، كوئٹه ٦/ ٢٩٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳۱)

دوران حج خارجی اوقات میں تجارت کرنا

سوال [۴۹۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنا فریضۂ حج ادا کر چکا ہے، زید دوسری مرتبہ حج کی نیت سے حاضر ہوا، وہاں پہنچ کر حج کے تمام ارکان کو ادا کرنے میں جد وجہد کرتے ہوئے ادا کیا، خارجی اوقات میں تجارت کر لی، کیا زید کا یہ فعل صحیح ہوگا؟ حج کے دوران ایسا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد طالب مہک ریسٹورنٹ سنبھل، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کا مقصد اصلی حج ہی تھا اور خارجی اوقات میں ضمناً آپ نے تجارت کر لی، تو اس کی وجہ سے آپ کے حج کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور تجارت کے ذریعہ کمائے گئے روپئے بھی آپ کے لئے حلال ہیں، قرآن کریم میں بھی اس کی اجازت ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۲۶، انوار مناسک/ ۱۷۲)

واستدل على إباحة التجارة والإجارة، وسائر أنواع المكاسب

فـی الـحـج، وإن ذلک لا یحبط أجرا، ولا ینقص ثوابا. (روح المعاني زکریا ۲/ ۱۳۰، أحکام القرآن للتهانوي ۱/ ۲۵۰، أحکام القرآن للجصاص، سهیل اکیڈمی لاهور ۱/ ۳۱۰)

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلاً مِنۡ رَبِّکُمۡ. [البقرة: ۲۶]

وتجرید السفر عن التجارة أحسن، ولو اتجر لا ینقص ثوابه.

(البحرالرائق، کتاب الحج، زکریا دیوبند ۲/ ۵٤۱، کوئٹه ۲/ ۳۰۹، الفتاوی الهندیة، الباب الأول قدیم زکریا ۱/ ۲۲۰، جدید ۱/ ۲۸۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۹۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۵ھ

سفید صحن مسجد حرام میں داخل ہے یا نہیں؟

سوال [۴۹۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آں محترم نے ۲۳؍جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ کو ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ حرم مکہ میں باب فہد، باب عبدالعزیز، باب فتح، باب عمرہ، باب صفا کے سامنے جو سفید حصہ کا صحن ہے یہ سفید حصہ کا صحن مسجد حرام میں داخل ہے، اس میں حائضہ، نفساء داخل نہیں ہوسکتیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس حصہ میں جوتے چپل پہن کر بھی نہیں چل سکتے؛ کیوں کہ ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر حاجی اندر سے نکل کر سفید حصہ والے صحن میں جوتے چپل پہن لیتے ہیں، اس سلسلے میں وضاحت مطلوب ہے، کیا اس حصہ میں جوتے چپل پہن سکتے ہیں؟

المستفتی: جمعیۃ علماء سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہم نے فتویٰ نمبر: ۹۳۴۰ رمیں حتمی طور پر یہ نہیں لکھا ہے کہ باب ملک فہد، باب عبدالعزیز، باب الفتح، باب العمرہ، باب الصفا کی طرف کا سفید صحن مسجد حرام میں داخل ہے؛ بلکہ یہ لکھا ہے کہ وہاں کے اہم لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ سفید حصہ مسجد حرام میں داخل ہے، اگر سفید حصہ مسجد حرام میں داخل ہے تو حائضہ اور نفساء کے لئے وہاں سے گزرنا جائز نہیں ہے، جواب اگر مگر کے ساتھ لکھا گیا ہے؛ اس لئے کہ دوسروں سے سنی سنائی بات ہے، اس وجہ سے ہم کو حتمی طور پر لکھنے کا حق نہیں ہے؛ البتہ اس سال حتمی طور پر یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ صفاء مروہ کی طرف سے سفید صحن مسجد حرام میں داخل نہیں ہے۔ اور اس سلسلے میں حرمین شریفین کے ذمہ دار علماء میں سے شیخ سبیل کا تحریری فتویٰ ہم کو موصول ہوا ہے، کہ یہ حصہ مسجد حرام سے باہر ہے، چنانچہ اس سال اس صحن کی طرف مسعیٰ کو ڈبل کر کے بڑا کیا گیا ہے؛ اس لئے اس حصہ میں حائضہ ونفساء کا گزرنا اور جوتا چپل سے گزرنا بلاشبہ جائز ہے؛ لیکن باب عبدالعزیز، باب فہد وغیرہ کی جانب کے سفید حصہ کے متعلق تحریری طور پر کوئی حتمی بات ہمارے سامنے نہیں آئی، اور وہاں والوں کا عمل خارج مسجد جیسا ہے؛ اس لئے کوئی ذمہ دارانہ بات اس سلسلے میں ہم نہیں کر سکتے۔ اور شیخ سبیل کا فتویٰ ہمارے یہاں موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/۱/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۱/۱۴۲۹ھ

کیا حاجیوں پر عید الاضحیٰ کی نماز واجب ہے؟

سوال [۴۹۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: بموقع حج حجاج کرام پر نماز عید الاضحیٰ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے، تو کہاں اور کس طرح ادا کریں گے؟

المستفتی: محمد حبیب جامع مسجد کاس گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجیوں پر عید الاضحیٰ کی نماز لازم نہیں ہے، دسویں ذی الحجہ کو عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد ان کو مزدلفہ سے چل کر منی پہنچ کر جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کا حکم ہے۔

إن منی موضع تجوز فیه صلاة العید إلا أنها سقطت عن الحاج.

(شامي، کتاب الحج، مطلب في حکم صلاة العید والجمعة في منی کراچی ۲/ ۵۲۰، زکریا دیوبند ۳/ ۵٤۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۰۹۴)

۲ / باب اشتراط المحرم للمرأة

عورت پر حج کب فرض ہوتا ہے؟

سوال [۴۹۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) فاطمہ پر حج بیت اللہ فرض ہے، وہ حج ادا کرنا چاہتی ہے؛ لیکن کوئی شرعی محرم نہیں ملتا ہے، تو کیا کرے؟ فاطمہ کی جانب سے حج بدل ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

(۲) اگر فاطمہ کی جانب سے حج بدل ہوسکتا ہے، تو حج بدل میں اپنے شوہر کو یا لڑکے کو بھیج سکتی ہے کہ نہیں؟ اور شوہر یا لڑکے کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے کہ وہ حج اپنی جانب سے کرے، روپیہ فاطمہ ہی کا ہے بھیج سکتی ہے یا نہیں؟

(۳) کیا فاطمہ بغیر شرعی محرم کے حج کو جاسکتی ہے کہ نہیں؟

نوٹ: فاطمہ کو اپنے باپ کی وراثت میں روپیہ ملا ہے، مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: زاہد علی مونڈی کھیرا پوسٹ مکن پور، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳) عورتوں پر اس وقت تک حج فرض نہیں ہوتا ہے جب تک کہ ان کے پاس حج کو جانے کے لئے اپنے اور محرم دونوں کا مکمل خرچ موجود نہ ہو؛ لہٰذا اگر فاطمہ کے پاس دو آدمی کے حج کرنے کی رقم موجود ہے، تو اپنے شوہر یا بھائی کے ساتھ جاسکتی ہے۔ اور اگر دو آدمی کا خرچ نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہوا اور نہ ہی اس پر حج بدل کرانا لازم ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۱۷۴)

عن ابن عباس – رضي الله عنه – قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا، وامرأتي تريد

الحج، فقال: اخرج معها. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٤، ف: ١٨٦٢)

ومع زوج، أو محرم (إلى قوله) مع وجوب النفقة لمحرمها عليها؛ لأنه محبوس عليها. (الدرالمختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع، كراچی ٢/ ٤٦٤، زكريا ٣/ ٤٦٤)

وأما الذى يختص النساء فشرطان، أحدهما: أن يكون معها زوجها، أو محرم لها، فإن لم يوجد أحدهما لا يجب عليها الحج، وهذا عندنا -إلى- أن المحرم أو الزوج من ضرورات حجها بمنزلة الزاد والراحلة إذ لا يمكنها الحج بدونه كما لا يمكنها الحج بدون الزاد والراحلة. (بدائع الصنائع قديم ٢/ ١٢٣، جديد زكريا ٢/ ٢٩٩-٣٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۰۹۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۳/۱۳ھ

محرم کا خرچ نہ ہونے کی صورت میں عورت پر حج فرض نہیں

سوال [۴۹۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ایک دوست بہن حج کو جانا چاہتی ہیں، وہ بیوہ ہیں؛ لیکن اپنے سفرِ حج کے خرچ کے لئے وہ روپیہ جمع کر چکی ہیں، ان کے پاس کوئی محرم نہیں ہے، سوائے ایک بھانجے کے؛ لیکن وہ لڑکا بے روزگار اور بہت نادار ہے، کوئی اس کو روپیہ دے دے تو وہ خالا کے محرم کے فرائض انجام دے سکتا ہے، اس کی خالہ کے پاس جو روپیہ سفر کے خرچ سے بچتا ہے، اگر وہ اس بھانجہ کو دے دیں گی تو واپسی پر آ کر کیا خرچ کریں گی، اس وجہ سے میرا خیال ہے کہ میرے پاس کچھ روپیہ غریبوں کو دینے کے لئے رکھا ہے، جو میں نے اپنی نماز روزے کی قضاء کے فدیہ کے طور پر الگ نکال دیا ہے، میں نماز قضاء عمری پڑھ رہی ہوں، پھر بھی اس خیال سے کہ اگر

اچانک موت آگئی نماز روزہ کی قضاء میرے ذمہ رہ گئی تو یہ روپیہ اس کا کفارہ ہوجائے گا، آپ سے یہ جاننا چاہتی ہوں کہ یہ روپیہ اپنی بیوہ دوست کے بھانجے کو حج کے سفر کے لئے دے سکتی ہوں کہ نہیں؟ تاکہ بیوہ بہن پر زیادہ مالی بوجھ نہ پڑے، کیا ایسا کرنا میرے لئے جائز ہے؟

المستفتیة: ثریا بیگم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حج کو جانا چاہتی ہے اس پر اس وقت تک حج فرض ہی نہیں ہے، جب تک کہ محرم کا خرچ مکمل اس کے پاس موجود نہ ہو یا اس کا کوئی محرم شرعی خود حج کو نہ جا رہا ہو اور ساتھ جانے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو؛ اس لئے محرم کا خرچ دوسرے سے لے کر جانے کا شرعاً حکم نہیں ہے، نیز اگر آپ اس میں دیں گی تو اس سے آپ کا کوئی کفارہ اور فدیہ ادا نہ ہوگا، نیز فدیہ مرنے کے بعد ہی دینے کا حکم ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۱۷۴)

وأما الذي يخص النساء فشرطان، أحدهما أن يكون معها زوجها، أو محرم لها، فإن لم يوجد أحدهما لا يجب عليها الحج، وهذا عندنا –إلى– أن المحرم أو الزوج من ضرورات حجها بمنزلة الزاد والراحلة إذ لا يمكنها الحج بدونه كما لا يمكنها الحج بدون الزاد والراحلة. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته قديم ٢/ ١٢٣، جديد زكريا ديوبند ٢/ ٣٠٠)

ومع زوج أو محرم (إلى قوله) مع وجوب النفقة لمحرمها عليها.

(درمختار كراچی ٢/ ٤٦٤، زكريا ٣/ ٤٦٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۵۹/۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۱۱/۶ھ

عورتوں کا بے پردہ حج پر جانا

سوال [۴۹۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: خواتین کا بے پردہ حج کو جانا اور دوسری خواتین کا بے پردہ رخصت کرنا اور اسی بے پردگی میں ان کا اخبار کی زینت بننا اور اسی حالت میں کسی مولوی کا تقریر کرنا حرام ہے یا نہیں؟

المستفتی: راشد علی پیپل سانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر برقعہ کے بے پردہ سفر حج کو جانا یا کسی اور سفر کو جانا عورتوں کے لئے جائز نہیں، پردہ کے ساتھ نکلنا واجب ہے اور جو عورتیں رخصت کرتے وقت مردوں کے بیچ میں سڑکوں اور راستوں پر آجائیں اور ان کی بے پردگی کی وجہ سے مردوں کی غلط نگاہ ان پر پڑتی ہو، تو غلط نگاہ ڈالنے والوں کو جو گناہ ہوگا ویسا ہی گناہ ان عورتوں کو بھی ہوگا۔ اور کسی عالم صاحب کا حاجیوں کو رخصت کرتے وقت یا ٹریننگ دینے کے لئے کسی جگہ اصلاحی تقریر کرنا اور حج کے متعلق تربیتی بیان کرنا بلا شبہ جائز اور درست ہے۔ اور اگر تقریر کے درمیان کوئی عورت بے پردہ آجاتی ہے تو اس کا گناہ عورت پر ہوگا عالم پر نہیں۔
(مستفاد: محمودیہ میرٹھ ۲۸/ ۹۵)

عن عبداللّٰہ عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشیطان. (ترمذي، کتاب الطلاق، باب بلا ترجمة، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۲، دارالسلام رقم: ۱۱۷۳)

والإسلام قد حرم علی المرأة أن تکشف شیئا عن عورتها أمام الأجانب خشیة الفتنة. (روائع البیان ۲/ ۱٦۲، بحواله محمودیه ۲۸/ ۹۵ میرٹھ)

إن النساء أیضا مامورات بغض البصر عن الرجال الأجانب کما أن الرجال مامورون بغض البصر عن النساء الأجنبیات. (أحکام القرآن للتهانوي ۳/ ٤۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱۱/۲۷ھ

شوہر بیوی کو حج کرائے تو کونسا حج ادا ہوگا؟

سوال [۴۹۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر عورت استطاعت سبیل نہ رکھتی ہو اور شوہر اپنی رضا وخوشی سے اپنے اخراجات کے ذریعہ حج کرائے تو بیوی کا کونسا حج ادا ہوگا، یعنی فرض یا نفل، اگر نفل ہوگا تو کیا آئندہ استطاعت سبیل حاصل ہونے پر حج فرض ہوگا؛ کیوں کہ جب اتنے اخراجات کی مالک ہی نہیں تو اس پر حج فرض نہیں ہوا؟ نیز کیا شوہر کو اتنے مال کا بیوی کو مالک بنانا ضروری ہے جتنے مال کے ذریعہ بیوی پر حج فرض ہو؟

المستفتی: شیخ عبدالکریم ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں عورت کا حج اپنا حج فرض ہی ادا ہوگا، شوہر عورت کو خرچ کا مالک بنا دے تب بھی اس کا فرض حج ادا ہوجائے گا، خرچہ شوہر اپنے ہاتھ سے پورا کرے، عورت کے ہاتھ پر کوئی پیسہ بھی نہ دے تب بھی اس کا فرض حج ادا ہوجائے گا، جیسا کہ آج کل کے زمانہ میں عام طور پر میاں بیوی کے ایک ساتھ حج کرنے میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔

فإذا بلغ مكة وهو يملك منافع بدنه فقد قدر على الحج بالمشي، وقليل زاد فوجب عليه الحج، فإذا أدى وقع عن حجة الإسلام. (بدائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته، زكريا ٢/ ٢٩٤)

لو خرج معها زوجها فهي لا نفقة له عليها بل لها عليه النفقة نفقة الحضر دون السفر، ولا يجب الكراء، فلينظر إلى قيمة الطعام في الحضر لا في السفر، بحر. قلت: لا يخفى أن هذا إذا خرج معها

لأجلها أما لو أخرجها هو يلزمه جميع ذلک. (غنية الناسك قديم ١١، جديد كراچی ٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

عورت کے ساتھ جانے والے محرم کا کونسا حج ادا ہوگا؟

سوال [۴۹۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت جو استطاعت سبیل رکھتی ہے اور اس پر حج فرض ہے، اب وہ محرم کے ساتھ حج کے لئے جائے تو محرم کے اخراجات کی ذمہ دار خود ہوتی ہے؛ لہٰذا اس صورت میں محرم کا حج کونسا ادا ہوگا؟ یعنی فرض یا نفل؟ اور اگر محرم پر بھی حج فرض ہے اور اپنے مال سے حج کرے اور عورت اپنے مال سے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: شیخ عبد الکریم بی بلڈنگ روم نمبر ۶

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے ساتھ حج کی ادائے گی کے لئے جانے والا محرم خواہ اپنے مال سے حج کرے یا عورت کے مال سے کرے، بہر صورت اس سے حج فرض ادا ہوگا۔

کالفقير إذا حج ثم استغنی، و كذا كل من حج ممن لا يجب عليه الحج، فإنه يقع عن حجة الإسلام. (غنية الناسك، كتاب الحج، باب شرائط الحج، قديم /٩، جديد كراچی ٢٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۴/ ۱۴۲۵ھ

عورت بلامحرم سفرحج پرنہیں جاسکتی

سوال [۴۹۴۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دوبہنیں جو غیرشادی شدہ ہیں اورشادی ہونے کی امید بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کی عمر چالیس سال ہوچکی ہے اوران کے بھائی ہیں جوساتھ جانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔اوران دونوں نے حلال کمائی سے جوروپیہ جمع کیاہے وہ ان روپیوں سے حج کرنا چاہتی ہیں؛ لہٰذا وہ حج کرسکتی ہیں یانہیں؟اگرکرسکتی ہیں توکس طرح کریں؟

المستفتی: عبدالقادر لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عورتوں کے لئے محرم یا شوہر کے بغیر حج کوجانا جائزنہیں ہے۔اور چونکہ ان کاکوئی محرم حج کوجانے پرتیارنہیں ہے اورانہوں نے شادی بھی نہیں کی ہے کہ شوہر کا ساتھ ہوسکے؛ اس لئے ان پر فی الفور حج کی ادائیگی فرض بھی نہیں ہے،انہیں چاہئے کہ وہ کسی محرم کا انتظام ہونے تک انتظار کریں۔اور جب کوئی شرعی محرم مل جائے تواس کے ساتھ حج کوجائیں،یااگرمناسب رشتہ مل جائے تونکاح کرکے شوہر کےساتھ حج کریں۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال النبي ﷺ: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا وامرأتي تريد الحج، فقال: اخرج معها. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٤، ف: ١٨٦٢)

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحج به، أو زوج ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما. (هداية، كتاب الحج، أشرفي ديوبند ١/ ٢٣٣، إيضاح المسائل/ ٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفااللہ عنہ
۲۴/رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۰۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۵/۷/۱۴۲۷ھ

مشتہاۃ عورت کا بلامحرم حج کو جانا

سوال [۴۹۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتی ہے، مگر ساتھ میں کوئی محرم نہیں ہے؛ البتہ ہندہ کی خالہ اپنے بیٹے کے ہمراہ اور اسی طرح ہندہ کی خالہ زاد بہن کی لڑکی اپنے شوہر کے ہمراہ حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتی ہیں، تو دریافت کرنا ہے کہ یہ ہندہ اپنی خالہ اور خالہ زاد بہن کی لڑکی (جب کہ ان کے اپنے اپنے محرم ساتھ ہیں) کے ساتھ سفر حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: جلیس احمد ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہندہ کی عمر ساٹھ ستر سال نہیں ہے؛ بلکہ مشتہاۃ تندرست عورت ہے، تو اس کے لئے بلامحرم مذکورہ لوگوں کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی خلیلیہ ۱/۸۲)

عن ابن عباس – رضي الله عنه – قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا وامرأتي تريد الحج، فقال: اخرج معها. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٤، ف: ١٨٦٢)

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحج به، أو زوج ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما. (هداية، كتاب الحج، أشرفي ديوبند ١/ ٢٣٣، إيضاح المسائل/ ٦٣)

وجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج. (هندية، زكريا قديم ١/ ٢١٩ جديد ١/ ٢٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۳۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۲۶ھ

بلامحرم شرعی عورت کا حج کے لئے جانا

سوال [۴۹۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اور میری بیوی حج کو جارہے ہیں اور ایک سن رسیدہ عورت ہے جو کہ میری ماموں زاد بہن اور میری بیوی کی تایا زاد بہن ہے، کیا سن رسیدہ عورت ہم دونوں کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے؟

المستفتی: ریاض الدین تمباکو والا ن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال مذکور میں سن رسیدہ کو آپ دونوں کے ساتھ حج کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ شرعی محرم کا ہونا لازم ہے، وہ یہاں نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۶/ ۵۳۹، انوار مناسک/۱۷۴)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال النبي ﷺ: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا وامرأتي تريد الحج، فقال: اخرج معها. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٤، ف: ١٨٦٢)

يعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحج به، أو زوج، ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما. (هداية، كتاب الحج، أشرفي ديو بند ١/ ٢٣٣)

والنوع الثاني: شروط الأداء: وهي التي إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب وجب أداؤه بنفسه، وإن فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب فلا يجب الأداء ...... وهى خمسة –إلى– والمحرم أو الزوج للمرأة. (شامي، كتاب الحج زكريا ٣/ ٤٥٥، ٤٥٦، كراچی ٢/ ٤٥٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۷۲۴/۲۵)

کیا بیوی بغیر شوہر کے حج کر سکتی ہے؟

سوال [۴۹۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت اپنے شوہر کو چھوڑ کر چلی گئی اور کئی سال آوارہ رہی، شوہر نے طلاق بھی نہیں دی، اب اس عورت کو دین کی اور اسلام کی طرف جو دھیان ہوا تو نماز بھی پڑھنے لگی اور توبہ واستغفار، تہجد گذار بن گئی۔ اور یہ چاہتی ہے کہ مکان کو بیچ کر حج کرلوں، کچھ پڑھے لکھے لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے بتایا تم بغیر شوہر کے حج نہیں کرسکتی، تو اب عورت چاہتی ہے کہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے، تو اس کا شوہر اسے کس طرح رکھے؟

المستفتی: عبدالحمید خان ریٹائر حافظ منزل شری چوک، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی عورت پر ضروری ہے کہ فوراً آکر شوہر کو راضی کر کے شوہر کے پاس رہنا شروع کردے اور شوہر کے مشورہ سے شوہر کے ساتھ حج کے لئے بھی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۶۳، انوار مناسک/۱۷۴)

ویعتبر في المرأة أن یکون لها محرم تحج به، أو زوج ولا یجوز لها أن تحج بغیرهما. (هدایة، کتاب الحج، أشرفي دیوبند ۱/ ۲۳۳)

وجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج. (هندیة، زکریا قدیم ۱/ ۲۱۹، جدید ۱/ ۲۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍رجب ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۵۳۴)

ایئرپورٹ سے ایئرپورٹ تک محرم یا شوہر کے ساتھ اور جہاز میں بلا محرم سفر

سوال [۴۹۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید سعودی میں رہتا ہے، اس کی بیوی ہندوستان میں ہے، بیوی کا حج کرنے کا ارادہ ہے، شوہر بھی حج کرانا چاہتا ہے، اسی طرح زید کی بہن بھی حج کرنا چاہتی ہے، مگر اس کے پاس محرم کا خرچ نہیں ہے، یہاں سے زید کی بیوی اور بہن کو کوئی محرم ایئر پورٹ تک پہنچا دے اور زید ان کو سعودی میں ایئر پورٹ سے اپنے ساتھ لے جائے اس طرح زید اپنی بیوی اور بہن کے ساتھ حج کرلے، یہ حج جائز طریقہ سے ہوگا یا ناجائز طریقہ سے؟ اور زید کی بیوی کو سفر حج کے ساتھ شوہر سے ملاقات بھی کرنی ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زید کی بیوی کا مقصد سفر حج کے ساتھ ساتھ شوہر سے ملاقات بھی کرنی ہے، زید کی بیوی اور اس کی بہن کا سفر اس طریقہ پر کہ محرم ان کو ہندوستان میں ایئر پورٹ تک پہنچادے، پھر سعودی ایئر پورٹ سے زید ان کو اپنے ساتھ لے کر حج کرائے تو یہ سفر حج جائز اور درست ہے؛ کیوں کہ دونوں طرف کے ایئر پورٹ سے ایئر پورٹ تک محرم یا شوہر کے ساتھ ہی یہ سفر ہوا ہے اور درمیان میں صرف جہاز کا سفر بلا محرم ہوا ہے اور جہاز کے اندر کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں۔ (مستفاد: انوار مناسک/۱۸۰)

قال حماد: لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين.

(هندية زكريا قديم ٥/ ٣٦٦، جديد ٥/ ٤٢٣)

إن المحرم ليس بشرط في الحج الواجب، قال الأثرم: سمعت أحمد يسأل هل يكون الرجل محرما لأم امرأته يخرجها إلى الحج؟ فقال: أما في حجة الفريضة فأرجو؛ لأنها تخرج إليها مع النساء ومع كل من أمنته، وأما في غيرها فلا، وقال مالك والشافعي: ليس المحرم شرطا في حجتها بحال. (أوجز المسالك بيروت ٨/ ٦٤٨، المغني مكتبة دارالفكر ٣/ ٩٧)

يجوز عندي مع غير محرم أيضا بشرط الإعتماد والأمن عن الفتنة، وقد وجدت له مادة كثيرة في الأحاديث. (فيض الباري كوئٹه ٢/ ٣٩٧)

فقال مالک: تخرج مع جماعة النساء، وقال الشافعي: تخرج مع ثقة حرة مسلمة، وقال ابن سيرين: تخرج مع رجل من المسلمين، وقال الأوزاعي تخرج مع قوم عدول. (إعلاء السنن کراچی ١٠/ ١٤، دارالکتب العلمية بیروت ١٠/ ١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۴۵۴)

مشتہاۃ عورت کا بغیر محرم کے ۴۸؍ میل کا سفر کرنا

سوال [۴۹۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کوئی محرم یا شوہر کسی عورت یا اپنی بیوی کو ایئر پورٹ یا اسٹیشن پر لاکر چھوڑ دے، یعنی رخصت کر کے خود لوٹ جائے، پھر وہ عورت یا بیوی وہاں ۴۸؍ میل یا اس سے زیادہ کی مسافت تنہا طے کرے بغیر محرم کے اور جہاں جارہی ہے وہاں کے ایئر پورٹ یا اسٹیشن پر پہنچ کر وہاں سے کوئی اور محرم اسے گھر تک لے جائے، تو کیا اس طرح سفر کرنا جائز ہے؟ نیز کسی عذر یا شدید مجبوری کے وقت کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد عمر فتح پور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کا اصل حکم تو اس سلسلہ میں یہی ہے کہ بغیر محرم یا بغیر شوہر کے مشتہاۃ عورت کے لئے تین منزل (جس کی مسافت شرعی میل کے اعتبار سے ۴۸؍ میل ہے اور موجودہ زمانہ میں کلومیٹر کے حساب سے ۷۷؍ کلومیٹر ۸۲۷؍ میٹر ۴۰؍ سینٹی میٹر ہوتی ہے) یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر کرنا جائز نہیں ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سفر حج کے لئے بھی اس سے زائد مسافت کا سفر بغیر محرم یا بغیر شوہر کے عورت کے لئے کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن سوال نامہ میں یہ پوچھا گیا ہے کہ کسی خاص عذر یا

شدید مجبوری کے وقت کیا حکم ہوگا؟ تو اس کے لئے چند قیودات کے ساتھ حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، امام محمد بن سیرین، امام اوزاعی اور امام حماد کے قول پر عمل کی گنجائش ہے، ان حضرات کے نزدیک ایسی جماعت کے ساتھ اور ایسے لوگوں کے ساتھ یا ایسی عورتوں کی جماعت کے ساتھ بغیر محرم اور بغیر شوہر کے ضرورت کے وقت سفر کی گنجائش ہے جن سے کسی قسم کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو؛ لہٰذا اگر عورت کا شوہر سعودیہ عربیہ یا یورپ یا امریکہ یا دور دراز کے ایسے ممالک میں ہو جہاں پہنچنے کے لئے بھاری اخراجات لازم ہیں اور محرم کا خرچ برداشت کرنا دشوار ہو اور عورت کا شوہر حقوق زوجیت کے لئے عورت کے پاس خود نہیں آپا رہا ہے، تو ایسی صورت میں جہاں عورت ہے، وہاں کے ایئر پورٹ تک محرم پہنچادے اور جہاں جانا ہے، وہاں کے ایئر پورٹ سے شوہر یا محرم جا کر کے ساتھ میں لے آئے، اسی طرح اگر عورت کو شوہر وہاں سے بھیج دے اور دوسری جگہ کے ایئر پورٹ سے محرم آکر کے لے جائے تو درمیان میں ہوائی جہاز میں سفر کے دوران عورت کے کسی غیر مرد کے ساتھ فتنہ میں مبتلا ہونے کا کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے، لہٰذا ایسی صورت میں مذکورہ ائمہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے اس کی گنجائش ہے، کہ عورت دونوں جانب کے ایئر پورٹ تک محرم یا شوہر کے ساتھ سفر کرے اور درمیان میں صرف ہوائی جہاز میں بغیر محرم یا بغیر شوہر کے اس بات پر اطمینان کے ساتھ سفر کرے کہ ہوائی جہاز میں کسی نامحرم مرد کے ساتھ برائی اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ اور اندیشہ نہ ہو، ڈائرکٹ فلائٹ سے سفر بہتر ہے۔

قال حماد: لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين.

(هندية زكريا قديم ٥/ ٣٦٦، جديد ٥/ ٤٢٣)

فقال مالك: تخرج مع جماعة النساء، وقال الشافعيؒ: تخرج مع ثقة، حرة، مسلمة، وقال ابن سيرين: تخرج مع رجل من المسلمين، وقال الأوزاعي: تخرج مع قوم عدول. (إعلاء السنن كراچی ١٠/ ١٤، بيروت ١٠/ ١٧)

إن المحرم ليس بشرط في الحج الواجب، قال الأثرم: سمعت

أحمد يسأل هل يكون الرجل محرما لأم امرأته يخرجها إلى الحج؟ فقال: أما في حجة الفريضة فأرجو؛ لأنها تخرج إليها مع النساء ومع كل من أمنته، وأما في غيرها فلا، والمذهب الأول وعليه العمل، وقال ابن سيرين ومالک، والأوزاعي، والشافعي: ليس المحرم شرطا في حجها بحال، وقال ابن سيرين تخرج مع رجل من المسلمين لا بأس به، وقال مالک: تخرج مع جماعة النساء، وقال الشافعي: تخرج مع حرة، مسلمة، ثقة، وقال الأوزاعي: تخرج مع قوم عدول. (أوجز المسالك قديم ۳/ ۷۳۷، جديد بيروت ۸/ ٦٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۵۲/۳۷)

عورت کا بغیر محرم کے حج کرنا

سوال [۴۹۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ زید کی امی حج کرنا چاہتی ہے اور اس کا لڑکا اپنے دوست کے ساتھ بھیجنا چاہتا ہے۔ اور گھر کی طرح سب کا معاملہ ہے اور اس کی امی کی عمر پچاس سال ہے اور ان کے ساتھ ان کے دوست کی بیوی بھی حج کرنے جا رہی ہے۔ اور زید کا باپ نہیں ہے اور اتنے روپئے نہیں ہیں کہ اس کا لڑکا یا کوئی محرم اس کے ساتھ جا سکے، آپ اس معاملہ کا حل حوالۂ کتب سے تحریر فرمائیں

المستفتی: محمد عیسیٰ مدھوبنی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: پچاس سالہ عورت بالکل بوڑھی عورتوں میں شمار نہیں ہوتی؛ اس لئے بغیر محرم کے اس کے لئے حج کو جانا جائز نہیں۔ اور سوال نامہ میں جن

لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں کوئی بھی محرم نہیں ہے؛ اس لئے جب تک محرم کا انتظام نہ ہو حج کے لئے جانا جائز نہیں۔

ومع زوج أو محرم، وفي الشامي: أن ما استفيد من المقام من عدم جواز السفر للمرأة إلا بزوج أو محرم. (شامي، كتاب الحج زكريا ٣/ ٤٦٤، كراچی ٢/ ٤٦٤)

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحج به، أو زوج ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما. (هداية، كتاب الحج، أشرفي ديوبند ١/ ٢٣٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۹۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۵/۱۱ھ

شوہر کی اجازت کے بغیر غیر محرم کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری اہلیہ حج کے لئے جانا چاہتی ہے، میری اجازت کے بغیر محلّہ کے ایک شخص کے ساتھ جس سے رشتۂ خاص کا کوئی واسطہ نہیں ہے، محض محلّہ کے حساب سے وہ شخص پھوپھی کہتا ہے، وہ سگا رشتہ دار نہیں ہے، رہا حج کے اخراجات کا معاملہ تو اس کے نام ایک زمین تھی وہ اس نے بیچ دی اسی پیسہ سے حج کو جا رہی ہے، میں بذات خود اتنا مقروض ہوں کہ میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ حج کو جاسکوں میں نے اس سے کہا کہ ابھی موقع نہیں ہے، تو اس نے جواب دیا کہ میں تو جا رہی ہوں، حج ہو یا نہ ہو اور درخواست فارم حج معہ ڈرافٹ اس نے بھیج دیا ہے، میری بغیر مرضی اور سرپرستی کے یہ کہاں تک جائز یا روا ہے؟ جناب سے درخواست ہے کہ فقہ وحدیث کی روشنی میں سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالشکور کانٹھ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ کی اہلیہ کے پاس محرم کا خرچ نہیں ہے، تو شرعی طور پر حج کو جانا اس پر لازم نہیں ہے۔ اور اس پر حج فرض نہیں ہے۔

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحج به، أو زوج ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما. (هداية، كتاب الحج، قديم ١/ ٢١٣، جديد أشرفي ديوبند ١/ ٢٣٣، ايضاح المناسك/ ٦٣)

نیز آپ کی اجازت اور مرضی کے بغیر حج کے لئے جانا اس کو ہرگز جائز نہیں، اور بلامحرم حج کو جانا بھی اس کے لئے جائز نہیں ہے، بجائے ثواب کے گناہ ہوسکتا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/ ٦٥)

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفرا يكون ثلاثة أيام فصاعدا، إلا ومعها أبوها، أو ابنها، أو زوجها، أو أخوها، أو ذو محرم منها. (صحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، النسخة الهندية ١/ ٤٣٤، بيت الأفكار رقم: ١٣٤٠)

ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة، وتحته في الشامية مع الكراهة، أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم، زاد مسلم في رواية: أو زوج. (شامي، كراچی ٢/ ٤٦٥، زكريا ٣/ ٤٦٥، غنية الناسك، قديم ١٢، جديد كراچی ٢٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۷۶۸)

غیر محرم کے ساتھ حج کا سفر کرنا

سوال [۴۹۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے ابا کی حج جانے کی درخواست منظور ہوگئی ہے، میرے محلّہ کی ایک رانڈ عورت ابا کی درخواست میں بغیر مرضی نام لکھوادی، اس عورت سے کوئی رشتہ بھی نہیں ہے، محلّہ کی طرف سے وہ میرے ابا کی چھوٹی بھاوج لگتی ہے، اس معاملہ میں ہم لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ دونوں کا حج ہوجائے گا یا نہیں؟ اگر دونوں میں سے کسی ایک کا ہی حج ہوگا تو کس کا ہوگا؟

المستفتی: ابوحذیفہ ڈیروالی مسجد اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: صحت منداور تندرست عورت کے لئے شوہر یا محرم شرعی کے بغیر حج کو جانا جائز نہیں ہے۔ اور غیر محرم کے ساتھ اس کی رضامندی کے بغیر چلی جانے کی صورت میں عورت گنہگار ہوگی؛ لیکن اس غیر محرم کے حج میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔
(مستفاد: ایضاح المناسک، ص:۶۴، فتاوی دارالعلوم ۶/ ۵۶۸)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال النبي ﷺ: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا وامرأتي تريد الحج، فقال: اخرج معها. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨٢٤، ف: ١٨٦٢)

أحدهما أن يكون معها زوجها، أو محرم لها، فإن لم يوجد أحدهما لا يجب عليها الحج. (إلى قوله) عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: ألا! لا تحجن امرأة إلا ومعها محرم. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط

فرضية، قديم ۲/ ۱۲۳، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۲۹۹، شامي، كراچی ۲/ ٤٦٤، زكريا ۳/ ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۸۰۵/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۵/۱ھ

شوہر کے مقروض ہونے کی حالت میں بیوی کا حج کرنا

سوال [۴۹۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کا شوہر کوئی کاروبار نہیں کرتا ہے، ہندہ اپنے باپ کے گھر پر ہی رہتی ہے، ہندہ اور اس کے شوہر کا کھانا ہندہ کے باپ ہی کے ذمہ ہے، ہندہ کپڑا وغیرہ سلائی کرکے اپنا اوپری خرچ پورا کرتی ہے، ہندہ کا زیور جو کہ ہندہ کے باپ نے بوقت شادی ہندہ کو دیا تھا، اس کو فروخت کرکے ہندہ حج بیت اللہ شریف جانے کی خواہش مند ہے۔ واضح ہو کہ ہندہ کا شوہر تقریباً چار ہزار روپئے کا قرض دار بھی ہے، تو ایسی صورت میں ہندہ حج بیت اللہ شریف کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: حافظ اعجاز الحق قریشی ڈیروالی مسجد اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بیوی پر شوہر کا قرض ادا کرنا شرعاً واجب نہیں ہے، باپ کا دیا ہوا زیور ہندہ کی ملکیت میں ہے، اس کو مذکورہ زیور کی قیمت سے حج کرنا جائز ہے، اس پر کسی کو رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں ہے، وہ اپنی ملکیت کی چیز کو جس طرح چاہے خرچ کرسکتی ہے۔

والمالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف ۱/ ۷، سورة الفاتحة تحت رقم الآية: ۳، مكتبه رشيديه دهلی)

ولو كان معها محرم، فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة من غير إذن زوجها عندنا. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته قديم ۲/ ۱۲٤، جديد زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۴۸)

حج کے لئے غیر محرم عورتوں کو ساتھ لے جانا

سوال [۴۹۵٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حج کو جا رہا ہے اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی حج کے لئے جا رہی ہے، ساتھ ہی زید دو نامحرم عورتوں کو بھی لے جا رہا ہے، تو یہاں دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا زید کے لئے شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟ اور کیا زید کے حج میں شرعاً کوئی کمی واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی: محمد اطہر کتب فروش، افضل گڑھ بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صورت مسئولہ میں زید کے لئے ان دو غیر محرم عورتوں کو حج کے لئے ساتھ لے جانا درست نہیں ہے، چاہے ان کی بیوی ہی ساتھ کیوں نہ ہو، اسی طرح ان دو عورتوں کا بھی زید (جو غیر محرم ہے) کے ساتھ حج کو جانا درست نہیں ہے؛ البتہ اس سے زید کے حج میں شرعاً کوئی کمی نہیں آئے گی۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۳/ ۴۴)

ومنها أي من شرائط الحج المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام، هكذا في المحيط. (عالمگيري، زكريا قديم ۱/ ۲۱۹، جديد ۱/ ۲۸۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۹۷)

شوہر کی مرضی کے بغیر داماد کے ساتھ حج پر جانا

سوال [۴۹۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنے ماں اور باپ کو حج کرانا چاہتا ہے؛ لیکن زید کا باپ زید کی ماں کو امسال حج کرنے سے منع کرر ہا ہے اور آئندہ سال پر معلق کرر ہا ہے۔ اور زید کی والدہ امسال حج کرنا چاہتی ہے تو کیا شوہر کی اجازت کے بغیر جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور داماد کے ساتھ حج کرنے جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد مسعود عالم، معرفت مجیب الرحمٰن متعلم مدرسہ امدادیہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید کی ماں پر حج فرض ہو چکا ہے تو شوہر کی مرضی کے بغیر اپنے حقیقی داماد کے ساتھ حج کرنے کے لئے جا سکتی ہے۔ اور اگر ان پر حج فرض نہیں ہوا ہے، تو شوہر کی مرضی کے بغیر داماد کے ساتھ یا کسی دوسرے محارم کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں ہے۔

وإذا وجدت محرما ولا يأذن لها زوجها أن تخرج ، فلها أن تخرج بغير إذنه في حجة الإسلام دون التطوع. (تاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الأول في شرائط الوجوب، قديم ۲/ ٤٣٥، جديد زكريا ۳/ ٤٧٥، رقم: ٤٨٨٧)

ولو كان معها محرم، فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة من غير إذن زوجها عندنا ...... ولنا: أنها إذا وجدت محرما فقد استطاعت إلى حج البيت سبيلا؛ لأنها قدرت على الركوب والنزول، وأمنت المخاوف؛ لأن المحرم يصونها. (بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۸۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/ ۵/ ۱۴۱۷ھ

داماد کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت مقصدی خاتون زوجہ چاند خان مرحوم جن کی عمر ۸۰؍سال کے اوپر ہے، اب وہ حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتی ہیں اور وہ اپنے داماد کے ساتھ جانا چاہتی ہیں، واضح رہے یہ داماد پہلے تھے، اب مقصدی کی بیٹی کا انتقال ہو چکا ہے، اس وقت مقصدی کے اسی لڑکی کی لڑکی کے لڑکے موجود ہیں، جو مقصدی کے پرنواسے ہوتے ہیں، نیز اسی داماد کی موجودہ بیوی کو لے کر جا رہے ہیں، تو ان کے ساتھ مقصدی حج کے لئے جا سکتی ہیں یا نہیں؟ نیز اس داماد اور ساس (مقصدی) اور نئی بیوی سب میں ہمیشہ میل جول رہا ہے، کوئی نا اتفاقی کبھی نہیں ہوئی، حج کے لئے ویزا ٹکٹ وغیرہ سب کچھ مکمل ہو چکا ہے، اب شرعاً جو حکم ہے؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں۔

نوٹ: مقصدی کے دو لڑکے ہیں اور وہ بخوشی انہیں حج کے لئے بھیج رہے ہیں۔

المستفتی: کلیم اللہ غفرلہ مقیم حال موضع فتح پور پوسٹ کملاپور، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داماد شرعی طور پر محرم ہوتا ہے، اگرچہ لڑکی کا انتقال کیوں نہ ہو جائے اور داماد اور ساس کے درمیان حرمت ابدی ہوتی ہے؛ اس لئے مذکورہ داماد کے ساتھ مقصدی خاتون کا حج کو جانا جائز اور درست ہے۔

والمحرم من لا یجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع، أو صهرية. (شامي، كتاب الحج زكريا ٣/ ٤٦٤، كراچی ٢/ ٤٦٤)

والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد برضاع، أو صهرية. (الفتاوى التاتارخانية زكريا ٣/ ٤٧٥، رقم: ٤٨٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۱؍شعبان ۱۴۱۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۸۰۲/۲۸)

کیا عورت داماد کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے؟

سوال [۴۹۵۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت کو حج کی ادائیگی کے لئے محرم کا ہونا شرط ہے، تو کیا داماد عورت کے حق میں محرم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: بحکم حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہوی مدظلہ العالی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ہاں داماد بھی اس میں داخل ہے۔

ولها أن تخرج مع كل محرم على التأبيد بنسب أو رضاع، أو مصاهرة سواء كان مسلما أو كافرا إلا أن يكون مجوسيا أو فاسقا لا يؤمن من الفتنة. (تبيين الحقائق، كتاب الحج، زكريا ٢/ ٢٤٣، إمداديه ملتانى ٢/ ٦، هكذا في البحر الرائق، زكريا ٢/ ٥٥١، كوئٹه ٢/ ٣١٥، منحة الخالق، كوئٹه ٢/ ٣١٥، زكريا ٢/ ٥٥١، فتاوى عالمگيرى جديد ١/ ٢٨٢، زكريا ١/ ٢١٩، فتاوى قاضى خان على الهندية زكريا ١/ ٢٨٣، جديد زكريا ١/ ١٧٣)

وفي الشامي: المحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو صهرية كما في التحفة: وأدخل في الظهيرية بنت موطوئته من الزنا حيث يكون محرما لها، وفيه دليل على ثبوتها بالوطء الحرام، وبما تثبت به حرمة المصاهرة. (شامي مطبوعه كوئٹه ٢/ ١٥٧، مصري ٢/ ١٩٩، كراچى ٢/ ٤٦٤، زكريا ٣/ ٤٦٤، زبدة المناسك ١/ ٢١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۷۱۷)

اپنی بیوی کے ساتھ پھوپھی زاد بہن کو حج پر لے جانا

سوال [۴۹۶۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ اپنی پھوپھی کی لڑکی کو حج کے لئے لے جانا چاہتا ہوں جو کہ غیر محرم ہے، تو کیا غیر محرم کو اپنے ساتھ اپنی بیوی کی موجودگی میں سفر حج میں لے جانا درست ہے یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

المستفتی: اقبال احمد قاسمی، ککرالہ بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ اپنی پھوپھی زاد بہن کے لئے شرعاً غیر محرم ہیں اور عورتوں کے لئے شرط یہ ہے کہ اپنے شوہر یا کسی مرد محرم کے ساتھ حج کو جائیں، اگر محرم مرد نہ ملے تو عورتوں پر حج فرض نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے اگر چہ آپ کی بیوی بھی ساتھ ہے، پھر بھی جائز نہ ہوگا۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا و كذا وامرأتي تريد الحج، فقال: اخرج معها. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء ۱/ ۲۵۰، رقم: ۱۸۲٤، ف: ۱۸٦۲، صحيح مسلم، الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، النسخة الهندية ۱/ ٤۳۲، بيت الأفكار رقم: ۱۳٤۱، سنن الدارقطني الحج ۲/ ۱۹۹، رقم: ۲٤۱۹)

والمحرم فى حق المرأة شرط، شابة كانت أو عجوزا. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الأول في شرائط الوجوب زكريا ۳/ ٤۷٤، رقم: ٤۸۸۵)

ومع زوج أو محرم، وتحته في الشامي: والمحرم من لا يجوز له

مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع، أو صهرية. (الدرالمختار مع الشامي كراچی ۲/ ٤٦٤، زكريا ۳/ ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ:شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر:۲۶/۲۲۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷/۵/۱۴۱۱ھ

بہو کا اپنی ساس کے ہمراہ غیر محرم کی معیت میں سفرِ حج کرنا

سوال [۴۹۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے ساتھ اس کی حقیقی خالہ نجمہ حج بیت اللہ کے لئے جا رہی ہے، ساتھ نجمہ کے بیٹے کی بیوی خالدہ بھی اس سفر میں اپنی ساس کے ساتھ حج بیت اللہ کو جانا چاہتی ہے، جب کہ زید اس کے لئے غیر محرم ہے، تو شرعی اعتبار سے کیا نجمہ کے بیٹے کی بیوی کا سفر حج کے لئے جانا جائز ہے؛ لیکن نجمہ کا بیٹا خالدہ کا شوہر سعودیہ میں ملازم ہے اور ایئر پورٹ جدہ میں بیوی کے ساتھ ہو جائے گا۔ اور وہ ساتھ حج کرے گا، تو کیا اپنی ساس کے ساتھ خالدہ کا سفر حج جائز ہے؟

المستفتی: احقر جان محمد خانپوری میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے ساتھ اس کی حقیقی خالہ نجمہ کا سفر حج کرنا شرعاً جائز ہے؛ لیکن نجمہ کی بہو کا اپنی ساس کے ساتھ زید کی معیت میں سفر حج کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ زید اس کے لئے غیر محرم ہے اور اس کی عمر بھی ۶۰-۶۵ /سال سے کم ہے۔

ثم صفة المحرم أن تكون ممن لا تجوز له نكاحها على التأبيد، إما بالقرابة أو الرضاع، أو الصهرية؛ لأن الحرمة المؤبدة تزيل التهمة في الخلوة. (بدائع الصنائع، زكريا ۲/ ۳۰۰)

وأما الذی یخص النساء فشرطان، أحدهما: أن یکون معها زوجها، أو محرم لها. (بدائع زکریا ۲/ ۲۹۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۷۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۳ھ

سالی کا بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد اپنی بیوی کے ہمراہ حج کو جا رہا ہے، اس کی سالی بھی اس کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے، جس کی عمر پچاس سال کے قریب ہے، اس قافلہ میں دیگر عورتیں بھی اپنے اپنے محرم کے ساتھ شامل ہیں، نیز ''**وان تجمعوا بین الاختین**'' کے تحت بیوی کی موجودگی میں سالی کا بہنوئی سے نکاح بھی جائز نہیں، تو کیا صورت مذکورہ میں خالد کے ساتھ اس کی سالی حج کو جاسکتی ہے؟

المستفتی: احقر جان محمد خانپوری، میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''**وان تجمعوا بین الاختین**'' میں حرمت موقت بیان کی گئی ہے۔ اور سفر حج کے لئے حرمت مؤبد لازم ہے؛ اس لئے سالی کا اپنے بہنوئی کے ساتھ سفر حج کو جانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: أنوار مناسک/ ۱۷۶)

والمحرم من لا یجوز له مناکحتها علی التأبید بقرابة، أو رضاع، أو صهریة. (شامي، کتاب الحج، کراچی ۲/ ٤٦٤، زکریا ۳/ ٤٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۷۹/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۳ھ

عورت کا بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک خاتون اپنے خاوند کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جارہی ہیں، تو ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ آیا ان خاتون کی بڑی بہن حج کے لئے جاسکتی ہیں یا نہیں؟ جب کہ بڑی بہن کے ساتھ کوئی محرم آدمی نہیں ہے، شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد مستقیم ٹھیکری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کی بڑی بہن کے لئے اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک ص:۶۵)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله! إني أريد أن أخرج في جيش كذا و كذا وامرأتي تريد الحج، فقال: اخرج معها. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج النساء ۱/ ۲۵۰، رقم: ۱۸۲٤، ف: ۱۸٦۲)

والمحرم في حق المرأة شرط، شابة كانت أو عجوزا. والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد برضاع، أو صهرية. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الأول في شرائط الوجوب زكريا ۳/ ٤٧٤–٤٧٥، رقم: ٤٨٨٥–٤٨٨٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۲۳)

بیٹے کے ساتھ انتقال شدہ بہن کی طرف سے حج بدل کو جانا

سوال [۴۹۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں اپنا پہلا حج کر چکی ہوں، میری بہن کا انتقال ہوگیا ہے، ان کا حج بدل کرانا ہے، میرا بیٹا اپنے حج کو جارہا ہے، میں اپنی بہن کا حج بدل کرنے اپنے بیٹے کے ساتھ چلی جاؤں تو میری بہن کا حج بدل ادا ہو جائے گا؟

المستفتی: والدہ محمد خالد تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں اپنے بیٹے کے ساتھ بہن کا حج بدل کر سکتی ہیں، جب کہ بہن کے وارثین نے آپ کو حج بدل کا وکیل بنا دیا ہو۔

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: كان الفضل رديف النبي صلى الله عليه وسلم، فجاء ت امرأة من خثعم، فجعل الفضل ينظر إليها، وتنظر إليه، فجعل النبي صلى الله عليه وسلم يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر، فقالت: إن فريضة الله أدركت أبي شيخا كبيرا لا يثبت على الراحلة، أفأحج عنه؟ قال: نعم، وذلک في حجة الوداع. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب حج المرأة عن الرجل ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨١٧، ف: ١٨٥٥)

والمركبة منهما كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط.

(درمختار، باب الحج عن الغير كراچی ٢/ ٥٩٨، زكريا ٤/ ١٤)

العبادات أنواع: مالية محضة، كالزكاة، وبدنية محضة، كالصلاة، ومركبة منهما كالحج، والنيابة –إلى– تجرئ في النوع الثالث عند العجز،

ولا تجرئ عند القدرة، والشرط العجز الدائم إلى وقت الموت. (الفتاوی التاتارخانية زكريا ٣/ ٦٤٦، رقم: ٥٢٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۹۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۳/۲۰ھ

محرم نہ ہونے کی صورت میں سہیلی کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک خاتون جو حج کرنا چاہتی ہے؛ لیکن اس کے محرم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں، تو کیا وہ کسی دوسری عورت کے ساتھ جو اس کی سہیلی ہے، اس کے ساتھ حج کرنے جا سکتی ہے؟ نیز یہ کہ اگر وہ تنہا سفر کرنا چاہے تو اس کو سفر کرنے کی اجازت ہونی چاہئے؛ کیوں کہ سفر نہ کرنے کی علت فتنہ ہے اور انڈین ایئر لائن کی طرف سے تمام حفاظتی امور کا بندوبست رہتا ہے؛ لہٰذا کوئی ایسی شکل ہو سکتی ہے کہ وہ اپنا فریضہ پورا کرے؟ اور اگر وہ پورا نہیں کر سکتی تو کیا عند اللہ وہ ماخوذ ہوگی؟ آج کل ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت کے گھرانے کے لوگ اس کو بمبئی کے ہوائی اڈے جہاز پر بیٹھا کر رخصت کرتے ہیں اور دوسرے پہچان کے لوگ سعودی عرب کے ہوائی اڈے پر آ کر اتار لیتے ہیں اور درمیان سفر میں پیش آنے والے خطرات وفتن کی ذمہ داری ہوائی جہاز کے انتظامیہ پر ہوتی ہے، تو کیا ایسی صورت میں عورت کو تنہا سفر کرنے کی اجازت ہے؟

المستفتی: محمد حامد کیرالہ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر کوئی محرم نہیں ہے، تو شوہر کے ساتھ جائے اور اگر شوہر بھی نہیں ہے، تو کسی سے شادی کر لے اس کے بعد شوہر کے ساتھ حج کو جائے۔ اور آپ نے فتنہ نہ ہونے کی جو علتیں لکھی ہیں وہ اپنی جگہ ٹھیک ہیں، مگر علتوں کو پیش نظر رکھ کر

تصریح شدہ مسئلہ کے خلاف حکم بتلانا مجتہد کا کام ہے اور ہم مجتہد نہیں ہیں، مسلک حنفی کے مصرح مسائل کو نقل کردیتے ہیں اور مسلک حنفی میں اگرچہ بظاہر فتنہ نہ ہو پھر بھی بلامحرم حج کو جانے کی ممانعت صراحت کے ساتھ موجود ہے؛ اس لئے سوال نامہ کی درج شدہ شکل میں بھی بلامحرم حج کو جانا عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

من عدم جواز السفر للمرأة إلا بزوج، أو محرم خاص بالحرة، فيجوز للأمة (وقوله) ولو عجوزا، أي لإطلاق النصوص. (شامي، كتاب الحج، زكريا ۳/ ٤٦٤، كراچی ۲/ ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۱۵/۶/۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۶/۴ھ

عورت کا اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مالدار عورت ہے، جس کے پاس حج کے مصارف کے بقدر روپئے ہیں؛ لیکن شوہر اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں، تو کیا وہ عورت اپنی بہن اور اس کے شوہر کے ساتھ حج کرنے جا سکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ حج کے شرائط ووجوبات میں سے محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورت کے حج کرنے کے لئے ساتھ میں محرم کا ہونا ضروری ہے، بغیر محرم کے حج کرنا جائز نہیں ہوگا۔

والمحرم في حق المرأة شرط، شابة كانت أو عجوزا. –إلى قوله–: والمحرم الزوج ومن لا يجوز له مناكحتها على التأبيد برضاع، أو صهرية.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الأول في شرائط الوجوب زكريا ٣/ ٤٧٤-٤٧٥، رقم: ٤٨٨٥-٤٨٨٦)

والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو صهرية. (شامي، زكريا ٣/ ٤٦٤، كراچی ٢/ ٤٦٤، عالمگيرى، زكريا قديم ١/ ٢١٩، جديد ١/ ٢٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۵۸)

بیوہ کا اپنی بہن اور بہنوئی کے ہمراہ حج کو جانا

سوال [۴۹۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک بیوہ عورت اپنی بہن کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے، جب کہ اس کی بہن اپنے شوہر کے ساتھ حج کو جارہی ہے، تو اس عورت کے لئے اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: معظم حسین لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوہ عورت کے لئے اپنے بہنوئی یعنی بہن کے شوہر کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں؛ اس لئے کہ بہنوئی اس کا محرم نہیں ہے۔

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحج به أو زوج، ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما. (هداية، كتاب الحج، أشرفي ديوبند ١/ ٢٣٣)

وأما الذي يخص النساء فشرطان، أحدهما: أن يكون معها زوجها،

أو محرم لها، فإن لم يوجد لا يجب عليها الحج. (بدائع الصنائع، قديم ۲/ ۱۲۳، زكريا ۲/ ۳۰۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵ / ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۵ھ

عورت اپنے دیور کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

سوال [۴۹۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میری والدہ اور میرا چھوٹا بھائی حج بیت اللہ کے لئے جارہے ہیں، ان کے ساتھ میں اپنی بیوی کو حج بیت اللہ کے لئے بھیجنا چاہتا ہوں، آپ بتائیں کہ کیا میری بیوی اپنے دیور کے ساتھ یا والدہ کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: رفیق احمد فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے حج کے لئے محرم شرعی کا ساتھ ہونا واجب ہے، اس کے بغیر حج کو جانا جائز نہیں ہے۔ اور آپ کا بھائی آپ کی بیوی کے لئے شرعی محرم نہیں ہے؛ اس لئے آپ کے بھائی کے ساتھ آپ کی بیوی کا حج کو جانا جائز نہیں ہوگا، اگرچہ آپ کی والدہ بھی ساتھ کیوں نہ ہوں۔

والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو صهرية. (شامي، كتاب الحج، زكريا ۳/ ٤٦٤، كراچی ۲/ ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۱۶ھ

کیا بھاوج دیور کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے؟

سوال [۴۹۶۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لئے جارہا ہوں اوراپنے ساتھ میں اپنی بڑی بھاوج کو لے کر جانا چاہتا ہوں اوران کے شوہر جانے کی اجازت دے رہے ہیں، ان کی عمر ۶۰ ؍سال ہے اور جو لے کر جارہے ہیں ان کی عمر ۵۵ ؍سال ہے، آپ اس معاملہ پر روشنی ڈال کر اجازت دیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: ذاکرحسین گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بھاوج کے لئے دیور شرعی محرم نہیں ہے؛ اس لئے جائز نہیں ہے۔

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحج به، أو زوج، ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما إذا كان بينها وبين مكة ثلاثة أيام. الخ (هداية، كتاب الحج، أشرفی دیوبند ۱/ ۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍شوال المکرّم ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۴۵)

بنائے ہوئے بھائی کے ساتھ حج پر جانا

سوال [۴۹۷۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری والدہ حج بیت اللہ کو جانا چاہتی ہیں، عمر پچاس سال ہے، ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوچکا ہے، ہمارے گھر میں چار بہنیں دو بھائی ہیں، دو بہنوں کی شادی ہوچکی

ہے، دوابھی شادی کرنے سے باقی ہیں، والدہ ریلوے میں جوب کرتی ہیں، انہیں حج کو جانے کی تڑپ ہے، ساتھ میں کوئی محرم نہیں ہے، پڑوس میں بھائی رہتے ہیں، جو بنائے ہوئے ہیں اوران سے دس سال چھوٹے ہیں، پڑوسی بھائی اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے کر جارہے ہیں، کیا میں اپنی والدہ کوان بنائے ہوئے بھائی کے ساتھ حج بیت اللہ کو بھیج سکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: حاجی محمد معراج محلّہ دولت باغ گلی نمبر:۷، تھانہ ناگ پھنی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بنایا ہوا بھائی شرعی نہیں ہوا کرتا، بدستور نامحرم اجنبی مرد ہوتا ہے، اس کے ہمراہ پچاس سالہ بیوہ عورت کے لئے حج کو جانا جائز نہیں ۔اور جب تک شرعی محرم میسر نہ ہو اس عورت پر حج کرنا فرض نہیں ہے۔اور شرعی محرم میں باپ دادا، چچا تایا بیٹے پوتے، داماد، نواسے، حقیقی بھانجے وغیرہ ہیں، پس ان میں کسی ایک کے بغیر حج کو جانا آپ کی والدہ کے لئے جائز نہیں ہے۔

عن أبي أمامة –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا تسافر امرأة سفراً ثلاثة أيام، أو الحج إلا ومعها زوجها. (دارقطني ٢/ ١٩٩، برقم: ٢٤١٩، بخاري شريف ١/ ٢٥٠، برقم: ١٨٢٤، ف: ١٨٦٢)

والمحرم في حق المرأة شرط إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (تاتارخانية ٣/ ٤٧٤، رقم: ٤٨٨٥)

وأما شرائط وجوب الأداء فخمسة على الأصح ...... والرابع: المحرم، أو الزوج لامرأة بالغة. (غنية قديم ٩-١٠، جديد كراچى ٢٣-٢٦)

والمحرم الزوج، ومن لا يجوز له مناكحتها على التأبيد برضاع، أو صهرية. (تاتارخانية ٣/ ٤٧٥، رقم: ٤٨٨٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۵/۲۵ھ

چچی کا بھتیجے کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۷۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگرزید کی چچی زید کے ساتھ چچا کی اجازت سے حج کے لئے جائے تو جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اپنی چچی کے لئے محرم نہیں ہے؛ اس لئے سفر حج میں محرم بن کر جانا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۶۱)

ومع زوج، أو محرم. وتحته في الشامي: والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو صهرية. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحج، كراچی ۲/ ٤٦٤، زكريا ۳/ ٤٦٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۱۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۱۸ھ

دورانِ عدت حج کا سفر کرنا

سوال [۴۹۷۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میاں بیوی نے حج کی درخواست لگائی منظور ہوگئی اور روپیہ بھی جمع ہوگیا، اب شوہر کا انتقال ہوگیا، بیوی عدت میں ہے، شوہر کے انتقال سے حج کے ٹائم تک ساڑھے تین مہینے ہوتے ہیں، کیا یہ بیوی اپنے بیٹے کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: شریف شہباز پورکلاں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حج کی منظوری کے بعد شوہر کا انتقال ہوگیا

ہے اور حج کی روانگی کے وقت بیوی کی عدت پوری نہیں ہوتی، تو ایسی صورت میں عدت کے اندر بیوی کو سفر حج پر جانا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا وہ اس سال حج نہیں کرے گی؛ بلکہ اگلے سال محرم شرعی کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۱۹۳)

فلو كانت معتدة عند خروج أهل بلدها لا يجب عليها الخ فإن حجت وهي في العدة جازت بالاتفاق وكانت عاصية. (غنية قديم، ص: ۱۲، جديد، ص: ۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/شعبان ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۸۵)

حالت عدت میں سفر حج

سوال [۴۹۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا متوفی عنہا زوجہا حج کے لئے عدت کے اندر محرم کے ساتھ سفر کرسکتی ہے یا نہیں؟ نیز عمران کی پچاس سے زائد ہے، آئندہ سال کمزوری آسکتی ہے۔

المستفتی: محمد نعیم فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عدت ختم ہونے سے قبل حج کے لئے سفر کرنا حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے، چاہے عورت پچاس سال کی کیوں نہ ہو۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۶/ ۵۳۴)

ولا تخرج المرأة إلى الحج في عدة الطلاق أو الموت، وكذا لو وجبت العدة في الطريق في مصر من الأمصار وبينها وبين مكة مسيرة سفر

لاتخرج من ذلک المصر ما لم تنقض عدتها. (فتاوى قاضي خان مع الهندية، زكريا ١/ ٢٨٣، عالمگیری، زكريا قديم ١/ ٢١٩، جديد ١/ ٢٨٢، هكذا شامي كراچی ٢/ ٤٦٥، زكريا ٣/ ٤٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۴۴۴)

حمل کی وجہ سے حج کوملتوی کرنا

سوال [۴۹۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہندہ آنے والے سال حج کے لئے جانا چاہتی ہے اور حاملہ ہے، ایام حج سے پہلے وضع حمل نہیں ہوگا، عیدالاضحیٰ کے بعد ہی بچے کے پیدا ہونے کی امید ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ ہندہ سفر حج کی وجہ سے اپنے حمل کو دوائی وغیرہ استعمال کر کے ضائع کر سکتی ہے؛ کیوں کہ نہ معلوم دوران سفر وضع حمل ہوگیا تو بڑی پریشانی ہوگی، ان حالات میں کیا اسقاط کی گنجائش ہے یا سفر حج ہی ملتوی کردے؟

(۲) حاملہ عورت کو جس کے وضع حمل کا وقت قریب ہو حکومت سفر حج پر جانے کی اجازت نہیں دیتی، معلوم یہ کرنا ہے کیا حکومت کا یہ قانون شرعاً سفر حج کے ملتوی کرنے کے لئے عذر ہے؟ اس سے عورت سے اس سال حج کی فرضیت ساقط ہو جائے گی؟

المستفتی: سعید احمد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے حالات میں دوا وغیرہ کے ذریعہ سے حمل کو ضائع کرنا جائز نہ ہوگا، ہاں البتہ شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر حاملہ کو سفر حج میں اپنے یا بچے کے نقصان کا خطرہ ہے، تو حج کو اس سال مؤخر کرنے کی گنجائش ہے اور سفر حج

کوملتوی کرکے آئندہ سالوں میں حج کو جانے کی اجازت ہے، جیسا کہ حاملہ عورت کوحمل کے نقصان کے خطرہ سے صوم رمضان کوملتوی کرنے کی اجازت ہے اور بعد میں قضاء کرے گی۔

ومنها: حبل المرأة وإرضاعها، الحامل والمرضع إذا خافتا على أنفسهما، أو ولدهما أفطرتا وقضتا، ولا كفارة عليهما. (هندية، قديم زكريا ١/ ٢٠٧، جديد زكريا ١/ ٢٧٠)

(۲) کا جواب بھی اوپر آچکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۹/۲/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۲/۵ھ

دوران سفر شوہر کا انتقال ہوگیا

سوال [۴۹۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالد اپنی بیوی کے ساتھ سفر حج کو جارہا تھا، جہاز کے اڑان کے ایک گھنٹہ بعد خالد کا انتقال ہوگیا اور جہاز ایئر پورٹ جدہ پر اترے گا، اب خالد کی بیوی کیا کرے؟ آگے جا کر حج کرے گی یا واپس آئے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: خالد کی بیوی جدہ ایئر پورٹ سے اتر کر حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ بلا محرم کے مکہ پہنچ جائے اور مناسک حج ادا کرلے، حج کو ملتوی نہ کرے؛ البتہ عدت کی پابندی مثلاً بے ضرورت رہائش گاہ سے نکلنا اور زیورات وغیرہ کے استعمال سے احتراز کرتی رہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۱۸۲، کتاب المسائل ۳/ ۹۵)

إن كان بينها وبين منزلها مسيرة سفر فصاعدا، وبينها وبين مكة دون ذلك فعليها أن تمضي عليها ...... وإن كان ذلك في المفازة أوفى بعض القرى بحيث لا تأمن على نفسها ومالها، فلها أن تمضي

حتى تدخل موضع الأمن. (بدائع الصنائع زكريا ٢/ ٣٠١، التاتارخانية ٣/ ٤٧٤، رقم: ٤٨٨٩، شامي، زكريا ٣/ ٤٦٦، كراچی ٢/ ٤٦٥)

فإن كان إلى كل من بلدها ومكة أقل من مدة السفر تخيرت أو إلى أحدهما سفر دون الآخر تعين أن تصير إلى الآخر. (فتح القدير، مكتبه أشرفيه ٢/ ٤٢٦، كوئٹه ٢/ ٣٣٠، زكريا ٢/ ٤٢٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۵۴/۴۰)

مکہ میں حج سے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا

سوال [۴۹۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ اپنے شوہر کے ساتھ حج پر گئی، مکہ پہنچ کر عمرہ کیا اور حج سے پہلے مدینہ شریف جانے کی تیاری تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا عورت اس عدت کی حالت میں مدینہ چلی جائے، اور واپس آ کر حج کرے، اگر مدینہ نہیں جائے گی تو مکہ میں تنہا کہاں رہے گی؟ وضاحت مطلوب ہے۔

المستفتی: سعید احمد سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب حج سے قبل شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، تو کوشش کی جائے کہ کسی رہائش کا انتظام ہو جائے، جس میں امن وحفاظت سے عورت رہ سکے اور مدینہ کا سفر حج سے قبل نہ کرے؛ لیکن قافلہ کے ساتھ رہے بغیر اس کے امن وحفاظت کی کوئی دوسری صورت نہ ہو تو قافلہ کے ساتھ ہر جگہ رہنے کی گنجائش ہے۔ اور قافلہ ہی کے ساتھ عدت کی حالت میں مناسک حج ادا کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۱۸۴)

وإن كان بينها وبين منزلها مسيرة سفر فصاعدا، وبينها وبين مكة دون ذلك فعليها أن تمضي عليها الخ. (تاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الأول في شرائط الوجوب قديم ۲/ ۴۲۵، جديد زكريا ۳/ ۴۷۶، رقم: ۴۸۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۴۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۹ھ

دوران حج شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت کیا کرے؟

سوال [۴۹۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید اور ہندہ دونوں زوج زوجہ ہیں، حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے، حج سے پہلے مدینہ طیبہ گئے، وہاں جا کر دو چار یوم بعد ہندہ کے شوہر زید کا انتقال ہو گیا، اب ہندہ کیا کرے؟ آیا حج کرے گی یا واپس آجائے گی؟ جب کہ کوئی محرم وہاں اس کے پاس نہیں ہے، پھر کسی محرم کو لے کر دوبارہ حج کے لئے جائے؟ جب کہ وہ صاحب یسر با فراغت وصاحب اولاد لائق ہونہار ہے۔

(۲) اس نے عدت نہ کر کے حج کر لیا، تو کیا وہ پھر دوبارہ حج کرے گی یا نہیں؟ صاحب سخا و یسر بھی ہے، صاحب اولاد بھی، تنگی بھی کوئی نہیں ہے، وضاحت فرمائیں، اس کے حق میں کیا فیصلہ ہے اور افضل کیا ہے؟

المستفتی: جمیل اختر عثمانی، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) شوہر کے وفات پانے کی صورت میں دو وجہوں سے اس کو حج کرنا جائز نہیں ہے:

(۱) بحالت عدت خروج ممنوع ہونے کی وجہ سے۔

(۲) محرم ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے؛ بلکہ ایسی حالت میں اگر احرام نہیں باندھا ہے،

تو حج کے ارادے سے احرام باندھنا جائز نہیں۔ اور احرام باندھنے کے بعد شوہر کا انتقال ہوا ہے، تو احرام کھول دینا چاہئے۔ (مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۵/ ۲۳۸، جدید زکریا ۸/ ۶۱))

إذا أحصر بعدو، أو مرض، أو موت محرم أو هلاک نفقة حل له التحلل، وتحته في الشامي: منها العدة، فلو أهلت بالحج فطلقها زوجها ولزمتها العدة صارت محصرة، ولو مقيمة أو مسافرة. (درمختار مع الشامي، كتاب الحج، باب الإحصار زكريا ٤/ ٣، كراچی ٢/ ٥٩٠، هنديه قديم زكريا ١/ ٢١٩، جديد زكريا ١/ ٢٨٢)

(۲) اگر ایسی حالت میں حج کرلیا ہے، تو حرام کے ارتکاب کا شبہ ہے؛ لیکن نفس حج صحیح اور درست ہو چکا ہے، اعادے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی جرمانہ دم وغیرہ لازم ہوگا؛ بلکہ صرف توبہ واستغفار کرلینا کافی ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۶/ ۵۲۲)

ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة، ومع عدم عدة عليها .

(الدرالمختار زكريا ٣/ ٤٦٥، كراچی ٢/ ٤٦٥، المدرالمنتقى قديم ١/ ٢٦٢، جديد بيروت ١/ ٣٨٦)

وإن حجت بدونه حرم وأجزأه . (أوجز المسالك، كتاب الحج، حج المرأة بغير ذي محرم، جديد دار القلم ٨/ ٦٥٠)

البتہ حضرت گنگوہیؒ کی ''زبدۃ المناسک'' کی شرح ''عمدۃ المناسک'' میں اس کو عذر شدید شمار کرکے حرمت کا حکم لگانے سے احتراز کیا گیا ہے۔ (عمدۃ المناسک، ص: ۲۴-۲۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۱۱۶)

سفر حج کی پرواز سے قبل شوہر کا انتقال ہوجائے تو کیا بیوی حج بدل کرے؟

سوال [۴۹۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: زید اور ہندہ شوہر بیوی دونوں نے سال گذشتہ حج کے فارم بھر دئے تھے؛ لیکن پرواز شروع ہونے سے پہلے ہی گھر پر زید کا انتقال ہو گیا، ہندہ بھی نہیں گئی اور پیسہ بھی زید کی بیماری میں خرچ ہو گیا، اس سال ہندہ کے بچے ہندہ کو حج کے لئے بھیجنا چاہتے ہیں، محرم بھی مل رہا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ ہندہ اپنا حج کرے یا زید کا حج بدل کرائے، چونکہ زید پر حج فرض تھا اور ہندہ پر نہ جب حج فرض تھا نہ اب فرض ہے؟ اولاد کی سعادت کی بات ہے کہ ماں کو بھیج رہے ہیں، مگر ہندہ کا کہنا ہے کہ میں اپنا حج کروں یا اپنے شوہر کا حج بدل کروں یا کراؤں، شرعاً وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: زاہد حسین سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید پر گذشتہ سال سے ایک سال پہلے حج فرض ہو چکا تھا اور اس نے ایک سال تاخیر کر کے دوسرے سال کے لئے فارم بھرا ہے اور حج کو جانے سے پہلے پہلے اس کا انتقال ہو گیا ہے، تو اس کے ذمہ حج کی فرضیت باقی ہے، ساقط نہیں ہوئی ہے؛ لہٰذا اگر اس نے وصیت کی ہے تو اس کے تہائی ترکہ سے حج بدل کرانا لازم ہے، اور اگر گذشتہ سال سے ایک سال پہلے اس کے اوپر کبھی حج فرض نہیں ہوا تھا؛ بلکہ سال گذشتہ ہی فرض ہوا تھا اور ادائے فریضہ کے لئے فارم بھی بھر دیا تھا؛ لیکن حج کو جانے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا ہے اور بیماری میں پیسہ بھی ختم ہو گیا ہے، تو اب اس کے اوپر حج کی فرضیت باقی نہیں رہی، ہاں البتہ اگر پیسہ بدستور باقی رہتا، تو اس کے اوپر حج کی فرضیت باقی رہتی اور اس پر حج کرنا لازم ہوتا اور پھر اس کی طرف سے حج بدل کرانا لازم ہو جاتا؛ لیکن سوال نامہ میں ہے کہ پیسہ زید کی بیماری میں ختم ہو گیا ہے؛ اس لئے اس کے اوپر حج کرنا لازم نہیں رہا، ہاں البتہ اگر وارثین اپنی طرف سے بخوشی حج کرادیں تو زید کو ثواب بھی مل جائے گا۔ اور حج کرانے والے وارثین کو بھی ثواب ملے گا۔ اور ہندہ کو پہلے اپنا ہی حج کرنا چاہئے اور شوہر کی طرف سے کوئی دوسرا آدمی حج کر لے؛ کیوں کہ سوال نامہ کے مطابق ہندہ پر حج فرض نہیں

ہے۔اورسوال نامہ کے واقعہ کے مطابق ہندہ کے شوہر زید پر بھی حج فرض نہیں رہا ہے۔

وكذا كل من وجب عليه الحج أما حجة الإسلام أو القضاء، أو النذر إذا مات قبل التمكن من أدائه سقط عنه الحج، ولا يجب عليه الوصية به. (غنية الناسك، ص: ١٤)

ولو أفرز الموصى بنفسه مالا ليحج عنه، فهلك لا يلزمه شيء، وبطلت الوصية (إلى قوله) **إن محل الوصية الثلث، فيجب تنفيذها ما بقي محلها، وإذا لم يبق بطلت لفوات محلها.** (هداية، أشرفي ديوبند ٤/ ٦٩٦)

والمراد بما ذكر في دليل محمد هو أن الموصى لو أفرز بنفسه مالا ليحج عنه، فهلك ذلك المال لا يؤخذ بشيء من تركته بعد مماته، بل تبطل وصيته أصلا. (تكملة فتح القدير، زكريا ١٠/ ٥٣٩، كوئٹه ٩/ ٤٣١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۱۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۱۸ھ

عورت کا بلامحرم سفر کرکے حج کرنا

سوال [۴۹۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بغیر محرم کے زیارتی ویزا پر اگر کوئی عورت دہلی سے جدہ کا سفر بذریعۂ ہوائی جہاز سات گھنٹہ طے کرے اور اس کا شوہر جدہ ایئر پورٹ پر اس کو لے لے اور قیام جدہ میں ہو، پھر جدہ سے عمرہ وحج کی ادائے گی شوہر کے ساتھ ہو، تو کیا یہ حج اس عورت کا صحیح ہے یا نہیں؟

(نوٹ) وطن سے دہلی تک کا تو لڑکے کے ہمراہ سفر ہوگا، جب کہ لڑکا بھی عمرہ کے

ویزا پر جانا چاہتا ہے؛ لیکن عمر ۲۰؍سال ہونے کی وجہ سے سعودی سفارت خانہ نے لڑکے کو عمرہ کا ویزا نہیں دیا۔ اور بدرجۂ مجبوری غیر محرم کے ہمراہ سفر کرنا پڑا، عورت کے ساتھ دہلی سے جدہ تک تین سال کا بچہ تھا۔

المستفتی: شفیع احمد اعظمی، مقیم حال جدہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلامحرم سفر کر کے جو حج کرلیا ہے، وہ حج بالاتفاق صحیح اور درست ہو چکا ہے، اس حج کا فریضہ ادا ہو کر ذمہ سے ساقط ہو چکا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۶/۵۲۲)

ولو حجت بلا محرم جاز. (شامي، کراچی ۲/ ٤٦٥، زکریا ۳/ ٤٦٥، غنية الناسك قديم ۱۲، جديد کراچی ۲۹)

اب رہی یہ بات کہ بلامحرم سفر کرنے کی وجہ سے عورت گنہگار ہوگئی ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو ہر حال میں گنہگار ہوگی، توبہ واستغفار کرلینا ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۶/۵۲۲)

مگر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر فتنہ کا خطرہ نہیں ہے اور قابل اعتماد لوگوں کے ساتھ سفر کر کے حج کرلیتی ہے، تو گنہگار بھی نہیں ہوگی۔ (ملفوظات محدث کبیر ۴۱۵)

ويجوز عندي مع غير محرم أيضا بشرط الاعتماد والأمان عن الفتنة، وقد وجدت له مادة كثيرة في الأحاديث. (فيض الباري، أبواب التقصير، باب يقصر إذا خرج، کوئٹه ۲/ ۳۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شوال ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱۷۲/۳۱)

بوڑھی عورت کا جوان پوتے کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: راشدہ جو زید کی بیوی ہے، اس کے خاوند زید کے مرنے کے بعد راشدہ حج کا ارادہ کرتی ہے اور اس کے پوتا، پوتی وغیرہ بھی ہیں، جو سمجھ دار اور جوان ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ راشدہ حج کے لئے کس کے ساتھ جاسکتی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر اسے طلاق دے دے اور مطلقہ عورت جو ۵۵؍سال کی ہو، اگر وہ حج کو جانا چاہتی ہو تو کس کے ساتھ جاسکتی ہے؟ برائے مہربانی دونوں سوالوں کے جوابات حدیث اور قرآن پاک کی روشنی میں دے کر احسان فرمائیں۔

المستفتی: عبد الشکور محلّہ پرتھی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے جوان پوتے کے ساتھ عورت حج کو جاسکتی ہے؛ اس لئے کہ پوتا محرم شرعی ہے اور مطلقہ عورت اپنے جوان لڑکے، حقیقی بھائی، حقیقی داماد، حقیقی پوتے، حقیقی نواسہ کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے؛ اس لئے کہ یہ سب شرعی محرم ہیں۔

(مستفاد: ایضاح المناسک/۶۳، انوار مناسک/ ۱۷۶)

ثم صفة المحرم أن يكون ممن لا يجوز له نكاحها على التأبيد إما بالقرابة أو الرضاع، أو الصهرية؛ لأن الحرمة المؤبدة تزيل التهمة في الخلوة الخ. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط الوجوب قديم ٢/ ١٢٤، جديد زكريا ٢/ ٣٠٠)

والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو صهرية. (شامي، كراچی ٢/ ٤٦٤، زكريا ٣/ ٤٦٤) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۴؍رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۴۳۴/۳۳)

بوڑھی عورت کا بلامحرم حج کرنا

سوال [۴۹۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خاتون حج کرنے کا ارادہ کررہی ہے، حج کے جملہ شرائط بھی پائے جاتے ہیں؛ لیکن کوئی محرم ان کے ساتھ جانے والا نہیں، تاخیر کرنے میں صحت کی کمزوری کا اندیشہ ہے، دیور جن کی عمر ٦۵ رسال ہے، اور خاتون کی عمر تقریباً ۷۰ رسال ہے، ایسی صورت میں دونوں کا ایک ساتھ حج کو جانا عدم جواز کا سبب تو نہ ہوگا؟ اور کسی کو کوئی گناہ تو لازم نہ ہوگا؟

المستفتی: ضیاء الدین ندوی معصوم پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ساٹھ ستر سالہ بوڑھی اور عجوزہ عورت کا بلامحرم سفر حج کو جانا حضرت تھانویؒ نے گنجائش نقل فرمائی ہے، بشرطیکہ فتنہ اور معصیت میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲۰۱/۴)

أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها، ومس يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلوا إذا أمن عليه وعليها، وإلا لا. الخ

(الدرالمختار، کتاب الحظر و الإباحة، فصل في النظر والمس، کراچی ٦/ ۳٦۸، زکریا ۹/ ۵۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الاول ۱۴۱٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۰۳/۳۲)

عمر دراز عورت کا بلامحرم سفر حج کو جانا

سوال [۴۹۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک بوڑھی عورت جس کی عمر ۶۰ ؍سال سے اوپر ہوچکی ہے، وہ حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتی ہے، اس کے ساتھ اس کے جیٹھ اور دیور اور جیٹھ کی بیوی بھی جائے گی، تو ان حضرات کے ساتھ یہ بوڑھی عورت سفر حج کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شعیب شاہ آباد، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ساٹھ سال سے زیادہ عمر کی عورت کے لئے بلا محرم حج کا سفر اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاوی دیوبند ۴/ ۲۰۱، ایضاح المناسک، ص: ۶۴)

أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها، ومس يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها، وإلا لا.

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ۹/ ۵۳۹، كراچی ۶/ ۳۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍صفر ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۲/۲۴ھ

کیا ۵۵ ؍سالہ عورت تنہا حج کو جاسکتی ہے؟

سوال [۴۹۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے شوہر کے انتقال کو تقریباً تین سال ہوگئے ہیں، ان کی حیات میں ہم دونوں کا حج کا ارادہ تھا؛ لیکن اچانک ان کو ہارٹ فیل ہوگیا؛ لہٰذا میں ان کا حج بدل اور اپنا حج کرنا چاہتی ہوں، میں نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ میرے ساتھ حج کو چلو، انہوں نے باوجود کوشش کے انکار کردیا اور میرے دو بیٹے ہیں، ایک کی عمر ۱۶ ؍سال اور دوسرے کی عمر ۱۲ ؍سال

ہے، یہ دونوں ابھی میرے حساب سے ناسمجھ ہیں، امسال میری ایک حقیقی نند اور نند کے شوہر حج کے لئے جارہے ہیں، جن کی عمریں تقریباً ۵۸/ یا ۶۰/سال ہے؛ لہٰذا میں حج بدل کے لئے اپنے شوہر کے بھانجے جو دوسال قبل اپنا حج کا فریضہ بھی ادا کرچکے ہیں میری عمر ۵۵/ سال ہے اور مجھے اس گروپ میں جانے سے کوئی فتنہ یا معصیت کا کوئی خدشہ نہیں ہے، شریعت مطہرہ کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتية: سیدہ بیگم بازار جھنڈا چوک کوٹ دروازہ، نگینہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ۵۵/سالہ عورت بالکل آئیسہ ہوگئی ہے، صحت کے اعتبار سے بھی ۶۰-۶۵/سالہ عورت کی طرح کمزور ضعیف ہے اور مذکورہ لوگوں کے ساتھ جانے میں کسی قسم کا فتنہ اور معصیت کا خطرہ بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں بلا محرم حج کو جانے کی گنجائش ہے، مگر بہتر یہی ہے کہ اپنے ۱۶/سالہ لڑکے کو ساتھ لے کر جائیں۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/۲۰۱)

أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها، ومس يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها، وإلا لا.

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ۹/ ۵۳۹، كراچی ٦/ ۳٦۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۲۹۰/۳۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۸/۵/۱۳ھ

۵۷/سالہ عورت کا انٹرنیشنل گروپ سے حج کرنا

سوال [۴۹۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: میری عمر ۵۷/سال ہے، میں حج کو انٹرنیشنل گروپ سے جانا چاہتی ہوں، میرے بھائی، چچا، تایا، شوہر، بیٹا کوئی نہیں ہے، آپ مجھ کو بتائیں کہ میں گروپ میں دینی بھائی بنا کر حج کر سکتی ہوں یا نہیں؟ اور میرا حج کارآمد رہے گا یا نہیں؟

المستفتیة: ذکیہ خاتون محلّہ کٹار شہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۵۷/سال کی عمر کی عورت کے لئے بغیر شوہر یا بغیر محرم شرعی کے سفر حج کو جانا جائز نہیں ہے، اگر عورت کا بھائی، چچا، شوہر یا بیٹا کوئی نہیں ہے تو شرعی طور پر ایسی عورت پر حج فرض نہیں ہے۔ اور حج کو نہ جانے کی وجہ سے اللہ کے یہاں کوئی دارو گیر نہ ہوگی۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۶۳)

ومع زوج، أو محرم ولو عبدا، أو ذميا، أو برضاع. (درمختار زکریا ۳/ ٤٦٤، کراچی ۲/ ٤٦٤، هداية أشرفيه ۱/ ۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۶۳)

۵۸/سالہ عورت کے لئے غیر محرم کے ساتھ سفر حج کا حکم

سوال [۴۹۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت جس کی عمر ۵۸/سال ہے اور صحت مند ہے، کسی غیر محرم کے ساتھ حج کے سفر پر جا سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: شجاع الحق محلّہ سیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عمر کی عورت کے لئے بلا محرم حج کو جانا جائز نہیں۔ اور اگر محرم کا نظم نہ ہو تو اس پر حج فرض نہیں۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۶۳)

ومع زوج، أو محرم (إلى قوله) مع وجوب النفقة لمحرمها عليها؛ لأنه محبوس عليها. (الدرالمختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع، كراچی ۲/ ٤٦٤، زكريا ۳/ ٤٦٤)

وأما الذى يختص النساء فشرطان، أحدهما: أن يكون معها زوجها، أو محرم لها، فإن لم يوجد أحدهما لا يجب عليها الحج، وهذا عندنا -إلى- أن المحرم أو الزوج من ضرورات حجها بمنزلة الزاد والراحلة إذ لا يمكنها الحج بدونه كما لا يمكنها الحج بدون الزاد والراحلة. (بدائع الصنائع قديم ۲/ ۱۲۳، جديد زكريا ۲/ ۳۰۰)

ويعتبر في المرأة أن يكون لها محرم تحج به، أو زوج ولا يجوز لها أن تحج بغيرهما. (هداية، كتاب الحج، أشرفي ديوبند ۱/ ۲۳۳، إيضاح المسائل/ ٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ شوال المکرّم ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۵۵۶/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۱۰/۱۳ھ

ساٹھ سالہ عورت کا قافلہ کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۸٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت جس کا شوہر اور باپ موجود نہیں ہے، صرف بھائی اور بھتیجے ہیں، عمر ساٹھ سال ہے، مشتہاۃ بھی نہیں ہے، وہ عورت حج پر اپنے محلّہ کی ان عورتوں کے ساتھ جانا چاہتی ہے جو محرم کے ساتھ ہیں؛ چونکہ بھائی بھتیجے جانے کی وسعت میں نہیں ہیں، کیا مذکورہ عورتوں کے ساتھ حج پر جاسکتی ہے۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن سمدھن، قنوج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ساٹھ ستر سالہ عورت کے لئے بغیر محرم نیک لوگوں کے قافلہ کے ساتھ جس میں دوسری عورتیں بھی ہوں، حج کو جانے کی گنجائش ہے؛ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ فتنہ اور برائی کا اندیشہ نہ ہو۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ١٧٧، امداد الفتاویٰ ٢٠١/٤)

أما العجوز التي لا تشتهى فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ٩/ ٥٢٩، كراچی ٦/ ٣٦٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٩ ربیع الاول ١٤٣٤ھ
(الف فتویٰ نمبر: ١١٠٣٧/٤٠)

٦٥ سالہ عورت کا بلامحرم سفرِ حج پر جانا

سوال [٤٩٨٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی والدہ کافی عمر رسیدہ ہیں، زید اپنے خرچ سے ان کو حج کرانے کی دلی خواہش رکھتا ہے؛ لیکن ان کے ہمراہ خود جانے یا کسی اور محرم شرعی کو بھیجنے کی وسعت نہیں رکھتا ہے، کیا اس صورت میں زید اپنی والدہ کو کسی نامحرم قابل اعتماد شخص کے ساتھ سفر حج پر بھیج سکتا ہے یا نہیں؟ اس وقت عمر پینسٹھ سال سے زائد ہے۔

المستفتی: شہزاد رشید اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ٦٥ سالہ بوڑھی عورت کے لئے سفر حج میں جانے

کے واسطے محرم شرعی ساتھ میں ہونا لازم نہیں ہے؛ لیکن اس عورت کی خدمت کے لئے جوان عورت ساتھ میں ہونی چاہئے، اگر اس کی دیکھ بھال کرنے والی اس کے ساتھ میں موجود ہو تو نیک لوگوں کے قافلہ کے ساتھ ایسی عورت کے لئے حج کو جانا جائز ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۱۷۷)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (عالمگیری قدیم ۵/ ۳٦٦، جدید زکریا ۵/ ٤۲۳)

أما العجوز التي لا تشتهى فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ۹/ ۵۲۹، كراچی ٦/ ۳٦۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۲/ ۹۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ
۲۵/۴/ ۱۴۲۸ھ

۶۵؍سال کی عورت کا بلا محرم حج کا سفر کرنا

سوال [۴۹۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مسماۃ ہے، ان کے شوہر کو انتقال ہوئے ۱۴؍سال ہو گئے، کوئی لڑکا نہیں ہے، تین لڑکیاں تھیں، شادی ہوگئی ہے؛ لہٰذا بھتیجے کی لڑکی اور ان کا شوہر اور بھتیجے کی خالہ اور بھتیجے کے داماد کے بھائی اور ان کی بھاوج حج کو جا رہے ہیں، ان کے ساتھ مستفتیہ حج کو جا سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث سے مدلل وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتية: مسماۃ آمنہ بیگم عمر ٦٦؍سال، محلہ کسرول دیوان خانہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۶۵-۷۰؍سال کی عورت نیک لوگوں کے قافلہ کے ساتھ حج کو بلا محرم جا سکتی ہے، بشرطیکہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو؛ لہٰذا مذکورہ ٦٦؍سالہ عورت مذکورہ

جماعت کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے۔(مستفاد: ایضاح المناسک/۶۴، امداد الفتاوی۴/۲۰۱)

أما العجوز التي لا تشتهى فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى النظر والمس، زكريا ٩/ ٥٢٩، كراچى ٦/ ٣٦٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲رشعبان ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۸۷۸)

کیا ۶۵-۷۰رسالہ عورت بلا محرم حج پر جاسکتی ہے؟

سوال [۴۹۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں ایک بیوہ عورت ہوں، میری عمر تقریباً ۷۰ر سال ہے، میں اس سال حج پر جانا چاہتی ہوں، میرے چار بیٹے ہیں، مگر کوئی بھی میرے ساتھ حج پر نہیں جاسکتا، میں پرائیویٹ ٹور سے حج پر جانا چاہتی ہوں، آپ سے مسئلہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ کیا میں ٹور میں حج پر جاسکتی ہوں؟

المستفتیة: شہزادی بیوہ حاجی برکت، پیرغیب مرادآباد

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۶۵-۷۰رسالہ عورت بغیر محرم قابل اعتماد نیک لوگوں کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، بشرطیکہ فتنہ کا خطرہ نہ ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاوی۴/۲۰۱، انوار مناسک/۱۸۸)

أما العجوز التي لا تشتهى فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا.

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى النظر والمس، زكريا ٩/ ٥٢٩، كراچى ٦/ ٣٦٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳رشوال ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱۰/۱۳ھ

۶۰/ ۶۵ سال کی عورت کا بلامحرم شرعی سفرحج کے لئے جانا

سوال [۴۹۹۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید اپنی بیوی کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کو جارہا ہے، کیا اپنے ساتھ اپنی بیوی کی حقیقی بہن کو بھی حج بیت اللہ شریف کو لے جاسکتا ہے، جب کہ زید کی بہن کی عمر تقریباً ۶۰ /سال ہے اور وہ بیوہ بھی ہیں؟

(۲) زید اپنی بیوی کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کو جارہا ہے، کیا زید اپنے ساتھ اپنے حقیقی ماموں کی بیوی اپنی حقیقی ممانی کو بھی حج بیت اللہ شریف کے لئے لے جاسکتا ہے، جب کہ زید کی ممانی کی عمر تقریبا ۷۰/سال ہے، وہ بھی بیوہ ہیں۔

(۳) کیا بکر اپنی والدہ کو اپنے حقیقی پھوپھا کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کے لئے بھیج سکتا ہے؟ بکر کے پھوپھا کے ساتھ پھوپھی بھی جارہی ہیں اور بکر کی والدہ کی عمر تقریباً ۷۰/سال ہے اور وہ بھی بیوہ ہیں۔

المستفتی: محمد جابر خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲-۳) غیر محرم کے ساتھ عورت کے لئے سفر حج پر جانا عمومی حالات میں ناجائز ہے، اس کی اصل وجہ فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے؛ لہٰذا ۶۰ - ۶۵/سال سے کم عمر کی عورتوں کو فتنہ کا اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں بھی نامحرم کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں ہے؛ لیکن ۶۰/ ۷۰/سالہ بڑھیا عورت کے لئے قابل اعتماد ونیک لوگوں کے قافلہ کے ساتھ بغیر محرم کے سفر حج کو جانے کی گنجائش ہے، اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اور سوال نامہ میں جتنی عورتوں کا تذکرہ ہے وہ سب کی سب ۶۰/ ۷۰/سالہ بڑھیا ہیں، ان کے لئے قابل اعتماد نامحرم رشتہ داروں کے ساتھ سفر حج کو جانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک ۱۷۷، کتاب المسائل ۳/ ۹۳، امداد الفتاوی ۴/ ۲۰۱)

أمـا العجوز التي لا تشتهي، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتـى جـاز الـمــس جـاز سـفـره بهـا، ويـخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا.

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ٩/ ٥٢٩، كراچی ٦/ ٣٦٨)

ويجوز عندي مع غير محرم أيضا بشرط الاعتماد والأمن عن الفتنة.

(فيض الباري، أبواب التقصير، قبيل باب يقصر إذا خرج ٢/ ٣٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳ر صفر ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۳٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۲/۱۳ھ

۷۰ر سال کی عورت کے لئے نامحرم کے ساتھ سفر حج کا حکم

سوال [۴۹۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جناب مفتی صاحب! عرض یہ ہے کہ میں محلّہ لالباغ کی رہنے والی ہوں اور میں حج شریف کو جانا چاہتی ہوں، مجبوری یہ ہے کہ میرے ساتھ کوئی محرم نہیں ہے، میں کسی جان پہچان کے ساتھ جاسکتی ہوں؟ مہربانی فرما کر بتادیجئے، میری عمر ستر سال کی ہے۔

المستفتية: نعیمہ خاتون محلّہ لالباغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی عمر ستر سال کی ہوگئی ہے، تو آپ کے لئے سفر حج میں شرعی محرم کے ساتھ سفر کرنا واجب نہیں ہے؛ بلکہ جب فتنہ کا خطرہ نہیں ہے تو قابل اعتماد لوگوں کے ساتھ سفر حج کی گنجائش ہے؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ آپ کی دیکھ بھال اور خدمت کے لئے کوئی تندرست عورت یا مرد ہو؛ اس لئے کہ حج کے پانچ دن بہت زیادہ بھیڑ اور محنت ومشقت کے ہوتے ہیں، اس درمیان میں کوئی بھی حادثہ پیش آسکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲۰۱، ایضاح المناسک/ ٦۴)

أما العجوز التي لا تشتهي، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا..

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ۹/ ۵۲۹، کراچی ٦/ ۳٦۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۸۰۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/ ۴/ ۱۴۲۴ھ

۷۰ سالہ عورت کا بغیر محرم کے حج کرنا

سوال [۴۹۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت مسماۃ بانو اس کی عمر لگ بھگ ستر سال ہے، وہ حج کو جانا چاہتی ہے، مگر اس کے ساتھ کوئی شرعی محرم نہیں ہے، تو کیا اس کے لئے بغیر محرم کے حج کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد علی حسن پنڈت نگلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پینسٹھ ستر سالہ عورت کے لئے بلا محرم مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ حج کو جانا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ اس لئے کہ اس کا نامحرم مردوں کے ساتھ ناجائز تعلق قائم ہونے اور ناجائز فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اور شریعت نے شوہر یا محرم شرعی کے ساتھ سفر کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ نامحرم مردوں کے ساتھ فتنہ میں مبتلا نہ ہوجائے اور ستر سالہ عورت میں ایسے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے؛ لہٰذا جب قابل اطمینان مسلمانوں کے قافلہ کے ساتھ حج کو جائے اور کوئی فتنہ اور معصیت کا خطرہ بھی نہ ہو اور قافلہ کے لوگ ضرورت پڑے تو اس کی خدمت کر سکتے ہوں، تو ایسی صورت میں بلا محرم حج کو جانے سے اس کو روکا نہیں جا سکتا۔

(مستفاد: امداد الفتاوی ۴/ ۲۰۱، ایضاح المناسک، ص: ٦۴)

أما العجوز التي لا تشتهي، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا..

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ۹/ ۵۲۹، كراچی ٦/ ٣٦٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۵/ ۱۴۲۷ھ

۷۵/ سالہ عورت کا بلا محرم سفر حج پر جانا

سوال [۴۹۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: گزارش یہ ہے کہ میں اپنی ہمشیرہ اور بھانجی کو لے کر اس سال حج کرنے جا رہا ہوں، میرے ہمراہ رشتہ کی خالہ جو ممانی بھی ہوتی ہیں، شاہ زمانی بیگم جن کی عمر تقریباً ۷۵/ سال ہے، جو بیوہ ہیں، وہ بھی حج کرنے جانا چاہتی ہیں، کیا وہ میرے ہمراہ حج کرنے جا سکتی ہیں؟

المستفتی: شمیم احمد لال کوٹھی ناگ پھنی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۷۵/ سال کی بوڑھی عورت میں فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے؛ اس لئے غیر محرم کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک ٦۴، امداد الفتاوی ۴/ ۲۰۱)

أما العجوز التي لا تشتهي، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا..

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ۹/ ۵۲۹، كراچی ٦/ ٣٦٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۷۲)

۸۰؍سالہ عورت کا سمدھی سمدھن کے ساتھ حج پر جانا

سوال [۴۹۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندہ کے ماں باپ حج کو جارہے ہیں اور ہندہ کی ساس بھی ان کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے، ساس کی عمر اسّی سال ہے، تو ایسی صورت میں ہندہ کی ساس اپنے سمدھی سمدھن کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد شمشاد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۸۰؍سالہ بوڑھی عورت کے لئے سفر حج میں جانے کے واسطے محرم شرعی کا ساتھ میں ہونا لازم نہیں ہے؛ لہٰذا ایسی عورت کا اپنی سمدھی اور سمدھن کے ساتھ حج کو جانا جائز ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ ایسے تندرست لوگ ساتھ میں ہوں جو ضرورت پر ان کی خدمت کرسکیں۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۱۷۷)

أما العجوز التي لا تشتهي، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا..

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ۹/ ۵۲۹، كراچی ٦/ ٣٦٨)

وقال حماد رحمه الله تعالىٰ: لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (عالمگيري قديم زكريا ۵/ ٣٦٦، جديد ۵/ ٤٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۲۳ھ

۸۰؍سالہ عورت کا بلا محرم حج کو جانا

سوال [۴۹۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: اسّی سال کی عورت بلا محرم حج بیت اللہ کو جاسکتی ہے یا نہیں؟ جواب با صواب سے نوازیں۔

المستفتی: سعید احمد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسی سال کی عورت کے لئے حج بیت اللہ کو جانے کے لئے محرم ساتھ لے جانا لازم نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس میں خوف فتنہ نہیں ہے، ہاں البتہ ساتھ میں خدمت کے لئے جوان لوگوں کا ہونا ضروری ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۶۴، امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۰۱)

أما العجوز التي لا تشتهي، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا..

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ۹/ ۵۲۹، كراچی ۶/ ۳۶۸)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۰۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۶/۱۰ھ

۸۵؍ سالہ عورت کا ۸۵؍ سالہ پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ حج کو جانا

سوال [۴۹۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت کی عمر ۸۵؍ سال ہے اور وہ حج کو جانا چاہتی ہے، ساتھ جانے والا کوئی محرم نہیں ہے اور نہ اتنی گنجائش ہے کہ اپنے پیسے سے کسی کو اپنے ساتھ لے جاسکے، ایسے حالات میں کیا وہ اپنے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ پھوپھی زاد بھائی کی عمر بھی ۸۵/۸۶؍ سال ہے اور وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ جارہے ہیں، جواب سے نوازیں۔

المستفتی: شکیل الرحمٰن بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں جب کہ عورت کی عمر ۸۵/ سال ہے اور پھوپھازاد بھائی کی عمر بھی پچاسی سال ہے، تو ایسی صورت میں اگر اس کے ساتھ سفر کرنے میں کسی طرح کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو پھر ان کے ساتھ سفر کی گنجائش ہے؛ لیکن ان کے ساتھ ایسے جوان افراد کا ہونا ضروری ہے جو ضرورت کے موقع پر ان کی خدمت کرسکیں، اور ان کا سہارا بن سکیں؛ اس لئے کہ حج آسان کام نہیں ہے، جوانوں کے لئے بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲۰۴/۴، فتاوی دار العلوم ۵۳۴/۶، ایضاح المناسک ۶۲، انوار مناسک ۱۷۷)

أما العجوز التي لا تشتهي، فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا..

(درمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس، زكريا ۹/ ۵۲۹، كراچی ٦/ ٣٦٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۵۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۵/۱۶ھ

۳/ باب رسومات الحج

حجاج کرام کا حج سے قبل اعزاء واقرباء سے ملاقات کے لئے جانا

سوال [۴۹۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) حج کے لئے جانے سے پہلے اعزاء واقرباء سے ملاقات کے لئے جگہ جگہ گاؤں گاؤں گھومنا صحیح ہے یا غلط ہے؟

(۲) حج پر جانے والے حجاج کو کپڑے دینے کا رواج ہے، یہ صحیح ہے یا غلط ہے؟

المستفتی: محمد ایوب کیلاش نگر، دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج کو جانے والے کا جانے سے پہلے اعزاء واقرباء سے ملاقات کے لئے جگہ جگہ، گاؤں گاؤں گھومنا اور اپنے حج کو جانے کی شہرت دینا قرآن وحدیث اور سنت رسول اور سلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے، اسی طرح اعزاء کے یہاں جا جا کر ان سے تحفہ تحائف کا وصول کرنا سنت اور طریقۂ سلف کے خلاف ہے، اس سے حج جیسی عبادت کی روح ختم ہو جاتی ہے، پھر عجیب بات ہے کہ حاجی صاحب کی واپسی کے بعد جن لوگوں نے تحفہ تحائف دیئے تھے، حاجی ان کا بدلہ چکانے کی فکر میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور سفر حج کے دوران حاجی صاحب کے دل ودماغ پر اس کا خیال رہتا ہے جس سے حج کی روح ختم ہو جاتی ہے، ایسے طرز عمل سے حجاج کرام کو گریز کرنا چاہئے۔ (مستفاد: انوار مناسک ص: ۱۴۳-۱۴۴، ۶۷۹)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: حج النبي صلى الله عليه وسلم على رحل رث وقطيفة تسوى أربعة دراهم، أو لا تسوى، ثم قال:

اللهم حجة لا رياء فيها، ولا سمعة. (ابن ماجة، أبواب المناسك، باب الحج على الرحل، النسخة الهندية ۲۰۷، دارالسلام بيروت ٤١٨، رقم: ۲۸۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۹۸/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۲۱ھ

حجاج کرام کی روانگی کے وقت مسجد میں دعا کا اہتمام کرنا

سوال [۴۹۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بستی میں عرصۂ دراز سے دستور چلا آرہا ہے کہ حجاج کرام کی روانگی کے وقت کسی ایک مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں، مسجد ہی میں سفر حج کے متعلق کچھ باتیں بتلائی جاتی ہیں اور اجتماعی دعا ہوتی ہے اور اس اجتماعی دعا میں بستی کے بہت سے لوگ شریک ہوتے ہیں، اب بعض علماء اس عمل پر نکیر کرتے ہیں، کیا شرعاً ایسا عمل ممنوع ہے؟ دلائل کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حاجیوں کے واسطے بوقت روانگی کچھ معلومات اور نصائح فراہم کرنے کے لئے یہ عمل کیا جاتا ہے تو ایسا کرنا جائز اور فائدہ سے خالی نہیں۔ اور اگر صرف ریا کاری اور ایک ہنگامہ ظاہر کرنے کے لئے ہے تو ممنوع ہے، اب آپ لوگ اپنے یہاں کے حالات کو خود سمجھ لیں یہ عمل کس قسم میں شامل ہے۔

عن أنس بن مالك – رضي الله عنه – قال: حج النبي ﷺ على رحل رث وقطيفة تسوى أربعة دراهم، أو لا تسوى، ثم قال: اللهم حجة لا رياء فيها ولا سمعة. (سنن ابن ماجة، أبواب المناسك، باب الحج على الرحل، النسخة الهندية ۲۰۷، دارالسلام رقم: ۲۸۹۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/شوال ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۹۰۲/۳۴)

حاجی کی رخصتی

سوال [۴۹۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: فریضۂ حج سے فراغت کے بعد حاجی حضرات جب اپنے وطن واپس آجاتے ہیں تو ان حاجی حضرات کو دعوت ناموں کے ذریعہ اطلاع دے کر اور یہ کہہ کر کہ اپنے ساتھ کھجوریں اور زمزم بھی لیکر آئیں، جلسۂ استقبالیہ باقاعدہ اسٹیج بنا کر اسکول میں کیا جاتا ہے، اس جلسہ میں ایس ڈی ایم، سی او، تھانہ کے انسپکٹر، ہوسپیٹل سے ڈاکٹر وسیاسی حضرات مسلمانوں کے علاوہ دوسرے غیر مسلم حضرات کو بھی جلسہ میں شرکت کی دعوت دے کر بلایا جاتا ہے، جلسہ کا صدر بھی بنایا جاتا ہے، جلسہ کی ابتدا تلاوت کلام پاک اور نعت شریف سے کی جاتی ہے، اس کے بعد اسپیکر صاحب اعلان کرتے ہیں کہ فلاں صاحب حج کر کے تشریف لائے ہیں ان کا استقبال فلاں صاحب کریں گے، استقبال کرنے والے اپنے ہاتھوں میں پھولوں کا ہار لے کر حاجی صاحب کے گلے میں ڈالتے ہیں، اس وقت ان کا فوٹو بھی کھینچ لیا جاتا ہے، پھر یہ حاجی صاحب اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جاتے ہیں، اس طرح ترتیب سے ہر ایک حاجی صاحب کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اسی جلسہ میں کھجوریں حاجی صاحبان سے لے کر تقسیم کی جاتی ہیں اور زمزم پلایا جاتا ہے، ان سب حاضرین کو ناشتہ بھی دیا جاتا ہے، جلسۂ استقبالیہ کرانے والوں کی طرف سے بطور انعام کے ایک پلیٹ جس میں حج مبارک لکھا ہوا ہوتا ہے، حاجی صاحب کو دی جاتی ہے، اس وقت بھی حاجی صاحب کو اسٹیج پر بلا کر ان کا فوٹو کھینچ لیا جاتا ہے۔

کچھ علماء حضرات بھی اس جلسہ میں شرکت کرتے ہیں، یہ استقبال مسلمانوں اور غیر مسلموں وسیاسی حضرات سے کرایا جاتا ہے، جلسہ کے اخراجات، پھولوں کا ہار، حج مبارک کی پلیٹ، ناشتہ، دعوت نامہ، سب چندہ سے کئے جاتے ہیں باری تعالیٰ کی توفیق کی بناء پر مقدس

فریضۂ حج کی ادائے گی کے بعد اس طرح اسٹیج بنا کر حاجیوں کا تعارف کرانا، ان کا استقبال کرنا، ان کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال کر فوٹو کھینچنا ان کو انعام کے طور پر حج مبارک کی پلیٹ دینا، مزید علماء کی شرکت شریعت اسلامیہ کی روشنی میں درست ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب باصواب سے نوازا جائے۔

المستفتی: جمیل احمد قاسمی محلّہ منہاری سرائے، نگینہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں جتنے امور ذکر کئے گئے ہیں، ان میں سے کوئی بھی امر حاجی کے لئے جواز کے دائرہ میں داخل نہیں، حج جیسی عبادت کو اس طرح کی ریاکاری، اور شہرت کی تقریبات سے پاک رکھنا لازم اور ضروری ہے، آج کل کے زمانے میں دو قسم کی فضول خرچی عام ہوتی جارہی ہے:

(۱) حاجی کے حج کو جانے سے پہلے دولہا یا دولہن بنا کر رخصت کیا جاتا ہے، اور اس وقت رخصتی کی دعوت ہوتی ہے۔

(۲) جب حاجی صاحب واپس آتے ہیں تو حاجی صاحب کا ولیمہ ہوتا ہے، دیکھنے والے فیصلہ نہیں کرسکتے کہ یہ حاجی صاحب ہیں یا دولہا میاں؟ اب تک ہم یہ سمجھتے رہے ہیں کہ یہ فضول خرچی حاجی صاحب اپنی جیب خاص سے کرتے ہیں؛ لیکن اب یہ نئی بات معلوم ہوئی ہے کہ حاجی صاحب کی رخصتی اور ولیمہ کا پروگرام چندہ سے کیا جاتا ہے، چندہ دہندگان کو سوچنا چاہئے کہ حج جیسی عبادت کو چندہ دے کر برباد کرنا کونسی سمجھ کی بات اور کونسا عقل کا کام ہے؟ اللہ تعالیٰ تمام حجاج کرام کی ان خرافات سے حفاظت فرمائے اور حج مقبول ومبرور حاصل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ حدیث شریف میں یہ ضرور ثابت ہے کہ حاجی صاحب سے دعاء کرائی جائے؛ لیکن سوال نامہ میں ذکر کردہ کوئی بھی چیز حدیث شریف سے ثابت نہیں۔

قال الله تبارک وتعالیٰ: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْن وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. [سورة بني إسرائيل: ٢٧]

قال الله تبارک وتعالیٰ: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ. [سورۂ اعراف: ٣١]

عن المغيرة بن شعبة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات ...... وإضاعة المال. (بخاري شريف، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين، النسخة الهندية ٢/ ٨٨٤، رقم: ٥٤١، ف: ٥٩٧٥)

عن عمر –رضي الله عنه– أنه استأذن النبي ﷺ بالعمرة، فأذن له وقال: يا أخي! أشركنا في شيء من دعائک، ولا تنسنا. (سنن ابن ماجة، أبواب المناسك، باب فضل دعاء الحج، النسخة الهندية، ٢٠٨، دارالسلام، رقم: ٢٨٩٤، سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الدعاء، النسخة الهندية ١/ ٢٠٨، دارالسلام رقم: ١٤٩٨)

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إذا لقيت الحاج فسلم عليه وصافحه، ومره أن يستغفر لک قبل أن يدخل بيته، فإنه مغفور له. (مسند أحمد ٢/ ٦٩، برقم: ٥٣٧١)

البدعة ما أحدث على خلاف حق المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل. (شامي، باب الإمامة، مطلب البدعة خمسة أقسام، كراچی ١/ ٥٦٠، زكريا ٢/ ٢٩٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۰۱)

حج کو جاتے وقت دعوت وغیرہ کا التزام

سوال [۵۰۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہماری بستی میں حج سے متعلق کئی رسوم رائج ہیں، جن کی وجہ سے عازمین حج کو مختلف قسم کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

(۱) عازمین کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ روانگی سے قبل طلبۂ مدارس اور اعزاء واحباب کی دعوت کریں، اسی طرح اعزاء واحباب کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنے عازمین اقرباء کی مع اقارب دعوت کریں از روئے شرع اس قسم کی دعوت کرنا اور اس میں شرکت کر کے کھانا کھانا کیسا ہے؟

(۲) عازمین کے اعزاء واحباب ان عازمین کو کپڑوں کے جوڑے دیتے ہیں؟

(۳) عازمین روانگی کے وقت اپنے رشتہ داروں کو بس کرایہ پر لے کر دہلی تک لے جاتے ہیں، عازمین کے لئے دوران سفر اور دہلی میں ان ہم سفر رشتہ داروں کے قیام وطعام اور راحت وآرام کا مکمل خیال رکھنا ضروری ہے، اگر کسی عزیز پر خاطر خواہ توجہ نہ ہو سکے تو اس کو شکایت ہوتی ہے، جب کہ دہلی میں ان عازمین کی کاغذات کی کارروائی وغیرہ کی مصروفیات بہت ہوتی ہیں؟

(۴) یہ دہلی جانے والی بسیں ایک خاص مقام اسپتال پر کھڑی ہوتی ہیں، وہاں تک رخصت کرنے کے لئے عورتیں ساتھ جاتی ہیں اور اتنا ہجوم کرتی ہیں کہ بسا اوقات روڈ بند ہو جاتا ہے، ورنہ مردوں عورتوں کا اختلاط تو ہوتا ہی ہے۔

(۵) حجاج کے لئے واپسی پر اپنے اعزاء واحباب کو کپڑوں کے جوڑے تقسیم کرنا اور ان کے بچوں کو کھلونے تقسیم کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، ان تمام رسوم پر ایک عازم کو بیس سے تیس ہزار روپئے کا صرفہ، حج کے خرچ کے علاوہ برداشت کرنا پڑتا ہے، اور اس زائد خرچ کو صرف حج کے ساتھ شامل سمجھا جاتا ہے، حتی کہ بعض لوگ جن کے پاس سفر حج کے لائق مال ودولت ہے؛ لیکن ان رسوم کے ادا کرنے کی وسعت نہیں ہے، وہ اپنے اوپر حج فرض ہی نہیں سمجھتے یا فرض جاننے کے باوجود اتنی وسعت نہ ہونے کی وجہ سے ادائے گی حج سے قاصر

رہتے ہیں، آں جناب ان رسوم کا تمام حدود وشروط کے ساتھ شرعی حکم بیان فرمائیں، نیز یہ کہ عازم حج کے لئے کون سا خرچ لازم ہے؟ اگر کوئی شخص ان رسومات کے دباؤ میں حج نہیں کرتا، تو اس کو گناہ تو نہیں ہوگا؟ اور معذور سمجھا جائے گا، اگر گناہ ہوگا تو اس گناہ میں اعزاء واحباب بھی شریک ہوں گے یا نہیں؟

المستفتی: افتخار احمد ولد حاجی گوہر علی اطہر کمال، کلاتھ ہاؤس صدر بازار، ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حجاج کرام کا سفر حج کو جانے سے پہلے یا سفر حج سے واپسی پر دعوت کرنا اور اس دعوت کو ضروری سمجھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ مجتہدین اور سلف وخلف کسی سے بھی ثابت نہیں ہے، سلف وخلف کے طریقۂ مسنونہ کے خلاف ایک نئے طریقہ کا ایجاد کرنا ہے، جو فریضۂ حج کی ادائے گی کے لئے رکاوٹ ہے، ان سے گریز کرنا ہر حاجی اور ہر مسلمان پر لازم ہے، اسی طرح حاجی کو دھوم دھام کے ساتھ رخصت کرنا اور اس وقت اس کو ایئرپورٹ پہنچانے میں ہزارہا روپیہ برباد کرنا اور پھر واپسی کے وقت حاجی کو دولہا بنا کر لانا اور پھر حاجی صاحب کا دعوت ولیمہ کرنا اور حاجی صاحب کا کپڑا تقسیم کرنا سب بیجا فضول خرچی ہے، جو نص قرآنی کے مطابق: "**اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْن**" کے دائرہ میں داخل ہوکر ناجائز اور ممنوع ہے، حاجی کو دولہن بنا کر رخصت کرنے میں اور پھر واپسی میں دولہا بنا کر لانے میں نامحرم عورتوں کی بھیڑ بھی ناجائز اور ممنوع ہے، ہاں البتہ حاجی کو رخصت کے وقت اس سے دعاء کی گزارش کرنا، اسی طرح واپسی کے وقت اس سے دعا کرانا جائز اور درست ہے۔ اور نص حدیث سے ثابت ہے۔ (معلم الحجاج/ ۳۳۸، مستفاد: ایضاح المناسک/۲۱۲)

عن عبداللّٰہ بن عمر –رضي اللّٰہ عنہ– قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: إذا لقیت الحاج فسلم علیہ، وصافحہ، ومرہ أن یستغفر لک قبل أن یدخل بیتہ، فإنہ مغفور لہ. (مسند إمام أحمد بن ۲/ ۶۹، رقم: ۵۳۷۱)

عن عائشة –رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه، فهو رد. (ابن ماجة شريف، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم و التغليظ على من عارضه، النسخة الهندية ۳، دارالسلام رقم: ١٤)

من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد. (مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، النسخة الهندية ٢/ ٧٧، دارالسلام، رقم: ١٧١٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۲۲ھ

حجاج کرام کا روانگی سے قبل دعوت کرنا

سوال [۵۰۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: روانگی سے پہلے حجاج کرام کی دعوت کی جاتی ہے اور خود حجاج کرام بھی طلبہ اور اپنے رشتہ داروں دوستوں کی دعوت کرتے ہیں، از روئے شرع کیا حکم ہے؟

المستفتی: جلیس احمد ٹانڈہ بادل رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: روانگی سے قبل یا بعد میں حجاج کرام کی دعوت کرنے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی ہے، مگر حجاج کرام کی طرف سے جو روانگی سے قبل یا بعد میں دعوتوں کا رواج اور سلسلہ شروع ہوگیا ہے یہ مختلف خرابیوں کا شکار ہونے کی وجہ سے ممنوع اور قابل ترک ہے، اولاً ایک تو عبادت حج میں ریا کاری ہے اور دوسری بات حج کے خرچ میں دعوت کا خرچ بھی جوڑا جاتا ہے، اس فضول خرچی کی وجہ سے فریضۂ حج میں رکاوٹ کا عظیم خطرہ ہے؛ اس لئے حجاج کرام کو اس سے باز رہنے کی ترغیب دی جائے۔

قال الله تبارک وتعالیٰ: اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. [سورة بني إسرائيل: ٢٧]

عن المغيرة بن شعبة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات ...... وإضاعة المال. (بخاري شريف، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين، النسخة الهندية ٢/ ٨٨٤، رقم: ٥٤١، ف: ٥٩٧٥)

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: حج النبي ﷺ على رحل رث وقطيفة تسوى أربعة دراهم، أو لا تسوى، ثم قال: اللهم حجة لا رياء فيها ولا سمعة. (سنن ابن ماجة، أبواب المناسك، باب الحج على الرحل، النسخة الهندية ٢٠٧، دارالسلام رقم: ٢٨٩٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴/۴۳۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۳/۱۵ھ

حج کے لئے جانے سے قبل دعوت اور دیگر منکرات کا حکم

سوال [۵۰۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حاجی لوگ جب حج کے لئے جاتے ہیں، تو حج کی شہرت کرنا دعوت کے ذریعہ سے ہو یا محفل میلاد کے ذریعہ سے اور جس وقت روانگی ہو تو سب لوگوں کا جمع ہو جانا مرد ہوں یا عورت، اور جاتے وقت مرد عورت دور تک یعنی گاؤں سے کلومیٹر سے بھی زیادہ دور تک ان کے ساتھ ٹریکٹر یا ٹرالی میں بیٹھ کر جانا ہے، اور عورتوں کا بلند آواز سے قصیدے پڑھنا شریعت کی رو سے یہ افعال درست ہیں یا نہیں؟ اور ان سے حاجی کے ثواب میں کمی آتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی صاحب کی روانگی کے وقت مقامی لوگوں کا

حاجی صاحب سے دعا کی درخواست کرنا، دور نبوت اور دور صحابہ سے ثابت ہے؛ لیکن حاجی صاحب کا اس موقع پر دعوت کرنا، محفل میلاد منعقد کرنا، نیز رخصت کرتے وقت بسوں، گاڑیوں کے ذریعہ بارات کی شکل میں رخصت کرانا، قصیدہ خوانی اور نعرہ بازی وغیرہ کسی طرح بھی جائز و درست نہیں، یہ بے جا اسراف اور فضول خرچی ہے، جو حج جیسی مبارک عبادت کے لئے نہایت نقصان دہ ہے؛ اس لئے ان امور سے بچنا لازم اور ضروری ہے، ہاں البتہ اگر ایک دو آدمی ایئر پورٹ تک پہنچانے کے لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/۲۰۲، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۴۵۷، ایضاح المناسک/ ۶۸، سفر حج میں غلطیوں کی اصلاح/ ۷۶)

قال الله تبارک وتعالیٰ: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا. [سورة بني إسرائيل: ۲۷]

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أنه استأذن النبي صلى الله عليه وسلم بالعمرة، فأذن له وقال: يا أخي! أشركنا في شيء من دعائک، ولا تنسنا. (سنن ابن ماجة، أبواب المناسك، باب فضل دعاء الحج، النسخة الهندية، ۲۰۸، دارالسلام، رقم: ۲۸۹۴)

عن المغيرة بن شعبة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله حرم عليكم عقوق الأمهات ...... وإضاعة المال. (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين، النسخة الهندية ۲/ ۸۸۴، رقم: ۵۴۱۰، ف: ۵۹۷۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۰۱۲/۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۸ھ

حاجی کے لئے ہدیہ قبول کرنا

سوال [۵۰۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: زید نے حج بیت اللہ کا ارادہ ظاہر کیا، اس کے چاہنے والے نے کہا جب آپ بیت اللہ جائیں گے تو میں اپنی خوشی سے دو یا چار ہزار روپیہ یا جتنا بھی ہوگا آپ کی نذر کروں گا، تو کیا وہ دو چار ہزار روپیہ لے کر اپنے خرچ میں لگا سکتا ہے؟ فرائض میں تو کوئی کمی نہیں آئے گی؟

المستفتی: عبدالحکیم نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کے چاہنے والوں میں سے جو بھی بطیبِ خاطر اور خوش دلی سے آپ کو ہدیہ اور نذرانہ پیش کرے اس کو آپ کے لئے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس کو آپ لے کر خرچ کر سکتے ہیں، فرائض میں کوئی نقص لازم نہیں آئے گا؛ لیکن یہ شرط ہے کہ آپ کو جو نذرانہ دیا جارہا ہو وہ حلال رقم ہو۔

أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام. (عالمگیری، کتاب الکراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، قديم زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٢، جديد ٥/ ٣٩٦)

ويرى الحنفية أن المدعو يجيب دعوة من كان غالب ماله حلال مالم يتبين عنده أنه حرام. (الموسوعة الفقهية ٤٥/ ٢٤٤)

وأما الإهداء والضيافة فينظر إن كان غالبًا المهدي والضيف لا يقبله ما لم يجز أن ذلك المال حلال، وإن كان غالب ماله حلالا فلا بأس بأن يقبل حتى يتبين عنده أنه حرام. (البناية شرح الهداية أشرفيه ديوبند ١٢/ ٢٠٩) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ شعبان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۰)

حج سے واپسی میں ضمناً گھریلو سامان لانا

سوال [۵۰۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا حج کرنے کا بہت ارادہ ہے اور یہ بھی ارادہ ہے کہ حج کی واپسی پر وہاں سے صرف اپنے گھر کے لئے ۵۰/۴۰/۶۰/ ہزار کے زیوارت اور گھر میں کام آنے والی کچھ چیزیں، کچھ کپڑے، کچھ زمزم، کھجور وغیرہ لاؤں گا، اگر شریعت اجازت دے تو کیا کیا لاسکتا ہوں، اور کتنا کتنا لاسکتا ہوں؟ نیز دوست بھی کچھ لانے کے لئے پیسے دیتے ہیں، ان کے لئے میں کیا کیا لاسکتا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سفرِ حج میں ضمنی طور پر گھر کی ضروریات کا سامان خرید کر لایا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جو چیز جتنی آپ لانا چاہیں لا سکتے ہیں، بشرطیکہ حج کی ادائے گی میں حارج نہ ہو۔

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوا فَضۡلًا مِنۡ رَّبِّكُمۡ. [سورۃ البقرۃ: ۱۹۸]

وتحته في روح المعاني: أي رزقا منه تعالىٰ بالربح بالتجارة في مواسم الحج. (تفسير روح المعاني، زكريا ٢/ ١٣٠، أحكام القرآن للجصاص سهيل اكيڈمي لاهور ١/ ٣٠٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۱۷)

حج سے واپسی کے بعد عزیز واقارب کی دعوت

سوال [۵۰۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: واپسی حج کے بعد عزیز وا قارب کا کھانا کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: حمد الرحمٰن محلّہ گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی صاحب کے سفر حج سے واپس آنے پر ان سے ملاقات سلام ومصافحہ اور دعا کی درخواست کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے اور اس موقع پر حاجی صاحب اوران کے اہل خانہ کی طرف سے عزیز وا قارب اور رشتہ داروں کے کھانے کی دعوت کرنا یہ فضول خرچی اور بیجا اسراف ہے، اس سے احتراز کرنا لازم اور ضروری ہے۔ (انوار مناسک/۵۹۶)

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: إذا لقيت الحاج فسلم عليه فصافحه ومره أن يستغفر لک قبل أن يدخل بيته، فإنه مغفور له. (مسند أحمد ۲/ ۶۹–۱۶۸، رقم: ۵۳۷۱–۶۱۱۲)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أنه استأذن النبي صلى الله عليه وسلم بالعمرة، فأذن له وقال: يا أخي! أشركنا في شيء من دعائک، ولا تنسنا.

(سنن ابن ماجة، أبواب المناسك، باب فضل دعاء الحج، النسخة الهندية، ۲۰۸، دارالسلام، رقم: ۲۸۹۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۲۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۱۱/۱۴۳۰ھ

۴/ باب المیقات والإحرام

مکہ کا باشندہ جب کبھی سال چھ مہینے میں ریاض وغیرہ جا کر واپس آئے تو احرام باندھنے کا حکم

سوال [۵۰۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ذاکر اللہ جو مکہ کا باشندہ ہے، ریاض گیا اب ریاض سے مکہ واپس آرہا ہے، تو اس کے اوپر عمرہ کا احرام باندھ کر کے مکہ میں داخل ہونا لازم ہے یا بغیر احرام کے بھی داخل ہوسکتا ہے؟

المستفتی: ذاکر اللہ دہلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مکہ کا باشندہ ذاکر اللہ سال، چھ مہینے میں کبھی مکہ سے باہر ریاض یا کسی دوسرے شہر میں جائے پھر واپس مکہ میں آئے، تو اس کے اوپر عمرہ کا احرام باندھنا لازم ہوگا، بغیر احرام باندھے مکہ میں داخل ہوگا تو دم لازم ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک/۲۵۴)

المكي إذا خرج منها وجاوز المواقيت لا يحل له العود بلا إحرام لكن إحرامه من الميقات. (شامي، زكريا ۳/ ٤٨٤، شامي كراچی ۲/ ٤٧٧)

المكي إذا خرج من الحرم لحاجة له أن يدخل مكة بغير إحرام بشرط أن لا يكون جاوز الميقات كالآفاقي، فإن جاوزه فليس له أن يدخل مكة من غير إحرام؛ لأنه صار آفاقيا. (البحرالرائق، کراچی ۲/ ۳۱۹، زكريا ۲/ ٥٦٠)

المكي إذا خرج إلى الحل لحاجة له أن يدخل مكة بغير إحرام بشرط أن لا يكون جاوز الميقات كالآفاقي، فإن جاوزه فليس له أن يدخل مكة بغير إحرام؛ لأنه صار آفاقيا. (غنية الناسك، قديم ۳۲، جديد كراچی ٦٤)

مكي خرج من الحرم يريد الحج، وأحرم ولم يعد إلى الحرم حتى وقف بعرفة، فعليه شاة. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۳/ ۵۵۳، رقم: ۵۰۰۳) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۳/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۶۸)

کاروبار اور تجارت کی وجہ سے ہر مرتبہ احرام کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہونا لازم نہیں

سوال [۵۰۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ خالد مکہ کا باشندہ ہے، اور اس کا کاروبار مدینہ میں ہے، ہر ماہ ۲/۳/ بار آنا جانا پڑتا ہے، تو کیا اس کے اوپر ہر بار مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا لازم ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: خالد جو مکہ کا باشندہ ہے اور اس کا کاروبار مدینہ میں ہے، جس کی وجہ سے اس کو ہر ہفتہ یا ۲/ ہفتہ میں مدینہ جانا پڑتا ہے، تو اس کے اوپر ہر بار مکہ میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا سخت مشکلات کا سامنا کرنا ہے؛ اس لئے ایسے لوگوں پر ہر بار احرام لازم نہیں؛ بلکہ بغیر احرام کے ہر بار مکہ میں داخل ہونا ان کے لئے جائز ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک، ص: ۲۴۹)

وكذا من كان من أهل مكة وخرج منها لحاجة له نحو الاحتطاب وما أشبهه جاز له أن يدخلها بغير إحرام. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ۳/ ۵۵۱، رقم: ۴۹۹۷)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: لا يدخل مكة أحد بغير إحرام إلا الحطابون والعمالون، وأصحاب منافعها. (مصنف ابن أبي شيبة، موسسة علوم القرآن بيروت ۸/ ۲۲۷، رقم: ۱۳۶۹۱)

وقال أبو عمر لا أعلم خلافا بين فقهاء الأمصار في الحطابين، ومن يد من الاختلاف إلى مكة ويكثره في اليوم والليلة أنهم لا يأمرون بذلك لما عليهم فيه من المشقة. (عمدة القاري، كتاب الحج، باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام، دار احياء التراث العربي بيروت ١٠/ ٢٠٥، زكريا ٧/ ٥٣٥)

ومن كان داخل الميقات له أن يدخل مكة بغير إحرام لحاجته؛ لأنه يكثر دخوله مكة، وفي إيجاب الإحرام في كل مرة حرج بين فصار كأهل مكة حيث يباح لهم الخروج منها، ثم دخولها بغير إحرام لحاجتهم. (هدايه، مكتبه بلال ديوبند ١/ ٢٥٣، أشرفي ديوبند ١/ ٢٣٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۵/۲/۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۶۷)

ملازم کا بغیر احرام کے مکہ میں جا کر کام کرنا

سوال [۵۰۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید بجنور کا رہنے والا ہے، مکہ مکرمہ میں کام کرتا ہے، سال میں دومرتبہ گھر آتا ہے، مگر جب مکہ مکرمہ جاتا ہے، تو بغیر احرام کے جا کر کام میں لگ جاتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے، کیا ایسے شخص پر مسجد عائشہ جا کر احرام باندھ کر عمرہ کی قضاء اور دم دینا دونوں ضروری ہیں یا صرف عمرہ کرے، دم ضروری نہیں، یا صرف دم دے دے، عمرہ ضروری نہیں؟ شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں۔

المستفتی: عبد الرشید قاسمی سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زید پر لازم ہے کہ وہ میقات

سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ میں داخل ہو، پس اگر وہ بغیر احرام کے مکہ معظّمہ چلا جائے گا تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ کسی میقات پر آکر احرام باندھ کر داخل ہو، ورنہ ترک میقات کی بناء پر اس پر ایک دم لازم ہوگا۔ اور عمرہ صحیح ہو جائے گا۔

آفاقي مسلم مكلف أراد دخول مكة أو الحرم، ولو لتجارة، أو سياحة، وجاوز أخر مواقيته غير محرم، ثم أحرم أو لم يحرم أثم ولزمه دم، وعليه العود إلى ميقاته الذي جاوزه الخ. (غنية، باب مجاوزة الميقات بغير إحرام، فصل في مجاوزة الأفاقي في وقته، قديم ٣٠، جديد كراچی ٦٠، هندية قديم زكريا ١/ ٢٥٣، جديد زكريا ١/ ٣١٧)

ومن دخل أي من أهل الآفاق مكة أو الحرم بغير إحرام، فعليه أحد النسكين، أي من الحج والعمرة، وكذا عليه دم المجاوزة أو العود. (مناسك ملا علي قاري كراچی ٨٧، البحرالعميق، المكتبة المكية بيروت ٣/ ٦١٨، شامي، كراچی ٢/ ٥٨٣، زكريا ٣/ ٦٢٦، تاتارخانية زكريا ٣/ ٥٥٢، رقم: ٤٩٩٨، كتاب المسائل ٣/ ١٠٦، أنوار مناسك ٢٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۵۵۰/۴۰)

اہل حل کا بلا احرام مکہ مکرمہ میں آنا جانا

سوال [۵۰۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جدہ حدود حرم سے باہر حل میں ہے اور مکہ مکرمہ سے جانب مغرب میں ساحل سمندر پر واقع ہے۔ اور عرفات بھی حدود حرم سے باہر حل میں ہے؛ لیکن مکہ مکرمہ سے جانب مشرق میں واقع ہے اور جدہ والوں کو عرفات جانے کے لئے پہلے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا پڑے گا، اس کے بعد عرفات پہنچ سکتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ جدہ کے رہنے والے حج کے

ارادے سے روانہ ہوئے، مگر احرام نہیں باندھا اور مکہ مکرمہ سے ہوتے ہوئے عرفات پہنچ گئے اور عرفات پہنچ کر حج کا احرام باندھ لیا، اس کے بعد حج کے سارے ارکان بھی ادا کر لئے، تو ایسی صورت میں ان کے اوپر کوئی دم یا کفارہ لازم ہوا یا نہیں؟ مدلل جواب تحریر فرمادیں نوازش ہوگی۔

المستفتی: قاری خلیق الرحمٰن صاحب، مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اہل حل کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ اگر حج یا عمرہ کا ارادہ نہ ہو تو بلا احرام مکہ مکرمہ میں آنا جانا بلا کراہت جائز اور درست ہے؛ لیکن اگر حج یا عمرہ کے ارادہ سے جائے تو حدود حل سے ہی احرام باندھ کر جانا ان کے اوپر لازم ہوگا۔ اور جدہ چونکہ حل میں داخل ہے اور ساحل جدہ محاذات میقات میں ہونے کی وجہ سے میقات کے حکم میں ہے۔ اور اہل میقات بھی اہل حل کے حکم میں ہوتے ہیں؛ لہٰذا جب جدہ والے حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جائیں تو ان کے اوپر حج کا احرام باندھ کر جانا واجب ہے۔ اور جب بغیر احرام کے حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو جائیں تو ان پر ایک دم واجب ہو جاتا ہے اور دم ساقط ہونے کے لئے یہی شکل ہے کہ کسی بھی رکن کی ادائے گی سے پہلے پہلے کسی بھی طرف کے حل میں جا کر کے حج کا احرام باندھ لیں اور عرفات حدود حرم سے باہر حل میں ہے؛ لہٰذا جب عرفات میں جا کر احرام باندھ لیا ہے، تو جو دم واجب ہوا تھا وہ ساقط ہوگیا؛ لہٰذا اب ارکان حج کی ادائے گی کے بعد ان کے اوپر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہے؛ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ بالقصد ایسا نہ کیا جائے، اگرچہ دم ساقط ہوگیا ہے، پھر بھی بلا عذر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں، ہاں البتہ اگر کوئی خاص عذر اور رکاوٹ ہے، تو بلا کراہت ایسا کرنا درست ہوگا، جیسا کہ فقہی عبارات سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وفي شرح الطحاوي: وإن عاد إلى ميقات آخر سوى الميقات التي جاوز قبل أن يصل إحرامه بالفعل يسقط عنه الدم عندنا، وعوده إلى هذا

الـمیـقـات أو إلـى میـقات آخر سواء، وقوله: قال في الجامع الصغیر: مكي خـرج مـن الـحرم یرید الحج، وأحرم ولم یعد إلى الحرم حتى وقف بعرفة، فعلیه شاة، وإن لـم یشتـغـل بأعمال الحج حتى عاد إلى الحرم إن عاد ملبیا سقط عنه الدم بلا خلاف. (الفتاوى التاتارخانیة ٣/ ٥٥٣، رقم: ٥٠٠١-٥٠٠٣)

قـال القطبي في منسكه: ومما یجب التیقظ له سكان جدة ...... وأهل الأودیة الـقـریبة مـن مـكة، فإنهم غالبا ما یأتون مكة في سادس أو سابع ذي الـحـجة بـلا إحرام ویحرمون للحج من مكة، فعلیهم دم لمجاوزة المیقات بلا إحرام لكن بعد توجههم إلى عرفة ینبغي سقوطه عنهم بوصولهم إلى أول الحل ملبین. (شـامي، كتاب الحج، مطلب في المواقیت كراچی ٢/ ٤٧٨، زكریا ٣/ ٤٨٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۸۱)

کیا جدہ ایئر پورٹ میقات میں داخل ہے؟

سوال [۵۰۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) آں محترم نے ''انوار مناسک ص: ۵۲۸'' پر تحریر فرمایا ہے کہ جدہ بھی صحیح اور راجح قول کے مطابق بحکم میقات ہے، جدہ سے جدہ شہر مراد ہے یا جدہ ایئر پورٹ مراد ہے، یا پانی کے جہاز جہاں اترتے ہیں جدہ میں وہ مراد ہے؟ اگر ہم نے بھول سے دلی ایئر پورٹ یا جدہ ایئر پورٹ اترنے سے ایک گھنٹہ پہلے احرام کی نیت نہ کی اور جدہ ایئر پورٹ پر اتر کر احرام باندھا تو کیا ہم پر دم واجب ہوگا؟

(۲) ہمارے ایک بھائی جدہ شہر میں کام کرتے ہیں، جب وہ سے دلی سے ہوائی جہاز سے جاتے ہیں اور جدہ ایئر پورٹ پر اترتے ہیں کیا جدہ ایئر پورٹ پر اتر کر وہ مقیم ہوجائیں گے: کیوں کہ

وہ دوسال کے لئے جدہ شہر جارہے ہیں، یاایئرپورٹ پر بھی نماز قصر ہی کریں گے؟

(۳) کیا جدہ ایئرپورٹ فناء جدہ شہر میں داخل ہے یا خارج ہے؟

المستفتی: عبدالرحمٰن، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جدہ کو جو میقات کہا گیا ہے اس سے ساحل جدہ مراد ہے۔ اوراسی طرح جدہ ایئرپورٹ بھی یلملم اور رابغ کے محاذات کے اندر نہیں ہے؛ اس لئے ایئرپورٹ بھی ساحل جدہ کی طرح میقات کے حکم میں ہے؛ لہٰذا مغرب کی جانب سے جدہ ایئرپورٹ آنے والے اسی طرح پانی کے جہاز سے آنے والے کے لئے جدہ کی بندرگاہ اوراس کے ایئرپورٹ پر احرام باندھنا جائز ہوگا؛ لیکن مشرق کی طرف سے آنے والے کو قرن المنازل اوراس کے محاذات سے ہوکر گذرنا ہوتا ہے۔ اور آفاقی کے لئے میقات یا میقات کے محاذات سے بلا احرام گذرجانا ممنوع اور موجب دم ہے؛ لہٰذا دہلی سے احرام باندھے بغیر قرن المنازل سے احرام باندھے بغیر جو لوگ جدہ پہنچ جاتے ہیں، ان پر دم واجب ہوجاتا ہے؛ لیکن جدہ ایئرپورٹ دوسرے میقات کے محاذات میں ہونے کی وجہ سے ایئرپورٹ پر احرام باندھ لے گا، تو واجب شدہ دم ساقط ہوجائے گا؛ اس لئے کہ جو شخص بغیر احرام کے کسی بھی میقات سے گذرجائے پھر وہ دوبارہ کسی میقات یا محاذات پر جاکر احرام باندھ لیتا ہے، تو واجب شدہ دم ساقط ہوجاتا ہے، جیسا کہ ”انوار مناسک“ میں اس کی وضاحت ہے۔ اور ”بدائع“ کی عبارت شاہد ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۲۵۴)

لو أحرم بعد ما جاوز الميقات قبل أن يعمل شيئا من أعمال الحج، ثم عاد إلى الميقات ولبىٰ سقط عنه الدم. (بدائع زکریا ۲/ ۳۷۳)

(۲) جدہ ایئرپورٹ آبادی سے کافی فاصلہ پر ہے، ایئرپورٹ تک تسلسل آبادی کسی بھی طرف سے نہیں ہے؛ اس لئے جدہ ایئرپورٹ پر قصر کرنا لازم ہے۔ اور جب جدہ کی آبادی کے تسلسل میں پہنچ جائے گا، تو قصر ساقط ہوجائے گا۔ (مستفاد: انوار رحمت/۷۴)

إذا كانت القرى متصلة بربض المصر، فحينئذ تعتبر مجاوزة

القری، والصحیح ما ذکرنا أنه یعتبر عمران المصر إلا إذا ثمة قریة أو قری متصلة بربض، فحینئذ یعتبر مجاوزة القری. (الفتاوی التاتارخانیة قدیم ۲/ ۵، جدید زکریا ۲/ ۴۹۵، رقم: ۳۰۹۸، عالمگیری زکریا ۱/ ۱۳۹، جدید ۱/ ۱۹۹)

(۳) جدہ ایئر پورٹ شہر کی آبادی سے کافی فاصلہ پر ہے؛ اس لئے اس کو فنائے شہر میں داخل نہیں مانا جاسکتا ہے۔ (مستفاد: انوار رحمت/ ۴۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ذیقعدہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۲۸)

بغیر تلبیہ پڑھے میقات سے گذر جانا

سوال (الف) [۵۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چند لوگوں نے مدینہ منورہ سے احرام باندھنے کی نیت سے احرام کا کپڑا پہن لیا اور ذوالحلیفہ سے باقاعدہ نماز پڑھ کر تلبیہ پڑھنے کا ارادہ تھا، مگر گاڑی والا ذوالحلیفہ رکے بغیر چلا گیا، لگ بھگ ڈیڑھ سو کلو میٹر کے بعد بات چیت ہوئی اور واپس ذوالحلیفہ نہیں لے گیا، ان لوگوں نے اسی حالت میں عمرہ کرلیا، تو ان پر کوئی دم تو لازم نہیں؟

المستفتی: سید اعظم علی مغل پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب ان لوگوں نے میقات میں یا میقات سے قبل احرام کی نیت کے ساتھ تلبیہ نہیں پڑھا اور اسی حالت میں ارکان عمرہ ادا کر لئے تو ان میں سے ہر ایک پر ایک دم واجب ہو چکا ہے؛ کیوں کہ احرام کے لئے دو چیزیں لازم ہوجاتی ہیں: (۱) دل کی نیت (۲) زبان سے تلبیہ پڑھنا، اگر دونوں میں سے ایک نہ ہو تو دم واجب ہوجاتا ہے اور یہاں میقات سے غیر تلبیہ کے گذرنا پایا گیا ہے؛ اس لئے دم لازم ہوگیا۔

فإذا جاوز المیقات ولم یلب بنیة النسک صار مجاوزا للمیقات

غیر إحرام عند الحنفية ولزمه ما يلزم ذلک عندهم. (الموسوعة الفقهية ٢/ ١٣٢)

وإذا أراد الرجل الإحرام ينبغي له أن ينوى بقلبه الحج أو العمرة أي ذلک أراد الإحرام له ويلبى ولا يصير داخلا في الإحرام بمجرد النية ما لم يضم إليه التلبية أو يسوق هديا. وفي المضمرات: لا يصير شارعا مجرد النية ما لم يات بالتلبية أو ما يقوم مقامها من الذكر أو سوق الهدى أو تقليد البدنة. الخ (الفتاوى التاتارخانية ٣/ ٤٨٢، رقم: ٤١٠٤)

وإن لم يلب وجاوز الميقات واشتغل بأعمال ما عقد له الإحرام لا يسقط عنه الدم. الخ (المحيط البرهاني ٣/ ٤١٤، رقم: ٣٢٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۳۰۴)

حدود میقات کے اندر آکر احرام باندھنا اور عمرہ کرنا

سوال (ب) [۵۰۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص عمرہ کے ارادہ سے رمضان المبارک سے دو دن قبل عمرہ کا ویزا لے کر ہندوستان سے مدینہ منورہ پہنچا، دو دن مدینہ منورہ میں قیام کرکے احرام باندھ کر عمرہ کے لئے روانہ ہونا تھا؛ لیکن ان دنوں میں اچانک طبیعت علیل ہوگئی، ان کو بغیر احرام باندھے جدہ لے جایا گیا جو کہ حدود میقات کے اندر رہے، وہاں ان کا تین یوم تک علاج ہوا، اس کے بعد انہوں نے جدہ شہر سے احرام باندھا او رعمرہ کیا، کیا حدود میقات کے اندر آکر احرام باندھنا اور پھر عمرہ کرنا جائز ہے یا ان پر دم لازم ہے؟ اس طرح عمرہ کرکے واپس اپنے وطن ہندوستان ۲۴؍ دنوں کے اندر آگئے، جس میں مدینہ منورہ کے سات یوم اور جدہ کے چار یوم شامل ہیں، یعنی پورا وقت سفر ہی میں گذرا۔

المستفتی: محمد سیف صدیقی ۱/ ۲۰؍ اسٹاف اُپارٹمنٹ دہلی کالج، اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر چہ اس شخص نے عمرہ کے ارادے سے وطن سے سفر کا سلسلہ شروع کیا ہے اور مدینہ منورہ پہلے پہنچا ہے، تو یہاں سے مدینہ جانے کے لئے احرام باندھنا اس پر لازم نہیں، پھر مدینہ منورہ سے جدہ علاج کے لئے جاتے ہوئے بھی احرام باندھنا اس پر لازم نہیں تھا؛ اس لئے کہ وہ جدہ علاج ہی کے لئے گیا ہے اور جدہ میں علاج ہوجانے کے بعد جب وہاں سے عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کرلیا ہے، تو اب اس کے لئے جدہ یا حل کے اندر حدودحرم سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم ہے۔ اور اس احرام کے لئے اس کو دوبارہ میقات مدینہ جانا لازم نہیں ہے۔ اور اس کا عمرہ مسنون طریقہ سے ادا ہوگیا اور اس پر کوئی دم بھی نہیں۔

أما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام، فإذا حل به التحق بأهله فله دخول مكة بلا إحرام (إلى قوله) ما لم يرد نسكا للحرج، وتحته في الشامية: أما إن أراده وجب عليه الإحرام قبل دخوله أرض الحرم، فميقاته كل الحل إلى الحرم. (شامي، كتاب الحج، مطلب في المواقيت كراچی ۲/ ۴۷۷، زكريا ۳/ ۴۸۲-۴۸۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۲۴۲/۳۸)

مدینہ منورہ سے بلا احرام مکہ مکرمہ میں تشریف لانے کا حکم

سوال [۵۰۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سال گذشتہ ایک قافلہ حیدر آباد سے حج تمتع کے لئے روانہ ہوا، پہلے مدینہ طیبہ پہنچا، بعد از قیام مدینہ طیبہ، ذوالحلیفہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکۃ المکرّمہ ورود ہوا۔ الحمد للہ

عمرہ اور حج سے فراغت ہوئی، شوق زیارت میں پھر دوبارہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، ایک عالم صاحب کی غلط رہبری کی وجہ سے ذوالحلیفہ سے احرام نہیں باندھا اور نہ ہی مکۃ المکرّمہ پہنچ کر عمرہ کے فرائض کو انجام دینا ضروری سمجھا، اور ہندوستان واپس ہوگئے، ایسی صورت میں از روئے احکام شریعت ایک عمرہ کی قضاء اور دم واجب ہوگیا۔ حیدرآباد آنے کے بعد جب اپنی غلطی کا علم ہوا تو چند لوگوں نے دم کی رقم بھیج کر حرم میں دم دینے کا انتظام کردیا؛ لیکن ابھی عمرہ کی قضاء باقی ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) جن لوگوں نے دوران قیام مکۃ المکرّمہ اپنے نام سے یا دوسروں کے نام سے نفل عمرے مسجد عائشہ سے کئے ہوں کیا وہ قضاء شدہ عمرے کے متبادل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر خدانخواستہ زندگی وفاء نہ کرے تو اس عمرہ کے کفارہ کے لئے کیا کیا جائے؟

(۳) دوبارہ وہاں جانے کی صورت نہ ہو تو اس عمرہ کی قضاء کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ برائے کرم شرعی احکام سے سرفراز فرمائیں۔

المستفتی: میر سعادت علی، حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدینہ منورہ سے بغیر احرام مکہ مکرمہ پہنچنے کی وجہ سے دو چیزیں ایک ساتھ لازم ہوچکی ہیں:

(۱) بغیر احرام میقات سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ایک دم واجب ہوچکا ہے۔

(۲) احد النسکین بھی واجب ہوچکا ہے، یعنی حق مکہ اور باہر سے آنے والوں پر حق مکہ حج یا عمرہ ہے۔ اور حج کا زمانہ ہمیشہ نہیں رہتا ہے، مگر عمرہ کا زمانہ ہمیشہ رہتا ہے؛ اسی لئے اس کے اوپر ایک عمرہ کی قضاء بھی لازم ہوچکی ہے۔ اور اگر ان لوگوں نے میقات سے بغیر احرام گزرنے کی وجہ سے واجب شدہ دم ادا کردیا ہے، تو اب ایک عمرہ کی قضاء لازم ہے اور یہ عمرہ عمرۂ حلی کے ذریعہ سے بھی پورا ہوجائے گا؛ لہٰذا ان حاجیوں میں سے جن لوگوں نے بغیر احرام مکہ آنے کے بعد قیام مکہ کے دوران اپنی طرف سے بطور نفل عمرۂ حلی کیا ہے، تو نفل عمرہ

کے ذریعہ سے قضاء عمرہ ادا ہو جائے گا۔ اور اگر نفل عمرہ دوسرے کی طرف سے کیا ہے، تو وہ قضاء کے لئے کافی نہیں۔ اور اگر عمرہ کئے بغیر ہندوستان واپس آ گیا ہے تو جب بھی کبھی مکہ مکرمہ پہنچے گا، اس عمرہ کی قضاء کرنا اس پر لازم ہوگا۔ اور اگر اس کی قضا کئے بغیر موت آ گئی ہے، تو اس کی طرف سے عمرۂ بدل ادا کیا جا سکتا ہے، مثلاً جو حاجی حج کرنے کے لئے جاتے ہیں ان کو مسجد عائشہ یا مسجد جعرانہ جا کر کے اس کی طرف سے ایک عمرۂ بدل کی ذمہ داری دے دی جائے اور اس عمرہ کی ادائے گی کا پیسہ اسے دے دیا جائے؛ اس لئے کہ عمرۂ میقاتی کی قضا عمرۂ حلی کے ذریعہ کرنا جائز اور درست ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسجد عائشہ سے عمرۂ حلی کے ذریعہ سے عمرۂ میقاتی کی قضاء کی ہے، جو حدیث شریف کی ہر کتاب میں وضاحت سے موجود ہے۔ اور ''غنیۃ الناسک'' کی حسب ذیل عبارت سے بھی اس کا جواز واضح ہوتا ہے، اب عربی عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم –إلى قوله– وكنت ممن أهل بعمرة، فأظلني يوم عرفة، وأنا حائض، فشكوت إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: ارفضي عمرتک وانقضي رأسک وامتشطي وأهلی بالحج، فلما كان ليلة الحصبة أرسل معي عبدالرحمن إلى التنعيم، فأهللت بعمرة مكان عمرتي. (بخاري شريف، كتاب العمرة، باب العمرة لليلة الحصبة وغيرها، النسخة الهندية ١/ ٢٣٩، رقم: ١٧٤٨، ف: ١٧٨٣)

ومن دخل مكة أو الحرم بلا إحرام، عليه أحد النسكين، فلو أحرم به بعد تحول السنة أو قبله من مكة، أو خارجها داخل المواقيت أجزأه، وعليه دم المجاوزة. (غنية الناسك قديم ٣١، جديد كراچی ٦٢)

اور نفل کے ذریعہ سے ادائے قضاء کے متعلق شامی کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

والظاهر أنه لو عاد إلى الميقات، ونوى نسكا نفلا يقع واجبا عما

علیہ بالدخول ولا یکون نفلا؛ لأنہ بعد تقرر الوجوب علیہ. (شامي، کراچی ٢/ ٥٨٣، زکریا ٣/ ٦٢٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٨/ ذیقعدہ ١٤٣٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١٠٨٦٩)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٨/ ١١/ ١٤٣٣ھ

عمرہ کے احرام سے حج کرنا

سوال [٥٠١٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ امسال مسجد حرام میں اور مسعیٰ میں کثرت ازدحام کو سبب بتا کر ہندوستان سے تمتع اور قران کا احرام باندھ کر جانے والوں میں سے بہت سوں کو عزیزیہ میں روانہ ہونے کو کہا گیا، کیا انہیں حج کے بعد عمرہ قضاء کرنا ہوگا اور دم بھی دینا ہوگا؟

المستفتی: قمر الدین موسی، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کچھ حجاج کو عمرہ کے احرام کی حالت میں عزیزیہ لے جایا گیا اور وہاں سے ڈائریکٹ عرفات لے جاکر کے حج کرایا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ کے احرام کے ذریعہ سے حج کیا گیا ہے اور حج کے لئے الگ سے احرام نہیں باندھا گیا ہے، اس طرح کرنے سے خلاف سنت اور امر مکروہ لازم آیا ہے، مگر عمرہ کے احرام کے ذریعہ سے ان کا فریضۂ حج مکمل ہو چکا ہے، اور ان کے اوپر ایک عمرہ اور ایک دم بھی لازم ہو چکا ہے۔

ثانیا إضافة إحرام العمرة إلی الحج –إلی أن قال:– وصرح الحنفية والمالكية بكراهة هذا العمل، لكن قال الحنفية بصحة الإحرام. (الموسوعة الفقهية ٢/ ١٤٠)

إضـافة إحرام الـعـمرة إلـى إحـرام الـحـج فـي حـق الآفـاقي إساء ة وكراهة. (البحر العميق، المكتبة المكية ۲/ ۷۷۸)

وأمـا بـنـاء إحـرام الحج على إحرام العمرة فليس ببدعة. (هندية قديم زكريا ۱/ ۲۵٤، جديد زكريا ۱/ ۳۱۸)

ولـو أحـرم بـالـعمرة ثم بالحج ولم يأت بشيء من أفعال العمرة، فإنه يرفض العمرة إتفاقا. (هندية قديم زكريا ۱/ ۲۵٤، جديد زكريا ۱/ ۳۱۸)

والـرافضة عنده عليها دم للرفض، وعليها عمرة. (عمدة القاري، أبواب الـعمرة، بـاب الاعتـمـاد بـعـد الحج بغير هدي، زكريا ۷/ ٤۲۲، دار احياء التراث العربي، بيروت ۱۰/ ۱۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍ ۴؍ ۱۴۳۴ھ

حالت احرام میں نیکر پہننا

سوال [۵۰۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احرام کی حالت میں نیچے کچھ پہن سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: گلفام لاڈپور، ڈاک خانہ پیغمبر پور (رامپور)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نیچے جو نیکر وغیرہ پہنا جاتا ہے وہ بغیر سلا ہوا نہیں ہوتا ہے، اس لئے حالت احرام میں نیچے نیکر وغیرہ پہننا ناجائز اور موجب دم ہوگا۔

الـواجـب دم على محرم بالغ ولو ناسيا إن طيب عضوا (إلى قوله) أو

لبس مخیطا الخ. (تنویر الأبصار مع الدرالمختار والشامي، باب الجنایات کراچی ۲/ ۵٤۳، زکریا ۳/ ۵۷۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۳۹۳)

حاجی کا غیر مخیط لنگوٹ استعمال کرنا

سوال [۵۰۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب کو تقاطر بول کی شکایت ہے، دیر تک قطرات آتے ہیں، حرم میں ڈھیلے کا بندوبست نہیں ہے، ایسے آدمی کے لئے بڑی تکلیف ہوگی، تو کیا ایسے مریض کے لئے کچھ دیر کے لئے غیر مخیط لنگوٹ کا استعمال جائز ہے، سفر کی سہولت اور مقبولیت کے لئے دعاؤں کی احتیاج ہے۔

المستفتی: محمد اسلم المظاہری، دارالعلوم ٹانڈہ، ضلع رام پور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجی کے لئے مخیط کپڑا پہننا ممنوع ہے اور غیر مخیط لنگوٹ سلے ہوئے کپڑے میں شامل نہیں ہے؛ اس لئے مذکورہ عذر کی بنا پر اس کا استعمال حالت احرام میں جائز اور درست ہوگا۔

كما استفيد من الهداية لو ارتدى بالقميص واتشح به أو اتزر بالسراويل، فلا بأس به؛ لأنه لم يلبسه لبس المخيط. (هداية، كتاب الحج، باب الجنايات، أشرفي ديوبند ١/ ٢٦٧)

والحاصل أن المحرم ممنوع عن لبس المخيط على الوجه المعتاد حتى لو اتزر بالسراويل أو ارتدى بالقميص أو اتشح به بأن أدخله تحت

یده الیمنی وألقاه علی کتفه الیسری فلا بأس به. (الفتاوی التاتارخانیة زکریا دیوبند ۳/ ۵۷۳، رقم: ۵۰۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۹۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۱۱/۱۹ھ

حالت احرام میں لنگوٹ اور نیکر پہننا

سوال [۵۰۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا احرام کی حالت میں لنگوٹ اور احرام کے نیچے نیکر پہننے کی اجازت ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت احرام میں لنگوٹ باندھنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ سلا ہوا نہ ہو اور نیکر پہننا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۵۲۱)

فإن زرره أو خلله أو عقده أساء، ولا دم علیه، وفي الشامي: وکذا لو شده بحبل ونحوه لشبهه حینئذ بالمخیط. (شامي، کتاب الحج، فصل في الإحرام، کراچی ۲/ ۴۸۱، زکریا ۳/ ۴۸۸)

ولبس قمیص وسراویل، أي کل معمول علی قدر بدن أو بعضه، وتحته في الشامیة: أن ضابطه لبس کل شيء معمول علی قدر البدن، أو بعضه بحیث یحیط به بخیاطة أو تلزیق بعضه ببعض أو غیرهما، ویستمسک علیه بنفس لبس مثله، قلت: فخرج ما خیط بعضه ببعض لا بحیث یحیط بالبدن مثل المرقعة فلا بأس بلبسه. (شامي، کراچی ۲/ ۴۸۹، زکریا ۳/ ۴۹۸-۴۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۳/۸/۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۸۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۸/۱۷ھ

احرام میں سلا ہوا تہبند پہننا

سوال [۵۰۱۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حالت احرام میں نبی پاک ﷺ سے یا کسی صحابی سے سلا ہوا تہبند پہننا ثابت ہے؟ عمومی طور پر اب حاجیوں کا رجحان سلا ہوا تہبند پہننے کا بنتا جارہا ہے، دارالافتاء سے رجوع کررہے ہیں، کہ افضل اور مسنون بغیر سلا تہبند ہے یا سلا ہوا حالت احرام میں؟

المستفتی: انیس احمد قاسمی نہٹور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت احرام میں مرد کے لئے ایسے کپڑے پہننے ناجائز ہیں جو بدن کی ہیئت اور جسم کی بناوٹ کے مطابق سلے گئے ہوں، جیسے کرتا، قمیص وغیرہ اور جو کپڑا بدن کی ہیئت کے مطابق نہ سلا گیا ہو اس کا پہننا جائز ہے۔ اور یہ جو سوال نامہ میں لکھا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سلی ہوئی لنگی حالت احرام میں پہننا ثابت ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حدیث شریف میں اصولی طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس قسم کا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے، اس میں قمیص، شلوار کا ذکر آیا ہے، جو بدن کی ہیئت کے مطابق ہے، اس کے علاوہ کپڑے کا پہننا جائز ہے، نیز ازار کے پہننے کا ذکر حدیث شریف میں ہے اور اس میں ازار کے سلے ہوئے یا غیر سلے ہوئے ہونے کی کوئی صراحت نہیں ہے، اسی سے فقہاء نے یہ ضابطہ نکالا ہے، ہاں اگر کسی کو سلی ہوئی لنگی پہننے کی ممانعت کسی حدیث شریف میں ملے تو وہ ہم کو بھی بتادے، بہت سے لوگ بغیر سلی ہوئی لنگی پہنتے ہیں جس سے ران کھل جاتے ہیں، جو کہ حرام ہے اور شریعت اس قسم کی حرمت کے ارتکاب کی اجازت نہیں دے سکتی، فقہاء کرام کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

إن ضابطة لبس كل شيء معمول على قدر البدن أو بعضه بحيث يحيط به بخياطة أو تلزيق بعضه ببعض، أو غيرهما، ويستمسك عليه

بـنـفـس لبس مثله، فخرج ما خيط بعضه ببعض لا بحيث يحيط بالبدن مثل الـمرقعة، فلا بأس بلبسه. (شـامي، كتـاب الـحج، مطلب فيما يحرم بالإحرام وما لا يحرم، کراچی ۲/ ٤٨٩، زکریا ۳/ ٤٩٩، مستفاد أنوار مناسك/ ١٩٦، ٢٠٩، ٢٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۳۲/۳۸)

حج میں بالوں پر خضاب لگانا

سوال [۵۰۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرا سر کالا اور داڑھی سفید ہے؛ اس لئے میں خضاب لگا کر داڑھی کو بھی کالا بنالیتا ہوں اور لوگوں کے پوچھنے پر یہ ایک قسم کی مہندی ہے لگا سکتے ہیں، کہہ دیتا ہوں، میری عورت کے بال بھی سفید ہیں، وہ بھی خضاب لگاتی ہے اور حج کو جانے کا خیال ہے، وہاں بھی خضاب لگانے کا خیال ہے، ایسا ہے تو شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟ کیا میرے حج میں خضاب لگانے سے حج میں کوئی فرق پڑے گا یا نہیں؟ تفصیل سے مجھے سمجھائیے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: احرام باندھنے کے بعد خضاب لگانا جائز نہیں، اگر کوئی لگائے گا تو اس پر ایک دم جنایت لازم ہو جائے گا۔

وإن خـضـب رأسـه بـحناء يجب الدم (وقوله) لا يغسل رأسه ولحيته بـالخطمي، فإن غسل فعليه دم. (فتـاوی عـالمگیری، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، كوئٹه ١/ ٢٤١، جديد زكريا ١/ ٣٠٥)

فلو خضبت يدها أو خضب لحيته بحناء وجب الدم. (شامي، کراچی،

باب جنايات الحج ٢/ ٥٤٦، زكريا ٣/ ٥٧٥)

اسی طرح عورت کے لئے بھی خضاب لگانا جائز نہیں ہے، جیسا کہ موجودہ دلیل میں وضاحت موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۵۸۷)

بوقت سعی سر ڈھکنا

سوال [۵۰۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا حالت احرام میں سعی کرتے وقت بھی سر ڈھکے رکھنا ضروری ہے؟ اگر کسی کا سر کھلا رہا تو کوئی مضائقہ تو نہیں؟

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد احمد گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت احرام میں بحالت سعی مرد کے لئے سر ڈھکے رکھنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/ ۸۰، غنیۃ الناسک قدیم ۴۵، جدید کراچی ۸۸)

وإذا أحرم يتقى ما نهى الله تعالىٰ عنه من الرفث والفسوق والجدال، ويتقى ستر الرأس والوجه، ولايغطي فاه. (هندية، كتاب المناسك، الباب الرابع فيما يفعله المحرم بعد الإحرام زكريا ١/ ٢٢٤، جديد زكريا ١/ ٢٨٧)

يتقى الرفث والفسوق والجدال ...... ولبس قميص وسراويل وقباء، وعمامة، وقلنسوة. (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، زكريا ٣/ ٤٩٥- ٤٩٩، كراچی ٢/ ٤٨٦- ٤٩٠)

إذا لبس المخيط من قميص، أو جبة، أو سراويل، أو عمامة، أو

قلنسوة ...... من غير عذر وضرورة يوما كاملا، فعليه الدم، لا يجوز غيره. (بدائع الصنائع، زكريا ۲/ ۴۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۸/۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۶۳۲۲/۳۴)

بحالت احرام عورت کا زیورات استعمال کرنا

سوال [۵۰۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت احرام کی حالت میں کانوں میں بندے، ناک میں لونگ، ہاتھوں میں چوڑیاں، پاؤں میں پازیب پہن سکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: فراست حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: احرام کی حالت میں عورت کانوں میں بندے، ناک میں لونگ اور ہاتھوں میں چوڑیاں وغیرہ پہن سکتی ہے؛ اس لئے کہ ان زیورات کے استعمال کرنے میں ممنوعات احرام کا ارتکاب نہیں ہے۔

وتلبس الحرير، والذهب، وتتحلى بأي حلي شاءت. (غنية الناسك، باب الإحرام، فصل في إحرام المرأة، قديم ۴۹، جديد كراچى ۹۴، حاشية الطحطاوي، قديم ۳۹۹، جديد دارالكتاب ديوبند ۷۳۸، سكب الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ۱/ ۴۲۱)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۵۸/۳۶)

حالت احرام میں پاؤں کی کونسی ہڈی ڈھانکنا ممنوع ہے؟

سوال [۵۰۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حالت احرام میں پاؤں کی کونسی ہڈی ڈھانکنا ممنوع ہے؟ انگلیوں کی جڑوں سے کتنی اوپر وہ جگہ ہے جس کو ڈھانکنا ممنوع ہے؟

المستفتی: سعید احمد سیڈھا، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت احرام میں پیر کی جس ہڈی کو ڈھانکنے کی ممانعت ہے، اس سے مراد پنجہ کی وہ ابھری ہوئی ہڈی ہے جو پیر کی انگلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہوتی ہے جو عام طور پر ہوائی چپل وغیرہ پہننے کی حالت میں چپلوں کے تسمہ کے ذریعہ سے وہاں تک نہیں ڈھکتا۔ اور اس جگہ بال اگ جاتے ہیں۔

فيقطعهما أسفل من الكعبين عند معقد الشراك، وفي الشامية: وهو المفصل الذي في وسط القدم كذا روي هشام عن محمد بخلافه في الوضوء، فإنه العظم الناتئ أي المرتفع ولم يعين في الحديث أحدهما لكن لما كان الكعب يطلق عليهما حمل على الأول احتياطا؛ لأن الأحوط فيما كان أكثر كشفا. الخ (شامي، كتاب الحج، مطلب فيما يحرم بالإحرام وما لا يحرم كراچی ۲/ ٤٩٠، زکریا ۳/ ٥٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر صفر ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۲/۲ھ

قربانی وحلق سے قبل سلے ہوئے کپڑے پہننے اور بیوی سے صحبت کرنے کا حکم

سوال [۵۰۲۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کو پولیس نے قربانی وحلق سے پہلے ہی گرفتار کرلیا اور پھر اسے انڈیا بھیج دیا، اس نے بغیر حلق کے سلے کپڑے بھی پہنے اور گھر آ کر بیوی سے بھی قریب ہوا، اب اس کی صلاحیت جانے کی نہیں ہے، غریب شخص ہے، پہلے ہی قرض لے کر نوکری کی غرض سے سعودیہ گیا تھا؛ لیکن پکڑا گیا اور یہ مصیبت آ گئی۔

المستفتی: محمد رونق ندوی، دارالقضاء اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس شخص نے فی ظنہ اپنے آپ کو احرام سے باہر حلال سمجھا ہے اور حلال سمجھ کر ہی سلا ہوا کپڑا پہنتا رہا ہے، تو اس کے لئے صرف ایک دم دینا کافی ہے، ہاں البتہ اگر اس نے حج تمتع کیا ہے، تو اس کے اوپر مزید دو دم لازم ہو جائیں گے، ایک دم شکر اور ایک دم تمتع؛ لہٰذا نہ اس کو وہاں جانے کی ضرورت ہے اور نہ سفر کا خرچ اٹھانے کی ضرورت ہے، جب بھی موقع ہو اس دم کا پیسہ کسی کے ہاتھ بھیج دے۔ (مستفاد: انوار مناسک ۲۸۵)

إن المحرم إذا نوى رفض الإحرام، فجعل يصنع ما يصنعه الحلال من لبس الثياب والتطيب، والحلق، والجماع، وقتل الصيد، فعليه دم واحد بجميع ما ارتكب. (غنية الناسك، قديم ١٢٩، جديد كراچی ٢٤١)

فلو رجع إلى أهله أجزأه أن لا يعود ويبعث شاة. (تاتارخانية قديم ٢/ ٥١٨، جديد زكريا ٣/ ٦٠٦، رقم: ٥١٥٢)

ولو أخر القارن والمتمتع الذبح عن أيام النحر، فعليه دم. (غنية الناسك قديم ١٤٩، جديد كراچی ٢٧٩)

إذا رمي يوم النحر ذبح للتمتع كالقران. (غنية الناسك قديم ١١٥، جديد ٢١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۵۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱/۱۴۳۱ھ

حالت احرام میں بوٹ پہننا

سوال [۵۰۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کے موقع پر کسی نے احرام کی حالت میں بوٹ پہن لیا تو کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت احرام میں مکمل ایک دن یا ایک رات بوٹ پہننے سے ایک دم واجب ہوتا ہے اور اس سے کم میں صرف صدقہ کرنا واجب ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۶/۵۵۴)

إذا لبس المخيط من قميص ...... أو خفين أو جوربين من غير عذر وضرورة يوما كاملا، فعليه الدم لا يجوز غيره؛ لأن لبس أحد هذه الأشياء يوما كاملا ارتفاق كامل، فيوجب كفارة كاملة، وهي الدم لايجوز غيره؛ لأنه فعله من غير ضرورة، وإن لبس أقل من يوم لا دم عليه، وعليه الصدقة.
(بدائع، كتاب الحج، فصل في محظورات الإحرام، زكريا ٢/ ٤١٠)

وخفين إلا أن لا يجد نعلين، فيقطعهما أسفل من الكعبين، وتحته في الشامية: أما لو لبسهما قبل القطع يوما، فعليه دم، وفي أقل صدقة. (شامي كراچی ٢/ ٤٩٠، زكريا ٣/ ٤٩٩، ٥٠٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍شعبان ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۸۱۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۸/۱۴۲۳ھ

احرام سے متعلق چند سوالات

سوال [۵۰۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) محرم کوسلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے، اگر کسی شخص کا لاابالی پن میں ستر کھلنے کا اکثر خطرہ ہو بغیر سلی ہوئی لنگی پہننے کی عادت ہی نہ ہو، تو کیا لنگی سامنے سے سل کر گول کر کے محرم پہن سکتا ہے، اجازت ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے ہی زید کو خصیتین لٹکنے کا مرض ہے، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ لنگوٹ (لنگر) کا استعمال کیا کرو، مذکورہ عذر کی وجہ سے محرم کو لنگر پہننے کی اجازت ہے، جب کہ وہ بھی سلا ہوا ہوتا ہے اور بلا عذر لنگوٹ محرم کے لئے کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳) حاجی جب حج کرنے کے واسطے گیا، یکم ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچا، اب ۸/ذی الحجہ کو اس کو منیٰ جانا ہے، گویا کہ وہ پندرہ دن مکہ میں مقیم نہیں رہے گا، ایسی شکل میں اگر اس کو رباعی نماز تنہا پڑھنی پڑ جائے تو وہ قصر کرے گا یا اتمام شک اس لئے واقع ہوا ہے کہ ۸/ذی الحجہ تک مدت اتمام نہیں اور منی مزدلفہ عرفات کے قیام کے ایام، پھر مکہ میں اقامت کے جوڑ کر پندرہ دن سے زیادہ ہوتے ہیں، تو یہ حاجی تنہا نماز اگر پڑھے تو قصر کرے گا یا اتمام؟

(۴) سنا ہے کہ عرفات میں امام نماز قصر پڑھاتے ہیں، ان کے مسلک میں مطلق سفر بھی موجب قصر ہے، احناف کے نزدیک وہ اتنی مسافت سے سفر کر کے نہیں آتے کہ قصر ہو، تو احناف کیا اپنی نماز کا اعادہ کریں یا کیا کریں؟ اگر چہ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اب امام احناف کے مسلک کی رعایت کے پیش نظر ریاض سے سفر کر کے آتے ہیں اور ان پر قصر ہو جاتا ہے، بالفرض اگر وہ مکہ سے ہی آتے ہیں، تو پھر احناف کے لئے نماز کا کیا مسئلہ ہے؟

المستفتی: محمد اکبر شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حالت احرام میں مرد کے لئے بدن کی ہیئت پر سلے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں ہے، مثلاً قمیص، کرتا، پائجامہ، اچکن، بنیان، نیکر، لنگوٹ وغیرہ جو کپڑا بدن کی ہیئت پر سلا ہوا نہ ہو اس کا پہننا جائز ہے؛ لہٰذا سلی ہوئی لنگی پہننا جائز ہے، اس سے احرام میں کوئی خرابی لازم نہ آئے گی، اور لنگوٹ پہننا جائز نہیں ہے، اگر چہ خصیتین نیچے کو لٹکتے ہوں۔ (مستفاد: ایضاح المناسک ۷۱، امداد الفتاوی ۲/ ۱۶۴، احکام حج/ ۳۳، معلم الحجاج/ ۱۰۵)

ولبس قميص، وسراويل أي كل معمول على قدر بدن، أو بعضه، وتحته في الشامية: أن ضابطة لبس كل شيء معمول على قدر البدن، أو بعضه بحيث يحيط به بخياطة أو تلزيق بعضه ببعض، أو غير هما، ويستمسك عليه بنفس لبس مثله، فخرج ما خيط بعضه ببعض لا بحيث يحيط بالبدن مثل المرقعة، فلا بأس بلبسه. (شامي، كتاب الحج، مطلب فيما يحرم بالإحرام ومالا يحرم، كراچی ۲/ ۴۸۹، زکریا ۳/ ۴۹۹)

(۲) اب منی مکۃ المکرّمہ کی آبادی سے متصل ہو چکا ہے، مگر عرفات ومزدلفہ بالکل الگ کٹا ہوا ہے؛ اس لئے اب ۸؍ ذی الحجہ کے بجائے ۹؍ ذی الحجہ سے مسئلہ قصر سمجھنے کی ضرورت ہے؛ لہٰذا اگر ۹؍ ذی الحجہ سے پندرہ دن قبل مکہ مکرمہ پہنچ گیا ہے اور اس درمیان میں مدینۃ المنورۃ یا جدہ جا کر رات گذارنے کا ارادہ نہیں ہے؛ بلکہ مکۃ المکرّمہ ہی میں قیام کرنا ہے، تو تنہا نماز میں اتمام کرنا ہوگا۔ اور اگر پندرہ روز قبل نہیں پہنچا ہے؛ بلکہ اس کے بعد پہنچا ہے، تو ۹؍ ذی الحجہ سے قبل پندرہ روز پورے نہ ہونے کی وجہ سے اس درمیان میں اتمام جائز نہ ہوگا؛ بلکہ قصر کرنا لازم ہوگا۔

إن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر، ونوى الإقامة نصف شهر لا تصح؛ لأنه لا بد له من الخروج إلى عرفات فلا يتحقق الشرط. (عالمگیری، باب صلاۃ المسافر، قدیم زکریا ۱/ ۱٤۰، جدید زکریا ۱/ ۲۰۰)

(۳) ان کے نزدیک **مطلق** سفر موجب قصر نہیں ہے؛ بلکہ ادائے مناسک کو وہ لوگ موجب قصر کہتے ہیں، مالکی اور حنبلی کے یہاں یہ مسئلہ ہے اور حنفی اور شافعی کے یہاں سفر شرعی موجب قصر ہوتا ہے، ایک زمانہ میں امیر مکہ عرفات ومزدلفہ میں نماز پڑھایا کرتا تھا اور اب کافی معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ عرفات ومزدلفہ منی میں نماز پڑھانے والا امام نجد سے آتا ہے، اور حج سے چند ہی دن پہلے آتا ہے؛ اس لئے اس کے پیچھے حنفی اور شافعی کے لئے بھی اقتداء کرنا جائز ہوگا؛ البتہ اگر مکہ ہی سے جاتا تو جائز نہ ہوتا۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۱۴۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/۵۲۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۴/۱۳ھ

❑❑❑

۵/ باب الإفراد والقران والتمتع

اہل مکہ وحل صرف حج افراد کریں گے

سوال [۵۰۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہاں پر ایک عالم صاحب نے بتلایا ہے کہ مکہ اور جدہ کے رہنے والے حضرات حج افراد ہی کریں گے اور حج افراد والوں پر قربانی نہیں ہے۔

المستفتی: قاری محمد میاں، مقیم حال جدہ سعودی عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اہل مکہ اور اہل حل کے لئے صرف حج افراد ہی مشروع ہے، تمتع اور قران ان کے لئے مشروع نہیں ہے۔ اور حج افراد کرنے پر قربانی اس صورت میں لازم نہیں ہے کہ جب حاجی مکۃ المکرّمہ میں مسافر ہی رہے۔ اور اگر مکہ میں پندرہ روز سے زیادہ قیام کی نیت سے آٹھویں ذی الحجہ سے پندرہ روز یا اس سے زائد قیام کرلیا ہے اور اس کے پاس پیسہ بھی موجود ہے، تو اس پر قربانی لازم ہوجاتی ہے، چاہے وہ حاجی مکی ہو یا آفاقی دونوں کا حکم اس میں برابر ہے۔ اور ساحل جدہ خود میقات ہے اور ساحل سے ہٹ کر جدہ کا بقیہ حصہ حل میں داخل ہے؛ لہٰذا جدہ والوں کے لئے بھی صرف حج افراد ہی جائز ہے۔

ليس لأهل مكة تمتع ولا قران، وإنما لهم الإفراد خاصة (وقوله): ومن كان داخل الميقات فهو بمنزلة المكي حتى لا يكون له متعة ولا قران.

(هدايه، كتاب الحج، باب التمتع أشرفى ديوبند ١/ ٢٦٣، جديد كراچى ٢٢٢، غنية الناسك قديم ١١٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۲ھ

مکی یا حلی کے لئے حج قران کرنے کا شرعی حکم

سوال [۵۰۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک عالم مکہ مکرمہ کے قری ایک دیہات میں امام ہیں، انہوں نے ’’انوار مناسک، ص:۲۸۲‘‘ کے حوالہ سے بتایا ہے کہ مکی کا قران اصول ولغت کے اعتبار سے صحیح ہوجاتا ہے، مگر شرعاً مکی کے لئے قران مسنون نہیں ہے۔ اس حوالہ کی وجہ سے انہوں نے قران کرنے کی اجازت دے دی اور کہا کہ صرف مسنون طریقہ کی رعایت نہ کرنے پر دم لازم نہیں آئے گا، آپ سے اس سلسلے میں بھی وضاحت مطلوب ہے۔

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکی اور حلی کے لئے قران مشروع نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ حج قران کرلے تو قران کی شرائط پائی جانے کی وجہ سے حج قران تو صحیح ہوجائے گا لیکن یہ قران مسنون نہیں ہوگا اور چونکہ مکی اور حلی کے لئے قران ممنوع ہے اور انہوں نے امر ممنوع کا ارتکاب کیا ہے، اس وجہ سے اس قارن کے اوپر ایک دم واجب ہوجائے گا اور فقہاء نے اس دم کو دم جبر قرار دیا ہے اور دم جبر کا گوشت کھانا خود اس کے لئے اور غنی کے لئے جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۲۸۲)

فلو قرن مكي صح وأساء وعليه دم جبر. (غنية، جديد/ ۲۰۳)

ليس لأهل مكة ولا لأهل المواقيت تمتع ولا قران، إنما لهم أن يفردوا العمرة أو الحج، فإن قارنوا أو تمتعوا فقد أساؤا، ويجب عليهم الدم لإساتهم، ولا يباح لهم الأكل من ذلك الدم. (الفتاوى التاتارخانية ۳/ ۶۲۰، رقم: ۵۱۹۰، بدائع الصنائع ۲/ ۳۸۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۱۱۷۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

مکی یا حلی کے لئے حج تمتع کا شرعی حکم

سوال [۵۰۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ اگر مکی، حلی، میقاتی تمتع یا قران کرلے تو کیا یہ حضرات بھی دس ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرکے قربانی کرکے پھر سر منڈا کر احرام کھولیں گے یا ان کا تمتع اور قران غیر معتبر قرار دے کر جمرۂ عقبہ کی رمی کرکے سر منڈا کر احرام کھولیں گے؟

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ان کا تمتع غیر معتبر ہوکر ان کا حج حج افراد ہوتا ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے؛ لہٰذا جب ان کا تمتع ہی نہیں ہوا ہے اور وہ حج افراد ہی ہوا ہے، تو ان کے لئے جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد حلق کرکے حلال ہوجانا جائز ہے اور چونکہ ان کا دم، دمِ کفارہ ہے اور حلق کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے۔

لكن المفرد لا ذبح عليه، فيجب عليه الترتيب بين الرمي والحلق فقط؛ لأن المفرد لا شيء عليه في ذلك؛ لأنه لا ذبح عليه فلا يتصوره تأخير النسك وتقديمه بالحلق قبله. (شامي، زكريا ٣/ ٥٨٨)

ثم الكفارات كلها واجبة على التراخي، فلا يأثم بالتأخير عن وقت الإمكان، ويكون مؤديا لا قاضيا في أي وقت. (شرح النقاية للقاري/ ١ ٢١١، شامي، زكريا ٣/ ٥٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۱۱۷۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

آفاقی قران، تمتع وافراد تینوں کرسکتا ہے جب کہ مکی صرف افراد

سوال [۵۰۲۸]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج افراد کس کے لئے ہے؟ کیا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو باشندگان مکہ اور جدہ ہیں جو کہ داخلِ میقات ہے، یا ہراس شخص کے لئے ہے جو غیر ملکی ہے، مگر حدود میقات کے اندر کام کرنے کی غرض سے مقیم ہے؟ جو لوگ حدود میقات کے باہر سے حج کرنے آتے ہیں اور وہ سعودی یا غیر سعودی حضرات ہیں، کیا وہ بھی افراد کر سکتے ہیں، یا ان کو تمتع ہی کرنا پڑے گا؟

اگر کوئی شخص سعودی عرب (جو میقات سے خارج ہے) سے حج کرنے آیا، خواہ وہ باشندہ سعودی عرب کا ہو یا غیر ملکی، اگر اس نے حج افراد کرلیا اور چونکہ اس میں قربانی واجب نہیں ہے، قربانی نہیں کی تو اس پر کیا دم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

المستفتی: حبیب الرحمٰن انصاری متصل علی مسجد، شیرکوٹ، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج قران وتمتع وافراد تینوں آفاقی کے لئے بلا تردد جائز ہیں، چاہے کہیں کا بھی رہنے والا ہو، کیوں کہ میقات کے باہر سے آئے ہوئے کا حکم یکساں ہے۔ اور جو آفاقی موسم حج میں کسی بھی غرض سے میقات کے اندر رہتے ہیں، ان کا حکم اندر والوں جیسا ہے۔ اور جو آفاقی مکہ میں رہتے ہیں، ان پر مکہ والوں کا حکم لاگو ہوگا۔ اور مکہ والوں کے لئے حج تمتع وقران نہیں ہے، ان کے لئے صرف افراد ہے۔

وليس لأهل مكة تمتع، ولا قران، وإنما لهم الإفراد. الخ (هداية، كتاب الحج، باب التمتع أشرفي ديوبند ١/ ٢٦٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ رمحرم الحرام ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۸۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱/۱۹ھ

کیا مکۃ المکرّمہ میں غیر ملکی مقیم کے لئے حج قران وتمتع کرنا جائز ہے؟

مکرمی ومحترمی حضرت مفتی صاحب مدفیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حسب ذیل مسئلہ میں صحیح احکامات سے روشناس فرمائیں، ایسے احباب جن کا تعلق آفاق سے ہے، بغرض ملازمت یا تجارت یا اور کسی غرض سے حدود حرم (مکۃ المکرّمہ) جدہ اوراس کے مضافات اور میقات کے اندر رہتے ہیں، ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ صرف حج افراد ہی کرسکتے ہیں یا حج تمتع وقران بھی ان کے لئے جائز ہے؟ اور طواف وداع کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں ذیل کی تحریریں ایک دوسرے کے خلاف ہیں، براہ کرم صحیح احکام سے روشناس فرمائیں:

مضافات حرم میں مقیم غیر ملکی آفاقی ہیں یا میقاتی؟

سوال [۵۰۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کے بعض احکام میں مکہ کے باشندہ اور بیرونی باشندوں کے درمیان فرق کیا گیا ہے، چنانچہ اہل مکہ اوران لوگوں کے لئے جو حدود میقات کے اندر رہنے والے ہوں، حج افراد کا حکم ہے، ان کے لئے تمتع اور قران مکروہ ہے، اسی طرح بیرونی حجاج کے لئے طواف وداع واجب ہے، اہل مکہ کے لئے واجب نہیں۔ پس سوال یہ ہے کہ جو لوگ مکہ اوراس کے اطراف میں طویل عرصہ سے قیام پذیر ہیں اوران کا ارادہ وہیں رہنے کا ہے، ان کا شمار باشندگان حرم میں ہوگا یا نہیں؟ اوران کے لئے حج تمتع جائز اور طواف وداع واجب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اس وقت جدہ اور طائف وغیرہ میں جو لوگ طویل مدت سے مقیم ہیں، وہ اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔

فقہاء نے بنیادی طور پر مکہ کے وطن ہونے کے لئے رہائش پذیر شخص کی نیت اورارادہ کو کافی قرار دیا ہے، چنانچہ طواف وداع کے سلسلہ میں علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وفي اللباب: أنه لا يسقط بنية الإقامة ولو سنين، ويسقط بنية الاستيطان بمكة أو بما حولها. (ردالمحتار، كتاب الحج، قبيل مطلب: في طواف الصدر، كوئٹه ۲/ ۱۸۶، كراچی ۲/ ۵۲۳، زكريا ۳/ ۵٤٤)

''لباب'' میں ہے کہ طواف وداع اقامت کی نیت سے ساقط نہیں ہوگا، گو کئی سال کی اقامت ہو، ہاں مکہ اور اس کے مضافات میں توطن کی نیت سے طواف وداع ساقط ہو جائے گا۔

لیکن فی زماننا قانونی طور پر کسی بھی ملک میں محض کسی آدمی کا ارادۂ سکونت شہریت کے لئے کافی نہیں مانا جاتا ہے۔ اور وہ کسی بھی وقت وہاں سے شہر بدر کیا جاسکتا ہے؛ اس لئے جب تک حکومت وقت کسی شخص کو شہریت نہ دے دے اس وقت تک وہ بیرونی باشندہ سمجھا جائے گا اور وہ اہل مکہ کے حکم میں نہ ہوگا؛ لہٰذا اس کے لئے حج تمتع اور حج قران درست ہوگا۔ اور طواف وداع اس پر واجب ہوگا۔ شہریت کے لئے قانون ملکی کی اجازت مشروط ہونے پر فقہاء کے اس جزئیہ سے استدلال کیا جاسکتا ہے، جس میں فوجیوں کے لئے سپہ سالار لشکر کی نیت کے بغیر اقامت کی نیت کو غیر مؤثر سمجھا گیا ہے اور اس کو مسافر ہی کے حکم میں مانا گیا ہے۔ **واللہ اعلم** (ہدایہ ۱/ ۱۴۶، بحوالہ کتاب: جدید فقہی مسائل ص: ۲۴۴-۲۴۵ ''مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب'')

ان لوگوں کا بیان جن کے لئے قران اور تمتع جائز نہیں ہے

مسئلہ: مکہ مکرمہ کے رہنے والوں اور میقات پر یا میقات کے اندر حل میں رہنے والوں کو قران اور تمتع کرنا جائز نہیں ہے۔ (غنیۃ)

مسئلہ: اسی طرح وہ آفاقی جو مکہ مکرمہ میں آکر داخل ہوا، اگرچہ اشہر حج میں کسی شرعی طریق سے بغیر احرام عمرہ کے آیا ہو، جیسے پہلے حل کی حد میں کسی حاجت کے لئے آیا تھا، پھر وہاں سے کسی کام کی غرض سے مکہ معظّمہ میں بغیر احرام آیا، یا اشہر حج سے پہلے ہی مکہ میں داخل ہوکر عمرہ بجالاکر فارغ ہوا اور وہاں ٹھہر گیا، اس کے بعد اس پر اشہر حج واقع ہوئے، تو اب وہ مکہ والوں کے حکم میں ہے، پس اس کو بھی وہاں سے قران اور تمتع کرنا منع ہے۔

(حیات القلوب) اگر یہ لوگ قران یا تمتع کریں گے تو دم جنایت لازم ہوگا، نہ کہ دم شکر (ناقل) اور حقیقت میں یہ دم بھی لجمع ہے (شامی) ملاآخون جان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) ’’حاجی مکہ سہ نوع است یا مکی اصلی ست اورج افرادست بس‘‘۔

(۲) ’’یا آفاقی کہ بعمرہ داخل مکہ شدہ متمتع باشد یا نہ سوق ہدی کردہ یا نہ از عمرہ اش حلال شدہ یا نہ حکم ایں حکم مکی ست کہ اورا غیر افراد نیست یا آفاقی کہ داخل شد است بمکہ بحج پس امحتاج بتجدیدا حرام نیست‘‘۔

(۳) ’’یا میقاتی ست پس او برائے حاجتے بمکہ درآید مثل مکی ست در احرام بستن از حرم واگر بقصد حج درآمدہ باشد احرام بحج تنہا بند دراز حل انتہی‘‘۔ حاصل اس کا یہ ہے:

(۱) اصل مکی کو تو وہاں سے فقط حج افراد ہی کرنے کا حکم ہے۔

(۲) اور آفاقی جو عمرہ کے احرام سے مکہ مکرمہ میں آیا ہے، اگر قبل اشہر آیا اور یہ اشہر حج کے آنے سے پہلے ہی عمرہ کر کے حلال ہوکر رہا ہو، یا اشہر حج میں آیا اور افعال عمرہ بجالا کر احرام سے حلال ہوا، یا ایسا ہی احرام میں رہا، پھر جب حج کا احرام باندھے تو فقط حج ہی کا احرام باندھے، حج سے پہلے نہ دوسرے عمرہ کا اور نہ قران وغیرہ کا جو آفاقی اشہر حج سے پہلے آیا تھا اس کو تو مطلقاً ثانی عمرہ کرنے کی ممانعت ہے؛ البتہ جو اشہر حج میں عمرہ کر کے حلال ہوکر رہا ہو، اس کو ثانی عمرہ کرنے میں جو متاخرین کا اختلاف ہے، اس کی بحث تمتع کے بیان میں آئے گی۔ مطلب یہ کہ ان کو مکہ سے قران اور تمتع کرنا نہ چاہئے اگرچہ صورتاً ہو۔

(۳) اور جو میقاتی مکہ مکرمہ میں کسی حاجت کی وجہ سے آیا ہو اور وہاں سے حج کرنا چاہے، تو اس کی میقات حج حرم ہی ہے، وہ بھی فقط افراد حج کرے۔ (ناقل)

(بحوالہ کتاب: زبدۃ المناسک مع عمرۃ المناسک کامل، ص: ۳۰۵-۳۰۶، تالیف قطب الاقطاب فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ)

مرتبہ: میر سعادت علی حیدرآبادی، حال مقیم نلگنڈہ

جو غیر ملکی بغرض ملازمت طویل مدت کے لئے حدود حرم ومیقات کے درمیان

اقامت پذیر ہیں، گوکہ ان کو وہاں کی شہریت حاصل نہیں ہے؛ لیکن عبادت کے اندر وہی اجر وثواب حاصل ہے جو مقامی لوگوں کو حاصل ہے اور وہ احکامات کے اس طرح مکلّف ہیں جس طرح مقامی لوگ ہیں، جہاں تک شہریت کا تعلق ہے، وہ انسانوں کا بنایا ہوا قانون ہے، جو ہر ملک اپنے اقتصادی، معاشی اور ملک کی حفاظتی اصول کی بنیاد پر بناتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی عظمت و بزرگی کی وجہ سے حدود قائم فرمائے ہیں۔ اور احکامات دیئے ہیں جو قیامت تک کے لئے ہیں اور ساری انسانیت کے لئے ہیں، اس میں سب شہری اور غیر شہری برابر ہیں؛ اس لئے حج جیسی عبادت کے اندر بھی اس کی رعایت ضروری ہے؛ اس لئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا دیا ہوا فتویٰ ہی اقوی معلوم ہوتا ہے، الحمدللہ مجھ سے بھی جب کوئی ان مقامات سے مسئلہ دریافت کرتا ہے، تو حج افراد ہی کی رہبری کرتا ہوں۔ فقط

سعادت علی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جولوگ بغرض ملازمت حدودِ حرم ومیقات کے درمیان اقامت پذیر ہیں اور ان کا ارادہ تسلسل کے ساتھ پندرہ دن سے زائد وہاں پر قیام کا ہے، ان کا حکم بھی اہل مکہ وحل کا ہے۔ اور ان کے لئے بھی قران اور تمتع کرنا ممنوع ہوگا۔ اور ان کو فوجیوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ جتنے لوگ وہاں پر رہتے ہیں وہ مستامن ہیں۔ اور حکومت سے ان لوگوں کا ایک مدت متعینہ تک وہاں پر قیام کا معاہدہ اور اجازت ہے، جس بناء پر ان کی اقامت کی نیت معتبر ہوگی۔ اور ان کا بھی وہی حکم ہوگا جو اہل مکہ اور وہاں کے مقامی حضرات کا ہے۔ اور مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے ''جدید فقہی مسائل'' میں جو مسئلہ لکھا ہے اس سے ہم کو اتفاق نہیں ہے؛ اس لئے کہ ان کی بات تمام فقہاء کی رائے کے خلاف ہے، اور جس بات پر انہوں نے قیاس کیا ہے اس قیاس میں مقیس اور مقیس علیہ میں مطابقت نہیں ہے۔

وأما الآفاقي إذا دخل الميقات، أو دخل مكة بعمرة، وحل منها قبل

أشهـر الحج، فإن مكث بها حتى دخل أشهر الحج، فهو كالمكي بالاتفاق. (غنية الناسك قديم ۱۲۱، جديد كراچی ۲۲۷)

ثـم لـو أحـرم بـأخرى بعد دخول أشهر الحج، وحج من عامه لم يكن متـمـتـعـا في قول الكل؛ لأنه صار في حكم المكي بدليل أن ميقاته ميقاتهم. (شامي، كراچی ۲/ ۵۳٦، زكريا ۳/ ٥٦٢)

ولو دخل الكوفي بعمرة، فأداها وتحلل، وأقام بمكة حتى دخل عليه أشهـر الـحـج، فـأحـرم بعمرة أخرى لم يكن متمتعا في قولهم؛ لأنه لما أقام صـار فـي حـكـم أهـل مكة بدليل أن ميقاته ميقات أهل المكة، وليس لأهل مكة تمتع. (المسالك في المناسك ۱/ ٦٦۱)

ولـو أحـرم بـعمرة أخرى بعد ما دخل أشهر الحج لم يكن متمتعا في قـولهـم جـميعا؛ لأنه صار في حكم أهل مكة بدليل أنه صار ميقاته ميقاتهم، فلا يصح له التمتع. (بدائع الصنائع زكريا ۲/ ۳۸۰)

والآفـاقـي كل من كان داره خارج الميقات فلا تمتع لأهله ولا لأهل داخله، والعبرة للتوطن، فلو استوطن المكي فى المدينة مثلا فهو آفاقي ولو استوطن الآفاقي بمكة كالمدني وغيره، فهو مكي. (مناسك ملا علي قاري باب التمتع، كراچی/ ۲۷۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۲۶ھ

کیا مکہ یا جدہ میں مع اہل وعیال رہنے والے تمتع یا قران کر سکتے ہیں؟

سوال [۵۰۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کہ ہمارے کچھ عزیز مکہ مکرمہ اور جدہ میں مع اہل وعیال بغرض تجارت وملازمت رہتے ہیں، ان کا پہلا ہی سفر ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم پہلے حج تمتع یا قران میں سے کوئی ایک کریں، کیا شرعاً ایسے لوگوں کے لئے حج تمتع یا قران کی اجازت ہے؟ جدہ میں ایک عالم ''احسن الفتاویٰ'' کے حوالہ سے ایسے حضرات کے لئے تمتع اور قران کی اجازت دے رہے ہیں، شرعاً مفتی بہ قول مطلوب ہے۔

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکہ مکرمہ میں جو لوگ بغرض ملازمت ہندوستان سے جا کر قیام پذیر ہیں اور وہاں پر مہینوں اور سالوں کے لئے تسلسل کے ساتھ قیام کا ارادہ کر چکے ہیں؛ تو وہ مکہ والوں کے حکم میں ہیں، ان کے لئے وہاں پر رہتے ہوئے حج تمتع یا قران مشروع نہیں ہے؛ اس لئے کہ حج قران وتمتع کے لئے عمرۂ آفاقی لازم ہے اور مکہ میں رہ کر عمرۂ آفاقی نہیں ہوتا، اسی طرح جدہ میں ملازمت پر جو لوگ مامور ہیں، وہ اہل جدہ کے حکم میں ہے، اور جدہ محاذات میقات میں ہونے کی وجہ سے میقات کے حکم میں ہے اور میقاتی کو حلی کے درجہ میں قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے حلی اور میقاتی کے لئے بھی حج قران اور تمتع مشروع نہیں ہے؛ کیوں کہ حل میں رہ کر عمرۂ آفاقی نہیں کر سکتے اور حج قران وتمتع عمرۂ آفاقی کے ساتھ ہی مشروع ہے۔

لا تمتع ولا قران ولا جمع بينهما في غير أشهر الحج لأهل مكة وأهل المواقيت الخمسة ومن دونها إلى مكة سواء بينه وبين مكة مسيرة سفر أو لا وكل آفاقي صار في حكم أهل مكة كأن دخل الميقات لحاجة في أشهر الحج أو قبلها ...... وفي شرح الاسبيجابي على مختصر الطحاوي: وإنما لهم أن يفردوا العمر أو الحج. (غنية، جديد ۲۸۳، قديم/ ۲۱۹)

أحرم إذا حاذى أحدهما أو أبعدهما أفضل، وفي الشامية: أن وجوب الإحرام بالمحاذات إنما يعتبر عند عدم المرور على المواقيت.

(شامي، زكريا ۳/ ۴۸۱، ومثله في الهندية ۱/ ۲۲۱، جديد ۱/ ۲۸۵، البحرالرائق، زكريا ۲/ ۵۵۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۵۱ ۱۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

مکہ والوں کے لئے حج تمتع وحج قران کا حکم

سوال [۵۰۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مکہ والوں کے لئے حج قران، حج تمتع مشروع نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حج تمتع وحج قران کی صحت کے لئے اشہر حج میں عمرۂ آفاقی لازم ہے۔ اور اہل مکہ مکہ میں رہ کر کے عمرۂ آفاقی نہیں کر سکتے، تو سوال یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے آکر اقامت وغیرہ کے ذریعہ مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں، جو ۱۵/ دن سے زائد تسلسل کے ساتھ رہتے ہیں، اور ان کا یہ رہنے کا سلسلہ سالوں کے لئے ہوتا ہے، تو ان کا حکم مکہ والوں کے جیسا ہے یا ان کے لئے حج تمتع وحج قران جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ باہر سے آکر مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے، اقامت وغیرہ کے ذریعہ سے اور ان کا یہ رہنے کا سلسلہ سالوں تک کے لئے ہے، تو ان کا حکم اہل مکہ کی طرح ہے؛ اس لئے ان کے لئے حج تمتع وحج قران جائز نہیں ہے۔

وأما الآفاقي إذا دخل الميقات أو دخل مكة بعمرة وحل منها قبل أشهر الحج، فإن مكث بها حتى دخل أشهر الحج، فهو كالمكي بالاتفاق ...... لو أحرم بعمرة قبل أشهر الحج، فقضاها وتحلل وأقام بمكة، فأحرم بعمرة، ثم حج من عامه ذلك لم يكن متمتعا. (غنية الناسك، كتاب الحج، باب

التمتع، المطلب الثالث قديم ۱۲۱، جديد كراچی ۲۲۷، جديد مكتبه يادگار شيخ ۲۹۲)

فشرائط صحته أي التمتع تسعة: الأول: أن يكون من أهل الآفاق والعبرة للتوطن، فلو استوطن المكي في المدينة مثلا فهو آفاقي، ولو استوطن الآفاقي بمكة فهو مكي. (غنية الناسك، قديم ۱۱۳، جديد كراچی ۲۱۲، يادگار شيخ ۲۷٤)

ولو بقي بمكة ولم يخرج إلى البصرة حتى اعتمر في أشهر الحج، وحج من عامه لا يكون متمتعا بالاتفاق؛ لأن عمرته مكية، والسفر الأول انتهى بالعمرة الفاسدة، ولا تمتع لأهل مكة. (هداية مكتبه أشرفيه ۱/ ۲٦٥)

وليس لأهل مكة تمتع، ولا قران، وإنما لهم الإفراد خاصة، كذا في الهداية، وكذلك أهل المواقيت، ومن دونها إلى مكة في حكم أهل مكة.

(هندية، الحج، قبيل الباب الثامن في الجنايات، زكريا قديم ۱/ ۲۳۹، جديد ۱/ ۳۰٤)

ولو خرج إلى الميقات قبل أشهر الحج، ثم رجع يكون محرما في قولهم، وكما لا قران لأهل مكة، ومن كان في معناهم لا متعة لهم. (خانية على الهندية زكريا ۱/ ۳۰٤، جديد زكريا ۱/ ۱۸٦)

ومن كان داخل المواقيت، فهو بمنزلة المكي، حتى لا يكون متعة ولا قران. (هداية، مكتبه أشرفيه ۱/ ۲٦۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۱۴۳۵/۱/۲۳ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۴۰۹/۴۰)

حج تمتع کا طریقہ

سوال [۵۰۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خدا اگر کسی کو توفیق دے کر حج افراد کے لئے قبول کر کے بلالے، تو اس کا کیا طریقہ

ہے؟ وطن سے جب سفر کرنا ہے، تو عمرہ کا احرام باندھے گا اور بیت اللہ پہنچ کر طواف وسعی کرنا ہوتا ہے، تو کیا اس کے بعد حلق یا قصر بھی کرنا ہے؟ اور دوبارہ حج افراد کا احرام باندھنا ہے، یا طواف وسعی تک ہی عمرہ کے اعمال محدود ہیں اور احرام جوں کا توں ہی ۱۰ر ذی الحجہ تک رہے گا؟

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد احمد گڑھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ عمرہ رمضان کے بعد کا ہے اور اسی سفر میں حج کا بھی ارادہ ہے، تو یہ عمرہ حج تمتع کا ہے۔ اور حج تمتع کے عمرہ کا حال وہی ہے جو عام حالات میں کیا جاتا ہے؛ لہٰذا طواف وسعی کرکے حلق کراکے احرام کھول دے اور عام لوگوں کی طرح آٹھ ذی الحجہ تک مکہ میں قیام کرے۔ اور اس درمیان بیوی کے ساتھ ہمبستری بھی جائز ہے۔ اور آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو صرف حج کا احرام باندھا جائے گا اور یہ احرام حدود حرم میں باندھا جائے گا، یہ بظاہر حج افراد کا احرام ہے، مگر حج افراد نہیں ہے؛ بلکہ حج تمتع ہی ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۵۳)

فإذا كان يوم التروية أحرم به وقبله أفضل، وأفضل أماكنه الحطيم، ثم المسجد، ثم مكة، ثم الحرم. (غنية الناسك، كتاب الحج، باب التمتع، فصل في كيفية أداء التمتع المسنون، قديم ١١٥، جديد كراچی ٢١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر شوال ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۵۷۸)

کیا متمتع عمرہ کا احرام کھولنے کے بعد حج کا احرام باندھنے سے قبل عمرہ کرسکتا ہے؟

سوال [۵۰۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج تمتع کرنے والے شخص کو مکۃ المکرّمہ پہنچتے ہی عمرہ کرنا ہے، یہ احرام کھول کر حلال ہوجاتا ہے، حج کا احرام باندھنے سے پہلے جو اس کو ٹائم ملتا ہے، دس روز پانچ روز یا

اس سے زائد کا یا کم کا کیا ان ایام میں یہ شخص عمرہ کرتا رہے، اپنے اعزاء واقرباء کے نام سے یا نہیں؟ کرنے کی اجازت ہو تو مطلع فرمائیں، کیسے کیا جائے؟

المستفتی: عبدالکریم الہ آبادی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متمتع نے جب عمرہ کے ارکان ادا کر کے احرام کھول دیا ہے، تو آٹھویں ذی الحجہ تک جتنی مرتبہ چاہے جس کے لئے چاہے عمرہ کرسکتا ہے، بس صرف پانچ دن عمرہ کرنا مکروہ ہے، یوم عرفہ، یوم النحر، ایام التشریق۔ اور جہاں آٹھویں ذی الحجہ سے قبل عمرہ کو مکروہ لکھا ہے، وہ صرف اہل مکہ اوران لوگوں کے حق میں ہے جو مکہ والوں کے حکم میں ہیں؛ اس لئے کہ ان کے لئے تمتع ممنوع ہے، اب اگر ایام حج میں عمرہ کریں گے اور پھر حج کریں تو تمتع کرنے والے بن جائیں گے، آفاقی کے لئے یہ حکم نہیں ہے، نیز اہل مکہ میں سے جو اس سال حج نہ کرنے والے ہیں، ان کے لئے آٹھویں ذی الحجہ سے قبل عمرہ کرنا جائز ہے۔

العمرة لا تفوت، وهي جائزة في جميع السنة إلا خمسة أيام يكره فيها، فعلها وهي يوم عرفة، ويوم النحر، وأيام التشريق. الخ (هداية، كتاب الحج، باب الفوات، اشرفی دیوبند ۱/ ۲۹۶، درمختار کراچی ۲/ ۴۷۳، زکریا ۳/ ۴۷۷)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۲)

متمتع کا عمرہ کے بعد حج سے قبل طواف کرنا

سوال [۵۰۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: جو شخص حج تمتع کرتا ہے، وہ طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد حلق کرنے کے بعد حج سے پہلے طواف کرسکتا ہے یا نہیں؟ یہ طواف شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: خدا بخش گو بند پور، ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متمتع شخص عمرہ کے افعال سے فارغ ہونے کے بعد ایام حج شروع ہونے سے پہلے جتنے چاہے، نفلی طواف کرسکتا ہے۔

وأقام بمكة حلالا، وفي الشامية: أفاد أنه يفعله ما يفعل الحلال، فيطوف بالبيت مابدأ له. (شامي، كتاب الحج، باب التمتع كراچی ۲/ ۵۳۷، زكريا ۳/ ٥٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۴۳)

کیا جدہ والے حج تمتع وقران کرسکتے ہیں؟

سوال [۵۰۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے ایک دوست جدہ شہر میں رہتے ہیں، وہ جدہ سے حج کے لئے جانا چاہتے ہیں، کیا وہ حج قران یا تمتع کا احرام باندھ سکتے ہیں، یا وہ مکی کے حکم میں ہیں کہ افراد ہی کا احرام باندھیں؟ جدہ آفاق کے حکم میں ہے یا مکہ کے حکم میں؟

المستفتی: محمد امجد سیڈھوی، وارد حال ریاض سعودیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جدہ کو میقات قرار دیا گیا ہے اور وہاں سے آفاقی کو احرام باندھنے کی گنجائش دی گئی ہے؛ لیکن پورے جدہ کو میقات سے باہر نہیں قرار دیا گیا؛

اس لئے جدہ والے اہل حل کی طرح حج افراد ہی کریں گے، حج تمتع یا قران نہیں کریں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جدہ شہر بہت دور دور تک پھیلا ہوا ہے، اس کا اکثر حصہ حل کے اندر داخل ہے اور سمندر کے کنارہ کا حصہ میقات یا میقات سے باہر ہے؛ اس لئے پورے جدہ والوں کے لئے تمتع یا قران کے جواز کی بات نہیں کہی جاسکتی۔ (مستفاد: انوار مناسک ۲۴۵-۲۴۶، امداد الفتاویٰ ۲/۱۴۹)

إن المحاذات لم تعتبر ميقاتا بالنص إنما ألحقت بالميقات اجتهادا بالقياس عليه في حرمة مجاوزته بلا إحرام –إلى قوله– كجدة من طرف البحر، فإنها على مرحلتين عرفتين من مكة وثلث مراحل شرعية. (غنية الناسك جديد كراچی ۵۳-۵٤، قديم ۲٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱۱/۱۴۳۱ھ

متمتع کا باربار عمرہ کرنا

عمرہ کا احرام کہاں سے؟ ایک تحقیق

سوال [۵۰۳٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بعض حجاج قیام مکۃ المکرمہ کے زمانہ میں اپنی طرف سے اور اپنے رشتہ داروں کی طرف سے نفل عمرہ ادا کرنے کے لئے مسجد تنعیم یا مقام جعرانہ جانے کا اہتمام کرتے ہیں، احرام عمرہ کے لئے تنعیم یا جعرانہ جانے کا عمل کہاں تک درست ہے، جب کہ ''زاد المعاذ'' میں لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لئے جعرانہ کے مقام سے جب احرام باندھا، اس وقت آپ مکہ کی طرف تشریف لا رہے تھے۔ اور طائف کی جانب سے جو شخص مکہ میں داخل ہونا چاہے اس کے لئے بھی یہ سنت ہے۔ اور وہ طریقہ جو لوگ اختیار کرتے ہیں کہ

مکہ سے جعرانہ کی طرف جاتے ہیں، تاکہ وہاں جاکر عمرہ کا احرام باندھیں، پھر مکہ سے جعرانہ کی طرف واپس آئیں، یہ کام حضور نے اور نہ کسی صحابی نے کیا ہے اور نہ اہل علم میں سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا ہے؛ بلکہ عوام ہی کرتے ہیں اور اسے حضور کی اقتدا خیال کرتے ہیں، حالانکہ انہیں غلط فہمی ہے۔ (زادالمعاد ۲/۴۲)

اسی طرح ''زادالمعاد'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے زندگی بھر میں ایک عمرہ بھی مکہ سے باہر جاکر نہیں کیا، جیسا کہ آج کل عام طور پر لوگ کرتے ہیں، جو عمرہ آپ ﷺ نے کیا ہے اور مشروع ہے وہ داخل مکہ کا عمرہ ہے۔ (زادالمعاد اردو ا/ قسط: ۳، ص: ۳۹۲)

اس سلسلے میں آپ وضاحت فرمائیں تو عنایت ہوگی۔

میر سعادت علی نلگنڈہ

جواب: ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص مکۃ المکرمہ میں ہو خواہ وہ مکہ سے باہر کا رہنے والا ہو یا خود مکہ کا رہنے والا ہو، وہ اگر عمرہ کرنا چاہے، تو اس کو حل (حدود حرم اور میقاتِ عمرہ کی درمیانی جگہ) سے احرام باندھنا لازم ہوگا۔ (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ا/ ۶۱۸)

ائمہ اربعہ کا کسی امر پر اتفاق کر لینا اس بات کی علامت ہے کہ یہ بات درست اور قرآن وحدیث کی روح سے قریب تر ہے۔

''زادالمعاد'' کے مصنف علامہ ابن قیم فقہ حنبلی کے پیرو تھے (ملاحظہ ہو زادالمعاد ا/ ۱۱، قسط: ۱)

فقہ حنبلی میں بھی مسئلہ یہی ہے کہ عمرہ کا ارادہ کرنے والا مکہ کا رہنے والا ہو یا مکہ میں مقیم ہو، دونوں صورتوں میں اسے عمرہ کا احرام حل (حدود حرم اور میقات عمرہ کی درمیانی جگہ) میں جاکر باندھنا ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ابن قیم نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کا تفرد اور شخصی وانفرادی نتیجۂ فکر ہے، ابن قیم کی یہ بات کہ ''مکہ میں ہو تو جعرانہ جاکر احرام باندھنے کو کسی صاحب علم نے مستحب نہیں سمجھا ہے'' خلاف واقعہ ہے؛ کیوں کہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھنا افضل ہے، اور فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک ''تنعیم'' سے احرام باندھنا افضل ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ا/ ۶۱۸)

امام بخاریؒ کا رجحان بھی وہی ہے جو ابن قیم کا ہے؛ لیکن جمہور فقہاء اور اصحاب علم نے اس کو رد کر دیا ہے۔ (درس ترمذی ۳/ ۲۰۶)

اس مسئلہ سے متعلق حدیث کی روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی صحابی نے حرم مکہ کے اندر ہی عمرہ کا احرام باندھا ہو، یہاں یہ بات قابل غور وفکر ہے کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپسی کے موقع پر عمرہ کا احرام ''جعرانہ'' سے کیوں باندھا؟ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عمرہ کا احرام بندھوانے کے لئے لیلۃ الحصبۃ میں ایام منی کے بعد حضرت عبدالرحمٰن کے ساتھ مقام ''تنعیم'' کیوں بھیجا تھا؟ جس کا تذکرہ امام بخاری نے صحیح بخاری (۱/ ۴۵) اور امام طحاوی نے اپنی کتاب (۱/۲۶۲) میں کیا ہے، ظاہر ہے کہ اگر حرم مکہ کے اندر ہی احرام باندھنا درست تھا، تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ''جعرانہ'' سے احرام باندھنے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو مقام تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھنے کی ضرورت نہ تھی، ان احادیث پر تحقیقی نظر ڈالنے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حرم مکہ ہی میں عمرہ کا احرام باندھنا شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے، واضح رہے کہ سطور بالا میں ''جعرانہ'' اور ''تنعیم'' کا جو ذکر آیا ہے وہ دو مقامات کے نام ہیں، جو حرم مکہ سے باہر حل میں واقع ہیں۔

متمتع کا اشہر حج میں بار بار عمرہ کرنا

سوال [۵۰۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو شخص حج تمتع کرتا ہے اس کا حج سے پہلے اشہر حج یعنی شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ کے عشرۂ اول میں بار بار عمرہ کرنا کیسا ہے؟

جواب (۱) تو راجح اور صحیح قول کے مطابق حج سے قبل مذکورہ ایام میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔ (مستفاد: اوجز

المسالک ٣/٣٧٤، غنیۃ الناسک/ ١١٥، معلم الحجاج ٢٣١، رحمۃ اللہ الواسعہ ٤/ ١٨٣، مکمل ومدلل مسائل حج وعمرہ ١٤٦، انوار مناسک ٣١٧، انوار رحمت ٤٠)

(٢) **مسئلہ:** حج تمتع کرنے والے کے لئے حج اور عمرہ کے درمیان اور عمرہ کرنا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل ٤/ ٥١)

(٣) **مسئلہ:** آفاقی کے لئے ایک عمرہ سے زائد کرنا اشہر حج میں جائز ہے، نیز حج تمتع کرنے والا ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کرسکتا ہے۔ (مکمل ومدلل مسائل حج وعمرہ ١٤٩، فتاوی رحیمیہ ٦/ ٣٩٧، آپ کے مسائل اوران کا حل ٤/ ٥٠)

(٤) **مسئلہ:** بعض علماء کے نزدیک متمتع ارکان عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد جب دوسرا عمرہ کرے گا تو اس کے ذریعہ تمتع باطل ہوجائے گا، یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ جب دوسرا عمرہ کرے گا تو اس کے ذریعہ سے تمتع ہوجائے گا اور جب تیسرا عمرہ کرے گا تو اس کے ذریعہ سے تمتع صحیح ہوجائے گا، الغرض جتنے عمرہ کرے گا ان میں سے آخر والے کے ذریعہ سے تمتع صحیح ہوجائے گا۔ (مستفاد: انوار مناسک ٣١٧، انوار رحمت ٤١، مکمل ومدلل مسائل حج وعمرہ ١٤٦، فتاوی محمودیہ ١٣/ ١٨٣)

مذکورہ تحریر کے بعد مجھے جو اشکال درپیش ہے وہ حسب ذیل ہے: (١) اگر یہ عمرۂ آفاقی ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں؛ بلکہ آخری عمرہ سے تمتع صحیح ہوجائے گا، جیسا کہ مسئلہ نمبر: ٤/ سے ظاہر ہے (جو مدینہ پاک سے واپسی پر کیا جاتا ہے) لیکن موجودہ حالات میں لوگ عمرۂ آفاقی ہونے کے بعد دوران قیام مکۃ المکرّمہ نفل عمرہ کرتے ہیں، وہ میقات سے نہیں؛ بلکہ مسجد تنعیم سے کرتے ہیں جو حل میں ہے، تو یہ عمرۂ آفاقی نہیں؛ بلکہ حلی ہوا، جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ ہر آخری عمرہ کے ذریعہ تمتع صحیح ہوجائے گا، حالانکہ حج تمتع کے صحیح ہونے کی شرائط میں یہ بات بھی داخل ہے کہ تمتع کے لئے اشہر حج میں عمرۂ آفاقی لازم ہے۔ (انوار مناسک ٢٨٥-٢٨٦، غنیۃ الناسک جدید ٢١٢، قدیم ١١٤)

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو حج سے پہلے عمرہ ہوگا وہ آفاقی نہیں بلکہ حلی ہوگا، کیا ایسا کرنے سے حج تمتع میں فرق تو نہیں آئے گا اور حج تمتع باقی رہے گا؟

المستفتی: میر سعادت علی حیدر آبادی، حال مقیم نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سائل نے مسئلہ موضوع بحث سے متعلق ایک شاندار نکتہ اٹھایا ہے، اس نکتہ کا حل یہ ہے کہ جن کتابوں کے حوالہ سے آپ نے یہ اشکال اٹھایا ہے کہ متمتع کے لئے اشہر حج میں عمرۂ آفاقی بار بار کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آخری عمرہ کے ساتھ تمتع صحیح ہو جائے گا، مثلاً اشہر حج میں آفاق سے عمرہ کا احرام باندھ کر حرم شریف میں قیام کرے، پھر حج سے پہلے مدینہ یا طائف جا کر واپسی میں عمرہ کرتا ہے، تو یہ دوسرا عمرہ بھی عمرۂ آفاقی ہے، اسی طرح آخری عمرہ کے ذریعہ تمتع ہو جایا کرے گا، اس میں کوئی اشکال نہیں، مگر حل میں مسجد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا مسجد جعرانہ وغیرہ سے حج سے پہلے بار بار عمرہ کیا جائے تو یہ عمرۂ حلی ہے اور اس میں سے آخری عمرہ کے ذریعہ سے تمتع صحیح ہو جانا قابل اشکال ہے؛ اس لئے کہ آخری عمرہ عمرۂ آفاقی نہیں ہے۔ اور تمتع کا سارا مدار اشہر حج میں عمرۂ آفاقی پر ہے، یہ مستفتی کی طرف سے ایک شاندار اشکال ہے، اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ مسئلہ اپنی جگہ عملاً صحیح ہے اور تعبیر کا فرق ہو گیا ہے، عملاً یوں صحیح ہے کہ عمرۂ آفاقی کرنے کے بعد متمتع کے لئے حج سے پہلے بار بار عمرۂ حلی کرنا بھی جائز ہے، ہاں البتہ یہ تعبیر کرنا مسئلہ کو اشکال کا شکار بنا دیتا ہے کہ آخری عمرہ کے ذریعہ سے تمتع صحیح ہو جائے گا اور مسئلہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ اشہر حج میں عمرۂ حلی کے جائز ہونے کے ساتھ عمرۂ آفاقی جو کر چکا ہے اسی کے ذریعہ سے تمتع صحیح ہوگا۔ اور ''انوار مناسک، انوار رحمت، آپ کے مسائل اور ان کا حل، فتاوی رحیمیہ اور مسائل حج عمرہ'' وغیرہ ان تمام بعد کی کتابوں میں جو لکھا گیا ہے وہ معلم الحجاج یا فتاوی محمودیہ کے مسئلہ کو نقل کر دیا گیا ہے۔ اور ''فتاوی محمودیہ'' اور ''معلم الحجاج'' میں ''غنیۃ الناسک'' کی ایک عبارت پر اعتماد کیا گیا ہے، اس عبارت سے بظاہر یہی معلوم ہو رہا تھا کہ متمتع کے لئے

حج سے پہلے بار بار عمرۂ حلی کرنا جائز ہے؛ اس لئے کہ اس عبارت میں مکی اور آفاقی دونوں کے لئے بار بار عمرہ کی اجازت دی گئی ہے، اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ بار بار عمرۂ حلی کرنا جائز ہے؛ لیکن اس عبارت میں اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ عمرۂ حلی میں سے آخری عمرہ کے ساتھ تمتع ہوگا، اور نہ ہی اس بات کی وضاحت ہے کہ عمرۂ آفاقی کے ساتھ تمتع ہوگا، یہ بڑوں نے اپنی طرف سے اضافہ فرمایا ہے۔ اور پھر چھوٹوں نے بڑوں کی بات پر اعتماد کرلیا ہے؛ لیکن ہر طرف کی جزئیات کو احاطہ کرکے دیکھنے کے بعد یہی بات صحیح ہے کہ تمتع تو اشہر حج میں عمرۂ آفاقی کرنے کی وجہ سے ہی صحیح ہوگا، مگر عمرۂ آفاقی کرلینے کے بعد حج سے پہلے بار بار عمرۂ حلی کرنا بھی جائز ہے۔ اور صحت تمتع کی شرط کی عبارت مستفتی کے سامنے موجود ہوگی کہ اشہر حج میں عمرۂ آفاقی صحت تمتع کے لئے لازم ہے۔ اور عمرۂ حلی کے جواز کی عبارت ''غنیۃ الناسک'' کی وہ عبارت ہے جو ''انوار مناسک ص: ۳۱۷'' کے حاشیہ میں منقول ہے، یہاں بھی درج کردی جاتی ہے:

ويعتبر قبل الحج ماشاء، وما في اللباب لا يعتبر قبل الحج، فغير صحيح؛ لأنه بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة، وهو خلاف مذهب أصحابنا جميعًا، لأن العمرة جائزة في جميع السنة بلا كراهة إلا في خمسة أيام، لا فرق في ذلك بين المكي والآفاقي . الخ (غنية جديد كراچی ص: ۲۱۵، قديم، ص: ۱۱۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵؍شعبان ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۸/۱۶ھ

عمرۂ حلی سے حج تمتع درست نہیں ہوگا

سوال [۵۰۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ میقات اور حل میں رہنے والے دوستوں نے شوال میں عمرے کر لئے، اب اسی سال وہ حج بھی کرنا چاہتے ہیں، کیا جو لوگ حکماً مکی ہیں یا حل اور میقات میں رہنے والے ہیں اور انہوں نے قصداً یا سہواً شوال میں عمرے بھی کر لئے ہیں، ان کو شریعت اس سال حج کرنے کی اجازت دیتی ہے؟ نیز ایسے شخص حج افراد کرلیں تو کیا ان کا حج صحیح ہوجائے گا؟ یا ان پر دم لازم آئے گا؟۔

المستفتی: عبدالرشید سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میقات اور حل میں رہنے والے لوگوں کے لئے مکہ والوں کی طرح حج تمتع مشروع نہیں ہے، اگر ان لوگوں نے حل سے احرام باندھ کر شوال میں عمرہ کیا ہے، تو ان کا عمرہ عمرۂ حلی ہوگا اور عمرۂ حلی کے ذریعہ سے تمتع صحیح نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا ان لوگوں نے اگر اسی سال حج بھی کرلیا تو ان کا یہ حج حجِ افراد ہی ہوا؛ اس لئے ان کے اوپر تمتع کی قربانی واجب نہیں ہوئی، اسی طرح اگر ان لوگوں نے شوال میں میقات سے باہر جا کر عمرۂ آفاقی کرلیا ہے، پھر اسی سال حج بھی کرلیا تو عمرہ اور حج کے درمیان اِلمام صحیح پائے جانے کی وجہ سے ان کا حج حجِ تمتع نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ صحت تمتع کے لئے المام صحیح کا صحیح نہ ہونا لازم ہے اور یہاں ایسا نہیں۔ اور صورۃً ان کا حج حج تمتع ہونے کی وجہ سے ان کے اوپر کفارہ میں ایک دم، دمِ جبر لازم ہوگا؛ اس لئے کہ انہوں نے امر ممنوع کا ارتکاب کیا ہے اور اس قربانی کا گوشت کھانا بھی ان کے لئے اور غنی کے لئے جائز نہیں ہے، جزئیات ملاحظہ فرمایئے:

من كان داخل الميقات فهو بمنزلة المكي حتى لا يكون له متعة ولا قران، هذا راجع إلى تفسير ”حاضرى المسجد الحرام“ فعندنا هم أهل مكة ومن كان داخل الميقات سواء كان بينه وبين مكة مسيرة سفر أو لم يكن. (عناية على الفتح ٣/ ١٣، شامي، زكريا ٣/ ٥٦٨)

ليس لأهل مكة ولا لأهل المواقيت تمتع ولا قران، إنما لهم أن

يفردوا العمرة أو الحج، فإن قارنوا أو تمتعوا فقد أساؤا، ويجب عليهم الدم لإساتهم، ولا يباح لهم الأكل منه. (الفتاوى التاتارخانية ۳/ ۶۲۰، رقم: ۵۱۹۰، بدائع الصنائع ۲/ ۳۸۰، شامي، زكريا ۳/ ۶۲۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۷۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

دورِ حاضر میں اپنے علاقہ سے ہدی کا جانور لے جانا

سوال [۵۰۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: موجودہ دور میں اگر کوئی حج تمتع کرنے والا ہدی روانہ کرنے والی حدیث پر عمل کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

المستفتی: ولی اللہ سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دور اول میں مکہ مکرمہ میں کثیر تعداد میں برائے فروخت جانور نہیں ملتے تھے اور اگر ملتے بھی تھے تو بہت مہنگے؛ اس لئے حاجی اپنے علاقہ سے جاتے وقت ہدی کا جانور ساتھ لے کر جایا کرتے تھے، تا کہ ان کو مہنگا خریدنا نہ پڑے اور جانوروں کے لے جانے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہوتی تھی، نیز حاجی جانوروں کی حفاظت اور اس کے کھانے پینے کی تمام چیزوں کا انتظام اچھی طرح کرتے تھے۔ اور آج کے دور میں حاجی کا جانور ساتھ لے کر جانا بہت دشوار امر ہے اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے جاتا ہے اور قربانی تک اس کی حفاظت اچھی طرح کر لیتا ہے، تو ایسی صورت میں ہدی کا جانور ساتھ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور اگر سائل اس سوال سے صرف یہی پوچھنا چاہتا ہے کہ جانور لے جانے کی کیا شکل ہے، تو جواب

یہ ہے کہ جس کو جانور لے جانے کا شوق ہو وہی جانور لے جانے کی شکل خود تلاش کرلے، نہ ہم کبھی لے کر گئے ہیں اور نہ ہی لے جانے کی کوئی شکل ہمارے سامنے ہے؛ اس لئے ہم نہیں بتا سکتے ہیں اور نہ ہی یہ کوئی امر ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۰ھ

کیا سعی سے قبل نفلی طواف کرنا واجب ہے؟

سوال [۵۰۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) سعی کو طواف زیارت، حلق، رمی، قربانی کی طرح ایام نحر کے اندر اندر کرنا واجب نہیں ہے؛ بلکہ ایام نحر گذر جانے کے بعد بھی کرنا جائز ہے؛ لہٰذا اگر کسی کو عذر یا تھکاوٹ دور کرنے کے لئے آرام کرنا ہے، تو جتنے دن چاہے تاخیر کرسکتا ہے، آج نہیں تو کل پرسوں یا دس پندرہ دن کے بعد بھی سعی کرنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ طواف وسعی کے درمیان حج کا کوئی دوسرا رکن ادا نہ کیا جائے، اگر کوئی دوسرا رکن ادا کرے گا تو سعی سے قبل ایک طواف کرنا بھی واجب ہوگا، مثلاً طواف قدوم کے بعد سعی کرنا چاہتا ہے؛ لیکن طواف قدوم کے بعد وقوف عرفہ کرلیا اس کے بعد سعی کرنا چاہے تو جائز نہ ہوگا اور اس تاخیر کی وجہ سے کوئی جرمانہ بھی لازم نہ ہوگا۔ (بحوالہ ایضاح المناسک ۱۳۳-۱۳۴، غنیۃ الناسک ۶۸، انوار مناسک ۴۰۴)

مندرجہ بالا مسئلہ میں اگر رکن سے مراد تمام اعمال حج (جسے عرف عام میں کہا جاتا ہے) مراد ہیں، یعنی فرائض وواجبات تو کوئی اشکال نہیں؛ لیکن اگر رکن سے مراد صرف فرض ہی لیا جائے اور آپ کی دی ہوئی مثال بھی اسی طرف رہبری کرتی ہے، تو ذیل کے مسئلہ میں وضاحت فرمائیں:

متمتع بعد ادائیگی عمرہ احرام سے باہر ہوگیا اور ۸/ ذی الحجہ کو حج کا احرام اپنی قیام گاہ

سے باندھ کر منی روانہ ہوگیا، حج کے ارکان وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، جمرۃ العقبہ کی رمی، قربانی اور حلق سے فراغت پر احرام سے باہر ہوگیا اور ۱۰؍ ذی الحجہ کو طواف زیارت بھی کرلیا؛ لیکن سعی نہیں کی، ۱۱؍اور ۱۲؍ ذی الحجہ کو رمی جمرات سے فراغت پر مکہ مکرمہ واپس لوٹا، اب مسئلہ یہ ہے کہ اپنی سہولت سے جب حج کی چھوٹی ہوئی واجب سعی کرنا چاہے تو کیا اس کے لئے ضروری ہے کہ سعی سے قبل ایک نفل طواف بھی کرے یا صرف سعی کرنا کافی ہوگا؟

المستفتی: میر سعادت علی حیدرآبادی حال مقیم نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اشکال میں جو باتیں پیش کی گئی ہیں، ان سے متعلق غنیہ کی عبارت اسی مسئلہ کے ذیل میں حاشیہ ۲؍ پر نقل کی جاچکی ہے، یہاں یہ بات بھی واضح ہوجائے کہ طواف زیارت اور رمیٔ جمرات، حلق، قربانی وغیرہ میں ترتیب لازم نہیں ہے؛ اسی طرح رمیٔ جمرات، قربانی، حلق اور سعی کے درمیان بھی ترتیب لازم نہیں ہے، یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہر سعی سے پہلے کسی بھی قسم کا ایک طواف لازم ہوتا ہے، جب مفرد بالحج یا قارن نے طواف قدوم کے بعد سعی کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، تو طواف قدوم سے جوڑ کر سعی اس وقت درست ہوسکتی ہے کہ جب وقوف عرفہ سے پہلے پہلے سعی کرلی جائے؛ لیکن جب وقوف عرفہ سے پہلے سعی نہیں کی گئی ہے اور وقوف عرفہ ہوچکا ہے، تو اب طواف قدوم سے جوڑ کر سعی درست نہیں ہوگی؛ بلکہ دوسرے طواف کے بعد ہی سعی درست ہوسکتی ہے، اور وقوف عرفہ کے بعد دوسرے طواف کا محل متعین ہے اور وہ طواف زیارت ہی ہے۔ اور وقوف عرفہ کے بعد ایام نحر کے اندر جو بھی طواف کیا جاتا ہے وہ طواف زیارت ہی ہوتا ہے، خواہ نفل طواف کی نیت سے کیا جائے یا مطلق طواف کی نیت سے؛ لہٰذا وقوف عرفہ کے بعد سعی سے پہلے والے طواف کا نمبر طواف زیارت کا ہوگیا ہے، طوافِ قدوم کا ختم ہوگیا ہے۔ اور یہی ہماری مراد ہے، نیز طوافِ زیارت کے بعد سعی میں تاخیر کی وجہ سے سعی سے پہلے نفل طواف کی ضرورت نہیں؛

بلکہ طوافِ زیارت جوکئی دن پہلے کیا جاچکا ہے، وہی کافی ہے۔ اور چونکہ متمتع پر طواف قدوم نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے متمتع کے ذریعہ سے یہ اشکال نہ اٹھایا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۷۶۴/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍۷؍۱۴۳۰ھ

قارن ومتمتع کی ہدی کا حلق سے پہلے ذبح ہونا معلوم ہوجائے تو دم واجب ہے یا نہیں؟

سوال [۵۰۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حکومت سعودیہ نے قربانی کا نظام بذریعۂ بینک کر دیا ہے، حاجی قربانی کی رقم بینک میں جمع کر دیتا ہے اور بینک حاجی کو حلق کا وقت بتا دیتا ہے کہ فلاں وقت حلق کرالینا، وقت معینہ پر حاجی کو قربانی کا علم نہیں ہوا کہ قربانی ہوئی یا نہیں؟ قربانی کا علم نہ ہونے کی صورت میں وہ حلق کرائے یا نہیں؟ اور اگر اس نے حلق کرالیا اور ابھی تک قربانی نہیں ہوئی تھی، تو کیا دم واجب ہے؟ اگر دم واجب ہو تو کیا اس کو مکہ ہی میں ادا کیا جائے یا ہندوستان میں بھی ادا ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد عمر قدوائی اسسٹنڈ سکریٹری سنی سینٹر بورڈ لکھنو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے درج شدہ حالات میں اگر حاجی قارن یا متمتع ہے اور حکومت سعودیہ کے بینک میں اپنی قربانی کی رقم وکالۃً جمع کردی ہے، اور وقت معینہ پر حلق کرلیا ہے، پھر بعد میں معلوم ہوجائے کہ قربانی سے قبل حلق کیا گیا ہے، تو اس طرح بھی قربانی پر حلق کی تقدیم شرعاً جنایت حج میں داخل ہوگی اور حاجی پر دم جنایت ادا کرنا واجب ہوگا، نیز یہ دم جنایت حدود حرم ہی میں ادا کرنا لازم ہوگا، ہندوستان میں ادا کرنے سے ادا نہ ہوگا، جو خود نہیں جاسکتے وہ کسی کو واسطہ بنا کر حرم میں قربانی کروا دیں۔

فائدة التعيين فلو ظن ذبحه ففعل كالحلال، فظهر أنه لم يذبح أو

ذبح في حل لزمه جزاء ما جنى. وفي الشامية: ففعل كالحلال، أي كما يفعل الحلال من حلق وطيب ونحو ذلك. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الحج، باب الاحصار، زکریا ٤/ ٦، کراچی ٢/ ٥٩٢)

ليس المراد به بعث الشاة بعينها؛ لأن ذلك قد يتعذر بل له أن يبعث بقيمتها حتى يشترى بها شاة، فتذبح في الحرم (إلى قوله) ولهذا قالوا: إنه يواعد من يبعثه بأن يذبحها يوم معين فلو ظن أنه ذبح هديه، ففعل ما يفعله الحلال ثم ظهر أنه لم يذبح كان عليه ما على الذي ارتكب محظورات إحرامه لبقاء إحرامه. (البحرالرائق، کوئٹه ٣/ ٥٤، زکریا ٣/ ٩٦، هندية، قديم زكريا ١/ ٢٥٥، جديد زكريا ١/ ٣١٩، مبسوط سرخسي دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ١١٣، كتاب الفقه على المذاهب الأربعة دارالفكر بيروت ١/ ٧٠١، الدرالمنتقى شرح ملتقى الأبحر قديم ١/ ٣٠٦، جديد دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٥٢)

إن الواجب عليه الذبح في الحرم، وفي هامشه: ومنه ما يختص بالمكان دون الزمان، وهو دم الجنايات، ودم الإحصار. الخ (شرح نقاية، مکتبه اعزازیه دیوبند ١/ ٢١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۹۲)

عمرۂ تمتع میں آٹھویں ذی الحجہ کے بعد عورت کا حیض جاری رہا تو کیا کرے گی؟

سوال [۵۰۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ مکہ موسم حج میں گئی، اس کا حج تمتع کا ارادتھا؛ اس لئے میقات پر عمرہ کا احرام باندھ لیا تھا، ابھی مکہ پہنچ کر ارکان عمرہ شروع نہ کئے تھے کہ اس

کو حیض آ گیا اور یہ سلسلہ منیٰ عرفات کو روانہ ہونے تک رہا، سب لوگ ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد حلال ہوکر مکہ میں رہے اور یہ ماہواری کی حالت میں رہی، پھر آٹھویں ذی الحجہ کو سب نے حج کا احرام باندھ کر منیٰ کی طرف روانگی کی تیاری شروع کردی اور ابھی اس کا حیض ختم ہونے میں دو تین روز باقی ہیں، اب یہ عورت کیا کرے گی؟ خوب وضاحت سے لکھیں، اگر یہ رفض عمرہ کر کے حج کا احرام باندھتی ہے تو بعد میں قضاء کے ساتھ ساتھ دم بھی دینا پڑے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس عورت کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح عمرہ ترک نہ کرے گی اور آٹھویں ذی الحجہ کو عمرے کا احرام کھول کر حج کا احرام باندھ لے گی اور پھر طواف کے علاوہ باقی تمام ارکان حج ادا کرے گی، چنانچہ وقوف عرفہ ومزدلفہ اور رمیٔ جمرات سب ماہواری کی حالت میں کرسکتی ہے، پھر حیض سے فارغ ہونے کے بعد طواف زیارت کرکے ارکان حج سے فراغت حاصل کرے گی، پھر اس کے بعد اپنے چھوٹے ہوئے عمرے کی قضاء کرے گی اور قضا کے ساتھ ساتھ اس پر ایک دم کفارہ بھی لازم ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک، ص: ۲۸۷)

وقد استدل بذلک الکوفیون علی أن للمرأة إذا أهلت بالعمرة متمتعة، فحاضت قبل أن تطوف أن تترک العمرة وتهل بالحج مفردة کما صنعت عائشة، وإنما یلزمها دم لرفض العمرة. (فتح الملهم ٣/ ١٢٤٨)

ولو لم یطف لعمرته أو طاف لها أقله ولو بعذر کحیض مثلا حتی وقف بعرفة ارتفضت عمرته، وإن لم ینو الرفض؛ لأنه تعذر علیه أداؤها؛ لأنه لو أداها بعد الوقوف لصار بانیا أفعال العمرة علی أفعال الحج، وهو عکس المشروع، وبطل قرانه وسقط عنه دمه وعلیه قضاؤها بعد أیام التشریق، ودم لرفضها. (غنیة الناسک جدید کراچی ٢٠٥، رقم: ١١٠)

ولم یأخذ أبو حنیفة أیضا بذلک؛ لأنها کانت عنده رافضة لعمرتها،

والرافضة عنده عليها دم للرفض، وعليها عمرة. (عمدة القاري، بيروت ١٠/ ١٢٣، زكريا ديوبند ٧/ ٤٢٢، الفقه الإسلامي وأدلته ٣/ ٢١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۵)

منیٰ روانگی سے قبل عورت کو حیض آ گیا

سوال [۵۰۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت تمتع کی نیت سے مکہ پہنچی اوران دنوں حائضہ ہوئی اور عمرہ ادا نہ کرسکی کہ ایام حج شروع ہوگئے، اب وہ عورت کیا کرے؟ کیا عمرہ کے احرام کے ساتھ حج کا احرام بھی باندھ لے اوراحکام حج ادا کرنے کے بعد حلق نہ کرے اورایام تشریق کے بعد عمرہ کے طواف وسعی کے بعد حلق کرے؟ اس طریقہ سے کرنا درست ہے یا پھر کیسے کرنا چاہئے؟

المستفتی: عبدالرحیم رنگون

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: منیٰ روانگی سے قبل کسی عورت کو ایام حیض کی وجہ سے عمرہ کے طواف کا موقع نہیں ملا اوراسی حالت میں احرام حج باندھنے کا موقع آ گیا، تو عمرہ کا احرام توڑ کر حج کا احرام باندھ لے حج کے بعد اس عمرہ کی قضاء کرلے۔

عن عائشة –رضى الله عنها– قالت: خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم ولا نرى إلا الحج، فقدم النبي صلى الله عليه وسلم، فطاف بالبيت، وبين الصفا والمروة ولم يحل وكان معه الهدي، فطاف من كان معه من نسائه وأصحابه، وحل منهم من لم يكن معه الهدي، فحاضت هي فنسكنا مناسكنا من حجنا، فلما كان ليلة الحصبة ليلة النفر قالت: يا رسول الله!

كل أصحابك يرجع بحج وعمرة غيري، قال: ما كنت تطوفين بالبيت ليالي قدمنا، قلت: بلى، قال: فاخرجي مع أخيك إلى التنعيم، فأهلي بعمرة وموعدك مكان كذا وكذا، فخرجت مع عبدالرحمن إلى التنعيم، فأهللت بعمرة. (بخاري شريف، كتاب المناسك، باب إذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت ١/ ٢٣٧، رقم: ١٧٢٧، ف: ١٧٦٢، عمدة القاري، كتاب الحج، باب كيف تحل الحائض والنفساء، زكريا ٧/ ٨٧، داراحياء التراث العربي بيروت ٩/ ١٨٣، أبو داؤد، كتاب المناسك، باب إفراد الحج، النسخة الهندية ١/ ٢٤٨، دارالسلام رقم: ١٧٨١، بذل المجهود قديم سهارنپور ٣/ ٩٨، جديد دارالبشائر الإسلاميه بيروت ٧/ ١٠٤، مرقاة، كتاب المناسك، باب دخول مكة والطواف، ملتاني ٥/ ٣١٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۲ھ

متمتعہ کے حیض کی وجہ سے عمرہ چھوڑنے کا حکم

احرام عمرہ کے بعد یوم الترویہ تک عورت پاک نہ ہو تو اس کا حکم

سوال [۵۰۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: تمتع کی نیت سے احرام باندھنے والی عورت جب عمرہ کے احرام کی نیت سے مکۃ المکرّمہ میں ایام حج سے قریب داخل ہوا اور اس وقت وہ حیض کی حالت میں آگئی ہو یہاں تک کہ یوم الترویہ تک پاکی حاصل نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ عمرہ نہ کرسکے گی، اس کو چاہئے کہ اپنے سر کے بال کھول لے، کنگھی کرلے اور عمرہ چھوڑ کر حج کا احرام باندھ لے، پاک نہ ہونے کی صورت میں سوائے طواف زیارت کے حج کے تمام مناسک ادا کرلے، پاکی کے بعد طواف کرلے مناسک حج ادا ہوجانے کے بعد اپنے عمرہ کی قضا کرلے، اس عذر کی وجہ

سے اس پر کوئی دم وغیرہ واجب نہیں ہوگا۔ ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلیں اور حج سے پہلے ایسے ہی عذر کی بنا پر عمرہ نہ کر سکیں تو حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**دعي عمرتک**" کسی روایت میں "**وارفضي عمرتک**" اور کسی روایت میں "**واترکي عمرتک**" کے الفاظ ملتے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں: اپنا عمرہ چھوڑ دو، سر کے بال کھول کر کنگھی کرلو اور حج کا احرام باندھ لو، چنانچہ آپؓ نے اسی طرح عمل فرمایا اور حج کے مناسک ادا کرلئے، جب حج سے واپس لوٹیں تو عرض کیا یا رسول اللہ! اور لوگ تو عمرہ اور حج کے ساتھ لوٹ رہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ لوٹ رہی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ تنعیم جاؤ اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ لو۔ ہشام کہتے ہیں: اس کی وجہ سے انہوں نے نہ قربانی کی، نہ روزہ رکھا، نہ ہی صدقہ دیا۔ (کتاب انوار حج وزیارت ۷۱، بحوالہ ملخص بخاری، کتاب المناسک، کتاب الحیض)

بحمد اللہ آپ نے اپنی کتاب ("انوار مناسک" ص: ۳۰۲، ۳۰۳/اور ص: ۲۸۶، ۲۸۷/ میں بحوالہ عمدۃ القاری قدیم بیروت ۱/۱۲۳، جدید مطبوعہ زکریا دیو بند ۷/۴۲۲، فتح الملہم ۳/ ۲۴۸، غنیۃ الناسک قدیم: ۱۱۰، نسخہ جدید ۲۰۵) پورے وثوق کے ساتھ تحریر فرمایا ہے کہ عمرہ کو قضاء کرنے کی صورت میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دم کفارہ اور عمرہ کی قضاء لازم ہوگی۔ چونکہ مذکورہ بالا تحریر ایک ذمہ دار مفتی صاحب کی طرف سے ہے، ہونا تو چاہئے تھا کہ بجائے بخاری کتاب المناسک، کتاب الحیض کہ باب اور حدیث کے نمبرات لکھتے؛ لیکن ایسا نہیں کیا، خیر میں اس مسئلہ کو آپ سے رجوع کر رہا ہوں، اس کی صحیح تشریح فرمائیں۔

المستفتی: میر سعادت علی حیدرآبادی، حال مقیم ملگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جناب مفتی صادق محی الدین صاحب نے جو مسئلہ لکھا ہے وہ امام ابوحنیفہ کا مسلک نہیں ہے، دوسرے ائمہ کا مسلک ہے۔ اور وہ ایسے ہی دلیل

پیش کرتے ہیں جیسے کہ مفتی صاحب موصوف نے لکھا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عمرہ نہ کر سکنے کی وجہ سے عمرہ کی قضا لازم ہے۔ اور کنگھا وغیرہ کر کے عمرہ کا احرام ترک کر دینے کی وجہ سے دم واجب ہے۔ اور اس بات پر تقریباً اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ رفض احرام موجب دم ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یوم الترویہ میں رفض احرام کے بعد عمرہ فرمایا ہے؛ اس لئے دم بھی واجب ہوا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں موجب دم کا تذکرہ نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ نفس الامر میں دم واجب نہ ہوا؛ اس لئے کہ عدم ذکر عدم وجوب کو مستلزم نہیں ہے۔ اور ''انوار مناسک'' میں جہاں یہ مسئلہ لکھا گیا ہے، وہاں پر حاشیہ میں عربی عبارت کے ساتھ دلیل پیش کی جا چکی ہے، نیز مفتی صاحب موصوف نے ہشام کے حوالہ سے جو باتیں لکھی ہیں وہ موصوف نے بخاری شریف کی اس عبارت سے لی ہیں:

قال هشام: لم يكن في شيء من ذلک هدي، ولا صوم، ولا صدقة.

(بخاري شريف، كتاب الحيض، باب نقض امرأة شعرها ١/ ٤٦، تحت حديث برقم: ٣١٥، ف: ٣١٧)

ہشام کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ: ہشام کے والد حضرت عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت نقل فرمائی ہے اس میں قربانی، روزہ اور صدقہ میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں ہے۔ یہ عبارت ہشام ابن عروہ نے اپنی طرف سے بڑھائی ہے۔ اور بخاری کے حاشیہ پر اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت اس بارے میں ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی ہے، جس کی اطلاع ہشام ابن عروہ کو نہیں پہنچی۔

روي عن جابر رضی الله عنه أنه صلی الله عليه وسلم أهدى عن عائشة -رضي الله عنها- بقرة، ولعله لم يبلغ هشاما ذلک. (حاشية: ١، بخاري ١/ ٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۴/۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۶۳-۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۸/۴/۱۴۱۹ھ

طوافِ زیارت کئے بغیر سعی کرنے کا حکم

سوال [۵۰۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب گذشتہ سال سکندرآباد سے حج کے لئے تشریف لے گئے، انہوں نے حج تمتع کی نیت کی اور مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد عمرہ سے فارغ ہوئے، پھر ۷/ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھا اور ایک طواف کیا، سعی نہیں کی اور منی کے لئے روانہ ہوگئے، حج کے ارکان ادا کرنے کے بعد حلق اور احرام سے باہر آ گئے؛ لیکن طوافِ زیارت نہیں کیا؛ بلکہ بغیر طوافِ زیارت کئے سعی کرلی (اور اپنی عقل ودانست میں یہ دلیل قائم کرلی کہ منی جانے سے قبل طواف کر چکا ہوں، اب مزید طواف کی کیا ضرورت ہے) جس کی وجہ سے حسب ذیل اغلاط کے مرتکب ہوئے۔

(۱) منی جانے سے قبل جو طواف کیا وہ نفلی طواف بن گیا۔ اور حج کے ارکان درمیان میں آجانے سے سعی کے لئے وہ کفایت نہیں کرتا۔ (ایضاح المناسک ۱۳۳-۱۳۴، انوار مناسک/۴۰۴)

(۲) طواف زیارت نہیں کیا جس سے حج ہی مکمل نہیں ہوا، جس کی وجہ سے ازدواجی تعلقات بھی جائز نہیں۔

(۳) سعی سے پہلے طواف نہ ہونے کی وجہ سے سعی کرنا بےفیض ہوگیا اور ترک واجب سے دم لازم ہوگیا، مندرجہ بالا اغلاط کی وجہ سے یہ چیزیں ان پر لازم ہوگئیں:

الف: طواف زیارت کرنا ہوگا، جب تک طواف زیارت نہ کریں ازدواجی تعلقات سے اجتناب ضروری ہے۔

ب: طواف زیارت ایام نحر میں نہ کرنے کی وجہ سے ایک دم لازم آئے گا۔

ج: سعی کے چھوٹنے کی وجہ سے بھی دم لازم ہوگا۔

چونکہ ان صاحب سے میری ابھی ملاقات نہیں ہوئی؛ اس لئے اپنی معلومات کے لئے آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں، تاکہ ممکنہ حد تک صاحب موصوف کو بڑی نافرمانی

سے بچایا جائے۔ اگر بالفرض ان صاحب نے طواف وداع کیا ہوتو کیا ان کے طواف وداع کوطواف زیارت شمار کرلیا جا سکتا ہے یانہیں؟ اگر طواف وداع کوطواف زیارت شمار کرلیاجائے تواس کی نوعیت یہ ہوگی:

(۱) طواف زیارت ایام نحر میں نہ کرنے کی وجہ سے ایک دم لازم ہوگا۔

(۲) سعی کے چھوٹنے پر (چونکہ وہ سعی باطل ہوچکی ہے) ایک دم دینا ہوگا۔

(۳) ترک طواف وداع کی وجہ سے بھی ایک دم واجب ہوگا۔اس طرح ان پر تین دم دینے سے حج کی تکمیل ہوسکتی ہے اوراز دواجی تعلقات بھی صحیح ہوسکتے ہیں۔

دوسری صورت: اگران صاحب نے حج کے بعد دو یا دو سے زائد نفلی طواف کر لئے ہیں تو (۱) ایک طواف کوطوافِ زیارت شمار کیا جائے گا۔

(۲) دوسرے طواف کوطوافِ وداع سے تعبیر کیا جائے گا۔

پھر بھی اس صورت میں طوافِ زیارت وقت پر نہ کرنے کی وجہ سے ایک دم دینا ہوگا، سعی جو باطل ہوگئی ہے، اس کی وجہ سے بھی ایک دم واجب ہوگا، گویا اس طرح دو دم دینے کا انتظام کردیں، توحج مکمل ہوجائے گا۔

المستفتی: میرسعادت علی حیدرآبادی، حال مقیم نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ طواف اورسعی کے درمیان حج کے کسی رکن کاتخلل ہوجائے توسعی معتبرنہیں ہوتی ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں واضح کیا گیاہے کہ حج کااحرام باندھنے کے بعدایک طواف کیاسعی نہیں کی۔

لكن يشترط أن لا يتخلل بينهما ركن، فلو طاف للقدوم ولم يسعى، ثم وقف بعرفة، ثم أراد أن يسعى بعد طواف القدوم لم يجز ذلك. (غنية قديم: ٦٨ جديد كراچی ١٢٨)

اب وقوف عرفہ کے بعد جب بھی سعی کرے گا تو اس سے پہلے طواف کا ہونا لازم ہے۔

فصل في شرائط صحة السعي –إلى قوله– والثاني: أن يكون السعي بعد طواف، أي كامل ولو نفلا. (مناسك ملا علي قاري كراچی، ص: ۱۷٤)

اور سوال نامہ میں درج ہے کہ طوافِ زیارت بھی نہیں کیا ہے اور وقوفِ عرفہ کے بعد سعی کی ہے، تو ایسی صورت میں اس سعی کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا ترک سعی کی وجہ سے اس حاجی پر دم لازم ہوجائے گا۔

ومن ترك السعي بين الصفا والمروة فعليه دم. (هندية، قديم زكريا ١/ ٢٤٧، جديد زكريا ١/ ٣١١)

الواجب دم على محرم بالغ –إلى قوله– أو ترك السعي. (درمختار كراچی ٢/ ٥٤٣، ٥٥٣، زكريا ٣/ ٥٧٢، ٥٨٥)

اور یہ بات بھی درست ہے کہ طوافِ زیارت کے بغیر بیوی سے ازدواجی تعلق قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

ثم قصر وحل له كل شيء إلا النساء، ثم طاف للزيارة يوما من أيام النحر –إلى قوله– وحل له النساء. (درمختار كراچی ٢/ ٥١٦–٥١٨، زكريا ٣/ ٥٣٤–٥٣٨)

ولو ترك الطواف كله أو طاف أقله، وترك أكثره، أي رجع إلى أهله، فعليه حتما أن يعود بذلك وليطفه، أي لأنه محرم في حق النساء.

(مناسك ملا على قاري كراچی ٣٤٥)

ہاں اگر اس شخص نے گھر واپسی سے پہلے کوئی بھی طواف کیا ہے، تو وہ طواف، طوافِ زیارت بن جائے گا؛ لیکن طوافِ زیارت ایام نحر میں نہ کرنے کی وجہ سے ایک دم لازم ہوگا۔

فالحاصل أن كل من عليه طواف فرض، أو واجب، أو سنة إذا

طاف أي مطلقا، أو مقيدا وقع عما يستحقه الوقت، أي من الترتيب المعتبر الشرعي دون غيره، فيقع الأول عن الأول، وإن نوى الثاني أو غيره، أي من الثالث ونحوه، والثاني عن الثاني، وإن نوى غيره فلا تعمل النية في التقديم والتأخير إلا كان الثاني أقوى من الأول باعتبار المرتبة كالفرض بالإضافة إلى الواجب، والواجب بالنسبة إلى السنة، فيبدأ بالأقوى، أي فيعتبر ابتداء بالأقوى، وإن كان فعله على خلاف الأولى.

(مناسك ملا علي قاري كراچی ١٤٦)

لیکن مذکورہ صورت میں طواف زیارت ایام نحر میں نہ کرنے کی وجہ سے ایک دم لازم ہوگا۔

ولو أخر طواف الزيارة كله أو أكثره عن أيام النحر، فعليه دم. (غنية قديم ص: ١٤٦، جديد كراچی ص: ٢٧٣)

وطواف الزيارة أول وقته بعد طلوع الفجر يوم النحر –إلى قوله– فإن أخره عنها، أي أيام النحر ولياليها كره تحريما، ووجب دم لترك الوجب. (شامي كراچی ٢/ ٥١٨-٥١٩، زكريا ٣/ ٥٣٨)

وإن طاف للصدر حقيقة أو حكما بعد أيام النحر، فعليه دمان، دم لترك الصدر أي لتحوله إلى الزيارة، ودم لتأخير الزيارة. (مناسك ملا علي قاري كراچی، ص: ٣٤٨)

اوراگراس نے وطن واپس ہونے سے پہلے پہلے کسی بھی طرح کے دوطواف کئے ہیں، تو پہلااوالاطواف، طواف زیارت بن جائے گا۔اور دوسرااوالاطواف، طواف وداع بن جائے گا۔

وإن طاف للزيارة ثانيا، أي في أيام النحر فلا شيء عليه لانتقال الزيارة إلى الصدر لاستحقاقه حينئذ –إلى قوله– وإن طاف للصدر ثانيا سقط عنه دمه كذا لو طاف للنفل، فإنه ينتقل إليه ويسقط عنه دمه، فإن

حصل الصدر في أيام النحر انتقل إلى الزيارة، ثم إن طاف للصدر ثانيا، فلا شيء عليه، وكذا لو طاف طواف النفل، وإلا أي إن لم يطف ثانيا فعليه دم لتركه. (مناسك ملا علي قاري كراچی ٣٤٨)

ایسی صورت میں مذکورہ حاجی پر صرف دو دم لازم ہوں گے، ایک دم ترک سعی کا اور دوسرا دم طواف زیارت کو ایام نحر سے موخر کرنے کا۔

ومن ترک السعي بين الصفا والمروة فعليه دم. (هندية، قديم زكريا ١/ ٢٤٧، جديد زكريا ١/ ٣١١)

ولو أخر طواف الزيارة كله أو أكثره عن أيام النحر، فعليه دم. (مناسك ملا علي قاري كراچی ٣٤٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۴/۱۴۳۱ھ

❍❖❍

۶/ باب ما یتعلق بالطواف

مسجد حرام کی چھت پر طواف کرنا

سوال [۵۰۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مجھے سعودیہ میں کام کرتے ہوئے ایک عرصہ ہوگیا، اللہ کے فضل سے میں تین حج کر چکا ہوں اور تیسرا حج اس سال یعنی ۱۴۱۶ھ میں کیا ہے، اس سال حج کے دوران منی کے مقام پر ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، جن کے ساتھ ان کی ضعیف والدہ محترمہ اور اہلیہ محترمہ تھیں، ہم لوگ ساتھ ساتھ ہی عرفہ گئے، چنانچہ طوافِ زیارت کے لئے ہمارے ساتھی کا اصرار رہا کہ میں بھی ان کے ساتھ چلوں اور ہم تمام ایک جگہ ہو کر ہی طوافِ زیارت کرنے کے بعد واپس بھی منٰی سے ایک ساتھ ہی لوٹیں گے، جب کعبۃ اللہ کے صحن میں پہنچے تو کافی ہجوم تھا اور طواف کرنے میں کافی دشواری نظر آرہی تھی؛ اس لئے ہم تمام کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ مسجدِ حرام کی چھت پر طواف زیارت کر لیتے ہیں؛ اس لئے میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا اور بفضلہٖ تعالیٰ ہمارا طواف زیارت ہو گیا اور اس طرح کا عمل یہاں کے سعودی اور غیر سعودی حضرات بھی کرتے ہیں۔ اور یہاں کی سعودی حکومت نے بھی ایسا انتظام کر رکھا ہے، تاکہ لوگوں کو سہولت پہنچے، تاہم اس سلسلے میں میری آپ سے ادباً گزارش ہے کہ برائے مہربانی تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں کہ یہ میرا طوافِ زیارت ہوا کہ نہیں؟ اور خدانخواستہ اگر کوئی عذر ہوتا ہے تو برائے مہربانی میری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی: زین العابدین، تحلیۃ الشقیق سعودیہ عربیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طواف کا بیت اللہ شریف کے ارد گرد مطاف یا مسجد حرام کے اندر اندر ہی ہونا ضروری ہے، خواہ مسجد حرام کی چھت پر ہو یا نیچے ہو؛ البتہ

کعبۃ اللہ کے قریب مطاف میں طواف کرنا افضل اور بہتر ہے؛ لہٰذا مذکورہ بالا سوال کے مطابق آپ کا مسجد حرام کی چھت پر کیا ہوا طواف بالکل صحیح اور درست ہے۔ (زبدۃ المناسک/ ۱۱۹، ایضاح المناسک/ ۹۸، معلم الحجاج/ ۱۲۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍۷؍۱۴۱۷ھ

کیا طواف پے در پے کرنا لازم ہے؟

سوال [۵۰۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ایک شخص نے طواف زیارت گیارہ ذی الحجہ کو بعد عصر شروع کیا، اس روز اس کا وضو کم رک رہا تھا، وضو کر کے تین چکر طواف زیارت کر کے چوتھا چکر کا پاؤ حصہ باقی رہا اس کو محسوس ہوا ریاح خارج ہوگئی؛ اس لئے وضو بنانے حرم سے باہر بنے ہوئے طہارت خانوں کے پاس گیا، وہاں سے باہر نکل کر ناشتہ کیا، تقریباً آدھا گھنٹہ کے بعد کعبہ شریف کے پاس سے جہاں بابِ فہد ہے، طواف شروع کر کے چوتھا چکر پورا کیا، یعنی مغرب کے بعد پھر بعد میں طواف کے پانچ چکر کئے یعنی مزید دو چکر اس لئے کر لئے کہ خدشہ تھا کہ چوتھے چکر میں چند قدم اگر بغیر وضو کے ہوئے ہوں، تو ان کی تکمیل ہو جائے، تو مزید دو چکر کئے کل ۹؍ چکر ہوگئے، ۱۴؍ تاریخ کو بیوی کا پرہیز ٹوٹ گیا، تو اس صورت میں طواف زیارت ہو گیا یا نہیں؟ ۱۵؍ ذی الحجہ کو مع سعی کیا؟

(۲) بعض لوگوں نے رمی زوال کے پہلے کر لی ۱۱/ ۱۲؍ ذی الحجہ کو۔

(۳) بعض نے تندرست عورت کی طرف سے زوال کے بعد کی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) طواف کے چکروں کو پے در پے کرنا سنت

ہے، چکروں کے درمیان فصل سے طواف فاسد نہیں ہوتا؛ البتہ بلاضرورت فصل کرنا مکروہ ہے؛ لہٰذا وضوٹوٹ جانے کے بعد وضو کرکے جہاں سے طواف چھوڑا تھا وہاں سے بقیہ طواف کرلینے سے طواف ہوجاتا ہے۔ مذکورہ صورت میں جب آپ نے بقیہ طواف کو وضو کرکے پورا کرلیا، تو آپ کا طواف صحیح ہوگیا؛ لیکن طواف پورا کرنے سے پہلے چائے ناشتہ کے لئے ہوٹل میں بیٹھنا غیر مناسب عمل تھا، جس کی وجہ سے آپ کے طواف میں کراہت آگئی، مگر طواف صحیح ہوگیا، جب طواف صحیح ہوگیا تو اس کے بعد عورت بھی حلال ہوگئی؛ لہٰذا عورت کا پرہیز توڑ دینا بھی درست ہوا، پھر دوبارہ ۱۵/ ذی الحجہ کو ازسر نوشک کی بنیاد پر طواف وسعی کرنے کی ضرورت نہیں۔

والموالاة في الطواف ليست بشرط حتى لو خرج الطائف من طوافه لصلاة جنازة، أو مكتوبة، أو لتجديد وضوء، ثم عاد بنى على طوافه، ولا يلزمه الاستئناف؛ لقوله تعالىٰ: ﴿وليطوفوا بالبيت العتيق﴾ مطلق عن شرط الموالاة. (بدائع الصنائع، کراچی ۲/ ۱۳۰، زکریا دیوبند ۲/ ۳۱۰-۳۱۱)

وكذلك عند الحنفية الموالاة سنة ليست بشرط. (أوجز المسالك ۳/ ۵۰۳)

لو خرج منه أو من السعي إلى جنازة، أو مكتوبة، أو تجديد وضوء، ثم عاد بنى، قال الشامي: على ما كان طافه، ثم قال: وإذا عاد للبناء هل يبني من محل انصرافه، أو يبتدئ الشوط من الحجر، والظاهر الأول قياسا على من سبقه الحدث في الصلاة، ثم قال: إذ خرج بغير حاجة كره، ولا يبطل، فقد قال في اللباب: ولا مفسد للطواف وعد من مكروهاته تفريقه، أي الفصل بين أشواطه تفريقا كثيرا.

(شامي، زکریا ۳/ ۵۰۹، کراچی ۲/ ۴۹۷)

قوله: أفاض أي طاف طواف الإفاضة حل له النساء، أي بعد فعل الركن منه، وهو أربعة أشواط. (طحطاوي على الدر کوئٹہ ۱/ ۵۰۸)

(۲) جس شخص نے گیارہ بارہ ذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کی تو راجح قول کے موافق

اس کی رمی صحیح نہیں ہوئی، اس کا اعادہ لازم ہوگا؛ کیوں کہ ۱۱/۱۲/ کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، وقت سے مقدم کرنے کی وجہ سے اس کی ادائیگی درست نہیں ہوگی، اب چونکہ وقت نکل گیا؛ اس لئے ایک دم واجب ہوگا۔

وأما وقت الرمي في اليوم الثاني والثالث، وهو ما بعد الزوال إلى طلوع الشمس من الغد حتى لا يجوز الرمي فيهما قبل الزوال. (فتاوى هندية قديم زكريا ديوبند ۱/ ۲۳۳، جديد زكريا ۱/ ۲۹۷)

وإن لم يقض حتى غربت الشمس منه فات وقت القضاء والأداء، وعليه دم واحد. (غنية الناسك، باب رمي الجمار قبيل فصل في صفة الرمي الجمار في الثاني، كراچی جديد ۱۸۲، قديم: ۹۷)

(۳) تندرست عورت جو جمرات تک پہنچ کر رمی کرسکتی ہے، اس کی طرف سے رمی کرنا درست نہیں ہے، عورت کو اگر ازدحام کی وجہ سے دشواری ہو تو رات میں رمی کرے، اب چونکہ وقت نکل گیا اس لئے اس پر ایک دم واجب ہے۔

والرجل والمرأة في الرمي سواء إلا أن رميها في الليل أفضل فلا تجوز النيابة بغير عذر. (غنية الناسك، فصل في شرائط الرمي، كراچی جديد: ۱۸۸، قديم: ۱۰۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ صفر ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۹۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۲/۲۱ھ

کیا طواف میں ستر عورت واجب ہے؟

سوال [۵۰۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طواف کے واجبات میں ستر چھپانا بھی ہے، جن اعضاء کو نماز میں چھپانا واجب ہے ان کو طواف میں چھپانا بھی واجب ہے، مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک

ہے۔ اورعورت کا چہرہ اور ہتھیلی اور قدمین کو چھوڑ کر باقی پورا بدن ستر میں شامل ہے؛ لہٰذا اگر چوتھائی عضو کھلا رہے گا، تو طواف کا اعادہ واجب ہوگا۔ اور اگر اعادہ نہیں کرے گا تو دم دینا لازم ہو جائے گا۔ (زبدۃ المناسک جدید: ۳۷۴)

یہ بھی یادرکھنا چاہئے کہ حج کا طواف مکمل یا چار اشواط میں چوتھائی عضو یا اس سے زائد کھلا رہنے کی حالت میں کیا ہے؟ تو طواف کے اعادہ یا دم میں سے کوئی ایک عمل لازم اور واجب ہو جاتا ہے۔ اور طواف عمرہ میں سے ایک شوط میں بھی دم لازم ہو جاتا ہے۔ اور بہت سے مردوں کو دیکھنے میں آتا ہے کہ احرام کی جو چادر لنگی کی جگہ پہنتے ہیں، اسے ناف کے نیچے پہنتے ہیں یا اس طرح پہنتے ہیں کہ چلتے ہوئے ران تک کھل جاتی ہے۔ اور بہت سی عورتوں کے سر کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے، یہ سب جائز نہیں ہے، اگر چوتھائی حصہ یا اس سے زائد کھل جائے گا، تو طواف زیارت اور طواف وداع اور طواف عمرہ اور طواف نذر میں دم دینا لازم ہو جائے گا یا طواف کا اعادہ لازم ہو جائے گا۔ اور اگر طواف قدوم یا طواف نفل اور طواف تحیہ ہے، تو ایک صدقہ دینا لازم ہو جائے گا۔ (بحوالہ غنیہ جدید: ۲۷۳، انوار مناسک/ ۳۶۶)

(۲) مرد کی لنگی کا ناف سے گھٹنہ تک ہونا ضروری ہے، اگر لنگی ناف سے نیچے ہوا اور احرام کی چادر سے وہ حصہ ڈھکا ہوا نہ ہو تو طواف صحیح نہیں ہوگا، اگر طواف صحیح نہ ہوا تو حج وعمرہ بھی صحیح نہیں ہوگا۔ (بحوالہ مناسک حج شافعی/ ۱۶۱، وشافعی فقہ ا/ ۶۸)

(۱) لیکن منھ اور دونوں ہتھیلی اور دونوں پیر کے سوا سر سے پیر تک سارا بدن خوب ڈھانک لے یہ صرف عورتوں کا حکم ہے، اور مردوں کو فقط ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنے تک ڈھانکنا فرض ہے، اس کے سوا اور بدن کھلا ہو تو نماز ہو جائے گی؛ لیکن بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (بحوالہ بہشتی زیور۲/ ۷۷)

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناف کے نیچے سے گھٹنے کے آخری حصہ تک کا حصہ ستر ہے، جس کا لوگوں کے سامنے کھولنا جائز نہیں اور جس کا نماز میں بھی چھپانا واجب ہوگا، ناف ستر میں داخل نہیں ہے، گھٹنہ داخل ہے۔

العورة للرجل من تحت السرة حتى تجاوز ركبتيه، فسرته ليست بعورة عند علمائنا الثلاثة فركبته عورة عند علماء نا جمعيا، هكذا في المحيط. (هندية ١/ ٥٨، جديد زكريا ١/ ١١٤، **ماخوذ اخبار منصف جمعہ ایڈیشن ۲/مئی ۲۰۰۸ء** مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب)

مذکورہ بالا دوشقوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ناف مرد کی ستر میں داخل ہے اور نیچے کی عبارتوں سے ناف کا خارج ستر ہونا معلوم ہوتا ہے؛ لہٰذا صحیح حکم سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: میر سعادت علی حیدرآبادی، حال مقیم نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: یہاں مسئلہ غایت اور مغیا کا ہے کہ غایت مغیا میں داخل ہے یا نہیں؟ جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ ناف کی طرف سے غایت مغیا میں داخل نہیں اور گھٹنوں کی طرف سے غایت مغیا میں داخل ہے، یعنی نفس ناف ستر میں شامل نہیں ہے اور اس کو چھوڑ کر نیچے کا حصہ پورا کا پورا ستر میں داخل ہے، اور گھٹنوں کی طرف سے گھٹنے ستر میں شامل ہیں، یہی جمہور کا قول ہے؛ اس لئے اکثر فقہاء نے ’’الی ماتحت رکبتیہ‘‘ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اور ’’ہندیہ‘‘ میں ’’حتی تجاوز رکبتہ‘‘ کے الفاظ ہیں۔ اور مذکورہ کتابوں میں کھل کر اس بات کا دعویٰ نہیں کیا گیا ہے کہ نفس ناف بھی ستر میں داخل ہے؛ بلکہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک ستر بتلایا گیا ہے۔ اور یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ناف کے اوپر سے لے کر گھٹنوں تک ستر ہے؛ اس لئے مذکورہ کتابوں کی عبارات سے شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

والرابع: ستر عورته، وهي للرجل ما تحت سرته إلى ما تحت ركبته، وفي الشامي: فالسرة ليست من العورة ...... فالركبة من العورة لرواية الدار قطني ما تحت السرة إلى الركبة من العورة لكنه محتمل، والاحتياط في دخول الركبة. (شامي، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، كراچی ١/ ٤٠٤، زكريا ٢/ ٦)

وهي من تحت سرته إلى تحت ركبته، أي ما بينهما فالسرة ليست بعورة، والركبة عورة، فالغاية هنا لم تدخل تحت المغيا لما رواه الحاكم من غير تعقب ما بين السرة والركبة عورة. (البحرالرائق کوئٹه ۱/ ۲۶۹، زکریا ۱/ ٤٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۲۲ھ

دورانِ طواف کعبۃ اللہ کی طرف سینہ یا پیٹھ کرنا

سوال [۵۰۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آنجناب کی کتاب ”ایضاح المناسک“ میں ص: ۱۱۷/ پر ہے کہ دوران طواف کعبۃ اللہ کی طرف سینہ یا پیٹھ کرنے سے طواف فاسد ہوجاتا ہے، اس طواف کا اعادہ واجب ہے جس طرح نماز کے اندر کعبۃ اللہ سے سینہ پھر جانے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اسی طرح دوران طواف اپنی ہیئت سے سینہ یا پشت پھر جانے سے طواف فاسد ہوجاتا ہے اور اعادۂ طواف لازم ہوجاتا ہے۔ اور اگر بلا اعادہ وطن واپس ہوجائے گا تو ایک دم واجب ہوجائے گا؛ حالانکہ شامی میں ہے:

فقط قال في اللباب: ولا مفسد للطواف. (۲/ ۱۸۳)

اور ”غنیۃ الناسک“ ص: ۶۰/ پر ہے:

أو لم يجعل البيت عن يساره ولا عن يمينه، بل استقبله بصدره، أو استدبره بظهره، فطاف معترضا أو طاف كيف ما كان صح طوافه، واعتد به في ثبوت التحلل عندنا، ولكنه ترك الواجب، فعليه موجبه.

شامی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ طواف کے لئے کوئی چیز مفسد نہیں ہے، خواہ دوران

طواف استقبال کعبہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور غنیۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ طواف تو ہو جائے گا مگر ترک واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ اور شامی کی جو عبارت آنجناب نے پیش کی ہے اس کا صحیح مطلب غنیۃ کی عبارت کو دیکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعادۂ طواف یا وجوب دم کا حکم جب ہے، جب کہ ساتوں شوط استقبال یا استدبار کی حالت میں پائے جائیں۔ اور اگر ایک یا دو شوط میں تھوڑی دیر کے لئے استقبال کعبہ ہو جائے، تو اس کی تلافی کی دو صورت ہیں، یا تو صدقہ کرے یا جس شوط میں نقص واقع ہوا ہے، صرف اس شوط کا آخر میں اعادہ کرے یا جتنی دور میں استقبال پایا گیا ہے، اتنا ہی پیچھے ہٹ کر استقبال کی جگہ سے طواف کرے، کسی ایک شوط میں خرابی کی وجہ سے دیگر اشواط میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی، جیسا کہ کوئی شخص صرف کعبہ کے سات چکر لگائے اور حطیم کو چھوڑ دے، پھر صرف حطیم کے سات چکر لگالے تو نقص کی تلافی ہو جاتی ہے۔ اور جزا لازم نہیں ہوتی ہے۔

كما في (فتح القدير ۳/ ٥٦): **ومن طاف طواف الواجب في جوف الحجر، فإن كان بمكة أعاده، وإن أعاد على الحجر خاصة أجزأه.**

اور اگر غور کیا جائے تو خود شامی کی عبارت سے ہی مسئلہ حل ہو جاتا ہے؛ اس لئے کہ اس میں ”**وكذا لو استقبل البيت بوجهه، أو استدبره**“ کے بعد ”**وطاف معترضا**“ ہے ”**أو طاف معترضا**“ نہیں ہے، ”**هذا ما ظهر لي**“ اگر میری فہم کا قصور ہو تو برائے کرام مسئلہ کی وضاحت فرمادیں؛ اس لئے کہ مسئلہ وجوب دم کا ہے۔ اور اگر اللہ رب العزت کی توفیق سے صحیح سمجھا ہو تو تائید و توثیق فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: عبداللہ غفرلہ، متعلم شعبہ افتاء مظاہر علوم جدید، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ”ایضاح المناسک“ کے ص: ۱۱۷ر میں جو مسئلہ ہے اس میں آنجناب کے علاوہ اور بھی لوگوں کو شبہ پیدا ہوا ہے، یہ مسئلہ ان عبارتوں کا مفہوم ہے جو صاحب غنیۃ اور علامہ شامی نے نقل کی ہیں:

لیس بشيء من الطواف یصح مع استقبال البیت. (غنیة الناسك، باب دخول مكة وحرمها كراچی جدید، ص: ۱۰۰، قدیم مكتبه خیریه میرٹھ، ص: ۵۳)

لیس بشيء من الطواف یجوز عندنا مع استقبال البیت. (غنیة الناسك، فصل في واجبات الطواف ،كراچی جدید ۱۱۳، قدیم مكتبه خیریه میرٹھ ٦٠)

ولو عكس أعاد ما دام بمكة فلو رجع، فعلیه دم، وتحته في الشامیة: وكذا لو استقبل البیت بوجهه أو استدبره، وطاف معترضا. (شامي، زكریا ۳/ ٥٠٦، كراچی ۲/ ٤٩٤)

ان عبارات کا مفہوم واضح ہے کہ استقبال قبلہ یا استدبار قبلہ کے ساتھ طواف کا کوئی بھی حصہ جائز نہیں ہے؛ لہٰذا جو حصہ استقبال قبلہ یا استدبار قبلہ کے ساتھ ادا کیا گیا ہو، اس کا اعادہ واجب ہے۔ اور طواف زیارت میں اگر تین چکروں سے زائد اور دیگر طوافوں میں پورا طواف اگر اسی طرح کیا جائے اور اس کا اعادہ نہ کیا جائے تو دم واجب ہوگا ،اس وجوب اعادہ یا وجوب دم کی وجہ سے ہماری کتاب میں فساد کا لفظ لکھا گیا ہے۔ اور اس فساد کے لفظ سے نقص اور کمی مراد لی گئی ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو شبہ پیدا ہوا؛ اس لئے فاسد کا لفظ جو ہم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے، اس سے رجوع کرتے ہیں اور اصل مسئلہ اپنی جگہ بحالہ درست ہے کہ جتنا طواف استقبال یا استدبار کے ساتھ کیا جائے، اتنے کا اعادہ واجب ہے اور اگر اکثر طواف یا پورا طواف اسی طرح کیا ہو اور اعادہ نہ کیا ہو، تو دم واجب ہو جائے گا۔ اور آنجناب نے جو عبارت نقل کی ہے، وہ اس مسئلہ سے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ فصل بعید سے متعلق ہے، اس کو دوبارہ دیکھ لیا جائے، اگر اقل طواف اسی طرح کیا جائے اور اعادہ کے بغیر وطن واپس چلا جائے تو ہر چکر کے بدلہ نصف صاع واجب ہے۔ (مستفاد: عالمگیری قدیم ۱/ ۲۴۶، جدید زکریا ۱/ ۳۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۱۵ھ

طواف عمرہ یا زیارت کا ایک چکر بے وضو کرنا

سوال [۵۰۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر بے وضو عمرہ کا طواف کرے گا تو جرمانہ میں ایک دم دینا لازم ہوگا۔ اور اسی طرح اگر ایک چکر بھی بے وضو کرے گا تو دم دینا لازم ہوگا، نیز اگر ایک چکر بھی ترک کردے گا تو دم واجب ہوگا، اگر طواف کا اعادہ کرلے گا تو دم ساقط ہوجائے گا۔ (غنیۃ جدید: ۲۷۶، قدیم: ۱۴۷، ایضاح المناسک/ ۱۸۱، انوارمناسک/۳۲۲)

(۲) طواف عمرہ پورا یا اکثر یا اقل اگرچہ ایک ہی چکر ہو اگر جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں یا بلاوضو کیا تو دم واجب ہوگا۔ (معلم الحجاج ص: ۲۴۵، مسائل حج وعمرہ مع آداب زیارت: ۱۲۳)

(۳) اگر طواف زیارت کے چار چکر کے بعد وضو ٹوٹ جائے اور بقیہ تین پھیروں کو اسی حالت میں بغیر وضو کے پورا کرلے تو ہر چکر کے عوض میں ایک صدقۂ فطر دینا واجب ہوجائے گا۔ اور اگر ان چکروں کا اعادہ کرے گا، تو صدقہ کا کفارہ ساقط ہوجائے گا، چاہے اعادہ ایام نحر میں کیا ہو یا ایام نحر گذر جانے کے بعد دونوں صورتوں میں کفارہ کلی طور پر ساقط ہوجائے گا۔ (غنیۃ جدید: ۲۷۲، قدیم: ۱۴۵، انوارمناسک/۳۶۳)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب طواف عمرہ اور طواف زیارت دونوں عمل رکن کی حیثیت رکھتے ہیں، پھر طواف عمرہ کا ایک چکر بھی بے وضو کرنے پر دم کا وجوب اور طواف زیارت کے تین چکر بھی بے وضو کرنے پر صرف صدقۂ فطر بطور کفارہ کفایت کرنا موجب اشکال ہے۔

المستفتی: میر سعادت علی نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طواف عمرہ اور طواف حج کے چکروں میں حیثیت کا فرق ہے اور وہ حیثیت یہ ہے کہ طواف زیارت میں جرمانوں کی حیثیت سے کفارات میں تفاوت اور درجات ہوتے ہیں، جیسا کہ حالت حیض یا حالت نفاس یا حالت

جنابت میں طواف زیارت کیا جائے گا، تو جرمانہ میں بدنہ واجب ہوتا ہے، یعنی اونٹ یا گائے ذبح کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور طواف زیارت کے چار چکر یا اس سے زائد بے وضو حالت حدث میں کرے گا، تو جرمانہ میں دم واجب ہوتا ہے، یعنی ایک بکرا لازم ہوتا ہے اور چار چکر کے بعد بقیہ چکروں کو بے وضو حالت حدث میں کرے گا، تو ہر چکر کے بدلہ میں ایک صدقۂ فطر دینا لازم ہوتا ہے، تو معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے کفارات میں درجات کا فرق ہے، اسی طرح حج کے دوسرے ارکان کی ادائیگی کے جرمانہ میں بھی درجارت ہوجاتے ہیں، جیسا کہ رمیٔ جمرات کے کفارات میں بھی درجات ہوتے ہیں، اس کے برخلاف عمرہ کے طواف کے کفارات میں اسی طرح عمرہ کی سعی وحلق اوران کے درمیان ترتیب وغیرہ کے کفارات میں کوئی درجہ نہیں ہوتا؛ بلکہ عمرہ میں صرف ایک ہی کفارہ متعین ہے، وہ ہے دم اور دم کے علاوہ عمرہ میں نہ صدقہ کا کفارہ ہوتا ہے اور نہ ہی بدنہ کا کفارہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عمرہ کے ہر کفارہ میں ہر جگہ دم ہی کا حکم ملتا ہے۔

ولو طاف للعمرة كله، أو أكثر أو أقله ولو شوطا جنبا، أو حائضا، أو نفساء، أو محدثا، فعليه شاة، لا فرق فيه بين القليل والكثير، والجنب، والمحدث؛ لأنه لا مدخل في طواف العمرة للبدنة لا للصدقة بخلاف طواف الزيارة، وكذا لو ترك الأقل منه ولو شوطا لزمه دم ولو أعاده سقط عنه الدم. (غنية الناسك، قديم: ١٤٧، جديد: ٢٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۴۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۱۳ھ

طواف کا ایک چکر چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۰۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: (۱) زید طواف کر رہا تھا ۶ / چکر کر چکا تھا، اچانک پیٹ میں شکایت ہوئی، ایک چکر چھوڑ کر حرم سے باہر دوائی کھانے کے لئے چلا گیا، یہ سوچ کر کہ دوائی لے کر واپس آ کر ایک چکر اور پورا کرلوں گا؛ لیکن باہر جا کر بھول گیا، جب اپنے وطن واپس آ گیا تب یہ بات یاد آئی، معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر اس طرح طواف کا ایک یا دو چکر چھوٹ جائے اور وطن میں یاد آئے تو فدیہ میں کیا دیا جائے گا؟ اور یہ صدقہ حرم میں ہی ادا کیا جائے گا یا وطن میں بھی دے سکتے ہیں؟ (۲) عورت کے لئے بہتر یہی ہے کہ مدینہ میں مسجد نبوی کے مقابلہ میں اپنے کمرہ پر ہی نماز پڑھے، مگر چونکہ مسجد نبوی میں عورتوں کے لئے الگ جگہ ہے، نماز پڑھنے کی چنانچہ ہندہ مسجد نبوی میں نماز کے لئے گئی عورتوں کی جگہ اندر بھر گئی، اب ہندہ اندر جگہ بھر جانے کی وجہ سے باہر نماز پڑھ سکتی ہے، کیا یہ جگہ بھی مسجد نبوی کی نماز کا ثواب مل جانے کا ذریعہ ہوگی یا باہر نماز نہ پڑھے، اپنے کمرہ پر واپس چلی جائے؟ اگر باہر پڑھ لی تو کیا نماز نہ ہوگی؟ اس سلسلہ میں تفصیل سے وضاحت مطلوب ہے۔

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) سوال نامہ میں جس طواف کا ذکر ہے، اگر یہ طواف زیارت ہے اور اسے ترک کر کے واپس آ گیا ہے، تو جرمانہ میں دم لازم ہے۔ اور دم کی ادائے گی حدود حرم میں کرنا واجب ہے۔

ومن ترک من طواف الزیارة ثلاثة أشواط فما دونها، فعلیه شاة. (تاتارخانیة قدیم ۲/ ۲۱۸، جدید زکریا ۳/ ۶۰۶، رقم: ۵۱۵۲، عالمگیري قدیم زکریا ۱/ ۲٤٦، جدید زکریا ۱/ ۳۱۰)

ذبحه في الحرم فلو ذبح في غیره لا یجزئه عن الذبح. (غنیة الناسك قدیم/ ۱٤۰، جدید/ ۲٦۲)

اور اگر جس طواف کا ذکر کیا ہے یہ طواف زیارت نہیں؛ بلکہ طواف وداع یا کوئی اور

طواف ہے، تو ایسی صورت میں جو چکر ترک ہوگیا اس کے عوض میں صدقۂ فطر واجب ہے۔ اوراس کا صدقہ وطن میں بھی ادا کرنا جائز ہے؛ لیکن اس کی رعایت ضرور کی جائے کہ مکہ مکرمہ میں صدقۂ فطر کی قیمت کیا ہے، اس کی رعایت کر کے یہ صدقہ اپنے وطن میں فقیروں کو دینا بھی جائز ہے۔ اور معلوم یہ ہوا کہ اس سال صدقۂ فطر سات ریال کے حساب سے وہاں ادا کیا گیا تھا اور بارہ روپے کے حساب سے سات ریال کی قیمت ہمارے ہندوستان میں ۸۴/ روپئے ہوتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق جب قیمت دی جائے تو اس وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس وقت صدقہ واجب ہوا ہے، اگر چہ وقت اور زمانہ حدود حرم اور غیر حرم میں یکساں ہے، مگر وقت وجوب کی قید سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ مکہ میں واجب ہوا ہے، اسی وقت اس کی قیمت لگائی جائے اور پھر وہی قیمت دنیا کے کسی بھی جگہ کے فقیروں کو ادا کر دی جائے، تو جائز ہے؛ اس لئے مکہ ہی کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

وإن ترک أقله فعليه لكل شوط صدقة. (غنية الناسك كراچی جديد: ٢٧٥، قديم: ١٤٧)

ويجوز له التصدق في غير الحرم. (غنية الناسك، قديم: ١٤٢، كراچی جديد: ٢٦٦)

وتعتبر القيمة وقت الوجوب. (غنية الناسك، قديم: ١٤١، كراچی جديد: ٢٦٤)

(۲) سوال نامہ میں یہ جو لکھا گیا ہے کہ مسجد کے اندر جگہ نہ ملنے کی وجہ سے باہر آ کر نماز پڑھی ہے، تو وہ نماز بہر حال درست ہوگئی ہے، اگر تسلسل جماعت وہاں تک پہنچ گئی ہے، تو مسجد نبوی کی جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا، ہاں البتہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ عورت کے لئے کہاں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ عورتوں کا اپنی نماز اپنی قیام گاہ اور اپنے گھروں میں پڑھنا افضل اور زیادہ بہتر ہے۔ اور اس موضوع پر کثیر تعداد میں احادیث موجود ہیں۔ (مسند إمام أحمد بن حنبل ٦/ ٣٧١، رقم: ٢٧٦٣٠، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٣٣، أبو داؤد شريف، كتاب الصلاة، باب التشديد في ذلك، النسخة الهندية ١/ ٨٤، دارالسلام رقم: ٤٧٠)

البتہ امام طبرانیؒ نے ”المعجم الکبیر“ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مسلسل چار حدیثیں نقل فرمائیں، جن میں مسجد نبوی اور مسجد حرام کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے، انہیں میں سے دو روایتیں امام ابوبکر ہیثمی نے ”مجمع الزوائد“ میں نقل کی ہیں۔ اور انہیں دونوں کو علامہ ظفر احمد تھانویؒ نے ”اعلاء السنن“ میں ذکر فرمایا، پھر ”اعلاء السنن“ کے حاشیہ میں ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اگر عورت مسجد حرام میں طواف کرنے جائے اور اسی میں نماز کا وقت ہوجائے تو مسجد حرام میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس آئے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اسی طرح مدینہ منورہ کے قیام کے دوران حضرت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی زیارت کے لئے مسجد نبوی آجائے اور اسی میں تنہا یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس آجائے، تو کوئی حرج نہیں، اس توجیہ سے تمام روایات میں تطبیق کے ساتھ عمل کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ اور اگر یہ توجیہ نہ کی جائے؛ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیثوں پر صراحتاً عمل کیا جائے تو مسجد نبوی اور مسجد حرام ممانعت سے مستثنیٰ ہوجائیں گی اور عورتوں کے لئے مسجد نبوی اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی گنجائش ہوجائے گی، اس وقت حرمین شریفین کے لوگوں کا عمل اسی پر ہے، مگر اوپر کی توجیہ پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، اب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تمام حدیثیں اور صاحب اعلاء السنن کی توجیہ ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي عمرو الشيباني أن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: والذي لا إله غيره ما صلت امرأة قط خيرا لها من صلاة تصليها في بيتها إلا أن يكون المسجد الحرام أو مسجد الرسول صلى الله عليه وسلم إلا عجوزا فى منقليها. (المعجم الكبير للطبراني، دار احياء التراث العربي بيروت ۹/ ۲۹۳، رقم: ۹٤۷۱)

عن ابن مسعود –رضي الله عنه– قال: ما صلت المرأة في مكان خير لها من بيتها إلا أن يكون المسجد الحرام أو مسجد النبي صلى الله عليه وسلم إلا امرأة تخرج في منقليها يعني خفيها. (المعجم الطبراني ۹/ ۲۹۳، رقم: ۹٤۷۲)

عن ابن مسعود –رضي الله عنه– أنه كان يحلف فيبالغ في اليمين ما من مصلى لامرأة خير من بيتها إلا في حج أو عمرة إلا امرأة قد يئست من البعولة فهي في منقليها، قلت: وما منقليها؟ قال: امرأة عجوز قد تقارب خطوها. (المعجم الكبير ۹/ ۳۹٤، رقم: ۹٤۷۳

عن أبي عمرو الشيباني قال: حلف عبدالله فبالغ في اليمين ما من مصلى لامرأة خير من بيتها إلا في حج أو عمرة إلا امرأة قد يئست من البعولة، فهي في منقليها. (المعجم الكبير ۹/ ۳۹٤، رقم: ۹٤۷٤)

قلت: فيه دلالة على جواز خروج النساء، مطلقا سواء كن شواب أو عجائز للصلاة في المسجد الحرام أو مسجد النبي صلى الله عليه وسلم وعليه عمل أهل الحرمين اليوم، ولكن ينبغي تقييده بوقت الضرورة كما إذا حضرت المسجد للطواف في الحج والعمرة، فلا بأس لها بأن تصلي فيه وحدها أو جماعة، أو حضرت المسجد النبوي للتسليم والصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، فلا بأس لصلاتها في المسجد تحية، أو مكتوبة، وأما أن تأتي المسجد الحرام أو المسجد النبوي لأجل الصلاة، فحسب فينا فيه قوله صلى الله عليه وسلم صلاتک في بيتک خير من صلاتک في حجرتک إلى أن قال ومن صلاتک في مسجدي. (إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب منع النساء عن الحضور في المساجد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٤٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶؍محرم ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۶۶۲)	۱۴۲۶/۱/۲۶ھ

شدید بیماری کی وجہ سے طوافِ زیارت مؤخر کرنا

سوال [۵۰۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی طبیعت منی میں بعد قربانی زیادہ خراب ہوگئی اور وہ ایک ہفتہ زیر علاج رہا، واپسی کے وقت اس نے طواف وداع کی نیت سے طواف کیا، طواف زیارت نہیں کیا، وطن واپسی کے بعد ازدواجی تعلقات بھی قائم ہوئے، کئی سالوں کے بعد مسئلہ سننے کے بعد احساس ہوا کہ اس نے طوافِ زیارت وسعی نہیں کی تھی، نیز یہ کہ اب نہ اس کی جسمانی حالت اچھی ہے اور نہ مالی حالت، ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا طوافِ وداع، طوافِ زیارت کی جگہ پر مان لیا جائے گا اور دم لازم ہوگا تو کتنا اور کون سا بدنہ یا دنبہ؟

المستفتی: محمد رونق ندوی دارالقضاء اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ شخص طواف زیارت سے پہلے ہسپتال میں داخل ہوا اور ایسے سخت مرض میں مبتلا رہا ہے کہ حرم شریف آکر سواری پر طواف زیارت کرنا بھی اس کے لئے ممکن نہیں اور اسی حالت میں ایام نحر گذر گئے ہیں، تو اس طرح کے غیر اختیاری سخت مرض کی وجہ سے طواف زیارت ایام نحر سے مؤخر ہوجانے کی وجہ سے تاخیر کا دم واجب نہیں ہوتا ہے، جس طرح حیض کے عذر کی وجہ سے تاخیر کا دم لازم نہیں ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد وہ طواف وداع کی نیت سے طواف کر کے وطن واپس آگیا ہے، تو ایسی صورت میں طواف وداع کی نیت سے جو طواف کیا ہے، وہ قدرتی طور پر طواف زیارت بن گیا ہے؛ اس لئے اس کا حج مکمل ہوگیا ہے، اب اس کے لئے طواف نہ کرنے کی وجہ سے ایک دم دینا کافی ہوجائے گا۔

وإن طاف للصدر حقيقة، أو حكما بعد أيام النحر، فعليه دمان، دم لترك الصدر، أي لتحوله إلى الزيارة، ودم لتأخير الزيارة. (المناسك لملا

علي قاري، باب الجنايات، فصل ولو طاف للزيارة جنبا، کراچی ص: ۳٤۸)

ومن ترک طواف الزيارة، وطاف طواف الصدر أجزأه من طواف الزيارة، وكان عليه الدم لطواف الصدر ...... ثم إن رجع و طاف للصدر ولم يطف للزيارة، فإن طواف الصدر ينتقل إلى طواف الزيارة. (تاتارخانية، كتاب الحج، الفصل السابع الطواف والسعي، زكريا ديوبند ۳/ ٦۰۷، رقم: ٥١٥٧، کوئٹه ۲/ ٥١٨)

أما ترک الواجبات بعذر فلا شيء فيه، ثم مرادهم بالعذر ما يكون من الله تعالىٰ ...... وتأخير طواف الزيارة من أيامه لحيض، أو نفاس، أو حبس، أو مرض، ولم يوجد له حامل، أو لم يتحمل الحمل. الخ (غنية الناسك، قديم: ۱۲۸، جديد کراچی ص: ۲۳۹، انوار مناسك، ص: ۳٥۸) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۲/۱/۱۴۳۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۵۳/۳۸)	۱۲/۱/۱۴۳۱ھ

عذر کی وجہ سے ۱۲/ ذی الحجہ کے بعد طوافِ زیارت کرنے کا حکم

سوال [۵۰۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طوافِ زیارت کثرتِ ازدحام اور اپنی کمزوری خاص طور پر شوگر کی وجہ سے ۱۲/ ذی الحجہ کے بعد کیا تو کیا ایسے کمزور آدمی کو دم دینا ہی ہوگا یا اس عذر کی وجہ سے دم معاف ہو جائے گا؟ بینوا توجروا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوافِ زیارت بارھویں ذی الحجہ کے غروب سے پہلے پہلے کرنا واجب ہے اور اگر کوئی آدمی شوگر یا دیگر طبعی بیماری یا کمزوری کی وجہ سے

یا ازدحام کی وجہ سے بھیڑ میں ازخود طواف کرنے پر قادر نہیں ہے، تو ایسے معذور کے لئے شریعت نے سواری پر طواف کرنے کی گنجائش رکھی ہے، حرم شریف میں پیسے سے طواف کرانے والے بھی موجود ہوتے ہیں اور بغیر پیسے کے وہیل چیئر بھی مل جاتا ہے، کسی تعلق کے آدمی کے ذریعہ سے وہیل چیئر پر طواف کرایا جاسکتا ہے، اس لئے ایام نحر گزر جانے کے بعد تک جس نے شوگر یا ازدحام کی وجہ سے طواف زیارت میں تاخیر کی ہے، اس پر ایک دم واجب ہوجائے گا، ہاں البتہ اگر پیسے سے سواری پر طواف کرنے کے واسطے اپنے پاس پیسوں کا انتظام نہیں ہے، یا سواری پر طواف کرانے والا بھی کسی طرح میسر نہیں ہے اور اس کی کوشش جاری رہی اور طواف کرانے والا کوئی نہیں ملا اور ایام نحر اس مجبوری میں گزر جائیں تو کفارہ کا دم معاف ہوسکتا ہے۔

ولو أخر طواف الزيارة كله أو أكثره من أيام النحر، فعليه دم. (غنية الناسك، باب الجنايات الفصل السابع في ترك الواجب في أفعال الحج، كراچی جديد: ۲۷۳، قديم: مكتبه خيريه قديم: ۱٤٦)

والحاصل أن طواف الزيارة موقت بأيام النحر، فتأخيره عن أيام النحر يوجب الدم. (المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤١)

ولو طافه راكبا أو محمولا أو زحفا بعذر كمرض، أو كبر فلا شيء عليه. (غنية الناسك، كراچی جديد: ۲۷۳، مكتبه خيريه ميرٹھ قديم: ۱٤٦)

أما ترك الواجب بعذر فلا شيء فيه إلى قوله وتأخير طواف الزيارة من أيامه لحيض أو نفاس، أو حبس، أو مرض، ولم يوجد له حامل أو لم يتحمل الحمل. (غنية جديد: ۲۳۹، قديم: ۱۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۲۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۷ھ

گیارہ ذی الحجہ میں حائضہ عورتوں کے طوافِ زیارت کا حکم

سوال [۵۰۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارھویں ذی الحجہ تک طوافِ زیارت کو مؤخر کرنا عورت ومرد سب کے لئے جائز ہے، چنانچہ عورت نے اتنی تاخیر کرلی کہ بارھویں ذی الحجہ کو غروب آفتاب ہونے میں اتنی دیر باقی ہے جتنی میں بآسانی طواف کیا جاسکتا ہے کہ اچانک حیض آگیا اور طواف زیارت نہیں کرسکی، تو ایسی صورت میں عورت معذور ہے، اس پر کوئی دم لازم نہیں۔ (بحوالہ انوار مناسک ۳۴۱، مستفاد: شامی کراچی ۲/ ۵۱۹، غنیۃ جدید: ۲۷۴)

لیکن ''زبدۃ المناسک'' کی اس عبارت سے اشکال در پیش ہے: ''جو عورت جانتی ہے کہ حیض آنے والا ہے اور شروع حیض سے پہلے وقت میں طواف زیارت میں سے چار شوط کرسکتی ہے؛ لیکن نہیں کیا اور پھر بعد ایام نحر کے حیض سے پاک ہوئی تو بھی اپنی کاہلی کی وجہ سے دم دے گی''۔ (بحوالہ زبدۃ المناسک، ص: ۲۰۵)

عرض خدمت یہ ہے کہ ایسی خواتین جن کو یقینی طور پر گیارہ ذی الحجہ سے حیض شروع ہونے کا قوی امکان ہے؛ لیکن ۱۰ر ذی الحجہ کو طواف کرنے والوں کا اتنا ہجوم ہوجاتا ہے کہ یہ عورتیں تو کجا مردوں کی ہمت بھی جواب دے دیتی ہے۔ اور انتظامیہ کی طرف سے بھی اندر جانے سے روک دیا جاتا ہے، تاکہ کوئی حادثہ نہ ہونے پائے، اس صورت حال کے پیش نظر ایسی خواتین، باوجود معلوم ہونے کے ۱۱ر ذی الحجہ سے حیض میں مبتلا ہوجائیں گی، پھر بھی طواف نہ کرسکیں اور ایام نحر گذرنے کے بعد طواف کریں تو کیا ان پر دم واجب ہوگا یا از روئے شریعت معذور ہوتے ہوئے دم لازم نہ ہوگا۔ برائے کرم جواب سے سرفراز فرمائیں۔

المستفتی: میر سعادت علی حیدرآبادی، حال مقیم نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ''انوار مناسک'' اور ''زبدۃ المناسک'' دونوں

کے مسائل میں کوئی تعارض نہیں ہے؛اس لئے کہ ’’انوارمناسک‘‘ میں یہ بات صاف ہے کہ سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے طوافِ زیارت کر کے فارغ ہونے کا اس کا ارادہ رہا ہے اوراس وقت میں حیض آنے کاقطعی طور پراس کوعلم ہونے کی بات ’’انوارمناسک‘‘ میں نہیں ہے؛ لہٰذا یہ اس عورت کے بارے میں ہے جس کواس وقت حیض آنے کاقطعی علم نہیں ہے؛اس لئے اس کی طرف سے کوئی غفلت نہیں ہے، بریں بنا ایسی صورت میں وہ عورت معذور ہے۔ اور ’’زبدۃ المناسک‘‘ میں صاف عبارت ہے کہ عورت کو یقین سے معلوم ہے کہ وہ وقت اس کی ماہواری آنے کا ہے، پھر بھی اس نے لا پرواہی سے اس وقت تک مؤخر کردیا ہے،تو ایسی صورت میں عورت معذور نہیں ہے؛ لہٰذا دونوں مسئلوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۲) دس ذی الحجہ سے لے کر بارہ ذی الحجہ تک مسلسل تین دن بھیڑ رہتی ہے، بھیڑ میں کوئی کمی نہیں آتی ہے، ہاں البتہ جب مطاف بھر جاتا ہےاور خطرہ کا اندیشہ ہوتا ہے،تو مزید آنے والے لوگوں کوتھوڑی دیر کے لئے روک لیا جاتا ہے، اس میں عورتوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے؛ بلکہ عورت ومرد سب کو روک لیا جاتا ہے۔ اور جب پندرہ بیس منٹ یا آدھ گھنٹہ کے بعد کچھ ہلکا ہوجاتا ہےاور طواف سے فارغ ہونے والے باہر کو آجاتے ہیں،تو پھر اندر جانے کے لئے لوگوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے، یہ سلسلہ ایام نحر کے بعد بھی ایک دوروز رہتا ہےاور اسی درمیان میں سب لوگ ایام نحر کے اندر اندر اپنا طواف زیارت کر لیتے ہیں؛ لہٰذا ایسی عورت جس کو گیارہ ذی الحجہ کوحیض آنے کا یقین یا ظن غالب ہے،تو اس پر حیض آنے کے وقت سے پہلے پہلے طوافِ زیارت سے فارغ ہوجانا لازم ہے۔اوراگر اندر بھیڑ کی وجہ سے جانے سے روکا جارہا ہے،تو جا کر کے انتظار کرنا لازم ہوگا،اس لئے کہ بہر حال آدھا پون گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد جانے کا موقع مل جائے گا۔ اوراگرانتظار نہیں کرنا ہے،تو چھت کےاوپر جا کر طواف کرلے؛ کیوں کہ چھت کے اوپر جا کر طواف کرنے سے کوئی نہیں روکتا ہے،بس صرف طواف لمبا ہوجاتا ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں جو شکل تحریر کی گئی ہے یہ ایسے عذر کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، جس کی وجہ سے دم ساقط ہوجاتا ہو۔

ولو حاضت بعد ما قدرت على الطواف، فلم تطف حتى مضى الوقت لزمها الدم؛ لأنها مقصرة بتفريطها، أي بعد ما قدرت على أربعة أشواط، فقولهم لا شيء عليها لتأخير الطواف مقيد بما إذا حاضت في وقت لم تقدر على أكثر الطواف، أو حاضت قبل أيام النحر ولم تطهر إلا بعد مضيها. (شامي، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، كراچی ۲/ ۵۱۹، زكريا ديوبند ۳/ ۵۳۹، وهكذا في غنية، باب الجنايات، الفصل السابع في ترك الواجب في أفعال الحج، كالطواف والسعي، كراچی جديد: ۲۷٤، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ: ۱٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۷ھ

عورت کو ۱۲/ ذی الحجہ کے بعد بھی دو روز ماہواری جاری رہی تو طوافِ زیارت کا کیا حکم ہے؟

سوال [۵۰۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت حج کا احرام باندھ کر منیٰ وعرفات کے لئے روانہ ہوگئی، اسی اثناء میں اسے ماہواری شروع ہوگئی، تو اس کے لئے اسی حالت میں وقوف عرفہ جائز ہے؛ لیکن ابھی اس کی ماہواری کی مدت میں چھ دن ہے اور بارھویں ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے طوافِ زیارت کرنا لازم ہوتا ہے، تو یہ عورت کیا کرے گی جب کہ بارھویں تک اس کی ماہواری ختم ہونے میں ابھی دو دن باقی ہیں، پندرہ ذی الحجہ تک ماہواری سے غسل کرسکتی ہے اور طواف کرسکتی ہے، تو ایسی صورت میں دم لازم ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسی عورت جس کی ماہواری کی مدت چھ دن ہے، اس نے پاکی کی حالت میں احرام باندھ لیا اور وہ عورت منی وعرفات چلی گئی، اسی اثناء میں اسے ماہواری شروع ہوگئی، بارھویں ذی الحجہ تک اس کی ماہواری ختم ہونے میں دو دن باقی رہے، لہٰذا یہ عورت طوافِ زیارت کو مؤخر کرے گی اور جب حیض سے پاک ہوجائے گی، تب اس کے اوپر طوافِ زیارت لازم ہوگا اور اس تاخیر کی بناء پر نہ عورت گنہگار ہوگی اور نہ ہی اس پر دم واجب ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک ص: ۳۴۳، کتاب المسائل ۳/۳۴۳)

لا شيء على المرأة بتأخير طواف الزيارة لأجل النفاس والحيض. (سراجيه، اتحاد، ص: ١٨٨)

إذا طهرت في آخر أيام النحر، فإن أمكنها الطواف قبل الغروب، ولم تفعل فعليها دم للتاخير، وإن لم يمكنها طواف أربعة أشواط، فلا شيء عليه. (شامي، زكريا ٣/ ٥٣٩، شامي كراچی ٢/ ٥١٩)

إن الحائض إذا طهرت في آخر أيام النحر، فإن أمكنها الطواف قبل الغروب ولم تفعل فعليها دم للتأخير، وإن لم يمكنها طواف أربعة أشواط، فلا شيء عليها. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام، كوئٹه ٢/ ٣٤٨، زكريا ٢/ ٦٠٩)

فلا شيء على الحائض بتأخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر. (غنية الناسك، قديم ص: ٩٥، جديد، ص: ١٧٨)

ولا دم على الحائض للتأخير في قولهم؛ لأنها ممنوعة، فكان التأخير بعذر. (فتاوى ولوالجية، دارالأيمان ١/ ٢٩١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۳۵/۴۰)

عذر کی وجہ سے طوافِ زیارت حالت حیض میں کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

سوال [۵۰۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کا زمانہ ہے اور ایک بے چاری عورت کو حیض آ گیا اور طواف زیارت ابھی اس کے ذمہ باقی ہے، پاکی کا انتظار کرتی ہے، یہاں تک کہ ایام نحر گذر گئے اور سفر سے واپسی کا دن بھی آ گیا، مشکل یہ ہے کہ ٹکٹ ہوائی جہاز کا مؤخر نہیں کرا سکتی اور نہ کینسل (ختم) اور نیا ٹکٹ خریدنے کی گنجائش نہیں ہے؛ اس لئے کہ فی ٹکٹ کئی ہزار روپے لگیں گے اور شوہر اور بچے بھی ساتھ ہیں، سب کے لئے نیا ٹکٹ بنوانا مشکل ہے، ہزارہا روپئے لگیں گے اور اتنے روپئے نہیں ہیں؛ بلکہ ایام زائد کے لئے رہائش کا خرچ بھی نہیں ہے، ادھر بغیر طواف کئے ہوئے گھر لوٹنے سے یہ بے چاری شوہر کے لئے حرام رہے گی اور آئندہ لوٹ کر طواف کرنا متیقن بھی نہیں ہے، تو اس مجبوری و عاجزی کی حالت میں اس جیسی عورت کے لئے کیا صورت ہے؟

طواف کے لئے طہارت عند الاحناف واجب ہے، شرط یا فرض نہیں۔ اور قاعدہ: ''**الواجبات تسقط بالعجز**'' مسلم اور متفق علیہ ہے؛ لہٰذا صورت مرقومہ میں جب کہ عجز کے تحقق میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں ہے، طواف بحالت حیض بلا کراہت جائز ہونا چاہئے؟ نیز یہ صورت کثیر الوقوع ہے، اس لئے واقعی ضرورت ہوتی ہے ''**والضرورات تبیح المحضورات**'' لہٰذا عورت ایسی حالت میں طواف کرنے سے کیسے گنہگار ہو سکتی ہے؟ اور اگر ضرورت بھی اس مسئلہ میں تسلیم نہیں کی جاتی ہے، تو براہ کرم ضرورت کا معیار کیا ہے؟ مطلع فرمائیں۔

المستفتی: محمد شعیب راوٹ ساؤتھ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت یہ امور ارکان میں سے ایسے ہیں کہ ان کے بغیر حج صحیح نہیں ہوتا؛ اس لئے یہ دونوں امور شدید عذر کی وجہ

سے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے ، نیز ان دونوں رکنوں کی طرف سے نیابت بھی جائز نہیں ہوتی۔ اوران دونوں کے علاوہ دیگرارکان چاہے ازقبیل واجب ہوں یا سنت عذر شدید کی وجہ سے ذمہ سے ساقط بھی ہوجاتے ہیں،اوران میں سے بعض میں نیابت بھی جائز ہے،مثلاً وقوف مزدلفہ شدیدازدحام کی وجہ سے کمزوراورضعیف لوگوں سے ساقط ہوجاتا ہےاوردم بھی لازم نہیں ہوتااوررمیٔ جمرات میں ازدحام کی وجہ سے نیابت جائز ہے۔اورحیض ونفاس کے عذرکی وجہ سے طواف وداع جوکہ واجب ہے ساقط ہوجاتا ہے۔اب یہاں سوال نامہ کے مطابق یہ اشکال لازم آتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک طواف کے لئے طہارت بھی تو ازقبیل واجب ہی ہے ازقبیل فرض یا رکن نہیں ہے؛ لہٰذا سوال نامہ میں ذکرکردہ عذر شدید کی وجہ سے طہارت کا وجوب بھی تو ساقط ہوجانا چاہئے تواس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں بات یہ ہے کہ واجبات دوقسموں پر ہیں:

(۱) وہ واجب جوعمل مستقل ہوتا ہے،جیسا کہ وقوف مزدلفہ،رمی،طواف وداع وغیرہ۔

(۲) وہ واجب جوعمل مستقل نہیں ہے؛ بلکہ عمل مستقل کا جزو ہوتا ہے،جیسا کہ طواف کے لئے طہارت ہے کہ یہ واجب تو ہے،مگرعمل مستقل نہیں ہے؛ بلکہ عمل مستقل کا جزو ہوتا ہے،اورجو واجب عمل مستقل کی قسم میں سے ہوتا ہے وہ عذر شدید کی وجہ سے ساقط ہوجاتا ہے،یااس کی طرف سے نیابت جائز ہوجاتی ہے،جیسا کہ مذکورہ مثالوں سے معلوم ہوگیا ہے اورجوواجب عمل مستقل نہیں ہے؛ بلکہ عمل مستقل کا جزو ہوتا ہے وہ عذرشدید کی وجہ سے نہ ذمہ سے ساقط ہوتا ہےاورنہ ہی اس کی طرف سے نیابت جائز ہوسکتی ہے؛ لہٰذاسوال نامہ میں ذکر کردہ اعذار کی وجہ سے وجوب طہارت کی ذمہ داری ساقط نہ ہوگی؛ بلکہ اگربغیر طہارت عورت طواف زیارت کرلے گی تو اس کے ذمہ سے طواف کا فریضہ تو ساقط ہوجائے گا،مگر ساتھ ساتھ جرمانہ میں ایک اونٹ یاایک گائے کی قربانی بھی واجب ہوجائے گی۔اور یہ قربانی حدود حرم میں کرنا لازم ہوگی؛ البتہ یہ کسی بھی موسم میں کی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/ ۱۷۷،جدید ڈابھیل ۱۰/۳۷۳)

لو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستنقت هل تطوف أم لا؟ قالوا: يقال لها لا يحل لک دخول المسجد، وإن دخلت وطفت أثمت وصح طوافک، وعليک ذبح بدنة، وهذه مسألة كثيرة الوقوع، يتحير فيها النساء وتقدم حكم طواف المتحيرة في باب الحيض. (شامي، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة كراچی ۲/ ۵۱۹، زكريا ۳/ ۵۳۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/ ۱۱/ ۱۴۱۵ھ

۱۲/ ذی الحجہ کو غروب کے بعد طوافِ زیارت کا ایک چکر کیا تو ایک صدقہ لازم

سوال [۵۰۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص بارھویں ذی الحجہ کی شام کو طوافِ زیارت کررہا تھا، ابھی چھ چکر مشکل سے کرپایا تھا کہ اتنے میں سورج غروب ہوگیا بقیہ ایک چکر غروب کے بعد پورا کیا، تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بارھویں ذی الحجہ کو جب یہ شخص غروب سے پہلے طواف مکمل نہیں کر پایا اور غروب کے بعد ایک چکر پورا کیا تو اس ایک چکر کے عوض میں ایک صدقۂ فطر لازم ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۳۵۶)

ولو أخر أقله فعليه لكل شوط صدقة. (غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل السابع، جديد: ۲۷۳، قديم: ۱۴۶)

إن في ترک أقل طواف الزيارة دما بالإتفاق، وفي تأخيره أقله صدقة

عـنـد أبي حنيفة، وفي ترک کله أو أکثره لا يخرج من الإحرام. (التاتارخانية زکريا ۳/ ۶۰۸، رقم: ۵۱۶۱)

ولـو تـرک شـوطـا، أو ثـلاثة من الصدر کان عليه لکل شوط صدقة نـصف صـا ع؛ لأنـه لـو ترک کله، أو أکثره کان عليه الدم، فإذا ترک أقله کان عليه الصدقة. (فتاوی الولوالجية، دارالأيمان ۱/ ۲۹۲)

إن أعـاده فـي أيـام الـنـحـر سـقـط، وإن أعـاده بعدها تجب عليه الصدقة لکل شوط نصف صاع من حنطة. (هندية، زکريا قديم ديوبند ۱/ ۲۴۶، جديد زکريا ۱/ ۳۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۶)

اکثر اشواط غروب کے بعد کئے تو دم واجب

سوال [۵۰۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے بارھویں ذی الحجہ کو غروب سے پہلے طواف زیارت شروع کر دیا، ابھی دو چکر پورے نہیں کر پایا تھا کہ سورج غروب ہو گیا اور بقیہ سارے چکر غروب ہونے کے بعد پورے کئے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب اس شخص نے سورج غروب ہونے کے بعد اکثر چکر پورے کئے تو اس شخص پر دم لازم ہوگا؛ کیوں کہ طواف زیارت کو ایام نحر کے اندر اندر پورا کرنا واجب ہے اور جب اس نے اکثر چکر غروب کے بعد پورے کئے تو گویا اس نے پورا طواف ایام نحر کے بعد پورا کیا؛ اس لئے کہ طواف میں اکثر چکر کل چکروں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ (مستفاد: انوار مناسک، ص: ۳۵۶)

ولو أخر طواف الزيارة كله أو أكثره عن أيام النحر، فعليه دم. (غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل السابع في ترك الواجب في أفعال الحج، جديد: ۲۷۳، قديم: ۱٤٦)

لو أخر طواف الزيارة عن أيام النحر، فعليه دم عند أبي حنيفة. (التاتارخانية، زكريا ديو بند ۳/ ٦٠٦، رقم: ٥١٥٠)

وإذا توقت هذا الطواف بأيام النحر وجوبا عنده، فإذا أخره عنها فقد ترك الواجب، فأوجب ذلك نقصانا فيه، فيجب جبره بالدم. (بدائع الصنائع زكريا ۲/ ۲۱٥، كراچی ۲/ ۱۳۲)

لو كان طاف ثلاثة أشواط فهو والذي لم يطف سواء؛ لأن الأقل لا يقوم مقام الكل. (بدائع الصنائع زكريا ۲/ ۳۱٦، كراچی ۲/ ۱۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۴/۴۰)

طوافِ زیارت نہ کرنے والے کا حکم

سوال [۵۰۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کو حج کے موقع پر جب کہ وہ منی میں قربانی کے بعد بال حلق کرا رہا تھا، پولیس نے گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا اور پندرہ دنوں کے بعد انڈیا بھیج دیا، نہ وہ طواف زیارت کر سکا اور نہ سعی اور نہ طوافِ وداع، اس شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ حال یہ ہے کہ اب اس کی حیثیت عمرہ پر بھی جانے کی نہیں ہے، نیز یہ مسئلہ پوچھنے کا خیال بھی شخص مذکور کو تین ماہ بعد آیا اس درمیان اس نے کئی مرتبہ صحبت بھی کی تو اس کا کیا حکم ہے؟۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ جب تک وہ وہاں جا کر طواف زیارت نہیں کرے گا، اس کے حج کی تکمیل نہیں ہوگی۔ اور عمر بھر میں کبھی بھی

جا کر کے طواف زیارت کیا جاسکتا ہے اور جرمانہ میں طواف زیارت سے پہلے ہمبستری کی وجہ سے ایک بدنہ لازم ہوگا اور پھر اس کے بعد بار بار ہمبستری کی وجہ سے ہر بار کے عوض میں دم لازم ہوتا جائے گا؛ لیکن اگر اس نے فی ظنہ اپنے آپ کو حلال سمجھا ہے، تو صرف ایک دم کافی ہو جائے گا؛ لیکن ایام نحر گذرنے کے بعد طواف زیارت کا مسئلہ پیش آیا ہے؛ اس لئے طواف زیارت جب بھی کرے گا، اس کے بعد ایک دم مزید دینا لازم ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک، ص: ۳۴۰-۳۵۵-۳۶۰)

لو ترک طواف الزيارة كله أو أكثره فهو محرم أبدا في حق النساء حتى يطوف فكلما جامع لزمه دم إذا تعدد المجلس إلا أن يقصد الرفض فلا يلزمه بالثاني شيء، فعليه حتما أن يعود بذلک الإحرام، ويطوفه، ولا يجزئ عنه البدل أصلا. (غنية الناسك، باب الجنايات، الفصل السابع في ترك الواجب في أفعال الحج، كراچی جديد: ۲۷۳، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ۱۴۶، وهكذا في الهداية أشرفيه ديوبند ۱/ ۲۷۳، فتح القدير زكريا ۳/ ۴۹، كوئٹه ۲/ ۶۳ ۴، دارالفكر مصري قديم ۳/ ۵۴، الدر مع الرد، كراچى ۲/ ۵۵۳، زكريا ديوبند ۳/ ۵۸۴، الفتاوى التاتارخانية كوئٹه ۲/ ۴۹۶، زكريا ۳/ ۵۸۰، رقم: ۵۰۷۳)

فإن أخره عنها، أي أيام النحر ولياليها منها كره تحريما، ووجب دم لترک الواجب. (الدرالمختار كراچى ۲/ ۵۱۸-۵۱۹، زكريا ديوبند ۳/ ۵۳۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۰/ ۱۲-۱۳)

البدنة تجب في الحج في موضعين أحدهما إذا طاف جنبا، والثاني إذا جامع بعد الوقوف. (بدائع، كراچى ۲/ ۱۲۹، زكريا ديوبند ۲/ ۳۰۹، العناية مع الفتح، زكريا ۳/ ۴۳، دارالفكر مصري ۳/ ۴۷، الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۶/ ۵۲)

من جامع بعد الوقوف بعرفة لم يفسد حجه، وعليه بدنة. (هداية، أشرفيه ديوبند ۱/ ۲۷۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴۳۱/۱/۱۲ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۵۳/۳۸)	۱۴۳۱/۱/۱۲ھ

طوافِ زیارت کئے بغیر گھر آنے والی عورت شوہر کے لئے حلال نہیں ہے؟

سوال [۵۰۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو عورت طوافِ زیارت چھوڑ کر گھر آجائے وہ اپنے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی، کیا ہر مرتبہ جماع کرنے پر بدنہ واجب ہوگا یا دم واجب ہوگا؟ یہ جو کتابوں میں لکھا ہے کہ دوسری مرتبہ اگر جماع احرام کھولنے کی نیت سے کیا تو پھر بدنہ واجب ہونے کے بعد دم نہیں آئے گا، اس کی وضاحت مطلوب ہے، کیا طوافِ زیارت چھوڑ کر آئی ہوئی عورت اپنے گھر پر بغیر طواف زیارت کے حلال ہوجائے گی؟ ہر سال علاقہ میں اسی طرح کی خبریں ملتی ہیں، اس مسئلہ کو تفصیل سے تحریر فرمادیں، تاکہ امکان بھر حجاج تک یہ بات پہنچادی جائے۔

المستفتی: سعید احمد سیڈھا، بجنور (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو عورت حیض ونفاس کے عذر کی وجہ سے بغیر طواف زیارت کئے اپنے گھر آجائے وہ اپنے شوہر کے لئے اس وقت تک حرام رہے گی جب تک وہ دوبارہ مکہ مکرمہ جاکر طواف زیارت نہ کرلے۔ اور اس درمیان میں پہلی مرتبہ ہم بستری کی وجہ سے بدنہ واجب ہوگا اور اس کے بعد جب جب مجلس بدل کر شوہر ہمبستری کرے گا، تو ایک دم واجب ہوگا بشرطیکہ احرام ختم کرنے کا ارادہ نہ کیا ہو، اگر احرام ختم کرنے کے ارادہ سے دوسری مرتبہ ہمبستری کرے گا تو کوئی چیز لازم نہ ہوگی، حاصل یہ نکلا کہ اس طرح کے حالات میں عام طور پر رفض احرام کا ارادہ ہوجاتا ہے؛ اس لئے ایک بدنہ اور ایک دم واجب ہوگا؛ کیوں کہ ایسے لوگ بعد کے جماعوں میں اپنے آپ کو حالت احرام میں نہیں سمجھتے۔ (مستفاد: مستفاد: انوار مناسک/ ۳۶۰)

ولو ترک طواف الزيارة كله أو أكثره، فهو محرم أبدا في حق النساء حتى يطوف، فكلما جامع لزمه دم إذا تعدد المجلس إلا أن

يقصد الرفض فلا يلزمه بالثاني شيء. (غنية الناسك، جديد: ٢٧٣، قديم: ١٤٦، وهكذا في الهداية أشرفيه ديوبند ١/ ٢٧٣، شامي، كراچی ٢/ ٥٥٣، زكريا ٣/ ٥٨٤، الفتاوى التاتارخانية زكريا ٣/ ٣٨٠، رقم: ٥٠٧٣، فتح القدير كوئٹه ٢/ ٤٦٣، زكريا ٣/ ٤٩، دارالفكر مصري ٣/ ٥٤)

سواء جامع مرة أو مرارا إن اتحد المجلس، فإن اختلف ولم يقصد بالجماع الثاني رفض الإحرام، فبدنة للأول وشاة للثاني. (غنية الناسك، جديد كراچی ٢٦٩، قديم: ١٤٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۲/۲ھ

جو عورت طواف زیارت اور سعی کئے بغیر لوٹ آئے اس کا حکم

سوال [۵۰۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک محترمہ حج کے لئے گئی تھیں، مگر شرعی عذر اور فلائٹ کی تاریخ کی وجہ سے بغیر طواف زیارت اور سعی کے بمبئی لوٹ آئیں۔ (۱) ان کے شوہر کے لئے حلال ہونے کی کیا شکل ہے؟ (۲) کیا وہ اپنے بیٹے کو بھیج کر اپنا طواف زیارت اور سعی نیابۃً کرواسکتی ہیں؟

المستفتی: قمر الدین، موسی ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بیٹے کو بھیج کر کے طواف کرانا درست نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ طوافِ زیارت میں نیابت درست نہیں ہے؛ بلکہ بذات خود جا کر کے طواف کرنا ضروری ہے، اس کے بعد حج مکمل ہوگا۔ اور شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکے گی جب تک طوافِ زیارت خود جا کر کے نہیں کرے گی۔

وكونه بنفسه ولو محمولا فلا تجوز النيابة. (شامي، كتاب الحج، مطلب

في طواف الزيارة، زكريا ۳/ ۵۳۷، كراچی ۲/ ۵۱۷، منحة الخالق، کوئٹہ ۲/ ۳٤۷، زکریا ۲/ ٦۰۸، مناسك ملا علی قاري/ ۲۳۳)

ولو ترک طواف الزيارة كله أو أكثره فهو محرم أبدا في حق النساء، حتى يطوف. (غنية جديد: ۲۷۳، قديم: ١٤٦، مناسك ملا علي قاري ۳٤٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/۴/۱۴۳۴ھ

طوافِ وداع کے بعد سعی کا حکم

سوال [۵۰٦۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طواف زیارت کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے، اس کے بعد سعی کی جاتی ہے اور طوافِ وداع کے بعد سعی ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد الرحمٰن سنگاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طواف وداع کے بعد سعی بین الصفا والمروہ مشروع نہیں ہے۔

طاف للصدر، أي الوداع سبعة أشواط بلا رمل وسعي الخ. (شامي، كتاب الحج، مطلب في طواف الصدر، كراچی ۲/ ۵۲۳، زكريا ۳/ ٥٤٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲٦/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲٦/٦/۱۴۱۵ھ

طوافِ وداع کے بعد الٹا واپس ہونا

سوال [۵۰۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طوافِ وداع کر کے خانہ کعبہ سے واپسی کے وقت کیا فقہاء نے الٹا واپس ہونے کو طواف وداع کے آداب میں شمار کیا ہے؟ بعض حاجی طواف وداع کر کے خانہ کعبہ کی طرف پشت نہیں کرتے؛ بلکہ الٹا لوٹتے ہیں اور اس کے بعد بھی حرم شریف حاضری ہوتی ہے، تب ایسا نہیں کرتے، مثلاً شام کو عشاء کے بعد مکہ سے جدہ واپسی ہے اور بعد ظہر طواف وداع کر لیا جس میں واپسی میں حرم سے الٹا نکلے اور پھر عصر کے بعد بھی خانۂ کعبہ گئے، مغرب بعد بھی گئے، عشاء بعد بھی گئے اور آخری حاضری عشاء بعد تھی، اس وقت خانۂ کعبہ کو دیکھ کر یوں ہی واپس آ گئے، اس سلسلہ میں فقہاء کی کیا رائے ہے؟

المستفتی: محمد اصغر سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوافِ وداع کر کے آخری واپسی میں نہایت رنج وغم کے ساتھ روتے ہوئے رخصت ہونا مستحب اور آداب رخصتی میں سے ہے اور نہایت عاجزی اور انکساری سے دوبارہ حاضری کی دعا مانگے؛ لیکن واپسی کے وقت پیچھے کو چلتا ہوا مسجد حرام سے نکلنے کی بات غنیہ کی ایک عبارت میں موجود ہے، مگر اس کو مسنون یا مستحب سمجھنا ہمارے حلق سے نیچے نہیں اترتا؛ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، نیز یہ فطری چال کے بھی خلاف ہے، اگر کوئی شخص طواف وداع کے بعد مطاف سے رخصت ہوتا ہوا باب ملک فہد سے مسجد حرام سے نکلے گا، تو اتنی دور تک پیچھے چلنا ایک انسان کے لئے سخت دشوار ہے۔ اور لاکھوں انسان اگر ایسا عمل کریں گے تو افراتفری کی شکل پیدا ہوگی۔ (معلم الحجاج کے حاشیہ میں تقریباً اسی طرح لکھا ہے جو ہم سمجھ رہے ہیں) اور غنیۃ کی عبارت میں صرف ترغیب ہے،

مستحب یا مسنون کے الفاظ نہیں ہیں، اگر دیکھنا ہو تو ''غنیۃ الناسک'' قدیم ص:۱۰۳، اور جدید ص:۱۹۲ر پر دیکھ لیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۲۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۰ھ

عورت کو دوران سفر حیض آنے سے متعلق چند سوالات

سوال [۵۰۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خالدہ حج کے لئے گھر سے چلی حیض کی حالت میں اور دہلی سے مدینہ شریف پہنچی تین دن کے بعد حیض سے فراغت ہوگئی، اب نماز قصر پڑھے یا پوری پڑھے؟

ایک عورت مدینہ شریف پاک رہی قصر نماز پڑھتی رہی، اب جب مدینہ سے حج کے لئے روانگی ہوئی تو حیض شروع ہوگیا، اب مکہ پہنچ کر ۵ر روز کے بعد حیض سے پاک ہوجائے گی، اب باقی ۲۵ر دن نماز قصر پڑھے یا پوری؟ اگر قصر پڑھے گی تو مسافر رہے گی تو قربانی کا وجوب رہے گا یا نہیں۔ (مالی قربانی)

ایک عورت مدینہ شریف سے پاک چلی، مگر پچاس کلومیٹر چلنے کے بعد حیض شروع ہوگیا، مکہ مکرمہ پہنچ کر بقیہ ایام میں جو پاکی کے ہوں گے نماز قصر پڑھے گی یا پوری پڑھے گی؟

ایک عورت مدینہ شریف سے پاک چلی، مگر ابھی مکہ مکرمہ پچاس کلومیٹر تھا کہ حیض شروع ہوگیا، مکہ پہنچ کر پاکی کے ایام میں نماز کیسے پڑھے گی؟

ایک عورت گھر سے مکہ مکرمہ پہنچی، حج کرنے کے بعد مدینہ شریف کا ارادہ کیا، حیض شروع ہوگیا مدینہ میں پاک ہوکر نماز پوری پڑھے گی یا قصر پڑھے گی؟

المستفتی: عبد الرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱)مدینہ منورہ میں حج کمیٹی کی جانب سے صرف آٹھ دن یعنی صرف چالیس نمازیں پڑھنے تک قیام کی اجازت ہوتی ہے؛ اس لئے مدینہ منورہ میں تنہا نماز پڑھنے کی صورت میں ہر حال میں قصر کرے گی، جب تین دن کے بعد حیض سے فراغت ہوگئی ،تو بقیہ پانچ دن نمازوں میں قصر کرے گی۔

فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه، أي في نصف شهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۵، زكريا ۲/ ۶۰۶)

(۲) جب عورت مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت ماہواری کی حالت میں ہوگئی اور مکہ مکرمہ پہنچ کر پانچ دن کے بعد پاک ہوگئی،تو باقی پچیس دن جو مکہ مکرمہ میں مسلسل قیام ہے پوری نماز پڑھے گی۔ اورمنی اور مزدلفہ میں بھی نماز پوری پڑھے گی؛اس لئے کہ آج کل کے زمانہ میں منی اورمزدلفہ مکہ مکرمہ کی آبادی سے متصل ہوکر ایک ہوگئے ہیں۔

(مستفاد:انوارمناسک/ ۴۵۸)

اوراگر متمتعہ ہے تو اس کے اوپر تمتع کی قربانی واجب ہے۔اور اگراس حالت میں وہاں پر وہ صاحب نصاب اور سرمایہ دار رہی ہے، تو مالی قربانی بھی واجب ہے۔ اور اگر صاحب نصاب اورسرمایہ دارنہیں ہے،تو مالی قربانی اس پرواجب نہیں۔

(۳-۴) اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر حیض کا زمانہ کتنا ہے اور اس کے بعد پاکی کا زمانہ کتنا ہے؟ اگر پاکی کا زمانہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہے،تو بہرحال نمازوں کا اتمام کرے گی۔ اور اگر پاکی کا زمانہ پندرہ دن سے کم رہ جائے تو اس سلسلے میں درمختار اورشامی کی ایک نہایت تشنہ عبارت جس سے بات زیادہ واضح نہیں ہوتی ہے، اس کو پیش نظر رکھ کر بہشتی زیور۲/ ۴۹ ،وغیرہ میں یہی لکھا ہے کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد کے ایام اگر پندرہ دن سے کم ہیں،تو نمازوں کا قصر کرے گی۔ عبارت ملاحظہ فرمائیں:

في الدر: طهرت الحائض وبقي لمقصدها يومان تتم في الصحيح، كصبي بلغ، بخلاف كافر أسلم. وتحته في الشامية: وكأنه لسقوط الصلاة عنها فيما مضى لم يعتبر حكم السفر فيه، فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته.
(شامي، زكريا ۲/ ۶۱۹، كراچی ۲/ ۱۳۵)

وفي التاتارخانية: والحائض إذا طهرت من حيضها وبينها وبين المقصد أقل من مسيرة ثلاثة أيام تصلي أربعا، وهو الصحيح. (تاتارخانية، قديم ۲/ ۱۵، جديد زكريا ۲/ ۵۰۵، رقم: ۳۱۳۳)

لیکن احقر کو اس مسئلہ میں اطمینان نہیں ہے اور اسی وجہ سے جواب میں کچھ تاخیر بھی ہوئی ہے۔ اور عدم اطمینان کی وجہ یہ ہے کہ یہ جزئیہ اصول سے منطبق نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ جہاں پر یہ جزئیہ لکھا ہے وہیں پر اس بات کی بھی صراحت ہے کہ حائضہ عورت کو نابالغ بچے کے درجہ میں مان لیا گیا ہے، اس کی نیت اقامت یا نیت سفر کا اعتبار نہیں؛ اس لئے جب اثنائے سفر بچہ بالغ ہوجائے گا تو جس وقت بالغ ہوگا اسی وقت سے اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، مگر فوراً "**بخلاف كافر أسلم**" کہہ کر اس کی طرف اشارہ کردیا کہ اگر اثنائے سفر کافر، مسلمان ہوجاتا ہے، تو اس کے اسلام سے پہلے اور بعد کی پوری مدت اقامت پندرہ دن سے زیادہ ہے، تو وہ اتمام کرے گا، تو حالت کفر کی نیت کا اعتبار کیا گیا ہے، جب کہ وہ نماز، روزہ کا مکلّف نہیں تھا؛ لیکن حائضہ کی حالت حیض میں نیت اقامت کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، جس پر علامہ شامیؒ نے بھی تھوڑی سی بحث کی ہے، جوحسب ذیل ہے:

قوله: (بخلاف كافر أسلم) أي فإنه يقصر، قال في الدرر: لأن نيته معتبرة، فكان مسافرا من الأول بخلاف الصبي، فإنه من هذا الوقت يكون مسافرا، وقيل: يتمان، وقيل: يقصران، والمختار الأول، كما في البحر وغيره عن الخلاصة، قال في الشرنبلالية: ولا يخفى أن الحائض لا تنزل

عن رتبة الذي أسلم، فكان حقها القصر مثله، وأجاب في نهج النجاة بأن مانعها سماوي بخلافه، أي وإن كان كل منهما من أهل النية بخلاف الصبي، لكن منعها من الصلاة ما ليس بصنعها فلغت نيتها من الأول، بخلاف الكافر، فإنه قادر على إزالة المانع من الابتداء، فصحت نيته.

(شامي، كراچی ۲/ ۱۳۵، زكريا ۲/ ۲۱۹)

احقر کے عدمِ اطمینان کی اصل وجہ یہ ہے کہ سفر واقامت کا مدار ایک جگہ پندرہ دن تک قیام کی نیت کرنے نہ کرنے پر مان لیا گیا ہے، مگر حائضہ کے حق میں نہیں مانا گیا، اس وجہ سے احقر کو اس مسئلہ پر اطمینان نہیں ہے۔

(۵) مدینہ منورہ میں آٹھ دن سے زیادہ کا قیام نہیں ہوا کرتا؛ اس لئے مدینۃ المنورہ میں اتمام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ لہٰذا قصر ہی کیا کرے گی، جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے واضح ہو چکا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱؍ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۵۲۶)	۱۴۲۹/۳/۲۰ھ

حالت طواف میں پہلی مرتبہ حیض آیا پھر طواف پورا کرلیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: [۵۰٦۵] اگر کوئی لڑکی عمرہ اور زیارت مدینہ کے لئے گئی اور دوران طواف اس نے پہلی مرتبہ حیض کے خون کو دیکھا اسی حالت میں اس نے پورا طواف اور سعی کی، ناواقفیت کی وجہ سے، کیا اس پر کچھ لازم ہے یا نہیں؟

جواب: اس لڑکی کو چاہئے تھا کہ عمرہ کا احرام نہ کھولتی؛ بلکہ پاک ہونے کے بعد دوبارہ طواف اور سعی کرتی بہر حال چونکہ اس نے احرام نابالغی کی حالت میں باندھا تھا؛ اس لئے اس پر دم واجب نہیں۔ (حوالہ مناسک لملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ)

اگر بچے نے ممنوعات احرام میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا، تو اس کے ذمہ کچھ نہیں ہے، خواہ یہ ارتکاب بلوغت کے بعد ہو؛ کیوں کہ وہ اس سے پہلے مکلّف نہ تھا۔ (گلدستہ خواتین، ص:۶۱)

حالت حیض میں طواف زیارت کرلیا تو کیا سالم اونٹ ذبح کرنا ضروری ہے؟

سوال: [۵۰۶۶] کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں: ایک عورت طواف زیارت سے پہلے حائضہ ہوگئی، ابھی پاک نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں روانگی کی تاریخ آگئی، طواف کئے بغیر ہی وطن واپس آگئی، اس کے حج کا کیا حکم ہے؟ اس کی شرعاً کوئی تلافی ہوسکتی ہے؟

جواب: یہ صورت کثیر الوقوع ہے، مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی مستورات حج کی ادائے گی سے محروم رہ جاتی ہیں، مصارف اور سفری صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود ان کا حج ادا نہیں ہوتا، طواف زیارت چونکہ فرض ہے، جو حائضہ عورت طواف زیارت کئے بغیر واپس آگئی، اس کا حج ادا نہیں ہوا؛ بلکہ خاوند کے پاس نہ جانے کے بارے میں اس کا احرام بھی باقی ہے۔ اور اس پر لازم ہے کہ اس احرام کے ساتھ واپس مکہ جاکر طواف زیارت کرے۔ ''درمختار'' میں ہے:

وبترک أکثره بقي محرما أبدا في حق النساء حتی یطوف الخ.

(شامیه ۲/ ۲۲٤، مطبوعه رشیدیه)

اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: **فإن رجع إلی أهله فعلیه حتما أن یعود بذلک الإحرام، ولا یجزئ عنه البدل.**

اور حج کی سعی نہیں کی تھی، تو وہ سعی بھی کرے۔ اور ایسی حائضہ عورت سے پاک ہونے کے بعد اس کے خاوند نے مجامعت بھی کی تو ایک بکری بطور کفارہ حدود حرم میں ذبح کرنا واجب ہے۔ اور اگر یہ فعل متعدد بار ہو چکا ہے، تو کفارے بھی متعدد واجب ہوں گے،

الا یہ کہ احرام توڑنے کی نیت سے مجامعت کی ہو۔

وفي اللباب: واعلم أن المحرم إذا نوى رفض الإحرام، فجعل يصنع ما يصنعه الحلال من لبس الثياب، والتطيب، والحلق، والجماع، وقتل الصيد؛ فإنه لا يخرج بذلك من الإحرام، وعليه أن يعود كما كان محرما، ويجب دم واحد لجميع ما ارتكب، ولو أكل المحظورات، وإنما يتعدد الجزاء بتعدد الجنايات إذا لم ينو الرفض. (شامي، زكريا ۳/ ۵۸۵، کراچی ۲/ ۵۵۳)

ایسی صورت میں مستورات اوران کے وارثوں کے لئے سخت مشکلات ہیں، اس لئے حکومت پرلازم ہے کہ ایسی معذورعورتوں کے لئے سفر مؤخر کرنے کی مناسب ہدایات متعلقہ محکمہ کو جاری کرے۔ اوراگر بالفرض پاک ہونے تک عورت کاٹھہرنا کسی طرح ممکن نہ ہو، تو ایسی حالت ہی میں اگر یہ عورت طواف کرے گی تو اس کے طواف کا فریضہ ادا ہوجائے گا اور اس کے اوپرایک بدنہ واجب ہوجائے گا۔ جزئیہ ملاحظہ ہو: (کراچی۲/۵۱۹، زکریا۳/ ۵۳۹)

طوافِ زیارت سے قبل ہمبستری کی صورت میں بدنہ واجب ہے

سوال [۵۰٦۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شوہر اور بیوی دونوں نے ابھی طواف زیارت نہیں کیا اور ہمبستری کرلی، تو ایسی صورت میں ہرایک پربطور جرمانہ ایک ایک بدنہ (اونٹ یا گائے) حدودحرم میں قربان کرنا لازم ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۱۸او ۳۵۵، آپ کے مسائل اوران کاحل ۴/ ۱۴٦، احسن الفتاوی ۴/ ۵۵۸، بدائع بیروت جدید ۳/ ۲۸۳، بدائع قدیم ۲/ ۲۱۷، ہدایہ ا/ ۲۵۱، ۲۵۲)

لیکن کتاب مسائل مستورات/ ۹۹ رجس کی زیروکس کاپی منسلک ہے، اس مسئلہ میں شامی کے حوالہ سے بجائے بدنہ کے دم بکری تحریر کیا ہے، از راہ کرم صحیح صورت حال سے روشناس فرمائیں۔

المستفتی: میر سعادت علی، حال مقیم نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسائل مستورات کی عبارت مذکورہ مسئلہ سے متعلق واضح نہیں ہے۔ مصنف اگر زندہ ہیں تو انہیں سے رجوع فرمالیجئے؛ اس لئے کہ یہ مسئلہ تمام کتب فقہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ طواف زیارت سے پہلے بیوی سے ہمبستری کرنے کی وجہ سے بدنہ واجب ہوجاتا ہے؛ لہٰذا ''انوار مناسک''، ''آپ کے مسائل اوران کا حل'' اور ''احسن الفتاوی'' وغیرہ میں جو مسئلہ ہے وہی صحیح اور درست ہے۔ اور یہ بات یادرکھیں کہ رفض احرام کا مسئلہ بالکل الگ حکم رکھتا ہے، جس کی طرف ان کتابوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وإن جامع بعد الوقوف بعرفة لم يفسد حجه عندنا، وعليه بدنة، وأما وجوب البدنة فالمروي عن ابن عباس رضی الله عنهما. (المسالك في المناسك بيروت ٢/ ٧٦٣)

وقول موجب البدنة أوجه؛ لأن إيجابها ليس إلا بقول ابن عباس رضي الله عنهما والمروي عنه ظاهر فيما بعد الحلق، فارجع إليه وتأمله. (فتح القدير، كوئٹه ٢/ ٤٥٨، زكريا ٣/ ٤٣) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۵/۲۲ھ

۷/ باب مسائل منیٰ ومزدلفہ وعرفات

رمیٔ جمار کی حقیقت

سوال [۵۰۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی محبوب چیز اللہ کے راستہ میں قربان کیجئے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوب بیٹے حضرت اسماعیل کو قربان کرنے کے لئے جانے لگے، تو اللہ نے اس کے بدلے میں دنبہ بھیجا، تمام علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ پھر آپ کو شیطان نے بہکایا اور شیطان نے کہا کوئی باپ اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سات کنکریاں ماریں اور تبھی سے یہ سنت جاری ہوگئی؛ لیکن زید کہتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے متعلق نہیں، یہ واقعہ اصحاب فیل یعنی ابرہہ کا جو لشکر بیت اللہ کو ڈھانے کے لئے آیا تھا تو اللہ نے ابابیل کو حکم دیا تھا اور انہوں نے فوج پر کنکریاں ماریں، تو اسی سنت کو لوگ ہمیشہ مناتے ہیں: لہٰذا حضرت سے مؤدبانہ التماس ہے کہ صحیح واقعہ کیا ہے؟ آیا کنکریاں مارنا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے یا ابرہہ کی فوج پر ابابیل کے کنکری مارنے کی یادگار ہے؟ صحیح کیا ہے؟

المستفتی: محمد یٰسین قصبہ اُنہل ضلع اجین، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمیٔ جمار کا تعلق حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے واقعہ سے ہے، اصحاب فیل کے واقعہ سے نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی واضح رہے کہ اصحاب فیل منیٰ کی حدود میں داخل ہی نہ ہوسکے تھے؛ بلکہ اس سے پہلے ہی منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان وادیٔ محسر میں تباہ کردئے گئے تھے۔ اور کنکریاں مارنے کی سنت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوئی ہے۔ تفسیر کی کتابوں میں اس کی صراحت ہے کہ جب شیطان نے

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو راستے میں بہکانا چاہا،تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے جمرۂ اولیٰ کے پاس پھر جمرۂ ثانیہ کے پاس، پھر جمرۂ ثالثہ کے پاس سات سات کنکریاں ماریں، آج تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنکریاں مارنے کی سنت عبادت کے طور پر جاری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گی۔

والمشهور أن أصل السنية رمي الشيطان هناك ففي خبر عن قتادة أن الشيطان أراد أن يصيب حاجته من إبراهيم وابنه يوم أمر بذبحه، فتمثل بصديق له، فأراد أن يصده عن ذلك فلم يتمكن، فتعرض لابنه، فلم يتمكن فأتى الجمرة فانتفخ حتى سد الوادي ومع إبراهيم ملك، فقال له: ارم يا إبراهيم، فرمي بسبع حصيات يكبر في أثر كل حصاة، فأفرج له عن الطريق، ثم انطلق حتى أتى الجمرة الثانية، فسد الوادي أيضا، فقال الملك: ارم يا إبراهيم فرمي كما في الأولىٰ، وهكذا في الثالثة. (روح المعاني، سورة الصافات، قديم: ۲۳/ ۱۳۲، جديد زكريا ۱۳/ ۱۹۳، ومثله في القرطبي ۸/ ۹٦-۹٥، تفسير الآيات/ ۱۰۲، ۱۱۳، تفسير معارف القرآن أشرفيه ديوبند ۸/ ٤٦۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۵/ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۶۵۸۸)	۱۴۲۱/۴/۱۵ھ

شوہر کا بیوی کی طرف سے رمی کرنا

سوال [۵۰۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیوی کی جانب سے ۱۲/تاریخ کی رمی میں بلاعذر مرد نے کنکری ماردی،عورت نے نہیں ماری، بیوی نے ایک دن کی خود ماری، اور دو دن نہیں ماری، ہندوستان آنے کے بعد

معلوم ہوا یہ دونوں واجب فوت ہوئے ہیں، اب حاجی کیا کرے، حج درست ہوا یا نہیں؟

المستفتی: محمد انعام اللہ امام جامع مسجد کاس گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علماء نے مجبوری کے موقع پر مسئلۂ ترتیب میں صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے ترتیب کی گنجائش بتلائی تھی، مگر نیابت کی بات نہیں اور تندرست عورت کی طرف سے نیابت جائز نہیں ہے؛ اس لئے دو دن کی رمی عورت سے بلا عذر ترک ہوگئی؛ لہٰذا عورت پر دم دینا لازم ہوگا، جانے والے حاجی کے ہاتھ بھیج دیا جائے؛ کیوں کہ یہ دم صرف حدود حرم میں دے سکتے ہیں۔

أن یرمي بنفسه، فلا تجوز النیابة فیه عند القدرة الخ. (غنیة الناسك قدیم: ۱۰۰، جدید کراچی ۱۸۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

مزدلفہ میں کتنی کنکریاں لیں؟

سوال [۵۰۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مزدلفہ سے جو کنکریاں رمیٔ جمرات کے لئے لی جاتی ہیں، تو وہ تمام جمرات کی رمی کے لئے یعنی ستر ایک ساتھ لی جاتی ہیں، یا صرف پہلے دن رمیٔ جمرۂ عقبہ کے لئے سات لی جاتی ہیں، بقیہ منیٰ سے ہی لیتے ہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ میں ہر طرح کی گنجائش ہے، مزدلفہ سے ستر کنکریاں لے لینا بھی بلا تردد جائز ہے اور ایسا کرنا بھی جائز ہے کہ مزدلفہ سے صرف سات

کنکریاں پہلے دن جمرۂ عقبہ کے لئے لے لے، اس کے بعد باقی کنکریاں، قیام کے دوران منی ہی سے لے لے؛ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ جمرات کے آس پاس سے کنکریاں لینا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ آس پاس میں وہ کنکریاں ہوتی ہیں، جن کے ذریعہ سے رمی کی جا چکی ہے؛ لہٰذا ایسی کنکریوں سے دوبارہ رمی کرنا مکروہ ہے۔ (مستفاد: حج وعمرہ کا آسان طریقہ ۶۸، حج وعمرہ تالیف مولانا رشید ابراہیم خان پوری ص:۱۸۲)

ويستحب أخذ الجمار من المزدلفة، أو من الطريق، ويكره من الذي عند الجمرة. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي قديم: ٤٠٠، جديد دار الكتاب ديوبند ٧٣٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/۴/۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۳۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲/۴/۱۴۲۵ھ

حج میں بسبب مرض رمئ جمار چھوڑنے کا حکم

سوال [۵۰۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے حج کیا اور اس نے حج کے سب ارکان پورے پورے ادا کئے؛ لیکن رمئ جمار کی ادائے گی پہلے روز تو ادا کرلی لیکن بسبب بیماری دوسرے اور تیسرے ایام میں رمئ جمار نہیں کر پایا اور ان کی خدمت میں ان کی اہلیہ بھی رہیں؛ اس لئے وہ بھی مذکورہ ایام میں رمئ جمار نہیں کر پائیں، تو کیا ان پر دم لازم ہوگا؟ اگر دم لازم آئے گا تو اس کی مقدار کیا ہوگی اور اس کی رقم مدرسہ میں خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دونوں پر دو بکرے قربان کرنا واجب ہوگا اور یہ

حدود حرم کے اندر ہی کرنا ہوگا، یہاں سے جانے والے کے ساتھ بھی یہ کام ہوسکتا ہے۔
(مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم: ۵/۲۳۲، جدید زکریا ۸/۱۰۰)

أو الـرمي كله أو في يوم واحد، وتحته في الشامي: إنما وجب بتركه كـله دم واحد؛ لأن الجنس متحد. (شـامي، كتاب الحج، باب الجنايات زكريا ٣/ ٥٨٦، كراچی مع الدر ٢/ ٥٥٤، مصري ٢/ ٢٨٤)

ومـنه ما يختص بالمكان دون الزمان، وهو دم الجنايات. (حاشية شرح النقاية، إعزازيه ديوبند ١/ ٢١٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/۱۹۴۴)

کیا صحت مند کے لئے رمی میں نیابت جائز ہے؟

سوال [۵۰۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طواف اور سعی کی ہمت رکھنے والا شخص اگر بھیڑ کی گھبراہٹ کی وجہ سے کسی سے رمیٔ جمرات کرالے تو کوئی مضائقہ تو نہیں؟ اور دم تو واجب نہیں ہوجاتا؟

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد، احمد گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو طواف وسعی کی ہمت رکھتا ہے اس کے لئے رمی میں نیابت جائز نہیں ہے، نیابت صرف سخت ترین معذور کے لئے جائز ہے۔

لا يـجـوز الـنيـابة فيه عند القدرة. الخ (غـنية الـناسك، قديم ١٠٠، جديد كراچی ١٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍شعبان ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۳۲۲)

رمی، قربانی، حلق میں ترتیب کا وجوب

سوال [۵۰۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: "ایضاح المناسک" وغیرہ میں رمی، قربانی، حلق میں ترتیب غالبًا واجب لکھی ہے، مگر حکومت سعودیہ نے سرکاری طور پر قربانی کا انتظام کیا ہے، کیا یہ شکل معتبر ہے؟ اور دئے گئے وقت پر حلق کرالیا جائے تو کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یونس احمد گڑھ پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: سعودی حکومت کا اعلان حنبلی مسلک کے مطابق ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہے، احناف کے نزدیک چونکہ رمی، قربانی، حلق میں ترتیب واجب ہے؛ اس لئے ان کو اس سلسلہ میں احتیاط کرنی چاہئے اور خود ہی قربانی کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور مجبوری کی صورت میں معتبر حنفی شخص یا حنفی ادارہ کو اپنی قربانی کا وکیل بنانا چاہئے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۵۹۳)

واعلم أن ما يفعل في أيام النحر أربعة أشياء: الرمي، والنحر، والحلق، والطواف، وهذا الترتيب واجب عند أبي حنيفة ومالك وأحمد.

(البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات، كوئٹه ۳/ ۲٤، زكريا ۳/ ٤۲)

واعلم أنه يفعل في يوم النحر أربعة أشياء: الرمي، والنحر، والحلق، والطواف، وهذا الترتيب واجب أم لا؟ اختلف العلماء فيه، فقال أبو حنيفة، والشافعي رحمهما الله في وجه ومالك وأحمد رحمهما الله واجب. (البناية شرح الهداية، أشرفيه ديوبند ٤/ ٣٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۱۶۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۱/۲۸ھ

مزدلفہ میں داخل ہونے سے قبل راستہ میں مزدلفہ سمجھ کر سورج طلوع ہونے تک بیٹھ جائے تو کیا حکم؟

سوال [۵۰۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ لوگ مزدلفہ کے دائرے میں دخول سے پہلے مزدلفہ سمجھ کر بیٹھ گئے اور پھر خوب بھیڑ ہوگئی، سورج طلوع کے قریب ہوا، تو وہاں سے چلے اور طلوع کے بعد مزدلفہ میں داخل ہوئے، ظاہر ہے کہ ان کو وقوفِ مزدلفہ نہیں ملا تو ایسی صورت میں ان پر دم واجب ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چونکہ مذکورہ صورت میں وقوف مزدلفہ ان کی غفلت کی بناء پر فوت ہوا ہے؛ لہٰذا ان پر ترک واجب کا دم لازم ہوگا؛ کیوں کہ انسانوں کا اتنا بڑا مجمع ہوتا ہے اگر یہ لوگ چاہتے تو کسی سے معلوم کر لیتے۔ (مستفاد: انوار مناسک ۴۳۸، کتاب المسائل ۳/ ۳۱۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/ ۳۶۵)

وأما حكم فواته عن وقته أنه إن كان لعذر فلا شيء عليه، وإن كان فواته لغير عذر فعليه دم؛ لأنه ترك الواجب من غير عذر، وإنه يوجب الكفارة. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، زكريا، ۲/ ۳۲۲)

قال الحنفية: إن فات الوقوف فإن كان لعذر فلا شيء عليه، وإن كان فواته لغير عذر، فعليه دم؛ لأنه ترك الواجب من غير عذر. (الفقه الإسلامي وأدلته، أحكام الحج والعمرة، ۳/ ۲۳۲)

ومن ترك الوقوف بمزدلفة فعليه دم؛ لأنه من الواجبات يعني إذا كان قادرا. (الجوهرة النيرة، باب الجنايات في الحج ۱/ ۲۵۰)

مرادهم بالعذر ما يكون من الله تعالىٰ، فلو كان من العباد فليس

بعذر، وكذا لو منعه العدو من الوقوف بمزدلفة مثلا فعليه دم. (غنية الناسك كراچی جدید ۲۳۹، قدیم: ۱۲۸)

ويستوي في وجوب الجزاء الرجل والمرأة، ولا فرق فيه بينهما إذا ارتكب المحظور ذاكرا أو ناسيا، عالما أو جاهلا، طائعا أو مكرها. (غنية الناسك قديم ۱۲۹، كراچی جديد: ۲۴۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۶)

نائب کے رمیٔ جمار نہ کر پانے کا حکم

سوال [۵۰۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احکام حج میں رمیٔ جمار کے لئے نائب پہلے دن بنایا؛ کیوں کہ میں ضعیف ہوں اور نائب نے رمیٔ جمار کی، اسی طرح اسی آدمی کو دوسرے دن رمیٔ جمار کے لئے نائب بنایا، اس نے رمیٔ جمار میری طرف سے نہیں کی اور مجھ سے بتلاتا ہے کہ میں نے رمیٔ جمار کی تھی، لیکن بعد میں تحقیق کرنے پر بتلایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ میں بھیڑ کی وجہ سے آپ کی طرف سے رمیٔ جمار نہیں کر پایا اور تیسرے دن کسی طرح میں نے رمیٔ جمار کی تھی، تو دوسرے دن جو نائب نے رمیٔ جمار نہیں کی (چھوٹ گئی) تو اس کا کیا کرنا پڑے گا؟ اگر صدقہ کرنا ہے، تو ہندوستان کی رقم سے یا سعودیہ کے ریال کے حساب سے، اس کی بھی وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: محمد عباس پورنیہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دوسرے دن کی رمی جو تینوں جمرات سے متعلق ہے، اس کے ترک ہوجانے کی وجہ سے ایک دم (بکرا یا بھیڑ یا دنبے کی قربانی) حدود حرم میں دینا لازم

ہوگیا،کسی کے واسطے سے حدودحرم میں قربانی کرادے،اس میں جوبھی رقم لگ جائے گی دینی ہوگی۔

وإن لم يقض حتى غربت الشمس منه فات وقت القضاء والأداء، وعليه دم واحد اتفاقا. (غنية الناسك، رمي الجمار، قبيل فصل في صفة رمي الجمار، جديد كراچی ۱۸۲، قديم: ۹۷)

ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم. (هندية، زكريا قديم ۱/ ۲٦۱، جديد زكريا ۱/ ۳۲٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۲٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۵/۴/۱۴۱۸ھ

تیسرے دن کی رمی چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۰۷٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر حج بیت اللہ میں تیسرے روز کی رمی چھوٹ جائے تو کیا حاجی پر دم واجب ہوتا ہے؟ اگر واجب ہوتا ہے اور وہاں پر دم ادا نہ کرسکے تو کیا گھر پر آکر یہ دم ادا کرسکتا ہے؟ بصورت دیگر کیا کرنا چاہئے تحریر فرمائیں؟

المستفتی: مولوی عبدالباسط، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر تیسرے روز کی رمی نہیں کرسکا تو حاجی پر دم واجب ہوگا، اور دم کے لئے حدودِ حرم کا ہونا شرط ہے؛ اس لئے گھر پر دم ادا کرنا درست نہیں۔
(مستفاد: فتاوی رحیمیہ قدیم ۵/۲۳۲، جدید زکریا ۸/۱۰۰، ایضاح المناسک/ ۱۵۵)

وإن ترك رمي يوم فعليه دم. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات، زكريا ۳/ ٤۱، كوئٹه ۳/ ۲۳، شامي، زكريا ۳/ ٥٤۲، كراچی ۲/ ٥۲۱)

(ذبح في الحرم) فلو ذبح في غيره لم يجز. (شامي، باب الجنايات،

زکریا ۳/ ۵۹۱، کراچی ۲/ ۵۵۸، هندية، قديم زكريا ۱/ ۲٦۱، جديد ۱/ ۳۲٦، تاتارخانية، قديم ۲/ ۵۷۰، جديد زكريا ۳/ ٦۷۵، رقم: ۵۳۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۳)

رمی کے لئے وکیل بنانا

سوال [۵۰۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو اگر کوئی ساتھیوں کے بچھڑ جانے کی وجہ سے رمی نہ کر سکے؛ بلکہ اپنا وکیل بھیج دے اور وہ رمی کر لے تو آیا یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں؟ ساتھیوں کا بچھڑ جانا یہ اعذار شرعیہ میں سے ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرؤف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رمی میں عذر شرعاً معتبر ہے، اس سے دم واجب نہیں ہوتا۔

إن تركه بلا عذر لزمه دم، وإن بعذر فلا شيء عليه مطلقا. (شامي، كتاب الحج، باب الجنايات، کوئٹہ ۲/ ۲۱۷، کراچی ۲/ ۵۵۳، زكريا ۳/ ۵۸۵، بدائع الصنائع، قديم ۲/ ۱۳٤، جديد زكريا ۲/ ۳۱۹، البحرالرائق، کوئٹہ ۳/ ۲۳، جديد زكريا ۳/ ٤۰)

لیکن ساتھیوں کا بچھڑ جانا باب حج میں اتنا شدید عذر نہیں ہے، جس سے وکالت جائز ہو جائے؛ بلکہ عذر شدید کی مثال اہل فتاوی نے ایسے مرض شدید سے دی ہے کہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو، یا جمرات تک نہ جا سکتا ہو۔ (معلم الحجاج بحوالہ فتاوی رحیمیہ قدیم ۵/ ۲۳۵، جدید زکریا ۸/ ۸۵، قرۃ العینین فی زیارۃ الحرمین ۱/ ۱۶۴، احسن الفتاوی ۴/ ۵۲۴)

اس لئے یہ باب حج میں اعذار شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/۵۲۶)

گیارھویں وبارھویں کی رمی زوال سے قبل کرنا

سوال [۵۰۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مسئلہ: گیارھویں اور بارھویں ذی الحجہ کو رمیٔ جمرات کا وقت زوال کے وقت سے شروع ہوتا ہے، اس سے پہلے رمی جائز نہیں۔ (بحوالہ معلم الحجاج ۱۸۲، مسائل ومعلومات حج وعمرہ ۸۳، ایضاح المناسک ۱۵۳، انوار مناسک ۴۷۹-۴۸۰)

تقریباً چھ سات سال سے مسلسل سعودی حکومت ایک فتویٰ بڑے بڑے اشتہارات کے ذریعہ جابجا آویزاں کر رہی ہے، جس میں رمی کا وقت ۱۰؍ذی الحجہ کی طرح باقی دنوں میں یعنی ۱۱؍۱۲؍اور ۱۳؍ذی الحجہ کو بھی صبح صادق سے شروع ہونا لکھا ہے، جس کی وجہ سے ایک بڑی تعداد حنفی مسلک کے لوگوں کی بھی قبل از زوال رمی کر رہی ہے اور خاص طور پر ۱۲؍ذی الحجہ کو بھی بعض ٹراویل ایجنٹ اور معلم حضرات بھی انتظامیہ کے دئے ہوئے وقت اور قبل از زوال جواز کا فتویٰ بتلا کر لوگوں کو ترغیب دلا کر رمی کراتے ہوئے مکہ مکرمہ منتقل کر رہے ہیں، ایسی صورت میں ان لوگوں کی رمی درست ہوگی یا نہیں؟ اگر زوال سے قبل رمی کر لی ہے، تو کیا ان پر دم واجب ہے جیسا کہ حنفیہ کا اسی پر فتویٰ ہے۔

لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ ایک بڑا طبقہ ۱۲؍ذی الحجہ کو حکومت کے دئے ہوئے فتوی پر عمل پیرا ہے اور یہ ابتلا عام ہے، کیا اس سلسلے میں قبل از زوال رمی کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ ذیل کی روایات سے ظاہر ہے۔

(۱) ۱۱/اور ۱۲/ذی الحجہ کو بعض احباب ہجوم کے خوف سے وقت (زوال) سے پہلے رمی کر لیتے ہیں، جمہور کے قول پر ایسا کرنا صحیح نہیں ہے، اس سے رمی ادا نہیں ہوتی، اس پر لازم ہے کہ وقت کے بعد دوبارہ رمی کرے، ورنہ اس پر دم لازم آئے گا، اسی قول پر احناف نے فتویٰ دیا ہے، گوکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مناسک میں حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ سے دوسرے اور تیسرے دن زوال سے قبل رمی کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔ اور زوال کے بعد کی رمی کو افضلیت پر محمول کیا ہے۔ صاحب بدائع الصنائع نے بھی اسی طرح کا قول نقل کیا ہے۔ اور استدلال یہ کیا ہے کہ جب پہلے دن زوال سے قبل رمی درست ہے تو دوسرے اور تیسرے دن بھی رمی درست ہوگی؛ کیوں کہ تمام ایام نحر ایامِ رمی ہیں۔ (بحوالہ بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷، انوار حج وزیارت ۹۵)

(۲) بارھویں ذی الحجہ کو لاکھوں آدمی زوال کے بعد کنکریاں مار کر مکہ شریف واپس لوٹنا چاہتے ہیں؛ اس لئے اس وقت وہاں بے پناہ ہجوم ہو جاتا ہے، عورتوں اور ناتوانوں کے لئے کوئی ٹھکانا ہی نہیں رہتا، اچھے توانا اور تندرست لوگ بھی اپنی حفاظت نہیں کر سکتے؛ اس لئے ایسی خطرناک بھیڑ کی وجہ سے اگر عورتوں اور کمزوروں کی جانیں اور عزت وآبرو خطرہ میں ہو تو ایک روایت کے مطابق عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور کمزوروں کو زوال سے پہلے بھی رمی کرا سکتے ہیں، اس کی مزید تفصیل رسالہ ”رمی قبل از زوال“ میں دیکھ لی جائے۔ علماء اس روایت پر اس لئے فتوی نہیں دیتے کہ وہ اسے ضعیف شمار کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اس فتویٰ کے بعد تندرست اور توانا آدمی بھی اس رخصت سے بے جا فائدہ حاصل کریں گے۔ (رہنمائے زائرین حرم، ص:۹۱-۹۲)

ان مندرجہ بالا روایتوں کے تناظر میں صحیح جواب سے سرفراز فرمائیں کہ جو لوگ قبل از زوال سعودی حکومت کے دئے گئے فتوی کے مطابق رمی کررہے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا ان پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

(۱) انوار حج وزیارت، مولف مفتی صادق محی الدین صاحب مفتی جامعہ نظامیہ حیدرآباد
(۲) رہنمائے زائرین حرم، مرتب عبدالستار

المستفتی: میر سعادت علی حیدرآبادی، حال مقیم نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنجناب نے مفصل تشریح کے ساتھ سوال نامہ ارسال فرمایا ہے، اس سوال نامہ کو بار بار پڑھا گیا ہے مراجع کو بھی دیکھ لیا گیا ہے، گیارھویں اور بارھویں تاریخ کو زوال سے پہلے رمی کے جواز کے قائلین کے پاس صرف امام ابوحنیفہ کا ایک قول ضعیف ہے، اس کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کا قول مشہور اور جمہور علماء کا قول ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کے عدم جواز کا ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور اجلۂ صحابہ سے ان ایام میں زوال سے پہلے رمی کا ثبوت نہیں ہے۔ اور اس زمانہ میں رمی کرنے کے لئے جمرات کو پانچ منزل بنادیا گیا ہے۔ اور زوال کے بعد سے لے کر صبح صادق تک کے درمیان کسی بھی وقت رمی کی جاسکتی ہے، جس میں تقریباً ۱۷-۱۸ر گھنٹہ کا وقت ہوتا ہے۔ اور آج کل پانچ منزل بن جانے کے بعد بھیڑ اور دشواریاں ختم ہوچکی ہیں، تو ایسے حالات میں ایک قول ضعیف کو لے کر وقت سے پہلے رمی کی گنجائش کہنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اور جو اشتہار معلمین کی طرف سے بانٹا جاتا ہے، وہ مؤسسہ کی طرف سے ہوتا ہے، حکومت سعودیہ کی طرف سے نہیں ہوتا ہے، اس سلسلہ میں تحقیق کی جاچکی ہے؛ اس لئے ہم گیارھویں اور بارھویں کی رمی کو زوال سے پہلے ناجائز سمجھتے ہیں، اگر رمی کا اعادہ نہ کیا جائے تو وجوب دم کو لازم سمجھتے ہیں۔ اور احقر نے ''انوار مناسک'' ص: ۴۸۷-۴۹۲ر تک کے درمیان دس عبارتوں کے ذریعہ سے اسی کو واضح کیا ہے، ضرور آنجناب کی نگاہ سے گذرا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۱/۱۴۳۱ھ

دس ذی الحجہ کو رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب فوت ہونے کا حکم

سوال [۵۰۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دوران حج متمتع اور قارن کے لئے احناف کے مفتی بہ قول کے مطابق دسویں ذی الحجہ کو رمیٔ جمرات پھر قربانی، پھر حلق میں ترتیب واجب ہے اور واجب کے ترک پر دم لازم آتا ہے؛ لیکن عمومی اعتبار سے رمیٔ جمرات اور حلق کے درمیان قربانی کرانے میں بے حد دشواری پیش آتی ہے، قربان گاہ کی دوری، حاجی حضرات کا تکان سے دو چار ہو جانا، خود مذبح تک نہ جا سکنا، اور جن کو وکیل بناتا ہے وہ ترتیب کی رعایت اپنی دشواریوں کی وجہ سے نہیں کر پاتے، مجمع کے ازدحام سے چلنا پھرنا دوبھر اور ایسے وقت میں جوّال کا شبکہ (موبائل کا نیٹ ورک) بھی عموماً فیل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے رمیٔ جمرات کے بعد حاجی اپنے وکیل ونائب سے رابطہ بھی نہیں کر پاتا، احرام کی درازی کی وجہ سے کافی دقت بھی پیش آجاتی ہے، تو کیا ایسے حالات میں صاحبین کے قول پر عمل کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ رمیٔ جمرات اور حلق کے درمیان قربانی کی ترتیب ساقط ہو جائے اور حاجی دم کے وجوب سے نجات پا جائے، امید کہ تسلی بخش مفصل اور عام فہم جواب سے نوازیں گے۔

المستفتی: ابوزید عبدالعزیز پوکرن، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کے زمانہ میں ہر طرح کی سہولیات رابطہ کرنے کے لئے موجود ہیں، حاجی حضرات ہر قافلہ میں سے دو چار نوجوانوں کو اس ذمہ داری کا مکلّف بنائیں اور کمزور لوگ اپنے خیموں میں قیام کریں اور یہ نوجوان قربان گاہ جا کر سب کی طرف سے جانور خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ اور احرام کی طوالت شرعاً عذر نہیں ہے اور جب سے جوال کا سلسلہ شروع ہوا ہے بڑی سہولت ہوگئی ہے اور اس کا تجربہ بھی ہو گیا ہے؛ اس لئے صاحبین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ امام صاحب کے قول پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ اور مکۃ

المکرّمہ میں بھی شارع ابراہیم خلیل سے آگے چل کر کعکیہ میں جانوروں کی بڑی منڈی ہے اور وہاں جانوروں کی قربانی کی جگہ بھی ہے، دسویں ذی الحجہ کو رمی کے بعد ایسے نوجوانوں کو طواف کے بعد آرام سے وہاں بھیج کر قربانی کرائی جا سکتی ہے، تاہم اگر پوری کوشش کے باوجود ترتیب برقرار نہ رہ سکے، تو صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے دم واجب نہ ہوگا۔

أو قدم نسكا على آخر، فيجب في يوم النحر أربعة أشياء: الرمي، ثم الذبح لغير المفرد، ثم الحلق، ثم الطواف ...... ويجب دمان على قارن حلق قبل ذبحه دم للتاخير، ودم للقران على المذهب كما حرره المصنف (في الشامية: والحاصل أن الطواف لا يجب ترتيبه على شيء من الثلاثة، وإنما يجب ترتيب الثلاثة: الرمي، ثم الحلق، كما حرره المصنف، أي تبعا لشيخه في البحر. (شامي، كتاب الحج، باب الجنايات، کراچی ۲/ ۵۵۵، زکریا ۳/ ۵۸۸، ونحوه ذلك في البحرالرائق، کوئٹہ ۳/ ۲٤، زکریا ۳/ ٤۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۹۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۱۹ھ

رمی میں نیابت سے دم واجب نہیں ہوتا

سوال [۵۰۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

وتجوز الإنابة في الرمي لمن عجز عن الرمي بنفسه لمرض أو حبس، أو كبر سن، أو حمل المرأة، فيصح للمريض بعلة لا يرجي زوالها قبل انتهاء وقت الرمي، وللمحبوس وكبير السن والحامل، أن يوكل عنه من يرمي عنه الجمرات كلها، ويجوز التوكل عن عدة

أشخصاص على أن يرمي الوكيل عن نفسه أولا كل جمرة من الجمرات الثلاث. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدى انٹرنیشنل دیوبند ۳/ ۲۳۶)

سوال: زید نے رمیٔ جمرات ثلاثہ ۱۲؍تاریخ کوعورتوں کی طرف سے وکالۃً کی؛ کیوں کہ قافلہ چل رہا تھا، عورتوں کو رمی کرنا بہت دشوار تھا، یہ رمی صحیح ہوئی بحالت عدم صحت دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: رمیٔ جمار واجب ہے۔اور ترک واجب اگر بہ سبب کسی عذر کے ہو تو اس میں کچھ نہیں آتا۔

كما في ردالمحتار: وكذا كل واجب إذا تركه بعذر لا شيء عليه، كما في البحر، شامي، وهكذا في المناسك وغيره.

پس اس صورت میں بہ سبب عذر ازدحام کے جن عورتوں کی رمی ترک ہوئی ان پر اس کی وجہ سے دم واجب نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم مدلل ومکمل جلد ششم ،ص:۵۵۳-۵۵۴)

لكن لو تركه بعذر كزحمة بمزدلفة لا شيء عليه. (الدرالمختار ۲/ ۵۱۲)

وقد صرحوا بأنه لو أفاض من عرفات لخوف الزحام، وجاوز حدودها قبل الغروب لزمه دم ما لم يعد قبله، وكذا لو ندّ بعيره فتبعه كما صرح به في الفتح، وقد يجاب بأن خوف الزحام لنحو عجز، ومرض إنما جعلوه عذرا، هنا لحديث، "أنه صلى الله عليه وسلم قدم ضعفة أهله بليل" ولم يجعل عذرا في عرفات لما فيه من إظهار مخالفة المشركين، فإنهم كانوا يدفعون قبل الغروب، فليتأمل.

(وقوله: لا شيء عليه) وكذا كل واجب إذا تركه بعذر لا شيء عليه كما في البحر. (ردالمحتار ۲/ ۵۱۱-۵۱۲، مطلب في الوقوف بمزدلفة)

(۱) اب سوال یہ ہے کہ آج کل جمرات پر دن یا رات کے کسی بھی وقت میں حتی کہ رات بارہ بجے ایک بجے بھی اتنا ہجوم اور ازدحام ہوتا ہے کہ کمزور ضعیف اور بوڑھی عورتوں

کے لئے تو بسا اوقات جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور یہ بالکل مشاہدہ کی بات ہے، جس طرح بذات خود رمی کرنا واجب ہے، اسی طرح یوم النحر کے افعال میں ترتیب بھی واجب ہے۔ اور ترتیب قائم رکھنے میں جان کا خطرہ تو نہیں؛ لہٰذا ترتیب قائم رکھنے کی مشقت وتکلیف بذات خود رمی کرنے کی بہ نسبت اخف اور کمتر ہے۔ اور مذکورہ بالا لوگوں کو بذات خود رمی کرنے کی مشقت وتکلیف اس سے بدرجہا سخت ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی زیر نگرانی محمود ہال دیوبند میں منعقد ہونے والے چھٹے فقہی اجتماع، نیز اسلامک فقہ اکیڈمی کے تحت ہونے والے فقہی سمینار میں آج کل کے حالات میں ازدحام یا دیگر پریشان کن اعذار کی بناء پر یوم النحر کے افعال میں ترتیب قائم رکھ نہ سکنے کی صورت میں تیسیر أعلی الناس دم واجب نہ ہونے کا فتوی دیا گیا ہے، تو کیا خوف ازدحام اور دیگر پریشان کن اعذار کی بناء پر ضعیف، مریض، کبیر السن عورتوں اور مردوں کے لئے نیابت فی الرمی یعنی دوسرے کسی شخص کے ذریعہ رمی کرانا بغیر وجوب دم کے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ترکِ وقوفِ مزدلفہ میں عجز ومرض وغیرہ کی بنا پر خوف ازدحام کو عذر قرار دیا جانا مذکورہ بالا حدیث: ’’**أنـه صـلـى الله عـلـيـه وسلم قدم ضـعـفـة أهله بليل**‘‘ کی بنا پر منصوص ہے؛ لہٰذا اس پر قیاس کر کے خوفِ ازدحام کو نیابت فی الرمی یا ترک رمی کے بارے میں عذر قرار دے کر درج بالا لوگوں کے لئے نیابت فی الرمی یا ترک رمی جائز نہ ہوگا۔ امید کہ ان دونوں سوالوں کے مدلل تشفی بخش جواب سے نوازکر ممنون فرمائیں گے۔ والأجر عند اللہ۔

المستفتی: از عبد اللہ ڈیوز بری، انگلینڈ-یو-کے

۸/ جنوری ۲۰۰۴ء ۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ بروز جمعرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ضعیف، کمزور، کبیر السن جو چلنے پھرنے میں دوسروں کی خدمت کے محتاج ہیں، تو ایسے مردوں اور عورتوں کی جانب سے رمی میں نیابت

جائز اور درست ہے۔ اور اس نیابت کی وجہ سے کوئی دم واجب نہیں ہوگا۔ اور ایسے جوان مریض کی طرف سے بھی نیابت جائز ہے جو کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتا ہو، کھڑے ہونے اور چلنے میں اس کو چکر آتا ہو۔

وتجوز عند العذر فلو رمي عن مريض بأمره، أو مغمى عليه ولو بغير أمره، أو صبي، أو معتوه، أو مجنون جاز، والأفضل أن توضع الحصاة في أكفهم فيرمونها أو يرمونه بأكفهم، ولو رمى عنهم يجزئهم ذلک، ولا يعاد إن زال العذر في الوقت ولا فدية عليهم، وإن لم يرموا إلا المريض وحد المريض أن يصير بحيث يصلي جالسا؛ لأنه لا يستطيع الرمي راكبا، ولا محمولا. الخ (غنية الناسك، قديم/ ۱۰۰، نسخه جديد كراچی ۱۸۷)

(۲) ترتیب باقی رکھنے اور نہ رکھنے کے مسئلہ کا تعلق نیابت سے نہیں ہے؛ اس لئے کہ نفس ترتیب کے وجوب کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام صاحب اس کو واجب کہتے ہیں اور صاحبین سنت کہتے ہیں، فقہی اجتماع میں علماء نے عذر شدید کی بناء پر امام صاحب کے مفتی بہ قول سے عدول کر کے حضرات صاحبین کے سنت کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش قرار دی ہے، ایسا نہیں ہے کہ متفق علیہ واجب کو ترک کرنے کی گنجائش قرار دی گئی ہو۔ اور نفس رمی حضرت امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک متفقہ طور پر واجب ہے، اس کے ترک کا کوئی قائل نہیں، ہاں البتہ عذر شدید میں مبتلا شخص کی طرف سے نیابت فی الرمی جائز ہوگی، مگر ترک رمی جائز نہ ہوگی۔

والرجل والمرأة في الرمي سواء إلا أن رميها في الليل أفضل، فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر. الخ (غنية الناسك، فصل في شرائط الرمي قديم: ۱۰۰، جديد كراچی ۱۸۸)

ہاں البتہ بعض واجبات مثلاً ایام نحر میں طوافِ زیارت، حلق، قربانی وغیرہ ایسے اعذار سے معاف ہوجاتے ہیں جو منجانب اللہ ہیں۔

وأما ترک الواجبات بعذر فلا شيء فيه، ثم مرادهم بالعذر ما يكون

من الله تعالیٰ، فلو كان من العباد، فليس بعذر. الخ (غنية الناسك، باب الجنايات، قديم: ١٢٨، جديد كراچی ٢٣٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/صفر ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۸۲۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۲/۳ھ

سعی سے قبل طواف کرنا

سوال [۵۰۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب ''آپ حج کیسے کریں''، مطبوعہ ۱۹۹۰ء کے ص: ۸۷/ کے ذیلی نوٹ: نوٹ کے مطابق حاجی حج پر روانہ ہونے سے پہلے کسی نفلی طواف کے بعد سعی کرچکا ہو تو طواف زیارت کے بعد سعی نہیں کرے گا اور طواف میں اضطباع اور رمل بھی نہیں کرے گا، تو کیا ہم ۸/ ذی الحجہ سے قبل کسی تاریخ میں نفلی طواف کرکے سعی کرلیں، تاکہ طواف زیارت کے بعد کی سعی کا متبادل ہو جائے، مگر کیا ایسا نفلی طواف بغیر احرام کے کیا جا سکتا ہے؟ اگر نہیں تو کیا تنعیم جا کر نفلی طواف کی نیت کے ساتھ احرام باندھ کر آئیں؟

المستفتی: عبدالغنی، بیکانیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عرفات کو جانے سے پہلے اگر حج کی سعی کرنی ہے تو دو چیزیں لازم اور شرط کے درجہ میں ہیں: (۱) احرام باندھنا (۲) حالت احرام میں ایک طواف کرنا، ان دونوں شرطوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو عرفات سے پہلے سعی درست نہیں؛ لہٰذا اگر آپ عرفات سے پہلے سعی کرنا چاہتے ہیں، تو آٹھویں ذی الحجہ سے پہلے ان دونوں شرطوں کے ساتھ کر سکتے ہیں، یعنی پہلے احرام باندھ کر طواف کریں اس کے بعد سعی کریں اور حج کا احرام باندھے بغیر جو نفل طواف کیا جاتا ہے اس کے بعد حج کی سعی درست نہیں ہے۔

وإن أراد تقديم السعي لزمه أن يتنفل بطواف بعد إحرامه للحج يضطبع فيه ويرمل، ثم يسعى بعده. (غنية الناسك، باب التمتع، فصل في كيفية أداء التمتع المسنون، كراچی جدید ۲۱٦، قدیم مکتبه خیریه میرٹھ ۱۱۵)

نوٹ: آپ نے سوال نامہ میں یہ لکھا ہے کہ تنعیم جا کر نفل طواف کے لئے احرام باندھ کر آئیں، پھر طواف کے بعد سعی کریں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، مزید اس بات کی وضاحت کی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص حج سے پہلے سعی کرنے کے لئے حج کا احرام حدود حرم سے باہر تنعیم وغیرہ میں جا کر باندھے گا تو جرمانے میں ایک دم دینا لازم ہوگا؛ اسی لئے حج تمتع کرنے والے حجاج کو اس بات کا دھیان رکھنا چاہئے کہ حج کا احرام حدود حرم ہی میں باندھیں۔

فلو أحرم للعمرة داخل الميقات ولو من مكة أو للحج من الحل، ولو من عرفة يكون متمتعا، وعليه دم لترك الميقات. (غنية الناسك، فصل في ماهية التمتع و شرائطه، كراچی جديد ۲۱٤، قديم: ۱۱٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۷/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳٦۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۷/۱۴۲۸ھ

حج کی سعی حج کے مہینوں میں کرنے پر اشکال کی وضاحت

سوال [۵۰۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طواف کے بعد سعی میں تاخیر: سعی کو طواف زیارت، حلق، رمی، قربانی کی طرح ایام نحر کے اندر اندر کرنا واجب نہیں ہے؛ بلکہ ایام نحر گذر جانے کے بعد بھی کرنا جائز ہے؛ لہٰذا اگر کسی عذر یا تھکاوٹ دور کرنے کے لئے آرام کرنا ہے تو جتنے دن چاہے تاخیر کر سکتا ہے، آج نہیں تو کل، پرسوں یا دس پندرہ دن کے بعد بھی سعی کرنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ طواف وسعی کے درمیان حج کا کوئی دوسرا رکن ادا نہ کیا جائے، اگر کوئی دوسرا رکن ادا کرے گا تو

سعی سے قبل ایک طواف کرنا واجب ہوگا، مثلاً طواف قدوم کے بعد سعی کرنی چاہئے تھی؛ لیکن طواف قدوم کے بعد وقوف عرفہ کرلیا، اب اس کے بعد سعی کرنا چاہے، تو جائز نہ ہوگا۔ اور اس تاخیر کی وجہ سے کوئی جرمانہ بھی لازم نہ ہوگا۔ (ایضاح المناسک، ص: ۱۳۳، غنیۃ ص: ۶۸، انوار مناسک، ص: ۴۰۴)

لیکن اشکال یہ ہے کہ: (۱) حج کی سعی حج کے مہینوں میں واقع ہو اور حج کے مہینے شوال، ذیقعدہ اور حج کا پہلا عشرہ ہے۔ اور عمرہ کی سعی کا کوئی وقت مشروط نہیں ہے۔ (معلم الحجاج، ص: ۱۴۷، انوار مناسک/۴۱۲، غنیۃ جدید ۱۳۳، قدیم: ۷۱، شرح اللباب، ص: ۱۷۸، عمدۃ المناسک، ص: ۴۰۶)

(۲) مسئلہ: سعی کا اصل وقت ایام نحر میں بعد طواف زیارت کے ہے، ان کے بعد مکروہ ہے۔ (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک، ص: ۱۴۵، معلم الحجاج، ص: ۱۴۷)

(۳) شرائط صحت سعی چھٹی شرط۔

مسئلہ: حج کی سعی حج کے مہینوں میں کرنا۔ (شرح اللباب ص: ۱۷۸، عمدۃ المناسک، ص: ۴۰۶)

(۴) ''انوار مناسک'' میں بھی ص: ۴۱۱، و۴۱۲، شرط نمبر ۶ ر میں بھی سعی کا حج کے مہینوں میں ہونا شرائط ہی میں تحریر فرمایا ہے۔ جہاں تک عذر اور تھکاوٹ کا مسئلہ ہے، اگر عذر اس قدر شدید ہو کہ جس میں حاجی اس قدر بیمار ہو جس سے چلنے پھرنے سے عاجز ہو تو ٹھیک ہے؛ لیکن عام اعذار اور تھکاوٹ کی وجہ سے تاخیر نا قابل فہم ہے؛ کیوں کہ حج کا کونسا رکن ایسا ہے جس میں تھکاوٹ نہ ہوتی ہو، عرفات سے مزدلفہ کا سفر جو نہ صرف تھکاوٹ؛ بلکہ مشقتوں سے پر ہے۔ مزدلفہ سے منی پیدل سفر، قربانی جو اس زمانہ میں ایک بڑا مسئلہ بنا ہوا ہے، رمئ جمار میں تو سہ منزلہ عمارت کی وجہ سے اس میں شک نہیں بڑی آسانی ہو چکی ہے؛ لیکن خیموں کی دوری جو مزدلفہ کے حدود میں پہنچ چکے ہیں، جس میں آمد و رفت کی مسافت دس بارہ کیلومیٹر سے کم نہیں یہ بھی قابل غور ہے، پھر ان سارے واجبات کو وقت اور مکان کی قید کے ساتھ انجام دینا ناگزیر ہے، ان سب کے مقابل سعی میں اتنی مشقت نہیں ہوتی، ان تفصیلات کے مدنظر ''حج کی سعی حج کے مہینوں میں کرنا''۔ (شرح اللباب، ص: ۱۷۸) کی

شرط کونظر انداز کردینا اورتاخیر کی سہولت سے فائدہ اٹھانا اشکال کا سبب ہے۔ براہ کرم صحیح صورت حال سے روشناس فرمائیں ۔

المستفتی: میر سعادت علی حیدرآبادی، حال مقیم ملگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کتب فقہ میں یہ جولکھا گیاہے کہ حج کے مہینے شوال، ذیقعدہ اورذی الحجہ کا پہلاعشرہ (۱۰؍ذی الحجہ سے پہلے پہلے تک) ہے یہ بات صرف حج کےاحرام کی صحت کے لئے ہے کہ دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے حج کا احرام باندھاجائے گا، تو صحیح ہوگا۔اور یوم عرفات کی رات گذر جانے کے بعدحج کااحرام باندھنا صحیح نہیں ہوتا ہے، اشہر حج کی تحدید کا مقصد صرف یہی ہے، ورنہ وقوف عرفات کے بعد دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ کےغروب سے پہلے پہلے تک حج کا دوسرا اہم رکن طواف زیارت کا ادا کرنا بلاکراہت جائز اور درست ہے؛ حالانکہ اشہر حج دس ذی الحجہ تک ختم ہوچکے ہیں، اسی لئے یہ سمجھنادرست نہیں ہے کہ حج کے سارے ارکان دس ذی الحجہ کےاندر اندر ادا کرنا لازم ہے۔ سوال میں جوبات پیش کی گئی ہے وہ اسی شبہ کی وجہ سے پیش آئی ہے، ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ طواف زیارت بارہ تاریخ کوغروب سے پہلے پہلے مکمل کرنا واجب ہے، مگر سعی کی تکمیل بارہ تاریخ کوغروب سے پہلے کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں، چنانچہ بعض علماء نے اشہر حج میں ذی الحج کے پورے مہینےکوشامل فرمایاہے۔

والحج، أي وقت الحج بل وقت إحرام الحج، فإن وقت أركان الحج إنما هو يوم عرفة، ويوم النحر لا غير، ’’أشهر معلومات‘‘ أخرج الطبراني عن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: شوال، وذو القعدة، وذوالحجة، قلت: المراد شوال، وذوالقعدة، وتسع من ذي الحجة إلى طلوع الفجر من يوم النحر، ويروى عن ابن عمر شوال، وذو القعدة وعشر من ذى الحجة ...... وقال عروة بن الزبير وغيره: أراد

بالأشهر شوالا، وذاالقعدة، وذاالحجة كاملا؛ لأنه يبقى على الحاج أمور بعد عرفة يجب فعلها مثل الذبح، والرمي، والحلق، وطواف الزيارة، والمبيت بمنى، ورمي الجمار في أيام التشريق، فكانت في حكم الحج.
(تفسير مظهري، سوة البقرة: ١٩٧، زكريا ديوبند ١/ ٢٥٨-٢٥٩)

﴿الحج اشهر معلومات.﴾ [البقرة: ١٩٧] **قال: شوال ...... وعشر من ذى الحجة بسند حسن ...... ثم قال: وقال آخرون: بل يعني بذلک شوالا، وذاالقعدة، و ذا الحجة كله، وذكر ذلک عن ابن عمر، وعطاء، ومجاهد، والزهري.** (إعلاء السنن ١٠/ ٣٥١، بيروت)

وأما وقته: فوقته الأصلي يوم النحر بعد طواف الزيارة ...... إلا أنه رخص السعي بعد طواف اللقاء، وجعل ذلک وقتا له ترفيها بالحاج وتيسيرا له لازدحام الاشتغال له يوم النحر، وأما بيان حكمه إذا تأخر عن وقته الأصلي، وهي أيام النحر بعد طواف الزيارة، فإن كان لم يرجع إلى أهله، فإنه يسعى ولا شيء عليه؛ لأنه أتى بما وجب عليه، ولا يلزمه بالتأخير شيء؛ لأنه فعله في وقته الأصلي، وهو ما بعد طواف الزيارة. (بدائع زكريا ٢/ ٣٢٠)

سعي بعد أيام النحر فليس عليه شيء؛ لأن السعي غير موقت بأيام النحر إنما التوقيت في الطواف بالنص، فلا يلزمه بتأخير السعي شيء.
(مبسوط السرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٥٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۰۸۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/ ۱۱/ ۱۴۳۳ھ

وقوفِ عرفہ کے معاف ہونے کی شکل

سوال [۵۰۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: (۱) میری دو بہنیں اور بہنوئی اس سال حج کے لئے گئے تھے، ۸ر تاریخ کو منی میں آگ لگنے سے تینوں زخمی ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے وہ ہسپتال میں داخل رہے، عرفہ کے دن انہیں عرفات اسپتال میں رکھا گیا، اس کے بعد انہیں حیرہ اسپتال میں رکھا گیا، کچھ جوانوں نے ان کی طرف سے تینوں دن رمیٔ جمرات کی، قربانی کا پیسہ وہ وہاں بینک میں جمع کر چکے تھے، ان کی طرف سے قربانی بھی ہوگئی، انہوں نے ڈولی میں طواف زیارت اور کرسی پر بیٹھ کر سعی بھی کر لی تھی اور قصر کے بعد احرام کھول دیا تھا، اس طرح انہوں نے حج کے باقی ارکان تو پورے کر لئے؛ لیکن ان کا وقوف مزدلفہ چھوٹ گیا؛ کیوں کہ زخمی ہونے کی وجہ سے وہ اسپتال میں داخل تھے، وقوف مزدلفہ واجب ہے، کیا ایسے حالات میں اس واجب کے چھوٹنے سے دم دینا پڑے گا یا نہیں؟

(۲) آگ لگنے کی بھاگ دوڑ میں منی میں ایک بہن کا سر پر بندھا رومال (احرام) کھل کر کہیں گر گیا، کئی گھنٹے بعد ہسپتال میں داخل ہونے کے بعد دوسرا رومال اس کے سر پر باندھا گیا، کیا اس سے کچھ صدقہ وغیرہ واجب ہوگا؟ مطلع فرمائیں۔

المستفتی: شمیم احمد صدیقی محلّہ میٹھا شہد کرتپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) وقوف مزدلفہ اگرچہ واجب ہے، مگر اس طرح شدید اعذار کی وجہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ اور اس پر کوئی دم وغیرہ بھی لازم نہیں ہوتا؛ لہٰذا ان حاجیوں پر کوئی جرمانہ لازم نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/ ۱۴۵)

لو ترکه بعذر کزحمة بمزدلفة لا شيء علیه، وتحته في الشامیة: إذا کان لعلة أو ضعف، أو یکون امرأة تخاف الزحام، فلا شيء علیه. (شامي، کتاب الحج، مطلب في الوقوف بمزدلفة زکریا ۳/ ۵۲۹، کراچی ۲/ ۵۱۱)

(۲) عورتیں جو سر پر رومال باندھتی ہیں، وہ صرف بالوں کی حفاظت کے لئے ہوتا

ہے۔ عورتوں کا احرام صرف نیت کرنا ہوتا ہے؛ اس لئے اس کپڑے کے کھل جانے کی وجہ سے احرام میں کوئی فرق نہیں آیا، ان کا حج بلا کراہت صحیح ہوگیا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۱۴۷، معلم الحجاج/۱۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۲۹)

منیٰ میں قیام کرنے کے بجائے دوسری جگہ قیام کرنا

سوال [۵۰۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی کتاب ''ایضاح المناسک'' کے مسئلہ جات: ۲۰۵-۲۱۰ کے مطابق ایام نحر میں حدود منی سے باہر کہیں بھی عذر کی وجہ سے شب گذاری کی جاسکتی ہے، میں ستر سال سے زائد عمر کا ہوں اور ذیابطیس کا مریض ہونے کی وجہ سے چلنے پھرنے میں دشواری بھی ہوتی ہے، نیز میری اہلیہ بھی تریسٹھ سال سے زائد کی ہے، اگر ہم ایام منی میں اپنی قیام گاہ مکہ شریف میں شب گذاری کرلیں، تو گناہ گار ہوں گے، کیا ہمارے لئے شب گذاری منی سے باہر کرنے کی اجازت ہوگی؟ پچھلی مرتبہ ہمیں منی سے باہر مزدلفہ میں ہی ٹھہرایا گیا تھا، جو جمرات سے بہت دور تھا، اس دفعہ بھی ایسا ہی ہوا، تو کیا کیا جائے؟

المستفتی: ارشاد عالم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حاجی چاہے تندرست ہو یا بیمار ہو، اگر معلم کی جانب سے منی میں قیام کا نظم نہیں ہوسکا ہے؛ بلکہ مزدلفہ میں قیام متعین ہوچکا ہے، تو اس حاجی کو منی میں قیام نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ منی میں قیام اس کے اختیار سے باہر

ہو چکا ہے؛ لہٰذا اس کے لئے حدود منی میں قیام کا ترک کر دینا جائز ہے، اب چاہے وہ مزدلفہ میں طے شدہ قیام گاہ میں قیام کرے، یا مکہ مکرمہ میں قیام کرے، اس کو ہر طرح اختیار ہے۔ اور جو آدمی ۶۵ ؍ یا ۷۰ ؍ سال کی عمر کا ہے، اس کو جمرات کی رمی کرنے میں اگر مزدلفہ میں قیام کر کے رمی کرنے میں سہولت ہوگی، یا مکہ مکرمہ میں قیام کر کے رمی کرنے میں سہولت ہوگی، تو جس میں اس کو سہولت ہو اس کو اختیار کرے۔

قوله: تخصيص العباس بالرخصة لعذر ودليل على أن لا رخصة لغيره. (أوجز المسالك دمشقي ۸/ ۲۹۳)

من لم يبت ليالي منى بمنى فقد أساء ولا شيء عليه إلا الدعاء، وأهل سقاته العباس فلا تكره المبيت في غير منى. (أوجز المسالك دمشقي ۸/ ۲۹۶)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۳؍۷؍۱۴۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۶۹/۳۸)	۲۳؍۷؍۱۴۲۸ھ

احرام کھولنے کے لئے ایک کا دوسرے کے بال مونڈنا

سوال [۵۰۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محرم حلق کے بعد آزاد ہو جاتا ہے؛ لیکن کیا محرم طواف وسعی کے بعد اپنا حلق ہونے سے قبل بحالت احرام اپنے ساتھی کا حلق کر سکتا ہے، حجاج کرام بحالت احرام ایک دوسرے کا حلق کرتے ہیں، تو ان میں سے ایک یقیناً احرام میں ہوگا، وہ دوسرے کا حلق کرے گا۔ اور حلق کرانے والا حلق کی وجہ سے آزاد ہو جائے گا، اب وہ اپنے ساتھی کا حلق کرے گا، تو اس میں میرے ساتھی اور پہلا ساتھی دونوں کے لئے کیا حکم ہے، براہ کرم مطلع فرمائیں، امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

المستفتی: ڈاکٹر سلیم شاہی، علی گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حجاج کرام تمام ارکان حج ادا کرنے کے بعد احرام کھولنے کے لئے ایک دوسرے کا حلق کر سکتے ہیں، اس طرح احرام کھولنے کے وقت ایک دوسرے کے بال مونڈنے میں کسی پر کوئی جرمانہ نہیں ہے۔

ولو حلق رأسه أو رأس غيره من حلال، أو محرم جاز له الحلق لم يلزمهما شيء. (غنية الناسك، فصل في الحلق قديم: ٩٣، جديد كراچی ١٧٤)

وجعل بعضهم يحلق بعضا حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما.

الحديث (بخاري شريف، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد، النسخة الهندية ١/ ٣٨٠، رقم: ٢٦٥١، ف: ٢٧٣١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧ محرم الحرام ١٤٢٣ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٦/٧٤٦٢)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٧/١/١٤٢٣ھ

کیا چھوٹے بال والی عورت حلق کرائے گی؟

سوال [٥٠٨٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت ہے جس نے مردوں کی طرح بالکل چھوٹے بال رکھ رکھے ہیں، اب وہ حج کو جارہی ہے، تو سوال یہ ہے کہ وہ عمرہ کرکے کس قدر بال کٹائے گی؟ واضح ہو کہ اس کے سر کے بال صرف ڈیڑھ انچ بڑے ہیں، ایک مرتبہ قصر ہونے کے بعد جب حج کا مرحلہ آئے گا تو اس کے سر پر ایک انچ سے کم بال رہ جائیں گے، اب حج کے احرام سے حلال ہونے کے لئے کیا کرنا ہوگا؟ کیا ایسی عورت کے لئے حلق کرانا جائز ہے؟

المستفتی: عبد الرحمٰن کلکتہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کے لئے سر کے بالوں کا حلق کرانا جائز

نہیں؛ لہٰذا اس عورت پر ایک چوتھائی سے زیادہ سر کا قصر ضروری ہوگا؛ پس اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ عمرہ سے فارغ ہوکر آدھا سر پوروے کے برابر قصر کرالے اور حج سے فراغت کے بعد بقیہ آدھے حصہ کا قصر کرالے تو وہ احرام سے باہر ہو جائے گی۔ اور یہ بات بھی یاد رکھے کہ عورت کا اپنے بالوں کو اس قدر چھوٹا کروانا جائز نہیں، اس عورت پر لازم ہے کہ آئندہ کبھی بال نہ کٹوائے اور اس گناہ سے توبہ کرلے۔

فأقل الواجب في التقصير قدر الأنملة من جميع شعر ربع الرأس، لكن أصحابنا قالوا: يجب أن يزيد في تقصير الربع على قدر الأنملة؛ لأن أطراف الشعر غير متساوية عادة، فلو قصر قدر الأنملة من الربع لم يستوف قدر الأنملة من جميع شعر الربع بل من بعضه، فوجب أن يزيد على قدر الأنملة. (غنية الناسك، فصل في الحلق، قديم ۹۳، جديد كراچی ۱۷٤، بدائع قديم ۲/ ۱٤۱، جديد زكريا ۲/ ۳۳۰)

الأفضل في حقها الأخذ من كل شعرة وإن قصرت بعض رأسها وتركت البعض أجزأها إذا كان ماقصرت مقدار ربع الرأس فصاعدا، وإن كان أقل من ذلک لا يجزئها اعتبارا للبعض في حقها بالحلق في حق الرجل. (البحر العميق، المكتبة المكية بيروت ۳/ ۱۷۹۷)

إن المرأة لو قصرت مقدار الأنملة من أحد جانبي رأسها، وذلک يبلغ النصف أو دونه أجزأها، وعلل فيه، وقال: لأن حلق ربع الراس، وتقصير ربعه مثل حلق جميع الرأس في وجوب الدم، فكذا في حصول التحلل. (البحر العميق، المكتبة المكية، بيروت ۳/ ۱۷۹۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۷۴۴)

مزدلفہ میں ایام منی میں جو خیمے لگائے جاتے ہیں ان میں وقوف کا حکم

سوال [۵۰۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر حدود منی میں کہیں بھی جگہ نہ ملے تو قیام منی اور مبیت منی ترک کر دینا بلا کراہت جائز ہوگا، نہ اس پر کوئی گناہ ہوگا اور نہ ہی کوئی جرمانہ لازم ہوگا؛ بلکہ ایسی تنگی کے عذر کی وجہ سے کہیں بھی رات گذارنا بلا کراہت جائز ہو جائے گا۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۴۹۹)

اور فی الحال سعودی حکومت نے مزدلفہ کا بڑا حصہ کبری ملک فیصل تک حاجیوں کے لئے ایام منی میں قیام کرنے کے لئے اسی تسلسل کے ساتھ خیمے نصب کر دئے ہیں، جس طرح حدود منی میں ہیں۔ (انوار مناسک/ ۵۰۱)

سوال: توقیفی ہونے کی وجہ سے خیمے مندرجہ بالا اور ان کے آس پاس کھلی جگہوں پر دس ذی الحجہ کی رات گذارنا اور وقوف مزدلفہ بھی بلا کراہت جائز ہوگا؟ جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالحمید ساکن موضع آلھن مئوڈا کخانہ سرائے برئی، ضلع بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سعودی حکومت نے مزدلفہ کے جس حصہ میں کبری ملک فیصل تک ایام منی میں حاجیوں کے قیام کرنے کے لئے تسلسل کے ساتھ خیمے نصب کر دئے ہیں، ان میں اور ان کے آس پاس کھلی جگہ میں نویں اور دسویں ذی الحجہ کی درمیانی شب گذارنا اور وقوف مزدلفہ کرنا بلا کراہت درست ہے؛ کیوں کہ مقام مزدلفہ سارا ہی موقف ہے۔

عن جبير بن مطعم –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كل عرفات موقف، وارفعوا عن بطن عرفة، وكل مزدلفة موقف وارفعوا عن محسر. (مسند أحمد ٤/ ٨٢، رقم: ١٦٨٧٢، طبراني كبير، المكتبة دار إحياء التراث العربي ٢/ ١٣٨، رقم: ١٥٨٣)

عن جابر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

کل عرفة موقف، و کل مزدلفة موقف، ومنی کله منحر. (السنن الکبری للبیهقي، کتاب الحج، باب حیث ما وقف من عرفة أجزأه۔ المکتبة دارالفکر ۷/ ۲۵۰، رقم: ۹۵٤۲، بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل وأما مکانه فجزء من أجزاء مزدلفة، قدیم ۲/ ۱۳٦، زکریا ۲/ ۳۲۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۶/۱۴۳۰ھ

مزدلفہ کے راستہ میں مغرب وعشاء کو صبح صادق سے اتنی دیر پہلے تک مؤخر کرنا جتنی میں دونوں نمازیں پڑھ سکیں

سوال [۵۰۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرفات سے مزدلفہ آتے وقت بھیڑ کی وجہ سے مزدلفہ میں داخل ہونا مشکل ہوگیا اور رات کے تین ساڑھے تین بج گئے، اب تک مغرب نہیں پڑھی، تو ایسی صورت میں مغرب راستے میں پڑھ سکتے ہیں، یا مزدلفہ پہنچنے کا انتظار کریں گے اور اگر انتظار کریں گے تو کب تک؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب عرفہ سے مزدلفہ جانے میں بھیڑ کی وجہ سے رات کا اکثر حصہ گزر گیا اور ابھی تک نماز مغرب بھی نہیں پڑھی تو مغرب اور عشاء راستے میں اتنی دیر تک موقوف کریں کہ طلوع صبح صادق سے پہلے پہلے وضو کرکے دونوں پڑھ سکیں؛ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ راستے میں ہی صبح صادق کے طلوع ہونے کا اندیشہ ہو؛ لہٰذا اگر یہ اندیشہ نہیں اور صبح صادق سے اتنی پہلے مزدلفہ پہنچنے کی امید ہے کہ جس میں مغرب وعشاء پڑھ سکیں تو ایسی صورت میں مزدلفہ پہنچ کر ہی یہ دونوں نمازیں پڑھنا لازم ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک ۴۳۵، ایضاح المناسک/ ۱۴۴، کتاب المسائل ۳/ ۳۱۰)

لو صلى المغرب والعشاء في الطريق أو في عرفات أعاده ما لم يطلع الفجر، فيعود إلى الجواز، وهذا إذا لم يخف طلوع الفجر في الطريق، فإن خافه صلاهما؛ لأنه لو لم يصلهما صارتا قضاء. (شامي، كتاب الحج، مطلب في إجابة الدعاء، كراچی ۲/ ۵۱۰، زكريا ۳/ ۵۲۶)

ولو ضل من الطريق لا يصلي بل يؤخر إلى أن يخاف طلوع الفجر، فعند ذلك يصلي. (بدائع الصنائع، كوئٹه ۲/ ۱۵۵، كتاب الحج، زكريا ۳/ ۱٤۱)

إذا بقي في الطريق طويلا حتى علم أنه لايدرک مزدلفة قبل الفجر جاز له أن يصلي المغرب في الطريق. (فتح القدير، كوئٹه ۲/ ۳۷۸، زكريا ۲/ ٤۹۲، دارالفكر مصري ۲/ ٤۸۰)

ولو خشي طلوع الفجر قبل أن يصل إلى المزدلفة أو بات في عرفات صلاها حيث هو في أوقاتهما. (غنية الناسك، كراچی جديد ۱٦٤، قديم: ۸۷)

لا يجوز أن يصليها في الطريق إلا إذا كان في آخر الليل من حيث يطلع الفجر إذا أتى بمزدلفة، فحينئذ يجوز. (الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ۳/ ۵۱۹، رقم: ٤۹۵۱)

علم أنه لو خاف طلوع الفجر جاز أن يصليهما في الطريق؛ لأنه لو لم يصليهما صارتا قضاء. (البحرالرائق زكريا ۲/ ۵۹۷، كوئٹه ۲/ ۳٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۲/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱۳۲۴/۴۰)

عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین

سوال [۵۰۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کہ حجاج کرام کے لئے عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کا حکم ہے، تو اس کی وجہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گودھروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کا حکم کیوں ہے؟ کیا وجہ ہے؟ اس کی اصل علت حتمی طور پر ہم نہیں بتا سکتے؛ لیکن فقہاء نے عرفات میں عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں لے جا کر مقدم کر کے پڑھنے کی یہ علت بتائی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جماعت کی محافظت علت ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک امتدادِ وقوف ہے کہ دونوں نمازوں سے فراغت کے بعد مسلسل سورج غروب ہونے تک یکسو ہو کر وقوف میں مشغول ہو جائیں جیسا کہ فقہاء کی اس طرح کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

إن تقديم العصر على وقته لأجل محافظة الجماعة، أو لامتداد الوقوف، فعنده للأول وعندهما للثاني: لهما أن جواز الجمع للحاجة إلى امتداد الوقوف بدليل أنه لا جمع على من ليس عليه الوقوف، وأن الحاج يحتاج إلى الدعاء في وقت الوقوف، فشرع الجمع لئلا يشتغل عن الدعاء.

(عناية مع الفتح، كتاب الحج، دارالفكر مصري ۲/ ٤٧٠، زكريا ۲/ ٤٨٢)

(۲) اور مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کی علت کیا ہے؟ اس سلسلے میں بات واضح ہے کہ اس دن حاجیوں کے لئے مغرب کا وقت ہی مزدلفہ پہنچنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور معتدل رفتار کے ساتھ عرفات سے چل کر مزدلفہ پہنچنے میں عشاء کا وقت ہو جاتا ہے، تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کی دو وجہیں ہیں:

(۱) ہر حاجی کے لئے مغرب کا وقت مزدلفہ پہنچ کر ہی شروع ہوگا، مزدلفہ پہنچنے سے پہلے پہلے اس کے حق میں مغرب کا وقت ہی نہیں ہوتا ہے۔

(۲) مزدلفہ پہنچنے کے بعد عشاء کے وقت ہی میں مغرب کی نماز پڑھنے کا حکم ہے؛ لہٰذا اگر عشاء کا وقت شروع ہونے سے پہلے مزدلفہ پہنچ جائے تو عشاء کے وقت تک مغرب کی نماز کے لئے انتظار کرنا لازم ہوگا اور مغرب اور عشاء دونوں کو ایک ساتھ جمع کرکے ہی پڑھنا ہوگا؛ اس لئے کہ دونوں نمازوں کا وقت ایک ساتھ شروع ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر کوئی حاجی کسی عذر کی وجہ سے رات کے دو تین بجے تک بھی مزدلفہ نہ پہنچ سکے، تو راستہ میں مغرب کی نماز پڑھنا اس کے لئے جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ دو تین بجے تک بھی اس کے حق میں مغرب کا وقت شروع نہیں ہوا ہے، نیز اگر یہ خطرہ لاحق ہوجائے کہ صبح صادق سے پہلے پہلے کسی حال میں بھی مزدلفہ نہیں پہنچ سکے گا، تو ایسی صورت میں صبح صادق سے اتنی دیر پہلے راستہ میں مغرب وعشاء کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے کہ جتنی دیر میں وضوطہارت کے ساتھ دونوں نمازیں صبح صادق سے پہلے پہلے پڑھ سکے، اس سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

فتوقتتا بالزمان والمكان والوقت، فالزمان ليلة النحر، والمكان مزدلفة والوقت وقت العشاء. الخ (الدر مع الرد، كتاب الحج، مطلب في إجابة الدعاء، زكريا ديوبند ٣/ ٥٢٦، كراچی ٢/ ٥٠٩)

حتى لو وصل إلى مزدلفة قبل العشاء لا يصلي المغرب حتى يدخل وقت العشاء. (غنية، قديم: ٨٨، جديد كراچی ١٦٤)

لو صلى المغرب والعشاء في الطريق، أو في عرفات أعاده ما لم يطلع الفجر، فيعود إلى الجواز، وهذا إذا لم يخف طلوع الفجر في الطريق، فإن خافه صلاهما. (شامي، زكريا مع الدر المختار ٣/ ٥٢٦، ٥٢٧، كراچی ٢/ ٥٠٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۱۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۲۲ھ

منٰی مزدلفہ اورعرفات میں آفاقی کے لئے قصرواتمام کا مسئلہ

سوال [۵۰۹۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیامنٰی، مزدلفہ، عرفات حدود مکہ میں شامل ہیں، اگر مکہ مکرمہ میں یکم ذی الحجہ کوپہنچ کرقیام کی نیت کرلی تومنی، عرفات میں اتمام ہوگایا قصر؟

المستفتی: محمد یونس احمد گڑھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: منی، مزدلفہ، عرفات پہلے تینوں حدودحرم سے باہر تھے اوراب منی کی آبادی مکہ سے مل چکی ہے؛ اس لئے منی مکہ کی آبادی میں شامل ہے۔ اورمزدلفہ وعرفات مکہ سے باہر ہیں۔(مستفاد: ایضاح المناسک/ ۱۵۷)

اگرکسی حاجی نے مکہ پہنچ کر اقامت کی نیت کرلی تو یہ شخص مقیم ہوجائے گا،نماز میں اتمام کرے گا۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۱۴۱، ایضاح الطحاوی ۳/ ۵۱۵)

فإن كان الإمام مقيما (إلى قوله) أتم الصلاة، وأتم المقيمون بلا قراء ة. (غنية، باب مناسك عرفات، فصل في الجمع بين الصلاتين بعرفة، جديد كراچی ۱۵۰، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ۸۰، شامي، مطلب في شروط الجمع بين الصلاتين بعرفة، كراچی ۲/ ۵۰۵، زكريا ۳/ ۵۲۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۵ھ

منی ومزدلفہ میں قصرواتمام کا حکم

سوال [۵۰۹۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: منی، عرفات، مزدلفہ وغیرہ میں قصروا تمام کا کیا حکم ہے؟ جب کہ منی ومزدلفہ سے آگے تک مکہ مکرمہ کی آبادی متجاوز ہو چکی ہے، البتہ عرفات باہر ہے؛ لیکن عرفات دن میں جا کر دن میں واپسی ہوتی ہے، اس میں مسافت سفر کا انطباق نہیں ہوتا اور سفر وحضر کا مسئلہ اس سے متعلق نہیں ہوتا، تعدد مکان رات گذارنے کے اعتبار سے ہوتا ہے، جب کہ یہ مقامات مکہ مکرمہ میں داخل ہو چکے ہیں، تو مکہ مکرمہ میں دخول کے بعد واپسی تک ۱۵/دن یا اس سے زیادہ قیام کرنے والے حجاج کے متعلق یہ سوال ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جس حاجی کا قیام دخول مکہ کے بعد واپسی تک ۱۵/دن یا اس سے زیادہ ہو جیسا کہ موجودہ زمانہ میں عموماً ہندوستانی حاجیوں کا ہوتا ہے، ان کے لئے منی، مزدلفہ اور عرفات میں اتمام کرنا لازم ہے، قصر جائز نہیں؛ کیوں کہ منی اور مزدلفہ اب مکۃ المکرّمہ میں شامل ہو کر اس کے محلوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور عرفات میں رات نہیں گذارتے ہیں، اس میں رات گذارے بغیر واپسی ہو جاتی ہے؛ اس لئے تعدد مکان کا تعلق عرفات سے نہیں ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (انوار مناسک/ ۴۶۰)

ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر، وهو ماحول المدينة من بيوت، ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح. (شامي، كتاب الصلوة، باب صلوة المسافر، زكريا ۲/ ۵۹۹، كراچى ۲/ ۱۲۱)

إذا كانت القرى متصلة بربض المصر، فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى، والصحيح ما ذكرنا أنه يعتبر عمران المصر إلا إذا كانت قرية، أو قرى متصلة بربض المصر، فحينئذ يعتبر مجاوزة القرى. (التاتارخانية ۲/ ۱۹۵، رقم: ۳۰۹۸)

وإن كانت القرى متصلة بربض المصر، فالمعتبر مجاوزة القرى هو الصحيح، وإن كانت القرية متصلة بفناء المصر لا بربض المصر يعتبر

مـجاوزة الفناء، ولا يعتبر مجاوزة القرية. (خانية على هامش الهندية، زكريا قديم ١/ ١٦٥، جديد زكريا ١/ ١٠٤)

إن دخل الموضع الذي نوى الإقامة فيه بالليالي يصير مقيما، ثم بالخروج إلى الموضع الآخر لا يصير مسافرا؛ لأن موضع إقامة الرجل حيث يبيت فيه. (بدائع الصنائع، زكريا ١/ ٢٧٠، كراچی ١/ ٩٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۱۱/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۳۰)

منیٰ مکہ میں شامل ہے یا نہیں؟

سوال [۵۰۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) گذشتہ سال حجاج کرام کا ایک قافلہ ۳/ مارچ کو دہلی سے روانہ ہوا، چند دن مکہ مکرمہ میں قیام کے بعد مدینہ پاک جاکر واپسی کی تاریخ بھی طے تھی اور وہ ۲۵/ ۲۶/ ۲۷/ مارچ کو ارکان حج کی تکمیل کے لئے منی، عرفات کا عمل حج سہ روزہ قیام بھی درپیش تھا، منی، عرفات میں نمازوں کے قصر اور اتمام کے بارے میں بحث ومباحثہ لوگوں میں ہوتا رہا، کچھ لوگوں کو اشکال رہا کہ مدینہ سے مکہ آنے کے بعد چونکہ سات آٹھ دن بعد ہی منی کو جانا تھا؛ اس لئے اقامت صحیح نہیں اور نمازیں قصر پڑھنی چاہئیں اور کچھ اس بات پر بضدر ہے کہ مکہ سے منی، عرفات تھوڑے فاصلہ پر ہیں اور مکہ ہی میں شامل سمجھو یا شامل بھی نہ سمجھو، مگر صرف تین دن کے لئے جانا ہوتا ہے؛ اس لئے مکہ میں اور منی عرفات میں سب لوگ مقیم کی حیثیت سے نمازوں میں اتمام ہی کریں گے، غرض کہ کچھ لوگ اتمام کرتے رہے، نماز باجماعت ادا کرتے رہے، مسافر ہونے کی صورت میں قصر

ہونی چاہئے تھی، تو اب کیا کریں؟ ”ایضاح المناسک“ میں منی اور عرفات کی نمازوں میں اتمام کرنا لکھا ہے۔ اور ”معلم الحجاج“ میں منی وعرفات کے سفر درپیش ہونے کی صورت میں قیام کی نیت صحیح نہ ہونا لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت صحیح نہیں ہے، پھر تو منی عرفات میں قصر ہی درست ہے، کون سی صورت درست ہے؟ واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد یونس جامع مسجد احمد گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنجناب نے سوال نامہ میں تین مسائل کے بارے میں دریافت فرمایا ہے: (۱) مدینۃ المنورہ سے واپسی میں اگر منی وغیرہ جانے میں پندرہ روز سے کم ایام باقی ہیں تو کیا حکم ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں تنہا نماز پڑھنے میں یا خود امام ہونے میں قصر کرنا لازم ہے، نیز اگر مدینۃ المنورہ ابھی نہیں جانا ہے؛ بلکہ ہندوستان سے جا کر حج تک مکۃ المکرّمہ میں رہنا ہے، اور آپ کے پہنچنے اور یوم العرفہ یعنی نویں ذی الحجہ سے قبل پندرہ یوم سے کم قیام مکہ میں ہونا ہے، تو قصر کرنا ہوگا۔ اور ہم نے نوی ذی الحجہ اس لئے کہا ہے کہ منی کی آبادی مکۃ المکرّمہ کی آبادی سے متصل ہو چکی ہے، دونوں الگ الگ نہیں رہے، نیز جناب نے ”ایضاح المناسک“ کا حوالہ دیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ ”ایضاح المناسک“ میں یہ مسئلہ آیا ہی نہیں، لکھنے جارہا تھا پھر بے خیالی میں رہ گیا ہے؛ البتہ صلاۃ عرفات کے تحت جو مسئلہ آیا ہے وہ بالکل ضمنی ہے۔ اور مکہ والوں کے لئے لکھا تھا، ہاں البتہ یہ مسئلہ احقر نے اپنی کتاب ”حج وعمرہ کا آسان طریقہ“ میں صاف الفاظ میں لکھا ہے، اس کے ص: ۴۸ر میں ہندیہ ۱/ ۱۴۰ حاشیہ چلپی علی التبیین ۱/ ۲۱۲ کے حوالہ سے لکھا ہے۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۸/۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۲۲)

حج میں حاجی نمازیں پوری پڑھے گا یا قصر کرے گا؟

سوال [۵۰۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کے لئے جانے میں شروع میں تین دن مکہ میں قیام رہے گا، پھر آٹھ دن مدینہ شریف میں قیام رہے گا، اس کے بعد اٹھارہ دن مکہ میں قیام رہے گا، اب ہمیں یہ بتائیں کہ کتنے دن پوری نماز پڑھنی ہوگی اور کتنے دن قصر پڑھنی ہوگی؟

المستفتیۃ: اہلیہ حاجی محمد اکرم شمسی، طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مکہ میں پہلی مرتبہ قیام کے تین دن اور بعدہ مدینہ میں قیام کے آٹھ دنوں میں نماز میں قصر کرنا لازم ہے؛ اس لئے کہ ان دونوں جگہوں میں حاجی مسافر ہے، اس کے بعد مکہ میں اٹھارہ دنوں تک کے قیام کے درمیان پوری نماز پڑھنی لازم ہوگی، قصر کرنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ چار رکعت والی نماز کو چار رکعت ہی پڑھنا ضروری ہوگا؛ اس لئے کہ اٹھارہ دن کے قیام میں آدمی مقیم ہو جاتا ہے۔ اور اب منیٰ اور مزدلفہ مکہ مکرمہ کی آبادی سے متصل ہو چکے ہیں؛ اس لئے منیٰ اور مزدلفہ کے قیام کی وجہ سے مقیم بننے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور عرفات میں صرف دن دن کا قیام ہوتا ہے؛ اس لئے قصر واتمام کے مسئلہ میں کوئی اشکال نہ ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک، ص: ۴۹۴-۴۶۱)

صلی الفرض الرباعي ...... لو ينوي إقامة نصف شهر إلى قوله: فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه، أي في نصف شهر. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۴-۱۲۵، زكريا ۲/ ۶۰۵-۶۰۶)

يشترط مجاوزة ربضه، وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن، فإنه في حكم المصر، وكذا القرى المتصلة بربض المصر يشترط

مجاوزتها في الصحيح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، قديم: ۱۳۰، دارالکتاب دیوبند ۴۲۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/۱۱/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۹۵)

منی مزدلفہ میں قصر واتمام سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۵۰۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج بیت اللہ ایسی عبادت ہے جسے عام طور پر کسی مسلمان کو زندگی میں ایک مرتبہ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور حج کی ادائیگی شرعی احکام اور اسلامی آداب کی رعایت کے ساتھ ہونے پر سابقہ سارے گناہوں کی معافی کا مژدہ سنایا گیا ہے، حج کے عنوان پر ڈھیر ساری کتابیں مختلف زبانوں میں حضرات مصنفین، مؤلفین اور مرتبین نے نقل فرمائی ہیں۔ اور جتنی کتابیں ہیں، ان سب کتابوں میں مرکزی حیثیت ''معلم الحجاج'' کو حاصل ہے۔

پہلے مسائل کچھ اور تھے، حالات، بھیڑ اور ماحول کی وجہ سے بہت سارے مسائل کا حکم اہل نظر علماء کی متفقہ رائے سے تبدیل ہوگیا۔ اور کچھ مسائل میں توسع کے پیش نظر خود حکومت سعودیہ عرب نے اپنے شیوخ علماء کرام کی آراء کے پیش نظر احکام تبدیل کئے ہیں، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ حج ایسا عمل ہے جس میں امیر غریب، عالم غیر عالم کا کوئی فرق نہیں رکھا گیا، ہر عمل میں سارے حجاج متحد ہیں۔

چند سالوں سے یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ منی، عرفات، مزدلفہ اور مکۃ المکرّمہ میں حجاج کرام اعمال میں یکساں نظر نہیں آتے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مکۃ المکرّمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر والی نماز ادا فرمائی تھی؛ لہٰذا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں

ہم بھی نماز قصر ادا کریں گے۔ اور منی کے خیموں میں بھی نماز کے اوقات میں اسی طرح کی باتیں گشت کرتی رہتی ہیں کہ نماز قصر یا مکمل؟ عرفات میں جمع بین الصلاتین یعنی ظہر اور عصر کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھیں گے، یا ظہر کے وقت ظہر اور عصر کے وقت عصر وغیرہ؟

ان اختلافات کے پیش نظر حج سے متعلق چند سوالات آں محترم کی خدمت میں ارسال کئے جارہے ہیں، تاکہ صحیح اور مستند جوابات کی روشنی میں ملک بھر میں حج کے سیمینار منعقد کر کے مسلمانوں میں پیش آرہے اختلاف کو ختم کرنے کی سعی اور کوشش کی جائے۔ امید ہے کہ مسئلہ کی نزاکت اور حساسیت کے پیش نظر قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔

(۱) مکۃ المکرّمہ، منی، عرفات اور مزدلفہ میں نماز قصر ادا کی جائے گی یا مکمل؟ وضاحت کے ساتھ جواب کی درخواست ہے۔

(۲) عرفات میں عرفہ کے دن جمع بین الصلاتین کی جائے گی یا ظہر کو ظہر کے وقت اور عصر کو عصر کے وقت میں پڑھنا چاہئے؟

(۳) پہلے منی وغیرہ اور مکہ کی بلدیہ الگ الگ تھیں، ابھی دو چار سال سے دونوں کی بلدیہ ایک ہوئیں، اس سے مسائل پر کوئی اثر پڑے گا؟

(۴) ۸/ذی الحجہ کو منی میں تمام حجاج کرام کا قیام کرنا ضروری ہے، حکومت سعودیہ عرب نے منی کے خیموں کو پھیلا کر مزدلفہ تک پہنچادیا، کیا ان حضرات کی منی میں قیام کی سنت ادا ہوگی یا نہیں جن کے خیمے مزدلفہ میں ہیں؟

(۵) جن کے خیمے مزدلفہ میں ہیں، ان حضرات کا عرفات سے واپسی پر اپنے خیموں میں رات کا قیام کرنا صحیح ہے یا نہیں؛ اس لئے کہ خیمہ مزدلفہ میں ہے؟

(۶) چونکہ ۱۲/ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے منی کے حدود چھوڑنا ضروری ہے اس شخص کے لئے جو ۱۳/ذی الحجہ کی رمی نہیں کرنا چاہتا، اس کے پیش نظر حکومت سعودیہ عرب

نے۱۲ر کی رمی زوال سے پہلے کرنے کی اجازت دی ہے۔ کیا۱۲ر ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرنا جائز ہے؟

(۷) قربانی خود سے کرنا ممکن نہیں، ''بنک الراجی'' کی جانب سے ٹوکن فروخت کئے جاتے ہیں اور''بنک الراجی'' کی طرف سے قربانی ٹوکن خریدنے والے ہزاروں بلکہ لاکھوں حجاج کرام کو صبح ۱۰ر تا ۱۱ر بجے دن کا وقت دیا جاتا ہے اور یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ لاکھوں جانور ایک گھنٹہ میں ذبح کردئے جائیں، کیا ٹوکن پر اعتماد کرنا صحیح ہے؟

(۸) رمی، حلق یا قصر اور قربانی میں ترتیب لازم ہے یا کچھ اس میں رعایت ہے؟

(۹) بال کا حلق تو افضل ہے، قصر کرنے میں لوگ سر کے کسی حصہ کے بال کٹوا کر احرام کھول لیتے ہیں، بالوں کے قصر کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

(۱۰) رمی کرنے میں کیسا عذر نیابت کے لئے قابل قبول ہے؟ عام طور پر ایسا ہو رہا ہے کہ نوجوان آدمی ہے اس کی بیوی، ماں، بہن، بیٹی یا اور کسی غیر معذور شخص کی طرف سے دوسرے محرم یا غیر محرم نوجوان کنکریاں مارتے ہیں، غیر معذور کی طرف سے رمی میں نیابت کرنا کیسا ہے؟

(۱۱) کوئی شخص بغیر احرام کے سیدھے عرفات پہنچ گیا اور عرفات میں احرام باندھتا ہے، تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد یاسین سلمان (کنوینر) انجمن ارشاد الحجاج نزد مسجد ابراہیمی قادر باغ، حیدرآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مشاعرِ مقدسہ کے شرعی حدود توقیفی ہیں، ان میں ترمیم واضافہ کا کسی کو حق نہیں ہے؛ البتہ قصر واتمام کے مسائل میں ان کا حکم مکہ مکرمہ سے متصل ہونے اور نہ ہونے پر ہے، اب یہ مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ آیا مشاعرِ مقدسہ منی ومزدلفہ مکہ مکرمہ سے متصل ہیں یا منفصل؟ تو اس بارے میں مفصل تاریخی

وضاحت یہ ہے کہ منی کی آبادی صدیوں تک مکہ المکرّمہ کی آبادی سے بالکل الگ رہی ہے اور دونوں کے درمیان صدیوں تک ویران میدان اور پہاڑوں کا فاصلہ رہا ہے، جن میں کسی قسم کی آبادی اور عمارت نہیں تھی؛ اس لئے مکہ اور منی کے درمیان مسلسل آبادی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں کو مستقل طور سے الگ الگ علاقہ شمار کیا گیا تھا، جیسا کہ ماضی کے تمام فقہاء نے تسلسل آبادی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں کو الگ الگ آبادی قرار دیا تھا، اور اب ماضی قریب میں منی اور مکہ کے درمیان تسلسل آبادی کی وجہ سے دونوں کے درمیان کسی قسم کا انفصال باقی نہیں رہا؛ بلکہ متصل ہو کر ایک ہی آبادی جیسے ہوگئے، گویا منی مکہ مکرمہ کے محلّہ کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا حجاج کرام کے منی منتقل ہونے کے بعد قیام منی کے دوران نمازوں کے اتمام اور قصر کے معاملہ میں حکم قیام مکہ کی طرح ہے اور یہی حکم مزدلفہ کا بھی ہے؛ اس لئے کہ مزدلفہ عزیزیہ کی آبادی سے بالکل متصل ہوگیا ہے، رہا عرفات، تو عرفات کا مسئلہ قصر واتمام کے مسئلہ میں زیر بحث نہیں آسکتا؛ اس لئے کہ قصر واتمام کا مدار رات گذارنے پر ہے اور عرفات میں کوئی حاجی رات نہیں گذارتا۔

إذا كانت القرى متصلة بربض المصر، فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى، والصحيح ما ذكرنا أنه يعتبر عمران المصر إلا إذا كانت ثمة قرية، أو قرى متصلة بربض المصر، فحينئذ يعتبر مجاوزة القرى. الخ (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والعشرون صلاة السفر، كوئٹه ٢/ ٥، زكريا ديوبند ٢/ ٤٩٥، رقم: ٣٠٩٨، المحيط البرهاني، المجلس العلمي جديد ٢/ ٣٨٨، رقم: ٢٠٢٤، هندية زكريا ١/ ١٣٩، جديد ١/ ١٩٩)

وإن كانت القرى متصلة بربض المصر، فالمعتبر مجاوزة القرى هو الصحيح، وإن كانت القرية متصلة بفناء المصر لا بربض المصر يعتبر مجاوزة الفناء، ولا يعتبر مجاوزة القرية. (خانية على هامش الهندية زكريا ديو بند ١/ ١٦٥، جديد زكريا ١/ ١٠٤-١٠٣، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح قديم:

۲۳۰، دارالکتاب دیوبند ۴۲۳، مجمع الأنهر، مصري، قدیم ۱/ ۱۶۱، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۳۸، شامي، زکریا ۲/ ۵۹۹، کراچی ۲/ ۱۲۱)

(۲) عرفات میں امیر الحج کے ساتھ عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز کے ساتھ جمع بین الصلاتین کرنا لازم ہے۔ اور اس بارے میں امت میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں البتہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ جو حجاج امیر الحج کے پیچھے ظہر وعصر کی نماز نہیں پڑھتے؛ بلکہ اپنے خیموں میں پڑھتے ہیں، ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہل خیمہ جمع بین الصلاتین نہیں کریں گے، صاحبین کے نزدیک اہل خیمہ بھی جمع بین الصلاتین کریں گے، صاحبین کا قول دلائل کی روشنی میں زیادہ واضح معلوم ہوتا ہے؛ لیکن حضرات متأخرین نے امام صاحبؒ کے قول کو راجح کہا ہے، آج کے حالات کے اعتبار سے علماء کو صاحبین کے قول پر بھی غور کرنا چاہئے، جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے:

في شرائط جواز الجمع: الجماعة فیهما، فلو صلاهما أو إحداهما منفردا لم یجز عند أبي حنیفةؒ، والجماعة شرط لازم في حق غیر الإمام فلا تسقط بحال –إلی قوله– وعندهما لا یشترط بشيء من الشروط الثلاثة إلا الإحرام بالحج في العصر فقط. (غنیة الناسك، باب مناسك عرفات، فصل في شرائط جواز الجمع، کراچی جدید: ۱۵۱-۱۵۲، قدیم مکتبه میرٹھ ۸۱، مستفاد: أنوار مناسك/ ۴۲۱-۴۲۲)

(۳) صورت مسئولہ میں منیٰ اور مکہ کی بلدیہ ایک ہونے کی وجہ سے نماز کے قصر واتمام میں فرق آئے گا، جیسا کہ سوال نمبر ۱ کے ذیل میں تفصیل گذری۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۴۵۷)

(۴) صورتِ مذکورہ میں حاجیوں کی کثرت اور جگہ کی قلت کی وجہ سے سعودی حکومت نے خیموں کی حد مزدلفہ تک پہنچادی ہے اور یہ کثرتِ ازدحام کی وجہ سے ہے، تو منی کے حدود سے باہر قیام کرنا بلا کراہت جائز ہے؛ البتہ قیام منی کی سنت اس سے ادا نہیں ہوگی۔

ویکره أن لا یبیت بمنی لیالي الرمي، ولو بات في غیرها متعمدا لا یلزمه شيء عندنا. (هدایة، أشرفیه دیو بند ۱/ ۲۳۳)

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– أن العباس بن عبدالمطلب استأذن رسول الله ﷺ أن یبیت بمکة لیالي منی من أجل سقایته، فأذن له. (صحیح مسلم، الحج، باب وجوب المبیت بمنی لیالي أیام التشریق …… النسخة الهندیة ۱/ ۴۲۳، بیت الأفکار رقم: ۱۳۱۵، صحیح البخاري، الحج، باب سقایة الحاج، النسخة الهندیة ۱/ ۲۲۱، رقم: ۱۶۰۷، ف: ۱۶۳۴، مستفاد: أنوار مناسك ۴۹۸-۵۰۰)

(۵) جن کے خیمے مزدلفہ میں ہیں ان کا عرفات سے واپسی پر خیمہ لگا کر رات گذارنا اور بغیر خیمہ کے رات گذارنا بلا کراہت جائز ہے؛ اس لئے کہ حدیث ونصوص میں قیام مزدلفہ میں رات گذارنے کی کوئی تفصیل نہیں ہے؛ بلکہ مطلقاً حدود مزدلفہ میں رات گذارنے کا ذکر ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۴۳۸)

وأما ترک الواجبات بعذر فلا شيء فیه –إلی قوله– فإذا منعه خوف الزحام، فإنه من الله تعالی، فلا شيء علیه. (غنیة، باب الجنایات، کراچی جدید: ۲۳۹، قدیم مکتبه خیریه میرٹھ ۱۲۸)

وکذا کل واجب إذا ترکه بعذر فلا شيء علیه. (شامي، زکریا مطلب في الوقوف بمزدلفة، زکریا دیوبند ۳/ ۵۲۹، کراچی ۲/ ۵۱۲)

أن واجب الحج إذا ترکه بعذر لا شيء علیه، حتی لو ترک الوقوف بالمزدلفة خوف الزحام لا شيء علیه. (البحرالرائق، کتاب الحج، باب الإحصار زکریا دیوبند ۳/ ۱۰۰، کوئٹه ۳/ ۵۶، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۱۷/ ۷۹)

(۶) جن لوگوں کا بارھویں ذی الحجہ کو منی چھوڑنے کا ارادہ ہو ان کے لئے مسنون ومستحب یہ ہے کہ غروب سے پہلے رمی کر کے منی چھوڑ دیں۔ اور اگر بغیر عذر اور بغیر ازدحام کے غروب کے بعد رمی کر کے منی چھوڑیں گے، تو مکروہ ہے؛ لیکن بھیڑ کے عذر کی وجہ سے

غروب کے بعد بھیڑ سے بچنے کے لئے رمی کا وقت آنے سے پہلے قبل الزوال رمی کی اجازت دی جائے یہ کسی طرح درست نہیں ہے اور نہ ہی سعودی حکومت نے اس بات کی اجازت دی ہے اور نہ ہی حکومت سعودیہ کی طرف سے اس کا اعلان ہوا ہے؛ بلکہ مؤسسہ کی طرف سے معلمین کی سہولت کے لئے اشتہار لگایا گیا ہے؛ اس لئے یہ کوئی حجت شرعی نہیں۔

ولـو نـفـر مـن الـليل قبيل طلوعه لا شيء عليه في الظاهر عن الإمام.

(غنية، باب رمي الجمار، فصل في صفة رمي الجمار في اليوم الثالث والرابع، جديد كراچی ١٨٤، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ٩٨، أنوار مناسك ٤٨٠)

(۷) حنفی مسلک کے حجاج کو ''بنک الراجی'' کے ٹوکن پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے اور اپنی قربانی کا خود انتظام کرنا چاہئے۔ اور سوال نامہ میں ذکر کردہ شکل میں ٹوکن پر اعتماد کرنا ممکن نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک ۵۰۸)

(۸) ترتیب واجب ہے، رمی، حلق، قصر اور قربانی میں ترتیب واجب اور لازم ہے۔

اعلم أن ما يفعل في أيام النحر أربعة أشياء: الرمي، والنحر، والحلق، والطواف، وهـذا الترتيب واجب عند أبي حنيفة، ومالك، وأحمد.

(البحرالرائق كراچی ٣/ ٢٤، زكريا ٣/ ٤٢، وهكذا في البناية، أشرفيه ديوبند ٤/ ٣٦٦، حاشيه چلپی، مكتبه إمداديه ملتان ٢/ ٣٢، زكريا ٢/ ٣٠٨، أنوار مناسك ٤٤٧)

(۹) بالوں کے قصر کی شکل یہ ہے کہ کم از کم سر کے چوتھائی یا اس سے زائد حصہ کے بال کاٹ لینا واجب ہے، اس کے بغیر حلال نہیں ہوگا۔ اور پورے سر کے بال کٹوا دینا مسنون ہے اور جو بال کاٹ کر الگ کر دیا جائے وہ لمبائی میں کم سے کم انگلی کے ایک پورے کے برابر ہونا ضروری ہے، جو تقریباً ایک انچ کے برابر ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں کے سر میں ایک پورے سے کم لمبے بال ہوں ان کے لئے قصر جائز نہیں حلق لازم ہے۔
(مستفاد: از انوار مناسک/ ۵۲۵)

فأقل الواجب في التقصير قدر الأنملة من جميع شعر ربع الرأس، لكن أصحابنا قالوا: يجب أن يزيد في تقصير الربع على قدر الأنملة؛ لأن أطراف الشعر غير متساوية عادة، فلو قصر قدر الأنملة من الربع لم يستوف قدر الأنملة من جميع شعر الرأس بل هو من بعضه، فوجب أن يزيد على قدر الأنملة. (غنية الناسك، باب مناسك فی يوم النحر، فصل في الحلق، کراچی جديد ١٧٤، مكتبه خيريه ميرٹھ، قديم: ٩٣)

والسنة حلق جميع الرأس، أو تقصير جميعه، وإن اقتصر على الربع جاز مع الكراهة، وهو أقل الواجب فيهما الخ. (غنية، کراچی جديد: ١٧٤، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ٩٣)

(۱۰) غیر معذور کی طرف سے رمی میں نیابت جائز نہیں ہے، ایسی صورت میں جن لوگوں کی طرف سے نیابت کی گئی ہے، ان پر دم دینا لازم ہوجاتا ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۵۰۲)

السادس: أن يرمي بنفسه، فلا تجوز النيابة فيه عند القدرة. (غنية، باب رمي الجمار، فصل في شرائط الرمي، جديد کراچی ١٨٧، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ١٠٠)

(۱۱) جو متمتع یا مکی بغیر احرام عرفات پہنچ جائیں اور عرفات جاکر حج کا احرام باندھ لیں، تو ان کے اوپر ایک دم دینا لازم ہوجائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ والوں یا مکہ میں مقیم لوگوں پر حج کا احرام حدودِ حرم کے اندر باندھنا واجب ہوتا ہے۔ اور عرفات حدود حرم کے باہر ہے۔ (مستفاد: از انوار مناسک/۲۲۲)

وكذا الآفاقي أو البستاني إذا دخل مكة أو الحرم فهو وقته للحج، والحل للعمرة، كل ذلک إذا دخله أو خرج إليه لحاجة وإن لم ينو الإقامة به، فإن قصده لا لحاجة بل للإحرام منه تاركا وقته عمدا لا يكون من أهل ما خرج إليه لحاجة، أو دخل فيه، فعليه العود إلى وقته، والإحرام منه، فإن لم يعد فعليه الدم، ثم هل يأثم بترک العود؟ فإن كان قادرا عليه نعم، وإلا فلا،

إلا أنه لا يجب عليه دم آخر بترک هذا الواجب. (غنية الناسك، باب المواقيت، فصل و قد يتغير الميقات بتغير الحال، قديم، مكتبه خيريه ميرٹھ ۲۹، جديد كراچى ۵۸-۵۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ؍صفر ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸ / ۹۹۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۶/۲/۱۴۳۱ھ

منی مزدلفہ میں قصر واتمام سے متعلق دارالعلوم کے فتوی کا حکم

سوال [۵۰۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سال گذشتہ منی میں قصر واتمام سے متعلق دارالعلوم دیوبند کا جو فتوی U 11-1434 /D 1353-267 آن لائن حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری صدر المدرسین اور حضرت مولانا ابوالقاسم صاحب نعمانی، مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تصدیقات سے جاری ہوا، جس سے منی میں بڑا انتشار رہا، جس کا علم شاید آپ کو بھی ہوگا۔ براہ کرم اس انتشار سے بچنے کے لئے امت کی رہبری فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: میر سعادت علی حیدر آبادی، حال مقیم نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دارالعلوم دیوبند کے جس فتوی کا ذکر کیا گیا ہے، پچھلے سال ۲۸-۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰-۲۱/ مارچ ۲۰۱۴ء ممبئی حج ہاؤس میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ایک فقہی اجتماع ہوا ہے اور اس اجتماع میں یہ فتوی بانٹا گیا ہے؛ لیکن شرکاء اجتماع میں سے اکثر حضرات نے دارالعلوم دیوبند کے اس فتوی سے اتفاق نہیں فرمایا ہے اور جو مقالہ نگار حضرات تھے ان میں سے پندرہ حضرات نے اس فتوی سے اتفاق کیا

ہے اور ۴۵؍مقالہ نگار حضرات نے اس فتوی سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ اور اس اجتماع میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری اور مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم اور دارالعلوم دیوبند علیا کے تقریباً سارے اساتذہ موجود تھے اور خود دارالعلوم دیوبند کے مفتیان کرام کے دوفریق تھے، ایک فریق نے اس سے اتفاق کیا اور دوسرے فریق نے اس سے اختلاف کیا اور دارالعلوم دیوبند کے اکثر اساتذہ نے بھی اس سے اختلاف کیا، آخر میں تجویز کمیٹی میں یہ بات طے پائی کہ کسی ایک جانب سارے شرکاء کا اتفاق نہیں ہو پایا ہے؛ اس لئے عامۃ المسلمین کو اختیار دیا گیا ہے کہ دونوں فریقوں میں سے جس کو جس پر اطمینان ہو اس سے مسئلہ معلوم کر کے عمل کریں اور دوسرے فریق سے نزاع اور اختلاف نہ کریں اور ہم لوگ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے مذکورہ فتوی سے اختلاف کیا ہے اور ہم نے اپنے اپنے مقالہ میں اپنی اپنی دلیلیں پیش کی ہیں، آنجناب سے بھی یہی گزارش ہے کہ جس پر اعتماد ہے اس کو اختیار فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۲۶۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۷/۱۴۳۶ھ

قصر واتمام کے مسئلہ میں منی ومزدلفہ کے مکہ مکرمہ شہر کے جزو ہونے کا تحقیقی جائزہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّى عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْد!

وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (البقرة/ ۱۲۸)

اور ہم کو بتلا دے حج کے مناسک (اصول وقواعد) اور ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

ہر سال حج کے موقع پر حجاج کرام کے درمیان منی ومزدلفہ میں قصر واتمام کے بارے میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ منی مکہ مکرمہ شہر سے الگ ایک جداگانہ مقام ہے؛ اس لئے منی کا قیام مکہ کا قیام نہیں ہے۔

﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا.﴾ [آل عمران: ۹۷]

لہٰذا منی کی طرف خروج سے پہلے اگر پندرہ دن قیام نہیں رہا ہے تو نمازوں کا قصر کرنا لازم ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ منی ومزدلفہ مکہ مکرمہ شہر کا حصہ ہیں۔ ﴿وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا.﴾ کی بشارت میں منی بھی شامل ہے؛ اس لئے ایسے حجاج کرام کے لئے نمازوں کا قصر کرنا جائز نہیں ہے، جو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد واپسی تک میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اور اختلاف کبھی ایسا بڑھ جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے بعض دفعہ حجاج کرام کے درمیان ایک محبوب عبادت میں جس طرح یکسوئی ہونی چاہئے وہ باقی نہیں رہتی ہے؛ بلکہ اختلاف اور الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں اور حج کے بعد بھی بحث کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اسی لئے اس موضوع سے متعلق نصوص ودلائل کی روشنی میں تفصیلی وضاحت کی ضرورت ہے اور اسی ضرورت کے پیش نظر یہ مضمون پیش خدمت ہے۔

فنائے شہر کسے کہتے ہیں؟

فنائے شہر شہر کے کسی بھی جانب کی اس جگہ کو کہا جاتا ہے جو شہر سے متصل یا شہر سے فاصلہ پر ہو، جس میں شہر کی آبادی اور عمارتیں نہ ہوں اور شہر کی کسی بھی قسم کی ضرورت میں استعمال ہوتی ہو۔

''تنویر الابصار'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

فِنَاءُهُ وَهُوَ مَا حَوْلَهُ اتَّصَلَ بِهِ أَوْ لَا لِأَجْلِ مَصَالِحِهِ. (تنویر الأبصار مع الدر، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، کراچی ۲/ ۱۳۸، زکریا ۳/ ۷)

شہر کی فناء وہ جگہ ہے جو شہر کے اردگرد ہوتی ہے، شہر سے متصل ہو یا متصل نہ ہو اور وہ شہر کے مصالح کے لئے ہو۔

یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ فنائے شہر دو طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) فنائے متصلہ: فنائے متصلہ اس جگہ کو کہا جاتا ہے جو مصالح شہر کے لئے استعمال ہوتی ہو اور شہر کی آبادی سے اس کی دوری ایک غلوہ یعنی چارسو ذراع سے زیادہ دوری پر نہ ہو؛ لیکن اگر شہر بڑا ہے تو اس کی وسعت کے اعتبار سے فنائے متصلہ کی دوری میں بھی وسعت ہو جاتی ہے۔ اور فنائے متصلہ قصر واتمام کے مسئلہ میں ربض شہر کی طرح شہر کے حکم میں ہوتی ہے، جیسا کہ بحر کی عبارت سے واضح ہے:

إِنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمِصْرِ أَقَلَّ مِنْ قَدْرِ غَلْوَةٍ وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا مَزْرَعَةٌ يُعْتَبَرُ مُجَاوَزَةُ الْفِنَاءِ أَيْضًا. (البحر، باب المسافر، زکریا دیوبند ۲/ ۲۲۶، کوئٹہ ۲/ ۱۲۸، فتاوی قاضیخان، جدید زکریا ۱/ ۱۰۳، قدیم ۱/ ۱۶۵)

اگر شہر اور فناء کے درمیان ایک غلوہ (چارسو ذراع) سے کم کا فاصلہ ہو اور دونوں کے درمیان کھیت وغیرہ کا فاصلہ نہ ہو تو مسافر کے لئے فنائے شہر سے بھی تجاوز کرنے کا اعتبار ہوگا۔

(۲) فنائے منفصلہ: فنائے منفصلہ قصر واتمام کے مسئلہ میں شہر کے حکم میں نہیں ہوتی ہے، یعنی جب مسافت سفر طے کرنے کے ارادہ سے شہر سے سفر شروع کیا جائے تو فنائے منفصلہ میں جا کر قصر کرنے کا حکم ہے، اس میں اتمام جائز نہیں ہے۔ اور فنائے منفصلہ کی دوری پانچ چھ کلومیٹر سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے جس کو ہم آئندہ صفحات میں فنائے شہر سے متعلق تفصیلی وضاحت میں پیش کریں گے۔

کیا فنائے شہر کا شہر سے متصل ہونا لازم ہے؟

یہاں یہ مسئلہ بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ فنائے شہر کا شہر سے متصل ہو کر تسلسل کے ساتھ اپنی انتہا تک جاری رہنا لازم ہے یا شہر اور فنائے شہر کے درمیان میں کھیتوں اور باغات وغیرہ کے ذریعہ سے بڑے بڑے انفصال بھی ہوسکتے ہیں، تو اس سلسلے میں بعض فقہاء کی عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فنائے شہر کا شہر سے متصل ہونا لازم ہے۔ اور کھیت وغیرہ کا انفصال فنائے شہر کو مانع ہے، ان تمام عبارتوں پر علامہ شامیؒ نے بخاریٰ کی عیدگاہ کے ذریعہ سے واضح انداز سے رد فرمایا ہے کہ وہ سارے اقوال صحیح اور درست نہیں ہیں؛ بلکہ صحیح اور درست یہی ہے کہ فنائے شہر کا شہر سے متصل ہونا لازم نہیں ہے؛ بلکہ کھیتوں اور باغوں وغیرہ کے ذریعہ سے انفصال ہو جائے تو وہ بھی فنائے شہر کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے، بس اتنا ضروری ہے کہ مصالح شہر کا اس سے کم یا زیادہ تعلق ہو؛ اس لئے کہ بخاریٰ کی عیدگاہ شہر بخاریٰ کی آبادی کے بعد کافی دوری پر واقع تھی اور عیدگاہ اور شہر کی آبادی کے درمیان کافی لمبا چوڑا کھیتوں اور جنگلات کا فاصلہ رہا ہے۔ اور عیدگاہ میں مصریت کے اعتبار سے وہ ساری شرطیں لازم ہوتی ہیں جو جواز جمعہ کے لئے لازم ہوتی ہیں اور بخاریٰ کی عیدگاہ میں نمازِ عید کے جائز اور صحیح ہونے کے بارے میں متقدمین اور متأخرین سارے فقہاء کا اتفاق ہے، کسی نے اس پر نکیر نہیں کی ہے۔ اور فقہاء نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ فنائے شہر کا حکم ایسا ہے جیسا کہ شہر کے درمیانی حصہ کا حکم ہوتا ہے۔ اب اس سلسلے میں فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے: شامی

میں اس حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

وَاعْتَبَرَ بَعْضُهُمْ قَيْدَ الاتِّصَالِ، وَقَدْ خَطَأَهُ صَاحِبُ الذَّخِيْرَةِ قَائِلاً، فَعَلٰى قَوْلِ هٰذَا الْقَائِلِ لَا تَجُوْزُ إِقَامَةُ الْجُمُعَةِ بِبُخَارٰى فِيْ مُصَلَّى الْعِيْدِ، لِأَنَّ بَيْنَ الْمُصَلّٰى وَبَيْنَ الْمِصْرِ مَزَارِعُ، وَوَقَعَتْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةُ مَرَّةً، وَأَفْتٰى بَعْضُ مَشَايِخِ زَمَانِنَا بِعَدَمِ الْجَوَازِ، وَلٰكِنَّ هٰذَا لَيْسَ بِصَوَابٍ، فَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُنْكِرْ جَوَازَ صَلَاةِ الْعِيْدِ فِيْ مُصَلَّى الْعِيْدِ بِبُخَارٰى، لَا مِنَ الْمُتَقَدِّمِيْنَ وَلَا مِنَ الْمُتَأَخِّرِيْنَ، وَكَمَا أَنَّ الْمِصْرَ أَوْ فِنَاءَهٗ شَرْطُ جَوَازِ الْجُمُعَةِ فَهُوَ شَرْطُ جَوَازِ صَلَاةِ الْعِيْدِ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچی ۲/ ۱۳۸، زكريا ۳/ ۷)

بعض فقہاء نے فنائے شہر ہونے کے لئے اتصال کی قید کا اعتبار کیا ہے۔ اور صاحب ذخیرہ نے بحث کرتے ہوئے اس کو خطا اور غلطی پر محمول کیا ہے؛ لہٰذا اس قائل کے قول کے مطابق بخاریٰ کی عیدگاہ میں اقامت جمعہ جائز نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ عیدگاہ اور شہر کے درمیان میں بہت سارے کھیت ہیں اور ایک مرتبہ اس مسئلہ کا واقعہ پیش آیا تو ہمارے زمانہ کے بعض مشائخ نے عدمِ جواز کا فتویٰ بھی دیا؛ لیکن یہ صحیح اور درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ بخاریٰ کی عیدگاہ میں نمازِ عید کے جواز پر کسی نے بھی نکیر نہیں کی نہ متقدمین میں سے کسی نے اور نہ ہی متاخرین میں سے کسی نے۔ اور جیسا کہ شہر یا فنائے شہر جواز جمعہ کے لئے شرط ہے اسی طرح نمازِ عید کے جواز کے لئے بھی شرط ہے۔

اور علامہ سرخسیؒ نے ''مبسوط'' میں اس حکم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَأَمَّا إِقَامَةُ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ مِنْ حَوَائِجِ أَهْلِ الْمِصْرِ، وَهٰذَا مَوْضِعٌ مُعَدٌّ

اور بہر حال جمعہ اور عیدین کا قائم کرنا شہر کی ضروریات میں سے ہے اور یہ جگہ اسی ضرورت کے لئے تیار کی گئی ہے؛ لہٰذا اس حکم

لِذٰلِکَ فَيُجْعَلُ فِي حَقِّ هٰذَا الْحُكْمِ فِنَاءُ الْمِصْرِ كَجُوْفِ الْمِصْرِ. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۲/۱۲۱-۱۲۲)

کے حق میں فنائے شہر کا حکم ایسا ہے جیسا کہ شہر کے بیچ میں ہے۔

شہر کی آبادی سے فنائے مصر کی دوری

شہر کی عمارتی آبادی سے فنائے مصر کی دوری کی حد کہاں تک ہوسکتی ہے؟ اس سلسلے میں حضراتِ فقہاء کے گیارہ اقوال کتبِ فقہ میں ملتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر اختصار کے ساتھ سارے اقوال نقل کردیئے جائیں، پھر اس کے بعد مفتی بہ اقوال کو بھی واضح کردیا جائے، تاکہ ناظرین کے سامنے مسئلہ خوب اچھی طرح واضح ہوجائے۔ ملاحظہ فرمائیے:

قول ۱: ایک غلوۃ تقریباً چار سو ذراع۔

قول ۲: ایک میل شرعی 2000 دو ہزار گز 1828 میٹر 80 سینٹی میٹر یعنی 1 ڈیڑھ کلومیٹر 380 میٹر 80 سینٹی میٹر۔

قول ۳: دو میل شرعی 4000 چار ہزار گز 3657 میٹر 60 سینٹی میٹر یعنی 3 ساڑھے تین کلومیٹر 157 میٹر 60 سینٹی میٹر۔

قول ۴: تین میل شرعی 6000 چھ ہزار گز 5486 میٹر 40 سینٹی میٹر یعنی 5 پانچ کلو میٹر 486 میٹر 40 سینٹی میٹر۔

قول ۵: ایک فرسخ: اور ایک فرسخ میں تین میل شرعی ہوتے ہیں اور تین میل شرعی کی مقدار قول ۴ کے تحت میں آچکی ہے۔

قول ۶: دو فرسخ اور دو فرسخ میں چھ میل شرعی ہوتے ہیں اور چھ میل شرعی میں 12000 بارہ ہزار گز ہوتے ہیں، یعنی 10972 میٹر، 80 سینٹی میٹر یعنی 10 ساڑھے دس کلومیٹر 472 میٹر اور 80 سینٹی میٹر۔

قول ۷ : تین فرسخ: اورتین فرسخ میں نومیل شرعی ہوتے ہیں،یعنی 18000 اٹھارہ ہزار گز 16459 میٹر 20 سینٹی میٹر،یعنی 16 سولہ کلومیٹر اور 459 میٹر اور 20 سینٹی میٹر۔

قول ۸ : سماع الصوت: آبادی کے کنارے سے زور سے آواز دی جائے جہاں تک آواز پہنچ جائے وہاں تک فنائے شہر میں شمار ہوگا۔

قول ۹ : جامع مسجد کی اذان کی آواز شہر کے باہر جہاں تک پہنچ جائے وہاں تک فنائے شہر ہے۔

قول ۱۰ : شہر کے چھوٹا ہونے اور بڑا ہونے کی حیثیت سے فنائے شہر کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی اگر شہر چھوٹا ہے تو اس کے فناء کی مسافت کم رہے گی اور اگر شہر بڑا ہے تو اس کے فناء کی دوری کی مسافت اسی شہر کی حیثیت کے اعتبار سے لمبی رہے گی۔ مذکورہ اقوال کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وَجُمْلَةُ أَقْوَالِهِمْ فِي تَقْدِيرِهِ ثَمَانِيَةُ أَقْوَالٍ أَوْ تِسْعَةٌ: غَلْوَةٌ، مِيلٌ، مِيلَانِ، ثَلاثَةٌ، فَرْسَخٌ، فَرْسَخَانِ، ثَلاثَةٌ، سَمَاعُ الصَّوْتِ، سَمَاعُ الأَذَانِ، وَالتَّعْرِيفُ أَحْسَنُ مِنَ التَّحْدِيدِ؛ لِأَنَّهُ لا يُوجَدُ ذٰلِكَ فِي كُلِّ مِصْرٍ، وَإِنَّمَا هُوَ بِحَسَبِ كِبَرِ الْمِصْرِ وَصِغَرِهِ، بَيَانُهُ أَنَّ التَّقْدِيرَ بِغَلْوَةٍ أَوْ مِيلٍ لا يَصِحُّ فِي مِثْلِ مِصْرٍ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجهة، كراچی ۲/ ۱۳۸، زكريا ۳/ ۷، منحة الخالق على البحر الرائق، زكريا ۲/ ۲۴۷، كوئٹه ۲/ ۱۴۰)

اوران کے اقوال کا مجموعہ فنائے مصر کی دوری کی مقدار کے بارے میں آٹھ یا نو اقوال ہیں: (۱) ایک غلوہ (۲) ایک میل (۳) دو میل (۴) تین میل (۵) ایک فرسخ اس کی مقدار بھی تین میل ہے (۶) دو فرسخ (۷) تین فرسخ (۸) سماع صوت کی دوری (۹) سماع اذان کی دوری (۱۰) تحدید کے مقابلہ میں اجمالی تعریف زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے کہ مقدار والی تعیین کی بات ہر شہر میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اور یقیناً وہ شہر کے بڑے ہونے اور چھوٹے ہونے کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ ایک غلوہ یا ایک میل کے ذریعہ سے مقدار متعین کرنا کسی شہر جیسی جگہ میں صحیح نہیں ہے۔

قول ۱۱: فنائے مصر اور توابع مصر اتنی دوری تک ہے کہ جہاں کے لوگ صبح کو چل کر شہر کی جامع مسجد میں آ کر آرام سے جمعہ کی نماز پڑھیں، پھر جمعہ کی نماز پڑھ کر شام تک اپنے گھر آ کر رات گذار سکتے ہوں۔

علامہ طحطاویؒ نے اولاً ایک غلوہ کے قول کو نقل کر کے اس کے لئے نوادر، نہایہ اور قہستانی وغیرہ کے حوالہ سے الفاظ ترجیح نقل کرنے کے بعد پھر آخر میں اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سارے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں ہے؛ بلکہ زیادہ صحیح اور قابل عمل بات وہی ہے جو بدائع میں مذکور ہے کہ صبح کو چل کر شہر کی جامع مسجد میں آ کر جمعہ پڑھ کر بغیر کسی مشقت کے اپنے گھر آ کر رات گذار سکتا ہو اس کے اوپر جمعہ واجب ہو جاتا ہے؛ لہٰذا اس کی رہائش گاہ توابع مصر اور فنائے مصر میں شمار ہوگی۔ ملاحظہ فرمائیے (طحطاوی علی المراقی دار الکتاب دیوبند جدید ص: ۵۰۵، قدیم: ۲۷۴)

اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ فنائے مصر شہر کی آبادی سے تین فرسخ یعنی لگ بھگ ساڑھے سولہ کلو میٹر بھی ہو سکتا ہے؛ اس لئے کہ جامع مسجد میں نماز پڑھ کر اتنی دور پیدل چل کر آرام سے اپنے گھر رات گذار سکتے ہیں۔ صاحب بحر الرائق نے اس قول کو زیادہ احوط کہا ہے۔

بدائع الصنائع کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنْ أَمْكَنَهُ أَنْ يَحْضُرَ الْجُمُعَةَ وَيَبِيْتَ بِأَهْلِهِ مِنْ غَيْرِ تَكَلُّفٍ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ وَإِلاَّ فَلَا، وَهٰذَا حَسَنٌ، وَيَتَّصِلُ بِهٰذَا إِقَامَةُ الْجُمُعَةِ فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ بِمِنَى. (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الجمعة، زكريا ١/ ٥٨٥)

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر یہ ممکن ہو جائے کہ جمعہ کی نماز ادا کر کے بغیر کسی مشقت کے اپنے گھر آ کر رات گذار سکے تو اس کے اوپر جمعہ واجب ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اور یہ قول زیادہ احسن اور بہتر ہے اور اسی قول کے ساتھ منیٰ میں ایام موسم میں اقامت جمعہ کا مسئلہ متعلق ہوتا ہے۔

''البحر الرائق'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

فَقَدِ اخْتَلَفَ التَّصْحِيْحُ وَالْفَتْوَى كَمَا رَأَيْتَ، وَلَعَلَّ الأَحْوَطَ مَا فِي الْبَدَائِعِ، فَكَانَ أَوْلَى. (البحر الرائق، باب صلاة الجمعة، زكريا ۲/ ۲٤۸، كوئٹه ۲/ ۱٤۱)	یقیناً مفتی بہ قول اور قول صحیح کے بارے میں اختلاف واقع ہو چکا ہے، جیسا کہ تم نے دیکھا ہے اور یقیناً احوط اور بہتر قول وہی ہے جو بدائع میں ہے؛ لہٰذا وہی قول اولی ہوگا۔

فنائے شہر سے متعلق ہمارے سامنے فقہاء کے یہ گیارہ اقوال ہیں اور ان گیارہ اقوال میں سے چار قولوں کے بارے میں صراحتاً یا اشارۃً الفاظ ترجیح ملتے ہیں۔

(۱) ماقبل میں ذکر کردہ گیارہ اقوال میں سے قول ۱ کے متعلق بھی الفاظ ترجیح ملتے ہیں جیسا کہ علامہ طحطاویؒ نے ''نوادر''، ''نہایہ'' اور ''قہستانی'' کے حوالہ سے مقدار غلوہ یعنی چار سو ذراع کی مسافت کے بارے میں الفاظ ترجیح نقل کئے ہیں، پھر اس کے بعد آخر میں ''وَاخْتِيَارُ الْمُحَقِّقِيْنَ مِنْ أَهْلِ التَّرْجِيْحِ أَنَّهُ لا عِبْرَةَ بِبُلُوْغِ النِّدَاءِ وَلا بِالْغَلْوَةِ وَالأَمْيَالِ، وَإِنَّهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ فَلَا عَلَيْكَ مِنْ مُخَالَفَةِ غَيْرِهِ، وَإِنْ ذُكِرَ تَصْحِيْحُهُ''. (طحطاوي على المراقي جديد: ۵۰۵، قديم: ۲۷٤) کے الفاظ کے ذریعہ سے صاف واضح فرما دیا ہے کہ قدر غلوہ وغیرہ ان اقوال کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ان اقوال کی مخالفت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ ان میں سے بعض کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

مگر صاحب بحر الرائق نے ''فَقَدِ اخْتَلَفَ التَّصْحِيْحُ وَالْفَتْوَى كَمَا رَأَيْتَ، وَلَعَلَّ الأَحْوَطَ مَا فِي الْبَدَائِعِ، فَكَانَ أَوْلَى. (البحر الرائق، زكريا ۲/ ۲٤۸، كوئٹه ۲/ ۱٤۱)'' کے الفاظ کے ذریعہ سے صاحب بدائع کی تحسین کو ترجیح دی ہے جس کی صراحت بدائع الصنائع ۱/ ۵۸۵ میں موجود ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قدر غلوہ کو مفتی بہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، ہاں البتہ اس کو

مفتی بہ قرار دینا اس صورت میں صحیح ہوسکتا ہے کہ جب اس کو فنائے متصلہ میں شمار کیا جائے اور قصر واتمام کے مسئلہ میں فنائے متصلہ شہر کی آبادی کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۲) ماقبل میں ذکر کردہ گیارہ اقوال میں سے قول ۳ کے بارے میں بھی فقہاء نے الفاظ ترجیح بہت وضاحت سے نقل فرمائے ہیں، یعنی قدر میلین کی مسافت ہے، اس کے بارے میں ''مجمع الانہر'' اور ''البحر الرائق'' میں محیط برہانی کے حوالہ سے ''وعلیہ الفتوی'' کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ اور جس قول کے بارے میں ''علیہ الفتویٰ'' کے ساتھ الفاظ ترجیح نقل کئے جاتے ہیں، باتفاق فقہاء متاخرین وہی قول مفتی بہ ہوا کرتا ہے۔

(۳) ماقبل میں ذکر کردہ گیارہ اقوال میں سے قول ۴ کے بارے میں بھی حضرات فقہاء نے الفاظ ترجیح نقل فرمائے ہیں، یعنی ایک فرسخ تین میل شرعی اور یہی قول ۵ بھی ہے، اس قول کے بارے میں صاحب درمختار، صاحب بحر اور صاحب مجمع الانہر نے ولوالجیہ کے حوالہ سے ''وھو المختار للفتوی'' کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ اور اس قول کے بارے میں صاحب بحر نے یہ واضح فرمایا ہے کہ عام لوگوں کے لئے اس قول پر عمل کرنا زیادہ آسان ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ ان دونوں اقوال میں سے ہر ایک کو حضرات فقہاء نے مفتی بہ قرار دیا ہے؛ لہٰذا دو میل شرعی والا قول چھوٹے شہروں کے لئے مفتی بہ قرار دینا زیادہ مناسب ہے اور ایک فرسخ یعنی تین میل شرعی والے قول کو بڑے شہروں کے لئے مفتی بہ قرار دینا زیادہ مناسب ہوگا، تاکہ دونوں قولوں پر عمل کرنا صحیح ہو جائے۔

(۴) قول ۱۰: یہ رہا ہے کہ شہر کے چھوٹے بڑے ہونے کی حیثیت سے فنائے شہر کی لمبائی اور چھوٹائی کا اعتبار ہوگا، یعنی شہر جب چھوٹا ہو اس کے فنائے شہر کی لمبائی کم ہوگی اور شہر جب بڑا ہو تو فنائے شہر کی مسافت اور لمبائی اس اعتبار سے دور تک لمبی ہوگی۔ اس قول کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ مفتی بہ نہیں کہا گیا ہے؛ لیکن اشارۃً اس قول کے بارے میں قول مفتی بہ ہونے کی بات ان الفاظ سے سمجھ میں آتی ہے ''وَالتَّعْرِیْفُ أَحْسَنُ مِنَ التَّحْدِیْدِ؛ لِأَنَّہٗ لا یُوْجَدُ ذٰلِکَ فِيْ کُلِّ مِصْرٍ، وَإِنَّمَا ھُوَ بِحَسَبِ کِبَرِ الْمِصْرِ

وَصِغَرِہٖ. (شامي، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ، کراچی ۲/ ۱۳۸، زکریا ۳/ ۸، منحۃ الخالق کوئٹہ ۲/ ۱۴۰)"

اوران اقوال میں تطبیق یوں ہے کہ اس قول میں اور دو اور تین میل والے قولوں میں کوئی تضاد نہیں ہے؛ کیوں کہ دو میل والا قول شہر کے چھوٹے ہونے کے اعتبار سے ہوگا اور ایک فرسخ یعنی تین میل شرعی والا قول شہر کے بڑے ہونے کے اعتبار سے ہوگا؛ لہٰذا ان تمام اقوال کا حاصل یہ نکلا کہ آج کے زمانہ کے شہروں کے فناء کی دوری دو میل یعنی ساڑھے تین کلو میٹر سے کم نہیں ہوگی اور بڑے شہر کے فنائے شہر کی دوری تین میل یعنی لگ بھگ ساڑھے پانچ کلومیٹر تک عمومی طور پر ہوگی اور یہاں بڑے شہر سے متوسط درجہ کا شہر مراد ہے" دہلی، ممبئی، کلکتہ، مدراس، کراچی وغیرہ جیسے شہر مراد نہیں ہیں، جن کے ایک جانب سے دوسری جانب تک خود مسافت سفر سے زیادہ لمبی مسافت ہو جاتی ہے، اور اس طرح کے شہروں کا فناء انہیں کی حیثیت سے ہوگا، آج کے زمانہ کے چھوٹے شہر بھی پرانے زمانہ کے بڑے شہروں سے وسیع ہوتے ہیں؛ اس لئے چھوٹے شہروں کو بھی بڑا شہر کہہ کر تعبیر کیا جا رہا ہے۔ ان اقوال کے مفتی بہ ہونے سے متعلق فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمایئے: "مجمع الانہر" میں یہ حکم اس طرح کی عبارت میں منقول ہے:

وَقَدَّرَهُ بَعْضُهُمْ بِمِيلَيْنِ، قَالَ فِي الْمُحِيطِ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوٰى، وَآخَرُوْنَ بِثَلاثَةِ أَمْيَالٍ، قَالَ الْوَلْوَالِجِيُّ: وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوٰى. (سكب الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، باب الجمعة، دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۴۸)

اور بعض علماء نے فناء کو دو میل شرعی کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور محیط میں ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے اور بعض دوسرے علماء نے تین میل شرعی کے ساتھ مقید کیا ہے۔ ولولواجی نے کہا کہ یہی قول فتویٰ کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

درمختار میں اس کو اس طرح کی عبارت میں بیان کیا گیا ہے:

وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْویٰ تَقْدِیْرُهٗ بِفَرْسَخٍ. (الدر المختار مع الرد، کراچی ۲/ ۱۳۸، زکریا ۳/ ۷)

اور فتویٰ کے لئے قول مختار فناء کو ایک فرسخ کے ساتھ مقید کرنے میں ہے۔

صاحب بحر الرائق علامہ ابن نجیم نے اس کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

وَاخْتَارَ فِي الْمُحِيْطِ اِعْتِبَارَ الْمِيْلَيْنِ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوىٰ، وَذَكَرَ الْوَلْوَالِجِيُّ فِيْ فَتَاوَاهُ: إنَّ الْمُخْتَارَ لِلْفَتْوىٰ قَدْرُ الْفَرْسَخِ لِأَنَّهُ أَسْهَلُ عَلَى الْعَامَّةِ، وَهُوَ ثَلاثَةُ أَمْيَالٍ. (البحر الرائق، زکریا ۲/ ۲٤۸، کوئٹہ ۲/ ۱٤۱)

اور محیط میں دو میل کے قول کا اعتبار کیا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ اور ولوالجی نے اپنے فتویٰ میں ذکر کیا ہے کہ فتویٰ کے لئے قول مختار ایک فرسخ کی مقدار ہے؛ اس لئے کہ عام لوگوں کے لئے یہی قول زیادہ آسان ہے اور وہ تین میل شرعی کی مقدار ہے۔

علامہ شامیؒ نے اس حکم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

’’وَالتَّعْرِيْفُ أَحْسَنُ مِنَ التَّحْدِيْدِ؛ لِأَنَّهُ لا يُوْجَدُ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ مِصْرٍ، وَإِنَّمَا هُوَ بِحَسَبِ كِبَرِ الْمِصْرِ وَصِغَرِه. (شامي زکریا ۳/۸ ، کراچی ۲/ ۱۳۸، منحة الخالق علی البحر الرائق، کوئٹہ ۲/ ۱٤۰، زکریا ۲/ ۲٤۷)

اور تحدید کے مقابلہ میں فناء کی تعریف پیش کرنا زیادہ بہتر ہے؛ اس لئے کہ تحدید ہر شہر میں نہیں پائی جاتی ہے اور یقیناً فنائے شہر شہر کے بڑے ہونے اور چھوٹے ہونے کے اعتبار سے چھوٹا بڑا ہوگا۔

فنائے شہر کا مصالح شہر کے لئے پورے سال استعمال ہونا لازم ہے یا ایک آدھ دفعہ کافی ہے؟

یہاں یہ بات بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ فنائے شہر کا پورے سال شہر کے مصالح

کے لئے استعمال ہونا لازم ہے؟ یا پورے سال میں ایک آدھ دفعہ استعمال ہوجانا بھی کافی ہے؟ تو اس کے بارے میں بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ فنائے شہر تبھی معتبر ہوتا ہے کہ جب پورے سال شہر کی ضروریات میں استعمال ہوتا رہتا ہو اور اگر سال میں ایک آدھ دفعہ استعمال ہوکر پورا سال خالی ویران پڑا رہے تو وہ فنائے شہر نہیں ہوسکتا ہے، ان بزرگوں سے گزارش ہے کہ اس پر نظر ثانی فرمالیں؛ اس لئے کہ شہر کی عیدگاہ کے بارے میں تمام فقہاء کا اتفاق اس بات پر ہے کہ وہ فنائے شہر کے اندر داخل ہے۔ اور وہ پورے سال میں عیدالفطر کے دن ایک دو گھنٹہ کے لئے استعمال ہوتی ہے اور اسی طرح عیدالاضحیٰ کے دن ایک دو گھنٹہ کے لئے استعمال ہوتی ہے، اس کے بعد پورے سال ویران رہتی ہے؛ لیکن اس کے باوجود سارے فقہاء کا اتفاق اس بات پر ہے کہ عیدگاہ فنائے شہر میں داخل ہے، اسی طرح اگر منی موسم حج میں چار یا پانچ دن کے لئے بطور مشاعر استعمال ہوتا ہے اور اس کے بعد پورے سال میں استعمال نہیں ہوتا ہے، تو اس کو فنائے شہر سے خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ مکۃ المکرّمہ کو اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کی عبادت کے لئے متعین فرمایا ہے اور وہاں کی آبادی کا اصل مقصد حج اور عمرہ ہے۔ اور موسم حج میں منی ومزدلفہ حاجیوں کی مصالح کے لئے مشاعر کے طور پر استعمال ہوتے ہیں؛ لہٰذا منی اور مزدلفہ کو یہ کہہ کر فنائے شہر سے خارج کرنا کہ پورے سال استعمال میں نہیں آتے ہیں بلکہ ویران پڑے رہتے ہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ منی میں جمرات کے چاروں طرف کے میدان رمضان بھر عمرہ کرنے والوں کی بسوں اور ٹیکسیوں کو کھڑا کرنے کے لئے پارکنگ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، چنانچہ جگہ جگہ منجانب سرکار گاڑیوں کی پارکنگ کے بورڈ لگے ہوئے ہیں، اسی طرح غیر رمضان میں بھی جب عمرہ کرنے والوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے تو پارکنگ کے طور پر منی استعمال میں آتا رہتا ہے، لہٰذا اس کو مصالح شہر اور شہر کی ضروریات سے خارج کرکے منی کو فنائے مکہ سے خارج قرار دینا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔

اس حکم کو محیط برہانی میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَكَمَا يَجُوْزُ إِقَامَةُ الْجُمُعَةِ فِي الْمِصْرِ يَجُوْزُ إِقَامَتُهَا خَارِجَ الْمِصْرِ قَرِيْبًا مِنْهُ نَحْوَ مُصَلَّى الْعِيْدِ؛ لِأَنَّ الْعِيْدَ أَبَدًا يَكُوْنُ فِي فِنَاءِ الْمِصْرِ. (المحيط البرهاني بيروت ٢/ ٤٤٠، رقم: ٢١٤٤، كراچی ٢/ ١٧٥، هكذا في حلبي كبير/ ٥٥٧، تاتار خانية ٢/ ٥٥٠، رقم: ٣٢٦٩، البحر، كوئٹه ٢/ ١٤٠، زكريا ٢/ ٢٤٧)

اور جس طرح شہر کے اندر جمعہ قائم کرنا جائز ہوتا ہے، اسی طرح خارج مصر سے قریب مثلاً عیدگاہ میں بھی جمعہ قائم کرنا جائز ہے اس لئے کہ عید کی نماز ہمیشہ فنائے مصر میں ہی ہوا کرتی ہے۔

مکہ مکرمہ اور منی کے درمیان کا فاصلہ

خیرالقرون وائمہ مجتہدین اور فقہاء کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سے منی کو آنے کا راستہ قبرستان جنت المعلّٰی کی طرف سے تھا اور اس طرف سے مکۃ المکرّمہ کی آبادی جنت المعلّٰی سے پہلے پہلے تھی اور قبرستان معلّٰی آبادی سے باہر کے حصہ میں واقع تھا۔ اور مکۃ المکرّمہ میں لیلۃ الجن کا جو واقعہ پیش آیا ہے وہ قبرستان جنت المعلّٰی کے بغل میں پیش آیا ہے جہاں پر مسجد جن بنی ہوئی ہے اور اسی کے قریب میں بیس قدم آگے بڑھنے کے بعد مسجد الرایہ بنی ہوئی ہے، جس جگہ پر فتح مکہ کے موقع پر اسلام کی فتح یابی کا جھنڈا گاڑا گیا تھا، اسے حجون کا علاقہ کہا جاتا ہے اور قبرستان معلّٰی بھی حجون ہی میں واقع ہے، اس سے آگے مکۃ المکرّمہ کی آبادی نہیں تھی، پھر یہاں سے آگے چل کر منی کی طرف تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلہ پر مسجد مُحصّب واقع ہے، یہی علاقہ درحقیقت شعب ابی طالب کا علاقہ ہے، جس میں بنو ہاشم نے مقاطعہ کے زمانہ میں خواجہ ابوطالب کی سرپرستی میں ڈھائی تین سال نظر بندی کی شکل میں مشقت برداشت کی ہے اور مسجد مُحصّب اس جگہ پر واقع ہے جہاں حضور ﷺ نظر بندی کے موقع پر مقیم تھے۔ اور حج کے موقع پر منی سے مکہ مکرمہ آنے جانے میں اس جگہ پر حضور ﷺ نے قیام فرمایا ہے، آج کے زمانہ میں یہ علاقہ بہت بڑی آبادی پر مشتمل ہے اور اس علاقہ کو معابدہ کے نام سے موسوم کیا

جاتا ہے، پھر اس کے بعد منی کی طرف کا کئی کلومیٹر کا لمبا چوڑا علاقہ شیشہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ آبادی تسلسل کے ساتھ آگے کی طرف وہاں تک پہنچ گئی ہے جہاں تک حاجیوں کی ضرورت کی وجہ سے عمارتیں بنانا ممنوع ہے، پھر جمرات کے سامنے کا میدان جو حاجیوں کی ضرورت کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے اس کو بائیں طرف چھوڑتے ہوئے یہ آبادی محلّہ عزیزیہ سے متصل ہو چکی ہے، پھر عزیزیہ کی آبادی منی سے متصل جبل شبیر جس کے اوپر بادشاہ کے محلات ہیں اس سے متصل ہوتی ہوئی آگے مزدلفہ تک پہنچ گئی ہے، پھر مزدلفہ سے آگے بڑھتی ہوئی ''مستشفیٰ النور'' تک پہنچ گئی ہے، جس کو عزیزیہ جنوبیہ کہا جاتا ہے۔ اور عزیزیہ جنوبیہ مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی سے تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور چند سال سے ہندوستانی حاجیوں کا قیام اسی علاقہ میں زیادہ تر رہتا ہے۔

خیر القرون اور فقہاء مجتہدین کے زمانہ سے صدیوں تک جنت المعلّٰی کے قبرستان سے لے کر منی کی طرف کا سارا علاقہ ویران خالی پڑا ہوا تھا، معابدہ، شیشہ اور عزیزیہ وغیرہ میں کسی بھی آبادی کا وجود نہیں تھا اور اس زمانہ میں جنت المعلّٰی کے بعد سے منی تک کا فاصلہ حضرات فقہاء کی صراحت کے مطابق دو فرسخ رہا ہے۔ اور ایک فرسخ میں تین شرعی میل ہوتے ہیں اور دو فرسخ میں چھ شرعی میل ہوتے ہیں اور چھ شرعی میل میں تقریباً نو کلومیٹر ہوتے ہیں؛ لہٰذا مکہ اور منی کے درمیان فقہاء کے زمانہ میں اتنا لمبا فاصلہ ہونے کی وجہ سے منی کو مکہ مکرمہ کی آبادی سے الگ شمار کیا جاتا تھا اور اتنا لمبا فاصلہ ہونے کی وجہ سے کوئی بھی فقیہ منی کو مکہ مکرمہ کا محلّہ نہیں کہہ سکتا تھا۔

اس کے برخلاف آج کے زمانہ میں لگ بھگ نو کلومیٹر کا یہ پورا علاقہ مسلسل شاندار عمارتوں کے ساتھ آباد ہو چکا ہے، درمیان میں کسی قسم کا فاصلہ باقی نہیں رہا، اب ایسی صورت میں حضرات فقہاء نے جس فاصلہ کی علت کی وجہ سے منی کو مکہ سے الگ قرار دیا تھا وہ علت آج قطعی طور پر ختم ہو چکی ہے اور اس فاصلہ کے ختم ہو جانے کے بعد منی کو مکہ مکرمہ میں شامل قرار دینے میں کسی بھی فقیہ کو تردد نہیں ہو سکتا۔ عالم ومفتی پر لازم ہے کہ جغرافیائی اعتبار سے

شرعی حکم لگانے سے پہلے اس کی علت کو پیش نظر رکھیں کہ فقہاء کے زمانے میں اتنے لمبے چوڑے فاصلہ کی جو علت تھی اس علت کے ساتھ حکم شرعی معلول تھا اور آج کے زمانہ میں اس طرح فاصلہ کی علت سرے سے ختم ہو چکی ہے، تو اس علت کے ختم ہو جانے کے بعد حکم شرعی بھی قطعی طور پر بدل چکا ہے؛ لہٰذا آج کے موجودہ حالات میں علت اتصال کی وجہ سے منیٰ کو مکہ مکرمہ میں شامل قرار دینا لازم اور ضروری ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ اتصال کی وجہ سے منی کو مکۃ المکرّمہ میں شامل کر کے شہر مکہ مکرمہ کا جزو قرار دینے کی وجہ سے اس کی حدود شرعیہ میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا، اس کی حدود شرعیہ توقیفی ہیں، وہ اپنی جگہ بحالہ باقی ہیں، یعنی جمرۂ عقبہ سے لے کر وادی محسّر تک دو طرفہ پہاڑی کے درمیان تقریباً دو ڈھائی کلومیٹر کی لمبائی میں منی کی حدود شرعیہ ہے، جس میں حضرات حجاجِ کرام ایامِ منیٰ میں قیام کرتے ہیں اور رات گذارتے ہیں۔ فقہاء کے زمانہ میں فاصلہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے: ''فتح القدیر''، ''تبیین الحقائق'' اور ''البحر العمیق'' میں اس کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

لِأَنَّ بَيْنَهُمَا فَرْسَخَيْنِ. (فتح القدير، باب صلاة الجمعة، كوئٹه ٢/ ٢٦، زكريا ٢/ ٥٢، تبيين الحقائق، إمداديه ملتان ١/ ٢١٨، زكريا ١/ ٥٢٦، البحر العميق، المكتبة المكية ٣/ ١٤٩٢، النهر الفائق ١/ ٤٥٤، المحيط البرهاني ٢/ ٤٤١، رقم: ٢١٤٥)

اس لئے کہ منی اور مکہ مکرمہ کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ ہے۔ یعنی چھ شرعی میل کا فاصلہ (تقریباً ۹؍کلومیٹر)

اس کو ''التاریخ القویم'' میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

اَلْمَسَافَةُ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلٰى مَسْجِدِ الْخَيْفِ ٩ كيلو مِتْرَاتٍ. (التاريخ القويم، دار خضر بيروت لبنان، الجزء الخامس ٣/ ٢٨٨)

مسجد حرام سے اور مسجد خیف کے درمیان ۹؍ کیلومیٹر کی مسافت ہے۔

مکہ مکرمہ اور مزدلفہ کا فاصلہ

منی سے ہوتے ہوئے پورا منی ختم ہونے کے بعد وادی محسّر کا تھوڑا سا حصہ لگ بھگ پچاس قدم کی چوڑائی میں ہے، اس کے بعد حدود مزدلفہ کی تختی لگی ہوئی ہے، پھر مزدلفہ کی لمبائی بھی تقریباً دوکلومیٹر کی ہے اور شیشہ سے متصل ہوتے ہوئے عزیزیہ کی آبادی جبل ثبیر کے کنارے سے تسلسل کے ساتھ مزدلفہ تک پہنچ گئی ہے اور عزیزیہ جنوبیہ کی عمارتیں حدود مزدلفہ کی تختیوں تک پہنچ گئی ہیں، پھر وہاں سے آگے کافی دور تک پہنچ گئی ہیں، اس اعتبار سے خیر القرون اور فقہاء کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی سے مزدلفہ کی مسجد مشعر حرام تقریباً چودہ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع تھی اور اس فاصلہ میں کوئی آبادی نہیں تھی۔ اور آج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی سے لے کر عزیزیہ ہوتے ہوے حدود مزدلفہ کی تختیوں تک کوئی بھی جگہ آبادی سے خالی نہیں رہی۔

تازہ مشاہدہ یہ ہے کہ ۲۶ ؍جنوری ۲۰۱۴ء بروز اتوار کو احقر اور حضرت مفتی ابوالکلام صاحب مفتی شہر بھوپال نے مشاہدہ کیا ہے کہ محلّہ عزیزیہ کی آخری رہائشی عمارت جس میں فی الحال متعدد فیملی کی رہائش ہے اس کے اور مزدلفہ کے بورڈ کے درمیان برج نما صرف ایک روڈ کا فاصلہ ہے، ہم نے کہا کہ بورڈ سے لے کر عمارت تک کا فاصلہ ناپ کر دیکھا جائے، چنانچہ گاڑی کے میٹر سے ناپا گیا تو رہائشی عمارت تک صرف کلومیٹر کا دسواں حصہ ثابت ہوا اور اس عمارت سے ملی ہوئی چہار دیواری تو اور زیادہ قریب ہے۔ اور فقہاء کے ایک قول میں ایک غلوہ (چار سو ذراع) تک کے فاصلہ پر جو فناء ہوتا ہے اس کو فنائے متصلہ شمار کیا جاتا ہے اور یہاں ڈیڑھ سو ذراع کا فاصلہ بھی مشکل سے ہے اور قصر واتمام کے مسئلہ میں فنائے متصلہ شہر کی آبادی کے حکم میں ہوتا ہے۔ (البحر، باب المسافر، کوئٹہ ۲/ ۱۲۸، زکریا ۲/ ۲۲۶)

اور اس وقت مکہ مکرمہ کا سب سے بڑا نیا ہسپتال ''مستشفیٰ شاہ عبداللہ'' مزدلفہ کے بورڈوں کے بالکل قریب میں تعمیر ہو گیا ہے، اور اس ہسپتال کی چہار دیواری اور مزدلفہ کے

درمیان صرف روڈ کا فاصلہ ہے، دیکھنے والے اس کا مشاہدہ کرسکتے ہیں اور خود مزدلفہ سال بھر چھٹیوں کے زمانہ میں شہر مکہ کے لوگوں کے کھیل کا میدان بنا رہتا ہے، بچے اس میں کرکٹ کھیلتے ہیں اور مکہ کے باشندے اپنے بیوی بچوں کو لے کر مزدلفہ میں جا کر کے پکنک مناتے ہیں، گھر سے کھانا بنا کر وہاں لے جاتے ہیں اور وہیں کھا کر وہیں تفریح کرتے ہیں، یہ سلسلہ پورے سال رہتا ہے،تو اگر چہ مزدلفہ کے دائرہ کے اندر حاجیوں کے وقوف کی وجہ سے عمارت نہیں بنائی گئی ہے؛لیکن مذکورہ وجوہات کی بناء پر اس کو فنائے شہر سے خارج نہیں کیا جا سکتا؛ اس لئے کہ مذکورہ امور مصالح بلد کے طور پر فنائے شہر ہی میں ہوا کرتے ہیں،لہٰذا مزدلفہ اور محلّہ عزیزیہ کے درمیان اسی طرح مزدلفہ اور مستشفیٰ شاہ عبداللہ کے درمیان تقریباً فاصلہ ہے ہی نہیں۔

اور مسجد حرام اور مسجد خیف اور مسجد خیف اور مسجد مشعر حرام کے درمیان کے فاصلہ کو ''التاریخ القویم'' میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

اَلْـمَسَـافَةُ مِـنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلٰى مَسْجِدِ الْخَيْفِ ٩ كيلو مِتْرَاتٍ. اَلْـمَسَـافَةُ مِـنَ الْمَسْجِدِ الْخَيْفِ إِلٰى مَسْجِدِ مزدلفة ٥ كيلو مِتْرَاتٍ.

مسجد حرام اور مسجد خیف کے درمیان ۹؍کیلو میٹر کی مسافت ہے۔ اور مسجد خیف سے مزدلفہ کی مسجد تک پانچ کلومیٹر کی دوری ہے۔

(التاريخ القويم، دار خضر بيروت لبنان، الجزء الخامس ٣/ ٢٨٨)

مکہ مکرمہ اور عرفات کا فاصلہ

خیر القرون اور فقہاء کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی اور عرفات کے درمیان میں فقہاء کی صراحت کے مطابق منیٰ ومزدلفہ سے ہوتے ہوئے چار فرسخ کا فاصلہ رہا ہے اور چار فرسخ میں بارہ میل شرعی ہوتے ہیں، جس میں تقریباً بائیس کلومیٹر ہوتے ہیں، یہ پورا علاقہ فقہاء کے زمانہ میں آبادی سے کلی طور پر خالی رہا ہے اور آج بھی مزدلفہ کے راستہ سے عرفات تک کا پورا علاقہ آبادی سے خالی ہے۔

لیکن مکہ مکرمہ سے طائف کو جانے والی سڑک سے ہوتے ہوئے علاقہ کی نوعیت دوسری طرح ہے، ہندوستان اور پاکستان کے علماء اور مفتیان کرام کا وفد جس نے مدرسہ صولتیہ کے ذمہ دار مولانا حشیم صاحب کی قیادت میں منی مزدلفہ اور عرفات وغیرہ کا مشاہدہ کیا ہے، جس میں راقم الحروف اور مفتی محمد سلمان صاحب، مفتی محمد فاروق صاحب جامعہ محمودیہ میرٹھ، مفتی محمود حسن بلند شہری، مفتی دارالعلوم دیوبند، مفتی شیر محمد جامعہ اشرفیہ لاہور، مفتی مشرف علی تھانوی لاہور، مفتی ابوالکلام بھوپال، مفتی عبدالستار آگرہ، مولانا مبین احمد ہاپوڑ بھی شامل تھے۔ یہ وفد مکہ مکرمہ سے طریق طائف سے ہوتے ہوئے عرفات کی طرف روانہ ہوا، اس طرف سے جگہ جگہ مختلف آبادی کے بعد عوالی کا علاقہ ہے۔ اور عوالی وہ محلّہ ہے جس محلّہ میں ائمہ حرم کے مکانات بھی ہیں، ہم لوگوں نے اس محلّہ میں امام وخطیب ورئیس شئو ون الحرمین شیخ سُدیس کی چار بیویوں کے چار مکانات یکساں طور پر بنے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں، پھر محلّہ عوالی کے بعد تھوڑے سے فاصلہ پر ''جامعہ ام القریٰ'' کی عمارتیں شروع ہوجاتی ہیں اور یہ جامعہ تاحد نظر طول وعرض میں پھیلا ہوا ہے اور بالکل عرفات کے قریب ہے، طریق طائف کی دائیں طرف ''جامعہ ام القریٰ'' ہے اور بائیں جانب فوجی چھاؤنی ہے اور فوجی چھاؤنی کے بعد حدود عرفات کی تختیاں شروع ہوجاتی ہیں اور یہاں سے کچھ فاصلہ پر مزدلفہ کی طرف اونچی اونچی بلڈنگیں بنتی ہوئی نظر آئیں۔ اور امسال ۲۶/جنوری ۲۰۱۴ء بروز اتوار کو مشاہدہ کیا گیا کہ ''مستشفیٰ النور'' کی طرف سے عزیز یہ جنوبیہ سے ہوتے ہوئے عوالی تک دیکھا گیا کہ کوئی فاصلہ باقی نہیں ہے؛ بلکہ عوالی تک مسلسل آبادی ہوگئی ہے۔

یہ عرفات اور مکہ کی آبادی کے درمیان کے فاصلہ سے متعلق جو بات جغرافیائی اعتبار سے پیش کی گئی ہے، یہ صرف معلومات کے لئے ہے؛ اس لئے کہ قصر واتمام کا مسئلہ عرفات سے نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ عرفات میں رات نہیں گذاری جاتی ہے اور قصر واتمام کا مسئلہ رات گذارنے سے ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے منی میں قیام جمعہ سے متعلق جو بحث کی ہے، عرفات کو اس سے صراحت کے ساتھ خارج کر رکھا ہے، نیز منی اور مزدلفہ حدود حرم

کے دائرہ کے اندر ہیں۔ اور عرفات حدود حرم سے باہر حل میں ہے۔ فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیے: محیط برہانی میں اس حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی أَنَّهُ لا جُمُعَةَ بِعَرَفَاتٍ؛ لِأَنَّهَا مَفَازَةٌ، وَلَيْسَتْ بِمِصْرٍ وَلَيْسَتْ مِنْ أَفْنِيَةِ الْمِصْرِ؛ لِأَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ أَرْبَعُ فَرَاسِخ. (المحيط البرهاني بيروت ٢/ ٤٤١، رقم: ٢١٤٥)

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عرفات میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ ویران جنگل ہے اور شہر کی شکل میں نہیں ہے۔ اور عرفات شہر مکہ کے فناء میں بھی شامل نہیں ہے؛ اس لئے کہ عرفات اور مکہ مکرمہ شہر (کی پرانی آبادی) کے درمیان چار فرسخ (بارہ میل شرعی تقریباً بائیس کلومیٹر) کا فاصلہ ہے۔

حاشیہ چلپی میں اس حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

بِخِلافِ عَرَفَةَ لِأَنَّهَا فِضَاءٌ (وفي هامشه) أَيْ لَيْسَتْ مِنْ فِنَاءِ مَكَّةَ؛ لِأَنَّ بَيْنَهُمَا أَرْبَعُ فَرَاسِخ. (حاشية چلپي على التبيين، باب صلاة الجمعة، كوئٹه ١/ ٢١٨، زكريا ١/ ٥٢٦)

برخلاف عرفات کے اس لئے کہ عرفات فضاء اور صحراء ہے اور مکہ مکرمہ کے فناء میں شامل نہیں ہے؛ کیوں کہ عرفات اور مکہ مکرمہ (کی پرانی آبادی) کے درمیان چار فرسخ (بارہ میل شرعی یعنی تقریباً بائیس کلو میٹر) کا فاصلہ ہے۔

اور علامہ ابن نجیمؒ نے ''البحر الرائق'' میں اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

وَلا تَجُوْزُ بِعَرَفَاتٍ إِلٰی قَوْلِهٖ: لِأَنَّ بَيْنَهُمَا أَرْبَعُ فَرَاسِخ. (البحر الرائق، باب صلاة الجمعة، كوئٹه ٢/ ١٤٢، زكريا ٢/ ٢٤٩)

اور عرفات میں جمعہ جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ عرفات اور مکہ مکرمہ (کی پرانی آبادی) کے درمیان چار فرسخ (بارہ میل شرعی تقریباً بائیس کلو میٹر) کا فاصلہ ہے۔

اس حکم کو کفایہ میں ان الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

أَمَّا عَرَفَاتُ فَلَيْسَ مِنْ فِنَاءِ مَكَّةَ، بَلْ هِيَ مِنَ الْحِلِّ، وَبَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ أَرْبَعُ فَرَاسِخَ. (حاشية سعدي چلپي على الفت، كوئٹه ۲/ ۲۵)

رہا عرفات تو وہ مکہ مکرمہ شہر کے فناء میں شامل نہیں ہے؛ بلکہ وہ حل میں ہے؛ اس لئے کہ عرفات اور شہر مکہ مکرمہ کے درمیان چار فرسخ (بارہ میل شرعی تقریباً ۲۲ کلومیٹر) کا فاصلہ ہے۔

جس جگہ سے شہر کا اتصال ہونا ہے کیا اس جگہ میں پہلے سے آبادی شرط ہے؟

سوال نامہ میں یہ بات بھی پوچھی گئی ہے کہ شہر کی آبادی پھیلتی ہوئی وسیع تر ہوکر اطراف کے علاقوں کو متصل ہوجائے تو جس علاقہ سے شہر کی آبادی کا اتصال ہوجائے اس علاقہ میں پہلے سے آبادی ہونا شرط ہے یا نہیں؟

اس سلسلے میں ہندیہ وغیرہ کی بعض عبارات سے ہمارے بعض بزرگوں نے استدلال کرکے یہ حکم لگایا ہے کہ پہلے سے اس علاقہ میں بھی آبادی ہونا شرط ہے، ورنہ علاقہ شہر سے متصل ہونے کے باوجود شہر کا حصہ نہیں بن سکتا۔ بعض بزرگوں کے لکھے ہوئے فتووں میں یہ بات صاف طور پر لکھی ہوئی ہے کہ شہر کی آبادی جس جگہ سے متصل ہوجائے اس جگہ کے شہر کا حصہ بننے کے لئے وہاں پر پہلے سے آبادی ہونا شرط ہے اور اس پر ہندیہ کا یہ جزیہ بطور استدلال پیش کیا گیا ہے:

فَإِنْ كَانَ بِقُرْبِ ذٰلِكَ قُرًى لِأَهْلِ الذِّمَّةِ فَعَظُمَ الْمِصْرُ حَتّٰى بَلَغَ تِلْكَ الْقُرَى وَجَاوَزَهَا فَقَدْ صَارَتْ مِنْ جُمْلَةِ الْمِصْرِ لِإِحَاطَةِ الْمِصْرِ بِجَوَانِبِهَا. (هندية، كتاب السير، زكريا قديم ۲/ ۲۵۱، جديد ۲/ ۲۶۵)

لہٰذا اگر اس شہر کے قریب اہل ذمہ کے گاؤں ہیں پھر شہر بڑا ہوتا ہوا ان گاؤں تک پہنچ جائے اور اس سے بھی تجاوز کر جائے تو وہ گاؤں منجملہ اس شہر کا جزء بن جائے گا، گاؤں کے کناروں کو شہر کے گھیر لینے کی وجہ سے۔

ہماری ان بزرگوں سے اور ناظرین سے گزارش ہے کہ اس عبارت پر غور کیا جائے کہ اس میں کہاں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ شہر کا حصہ بننے کے لئے اتصال ہونے والے علاقوں میں پہلے سے آبادی ہو؛ بلکہ اس عبارت میں ہر شخص غور کرکے یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جس علاقہ

میں پہلے سے آبادی رہی ہے وہ اپنے دائرہ میں مخصوص نام کے ساتھ موسوم ہوجاتا ہے اور اس کی ایک مستقل حیثیت ہوتی ہے، تو شہر کی آبادی کے اس سے متصل ہوجانے کی وجہ سے وہ شہر کا جزء بن جائے گا یا اتصال کے باوجود اس کی استقلالی حیثیت باقی رہ کر شہر سے الگ شمار ہوگا۔ حضرات فقہاء نے اس عبارت کے ذریعہ سے اس بات کو واضح کردیا ہے کہ وہ گاؤں اپنے دائرہ میں مخصوص نام کے ساتھ موسوم ہونے کے باوجود شہر سے الگ شمار نہیں ہوگا؛ بلکہ منجملہ شہر کا جزء بن کر مقام واحد بن جائے گا۔

اور مذکورہ عبارت میں ہرگز یہ بات شرط نہیں قرار دی گئی ہے کہ شہر کے کسی جگہ سے اتصال کے لئے پہلے ہی سے اس جگہ میں آبادی ہونا لازم ہے؛ بلکہ اس طرح کی عبارات کے ذریعہ سے فقہاء نے ایک شبہ کا ازالہ کردیا ہے کہ شہر کے اتصال کی وجہ سے غیر آباد مقامات تو شہر میں شامل ہوہی جاتے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ مستقل الگ حیثیت رکھنے والے گاؤں بھی شہر کا جزء بن جاتے ہیں اور ان کی الگ حیثیت ختم ہوجاتی ہے؛ لہٰذا جس علاقہ میں پہلے سے آبادی نہیں ہے، شہر کا اتصال وہاں تک ہوجانے کی صورت میں اس علاقہ کے شہر کا جزء بن جانے میں کسی قسم کا تردد اور شبہ تک نہیں ہوسکتا جیسا کہ آج کل کے زمانہ میں بڑے بڑے شہر پلاٹنگ کے ذریعہ سے ویران علاقوں کو اپنے پیٹ میں داخل کرتے جارہے ہیں اور بعض مصلحت کی وجہ سے وسیع ترین میدان بھی عمارتوں سے خالی رکھا جاتا ہے۔ اور یہ سارے علاقے شہر کے حصہ میں شامل ہوتے ہیں۔ اور جو وسیع ترین میدان کسی مصالح کی وجہ سے آبادی سے خالی رکھا جاتا ہے وہ بھی بالاتفاق شہر کا حصہ بن جاتا ہے، اس میں آبادی نہ ہونے کی وجہ سے شہر کے حصہ سے خارج نہیں ہوتا۔

ضروری وضاحت

اب ہم اصل بات واضح کرتے ہیں کہ ہندیہ کی یہ عبارت کس ضمن میں لکھی گئی ہے؟ اس پر غور کرنے کی اہم ضرورت ہے، دراصل یہ عبارت ’’**باب الجزیة**‘‘ کے تحت اس لئے لکھی گئی ہے کہ اگر مسلمانوں نے غیر مسلموں کا علاقہ فتح کرلینے کے بعد ایسے بے آباد علاقہ

میں نیا شہر بسالیا ہے جس کا پہلے سے کوئی مالک نہیں رہا ہے۔ اور اس نئے بسنے والے شہر کے قریب پہلے سے غیر مسلموں کا پرانا گاؤں موجود ہے، جس میں غیر مسلم پہلے سے آباد ہیں اور وہ گاؤں اپنے دائرہ میں خاص نام کے ساتھ موسوم ہے، تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا یہ نیا شہر وسیع تر ہوتا ہوا ذمیوں کے پرانے گاؤں سے متصل ہوجائے تو وہ پرانے گاؤں نئے شہر کے حصے بن جائیں گے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں فقہاء نے واضح کردیا ہے کہ وہ پرانے گاؤں اپنے الگ نام کے ساتھ موسوم رہنے کے باوجود شہر سے الگ گاؤں کی حیثیت نہیں رکھیں گے؛ بلکہ شہر سے مل کر شہر کی حیثیت اختیار کرلیں گے، یعنی شہر سے متصل ہوجانے کی وجہ سے یہ گاؤں بھی اسی شہر کا حصہ بن جائے گا، چاہے اس گاؤں کا پرانا نام اپنی جگہ بدستور باقی رہے۔ اور اس عبارت کے ذریعہ سے ایسی بات ہرگز ثابت نہیں کی گئی ہے کہ جس علاقہ سے شہر متصل ہوجائے اس علاقہ کے شہر کا جزء بننے کے لئے اس میں پہلے سے آبادی ہونا شرط ہے۔ ہندیہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وَإن اتَّخذَ الْمُسْلِمُوْنَ مِصْرًا فِيْ أَرْضِ مَوَاتٍ لا يَمْلِكُهَا أَحَدٌ، فَإنْ كَانَ بِقُرْبِ ذٰلِكَ قُرىً لِأَهْلِ الذِّمَّةِ فَعَظُمَ الْمِصْرُ حَتّٰى بَلَغَ تِلْكَ الْقُرىٰ وَجَاوَزَهَا فَقَدْ صَارَتْ مِنْ جُمْلَةِ الْمِصْرِ لِإحَاطَةِ الْمِصْرِ بِجَوَانِبِهَا. (هندية، زكريا قديم ٢/ ٢٥١، جديد ٢/ ٢٦٥)

اگر مسلمانوں نے ایسے ارض موات میں شہر بسالیا ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے، تو اگر اس شہر سے قریب اہل ذمہ کے گاؤں ہیں پھر شہر بڑا ہوتا ہوا ان گاؤں تک پہنچ جائے اور اس سے بھی تجاوز کرجائے تو وہ گاؤں منجملہ اس شہر کا جزء بن جائیں گے، گاؤں کے کناروں کو شہر کے گھیر لینے کی وجہ سے۔

اب ناظرین سے گزارش ہے کہ اس پوری عبارت پر غور فرمایئے کہ اس میں یہ کہاں لکھا ہوا ہے کہ جو علاقہ شہر سے متصل ہوجائے اس علاقہ کے شہر کا جزء بن کر مقام واحد کے حکم

میں ہونے کے لئے اس علاقہ میں پہلے سے آبادی ہونا شرط ہے، ایسی کوئی بات اس عبارت میں نہیں ہے؛ بلکہ اس میں تو صرف یہی کہا گیا ہے کہ پرانی آبادیاں بھی شہر سے متصل ہونے سے شہر کا جزء بن جاتی ہیں۔ اور ایک شبہ کا بھی ازالہ کر دیا گیا ہے کہ ویران بے آباد علاقہ تو شہر سے متصل ہونے کی وجہ سے بہر حال شہر کا جزء بن جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ نیا شہر پھیلتا ہوا پرانی آبادی سے متصل ہو جائے تو وہ پرانی آبادی بھی شہر کا جزء بن کر مقام واحد بن جاتی ہے اور اس کے اوپر بھی اسی شہر کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

ناظرین لوٹ کر اس عبارت پر دوبارہ غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ مذکورہ عبارت میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے نہ یہ کہ اتصال ہو کر دوسرے علاقہ کے شہر میں شامل ہونے کے لئے ان دوسرے علاقوں میں بھی پہلے سے آبادی ہونا شرط ہے؛ لہٰذا اس عبارت کے ذریعہ سے استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ منی میں پہلے سے آبادی نہیں ہے؛ اس لئے مکہ مکرمہ کی آبادی منی سے متصل ہو جانے کے باوجود منی مکہ مکرمہ شہر کا حصہ نہیں بن سکتا، ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ استدلال بیجا اور بے موقع ہے، ورنہ شہر کے کنارے سے نئی آبادیاں جو بڑھتی جاتی ہیں اس میں میلوں کے حساب سے جو میدان سرکاری طور پر آبادی سے خالی رکھے جاتے ہیں وہ شہر کا حصہ نہیں بن سکتے ہیں؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ وہ بھی شہر کے حصے بن جاتے ہیں۔

مقام واحد بننے کے لئے صرف ایک جانب سے اتصال کافی ہے یا ہر طرف سے؟

سوال نامہ میں اس بات کی بھی وضاحت طلب کی گئی ہے کہ دو مقاموں کے آپس میں متصل ہو جانے کی وجہ سے مقام واحد کے حکم میں قرار دینے کے لئے دونوں کے درمیان کس طرح کا اتصال لازم ہے؟ کیا صرف ایک جانب سے اتصال ہو جائے تو مقام واحد بننے کے لئے کافی ہے یا چہار جانب سے اتصال ضروری ہے؟

اس سلسلے میں شریعت کا حکم یہی ہے کہ صرف ایک جانب سے اتصال ہونے کی وجہ سے مقام واحد کے حکم میں ہو جاتا ہے، مختلف جوانب یا ہر چار جانب سے اتصال لازم نہیں

ہے؛ لہٰذا کوئی بھی شہر وسیع تر ہوتے ہوئے کسی خاص علاقہ سے متصل ہو جائے تو وہ علاقہ اس شہر کا جزء بن کر مقام واحد کے حکم میں ہو جائے گا۔ اس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں:

شکل ۱: دو گاؤں آپس میں آبادی کے بڑھنے کے ذریعہ سے متصل ہو جائیں تو دونوں گاؤں قصر واتمام کے مسئلہ میں مقام واحد کے حکم میں ہو جائیں گے اور اس میں صرف ایک طرف سے اتصال کافی ہے، مثال کے طور پر ایک گاؤں دوسرے گاؤں سے کافی فاصلہ پر ہے، دونوں کے درمیان میں آبادی کا کوئی اتصال نہیں ہے، پھر دونوں کی آبادی بڑھتی ہوئی ایک کی آبادی کا کنارہ دوسرے کی آبادی کے کنارے سے متصل ہو جائے تو ایسی صورت میں دونوں آبادیاں ایک ہی آبادی کے حکم میں ہو جاتی ہیں، اس کو ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

وَالْقَرْيَتَان الْمُتَدَانِيَتَان الْمُتَّصِلُ بِنَاءُ إِحْدَاهُمَا بِالْأُخْرَى أَوَ الَّتِي يَرْتَفِقُ أَهْلُ إِحْدَاهُمَا بِالْأُخْرَى، فَهُمَا كَالْقَرْيَةِ الْوَاحِدَةِ. (الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٧/ ٢٧٩)

اور قریب کے دو گاؤں میں سے ایک کی آبادی دوسرے سے متصل ہو جائے، یا ایک کے باشندے دوسرے کے معاون بن جائیں تو دونوں قریۂ واحدہ کے حکم میں ہو جاتے ہیں۔

''المغنی'' میں اس سے زیادہ واضح عبارت ہے کہ دونوں گاؤں میں سے ایک کی عمارت دوسرے سے متصل ہو جائے تو دونوں ایک ہی گاؤں کے حکم میں ہو جاتے ہیں اور اس میں صرف ایک جانب سے متصل ہونا واضح ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مغنی کی عبارت:

وَلَوْ كَانَتْ قَرْيَتَانِ مُتَدَانِيَتَيْنِ فَاتَّصَلَ بِنَاءُ أَحَدِهِمَا بِالْأُخْرَى فَهُمَا كَالْوَاحِدَةِ (المغني، كتاب المسافر، دارالفكر بيروت ٢/ ٥٠)

اگر قریب دو گاؤں ہوں اور ایک کی آبادی دوسرے سے متصل ہو جائے تو مقام واحد کے حکم میں ہو جائیں گے۔

''فتاویٰ تاتارخانیہ'' کی اس عبارت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جانب واحد کے اتصال سے مقام واحد کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ثُمَّ يُعْتَبَرُ الجَانِبُ الَّذِي مِنْهُ يَخْرُجُ الْمُسَافِرُ مِنَ الْبَلْدَةِ لَا الْجَوَانِبُ بِحِذَاءِ الْبَلْدَةِ. (الفتاوى التاتارخانية ٢/ ٤٩٤، رقم: ٣٠٩٧)

پھر اس جانب کا اعتبار رہوتا ہے جس جانب سے مسافر شہر سے نکلتا ہے اور ان جانبوں کا اعتبار نہیں ہوگا جو دوسرے محاذات میں ہیں۔

شکل۲: کوئی شہرویران علاقہ کو نئی آبادیوں کے ذریعہ سے گھیرتا چلا جائے اور حکومتی وسرکاری اعتبار سے بعض ضرورت کی وجہ سے میلوں میں طول وعرض کا کوئی میدان عمارت بنانے سے خالی رکھا جائے اور شہر کی آبادی اور عمارتیں اس میدان سے متصل ہوجائیں تو وہ میدان بھی اسی وقت سے شہر کا حصہ شمار ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میدان کے چاروں طرف سے آبادی بن جائے چاہے بعد میں چاروں طرف سے آبادی ہوجائے اور اتصال کا اعتبار اس وقت سے ہوتا ہے جب ایک طرف سے آبادی ہوجائے، بس شرط اتنی ہے کہ اس میدان میں کھیتی باڑی نہ ہوتی ہواور باغ بھی نہ ہو کیوں کہ باغ بھی کھیتی کی ایک قسم ہے اور ایسی مثالیں آج کے زمانہ میں پھیلنے والے شہروں میں کثرت کے ساتھ ملیں گی۔

لہٰذا منیٰ اور مزدلفہ کے بعض جانب سے شہر مکہ کی آبادی کا اتصال ہوجانے کی وجہ سے وہ بھی شہر مکہ کا حصہ بن جائے گا۔

کیا شہری اعتبار سے پہاڑ آبادی کے اتصال کو مانع ہے؟

سوال نامہ میں اس بات کی وضاحت طلب کی گئی ہے کہ شہری اعتبار سے آبادی کا اطلاق کس خطے پر ہوتا ہے؟ اس بارے میں گزارش ہے کہ شہر کی آبادی کا اطلاق شہر کے کنارے کے ان تمام علاقوں پر بھی ہوجاتا ہے، جن میں جانوروں کے باڑے، مسافر خانے اور شہر کی کبھی کبھی ضرورت کے لئے یا رفاہِ عام کے لئے بنائی گئی عمارتیں اور نئی آبادی کے پروگرام کے تحت پلاٹنگ کی جگہیں ہوتی ہیں، جس کو ربض مصر سے فقہاء نے تعبیر فرمایا ہے اور ربض کے معنی لغت میں ’’جانور باندھنے کی جگہ‘‘ کے ہیں اور اس سے مربض اور مرابض کے الفاظ بکریوں کے باڑے کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اور منیٰ سرکاری دفاتر، ایام حج کے

مہمان خانے، سرکاری ہسپتال، رابطۂ عالم اسلامی کا دفتر اور بادشاہ کے شاہی محلات وغیرہ کی وجہ سے آبادی میں شامل ہے یا نہیں؟

نیز ۲۶ / جنوری ۲۰۱۴ء کے تازہ مشاہدہ میں ہمارے ساتھ حضرت مولانا مفتی ابوالکلام صاحب مفتی شہر بھوپال نے شاہی محلات، مسجد خیف اور جمرات کی عمارتوں کے علاوہ دیگر کثیر منزلہ عمارتوں کو شمار فرمایا تو بڑی بڑی کثیر منزلہ چوبیس عمارتیں گنتی میں آئیں۔

اس سلسلے میں موقع وقوع پر غور کرنے سے دو پہلو سامنے آتے ہیں:

(۱) منی کی ان عمارتوں، ہسپتال، بادشاہ کے محلات، عزیزیہ اور شیشہ کی آبادی کے درمیان کچھ فاصلہ ہے، ان فاصلوں کو دیکھا جائے تو بظاہر اصل شہر سے کچھ الگ سا معلوم ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا پہلو یہ ہے کہ خود مکۃ المکرّمہ کی آبادی میں جگہ جگہ پہاڑوں کا فاصلہ ہے اور پہاڑوں کی وجہ سے ایک محلّہ دوسرے محلے سے بالکل الگ سا معلوم ہوتا ہے؛ لیکن پہاڑوں کے بیچ کی سرنگوں کے ذریعہ سے ایک محلّہ کو دوسرے محلے سے جوڑ بھی دیا گیا ہے، یہ ایسا ہے جیسا کہ پرانی دلی اور جمنا پار کے علاقہ کے درمیان جمنا دریا کا فاصلہ ہے اور اس دریا کی چوڑائی ایک کلومیٹر سے کم نہیں ہے، تو جمنا پار کو دلی سے جوڑنے کے لئے مختلف پل اور برج قائم کر دیئے گئے ہیں اور ان پلوں اور برجوں کی لمبائی ایک کلومیٹر سے کم نہیں ہے۔ منی اور محلّہ عزیزیہ کے درمیان جو پہاڑ حائل ہے، اس پہاڑ کے نیچے سے کئی ایسی سرنگیں بنا دی گئی ہیں جو سرنگیں منی کو عزیزیہ شہر سے جوڑ دیتی ہیں اور سرنگ کے علاوہ بیچ میں شارع عبدالعزیز کی شاہ راہ بھی ہے اور پہاڑ کے اوپر شاہی محلات بھی ہیں؛ لہٰذا جس طرح جمنا پار کا علاقہ دریا کے اوپر سے پلوں کے ذریعہ سے دلی سے جوڑ دینے کی وجہ سے دلی شہر کا حصہ بن چکا ہے اور اس کے دلی شہر کا حصہ بننے میں دریا مانع نہیں اور اس میں کسی کو اشکال بھی نہیں ہے، اسی طرح منی کا بھی حکم ہوگا؛ کیوں کہ سرنگوں اور راستوں کے ذریعہ سے منی کو مکہ مکرمہ شہر سے اس سے کہیں زیادہ بہترین انداز سے جوڑ دیا گیا ہے اور درمیان کا پہاڑ سرنگوں کی وجہ سے مانع نہیں ہے، جس طرح جمنا پار کے علاقہ کو دلی کا حصہ تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح منی کو بھی شہر مکہ مکرمہ کا حصہ تسلیم کرنے میں تردد نہیں ہونا چاہئے۔

نیز دریائے جمنا کے اوپر کسی قسم کی سرکاری عمارت وغیرہ نہیں ہے اور منی وعزیزیہ کے درمیان جبل ثبیر کے اوپر بادشاہوں اور شہزادوں کے محلات بنے ہوئے ہیں، جن میں سال بھر کسی نہ کسی انسان کی رہائش رہتی ہے، نیز اگرچہ منی کی عمارتیں سال بھر استعمال نہیں ہوتی ہیں پھر بھی ربض مصر سے ان کو خارج نہیں کہا جاسکتا، ایسی صورت میں جمنا پار کے علاقہ کو دلی کا حصہ بننے میں جو قوت آئی ہے اس کے مقابلے میں منی کے مکہ مکرمہ کا حصہ بننے میں اس سے زیادہ مضبوطی سے قوت آچکی ہے؛ لہٰذا جس طرح کوئی شخص سو دوسو کلومیٹر کے فاصلہ سے پرانی دلی کے علاقہ میں پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کے ارادے سے آجائے اور اس کا ارادہ جمنا پار کے علاقہ میں اپنے کسی دوست کے یہاں دو تین رات گذارنے کا پہلے ہی سے ہے اور بقیہ راتیں پرانی دلی میں گذارنے کا ہے، تو وہ اتمام کرتا رہے گا، ایسا ہی ان حجاج کرام کا بھی حکم ہوگا جو مکہ مکرمہ میں پندرہ دن سے زائد قیام کا ارادہ کرتے ہوں اور اس پندرہ دن کے اندر منی اور مزدلفہ میں بھی رات گذارنی ہو تو وہ حجاج کرام بھی اسی طرح اتمام کریں گے جس طرح دلی میں قیام کرنے والا شخص کرتا ہے۔

وَإِنْ كَانَ وَسَطَ الْبَلَدِ نَهْرٌ فَاجْتَازَ فَلَيْسَ لَهُ الْقَصْرُ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الْبَلَدِ وَلَمْ يُفَارِقِ الْبُنْيَانَ، فَأَشْبَهَ الرَّحْبَةَ وَالْمَيْدَانَ فِي وَسَطِ الْبَلَدِ. (المغني، كتاب المسافر، دارالفكر بيروت ۲/ ۵۰)

اور اگر شہر کے بیچ میں دریا ہو اور یہ مسافر اس دریا کو پار کر جائے تو اس کے لئے دریا پار میں قصر کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ شہر سے نہیں نکلا ہے اور نہ ہی شہر کی آبادی سے الگ ہوا ہے؛ لہٰذا یہ شہر کے بیچ کے کشادہ خالی علاقہ اور شہر کے بیچ کے بڑے میدان کے مشابہ ہوجائیں گے۔

حدود کے توقیفی ہونے کی وجہ سے اتصال کی صورت میں قصر واتمام میں فرق نہیں

بہت سے لوگ مشاعر مقدسہ کی حدود کے توقیفی ہونے کی وجہ سے اس بات پر مصر ہیں کہ جب مشاعر مقدسہ کی حدود توقیفی ہیں تو مکہ مکرمہ کی آبادی سے متصل ہونے کی وجہ سے بلد مکہ میں

شامل مان کر شہر کا جز وقرار نہیں دیا جا سکتا، وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شہر کا جز وقرار دینے کی صورت میں مشاعر مقدسہ کی استقلالی حدود باقی نہیں رہیں گی؛ بلکہ وہ اپنی جگہ سے ختم ہو جائیں گی، ان کو شہر کے حکم سے الگ ماننے کی صورت میں ہی استقلالی صورت باقی رہتی ہے، ان بزرگوں سے ہماری گزارش ہے کہ حدود حرم جس کے دائرہ میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے حدود حرم کے نشانات نصب کر دیئے ہیں جو انشاء اللہ قیامت تک باقی رہیں گے وہ حدود ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

طریق مدینہ کی طرف سے مسجد حرام سے تقریباً چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر مقام تنعیم ہے اور وہاں پر حدود حرم کے نشانات اور بورڈ کے ساتھ کھمبے نصب ہیں اس سے متصل باہر کی طرف مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے، مکہ مکرمہ سے حدود حرم سے باہر جا کر احرام باندھنے کے لئے لوگ اسی مسجد میں تشریف لاتے ہیں، تقریباً ہر حاجی نے اس علاقہ کو دیکھا ہے، مکہ مکرمہ شہر کی آبادی غیر منفصل طور پر تسلسل کے ساتھ مقام تنعیم کی طرف سے حدود حرم کے نشانات سے آگے تجاوز کرتے ہوئے پانچ چھ کلومیٹر دوری تک تسلسل کے ساتھ آگے بڑھ گئی ہے اور حدود حرم سے باہر کافی دوری پر مدینہ سے آنے والے حاجیوں کے لئے مدینۃ الحجاج قائم ہے، نیز مقام تنعیم سے باہر حل میں مکہ کی آبادی سے متصل ہو کر جو آبادی تسلسل کے ساتھ آگے کو پہنچ گئی ہے، اس میں مکہ مکرمہ کا سب سے مہنگا اسپتال ''مستشفیٰ الحراء'' قائم ہے۔ حج کے موسم میں بہت سے بیمار حاجیوں کو ایمرجنسی طور پر اس ہسپتال میں داخل کیا جاتا ہے، تو کیا حدود حرم سے باہر ہونے کی وجہ سے وہ علاقہ شہر مکہ مکرمہ سے الگ کوئی دوسرا شہر شمار کیا جائے گا؟ یا حدود حرم کی آبادی سے متصل ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ کا جز وقرار دے کر ایک شہر شمار ہوگا، جب کہ سعودی حکومت، وہاں کے باشندے، وہاں کے سارے علماء اور وہاں کے تمام عوام وخواص اس کو شہر مکہ مکرمہ کا ایک جز وتسلیم کرتے ہیں اور بہت سے حجاج کرام حج کے موقع پر حدود حرم سے باہر تنعیم کے علاقہ میں بھی قیام کرتے ہیں؛ اس لئے کہ یہ علاقہ عزیزیہ اور شیشہ کے مقابلے میں حرم شریف سے قریب ہے، تو ایسے حجاج کبھی پوری پوری رات حرم شریف میں گذار دیتے ہیں اور کبھی وہاں جا کر رات گذارتے ہیں۔ اور بعض حجاج ایسے بھی ہوتے

ہیں کہ ان کا اصل قیام تو حرم شریف کی قریبی عمارتوں میں ہوتا ہے، مگر ان کا ارادہ پہلے ہی سے مقامِ تنعیم یا اس سے قریب حدود حرم سے باہر محلّہ نوریہ میں اپنے کسی دوست یا رشتہ دار کے پاس دو تین رات گذارنے کا بھی ہے۔

ایسی صورت میں ایسے حجاج کرام اگر منی جانے سے پندرہ دن پہلے مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں تو ان کے اوپر نمازوں کا قصر لازم ہوگا یا اتمام؟ میرے خیال میں کوئی بھی صاحب علم ایسے حجاج پر قصر کا حکم نہیں لگا سکتا؛ حالاں کہ وہ لوگ حرم شریف کی قطعی توقیفی حدود سے باہر کی آبادی میں بھی رات گذارتے ہیں اور حرم شریف میں بھی رات گذارتے ہیں؛ اس لئے ان بزرگوں سے ہماری گزارش ہے کہ اس مسئلہ پر غور فرمائیں کہ اتصال آبادی ہوجانے کی وجہ سے جب بلدِ واحد کے حکم میں ہوجاتا ہے تو توقیفی حدود میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اور قصر واتمام کے مسئلہ کا مدار آبادی کے اتصال وانفصال پر ہے، چاہے توقیفی حدود کے اپنی جگہ باقی رہتے ہوئے دونوں کا نام الگ الگ کیوں نہ ہو؛ اس لئے کہ قصر واتمام کا مدار اتصال یا انفصال پر ہے، نام کے الگ الگ ہونے پر نہیں ہے۔

ایسا ہی منی ومزدلفہ اپنی حدود اربعہ کی تعیین کے ساتھ باقی رہتے ہوئے مکۃ المکرّمہ سے متصل ہونے کی بناء پر جب بلد واحد بن گئے ہیں تو ان میں نمازوں کا اتمام لازم ہوجائے گا قصر جائز نہیں ہوگا اور اس کی وجہ سے ان مقامات کی توقیفی حدود میں کوئی فرق نہیں آتا، نیز ان مقامات مقدسہ میں قصر واتمام کا مسئلہ حنفیہ کے نزدیک علت نسک پر نہیں ہے؛ بلکہ علت سفر واقامت پر ہے۔

منی ومزدلفہ کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف کا مختصر جائزہ

خیر القرون اور فقہاء کے زمانہ سے تقریباً تیرھویں صدی ہجری تک مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی اور منی کے درمیان لگ بھگ دو فرسخ (تقریباً نو کلومیٹر) کا فاصلہ آبادی سے خالی رہا ہے اور دونوں کے درمیان اس طویل فاصلہ کی وجہ سے خیر القرون کے زمانہ سے سعودی حکومت کے زمانہ تک قصر واتمام کے مسئلہ میں اکثر فقہاء کی رائے اس بات پر رہی ہے کہ دونوں الگ الگ

مستقل طور پر دو مقام ہیں؛ لہٰذا قصر واتمام کے مسئلہ میں اس فاصلہ کے زمانہ میں یہی حکم جاری رہا ہے کہ اگر آٹھویں ذی الحجہ سے پہلے پہلے مکہ مکرمہ آنے والے حاجی کا قیام پندرہ دن سے زائد رہا ہے، تو وہ مقیم رہے گا، نمازوں کا اتمام کرے گا۔ اور آٹھویں ذی الحجہ سے پہلے پہلے کا قیام پندرہ دن سے کم ہے تو وہ حاجی نمازوں کا قصر کرے گا؛ لیکن جب سعودی حکومت کے زمانہ میں مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی اور منیٰ کے درمیان کا خالی پڑا ہوا علاقہ شاندار عمارتوں کے ذریعہ تسلسل کے ساتھ آباد ہو چکا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ منیٰ تک آبادی ہو جانے کے بعد منیٰ مکہ مکرمہ کا جزو بن چکا ہے، یا اب بھی منیٰ پہلے کی طرح مکہ مکرمہ سے الگ مستقل مقام شمار کیا جائے گا؟ تو اس سلسلے میں غور طلب بات یہ ہے کہ سعودی حکومت، سعودی علماء اور سعودی عوام سب نے منیٰ کو مکہ مکرمہ کا جزو قرار دے کر بلد واحد تسلیم کر لیا ہے۔ اس بارے میں تفصیل آگے آرہی ہے۔

برصغیر کے علماء کے درمیان کا اختلاف

ہمارے برصغیر کے علماء کی اس سلسلے میں دو جماعتیں ہو گئیں:

(۱) پہلی جماعت: ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ منیٰ اور مزدلفہ پہلے کی طرح شہر مکہ سے الگ تھلگ مستقل ایک مقام ہے، جس کا مکہ مکرمہ شہر سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ان ہی میں سے بعض علماء اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ منیٰ اور عزیزیہ کی آبادی کے درمیان جبل شبیر حائل ہے؛ لہٰذا دونوں کے درمیان اتصال نہیں ہے؛ بلکہ انفصال ہے اور جبل شبیر کے اوپر شارع عبد العزیز اور کبری عبد العزیز کے دونوں جانب شاہی محلات جو بنے ہوئے ہیں وہ اتصال کے لئے کافی نہیں، اسی طرح جمرۂ عقبہ کے بعد کافی بڑا میدان حاجیوں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے عمارتوں سے خالی ہے؛ اس لئے مکہ مکرمہ کی آبادی سے متصل مان کر دے کر منیٰ اور مزدلفہ کو مکہ مکرمہ شہر کا جزو قرار دے کر بلد واحد تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور ان ہی میں سے کچھ لوگ دونوں کو الگ الگ مقام تسلیم کرنے کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ منیٰ ومزدلفہ کی حدود منصوص ہیں؛ لہٰذا اگر منیٰ ومزدلفہ کو مکہ مکرمہ کا جزو قرار دیا جائے تو ان مشاعر مقدسہ کی

حدود کی استقلالیت باقی نہیں رہے گی؛ اسی لئے دونوں مقام الگ الگ شمار ہوں گے اور قصر واتمام کے مسئلہ میں دونوں کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے ان کو مقام واحد تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) دوسری جماعت: برصغیر کے علماء کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی اور منی ومزدلفہ کے درمیان کا خالی علاقہ آبادی سے بھر جانے کے بعد منی اور مزدلفہ شہر مکہ مکرمہ کا جزو بن کر مقام واحد بن چکے ہیں اور قصر واتمام کے مسئلہ میں یہ سب مقامات مقام واحد کے حکم میں ہوگئے ہیں؛ لہٰذا جو حاجی مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد واپسی تک کل پندرہ دن سے زائد قیام کرے گا اس کے اوپر مکہ مکرمہ سے وطن واپس ہونے تک نمازوں کا اتمام کرنا لازم ہوگا۔ اور یہ حضرات مقام واحد کے درجہ میں قرار دینے کی چار دلیلیں اور چار علتیں پیش کرتے ہیں:

دلیل ۱: معمولی فاصلہ اتصال کو مخل نہیں

مکہ مکرمہ کی آبادی منی ومزدلفہ سے متصل ہوچکی ہے اور اس اتصال کی وجہ سے بلد واحد کے حکم میں ہو چکے ہیں اور عزیزیہ کی آبادی اور منی کی عمارتوں اور خیموں کے درمیان جبل ثبیر جو حائل ہے، اس کی چوڑائی ایک کلومیٹر بھی نہیں ہے، اسی طرح جمرۂ عقبہ کے بعد حاجیوں کے چلنے کے لئے جو جگہ آبادی سے خالی رکھی گئی ہے وہ ربع صدقی کی طرف سے پاؤ کلومیٹر بھی نہیں ہے۔ ۲۶ رجنوری ۲۰۱۴ء کو تازہ مشاہدہ کیا گیا تو ثابت ہوا کہ جمرات کی عمارت اور عزیزیہ کی ابنیہ (عمارتوں) کے درمیان کا فاصلہ صرف کلومیٹر کا پانچواں حصہ ہے، یعنی ایک غلوہ سے بھی کم۔ اور منیٰ میں مسجد خیف اور جمرات کی عمارتوں کے علاوہ جو کثیر منزلہ عمارتیں ہیں ان کی تعداد چوبیس ہے، نیز پہاڑوں کا فاصلہ ایسا ہے جیسا کہ پرانی دلی اور جمنا پار کے علاقہ کے درمیان جمنا دریا حائل ہے اور پلوں اور برجوں کے ذریعہ سے ایک کو دوسرے سے جوڑ دیا گیا ہے اور جو پل بنے ہوئے ہیں وہ ایک کلومیٹر سے کم نہیں ہیں۔ اور منی اور عزیزیہ کی آبادی کے درمیان جو پہاڑ حائل ہے اس کی چوڑائی ایک کلومیٹر مشکل سے ہے اور اس پہاڑ

کے نیچے سے سرنگوں کے ذریعہ سے ایک دوسرے کو جوڑ دیا گیا ہے اور پہاڑ کے اوپر شاہی محلات ہیں اور نیچے سے سرنگیں ہیں اور دونوں شاہی محلات کے درمیان سے شارع عبدالعزیز بھی گذرتا ہے، تو جیسا کہ دریا کے اوپر سے برجوں کے ذریعہ سے جوڑ کر جمنا پار کے علاقہ کو دلی کا حصہ تسلیم کیا جاتا ہے، ایسا ہی سرنگوں، سڑکوں اور شاہی محلات کے ذریعہ سے منیٰ کو عزیزیہ کی آبادی سے جوڑ دینے کی وجہ سے شہر مکۃ المکرّمہ کا جزو تسلیم کرنے میں کوئی تردد نہیں ہوگا، جس طرح جمنا پار کے علاقہ کو دلی کا جزو تسلیم کرنے میں تردد نہیں ہے اسی طرح منیٰ کو شہر مکہ کا جزو تسلیم کرنے میں بھی تردد نہیں ہونا چاہئے۔

اگر اس پر یہ سوال قائم کیا جائے کہ منیٰ کی عمارتوں میں سال بھر رہائش نہیں ہوتی ہے، جمنا پار کی عمارتوں میں سال بھر رہائش ہوتی ہے، تو اس بارے میں اتنی بات ضرور تسلیم کرلینی چاہئے کہ منیٰ کی عمارتیں اگر سال بھر با ضابطہ استعمال نہیں ہوتی ہیں؛ لیکن ان عمارتوں کو ربضِ مصر میں شامل ہونے سے خارج نہیں کیا جاسکتا، نیز ان عمارتوں میں سال بھر کوئی نہ کوئی انسان ضرور رہتا ہے، چاہے نگراں کی حیثیت سے کیوں نہ ہو اور ثبوت آبادی کے لئے اتنا کافی ہے اور شاہی محلات کبھی بھی انسانوں سے خالی نہیں رہتے؛ لہٰذا منیٰ کو مکۃ المکرّمہ کا ہی ایک جزو تسلیم کرنا ہوگا۔

دلیل ۲: علمائے عرب کی رائے

نیز علمائے عرب نے موجودہ زمانہ میں منیٰ کو مکۃ المکرّمہ سے متصل مان کر بلد واحد قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: شیخ عبداللہ نذیر احمد عبدالرحمٰن المزی استاذ جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ ''البحر العمیق'' کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

إِنَّ مِـنٰـى الآنَ أَصْبَحَتْ مِنْ ضِمْنِ مَكَّةِ الْمُكَرَّمَةِ لِتَوَسُّعِ الْبِنَاءِ وَالْعُمْرَانِ وَامْتِدَادِهَا إِلَيْهَا

بے شک منیٰ اس زمانہ میں مکۃ المکرّمہ میں شامل ہو چکا ہے، مکہ مکرمہ کی عمارتوں اور اس کی آبادی کے وسیع ہو کر منیٰ تک پہنچنے کی وجہ سے۔

وَمِنْ ثَمَّ اخْتَلَفَ الْحُكْمُ بِاخْتِلافِ الْعِلَّةِ، إِذِ الْحُكْمُ يَدُوْرُ مَعَ الْعِلَّةِ حَيْثُمَا دَارَ، سَلْبًا وَإِيْجَابًا، وَحَصَلَ الخِلافُ فِي الْمَسْأَلَةِ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ بِاعْتِبَارِ مَا كَانَتْ مِنٰى عَلَيْهَا، أَمَّا الآنَ فَقَدْ تَغَيَّرَ الْوَضْعُ وَأَصْبَحَتْ مِنْ مَكَّةِ الْمُكَرَّمَةِ وَلَيْسَ ذٰلِكَ فِيْ زَمَنِ مَوْسِمِ الْحَجِّ، بَلْ عَلٰى مَدَارِ السَّنَةِ لِاسْتِدَامَةِ إِقَامَةِ النَّاسِ. (البحر العميق، المكتبة المكية ۳/ ۱٤۹۳)

یہیں سے واضح ہو گیا کہ علت کے بدل جانے کی وجہ سے حکم بھی بدل جاتا ہے؛ اس لئے کہ حکم شرعی مثبت اور منفی اعتبار سے علت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اور مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف اس حالت کے اعتبار سے ہوا ہے، جس حالت پر منی تھا؛ لیکن اب اس زمانہ میں یقینی طور پر ہیئت بدل گئی ہے اور منی مکہ مکرمہ میں شامل ہو گیا ہے اور یہ موسم حج کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ اس میں لوگوں کی اقامت کے مستقل ہونے کی وجہ سے پورے سال اسی کیفیت پر رہتا ہے۔

امام عزالدین ابن جماعہ الکنانیؒ المتوفی ۷٦۷ کی کتاب ”ہدایة السالک إلی المسالک الأربعة فی المناسک“ کے حاشیہ میں ڈاکٹر نورالدین عتر استاذ کلیۃ الشریعہ بجامعہ دمشق تحریر فرماتے ہیں:

إِنَّ مَكَّةَ قَدِ اتَّسَعَتْ وَاتَّصَلَ بُنْيَانُهَا بِمِنٰى فَلا يُسَمَّى الْخُرُوْجُ إِلَيْهَا سَفَرًا، فَإِنَّ مِنٰى مُتَّصِلَةٌ بِمَكَّةَ. (هداية السالك ...... في المناسك، دارالبشائر الإسلامية بيروت ۳/ ۱۰۰۲)

بے شک مکہ مکرمہ وسیع تر ہو کر کے اس کی آبادی منی سے متصل ہو چکی ہے؛ لہٰذا منی کی طرف خروج کو سفر سے موسوم نہیں کیا جا سکتا؛ اس لئے کہ منی مکہ مکرمہ سے متصل ہو چکا ہے۔

رئیس شئوون الحرمین شیخ محمد بن عبداللہ السبیلؒ کا فتویٰ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی پاکستان نے مسجد حرام کے معمر امام شیخ محمد بن عبداللہ السبیل مرحوم سے چند سوالات بطور

استفسار کے فرمائے تھے، جب کہ شیخ سبیلؒ حرم مکی اور حرم مدنی دونوں کے ذمہ دار خطیب تھے اور ہیئت کبار علماء کے اہم ترین اساسی رکن رہے اور مکہ مکرمہ کے تمام حالات پر ان کی نظر رہی اور حکومت سعودیہ پر بھی ان کا بڑا اثر رہا ہے۔ مسجد حرام اور مشاعر مقدسہ منی، مزدلفہ وعرفات سے متعلق ان کی ہر بات معتبر مانی جاتی تھی، ان سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے منی سے متعلق یہ سوال فرمایا کہ منی گذشتہ زمانہ میں مکہ مکرمہ سے الگ ایک مستقل مقام رہا ہے؛ اس لئے قصر واتمام کا مسئلہ گذشتہ زمانے میں بالکل الگ رہا ہے اور موجودہ زمانہ میں مکہ مکرمہ کی آبادی پھیل کر منی تک متصل ہو چکی ہے جو کسی بھی حاجی پر مخفی نہیں ہے؛ اس لئے گزارش ہے کہ اس بات کو واضح کردیا جائے کہ حکومت سعودیہ آج کے زمانہ میں دونوں مقام کو مقام واحد اور بلد واحد قرار دے کر منی کو مکہ مکرمہ کا جزو تسلیم کرتی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ قصر واتمام کے مسئلہ کا مدار اسی پر ہے، اس پر شیخ سبیلؒ نے دو طرح سے جواب دیا:

(۱) مکہ مکرمہ اور حرمین شریفین کا ذمہ دار مفتی ہونے کی حیثیت سے جواب دیا ہے کہ منی اس زمانہ میں شہر مکہ مکرمہ کا جزو بن چکا ہے؛ لہٰذا مکہ مکرمہ سے منی کی طرف جانے والے کو مسافر شمار نہیں کیا جاسکتا اور اسی بنا پر حاجی کے لئے منی کو الگ مقام شمار کر کے نمازوں کا قصر کرنا جائز نہیں ہے اور جن علماء کے نزدیک قصر کی علت سفر ہے نسک نہیں ہے ان کے نزدیک منی کو جانے والے حدود مکہ سے باہر الگ مقام میں رات گذارنے والے شمار نہیں ہوں گے۔

(۲) دوسرا جواب حکومت سعودیہ کی طرف سے دیا ہے کہ حکومت سعودیہ نے مکہ کی آبادی منی تک متصل ہو جانے کی وجہ سے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ منی مکہ مکرمہ کا ایک جزو ہے اور مکہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ ہے۔ اور حکومت سعودیہ نے یہ بھی حکم نافذ کر دیا ہے کہ حاجیوں کی ضرورت اور مصلحت عامہ کی وجہ سے منی میں کوئی شخص مالکانہ طور پر ذاتی مکان تعمیر نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی شخص منی کی سرزمین میں سے کسی جزو کو پلاٹنگ کے طور پر اپنی ذاتی ملکیت بنا سکتا ہے۔ مولانا مفتی تقی صاحب کا سوال نامہ اور شیخ سبیل علیہ الرحمہ کا جواب کافی لمبا ہے اس کو ہم اگلی سرخی کے آخر میں نقل کر دیں گے، یہاں ضرورت کے مطابق شیخ سبیلؒ

کے جواب میں سے مرکز مضمون نقل کردیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

اَلَّذِيْ يَظْهَرُ لَنا أَنَّ مِنٰى أَصْبَحَتْ الْيَوْمَ جُزْءً مِنْ مَدِيْنَةِ مَكَّةَ بَعْدَ أَن اكْتَنَفَهَا بُيُنَانُ مَكَّةَ وَتَجَاوَزَهَا إِلٰى حُدُوْدِ عَرَفَةَ وَبِنَاءٌ عَلٰى هٰذَا فَإِنَّهَا قَدْ أَصْبَحَتْ الْيَوْمَ مِنْ أَحْيَاءِ مَدِيْنَةِ مَكَّةَ، فَلا يُعَدُّ الذَّاهِبُ إِلَيْهَا مِنْ مَكَّةَ مُسَافِرًا وَبِنَاءً عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ لا يَجُوْزُ لِلْحَاجِّ أَنْ يَقْصُرَ وَلا أَنْ يُجَمِّعَ بِهَا عَلٰى قَوْلِ مَنْ يَقُوْلُ مِنَ الْعُلَمَاءِ إِنَّ الْعِلَّةَ فِي الْقَصْرِ بِمِنٰى إِنَّمَا هُوَ مِنْ أَجْلِ السَّفَرِ؛ لِأَنَّ الذَّاهِبَ إِلٰى مِنٰى لَمْ يَخْرُجْ عَنْ حُدُوْدِ مَكَّةَ.

ہمارے لئے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ بے شک منی آج کے زمانہ میں شہر مکہ کا ایک جزو بن چکا ہے؛ اس لئے کہ مکہ مکرمہ کی آبادی نے منی کو گھیر لیا ہے اور مکہ کی آبادی منی سے تجاوز کر کے حدود عرفات تک پہنچ چکی ہے، اس بناء پر آج کے زمانہ میں منی شہر مکہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ بن گیا ہے؛ لہٰذا مکہ مکرمہ سے منی جانے والے کو مسافر نہیں کہا جائے گا اور اسی وجہ سے حاجی کے لئے قصر کرنا جائز نہیں ہوگا، اور ان علماء کے قول کے مطابق جمع بین الصلاتین بھی جائز نہیں ہوگا، جو علماء منی میں قصر صلاۃ کی علت سفر کو بتاتے ہیں اس لئے کہ منی کو جانے والا حدود مکہ سے باہر نہیں جاتا ہے۔

پھر اس کے بعد سعودی حکومت کے فیصلہ کے بارے میں شیخ سبیل علیہ الرحمہ نے ان الفاظ کے ساتھ جواب تحریر فرمایا ہے:

إِنَّ حُكُوْمَةَ الْمَمْلَكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السُّعُوْدِيَّةِ تَعُدُّ مِنٰى مِنْ مَكَّةَ عَلٰى اعْتِبَارِ أَنَّهَا حَيٌّ مِنْ أَحْيَائِهَا إِلَّا اَنَّ الْحُكُوْمَةَ تَمْنَعُ الْبِنَاءَ فِيْهَا إِلَّا لِمَصْلَحَةٍ عَامَّةٍ؛ لِأَنَّهُ لاَ

بے شک حکومت سعودیہ نے منی کو مکہ مکرمہ کا جزو قرار دے کر مکہ مکرمہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ شمار کرنے کا فیصلہ کردیا ہے، مگر مصلحت عامہ (حاجیوں کی ضرورت) کی وجہ سے منی کے اندر مالکانہ عمارت بنانے کی ممانعت کرتی ہے؛ اس لئے کہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ

يَـجُـوْزُ لِأَحَـدٍ أَنْ يَتَـمَلَّكَ وَلاَ يَخْتَصَّ بِشَيْءٍ مِنْ مِنىً.
منی کے کسی جزو کا مالک بن جائے اور نہ ہی منی کے اجزاء میں سے کسی جزو کو اپنے لئے خاص کرسکتا ہے۔

شیخ سبیل کا مکمل فتوی اگلے عنوان کے آخر میں مکمل نقل کردیا ہے، وہاں سے ملاحظہ فرمائیے:

شیخ سبیلؒ کے فتوی کے ایک جزو کو تسلیم اور دوسرے پر رد کیسے؟

امام الحرمین شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کے سوال کے جواب میں منی کے بارے میں صاف واضح الفاظ میں تحریر فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ کی آبادی منی سے متصل ہوجانے کی وجہ سے منی مکہ مکرمہ شہر میں داخل ہوکر مکہ مکرمہ کا ایک جزو اور محلّہ بن چکا ہے اور منی ومزدلفہ کی چوہدی کے دائرہ میں مشاعر مقدسہ ہونے کی وجہ سے اس میں مالکانہ طور پر عمارت بنانا جائز نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث شریف کی وجہ سے ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’منی مناخ من سبق‘‘.

نیز شیخ سبیلؒ نے یہ بھی واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ حکومت سعودیہ نے منی کے اپنے دائرہ میں بذاتہ مشعر ہونے کے ساتھ اس کو مکہ مکرمہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ کے درجہ میں قرار دیا ہے اور ساتھ ہی مصلحت عامہ اور حاجیوں کی ضرورت کی وجہ سے منی میں مالکانہ طور پر مکانات کی تعمیر سے حکومت نے لوگوں کو منع کر رکھا ہے؛ اس لئے کہ منی اپنے حدود کے دائرہ میں مشعر ہونے کے اعتبار سے مستقل حیثیت رکھتا ہے، اس کے کسی جزو کو کوئی شخص مالکانہ طور پر تصرف میں نہیں لاسکتا۔ اور قصر واتمام کے مسئلہ میں منی فی حد ذاتہ مستقل مشعر ہونے کے باوجود مکہ مکرمہ کا ایک محلّہ اور جزو بن چکا ہے؛ اس لئے جو حاجی پندرہ دن سے زائد قیام کے ارادہ سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوجائے جس میں قیام منی بھی شامل ہو اس کے لئے قصر کرنا جائز نہیں ہوگا، نمازوں کا اتمام لازم ہوجائے گا؛ اس لئے کہ قصر واتمام کے مسئلہ میں منی اور مکہ دو الگ الگ مقام نہیں رہے ہیں؛ بلکہ دونوں قصر واتمام کے مسئلہ میں مقام واحد بن چکے ہیں۔

اسی طرح شیخ سبیلؒ نے حضرت مولانا مفتی تقی صاحب مدظلہ العالی کے سوال کے جواب میں مسعی کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ مسعی صفا اور مروہ کے درمیان میں فی حد ذاتہ مستقل مشعر ہے، وہ پہلے کی طرح مسجد حرام سے خارج ہے اور اس کے احکام میں تبدل وتغیر نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا اس میں حائضہ اورنفساء کا گذر جائز ہے؛ لیکن مسجد حرام کے امام کی اقتداء میں اس میں بھی نماز اور امام کی اقتداء اسی طرح درست ہو جاتی ہے، جس طرح مسعی سے پہلے مسجد حرام کی حدود کے اندر کے لوگوں کی اقتداء اور نماز درست ہو جاتی ہے۔

یہ شیخ سبیلؒ کا فتوی ہے جس کے دونوں جزوں کو ہم قابل تسلیم سمجھتے ہیں؛ اس لئے کہ مشاعر مقدسہ کے متعلق شیخ سبیلؒ کی تحریر حجت شرعیہ کے درجہ میں ہوتی ہے؛ کیوں کہ شرعی نقطۂ نظر سے مکہ مکرمہ کے جغرافیائی احکام سے متعلق شیخ سبیلؒ کی جو نظر ہے وہ کسی کو حاصل نہیں تھی، نیز وہ اپنے زمانہ کے ان مشاعر مقدسہ کے بارے میں سب سے بڑے ذمہ دار عالم تھے۔

شیخ سبیلؒ کی اس تحریر میں سے ہمارے بعض بزرگ ایک حصہ کو اپنے موقف کی تائید میں مستدل قرار دیتے ہیں اور ان کے فتویٰ کے دوسرے حصے کی مخالفت کرتے ہیں، ہمارے یہ بزرگ اپنے موقف کی تائید میں اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ شیخ سبیلؒ نے تحریر کیا ہے کہ مسعی مسجد حرام سے خارج ہے، اس میں حائضہ اورنفساء کا گذر جائز ہے؛ اس لئے کہ مسعی مشعر ہے وہ اپنے دائرہ کے اندر بذاتہ مستقل حیثیت رکھتا ہے؛ لہٰذا مسجد حرام میں داخل نہیں ہے نیز اس طرح دلیل پیش کرتے ہیں کہ مسعی جس طرح مستقل حیثیت سے مشعر ہونے کی وجہ سے مسجد حرام میں داخل نہیں ہوسکتا اور اس سے متعلقہ احکام میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، اسی طرح منی بھی بذاتہ مشعر ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کے تابع ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس سے متعلقہ احکام میں کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے، یہ ہمارے ان بزرگوں کا استدلال ہے۔

ہماری ان بزرگوں سے دو گزارش ہیں:

(۱) یہ عجیب بات ہے کہ شیخ سبیلؒ کے فتوی کے ایک جزو کو یعنی مسئلۂ مسعی کو اپنے موقف میں استدلال کے طور پر پیش کر دیا ہے اور شیخ سبیلؒ کی تحریر کا دوسرا جزو یعنی منی اپنی جگہ

مستقل طور پر مشعر ہونے کے ساتھ مکہ مکرمہ کا جزو بن چکا ہے اور باضابطہ اتصال کے ساتھ اس کا ایک حصہ بن جانے کی وجہ سے قصر واتمام کے مسئلہ میں مکہ اور منی دو مقام الگ الگ نہیں رہے ہیں؛ بلکہ دونوں قصر واتمام کے مسئلہ میں ایک بن چکے ہیں؛ لہٰذا قیام منی سمیت جو حاجی پندرہ دن سے زائد قیام کے لئے مکہ میں داخل ہو جائے اس کے لئے نمازوں کا قصر جائز نہیں ہے، یہ شیخ سبیلؒ کے فتویٰ کا دوسرا جزو ہے، اس کو معتبر کیوں نہیں مانا جا رہا ہے؟ یہ بات سمجھنے سے ہم قاصر ہیں، آخر کیا وجہ ہے کہ شیخ سبیلؒ کی ایک ہی تحریر کا ایک جز معتبر ہو گیا اور دوسرا جزو غیر معتبر ہو گیا یہ کیسی بات ہے؟ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔

(۲) ان بزرگوں کے استدلال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسعی میں ان کی تحریر کے مطابق سعی کے علاوہ باقی کوئی دوسری عبادت صحیح اور درست نہیں ہو سکتی؛ حالاں کہ شیخ سبیلؒ نے مسعی کے بارے میں تحریر کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ مسجد حرام کے امام کی تابعیت میں مسعی کے دائرہ میں اقتداء کرنا جائز اور درست ہے، جیسا کہ ہر حاجی نے مسعی کی اقتداء کو دیکھا ہوگا، جب مسعی کے دائرہ میں مسجد حرام سے الگ ہونے کی وجہ سے سعی کے علاوہ کوئی دوسری عبادت درست نہیں ہو سکتی تو مسعیٰ میں رہ کر مسجد حرام کے امام کی اقتداء کیسے درست ہوگئی؟ جب کہ مسعی الگ مقام ہے اور مسجد حرام اس سے ہٹ کر الگ سے دوسرا مقام ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ان بزرگوں کی طرف سے شاید یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اتصال صفوف کی وجہ سے مقام آخر میں اقتداء درست ہو جاتی ہے؛ اس لئے یہاں بھی اقتداء درست ہوگئی ہے اور صحت اقتداء میں ایک ہی مقام کے حکم میں ہو گیا ہے اور مسعی کے مشعر ہونے کے اعتبار سے استقلالی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا ہے اور اقتداء کرنے والوں کو جماعت کا ثواب بھی مل گیا ہے، تو منی کے مشعر ہونے کے اعتبار سے اس کی استقلالی حیثیت اپنی جگہ برقرار رہتے ہوئے مکہ مکرمہ کی آبادی منی سے متصل ہو جانے کی وجہ سے قصر واتمام کے مسئلہ میں مقام واحد کے حکم میں قرار دینا کیوں جائز نہیں ہے؟ جیسا کہ اتصال صفوف کی وجہ سے مسعی کو جواز اقتداء کے لئے مقام واحد کے حکم میں قرار دیا ہے، تو اسی طرح اتصال کی وجہ سے منی ومزدلفہ کو بھی قصر واتمام کے مسئلہ میں مقام واحد کے حکم میں تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے؟ جب کہ شیخ سبیلؒ نے اس کو صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کی آبادی منی تک متصل ہو جانے کی وجہ سے قصر واتمام کے مسئلہ میں

مقام واحد بن چکے ہیں۔ شیخ سبیلؒ کی تائید میں چند فقہی جزئیات یہاں نقل کردیتے ہیں اس کے بعد شیخ سبیلؒ کا پورا فتویٰ نقل کریں گے۔ ''تبیین الحقائق'' اور ''البحر الرائق'' کی ذیل کی عبارات اس کی مؤید ہیں۔ تبیین الحقائق کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا تَبَعًا لِلآخَرِ بِأَنْ كَانَتِ الْقَرْيَةُ قَرِيبَةً مِنَ الْمِصْرِ بِحَيْثُ تَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلٰى سَاكِنِهَا؛ فَإِنَّهُ يَصِيرُ مُقِيمًا بِدُخُولِ أَحَدِهِمَا أَيُّهُمَا كَانَ لِأَنَّهُمَا فِي الْحُكْمِ كَمَوْطِنٍ وَاحِدٍ. (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، زكريا ١/ ٥١٣، كوئٹه ١/ ٢١٢، مجمع الأنهر، دار الكتب العلمية ١/ ٢٤٠، ٢٤١)

اور اگر دو مقام ایک دوسرے کے تابع ہوجائیں اس طور پر کہ گاؤں شہر سے اس طرح قریب ہے کہ اس گاؤں میں رہنے والوں پر جمعہ واجب ہوجاتا ہے تو بے شک ایسی صورت میں دونوں میں سے کسی بھی ایک میں داخل ہوتے ہی مقیم ہوجائے گا؛ اس لئے کہ دونوں قصر واتمام کے مسئلہ میں مقام واحد کی طرح ہوگئے ہیں۔

اور ''البحر الرائق'' کی عبارت سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ کوئی شخص اگر مکہ مکرمہ کی عمارتوں میں یا منیٰ کے شاہی محلّات میں یا منیٰ میں کثیر منزلہ عمارتیں جو بن چکی ہیں ان میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت سے آجائے گا تو آنے کے بعد چاہے مکہ میں رہے یا شاہی محلّات میں رہے، یا منیٰ کی کثیر منزلہ عمارتوں میں رہے ان میں سے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف خروج کرنے میں اس کے لئے قصر کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ملاحظہ فرمایئے بحر کی عبارت:

وَمُرَادُهُ مَوْضِعَانِ صَالِحَانِ لِلإِقَامَةِ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْمِصْرَيْنِ أَوِ الْقَرْيَتَيْنِ أَوِ الْمِصْرِ وَالْقَرْيَةِ لِلاحْتِرَازِ عَنْ نِيَّةِ الإِقَامَةِ فِي مَوْضِعَيْنِ مِنْ مِصْرٍ وَاحِدٍ وَقَرْيَةٍ وَاحِدَةٍ، فَإِنَّهَا صَحِيحَةٌ لِأَنَّهُمَا مُتَّحِدَانِ حُكْمًا أَلَا تَرٰى! أَنَّهُ لَوْ خَرَجَ إِلَيْهِ مُسَافِرًا لَمْ يَقْصُرْ. (البحر الرائق كوئٹه ٢/ ١٣٢، زكريا ٢/ ٢٣٣)

اور اس کی مراد ان مقامات سے ایسے مقامات ہیں جو اقامت کے لئے صلاحیت رکھتے ہوں اس میں دو شہر دو گاؤں ہونے میں یا ایک شہر دوسرا گاؤں ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے، احتراز کرتے ہوئے ایک ہی شہر کے دو مقاموں میں نیت اقامت سے یا ایک گاؤں کے دو مقاموں میں نیت اقامت سے اس لئے کہ اس میں نیت اقامت بہر حال صحیح ہے کیوں کہ دونوں حکم کے اعتبار سے متحد ہیں، کیا نہیں دیکھتے ہو اس بات کو کہ اگر ایک سے دوسرے کی طرف مسافر بن کر خروج کرے گا تو قصر جائز نہیں ہوگا (یعنی اس وقت تک قصر جائز نہیں ہوگا جب تک دوسرے سے نکل نہیں جائے گا)

اب شیخ سبیلؒ کا فتویٰ ان ہی کی عبارات کے ساتھ یہاں نقل کردیتے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

منیٰ اور مسعیٰ کے بارے میں شیخ سبیل کا فتویٰ

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے [illegible] ۱۴۲۸ھ [illegible] عربی میں شیخ عبداللہ بن سبیل کو ایک مکتوب لکھا تھا کہ آج کل
[illegible] کے مسائل میں ان کا جواب [illegible] متعلق ہوئے [illegible] جس کا ترجمہ
[illegible] ہو جانے کے بعد منیٰ اور مزدلفہ [illegible] مکہ مکرمہ کی آبادی سے متصل ہو گئے [illegible]
[illegible] ۱۴۲۸ھ سے ۱۴۲۹ھ [illegible]
[illegible] شیخ [illegible]
اس بارے میں شیخ سبیل کا فتویٰ [illegible] حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے [illegible]
[illegible] مسجد حرام کے حدود سے باہر [illegible]
[illegible] مسجد حرام سے خارج [illegible]
[illegible] مسجد حرام سے خارج ہے [illegible]
[illegible] اور [illegible] کے بارے میں شیخ سبیل کا فتویٰ [illegible] ذیل ہے (مرتب عفی عنہ)

JUSTICE MUHAMMAD TAQI USMANI

محمد تقي العثماني

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم

إلى سعادة الشيخ عبد الله بن سبيل الموقر، رئيس شؤون الحرمين الشريفين حفظه الله تعالى ورعاه. السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، وبعد فقد حدثت هناك بعض مسائل فقهية يكثر عنها السؤال بعد توسعة المسجد الحرام بمكة المكرمة والجواب عنها يتوقف على معرفة الوضع الحقيقي، فالمرجو من سماحتكم حفظكم الله تعالى بكم الخلاق أن تفيدنا مشكورا بحكم في مسألتي: (١) هل يعد "المسعى" الجديد من المسجد الحرام أم لا؟ وذلك لأن المسعى كان خارج المسجد الحرام، فكان من الجائز دخول الحائض والنفساء فيه، فهل تعتبر المسعى الآن من الحرم الشريف لحرمة دخول هؤلاء النساء فيه. (٢) في الأزمنة السالفة كان "منى" بعد موضعاً مستقلاً و"مكة المكرمة" بلدة مستقلة ومن هنا يختلف فيهما حكم السفر والإقامة، وأما في العصر الراهن فقد نشأ بسبب كمال التصل والقرب بحسب العمران كما لا يخفى على الزائر، فالمسؤول منكم أن حكومتكم هل تعامل هذين الموضعين معاملة موضع واحد أو بلدة واحدة اليوم، ومنى يعد من مكة المكرمة أم لا؟ فنرجو منكم إيضاح هذا الأمر كمال الإيضاح لتوقف مسألة نية الإقامة عليه أيضا في هذا المجال. وأجركم على الله تعالى. والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

منیٰ اور مسعیٰ کے بارے میں شیخ ابن سبیل کا فتویٰ

[illegible] ... شیخ عبداللہ بن سبیل ... [illegible]

[illegible]

[illegible] ... شیخ ابن سبیل کا فتویٰ درج ذیل ہے۔ (شبیر احمد قاسمی)

JUSTICE MUHAMMAD TAQI USMANI

محمد تقی العثمانی

[illegible]

إلى سماحة الشيخ عبد الله بن سبيل الرئيس لشؤون الحرمين الشريفين حفظه الله تعالى ورعاه. السلام عليكم ورحمة الله وبركاته. وبعد فقد حدثت هناك بعض مسائل فقهية يكثر عنها السؤال بعد توسعة المسجد الحرام بمكة المكرمة، والجواب عنها يتوقف على معرفة الوضع الحقيقي، فالمرجو من سماحتكم نفع الله تعالى بكم الخلائق أن تفيدنا مشكورا بحكمكم في ما يلي: (١) هل يعد "المسعى" اليوم من المسجد الحرام أم لا؟ وذلك لأن المسعى كان خارج المسجد الحرام، فكان يمكن للحائض دخوله والمكث فيه، فهل اعتبر المسعى الآن من الحرم الشريف يحرم دخول الحائض والنفساء فيه. (٢) في الأزمنة السابقة كان "منى" بموضعها منفصلا عن "مكة المكرمة" بلدة مستقلة ومن هنا يختلف فيهما حكم السفر والإقامة، وأما في العصر الراهن فقد نشأ بينهما تداخل الاتصال والعمران حسب العمران كما لا يخفى على الزائر، فالمسؤول منكم أن حكومتكم هل تعامل هذين الموضعين معاملة موضع واحد أو بلدة واحدة اليوم، ومنى يعد من مكة المكرمة أم لا؟ فالرجاء منكم إيضاح هذا الأمر كمال الإيضاح لتوقف مسائله لدى الأئمة عليه. [illegible] في هذا المجال، وأجركم على الله تعالى. والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

محمد تقی عثمانی

[illegible]

دلیل ۳: موسم حج میں منیٰ باقاعدہ شہر بن جاتا ہے

بالفرض اگر تھوڑی دیر کے لئے منی کو شہر مکہ سے الگ تسلیم بھی کرلیا جائے تو موسم حج میں منی شیخینؒ کے نزدیک مستقل طور پر شہر بن جاتا ہے اور موسم حج میں شہر کی ساری شرطیں منی ومزدلفہ میں موجود ہوتی ہیں اور منی جب شہر بن جاتا ہے تو دونوں شہروں کا اتصال بلا فصل ہوجاتا ہے کہ جمرۂ عقبہ کے بعد کا جو میدان ہے وہ میدان انسانوں سے خالی نہیں رہتا ہے، اسی طرح منی اور عزیز یہ کے درمیان جو جبل ثبیر حائل ہے اس کی سرنگوں اور دونوں شاہی محلات کے بیچ کے راستے انسانوں کے ہجوم سے بھر جاتے ہیں، انفصال کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی ہے، نیز منی میں حکام، ہسپتال، پولیس تھانہ، بازار سب ہوتے ہیں، الغرض شہر کی ساری شرائط موجود ہوتی ہے؛ اس لئے موسم حج میں تولازمی طور پر منی ومزدلفہ کو ملاکر قصر واتمام کے مسئلہ میں بلدِ واحد تسلیم کرلینا ضروری ہے۔ اور قصر واتمام کے مسئلہ میں بلدِ واحد تسلیم کرنے کی وجہ سے مشاعر مقدسہ کی توقیفی حدود میں کوئی فرق نہیں آتا، وہ اپنی جگہ بدستور باقی رہیں گی، منی کے موسم حج میں شہر بن جانے کی چند عبارات ملاحظہ فرمائیے:

اس حکم کو ''البحر العمیق'' میں اس طرح کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

إِنَّ مِنىٰ تَتَمَصَّرُ فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ لِاجْتِمَاعِ شَرَائِطِ الْمِصْرِ فِيهَا مِنَ السُّلْطَانِ وَالْقَاضِيْ وَالْأَبْنِيَةِ وَالْأَسْوَاقِ إِلَّا أَنَّهَا لَا تَبْقَى مِصْرًا بَعْدَ أَيَّامِ الْمَوْسِمِ، وَبَقَاؤُهَا مِصْرًا بَعْدَ ذٰلِكَ لَيْسَ بِشَرْطٍ. (البحر العمیق، المکتبة المکیة ۳/ ۱٤۹۲)

بے شک منی موسم حج میں شہر بن جاتا ہے اس کے اندر مصر کے سارے شرائط کے جمع ہوجانے کی وجہ سے یعنی حاکم، قاضی اور رات گذارنے کے جھوپڑے اور بازار وغیرہ الاّ یہ کہ بے شک منی کی شہریت موسم حج کے بعد باقی نہیں رہتی ہے، اور اس کے بعد اس کا شہر ہونے کی حالت میں باقی رہنا لازم اور مشروط نہیں ہے۔

علامہ ابن الہمام علیہ الرحمہ نے فتح القدیر میں اس حکم کو ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے:

مِنٰى تَتَمَصَّرُ فِي الْمَوْسِمِ لاجْتِمَاعِ مَنْ يَنْفُذُ الأَحْكَامَ وَيُقِيمُ الْحُدُودَ وَالأَسْوَاقِ وَالسِّكَكِ قِيلَ فِيهَا ثَلاثُ سِكَكٍ، وَغَايَةُ مَا فِيهَا أَنَّهُ يَزُولُ تَمَصُّرُهَا بِزَوَالِ الْمَوْسِمِ، وَذٰلِكَ غَيْرُ قَادِحٍ فِي مِصْرِيَّتِهَا قَبْلَهُ إِذْ مَا مِنْ مِصْرٍ إِلاَّ وَيَزُولُ تَمَصُّرُهُ فِي الْجُمْلَةِ وَمَعَ ذٰلِكَ تُقَامُ فِيهِ الْجُمُعَةُ. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة، زكريا ۲/ ۵۲، كوئٹه ۲/ ۲٦)

منی موسم حج میں شہر بن جاتا ہے ایسے حکام کے جمع ہونے کی وجہ سے جو احکام کے نافذ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور حدود قائم کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور بازارا ور گلیوں کے ہونے کی وجہ سے اور کہا جاتا ہے کہ منی کے اندر تین سڑکیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ موسم حج ختم ہونے کے ساتھ اس کی شہریت بھی ختم ہو جاتی ہے اور ایسا ختم ہو جانا اس سے پہلے اس کی شہریت کے صحیح ہونے کو نقصان دہ نہیں ہے؛ اس لئے کہ بہت سے شہر ایسے ہوتے ہیں کہ فی الجملہ ان کی شہریت ختم ہو جاتی ہے، اس کے باوجود ان میں شہر ہونے کی حالت میں جمعہ جائز ہو جاتا ہے۔

دلیل ۴: حکم حاکم رافع اختلاف ہے

جب کسی مسئلہ میں علماء کرام کا اختلاف ہو جائے اور حاکم وقت کسی ایک جانب کا فیصلہ کر دے تو بالاجماع اختلاف ختم ہو جاتا ہے اور اختلاف کرنے والے سارے علماء کو حاکم کے فیصلہ پر متفق ہو جانا لازم ہو جاتا ہے اور اس فیصلہ کو نہ ماننا جائز نہیں ہوتا۔ اور عزیزیہ اور شیشہ کی آبادی کے وجود میں آ جانے کے بعد سعودی حکومت نے منی اور مزدلفہ کو مکہ مکرمہ کے محلے اور جزو ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے اور اس فیصلہ کو تمام ذمہ دار سعودی علماء اور عوام وخواص سب مانتے ہیں؛ لہٰذا اب سعودی حکومت کے اس فیصلہ کے بعد اس کے خلاف کسی بھی عالم یا مفتی کو اختلاف کرنے کا حق باقی نہیں رہا؛ اس لئے حکومت سعودیہ کے منی

اور مزدلفہ کو مکہ مکرمہ کا محلّہ اور جزو قرار دینے کے بعد قصر واتمام کے مسئلہ میں مقام واحد تسلیم کرنے میں کسی کو تردد نہیں ہونا چاہئے۔

حکومت سعودیہ کا فیصلہ دلیل ۲ کے ذیل میں مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کے سوال اور شیخ سبیل علیہ الرحمہ کے جواب کے ذیل میں وضاحت سے لکھ دیا گیا ہے اور یہاں بھی صرف حکومت سعودیہ کے فیصلہ والے جزو کو دوبارہ نقل کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

إِنَّ حُكُومَةَ الْمَمْلَكَةِ الْعَرَبِيَّةِ السُّعُودِيَّةِ تَعُدُّ مِنٰى مِنْ مَكَّةَ عَلٰى اعْتِبَارِ أَنَّهَا حَيٌّ مِنْ أَحْيَائِهَا إِلَّا أَنَّ الْحُكُومَةَ تَمْنَعُ الْبِنَاءَ فِيهَا إِلَّا لِمَصْلَحَةٍ عَامَّةٍ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَمَلَّكَ وَلَا يَخْتَصَّ بِشَيْءٍ مِنْ مِنٰى وَلَا غَيْرِهَا مِنَ الْمَشَاعِرِ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: مِنٰى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ.

بے شک حکومت سعودیہ نے منیٰ کو مکہ کا ایک جزو قرار دے کر مکہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ شمار کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے؛ البتہ حکومت سعودیہ حاجیوں کی ضرورت اور مصلحت عامہ کی وجہ سے منیٰ میں مالکانہ طور پر عمارت بنانے سے منع کرتی ہے؛ کیوں کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ منیٰ کے کسی جزو کا مالک ہو جائے اور منیٰ یا منیٰ کے علاوہ دیگر مشاعر کے اجزاء میں سے کسی جزو کو اپنے لئے خاص کر لے کیوں کہ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ: منی مناخ من سبق (منیٰ میں جو پہلے پہنچ کر کسی جگہ میں قیام کر لے وہ اس کا ہے)

اب ہم ذیل میں فقہاء کی معتبر کتابوں کی ایسی عبارتیں نقل کر دیتے ہیں جن سے حاکم کے فیصلہ کے بعد علماء کے اختلاف کا ختم ہو جانا لازم ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

''کشف الاسرار'' میں لکھا ہے کہ حاکم کے فیصلہ کے بعد مخالفت کرنے والے کو بھی اس کو ماننا لازم ہو جاتا ہے اور مخالفت کرنے والوں کا اپنی رائے پر قائم رہنا جائز نہیں ہے۔ ''کشف الاسرار'' کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

إِذَا قَضَى الْقَاضِيْ بِرَأْيِ نَفْسِهٖ فِيْ حَادِثَةٍ اخْتَلَفَ فِيْهِ الْفُقَهَاءُ نَفَذَ عَلَى الْكُلِّ، وَثَبَتَ صِحَّتُهُ فِيْ حَقِّ مَنْ يُخَالِفُهُ. (كشف الاسرار ٤/ ٢٦)

جب حاکم اپنی رائے سے کسی ایسے نئے پیدا ہونے والے معاملہ میں فیصلہ کر دے جس میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے تو حاکم کا فیصلہ سب کے اوپر نافذ ہو جاتا ہے اور اس کے صحیح ہونے کا اثر ان لوگوں کے حق میں بھی ثابت ہو جاتا ہے، جنہوں نے اس رائے کی مخالفت کی ہو۔

اس کو ”الموسوعۃ الفقہیۃ“ میں ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:

إِنَّ قَضَاءَ الْقَاضِي فِي الْمُجْتَهَدَاتِ بِمَا غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهِ وَأَدَّى إِلَيْهِ اجْتِهَادُهُ يَنْفُذُ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَيَرْفَعُ الْخِلافُ فَيَصِيْرُ الْمُقْضىٰ بِهِ هُوَ حُكْمُ اللهِ تَعَالىٰ بَاطِنًا وَظَاهِرًا. (الموسوعة الفقهية ۳۳/ ۳۳۸)

بے شک حاکم کا فیصلہ مجتہد فیہ معاملات میں ظن غالب کے ساتھ ہوتا ہے، جس کی طرف اس کی رائے کا رجحان ہوتا ہے، تو وہ فیصلہ ظاہراً وباطناً نافذ ہوجاتا ہے اور اس فیصلہ کی وجہ سے اختلاف مرتفع ہوجاتا ہے؛ لہٰذا فیصلہ شدہ جو حکم ہے وہی ظاہراً وباطناً اللہ کا حکم ہوتا ہے۔

اور ”فتاوی تاتارخانیہ“ میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اس حکم شرعی کو واضح کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ: الْقَاضِي إِذَا قَضَى بِقَوْلٍ مَرْجُوْعٍ عَنْهُ جَازَ قَضَاءُهُ، وَكَذَا لَوْ قَضَى بِقَوْلٍ يُخَالِفُ قَوْلَ عُلَمَائِنَا إِذَا كَانَ الْقَاضِي مِنْ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالاجْتِهَادِ، وَفِي النَّوَازِلِ: قَالَ الْفَقِيْهُ أَبُو اللَّيْثِ: وَقَدْ قَالَ فِي رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ قَدِ اخْتَلَفَ الْفُقَهَاءُ فِيْهِ، فَقَضَى الْقَاضِي بِذٰلِكَ جَازَ قَضَاءُهُ وَلَمْ يَكُنْ لِقَاضٍ آخَرَ أَنْ يُبْطِلَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْهُ فِيْهِ الاخْتِلافَ وَبِهِ نَأْخُذُ. (الفتاوى التاتارخانية ۱۱/ ۱۳۲، رقم: ۱۵۶۷۷)

اور ”ولوالجیہ“ میں ہے کہ جب حاکم کسی قول مرجوع کے ساتھ فیصلہ کردے تو جائز ہوکر نافذ ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی اگر ایسے قول کے ساتھ فیصلہ کردے جو ہمارے علماء کے خلاف ہو جب کہ حاکم صاحب الرائے اور اجتہاد کا اہل ہو۔ اور نوازل میں ہے کہ فقیہ ابواللیثؒ نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی روایت سے فرمایا ہے کہ بے شک ہر ایسا معاملہ جس میں فقہاء کا اختلاف ہو پھر حاکم نے کسی ایک رائے پر فیصلہ کردیا ہو تو وہ فیصلہ جائز اور نافذ ہوجاتا ہے اور دوسرے حاکم کو اسے باطل کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔ (یعنی یہی مفتی بہ قول ہے)

اس حکم کو ”الفقہ الحنفی وادلتہ“ میں اس طرح کے الفاظ سے نقل کیا گیا ہے:

إِذَا قَضَى الْقَاضِي فِي قَضِيَّةٍ يُسَوَّغُ فِيهَا الاجْتِهَادُ، لَمْ يَجُزْ لِأَحَدٍ مِنَ الْقُضَاةِ نَقْضَ قَضَائِهِ؛ لِأَنَّ الاجْتِهَادَ الثَّانِي مِثْلُهُ، وَالْأَوَّلُ تَرَجَّحَ بِالسَّبْقِ لِاتِّصَالِ الْقَضَاءِ بِهِ. (الفقه الحنفي وأدلته، كتاب أدب القاضي، هل ينقض قضاء القاضي، وحيدي كتب خانه پشاور ۳/ ۱۹)

جب حاکم کسی ایسے معاملہ میں فیصلہ کردے جس میں اجتہاد اور اختلاف کی گنجائش ہو تو کسی کے لئے بھی حاکم کے اس فیصلہ کو توڑ نا جائز نہیں ہے (یعنی کسی دوسرے کے لئے بھی اس فیصلہ کو ختم کرنا جائز نہیں ہے) اس لئے کہ دوسرے حاکم کا اجتہاد اسی کے مثل ہے اور اول کو فیصلۂ سابق کے اتصال کی وجہ سے ترجیح حاصل ہے۔

اور تکملہ فتح الملہم میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

فَكَمَا أَنَّ النِّزَاعَ يَرْتَفِعُ بِالتَّعَامُلِ السَّابِقِ، فَإِنَّهُ يَرْتَفِعُ أَيْضًا بِتَقْنِيْنٍ مِنْ قِبَلِ الْحُكُوْمَةِ (وقوله) ثُمَّ إِنَّ حُكْمَ الْحَاكِمِ رَافِعٌ لِلْخِلَافِ فِي الْأُمُوْرِ الْمُجْتَهَدِ فِيْهَا. (تكمله فتح الملهم، كتاب المساقات والمزارعة، المكتبة المكية ۱/ ٦۳٦)

جس طرح علماء کا اختلاف تعامل سابق کی وجہ سے مرتفع ہو جاتا ہے، اسی طرح بے شک منجانب حکومت قانونی فیصلہ کی وجہ سے بھی ختم ہو جاتا ہے (اور ان کا قول) پھر بے شک حاکم کا حکم امور مجتہد فیہا میں اختلاف کو ختم کر دیتا ہے۔

درمختار اور شامی کی حسب ذیل عبارت سے بھی یہ مسئلہ خوب واضح ہو جاتا ہے کہ جب حاکم قریۂ کبیرہ میں جامع مسجد تعمیر کر کے اس میں جمعہ کی اجازت دیدے تو اس میں جمعہ پڑھنا سب پر لازم ہو جاتا ہے؛ اس لئے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور جب مسئلۂ مجتہد فیہ میں ایک جانب پر حاکم کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو وہ مسئلہ بھی متفق علیہ بن جاتا ہے، کسی کے لئے اس میں اختلاف کرنا جائز نہیں۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

إِذْنُ الْحَاكِمِ بِبِنَاءِ الْجَامِعِ فِي الرُّسْتَاقِ إِذْنٌ بِالْجُمُعَةِ اتِّفَاقًا عَلٰى مَا قَالَهَا السَّرَخْسِيُّ، وَإِذْ اتَّصَلَ بِهِ الْحُكْمُ صَارَ مُجْمَعًا عَلَيْهِ (وتحته في الشامية) تَقَعُ فَرْضًا فِي الْقَصْبَاتِ وَالْقُرَى الْكَبِيرَةِ الَّتِي فِيهَا أَسْوَاقٌ. قَالَ أَبُوالقَاسِمِ: هٰذَا بِلاَ خِلافٍ إِذَا أَذِنَ الْوَالِي أَوْ الْقَاضِي بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ وَأَدَاءِ الْجُمُعَةِ، لِأَنَّ هٰذَا مُجْتَهَدٌ فِيهِ، فَإِذَا اتَّصَلَ بِهِ الْحُكْمُ صَارَ مُجْمَعًا عَلَيْهِ ...... قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ عِبَارَةَ الْقُهُسْتَانِي صَرِيحَةٌ فِي أَنَّ مُجَرَّدَ الْأَمْرِ رَافِعٌ لِلْخِلافِ بِنَاءً عَلٰى أَنَّ مُجَرَّدَ أَمْرِهِ حُكْمٌ. (شامي، كتاب الصلاة، باب الجمعة، كراچی ۲/ ۱۳۸، زکریا ۳/ ۷،٦)

حاکم کا گاؤں میں جامع مسجد تعمیر کرنے کی اجازت دینا بالاتفاق وہاں پر قیام جمعہ کی اجازت ہے، جس کو علامہ سرخسیؒ نے نقل فرمایا ہے۔ اور جب حاکم کا حکم اس پر لگ گیا ہے تو مسئلہ متفق علیہ ہوگیا ہے (اس کے تحت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں) کہ قصبات اور ایسے قریۂ کبیرہ میں جمعہ پڑھنا فرض ہوجاتا ہے جس میں بازار بھی ہو۔ امام ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ بلا اختلاف ہے، جب حاکم یا قاضی جامع مسجد تعمیر کرنے اور ادائے جمعہ کی اجازت دیدے؛ اس لئے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ اور مختلف فیہ ہے، پھر جب حکم حاکم ایک رائے کے موافق ہوجائے تو وہی رائے متفق علیہ ہوگئی ...... یقیناً یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ قہستانی کی عبارت اس مسئلہ میں صریح اور واضح ہے کہ محض حکم حاکم اختلاف کو مرتفع کردیتا ہے، اس بنیاد پر کہ محض حکم حاکم بھی حکم شرعی ہے۔

ان تمام دلائل سے صاف طور پر واضح ہوچکا ہے کہ منی مکہ مکرمہ شہر کا ایک جزو ہے، اس کو قصر واتمام کے مسئلہ میں موسم حج میں شہر سے الگ سمجھنا درست نہیں ہے، اسی طرح مزدلفہ بھی شہر مکہ کا جزو ہے؛ اس لئے کہ مزدلفہ کے اپنی جگہ مشعر ہونے کی حالت میں مکہ مکرمہ کے فناء ہونے میں تردد نہیں اور فناء بھی فنائے متصلہ کے حکم میں ہوگا؛ اس لئے کہ مزدلفہ کے

بورڈ اور عمارتوں کے درمیان میں کوئی کھیت اور باغ نہیں ہے۔ اور مستشفیٰ شاہ عبداللہ مزدلفہ کے بورڈ کے بالکل قریب بن چکا ہے، جو مکہ مکرمہ کا نیا اور بڑا اسپتال ہے۔ اس کی وضاحت ہم نے مزدلفہ کے عنوان کے ذیل میں کر دی ہے، نیز ۲۶؍جنوری ۲۰۱۴ء بروز اتوار کو تازہ مشاہدہ میں مزدلفہ کے بورڈ اور محلّہ عزیزیہ جنوبیہ کے طریقِ ثالث کی آخری رہائشی بڑی عمارت کے درمیان صرف ایک روڈ کا فاصلہ ہے، جس کی مقدار نصف غلوہ بھی مشکل سے ہے۔

منی مصالح بلد کے لئے بھی مستعمل ہے

آج کل کے زمانہ میں معتمرین کی کثرت کی وجہ سے حکومت سعودیہ کی طرف سے جمرات کے اردگرد بڑے میدانوں کو معتمرین کی بسوں اور گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور ان میدانوں پر جگہ جگہ گاڑیوں کی پارکنگ کے بورڈ سرکار کی طرف سے لگے ہوئے ہیں، ایسی صورت میں جو حضرات منی کو مکہ مکرمہ شہر سے متصل تسلیم کرکے بلد واحد ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں ان کے نزدیک منی کو فنائے شہر تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں ہے؛ کیوں کہ فنائے شہر وہ جگہ ہوتی ہے جو جگہ سال بھر میں کسی بھی موقع پر شہر کے مصالح کے لئے استعمال ہوتی ہو، فناء ہونے کے لئے مسلسل استعمال ہونا لازم نہیں جیسا کہ فنائے شہر کے عنوان کے ذیل میں مفصل دلائل کے ساتھ واضح کیا جا چکا ہے۔ اور مکہ مکرمہ کی آبادی اور منی کے درمیان حاجیوں کی ضرورت کی وجہ سے تھوڑا سا جو فاصلہ رکھا گیا ہے وہ فاصلہ کھیت اور باغات کے فاصلہ کے حکم میں نہیں ہوسکتا؛ اس لئے منی کو اگر فنائے شہر تسلیم کرلیا جائے تو فنائے متصلہ ہوگا فنائے منفصلہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس خالی میدان کو بھی گاڑیوں کی پارکنگ کے کام میں استعمال کیا جاتا ہے، اس عنوان کو ان بزرگوں کے نظریہ کی وجہ سے پیش کیا گیا ہے جو منی کو فنائے شہر بھی تسلیم کرنے میں تردد فرماتے ہیں ورنہ منی تو مکہ مکرمہ شہر کا ایک حصہ ہے، نیز عزیزیہ کی آبادی اور منی کے درمیان پہاڑوں کو سرنگوں کے ذریعہ سے جوڑ دیا گیا ہے اور ان میں سے کوئی بھی ایک کلومیٹر کی نہیں ہے؛ حالاں کہ پرانی دلی اور جمنا پار کے درمیان ایک کلومیٹر سے زیادہ

فاصلہ ہونے کے باوجود اسے پلوں اور برجوں کے ذریعہ سے جوڑ دینے کی وجہ سے دلی کا حصہ تسلیم کیا جاتا ہے؛ لہٰذا منی کو بھی مکہ مکرمہ کا حصہ تسلیم کرنا بلاشبہ درست ہو جائے گا۔

منی ومزدلفہ میں قصر واتمام کا حکم فاصلہ کی علت کے ساتھ معلول ہے یا توقیفی؟

یہاں یہ مسئلہ بھی اس وقت اہمیت کا حامل ہے کہ خیر القرون کے زمانہ سے مکہ مکرمہ اور منی کے درمیان آٹھ نو کلومیٹر کے ویران علاقہ کا فاصلہ رہا ہے اور یہ صورت حال لگ بھگ چودھویں صدی ہجری تک رہی ہے اور فقہاء نے دونوں مقاموں کو دو الگ الگ شمار فرمایا ہے۔ سوال نامہ میں اس بات کی تحقیق طلب کی گئی ہے کہ حضرات فقہاء نے مکہ مکرمہ اور منی دونوں پر دو الگ الگ مستقل مقام ہونے کا جو حکم لگایا تھا وہ فاصلہ کی علت کے ساتھ معلول تھا یا اس کی وجہ منی کا مشعر ہونا تھا؟ اور کیا یہ حکم ایسا توقیفی ہے جس کو علت کے ساتھ معلول کر کے تبدیل نہیں کیا جاسکتا؟ اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ قصر واتمام کے مسئلہ میں منی ومزدلفہ مشعر ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ شہر کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتا ہے، ایسی کوئی نص تلاش بسیار کے باوجود ہمیں دستیاب نہ ہوسکی؛ اس لئے اس حکم کے توقیفی ہونے کا دعوی کرنا ہمارے بس کی بات نہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ’’منی مناخ من سبق‘‘ والی حدیث شریف قصر واتمام کے مسئلہ سے متعلق نہیں ہے اور اس سے اس بارے میں استدلال بے محل ہوگا؛ اس لئے یہی بات صحیح اور درست ہے کہ حضرات فقہاء نے منی اور مکہ مکرمہ کو جو دو الگ الگ مقام قرار دیا تھا وہ فاصلہ ہی کی علت کے ساتھ معلول تھا اور آج کے زمانہ میں آٹھ نو کلومیٹر کا غیر آباد علاقہ تسلسل آبادی کے ساتھ منی تک متصل ہوکر آباد ہو جانے کی وجہ سے فقہاء کے زمانہ کے فاصلہ کی علت ختم ہوچکی ہے؛ لہٰذا الگ الگ دو مقام ہونے کا جو حکم تھا وہ اپنی علت کے ساتھ ختم ہو چکا ہے اور جب علت ہی ختم ہوچکی ہے تو حکم معلول کو باقی رکھنا ممکن نہیں؛ لہٰذا فقہاء کے زمانہ میں فاصلہ کی علت کے ساتھ معلول ہوکر دونوں کا حکم الگ الگ تھا اور آج کے زمانہ میں فاصلہ کی علت ختم ہونے کی وجہ سے اتصال کی علت کے ساتھ معلول ہوکر دونوں کا

حکم ایک شہر کا ہوگیا ہے؛ اس لئے اب منیٰ کو قصر واتمام کے مسئلہ میں مکہ مکرمہ شہر سے الگ جداگانہ مقام قرار دے کر قصر صلاۃ کا حکم لگانا درست نہیں ہوگا؛ بلکہ یہی حکم لگانا ضروری ہوگیا ہے کہ قصر واتمام کے مسئلہ میں دونوں مقام مل کر ایک ہی شہر بن چکے ہیں۔

نیز حضرات شیخینؒ نے خیر القرون کے زمانہ سے موسم حج میں منیٰ کے اوپر باضابطہ شہر ہوجانے کا حکم لگایا ہے، جس کو تمام متأخرین نے بھی اختیار فرمایا ہے، تو منیٰ میں اگرچہ موسم حج کے علاوہ ایام میں رہائشی آبادی نہیں رہتی ہے، مگر موسم حج میں منیٰ کا باضابطہ شہر بن جانا مسلم ہے، تو موسم حج کے موقع پر شہر منیٰ، عزیزیہ اور شیشہ کے درمیان کسی طرح کا فاصلہ باقی نہیں رہتا ہے؛ کیوں کہ جمرۂ عقبہ کے بعد عمارتوں تک کے درمیان میں جو خالی میدان ہے وہ حاجیوں کے ہجوم سے مسلسل بھرا رہتا ہے۔ اور منیٰ اور عزیزیہ کے درمیان جو سرنگ ہے وہ بھی لوگوں کی آمد ورفت سے فل رہتی ہے اور دونوں شاہی محلّات کے درمیان شارع عبد العزیز پر لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہوجاتا ہے اور یہ سلسلہ دن رات مسلسل رہتا ہے، نیز اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لئے منیٰ کو مکہ مکرمہ شہر سے الگ سمجھ بھی لیا جائے اس کے باوجود موسم حج میں منیٰ مستقل شہر ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ سے شدت کے ساتھ متصل ہوکر ایک ہی شہر بن جاتا ہے۔

مسئلہ زیر بحث صرف موسم حج میں حاجیوں کی نمازوں کے قصر واتمام سے متعلق ہے اور موسم حج میں شدت اتصال مسلم ہے، جب موسم حج میں فاصلہ کے زمانہ میں بھی منیٰ کو شہر تسلیم کرکے جمعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے، تو اتصال کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سے متصل شہر تسلیم کرکے نمازوں کے اتمام کا حکم لگانا بطریق اولیٰ جائز اور درست ہوجائے گا۔

حدود حرم سے باہر کا حصہ بھی مکہ میں داخل

جو لوگ منیٰ ومزدلفہ کے مشعر ہونے کی وجہ سے مکہ مکرمہ شہر کا حصہ تسلیم کرکے ایک ہی شہر ماننے میں مشعر کی استقلالی حیثیت کے ختم ہوجانے کا خطرہ ظاہر کرتے ہیں ان حضرات سے گزارش ہے کہ سب سے بڑا اور اہم ترین مشعر حدود حرم کے دائرہ کے اندر کا حصہ ہے، کیا منیٰ ومزدلفہ حدود حرم کے

دائرہ میں داخل نہیں ہیں؟ کیوں کہ الگ مشعر ہوتے ہوئے حدود حرم کے دائرہ میں شامل ہونے کی وجہ سے ان مقامات کے مشعر ہونے کی استقلالیت ختم نہیں ہوئی وہ اپنی جگہ بحالہ باقی ہے۔

اب قابل توجہ بات یہ ہے کہ طریقِ مدینہ کی طرف سے حدود حرم کی آخری حد مقامِ تنعیم پر ختم ہوتی ہے اور حدود حرم کے نشانات کے باہر مسجد عائشہ واقع ہے جس میں حجاج کرام عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے جاتے ہیں اور مکہ مکرمہ شہر کی آبادی تسلسل کے ساتھ حدود حرم کے ان نشانات کے باہر کئی کلومیٹر آگے ''الحی الدوائر'' تک پہنچ چکی ہے اور اسی باہر کے حصہ میں مکہ مکرمہ کا سب سے مہنگا ہسپتال ''مستشفیٰ الحراء'' بھی ہے، موسم حج میں ایمرجنسی طور پر بیمار حاجیوں کو اس ہسپتال میں بھی داخل کیا جاتا ہے اور درمیان میں حدود حرم کے اندر اور باہر اسی جانب سے آبادی کا زبردست اتصال ہے، کسی طرح کا فاصلہ نہیں ہے، جس کو دیکھنے والوں نے خوب اچھی طرح دیکھا ہوگا، تو کیا اس آبادی میں حاجیوں کے قیام کی وجہ سے قصر واتمام کے مسئلہ میں کوئی فرق آسکتا ہے؟ یہاں قیام کرنا اور حرم شریف کے قریب قیام کرنا ایک ہی شہر کا قیام ساری دنیا تسلیم کرنے پر مجبور ہے تو کیا اس کی وجہ سے حدود حرم کی استقلالیت میں کوئی فرق آسکتا ہے؟ اس لئے مشعر کی بات پیش کر کے قصر واتمام کے مسئلہ پر بحث کرنا بے محل ہے؛ بلکہ قصر واتمام کا مدار علت سفر پر ہے یا ایسی دو الگ الگ مستقل آبادی پر ہے، جن دونوں آبادیوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہ ہو اور شہر مکہ اور منیٰ ومزدلفہ کے درمیان ایسا نہیں ہے۔

فقہاء کے زمانہ میں حکم شرعی انفصال کی علت کے ساتھ معلول تھا اور لمبے فاصلہ کی وجہ سے دونوں مقام الگ الگ جداگانہ شمار ہوتے رہے اس کے برخلاف آج کے زمانہ میں فاصلہ کی علت ختم ہوچکی ہے؛ لہٰذا حکم شرعی اتصال کی علت کے ساتھ معلول ہوکر بدل چکا ہے۔ اور قصر واتمام کے مسئلہ میں دونوں جگہیں مقام واحد کے حکم میں ہوچکی ہیں جیسا کہ حضرات فقہاء نے اس کی صراحت کردی ہے۔ علامہ شامی نے اس کو رسائل ابن عابدین میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

فَكَثِيْرٌ مِنَ الأَحْكَامِ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الزَّمَانِ لِتَغَيُّرِ عُرْفِ أَهْلِهٖ أَوْ لِحُدُوْثِ ضَرُوْرَةٍ -إلى- وَلِهٰذَا تَرَى مَشَايِخَ الْمَذْهَبِ خَالَفُوا مَا نَصَّ عَلَيْهِ الْمُجْتَهِدُ فِيْ مَوَاضِعَ كَثِيْرَةٍ بَنَاهَا عَلٰى مَا كَانَ فِيْ زَمَنِهٖ بِعِلْمِهِمْ بِأَنَّهٗ لَوْ كَانَ فِيْ زَمَنِهِمْ لَقَالَ بِمَا قَالُوْا بِهٖ آخِذًا مِنْ قَوَاعِدِ مَذْهَبِهٖ. (رسائل ابن عابدين لاهور، نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف، ثاقب بكڈپو ديوبند ۲/ ۱۲۵ ومثله في رسم المفتي زكريا /۱۷۸، بيان العادة والعرف، دارالكتاب ديو بند/ ۱۵۵)

اختلاف زمانہ کی وجہ سے بہت سے احکام بدل جاتے ہیں اس زمانہ کے لوگوں کے عرف کے بدلنے کی وجہ سے یا ضرورت کے پیدا ہوجانے کی وجہ سے اوراسی وجہ سے مسلک کے مشائخ کو تم دیکھتے ہوکہ بہت سے مواقع میں جس کے اوپر مجتہدوقت نے صراحت کردی ہے ان کی مخالفت کرتے ہیں، اس کی بنیادان باتوں پر ہوتی ہے جوان کے زمانہ میں تھی، ان کو یہ بات معلوم ہونے کی وجہ سے کہ اگر یہ بات ان کے زمانہ میں پیش آگئی ہوتی تو یقیناً مجتہدوہی بات کہتے جو بعد میں مشائخ نے کہا ہے، ان کے مسلک کے اصول کواختیار کرتے ہوئے۔

ایک شبہ کاازالہ اور باغات کاحکم

جولوگ قصرواتمام کے مسئلہ میں منی ومزدلفہ کوشہر مکہ مکرمہ سے بالکل جداگانہ طور پر الگ مستقل مقام تسلیم کرتے ہیں، ان کی طرف سے ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ شہر سے متصل جوباغات ہوتے ہیں ان باغات میں اگرچہ نگرانی کرنے والے کی رہائش سال بھر بھی رہتی ہوتب بھی وہ باغات نہ شہر کا حصہ ہوتے ہیں اور نہ ہی فنائے شہر۔اورشامی کے حسبِ ذیل جزئیہ کواستدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں:

بِخِلافِ الْبَسَاتِيْنِ وَلَوْ مُتَّصِلَةً بِالْبِنَاءِ؛ لأَنَّهَا لَيْسَ مِنَ الْبَلْدَةِ

بخلاف باغات کے اگرچہ وہ باغات شہر کی عمارتوں سے متصل کیوں نہ ہوں؛اس لئے کہ

وَلَوْ سَكَنَهَا أَهْلُ الْبَلْدَةِ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ أَوْ بَعْضِهَا وَلا يُعْتَبَرُ سَكَنُ الْحَفَظَةِ وَالأَكَرَةِ اتِّفَاقًا. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۱، زکریا ۲/ ۵۹۹)

باغات شہر کا حصہ نہیں ہو سکتے اگر چہ شہر کے لوگ اس میں پورے سال یا بعض سال رہتے ہوں اور باغات کی نگرانی کرنے اور کاشت کاروں کی رہائش کا بالاتفاق اعتبار نہیں ہے۔

اب اس عبارت پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ بساتین باغات ہونے کی حالت میں کبھی بھی شہر کا جزو نہیں بن سکتے اور نہ ہی کبھی فنائے شہر بن سکتے ہیں؛ بلکہ باغات، مزارع اور کھیتوں کا حکم بالکل یکساں ہے کہ جس طرح مزارع اور کھیت اگر چہ اس میں کام کرنے والے حفاظتی ملازمین اور کاشت کار رہتے ہوں پھر بھی شہر کے جزو نہیں بنتے ہیں اور نہ ہی فنائے شہر بن سکتے ہیں، اسی طرح باغات کا حکم بھی مزارع کی طرح ہے، تو منی اور مزدلفہ کو باغات اور مزارع کے مشابہ قرار دینا عجیب حیرت کی بات ہے۔ یہاں زیر بحث مسئلہ شہر کا جزو یا فنائے شہر ہونے سے متعلق ہے اور باغات اور مزارع کسی کے نزدیک بھی نہ فنائے شہر میں شامل ہوتے ہیں اور نہ ہی شہر کا جزو بنتے ہیں اور منی ومزدلفہ میں نہ باغات ہیں اور نہ ہی کھیتی ہوتی ہے، نیز ان دونوں مقامات کے کوئی مالک نہیں ہوتے ہیں اور باغات ومزارع کے مالک ہوتے ہیں اور باغات ومزارع میں یا تو صرف مالک کی رہائش ہوتی ہے، یا اس کے ملازمین اور کاشت کار کی رہائش ہوسکتی ہے اور منی مزدلفہ میں مالک یا ملازمین کی رہائش کا مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ مشعر ہونے کی حیثیت سے شریعت کے دائرہ میں رفاہِ عام کی جگہ ہے اور ہر شہر کے ایسے مقامات جو رفاہ عام کے لئے محفوظ رکھے جاتے ہیں وہ شہر کا جزو ہوا کرتے ہیں اور منی میں موسم حج میں باتفاق شیخین ومتأخرین جمعہ جائز ہوتا ہے اور باغات کے اندر کسی بھی حالت میں بھی جمعہ جائز نہیں ہوتا؛ اس لئے یہ قیاس بامحل نہیں ہے۔

شہر کی آبادی سے نکلتے ہی قصر کا حکم کس طرح کے لوگوں کے لئے ہے؟

یہ مسئلہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضرات فقہاء نے ایک مسئلہ یہ بھی لکھا ہے کہ مسافر جب

آبادی سے باہر نکلے تو نمازوں کا قصر کرنا اس پر لازم ہوجاتا ہے، چاہے فنائے شہر سے تجاوز نہ کیا ہو، اسی بات کو لے کر بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کی عمارتی آبادی سے تجاوز کرتے ہی حاجیوں پر قصر کرنا لازم ہوجائے گا؛ لہٰذا اگر منی کو فنائے شہر تسلیم کرلیا جائے تو فنائے شہر میں اتمام جائز نہیں ہے؛ بلکہ قصر کرنا لازم ہوجاتا ہے اور فنائے شہر میں جمعہ اور قصر واتمام کے مسئلہ میں فرق ہے؛ کیوں کہ فنائے شہر میں جمعہ جائز ہوتا ہے اور مسافر کے لئے فنائے شہر میں اتمام جائز نہیں؛ لہٰذا منی ومزدلفہ کو فنائے شہر تسلیم کرنے کے باوجود مکہ مکرمہ کی آبادی سے اس میں نکلنے پر قصر لازم ہوجائے گا۔ یہ بات مسلم ہے کہ فنائے مصر میں جمعہ جائز ہوتا ہے، خروج کرنے والے مسافر کے لئے اتمام جائز نہیں ہے؛ بلکہ قصر لازم ہوتا ہے، اس طرح کی بات ہمارے بعض بزرگوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے تو اس بارے میں توجہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرات فقہاء نے کس قسم کے لوگوں کے لئے آبادی سے خروج پر قصر کا حکم لگایا ہے؟ اور فنائے شہر میں کس قسم کے لوگوں پر قصر کرنا لازم ہوتا ہے؟

یاد رکھیں کہ یہ حکم حضرات فقہاء نے اس مسافر کے بارے میں لکھا ہے کہ جو مسافر مسافت سفر طے کرنے کے ارادے سے شہر کی آبادی سے باہر نکل رہا ہو اس کے لئے حکم شرعی یہی ہے کہ اس کے شہر کی آبادی اور شہر کے اطراف واکناف کے ہر طرح کی عمارتوں اور فنائے متصلہ سے باہر نکلتے ہی اس کے اوپر قصر کا حکم لگ جاتا ہے اور اس کے بعد آگے ایسا فنائے شہر جو شہر سے منفصل ہو تو ایسے فنائے منفصلہ میں جا کر ایسے مسافر کے لئے اتمام کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کا ارادہ یہاں سے مسافت سفر طے کرنے کا ہے، اس کے برخلاف جو آدمی مسافت سفر طے کرنے کے ارادہ سے شہر سے نہیں نکلتا ہے بلکہ فنائے شہر میں جانے کے ارادے سے نکلتا ہے، تو ایسے آدمی کے لئے فنائے منفصلہ میں قصر کرنا جائز نہیں ہے، اس کے اوپر اتمام لازم ہوجاتا ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں اگر منی کو تھوڑی دیر کے لئے فنائے منفصلہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو حجاج کرام مکہ مکرمہ کی عمارتوں سے باہر جب خروج کرتے ہیں تو ان کا ارادہ صرف منی تک جانے کا ہوتا ہے اور اس کے آگے دوسرے یوم دن دن میں عرفات تک جانے کا ہوتا ہے، اس سے آگے نہیں، پھر عرفات سے واپس لوٹ کر آنے کا ارادہ ہوتا ہے؛ لہٰذا منی کو فنائے شہر تسلیم کرنے کی صورت میں

حجاج کرام کا شہر سے فنائے شہر میں جانا ثابت ہوا ہے نہ کہ شہر سے مسافت سفر کے ارادہ سے نکلنا اور شہر سے نکل کر فنائے منفصلہ میں جا کر قصر کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اتمام کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وہ مسافر جو مسافت سفر طے کر کے کسی شہر میں اقامت کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کا حکم بھی قصر و اتمام کے مسئلہ میں اس شہر کے باشندوں کے حکم میں ہو جاتا ہے، تو جس طرح اس شہر کے باشندوں کے لئے فنائے شہر میں رات گذارنے کی وجہ سے قصر کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح اقامت کا ارادہ کرنے والے مسافر کے لئے بھی اس شہر کے فناء میں رات گذارنے میں قصر کرنا جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ اتمام ہی لازم ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیے ہندیہ کی عبارت:

وَلَا بُدَّ لِلْمُسَافِرِ مِنْ قَصْدِ مَسَافَةٍ مُقَدَّرَةٍ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ حَتّٰى يَتَرَخَّصَ بِرُخْصَةِ الْمُسَافِرِيْنَ وَإِلَّا لَا يَتَرَخَّصُ أَبَدًا. (هندية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، زكريا ١/ ١٣٩، جديد ١/ ١٩٩)

مسافر کے لئے ایسی مسافت کا قصد کرنا لازم ہے جو تین دن کی مسافت کے ساتھ مقدر ہے، تاکہ اس کو مسافروں کی طرح قصر کی رخصت مل جائے ورنہ اسے کبھی بھی قصر کی رخصت نہیں ملے گی۔

اس حکم کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

فَإِنَّ مَنْ نَوَى الْإِقَامَةَ بِمَوْضِعٍ نِصْفَ شَهْرٍ ثُمَّ خَرَجَ مِنْهُ لَا يُرِيْدُ السَّفَرَ ثُمَّ عَادَ مُرِيْدًا سَفَرًا وَمَرَّ بِذٰلِكَ أَتَمَّ مَعَ أَنَّهُ أَنْشَأَ سَفَرًا بَعْدَ اتِّخَاذِ هٰذَا الْمَوْضِعِ دَارَ إِقَامَةٍ، فَثَبَتَ أَنَّ إِنْشَاءَ السَّفَرِ لَا يُبْطِلُ وَطَنَ الْإِقَامَةِ، إِلَّا إِذَا أَنْشَأَ السَّفَرَ مِنْهُ. (شامي، كتاب الصلاة، باب المسافر كراچی ٢/ ١٣٣، زكريا ٢/ ٦١٦)

پس بے شک جو شخص کسی جگہ بھی نصف مہینہ اقامت کی نیت کرے پھر وہاں سے سفر شرعی کے ارادہ کے بغیر نکلتا ہے، پھر سفر کے ارادہ سے لوٹتا ہے اور اس مقام اقامت پر سے گذرتا ہے، تو وہ نمازوں کا اتمام کرے گا باوجود اس کے کہ اس شخص نے اسی مقام کو دارِ اقامت بنانے کے بعد سفر شروع کیا ہے، لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ محض انشاء سفر وطن اقامت کو باطل نہیں کرتا ہے مگر یہ کہ وطن اقامت سے سفر شرعی کے ارادہ سے سفر کی ابتدا کرتا ہو تب وطن اقامت کو باطل کرتا ہے۔

مذکورہ عبارات سے یہ بات صاف واضح ہوگئی ہے کہ مکہ مکرمہ کی آبادی سے منی کی طرف کوچ کرنے کی وجہ سے نمازوں کا قصر کرنا جائز نہیں ہوگا؛ بلکہ نمازوں کا اتمام اس کے اوپر لازم ہوجائے گا۔

منی میں جمعہ کیوں جائز ہے؟

موسم حج میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور بعد کے تمام فقہاء کے نزدیک منی میں جمعہ جائز بلکہ لازم ہوجاتا ہے؛ اس لئے کہ موسم حج میں منی تمام شہروں کی طرح باقاعدہ ایک شہر بن جاتا ہے اس کی وجہ اور دلیل یہ ہے کہ حج میں منی میں حکام، سرکاری عملہ، ہسپتال، فوج کے خیمہ وغیرہ سب موجود ہوتے ہیں، نیز باقاعدہ شہر کی گلی کوچوں کی طرح منی میں گلی کوچے بھی ہوتے ہیں اور دکانیں بھی لگ جاتی ہیں، حجاج کرام کم وبیش اپنی ضروریات کی چیزیں منی سے حاصل کرتے ہیں یہی شہر کی تعریف ہے؛ اس لئے منی میں بلا شبہ جمعہ جائز ہے، اس کے دلائل ملاحظہ فرمائیے: بنایہ شرح ہدایہ میں اس کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَلَهُمَا أَيْ لِأَبِي حَنِيفَةَ، وَأَبِي يُوسُفَ لِأَنَّهَا أَيْ لِأَنَّ مِنٰى تَتَمَصَّرُ أَيْ تَصِيرُ مِصْرًا فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ لِمَا يَكُونُ فِيهَا أَسْوَاقٌ وَفِيهَا سُلْطَانٌ أَوْ نَائِبُهُ، وَقَاضِي فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ فَتَصِيرُ كَسَائِرِ الأَمْصَارِ. (البناية، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، نعيميه ديو بند ٣/ ٤٨)

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک منی میں جمعہ جائز ہونے کی علت یہ ہے کہ بے شک منی موسم حج میں باقاعدہ شہر بن جاتا ہے؛ اس لئے کہ اس میں بازار کی طرح دکانیں بھی ہوتی ہیں اور اس میں حاکم یا اس کے قائم مقام نائب ہوتا ہے اور موسم حج کا قاضی بھی ہوتا ہے؛ لہٰذا وہ ایسا شہر بن جاتا ہے جیسا کہ دیگر تمام شہر ہوتے ہیں۔

اس کو ''البحر الرائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مبني عَلٰى أَنَّهَا تَتَمَصَّرُ فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ

اور صحیح یہی ہے کہ منی بے شک موسم حج میں حضرات شیخینؒ کے نزدیک شہر بن جاتا ہے؛ اس لئے کہ منی میں

عِنْدَهُمَا؛ لِأَنَّ لَهَا بِنَاءٌ، وَتُنْقَلُ إِلَيْهَا الْأَسْوَاقُ وَيَحْضُرُهَا وَالٍ وَقَاضٍ بِخِلَافِ عَرَفَاتٍ؛ لِأَنَّهَا مَفَازَةٌ فَلَا تَتَمَصَّرُ بِاجْتِمَاعِ النَّاسِ وَحَضْرَةِ السُّلْطَانِ.

(البحر الرائق، باب صلاة الجمعة، كوئٹه ۲/ ۱٤۲، زكريا ۲/ ۲٤۹)

موسم حج میں دن ورات کی رہائشی عمارتیں اور جھوپڑے ہوتے ہیں اور بازار منتقل ہوجاتا ہے اوراس میں حاکم اور قاضی موجود ہوتے ہیں، برخلاف عرفات کے اس لئے کہ عرفات صحراء ہے (دن ورات کے رہائشی جھوپڑے اور عمارتیں نہیں ہیں) لہٰذا عرفات لوگوں کے جمع ہونے اور حاکم کی حاضری کی وجہ سے شہر نہیں بنے گا۔

اس کو صاحب درمختار نے ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

وَجَازَتِ الْجُمُعَةُ بِمِنٰى فِي الْمَوْسِمِ فَقَطْ لِوُجُوْدِ الْخَلِيْفَةِ أَوْ أَمِيْرِ الْحِجَازِ أَوْ الْعِرَاقِ أَوْ مَكَّةَ وَوُجُوْدِ الْأَسْوَاقِ وَالسِّكَكِ، وَكَذَا كُلُّ أَبْنِيَةٍ نَزَلَ بِهَا الْخَلِيْفَةُ وَعَدَمُ التَّعْيِيْدِ بِمِنٰى لِلتَّخْفِيْفِ لَا تَجُوْزُ لِاَمِيْرِ الْمَوْسِمِ لِقُصُوْرِ وَلَايَتِهِ عَلٰى أُمُوْرِ الْحَجِّ حَتّٰى لَوْ أُذِنَ لَه جَازَ.

(الدر مع الرد، باب الجمعة، كراچی ۲/ ۱٤٤، زكريا ۳/ ۱٤، ۱۵)

صرف موسم حج میں منیٰ میں جمعہ جائز ہے خلیفۂ حجاز، عراق یا مکہ کے امیر کے موجود ہونے کی وجہ سے اور بازاروں اور دکانوں کے موجود ہونے کی وجہ سے اور اس میں گلی کوچے ہونے کی وجہ سے ایسا ہی ہر اس آبادی کا حکم ہوتا ہے جس میں حاکم کا عارضی قیام ہوتا ہے اور منیٰ میں عید کی نماز حاجیوں کی تخفیف کی غرض سے نہیں ہوتی ہے اور موسم کے امیر کے لئے جائز نہیں ہے، حاجیوں کے امور پر ولایت تامہ کی کمی کی وجہ سے یہاں تک کہ اگر امیر موسم کو حاکم کی طرف سے اجازت ہوجائے تو اس کے لئے جمعہ قائم کرنا جائز ہے۔

اس کو صاحب بدائع نے ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے:

وَهُمَا يَقُوْلَانِ: إِنَّهَا تَتَمَصَّرُ فِي أَيَّامِ الْمَوْسِمِ؛ لِأَنَّ لَهَا بِنَاء وَيُنْقَلُ إِلَيْهَا الْأَسْوَاقُ وَيَحْضُرُهَا وَالٍ يُقِيْمُ الْحُدُوْدَ وَيَنْفُذُ

اور حضرات شیخینؒ فرماتے ہیں کہ بے شک منیٰ موسم حج میں شہر بن جاتا ہے؛ اس لئے کہ منیٰ میں رہائشی جھوپڑے اور مکانات ہیں اور بازار منتقل ہوجاتا ہے اور ایسا حاکم موجود ہوتا ہے جو حدود

الأحكام فالتحق بسائر الأمصار . (بدائع، كتاب الصلاة، فصل في شرائط الجمعة، زكريا ١/ ٥٨٦)

قائم کرسکتا ہے اور احکام نافذ کرسکتا ہے؛ لہٰذا موسم حج میں منی تمام شہروں کی طرح ایک شہر کی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔

یادرکھیں کہ منی میں قدیم زمانہ سے گاؤں کی شکل میں عرب بدوؤں کے مکانات تھے، اب حاجیوں کی ضرورت کی عمارتیں اور خیمے ہیں۔

موسم حج میں شہر منی اور شہر مکہ قطعی طور پر ایک ہوجاتے ہیں

خیر القرون، ائمۂ مجتہدین اور فقہاء کے زمانہ میں منی مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی کی حدود سے تقریباً نوکلومیٹر کے فاصلہ پر واقع تھا اور درمیان کا علاقہ بے آباد ویران تھا؛ اس لئے جمہور فقہاء نے منی کو مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی سے الگ مقام تسلیم کیا ہے۔ اور فقہ کی کتابوں میں دو فرسخ کے فاصلہ کی عبارت وارد ہوئی ہے اور ایک فرسخ میں تین میل شرعی ہوتے ہیں اور دو فرسخ میں چھ میل شرعی ہوتے ہیں؛ لہٰذا فقہاء کے زمانہ میں منی مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی سے چھ میل شرعی تقریباً نو کلو میٹر ویران علاقہ کے بعد واقع تھا؛ اس لئے اس زمانہ میں دونوں مقامات کے درمیان اتصال کا تصور بھی نہیں تھا۔ اور دو فرسخ کے فاصلہ کی عبارت ''فتح القدیر، دارالفکر بیروتی ۲/ ۵۲، زکریا ۲/ ۵۲، کوئٹہ ۲/ ۲۶، تبیین الحقائق، زکریا ۱/ ۵۲۶، امدادیہ ملتان ۱/ ۲۱۸، البحر العمیق، المکتبۃ المکیہ بیروت ۳/ ۱۴۹۲'' وغیرہ میں موجود ہے۔

دونوں الگ الگ مقام ہونے کے باوجود حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک موسم حج میں منی مستقل شہر کے حکم میں ہوجاتا ہے۔ اور بعد کے تمام فقہاء نے حضرات شیخینؒ کے قول پر اتفاق کرکے منی کو موسم حج میں شہر تسلیم کیا ہے اور شہر تسلیم کرکے اس میں جمعہ کو جائز قرار دیا ہے اور اس کو متأخرین فقہاء نے زیادہ صحیح اور راجح قرار دیا ہے، پھر موسم حج کے ختم ہوجانے کے بعد منی کو گاؤں اور دیہات کے حکم میں قرار دیا ہے، اس کی علت فقہاء نے یہ بتائی ہے کہ وقتی طور پر شہر ہوجانے کے بعد جواز جمعہ وغیرہ کے لئے

بقائے شہر مشروط نہیں ہے؛ بلکہ جس زمانہ میں شہر بن جائے اس زمانہ میں جمعہ جائز ہوجاتا ہے اور شہریت ختم ہوجانے کے بعد جمعہ ناجائز ہوجاتا ہے۔

اب اس وضاحت کے بعد آج کے زمانہ میں تمام دنیا کو یہ بات معلوم ہے کہ منی اور مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی کے درمیان لگ بھگ نو کلومیٹر کا بے آباد علاقہ جو ویران تھا اب وہ ویران نہیں رہا ہے؛ بلکہ وہ سارا علاقہ آباد ہوکر پورا شہر بن چکا ہے، اس بات کا آج کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جنت المعلّٰی کے بعد معابدہ کا علاقہ ہے جس میں وادی محصّب بھی ہے، پھر وہاں سے تسلسل کے ساتھ شیشہ کا علاقہ ہے اور شیشہ سے متصل عزیزیہ کی آبادی منی کی لمبائی سے تجاوز کرکے مزدلفہ سے بھی آگے چلی گئی ہے اور ان تمام علاقوں کی عمارتوں میں دنیا بھر کے حجاج کرام کا قیام بھی ہوتا ہے، تو اگر کسی کو مکہ کی موجودہ نئی آبادی منی سے متصل ہونے میں اشکال ہے تو کیا موسم حج میں بھی یہ اشکال باقی رہتا ہے؟ جب کہ مکہ کی موجودہ نئی آبادی کے درمیان موسم حج میں آبادی کے اعتبار سے زبردست اتصال ہوجاتا ہے اور ہجوم کا حال یہ ہوتا ہے کہ چلنا پھرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے، منی سے حرم شریف آنے میں اور حرم شریف سے منی پہنچنے میں تین تین چار چار گھنٹے لگ جاتے ہیں، اب دونوں کو الگ الگ بھی مان لیا جائے تو موسم حج میں تو شدید اتصال ہے؛ لہٰذا موسم حج میں دونوں کا مل کر ایک ہی شہر ہوجانا مسلم ہے؛ کیوں کہ شیخینؒ اور بعد کے تمام فقہاء کے نزدیک موسم حج میں منی باقاعدہ شہر بن جاتا ہے، تو منی کو مکہ شہر کا جزو تسلیم کئے بغیر بھی موسم حج میں اتصال شدید کی وجہ سے بلدِ واحد تسلیم کرنا ہر اہل علم کے لئے واضح اور عیاں ہے؛ اس لئے آج کے زمانہ میں خاص طور پر موسم حج میں دونوں کو الگ الگ تسلیم کرنا درست نہیں ہوگا؛ بلکہ دونوں کو ملا کر ایک ہی شہر تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

ایسی صورت میں اگر حجاج کرام مکہ اور منی دونوں جگہوں کو ملا کر پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کرتے ہیں جن میں سے تین چار راتیں منی میں اور بقیہ عزیزیہ میں یا حرم کے آس پاس گذارتے ہیں، تو الگ الگ دو مقام قرار دے کر قصر کا حکم لگانا ہرگز درست نہیں ہوسکتا؛ بلکہ ایسے حجاج کرام جو مکہ میں پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کا ارادہ رکھتے ہیں، ان کے اوپر نمازوں کا اتمام کرنا لازم ہوگا۔

ہم نے یہ تفصیل اہل علم کے سامنے اس لئے پیش کی ہے کہ جو لوگ مکہ مکرمہ کی نئی آبادی کے پھیلاؤ سے منی کو خارج کر کے الگ جگہ تسلیم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان اہل علم کو موسم حج میں منی اور مکہ دونوں کے حالات پر غور کرنا انتہائی ضروری ہے، ہر اہل علم کو مسئلۂ شرعی کے بارے میں دلائل اور موجودہ حالات کے اعتبار سے غور کرنا انتہائی ضروری ہے، اگر اپنی رائے اور نظریہ کے خلاف دلائل اور موجودہ حالات شہادت دیدیں تو اس کو مان لینا چاہئے۔ موسم حج میں منی کے شہر بن جانے سے متعلق جزئیات اس سے پہلے والی سرخی (منی میں جمعہ کیوں جائز ہے؟) کے تحت میں ملاحظہ فرمائیے۔

ایضاح المناسک میں لکھے ہوئے مسئلہ سے رجوع

احقر نے خود اپنی کتاب ''ایضاح المناسک ص: ۱۶۷'' میں منی کو مکہ مکرمہ سے الگ شمار کر کے وہی مسئلہ لکھا تھا جو فقہاء کے زمانہ سے چلا آرہا تھا اور بعد میں مکہ کی نئی آبادی جو منی مزدلفہ تک پہنچ گئی ہے اور ہر طرف کی آبادی کا مشاہدہ کرنے کے بعد احقر نے اپنے پہلے مسئلہ سے رجوع کرلیا ہے؛ اس لئے کہ مسئلہ شرعی ہمارے گھر کی میراث نہیں ہے، پہلے جو مسئلہ لکھا گیا ہے وہ واقعہ کے مطابق صحیح تھا اور بعد میں ہمارا لکھا ہوا مسئلہ موجودہ حالات کے اعتبار سے غلط ثابت ہوا ہے؛ لہٰذا ہمیں رجوع کرنے میں کوئی اشکال نہیں رہا۔ اور الحمد للہ ہم نے اب اس مسئلہ سے رجوع کرلیا ہے۔

اس پوری تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ موجودہ زمانہ میں موسم حج کے موقع پر منی کو شیشہ اور عزیزیہ کی آبادی سے متصل مان کر ایک ہی شہر قرار دینے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ موسم حج میں منی کو حضرات شیخینؒ اور بعد کے تمام فقہاء نے باقاعدہ شہر قرار دیا ہے۔

حدیث ''منی مناخ من سبق'' کا مطلب اور حدودِ حرم کی سرزمین کا حکم

سوال ۱۳۱: میں حدیث کے الفاظ ''منی مناخ من سبق'' کا منشاء اور اس کا مطلب کیا

ہے؟ پوچھا گیا ہے، ہم اولاً پوری حدیث شریف نقل کردیتے ہیں اس کے بعد اس کا مطلب واضح کرتے ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَا نَبْنِيْ لَكَ بِنَاءً يُظِلُّكَ بِمِنٰى؟ قَالَ: لَا، مِنٰى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ.

(ترمذي، أبواب الحج، باب ماجاء ان منى مناخ من سبق، النسخة الهندية ۱/ ۱۷۷، دارالسلام، رقم: ۸۸۱، ابن ماجه، أبواب المناسك، باب النزول بمنى، النسخة الهندية ۲۱٦، داراسلام، رقم: ۳۰۰٦، مستدرك جديد، مكتبه مصطفى بيروت الباز ۲/ ۵۵٦، رقم: ۱۷۱٤، مسند أحمد ٦/ ۲۰٦، رقم: ۲٦۲۳۷، مسند دارمي، دارالمغني بيروت ۲/ ۱۲۳۳، رقم: ۱۹۸، صحيح ابن خزيمه ۲/ ۱۳۰٦، رقم: ۲۸۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب گزارش کی کہ ہم آپ کے لئے منی میں ایک ایسا مکان بنادیں کہ منی میں آپ اس مکان میں رہائش اختیار کرلیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرنا کیوں کہ منی ہر اس شخص کے پڑاو ڈالنے کی جگہ ہے جو پہلے پہنچ جائے۔

اس حدیث شریف کی سند کو امام ترمذیؒ نے ''حسن'' بتایا ہے۔ اور صحیح ابن خزیمہ میں ''مسیکہ'' کو مجہولہ قرار دے کر اس حدیث شریف کو ضعیف ثابت کیا گیا ہے۔

اس حدیث شریف کا مطلب شیخ سبیلؒ کی طرف سے جواب میں واضح کیا جاچکا ہے کہ حاجیوں کی ضرورت اور مصلحت عامہ کی وجہ سے منی میں مالکانہ طور پر مکانات بنانا اور منی کے اجزاء میں سے کسی جزو کو پلاٹنگ کے طور پر اپنے لئے خاص کر کے مالکانہ طور پر اس کی خرید وفروخت کرنا اس حدیث شریف کی رو سے جائز نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر منی میں عمارتیں بنانے کی اجازت دی جاتی تو مالکانہ طور پر کثرت عمارت کی وجہ سے منی میں حاجیوں کے قیام کی تنگی ہوجاتی۔ (حاشیہ ترمذی، النسخۃ الہندیۃ ۱/ ۱۷۷، تحفۃ الاحوذی، اشرفیہ دیوبند ۳/ ۵۲۶)

اس حدیث شریف کے تحت شراح حضرات نے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ، امام محمد بن حسن شیبانی، امام سفیان ثوری، عطاء بن ابی رباح، مجاہد بن جبر، امام مالک، امام اسحاق بن راہویہ اور ابوعبید رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک حدود حرم کی سرزمین مکمل طور پر وقف ہے،

اس کا کوئی انسان مالک نہیں ہوسکتا اور اس کی زمین اور اس کے مکانات کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں ہے۔اور کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں ہے،ہاں البتہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، طاؤس بن کیسان، عمرو بن دینار اور ابن المنذر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک سب کچھ جائز ہے، جیسا کہ اس کی صراحت اس حدیث شریف کے ذیل میں ''معارف السنن، ابواب الحج، عن رسول اللہ، باب ماجاء ان منی مناخ من سبق، اشرفیہ دیوبند ۶/ ۱۹۶'' میں ہے۔اور صدیوں سے ان ہی کی رائے کے مطابق حدود حرم میں عمل ہورہا ہے۔

امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کی رائے کے مطابق حکومت وقت نے منی میں حاجیوں کے قیام کے لئے جو عمارتیں تعمیر کردی ہیں وہ عمارتیں کسی کی ملکیت میں نہیں ہیں، نیز ان عمارتوں کی وجہ سے دوسرے حاجیوں کے قیام میں دشواری نہیں ہے؛ لہٰذا یہ غیر شرعی شمار نہیں ہوں گی؛ اس لئے کہ جتنے رقبے میں وہ عمارتیں بنی ہیں اس رقبہ میں جتنے حجاج قیام کرسکتے ہیں ان کی متعدد منزلوں میں کئی گنا حجاج قیام کرسکتے ہیں اور یہ مذکورہ حدیث شریف کے منشاء کے خلاف نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ ان عمارتوں کی وجہ سے تنگی نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ رہائش میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔اور عمارتیں تعمیر کردینا ایسا ہی ہے جیسا کہ حاجیوں کی سہولت کے لئے خیمہ لگا دیا جاتا ہے۔ اور اس وقت منی میں مسجد خیف اور جمرات کی عمارتوں، نیز شاہی محلات کے علاوہ اس زمانہ میں کثیر منزلہ چوبیس عمارتیں عالی شان بنی ہوئی ہیں۔آئندہ کے حالات اس زمانہ کے اعتبار سے ہوں گے۔

دو محلوں کے درمیان پہاڑوں کے حائل ہونے کا مسئلہ

سوال نامہ میں یہ بھی پوچھا گیا ہے کہ مکہ معظّمہ کے کئی محلے ایسے ہیں جن میں ہر دو محلّہ کے درمیان پہاڑیاں حائل ہیں، تو پہاڑوں کے حائل ہونے کی وجہ سے وہ دو الگ الگ مقام ہوں گے یا مقام واحد کے حکم میں ہوں گے؟

اس سلسلے میں حکم شرعی پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر ایک شہر کے درمیان بڑا دریا

حائل ہوجائے تو دریا کے دونوں جانب کی آبادی کا جو حکم ہے وہی حکم اس شہر کے بارے میں ہوگا، جس شہر کے محلوں کے درمیان پہاڑیاں حائل ہوتی ہیں اور جب شہر کے درمیان میں بھی بڑا دریا حائل ہوجائے، پل اور برجوں کے ذریعہ سے دونوں جانب کو جوڑ دیا جائے تو بلد واحد کے حکم میں ہوجاتا ہے، جیسا کہ پرانی دلی اور جمنا پار کے علاقہ کے درمیان جمنا دریا حائل ہے اور اس دریا کے اوپر سے کئی پل ایسے بنے ہوئے ہیں جو ایک کلومیٹر سے کم نہیں ہیں اور ان پلوں کی وجہ سے دونوں جانب کی آبادیاں مل کر بلدِ واحد کے حکم میں ہیں۔ نیز ہم نے لندن شہر کے بیچ میں بہت بڑا وسیع دریا دیکھا ہے اس دریا کے بیچ میں برج بنی ہوئی ہے، جس نے شہر کے دونوں جانب کو جوڑ کر کے بلد واحد بنادیا ہے۔

اسی طرح مکہ مکرمہ کے بعض محلوں کے درمیان بڑے بڑے پہاڑ حائل ہیں اور سرنگوں کے ذریعہ سے ایک کو دوسرے سے جوڑ دیا گیا ہے۔ منی اور عزیزیہ کے درمیان میں بھی جبل ثبیر کے نیچے سے سرنگوں کے ذریعہ سے ایک کو دوسرے سے جوڑ دیا گیا ہے، تو جس طرح دلی شہر کے بیچ میں دریا بلد واحد ہونے میں مانع نہیں ہے اور لندن شہر کے بیچ میں دریا، برج کی وجہ سے بلد واحد ہونے کو مانع نہیں، اسی طرح مکہ مکرمہ کے محلوں کے بارے میں بھی حکم ہوگا کہ سرنگوں کے ذریعہ سے ایک محلے کو دوسرے محلے سے جوڑ دیا گیا ہے؛ لہٰذا عزیزیہ سے منی تک جو سرنگیں ہیں، ان سرنگوں نیز شاہ راہوں کے ذریعہ عزیزیہ اور منی کے درمیان پہاڑ کا حائل ہوجانا بلد واحد ہونے کو مانع نہیں ہوگا۔ مزید پہاڑ کے اوپر شاہی محلّات ہیں، جن میں بے شمار عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

نیز حکومت سعودیہ نے بھی سرکاری طور پر منی مزدلفہ کو ملا کر بلدِ واحد قرار دیا ہے، جس کے لئے حسب ذیل عبارت حجت کا درجہ رکھتی ہے۔

وَإِنْ كَانَ وَسْطَ الْبَلَدِ نَهْرٌ فَاجْتَازَ فَلَيْسَ لَهُ الْقَصْرُ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الْبَلَدِ وَلَمْ يُفَارِقْ	اور اگر شہر کے بیچ میں دریا ہو اور یہ مسافر اس دریا کو پار کر جائے تو اس کے لئے دریا میں قصر کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ شہر سے نہیں نکلا ہے

الْبُنْيَانَ، فَأَشْبَهَ الرَّحْبَةَ وَالْمَيْدَانَ فِيْ وَسْطِ الْبَلَدِ. (المغني، كتاب المسافر، دار الفكر بيروت ۲/ ۵۰)

اور نہ ہی شہر کی آبادی سے الگ ہوا ہے؛ لہٰذا یہ شہر کے بیچ کے کشادہ خالی علاقہ اور شہر کے بیچ کے بڑے میدان کے مشابہ ہو جائے گا۔

قصر واتمام کے مسئلہ میں اتمام افضل

جب قصر واتمام کے مسئلہ میں اختلاف ہو جائے، بعض علماء اتمام کے قائل ہو جائیں اور بعض قصر کے۔ اور دونوں کے پاس اپنے مدعیٰ پر دلائل بھی موجود ہوں، تو ایسی صورت میں اتمام افضل اور بہتر ہو جاتا ہے؛ لہٰذا منی میں قصر واتمام کے مسئلہ میں علماء کی دو جماعتیں ہو گئیں:

(۱) ایک جماعت منی ومزدلفہ میں قصر کی قائل ہے اور ان کے پاس قصر سے متعلق اپنے دلائل موجود ہیں۔

(۲) دوسری جماعت منی ومزدلفہ میں اتمام کی قائل ہے اور ان کے پاس بھی اتمام کے دلائل موجود ہیں۔

ایسی اختلافی صورت میں حضرات فقہاء کرام نے اتمام کو ترجیح دے کر اس کو افضل اور اولیٰ کہا ہے اور اتمام ہی کا قول مفتی بہ ہوا کرتا ہے؛ اس لئے کہ اس میں احتیاط کا پہلو غالب ہے۔

شامی میں اس حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ فِي السَّفِيْنَةِ حَالَ إِقَامَتِهِ فِيْ طَرَفِ الْبَحْرِ فَنَقَلَتْهَا الرِّيْحُ وَنَوَى السَّفَرَ يُتِمُّ صَلَاةَ الْمُقِيْمِ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ، خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ؛ لِأَنَّهُ اجْتَمَعَ فِيْ هٰذِهِ الصَّلَاةِ مَا يُوْجِبُ الْأَرْبَعَ وَمَا يَمْنَعُ فَرَجَّحْنَا مَا يُوْجِبُ الْأَرْبَعَ احْتِيَاطًا. (شامي، باب صلاة المسافر، كراچی ۲/ ۱۲۲، زكريا ۲/ ۶۰۱)

جب کوئی شخص سمندر کے کنارے پر اپنی اقامت کی حالت میں کشتی کے اوپر نماز شروع کرے اور پھر بادبانی ہوا کشتی کو کنارے سے الگ کر کے سمندر میں دور تک پہنچا دے اور نماز پڑھنے والا سفر کا ارادہ کر لے تو امام ابو یوسف کے نزدیک وہ مقیم کی طرح اتمام کرے گا، برخلاف امام محمدؒ کے (ان کے نزدیک اتمام جائز نہیں ہے) اس لئے کہ اس نماز میں چار رکعت پڑھنے اور نہ پڑھنے کی علت جمع ہوگئی تو ہم نے احتیاطاً چار رکعت واجب کرنے والی علت کو راجح قرار دیا ہے۔

اور ہندیہ میں اس کو مزید وضاحت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وفي الولوالجية: افْتَتَحَ الصَّلاةَ فِي السَّفِيْنَةِ حَالَ إِقَامَتِهِ فِيْ طَرَفِ الْبَحْرِ فَنَقَلَتْهَا الرِّيْحُ وَهُوَ فِي السَّفِيْنَةِ فَنَوَى السَّفَرَ يُتِمُّ صَلاةَ الْمُقِيْمِ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ، وَفِي الْحُجَّةِ: الْفَتْوىٰ عَلىٰ قَوْلِ أَبِيْ يُوْسُفَ احْتِيَاطًا. (هنديه، الباب الخامس: في صلاة المسافر، قديم ۱/ ۱٤٤ جديد ۱/ ۲۰٤)

اور ولوالجیہ میں ہے کہ سمندر کے کنارے پر اپنی اقامت کی حالت میں جب کشتی پر نماز شروع کرے پھر بادبانی ہوا کشتی کو کنارے سے دور تک منتقل کردے اور وہ اسی حالت میں سفر کا ارادہ کرلے تو امام ابویوسفؒ کے نزدیک وہ اتمام کرے گا۔ اور حجہ میں ہے کہ احتیاطاً فتویٰ حضرت امام ابویوسفؒ کے قول پر ہی ہے۔

نیز ماقبل میں دلائل کے ساتھ واضح کیا جاچکا ہے کہ حکم حاکم رافع اختلاف ہے، تو اتمام کی اولویت کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہمارے سامنے آگئی ہے کہ اختلاف کی صورت میں جب حاکم کا فیصلہ کسی ایک جانب ہوجائے تو اس کو تسلیم کرلینا سب کے اوپر لازم ہوجاتا ہے، تو یہاں حکم حاکم کی وجہ سے بھی اتمام کے حکم کو تسلیم کرنا لازم ہوگا اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ قصر واتمام کے مسئلہ میں اختلاف کی صورت میں اتمام کے قول کو راجح قرار دیا جاتا ہے۔

مذکورہ تمام دلائل اور وجوہات کی وجہ سے منی ومزدلفہ میں قصر کا حکم لگانا درست نہیں ہوگا؛ بلکہ اتمام لازم ہوجائے گا۔

والله سبحانه وتعالى أعلم ☆ وما توفيقي إلا بالله

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ☆ عَلىٰ حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيْلاً.

مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی عفا اللہ عنہ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی (الہند)

۲۰ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

مکہ مکرمہ منیٰ اور مزدلفہ سے متعلق مقالہ کا خلاصہ

مفصل مقالہ میں مسئلہ کے ہر گوشے پر مدلل بحث کرنے کی کوشش کی گئی ہے، چوں کہ مضمون کافی لمبا ہو چکا ہے؛ اس لئے اس کا ایک مختصر خلاصہ بھی نوٹ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو حسب ذیل ہے:

(۱) فنائے متصلہ ربضِ مصر کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور ربضِ مصر اور فنائے متصلہ دونوں قصر واتمام کے مسئلہ میں شہر کی آبادی اور اس کے ایک حصے کے حکم میں ہوتے ہیں، مسافر جب مسافت سفر طے کرنے کے ارادے سے آبادی سے نکلے تو ربضِ مصر اور فنائے متصلہ میں اتمام کرنا لازم ہوتا ہے اور فنائے متصلہ شہر کی آبادی سے چار سوذ راع کے فاصلہ تک ہوسکتا ہے۔

(۲) فنائے منفصلہ شہر کی آبادی سے چار پانچ کلومیٹر کے فاصلہ تک ہوسکتا ہے اور ایسے فنائے منفصلہ میں جمعہ تو جائز ہو جاتا ہے؛ لیکن مسافتِ سفر طے کرنے کے ارادے سے مسافر جب روانہ ہو جائے تو فنائے منفصلہ میں آکر اتمام جائز نہیں ہوگا، اس میں قصر کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

(۳) مکہ مکرمہ کی پرانی آبادی اور منیٰ کے درمیان خیر القرون کے زمانہ سے سعودی حکومت کے زمانہ تک تقریباً نو کلومیٹر تک کا فاصلہ ویران علاقہ کی شکل میں تھا، جس میں کسی قسم کی آبادی نہیں تھی۔ اور آج کے زمانہ میں وہ سارے بے آباد علاقے آبادی سے بھر کر منیٰ سے متصل اس حصے تک پہنچ چکے ہیں جہاں پر حاجیوں کے چلنے کے لئے خالی جگہ چھوڑ نا لازم ہے، اس کے بعد ربضِ مصر کی طرح منیٰ میں بھی عمارتیں بن چکی ہیں؛ اس لئے جس طرح پہلے وسیع ترین انفصال کی وجہ سے منیٰ اور مکہ مکرمہ دو الگ الگ مقام شمار ہوتے تھے، وہ حکم اب باقی نہیں رہا؛ کیوں کہ وہ حکم انفصال کی علت کے ساتھ معلول تھا اور اب انفصال کی علت ختم ہو چکی ہے۔ اور اب چوں کہ اتصال ہو چکا ہے؛ اس لئے حکم شرعی اتصال کی علت کے ساتھ معلول ہو گیا؛ لہٰذا منیٰ مکہ کا ایک جزو اور حصہ بن چکا ہے؛ اس لئے منیٰ کو مکہ سے الگ جگہ قرار دے کر اس میں قصر کا حکم لگانا درست نہیں ہے۔

(۴) محلّہ عزیزیہ اور منیٰ کے درمیان میں جبلِ ثبیر جو حائل ہے اس کا حکم کھیتوں اور باغات کے حائل ہونے کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ ایسا ہے جیسا کہ دو آبادیوں کے درمیان دریا

حائل ہوتا ہے، پھر دونوں آبادیوں کو ایک دوسرے سے پل اور برج کے ذریعہ سے جوڑ دیا جاتا ہے اور دونوں پر قصر واتمام کے مسئلہ میں ایک شہر کا حکم لگا دیا جاتا ہے، جیسا کہ پرانی دلی اور جمنا پار کے علاقہ کے درمیان بڑا دریا حائل ہے اور برجوں کے ذریعہ سے ایک دوسرے کو جوڑ دیا گیا ہے اور ان برجوں کی لمبائی ایک کلومیٹر سے زیادہ ہے کم نہیں، اس کے باوجود جمنا پار کے علاقے کو دلی شہر کا ایک جز وتسلیم کرنے میں کسی کو تردد نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح منی اور محلّہ عزیزیہ کوئی سرنگوں کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے جوڑ دیا گیا ہے اور اوپر شاہی محلات بھی بنے ہوئے ہیں، اور دونوں شاہی محلات کے درمیان شارع عبدالعزیز بھی گذر رہا ہے؛ اس لئے انفصال کی بات کر کے منی کو شہر مکہ سے الگ قرار دینا درست نہیں ہوگا؛ بلکہ جس طرح دلی اور جمنا پار کے علاقے کو ملا کر ایک ہی شہر شمار کیا جاتا ہے ایسا ہی منی اور مکہ مکرمہ دونوں کو ملا کر ایک ہی شہر شمار کیا جائے گا۔

(۵) کسی جگہ کو دوسری جگہ سے متصل قرار دینے کے لئے ایک جانب سے اتصال کافی ہے، ہر جانب سے اتصال ضروری نہیں۔

(۶) قصر واتمام کے اعتبار سے منی ومزدلفہ کو مکہ مکرمہ شہر کا حصہ تسلیم کرنے کی صورت میں ان مشاعر مقدسہ کی توقیفی حدود میں کوئی فرق نہیں آتا، جیسا کہ طریق مدینہ کی طرف سے مکہ مکرمہ کی آبادی تسلسل کے ساتھ بغیر فصل کے مسجد عائشہ سے تجاوز کر کے کئی کلومیٹر آگے تک پہنچ گئی ہے اور حدود حرم کی آخری حد مسجد عائشہ ہے، اور اس حصے کو مکہ مکرمہ شہر کا حصہ دنیا نے تسلیم کر لیا ہے۔ اور حدود حرم کے باہر کا حصہ قصر واتمام کے مسئلہ میں مکہ شہر کا حصہ ہو جانے کی وجہ سے حدود حرم کی توقیفی ہونے میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، ایسا ہی منی ومزدلفہ کے مکہ مکرمہ کے شہر کا حصہ بننے کی صورت میں ان مقامات کی حدود کے توقیفی ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

(۷) علمائے عرب نے منی کو مکہ مکرمہ کا جز وتسلیم کر لیا ہے۔

(۸) شیخ سبیلؒ کا مفصل فتویٰ جس میں منی کو مکہ مکرمہ کے ایک محلّہ کے درجے میں قرار دیا گیا ہے۔

(۹) بعض بزرگوں نے شیخ سبیلؒ کے فتوی کے ایک جزوکو تسلیم کرکے اپنے موقف کے لئے دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے، اور دوسرا جزو ان کے موافق نہیں ہے؛ اس لئے اس پر رد فرمایا ہے، ہم ان بزرگوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اس تضاد کی کیا وجہ ہے؟ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور ہم ان کے فتوی کے دونوں جزوں کو تسلیم کرتے ہیں۔

(۱۰) حکومت سعودیہ نے منی کو مکہ مکرمہ کا باضابطہ ایک جزو قرار دیا ہے۔ اور حکم حاکم رافع اختلاف ہوتا ہے، اس کی سات دلیلیں مقالے میں پیش کی گئی ہیں۔

(۱۱) منی مصالح بلد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، جمرات کے اردگرد کا میدان معتمرین کی گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے مصالح بلد میں شامل ہونے میں کسی کو اشکال نہیں ہوگا۔

(۱۲) بالفرض دونوں کو الگ الگ تسلیم کریں تو موسم حج میں شہر منی اور شہر مکہ قطعی طور پر ایک ہوجاتے ہیں اور فاصلہ کے زمانے میں بھی حضرات شیخینؒ کے نزدیک منی کے باضابطہ شہر ہوجانے کی وجہ سے اس میں جمعہ پڑھنا جائز تھا۔ اور تمام متأخرین نے شیخین کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اور اس زمانہ میں فاصلہ کی علت ختم ہوجانے کے بعد جب منی شرعی طور پر شہر بن جاتا ہے تو دونوں شہروں کے درمیان کا فاصلہ قطعی طور پر ختم ہوکر موسم حج میں لازمی طور پر دونوں ایک ہی شہر بن جاتے ہیں؛ لہٰذا قصر و اتمام کے مسئلہ میں دونوں کو الگ تسلیم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۱۳) احقر نے ''ایضاح المناسک'' میں وہی مسئلہ لکھا تھا جو خیر القرون کے زمانہ سے فاصلہ کی وجہ سے فقہاء لکھتے آئے ہیں۔ اور اس زمانہ میں چوں کہ فاصلہ ختم ہوچکا ہے جس کی وجہ سے مسئلہ بدل چکا ہے۔ اور حکومت سعودیہ نے بھی مقام واحد تسلیم کرلیا ہے اور حرمین شریفین کے ذمہ دار علماء نے بھی مقام واحد ہونے کا فتویٰ صادر کردیا ہے، مسئلہ شرعی کسی کے گھر کی میراث نہیں ہے؛ اس لئے احقر نے ''ایضاح المناسک'' کے مسئلہ سے رجوع کرلیا ہے اور اس رجوع کا احقر لوگوں کے درمیان میں اعلان کرتا ہے۔

(۱۴) مزدلفہ اور عزیزیہ جنوبیہ کی آبادی کے درمیان کوئی پہاڑ حائل نہیں ہے اور مزدلفہ

کے بورڈ کے قریب اس وقت مکہ مکرمہ کا نیا اور بڑا ہسپتال ''مستشفیٰ شاہ عبداللہ'' بن چکا ہے؛ اس لئے مزدلفہ کا اتصال بھی شہر کی آبادی سے ہو چکا ہے۔ ۲۶؍جنوری ۲۰۱۴ء کے تازہ مشاہدہ میں دیکھا گیا کہ مزدلفہ کے بورڈ اور عزیزیہ کی آخری رہائشی عمارت کے درمیان صرف کلو میٹر کا دسواں حصہ یعنی صرف سو میٹر کا فاصلہ ہے؛ اس لئے مزدلفہ فنائے متصلہ ہے؛ لیکن خود مزدلفہ میں مسجد مشعر حرام کے علاوہ کوئی عمارت نہیں بنی ہے اور وہ خالی میدان پڑا ہوا ہے؛ اور مزدلفہ کا میدان پورا سال مکہ مکرمہ کے بچوں کے کھیل کا میدان بنا رہتا ہے، خاص طور پر چھٹیوں کے زمانے میں کھیلنے والے بچوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے اور شہر کے لوگ اپنی فیملی کے ساتھ، ساتھ میں کھانا بنوا کر مزدلفہ میں آکر سیر و تفریح کرتے ہیں اور پکنک کے طور پر وہیں پر کھانا کھاتے ہیں اور فنائے شہر میں یہی سب کام ہوا کرتا ہے؛ اس لئے مزدلفہ کو فنائے متصلہ تسلیم کرنے میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے۔ اور مزدلفہ میں جو رات گذاری جاتی ہے یہ رات فنائے متصلہ میں گذاری جاتی ہے اور فنائے متصلہ میں قصر جائز نہیں ہے۔

(۱۵) جب مسئلہ قصر و اتمام میں اختلاف واقع ہو جائے تو اتمام افضل ہوا کرتا ہے؛ لہٰذا جو حضرات منیٰ و مزدلفہ میں اتمام کے مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں، ان کے اختلاف کو اگر صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو قصر و اتمام کے مسئلہ میں جب اختلاف ہو جاتا ہے تو اتمام کے پہلو کو ترجیح دینا افضل ہوتا ہے؛ اس لئے حجاج کرام کو منیٰ و مزدلفہ میں اتمام ہی کرنا چاہئے۔ اور اوپر کے تفصیلی دلائل کے مطابق قصر کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہوگا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم ☆ وما توفیقی إلا باللہ

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ☆ عَلٰى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَأَصِيلاً.

مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی عفا اللہ عنہ
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد یوپی (الہند)
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۳۵ھ

۸/ باب الهدي

ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد بال وناخن وغیرہ کاٹنا حاجی کے لئے ممنوع نہیں

سوال [۵۰۹۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حج کرنے کے لئے مکہ پہنچا، ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد دوسری تاریخ میں اس نے عمرہ کیا تو ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد اس کے لئے سر منڈا کر حلال ہونا واجب ہے، تو کیا ناخن کاٹنا بھی جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو یہ حکم کس کے لئے ہے کہ بقرعید کا چاند دیکھنے کے بعد ناخن وغیرہ نہیں کاٹنے چاہئیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کے لئے ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد ناخن کاٹنا بلا کراہت جائز ہے اور یہ حکم کہ بقرعید کا چاند دیکھنے کے بعد ناخن نہ کاٹنے چاہئیں غیر حاجی کے لئے ہے، حاجی کے لئے یہ حکم نہیں ہے کیوں کہ حاجی متمتع جب حج سے پہلے ارکان عمرہ ادا کر کے حلال ہوجائے گا تو بال کٹوانا، ناخن کٹوانا اس کے لئے بلا تردد جائز ہے۔ اور حدیث میں جو ممانعت آئی ہے وہ صرف غیر حاجی کے لئے ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۵۲۸-۶۸۴، آپ کے مسائل اوران کا حل ۵/ ۳۲۹، مکتبہ نعیمیہ دیوبند)

عن سعيد بن المسيب يقول: سمعت أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم تقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان له ذبح يذبحه، فإذا أهل هلال ذي الحجة، فلا يأخذن من شعره، ولا من أظفاره شيئا حتى يضحي. (مسلم شريف، عشر ذي الحجة وهو مريد التضحية، النسخة الهندية ٢/ ١٦٠، بيت الأفكار، رقم: ١٩٧٧)

فهذا محمول على الندب دون الوجوب بالإجماع. (شامي، الصلاة، قبيل باب الكسوف، زكريا ٣/ ٦٦، شامي كراچی ٢/ ١٨١)

ويتحلل منها أي من العمرة إن شاء بالحلق أو بالتقصير، وإن شاء بقي محرما حتى يحرم بالحج. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٢٧، قديم: ١/ ٢٨٩)

وإن كان قارنا أو متمتعا يذبح، ثم يحلق، أو يقصر، والحلق أفضل. (تاتارخانية زكريا ٣/ ٥٣١، رقم: ٤٩٦٨، وهكذا هندية زكريا قديم ١/ ٣٠٣، جديد ١/ ٢٩٥)

وإن كان قارنا أو متمتعا يجب عليه أن يذبح ويحلق ويقدم الذبح على الحلق، وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: أول نسكنا في يومنا هذا: الرمي، ثم الذبح، ثم الحلق. (بدائع الصنائع، كراچی ٢/ ١٥٨، زكريا ٢/ ٣٦١- ٣٦٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱۱/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۳)

حاجی پر بقرعید کی قربانی لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۵۰۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک سرمایہ دار شخص حج کو گیا ہوا ہے، تو وہ مکہ مکرمہ میں اپنے حج تمتع کے دم شکر کی قربانی کرے گا، سوال یہ ہے کہ اس پر بقرعید کی بھی قربانی واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس جگہ پر قربانی ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بقرعید کی قربانی مسافر پر واجب نہیں ہوتی؛ بلکہ مقیم پر واجب ہوتی ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر اس حاجی کا قیام پندرہ دن مکہ مکرمہ میں ہو اور اس درمیان کہیں اور جا کر رات نہیں گزاری، تو وہ حاجی مقیم ہوگا اور دم شکر کے ساتھ اس

پر بقر عید کی بھی قربانی واجب ہوگی۔ اور بقر عید کی قربانی کسی بھی جگہ کر سکتا ہے۔ اور اگر پندرہ دن قیام نہیں رہا تو پھر حاجی پر قربانی واجب نہیں۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۵۱۰)

ولا تجب الأضحية على الحاج، وأراد بالحاج المسافر، فأما أهل مكة فتجب عليهم الأضحية وإن حجوا. (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل في شرائط وجوب الأضحية، كراچی ٥/ ٦٣، زكريا ٤/ ١٩٥)

فلا تجب على حاج مسافر، فأما أهل مكة، فتلزمهم وإن حجوا. (الدرالمختار مع الشامي، كراچی ٦/ ٣١٥، زكريا ٩/ ٤٣٤)

وأما الأضحية، فإن كان مسافرا فلا يجب عليه وإلا فكالمكي فتجب. (غنية الناسك، كراچی جديد ١٧٢، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ٩٢)

إنما لا تجب على المسافر؛ لأن أداء ها مختص بأسباب تشق على المسافر. (تكملة بحرالرائق، كوئٹه ٨/ ١٧٣، زكريا ٨/ ٣١٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸/۱۱/۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۲۱)

ایامِ نحر میں غیر صاحب نصاب حاجی پر مالی قربانی واجب نہیں

سوال [۵۰۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں اہل علم میں یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ حاجی پر مکہ میں مالی قربانی ایام نحر میں واجب ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بعض حاجی جو شروع کی فلائٹ سے جاتے ہیں وہ اپنے سب ریال خرچ کر لیتے ہیں، ایام نحر میں صاحب نصاب نہیں رہتے، اگر اپنے وطن میں مال ہے تو کیا ایسے حاجی پر قربانی وطن میں واجب ہے؟ کیا ایسا کوئی جزئیہ ہے کہ حاجی پر پیسہ ہو یا نہ ہو اگر وطن میں حاجی صاحب نصاب ہے، تو ہر حال میں قربانی واجب ہے، گھر

پر کسی کو ذمہ دار بنا کر جائے اپنی قربانی کرنے کا اس سلسلہ میں دارالافتاء سے تفصیلی وضاحت مطلوب ہے۔

المستفتی: جمعیۃ العلماء سیڑھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس حاجی کے پاس ایام نحر میں نصاب کے بقدر پیسہ موجود ہوگا، اس پر مال والی قربانی واجب ہے۔ اور جس حاجی کے پاس ایام نحر میں نصاب کے برابر یا اس سے زائد پیسہ موجود نہیں ہے چاہے وہ اپنے گھر کے اعتبار سے لکھ پتی کیوں نہ ہو، مگر اس کے پاس فی الحال نصاب کے بقدر پیسہ نہیں ہے، تو اس پر مال والی قربانی واجب نہیں ہے۔

لو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لا تجب، وكذا لو كان له مال غائب لا يصل إليه في أيامه. (عالمگیری، كتاب الأضحية، الباب الأول فی تفسير الأضحية وركنها قديم زكريا ديوبند ٥/ ٢٩٢، جديد ٥/ ٣٣٧)

وكذا لو كان له مال غائب لا يصل إليه في أيام النحر؛ لأنه فقير وقت غيبة المال. (بدائع الصنائع، زكريا ديوبند ٤/ ١٩٦، كراچی ٥/ ٦٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٠ر محرم الحرام ١٤٢٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٨/ ٩٤٢٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٠/١/١٤٢٩ھ

مفرد بالحج کے لئے قربانی کی شرعی حیثیت

سوال [٥٠٩٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: مکی، حلی اور میقاتی جو حج افراد کرتے ہیں، ان پر قربانی یعنی دم شکر مستحب

ہے، اگر وہ استحباب کی وجہ سے قربانی کریں تو کیا ان پر بھی رمی قربانی وحلق میں ترتیب واجب رہے گی یا مفرد بالحج کو ہر طرح کی اجازت ہے، چاہے رمی عقبہ کے بعد سر منڈا کے بعد میں قربانی کرے یا رمی، قربانی پھر حلال ہو؟

المستفتی: عبدالرشید سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بعض کتب فقہ میں مفرد بالحج کے لئے قربانی کرنا مستحب اور افضل لکھا ہے، جیسا کہ حسب ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

فإذا فرغ من الرمي يوم النحر انصرف إلى رحله ويشتغل بشيء آخر فذبح إن شاء؛ لأنه مفرد والذبح له أفضل. (غنية، قديم/ ۱۷۲، شامي زكريا ۳/ ۵۳۴)

اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ امر مستحب اور امر وجوب کے درمیان ترتیب نہ واجب ہے نہ سنت؛ لہٰذا مفرد بالحج کو اختیار ہے کہ جو قربانی کرے گا وہ حلق سے پہلے کرے یا بعد میں، اس کے لئے دونوں طرح جائز ہے۔

لكن المفرد لا ذبح عليه، فيجب عليه الترتيب بين الرمي والحلق فقط، وقوله: لأن المفرد لا شيء عليه في ذلک؛ لأنه لا ذبح عليه فلا يتصور تأخير النسک وتقديمه بالحلق قبله. (شامي، زكريا ۳/ ۵۸۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۱۱۷۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱۱/۲۴ھ

حاجی کے لئے بینک کے توسط سے قربانی کرانے کا حکم

سوال [۵۱۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: کیا مکہ میں بینک کے توسط سے قربانی کے ٹوکن خرید نے کو ہمارے مفتیان کرام جائز کہتے ہیں؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کے توسط سے قربانی کرانا حنفی مسلک کے لوگوں کا اپنے آپ کو موجب دم کا شکار بنانا ہے؛ اس لئے کہ وہاں کی حکومت اور بینک قربانی اور حلق کے درمیان ترتیب کو واجب نہیں سمجھتے اور حنفیہ کے نزدیک ترتیب واجب ہے، نیز بینک کی طرف سے دسیوں لاکھ انسانوں کو احرام کھولنے کا ایک ہی وقت دیا جاتا ہے اور ایک وقت میں اتنی تعداد کی قربانی کرنا ممکن نہیں؛ اس لئے اصل وجہ یہ ہے کہ وہ ترتیب کا لحاظ نہیں رکھتے ہیں؛ لہٰذا اگر حنفی حاجی کی قربانی اور حلق میں ترتیب بدل جائے گی، تو اس پر ایک اور قربانی کرنا لازم ہو جائے گا۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۵۰۸)

قال في معراج الدراية: اعلم أن ما يفعل في أيام النحر أربعة أشياء: الرمي، والنحر، والحلق، والطواف، وهذا الترتيب واجب عند أبي حنيفة، ومالك، وأحمد -إلى قوله- ودمان لو حلق القارن قبل الذبح، أي يجب دمان عند أبي حنيفة بتقديم القارن أو المتمتع الحلق على الذبح، وعندهما يلزمه دم واحد. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الجنايات، كوئٹه ٣/ ٢٤، زكريا ديوبند ٣/ ٤٢، وهكذا فى البناية أشرفيه ديوبند ٤/ ٣٦٦، حاشية چلپي، مكتبه إمداديه ملتان ٢/ ٣٢، زكريا ديوبند ٢/ ٣٠٨) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۱؍۱۴۲۹ھ

کیا حاجی پر دونوں جگہ قربانی واجب ہے؟

سوال [۱۰۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جو حج کو جارہا ہے اس کو کیا قربانی دونوں جگہ کرنی ہوگی؟

المستفتية: اہلیہ حاجی محمد اکرم شمسی، طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حج کرنے والا اگر سرمایہ دار ہے اور مکہ مکرمہ میں پندرہ دن سے زائد قیام کا ارادہ ہے، تو وہ دو قربانی کرے گا: ایک قربانی حج کی، دوسری بقرعید کی، حج کی قربانی حدودِ حرم میں ایامِ نحر میں کرنا لازم ہے؛ البتہ بقرعید کی قربانی حدودِ حرم میں بھی کرنا جائز ہے۔ اور اپنے وطن میں بھی کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۵۱۰)

وأما الأضحية، فإن كان مسافرا فلا يجب عليه، وإلا فكالمكي فتجب. (غنية، جديد كراچی ۱۷۲، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ۹۲)

وفي الأصل ذكر عن إبراهيم قال: هي واجبة على أهل الأمصار ما خلا الحاج، وأراد بأهل الأمصار المقيمين وبالحاج المسافرين، فأما أهل مكة فعليهم الأضحية وإن حجوا. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۱۸)

ولا تجب على الحاج المسافر، فأما أهل مكة، فإنها تجب عليهم وإن حجوا. (الجوهرة النيرة، كتاب الأضحية، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۲۶۷-۲۶۸، إمداديه ملتان ۲/ ۲۸۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۹۵)

حج کمیٹی والوں کا جبراً قربانی کا پیسہ وصول کرنا

سوال [۵۱۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سینٹرل حج کمیٹی کی طرف سے بذریعۂ اخبار یہ اطلاع اس سال جانے والے عازمین حج کو دی گئی ہے: ''جاریہ سال فی عازم صرف پندرہ (1500) سوریال ادا کئے جائیں گے، قربانی اور مدینہ منورہ میں کھانے کے انتظامات کے سلسلہ میں چھ (600) سو ریال حاصل کئے جائیں گے جو اکیس (2100) سوریال (زرمبادلہ) سے منہا کر لئے جائیں گے''۔ اس حکم نامہ کے نفاذ سے جو عازمین حج بتوسط حج کمیٹی جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار سے متجاوز ہے، یہ اپنے طور پر آزادانہ حج کی قربانی کرنے سے بالکلیہ محروم ہوجائیں گے، انہیں لازماً ''الراجی بینک'' ہی سے اپنی قربانی انجام دینی پڑے گی، اس صورت میں مسلک حنفی سے وابستہ لوگوں کے لئے بڑا مسئلہ درپیش ہے۔

(۱) رمی، قربانی، حلق میں ترتیب باقی نہیں رہے گی۔

(۲) مسلک حنبلی میں ۱۳/ ذی الحجہ تک قربانی جائز ہے، جب کہ حنفیہ کے یہاں ۱۲/ ذی الحجہ کی شام تک قربانی کرنا ضروری ہے۔

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ۱۳/ ذی الحجہ تک بھی وہ قربانی پر قابو نہیں پاتے، اس کے بعد بھی قربانی چلتی رہتی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہے۔ ان حالات میں حنفی مسلک سے وابستہ حاجی صاحبان کی حج کی واجب قربانی کی ادائے گی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

(۳) کیا عدم ترتیب اور ۱۳/ ذی الحجہ تک قربانی ہونے کی صورت میں دم واجب ہوجائے گا؟

(۴) اگر دوسرے مقام پر زائد قربانی یا دم کی بات کہی جائے تو حجاج اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے؛ بلکہ انتشار اور فتنہ کا اندیشہ ہے۔

براہ کرم ان حالات میں شرعی احکام سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: میر سعادت علی حیدر آبادی، حال مقیم نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حاجیوں سے قربانی کا پیسہ جبری طور پر حاصل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اس میں کئی خرابیاں لازم آتی ہیں:

(۱) ہندوستان سے بذریعۂ حج کمیٹی جانے والوں میں تقریباً ۹۵؍فیصد حنفی مسلک کے حجاج ہوتے ہیں اور اس طرح حاجیوں سے پیسہ وصول کر کے قربانی کروانے میں مسلک حنفی کے مفتی بہ قول کو کالعدم کر دینا لازم آتا ہے، یہ انتہائی خطرناک بات ہے۔

(۲) قربانی کرنے میں حاجی کو اختیار رہے وہ اپنے خرچ کے حساب سے سستا یا مہنگا اپنے پسندیدہ جانور کی قربانی کرے گا یا اپنے کسی قابل اعتماد وکیل کے ذریعہ سے کرائے، ایسی صورت میں یہ بات حاجی کے اختیار سے نکل جاتی ہے۔

(۳) جو حاجی پیسوں کی کمی کی وجہ سے قربانی نہیں کرنا چاہتا ہے اس کو شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ قربانی نہیں کرے گا؛ بلکہ وہ قربانی کے بجائے روزہ رکھے گا اور یہ حکم بھی قرآن کے نص قطعی سے ثابت ہے، تو حاجیوں سے جبری رقم وصول کرنے کی صورت میں قرآن کریم کی نص قطعی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، اور لگ بھگ ایک لاکھ بیس ہزار بذریعہ حج کمیٹی جو حج کو جاتے ہیں، ان میں سے ہزاروں کی تعداد ایسی ہوتی ہے جو پیسوں کی کمی کی وجہ سے قرض لے کر فریضۂ حج ادا کرنے جاتے ہیں، اگرچہ انہوں نے حج کمیٹی میں پیسہ جمع کیا ہے، مگر انہوں نے پیسوں کی ایک مقدار قرض لے کر جمع کی ہے اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ کچھ پیسے بچا کر واپسی میں قرض میں ادا کر دیں گے، حج کمیٹی آف انڈیا نے ایسے حجاج کرام کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کیا ہے اور قرآن نے ان کو جو حق دیا ہے اس حق کو چھین لیا ہے، آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْىِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. [البقرة: ١٩٦]

(۴) بہت سے حجاج کرام یہ چاہتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ سے حج افراد کا احرام باندھ کر جائیں گے، مگر حج کمیٹی نے ان حضرات سے بھی قربانی کا پیسہ جبری طور پر وصول کرلیا ہے اور یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ جولوگ حج افراد کرنا چاہتے ہیں وہ لکھ کر دے دیں، یہ کہنا صرف حاجیوں کو پریشان کرنا ہے؛ اس لئے حج کمیٹی کا یہ طریقہ شرعاً اور قانوناً دونوں اعتبار سے درست نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۲۱۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۷/۱۴۳۶ھ

حج کمیٹی کا پیشگی طور پر حاجیوں سے قربانی کی رقم وصول کرنے کی شرعی حیثیت

سوال [۵۱۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حج میں حاجی عموماً نیا ہوتا ہے اور وہاں دھوکے باز حاجیوں سے قربانی کے نام پر دھوکہ کرتے ہیں، خود جا کر قربانی دینا بہت مشکل کام ہے؛ اس لئے حج کمیٹی آف انڈیا اس سال حاجیوں سے قربانی کے پیسے غیر اختیاری طور پر لینے کا ارادہ کررہی ہے۔ سوال طلب مسئلہ یہ ہے کہ حج کمیٹی سے جانے والے حاجیوں میں بہت سارے مفرد ہوں گے جن پر قربانی واجب نہیں اور بہت سارے خود قربانی دینے کی صلاحیت اور خواہش رکھتے ہوں گے جو کہ افضل ہے، نیز رمی، نحر اور حلق میں عندالاحناف ترتیب واجب ہے جو اس صورت میں ناممکن ہے یا ہر حاجی کو ۱۲؍ذی الحجہ کی مغرب کے بعد حلق کرنا پڑے گا، ورنہ بے ترتیبی ہوجائے گی جو موجب دم ہے، اور باعث حرج ہے، نیز اگر حج کمیٹی قربانی نہ کرے ”الراجی بینک“ وغیرہ کے حوالہ کرے تو اور مشکل ہے؛ اس لئے کہ حنابلہ کے نزدیک تمتع کی قربانی ۱۳؍ذی الحجہ کی مغرب تک کرسکتے ہیں اور اگر انہوں نے تمتع کی قربانی ۱۳؍ذی الحجہ کو کیا تو احناف کا حج

نہیں ہوگا۔ براہ کرم تمام صورتوں کا ازروئے شرع حل فرمائیں، نیز بتائیں کہ کیا حج کمیٹی ہر حاجی سے زبردستی قربانی کے پیسے لے سکتی ہے؟ اگر لے لے تو حاجی کیا کرے؟

المستفتی: ریلائنس ووڈ انڈسٹریز، بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ شرعی یہ ہے کہ حج افراد کرنے والوں پر سرے سے قربانی ہی واجب نہیں ہے اور حج تمتع اور حج قران کرنے والے پر اگرچہ قربانی واجب ہے؛ لیکن اگر وہ نادار ہو یعنی قربانی کی رقم اس کے پاس نہ ہو، تو اس کے لئے قربانی کے عوض متعین تعداد میں روزہ رکھنا کافی ہے؛ اس لئے ایسے حضرات سے جبراً قربانی کے پیسے وصول کرنے کا تو کوئی جواز ہی نہیں اور جو حضرات تمتع اور قران کریں اور ان کے پاس گنجائش بھی ہو، تو فقہ حنفی کے مفتی بہ قول کے اعتبار سے ان پر رمی، حلق اور قربانی کے اعمال کے درمیان ترتیب قائم رکھنا واجب ہے اور بلا عذر ترتیب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے دم جنابت لازم ہو جاتا ہے اور بینک کے ذریعہ قربانی میں ترتیب کے بگڑنے کا غالب گمان بلکہ یقین ہے؛ اس لئے حج کمیٹی کا پیشگی طور پر بینک کے ذریعہ قربانی کی رقم کا مطالبہ کرکے ترک واجب کا راستہ کھولنا، کھلی ہوئی زیادتی ہے، اس کے خلاف مؤثر احتجاج ضروری ہے۔

فيجب في يوم النحر أربعة أشياء: الرمي، ثم الذبح لغير المفرد، ثم الحلق، ثم الطواف لكن لا شيء على من طاف قبل الرمي والحلق نعم يكره. (درمختار، زكريا ۳/ ۵۸۸)

وإن كان معسرا لا يجد ثمن الهدي، فإنه يصوم ثلاثة أيام في الحج ...... ثم يصوم سبعة أيام بعد ما مضت أيام التشريق عندنا. (هندية، كتاب الحج، زكريا ۱/ ۲۳۹)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان، باب

قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۱۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۹؍۷؍۱۴۳۶ھ

کیا مکی، حلی، میقاتی کے لئے حج تمتع کی قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے؟

سوال [۵۱۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مکی، حلی، میقاتی باوجود منع کرنے کے پھر بھی تمتع یا قران کرتے ہیں، تو کیا وہ جو قربانی کریں گے تمتع یا قران کی اس کا گوشت وہ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید سیدھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکی یا حلی یا میقاتی منع کرنے کے باوجود حج تمتع کرتے ہیں اور اشہر حج میں میقات سے باہر جا کر عمرہ کرتے ہیں اور ارکان عمرہ کی ادائے گی کے بعد گھروں میں قیام کرتے ہیں، پھر اسی سال حج بھی کر لیتے ہیں، تو ان کا حج، حجِ تمتع نہیں ہوتا ہے اور ان کے اوپر کفارہ میں ایک دم دینا واجب ہوتا ہے اور اس کا گوشت کھانا خود اس کے لئے اور غنی کے لئے جائز نہیں ہے۔

أنهم صرحوا بأن عدم الإلمام شرط لصحة التمتع دون القران، ومقتضى هذا أن تمتع المكي باطل لوجود الإلمام الصحيح بين إحراميه. الخ (شامي، زكريا ٣/ ٥٦٨)

من كان داخل الميقات فهو بمنزلة المكي حتى لا يكون له متعة ولا

قران هذا راجع إلى تفسير ''حاضری المسجد الحرام'' فعندنا هم أهل مكة ومن كان داخل الميقات سواء كان بينه وبين مكة مسيرة سفر أو لم يكن.
(عناية مع الفتح، زكريا ۳/ ۱۳)

لو جمع المكي بين العمرة والحج في أشهر الحج فعليه دم لكن دم كفارة الذنب، لا دم نسک شكرا للنعمة عندنا حتى لا يباح له أن يأكل منه. (بدائع، زكريا ديوبند ۲/ ۳۸۰، شامي زكريا ۳/ ۶۲۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۱/ ۴۹ ۱۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۱۱/ ۱۴۳۵ھ

۹/ باب العمرة

والدین کا نابالغ اولاد کی طرف سے عمرہ کرنا

سوال [۵۱۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا ہم اپنے نابالغ بچوں کی جانب سے بھی بیت اللہ جا کر عمرہ ادا کر سکتے ہیں؟

المستفتی: سید رفیق ماسٹر نزد درگاہ مسجد قاضی پورہ چمن گاؤں سواجی نگر، ضلع امراوتی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر بچے آپ کے ساتھ سفر میں موجود نہ ہوں تو جائز ہے، اس کا ثواب بھی بچوں کو ملے گا۔

إن الصبي يثاب على طاعته، وتكتب له حسنات، سواء كان مميزا أو غير مميز. (إعلاء السنن ١٠/ ٤٦١)

واستدل به بعضهم على أن الصبي يثاب على طاعته، ويكتب له حسناته، وهو قول أكثر أهل العلم. (عمدة القاري، كتاب جزاء الصيد، باب حجة الصبيان، زكريا ٧/ ٥٥٣، تحت رقم الحديث: ١٨٥٨، دار إحياء التراث العربي ١٠/ ٢١٨)

وقد قالوا: حسنات الصبي له لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم. (الدر مع الرد، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، زكريا ديوبند ٣/ ١١٤، كراچى ٢/ ٢١٥، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، قديم: ٣٢٢، دارالكتاب ديوبند ٥٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶/ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۳۵)

حالت حیض میں عورت ارکان عمرہ ادا کر کے حلال ہوگی تو دم لازم ہوگا

سوال [۵۱۰٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ حج کرنے کے لئے گئی، میقات سے احرام باندھ کر مکہ پہنچ گئی اور اسے حیض آ گیا، مسئلہ معلوم نہیں تھا، اس نے سب لوگوں کے ساتھ اسی حالت میں طواف وسعی کر لی اور بال بھی کٹوا کر حلال ہوگئی، بعد میں اسے پتہ چلا کہ ماہواری کی حالت میں ارکان عمرہ ادا کرنا جائز نہیں، اب اس کی تلافی کی کیا شکل ہے؟ کیا بعد میں متقیات جا کر دوبارہ عمرہ کرنے سے دم ساقط ہو جائے گا یا دم ہی دینا لازم ہے، شریعت کا اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو عورت بحالت حیض عمرہ کر کے حلال ہوگئی ہو تو اس پر ایک بکرا یا بکری بطور دم کے واجب ہوگئی اب اعادۂ عمرہ سے بھی تلافی نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس کا عمرہ نقصان یسیر کے ساتھ درست ہوگیا۔

فإن رجع إلى أهله قبل أن يعيد فعليه دم لترك الطهارة فيه، ولا يؤمر بالعود لوقوع التحلل بأداء الركن. (هندية، الفصل الخامس في الطواف والسعي، والرمل، ورمي الجمار، زكريا قديم ١/ ٢٤٧، جديد ١/ ٣١١، هداية أشرفيه ديو بند ١/ ٢٧٥)

وإن رجع إلى أهله ولم يعد يصير حلالا، وعليه الدم لإدخال النقصان في طواف العمرة. (المحيط البرهاني، مكتبه رشيديه كوئٹه ٣/ ٦٥، جديد المجلس العلمي ٣/ ٤٥٤، رقم: ٣٣٧٣)

أو طاف لعمرته وسعى محدثا ولم يعد، أي تجب شاة لتركه الواجب، وهو الطهارة، ولا يؤمر بالعود إذا رجع إلى أهله لوقوع التحلل بأداء الركن مع الحلق، والنقصان يسير. (البحرالرائق، زكريا ٣/ ٣٨، كوئٹه ٣/ ٢٢)

طـاف لـعمرته وسعى على غير وضوء وحل وهو بمكة أعاد الطواف والسـعـي، وإن رجـع إلى أهله ولـم يعد يصير حلالا، وعليه دم. (التـاتارخانية، زكـريـا ٣/ ٦١١، رقـم: ٥١٧٤، الـمـحـيـط البـرهـانـي، المجلـس العلمي ٣/ ٤٥٣، رقم: ٣٣٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۱/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۱۷)

حج سے پہلے عمرہ کرنا

سـوال [۵۱۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کئی سال سے حج کا ارادہ رکھتا ہے؛ لیکن رقم پوری نہیں ہو پاتی ہے اور دل میں تمنا ہے کہ بیت اللہ اور مسجد نبوی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرلوں، تو اس صورت میں عمرہ کی نیت سے حج سے پہلے آدمی جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور عمرہ اس کا ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: سعید الرحمٰن محلہ سرائے پختہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: اگر حج فرض نہیں ہوا ہے اور عمرہ کرنا چاہتا ہے، تو حج سے قبل عمرہ کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے، مگر ماہ شوال سے پہلے پہلے عمرہ کر کے واپس آجانا چاہئے، ورنہ حج کر کے واپس ہونا چاہئے اور عمرہ کے لئے حج کی تقدیم شرط نہیں ہے؛ بلکہ جب چاہے عمرہ کرسکتا ہے۔

الـعمرة في العمر مرة سنة مؤكدة، وتحته في الشامية: وأنها لا وقت لهـا معين. (درمـخـتـار مـع الشـامية، كتـاب الـحـج، مـطـلب أحكام العمرة، كراچی ۲/ ٤٧٢-٤٧٣، زكريا ديو بند ٣/ ٤٧٥- ٤٧٦)

والعمرة سنة مؤكدة في العمر -إلى- والمراد أنها سنة في العمر مرة واحدة، فمن أتى بها مرة فقد أقام السنة غير مقيد بوقت غير ما ثبت النهي عنها فيه. (مجمع الأنهر، مصري قديم ١/ ٢٦٥، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٣٩٠، وهكذا في حاشية الطحطاوي، على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند ٧٤٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شوال ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۶۶۰)

اشہر حج میں بار بار عمرہ کرنا

سوال [۵۱۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کی نیت کرنے کے بعد عمرہ کرنے کے بعد پھر نفل عمرہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: خدا بخش گووند پور، ۲۴/ پرگنہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حج سے پہلے اشہر حج یعنی شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں بار بار عمرہ کرنا راجح اور صحیح قول کے مطابق بلا کراہت جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں؛ لہٰذا جو شخص حج کی نیت کرنے کے بعد عمرہ کر چکا ہو، اس کے لئے نفل عمرہ کرنا جائز ہے۔

ويعتمر قبل الحج ماشاء ...... ولأن العمرة جائزة في جميع السنة بلا كراهة إلا في خمسة أيام لا فرق في ذلك بين المكي والآفاقي. الخ (غنية، باب التمتع، فصل في كيفية أداء التمتع المسنون، كراچی جديد ٢١٥، قديم: ١١٥)

المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة، فجاز له تكرارها؛ لأنها عبادة مستقلة كالطواف. (منحة الخالق، زكريا ٢/ ٦٤٢، كوئٹه ٢/ ٣٦٦)

اتفقوا على جوازها في جميع الأيام لمن لم يكن متلبسا بأعمال الحج إلا ما نقل عن الحنفية أنه يكره في يوم عرفة، ويوم النحر، وأيام التشريق. (أوجز المسالك ٦/ ٥٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍رجب ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۵۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۷/۲ھ

عمرہ کرنے کی وجہ سے حج کی فرضیت

سوال [۵۱۰۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید پر حج فرض نہیں ہے اور نہ ہی اس کو اتنی استطاعت ہے کہ وہ حج کر سکے، بہت کوشش کر کے اتنا روپیہ اکٹھا کر سکا ہے کہ انتہائی کفایت شعاری کے ساتھ خرچ کر کے عمرہ کی سعادت حاصل کر سکے، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے فی الحال ایسے آثار بھی نہیں ہیں کہ حج کے روپئے اکٹھے کر سکے اور زیارت حرمین شریفین اور روضہ اطہر کی حاضری کی تڑپ نے دل کا چین وسکون ختم کر رکھا ہے، کیا شریعت مطہرہ ایسے حالات میں عمرہ کے لئے منع کرتی ہے؟ کیا زید پر عمرہ کرنے سے حج فرض ہو جائے گا؟ کیا زید پر عمرہ کرنے سے کوئی گناہ لاحق ہوگا؟ برائے کرم تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: محمد عامر دولت باغ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس پر حج فرض نہیں ہے، اور حج کی تمام شرائط نہیں پائی جاتی ہیں اور اسباب بھی اس کے پاس موجود نہیں ہیں، تو ایام حج اور اشہر حج کے علاوہ دیگر ایام میں عمرہ کرے گا تو اس پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہوگا اور نہ ہی عمرہ کرنے کی وجہ سے اس پر حج لازم ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۴۹)

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً. [آل عمران: ۹۷]

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: يا رسول الله! ما يوجب الحج؟ قال: الزاد والراحلة.
(سنن الترمذي، الحج، باب ماجاء في إيجاب الحج بالزاد والراحلة، النسخة الهندية ۱/ ۱٦٨، دار السلام، رقم: ۸۱۳)

الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلا عن المسكن وما لابد منه، وعن نفقة عياله إلى حين عوده. الخ (هداية، كتاب الحج، أشرفيه ديوبند ۱/ ۲۳۱-۲۳۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۴۶۸۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۲۴ھ

کیا عمرہ کی قضا ضروری نہیں؟

سوال [۵۱۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: **باب إذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت.**

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم ولا نرى إلا الحج، فقدم النبي صلى الله عليه وسلم فطاف بالبيت، وبين الصفا والمروة ولم يحل وكان معه الهدي، فطاف من كان معه من نسائه وأصحابه وحل منهم من لم يكن معه الهدي، فحاضت هي، فنسكنا مناسكنا من حجنا، فلما كان ليلة الحصبة ليلة النفر قالت: يا رسول الله! كل أصحابک يرجع بحج وعمرة غيري، قال: ما كنت تطوفين بالبيت ليالي قدمنا قلت: بلى، قال: فاخرجي مع أخيک إلى التنعيم، فأهلي بعمرة

وموعدک مکان کذا وکذا، فخرجت مع عبدالرحمن إلى التنعيم، فأهللت بعمرة، وحاضت صفية بنت حيي، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: عقرى حلقي إنک لحابستنا أما كنت طفت يوم النحر، قالت: بلى، قال: فلا بأس انفري فلقيته مصعدًا على أهل مكة، وأنا منهبطة أو أنا مصعدة وهو منهبط، وقال مسدد: قلت: لاتابعه جرير عن منصور في قوله لا. (بخاري شريف، ۱/ ۲۳۷، رقم: ۱۷۲۸، ف: ۱۷۶۲)

کیا عمرہ کی قضاء ضروری نہیں؟

خلاصۂ حدیث یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عذر شرعی میں آ گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو عمرہ کا احرام باطل کر کے حج کا احرام باندھنے کا حکم دیا، چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی حال میں حج کے سارے مناسک انجام دئے اور جب پاک ہوگئیں تو طواف زیارت کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۴/ ذی الحجہ کو مدینہ واپسی کا حکم دے دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے واقعہ کا علم تھا اور آپ کے کہنے ہی پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ کا احرام باطل کر کے حج کا احرام باندھا تھا، حضرت عائشہؓ کو کیوں عمرہ کی قضا کرنے کا حکم نہیں دیا؟ جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ لوگ تو عمرہ اور حج دونوں کر کے لوٹ رہے ہیں اور میں صرف حج کر کے لوٹ رہی ہوں، تب آپ ﷺ نے آپؓ کی خواہش کی تکمیل کے لئے آپ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ذریعہ تنعیم سے عمرہ کی تکمیل کروائی۔ اور مکہ مکرمہ سے کچھ ہی فاصلہ پر معابدہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتظار فرمایا، اس واقعہ سے یہی مفہوم نکلتا ہے کہ اگر عائشہ صدیقہ خواہش نہ فرماتیں تو بغیر عمرہ کی قضا کئے مدینہ منورہ واپسی ہوتیں۔ ازراہ کرم اس اشکال کو دور فرمائیں۔

المستفتی: میر سعادت علی حیدرآبادی، مقیم حال نلگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بعض روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزارش کے بعد ہی حضور ﷺ نے مقام تنعیم جا کر عمرہ کی قضاء کا حکم فرمایا تھا، مگر اس سے یہ بات لازم نہیں آتی ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ کی گزارش نہ ہوتی تو عمرہ کی قضا کئے بغیر مدینہ واپس ہو جاتے؛ اس لئے کہ حضرت عائشہؓ کی گزارش کے بعد حضور ﷺ کا حکم مقام محصب میں (جس کو اس زمانہ میں معابدہ کہا جاتا ہے) پیش آیا ہے، جو منی سے حرم شریف آتے وقت راستہ میں پڑتا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور ﷺ منی سے واپسی پر دوبارہ حرم شریف ابھی تک نہیں پہنچے تھے اور حرم شریف تشریف لے جا کر طواف وداع وغیرہ کرنا ابھی باقی تھا، ایسا ممکن ہے کہ حرم شریف پہنچنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عمرہ کی قضا کرنے کا حکم فرما دیتے؛ لیکن ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم صادر نہیں ہوا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیش قدمی سے گزارش فرما دی۔ سوال نامہ میں جو شبہ ظاہر کیا گیا ہے یہ شبہ اس وقت درست مانا جا سکتا تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم شریف پہنچ کر طواف وداع بھی کر لیا ہوتا؛ لہٰذا گہرائی سے دیکھنے کے بعد یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے اور مقام محصب اور مقام معابدہ منی سے حرم شریف آنے کے راستہ میں ہے، مدینہ کے راستہ پر نہیں ہے؛ اس لئے یہ شبہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ طواف وداع کے بعد مدینہ جاتے وقت مدینہ کے راستہ پر انتظار کیا ہو، نیز یہ بات متعین ہے کہ مقام محصب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا؛ لیکن روایات دونوں طرح کی ہیں، بعض روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزارش کے بعد حکم ہے۔ اور دیگر بعض روایات میں حضرت عائشہؓ کی گزارش کے بغیر حضور ﷺ کا حکم فرمانا ثابت ہے، جیسا کہ بخاری شریف ۱/۲۱۲ پر دونوں طرح کی روایات موجود ہیں، ملاحظہ ہو: (حدیث: ۱۵۳۶-۱۵۳۷، ف: ۱۵۶۰-۱۵۶۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍رجب ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۶۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲؍۷؍۱۴۳۰ھ

۱۰/ باب الحج عن الغير

حج بدل کی ادائے گی کا طریقہ

سوال [۵۱۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر ہم دوسرا حج کررہے ہیں تو اپنے والدین کے نام سے حج کرنے میں ہمیں کیا ارکان ادا کرنے ہوں گے؟ اور قربانی کا کیا حکم ہے؟ قربانی کرنا ہمارے اوپر لازم ہے یا نہیں؟

المستفتی: اہلیہ حاجی محمد اکرم شمسی طویلہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل کے ارکان وہی ہیں جو اصل حج کے ہیں؛ البتہ والدین کی طرف سے حج بدل کرنے کی صورت میں احرام باندھتے وقت ان کی طرف سے حج بدل کی نیت کی جائے، اس طرح زبان سے نیت کرنا کہ میں اپنے والد یا والدہ کی طرف سے احرام باندھ رہا ہوں تو بہتر ہے، اور حج بدل میں اگر حج تمتع کیا جارہا ہے تو قربانی کرنا بھی واجب ہوتا ہے اور یہ قربانی حج کرنے والا اپنے نام سے کرے گا، والد یا والدہ کے نام سے نہیں کرے گا۔ (مستفاد: انوار مناسک/۵۴۳)

نية الحج عن المحجوج عنه عند الإحرام وتعيينه قبل الشروع في الأعمال، فلو قال بلسانه: أحرمت عن فلان أو لبيك بحجة عن فلان، فهو أفضل. (غنية، باب الحج عن الغير، کراچی جديد ۳۲۵، قديم مکتبه خيريه ميرٹھ ۱۷۴)

ومنها: نية المحجوج عنه عند الإحرام؛ لأن النائب يحج عنه لا عن نفسه، فلا بد من نيته، والأفضل أن يقول بلسانه: لبيك عن فلان، كما إذا حج عن نفسه. (بدائع الصنائع، زکريا ۲/ ۴۵۶، کراچی ۲/ ۲۱۳، هندية، قديم زکريا ۱/ ۲۵۷، جديد زکريا ۱/ ۳۲۱)

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج المأمور. (درمختار کراچی ۲/ ٦١٠، زکریا ٤/ ٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۱۱/۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۱۹۵)

حج بدل کا آسان طریقہ

سوال [۵۱۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج بدل کرنے کا صحیح وآسان طریقہ کیا ہے مطلع فرمائیں؟

المستفتی: عبدالکریم الہ آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حج بدل کا صحیح اورآسان طریقہ یہ ہے کہ جس کی طرف سے حج کیا جارہا ہے وہاں سے سفر کا خرچ ادا کرے اور حج افراد کیا جائے اور ایسے شخص کو وکیل بنائے جو اپنا حج کر چکا ہو، ورنہ مکروہ ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۵۵۲)

والأفضل أن يكون الحاج عن الغير قد حج مرة، يكون عالما بطريق الحج وأفعاله، وأن يكون حرا بالغا عاقلا. (البحر العميق، الباب الثامن عشر في الحج عن الغير، الفصل الأول، المكتبة المكية ٤/ ٢٢٦٩، وهكذا في الهندية قديم ١/ ٢٥٧، جديد زكريا ١/ ٣٢٢، البحرالرائق كوئٹه ٣/ ٦٩، زكريا ديوبند ٣/ ١٢٣)

والحق أنها تنزيهة على الآمر لقولهم والأفضل الخ، تحريمية على الصرورة المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج، ولم يحج عن نفسه؛ لأنه أثم بالتأخير. (شامي، باب الحج عن الغير، مطلب في الحج الصرورة، زكريا ديوبند ٤/ ٢١، كراچی ٢/ ٦٠٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٧/ ٦، البحرالرائق، قبيل باب الهدي، كوئٹه ٣/ ٧٠، زكريا ديوبند ٣/ ١٢٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ رمضان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۴۲)

حج بدل کرنے کا حکم

سوال [۵۱۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سید غضنفر علی کی والدہ کافی ٹائم پہلے انتقال فرما چکیں ہیں، ان کا حج بدل کرنا چاہتا ہوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ حج بدل کا طریقہ کیا ہے اور شرائط کیا ہیں؟ تفصیلی جواب سے آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: عبدالواحد قاسمی، مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل کا پورا خرچ آمر پر لازم ہے اور حج بدل کرنے والا آمر کے گھر سے یا اس کے وطن سے حج کے لئے سفر شروع کرے گا اور بوقت احرام آمر کی طرف سے حج کی نیت کرے گا اور ارکان حج حج بدل میں وہی ہوتے ہیں جو حج ذاتی میں ہوتے ہیں، بس نیت آمر کی طرف سے کی جائے اور عام حاجیوں کی طرح حج کیا جائے، کوئی الگ طریقہ نہیں ہے۔

وإذا أوصى أن يحج عنه، حج عنه على ما ذكرنا؛ لكن من بلده الذي يسكنه؛ لأن الوصية تنصرف إلى ما فرض الله تعالىٰ عليه، وهو الحج من بلده. (المسالك فى المناسك، فصل في الوصية بالحج، دارالبشائر الإسلاميه ۲/ ۹۰۵)

أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث، وإلا فمن حيث يبلغ. (شامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، زكريا ديوبند ٤/ ١٧، كراچى ٢/ ٦٠٠)

ومنها نية المحجوج عنه عند الإحرام، والأفضل أن يقول بلسانه: لبيک عن فلان. (هندية، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير زكريا قديم ديوبند ١/ ٢٥٧، جديد ١/ ٣٢١، وهكذا في بدائع الصنائع كراچى ٢/ ٢١٣، زكريا ٢/ ٤٥٦، غنية الناسك، كراچى جديد ٣٢٥، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ١٧٤)

ذهب الفقهاء إلى أنه يشترط النية عن المحجوج عنه عند الإحرام؛ لأن النائب يحج عنه لا عن نفسه، فلابد من نيته، والأفضل أن يقول بلسانه: لبيک عن فلان. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۲ ٤ / ۳ ٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲۴۴۵)

کیا حج بدل کرنے والے کا اپنا حج ادا ہو جائے گا؟

سوال [۵۱۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج بدل کے بارے میں براہ کرم تفصیلاً وضاحت فرمائیں، اگر حج بدل کرنے والے نے اپنا حج نہ کیا ہو اور کسی کی طرف سے کر رہا ہو تو اس کا اپنا حج اس حج بدل سے ادا ہوگا یا نہیں؟ براہ کرم علت بھی بتائیں کہ اگر اس کا حج فرض ادا نہیں ہوگا تو کیوں؟ (خواہ اپنے حج کی نیت کرے خواہ نہ کرے، دونوں صورت میں کیا حکم ہے؟) کیا اپنے حج کی اور جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے دونوں کی نیت ایک ساتھ کرنا جائز ہے؟

المستفتی: شیخ عبدالکریم، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل کرنے والے کا اس کا اپنا حج ادا نہ ہوگا؛ بلکہ جو حج بدل کرا رہا ہے اس کی جانب سے ادا ہوگا اور علت یہ ہے کہ حج بدل کرنے والے کے لئے شرط ہے کہ وہ آمر کی جانب سے حج ادا کرنے کی نیت کرے، تو اگر اس کا اپنا حج قرار دیا جائے تو نیابت کی شرط مفقود ہو جائے گی؛ اس لئے حج بدل آمر ہی کی جانب سے ادا ہوگا، اپنے اور آمر دونوں کی جانب سے حج کرنے کی نیت کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ آمر ہی کی جانب سے حج کرنے کی نیت کرنا ضروری ہے۔

فقال بعضهم: إن أصل الحج يقع عن المحجوج عنه، وبذلک تشهد الأخبار الواردة في الباب، منها حديث الخثعمية المتقدم، فإنها قالت: أفأحج عنه؟ فقال صلی الله عليه وسلم: نعم، وفي رواية حجي عن أبيک، وفي رواية قال: نعم، فأدي عن أبيک، وقوله صلی الله عليه وسلم للسائل: حج عن أبيک أمرهما بالحج عن أبيهما، فلو لا أن حجهما يقع عن أبيهما لما أمرهما بالحج عنه –إلی– ولو لم يقع نفس الحج عنه لكان لا يحتاج إلی نيته، وهذا القول هو المذكور في الأصل كما قال صاحب البدائع وغيره، وهو ظاهر الرواية، كما قال في الكفاية: وهو ظاهر المذهب أيضا، كما قال صاحب الهداية: وهو الصحيح من المذهب. (البحرالعميق، المكتبة المكية ٤/ ٢٢٥٢-٢٢٥٣)

ويقع الحج المفروض عن الآمر علی الظاهر من المذهب. (درمختار مع الشامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، كراچی ٢/ ٦٠٢، زكريا ٤/ ٢٠)

وأنه لابد من أن ينويه عن الآمر. (البحرالرائق، كوئٹه ٣/ ٦٢، زكريا ٣/ ١١٠)

والدليل عليه أن الحاج يحتاج إلی نية المحجوج عنه كذا الإحرام، ولو لم يقع نفس الحج عنه لكان لا يحتاج إلی نيته. (بدائع الصنائع، كراچی ٢/ ٢١٢، زكريا ٢/ ٤٥٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

حج بدل کس سے کرائیں؟

سوال [۵۱۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: کیا حج بدل کرنے کے لئے وہی شخص جاسکتا ہے جو پہلے سے حاجی ہو، غیر حاجی جس کے اوپر حج فرض نہیں ہے وہ حج بدل کرسکتا ہے کہ نہیں؟

المستفتی: عبدالوحید مہراج گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل ایسے آدمی سے کرانا افضل اور بہتر ہے جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہے۔ اور جس پر حج فرض نہیں ہوا ہے اور کبھی حج نہیں کیا ہے، اس کے ذریعہ سے کرانا خلاف اولیٰ ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/ ۱۷۰، جواہر الفقہ ۱/ ۵۰۷)

الأفضل أن يكون قد حج عن نفسه؛ لأنه بالحج عن غيره يصير تاركا إسقاط الفرض عن نفسه، فيتمكن في هذا الإحجاج ضرب كراهة؛ ولأنه إذا كان حج مرة كان أعرف بالمناسک، وهو أبعد عن محل الخلاف، فكان أفضل. (البحرالعميق، الباب الثامن عشر فی الحج عن الغير، الفصل الأول، المكتبة المكية ٤/ ٢٢٦٧-٢٢٦٨، بدائع الصنائع کراچی ٢/ ٢١٣، زكريا ٢/ ٤٥٧، بيروت ٣/ ٣٧٤، كذا في الهندية ١/ ٢٥٧، جديد زكريا ١/ ٣٢٢، البحرالرائق کوئٹہ ٣/ ٦٩، زكريا ٣/ ١٢٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٧/ ٦، ٤٢، ٣٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/۱۰/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۳۴۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۹/۱۰/۱۴۲۰ھ

کیا حج بدل کرنے والے کے لئے حاجی ہونا شرط ہے؟

سوال [۵۱۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حج بدل کے لئے حاجی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد حنیف پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل میں مامور کا اپنا حج کیا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ بہتر ہے؛ البتہ اگر مامور پر حج فرض ہو تو اس کے لئے حج بدل مکروہ تحریمی ہے، مگر آمر کے لئے مکروہ تنزیہی ہے۔

قال في الشامية: قال في البحر: والحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم: والأفضل الخ تحريمية على الصرورة المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج، ولم يحج عن نفسه؛ لأنه أثم بالتأخير. (شامي، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة، زكريا ديوبند ٤/ ٢١، كراچی ٢/ ٦٠٣، البحرالرائق، قبيل باب الهدي، كوئٹه ٣/ ٧٠، زكريا ديوبند ٣/ ١٢٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٧/ ٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۴/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۱۰۲)

غیر حاجی سے حج بدل کرانا

سوال [۵۱۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید مالدار آدمی ہے حج اس پر فرض ہوگیا وہ خود حج کو نہ جا کر اپنا حج بدل کرا سکتا ہے؟ حج بدل کے لئے کسی بھی شخص کو بھیج سکتا ہے، کیا جس کو حج بدل کے لئے منتخب کیا جائے گا اس کا پہلے سے حاجی ہونا ضروری ہے یا کسی غیر حاجی کو بھی حج بدل کے لئے بھیج سکتے ہیں؟

المستفتی: ذاکر قریشی اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید کے اوپر خود حج کرنا فرض ہے، بلا عذر شرعی

حج بدل کرانے سے فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ اور اگر عذر شرعی مثلاً سخت بڑھاپے یا دائمی بیماری وغیرہ کی وجہ سے سفر کی طاقت نہ ہو تو حج بدل کرانا درست ہے اور اس کے لئے ایسے آدمی کو بھیجنا افضل ہے جو پہلے سے حاجی ہو غیر حاجی کو بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے۔

وإن كان عاجزا عجزا مستمرا لا يرجي زواله جاز عند أبي حنيفة رضي الله عنه، وإن كان عجزا يرجى زواله على ما ذكرنا في فصل سقوط الحج بالأعذار، لا يجوز أن يحج عنه حجة الإسلام. (المسالك في المناسك، فصل في حج الإنسان عن غيره، دارالبشائر الإسلاميه ۲/ ۸۷، وهكذا في مناسك ملا علي قاري كراچی ٤٣٥)

والأفضل للناس إذا أراد أن يحج رجلا عن نفسه أن يحج رجلا قد حج عن نفسه، ومع هذا لو أحج رجلا لم يحج عن نفسه حجة الإسلام، يجوز عندنا. (هندية، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، زكريا ١/ ٢٥٧، جديد زكريا ١/ ٣٢٢، وهكذا في البحر العميق، المكتبة المكية ٤/ ٢٢٦٩، البحرالرائق، كوئٹه ٣/ ٦٩، زكريا ٣/ ١٢٣)

والحق أنها تنزيهية على الآمر تحريمية على الصرورة المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج، ولم يحج عن نفسه؛ لأنه أثم بالتأخير. (البحرالرائق، قبيل باب الهدي كوئٹه ٣/ ٧٠، زكريا ٣/ ١٢٣، شامي، زكريا ٣/ ٢١، كراچی ٢/ ٦٠٣، الموسوعة الفقهية ٢٧/ ٦)

تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت. (الدرمع الرد، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، كراچی ٢/ ٥٩٨، زكريا ديوبند ٤/ ١٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ۷/ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۰۸۹)

حج بدل کے لئے کہاں سے جانا شرط ہے؟

سوال [۵۱۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس کی طرف سے حج بدل کیا جائے، حج بدل کے واسطے جانے والے شخص کے لئے اسی جگہ سے جانا ضروری ہے یا کسی جگہ سے بھی جا سکتا ہے، حج بدل کرنے والا شخص افراد، قران، تمتع میں سے کس کی نیت کرے؟

المستفتی: محمد اکرام بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہے وہ جہاں رہتا ہے وہاں سے حج بدل کے لئے جانا اور وہاں سے سفر کا خرچ ادا کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۵۱۹)

ویحج عنه من بلده الذي يسكنه؛ لأن الحج مفروض عليه من بلده. الخ (بدائع الصنائع، كتاب الحج، بيان حكم فوات الحج عن العمرة، زكريا ديوبند ٢/ ٤٧٠، كراچی ٢/ ٢٢٢، وهكذا في مناسك لملا علي قاري، كراچی ٤٤٠، شامي، كراچی ٢/ ٦٠٠، زكريا ٤/ ١٧، البحر العميق، المكتبة المكية ٤/ ٢٣٦٦، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢/ ٤٦، المسالك في المناسك، دارالبشائر الإسلامية ٢/ ٩٠٥)

اور حج بدل میں حج افراد ہی اصل ہے؛ البتہ اگر آمر کی طرف سے تمتع یا قران کی اجازت ہے، تو تمتع یا قران بھی کر سکتا ہے اور دم شکر کا خرچ بھی آمر برداشت کرے گا۔ اور اس زمانہ میں عموماً آمر کی طرف سے اجازت ہوتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۹۱۳)

إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور، فيقول: حج عني بهذا المال كيف شئت، إن شئت حجة، وإن شئت حجة

وعمرة، وإن شئت قرانا. (قاضي خان على الهندية، زكريا ۱/ ۳۰۷، جديد ۱/ ۱۸۷، وهكذا في غنية الناسك جديد كراچی ۳۴۳، مكتبه خيريه ميرٹھ ۱۸٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱۰/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۸۱)

سعودی میں مقیم شخص سے حج بدل کرانے کی صورت میں سفر خرچ کا حکم

سوال [۵۱۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنے مرحوم چچا کا حج بدل کروانا چاہتا ہے، اس کی کیا نوعیت ہے؟ اگر ہم اپنے ایک عزیز سے کروائیں جو کہ سعودی عرب میں ملازمت کرتے ہیں، تو ان کو سفر حج بھی ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اور آمد ورفت کا خرچ وغیرہ بھی یا نہیں؟

المستفتی: قاری فراست علی، مغل پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرحوم نے حج بدل کی وصیت کی ہے اور ان کے ثلث ترکہ میں گنجائش ہے، تو وطن سے حج بدل کروانا ضروری ہے، آمد ورفت کا پورا خرچ ادا کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر ثلث مال میں وطن سے حج کرنے کی گنجائش نہیں ہے، تو ثلث مال کے ذریعہ سے جہاں سے خرچ پورا ہوسکتا ہے وہاں سے کروانا ضروری ہے، گنجائش ہوتے ہوئے سعودی عرب میں رہنے والے کے ذریعہ سے حج بدل جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۵۱۹)

الثامن أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث، أي ثلث مال الميت، وإن لم يتسع أي الثلث يحج عنه من حيث يبلغ أى استحسانا. (مناسك ملا علي قاري، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط جواز الاحجاج، كراچی ٤٤٠، وهكذا في الشامي، كراچی ۲/ ٦٠٠، زكريا ٤/ ١٧)

ومنها: أن يحج من بلده الذي يسكنه؛ لأن الحج مفروض عليه من بلده، فمطلق الوصية تنصرف إليه، ولهذا روي ابن رستم عن محمد في خراساني أدركه الموت بمكة، فأوصى بأن يحج عنه، يحج عنه من خراسان -إلى- هذا إذا كان ثلث ماله يكفي لذلك، أما إذا كان لا يكفي فمن حيث يبلغ. (البحر العميق، الباب الثامن عشر في الحج عن الغير، الفصل الثاني، المكتبة المكية ٤/ ٢٣٦٦)

ويحج عنه من بلده الذي يسكنه؛ لأن الحج مفروض عليه من بلده، فمطلق الوصية ينصرف إليه -إلى- هذا إذا كان ثلث المال يبلغ أن يحج عنه من بلده حج عنه، فإن كان لا يبلغ يحج من حيث يبلغ استحسانا. (بدائع الصنائع، كراچی ٢/ ٢٢٢، زكريا ٢/ ٤٧٠، وهكذا في المسالك في المناسك، فصل في الوصية بالحج، دارالبشائر الإسلامية ٢/ ٩٠٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢/ ٤٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
یکم رمضان ۱۴۱۴ھ

حج کے لئے بینک میں جمع شدہ روپئے کا انتقال کے بعد کیا کیا جائے؟

سوال [۵۱۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ مسمی خلیل احمد نے فریضہ حج ادا کرنے کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز درخواست دی اور اسی سلسلے میں بینک میں روپیہ جمع کیا، اچانک ۱۱/ جون ۱۹۸۹ء کو خلیل احمد صاحب کا انتقال ہوگیا، مرحوم نے اپنے انتقال پر اپنی ایک بیوہ مسماۃ خاتون بیگم اور پسران ودختران جن میں سے کسی کی بھی شادی نہیں ہوئی اپنے جائز ورثاء چھوڑے، مرحوم نے فریضۂ حج ادا کرنے

کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز جو روپیہ جمع کیا تھا، اس روپیہ کا استعمال شریعت کی روشنی میں کس طرح کیا جائے؟ آیا وہ روپیہ دختران کی شادی میں خرچ کیا جاوے یا اس سے حج بدل کرنا ضروری ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔

المستفتی: خلیق احمد ولد خلیل احمد مرحوم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرحوم نے حج بدل کرنے کی وصیت کی ہے، تو ثلث ترکہ سے حج بدل کرنا واجب ہوتا ہے اور اگر مرحوم نے حج بدل کے لئے کوئی وصیت نہیں کی ہے تو ورثاء پر حج بدل کرانا واجب نہیں ہے؛ بلکہ جمع شدہ تمام رقوم شرعی ورثاء کے درمیان حسب حصص شرعی تقسیم ہوجائے گی، اگر تمام ورثاء بالغ ہیں تو ان سب کی تراضی سے جمع شدہ رقم کو دختران کی شادی میں خرچ کیا جاسکتا ہے، ورنہ ہر وارث کو اس کا حصہ دینا لازم ہوتا ہے۔

لو دفع إلی رجل مالا لیحج به عنه، فأهل بحجة، ثم مات الآمر، فلورثته أن یأخذوا ما بقی من المال معه، ویضمنونه ما أنفق بعد موته؛ لأن نفقة الحج کنفقة ذوي الأرحام تبطل بالموت. (شامي، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، زکریا دیوبند ۴/ ۳۵، کراچی ۲/ ۶۱۳، المبسوط للسرخسي، دارالکتب العلمیة بیروت ۴/ ۱۴۷، البحرالرائق، کوئٹه ۳/ ۶۸، زکریا دیوبند ۳/ ۱۲۱)

من وجب علیه الحج، ولم یحج حتی مات، فأوصی بأن یحج عنه، حج عنه من ثلث ماله، فإن لم یوص بذلک وتبرع عنه ورثته وهو من أهل التبرع جاز. (البحرالعمیق، الباب الثامن عشر في الحج عن الغیر، الفصل الثاني، المکتبة المکیة ۴/ ۲۳۵۱، وهکذا في المسالک في المناسک، دارالبشائر الإسلامیه ۲/ ۸۸۸) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۴۹۱)

قرض خواہ کا قرض دار کو حج بدل کے لئے لے جانا

سوال [۵۱۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید قرض دار ہے، زبیر قرض خواہ ہے، زبیر زید کو اپنے ساتھ حج بدل کے لئے لے جانا چاہتا ہے، زید مقروض ہے اور خود کفیل نہیں ہے، زبیر اپنے ساتھ زید کو حج کرانے کے لئے لے جانا چاہتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زبیر اپنی خوشی سے اپنے ساتھ زید کو حج کے لئے لے جاسکتا ہے؟ اور کیا زید کا حج کے لئے جانا صحیح ہے؟ امید ہے کہ جواب جلد عنایت فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد افضل نوریک ایجنسی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زبیر اپنے خرچ سے زید کو اپنے ساتھ حج بدل کے لئے لے جانا چاہتا ہے، تو ایسی صورت میں زید کے لئے زبیر کے ساتھ حج بدل کو جانا جائز ہے، اس سے زید کا حج بدل ادا ہو جائے گا، البتہ ایسا مقروض اور غریب آدمی کے ذریعہ سے حج بدل کرانا مکروہ ہے۔ (البحر العمیق ۴/ ۲۲۶۷-۲۲۶۹)

اور زبیر کے قرض کا حق اپنی جگہ برقرار رہے گا، اس حق سے سبکدوشی اسی وقت حاصل ہوگی کہ جب زبیر معاف کردے یا زید ادا کردے۔

الحق شيء ثبت لا يبطل بالتأخير ولا بالكتمان. الخ (قواعد الفقه، أشرفي ديوبند، ص: ۷۷، رقم:) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۶۷۵)

کیا داماد اپنے پیسوں سے مرحوم سسر کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے؟

سوال [۵۱۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: داماد اپنے پیسوں سے مرحوم سسر کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر داماد نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہے، تو پھر مرحوم سسر کی جانب سے تبرعاً اپنے پیسہ کے ذریعہ حج کرنا شرعاً جائز ہے۔ اور اگر اپنا حج فرض نہیں کیا ہے، تو پھر سسر کی جانب سے حج کرنے کی اجازت نہیں؛ بلکہ پہلے اپنا ذاتی حج کرنا لازم ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. [آل عمران: ۹۷]

وأن لا يجب في العمر إلا مرة، كذا في محيط السرخسي، وهو فرض على الفور، وهو الأصح، فلا يباح له التأخير بعد الإمكان إلى العام الثاني. (هندية، قديم زكريا ديوبند ١/ ٢١٦، جديد ١/ ٢٨٠، وهكذا في الشامي، زكريا ٣/ ٤٥٤، كراچی ٢/ ٤٥٦-٤٥٧، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، قديم، ص: ٣٩٦، دارالكتاب ديوبند، ص: ٧٢٦-٧٢٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲/ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۲۷)

حج بدل کن لوگوں کی طرف سے کیا جاسکتا ہے؟

سوال [۵۱۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے والدین پر حج فرض ہے، پیسہ بھی کافی ہے، مگر غفلت اور بخل کی وجہ سے حج کے لئے نہیں جاتے، زید سعودیہ میں رہتا ہے، زید یہ چاہتا ہے کہ اپنے والدین کی طرف سے

حج کرلے، امسال والدصاحب کی طرف سے آئندہ سال والدہ کی طرف سے۔ اور والدین نے بھی اجازت دے دی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا اس طرح اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کرنا صحیح ہے؟ کیا والدین اپنے فریضۂ حج سے سبکدوش ہوجائیں گے، جب کہ والدین صحت مند بھی ہیں، پیسہ بھی ہے؟

المستفتی: محمد اسجد سیڈھوی، وارد حال ریاض سعودیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب زید کے والدین صحت مند، ذی استطاعت اور خود حج کرنے پر قادر ہیں، تو ان پر خود حج فرض ادا کرنا لازم ہے، بیٹے یا کسی اور کے لئے ان کی طرف سے حج بدل کرنا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک/۵۲۱)

وإن كان عاجزا، عجزا مستمرا لايرجي زواله جاز عند أبي حنيفة رضي الله عنه، وإن كان عجزا يرجى زواله على ما ذكرنا في فصل سقوط الحج بالأعذار لا يجوز أن يحج عنه حجة الإسلام. (المسالك في المناسك، فصل في حج الإنسان عن غيره، دارالبشائر الإسلامية ٢/ ٨٨٧)

الثاني: العجز المستدام من وقت الإحجاج إلى وقت الموت، أي فإن زال قبل الموت لم يجز حج غيره عنه فرضا. (مناسك ملا علي قاري، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط جواز الإحجاج، كراچی ٤٣٥)

اعلم أن من شرائط الحج أداء من عليه الحج بنفسه حال قدرته على الأداء بنفسه، فلا يجوز استنابة غيره مع قدرته على الحج بنفسه. (البحر العميق، الباب الثامن عشر في الحج عن الغير، الفصل الأول، المكتبة المكية ٤/ ٢٢٣٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۱۱/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۳۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱۱/۱۴۳۱ھ

کیا حاجی زندہ یا مردہ عورت کا حج بدل کرسکتا ہے؟

سوال [۵۱۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص حاجی کسی غیر بوڑھی زندہ یا مردہ عورت کا حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟ از روئے شرع دریافت طلب یہ بات ہے، جواب باصواب سے نوازا جائے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر ایسی بوڑھی عورت ہے جس کو از خود حج کرنے کی ہمت نہیں ہے، تو اس کی طرف سے وکیل بن کر اپنا حج کیا ہوا آدمی حج بدل بلا کراہت کرسکتا ہے، اسی طرح میت کی طرف سے بھی حج بدل جائز ہے۔

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– قال: جاء ت امرأة من خثعم عام حجة الوداع، قالت: يا رسول الله! إن فريضة الله على عباده في الحج أدركت أبي شيخا كبيرا، لا يستطيع أن يستوي على الراحلة، فهل يقضي عنه أن أحج عنه؟ قال: نعم. (صحيح البخاري، باب الحج عمن لا يستطيع الثبوت على الراحلة، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨١٦، ف: ١٨٥٤)

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– أن امرأة من جهينة جاء ت إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت، أ فأحج عنها؟ قال: نعم حجي عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضية؟ اقضوا الله، فالله أحق بالوفاء. (صحيح البخاري، باب الحج والنذور عن الميت، والرجل يحج عن المرأة، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨١٥، ف: ١٨٥٢)

تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت؛ لأنه فرض العمر حتى تلزم الإعادة لزوال العذر، وبشرط نية الحج عنه، أي

عن الآمر . الخ (الدرالمختار، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر، زکریا دیوبند ٤/ ١٤، ١٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۰۸)

مرحوم ماں کی طرف سے بیٹے کا حج فرض ادا کرنا

سوال [۵۱۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک عورت کے ذمہ حج فرض تھا؛ لیکن حج کرنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوگیا، اب اگر اس کا لڑکا اس کی طرف سے اسی کے مال سے حج ادا کرے تو حج کی فرضیت اس عورت کے ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ مدلل جواب باصواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد ابراہیم تائی کوٹا، آسام

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ عورت پر جب حج فرض ہوگیا ہے اور ادائے حج سے پہلے وفات ہوگئی ہے اور اس کا لڑکا اس کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لئے جائز ہے کہ ماں کے مال سے ماں کی طرف سے حج بدل کرے اور اس سے ماں کے حج کی فرضیت ادا ہوجائے گی؛ لیکن یہ لحاظ ضروری ہے کہ جس مال سے حج کرے گا وہ ترکہ کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو، ہاں البتہ اگر تمام وارثین ماں کی طرف سے حج بدل کرانے پر راضی ہیں تو ایک تہائی کی قید کے بغیر ماں کے مال سے حج بدل کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: معلم الحجاج/ ۲۸۲، زبدۃ المناسک/ ۴۴۹، احسن الفتاوی ۴/ ۵۳۲)

عن ابن عباس – رضي الله عنهما – أن امرأة من جهينة جاء ت إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتى

ماتت، أ فأحج عنها؟ قال: حجي عنها، أرأيت لو كان على أمک دين أكنت قاضية؟ اقضوا الله، فالله أحق بالوفاء. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب الحج والنذور عن الميت، والرجل يحج عن المرأة، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨١٥، ف: ١٨٥٢)

لو مات رجل بعد وجوب الحج، ولم يو ص به، فحج رجل عنه، أو عن أبيه، أو عن أمه حجة الإسلام من غير وصية، قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء الله تعالیٰ، وبعد الوصية قال: يجزيه من غير مشيئة. (البحرالعميق، الباب الثامن عشر في الحج عن الغير، الفصل الثاني، المكتبة المكية ٤/ ٢٣٥١، المسالك فى المناسك، دارالبشائر الإسلاميه ٢/ ٨٨٨، مناسك ملا علي قاري، كراچی ٤٣٦)

لو مات رجل بعد وجوب الحج، ولم يو ص به، فحج رجل عنه، أو حج عن أبيه، أو أمه حجة الإسلام من غير وصية، قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء الله تعالیٰ. (شامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، كراچی ٢/ ٦٠٠، زكريا ٤/ ١٦، فتاوى عالمگيري ١/ ٢٥٨، جديد زكريا ١/ ٣٢٣، الموسوعة الفقهية ١٧/ ٧٤)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۶۷۴/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۶/۲ھ

پوتے کا دادا کی طرف سے بلا وصیت حج بدل کرنا

سوال [۵۱۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ریاض سعودیہ میں بغرض ملازمت رہتا ہے، زید کے دادا کا انتقال ہو چکا ہے، زید کے دادا پر حج فرض تھا، مگر کیا نہیں تھا، نہ ہی کسی سے کوئی وصیت کی تھی، زید اپنے مرحوم دادا

کی طرف سے ریاض ہی سے حج بدل کرنا چاہتا ہے، زید اپنا حج کر چکا ہے، معلوم یہ کرنا ہے، کیا زید اپنے دادا کی طرف سے جو حج کرے گا وہ حج قران یا تمتع بھی کرسکتا ہے یا حج افراد ہی کرے، جب کہ دادا نے تو کچھ بھی وصیت نہیں کی ہے، زید اپنی سعادت کی وجہ سے دادا مرحوم کی طرف سے حج کر رہا ہے۔ اور حج قران کرنے میں زید کو سہولت بھی ہے؛ کیوں کہ کمپنی پانچ دن کی چھٹی دیتی ہے، شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں۔

المستفتی: محمد اسجد سیڈھوی وارد حال ریاض سعودیہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید جب اپنی خوشی سے دادا مرحوم کی جانب سے حج بدل کر کے ان سے فریضۂ حج کو ساقط کرنا چاہتا ہے، تو اسے اختیار ہے کہ جو چاہے کرے؛ البتہ اگر حج افراد کرے گا تو قربانی کرنا واجب نہ ہوگا۔ اور اگر حج تمتع یا قران کر رہا ہے، تو ایک قربانی کرنا لازم ہوگا۔

عن ابن عباس –رضی اللّٰہ عنہ– قال: أتی رسول اللّٰہ ﷺ رجل، فقال لہ: إن أبي مات وعلیہ حجۃ الإسلام، أفأحج عنہ؟ قال: أرأیت لو أن أباک ترک دینا علیہ أقضیتہ عنہ؟ قال: نعم، قال: فاحجج عن أبیک. (سنن الدارقطني، کتاب الحج، دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۲۹، رقم: ۲۵۸۶)

ثم عندنا إذا مات بعد فرض الحج ولم یوص، فحج رجل عن المیت من غیر وصیۃ أو تبرع الورثۃ بذلک، فحج عن أبیہ، أو عن أمہ حجۃ الإسلام من غیر وصیۃ، أوصی بھا المیت؟ قال: أبو حنیفۃ رضی اللّٰہ عنہ: یجزیہ ذلک إن شاء اللّٰہ تعالیٰ. (المسالك في المناسك، فصل في حج الإنسان عن غیرہ، دارالبشائر الإسلامیۃ ۲/ ۸۸۸، مناسك ملا علي قاري کراچی ٤٣٦، المبسوط دارالکتب العلمیۃ بیروت ٤/ ١٦١)

ودم القران والتمتع والجنایۃ علی الحاج المأمور. (شامي، کتاب

الحج، باب الحج عن الغير، كراچی ۲/ ۶۰۰، زكريا ٤/ ۳۲، مستفاد: أنوار مناسك/ ۵۵۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/۱۱/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۲۰۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۱۱/۱۴۳۱ھ

کیا بالغہ بہن کی شادی حج بدل پر مقدم ہے؟

سوال [۵۱۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی والدہ مرحومہ کے لئے حج بدل کی نیت کرلی ہے، اور والدہ مرحومہ کے اوپر حج فرض ہو چکا تھا اور زید کی ایک بالغہ بہن ہے، جو شادی کے لئے زیادہ مستحق ہے۔ اور زید کے سات بھائی ہیں، ایک جس میں بالغ ہے، اور ایک الگ ہے اور پانچ بھائی بہن کا خرچ برداشت کرتے ہیں اور پانچوں بھائیوں میں صرف ایک بھائی زید نے اپنی والدہ مرحومہ کے لئے حج بدل کی نیت کی ہے؛ لہٰذا ان دونوں کاموں میں سے کون سا کام پہلے کیا جائے؟ یا اور کونسی صورت نکلتی ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: سعید الرحمٰن محلّہ طویلہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں اگر والدہ نے حج بدل کی وصیت نہیں کی ہے، تو پہلے بغیر رسم ورواج کے بہن کی شادی کرادے، اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو نابالغوں کے مال کو الگ کرکے زید اپنی ذاتی ملکیت میں سے والدہ کی طرف سے حج کردے، تو انشاء اللہ فرض اس سے ادا ہو جائے گا۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ٦/ ٦٠١)

من عليه الحج إذا مات قبل أدائه عن غير وصية يأثم بلا خلاف، وإن أحب الوارث أن يحج عنه حج، وأرجوا أن يجزئه ذلک إن شاء الله تعالىٰ.

الخ (فتاوى عالمگيري، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، زكريا ديوبند ١/ ٢٥٨، جديد ١/ ٣٢٣، بدائع الصنائع كراچی ٢/ ٢٢١، زكريا ديوبند ٢/ ٤٦٩، وهكذا في المسالك في المناسك، دارالبشائر الإسلامية ٢/ ٨٨٨، غنية الناسك، كراچی جديد ٣٢٢، قديم: ١٧٣، مناسك ملا علي قاري كراچی ٤٣٦)

اگر سب بالغ ہیں تو ان کی اجازت سے بھی مجموعی مال میں سے حج جائز ہوگا، اگر والدہ نے بوقت وفات وصیت کی تھی تو کل ترکہ میں سے دو تہائی الگ کر کے ایک تہائی سے اولاً حج ادا کرنا لازم ہے۔

من وجب عليه الحج، ولم يحج حتى مات، فأوصى بأن يحج عنه، حج عنه من ثلث ماله. (البحرالعميق، المكتبة المكية ٤/ ٢٣٥١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۵۵۱)

مرحوم بیٹے کی طرف سے حج کرنا

سوال [۵۱۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے والدین ۳ر سال قبل حج بیت اللہ کر چکے ہیں اور امسال میری والدہ پھر حج بیت اللہ کرنے جا رہی ہیں، واضح ہو کہ ۳ر سال قبل میرے والدین کی واپسی حج سے پہلے میرے حقیقی بھائی ایک حادثہ میں انتقال کر گئے تھے، اب والدہ کا ارادہ ہے کہ میں اپنے اس بیٹے کے حج کی نیت سے ارکان حج ادا کروں، تو کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ اگر ہوسکتا ہے تو اس کی کیا شکل ہوگئی؟ فقط والسلام

المستفتی: اعجاز الحق قریشی اصالت پورہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بوقت احرام اپنے بیٹے کی طرف سے حج کی نیت

کرے گی تو پورا حج بیٹے کی طرف سے ادا ہوجائے گا اور اپنا حج کر کے ثواب پہنچانا چاہے تو بھی صحیح اور درست ہے۔

الأصل أن كل من أتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره. وتحته في الشامي: سواء كانت صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة. الخ (الدرالمختار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فيمن أخذ من عبادته شيئا من الدنيا، زكريا ٤/ ١٠، كراچی ٢/ ٥٩٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۰۳۴/۲۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۰/۱۱/۲۳ھ

کیا بیٹی ماں کی طرف سے حج بدل کرسکتی ہے؟

سوال [۵۱۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بیٹی اپنی ماں مرحومہ کے لئے حج بدل کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتية: قاسمیہ خاتون ڈپٹی گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیٹی پر اگر حج فرض نہ ہو تو وہ ماں مرحومہ کی جانب سے حج بدل کرسکتی ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۵۱۲، ایضاح المسائل، ص: ۱۲۳، ایضاح المناسک، ص: ۱۷۲، زبدۃ المناسک ۲/ ۴۴۹)

عن ابن عباس – رضي الله عنهما – أن امرأة من جهينة جاءت إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت أ فأحج عنها؟ قال: حجي عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضية؟ اقضوا الله، فالله أحق بالوفاء. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد، باب

الحج والنذور عن الميت، والرجل يحج عن المرأة، النسخة الهندية ١/ ٢٥٠، رقم: ١٨١٥، ف: ١٨٥٢)

قال في البحر: والحق أنها تحريمية على الصرورة المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج، ولم يحج عن نفسه لأنه آثم بالتأخير. (شامي، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة، زكريا ديوبند ٤/ ٢١، كراچی ٢/ ٦٠٣، البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ٧٠، زكريا ديوبند ٣/ ١٢٣، الموسوعة الفقهية الكويتية ٢٧/ ٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۲۷)

دادا، دادی کی طرف سے حج بدل کرنا

سوال [۵۱۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ ہم اور اہلیہ اپنے دادا دادی کی جانب سے حج بدل کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ اپنی زندگی میں حج نہ کر سکے، نہ ہی وصیت کی، نہ ہی ہمیں ان کا ترکہ ملا، مگر میں اپنے ذاتی مصارف سے حج بدل کرنا چاہتا ہوں، جس میں میں خود ہی آمر اور خود ہی مامور ہوں گا، تاکہ کل قیامت میں ان کے ذمہ فریضہ باقی نہ رہ جائے (غالباً ان پر حج فرض تھا) کیا ہم ایسی حالت میں حج تمتع کی نیت کرلیں یا صرف نفلی حج کر کے انہیں ثواب بخش دیں، مگر کیا اس شکل میں ان کے ذمہ حج کا مطالبہ باقی رہے گا؟ جواب باصواب سے مستفیض فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: عبدالغنی بیکانیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ اور آپ کی اہلیہ اپنے دادا دادی کی جانب

سے حج بدل کرسکتے ہیں، اگرچہ انہوں نے وصیت نہیں کی اور نہ آپ کو ان کے ترکہ میں سے حصہ ملا ہے۔ اور آپ کے حج بدل کرنے سے حج فرض کی ذمہ داری ان کے ذمہ سے ادا ہوجائے گی۔ اور انشاء اللہ آپ کو بھی مکمل ثواب ملے گا، نیز آپ نفلی حج کی نیت نہ کریں؛ بلکہ ان کی طرف سے حج فرض کی نیت کریں، تو ایسی صورت میں اگر ان پر حج فرض نہ تھا، تب بھی ان کی طرف سے حج فرض ادا ہوجائے گا۔

الرابع: الأمر بالحج صريحا من المحجوج عنه، أو من وصيه لو كان ميتا أوصى بالحج وله مال أو دلالة كما إذا كان ميتا وعليه حج الفرض ولم يوص به، أو أوصى به ولا مال له، فإنه لو تبرع عنه الوارث، وكذا الأجنبي، فحج عنه، أو أحج قال أبو حنيفة: يجزيه إنشاء الله تعالىٰ عن حجة الإسلام.

(غنية الناسك، باب الحج عن الغير، كراچی جديد، ص: ۳۲۲، قديم، مكتبه خيريه ميرٹھ، ص: ۱۷۳، مناسك ملا علي قاري، كراچی، ص: ٤٣٦، البحر العميق، المكتبة المكية ٤/ ٢٣٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ ۷/ ۱۴۲۸ھ

مریض شخص کا حج بدل کرانا

سوال [۵۱۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص دیکھنے میں تندرست دکھائی دیتا ہے، ایسا شخص اپنے حج بدل کے لئے کسی کو بھیج رہا ہے، اس سے جب بھیجنے کی وجہ دریافت کی گئی تو اس نے اپنی طبیعت کے متعلق بتایا کہ مجھے چکر کی بیماری ہے زیادہ چلا پھرا نہیں جاتا، مستقل طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں میں اپنا فرض ادا کرنے والوں بعد میں اگر طبیعت ٹھیک رہی تو پھر

میں بھی حج کے لئے جاؤں گا، ان تمام وجوہات کے پیش نظر اگر ایسا شخص کسی کو اپنا حج ادا کرنے کے لئے بھیجتا ہے تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ علاج تقریباً ۲۰/سال سے چل رہا ہے، اسے ڈر ہے کہ اگر وہ جاتا ہے تو ارکان صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر پائے گا، ایسی صورت میں اگر وہ کسی کو بھیجے تو اس کا بھیجنا صحیح ہے یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔ اور اگر اس نے کسی کو بھیج دیا ہے، تو اس کا حج بدل ادا ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مسعود احمد مدرسہ حسینیہ چندا بی مسجد موہن پورہ، ناگپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ایسا شخص اس وقت اپنا حج کرا لے اور بعد میں جب اللہ تعالیٰ طبیعت بحال فرمائے گا تو دوبارہ اپنا حج کر لے۔

أما المريض الذي يرجى برءه والمحبوس، فإنه إذا أناب عنه الغير فحج عنه، ثم زال عذره بعد فإن ذلک لا يسقط فرض الحج، ومنها نية الحج عن الآخر. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ۱/ ۷۰۷)

فلو أحج المعذور...... كان أمره ...... موقوفا إن استمر عذره إلى الموت جاز، وإن زال عذره وجب عليه الأداء بنفسه. (مناسك ملا علي قاري، باب الحج عن الغير، كراچی ۴۳۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۵۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۱/۵ھ

جس شخص پر حج فرض ہوا اور اس کا انتقال ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۱۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کسی شخص پر حج فرض ہے اور وہ شخص اتفاق سے پوری کوشش کے باوجود حج

نہیں کرسکا اور موت ہوگئی تو اس حال میں یہ شخص اللہ کے فرض کو توڑنے والا ہوگا یا نہیں؟ یعنی حج کا فرض باقی رہے گا یا معاف ہوجائے گا؟

(۲) اگر آپ جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی حج فرض باقی رہے گا، تو اس کے وارثوں میں سے کوئی حج بدل کرے تو فرض ادا ہوجائے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) حج فرض ہونے کے بعد حج ادا کرنے سے پہلے موت واقع ہوگئی، تو حج کا فریضہ اس پر باقی رہے گا۔ (مستفاد: معلم الحجاج/۲۷۳)

وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه. (هندية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، زكريا ديو بند ۱/ ۲۵۸، جديد ۱/ ۳۲۳، بدائع الصنائع كراچی ۲/ ۲۲۲، زكريا ديوبند ۲/ ٤۷۰)

(۲) جس میت پر حج کی فرضیت باقی ہے، اس کی طرف سے کوئی وارث حج بدل کرلے تو میت کی طرف سے حج کی فرضیت ادا ہوجائے گی۔ (مستفاد: معلم الحجاج، ص: ۲۸۲، زبدۃ المناسک، ص: ۴۴۹، احسن الفتاوی ۴/۵۳۲)

لو مات رجل بعد وجوب الحج ولم يوص به، فحج رجل عنه، أو حج عن أبيه، أو أمه عن حجة الإسلام من غير وصية، قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء الله تعالىٰ. (شامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، زكريا ٤/ ١٦، كراچی ٢/ ٦٠٠، عالمگيري ١/ ٢٥٨، جديد زكريا ١/ ٣٢٣، الموسوعة الفقهية ١٧/ ٧٤، وهكذا في البحر العميق، المكتبة المكية ٤/ ٢٣٥١، المسالك في المناسك، دارالبشائر الإسلامية ٢/ ٨٨٨، مناسك ملا علي قاري، كراچی ٤٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۱/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۵۸)

حج بدل میں تمتع

سوال [۵۱۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید حج بدل کے لئے اپنے کسی عزیز کی طرف سے بکر کو بھیج رہا ہے۔ اور بکر کو آمر یعنی زید نے حج تمتع کی اجازت دے دی ہے، تو کیا بکر حج بدل میں تمتع کرسکتا ہے؟

المستفتی: تسلیم احمد تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حج بدل میں حج افراد ہی افضل ہے؛ لیکن اگر آمر کی طرف سے حج تمتع کی اجازت ہوجائے تو بلا شبہ حج بدل میں تمتع کرنا جائز ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک، ص:۵۵۰)

قال الشيخ أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور، فيقول: حج عني بهذا المال كيف شئت، إن شئت حجة، وإن شئت حجة وعمرة، وإن شئت قرانا، والباقي من المال مني لك وصية كيلا يضيق الأمر على الحاج، ولا يجب عليه رد ما فضل إلى الورثة. (قاضي خان على الهندية ۱/ ۳۰۷، جديد زكريا ۱/ ۱۸۷، غنية الناسك، كراچی جديد ۳۴۳، قديم مكتبة خيريه ميرٹھ، ص: ۱۸۴) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۳۷۶/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۷/۱۷ھ

حج بدل میں حج تمتع

سوال [۵۱۳۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج بدل میں حج تمتع کرسکتے ہیں یانہیں؟

المستفتی: جاوید بیگ پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل میں آمر کی طرف سے اگر حج تمتع کی اجازت ہوتو بلاتردد حج تمتع کرسکتے ہیں۔

لو أمره بالتمتع، فتمتع المأمور صح. (إرشاد الساري على هامش مناسك ملا علي قاري ٣٠٤، بحواله جواهر الفقه قديم ١/ ٥١٢، جديد زكريا ٤/ ٢٢٠)

وأما في التمتع فلو أمره بالتمتع، فتمتع عنه، فالحج يقع عن المأمور لا عن الآمر على ما مر عن المشايخ. (غنية الناسك، قديم ١٨٦، جديد كراچى ٣٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۲۲/۳۲)

حج بدل میں قربانی کس پرلازم ہے؟

سوال [۵۱۳۵]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج بدل میں قربانی کس کے نام پرہوگی، نائب یامنیب کے نام پر؟

المستفتی: محمد خدابخش گوبندپور ۲۴؍ پرگنہ مغربی بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل میں قربانی نائب پرلازم ہوتی ہے؛ لیکن

آج کل کے زمانہ میں باہر سے حج افراد کرنے والے سو میں سے ایک فیصد بھی نہیں ہوتے؛ اس لئے کہ باہر کے لوگوں کے لئے حج افراد میں احرام کا زمانہ بہت ہی لمبا ہوجاتا ہے اور اس میں غلطیاں واقع ہونے کا امکان غالب رہتا ہے؛ اس لئے باہر ملکوں سے جانے والے ۹۹/ فیصد سے بھی زیادہ حج تمتع کرنے والے ہوتے ہیں، اس میں احرام کا زمانہ لمبا نہیں ہوتا ہے اور خاص طور سے ہندوستان سے جانے والے حج تمتع ہی کیا کرتے ہیں، اور حج بدل کرانے والا خود سمجھتا ہے کہ حج تمتع ہی ہوگا اور وہ قربانی کا پیسہ بھی دے دیتا ہے؛ اس لئے منیب کی طرف سے اجازت ہوتی ہے کہ اس کے پیسے سے قربانی کی جائے۔

ودم القران، والتمتع، والجناية على الحاج، أي على المأمور إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا، فيضمن. (درمختار مع الشامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير كراچی ۲/ ۶۱۰ زكريا ۴/ ۳۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ شعبان ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۲۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۸/۱۶ھ

حج بدل میں تمتع کی قربانی اور اس کا خرچ مامور پر لازم ہے

سوال [۵۱۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج بدل میں تمتع کرنے والا بعد رمی جو قربانی بطور دم شکر کرے گا، تو اپنے نام کی کرے گا یا جس کی طرف سے حج کیا ہے اس کی طرف سے؟ اور اگر متمتع حج بدل کرنے والا دم شکر اپنے نام سے کرے گا تو اس کی قیمت آمر کے مال سے لے گا یا اپنے مال میں سے؟

المستفتی: تسلیم احمد مولانا والی مسجد تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حج بدل میں اگر تمتع کیا جاتا ہے تو تمتع کی قربانی

خود مامور کی جانب سے ہوتی ہے؛ لہٰذا قربانی کی قیمت بھی مامور کو اپنی جانب سے ادا کرنی چاہئے؛ لیکن اگر آمر نے حج تمتع کے ساتھ ساتھ دم شکر کی بھی اجازت دی ہے، تو اس کی قیمت آمر کی طرف سے ادا کرنا بھی جائز ہے، اسی طرح زیارت مدینہ منورہ کا خرچ آمر کے اوپر لازم نہیں ہوتا ہے؛ لیکن اگر آمر اجازت دے دے تو آمر کے پیسہ سے زیارت مدینہ منورہ بھی جائز ہے۔ اور اجازت صراحتاً بھی ہوسکتی ہے اور دلالۃً اور عرفاً بھی ہوسکتی ہے۔ اور آج کل کے زمانہ میں دلالۃً اور عرفاً آمر کی طرف سے ان سب امور کی اجازت ہوجاتی ہے؛ اس لئے سب کچھ جائز ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/۵۵۰، احسن الفتاوی ۴/۵۱۳)

ودم القران، والتمتع، والجناية على الحاج، أي على المامور إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا، فيضمن. (درمختار مع الشامي، كتاب الحج، باب الحج عن الغير كراچى ٢/ ٦١٠، زكريا ٤/ ٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍ رجب ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۷/۷/۱۴۲۸ھ

حج بدل میں تمتع کی صورت میں قربانی کا حکم

سوال [۵۱۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مسئلہ: اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے تو اس کے لئے حج تمتع کرنے کی گنجائش ہے۔ (بحوالہ جواہر الفقہ ۱/۵۱۶)

(۲) آمر کی اجازت سے حج بدل میں تمتع بھی بلاتردد جائز ہونا چاہئے؛ البتہ دم تمتع آمر کے مال میں سے لازم نہ ہوگا؛ بلکہ مامور پر لازم ہوگا؛ لیکن اگر آمر بخوشی ادا کرتا ہے تو یہ

بھی جائز ہے، ہاں البتہ حج بدل میں افراد کرنا زیادہ افضل ہوگا۔(بحوالہ جواہر الفقہ ۱/۵۱۳، ۱/۵۱۴، ایضاح المناسک، ص:۲۷۱، احسن الفتاوی ۴/۵۲۳)

اس زمانہ میں آفاقی کا حج تمتع ہی کرنا زیادہ معروف ہے؛ اس لئے عرفاً آمر کی طرف سے حج تمتع کی اجازت ثابت ہوتی ہے؛ لہٰذا صراحت کے ساتھ اجازت کی ضرورت بھی نہیں۔(بحوالہ احسن الفتاوی ۴/۵۲۳، انوار مناسک، ص:۵۵۰)

اب دم تمتع کا مسئلہ غور طلب ہے کہ جب آمر نے تمتع کی اجازت دے دی، تو قربانی بھی اس کے مال میں سے ہوگی؛ کیوں کہ تمتع میں قربانی خود بخود مفہوم ہوتی ہے، نیز میت کی طرف سے حج بدل میں بھی یہی حکم ہے، جب کہ ورثاء سب مل کر بخوشی اجازت دیتے ہوں۔ (بحوالہ انوار مناسک، ص:۵۵۱، ۶۰۷)

(۱) کچھ افراد تو وہ ہیں جو اپنے مرحومین والدین یا رشتہ داروں کی طرف سے اپنے خرچ سے حج بدل کرتے ہیں۔

(۲) کچھ احباب وہ ہیں جن کو دوسرے لوگ اپنے مرحومین کے حج بدل کے لئے روانہ کرتے ہیں، اور یہ حج بدل پر جانے والے حضرات عموماً حج تمتع ہی کرتے ہیں، جس کی وجہ سے تمتع کا دم شکرانہ (قربانی) واجب ہو جاتی ہے۔

ان حج بدل کرنے والوں میں بعض لوگ عمرہ اور حج دونوں مرحومین کی طرف سے کرتے ہیں۔ اور کچھ لوگ عمرہ اپنے یا دوسروں کی طرف سے اور حج مرحومین کی طرف سے کرتے ہیں، جن کے ورثاء نے انہیں بھیجا ہے (جس کی فقہاء نے اجازت دی ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے معلم الحجاج ص:۲۱۹) ان مندرجہ بالا تفصیلات کے بعد دریافت طلب امر یہ ہے کہ تمتع کی قربانی کس کے نام سے کی جائے؟

(۱) کیا حج بدل جس کی طرف سے کیا جارہا ہے، اس کی طرف سے (یعنی مرحومین کے نام سے؟ (۲) یا مامور اپنے نام سے؟ براہ کرم جواب سے سرفراز فرمائیں۔ والسلام

المستفتی: میر سعادت علی حیدرآبادی، حال مقیم ملگنڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل میں جب مامور حج تمتع یا قران کرے گا، تو قربانی بھی لازم ہوجائے گی۔ اور آمر کی طرف سے عرفاً اور دلالۃً قربانی میں پیسہ خرچ کرنے کی بھی اجازت ہوجاتی ہے؛ لیکن یہ قربانی خود مامور کے نام سے ہوگی۔ اور حج اس کی طرف سے ادا ہوگا جس کی طرف سے حج کرنے کی نیت کی گئی ہے۔

إن دم القران والتمتع على المأمور، سواء أمره واحد بالقران، أو التمتع، أو أمره واحد بالحج وآخر بالعمرة، وأذنا له في القران أو التمتع؛ لأنه وجب شكرا على الجمع بين النسكين، وحقيقة الفعل منه، وإن كان الحج يقع عن الآمر فيهما. (غنية الناسك، باب الحج عن الغير، جديد كراچی ٣٤٥، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ١٨٦، شامي، زكريا ديوبند ٤/ ٣٢، كراچی ٢/ ٦٠٠)

فإن أمره غيره أن يقرن عنه، فالدم على من أحرم؛ لأنه وجب شكرا لما وفقه الله تعالى من الجمع بين النسكين، والمأمور هو المختص بهذه النعمة؛ لأن حقيقة الفعل منه، وهذه المسألة تشهد بصحة المروي عن محمد أن الحج يقع عن المأمور. (هداية، مكتبه أشرفيه ١/ ٢٩٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۸۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۱/۱۱ھ

حج بدل سے متعلق چند سوالات وجوابات

سوال [۵۱۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) سکینہ مرحومہ نامی ایک عورت تھی، جس پر زندگی میں حج فرض تھا، کسی عذر کی

وجہ سے اپنی حیات میں فریضہ حج ادا نہ کرسکی، مرحومہ نے آخری زندگی میں اپنے بیٹوں کو زمین دے کر مطلق حج بدل کرانے کی وصیت کی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مرحومہ کی جانب سے وصیت پوری کرنے والا بیٹا اس حج کا وکیل ہے یا آمر؟

(۲) مذکورہ مطلق حج وصیت میں بیٹے نے کسی دوسرے شخص کو مرحومہ کی جانب سے حج بدل کا وکیل بنایا، اب یہ وکیل حج تمتع باجازت بیٹا کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) مذکورہ حج وصیت میں وکیل نے حج تمتع کے لئے بیٹے سے اجازت طلب کرنے پر انکار کے ساتھ حج افراد کا حکم دیا، اس صورت میں وکیل اپنی مرضی سے تمتع کرے اور قربانی آمر کے مال سے اس صورت میں حج کا کیا حکم ہے؟

(۴) مذکورہ حج بدل کا وکیل رمی جمار کے لئے دوسرے شخص کو وکیل بنا سکتا ہے یا نہیں؟ بنانے کی صورت میں کیا حکم ہے؟

(۵) مذکورہ حج بدل کا مامور اپنی غلطی سے دم واجب کرے یا ارکان حج فاسد کرے، تو ضمان مامور پر ہے یا آمر پر؟

المستفتی: مبارک حسین، پورنوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) درحقیقت مرحومہ آمر ہے اور جو بھی بیٹا مرحومہ کی طرف سے حج بدل کرے گا، وہ وکیل ہوگا؛ البتہ اگر تمام لڑکوں نے کسی کو حج بدل کا مامور بنایا ہے، تو یہ سب بیٹے بھی آمر کہلائیں گے اور حج بہر حال مرحومہ کی طرف سے ہوگا۔

(۲) حج بدل میں حج افراد کرنا بہتر ہے؛ لیکن اگر بیٹوں نے حج تمتع کی اجازت دی ہے، تو حج تمتع بھی بلاکراہت جائز ہے۔ اور حج تمتع کی اجازت میں دلالۃً دم تمتع اور قربانی کے خرچ کی اجازت بھی آمر کی جانب سے ہوجاتی ہے۔

لأن الميت لو أمره بالتمتع، فتمتع المأمور صح، ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف. (إرشاد الساري على هامش مناسك ملا علي قاري/

٣٠٤، بحواله جواهر الفقه ١/ ٥١٢، جديد، زكريا ٤/ ٢٢٠)

(۳) تمتع سے انکار کے باوجود حج تمتع کیا تو پورے خرچ کا خود ضامن ہوگا، آمر کا مال اسے لوٹا نا ضروری ہوگا اور حج اسی مامور کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱/ ۵۱۲، جدید زکریا ۴/ ۲۲۰)

(۴) قادر ہونے کے باوجود بلا عذر دوسرے سے رمی نہیں کراسکتا۔ اور اگر مرض وغیرہ کوئی عذر ہے، تو دوسرے کو رمی کے لئے وکیل بنا سکتا ہے۔

وتجوز عند العذر فلو رمي عن مريض بأمره جاز. الخ (غنية الناسك، قديم، ص: ١٠٠، جديد كراچی، ص: ١٨٧)

(۵) وکیل پر تعدی و فساد کی وجہ سے جو بھی دم واجب ہو اس کا ضمان خود وکیل پر ہی ہوگا۔

ودم القران والجناية، وكذا دم الرفض على الحاج، وإن كان الحج عن الآمر في القران. الخ (غنية الناسك، قديم، ص: ١٨٥، جديد كراچی، ص: ٣٤٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۶/۲۳ھ

کیا حج بدل میں جمع کردہ رقم پر زکوۃ واجب ہے؟

سوال [۵۱۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے چار سال قبل اپنا حج فرض ادا کیا تھا، اب دوبارہ اپنے والد مرحوم کا حج بدل کرنا چاہتا ہے، مگر حج کمیٹی کے فارم پر لکھا ہوتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، عہد کرتا ہوں کہ میں نے پانچ سال قبل کوئی حج (فرض یا بدل) نہیں کیا ہے۔

زید کے سامنے چند مجبوری امسال جانے کی یہ ہیں کہ آئندہ سال رقم ختم ہوگئی اور حج

بدل نہ کرسکا یاصحت میں خلل آ گیا، تو پانچ سال سے قبل ہی حج کمیٹی کے فارم پر لکھے ہوئے قانون کے خلاف یہ ظاہر کرکے کہ میں نے پانچ سال قبل حج نہیں کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یا یہ کذب بیانی ہوگی یا نہیں؟ حج پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ تشریح و وضاحت مطلوب ہے۔

(۲) حج کی درخواست دے دی ہے، درخواست پر کچھ رقم بھی جمع ہوتی ہے، پھر دوسری قسط بھیج دی، اب رمضان میں زکوۃ ادا کرنی ہے، تو زکوۃ کونسی رقم میں سے ہوگی، مثلاً، میاں بیوی کے حج میں ڈیڑھ لاکھ کا خرچ ہے، اور رمضان سے پانچ ماہ قبل درخواست دی تھی، یعنی ڈیڑھ لاکھ ہی خرچ ہوگا، اگرچہ ابھی نصف جا چکا ہے، نصف باقی ہے جو حج میں خرچ ہوگا، تو زکوۃ پوری ڈیڑھ لاکھ کی ادا کرنی ہوگی یا جو بھیج کر باقی موجود ہے یا کسی پر نہیں؟ کیوں کہ وہ سب خرچ ہونا ہے۔

المستفتی: اکبرعلی شیرکوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) حج مسلمانوں کی ایک عشقیہ عبادت ہے، جس کی ادائیگی کا ہر مسلمان شوق رکھتا ہے۔ اور اللہ کے قانون میں ہر سال حج کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے؛ بلکہ ثواب اور فضیلت کا باعث ہے۔ اور پانچ سال کی پابندی حکومت نے اپنی طرف سے لگائی ہے۔ اور اس پابندی کی وجہ سے پانچ سال پہلے حج کو جانے والے لوگ فارم کے اس خانہ پر دستخط کر دیتے ہیں، جس میں یہ پابندی لکھی ہے اور اس دستخط سے کذب بیانی ثابت ہوجاتی ہے؛ اس لئے حج میں جانے والے کو از خود وہ فارم نہیں بھرنا چاہئے؛ بلکہ کسی ایجنٹ یا وکیل کے حوالہ کر دینا چاہئے، کہ وہ ساری خانہ پوری کرکے حج کمیٹی کے حوالہ کر دے، اس سے حاجی صاحب کی کذب بیانی بھی ثابت نہ ہوگی اور ایجنٹ اور وکیل پر بھی کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور حاجی صاحب کی کذب بیانی اس لئے ثابت نہ ہوگی؛ کیوں کہ حاجی نے فارم کی تکمیل نہیں کی۔ اور حاجی صاحب کی طرف سے دوسرے نے دستخط کیا ہے۔

اور فارم کی تکمیل کرنے والا اس لئے گنہگار نہ ہوگا کہ کذب بیانی کر کے وہ حج کو نہیں جا رہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۰/ ۳۲۷، ۱۷/ ۲۱۰)

(۲) پچھلے سال جن ایام میں زکوۃ ادا کی گئی ہے، امسال وہ ایام آنے سے پہلے پہلے حج کی رقم ادا کردی گئی ہے، تو اس رقم کی بھی زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایام آنے کے بعد حج کی رقم جمع کی گئی ہے، تو اس رقم کی بھی زکوۃ دینا واجب ہے۔

ومن كان له نصاب، فاستفاد في أثناء الحول من جنسه ضمه إليه وزكاه به. (هداية، كتاب الزكاة، أشرفي بكڈپو ديوبند ۱/ ۱۹۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱/۱/۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۰۹)

حج بدل کرنے والے روضۂ اقدس پر کس کی طرف سے سلام پیش کریں؟

سوال [۵۱۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید خالد کی طرف سے حج بدل کے لئے جا رہا ہے، امسال بھی پہلے حاجی مدینہ شریف جا رہے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے، کیا زید جب روضۂ اقدس پر سلام پڑھے تو کیا خالد کا سلام پڑھے؟ "**الصلاة والسلام عليک يا رسول الله من خالد**" یا زید صرف "**الصلاة والسلام عليک يا رسول الله**" پڑھے؟ اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

المستفتی: سعید احمد، سیڈھا بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: روضۂ اطہر کی زیارت حج کا کوئی رکن نہیں ہے؛ اس لئے حج بدل کرنے والا شخص ارکان حج میں تو آمر کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے؛ لیکن روضۂ اطہر کی زیارت میں وہ آمر کا نائب اور قائم مقام نہیں ہوتا؛ لہٰذا زید اپنی طرف سے سلام پڑھے،

خالد کی طرف سے سلام پڑھنا ضروری نہیں ہے، ہاں البتہ اگر خالد نے سلام پہنچانے کی درخواست کی ہوتو اس کی طرف سے الگ سے سلام پہنچادے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ٦/ ٥٦٧)

السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك إلى ربك. (غنية الناسك، كراچی جديد، ٣٧٩، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ٢٠٤)

ويبلغه سلام من أوصاه، فيقول: السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان، يستشفع بك إلى ربك، فاشفع له ولجميع المسلمين.

(هندية، خاتمة في زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم، زكريا ديوبند ١/ ٢٦٥-٢٦٦، جديد زكريا ١/ ٣٣٠، وهكذا في المسالك في المناسك، دارالبشائر الإسلامية ٢/ ١٠٧٦)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۷۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۰/۲/۲ھ

''ایضاح المناسک'' کے مسئلہ حج بدل میں تمتع کرنے کی وضاحت

سوال [۵۱۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''معلم الحجاج، ص: ۲۸۴'' بعنوان: ''حج بدل کے شرائط'' لکھا ہے کہ: اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں، اگر اجازت سے تمتع کرے گا تو گو مامور پر ضمان نہ ہوگا؛ لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔ (حاشیہ) محققین کی رائے بھی یہی ہے، پھر ملا علی قاریؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ کو تائید میں پیش کیا ہے اور جناب والا نے ''ایضاح المناسک''، ص: ۱۷۲ (بعنوان: حج بدل میں تمتع یا قران) میں لکھا ہے کہ: آمر اجازت دے دے تو حج تمتع یا حج قران بھی کرسکتا ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۵۱۳-۵۱۴)

اب حج بدل کرنے والا کیا کرے، چار کی مانے یا ایک حوالے کی؟ ازراہ کرم تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

اسی طرح رمی دوسرے سے کرانے کا اختلاف اس کی بھی وضاحت فرمادیں۔

المستفتی: انعام احمد قاسمی کاس گنج ایٹہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسئلہ مذکورہ میں اگر آمر کی طرف سے اجازت ہوتو قران اور تمتع دونوں کرنا جائز ہے اور حج وعمرہ آمر ہی کی طرف سے ہوگا۔ ''فتاوی قاضی خاں'' میں امام ابوبکر محمد بن فضل سے جو کلام نقل کیا گیا ہے اس کا ظاہر بھی یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے حج کی تینوں قسمیں (افراد، تمتع، قران) جائز ہیں؛ بلکہ ان کی ہدایت یہ ہے کہ آمر کو چاہئے کہ مامور کو عام اجازت دے دے، تاکہ اس کو عمل میں تنگی اور دشواری پیش نہ آئے۔ ''ہدایہ'' اور ''مبسوط'' کی عبارت سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ باجازت آمر قران وتمتع کرنا درست ہے؛ لہٰذا ہم جائز سمجھتے ہیں اور آپ کو اختیار ہے کہ ایک کی مانیں یا چار کی۔

(مستفاد: کفایت المفتی ۴/ ۳۲۵، احسن الفتاوی ۴/ ۵۲۳، فتاوی قاضیخان ۱/ ۳۰۷، فتاوی خلیلیہ/ ۸۸، إمداد الأحکام ۳/ ۱۸۲)

إذا أمر غيره بأن يحج عنه، ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول: حج عني بهذا المال كيف شئت، إن شئت حجة، وإن شئت حجة وعمرة، وإن شئت قرانا. (إيضاح المناسك، ص: ۱۷۲، فتاوى قاضيخان ۱/ ۳۰۷)

(۲) مریض، کمزور کی طرف سے رمی جمار میں نیابت جائز ہے، بلا عذر دوسرے سے رمی کرانے سے دم لازم ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۴/ ۵۲۴، ایضاح المناسک/ ۱۵۸)

السادس: أن يرمي بنفسه ولا يجوز النيابة فيه عند القدرة، فتجوز عند العذر، فلو رمي عن مريض بأمره أو مغمى عليه ولو بغير أمره أو صبي أو معتوه أو مجنون جاز. (غنية الناسك، ص: ۱۰۰، بدائع الصنائع ۲/ ۱۳۷) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۷۰۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۴/۳ھ

۱۱/ باب الجنایات

دمِ جنایت کا مصرف

سوال [۵۱۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دم کے گوشت کا مستحق کون ہوگا؟

المستفتی: ضیاء اللہ خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صرف فقراء اور مساکین ہیں، ان کے علاوہ کسی اور کے لئے اس گوشت کا استعمال کرنا درست نہیں ہے؛ لہٰذا حاجی کے لئے، اسی طرح اس کے اصول وفروع اور اہلیہ وغلام کے لئے اور سید کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ اور مفتی بہ قول کے مطابق کافر کو بھی نہیں دے سکتے؛ لہٰذا اگر ان میں سے کسی ایک کو دے دیا تو اس صورت میں اس کی قیمت لازم ہوگی۔

والحادي عشر أن يتصدق بلحمه على فقير يجوز التصدق به عليه، فلو تصدق على أصله، أو فرعه، أو مملوكه، أو زوجته، أو زوجها، أو هاشمي، فعليه قيمته، ولا يجوز لكافر ولو ذميا على المفتى به، وكل من هو أتقى فهو أفضل. (غنية الناسك، باب الجنايات، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، كراچی، ص: ۲٦۳، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ، ص: ۱٤۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۰)

کیا دمِ جنایت کے گوشت کا حکم قربانی کے گوشت کی طرح ہے؟

سوال [۵۱۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: گوشت کی تقسیم میں کیا طریقۂ کار کرسکتا ہوں جو قربانی کے احکام میں ہے؟ امید کرتا ہوں کہ آپ جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

المستفتی: ضیاءاللہ خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دم جنایت کی تقسیم میں قربانی کے گوشت کی تقسیم کا طریقۂ کار استعمال نہیں کرسکتے ہیں؛ اس لئے کہ قربانی کا گوشت قربانی کرنے والے کے لئے استعمال کرنا درست ہے، جب کہ دم جنایت میں سے دم دینے والے کے لئے گوشت کا استعمال درست نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کسی نے گوشت کھالیا یا اس کو فروخت کردیا، تو ایسی صورت میں اس پر اتنے گوشت کی قیمت کا ضمان لازم ہے۔

والعاشر: التصدق بلحمه عند الإمكان، فلا يجوز له الأكل منه، ولو استهلكه بنفسه بعد الذبح بأن باعه ونحوه ضمن قيمته. (غنية الناسك، باب الجنايات، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، كراچی جديد ٢٦٣، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ١٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۹۹۰)

دم جنایت کہاں ادا کریں؟

سوال [۵۱۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: یہ دم حدود حرم ہی میں دینا ہوگا یا دنیا کے کسی بھی خطہ میں دے سکتے ہیں؟

المستفتی: ضیاءاللہ خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حدودِ حرم کے علاوہ کسی دوسرے خطہ میں جائز نہیں۔

ومنه ما يختص بالمكان دون الزمان، وهو دم الجنايات. الخ (حاشيه شرح نقايه، مكتبه إعزازيه ديو بند ١/ ٢١٤)

وكل دم وجب عليه في شيء من أمر الحج والعمرة، فإنه لا يجوز ذبحه إلا بمكة، أو حيث شاء من الحرم. (المسالك في المناسك، فصل في كفارة جناية الحرم، والإحرام وبيان مصرفه ومحله، دارالبشائر الإسلامية ٢/ ٨٧٣)

والثامن ذبحه في الحرم فلو ذبح في غيره لا يجزئه عن الذبح. (غنية الناسك كراچی جديد ٢٦٢، قديم: ١٤٠، وهكذا في القدوري، اشرفي ١/ ٧٠، هداية أشرفي بك ڈپو ديوبند ١/ ٣٠١، تبيين الحقائق زكريا ٢/ ٤٣٤، إمداديه ملتان ٢/ ٦٥، هندية قديم زكريا ١/ ٢٦١، جديد ١/ ٣٢٦، حاشية الطحطاوي دارالكتاب ديوبند ٧٤٤، البناية أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٨٧، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤٢، ٢٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۰)

کیا دمِ احصار حدودِ حرم میں ادا کرنا لازم ہے؟

سوال [۵۱۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض خدمت میں یہ ہے کہ میں سعودی عرب گیا اور حج وغیرہ سے فراغت پا کر آتے وقت وداعی عمرہ کرنے جب گیا، تو جدہ میں میں نے عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لیا اور چل پڑا؛ لیکن چونکہ میں عمرہ کے ویزا سے تھا؛ اس لئے ٹیکسی والے نے مجھے وہاں لے جانے سے انکار کردیا، تو میں نے عمرہ کی نیت سے باندھا ہوا احرام کھول دیا، پھر دوبارہ جب گیا تو عمرہ کیا؛ لیکن پہلا عمرہ میرا نہ ہوسکا، اب سوال یہ ہے کہ پہلا عمرہ جو میں نہ کرسکا اس کا کفارہ کس طرح ادا کروں؟ قربانی کرکے یا روزے رکھ کر یا کچھ اور شکل ہے، اس بارے میں علماء دین کی کیا رائے ہے؟ اور یہ قربانی یہاں ہندوستان میں ہی رہ کر ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اب

چونکہ مجھے وہاں دوبارہ جانا نہیں ہے اور اتنے پیسے بھی نہیں ہیں کہ وہاں بھیج کر میں قربانی کرسکوں؛ اس لئے مجھے اس سوال کا جواب لکھ کرارسال کریں۔

المستفتی: مقصود خان محلّہ بغیا دیوان کا بازار، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگراحرام باندھنے کے بعد آپ کو عمرہ کرنے سے روک لیا گیا ہے اور احرام کھول کر واپس ہو چکے ہیں، تو آپ پر ایک عمرہ اور ایک دم واجب ہو چکا ہے۔سوال نامہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے بعد میں عمرہ کی قضا کر لی ہے؛ لیکن قربانی نہیں کی ہے۔اور روک لئے جانے کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوئی ہے اس کو دم احصار کہا جاتا ہے اور ایسی قربانی حدودحرم میں کرنی لازم ہوتی ہے؛ اس لئے حدودحرم میں رہنے والے کے پاس رقم بھیج دیجئے، تاکہ وہاں آپ کی قربانی ہوجائے اوراس کے عوض میں روزہ رکھنا کافی نہیں ہے۔

وليس الصوم بدلا عن هدى المحصر. (بدائع، كتاب الحج، فصل في حكم الإحصار، زكريا ديوبند ٢/ ٣٩٩، ٢/ ١٨٠)

وأما مكان ذبح الهدي، فالحرم عندنا –إلى– لنا قوله تعالىٰ: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ [البقرة: ١٩٦] ...... **نهى عن الحلق، حتى يبلغ الهدي موضع حله، وهو المنحر، وفجاج مكة كلها منحر بالحديث، وفسر ذلك المحل بقوله: "ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْق".** [الحج: ٣٣] وبقوله: **"هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ".** [المائدة: ٩٥] **فعلم أن محل الهدي هو البيت، والمراد به البقعة التي فيها البيت وهو الحرم الخ.** (البحرالعميق، الباب الخامس عشر في الإحصار، المكتبة المكية ٤/ ٢١٠٠)

قال: وكل دم وجب عليه في شيء من أمر الحج والعمرة، فإنه لا يجوز ذبحه إلا بمكة، أو حيث شاء من الحرم. (المسالك في المناسك، دارالبشائر الإسلامية ٢/ ٨٧٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۲۳۰)

دمِ جنایت حرم میں کسی دوسرے کے ہاتھ سے بھیجنا

سوال [۵۱۴٦]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر حدودِ حرم میں دم دیا جائے تو کسی اور کے ذریعہ سے بھی دلوایا جاسکتا ہے یانہیں؟ یا مجھے خود وہاں جانا ہوگا؟

المستفتی: ضیاءاللہ خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں کسی دوسرے کے ذریعہ سے بھی دلوایا جاسکتا ہے۔

فلو رجع إلى أهله أجزأه أن لا يعود ويبعث شاة. (تاتارخانية، قديم ٢/ ٥١٨، جديد زكريا ٣/ ٦٠٦، رقم: ٥١٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۰)

صدقۃ الفطر کتنے ریال کا ہوتا ہے؟

سوال [۵۱۴۷]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کے جرمانہ میں جب صدقہ واجب ہوتا ہے جس سے صدقۃ الفطر مراد ہوتا ہے، تو معلوم یہ کرنا ہے کہ صدقۃ الفطر کتنے ریال کا ہوتا ہے؟ آپ کو غالباً معلوم ہوگا۔

المستفتی: سعید احمد قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۃ الفطر حنفیہ کے نزدیک اگر گیہوں یا آٹے سے دیا جائے تو نصف صاع ہے۔ اور مکۃ المکرّمہ میں مدرسہ صولتیہ کی طرف سے صدقہ کی

قیمت کے متعلق دس ریال کا اعلان کیا گیا، اس سے زیادہ ہم کو وہاں کے بارے میں معلومات نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹ر محرم الحرام ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۴۲۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۱/۱۹ھ

حالت جنابت میں طواف کرنا

سوال [۵۱۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: آپ سے گزارش یہ ہے کہ کچھ دن پہلے میں زیارت عمرہ کے لئے مقامات مقدسہ مدینہ منورہ اور مکہ گیا تھا، اللہ کے فضل سے عمرہ کی ادائیگی کے تمام ارکان ٹھیک ادا کر لئے، دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد خانہ کعبہ کا طواف کرکے اپنے ہوٹل روم آ پہنچا تو احساس ہوا کہ میں طواف کے قابل نہیں تھا، پھر بھی نیت پاک وصاف تھی، طواف ٹھیک ہو گیا؛ لیکن میں اس کا کفارہ ایک دنبہ دم کے طور پر ادا کر دینا چاہتا ہوں، ان جانے سے بھول ہو گئی ہے، براہ کرم شرعی قانون کے تحت حسب ذیل مسئلہ کی وضاحت کریں۔

المستفتی: ضیاء اللہ خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طواف کے قابل نہ رہنے سے اگر مراد حالت جنابت ہے، تو کفارہ میں دم دینا واجب ہے۔

لو طاف لعمرة جنبا، أو محدثا فعليه دم. الخ (الدرالمختار، باب الجنايات، كراچی ۲/ ۵۵۱، كوئٹه ۲/ ۲۲۳، زكريا ديوبند ۳/ ۵۸۳)

ولو كان طاف لعمرة جنبا، ففي القياس عليه بدنة أيضا، كما في طواف الزيارة؛ لأن كل واحد منهما ركن، ولكنه ترك القياس هنا،

وقال عليه الدم فقط. (المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٤٠، وهكذا في الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ٣/ ٦٠٩، رقم: ٥١٦٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ٣/ ٤٥٣، رقم: ٣٣٦٩)

اوراگر دوسری جنابت مراد ہے تو اس کی تعیین فرمایئے، اس کے بعد حکم لگایا جا سکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۹۹۰)

حاجی کا منٰی میں قربانی نہ کرنا

سوال [۵۱۴۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کچھ حاجیوں نے منٰی میں قربانی نہیں کی اس کی رقم موجود ہے؛ لہٰذا اس رقم کا کیا مصرف ہے؟ اور قربانی کا اب کیا بدل ہوسکتا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں جب کہ حج تمتع کرنے والے ہیں۔

المستفتی: محمد شمیم اختر، محلّہ بنگلہ گاؤں سول لائن، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: مذکورہ صورت میں ان حاجیوں میں سے ہر ایک پر تین تین قربانیاں واجب ہوگئیں: (۱) حج تمتع کی (۲) حلق کو قربانی پر مقدم کرنے کی (۳) ایام نحر میں قربانی نہ کرنے کی۔

أخر إراقة الدم عن أيام النحر أيضا ينبغي أن يجب عليه ثلاثة دماء: دم لحلقه قبل الذبح، ودم لتأخير الذبح عن أيام النحر، ودم للقران والتمتع. الخ (غنية الناسك، باب الجنايات، قبيل الفصل الثامن في صيد البر وما يتعلق به، كراچی جديد ٢٨٠، مكتبه خيريه ميرٹھ ١٥٠)

نیز حج کی قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا اور حرم میں قربانی کرنا دونوں جائز ہے؛ کیوں کہ وہ ایام نحر کے ساتھ خاص ہے اور وہ گذر گئے۔

إعلم أن الدماء على أربعة أوجه: منه ما يختص بالزمان، والمكان، وهو دم المتعة والقران. (هامش شرح نقايه، مكتبه إعزازيه ديوبند ١/ ٢١٤، قرة العينين ٢/ ١٧٢، ٢/ ٤٦)

بقیہ دونوں قربانیاں حدود حرم ہی میں کرنی ہوں گی؛ اس لئے وہاں رابطہ قائم کر کے قربانی کروا دی جائے۔

مستفاد: من هامش شرح النقاية، منه ما يختص بالمكان دون الزمان، وهو دم الجنايات. (شرح نقايه مكتبه إعزازيه ديوبند ٢/ ٢١٤، قرة العينين شرح زبدة المناسك ٢/ ٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۴۴۷)

زوال سے قبل رمی کرنے سے وجوب دم

سوال [۵۱۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا امسال سعودی حکومت نے رمی جمرات میں بھیڑ اور لوگوں کے جانی نقصان کو مدنظر رکھ کر وقت کی قید اٹھالی؟ اور دوسرے تیسرے دن زوال کے بعد کی شرط ختم کردی، ایک حاجی صاحب نے تیسرے دن زوال آفتاب سے قبل رمی کرلی اور بعض لوگوں نے فجر کی اذان سے بھی قبل رمی کرلی اور پھر سعی کے لئے مکہ مکرمہ چلے گئے، اس حاجی کے رفیق سفر اس پر معترض ہیں کہ اس نے اپنے مسلک حنفیہ کی خلاف ورزی کی ہے؛ اس لئے اس شخص کے پیچھے اقتدا درست نہیں ہے، رمی درست نہ ہونے کی صورت میں اس شخص پر کوئی تاوان تو نہیں

ہے؟ اور اقتداء اس شخص کی درست ہے یا نہیں؟ براہ کرم ساتھیوں سے اشکال اور انتشار کو دور فرما کر مشکور فرمائیں؟ امام نہ ہونے کی حالت میں وہ امامت کر لیتے ہیں۔

المستفتی: محمد یونس احمد گڑھ، پنجاب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسب تحریر سوال امام صاحب نے چونکہ رمی کے وقت سے پہلے رمی کر لی ہے؛ اس لئے ان کی رمی درست نہیں ہوئی، اس کا اعادہ واجب تھا، اگر انہوں نے اس کا اعادہ نہیں کیا تو ان پر ایک دم واجب ہے، جس کا حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔ سعودی حکومت کی طرف سے ایسا کوئی اعلان نہیں ہوا، ہاں البتہ مؤسسہ کی طرف سے کچھ ایسی پرچیاں حاجیوں کو دی گئی ہیں، جن سے بہت ساری غلط فہمیاں پھیل گئی ہیں اور اس مسئلہ کا تعلق امامت سے نہیں ہے، غلطی کا جرمانہ شریعت نے دم کی صورت میں مقرر کر دیا ہے اور دم تاخیر سے بھی دیا جا سکتا ہے، اس کی وجہ سے امامت میں کوئی فرق نہ آئے گا، ہاں البتہ ایسے گناہ کبیرہ پر اگر مصر رہے جس پر توبہ لازم ہے اور توبہ نہیں کرتا ہے، تو وہ فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ (مستفاد: انوار مناسک/ ۴۸۷-۴۸۸)

لا يجوز فيهما قبل الزوال اتفاقا لوجوب اتباع المنقول لعدم المعقولية، وقوله: والصحيح أنه لا يصح في اليومين إلا بعد الزوال مطلقا.

(غنية الناسك، باب رمي الجمار، فصل في أوقات الرمي في الأيام الأربعة، كراچی جديد ۱۸۱، قديم مكتبه خيريه ميرٹھ ۹۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴۲۸/۱/۲۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۶۲/۳۸)	۱۴۲۸/۱/۲۸ھ

رمی سے قبل قربانی کرنے کا حکم

سوال [۵۱۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: حاجی نے قربانی کا روپیہ سودی بینک میں جمع کردیا، قربانی کا وقت صبح دس بجے کا ملا، مگر رمی شام کو کرپایا، یعنی ترتیب فوت ہوگئی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب سعودی بینک میں حنفی حاجی نے قربانی کا پیسہ جمع کردیا اور دس بجے قربانی کا معاہدہ ہوا، تو دس بجے سے پہلے رمی کرنے کا ذمہ دار خود حاجی ہے؛ کیوں کہ سعودی بینک کا وقت حاجی نے بخوشی قبول کیا ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۱۲۵)

وإن ذبح قبل الرمي لزمه دم إن كان قارنا، أو متمتعا. (البحرالرائق، كتاب الحج، باب الجنايات، كوئٹه ٣/ ٢٤، زكريا ٣/ ٤٢)

لیکن آئندہ کے لئے یہ طے کرلیں کہ قربانی کی رقم اس طرح جمع نہ کریں گے، پھر صاحبین کے مسلک پر مجبوری کی وجہ سے عمل کرلیں تو گنجائش ہوگی؛ اس لئے کہ دس بجے سے قبل جان کا سخت خطرہ تھا۔

ثم بتأخيرها يجب الدم عند أبي حنيفة، خلافا لهما. الخ (هداية، أشرفيه ديو بند ١/ ٢٧٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴۲۵/۲/۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/۹۲۲۲)	۱۴۲۵/۲/۳ھ

متمتع کے وکیل نے رمی سے قبل قربانی کردی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۱۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: چالیس افراد (حاجیوں) نے مشورہ کیا کہ قربانی کے لئے ایک وکیل بنایا جائے اور ان حاجیوں کے حج، حج تمتع تھے؛ اس لئے حاجیوں کے ذمہ دار نے وکیل سے بار بار سوال کیا کہ قربانی کس وقت کروگے؟ تاکہ قربانی کے بعد احرام کھول سکیں، وکیل نے کہا دس تاریخ دن کو نہیں رات کو میں قربانی کروں گا اور آپ لوگ گیارہ کی صبح کو احرام کھول دیں، اس طرح بات

پکی ہوگئی اور وکیل جو ہے حج کرنے والوں میں سے نہیں ہے؛ اس لئے وکیل مکہ میں رہ گیا اور حاجی لوگ حج کے لئے چلے گئے، اتفاق سے دس تاریخ کو وکیل نے سوچا کہ اگر رات کو ذبح خانہ بند ہو جائے اور قربانی نہ کر سکے تو گیارہ تاریخ کو فجر کے بعد حاجیوں نے اگر احرام کھول دیا تو مسئلہ گڑ بڑ ہو جائے گا؛ اس لئے وکیل نے دس تاریخ کو دن کے بارہ بجے سے دو بجے تک ساری قربانی کر دی؛ اس لئے کہ وکیل نے خیال کیا کہ دس تاریخ کو زوال سے پہلے تو رمی ختم ہو جائے گی؛ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ بعض نے عصر کے بعد رمی کی اور قربانی کرنے والے کو رمی کی خبر نہیں ملی، تو اس طرح قربانی پہلے ہوگئی اور رمی بعد میں ہوگئی، تو حج صحیح ہوگا؟

المستفتی: عبدالرحمٰن خلیل الحمید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام مالک اور حضرت امام زفر رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک قارن اور متمتع پر جمرۂ عقبہ کی رمی کو قربانی پر مقدم کرنا واجب ہے؛ لہٰذا مذکورہ واقعہ میں جب متمتع کی قربانی جمرۂ عقبہ کی رمی پر مقدم ہوگئی ہے، تو ان پر جرمانہ میں ایک ایک دم دینا واجب ہوگا۔ اور یہ غلطی چاہے بے خیالی اور لاعلمی میں متمتع نے خود کی ہو یا اس کے وکیل نے ہر حال میں دم واجب ہے۔

وإن ذبح قبل الرمي لزمه دم إن كان قارنا، أو متمتعا. الخ (البحرالرائق، كتاب الحج، باب الجنايات، كوئٹه ٣/ ٢٤، زكريا ٣/ ٤٢)

ثم لا فرق في وجوب الجزاء فيما إذا جنى عامدا، أو خاطئًا مبتدءًا أو عائدا، ذاكرا أو ناسيا، عالما أو جاهلا، طائعا أو مكرها، نائما أو منتبها، سكران أو صاحيا، مغمى عليه أو مفيقا، معذورا أو غيره، موسرا أو معسرا، بمباشرته أو بمباشرة غيره به بأمره أو بغير أمره، ففي هذه الصور أجمعها يجب الجزاء، وهذا هو الأصل عندنا. (مناسك ملا علي قاري، باب الجنايات، كراچی ٢٩٩، دارالكتب العلمية بيروت ٣٣١-٣٣٢، شامي، زكريا ديوبند ٣/ ٥٧٢، كراچی ٢/ ٥٤٣، منحة الخالق، زكريا ٣/ ٤، كوئٹه ٣/ ٣)

التقديم والتأخير يوجب الدم ساهيا أو جاهلا، وبه قال زفر ومالك، وعند أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ لا شيء في التقديم والتأخير. الخ (البناية، أشرفيه ديوبند ٤/ ٣٦٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/۹ ۸۳۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۷؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

کیا رمضان کے بعد عمرہ کرنے والے مکی پر اس سال حج کرنے سے دم جبر لازم ہے؟

سوال [۵۱۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حج کے مہینوں میں رمضان شریف کے بعد عمرہ کیا، پھر اگر حج کرے گا، تو دم جبر دینا پڑے گا، اس مسئلہ کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

المستفتی: قاری محمد میاں، مقیم حال جدہ سعودی عرب

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ''فتح القدیر'' کے اندر ایسا ہی لکھا ہے کہ ایسے مکی پر دم جبر لازم ہے۔

حتى لو أن مكيا اعتمر في أشهر الحج، وحج من عامه، أو جمع بينهما كان متمتعا، أو قارنا آثما –إلى قوله– ومع هذا لو تمتعوا جاز، وأساؤوا، وعليهم دم الجبر. الخ (فتح القدير، كتاب الحج، باب التمتع، دارالفكر ٣/ ١١، زكريا ٣/ ١٠، كوئٹه ٢/ ٤٢٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۲۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۵/۱۱/۲۲ھ

حلق کرانے سے قبل خوشبودار صابن استعمال کرنا یا ناخن کاٹنا

سوال [۵۱۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عمرہ کرنے والا یا حج کرنے والا، جب سب ارکان ادا کر چکے تو وہ دوسرے محرم کے بال بھی بنا سکتا ہے اور اپنے بال بھی خود کاٹ سکتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر محرم نے حلال ہونے کے لئے سر بھگوتے وقت خوشبودار صابن لگا کر حلق کیا، یا حلق سے پہلے ناخن وغیرہ کاٹے تو دم لازم آئے گا یا نہیں؟ احناف کا مفتی بہ اور راجح قول کیا ہے؟

المستفتی: محمد اصغر سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج یا عمرہ کرنے والے جب سارے ارکان سے فارغ ہو جائیں، صرف حلق کرانا باقی ہو، تو ایک دوسرے کے بال مونڈ کر احرام کھول سکتے ہیں؛ لیکن حلق کرنے سے پہلے خوشبودار صابن لگانا، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، دم واجب ہو جائے گا۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک دم واجب نہیں ہوگا، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول راجح اور مفتی بہ ہے؛ اس لئے خوشبودار صابن لگانے سے احتراز ضروری ہے، اسی طرح سر منڈانے سے پہلے ناخن وغیرہ کاٹنا بھی موجب کفارہ ہے۔
(مستفاد: انوار مناسک/ ۲۲۸)

ولو وجب عليه الحلق أو التقصير، فغسل رأسه بالخطمي مقام الحلق لا يقوم مقامه، وعليه الدم لغسل رأسه بالخطمي في قول أبي حنيفة، وفي قول أبي يوسف ومحمد لا دم عليه. (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل بيان الحلق أو التقصير، زكريا ديوبند ۲/ ۳۲۹، كراچی ۲/ ۱٤۰)

أبيح له التحلل، فغسل رأسه بالخطمي أو قلم ظفره قبل الحلق عليه دم؛ لأن الإحرام باق؛ لأنه لا تحلل إلا بالحلق، فقد جنى عليه بالطيب،

وذكر الطحاوي: لا دم عليه عند أبي يوسف ومحمد؛ لأنه أبيح له التحلل، فيقع به التحلل. (فتح القدير، زكريا ۲/ ۵۰۲، کوئٹہ ۲/ ۳۸۶، دارالفكر ۲/ ۴۹۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/۱/۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۴۲۵/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ
۲۰/۱/۱۴۲۹ھ

بلا عذر وقوف مزدلفہ ترک ہوگیا تو؟

سوال [۵۱۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عورت مرد بچہ وقوف مزدلفہ بلا عذر نہ کریں، تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟ اور بھیڑ بھاڑ ازدحام کی وجہ سے نہ کرسکیں تو کیا پھر بھی دم واجب ہوگا؟ آیا تینوں پر ہوگا یا کسی ایک پر نہیں ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا تو کیوں مع دلیل جواب سے مطلع فرمائیں؟

المستفتی: عبداللہ مظفر نگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بلا عذر وقوف مزدلفہ کے ترک کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر ترک کردیا تو دم لازم ہوجائے گا، عورت مرد بچہ تینوں کا حکم یکساں ہے؛ لیکن اگر بھیڑ بہت زیادہ ہو اور مرد یا عورت کمزور ہے یا بیمار ہے، جس کی وجہ سے وہاں تک پہنچنا دشوار ہے، تو اس کی وجہ سے اگر وقوف مزدلفہ نہ کرسکیں تو دم واجب نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح المناسک/۱۴۵)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– يقول: أنا ممن قدم النبي صلى الله عليه وسلم ليلة المزدلفة في ضعفة أهله. (الصحيح البخاري، المناسك، باب من قدم ضعفة أهله بليل فيقفون بالمزدلفة، النسخة الهندية ۱/ ۲۲۷، رقم: ۱۶۴۹، ف: ۱۶۷۸)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: استأذنت سودة النبي صلى الله عليه وسلم ليلة جمع، وكانت ثقيلة ثبطة، فأذن لها. (الصحيح البخاري، المناسك، الباب السابق، النسخة الهندية ١/ ٢٢٨، رقم: ١٦٥١، ف: ١، وكذا في المسلم، الحج، باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء، النسخة الهندية ١/ ٤١٨، رقم: ١٢٩٢)

عن ابن عباس –رضي الله عنهما– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: للعباس ليلة المزدلفة إذهب بضعفائنا ونسائنا، فليصلوا الصبح بمنى وليرموا جمرة العقبة قبل أن يصيبهم دفعة الناس. (شرح معاني الآثار، المناسك، باب وقت رمي الجمرة العقبة للضعفاء الذين يرخص لهم ٢/ ٢٩١، رقم: ٣٨٨٩)

وهذا الوقوف من الواجبات عندنا، وليس بركن حتى لو تركه أصلا يلزمه الدم. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحج، الفصل الثالث تعليم أعمال الحج، زكريا ديوبند ٣/ ٥٢٠، رقم: ٤٩٥٢، کوئٹہ ٢/ ٤٥٩)

لكن لو تركه بعذر كزحمة بمزدلفة فلا شيء عليه، قال الشامي إذا كان لعلة أو ضعف، أو تكون امرأة تخاف الزحام، فلا شيء عليه. (شامي، كتاب الحج، مطلب في الوقوف بمزدلفة، زكريا ديوبند ٣/ ٥٢٩، کراچی ٢/ ٥١١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/۸/۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/۸/۱۴۱۷ھ

جو حج فاسد ہوجائے اس کا اسی سال اعادہ کرنا

سوال [۵۱۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جماع قبل الوقوف بعرفہ کے سلسلہ میں ''انوار مناسک'' ص: ۲۱۵، مولف مولانا مفتی شبیر احمد صاحب میں یہ حکم بیان گیا ہے کہ وقوف عرفہ سے پہلے ہمبستری کی وجہ سے حج

فاسد ہو جائے گا اور ساتھ میں ایک دم بھی واجب ہو جائے گا؛ لہٰذا جماع اور ہمبستری کے بعد اگر اتنا وقت ہے کہ دوبارہ حج کا احرام باندھ کر عرفہ کی رات ختم ہونے سے قبل وقوف کر سکے تو دوبارہ حج کا احرام باندھ کر وقوف کر لیا جائے تو حج صحیح ہو جائے گا، گویا اسی سال فاسد شدہ حج کی قضا ہو جائے گی اور ساتھ ہی ایک دم بھی دے دے۔ اور اگر اس سال وقت نہیں ہے تو دوسرے حجاج کی طرح حج کے ارکان میں عمل کرتا رہے اور آئندہ سالوں میں حج کی قضا لازم ہوگی اور ایک دم بھی بہرحال لازم رہے گا۔ اور حاشیہ میں یہ حوالہ درج ہے:

وإن جامع في أحد السبيلين قبل الوقوف بعرفة فسد حجه، وعليه شاة ويمضى فى الحج كما يمضى من لم يفسده. (هداية رشيديه ١/ ٢٥١)

مگر ”معلم الحجاج“ ص:۲۴۱ر میں یہ حکم اس طرح بیان کیا گیا ہے: ”حج فاسد ہو گیا اور دم واجب ہو گیا اور باقی افعال حج مثل حج صحیح کے ادا کرنے ہوں گے اور آئندہ سال حج کی قضاء واجب ہوگی“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال قضاء کرنا یا دوبارہ احرام باندھنا نہیں ہو سکتا؛ بلکہ آئندہ سال ہی میں ہو سکتا ہے، جس کی تائید ذیل کی عبارات سے ہوتی ہے:

(۱) آگے خود صاحب ہدایہ استدلال میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں، جس میں: ”**وعليهما الحج من قابل**“ کا لفظ ہے

(۲) ولو أهل بحجة أو عمرة وجامع فيها، ثم أحرم بأخرى ينوي قضائها قبل أدائها فهي هي، وإهلاله لم يصح ما لم يفرغ من الفاسد. (غنية الناسك، ص: ٢٧٠، قبيل مطلب في جماع القارن، مطبوعه كراچى)

(۳) وعليهما قضاء الحجة من قابل. (عالمگیری قدیم زکریا ١/ ٢٤٤، الفصل الرابع في الجماع، جديد زكريا ١/ ٣٠٩)

(۴) وكذا في فتاوى قاضي خان: أن نية الرفض باطلة؛ لأنه لا يخرج عنه إلا بالأعمال. (بحر، كوئٹه ٣/ ١٥)

(۵) قوله: (ويمضي الخ) لأن التحلل من الإحرام لا يكون إلا بأداء الأفعال أو الإحصار، ولا وجود لأحدهما، وإنما وجب المضي فيه مع فساده لما أنه مشروع بأصله دون وصفه، ولم يسقط الواجب به لنقصانه. (شامي، زكريا ٣/ ٥٩٣)

(٦) قوله: (فهو صريح في جواز القضاء من عامه الخ) الذي سيأتي متنا وشرحا جاوز الميقات بلا إحرام، فأحرم بعمرة يعنى داخل الميقات ثم أفسدها مضى وقضى ولا دم عليه لترك الوقت لجبره بالإحرام منه في القضاء، وبهذا تعلم ما في نقله وأن ما يأتي لا يدل على جواز القضاء في عامه حتى يكون مخالفا لما ذكروه هنا على أن عبارة الرملي بعد ما ذكره عنه لكن هنا لما وجب المضى بالإحرام من الميقات تعين القضاء من القابل بخلاف المجاوزة بلا إحرام لتدارك ما فاته، هكذا نقل عبارته السندي. (تقريرات الرافعي زكريا ديوبند ٣/ ١٦٥)

(۷) باب مفسدات الحج: وكذا يفسد بالجماع، المالكية قالوا: ويجب على من فسد حجه إتمامه، فلو ترك إتمام الحج لظنه أنه خرج من الإحرام يبقى على إحرامه، فلو أحرم في العام القابل إحراما جديدا كان إحرامه لغوا، ويتم إحرامه الذى أفسده ...... الثاني: قضاءه فورا متى كان قادرا، الحنفية قالوا: ويقضيه من قابل، الشافعية: قالوا: ويجب قضاء الحج الذي أفسده بالجماع فورا في العام الذى يليه مباشرة. الحنابلة قالوا: وعلى الفاعل والمفعول القضاء فورا في العام القابل. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ١/ ٦٠٦، مطبوعه ديوبند بيروت)

(۸) فإذا فسد الحج بالجماع يجب المضى في فاسده، ويجب القضاء اتفاقا على الفور من العام التالي، وإن كان نسكه تطوعا؛ لأنه يلزم

بالشروع فيه، فصار ...... بخلاف باقي العبادات. (الاستذكار لابن عبدالبر ۲/ ۲۸۸، تحت الحديث: ۸۲۳، هدي المحرم إذا أصاب أهله)

(۹) ومنها: وجوب المضى في الحجة الفاسدة، ويعمل جميع ما يعمله في الحج الصحيح ...... لقول جماعة من الصحابة رضي الله عنهم. (يمضيا في إحرامهما) ومنها: وجوب القضاء من عام قابل بإجماع الصحابة. وهل يجب القضاء على الفور؟ مقتضى كلام الأصحاب أنه يجب القضاء على الفور. (البحرالعميق ۲/ ۸۷۸، الفصل الخامس في الجماع ودواعيه، مكة)

عبدِ ضعیف کا ناقص خیال ہے کہ یہاں "**على الفور**" سے مراد "**على الفور من العام التالى**" جوکہ "**الاستذكار**" اور "**كتاب الفقه**" کی مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔ اور پھر "عام تالی" میں حج صحیح کا وہ اختلاف آئے گا یعنی وجوب اداء علی الفور ہے یا علی التراخی؟ اور شاید اسی کو علامہ شامی نے دوقول سمجھے ہیں۔

مع تأمله ولعل الحال بخلافه. (شامي زكريا ۳/ ۵۹۳، تحت قوله: (ويقضي الخ. والله أعلم)

(۱۰) قال ابن رشد: ومما يخص الحج الفاسد عند الجمهور دون سائر العبادات أنه يمضى فيه المفسد له، ولايقطعه وعليه دم ...... وقال القاري في شرح النقاية: أفسد حجه بالجماع، ومضى في حجه لإجماع الصحابة على ذلک ...... ووجب عليه المضي فى فاسده، والقضاء على الفور، واتفقوا على أن عقد الإحرام لا يرتفع بالوطيء، وقال داؤد الظاهري: يرتفع، فإن قال قائل فلأى شيء لم يأمروا المحرم إذا فسد حجه بالجماع أن ينشئ إحراما ثانيا إذا كان الوقت متسعا، كأن وطي فى ليلة عرفة؟ فالجواب قد انعقد الإجماع على ذلک، ولا يجوز خرقه، ولعل

ذلک سببه التغليظ عليه لا غيره ما نتهى. (أوجز المسالك ۷/ ۲۲۲، باب هدي الحرم إذا أصاب أهله، مطبوعه مكه ومطبوعه سهارنپور ۳/ ۵۵۳)

اس بارے میں آپ کی رائے گرامی مطلوب ہے۔ امید ہے کہ صحیح مسئلہ کو اس کے ماخذ کے ساتھ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

المستفتی: محمد ابراہیم تری پوروی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: توجہ دلانے کا بہت بہت ممنون مشکور ہوں، واقعی یہ دونوں مسئلے قابل اصلاح ہیں، لکھنے کے زمانہ میں فقہی جزئیہ ''**وقضى الحج في عامه يسقط عنه الدم، فهو صريح في جواز القضاء من عامه لتدارک ما فاته**''. (شامي زكريا ۳/ ۵۹۳، شامي كراچی ۲/ ۵۵۹) جیسا جزئیہ ذہن میں رہا ہے، اسی بنا پر یہ حکم لکھا گیا تھا؛ لیکن حاشیہ میں یہ جزئیہ کیوں نہیں لکھا یاد نہیں پڑ رہا ہے، اب آپ حضرات کے توجہ دلانے پر موضوع سے متعلق اپنی طاقت بھر کتابوں کی مراجعت کی گئی، اس سے یہی بات ثابت ہوئی ہے کہ اسی سال حج کا اعادہ جائز نہیں ہے، وہ احرام ہی کی حالت میں رہے گا، اس کا احرام کھلے گا نہیں اور عام حاجیوں کی طرح سارے مناسک کی ادائیگی کے بعد باضابطہ احرام کھولے گا اور اس حاجی پر لازم ہے کہ آئندہ سالوں میں اس کی قضاء کرے اور ایک دم دے۔ اور عمرہ کرنے والے پر لازم ہے کہ ارکان عمرہ سب ادا کرنے کے بعد باضابطہ حلال ہو جائے، اس کے بعد دوبارہ احرام باندھ کر اس کی قضاء کرے اور دم بھی دے؛ لہٰذا احقر اپنی پہلی تحریروں سے رجوع کرتا ہے اور اب شرعی حکم یہی لکھا کرے گا۔ اور اس سلسلہ میں متعدد حدیث وآثار دستیاب ہوئے، ''موطا امام مالکؒ'' میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثر ہے، جو حسب ذیل ہے:

حدثني يحيى عن مالک، أنه بلغه أن عمر بن الخطاب –رضي الله عنه– وعلي بن أبي طالبؓ، وأبا هريرةؓ سئلوا عن رجل أصاب أهله وهو

محرم بالحج؟ فقالوا: ينفذان يمضيان لوجههما حتى يقضيا حجهما، ثم عليهما حج قابل والهدي، قال: وقال علي بن أبي طالب: وإذا أهلا بالحج من عام قابل تفرقا حتى يقضيا حجهما. (الموطا للإمام مالك على أوجز المسالك، دارالقلم، دمشق ٧/ ٥٧٤، ٥٧٧، رقم: ٨٤٣، الموطا للإمام مالك، كتاب الحج، هدي المحرم إذا أصاب أهله، أشرفي بك ڈپو ١/ ١٤٨، ١٤٩)

اور ''مراسیل ابی داوٗد'' میں یزید بن نعیم کی مرسل روایت ہے:

وعن يزيد بن نعيم أو زيد بن نعيم، أن رجلا من جذام جامع امرأته، وهما محرمان، فسأل الرجل رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال لهما: اقضيا نسككما وأهديا هديا، ثم ارجعا، حتى إذا اجتمعا المكان الذي أصبتما فيه ما أصبتما فأحرما وأتما نسككما وأهديا. (مراسيل أبي داؤد ٩)

اور ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی اثر ہے:

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه قال: أتى رجل عبدالله بن عمرو -رضي الله عنه- فسأله عن محرم وقع بامرأته، فأشار له إلى عبدالله بن عمر فلم يعرفه الرجل، قال شعيب: فذهبت معه، فسأله، فقال: بطل حجه، قال: فيقعد، قال: لا بل يخرج مع الناس، فيصنع ما يصنعون، فإذا أدركه قابل حج وأهدى، فرجعا إلى عبدالله بن عمرو، فأخبراه، فأرسلنا إلى ابن عباس قال شعيب: فذهبت إلى ابن عباس معه، فسأله، فقال له مثل ما قال ابن عمر، فرجع إليه، فأخبره، فقال له الرجل: ما تقول أنت؟ فقال: مثل ما قالا.

(مصنف ابن أبي شيبة جديد المجلس العلمي ٨/ ١٢١، رقم: ١٣٢٤٨)

اور ''مراسیل ابی داوٗد'' کی مذکورہ روایت ''سنن کبریٰ للبیہقی ۷/ ۳۶۵، حدیث: ۹۸۷۶ر میں بھی ہے۔ اور دارقطنی شریف میں بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور ملا علی قاریؒ نے ”شرح نقایہ“ میں متعدد روایات نقل فرمائی ہیں، جن میں اسی کا ذکر ہے کہ آئندہ سال حج کی قضاء کرے گا۔ اور ایک دم بھی دے گا، ان سب روایتوں کا حوالہ ”شرح نقایہ ۱/ ۲۱۵“ میں موجود ہے۔ اور ”فتاوی تاتارخانیہ جدید ۳/ ۵۷۹، مسئلہ: ۵۰۷۰“ کے ذیل میں ان تمام روایات کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اور فقہ کی جزئیات میں صریح جزئیہ ”مبسوط“ کی عبارت ہے۔

رجل أهل بعمرة وجامع فيها، ثم أحرم بأخرى ينوي قضاء ها، قال: هي هي، لأنه بالجماع وإن فسد نسكه فقد لزمه المضي في الفاسد، ولا يخرج من الإحرام إلا بأداء الأعمال، فنيته في الإحرام بالإهلال الثاني لغو؛ لأنه ينوي إيجاد الموجود، ونية القضاء كذلك، فإن الإحرام الواحد لا يتسع للقضاء والأداء، فكان عليه دم للجماع، ويفرغ منها، وعليه عمرة، وكذلك هذا الحكم لو كان مهلا بالحجة ...... المحرم بالعمرة إذا جامع النساء، ورفض إحرامه، وأقام حلالا يصنع ما يصنع الحلال من الطيب، والصيد وغيره، فعليه أن يعود حراما كما كان؛ لأن بإفساد الإحرام لم يصر خارجا منه قبل أداء الأعمال، وكذلك بنية الرفض وارتكاب المحظورات فهو محرم على حاله، إلا أن عليه بجميع ما صنع دم واحد لما بينا أن ارتكاب المحظورات استند إلى قصد واحد، وهو تعجيل الإحلال، فيكفيه لذلك دم واحد، وعليه عمرة مكان عمرته؛ لأنها لزمته بالشروع والأداء بصفة الفساد لا ينوب عما لزمه بصفة الصحة، فعليه قضاؤها. (المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت، لبنان ٤/ ١٢١-١٢٢)

ومن جامع في العمرة قبل أن يطوف أربعة أشواط فسدت عمرته، فيمضي فيها، ويقضيها، وعليه شاة. (هداية، كتاب الحج، باب الجنايات، أشرفي بك ڈپو ديوبند ١/ ٢٧٢)

ووطؤه في عمرته قبل طوافه أربعة مفسد لها، فمضى وذبح وقضى وجوبا. (شامي، زكريا ۳/ ۵۹۵، كراچی ۲/ ۵٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۳۱۹/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۳/۱۳ھ

کیا فاسد شدہ حج کی قضاء اس سال ممکن ہے؟

سوال [۵۱۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''انوار مناسک'' کی عبارت کی وضاحت مطلوب ہے اور مقصود فقط سمجھنا ہے، بہت کوشش کی؛ لیکن کم فہمی کی وجہ سے نہ سمجھ سکا۔ امید ہے کہ زحمت گوارہ فرما کر تشفی فرمائیں گے۔ ص: ۲۱۵؍ پر مذکور ہے ''اگر کسی نے وقوف عرفہ سے قبل ہمبستری کرلی تو حج فاسد ہوجائے گا؛ لیکن اگر جماع کے بعد اتنا وقت ہے کہ دوبارہ حج کا احرام باندھ کر عرفہ کی رات ختم ہونے سے قبل وقوف کرسکے تو دوبارہ حج کا احرام باندھ کر وقوف کرلیا جائے تو حج درست ہوجائے گا، گویا اسی سال فاسد شدہ حج کی قضاء ہوجائے گی'' یعنی آئندہ قضاء کرنے کی ضرورت نہیں، حالانکہ سارے فقہاء کرام کی عبارتوں سے بظاہر یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ آئندہ قضاء کرنی ہوگی، یہ تقسیم کرنا کہ اگر دوبارہ وقوف عرفہ کی رات ختم ہونے سے پہلے احرام باندھتا ہے تو حج صحیح اور اگر اس سال وقت نہیں ہے تو آئندہ سال قضاء اس فرق کا مستدل سمجھ میں نہیں آیا، دوسرے فقہاء کی عبارتیں مطلق ہیں کہ آئندہ سال فاسد شدہ حج کی قضاء کرنا ضروری ہے، چاہے وقت ہو یا نہ ہو اور آں حضرت نے استدلال میں حاشیہ میں ہدایہ کی جو عبارت پیش کی ہے اس سے بھی یہی تقسیم بظاہر سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ اور یہی خلجان عمرہ کے بارے میں بھی معلوم ہورہا ہے (اس صفحہ پر عمرہ کے بیان میں) اس کے حاشیہ میں بھی ہدایہ کا جزئیہ آنحضرت کی عبارت کا ساتھ نہیں دے رہا ہے، باقی کئی مرتبہ پڑھنے کے بعد بھی میں اپنی ہی کوتاہی سمجھتا ہوں کہ آں حضرات کی یہ عبارت مجھے سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

المستفتی: مفتی لطف الرحمٰن ولایت علی بمبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: توجہ دلانے کا بہت بہت ممنون ومشکور ہوں، واقعی یہ دونوں مسئلے قابل اصلاح ہیں، لکھنے کے زمانہ میں فقہی جزئیہ ''**وقضی الحج في عامه يسقط عنه الدم، فهو صريح في جواز القضاء من عامه لتدارك ما فاته**''.

(شامي زكريا ۳/ ۵۹۳، شامي كراچی ۲/ ۵۵۹) جیسا جزئیہ ذہن میں رہا ہے،اسی بنا پر یہ حکم لکھا گیا تھا؛ لیکن حاشیہ میں یہ جزئیہ کیوں نہیں لکھا یاد نہیں پڑ رہا ہے، اب آپ حضرات کے توجہ دلانے پر موضوع سے متعلق اپنی طاقت بھر کتابوں کی مراجعت کی گئی، اس سے یہی بات ثابت ہوئی ہے کہ اسی سال حج کا اعادہ جائز نہیں ہے، وہ احرام ہی کی حالت میں رہے گا، اس کا احرام کھلے گا نہیں اور عام حاجیوں کی طرح سارے مناسک کی ادائیگی کے بعد باضابطہ احرام کھولے گا اور اس حاجی پر لازم ہے کہ آئندہ سالوں میں اس کی قضاء کرے اور ایک دم دے۔ اور عمرہ کرنے والے پر لازم ہے کہ ارکان عمرہ سب ادا کرنے کے بعد باضابطہ حلال ہو جائے، اس کے بعد دوبارہ احرام باندھ کر اس کی قضاء کرے اور دم بھی دے؛ لہٰذا احقر اپنی پہلی تحریروں سے رجوع کرتا ہے اور اب شرعی حکم یہی لکھا کرے گا۔ اور اس سلسلہ میں متعدد حدیث وآثار دستیاب ہوئے۔ آپ کے کارڈ میں ان ساری چیزوں کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں؛ اس لئے کتابوں کے نام مع جلد وحوالہ کے لکھے جا رہے ہیں، ایک دوسرے صاحب نے بھی توجہ دلائی ہے، ان کے کاغذ میں گنجائش تھی؛ اس لئے اس میں عبارتوں کے ساتھ حوالہ لکھا گیا ہے اور ان کا فتویٰ نمبر الف ۳۹: ۱۰۳۱۹ اور تاریخ ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ ہے۔

(موطا امام مالک علی الأوجز دمشق ۷/ ۵۷۴، رقم: ۸۴۳، ۵۱ ذ، اشرفی بک ڈپو ۱/ ۱۴۸، ۱۴۹، مراسیل ابوداؤد ۹، مصنف ابن ابی شیبہ جدید ۸/ ۱۲۱، رقم الحدیث: ۱۳۲۴۸، سنن کبریٰ للبیہقی ۷/ ۳۶۵، تاتارخانیہ جدید ۳/ ۵۷۹، مبسوط للسرخسی دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۴/ ۱۲۱-۱۲۲، ہدایہ اشرفی بک ڈپو دیوبند ۱/ ۲۷۲، شامی زکریا ۳/ ۵۹۵، کراچی ۲/ ۶۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸/ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۲۰)

۱۵/ کتاب النکاح

۱/ باب فضائل النکاح وغیرها

نکاح کے فضائل

سوال [۵۱۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ حضرت والا سے گزارش ہے کہ نکاح کے فضائل قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد شعیب میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوعِ انسانی کے لئے ایک ایسی نعمت ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان چاہے مرد ہو یا عورت، دونوں کو سکون کی زندگی حاصل ہوتی ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے انسانی زندگی کے اندر سکون اور راحت کے واسطے ایک دوسرے کے لئے زندگی کا ساتھی پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ شادی کے بعد میاں بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے سے کیا سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور مزید اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے درمیان محبت ومودت کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ آیتِ کریمہ ملاحظہ فرمائیے:

وَمِنْ اٰيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً. [سورة الروم: ۲۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے تم ہی میں سے جوڑا پیدا فرمایا ہے، تاکہ تم اس کے پاس جا کر سکون حاصل کر سکو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان پیار ومحبت اور مہربانی کا ذریعہ بنایا۔

آقائے نامدار سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے؛ اس لئے کسی مسلمان کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن عائشة –رضی الله عنها– قالت: قال رسول الله ﷺ: النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي فليس مني. (ابن ماجة شريف، أبو اب النكاح، باب ما جاء في فضل النكاح، النسخة الهندية ۱۳۳، دارالسلام رقم: ۱۸٤٦)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے، جو شخص میری سنت پر عمل نہیں کرتا ہے وہ میرے طریقہ پر نہیں۔

اور دوسری حدیث شریف میں یہ فرمایا:

فمن رغب عن سنتي فليس مني. (مسلم شريف، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه، النسخة الهندية ۱/ ٤٤٩، بيت الأفكار، رقم: ۱٤۰۱)

ترجمہ: لہٰذا جو شخص میری سنت سے گریز کرتا ہے تو وہ میرے طریقے سے ہٹا ہوا ہے۔

نیز نکاح انسانی زندگی کی تکمیل اور سکون وراحت کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اہم ترین عبادت بھی ہے، چنانچہ حدیث پاک میں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے نکاح کر لیا تو اس نے اپنے دین کو دو حصہ کر کے ایک حصہ کی تکمیل کر لی، باقی دوسرے حصہ کے بارے میں اللہ کی مرضی اور احکام خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے حلال وحرام سے بچ کر تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من رزقه الله امرأة صالحة فقد أعانه الله على شطر دينه، فليتق الله في الشطر الثاني. (المعجم الأوسط دارالفكر بيروت ١/ ٥٢٢، حديث: ٩٧٦، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٢٧٣)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ نے نیک بیوی عطا فرمائی تو یقیناً اللہ نے اس کے نصف دین پر مدد فرمائی ہے؛ لہٰذا آئندہ باقی نصف کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے۔

اور دوسری روایت میں ہے:

إذا تزوج العبد فقد كمل نصف الدين، فليتق الله في النصف الباقي.

(شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٣، حديث: ٥٤٨٦)

ترجمہ: جب بندہ نکاح کرلیتا ہے تو یقیناً وہ اپنے آدھے دین کو مکمل کرلیتا ہے؛ لہٰذا باقی نصف کے بارے میں اللہ سے ڈرا کرے۔

اس لئے آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے شادی کے لائق جوانوں کو بار بار ترغیب دی کہ تم میں سے جو بھی نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ ضرور نکاح کرلیا کرے؛ اس لئے کہ نکاح کے ذریعہ سے نگاہ اور شرمگاہ دونوں کی حفاظت ہوجاتی ہے۔

حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن عبدالله بن مسعود –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر، وأحصن للفرج. (مسلم شريف، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه الخ، النسخة الهندية ١/ ٤٤٩، بيت الأفكار، رقم: ١٤٠٠، صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم من استطاع منكم الباءة فليتزوج الخ، النسخة الهندية ٢/ ٧٥٨، رقم: ٤٨٧٥، ف: ٥٠٦٦، سنن الترمذي، أبواب النكاح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ١/ ٢٠٦، دارالسلام رقم: ١٠٨١)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے نوجوانوں کی جماعت !تم میں سے جو بھی شادی کی طاقت رکھتا ہے، وہ ضرور نکاح کرلے؛ اس لئے کہ نکاح بدنگاہی اور شرمگاہ دونوں کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(رجسٹر خاص)

فوائدِ نکاح

سوال [۵۱۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قرآن وحدیث کی روشنی میں نکاح کے فوائد مفصل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

المستفتی: عبید اللہ بھاگلپوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: علامہ علاء الدین حصکفی اور علامہ ابن عابدین شامی علیہما الرحمہ نے نکاح کے چھ فوائد بیان فرمائے ہیں:

(۱) جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے نیک اعمال اور عبادت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے؛ لیکن دو عبادتیں ایسی ہیں جن کا سلسلہ دنیا سے جنت تک باقی رہتا ہے: (۱) ایمان (۲) نکاح کہ جس طرح دنیا میں نکاح کے ذریعہ سے ازدواجی زندگی کا سلسلہ رہتا ہے، اسی طرح جنت میں بھی میاں بیوی کی رفاقت کی زندگی کا سلسلہ رہے گا۔

(۲) نکاح انسانوں کی پیدائش اور وجود کا ذریعہ ہے۔

(۳) نکاح امت محمدیہ کی کثرت کا ذریعہ ہے۔

(۴) اشتغال بالنکاح تخلی بالعبادات سے افضل ہے، یعنی ترک دنیا اختیار کر کے تنہائی کی عبادت کے مقابلہ میں نکاح کر کے اجتماعی اور شہری زندگی گذارنا زیادہ افضل ہے۔

(۵) نکاح کے ذریعہ سے بدنگاہی اور بری نظر سے حفاظت ہو جاتی ہے۔

(۶) نکاح کے ذریعہ شرمگاہ کی حفاظت اورحرام کاری سے بچ کر پاک دامنی کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

ليس لنا عبادة شرعت من عهد آدم إلى الآن، ثم تستمر في الجنة إلا النكاح والإيمان، وتحته في الشامية: أن كلا منهما سبب لوجود المسلم والإسلام ...... إن الاشتغال به أفضل من التخلى لنوافل العبادات، أي الاشتغال به، وما يشتمل عليه من القيام بمصالحه، وإعفاف النفس عن الحرام، وتربية الولد، ونحو ذلک. (درمختار مع الشامي، كتاب النكاح، كراچی ۳/ ۳، زكريا ٤/ ٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(رجسٹر خاص)

مستحباتِ نکاح

سوال [۵۱۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بندہ نکاح کا ارادہ رکھتا ہے؛ لیکن اس کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہے، حضرت مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ نکاح میں کیا کیا چیزیں مستحب یا مسنون ہیں؟ ان کو ذکر فرمادیں تو عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: مجیب الرحمٰن میرٹھی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: علماء نے لکھا ہے کہ نکاح کے وقت جانبین میں کچھ امور کا خیال رکھنا مستحب اور افضل ہے، لازم نہیں۔ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی علیہ الرحمہ نے ''الدر المختار مع الشامی زکریا ۴/ ۶۷'' میں ایسی سولہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کا لحاظ رکھنا نکاح کے وقت میں مستحب اور افضل ہے:

(۱) نکاح سے پہلے اس کا اعلان اور شہرت کرنا۔

(۲) نکاح سے پہلے ایک خطبہ پڑھنا، یہ مسنون ہے لازم نہیں؛ لہٰذا بغیر خطبہ کے بھی نکاح صحیح ہو جائے گا۔

(۳) نکاح کی مجلس مسجد میں قائم کرنا۔

(۴) اگر ممکن ہو تو جمعہ کے دن نکاح کرنا۔

(۵) کسی عالم دین سے نکاح پڑھوانا۔

(۶) دیندار گواہوں کی موجودگی میں نکاح منعقد ہونا؛ لہٰذا فاسق اور بد دین مسلمانوں کی گواہی میں بھی نکاح صحیح ہوسکتا ہے۔

(۷) اگر ضرورت پڑے تو قرض لے کر نکاح کرنا؛ لیکن شرط یہ ہے کہ قرض کی ادائیگی کا پختہ ارادہ ہو۔

(۸) شادی سے پہلے بیوی کو ایک نظر دیکھ لینا یہ شریعت میں مستحب اور افضل کام ہے؛ لیکن ہمارے معاشرہ میں اس کو برا مانا جارہا ہے۔

(۹) بیوی کی عمر شوہر کے مقابلہ میں کم ہونا افضل ہے؛ لیکن اگر زیادہ عمر والی عورت سے نکاح کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ بھی سنت کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۰) خاندانی اعتبار سے بیوی کا شوہر کے مقابلہ میں کمزور ہونا۔

(۱۱) عزت اور شرف کے اعتبار سے بیوی کے مقابلہ میں شوہر کا بڑھا ہوا ہونا۔

(۱۲) مالی حیثیت سے بیوی کے مقابلہ میں شوہر کا فائق ہونا۔

(۱۳) بیوی کے اخلاق شوہر کے مقابلہ میں فائق ہونا، تاکہ بیوی سے شوہر کی محبت زیادہ ہو جائے۔

(۱۴) ادب واحترام میں بیوی کا شوہر سے فائق ہونا؛ اس لئے کہ شوہر کا مرتبہ بیوی سے اونچا ہوتا ہے۔

(۱۵) عفت و پاک دامنی کے اعتبار سے بیوی کا شوہر سے فائق ہونا، تاکہ اجنبیوں سے کنارہ کش ہو کر صرف شوہر کے ساتھ تعلق رہے۔

(۱۶) حسن وجمال کے اعتبار سے بیوی کا شوہر پر فائق ہونا، تاکہ شوہر کی نگاہ ہر طرف سے یکسو ہوکر بیوی پر قائم رہے، یہ ساری چیزیں درمختار کی عبارت میں موجود ہیں، اس کا مطلب خیز ترجمہ ہم نے یہاں نقل کر دیا ہے، ہوسکتا ہے کہ ان امور میں سے کسی سے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچ جائے۔

ویندب إعلانه، وتقدم خطبة، وكونه في مسجد، يوم جمعة، بعاقد رشيد، وشهود عدول، والاستدانة له، والنظر إليها قبله، وكونها دونه سنا، وحسبا، وعزا، ومالا، وفوقه خلقا، وأدبا، وورعا، وجمالا. (درمختار کراچی ۳/ ۷۸، زکریا ٤/ ٦٦-٦٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/ رجب ۱۴۳۶ھ
(رجسٹر خاص)

شرعی شادی

سوال [۵۱۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شرعی شادی کیا ہے؟

المستفتی: ابصار احمد بڑاؤلی، حسن پور مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی شادی وہ ہے جس میں خرچ کم ہو، حدیث شریف میں آیا ہے:

عن عائشة -رضي الله عنها- أن رسول الله ﷺ قال: إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة. (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٨٢، رقم: ٢٥٠٣٤، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٧٨، رقم: ١٥٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸/ صفر ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۶۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۷/۲/۸ھ

شادی بیاہ کا مسنون طریقہ

سوال [۵۱۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی ونکاح کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

المستفتی: محمد صدیق ٹانڈہ رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ خاندان کے چند شرفاء حضرات کو بلا کر دو گواہوں کے سامنے سادگی کے ساتھ نکاح کیا جائے اور مروجہ رسم ورواج اور غیر شرعی چیزوں کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے کہ جس میں خرچ کم ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲۸۰/۵)

عن عائشة -رضي الله عنها- أن رسول الله ﷺ قال: إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة. (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٨٢، رقم: ٢٥٠٣٤، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٧٨، رقم: ١٥٣٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۰۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۵/۶/۱۴۱۷ھ

نکاح کا مسنون طریقہ

سوال [۵۱۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی یعنی نکاح کا مکمل شرعی طریقہ کیا ہے؟ قدم بہ قدم رہنمائی فرمادیں؟

المستفتی: ندیم احمد بجنوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص کا ارادہ نکاح کا ہو اس کو اولاً چاہئے کہ

کسی دین دار گھرانے کی دیندار لڑکی کا انتخاب کرے اور پھر اس کے گھر والوں سے مل کر معاملہ کو پکا کرلے، پھر انتہائی سادگی سے مسجد میں مسجد کے آداب واحترام کا خیال رکھتے ہوئے نکاح کی تقریب منعقد کی جائے اور اپنی وسعت کے مطابق مہر مقرر کرے اور یہ کوشش کرے کہ بیوی سے پہلی ملاقات ہونے سے پہلے مہر ادا کردے، اور نکاح کے بعد جب بیوی کی رخصتی ہوجائے اور شب زفاف بھی گزر جائے تو اب مسنون طریقہ پر ولیمہ کرے اس میں نام ونمود کی نیت نہ ہو، محض اتباع سنت مقصود ہو۔ اور اس سلسلہ میں رسوم ورواج سے کلی طور پر بچنے کی کوشش کریں اور یہ خیال رہے کہ شادی جتنی سادگی کے ساتھ کی جائے گی، اس میں اتنی زیادہ خیر وبرکت ہوگی۔ (مستفاد: انوار نبوت ص: ۶۱۷-۶۱۲)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تنكح المرأة لأربع: لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداک. (بخاري شريف، كتاب النكاح، باب الأكفاء في الدين، النسخة الهندية ٢/ ٧٦٢، رقم: ٤٨٩٩، ف: ٥٠٩٠، صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، النسخة الهندية ١/ ٤٧٤، بيت الأفكار، رقم: ١٤٦٦)

عن عائشة –رضي الله عنها– قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤونة. (شعب الإيمان، باب الإقتصاد في النفقة وتحريم أكل المال الباطل، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٢٥٤، رقم: ٦٥٦٦، مشكوة شريف ٢/ ٢٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/۱/۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۵۳/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/۱/۱۴۲۸ھ

نکاح کا طریقہ ودعا

سوال [۵۱۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: آپ سے گزارش ہے کہ درج ذیل سوال کا مدلل ومحقق جواب دینے کی زحمت فرمائیں، تاکہ لوگوں کو صحیح معلومات ہو اور اس پر عمل کریں۔ نکاح کیوں ضروری ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ کیا دعا پڑھی جاتی ہے، مع ترجمہ کے تحریر کریں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) نکاح چونکہ ایک عبادت ہے، اس کے اندر حفاظت نفس وعصمت مضمر ہے۔ اور حصول اولاد کا ذریعہ ہے؛ اس لئے نکاح ضروری ہے، تاکہ مرد نکاح کے ذریعہ اپنی عصمت وعفت بھی محفوظ رکھے اور عورت بھی اس کی وجہ سے محفوظ رہے۔ اور یہ چونکہ ذریعہ ہے آپ ﷺ کی امت میں کثرت وزیادتی کا اس وجہ سے بھی نکاح ضروری ہے۔

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنَّى شِئْتُمْ. [البقرة: ٢٢٣]

لِتَسْكُنُوا اِلَيْهَا . [سورة الروم: ٢١]

عن عبدالله –رضي الله عنه– قال: قال لنا رسول الله ﷺ: يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر، وأحصن للفرج. الحديث (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه الخ ـ النسخة الهندية ١/ ٤٤٩، بيت الأفكار، رقم: ١٤٠٠، صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب الصوم لمن خاف على نفسه العزوبة، النسخة الهندية ١/ ٢٥٥، رقم: ١٨٦٧، ف: ١٩٠٥)

عن معقل بن يسار، قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم. (سنن أبي داؤد، النكاح، باب في تزويج الأبكار، النسخة الهندية ١/ ٢٨٠، دارالسلام، رقم: ٢٠٥٠، سنن نسائي، كتاب النكاح، كراهية تزويج العقيم، النسخة الهندية ٢/ ٥٩، دارالسلام رقم: ٣٢٢٩)

ولما فيه من حفظ النفس عن الوقوع في الزنا، ولما فيه من مباهاة الرسول صلى الله عليه وسلم بقوله: تناكحوا تكثروا، فإني أباهي بكم الأمم

يوم القيامة، ولما فيه من تهذيب الأخلاق، وتوسعة الباطن بالتحمل في معاشرة أبناء النوع، وإعفاف الحرم، ونفسه ودفع الفتنة عنه وعنهن. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح، مصري قديم ١/ ٣١٥، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٤٦٦)

اورنکاح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ خطبۂ نکاح پڑھنے کے بعد ولی سے اجازت لے کر لڑکا اورلڑکی سے کم ازکم دوگواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرایا جائے۔

النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول. (هداية، أشرفيه ٢/ ٣٠٥)

وشرط حضور شاهدين. (الدرمع الرد، كراچى ٣/ ١٩، زكريا ٤/ ٨٧)

نکاح کے وقت الفت ومحبت اورزوجین کے درمیان سلامت روی کی دعا کی جائے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا رفأ الإنسان إذا تزوج قال: بارك الله لك، وبارك عليك، وجمع بينكما في خير. (أبو داؤد، النكاح، باب مايقال للمتزوج، النسخة الهندية ١/ ٢٩٠، دارالسلام، رقم: ٢١٣٠، مسند الدارمي، دار المغني ٣/ ١٣٩١، رقم: ٢٢٢٠)

ترجمہ یہ ہے: اللہ پاک تمہارے اوپر اورتمہاری ذات میں برکت عطا فرمائے۔اور اللہ تعالیٰ تم دونوں کو بھلائی کے ساتھ ملائے رکھے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/۴/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۶۰۹۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳/۴/۱۴۲۰ھ

کم خرچ والے نکاح کی فضیلت

سوال [۵۱۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: معروض اینکہ غیر اسلامی رسومات ومصارف سے بچنے بچانے کے لئے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں نکاح ورخصتی کے احوط ترین طریقہ سے مستند حوالوں کے ساتھ آسان اردو زبان میں آگاہی مطلوب ہے۔

المستفتی: احقر طفیل احمد غفرلہ امرتوی، موضع امرتا کلاں، ڈاکخانہ لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: حدیث شریف میں آیا ہے کہ عظیم ترین برکت والا نکاح وہ ہے کہ جس میں خرچ کم ہو؛ لہٰذا لڑکی والوں کی طرف سے معمولی روز مرہ کی ضرورت کی چند چیزیں کافی ہیں اور مہر بھی کم سے کم مقرر کرنا افضل ہے؛ لیکن ۳۰ر گرام ۶۱۸ر ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت سے کم نہ ہونا چاہئے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل/ ۱۲۹)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: قال النبي ﷺ: إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة. (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٨٢، رقم: ٢٥٠٣٤، مسند أبي داؤد الطيالسي، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ١٧٨، رقم: ١٥٣٠، شعب الإيمان، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٢٥٤، رقم: ٦٥٦٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ر شوال ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۸۶۶)

اقسامِ نکاح

سوال [۵۱۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح انسان کے اوپر کب واجب ہے اور کب فرض اور کب سنت ہے؟

المستفتی: نعیم الدین ریتی محلّہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جس وقت انسان کو زنا میں مبتلا ہونے کا پورا پورا

یقین ہو اور بغیر شہوت پوری کئے کوئی چارہ نہ ہو، تو ایسی حالت میں نکاح کرنا فرض ہوجاتا ہے۔ اور اگر حرام کاری میں مبتلا ہونے کا یقین تو نہ ہو؛ البتہ غالب گمان ہو، تو ایسی حالت میں نکاح کرنا واجب ہے۔ اور حالت اعتدال میں نکاح کرنا سنت ہے۔

وصفته فرض، وواجب، وسنة ...... أما الأول فبأن يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه إلا به ...... وأما الثاني فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة ......وأما الثالث فعند الاعتدال. الخ (البحرالرائق، كتاب النكاح، كوئٹه ۳/ ۷۹، زكريا ديوبند ۳/ ۱٤۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رصفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۶ھ

نکاح کے اقسام

سوال [۵۱۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا نکاح کی تین صورتیں ہیں: (۱) سنت (۲) واجب (۳) فرض۔ اگر ہیں تو ان کی تفصیل بتائیں کہ کن کن صورتوں میں یہ شکلیں ہیں۔ اور اگر تین صورتیں نہیں ہیں، تو نکاح کے سنت ہونے کی افضلیت کے بارے میں کچھ تفصیل سے روشنی ڈالئے، نیز مذکورہ تینوں میں کون سی شکل افضل ہے؟

المستفتی: حاجی محمد صدیق عمری کلاں، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لوگوں کے احوال کے اعتبار سے نکاح کی چھ صورتیں ہیں: (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت (۴) مستحب (۵) حرام (۶) مکروہ۔

(۱) اگر شہوت کا اتنا غلبہ ہو کہ بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہوجانے کا سخت خطرہ ہو اور وہ مہر ونفقہ پر بھی قادر ہو، تو اس کے ذمہ نکاح کرنا فرض ہے۔

(۲) اور جس شخص کو گناہ سے بچنے کی امید ہو؛ لیکن شہوت غالب رہتی ہو، اس کی وجہ سے بے چینی رہتی ہو ساتھ ہی وہ مہر ونفقہ پر بھی قادر ہو تو اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔

(۳) اگر شہوت میں اعتدال ہو، معصیت میں ابتلاء کا اندیشہ نہ ہو اور مہر ونفقہ پر بھی قادر ہو تو نکاح کرنا سنت ہے۔

(۴) جس شخص کے پاس فی الحال نکاح کے سارے اسباب موجود ہوں، مگر آئندہ چل کر خرچ واخراجات میں دشواری کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کو نکاح کرنا مستحب ہے۔

(۵) اگر نکاح کا مقصد بیوی پر ظلم وزیادتی کرنا ہو اور اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو اس کے لئے نکاح کرنا حرام ہے؛ اس لئے کہ نکاح نفس کی حفاظت اور حصول اولاد کے لئے مشروع ہوا ہے، نہ کہ ظلم وزیادتی کرنے کے لئے۔

(٦) جس کو اس درجہ تو ظلم وزیادتی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو؛ بلکہ اس سے بچنا ممکن ہو، تو اس کے لئے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

وصفته: فرض، وواجب، وسنة، وحرام، ومكروه، ومباح، أما الأول: فبأن يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه إلا به؛ لأن ما لا يتوصل إلى ترك الحرام إلا به يكون فرضا، وأما الثاني: فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة إذ ليس الخوف مطلقا مستلزما بلوغه إلى عدم التمكن، وكل من هذين القسمين مشروط بشرطين الأول ملك المهر والنفقة، فليس من خافه إذا كان عاجزا عنهما آثما بتركه كما في البدائع: الثاني عدم خوف الجور، فإن تعارض خوف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج، وخوف الجور لو تزوج قدم الثاني فلا افتراض بل مكروه، كما أفاده في فتح القدير، ولعله لأن الجور معصية متعلقة بالعباد، والمنع من الزنا من حقوق الله وحق العبد مقدم عند التعارض لاحتياجه، وغنى المولى تعالى، وأما الثالث: فعند الاعتدال، وسيأتي بيانه، وأما الرابع: فبأن يخاف

الجور بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه؛ لأنه إنما شرع لمصلحة من تحصين النفس، وتحصيل الثواب، وبالجور يأثم ويرتكب المحرمات، فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد، وأما الخامس: فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة، وهي كراهة تحريم، وأما السادس: فبأن يخاف العجز عن الإيفاء بمواجبه، يعني في المستقبل. (البحرالرائق، كتاب النكاح، كوئٹه ٣/ ٧٩، زكريا ديوبند ٣/ ١٤٠)

ذهب الفقهاء إلى أن النكاح تجرى عليه الأحكام التكليفية، فيكون واجبا، أو فرضا، أو مستحبا، أو مباحا، أو مكروها، أو حراما. الخ (الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/ ٢١٠، ٢١١)

اور فرض واجب اور سنت ان تینوں کا مقابلہ افضیلت سے نہیں ہوتا؛ اس لئے کہ افضل وہ کام ہوتا ہے جس کے نہ کرنے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اور فرض وہ کام ہے جس کے نہ کرنے کا سخت گناہ ہوتا ہے اور واجب وہ کام ہوتا ہے جس کے نہ کرنے سے آدمی گنہگار رہوتا ہے۔ اور سنت وہ کام ہوتا ہے جس کے نہ کرنے سے بڑا گناہ تو نہیں ہوتا؛ لیکن برا مانا جاتا ہے؛ اس لئے سوال میں یہ لکھنا کہ ان تینوں میں سے کون سا افضل ہے؟ یہ بے موقع سوال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍شوال ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۸۱۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۴ھ

کن حالات میں نکاح جائز نہیں

سوال [۵۱۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح کس حالت میں جائز نہیں ہوتا، اس کو بھی قرآن وحدیث سے واضح کریں؟

المستفتی: نعیم الدین ریتی محلہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب انسان کو اندیشہ ہو کہ وہ نکاح کے بعد عدل وانصاف قائم نہیں کرسکے گا، تو ایسی صورت میں نکاح کرنا جائز نہیں۔

وأما المكروه: فبأن يخاف الجور لا بالحيثية المذكورة، وهي كراهة تحريم. (البحرالرائق، کتاب النکاح، کوئٹہ ۳/ ۷۹، زکریا دیوبند ۳/ ۱٤۰)

ومكروها لخوف الجور، فإن تيقنه حرم ذلك. (الدر مع الرد، زکریا ٤/ ٦٦، کراچی ۳/ ۷)

ويكون حراما إذا كان المرء في حالة يتيقن فيها عدم القيام بأمور الزوجية والإضرار بالمرأة إذا هو تزوج. (الموسوعة الفقهية الكويتية ۱۱/ ۲٥۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍صفر ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۰/۲/۶ھ

کیا شادی نہ کرنے سے آدمی گنہگار ہوگا؟

سوال [۵۱۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی کرنا سنت ہے، اگر کوئی مسلمان شادی نہ کرے تو وہ سنت کے ثواب سے محروم ہوگا یا شادی نہ کرنے کی اس کو سزا بھی ملے گی۔

المستفتی: محمد احمد خان فیض گنج، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے، شادی کرنے سے عند اللہ ثواب کا مستحق ہوگا؛ لہٰذا اگر کوئی شادی نہ کرے اور اس پر مصر رہے تو ثواب سے محروم ہوگا۔ اور گنہگار بھی ہوگا۔

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– يقول: جاء ثلاثة رهط إلى بيوت أزواج النبي صلى الله عليه وسلم –إلى– وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتي فليس مني. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب الترغيب فى النكاح، النسخة الهندية ٢/ ٧٥٧، ٧٥٨، رقم: ٤٨٧٢، ف: ٥٠٦٣)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي فليس مني، وتزوجوا، فإني مكاثر بكم الأمم، ومن كان ذا طول فلينكح، ومن لم يجد فعليه بالصيام، فإن الصوم له وجاء. (سنن ابن ماجة، النكاح، باب ما جاء في فضل النكاح، النسخة الهندية ١/ ١٣٢، دارالسلام رقم: ١٨٤٦)

ويكون سنة مؤكدة في الأصح، فيأثم بتركه، ويثاب إن نوى تحصينا وولدا حال الاعتدال، وفي الشامية: إن المراد الترك مع الإصرار. (درمختار مع الشامي، كتاب النكاح، كراچی ٣/ ٧، زكريا ديوبند ٤/ ٦٥، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤١/ ٢١٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۱/۱/۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۴۱۹)

غیر شادی شدہ بالغ اولاد کے گناہ میں کیا ماں باپ شریک ہیں؟

سوال [۵۱۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اس وقت میری عمر تقریباً ۶۴ ر سال کی ہوچکی ہے، میرے والد مرحوم نے میری شادی پر ذرہ برابر توجہ نہیں دیا، میں خود ہی بے شرم ہوکر والد سے فریاد کرتا تھا اور کچھ لوگ میری وکالت کرتے تھے، اس بارے میں میں خود یا میرے والد مرحوم گنہگار رہیں؟

المستفتی: امان اللہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شادی کے لائق ہونے کے بعد والدین اپنی لاپروائی سے شادی نہ کریں، تو لڑکے کو اپنی شادی خود کرنے کا حق ہے۔ اور اگر ماں باپ کی رکاوٹ کی وجہ سے شادی نہ کرسکے اور لڑکا خدانخواستہ کسی گناہ میں مبتلا ہوجائے تو اس گناہ کا وبال والدین پر ہوگا۔

عن أبي سعيد وابن عباس قالا: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ولد له ولد فليحسن اسمه وأدبه، فإذا بلغ فليزوجه، فإن بلغ ولم يزوجه فأصاب إثما فإنما إثمه على أبيه. (شعب الإيمان، باب في حقوق الأولاد والأهلين، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ٤٠١، مشكوة ٢/ ٢٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۱/۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸۱۳/۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۱/۱۴۱۵ھ

خطبۂ نکاح

سوال [۵۱۷۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جیسا کہ نکاح کے لئے ولی اور گواہوں کا ہونا ضروری ہے، تو آپ ہی بتائیے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا، تو اس وقت خطبہ کس نے پڑھایا تھا؟ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے علاوہ کسی نکاح میں گواہ اور ولی کا کوئی ثبوت ہی نہیں ملتا ہے، اور نہ اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خطبہ کون پڑھا تو کیا نکاح بغیر خطبہ گواہ اور ولی کے صحیح ہوسکتا ہے؟ اس کے علاوہ یہ بھی بتائیے کہ بلوغ سے پہلے کسی لڑکی کا نکاح کرانا صحیح ہے یا نہیں؟ نکاح ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نابالغی کی حالت میں کیسے ہوا تھا؟

المستفتی: محمد فاروق اسماعیل محمد جعفر بلڈنگ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خطبۂ نکاح فرض یا واجب نہیں اور نہ ہی صحت نکاح کے لئے خطبہ شرط ہے؛ بلکہ بغیر خطبہ کے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ خطبہ کا پڑھنا صرف اور صرف سنت ہے۔

ويندب إعلانه وتقديم خطبة. الخ (الدر مع الرد، كتاب النكاح، کراچی ۳/ ۸، زكريا ٤/ ٦٦)

عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم نہیں ہے کہ کسی بھی ام المؤمنین کا نکاح بغیر خطبہ کے ہونا صراحت سے ثابت نہیں ہے؛ بلکہ خطبہ کے ساتھ ہونا ملتا ہے، مثلاً ام حبیبہ کا نکاح حضرت نجاشی نے مسلمانوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں خطبہ کے ساتھ پڑھایا۔ (البدایہ والنہایہ، دارالفکر ۴/۱۴۴)

بالغہ عورت کا نکاح کفو میں مہر مثل کے ساتھ بغیر ولی کے بھی درست ہو جاتا ہے۔

فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي (قوله) ولا تجبر البالغة البكر على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ. (الدر مع الرد، کراچی ۳/ ۵۵-۵۸، زكريا ديوبند ٤/ ١٥٥- ١٥٩)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے حقیقی ولی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کرایا ہے، بغیر ولی کے نہیں ہوا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، دارالفکر ۳/۱۳۲)

البتہ نکاح صحیح ہونے کے لئے کم از کم دو گواہ کا ہونا شرط ہے، نیز دو آدمیوں کو گواہ متعین کئے بغیر مجمع کے اندر نکاح کرنے سے بھی شرعاً نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔

عن ابن عباس – رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: البغايا اللاتي ينكحن أنفسهن بغير بينة. (سنن الترمذي، النكاح، باب ماجاء لا نكاح إلا ببينة، النسخة الهندية ١/ ٢١٠، دارالسلام، رقم: ١١٠٣، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر ١٠/ ٣٢٩، رقم: ١٤٠٢٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٢/ ١٨٢، رقم: ١٢٨٢٧)

وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين. (شامي، كراچی ۳/ ۲۸، زكريا ٤/ ۸۷-۹۱)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مجمع میں ہی ہوا کرتا تھا؛ البتہ حضرت زینب کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، جس کی تفصیل سورۂ احزاب آیت: ۳۷/ میں موجود ہے۔ (البدایہ والنہایہ، دار الفکر ۴/ ۱۴۶)

مثلاً حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خیبر کے راستہ میں صحابہ کی جماعت میں ہوا۔ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت نجاشی نے مسلمانوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں کرایا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، دار الفکر ۴/ ۱۴۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۱۸)

نکاح میں خطبہ کی حیثیت اور مروجہ طریقہ پر نکاح پڑھانے کا ثبوت

سوال [۵۱۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) نکاح میں خطبہ کی کیا حیثیت ہے؟ واجب، سنت، مستحب؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

(۲) جس طرح ہمارے زمانہ میں نکاح پڑھایا جاتا ہے اور امام یا قاضی خطبہ پڑھتا ہے، کیا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی نکاح پڑھایا گیا؟ اگر پڑھایا گیا ہے، تو کونسا نکاح کس نے پڑھایا بالتفصیل وضاحت فرمائیں۔

(۳) اس مروجہ طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کن صحابی کا نکاح پڑھایا ہے؟ کسی ایک کے بارے میں وضاحت فرمائیں۔

المستفتی: محمد سرتاج مظفر نگر، متعلم دار العلوم دیوبند، سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نکاح میں خطبہ سنت ہے، واجب نہیں، نفس نکاح بغیر خطبہ کے بھی صحیح ہوجاتا ہے؛ البتہ سنت خطبہ کا ثواب نہیں ملے گا، جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا وہ درست نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/ ۱۵۵، زکریا ۵/۱۵۱، جدید زکریا مطول ۶/ ۴۹۲)

وفي الترمذي: قال بعض أهل العلم: إن النكاح جائز بغير خطبة. الخ (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح، النسخة الهندية ١/ ٢١٠، تحت رقم الحديث: ١١٠٥)

ويندب إعلانه وتقديم خطبة. (الدر مع الرد، کراچی ٣/ ٨، زكريا ٤/ ٦٦)

وفي المجتبى: يستحب أن يكون النكاح ظاهرا، وأن يكون قبله خطبة. (البحر الرائق، کوئٹہ ٣/ ٨١، زكريا ٣/ ١٤٤)

(۲) موجودہ زمانہ میں جس طرح نکاح پڑھایا جاتا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان کے ساتھ ہوا اور شاہ نجاشی نے نکاح کا خطبہ پڑھایا، نیز مروجہ خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

(حياة الصحابة عربي ٣/ ٣١٤، دلائل النبوة بيروت ٣/ ٤٦١، أبوداؤد شريف، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح، النسخة الهندية ١/ ٢٨٩، دارالسلام، رقم: ٢١١٨، ابن ماجة شريف، أبواب النكاح، باب خطبة النكاح، النسخة الهندية ١/ ١٣٦، دارالسلام، رقم: ١٨٩٢

(۳) اس مروجہ طریقہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کیا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے انتہائی سادگی کے ساتھ نکاح کا خطبہ پڑھا اور یہ اعلان

کیا کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے چار سو مثقال چاندی کے بدلے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کردیا۔

وروي أن النبي صلى الله عليه وسلم خطب حين النكاح هذه الخطبة الحمدلله المعبود بنعمته الخ. (تاريخ الخميس ١/ ٣٦١، بحواله بهشتي زيور ٦/ ٤٢، البداية والنهاية، دارالفكر بيروت ٧/ ٣٤٢، أسوۂ رسول اكرم/ ٤٩٧، دهلی)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۲۳۸)

خطبۂ نکاح کس طرح پڑھا جائے؟

سوال [۵۱۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: خطبہ نکاح یعنی نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا سنت ہے یا بیٹھ کر اور دولہا دولہن کو کلمہ وغیرہ پڑھانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل خطبہ میں کھڑے ہوکر پڑھنا ہے، نیز کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنے میں اعلان کی صورت بھی ہے جو کہ مندوب ہے؛ لہٰذا کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا افضل ہے، مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے، ہندوستان اور عرب میں اب یہی معمول ہے کہ بیٹھ کر نکاح کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۱/ ۱۵۲، ڈابھیل ۱۰/ ۵۹۲)

دولہا اور دولہن کو کلمہ پڑھانا قرآن وحدیث وفقہ اور ائمہ مجتہدین وسلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ جو لوگ کلمہ پڑھنا بھی نہیں جانتے ہیں، تو ان کو کلمہ پڑھا دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور جو لوگ پہلے سے کلمہ جانتے ہیں ان کو کلمہ پڑھانے کی کوئی

ضرورت نہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۲/۳۹۴، جدید میرٹھ ۱۶/ ۱۴۹، امداد المفتیین کراچی، ص: ۵۸۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر المظفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۵۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۲/۲۸ھ

نکاح کا خطبہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے

سوال [۵۱۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے، خواہ وہ خطبہ جمعہ، استسقاء، نکاح کا ہو یا کسی اور موقع کا؛ لہٰذا جو رواج آج کل ہمارے یہاں اور بعض دیگر ممالک میں ہو گیا ہے کہ نکاح پڑھانے والا خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھتا ہے، یہ خلاف سنت اور قابل ترک ہے، آج اس سنت کو زندہ کرنے کی سخت ضرورت ہے، اس حدیث کی بنا پر جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو میری ایسی سنت کو زندہ کرے گا جو مردہ ہو چکی ہے، اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا؛ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ نکاح کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھیں۔

بکر کہتا ہے کہ زید کا قول لغو ہے، اب تعامل بیٹھ کر پڑھنے کا ہے، علماء ہندوستان وعلماء عرب میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، چنانچہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ فرماتے ہیں:

''اصل خطبوں میں کھڑے ہو کر ہی پڑھنا ہے، مگر بیٹھ کر بھی جائز ہے، ہندوستان میں عام طور پر اب یہی رواج ہے، عرب میں بھی اب یہی رواج ہو گیا ہے''۔ (فتاوی رحیمیہ ۲/۳۷۵)

لہٰذا بیٹھ کر خطبۂ نکاح سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

زید اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ جب اصل کھڑا ہونا ہے، تو اصل چھوڑنے سے ترک سنت لازم آتا ہے؛ بلکہ اب ذہنوں میں یہ بات جم گئی ہے کہ بیٹھ کر پڑھنا ہی سنت ہے، آج اگر کوئی نکاح خواں مولوی صاحب کھڑے ہو کر نکاح کا خطبہ پڑھنے لگے تو کھلبلی مچ جائے

گی، مولوی صاحب پر بدعت کا الزام ٹھہرایا جائے گا، جب صورت حال یہ ہے کہ سنت کو بدعت سمجھا جارہا ہے، اور بدعت کو سنت، تو لامحالہ اس رواج کا ترک کرنا اور صحیح مسئلہ ظاہر کرنا علماء کا فریضہ ہوگا، چنانچہ دعاء ثانیہ کو علماء دیوبند کس شدومد سے رد کرتے ہیں کہ یہ طریقہ سنت نہیں ہے۔ تو ''مانحن فیہ'' میں بھی علماء کو اس غیر سنت رواج کے انسداد میں سرگرمی سے کام لینا چاہئے، رہی یہ بات کہ بقول حضرت مولانا مدنیؒ کے عرب میں بھی اب یہی رواج ہوگیا ہے، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ عرب میں جو رواج ہوتا ہے وہ دلیل شرعی نہیں ہے، خاص طور سے اس زمانہ میں جو رواج عرب میں پایا جاتا ہے؛ لہٰذا اصل وسنت چھوڑنے والوں کے پاس اس ایجاد میں کوئی قابل قبول دلیل وحجت نہیں، نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھنا ہی اصل وسنت ہے۔ اور اسی کی اشاعت وتبلیغ ہونی چاہئے؛ لہٰذا جواب دیں کہ زید کا قول حق ہے یا بکر کا؟

المستفتی: محمد شعیب پوسٹ بکس: ۶۳۱، ڈیڈور، ساؤتھ افریقہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کا خطبہ بیٹھ کر دینا بھی جائز ہے اور کھڑے ہوکر دینا بھی جائز ہے، نہ تو بیٹھ کر دینے کو خلاف سنت کہنا درست ہے اور نہ ہی بدعت کہنا درست ہے۔ اور نہ ہی نکاح کے خطبہ کی مسنونیت کو کھڑے ہوکر دینے میں متعین کرنا درست ہے۔ مستفتی نے بڑے شدومد کے ساتھ اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نکاح کا خطبہ کھڑے ہوکر ہی دینا مسنون ہے اور آگے مزید شدت سے یہ بات پیش کی ہے کہ نکاح کا خطبہ چونکہ کھڑے ہوکر ہی دینا مسنون ہے اور یہی اصل ہے اور اس سنت کو مٹا دیا گیا ہے؛ لہٰذا اس کو زندہ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شاید مستفتی کو ایسی کوئی حدیث ملی ہوگی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ نکاح کھڑے ہوکر دینا ثابت ہو یا مستفتی نے یہ سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ جمعہ اور خطبۂ استسقاء وغیرہ کھڑے ہوکر دیا ہے؛ اس لئے نکاح کا خطبہ بھی کھڑے ہوکر دیا ہوگا، ہم نے دونوں چیزوں کے بارے میں حدیث وفقہ کی کتابوں کو حسب استطاعت دیکھا ہے، نہ ہم کو کوئی حدیث ملی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کا یا خلفائے راشدین میں سے کسی کا کھڑے ہوکر خطبۂ نکاح دینا ثابت ہو اور نہ ہی دیگر صحابہ اور تابعین کا کوئی اثر یا ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا کوئی عمل خطبہ نکاح کو کھڑے ہوکر دینے سے متعلق ملا ہے؛ لہٰذا اگر مستفتی کو اس سلسلہ میں کوئی حدیث اثر یا فقہ کا کوئی جزئیہ ملا ہو تو پیش کرے، ہم بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور یہ سمجھنا بھی درست نہیں ہے کہ چونکہ آپ نے خطبۂ جمعہ، خطبۂ استسقاء وغیرہ کو کھڑے ہوکر دیا ہے؛ اس لئے خطبۂ نکاح بھی کھڑے ہوکر دیا ہوگا، یہ ایک قیاسی بات ہے اور اس قیاس کا مدار اس بات پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خطبہ کھڑے ہوکر دیا ہوگا، تو نکاح کا بھی خطبہ کھڑے ہوکر دیا ہوگا؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت سے خطبے بیٹھ کر دینا صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے، جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹھ کر خطبہ دینا ثابت ہے۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے:

عن أبي سعيد الخدري –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم جلس ذات يوم على المنبر وجلسنا حوله، فقال: إن ما أخاف عليكم من بعدي ما يفتح عليكم من زهرة الدنيا وزينتها. (بخاري شريف، كتاب الزكاة، باب الصدقة على اليتامى، النسخة الهندية ١/ ١٩٧، رقم: ١٤٤٤، ف: ١٤٦٥، صحيح مسلم، الزكاة، باب تخوف ما يخرج من زهرة الدنيا، النسخة الهندية ١/ ٣٣٦، بيت الأفكار، رقم: ١٠٥٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ربیع الاول ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۱۰۰۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۴/۶ھ

نکاح کے وقت پیش آنے والے امور کا حکم

سوال [۵۱۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: (۱) انعقاد نکاح کے لئے دو گواہ کا ہونا شرط ہے، گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے یا عورت کی گواہی بھی جائز ہے؟ دونوں جانب گواہ ہونا شرط ہے، ایک عورت ایک مرد یا دونوں طرف دو دو عورتیں یا دو دو مرد گواہ ہوں، ان کے سامنے نکاح کا انعقاد ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) نکاح کا خطبہ واجب ہے یا سنت؟ بغیر خطبے کے نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

(۳) بغیر مہر کے نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کورٹ میرج کے ذریعہ آج کل جو شادیاں ہورہی ہیں، اس میں مہر کی رقم طے نہیں ہوتی، کورٹ میرج سے نکاح ہوگیا یا نہیں؟ قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں جواب ارشاد فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (جزاک اللہ)

المستفتی: عارف صدیقی امروہہ (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نکاح کے انعقاد کے لئے دو مسلم مرد یا ایک مسلمان مرد اور دو عورتوں کا ہونا لازم ہے اور یہ گواہان ایک جانب کے بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں جانب کے بھی، بس بوقت نکاح ان گواہان کا ہونا لازم ہے۔

ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین. (هدایه ۲/ ۳۰٦، شامي کراچی ۳/ ۲۱-۲۲، البحرالرائق ۳/ ۱۵۵)

(۲) نکاح میں خطبہ واجب یا فرض نہیں؛ بلکہ صرف سنت ہے؛ لہٰذا بغیر خطبہ کے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

ویندب إعلانه وتقدیم خطبة. (الدرالمختار مع الرد، زکریا ٤/ ٦٦، کراچی ۳/ ۸)

فإن عقد الزواج من غیر خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غیر واجبة. (الفقه الإسلامي وأدلته، هدی انٹرنیشنل دیوبند ۷/ ۱۲۸)

(۳) مہر کا نام لئے بغیر اسی طرح مہر کی تعیین کئے بغیر نکاح منعقد ہوجاتا ہے، لیکن ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اور مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کے خاندان کی دوسری لڑکیوں کا جو مہر باندھا جاتا ہے وہی مہر اس لڑکی کو بھی دینا لازم ہے۔

وإن تزوجها ولم يسم لها مهرا أو تزوجها على أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها. (هندية ۱/ ۳۰٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/۱۲۱۴۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴؍۷؍۱۴۳۶ھ

نکاح کے بعد دعا کی حیثیت

سوال [۵۱۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح کے بعد دعا کی کیا حیثیت ہے؟

المستفتی: محمد قاسم گودھری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نکاح کے بعد دولہا، دولہن کے لئے خیر وبرکت کی دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے اور دونوں کو مبارک باد پیش کرنا بھی ثابت ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا رفأ الإنسان إذا تزوج قال: بارک الله لک وبارک عليک، وجمع بينكما في خير. (ترمذي، النكاح، باب ماجاء فيما يقال للمتزوج، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۷، دارالسلام، رقم: ۱۰۹۱، المستدرك، كتاب النكاح، قديم ۱/ ۱۸۳، مكتبه نزار مصطفى الباز ۳/ ۱۰۳۸، رقم: ۲۷٤٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۱۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱؍۶؍۱۴۳۱ھ

دورانِ حج بیت اللہ میں نکاح کرنا

سوال [۵۱۷۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: میں محمد آصف جو کہ ہلدوانی کا باشندہ ہوں، میرا چھوٹا بھائی محمد یوسف جو کہ اس سال الحمدللہ حج بیت اللہ کی زیارت سے سرفراز ہونے والا ہے، اس کی مرضی یہ ہے کہ اپنا نکاح بیت اللہ میں پڑھوائے، جس لڑکی سے نکاح چاہتا ہے وہ بھی اپنے والدمحترم کے ساتھ حج بیت اللہ کی زیارت سے سرفراز ہونے والی ہے، کیا اس صورت میں شریعت ان کو وہاں نکاح کرنے کی اجازت دیتی ہے؟

المستفتی: حاجی محمد آصف والدعبدالغفور، لائن: ۱۷، ہلدوانی، نینی تال (یوپی)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کو ضروری اور زیادہ فضیلت کا باعث نہ سمجھا جائے، اگر زیادہ فضیلت کا باعث ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہونے سے پہلے مقام سرف میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ فرماتے؛ بلکہ حدود مکہ میں داخل ہونے کے بعد ان سے نکاح فرماتے، نیز صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے کہ خاص طور پر مکۃ المکرّمہ اور مسجد حرام میں اپنا عقد نکاح کیا ہو، ہاں البتہ دنیا کی کسی بھی جگہ اپنا عقد نکاح کرنا جائز ہے، اسی طرح حدود مکہ اور حدود مدینہ میں بھی اپنا عقد نکاح کرنا اسی درجہ میں جائز ہے جس درجہ میں دوسری جگہ جائز ہے۔

وبالجملة فقد اتفق الفريقان على وقوع النكاح بسرف، وسرف من المشاهد المشهورة بين الحرمين قريب مكة دون الوادي المشهور بوادي فاطمة، قال الطبري: هو على عشرة أميال من مكة، وقال القاري: الصحيح أنه على ستة أميال. والله أعلم، والغرض أنه خارج الحرم، وداخل الميقات قطعا، وقد ثبت في صحيح البخاري. (فتح الملهم، كتاب النكاح، باب تحريم نكاح المحرم و كراهة خطبته، أشرفيه ديوبند ۳/ ۴۵۴، ۴۵۵) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۰۲۹/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/۶/۱۴۲۷ھ

مجلسِ نکاح مسجد میں منعقد کرنے پر انتظامی قانون نافذ کرنا

سوال [۵۱۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ''ہندو پور ضلع اننت پور، آندھرا پردیش کا ایک مشہور ومعروف دینی ماحول سے پر فضا شہر ہے، یہاں تقریباً اہل سنت والجماعت کی پچپن (۵۵) مساجد ہیں، جو شہری جامع مسجد سے (دینی شہری وسماجی مسائل میں جامع مسجد کمیٹی کی جانب سے منظور شدہ قانون نظامی حیثیت سے یکجہتی کے ساتھ عمل پیرا ہونے میں) مربوط ہیں۔

ضروری بات یہ ہے کہ ہمارے شہر ہندو پور میں شادی بیاہ کی محفلیں شادی قانون اور گھروں کے سامنے رواج پائے جانے کی بناپر حسب ذیل منکرات وخرافات روز بروز بڑھتے جارہے ہیں۔

(۱) بے محابا مردوں اور عورتوں کا اختلاط، عورتوں کا زیب زینت کے ساتھ اجنبی مردوں کے سامنے بے نقاب بلا تکلف سامنے آجانا۔

(۲) تصویر کشی (۳) وی ڈی یو اور وی سی آر (۴) بے ضرورت دولہا کا پھولوں کا ہار پہننا اور سہرا بندی (۵) پانچ وقت کی ناقدری (۶) اکثر شرکاء کی نماز قضاء (۷) بوقت خطبۂ نکاح شور وشغب (۸) عموماً مجلس نکاح میں حاضرین کا بے وضو ہونا۔

شہر ہندو پور کی علماء، حفاظ وائمہ اکرام پر مشتمل ایک باوقار جماعت ''مجلس دعوت الخیر'' نے یہ فکر کی کہ مجلس نکاح اگر مساجد میں منعقد ہو تو مساجد کی حرمت کے پیش نظر لوگ حتی الامکان خرافات سے محفوظ رہیں گے، چنانچہ ''مجلس دعوت الخیر'' نے تمام متولیان مساجد وارا کین کمیٹی اور عمائدین شہر کا ایک خصوصی اجلاس مورخہ ۲۸/۱/۲۰۱۰ء بروز جمعرات بمقام مبارک مسجد منعقد کیا، جس میں معزز علماء کرام نے مذکورہ منکرات وخرافات کو روکنے کے لئے مساجد میں مجلس نکاح منعقد کرنے کی ترغیب دلائی، تقریباً سب نے اس بات پر متفقہ طور پر

آمادگی کا اظہار کیا اور اس سلسلے میں اپنے اپنے قیمتی تأثرات بھی پیش کئے، تو ''مجلس دعوت الخیر'' نے جامع مسجد کی باوقار کمیٹی سے درخواست کی کہ اگر یہ کام آپ کی زیر نگرانی انتظامی طور پر عمل میں لایا جائے تو بآسانی خرافات ومنکرات کا سد باب ہوسکتا ہے۔ ''جامع مسجد کمیٹی'' نے اس کام کو عمل میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے ایک خصوصی اجلاس مورخہ: ۲۰۱۰/۲/۹ء بروز منگل ''جامع مسجد'' میں منعقد کیا، جس میں مجلس دعوت الخیر کے ارکان متولیان مساجد اور عمائدین شہر کو طلب کیا، اس موقع پر پھر ایک بار معزز علماء کرام ومتولیان مساجد نے مساجد میں مجلس نکاح منعقد کرنے کی تائید کی، قریب تھا کہ یہ ''انتظامی قانون'' نافذ ہوجاتا اتنے میں دو کرم فرماں علماء کرام نے اپنے بیان میں کہا کہ ایک مستحب چیز پر التزامی قانون نافذ کرنا شریعت میں مداخلت ہے کہ ایک مستحب کو فرض بنایا جارہا ہے (حالانکہ یہ قانون انتظامی ہے نہ کہ التزامی) جس کی وجہ سے جامع مسجد کمیٹی مساجد میں نکاح منعقد کرنے پر ''انتظامی قانون'' نافذ کرنے کے سلسلے میں کش مکش میں ہے۔

لہٰذا آپ مفتیان کرام وضاحت فرمائیں کہ موجودہ فتنہ وفساد کے دور میں مساجد میں ''مجلس نکاح'' منعقد کرنے کو رواج دینا اور اس پر ایک ''انتظامی قانون بنانا'' کمیٹی کا یہ انتظامی قدم صحیح ہے یا نہیں؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام

المستفتی: مجلس دعوت الخیر، ہندوپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ پر غور کیا گیا، اس میں دو باتیں الگ الگ طور پر سمجھنے کی ہیں: (۱) امر مستحب کو معاشرہ کی اصلاح اور منکرات سے بچنے کے لئے رواج دینا، یہ ایک مناسب فعل اور عمل خیر ہے، ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے؛ اس لئے کہ حدیث میں مساجد میں ''مجلس نکاح'' کے انعقاد کی ترغیب آئی ہے:

عن عائشة – رضي الله عنها – قالت: قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف. (ترمذي شريف، كتاب النكاح، باب ماجاء في إعلان النكاح، النسخة الهندية ١/ ٢٠٧، دار السلام، رقم: ١٠٨٨)

لیکن اس کے لئے پورے شہر میں ایسا منظّم دستور بنانا جس کے بعد مسجد کے علاوہ دیگر مقام پر نکاح کی مجلس ہی منعقد نہ ہو سکے، یا دیگر مقام پر نکاح کی مجلس قائم کرنے کو برا سمجھ کر قابل نکیر سمجھنے کی نوبت آجائے درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ شریعت نے نکاح کو انتہائی آسان بنایا ہے، بعض دفعہ ایسا واقعہ پیش آسکتا ہے کہ جس کمیٹی کے تحت یہ نظام چلے گا، شہر کے کچھ لوگوں کو ان سے اختلاف ہو جائے اور ان کے زیر انتظام اپنے یہاں کی مجلس نکاح کو مناسب نہ سمجھیں، تو ایسے میں مجلس نکاح کے لئے لوگ بلاوجہ تنگی میں پڑ جائیں گے؛ اس لئے شدت کے بجائے نرمی کا راستہ اختیار کیا جانا چاہئے اور مجلس نکاح کے بارے میں لوگوں کو آزاد چھوڑ دینا چاہئے اور مساجد میں نکاح کے سلسلہ میں لوگوں کو ترغیب دیتے رہیں اور منکرات پر نکیر کا سلسلہ بھی جاری رہے۔

ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ. [سورة النحل، آیت: ۱۲۵]

سوال نامہ میں کچھ باتیں بلاوجہ شدت کی بھی لکھی گئیں ہیں، مثلاً مجلس نکاح میں بے وضو شریک ہونے پر نکیر یہ ایسی باتیں ہیں جو بے جا شدت کے دائرہ میں آسکتی ہیں؛ اس لئے کہ کوئی بھی پوچھ سکتا ہے کہ مجلس نکاح میں باوضو شرکت کرنا کہاں سے ثابت اور لازم ہے، تو اس کا جواب دینا مشکل پڑ جائے گا اور نتیجتاً یہ چیزیں اختلاف اور فتنہ کا باعث بن جائیں گی۔

إن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة. (السعاية ٢/ ٢٦٥)

من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (طيبي شرح المشكوة ٢/ ٣٧٤، تحت رقم الحديث: ٩٤٢، مرقاة، مكتبه إمداديه ملتان ٢/ ٣٥٣)

(۲) بعض دفعہ امر مستحب کو قانونی شکل دینا جائز ہوجاتا ہے، مگر اس کے لئے سرکاری نظام ضروری ہے؛ کیوں کہ اگر سرکاری نظام کے تحت قانون نہ بنے تو یہی قانون مسلمانوں کے اختلاف اور لڑائی جھگڑے کا سبب بن سکتا ہے؛ لہٰذا جن دو علماء نے قانونی شکل دینے سے اختلاف کیا ہے، ان کا نظریہ یہی ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۱۰۰۰۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸؍۴؍۱۴۳۱ھ

زیارت میں نکاح پڑھوانا

سوال [۵۱۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے اپنا نکاح دو گواہوں اور ایک وکیل کی موجودگی میں زیارت میں جا کر پڑھوایا اور قاضی نے نکاح پڑھا تو یہ نکاح از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: بشیر احمد محلہ شیدی سرائے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح زیارت پر ہو یا کسی بھی جگہ کم از کم دو گواہوں کے سامنے ہو منعقد ہوجاتا ہے۔ ''درمختار'' میں ہے:

وينعقد بإيجاب وقبول. (درمختار، کتاب النکاح، زکریا دیوبند ٤/ ٦٨-٦٩، کراچی ٣/ ٩)

اسی میں ہے: **وشرط حضور شاهدين**. (الدر مع الرد، زکریا ٤/ ٨٧، کراچی ٣/ ٢٨)

یعنی نکاح ایجاب وقبول سے ہوجاتا ہے، بشرطیکہ دو گواہوں کے سامنے ہو؛ البتہ مستحب یہ ہے کہ اعلان کے ساتھ جمعہ کے دن مسجد میں ہو، اسی میں ہے: "**ويندب إعلانه**

وكونه في مسجد يوم جمعة" (الدر مع الرد، زكريا ديوبند ٤/ ٦٦، كراچی ٣/ ٨)
یعنی مستحب ہے کہ نکاح اعلان کے ساتھ جمعہ کے دن مسجد میں ہو۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۴۴/۲۴)

سمیلن میں اجتماعی نکاح، مہر، نیز حالت حیض میں اور نابالغ لڑکی کے نکاح کا حکم

سوال [۵۱۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے اطراف وعلاقے میں چند سالوں سے اجتماعی شادیوں کا رواج زور پاتا جارہا ہے، جسے یہاں کی اصطلاح میں ''سمیلن'' کہا جاتا ہے اور یہ برادری وائز بھی ہے اور چندے غیر برادری، ایک ایک ''سمیلن'' میں پچیس جوڑوں سے سوڈیڑھ سو جوڑوں تک کا عقدِ نکاح ہوتا اور رخصتی ہوتی ہے۔

(۲) ''سمیلن'' کروانے والوں کی ایک تنظیم کمیٹی ہوتی ہے، وہ زوجین کے اولیاء سے مختصر رقم لیتے ہیں، مثلاً لڑکے والوں سے تین ہزار لڑکی والوں سے تین ہزار، اس میں کمیٹی والے زوجین کے ساتھ آئے رشتہ دار، وباراتی کے طعام کے ساتھ لڑکی کو جہیز کے نام پر چند سامان بھی مثلاً، پلنگ، الماری، بستر اور برتن وغیرہ بھی دیتے ہیں، اس میں امیر غریب دونوں طبقے کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اور مرد وخواتین کا ایک میلہ نما ماحول صبح سے شام تک رہتا ہے، زوجین میں بالغ نابالغ دونوں طرح ہوتے ہیں، بعضوں کا صرف عقد ہوتا ہے، رخصتی بعد میں، بعضے لوگ سمیلن کے بعد بھی اپنے گھر پر دولہا والوں کو کھانا دے کر رخصت کرتے ہیں۔

(۳) یہ حقیقت ہے کہ بہت سارے غریب وکمزور گھرانوں کی لڑکیاں اس اجتماعی عقد خوانی وسمیلن سے کم خرچ میں باعزت طور پر رخصت ہوجاتی ہیں اور والدین اپنے فریضہ سے بحسن وخوبی فارغ ہوجاتے ہیں، اور سبھوں کے لئے ایک طرح کا سامانِ جہیز ہونے کی وجہ

سے یکسانیت بھی رہتی ہے، باوجود کہ بعضے لوگ الگ سے بھی جہیز دیتے ہیں؛ لیکن وہ بعد میں۔

(۴) ان حقائق کی روشنی میں چند امور دریافت طلب ہیں:

الف: کیا اجتماعی شادی وعقد میں شرعاً کوئی قباحت ہے؟

ب: اس میں بہت ساری لڑکیاں حیض سے ہوتی ہیں، اس حالت میں نکاح اور رخصتی کرنا شرعاً کیسا ہے؟

ج: سبھوں کا ایک طرح کا مہر مقرر کرنا شرعاً درست ہے؟

د: مردوخواتین کا اس طرح ایک جگہ جمع ہونا جس میں بے حد بے پردگی رہتی ہے، کیا اس کی ان موقعوں پر گنجائش ہے؟

ہ: اس وقت شادی پر ناجائز اخراجات اور تلک جہیز کے ناروا مطالبات کی بنا پر بے شمار غریب مقیم لڑکیاں جو نکاح سے رہ جاتی ہیں یا ان کے والدین کو زمین جائیداد بیچ کر یا سود سے قرض لے کر عقد کرنا پڑتا ہے، اس سے بچنے اور آسانی وعزت کے ساتھ وہ اپنے فریضہ سے فارغ ہوجائیں بہتر صورت کیا ہے؟

و: ایک ایک قاضی کئی کئی نکاح پڑھاتے ہیں، اگر قاضی غلطی سے کسی لڑکی کا نکاح دوسرے لڑکے سے پڑھا دے اور لڑکے کے قبول کے بعد فوراً یاد آنے پر پھر الگ سے جس سے نکاح ہونا تھا اس سے قبول کرائے تو ایسا نکاح ہوگا یا نہیں؟

ز: اس میں عام طور پر ناواقف نکاح خواں نابالغہ لڑکی سے نکاح کی اجازت لے کر نابالغ سے ہی قبول کراتے ہیں، ایسا نکاح شرعاً منعقد ہوگا یا نہیں اور نابالغ سے ایجاب وقبول کی صحیح صورت کیا ہے؟

شریعت مقدسہ کی روشنی میں مدلل جواب دینے کی زحمت فرما کر مشکور فرمائیں۔

المستفتی: محمد ذکاء اللہ شبلی، جامع مسجد چھاؤنی اندرو

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (الف) اجتماعی شادیوں کی تقریب، اگر شرعی حدود

میں رہ کرانجام دی جائے تو یہ واقعتاً بڑی نفع بخش اور خیر کا باعث ہے۔ اور اسراف سے روکنے کا ذریعہ ہے؛ لیکن اجتماعی شادیوں کے نام پر بڑی تعداد میں مردوں اور عورتوں کی بھیڑ اکٹھا کرنا اور ہزار ہا ہزار افراد کے کھانے کا انتظام کرنا ثواب کے بجائے خود اسراف اور ذریعۂ گناہ ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– قال النبي ﷺ: إن أعظم النكاح بركة، أيسره مؤونة. (شعب الإيمان للبيهقي، باب الاقتصاد في النفقة، وتحريم أكل المال الباطل، دارالكتب العلمية بيروت ٥/ ٢٥٤، رقم: ٦٥٦٦، مشكوة ٢/ ٢٦٨)

(ب) حیض ونفاس کی حالت میں نکاح اور رخصتی بلا شبہ درست ہے؛ البتہ صحبت جائز نہیں ہے۔

وأما نحو الحيض والنفاس ...... فهو مانع من حل الوطء، لا من محلية العقد. (شامي، كتاب النكاح، زكريا يدوبند ٤/ ٦٠، كراچی ٣/ ٤)

(ج) تمام جوڑوں کے ایک طرح کا مہر مقرر کرنے سے نکاح میں خرابی لازم نہیں آتی، بہتر یہ ہے کہ مہر کی اتنی مقدار متعین کی جائے جس کے ادا کرنے پر تمام لوگ قادر ہوں؛ البتہ سرمایہ داروں کے لڑکے لڑکیوں کی شادی میں مہر مثل نہیں ہو پاتا ہے؛ اس لئے شادی کے بعد ان کے یہاں کی دولہنوں کو زیورات وغیرہ کی شکل میں مزید کچھ دینا چاہئے، تاکہ مہر مثل کا حق اسے مل جائے اور اسے ضمنی طور پر خفیہ انداز میں کیا جائے، تاکہ غریب لڑکیوں پر اثر نہ پڑے۔

والواجب بالعقد إنما هو مهر المثل، ولذا قالوا: أنه الموجب الأصلي في باب النكاح، وأما المسمى: فإنما قام مقامه للتراضي به. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ٣/ ١٠٠، زكريا ديو بند ٤/ ٢٣٠)

(د) اس تقریب میں جہاں خیر کثیر ہے وہیں بے پردگی اور منکرات بھی ہیں؛ لہٰذا کوشش کی جائے کہ بے پردگی سے حتی الامکان احتراز ہو، مثلاً مردوں کے لئے الگ ہال ہو اور عورتوں کے لئے الگ، ان کا اختلاط شرعاً جائز نہیں ہے۔

ولا یأذن بالخروج إلی المجلس الذي یجتمع فیه الرجال والنساء، وفیه من المنکرات. (بزازیة علی الهندیة، کتاب النکاح، التاسع عشر في النفقات، زکریا دیوبند ٤/ ١٥٧، جدید زکریا ١/ ١٠٢)

(ہ) سمیلن یعنی اجتماعی شادیوں کی وجہ سے نادار اور غریب لوگ، بہت بڑی وبا اور خرچ سے بچ جاتے ہیں، جیسا کہ سوال میں درج ہے؛ لہٰذا یہ طریقہ غرباء کے لئے نہایت مبارک باد اور قابل تحسین عمل ہے، شرعی حدود میں رہ کر انجام دیا جائے تو بہتر ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ، قدیم ۵/ ۲۶۶، جدید زکریا ۸/ ۲۴۳)

(و) کئی نکاح ایک ساتھ ہونے کی صورت میں اگر غلطی ہو جائے تو اسی مجلس میں لڑکے سے ایک طلاق دلوا کر دوبارہ نکاح جس کا رشتہ جس کے ساتھ پہلے سے ہوا ہے، اسی کے ساتھ پڑھا دینا چاہئے۔

ولو له بنتان أراد تزویج الکبری، فغلط فسماها باسم الصغری، صح للصغری. (الدر مع الرد، زکریا دیوبند ٤/ ٩٧، کراچی ٣/ ٢٦، الموسوعة الفقهیة الکویتیة ١٩/ ١٦٢، قاضي خان علی هامش الهندیة ١/ ٣٢٤، جدید زکریا ١/ ١٩٧)

(ز) نابالغ کی اجازت معتبر نہیں ہے، اس کے ولی اقرب کی اجازت سے اس کا نکاح کرنا لازم ہے۔ اور ولی اقرب نہ ہو تو ولی ابعد کی اجازت سے نکاح ہونا چاہئے، اور ولی ابعد کی اجازت سے نکاح کی صورت میں بالغ ہونے کے بعد نابالغہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

وهو أي الولي صحة نکاح صغیر. (درمختار) قال الشامي: أي شخص صغیر، فیشمل الذکر والأنثی. (شامي، زکریا ٤/ ١٥٥، کراچی ٣/ ٥٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱؍ شعبان ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۳۶)

اجتماعی شادی

سوال [۵۱۸۱]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اجتماعی شادی کا شرعی حکم کیا ہے؟

اجتماعی شادی کے لئے ایک انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے، یہ کمیٹی دولہے اور دولہن والوں سے کچھ رقم جمع کرواتی ہے، مثلاً دو تین ہزار روپئے، پھر جمع شدہ رقم سے بطور جہیز کچھ ضروریات زندگی کا سامان دیا جاتا ہے اور دولہا دولہن والوں کے اقرباء ورشتہ داروں کے کھانے کا نظم اور نکاح خواں قاضی کا ہدیہ بھی ادا کرتی ہے، اس سے غریب خاندان کم خرچ میں اپنے بچوں کی شادی سے فارغ ہو جاتے ہیں، کچھ لوگ اس کو بدعت اور کچھ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔

(۲) مذکورہ کمیٹی میں مالدار طبقے شامل ہوکر پورے اخراجات سنبھالتے ہیں اور اجتماعی شادی کے نام پر کچھ رقم بطور امداد حکومت بھی دیتی ہے، جو ایک کثیر رقم ہوتی ہے۔ شادی مکمل ہونے کے بعد جو روپئے اس میں سے بچتے ہیں وہ کمیٹی کے ممبران اگر آپس میں بانٹ لیتے ہیں تو منتظمین کا روپیہ تقسیم کرنا جائز ہے یا پھر اس رقم کا کیا کیا جائے؟

(۳) منتظمین نکاح خواں قاضی سے فی نکاح ۲۰۰/روپئے طے کر لیتے ہیں اور دولہے والوں سے فی نکاح ۳۰۰/روپئے وصول کرتے ہیں، منتظمین کا یہ فعل از روئے شرع کیسا ہے؟

(۴) نکاح خواں قاضئ شہر گیس کی ٹنکیوں کو بلیک میں خرید وفروخت کرتا ہے، جب کہ ٹنکیوں کا بلیک کرنا حکومت کی طرف سے ممنوع اور غیر قانونی ہے، ایسے غیر قانونی دھندا کرنے والے قاضی سے نکاح پڑھوایا جاسکتا ہے؟ اس میں شرعاً قباحت تو نہیں ہے؟

(۵) زید اپنے بچوں کا نکاح ایسے غیر قانونی دھندا کرنے والے قاضی سے نہ پڑھوانے پر بضد ہے، اس کا کہنا ہے کہ نکاح ایک پاک رشتہ کے منعقد ہونے کا ذریعہ ہے؛ لہٰذا ایسے قاضی سے نکاح پڑھوانا قطعاً درست نہیں ہے، زید از روئے شرع حق بجانب ہے؟

(۶) زید کو ایسے غیر قانونی دھندا کرنے والے قاضی سے اپنے بچوں کا نکاح

پڑھوانے میں اطمینان قلب نہیں ہے،تو کیا اجتماعی شادی کمیٹی اپنے طے کئے ہوئے ایسے قاضی سے نکاح پڑھوانے کے لئے زید کو مجبور کر سکتی ہے؟ دباؤ ڈال سکتی ہے؟

المستفتی: امام الدین جوئے سابق صدر ضلع وقف کمیٹی کھرگون، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ سوال کے اندر اجتماعی شادی کی جوصورت بیان کی گئی ہے، وہ جائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۷/ ۱۴۸)

اگر سرمایہ دار لوگ اس طرح کی اجتماعی شادیوں میں غریبوں کے تعاون کی غرض سے اپنی جیب سے خرچ کریں گے تو ان کے لئے یہ باعث اجر وثواب اور ایک اہم ترین کارخیر میں خرچ کرنا ثابت ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. [البقرة: ٢٧٤]

اجتماعی شادی کے نام پر جو رقم حکومت بطور امداد دیتی ہے، اس میں سے بچی ہوئی رقم کا منتظمین کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، یہ ایک قسم کی خیانت ہوجائے گی؛ بلکہ جن کی شادی ہو رہی ہے وہ رقم ان ہی کو بانٹ دینا ضروری ہے۔

من أخذ مال غيره لا على وجه إذن الشرع فقد أكله بالباطل. (تفسير قرطبي، تحت الآية: ١٨٨، من سورة البقرة، قديم ٢/ ٣٣٨، دارالكتب العلمية بيروت ٢/ ٢٢٥)

اور دولہا والوں سے منتظمین جو رقم نکاح خواں قاضی کے لئے لیتے ہیں وہ پوری رقم قاضی کو دے دینی چاہئے، اس میں سے کچھ پیسے بچانا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر اس پیسے کو شادی کے نظم وانتظام میں خرچ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

وليس للمودع حق التصرف والاسترباح في الوديعة. (مبسوط سرخسي، كتاب الوديعة، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ ١٢٢، العناية، دار الفكر مصري قديم ٨/ ٤٩٠، زكريا ٨/ ٥١٥-٥١٦، كوئٹه ٧/ ٤٥٧)

وحق الديانة أن تؤدي إلى أهلها، فالخيانة مخالفة لها. (مرقاة، إمداديه ملتان ٢/ ١٢٦)

نکاح دیندار عالم سے پڑھوانا مستحب اور افضل ہے، قاضی سے نکاح نہیں پڑھوانا چاہئے؛ البتہ اگر کسی نے قاضی سے نکاح پڑھوالیا تو نکاح درست ہوجائے گا، زید کو اگر مذکورہ قاضی سے نکاح پڑھوانے میں قلبی اطمینان نہیں ہے؛ اس لئے وہ اس سے نکاح نہیں پڑھوا رہا ہے، تو اس کے اوپر دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے، اس کو اس کی مرضی پر چھوڑ دینا ضروری ہے، وہ جس سے چاہے اپنے بچوں کا نکاح پڑھوائے۔

ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد، وشهود عدول. (شامي، كتاب النكاح، زكريا ديوبند ٤/ ٦٦-٦٧، كراچی ٣/ ٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۶ر محرم الحرام ۱۴۳۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۱۵)	۲۶/۱/۱۴۳۳ھ

حکومت کی جانب سے جاری کردہ نکاح کے رجسٹریشن کا حکم

سوال [۵۱۸۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض یہ ہے کہ ہم آپ کو سب سے پہلے اس بات سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ حکومتِ تامل ناڈو نے سرکاری سطح پر نکاح رجسٹریشن کو لازم قرار دے دیا ہے۔ رجسٹریشن کے کاغذات اور اس کی تمام شرطیں اس لفافے کے ساتھ ملفوف ہیں۔ سرکاری طور ہماری کوتاہ نظروں میں اس کے اندر ایسی باتیں ہیں جو شریعت کے بالکل خلاف ہیں، جیسے کہ:

(الف) نکاح کرنے والے لڑکے کی عمر ۲۱ر سال سے کم نہ ہونا اور لڑکی کی عمر ۱۸ر

سال سے کم نہ ہونا، اگر کم ہو تو حکومت کی نظر میں وہ نکاح قابل تسلیم نہیں، وہ دونوں میاں بیوی نہیں کہلا سکتے، میاں بیوی کے حقوق آپس میں لازم نہیں ہوں گے۔

(ب) اگر خلع یا طلاق کی نوبت آتی ہے تو رجسٹریشن فارم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں، شرعاً خلع، طلاق ہو بھی جائے تو بھی حکومت کی نظر میں وہ دونوں میاں بیوی ہی رہیں گے، جب تک کہ عدالتوں کا سہارا لے کر نکاح کو ختم نہ کیا جائے، اس کے لئے بہت ساری دشواریوں کا سامنا ہوگا۔

(ج) انصاف کا برتاؤ کرنے کی شرط کے ساتھ شریعت نے چار نکاح تک کی جو اجازت دی ہے وہ اس رجسٹریشن فارم میں متصور ہی نہیں، وغیرہ، اب ہم آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ شرعی نقطہ نظر سے (جب کہ ہم ایک جمہوری ملک میں رہتے ہیں)

(الف) لازمی رجسٹریشن کو قبول کر لینا جائز ہے؟

(ب) تنظیم المساجد کے ذمہ داروں کا اس قانون کو روبہ عمل لانے کے لئے کوشاں ہونا شرعاً کیسا ہے؟

(ج) علماء ربانیین اگر حکومت کی اس پالیسی پر سکوت اختیار کر لیں تو کیا شرعی جرم ہوگا؟

(د) ایسے موقع پر علماء اور عمائدین کا ہماری اپنی شریعت کے موافق اصولوں کو حکومت سے منوانا شرعاً کیا درجہ رکھتا ہے؟ فقط والسلام

المستفتی: صدر رباط العلماء وانم باڑی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) سوال (الف) میں جو شرط لگائی گئی ہے کہ لڑکے کی عمر ۲۱؍سال اور لڑکی کی عمر ۱۸؍سال ہونا شرط ہے، اس سے کم میں نکاح قابل قبول نہ ہوگا، یہ شریعت محمدیہ اور مسلم پرسنل لاء کے خلاف ہے، مسلمانوں کو اس قانون کو ختم کرنے میں احتجاجی مطالبہ کا حق ہے۔

(۲) سوال (ب) میں خلع کے سلسلہ میں جو قانون لکھا ہے وہ بھی مسلم پرسنل لاء

کے خلاف ہے، اس قانون کو ماننا بھی مسلمانوں پر لازم نہیں ہے۔ اور اس کو ختم کرنے کے لئے مسلمانوں کو اجتماعی کوشش کرنی چاہئے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ. [سورة البقرة، آيت: ۲۲۹]

وحكمه أن الواقع به أي بالخلع ...... طلاق بائن. (شامي، كتاب الطلاق، باب الخلع، مطلب ألفاظ الخلع خمسة، زكريا ديوبند ٥/ ٩١-٩٢، كراچی ٣/ ٤٤٤)

(۳) سوال (ج) میں مذکور ہے کہ لازمی رجسٹریشن فارم میں چار نکاح کرنا متصور اور قابل اعتبار نہیں ہے، حالاں کہ چار نکاح کی اجازت بیوی کے درمیان انصاف کی شرط کے ساتھ قرآن سے ثابت ہے۔ اور قرآنی حکم کے خلاف حکومتی قانون مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ أَدْنَى أَلَّا تَعُولُوا.

[سورة النساء، آيت: ٣]

قال رسول اللّٰه ﷺ: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب السير، مؤسسة علوم القرآن جديد ١٨/ ٢٤٧، رقم: ٣٤٤٠٦)

(۴) لازمی رجسٹریشن پر جو قوانین اور ضابطے لکھے ہیں وہ شریعتِ محمدی اور مسلم پرسنل لاء کے عین مخالف ہیں؛ اس لئے اس رجسٹریشن کو قبول کرنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے؛ بلکہ تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس رجسٹریشن کے قانون کو شریعت محمدیہ کے مطابق بنانے کی سعی وکوشش کریں، اس قانون کو ماننا درج ذیل آیت کریمہ اور حدیث پاک کے صراحتاً خلاف ہے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. [الحشر: ٧]

عن عمران بن حصين قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا

طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ١٨/ ١٧٠، رقم: ٣٨١)

(۵) تنظیم المساجد کے ذمہ داروں کا ایسے قانون کو روبہ عمل لانے کے لئے کوشاں ہونا شرعاً جائز نہیں ہے، اس طرح کی کوشش قرآن وحدیث کے قانون کو توڑنے کی کوشش ہے، جو کسی کے لئے قطعاً جائز نہیں ہے۔

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ. [المائدة: ٤٧]

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما: كتاب الله، وسنة رسوله. (مشكوة، ص: ٣٠، وهكذا في المستدرك للحاكم قديم ١/ ٩٣، مكتبه نزار مصطفى الباز ١/ ١٣٧، رقم: ٣١٨)

(٦) صرف یہ علماء ربانیین کی ذمہ داری نہیں ہے؛ بلکہ اس قانون کو توڑنے کی کوشش تمام مسلمانوں پر لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۵/۵ھ

۲/ باب الخِطبة

منگنی کے متعلق چند مسائل

سوال [۵۱۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکے کا رشتہ طے ہونے کے لئے پہلے منگنی کی رسم ہوتی ہے، جس میں لڑکے والا اپنے ساتھ کچھ آدمیوں کو لے کر لڑکی والے کے یہاں جاتا ہے، وہاں لڑکی والا اپنے ساتھیوں کے درمیان لڑکے کے لئے انگوٹھی رومال اور سترہ آنے (لڑکی کے رشتہ کی نسبت سے) دیتا ہے، دریافت طلب یہ بات ہے کہ یہ سامان جو کہ لڑکی کی نسبت سے دیا جاتا ہے اس کو لڑکا اپنے مصرف میں لانے کا حق دار ہے یا نہیں؟

(۲) اسی طرح لڑکے والا لڑکی کے لئے (لڑکے کی نسبت سے) کچھ سامان لڑکی والوں کو دیتا ہے، آیا یہ سامان لڑکی اپنے استعمال میں لاسکتی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ ابھی تک لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے محرم نہیں ہوئے ہیں۔

(۳) لڑکے والا یا لڑکی والا ایک دوسرے سے (شادی سے پہلے) ملنے کے لئے آتے جاتے ہیں، تو طرفین چلتے وقت کچھ پیسے ایک دوسرے کے بچوں کو دیتے ہیں؛ لیکن لڑکے والا لڑکی کو اور لڑکی والا لڑکے کو دوسرے بچوں کے مقابلہ میں زیادہ دیتا ہے، اس طرح فرق کرنا لڑکے یا لڑکی کی نسبت سے مانا جائے گا یا نہیں؟ ایسی صورت میں طرفین کو لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرشید محلّہ علی خان کاشی پور، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر اس طرح لین دین کا علاقہ میں رواج ہو چکا ہے تو یہ مانگ یا دباؤ ڈال کر لینے کے حکم میں ہے اور اس طرح لین دین شرعی طور پر ناجائز اور ممنوع ہے، اس سے طرفین کے لوگ ایک بیجا خرچ میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لئے اس کا ترک ضروری ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۵/ ۳۱۹، ڈابھیل ۱۱/ ۱۸۵)

(۲) یہ بھی رسم ورواج سے مجبور ہوکر لینا دینا ہوتا ہے؛ اس لئے اس کو بھی ترک کردینا ضروری ہے۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ،قدیم ۵/ ۳۱۹،ڈابھیل۱۱/ ۱۸۵)

(۳) اس طرح بچوں کے ہاتھوں میں دینا اظہار محبت کے لئے ہوتا ہے؛ اس میں بظاہر کوئی قباحت نہیں؛ لیکن اگر نہ دینے پر شکوہ وشکایت شروع ہوجائے تو یہ بھی ممنوع ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ،قدیم ۵/ ۳۲۰،ڈابھیل۱۱/ ۱۸۷)

قال في الوسيلة الأحمدية شرح الطريقة المحمدية: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي، ومن الرشوة ما أخذه ولي المرأة قبل النكاح إذا كان بالسؤال، أو كان إعطاء الزوج بناء على عدم رضائه على تقدير عدمه، أما إذا كان بلا سؤال ولا عن عدم رضائه، فيكون هدية، فيجوز. (مجموعة الفتاوى على هامش الخلاصة، كراچی ۲/ ۲۳۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۴۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۸ھ

مخطوبہ کو دیکھنا مستحب اور افضل

سوال [۵۱۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح سے پہلے کیا کوئی مرد اپنی ہونے والی بیوی کو ایک مرتبہ اپنی نظر سے دیکھ سکتا ہے کہ نہیں؟ اس کے لئے دیکھنا جائز ہے کہ نہیں؟ شریعت کی روشنی میں اس کا جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتی: امتیاز احمد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد کا نکاح سے پہلے اپنی بیوی کو ایک نظر دیکھنا جائز ہی نہیں؛ بلکہ مستحب اور افضل ہے ۔(مستفاد :انوار نبوت ،ص:۶۲۱)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: كنت عند النبي ﷺ، فأتاه رجل، فأخبره أنه تزوج امرأة من الأنصار، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أنظرت إليها؟ قال: لا، قال: فاذهب فانظر إليها، فإن في أعين الأنصار شيئا. (صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب ندب النظر إلى وجه المرأة وكفيها لمن يريد تزوجها، النسخة الهندية ١/ ٤٥٦، بيت الأفكار، رقم: ١٤٢٤)

ويندب إعلانه وتقديم خطبة (إلى قوله) والنظر إليها قبله. (درمختار مع الشامي، كتاب النكاح، كراچى ٣/ ٨، زكريا ٤/ ٦٧) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر:۳۸/۸۹۳)

نکاح سے قبل منگیتر کو دیکھنا

سوال [۵۱۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی کے لئے اس کے گھر والوں نے ایک جگہ بات چیت شروع کی، حتی کہ معاملہ بھی طے ہوگیا، اب زید اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہے، جس سے اس کا نکاح ہونا طے ہوا ہے، تو کیا اس کا یہ دیکھنا جائز ہے؟ جب کہ کتابوں میں آتا ہے کہ اجنبیہ عورت کو دیکھنا حرام ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے؟

المستفتی: محمد غفران باغ نگر، بستی یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح سے پہلے زید کا اس لڑکی کو دیکھنا جائز ہے، جس

سے اس کا رشتہ طے ہوا ہے، اور اس کو دیکھنے سے کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا؛ بلکہ اس سے رشتہ میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے اور ازدواجی زندگی میں استواری پیدا کرنے میں یہ دیکھنا معین و مددگار ثابت ہوتا ہے۔

ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها، وإن خاف أن يشتهيها. (شامي، كتاب الحظر والإبارحة، زكريا ديوبند ٩/ ٥٣٢، كراچی ٦/ ٣٧٠، هندية ٥/ ٣٣٠، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٠/ ١٥٥)

اور حدیث شریف میں آقائے نامدار علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی ترغیب بھی فرمائی ہے کہ نکاح سے پہلے لڑکی کو دیکھ لیا کرو؛ اس لئے کہ یہ دیکھنا تمہارے درمیان محبت اور پائیداری کا ذریعہ ہے۔

عن المغيرة بن شعبة –رضى الله عنه– أنه خطب امرأة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أنظر إليها، فإنه أحرى أن يؤدم بينكما. (ترمذي شريف، النكاح، باب ماجاء في النظر إلى المخطوبة، النسخة الهندية ١/ ٢٠٧، دارالسلام، رقم: ١٠٨٧، سنن ابن ماجة، النكاح، باب النظر إلى المرأة إذا أراد أن يتزوجها، النسخة الهندية ١/ ١٣٥، دارالسلام، رقم: ١٨٦٥، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٦/ ١٥٦، رقم: ٣٣٥، سنن النسائي، النكاح، باب إباحة النظر قبل التزوج، النسخة الهندية ٢/ ٧٢، دارالسلام، رقم: ٣٢٣٧، مسند أحمد بن حنبل ٤/ ٢٤٦، رقم: ١٨٣٣٥)

اور ''نسائی شریف'' میں ایک روایت ہے:

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: خطب رجل امرأة من الأنصار، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل نظرت إليها؟ قال: لا، قال: فأمره أن ينظر إليها. (نسائي شريف، النكاح، إباحة النظر قبل التزويج، النسخة الهندية ٢/ ٧٢، دارالسلام، رقم: ٣٢٣٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

نکاح سے قبل لڑکی لڑکے کا فوٹو دیکھنا

سوال [۵۱۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکا لڑکی کو نکاح سے پہلے فوٹو میں دیکھنا چاہتا ہے، اس طرح لڑکی لڑکے کو فوٹو میں دیکھنا چاہتی ہے، تو یہ دیکھنا جائز ہے یا ناجائز؟

المستفتی: ڈاکٹر محمد نوشاد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکا لڑکی جن کو آپس میں شادی کا ارادہ ہو شرعی طور پر شادی کرنے کی نیت سے ایک دوسرے کو دیکھنا جائز ہے، مگر آمنے سامنے بیٹھ کر دیر تک بے تکلفی کی باتیں کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر براہ راست دیکھنے کی شکل نہ بنے اور ایک دوسرے کے فوٹو دیکھنے کے بعد اطمینان ہوسکتا ہے، تو ایک دوسرے کے فوٹو دیکھنے کی بھی گنجائش ہے، بس اس میں شرط یہ ہے کہ دیکھنے کے بعد جس کا فوٹو ہو اسے واپس کردے یا اپنے پاس ایسا محفوظ رکھے کہ کوئی دوسرا اجنبی نہ دیکھنے پائے۔

عن المغيرة بن شعبة –رضي الله عنه– أنه خطب امرأة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أنظر إليها، فإنه أحرى أن يؤدم بينكما. (ترمذي شريف، النكاح، باب ماجاء في النظر إلى المخطوبة، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۷، دارالسلام، رقم: ۱۰۸۷) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۱۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۵/۲۳ھ

نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنے کا حکم

سوال [۵۱۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: مخطوبہ لڑکی کو قبل نکاح دیکھنے کے سلسلے میں ایک استفتاء اور مفصل جواب کتب احادیث نبوی وکتب فقہ، نیز ائمہ مجتہدین حنفیہ خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعی و مالک واحمد بن حنبل، علامہ شامی وامام غزالی رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال وفتاوی کی روشنی میں معہ حوالہ کتب احناف کے جواب تحریر فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

مخطوبہ لڑکی کو نکاح سے قبل ایک نظر چہرہ وہتھیلی نکاح کرنے کے ارادہ سے شرعاً مرد دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ کیا تاجدار دو عالم، محسنِ انسانیت، خاتم النبیین حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحاح ستہ کی حدیثوں خصوصاً صحیحین بخاری ومسلم کی روایت کے مطابق مخطوبہ لڑکی کو نکاح سے قبل دیکھنے کی اجازت دی ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر اکابر علماء وفقہاء اعظم مدرسہ شاہی کے تصویبی وتصدیقی دستخط کروا کر ارسال کرنے کی زحمت فرمائیں۔

المستفتی: العبد محمد عبد السلام غفرلہ صدیقی، سیدواڑہ فتح پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بخاری ومسلم کی صحیح حدیث میں مخطوبہ لڑکی کو نکاح سے قبل دیکھنے کی ترغیب آئی ہے، نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی مخطوبہ لڑکی کو نکاح سے قبل دیکھنا مستحب ہے۔

فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: أ نظرت إليها قال: لا، قال: فاذهب فانظر إليها. الحديث (مسلم شريف، النكاح، باب ندب النظر إلى وجه المرأة، وكفيها لمن يريد تزوجها، النسخة الهندية ١/ ٤٥٦، بيت الأفكار، رقم: ١٤٢٤)

وتحته في النووي: وفيه استحباب النظر إلى وجه من يريد تزوجها مذهبنا ومذهب مالك وأبي حنيفة وسائر الكوفيين وأحمد، وجماهير العلماء. الخ (نووي شرح مسلم ١/ ٤١٥٦، بخاري شريف، النكاح، باب النظر إلى المرأة قبل التزويج، النسخة الهندية ٢/ ٧٦٨، رقم: ٤٩٣٢-٤٩٣٣، ف: ٥١٢٥-٥١٢٦)

اور ''مشکوۃ شریف ۲/ ۲۶۹'' میں بھی اس مضمون کی حدیث شریف موجود ہے۔

نیز امام غزالی علیہ الرحمہ نے ''احیاء العلوم ۲/۲۲'' میں اور علامہ شامی نے نقل فرمایا ہے کہ مخطوبہ لڑکی کو نکاح کے ارادہ سے دیکھنا مستحب ہے، اگر چہ شہوت کا خطرہ کیوں نہ ہو۔

ولو أراد أن يتزوج امرأة فلا بأس أن ينظر إليها، وإن خاف أن يشتهيها. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، كراچی ٦/ ٣٧٠، زكريا ٩/ ٥٣٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم شعبان ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۳۱۰)

مخطوبہ عورت کو دیکھنے کا شرعی حکم

سوال [۵۱۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں جب لڑکے کی شادی کرائی جاتی ہے تو کچھ مرد مل کر جاتے ہیں لڑکی کو دیکھنے کے لئے، کیا غیر محرم کا دیکھنا جائز ودرست ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد اکرم بھاگلپوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: شوہر بننے والے مرد کے علاوہ دوسرے مردوں کے لئے لڑکی کو دیکھنا جائز نہیں ہے؛ البتہ خود کو دیکھنے کی اجازت ہے اور خود دیکھنے میں رکاوٹ ہو تو قابل اعتماد عورت کے ذریعہ سے پتہ لگائے۔

ولو أراد أن يتزوج امرأة، فلا بأس أن ينظر إليها وإن خاف أن يشتهيها لقوله عليه السلام: أنظر إليها، فإنه أحرى أو يؤدم بينكما. الحديث (قوله) إذا لم يمكنه النظر يجوز إرسال نحو امرأة تصف له. الخ

(شامي، كتاب الحظر والإباحة، كراچی ٦/ ٣٧٠، زكريا ديوبند ٩/ ٥٣٢، وهكذا هندية

/۵ ۳۳۰، جديد زكريا ٥/ ٣٨٢، المبسوط للسرخسي، دارالكتب العلمية بيروت ١٠/ ١٥٥، هداية أشرفيه ديوبند ٤/ ٤٥٩، تبيين الحقائق، مكتبه إمداديه ملتان ٦/ ١٨، زكريا /٧ ٤٠، بدائع الصنائع، كراچی ٥/ ١٢٢، زكريا ٤/ ٢٩٤، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٩/ ١٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۷۹۳)

رشتہ طے کرنے میں کھانے کے عوض کا حکم

سوال [۵۱۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے چھوٹے بھائی کا رشتہ لگا ہوا تھا، اب کچھ وجوہات کی بنا پر وہ رشتہ ختم ہو گیا ہے، جو رقم ہماری طرف سے لڑکی والوں کی طرف گئی تھی وہ واپس آ گئی ہے اور جو رقم ان کی طرف سے ہماری طرف آئی تھی وہ بھی ہم نے واپس کردی ہے، ہم نے ان کے گھر کھانا کھایا اورانہوں نے ہمارے گھر کھانا کھایا؛ البتہ ہماری طرف سے کھانے والے ممبران کے مقابلہ میں زیادہ تھے جس کی وجہ سے ان کا خرچ ہمارے مقابلہ میں زیادہ ہوا، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ زیادہ خرچ جو ان کا کھانے میں ہوا ہے وہ ہم لوگوں کو دینا چاہئے یا نہیں؟

المستفتی: نور محمد جامع مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: آپ لوگوں نے جو لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھایا تو اس کا خرچ نہیں لوٹایا جائے گا؛ کیوں کہ یہ لڑکی والوں کی طرف سے مہمان نوازی تھی اور مہمان نوازی کا عوض نہیں دیا جاتا ہے۔

عن أبي هريرة –رضی الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فلا يؤذ جاره، ومن كان يؤمن بالله واليوم والآخر، فليكرم ضيفه، ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليقل خيرا أو ليصمت. (بخاري شريف، كتاب الأدب، باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه، النسخة الهندية ۲/ ۹۰۶، رقم: ۵۸۹۸، ف: ۶۱۳۶)

قال القاضي عياض رحمه الله: معني الحديث: أن من التزم شرائع الإسلام لزمه إكرام جاره وضيفه وبرهما ...... وقد أوصى الله تعالىٰ بالإحسان إليه في كتابه العزيز. (المنهاج، كتاب الإيمان، باب الحث على إكرام المجار والضيف، مكتبه دار ابن حزم ۱/ ۱۵۲، شرح النووي على هامش مسلم ۱/ ۵۰، شرح الطيبي، باب الضيافة، مكتبة إدارة القرآن، كراچی ۸/ ۷۰، تحت رقم الحديث: ۴۲۴۳، مرقاة المفاتيح، مكتبه إمداديه ملتان ۸/ ۲۰۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۳۵۰/۳۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۴/۲۸ھ

منگنی ختم ہونے کی صورت میں اس میں دیئے گئے سامان کی واپسی

سوال [۵۱۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی کی منگنی ہوئی تو منگنی میں لڑکی والوں نے نقد -/6,046 روپئے دئے اور -/2,095 روپئے کا سامان دیا۔ اور لڑکے والوں نے دو جوڑے کپڑے اور پازیب دیا، اس کے بعد شادی ہونے سے پہلے ہی لڑکے والوں نے اسکوٹر طلب کیا تو لڑکی والوں نے کہا ہمارے اندر اتنی وسعت نہیں ہے، پھر لڑکے والوں نے ہمیں بغیر اطلاع دئے ہوئے دوسری جگہ اسکوٹر کے لالچ میں منگنی کر لی، تو جو سامان ہم نے لڑکے والوں کو دیا تھا یا نقد روپیہ دیا تھا، وہ لڑکی والوں کو واپس ملے گا یا نہیں؟ واضح رہے ہمارے یہاں پنچایت ہے اور پنچایت ہی

کے ذریعہ سے سارے کام ہوتے ہیں، تو ہم اب یہ چاہتے ہیں کہ آپ شرعی حکم تحریر فرمائیں اسی کے مطابق پنچایت فیصلہ کرے گی اور جو سامان لڑکے والوں نے لڑکی کو دیا ہے تو وہ ان کو واپس کرنے کے لئے تیار ہیں، ہمارا کوئی قصور نہیں ہے، صرف اسکوٹر دینے کی سکت نہیں ہے؛ اس لئے انہوں نے دوسری جگہ منگنی کرلی ہے، مذکورہ بالا واقعہ بالکل صحیح ہے، جس کے مندرجہ ذیل حضرات گواہ ہیں: گواہ نمبر:(۱) عبدالرشید (۲) محمد اسرائیل (۳) ظہیر علی۔

المستفتی: محبوب حسین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے والوں نے شادی کا معاملہ طے کرکے اور اسکوٹر نہ ملنے کی صورت میں معاملہ ختم کرکے جو دوسری جگہ طے کرلیا ہے یہ عہد شکنی اور فعل مذموم ہے، اب لڑکی والوں نے جو رقم یا سامان لڑکے والوں کو دیا ہے، اسی طرح لڑکے والوں نے جو سامان یا رقم لڑکی والوں کو دیا ہے، یہ لوگ برضاء طرفین یا بذریعہ شرعی پنچایت ایک دوسرے سے واپس لوٹا سکتے ہیں۔

لا ینفرد الواهب بالرجوع بل يحتاج فيه إلى القضاء، أو الرضاء، أو قبل التسليم ينفرد الواهب بذلک، هكذا في الذخيرة. (عالمگيري، كتاب الهبة، الباب الخامس في الرجوع في الهبة، زكريا ديوبند ٤/ ٣٨٥، جديد زكريا ٤/ ٤٠٩)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍رجب ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۳۵۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۷/۱۴۱۴ھ

۳/ باب الإطعام في النكاح

بارات کے لغوی وشرعی معنی

سوال [۵۱۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بارات کسے کہتے ہیں اور اس کی لغوی اور شرعی حقیقت کیا ہے؟ واضح فرمادیں۔

المستفتی: حمید اللہ دریا پور، بھاگلپور بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بارات کے معنی دولہے کی سواری کا جلوس ہے، جیسا کہ ''فیروز اللغات، ص: ۱۹۲'' پر موجود ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ کم سے کم لوگوں کو ساتھ میں لے کر لڑکی والوں کے یہاں جانا چاہئے یا لڑکی والوں نے جتنے لوگوں کو لے جانے کو کہا ہے اتنے یا اس سے کم لوگوں کو لے جائیں، اس سے زیادہ لوگوں کو لے کر جانا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/ ۱۳۶، میرٹھ ۱۷/ ۳۸۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۸۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۰/ ۶/ ۱۴۳۶ھ

بارات

سوال [۵۱۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حضرت تھانویؒ بارات کو حرام فرماتے ہیں، کیا اگر مختصر آدمی بارات میں جائیں اور دولہن والے پر کوئی جبر نہ ہو، ماحضر تناول کر کے نکاح کر کے واپس آجائیں اور اس طرح کی بارات میں اہل علم کی شرکت بھی ہو، کیا یہ بارات میں جانے والے سب حرام کام کے

مرتکب ہونگے؟ اس سلسلے میں وضاحت فرما کر اہل علم اور عوام میں جوڑ کی شکل واضح فرمائیں۔بستی والے امام صاحب کو مولانا صاحب کو لے کر جانے پر اصرار کرتے ہیں، نہ جائیں تو توڑ کی شکل پیدا ہوتی ہے۔

المستفتی: شعیب احمد، خطیب مدنی جامع مسجد سیڈھا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بارات کا مسئلہ ایسا حیرت انگیز ہے کہ متعین طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ کتنی تعداد میں بارات میں جانا جائز ہے اور کتنی تعداد میں ناجائز ہے، حضرت تھانویؒ اور دیگر اکابر نے ناجائز ہونے کی جو بات کہی ہے وہ مفاسد کی بنیاد پر ہے، بہت سے مفاسد ''اصلاح الرسوم'' میں مذکور بھی ہے، مثلاً لڑکی والوں پر دباؤ ڈالنا، اگر لڑکی والے سرمایہ دار نہیں ہیں اور ان کی حیثیت سے زیادہ افراد کو بارات میں لے جایا جائے تو ناجائز ہے، اسی طرح اگر لڑکی والوں نے چالیس افراد لانے کی اجازت دی ہے اور لڑکے والے زیادہ لانے پر دباؤ ڈالیں، تب بھی جائز نہیں، اسی طرح چالیس کی اجازت دی اور لڑکے والے پچاس، ساٹھ آدمی لے آئیں، تب بھی جائز نہیں ہے، نیز اگر لڑکی والے سرمایہ دار ہیں اور ان کو پچاس آدمیوں کی اطلاع دی گئی ہے اور پچاس ہی کے کھانے کا انتظام کیا ہے، پھر لڑکے والے سو ڈیڑھ سو آدمی لے کر چڑھائی کر دیں، تو لڑکی والوں کے سرمایہ دار ہونے کے باوجود بدنظمی کی وجہ سے ان کی بے عزتی ہوتی ہے؛ اس لئے ایسا کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ الغرض اس قسم کے مفاسد کی وجہ سے بارات کی ممانعت کی گئی ہے، ورنہ اگر لڑکی والوں پر کوئی دباؤ نہ ہو اور وہ بخوشی مثلاً ۴۰ر آدمی لانے کے لئے اجازت دے دیں اور لڑکے والے ۴۰ر کے اندر اندر لانے کی پابندی کریں، تو ایسی صورت میں عدم جواز اور قباحت کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ (مستفاد: انوار نبوت، ص:٦٧٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۹۶۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۴ھ

بارات کی شرعی حیثیت

سوال [۵۱۹۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لڑکی والوں کی رضامندی کے باوجود بارات لے جانا درست نہیں ہے، دلائل کی روشنی میں جواب واضح فرمادیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: صادق امین متعلم دارالعلوم دیوبند

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: بارات عرف میں لڑکی کو رخصت کرکے لانے کے لئے جانے والے لوگوں کو کہا جاتا ہے جو کہ فی نفسہ ناجائز نہیں ہے؛ البتہ لڑکی والے جتنی تعداد متعین کردیں اتنی ہی تعداد میں لوگ جائیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اس تعداد سے زیادہ لوگ جائیں گے، تو بلا اجازت دعوت میں جانا (جو کہ ممنوع ہے) کے دائرہ میں داخل ہوکر ناجائز ہوجائے گا۔

أبو مسعود الأنصاري –رضي الله عنه– قال: كان رجل من الأنصار يكنى أبا شعيب، وكان له غلام لحام، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم وهو في أصحابه، فعرف الجوع في وجه النبي صلى الله عليه وسلم، فذهب إلى غلامه اللحام، فقال: إصنع لي طعاما يكفي خمسة، لعلي أدعو النبي صلى الله عليه وسلم خامس خمسة، فصنع له طعيما، ثم أتاه فدعاه، فتبعهم رجل، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: يا أبا شعيب! إن رجلا تبعنا، فإن شئت أذنت له، وإن شئت تركته، قال: لا، بل أذنت له. (صحيح البخاري، الأطعمة، باب الرجل يدعي إلى طعام فيقول: وهذا معي، النسخة الهندية ٢/ ٨٢١، رقم: ٥٢٥٠، ف: ٥٤٦١)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دعى فلم يجب، فقد عصى الله ورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (أبوداؤد شريف، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في إجابة الدعوة، النسخة الهندية ۲/ ۵۲۵، دارالسلام، رقم: ۳۷٤۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ / ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۰۲۴)

بارات کی شرعی حیثیت

سوال [۵۱۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات لے جانے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر اجازت ہے تو پھر کتنے لوگوں کی اجازت ہے، اس صورت میں جب کہ لڑکی والے مالدار ہوں؟ اور اگر اجازت نہیں ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟

المستفتی: محمد عالم نعمانی، بنگلور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عرف میں بارات لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کو رخصت کر کے لانے کے لئے جانے والوں کو کہا جاتا ہے، اس کی کوئی متعین تعداد شریعت سے ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ وہ شادی سب سے زیادہ برکت والی ہوتی ہے جس میں کم خرچ ہو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

عن عائشة –رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة. (مسند أحمد بن حنبل ٦/ ٨٢، رقم: ٢٥٠٣٤)

اسی کے پیش نظر کم سے کم تعداد میں لوگوں کو بارات میں جانا چاہئے اور لڑکی والوں

کے اوپر دباؤ ڈالنا جائز نہیں ہے، وہ اپنی خوشی سے جتنے لوگوں کو مدعو کریں اتنی ہی تعداد کے دائرہ میں پہنچنا چاہئے، اس سے زیادہ نہیں، اگر ان کی طرف سے متعین کردہ تعداد سے زائد لوگ جائیں گے تو وہ جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر لڑکی والے مالدار ہیں تب بھی متعین کردہ تعداد سے زیادہ لے جانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی کے یہاں بلا اجازت کھانے کے لئے پہنچ جانا منع ہے، جب تعداد سے زیادہ لوگ پہنچیں گے تو اس ممانعت کے دائرہ میں ہوکر ناجائز ہوجائے گا۔ اور اگر لڑکی والے متوسط درجہ کے ہیں یا غریب ہیں تو متعین تعداد سے زیادہ لے جاکر جانا دن دھاڑے ڈکیتی اور چوری کے درجے میں ہے؛ اس لئے لڑکی والوں کی طرف سے جو تعداد متعین کی جائے اس سے زیادہ لوگوں کو لے جانا جائز نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعيب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دعى فلم يجب، فقد عصى الله ورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (أبوداؤد شريف، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في إجابة الدعوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٢٥، دارالسلام، رقم: ٣٧٤١)

عن أبي مسعود –رضى الله عنه– قال: جاء رجل من الأنصار يكنى أباشعيب، فقال لغلام له قصاب: إجعل لي طعاما يكفي خمسة، فإني أريد أن أدعو النبي صلى الله عليه وسلم خامس خمسة، فإني قد عرفت في وجهه الجوع، فدعاهم، فجاء معهم رجل، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: إن هذا قد تبعنا، فإن شئت أن تاذن له، فأذن له، وإن شئت أن يرجع رجع، فقال: لا،

بل قد أذنت له. (صحيح البخاري، البيوع، باب ما قيل في اللحام والجزار، النسخة الهندية ۱/ ۲۷۹، رقم: ۲۰۳٤، ف: ۲۰۸۱) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۰۹۷۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶/۲/۱۴۳۴ھ

شادی میں بارات کا حکم

سوال [۵۱۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی میں بارات کے جواز وعدمِ جواز پر تفصیلی تحریر مطلوب ہے، کب گنجائش ہے، کب نہیں؟ نیز اس فاصلہ کی قید ہے کہ بعض حضرات کا کہنا ہے (عوام میں سے) کہ اگر مسافت لمبی ہو، مثلاً دہلی سے سہارنپور بارات لے جاسکتے ہیں، کیا ایسی وضاحت اکابر کی تحریر میں ہے؟

المستفتی: محمد عمران کٹیہاری (بہار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شادی میں دولہن خود نہیں آسکتی، اس کو لانے کے لئے دولہے کے اعزہ ومتعلقین کو بھی جانا پڑتا ہے، اس کے بغیر کوئی بھی اپنی لڑکی کو خود نہیں پہنچاتا ہے، اس طرح دولہن کو رخصت کر کے لانے کے لئے جو لوگ جاتے ہیں اس کو بارات کہتے ہیں، اس میں تعداد کے اعتبار سے کم از کم افراد کا ہونا بہتر ہے، خاص طور پر لڑکی والے بخوشی جتنے افراد جانے کے لئے کہیں اتنے یا اس سے کم ہی لے جانا چاہئے، اس سے زیادہ جانا جائز نہیں۔ اور اس طرح دولہن کو لانے کے لئے جو لوگ جاتے ہیں، مثلاً سہارنپور کے لوگ وہ دہلی سے بھی شادی کر کے دولہن کو لا سکتے ہیں، لکھنو سے بھی لا سکتے ہیں، اس میں مسافت کی کوئی قید نہیں ہے، مگر لڑکی والوں پر سفر خرچ کا بار نہیں ڈالا جائے گا، وہ صرف اپنے

متعین مہمانوں کی مہمانداری کریں گے۔ (مستفاد: انوار نبوت، ص: ٦٧٦-٦٧٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۲۹)

بارات اور جہیز کا حکم

سوال [۵۱۹٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید ایک سرکاری ملازم ہے اور حج بیت اللہ کی زیارت بھی اس سال نصیب ہوئی ہے، اب اس کے نکاح کا مسئلہ ہے وہ بغیر جہیز اور بغیر بارات کے کسی دینی مجلس میں نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس کے گھر والے اس بات پر راضی نہیں ہورہے ہیں، اور ساتھ ہی بہن کے نکاح کا مسئلہ ہے کہ اس میں بارات آئے گی؛ حالانکہ موصوف بہن کا نکاح بھی اپنے طریقہ سے چاہتا ہے اور اس کو جہیز دینے کے لئے زید کو ہی پیسہ خرچ کرنا پڑے گا، اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد عرفان، پینتے پور، ضلع سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کی نظر میں سب سے بہتر نکاح وہ ہے جس میں غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کیا جائے؛ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو فضول رسموں میں پیسہ برباد کرنے سے بچنا چاہئے؛ البتہ اگر لڑکی والوں نے رخصتی کے وقت لڑکے والوں سے کچھ آدمیوں کو ساتھ لانے کو کہا ہو تو اتنے ہی آدمیوں کو ساتھ لے جانا شرعاً منع نہیں ہے، اصل ممنوع بارات وہ ہے جس میں مقرر شدہ آدمیوں سے زائد لے جایا جائے، اسی طرح اگر لڑکی والے اپنی خوشی سے بیٹی کو کچھ دیتے ہیں تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ لڑکی والوں سے ان کی رضامندی کے بغیر جہیز کی فرمائش کرنا، اور ان پر اس کا دباؤ ڈالنا یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن أعظم النكاح بركة أيسره مؤنة. (مسند أحمد ٦/ ٨٢، رقم: ٢٥٠٣٤)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ...... ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا.

(أبوداؤد شريف، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في إجابة الدعوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٢٥، دارالسلام، رقم: ٣٤٧١)

عن ابن عباس –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا ضرر ولا ضرار. (سنن ابن ماجة، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، النسخة الهندية ١/ ١٦٩، دارالسلام، رقم: ٢٣٤١، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢/ ٨٦، رقم: ١٣٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ربیع الاول ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۳۲۶)

کیا لڑکی کو لانے کے لئے چند لوگوں کا جانا بارات ہے؟

سوال [۵۱۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ لڑکے کی طرف سے گھر کے چند افراد کا نکاح کے لئے لڑکی والوں کے گھر جانا، کیا اس پر بھی بارات کا اطلاق ہوگا اور ان حضرات کا یا باراتیوں کا لڑکی کے گھر دعوت کھانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد نعیم الدین صدیق لائبریری، پولیس لائن روڈ، گورا بازار، غازی پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گھر کے چند افراد کا نکاح کے لئے لڑکی والوں کے گھر جانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ چند افراد

جا کر نکاح کے بعد لڑکی کو رخصت کرا کے لے آئیں، بارات کا لفظ اس پر بھی بولا جا سکتا ہے؛ لیکن جس بارات کی ممانعت ہے، مذکورہ طریقہ اس کے دائرہ میں داخل نہ ہوگا؛ البتہ لڑکی والے جتنے افراد لانے کے لئے کہیں اس سے زیادہ افراد لے جانا جائز نہیں ہے۔ اور یہی ممنوع بارات ہے۔

عبدالله بن عمرو بن عوف المزني، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... والمسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (ترمذي شريف، الأحكام، باب ماذكر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الصلح بين الناس، النسخة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دعي فلم يجب، فقد عصى الله ورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (أبوداؤد شريف، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في إجابة الدعوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٢٥، دارالسلام، رقم: ٣٧٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵ر محرم الحرام ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۱/۱۶ھ

کیا لڑکی کے نکاح پر دعوت کا نظم کرنا ولیمہ ہے؟

سوال [۵۱۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) لڑکی کے نکاح کے موقع پر لڑکی والے اپنے اعزہ واقرباء اور دوست واحباب کی کھانے کی دعوت کرتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کے نکاح کے موقع پر کھانے کا نظم کرنا اور ایسی تقریب میں شرکت کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) اگر لڑکی کے یہاں کھانا درست ہے تو نکاح پڑھانے والا اگر کہیں نکاح

پڑھانے جائے تو لڑکی والے کے یہاں اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ نیز قیام گاہ سے دور گیا ہو یا قریب ہر صورت کا حکم تحریر کریں۔

المستفتی: محمد شمیم پرتاپ گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) لڑکی کی شادی کی خوشی اور مسرت کے موقع پر اپنے اعزہ واقرباء اور دوست واحباب کو کھانے کی دعوت دینا اور اس میں شرکت کرنا جائز ہے؛ لیکن اپنی حیثیت وحدود میں رہ کر کرنا لازم ہے، نام ونمود اور شہرت ودکھلاوے کے طور پر نہ کیا جائے، نیز یہ دعوت ولیمہ کی طرح مسنون نہیں ہے؛ بلکہ دعوت احباب کی طرح جائز اور مباح ہے۔ ''مصنف عبدالرزاق'' اور ''المعجم الکبیر'' کی ایک کمزور روایت سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔

ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي، إطعام الطعام عند النكاح، فأت الغنم، فخذ شاة وأربعة أمداد، أو خمسة، فاجعل لي قصعة لعلي أجمع عليها المهاجرين، والأنصار. الحديث (مصنف عبد الرزاق، النكاح، تزويج فاطمة رضي الله عنها، المجلس العلمي ٥/ ٤٨٧، رقم: ٩٧٨٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٢/ ٤١٠، رقم: ١٠٢٢، ٢٤/ ١٣٢، رقم: ٣٦٢)

(۲) اوپر کے جواب سے بات واضح ہو چکی کہ اگر لڑکی والے صاحب استطاعت ہیں اور بخوشی کھلا رہے ہیں تو ان کے کھانے میں کوئی قباحت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۱/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۷۶)

بارات لے جانا اور بارات میں شرکت کرنا

سوال [۵۱۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات لے جانا اور بارات میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد شمیم پرتاب گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکی والوں نے بخوشی جتنے لوگوں کی دعوت دی ہے، اس کی حدود میں اس تعداد کے اندر اندر جانے کی گنجائش ہے اور اس تعداد سے جو افراد زائد ہوں گے، وہ بن بلائے دعوت میں جانے والے اور دن دھاڑے کسی کے گھر پر زور زبردستی ڈاکہ ڈالنے والے اور چوری کرنے والے کے حکم میں ہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/۱۵۶، جدید مطول، ص: ۴۶۲)

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دعى فلم يجب، فقد عصى الله ورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (أبوداؤد شريف، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في إجابة الدعوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٢٥، دارالسلام، رقم: ٣٧٤١)

عن نافع، عن ابن عمر –رضي الله عنه– رفعه قال: من جاء إلى طعام لم يدع إليه، دخل سارقا وأكل حراما. (مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٢/ ٢٠٦، رقم: ٥٨٨٩) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۷۸۷۶)

بارات اوراس کے کھانے کا حکم

سوال [۵۲۰۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) لڑکی کی شادی میں لوگ بہت دھوم دھام سے بارات اور کھانا کھلانے کا انتظام کرتے ہیں اور بہت سارے لوگوں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں اوراپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں، امیر حضرات تو نام ونمود کے لئے جتنا خرچ کریں کم ہے ایسی دعوتوں میں شرکت کرنا اور کھانا کھانا کیسا ہے؟

(۲) کچھ حضرات مختصر پیمانے پر یعنی دو تین سو آدمیوں کی دعوت کرتے اور کھانا کھلاتے ہیں۔

(۳) کچھ لوگ تو یہ کرتے ہیں کہ دولہا کے ساتھ بارات میں جتنے لوگ آئے ہیں، صرف ان ہی لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

(۴) بعض حضرات یہ کرتے ہیں کہ جو لوگ دولہا کے ساتھ نکاح میں آتے ہیں، صرف انہیں کو شربت وغیرہ پلا کر رخصت کر دیتے ہیں، اسی طرح لڑکیوں کو جہیز لینا اور دینا کیسا ہے؟

(۵) کچھ حضرات یہ کرتے ہیں کہ صرف محلے اور رشتہ داروں کی حد تک دعوت کرکے کھانا کھلاتے ہیں۔ دریافت طلب مسائل یہ ہیں کہ نکاح کے موقع پر لڑکے کے رشتہ داروں اور محلے کے لوگوں کو کتنی مقدار میں بارات میں جانا جائز ہے؟ اور لڑکی والوں کو کس حد تک کھانے پینے یا صرف شربت پانی کا انتظام کرنا شریعت کی رو سے ثابت اور جائز ہے؟ نیز دعوت پانے والوں کو کس قسم کی دعوتوں میں شرکت جائز ہے؟ براہ کرم تفصیلاً جواب سے نوازیں۔

المستفتی: احمد حسین انصاری، بھیونڈی، مہاراشٹر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے والوں کی طرف سے ولیمہ کا کھانا یا لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کا کھانا اپنی حیثیت وحدود میں رہ کر جائز ہے اور نام ونمود کے لئے

فضول خرچی کرنا نہ لڑکے والوں کے لئے ولیمہ میں جائز ہے اور نہ ہی لڑکی والوں کے لئے شادی کی دعوت میں جائز ہے، اللہ کے یہاں ایک ایک فضول خرچی نام ونمود اور ریا کاری کا جواب دہ ہونا پڑے گا، اب رہے سوال نامہ کے بقیہ تمام سوالات کے جوابات تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی والوں کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے، وہ مسنون ولیمہ کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ لڑکی کی شادی کی خوشی اور آنے والے مہمانوں کی مہمان داری میں کھلایا جاتا ہے، اس طرح کا کھانا کھلانا حدیث سے بھی ثابت ہے؛ لیکن لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانے میں شریعت کی رو سے کچھ حدود وشرائط بھی ہیں، وہ یہ ہیں کہ لڑکی والوں پر کسی کی طرف سے کوئی دباؤ نہ ہو اور نہ ہی انہیں مہمان داری کے لئے قرض کا بار اٹھانا پڑے؛ بلکہ اپنی حسب حیثیت برضا ورغبت جتنے لوگوں کو کھانا کھلانا چاہے کھلاسکتا ہے اور لڑکے والوں پر یہ لازم ہے کہ لڑکی والے جتنے لوگوں کو لانے کے لئے کہیں اس سے زیادہ ایک فرد بھی ساتھ میں نہ لائیں اور اس سے زیادہ افراد کا لانا ناجائز اور حرام ہے۔ اور آج کل کے زمانہ میں اگر پچاس آدمی لانے کی اجازت دی گئی تو لڑکے والے بجائے پچاس کے سولے آتے ہیں، تو گویا کہ جو پچاس آدمی زائد لائیں گے تو اتنے لوگوں کا لڑکی والوں پر ڈاکہ پڑا، یہ دن دھاڑے ڈکیتی کے حکم ہے، جو قطعاً جائز نہیں ہے، اتنے لوگ لا سکتے ہیں جتنے لڑکی والے کہیں، یا اس سے کم لائیں ان حدود وشرائط کے تحت میں لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کرنا اور ان کے کھانے میں شریک ہونا جائز اور درست ہے۔ ''فتاوی عبدالحیٔ'' میں ہے کہ ''دولہن کے لوگوں کی طرف سے بارات کے لوگوں کو کھانا کھلانا درست ہے؛ بلکہ یہی طریقہ ماثورہ حضرات انبیاء کرام سے ہے''۔ (فتاوی عبدالحیٔ، قدیم ۲/۵۴، مدارج النبوۃ فارسی ۲/۵۶۵، اردو قسط ۱۱/ ۱۲۸)

اور جیسا کہ اس کا ثبوت ذیل کی روایت سے بھی ہوتا ہے:

ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي، إطعام الطعام عند النكاح، فأت الغنم، فخذ شاة وأربعة أمداد، أو خمسة، فاجعل لي قصعة لعلي أجمع عليها المهاجرين، والأنصار.

(مصنف عبدالرزاق، النكاح، باب تزويج فاطمة رضي الله عنها، المجلس العلمي ٥/ ٤٨٧، رقم: ٩٧٨٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٢/ ٤١١، رقم: ١٠٢٢)

نیز جہیز کے لینے دینے کا مسئلہ بھی حدود اور دائرہ میں رہ کر ہے، لڑکے والوں کی طرف سے اس بارے میں کسی قسم کا دباؤ جائز نہیں، جہیز میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ لڑکی کی ملکیت ہوتی ہے، اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا لڑکی والے اپنی لڑکی کو اپنی مرضی سے جو کچھ بھی دینا چاہیں دے سکتے ہیں، اس میں کسی کا دخل جائز نہیں ہے۔ اور جہیز میں سامان یا زیور کا دینا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کے نکاح میں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے سونے کا جو قیمتی ہار دیا تھا اس کو غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت ابوالعاص کے فدیہ میں پیش کیا گیا تھا، جسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے، پھر ابوالعاص کو بغیر فدیہ کے رہا کر دیا گیا تھا۔

عن عائشة – رضي الله عنها – قالت: لما بعث أهل مكة في فداء أسرائهم بعثت زينب في فداء أبي العاص بمال وبعثت فيه بقلادة لها كانت عند خديجة أدخلتها بها على أبى العاص. (أبوداؤد شريف، الجهاد، باب في فداء الاسير بالمال، النسخة الهندية ٢/ ٣٦٧، دارالسلام، رقم: ٢٦٩٢، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٢/ ٤٢٨، رقم: ١٠٥٠)

نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کچھ چیزیں دینا ثابت ہیں، جیسا کہ حسب ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے۔

عن علي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما زوجه فاطمة بعث معها بخميلة، ووسادة من أدم حشوها ليف، ورحيين وسقاء، وجرتين.

(مسند أحمد بن حنبل ١/ ١٠٤، رقم: ٨١٩)

نیز صحیح حدیث شریف سے حضرت سعد بن ربیع کی شہادت کے بعد ان کی لڑکیوں کے مسئلہ سے بھی لڑکی والوں کی طرف سے جہیز کا سامان دینا ثابت ہے۔

عـن جـابـر بـن عبـدالله –رضـي الله عنه– قال: جاء ت امرأة سعد بن الـربيـع بـابـنـتيهـا مـن سـعـد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسـول الله! هـاتـان ابـنتا سعد بن الربيع قتل أبوهما معك يوم أحد شهيدا، وأن عـمهـمـا أخـذ مـالهـما فلم يدع لهما مالا، ولا تنكحان إلا ولهما مال.

الحديث (تـرمـذي شـريف، الـفرائض، باب ماجاء في ميراث البنات، النسخة الهندية ۲/ ۲۹، دارالسلام، رقم: ۲۰۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍صفر ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۷۸)

لڑکی والوں کے یہاں دعوت

سوال [۵۲۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی والوں کے یہاں دعوت کھانا کیسا ہے؟ جب کہ لڑکی والوں پر کسی طرف سے دباؤ کا مطالبہ نہیں ہے، وہ اپنی لڑکی کی خوشی کے موقع پر احباب اور باراتیوں کو اپنی خوشی سے کھانا کھلاتے ہیں، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب لڑکی والے بغیر کسی دباؤ اور مطالبہ کے از خود اپنی لڑکی کی خوشی کے موقع پر اپنے دوست واحباب اور رشتہ دار ومتعلقین اور باراتیوں کو بطیبِ خاطر کھانا کھلاتے ہیں تو یہ شرعاً جائز اور مباح ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (انوار نبوت، ص: ۶۷۵، محمودیہ ڈابھیل ۱۲/ ۱۴۳، میرٹھ ۱۷/ ۳۹۴، رشیدیہ ص: ۲۹۷، کتاب الفتاوی ۴/ ۴۱۶، ریاض العلوم ۱/ ۳۹۳، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۳۱۴، مدارج النبوۃ فارسی ۲/ ۵۶۵، فتاوی عبدالحیٔ جدید، ص: ۱۴۵، قدیم ۲/ ۵۴)

عن نافع عن ابن عمر –رضی اللّٰہ عنہ– قال: رسول اللّٰہ ﷺ: إذا دعا أحدکم أخاہ فلیجب عرسا کان أو نحوہ. (مسلم شریف، باب الأمر بإجابة الداعي إلی دعوة، النسخة الهندیة ۱/ ٤٦٢، بیت الأفکار، رقم: ١٤٢٩، سنن أبي داؤد، کتاب الأطعمة، باب ماجاء في إجابة الدعوة، النسخة الهندیة ۲/ ٥٢٥، دارالسلام، رقم: ٣٧٣٨، مسند أحمد بن حنبل ۲/ ١٤٦، رقم: ٦٣٣٧)

عن أبي هریرة –رضي اللّٰہ عنہ– عن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر، فلیکرم ضیفه. (بخاري شریف، باب إکرام الضیف وخدمته إیاہ بنفسه، النسخة الهندیة ۲/ ٩٠٦، رقم: ٥٨٩٧، ف: ٦١٣٦)

فانطلق علي فقال: یا رسول اللّٰہ! متی تبنیني؟ قال: اللیلة إن شاء اللّٰہ، ثم دعا بلالا، فقال: یا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن یکون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النکاح. (مصنف عبدالرزاق، النکاح، باب تزویج فاطمة رضی اللّٰہ عنها، المجلس العلمي ٥/ ٤٨٧، رقم: ٩٧٨٢، المعجم الکبیر للطبراني، دار إحیاء التراث العربي ٢٢/ ٤١١، رقم: ١٠٢٢، مجمع الزوائد، دارالکتب العلمیة بیروت ٩/ ٢٠٧، طبقات ابن سعد بیروت ٨/ ٧٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۱/۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۲۱)

لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانا کیسا ہے؟

سوال [۵۲۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی کے نکاح کے موقع پر لڑکی والوں اور لڑکے والوں کی طرف سے آنے والے

مہمانوں کو کھانا کھلانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام سے اس سلسلہ میں کوئی عمل منقول ہے؟

المستفتی: محمد احمد جوالہ پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے والوں کے یہاں ولیمہ کے کھانا کھلانے کے متعلق جس درجہ کی روایت حدیث شریف سے ثابت ہے، اسی درجہ کی روایت لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھلانے سے متعلق ثابت نہیں ہے؛ البتہ اس سے نیچے درجہ کی روایت ثابت ہے۔ ''مصنف عبدالرزاق ۵/ ۴۸۷، حدیث: ۹۷۸۲'' اور ''المعجم الکبیر طبرانی ۲۲/ ۴۱۱، حدیث: ۱۰۲۲'' میں اس بارے میں مفصل روایت موجود ہے، مگر روایت نچلے درجہ کی ہے؛ اس لئے لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھلانے کو مسنون نہیں کہا جا سکتا، ہاں البتہ مباح اور جائز ہے جو لڑکی والوں کے لئے اختیاری عمل ہے، وہ اپنی حسب استطاعت اپنی مرضی سے جو چاہیں کھلائیں کسی کو مطالبہ کرنے یا دباؤ ڈالنے کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: انوار نبوت/ ۶۷۵)

وفي حديث طويل: قال علي: يا رسول الله ! متى تبنيني؟ قال: الليلة إن شاء الله، ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني قد زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي الطعام عند النكاح، فأت الغنم. (المعجم الكبير، دار إحياء التراث العربي ۲۲/ ۴۱۱، رقم: ۱۰۲۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۴۷)

لڑکی کی شادی میں رشتہ داروں کی دعوت کرنا

سوال [۵۲۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: لڑکی کی شادی میں اپنے اعزہ واقرباء کو مدعو کرنا اور کھانا کھلانا اور کھانے کا انتظام کرنا جب کہ بہت سے علماء کرام کہتے ہیں کہ لڑکی کی شادی میں دعوت کرنا اوراس میں شرکت کرنا جائز نہیں، مثلاً داماد لڑکی جس کی شادی ہوچکی ہے، یا بہن بہنوئی اور حقیقی بھائی اور دوسرے رشتہ داروں کو لڑکی کی شادی میں مدعو کرنا اور کھانا کھلانا، اسی طرح بہن وغیرہ کے یہاں لڑکی کی شادی میں جانا اور وہاں پر کھانا کھانا، جب کہ نہ کھانے کی صورت میں ناراضگی کا اندیشہ ہے، کیسا ہے؟ حالات کو سامنے رکھ کر مسئلہ کی وضاحت مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: ظہیر الدین قصبہ بڑھا پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی کی شادی کے موقع پر اپنے اعزہ واقرباء رشتہ داروں کو کھانا کھلانا اوراس کے لئے بخوشی مدعو کرنا اور لوگوں کا دعوت قبول کرنا اوران کے یہاں آکر کھانا کھانا شرعاً درست ہے؛ البتہ زور دباؤ اور نام ونمود کی خاطر دعوت کرنا کرانا درست نہیں ہے، بیٹی کی شادی کے موقع پر کھانا کھلانا اور کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو کھانا کھلایا ہے۔

ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح، فأت الغنم فخذ شاة ...... فانطلق ففعل ما أمره، ثم أتاه بقصعة فوضعها بين يديه، فطعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في رأسها، ثم قال: أدخل علي الناس زفّة كلما فرغت زفّة وردت أخرى، حتى فرغ الناس. (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ٥/ ٤٨٧، رقم: ٩٧٨٢، المعجم الكبير بيروت ٢٢/ ٤١١، رقم: ١٠٢٢، ٢٤/ ١٣٣، رقم: ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

بارات میں کتنے لوگ جاسکتے ہیں؟

سوال [۵۲۰۴]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات یعنی بوقت نکاح لڑکے کے ساتھ اس کے اقارب اوراحباب کالڑکی کے یہاں جانا جن کی تعدادمختلف مقامات اورلوگوں کےاعتبارسے جدا جدا ہوتی ہے،سوڈیڑھ سو ڈھائی سواورتین سووغیرہ اس کاحکم شرعاً کیا ہے؟ بارباراایسادیکھا جاتا ہے کہ لڑکے والوں کی جانب سے ایک تعدادمقررکی جاتی ہے،لڑکی والاخوشامد کرتا ہے کہ اتنے کم کرلو یا اسی طرح لڑکےوالے کہتے ہیں کہ ہمارے مہمانوں کا خاص خیال رکھنا،جس پرلڑکی والا مجبور ہوتا ہے، یا اگرکہیں یہ صورت نہ ہو؛ بلکہ جانبین سے پورے طور پررضامندی ہو،ان سب صورتوں میں حکم یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگرہم اتنی تعدادنہ لے جائیں، تو یہ لڑکی کےاعزاز کے خلاف ہے، یاہم محض نکاح میں شرکت کے لئے جارہے ہیں اورنکاح میں شریک ہونا اچھی بات ہے،ان کی اس تاویل کی کیا حقیقت ہے؟ اگرکوئی صرف نکاح میں شرکت کے لئے بارات کی صورت میں جائےتواس کا یہ عمل کیسا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ بارات ہندوانہ رسم ہے، یہ لفظ سنسکرت کا ہے،جس کے معنی لڑکے کی فوج ہے،کیاان کا یہ قول درست ہے؟ اگرلڑکے کےساتھ کچھ لوگ جائیں توازروئے شرع کتنی تعدادکی گنجائش ہے؟ اوراس کے لئے لفظ بارات استعمال کرسکتے ہیں یانہیں؟ خیرالقرون میں کیابارات کا ثبوت ملتاہے؟ ازراہ کرم ان تمام باتوں کا جواب مدلل ومفصل تحریرفرماکرممنون فرمائیں۔

المستفتی: محمد مدثر قاسمی مدرسہ جامع مسجد کاس گنج

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بارات میں لوگوں کی تعداد کا مسئلہ ایک اضافی

چیز ہے،اس میں لڑکی والے اپنی حسب حیثیت جتنے لوگوں کو لے جانے کی اجازت دے دیں اتنے یا اس سے کم لوگوں کو لے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے اتنے لوگوں کی دعوت کرنے کے لئے خود تیار ہیں۔ اور اگر زیادہ لوگوں کو لے جانے کے لئے لڑکی والوں پر کسی بھی انداز سے دباؤ ڈالا جائے یا جتنے لوگوں کو لے جانے کی بات لڑکی والوں کی طرف سے طے ہوئی ہے اس سے زیادہ لوگوں کو لے جا کر اس کے گھر چڑھائی کرنا دن دھاڑے ڈکیتی اور ناجائز اور حرام ہے اور لڑکے والوں کی طرف سے یہ کہنا کہ کم تعداد میں لوگوں کو لے جانے میں لڑکی کے اعزاز کے خلاف ہے، محض من گھڑت اور جہالت کی بات ہے،اس میں سوال کے ہر گوشہ کا جواب آچکا ہے۔

وفي حديث طويل: ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي، وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح، فأت الغنم، فخذ شاة، وأربعة أمدادا، وخمسة، فاجعل لي قصعة لعلي أجمع عليها المهاجرين والأنصار. الحديث. (مصنف عبدالرزاق، تزويج فاطمة رضى الله عنها، المجلس العلمي ٥/ ٤٨٧، رقم: ٩٧٨٢، المعجم الكبير للطبراني، دار حياء التراث العربي ٢٢/ ٤١٠، رقم: ١٠٢٢)

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم، إلا بطيب نفس منه. (النسنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله في سفينة أو بنى عليه جدارا، دارالفكر ٨/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤)

عن أبي حميد الساعدي أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حق، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

عن عبدالله بن عمر -رضي الله عنه- قال: رسول الله صلى الله عليه

وسلم: من دعي فلم يجب فقد عصى الله ورسوله، ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في إجابة الدعوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٢٥، دارالسلام، رقم: ٣٧٤١، السنن الكبرى للبيقهي، النكاح، باب طعام الفجاءة، دارالفكر ١٠/ ٢١٣، رقم: ١٣٦٩٨، شعب الإيمان للبيهقي، باب فی إكرام الضيف، فصل في التكلف للضيف عند القدرة عليه، دارالكتب العلمية بيروت ٦/ ١٠٤، رقم: ٩٦٤٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۴۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۶/ ۷/ ۱۴۳۳ھ

شادی میں باراتیوں کی تعداد متعین کرنا

سوال [۵۲۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات میں کتنے آدمیوں کا جانا مسنون ہے؟ اور اگر لڑکی والا خود سے متعین کردے کہ تم کو اتنے مثلاً ۴۰-۵۰/ آدمی آنا ہے، تو کیا اس کا متعین کرنا درست ہے؟ اور اتنے باراتی جاسکتے ہیں؟

المستفتی: فہیم احمد، مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شادی میں بارات لے جانے کا بہتر اور افضل طریقہ یہ ہے کہ دولہا کے ساتھ چند مخصوص افراد چلے جائیں جو نکاح پڑھا کر دولہن کو رخصت کرا کر لے آئیں، اسی کو بارات کہتے ہیں اور اسی بارات میں افراد کی تعداد لڑکی والوں کو متعین کرنا جائز ہے اور لڑکی والے جتنا کہیں اس کے دائرہ میں یا اس سے کم افراد لے جانے کی گنجائش ہے، اس کے برخلاف لڑکے والوں کا یہ کہنا کہ ہم اتنے آدمی لے کر آئیں گے یا

لڑکی والے جتنا کہیں اس سے زیادہ افراد کو لے کر جانا اور لڑکی والوں پر اس طرح دباؤ ڈالنا قطعاً جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۱۹۹)

اورحدیث شریف میں اس طریقہ پر دباؤ ڈال کر بارات لے جانے کو چوری اور ڈکیتی سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا کہ لڑکے والوں نے لڑکی والوں پر ڈاکہ ڈالا ہے۔

عن ابن عمر –رضي الله عنه– قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: …… ومن دخل على غير دعوة دخل سارقا وخرج مغيرا. (سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في إجابة الدعوة، النسخة الهندية ۲/ ۵۲۵، دارالسلام، رقم: ۳۷۴۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۱۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۴ھ

باراتیوں کی تعداد اور کھانے کا معیار متعین کرنا

سوال [۵۲۰۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکے والے کا لڑکی والے کے گھر بارات لے کر جانا باراتیوں کی تعداد متعین کرنا، کھانا کھلانا اور کھانے کا معیار متعین کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: قاری شکیل احمد، مدرسہ ہدایت العلوم بھگوان پور، ہریدوار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: دولہے کے ساتھ اس کے خاندانی اور رشتہ دار جو شادی بیاہ کے موقع پر لڑکی والوں کے دعوت دینے پر ان کے یہاں جاتے ہیں اور لڑکی والے ان کو بخوشی حسب حیثیت کھانا کھلائیں تو یہ شکل بلا شبہ جائز اور درست ہے، اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے؛ لیکن لڑکے والوں کا لڑکی والوں کی مرضی کے بغیر بذات خود باراتیوں کی

تعداد متعین کرنا اور کھانے کا معیار طے کرنا یہ قطعاً ناجائز اور لڑکی والوں پر بے جا ظلم وزیادتی ہے، جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (مستفاد: انوارنبوت ٦٧٦-٦٧٧)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلم أخو المسلم، لا يخونه ولا يكذبه، ولا يخذله، كل المسلم على المسلم حرام، عرضه وماله، ودمه. الحديث (سنن الترمذي، باب ماجاء في شفقة السملم على المسلم، النسخة الهندية ٢/ ١٤، دارالسلام، رقم: ١٩٢٧، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٥/ ٣٣٥، رقم: ٨٨٩١)

وفي استحباب المبادرة إلى الضيف بما تيسر. الخ، وقد كره جماعة من السلف التكلف للضيف، وهو محمول على ما يشق على صاحب البيت مشقة ظاهرة؛ لأن ذلك يمنعه من الإخلاص وكمال السرور بالضيف. (نووي على هامش مسلم، النسخة الهندية ٢/ ١٧٧)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر، فليكرم ضيفه. (صحيح البخاري، باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه، النسخة الهندية ٢/ ٩٠٦، رقم: ٥٨٩٧، ف: ٦١٣٦)

والإطعام ثلاثة أيام في الأول بمقدوره وميسره، والباقي بما حضره من غير تكلف، لئلا يثقل عليه، وعليه نفسه. (مرقاة المفاتيح، باب الضيافة، الفصل الأول، مكتبة إمداديه ملتان ٨/ ٢٠١، تحت رقم الحديث: ٤٢٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۱۲/۳۹)

بارات میں کتنے لوگ جائیں؟

سوال [۵۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: آج کل شادیوں میں جو بارات جاتی ہے شرعی اعتبار سے کتنے آدمیوں کو جانا چاہئے اور لڑکی کے وہاں جاکر باراتیوں کا کھانا کھانا کیسا ہے؟ جب کہ صحابہ کرام لڑکی والے کے یہاں کھانا نہیں کھاتے تھے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: بارات میں زیادہ افراد کا جاکر لڑکی والوں پر بوجھ ڈالنا ہرگز درست نہیں ہے، جتنے افراد کا بآسانی لڑکی والے انتظام کرسکتے ہیں اور بخوشی اتنے افراد کی اجازت دے دیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور اس سے زائد لے جاکر شرمندہ کرنا اور زور ڈالنا سب ناجائز اور ممنوع ہے۔ اور لڑکی والے کے یہاں صحابہ کرام کے کھانا کھانے سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ حدیث میں صراحت سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر رخصت کرنے سے قبل صحابہ کرام کو باقاعدہ کھانا کھلایا ہے۔ ’’مصنف عبدالرزاق‘‘ میں لمبی حدیث شریف موجود ہے، اس کا ایک ٹکڑا ذیل میں درج ہے۔

ثم دعا بلالا، فقال: يا بلال! إني زوجت ابنتي ابن عمي وأنا أحب أن يكون من سنة أمتي إطعام الطعام عند النكاح فأت الغنم فخذ شاة وأربعة أمداد أو خمسة فاجعل لي قصعة لعلي أجمع عليها المهاجرين والأنصار، فإذا فرغت منها فأذني بها فانطلق ففعل ما أمره، ثم أتاه بقصعة فوضعها بين يديه فطعن رسول الله صلى الله وسلم في رأسها ثم قال: أدخل علي الناس زفّة زفّة ولا تغادرن زفة إلى غيرها يعني إذا فرغت زفّة لم تعد ثانيا، فجعل الناس يردون كلما فرغت زفّة وردت أخرى حتى فرغ الناس، ثم عمد النبي صلى الله عليه وسلم إلى ما فضل عنها فتفل فيه وبارک، وقال: يا بلال! احملها إلى أمهاتک وقل لهن: كلن واطعمن من غشيكن، ثم أن النبي صلى الله عليه وسلم قام حتى دخل على النساء، فقال: إني قد زوجت

ابـنـتـي ابـن عمي، وقد علمتن منزلتها مني وإني دافعها إليه الآن إن شاء الله.
الحديث (مصنف عبدالرزاق ٥/ ٤٨٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١/ ذیقعدہ ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٧/ ٢٤٥١)

لڑکی والوں کے یہاں کھانے کا انتظام

سوال [٥٢٠٨]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا لڑکی والے کے یہاں دعوت کھانا جائز ہے؟ دعوت ولیمہ جس طرح سے لڑکے والے کے یہاں ہوتی ہے ویسے ہی آج کل لڑکی والے بھی دعوت کرتے ہیں اوراس دعوت میں گاؤں والے مدعو ہوتے ہیں، تو کیا لڑکی والے کی دعوت کھانا شرع کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حاجی نور محمد ٹکرا عثمان، ضلع بارہ بنکی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لڑکی والے اگر اپنی خوشی سے بلا کسی دباؤ کے کھانا کھلاتے ہیں تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں اور دعوت قبول کرنے والوں پر بھی کوئی گناہ نہیں، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی بیروت ٥/ ٤٨٧، رقم: ٩٧٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢١/ ذیقعدہ ١٤١١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٧/ ٢٤٥١)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢١/ ١١/ ١٤١١ھ

حضرت مفتی صاحب رومیؒ کی طرف سے یاددہانی

سوال [٥٢١٠]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: آگرہ میں مولانا میاں صاحب (خطیب ٹال حبیب اللہ ہینگ کی منڈی) کے حجرہ میں رسالہ ندائے شاہی بابت نومبر ۱۹۹۱ء نظر سے گذرا، نام کی صنعت ایہام نے متوجہ کیا رسالہ دیکھا ماشاء اللہ ترتیب اور کتابت وطباعت وغیرہ بہت ہی شایان شان نظر آئیں۔ ''دینی مسائل اور ان کا حل'' کے زیر عنوان مصنف عبدالرزاق کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے جو بات کہی گئی ہے وہ محل تامل نظر آئی؛ کیوں کہ مصنف کی اس روایت میں صاحب مصنف کے استاذ اور راوی یحییٰ بن العلا البجلی ہیں، جن کے بارے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ''**کذاب یضع الحدیث**'' راوی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے ''**أنه لیس بثقة**'' امام نسائیؒ نے انہیں ''**متروک الحدیث**'' قرار دیا ہے، ابن العلا ہی نے کہا ہے: ''**أحادیثه موضوعات**'' اور ابن حبان نے: ''**لایجوز الاحتجاج به**'' کا فتویٰ لگا دیا ہے۔

ان اقوال کی روشنی میں روایت کی اسنادی حیثیت بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ یہ روایت اگر موضوع نہ بھی قرار دی جائے تب بھی شبہ وضع سے تو خالی نہیں ہے۔

اور روایتی حیثیت سے بھی یہ روایت بڑی حد تک مشتبہ ومشکوک ہوجاتی ہے کہ امت کا تلقی بالقبول اور تلقی بالعمل اس کے ساتھ نہیں ہے، یہ تسلیم کہ مصنف عبدالرزاق کے نسخے عام طور پر لوگوں کے پاس نہ تھے؛ اس لئے اس کا علم عام نہ ہوسکا؛ لیکن یہ بات کیسے تسلیم کرلی جائے کہ ساری امت کے علم کا ذریعہ مصنف عبدالرزاق ہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون زندگی کا معاملہ صرف کتب حدیث پر مبنی ومنحصر نہیں ہے؛ بلکہ امت کی تلقی وتوارث بھی اس کے ساتھ رہی ہے۔ اس روایت کو صحیح ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ چودہ سو سال سے یہ سنت (جو ہر مسلمان کی روزمرہ کی زندگی سے متعلق بھی ہے) پردۂ خفا میں رہی، نہ حضرات صحابہ کا اس پر عمل درآمد ہوسکا کہ تابعین دیکھتے اور نہ تابعین نے عمل کیا کہ تبع تابعین میں رائج ہوکر منقول ومتوارث ہوتی، ان وجوہ کی بنا پر اس روایت سے استناد واحتجاج کسی طرح صحیح نہیں ہے، حضرت مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم نے اس روایت کا انکشاف فرماکر اس پر

فتویٰ دیا تھا، سننے میں آیا ہے کہ انہوں نے بھی بعد میں رجوع فرمالیا تھا؛ اس لئے آپ بھی مزید تحقیق فرمالیں اور اپنی تحقیق سے مجھے بھی مطلع فرمادیں۔ والسلام

المستفتی: عبدالقدوس رومی مفتی شہر شاہی جامع مسجد، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ماہنامہ ندائے شاہی شمارہ نومبر ۱۹۹۱ء میں لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانے اور کھلانے سے متعلق ایک فتوی شائع ہوا تھا اور آج حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ مدیر ندائے شاہی ونائب مفتی کے توسط سے آنجناب کا والا نامہ موصول ہوا، یحییٰ بن العلاء بجلی کے ضعف پر یاددہانی کا بہت بہت شکریہ ہے اور اسی حدیث کے ذیل میں مصنف عبدالرزاق ۵/ ۴۸۹ کے حاشیہ پر حضرت اقدس محدث اعظمی دامت برکاتہم نے حافظ بن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے یحییٰ بن العلاء کو متروک لکھا ہے اور آنجناب نے جو حوالے پیش فرمائے ہیں وہ سب اس کے لئے مؤید ہیں اور حدیث شریف کا متکلم فیہ ہونا احقر کو پہلے سے معلوم تھا اور خاکسار نے بالقصد نقل کی ہے؛ اس لئے کہ خاکسار نے اس حدیث شریف کے ذریعہ سے مذکورہ فتوی میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانے کو سنت یا مستحب ثابت نہیں کیا ہے اور نہ ہی مطلقاً جائز ثابت کیا ہے؛ بلکہ سائل نے سوال میں ایک دعویٰ کیا تھا کہ صحابہ کرام لڑکی والوں کے یہاں کھانا نہیں کھاتے تھے، صرف اس دعوی سے سائل کو باز رکھنے کے لئے مصنف کی مذکورہ حدیث نقل کردی ہے؛ اس لئے کہ صحابہ کو لڑکی والوں نے کھانا کھانے کی دعوت دی ہو اور صحابہ نے اس سے انکار کیا ہو اس کا ثبوت غالباً ضعیف اور متکلم فیہ روایت سے بھی کہیں ثابت نہیں ہے؛ بلکہ قبول کرنا ثابت ہے، جیسا کہ آگے ''مواہب لدنیہ'' وغیرہ کا حوالہ اس بارے میں آرہا ہے؛ لہٰذا آنجناب سے گزارش ہے کہ سابق فتوی کو دوبارہ نظر نواز فرمائیں اور آنجناب کو اگر کوئی ضعیف اور متکلم فیہ روایت بھی انکار صحابہ سے متعلق کہیں مل جائے تو براہ کرم خاکسار کو حوالہ کے ساتھ عنایت فرمائیں بہت بہت شکریہ ہوگا، نیز خاکسار نے اپنے پورے فتوی میں کہیں بھی سنت یا

مستحب یا علی الاطلاق جائز نہیں لکھا ہے؛ بلکہ بہت سی قیودات وشرائط کے ساتھ مقید کر کے لابأس بہ کا درجہ ثابت کیا ہے، جو مذکورہ فتوی میں مضائقہ نہیں، گناہ نہیں کے الفاظ سے واضح ہے۔ اور اگر کسی کو پھر بھی سنیت یا استحباب یا علی الاطلاق جواز سمجھ میں آرہا ہے اور مصنف کی روایت سنیت یا استحباب کے لئے مستدل سمجھ میں آرہی ہے تو خاکسار اعلان کرتا ہے کہ مصنف کی روایت سے سنت، مستحب یا علی الاطلاق جواز پر استدلال درست نہیں ہے؛ بلکہ وہ قیودات شامل ہونی چاہئیں جو سابق فتوی میں موجود ہیں۔

آنجناب نے دو باتیں ایسی تحریر فرمائیں ہیں جو ندائے شاہی میں شائع شدہ فتوی میں نہیں ہیں:

(۱) یہ بات کیسے تسلیم کر لی جائے کہ ساری امت کے علم کا ذریعہ مصنف عبدالرزاق ہی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ فتوی میں کہیں بھی اس کا دعوی نہیں کیا گیا نہ عبارۃً نہ اشارۃً نہ دلالۃً اور نہ ہی اقتضاءً؛ اس لئے آنجناب سے گزارش ہے کہ براہ کرم مذکورہ فتوی کو دوبارہ نظر نواز فرمائیں اور پھر اپنے تحریری اشکال پر غور فرمائیں کہ دونوں میں کہاں تک انطباق ہے، جب کہ فتاوی عبدالحئی، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، البدایہ والنہایہ وغیرہ میں طریقۂ ماثورہ لکھا ہے اور اس زمانہ میں فتنہ اور رسوم ولوازمات کے ہونے کی وجہ سے خاکسار نے اپنے فتوی سے اس کو بھی نظر انداز کیا ہے۔

(۲) آنجناب نے لکھا ہے کہ اس روایت (مصنف عبدالرزاق کی روایت) کو صحیح ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ چودہ سو سال سے یہ سنت جو ہر مسلمان کی روزمرہ کی زندگی سے متعلق بھی ہے، پردۂ خفا میں رہی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آج سے تقریباً پانچ سو سال قبل مسند الہند شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''مدارج النبوۃ فارسی ۲/ ۵۶۵، اردو قسط: ۱۱/ ۱۲۸ میں اور ان سے پہلے علامہ شہاب الدین قسطلانی شارح بخاریؒ نے ''المواہب اللدنیہ قلمی المقصد الثانی، ص: ۱۱۸ میں اور علامہ ابن کثیر نے ''البدایہ والنہایہ ۴/ ۱۴۴'' میں حضرت نجاشی کے قول وعمل سے سنت انبیاء ہونا نقل فرمایا ہے، نیز بعد میں حضرت ابوالحسنات

مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ نے ''فتاوی عبدالحئیؒ'' قدیم ۲/ ۵۴ میں لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھلانے کو باقاعدہ انبیاء کا طریقہ ماثورہ نقل فرمایا ہے، تو چودہ سو سال سے پردۂ خفا میں کہاں رہی؟ اور مواہب لدنیہ، مدارج النبوۃ، البدایہ والنہایہ اور فتاوی عبدالحئیؒ وغیرہ کی عبارتوں میں بعض صحابہ کرام کا رخصتی سے قبل لڑکی کے یہاں کھانا کھانا ثابت ہے۔ اور مصنف عبدالرزاق کی ضعیف روایت اس کے لئے کسی حد تک مؤید بھی ہے؛ اس لئے سابق فتوی میں سائل کو اپنے دعوی سے احقر نے ان الفاظ سے باز رکھنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکی والوں کے یہاں صحابہ کرام کے کھانا کھانے سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا اور نیچے مصنف کی روایت نقل کر دی ہے اور حدیث کے ضعف پر نشاندہی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی؛ کیوں کہ اباحت میں کوئی تردد نہیں ہے، تاہم احقر نے اپنے پورے فتوی میں کہیں بھی مصنف کی مذکورہ روایت کو صحیح نہیں کہا ہے اور نہ ہی صحیح مانی گئی اور نہ ہی پورے فتوی میں کہیں بھی مذکورہ عمل کو سنت لکھا گیا ہے؛ لہٰذا گزارش ہے کہ اپنے مکتوب اور ندائے شاہی کے شائع شدہ فتوی میں غور فرما کر دیکھیں کہ کہاں تک انطباق ہوتا ہے، باقی توجہ اور یاد دہانی کا تہہ دل سے شکریہ ہے، نیز آنجناب سے گزارش ہے کہ کبھی کوئی قابل اصلاح تحریر نظر نواز ہو تو برائے اصلاح توجہ اور نشاندہی فرمایا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ قابل رجوع بات ہو تو رجوع کرنے میں خاکسار کو کوئی تأمل نہیں ہے اور اس کے لئے ہمارے سامنے حضرت تھانوی قدس سرہ کی ترجیح الراجح مثالی نمونہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۴۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/ ۶/ ۱۴۱۲ھ

شبِ زفاف کہاں مسنون ہے؟ اور بارات کے کھانے کا حکم

سوال [۵۲۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: لڑکا جب شادی کرکے لڑکی کو رخصت کرانے کے لئے جائے تو آیا بنا یعنی شب زفاف لڑکی کے مکان پر مسنون ہے یا لڑکا اپنے گھر آکر بنا کرے؟ مسنون کیا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر شادیاں غزوات میں کی ہیں، تو سنت کیا ہے؟ اور لڑکی والوں کے یہاں بارات کی دعوت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

المستفتی: محمد وسیم سیوان؟ مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقد نکاح کے بعد افضل اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کو اپنے گھر لاکر شب زفاف گذاری جائے؛ البتہ اگر کسی وجہ سے لڑکی کے گھر پر ہی یہ رات گذاری جائے تو اس میں بھی شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کسی زوجہ مطہرہ سے عقد نکاح کے بعد انہیں کے گھر میں شب باشی کی ہو اور زفاف کے معنی ہی یہ ہیں کہ عورت کو مرد کے پاس بھیج دیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۳۸۷، ایضا ۳/ ۱۹۹، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۴٦۸)

الزفاف: اسم من زف العروس إلی زوجها، أي حملها إليه ليلة عروسها. (لغة الفقهاء، كراچی ۲۳۳)

قال الشامي في تفسير الزفاف: إهداء المرأة إلى زوجها "قاموس" وروى البخاري عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: رفضنا امرأة إلى رجل من الأنصار. الخ (شامي، كتاب النكاح كراچی ۳/ ۹، زكريا ديوبند ٤/ ٦۸، الموسوعة الفقهية الكويتية ٤۱/ ۲۳۲)

(۳) شادی کے موقع پر لڑکے کی طرف سے آنے والے مہمانوں کو کھانا کھلانا اور اس خوشی کے موقع پر ان کو کھانے کے لئے مدعو کرنا جائز اور درست ہے؛ لیکن اظہار فخر کے لئے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کرنا یا لڑکے والوں کی طرف سے اس دعوت کا مطالبہ کرنا اور اس دعوت کو دعوت ولیمہ سے تعبیر کرنا شریعت سے ثابت نہیں، اسی طرح اس دعوت کو ضروری

سمجھ لینالڑکی والوں پر دباؤ ڈالنااور حالات ایسے پیدا کر دینا کہ لڑکی والے بارات والوں کو کھانا کھلانے پر مجبور ہوجائیں اور اس میں طرح طرح کے رسوم رواج کرنا بھی درست نہیں ہے، ان سب سے احتراز لازم اور ضروری ہے، ہاں البتہ لڑکی والے اپنی خوشی سے حسب حیثیت بلاکسی دباؤ کے کھانا وغیرہ کھلاتے ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/ ۱۵۹، جدید زکریا ۵/ ۱۵۵، جدید مطول ۷/ ۴۸۴، فتاوی محمودیہ قدیم ۱۷/ ۳٦٧، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۴۲، فتاوی دارالعلوم ۷/ ۵۲۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ شعبان ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳؍ ۸؍ ۱۴۱۷ھ

منڈھے کی دعوت کا حکم

سوال [۵۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اکثر مسلمانوں کے اندر نکاح سے ایک یوم پہلے لڑکے والے کے یہاں برادری کے دوست واحباب محلّہ پڑوس ورشتہ داروں کی دعوت کی جاتی ہے، جس کو منڈھا کہا جاتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اور علماء دین کے یہاں ولیمہ ہوتا ہے، علماء کرام تو نکاح کے بعد ولیمہ کرتے ہیں اور ہم نکاح سے ایک یوم پہلے منڈھا کرتے ہیں، کیا نکاح سے پہلے جو منڈھے کی نیت سے دعوت کی جاتی ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس منڈھے کی دعوت میں شریک ہونا کیسا ہے؟ اور منڈھے کی رسم کیا ہے؟

المستفتی: ظریف احمد، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دعوت تو نکاح سے قبل بھی قبول کرنے میں مضائقہ نہیں، مگر ولیمہ کی نیت سے نہیں؛ کیوں کہ نکاح سے قبل ولیمہ مسنون یا مشروع نہیں

ہے؛ بلکہ نکاح کے بعد ہی ولیمہ مسنون ہے اور نکاح کے بعد بھی تین شکلیں ہیں: (۱) عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل (۲) نکاح اور رخصتی کے بعد شب زفاف سے قبل (۳) شب زفاف کے بعد۔ ولیمہ کی یہ تینوں شکلیں مشروع ہیں، مگر تیسری شکل زیادہ افضل ہے۔

ویجوز أن یؤلم بعد النکاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن یبنی بها، والثالث هو الأولیٰ. (بذل المجهود، کتاب الأطعمة، باب في استحباب الولیمة للنکاح، مطبع سهارن پور، قدیم ٤/ ٣٤٥، دارالبشائر الإسلامیة ١١/ ٤٧١، تحت رقم الحدیث: ٣٧٤٣)

لہٰذا منڈھے کے نام سے جو دعوت ہوتی ہے، وہ ولیمہ مسنونہ نہیں ہے؛ بلکہ غیر مسلموں سے آئی ہوئی چیز ہے، اس کا ترک کردینا مسلمانوں پر لازم ہے، اور ایسی رسوم میں شرکت نہ کرنا بہتر ہے، مگر فتنہ کا باعث بھی نہ ہونا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/۴۱۹۰)

دعوت ولیمہ ودیگر دعوتوں کے اقسام

سوال [۵۲۱۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دعوتوں کی کتنی اقسام جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: زمانہ نبوت میں چار قسم کی دعوتوں کا سلسلہ جاری تھا: (۱) دعوتِ ولیمہ (۲) دعوتِ عقیقہ (۳) ختنہ کے موقع پر دعوت (۴) نیا مکان ودوکان وغیرہ کا افتتاح کرتے وقت؛ لہٰذا اگر کوئی شخص ان مواقع میں سے کسی موقع پر دعوت کرتا ہے تو اس کی دعوت میں شرکت کرنا جائز ہے۔ (انوار نبوت، ص: ٦٦۳)

عن أبي هریرة – رضي الله عنه– قال: الولیمة حق وسنة، فمن دعي

فـلـم يـجب فقد عصى الله ورسوله، والخرس، والإعذار، والتوكير أنت فيه بالخيار، قال: قلت: إني والله لا أدري ماالخرس، والإعذار، والتوكير، قال: الخرس: الولادة، والإعـذار: الـختان، والتوكير: الرجل يبنى الدار وينزل في الـقـوم، فيـجعل الطعام، فيدعوهم، فهم بالخيار، إن شاؤوا أجابوا، وإن شـاؤا قعدوا. (الـمـعـجـم الأوسـط، دارالـفـكـر ۳/ ۸۸، رقم: ۳۹٤۸، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٥٢، رقم: ٦١٥٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۴/۱۱/۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۳۱۱)

ولیمہ کے معنی اور ولیمہ کا وقت کب ہے؟

سوال [۵۲۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ولیمہ کے معنی اور مطلب کیا ہے اور بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو تو ولیمہ ہوگا یا نہیں یا نکاح اگر صبح کو ہوا اور شام تک ولیمہ کرلیا تو ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: عبدالصمد بلاسپور گیٹ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''الولیمۃ'' کے معنی شادی کی خوشی کا کھانا اور ولیمہ عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل اور رخصتی کے بعد بیوی کے ساتھ شب باشی سے قبل اور شب باشی کے بعد تینوں وقتوں میں سے کسی بھی وقت میں جائز ہے؛ البتہ شب باشی کے بعد زیادہ بہتر ہے۔ اور عقد نکاح سے قبل ولیمہ کا ثبوت نہیں ہے۔

ويـجـوز أن يـؤلـم بـعد النكاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن يبنى بها، والثـالـث هو الأولى. (بـذل الـمـجـهـود، كتـاب الأطـعمة، باب في استحباب الوليمة لـلـنكـاح، مطبع سهـارن بور قديم ٤/ ٣٤٥، دارالبشائر الإسلامية ١١/ ٤٧١، رقم: ٣٧٤٣)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۷۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۲ھ

ولیمہ کی علت اور اصولی شرائط

سوال [۵۲۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ولیمہ کرنے کی علت کیا ہے؟

(۲) ولیمہ کے لئے وطی شرط ہے یا صرف نکاح کے بعد بھی ہوسکتا ہے وطی کئے بغیر؟

(۳) نکاح ہوا بیوی کے پاس جانے کے بعد معلوم ہوا کہ بیوی اس قابل نہیں ہے کہ وطی کی جائے، کوئی ہڈی وغیرہ راستہ میں حائل ہے یا راستہ نہیں تو کیا یہ شخص ولیمہ کرے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ولیمہ کی علت یہ ہے کہ بیوی من جملہ نعمتوں میں سے ایک عظیم ترین نعمت ہے، اس کے حاصل ہونے کے شکریہ میں اظہار خوشی کے لئے ولیمہ کیا جاتا ہے۔

الوليمة كل دعوة، فتتخذ لسرور. الخ (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في إجابة الدعوة، مطبع سهارن پور، قديم ٤/ ٣٤٤، دار البشائر الإسلاميه، بيروت ١١/ ٤٦٦، تحت رقم الحديث: ٣٧٣٦)

ومنها: أن تجدد النعمة حيث ملك ما لم يكن مالكا له يورث الفرح والنشاط والسرور ويهيج على صرف المال، وفي اتباع تلك الداعية التمرن على السخاوة. الخ (حجة الله البالغة قديم ٢/ ١٣٠، جديد مكتبه حجاز ٢/ ٣٤٠)

(۲) ولیمہ عقد نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے اور رخصتی کے بعد وطی سے پہلے اور وطی

کے بعد ہر طرح جائز ہے، وطی شرط نہیں ہے، ہر صورت میں ولیمہ کی سنیت ادا ہوجاتی ہے؛ البتہ وطی کے بعد زیادہ اولیٰ اور افضل ہے۔

ويجوز أن يؤلم بعد النكاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن يبنى بها، والثالث هو الأولى. (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب في استحباب الوليمة للنكاح، مطبع سهارن بور قديم ٤/ ٣٤٥، دارالبشائر الإسلامية ١١/ ٤٧١، رقم: ٣٧٤٣)

(۳) ایسی عورت کے ساتھ شرعاً خلوۃ صحیح اور درست نہیں ہوتی ہے۔

الخلوة كالوطي بلا مانع حسي، وطبعي، وشرعي، ومن الحسي رتق وقرن وعفل وصغر. (درمختار، كتاب النكاح، باب المهر كراچی ٣/ ١١٤، زكريا ديوبند ٤/ ٢٤٩-٢٥٠، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٨/ ٢٨٨)

وإن كان أحدهما مريضا هذا شروع في بيان الموانع -إلى- ومانع طبعي ككون المرأة رتقاء، أو قرناء أو صغيرة. الخ (البناية أشرفيه ديوبند ٥/ ١٤٩)

ظاہر ہے کہ ایسی عورت سے نعمت نکاح اور خوشی حاصل نہیں ہوتی ہے جو صرف مال پر ابھارتی ہو؛ اس لئے علت ولیمہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے اصولاً ولیمہ لازم نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ رشعبان ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۹۰۳/۲۶)

کیا دوسری شادی میں بھی ولیمہ کرنا مسنون ہے؟

سوال [۵۲۱۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی ایک شادی ہوچکی تھی اور طلاق ہوگئی ہے، اب دوسری شادی طے ہوگئی ہے، تو کیا زید کے ذمہ ولیمہ مسنونہ ضروری ہے، مگر زید کی والدہ جو کافی بزرگ ہیں فرماتی ہیں، کہ ولیمہ اس وقت مت کرو، اس سے پہلی لڑکی والے اچھا اثر نہیں لیں گے اور حسد کریں گے،

پھر کسی وقت دو تین ماہ کے بعد کر لینا۔

المستفتی: طلعت حسین بارہ دری، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ولیمہ شادی کے دن سے اگلے دن تک مسنون ہے، اس کے بعد ولیمہ نہ رہے گا؛ بلکہ محض ایک دعوت شمار ہوگی، اگر ولیمہ اس وقت نہ کیا جائے تو بعد میں ولیمہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله ﷺ: الوليمة أول يوم حق، والثاني معروف، والثالث رياء وسمعة. (سنن ابن ماجة، النكاح، باب إجابة الداعي، النسخة الهندية ١/ ١٣٧، دارالسلام رقم: ١٩١٥، وهكذا في مسند الدارمي، دارالمغني ٢/ ١٣١١، رقم: ٢١٠٩، مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٢٨، رقم: ٢٠٥٩٠، ٢٠٥٩١، ٥/ ٣٧١، رقم: ٢٣٥٣٩، سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة، باب في كم تستحب الوليمة، النسخة الهندية ٢/ ٥٢٥، دارالسلام، رقم: ٣٧٤٥)

وقت وليمة العرس حين البناء وتستمر الدعوة إلى الطعام بعد البناء، واليوم الذى بعده، ثم ينقطع العرس والوليمة. (الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب الحظر والإباحة وقتها (الوليمة) دارالفكر ٢/ ٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۷۱)

ولیمہ کا کھانا کتنے لوگوں کو کھلائیں؟

سوال [۵۲۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ولیمہ کا کھانا کتنے لوگوں کو کھلانا چاہئے؟

المستفتی: اکبر علی ہمدرد دواخانہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ولیمہ مسنون ہے، اس میں کتنے لوگوں کو کھانا کھلایا جائے اس کی کوئی مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی؛ بلکہ ہر شخص اپنی مرضی سے اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق لوگوں کو کھانا کھلا دے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ولیمہ کرو اگر چہ ایک ہی بکری سے کیوں نہ ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولیمہ کا حکم حسب گنجائش ہے۔

عن أنس –رضي الله عنه– أن النبي ﷺ رأى على عبدالرحمن بن عوف أثر صفرة، قال: ما هذا؟ قال: إني تزوجت امرأة على وزن نواة من ذهب قال: بارك الله لك أولم ولو بشاة. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب كيف يدعي للمتزوج، النسخة الهندية ٢/ ٧٧٤، رقم: ٤٩٦١، ٥١٥٥)

قال عياض: وأجمعوا على أن لا حد لأكثرها، وأما أقلها فكذلك، ومهما تيسر أجزأ، والمستحب أنها على قدر حال الزوج، وقد تيسر على الموسر الشاة فما فوقها. (بذل المجهود، كتاب النكاح، باب قلة المهر، دارالبشائر الإسلامية ٨/ ٢١، تحت رقم الحديث: ٢١٠٩، مطبع سهارن پور قديم ٣/ ٢٤٠، فتح الباري، كتاب النكاح، باب الوليمة ولو بشاة، دارالفكر ٩/ ٢٣٤، أشرفيه ديوبند ٩/ ٢٩٣، تحت رقم الحديث: ٥١٦٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ ر محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۱۱۴)

بارات روانگی سے قبل دعوت سے ولیمہ کی ادائیگی ہوگی یا نہیں؟

سوال [۵۲۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شادی کے موقع پر یہ رواج ہے کہ سنیچر کی صبح کو روانگی بارات ہے تو

جمعہ کی شام ہی کولڑ کے والا کھانا کھلاتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ بارات کی روانگی سے پہلے جو دوست واحباب کی دعوت طعام کی ہے اس سے ولیمہ کی سنت ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

المستفتی: کریم پور تھانہ ٹانڈہ پوسٹ دھنورا، ضلع رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: ولیمہ عقد نکاح ہوجانے کے بعد جائز ہوتا ہے، اس کی تین شکلیں ہیں: (۱) عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل (۲) عقد اور رخصتی کے بعد شب زفاف سے قبل (۳) شب زفاف کے بعد۔ ان تینوں میں سے تیسری شکل زیادہ افضل ہے؛ لہٰذا عقد نکاح سے پہلے جو کھانا لڑکے والے کھلاتے ہیں، اس سے ولیمہ کا حق اور ولیمہ کی سنت ادا نہیں ہوگی۔

ویجوز أن یؤلم بعد النکاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن یبنی بها، والثالث هو الأولی. (بذل المجهود، کتاب الأطعمة، باب في استحباب الولیمة للنکاح، مطبع سهارن بور قدیم ٤/ ٣٤٥، دارالبشائر الإسلامیة ١١/ ٤٧١، تحت رقم الحدیث: ٣٧٤٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۴۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۴ھ

ہمبستری سے قبل ولیمہ کرنا

سوال [۵۲۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکے کو لڑکی کے ایم سی کا کچھ پتہ نہیں تھا؛ لہٰذا پہلی رات کو لڑکی کے بتانے پر لڑکے کو معلوم ہوا؛ اس لئے لڑکے نے صحبت بھی نہیں کی اور صبح کو لڑکے نے ولیمہ کی دعوت لوگوں کو کھلا دی، تو بتائیے کہ لڑکے کو ولیمہ کا ثواب ملا یا نہیں؟ اس کو اب کیا کرنا چاہئے؛ کیوں

کہ ولیمہ کی دعوت کے لئے لوگوں کو پہلے سے مدعو کیا گیا تھا۔

المستفتی: محمد شاہنواز، چندوسی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جی ہاں ایسی صورت میں دعوت ولیمہ کی سنیت ادا ہو جائے گی اور ثواب بھی ملے گا کیونکہ ہمبستری سے قبل ولیمہ جائز ہے۔

ویجوز أن یؤلم بعد النکاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن یبنی بها، والثالث هو الأولی. (بذل المجهود، کتاب الأطعمة، باب في استحباب الولیمة للنکاح، مطبع سهارن پور قدیم ٤/ ٣٤٥، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ١١/ ٤٧١، تحت رقم الحدیث: ٣٧٤٣)

وقت الولیمة عند العقد، أو عقبه، أو عند الدخول، أو عقبه، وهذا أمر یتوسع فیه حسب العرف والعادة، وعند البخاري أنه صلی اللّٰه علیه وسلم دعا القوم بعد الدخول بزینب. (فقه السنة، دارالکتاب العربي ٢/ ٢١٠)

اختلف الفقهاء في وقت الولیمة، فذهب الحنفیة والمالکیة في المشهور وابن تیمیة إلی أن الولیمة تکون بعد الدخول –إلی– ویری بعض الحنفیة أن ولیمة العرس تکون عند العقد، وعند الدخول. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ٤٥/ ٢٤٩-٢٥٠) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللّٰہ عنہ
۱۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۳۱۸۵)

شبِ زفاف سے قبل ولیمہ کرنا

سوال [۵۲۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا نکاح خوانی کے معاً بعد یعنی شب زفاف سے پیشتر ولیمہ کر دیا جائے،

تو ادا ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: مولانا عبدالناصر مدرس مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ولیمہ عقد نکاح کے بعد رخصتی سے قبل اور رخصتی کے بعد شب زفاف سے قبل اور شب زفاف کے بعد تینوں صورتوں میں جائز ہے؛ البتہ اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ شب زفاف کے بعد کیا جائے۔

ویجوز أن یؤلم بعد النکاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن یبنی بها، والثالث هو الأولی. (بذل المجهود، کتاب الأطعمة، باب في استحباب الولیمة للنکاح، مطبع سهارن پور قدیم ٤ / ٣٤٥، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ١١ / ٤٧١، تحت رقم الحدیث: ٣٧٤٣)

واختلف السلف في وقتها، هل هو عند العقد أو عقبه، او عند الدخول أو عقبه، أو یوسع من ابتداء العقد إلی انتهاء الدخول علی أقوال، قال السبکي: والمنقول من فعل النبي صلی اللّٰه علیه وسلم أنها بعد الدخول، وفي حدیث أنس عند البخاري وغیره التصریح بأنها بعد الدخول، لقوله: أصبح عروسا بزینب فدعا القوم. (بذل المجهود، کتاب النکاح، باب قلة المهر، دارالبشائر الإسلامیة ٨/ ٢١، تحت رقم الحدیث: ٢١٠٩، مطبع سهارنپور قدیم ٣/ ٢٤٠) فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۷۴۹)

ہمبستری سے قبل ولیمہ کرنے سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال [۵۲۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے صبح کو نکاح کیا اور شام کو ولیمہ کی دعوت کی اس صورت میں زید کی طرف

سے ولیمہ کی سنت ادا ہوئی یا نہیں اور یہ ولیمہ کھانا صحیح ہے یا نہیں؟ کیوں کہ ابھی زید ہمبستر نہیں ہوا ہے، اسی طرح عمر نے شادی کی اور شب عروسی کے بعد دوسرے دن ولیمہ کیا؛ لیکن عمر بھی ہمبستر نہیں ہوسکا؛ کیوں کہ لڑکی حیض کی حالت میں تھی، اس صورت میں عمر کی طرف سے ولیمہ کی سنت ادا ہوئی یا نہیں اور عمر کا ولیمہ لوگوں کو کھانا صحیح ہے یا نہیں؟

المستفتی: جابر حسین مانپور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عقد نکاح ہوجانے کے بعد ولیمہ کرنے کی تین شکلیں ہیں: (۱) عقد نکاح کے بعد بیوی میکہ میں رہے رخصتی اور ملاپ نہ ہو (۲) عقد نکاح ہونے کے بعد بیوی شوہر کے گھر رخصت ہوجائے؛ لیکن ابھی شب زفاف اور ہمبستری نہیں ہوئی اور ولیمہ ہوگیا (۳) عقد نکاح کے بعد رخصتی بھی ہوجائے اور شب زفاف اور ہمبستری بھی ہوجائے، اس کے بعد ولیمہ ہو یہ تینوں شکلیں جائز اور مشروع ہیں اور تینوں کا کھانا بھی بلاتردد جائز اور درست ہے؛ لیکن تینوں میں افضل یہی ہے کہ شب زفاف اور ہمبستری کے بعد ولیمہ عمل میں آئے۔

واختلف السلف في وقتها، هل هو عند العقد أو عقبه، أو عند الدخول أو عقبه، أو يوسع من ابتداء العقد إلى انتهاء الدخول –إلى– والمنقول من فعل النبي صلى الله عليه وسلم أنها بعد الدخول. (بذل المجهود، كتاب النكاح، باب قلة المهر، دارالبشائر الإسلامية ٨/ ٢١، تحت رقم الحديث: ٢١٠٩، مطبع سهارنپور قديم ٣/ ٢٤٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۱۰۲/۳۵)

نکاح کے بعد رخصتی سے قبل ولیمہ

سوال [۵۲۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص کی شادی ہوئی اور رات کو جب وہ اپنی شریک حیات کے پاس پہنچا تو اس کو حیض کی حالت میں پایا جس کی وجہ سے اس نے اس سے صحبت نہیں کی اور باہر ہی انزال کیا اور حسب معمول (یا پروگرام) دوسرے دن ولیمہ ہوا۔

(۱) سوال: کیا اس کو شب زفاف نصیب ہوئی؟

(۲) سوال: کیا اس کی سنت ولیمہ ادا ہوئی؟

المستفتی: محمد ندیم محلّہ کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: ولیمہ کی سنیت ادا ہو جائے گی، اگر چہ بیوی سے صحبت نہ کر سکا ہو؛ اس لئے ولیمہ رخصتی سے پہلے بھی جائز اور درست ہے۔

ويجوز أن يؤلم بعد النكاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن يبني بها، والثالث هو الأولى. (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب في استحباب الوليمة للنكاح، مطبع سهارن پور قديم ٤/ ٣٤٥، دارالبشائر الإسلامية بيروت ١١/ ٤٧١، تحت رقم الحديث : ٣٧٤٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۳۰)

ولیمہ سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۵۲۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: آج کل ہمارے علاقہ میں مسلمان شادی کے بعد جو دعوت ولیمہ کرتے ہیں، کیا وہ سنت سے مطابقت رکھتا ہے؟ (۱) پہلے دن لڑکے کی شادی کرتے ہیں، دوسرے دن لڑکی کی شادی میں ولیمہ کے نام سے دعوت کھلاتے ہیں۔ (۲) دوتین دن کے بعد ولیمہ کرنا (۳) بڑا ولیمہ جس میں محلّہ کے علاوہ دوست واحباب اور دیگر رشتہ داروں کو بلانا (۴) چھوٹا ولیمہ جس میں اہل خانہ کے علاوہ کنبہ اور خاندان کے ایک ایک فرد کو دعوت دینا (۵) ولیمہ میں غیر مسلم کو بلانا (۶) ولیمہ میں گوشت کی جگہ چند قسم کی مٹھائی اور ایک دو طرح کی سبزی اور پوڑی کھلانا (۷) لڑکی کے گھر بارات لے کر جانا (۸) خود اپنی لڑکی کی شادی میں بارات بلانا اور محلّہ والوں کی دعوت کرنا (۹) نکاح میں مہر سکہ رائج الوقت کی کم سے کم مقدار متعین کرنا۔

المستفتی: عبد المجید ولد عبد الغفور کھتری محلّہ آٹھونہ، نولگڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ولیمہ صرف لڑکے کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ ولیمہ صرف عقد نکاح کے بعد بھی جائز ہے۔ اور رخصتی کے بعد شب زفاف سے پہلے بھی جائز ہے۔ اور شب زفاف کے بعد بھی جائز ہے؛ لیکن ان تینوں صورتوں میں سب سے افضل شب زفاف کے بعد ولیمہ کرنا ہے۔ اور شریعت میں لڑکی کی طرف سے ولیمہ کا کوئی ثبوت نہیں۔

ویجوز أن یؤلم بعد النکاح، أو بعد الرخصة، أو بعد أن یبنی بها، والثالث هو الأولی. (بذل المجهود، کتاب الأطعمة، باب في استحباب الولیمة للنکاح، مطبع سهارن پور قدیم ٤/ ٣٤٥، دارالبشائر الإسلامیة بیروت ١١/ ٤٧١، تحت رقم الحدیث: ٣٧٤٣)

(۲) سوال نمبر۲ میں یہ پوچھا گیا ہے کہ دوتین دن کے بعد ولیمہ کرنا؟ سو اگر کسی عذر کی وجہ سے پہلے دن ولیمہ نہیں کر پایا ہے، تو دوسرے دن تک ولیمہ کرنے کی گنجائش ہے۔

عن وحشي بن حرب بن وحشي عن أبیه عن جده ...... قال: قال رجل یا رسول اللّٰہ! صلی اللّٰہ علیه وسلم: الولیمة؟ قال: الولیمة حق، والثانیة

معروف، والثالثة فخر، وحرج. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٢٢/ ١٣٧، رقم: ٣٦٢)

عن عبدالله –رضي الله عنه– قال: الوليمة أول يوم حق، والثاني فضل، والثالثة، رياء وسمعة. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ٩/ ١٩٧، رقم: ٩٦٧، ٥/ ٢٧٢، رقم: ٥٣٠٦، المعجم الأوسط، دارالفكر ١/ ٥٧٦، رقم: ٢١١٦، ٥/ ٢٩٨، رقم: ٧٣٩٣)

(۳-۴) میں بڑے اور چھوٹے ولیمہ کا ذکر ہے، شریعت میں بڑے اور چھوٹے ولیمہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے؛ بلکہ لڑکے والے حسب حیثیت دوست احباب اور رشتہ داروں کو جو بھی کھانا کھلائیں وہی شرعاً ولیمہ ہے، اس میں چاہے ہر گھر کا ایک ایک آدمی ہو یا ہر کنبہ کا ایک ایک آدمی ہو، اس میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر طرح جائز ہے۔

قال عياض: وأجمعوا على أن لا حد لأكثرها، وأما أقلها فكذلك، ومهما تيسر أجزأ، والمستحب أنها على قدر حال الزوج. (بذل المجهود، كتاب النكاح، باب قلة المهر، مكتبه سهارن پور قديم ٣/ ٢٤٠، دارالبشائر الإسلامية ٨/ ٢١، تحت رقم الحديث: ٢١٠٩)

﴿لا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتَاهَا﴾ الآية: قال القرطبي: أي لا يكلف الفقير مثل ما يكلف الغني. (تفسير قرطبي، سورة الطلاق، تحت رقم الآية: ٧، دارالكتب العلمية بيروت ١١/ جزء١٨، ص: ١١٣)

(۵) میں غیر مسلم کو بلانے کا ذکر ہے، کسی تعلق کی بنیاد پر یا پڑوس میں رہنے کی وجہ سے کسی غیر مسلم کو ولیمہ کی دعوت میں بلایا جائے، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضافه ضيف وهو كافر، فأمره له رسول الله بشاة، فحلبت فشرب حلابها. الحديث (مسلم شريف، كتاب الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، النسخة الهندية ٢/ ١٨٦، بيت الأفكار، رقم: ٢٠٦٣)

(۶) ولیمہ میں گوشت کے بجائے چند قسم کی مٹھائیاں اور پوڑی سبزی کھلانے کا ذکر ہے، شرعاً ان چیزوں سے بھی ولیمہ صحیح ہوجاتا ہے۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ولیمہ فرمایا تھا، وہ اسی قسم کا تھا، جس میں کچھ روٹی کے ٹکڑے، کچھ پنیر، کچھ گھی وغیرہ جیسی چیزیں تھیں۔

عن أنس –رضي الله عنه– يقول: أقام النبي صلى الله عليه وسلم بين خيبر والمدينة ثلاث ليال يبنى عليه بصفية –رضى الله عنها– فدعوت المسلمين إلى وليمته، وما كان فيها من خبز ولا لحم، وما كان فيها إلا أن أمر بلالا بالإنطاع، فبسطت، فألقي عليها التمر والأقط والسمن. (بخاري شريف، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، النسخة الهندية ٢/ ٦٠٦، رقم: ٤٠٦٠، ف: ٤٢١٣)

وتقع على كل طعام يتخذ سرور. (بذل المجهود، كتاب النكاح، باب قلة المهر، مكتبه سهارن پور قديم ٣/ ٢٤٠، دارالبشائر الإسلامية ٨/ ٢٠، رقم: ٢١٠٩)

(۷) سوال نمبر ۷ رمیں لڑکی کے گھر بارات لے جانے کا ذکر ہے، لڑکی کے گھر اتنے افراد کو لے جایا جائے جن کے نظم وانتظام میں لڑکی والوں کو کوئی دشواری نہ ہو لڑکی والوں کی حیثیت سے بڑھ کر ان پر دباؤ ڈالنا جائز نہیں، نیز اگر لڑکی والوں نے مثلاً پچیس افراد لانے کو کہا ہے، تو اس پر دو چار افراد زائد لے جانا بھی جائز نہیں۔

عن أبي حميد الساعدي، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

عن عبدالله بن عمر –رضي الله عنه– قال رسول ﷺ:...... ومن دخل على غير دعوة، دخل سارقا وخرج مغيرا. (سنن ابي داؤد، كتاب الأطعمة، باب ماجاء في إجابة الدعوة، النسخة الهندية ٢/ ٥٢٥، دارالسلام، رقم: ٣٧٤١)

(۸) میں یہ کہا گیا ہے کہ لڑکی والے شادی میں بارات بلائیں اور محلّہ والوں کی

دعوت کریں، سواس کا حکم شرعی یہ ہے کہ لڑکی والے اپنی حیثیت کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی کے دباؤ کے بغیر اپنی خوشی سے لڑکے والوں کی طرف سے کچھ لوگوں کو بلائیں یا محلّہ والوں کی دعوت کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ مصنف عبد الرزاق اور معجم کبیر للطبرانی کی روایات سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (المعجم الكبير للطبراني، داراحياء التراث العربي ۲۲/ ۴۱۱، رقم: ۱۰۲۲، مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمي ۵/ ۴۸۷، رقم: ۹۷۸۲، مجمع الزوائد ۹/ ۲۰۷)

(۹) سوال نمبر ۹؍ میں مہر کے سکہ رائج الوقت کو پوچھا گیا ہے، سکہ رائج الوقت سے مراد جس وقت مہر ادا کیا جائے اس وقت کی رائج شدہ کرنسی ہے، اس کی مقدار وہی ہوگی جو بوقت نکاح متعین کی گئی ہے اور اگر اس سے مراد اقل مہر کی مقدار پوچھنا ہے تو سب سے کم درجہ کا مہر دس درہم ہے جو موجودہ اوزان کے حساب سے ۳۰؍ گرام ۶۱۸؍ ملی گرام ہے، یعنی ۳؍ تولہ ۶۱۸؍ ملی گرام چاندی ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے۔

عن جابر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا صداق دون عشرة دراهم. (سنن الدرقطني، النكاح، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱۷۳، رقم: ۳۵۶۰)

يتصرف مطلقة إلى غالب نقد البلد. (شامي، زكريا ۷/ ۵۸، كراچی ۴/ ۵۳۶)

وأقله عشرة دراهم. (شامي، كراچی ۳/ ۱۰۱، زكريا ۴/ ۲۳۰)

ويعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء (درمختار) وتحته في الشامية: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح. (شامي، زكريا ۳/ ۲۱۱، كراچی ۲/ ۲۸۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ صفر ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۲۹۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۲/۲۴ھ

ولیمہ تیسرے دن یا بعد میں کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۲۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر کو ولیمہ مسنونہ کے سلسلہ میں ایک فتوی درکار ہے، جو کہ نیچے تحریر ہے، ولیمہ مسنونہ شادی سے تیسرے دن یا اور بعد میں کیا جائے؟ تو اس کی حیثیت کس اعتبار کی ہوگی؟ ازروئے کرم وضاحت کے ساتھ تحریر فرمادیں۔

المستفتی: سیف الدین پنڈت نگلہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شبِ زفاف کے تیسرے دن تک حدیث شریف سے ولیمہ کا ثبوت ہے اور بلا کسی عذر کے تیسرے دن ولیمہ کو حدیث پاک میں ریا کاری اور دکھلاوے سے تعبیر کیا گیا ہے؛ اس لئے تیسرے دن سے پہلے پہلے ولیمہ مسنونہ سے فارغ ہوجانا چاہئے؛ لیکن اگر سخت عذر کی وجہ سے دوسرے دن کے بعد تاخیر کی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

عن عبدالله –رضي الله عنه– قال: الوليمة أول يوم حق، والثاني فضل، والثالث رياء وسمعة، ومن يسمّع يُسمّع الله به. (المعجم الكبير، دارإحياء التراث العربي ۹/ ۱۹۷، رقم: ۸۹٦۷)

عن وحشي بن حرب بن وحشي عن أبيه، عن جده قال: قال رجل يا رسول الله! الوليمة؟ قال: الوليمة حق، والثانية معروف، والثالثة فخر وحرج. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۲۲/ ۱۳۷، برقم: ۳٦۲، أنوار نبوت/ ٦٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۵۱/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳/۱/۱۴۳۱ھ

نکاح میں چھوہارے تقسیم کرنے کی ذمہ داری کس پر اور ولیمہ کتنے دن بعد تک ہوسکتا ہے؟

سوال [۵۲۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح کی تقریب میں چھوہارے یا مٹھائی کے انتظام کی ذمہ داری لڑکی یا لڑکے والوں میں سے کس پر ہے؟ اور ولیمہ کتنے دن بعد تک کیا جاسکتا ہے؟

المستفتی: ماسٹر عبدالحق، خادم دینی لائبریری مدرسہ احیاء العلوم ہلدوانی، نینی تال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس سوال میں دو چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے: (۱) نکاح میں چھوہارہ اور شیرینی تقسیم کرنا یہ چیزیں خوشی میں تقسیم کی جاتی ہیں، غمی میں نہیں، لڑکی والوں کے لئے غمی ہوتی ہے، خوشی نہیں؛ اس لئے کہ ان کی لڑکی جاتی ہے اور مال بھی جاتا ہے۔ اور لڑکے والوں کے لئے خوشی ہے؛ اس لئے کہ ان کے یہاں دولہن آتی ہے اور مال بھی آتا ہے؛ اس لئے ولیمہ کی سنت کا ادا کرنا لڑکے والوں پر ہی رکھا گیا ہے، اسی طرح بعض احادیث سے چھوہارہ تقسیم کرنا بھی لڑکے والوں کی طرف سے ثابت ہے، ہاں البتہ اگر لڑکی والے بھی اپنی خوشی سے کچھ تقسیم کردیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

عن عائشة –رضي الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوج بعض نسائه، فنثر عليه التمر. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصداق، باب ماجاء في النثار في الفرح، دارالفكر ۱۱/ ۱۲۰، برقم: ۱۵۰٤۸)

(۲) حدیث شریف کے اندر ولیمہ نکاح کے بعد دو دن تک کرنے کی اجازت ہے، اس کے بعد کھانے کو ریا کاری کا کھانا قرار دیا گیا ہے۔

عن عبدالله –رضي الله عنه– قال: الوليمة أول يوم حق، والثاني فضل، والثالث رياء وسمعة، ومن يسمع يسمع الله به. (المعجم الكبير، دار

إحیاء التراث العربي ۹/ ۱۹۷، برقم: ۸۹۶۷، ۲۲/ ۱۳۷، رقم: ۳۶۲، أنوار نبوت/ ۶۵۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۸۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۱۱/ ۱۴۳۰ھ

ولیمہ کی دعوت میں لڑکے والوں کا ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟

سوال [۵۲۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے یہاں بعض شادیوں میں ایسا ہوتا ہے کہ اگر ولیمہ ہو تو اس میں لڑکی والے خاص تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں اور ولیمہ کا کھانا کھانے کے بعد ایک معتد بہ رقم لڑکے والوں کو دیتے ہیں، مثلاً :-/3,100 روپے، -/5,100 روپے۔ واضح ہو کہ اس رقم کا پہلے سے ذہن میں ایک نشانہ متعین ہوتا ہے کہ یہ رقم لڑکی کے رشتہ دار اکٹھا کرتے ہیں اور اس میں کمی بیشی اس کی تلافی خود لڑکی والا کرتا ہے، سوال طلب بات یہ ہے کہ اس طرح رقم دے کر کھانا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) نیز اس طرح جو لوگ چندہ دیتے ہیں، ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو با دلِ ناخواستہ دیتے ہیں، نیز رقم لینے والا اس رقم کو نوٹ بھی کر لیتا ہے، تا کہ آئندہ اس کے یہاں ایسا موقع آئے تو اس کی تلافی کر دے شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد صدیق ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) ولیمہ کی دعوت کھانا اور کھلانا سنت ہے؛ لیکن ولیمہ کا کھانا کھانے کے بعد لڑکی والوں سے ایک خاص مقدار میں ناحق رقم لینے یا دینے پر مجبور کرنا اور اس طرح لین دین کی رسم بنا لینا شرعاً انتہائی قبیح اور ناجائز ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۶/ ۳۶-۳۵، امداد الفتاوی زکریا ۵/ ۲۷۸)

(۲) حدیث میں ہدیہ لینے دینے کی بڑی ترغیب آئی ہے اور اس کو محبت کا ذریعہ بتلایا گیا ہے؛ لیکن اس رسم ورواج سے مجبور ہو کر دینا اور اس امید پر دینا کہ ہمارے یہاں بھی کوئی تقریب ہوگی تو وہ بھی ہمیں اتنا ہی دے گا، یہ ہدیہ نہیں ہے؛ بلکہ ظلم وزیادتی ہے اور نہایت ہی گھٹیا اور بے اصل بات ہے، اس طرح کی رسم کا ترک کرنا مسلمانوں پر لازم وضروری ہے۔
(مستفاد: امداد الفتاویٰ زکریا ۵/ ۲۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۹۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰/ ۶/ ۱۴۱۷ھ

شادی میں مدعوئین کے ہدیہ تحائف کا حکم

سوال [۵۲۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادیوں میں دوست واحباب کو مدعو کیا جاتا ہے، یہ مدعوئین بوقت شرکت حیثیت کے مطابق شادی والے کو نذرانہ نقد یا اجناس (کپڑا، زیور ودیگر چیزیں) پیش کرتے ہیں، نذرانہ کا لین دین ازروئے شرع کیسا ہے؟

المستفتی: عبد الولی ولد حاجی عبد الکریم شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: شادی کا موقع چوں کہ خوشی کا موقع ہوتا ہے؛ اس لئے اس موقع پر اگر دوست واحباب کو مدعو کیا جائے اور وہ اظہار خوشی کے لئے بطور نذرانہ نقد یا کپڑا وغیرہ دیں تو اس طرح کے لین دین میں کوئی مضائقہ نہیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت ان کے چچا کو کرتا مرحمت فرمایا تھا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، جدید ۱۲/ ۱۳۱، قدیم ۱۱/ ۱۵۴) لیکن یہ بطور عوض نہیں ہونا چاہئے۔

روی ابن شهاب الزهري أنه قيل لخويلد بن أسد بن عبدالعزى، وهو

ثـمل من الخمر، هذا ابن أخيک محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب يخطب خـديـجة، وقـد رضيت ...... فخلقت خديجة أباها وحلت عليه حلة، ودخل رسـول الله صلى الله عليه وسلم بها فلما صحا الشيخ من سكرته قال ماهذه الـخـلـوق وما هذه الحلة؟ قالت: ابنته أخت خديجة هذه حلة كساكها ابن أخيک مـحـمـد بـن عبـدالله بـن عبدالمطلب أنكحته خديجة ...... عن ابن عباس قال: ...... فزوجها إياه فخلقته والبسته حلة، وكذلک كانوا يصنعون إذا زوجوا نسائهم. (تاريخ الخميس في أحوال أنفس نفيس، بحث تزوجه عليه السلام خديجة ١/ ٢٦٤، بحواله محموديه ڈابهيل ١٢/ ١٣٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

١٨/ رجب ١٤٢٠ھ

(الف فتویٰ نمبر: ٣٤/ ٦٢٧٢)

اسٹینڈنگ (کھڑے ہوکر کھانے) میں شرکت کا حکم

سوال [٥٢٢٨]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک صاحب سے ہماری بہت ہی قریبی رشتہ داری ہے، وہ اپنے لڑکے کی دعوت ولیمہ میں اسٹینڈنگ کھانا کررہے ہیں، ہم نے سنا ہے کہ چل پھر کر کھانا یا کھلانا غیر مسلموں کا شیوہ ہے، یہ بات ان کو بھی سمجھائی وہ کہتے ہیں کہ آپ کے لئے بیٹھ کر کھانے کا بھی نظم ہوگا، آپ جس طرح چاہیں کھاسکتے ہیں؛ لیکن دعوت ولیمہ میں شرکت ضرور کرنا، اگر آپ شریک نہیں ہوئے تو ہمارا بھی آپ سے تعلق ختم؛ لہٰذا ہمیں اس دعوت ولیمہ یا اس طرح کی دوسری دعوتوں میں جس میں اسٹینڈنگ کھانا کیا جارہا ہو، شرعاً شرکت کرنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں باوضاحت جواب مطلوب ہے، تاکہ آخرت کی گرفت سے بچا جاسکے۔

نوٹ: ہمارے شرکت نہ کرنے کی وجہ سے امید ہے کچھ اور لوگ بھی ایسی دعوتوں

سے رک جائیں گے۔

المستفتی: حمد الرحمٰن ولد حافظ شفیع الرحمٰن، گلشہید، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھڑے ہوکر کھانا پینا جانوروں کا شیوہ ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دوسرے جانوروں اور حیوانات سے امتیازی شان عطا فرمائی ہے، انسانوں کے کھانے اور پینے کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر کھائیں؛ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر عذر کے کھڑے ہوکر کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔ اور دعوت ولیمہ میں شرکت کرنے میں اگر کوئی عذر نہیں ہے، تو شرعاً شرکت لازم ہو جاتی ہے، اور سوال نامہ میں درج ہے کہ اگر سائل شرکت نہیں کرے گا، تو رشتہ وتعلق ختم کرنے کو تیار ہے، یعنی شرکت نہ کرنا باعث فتنہ ہے اور سائل کے لئے بیٹھ کر کھانے کے انتظام کا وعدہ کیا جارہا ہے، تو ایسی صورت میں فتنہ سے بچنے کے لئے شرکت کرنا جائز ہے اور بیٹھ کر کھلانے کا جہاں انتظام کیا گیا ہے، وہاں بیٹھ کر کھانا کھا کر واپس آجائے اور کھڑے ہوکر کھانے کا گناہ داعی پر ہوگا، آپ پر نہیں ہوگا۔

عن قتادة عن أنس –رضي الله عنه– عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن يشرب الرجل قائما، قال قتادة: فقلنا فالأكل، فقال: ذاك أشر أو أخبث. (مسلم شريف، كتاب الأشربة، باب كراهية الشرب قائما النسخة الهندية ۲/ ۱۷۳، بيت الأفكار، رقم: ۲۰۲٤)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: الوليمة حق وسنة، فمن دعي فلم يجب فقد عصى الله ورسوله. (المعجم الأوسط للطبراني، دارالفكر ۳/ ۸۸، رقم: ۳۹٤۸)

من دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعبا، أو غناء فلا بأس أن يقعد ويأكل، فإن قدر على المنع يمنعهم، وإن لم يقدر يصبر، وهذا إذا لم يكن مقتدى به، أما إذا كان ولم يقدر على منعهم، فإنه يخرج ولا يقعد. (هندية، الباب الثاني

عشر في الهدايا والضيافات، زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣، جديد زكريا ٥/ ٣٩٧)

لا ينبغي التخلف عن إجابة الدعوة العامة، كدعوة العرس والختان ونحوهما. (هندية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، جديد زكريا ديوبند ٥/ ٣٩٧، زكريا ٥/ ٣٤٣)

إني اشترى ديني بعضه، ببعض مخافة أن يذهب كله، معناه اترك بعض الورع، مخافة أن أفتن بشيء أشد منه، واجعل ذلك تقية لعرضي وديني، ومثله يباح عند الضرورة. (الفتاوى التاتارخانية، كتاب الحيل، الفصل السابع والعشرون، زكريا ديوبند ١٠/ ٤٨٩، رقم: ١٥٣١٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/ ۴/ ۱۴۳۱ھ

کس طرح کی دعوت ولیمہ میں شرکت ضروری ہے؟

سوال [۵۲۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شادی اور ولیمہ کی دعوت قبول کرنا کیسا ہے؟ اور قبول نہ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ (۲) اگر دعوت قبول کر لی جائے سامنے والے رشتہ دار یا دوست کو دیکھ کر کہ کہیں یہ قبول نہ کرنے سے ناراض نہ ہو جائے، پھر بعد میں نہ جائے تو کیا حکم ہے؟

(۳) وہاں جانے کے بعد کھانا کھانا ضروری ہے یا نہیں؟ مثلاً وہاں کھانا طبیعت کے ناموافق پکا دیا گیا ہے، پرہیز کے خلاف پکا دیا گیا ہے تو ایسی صورت میں کیا کرے؟

المستفتی: محمد ابراہیم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) شادی اور ولیمہ میں اگر کوئی منکرات نہ ہوں تو اس میں شرکت کرنا کارِ ثواب ہے اور ایسی صورت میں بلا کسی عذر شرعی کے شرکت نہ کرنے

میں بعض دفعہ مؤمن کی دل شکنی کی وجہ سے گناہ بھی ہوتا ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۲۲، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۹۵)

عن ابن عمر –رضي الله عنه– أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا دعي أحدكم إلى وليمة عرس، فليجب. (صحيح المسلم، كتاب النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، النسخة الهندية ۱/ ٤٦٢، بيت الأفكار، رقم: ۱٤۲۹، سنن الدارمي، دارالكتب العلمية بيروت ۳/ ۱٤۱٥، رقم: ۲۲٥۱)

أن أبا هريرة –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس. (بخاري شريف، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز، النسخة الهندية ۱/ ۱٦٦، رقم: ۱۲۲٦، ف: ۱۲٤۰)

(۲) اگر وہاں کوئی خلاف شرع منکرات ہوں تو کسی طرح وہاں شرکت نہ کرنے کی شکل اختیار کرے، اب جو بھی شکل مناسب ہو وہ اختیار کرے۔

عن عمران بن الحصين –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين. (المعجم الأوسط، دارالفكر ۱/ ۱۳۸، رقم: ٤٤۱، المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث العربي ۱۸/ ۱٦۸، رقم: ۳۷٦)

وأما إذا علم قبل الحضور فلا يحضر؛ لأنه لا يلزمه حق الدعوة. (فتاوى عالمگری، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، زكريا ديوبند ٥/ ۳٤۳، جديد زكريا ٥/ ۳۹۷)

ويسقط الإجابة بأعذار، نحو كون الشبهة في الطعام، أو حضور الأغنياء فقط، أو من لا يليق مجالسته، أو يدعو لجاهه، أو لتعاونه على باطل، أو كون المنكر هناک، مثل الغناء وفرش الحرير. (بذل المجهود، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في إجابة الدعوة، مكتبة سهارن پور، قديم ٤/ ۳٤٤،

دارالبشائر الإسلامية ۱۱/ ٤٦٧، تحت رقم الحديث: ٦ ٣٧٣)

(۳) پرہیز کے خلاف کھانا پکا ہے تو صرف شرکت کافی ہے اور اس سے دعوت قبول کرنے کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے، کھانا ضروری نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۴/ ۴۲۲، جدید ڈابھیل ۱۸/ ۹۶)

لا ينبغي التخلف عن إجابة الدعوة العامة، كدعوة العرس والختان ونحوهما، وإذا أجاب فقد فعل ما عليه، أكل أو لم يأكل، وإن لم يأكل فلا بأس به. (فتاوی عالمگيري زكريا ديوبند ٥/ ٣٤٣، جديد زكريا ٥/ ٣٩٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۲۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۵ھ

خرافات والی شادی میں ولیمہ کی دعوت کھانا

سوال [۵۲۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جس شادی میں خرافات ہوں، گانا بجانا ہو، اس کا ولیمہ کھانا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد صدیق، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کھانا بہرحال حلال ہے، مگر ایسی شادی میں شرکت کرنے سے اپنی حفاظت ضروری ہے۔

فَلا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. [الأنعام: ٦٨]

عن عمران بن حصين –رضي الله عنه– قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن إجابة طعام الفاسقين. (المعجم الكبير للطبراني، دار إحياء التراث

العربي ۱۸/ ۱٦۸، رقم: ۳۷٦)

دعي إلى وليمة وثمة لعب، أو غناء قعد وأكل لو المنكر في المنزل، فلو على المائدة لا ينبغي أن يقعد بل يخرج معرضا. (درمختار، كتاب الكراهية، كراچی ٦/ ۳٤۸، زكريا ۹/ ۵۰۱)

وإن علم المدعو أن فيها لهوا لا يجيب سواء كان ممن يقتدى به أولا؛ لأنه لا يلزمه إجابة الدعوة إذا كان هناك منكر. (مجمع الأنهر، كتاب البيوع، فصل في المتفرقات، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲۱۷، قديم ۲/ ۵۵۰، هداية مع الفتح، كتاب الكراهية، زكريا ۱۰/ ۱۲، هندية، باب الهدايا والضيافات، زكريا ۵/ ۳٤۳، جديد زكريا ۵/ ۳۹۷، تاتارخانية ۱۸/ ۱۷۵، رقم: ۲۸٤۰٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۴۵۲/۳۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۸ھ

ولیمہ کے لئے قرض لینا ازروئے شرع کیسا ہے؟

سوال [۵۲۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ولیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ولیمہ کس حدتک کرنا چاہئے؟ کیا اس کے لئے قرض لیا جاسکتا ہے یا اپنی مالی استطاعت کے مطابق کیا جائے؟

المستفتی: قاری شکیل احمد، مدرسہ ہدایت العلوم بھگوان پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں ولیمہ مشروع اور مسنون ہے؛ لیکن اپنی حیثیت کے اعتبار سے ولیمہ کرنا مسنون ہے۔ اور اس کے لئے قرض لے کر ولیمہ کرنے کا شریعت نے مکلّف نہیں بنایا ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور چھٹا حصہ، ص: ۴۰، انوار نبوت، ص: ٦۵۸)

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– قال: الوليمة حق وسنة، فمن دعي فلم يجب فقد عصى الله ورسوله. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٣/ ٨٨، رقم: ٣٩٤٨)

ولا خلاف بين أهل العلم في أن الوليمة سنة في العرس مشروعة لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر بها وفعلها. (إعلاء السنن، كراچی ١١/ ١٢، عباس أحمد الباز ١١/ ١٩)

وفي الاختيار: وليمة العرس سنة قديمة. (أوجز المسالك، دارالقلم دمشق ١٠/ ٥٧٧)

وأجمعوا على أن لا حد لأكثرها، وأما أقلها فكذلک، ومهما تيسر أجزأ، والمستحب أنها على قدر حال الزوج. (بذل المجهود، كتاب النكاح، باب قلة المهر، مكتبه سهارن پور، قديم ٣/ ٢٤٠، دارالبشائر الإسلامية ٨/ ٢١، تحت رقم الحديث: ٢١٠٩)

قال الباجي: قوله: ولو بشاة، وإن كان يقتضي التقليل إلا أنه ليس بحد لأقل الوليمة؛ فإنه لاحد لأقلها، وإنما ذلک على حسب الوجود. (أوجز المسالك، دارالقلم ١٠/ ٥٨٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۱۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱/۲۵ھ

عقیقہ کی نیت سے خریدے گئے جانور سے ولیمہ کرنا اوراس کے برعکس کا حکم

سوال [۵۲۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگرکوئی شخص جانور خرید کرلاتا ہے ولیمہ کی نیت سے، پھراس میں عقیقہ کرنا چاہے تو کیسا ہے؟

(۲) عقیقہ کی نیت سے جانور خریدا، پھراسی میں ولیمہ بھی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یانہیں؟

المستفتی: محمد عادل شیرازی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ولیمہ کے لئے جانور خریدنے والا اگر مالدار صاحب نصاب آدمی ہے، تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ ولیمہ کے واسطے خریدے ہوئے جانور کو عقیقہ میں تبدیل کردے، پھر اسے عقیقہ کی نیت سے ذبح کردے، نیز عقیقہ کے گوشت سے ولیمہ کھلانا شرعی طور پر جائز ہے۔ اور دوسرے سوال میں بھی مستفتی نے یہی پوچھا تھا کہ عقیقہ کی نیت سے جانور خریدا اس میں ولیمہ کھلانا درست ہے یا نہیں؟ تو شرعی طور پر یہ بھی جائز اور درست ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۳۳، جدید ڈابھیل ۱۷/ ۵۱۸، مسائل قربانی وعقیقہ/ ۲۴)

ولو اشترى أضحية، ثم باعها، واشترى مثلها لم يكن به بأس. (البناية، أشرفيه ديو بند ۱۲/ ۲۰، حاشية حموي على الأشباه / ۴۰)

وإذا اشترى أضحية، ثم باعها، فاشترى مثلها فلا بأس بذلك. (المبسوط، دارالكتب العلمية بيروت ۱۲/ ۱۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ / جمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۷۰)

۴/ باب الجهاز

جہیز کا صحیح معنی

سوال [۵۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) ہمارے یہاں لڑکی کی شادی کے موقع پر لڑکی کے ساتھ کچھ سامان بطور جہیز دیا جاتا ہے۔ اور واضح رہے کہ یہ بغیر مطالبہ کے دیا جاتا ہے، شریعت کی رو سے یہ عمل کیسا ہے؟ کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟

(۲) اگر لڑکے والے لڑکی والوں سے مطالبہ کے طور پر جہیز لیں تو شرعاً اس کا ثبوت ہے؟ یہ عمل کیسا ہے؟

(۳) اور لڑکی والے اس جہیز کی بنا پر جب لڑکی اس دنیا میں آتی ہے تب ہی سے جیون بیمہ کرا دیتے ہیں، تاکہ شادی کے وقت یہ پیسہ کام دے اور لڑکی کی شادی بہتر طریقہ سے ہو جائے تو کیا لڑکی والوں کا ایسا جیون بیمہ کرانا صحیح ہے؟

(۴) جہیز کے بغیر شادی ہوتی ہی نہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہے، تو ہم غرباء اس وقت کیا کریں؟

المستفتی: محمد عمران لکھیم پوری، متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) شادی کے موقع پر لڑکی کے گھر والوں کا کچھ سامان بطور جہیز دینے کی گنجائش ہے، جب کہ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبہ بھی نہیں پایا جا رہا ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۳۶۲/۸)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی جہیز دینے کا سلسلہ رہا ہے۔

عن جابر –رضي الله عنه– قال: جاء ت امرأة سعد بن الربيع إلى رسول الله ﷺ ...... ولا ينكحان إلا ولهما مال. (مسند أحمد ۳/ ۳۵۲، رقم:

١٤٨٥٨، سنن أبي داؤد، الفرائض، باب ماجاء في الصلب، النسخة الهندية ٢/ ٤٠٠، دارالسلام، رقم: ٢٨٩١، سنن الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في ميراث البنات، النسخة الهندية ٢/ ٢٩، دارالسلام، رقم: ٢٠٩٢)

(۲) لڑکی والوں سے جہیز کا مطالبہ کرنا ناجائز اور حرام ہے، نیز ایسا مطالبہ کرنا نہایت گھٹیاپن اور کمینہ پن کی بات ہے جو جہیز کی وجہ سے کسی لڑکی سے نکاح کرتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے فقیر بنادیتے ہیں۔

أنس بن مالک –رضي الله عنه– يقول: سمعت النبي صلی الله عليه وسلم يقول: من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله إلا ذلا، ومن تزوجها لمالها لم يزد الله إلا فقرا. الحديث (المعجم الأوسط، دارالفكر ٢/ ١٨، رقم: ٢٣٤٢)

(۳) جہیز دینا شرعاً جائز ہے، فرض اور واجب نہیں ہے کہ لڑکی کا جیون بیمہ (جو کہ حرام ہے) کرا کر سود کی رقم سے جہیز دیں، جیون بیمہ کرانا تین وجوہ کی بنا پر حرام ہے: (۱) اس میں جمع شدہ رقم پر بطور سود زائد رقم ملتی ہے، جو حقیقتاً ربوا اور سود میں داخل ہے۔ اور ربو کی حرمت آیات قرآنیہ و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. [سورة البقرة: ٢٧٥]

(۲) جیون بیمہ اپنی صورت وشکل کے اعتبار سے جوا اور قمار ہے اور جوے کی قطعی حرمت قرآنی دلائل سے ثابت ہے۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ. [سورة المائدة: ٩٠]

(۳) انسان کی جان اور اعضاء اشیاء غیر متقومہ ہیں اور شئ غیر متقوم کا کوئی عوض نہیں ہوا کرتا ہے۔ اور اگر بالفرض عوض مقرر کیا جائے تو وہ عوض نہیں ہوتا؛ بلکہ صورۃً رشوت ہوتی ہے۔ اور رشوت بھی بحکم خبر حرام اور باعث عذاب ہے۔

عن عبدالله بن عمرو –رضي الله عنه– قال: لعن رسول الله صلی الله

عليه وسلم الراشي والمرتشي. الحديث (أبوداؤد شريف، باب في كراهية الرشوة، النسخة الهندية ٢/ ٤٨، دارالسلام، رقم: ٣٥٨٠، سنن الترمذي، باب ماجاء فى الراشى والمرتشي في الحكم، النسخة الهندية ٢/ ٥٩، دارالسلام، رقم: ١٣٣٧)

لہٰذا ان وجوہ کی بنا پر جہیز کے لئے جیون بیمہ کرانا قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱/۱۳۳، امداد الفتاوی ۳/ ۱۶۱)

(۴) جہیز کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ضروریات زندگی کے تمام سامان جہیز میں دئے جائیں؛ بلکہ ایک چارپائی، ایک دیگچی اور چند برتن دے کر بھی اپنی بیٹی کو رخصت کیا جا سکتا ہے اور یہی اس کا جہیز ہے۔ اور اتنا تو ہر مزدور اور غریب سے غریب تر آدمی بھی کر سکتے ہیں، غرباء کو مالداروں کی طرح ہزار ہا روپیوں کا سامان دینے کا ارادہ نہیں کرنا چاہئے اور غرباء نے خود اپنے اوپر یہ ذمہ داری ڈال رکھی ہے، کہ ہم بھی مالداروں کی طرح جہیز دیں گے، اسی وجہ سے معاشرہ میں خرابی آئی ہے، غرباء اپنی لڑکی ایسے لوگوں کے یہاں نہ دیں جو جہیز کا مطالبہ کرتے ہوں، غرباء صفائی سے کہہ دیا کریں کہ ہم لڑکی دے سکتے ہیں جہیز نہیں دے سکتے ہیں، آپ نے سوال میں لکھا ہے کہ غرباء کیا کریں؟ تو وہ ایسا ہی کیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۴؍ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۶)	۱۴۲۱/۴/۲۴ھ

جہیز میں کتنا سامان دیا جائے؟

سوال [۵۲۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی والے جو جہیز دیتے ہیں وہ جائز ہے یا نہیں؟ جہیز کتنا دینا چاہئے؟ ہم سادگی سے نکاح کرانا چاہتے ہیں، صحیح جواب سے نوازیں۔

المستفتی: عبد الغفار چودھری، ساکن کھیرا ٹانڈہ، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جہیز میں ماں باپ اپنی لڑکی کو اپنی خوشی سے بغیر کسی پریشانی اور دباؤ کے جتنا چاہیں اور جو چاہیں دے سکتے ہیں، ہاں البتہ لڑکے والوں کی طرف سے کسی طرح کا اشارہ یا دباؤ وغیرہ پیدا کرنا لڑکے والوں کے لئے ناجائز اور حرام ہے۔(مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸/۳۶۳)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى جئنا امرأة من الأنصار في الأسواف –إلى– فوالله لا تنكحان أبدا إلا ولهما مال. الحديث (سنن أبي داؤد، الفرائض، باب ماجاء في الصلب، النسخة الهندية ۲/ ۴۰۰، دارالسلام، رقم: ۲۸۹۱)

أنس بن مالك –رضي الله عنه– يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله إلا ذلا، ومن تزوجها لمالها لم يزد الله إلا فقرا. الحديث (المعجم الأوسط، دارالفكر ۲/ ۱۸، رقم: ۲۳۴۲، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ۴/ ۲۵۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۱/ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/۷۱۶۴)

کیا حسبِ استطاعت جہیز دینا جائز ہے؟

سوال [۵۲۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی لڑکی کی شادی کی اور اس شادی میں اس نے حسب استطاعت بخوشی جہیز دیا، تو یہ جہیز جائز ہے کہ ناجائز؟ اور بعض علماء کرام اپنی تقریروں کے اندر اجلاس اور مسجدوں میں آئے دن علی الاعلان کہتے ہیں کہ جہیز کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ہے اور وہ

استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو جہیز دیا تھا، وہ جہیز نہیں تھا؛ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرورش کی تھی اور آپ مقابلہ میں باپ کے ہوئے؛ اس لئے اگر کوئی باپ اپنی اولاد کو شادی کے موقع پر کچھ دے تو وہ جہیز نہیں ہوتا تو اس کی حقیقت کیا ہے؟

المستفتی: سرتاج احمد لکھیم پور، متعلم مدرسہ شاہی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اپنی لڑکی کو اپنی مرضی اور خوشی سے رخصتی میں حسب استطاعت سامان جہیز دینا بلا شبہ جائز ہے، بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی اپنی لڑکی کو جہیز میں حسب استطاعت سامان دیا جاتا تھا، حضرت سعد بن الربیع کی شہادت پر ان کے بھائی نے تمام مال پر قبضہ کر لیا تھا، ان کی اہلیہ نے ان کی دو لڑکیوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمایا کہ یا رسول اللہ! سارا مال سعد کے بھائی نے لے لیا اور سعد کی یہ دو لڑکیاں ہیں، بغیر مال کے ان کی شادی نہیں ہو سکتی۔

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: جاء ت امرأة سعد بن الربيع بابنتيها من سعد إلى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقالت: يا رسول الله! هاتان ابنتا سعد بن الربيع ...... ولا تنكحان إلا ولهما مال. الحديث (سنن الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في ميراث البنات، النسخة الهندية ۲/ ۳۰، دارالسلام، رقم: ۲۰۹۲)

اس سے اتنا ثابت ہوا کہ لڑکی والوں کا اپنی خوشی سے دینا مشروع ہے، مگر جہیز کے دینے میں حسب ذیل امور کی رعایت نہایت ضروری ہے:

(۱) جہیز کے سامان کی نمائش نہ کی جائے۔ (۲) جہیز نہ دینے سے دولہا اور اس کے خاندان کی طرف سے قولاً یا عملاً دباؤ نہ ہو؛ بلکہ جہیز کا سامان لڑکی والوں سے مانگنا اور ان پر دباؤ ڈالنا زبردست ظلم اور کمینگی اور ناجائز ہے، علماء انہیں کمینہ حرکتوں پر نکیر کرتے ہیں اور

جہاں تک ہوسکے چھپا کردیا جائے اورسوال میں باپ بیٹے کی توجیہ جو پیش کی گئی ہے، اس کے بارے میں بندہ کو معلومات نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍صفر المظفر ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۳۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۲/۱۸ھ

جہیز دینے کی جائز صورت

سوال [۵۲۳۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جہیز دینے کی کوئی جائز صورت ہے یانہیں؟ اگر ہے تو مفصل تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد شمیم پرتاب گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی والے اپنی لڑکی کو اپنی مرضی وخوشی سے جو کچھ بھی دینا چاہیں دے سکتے ہیں، وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہوتی ہے، اس کا نام چاہے جہیز رکھا جائے یا کچھ اور رکھا جائے، وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہوتی ہے، لڑکے والوں کی نہیں، لڑکے والوں کا اس میں نہ دخل دینا جائز ہے اور نہ اس میں دباؤ ڈالنا جائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ہار کا دینا حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح اگر ماں باپ اپنی بیٹی کو کچھ دینا چاہیں، تو ان کے اختیار کی بات ہے، کسی کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں۔

عن عائشة –رضي الله عنه– قالت: لما بعث أهل مكة في فداء أسرائهم بعثت زينب في فداء أبي العاص بمال، و بعثت فيه بقلادة لها كانت عند خديجة أدخلتها بها على أبي العاص. (أبوداؤد شريف، الجهاز، باب في فداء الأسير بالمال، النسخة الهندية ۲/ ۳٦۷، دارالسلام، رقم: ۲٦۹۲) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳٦/ ۷۸۷۹)

جہیز دینے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

سوال [۵۲۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی کے موقع پر بہن بہنوئی وغیرہ کو بطور خوشی پیسے یا جوڑا وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جہیز کا ثبوت ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبدالرحمٰن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی کی شادی کے موقع پر گھر والوں کا اپنی لڑکی کو بطور جہیز کچھ سامان اپنی وسعت کے بقدر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ البتہ لڑکے یا گھر والوں کی جانب سے جہیز کا مطالبہ انسانی اخلاق اور شریعت دونوں اعتبار سے مذموم اور ناجائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جہیز کی وجہ سے شادی کرے، اللہ اس کو فقیر بنا دیتا ہے۔

عن جابر بن عبداللّٰه –رضي اللّٰه عنه– قال: خرجنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى جئنا امرأة من الأنصار في الأسواف –إلى– فواللّٰه لا تنكحان أبدا إلا ولهما مال. (سنن أبي داؤد، الفرائض، باب ماجاء في الصلب، النسخة الهندية ۲/ ٤۰۰، دارالسلام، رقم: ۲۸۹۱، سنن الترمذي، باب ما جاء في ميراث البنات، النسخة الهندية ۲/ ۲۹، دارالسلام، رقم: ۲۰۹۲، مسند أحمد بن حنبل ۳/ ۳۵۲، رقم: ١٤٨٥٨)

أنس بن مالك –رضي اللّٰه عنه– يقول: سمعت النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: من تزوج امرأة لعزها لم يزده اللّٰه إلا ذلا، ومن تزوجها لمالها لم يزد اللّٰه إلا فقرا. الحديث (المعجم الأوسط، دارالفكر ۲/ ۱۸، رقم: ۲۳٤۲، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲٥٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵؍محرم الحرام ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۹۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۲/۱/۵ھ

شادی کے موقع پر جہیز دینا

سوال [۵۲۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی میں لڑکی والے جو لڑکے والوں کو جہیز کی شکل میں اور نقدی کی صورت میں دیتے ہیں، جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دختر جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز حضرت علیؓ کی زرہ فروخت کروا کر دیا تھا، کیا یہ درست ہے؟

المستفتی: سید اشرف علی شیر کوٹ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شادی کے موقع پر اگر لڑکی والے بغیر دباؤ کے اپنی خوشی سے لڑکے والوں کو جہیز میں کچھ سامان دے دیں تو یہ درست ہے۔ اور روایتوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

عن علي –رضي الله عنه– قال: جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة في خميل وقربة ووسادة حشوها إذخر. (سنن النسائي، النكاح، جهاز الرجل ابنته، النسخة الهندية ۲/ ۷۷، دارالسلام، رقم: ۳۳۸۶، مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۸٤، رقم: ٦٤٣، ۷۱۵، ۸۱۹، ۸۳۸، ۸۵۳، المستدرك، كتاب النكاح، قديم ۲/ ۱۸۵، مكتبه نزار مصطفى الباز ۳/ ۱۰٤۱، رقم: ۲۷۵۵)

اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز کا سامان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ فروخت کرا کے دیا تھا؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے عطا فرمایا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت مہر میں دلوائی تھی، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھی۔

ما جاء بک ألک حاجة، فسکت، فقال: لعلک جئت تخطب فاطمة، فقلت: نعم، فقال: وهل عندک من شيء تستحلها به، فقلت: لا،

والله يا رسول الله! فقال: ما فعلت درع سلحتكها فوالذي نفس علي بيده أنها لحطمية ما قيمتها أربع مائة درهم، فقلت عندي، فقال: قد زوجتكها فابعث إليها بها، فاستحلها بها، فإن كانت لصداق فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم. (حياة الصحابة ٣/ ٣٢٧، كذا في البداية دارالفكر بيروت ٣/ ٣٤٦، السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصداق، باب ما يستحب من القصد في الصداق، دارالفكر ١١/ ٩، رقم: ١٤٧٠٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رشعبان ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۶۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۶/۸/۹ھ

جہیز کی مقدار کیا ہے؟

سوال [۵۲۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جہیز دینا کیسا ہے؟ اور اس کی مقدار کیا ہے؟ کیا جہیز دینے کے بعد ماں باپ کو اپنی وراثت سے حصہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

المستفتی: قاری شکیل احمد، مدرسہ ہدایت العلوم بھگوان پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہیز کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے؛ بلکہ ماں باپ اپنی حیثیت اور گنجائش کے اعتبار سے بخوشی اپنی بیٹی کو جو چاہیں دے سکتے ہیں، بشرطیکہ اس میں شہرت اور دکھلاوا نہ ہو، نیز اس میں لڑکے والوں کی طرف سے کسی قسم کا مطالبہ اور خواہش کا اقدام نہ ہو۔ اور جہیز دینے کے بعد بھی لڑکی والدین کی ملکیت میں شرعی وراثت کی حقدار ہوتی ہے، جہیز دینے کے بعد یہ سمجھ لینا کہ اب وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہا یہ جہالت اور لڑکی کو اس کے شرعی حق سے محروم کرنا ہے جو قطعی طور پر جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: بہشتی زیور ۶/ ۴۰، انوار نبوت، ص: ۶۹۹-۷۰۰)

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة.

(ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ١/ ١٩٤، دارالسلام رقم: ٢٧٠٣)

عن سعيد بن زيد –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالىٰ يوم القيامة سبع أرضين. (المعجم الأوسط، دارالفكر ٦/ ١٦٦-١٦٧، رقم: ٨٣٨٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۶۱۲/۳۹)

جہیز کا مطالبہ کرنا

سوال [۵۲۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے والد صاحب ۴/برسوں سے اپنے لڑکے کی شادی میں جہیز لینے پر تلے ہوئے ہیں؛ لیکن زید ایک دم خلاف ہے، بہت طرح سے سمجھا کر بہت سارے لوگ تھک گئے ہیں، زید شریعت کے اندر شادی کرنا چاہتا ہے، اب زید کے لئے ایک راستہ یہ ہے کہ اپنے والد صاحب کو جہیز لینے دے گا؛ لیکن شادی کے بعد جب زید جائیداد کا مالک بن جائے گا تو زید اپنے ہاتھوں سے سارا جہیز سسرال والوں کو لوٹا دے گا، بہر صورت زید کے لئے یہ قدم شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: شفیع الرحمٰن قاسمی، گیا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جہیز کا مطالبہ کرنا قطعاً ناجائز ہے، ہاں البتہ لڑکی

کے باپ کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کو حسب حیثیت جو چاہے دے، لڑکے والوں کو مطالبہ کا کوئی حق نہیں اور مطالبہ کرنا نہایت گھٹیا اور کمینہ پن اور حرام ہے، جہیز کا سامان جس طریقہ سے بھی آتا ہے وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہوتا ہے، اور نہ لڑکے کے باپ کا کوئی حق اور نہ لڑکے کا کوئی حق اس میں متعلق ہے۔ اور لڑکی کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے سامان پر کسی کو ہاتھ بھی نہ لگانے دے اور لڑکے نے جو کہا ہے کہ جہیز کا سامان بعد میں واپس کردے گا یہ واپس کرنے کا حق لڑکی ہی کو ہے، لڑکے کو نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: كنت أخذا بزمام ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... فقال: يا أيها الناس! ...... ألا! لا تظلموا، ألا ! لا تظلموا، ألا! لا تظلموا، إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. الحديث

(مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١)

عن أبي حميد الساعدي أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلک لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملک المرأة. (شامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب: فيما لو زفت إليه بلا جهاز، زكريا ٥/ ٢٩٩، کراچی ٣/ ٥٨٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۱۴ رصفر المظفر ۱۴۲۰ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۰۲۷)	۱۴۲۰/۲/۱۴ھ

شادی میں بطور مطالبہ یا بلا مطالبہ جہیز کا حکم

سوال [۵۲۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: شادی میں جہیز مانگنا کیسا ہے؟ اور اگر لڑکی والا خود سے جہیز دے دے تو کیا لڑکا اس کو استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور لڑکی والے کا خود دینا کیسا ہے؟

المستفتی: عبد المتین، قصبہ بھنگا شراوستی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لڑکے والوں کا شادی میں جہیز مانگنا ناجائز اور حرام ہے، نیز اس طرح بھیک مانگنا گھٹیا پن اور کمینہ پن کی بات ہے، جو جہیز کی وجہ سے کسی لڑکی سے نکاح کرتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے فقیر بنا دیتے ہیں۔

أنس بن مالك –رضي الله عنه– يقول: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله إلا ذلا، ومن تزوجها لمالها لم يزد الله إلا فقرا. الحديث (المعجم الأوسط، دارالفكر ۲/ ۱۸، رقم: ۲۳٤۲، مجمع الزوائد، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۲٥٤)

لڑکی والے اپنی مرضی سے اپنی لڑکی کو جو چاہیں جہیز میں دے سکتے ہیں، جب کہ لڑکے والوں کی طرف سے ان پر کوئی دباؤ نہ ہو اور جہیز کے سارے سامان لڑکی کی ملکیت میں ہوتے ہیں، اس کی اجازت کے بغیر اس کا سامان کسی کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں؛ لہٰذا لڑکا بھی اسی وقت استعمال کرسکتا ہے جب لڑکی کی طرف سے صراحتاً یا دلالۃً اجازت ہو، ہاں البتہ جو چیزیں لڑکی والے اپنی خوشی سے داماد کو استعمال کے لئے مخصوص کرکے دیتے ہیں اس کے استعمال میں داماد کو پھر کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، سائیکل، اسکوٹر وغیرہ۔

(مستفاد: امداد الاحکام ۳/ ۳۷۱)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. الحديث (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ۳۸۷، رقم: ٥٤۹۲، وهكذا في المشكوة ۱/ ۲٥٥)

جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلک ما ليس له الاسترداد، ولا لورثته بعده إن سلمها ذلک في صحته بل تختص به، وبه يفتي. (درمختار، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب أنفق علی معتدة الغير، کراچی ۳/ ۱۵۵، زکریا ٤/ ۳۰٦، ۳۰۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ٦٦١٦)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۴/۲۴ھ

لڑکے والوں کے مطالبہ پر لڑکی والوں کا رقم دینا

سوال [۵۲۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں بیاہ شادیوں میں جہاں اور بہت سی رسمیں رائج ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے نقد روپیہ کا مطالبہ کرتے ہیں، خواہ لڑکے والے مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔ اور لڑکی والوں کو مجبوراً دینا پڑتا ہے، اب ایک شخص جو دیندار ہے، نماز روزہ کا پابند ہے، اس کے ساتھ اگر یہ معاملہ ہو تو وہ کیا کرے؛ کیوں کہ مطالبہ کرنا حرام اور مطالبہ کا پورا کرنا حرام، اب اگر مطالبہ پورا کرتا ہے تو عند اللہ مجرم بنتا ہے اور پورا نہ کرنے کی صورت میں رشتہ ٹوٹ سکتا ہے؛ بلکہ یقینی ہے، اگر اس صورت میں سود کی رقم بلانیت ثواب لڑکے والوں کو دے دی جائے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا صورت اختیار کی جائے، جب کہ دیندار لڑکا نہ ملتا ہو؟

المستفتی: محمد شفیق چودھری محلہ حکیمان، خان پور، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں لڑکے والوں کو جو رقم دینے کا ذکر کیا گیا ہے وہ رشوت کے دائرہ میں آتا ہے اور سخت مجبوری کی حالت میں اپنا حلال پیسہ

رشوت میں دے کر مجبوری دور کرنے کی شریعت میں گنجائش ہے۔ اور اس میں لڑکے والے گناہ عظیم کے مرتکب ہوں گے اور مجبوری میں دینے میں لڑکی والے گنہگار نہیں ہوں گے۔ اور جو پیسہ لڑکی والے سے لڑکے والے دباؤ میں لیتے ہیں وہ لڑکے والوں کے لئے حلال نہیں ہے، وہ پیسہ لڑکے والوں پر واپس کرنا ہمیشہ لازم رہے گا۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. الحديث (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لو حافا دخله في سفينة أو بنى عليه جدارا، دارالفكر ۸/ ۵۰۶، رقم: ۱۱۷٤۰)

ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ؛ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب، ولا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب. (شامي، مطلب في الكلام على الرشوة، زكريا ۸/ ۳۵، كراچی ۵/ ۳٦۲، الموسوعة الفقهية الكويتية ۲٤/ ۲۵۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍صفر ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۱۸۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۲/۲۷ھ

لڑکی والوں سے سامان یا نقد روپیوں کا مطالبہ کرنا

سوال [۵۲۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی میں لڑکی والوں سے کسی سامان یا نقد روپئے وغیرہ کی فرمائش کرنا کیسا ہے؟ اور اگر بغیر طلب کے بخوشی کچھ دے تو اس کا لینا کیسا ہے؟ مع دلیل کے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد بشیر الدین متعلم مدرسہ شاہی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکی والوں سے سامان کا مطالبہ کرنا یا نقد روپیہ

وغیرہ کی فرمائش کرنا اوران پر دباؤ ڈالنا ہرگز جائز نہیں ہے، یہ اسلامی شادی اورتعلیم رسول کی سخت مخالفت ہے، اسلام نے لڑکے والوں پرتو مہر مالی ذمہ داری لازم کردی ہے؛ لیکن لڑکی والوں پر کسی بھی طرح کی کوئی مالی ذمہ داری عائد نہیں کی ہے؛ اس لئے لڑکی والوں سے مانگ کر یا دباؤ ڈال کر لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔

عن أبي حميد الساعدي أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا يحل لامرئ أن يأخذ مال أخيه بغير حقه، وذلك لما حرم الله مال المسلم على المسلم. (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٤٢٥، رقم: ٢٤٠٠٣)

لا يجوز أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي. الخ (قواعد الفقه، اشرفی دیوبند، ص: ١١٠)

اور بلا مطالبہ اور بلا دباؤ کے بخوشی کوئی چیز لڑکی والے دے دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۹۱۷)

لڑکے والوں کو مطالبۂ جہیز میں سودی رقم دینا

سوال [۵۲۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں شادی میں جہاں اور بہت سی غلط رسمیں ہیں، منجملہ ان رسموں کے ایک رسم یہ بھی ہے کہ ہمارے یہاں لڑکے والے لڑکی والوں سے سامان جہیز کے علاوہ نقد مال (مثلاً دس ہزار، بیس ہزار، تیس ہزار کا مطالبہ کرتے ہیں، خواہ لڑکے والے دولت منداور سرمایہ دار ہی کیوں نہ ہوں؛ لیکن ایک شخص مثلاً زید جو دیندار ہے، نماز روزہ کا پابند ہے، وہ حرام مال سے بچتا ہے اور غلط اور ناجائز موقع پر مال خرچ کرنے سے بھی بچتا ہے، اب زید

اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ لڑکے والے اس سے نقد مال کا مطالبہ کر رہے ہیں، تو اس صورت میں زید کیا کرے؟ اگر وہ مطالبہ پورا کرتا ہے تو عنداللہ مجرم بنتا ہے اور اگر مطالبہ پورا نہیں کرتا تو رشتہ خطرہ میں ہے، اب اس صورت میں وہ کیا کرے؟ جب کہ کوئی دیندار لڑکا نہ مل رہا ہو، کیا ایسی صورت میں زید کے لئے یہ گنجائش اور اجازت ہے کہ سود کی رقم بلا نیت ثواب لڑکے والوں کو دے دے؛ کیوں کہ یہ مال حرام ہے، اور مطالبہ کرنا بھی حرام ہے، تو حرام مال حرام جگہ چلا جائے؟

المستفتی: عبدالناصر، امام مدینہ مسجد خانپور، بلندشہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سود کی رقم فقراء پر بلانیت ثواب صدقہ کر دینی چاہئے، اس رقم کو لڑکے والوں کو دینا کسی حال میں بھی درست نہیں ہے۔ اور مذکورہ صورت میں جو رقم دینے کا ذکر کیا گیا ہے وہ شرعاً رشوت ہے اور سخت مجبوری کی حالت میں اپنا حلال پیسہ رشوت میں دے کر مجبوری دور کرنے کی گنجائش ہے، تو ایسی صورت میں رشوت دینے والا گنہگار نہ ہوگا؛ بلکہ رشوت لینے والا گناہ کبیرہ اور حرام کا مرتکب ہوگا، وہ رقم بھی لینے والے کے لئے حرام ہی ہوگی۔ اور حرام خور کب دیندار بن سکتا ہے؟

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله، ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع. (شامي، كتاب الحظر والإباحة، كراچى ٦/ ٤٢٣-٤٢٤، زكريا ٩/ ٦٠٧)

بذل المال لدفع الظلم عن نفسه وماله لا يكون رشوة في حقه. (هندية، الباب التاسع في الوصي وما يملكه ٦/ ١٥٠، جديد زكريا ٦/ ١٧٢) **فقط واللہ** سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۱۴۰/۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۱۱/۱۴۲۷ھ

جہیز کی مطلوبہ رقم سود سے ادا کرنے کا حکم

سوال [۵۲۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں عام طور پر شادی بیاہ میں لڑکے والے لڑکی والوں کی طرف سے جہیز کے نام پر زبردستی رقم وصول کرتے ہیں۔ اور اگر رقم نہ دیں تو شادی ہی نہ ہوگی اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ یہ رقم لینا حرام ہے، سود کا روپیہ بھی حرام ہے، تو کیا سود کا روپیہ لڑکے والے کو دے کر اپنا کام نکال سکتے ہیں؟ حرام کا روپیہ حرام میں جائے تو شرعی اعتبار سے کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد انوار الحق قاسمی، جھارکھنڈ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکے والوں کے لئے لڑکی والوں سے جہیز کے نام پر زبردستی رقم لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: "**لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه. الخ** (مسند أحمد ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١) کی بنا پر حرام ہے؛ البتہ لڑکی والے یہ رقم دینے پر مجبور ہو جائیں اور بغیر اس کے نکاح کرنا ممکن نہ ہو تو دے سکتے ہیں؛ لیکن کسی سودی پیسہ سے یہ رقم دینا جائز نہیں ہوگا۔

وأما إذا كان عند رجل مال خبيث، فأما إن ملكه بعقد فاسد، أو حصل له بغير عقد ولا يمكنه أن يرده إلى مالكه، ويريد أن يدفع مظلمته عن نفسه فليس له حيلة إلا أن يدفعه إلى الفقراء؛ لأنه لو أنفق على نفسه فقد استحكم ما ارتكبه من الفعل الحرام. (بذل المجهود، كتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، دار البشائر الإسلامية ١/ ٣٥٩، تحت رقم الحديث: ٥٩، مطبع سهارنپور قديم ١/ ٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/۳/۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۹۶۳/۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷/۳/۱۴۲۴ھ

جہیز سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۵۲۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جہیز کیا ہے؟ (۲) جہیز کا لین دین مطالبہ وبدون مطالبہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی مقدار کتنی ہے؟

(۳) بیشتر لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق حدیث کو بطور استشہاد کے پیش کر کے یہ کہتے ہیں کہ عرف میں مروج جہیز یعنی بیش قیمت فرنیچر کے سیٹ، گدا، کثیر تعداد میں برتن وغلہ دیا جاسکتا ہے، اس کی تفصیل کیا ہے؟

(۴) ہندوستان کے چند علاقوں میں ایک نئی صورت دیکھنے کو ملتی ہے کہ نکاح سے دو تین روز پہلے ہی جہیز کا سامان دولہے کے گھر بھجوا دیا جاتا ہے، تو کیا اس صورت سے جہیز کی قباحت ختم ہو جائے گی؟

(۵) بعض دفعہ لڑکی کے ترکہ کا حصہ جہیز کی شکل میں دے دیا جاتا ہے۔ اورلڑکی کو ترکہ سے محروم کر دیا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

المستفتی: معاذ احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) لڑکی کی شادی کے موقع پر ماں باپ یا خاندان کی طرف سے سازوسامان کی شکل میں جو چیزیں لڑکی کو دی جاتی ہیں اس کو جہیز کہتے ہیں۔

جهاز المرأة ما زفت به إلى زوجها من الأمتعة. (لغة الفقهاء، کراچی ۱٦٨)

(۲) جہیز کا مطالبہ ناجائز وحرام ہے، ہاں البتہ لڑکی والے اپنی لڑکی کو رخصت کرتے وقت حسب سہولت اپنی مرضی سے جو کچھ دینا چاہیں، ان کے لئے دینا جائز ہے، وہ سب لڑکی ہی کی ملکیت ہوتی ہے۔ اوراس کی کوئی مقدار متعین نہیں؛ بلکہ ہر آدمی اپنی حیثیت اورسہولت کے مطابق جو مقدار بھی دینا چاہے اس کی گنجائش ہے؛ اس لئے کہ وہ

اپنی مرضی سے اپنی لڑکی کو دیتا ہے، اس میں شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں۔

أنه لا یوجد ما یدل علی أن الجهاز واجب علی أبیها، ولیس لأحد أن یجبرها علی ذلک، فإذا قامت بالجهاز وما یلزم من أثاث وأدوات، فهي متبرعة. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۹/ ۲۰۶)

(۳) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت جو کچھ بھی دیا تھا جس کے متعلق روایات مختلف ہیں، کسی میں تین چیزوں کا تذکرہ ہے اور کسی میں پانچ کا اور بعض حضرات نے دس تک کو شمار کیا ہے، بہرحال آپ نے جو کچھ بھی دیا تھا وہ آپ کی طرف سے تبرع تھا اور بغیر مطالبہ کے دیا تھا، کسی نے دینے پر مجبور نہیں کیا تھا، اسی طرح آج بھی ہر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت کم وزیادہ کچھ بھی دے دے کسی کو اعتراض کا حق نہیں، ہاں البتہ لڑکے والوں کی طرف سے کسی قسم کا مطالبہ یا دباؤ جہیز یا مخصوص چیزوں کے دینے پر قطعاً جائز نہیں۔

ولیس لأحد أن یجبرها علی ذلک، فإذا قامت بالجهاز وما یلزم من أثاث وأدوات، فهي متبرعة. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۹/ ۲۰۶، مستفاد: أنوار نبوت، ص: ۶۷۹)

(۴) جہیز لین دین کے ناجائز ہونے کا مدار مطالبہ پر ہے اور بغیر مطالبہ کے لڑکی والے ایک دودن پہلے بھیج دیں یا ساتھ میں بھیجیں اس میں ان کو اختیار ہے کسی قسم کی قباحت نہیں۔

ولیس لأحد أن یجبرها علی ذلک، فإذا قامت بالجهاز وما یلزم من أثاث وأدوات، فهي متبرعة. (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۳۹/ ۲۰۶)

(۵) مورث کی وفات سے پہلے لڑکی کو جو کچھ دیا جاوے وہ ترکہ نہیں؛ بلکہ ہدیہ اور تحفہ ہے، جس کی وجہ سے لڑکی کو ترکہ سے محروم کرنا کسی بھی طرح درست نہیں اور جہیز کے بہانے سے لڑکی کو ترکہ سے محروم کرنا سخت گناہ ہے۔

عن أنس بن مالک –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلی الله

علیه وسلم من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة.

(ابن ماجة، باب الحیف في الوصیة، النسخة الهندیة ۱/ ۱۹۴، دارالسلام رقم: ۲۷۰۳)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۳۶۳)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۸/۶/۳۰ھ

جہیز کے معنی شرعی اور اس کا حکم

سوال [۵۲۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا قرآن کریم میں لفظ ’’جہیز‘‘ کا استعمال ہے؟ اگر ہے تو اس کے لفظی معنی کیا ہیں؟ (۲) مذہب اسلام جہیز لینے یا دینے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ یا یہ پوری طرح غیر اسلامی ہے؟ (۳) شریعت کے قانون کے مطابق عورت پہلے شوہر اور شوہر کے گھر والوں پر جہیز کے لئے تکلیف پہنچانے کا جھوٹا مقدمہ دائر کر کے شوہر سے پیسہ وصول کرنا چاہے تو کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مذہب اسلام کے قوانین کے مطابق اس عورت کے لئے کیا سزا مقرر ہے؟

(۴) کیا ہندو لومیرج کے قوانین مسلمانوں پر بھی لاگو ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو مسلمانوں کے زوجیت کے مسائل کس طرح سے حل کئے جائیں؟۔

المستفتی: محمد اسلام الدین میرٹھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) ’’جہیز‘‘ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے لفظی معنی اسباب، سامان اور بیٹی کو ماں باپ کی طرف سے دیئے جانے والے سامان کے ہیں۔ (فیروز اللغات، نیا ایڈیشن، فرید بک ڈپو ۴۸۸) اور قرآن کریم میں لفظ جہیز مذکور نہیں ہے؛ البتہ جہاز کا لفظ سورۂ یوسف میں ہے، جس کے معنی سامان کے ہیں۔

(۲) ماں باپ اپنی بیٹی کو اپنی مرضی سے اس کی ضروریات زندگی کے جو سامان حسب استطاعت بلا جبر واکراہ وریاء ونمود کے بغیر دیتے ہیں اس کے دینے کی گنجائش ہے؛ البتہ لڑکے والوں کا جہیز کا مطالبہ کرنا یا فہرست تیار کر کے مانگنا ناجائز اور حرام ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے مال کے لالچ میں شادی کرتا ہے، تو اس کو بیوی کی سرکشی اور نافرمانی سے دوچار کیا جاتا ہے۔

عن عبدالله بن عمرو –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تزوجوا النساء لحسنهن، فعسى حسنهن أن يرديهن، ولا تزوجوهن لأموالهن، فعسى أموالهن أن تطغيهن. الحديث (ابن ماجة، النكاح، باب تزويج ذات الدين، النسخة الهندية ١/ ١٢٣، دارالسلام، رقم: ١٨٥٩)

(۳) بشرط صحت سوال بیوی کے لئے شوہر اور اس کے اہل خانہ پر تکلیف پہنچانے کا جھوٹا مقدمہ دائر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر حکومت کی جانب سے اس کے حق میں فیصلہ بھی ہو جائے تو عورت کو جو روپئے ملیں گے اس سے وہ اپنی جہنم خریدنے والی ہوگی۔

عن أبي أمامة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من اقتطع حق امرئ مسلم بيمينه، فقد أوجب الله له النار، وحرم عليه الجنة، فقال له رجل: وإن كان شيئا يسيرا يا رسول الله! قال: وإن قضيبا من أران. (مسلم شريف، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجزه بالنار، النسخة الهندية ١/ ٨٠، بيت الأفكار، رقم: ١٣٧، مسند الدارمي، دارالمغني ٣/ ١٦٩٦، رقم: ٢٦٤٥)

ابن مسعود –رضي الله عنه– يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من حلف على مال امرئ مسلم بغير حقه لقي الله وهو عليه غضبان، قال عبدالله: ثم قرأ علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم: مصداقه من كتاب الله: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلاً﴾ (مسلم شريف ١/ ٨٠، رقم: ١٣٧)

عن أم سلمة –رضى الله عنها– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال: إنما أنا بشر، وإنكم تختصمون إلي، ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض، فاقضي له على نحو ما أسمع منه، فمن قضيت له من أخيه شيئا فلا يأخذ، فإنما أقطع له قطعة من النار. (بخاري شريف، كتاب الحيل، باب بلا ترجمة، النسخة الهندية ۲/ ۱۰۳۰، رقم: ۶۶۹۸، ف: ۶۹۶۷)

(۴) ہندو ''لومیرج'' قانون کے بارے میں ہمیں کوئی معلومات نہیں۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۵/۷ھ

جہیز سے متعلق مزید چند سوالات اور جوابات

سوال [۵۲۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض خدمت ہے کہ دو بچیاں شادی کے لائق ہیں، آج معاشرہ میں جہیز کا رواج جو چل پڑا ہے، اس نے الجھنوں میں ڈال رکھا ہے؛ لہٰذا حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

(۱) بچی کو شادی کے وقت بطور ہدیہ کے کچھ دینا اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) جہیز کے نام پر مروجہ طریقہ پر لڑکی کو دینا، سنت ہے یا مستحب؟

(۳) حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیزیں دی تھیں، وہ بطور جہیز کے تھیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں ہونے کی وجہ سے ان ہی کے مال سے ان چیزوں کا انتظام کیا تھا؟

(۴) بچی کو بطور جہیز سامان دیا جائے گا کیا وہ میراث کا بدل ہوسکتا ہے؟

المستفتی: محمد رضی، نیا پورہ، اندور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) شادی کے موقع پر اپنی بچی کو بطور ہدیہ کے کچھ سامان وغیرہ دینا احادیث سے ثابت ہے۔ اور صحابہ کے زمانہ میں بھی اس کا معمول تھا،

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو بھی شادی کے موقع پر گھر سے رخصتی کے وقت حسب حیثیت کچھ نہ کچھ دیا گیا۔ (مستفاد: انوار رحمت ٦٧٩)

عن علي –رضي الله عنه– قال: جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة –رضي الله عنها– في خميل، وقربة، ووسادة حشوها إذخر. (منسد أحمد بن حنبل ١/ ٨٤، رقم: ٦٤٣، نسائي شريف، النكاح، جهاز الرجل ابنته، النسخة الهندية ٢/ ٧٧، دارالسلام، رقم: ٣٣٨٦)

عن جابر بن عبدالله –رضي الله عنه– قال: جاء ت امرأة سعد بن الربيع بابنتيها من سعد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله! هاتان ابنتا سعد بن الربيع قتل أبوهما معك يوم أحد شهيدا، وإن عمهما أخذ مالهما فلم يدع لهما مالا، ولا تنكحان إلا ولهما مال. (أبو داؤد، باب ماجاء في الصلب، النسخة الهندية ٢/ ٤٠٠، دارالسلام، رقم: ٢٨٩١)

ولم يدع لهما مالا، أي لم يترک عمهما لهما مالا ينفق عليهما، أو تجهزان به للزوج، ولا تنكحان: أي لا تزوجان عادة أو غالبا أو مع العزة إلا ولهما مال. (مرقاة ملتان ٦/ ١٧٤)

(٢) جہیز کے نام سے مروجہ طریقہ پر اپنی لڑکی کو سامان دینا نہ تو سنت ہے اور نہ مستحب اور نہ ہی جہیز کی کوئی خاص مقدار متعین ہے؛ بلکہ ماں باپ اپنی حیثیت کے اعتبار سے بخوشی اپنی بیٹی کو جو دینا چاہیں دے سکتے ہیں، بشرطیکہ اس میں شہرت اور دکھلاوا نہ ہو اور نہ ہی لڑکے والوں کی طرف سے کسی قسم کے مطالبہ اور خواہش کا اقدام ہو۔ (مستفاد: بہشتی زیور ٦/ ٤٠، انوار نبوت، ص: ٦٧٩)

(٣) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو چیزیں شادی کے موقع پر دی تھیں وہ بطور جہیز کے تھیں، جیسا کہ روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ **(انوار نبوت، ص: ٦٨٢)**

عن علي –رضي الله عنه– قال: جهز رسول الله صلى الله عليه وسلم فاطمة –رضي الله عنها– في خميل، وقربة، ووسادة حشوها إذخر. (منسد أحمد بن حنبل ۱/ ۸٤، رقم: ٦٤٣، نسائي شريف، النكاح، جهاز الرجل ابنته، النسخة الهندية ۲/ ۷۷، دارالسلام، رقم: ۳۳۸٦)

عن علي –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما زوج فاطمة بعث معها بخملة، ووسادة أدم حشوها ليف، ورحائين، وسقاء، وجرتين. (الطبقات الكبرى لابن سعد، دارالكتب العلمية بيروت ۸/ ۲۱)

(۴) جہیز دینے کی وجہ سے میراث سے دستبرداری نہیں ہوتی ہے، لڑکی بدستور ماں باپ کی وارث رہتی ہے، یہ کہہ کرکے میراث سے محروم کردینا کہ تمہیں جہیز دے دیا گیا ہے، بہت بڑا ظلم ہے کہ جو لوگ ماں باپ کی میراث سے لڑکیوں کو جہیز دینے کے نام پر محروم کردیتے ہیں وہ اپنی آخرت برباد کرتے ہیں، لڑکیوں کا حق بدستور باقی رہتا ہے، وہ ہمیشہ لڑکیوں کا حق دبا کر حرام خوری میں مبتلا ہوتے ہیں اور آخرت کے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

عن أنس بن مالك –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة.

(ابن ماجة، باب الحيف في الوصية، النسخة الهندية ۱/ ۱۹٤، دارالسلام رقم: ۲۷۰۳)

عن سعيد بن زيد –رضي الله عنه– قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من أخذ من حق امرئ من المسلمين شبرا بغير حق طوقه الله تعالىٰ يوم القيامة سبعين أرضين. (المعجم الأوسط، قديم ۹/ ۱۷٤، رقم: ۸۳۷۸، دارالفكر ٦/ ١٦٦، رقم: ۸۳۸۳)

الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط. (تکملة ردالمحتار زکريا ۱۱/ ٦۷۸، کراچی ۸/ ١١٦) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶؍ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۶۳۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۷؍۳؍۱۴۳۳ھ

مفتی اور مقتدیٰ کے لئے جہیز لینا کیسا ہے؟

سوال [۵۲۴۹]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شریعت میں عام لوگوں کو جہیز لینا یا مقتدیٰ اور مفتی کو جہیز لینا کیسا ہے؟ اور بہن بیٹی کو جہیز دینا کیسا ہے؟

(۲) اگر کوئی شخص خوشی سے کسی عالم کو یا مقتدیٰ کو جہیز میں گاڑی دے تو لینا کیسا ہے؟ کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

المستفتی: محمد اجمل امبیڈ کرنگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جہیز کے معنی وہ سامان ہیں جو ماں باپ اپنی لڑکی کو دیتے ہیں اور کوئی بھی ماں باپ اپنی بیٹی کو حسب حیثیت اپنی مرضی سے جو کچھ بھی سامان دے دیں اس میں شرعاً کسی قسم کی قباحت نہیں۔ اور سوال نامہ میں یہ جو پوچھا گیا ہے کہ مفتی اور مقتدیٰ کو جہیز لینا کیسا ہے؟ تو لڑکی کے ماں باپ مفتی اور مقتدیٰ کو جہیز کا سامان نہیں دیتے ہیں؛ بلکہ وہ اپنی لڑکی ہی کو دیتے ہیں، اب اگر لڑکی کا شوہر مفتی یا مقتدیٰ ہے تو لڑکی کی اجازت سے ان سامانوں کا استعمال کرنا مفتی کی حیثیت اور فتوی کے خلاف نہیں ہے، ہاں البتہ لڑکی کے ماں باپ سے لڑکے والے مطالبہ کر کے کوئی سامان لے لیں، تو وہ کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، اس میں مفتی یا مقتدیٰ اور عوام میں کوئی فرق نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. الحديث شعب الإيمان ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة. (شامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فيما لو زفت إليه بلا جهاز، زكريا ٥/ ٢٩٩، كراچی ٣/ ٥٨٥)

لا یجوز لأحد أن یتصرف في ملک غیره بلا إذنه، أو وکالة منه، أو ولایة علیه. (شرح المجلة، مکتبه اتحاد ۱/ ۶۱، رقم المادۃ: ۹۶)

(۲) مردانہ زنانہ جتنے بھی سامان ہیں وہ سب لڑکی کا حق ہے، اور ماں باپ لڑکی کے واسطے دیتے ہیں اور لڑکی کے واسطے اور اس کی مرضی سے مردانہ سامان مردوں کو استعمال کرنے کی اجازت ہوجاتی ہے۔ اور اس میں گاڑی وغیرہ سب سامان آگئے، اب رہی یہ بات کہ لڑکے کے نام سے گاڑی کے جو کاغذات بنائے جاتے ہیں، وہ صرف اس لئے ہے، تاکہ راستے کی رکاوٹوں سے حفاظت ہوجائے، اسی وجہ سے اگر خدانخواستہ علیحدگی ہوجائے تو یہ سارے سامان واپس ہوجاتے ہیں، جس میں موٹر سائیکل، گاڑی وغیرہ بھی ہوتی ہے۔

فإن کل أحد یعلم أن الجهاز ملک المرأة، وأنه إذا طلقها تأخذه کله، وإذا ماتت یورث عنها. (شامي، کراچی ۳/ ۵۸۵، زکریا ۵/ ۲۹۹) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۵/۶/۵ھ

شادی میں لین دین کی شرعی حیثیت

سوال [۵۲۵۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں جب رشتہ طے کرتے ہیں، تو لڑکی والے لڑکے کو اور لڑکے والے لڑکی کو اچھا خاصا سامان، پیسہ، زیور، کپڑے وغیرہ دیتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ دونوں طرف سے لین دین بطور ہدیہ ہوتا ہے، یا بطور امانت ہوتا ہے؟ کیوں کہ جب رشتہ کسی وجہ سے ختم ہوتا ہے، تو اس لین دین کی واپسی ہوتی ہے اور جس کی طرف سے کمی ہوتی ہے اس کی

دی ہوئی رقم ضبط ہوجاتی ہے۔ دارالافتاء اس سلسلہ میں ہماری صحیح رہنمائی فرمائے، تاکہ علاقہ کی اس بے دینی اور رسم ورواج کو شریعت کی شکل میں تبدیل کیا جاسکے؟

المستفتی: علماء سیڈھا، بجنور یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رشتہ طے ہوتے وقت جانبین سے جولین دین ہوتا ہے، اگر کسی وجہ سے رشتہ ٹوٹ جائے اور شادی نہ ہو تو جانبین کی دی ہوئی چیزیں ایک دوسرے کو واپس کرنا لازم ہے۔ اور ایسا کرنا جائز نہیں ہے کہ جس کی طرف سے کمی ہو اس کا دیا ہوا سامان ضبط کرلیا جائے۔

أخذ أهل المرأة عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة (درمختار) وتحته في الشامية: وكذا لو أبي أن يزوجها، فللزوج أن يسترده قائما أو هالكا. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب أنفق على معتدة الغير زكريا ٤/ ٣٠٧، كراچی ٣/ ١٥٦، البحرالرائق، زكريا ديوبند ٣/ ٣٢٥، كوئٹه ٣/ ١٨٧، بزازية على هامش الهندية، زكريا ٤/ ١٣٦، جديد زكريا ١/ ٩٠، هندية، الفصل السادس عشر: في جهاز البنت، قديم زكريا ١/ ٣٢٧، جديد زكريا ١/ ٣٩٣)

خطب بنت رجل وبعث إليها أشياء ولم يزوجها أبوها، فما بعث للمهر يسترد عينه قائما فقط وإن تغير بالاستعمال أو قيمته هالكا؛ لأنه معاوضة ولم تتم فجاز الاسترداد. (درمختار مع الشامي، كتاب النكاح، باب المهر زكريا ٤/ ٣٠٤، كراچی ٣/ ١٥٣، مجمع الأنهر، مصري قديم ١/ ٣٦٢، دارالكتب العلمية بيروت ١/ ٥٣٢، الموسوعة الفقهية الكويتية ١٩/ ٢٠٤، كراچی ٣/ ١٥٣، مجمع الأنهر قديم مطبوعه بيروت ١/ ٣٦٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۱/۶/۱۴ھ

بلا مطالبہ شادی سے قبل یا بعد میں لڑکے کو ملنے والی اشیاء کا حکم

سوال [۵۲۵۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کا نکاح خالدہ سے ہونے والا ہے اور نکاح تقریباً دو سال بعد ہوگا، اس سے قبل لڑکی والے کی جانب سے جوڑا اچڑھایا جاتا ہے، جیسا کہ لڑکی کو لڑکے والے کی جانب سے جوڑا اچڑھایا جاتا ہے، عید وبقرعید وغیرہ کے موقع سے بھی زید کو جوڑے چڑھائے گئے اور گھڑی سائیکل بھی پہلے دے دی گئی اور زید ان سب چیزوں کو اپنے استعمال میں بھی لا رہا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو کپڑا شادی سے قبل منگنی کے موقع سے اسی طرح عید بقرعید کے موقع سے دیا گیا اور گھڑی وسائیکل بھی دے دی گئی، کیا ان سب کا استعمال کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز اس کپڑے اور گھڑی کو پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج تو نہ ہوگا؟

واضح رہے کہ زید نے قطعاً کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا ہے، تاہم لڑکی کے خاندان اور اس کے والد محترم نے زید کو برضا ورغبت یہ سب سامان دیا اور ان پر کوئی گرانی بھی محسوس نہ ہوئی۔

(۲) زید یا ان کے خاندان کی طرف سے دھاگے تک کا مطالبہ نہیں، اس کے باوجود لڑکی والے شادی کے بعد گھڑی سائیکل اور دیگر سامان اپنی خوش دلی سے دیتے ہیں، تو کیا ان چیزوں کا استعمال کرنا از روئے شرع جائز ہوگا؟

(۳) ’’شامی کراچی ۲/۴۲۴‘‘ پر یہ عبارت ہے کہ: ’’**ومن السحت: ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه حتى لو كان بطلبه يرجع الختن به**‘‘ تو کیا شادی سے پہلے یا بعد میں دیا ہوا کپڑا، گھڑی، سائیکل اور دیگر سامان جو خسر اپنے داماد کو خوش طبعی سے دیتے ہیں مذکورہ عبارت کے مصداق ہوں گے اور رقم کا مطالبہ بالکل نہیں ہے۔

المستفتی: مشتاق احمد کھگڑیا، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) صورت مذکورہ میں زید کو اس کی سسرال

والوں کی طرف سے شادی سے قبل عید بقرعید وغیرہ مواقع تقریبات پر یا شادی کے بعد جو سامان بلا کسی دباؤ اور مطالبہ کے دیا جاتا ہے اس کا لین دین درست ہے اور زید کے لئے اس کا استعمال کرنا اور ایسے کپڑوں کو پہن کر نماز پڑھنا درست ہے؛ اس لئے کہ یہ ہبہ ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۵/ ۱۳۸، مجموعۃ الفتاوی ۱/ ۱۹۱)

وفي الهداية: الهبة عقد مشروع لقوله عليه السلام: تهادوا تحابوا، وعلى ذلك انعقد الإجماع، وتصح بالإيجاب والقبول والقبض. (هداية، كتاب الهداء، أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٦٧، الفقه على المذاهب الأربعة، دارالفكر ٣/ ٢٩٥)

(۳) اس عبارت کا واضح مطلب یہ ہے کہ خسر داماد سے لے؛ اس لئے کہ داماد اس کی لڑکی سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اور اگر خسر داماد کو بیٹے کے درجہ میں سمجھ کر دیتا ہے اور اس میں کسی قسم کا دباؤ یا مطالبہ نہیں ہے، تو ایسی صورت میں داماد کو ایسے سامان کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

والمالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء. (بيضاوي شريف، ص: ۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
یکم رجب ۱۴۱۵ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۱۰۰)	۱/ ۷/ ۱۴۱۵ھ

کیا جہیز میراث میں شمار ہوگا اور بھائی اپنی بہنوں کو وراثت سے محروم کرسکتا ہے؟

سوال [۵۲۵۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، زید نے دو لڑکوں اور دونوں لڑکیوں کی شادی کردی اور ان دونوں لڑکیوں کو جہیز بھی دیا؛ لیکن جو جہیز دیا ہے وہ میراث کے حصے شمار کرکے نہیں دیا، یوں ہی بغیر شمار کئے ہوئے جہیز دے دیا اور ان لڑکیوں کو بتایا بھی نہیں جو جہیز

دیا گیا ہے، وہ میراث کے حصہ میں سے دیا گیا ہے، زید کو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ میراث میں لڑکیوں کا حصہ ہوتا ہے؛ اس لئے بتایا بھی نہیں تو کیا ان لڑکیوں کا حصہ میراث میں ملے گا یا نہیں؟ اور اگر زید کو لڑکوں نے دینے نہیں دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: محمد مجاہد سیتا پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکیوں کو دیا گیا جہیز میراث کے حصہ میں سے شمار نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ باپ کی طرف سے تبرع اور احسان سمجھا جائے گا؛ کیوں کہ وراثت موت کے بعد تقسیم ہوتی ہے، زندگی میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ہبہ ہے؛ لہٰذا زید کے ترکہ میں لڑکیاں شرعاً وارث ہوں گی اور ان کو شریعت کی رو سے اپنا حصہ ملے گا۔

المختار للفتوی أن یحکم بکون الجهاز ملکا لا عارية؛ لأنه الظاهر الغالب. (شامي، کتاب النکاح، باب المهر، مطلب في دعوی الأب أن الجهاز عارية، کراچی ۳/ ۱۵۷، زکریا ٤/ ۳۰۹)

زید کے لڑکوں کو اپنی بہنوں کو میراث سے محروم کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، اگر حصہ نہیں دیں گے تو سخت گنہگار ہونگے اور کفر تک کا اندیشہ ہے؛ اس لئے کہ ان کا حق باپ کے ترکہ میں نص قطعی سے ثابت ہے۔

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ. [النساء: ۱۱]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴/۶/۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۶۲۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ

سسرال والوں کا لڑکی کو جہیز کی وجہ سے پریشان کرنا

سوال [۵۲۵۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ایک کنوارہ لڑکا اور کنواری لڑکی کی شادی ہوئی، لڑکی کے باپ نے حسب وسعت مہمانوں کی ضیافت کی اور سامان جہیز دیا، جس میں گیس کا چولہا مع سلنڈر کے دیا اور لڑکی تین بار سسرال گئی چند مہینوں میں یہ حالات در پیش آئے:

(۱) سسرال والوں نے لڑکی کو طعنے دئے کہ تیرے باپ نے کیا جہیز دیا ہے؟ اور خوب برا بھلا کہا اور اس سامان جہیز کو لڑکی کے اختیار سے الگ رکھا۔

(۲) اور جس کمرہ میں لڑکی رہتی تھی اس میں لڑکے کے گھر والے سب چھوٹے بڑے آتے جاتے تھے، علیحدہ طور پر لڑکی کو مکان نہیں دیا جیسے شوہر بیوی علیحدہ مکان میں بے تکلفی سے رہتے ہیں، لڑکی نے فرمائش کی کہ غسل خانہ بنوادو اس کے بغیر دقت رہتی ہے، تو برا بھلا کہا اور یہ کہا کہ غسل خانہ اپنے باپ سے بنوالے ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) اور لڑکے نے اپنی والدہ اور اپنے گھر والوں کی شکایت سن کر معمولی باتوں پر لڑکی کے ساتھ ایذا رسانی، مار پیٹ کا معاملہ کیا۔ اور کہا کہ تو گیس کے چولہے پر روٹی کیوں پکاتی ہے؟ کبھی ہاتھ موڑ دیا، کبھی چہرہ پر طمانچہ مار دیا، کبھی سر پر گھونسے مارے اور بدن پر لات ماری، لڑکی کے سینہ میں پسلی میں، کندھوں میں درد ہو گیا، لڑکی کے والد نے ایکسرا کرایا، اس میں مار پیٹ کے نشان صاف ظاہر ہیں، اب لڑکی پانچ ماہ سے اپنے باپ کے گھر پر ہے، اس مدت کے بعد سسرال والے لڑکی کو لینے آئے ہیں، تو لڑکی کے باپ نے پہلے کئی بار چشم پوشی کی اور اب کی باران معاملات کے متعلق گفتگو کی، مگر کوئی تسلی تشفی کی بات ظاہر نہیں ہوئی اور لڑکے کے تایا نے کہا کہ اگر آپ لڑکی کو نہیں بھیجتے تو ساری ذمہ داری تمہارے اوپر ہوگی، ہمارے کسی بھی آدمی پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی اور یہ کہا کہ یہ رشتہ ہی غلط ہوا ہے، یہ کہہ کر فوراً چلے گئے، چائے تک بھی نہیں پی، لڑکی اور لڑکے میں مزاج کی مطابقت نہیں ہے، لڑکا دینی تعلیم سے ناواقف ہے اور لڑکی دینی دنیوی تعلیم سے واقف کار ہے اور مہذب باشعور باادب ہے۔ اور لڑکی کے قلب میں سسرال کی جانب سے غایت وحشت وخوف اور اندیشہ وانتقام جاگزین ہے اور ان دونوں کے گھر والے بھی مزاج وعادات ونظریات میں مطابقت نہیں رکھتے، ان

حالات مذکورہ میں کیا جائز ہے، کیا نا جائز ہے؟ اور لڑکی کے لئے کیا دستور عمل ہے؟ براہ کرم شرعی طور سے مکمل مفصل جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

المستفتی: عبدالحمید ٹھیکیدار، میرٹھ شہر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سسرال والوں کا لڑکی کو جہیز کے سلسلہ میں طعنہ دینا نا جائز ہے، یہ لڑکی پر ظلم ہے، بغیر رضا مندی کے جہیز کے نام پر مال حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں سخت ممانعت آتی ہے، شوہر پر بیوی کے لئے الگ مکان کا انتظام کرنا لازم ہے، اگر بخوشی سب کے ساتھ رہنے پر راضی ہو جائے تو وہ اس کی مرضی ہے، بلا وجہ شرعی بیوی کو مار پیٹ کرنا شوہر کی طرف سے سخت ظلم ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے بہتر شریف آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرتا ہے، اگر واقعی اس طرح ظلم کیا جا رہا ہے، تو جانبین کے با اثر، ذمہ دار لوگوں کی موجودگی میں ذمہ داری کا بین نامہ تحریر کر کے با اثر ذمہ دار لوگوں کی ذمہ داری میں لڑکی کو بھیج دیا جائے۔

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان للبيهقي، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢)

عن عائشة –رضي الله عنها– قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خيركم خيركم لأهله، وأنا خيركم لأهلي. الحديث (سنن الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي صلى الله عليه وسلم، النسخة الهندية ٢/ ٢٢٧، رقم: ٣٨٩٥)

عن عبدالله بن عمرو –رضي الله عنه– قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خياركم خياركم لنسائهم. (سنن ابن ماجة، النكاح، باب حسن معاشرة النساء، النسخة الهندية ١/ ١٤٢، دارالسلام، رقم: ١٩٧٨، مسند البزار، مكتبة العلوم والحكم ١٤/ ٣١١، رقم: ٧٩٤٧، قواعد الفقه ١١٠)

لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک الغير بغير إذنه. (قواعد الفقه ١١٠)
لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا بسبب شرعي. الخ (قواعد الفقه ١١٠)
وكذا تجب لها السكنى في بيت خال عن أهله. (الدرمع الرد، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في مسكن الزوجة، زكريا ديوبند ٥/ ٣١٩-٣٢٠، كراچی ٣/ ٥٩٩، هندية ١/ ٥٥٦، جديد زكريا مطول ١/ ٦٠٤، تبيين الحقائق، مكتبه إمدايه ملتان ٣/ ٥٨، زكريا ٣/ ٣١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۲۹)

نکاح سے قبل مہر اور زیورات وغیرہ کا لین دین کرنا

سوال [۵۲۵۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: راجستھان میں کچھ لوگوں میں شادی ایسی ہوتی ہے کہ پانچ دس بچوں کی ایک ساتھ اور اس طرح کرتے ہیں کہ خرچہ بالکل کفایت سے ہوتا ہے، اب ان میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بارات کے ساتھ دولہا نہیں ہوتا ہے، جیسے پانچ کی شادی ہے اور چار لڑکے موجود ہیں، پانچواں غیر ملک میں ہے، اب بارات تو پانچوں کی جاتی ہے، دولہے چار ہی ہوتے ہیں، پانچویں کا بھی پورا لین دین ہو جاتا ہے، فقط نکاح نہیں ہوتا، جب دولہا وطن آتا ہے تو فقط نکاح ہو جاتا ہے، خرچہ کچھ نہیں ہوتا، تو اس طرح سے بارات کا جانا اور نکاح بعد میں ہونا یہ درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: عظیم الدین بستوی، نولگڑھ، راجستھان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر خرچہ سے بچنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے، تو

اس میں کوئی شرعی مضائقہ نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یہ بارات غیر شرعی طریقہ پر جاتی ہے اور اس میں خلاف شرع امور کا ارتکاب ہوتا ہے، تو ممنوع ہوگا، نیز زیورات اور مہر وغیرہ کا لین دین نکاح سے پہلے ہونے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، جب کہ اس میں کوئی غیر شرعی لوازمات اور خرافات شامل نہ ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۷۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳؍۳؍۱۴۱۴ھ

جہیز میں تالا، قینچی، سروتہ دینا

سوال [۵۲۵۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکی کو جہیز میں تالہ، قینچی، سروتہ دینا کیسا ہے؟

المستفتی: جلال الدین ادارہ اصلاح امت، مظفر نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مذکورہ اشیاء جہیز میں دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، عوام کا بے دلیل عقیدہ ہے کہ یہ چیزیں نہ دینے میں غلط اثرات ہوتے ہیں، بے اصل ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۱/ ۲۲۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۸؍ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۴۲۱۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۰؍۱۱؍۱۴۱۵ھ

خسر کا داماد کو نکاح سے پہلے یا بعد میں سائیکل وغیرہ دینا

سوال [۵۲۵۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: زید نام کا ایک لڑکا ہے، اس کی کسی لڑکی سے شادی کی بات چیت پکی ہوگئی اور نکاح نہیں ہوا تھا، نکاح سے پہلے اس کے خسر نے زید کو ایک گھڑی اور ایک سائیکل زید کے بلا مانگے ہدیۃ دی، تو اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اور زید کو اگر یہی سامان نکاح کے بعد دیا جائے، تو اس کی کیا صورت ہے اور اس کے ساتھ ہی اور دوسری چیز مثلاً سونا چاندی کے زیورات زید کو دے تو اب بعد نکاح ان چیزوں کو لینا کیسا ہے؟

المستفتی: شمس الرحمٰن لاتاپور، بنگال

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) یہ ہے کہ جب خسر نے بلا جبر بخوشی دیا اور زید نے اس پر قبضہ بھی کرلیا تو شرعاً ہبہ صحیح ہوگیا، اس کا مقصد محبت ومودت میں اضافہ کرنا ہوتا ہے، جس کی ترغیب آئی ہے۔

عن عطاء بن عبداللّٰہ الخراساني قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: تصافحوا یذهب الغل وتهادوا وتحابوا، وتذهب الشحناء. (موطا إمام مالك، كتاب الجامع، ماجاء في المهاجرة، أشرفي ديوبند ٣٦٥)

الهبة هی تملیک العین مجانا، وسببها إرادة الخیر للواهب، دنیوي کعوض ومحبة، وحسن ثناء (وقوله) صلی اللّٰہ علیه وسلم: تهادوا تحابوا. (الدرالمختار، كتاب الهبة، كراچی ٥/ ٦٨٧، زكريا ٨/ ٤٨٨)

الهبة عقد مشروع لقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم: تهادوا تحابوا، وعلی ذلک انعقد الإجماع، وتصح بالإیجاب والقبول والقبض. (هداية أشرفيه ديوبند ٣/ ٢٨٣، هذا في كتاب الفقه على مذاهب الاربعة، دارالفكر، بيروت ٣/ ٢٩٥)

(۲) یہ ہبہ ہے اس کا قبول کرنا جائز ہے، جیسا کہ اوپر دلائل گذر چکے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍صفر ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۵۰۴/۲۳)

سسر داماد کو دیا ہوا سامان واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

سوال [۵۲۵۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: طلاق شدہ عورت کے والدین نے شادی کے وقت جو کچھ دولہا کو دیا، مثلاً کپڑے، گھڑی، انگوٹھی وغیرہ وہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ضمیر احمد تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دی ہوئی چیز دولہا کے پاس موجود نہیں ہے، تو واپس لینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

ولا يصح الرجوع إلا بتراضيهما، أو بحكم الحاكم. (درمختار، کراچی ٥/ ٧٠٤، زکریا ٨/ ٥١٣)

هلاك الموهوب، فإنه مانع من الرجوع لتعذره بعد الهلاك إذا هو غير مضمون عليه. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٠٣)

أما العوارض المانعة من الرجوع، فأنواع: منها: هلاك الموهوب؛ لأنه لا سبيل إلى الرجوع في قيمته لعدم انعقاد العقد عليها. (هندية زكريا ٤/ ٣٨٦، جديد زكريا مطول ٤/ ٤٠٩-٤١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۶)

لڑکی والوں کا ولیمہ میں دیئے ہوئے روپیوں کو واپس لینا

سوال [۵۲۵۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: طلاق شدہ عورت کے میکے والوں نے شادی کے بعد ولیمہ میں ۵۰۰/روپے دئے ،طلاق کے بعد واپس یہ رقم لے سکتے ہیں یانہیں؟

المستفتی: ضمیر احمد تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ولیمہ میں خرچ کرنے کے لئے دیا تھا اور وہ خرچ بھی ہو چکا ہے تو واپسی جائز نہیں ہے۔

هلاک الموهوب، فإنه مانع من الرجوع لتعذره بعد الهلاک إذا هو غير مضمون عليه. (مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع عنها قديم ٢/ ٣٦٢، جديد، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٠٣، درمختار کراچی ٧٠٤، زكريا ٨/ ٥١٣)

أما العوارض المانعة من الرجوع، فأنواع: منها: هلاک الموهوب؛ لأنه لا سبيل إلى الرجوع في قيمته لعدم انعقاد العقد عليها. (هندية زكريا ٤/ ٣٨٦، جديد زكريا مطول ٤/ ٤٠٩-٤١٠) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۱۰۶)

جہیز میں ملی ہوئی بھینس سے پیدا شدہ بچہ کا مالک کون؟

سوال [۵۲۵۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم تین بھائی ہیں، تینوں شادی شدہ ہیں، ایک بھائی کی شادی میں بیوی کو جہیز میں بھینس ملی، اس کے دودھ کی جو آمدنی ہوئی وہ سبھی نے شرکت میں ہی استعمال کی، اب سب علیحدہ ہونا چاہتے ہیں، لہٰذا اس بھینس کے جو بچے ہیں وہ کس طرح بانٹے جائیں گے؟ کس کو کتنا حق پہنچتا ہے؟ شرعی فیصلہ فرمائیں۔

المستفتی: ضمیر احمد، ضلع مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: بھینس اوراس کے بچے سب اس بھائی کی بیوی کی ملکیت میں ہوں گے، جس کے جہیز میں بھینس آئی ہے اس کے بچوں میں کوئی دوسرا حصہ دار نہیں ہوگا۔

لأن ولد الحيوان يتبع أمه. (شامي، كتاب اللقطة، مطلب فيمن وجد حطبا في نهر، زكريا ٦/ ٤٤٥، كراچی ٤/ ٢٨٤، كوئٹه ٣/ ٤٥٤)

لأن الفرخ والبيض لصاحب الأم. (عالمگیری، زکریا ٢/ ٢٩٤، جدید ٢/ ٣٠٣)

فالفرخ يكون لصاحب الأنثى؛ لأنه تبع ملكه. (قاضی خان على الهندية زكريا ٣/ ٣٩٤، جديد زكريا مطول ٣/ ٢٨٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/۱۰۶)

جہیز میں آئی گائے کس کی ملک ہوگی

سوال [۵۲۶۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی مبینہ خاتون کو کسی وجہ سے طلاق دے دی، اور جہیز کی ایک گائے تھی، اس گائے کو لڑکے نے فروخت کردیا، اس رقم میں سے ایک ہزار روپیہ قرض والے کو ادا کیا، باقی رقم اپنے مصرف میں خرچ کی، طلاق سے قبل، اور گائے کا بچہ بھی طلاق سے قبل فروخت ہوا، جس کی قیمت :-/2,675 روپے ہوئی اور بچہ کی قیمت بھی لڑکے کے پاس تھی اور گائے کی پرورش آٹھ سال میں نے کی، تو اس پرورش کی اجرت مجھے ملے گی یا نہیں؟ اور گائے اور بچے کی قیمت پانچ ہزار روپئے ہوتی ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

المستفتی: قمر الہدیٰ در بھنگہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ مذکورہ میں جو گائے والد نے اپنی لڑکی کو دی ہے، وہ لڑکی کی ملک ہے، شوہر کو اس کی قیمت خرچ کرنے کا حق نہیں تھا، اگر شوہر نے گائے اور گائے کا بچہ فروخت کرکے اس کی قیمت اپنے مصرف میں خرچ کی ہے، تو بیوی کے لئے اس کو واپس لینے کا حق ہے؛ لہٰذا گائے اور بچہ کی قیمت شوہر پر ادا کرنا لازم ہے۔ اور شوہر کو گائے کی پرورش کرنے کی اجرت نہیں ملے گی؛ بلکہ پرورش کے ساتھ جو دودھ استعمال کیا ہے، اسی سے اجرت برابر ہو جائیگی۔

عن عائشة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى أن الخراج بالضمان هذا حديث حسن. وتفسير الخراج بالضمان: هو الرجل يشترى العبد، فيستغله، ثم يجد به عيبا فيرده على البائع، فالغلة للمشتري؛ لأن العبد لو هلك هلك من مال المشتري. (ترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء من يشترى العبد ويستغله، ثم يجد به عيبا، النسخة الهندية ١/ ٢٤١، دارالسلام، رقم: ١٢٨٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۸۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۵/۲۹ھ

شادی سے قبل بیوی کو دئے گئے سامان کا حکم

سوال [۵۲۶۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق مغلظہ دے دی، اب اس سلسلہ میں زید پر شرعا مہر دین عدت کا نان نفقہ وسکنی واجب ہوتا ہے؟ زید اس شرعی وجوب سے بچنے کے لئے یہ کہتا ہے کہ ہم نے ڈال کے اندر اتنا روپیہ خرچ کیا ہے، عید کے موقع پر عیدی میں ہم نے جو خرچ کیا ہے وہ ہم کو شرعی وجوب میں سے وضع کیا جائے اور اسی طرح ولیمہ میں جو ہم نے خرچ کیا

ہے وہ بھی وضع کیا جائے۔ (۱) سوال یہ ہے کہ زید نے شادی کے سلسلہ میں ہندہ کو کپڑا اور اس کے ساتھ مٹھائی وغیرہ دی ہے، یہ یا اس کے علاوہ ولیمہ وغیرہ میں جو خرچ ہوا ہے، وہ مہر دین وغیرہ میں سے جو شرعاً واجب ہے، وضع کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: کاتب مولانا محمد صفی اللہ قاسمی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح سے پہلے ہندہ زید کے حق میں اجنبیہ تھی اور اجنبیت کی حالت میں جو ہبہ کیا جائے اگر وہ شئ موہوب کل یا بعض موجود ہو تو کراہت تحریمی کے ساتھ اس کی واپسی کی گنجائش ہوتی ہے؛ لہٰذا زید نے نکاح سے قبل شادی کے سلسلہ میں کپڑے اور مٹھائی اور عیدی وغیرہ جو کچھ بھی دیا ہے، اگر اس میں سے کوئی چیز باقی ہے، تو زید کے لئے کراہت تحریمی کے ساتھ لینے کی گنجائش ہے اور آپس کی رضامندی سے اس کو مہر میں وضع کرنے کی بھی گنجائش ہے، سو اگر کوئی چیز باقی نہیں ہے تو ختم شدہ اشیاء کو دین مہر میں سے وضع کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔ اور زید کے اوپر سے دین مہر کی ذمہ داری ساقط نہیں ہوگی۔

أما العوارض المانعة من الرجوع، فأنواع: منها: هلاک الموهوب؛ لأنه لا سبيل إلى الرجوع في قيمته. (فتاوی عالمگیری، کتاب الهبة، الباب الخامس في الرجوع في الهبة، زكريا ٤/ ٣٨٦، جديد مطول ٤/ ٤٠٩-٤١٠)

والهاء هلاک العين الموهوبة، ولو ادعاه أي الهلاک صدق بلا حلف. الخ (الدرالمختار، کراچی ٥/ ٧٠٤، زكريا ٨/ ٥١٣، مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٥٠٣، قديم: ٢/ ٣٦٤)

(۲) ولیمہ شوہر کے لئے مسنون ہے، اس کے اخراجات کا ذمہ دار شرعاً شوہر ہی ہے، اس کے اخراجات کو بیوی کے دین مہر میں سے محسوب کرنا ناجائز اور بیوی پر سخت ترین ظلم ہے، بیوی کا دین مہر شوہر کے اوپر سے ساقط نہیں ہوگا۔

عن أنس بن مالک –رضی الله عنه– أن عبدالرحمن بن عوف جاء

إلی رسول الله صلی الله علیه وسلم وبه أثر صفرة -إلی- قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: أولم ولو بشاة. الحدیث (بخاري شریف، کتاب النکاح، باب الصفرة للمتزوج، النسخة الهندیة ۲/ ۷۷٤، رقم: ٤٩٥٩، ف: ٥١٥٣)

اوردین مہرکاادا کرنا شوہر پر ہراعتبار سے واجب ہے۔

وإذا خلا الرجل بامرأته ثم طلقها فلها کمال المهر. (هدایة، کتاب الطلاق، أشرفي دیوبند ۲/ ۳۲٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹ رصفر المظفر ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۶۲۹/۲۵)

عورت کا زیور سسرال میں چوری ہوجائے تو لڑکی والے اس کی قیمت لے سکتے ہیں؟

سوال [۵۲۶۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میکے سے لڑکی کو دئے جانے والے زیور اگر سسرال میں چوری ہوجائیں تو اس زیور کو طلاق کے بعد اس عورت کے والدین لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ضمیر احمد تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر خود لڑکی کے ہاتھ سے چوری ہوگئے تب تو سسرال والوں پر کوئی الزام نہیں۔ اور اگر کسی کے پاس امانت رکھی ہے یا استعمال کے لئے دیا ہے، وہاں حفاظت کے باوجود چوری ہوگئے ہیں تو امانت وعاریت کے چوری ہونے کی وجہ سے کسی پر تاوان نہیں ہے۔

وهي أمانة، فلا تضمن بالهلاک مطلقا. الخ (درمختار، کتاب الإیداع، کراچی ٥/ ٦٦٤، زکریا ۸/ ٤٥٥، کوئٹه ٤/ ٥٥١)

والعارية أمانة إن هلكت من غير تعد لم يضمنها. (هندية زكريا ٤/ ٣٦٣، جديد مطول ٤/ ٣٨١)

ولو هلكت العارية بلا تعد من المستعير، فلا ضمان، ولو بشرط الضمان، فإنه شرط باطل كما في المحيط. (مجمع الأنهر، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٤٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۶)

سسرال والوں کا لڑکی کے جہیز کو اپنے قبضہ میں رکھنا

سوال [۵۲۶۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی کے موقع پر جو زیورات لڑکی کو شوہر کی طرف سے بطور مہر دئے جائیں اوراسی طرح وہ زیورات جو لڑکی کو اس کے والدین کی طرف سے ملے ہیں، دونوں طرح کے زیورات پر کس کا حق ہے؟ کیا سسرال والوں کا ان زیورات کو لڑکی سے چھین کر جبراً اپنے قبضہ میں رکھنا شرعا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ ہمارے علاقہ کا عرف اور رواج یہ ہے کہ شادی میں لڑکی کو اس کے والدین کی طرف سے جو جہیز ملتا ہے لڑکی ہی اس کی مالک سمجھی جاتی ہے، تو کیا سسرال والوں کا لڑکی کے جہیز کو جبراً اپنے قبضہ میں رکھنا اور لڑکی کو اپنے سامان کو استعمال کرنے سے بھی محروم کر دینا شرعاً کیسا ہے؟

المستفتی: محمد انس قاسمی، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بشرط صحت سوال لڑکی کے والدین کی طرف سے جو جہیز دیا جاتا ہے، اس کی مالک لڑکی ہی ہوتی ہے اور لڑکی کی اجازت اور مرضی کے بغیر سسرال والوں کے لئے جہیز کا سامان استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اس کی

اجازت اور مرضی سے اس کے استعمال کی گنجائش ہے اورلڑکی کو جو زیور ملا ہے اس کے مہر میں، اس کی مالک بھی لڑکی ہی ہے اور ماں باپ کی طرف سے آیا ہوا زیور بھی لڑکی ہی کی ملکیت ہے، اس میں سسرال والوں کا کوئی حق نہیں ہے؛ لہٰذا سسرال والوں کا لڑکی کو ان زیورات کو استعمال نہ کرنے دینا ظلم اور حرام ہے۔

إن الجهاز ملک المرأة، وأنه إذا طلقها تأخذه كله، وإذا ماتت يورث عنها. (شامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فيما لو زفت إليه بلا جهاز، کراچی ۳/ ۵۸۵، زکریا ۵/ ۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۰؍ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۶۹)

شادی کے موقع پر دئے ہوئے پیسے کولڑکی کے باپ کا اپنے اختیار سے خرچ کرنا

سوال [۵۲۶۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: لڑکیوں کی شادی کے موقع پر اعزاء ومتعلقین لڑکی کو سامان جہیز دیتے ہیں، یا نقد رقمیں دیتے ہیں کہ اس سے بچی کے لئے کچھ سامان لے کر دے دینا، آخر الذکر لوگ نقد رقم اس لئے دیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے جو سامان ہم لے کر جائیں وہ لڑکی کے ماں باپ پہلے ہی خرید چکے ہوں، تو سامان ڈبل ہو جائے گا؛ اس لئے نقد رقم دیتے ہیں کہ جو سامان ماں باپ نے خرید رکھا ہے اس میں سے کوئی سامان ہماری طرف سے ہو جائے گا، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا ماں باپ کے لئے ایسا کرنے کی شرعاً اجازت ہے کہ جو سامان انہوں نے خرید رکھا ہے، اس کو شادی کے موقع پر پیسہ دینے والے اعزاء یا متعلقین کے پیسے کے بقدر ان کے نام نامزد کردیں کہ یہ سامان فلاں کی طرف سے ہوگیا؟

(۲) کچھ اعزاء اور احباب زبردستی اصرار کر کے شادی کے دن رقمیں دینا چاہتے

ہیں، منع کرنے کے باوجود نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ہم تو بچی کو دے رہے ہیں، تو وہ رقم لڑکی ہی کو دینا ضروری ہے یا ماں باپ شادی کے دیگر اخراجات میں لگا سکتے ہیں؟

المستفتی: محمد عارف خیرآباد، سیتاپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی کی شادی کے موقع پر اعزاء اور متعلقین جو روپئے، پیسے دیتے ہیں، وہ لڑکی کی شادی کے اخراجات میں کسی بھی طرح کے تعاون کی غرض سے دیتے ہیں اور عرف میں ماں باپ کو مکمل اختیار سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے ماں باپ اس پیسے کو شادی کی کسی بھی ضرورت میں خرچ کر سکتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ ماں باپ لڑکی سے یہ کہہ دیں کہ فلاں سامان تمہارے فلاں عزیز کی طرف سے ہے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں؛ اس لئے کہ اس طرح کا تعامل لوگوں کے درمیان جاری ہے، بشرطیکہ یہ لین دین نیوتہ کی شکل میں نہ ہو؛ اس لئے کہ نیوتہ جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی سامان لڑکی کے واسطے کسی رشتہ دار نے نامزد کر کے دیا ہے، تو وہ متعین سامان لڑکی ہی کو دے دینا چاہئے۔ فقہاء کے حسب ذیل جزئیہ سے یہی حکم شرعی واضح ہوتا ہے، جزئیہ ملاحظہ فرمایئے:

فإن كان من أقرباء الأب، أو من معارفه، فهي للأب، وإن كان من أقرباء الأم أو من معارفها، فهي للأم هكذا حكى عن الشيخ الإمام أبي القاسم والفقيه أبي الليث. وفي النوازل: وبه نأخذ، وفي الينابيع: وقال بعضهم: إذا قالوا: للولد، فهي له، وإن لم يقولوا شيئا، فهي للوالد، وكذلك إذا اتخذ وليمة لزفاف إلى بيت زوجها، فأهدى أقرباء الزوج أو أقرباء المرأة ابنته، وهذا كله إذا لم يقل المهدى أهديت للأب أو للأم فى المسألة الأولى، وللزوج أو للمرأة في المسألة الثانية، وتعذر الرجوع إلى قول المهدى، أما إذا قال: فالقول قول المهدى؛ لأنه هو المملك، وفي الخانية: وقال بعضهم في الأحوال كلها تكون الهبة للوالد؛ لأنه هو الذى اتخذ الوليمة، وقال بعضهم: يكون للولد والاعتماد على ما قلنا أولا.

(الفتاوى التاتارخانية، كتاب الهبة، الفصل الثالث فيما يتعلق بالتحليل وما يتصل به، زكريا ١٤/ ٤٤١ - ٤٤٠، رقم: ٢١٦٤٥-٢١٦٤٦، وهكذا في الشامية، كتاب الهبة، كراچی ٨/ ٤٥٣، زكريا ١٢/ ٦٠٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۸۴۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۴/۱/۱۴۳۶ھ

شرعاً مہر اور جہیز کس کی ملک ہیں؟

سوال [۵۲۶۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی شادی کو تقریباً ایک سال ہوگیا، چند ہی دن کے بعد زن وشوہر میں نامعلوم بناپر اختلاف ہوگیا اور تاہنوز کشیدگی چلی آرہی ہے، چند معزز حضرات نے ثالثی کے طور پر اختلاف اور کشیدگی دور کرنے کی کوشش کی؛ لیکن کامیاب نہ ہوسکے، زید کو اصرار ہے کہ اسے بیوی پسند نہیں ہے اور وہ طلاق دینا چاہتا ہے، جب کہ زید کے بہن بھائی طلاق کے حق میں نہیں ہیں، نیز بیوی بھی طلاق کو پسند نہیں کرتی اور اس کا کہنا ہے کہ زید اگر چاہے تو دوسری شادی کرلے، میں ان دونوں کی خدمت کرتی رہوں گی؛ لیکن زید بغیر کسی دلیل کے طلاق دینے پر بضد ہے، اس صورت میں وہ زیور اور دیگر چیزیں جو رسم ورواج کے مطابق زید نے بیوی کو اصطلاحاً چڑھائیں علاوہ ازیں ۱۵۱؍تولہ ۹۰۰؍ملی گرام چاندی جو بطور دین مہر کے نکاح نامہ پر باہم رضامندی سے تحریر ہے اور وہ کل سامان جو لڑکی بطور دین جہیز اپنے ساتھ لائی قبل از طلاق یا بعد از طلاق اس سامان کا مالک کون ہے؟ یا اس کو کس طرح تقسیم کیا جائے؟ شرعی حیثیت سے تحریر فرمائیں۔

المستفتی: اخلاق احمد اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر طلاق دے دے گا تو ۱۵۱؍تولہ ۹۰۰؍ملی گرام

چاندی جو سوال میں لکھی ہوئی ہے، وہ مکمل ادا کرنا واجب ہوگی، نیز لڑکی اپنے میکے سے جو سامان جہیز کے طور پر لائی ہے، اس کی بھی ہر وقت لڑکی مالک ہے اور جو زیور کپڑے وغیرہ لڑکے کی طرف سے بوقت نکاح لڑکی کو چڑھایا گیا تھا وہ برادری کے رواج پر ہے، اگر لڑکی کو مالک بنانے کا رواج ہے تو وہ بھی سب لڑکی کی ملکیت ہے۔ اور اگر زیور بطور عاریت دیا ہے، تو لڑکے کی ملکیت ہے۔

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة، وأنه إذا طلقها تأخذه كله، وإذا ماتت يورث عنها. (الدر المختار مع الرد المحتار، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فيما لو زفت إليه بلا جهاز، زكريا ٥/ ٢٩٩، كراچى ٣/ ٥٨٥)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۴۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۸/۴/۱۴۱۴ھ

جہیز، زیورات اور استعمالی سامان کا مالک کون؟

سوال [۵۲۶۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے داماد کا انتقال ہوگیا ہے، بیٹی کی عدت وفات پوری ہوگئی ہے، میری ایک نواسی ہے جو ایک سال کی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ لڑکی کا جہیز اور زیور اور استعمالی سامان اور روپیہ پیسہ کس کا حق ہے؟ لڑکی کا ہے یا لڑکے کے وارثین کا ہے؟

المستفتی: مہربان الٰہی رفعت پورہ، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: لڑکی کو میکہ والوں کی طرف سے جو کچھ سامان زیور وغیرہ دیا گیا ہے، وہ سب لڑکی کی ملکیت ہے، داماد کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء لڑکی

کی ملکیت کے شرعاً حقدار نہ ہوں گے؛ لہٰذا جہیز اورلڑکی کی ملکیت کے استعمالی سامان سب لڑکی کی ملکیت ہے، اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے، نیز اگر مہر ادا نہ ہوا ہوتو شوہر کے ترکہ سے مہر وصول کرنے کا بھی حق ہے۔

جهز ابنته، ثم مات، فطلب بقية الورثة القسمة، فإن كان الأب اشترى لها في صغرها، أو كبرها وسلم لها في صحته، فهو لها خاصة. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية، كراچی ۳/ ۱۵۷، زكريا ديوبند ٤/ ۳۰۹)

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة. (شامي، كراچی ۳/ ۵۸۵، زكريا ٥/ ۲۹۹) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۰۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۷/۱۴۲۶ھ

شادی کے موقع پر دئے گئے جہیز اور زیورات وغیرہ کس کی ملکیت ہیں؟

سوال [۵۲۶۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید نے جہیز کے طور پر اپنی لڑکی کو جو سامان دیا تھا اس کو واپس لینے کا زید کی لڑکی کو اختیار ہے یا نہیں؟ اگر واپس لینے کا اختیار حاصل ہے، تو عدت کے دوران مطالبہ کرے یا عدت کے اختتام پر، نیز لڑکی لاولد ہے؟

(۲) لڑکے کی والدہ نے زید کی لڑکی کو جو زیورات شادی کے موقع پر چڑھائے تھے وہ زیورات لڑکے کی والدہ نے لڑکے کے انتقال سے ایک سال قبل واپس لے لئے، جب کہ لڑکے نے اپنی شریک حیات سے کہا تھا کہ یہ زیور تمہارے ہیں، جو دل چاہے کرو تمہیں پورا اختیار ہے، زید کی لڑکی ازروئے شرع لڑکے کی والدہ سے اس کا مطالبہ کرسکتی ہے یا نہیں؟

المستفتی: وسیم احمد خان کٹرہ چاند خان، پرانا شہر بریلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) زید نے اپنی لڑکی کو جہیز کے طور پر جو سامان دیا تھا وہ لڑکی کی ملک ہے، لڑکا یا سسرال والوں کا اس میں کوئی حق نہیں، لڑکی جب چاہے اس کو واپس لے سکتی ہے۔ (فتاوی دار العلوم ۷/۴ ۵، عزیز الفتاوی/ ۴۴۵، امداد المفتیین /۵۶۰)

جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها، ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك في صحته بل تختص به، وبه يفتي. (رد المحتار على هامش الدرالمختار، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ۳/ ۱۵۵، زكريا ٤/ ٣٠٦، ٣٠٧)

(۲) لڑکے والوں کی طرف سے دولہن کو جو زیورات دئے گئے ہیں، اس کے بارے میں اگر اس بات کا ثبوت ہے کہ لڑکے نے دولہن کو یہ کہہ کر مالک بنا دیا ہے کہ یہ زیورات تمہارے ہی ہیں، تم کو ہر طرح سے اختیار ہے تو دولہن ان زیورات کی مالک بن گئی؛ لہٰذا وہ اس کا حق ہے؛ اس لئے جب ساس نے وہ زیورات لے لیے ہیں، تو دولہن کو مطالبہ کر کے لینے کا حق ہے، نیز اگر لڑکے کی ملک میں روپیہ پیسہ یا جائیداد وغیرہ رہی ہے تو اس کو چار حصہ کر کے ایک حصہ وراثت میں دولہن کو ملے گا۔ (امداد المفتیین /۵۶۰، مستفاد: عزیز الفتاوی/۴۴)

المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية؛ لأنه الظاهر الغالب –إلى– والمعتمد البناء على العرف كما علمت. (شامي، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية، زكريا ديوبند ٤/ ٣٠٩، كراچی ٣/ ١٥٧)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۴۱۲/۳۶)

شوہر کی طرف سے دئے گئے زیور اور جہیز کا مالک کون؟

سوال [۵۲۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: میری شادی آج سے ۳۰؍سال قبل مرحوم اکرم خان سے مسلم رسم ورواج کے مطابق ہوئی تھی ۱۹۸۵ء میں اور قریب ۱۹۸۸ء میں میرے شوہر اکرم خان کا انتقال ہوگیا، میرے بیوہ ہوجانے کے بعد میری بیوہ والدہ اور میرے بھائی میرے خرچے کا بوجھ برداشت کرتے رہے، بوقت نکاح میرا مہر دس ہزار روپے بتحریر ہوا تھا میرے مرحوم شوہر اکرم خان نے تین عدد سونے کے زیور چڑھائے تھے، جب میں نکاح ہوکر اپنے سسرال رخصت ہوئی اور گھر پہنچی تب میرے شوہر مرحوم اکرم خان نے مجھ سے کہا کہ یہ تینوں زیور سونے کے ہیں، یہ تینوں تمہارے ہیں اور میرے ہی کمائی کے ہیں، اس زیور پر اب آج سے میرا کوئی حق نہیں رہا، آج سے ہی تم اس زیور کی مالک ہو اور تم جس طرح چاہو اس چیز کو اپنے استعمال میں لاسکتی ہو اس پر مجھ کو کوئی بھی اعتراض نہیں ہے اور نہ ہوگا اور جس وقت میں نکاح ہوکر اپنے سسرال پہنچی تو میرے شوہر مرحوم اکرم کے والد نے ۱/۴ حصہ میرے شوہر اکرم کے نام لکھ دیا، میرے شوہر کے اور بھی تین حقیقی بھائی ہیں؛ اس لئے میرے سسر نے میرے شوہر مرحوم اکرم خان کے نام ۱/۴ حصہ لکھ دیا تھا، نکاح کے وقت میری بیوہ ماں اور بھائی نے مجھ کو جو بھی جہیز دیا تھا، وہ سب جہیز میری سسرال میں ہی ہے اور میں اپنی بیوہ والدہ اور بھائی کے پاس ہی ہوں، اور آج بھی یہی میرا خرچ برداشت کرتے ہیں، چنانچہ برائے مہربانی میرے شوہر مرحوم اکرم خان کی ملکیت اور زیور میں جو میرے حقوق مجھ کو پہنچتے ہوں، ان کی نشاندہی فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

المستفتية: بیوہ ناظمہ بیگم بنت مرحوم علی خان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سوال نامہ میں بیان کردہ واقعہ صحیح ہے تو شوہر نے جس زیور کا آپ کو مالک بنایا ہے، اس کی آپ حق دار ہیں اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔ اور آپ کو آپ کے والدین نے جو جہیز وغیرہ دیا ہے وہ سب آپ کی ملکیت ہے، اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر سسر آپ کی فیملی میں رہتا تھا اور ۱/۴ حصہ آپ کے شوہر کے

صرف نام کردیا تھا، تو شوہر اس کا مالک نہیں ہوا۔ اور اگر آپ نے اپنا مہر معاف نہیں کیا تھا، تو شوہر کے اوپر آپ کے دین مہر کا حق باقی ہے، اگر آپ معاف نہیں کریں گی اور شوہر کے ورثاء اس کو ادا نہ کریں تو قیامت کے دن شوہر سے وصول کرسکتی ہیں۔

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة. (الدر مع الرد، الطلاق، باب النفقة، مطلب فيما لو زفت إليه بلا جهاز، زكريا ٥/ ٢٩٩، كراچی ٣/ ٥٨٥)

تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة –إلى– ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله. (سراجي ياسر نديم ، ص: ٣-٤)

ما ثبت يكون باقيا ما لم يوجد الدليل المزيل. الخ (قواعد الفقه كراچی، ص: ١١٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍شعبان ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۹۱)

لڑکی کو میکے کی طرف سے ملنے والے سامان کا مالک کون؟

سوال [۵۲۶۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عبد القیوم اور عبد الغفور نے اپنی ہمشیرہ کی شادی شرکت میں کی طلاق ہونے پر سامان کچھ واپس آ گیا، کچھ عبد القیوم نے رکھ لیا سامان عبد الغفور نے بھی دیا تھا، عبد القیوم سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: عبد الغفور نجو پورہ، ٹانڈہ بادلی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: لڑکی کو میکے والوں کی طرف سے جو سامان بطور جہیز دیا جاتا ہے، وہ بر بناء عرف لڑکی کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے؛ اس لئے شرعاً بھی اس

سامان کی مالک وحقدار لڑکی ہی ہوتی ہے، لہٰذا واپس شدہ جہیز کا حقدار نہ عبدالقیوم ہے اور نہ ہی عبدالغفور؛ بلکہ سب لڑکی ہی کو ملے گا، اس میں لڑکی کی اجازت کے بغیر بھائیوں میں سے کسی کو تصرف کا حق حاصل نہ ہوگا۔

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (قواعد الفقه، كراچی ٧٤، عقود رسم المفتي قديم ٩٥)

المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية. -إلى قوله- فيما إذا كان النزاع من الأب أما لو مات فادعت ورثته فلا خلاف في كون الجهاز للبنت. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية، كراچی ٣/ ١٥٧، زكريا ٤/ ٣٠٩، البحرالرائق، كوئٹه ٣/ ١٨٧، زكريا ٣/ ٣٢٥، مجمع الأنهر مصري قديم ٢/ ٢٦٩، دارالكتب العلمية بيروت ٣/ ٣٦٨، الأشباه و النظائر، القاعدة السادسة، قديم ص: ١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۱۸)

شادی کے موقع پر دولہن کو ملنے والے زیورات سامان وغیرہ کا مالک کون؟

سوال [۵۲۷۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شادی کے موقع پر جو زیورات سامان، پرچہ جات اور دیگر قیمتی سامان لڑکی والوں کی طرف سے دولہن کو دئے جاتے ہیں، اس کا مالک کون ہوتا ہے جو زیورات لڑکی کو لڑکے والوں کی طرف سے دئے جاتے ہیں، ان کا مالک کون ہوتا ہے؟

سورۂ ''بقرہ'' آیت: ۲۲۹/ سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی کو ملے گا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) جو زیور، سامان جہیز وغیرہ لڑکی والوں کی

طرف سے دیا جاتا ہے،لڑکی ہی اس کی مالک ہوتی ہے۔

لو جهز الأب بنته جهازا ودفعه لها -إلى قوله- والفتوى أنه إن كان العرف مستمرا أن الأب يدفع ذلك الجهاز ملكا لا عارية. الخ (الأشباه والنظائر، القاعدة السادسة قديم: ١٥٧، شامي، كراچی ٣/ ١٥٧، زكريا ٤/ ٣٠٩، البحر الرائق، كوئٹه ٣/ ١٨٧، زكريا ٣/ ٣٢٥)

اور جو زیور، سامان وغیرہ لڑکے والوں کی طرف سے دیا جاتا ہے،عرف میں لڑکی اس کی مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ لڑکا ہی اس کا مالک رہتا ہے۔

المعروف بالعرف كالمشروط شرعا. الخ (قواعد الفقه كراچی ١٢٥)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. الخ (عقود رسم المفتي قديم ٩٤)

المعروف عرفا كالمشروط شرعا. (الأشباه والنظائر، قديم: ١٥٦)

اور ''سورۂ بقرۂ'' آیت:٢٢٩ رمیں جورب علیم وحکیم،غفور وقہار نے فرمایا ہے،اس سے مراد مہر ہے۔امام المفسرین علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر جلالین میں صراحت فرمائی ہے۔

قوله تعالى: ولا يحل لكم أيها الأزواج، ان تأخذوا فما آتيموهن من المهور شيئا إذا طلقتموهن. الخ (جلالين شريف ١/ ٣٥، تفسير معارف القرآن ١/ ٢٠٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ:شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٤/ جمادی الاولیٰ ١٤٠٨ھ
(الف فتویٰ نمبر:٢٤/ ٦٨٥)

زیور اور جہیز کے سامان پر ملکیت کس کی ہے؟

سوال [٥٢٧١]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ہمشیرہ مسماۃ عصمت جہاں کا عقد مسنون تقریباً پونے چار سال قبل شکیل احمد کے ساتھ ہوا تھا، نکاح کے بعد زوجین ہنسی خوشی اپنے گھر ساتھ ساتھ رہے، تعلقات

ازدواج بھی خوشگوار ہے، اس دوران شوہر گھر سے غائب رہنے لگا جس کے سبب ذریعہ آمدنی بند ہوگیا، کھانے پینے کے اخراجات تنگ ہو گئے، لہٰذا لڑکی اپنے میکے آگئی؛ لیکن اس دوران لڑکی اپنی سسرال بھی گئی، تاکہ اپنی ازدواجی زندگی کو پھر سے شروع کر سکے، مگر اس کا شوہر وہاں مل نہ سکا، مجبوراً پھر اپنے بھائی کے گھر واپس آگئی، سسرال سے اس کو کوئی بلانے یا لینے نہیں آیا، نہ ہی اس کے شوہر اس کو بلانے آئے اور نہ لینے آئے، لڑکی میکے آتے وقت اپنا زیور جو اس کو شادی میں ملا تھا (دونوں طرف کا) اور ضرورت کے کپڑے اپنے ساتھ لے آئی، بقیہ تمام جہیز اپنی سسرال میں چھوڑ آئی جو آج تک وہی ہے، ڈھائی سال اپنے بھائی کے پاس رہنے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، اس دوران اس کے تمام اخراجات کفن دفن کا خرچ بھی اس کے بھائی نے کیا لڑکی نے مرتے وقت مہر بھی معاف نہیں کیا، اس کے شوہر کا کچھ پتہ نہیں ہے، مرحومہ کی کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔

(۱) مرحومہ کا جو زیور ہے، اس کا شرعی وارث کون ہے، مرحومہ کا صرف ایک بھائی اور اس کے شوہر کے بھائی وغیرہ ہیں۔

(۲) جو زیور اس کو سسرال سے ملا تھا اس کا شرعی وارث کون ہے؟ مہر کی ادائیگی کی شرعی صورت کیا ہے؟

(۳) لڑکی کے جہیز کے سامان کا وارث کون ہے؟

(۴) مرحومہ کا زیور جو اس کے میکے سے ملا تھا، کیا اس میں بھی اس کے شوہر کے ورثاء کا حصہ ہے؟ اگر ہے تو کتنا؟ برائے کرم جواب عطا فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جتنے دنوں تک بھائی نے خرچہ برداشت کیا وہ اگر بطور قرض کے نہیں تھا، تو تبرع ہے، نیز شوہر پر زمانہ ماضی کا نان نفقہ واجب نہیں رہتا ہے، اسی طرح دونوں میں سے ایک کی موت سے بھی ماضی کا خرچ ساقط ہو جاتا ہے؛ لہٰذا شوہر کے مال میں سے اب وصول نہیں کیا جا سکتا۔

وإذا مضت مدة لم ينفق الزوج عليها، وطالبته بذلک، فلا شيء لها. (قوله) وكذا إذا ماتت الزوجة؛ لأن النفقة صلة والصلات تسقط بالموت. الخ (هداية، كتاب الطلاق، باب النفقة، أشرفی دیوبند ۲/ ٤٤٠، الجوهرة النيرة، دارالکتاب دیوبند ۲/ ۱٦۱، إمدادیه ملتان ۲/ ٦٨ ۱)

(۱) جب مرحومہ کے شوہر کے انتقال کا یقین نہیں ہے تو زیور کے شرعی وارث شوہر اور بھائی ہیں، نصف شوہر کو نصف بھائی کو ملے گا، نیز شوہر کا حصہ معتمد علیہ شخص کے پاس محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

والمفقود موقوف الحكم في حق غيره حتى يوقف نصيبه من مال مورثه كما فی الحمل، وفي هامشه: يوقف نصيبه إلى أن يبن حاله. (شريفيه ۱۳۸)

(۲) جو زیور سسرال سے ملا تھا، اس کا مدار رواج پر ہے، اگر شوہر نے صراحت سے اس کو مالک نہیں بنایا تھا، تو یہاں کے رواج کے مطابق عاریتی زیور کہلائے گا، جس کا مالک شوہر ہی ہے، مہر کی ادائیگی شوہر کے وارثین اور رشتہ داروں پر واجب نہیں ہے؛ بلکہ اس کے مال میں سے وصول کیا جائے گا۔

والمختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا لا عارية؛ لأنه الظاهر الغالب إلا في بلدة جرت العادة بدفع الكل -إلى- والمعتمد البناء على العرف كما علمت. (شامي، زكريا ٤/ ۳۰۹، كراچی ۳/ ۱۵۷)

تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة -إلى- ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله. (سراجي، مكتبه ياسر نديم ۳، ٤)

(۳) جہیز کا سامان اس کے وارثین یعنی نصف شوہر کو اور نصف بھائی کو ملے گا۔

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملک المرأة إذا طلقها تأخذ كله، وإذا ماتت يورث عنها. (شامي، كراچی ۳/ ۵۸۵، زكريا ۵/ ۲۹۹)

(۴) میکے سے جو زیور ملتا ہے لڑکی اس کی مالک ہو جاتی ہے، اس لئے اس میں بھی نصف شوہر کو اور نصف بھائی کو ملے گا۔

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة. (الدرمع الرد، زكريا ٥/ ٢٩٩، كراچی ٣/ ٥٨٥) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۳۵۶)

مہر، جہیز اور زیورات کا حکم

سوال [۵۲۷۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) مرحوم آزاد راجہ صاحب نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی کا مہر ادا نہیں کیا تھا، تو کیا اب ترکہ سے ان کی اہلیہ کا مہر ادا کیا جائے گا؟

(۲) مرحوم کے والدین اب مرحوم کی بیوی کو اس کے جہیز کی چیزیں سونا، کپڑے اور دیگر گھریلو سامان جو لڑکی والوں نے دیا ہے، واپس دینا نہیں چاہتے ہیں، تو کیا حکم ہے؟

(۳) مرحوم کے والدین اب مرحوم کی بیوی کی وہ چیزیں جیسے سونا، کپڑے اور دیگر سامان جو انہوں نے بہو کو دی تھیں، اس پر جائز حق مرحوم کی بیوی کا ہے یا اس کے والدین کا؟ ان کا تعلق عباسی برادری کے عرف ورواج سے ہے؟

المستفتی: فراست حسین مکھن والے، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: (۱) مسئلہ مذکورہ میں شوہر نے اپنی بیوی کو اپنی زندگی میں مہر ادا نہیں کیا تھا تو شوہر کے انتقال کے بعد شوہر کے ترکہ میں سے سب سے پہلے بیوی کا مہر ادا کرنا لازم ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۷/ ۳۳، جدید زکریا ۵/ ۱۳۱، فتاوی دار العلوم ۸/ ۳۳۷)

فلأن المسمى دين في ذمته، وقد تأكد بالموت، فيقضى من تركته.

(هدايه، كتاب النكاح، باب المهر، أشرفي بك ڈپو ٢/ ٣٣٧)

(۲) لڑکی کو جوزیور، جہیز اور سامان اپنے باپ کے گھر سے ملا تھا وہ لڑکی کا ہے، مرحوم کے گھر والوں کو ان چیزوں کے روکنے اور نہ دینے کا کوئی حق نہیں ہے، لڑکی کو واپس کرنا ضروری ہے۔ (کفایت المفتی، قدیم ۵/۱۰۸، زکریا ۵/۱۰۹، فتاوی دارالعلوم ۸/ ۳۵۸)

جهز ابنته ثم مات، فطلب بقية الورثة القسمة، فإن كان الأب اشترى لها في صغرها، أو في كبرها، وسلم لها في صحته فهو لها خاصة. (شامي، زكريا ٤/ ٣٠٩، كراچی ٣/ ١٥٧)

(۳) جوزیور اور سامان بیوی کو شوہر کی طرف سے دیا جاتا ہے اس زیور اور سامان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کا مدار عرف اور رواج پر ہے، اگر آپ کی برادری کا عرف ورواج یہ ہے کہ ان چیزوں کا مالک شوہر رہتا ہے تو یہ چیزیں شوہر کی رہیں گی۔ اور ترکہ میں شامل ہوکر سب ورثاء کے درمیان تقسیم ہوں گی۔ اور اگر عرف یہ ہے کہ ان چیزوں کا مالک بیوی کو بنا دیا جاتا ہے، تو تنہا بیوی مالک ہوگی اور مرحوم کے والدین کو بیوی کو ادا کرنا ضروری ہے، اب سائل اپنی برادری کے عرف کو خود دیکھ لے۔ (کفایت المفتی قدیم ۵/۱۲۳، ۵/ ۱۳۴، جدید زکریا ۵/۱۲۳، ۵/۱۳۲)

والمعتمد البناء على العرف كما علمت. (شامي، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية، زكريا ديوبند ٤/ ٣٠٩، كراچی ٣/ ١٥٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲؍ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۱۴)

نکاح کے وقت دئے گئے زیورات وغیرہ کا حکم

سوال [۵۲۷۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بیٹی شہرین کی شادی محمد ندیم سے تقریباً ۵؍ سال قبل ہوئی تھی، ایک بیٹا

ہے، جس کی عمر تین سال ہے، ندیم نے ۱۵ر دن پہلے دوسرا نکاح کرلیا ہے، اور پہلی بیوی شہرین کوطلاق دینا چاہتا ہے، ان حالات میں جو کپڑے زیور شہرین کو دئے گئے تھے، ندیم کی طرف سے یہ زیور کپڑے شہرین کو ملیں گے یا نہیں؟

المستفتی: محمد وسیم اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: محمد ندیم نے جو زیورات اور کپڑے بوقت نکاح بیوی کو دئے تھے، اور ان کے بارے میں اگر بیوی کی ملکیت یا عدم ملکیت کی صراحت نہیں کی تھی، تو برادری یا علاقہ کے عرف وعادت پر حکم شرعی مرتب ہوگا؛ لہٰذا اگر علاقہ یا برادری میں دولہن کو مالک بنانے کا عرف ہے تو عرف عملی کی وجہ سے دولہن مالک ہوجائے گی، شوہر محمد ندیم کو اب واپس لینے کا حق نہیں ہے۔ اور اگر برادری یا علاقہ کا عرف واپس کرنے کا ہے تو دولہن شہرین اس کی مالک نہیں ہوگی، اب آپ عرف کو دیکھتے ہوئے خود انصاف سے فیصلہ کرلیں۔ (مستفاد: انوار رحمت، ص: ۳۲۸)

اسی طرح تین سال کا جولڑکا ہے وہ جب تک اپنے کام یعنی کھانا پینا اور استنجاء وغیرہ کرنا خود انجام دینے کی صلاحیت نہ رکھے، اس وقت تک ماں اس کی پرورش کرے گی اور بچہ پر چونکہ شرعاً شوہر کا حق ہے؛ اس لئے بچہ شوہر کو ملے گا۔

وإذا بعث الزوج إلی أهل زوجته أشياء عند زفافها منها ديباج، فلما زفت إليه أراد أن يسترد من المرأة الديباج ليس له إذا بعث إليها علی جهة التمليک. الخ (هندية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت، زكريا ١/ ٣٢٧، جديد زكريا ١/ ٣٩٣)

وكذا ما يعطيها من ذلک أو من دراهم، أو دنانير صبيحة ليلة العرس وسمی في العرف صبحة، فإن كل ذلک تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر، ولا سيما المسمی صبحة، فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا

ونحوها صبيحة العرس أيضا. (شامي، زكريا ٤/ ٣٠٣، كراچی ٣/ ١٥٣)

المعتمد البناء على العرف. (شامي، زكريا ٤/ ٣٠٩، كراچی ٣/ ١٥٧)

والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغني وقدر بسبع سنين، وقال القدوري: حتى يأكل وحده ويشرب وحده، ويستنجي وحده. (هندية، زكريا ١/ ٥٤٢، جديد زكريا ١/ ٥٩٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۳۲/۶/۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۴۴۳/۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۲/۶/۲۴ھ

دولہن پر چڑھائے جانے والے زیور کا حکم

سوال [۵۲۷۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نور احمد مرحوم کی شادی کے وقت شادی کا کل خرچ نور احمد مرحوم ہی کی طرف سے ہوا، یہاں تک کہ زیور، کپڑے، لکڑی کا سامان وغیرہ نور احمد مرحوم نے اپنی بہن گلشن جہاں سے مبلغ تین ہزار روپیہ اور اپنی بھاوج نایاب جہاں بیگم جو شکیل احمد کی بیوی ہے، اس سے مبلغ چھ ہزار روپیہ لے کر بنوایا تھا، اور شادی پر زیور بیوی کو چڑھایا تھا، مالک نہیں بنایا تھا اور نہ مالک بنانے کا کبھی شوہر نے اظہار کیا، اب نور احمد کی بہن گلشن جہاں کے مبلغ تین ہزار روپیہ اور نور احمد کی بھاوج کے چھ ہزار روپیہ کس صورت میں ادا ہوں اور زیور وغیرہ کا کون حقدار ہوتا ہے؟ نور احمد کی ایک بچی ثنا جمال ایک سال کی ہے، جواب مطلوب ہے۔

المستفتی: شکیل احمد چوراہا اصالت پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر شوہر کی طرف سے وہ زیور تملیکاً دیا گیا تھا تو

وہ عورت کا ہے اور اگر عاریۃ دیا گیا تھا تو وہ بیوی کا نہیں ہے؛ بلکہ شوہر کا ہے۔ اور اگر دیتے وقت کوئی صراحت نہیں کی گئی تھی، تملیک یا عاریت کی، تو رواج اور عرف کا اعتبار رہوگا، اگر مراد آباد کا عرف تملیکا دینے کا ہے تو وہ عورت کا رہے گا، نور احمد مرحوم کی ملکیت میں جو کچھ روپیہ یا زیور یا دوسرے سامان ہیں ان سے اولا قرض ادا کرنا واجب ہے، بھائیوں پر قرض ادا کرنا واجب نہیں ہے۔ اور اگر بعد ادائے قرض کچھ ترکہ بچ جائے اور مرحوم نے کوئی وصیت بھی نہیں کی، تو بچا ہوا مال شرعی طریقہ سے تقسیم ہوگا۔

اور اگر ترکہ کم ہے اور قرض زیادہ ہے تو ہر قرض دار کا نام اور رقم کی تفصیل تحریر کریں اسی کے مطابق سہام بنادئے جائیں گے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ رمضان ۱۴۰۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۲۲۴)

سسر کی طرف سے بہو کو دئے گئے زیورات کا مالک کون؟

سوال [۵۲۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کے چار بیٹے ہیں، چاروں لڑکوں کی شادی بھی کردی ہے اور ہر ایک کی زوجہ کو زیورات بھی دئے ہیں، اور خرچ سب کا ایک ہی جگہ تھا، زید کے ایک لڑکے کی بیوی اپنے ماں باپ کے یہاں گئی ہوئی تھی، وہاں زیور کھو گیا، واضح ہو جس وقت زیور گم ہوا ہے، زید کے چار لڑکے ایک ہی جگہ تھے، اب چاروں الگ الگ ہوگئے ہیں، زید چاہتا ہے کہ اپنی حیات ہی میں زیورات کا حصہ سب کو برابر کردے، تو اب دریافت یہ ہے کہ جو زیورات تین کے پاس ہیں وہ زیورات صرف تین ہی جگہ تقسیم ہونگے یا چار جگہ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبد الحمید بڑھیو والا اودھم سنگ نگر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر باپ نے ہرلڑکے کی بیوی کو جو زیور دیا تھا، وہ اس کی ملکیت میں دے دیا تھا تو ہرلڑکے کی بیوی دیئے گئے زیور کی مالک بن چکی ہے، اس میں باپ کو ترمیم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور جس دولہن کا زیور اس کے ہاتھ سے کھو گیا ہے، اس کا نقصان صرف اسی پر ہوگا، دوسروں پر نہ ہوگا؛ لیکن اگر باپ نے ملکیت میں نہیں دیا تھا؛ بلکہ صرف عاریت میں پہننے کے لئے دے رکھا تھا اور واپس لینے کا ارادہ بھی رہا ہے، تو باپ کو اختیار ہے کہ دوسری دو بہنوں کے یہاں سے تمام زیورات منگا کر اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کردے۔

رجل اتخذ لولده، أو لتلميذه ثيابا، ثم أراد أن يدفع إلى ولده الآخر، أو تلميذه الآخر ليس له ذلك إلا إذا بين وقت الاتخاذ أنها عارية، كذا في السراجية. (الهندية، الباب السادس في الهبة للصغير، زكريا ٤/ ٣٩٢، جديد ٤/ ٤١٧)

اتخذ لولده ثيابا ليس له أن يدفعها إلى غيره إلا إذا بين وقت الاتخاذ أنها عارية. (شامي، كراچى ٥/ ٦٨٩، زكريا ٨/ ٤٩١، بزازية على هامش الهندية، زكريا ٦/ ٢٣٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۰۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۴/۳/ ۱۴۱۸ھ

شادی میں چڑھائے ہوئے زیور کا مالک کون؟

سوال [۵۲۷۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی شخص بوقت نکاح اپنی ہونے والی شریک حیات کو زیور اور کپڑے چڑھاتا ہے اور پھر کچھ وقت بعد دونوں غلط فہمیوں کی وجہ سے کچھ وقت کے لئے علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں، تقریباً ایک ماہ گذر جانے کے بعد ایک اللہ کا بندہ اپنی ذمہ داری پر (کہ

اب دونوں میں کوئی بات نہیں ہوگی) اللہ کی رضا کے لئے اور دونوں کا گھر بنائے رکھنے کے لئے اس لڑکی کو اس کے شوہر کے گھر پہنچا دیتا ہے، اس پر اس کا شوہر اپنی بیوی کو کسی تقریب میں جانے کے لئے زیور نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ یہ میرے ہی پاس رہے گا، وہ یعنی اس کی بیوی بغیر زیور پہنے تقریب میں چلی جاتی ہے، براہ کرم یہ بتانے کی زحمت گوارہ کریں، اس زیور پر دونوں میں سے کس کا حق ہے؟

المستفتی: عارف

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایسا زیور مراد ہے جس کو شوہر نے صرف پہنانے کے لئے بنوادیا تھا، بیوی کو باقاعدہ مالک نہیں بنایا تھا، تو شوہر کو اختیار رہے کہ وہ دے یا نہ دے اور نہ دینے پر بیوی یا اس کے متعلقین کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے؛ البتہ وہ زیور جس کو بیوی میکے سے لائی تھی اس میں شوہر کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک. الخ (بيضاوي شريف ١/ ٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٧/ ذیقعدہ ١٤١٧ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ۵٠٣٤)

کیا تھان اور زیورات مہر کا حصہ ہیں؟

سوال [۵٢٧٧]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کیا تھان، زیورات وغیرہ مہر یعنی مہر معجّل یا مؤجل کا حصہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر میاں بیوی میں طلاق ہو تو تھان، زیورات پر کس کا حق ہوتا ہے؟

المستفتی: غلام رسول، سری نگر، کشمیر

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کی طرف سے جو کپڑے اور زیورات دئے جاتے ہیں اور اس میں بیوی کو مالک بنانے کی کوئی صراحت نہیں ہے، تو ایسی صورت میں برادری اور خاندان کے عرف کے مطابق شریعت کا مسئلہ ہوتا ہے، اگر برادری اور خاندان میں دولہن کو مالک بنانے کا دستور ہے، تو وہ سب چیزیں دولہن کی ملکیت ہوں گی۔ اور اگر دولہن کو مالک بنانے کا دستور نہیں ہے؛ بلکہ طلاق وغیرہ کے موقع پر واپس لینے کا دستور ہے، تو شرعی طور پر دولہن ان چیزوں کی مالک نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کو استعمال کی اجازت ہوتی ہے؛ لہٰذا شوہر کی طرف سے دئے گئے زیورات وغیرہ میں اپنے یہاں کے عرف کو دیکھ لیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، میرٹھ ۱/۳۶۱)

الثابت بالعرف كالثابت بالنص. (قواعد الفقه، أشرفي، ص: ٧٤)

لأنه هو المتعارف، فينصرف المطلق إليه. (شامي، زكريا ٤/ ٣٠٨، كراچی ٣/ ١٥٦)

المعتمد البناء على العرف. (شامي زكريا ٤/ ٣٠٩، كراچی ٣/ ١٥٧) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۵۳۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۳؍ ذیقعدہ ۱۴۳۲ھ

شادی میں عورت کو چڑھائے گئے کپڑوں اور زیورات کا مالک کون؟

سوال [۵۲۷۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: افضال نے رشیدہ کو تین طلاق دے دی ہیں، اب رشیدہ کے اوپر جو زیورات اور کپڑے چڑھائے گئے تھے وہ رشیدہ کو ملیں گے یا افضال لینے کا حقدار ہے؟

المستفتی: ماجد علی کسرول، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بوقت شادی رشیدہ کو جو کپڑے سسرال کی طرف سے دئے گئے ہیں وہ بہر حال رشیدہ کا حق ہے، افضال ان کو واپس نہیں لے سکتا۔ اور زیور کے بارے میں برادری کا عرف دیکھا جائے گا، شادی کے موقع پر عورت کو زیور کا مالک بنا دینے کا عرف ہو تو وہ زیور رشیدہ کا ہے۔ اور اگر عرف عورت کو مالک بنا دینے کا نہیں؛ بلکہ عاریت کے طور پر دینے کا ہے، تو وہ زیور افضال کا ہے، افضال اس کو واپس لے سکتا ہے، اب سائل اپنا عرف خود دیکھ لے۔ (احسن الفتاوی ۷/ ۲۰۸، کفایت المفتی قدیم ۵/ ۱۰۸، جدید زکریا ۵/ ۴۰۹، فتاوی دار العلوم ۸/ ۳۳۷، عزیز الفتاوی، ص: ۴۴۵)

ولها إذا كان العرف مستمرا أن الأب يدفع مثله جهازا لا عارية.

(شامي، زكريا ديو بند ٤/ ٣٠٨، كراچی ٣/ ١٥٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲ر شعبان ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۸۷۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۹/۸/۲ھ

شوہر کی طرف سے دئے گئے زیورات کا حکم

سوال [۵۲۷۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ہمشیرہ کی شادی ۱۴/ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو ہوئی تھی؛ لیکن اس درمیان اس کے شوہر کے دماغی اور جسمانی خلل کے باعث رشتہ ازدواج میں منسلک رہنا مشکل ہو رہا ہے، اس کے شوہر طلاق دینے پر تو راضی ہیں اور وقت نکاح جو مہر مبلغ: -/21,000 ہزار روپے طے ہوا تھا وہ دینا چاہتے ہیں، مگر اپنا زیور و کپڑا دینا نہیں چاہتے؛ البتہ ہمارا دیا ہوا جہیز واپس کرنے پر راضی ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کیا لڑکی شوہر کے دئے ہوئے زیور و کپڑے حاصل کرنے کی مجاز ہے؟ واضح ہو کہ لڑکی حنفی المسلک اور اس کا شوہر اہل حدیث سے وابستہ ہے؟

المستفتی: فیض الرحمٰن، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زیورات دیتے وقت مالک نہیں بنایا تھا، یا آپ کے قبیلہ میں مالک نہیں بنایا جاتا ہے، تو اس کی بات حق بجانب ہے۔ اور اگر اس نے زیورات کا مالک بنا دیا ہے، یا آپ کی برادری میں مالک بنا دینے کا رواج ہے اور اب وہ زیورات نہ دینے کی شرط پر طلاق دینا چاہتا ہے، تب بھی اس کا مطالبہ شرعی طور پر خلع اور طلاق علی المال کے دائرہ میں ہو کر صحیح اور درست ہے۔

وإن تشاقا الزوجان، وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، وقوله: إن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق، ولزمها المال. الخ (هداية، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفي بك ڈپو ديو بند ۲/ ۴۰۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۳۸۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۳/۲۶ھ

زیورات کا حکم

سوال [۵۲۸۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ایک لڑکی ناظمہ بی وتین لڑکے، فرقان، بابو اور نوشاد موجود ہیں۔ اور ایک لڑکے عرفان کا انتقال ہوگیا جس نے اپنی بیوی اور تین لڑکیاں چھوڑی ہیں، جن میں وریشہ ۶؍ سال، عائشہ ڈھائی سال، مہناز سوا سال کی ہیں، مرحوم عرفان کوئی زمین جائیداد کا مالک نہیں تھا، اس نے اپنی بیوی کے زیور میں ایک پینڈل اور دو انگوٹھی ایک جوڑا کانوں کے کنڈل (سبھی سونے کے) ایک گلے کا ہار، ایک سیٹ، ایک جھومر، ایک جوڑا پیروں کے توڑے، دو چوڑیاں سبھی چاندی کے، دو زنانی گھڑیاں چھوڑی ہیں، بیوی عدت گذارنے کے بعد چھوٹی

لڑکی مہناز کو ساتھ لے کر اپنی ماں کے یہاں چلی گئی ہے، سارا زیور بھی بیوی کے پاس ہی ہے، اور وہ جہیز کا مطالبہ کر رہی ہے اور تینوں لڑکیوں کو لینے سے انکار کر رہی ہے۔

المستفتی: سلطان جہاں زوجہ بنیاد حسین مرحوم، محلّہ کٹگھر پورہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دولہن کے جہیز کا سامان اور زیورات جو میکے سے ملے ہیں وہ بھی عورت کے ہیں اور وہ زیورات جو سسرال کی طرف سے ملے ہیں اگر برادری کے عرف میں دولہن کو جو زیورات دیئے جاتے ہیں وہ بطور ملکیت دیئے جاتے ہیں تو دولہن مالک ہوئی۔ اور اگر بطور ملکیت نہیں دئے جاتے ہیں؛ بلکہ بطور عاریت دئے جاتے ہیں، تو ان میں شوہر کی ملکیت سمجھی جائے گی۔

فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة، وأنه إذا طلقها تأخذه كله، وإذا ماتت يورث عنها. (شامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب فيما زفت إليه بلا جهاز، كراچی ۳/ ۵۸۵، زكريا ۵/ ۲۹۹)

(۲) ان بچیوں کے خرچ واخراجات کے ذمہ داران کے دادا ہوں گے اور دادا کے بعد بچیوں کے چچا تایا ہوں گے، ہاں بچیوں کی ماں کو یہ حق ہے کہ لڑکیوں کو اپنے پاس رکھے اور خرچ چچا تایا سے وصول کرے، اگر وہ اپنی پرورش میں نہ رکھنا چاہے تو دادا پر ضروری ہے کہ ان کی پرورش کا نظم کریں۔

والجد بمنزلة الأب في ما ذكر أي من أحكام البكر والثيب والغلام والتأديب. (شامي، زكريا ۵/ ۲۷۱، كراچی ۳/ ۵۶۹، الموسوعة ۸/ ۲۰۵)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷؍محرم الحرام ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۹۶۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۷/۱/۱۲ھ

زیورات کا مالک کون ہے؟

سوال [۵۲۸۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی مجھ سے شادی ہوئی تھی، آپسی نا اتفاقی کی وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ گئی اور دونوں کی رضامندی سے طلاق ہوگئی، مہر اور عدت کا خرچ ادا کردیا گیا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شوہر کے گھر والوں نے بوقت شادی جو زیور چڑھایا ہے وہ شوہر کا ہوگا یا بیوی کا جب کہ ہمارے گھر خاندان کا رواج ہے کہ جو زیور شادی کے وقت چڑھایا جاتا ہے، اس میں شوہر کو تصرف کرنے فروخت کرکے کاروبار میں لگانے یا دیگر کسی چیز میں استعمال کرنے کا اختیار رہتا ہے؟

المستفتی: ممتاز علی، بلاسپور گیٹ، رام پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ سے واضح ہوتا ہے کہ سائل کے خاندان کا عرف اور دستور یہ ہے کہ جو زیور چڑھایا جاتا ہے وہ بطور ملکیت نہیں ہے؛ بلکہ بطور عاریت کے ہے، اسی وجہ سے شوہر کو یہ حق ہو جاتا ہے کہ اس کو لے کر کے اپنے کاروبار اور ضروریات میں خرچ کرلے اس پر کسی کو اشکال بھی نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے چڑھایا ہوا زیور عورت کی ملک نہیں ہے؛ بلکہ شوہر کی ملک ہے؛ اس لئے بیوی کو اس زیور کے مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: امداد المفتیین، ص: ۵۶۰-۵۶۱، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۲/ ۱۱۶، فتاوی عثمانی کراچی ۳/ ۱۵۷، دینی مسائل اوران کا حل، ص: ۲۲۳)

والمعتمد البناء علی العرف. (شامي کراچی ۳/ ۱۵۷، زکریا ٤/ ۳۰۹)

والعرف في الشرع له اعتبار لذا علیه الحکم قد یدار. (شامي، باب المهر، مطلب فی السفر بالزوجة، زکریا ٤/ ۲۹۵، کراچی ۳/ ۱٤۷) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹؍محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۷۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۹؍۱؍۱۴۳۵ھ

سوال [۵۲۸۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ساس نے میری شادی کے وقت سولہ تولہ کا ہار مجھے بہو کے رشتہ سے دیا تھا،اور میری برادری کا دستور یہ ہے کہ جو زیور ساس بہو کو دیتی ہے،تو وہ بہوہی کا ہو جاتا ہے، میرے زیورات بطور امانت خسر کے پاس رہتے تھے، بوقت ضرورت میں ان سے لے لیتی تھی، میرے شوہر کی شہادت کے بعد تمام زیورات چھ ماہ بعد واپس کئے گئے جس میں ہار نہیں تھا، مطالبہ کے وقت خسر نے ہار دینے سے انکار کردیا اور کہا کہ یہ ہمارا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ ہار کس کی ملکیت ہے؟

المستفتیۃ: نرگس جہاں، آگرہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سسرال سے ملے ہوئے زیور میں ملکیت کا مدار عرف پر ہے، اگر بہو کو بطور ملکیت دیا جاتا ہے، تو وہ بہو کا ہوگا۔ اور اگر بطور عاریت دیا جاتا ہے، تو وہ بہو کی ملکیت میں نہیں آئے گا؛ لہٰذا جب آپ کے یہاں کا دستور یہ ہے کہ ساس کی طرف سے بہو کو جو زیور دیا جاتا ہے وہ اسی کا ہو جاتا ہے، تو اس دستور اور عرف کا لحاظ کرتے ہوئے شرعاً آپ اس ہار کی مالک ہیں، خسر مالک نہیں ہے، اس کا ہار میں ملکیت کا دعویٰ کرنا ناجائز ہے۔ (مستفاد: فتاوی دار العلوم ۸/۳۶۳)

وكذا ما يعطيها من ذلك، أو من دراهم، أو دنانير صبيحة ليلة العرس، ويسمى في العرف صبحة، فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية من المهر. (شامي، زكريا ٤/ ٣٠٣، كراچی ٣/ ١٥٣) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۶۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۵/۵ھ

منہ دکھائی کے زیورات کا مالک کون؟

سوال [۵۲۸۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دوعدد چاندی کی انگوٹھی اور دوعدد کانٹا چاندی کا بیوی کو منہ دکھائی میں ملا تھا، اور ایک عدد ناک کی کچلی سونے کی گھریلو کام کاج جو اجرت پر کیا کرتی ہے مثلاً (تار سے بھرائی میں) اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ یہ سامان بیوی کا ہے یا شوہر کا؟ ان سب باتوں کو شرعی نقطۂ نظر سے تحریر فرمائیں مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد زاہد کوثر یاپار، ضلع اعظم گڑھ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: منہ دکھائی وغیرہ میں جو کچھ چیز دی جاتی ہے، وہ اگر یہاں کے عرف میں عورت کو مالک بنا دینے کا رواج ہے، تو وہ عورت اس کی مالک ہوگئی ہے، شوہر کو واپس نہیں مل سکتی۔

والمعتمد البناء على العرف كما علمت. (شامي، مطلب في دعوى الأب أن الجهاز عارية، زكريا ٤/ ٣٠٩، كراچی ٣/ ١٥٧) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۶۱/۲۳)

جہیز کی واپسی اور لڑکی پر ظلم کرنے کا حکم

سوال [۵۲۸۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) میں فاطمہ بنت علی احمد محلّہ تمرتاس سرائے سنبھل کی شادی محمد ناظر ولد عیدہ محلّہ حاجی پیر بچھرایوں سے ہوئی تھی۔ ۳۰ رمارچ ۱۹۹۶ء کو نکاح ہوا تھا، تقریباً دو ماہ شوہر

کے ساتھ رہی اس کے بعد شوہر سعودیہ چلا گیا، شوہر کے گھر والوں نے میرے ساتھ مار پیٹ کی اور مجھے ایک پڑوسی کے ساتھ میرے ماں باپ کے گھر بھجوا دیا اور پھر ہمارا سامان جہیز بھی بھجوادیا اور شوہر سے طلاق نہیں ہوئی، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ شوہر کے گھر والوں کا بغیر طلاق کے سامان واپس کردینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور ہمارے چچا سے ایک تحریر وکیل کے ذریعہ لکھوائی کہ میں نے مہر وصول پایا، حالانکہ دس ہزار روپئے مہر ہے، کچھ بھی نہیں دیا، چچا نے مہر کی وصولی کے کاغذ پر انگوٹھا لگادیا تھا، تو کیا بغیر لڑکی کے دستخط اور انگوٹھا لگائے ہوئے مہر معاف ہوگیا، یا شرعاً شوہر کو دینا ہوگا۔

(۳) اب تقریباً چار سال سے شوہر نے ہماری کوئی خیر خبر نہیں لی ہے اور نہ ہی کوئی خرچ وغیرہ بھیجا ہے، تو کیا شوہر کا یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۴) اگر شوہر مجھے نہیں رکھنا چاہتا تو کیا چار سال سے مجھے معلق (لٹکائے) رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ میں ان حالات میں کیا کروں، میرے مسئلہ کا شرعی حل کیا ہے؟

(۵) شوہر کے گھر والوں پر کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ نہ تو وہ شوہر کا پتہ بتاتے ہیں اور نہ ہی وہ خود خرچہ یا خیر خبر لیتے ہیں، اگر وہ لوگ شوہر کا پتہ بتائیں تو میں خود ان سے رابطہ کروں، کیا شرعاً انہیں شوہر کا پتہ بتانا ضروری ہے یا نہیں؟ شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتیة: فاطمہ بیگم بنت علی احمد انصاری بلڈنگ محلہ تمر تاش سرائے سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) مسئولہ صورت میں شوہر کے گھر والوں کا بغیر طلاق کے لڑکی کے یہاں سامان جہیز بھجوانا درست ہے؛ اس لئے کہ سامان جہیز کی اصل مالک لڑکی ہوتی ہے، اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی دارالعلوم ۸/ ۳۵۷-۳۶۰)

جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلک لیس له الاسترداد منها، ولا لورثته بعده إن سلمها ذلک في صحته بل تختص به، وبه یفتی. (درمختار مع الشامي، کتاب النکاح، باب المهر، کراچی ۳/ ۱۵۵، زکریا ٤/ ۳۰٦-۳۰۷)

لیکن شوہر کے اہل خانہ کولڑکی کے ساتھ مار پیٹ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، ہاں البتہ اگر شوہر کا ذاتی مکان نہیں ہے، تو ان کو مکان سے نکالنے کا حق ہے اور مار پیٹ کرنا لڑکی کے اوپر بے جا ظلم ہے۔

(۲) اگر آپ کا چچا آپ کا سر پرست ہے اور ذمہ دار ہے اور آپ کی طرف سے آپ کے معاملہ میں وکالت بھی کرتا ہے اور مہر کے وصولی کی تحریر پڑھوا کر سننے کے بعد پھر بخوشی جان بوجھ کر انگوٹھا لگایا ہے، تو مہر کا ذمہ دار آپ کا چچا ہی ہوگا اور مہر وصول کرنے کا معاملہ پھر آپ کے اور چچا کے درمیان ہوگا۔ اور شوہر اور چچا کے درمیان الگ سے معاملہ ہوگا؛ اس لئے کہ اس نے مہر وصول کئے بغیر کاغذ پر انگوٹھا کیوں لگایا ہے؟ اور اس میں کیا راز ہے اس کا ذمہ دار آپ کا چچا ہے۔ اور اگر آپ کا چچا آپ کا سر پرست اور ذمہ دار نہیں ہے اور کسی معاملہ میں آپ کا چچا آپ کی ترجمانی بھی نہیں کرتا ہے، تو ایسی صورت میں چچا کے انگوٹھا لگانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، آپ کو شوہر سے مہر کا مطالبہ کرنے کا حق ہے۔

وأفاد أن المهر وجب بنفس العقد -إلى- وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك. (شامي، کراچی ۳/ ۱۰۲، زكريا ٤/ ۲۳۳)

(۳) شوہر کا یہ فعل قطعاً شریعت کے خلاف ہے، شوہر کے ذمہ بیوی کے نان ونفقہ کی ادائیگی لازم ہے۔

النفقة واجبة للزوجة على زوجها إذا سلمت نفسها. (هداية، أشرفي ديوبند ۲/ ٤۳۷)

(۴) اگر شوہر آپ کو رکھنا نہیں چاہتا، تو آپ کو چار سال سے معلق رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ شوہر پر لازم ہے کہ یا تو طلاق دے یا آپ کے حقوق ادا کرے، اگر ان دونوں میں سے کوئی کام نہیں کرتا ہے، تو آپ کسی قریب کے محکمۂ شرعیہ میں اپنا معاملہ پیش کردیں، وہ واقعہ کی تحقیق کرکے شرعی فیصلہ صادر کردے گا۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۱/ ۵۲۴، فتاویٰ دار العلوم ۱۱/ ۱۱۳، ۱۱/ ۱۲۳)

ویجب (الطلاق) لو فات الإمساک بمعروف. (درمختار مع الشامي، کراچی ٣/ ٢٢٩، زکریا ٤/ ٤٢٩)

(۵) شوہر کے گھر والوں پر اس کی بیوی کا نفقہ واجب نہیں؛ بلکہ نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ہے؛ لیکن جب شوہر گھر سے غائب ہے اور اس کا پتہ گھر والوں کو معلوم ہے، تو ضروری ہے کہ عورت کو اس کا پتہ بتادیں، ورنہ **''ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان''** [مائدۃ:٢] کے تحت آکر گنہگار رہوں گے، اگر گھر والے نہیں بتاتے ہیں، تو بیوی اپنے معاملہ کے لئے عدالت مجاز سے رابطہ قائم کرسکتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
٨ر ربیع الثانی ١٤٢١ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٥/ ٦٥٧١)	٨/ ٤/ ١٤٢١ھ

متوفیہ کے مہر، جہیز میکے میں علاج کا خرچ اور زیورات کا حکم

سوال [۵۲۸۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری ایک ہمشیرہ فرزانہ سرور تھی، جس کا چند ماہ قبل انتقال ہوگیا ہے، موت تو برحق ہے؛ لیکن جن حالات میں اس کا انتقال ہوا، اس کا مجھے بے حد قلق ہے، متوفیہ ہمیشہ اپنے شوہر محمد وسیع کی عدم توجہی اور غفلت شعاری کا شکار رہی ہے، وہ حاملہ تھی اور شدید بیمار تھی؛ لیکن محمد وسیع نے کوئی توجہ نہیں دی اور کبھی اس کے علاج ومعالجہ پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا؛ حالانکہ وہ کاروباری اور صاحب ثروت آدمی ہے، وہ تقریباً ڈیڑھ سال سے مستقل بیمار رہی اور دہلی تک کے علاج کا سارا خرچ میکہ میں ہوا، فرزانہ کے مہر کی رقم دس ہزار تھی، جو معاف نہیں کرائی گئی تھی، نہ ہی معاف کی گئی، اس سلسلہ میں مشورہ درکار ہے کہ یہ رقم متوفیہ کے شوہر کے لئے واجب الاداء ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کی وصولیابی کس طرح ممکن ہے، اس کے علاوہ جہیز کا مسئلہ ہے، کچھ جہیز شادی کے وقت کا ہے، اور کچھ بعد کا، اس میں کچھ زیور متوفیہ

کے سسرال والوں کا ہے، جو نکاح کے وقت دیا گیا تھا، یہ سب جہیز کس کا حصہ ہے؟ (۱) متوفیہ کے شوہر پر علاج و معالجہ کا خرچ ادا کرنا لازم ہے یا نہیں؟

(۲) جہیز زیور مہر میں شوہر کا حق ہے یا نہیں؟ اور ماں باپ کا کیا حق بنتا ہے؟

المستفتی: منظور علی شمسی پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) متوفیہ کے شوہر پر بہرحال پورا مہر ادا کرنا واجب ہے۔

قال في البدائع: وإذا تأكد المهر بما ذكر لايسقط بعد ذلك، وإن كانت الفرقة من قبلها؛ لأن البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء، كالثمن إذا تأكد بقبض المبيع. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، كراچی ٣/ ١٠٢، زكريا ٤/ ٢٣٣، مصري ٢/ ٤٥٤)

(۲) متوفیہ کے شوہر پر علاج و معالجہ کا خرچ قضا اور قرض کے طور پر جو علاج میکے میں ہو چکا ہے اور میکے والوں نے اس پر خرچ کیا ہے، لازم نہیں ہے؛ بلکہ وہ میکے والوں کی طرف سے تبرع ہو چکا ہے؛ البتہ دوران علاج اس سے کچھ لے لیا ہوتا تو بجا تھا۔

كما لا يلزمه مداواتها: أي اتيانه لها بدواء المرض ولا أجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة. هندية عن السراج. (شامي، باب النفقة كراچی ٣/ ٥٧٥، زكريا ٥/ ٢٨٥)

(۴) جہیز، مہر وغیرہ کی مالک تو بلا کسی شرکت کے بیوی ہی ہوتی ہے؛ البتہ شوہر کی طرف سے دئے ہوئے زیورات اس کی برادری کے عرف پر محمول ہیں، اگر برادری میں بیوی کو مالک بنانے کا عرف ہے، تو بیوی اس کی مالک ہے۔ اور اگر برادری میں مالک بنانے کا عرف نہیں ہے؛ بلکہ صرف چڑھایا جاتا ہے اور اسے بعد میں واپس بھی لے لیا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں شوہر کے دئے ہوئے زیورات شوہر کو واپس مل سکتے ہیں۔

وفی الفتاوی الخیریة: سئل فیما یرسله الشخص إلی غیره في الأعراس ونحوها هل یکون حکمه حکم القرض أم لا؟ أجاب إن کان العرف بأنهم یدفعونه علی وجه البدل یلزم الوفاء به مثلیا فبمثله، وإن قیمیا فبقیمته، وإن کان العرف خلاف ذلک بأن کانوا یدفعونه علی وجه الهبة ولا ینظرون فی ذلک إلی إعطاء البدل فحکمه حکم الهبة فی سائر أحکامه فلا رجوع فیه بعد الهلاک أو الاستهلاک، والأصل فیه أن المعروف عرفا کالمشروط شرطا. (شامي، کتاب الهبة، کراچی ۵/ ۶۹۶، زکریا ۸/ ۵۰۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۵۷)

لڑکے کے والد کا چڑھایا ہوا سامان طلاق کے بعد کس کا ہوگا؟

سوال [۵۲۸۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) جو سونا لڑکے کے والد نے شادی میں چڑھایا وہ طلاق کے بعد کس کا ہوگا؟

(۲) لڑکے والوں کی طرف سے مختلف لوگوں نے جو سونا لڑکی کو دیا وہ طلاق کے بعد کس کا ہوگا، لڑکے کا یا لڑکی کا؟

(۳) جو سونا لڑکے نے رخصتی کے بعد اپنی بیوی کو منہ دکھائی میں دیا وہ کس کا ہوگا؟

المستفتی: محمد عثمان کھوکران، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: مرادآباد شمسی برادری میں جو سونا چاندی وغیرہ لڑکے کے والد شادی کے موقع پر دولہن کو دیتے ہیں وہ مالکانہ طور پر دیتے ہیں؛ اس لئے بیوی ہی اس

کی حقدار ہوگی اوراسی طرح لڑکے کی طرف سے مختلف لوگ دولہن کو جوسونا چاندی وغیرہ دیتے ہیں وہ ہر برادری میں دولہن کی ملکیت ہوتی ہے، نیز منہ دکھائی میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ تحفہ ہوتا ہے، وہ بھی ہر برادری میں دولہن کی ملکیت ہوتی ہے؛ اس لئے واپس لیناجائز نہ ہوگا۔

وكذا ما يعطيها من ذلك، أو من دراهم، أو دنانير صبيحة ليلة العرس، ويسمى في العرف صبحة، فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر. الخ (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، کراچی ۳/ ۱۵۳، زکریا دیو بند ٤/ ۳۰۳) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۷۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۳/ ۴/ ۱۴۱۹ھ

طلاق کے بعد زیورات کی واپسی کا حکم

سوال [۵۲۸۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: حسب روایت شادی کے موقع پر میری بچی کوسسرال والوں کی جانب سے زیور چڑھایا گیا، اغلب یہ ہے کہ رشتہ بحال نہیں رہ سکے گا، رشتہ منقطع کرنے کی صورت میں وہ زیور جولڑکے والوں کی جانب سے اس موقع پر دولہن کو دیا گیا ہے وہ کس کی ملکیت مانی جائے گی؟ مالکانہ تصرف کس کو ہوگا؟

نوٹ: ہماری برادری میں یہ عام رواج ہے کہ طلاق کے موقع پرلڑکی کے گھر والوں کی جانب سے دیا گیا سامان واپس کر دیا جاتا ہے، اسی طرح لڑکے کی جانب سے دئے گئے زیورات کو واپس کر دیتے ہیں؛ البتہ اکا دکا واقعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لڑکے والے اپنے دئے گئے زیورات واپس نہیں لیتے۔

المستفتی: چودھری شریعت اللہ اصالت پورہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: جب برادری کا عام دستور ہے کہ طلاق کے وقت میں جانبین سے دیا گیا سامان واپس ہوجاتا ہے اوراس میں لڑکے والے کی طرف سے جو زیوراورسامان دیا گیا وہ بھی واپس ہوجاتا ہے اورلڑکی والوں کی طرف سے جوبھی سامان دیا گیا وہ بھی واپس ہوجاتا ہے، تو ایسی صورت میں طلاق کے بعد لڑکی کولڑکے والے کی طرف سے دیئے گئے زیورات نہیں ملیں گے؛ بلکہ واپس کرنے ہوں گے اورایک آدھ واقعہ جو اس کے خلاف ہوا ہے اس کا اعتبار نہیں۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/ ۱۲۳، جدید زکریا ۵/ ۱۲۳، فتاوی محمودیہ قدیم ۹/ ۳۹۹، جدید ڈابھیل ۱۲/ ۱۲۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۳۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۹/ ۵/ ۱۴۳۵ھ

طلاق کے بعد جہیز کی واپسی اور نفقہ کا حکم

سوال [۵۲۸۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شوال کے مہینے میں زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دی تھی اور ہندہ کی عدت بھی گذر چکی ہے، اب عدت گذرنے کے بعد جب جہیز کا مسئلہ سامنے آیا تو شوہر والوں کی طرف سے لڑکی والے کو بار بار کہا جاتا رہا کہ تم اپنا سامان جہیز لے جاؤ؛ لیکن وہ لوگ سامان جہیز لینے نہ آئے؛ بلکہ الٹا وہ لوگ لڑکے والوں سے سامان پہنچانے کا مطالبہ کررہے ہیں، تو کیا ایسی صورت میں لڑکے والوں کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ سامان جہیز لڑکی والوں کے گھر پہنچائیں، جب کہ پہنچانے کی صورت میں کافی روپیہ خرچ ہوگا؟

(۲) اگر بیوی اپنے میکے میں عدت گذارے تو کیا بیوی کو عدت کا نفقہ دینا ضروری ہوگا؟ نیز اگر شوہر مولوی ہو تو اسے عدت کا نفقہ کتنا دینا پڑے گا؟ برائے کرم نفقۂ عدت کی تعیین روپیہ کی شکل میں کردیں بڑی مہربانی ہوگی۔

المستفتی: محمد عابد متعلم مدرسہ شاہ ولی اللہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) بیوی کے جہیز کا سامان اس کی ملکیت ہے اور اسی کے ذمہ اس کا لے جانا بھی ہے، شوہر اور شوہر کے گھر والے اس کے مکلّف نہیں ہیں کہ وہ جہیز کے سامان کو لڑکی کے میکے پہنچائیں۔

ولو قال رب الوديعة للمودع: احمل إليّ اليوم الوديعة التي عندك، فقال: أفعل ولم يحملها إليه اليوم حتى مضى اليوم وهلكت عنده بعد ذلك لا يضمن. (هندية، كتاب الوديعة، الباب السادس في طلب الوديعة، زكريا ٤/ ٣٥٢، جديد زكريا ٤/ ٣٦٦)

(۲) نافرمان عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں ہے؛ البتہ شوہر کے گھر عدت گذارے یا شوہر جہاں کہے وہاں عدت گذارے، تب عورت نفقہ کی حقدار ہوگی؛ لہٰذا اگر شوہر کی مرضی کے خلاف عورت میکے جا کر عدت گذارتی ہے تو وہ نفقہ کی مستحق نہ ہوگی۔

نفقة العدة كنفقة النكاح. وفي الذخيرة: وتسقط بالنشوز، وتعود بالعود. (شامي، كتاب الطلاق، باب النفقة، مطلب في نفقة المطلقة، کراچی ٣/ ٦٠٩، زكريا ٥/ ٣٣٣)

وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزله. (هداية، اشرفی دیوبند ۲/ ٤٣٨)

اور شوہر کے مولوی ہونے اور غیر مولوی ہونے سے خرچ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور نفقہ کا تعین شوہر کی آمدنی کی حیثیت کے اعتبار سے ہوگا؛ لیکن مسئلہ مذکورہ میں عورت شوہر کی مرضی کے بغیر میکے جا کر عدت گذار رہی ہے؛ اس لئے عدت کے خرچ کی حقدار نہیں ہے۔

لا يقدر نفقتها بالدراهم والدنانير على أي سعر كانت، بل يقدر بها على حسب اختلاف الأسعار، غلاء ورخصا رعاية للجانبين. (هندية، زكريا ١/ ٥٤٧، جديد زكريا ١/ ٥٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۴۰۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۱۷ھ

لڑکی کا انتقال ہوگیا تو جہیز واپس ہوگا یا ورثاء میں تقسیم ہوگا؟

سوال [۵۲۸۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: محمد شریف کی بیوی تقریباً دو برس نکاح میں رہی اور بچہ کی پیدائش میں اس کا انتقال ہوگیا، اب عورت کے ماں باپ جہیز جو شادی میں دیا تھا طلب کررہے ہیں، کیا یہ شریعت کی رو سے واپس لینا درست ہے؟ نیز لڑکی کے ماں باپ بھی حیات ہیں۔

المستفتی: محمد شریف محلّہ رحمت نگر، گلی نمبر:۲، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جہیز کا سامان لڑکی کی ملکیت میں ہوتا ہے؛ اس لئے یہ شرعی ترکہ میں شامل ہوگا؛ لہٰذا اس میں سے شوہر کو نصف ملے گا اور لڑکی کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور لڑکی کے باپ کو ایک تہائی ملے گا۔ اور کل چھ سہام میں تقسیم ہوکر ۳/ شوہر کو اور دو باپ کو اور ایک ماں کو ملے گا۔

وللأم ثلث ما بقي بعد فرض أحد الزوجين. الخ (سراجي، ص: ۱۲) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/۲۶۶۲)

استعمال کی وجہ سے ختم شدہ جہیز کے سامان کا حکم

سوال [۵۲۹۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: جہیز کا سامان تقریباً ۵۰۰۰/ ہزار روپئے کا دیا گیا تھا، جس میں سے زیادہ تر سامان استعمال کی وجہ سے ختم ہوگیا، کیا طلاق شدہ عورت اس سامان کی شرعی اعتبار سے قیمت لینے کی مستحق ہے یا نہیں؟

المستفتی: ضمیر احمد تمبا کو والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپس میں استعمال کی وجہ جو سامان ختم ہو چکا ہے اس کی قیمت لینے کی مستحق نہیں ہے؛ کیوں کہ لڑکی نے اجازت فعلی کے طریقہ سے نوشہ والوں کو استعمال کی اجازت دی ہے، جس میں ہلاک ہونے کی وجہ سے تاوان لازم نہیں ہوتا۔

ولا یشترط اللفظ، بل یکفي التعاطی، وهو أن یعطی المعیر العاریة للمستعیر، والمعیر یأخذها. الخ (کتاب الفقه علی المذاهب الأربعة، کتاب العاریة، حکمها ورکنها وشرطها، دارالفکر بیروت ۳/ ۲۷۲)

ولا تضمن بالهلاک من غیر تعد. الخ (درمختار کراچی ۵/ ۶۷۸، زکریا ۸/ ۴۷۶) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۶)

لڑکی کے والد بارات کا خرچ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال [۵۲۹۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: بارات کے اوپر طلاق شدہ عورت کے والدین نے کھانے پر باراتیوں کی خاطر مدارات پر جو کچھ صرف کیا اس کو طلاق شدہ عورت کے والدین لینے کے حقدار ہیں یا نہیں؟

المستفتی: ضمیر احمد تمبا کو والان، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باراتیوں پر جو کچھ خرچ کیا گیا ہے وہ تبرعاً وہبۃً خرچ کیا گیا ہے، اب واپس لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

هلاک الموهوب فإنه مانع من الرجوع لتعذره بعد الهلاک، إذ هو

غیر مضمون علیه. الخ (مجمع الأنهر، کتاب الهبة، باب الرجوع عنها، قدیم ۲/ ۳۶۲، جدید دار الکتب العلمیة بیروت ۳/ ۵۰۳)

ولا یصح الرجوع إلا بتراضیهما، أو بحکم الحاکم. (درمختار کراچی ۵/ ۷۰۴، زکریا ۸/ ۵۱۳)

أما العوارض المانعة من الرجوع، فأنواع: منها: هلاک الموهوب؛ لأنه لا سبیل إلی الرجوع في قیمته لعدم انعقاد العقد علیها. (هندیة، زکریا ۴/ ۳۸۶، جدید زکریا ۴/ ۴۰۹-۴۱۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳/ صفر ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۰۶)

بلا تفریق دوسرا نکاح کرنے کے بعد مہر وسامان جہیز کا حکم

سوال [۵۲۹۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: سلطانی بیگم بنت حاجی صغیر احمد صاحب مرحوم، ساکن محلّہ بگلہ امروہہ کی شادی ۱۹۶۷ء میں ہمراہ شمیم احمد ولد نسیم احمد محلّہ بگلہ امروہہ سے بالعوض ایک ہزار روپیہ ہوئی تھی، مگر آپسی تعلقات کشیدہ رہتے ہوئے میرے نکاح کے وقت ایک مکان بھی شمیم احمد کی والدہ نے میرے نام بیع نامہ قطعی کے ذریعہ کیا تھا، شمیم احمد نے مجھ کو گھر سے نکال دیا اور یوں کہا کہ تو ہمارا مکان چھوڑ دے، بس ہمیں مکان چاہئے، تیری کوئی ضرورت نہیں ہے، میں نے کہا ٹھیک ہے، میں اس وقت حاملہ تھی، پانچ چھ ماہ بعد میری ماں کے گھر دوسری لڑکی پیدا ہوئی، میرے والد کا بھی ۱۹۸۱ء میں انتقال ہو چکا ہے اور کوئی میری جان عزت کی حفاظت کرنے والا بجز خدا کے کوئی نہیں ہے، کیا میں ایسے رہتی رہوں یا اپنا نکاح کر سکتی ہوں اور مہر کے لئے کیا حکم ہے؟ اور سامان جہیز وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ آگاہ فرمائیں۔

المستفتیة: سلطانی بیگم بنت حاجی صغیر احمد مرحوم بگلہ امروہہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ کے درج شدہ حالات میں آپ اپنا معاملہ محکمۂ شرعیہ میں پیش کردیجئے، وہ معاملہ وواقعات کی تحقیق کرکے آپ کے لئے شریعت کے مطابق باعصمت زندگی گذارنے کے لئے کوئی صورت نکال دے گا، اور آپ کا اپنا دوسرا نکاح موجودہ شوہر سے طلاق یا شرعی تفریق حاصل کئے بغیر ہرگز درست نہیں ہوگا، نیز اگر مہر مؤجل ہے، تو طلاق یا موت سے پہلے ادا کرنا شوہر پر واجب نہیں ہے۔ اور مکان وسامان جہیز آپ کی ملکیت ہیں، وہ جب چاہیں آپ لے جاسکتی ہیں۔

أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته، فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير؛ لأنه لم يقل أحد بجوازه، فلم ينعقد أصلا. الخ (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤ / ٢٧٤، كراچی ٣/ ١٣٢، مصري ٢ / ٤٨٢، فتاوى دارالعلوم ٧ / ٤٦٦)

إن كان لا إلى غاية معلومة –إلى قوله– قال بعضهم: يصح وهو الصحيح، وهذا لأن الغاية معلومة فى نفسها، وهو الطلاق أو الموت. الخ (فتاوى عالمگيري، كتاب النكاح، باب السابع، الفصل الحادى عشر، زكريا ١ / ٣١٨، جديد زكريا ١ / ٣٨٥) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١٠/ربیع الثانی ١٤٠٩ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٢٤/١١٩٣)

جہیز اور مہر کے بارے میں شریعت کے خلاف پنچایت کے فیصلہ کا حکم

سوال [٥٢٩٣]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: زید کی ہندہ سے دوسال قبل شادی ہوئی تھی، آپس کی رنجش کی وجہ سے ہندہ اپنے شوہر زید کے نکاح میں نہیں رہنا چاہتی، پنچایت نے کافی سمجھایا؛ لیکن طلاق کی نوبت آہی گئی، اور طلاق ہوگئی، اب سامان جہیز اور مہر کا فیصلہ پنچایت نے یہ کیا کہ چونکہ غلطی لڑکی کی طرف سے ہے، طلاق کا مطالبہ لڑکی کر رہی ہے؛ اس لئے لڑکی کو مہر بھی نہیں ملے گا اور سامان جہیز بھی واپس

نہیں ہوگا، اگر غلطی لڑکے کی طرف سے ہو لڑکا رکھنا نہ چاہ رہا ہو اور پھر طلاق ہوجائے تو لڑکے کو مہر بھی دینا ہوگا اور سامان جہیز بھی واپس کرنا ہوگا۔ اور اوپر سے پنچایت لڑکے پر جرمانہ بھی عائد کرتی ہے، جس کو شادی کا خرچ کہتے ہیں یا آئندہ جہاں شادی ہو اس کا خرچ کہتے ہیں، ہمارے یہاں جب بھی فریقین میں اختلاف اور طلاق کی نوبت آئے یہی فیصلہ پنچایت کرتی ہے؟

المستفتی: علماء سیڈھا بجنور، یوپی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جہیز کا سامان ہر حال میں لڑکی کا شرعی حق اور اس کی ملکیت ہے۔

المختار للفتوى أن يحكم بكون الجهاز ملكا. (شامي، كتاب النكاح، باب المهر، زكريا ٤/ ٣٠٩، كراچى ٣/ ١٥٧)

لہٰذا طلاق مانگنے پر یہ فیصلہ کرنا درست نہیں ہے کہ جہیز واپس نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ طلاق کے بعد عورت کو پورا جہیز واپس کیا جائے گا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما. الحديث (ترمذي، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن النبي صلى الله عليه وسلم في الصح بين الناس، النخسة الهندية ١/ ٢٥١، دارالسلام، رقم: ١٣٥٢)

إن الجهاز للمرأة إذا طلقها تأخذه كله. (شامي، زكريا ٤/ ٣١١، كراچى پاكستان ٣/ ١٥٨)

البتہ ایسا فیصلہ کرنا درست ہے کہ مہر نہ دینے کی شرط پر اس کو طلاق دی جائے۔

وإن خالعها على مهرها، فإن كانت المرأة مدخولا بها ...... وإن لم يكن مقبوضا سقط عن الزوج جميع المهر. (هندية، كتب الطلاق، الباب الثامن في الخلع، زكريا ١/ ٤٨٩، جديد زكريا ١/ ٥٤٩)

إن طلقها على مال، فقبلت وقع الطلاق، ولزمها المال. (هندية، كتاب الطلاق، الباب الثامن: في الخلع، الفصل الثالث: في الطلاق على المال، زكريا ١/ ٤٩٥، جديد ١/ ٥٥٤)

اور اگر لڑکے کی طرف سے زیادتی ہوئی ہے اور مظلومہ لڑکی کو لڑکے نے خود طلاق دی ہے، تو ایسی صورت میں جہیز کا سامان اور مہر مکمل لڑکی کو ملے گا۔

إن كان النشوز من قبل الزوج فلا يحل له أخذ شيء من العوض على الخلع. (هندية، الباب الثامن في الخلع وما في حكمه، زكريا ١/ ٤٨٨، جديد ١/ ٥٤٨)

وكره تحريما أخذ شيء إن نشز. (شامي، كراچى ٣/ ٤٤٥، زكريا٥/ ٩٣-٩٥)

لیکن مالی جرمانہ کے طور پر تاوان لگانا شرعاً جائز نہیں ہے، اسی طرح لڑکی کا دوسری جگہ شادی کرنے کے خرچ کا مطالبہ لڑکے سے کرنا اور پنچایت کی طرف سے اس کا فیصلہ کیا جانا شرعاً درست نہیں ہے۔

قوله: لا بأخذ المال في المذهب، قال في الفتح: وعن أبي يوسف: يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز، ومثله في المعراج: وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسفؒ، قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه.

(شامي، كتاب الحدود، باب التعزير كراچى ٤/ ٦١، زكريا ٦/ ١٠٥-١٠٦، هندية، زكريا ٢/ ١٦٧، جديد ٢/ ١٨١، فتح القدير، قديم مطبوعه بيروت ٥/ ٣٤٥، زكريا ٥/ ٣٣٠، كوئٹه ٥/ ١١٢-١١٣)

اور یہ سب معاملہ اس وقت ہے جب پنچایت کے فیصلہ کے مطابق پنچایت کے موقع پر طلاق دی گئی ہو۔ اور اگر پنچایت کے فیصلہ سے پہلے شوہر نے طلاق دی ہو تو ایسی صورت میں چاہے لڑکی کے مطالبہ پر ہی طلاق دی گئی ہو بہر صورت مہر اور جہیز دونوں لڑکی کو دینا لازم ہوگا۔ اور پنچایت کا فیصلہ شرعاً نافذ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ طلاق کے بعد پنچایت کا مہر و جہیز نہ دینے کا فیصلہ کرنا قرآن وحدیث کے خلاف فیصلہ ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ﴾ [سورة المائدة: ٤٧] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/۶/۱۴۳۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۰۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۲/۶/۱۴۳۱ھ

۵/ باب الأجرة في النكاح

اجرتِ نکاح

سوال [۵۲۹۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ نکاح کی اجرت لینا کیسا ہے؟ رجسٹر بھرنے کی اجرت طلب کرنا کیسا ہے؟ جو ہدیہ نکاح پڑھانے والے کو دے دیا گیا، پھر اس سے ہدیہ بغیر مرضی کے واپس کر کے کسی دوسرے کارِ خیر میں دینا کیسا ہے؟

المستفتی: محمد شریف امام جامع مسجد محمدی کھیری، لکھیم پور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح پڑھانے والے کے لئے نکاح خوانی کی اجرت لینا شرعاً جائز اور درست ہے، اسی طرح نکاح کا رجسٹر بھرنے کی اجرت لینا بھی شرعاً جائز ہے۔ اور جو ہدیہ نکاح پڑھانے والے کو دے دیا گیا اور اس نے اس پر قبضہ بھی کرلیا، تو وہ اس کا مالک ہے، بریں بناء اس رقم کو واپس لینا جائز نہیں ہے، جو واپس لے گا وہی اس کا ضامن ہوگا۔

والمختار للفتوی أنه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا، وفي الثيب نصف دينار، ويحل له ذلك، كذا قالوا. (هندية، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، ولا ينبغي للقاضي أن يفعل وما لا يفعل، زكريا ۳/ ۳٤٥، جديد زكريا ۳/ ۳۰٦)

وأما بالكتابة فيجوز لهما على قدر كتابتهما؛ لأن الكتابة لا تلزمهما. (شامي، قبيل كتاب الشهادات، زكريا ديوبند ۸/ ۱۷۲، كراچی ٥/ ٤٦۱)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا! لا تظلموا لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (مشكوة شريف، ۲٥٥، شعب الإيمان ٤/ ۳۸۷، برقم: ٥٤۹۲، منسد أحمد بن حنبل ٥/ ۷۲، رقم: ۲۰۹۷۱)

لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعي.

(شامي، زکریا ۶/ ۱۰۶، کراچی، ٤/ ٦١، هندية ٢/ ١٦٧، جديد زكريا ٢/ ١٨١، الموسوعة الفقهية الكويتية ٣٧/ ٣٥٤، البحرالرائق، كوئٹه ٥/ ٤١، زكريا ديوبند ٥/ ٦٨)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۴۴۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۱/۶/۱۴۳۲ھ

نکاح خوانی کی اجرت کی شرعی حیثیت

سوال [۵۲۹۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: شادی کے موقع پر عرف میں عموماً نکاح خوانی کے لئے لڑکی والوں کی طرف سے کسی شخص کو بلایا جاتا ہے اور اس کا معاوضہ لڑکے والے دیتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ دستور درست ہے؟ اور کیا نکاح پڑھانے والے کو اس پر معاوضہ لینا درست ہے؟ اگر معاوضہ لینا جائز نہیں ہے، تو اگر کسی شخص نے لیا تو کیا اس کا واپس کرنا واجب اور ضروری ہے؟

المستفتی: محمد عالم کورانہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عرف میں نکاح خواں کو لانے کا دستور یہ ہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی دونوں ایک ہی شہر یا ایک ہی گاؤں کے ہوں، تو لڑکے والے نکاح خواں کو بلاتے ہیں اور نکاح خواں کو کچھ دینا ہو تو وہ لڑکے والے ہی دیتے ہیں۔ اور اگر دونوں ایک شہر یا ایک گاؤں کے نہیں؛ بلکہ لڑکی والے دوسرے شہر یا دوسرے گاؤں کے ہیں، تو ایسی صورت میں کبھی لڑکے والے اپنے ساتھ نکاح خواں کو لاتے ہیں وہی اجرت دیتے ہیں، اور اکثر وبیشتر یہ ہوتا ہے کہ لڑکی والوں کے یہاں کے کسی نکاح خواں کا انتخاب کیا جاتا ہے، وہی نکاح پڑھاتا ہے۔ اور اجرت لڑکے والے ہی دیتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ دلالۃً اور عرفاً لڑکے والوں کی

طرف سے اجازت ہوتی ہے کہ لڑکی والے نکاح خواں کو بلائیں، عرف اور دستور یہی ہے، جب عرف اور تعامل یہی ہے کہ نکاح خواں کی اجرت ہر صورت میں لڑکے والوں کی طرف سے دی جاتی ہے، ایسے عرف اور تعامل کی وجہ سے ہر صورت میں لڑکے والوں کی طرف سے اجرت دینا جائز اور درست ہے؛ لیکن اگر ایسا عرف اور تعامل نہیں ہے، تو وہاں پر جس کی طرف سے بھی نکاح خواں کو بلایا جائے گا، وہی اجرت دے گا اور اس میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ نکاح پڑھانے والا منجانب حکومت مقرر کردہ نہ ہو؛ بلکہ کوئی بھی پڑھا لکھا نیک صالح آدمی نکاح پڑھا سکتا ہو۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ٣/ ٣٧٤، امداد المفتیین کراچی، ص: ٨٦٨، کفایت المفتی ٥/ ١٥١)

المختار للفتوی أنه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا، وفي الثيب نصف دينار ويحل له ذلک، هكذا قالوا كذا في البرجندي. (هندية، الباب الخامس عشر في أقوال القاضی، وما ينبغي للقاضي أن يفعل ٣/ ٣٤٥، جديد ٣/ ٣٠٦، وهكذا البحرالرائق، كتاب الوقف، قبيل فصل في أحكام المساجد، زكريا ديوبند ٥/ ٤٠٨، کوئٹه ٥/ ٢٤٣، بزازية على هامش الهندية، زكريا ديوبند ٥/ ١٤٠، جديد زكريا ٢/ ٧٢، خلاصة الفتاوى ٤/ ٤٨، أشرفي ديوبند) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٢٢/ ربیع الثانی ١٤٣٥ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٤٠/ ١١٥٠٤)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٢٢/ ٤/ ١٤٣٥ھ

نکاح خوانی کی اجرت کا حکم

سوال [٥٢٩٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہماری بستی میں انتظامی سہولت کے پیش نظر حلقہ وار نکاح خواں حضرات کا تعین کیا گیا ہے اور اسی نظام کے تحت نکاح پڑھاتے ہیں اور نکاح کا نذرانہ دولہا والوں سے وصول کرتے ہیں؛ لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک حلقہ میں دوسرے حلقہ کا نکاح خواں نکاح پڑھا دیتا ہے۔ (متعینہ نکاح خواں کے نہ ہونے یا کسی اور وجہ سے) یا غیر متعین شخص پڑھا دیتا

ہے، پھر اس نذرانہ پر اختلاف ہوتا ہے، متعینہ نکاح خواں اس نذرانہ پر اپنے استحقاق کا دعوی کرتا ہے اور اس سے جبراً پورا نذرانہ وصول کرنے کی کوشش کرتا ہے، یا پھر نصف نصف پر معاملہ طے ہو جاتا ہے، تو مذکورہ بالاتحریر کی روشنی میں ذیل کے مسائل کا جواب عنایت فرمادیں:

(۱) حلقہ وار نکاح خواں حضرات کی تعیین کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) نکاح خوانی کے نذرانہ کا کیا حکم ہے؟ اور اس کی ادائیگی لڑکی کے متعلقین پر ہے یا لڑکے کے؟

(۳) جس نے نکاح پڑھایا ہے، نذرانہ کا مستحق وہی ہے یا حلقہ کا متعین نکاح خواں؟

المستفتی: جلیس احمد، ٹانڈہ بادلی، رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: (۱) یہ تعیین نذرانہ کے لین دین کی وجہ سے فتنہ کا باعث ہے؛ اس لئے مناسب نہیں۔

(۲) اگر نکاح خواں کو بلانے والے لڑکے والے ہیں تو نکاح خواں کی اجرت ان کے ذمہ لازم ہوگی۔ اور اگر لڑکی والے نے بلایا ہے تو اجرت دینے کے ذمہ دار بھی لڑکی والے ہوں گے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲۷۸)

(۳) نذرانہ کا مستحق وہی ہوگا جس نے نکاح پڑھایا ہے، تو متعین نکاح خواں کے لئے کل یا نصف رقم کا لینا ناجائز اور رشوت ہے؛ اس لئے ایسا نظام اگر کہیں بن گیا ہے تو اس کو ختم کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲۷۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۴۶۴)

اصل اور نائب امام میں سے اجرت نکاح کا مستحق کون؟

سوال [۵۲۹۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے

بارے میں: ہماری مسجد میں امام اورنائب امام دونوں متعینہ تنخواہ پرنماز پڑھاتے ہیں،مقررہ تنخواہ کے علاوہ کچھ آمدنی الگ سے ہوتی ہے، جیسے نکاح وغیرہ الگ سے جوآمدنی ہوتی ہے وہ ساری اصل امام لیتے ہیں،موجودگی اورعدم موجودگی دونوں حالتوں میں اورنائب امام کونہیں دیتے، نائب امام کہتے ہیں کہ امام صاحب کی عدم موجودگی میں جوآمدنی ہوتی ہے وہ مجھے ملنی چاہئے، چونکہ میں عدم موجودگی میں پابندی سے نماز پڑھاتا ہوں؛ لہٰذا وہ آمدنی جوامام صاحب کی عدم موجودگی میں ہوتی ہے اس کےحق دارامام صاحب ہی ہوتے ہیں،یانائب امام بھی؟ شرعی حکم کیا ہے؟

المستفتی: محمد یونس فرید نگر،ٹھاکردوارہ،مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منجانب مسجد نائب امام کے لئے جوتنخواہ متعین ہے اس کووہی ملا کرے گی اوراصل امام صاحب کے لئے جوتنخواہ متعین ہے ان کوبھی وہی ملا کرے گی، اصل امام کی عدم موجودگی میں نائب امام نماز پڑھانے کا مکلّف ہے؛ اس لئے اصل امام کی عدم موجودگی میں نائب امام کے نماز پڑھانے کی وجہ سے اس کوالگ سے کچھ نہیں ملے گا۔ اب رہی نکاح خوانی کی اجرت تواصل امام کی موجودگی میں اصل امام پڑھایا کرے گا اوراس کی اجرت بھی اصل امام ہی کو ملے گی اوراصل امام کی عدم موجودگی میں نائب امام کو نکاح پڑھانے کاحق حاصل ہوگا اورنکاح خوانی کی اجرت بھی اسی کو لینے کاحق ہوگا؛ لہٰذا اس درمیان نائب امام جونکاح پڑھائے گا اس کی اجرت نائب امام کو ملے گی، نائب امام کے پڑھائے ہوئے نکاح کی اجرت اصل امام کونہیں ملے گی۔

وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (عالمگیري، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، وما ينبغي للقاضي أن يفعل، زكريا ديوبند ۳/ ۳٤٥، جديد ۳/ ۳۰٦، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ۱۱/ ۱۱۹، رقم: ۱٥٦۳٤، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ۱۲/ ۲۳۳، رقم: ۱٤۲۹۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیراحمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ر صفر ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۷۳۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۲/۲۹ھ

نکاح خوانی کی اجرت نکاح خواں کو دی جائے یا محلّہ کے امام کو؟

سوال [۵۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے قصبہ میں ایک نکاح ہوا، لڑکی کے باپ نے نکاح جامع مسجد کے امام سے پڑھوایا، نکاح کی رسید بھی جامع مسجد کے امام نے ہی بنائی، لڑکے والوں نے نکاح کے پیسے گواہوں کے ہاتھ میں دے دئے، گواہوں نے وہ پیسے لے جاکر اس محلّہ کے امام کو دے دئے، انہوں نے رکھ لئے، جب کہ محلّہ کے امام نکاح کی مجلس میں حاضر بھی نہیں ہوئے، تو کیا محلّہ کے امام صاحب کا ان پیسوں کو لینا جائز ہے؟ ان پیسوں کا شرعی اعتبار سے مستحق کون ہے؟

المستفتی: حکیم مولانا محمد اسماعیل نزد جامع مسجد افضل گڑھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کی اجرت کا مستحق وہی شخص ہے جس نے نکاح پڑھایا ہے؛ کیوں کہ یہ تو نکاح خوانی کی اجرت ہے، نہ کہ محلّہ کی مسجد کے امام کا حق، جس نے نکاح پڑھایا ہے نکاح کی اجرت اسی کے ہاتھ میں دینی ضروری تھی؛ لہٰذا وہ پیسہ جس کے ہاتھ میں بھی پہنچا ہو اس پر ضروری ہے کہ امانت سمجھ کر مستحق تک پہنچا دے۔ (مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۵/۱۵۳، جدید زکریا ۵/ ۱۴۶)

ثم الأجرة تستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التأجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وجد أحد هذه الأشياء الثلاثة، فإنه يملكها. (عالمگيری، كتاب الإجارة، الباب الثاني في متى تجب الأجرة، زكريا ديو بند ٤/ ٤١٣، جديد زكريا ٤/ ٤٤٣)

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار، والصغائر فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (عالمگيري، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، وما

ینبغي للقاضي أن یفعل زکریا دیوبند ۳/ ۳٤٥، جدید ۳/ ۳۰٦، المحیط البرهاني، کتاب القضاء، الفصل السابع عشر، المجلس العلمي ۱۲/ ۲۳۳، رقم: ٤۲۹۹، الفتاوی التاتارخانیة، زکریا ۱۱/ ۱۱۹، رقم: ۱٥٦۳٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲۹/۴/۱۴۲۷ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/۸۹۸۳)

اعتراض پر جواب مذکور

سوال [۵۲۹۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: احقر نے آپ کے پاس ایک استفتاء بھیجا تھا، اس میں ایک سوال نکاح خوانی کی اجرت کے متعلق تھا، اس کا جو جواب آپ نے تحریر فرمایا ہے، محلّہ کے امام نے اس کو ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ سوال و جواب بغیر کسی شرط کے لکھا گیا ہے؛ اس لئے قابل اعتبار نہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر محلّہ کا امام یہ طے کر لے کہ اس محلّہ میں جتنے نکاح ہوں گے، وہ وہی پڑھائے گا تو پھر اس محلّہ میں کسی دوسرے شخص کو نکاح پڑھانے کا حق نہیں ہے، اگر کوئی دوسرا شخص نکاح پڑھاتا ہے، تب بھی اجرت محلّہ ہی کے امام کو ملے گی خواہ وہ مجلس نکاح میں شریک ہو یا نہ ہو تو کیا ان کی یہ بات درست ہے اور لڑکی یا لڑکے والے محلّہ کے امام سے نکاح پڑھوانے پر مجبور ہیں، یا کسی بھی شخص سے نکاح پڑھوا سکتے ہیں، آپ نے جو جواب تحریر فرمایا ہے، اس کی فوٹو کاپی بھی ارسال خدمت ہے۔

المستفتی: حکیم مولوی محمد اسماعیل متصل جامع مسجد، افضل گڑھ، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہم نے پچھلے سوال اور اپنے یہاں کے جواب کو بار بار پڑھ کر دیکھا ہے، الحمد للہ ہمارا جواب صحیح ہے، بیاہ شادی میں لڑکی اور لڑکے والے آزاد

ہیں، وہ محلّہ کے امام سے نکاح پڑھوائیں یا کسی دوسرے ایسے عالم سے نکاح پڑھوائیں جن سے ان کو عقیدت ہے، یا کسی دوست واحباب سے نکاح پڑھوائیں، ہر طرح کا اختیار ہے، اگر محلّہ کے امام کو مسجد کی کمیٹی نے نکاح خوانی کا بھی ذمہ دار بنایا ہے، تو وہ مسجد کی کمیٹی اور امام تک محدود ہے، محلّہ کے لوگ اپنے نکاح پڑھانے میں مسجد کی کمیٹی کے تابع نہیں اور مسجد کی کمیٹی کو امور مسجد کے متعلق نظم کا اختیار ہے، محلّہ کے افراد پر نہیں؛ البتہ محلّہ کے لوگ اگر اپنی خوشی سے اس امام سے نکاح پڑھوانا چاہیں، تو وہ ان کی خوشی ہے اور نکاح خوانی کی اجرت کا حق دار ہر حال میں وہی ہوتا ہے، جس نے خود نکاح پڑھایا ہے اور جس نے نکاح نہیں پڑھایا ہے، وہ نکاح خوانی کی اجرت کا مستحق نہیں ہوتا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲۶۸ محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۹۵، میرٹھ ۲۵/ ۲۴۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۴ ر رجب ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۰۶۸)

نکاح خوانی کی اجرت کس کو ملے؟

سوال [۵۳۰۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے یا نہیں؟ ایک شخص نکاح پڑھانے کے لئے مقرر ہے، وہ نہ ہو تو اس کی جگہ دوسرا شخص نکاح پڑھاتا ہے، اگر اجرت جائز ہے، تو جس شخص نے نکاح پڑھایا ہے اس کو اجرت ملے گی یا جو پڑھانے کے لئے مقرر ہے، وہ اس کا مستحق ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے اور اس کا مستحق وہی شخص ہے جس نے نکاح پڑھایا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲۶۸، خیر الفتاوی زکریا ۴/ ۵۸۶، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۹۵، میرٹھ ۲۵/ ۲۴۱)

والمختار للفتوى أنه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا، وفي الثيب نصف

دينار، ويحل له ذلك. (هندية، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر، زكريا ٣/ ٣٤٥، جديد زكريا ٣/ ٣٠٦)

ولا يحل له أخذ شيء على النكاح إن كان نكاحا يجب عليه مباشرته كنكاح الصغائر، وفي غيره يحل. (خلاصة الفتاوى، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، مكتبه أشرفي ديوبند ٤/ ٤٨)

كل ما وجب على القاضي والمفتي لا يحل لهما أخذ الأجر به كنكاح صغير؛ لأنه واجب عليه وكجواب المفتي بالقول، وأما بالكتابة، فيجوز لهما على قدر كتابتهما؛ لأن الكتابة لا تلزمهما. (شامي، قبيل كتاب الشهادات، كراچی ٥/ ٤٦١، زكريا ٨/ ١٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

كتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۰۹)

نکاح خوانی کی اجرت کا حقدار کون؟

سوال [۵۳۰۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک مکتب ہے جس میں بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مکتب کمیٹی نے کچھ مدرس رکھے ہیں اور ان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ اور گاؤں میں آئے دن شادیاں ہوتی رہتی ہیں، جس میں نکاح پڑھانے کے لئے قاضی کی ضرورت پڑتی ہے، مکتب کمیٹی نے مکتب کی آمدنی کی غرض سے نکاح کا رجسٹر چھپوا رکھا ہے، مکتب کمیٹی یہ چاہتی ہے کہ وہ مدرس سے نکاح پڑھوا کر نکاح پڑھانے کا جو پیسہ ملے اس کو مکتب کے اخراجات میں شامل کرلے، تو آیا یہ پیسہ مکتب کے اخراجات میں شامل کرنا درست ہے یا وہ پیسہ نکاح پڑھانے والے مدرسین کو ہی دینا ضروری ہے؟

المستفتی: شکیل احمد ملک جھنڈے والی، دلپت پور، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح پڑھانے کی اجرت کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو خود نکاح پڑھاتا ہے؛ کیوں کہ یہ نکاح پڑھانے کی اجرت ہے؛ لہٰذا نکاح پڑھانے والے مدرس کے اوپر نہ اس بات کا دباؤ ڈالنا درست ہے کہ وہ مدرسہ میں پیسہ جمع کرے اور نہ ہی اس پیسے کا مکتب کے اخراجات میں شامل کرنے کے لئے مطالبہ کرنا درست ہے، وہ پیسہ صرف نکاح پڑھانے والے کا حق ہے۔

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار، والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (عالمگيري، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، زكريا ديوبند ٣/ ٣٤٥، جديد ٣/ ٣٠٦، المحيط البرهاني، الفصل السابع عشر، المجلس العلمي ١٢/ ٢٣٣، رقم: ١٤٢٩٩، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ١١/ ١١٩، رقم: ١٥٦٣٤) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۸۹۸۲/۳۸)

اجرت نکاح کا حقدار کون؟

سوال [۵۳۰۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) برکھریا جاٹ ایک گاؤں ہے، وہاں کے باشندوں نے ایک دستور بنا رکھا ہے کہ جب بھی کسی لڑکی کی شادی گاؤں میں ہوگی تو نکاح گاؤں کے امام صاحب پڑھائیں گے۔ اور اگر لڑکے والے گاؤں کے امام صاحب سے نکاح نہیں پڑھواتے ہیں، تو گاؤں کے لوگ لڑکے والوں سے ڈھائی سو روپیہ مدرسہ کے نام پر جبراً لے لیتے ہیں، جس

کے نتیجہ میں ناکح محروم ہوجاتا ہے، تو کیا گاؤں والوں کا یہ دستور بنانا لڑکے والوں سے مدرسہ کے نام پر جبراً ڈھائی سو روپیہ لے لینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز نکاح پڑھوانے کے لئے ناکح کو لڑکے والے اپنی رضامندی سے متعین کریں گے یا لڑکی والوں کی تابعداری کے پابند ہوں گے۔

(۲) اگر جبراً روپئے لے لئے ہیں تو کیا ان کو مدرسہ میں لگانا یا مسجد کے امام صاحب کو دے دینا درست ہے یا وہ رقم واجب الاعادہ ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

المستفتی: حافظ محمد حنیف، عبداللہ نگر، ہردوئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) ہمارے دیار میں یعنی پورے ہندوستان میں جو بحیثیت قاضی نکاح پڑھاتا ہے، وہ درحقیقت لڑکی کے وکیل کا وکیل ہوتا ہے، اسی وجہ سے لڑکی کی طرف سے اجازت کے بعد ہی وہ قاضی نکاح پڑھاتا ہے۔ اور لڑکا خود اپنی جانب سے اصیل ہوتا ہے۔ اور عقد نکاح میں قاضی لڑکی کی طرف سے وکیل بن کر ایجاب کرتا ہے اور لڑکا اصیل کی حیثیت سے اس ایجاب کا قبول کرتا ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے انتخاب کا حق صرف لڑکی والوں کو ہے؛ لہٰذا جب لڑکی والے قاضی کو دعوت دیں گے، تو قاضی کی فیس لڑکی والے ادا کریں گے۔ اور اگر لڑکی والوں نے لڑکے والوں کو اختیار دے رکھا ہے اور پھر لڑکے والے ہی قاضی کو دعوت دیتے ہیں، تو چونکہ معاملہ لڑکے والوں کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے؛ اس لئے فیس بھی لڑکے والے دیں گے؛ لیکن چونکہ یہ مسئلہ منصوص نہیں ہے؛ بلکہ عرف اور برادری کے رواج اور شرائط پر موقوف ہے؛ اس لئے اگر کسی برادری میں یہ پنچایتی قانون بن چکا ہے، کہ نکاح خواں کی اجرت ہر حال میں لڑکے والے دیں گے اور یہ قانون اور تعامل سب کو معلوم ہے، تو ایسی صورت میں نکاح خواں کی اجرت لڑکے والے دیں گے؛ لیکن لڑکے والوں پر نکاح خوانی کی اجرت کے علاوہ مسجد یا مدرسہ کے واسطے الگ سے کوئی رقم لازم کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ اور مسجد یا مدرسہ میں اس طرح دباؤ کی رقم لگانا بھی درست نہیں ہے۔

أما السبب فهو أخذ مال الغير بغير إذنه لقوله عليه الصلاة والسلام: على اليد ما أخذت حتى ترد، وقوله عليه الصلاة والسلام: لا يأخذ أحدكم مال صاحبه لاعبا، ولا جادا، فإذا أخذ أحدكم عصا صاحبه، فليرد عليه، ولأن الأخذ على هذا الوجه معصية. (بدائع الصنائع، كتاب الغصب، فصل في حكم الغصب، زكريا ديوبند ٦/ ١٣٩، ١٤٠، كراچی ٧/ ١٤٨)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (شعب الإيمان، باب في قبض اليد عن الأموال المحرمة، دارالكتب العلمية بيروت ٤/ ٣٨٧، رقم: ٥٤٩٢، السنن الكبرى للبيهقي، دارالفكر ٨/ ٥٠٦، رقم: ١١٧٤٠)

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه ...... **ألا لا تظلموا، ألا! لا تظلموا، ألا لا تظلموا، إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. الحديث** (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۶؍ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۰/ ۷۵۴۵)	۱۴۲۳/۳/۶ھ

نکاح کے بعد دولہے کی طرف سے دی گئی رقم کا حقدار

سوال [۵۳۰۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں یہ دستور ہے کہ نکاح کے بعد دولہے کی طرف سے کچھ رقم بطور ہدیہ کے دی جاتی ہے، اب اس رقم میں سے کچھ حصہ متولی صاحب مسجد کے لئے رکھ لیتے ہیں، کچھ حصہ امام صاحب کو دیتے ہیں اور کچھ حصہ مؤذن صاحب کو دیتے ہیں، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ مکمل جو رقم بطور ہدیہ کے دی جا رہی ہے اس کا صحیح حقدار کون ہے، اگر

بالفرض والتقدیر پوری رقم کے حق دار امام صاحب ہیں، تو متولی کا مسجد کے لئے اس رقم میں سے کچھ حصہ نکالنا درست ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انس فاروق گودھرا پنچ محل گجرات

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دولہے کی طرف سے جو پیسہ دیا جاتا ہے، وہ عرف میں نکاح پڑھانے کی اجرت ہے، جس کے حق دار صرف نکاح پڑھانے والے امام صاحب ہیں؛ اس لئے اس رقم میں متولی کا مذکورہ تصرف درست نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحا فأدخله في سفينة، أو بنى عليه جدارا، دارالفكر بيروت ۸/ ۵۰۶، رقم: ۱۱۷۴۰)

والمختار للفتوى أنه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا، وفي الثيب نصف دينار، ويحل له ذلك. (هندية، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر: في أقوال القاضي، زكريا ۳/ ۳۴۵، جديد ۳/ ۳۰۶) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۸ر صفر المظفر ۱۴۳۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱۰۲۲)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۴/۲/۲۸ھ

نکاح کی اجرت پر کس کا حق ہے؟

سوال [۵۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید اپنے محلّہ کی مسجد کا امام ہے اور مسجد کے حلقہ میں جو بھی نکاح ہوتے ہیں وہ محلّہ کی مسجد کے امام صاحب کا حق ہوتا ہے، دوران نکاح امام صاحب کسی بزرگ یا عالم سے

تبرکاً ایجاب وقبول کرالیں اور رجسٹر کی خانہ پری کی ذمہ داری بھی امام صاحب ہی نبھائیں اس صورت میں دولہا کی جانب سے جو نکاح خوانی کا ہدیہ ملتا ہے وہ عموماً امام صاحب کو ہی دیا جاتا ہے، اس موقع پر جو ہدیہ ملا وہ ناکح مذکور نے یہ کہہ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ یہ میرا حق ہے، اصلاً امام صاحب کا جو حق سمجھا جا رہا تھا اس صورت میں امام صاحب محروم ہو جاتے ہیں، صورت مذکورہ میں نکاح خوانی کا جو ہدیہ ملا ہے وہ امام صاحب جو محلّہ کی مسجد کے امام ہیں، ان کا حق ہے یا ان ناکح کا جنہوں نے تبرکاً نکاح پڑھایا ہے، مدلل ومفصل وضاحت فرمائیں؟

المستفتی: محمد عابد ابن حاجی اکبر علی، ساکن روانہ، شکار پور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح پڑھانے میں جو اجرت دی جاتی ہے وہ در حقیقت نکاح خوانی کی اجرت ہے، جس کا مستحق اور حق دار نکاح خواں ہوتا ہے؛ لہٰذا جس نے نکاح پڑھایا ہے یہ اجرت اسی کا حق ہے، نہ کہ امام صاحب کا۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۲/ ۲۷۸، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۷/ ۹۷، کفایت المفتی، زکریا مدلل ۵/ ۱۴۶)

والمختار للفتوی أنه إذا عقد بکرا یأخذ دینارا، وفي الثیب نصف دینار، ویحل له ذلک. (هندية، کتاب القضاء، الباب الخامس عشر، زکریا ۳/ ۳٤٥، جدید زکریا ۳/ ۳۰٦)

ولا یحل له أخذ شيء علی النکاح إن کان نکاحا یجب علیه مباشرته کنکاح الصغائر، وفي غیره یحل. (خلاصة الفتاوی، کتاب القضاء، الفصل العاشر في الحظر والإباحة، أشرفي دیوبند ٤/ ٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۵/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۳۸۸)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۵/۱/۱۶ھ

نکاح خوانی کی اجرت کا کچھ حصہ مسجد کو دینے پر مجبور کرنا

سوال [۵۳۰۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں یہ دستور رہے کہ جب بھی کوئی نکاح ہوگا، تو پانچ سو روپئے نکاح پڑھوانے والے کو ادا کرنے ہوتے ہیں، ان میں سے دوسو روپئے مسجد کو جاتے ہیں، بقیہ نکاح خواہ کو ملتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ یہ دوسو روپئے مسجد کو دینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح پڑھانے کے عوض ملنے والے پانچ سو روپئے پورے کے پورے نکاح پڑھانے والے کا حق ہیں؛ البتہ اگر وہ اپنی مرضی سے اس میں سے کچھ روپئے مسجد کو دے دے تو درست ہے۔ اور مذکورہ بالا دستور کو نکاح خواں پر لازم کرکے نکاح خوانی کی اجرت میں کچھ مسجد کو دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: كنت اٰخذًا بزمام ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم في أوسط أيام التشريق، أذود عنه الناس، فقال: ...... ألا! لا تظلموا، ألا! لا تظلموا، ألا! لا تظلموا، إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. الحديث (مسند أحمد بن حنبل ٥/ ٧٢، رقم: ٢٠٩٧١)

وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (هندية، القضاء، الباب الخامس عشر، زكريا ٣/ ٣٤٥، جديد ٣/ ٣٠٦، خلاصة الفتاوى، مكتبه أشرفي ديوبند ٤/ ٤٨)

ولا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال الغير بغير سبب شرعي. (هندية، زكريا ٢/ ١٦٧، جديد زكريا ٢/ ١٨١، شرح المجلة، مكتبة الإتحاد ديوبند ١/ ٦٢، رقم: ٩٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۵۱۰)

نکاح خوانی کی اجرت کا مستحق کون، قاضی یا مسجد کا امام؟

سوال [۵۳۰۶]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح خوانی کی اجرت شرعی اعتبار سے لینا کیسا ہے؟ بعض جگہوں پر آدھی قاضی کو رقم دی جاتی ہے اور آدھی مسجد کو دی جاتی ہے، کیا یہ قاضی کا حق ہے یا مسجد کا؟

المستفتی: حافظ محمد قاسم نرولی، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح پڑھانے والے کا نکاح پڑھا کر اس کی اجرت لینا شرعاً جائز ہے اور نکاح کی اجرت کا مستحق وہی شخص ہوتا ہے جو نکاح پڑھائے یہ قاضی صاحب کا حق نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ اگر قاضی صاحب نکاح پڑھائیں گے تو اجرت انہیں کو ملے گی۔ اور اگر کوئی اور نکاح پڑھائے گا تو اجرت اسی کو ملے گی اور مسجد کا نکاح خوانی کی اجرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/۱۵۳، جدید زکریا ۵/ ۱۴۶)

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه، كنكاح الصغار والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (هندية، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر في اقوال القاضي، زكريا ديوبند ٣/ ٣٤٥، جديد زكريا ٣/ ٣٠٦، المحيط البرهاني، المجلس العلمي ١٢/ ٢٣٣، رقم: ١٤٢٩٩، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ١١/ ١١٩، رقم: ١٥٦٣٤) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۲۹۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۸/۵/۱۶ھ

نکاح پڑھانے کے لئے حلقہ باٹنے اور اس کی اجرت کا حکم

سوال [۵۳۰۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) شہر قاضی نہ ہونے کی وجہ سے قصبہ سیوہارہ کی ہر مسجد کا حلقہ تقسیم ہوا ہے؛ اس لئے ہر مسجد کا امام اپنے حلقہ میں نکاح پڑھاتا ہے، اور اپنا پورا پورا حق سمجھتے ہیں؛ لہٰذا اگر کوئی امام یا برادری کی وجہ سے کہ میں ماہی گیر ہوں یا منہار ہوں یا ان کی برادری کا امام ہوں اور وہ دوسرے امام کی مسجد کے حلقہ میں جاکر نکاح پڑھادے، تو ایسے امام کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

(۲) اگر کوئی حافظ غریب ہو اور وہ تعلق کی بنا پر یا عوام کو غریب بتلاکر کسی امام کے حلقہ میں جاکر نکاح پڑھادے اور اس مسجد کے امام کا حق لے کر چلا جائے تو ایسے حافظ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(۳) مسجد کا متولی یا برادری کا چودھری دوسری مسجد کے امام کے حلقہ میں کسی اور سے نکاح پڑھوائے اور مسجد کا حق روپئے یا سامان وغیرہ اس مسجد کو چھوڑ کر اپنی مسجد کے لئے لے جائے تو ایسے متولی یا برادری کے چودھری کے بارے میں شریعت کا کیا فیصلہ ہے؟

المستفتی: عظمت علی آسامی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) ہندوستان میں مساجد کے جو ائمہ ہوتے ہیں وہ صرف محراب کے مصلیوں کے حق دار ہوتے ہیں، اپنے مصلے کے علاوہ باقی کسی بھی چیز میں ان کا کوئی حق متعلق نہیں ہوتا ہے، ان کی اجازت کے بغیر ان کے مصلے پر کھڑے ہوکر دوسروں کو نماز پڑھانے کا حق نہیں ہوتا ہے، کوئی پڑھائے گا تو اعتراض کا حق ہوتا ہے۔ اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام کا حق مارا گیا۔ اور نکاح پڑھانے میں محلّہ کے امام کا کوئی حق شرعی طور پر وابستہ نہیں ہوتا، لڑکے والے اور لڑکی والے کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جس کے

ذریعہ سے چاہیں پڑھوائیں، اس میں محلّہ کے امام یا کسی اور کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہیں ہے، چاہے وہ اپنے ساتھ نکاح پڑھانے والے کو لائیں یا کسی دوسرے محلّہ کے امام کو لائیں، ان کی اپنی مرضی ہے، نیز محلّہ میں اگر پنچایتی یا وراثتی قاضی بھی موجود ہو تو اس کو بھی کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی نکاح پڑھانے میں شرعی طور پر اس کا کوئی حق متعلق ہوگا۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۹/ ۱۷۸، محمودیہ قدیم ۱۱/ ۱۶۱، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۵۹۴، فتاوی دارالعلوم ۷/ ۱۶۳)

(۲) اگر مذکورہ حافظ نکاح پڑھائے گا تو شرعی طور پر اس حافظ نے اس محلّہ کے امام کا کوئی حق نہیں لیا ہے؛ کیوں کہ نکاح پڑھانے کے ساتھ امام کا کوئی حق متعلق ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ اپنا حق سمجھنے والے امام کے بارے میں شریعت جہالت کا فیصلہ کرے گی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ، قدیم ۹/ ۱۷۸، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۵۹۴، فتاوی دارالعلوم ۷/ ۱۶۳)

(۳) نکاح خوانی کسی شخص یا کسی امام یا کسی مسجد کی جاگیر نہیں ہے؛ بلکہ نکاح والے جس کے ذریعہ سے چاہیں پڑھوا سکتے ہیں، شریعت ایسے متولی یا چودھری کے بارے میں یہ فیصلہ کرے گی کہ انہوں نے صحیح عمل کیا ہے، ان کے اس عمل کو غلط کہنے والے خود غلطی پر ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰؍ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۵۰۶۷)

گاؤں پنچایت والوں کا نکاح خوانی کی اجرت مقرر کرنا

سوال [۵۳۰۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح خوانی کے موقع پر ہر گاؤں میں کچھ ذمہ دار یہ طے کر دیتے ہیں کہ مثلاً دوسو روپیہ دولہا یا اس کے ولی سے لیا جائے اور اس متعین کردہ روپیہ میں سے کچھ روپئے قاضی کو دیتے ہیں یہ مقدار ہر بستی والوں نے الگ الگ متعین کر رکھی ہے، قاضی الگ سے کوئی

اجرت نہیں لیتا ہے۔ اور کچھ روپۓ مسجد اور کسی کار خیر میں خرچ کرتے ہیں، تو اس روپیہ کو قاعدہ بنا کر دولہا والوں سے وصول کرنا اور کار خیر میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

المستفتی: مسعود احمد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گاؤں پنچایت، برادری پنچایت نے اپنا یہ اصول بنا رکھا ہے اور ایسی صورت میں دولہا یا اس کے ولی نہ دینا چاہیں تو ان پر دباؤ ڈال کر مقررہ رقم وصول کی جاتی ہے یا رواج اور رسم سے مجبور ہو کر طوعاً وکرہاً بھی رقم دی جاتی ہے، اس کو حضرت تھانویؒ نے ''امداد الفتاوی'' میں ممنوع اور ناجائز لکھا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ٣/٣٧٣)

نیز نکاح خوانی کی اجرت لینا تو جائز ہے، مگر یہ اجرت دولہن والوں کی طرف سے ہونی چاہئے؛ اس لئے کہ اسی کو وکیل یا قاضی کی ضرورت ہوتی ہے، دولہا کو نہیں؛ کیوں کہ وہ از خود ایجاب وقبول کرتا ہے یا اس پر لازم ہونا چاہئے جو قاضی کو بلانے والا ہوا گر دولہا کی طرف سے بلایا جائے تو وہ ادا کرے اور دولہن کی طرف سے بلایا جائے تو وہ اجرت ادا کرے، مگر ہر صورت میں دولہا سے وصول کرنا ممنوع ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ٣/٣٧٣) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
١١ر صفر المظفر ١٤١٦ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣٢/ ٤٣٢٨)

نکاح خوانی کی اجرت کی ادائیگی کس کے ذمہ واجب؟

سوال [٥٣٠٩]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں: (١) نکاح خوانی کی اجرت کو آں محترم نے جائز لکھا ہے؛ لیکن وضاحت یہ مطلوب ہے کہ یہ اجرت کون دے؟ ہمارے یہاں پورے ضلع بجنور میں نکاح خوانی کی

اجرت دولہا والوں سے لیتے ہیں، جب کہ امام صاحب کو اور قاضی صاحب کو لڑکی والے ہی بلا کرلاتے ہیں، اس شکل کو حضرت تھانویؒ نے منع لکھا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا کوئی درست شکل ہے کہ دولہا والوں سے ہی نکاح کی اجرت لیں اور جائز ہو؛ کیوں کہ اگر ہم لوگوں نے گاؤں میں اعلان کردیا کہ نکاح خوانی کی اجرت لڑکی والے ہی دیں گے؛ کیوں کہ امام صاحب کو لڑکی والے ہی بلا کر نکاح پڑھانے کے لئے لے جاتے ہیں، تو ہمارا رہنا مشکل ہو جائے گا؛ اس لئے بہتر شکل واضح فرمادیں، ہم مولوی صاحبان دارالافتاء مدرسہ شاہی کے فتاوی پر ہی عوام کو اور خود کو لے کر چل رہے ہیں۔

(۲) شادی کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھانے کے بارے میں جو مفصل فتوی دارالافتاء مدرسہ شاہی سے جاری ہوا ہے جو رجسٹر الف: ۲۸/۴۴/۲۷ میں موجود ہے، دارالافتاء کی عنایت ہوگی اگر ارسال فرمادیں۔

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفیق: (۱) اگر قاضی یا عالم کو بلانے والے لڑکی والے ہیں اور وہی طے کرکے لائے ہیں، تو اس صورت میں اس کی اجرت لڑکی والوں پر ہی ہوگی؛ کیوں کہ بلانے والے وہی لوگ ہیں، لڑکے والے پر اس کی اجرت نہیں؛ لہٰذا ان پر اس کا بار ڈالنا بھی جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر لڑکے والے بخوشی نکاح خواں کی اجرت دے دیتے ہیں، یا لڑکے والوں نے لڑکی والوں کو نکاح خواں کو بلانے کا مکلّف بنایا ہے اور ان ہی کے کہنے کے مطابق لڑکی والوں نے نکاح خواں کو بلایا ہے، تو نکاح خوانی کی اجرت لڑکے والے ادا کریں گے؛ لہٰذا آپ کے یہاں اگر لڑکی والے بلاتے ہیں اور لڑکے والے پیسے دیتے ہیں اور اس کا تعارف وتعامل ہو چکا ہے، تو لڑکے والوں کی طرف سے دلالۃً لڑکی والوں کے لئے اجازت ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں بھی لڑکے والے اجرت دے سکتے ہیں؛ لیکن اس بات کو صراحت کے ساتھ طے کرلیا جائے تو زیادہ بہتر ہے، تاکہ لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی

والوں کو صراحتاً اجازت مل جائے اور لڑکے والوں کی طرف سے اجرت دینے کی پیشکش بھی صراحت کے ساتھ معلوم ہو جائے، تاکہ آپ کے یہاں کا تعامل بھی جاری ہو جائے اور مسئلہ شرعی پر عمل بھی ہو جائے۔ (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/۱۵۲، جدید زکریا ۵/ ۱۴۶)

(۲) رجسٹر الف: ۲۸/ ۴۴ ۲۷ نمبر فتوی حاصل کرنے کے لئے مولانا کلیم اللہ صاحب جو دفتر دارالافتاء کے ذمہ دار ہیں، ان سے رابطہ قائم کریں، وہ اگر بخوشی نقل کر کے آپ کی طرف روانہ کر دیں تو ان کے اور آپ کے درمیان آپسی رابطہ کی بات ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۹۶۳۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۹/۶/۱۲ھ

نکاح کی اجرت سے متعلق چند سوالات کے جوابات

سوال [۵۳۱۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) کیا نکاح خوانی کی اجرت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اجرت طے کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر طے کی جاسکتی ہے تو اس کی کوئی مقدار متعین ہے یا نہیں؟

(۲) ایک مسجد میں امام صاحب اور مؤذن صاحب دونوں بعوض تنخواہ مامور ہیں، امام صاحب نکاح پڑھاتے ہیں اور رجسٹر میں اندراج کرتے ہیں، نکاح خوانی سے اجرت یا نذرانہ ملتا ہے، تو اس میں مؤذن صاحب بھی دعویدار بنتے ہیں، جب کہ ان کا نذرانہ علیحدہ بھی آتا ہے، کیا مؤذن صاحب کی یہ دعویٰ داری جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) امام صاحب کو جو آمدنی مسجد کے ذریعہ سے ہوتی ہے، خواہ وہ نکاح خوانی ہو یا عیدالفطر کے موقع پر جو رقم رمضان کے اخیر میں دی جاتی ہے یا اور کسی دوسرے ذریعہ سے ہو، تو اس آمدنی میں مسجد کی انتظامیہ کمیٹی نے یہ کر رکھا ہے کہ امام صاحب اور مؤذن صاحب کو ہر

آمدنی میں سے نصف نصف تقسیم کردیتے ہیں، جب کہ تنخواہ میں بھی معمولی فرق ہوتا ہے، کیا انتظامیہ کمیٹی کا یہ فیصلہ درست ہے؟

(۴) امام صاحب اور مؤذن کی تنخواہ اور دوسری آمدنی میں کیا تناسب رہنا چاہئے؟

(۵) اگر ایک مسجد کے حلقہ کا نکاح دوسری مسجد کے امام صاحب پڑھادیں، تو اس کا کیا حکم ہے، جب کہ دستور ہے کہ جس مسجد کے حلقہ میں شادی ہو نکاح اسی مسجد کے امام صاحب پڑھاتے ہیں اور انہیں کچھ آمدنی کی توقع رہتی ہے۔ (نوٹ) امام صاحب کی لیاقت یہ ہے: حافظ، عالم فاضل دارالعلوم ہیں اور مؤذن صاحب سادہ لوح حافظ بعض مواقع پر ناظرہ بھی صحیح نہیں ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) نکاح خوانی کی اجرت طرفین یعنی نکاح پڑھانے والے اور اس کو بلانے والے کی رضامندی سے لینی جائز ہے۔ اور اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے؛ بلکہ جو بھی اجرت چاہیں آپسی رضامندی سے متعین کرسکتے ہیں۔

(مستفاد: کفایت المفتی، قدیم ۵/ ۱۵۱، جدید زکریا ۵/ ۱۴۶، امداد الفتاوی ۳/ ۲۷۲)

وكل نكاح باشره القاضي، وقد وجبت مباشرته عليه، كنكاح الصغار والصغائر، فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، وما لم تجب مباشرته عليه حل له أخذ الأجرة عليه. (هندية، كتاب القضاء، الباب الخامس عشر في أقوال القاضي، زكريا ديوبند ٣/ ٣٤٥، جديد زكريا ٣/ ٣٠٦)

(۲) جو نکاح پڑھائے گا وہ اجرت کا مستحق ہوگا، امام پڑھائے گا تو وہ مستحق ہوگا، اگر مؤذن پڑھائے گا تو وہ مستحق ہوگا؛ لہٰذا اگر امام صاحب نے نکاح پڑھایا ہے، تو مؤذن کو دعویداری کا حق نہیں۔ اور اگر موذن نے پڑھایا تو امام کو دعویداری کا حق نہیں۔

والأجرة إنما تكون في مقابلة العمل. الخ (شامي، مطلب أنفق على معتدة الغير، زكريا ٤/ ٣٠٧، كراچی ٣/ ١٥٦)

(۳) مسجد کی کمیٹی رمضان کے اخیر میں یا کسی اور موقع سے جو رقم بطور انعام امام صاحب اور مؤذن صاحب کو دیتی ہے جو امام اور موذن کی سالانہ آمدنی میں بھی شمار ہوتی ہے، وہ کمیٹی کی صوابدید پر موقوف ہے، چاہے نصف نصف تقسیم کرے یا تناسب سے تقسیم کرے، ان کو اختیار ہے۔

وقف وقفين على المسجد، أحدهما على العمارة، والآخر إلى إمامه، أو مؤذنه، والإمام والمؤذن لا يستقر لقلة المرسوم للحاكم الدين أن يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة إلى الإمام والمؤذن باستصواب أهل الصلاح من أهل المحلة. الخ (شامي، كتاب الوقف، زكريا ٦/ ٥٥١، كراچی ٤/ ٣٦٠)

(۴) امام اور مؤذن کی تنخواہ میں تناسب کا فیصلہ مسجد کے ذمہ داروں کی صوابدید پر ہے، وہ جس کے لئے جتنا چاہیں حسب مناسب تنخواہ متعین کرسکتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلح جائز بين المسلمين إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما. (ترمذي، باب الأحكام ١/ ٢٥١، رقم: ١٣٥٢)

(۵) نکاح پڑھوانے والے زوجین کے آدمی جس سے چاہیں نکاح پڑھوا سکتے ہیں، شریعت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے، محلّہ کے ہی امام سے نکاح پڑھوانا ضروری نہیں ہے؛ لہٰذا دوسرے محلّہ کا امام آکر کے بھی نکاح پڑھا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۵/ ۱۵۱، جدید زکریا ۵/ ۱۴۶، امداد الفتاوی ۳/ ۳۷۲، امداد المفتیین ۱/ ۸۶۸) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۶/۲۳ھ

نکاح کا رشتہ کرانے پر کمیشن یا دلالی لینا

سوال [۵۳۱۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح کا رشتہ کرانے پر کمیشن یا دلالی لینا کیسا ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڑھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: نکاح کا رشتہ کرانے پر کمیشن یا دلالی لینا درست ہے؛ کیوں کہ یہ اس کی محنت اور کوشش کا عوض ہے۔

الدلالة في النكاح لا تستوجب الأجر، وبه يفتي الفضلي في فتاواه، وغيره من مشايخ زماننا كانوا يفتون بوجوب أجر المثل، وبه يفتي. (هندية، الإجارة، الباب السادس عشر في مسائل الشيوع في الإجارة، زكريا ديوبند ٤/ ٤٥١، جديد زكريا ٤/ ٤٨٧)

وفي فتاوى الفضلي: الدلالة في النكاح لا تستوجب الأجر، وبه كان يفتي رحمه الله وغيره من مشايخ زمانه كانوا يفتون بوجوب أجر المثل لها؛ لأن معظم الأمر من النكاح يقوم بها، ولها سعي في إصلاح مقدمات النكاح، فيستوجب أجر المثل بمنزلة الدلال في باب البيع، وبه يفتي.

(المحيط البرهاني، الإجارة، الفصل الرابع والثلاثون في المتفرقات، المجلس العلمي ١٢/ ١٢٤، رقم: ١٤١٥٩، الفتاوى التاتارخانية، زكريا ديوبند ١٥/ ٣٦٥، رقم: ٢٣٣٨٦) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۹/ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۴۶)

نکاح کے وکیل اور گواہوں کا پیسہ لینا

سوال [۵۳۱۲]: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح کے وقت وکیل کسی کو وکیل بنادیتا ہے اور یہ وکیل لڑکی سے نکاح کی اجازت لیتا ہے اور دو گواہ ساتھ ہوتے ہیں، جو لڑکی کی اجازت دینے کو سنتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس موقع پر گواہ بنانا ضروری ہے یا صرف وکیل کا اجازت لے کر قاضی نکاح کو بتانا کافی ہے؟ نیز وکیل اور گواہ جو پیسے لیتے ہیں یہ پیسے وکیل یا گواہ کو لینا درست ہے؟

المستفتی: عبدالرشید قاسمی سیڈھا، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وکیل اور گواہوں کو پیسے دینے کے بارے میں کوئی جزئیہ نظر سے نہیں گذرا؛ البتہ بوقت نکاح عقد کی مجلس میں وکیل کا ہونا ضروری نہیں ہے، بس دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا موجود ہونا کافی ہے، نیز اگر دو مرد عقد نکاح کی مجلس میں بغیر گواہ بنائے موجود ہوں اور ایجاب وقبول کے الفاظ وہ لوگ سن لیں، تب بھی نکاح صحیح اور درست ہوتا ہے۔

بشرط حضور شاهدين . الخ (درمختار، کتاب النکاح، زکریا دیوبند ٤/ ٨٦، کراچی ٣/ ٢١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۹/ ۳۴۲۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/۴/۱۴۱۴ھ

برادری والوں کا نکاح خواں کی اجرت پانچ سو طے کرنے اور امام سے متعلق کرنے کا حکم

سوال [۵۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے علاقہ میں مختلف برادریاں رہتی ہیں اور گاؤں کی ہر مسجد سے متعلق ہر ایک برادری کا ربط وضبط ہوتا ہے، علاقہ میں رامین برادری کی اکثریت ہے، اس برادری نے شادی بیاہ کے منکرات اور بے جا اسراف کو کنٹرول کرنے کے لئے میٹنگ جوڑ کر شادی سے متعلق جہاں دیگر مسائل کو حل کیا ہے وہیں یہ بھی طے کیا ہے کہ نکاح خوانی کی اجرت بھی پورے علاقہ میں صرف ۵۰۰/روپئے ہوں اور یہ اجرت امام صاحب کی ہوگی، نکاح کوئی بھی پڑھائے، نیز امام صاحب کے تقرر کے وقت ذمہ داران مسجد یہ بات بھی مدنظر رکھتے ہوئے تنخواہ کی تعیین کرتے ہیں کہ اتنے نکاح ہوں گے، جس کی اتنی رقم ہوگی اس لئے اتنی تنخواہ طے کرلو اس مسئلہ پر ہمارے علاقہ کے علماء اتفاق نہیں کرتے؛ اس لئے آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق جتنے بھی جزئیات ہوں، ان سبھی کو بھی باحوالہ تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، تاکہ یہ مسئلہ ایک نزاع کی صورت اختیار نہ کر سکے۔

المستفتی: محمد نوشاد تاراپور، پوسٹ بڑھاپور، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: انتظامی امور کے پیش نظر شادی بیاہ کے منکرات اور بے جا اسراف کو کنٹرول کرنے کے لئے کمیٹی نے جو نظام بنایا ہے جائز اور درست ہے؛ البتہ نکاح خوانی کی اجرت کا مستحق وہی ہوگا جس نے نکاح پڑھایا، ایسا کرنا درست نہیں ہے کہ نکاح کوئی بھی پڑھائے مگر نکاح خوانی کی اجرت ہر صورت میں امام صاحب کو ملے گی، یہ شریعت کے خلاف ہے۔

إذا اجتمعا المباشر والمسبب أضيف الحكم إلى المباشر. (الأشباه والنظائر قديم: ۲۳۷، جديد: ٤٠٤)

كل نكاح باشره القاضي وقد وجبت مباشرته عليه كنكاح الصغار والصغائر فلا يحل له أخذ الأجرة عليه، كذا في المحيط، والمختار للفتوى أنه إذا عقد بكرا يأخذ دينارا، وفي الثيب نصف دينار، ويحل له ذلک، هكذا قالوا، وكذا في البرجندي. (الفتاوى الهندية، قديم زكريا ۳/ ۳٤٥، جديد ۳/ ۳۰٦)

الدلالة في النكاح لا تستوجب الأجر، وبه يفتى الفضلى في فتاواه، وغيره من مشايخ زماننا كانوا يفتون بوجوب أجر المثل، وبه يفتى. (الفتاوى الهندية قديم زكريا ديوبند ٤/ ٤٥١، جديد زكريا ٤/ ٤٨٧) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۲۰۱۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۶/۵/۳ھ

۶/ باب من أحق بالإنكاح

نکاح پڑھانے کا حق دار کون ہے؟

سوال [۵۳۱۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) موجودہ زمانہ میں وقف بورڈ کیا حیثیت رکھتا ہے اور اس کا کیا مقام ہے؟ بعض مقامات میں کچھ ایسے حضرات ہیں جو اپنے علاقہ کو اپنے نام سے نکاح پڑھانے کے واسطے وقف بورڈ سے رجسٹری کرا لیتے ہیں اور علاقہ کے گاؤں میں سے کچھ گاؤں میں مسجد کمیٹی کی جانب سے مسجد کمیٹی کے صدر یا مسجد معلم اور امام مسجد نکاح پڑھا رہے ہیں، اس صورت میں اپنے نام سے رجسٹرڈ کرانے والے قاضی صاحب کا کہنا ہے کہ نکاح میں ہی پڑھاؤں گا مسجد کے صدر صاحب وامام صاحب چاہے وہ حافظ ہوں یا عالم کوئی بھی نکاح نہ پڑھائیں اور مذکورہ قاضی صاحب نکاح پڑھانے کی صورت میں مسجد کے صدر اور امام پر کیس اور مقدمہ کر دیتے ہیں، مسجد کمیٹی کی غرض نکاح پڑھانے سے یہ ہے کہ نکاح سے ملنے والی رقم مسجد کی ضروریات میں صرف ہو اور امام صاحب کو بطور ہدیہ اور بطور تنخواہ دی جائے اور مسجد کو ذریعہ آمدنی کچھ بھی نہیں ہے، بایں صورت مذکورہ قاضی صاحب نے جو وقف بورڈ سے منظوری کرالی ہے اور وقف بورڈ نے ان کے نام سے رجسٹرڈ کر دیا ہے، تو کیا وقف بورڈ سے طے شدہ مذکورہ قاضی صاحب کو چھوڑ کر صدر مسجد کمیٹی اور امام مسجد کے لئے نکاح پڑھانا جائز ہوگا یا نہیں؟ شرعاً وقانوناً اس بارے میں جو محقق ومدلل مسئلہ ہو اس کی صراحت مطلوب ہے۔

المستفتی: محمد ہاشم گونڈہ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح پڑھانے کا حق ولی کو ہے، ولی جس سے چاہے نکاح پڑھوا سکتا ہے، کسی دوسرے کے لئے (خواہ مذکورہ قاضی صاحب ہوں یا مسجد کمیٹی کے صدر

وامام صاحبان) درست نہیں ہے کہ اس حق کو سرکاری طور پر اپنے نام رجسٹرڈ کرالیں؛ البتہ ولی کی مرضی ہے چاہے وہ اس قاضی سے پڑھوائے یا امام صاحب سے پڑھوائے، نیز جب امام نکاح پڑھائے گا، پھر اس کو کچھ نذرانہ مل جائے وہ اسی کا حق ہوگا، مسجد کا نہیں۔

قال ابن عابدين، قال في شرح المنية: الأصل أن الحق في الصلاة للولي، ولذا قدم على الجميع في قول أبي يوسف إلى قوله: لأن هذا حكم يتعلق بالولاية كالإنكاح. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، كراچی ۲/ ۲۲۰، زكريا ۳/ ۱۲۰)

قال أبو يوسف: ولي الميت أولى؛ لأن هذا حكم يتعلق بالولاية كالإنكاح. (حاشية الطحطاوي على المراقي، دارالكتاب ديوبند ۵۸۹) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴۲۰/۲/۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/۱۱ ۶۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ
۱۴۲۰/۲/۲۸ھ

کیا نکاح خواں کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے

سوال [۵۳۱۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ بروز ہفتہ ۲۷/ جولائی ۱۹۹۱ء کو رات دس بجے نسیم احمد عمر ۲۲/ سال ولد آفتاب احمد کا نکاح مسنون ہمراہ نسرین عمر ۲۱/ سال دختر مجید حسین کی لڑکی سے ہوا، جس میں وکیل اور گواہ صاحبان کے نام حسب ذیل ہیں، لڑکی کے باپ اپنے آپ کو صدیقی کہتے ہیں؛ لیکن وہ صدیقی نہیں ہیں، بقول قوم کے دھوبی ہیں۔

اسمائے گرامی وکیل وگواہان ونکاح خواں

نام وکیل: انور جاوید ولد عبد الحفیظ قوم خان عمر ۲۴/ سال، محلّہ لال مسجد مرادآباد

نام گواہ اول: علیم خان ولد عبد العزیز خان قوم خان، عمر ۲۴/ سال، ساکن پکا باغ مرادآباد

نام گواہ ثانی: ریاض خان ولد سہراب خان، قوم خان، عمر ۲۵ر سال، ساکن پکا باغ، مرادآباد
نام نکاح خواں: صغیر احمد قاسمی ولد مجیب الرحمٰن، قوم شیخ، عمر ۲۳/ سال، ساکن رتوا کشن گنج
مقام نکاح: ابراہیم مارکیٹ بر مکان انور سردار صاحب، مرادآباد

چوں کہ نکاح لڑکے اور لڑکی کے والدین کی رضامندی کے بغیر لڑکے اور لڑکی نے اپنی مرضی سے کیا ہے، اس لئے اب اس کے اندر اختلاف ہوگیا ہے کہ نکاح پڑھانے والے کی عمر کم ہے؛ اس لئے نکاح درست نہیں ہوا، حالانکہ مفتی صاحب سے معلوم کرنے کے بعد اختلاف کرنے والوں سے کہہ بھی دیا گیا ہے، مفتی صاحب کے فتوی کے مطابق نکاح پڑھانے والے کا بالغ ہونا شرط ہے، عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ لیکن وہ اس پر راضی نہیں ہیں کہ ہم کو تو مفتی صاحب کا فتوی مہر لگا ہوا دکھلاؤ، جب ہم مانیں گے۔

لہٰذا آپ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

المستفتی: آفتاب احمد مشتاق بلڈنگ اسٹیشن روڈ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح خواں کا صرف عاقل بالغ ہونا شرط ہے۔ اور ۲۳ر سال کا آدمی اور عالم وفاضل شخص کا نکاح پڑھانا بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور جو لوگ اشکال کررہے ہیں ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے، ان کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، ہاں البتہ نکاح خواں کا پڑھا لکھا ہونا زیادہ بہتر ہوتا ہے اور مذکورہ نکاح خواں بھی پڑھا لکھا اور عالم ہے۔

ویندب إعلانه وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد. الخ (الدرالمختار، کتاب النکاح، کراچی ۳/ ۸، زکریا ٤/ ٦٦)

اور اگر لڑکا خان ہے اور لڑکی دھوبی ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں درج ہے، تو عرف میں لڑکے کا خاندان لڑکی کے خاندان سے اونچا نہیں ہے، تو کم از کم نیچا بھی نہیں ہے، اور ایسی صورت میں عاقل بالغ لڑکی اگر والدین کی رضامندی کے بغیر نکاح کر لیتی ہے، تو شرعاً معتبر ہوا کرتا ہے۔

کون المرأة أدنی الکفاء ة معتبرة من جانبه -إلی قوله- ولذا لا تعتبر من جانبها؛ لأن الزوج مستفرش فلا تغیظه دناء ة الفراش، وهذا عند الکل في الصحیح. الخ (الدرالمختار، باب الکفاءة، کراچی ۳/ ۸۵، زکریا ٤/ ۲۰٦)

فلا بد من اعتبارها بخلاف جانبها؛ لأن الزوج مستفرش فلا تغیظه دناء ة الفراش. (هدایة، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، أشرفي دیوبند ۱/ ۳۲۰)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۷/ ۲٦۲۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۲/۴/۳ھ

دولہے کا خود اپنا نکاح پڑھانا

سوال [۵۳۱٦]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: عرض ہے کہ ایک صاحب نے اپنا نکاح خود پڑھ لیا، نکاح کی صورت حال یہ تھی کہ لڑکے نے لڑکی کے والد کو مسجد میں بلا کر کہا کہ آپ نے اپنی لڑکی کا نکاح دو ہزار روپئے مہر کے ساتھ کیا لڑکی کے والد نے کہا کہ میں نے قبول کیا، مسجد میں پچاس ساٹھ آدمی موجود تھے، اس کے بعد لڑکے نے خطبہ پڑھا، پھر دعا ہوئی، پھر چھوہارے تقسیم ہوئے، گھر میں بھی مسجد سے ایک آدمی نے آکر لڑکی کو چھوہارے دئے، چھوہارے لڑکی نے لئے اور خاموش رہی اور لڑکی کے والد کو سب لوگ جانتے ہیں۔ اور لڑکی کو بھی جانتے ہیں کہ اس کا نکاح ہوا ہے اور نکاح کی شہرت بھی ہوگئی اور خوب شہرت ہوئی اور اس کے بعد لڑکی لڑکے کے گھر بھی گئی اور کچھ دن رہ کر واپس آگئی، اور کوئی ناراضگی اور کوئی بات نہیں پائی گئی، لوگ اس نکاح پر اعتراض کرتے ہیں کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: نکاح کے دو دن بعد لڑکی سے چھ سات آدمیوں کی موجودگی میں یعنی ان کی حاضری

میں لڑکی کے گھر پر لڑکی سے تحریری اجازت لی وہ ساتھ لگی ہوئی ہے اور واضح رہے کہ جب چھوہارے تقسیم کرنے کے لئے گھر میں آئے تو ایک مرد اور بہت سی عورتیں موجود تھیں، اب براہ کرم تحریر فرمائیں کہ امام اعظمؒ کے نزدیک نکاح ہوا کہ نہیں؟ اور متعین گواہ کوئی نہیں کیا گیا اور لڑکی بالغہ عاقلہ ہے۔

المستفتی: طاہر علی خان ولد ننے خان، قصبہ ککرالہ نگلہ، ضلع بدایوں

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مذکورہ میں بلاشبہ نکاح صحیح ہو چکا ہے، دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہے۔

ولو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد جاز إن كانت ابنته حاضرة؛ لأنها تجعل عاقدة الخ. (الدرالمختار، کتاب النکاح، کراچی ۳/ ۲۵، زکریا ٤/ ۹۵)

إذا زوج الأب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد إن كانت حاضرة جاز. (هداية، أشرفي ديوبند ۲/ ۳۰۷)

جب پورے مجمع میں نکاح کیا ہے، تو ان میں سے دو گواہ شمار کئے جاسکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۰/ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۳/ ۳۴۰)

نکاح پڑھانے کا حق کس کو ہے؟

سوال [۵۳۱۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص غیر عالم غیر رشتہ دار ہے، مگر مسجد کا امام ہے۔ اور ایک شخص عالم ہے، رشتہ دار ہے، مگر مسجد کا امام نہیں ہے، تو نکاح پڑھانے میں یہ حق دار وافضل ہے یا وہ جو کہ عالم ہے اور رشتہ دار ہے، چاہے مسجد کا امام نہ ہو؟

المستفتی: فخر الاسلام، سنبھل

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح پڑھانے کا حق ولی کو ہے، پھر وہ جس کو ولی اجازت دے دے، خواہ وہ امام ہو یا غیر امام، عالم ہو یا غیر عالم، رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار۔

الأصل أن الحق في الصلاة للولي، وكذا قدم على الجميع ...... لأن هذا حكم يتعلق بالولاية، كالإنكاح. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچی ۲/ ۲۲۰، زكريا ۳/ ۱۲۰)

قال أبو يوسف: ولي الميت أولى؛ لأن هذا حكم يتعلق بالولاية كالإنكاح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، دارالكتاب ديوبند ۵۸۹) **فقط** واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۱؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/ ۵۹۸۶)

نکاح پڑھانا کس کا حق ہے؟

سوال [۵۳۱۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: نکاح پڑھانا کس کا حق ہے، جہاں نکاح ہو اسی گاؤں یا محلے کے امام کا یا کوئی دوسرا بھی پڑھا سکتا ہے؟ جب کہ ہمارے یہاں یہ اختلاف ہو رہا ہے کہ لڑکے والے جس امام سے نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں لڑکی والے اس سے نہیں پڑھوانا چاہتے، تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

المستفتی: جمیل احمد، ایم پی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکی سے لڑکی کا ولی یا اس کا محرم ایجاب کراتا

ہے اور اجازت حاصل کرتا ہے، اب لڑکے کی طرف سے صرف قبول کی بات باقی رہ جاتی ہے، اس کے لئے قاضی مقرر کرنے کا حق لڑکے والوں کو حاصل ہونا چاہئے، وہ جس سے چاہیں نکاح پڑھوائیں تو اس بارے میں لڑکی والوں کو اس بات پر راضی ہوجانا چاہئے کہ لڑکے والے جس شخص کو چاہیں نکاح خواں مقرر کریں، ہاں البتہ اگر لڑکے والے بخوشی لڑکی والوں کو اجازت اور اختیار دے دیں تو لڑکی والے بھی نکاح خواں مقرر کر سکتے ہیں، مگر یہ لڑکی والوں کا حق نہیں ہے؛ بلکہ لڑکے والوں کا حق ہے۔ اور بہتر یہی ہے کہ نکاح خواں دیندار، متقی پرہیز گار ہو اور مسائل شرعیہ سے واقف ہو۔

وكونه في مسجد يوم الجمعة بعاقد رشيد. (شامي، زكريا ديوبند ٤/ ٦٧، كراچی ٣/ ٨) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
یکم رجب ۱۴۲۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۸/ ۸۸۸۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۴ھ

نکاح کس سے پڑھوایا جائے؟

سوال [۵۳۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ موقع نکاح میں عقد خوانی کا حق لڑکے والوں کو ہے یا لڑکی والوں کو؟ لڑکے کے اہل خانہ میں اگر خود عالم دین موجود ہو تو کیا لڑکی کے گاؤں کے امام پر ایسے شخص کو فوقیت نہیں ہے۔

المستفتی: عمران ارریاوی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: لڑکا اور لڑکی والوں میں سے ہر ایک کو نکاح پڑھوانے کا حق ہے، دونوں لوگ جس شخص پر راضی ہوجائیں اس سے نکاح پڑھوا سکتے ہیں۔ اور اگر دونوں میں سے کسی کے خاندان میں کوئی عالم دین ونیک صالح شخص موجود ہو تو اس

سے بھی نکاح پڑھوا سکتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی تحدید نہیں ہے، حتی کہ لڑکا اور لڑکی اگر بالغ ہوں اور وہ دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر لڑکے کے خاندان میں عالم دین نیک صالح موجود ہے، تو طرفین آپس کی رضاو مشورہ سے اس سے بھی نکاح پڑھوا سکتے ہیں۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۱۳/۲۰۸)

لأن هذا حكم يتعلق بالولاية كالإنكاح. (شامي، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، كراچی ۲/ ۲۲۰، زكريا ۳/ ۱۲۰، حاشية الطحطاوي على المراقي، دارالكتاب ديو بند ۵۸۹)

الولي في النكاح العصبة بنفسه. (شامي، كراچی ۳/ ۶۵، زكريا ۴/ ۱۶۹)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۸؍ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۷۱۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۸/۴/۱۴۲۲ھ

محلوق اللحیہ کا اپنی لڑکی کا نکاح پڑھانا

سوال [۵۳۲۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید محلوق اللحیہ نے اپنی دختر زینب کا نکاح خالد کے ساتھ بایں طور کہ اولاً اپنی دختر بالغہ سے اجازت نکاح لے کر اور مقدار مہر معلوم کرکے دس بارہ اشخاص کی موجودگی میں خالد سے کہا کہ میں اپنی دختر زینب کو بعوض اتنے مہر کے آپ کے نکاح میں دیتا ہوں، کیا آپ نے اس کو قبول کیا؟ خالد نے کہا جی ہاں قبول کیا میں نے اس کو ''کردیا'' بعض لوگوں میں اس نکاح کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اور سلسلہ چہ میگوئیاں کافی دیر تک جاری رہا، بکر جو ایک عالم دین ہے، وہ اس طرح کی افواہوں اور فضولیات سے متأثر ہوکر خالد سے کہتا ہے کہ آپ کو عوام کا منہ بند کرنے کے لئے رسمی طور پر امام حیّ یا ماسوا زید کے کسی سے بھی نکاح پڑھوا لینا چاہئے تھا، تاہم بکر وقوع نکاح مذکور کا معترف ہے اور خالد سے جو ایک مسجد کا امام ہے

بتشدد یہ کہتا ہے کہ آپ اپنی لڑکی کا نکاح خود پڑھائیں میں نہیں پڑھاؤں گا، پھر دیکھتے ہیں کہ عوام الناس علماء کے سر پر بال چھوڑتی ہے یا نہیں؟ لہٰذا ہمیں زمانہ کی رفتار اور دور حاضر کی تعلیم کے مطابق چلنا پڑے گا، نکاح کے اندر جتنی رسومات ہیں ان کو بھی اپنانا پڑے گا؛ لہٰذا دریافت طلب مذکورہ بالا تفصیل سے چند امور ہیں:

(۱) زید محلوق اللحیہ نے بطریق مذکورہ بالا جو نکاح پڑھایا وہ ہوا یا نہیں؟ اور ہوا تو کیسا ہوا موافق سنت یا خلاف سنت؟

(۲) نیز حلق اللحیہ نکاح خوانی میں مخل واثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟

(۳) بکر کے جو خیالات مرقوم ہیں وہ درست ہیں، یا غلط؟ اگر غلط ہیں تو شرعاً ایسے عالم کا کیا حکم ہے۔ اور عوام الناس میں سے جس جس نے اس میں حصہ لیا وہ کس درجہ کے گنہگار رہیں، صغیرہ کے یا کبیرہ کے؟

(۴) خالد کو اپنی مسجد کے محلّہ میں حسب معمول وسابق نکاح خوانی جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: رحمت علی مظاہری، امام مسجد صدیقیان، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں زینب کا نکاح خالد کے ساتھ جو زینب کے والد محلوق اللحیہ نے پڑھایا ہے بلا شبہ صحیح اور درست ہو چکا ہے، بکر کا یہ کہنا کہ امام حی یا ماسوا زید کسی اور سے پڑھانا چاہئے درست نہیں ہے، ؛ اس لئے کہ نکاح جب دو گواہوں کے سامنے ہوا تو نکاح اپنے شرائط کے ساتھ صحیح ہو چکا ہے، دوبارہ نکاح کی بات کرنا محض جہالت ہے۔ اور نکاح کے لئے نئی رسومات کو اپنانے کو لازم کہنا بھی محض جہالت اور دینی مسائل سے بےتعلقی کی بات ہے، زینب کا نکاح خالد کے ساتھ محلوق اللحیہ نے جو پڑھایا ہے وہ صرف اس درجہ میں ہے کہ کسی کا نکاح مسجد میں نہ پڑھا کر گھر میں کسی کی بیٹھک وغیرہ میں پڑھایا گیا ہے، تو جس طرح مسجد میں نہ پڑھانے میں ملامت نہیں کی جاتی ہے، اسی طرح باشرع آدمی کے نہ پڑھانے میں بھی ملامت کی ضرورت نہیں ہے، بس صرف گواہوں کا ہونا لازم ہے۔

إن كان بمحضر من الشهود صح. الخ (درمختار، كتاب النكاح، كراچی ۳/ ۱۳)

(۲) محلوق اللحیہ کا نکاح بھی بلا شبہ صحیح اور منعقد ہو جاتا ہے، ہاں اگر کوئی باشرع متبع سنت عالم پڑھا دے تو بہتر ہے۔

ويندب إعلانه وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة، بعاقد رشيد. (شامي، كراچی ۳/ ۸، زكريا ٤/ ٦٦)

(۳) بکر کو مذکورہ نکاح میں چہ میگوئیاں کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اس قسم کی باتوں سے باز آجائے۔

(۴) جائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۵/ رمضان ۱۴۱۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۱/ ۳۵۸۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۴/۹/۵ھ

دیوبندی کا نکاح بدعتی نے پڑھا دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: اگر کسی دیوبندی کا نکاح کسی بدعتی نے پڑھا دیا اور اس نے ایجاب وقبول کے بعد خطبہ نکاح پڑھا ہے، تو کیا نکاح میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟

المستفتی: مشرف علی، متعلم مدرسہ شاہی، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نکاح کے صحیح ہونے کے لئے ایجاب وقبول کا ہونا شرط ہے۔ اور جب گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول ہوگیا تو خطبہ نکاح خواہ کوئی بھی پڑھے نکاح بالکل درست ہے۔

ومن شرائطها: الإيجاب والقبول. (درمختار، كتاب النكاح، كراچی ۳/ ۱٤، زكريا ٤/ ٧٦)

وشرط حضور شاهدين مكلفين، حرين، سامعين قولهما معا.

(درمختار، كتاب النكاح، كراچی ۳/ ۲۱، ۲۲، زكريا ٤/ ۸۷– ۸۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۶ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۲/ ۴۵۷۶)

فاسد العقیدہ کے پڑھائے ہوئے نکاح کا حکم

سوال [۵۳۲۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہمارے یہاں کچھ ایسے عقائد کے لوگ ہیں جن کے بارے میں مفتیان کرام دارالعلوم ونجیب آباد وکرتپور سب کا متفقہ فیصلہ اور فتوی یہی ہے کہ ایسے عقائد رکھنے والے ایمان سے خارج اور مرتد ہیں، ان کے نکاح ختم ہوگئے ہیں، ایسے لوگوں کا بائیکاٹ کر دیا جائے، شادی بیاہ یا کسی بھی تقریب میں ان کو نہ شریک کیا جائے اور نہ ہی ان کی تقریبات میں شرکت کی جائے، اب ایسا شخص اپنے کو صحیح العقیدہ ظاہر کرتے ہوئے قصداً کسی مسلمان کا نکاح پڑھائے اور ان کے ساتھ خلط ملط رہے، تو کیا ایسا شخص شریعت کے لحاظ سے مجرم ہے یا نہیں؟ اگر مجرم ہے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اس شخص نے جس لڑکی کا نکاح پڑھایا وہ رات میں ہوا تھا، جب وہ اپنی سسرال پہنچی اور وہاں کے لوگوں کو پورے واقعہ کا علم ہوا تو وہاں کے علماء وعوام کی میٹنگ ہوئی، بات یہ طے پائی کہ اگر لڑکی یہاں رہنا چاہتی ہے تو کلمہ پڑھے اور نکاح دوبارہ ہو؛ لہٰذا کلمہ پڑھانے کے بعد پھر دوبارہ نکاح ہوا، پوری صورت حال کے پیش نظر تفصیلی جواب سے نوازیں، اللہ رب العزت آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

المستفتی: عبدالرحمٰن سرائے عالم نجیب آباد، ضلع بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: فاسد العقیدہ لوگوں کے ساتھ میل جول درست نہیں ہے، تاہم اگر ان میں سے کسی شخص نے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح پڑھا دیا؛ جب کہ وہ

لڑکی اس نکاح پر راضی تھی تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگیا، اس لئے کہ نکاح میں قاضی محض وکیل ہوتا ہے، اصل عاقد ایجاب وقبول کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ دونوں مسلمان ہیں؛ لہٰذا اب دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں تھی، پھر بھی اگر دوبارہ نکاح کرا لیا گیا، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۱۰/ ۵۹۵، ۱۱/ ۵۳۸-۵۳۹)

قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ [هود: ۱۱۳]

قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس –رضي الله عنهما– لا تداهنوا وقال العوفي عن ابن عباس هو اكرمون إلى الشرک، وقال أبو العالية: لا ترضوا بأعمالهم، وقال ابن جرير عن ابن عباس: ولا تميلوا إلى الذين ظلموا وهذا القول حسن أي لا تستعينوا بالظلمة، فتكونوا كأنكم قد رضيتم بأعمالهم. الخ (تفسير ابن كثير مكمل ٦٧٥)

ومن شرائط الإيجاب والقبول ...... وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليتحقق رضاهما. (درمختار) أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا. الخ (درمختار مع الشامي، كتاب النكاح، کراچی ٣/ ١٤-٢١، زكريا ٤/ ٧٦-٨٦)

الوكيل في باب النكاح ليس بعاقد بل هو سفير عن العاقد معبر عنه. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٣٢٤، هداية أشرفی ديوبند ٢/ ٣٢٢)

ويندب إعلانه، وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد. (درمختار، كتاب النكاح، کراچی ٣/ ٨، زكريا ٤/ ٦٦-٦٧) **فقط اللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۹؍ شعبان ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر:)

مذکورہ مسئلہ سے متعلق ''مدرسہ ضیاء العلوم'' کرتپور بجنور کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق: شخص مذکور اپنے عقائد کی بنا پر گمراہ اور بد دین ہے، ایسے شخص کو مرید کرنے کی شرعاً اجازت نہیں وہ مرشد ہدایت نہیں؛ بلکہ مرشد ضلالت ہے۔ سوال میں جو عقائد تحریر کئے گئے ہیں وہ سب قرآن وحدیث اور شریعت اسلامیہ کے خلاف ہیں، نماز، روزہ، حج جیسے اسلام کے بنیادی ارکان کا انکار، قربانی کو ہتیا کہنا کفریہ کلمات ہیں، اسی طرح پیر کے متعلق انتہائی غلو پر مبنی عقیدہ کہ ہمارا پیر ہی ہمارا اللہ ہے، یہ شرک ہے؛ لہٰذا جو لوگ بھی مذکورہ عقائد رکھتے ہیں وہ کفر وشرک میں مبتلا ہیں، اسلام میں ان کا کوئی حصہ نہیں، ایسے لوگوں پر صدق دل سے توبہ لازم ہے اور اپنے ان کفریہ عقائد سے باز آئیں اور تجدید ایمان وتجدید نکاح کر کے دوبارہ اسلام میں داخل ہوں، اہل علم واصحاب صلاح وتقویٰ کو چاہئے کہ ان لوگوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں حق بات سمجھائیں اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں، اگر باوجود فہمائش کے وہ لوگ حق قبول نہیں کرتے یا ان سے حق قبول کرنے کی امید ہی نہیں، تو ایسی صورت میں عوام الناس کے سامنے ان کی حقیقت کو واضح کر کے ان کا بائیکاٹ شرعا لازم ہے، تاکہ لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے ان کے دام فریب میں پھنسنے سے محفوظ رہیں، مسلمان ان سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھیں، ان کے ساتھ خورد ونوش، سلام وکلام، لین دین، شادی بیاہ، ان کی تقریبات میں شرکت یا اپنے یہاں ان کی دعوت سب ختم کردیں، جو شخص ان سے تعلقات رکھتا ہے، اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾ [هود: ۱۱۳]

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد اسرار احمد نجیب آبادی
خادم ضیاء العلوم کرتپور
۱۷ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ

دارالعلوم دیو بند کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللّٰہ العصمة والتوفیق: جلیل نامی شخص جوکہ دین کی بنیادی باتوں کا منکر ہے اور اس سے مرید ہونے والے نیز اس کے جال میں پھنسنے والے لوگوں نے اگر وہ عقائد اپنا لئے ہیں جو استفتاء میں مذکور ہیں، نماز روزہ، حج، قربانی، وغیرہ سے متعلق اپنی زبانوں سے ہفوات خبیث بکتے ہیں، تو ایسے لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، مذکورہ فی السوال عقائد باطلہ واقوال فاسدہ کے اختیار کرتے ہی ان لوگوں کا ایمان ونکاح ختم ہوگیا، آئندہ کسی مسلمان لڑکی یا مسلمان عورت سے نکاح کریں گےتو نکاح درست نہ ہوگا؛ بلکہ باطل وحرام ہوگا۔ (فتاوی ہندیہ، الباب التاسع فی احکام المرتدین فی المجلد الثانی) میں تفصیل ہے، اگر جلیل اور اس کے متبعین اپنے عقائد واقوال ملعونہ سے سچی پکی توبہ نہ کریں اور اسی حال میں ان میں سے کوئی مرجائے تو نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور نہ ہی اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ اَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهِ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ. [سورة التوبة: ٨٤]

یعنی آپ –صلی اللہ علیہ وسلم– ہرگز ان بے ایمانوں میں سے کسی کی نماز نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک یہ لوگ منکر ہوئے ہیں، اللہ اور اس کے رسول سے اور مر گئے نافرمان ہوکر۔

مشہور فقیہ شیخ علامہ زین الدین بن نجیم المصری الحنفی (المتوفی ۹۷۰ھ) اپنی مشہور کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کے فن ثانی میں لکھتے ہیں:

وإذا مات، أو قتل على ردته لم يدفن في مقابر المسلمين، ولا أهل ملة، وإنما يلقى في حفرة كالكلب.

یعنی مرتدین میں سے جب کوئی مرجائے یا حالت ارتداد میں قتل کردیا جائے تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی کسی اہل ملت کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، اور اس کو کسی گڈھے میں کتے کی طرح ڈال دیا جائے گا۔ (کتاب السیر، باب الردۃ ۱/ ۲۹۱)

مرتدین پر حد وسزا جاری کرنا عوام کے اختیار میں نہیں ہے؛ بلکہ جہاں حکومت اسلامیہ ہو اس کے فرائض منصبی میں سے ہے۔ دارالافتاء مدرسہ ضیاء العلوم کرتپور بجنور کا منسلک فتوی سلسلہ جلیل اور اس کے متبعین سے متعلق درست وصحیح ہے، اس فتوی کے مستفتی عبد اللہ موضع سرائے عالم، تحصیل نجیب آباد بجنور ہیں، بتاریخ: ۷رمحرم الحرام ۱۴۲۴ھ میں یہ فتوی لکھا گیا ہے، دارالافتاء دارالعلوم دیوبند اس فتوی کی تصدیق کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد محمود حسن غفرلہ بلندشہری — الجواب صحیح:
دارالعلوم دیوبند ۱۱/۲/۱۴۳۴ھ — حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح: فخر الاسلام — الجواب صحیح: وقار علی غفرلہ

کیا بوقت عقد دماغ کا حاضر ہونا ضروری ہے؟

سوال [۵۳۲۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کہ یہاں ایک طالب علم کا نکاح طریقہ مسنونہ کے مطابق ایجاب وقبول کے ساتھ ہوا، دو تین روز کے بعد اسی طالب علم نے یہ کہا کہ جب میرا نکاح خطبہ کے ساتھ شروع ہوا تو فوراً پورے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی، جس کی وجہ سے میرا ذہن موقع پر حاضر نہ رہا اور جب وکیل نے لڑکی اور اس کا مہر اور اس کے باپ کا نام لیا تو مجھے کچھ پتہ نہیں ہاں جب وکیل نے کہا کہ قبول کیا؟ تو میں نے بحضور دماغ کہا میں نے قبول کیا، تو کیا اس صورت میں جب کہ لڑکی اور اس کے باپ کا نام پہلے سے معہود فی الذہن ہے نکاح ہوا یا نہیں؟ جواب وافی شافی دے کر مشکور فرمائیں کرم ہوگا۔ والسلام

المستفتی: احمد حسن نگ پور، ضلع فیض آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شوہر کولڑکی اور باپ کا علم پہلے ہی سے تھا اور قبول کیا، کہتے وقت بھی دماغ حاضر تھا، تو بلا شبہ نکاح منعقد ہو چکا ہے، اگر چہ قاضی یا وکیل کے نام لیتے وقت ہیبت کی وجہ سے دماغ حاضر نہ رہا ہو۔

وأما ركنه فالإيجاب والقبول والإيجاب ما يتلفظ به أولا من أي جانب كان والقبول جوابه (إلى قوله) لو عقد النكاح بلفظ لا يفهمان كونه نكاحا ينعقد هو المختار. الخ (فتاوى عالمگيري، زكريا ١/ ٢٦٧، جديد ١/ ٣٣٢)

إنما قلنا: هذا لأن الشرع يعتبر الإيجاب والقبول أركان عقد النكاح لا أمورا خارجية. (شامي، كتاب النكاح كراچی ٣/ ٩، زكريا ٤/ ٦٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۷ر شعبان ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/ ۱۳۷۹)

نکاح پڑھاتے وقت سکۂ رائج الوقت کہنا بھول جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال [۵۳۲۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: قاضی نکاح پڑھاتے وقت سکۂ رائج الوقت بھول جائے صرف اس طرح زید سے کہے کہ آپ کا نکاح خالدہ کے ساتھ کیا گیا ہے، جیسا کہ مہر غیر معجّل ایک ہزار روپئے ہیں، آپ نے قبول کیا، اس نے کہہ دیا کہ میں نے قبول کیا، تو کیا نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟ جب کہ لوگوں کے ذہنوں میں اور عام طور سے جو مہر طے ہوتا ہے اس سکہ سے مراد آج کل جو روپئے چل رہے ہیں یہی مراد ہوتے ہیں۔

المستفتی: محمد نصرت لکھیم پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سکۂ رائج الوقت کی قید نہیں لگائی ہے؛ بلکہ صرف

ایک ہزار روپئے کا لفظ استعمال کیا ہے، تو اس سے خود بخود ایک ہزار روپئے کا سکۂ رائج الوقت متعین ہو جائے گا اور نکاح بھی صحیح ہو جائے گا۔

ومن أطلق الثمن في البيع، أي أطلقه عن ذكر الصفة بعد ذكر العدديات بأن قال: عشرة دراهم مثلا انصرف إلى غالب نقد البلد؛ لأنه هو المتعارف، فينصرف المطلق إليه، فإن كان إطلاق اسم الدراهم في العرف يختص بها مع وجود دراهم غيرها. (فتح القدير، كتاب البيوع، دارالفكر بيروت ٦/ ٢٦٢، كوئٹه ٥/ ٤٦٩، زكريا ٦/ ٢٤٣)

وفي الحجة: تزوج امرأة على ألف درهم، وفي البلدة نقود مختلفة ينصرف إلى الغالب منها. (فتاوى عالمگيري، زكريا ١/ ٣١٠، جديد ١/ ٣٧٦، فتاوى تاتارخانية، زكريا ٤/ ١٦٤، رقم: ٥٨٤٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۶؍ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/۴ ۷۴۷)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱/۲۷ھ

کیا حاملہ کا نکاح پڑھانے والا اپنے نکاح کی تجدید کرے گا؟

سوال [۵۳۲۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک شخص نے حاملہ عورت کا نکاح بھولے سے پڑھا دیا، ایک کتاب میں لکھا ہوا تھا کہ ایسا نکاح پڑھانے والا شخص اپنے نکاح کی تجدید کرے، اس کا کیا مطلب ہے؟

المستفتی: محمد اعلم، مدرسہ تعلیم القرآن، کندرکی مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: عورت کے حاملہ ہونے کے دو مطلب ہیں: (۱) شوہر سے حاملہ ہے اور حالت حمل میں شوہر نے طلاق دے دی، یا شوہر کا انتقال ہو گیا تو ایسی صورت میں حاملہ عورت کا نکاح ولادت سے فراغت سے پہلے دوسرے مرد کے ساتھ کرنا

جائز نہیں ہے، اس درمیان جو نکاح کیا جائے گا وہ منعقد نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ یہ عورت عدت کے اندر ہے، ولادت سے فراغت کے بعد اس کی عدت ختم ہوگی اور عدت کے اندر دوسرے مرد کے ساتھ نکاح منعقد نہیں ہوتا، عدت گذرنے کا انتظار کرنا واجب ہے؛ اس لئے ایسی حاملہ عورت کا نکاح جان بوجھ کر پڑھایا ہے تو جان بوجھ کر نکاح پڑھانے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، اس پر توبہ کرنا لازم ہے، مگر اس گناہ کبیرہ کرنے کی وجہ سے نکاح پڑھانے والے کا اپنی بیوی کے ساتھ نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اس کا نکاح بدستور باقی رہے گا؛ البتہ توبہ کرنا لازم ہے، اسی طرح کسی نے ایسی حاملہ عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس نے بھی گناہ عظیم کا ارتکاب کیا، اس پر بھی توبہ کرنا لازم ہے اور اس نکاح کی وجہ سے اس حاملہ عورت کو بیوی بنا کر رکھنا بدکاری اور زنا کاری ہوگی؛ بلکہ عدت گذرنے کے بعد نکاح کر کے رکھی جاسکتی ہے۔

(۲) حاملہ عورت سے ایسی حاملہ عورت مراد ہے کہ اس کا کوئی شوہر نہیں ہے، بدکاری سے حاملہ ہوئی ہے، تو ایسی عورت کا نکاح کسی بھی مرد کے ساتھ صحیح اور درست ہو جاتا ہے، نہ نکاح پڑھانے والے پر کوئی الزام اور نہ ہی نکاح کرنے والے پر، ہاں البتہ جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے، وہ اس کی بدکاری کی وجہ سے حاملہ نہیں ہوئی ہے، تو ولادت سے فارغ ہونے تک ہمبستری جائز نہیں۔ اور اگر جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے، اسی کی بدکاری سے حاملہ ہوئی ہے تو ہمبستری بھی جائز ہے۔

وصح نكاح حبلى من زنا (قال الشامي: أي عند هما، ثم قال: والفتوى على قولهما) لا حبلى من غيره، وإن حرم وطئها ودواعيه حتى تضع لو نكحها الزاني حل له وطئها اتفاقا. (الدرالمختار مع الشامي، زكريا ٤/ ١٤١-١٤٢، كراچی ٣/ ٤٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۸۰۱۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۴/۴/۲۱ھ

۷/ باب نكاح الفضولي

لڑکے کے وکیل وگواہوں نے مجلس نکاح میں ایجاب وقبول کے بعد لڑکی کو اطلاع کردی، لڑکی نے اجازت دے دی

سوال [۵۳۲۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید دہلی میں رہتا ہے اور ہندہ دوسوکلومیٹر کے فاصلہ پر دہلی سے دور رہتی ہے، دونوں میں فون کے ذریعہ بات چیت خفیہ ہوتی رہتی ہے، ایک دن زید نے نکاح کے ارادہ سے دہلی میں رہتے ہوئے دوگواہوں اور ایک وکیل اپنی طرف سے متعین کرکے امام مسجد سے اپنا نکاح پڑھوالیا، جب کہ لڑکی نے اپنی طرف سے کسی کو نکاح کا وکیل نہیں بنایا تھا، اور زید کے دونوں نامزد گواہوں نے نکاح کی اطلاع فون کے ذریعہ ہندہ کو دے دی، جسے ہندہ نے بذات خود فون پر قبول کرلیا اور ہندہ کے گھر والے اور ولی کو اس کی خبر نہ ہوئی، پھر زید ہندہ کو بہلا پھسلا کر اور نکاح کے صحیح ہونے کی سند دکھا کر اپنے پاس پوشیدہ طور پر دہلی لے گیا اور ہندہ کئی روز اس کے پاس رہنے کے بعد اپنے گھر واپس آگئی، مفتی صاحب سے اب سوال یہ ہے کہ یہ نکاح شرعاً (جو فون کے ذریعہ ہوا ہے) منعقد ہوا یا نہیں؟ جب کہ لڑکی (ہندہ) کے ولی اور گھر والے اس نکاح سے راضی نہیں ہیں اور دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتے ہیں، اب دخول کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کے لئے استبراء رحم ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری ہے، تو اس کی مدت کتنی ہوگی؟ تشفی بخش جواب مرحمت فرما کر شکریہ کا موقع دیں، عین نوازش ہوگی۔ فقط والسلام

المستفتی: محمد رضوان قصبہ چلکانہ، ضلع سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں جب مسجد کے امام نے قاضی بن

کردو نامزد شرعی گواہوں کی موجودگی میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ کردیا تو یہ نکاح فضولی ہوا ہے۔اور اس نکاح کے منعقد ہونے کا مدار لڑکی کی اجازت پر موقوف رہا اور بعد میں جب اس نکاح کی اطلاع لڑکی کو دی گئی اور لڑکی نے فون کے ذریعہ سے اس نکاح کو تسلیم کر کے قبول کرنے کی اطلاع دے دی اور اس کے بعد لڑکی (ہندہ) از خود لڑکے (زید) کے پاس دہلی میں آکر رضا مندی کے ساتھ بخوشی حق زوجیت ادا کرنے لگی، تو یہ نکاح شرعی طور پر نافذ ہو چکا ہے اور اس نکاح کے صحیح ہونے میں کوئی تردد باقی نہیں رہا۔اور معلوم ہوا ہے کہ دونوں ایک ہی برادری میں سے ہیں اور لڑکی عاقلہ، بالغہ ہے، تو ایسی صورت میں لڑکی کے اولیاء کو حق اعتراض بھی باقی نہ رہا، جب کہ مہر بھی مہر مثل سے کم نہ ہو؛ لہٰذا دونوں کے درمیان ازدواجی تعلق قائم ہوجانے کے بعد اس نکاح کو ختم کرنے کا اختیار نہ ماں باپ کو ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کو ہے اور زید سے شرعی طور پر طلاق حاصل کر کے عدت پوری کئے بغیر کسی دوسری جگہ نکاح کرنا قطعی طور پر جائز نہیں ہوگا۔

لو زوج رجل امرأة بغير رضاها، أو رجلا بغير رضاه، وهذا عندنا، فإن كل عقد صدر من الفضولي، وله مجيز انعقد موقوفا على الإجازة. (هداية مع الفتح، كتاب النكاح، فصل في الوكالة بالنكاح وغيرها، كوئٹه ۳/ ۱۹۸، زكريا ۳/ ۲۹۷)

صدر من الفضولي وله مجيز انعقد موقوفا على الإجازة، فإذا أجاز من له الإجازة ثبت حكمه مستندا إلى العقد، فسر المجيز في النهاية بقابل يقبل الإيجاب، سواء كان فضوليا أو وكيلا، أو أصيلا. (فتح القدير، كوئٹه ۳/ ۲۹۷، زكريا ۳/ ۹۷)

أن لا تكون منكوحة الغير لقوله تعالیٰ: ﴿والمحصنات من النساء﴾ معطوفا على قوله عز وجل ﴿حرمت عليكم امهاتكم –إلى قوله– والمحصنات من النساء﴾ وهن ذوات الأزواج. (بدائع الصنائع، زكريا ۲/ ۵۴۸، هندية، زكريا ۱/ ۲۸۰، تاتارخانية، زكريا ۴/ ۶۶، رقم: ۵۵۴۴) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۴۱/ ۱۱۵۷۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲/ ۶/ ۱۴۳۵ھ

فضولی کے پڑھائے ہوئے نکاح کا حکم

سوال [۵۳۲۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید نے اجنبیہ زاہدہ کے سلسلے میں یہ تحریر لکھی ہے کہ جب جب میں اس سے نکاح کروں اس پر طلاق ہے، اب زید یہ چاہتا ہے کہ زاہدہ مذکورہ سے نکاح کرکے اپنے گھر میں بحیثیت بیوی بنا کر رکھے، اس سلسلے میں مقامی علماء کی مختلف آراء ہیں ایک فریق کہتا ہے کہ اب زاہدہ سے زید جب بھی نکاح کرے گا فوراً طلاق واقع ہوجائے گی، زاہدہ کو بیوی بنا کر نہیں رکھ سکتا، نکاح باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں؛ لیکن ایک عالم مولانا فخر الدین صاحب قاسمی اور بعض مستند مفتی صاحبان کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں اگر زید کا نکاح زاہدہ مذکورہ سے بالفضولی کردیا جائے اور زید بالفعل قبول کرلے تو اس حالت میں زاہدہ پر طلاق بھی نہیں ہوگی اور زاہدہ زید کی بیوی بن کر رہے، ان پر کوئی گناہ نہیں ہے؛ بلکہ جو شخص زید اور زاہدہ کے تعلقات کو ناجائز کہے وہ بہتان لگانے کے جرم میں حد قذف کا مستحق ہے، یعنی اسلامی حکومت میں اسی کوڑے لگائے جائیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ فریق اول کی رائے صحیح ہے یا مولانا قاسمی کی رائے ٹھیک ہے؟ برائے کرم بحوالہ کتب جواب باصواب مرحمت فرمائیں۔

نوٹ: زید کا نکاح زاہدہ مذکورہ سے بالفضولی ہوگیا ہے، اور زید قبول بالفعل کرکے زاہدہ کو اپنے ساتھ رکھ رہا ہے۔

المستفتی: محمد صابر اودھم، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فریق ثانی کا قول صحیح ہے کہ فضولی نکاح کردے اور حالف نکاح کی زبانی اجازت نہ دے اور نہ ہی کسی کی مبارک بادی قبول کرے؛ بلکہ نکاح کی اطلاع ملنے پر مہر کا کچھ حصہ ادا کردے، یا زاہدہ کے ساتھ ہمبستر ہوجائے، تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور زن وشوہر کی زندگی درست اور صحیح ہوجائے گی اور اس نکاح پر کسی کا الزام اور طعن کرنا جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد: احسن الفتاوی ۵/ ۱۷۶، امداد الفتاوی ۲/ ۴۵۹)

حلف لا يتزوج فزوجه فضولي، فأجاز بالقول، وبالفعل لا يحنث به يفتى، وتحته في الشامية: كبعث المهر أو بعضه بشرط أن يصل إليها، وقيل: الوصول ليس بشرط. الخ (الدرالمختار مع الشامي، كتاب الأيمان، باب اليمين في الضرب والقتل، زكريا ٥/ ٦٧٢، كراچی ٣/ ٨٤٦، مجمع الأنهر، قديم ١/ ٥٨٣، جديد دار الكتب العلمية بيروت ٢/ ٣١٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۶/ ۲۲۰۲)

فضولی کا نکاح کرانا

سوال [۵۳۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہم نے کلما کی قسم اس طرح کھائی تھی کہ میں کلما کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا اور اگر دوبارہ کروں تو جب جب میں نکاح کروں میری بیوی کو طلاق ہو، یہ ہیں ہماری قسم کے الفاظ، اس سے قبل ہم نے جو خط روانہ کیا، اس میں ہم سے یہ غلطی ہوئی تھی کہ ہم نے جب جب کی جگہ صرف ایک جب لکھ دیا تھا، آپ نے جواب لکھا تھا کہ اگر کلما کی قسم میں جب جب کا لفظ استعمال کیا ہے، تو ایسی صورت میں جب بھی کسی عورت سے نکاح کرے گا، تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

مفتی صاحب! ضروری بات یہ ہے: کہ آج سے ایک ماہ پہلے ہمارا نکاح اس طرح کر دیا گیا ہے، جس نکاح کا خلاصہ تفصیل یہ ہے: کہ ہم نے کسی سے یہ نہیں کہا کہ تم میرا نکاح کر دو نہ کسی کو وکیل بنایا؛ بلکہ ہمارا رشتہ طے ہو جانے کے بعد ہم نے اپنی قسم کے بارے میں گھر والوں کو آگاہ کر دیا تھا، اس کے بعد ہمارے گھر والوں نے ہمارا نکاح اس طرح کیا، کہ ایک عورت جو بحیثیت فضولی بن کر اس نے یہ عمل کیا، فضولی عورت نے دو مرد گواہوں کی موجودگی میں اس لڑکی سے کہا جہاں رشتہ طے ہوا تھا، کہ ہم نے تمہارا نکاح فلاں ابن فلاں سے اتنے مہر پر کر دیا ہے، کیا تم نے قبول کیا، اس لڑکی نے ایجاب قبول کر لیا، اس کے بعد اس

فضولی عورت نے مرد سے کہا کہ ہم نے تمہارا نکاح فلاں بنت فلاں سے اتنے مہر پر کردیا ہے، فضولی عورت کی بات سن کر مرد نے زبان سے کچھ نہیں کہا؛ بلکہ مہر کی رقم فضولی عورت کو دے دی، اور مہر کی رقم فضولی عورت نے لڑکی کو جا کر دے دی، مگر ہم نے لڑکی سے ابھی خلوت وجماع نہیں کیا ہے، صرف نکاح کی رضامندی مہر دے کر ظاہر کردی ہے، کیا عورت نے بحیثیت فضولی بن کر ہمارا جو نکاح کیا ہے، یہ نکاح درست ہوگیا، اگر ابھی ہمارا نکاح درست نہ ہوا ہو تو مہربانی فرما کر جو صحیح نکاح کا طریقہ ہو اس طریقہ سے آگاہ کردیں؛ کیوں کہ ہم نے ابھی اس لڑکی سے خلوت وجماع نہیں کیا ہے، اگر اس طرح سے ہمارا نکاح نہ ہوا ہو تو آپ کے بتائے ہوئے طریقہ پر دوبارہ اسی لڑکی سے نکاح کرسکتے ہیں؟

المستفتی: محمد خالد بھوگاؤں مین پوری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں نکاح کے جس حیلہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ حیلہ درست ہے، اس طرح نکاح شرعاً جائز ہے؛ لہٰذا وہ عورت آپ کی بیوی بن چکی ہے، اب دوسرے حیلہ کی ضرورت نہیں، اس لڑکی کو بیوی کی حیثیت سے رکھ سکتے ہیں، اور جب آپ نے فضولی عورت کے ذریعہ بیوی کے پاس مہر بھیج دیا ہے، تو اب آپ کے لئے اس کے ساتھ خلوت وجماع سب درست ہے۔ (مستفاد: امداد الاحکام ۴/ ۹۳، امداد الفتاوی زکریا ۲/ ۴۵۹، احسن الفتاوی ۵/ ١٧٦)

وكذا إذا قال لجماعة لي حاجة إلى نكاح الفضولي، فزوجه واحد منهم. (شامي، كتاب الطلاق، باب التعليق، كراچی ٣/ ٣٤٨، زكريا ٤/ ٥٩٨)

إذا قال كل امرأة أتزوجها، فهي طالق، فزوجه فضولي وأجاز بالفعل بأن ساق المهر ونحوه لا تطلق. (هندية، زكريا ١/ ٤١٩، جديد ١/ ٤٨٨، شامي، كراچی ٣/ ٨٤٦، زكريا ٥/ ٦٧٢) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
٩ ربیع الاول ١۴٢١ھ
(الف فتویٰ نمبر: ٣۵/ ۶۵٣٣)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
٩/ ٣/ ١۴٢١ھ

۸/ باب تعدد النکاح

ایک نکاح سے زائد پر پابندی مسلم پرسنل لاء کے خلاف

سوال [۵۳۲۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ہندوستان کے اندر تمام مسلمانوں پر ایک ہی مسلم پرسنل لاء لاگو ہوتا ہے، اگر ہندوستان میں رہتے ہوئے کوئی مسلمان سرکاری ملازمت میں ہے، تو کیا اس مسلمان پر پوری طرح مسلم پرسنل لاء لاگو نہیں ہوتا ہے، کوئی بھی مسلم ایک وقت میں ۴/چار نکاح کرسکتا ہے؛ لیکن سرکاری ملازم پر یہ قانون تھوپا گیا ہے کہ ایک بیوی کے زندہ رہتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرسکتا، کیا یہ قانون مسلم پرسنل لاء کے خلاف نہیں ہے؟ کیا یہ شریعت میں مداخلت نہیں ہے؟ شریعت کی رو سے مسلم پرسنل لاء کے تحت جواب سے مستفیض فرمائیں۔

المستفتی: راحت سعید جعفری، زاہدنگر، کرولہ مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلامی شریعت میں ایک سے زیادہ چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے؛ لیکن اس کے لئے شوہر کے اوپر سب بیویوں کے درمیان عدل وانصاف اور یکسانیت برتنا لازم اور واجب ہے اور ساری بیویوں کے حقوق ادا کرنے پر قدرت رکھنا بھی لازم ہے کہ سب بیویوں کے جسمانی جنسی حقوق ادا کرنا اوران کے مالی حقوق ادا کرنا یکسانیت کے ساتھ شوہر پر لازم ہوتا ہے، اگر حقوق زوجیت کی ادائیگی پر قدرت نہیں ہے، تو متعدد نکاح کرنا جائز نہیں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص متعدد بیویوں کے حقوق کی ادائےگی پر قدرت رکھتا ہے، پھر اس کے اوپر حکومت کی طرف سے تعدد نکاح پر پابندی لگائی جاتی ہے، تو یہ مسلم پرسنل لاء کے خلاف پابندی ہے، اور شریعت اسلامی میں مداخلت ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلاثَ وَرُبَاعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ٣]

عن ابن عمر –رضی الله عنه– أن غيلان بن سلمة الثقفي أسلم، وله عشر نسوة في الجاهلية، فأسلمن معه، فأمر النبي صلى الله عليه وسلم أن يتخير منهن أربعا. (سنن الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يسلم وعنده عشر نسوة، النسخة الهندية ١/ ٢١٤، دار السلام، رقم: ١١٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۱۰۸۲۲/۴۰)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۳۳/۱۱/۷ھ

ازروئے شرع ایک شخص کتنی شادی کرسکتا ہے؟

سوال [۵۳۳۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: زید کی بیوی باغی ہوچکی ہے، گھر کے اندر کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اللہ کا شکر ہے، زید کی دو ایکڑ زمین ہے، اس میں گیہوں، چاول قریب ساٹھ کنٹل پیدا ہوتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود زید کی بیوی کہتی ہے کہ گھر کے اندر مجھے فاقہ سے رکھتے ہیں، زید نے کافی اپنی بیوی کو سمجھایا؛ لیکن اس نے دوسرا رخ بدلا اور زید سے بداخلاقی سے پیش آنے لگی، بڑی بڑی گندی حرکتیں جو اس تحریر کے اندر لکھنے کے قابل نہیں، پانچ سال کا عرصہ گذر گیا ہے، اس کی بداخلاقی روز بروز بڑھتی گئیں، گھر والوں کو بھی گندی گندی گالیوں سے نوازا، جب کہ گھر والوں نے اس کو سمجھایا؛ لیکن وہ نہیں مانی، زید کی جان کی دشمن بن گئی، زید کے اوپر جان سے مارنے کو حملہ کیا، بہرحال دس ماہ سے اس کے اوپر فالج پڑ گئی ہے، اب وہ بالکل محتاج ہوچکی ہے، کافی اس کا علاج کروایا، تھوڑا اس کو فائدہ ہوا تھا، اس کے بعد زید کی بیوی کا بھائی اپنے گھر لے آیا، زید پانچ بار اس کی خیر خبر کو گیا؛ لیکن وہ بداخلاقی سے پیش آئی اور زید کو گھر سے بھگا دیا، چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور ایک دودھ پیتا بچہ ہے، وہ بھی زید کے پاس ہے،

سارے بچے زید کے پاس ہیں، زید بہت پریشان ہے، بچوں کو دیکھے یا باہر سے کما کے لائے، زید بہت پریشان ہے، کیا زید ان حالات میں دوسرا نکاح کرسکتا ہے؟ کیا شرعاً یا قانوناً کوئی جرم تو نہیں ہے، اب زید نے دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ کیا، تو اس نے کہہ دیا کہ اگر نکاح کرلیا تو میں عدالت میں پہنچ کر طرح طرح کے مقدموں میں پھنسا دوں گی۔

المستفتی: محمد رضی فریدنگری

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اللہ تعالیٰ نے مرد کو یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ چار تک نکاح کرے؛ لہٰذا زید اگر دوسرا نکاح کرنے کی ضرورت محسوس کررہا ہے، تو اس کے لئے شرعی طور پر جائز ہے کہ ایک ساتھ دو بیویاں رکھے، مگر اس پر یہ بھی لازم ہے کہ دونوں بیویوں کے حقوق برابر طور پر ادا کرے اور دونوں بیویوں پر بھی لازم ہے کہ دونوں زید کے پاس رہ کر حق زوجیت ادا کریں۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ۳]

عن الحارث بن قيس –رضی اللہ عنہ– قال: أسلمت وعندي ثمان نسوة، قال: فذكرت للنبي صلی اللہ عليه وسلم فقال: إختر منهن أربعا.

(سنن أبي داؤد، الطلاق، باب في من أسلم، وعنده نساء أكثرمن أربع، النسخة الهندية ۱/ ۳۰٤، دارالسلام، رقم: ۲۲٤۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۴ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۹۸۳۳/۳۸)

حق زوجیت ادا نہ کرنے کی وجہ سے دوسری شادی کرنا

سوال [۵۳۳۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: زید کی شادی خالدہ سے ۱۴؍اپریل ۱۹۹۳ء لکھنؤ میں ہوئی اورلڑکا ایک گاؤں کا رہنے والا تھا اورشادی کو چار سال بھی گذر گئے، کوئی معاملہ پیش نہیں آیا اورایک دوسرے کے حقوق کو پہچانتے رہے؛ لیکن ان دنوں میں بھی لڑکی اپنے شوہر سے یہ کہتی رہتی تھی کہ گاؤں چھوڑ کر شہر میں رہیں گے، چاہو تو لکھنو میں رہو یا مرادآباد؛ لیکن کچھ بھی ہو گاؤں میں نہیں رہیں گے یا پھر آپ کہیں بھی رہو میرا بندوبست شہر میں کردو میں کسی بھی قیمت پر گاؤں میں نہیں رہوں گی، اسی اثناء میں خالدہ اپنے باپ کے گھر لکھنؤ آئی ماں باپ سے ملنے کے لئے خالدہ نے یہ سب باتیں اپنے باپ سے رکھیں اور جب زید اپنی بیوی خالدہ کو لینے کے لئے لکھنو گیا تو خالدہ کے باپ نے زید سے یہ ساری باتیں رکھیں، زید نے گاؤں چھوڑنے سے انکار کیا اورکہا کہ میں اپنے والدین کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا، اس پر خالدہ کے باپ نے زید کو دھمکیاں دیں طرح طرح کی؛ کیوں کہ خالدہ کا باپ پی اے سی میں کمپنی کمانڈر کے عہدہ پر فائز ہے، جس کی وجہ سے سخت سے سخت دھمکی دی۔ اور کہا کہ جیل میں سڑوادوں گا، بس میں نے اپنے سسر صاحب کی باتیں تسلیم نہیں کی، پھر ناراضگی بڑھتی چلی گئی، یہاں تک بات پہنچ گئی کہ خالدہ کے باپ نے میرے اوپر عدالت میں جہیز کا مقدمہ درج کرادیا، جس کی وجہ سے میں اور میرا بوڑھا باپ جیل میں گئے اور وہاں بھی سخت سے سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، پھر اس نے عدالت سے اپنی لڑکی کا نان ونفقہ میرے اوپر واجب کیا اورکئی سال گذر گئے آج تک میں لڑکی کو خرچ دیتا چلا آیا ہوں، پھر بھی میں نے خالدہ سے کہا کہ اب بہت ہوگیا، آپ میرے ساتھ چلیں تو خالدہ نے بھی انکار کردیا اوراس کے باپ نے کہا نہ میری لڑکی اب تیرے یہاں جائے گی اور نہ میں تجھ کو دوسری شادی کرنے دوں گا، اب زید نے پریشان ہوکر دوسرا نکاح کا ارادہ کیا اور گاؤں کے چند لوگوں کو لے کر دوسرے نکاح کے لئے ہرتھلا پہنچا، تو پھر خالدہ کا باپ پولیس کو لے کر آیا اور نکاح رکوادیا، پولیس لڑکے اورلڑکی کو لے کر تھانہ میں پہنچی اور نکاح کو ملتوی کرادیا، اب اس صورت میں زید دوسرا نکاح کرتا ہے تو گنہگار ہوگا یانہیں؟ زید اپنا دوسرا نکاح کرسکتا ہے یانہیں؟

قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب سے نوازیں عین کرم ہوگا۔ فقط والسلام

المستفتی: ابرار حسین، موضع صدر پور، ضلع مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: متعدد بیویوں کے نان ونفقہ اور دیگر حقوق ادا کرنے پر قادر ہونے کی صورت میں پہلی بیوی کے علاوہ دوسری عورت سے بھی نکاح کرنا شرعاً جائز ہے، ایسی صورت میں دوسرا نکاح کرنے سے مرد گنہگار نہ ہوگا؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر آپ میں اتنی استطاعت ہے تو آپ دوسرا نکاح کر سکتے ہیں تو آپ عنداللہ گنہگار نہ ہوں گے اور اس میں خالدہ کے باپ کو عدالتی کارروائی اور پولیس کیس کرنے کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۲؍شعبان ۱۴۲۲ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۴۷)

نکاح ثانی

سوال [۵۳۳۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری اہلیہ مرحومہ کا انتقال ہوگیا ہے اور میری طبیعت گھبراتی ہے، مجھے ایک لاٹھی کی ضرورت ہے، بفضلہٖ تعالیٰ میری صحت بھی اچھی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے عبادت کرنے کی توفیق بخشی ہے اور اس فتنہ کے دور میں میں سلامتی والی زندگی گذارنا چاہتا ہوں اور ہندوستان میں نکاح ثانی کرنا عیب سمجھتے ہیں؛ لہٰذا شرعی حکم فرما کر جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالمنان (مرادآباد)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نکاح ثانی کی

اجازت ہے، بشرطیکہ بیوی کے جملہ حقوق ادا کرنے پر قادر ہو؛ لہٰذا اس پر گھر کے دوسرے رشتہ دار اور اولاد کا اعتراض کرنا درست نہیں ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلاثَ وَرُبَاعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ۳]

ويكون سنة مؤكدة في الأصح حال الإعتدال أي القدرة على وطء ومهر ونفقة. (شامي، كتاب النكاح، کراچی ۳/ ۷، زکریا ٤/ ٦٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۳؍رجب ۱۴۱۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۴/۵۸۵۴)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۳؍۷؍۱۴۱۹ھ

ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرنا

سوال [۵۳۳۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری بیوی بھاگ گئی ہے، تقریباً چال سال ہوگئے ہیں، اس کے بچے بھی میرے پاس ہیں، میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں، تو کیا دوسری شادی کرسکتا ہوں یا نہیں؟

المستفتی: لیاقت بر والان، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ مرد ہیں، جب آپ کی بیوی بھاگ گئی ہے تو آپ کو دوسری عورت سے نکاح کرنے میں شرعی طور پر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اور شریعت میں مرد کو انصاف اور برابری کی شرط پر دو دو، تین تین، چار چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور آپ کو موجودہ حالت میں دوسری عورت سے شادی کرنے کی شریعت کی طرف سے کھلم کھلا اجازت ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلاثَ وَرُبَاعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ۳]

عن الحارث بن قيس -رضی اللہ عنہ- قال: أسلمت وعندي ثمان نسوة، قال: فذكرت للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: إختر منهن أربعا.
(سنن أبي داؤد، الطلاق، باب في من أسلم، وعنده نساء أكثرمن أربع، النسخة الهندية ١/ ٣٠٤، دارالسلام، رقم: ٢٢٤١)

وصح نكاح أربع من الحرائر والأماء فقط للحر لا أكثر، وله التسرى بما شاء من الإماء. (الدرالمختار مع الشامي، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، كراچی ٣/ ٤٨، زكريا ٤/ ١٣٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ رجب ۱۴۲۵ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۵۰۸)

بیوی کی رضامندی کے بغیر دوسری شادی کرنا

سوال [۵۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کو شادی کئے ہوئے تقریباً چھ سال کا عرصہ ہوگیا ہے، اس عرصہ میں کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، علاج بھی ہر طرح سے کافی کیا فائدہ نہیں ہوا، مجبوراً اولاد کی خاطر دوسری شادی کرنے کا فیصلہ کیا، اپنی بیوی سے مشورہ کیا، رضامند کیا کافی سمجھایا؛ لیکن بیوی رضامند ہونے کے بجائے غصہ ہوگئی، کہنے لگی اگر دوسری شادی کی تو میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں گی، بہر حال زید نے دوسری شادی کرلی جس سے ایک لڑکی پیدا ہوگئی، پہلی بیوی شادی کے بعد اپنے والدین کے گھر چلی گئی، زید اپنی پہلی بیوی کو بھی اپنے ہمراہ ہی رکھنا چاہتا ہے؛ لیکن بیوی اس طرح سے کہتی ہے کہ صرف میں ہی زید کے نکاح میں رہوں گی، ورنہ مجھے طلاق دے دو، زید نے حتی الامکان رضامند کرنے کی کوشش کی، یہاں تک پنچایت کے سامنے ہاتھ جوڑے معافی بھی مانگی ہے، زید تو اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا ہے، بیوی کا کہنا

کہ مجھے مہر بھی مت دو؛ لیکن طلاق دے دو، زید کا کہنا ہے کہ میں خدا کو منہ دکھاؤں گا قیامت میں، میں مہر ادا کروں گا؛ لہٰذا مہر دینا ضروری ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے اپنی بیوی کی بغیر رضا مندی کے دوسری شادی کر لی، جب کہ زید نے ہر طرح سے رضا مند کرنے کی کوشش کی، بیوی نے کہا اگر تم نے دوسری شادی کی تو میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں گی، شادی کے بعد گھر چلی گئی، کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ بیوی کی بغیر رضا مندی کے دوسری شادی نہیں ہوسکتی ہے، کیا شریعت میں ایسا ہے کہ دوسری شادی کے لئے اپنی پہلی بیوی کو رضا مند کرنا ضروری ہے، ورنہ نکاح نہ ہوگا؟ قرآن وحدیث سے مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد جاوید پیرزادہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: (۱) اگر عورت مہر معاف کر کے طلاق لینا چاہتی ہے تو مہر معاف کرنے کی شرط پر طلاق دینا جائز ہے، مگر سب سے بہتر یہی ہے کہ جب شوہر طلاق دے تو مہر بھی ادا کر دے۔

وإن كان النشوز منها كرهنا له أن يأخذ منها أكثر مما أعطاها. الخ، وإن طلقها على مال فقبلت وقع الطلاق، ولزمها المال. الخ (هداية، كتاب الطلاق، باب الخلع، اشرفي ديوبند ٢/ ٤٠٥)

(۲) اگر شوہر کے پاس بیویوں کے اخراجات کی گنجائش ہے اور دونوں کے درمیان نان ونفقہ اور شب باشی میں برابری کرسکتا ہے، تو اس کے لئے دوسری شادی کرنا شرعاً بلا کراہت جائز ہے اگرچہ پہلی بیوی ناراض ہو تب بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ. [النساء: ٣]

(فتاوى دارالعلوم ٧/ ٥١) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۲۱؍ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۳/ ۵۲۵۵)	۱۴۱۸/۴/۲۱ھ

زوجۂ اول کی طلاق کا مسئلہ عدالت میں ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنا

سوال [۵۳۳۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: کوئی مسلمان پہلی بیوی کی موجودگی میں یا پہلی بیوی کی طلاق کا مقدمہ چل رہا ہو اور عدالت میں زیرِ غور رہو، تو ایسی صورت میں وہ لڑکا کیا دوسری شادی کرسکتا ہے؟ مسلم پرسنل لاء اور قرآن وحدیث کی رو سے ایک مسلمان کتنی شادیاں کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آزاد مرد متعدد بیویوں کے نان ونفقہ اور دوسرے حقوق ادا کرنے پر قادر ہو تو پہلی بیوی کے علاوہ حسب استطاعت دوسری عورت سے بھی نکاح کرنا شریعت محمدیہ کے قانون کے مطابق جائز اور درست ہے، ساتھ میں یہ بھی خیال رہے کہ اگر بے انصافی اور جانبدارانہ عمل دونوں بیویوں کے درمیان کیا جائے یا دونوں میں سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے، تو سخت ترین گنہگار ہوگا؛ بلکہ قیامت کے دن اس حالت میں اٹھے گا کہ اس کے چہرہ کی ایک جانب لقوہ اور فالج کی طرح مسخ کی حالت ہوگی۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِيْ الْيَتَامٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ. [النساء: ٤]

عن أبي هريرة -رضي الله عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط.

(ترمذي، أبواب النكاح، باب ما جاء في التسوية بين الضرائر، النسخة الهندية ١/ ٢١٧، دارالسلام، رقم: ١١٤١) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۷؍ رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۳۳۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۳۰/۷/۱۴۲۲ھ

پہلی بیوی کی طلاق کا مقدمہ عدالت میں ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنے کا حکم

سوال [۵۳۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: پہلی بیوی کی طلاق کا مقدمہ عدالت میں چل رہا ہے، تو ایسی صورت میں وہ لڑکا دوسری شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟

المستفتی: ماسٹر نسیم پاکبڑہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت محمدی میں ایک مرد بیک وقت چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے؛ البتہ اس کے لئے لازم اور ضروری ہے کہ وہ اتنی ہی شادی کرے جتنی بیویوں کا نان نفقہ اور حقوق زوجیت ادا کرسکتا ہو؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص اگر دوسری شادی کرنی چاہے تو شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ۳]

عن ابن عمر -رضي الله عنه- أن غيلان بن سلمة الثقفي أسلم، وله عشر نسوة في الجاهلية، فأسلمن معه، فأمر النبي صلى الله عليه وسلم أن يتخير منهن أربعا. (سنن الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يسلم وعنده عشر نسوة، النسخة الهندية ۱/ ۲۱٤، دار السلام، رقم: ۱۱۳۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳/ رجب ۱۴۲۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۷۳۴۴/۳۶)

دوسری شادی کرنے پر اعزاء کا طلاق دینے پر مجبور کرنا

سوال [۵۳۳۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: میں ایک تعلیم یافتہ شخص ہوں، اللہ کے فضل سے معاشی استحکام بھی نصیب ہے، حال ہی میں میں نے سنت پر عمل کرنے کے لئے دوسرا نکاح کیا ہے، تاکہ غلط راہوں پر میرے قدم نہ پڑیں، میں پہلی بیوی کے حقوق بھی پورے طور پر ادا کر رہا ہوں، اور اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی؛ لیکن اس کے باوجود بعض اعزاء اقرباء مجھ کو دوسری بیوی کو طلاق دینے پر زورزبردستی کررہے ہیں، تو کیا دوسری شادی کرنا شرعاً کوئی جرم ہے؟ اور کیا بلا عذر شرعی کسی لڑکی کو طلاق دی جاسکتی ہے؛ حالانکہ اس غریب کا میں ہی تنہا سہارا ہوں؟

المستفتی: حامد حسین، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ دونوں کے حقوق برابری کے ساتھ ادا کررہے ہیں، رات گذارنے میں کھانے، کپڑے میں، رہائش میں، ہرشئ میں برابری کا معاملہ کررہے ہیں، تو آپ شرعی طور پر کسی قسم کے موردالزام نہیں، نہ کسی کو طعن وتشنیع کا حق ہے اور نہ ہی آپ کی دونوں بیویوں کے معاملہ میں کسی کو دخل دینے کا حق ہے اور دوسری بیوی کو طلاق دینے پر زور دینے والے سب گنہگار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دو بیوی رکھنے کی اجازت دی ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ۳] فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۸۶۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۳/۱۲/۲۹ھ

پہلی بیوی کے نہ آنے پر دوسری شادی کرنا

سوال [۵۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری شادی ۲۰۰۲ء میں ہوئی تھی، میری بیوی سرکاری دفتر میں کلرک ہے،

شادی کے دن سے ہی میری بیوی الگ کمرہ لے کر رہ رہی ہے، میری والدہ سخت بیمار ہیں، مگر لگ بھگ چار ماہ قبل میری طبیعت خراب ہوگئی تھی، جس کی اطلاع میں نے اپنے رشتہ داروں کے ذریعہ سسرال دی، میری بیوی نے اطلاع پا کر کہا کہ طبیعت خراب تو ہو ہی جاتی ہے، میری بھی طبیعت خراب ہے، وہ آج تک نہیں آئی، طبیعت خرابی کے ایک ہفتہ بعد بیوی کے بھائی آئے، انہوں نے کہا دو چار روز کے بعد بیوی کو بھیج دیں گے؛ لیکن نہیں بھیجا، برابر لوگوں کے ذریعہ اور فون پر بلانے کا تقاضہ کرتے رہے؛ لیکن نہیں آئی، اب ۳۰؍ مئی ۲۰۱۲ء کو میں نے عقد ثانی کرلیا ہے، کیوں کہ میری پہلی بیوی نے مجھے ہر طرح سے حق زوجیت سے محروم رکھا، اب کافی لوگوں کے سامنے میرے پاس آنے کے لئے دباؤ ڈال رہی ہے اور دوسری بیوی کو طلاق دلوانے کے لئے کہہ رہی ہے، اس وقت بھائیوں نے نہیں سمجھایا، اب پورا خاندان ساتھ ہے، تو کیا ایسی صورت میں میں نے عقد ثانی جائز کیا ہے؟ پہلی بیوی کا دباؤ ڈالنا میرے اوپر رکھنے کے لئے کیا جائز ہے؟ جب کہ میرے دل میں کراہت ہے؟ پہلی بیوی سے ۸؍ سال سے زیادہ کی ایک میری لڑکی ہے، میں اس کو رکھنے کو تیار ہوں، شرعی حکم تحریر فرمائیں۔

المستفتی: راحت سعید

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر نے جب دو شادیاں کرلی ہیں، تو اس کے اوپر ضروری ہے کہ دونوں بیویوں کے حقوق برابری کے ساتھ ادا کرے اور جو بیوی شوہر کی مرضی کے خلاف کسی دوسری جگہ جا کر رہنے لگے، تو جب تک وہ شوہر کے گھر آکر شوہر کے حقوق زوجیت ادا نہ کرے، تو اس دوران شوہر کے ذمہ اس کا خرچ و اخراجات ادا کرنا لازم نہیں ہے اور دونوں بیویوں میں سے کسی ایک کو یہ حق نہیں ہے کہ اس بات کا مطالبہ کرے کہ دوسری بیوی کو طلاق دے کر نکاح سے الگ کردے اور اس طرح کا مطالبہ عورت کے لئے جائز نہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرأة تسأل طلاق أختها لتستفرغ صحفتها، فإنما لها ما قدر لها. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب

الشروط التي لا تحل في النكاح، النسخة الهندية ۲/ ۷۷٤، رقم: ٤٩٥٨، ف: ٥١٥٢، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه، النسخة الهندية ١/ ٤٥٤، بيت الأفكار، رقم: ١٤١٣، سنن الترمذي، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء لا تسأل المرأة طلاق أختها، النسخة الهندية ١/ ٢٢٦، دارالسلام، رقم: ١١٩٠)

لا نفقة لأحد عشر ...... وخارجة من بيتها بغير حق، وهي الناشزة حتى تعود. (درمختار، كتاب الطلاق، باب النفقة، کراچی ۳/ ٥٧٥، ٥٧٦، زكريا ٥/ ٢٨٦)

عن الشعبي: أنه سئل عن امرأة خرجت من بيتها عاصية لزوجها، أ لها نفقة؟ قال: لا، وإن مكثت عشرين سنة. (مصنف ابن أبي شيبة، موسسة علوم القرآن، بيروت ١٠/ ١٥٢، رقم: ١٩٣٦٩) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶؍رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/۱۰۷۵۶)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۶؍۷؍۱۴۳۳ھ

دوسری شادی کرنے پر پہلی بیوی کا میکہ چلے جانا

سوال [۵۳۳۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میں نے اپنی بیوی ریشما خاتون کو ایک طلاق دے دی تھی، طلاق کے بعد پندرہ دن تک اپنے میکے میں رہی، پھر میرے ساتھ آ گئی اور تقریباً دو سال تک میاں بیوی کی طرح رہتی رہی، اب میں نے دوسری شادی یاسمین خاتون سے کرلی ہے، تو اب پھر وہ میکے چلی گئی، دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر ہم اسے رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دونوں بیویوں کو ساتھ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: محمد نوشاد محلہ بیگم سرائے سنبھل، مراد آباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہے، تو اس کی بیوی

پر ایک طلاق رجعی واقع ہوچکی تھی اور جب طلاق کے پندرہ دن بعد بیوی کو ساتھ رکھنے لگا تو اس سے رجعت بھی ہوگئی اور ایک طلاق رجعی کے بعد رجعت کر کے میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا جائز اور درست ہے۔ اور جب دوسری شادی یاسمین خاتون سے کر لی ہے، تو شوہر پر لازم ہے کہ دونوں بیویوں کے ساتھ یکسانیت اور برابری کا معاملہ کرے، رات گذارنے میں اور خرچہ دینے میں اور رہائش میں بالکل برابری اور یکسانیت کا معاملہ کرنا شوہر پر لازم اور ضروری ہے۔ اور دونوں کو الگ الگ کمرہ دینا بھی لازم ہے۔ اور اگر ان چیزوں میں کسی ایک کے ساتھ جھکاؤ کا معاملہ کرے گا تو شوہر ظالم شمار ہوگا، اللہ کے یہاں اس کی پکڑ ہوگی۔ اور سوال میں یہ بھی پوچھا ہے کہ پہلی بیوی ریشما خاتون کو رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کو رکھنا بلاشبہ جائز ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ٣]

وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية، أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها، رضيت بذلك أولم ترض. (هداية، أشرفي ديوبند ٢/ ٣٩٤)

والجماع في العدة رجعة، وكذلك المس بشهوة، والتقبيل بشهوة، وكذلك النظر إلى الفرج بشهوة. (تاتارخانية، زكريا ديوبند ٥/ ١٣٩، برقم: ٧٤٨١)

وإذا كان للرجل امرأتان حرتان، فعليه أن يعدل بينهما في القسم بكرين كانتا أو ثيبين؛ لقوله عليه السلام: من كانت له امرأتان ومال إلى أحدهما في القسم جاء يوم القيامة وشقه مائل. (هداية، أشرفي ديوبند ٢/ ٣٤٩)

يجب عليه التسوية بين الحرتين والأمتين في المأكول والمشروب، والملبوس، والسكنى، والبيتوتة. الخ (شامي، كراچى / ٢٠٢، زكريا ٤/ ٣٧٨، أشرفي ٤/ ٢٨٢) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۲؍ رجب ۱۴۳۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۹/ ۱۰۷۵۹)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۲۲؍ ۷؍ ۱۴۳۳ھ

دوسری شادی کرنے کے لئے پہلی بیوی کی اجازت ضروری ہے؟

سوال [۵۳۴۰]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میری لڑکی صابرہ کی شادی غلام نبی کے ساتھ ہوئی، تقریباً دس سال ہوگئے، اس دوران میں ایک لڑکا جس کی عمر ۹ر سال ہوگئی ہے، اور ایک لڑکی جس کی عمر چھ سال ہوگئی ہے، دونوں بچے موجود ہیں، غلام نبی نے عورت کے اخراجات بھی پورے نہیں کئے، اب دس سال کے بعد بغیر اس عورت کی مرضی کے اور عورت کے فرماں بردار ہوتے ہوئے دوسری شادی کرلی ہے، پہلی عورت یعنی صابرہ ان کے پاس رہنا نہیں چاہتی؛ کیوں کہ شوہر لڑکی کے اخراجات پورے نہیں کرتا، اور غلام نبی طلاق اس شرط پر دیتا ہے کہ پہلے مجھے ۲۵ر لاکھ روپئے دو اور میرے بچے یعنی لڑکا اور لڑکی دونوں مجھے دے دو، اس شرط پر طلاق دیتا ہوں، لڑکی کے والدین ۲۵ر لاکھ روپے دینے کی بالکل طاقت نہیں رکھتے اور ماں بچوں کو اپنے پاس سے جدا کرنے کے لئے تیار نہیں؛ کیوں کہ دونوں بچے بھی اپنے والد کے پاس جانے کو تیار نہیں ہیں، اب ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے طلاق کی کیا شکل ہے؟ شریعت مطہرہ اس بارے میں کیا کہتی ہے اور لڑکی نکاح ثانی کب کرسکتی ہے؟ جواب سے جلد نوازیں۔

نوٹ: شوہر نے تمام زیور بھی برباد کردیا ہے، کیا عدالت سے طلاق لے سکتے ہیں یا نہیں؟

المستفتی: قاری محمد اسماعیل صاحب جامع مسجد جونا کھار الیس وی روڈ، ممبئی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کو دوسری شادی کرنے میں موجودہ بیوی سے اجازت لینے کی شرعاً ضرورت نہیں ہے، شوہر اپنی مرضی سے جب چاہے، دوسری شادی کرسکتا ہے، اس میں موجودہ بیوی کو رکاوٹ پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ۳]

اور غیر شرعی عدالت سے طلاق لینے سے شرعی طور پر اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور عورت دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز نہیں ہوگی۔ اور اگر شوہر حقوقِ زوجیت ادا کر کے لے جانے پر تیار ہوجائے تو عورت کو شوہر کے ساتھ جانا لازم ہوگا۔ اور طلاق کا مطالبہ جائز نہیں ہوگا۔ اور اگر واقعی اخراجات اور حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا ہے، تو بمبئی کے محکمہ شرعیہ میں عورت اپنی شکایات پیش کردے اور محکمہ شرعیہ حالات کی تحقیق کر کے شرعی حکم نافذ کردے گا۔ اور عدالتی طلاق معتبر نہیں ہوگی۔

وقد اتفق أئمة الحنفية والشافعية على أنه يشترط لصحة الحكم، واعتباره في حقوق العباد الدعوى الصحيحة، وأنه لابد في ذلك من الخصومة للشرعية. (شامي، كتاب القضاء، مطلب الحكم الفعلي، زكريا ۸/ ۲۳، كراچی ۵/ ۳۵٤)

لم ينفذ حكم الكافر على المسلم. (البحرالرائق، باب التحكيم، زكريا ۷/ ٤۲، كراچی ۷/ ۲۵، شامي، زكريا ۸/ ۱۲۸، كراچی ۵/ ٤۲۸) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۵/۱۷۶۶)

پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنا

سوال [۵۳۴۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) زید کو شادی کئے ہوئے تقریباً پچیس سال ہوگئے اور چار لڑکیاں بھی ہوئی، مگر اب زید کہتا ہے کہ ہم دوسری شادی کریں، تا کہ اس سے لڑکا ہو، دوسری شادی کے متعلق پہلے تو دل ہی دل میں رکھا تھا، مگر اب بالکل بین طور پر کہتا ہے، اور واقعی شادی کر بھی لے گا اس کے پاس اتنی مالیت بھی ہے کہ دونوں بیویوں کا حق کما حقہ ادا کرسکتا ہے، مگر اس کی بیوی سلمہ کہتی ہے کہ اگر شادی کرلی تو میں خودکشی کرلوں گی اور اور واقعی اگر زید نے دوسری شادی کرلی تو اس کی بیوی سلمہ خودکشی کرلے گی۔

(ب) زید کی پہلی بیوی شکل وصورت کے اعتبار سے خوبصورت بھی نہیں ہے، تو اب دونوں صورتوں میں زید کیا کرے؟ مفصل مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد زبیر ڈرھیال، ضلع رامپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت کی طرف سے زید کو دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے، جب کہ دونوں بیویوں کے حقوق اور دونوں کے درمیان برابری بھی قائم کرسکتا ہو۔

وللحر أن يتزوج أربعا من الحرائر. (فتاوی عالمگري، كتاب النكاح، الباب الثالث في المحرمات، القسم الرابع المحرمات بالجمع، زكريا ١/ ٢٧٧، جديد ١/ ٣٤٣، البحرالرائق، كراچی ٣/ ١٠٥، زكريا ٣/ ١٨٦، الدرالمختار كراچی ٣/ ٤٨، مصري ٢/ ٤٠٠، زكريا ٤/ ١٣٨)

إذا كان للرجل امرأتان حرتان، فعليه أن يعدل بينهما في القسم. (هداية، باب القسم، أشرفي ديوبند ٢/ ٣٤٩)

پہلی بیوی کی ناراضگی اس میں کوئی اثر انداز نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم ۷/ ۲۲۵)

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ٣]

البتہ مصلحتاً پہلی بیوی کی اجازت اور اس کو راضی کر کے کرے تو بہتر ہے۔ (فتاوی دارالعلوم ۷/ ۲۲۵) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۰۲۴)

مرد کو چار شادیوں کا اختیار ہے، عورت اس میں مخل نہیں ہوسکتی

سوال [۵۳۴۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکا جس کی شادی کو قریب پانچ سال ہو چکے ہیں، ابھی تک کوئی اولاد

نہیں ہے، لڑکا صحیح ہے اور بیوی کی ڈاکٹری بھی کرا چکا ہے، ڈاکٹروں نے بھی فیل کردیا ہے، اب وہ لڑکا دوسری شادی کرنا چاہتا ہے، تاکہ اولاد ہونے سے نام چلے؛ لیکن لڑکی کے رشتہ دار اس سے مہینہ مکان لکھوانا چاہتے ہیں؛ لیکن لڑکا جیسے بیوی رہتی رہی ہے بہ خوشی رکھنا چاہتا ہے، لڑکی والے زور ڈال رہے ہیں کہ مہینہ مکان لکھنا پڑے گا، تو وہ اس بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ جواب چاہئے۔

المستفتی: اشفاق احمد، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت اسلامی میں مرد کو بشرط ادائے گی حقوق چار تک بیویاں رکھنا جائز ہے، دوسری شادی کرنے میں موجودہ بیوی کو اعتراض کا شرعاً کوئی حق نہیں؛ البتہ شوہر پر دونوں بیویوں کے درمیان ہر چیز میں برابری کا معاملہ رکھنا واجب ہے، ورنہ گنہگار رہوگا۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. [النساء: ۳] (فتاوی دارالعلوم ۷/ ٤٧)

إذا كان للرجل امرأتان حرتان، فعليه أن يعدل بينهما في القسم. (هداية، باب القسم، أشرفي ديو بند ٢/ ٣٤٩)

اور موجودہ بیوی کے ساتھ رہ کر حدود اللہ کے دائرہ میں زندگی گذارنا ممکن ہو، تو طلاق نہ دینا بہتر ہے، اور مکان نام کردینا بھی شوہر پر لازم نہیں، اگر حدود اللہ کے دائرہ سے باہر ہونے کا خطرہ ہو تو طلاق دے دینی چاہئے۔

ولا يجب على الزوج تطليق الفاجرة، ولا عليها تسريح الفاجرة إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا. الخ (الدرالمختار، کوئٹہ ٢/ ٣١٨، کراچی ٣/ ٥٠، زكريا ٤/ ٤٣، ١٤٤)

إيقاعه مباح –إلى قوله– بل يستحب لو مؤذية. الخ، وفي الشامي: المؤذية له أو لغيره بقولها أو بفعلها. (الدرالمختار کوئٹہ ٢/ ٤٥١، کراچی ٣/ ٢٢٩، زكريا ٤/ ٤٢٧، ٤٢٨) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۸۰۷)

۹/ باب نکاح المکرہ

نکاح بالجبر کی ایک صورت

سوال [۵۳۴۳]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی زید سے محبت کرتی تھی، اس کے والدین نے کافی منع کیا اور تنبیہ بھی کی باوجود اس کے نہیں مانی، اچانک رات میں اٹھ کر زید کے گھر چلی گئی، صبح کو لڑکی کے والد جبراً زید کے گھر سے لے آئے اور لڑکی کے والد نے اپنے چچا زاد بھائی سے نکاح پڑھوا دیا؛ لیکن یہ نکاح لڑکی کے منشا کے خلاف تھا، لڑکی عاقلہ بالغہ باکرہ تھی، لڑکی نے مجبوراً جب کہ اس کو گولی مارنے کی دھمکی دی گئی روتے ہوئے ہاں کرنے کے بعد دستخط کردئے، بعد رخصتی کے اسی دن رات کو جب کہ خلوت صحیحہ تک نہیں ہوئی تھی، لڑکی زید کے ساتھ فرار ہوگئی اور اس نے نگینہ میں زید مذکور کے ساتھ نکاح کرلیا، سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح جبراً نکاح منعقد ہوجاتا ہے؟ صورت مسئولہ میں دونوں نکاحوں میں کونسا نکاح صحیح ہوا اول یا ثانی؟ والدین اپنی بیٹی سے تعلق رکھنے کے شرعاً مجاز ہیں یا نہیں کیا حکم ہے۔

المستفتی: نسیم احمد افضل گڑھ محلّہ گوہر علی خان، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں اس لڑکی کا نکاح باپ نے چچا زاد بھائی کے ساتھ جبراً جو کیا ہے وہ صحیح ہوچکا ہے؛ اس لئے کہ جبر واکراہ کے ساتھ بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے، جب کہ لڑکی نے ہاں کہہ دیا ہے؛ لہٰذا دوسرا نکاح جو بعد میں زید کے ساتھ بھاگ کر نگینہ جاکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا ہے؛ لہٰذا زید کے ساتھ رہنا حرام کاری ہوگی۔

وإن أكره على النكاح جاز العقد. الخ (الجوهرة، كتاب الإكراه، إمداديه ملتان ۲/ ۳۵۵، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳۳۷)

وإذا أكرهت المرأة على النكاح، ففعلت، فإنه يجوز العقد. (هندية زكريا ١/ ٢٩٤، جديد زكريا ١/ ٣٦٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۳؍ رجب ۱۴۱۲ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۸/ ۲۷۶۹)

جبراً نکاح کا حکم

سوال [۵۳۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: دادا نے اپنے پوتے کا رشتہ اپنی حیات میں اپنی سالی کی پوتی سے کیا، جس وقت لڑکے کی عمر تقریباً ۱۲؍ سال اور لڑکی کی عمر تقریباً ۱۱؍ سال تھی، اس کے دو سال کے بعد لڑکے کے دادا کا انتقال ہو گیا، موجودہ صورت یہ ہے کہ لڑکے کی عمر ۲۳؍ سال اور پچھلے ڈیڑھ سال سے مسلسل لڑکا اپنے گھر والوں سے اور لڑکی کے گھر والوں سے اس رشتہ کو لڑکی پسند نہ ہونے کی وجہ سے منع کر رہا ہے، اس کے باوجود بھی دونوں کے گھر والے اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے جبراً دونوں کے نکاح کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں، حد تو یہ ہے کہ لڑکے نے خود لڑکی اور لڑکی کے سارے گھر والوں سے نکاح کے لئے اپنی نامرضی ظاہر کی، پر اس کے جواب میں لڑکی کے دادا جبراً نکاح کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لڑکے کے باپ کو اس بات کے لئے راضی کر لیا ہے، کچھ ضروری باتیں: لڑکا بالغ ہے، کاروبار میں اچھی کمائی کرتا ہے، اپنے فیصلے خود لینے کی سمجھ رکھتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر اسی طرح سے زور زبردستی سے نکاح کرایا جاتا ہے، تو وہ نکاح کس حد تک جائز ہے؟ اور اس کا کیا وجود ہوگا، مہربانی کر کے جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: محمد زبیر پیر غیب، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: باپ دادا کے لئے نابالغ بچوں کا رشتہ طے کرنا

جائز ہے، جب کہ اس وقت نکاح نہیں ہوا ہے، تو بالغ ہو جانے کے بعد بچوں کو اس رشتہ کے باقی رکھنے اور ختم کرنے کا اختیار ہوتا ہے، جب لڑکا اس رشتہ کو پسند نہیں کر رہا ہے، تو شرعی طور پر اسی لڑکی سے شادی کرنے پر لڑکے کو مجبور کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے جائز نہیں ہے، بلکہ شادی میں بالغ لڑکے کی مرضی کا خیال رکھنا ماں باپ اور رشتہ داروں پر لازم ہے، حتی کہ حدیث شریف میں اس بات کی بھی اجازت آئی ہے کہ لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو دیکھ کر پسند کریں، اگر پسند ہو تو نکاح کریں اور پسند نہ ہو تو نکاح نہ کریں، پھر بھی اگر ماں باپ اور رشتہ دار لڑکے کے اوپر اسی لڑکی سے نکاح کرنے کے لئے ناجائز دباؤ ڈال کر نکاح پر مجبور کر دیتے ہیں اور وہ بوقت نکاح اگر صراحت کے ساتھ ایجاب وقبول نہیں کرتا ہے، تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اور ایسے مجبور کرنے کی صورت میں صرف ہاں کہہ دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوگا؛ بلکہ صراحت کے ساتھ یہ کہنا پڑے گا کہ میں اس کو اپنے نکاح میں قبول کرتا ہوں، ماں باپ اور رشتہ داروں کو یہ بات بھی سوچنی چاہئے کہ جوان لڑکا جب رشتہ قبول کرنے پر راضی نہیں ہے اور زبردستی قبول کرالیا جائے اور بعد میں لڑکا طلاق دے دے تو خواہ مخواہ ایک صاف ستھری لڑکی کو داغدار بنانا ہے، یہ لڑکی کے اوپر سخت ترین ظلم ہے۔

عن المغيرة بن شعبة –رضي الله عنه– أنه خطب امرأة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أنظر إليها، فإنه أحرى أن يؤدم بينكما. (ترمذي شريف، أبواب النكاح، باب ماجاء في النظر إلى المخطوبة، النسخة الهندية ۱/ ۲۰۷، دارالسلام، رقم: ۱۰۷۸)

ولا تجبر البالغة البكر، ولا الحر البالغ على النكاح لانقطاع الولاية بالبلوغ. (شامي مع درمختار، كتاب النكاح، باب الولي، كراچی ۳/ ۵۸، زكريا ٤/ ۱۵۹)

لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها. (عالمگيرى، زكريا ۱/ ۲۸۷، جديد ۱/ ۳۵۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

۳/ رجب ۱۴۳۴ھ

(الف فتویٰ نمبر: ۴۰/ ۱۱۱۷۸)

کیا جبراً قبول کرانے سے نکاح منعقد ہو جائے گا

سوال [۵۳۴۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: ایک لڑکی راستے سے گذر رہی تھی، کسی لڑکے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، شور مچانے کے بعد جب لوگوں کے سامنے پیشی ہوئی تو لڑکی کہہ رہی ہے کہ میرا ہاتھ پکڑا ہے، اور لڑکا انکار کرتا ہے، آخر کار لوگوں نے ان کی شادی کرانی چاہی؛ لیکن لڑکا انکار کرتا رہا، ساتویں مرتبہ قبول نہ کرنے پر زبردستی قبول کرایا گیا، لڑکے نے قبول بھی کرلیا، کیا یہ نکاح شریعت کے مطابق صحیح ہوا یا نہیں؟ جواب مع الدلیل عنایت فرمائیں، بینوا توجروا

المستفتی: محمد رفاقت حسین، بھاگلپور، متعلم جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ کے درج شدہ حالات میں زبردستی نکاح قبول کرنے کی وجہ سے منعقد ہو گیا ہے۔

وإن أكره على النكاح جاز العقد. الخ (الجوهرة النيرة، كتاب الإكراه، إمداديه ملتان ۲/ ۳۵۵، دارالكتاب ديوبند ۲/ ۳۳۷)

وإذا أكرهت المرأة على النكاح، ففعلت، فإنه يجوز العقد. (هندية زكريا ۱/ ۲۹٤، جديد ۱/ ۳٦۰) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۲۵؍ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۲۴/ ۱۱۶۱)

زبردستی لڑکی کا نکاح کرنا اور لڑکی کا شوہر کے ساتھ چھ سال رہنا

سوال [۵۳۴۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل

کے بارے میں: ہندہ انٹر تک پڑھی ہوئی ہے، جب نکاح کے وقت وکیل اور گواہوں نے اجازت مانگی تو لڑکی نے ہاں کرنے سے انکار کردیا اور دستخط بھی نہیں کیئے، اس کے باوجود لڑکی کی پھوپھی نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر انگوٹھا لگوادیا جب بھی وہ انکار کرتی رہی کہ میرا نکاح نہیں ہوا، اس کے باوجود لڑکی تقریباً چھ سال تک اس لڑکے کے ساتھ رہی، ایک لڑکا بھی پیدا ہوا، مگر ان چھ سالوں کے درمیان یہ کہتی رہی کہ میرے باپ چچاؤں نے زبردستی مجھے اس لڑکے کے ساتھ بھیج دیا ہے، اور شوہر ماننے سے انکار کرتی رہی، شوہر نے لڑکی کی بدتمیزی کی وجہ سے تین طلاق دے دیں، لڑکی اور لڑکے کے گھر والے اس بات پر راضی ہیں کہ اگر مسئلہ میں کوئی گنجائش ہے تو پھر سے یہ گھر آباد ہوسکتا ہے؛ لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اور یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

المستفتی: حافظ مجیب الرحمٰن سور بازار سہرسہ، بہار

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وکیل اور گواہوں سے انکار کردینے کے بعد زبردستی ہاتھ پکڑ کر انگوٹھا لگایا گیا، اس کے بعد نکاح ہوا، پھر رخصتی کے وقت برضا رخصت ہوگئی اور پہلی مرتبہ شوہر کو برضا تمکین بھی دے دی، تو ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوگیا ہے بعد میں چاہے انکار کرتی رہی ہو، اور پھر جتنے دن شوہر کے ساتھ رہی ہے، وہ جائز طریقہ سے رہنا ثابت ہوگا اور اب شوہر نے جو طلاق دی ہے، وہ طلاق بھی واقع ہوجائے گی۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ قدیم ۳/ ۲۴۰، جدید ڈابھیل ۱۰/ ۶۴۷)

إذا ثبت الرضا بالقول يثبت بالتمكن من الوطء بالأولى؛ لأنه أدل على الرضا. (شامي، باب الولي، كراچی ۳/ ۶۲، زكريا ٤/ ١٦٥)

وإنما يبطل خيارها إذا رضيت بالنكاح صريحا، أو يوجد منها فعل يستدل به على الرضا كالتمكين من الجماع. (هندية، زكريا ۱/ ۲۸٦، جديد ۱/ ۳٥۲)

بل رضاها هنا يتحقق تارة بالقول كقولها: رضيت ...... وتارة بالدلالة

كطلب مهرها، ونفقتها أو تمكينها من الوطء ...... أن الكل من قبيل القول إلا التمكين، فيثبت بدلالة نص إلزام القول؛ لأنه فوق القول. (البحرالرائق، زکریا ۳/ ۲۰۳، ۲۰٤، کوئٹه ۳/ ۱۱۵-۱۱٦) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۵/ ۶۷۳۵)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۶/۷ھ

زبردستی نکاح کرانے سے نکاح کا انعقاد

سوال [۵۳۴۷]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: (۱) اگر کسی سے نکاح کرنے پر لڑکا یا لڑکی رضامند نہ ہوں اور ان کے اولیاء یا رشتہ دار زبردستی لڑکا یا لڑکی سے ایجاب وقبول کرائیں تو یہ شرعاً کیسا ہے؟ کیا اس صورت میں نکاح ہو جائے گا، جب کہ لڑکا اور لڑکی راضی نہیں ہیں، نیز جبراً ایجاب وقبول کرانے کی صورت میں اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ جبراً ایجاب وقبول کرنے والے یا کرانے والے اولیاء؟

(۲) اگر کوئی اولاد والدین کی اطاعت وفرماں برداری کے پیش نظر ان کے حسب خواہش شخص سے نکاح کر لے، تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

المستفتی: محمد ناصر بن عبد الرشید صاحب، آزادنگر کرولہ، مرادآباد

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) اگر زبردستی ایجاب وقبول کرالیا اور لڑکا یا لڑکی نے زبان سے ایجاب وقبول کرلیا تو اس سے نکاح تو منعقد ہو جائے گا؛ لیکن والدین کے لئے یہ عمل جائز نہیں، ان کی ازدواجی زندگی میں اگر توڑ پیدا ہوتا ہے اور تلخی پیدا ہوتی ہے، تو اس کا گناہ ماں باپ پر ہوگا۔ اور نکاح اس لئے منعقد ہو جاتا ہے کہ نکاح اور طلاق کے صحیح ہونے کا مدار الفاظ کے استعمال پر ہے؛ لہٰذا اگر مذاق میں بھی لڑکا لڑکی دو آدمی کے سامنے

ایجاب وقبول کرلیں تو اس سے بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر شوہر نے مذاق میں طلاق کا لفظ استعمال کرلیا ہے تو اس سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اوراسی سے چوتھے سوال کا جواب بھی ہوگیا۔

عن أبي هريرة –رضي الله عنه– أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ثلث جدهن جد، وهزلهن جد، النكاح، والطلاق، والرجعة. (أبوداؤد شريف، باب في الطلاق على الهزل، النسخة الهندية ١/ ٢٩٨، دارالسلام، رقم: ٢١٩٤، سنن الترمذي، باب ماجاء في الجد والهزل في الطلاق، النسخة الهندية ١/ ٢٢٥، دارالسلام، رقم:١١٨٤)

نكاح المكره صحيح. (فتاوى شامي، زكريا ٤/ ٨٧، كراچی ٣/ ٢١)

فيجوز نكاح المكره عندنا. (بدائع الصنائع زكريا ٢/ ٦٠٢، كراچی ٢/ ٣١٠)

وكذلك الجد ليس من شرائط جواز النكاح حتى يجوز نكاح الهازل؛ لأن الشرع جعل الجد والهزل في باب النكاح سواء. (بدائع الصنائع، زكريا ٢/ ٦١٢، كراچی ٢/ ٣١٠) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ
۱۴؍ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۶/ ۷۶۰۱)

الجواب صحیح:
احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۳/۴/۱۴ھ

لڑکی کو نکاح پر مجبور کرنا اور رات گذارنا

سوال [۵۳۴۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں: میرے بھائی کی شادی ۲۰؍مئی کو قصبہ سہسپور ضلع بجنور محلہ حکیم پورہ، حافظ ذوالفقار صاحب کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ نکاح ہوگیا، رخصتی میں دیر ہوگئی، کچھ لوگوں نے وکیل صاحب سے کہا کہ جلدی کرو، وکیل صاحب نے بتایا لڑکی بیہوش ہے گرمی کی وجہ سے۔

(۲) لڑکی کا وکیل باہر آکر بولا میں اتنا بڑا بوجھ اپنے ذمہ نہیں لوں گا؛ کیوں کہ لڑکی نے اجازت نہیں دی ہے، یہ بات بیچ والے حکیم زین العابدین نے سنی تو وہ دوبارہ وکیل کو لے گئے کہ تم دوبارہ اجازت لاؤ، وہ دوبارہ گئے تو حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ اندر سے آواز آئی کہ ہاں جی ہاں جی، یہ آواز لڑکی کی ماں کی تھی، اب وکیل صاحب کہتے ہیں کہ لڑکی نے دستخط دوسری لڑکی سے ہاتھ پکڑ کر کرائے ہیں؛ کیوں کہ لڑکی کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔

(۳) زید کہتا ہے کہ جب لڑکی کی حالت ٹھیک نہیں تھی تو اس کی مرضی کیسے جانی جائے تو وکیل صاحب کا کہنا ہے کہ وہ ہوش میں نہیں تھی، اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، دوسری لڑکی نے دستخط کئے۔

(۴) زید کہتا ہے کہ اس حالت میں نماز بھی نہیں ہوتی؛ کیوں کہ لڑکی کی حالت ٹھیک نہیں ہے، تو اس حالت میں نکاح کی اجازت بھی نہیں مانی جائے گی؟

(۵) اب لڑکے کا کہنا ہے کہ جب میں لڑکی کے پاس گیا تو لڑکی نے کہا: میرا شبو میرا شبو یہ لڑکے نے معلوم کیا تو خاموش ہوگئی۔

(۶) لڑکے کا کہنا ہے کہ لڑکی نے مجھ سے کہا کہ نہ میں نے دستخط کئے ہیں نہ میں نے اجازت دی۔

(۷) لڑکی نے یہ بھی لڑکے سے کہا کہ اب میں جا کر نہیں آؤں گی۔

(۸) یہ لڑکی کے والد کا کہنا ہے کہ لڑکی تم سے ڈرتی ہے، تم جب گھر آتے ہو تو لڑکی گھبراتی ہے، ابھی لڑکی صرف ایک رات رہی ہے، ہم سے گھبراتی ہے، کسی سے نہیں گھبراتی ڈرتی، ایسا کیوں ہے؟

(۹) زید کا کہنا ہے کہ لڑکی کی شاید مرضی تم سے ملنے کی نہ ہو، یا تمہارے یہاں نہ رہنا چاہتی ہو؛ اس لئے لڑکی کو اور لڑکے کو بلا کر دونوں کا سامنا کرادیا جائے اور وہاں دو تین دیندار لوگ موجود ہوں۔

(۱۰) حکیم زین العابدین اور مولانا مسعود صاحب کا مشورہ ہوا کہ یہ نکاح فسخ

ہوجائے گا؛ کیوں کہ ہم مطمئن نہیں ہیں، اگر نوبت ایسی آئی تو دوبارہ نکاح کرادیں گے، کیا ایسا کرنا درست وصحیح ہے؟ وضاحت فرمائیں

المستفتی: قاری مہتاب عالم امام اسٹیشن والی مسجد، بجنور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال جب لڑکی نے بوقت نکاح اجازت نہیں دی اور نہ ہی دستخط کئے، تو مذکورہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا اور نہ ہی مہر وغیرہ کا تحقق ہوگا؛ بلکہ لڑکی بالکل آزاد ہے، اپنی مرضی سے دوسری جگہ اپنا نکاح کرسکتی ہے؛ لیکن سوال نامہ میں لڑکی کا ایک رات لڑکے کے یہاں رہنا بھی مذکور ہے، اگر بلا جبر واکراہ لڑکی نے وطی پر قدرت دے دی ہے تو اب لڑکی کا انکار مقبول نہ ہوگا؛ بلکہ نکاح لازم ہوجائے گا۔ اور اگر وطی نہیں ہوئی یا زبردستی اور دباؤ سے وطی کی ہے، تو اس کو رضا پر محمول نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ نکاح باطل ہوگا۔ اور لڑکی کو الگ نکاح کرنے کا شرعاً حق حاصل ہوگا۔

وإن فعل هذا غير الولي يعني استأمر غير الولي (وقوله) لم يكن رضا حتى تتكلم به؛ لأن هذا السكوت لقلة الالتفات إلى كلامه، فلم يقع دلالة على الرضا. (هداية، أشرفي بك ڈپو ديوبند ٢/ ٣١٤)

قال الزوج للبكر البالغة: بلغک النكاح، فسكت وقالت: رددت النكاح ولا بينة لهما على ذلک، ولم يكن دخل بها طوعا في الأصح، فالقول قولها بيمينها، وأما إذا دخل بها طوعا حيث لا تصدق في دعوى الرد في الأصح؛ لأن التمكين من الوطي كالإقرار. (درمختار مع الشامي، زكريا ٤/ ١٦٧، كراچی ٣/ ٦٣، هندية زكريا ١/ ٢٨٩، جديد ١/ ٣٥٥) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ	الجواب صحیح:
۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ	احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
(الف فتویٰ نمبر: ۳۷/ ۸۸۰۵)	۱۴۲۶/۵/۶ھ

○❖○